

انبیاء علیہم السلام کے بعد دنیا کے ممتاز ترین انسانوں کی سرگزشت حیات

سید الصحابة رضی اللہ عنہم

خلفائے راشدین

①

www.KitaboSunnat.com

دارالاشاعت کراچی

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

معزز قارئین توجہ فرمائیں!

کتاب وسنت ڈاٹ کام پر دستیاب تمام الیکٹرانک کتب

← عام قاری کے مطالعے کے لیے ہیں۔

← مجلس التحقیق الاسلامی کے علمائے کرام کی باقاعدہ تصدیق و اجازت کے بعد آپ لوڈ (Upload)

کی جاتی ہیں۔

← دعوتی مقاصد کی خاطر ڈاؤن لوڈ، پرنٹ، فوٹو کاپی اور الیکٹرانک ذرائع سے محض مندرجات نشر و اشاعت کی مکمل اجازت ہے۔

☆ تنبیہ ☆

← کسی بھی کتاب کو تجارتی یا مادی نفع کے حصول کی خاطر استعمال کرنے کی ممانعت ہے۔

← ان کتب کو تجارتی یا دیگر مادی مقاصد کے لیے استعمال کرنا اخلاقی، قانونی و شرعی جرم ہے۔

﴿اسلامی تعلیمات پر مشتمل کتب متعلقہ ناشرین سے خرید کر تبلیغ دین کی کاوشوں میں بھرپور شرکت اختیار کریں﴾

← نشر و اشاعت، کتب کی خرید و فروخت اور کتب کے استعمال سے متعلقہ کسی بھی قسم کی معلومات کے لیے رابطہ فرمائیں۔

kitabosunnat@gmail.com

www.KitaboSunnat.com

رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ (القرآن)
اللہ ان سے راضی ہوا اور وہ اللہ سے راضی ہوئے

انبیاء کرام کے بعد دنیا کے مقدس ترین انسانوں کی سرگزشت حیات

سید الصحابة

خلفائے راشدین

جلد اول
حصہ اول

تاریخ اسلام، اسماء الرجال اور ذخیرہ احادیث کی گرانقدر کتابوں سے ماخوذ مستند حوالہ جات پر مبنی صحابہ کرام
نیز مشہور تابعین و تبع تابعین اور ائمہ کے مفصل حالات زندگی پر سب سے جامع کتاب

تحریر و ترتیب
الحاج مولانا شاہ معین الدین احمد ندوی مرحوم
سابق رفیق دارالمصنفین

اردو بازار ایم ایس جٹ روڈ
کراچی پاکستان 2213768

دارالاشاعت

بہارِ مہر
نغمات
نغمات
292
نغمات

1. Introduction

پہلی حق و معاشقوں ہوتی ہے۔ یہ ایک عید کی آمد اور عید کے دن کوئی
سے لے کر دینا، غرض کہ یہ مومنوں کے ہیں۔ پھر اسی کوئی نظر سے تو ان کے
مستحق افراد میں سے ہیں تا کہ خدا شامتیں فرستے ہوئے۔ جتنا کہ

.....

<p>۱۔ قرآن مجید کی معارف و احکامات پر مبنی</p> <p>ریٹ قرآن اور احکامات پر مبنی</p> <p>۲۔ قرآن مجید کے مکتبوں پر مبنی</p> <p>۳۔ قرآن مجید کے علوم و ادب پر مبنی [4/4] کے 40 سوالات پر مبنی</p> <p>ریٹ مکتب و مکتبوں پر مبنی</p> <p>ریٹ تعلیمات پر مبنی</p> <p>۴۔ قرآن مجید کے احکامات پر مبنی</p>	<p>۱۔ قرآن مجید کے احکامات پر مبنی</p> <p>ریٹ قرآن اور احکامات پر مبنی</p> <p>۲۔ قرآن مجید کے مکتبوں پر مبنی</p> <p>۳۔ قرآن مجید کے علوم و ادب پر مبنی [4/4] کے 40 سوالات پر مبنی</p> <p>ریٹ مکتب و مکتبوں پر مبنی</p> <p>ریٹ تعلیمات پر مبنی</p> <p>۴۔ قرآن مجید کے احکامات پر مبنی</p>
--	--

W. J. G. M. - W. J. G. M.

انٹرنیڈ میں نئے تے

Azhar Academy Ltd.
 10, State Road, London, W10 3AT
 Tel: 020 8996 9000 Fax: 020 8996 9001

ترتیب حصص

سیر الصحابہ (کامل)

جلد اول	سیر الصحابہ خلفائے راشدین	حصہ ۱
---------	---------------------------	-------

اس جلد میں سیدنا حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر فاروق، حضرت عثمان غنی، اور حضرت علی المرتضیٰ کے مکمل حالات، مستند حوالہ جات کی روشنی میں پیش کئے گئے ہیں اور ان کی عظیم الشان علمی، دینی، سیاسی و انتظامی خدمات اور ان کے دور حکومت پر سیر بحث کی گئی ہے۔

تحریر و ترتیب: الحاج مولانا شاہ معین الدین ندوی مرحوم

جلد دوم	سیر الصحابہ سیر مہاجرین (کامل ۲ حصے)	حصہ ۲-۳
---------	--------------------------------------	---------

اس جلد کے دونوں حصوں میں ان جلیل القدر مہاجر صحابہ کرام کے مفصل سوانح زندگی تحریر کئے گئے ہیں جو فتح مکہ سے پہلے اسلام لائے اور اپنے گھریلو کی قربانی دے کر مدینہ منورہ کی جانب ہجرت کی سعادت حاصل کی۔

تحریر و ترتیب: الحاج مولانا شاہ معین الدین ندوی مرحوم

جلد سوم	سیر الصحابہ سیر انصار (کامل ۲ حصے)	حصہ ۳-۵
---------	------------------------------------	---------

اس جلد کے دونوں حصوں میں ان جلیل القدر انصار اور خلفائے انصار صحابہ کرام کے مفصل سوانح زندگی بیان کئے گئے ہیں جنہوں نے تن من وھن کی بازی لگا کر رحمت عالم کی نصرت و حمایت کا فریضہ انجام دیا۔

تحریر و ترتیب: جناب مولانا سعید انصاری صاحب ریاض المسنین

جلد چہارم	سیر الصحابہ چار کبار صحابہ، ۱۵۰ اصغار صحابہ (کامل ۲ حصے)	حصہ ۶-۷
-----------	--	---------

حضرت حسن، حضرت امیر معاویہ، حضرت حسین اور حضرت عبداللہ بن زبیر کے مفصل سوانح زندگی۔ فتح مکہ کے بعد اسلام قبول کرنے والے یا صغیر السن ۱۵۰ حضرات صحابہ کے حالات کا مرقع

تحریر و ترتیب: الحاج مولانا شاہ معین الدین ندوی مرحوم

جلد پنجم	سیر الصحابہ اسوۂ صحابہ (کامل ۲ حصے)	حصہ ۸-۹
----------	-------------------------------------	---------

اس جلد کے دونوں حصوں میں صحابہ کرام کی پوری حیات طیبہ کا اجمالی نقشہ نمینپا گیا ہے اور بتایا گیا ہے کہ صحابہ

ضمیمہ جلد اول

۴

سیر الصحابہؓ خلفائے راشدین

کرامت کے عقائد، عبادات، معاملات، اخلاق، حسن معاشرت اور طرز معاشرت کا انداز کیا کچھ تھا؟ نیز صحابہ کرامؓ کی سیاسی، مذہبی، علمی خدمات کی پوری تفصیل اور ان کے مجاہدانہ کارناموں کا حال مکمل بیان کیا گیا ہے۔
تحریر و ترتیب: مولانا عبدالسلام صاحب ندویؒ مرحوم

جلد ششم سیر الصحابہؓ سیر الصحابیاتؓ، اسوۂ صحابیاتؓ، اہل کتاب صحابہؓ حصہ ۱۰-۱۱-۱۲

ازواجِ مطہرات، بناتِ طاہراتؓ اور اکابر صحابیاتؓ کے سوانح حیات۔
صحابیاتؓ کے مذہبی، علمی، معاشرتی اور اخلاقی واقعات، عظیم دینی خدمات اور صحابیات کا اسوۂ حسنہ۔
۱۹۳ اہل کتاب صحابہؓ و صحابیاتؓ اور تابعینؓ و تابعاتؓ کے سوانح اور کارنامے۔

تحریر و ترتیب: جناب مولانا سعید انصاری صاحب رفیق، اراکین (حصہ دوم)

مولانا عبدالسلام صاحب ندویؒ مرحوم (حصہ دوم)

جناب مولانا حافظ مجیب اللہ ندوی صاحب (حصہ دوم)

جلد ہفتم سیر الصحابہؓ تابعین کرام حصہ ۷

۹۶ مشہور اکابر تابعین کرام کے مفصل حالات زندگی علمی و دینی خدمات اور ان کا اسوۂ حسنہ۔

تحریر و ترتیب: الحاج مولانا شاہ معین الدین احمد ندوی مرحوم

مقدمہ و تقریظ: نواب صدرباکر جنگ بہادرؒ مولانا حبیب الرحمن شیردانیؒ

جلد ہشتم سیر الصحابہؓ تبع تابعین اول حصہ ۸

اس جلد میں انیس جلیل القدر تبع تابعینؓ کے جن میں تفسیر و حدیث اور فقہ و تصوف کے نامور آئمہ کرام بھی شامل ہیں۔ مفصل حالات زندگی بیان کر کے ان کی علمی خدمات کا مفصل تذکرہ کیا گیا ہے۔

تحریر و ترتیب: مولانا حافظ مجیب اللہ ندوی صاحب

جلد نهم سیر الصحابہؓ تبع تابعین دوم حصہ ۹

اس جلد میں مزید چوبتر ۷۴ جلیل القدر تبع تابعین کرام کے حالات و سوانح حیات درج کئے گئے ہیں۔ جنہوں نے تفسیر و حدیث، فقہ و تصوف، جہاد و معاشرت کے میدانوں میں اہم دینی خدمات انجام دیں۔

تحریر و ترتیب: جناب ڈاکٹر محمد نعیم صدیقی ندوی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اشاریہ

سیر الصحابہؓ (کامل) ۱۵ حصے ۹ جلد مجلد

اسمائے گرامی صحابہؓ و تابعینؓ و تبع تابعینؓ

صفحہ نمبر	حصہ کا نام	جلد نمبر	اسم گرامی
			الف
۱۷	خلفائے راشدین	۱	حضرت ابوبکر صدیقؓ
۳۱۳	مہاجرین اول	۲	حضرت ابوحنظلہؓ
۳۰۷	" "	۲	حضرت ابوسلمہ بن عبدالاسدؓ
۱۲۳	" "	۲	حضرت ابوعبیدہ بن الجراحؓ
۲۲۷	" "	۲	حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ
۲۸۲	" "	۲	حضرت ارقم بن ابی الارقمؓ
۸۵۷	مہاجرین دوم	۲	حضرت آنسہ (ابوسروح)ؓ
۵۶۰	" "	۲	حضرت ابان بن سعید بن العاصؓ
۲۸۹	" "	۲	حضرت ابن ام مکتومؓ
۵۴۸	" "	۲	حضرت ابواحمد بن جحشؓ
۵۹۹	" "	۲	حضرت ابورزہ اشعریؓ
۵۴۲	" "	۲	حضرت ابوزرہ سلمیؓ
۵۸۶	" "	۲	حضرت ابوذر غفاریؓ
۵۱۰	" "	۲	حضرت ابورافعؓ
۵۹۹	" "	۲	حضرت ابورہم اشعریؓ
۵۵۶	" "	۲	حضرت ابورہم غفاریؓ
۵۸۳	" "	۲	حضرت ابوسبرہ بن ابورہمؓ
۵۹۶	" "	۲	حضرت ابوسنان بن مخصنؓ

صفحہ نمبر	حصہ کا نام	جلد نمبر	اسم گرامی
۵۶۹	مہاجرین دوم	۲	حضرت ابوقلیبہؓ
۵۷۸	" "	۲	حضرت ابوقیس بن حارثؓ
۵۷۹	" "	۲	حضرت ابوکبشہؓ
۵۸۱	" "	۲	حضرت ابو مرشد غنویؓ
۵۷۱	" "	۲	حضرت ابو ہریرہ دوکیؓ
۶۰۶	" "	۲	حضرت اربد بن حمیرؓ
۴۱۱	" "	۲	حضرت اسامہ بن زیدؓ
۵۹۲	" "	۲	حضرت اسود بن نوفلؓ
۱۰۹	انصار اول	۳	حضرت ابویوب انصاریؓ
۱۱۹	" "	۳	حضرت انس بن نضیرؓ
۱۲۱	" "	۳	حضرت انس بن مالکؓ
۱۴۱	" "	۳	حضرت ابی بن کعبؓ
۱۶۱	" "	۳	حضرت ابوطحہ انصاریؓ
۱۷۱	" "	۳	حضرت ابوالدرداءؓ
۱۸۵	" "	۳	حضرت ابوسعید خدریؓ
۱۹۳	" "	۳	حضرت ابوسعود بدریؓ
۱۹۵	" "	۳	حضرت ابوقادورؓ
۲۰۱	" "	۳	حضرت اسید بن خضیرؓ
۲۰۷	" "	۳	حضرت ابو جاثہؓ
۲۰۹	" "	۳	حضرت ابوالیسر کعب بن عمروؓ
۲۱۱	" "	۳	حضرت ابولبابہؓ
۲۱۵	" "	۳	حضرت ابوالہیثم بن التیہانؓ
۲۱۹	" "	۳	حضرت اسعد بن زرارہؓ
۲۲۳	" "	۳	حضرت ابوقیس صرمہؓ
۲۲۷	" "	۳	حضرت ابو حمید بن ساعدیؓ
۲۲۹	" "	۳	حضرت اصیرمؓ
۲۳۱	" "	۳	حضرت ابو زید عمرو بن الخطابؓ

صفحہ نمبر	حصہ کا نام	جلد نمبر	اسم گرامی
۲۳۳	انصار اول	۳	حضرت ابو عمرہؓ
۲۳۵	" "	۳	حضرت اوس بن خولیؓ
۲۳۷	" "	۳	حضرت ابوجہش بن جبرؓ
۲۳۹	" "	۳	حضرت ابوزیدؓ
۲۴۱	" "	۳	حضرت ابواسید ساعدیؓ
۵۵۱	انصار دوم	۳	حضرت ابو بردہ بن نیارؓ
۴۵	سیر الصحابہ ششم	۴	حضرت امیر معاویہؓ
۲۵۹	سیر الصحابہ ہفتم	۴	حضرت ابن ابی اوفیؓ
۲۶۰	" "	۴	حضرت اسماء بن حارثہؓ
۲۶۱	" "	۴	حضرت اسیرؓ
۲۶۲	" "	۴	حضرت اسود بن سریقؓ
۲۶۳	" "	۴	حضرت اقرع بن حابسؓ
۲۶۵	" "	۴	حضرت امراؤ القیسؓ
۲۶۶	" "	۴	حضرت انیس بن ابی مرثد غنویؓ
۲۶۷	" "	۴	حضرت ابہان بن صفیؓ
۲۶۸	" "	۴	حضرت ایمن بن خرمؓ
۲۵۹	" "	۴	حضرت ابوامامہ باہلیؓ
۲۶۲	" "	۴	حضرت ابوبصیرؓ
۲۶۳	" "	۴	حضرت ابوبکرہؓ
۲۶۰	" "	۴	حضرت ابو جہم بن حذیفہؓ
۲۶۷	" "	۴	حضرت ابوجندل بن سہیلؓ
۲۶۹	" "	۴	حضرت ابوثعلبہ خثیؓ
۲۷۰	" "	۴	حضرت ابورفاعہ عدویؓ
۲۷۱	" "	۴	حضرت ابوسفیان بن حارثؓ
۲۷۵	" "	۴	حضرت ابوسفیان بن حربؓ
۲۸۶	" "	۴	حضرت ابوشریحؓ
۲۸۸	سیر الصحابہ ہفتم	۴	حضرت ابوالعاصؓ

صفحہ نمبر	حصہ کا نام	جلد نمبر	اسم گرامی
۴۹۱	سیر الصحابہ ہفتم	۴	حضرت ابو عامر اشعریؓ
۴۹۳	" "	۴	حضرت ابو عسیبؓ
۴۹۳	" "	۴	حضرت ابو عمرو بن حفصؓ
۴۹۴	" "	۴	حضرت ابو مالک اشعریؓ
۴۹۵	" "	۴	حضرت ابو مجن ثقفیؓ
۴۹۶	" "	۴	حضرت ابو محمد ذرہؓ
۴۹۸	" "	۴	حضرت ابو واقد لیثیؓ
۳۵۷	سیر الصحابہ ۱۱۲ اہل کتاب	۶	حضرت ابرہہؓ
۳۵۹	" "	۶	حضرت ادریسؓ
۳۵۹	" "	۶	حضرت اسید بن سعیدؓ
۳۶۰	" "	۶	حضرت اسید بن عبیدؓ
۳۶۱	" "	۶	حضرت اسد بن کعب القرظیؓ
۳۶۲	" "	۶	حضرت اسید بن کعب القرظیؓ
۳۶۲	" "	۶	حضرت اشرف حبشیؓ
۴۳۲	" "	۶	حضرت ابو سعید بن وہبؓ
۴۳۳	" "	۶	حضرت ابو مالکؓ
۴۳۳	" "	۶	ایک یہودی غلامؓ
۴۳۵	" "	۶	حضرت ادیم تغلبی رحمۃ اللہ علیہ
۴۳۶	" "	۶	حضرت ارمی بن النجاشی رحمۃ اللہ علیہ
۴۳۶	" "	۶	حضرت اصغ بن عمرو رحمۃ اللہ علیہ
	" "	۶	حضرت اصمہ نجاشی شاہ حبشہ رحمۃ اللہ علیہ
	سیر الصحابہ ۱۱۳ تابعین	۷	حضرت ابراہیم بن یزید تمیمی رحمۃ اللہ علیہ
۱۷	" "	۷	حضرت ابراہیم بن یزید نخعی رحمۃ اللہ علیہ
۲۳	" "	۷	حضرت اخف بن قیس رحمۃ اللہ علیہ
۳۳	" "	۷	حضرت اسماعیل بن ابی خالد حمسی رحمۃ اللہ علیہ
۳۵	" "	۷	حضرت اسود بن یزید رحمۃ اللہ علیہ
۳۷	" "	۷	حضرت اعش (سلیمان بن مہران) رحمۃ اللہ علیہ

صفحہ نمبر	حصہ کا نام	جلد نمبر	اسم گرامی
۴۱	سیر الصحابہؓ ۱۳ تا بعین	۷	حضرت اویس بن عامر قرنیؓ
۵۳	سیر الصحابہؓ ۱۳ تا بعین	۷	حضرت ایاس بن معاویہؓ
۵۶	" "	۷	حضرت ایوب بن ابی تمیہ سختیانیؓ
۴۱۳	" "	۷	حضرت ابوادریس خولانیؓ
۴۱۴	" "	۷	حضرت ابوالحق سمعیؓ
۴۱۶	" "	۷	حضرت ابو بردہ بن موسیٰ اشعریؓ
۴۴۳	" "	۷	حضرت امام ابو حنیفہؒ
۴۵	سیر الصحابہؓ ۱۴ تا بعین اول	۸	حضرت امام ابو یوسفؒ
۱۹۵	" "	۸	حضرت امام اوزاعیؒ
۲۲۹	" "	۸	حضرت امام ابن جریجؒ
۲۳۷	" "	۸	حضرت امام اسحاق بن راہویہؒ
۱۳	سیر الصحابہؓ ۱۵ تا بعین دوم	۹	حضرت آدم بن ابی ایاسؓ
۱۶	" "	۹	حضرت ابراہیم بن سعدؓ
۱۹	" "	۹	حضرت ابوالحق ابراہیم القراریؓ
۲۴	" "	۹	حضرت ابن ابی ذئبؓ
۳۱	" "	۹	حضرت ابو معشر کجی سندھیؓ
۳۶	" "	۹	حضرت ابوسلیمان الدارانیؓ
۴۵	" "	۹	حضرت ابو نعیم فضل بن دکینؓ
۵۰	" "	۹	حضرت اسد بن فراتؓ
۶۹	" "	۹	حضرت اسد بن موسیٰؓ
۷۱	" "	۸	حضرت اسرائیل بن موسیٰ بصریؓ
۷۶	" "	۹	حضرت اسرائیل بن یونس کوفیؓ
۸۰	" "	۹	حضرت اسماعیل بن علیہؓ
۸۹	" "	۹	حضرت اسماعیل بن عیاش العنسیؓ
			ب
۱۵۳	مہاجرین اول	۲	حضرت بلال بن رباحؓ
۴۹۳	مہاجرین دوم	۲	حضرت بریدہ بن حصیبؓ

صفحہ نمبر	حصہ کا نام	جلد نمبر	اسم گرامی
۲۴۳	انصار اول	۳	حضرت براء بن مالک ؓ
۲۴۷	" "	۳	حضرت براء بن عازب ؓ
۲۵۳	" "	۳	حضرت براء بن معرور ؓ
۲۶۹	سیر الصحابہ ہفتم	۴	حضرت بدیل بن ورقاء ؓ
۲۷۰	" "	۴	حضرت بسر بن سفیان ؓ
۳۶۲	سیر الصحابہ ۱۲ اہل کتاب	۶	حضرت بحیرا حبشی ؓ
۳۶۴	" "	۶	حضرت بشیر بن معاویہ ؓ
۴۷۶	" "	۶	بنو غسان کے تین صحابی
۶۶۰	" "	۶	حضرت بکاء الراہبؓ
۶۰	سیر الصحابہ ۱۳ تابعین	۷	حضرت بسر بن سعیدؓ
۶۱	" "	۷	حضرت بکر بن عبد اللہ مزیؓ
ت			
۲۷۱	سیر الصحابہ ہفتم	۴	حضرت تمیم بن اسد بن عبد العزیؓ
۲۷۱	" "	۴	حضرت تمیم بن ربیعہ ؓ
۳۶۳	" ۱۲ اہل کتاب	۶	حضرت تمام ؓ
۳۶۵	" "	۶	حضرت تمیم الحبشی ؓ
۳۶۵	" "	۶	حضرت تمیم داری ؓ
۴۷۷	" "	۶	ایک تغلی صحابی نامعلوم الاسمؓ
۴۴۰	" "	۶	حضرت تمام بن یہودار رحمۃ اللہ علیہ
ث			
۵۹۲	مہاجرین دوم	۲	حضرت ثمامہ بن عدی ؓ
۵۲۵	" "	۲	حضرت ثوبان ؓ
۲۵۵	انصار اول	۳	حضرت ثابت بن قیس ؓ
۲۵۹	" "	۳	حضرت ثابت بن ضحاک ؓ
۵۵۳	انصار دوم	۳	حضرت ثابت بن دحاح ؓ
۲۷۱	سیر الصحابہ ہفتم	۴	حضرت ثمامہ بن اثال ؓ
۲۷۳	" "	۴	حضرت ثوبان ؓ

صفحہ نمبر	حصہ کا نام	جلد نمبر	اسم گرامی
۳۶۹	سیر الصحابہ ۱۱۳ اہل کتاب	۶	حضرت ثعلبہ بن سعید الہدلیؓ
۳۷۰	" "	۶	حضرت ثعلبہ بن سلامؓ
۳۷۰	" "	۶	حضرت ثعلبہ بن قیسؓ
۳۷۱	" "	۶	حضرت ثعلبہ بن ابی مالکؓ
۶۳	سیر الصحابہ تابعین	۷	حضرت ثابت بن اسلم بنانی رحمۃ اللہ علیہ
			ج
۱۶۰	مہاجرین اول	۲	حضرت جعفر طیارؓ
۶۰۷	مہاجرین دوم	۲	حضرت جہم بن قیسؓ
۲۶۱	انصار اول	۳	حضرت جابر بن عبد اللہؓ
۲۷۳	" "	۳	حضرت جبار بن صخرؓ
۲۷۵	" "	۳	حضرت جلیبؓ
۲۷۵	سیر الصحابہ ہفتم	۴	حضرت جابر بن مسلمؓ
۲۷۶	" "	۴	حضرت جارود بن عمروؓ
۲۷۸	" "	۴	حضرت جبیر بن مطعمؓ
۲۸۰	" "	۴	حضرت جربہ بن رزاحؓ
۲۸۰	" "	۴	حضرت جریر بن عبد اللہ بکلیؓ
۲۸۶	" "	۴	حضرت جعال بن سراقہؓ
۲۸۷	" "	۴	حضرت جعشم الخیرؓ
۲۸۷	" "	۴	حضرت جمیل بن معمرؓ
۲۸۸	" "	۴	حضرت جندب بن کعبؓ
۲۷۳	سیر الصحابہ ۱۱۲ اہل کتاب	۶	حضرت جارود بن عمروؓ
۳۷۶	" "	۶	حضرت جبرؓ
۳۷۷	" "	۶	حضرت جبلؓ
۶۵	تابعین	۷	حضرت جابر بن زیدؓ
۸۴	" "	۷	حضرت جعفر صادقؓ
			ج
۲۹۳	مہاجرین اول	۲	حضرت حاطب بن ابی بلتعہؓ

صفحہ نمبر	حصہ کا نام	جلد نمبر	اسم گرامی
۱۴۱	مہاجرین اول	۲	حضرت حمزہ بن عبدالمطلب ؓ
۵۹۹	مہاجرین دوم	۲	حضرت حارث بن خالد ؓ
۵۹۸	" "	۲	حضرت حاطب بن حارث ؓ
۶۰۶	" "	۲	حضرت حاطب بن عمرو ؓ
۵۴۰	" "	۲	حضرت حجاج بن علاط ؓ
۲۷۷	انصار اول	۳	حضرت حباب بن منذر ؓ
۲۷۹	انصار دوم	۳	حضرت حرام بن ملحان ؓ
۲۸۱	" "	۳	حضرت حسان بن ثابت ؓ
۲۹۹	" "	۳	حضرت حارث بن سراقہ ؓ
۳۰۱	" "	۳	حضرت حارث بن صمہ ؓ
۳۰۳	" "	۳	حضرت حظلہ بن ابی عامر ؓ
۵۵۵	" "	۳	حضرت حذیفہ بن الیمان ؓ
۱۷	سیر الصحابہ ششم	۴	حضرت حسن بن علی ؓ
۱۳۱	" "	۴	حضرت حسین بن علی ؓ
۲۸۹	سیر الصحابہ ہفتم	۴	حضرت حارث بن عمیر ازدی ؓ
۲۸۹	" "	۴	حضرت حارث بن نوفل ؓ
۲۹۰	" "	۴	حضرت حارث بن ہشام ؓ
۲۹۲	" "	۴	حضرت حجر بن عدی ؓ
۲۹۵	" "	۴	حضرت حسیل بن جابر ؓ
۲۹۶	" "	۴	حضرت حکم بن حارث ؓ
۲۹۷	" "	۴	حضرت حکم بن عمرو غفاری ؓ
۲۹۸	" "	۴	حضرت حکم بن کسان ؓ
۲۹۹	" "	۴	حضرت حمزہ بن عمرو ؓ
۳۰۰	" "	۴	حضرت حظلہ بن ربیع ؓ
۳۰۲	" "	۴	حضرت حمہ بن عبد العزیٰ ؓ
۳۷۸	سیر الصحابہ ۱۲، اہل کتاب	۶	حضرت حیرہ بن نجرہ ؓ

صفحہ نمبر	حصہ کا نام	جلد نمبر	اسم گرامی
۷۲	سیر الصحابہ تابعین	۷	حضرت حسن بن حسنؓ
۷۵	۱۳ تا تابعین	۷	حضرت حسن بصریؓ
۹۱	" "	۷	حضرت حکم بن عتیہؓ
۹۹	۱۵ ترج تا تابعین دوم	۹	حضرت حسن بن صالح الہمدانیؓ
۱۰۱	" "	۹	حضرت حسین بن علی الجعفیؓ
۱۰۸	" "	۹	حضرت حفص بن غیاثؓ
۱۱۴	" "	۹	حضرت حماد بن زیدؓ
۱۱۸	" "	۹	حضرت حماد بن سلمہؓ
۱۲۶	" "	۹	حضرت حمزہ بن حبیب بن الزیاتؓ
۴۷۴	مہارین دوم	۲	حضرت خالد بن سعید بن العاصؓ
۴۴۸	" "	۲	حضرت خالد بن الولیدؓ
۴۸۱	" "	۲	حضرت خباب بن الارتؓ
۶۰۱	" "	۲	حضرت خباب مولیٰ عتبہ بن غزوہؓ
۶۰۳	" "	۲	حضرت خطاب بن الحارثؓ
۵۸۴	" "	۲	حضرت خمیس بن خذافہؓ
۳۰۷	انصار اول	۳	حضرت ضبیب بن عدیؓ
۳۱۱	" "	۳	حضرت خارجہ بن زید بن ابی زہیرؓ
۳۱۳	" "	۳	حضرت خزیمہ بن ثابتؓ
۳۱۵	" "	۳	حضرت خوات بن جبرؓ
۳۱۷	" "	۳	حضرت خلاد بن سویدہؓ
۳۰۴	سیر الصحابہ ہفتم	۴	حضرت خارجہ بن خذافہؓ
۳۰۵	" "	۴	حضرت خالد بن عرفطہؓ
۳۰۶	" "	۴	حضرت خریم بن فاتکؓ
۳۰۷	" "	۴	حضرت خفاف بن ایماہؓ
۹۲	سیر الصحابہ ۱۳ تا تابعین	۷	حضرت خارجہ بن زیدؓ

صفحہ نمبر	حصہ کا نام	جلد نمبر	اسم گرامی
۹۳	سیر الصحابہ ۱۳، تا بعین	۷	حضرت خالد بن معدانؓ
۱۳۰	// ۱۵، تبع تا بعین دوم	۹	حضرت خالد بن الحارثؓ
			د
۳۷۹	سیر الصحابہ ۱۲، اہل کتاب	۶	حضرت درید الراہبؓ
۹۵	// ۱۳، تا بعین	۷	حضرت داؤد بن دینارؓ
			د
۵۸۲	مہاجرین دوم	۲	حضرت ذوالشمالینؓ
۳۰۹	سیر الصحابہ ہفتم	۴	حضرت ذویب بن طلحہؓ
۳۷۹	سیر الصحابہ ۱۲، اہل کتاب	۶	حضرت ذودجنؓ
۳۸۰	// //	۶	حضرت ذوحمرؓ
۳۸۱	// //	۶	حضرت ذومناحبؓ
۳۸۲	// //	۶	حضرت ذومہدمؓ
۳۷۶	// //	۶	حضرت ذوالکلاعؓ
۳۷۶	// //	۶	حضرت ذوعمرہؓ
			د
۶۰۲	مہاجرین دوم	۲	حضرت ربیعہ بن اسلمؓ
۳۱۹	انصار اول	۳	حضرت رافع بن مالکؓ
۳۲۱	// //	۳	حضرت رفاعہ بن رافع زرقیؓ
۳۲۳	// //	۳	حضرت رافع بن خدیجؓ
۳۲۷	// //	۳	حضرت روثیع بن ثابتؓ
۳۰۹	سیر الصحابہ ہفتم	۴	حضرت ربیعہ بن کعب اسلمیؓ
۳۱۰	// //	۴	حضرت رفاعہ بن زیدؓ
۳۸۲	سیر الصحابہ ۱۲، اہل کتاب	۶	حضرت رافع القرظیؓ
۳۸۳	// //	۶	حضرت رفاعہ بن السموالؓ
۳۸۴	// //	۶	حضرت رفاعہ القرظیؓ
۹۷	سیر الصحابہ تا بعین	۷	حضرت ربیع بن خثیمؓ

صفحہ نمبر	حصہ کا نام	جلد نمبر	اسم گرامی
۱۰۴	سیر الصحابہ تابعین	۷	حضرت ربیعۃ الرائیؓ
۱۱۰	سیر الصحابہ تابعین	۷	حضرت رجاء بن حیوہؓ
۱۳۲	سیر الصحابہ ۱۵، تبع تابعین دوم	۹	حضرت ربیع بن صبیح بصریؓ
۱۴۱	سیر الصحابہ ۱۵، تبع تابعین دوم	۹	حضرت روح بن عبادہؓ
			ز
۱۴۴	سیر الصحابہ ۱۵، تبع تابعین دوم	۹	حضرت زکریا بن ابی زائدہؓ
۱۴۶	سیر الصحابہ ۱۵، تبع تابعین دوم	۹	حضرت زائدہ بن قدامہؓ
۱۴۹	سیر الصحابہ ۱۵، تبع تابعین دوم	۹	حضرت زہیر بن معاویہؓ
۶۷	مہاجرین اول	۲	حضرت زبیر بن العوامؓ
۱۶۵	مہاجرین اول	۲	حضرت زید بن حارثہؓ
۵۰۷	مہاجرین دوم	۲	حضرت زید بن الخطابؓ
۳۲۹	انصار اول	۳	حضرت زید بن ارقمؓ
۳۳۳	انصار اول	۳	حضرت زید بن ثابتؓ
۳۵۵	انصار اول	۳	حضرت زباد بن ولیدؓ
۳۵۷	انصار اول	۳	حضرت زید بن دثنہؓ
۵۶۹	انصار دوم	۳	حضرت زید بن سعہؓ
۳۱۱	سیر الصحابہ ہفتم	۴	حضرت زاہر بن حرامؓ
۳۱۲	سیر الصحابہ ہفتم	۴	حضرت زبرقان بن بدرؓ
۳۱۳	سیر الصحابہ ہفتم	۴	حضرت زید بن خالد جہنیؓ
۳۱۴	سیر الصحابہ ہفتم	۴	حضرت زید بن ہلؓ
۳۸۵	۱۲، اہل کتاب	۶	حضرت زید بن سعہؓ
۱۱۲	۱۳، تابعین	۷	حضرت زربن حبیشؓ
۱۱۳	// //	۷	حضرت زید بن اسلمؓ
۱۸۱	۱۴، تبع تابعین اول	۸	حضرت امام زُفرؓ
			س
۳۱۹	مہاجرین اول	۲	حضرت سالم مولیٰ ابی حذیفہؓ

صفحہ نمبر	حصہ کا نام	جلد نمبر	اسم گرامی
۱۰۵	مہاجرین اول	۲	حضرت سعد بن ابی وقاص ؓ
۱۳۶	//	۲	حضرت سعید بن زید ؓ
۵۸۸	//	۲	حضرت سائب بن عثمان ؓ
۵۹۳	//	۲	حضرت سعد بن خولہ ؓ
۵۱۳	//	۲	حضرت سعید بن عامر ؓ
۵۹۶	//	۲	حضرت سکران بن عمرو ؓ
۲۰۰	مہاجرین دوم	۲	حضرت سلیمان فارسی ؓ
۴۸۵	//	۲	حضرت سلمہ بن الاکوع ؓ
۵۳۲	//	۲	حضرت سلمہ بن ہشام ؓ
۵۸۰	//	۲	حضرت سلیط بن عمرو ؓ
۵۸۶	//	۲	حضرت سنان بن ابی سنان ؓ
۵۷۶	//	۲	حضرت سہل بن بیضاء ؓ
۵۷۷	//	۲	حضرت سہیل بن بیضاء ؓ
۳۶۱	انصار دوم	۳	حضرت سعد بن ربیع ؓ
۳۶۵	//	۳	حضرت سہل بن سعد ؓ
۳۶۷	//	۳	حضرت سہل بن حنیف ؓ
۳۶۹	//	۳	حضرت سعد بن معاذ ؓ
۳۷۵	//	۳	حضرت سعد بن عبادہ ؓ
۳۸۷	//	۳	حضرت سعد بن خثیمہ ؓ
۳۸۹	//	۳	حضرت سعد بن زید اشہلی ؓ
۳۹۱	//	۳	حضرت سلمہ بن سلامہ ؓ
۳۹۳	//	۳	حضرت سہل بن حنظلہ ؓ
۳۹۵	//	۳	حضرت سائب بن خلاد ؓ
۵۷۱	//	۳	حضرت سعد بن عتبہ ؓ
۵۷۳	//	۳	حضرت سمیرہ بن جندب ؓ
۳۱۵	سیر الصحابہ ہفتم	۲	حضرت سراقہ بن مالک ؓ
۳۱۷	سیر الصحابہ ہفتم	۲	حضرت سبرہ بن معبد ؓ

صفحہ نمبر	حصہ کا نام	جلد نمبر	اسم گرامی
۳۱۸	سیر الصحابہ ہفتم	۴	حضرت سعد بن خولیؓ
۳۱۸	" "	۴	حضرت سعد الاسودؓ
۳۲۰	" "	۴	حضرت سعد بن عائدؓ
۳۲۱	" "	۴	حضرت سعید بن العاصؓ
۳۲۲	" "	۴	حضرت سعید بن یربوعؓ
۳۲۳	" "	۴	حضرت سفینہؓ
۳۲۶	" "	۴	حضرت سلیمان بن صرہؓ
۳۲۷	" "	۴	حضرت سواد بن قاربؓ
۳۲۸	" "	۴	حضرت سمیل بن عمروؓ
۳۸۷	سیر الصحابہ ۱۲ اہل کتاب	۶	حضرت سعد بن وہبؓ
۳۸۷	" "	۶	حضرت سعنہؓ
۳۸۸	" "	۶	حضرت سعید بن عامرؓ
۳۸۹	" "	۶	حضرت سلامؓ
۳۷۹	" "	۶	حضرت سلمہ بن سلامؓ
۳۷۹	" "	۶	حضرت سلمان فارسیؓ
۴۰۳	" "	۶	حضرت سمعان بن خالدؓ
۴۰۵	" "	۶	حضرت سمونہ بلقاویؓ
۱۱۵	سیر الصحابہ ۱۳ تابعین	۷	حضرت سالم بن عبد اللہؓ
۱۱۹	" "	۷	حضرت سعید بن جبیرؓ
۱۳۳	" "	۷	حضرت سعید بن المسیبؓ
۱۵۲	" "	۷	حضرت سلمہ بن دینارؓ
۱۵۷	" "	۷	حضرت سلیمان بن یسارؓ
۱۵۳	" "	۷	حضرت سلیمان بن طرخان تمیمیؓ
۲۳۵	۱۴ تبع تابعین اول	۸	حضرت سفیان بن عیینہؓ
۳۸۵	" "	۸	حضرت سفیان ثوریؓ
۱۵۲	سیر الصحابہ ۱۵، تبع تابعین دوم	۹	حضرت سعید بن عبد العزیزؓ
۱۵۵	" "	۹	حضرت سلیمان بن بلالؓ
۱۵۷	" "	۹	حضرت سلیمان بن مغیرۃ القیسؓ

صفحہ نمبر	حصہ کا نام	جلد نمبر	اسم گرامی
			ش
۳۲۶	مہاجرین اول	۲	حضرت شجاع بن وہب ؓ
۳۳۰	" "	۲	حضرت شقران صالح ؓ
۳۲۳	" "	۲	حضرت شماس بن عثمان ؓ
۴۷۸	مہاجرین دوم	۲	حضرت شرجیل بن حسنہ ؓ
۳۹۷	انصار دوم	۳	حضرت شداد بن اوس ؓ
۳۳۴	سیر الصحابہ ہفتم	۴	حضرت شیبہ بن عقبہ ؓ
۳۳۵	" "	۴	حضرت شیبہ بن عثمان ؓ
۴۰۵	" ۱۲ اہل کتاب	۶	حضرت شمعون ؓ
۱۵۹	" ۱۳ تابعین	۷	حضرت قاضی شریح بن حارث
۲۸۷	" ۱۴ تابعین اول	۸	حضرت امام شعبہ
۱۵۹	" ۱۵ تابعین دوم	۹	حضرت شجاع بن الولید
۱۶۱	" "	۹	حضرت شریک بن عبد اللہ نخعی
			ص
۲۶۶	مہاجرین اول	۲	حضرت صہیب بن سنان ؓ
۵۸۶	" دوم	۲	حضرت صفوان بن بیضاء ؓ
۳۳۶	سیر الصحابہ ہفتم	۴	حضرت صعصعہ بن ناجیہ ؓ
۳۳۸	" "	۴	حضرت صفوان بن امیہ ؓ
۳۴۱	" "	۴	حضرت صفوان بن معطل ؓ
۴۰۷	" ۱۲ اہل کتاب	۶	حضرت صالح القرظی ؓ
۴۴۱	" "	۶	حضرت صہی بن معبد
۱۷۱	" ۱۳ تابعین	۷	حضرت صفوان بن سلیم زہری
۱۷۳	سیر الصحابہ ۱۳ تابعین	۷	حضرت صفوان بن محرز
			ض
۳۴۳	سیر الصحابہ ہفتم	۴	حضرت ضحاک بن سفیان ؓ
۳۴۳	سیر الصحابہ ہفتم	۴	حضرت ضرار بن ازور ؓ

صفحہ نمبر	حصہ کا نام	جلد نمبر	اسم گرامی
۳۳۴	سیر الصحابہ ہفتم	۴	حضرت ضحاک بن ثعلبہ ؓ
۳۳۵	سیر الصحابہ ہفتم	۴	حضرت ضمام بن ثعلبہ ؓ
۴۴۲	سیر الصحابہ ۱۱۲ اہل کتاب	۶	حضرت ضغاطر الاسقف الشہیدؓ
۱۶۹	سیر الصحابہ ۱۵۱ تبع تابعین دوم	۹	حضرت ضحاک بن المخلد النبیلؓ
			ط
۸۳	مہاجرین اول	۲	حضرت طلحہ ؓ
۵۸۷	مہاجرین دوم	۲	حضرت طفیل بن حارث ؓ
۴۹۷	مہاجرین دوم	۲	حضرت طفیل بن عمرو دوسی ؓ
۵۲۳	مہاجرین دوم	۲	حضرت طلیب بن عمیر ؓ
۵۷۷	انصار دوم	۳	حضرت طلحہ بن البراء ؓ
۱۷۵	سیر الصحابہ ۱۱۳ تابعین	۷	حضرت طاؤس بن کيسانؓ
			ط
۸۳	خلفائے راشدین	۱	حضرت عمر فاروق ؓ
۱۵۴	" "	۱	حضرت عثمان غنی ؓ
۴۱۵	" "	۱	حضرت علی مرتضیٰ ؓ
۳۳۳	مہاجرین اول	۲	حضرت عامر بن ربیعہ ؓ
۳۰۴	" "	۲	حضرت عامر بن فہیرہ ؓ
۱۴۷	" "	۲	حضرت عباس بن عبد المطلب ؓ
۲۹۰	" "	۲	حضرت عبد الرحمن بن ابی بکر صدیق ؓ
۹۶	" "	۲	حضرت عبد الرحمن بن عوف ؓ
۳۱۰	مہاجرین اول	۲	حضرت عبد اللہ بن جحش ؓ
۲۹۸	" "	۲	حضرت عبد اللہ بن سہیل ؓ
۱۷۴	" "	۲	حضرت عبد اللہ بن عباس ؓ
۲۹۰	" "	۲	حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص ؓ
۲۰۲	" "	۲	حضرت عبد اللہ بن مسعود ؓ
۳۲۲	" "	۲	حضرت عبیدہ بن الحارث ؓ

صفحہ نمبر	حصہ کا نام	جلد نمبر	اسم گرامی
۳۰۰	مہاجرین اول	۲	حضرت عقبہ بن غزوہؓ
۳۷۷	" "	۲	حضرت عثمان بن مظعونؓ
۳۱۴	" "	۲	حضرت عکاشہ بن محسنؓ
۲۴۹	" "	۲	حضرت عمار بن یاسرؓ
۳۳۱	" "	۲	حضرت عمیر بن ابی وقاصؓ
۶۰۳	مہاجرین دوم	۲	حضرت عاقل بن ابی بکرؓ
۵۸۹	" "	۲	حضرت عامر بن ابی وقاصؓ
۶۰۴	" "	۲	حضرت عبداللہ الاصفہرؓ
۵۹۰	" "	۲	حضرت عبداللہ بن حارثؓ
۵۳۷	" "	۲	حضرت عبداللہ بن حذافہؓ
۵۹۱	" "	۲	حضرت عبداللہ بن سراقہؓ
۵۳۳	" "	۲	حضرت عبداللہ بن سہیلؓ
۵۳۷	" "	۲	حضرت عبداللہ بن عمرؓ
۵۷۰	" "	۲	حضرت عبداللہ بن مخرمہؓ
۵۸۵	" "	۲	حضرت عقبہ بن مسعودؓ
۵۷۵	" "	۲	حضرت عثمان بن طلحہؓ
۵۹۵	" "	۲	حضرت عدی بن نعلہؓ
۵۰۱	" "	۲	حضرت عقبہ بن عامرؓ
۵۱۵	" "	۲	حضرت عقیل بن ابی طالبؓ
۵۵۸	" "	۲	حضرت عمرو بن أمیہؓ
۵۹۱	مہاجرین دوم	۲	حضرت عمرو بن سراقہؓ
۵۵۰	" "	۲	حضرت عمرو بن سعید بن العاصؓ
۴۲۰	" "	۲	حضرت عمرو بن العاصؓ
۵۲۷	" "	۲	حضرت عمرو بن عتبہؓ
۶۰۳	" "	۲	حضرت عمرو بن عثمانؓ
۵۷۴	" "	۲	حضرت عمرو بن عوفؓ

صفحہ نمبر	حصہ کا نام	جلد نمبر	اسم گرامی
۶۰۲	مہاجرین دوم	۲	حضرت عمیر بن رباع <small>ؓ</small>
۵۰۴	" "	۲	حضرت عمیر بن وہب <small>ؓ</small>
۵۶۷	" "	۲	حضرت عیاش بن ابی ربیعہ <small>ؓ</small>
۶۰۰	" "	۲	حضرت عیاض بن زبیر <small>ؓ</small>
۴۰۱	انصار دوم	۳	حضرت عبادہ بن صامت <small>ؓ</small>
۴۰۹	" "	۳	حضرت عبداللہ بن رواحہ <small>ؓ</small>
۴۱۷	" "	۳	حضرت عاصم بن ثابت <small>ؓ</small>
۴۱۹	" "	۳	حضرت عبداللہ بن عمرو بن حرام <small>ؓ</small>
۴۲۳	" "	۳	حضرت عبداللہ بن عبداللہ <small>ؓ</small>
۴۲۷	" "	۳	حضرت عثمان بن مالک <small>ؓ</small>
۴۲۹	" "	۳	حضرت عبادہ بن بشر <small>ؓ</small>
۴۳۳	" "	۳	حضرت عبداللہ بن عقیق <small>ؓ</small>
۴۳۵	" "	۳	حضرت عباس بن عبادہ <small>ؓ</small>
۴۳۷	" "	۳	حضرت عبداللہ بن زید <small>ؓ</small>
۴۴۱	" "	۳	حضرت عبداللہ بن زید بن عاصم <small>ؓ</small>
۴۴۳	" "	۳	حضرت عبداللہ بن یزید <small>ؓ</small>
۴۴۵	" "	۳	حضرت عبدالرحمان بن شبل <small>ؓ</small>
۴۴۷	" "	۳	حضرت عثمان بن حنیف <small>ؓ</small>
۴۵۵	" "	۳	حضرت غمار بن حزم <small>ؓ</small>
۴۵۷	" "	۳	حضرت عمرو بن جموح <small>ؓ</small>
۴۶۱	انصار دوم	۳	حضرت عمرو بن حزم <small>ؓ</small>
۴۶۵	" "	۳	حضرت عمیر بن سعید <small>ؓ</small>
۴۶۷	" "	۳	حضرت عویم بن ساعدہ <small>ؓ</small>
۵۷۹	" "	۳	حضرت عاصم بن عدی <small>ؓ</small>
۵۸۱	" "	۳	حضرت عبداللہ بن انیس جہنی <small>ؓ</small>
۵۸۳	" "	۳	حضرت عبداللہ بن مسلمہ <small>ؓ</small>

صفحہ نمبر	حصہ کا نام	جلد نمبر	اسم گرامی
۵۸۵	انصار دوم	۳	حضرت عبداللہ بن سلام ؓ
۵۸۹	" "	۳	حضرت عبداللہ بن طارق ؓ
۵۹۱	" "	۳	حضرت عدی بن ابی الزغباء ؓ
۵۹۳	" "	۳	حضرت عقبہ بن وہب ؓ
۲۱۱	سیر الصحابہ ششم	۴	حضرت عبداللہ بن زبیر ؓ
۳۳۷	سیر الصحابہ ہفتم	۴	حضرت عامر بن اکوع ؓ
۳۳۸	" "	۴	حضرت عائذ بن عمرو ؓ
۳۳۹	" "	۴	حضرت عباس بن مرداس ؓ
۳۵۱	" "	۴	حضرت عبداللہ بن ارقم ؓ
۳۵۲	" "	۴	حضرت عبداللہ بن اُمیہ ؓ
۳۵۳	" "	۴	حضرت عبداللہ بن نجیحہ ؓ
۳۵۴	" "	۴	حضرت عبداللہ بن بدر ؓ
۳۵۵	" "	۴	حضرت عبداللہ بن بدیل ؓ
۳۵۷	" "	۴	حضرت عبداللہ بن جعفر ؓ
۳۶۱	" "	۴	حضرت عبداللہ بن ابی حدرد ؓ
۳۶۲	" "	۴	حضرت عبداللہ بن زبیری ؓ
۳۶۳	" "	۴	حضرت عبداللہ بن زمعہ ؓ
۳۶۴	" "	۴	حضرت عبداللہ بن عامر ؓ
۳۶۹	" "	۴	حضرت عبداللہ بن عبدنہم ؓ
۳۷۰	" "	۴	حضرت عبداللہ بن غفل مزنی ؓ
۳۷۳	سیر الصحابہ ہفتم	۴	حضرت عبداللہ بن وہب ؓ
۳۷۵	" "	۴	حضرت عبید اللہ بن عباس ؓ
۳۷۸	" "	۴	حضرت عبدالرحمن بن سمرہ ؓ
۳۷۹	" "	۴	حضرت عتاب بن اسید ؓ
۳۸۳	" "	۴	حضرت عقبہ بن ابی لہب ؓ
۳۸۴	" "	۴	حضرت عثمان بن ابی العاص ؓ

صفحہ نمبر	حصہ کا نام	جلد نمبر	اسم گرامی
۳۸۴	سیر الصحابہ ہفتم	۴	حضرت عداء بن خالدؓ
۳۹۰	" "	۴	حضرت عدی بن حاتمؓ
۳۹۱	" "	۴	حضرت عروہ بن مسعود ثقفیؓ
۳۹۳	" "	۴	حضرت عکرمہ بن ابی جہلؓ
۳۹۷	" "	۴	حضرت علاء حضریؓ
۳۹۹	" "	۴	حضرت عمران بن حصینؓ
۴۰۳	" "	۴	حضرت عمرو بن حمقؓ
۴۰۴	" "	۴	حضرت عمرو بن مرہؓ
۴۰۵	" "	۴	حضرت عوسجہ بن حرمہؓ
۴۰۶	" "	۴	حضرت عیاض بن حمارؓ
۴۰۷	۱۲، اہل کتاب	۶	حضرت عامر الشافعیؓ
۴۰۸	" "	۶	حضرت عبد الحارث بن السنیؓ
۴۰۹	" "	۶	حضرت عبداللہ بن سلامؓ
۴۱۳	" "	۶	حضرت عبدالرحمان بن زبیرؓ
۴۱۴	" "	۶	حضرت عداسؓ
۴۱۵	" "	۶	حضرت عدی بن حاتمؓ
۴۲۱	" "	۶	حضرت عطیہ القرظیؓ
۴۲۱	" "	۶	حضرت علی بن رفاعہؓ
۴۲۲	" "	۶	حضرت عمرو بن سعدیؓ
۴۲۳	" "	۶	حضرت عمیر بن امیہؓ
۴۲۴	سیر الصحابہ ۱۲، اہل کتاب	۶	حضرت عمیر بن حسینؓ
۱۷۶	سیر الصحابہ ۱۳ تا بعین	۷	حضرت عامر شراحیل شعفیؓ
۱۹۰	" "	۷	حضرت عامر بن عبداللہؓ
۲۰۰	" "	۷	حضرت عبداللہ بن عتبہ بن مسعودؓ
۲۰۱	" "	۷	حضرت عبداللہ بن عونؓ
۲۰۶	" "	۷	حضرت عبید اللہ بن عبداللہؓ

صفحہ نمبر	حصہ کا نام	جلد نمبر	اسم گرامی
۲۰۹	سیر الصحابہ ۱۳ تا بعین	۷	حضرت عبدالرحمان بن اسود
۲۱۰	" "	۷	حضرت عبدالرحمان بن ابی لیلیٰ
۲۱۳	" "	۷	حضرت عبدالرحمان بن غنم
۲۱۵	" "	۷	حضرت عبدالرحمان بن قاسم
۲۱۶	" "	۷	حضرت عروہ بن زبیر
۲۲۳	" "	۷	حضرت عطاء بن ابی رباح
۲۲۷	" "	۷	حضرت عمرو بن شریل
۲۲۹	" "	۷	حضرت عمرو بن دینار
۲۳۱	" "	۷	حضرت عکرمہ مولیٰ ابن عباس
۲۴۰	" "	۷	حضرت علی بن حسین زین العابدین
۲۵۵	" "	۷	حضرت عمرو بن عبدالعزیز
۲۵۷	" "	۷	حضرت عمرو بن مرہ
۲۹۶	" "	۷	حضرت علقمہ بن قیس
۲۵۹	۱۴ تبع تابعین اول	۸	حضرت عبداللہ بن مبارک
۳۰۵	" "	۸	حضرت عبداللہ بن وہب
۳۳۵	" "	۸	حضرت عبدالرحمان ابن مہدی
۳۳۵	" "	۸	حضرت علی بن مدینی
۱۷۳	۱۵ تبع تابعین دوم	۹	حضرت عبداللہ بن مسہر (ابو مسہر)
۱۷۸	" "	۹	حضرت عبدالرحمان بن القاسم
۱۸۲	" "	۹	حضرت عبدالرزاق بن ہمام
۱۸۸	" "	۹	حضرت عبدالعزیز بن عبداللہ ماجشون
۱۹۷	سیر الصحابہ ۱۵ تبع تابعین دوم	۹	حضرت عبداللہ بن ادریس
۲۰۱	" "	۹	حضرت عبداللہ بن الزبیر الحمیدی
۲۰۸	" "	۹	حضرت عبداللہ بن عمرو بن حفص
۲۱۱	" "	۹	حضرت عبداللہ بن ابی لہیعہ
۲۱۵	" "	۹	حضرت عثمان بن مسلم
۲۲۰	" "	۹	حضرت عبداللہ بن شاذب

صفحہ نمبر	حصہ کا نام	جلد نمبر	اسم گرامی
۲۲۲	سیر الصحابہ ۱۵، تبع تابعین دوم	۹	حضرت عبداللہ بن نافع
۲۲۳	" "	۹	حضرت علی بن مسہد کوفی
۲۲۶	" "	۹	حضرت عمر بن سعد
۲۲۹	" "	۹	حضرت عیسیٰ بن یونس الہمدانی
			س
۲۰۶	سیر الصحابہ ہفتم	۴	حضرت غالب بن عبداللہ
			ف
۵۹۷	مہاجرین دوم	۲	حضرت فراس بن نضر
۵۲۱	مہاجرین دوم	۲	حضرت فضل بن عباس
۴۶۹	انصار دوم	۳	حضرت فضالہ بن عبید
۴۰۸	سیر الصحابہ ہفتم	۴	حضرت فروہ بن میک
۴۰۹	" "	۴	حضرت فضالہ لیشی
۴۱۰	" "	۴	حضرت فیروز دلیلی
۴۷۵	" ۱۲، اہل کتاب	۶	حضرت فروہ بن عمرو
۴۷۳	" ۱۴، تبع تابعین اول	۸	حضرت فضیل بن عیاض
۲۳۵	" ۱۵، تبع تابعین دوم	۹	حضرت فضل بن موسیٰ سینانی
			ق
۵۴۶	مہاجرین دوم	۲	حضرت قدامہ بن مظعون
۶۰۵	" "	۲	حضرت قیس بن عبداللہ
۴۷۳	انصار دوم	۳	حضرت قتادہ بن نعمان
۴۷۵	" "	۳	حضرت قیس بن سعد
۴۸۳	" "	۳	حضرت قرظہ بن کعب
۴۸۷	" "	۳	حضرت قطبہ بن عامر
۴۱۱	سیر الصحابہ ہفتم	۴	حضرت قباث بن اشیم
۴۱۱	" "	۴	حضرت قثم بن عباس
۴۱۳	" "	۴	حضرت قیس بن خرشہ
۴۱۴	" "	۴	حضرت قیس بن عاصم

صفحہ نمبر	حصہ کا نام	جلد نمبر	اسم گرامی
۳۰۲	سیر الصحابہ ۱۳، تابعین	۷	حضرت قاسم بن محمد بن ابی بکر
۳۰۸	" "	۷	حضرت قبیصہ بن ذویب
۳۰۹	" "	۷	حضرت قتادہ بن دعامہ دوسی
۱۰۶	" ۱۵، تبع تابعین دوم	۹	حضرت قاسم بن الفضل
۲۳۸	" "	۹	حضرت قاسم بن معین
۲۴۳	" "	۹	حضرت قبیصہ بن عقبہ
۲۴۷	" "	۹	حضرت قتیبہ بن سعید انصاری
ک			
۲۸۹	انصار دوم	۳	حضرت کعب بن مالک
۲۹۵	" "	۳	حضرت کلثوم بن الہدم
۲۹۵	" "	۳	حضرت کعب بن عجرہ
۲۱۶	سیر الصحابہ ہفتم	۴	حضرت کرز بن جابر فہری
۲۱۷	" "	۴	حضرت کعب بن زہیر و بحیر بن زہیر
۲۱۹	" "	۴	حضرت کعب بن عمیر غفاری
۲۲۰	" "	۴	حضرت کعب بن الہلالی
۲۲۳	" ۱۲، اہل کتاب	۶	حضرت کثیر بن السائب
۲۲۴	" "	۶	حضرت کرز بن علقمہ
۲۲۴	" "	۶	حضرت کعب بن سلیم
۲۲۴	سیر الصحابہ ۱۲، اہل کتاب	۶	حضرت کعب احبار
۳۱۲	سیر الصحابہ ۱۳، تابعین	۷	حضرت کعب احبار
۳۱۵	" "	۷	حضرت کعب بن سور
ل			
۲۲۱	سیر الصحابہ ہفتم	۴	حضرت لبید بن ربیعہ
۳۵۵	" ۱۴، تبع تابعین اول	۸	حضرت امام لیث بن سعد
م			
۳۵	سیر الصحابہ ششم	۴	حضرت امیر معاویہ

صفحہ نمبر	حصہ کا نام	جلد نمبر	اسم گرامی
۳۲۸	مہاجرین اول	۲	حضرت عمر بن اہلہؓ
۲۷۰	" "	۲	حضرت مصعب بن عمیرؓ
۲۸۵	" "	۲	حضرت مقداد بن عمروؓ
۶۰۵	مہاجرین دوم	۲	حضرت مالک بن زمعہؓ
۵۹۲	" "	۲	حضرت حمیہ بن جزیہؓ
۵۵۲	" "	۲	حضرت مرثد بن ابی مرثد غنویؓ
۵۵۲	" "	۲	حضرت مسطح بن اثاثہ (عوف)ؓ
۶۰۱	" "	۲	حضرت مسعود بن ربیعؓ
۵۹۲	" "	۲	حضرت معمر بن ابی سرحؓ
۵۹۸	" "	۲	حضرت محمد بن حارثؓ
۵۷۲	" "	۲	حضرت معمر بن عبد اللہؓ
۵۳۵	" "	۲	حضرت معقیب بن ابی فاطمہؓ
۴۶۸	" "	۲	حضرت مغیرہ بن شعبہؓ
۴۹۷	انصار دوم	۳	حضرت معاذ بن جبلؓ
۵۲۰	" "	۳	حضرت مسلمہ بن مخلدؓ
۵۲۵	" "	۳	حضرت محمد بن مسلمؓ
۵۳۱	" "	۳	حضرت معاذ بن عفرہؓ
۵۴۳	" "	۳	حضرت مجمع بن جاریہؓ
۵۳۵	انصار دوم	۳	حضرت حصہ بن مسعودؓ
۵۳۷	" "	۳	حضرت منذر بن عمروؓ
۵۹۷	" "	۳	حضرت مجذر بن زیادؓ
۵۹۹	" "	۳	حضرت معن بن عدیؓ
۴۲۳	سیر الصحابہؓ بقسم	۴	حضرت ماعز بن مالکؓ
۴۲۶	" "	۴	حضرت ثنی بن حارث شیبانیؓ
۴۳۱	" "	۴	حضرت یحییٰ بن ادرعؓ
۴۳۲	" "	۴	حضرت محمد بن طلحہؓ
۴۳۲	" "	۴	حضرت مسلم بن حارثؓ

صفحہ نمبر	حصہ کا نام	جلد نمبر	اسم گرامی
۴۳۵	سیر الصحابہ ہفتم	۴	حضرت مسور بن مخرمہؓ
۴۳۷	" "	۴	حضرت مطیع بن اسودؓ
۴۳۸	" "	۴	حضرت معاویہ بن حکمؓ
۴۳۹	" "	۴	حضرت معقل بن سنانؓ
۴۴۰	" "	۴	حضرت معقل بن یسارؓ
۴۴۵	۱۲، اہل کتاب	۶	حضرت محربؓ
۴۴۵	" "	۶	حضرت محمد بن عبداللہ بن سلامؓ
۴۴۶	" "	۶	حضرت مخزومؓ
۴۴۷	" "	۶	حضرت میمون بن یامینؓ
۴۴۸	" "	۶	حضرت مابورؓ
۴۴۵	" "	۶	حضرت محمد بن کعب القرظیؓ
۴۴۷	۱۳، تابعین	۷	حضرت مجاہد بن جبرؓ
۴۴۹	" "	۷	حضرت محمد بن اسحقؓ
۴۴۴	" "	۷	حضرت محمد بن حنفیہؓ
۴۴۶	" "	۷	حضرت محمد بن سیرینؓ
۴۵۷	" "	۷	حضرت محمد بن عجلانؓ
۴۶۰	" "	۷	حضرت محمد بن کعبؓ
۴۵۸	" "	۷	حضرت محمد بن علی امام باقرؓ
۴۶۱	سیر الصحابہ ۱۳، تابعین	۷	حضرت محمد بن مسلم امام زہریؓ
۴۶۸	" "	۷	حضرت محمد بن منکدرؓ
۴۷۰	" "	۷	حضرت مسروق بن اجدعؓ
۴۷۷	" "	۷	حضرت مسعر بن کدامؓ
۴۸۱	" "	۷	حضرت مسلم بن یسارؓ
۴۸۳	" "	۷	حضرت مطرف بن عبداللہؓ
۴۸۷	" "	۷	حضرت مکحول دمشقیؓ
۴۹۰	" "	۷	حضرت منصور بن زازانؓ

صفحہ نمبر	حصہ کا نام	جلد نمبر	اسم گرامی
۳۹۲	سیر الصحابہ ۱۳، تابعین	۷	حضرت میمون بن مہرانؓ
۱۲۳	تبع تابعین اول	۸	حضرت محمد بن حسن شیبانیؓ
۲۹۹	" "	۸	حضرت مسعر بن کدامؓ
۴۳۱	" "	۸	حضرت امام مالک بن انسؓ
۲۵۱	۱۵ تبع تابعین دوم	۹	حضرت مبارک بن فضالہؓ
۲۵۳	" "	۹	حضرت محمد بن ابی شیبہؓ
۲۵۵	" "	۹	حضرت محمد بن ادریس (امام شافعی)ؓ
۲۷۷	" "	۹	حضرت محمد بن جعفر غندرؓ
۲۷۹	" "	۹	حضرت محمد بن عبدالرحمن بن ابی اسحاق الانصاریؓ
۲۸۳	" "	۹	حضرت مسلم بن خالد زنجیؓ
۲۸۶	" "	۹	حضرت معاذ بن معاذ عمریؓ
۲۹۰	" "	۹	حضرت معانی بن عمرانؓ
۲۹۳	" "	۹	حضرت معمر بن راشدؓ
۲۹۶	" "	۹	حضرت مکی بن ابراہیمؓ
۲۹۸	" "	۹	حضرت موسیٰ بن جعفر الملقب بہ کاظمؓ
۵۶۳	مہاجرین دوم	۲	حضرت نعیم بن مسعودؓ
۵۷۱	" "	۲	حضرت نعیم الحامؓ
۵۱۸	مہاجرین دوم	۲	حضرت نوفل بن حارثؓ
۵۳۹	انصار دوم	۳	حضرت نعمان بشیرؓ
۵۴۷	" "	۳	حضرت نعمان بن عجلانؓ
۴۴۳	سیر الصحابہ ہفتم	۴	حضرت ناجیہ بن جندبؓ
۴۴۴	" "	۴	حضرت نیشہ الخیرؓ
۴۴۶	۱۲، اہل کتاب	۶	حضرت نافعؓ
۴۴۸	" "	۶	حضرت نعیم الحمزہؓ
۳۹۴	۱۳، تابعین	۷	حضرت نافع بن جبیرؓ

صفحہ نمبر	حصہ کا نام	جلد نمبر	اسم گرامی
۳۹۶	سیر الصحابہ ۱۳، تابعین	۷	حضرت نافع بن کاؤسؓ
۳۹۸	" "	۷	حضرت نعمان بن ثابتؓ (امام ابو حنیفہ)
۳۰۳	سیر الصحابہ ۱۵، تبع تابعین دوم	۹	حضرت نافع بن ابی نعیمؓ
۳۰۶	" "	۹	حضرت نضر بن شملؓ
۵۶۵	مہاجرین دوم	۲	حضرت واقد بن عبد اللہؓ
۵۲۹	" "	۲	حضرت ولید بن ولیدؓ
۵۹۰	" "	۲	حضرت وہب بن سعدؓ
۴۴۴	سیر الصحابہ ہفتم	۴	حضرت واثلہ بن اسقعؓ
۴۴۷	" "	۴	حضرت وائل بن بجرؓ
۴۴۸	" "	۴	حضرت وحشی بن حربؓ
۴۴۹	" "	۴	حضرت وہب بن قابوسؓ
۴۹۹	۱۲، اہل کتاب	۶	حضرت وہب بن منبہؓ
۳۹۹	۱۳، تابعین	۷	حضرت وہب بن منبہؓ
۳۱۲	۱۵، تبع تابعین دوم	۹	حضرت وضاح بن عبد اللہ واسطیؓ
۳۱۶	" "	۹	حضرت وکیع بن الجراح الرواسیؓ
۳۲۶	" "	۹	حضرت ولید بن مسلمؓ
۳۳۰	" "	۹	حضرت وہیب بن خالدؓ
۶۰۷	مہاجرین دوم	۲	حضرت ہاشم بن ابی حذیفہؓ
۵۴۴	مہاجرین دوم	۲	حضرت ہشام بن عاصؓ
۵۴۹	انصار دوم	۳	حضرت ہلال بن امیہؓ
۴۵۰	سیر الصحابہ ہفتم	۴	حضرت ہاشم بن عتبہؓ
۴۵۳	" "	۴	حضرت ہشام بن حکیمؓ
۴۵۵	" "	۴	حضرت ہند بن حارثہؓ
۴۰۱	۱۳، تابعین	۷	حضرت ہرم بن حیان عبدیؓ

صفحہ نمبر	حصہ کا نام	جلد نمبر	اسم گرامی
۴۰۲	سیر الصحابہ ۱۳ تبع تابعین	۷	حضرت ہشام بن عروہ
۳۳۳	۱۵، تبع تابعین دوم	۹	حضرت ہشیم بن بشیر الواسطی
			ی۔۔۔
۵۹۵	مہاجرین دوم	۲	حضرت یزید بن زعمہ
۴۵۶	سیر الصحابہ ہفتم	۴	حضرت یاسر بن عامر
۴۵۷	" "	۴	حضرت یزید بن ابی سفیان
۴۵۸	" "	۴	حضرت یزید بن شجرہ رہاوی
۴۲۹	۱۲، اہل کتاب	۶	حضرت یامین بن عمیر
۴۳۱	" "	۶	حضرت یوسف بن عبد اللہ بن سلام
۴۰۵	۱۳، تابعین	۷	حضرت یحییٰ بن سعید
۴۰۷	" "	۷	حضرت یحییٰ بن عمر
۴۰۹	" "	۷	حضرت یزید بن ابی حبیب
۴۱۰	" "	۷	حضرت یونس بن عبید
۳۱۵	۱۴، تبع تابعین اول	۸	حضرت یحییٰ بن معین
۳۲۵	" "	۸	حضرت یحییٰ بن سعید القطان
۴۱۵	" "	۸	حضرت یحییٰ بن آدم
۳۳۸	۱۵، تبع تابعین دوم	۹	حضرت یحییٰ بن ابی زائدہ
۳۳۲	" "	۹	حضرت یحییٰ بن یحییٰ مہمودی
۳۵۱	سیر الصحابہ ۱۵ تبع تابعین دوم	۹	حضرت یحییٰ بن یمان
۳۵۲	" "	۹	حضرت یزید بن یمان
۳۵۴	" "	۹	حضرت یزید بن زریع العیشی
۳۵۷	" "	۹	حضرت یزید بن ہارون اسلمی
۳۶۹	" "	۹	حضرت یعقوب بن اسحاق حضرمی



بسم اللہ الرحمن الرحیم

اشاریہ

اسمائے گرامی صحابیات و تابعیات

صفحہ نمبر	حصہ کا نام	جلد نمبر	اسم گرامی
			الف
۵۵	سیر الصحابہ ۱۰ سیر الصحابیات	۶	حضرت ام سلمہؓ
۷۸	//	۶	حضرت ام حبیبہؓ
۹۲	//	۶	حضرت ام کلثومؓ
۱۰۱	//	۶	حضرت اُمَامَہؓ
۱۰۵	//	۶	حضرت ام ایمنؓ
۱۰۸	//	۶	حضرت ام الفضلؓ
۱۱۰	//	۶	حضرت ام رومانؓ
۱۱۳	//	۶	حضرت ام سلیمؓ
۱۱۷	//	۶	حضرت ام عمارہؓ
۱۱۹	//	۶	حضرت ام عطیہؓ
۱۲۳	//	۶	حضرت ام ہانیؓ
۱۲۶	//	۶	حضرت اسماء بنت عمیسؓ
۱۳۰	//	۶	حضرت اسماء بنت ابی بکرؓ
۱۳۱	//	۶	حضرت اسماء بنت یزیدؓ
۱۳۴	//	۶	حضرت ام ورداءؓ
۱۳۵	سیر الصحابہ ۱۰ سیر الصحابیات	۶	حضرت ام حکیمؓ
۱۳۸	//	۶	حضرت ام حرامؓ
۱۵۰	//	۶	حضرت ام ورقہؓ

صفحہ نمبر	حصہ کا نام	جلد نمبر	اسم گرامی
۱۵۲	سیر الصحابہؓ ۱۰ سیر الصحابیات	۶	حضرت ام کلثوم بنت عقبہؓ
۱۵۷	" "	۶	حضرت ام ابی ہریرہؓ
۲۷۳	۱۲، اہل کتاب	۶	حضرت ام محمد القرظیؓ
			ت
۲۵۵	سیر الصحابہؓ ۱۲، اہل کتاب	۶	حضرت تمیمہؓ
۲۷۳	" "	۶	حضرت تماضرؓ
			ج
۷۵	سیر الصحابہؓ ۱۰ سیر الصحابیات	۶	حضرت جویریہؓ
			ح
۵۰	" "	۶	حضرت حفصہؓ
۱۵۹	" "	۶	حضرت حمزہ بنت جحشؓ
			ح
۲۵	" "	۶	حضرت خدیجہؓ
۱۳۶	" "	۶	حضرت خنساءؓ
۱۵۸	" "	۶	حضرت خولہ بنت حکیمؓ
۲۵۶	۱۲، اہل کتاب	۶	حضرت خالدہؓ
			ز
۹۰	سیر الصحابہؓ ۱۰ سیر الصحابیات	۶	حضرت رقیہؓ
۱۲۱	سیر الصحابہؓ ۱۰ سیر الصحابیات	۶	حضرت ربیع بنت معوذؓ
۲۵۰	سیر الصحابہؓ ۱۲، اہل کتاب	۶	حضرت ریحانہؓ
			ت
۵۵	سیر الصحابہؓ ۱۰ سیر الصحابیات	۶	حضرت زینب ام المساکینؓ
۶۸	" "	۶	حضرت زینب بنت جحشؓ
۸۸	" "	۶	حضرت زینبؓ (صاحبزادی)
۱۳۰	" "	۶	حضرت زینب بنت ابی معاویہؓ
۱۵۶	" "	۶	حضرت زینب بنت ابی سلمہؓ
			س
۳۵	" "	۶	حضرت سودہؓ

صفحہ نمبر	حصہ کا نام	جلد نمبر	اسم گرامی
۱۱۲	سیر الصحابہ ۱۰ سیر الصحابیات	۶	حضرت سمیہؓ
۳۵۸	۱۲، اہل کتاب //	۶	حضرت سفانہؓ
۳۵۹	// //	۶	حضرت سیرینؓ
			ش
۱۳۸	سیر الصحابہ ۱۰ سیر الصحابیات	۶	حضرت شفاء بنت عبد اللہؓ
			ش
۸۳	// //	۶	حضرت صفیہؓ
۱۰۳	// //	۶	حضرت صفیہ بنت عبد المطلبؓ
۳۶۰	۱۲، اہل کتاب //	۶	حضرت صفیہؓ
			ن
۳۸	سیر الصحابہ ۱۰ سیر الصحابیات	۶	حضرت عائشہ صدیقہؓ
			ف
۹۳	// //	۶	حضرت فاطمہ الزہراءؓ
۱۰۷	// //	۶	حضرت فاطمہ بنت اسدؓ
۱۲۵	// //	۶	حضرت فاطمہ بنت خطابؓ
۱۳۵	سیر الصحابہ ۱۰ سیر الصحابیات	۶	حضرت فاطمہ بنت قیسؓ
			ن
۸۲	سیر الصحابہ ۱۰ سیر الصحابیات	۶	حضرت میمونہؓ
۳۶۴	سیر الصحابہ ۱۰ سیر الصحابیات	۶	حضرت ماریہ قبطیہؓ
			ن
۱۵۱	سیر الصحابہ ۱۰ سیر الصحابیات	۶	حضرت ہند بن عقبہؓ

فہرست مضامین

(خلفائے راشدین)

۳۴	حضرت ابو بکرؓ کی خلافت	۹	دیباچہ (سیر الصحابہ)
۳۶	سقیفہ بنی ساعدہ	۱۱	تمہید
۳۸	حضرت علیؓ کی بیعت	۱۷	امیر المؤمنین حضرت ابو بکرؓ صدیق
۴۰	خلافت	۱۷	نام، نسب، خاندان
۴۰	اسامہ بن زیدؓ والی مہم	۱۷	حضرت ابو بکرؓ کے والد
۴۱	مدعیان نبوت کا قلع قمع	۱۸	حضرت ابو بکرؓ کی والدہ
۴۲	مرتدین کی سرکوبی	۱۸	قبل اسلام
۴۲	منکرین زکوٰۃ کی تنبیہ	۱۹	اسلام
۴۳	جمع و ترتیب قرآن	۲۰	اشاعت اسلام
۴۳	ایک غلط فہمی کا ازالہ	۲۰	مکہ کی زندگی
	کلام پاک کی آیتیں اور سورتیں	۲۱	ہجرہ حبشہ کا قصہ اور واپسی
۴۳	عہد نبوت میں مرتب ہو چکی تھیں	۲۲	ہجرت مدینہ اور خدمت رسول ﷺ
	حضرت ابو بکرؓ نے قرآن کے متفرق اجزاء	۲۶	مواعیات
۴۴	کو صرف ایک کتاب کی صورت میں جمع کرایا	۲۷	تعمیر مسجد
۴۴	صحیفہ صدیقی کب تک محفوظ رہا	۲۸	غزوات
۴۵	فتوحات	۲۸	غزوہ بدر
۴۶	مہم عراق	۲۹	غزوہ احد
۴۷	حملہ شام	۲۹	غزوہ بنی مصطلق اور واقعہ افک
۴۸	متفرق فتوحات	۳۱	واقعہ حدیبیہ
		۳۳	امارت حج

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۷۰	حدیث	۴۹	مرض الموت اور استخلاف حضرت عمر فاروقؓ
۷۰	امامت و اجتہاد	۵۱	کارنامہ ہائے زندگی
۷۱	اصول اجتہاد	۵۱	نظام خلافت
۷۲	قیاسی مسائل سے خوف	۵۲	ملکی نظم و نسق
۷۲	ایک قیاسی مسئلہ	۵۳	حکام کی نگرانی
۷۴	اخلاق و عادات	۵۵	تقریر و حدود
۷۴	تقویٰ	۵۶	مالی انتظامات
۷۶	زہد	۵۷	فوجی نظام
۷۷	تواضع	۵۷	فوج کی اخلاقی تربیت
۷۸	انفاق فی سبیل اللہ	۵۸	سامان جنگ کی فراہمی
۷۹	خدمت گزاری خلق	۵۸	فوجی چھاونیوں کا معائنہ
۸۰	مذہبی زندگی	۵۹	بدعات کا سد باب
۸۱	خانگی زندگی	۵۹	خدمت حدیث
۸۱	مہمان نوازی	۶۰	محکمہ افتاء
۸۱	لباس و غذا	۶۰	اشاعت اسلام
۸۲	ذریعہ معاش	۶۱	رسول اللہ ﷺ کی طرف سے ایفائے عہد
۸۲	جاگیر	۶۱	رسول اللہ ﷺ کے اہلبیت اور متعلقین کا خیال
۸۳	خلیہ	۶۲	ذمی رعایا کے حقوق
۸۳	ازواج و اولاد	۶۴	فضائل و مناقب
۸۴	امیر المؤمنین حضرت عمر فاروقؓ	۶۴	بارگاہ نبوت میں رسوخ
۸۴	نام و نسب اور خاندان	۶۵	علم و فضل
۸۶	اسلام حضرت عمرؓ	۶۶	ذوق سخن
۸۹	زمانہ اسلام	۶۶	تقریر و خطابت
۹۳	ہجرت	۶۷	نسب دانی
۹۵	غزوات و دیگر حالات	۶۸	تعبیر روایا
۱۰۱	خلافت اور فتوحات	۶۸	علم تفسیر

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۱۳۸	حب رسول اور اتباع سنت	۱۰۱	فتوحات عراق
۱۴۱	زہد و قناعت	۱۰۴	قادسیہ کی فیصلہ کن جنگ
۱۴۶	تواضع	۱۰۷	عام لشکر کشی
۱۴۷	تشدد و ترحم	۱۰۸	فتوحات شام
۱۴۹	عفو	۱۰۸	میدان یرموک اور شام کی قسمت کا فیصلہ
۱۴۹	رفاہ عام	۱۱۰	بیت المقدس
۱۵۰	خدا کی راہ میں دینا	۱۱۰	بیت المقدس کا سفر
۱۵۱	مساوات کا خیال	۱۱۱	متفرق معرکے اور فتوحات
۱۵۱	غیرت	۱۱۱	فتوحات مصر
۱۵۲	خانگی زندگی	۱۱۲	شہادت
۱۵۲	امیر المؤمنین حضرت عثمانؓ	۱۱۲	ازواج و اولاد
۱۵۳	نام و نسب، خاندان	۱۱۳	فاروقی کارنامے
۱۵۵	قبول اسلام	۱۱۴	فتوحات پر اجمالی نظر
۱۵۶	شادی	۱۱۵	نظام خلافت
۱۵۶	حبشہ کی ہجرت	۱۱۸	احساب
۱۵۷	مدینہ کی طرف ہجرت	۱۲۱	ملکی نظم و نسق
۱۵۷	بیر رومہ کی خریداری	۱۲۲	بیت المال
۱۵۸	غزوات اور دیگر حالات	۱۲۳	تعمیرات
۱۵۸	غزوہ بدر اور حضرت رقیہؓ کی علالت	۱۲۳	مستعمرات
۱۵۹	غزوہ احد	۱۲۵	فوجی انتظامات
۱۶۰	دیگر غزوات	۱۲۸	مذہبی خدمات
۱۶۰	سفارت کی خدمت	۱۳۰	متفرق انتظامات
۱۶۱	غزوہ تبوک اور تجہیز و تہیہ	۱۳۱	عدل و انصاف
۱۶۳	خلافت اور فتوحات	۱۳۳	علم و فضل
۱۶۴	فتح طرابلس	۱۳۷	اخلاق و عادات
۱۶۵	فتح افریقیہ	۱۳۷	خوف خدا

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۱۹۶	حکام کی نگرانی	۱۶۵	اسپین پر حملہ
۱۹۷	ملکی نظم و نسق	۱۶۵	عبداللہ بن ابی سرح کو انعام
۱۹۷	بیت المال	۱۶۶	فتح قبرص
۱۹۸	تعمیرات	۱۶۶	والی بصرہ کی معزولی
۱۹۸	بند مہزو	۱۶۷	فتح طبرستان
۱۹۸	مسجد نبوی کی تعمیر و توسیع	۱۶۸	ایک عظیم الشان بحری جنگ
۱۹۹	فوجی انتظامات	۱۶۸	متفرق فتوحات
۲۰۰	امارت بحریہ	۱۶۹	انقلاب اور حضرت عثمانؓ کی شہادت
۲۰۰	مذہبی خدمات	۱۸۵	شورش کے انسداد اور اصلاح کی آخری کوشش
۲۰۲	فضل و کمال	۱۸۶	مفسدین کو فہ کی رضا جوئی
۲۰۲	نوشت و خواند	۱۸۶	تحقیقاتی و فود
۲۰۲	کتابت وحی	۱۸۶	انقلاب کی کوشش
۲۰۲	اسلوب تحریر	۱۸۷	خلافت سے کنارہ کشی کا مطالبہ
۲۰۳	تقریر	۱۸۸	محاصرہ
۲۰۳	قرآن پاک	۱۸۸	باغیوں کو حضرت عثمانؓ کی فہمائش
۲۰۴	حدیث شریف	۱۸۹	جاں نثاروں کے مشورے اور اجازت طلبی
۲۰۴	فقہ و اجتہاد	۱۹۰	شہادت کی تیاری
۲۰۶	علم و فراغ	۱۹۱	شہادت
۲۰۷	اخلاق و عادات	۱۹۲	حضرت عثمانؓ کا ماتم
۲۰۷	خوفِ خدا	۱۹۳	عثمانی کارنامے
۲۰۷	حب رسول ﷺ	۱۹۴	فتوحات پر اجمالی نظر
۲۰۸	احترام رسول ﷺ	۱۹۵	فتوحات کی وسعت
۲۰۸	اتباع سنت	۱۹۵	نظام خلافت
۲۰۸	حیا	۱۹۶	عمال کی مجلس شوریٰ
۲۰۹	زہد	۱۹۶	صوبوں کی تقسیم
۲۰۹	تواضع	۱۹۶	اختیارات کی تقسیم

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۲۲۱	حضرت فاطمہؓ سے نکاح	۲۱۰	ایثار
۲۲۲	رخصتی	۲۱۰	فیاضی
۲۲۲	جہیز	۲۱۱	اعزاء و احباب کے ساتھ حسن سلوک
۲۲۲	دعوتِ ولیمہ	۲۱۱	صبر و تحمل
۲۲۳	غزوہٴ اُحد	۲۱۱	مذہبی زندگی
۲۲۳	بنو نضیر	۲۱۲	ذاتی حالات
۲۲۳	غزوہٴ خندق	۲۱۲	مسکن
۲۲۴	بنو قریظہ	۲۱۲	وسائلِ معاش
۲۲۴	بنی سعد کی سرکوبی	۲۱۲	جاگیر
۲۲۴	صلح حدیبیہ	۲۱۲	زراعت
۲۲۴	فتح خیبر	۲۱۲	غذا
۲۲۵	مرحبا	۲۱۳	صفائی
۲۲۵	مہم مکہ	۲۱۳	لباس
۲۲۷	ایک غلطی کی تلافی	۲۱۳	حلیہ
۲۲۷	غزوہٴ حنین	۲۱۳	ازواج و اولاد
۲۲۸	اہل بیت کی حفاظت	۲۱۵	امیر المؤمنین حضرت علیؓ
۲۲۸	تبلیغ فرمانِ رسول ﷺ	۲۱۵	نام نسب خاندان
۲۲۸	مہم یمن اور اشاعتِ اسلام	۲۱۶	اسلام
۲۲۹	حجۃ الوداع میں شرکت	۲۱۷	مکہ کی زندگی
۲۲۹	صدمہٴ جانکاه	۲۱۸	انتظامِ دعوت
۲۲۹	خلیفہٴ اول کی بیعت اور توقف کی وجہ	۲۱۸	ہجرت
۲۳۱	بیعت خلافت		فدویت و جاٹاری کا
۲۳۳	حضرت عائشہؓ کی قصاص پر آمادگی	۲۱۹	ایک عدیم المثال کارنامہ
۲۳۳	سفر عراق	۲۲۰	تعمیر مسجد
۲۳۴	حضرت امام حسنؓ کا سفر کوفہ	۲۲۱	غزوات و دیگر حالات
۲۳۵	جنگِ جمل	۲۲۱	غزوہٴ بدر

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۲۶۷	علم حدیث	۲۳۸	صلح کی دعوت
۲۶۹	فقہ واجتہاد	۲۴۰	معمرہ صفین
۲۷۱	قضاء اور فیصلے	۲۴۰	پانی کے لئے کش مکش
۲۷۴	علم اسرار و حکم	۲۴۱	میدان جنگ میں مصالحت کی آخری کوشش
۲۷۶	تصوف	۲۴۱	آغاز جنگ
۲۷۷	تقریر و خطابت	۲۴۵	خارجی فرقہ کی بنیاد
۲۷۹	شاعری	۲۴۶	تحکیم کا نتیجہ
۲۷۹	علم نحو کی ایجاد	۲۴۸	خوارج کی سرکشی
۲۸۰	اخلاق عادات	۲۴۹	معمرہ نہروان
۲۸۰	امانت و دیانت	۲۵۰	مصر کے لئے کش مکش
۲۸۱	زہد	۲۵۲	بغاوتوں کا استیصال
۲۸۲	عبادات	۲۵۲	امیر معاویہ کا جارحانہ طریقہ عمل
۲۸۳	انفاق فی سبیل اللہ	۲۵۳	کرمان و فارس کی بغاوتوں کو فرو کرنا
۲۸۴	تواضع	۲۵۳	فتوحات
۲۸۴	شجاعت	۲۵۴	حجاز و عرب کے قبضہ کے لئے کشمکش
۲۸۵	دشمنوں کے ساتھ سلوک	۲۵۶	کارنامے
۲۸۷	اصابت رائے	۲۵۶	خلافت مرتضوی پر ایک نظر
۲۹۳	خانگی زندگی	۲۶۰	ملکی نظم و نسق
۲۹۴	غذا و لباس	۲۶۰	عمال کی نگرانی
۲۹۵	حلیہ	۲۶۱	صیغہ محاصل
۲۹۵	ازواج و اولاد	۲۶۲	رعایا کے ساتھ شفقت
۲۹۶	خاتمہ جلد اول	۲۶۲	فوجی انتظامات
		۲۶۲	مذہبی خدمات
		۲۶۳	تعزیری سزا
		۲۶۵	فضل و کمال
		۲۶۶	تفسیر اور علوم القرآن

سیر الصحابہ

سیرۃ النبی ﷺ کے ساتھ ساتھ ارکان دارالمصنفین کو خیال آیا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جو اصل میں تعلیم محمدی کی عملی مثال اور پیغمبر اسلام ﷺ کے فیض تربیت کے اصلی نمونے تھے ان کی سیرتیں بھی ترتیب دی جائیں تاکہ اسلام کی اصلی عملی زندگی مسلمانوں کے سامنے آجائے۔ چنانچہ ہمارے متعدد درفہاء نے اس مقدس کام میں شرکت کی اور بحمد اللہ کہ اس کو تکمیل اور اتمام کو پہنچایا۔

صحابہ کی دو بڑی تقسیمیں ہیں: مہاجرین اور انصار۔ اسی اصول پر سیر الصحابہ کے دو حصے قرار دیئے گئے، سیر المہاجرین اور سیر الانصار۔ دوسرا حصہ یعنی سیر الانصار دو جلدوں میں چھپ کر چند سال ہوئے شائع ہو چکا ہے۔ اسی کے ساتھ مہاجرہ اور انصار یہ دونوں قسم کی صحابیات کی بھی ایک خاص جلد شائع ہو چکی ہے۔ اس کے علاوہ صحابہ کرام کی مذہبی، اخلاقی، سیاسی اور انتظامی زندگی کا مجموعہ اسوۃ صحابہ کے نام سے دو جلدوں میں چھپ کر مقبول ہو چکا ہے۔ غرض اس وقت تک اس سلسلے کے حسب ذیل حصے اشاعت پذیر ہو چکے ہیں:

- ①۔ سیر الانصار: (جلد اول) جس میں حروف تہجی کی ترتیب الف سے لے کر س تک کے تمام مشابیر انصار کے سوانح ہیں اور شروع میں انصار کی قبل از اسلام زندگی کی تاریخ ہے۔
- ②۔ سیر الانصار: (جلد دوم) جس میں ش سے ی تک تمام اکابر انصار کے احوال و سوانح ہیں۔

- ③۔ سیر الصحابیات: مہاجرہ اور انصار یہ ہر قسم کی صحابیہ عورتوں کے حالات۔
- ④۔ اسوۃ صحابہ: (جلد اول) اس میں تمام صحابہ کے عقائد، عبادات اور اخلاق و فضائل کی عملی مثالیں جمع کی گئی ہیں۔

- ⑤۔ اسوۃ صحابہ: (جلد دوم) اس میں صحابہ کے علمی، تعلیمی، سیاسی اور انتظامی کارنامے جمع کئے گئے ہیں۔

مہاجرین کے احوال و سوانح کی ترتیب و تالیف ہمارے فاضل رفیق حاجی معین الدین صاحب ندوی نے اپنے ذمہ لی تھی لیکن وہ ابھی نصف حصہ ختم کرنے نہ پائے تھے کہ ان کا انتخاب کتب خانہ ندوۃ العلماء کی ترتیب فہرست کے لئے عمل میں آیا اور وہاں سے تقدیر ان کو ایشیا نمک سوسائٹی بنگال کے کتب خانہ میں کلکتہ لے گئی اور چند سال ہوئے کہ پبلک اور نیشنل لائبریری پٹنہ میں لے آئی۔ اپنے عہدہ کی خدمات کی بجا آوری میں ان کا انہماک اس درجہ رہا کہ سیر المہاجرین کے باقی تمام مسودہ کی تکمیل سے ان کو دست کش ہونا پڑا۔ حسن اتفاق یہ کہ اس خدمت کے لئے ان ہی کے ہم نام ایک مدراسی بھائی کے نام قرعہ فال نکلا۔ جو اس کام کو پوری مستعدی سے انجام دے رہے ہیں۔

سیر المہاجرین کے متعدد حصے ہوں گے جن میں یہ پہلا حصہ ”خلفائے راشدین“ کے نام سے آپ کے سامنے ہے۔ مہاجرین بلکہ صحابہ میں ان چاروں بزرگوں کو جو اہمیت حاصل ہے وہ ان کی ایک مستقل تاریخ کی مقتضی تھی اسی لئے اس حصہ میں کسی اور مہاجر صحابہ کا اضافہ نہیں کیا گیا اور نہ ان کے لئے حروف تہجی کی ترتیب کی رعایت کی گئی۔ خلفائے اربعہ کے حالات اسی طرح لکھے گئے ہیں کہ ان کے ذاتی احوال و سوانح اور اخلاق و فضائل کے ساتھ ان کے عہد کی سیاسی و انتظامی تاریخ بھی نظر کے سامنے آجائے اور اس بنا پر کتاب خلفائے راشدین کے حالات کے ساتھ خلافت راشدہ کے عہد کی پوری تاریخ بھی ہے۔ مؤلف نے اس کی کوشش کی ہے کہ جہاں تک ممکن ہو حالات احادیث کی کتابوں سے اخذ کئے جائیں۔ جہاں اس میں ناکامی ہوئی ہے وہاں تاریخ کی مستند کتابوں، اخبار الطوال، تاریخ طبری، ابن اثیر، ابن خلدون اور تاریخ الخلفاء وغیرہ سے مدد لی ہے لیکن نسبتاً ایسے مواقع کم آئے ہیں۔

سید سلیمان ندوی
ناظم دارالمصنفین - ۵ صفر ۱۳۴۶ھ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَى سَيِّدِ الْمُرْسَلِينَ
وَعَلَى آلِهِ الطَّاهِرِينَ وَخُلَفَائِهِ الرَّاشِدِينَ ط

اس سے پہلے کہ ”خلفائے راشدین“ کے حالات پڑھے جائیں ضرورت ہے کہ خلافت راشدہ کا مفہوم و منشاء سمجھ لیا جائے۔ خلافت کے لغوی معنی ”جانشینی“ اور کسی کی جگہ پر اس کے بعد بیٹھنے کے ہیں۔ یہ لفظ خود اپنے مفہوم و منشاء کو ظاہر کر رہا ہے کہ وہ ایک اصل کا سایہ، ایک آئینہ کا عکس اور ایک حقیقی منصب کی قائم مقامی ہے۔ اسی کو ”امام“ کے لفظ سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے اور یہ دونوں لفظ خلیفہ اور امام ایک ہی شخص کی دو مختلف حیثیتوں کو ظاہر کرتے ہیں۔ اپنے پیش رو کے نائب اور قائم مقام ہونے کے لحاظ سے وہ خلیفہ اور اپنے زمانہ کے پیروں کے لحاظ سے وہ امام اور پیشوا ہے۔ اس بناء پر درحقیقت خلافت و امامت پیغمبر کی قائم مقامی اور اس کے بعد اس کی امت کی پیشوائی ہے۔ صحیحین میں یہ حدیث ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ”تم سے پہلے بنی اسرائیل میں پیغمبر اور انبیاء سیاست کرتے تھے جب ایک پیغمبر مرتا تھا تو دوسرا پیغمبر پیدا ہوتا تھا لیکن پیغمبری اب ختم ہو گئی، تم میں خلفاء ہوں گے۔“

اس سے واضح ہوتا ہے کہ خلافت، پیغمبری کی نیابت اور قائم مقامی ہے اور نبوت کے بعد اسلام میں یہ سب سے بڑا درجہ اور رتبہ ہے۔ اسی لئے اُن امور میں جن کی نسبت پیغمبر کی وحی اور فیصلہ موجود نہ ہو اس کا حکم اور فیصلہ بھی واجب الطاعت ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ”میرے بعد میرے ہدایت پائے ہوئے جانشینوں کی پیروی کرو“۔ اسی لئے ایک پیغمبر کے انتخاب کے لئے ظاہری حیثیت سے اس کی سیاسی و انتظامی استعداد و صلاحیت کو دیکھا جائے اس سے بہت زیادہ اس کے اندر پیغمبرانہ صحبت کی اثر پذیری اور اس کے روحانی و علمی و اخلاقی فضائل و مناقب کی تلاش کرنی چاہئے۔ ان چار بزرگوں کا درجہ بدرجہ اس منصبِ اعظم کے لئے انتخاب اس نقطہ نظر کی تشریح و توضیح ہے۔

اسلام میں خلافت کے فرائض اس قدر وسیع اور عالمگیر ہیں کہ تمام دینی و دنیوی مقاصد کی تکمیل اس کے تحت میں آجاتی ہے لیکن ان کی اجمالی تشریح صرف ایک فقرہ میں کی جاسکتی ہے یعنی پیغمبر کے کاموں کو قائم اور باقی اور ہر خارجی آمیزش سے پاک و صاف رکھنا اور ان کو ترقی دینا۔ یہ فقرہ ایک لفظ میں بھی سما سکتا ہے یعنی ”اقامتِ دین“ لیکن یہ لفظ خود اس قدر وسیع ہے کہ تمام دینی و دنیوی مقاصد کو شامل ہو جاتا ہے اور اقامتِ ارکانِ اسلام مثلاً نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، امر بالمعروف و نہی عن المنکر، جہاد، نصب قضاۃ، اقامتِ حدود اور وعظ و پند و تعلیم وغیرہ سب اس کے جزئیات میں داخل ہو جاتے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ کی پاک زندگی ان ہی مقاصد کی تکمیل میں صرف ہوئی اور آپ کے بعد جو لوگ آپ کے خلیفہ و جانشین ہوئے، انہوں نے بھی اپنی زندگی کو ان ہی مقاصد کی تکمیل کے لئے وقف کیا۔ خلفاء کے دور بلکہ خود رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں اگرچہ ان مقاصد کی تکمیل کے لئے الگ الگ اشخاص مقرر تھے۔ مثلاً نماز کی امامت اور صدقات و زکوٰۃ کے وصول کرنے کا کام اشخاص سے متعلق تھا۔ برائیوں پر روک ٹوک کرنے کے لئے اور اشخاص معین تھے۔ مقدمات کے فیصلہ کا کام مخصوص اشخاص سے لیا جاتا تھا۔ قرآن و سنت کی تعلیم اور لوگ دیتے تھے، لیکن خلافت کی تعریف ان تمام مقاصد کو شامل ہے، اس لئے ان اشخاص کے لئے متفرق طور پر جن اوصاف کی ضرورت ہے خلیفہ کو ان سب کا جامع ہونا چاہئے۔ لیکن ان ظاہری اوصاف کے علاوہ روحانی فضائل کے لحاظ سے خلیفہ میں پیغمبرانہ تعلیم و تاثیر کا فیضان پورے جوش کے ساتھ جاری رہتا ہے۔ پیغمبر جن لوگوں میں اس قسم کی روحانی استعداد دیکھتا ہے، اشارات و تلویمات کے ذریعہ ان ہی کو اپنا خلیفہ اور جانشین مقرر کرتا ہے۔ زمانہ کے انقلاب اور حالات کے تغیر نے اسلام کے حقیقی نصب العین کو چالیس سال کے بعد بدل دیا اور ان لوگوں کے ہاتھوں میں یہ منصب چلا گیا جو اندرونی و باطنی و روحانی حیثیت سے اس کے لائق نہ تھے بلکہ ان کو صرف ظاہری طور پر ثقہ متدین پاکباز، پابندِ ارکانِ اسلام اور عالم بالکتاب والسنہ دیکھ کر امام و خلیفہ تسلیم کر لیا گیا لیکن ایک پیغمبر کی نگاہ ان ظاہری صفات کے ساتھ مخصوص روحانی فضائل و کمالات پر بھی پڑتی ہے اور ان ہی فضائل و کمالات کے لحاظ سے قرآن و حدیث میں ایسے مخصوص اشارات پائے جاتے ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ خلافت کا مالک حقیقی مستحق صرف صحابہؓ کا گروہ تھا۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ خداوند تعالیٰ نے اپنے بندوں کے دل دیکھے تو ان میں محمد ﷺ کے دل کو سب سے بہتر پایا، اس لئے اس کو چن لیا اور آپ کو پیغمبر بنا کر مبعوث فرمایا۔ پھر آپ کے دل کے بعد اپنے بندوں کے دل دیکھے تو آپ کے اصحابؓ کے دل کو سب سے بہتر پایا اس لئے ان کو اپنا وزیر بنالیا،

جو آپ کے دین کی حفاظت کے لئے جنگ کرتے ہیں۔

لیکن یہ ظاہر ہے کہ صحابہ کا پورا گروہ خلیفہ نہیں ہو سکتا تھا اس لئے خود اس گروہ میں ایسے مخصوص قیود اوصاف کا اضافہ کیا گیا جس سے خلافت کا مفہوم خدا و رسول کے منشاء کے مطابق محدود ہو کر بالکل مکمل ہو جائے اور جن لوگوں میں یہ اوصاف موجود ہوں ان کی نسبت یہ اطمینان حاصل ہو سکے کہ وہ خلافت کو صحیح اصول پر چلائیں گے۔ چنانچہ قرآن و حدیث کے اشارات و تلویحات سے خلافت کے مفہوم کی تکمیل کیلئے جن مخصوص اوصاف کی ضرورت ہے وہ یہ ہیں:

(۱) خلیفہ مہاجرین اول میں سے ہو۔ صلح حدیبیہ اور دوسرے اہم غزوات مثلاً بدر و تبوک میں شامل اور سورہ نور کے اترنے کے وقت موجود رہا ہو۔ چنانچہ خداوند تعالیٰ مہاجرین اول کے متعلق فرماتا ہے:

الَّذِينَ اِنْ مَكَّنَّاهُمْ فِي
الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا
الزَّكَاةَ وَامَرُوْا بِالْمَعْرُوفِ
وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ

وہ لوگ جن کو ہم اگر زمین میں جگہ دیدیں
گے تو یہ لوگ نماز قائم کریں گے زکوٰۃ دیں
گے نیکی کا حکم دیں گے اور برائی سے
روکیں گے۔

اور یہ تمام چیزیں مقاصد خلافت میں شامل ہیں۔ شرکائے صلح حدیبیہ کی نسبت ارشاد ہوتا ہے:

مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللَّهِ وَالَّذِينَ
مَعَهُ اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللَّهُ
مَعَهُ اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللَّهُ

محمد رسول اللہ ﷺ اور جو لوگ آپ کے
ساتھ ہیں کفار پر سخت ہیں۔

جس سے ثابت ہوتا ہے کہ اس گروہ کے ذریعہ سے اعلاء کلمۃ اللہ ہوگا جو خلافت کا سب سے بڑا مقصد ہے جو لوگ سورہ نور کے اترنے کے وقت موجود تھے ان کی نسبت ارشاد ہوتا ہے:

وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ اٰمَنُوا مِنْكُمْ
وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ
لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ
كَمَا اَسْتَخْلَفْنَاكَ مِنْ
قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِينَهُمُ
الَّذِي اَرَضَيْنَا لَهُمْ (النور ۷)

تم میں سے جو لوگ ایمان لائے اور نیک
کام کئے، ان سے خدا نے وعدہ کیا ہے کہ
ان کو زمین کا خلیفہ بنائے گا جیسا کہ ان
لوگوں کو خلیفہ بنا چکا ہے جو ان سے پہلے
تھے اور ان کے اس دین کو جو ان کے لئے
پسند کیا ہے مضبوط کر دے گا۔

اب اس آیت میں ”مِنْكُمْ“ کے لفظ سے وہی جماعت مراد ہے جو اس موقع پر موجود تھی ورنہ اگر عام مسلمان مراد ہوتے تو ایمان و عمل صالح کے لحاظ کے ساتھ یہ لفظ بیکار ہو جاتا۔ بہر حال اس

آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ اس مخصوص جماعت سے خدا نے خلافت کا وعدہ کیا ہے اور اسکے ذریعہ سے دین کو استحکام حاصل ہوگا۔ شرکائے بدر و تبوک کے فضائل میں اس قسم کی آیات و احادیث وارد ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ خلافت کے لئے جن اوصاف کی ضرورت ہے وہ ان میں موجود تھے۔

(۲) وہ مبشر بالجنہ ہیں۔

(۳) وہ امت کے طبقہ علیاء یعنی صدیقین، شہداء، صالحین اور محدثین میں شامل ہو اور جنت میں ان کا درجہ بلند ہو۔

(۴) رسول اللہ ﷺ کا معاملہ اس کے ساتھ ایسا ہو جیسا کہ مستحق خلافت کے ساتھ ہو سکتا ہے۔ مثلاً آپ ﷺ نے اس کے استحقاق خلافت کا ذکر کیا ہو۔ ایسے قرآن بیان فرمائے ہوں کہ جن سے فقہاء صحابہؓ نے یہ سمجھا کہ اگر آپ ﷺ خلیفہ بناتے تو اسی شخص کو بناتے۔ جو کام نبوت سے تعلق رکھتے ہوں، آپ ﷺ نے اپنی زندگی میں اس سے لئے ہوں۔

(۵) خداوند تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ سے جو وعدے کئے ہوں وہ اس کی ذات سے پورے ہوں۔

(۶) اس کا قول حجت ہو۔

یہ اوصاف اگرچہ متفرق طور پر بہت سے صحابہؓ میں پائے جاتے تھے لیکن ان کا مجموعہ صرف خلفائے اربعہؓ کی ذات تھی۔ چنانچہ ان اوصاف کو اگر بہ ترتیب پیش نظر رکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ ان میں سے کوئی وصف ایسا نہیں ہے جو ان کی ذات میں موجود نہ تھا۔ یہ لوگ مہاجرین اولین میں سے تھے۔ صلح حدیبیہ میں شریک تھے بدر، احد اور تبوک اور دوسرے اہم غزوات میں شریک تھے اور سورہ نور کے اترنے کے وقت موجود تھے مبشر بالجنہ تھے۔ امت کے طبقہ علیاء سے تھے۔ چنانچہ حدیث شریف میں ہے کہ ایک بار رسول اللہ ﷺ حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ، حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ ایک پہاڑ پر تھے کہ ایک چٹان پلنے لگی۔ آپ نے اس وقت فرمایا کہ ”ٹھہر تجھ پر صرف نبی یا صدیق یا شہید ہیں۔“

ہر ایک خلیفہ کے متعلق الگ الگ بھی اس قسم کی حدیثیں وارد ہیں۔ جن سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ تمام امت میں نہایت بلند درجہ رکھتے تھے۔ آپ ﷺ نے حضرت ابوبکرؓ کی نسبت ارشاد فرمایا ”کیا تم پہلے شخص نہیں ہو جو میری امت میں سے جنت میں داخل ہو گئے“ تم حوض کوثر پر میرے رفیق ہو اور غار میں میرے رفیق تھے۔ حضرت عمرؓ کی نسبت ارشاد ہوا کہ ”گذشتہ امتوں میں محدثین تھے اگر میری امت میں کوئی محدث ہوگا تو وہ عمرؓ ہوں گے۔“ بہت سی آیتیں حضرت عمرؓ کی

رائے کے مطابق نازل ہوئی ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ اس حدیث کے مصداق تھے۔ حضرت عثمانؓ کی نسبت فرمایا کہ ”جس سے فرشتے شرماتے ہیں کیا میں اس سے نہ شرمائوں، ہر پیغمبر کے رفیق ہوتے ہیں اور جنت میں میرا رفیق عثمانؓ ہے۔“ حضرت علیؓ کرم اللہ وجہہ کی نسبت ارشاد ہوا کہ ”کیا تم یہ پسند نہیں کرتے کہ میرے ساتھ تم کو وہی نسبت حاصل ہو جو ہارونؑ کو موسیٰ کے ساتھ تھی۔ کل میں یہ جھنڈا ایسے شخص کو دوں گا جو اللہ اور اس کے رسول کو محبوب رکھتا ہے اور اسکو اللہ اور اس کے رسول محبوب رکھتے ہیں۔“

رسول اللہ ﷺ نے ان بزرگوں کے ایسے اوصاف بیان فرمائے ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ وہی خلافت کے حقیقی مستحق تھے۔ چنانچہ آپؐ نے فرمایا کہ میری امت پر سب سے زیادہ رحمہل ابو بکرؓ، خدا کے بارے میں سب سے زیادہ بولنے والے عمرؓ، سب سے زیادہ حیا دار عثمانؓ اور سب سے بڑے قاضی علیؓ ابن ابی طالب ہیں۔ ایک حدیث میں ہے کہ ”اگر تم لوگ ابو بکرؓ کو امیر بناؤ گے تو ان کو دنیا کا حقیر سمجھنے والا اور آخرت کا شائق پاؤ گے۔ اگر عمرؓ کو امیر بناؤ گے تو ان کو قوی امین پاؤ گے جو خدا کے بارے میں ملامت کا خوف نہ کریں گے۔ اور اگر علیؓ کو امیر بناؤ گے اور میرا خیال ہے کہ تم لوگ ایسا نہ کرو گے تو ان کو ہدایت کرنے والا اور ہدایت یافتہ پاؤ گے۔“

ان اوصاف کے ساتھ جو کام منصب نبوت سے تعلق رکھتے تھے آپؐ نے اپنی زندگی میں ان سے دو کام لئے ہیں۔ مثلاً ابو بکرؓ کو متعدد مواقع پر اپنی جگہ امام بنایا ہے اور امیر الحج مقرر فرمایا ہے۔ مسلمانوں کے معاملہ میں ہمیشہ شیخین سے مشورے کئے ہیں۔ حضرت عمرؓ کو بعض غزوات کا امیر بنایا ہے اور صدقاتِ مدینہ کا عامل مقرر فرمایا ہے۔ حضرت عثمانؓ سے صلح حدیبیہ کے زمانہ میں سفیر کا کام لیا ہے اور حضرت علیؓ کرم اللہ وجہہ کو یمن کا قاضی مقرر کر کے بھیجا ہے۔

خداوند تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ سے جو وعدہ کئے تھے وہ ان کے زمانے میں پورے ہوئے۔ مثلاً اقامتِ صلوٰۃ، ایتائے زکوٰۃ، امر بالمعروف، نہی عن المنکر اور تمکین و تقویتِ دین سے وہ وعدے پورے ہوئے جو آیت ان مَکْنَهُمْ فِی الْاَرْضِ اِلٰہِ اور وَعَدَ اللّٰہُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْکُمْ اِلٰہِ میں کئے گئے تھے۔ اسلام کے مقابل میں یہودیت، نصرانیت اور مجوسیت کے مغلوب ہو جانے سے لَیْظْہِرْہُ عَلٰی الدِّیْنِ کَلِمَہ کی بشارت پوری ہوئی اور فتوحات کی کثرت نے آیۃ مَثَلُہُمْ فِی النَّوْرَةِ وَمَثَلُہُمْ فِی الْاَنْجِلِ اِلٰہِ کی موعودہ خیر و برکت کو پورا کیا۔ آیۃ من آیۃ مِنْکُمْ میں مرتدین کی جنگ کی طرف جو اشارہ ہے وہ حضرت ابو بکر صدیقؓ کے زمانہ میں ہوئی اِنَّ عَلَیْنَا جَمْعَہٗ وَقُرْآنَہٗ میں کتابی شکل میں قرآن مجید کی تدوین کی طرف جو اشارہ ہے اس کی تکمیل حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ کی کوششوں سے ہوئی۔ قتالِ خوارج کی نسبت حدیث میں آیا ہے کہ اگر میں ان کو

پاتا تو عادی طرح قتل کر ڈالتا اور ان کی جنگ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے زمانہ میں ہوئی۔
 امور دین میں خود رسول اللہ ﷺ کی تصریح کے مطابق ان کا قول و فعل حجت تھا چنانچہ آپ
 نے فرمایا کہ ”تم پر میری سنت اور میرے بعد خلفائے راشدین کی سنت کا اتباع فرض ہے۔“
 حضرت ابن مسعودؓ اور حضرت حذیفہؓ سے روایت ہے کہ میرے بعد لوگوں میں ابوبکرؓ اور عمرؓ کی تقلید
 کرو۔“

غرض اس قسم کے بے شمار فضائل ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ خدا اور رسول کی مرضی کے
 مطابق خلافت کے حقیقی مستحق اور اس کی تعریف کا صحیح مصداق صرف خلفائے اربعہؓ تھے اور ان
 کے کارنامہ ہائے زندگی بھی جو اس کتاب میں مذکور ہیں، اس کی تصدیق کریں گے۔

معین الدین ندوی
 رفیق دارالمصنفین، اعظم گڑھ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

نحمدہ ونصلی علی رسول الکریم

حضرت ابو بکر صدیقؓ

خلیفہ اول
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

نام و نسب خاندان

عبداللہ نام، ابو بکر کنیت، صدیق اور عتیق لقب، والد کا نام عثمان اور کنیت ابوقحافہ، والدہ کا نام سلمیٰ اور ام الخیر کنیت، والد کی طرف سے پورا سلسلہ نسب یہ ہے: عبداللہ بن عثمان بن عامر بن عمرو بن کعب بن سعد بن تیم بن مرہ بن کعب بن لوی القرشی التیمی۔ اور والدہ کی طرف سے سلسلہ نسب یہ ہے: ام الخیر بنت سحر بن عامر بن کعب بن سعد بن تمیم بن مرہ (۱)۔ اس طرح حضرت ابو بکرؓ کا سلسلہ نسب چھٹی پشت میں مرہ پر آنحضرت ﷺ سے جا ملتا ہے۔

حضرت ابو بکرؓ کے والد

ابوقحافہ عثمان بن مرہ شرفائے مکہ میں سے تھے اور نہایت معمر تھے۔ ابتداً جیسا کہ بوڑھوں کا قاعدہ ہے وہ اسلام کی تحریک کو باز پچہ اطفال سمجھتے تھے۔ چنانچہ حضرت عبداللہ کا بیان ہے کہ جب آنحضرت ﷺ نے ہجرت فرمائی ہے تو میں آپ کی تلاش میں حضرت ابو بکرؓ کے گھر آیا، وہاں ابوقحافہ موجود تھے۔ انہوں نے حضرت علیؓ کو اس طرف سے گزرتے ہوئے دیکھ کر نہایت برہمی سے کہا کہ ان بچوں نے میرے لڑکے کو بھی خراب کر دیا۔ (۲)

ابوقحافہ فتح مکہ تک نہایت استقلال کے ساتھ اپنے آبائی مذہب پر قائم رہے۔ فتح مکہ کے بعد جب رسول اللہ ﷺ مسجد میں تشریف فرما تھے وہ اپنے فرزند سعید حضرت ابو بکر صدیقؓ کے ساتھ بارگاہ نبوت میں حاضر ہوئے۔ آنحضرت ﷺ نے ان کے ضعیف پیری کو دیکھ کر فرمایا کہ انہیں کیوں تکلیف دی میں خود ان کے پاس پہنچ جاتا۔ اس کے بعد آپ نے نہایت شفقت سے

ان کے سینے پر ہاتھ پھیرا اور کلمات طیبات تلقین کر کے مشرف باسلام فرمایا۔ حضرت ابو قحافہؓ نے بڑی عمر پائی۔ آنحضرت ﷺ کے بعد اپنے فرزند ارجمند حضرت ابوبکرؓ کے بعد بھی کچھ دنوں تک زندہ رہے آخر عمر میں بہت ضعیف ہو گئے تھے۔ آنکھوں کی بصارت جاتی رہے تھی۔ ۱۲ھ میں ۹۷ برس کی عمر میں وفات پائی۔^(۱)

حضرت ابوبکرؓ کی والدہ

حضرت ام الخیر سلمیٰ بنت صخر کو ابتدا ہی میں حلقہ بگوشان اسلام میں داخل ہونے کا شرف حاصل ہوا۔ ان سے پہلے صرف انتالیس اصحاب مسلمان ہوئے تھے۔ یہ قلیل جماعت باعلان اپنے اسلام کا اظہار نہیں کر سکتی تھی اور نہ مشرکین و کفار کو بانگ دہل دین مبین کی دعوت دے سکتی تھی، لیکن حضرت ابوبکرؓ کا مذہبی جوش اس بے بسی پر نہایت مضطرب تھا۔ آپ نے ایک روز نہایت اصرار کے ساتھ آنحضرت ﷺ سے اجازت لے کر مجمع عام میں شریعت حقہ کے فضائل و محامد پر تقریر کی اور کفار و مشرکین کو شرک و بت پرستی چھوڑ کر اسلام قبول کر لینے کی دعوت دی۔ کفار و مشرکین جن کے کان کبھی ان الفاظ سے مانوس نہ تھے نہایت برہم ہوئے اور حضرت ابوبکرؓ صدیق کو نہایت بے رحمی اور خدا نترسی کے ساتھ اس قدر مارا کہ بالآخر بنی تیم کو باوجود مشرک ہونے کے اپنے قبیلہ کے ایک فرد کو اس حال میں دیکھ کر ترس آ گیا اور انہوں نے عام مشرکین کے پیچہ ظلم سے چھڑا کر ان کو مکان تک پہنچا دیا۔ شب کے وقت بھی حضرت ابوبکرؓ باوجود درد اور تکلیف کے اپنے والد اور خاندانی اعزہ کو اسلام کی دعوت دیتے رہے۔ صبح ہوئی تو رسول اللہ ﷺ کا پتہ دریافت کر کے اپنی والدہ کے ساتھ ارقم بن رقم کے مکان میں آئے اور آنحضرت ﷺ سے عرض کی کہ میری والدہ حاضر ہیں ان کو راہ حق کی ہدایت کیجئے۔ آنحضرت ﷺ نے انہیں اسلام کی دعوت دی اور وہ مشرف باسلام ہو گئیں۔^(۲)

حضرت ام الخیرؓ نے بھی طویل عمر پائی چنانچہ حضرت ابوبکرؓ صدیقؓ کی خلافت تک زندہ رہیں لیکن اپنے شوہر سے پہلے وفات پائی۔^(۳)

قبل اسلام

حضرت ابوبکرؓ صدیقؓ اسلام سے قبل ایک متمول تاجر کی حیثیت رکھتے تھے اور ان کی دیانت، راستبازی اور امانت کا خاص شہرہ تھا اہل مکہ انکو علم، تجربہ اور حسن خلق کے باعث نہایت معزز سمجھتے تھے۔ ایام جاہلیت میں خوں بہا کا مال آپ ہی کے ہاں جمع ہوتا تھا۔ اگر کبھی کسی دوسرے شخص کے

① اصابہ جلد ۲ ص ۲۲۲ ② الاصابہ جلد ۸ ص ۲۲۹ ③ ایضاً بحوالہ طبرانی

یہاں جمع ہوتا تو قریش اس کو تسلیم نہیں کرتے تھے (۱)۔ حضرت ابو بکرؓ کو ایام جاہلیت میں بھی شراب سے ویسی ہی نفرت تھی جیسی زمانہ اسلام میں۔ اس قسم کے ایک سوال کے جواب میں فرمایا کہ شراب نوشی میں نقصان آبرو ہے۔

آنحضرت ﷺ کے ساتھ بچپن ہی سے ان کو خاص انس اور خلوص تھا اور آپ کے حلقہ احباب میں داخل تھے۔ اکثر تجارت کے سفروں میں بھی ہمراہی کا شرف حاصل ہوتا تھا۔ (۲)

اسلام

آنحضرت ﷺ کو جب خلعت نبوت عطا ہوا اور آپ نے مخفی طور پر احباب مخلصین اور محرمان راز کے سامنے اس حقیقت کو ظاہر فرمایا تو مردوں میں سے حضرت ابو بکرؓ نے سب سے پہلے بیعت کے لئے ہاتھ بڑھایا۔ بعض ارباب سیر نے ان کے قبول اسلام کے متعلق بہت سے طویل قصے نقل کئے ہیں لیکن یہ سب حقیقت سے دور ہیں۔ اصل یہ ہے کہ ابو بکرؓ کا آئینہ دل پہلے سے صاف تھا۔ فقط خورشید حقیقت کی عکس افگنی کی دیر تھی۔ گذشتہ صحبتوں کے تجربوں نے نبوت کے خط و خال کو اس طرح واضح کر دیا تھا کہ معرف حق کے لئے کوئی انتظار باقی نہ رہا۔ البتہ ان کے اول مسلمان ہونے میں بعض مورخین اور اہل آثار نے کلام کیا ہے۔ بعض روایات سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت خدیجہؓ کا اسلام سب سے مقدم ہے۔ بعض سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علیؓ کرم اللہ وجہہ کو اولیت کا فخر حاصل ہے اور بعض کا خیال ہے کہ حضرت زید بن ثابتؓ بھی حضرت ابو بکرؓ سے پہلے مسلمان ہو چکے تھے۔ لیکن اس کے مقابلہ میں ایسے اخبار و آثار بھی بکثرت موجود ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ اولیت کا طغرائے شرف و امتیاز صرف اسی ذات گرامی کے لئے مخصوص ہے۔ حضرت حسان بن ثابت کے ایک قصیدہ سے بھی اسی خیال کی تائید ہوتی ہے:

اذا تذکرت شجوا من اخي ثقة فاذكر اخاك ابا بكر بما فعلا

خير البرية اتقاها واعدلها بعد النبی و اوفها بما حملا

والثانی التالی المحمود مشهده واول الناس منهم صدق المرسلا

جب تمہیں کسی سچے بھائی کا غم آئے تو اپنے بھائی ابو بکرؓ کو یاد کرو ان کے کارناموں کی بناء پر

وہ تمام مخلوق میں نبی ﷺ کے بعد تقویٰ اور عدل کے لحاظ سے بہتر تھے اور انہوں نے جو

کچھ اٹھایا اسکو پورا کر کے چھوڑا۔ وہی ثانی اور آپ ﷺ کے بعد متصل ہیں جنگی مشکلات

میں موجودگی کی تعریف کی گئی اور وہی پہلے شخص ہیں جنہوں نے رسولوں کی تصدیق کی ہے۔

محققین نے ان مختلف احادیث و آثار میں اس طرح تطبیق دی ہے کہ ام المومنین حضرت خدیجہ عورتوں میں، حضرت علیؓ بچوں میں، حضرت زید بن حارثہ غلاموں میں اور حضرت ابوبکرؓ صدیق آزاد اور بالغ مردوں میں سب سے اول مومن ہیں۔ (۱)

اشاعت اسلام

حضرت ابوبکرؓ صدیق نے مسلمان ہونے کے ساتھ ہی دین حنیف کی نشر و اشاعت کے لئے جدوجہد شروع کر دی اور صرف آپ کی دعوت پر حضرت عثمانؓ بن عفان، حضرت زبیرؓ بن العوام، حضرت عبد الرحمنؓ بن عوف، حضرت سعد بن ابی وقاصؓ، حضرت طلحہ بن عبد اللہؓ جو معدن اسلام کے سب سے تاباں و درخشاں جواہر ہیں مشرف باسلام ہوئے۔ حضرت عثمانؓ بن مظعونؓ، حضرت ابو عبیدہؓ، حضرت ابوسلمہؓ اور حضرت خالد بن سعید بن العاصؓ بھی آپ ہی کی ہدایت سے دائرۂ اسلام میں داخل ہوئے۔ یہ وہ اکابر صحابہ ہیں جو آسمان اسلام کے اختر ہائے تاباں ہیں لیکن ان ستاروں کا مرکز شمسی حضرت ابوبکرؓ صدیق ہی کی ذات تھی۔ اعلانیہ دعوت کے علاوہ ان کا مخفی روحانی اثر بھی سعید روحوں کو اسلام کی طرف مائل کرتا تھا۔ چنانچہ اپنے صحن خانہ میں ایک چھوٹی سی مسجد بنائی تھی۔ اور اس میں نہایت خشوع و خضوع کیساتھ عبادت الہی میں مشغول رہتے تھے۔ آپ نہایت رقیق القلب تھے، قرآن پاک کی تلاوت فرماتے تو آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے۔ لوگ آپ کے گریہ و بکا کو دیکھ کر جمع ہو جاتے اور اس پر اثر منظر سے نہایت متاثر ہوتے۔ (۲)

مکہ کی زندگی

آنحضرت ﷺ نے بعثت کے بعد کفار کی ایذا رسانی کے باوجود تیرہ برس تک مکہ میں تبلیغ و دعوت کا سلسلہ جاری رکھا۔ حضرت ابوبکرؓ اس بے بسی کی زندگی میں جان، مال، رائے و مشورہ، غرض ہر حیثیت سے آپ کے دست و بازو اور رنج و راحت میں شریک رہے۔ آنحضرت ﷺ روزانہ صبح و شام حضرت ابوبکرؓ کے گھر تشریف لے جاتے اور دیر تک مجلس راز قائم رہتی۔ (۳) قبائل عرب اور عام مجموعوں میں تبلیغ و ہدایت کے لئے جاتے تو یہ بھی ہمراہ ہوتے اور نسب دانی اور کثرت ملاقات کے باعث لوگوں سے آپ کا تعارف کراتے۔ (۴)

مکہ میں ابتداءً جن لوگوں نے داعی توحید کو لبیک کہا ان میں کثیر تعداد غلاموں اور لونڈیوں کی تھی جو اپنے مشرک آقاؤں کے بچہ ظلم و ستم میں گرفتار ہونے کے باعث طرح طرح کی اذیتوں میں مبتلا تھے۔ حضرت ابوبکرؓ نے ان مظلوم بندگان توحید کو ان کے جفا کار مالکوں سے خرید کر آزاد

① فتح الباری ج ۷ ص ۱۳۰ ② بخاری باب الهجرة النبوی ﷺ وصحابہ الی المدینہ ③ ایضاً

④ کنز العمال ج ۶ ص ۳۱۹ فضائل ابی بکر صدیقؓ

کر دیا۔ چنانچہ حضرت بلالؓ، عامر بن فہیرہؓ، نذیرہؓ، نہدیہؓ، جاریہؓ، بنی مولؓ اور بنت نہدیہ وغیرہ نے اسی صدیق جود و کرم کے ذریعہ سے نجات پائی۔

کفار جب کبھی آنحضرت ﷺ پر دست تعدی و رازی کرتے تو یہ مخلص جانثار خطرہ میں پڑ کر خود سینہ سپر ہو جاتا۔ ایک دفعہ آپ خانہ کعبہ میں تقریر فرما رہے تھے مشرکین اس تقریر سے سخت برہم ہوئے اور اس قدر مارا کہ آپ ﷺ بے ہوش ہو گئے، حضرت ابو بکرؓ نے بڑھ کر کہا ”خدا تم سے سمجھے کیا تم صرف ان کو اس لئے قتل کر دو گے کہ ایک خدا کا نام لیتے ہیں“ (۱) اسی طرح ایک روز آنحضرت نماز پڑھ رہے تھے کہ اسی حالت میں عقبہ بن معیط نے اپنی چادر سے گلوئے مبارک میں پھندا ڈال دیا۔ اس وقت اتفاقاً حضرت ابو بکرؓ پہنچ گئے اور اس ناہنجار کی گردن پکڑ کر خیر الانام علیہ السلام سے علیحدہ کیا اور فرمایا ”کیا تم اس کو قتل کر دو گے جو تمہارے پاس خدا کی نشانیاں لایا اور کہتا ہے کہ میرا رب اللہ ہے؟“ (۲)

آنحضرت ﷺ اور حضرت ابو بکرؓ میں رشتہ مصاہرت مکہ ہی میں قائم ہوا یعنی حضرت ابو بکرؓ کی صاحبزادی حضرت عائشہؓ آنحضرت ﷺ کے نکاح میں آئیں لیکن رخصتی ہجرت کے دو سال بعد ہوئی (۳)۔

ہجرت حبشہ کا قصد اور واپسی

ابتداءً مشرکین قریش نے مسلمانوں کی قلیل جماعت کو چنداں اہمیت نہ دی لیکن جب انہوں نے دیکھا کہ روز بروز ان کی تعداد بڑھتی جاتی ہے اور اسلام کا حلقہ اثر وسیع ہوتا جاتا ہے تو نہایت سختی سے انہوں نے اس تحریک کا سد باب کرنا چاہا۔ ایذا اور تکلیف رسانی کی تمام ممکن صورتیں عمل میں لانے لگے۔ آنحضرت ﷺ نے جب اپنے جانثاروں کو ان مصائب میں مبتلا پایا تو ستم زدوں کو حبش کی طرف ہجرت کی اجازت دی۔ اور بہت سے مسلمان حبش کی طرف روانہ ہو گئے۔ حضرت ابو بکرؓ صدیق بھی باوجود وجاہت ذاتی اور اعزاز خاندانی کے اس داروگیر سے محفوظ نہ تھے۔ چنانچہ جب حضرت طلحہؓ بن عبد اللہ ان کی تبلیغ سے حلقہ بگوش اسلام ہوئے تو حضرت طلحہؓ کے چچا نوفل بن خویلد نے ان دونوں کو ایک ساتھ باندھ کر مارا اور حضرت ابو بکرؓ کے خاندان نے کچھ حمایت نہ کی (۴)۔ ان اذیتوں سے مجبور ہو کر آپ نے آنحضرت ﷺ سے اجازت لی اور رخصت سفر باندھ کر عازم حبش ہوئے۔ جب آپ مقام برک الغما میں پہنچے تو ابن الدغنه رئیس قارہ سے ملاقات ہوئی۔ اس نے پوچھا ابو بکر کہاں کا قصد ہے؟ آپ نے فرمایا کہ قوم نے مجھے جلاوطن کر دیا

① فتح الباری ج ۷ ص ۱۲۹ ② بخاری باب ما لقی النبی واصحابہ من المشرکین بکے ③ باب تزویج النبی عائشہؓ ④ طبقات ابن سعد قسم اول ثالث ص ۱۹۳۔ یہ واقعہ کی روایت ہے

ہے۔ اب ارادہ ہے کہ کسی اور ملک کو چلا جاؤں اور آزادی سے خدا کی عبادت کروں۔ ابن الدغنه نے کہا کہ تم سا آدمی جلاوطن نہیں کیا جاسکتا۔ تم مفلس و بے نوا کی دست گیری کرتے ہو قرابت داروں کا خیال رکھتے ہو، مہمان نوازی کرتے ہو، مصیبت زدوں کی اعانت کرتے ہو۔ میرے ساتھ واپس چلو اور اپنے وطن ہی میں اپنے خدا کی عبادت کرو۔ چنانچہ آپ ابن الدغنه کے ساتھ پھر مکہ واپس آئے۔ ابن الدغنه نے قریش میں پھر کراعلان کر دیا کہ آج سے ابو بکرؓ میری امان میں ہیں۔ ایسے شخص کو جلاوطن نہ کرنا چاہیئے جو محتاجوں کی خبر گیری کرتا ہے، قرابت داروں کا خیال رکھتا ہے، مہمان نوازی کرتا ہے اور مصائب میں لوگوں کے کام آتا ہے۔ قریش نے ابن الدغنه کی امان کو تسلیم کیا لیکن فرمائش کی کہ ابو بکرؓ کو سمجھا دو کہ وہ جب اور جس طرح جی چاہے اپنے گھر میں نمازیں پڑھے اور قرآن کی تلاوت کریں لیکن گھر سے باہر نمازیں پڑھنے کی ان کو اجازت نہیں۔ مگر جیسا کہ پہلے ذکر آچکا ہے حضرت ابو بکرؓ صدیق نے عبادت الہی کے لئے اپنے صحن خانہ میں ایک مسجد بنالی تھی، کفار کو اس پر بھی اعتراض ہوا۔ انہوں نے ابن الدغنه کو خبر دی کہ ہم تمہاری ذمہ داری پر ابو بکرؓ کو اس شرط پر امان دی تھی کہ وہ اپنے مکان میں چھپ کر اپنے مذہبی فرائض ادا کریں۔ لیکن اب وہ صحن خانہ میں مسجد بنا کر اعلان کے ساتھ نماز پڑھتے ہیں، اس سے ہم کو خوف ہے کہ ہماری عورتیں اور بچے متاثر ہو کر اپنے آبائی مذہب سے بدعتیہ نہ ہو جائیں۔ اس لئے تم انہیں مطلع کر دو کہ اس سے باز آجائیں ورنہ تم کو ذمہ داری سے بری سمجھیں۔ ابن الدغنه نے ابو بکرؓ صدیق سے جا کر کہا: تم جانتے ہو کہ میں نے کس شرط پر تمہاری حفاظت کا ذمہ لیا ہے، اس لئے یا تو تم اس پر قائم رہو یا مجھے ذمہ داری سے بری سمجھو، میں نہیں چاہتا کہ عرب میں مشہور ہو کہ میں نے کسی کے ساتھ بد عہدی کی، لیکن حضرت ابو بکرؓ نے نہایت استغناء کے ساتھ جواب دیا کہ ”مجھے تمہاری پناہ کی حاجت نہیں میرے لئے خدا اور اس کے رسول کی پناہ کافی ہے۔ (۱)

ہجرت مدینہ اور خدمت رسول

کفار و مشرکین کا دست ستم روز بروز زیادہ و راز ہوتا گیا تو آپ نے پھر دوبارہ ہجرت کا قصد فرمایا اس وقت تک مدینہ کی سرزمین نور اسلام سے سے منور ہو چکی تھی اور ستم رسیدہ مسلمانوں کو نہایت خلوص و محبت کے ساتھ اپنے دامن میں پناہ دے رہی تھی۔ اس لئے اس دفعہ آپ نے مدینہ کو اپنی منزل قرار دیا اور ہجرت کی تیاری شروع کر دی۔ لیکن بارگاہ نبوت سے یہ حکم ہوا کہ ابھی عجلت سے کام نہ کرو۔ امید ہے کہ خدائے پاک کی طرف سے مجھے بھی ہجرت کا حکم ہوگا۔ حضرت ابو بکرؓ صدیق نے نہایت تعجب سے پوچھا: ”میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں کیا آپ کو بھی ہجرت

① بخاری جلد اول باب ہجرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم واصحابہ الی المدینہ

کا حکم ہوگا؟“ ارشاد ہوا ”ہاں!“ عرض کی ”یا رسول اللہ! مجھے ہمراہی کا شرف نصیب ہو۔“ فرمایا ”ہاں! تم ساتھ چلو گے۔“ اس بشارت کے بعد ارادہ ملتوی کر دیا اور چار ماہ تک منتظر رہے۔

حضرت عائشہؓ کا بیان ہے کہ آنحضرت ﷺ عموماً صبح و شام حضرت ابوبکرؓ صدیق کے گھر تشریف لایا کرتے تھے۔ ایک روز منہ کو چھپائے ہوئے خلاف معمول ناوقت تشریف لائے۔ اور فرمایا کہ کوئی ہو تو بٹا دو۔ میں کچھ باتیں کرنا چاہتا ہوں۔ حضرت ابوبکرؓ صدیق نے عرض کی کہ گھر والوں کے سوا اور کوئی نہیں ہے۔ یہ سن کر آپ اندر تشریف لائے اور فرمایا کہ مجھے ہجرت کا حکم ہو گیا ہے۔ حضرت ابوبکرؓ صدیق نے پھر ہمراہی کی تمنا ظاہر کی۔ ارشاد ہوا ہاں تیار ہو جاؤ۔ وہ تو چار مہینے سے اسی انتظار میں بیٹھے ہوئے تھے، فوراً تیار ہو گئے۔ ام المؤمنین حضرت عائشہؓ اور حضرت اسماءؓ نے جلدی جلدی رخصت سفر درست کیا۔ حضرت اسماءؓ کو توشہ دان باندھنے کے لئے کوئی چیز نہیں ملی تو انہوں نے اپنا کمر بند پھاڑ کر باندھا اور دربار نبوت سے ذات النطاقین کا خطاب پایا۔ حضرت ابوبکرؓ صدیق نے پہلے ہی سے دواونٹ تیار کر لئے تھے۔ ایک آنحضرت ﷺ کی خدمت میں پیش کیا اور ایک پر خود سوار ہوئے۔ اسی طرح نبی ﷺ و صدیق کا مختصر قافلہ راہی مدینہ ہوا۔ (۱)

اس قافلہ کی پہلی منزل غارِ ثور تھی۔ حضرت ابوبکرؓ نے غار میں پہلے داخل ہو کر اس کو درست کیا جو سوراخ اور بھٹ نظر آئے ان کو بند کیا، پھر آنحضرت ﷺ سے اندر تشریف لانے کیلئے عرض کیا۔ آپ اس غار میں داخل ہوئے اور اپنے رفیقِ منس کے زانو پر سر مبارک رکھ کر مشغول استراحت ہو گئے۔ اتفاقاً اسی حالت میں ایک سوراخ سے جو بند ہونے سے رہ گیا تھا ایک زہریلے سانپ نے سر نکالا، لیکن اس خادمِ جانثار نے اپنے آقا کی راحت میں خلل انداز ہونا گوارہ نہ کیا اور خود اپنی جان کو خطرہ میں ڈال کر اس پر پاؤں رکھ دیا۔ سانپ نے کاٹ لیا زہر اثر کرنے لگا درد و کرب کے باعث آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے لیکن اس وفا شعار رفیق نے اپنے جسم کو حرکت نہ دی کہ اس سے خوابِ راحت میں خلل اندازی ہوگی۔ اتفاقاً آنسو کا ایک قطرہ ڈھلک کر آنحضرت ﷺ کے چہرہٴ انور پر پڑا جس سے حضور بیدار ہو گئے اور اپنے مخلص غمگسار کو بے چین دیکھ کر فرمایا ابوبکر کیا ہے؟ عرض کی ”میرے ماں باپ آپ ﷺ پر فدا ہوں“ سانپ نے کاٹ لیا۔“ آنحضرت ﷺ نے اسی وقت اس مقام پر اپنا لعاب دہن لگا دیا۔ اس تریاق سے زہر کا اثر دور ہو گیا۔ (۲)

حضرت ابوبکرؓ صدیق نے اپنے صاحبزادے حضرت عبداللہؓ کو ہدایت کر دی تھی کہ دن کو مکہ میں جو واقعات پیش آئیں رات کو ہمارے پاس آکر ان کی اطلاع کرتے رہنا اسی طرح اپنے

غلام عامر بن فہیرہ کو حکم دیا تھا کہ مکہ کی چراگاہ میں بکریاں چراکیں اور رات کے وقت غار کے پار لے آئیں۔ چنانچہ صبح کے وقت جب حضرت عبداللہؓ واپس آتے تو حضرت عامر بن فہیرہؓ ان کے نشان قدم پر بکریاں لاتے تاکہ نشان مٹ جائے اور کسی کو شبہ نہ ہو۔ رات کے وقت انہی بکریوں کا تازہ دودھ غذا کے کام آتا۔ غرض تین دن اور تین راتیں اسی حالت میں بسر ہوئیں اور یہ تمام کارروائی اس احتیاط سے عمل میں آتی تھی کہ قریش کو ذرا بھی شبہ نہ ہوا۔ (۱)

اس عرصہ میں کفار بھی اپنی کوششوں سے غافل نہ تھے جس روز آنحضرت ﷺ نے ہجرت فرمائی ہے اسی روز قریش کی مجلس ملی سے آپ ﷺ کے قتل کا فتویٰ صادر ہو چکا تھا اور تمام ضروری تدبیریں عمل میں آچکی تھیں۔ چنانچہ ابو جہل وغیرہ نے اس روز رات بھر کا شانہ اقدس کا محاصرہ رکھا لیکن جب وقت معین پر خواب گاہ میں داخل ہوئے تو وہ گوہر مقصود سے خالی تھا۔ وہاں سے حضرت ابوبکر صدیقؓ کے دولت کدہ پر گئے اور حضرت اسماءؓ سے ان کے والد کو دریافت کیا۔ انہوں نے لاعلمی ظاہر کی تو ابو جہل نے غضبناک ہو کر زور سے ایک طمانچہ مارا۔ اور اسے یقین ہو گیا کہ یہ دونوں ایک ساتھ یہاں سے روانہ ہو گئے۔ (۲)

قریش اپنی ناکامی پر بہت برہم ہوئے۔ اسی وقت اعلان کیا گیا کہ جو شخص محمد (ﷺ) کو گرفتار کر کے لائے گا اس کو سو (۱۰۰) اونٹ انعام دیئے جائیں گے۔ چنانچہ متعدد بہادروں نے مذہبی جوش اور انعام کی طمع میں آپ کی تلاش شروع کی۔ مکہ کے اطراف میں کوئی آبادی، ویرانہ، جنگل اور پہاڑ یا سنسان میدان ایسا نہ ہوگا جس کا جائزہ نہ لیا گیا ہو یہاں تک کہ ایک جماعت غار کے پاس پہنچی، اس وقت حضرت ابوبکر صدیقؓ کو نہایت اضطراب ہوا اور حزن و یاس کے عالم میں بولے ”اگر وہ ذرا بھی نیچے کی طرف نگاہ کریں گے تو ہم دیکھ لئے جائیں گے۔“ آنحضرت ﷺ نے آپ کو تشفی دی اور فرمایا مایوس و غمزدہ نہ ہوں، ہم صرف دو نہیں ہیں، ایک تیسرا (یعنی خدا) بھی ہمارے ساتھ ہے۔ (۳) اس تشفی آمیز فقرہ سے حضرت ابوبکر صدیقؓ کو اطمینان ہو گیا اور ان کا مضطرب دل امداد غیبی کے یقین پر لازوال جرأت و استقلال سے مملو ہو گیا۔ خدا کی قدرت کہ کفار جو تلاش کرتے ہوئے اس غار تک پہنچے تھے ان کو مطلق محسوس نہ ہوا کہ ان کا گوہر مقصود اسی غار میں پنہاں ہے اور وہ ناکام واپس چلے گئے۔

چوتھے روز یہ کارواں آگے روانہ ہوا۔ اب اس میں بجائے دو کے چار آدمی تھے۔ حضرت ابوبکرؓ نے اپنے غلام عامر بن فہیرہؓ کو راستہ کی خدمات کے لئے پیچھے بٹھالیا ہے۔ عبد بن اریق

① بخاری جلد ۲ باب بنیان الکعبہ، باب ہجرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم واصحابہ الی المدینہ

② سیر ابن ہشام ج ۱ ص ۲۶۹ ③ مسلم فضائل ابی بکر الصدیق

آگے آگے راستہ بناتا جاتا ہے۔ حضرت ابوبکرؓ مہبط وحی والہام کی حفاظت کے لئے کبھی آگے بڑھ جاتے ہیں اور کبھی پیچھے ہو جاتے ہیں۔ اسی اثناء میں سراقہ بن جشم قریش کا ہرکارہ گھوڑا اڑاتا ہوا قریب پہنچ گیا۔ حضرت ابوبکرؓ نے خوفزدہ ہو کر کہا ”یا رسول اللہ! یہ سوار قریب پہنچ گیا“۔ ارشاد ہوا، ”تم گمکین نہ ہو خدا ہمارے ساتھ ہے“۔ بارگاہ رب العالمین میں دعا کی۔ اس کا اثر یہ ہوا کہ سراقہ کے گھوڑے کے پاؤں زمین میں دھنس گئے۔ اتر کا پانسہ پھینک کر فال نکالی۔ جواب آیا کہ اس تعاقب سے دستبردار ہو جاؤ۔ نہ مانا، پھر آگے بڑھا پھر وہی واقعہ پیش آیا۔ مجبور ہو کر امان طلب کی اور واپس آ گیا۔ (۱)

حضرت ابوبکر صدیق نہایت کثیر الاحباب تھے۔ راہ میں بہت سے ایسے شناسا ملے جو آنحضرت ﷺ کو پہچانتے نہ تھے۔ وہ پوچھتے تھے کہ ابوبکرؓ! یہ تمہارے ساتھ کون ہے؟ آپ گول مول جواب دیتے کہ یہ ہمارے رہنما ہیں۔ غرض اس طرح پہلی منزل ختم ہوئی۔ حضرت ابوبکرؓ نے ایک سایہ دار چٹان کے نیچے فرش درست کر کے اپنے محبوب آقا کے لئے استراحت کا سامان بہم پہنچایا اور خود کھانے کی تلاش میں نکلے۔ اتفاق سے ایک گد ریا اسی چٹان کی طرف آ رہا تھا اس سے پوچھا کہ یہ بکریاں کس کی ہیں؟ اس نے ایک شخص کا نام لیا۔ پھر دریافت فرمایا کہ اس میں کوئی دودھاری بکری بھی ہے؟ اس نے کہا ہاں! آپ نے فرمایا ہمیں دودھ دو گے؟ اس نے رضا مندی ظاہر کی تو آپ نے ہدایت کی کہ پہلے تھن کو اور ہاتھوں کو گرد و غبار سے اچھی طرح صاف کر لو۔ اس نے حسب ہدایت وہ دودھ دوہ کر پیش کیا۔ آپ نے ٹھنڈا کرنے کے لئے اس میں تھوڑا سا پانی ملایا اور کپڑے سے چھان کر خدمت بابرکت میں لائے۔ آپ ﷺ نے نوش کیا اور دوسری منزل کے لئے چل کھڑے ہوئے۔ (۲)

اسی طرح یہ مختصر قافلہ دشمنوں کی گھاٹیوں سے بچتا ہوا بارہویں ربیع الاول سنہ نبوت کے چودہویں سال مدینہ کے قریب پہنچا۔ انصارؓ کو آنحضرت ﷺ کی روانگی کا حال معلوم ہو چکا تھا وہ نہایت بے چینی سے آپ کی آمد کا انتظار کر رہے تھے۔ آپ ﷺ شہر کے قریب پہنچے تو انصار استقبال کے لئے نکلے اور ہادی برحق کو حلقہ میں لے کر شہر قبا کی طرف بڑھے۔ آنحضرت ﷺ نے اس جلوس کو داہنی طرف مڑنے کا حکم دیا اور بنی عمرو بن عوف میں قیام پذیر ہوئے۔ یہاں انصار جوق در جوق زیارت کے لئے آنے لگے۔ آنحضرت ﷺ خاموشی کے ساتھ تشریف فرما تھے اور حضرت ابوبکرؓ کھڑے ہو کر لوگوں کا استقبال کر رہے تھے۔ بہت سے انصار جو پہلے آنحضرت ﷺ کی زیارت سے مشرف نہیں ہوئے تھے وہ غلطی سے حضرت ابوبکرؓ کے گرد جمع ہونے لگے۔ یہاں

① بخاری باب ہجرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم واصحابہ الی المدینہ ② ایضاً

تک کہ جب آفتاب سامنے آنے لگا اور جانثار خادم نے بڑھ کر اپنی چادر سے آقائے نامدار پر سایہ کیا تو اس وقت خادم و مخدوم میں امتیاز ہو گیا اور لوگوں نے رسالت مآب ﷺ کو پہچانا۔ (۱)

حضرت سرور کائنات ﷺ قبا میں چند روز مقیم رہ کر مدینہ تشریف لائے اور حضرت ابویوب انصاریؓ کے ہاں مہمان ہوئے۔ حضرت ابوبکرؓ بھی ساتھ آئے اور حضرت خارجہ بن زید ابن ابی زہیر کے مکان میں فروکش ہوئے (۲)۔ کچھ عرصہ کے بعد آپ کے اہل و عیال بھی حضرت طلحہؓ کے ساتھ مدینہ پہنچ گئے (۳)۔ لیکن مدینہ کی آب و ہوا مہاجرین کے لئے نہایت ناموافق ہوئی۔ خصوصاً حضرت ابوبکرؓ ایسے شدید بخار میں مبتلا ہوئے کہ زندگی سے مایوس ہو گئے۔ ایک دفعہ حضرت عائشہؓ نے حال پوچھا تو اس وقت یہ شعور و زبان تھا۔

کل امرء مصبح فی اہلہ
والموت ادنی من شراک نعلہ
ہر آدمی اس حالت میں اپنے اہل و عیال میں صبح کرتا ہے کہ موت جوتے کے تسمہ سے بھی قریب تر ہوتی ہے۔

حضرت عائشہؓ یہ حال دیکھ کر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور کیفیت عرض کی۔ رسول اللہ ﷺ نے اسی وقت دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے اور فرمایا:

اللّٰهُمَّ حَبِّبْ اِلَيْنَا الْمَدِيْنَةَ
كَحُبِّنَا مَكَّةَ اَوْ اَشَدَّ
وَصَحِّحْهَا وَبَارِكْ لَنَا فِي
صَاعِهَا وَمَدَّهَا وَانْقِلْ حَمَاهَا
فَاَجْعَلْهَا بِالْحِجْفَةِ
اے خدا تو مکہ کی طرح یا اس سے بھی زیادہ مدینہ کی محبت ہمارے دلوں میں پیدا کر۔
اس کو بیماریوں سے پاک فرما، اسکے صاع اور مد میں برکت دے اور اس کے (دوبائی) بخار کو جحفہ میں منتقل کر دے۔

دُعا مقبول ہوئی۔ حضرت ابوبکرؓ بستر مرض سے اٹھ کھڑے ہوئے اور مدینہ کی ہوا مہاجرین کے لئے مکہ سے بھی زیادہ خوش آئند ہو گئی۔

مواخات

مدینہ پہنچنے کے بعد آنحضرت ﷺ نے مہاجرین و انصار کی باہمی اجنبیت و بیگانگی دور کرنے کے لئے ایک دوسرے سے بھائی چارہ کرادیا۔ اس مواخات میں طرفین کے اعزاز و مرتبہ کا خاص طور پر لحاظ کیا گیا۔ چنانچہ حضرت ابوبکرؓ کی برادری حضرت حارثہ بن زہیرؓ سے قائم کی گئی جو مدینہ

① بخاری باب ہجرت النبی ﷺ واصحابہ الی المدینہ ② طبقات ابن سعد قسم اول جزو ثالث ص ۱۲۳

③ ایضاً ص ۱۵۳ ④ بخاری باب مقدم النبی واصحابہ الی المدینہ

میں ایک معزز شخصیت کے آدمی تھے (۱)۔
تعمیر مسجد

مدینہ اسلام کے لئے آزادی کی سرزمین تھی، فرزند انِ توحید جو کفار کے خوف سے ادھر ادھر منتشر ہو گئے تھے آہستہ آہستہ اس مرکز پر جمع ہونے لگے اور اب آزادی و اجتماع کے ساتھ معبودِ حقیقی کی پرستش کا موقع حاصل ہوا۔ اس بناء پر رسول اللہ ﷺ کو سب سے پہلے تعمیر مسجد کا خیال پیدا ہوا، اس کے لئے جوزمین منتخب ہوئی وہ دو یتیم بچوں کی ملکیت تھی، گو ان کے اولیاء و اقرباء بلا قیمت پیش کرنے پر مصر تھے تاہم رحمت العالمین (ﷺ) نے یتیموں کا مال لینا پسند نہ فرمایا اور حضرت ابو بکرؓ سے اس کی قیمت دلوادی۔ (۲)

اس طرح مدینہ پہنچنے کے بعد بھی سب سے پہلے صدیق اکبرؓ ہی کے اہر کرم نے اسلام کے لئے جود و سخا کی بارش قیمت ادا کرنے کے علاوہ یہ پیر مرد اس کی تعمیر میں بھی نوجوانوں کے دوش بدوش سرگرم کار رہا۔

غزوات

مدینہ پہنچ کر مسلمانوں کی بے بسی اور مظلومیت کا دور ختم ہو چکا تھا اور آزادی کے ساتھ دین متین کی نشر و اشاعت کا وقت آ گیا تھا لیکن عرب کی جنگجو قوم مذہب کی حقانیت اور صداقت کو بھی تیر و تفنگ اور نوک سناں سے وابستہ سمجھی جاتی تھی۔ اس لئے اس نے ہمیشہ علم بردار اسلام کو اپنی جنگجویی سے منبر و عطا و ہدایت کو چھوڑ کر میدانِ رزم میں آنے کے لئے مجبور کیا۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ کے مدینہ تشریف لانے کے بعد سے فتح مکہ تک خونریز جنگوں کا سلسلہ جاری رہا اور ان سب لڑائیوں میں صدیق اکبرؓ ایک مشیر و وزیرِ باتدبیر کی طرح ہمیشہ شرف ہمرکابی سے مشرف رہے۔

غزوہ بدر

غزوہ بدر حق و باطل کا اول اور فیصلہ کن معرکہ تھا۔ خدا کا برگزیدہ پیغمبر ایک سایہ دار جگہ کے نیچے اپنی محدود جماعت کے ساتھ حق و صداقت کی حمایت میں سرگرم کارزار تھا اور وہی پیر مرد جس نے اپنے وعظ سے عثمانؓ بن عفان، ابو عبیدہؓ بن الجراح اور عبد الرحمن بن عوفؓ جیسے اولوالعزم اکابر صحابہ کو حلقہ بگوش اسلام بنالیا تھا نہایت جاں بازی کیساتھ تیغ بکف اپنے ہادی کی حفاظت میں مصروف تھا۔ کفار و مشرکین ہر طرف سے نرغہ کرتے آتے اور یہ ایک ایک کو شجاعتِ خداداد سے بھگا دیتا تھا۔ (۱)

رسول اللہ ﷺ کفار کی کثرت دیکھ کر محزون ہوتے اور سر بسجود ہو کر خدا سے دُعا فرماتے ”اے خدا مجھ کو بے یار و مددگار نہ چھوڑ اور اپنا عہد پورا کر اے خدا! کیا تو چاہتا ہے کہ آج سے تیری پرستش نہ ہو۔“ اس عالمِ حزن و یاس میں آنحضرت ﷺ کا قدیم مولنس باوفا اور ہمدنمگسار شمشیر برہنہ آپ کی حفاظت میں مصروف ہوتا اور تسلی اور دلہی کے کلمات اس کی زبان پر جاری ہوتے۔ (۲)

اس خوفناک جنگ میں بھی حضرت ابوبکرؓ حضور انور ﷺ کی خدمت گزاری سے غافل نہ ہوئے۔ ایک دفعہ ردائے مبارک شانہ اقدس سے گر گئی، فوراً اُٹھ کر شانہ پر رکھ

دی۔ پھر رجز پڑھتے ہوئے غنیم کی صف میں گھس گئے۔ درحقیقت یہی وہ دارنگی جوش اور حب رسول کا جذبہ تھا جس نے قلت کو کثرت کے مقابلہ میں سر بلند کیا۔ (۱)

اس جنگ میں مال غنیمت کے علاوہ تقریباً ستر۰ قیدی ہاتھ آئے۔ آنحضرت ﷺ نے ان لوگوں کے متعلق کبار صحابہ سے مشورہ کیا۔ حضرت عمرؓ کی رائے تھی کہ سب قتل کر دیئے جائیں لیکن حضرت ابوبکرؓ نے عرض کی کہ یہ سب اپنے ہی بھائی بند ہیں اسلئے ان کے ساتھ رحم و تلافی کا برتاؤ کرنا چاہیئے اور فدیہ لے کر ان کو آزاد کر دینا چاہیئے۔ رحمۃ اللعالمین ﷺ کو حضرت ابوبکرؓ صدیق کی رائے پسند آئی۔ (۲)

غزوہٴ اُحد

بدر کی شکست مکہ کے قریش کے دامن شجاعت پر ایک نہایت بدنما دھبہ تھا۔ انہوں نے جوش انتقام میں نہایت عظیم الشان تیاریاں کیں۔ چنانچہ معرکہٴ اُحد اسی جوش کا نتیجہ تھا۔ اس جنگ میں مجاہدین اسلام باوجود قلت تعداد پہلے غالب آئے لیکن اتفاقی طور پر پانسہ پلٹ گیا۔ بہت سے مسلمانوں کے پائے ثبات متزلزل ہو گئے۔ لیکن حضرت ابوبکرؓ آخر وقت تک ثابت قدم رہے۔ آنحضرت ﷺ سخت مجروح ہوئے اور لوگ آپ کو پہاڑ پر لائے تو حضرت ابوبکرؓ بھی ساتھ تھے۔ ابوسفیان نے پہاڑ کے قریب آ کر پکارا ”کیا قوم میں محمد ہیں؟“ کوئی جواب نہ ملا تو اس نے حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کا نام لیا۔ (۳) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کفار بھی آنحضرت کے بعد حضرت ابوبکرؓ صدیق ہی کو رئیس امت سمجھتے تھے۔

اختتام جنگ کے بعد کفار مکہ واپس ہوئے تو ایک جماعت ان کے تعاقب میں روانہ کی گئی حضرت ابوبکرؓ بھی اس میں شامل تھے (۴)۔ غزوہٴ اُحد کے بعد بنو نضیر کی جلا وطنی غزوہٴ خندق اور جو دوسرے غزوات پیش آئے، حضرت ابوبکرؓ ان سب میں برابر کے شریک تھے۔

غزوہٴ مصطلق اور واقعہٴ اُفک

۶ھ میں غزوہٴ بنی مصطلق پیش آیا۔ حضرت ابوبکرؓ اس معرکہ میں بھی آنحضرت ﷺ کے ہمراہ تھے۔ یہ مہم کامیابی کے ساتھ واپس آئی اور شب کے وقت مدینہ کے قریب تمام لشکر نے پڑاؤ ڈالا۔ صبح کے وقت ام المؤمنین حضرت عائشہؓ جو اس وقت آنحضرت ﷺ کے ساتھ تھیں رفع حاجت کے لئے باہر تشریف لے گئیں واپس آئیں تو دیکھا کہ گلے کا ہار کہیں گر گیا۔ تلاش کرتی ہوئی پھر اس طرف چلیں۔ لیکن جب ڈھونڈ کر پڑاؤ پر واپس پہنچیں تو لوگ روانہ ہو چکے تھے۔ اسی

① فتح الباری ج ۷ ص ۲۲۵ ② مسلم باب امداد الملائکۃ وغزوہٴ بدر ③ بخاری باب غزوہٴ اُحد

④ بخاری باب المغازی باب الذین استجابوا للہ والرسول

جگہ غمگین و ملول بیٹھ گئیں۔ اتفاقاً صفوان بن المعطلؓ نے جو نہایت ضعیف اور بوڑھے آدمی تھے اور عموماً کوچ کے بعد قیام گاہ کا جائزہ لے کر سب سے پیچھے روانہ ہوتے تھے، حضرت عائشہؓ کو دیکھ لیا اور اونٹ پر بٹھا کر مدینہ لائے۔

منافقین کی جماعت نے جو عموماً اپنی مفسدہ پردازی و فتنہ انگیزی سے اسلام میں تفرقہ ڈالنے کی کوشش کرتی رہتی تھی اس واقعہ کو نہایت مکروہ صورت میں مشتہر کیا۔ دوسری طرف حضرت ابو بکرؓ صدیق اور خود حضرت عائشہؓ کو بارگاہ نبوت میں جو غیر معمولی رسوخ، تقرب اور اعزاز حاصل تھا، اس لئے بعض مسلمانوں کو بھی آمادہ رشک کر دیا تھا۔ چنانچہ انہوں نے بھی اس افتراء میں منافقین کی تائید کی۔ سب سے زیادہ افسوس ناک امر یہ تھا کہ حضرت ابو بکرؓ کا ایک پروردہ نعمت اور عزیز مسطح بن اثاثہ جس کے وہ اب تک متکفل تھے اس سازش میں افتراء پردازوں کا ہم آہنگ تھا۔

عزت و آبرو انسان کو دنیا میں سب سے زیادہ عزیز ہوتی ہے۔ اسی بنا پر حضرت ابو بکرؓ کے لئے نہایت روح فرسا آزمائش تھی۔ لیکن خدائے پاک نے بہت جلد اس سے نجات دیدی اور وحی الہی نے اس شرمناک بہتان کی اس طرح قلعی کھولی:

اِنَّ الَّذِيْنَ جَاءُوا بِالْاِفْكِ
غُصْبَةٌ مِّنْكُمْ لَا تَحْسَبُوْهُ
شَرًّا لَّكُمْ بَلْ هُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ط
لِكُلِّ اِمْرِئٍ مِّنْهُمْ مَّا اَكْتَسَبَ
مِّنْ اِلٰثِمٍ وَالَّذِيْ تَوَلٰى كِبْرَهُ
مِّنْهُمْ لَهٗ عَذَابٌ عَظِيْمٌ

(سورۃ نور ع ۲)

حضرت ابو بکرؓ اس برأت کے بعد مسطح بن اثاثہ کی کفالت سے دستبردار ہو گئے اور فرمایا ”خدا کی قسم! اس فتنہ پردازی کے بعد اس کی کفالت نہیں کر سکتا۔ لیکن جب یہ آیتیں نازل ہوئی:

وَلَا يَأْتِلِ اُولُو الْفَضْلِ مِنْكُمْ
وَالسَّعَةِ اَنْ يُؤْتُوْا اُولٰٓئِ
الْقُرْبٰى وَالْمَسٰكِيْنَ
وَالْمُهَاجِرِيْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ
وَلِيَصْفَحُوْا لَا تُحِبُّوْنَ اَنْ

تم میں بڑے صاحب مقدرت لوگ رشتہ داروں، مساکین اور مہاجرین کو امداد نہ دینے کی قسم کھائیں اور چاہئے کہ (انکے قصور) معاف کریں اور ان سے درگزر کریں کیا تم یہ نہیں چاہتے کہ اللہ تم کو بخش

يَغْفِرُ اللَّهُ لَكُمْ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ

(نور ع ۳)

تو حضرت ابوبکر صدیق نے کہا ”خدا کی قسم! میں چاہتا ہوں کہ خدا مجھے بخش دے اور قسم کھائی کہ اب ہمیشہ اس کا کفیل رہوں گا۔ (۱)

واقعہ حدیبیہ

اسی سال یعنی ۶ میں آنحضرت ﷺ نے چودہ صحابہ کے ساتھ زیارت کعبہ کا عزم فرمایا۔ جب مکہ کے قریب پہنچے تو خبر ملی کہ قریش مزاحم ہوں گے۔ آنحضرت ﷺ نے یہ سن کر صحابہؓ سے مشورہ طلب کیا۔ حضرت ابوبکرؓ نے عرض کی یا رسول اللہ! آپ قتل و خونریزی نہیں بلکہ زیارت کعبہ کے قصد سے روانہ ہوئے ہیں اس لئے تشریف لے چلئے۔ جو کوئی اس راہ میں سب راہ ہوگا ہم اس سے لڑیں گے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ”بسم اللہ چلو! غرض آگے بڑھ کر مقام حدیبیہ میں پڑاؤ ڈالا گیا اور طرفین سے مصالحت کی سلسلہ جنبانی شروع ہوئی۔ اسی اثناء میں مشہور ہوا کہ حضرت عثمانؓ جو سفیر ہو کر گئے تھے شہید ہو گئے۔ یہ سن کر آنحضرت ﷺ نے تمام جانثاروں سے جہاد کی بیعت لی۔ یہی وہ بیعت ہے جو تاریخ اسلام میں ”بیعت رضوان“ کے نام سے مشہور ہے۔ (۲)

قریش مکہ ان تیاریوں سے خوفزدہ ہو کر کچھ نرم پڑ گئے اور مصالحت کے خیال سے عروہ بن مسعود کو سفیر بنا کر بھیجا۔ اس نے آنحضرت ﷺ سے گفتگو کرتے ہوئے کہا: ”محمد! خدا کی قسم میں تمہارے ساتھ ایسے چہرے اور مخلوط آدمی دیکھتا ہوں کہ وقت پڑے گا تو وہ تم سب کو چھوڑ کر الگ ہو جائیں گے۔“ اس جملے نے جاں نثاران رسولؐ پر نشتر کا کام کیا۔ حضرت ابوبکرؓ جیسے حلیم الطبع بزرگ نے برہم ہو کر کہا: ”کیا ہم رسول اللہ ﷺ کو چھوڑ کر بھاگ جائیں گے؟“ عروہ نے انجان بن کر پوچھا یہ کون ہیں؟ لوگوں نے کہا ابوبکرؓ۔ اُس نے مخاطب ہو کر کہا قسم ہے اُس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اگر میں تمہارا زیر بار احسان نہ ہوتا تو تمہیں نہایت سخت جواب دیتا۔ ۳ حدیبیہ میں جو معاہدہ طے پایا وہ بظاہر کفار کے حق میں زیادہ مفید تھا اس بناء پر حضرت عمرؓ کو نہایت اضطراب ہوا اور حضرت ابوبکر صدیقؓ سے کہا کہ کفار سے اس قدر دب کر کیوں صلح کی جاتی ہے۔ حضرت ابوبکرؓ محرم اسرار نبوت تھے، فرمایا آنحضرت ﷺ خدا کے رسول ہیں، اس لئے آپ کی نافرمانی نہیں کر سکتے اور وہ ہر وقت آپ کا معین و ناصر ہے۔ (۴)

اس معاہدہ کے باعث قریش مکہ سے گونہ اطمینان ہوا تو کھیل میں خیبر پر فوج کشی ہوئی، پہلے

① یہ تمام تفصیل بخاری باب حدیث الالف سے ماخوذ ہے ② بخاری باب غزوة حدیبیہ

③ بخاری کتاب الشروط فی الجہاد و المصالحۃ مع اهل الحرب ④ ایضاً

حضرت ابو بکر صدیقؓ سپہ سالار تھے۔ لیکن درحقیقت یہ کارنامہ حضرت علیؓ کے لئے مقدر ہو چکا تھا چنانچہ خیبر ان ہی کے ہاتھ مفتوح ہوا۔ (۱) اور حضرت ابو بکرؓ اسی سال ماہ شعبان میں بنی کلاب کی سرکوبی کے لئے مامور ہوئے۔ (۲) وہاں سے کامیابی کے ساتھ واپس آئے تو بنو فزارہ کی تنبیہ کے لئے ایک جماعت کے ساتھ روانہ کئے گئے اور بہت سے قیدی اور مال غنیمت کے ساتھ واپس آئے۔ (۳)

قریش مکہ کی عہد شکنی کے باعث ﷺ میں رسول اللہ ﷺ نے دس ہزار کی جماعت سے مکہ کا قصد فرمایا اور فاتحانہ جاہ و جلال سے مکہ میں داخل ہوئے۔ حضرت ابو بکرؓ بھی ہمراہ تھے۔ مکہ پہنچ کر اپنے والد ابو قحافہ عثمان بن عامر کو دربار نبوت میں پیش کیا۔ آنحضرت ﷺ نے نہایت شفقت کے ساتھ ان کے سینہ پر ہاتھ پھیر کر نور ایمان سے مشرف فرمایا۔ (۴)

مکہ سے واپسی کے وقت بنو ہوازن سے جنگ ہوئی جو عموماً غزوہ حنین کے نام سے مشہور ہے۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ اس میں بھی ثابت قدم اصحاب کی صف میں شامل تھے، یہاں سے بڑھ کر طائف کا محاصرہ ہوا۔ حضرت ابو بکرؓ کے فرزند حضرت عبداللہ اسی محاصرہ میں عبداللہ بن جحش ثقفی کے تیر سے زخمی ہوئے اور آخر کار یہی زخم حضرت ابو بکرؓ کے اوائل خلافت میں ان کی شہادت کا باعث ہوا۔ (۵)

۹ھ میں افواہ پھیلی کہ قیصر روم عرب پر حملہ آور ہونا چاہتا ہے۔ چونکہ مسلسل جنگوں کے باعث نہایت عسرت و تنگ حالی کا زمانہ تھا۔ اس لئے رسول اللہ ﷺ نے جنگی تیاریوں کے لئے صحابہ کرام کو انفاق فی سبیل اللہ کی ترغیب دی۔ تمام صحابہؓ نے حسب حیثیت اس میں شرکت کی۔ حضرت عثمانؓ دو تہمتہ تھے اس لئے بہت کچھ دیا لیکن اس موقع پر بھی حضرت ابو بکرؓ کا امتیاز قائم رہا۔ گھر کا سارا اثاثہ لاکر آنحضرت ﷺ کے سامنے ڈال دیا۔ آپ نے دریافت فرمایا تم نے اپنے اہل و عیال کے لئے کیا چھوڑا ہے؟ عرض کی ان کے لئے اللہ اور اس کا رسول ہے۔ (۶)

غرض اس سرمایہ سے ایک عظیم الشان فوج تیار ہو گئی اور حد و دشام کی طرف بڑھی۔ لیکن تنوک پہنچ کر معلوم ہوا کہ خبر غلط تھی اس لئے سب لوگ واپس آ گئے۔ (۷)

-
- ① بخاری باب مناقب علی بن ابی طالب ② زر قانی ج ۲ ص ۳۸۷ ③ مسلم باب التفصیل و فداء المسلمین بالاساری ④ اصابتہ تذکرہ ابو قحافہ عثمان بن عامر ⑤ اسد الغابہ تذکرہ عبداللہ بن ابی بکر الصدیق ⑥ ابوداؤد کتاب الزکوٰۃ ص ۱۲۹ مطبوعہ مصر ⑦ طبقات ابن سعد حصہ مغازی

امارت حج

اسی سال یعنی ۹ھ میں آنحضرت ﷺ نے حضرت ابوبکرؓ کو امارت حج کے منصب پر مامور فرمایا اور ہدایت کی کہ منیٰ کے عظیم الشان اجتماع میں اعلان کر دیں کہ اس سال کے بعد کوئی مشرک حج نہ کرے اور نہ کوئی برہنہ شخص خانہ کعبہ کا طواف کرے۔ (۱) چونکہ سورہ برأت اسی زمانہ میں نازل ہوئی تھی اور حضرت علیؓ حج کے موقع پر اس کو سنانے کے لئے بھیجے گئے تھے اس لئے بعضوں کو یہ شک پیدا ہو گیا ہے کہ امارت حج کی خدمت بھی حضرت ابوبکرؓ سے لے کر حضرت علیؓ ہی کو تفویض کی گئی تھی۔ لیکن یہ شدید غلطی ہے کیونکہ یہ دو مختلف خدمتیں تھیں۔ چنانچہ خود حضرت علیؓ کی ایک روایت سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ حضرت ابوبکرؓ اس شرف کے تنہا مالک تھے۔ (۲)

① بخاری باب حج ابی بکر بالناس فی سۃ تسع ② فتح الباری ج ۸ ص ۴۰

آنحضرت ﷺ کی وفات اور حضرت ابوبکر صدیق کی خلافت

• اھ میں رسول اللہ ﷺ حجۃ الوداع کے لئے تشریف لے گئے۔ حضرت ابوبکرؓ ہمراہ تھے۔ اس سفر سے واپس آنے کے بعد آپ نے ایک مفصل خطبہ دیا اور فرمایا:
”خدا نے ایک بندہ کو دنیا اور عقبیٰ کے درمیان اختیار دیا تھا، لیکن اس نے عقبیٰ کو دنیا پر ترجیح دی۔“

حضرت ابوبکرؓ یہ سن کر رونے لگے لوگوں کو سخت تعجب ہوا کہ یہ رونے کا کون سا موقع تھا، (۱) لیکن درحقیقت ان کی فراست دینی اس کنایہ کی تہہ تک پہنچ گئی اور وہ سمجھ گئے تھے کہ بندہ سے مراد خود ذات اقدس ﷺ ہے۔ چنانچہ اس تقریر کے بعد ہی آنحضرت ﷺ بیمار ہوئے، مرض روز بڑھتا گیا۔ یہاں تک کہ مسجد نبویؐ میں تشریف لانے سے بھی معذور ہو گئے اور حکم ہوا کہ ابوبکرؓ امامت کی خدمت انجام دیں۔ حضرت عائشہؓ کو خیال ہوا کہ اگر امامت کا شرف حضرت ابوبکرؓ کو عطا کیا جائے گا تو وہ مسود خلایق ہو جائیں گے۔ اس لئے انہوں نے خود اور ان کی تحریک سے حضرت حفصہؓ نے بارگاہ نبوت میں عرض کی کہ ابوبکرؓ نہایت رقیق القلب ہیں اس لئے یہ منصب جلیل عمر کو عطا کیا جائے لیکن آنحضرت ﷺ نے ابوبکرؓ کی امامت کے لئے اصرار کے ساتھ حکم دیا اور برہم ہو کر فرمایا ”تم وہی ہو جنہوں نے یوسف کو دھوکہ دینا چاہا تھا“۔ (۲)

حضرت ابوبکرؓ کو جب اس حکم نبویؐ کی اطلاع ہوئی تو انہوں نے حضرت عمرؓ سے فرمایا کہ تم پڑھاؤ۔ انہوں نے کہا آپ مجھ سے زیادہ مستحق ہیں۔ (۳) غرض اس روز سے حضرت ابوبکرؓ ہی نماز پڑھاتے رہے۔ ایک روز حسب معمول نماز پڑھا رہے تھے کہ رسول اللہ ﷺ تشریف لائے۔ حضرت ابوبکرؓ نے آنحضرتؐ کو دیکھ کر پیچھے ہٹنا چاہا لیکن آپ نے اشارہ سے منع فرمایا اور خود ان

① بخاری باب فضائل الصدیقین ② بخاری باب اہل العلم والفضل احق بالامامة ③ ایضاً

کے داہنے پہلو میں بیٹھ کر نماز ادا کی۔ (۱)

۱۲ ربیع الاول دو شنبہ کے روز جس دن آنحضرت ﷺ نے وفات پائی حضرت ابو بکرؓ نماز پڑھا رہے تھے، آنحضرت ﷺ نے حجرے کا پردہ اٹھا کر دیکھا اور خوش ہو کر مسکرائے تو حضرت ابو بکرؓ نے اس خیال سے کہ شاید آپ نماز کے لئے تشریف لائیں گے پیچھے ہٹنا چاہا۔ لیکن اشارہ سے حکم ہوا کہ نماز پوری کرو اور پھر پردہ گرا دیا۔ (۲) چونکہ اس روز بظاہر آنحضرت ﷺ کے مرض میں افاقہ معلوم ہوتا تھا اس لئے حضرت ابو بکرؓ نماز کے بعد اجازت لے کر مقام سخ کو جہاں اُن کی زوجہ محترمہ حضرت خارجہ بنت زہیر رہتی تھیں، تشریف لے گئے۔ (۳) حضرت ابو بکرؓ صدیق سخ سے واپس آئے تو رسول اللہ ﷺ کا وصال ہو چکا تھا اور مسجد کے دروازہ پر ایک ہنگامہ برپا تھا۔ لیکن وہ کسی سے کچھ نہ بولے اور سیدھے حضرت عائشہؓ کے مکان میں داخل ہوئے اور اپنے محبوب آقا کے نورانی چہرہ سے نقاب اٹھا کر پیشانی پر بوسہ دیا اور رو کر کہا:

بابی بکرا انت وامی واللہ لا
یجمع اللہ علیک موتین
اما الموتۃ التی کتبت
علیک فقد ذقتھا ثم لن
تصیک بعدہ موتۃ ابدًا

میرے ماں باپ آپ پر خدا ہوں، خدا کی
قسم! آپ پر دو موتیں جمع نہ ہوں گی، وہ موت
جو آپ کے لئے مقدر تھی اس کا مزہ چکھ
چکے اس کے بعد اب پھر کبھی موت نہ آئے
گی۔

پھر چادر ڈال کر باہر تشریف لائے۔ حضرت عمرؓ جوش وارفگی میں تقریر کر رہے تھے اور قسم کھا کھا کر رسول اللہ کے انتقال فرمانے سے انکار فرمانے سے انکار کر رہے تھے۔ حضرت ابو بکرؓ نے یہ حال دیکھا تو فرمایا ”عمر! تم بیٹھ جاؤ“ لیکن انہوں نے وارفگی میں کچھ خیال نہ کیا تو آپ نے الگ کھڑے ہو کر تقریر شروع کر دی اور تمام مجمع آپ کی طرف جھک پڑا اور حضرت عمرؓ تنہا رہ گئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

اما بعد فمن کان یعبد
محمدًا فان محمدًا قد مات
ومن کان یعبد اللہ فان اللہ
حی لا یموت قال اللہ تعالیٰ

اگر لوگ محمد کی پرستش کرتے تھے تو بیشک وہ
مر گئے اور اگر خدا کو پوجتے تھے تو بیشک وہ
زندہ ہے اور کبھی نہ مرے گا، خدائے برتر
فرماتا ہے ”محمد صرف ایک رسول ہیں جن

① بخاری باب من قام الی جب الامام بعلة ② بخاری باب ابل العلم والفضل الحق بالامامة

③ بخاری باب الدخول علی میت بعد الموت ④ ایضاً ⑤ ایضاً

وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ الْآيَةُ
سے پہلے بہت سے رسول گزر چکے ہیں۔

یہ تقریر ایسی دل نشین تھی کہ ہر ایک کا دل مطمئن ہو گیا۔ خصوصاً جو آیت آپ نے تلاوت فرمائی وہ ایسی باموقع تھی کہ اسی وقت زبان زد خاص و عام ہو گئی۔ حضرت عبداللہ فرماتے ہیں کہ خدا کی قسم! ہم لوگوں کو ایسا معلوم ہوا کہ گویا یہ آیت پہلے نازل ہی نہ ہوئی تھی۔ (۱)

سقیفہ بنی ساعدہ

رسول اللہ ﷺ کے انتقال کی خبر مشہور ہوتے ہی منافقین کی سازش سے مدینہ میں خلافت کا فتنہ اٹھ کھڑا ہوا اور انصار نے سقیفہ بنی ساعدہ میں مجتمع ہو کر خلافت کی بحث چھیڑ دی۔ مہاجرین کو خبر ہوئی تو وہ بھی مجتمع ہوئے اور معاملہ اس حد تک پہنچ گیا کہ اگر حضرت ابوبکرؓ صدیق اور حضرت عمرؓ فاروق کو وقت پر اطلاع نہ ہو جاتی تو مہاجرین اور انصار جو رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں بھائی بھائی کی طرح رہتے تھے باہم دست و گریباں ہو جاتے اور اس طرح اسلام کا چراغ ہمیشہ کے لئے گل ہو جاتا لیکن خدا کو تو حید کی روشنی سے تمام عالم کو منور کرنا تھا۔ اس لئے اس نے آسمان اسلام پر ابوبکرؓ و عمرؓ جیسے مہر و ماہ پیدا کر دیئے تھے جنہوں نے اپنی عقل و سیاست کی روشنی سے افق اسلام کی ظلمت اور تاریکیوں کو کا فور کر دیا۔

حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ کو ساتھ لئے ہوئے سقیفہ بنی ساعدہ پہنچے۔ انصار نے دعویٰ کیا کہ ایک امیر ہمارا ہو اور ایک تمہارا۔ ظاہر ہے کہ اس دو عملی کا نتیجہ کیا ہوتا؟ ممکن تھا کہ مسند خلافت مستقل طور پر صرف انصار ہی کے سپرد کر دی جاتی، لیکن وقت یہ تھی کہ قبائل عرب خصوصاً قریش ان کے سامنے گردن اطاعت خم نہیں کر سکتے تھے۔ پھر انصار میں بھی دو گروہ تھے اوس اور خزرج اور ان میں باہم اتفاق نہ تھا۔ غرض ان دفتوں کو پیش نظر رکھ کر حضرت ابوبکرؓ نے کہا ”امراء ہماری جماعت سے ہوں اور وزراء تمہاری جماعت سے“ اس پر حضرت خبابؓ بن المذر انصاری بول اٹھے، ”نہیں، خدا کی قسم نہیں۔ ایک امیر ہمارا ہو اور ایک تمہارا“۔ حضرت ابوبکرؓ نے یہ جوش و خروش دیکھا تو نرمی و آشتی کے ساتھ انصار کے فضائل و محاسن کا اعتراف کر کے فرمایا:

”صاحبو! مجھے آپ کے محاسن سے انکار نہیں لیکن درحقیقت تمام عرب قریش کے سوا کسی کی حکومت تسلیم ہی نہیں کر سکتا پھر مہاجرین اپنے تقدم اسلام اور رسول اللہ ﷺ سے خاندانی تعلقات کے باعث نسبتاً آپ سے زیادہ استحقاق رکھتے ہیں۔ یہ دیکھو ابوبعیدہؓ

❶ بخاری باب مرض النبی ووفاته

بن الجراح اور عمرؓ بن خطاب موجود ہیں ان میں سے جس کے ہاتھ پر چاہو بیعت کر لو۔“ لیکن حضرت عمرؓ نے پیش دستی کر کے خود حضرت ابو بکرؓ کے ہاتھ میں ہاتھ دے دیا اور کہا:

”نہیں بلکہ ہم آپ کے ہاتھ پر بیعت کرتے ہیں کیونکہ آپ ہمارے سردار اور ہم لوگوں

میں سب سے بہتر ہیں اور رسول اللہ ﷺ آپ کو سب سے زیادہ عزیز رکھتے تھے۔“ (۱)

چنانچہ اس مجمع میں حضرت ابو بکرؓ سے زیادہ کوئی با اثر بزرگ اور معمر نہ تھا اس لئے اس انتخاب کو سب نے استحسان کی نگاہ سے دیکھا اور تمام خلقت بیعت کیلئے ٹوٹ پڑی۔ اس طرح یہ اٹھتا ہوا طوفان دفعۃً رُک گیا اور لوگ رسول اللہ ﷺ کی تجہیز و تکفین میں مشغول ہوئے۔

اس فرض سے فارغ ہونے کے بعد دوسرے روز مسجد میں بیعت عامہ ہوئی اور حضرت ابو بکرؓ صدیق نے منبر پر بیٹھ کر ان الفاظ میں اپنے آئندہ طرز عمل کی توضیح فرمائی:

صاحبو! میں تم پر حاکم مقرر کیا گیا ہوں حالانکہ میں تم لوگوں میں سب سے بہتر نہیں ہوں اگر میں اچھا کام کروں تو تم میری اعانت کرو اور اگر برائی کی طرف جاؤں تو مجھے سیدھا کر دو؛ صدق امانت ہے اور کذب خیانت ہے ان شاء اللہ تمہارا ضعیف فرد بھی میرے نزدیک قوی ہے یہاں تک کہ میں اس کا حق دلا دوں؛ ان شاء اللہ اور تمہارا قوی مرد بھی میرے نزدیک ضعیف ہے یہاں تک کہ میں اس سے دوسروں کا حق دلا دوں جو قوم جہاد فی سبیل اللہ چھوڑ دیتی ہے اس کو خدا ذلیل و خوار کر دیتا ہے اور جس قوم میں بدکاری عام ہو جاتی ہے خدا اس کی مصیبت کو بھی عام کر دیتا ہے، میں خدا اور اس کے رسول کی اطاعت کروں تو میری اطاعت کرو لیکن جب خدا اور اس کے رسول کی نافرمانی

یا ایہا الناس فانی قد ولیت
علیکم ولست بخیر کم
فان احسنت فاعینونی وان
اسات فقومونی الصدق
امانة والكذب خیانة
والضعیف فیکم قوی
عندی حتی ازیح علیہ حقہ
انشاء اللہ والقوی فیکم
ضعیف عندی حتی اخذ
الحق منه ان شاء اللہ لا یدع
قوم الجہاد فی سبیل اللہ
الا ضربہم اللہ بالذل ولا
تشیع الفاحشة فی قوم قط
الاعمہم اللہ بالبلاء و اطعیونی
ما اطعت اللہ ورسولہ فاذا
عصیت اللہ ورسولہ فلا

کروں تو تم پر اطاعت نہیں۔ اچھا اب نماز کیلئے کھڑے ہو جاؤ، خدا تم پر رحم کرے۔

طاعة لى عليكم قوموا لى صلاتكم يرحمكم الله

حضرت علیؑ کی بیعت

گو تمام مسلمانوں نے حضرت ابوبکرؓ کے ہاتھ پر بیعت کر لی اور وہ باقاعدہ مسند خلافت پر متمکن ہو گئے۔ تاہم حضرت علیؑ اور ان کے بعض دوسرے صحابہؓ نے کچھ دنوں تک بیعت میں تاخیر کی۔ اس توقف نے تاریخ اسلام میں عجیب و غریب مباحث پیدا کر دیئے جن کی تفصیل کے لئے اس اجمال میں گنجائش نہیں۔ ممکن ہے کہ حضرت علیؑ، رسول اللہ ﷺ سے اپنے مخصوص تعلقات کی بنا پر خلافت کے آرزو مند ہوں اور اس انتخاب کو اپنی حق تلفی سمجھتے ہوں۔ تاہم ان کا حق پرست دل نفسانیت سے پاک تھا، اس لئے یہ کسی طرح قیاس میں نہیں آتا کہ محض اسی آرزو نے ان کو چھ ماہ تک جمہور مسلمانوں سے انحراف پر مائل رکھا ہو۔ اس بنا پر دیکھنا چاہئے کہ خود حضرت علیؑ نے اس توقف کی کیا وجہ بیان کی ہے۔ ابن سعد کی روایت ہے:

محمد بن سیرین کی روایت ہے کہ جب ابوبکرؓ کی بیعت گئی تو علیؑ نے بیعت میں دیر کی اور خانہ نشین رہے، ابوبکرؓ نے کہلا بھیجا کہ میری بیعت سے آپ کی تاخیر کا کیا سبب ہے؟ کیا آپ میری اطاعت کو ناپسند کرتے ہیں؟ علیؑ نے کہا کہ میں آپ کی امارت کو ناپسند نہیں کرتا لیکن میں نے قسم کھائی ہے کہ جب تک قرآن جمع نہ کر لوں نماز کے سوا اپنی چادر نہیں اوڑھوں گا۔ (۱)

عن محمد بن سيرين قال لما بويع ابوبكر ابطأ علي في بية وجلس في بية قال فبعث ابوبكر ما ابطاك عن اكرهت امارتي قال علي ما اكرهت امارتك ولكن آليت ان لا ارتدى رد الى آليت الى صلوة حتى اجمع القرآن

اس روایت سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ بیعت میں دیر ہو جانے کی حقیقی وجہ کیا تھی۔ ایک وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ باغ فدک اور مسئلہ وراثت کے جھگڑوں نے (جس کا تذکرہ آئندہ آئے گا) خلیفہ اول کی طرف سے حضرت فاطمہؓ کے دل میں کسی قدر ملال پیدا کر دیا تھا اس لئے ممکن ہے کہ حضرت علیؑ نے محض ان کے پاس خاطر سے بیعت میں دیر کی ہو۔ چنانچہ جب ان کا انتقال ہو گیا تو حضرت علیؑ نے حضرت ابوبکرؓ کو تنہا بلا کر ان کے فضل و شرف کا اعتراف فرمایا اور کہا کہ خدا نے آپ

① بخاری باب غزوہ خیبر

کو جو درجہ عطا کیا ہے ہم اس پر حسد نہیں کرتے لیکن خلافت کے معاملہ میں ہماری حق تلفی ہوئی۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ سے قرابت اور رشتہ داری کی بنا پر ہم اس میں یقیناً اپنا حصہ سمجھتے تھے۔ حضرت علیؑ نے اس کو کچھ اس انداز سے کہا کہ خلیفہ اول کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے اور جواب دیا ”قسم ہے اُس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ میں اپنے رشتہ داروں سے رسول اللہ ﷺ کے رشتہ داروں کو زیادہ عزیز رکھتا ہوں۔ رہا آنحضرت ﷺ کی متروکہ جائداد کا جھگڑا تو اس میں میں نے رسول اللہ ﷺ کے طرزِ عمل سے سرمو انحراف نہیں کیا۔“

غرض اس طرح دوستانہ شکوہ سنجی سے دونوں کا آئینہ دل صاف ہو گیا اور بعد نمازِ ظہر حضرت ابو بکرؓ نے مجمع عام میں حضرت علیؑ کی طرف عذر خواہی کی اور حضرت علیؑ نے شاندار الفاظ میں ان کے فضل و شرف کا اعتراف کیا۔

خلافت

حضرت ابو بکر صدیقؓ کو مسند آرائے خلافت ہوتے ہی اپنے سامنے صعوبات و مشکلات اور خطرات کا ایک پہاڑ نظر آنے لگا۔ ایک طرف جھوٹے مدعیانِ نبوت اُنھ کھڑے ہوئے تھے دوسری طرف مرتدینِ اسلام کی ایک جماعت علم بغاوت بلند کئے ہوئے تھی۔ منکرینِ زکوٰۃ نے علیحدہ شورش برپا کر رکھی تھی۔ ان دشواریوں کے ساتھ حضرت اسامہؓ بن زید کی مہم بھی درپیش تھی جن کو آنحضرت ﷺ نے اپنی حیات ہی میں شام پر حملہ آور ہونے کا حکم دیا تھا۔ اسی مہم کے متعلق صحابہ کرامؓ نے رائے دی کہ اسکو بلتوی کر کے پہلے مرتدین و کذاب مدعیانِ نبوت کا قلع قمع کیا جائے۔ لیکن خلیفہ اول کی طبیعت نے گوارا نہ کیا کہ ارادۂ نبوی ﷺ اور حکم رسالت اب معرض التوا میں پڑ جائے اور جو علم رسول اللہ ﷺ کے ایما سے روم کے مقابلہ کیلئے بلند کیا گیا تھا اسکو کسی دوسری جانب حرکت دی جائے۔ چنانچہ آپ نے براہم ہو کر فرمایا ”خدا کی قسم! اگر مدینہ اس طرح آدمیوں سے خالی ہو جائے کہ درندے آکر میری ٹانگ کھینچنے لگیں جب بھی میں اس مہم کو روک نہیں سکتا“ (۱)

اسامہ بن زیدؓ والی مہم

غرض خلیفہ اول نے خطرات و مشکلات کے باوجود حضرت اسامہؓ کو روانگی کا حکم دیا اور خود دور تک پیادہ پا مشایعت کے ان کو نہایت زریں ہدایات فرمائیں۔ چونکہ اسامہؓ گھوڑے پر سوار تھے اور جانشین رسول پیادہ پا گھوڑے کے ساتھ دوڑ رہا تھا۔ اس لئے انہوں نے تعظیماً عرض کی کہ ”اے جانشین رسول! خدا کی قسم آپ گھوڑے پر سوار ہو لیں ورنہ میں بھی اترتا ہوں“۔ بولے ”اس میں کیا مضائقہ ہے، اگر میں تھوڑی دیر تک راہِ خدا میں اپنا پاؤں غبار آلود کروں غازی کے ہر قدم کے عوض سات سو نیکیاں لکھی جاتی ہیں“۔ (۲)

حضرت اسامہؓ کی مہم رخصت ہو کر حدودِ شام میں پہنچی اور اپنا مقصد پورا کر کے یعنی حضرت زیدؓ کا انتقام لے کر نہایت کامیابی کے ساتھ چالیس دن میں واپس آئی۔ حضرت ابو بکرؓ نے صحابہ کرامؓ کے ساتھ مدینہ سے باہر نکل کر نہایت جوشِ مسرت سے ان کا استقبال فرمایا۔

مدعیان نبوت کا قلع قمع

سرور کائنات ﷺ ہی کی زندگی میں بعض مدعیان نبوت پیدا ہو چکے تھے۔ چنانچہ مسلمانہ کذاب نے صحابہ میں نبوت کا دعویٰ کیا تھا اور آنحضرت ﷺ کو لکھا تھا کہ میں آپ کے ساتھ نبوت میں شریک ہوں۔ نصف دنیا آپ کی ہے اور نصف میری۔ سرور کائنات نے اس کا جواب دیا تھا:

من محمد رسول الله الى
مسيلمۃ كذاب اما بعد فان
الارض لله يورثها من يشاء
من عباده والعاقبة للمتقين
محمد رسول اللہ کی طرف سے مسلمانہ کذاب کو
اما بعد دنیا خدا کی ہے وہ اپنے بندوں میں
سے جس کو چاہے گا اس کا وارث بنائے گا
اور انجام پر ہیزگاروں کے لئے ہے۔ (۱)

لیکن آنحضرت ﷺ کے بعد اور بھی بہت سے مدعیان نبوت پیدا ہو گئے تھے اور روز بروز ان کی قوت بڑھتی جاتی تھی۔ چنانچہ طلحہ بن خویلد نے اپنے اطراف میں علم نبوت بلند کیا تھا، بنو غطفان اس کی مدد پر تھے اور عیینہ بن حصن فزاری ان کا سردار تھا۔ اسی طرح اسود غنسی نے یمن میں اور مسلمانہ بن حبیب نے یمامہ میں نبوت کا دعویٰ کیا تھا۔ مرد تو مرد یہ ایسا مرض عام ہو گیا تھا کہ عورتوں کے سر میں بھی نبوت کا سودا سما گیا تھا۔ چنانچہ سجاح بنت حارثہ تمیمہ نے نہایت زور شور کے ساتھ نبوت کا دعویٰ کیا تھا اور اشعث بن قیس اس کا داعی خاص تھا۔ سجاح نے آخر میں اپنی قوت مضبوط کرنے کے لئے مسلمانہ سے شادی کر لی تھی اور یہ مرض وباء کی طرح تمام عرب میں پھیل گیا تھا۔ اس کے انسداد کی نہایت سخت ضرورت تھی اس بناء پر حضرت ابوبکر صدیقؓ نے خاص طور پر اس کی طرف توجہ کی اور صحابہ کرامؓ سے مشورہ کیا کہ اس مہم کے لئے کون شخص زیادہ موزوں ہوگا؟ حضرت علیؓ کا نام لیا گیا لیکن وہ اس وقت تمام تعلقات دنیوی سے کنارہ کش تھے اس لئے قرعہ انتخاب حضرت خالد بن ولیدؓ کے نام نکلا۔ چنانچہ وہ اللہ میں حضرت ثابت ابن قیس انصاریؓ کیساتھ مہاجرین و انصار کی ایک جمعیت لے کر مدعیان نبوت کی سرکوبی کیلئے روانہ ہوئے (۲)۔

حضرت خالد بن ولیدؓ نے سب سے پہلے طلحہ کی جماعت پر حملہ کر کے اس کے قبیعین کو قتل کیا اور عیینہ بن حصین کو گرفتار کر کے تمس قیدیوں کے ساتھ مدینہ روانہ کیا اور عیینہ بن حصین نے مدینہ پہنچ کر اسلام قبول کر لیا۔ لیکن طلحہ شام کی طرف بھاگ گیا اور وہاں سے عذر خواہی کے طور پر دو شعر لکھ بھیجے اور تجدید اسلام کر کے حلقہ مومنین میں داخل ہو گیا۔ (۳)

مسلمانہ کذاب کی بیخ کنی کے لئے حضرت شرجیل بن حسنہ روانہ کئے گئے لیکن قبل اس کے کہ وہ حملہ کی ابتداء کریں حضرت خالد بن ولیدؓ گوان کی اعانت کے لئے روانہ کیا گیا۔ چنانچہ انہوں

مجاہد کو شکست دی۔ اس کے بعد خود مسلمانوں سے مقابلہ ہوا۔ مسلمانوں نے اپنے متبعین کو ساتھ لے کر نہایت شدید جنگ کی اور مسلمانوں کی ایک بہت بڑی تعداد اس میں شہید ہوئی جس میں بہت سے حفاظِ قرآن تھے۔ لیکن آخر میں فتح مسلمانوں کے ہاتھ رہی اور مسلمانوں کو کذاب حضرت وحشیؓ کے ہاتھ سے مارا گیا۔ مسلمانوں کی بیوی بچہ جو خود مدعی نبوت تھے بھاگ کر بصرہ پہنچی اور کچھ دنوں کے بعد مر گئی۔ (۱)

اسود غسانی نے خود رسول اللہ ﷺ کے زمانہ ہی میں نبوت کا دعویٰ کیا تھا، حضرت ابو بکر صدیقؓ کے زمانہ میں اس کی قوت زیادہ بڑھ گئی تھی، اس کو قیس بن مکشوح اور فیروز دیلمی نے نشہ کی حالت میں واصل جہنم کیا۔ (۲)

مرتدین کی سرکوبی

حضرت سرور کائنات ﷺ کے بعد بہت سے سردارانِ عرب مرتد ہو گئے اور ہر ایک اپنے حلقہ کا بادشاہ بن بیٹھا۔ چنانچہ نعمان بن منذر نے بحرین میں سر اٹھایا۔ لقیط بن مالک نے عمان میں علم بغاوت بلند کیا۔ اسی طرح کندہ کے علاقہ میں بہت سے بادشاہ پیدا ہو گئے۔ اس لئے حضرت ابو بکرؓ نے مدعیانِ نبوت سے فارغ ہونے کے بعد اس طوائفِ الملوکی کی طرف توجہ کی۔ چنانچہ علاء بن حضرمیؓ کو بحرین بھیج کر نعمان بن منذر کا قلع قمع کرایا۔ اسی طرح حذیفہ بن محسن کی تلوار سے لقیط بن مالک کو قتل کرا کے سر زمین عمان کو پاک کیا اور زیاد بن لبید کے ذریعہ سے ملوکِ کندہ کی سرکوبی کی۔ (۳)

منکرینِ زکوٰۃ کی تنبیہ

مدعیانِ نبوت اور مرتدین کے علاوہ ایک تیسرا گروہ منکرینِ زکوٰۃ کا تھا چونکہ یہ گروہ اپنے کو مسلمان کہتا تھا اور صرف زکوٰۃ ادا کرنے سے منکر تھا اس لئے اس کے خلاف تلوار اٹھانے کے متعلق خود صحابہؓ میں اختلاف رائے ہوا۔ چنانچہ حضرت عمرؓ جیسے متشدد صاحبِ رائے بزرگ نے حضرت ابو بکر صدیقؓ سے کہا کہ آپ ایک ایسی جماعت کے خلاف کس طرح جنگ کر سکتے ہیں جو توحید و رسالت کا اقرار کرتی ہے اور صرف زکوٰۃ کی منکر ہے، لیکن خلیفہ اول کا غیر متزلزل ارادہ استقلالِ اختلاف رائے سے مطلق متاثر نہ ہوا، صاف کہہ دیا ”خدا کی قسم! اگر ایک بکری کا بچہ بھی جو رسول اللہ ﷺ کو دیا جاتا تھا کوئی دینے سے انکار کرے گا تو میں اس کے خلاف جہاد کروں گا۔ اس تشدد کا نتیجہ یہ ہوا کہ تھوڑی سی تنبیہ کے بعد تمام منکرینِ خود زکوٰۃ لے کر بارگاہِ خلافت میں حاضر ہوئے اور پھر حضرت عمرؓ کو بھی حضرت ابو بکر صدیقؓ کی اصابتِ رائے کا اعتراف کرنا پڑا (۴)

① تاریخ یعقوبی ج ۲ ص ۱۴۵ ② تاریخ طبری ص ۱۸۶۳ ③ ایضاً ④ بخاری ج ۱ ص ۱۸۸

جمع و ترتیب قرآن

مدعیان نبوت و مرتدین اسلام کے مقابلہ میں بہت سے حفاظ قرآن شہید ہوئے۔ خصوصاً یمامہ کی خونریز جنگ میں اس قدر صحابہ کرام کام آئے کہ حضرت عمرؓ گواندیشہ ہو گیا کہ اگر صحابہؓ کی شہادت کا یہی سلسلہ قائم رہا تو قرآن شریف کا بہت حصہ ضائع ہو جائے گا۔ اس لئے انہوں نے خلیفہ اول سے قرآن شریف کے جمع و ترتیب کی تحریک کی۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ کو پہلے عذر ہوا کہ جس کام کو رسول اللہ ﷺ نے نہیں کیا ہے اس کو میں کس طرح کروں؟ حضرت عمرؓ نے کہا یہ کام اچھا ہے اور ان کے بار بار اصرار سے حضرت ابو بکر صدیقؓ کے ذہن میں بھی یہ بات آگئی۔ چنانچہ انہوں نے حضرت زید بن ثابتؓ کو جو عہد نبوت میں کاتب وحی تھے قرآن شریف کے جمع کرنے کا حکم دیا۔ پہلے ان کو بھی اس کام میں عذر ہوا۔ لیکن پھر اس کی مصلحت سمجھ میں آگئی اور نہایت کوشش و احتیاط کے ساتھ تمام متفرق اجزاء کو جمع کر کے ایک کتاب کی صورت میں مدون کیا۔ (۱)

ایک غلط فہمی کا ازالہ

قرآن شریف کی جمع و ترتیب کے متعلق ایک عام غلط فہمی یہ ہے کہ عہد نبوت میں کلام مجید کی آیتوں اور سورتوں میں باہم کوئی ترتیب نہ تھی اور نہ سورتوں کے نام وضع ہوئے تھے اس لئے عہد صدیق میں جو کام انجام پایا وہ ان ہی آیات و سورتوں کو باہم مرتب کرنا تھا۔ لیکن یہ ایک افسوس ناک غلطی ہے۔ درحقیقت جس طرح قرآن کی ہر آیت الہامی ہے۔ اسی طرح آیات و سورتوں کی باہمی ترتیب اور سورتوں کے نام بھی الہامی ہیں اور خود مہبط وحی والہام ﷺ کی زندگی میں یہ تمام کام انجام پا چکے تھے۔ چنانچہ ہم اس بحث کو کسی قدر تفصیل سے لکھتے ہیں۔

کلام پاک کی آیتیں اور سورتیں عہد نبوت میں مرتب ہو چکی تھیں

قرآن شریف کی آیتیں عموماً کسی خاص واقعہ اور ضرورت کے پیش آ جانے پر نازل ہوتی تھیں اور صحابہؓ ان کو کھجور کی شاخ، ہڈی، چمڑے، پتھر کی تختی یا کسی خاص قسم کے کاغذ پر لکھ لیتے تھے اور آنحضرت ﷺ کی ہدایت کے مطابق ترتیب دیتے تھے۔ جب ایک سورہ ختم ہو جاتی تو علیحدہ نام سے موسوم ہو جاتی تھی اور پھر دوسری شروع ہو جاتی تھی۔ کبھی ایک ساتھ دو سورتیں نازل ہوتیں اور آنحضرت دونوں کو الگ الگ لکھواتے جاتے۔ غرض اس طرح آپ کے زمانہ ہی میں سورتیں مدون و مرتب ہو چکی تھیں اور ان کے نام بھی قرار پا چکے تھے۔ حدیثوں میں ذکر آتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے نماز میں فلاں فلاں سورتیں پڑھیں یا فلاں سورۃ سے فلاں سورۃ تک تلاوت فرمائی۔ صحیح بخاری میں ہے کہ آپ نے نماز میں بقرہ، آل عمران اور نساء پڑھی، سورۃ فاتحہ اور سورۃ

اخلاص کے ذکر سے تو شاید حدیث کی کوئی کتاب خالی نہ ہوگی۔ اب دیکھنا چاہئے کہ حضرت ابوبکرؓ کے زمانہ میں کیا خدمت انجام پائی۔

حضرت ابوبکرؓ نے قرآن کے متفرق اجزاء کو صرف ایک کتاب کی صورت میں جمع کرایا

علامہ حافظ ابن حجر بخاری کی شرح میں فرماتے ہیں:

قد اعلم الله تعالى في القرآن
بانه مجموع في الصحف
في قوله يتلوا محفًا مطهرة
الاية وكان القرآن مكتوبا
في الصحف لكن كانت
متفرقة فجمعها ابوبكر في
مكان واحد ثم كانت بعده
محفوظة الى ان امر عثمان
بالنسخ منها عدة مصاحف
وارسل بها الى الامصار

اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف میں
اپنے قول ”یتلوا صحفاً مطهرة“
الایہ میں بیان فرمایا ہے کہ قرآن
صحیفوں میں جمع ہے قرآن شریف
صحیفوں میں لکھا ہوا ضرور تھا لیکن
متفرق تھا، حضرت ابوبکرؓ نے ایک
جگہ جمع کر دیا، پھر ان کے بعد محفوظ
رہا، یہاں تک کہ حضرت عثمانؓ نے
متعدد نسخے نقل کرا کے دوسرے
شہروں میں روانہ کر دیئے۔ (۱)

اس تشریح سے صاف ظاہر ہو گیا کہ حضرت ابوبکرؓ صدیق کے حکم سے حضرت زیدؓ نے صرف
قرآن شریف کے متفرق اجزاء کو جمع کر کے ایک کتاب کی صورت میں مدون کر دیا تھا۔
صحیفہ صدیقی کب تک محفوظ رہا

حضرت زید بن ثابتؓ کا مدون کیا ہوا نسخہ حضرت ابوبکرؓ کے خزانہ میں محفوظ رہا۔ اس کے بعد
حضرت عمرؓ کے قبضہ میں آیا۔ حضرت عمرؓ نے ام المومنین حضرت حفصہؓ کے حوالہ فرمایا اور وصیت
کردی کہ کسی شخص کو نہ دیں۔ البتہ جس کو نقل کرنا یا اپنا نسخہ صحیح کرنا ہو وہ اس سے فائدہ اٹھا سکتا
ہے۔ چنانچہ حضرت عثمانؓ نے اپنے عہد میں حضرت حفصہؓ سے عاریۃً لے کر چند نسخے نقل کرائے
اور دوسرے مقامات میں روانہ کر دیئے۔ لیکن اصل نسخہ بدستور حضرت حفصہؓ کے پاس محفوظ رہا۔
جب مروان مدینہ کا حاکم ہو کر آیا تو اس نے نسخہ کو حضرت حفصہؓ سے لینا چاہا۔ لیکن انہوں نے
دینے سے انکار کر دیا اور تاحیات اپنے پاس محفوظ رکھا ان کے انتقال کے بعد مروان نے حضرت
عبداللہ بن عمرؓ سے لے کر اس کو ضائع کر دیا۔ (۲)

فتوحات

جزیرہ نمائے عرب کی سرحد دنیا کی دو عظیم الشان سلطنتوں سے ٹکراتی تھی۔ ایک طرف شام پر رومی پھر یرالہرار ہاتھا، دوسری طرف عراق پر کیانی خاندان کا تسلط تھا۔ ان دونوں بمسایہ سلطنتوں نے ہمیشہ کوشش کی کہ عرب کے آزاد جنگجو باشندوں پر اپنی حکمرانی کا سکہ جمائیں۔ خصوصاً ایرانی سلطنت نے اس مقصد کے لئے بارہا عظیم الشان قربانیاں برداشت کیں۔ بڑی بڑی فوجیں اس مہم کو سر کرنے کے لئے بھیجیں اور بعض اوقات اس نے عرب کے ایک وسیع خطہ پر تسلط بھی قائم کر لیا۔ چنانچہ شاپور بن اردشیر جو سلطنت ساسانیہ کا دوسرا فرماں روا تھا۔ اسکے عہد میں حجاز و یمن دونوں باجگزار ہو گئے تھے۔ اسی طرح سابور ذی الاکتاف یمن و حجاز کو فتح کرتا ہوا مدینہ منورہ تک پہنچ گیا تھا۔ یہ عربوں کا حد درجہ دشمن تھا۔ جو روسائے عرب گرفتار ہو کر جاتے تھے وہ انکے شانے اکھڑا ڈالتا تھا۔ اسی سے عرب میں ”ذوالاکتاف“ یعنی شانوں والے کے لقب سے مشہور ہوا (۱) لیکن عرب کی آزاد اور غیور فطرت دب کر رہنا نہ جانتی تھی، اسی لئے جب کبھی موقع ملا بغاوت برپا ہو گئی۔ یہاں تک کہ چند بار خود عربوں نے عراق پر قابض ہو کر اپنی ریاستیں قائم کیں۔ چنانچہ فرماں روا یان یمن کے علاوہ قبیلہ معد بن عدنان نے عراق میں آباد ہو کر ایک مستقل حکومت قائم کر لی اور اس کے ایک فرماں روا عمر بن عدی نے خیرہ کو دار السلطنت قرار دیا۔ گوشاہان عجم نے حیرہ کی عربی سلطنت کو زیادہ دنوں تک آزاد نہیں رہنے دیا اور بالآخر اپنی سلطنت کا ایک جزو بلا لیا تاہم عمر بن عدی کا خاندان مدتوں ایک باجگزار رئیس کی حیثیت سے عراق پر حکمران رہا اور اس تقریب سے بہت سے عربی قبائل وقتاً فوقتاً اسی سرزمین میں آباد ہوتے رہے۔ غرض عرب و ایران کے تعلقات نہایت قدیم تھے۔ آنحضرت ﷺ کے عہد تک باہم چھیڑ چھاڑ چلی آتی تھی، چنانچہ جنگ ذی قار میں جو ایرانیوں اور عربوں کی ایک عظیم الشان قومی جنگ تھی جب ایرانیوں نے شکست کھائی تو آپ نے فرمایا: (۲)

ہذا اول یوم انتصفت
العرب من العجم

یہ پہلا دن ہے کہ عرب نے عجم سے بدلہ لیا

اسی طرح ۶ھ میں جب رسول اللہ ﷺ نے بادشاہوں کو دعوتِ اسلام کے خطوط لکھے تو پرویز شہنشاہ ایران نے اسی قدیم قومی عناد کی بنا پر نامہ مبارک کو پھاڑ کر پھینک دیا اور برہم ہو کر کہا ”میرا غلام ہو کر مجھے یوں لکھتا ہے“۔ (۱)

رومی سلطنت سے بھی عربوں کا نہایت دیرینہ تعلق تھا، عرب کے بہت سے قبائل مثلاً سلیم، غسان و جذام وغیرہ شام کے سرحدی اضلاع میں جا کر آبا ہو گئے تھے اور رفتہ رفتہ عیسائی مذہب قبول کر کے ملک شام میں بڑی بڑی ریاستیں قائم کر لی تھیں اور اسی مذہبی تعلق کے باعث ان کو رومیوں کے ساتھ ایک قسم کی یگانگت ہو گئی تھی۔ اسلام کا زمانہ آیا تو مشرکین عرب کی طرح حدود شام کے عرب عیسائیوں نے بھی مخالفت ظاہر کی اور ۶ھ میں حضرت وحیہ کلبی قیصر روم کو دعوتِ اسلام کا پیغام دے کر واپس آ رہے تھے تو شامی عربوں نے ان کا مال و اسباب لوٹ لیا۔ (۲) اسی طرح رسول اللہ ﷺ کے قاصد حارث بن عمیر گوبصری کے حاکم عمر بن شریک نے قتل کر دیا۔ ۸ھ میں غزوہ موتہ اسی قتل و غارتگری کا انتقام تھا جس میں بڑے بڑے صحابہ کام آئے۔ (۳)

۹ھ رومیوں نے خاص مدینہ پر فوج کشی کی تیاریاں کی تھیں، لیکن جب خود رسول اللہ ﷺ پیش قدمی کر کے مقام تبوک تک پہنچ گئے تو ان کا حوصلہ پست ہو گیا اور عارضی طور پر لڑائی رک گئی۔ تاہم مسلمانوں کو ہمیشہ شامی عربوں اور رومیوں کا خطرہ دامن گیر تھا۔ چنانچہ ۱۱ھ میں آنحضرت ﷺ نے اسی حفظِ ما تقدم کے خیال سے حضرت اسامہ بن زید کو شام کی مہم پر مامور فرمایا تھا۔

ان واقعات سے یہ ظاہر کرنا مقصود ہے کہ عرب ہمیشہ سے اپنی دونوں ہمسایہ سلطنتوں میں ہدف بنا ہوا تھا۔ خصوصاً اسلام کی روز افزوں ترقی نے انہیں اور بھی مشکوک کر دیا تھا جو اس عربی نونہال کے لئے حد درجہ خطرناک تھا۔ خلیفہ اول نے ان ہی اسباب کی بنا پر اندرونی جھگڑوں سے فراغت پاتے ہی بیرونی دشمنوں سے مقابلہ کی تیاریاں شروع کر دیں۔

مہم عراق

اس زمانہ میں ایرانی سلطنت انقلابِ حکومت و طوائف الملوکی کے باعث اپنی اگلی عظمت و شان کو کھو چکی تھی۔ یزدگرد شہنشاہ ایران نابالغ تھا اور ایک عورت پوران دخت اس کی طرف سے تخت کیانی پر متمکن تھی۔ عراق کے وہ عربی قبائل جو ایرانی حکومت کا تنخہ مشق رہ چکے تھے ایسے موقعوں سے فائدہ اٹھانے کے منتظر تھے۔ چنانچہ موقع پا کر نہایت زور و شور کے ساتھ اٹھ کھڑے

① طبری ص ۱۵۷۲ ② اسد الغابہ تذکرہ وحیہ بن خلیفہ کلبی ③ طبقات ابن سعد حصہ مغازی ص ۹۲

ہوئے اور قبیلہ وائل کے دوسرے متشی شبانی و سید عجل نے تھوڑی تھوڑی سی حمیت بہم پہنچا کر حرہ وابلہ کے نواح میں غارت گری شروع کر دی۔

ثنیٰ اسلام لاکھ تھے انہوں نے دیکھا کہ وہ تھا اس عظیم الشان حکومت کا مقابلہ نہیں کر سکتے اس لئے بارگاہ خلافت میں حاضر ہو کر باقاعدہ فوج کشی کی اجازت حاصل کی اور اپنے تمام قبیلہ کو لے کر ایرانی سرحد میں گھس گئے۔ اس وقت تک حضرت خالد بن ولیدؓ مدعیان نبوت و مرتدین کی بیخ کنی سے فارغ ہو چکے تھے۔ اس لئے حضرت ابو بکر صدیقؓ نے ان کو ایک جمعیت کے ساتھ ثنیٰ کی کمک پر روانہ فرمایا۔

حضرت خالد بن ولیدؓ نے پہنچنے کے ساتھ ہی جنگ کی صورت بدل دی اور بانقا، کسکر وغیرہ فتح کرتے ہوئے شاہان عجم کے حدود میں داخل ہو گئے۔ یہاں شاہ جاپان سے مقابلہ کیا اور اس کو شکست دی۔ پھر حیرہ کے بادشاہ نعمان سے جنگ آزما ہوئے۔

نعمان ہزیمت اٹھا کر مدائن بھاگ گیا۔ یہاں سے خورق پہنچے لیکن اہل خورق نے مصلحت اندیشی کو راہ دے کر ستر ہزار یا ایک لاکھ درہم خراج پر مصالحت کر لی۔ غرض اس طرح حیرہ کا پورا علاقہ زیر نگین ہو گیا۔ (۱)

حملہ شام

مہم عراق کا ابھی آغاز ہی ہوا تھا کہ دوسری طرف سرحد شام پر جنگ چھڑ گئی حضرت ابو بکرؓ نے ۱۳ھ میں صحابہ کرامؓ سے مشورہ لینے کے بعد شام پر کئی طرف سے لشکر کشی کا انتظام کیا اور ہر ایک علاقہ کے لئے علیحدہ فوج مقرر کر دی۔ چنانچہ حضرت ابو عبیدہؓ، حمص پر یزید بن ابی سفیانؓ دمشق پر شرجیل بن حسنہ اردن پر اور عمرو بن العاصؓ فلسطین پر مامور ہوئے۔ مجاہدین کی مجموعی تعداد ۲۷۰۰۰ تھی۔ ان سرداروں کو سرحد سے نکلنے کے بعد قدم قدم پر رومی جتھے ملے جن کو قیصر نے پہلے ہی سے الگ الگ ایک ایک سردار کے مقابلہ میں متعین کر دیا تھا۔ یہ دیکھ کر افسران اسلام نے اپنی کل فوجوں کو ایک جگہ جمع کر لیا بارگاہ خلافت کو غنیم کی غیر معمولی کثرت کی اطلاع دے کر مزید کمک کے لئے لکھا چونکہ اس وقت دار الخلافہ میں کوئی فوج موجود نہ تھی، اس لئے حضرت ابو بکرؓ کو نہایت انتشار ہوا۔ اور اسی وقت حضرت خالدؓ بن ولیدؓ کو لکھا کہ مہم عراق کی باگ ثنیٰ کے ہاتھ میں دے کر شام کی طرف روانہ ہو جائیں۔ یہ فرمان پہنچتے ہی حضرت خالدؓ ایک جمعیت کے ساتھ شامی رزم گاہ کی طرف روانہ ہو گئے۔ (۲)

① تاریخ یعقوبی ج ۲ ص ۴۷۔ یہ سلاطین ایرانی حکومت کے باجگزار تھے

② تاریخ طبری و فتوح الشام بلاذری ص ۱۱۶

حضرت خالد بن ولیدؓ گوراء میں بہت سی چھوٹی چھوٹی لڑائیاں لڑنی پڑیں چنانچہ جب حیرہ کے علاقہ سے روانہ ہو کر عین التمر پہنچے تو وہاں خود کسریٰ کی ایک فوج سدراہ ہوئی۔ عقبہ بن ابی ہلال التمری اس فوج کا سپہ سالار تھا۔ حضرت خالدؓ نے عقبہ کو قتل کر کے اس کی فوج کو ہزیمت دی۔ وہاں سے آگے بڑھے تو ہذیل بن عمران کی زیرسیادت بنی تغلب کی ایک جماعت نے مبارزہ طلبی کی۔ ہذیل مارا گیا اور اس کی جماعت کے بہت سے لوگ قید کر کے مدینہ روانہ کیے گئے۔ پھر یہاں سے انبار پہنچے اور انبار سے صحرا طے کر کے تدمر میں خیمہ زن ہوئے۔ اہل تدمر نے بھی پہلے قلعہ بند ہو کر مقابلہ کیا۔ پھر مجبور ہو کر مصالحت کر لی۔ تدمر سے گزر کر حوران آئے۔ یہاں بھی سخت جنگ پیش آئی۔ اسے فتح کر کے شام کی اسلامی مہم سے مل گئے اور متحدہ قوت سے بصری، فحل اور اجنادین کو مسخر کر لیا۔ اجنادین کی جنگ نہایت شدید تھی اس میں بہت سے مسلمان شہید ہوئے لیکن انجام کار میدان مسلمانوں ہی کے ہاتھ رہا اور جمادی الاول ۳۱ھ سے اجناء دین ہمیشہ کے لئے اسلام کا زیرنگین ہو گیا۔ (۱)

اجناء دین سے بڑھ کر اسلامی فوجوں نے دمشق کا محاصرہ کر لیا۔ لیکن اس کے مفتوح ہونے سے پہلے ہی خلیفہ اول نے داعی اجل کو لبیک کہا۔ اس لئے اس کی تفصیل فتوحات فاروقی کے سلسلہ میں آئے گی۔

متفرق فتوحات

عراق اور شام کی لشکر کشی کے علاوہ حضرت عثمانؓ بن ابی العاص کو توج روانہ کیا گیا۔ انہوں نے توج، مکران اور اس کے آس پاس کے علاقوں کو زیرنگین کر کے اسلامی مملکت میں شامل کر لیا۔ اسی طرح حضرت علاء بن حضرمیؓ زاڑہ پر مامور ہوئے انہوں نے زاڑہ اور اس کے اطراف کو زیرنگین کر کے اس قدر مال غنیمت مدینہ روانہ کیا کہ خلیفہ اول نے اس میں سے مدینہ منورہ کے ہر خاص و عام مرد، عورت شریف و غلام کو ایک ایک دینار تقسیم فرمایا۔ (۲)

مرض الموت استخلاف حضرت عمر فاروقؓ

حضرت ابو بکرؓ کی خلافت کو ابھی صرف سوا دو برس ہوئے تھے اور اس قلیل عرصہ میں مدعیان نبوت، مرتدین اور منکرین زکوٰۃ کی سرکوبی کے بعد فتوحات کی ابتداء ہی ہوئی تھی کہ پیام اجل پہنچ گیا۔ حضرت عائشہؓ غمرانی ہیں کہ ایک دن جب کہ موسم نہایت سرد و خنک تھا، آپؐ نے غسل فرمایا۔ غسل کے بعد بخار آ گیا اور مسلسل پندرہ دن تک شدت کے ساتھ قائم رہا۔ اس اثناء میں مسجد میں تشریف لانے سے بھی معذور ہو گئے۔ چنانچہ آپؐ کے حکم سے حضرت عمرؓ امامت کی خدمت انجام دیتے تھے۔

مرض جب روز بروز بڑھتا گیا اور افاقہ سے مایوسی ہوتی گئی تو صحابہ کرامؓ گولہ بلا کر جانشینی کے متعلق مشورہ کیا اور حضرت عمرؓ کا نام پیش کیا۔ حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ نے کہا کہ ”عمرؓ کے اہل ہونے میں کس کو شبہ ہو سکتا ہے لیکن وہ کسی قدر متشدد ہیں۔“ حضرت عثمانؓ نے کہا کہ ”میرے خیال میں حضرت عمرؓ کا باطن ظاہر سے اچھا ہے۔“ لیکن بعض صحابہؓ کو حضرت عمرؓ کے تشدد کے باعث پس و پیش تھی۔ چنانچہ حضرت طلحہؓ عیادت کے لئے آئے تو شکایت کی کہ آپؐ عمرؓ کو خلیفہ بنانا چاہتے ہیں، حالانکہ جب آپؐ کے سامنے وہ اس قدر متشدد تھے تو خدا جانے آئندہ کیا کریں گے۔ حضرت ابو بکرؓ صدیق نے جواب دیا ”جب اُن پر خلافت کا بار پڑے گا تو اُن کو خود نرم ہونا پڑے گا۔“ اسی طرح ایک دوسرے صحابی نے کہا، آپؐ عمرؓ کے تشدد سے واقف ہونے کے باوجود ان کو جانشین کرتے ہیں ذرا سوچ لیجئے آپؐ خدا کے یہاں جارہے ہیں وہاں کیا جواب دیجئے گا۔ فرمایا ”میں عرض کرونگا خدایا! میں نے تیرے بندوں میں سے اس کو منتخب کیا ہے جو اُن میں سب سے اچھا ہے۔“

غرض سب کی تشفی کردی اور حضرت عثمانؓ کو بلا کر عہد نامہ خلافت لکھوانا شروع کیا۔ ابتدائی الفاظ لکھے جا چکے تھے کہ غش آ گیا۔ حضرت عثمانؓ نے یہ دیکھ کر حضرت عمرؓ کا نام اپنی طرف سے بڑھا دیا۔ تھوڑی دیر کے بعد ہوش آیا تو حضرت عثمانؓ سے کہا کہ پڑھ کر سناؤ۔ انہوں نے پڑھا تو بے ساختہ اللہ اکبرؓ کا راٹھے اور کہا خدا تمہیں جزائے خیر دے، تم نے میرے دل کی بات لکھ دی۔ غرض عہد نامہ مرتب ہو چکا تو اپنے غلام کو دیا کہ مجمع عام میں سنا دے اور خود بالا خانہ پر تشریف لے جا کر تمام حاضرین سے فرمایا کہ میں نے اپنے عزیز یا بھائی کو خلیفہ مقرر نہیں کیا ہے بلکہ اس کو منتخب

کیا ہے جو تم لوگوں میں سب سے بہتر ہے۔ تمام حاضرین نے اس حسن انتخاب پر سمعنا و اطعنا کہا۔ اس کے بعد حضرت ابو بکر صدیق نے حضرت عمرؓ کو بلا کر نہایت مفید نصیحتیں کیں جو ان کی کامیاب خلافت کے لئے نہایت عمدہ دستور العمل ثابت ہوئیں۔ (۱)

اس فرض سے فارغ ہونے کے بعد حضرت ابو بکرؓ نے ذاتی اور خانگی امور کی طرف توجہ کی۔ حضرت عائشہؓ کو انہوں نے مدینہ یا بحرین کے نواح میں اپنی ایک جاگیر دیدی تھی لیکن خیال آیا کہ اس سے دوسرے وارثوں کی حق تلفی ہوگی۔ اس لئے فرمایا جان پدر! افلاس و امارت دونوں حالتوں میں تم مجھے سب سے زیادہ محبوب رہی ہو لیکن جو جاگیر میں نے تمہیں دی ہے۔ کیا تم اس میں اپنے بھائی بہنوں کو شریک کر لو گی؟ حضرت عائشہؓ نے حامی بھری تو آپ نے بیت المال کے قرض کی ادائیگی کے لئے وصیت فرمائی اور کہا کہ ہمارے پاس مسلمانوں کے مال میں سے ایک لونڈی اور دو اونٹنیوں کے سوا کچھ نہیں۔ عائشہؓ! میرے مرتے ہی یہ عمرؓ کے پاس بھیج دی جائیں۔ چنانچہ یہ تمام چیزیں حضرت عمرؓ کے پاس بھیج دی گئیں۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ آپ نے یہ بھی کہا تھا کہ میری تجہیز و تکفین سے فارغ ہو کر دیکھنا کوئی اور چیز تو نہیں رہ گئی ہے، اگر ہو تو اس کو بھی عمرؓ کے پاس بھیج دینا۔ گھر کا جائزہ لیا گیا تو بیت المال کی کوئی اور چیز کا شانہ صدیقی سے برآمد نہیں ہوئی۔ (۲)

تجہیز و تکفین کے متعلق فرمایا کہ اس وقت جو کپڑا بدن پر ہے اسی کو دھو کر دوسرے کپڑوں کے ساتھ کفن دینا۔ حضرت عائشہؓ نے عرض کی کہ یہ تو پرانا ہے، کفن کے لئے نیا ہونا چاہئے۔ فرمایا ”زندے مردوں کی بہ نسبت نئے کپڑوں کے زیادہ حقدار ہیں، میرے لئے یہی پھنا پرانا بس ہے“ اس کے بعد پوچھا آج دن کون سا ہے؟ لوگوں نے جواب دیا دو شنبہ۔ پھر پوچھا رسول اللہ ﷺ کا وصال کس روز ہوا تھا؟ کہا گیا کہ دو شنبہ کے روز۔ فرمایا ”تو پھر میری آرزو ہے کہ آج ہی رات تک اس عالم فانی سے رحلت کر جاؤں“۔ چنانچہ یہ آخری آرزو بھی پوری ہوئی۔ یعنی دو شنبہ کا دن ختم کر کے منگل کی رات کو تریسٹھ برس کی عمر میں اواخر جمادی الاول ۳۱ھ کو رہ گزین عالم جاوداں ہوئے۔ (۳) اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ

وصیت کے مطابق رات ہی کے وقت تجہیز و تکفین کا سامان کیا گیا۔ آپ کی زوجہ محترمہ حضرت اسماء بنت عمیس نے غسل دیا۔ حضرت عمرؓ فاروق نے جنازہ کی نماز پڑھائی حضرت عثمانؓ، حضرت طلحہؓ، حضرت عبدالرحمن بن ابی بکرؓ اور حضرت عمرؓ فاروق نے قبر میں اتارا اور اس طرح سرور کائنات کا رفیق زندگی آپ ﷺ کے پہلو میں مدفون ہو کر دائمی رفاقت کیلئے جنت میں پہنچ گیا۔

① طبقات ابن سعد قسم اول ج ۳ وصیت ابو بکر صدیق ص ۴۲ ② طبقات ابن سعد ج ۳ ص ۱۳۱

③ طبقات ابن سعد

کارنامہ ہائے زندگی

حضرت ابوبکر صدیق کی زندگی عظیم الشان کارناموں سے لبریز ہے۔ خصوصاً انہوں نے سوا دو برس کی قلیل مدت خلافت میں اپنے مساعی جمیلہ کے جولا زوال نقش و نگار چھوڑے وہ قیامت تک محو نہیں ہو سکتے۔ رسول اللہ ﷺ کے بعد سرزمین عرب ایک دفعہ پھر ضلالت و گمراہی کا گہوارہ بن گئی تھی۔ مورخ طبری کا بیان ہے کہ قریش و ثقیف کے سوا تمام عرب اسلام کی حکومت سے باغی تھا۔ مدعیان نبوت کی جماعتیں علیحدہ علیحدہ ملک میں شورش برپا کر رہی تھیں۔ منکرین زکوٰۃ مدینہ منورہ لوٹنے کی دھمکی دے رہے تھے۔ غرض خورشید دو عالم ﷺ کے غروب ہوتے ہی جمع اسلام کے چراغ سحری بن جانے کا خطرہ تھا لیکن جانشین رسول ﷺ نے اپنی روشن ضمیری، سیاست اور غیر معمولی استقلال کے باعث نہ صرف اس کو گل ہونے سے محفوظ رکھا بلکہ پھر اسی مشعل ہدایت سے تمام عرب کو منور کر دیا۔ اس لئے حقیقت یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کے بعد اسلام کو جس نے دوبارہ زندہ کیا اور دنیائے اسلام پر سب سے زیادہ جس کا احسان ہے وہ یہی ذات گرامی ہے۔

اس میں شک نہیں کہ خلیفہ دوم کے عہد میں بڑے بڑے کام انجام پائے، مہمات امور کا فیصلہ ہوا۔ یہاں تک کہ روم و ایران کے دفتر الٹ دیئے گئے۔ تاہم اس کی داغ بیل کس نے ڈالی؟ ملک میں یہ اولوالعزم اندہ روح کب پیدا ہوئی؟ خلافت الہیہ کی ترتیب و تنظیم کا سنگ بنیاد کس نے رکھا؟ اور سب سے زیادہ یہ کہ خود اسلام کو گرداب فنا سے کس نے بچایا؟ یقیناً ان تمام سوالوں کے جواب میں صرف صدیق اکبرؓ ہی کا نام نامی لیا جاسکتا ہے اور دراصل وہی اس کے مستحق ہیں۔ اس لئے اب ہم کو دیکھنا چاہئے کہ عہد صدیقی کی وہ کون سی داغ بیل تھی جس پر عہد فاروقی میں اسلام کی رفیع الشان عمارت تعمیر کی گئی۔

نظام خلافت

اسلام میں خلافت یا جمہوری حکومت کی بنیاد سب سے پہلے حضرت ابوبکرؓ نے ڈالی۔ چنانچہ خود ان کا انتخاب بھی جمہور کے انتخاب سے ہوا تھا اور عملاً جس قدر بڑے بڑے کام انجام پائے

سب میں کبار صحابہؓ رائے و مشورہ کی حیثیت سے شریک تھے۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے صاحب رائے و تجربہ کار صحابہؓ کو بھی دار الخلافت سے جدا نہ ہونے دیا۔ حضرت اسامہؓ کی مہم میں حضرت عمرؓ کو خود رسول اللہ ﷺ نے نامزد کیا تھا۔ لیکن انہوں نے حضرت اسامہؓ کو راضی کیا کہ حضرت عمرؓ کو رائے و مشورہ میں مدد دینے کے لئے چھوڑ جائیں۔ (۱)

شام پر لشکر کشی کا خیال آیا تو پہلے اس کو صحابہؓ کی ایک جماعت میں مشورہ کے لئے پیش کیا۔ ان لوگوں کو ایسے اہم اور خطرناک کام کو چھوڑنے میں پس و پیش تھا۔ لیکن حضرت علیؓ نے موافق رائے دی۔ (۲) اور پھر اسی پر اتفاق ہوا، اور اسی طرح منکرین زکوٰۃ کے مقابلہ میں جہاد، حضرت عمرؓ کے استخلاف اور تمام دوسرے اہم معاملات میں اہل الرائے صحابہؓ کی رائے دریافت کر لی گئی تھی۔ البتہ عہد فاروقی کی طرح اس وقت مجلس شوریٰ کا باقاعدہ نظام نہ تھا تاہم جب کوئی امر اہم پیش آ جاتا تو ممتاز مجاہدین و انصار جمع کئے جاتے تھے اور ان سے رائے لی جاتی تھی۔ چنانچہ ابن سعد کی روایت ہے:

جب کوئی امر پیش آتا تھا تو حضرت ابوبکرؓ صدیق اہل الرائے و فقہائے صحابہ سے مشورہ لیتے تھے اور مجاہدین و انصار میں سے چند ممتاز لوگ یعنی عمرؓ، عثمانؓ، علیؓ، عبدالرحمن بن عوفؓ، معاذ بن جبلؓ، ابی بن کعبؓ، اور زید بن ثابتؓ کو بلاتے تھے، یہ سب حضرات ابوبکرؓ کے عہد خلافت میں فتوے بھی دیتے تھے۔

ان ابا بکر الصديق كان اذا
نزل به امر يريد فيه مشاورة
اهل الراي واهل الفقه ودعا
رجلا من المهاجرين
والانصار دعا عمر عثمان
وعليا وعبد الرحمن بن
عوف ومعاذ جبل وابي بن
كعب وزيد بن ثابت كل
هؤلاء يفتي في خلافة ابي
بكر. الخ (۳)

ملکی نظم و نسق

نوعیت حکومت کے بعد سب سے ضروری چیز ملک کے نظم و نسق کو بہترین اصول پر قائم کرنا، عہدوں کی تقسیم اور عہدیداروں کا صحیح انتخاب ہے۔ حضرت ابوبکرؓ کے عہد میں بیرونی فتوحات کی ابھی ابتدا ہوئی تھی اس لئے ان کے دائرہ حکومت کو صرف عرب پر محدود سمجھنا چاہئے۔ انہوں نے عرب کو متعدد صوبوں اور ضلعوں پر تقسیم کر دیا تھا۔ چنانچہ مدینہ، مکہ، طائف، صنعاء، حِمْیَر، حضرموت

① طبقات ابن سعد حصہ مغازی ② یعقوبی ج ۲ ص ۱۴۹ ③ طبقات ابن سعد قسم ۲ ج ۲ ص ۱۰۹

بحرین، اور دومۃ الجندل علیحدہ علیحدہ صوبے تھے۔ (۱) ہر صوبہ میں ایک عامل ہوتا تھا جو ہر قسم کے فرائض انجام دیتا تھا۔ البتہ خاص دار الخلافہ میں تقریباً اکثر صیغوں کے الگ الگ عہدہ دار مقرر کئے گئے تھے۔ مثلاً حضرت ابو عبیدہ شام کی سپہ سالاری سے پہلے افرامال تھے، حضرت عمر قاضی تھے اور حضرت عثمان و حضرت زید بن ثابت دربار خلافت کے کاتب تھے۔ (۲)

عالموں اور عہدہ داروں کے انتخاب میں حضرت ابو بکرؓ نے ہمیشہ ان لوگوں کو ترجیح دی جو عہد نبوت میں عامل یا عہدہ دار رہ چکے تھے اور ان سے ان ہی مقامات میں کام لیا جہاں وہ پہلے بھی کام کر چکے تھے۔ مثلاً عہد نبوت میں مکہ پر عتاب بن اسید، طائف پر عثمان بن ابی العاص، صنعاء پر مہاجر بن امیہ، حضرموت پر زیاد بن لبید، اور بحرین پر علاء بن الحضرمی مامور تھے۔ اس لئے خلیفہ اول نے بھی ان مقامات پر ان ہی لوگوں کو برقرار رکھا۔ (۳)

حضرت ابو بکرؓ جب کسی کو کسی ذمہ داری کے عہدہ پر مامور فرماتے تو عموماً بلا کر اس کے فرائض کی تشریح کر دیتے اور نہایت مؤثر الفاظ میں سلامت روی و تقویٰ کی نصیحت فرماتے۔ چنانچہ عمرو بن العاصؓ اور ولید بن عقبہ کو قبیلہ قضاعہ پر محصل صدقہ بنا کر بھیجا تو ان الفاظ میں نصیحت فرمائی:

اتق الله في السر والعلانية
فانه من يتق الله يجعل له
مخرجاً ويرزقه من حيث له
يحتسب ومن يتق الله يكفر
عنه سيئاته ويعظم له اجرا
فان تقوى الله خيراً ما
تواصى به عباد الله انك
في سبيل الله لا يسعك فيه
الاذهان والتفريط والغفلة
عما فيه قوام دينكم
وعصمة امركم فلا تن ولا
تفتر الخ (مسند ج ۱ ص ۶)

خلوت و جلوت میں خوفِ خدا رکھو، جو خدا سے ڈرتا ہے وہ اس کے لئے ایسی سبیل اور اس کے رزق کا ایسا ذریعہ پیدا کر دیتا ہے جو کسی کے گمان میں بھی نہیں آ سکتا، جو خدا سے ڈرتا ہے وہ اس کے گناہ معاف کر دیتا ہے اور اس کا اجر دو بالا کر دیتا ہے، بیشک، بندگانِ خدا کی خیر خواہی بہترین تقویٰ ہے، تم خدا کی ایک ایسی راہ میں ہو جس میں افراطِ تفريط اور ایسی چیزوں سے غفلت کی گنجائش نہیں جس میں مذہب کا استحکام اور خلافت کی حفاظت مضمر ہے اسی لئے سستی و تغافل کو راہ نہ دینا۔

اسی طرح یزید بن سفیان کو مہم شام کی امارت سپرد کی تو فرمایا:

يا يزيد ان لك قرابة اے یزید! تمہاری قرابت داریاں ہیں

شاید تم ان کو اپنی امارت سے فائدہ پہنچاؤ،
درحقیقت یہی سب سے بڑا خطرہ ہے جس
سے میں ڈرتا ہوں، رسول اللہ ﷺ نے
فرمایا ہے کہ جو کوئی مسلمانوں کا حاکم مقرر
ہوا اور ان پر کسی کو بلا استحقاق رعایت کے
طور پر افسر بنادے تو اس پر خدا کی لعنت ہو
خدا اس کا کوئی عذر اور فدیہ قبول نہ فرمائے
گا، یہاں تک کہ اس کو جہنم میں داخل
کرے۔

عسیت ان توثرهم بالاسارة
وذلك اكبر ما اخاف
عليك فان رسول الله ﷺ
قال من ولي من امر
المسلمين شيئا فامر عليهم
احد امحابة فعليه لعنة الله
لا يقبل الله منه صرفاً ولا
عدلاً حتى يدخله جهنم (۱)

حکام کی نگرانی

کسی حکومت کا قانون و آئین گو کیسا ہی مرتب و منتظم ہو، لیکن اگر ذمہ دار حکام کی نگرانی اور
ان پر نکتہ چینی کا اہتمام نہ ہو تو یقیناً تمام نظام درہم برہم ہو جائے گا۔ یہی وجہ ہے کہ خلیفہ اول کو اپنی
قطری نرم دلی، تساہل اور چشم پوشی کے باوجود اکثر موقعوں پر تشدد، احتساب اور نکتہ چینی سے کام لینا
پڑا۔ ذاتی معاملات میں رفتی و ملاطفت ان کا خاص شیوہ تھا لیکن انتظام و مذہب میں اس قسم کی
مداہنت کو کبھی روا نہ رکھتے تھے۔ چنانچہ حکام سے جب کبھی کوئی نازیبا امر سرزد ہو جاتا تو نہایت سختی
کے ساتھ چشم نمائی فرماتی۔ یمامہ کی جنگ میں مجاہد حنفی نے جو مسیلمہ کذاب کا سپہ سالار تھا، حضرت
خالد بن ولیدؓ کو دھوکہ دے کر مسیلمہ کی تمام قوم کو مسلمانوں کے ہنچہ اقتدار سے بچالیا۔ حضرت خالد
بن ولیدؓ نے اس غدار پر اسے سزا دینے کے بجائے اس کی لڑکی سے شادی کر لی۔ چونکہ اس جنگ
میں بہت سے صحابہؓ شہید ہوئے تھے۔ اس لئے ابو بکر صدیقؓ نے حضرت خالدؓ کی اس مسامحت پر
سخت ناراضگی ظاہر کرتے ہوئے لکھا:

یعنی تمہارے خیمہ کی طناب کے پاس
مسلمانوں کا خون بہہ رہا ہے اور تم عورتوں
کے ساتھ عیش و عشرت میں مصروف ہو۔

تتوثب على النساء وعند
اطمناب بيتك دماء
المسلمين (۲)

مالک بن نویرہ منکر زکوٰۃ تھا۔ حضرت خالد بن ولیدؓ اس کی تنبیہ پر مامور ہوئے لیکن انہوں
نے زبانی ہدایت سے پہلے ہی اسکو قتل کر ڈالا۔ مالک کا بھائی شاعر تھا اُس نے اس کا نہایت پرورد
مرثیہ لکھا اور ظاہر کیا کہ وہ تائب ہونے کے لئے تیار تھا مگر خالد نے محض ذاتی عداوت سے قتل کر

دیا۔ دربار خلافت تک اس کی اطلاع پہنچی تو اس غلطی پر حضرت خالد سخت مور و عتاب ہوئے لیکن وہ جو کام کر رہے تھے اس کے لئے کوئی دوسرا ان سے زیادہ موزوں نہ تھا اس لئے اپنے عہدہ پر برقرار رکھے گئے۔ (۱)

تقریر و حدود

حضرت ابو بکر صدیق ذاتی طور پر مجرموں کے ساتھ نہایت ہمدردانہ برتاؤ کرتے تھے، چنانچہ عہد نبوت میں قبیلہ اسلم کے ایک شخص نے اُن کے سامنے بدکاری کا اعتراف کیا تو بولے ”تم نے میرے سوا اور کسی سے بھی اس کا تذکرہ کیا ہے؟“ اس نے کہا نہیں۔ فرمایا ”خدا سے توبہ کرو اور اس راز کو پوشیدہ رکھو، خدا بھی اس کو چھپائے گا، کیونکہ وہ اپنے بندوں کی توبہ قبول کرتا ہے۔“ اگر اس نے ان کے مشورہ پر عمل کیا ہوتا تو رجم سے بچ جاتا۔ لیکن خود دربار رسالت ﷺ میں آکر اس نے متواتر چار دفعہ اقرار جرم کیا اور بخوشی سنگ سار ہوا۔ (۲)

زمانہ خلافت میں بھی ان کی یہ طبعی ہمدردی قائم رہی۔ چنانچہ اشعث بن قیس جو مدعی نبوت تھا جب گرفتار ہو کر آیا اور توبہ کر کے جان بخشی کی درخواست کی تو حضرت ابو بکر صدیق نے نہ صرف اس کو رہا کر دیا بلکہ اپنی ہمیشہ حضرت ام فردہؓ سے اس کا نکاح کر دیا۔ (۳)

لیکن سیاسی حیثیت سے خلیفہ وقت کا سب سے پہلا فرض قوم کی اخلاقی نگرانی اور رعایا کے جان و مال کی حفاظت ہے اور اس حیثیت سے اگرچہ انہوں نے پولیس و احتساب کا کوئی مستقل محکمہ قائم نہیں کیا بلکہ رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں اُن کی جو حالت تھی وہی قائم رکھی۔ البتہ اس قدر اضافہ کیا کہ حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کو پہرہ داری کی خدمت پر مامور فرمایا اور بعض جرائم کی سزائیں متعین کر دیں۔ مثلاً حد فمر کی نسبت رسول اللہ ﷺ کا طرز عمل مختلف تھا لیکن حضرت ابو بکر صدیق نے اپنے دور خلافت میں شرابی کے لئے چالیس ذرے کی سزا لازمی کر دی۔ (۴)

حضرت ابو بکرؓ کے عہد خلافت میں بعض جدید جرائم بھی پیدا ہوئے۔ مثلاً حضرت خالد بن ولیدؓ نے ان کو لکھا کہ حوالی مدینہ میں ایک شخص علت ابنہ میں مبتلا ہے چونکہ اہل عرب کے لئے ایک جدید جرم تھا اور حدیث بقرآن میں اس کی کوئی سزا مقرر نہ تھی اس لئے حضرت ابو بکرؓ نے تمام صحابہؓ سے مشورہ کیا۔ حضرت علیؓ نے جلانے کی رائے دی اور تمام صحابہؓ نے اس پر اتفاق کیا۔ (۵)

ان کو ملک میں امن و امان اور شاہراہوں کو محفوظ و بے خطر رکھنے کا حد درجہ خیال رہتا تھا اور جو کوئی اس میں رخنہ انداز ہوتا تھا اس کو نہایت عبرت انگیز سزائیں دیتے تھے۔ چنانچہ اس زمانہ میں

① یعقوبی ج ۲ ص ۱۳۹ ② ابوداؤد کتاب الحدود ③ الترغیب والترہیب ج ۳ ص ۱۱۶ بحوالہ ابن الدنیا

④ مسند ابن ضہل ج ۱ ص ۴

⑤ یعقوبی ج ۲ ص ۱۳۹

عبداللہ بن ایاس سلمیٰ مشہور راہزن تھا جس نے تمام ملک میں ایک غدر برپا کر رکھا تھا۔ حضرت ابوبکرؓ نے طریفہ بن حاجر کو بھیج کر نہایت اہتمام کے ساتھ اس کو گرفتار کرایا۔ اور آگ میں جلانے کا حکم دیا۔ لیکن اسی کے ساتھ حدود شریعت سے تجاوز کسی حالت میں جائز نہیں رکھتے تھے اور ان موقعوں پر ان کا طبعی حلم و کرم صاف نمایاں ہو جاتا تھا۔

چنانچہ ایک دفعہ حضرت مہاجرین امیہؓ نے جو یمامہ کے امیر تھے، دو گانے والی عورتوں کو اس جرم پر کہ ان میں سے ایک آنحضرت ﷺ کی بجوگاتی تھی اور دوسرے مسلمانوں کو برا کہتی تھی، یہ سزا دی کہ ان کے ہاتھ کاٹ ڈالے اور دانت اکھڑا ڈالے۔ حضرت ابوبکرؓ کو معلوم ہوا تو انہوں نے اس سزا پر سخت برہمی فرمائی اور لکھا کہ بے شک انبیاء کا سب و شتم ایک نہایت قبیح جرم ہے اور اگر سزا میں تم عجلت نہ کرتے تو میں قتل کا حکم دیتا کیونکہ وہ اگر مدعی اسلام ہے تو گالی دینے سے مرتد ہو گئی اور اگر ذمیہ تھی تو اس نے خلاف عہد کیا۔ لیکن دوسری جو صرف مسلمانوں کو برا کہتی تھی اس کو کوئی سزا نہ دینا چاہئے تھی۔ کیونکہ اگر وہ مسلمان عورت ہے تو اس کے لئے معمولی تنبیہ و تادیب کافی تھی اور اگر ذمیہ ہے تو جب میں نے اس کے شرک سے جو سب سے بڑا گناہ ہے درگزر یا تو مسلمانوں کو برا کہنے کی کیا سزا ہو سکتی ہے؟ بہر حال یہ تمہاری پہلی خطانہ ہوتی تو تمہیں اس کا خمیازہ اٹھانا پڑتا۔ دیکھو! مسئلہ سے ہمیشہ محترز رہو۔ یہ نہایت نفرت انگیز گناہ ہے۔ مجبوراً صرف قصاص میں مباح ہے۔ (۱)

مالی انتظامات

عہد نبوت میں صیغہ مال کا کوئی باقاعدہ محکمہ نہ تھا بلکہ مختلف ذرائع سے جو رقم آتی تھی اسی وقت تقسیم کر دی جاتی تھی۔ حضرت ابوبکرؓ کے عہد میں بھی یہی انتظام قائم رہا۔ چنانچہ انہوں نے پہلے سال ہر ایک آزاد، غلام، مرد، عورت اور ادنیٰ و اعلیٰ کو بلا تفریق دس دس درہم عطا کئے۔ دوسرے سال آمدنی زیادہ ہوئی تو بیس بیس درہم مرحمت فرمائے۔ ایک شخص نے اس مساوات پر اعتراض کیا تو فرمایا کہ فضل و منقبت اور چیز ہے اس کو رزق کی کمی بیشی سے کیا تعلق ہے؟ (۲) البتہ اس پر اس قدر اضافہ کیا کہ اخیر عہد حکومت میں ایک بیت المال تعمیر کرایا، لیکن اس میں کبھی کسی بڑی رقم کے جمع کرنے کا موقع نہ آیا۔ اسی لئے بیت المال کی حفاظت کا کوئی انتظام نہ تھا۔ ایک دفعہ کسی نے کہا کہ یا خلیفہ رسول اللہ آپ بیت المال کی حفاظت کے لئے کوئی محافظ کیوں نہیں مقرر فرماتے؟ فرمایا اس کی حفاظت کے لئے ایک قفل کافی ہے۔ (۳)

خلیفہ اول کی وفات کے بعد حضرت عمرؓ نے حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ، حضرت عثمانؓ اور

دوسرے صحابہ کو ساتھ لے کر مقام سخ میں بیت المال کا جائزہ لیا تو صرف ایک درہم برآمد ہوا۔ لوگوں نے کہا ”خدا ابو بکرؓ پر رحم کرے“۔ اور بیت المال کے خزانچی کو بلا کر پوچھا کہ ”شروع سے اس وقت تک خزانہ میں کس قدر مال آیا ہوگا؟“ اس نے کہا کہ ”دولاکھ دینار“۔ (۱)

فوجی نظام

عہد نبوت میں کوئی باضابطہ فوجی نظام نہ تھا بلکہ جب ضرورت پیش آتی تو صحابہ کرام خود ہی شوق سے علم جہاد کے نیچے جمع ہو جاتے تھے۔ حضرت ابو بکرؓ کے عہد میں بھی یہی صورتحال باقی رہی۔ لیکن انہوں نے اس پر اس قدر اضافہ کیا کہ جب کوئی فوج کسی مہم پر روانہ ہوتی تو اس کو مختلف دستوں میں تقسیم کر کے الگ الگ افسر مقرر فرما دیتے۔ چنانچہ شام کی طرف جو فوج روانہ ہوئی اس میں اسی طریقہ پر عمل کیا گیا تھا۔ یعنی قومی حیثیت سے تمام قبائل کے افسر اور ان کے جھنڈے الگ الگ تھے۔ امیر الامراء کمانڈر انچیف کا نیا عہدہ بھی خلیفہ اول کی ایجاد ہے اور سب سے پہلے حضرت خالد بن ولیدؓ اس عہدہ پر مامور ہوئے تھے۔ (۲)

دستہ بندی کا صریح فائدہ یہ ہوا کہ مجاہدین اسلام کو رومیوں کی باقاعدہ فوج کے مقابلہ میں اس سے بڑی مدد ملی یعنی حضرت خالد بن ولیدؓ نے تعبیه کا طریقہ ایجاد کیا اور میدان جنگ میں ہر دستہ کی جگہ اور اس کا کام متعین کر دیا۔ اسی طرح حالت جنگ میں کسی ترتیب و نظام کے نہ ہونے سے فوج میں ابتری پھیل جاتی تھی اس کا سد باب ہو گیا۔ (۳)

فوج کی اخلاقی تربیت

رسول اللہ ﷺ یا خلفائے راشدین کے عہد میں جس قدر لڑائیاں پیش آئیں وہ سب للہیت اور اعلائے کلمۃ اللہ پر مبنی تھیں۔ اس لئے ہمیشہ کوشش کی گئی کہ اس مقصدِ عظیم کے لئے جو فوج تیار ہو وہ اخلاقی رفعت میں تمام دنیا کی فوجوں سے ممتاز ہو۔ آنحضرت ﷺ کے بعد حضرت ابو بکرؓ نے بھی فوجی تربیت میں اس نکتہ کو ہمیشہ ملحوظ رکھا اور جب کبھی فوج کسی مہم پر روانہ ہوئی تو خود دور تک پیادہ ساتھ گئے اور امیر لشکر کو زرین نصائح کے بعد رخصت فرمایا۔ چنانچہ ملک شام پر فوج کشی ہوئی تو سپہ سالار سے فرمایا: (۴)

تم ایک ایسی قوم کو پاؤ گے جنہوں نے اپنے
آپ کو خدا کی عبادت کے لئے وقف کر دیا

انک تجدد قوم از عموا انہم
حبسوا انفسہم اللہ فذرہم

① طبقات ابن سعد ج ۳ ص ۱۵۱ ② فتوح البلدان ص ۱۱۵ ③ تاریخ طبری

④ تاریخ الخلفاء ص ۹۶

ہے۔ ان کو چھوڑ دینا، میں تم کو دس وصیتیں کرتا ہوں، کسی عورت بچے اور بوڑھے کو قتل نہ کرنا، پھلدار درخت کو نہ کاٹنا، کسی آباد جگہ کو ویران نہ کرنا، بکری اور اونٹ کو کھانے کے سوا بے کار ذبح نہ کرنا، نخلستان نہ جلانا، مالِ غنیمت میں غبن نہ کرنا، اور بزدل نہ ہو جانا۔

وانی موصیک بعشر لا
تقتلوا امراً ولا صلیاً ولا
کبیراً ہر ما ولا تقتطعن
شجراً مثمراً ولا تحزبن
عامراً ولا تعقرن شاة ولا
بعیراً الا لاکلہ ولا تحرقن
نخللاً ولا تغلطن ولا تعجنن

سامان جنگ کی فراہمی

حضرت ابو بکر صدیق نے سامان جنگ کی فراہمی کا یہ انتظام فرمایا تھا کہ مختلف ذرائع سے جو آمدنی ہوتی تھی اس کا ایک معقول حصہ سامان بار برداری اور اسلحہ کی خریداری پر صرف فرماتے تھے۔ اس کے علاوہ قرآن پاک نے مالِ غنیمت میں، خدا، رسول اور ذوالقربیٰ کے جو حصے قرار دیئے تھے ان کو فوجی مصارف کے لئے مقرر کر دیا تھا۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ بھی ضروری مصارف کے بعد اس کو اسی کام میں لگاتے تھے۔ (۱)

اونٹ اور گھوڑوں کی پرورش کے لئے مقام بقیع میں ایک مخصوص چراگاہ تیار کرائی جس میں ہزاروں جانور پرورش پاتے تھے مقام زبدہ میں بھی ایک چراگاہ تھی جس میں صدقہ اور زکوٰۃ کے جانور چرتے تھے۔ (۲)

فوجی چھاؤنیوں کا معائنہ

حضرت ابو بکر صدیق ضعیف و پیری و ہجوم افکار کے باوجود خود ہی چھاؤنیوں کا معائنہ فرماتے تھے اور سپاہیوں میں مادی یا روحانی حیثیت سے جو خرابی نظر آتی تھی ان کی اصلاح فرماتے تھے۔ ایک دفعہ کسی مہم کے لئے مقام جرف میں فوجیں مجتمع ہوئیں۔ حضرت ابو بکر صدیق معائنہ کے لئے تشریف لے گئے۔ بنی فزارہ کے پڑاؤ میں پہنچے تو سب نے کھڑے ہو کر تعظیم کی۔ انہوں نے ہر ایک کو مرہباً کہا۔ ان لوگوں نے عرض کی ”یا خلیفہ رسول اللہ ﷺ ہم لوگ گھوڑوں پر خوب چڑھتے تھے اس لئے گھوڑے بھی ساتھ لائے ہیں۔ آپ بڑا جھنڈا ہمارے ساتھ کر دیجئے۔ فرمایا ”خدا تمہاری ہمت و ارادہ میں برکت دے لیکن بڑا جھنڈا تم کو نہیں مل سکتا۔ کیونکہ وہ بنو عبس کے حصہ میں آچکا ہے۔“ اس پر ایک فزاری نے کھڑے ہو کر کہا: ”ہم لوگ عبس سے اچھے ہیں۔“ حضرت

① کتاب الخراج ص ۱۲ ② کنز العمال ج ۳ ص ۱۳۲ بحوالہ ابن سعد

ابوبکرؓ نے ڈانٹ کر کہا ”چپ احمق! تجھ سے ہر ایک عیسیٰ اچھا ہے“۔ بنو عبس بھی کچھ بولنا چاہتے تھے مگر انہیں بھی ڈانٹ کر خاموش کر دیا۔ غرض اسی طرح چھاؤنیوں میں جا کر قبائل کے باہمی جوش و رقابت کو دبا کر اسلامی رواداری کا سبق دیتے تھے۔ (۱)

بدعات کا سد باب

تمام مذاہب کے مسخ ہو جانے کی اصلی وجہ وہ بدعات ہیں جو رفتہ رفتہ جزو مذہب ہو کر اس کی اصلی صورت اس طرح بدل دیتے ہیں کہ بانیان مذہب کی صحیح تعلیم اور متبعین کی جدت طرازیوں میں امتیاز و تفریق بھی دشوار ہو جاتی ہے۔ حضرت ابوبکرؓ کے عہد میں اگرچہ بدعات بہت کم پیدا ہوئیں تاہم جب کبھی کسی بدعت کا ظہور ہوا تو انہوں نے اس کو مٹا دیا۔ ایک دفعہ حج کے موقع پر قبیلہ احمس کی عورت کی نسبت معلوم ہوا کہ وہ کسی سے گفتگو نہیں کرتی انہوں نے اس کی وجہ پوچھی۔ لوگوں نے کہا اس نے خاموش حج کا ارادہ کیا ہے۔ یہ سن کر اس کے پاس تشریف لے گئے اور فرمایا ”یہ جاہلیت کا طریقہ ہے اسلام میں جائز نہیں، تم اس سے باز آ جاؤ اور بات چیت کرو“۔ اس نے کہا آپ کون ہیں؟ بولے ابوبکرؓ۔

خدمتِ حدیث

حضرت ابوبکرؓ صدیق کے عہد میں قرآن شریف کی تدوین و ترتیب کا جو کام انجام پایا اس کی تفصیل گزر چکی ہے۔ ایک روایت کے مطابق انہوں نے تقریباً پانچ سو حدیثیں جمع فرمائی تھیں لیکن وفات کے کچھ دنوں پہلے اس خیال سے ان کو ضائع کر دیا کہ شاید اس میں کوئی روایت خلاف واقعہ ہو تو یہ بار میرے سر رہ جائے گا۔ لیکن علامہ ذہبی نے اس خیال کی تغلیط کی ہے۔ با ایں ہمہ انہوں نے احادیث کے متعلق نہایت حزم و احتیاط سے کام لیا۔ صحابہ کرامؓ کو جمع کر کے خاص طور سے فرمایا:

تم لوگ رسول اللہ ﷺ سے ایسی حدیثیں روایت کرتے ہو جن میں تم خود ہی اختلاف رکھتے ہو تمہارے بعد جو لوگ آئیں گے تو ان میں اور بھی سخت اختلاف واقع ہوگا۔ اس لئے رسول اللہ ﷺ سے کوئی روایت نہ کرو اور جو کوئی تم سے سوال کرے تو کہہ دو کہ ہمارے اور تمہارے

انکم تحدثون عن رسول
اللہ ﷺ احادیث یختلفون
فیہا والناس بعدکم اشد
اختلافا فلا تحدثوا عن
رسول اللہ ﷺ شیئاً فمن
سئالکم فقولوا بنینا و بینکم

① کنز العمال ج ۳ ص ۱۳۲ بحوالہ ابن سعد

کتاب اللہ فاستحلوا حلالہ درمیان خدا کی کتاب ہے اس کے حلال کو
وحرموا حرامہ (۱) حلال سمجھو اور حرام کو حرام قرار دو۔

لیکن اس سے یہ قیاس نہ کرنا چاہئے کہ انہوں نے مطلقاً روایت کا دروازہ بند کر دیا بلکہ ان کی غرض صرف یہ تھی کہ جب تک کسی حدیث کی صحت پر کامل یقین نہ ہو روایت نہ کرنا چاہئے، چنانچہ وہ خود بھی اس پر عمل پیرا تھے اور جب کسی روایت کی پوری تصدیق ہو جاتی تو بغیر پس و پیش اس کو قبول فرما لیتے تھے۔ ایک دفعہ دادی کی وراثت کا جھگڑا پیش ہوا۔ چونکہ قرآن مجید اس کے متعلق خاموش ہے اس لئے آنحضرت ﷺ کا طرز عمل دریافت کرنا پڑا۔ حضرت مغیرہ بن شعبہؓ موجود تھے انہوں نے کہا میں جانتا ہوں کہ رسول اللہ ﷺ دادی کو چھٹا حصہ دیتے تھے۔ احتیانا پوچھا ”کوئی گواہی پیش کر سکتے ہو؟“ حضرت محمد بن مسلمہؓ نے کھڑے ہو کر اس کی تصدیق کی تو اسی وقت حکم نافذ کر دیا۔ (۲) بعد کو حضرت عمرؓ نے اس اصول سے زیادہ کام لیا۔ آپ کے قبول حدیث کے اور بھی واقعات ہیں۔

محکمہ افتاء

حضرت ابو بکرؓ نے مسائل فقہیہ کی تحقیق و تنقید اور عوام کی سہولت کے خیال سے افتاء کا ایک محکمہ قائم کر دیا تھا۔ حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ، حضرت عبدالرحمنؓ بن عوف، حضرت معاذ بن جبلؓ، حضرت ابی بن کعبؓ، حضرت زید بن ثابتؓ، جو اپنے علم و اجتہاد کے لحاظ سے تمام صحابہ میں منتخب تھے، اس خدمت پر مامور تھے، ان کے سوا اور کسی کو فتویٰ دینے کی اجازت نہ تھی۔ (۳) حضرت عمرؓ نے بھی اپنے عہد خلافت میں اسی پابندی کے ساتھ اس کو قائم رکھا۔

اشاعت اسلام

نائب رسول ﷺ کا سب سے اہم فرض دین متین کی تبلیغ و اشاعت ہے، حضرت ابو بکرؓ کو اس کا رخیر میں شروع سے جو غیر معمولی انہماک تھا اس کا ایک اجمالی تذکرہ گزر چکا ہے۔ اس سے آپ کو معلوم ہوا ہوگا کہ آسمان اسلام کے اختر ہائے تاباں اسی خورشید صداقت کے پر تو ضیاء سے منور ہوئے ہیں، خلافت کا بار آیا تو ایک فرض کی حیثیت سے قدرۃً یہ انہماک زیادہ ترقی کر گیا۔ تمام عرب میں پھرنے سرے سے اسلام کا غلغلہ بلند کر دیا اور رومیوں اور ایرانیوں کے مقابلہ میں جو فوجیں روانہ فرمائیں انہیں ہدایت کر دی کہ سب سے پہلے غنیم کو اسلام کی دعوت دیں۔ نیز قبائل عرب جو ان اطراف میں آباد ہیں ان میں اسی دعوت کو پھیلائیں۔ کیونکہ وہ قوی یک جہتی کے

باعث زیادہ آسانی کے ساتھ اس کی طرف مائل ہو سکتے ہیں۔ چنانچہ ثنیٰ بن حارثہ کی مساعی جلیلہ سے بنی وائل کے تمام بت پرست و عیسائی مسلمان ہو گئی۔ اسی طرح حضرت خالد بن ولیدؓ کی دعوت پر عراق، عرب اور حدود شام کے اکثر عربی قبائل نے لبیک کہا۔

حیرہ کے ایک عیسائی راہب نے خود اسلام قبول کیا، یمن میں اشعث اور اس کے رفقاء نے پھر تجدید اسلام کی۔ اسی طرح طلحہ جو مدعی نبوت تھا حضرت خالد بن ولیدؓ کے مقابلہ سے بھاگ کر جب شام پہنچا تو اس نے بطور اعتذار حسب ذیل اشعار لکھ کر بھیجے اور اسلام کا اقرار کیا۔ (۱)

فهل يقبل الصديق اني مراجع
ومعط بما حدثت من حديث يدي
وانسى من بعد الضلالة شاهد
شهادة حق لست فيها بملحد
کیا حضرت ابو بکر صدیقؓ اس کو قبول فرمائیں گے کہ میں واپس آؤں، اور میرے ہاتھوں
نے جو گناہ کئے ہیں ان کی تلافی کروں۔ اور گمراہی کے بعد میں گواہی دیتا ہوں ایک
ایسی سچی گواہی کہ میں اس سے ہٹنے والا نہیں ہوں۔

اس اعتذار و اقرار ایمان سے حضرت صدیقؓ کا آئینہ دل طلحہ کی طرف سے بالکل صاف ہو گیا اور اس کو مدینہ آنے کی اجازت دیدی لیکن وہ اس وقت پہنچا جب کہ آفتاب صداقت دنیا سے ہمیشہ کے لئے غروب ہو چکا تھا۔ (۲)

رسول اللہ ﷺ کی طرف سے ایفاء عہد

رسول اللہ ﷺ کے قرضوں کا چکانا اور وعدوں کو پورا کرنا بھی فرائض خلافت میں داخل تھا۔ حضرت ابو بکرؓ نے اولین فرصت میں اس فرض سے سبکدوشی حاصل کی اور جیسے ہی بحرین کی فتح کے بعد اس کا مالی غنیمت پہنچا، انہوں نے اعلان عام کر دیا کہ رسالت مآب ﷺ کے ذمہ کسی کا کچھ نکلتا ہو یا آپ ﷺ نے کسی سے کوئی وعدہ فرمایا ہو تو وہ میرے پاس آئے۔ اس اعلان پر حضرت جابرؓ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے ان کو تین دفعہ ہاتھوں سے بھر بھر کر دینے کا وعدہ فرمایا تھا۔ حضرت ابو بکرؓ نے ان کو اسی طرح تین دفعہ دونوں ہاتھوں سے عطا فرمایا۔ (۳) نیز حضرت ابو بشیرؓ مازنی کے بیان پر ان کو چودہ سو درہم مرحمت فرمائے۔ (۴)

رسول اللہ ﷺ کے اہل بیت اور متعلقین کا خیال

باغ فدک اور مسئلہ خمس کے تنازعات نے گور رسول اللہ ﷺ کے رشتہ داروں میں کسی قدر غلط فہمی پھیلا دی تھی، خصوصاً حضرت فاطمہؓ کو اس کا رنج تھا۔ تاہم خلیفہ اول نے ہمیشہ ان کے ساتھ لطف

① یعقوبی ج ۲ ص ۱۴۵ ② ایضاً ③ بخاری ج ۱ ص ۳۰۷ ④ طبقات ابن سعد

و محبت کا سلوک قائم رکھا اور وفات کے وقت سیدہ جنت سے عفو خواہ ہو کر ان کا آئینہ دل صاف کر دیا۔ (۱)

امہات المؤمنین کی راحت و آسائش اور آنحضرت ﷺ کے حفظ ناموس کا خاص خیال تھا۔ عکرمہ بن ابوجہل نے حضرموت میں آنحضرت ﷺ کی ایک منکوحہ حرم قتیلہ بنت قیس سے نکاح کر لیا تو انہوں نے چاہا کہ دونوں کو آگ میں جلادیں، لیکن حضرت عمرؓ نے باز رکھا اور کہا کہ قتیلہ سے صرف نکاح ہوا تھا، وہ حرم میں داخل نہیں ہوئی تھیں اس لئے امہات المؤمنین میں ان کا شمار نہیں ہو سکتا۔ (۲)

آنحضرت ﷺ نے جن لوگوں کے لئے کوئی وصیت فرمائی تھی یا جن کے حال پر آپ ﷺ کا خاص لطف و کرم رہتا تھا، حضرت ابوبکرؓ نے ہمیشہ ان کی تعظیم و توقیر اور رسول اللہ کی وصیت کا خیال رکھا۔ آنحضرت ﷺ اکثر حضرت ام ایمنؓ کی ملاقات کے لئے تشریف لے جاتے تھے۔ (۳) حضرت ابوبکرؓ نے بھی اس سلسلہ کو جاری رکھا۔ اسی طرح سندرنام ایک غلام کو آپ نے آزاد کر کے فرمایا تھا کہ تیرے حق میں ہر مسلمان کو وصیت کرتا ہوں۔ حضرت ابوبکرؓ مسند نشین خلافت ہوئے تو ان کے لئے وظیفہ مقرر فرمایا اور تاحیات اس کو جاری رکھا۔ (۴)

ذمی رعایا کے حقوق

عہد نبوت میں جن غیر مذاہب کے پیروؤں کو اسلامی ممالک محروسہ میں پناہ دی گئی تھی اور عہد ناموں کے ذریعہ سے ان کے حقوق متعین کر دیئے گئے تھے، حضرت ابوبکرؓ نے نہ صرف ان حقوق کو قائم رکھا بلکہ اپنے مہر و دستخط سے پھر اس کی توثیق فرمائی۔ اسی طرح خود ان کے عہد میں جو ممالک فتح ہوئے وہاں کی ذمی رعایا کو تقریباً وہی حقوق دیئے جو مسلمانوں کو حاصل تھے۔ چنانچہ اہل حیرہ سے جو معاہدہ ہوا اُس کے یہ الفاظ تھے:

ان کی خانقاہیں اور گرجے منہدم نہ کئے جائیں گے اور نہ کوئی ایسا قصر گرایا جائیگا جس میں وہ ضرورت کے وقت دشمنوں کے مقابلہ میں قلعہ بند ہوتے ہیں، ناقوس (اور گھنٹے بجانے کی) ممانعت نہ ہوگی اور تہوار کے موقعوں پر صلیب نکالنے سے

لا یہدم لہم بیعة ولا کنیسة
ولا قصر من قصورہم التی
کانوا تحصنون اذا نزل بہم
عدولہم ولا یمنعون من
ضرب النواقیس ولا من

② اسد الغابۃ مذکرہ قتیلہ بنت قیس

① طبقات ابن سعد

③ استیعاب تذکرہ ام المؤمنین ④ ایضاً تذکرہ سندرنام

اخراج الصلبان فی عیدہم روکے نہ جائیں گے۔ (۱)

یہ معاہدہ نہایت طویل ہے یہاں صرف وہی جملے نقل کئے گئے ہیں جن سے مسلمانوں کی غیر معمولی مذہبی رواداری کا ثبوت ملتا ہے۔

خليفة اول کے عہد میں جزیہ یا ٹیکس کی شرح نہایت آسان تھی، اور ان ہی لوگوں پر مقرر کرنے کا حکم تھا جو اس کی ادائیگی کی صلاحیت رکھتے ہوں۔ چنانچہ حیرہ کے سات ہزار باشندوں میں سے ایک ہزار بالکل مستثنیٰ تھے اور باقی پر صرف دس دس درہم سالانہ مقرر کیئے گئے تھے۔ معاہدوں میں یہ شرط بھی تھی کہ کوئی ذمی بوڑھا، پاہج اور مفلس ہو جائے گا تو وہ جزیہ سے بری کر دیا جائے گا۔ نیز بیت المال اس کا کفیل ہوگا۔ (۲) کیا دنیا کی تاریخ ایسی بے تعصبی اور رعایا پروری کی نظیر پیش کر سکتی ہے۔

فضائل و مناقب

بارگاہِ نبوت ﷺ میں رسوخ

حضرت ابو بکر صدیقؓ محبوب بارگاہ و محرم اسرارِ نبوت تھے۔ حضرت عائشہؓ کا بیان ہے کہ مکہ میں آنحضرت ﷺ روزانہ صبح و شام ان کے گھر تشریف لے جاتے تھے۔ مدینہ منورہ میں بھی اکثر مہمات امور حضرت ابو بکر صدیقؓ کی شرکت سے طے پاتے تھے اور اس کی وجہ سے ان کو اکثر رات کے وقت دیر تک کا شانہ اقدس پر حاضر رہنا پڑتا تھا۔ چنانچہ ایک دفعہ انہوں نے تین اصحاب صفہ کو کھانے پر مدعو کیا، لیکن وہ خود دیر تک بارگاہِ نبوت سے واپس نہ آ سکے۔ جب رات زیادہ گزر گئی اور گھر آئے تو یہ معلوم ہوا کہ مہمانوں نے اب تک کھانا نہیں کھایا، اپنے صاحبزادے پر سخت براہم ہوئے۔ (۱)

حضرت عمرؓ سے بھی ایک روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ رات بھر حضرت ابو بکر صدیقؓ سے مسلمانوں کے معاملات میں مشورہ فرمایا کرتے تھے، نیز ان کی رازداری و خلوص پر اعتماد اس قدر تھا کہ پوشیدہ سے پوشیدہ بات کہہ دیتے تھے۔ ہجرت کے واقعات پر غور کرو تو معلوم ہوگا کہ رازداری کے تمام کام صرف حضرت ابو بکرؓ اور ان کے اہل و عیال سے متعلق تھے، حضرت ابو بکرؓ کو ساتھ لے کر غار میں پوشیدہ ہونا، حضرت عبداللہؓ کا رات کے وقت آ کر مشرکین کے حالات سے باخبر کرنا، حضرت عامر بن فبیرہؓ کا روزانہ بکریاں لانا، حضرت اسماءؓ کا کھانا پہنچانا۔ غرض اس قسم کے تمام امور جن کا تعلق رازداری سے تھا، وہ سب خاندانِ صدیقی کے سپرد تھے۔ حضرت سرور کائنات ﷺ کو اپنے اس رفیق جاں نثار کے ساتھ جو مخصوص تعلق اور خلوص تھا، اس کا آپؐ نے بارہا نہایت محبت آمیز پیرایہ میں اظہار فرمایا۔ چنانچہ وفات سے کچھ دنوں پہلے جو تقریر فرمائی اس میں ارشاد ہوا۔ (۲)

”ابو بکر اپنی صحبت اور مال کے لحاظ سے میرا سب سے بڑا محسن ہے۔ اگر میں خدا کے سوا

① بخاری کتاب الادب باب قول الضیف لا اکل حتی تاكل و کتاب السنافت باب علامۃ النبوة قبل اسلام

② بخاری کتاب المناقب باب مناقب ابی بکرؓ

کسی کو اپنا دوست بنا سکتا تو ابو بکر کو بنانا، لیکن اسلامی اخوت و محبت افضل ہے۔ (۱)

اس کے بعد حکم ہوا کہ ابو بکرؓ کے دروازہ کے سوا مسجد کے احاطہ میں جس قدر دروازے ہیں سب بند کر دیئے جائیں گے۔ (۲) اسی طرح ایک دفعہ حضرت عمرو بن العاصؓ نے پوچھا کہ مردوں میں آپ کو سب سے زیادہ محبوب کون ہے؟ تو ارشاد ہوا، ابو بکرؓ۔ (۳)

اسی غیر معمولی تقرب و رسوخ کی بنا پر صحابہ کرامؓ جب آنحضرت ﷺ کو برہم دیکھتے تو ان ہی کی وساطت سے عفو درگزر کی درخواست پیش کرتے تھے۔ ایک دفعہ حضرت علیؓ نے ابو جہل ابن ہشام کی لڑکی سے نکاح کرنا چاہا۔ چونکہ یہ سرور کائنات ﷺ کی مرضی کے خلاف تھا اس لئے جب وہ بارگاہ نبوت میں حاضر ہوئے تو روئے انور پر برہمی کے آثار نمایاں تھے۔ یہ دیکھ کر حضرت علیؓ باہر چلے آئے اور حضرت ابو بکرؓ کو ساتھ لے کر پھر حاضر خدمت ہوئے۔ آنحضرت ﷺ نے حضرت ابو بکرؓ صدیق کو دیکھا تو چہرہ مبارک ہشاش بشاش ہو گیا اور برہمی کے آثار جاتے رہے۔ اسی طرح ایک روز رسول اللہ ﷺ خلاف معمول صبح سے شام تک خاموش رہے اور جب عشاء کی نماز پڑھ کر کاشانہ اقدس کی طرف تشریف لے چلے تو گو صحابہ کرام کو اس غیر معمولی سکوت پر سخت خلفشار تھا تاہم کسی کو زبان کھولنے کی جرأت نہ تھی۔ بالآخر سب نے حضرت ابو بکرؓ کو آگے بڑھایا اور انہوں نے سکوت کی وجہ دریافت کی تو ارشاد ہوا کہ جو دنیا و آخرت میں ہونے والا ہے وہ سب آج میرے سامنے پیش کیا گیا تھا۔ اس کے بعد بالتفصیل قیامت کے واقعات بیان فرمائے۔ اصابت رائے اور معاملہ فہمی کا یہ حال تھا کہ انہوں نے جس معاملہ میں جو رائے دی وہی مقبول ہو کر رہی۔ رازداری کا یہ عالم تھا کہ معمولی سے معمولی راز کو کبھی ظاہر نہ ہونے دیا۔ ایک دفعہ حضرت عمرؓ نے ان کو اپنی صاحبزادی حفصہؓ کا پیغام دیا، سن کر خاموش رہے، اور جب کچھ دنوں کے بعد وہ حرم نبوی میں داخل ہو گئیں تو حضرت عمرؓ سے ملاقات کر کے کہا ”شاید تم کو میری خاموشی ناگوار ہوئی ہوگی۔ بولے کیوں نہیں؟“ فرمایا ”میں رسول اللہ ﷺ کے ارادہ سے آگاہ تھا اور اس راز کو قبل از وقت ظاہر نہیں کر سکتا تھا۔ (۴) غرض ان ہی اوصاف نے حضرت صدیق اکبرؓ کو بارگاہ نبوت میں سب سے زیادہ معتمد علیہ اور بار رسوخ بنا دیا تھا۔

علم و فضل

حضرت ابو بکرؓ صدیق نے گو کسی کتب میں باقاعدہ زانوائے تلمذ نہ نہیں کیا تھا تاہم فطری جودت طبع اور دربار نبوت کی حاشیہ نشینی سے آسمان فضل و کمال پر مہر درخشاں ہو کر چمکے۔ فصاحت و بلاغت میں کمال رکھتے تھے۔ ابتداء میں شاعری کا ذوق بھی تھا لیکن اسلام کے بعد ترک کر دیا تھا۔

① بخاری کتاب المناقب باب مناقب ابی بکرؓ ② و ③ ایضا ④ بخاری کتاب المغازی باب غزوہ بدر

کبھی کبھی جذبات و خیالات خود بخود نظم موزوں کے قالب میں ڈھل جاتے تھے۔ ایک دفعہ حضرت امام حسین علیہ السلام کو بچوں کے ساتھ کھیلتے دیکھا۔ رسول اللہ ﷺ کی یاد تازہ ہو گئی۔ بے اختیار ان کو گوش میں اٹھالیا اور فرمایا: (۱)

وبابی شبه النبی لیس شبیہا علی
میرا باپ خدا ہو یہ نبی سے مشابہ ہے علی سے مشابہ نہیں ہے

ذوق سخن

اسلام کے بعد صرف ایسے اشعار سے دل چسپی رہ گئی تھی جن میں خدا کی عظمت و جلالت کا ذکر ہوتا تھا۔ ایک مرتبہ لبید نے مصرع پڑھا لا کل شیء ما خلا اللہ باطلا یعنی خدا کے سوا تمام چیزیں باطل ہیں تو فرمایا ”تم نے سچ کہا“ لیکن جب اس نے دوسرا مصرع پڑھا وکل نعیم لا محالة زائل یعنی ہر نعمت یقیناً زائل ہو جائے گی تو بولے غلط ہے خدا کے پاس بہت سی ایسی نعمتیں ہیں جو زائل نہ ہوں گی۔ (۲) حالت نزع میں حضرت عائشہؓ سر ہانے بیٹھی ہوئی یہ شعر پڑھ رہی تھیں۔

من لا یزال دمعہ مقنعا فانه فی موة مدفوق
فرمایا یہ نہ کہو بلکہ کہو:

وَجَاءَتْ سَكْرَةُ الْمَوْتِ بِالْحَقِّ ذَلِكَ مَا كُنْتَ مِنْهُ تَحِيدُ (ق۔ ۱)
”موت کی بے ہوشی کا ٹھیک وقت آ گیا اور یہ وہ چیز ہے جس سے تم بھاگتے تھے“۔
انہوں نے اس کے بعد دوسرا شعر پڑھا:

وابیض یستسقی انعام بوجہہ ثمال الیتامی عصمة للارامل
گورا جس کے چہرے سے بادل بھی پانی طلب کرتا ہے۔ یتیموں کا ماویٰ اور یتیموں کا ملجا
بولے یہ رسول اللہ ﷺ کی شان تھی۔ (۳)

تقریر و خطابت

تقریر و خطابت کا خداداد ملکہ حاصل تھا۔ رسول اللہ کی وفات کے بعد اود سقیفہ بنی ساعدہ میں جو تقریریں کیں وہ اوپر گزر چکی ہیں اس سے برجستگی اور زور کلام کا اندازہ ہوگا۔ ان معرکۃ الآراء تقریروں کے علاوہ ان کی عام تقریریں بھی نہایت پر اثر ہوتی تھیں۔ ہم یہاں ایک تقریر کے چند فقرے نقل کرتے ہیں:

① مسند احمد ج ۸ ص ۸ ② تاریخ الخلفاء ص ۱۰۳ ③ ایضاً ص ۸۱، ۸۲

آج وہ حسین اور روشن اور وفور شباب سے
حیرت میں ڈالنے والے چہرے کہاں
ہیں؟ آج بڑے بڑے شہروں کے بسانے
والے اور ان کو قلعہ بند کرنے والے
سلاطین کدھر گئے؟ آج بڑے بڑے
غالب آنے والے مرد میدان سورما کیا
ہوئے؟ زمانہ کی گردشوں نے ان کی قوتیں
پست کر دیں اور ان کے بازو توڑ دیئے اور
قبر کی تاریکی میں ہمیشہ کے لئے سو گئے۔

این الوضاء الحسنة
وجوہہم المعجبون
بشیابہم این الملوک
الذین بنوا المدائن وحصنوا
ها این الذین کانوا یعطون
الغلبة فی مواطن الحرب قد
تضعض ارکانہم حین
اختی بہم الدھر واصبحوا
فی طبقات القبور الوحی
الوحائم النجا النجا۔ (۱)

تقریر کی حالت میں رقت طاری ہو جاتی تھی۔ ایک دفعہ منبر پر تشریف لے گئے اور فرمایا
”میں جس جگہ کھڑا ہوں، گزشتہ سال خود رسول اللہ ﷺ تشریف فرما تھے۔“ یہ کہہ کر زار و قطار
رونے لگے۔ اسی طرح ایک روز تین مرتبہ تقریر کا ارادہ کیا اور ہر مرتبہ ایک دو جملے کہہ کر گلو گرفتہ
ہو گئے۔ (۲)

نسب دانی

علم الانساب یعنی قبائل کا نام و نسب یاد رکھنا، اس زمانہ کا بڑا مایہ ناز علم تھا، حضرت ابو بکرؓ اس فن
میں خصوصیت کے ساتھ کمال رکھتے تھے۔ حضرت جبیر بن مطعمؓ جو طبقہ اصحاب میں سے سب
بڑے نساب گزرے ہیں، فرمایا کرتے تھے کہ میں نے اس فن کو حضرت ابو بکرؓ سے سیکھا ہے جو
نسب دانی کی حیثیت سے تمام عرب میں ممتاز تھے۔ (۳)

حضرت ابو بکرؓ کی نسب دانی سے اکثر موقعوں پر اسلام کو بھی فائدہ پہنچا۔ آغاز نبوت میں
آنحضرت ﷺ تبلیغ و اشاعت کے لئے قبائل عرب میں تشریف لے جاتے تو عموماً یہ بھی ہمراہ
ہوتے اور اپنی نسب دانی کے باعث آپ کا لوگوں سے تعارف کراتے تھے۔

حضرت حسان بن ثابتؓ قریش کی ہجو کیا کرتے تھے۔ ایک روز رسول اللہ ﷺ نے ان کو بلا کر
کہا ”تم قریش اور ابوسفیان کی مذمت کرتے ہو کیا تمہیں معلوم نہیں کہ میں بھی قریشی ہوں اور
ابوسفیان میرا ابن عم ہے۔“ انہوں نے کہا ”خدا کی قسم! میں حضور کو ان سے علیحدہ کر لیتا ہوں جس
طرح جو خمیر سے الگ ہو جاتا ہے۔ ارشاد ہوا کہ ابو بکرؓ کے پاس جاؤ وہ انساب عرب میں سب

سے زیادہ ماہر ہیں۔ غرض اس روز سے وہ اس فن کی تعلیم کے لئے حضرت ابوبکرؓ کی خدمت میں حاضر ہونے لگے۔ (۱)

تعبیر رویا

خواب کی تعبیر میں بھی خداداد ملکہ تھا یہاں تک کہ صحابہ کرام آنحضرت ﷺ کے بعد ان کو سب سے بڑا معتبر سمجھتے تھے اور اپنا اپنا خواب بیان کر کے تعبیر پوچھتے تھے۔ ایک دفعہ حضرت خالد بن سعیدؓ نے اسلام قبول کرنے سے پہلے خواب دیکھا کہ ”وہ دہکتی ہوئی آگ کے کنارے کھڑے ہیں اور ان کے والد ان کو اس میں جھونک رہے ہیں۔ اسی اثناء میں سرور کائنات ﷺ تشریف لاتے ہیں اور ان کی کمر پکڑ کر کھینچ لیتے ہیں“۔ حضرت ابوبکرؓ صدیق نے اس خواب کو سنا تو فرمایا ”خالد تمہیں اس کے ذریعہ سے راہ حق کی ہدایت کی گئی ہے۔ تمہارا باپ تم کو کفر پر مجبور کرتا ہے، لیکن آنحضرت کی اتباع تمہاری نجات کا باعث ہوگی“۔ (۲)

حضرت عائشہؓ نے آنحضرت ﷺ کی وفات سے کچھ پہلے خواب میں تین چاند اپنے حجرہ میں گرتے دیکھے۔ انہوں نے حضرت ابوبکرؓ سے اس کا تذکرہ کیا تو اُس وقت خاموش رہے لیکن جب آنحضرت ﷺ نے وفات پائی اور ان کے حجرے میں مدفون ہوئے تو فرمایا: ”عائشہ! یہ تمہارے حجرے کا پہلا اور سب سے بہتر چاند ہے“۔ (۳)

آنحضرت ﷺ بھی کبھی اپنا خواب یا رویا بیان کر کے انہیں تعبیر کا حکم دیتے تھے۔ ایک دفعہ آپ ﷺ نے دیکھا کہ چند سیاہ بھیتروں میں بہت سی سفید رنگ کی بھیتیں شامل ہو گئیں۔ حضرت ابوبکرؓ سے اس کی تعبیر پوچھی تو انہوں نے عرض کی ”یا رسول اللہ! سیاہ بھیتراہل عرب ہیں جو پہلے آپ کے متبع ہوں گے۔ پھر نہایت کثرت کے ساتھ نجی جو سفید بھیتروں کے رنگ میں ظاہر کئے گئے ہیں، اسلام قبول کر کے ان میں شامل ہو جائیں گے“۔ ارشاد ہوا صحیح ہے، فرشتہ آسمان نے بھی یہی تعبیر کی تھی۔ (۴)

علم تفسیر

حضرت ابوبکرؓ صدیق چونکہ سفر، حضر، خلوت و جلوت، جنگ و صلح غرض ہر موقع پر مہبط وحی و الہام ﷺ کے شرف صحبت سے مستفیض ہوئے اور تمام امور میں آنحضرت ﷺ کے خاص مشیر تھے۔ اس لئے اسلامی علوم و فنون میں بھی قدرۃ ان کا پایہ سب سے بلند تھا۔ کلام اللہ اسلام کا اصل

② مستدرک حاکم ج ۳ ص ۲۲۸

① استیعاب ج ۱ ص ۱۲۸

④ تاریخ الخلفاء ص ۱۰۴

③ موطا امام مالک ص ۱۸۰

اصول ہے۔ حضرت ابو بکر صدیق کو اس سے غیر معمولی شغف تھا۔ عموماً رسول اللہ سے آیات قرآنی کی تفسیر پوچھا کرتے تھے۔ ایک دفعہ انہوں نے عرض کی ”یا رسول اللہ! اس آیت کے بعد کیا چارہ کار ہے؟“

لَيْسَ بِأَمَانِيكُمْ وَلَا أَمَانِي
أَهْلِ الْكِتَابِ مَنْ يَعْمَلْ سُوءً
يُجْزِئِهِ (نساء - ۱۸)

(فلاح عاقبت) نہ تمہاری آرزو پر
(موقوف ہے) نہ اہل کتاب کی آرزو پر
(بلکہ) جو برا کام کرے گا وہ اس کی جزا
پائے گا۔

کیا درحقیقت ہم برے کام کا بدلہ پاتے ہیں؟ ارشاد ہوا ”ابو بکر خدا تمہاری مغفرت کرے کیا تم بیمار نہیں ہوتے؟ کیا تمہیں کوئی رنج و صدمہ نہیں پہنچتا؟ اور کیا تمہیں کوئی مصیبت نہیں ستاتی؟ بولے کیوں نہیں، نمایا یہ سب برائیوں ہی کا خمیازہ ہے۔ (۱)

وہ ہر آیت کی شان نزول اور اس کے حقیقی مفہوم سے آگاہ تھے۔ نیز مختلف موقعوں پر انہوں نے جو باریک نکتے حل فرمائے ہیں، اس سے ان کی دقیقہ سنجی کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ ایک مرتبہ مجمع عام میں فرمایا ”صاحبو! آپ قرآن شریف میں یہ آیت پڑھتے ہوں گے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا عَلَيْكُمْ
أَنفُسُكُمْ لَا يَضُرُّكُمْ مَن ضَلَّ
إِذَا هْتَدَيْتُمْ (مائده - ۱۴)

اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو تم پر
(صرف) تمہارے نفس کی ذمہ داری ہے
جو تم پر ہو گیا ہے وہ تمہیں نقصان نہیں پہنچا
سکتا جب تک کہ تم خود ہدایت یاب ہو۔

حالانکہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ جب لوگ ناپسندیدہ امر کو دیکھتے ہیں اور اس کی اصلاح کی فکر نہیں کرتے تو خدا کا عذاب سب کے لئے عام ہو جاتا ہے۔ یعنی اس آیت سے یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ دوسروں کی اصلاح کا خیال رکھنا ضروری نہیں۔ (۲)

اس آیت قرآنی سے استدلال، استنباط احکام و تفریح مسائل میں مجتہدانہ ملکہ رکھتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد جو تقریر فرمائی اس میں برجستہ اس آیت سے انبیاء کی وفات پر استدلال لائے:

وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ
خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ أَفَإِنَّ
مَاتَ أَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلَى

یعنی محمد صرف رسول ہیں اور ان سے پہلے
بھی بہت سے رسول گزر گئے، کیا اگر وہ
مر جائیں یا شہید ہوں تو تم الٹے پاؤں پھر

أَعْقَابُكُمْ (آل عمران ۱۴) جاؤ گے۔

اس آیت نے یکا یک ایمان و اعتقاد کے متزلزل ستونوں کو مستحکم کر دیا اور لوگوں کو ایسا معلوم ہوا کہ گویا یہ آیت پہلے سے موجود ہی نہ تھی، حضرت ابو بکرؓ بیمار ہوئے تو لوگوں نے پوچھا طبیب کو بلائیں۔ چونکہ مسئلہ تقدیر پر بہت شدت کے ساتھ رکھتے تھے، بولے ”طبیب نے مجھے دیکھ کر کہا ہے انی فعال لما یرید یعنی ارادۂ خداوندی میں کوئی مانع نہیں ہو سکتا“۔ (۱)

حدیث

حضرت ابو بکرؓ صدیق چونکہ آنحضرت ﷺ کے بعد سواد و برس زندہ رہے، اس لئے ان سے مرفوع احادیث بہت کم مروی ہیں۔ علاوہ اس کے اس وقت تمام حاشیہ نشینانِ بساطِ رسول اللہ ﷺ بقید حیات تھے جن کی نگاہوں سے عہدِ نبوت کی کوئی بات پوشیدہ نہ تھی اس بنا پر کثرتِ روایات کا کوئی موقع بھی نہ تھا تاہم انہوں نے جانشینِ رسول اللہ ﷺ کی حیثیت سے ان احادیث کو جن کا تعلق ضروری مسائل سے تھا خاص طور پر شہرت دی۔ مثلاً نصابِ زکوٰۃ کا مفصل ہدایت نامہ تمام ملک میں شائع کیا اور حکم دیا کہ اگر کوئی عامل اس سے زیادہ طلب کرے تو نہ دیا جائے۔

آنحضرت ﷺ کے بعد تمام اہم مواقع پر خلیفہ اول ہی کی معلومات نے مسلمانوں کی رہبری کی۔ سقیفہ بنی ساعدہ میں خلافت کا جھگڑا جب خوفناک حد تک پہنچ گیا تو سب سے پہلے انہی نے ”الانمۃ من قریش“ کی حدیث پیش کی جس نے اس بحث کا فیصلہ کر دیا اور رسول اللہ ﷺ کے مدفن کا سوال پیدا ہوا تو صدیق اکبرؓ ہی نے اس عقدہ کو حل کیا اور فرمایا ”میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ انبیاء کی جائے وفات ہی ان کا مدفن ہے“۔ (۲)

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اور حضرت عباسؓ نے رسول اللہ ﷺ کی متروکہ جائداد میں میراث طلب کی تو سب سے پہلے حضرت ابو بکر صدیقؓ نے یہ حدیث پیش کی:

لا نورث ما ترکنا صدقة یعنی ہمارے مال میں وراثت جاری نہ ہوگی اور ہمارا تمام متروکہ وقف ہے۔

بعد کو دوسرے صحابہ نے بھی اس کی تصدیق فرمائی۔ غرض وہ دربارِ نبوت میں اپنے مخصوص تقرب کی بنا پر آنحضرت ﷺ کے ارشادات، طرزِ عمل اور ان کے اسباب و علل سے قدرتنا زیادہ باخبر تھے۔

امامت واجتہاد

امامت یا خلافت گو نبوت ہی کا ایک پر تو ہے تاہم دونوں میں بہت بڑا فرق ہے۔ حضرت ابو بکرؓ

صدیق نے مسند نشین خلافت ہونے کے ساتھ ہی اس فرق کو جمہور مسلمانوں پر ظاہر کر دیا اور فرمایا کہ رسول اللہ معصوم تھے نیز خدا نے ان کو وحی سے ممتاز فرمایا تھا اور میں ایک معمولی انسان ہوں اس لئے اگر تم مجھے راہ راست پر دیکھو تو اتباع کرو اور اگر کج راہ ہو جاؤں تو سیدھا کر دو۔ (۱)

حضرت ابوبکرؓ نے نبوت و خلافت کی اس تفریق کو عموماً قائم رکھا اور کبھی ان اختیارات و حقوق سے کام نہیں لیا جو صرف انبیاء کے لئے مخصوص ہیں۔ ایک دفعہ ایک مسلمان پر سخت برہم ہوئے۔ حضرت ابو ہریرہؓ نے ان کے تیور دیکھ کر عرض کی یا خلیفہ رسول اللہ! اس کی گردن اڑا دیجئے۔ حضرت ابوبکرؓ نے قتل کا سنا تو خاموش ہو گئے۔ کچھ دیر کے بعد غصہ فرو ہوا تو ابو ہریرہؓ سے بلا کر پوچھا، اگر میں اس کو قتل کرنے کا حکم دیتا تو کیا تم واقعی اسے مار ڈالتے؟ بولے ”ہاں!“ فرمایا ”خدا کی قسم! رسول اللہ کے بعد کسی کو یہ شرف حاصل نہیں ہے۔ (۲) اسی طرح کسی نے خلیفۃ اللہ کہہ کر مخاطب کیا تو فرمایا کہ مجھے خلیفۃ اللہ نہ کہو، میں نائب خدا نہیں بلکہ نائب رسول ہوں اور یہی میرے لئے بس ہے۔ (۳)

غرض خلیفہ اول کا یہ سب سے بڑا احسان ہے کہ انہوں نے خلافت و نبوت کی سرحدیں الگ الگ کر دیں ورنہ جس طرح عدم تفریق و امتیاز نے الوہیت و نبوت کے ڈانڈے ملا دیئے ہیں اور دنیا کی اکثر قوموں نے انبیاء علیہم السلام کو مظاہر خداوندی تصور کر لیا ہے اسی طرح خلافت و نبوت کی حدود میں بھی امتیاز دشوار ہو جاتا ہے۔

اصول اجتہاد

رسول اللہ ﷺ کے جانشینوں کا سب سے بڑا فرض استنباط و احکام و تفریع مسائل کی ایک شاہواہ قائم کرنا اور مذہبی دفتر کو اصولی حیثیت سے منضبط و مرتب کرنا تھا۔ خلیفہ اول نے اس سلسلہ میں جو کچھ کیا وہ آج بھی شریعت عزاء کا سنگ اساس ہے۔ چنانچہ نصوص شرعیہ کی درجہ بدرجہ ترتیب اور اجماع کا طریقہ اسی ذات گرامی سے ظہور میں آیا۔ مسند دارمی میں ہے۔ (۴)

کان ابوبکر اذا ورد علیہ	حضرت ابوبکرؓ کی عدالت میں جب کوئی
الخصم نظر فی کتاب اللہ	مقدمہ پیش ہوتا تھا تو پہلے قرآن کی طرف
فان وجد فیہ ما یقضى بینہم	رجوع کرتے اگر امر متنازعہ فیہ کے متعلق
قضى بہ وان لم یکن فی	اس میں کوئی حکم ہوتا تو اسکے مطابق فیصلہ

① مسند احمد ابن حنبل ج ۱ ص ۲۰ و تاریخ الخلفاء ص ۶۸ ② ابوداؤد کتاب الحدود باب الحکم فیمن سب النبی

ﷺ ③ استیعاب تذکرۃ ابوبکرؓ ④ مسند دارمی باب النقیما وافیہ من الشدة

کرتے ورنہ سنت رسول اللہ ﷺ کی طرف رجوع کرتے اور جب اس سے بھی مطلب برآری نہ ہوتی تو مسلمانوں سے سوال کرتے۔

الكتاب وعلم من رسول الله
ﷺ في ذالك الامر سنة
قضی به فان اعياه خرج
فسنال المسلمین۔

قیاسی مسائل سے خوف

قیاسی مسائل یا نصوص قرآنی میں اپنی رائے کو دخل دینے سے محترز رہتے اور فرماتے کہ میں اگر کتاب اللہ یا نامعلوم مسائل میں خواہ مخواہ رائے زنی کروں تو کون سی زمین میرا بار اٹھائے گی اور کون سا آسمان مجھے سایہ دے گا۔ (۱) حضرت ابن سیرینؒ فرماتے ہیں کہ نامعلوم مسائل میں ابو بکرؓ سے زیادہ کوئی خائف نہ تھا، تاہم ضرورت کے وقت قیاس سے کام لینے پر مجبور تھے۔ ایک دفعہ ایسا مقدمہ پیش ہوا جس کے متعلق نہ قرآن میں کوئی تصریح تھی نہ آنحضرت ﷺ کے طرزِ عمل سے مدد ملتی تھی، مجبوراً قیاس سے کام لینا پڑا۔ لیکن اس کے ساتھ ہی فرمایا: ”یہ میری رائے اگر صحیح ہے تو منجانب اللہ ہے اور اگر غلط ہے تو میری طرف سے ہے میں خدا سے طالبِ مغفرت ہوں۔“

ایک قیاسی مسئلہ

حضرت ابو بکرؓ صدیق کے قیاسی مسائل میں سب سے زیادہ مشہور دادا کی وراثت کا مسئلہ ہے، ہم اس کو بالتفصیل درج کرتے ہیں، اس سے ان کی اجتہادی قوت کا اندازہ ہوگا۔ اصل مسئلہ یہ ہے کہ اگر کوئی میت ورثہ میں صرف دادا اور بہن بھائی چھوڑے یعنی اصول میں باپ اور فروع میں کوئی نسبی اولاد نہ ہو تو مستحق وارث کون ہوگا؟ دادا یا بھائی بہن؟ حضرت ابو بکرؓ صدیق اور ان کے ساتھ تقریباً چودہ صحابہ کرام جن میں حضرت عبد اللہ بن عباسؓ اور حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ وغیرہ شامل ہیں دادا کو باپ کے مرتبہ میں قرار دے کر بھائی بہن کو محبوب الارث سمجھتے تھے۔ لیکن صحابہ کرام کی ایک بڑی جماعت اس سے اختلاف رکھتی ہے اور بھائی بہن کو اصل وارث قرار دیتی ہے۔ یہ اختلاف درحقیقت لفظ کلالہ کی تشریح پر مبنی ہے۔ کیونکہ قرآن شریف میں آیا ہے:

لوگ تم سے فتویٰ طلب کرتے ہیں تو کہہ دو
کہ اللہ کلالہ کے بارے میں تم کو حکم دیتا

يَسْتَفْتُونَكَ قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيكُمْ
فِي الْكَلَالَةِ اِنْ امْرؤُ هَلَكَ

ہے کہ اگر کوئی ایسا مرد مر جائے جس کی اولاد نہ ہو اور اس کی بہن ہو تو اس کو ترک سے آدھا ملے گا اور بہن مر جائے اور اس کی اولاد نہ ہو تو وہ اس کا وارث ہوگا۔

وَلَيْسَ لَهُ وَلَدٌ وَلَهُ أُخْتٌ فَلَهَا نِصْفُ مَا تَرَكَ وَهُوَ يَرِثُهَا إِنْ لَمْ يَكُنْ لَهَا وَلَدٌ (نساء ۲۴)

اس آیت میں گو باپ کی کوئی تصریح نہیں ہے، تاہم اس حد تک سب کو اتفاق ہے کہ کلالہ کی صورت میں باپ کا نہ ہونا ضروری ہے، لیکن حضرت ابو بکر صدیق دادا کا نہ ہونا بھی ضروری قرار دیتے ہیں اور اس آیت سے استدلال کرتے ہیں:

اگر کسی ایسے مرد یا عورت کی میراث ہو جس کے (اصول فروع میں) کوئی نہ ہو اور (دوسری ماں سے) بھائی یا بہن ہو تو ہر ایک کو چھٹا حصہ ملے گا۔

وَإِنْ كَانَ رَجُلٌ يُورَثُ كَلَالَةً أَوْ مَرَأَةٌ وَلَهُ أَخٌ أَوْ أُخْتٌ فَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا الشُّدُسُ (نساء ۲۴)

اس آیت میں علاقہ بھائی بہنوں کی وراثت کا تذکرہ ہے اور یہاں بالاتفاق کلالہ کے یہ معنی ہیں کہ میت کے اصول و فروع میں کوئی نہ ہو، یعنی اگر میت کا دادا موجود ہوگا تو وہ کلالہ نہ ہوگا اور علاقہ بھائی محبوب الارث ہوں گے۔ اس بنا پر کوئی وجہ نہیں ہے کہ کلالہ کی یہی تشریح زیر بحث مسئلہ میں قائم رہے اور بلا وجہ اس کے معنی میں تفریق کی جائے۔ (۱)

اخلاق و عادات

حضرت ابو بکر صدیق فطرۃ اخلاق حمیدہ سے متصف تھے۔ ایام جاہلیت میں عفت پارسائی، رحمہ، راست بازی اور دیانت داری ان کے مخصوص اوصاف تھے، یہی وجہ ہے کہ زمانہ جاہلیت میں دیت کی تمام رقم ان ہی کے پاس جمع ہوتی تھی، شراب نوشی، فسق و فجور کو اس زمانہ میں عالمگیر تھا تاہم ان کا دامن عفاف کبھی ان دھبوں سے داغدار نہیں ہوا۔ فیاضی، مفلس و بے نوا کی دستگیری، قرابت داروں کا خیال، مہمان نوازی، منصبت زدوں کی اعانت، غرض اس قسم کے تمام محاسن و محامد ان میں پہلے سے موجود تھے، شرفِ ایمان نصیب ہوا تو رسول اللہ ﷺ کی صحبت نے ان اوصاف کو اور بھی چمکا دیا۔

تقویٰ

ورع و تقویٰ حضرت ابو بکر صدیق کے معدنِ اخلاق کا سب سے درخشاں گوہر ہے۔ ایک دفعہ زمانہ جاہلیت میں ایک شخص کسی نامعلوم راستہ سے لے چلا اور بولا ”اس راہ میں ایسے آوارہ منش و بد معاش رہتے ہیں کہ اس طرف سے گزرنے میں بھی حیا دامن گیر ہوتی ہے۔“ یہ سننا تھا کہ زمین نے پاؤں پکڑ لئے اور یہ کہہ کر لوٹ آئے ”میں ایسے شرمناک راستے سے نہیں جاسکتا۔“ (۱)

ایک دفعہ آپ کے ایک غلام نے کھانے کی کوئی چیز لا کر پیش کی۔ جب تناول فرما چکے تو انہوں نے کہا ”آپ جانتے ہیں کہ یہ کس طرح حاصل ہوا؟“ فرمایا ”بیان کرو۔“ بولے ”میں نے جاہلیت میں ایک شخص کی فال کھولی تھی۔ فال کھولنا تو جانتا تھا صرف اس کو دھوکہ دیا تھا لیکن آج اس سے ملاقات ہوئی تو اس نے اس کے صلہ میں یہ کھانا دیا۔“ یہ سرگزشت سنی تو منہ میں انگلی ڈال کر جو کچھ کھایا تھا قے کر دیا۔ (۲) فرمایا کرتے تھے کہ ”جو جسم اکل حرام سے پرورش پاتا ہے جہنم اس کا بہترین مسکن ہے۔“

حضرت عائشہؓ کے گھر میں عید کے روز انصار کی دوڑ کیاں جنگ بعاث کے تاریخی اشعار گا رہی تھیں۔ آنحضرت ﷺ منہ پھیر کر فرش پر استراحت فرماتے اسی حالت میں ابوبکرؓ صدیق تشریف لائے۔ ان کے کمالِ اتقاء نے اسے بھی پسند نہ کیا حضرت عائشہؓ کو ڈانٹ کر بولے ”رسول اللہ ﷺ کے سامنے یہ مزارِ شیطان؟“ لیکن آنحضرت ﷺ نے فرمایا ”ابوبکر! نہیں گانے دو ہر قوم کے لئے عید ہے اور یہ ہماری عید (۱) ہے۔“

انسان کا کمالِ اتقاء یہ ہے کہ جس طرح اس کے اعضاء و جوارح اعمالِ شنیعہ و افعالِ ناپسندیدہ سے مجتنب رہتے ہیں اور اس کا دل تخیلاتِ باطلہ سے محترز رہتا ہے، اسی طرح اس کی زبان بھی کبھی کلماتِ ناملائم سے آلودہ نہ ہونے پائے۔ حضرت ابوبکرؓ صدیق کا ورع و تقویٰ اسی منجانب سے کمال پر تھا کہ درشت و ناملائم الفاظ سے ہمیشہ پرہیز فرماتے تھے۔ اگر اتفاقاً غیظ و غضب کی حالت میں کوئی سخت کلمہ زبان سے نکل جاتا تو نہایت ندامت و پشیمانی ہوتی اور جب تک اس کی تلافی نہ ہو جاتی چین نہ آتا۔

ایک مرتبہ حضرت عمرؓ سے کوئی نزاع درپیش تھی، اثنائے گفتگو میں کوئی سخت جملہ نکل گیا۔ لیکن خود ہی ندامت دامن گیر ہوئی اور نہایت اصرار کے ساتھ عفو خواہ ہوئے۔ حضرت عمرؓ نے انکار کیا تو ان کی پریشانی کی کوئی انتہا نہ تھی اسی وقت دامن اٹھائے آستانہ نبوت پر حاضر ہوئے اور وجہ پریشانی بیان کی۔ آنحضرت ﷺ نے ان کو تین مرتبہ اس بشارت سے طمانیت دی۔ ”ابوبکر! خدا تمہیں بخش دے گا۔ ابوبکر! خدا تمہیں بخش دے گا۔ ابوبکر! خدا تمہیں بخش دے گا۔“ اسی اثناء میں حضرت عمرؓ کو بھی اپنے انکار سے ندامت ہوئی اور حضرت ابوبکرؓ کو ان کے مکان پر تلاش کرتے ہوئے دربارِ نبوت میں حاضر ہوئے۔ ان کو دیکھ کر حضور پر نور ﷺ کا چہرہ متغیر ہونے لگا۔ حضرت ابوبکرؓ نے یہ تیور دیکھے تو دوزانو بیٹھ کر التجا کی، ”یا رسول اللہ! خدا کی قسم! میں ہی ظالم تھا، میری ہی زیادتی تھی، اس طریقہ سے گو غیظ و غضب کی طغیانی فرو ہوگئی تاہم ارشاد ہوا، ”میں مبعوث ہوا تو تم سب نے مجھے جھٹلایا، لیکن ابوبکرؓ نے تصدیق کر کے جان و مال سے میری غمخواری کی۔ کیا تم مجھ سے میرے ساتھی کو چھڑا دو گے؟“ (۲)

حضرت ربیعہ بن جعفر اور حضرت ابوبکرؓ صدیق میں ایک درخت کے لئے باہم اختلاف ہوا۔ حضرت ابوبکرؓ نے اثنائے بحث میں کوئی جملہ ایسا کہہ دیا کہ جو ان کی ناگواری کا باعث ہوا، لیکن جیسے ہی غصہ فرو ہوا کہنے لگے، ”ربیعہ! تم بھی مجھے کوئی ایسی ہی سخت بات کہہ دو“ انہوں نے انکار

① ایضاً کتاب العیدین باب سنة العیدین لاهل الاسلام ص ۱۳۰

② بخاری کتاب المناقب باب قول النبی لو کنت متخذاً خلیلاً ج ۱ ص ۵۱۶

کیا تو دربار نبوت میں حاضر ہوئے۔ حضرت ربیعہ بھی ساتھ تھے۔ حضور انور ﷺ نے مفصل روئے داد سن کر فرمایا ”ربیعہ! تم کوئی سخت جواب نہ دو، لیکن یہ کہہ دو و غفر اللہ لک یا ابا بکر۔ یعنی ابو بکر خدا تمہیں معاف کر دے۔“ حضرت ابو بکرؓ پر اس واقعہ کا اتنا اثر تھا کہ زار و قطار رو رہے تھے اور آنکھوں سے سیل اشک رواں تھا۔ (۱)

زہد

امارت، دنیا طلبی و جاہ پسندی سے قطعی نفرت تھی، خلافت کا بار گراں بھی محض اُمتِ مرحومہ کو تفریق سے محفوظ رکھنے کے لئے اٹھالیا تھا ورنہ دل سے اس ذمہ داری کے متمنی نہ تھے۔ انہوں نے بارہا اپنے خطبوں میں اس حقیقت کی تصریح فرمادی تھی اور اعلان کر دیا تھا کہ اگر کوئی اس بار کو اٹھانے کے لئے تیار ہو جائے تو وہ نہایت خوشی کے ساتھ سبکدوش ہو جائیں گے۔ (۲)

حضرت رافع طائی فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ میں نے کہا کہ آپ سن رسیدہ بزرگ ہیں، مجھے کچھ وصیت فرمائیں۔ بولے ”خدا تم پر رحمت و برکت نازل فرمائے، نمازیں پڑھو، روزے رکھو، زکوٰۃ دو، حج کرو، اور سب سے بڑی نصیحت یہ ہے کہ کبھی امارت و سیادت نہ قبول کرو، دنیا میں امیر کی ذمہ داری بڑھ جاتی ہے، نیز قیامت کے روز اس کا محاسبہ نہایت سخت ہوگا اور فرد عمل زیادہ طویل ہوگی۔“

ایک مرتبہ انہوں نے پینے کے لئے پانی مانگا، لوگوں نے پانی اور شہد ملا کر پیش کیا لیکن جیسے ہی منہ کے قریب لے گئے، بے اختیار آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور اس قدر روئے کہ تمام حاضرین پر رقت طاری ہو گئی۔ جب کسی قدر سکون ہوا تو لوگوں نے گریہ و زاری کی وجہ پوچھی، بولے ایک روز میں آنحضرت ﷺ کے ساتھ تھا۔ آپ کسی چیز کو دور دور کہہ رہے تھے۔ میں نے عرض کیا، ”یا رسول اللہ! کیا چیز ہے جسے آپ دور فرما رہے ہیں؟ میں تو کچھ نہیں دیکھتا۔“ ارشاد ہوا کہ ”ظاہر فریب دنیا مجسم ہو کر میرے سامنے آئی تھی میں نے اس کو دور کر دیا۔“ اس وقت یکا یک یہ واقعہ مجھے یاد آ گیا اور ڈرا کہ شاید اس کے دام تزویر میں پھنس جاؤں۔“ (۳)

حضرت ابو بکرؓ نے اپنی تمام دولت راہِ خدا میں لٹادی، یہاں تک کہ زمانہ خلافت میں اُن پر بیت المال کا چھ ہزار روپیہ قرض چڑھ گیا لیکن بے نیازی دیکھو کہ مسلمانوں کا یک حبہ بھی اپنی ذات پر صرف کرنا یا اولاد کے لئے چھوڑنا گوارہ نہ ہوا، وفات کے وقت وصیت فرمائی تو سب سے پہلے یہ فرمایا کہ میرا فلاں باغ بیچ کر بیت المال کا قرض ادا کر دیا جائے اور میرے مال میں جو چیز فاضل نظر آئے وہ عمر بن خطاب کے پاس بھیج دی جائے۔ حضرت عائشہؓ عمر ماتی ہیں کہ وفات کے

① فتح الباری ج ۷ ص ۱۸ ② طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث ص ۱۵۰ ③ اسد الغابہ ج ۳ ص ۲۱۷

بعد جائزہ لیا گیا تو صرف یہ چیزیں زیادہ نکلیں: ایک غلام، ایک لونڈی اور دو اونٹنیاں۔ چنانچہ یہ تمام چیزیں اسی وقت حضرت عمرؓ کے پاس بھیج دی گئیں۔ خلیفہ دوم کی آنکھوں سے عبرت کے آنسو نکل آئے۔ رو کر بولے ”ابوبکر! خدا تم پر رحم کرے، تم نے پس از مرگ بھی زہد کا دامن نہ چھوڑا اور کسی کو نکتہ چینی کا موقع نہ دیا۔“ (۱)

تواضع

نہایت متواضع اور خاکسار تھے اور کسی کام سے ان کو عار نہ تھا۔ اکثر بھیڑ بکریاں تک خود ہی چرا لیتے تھے اور محلہ والوں کی بکریاں دوہ دیتے تھے۔ چنانچہ منصب خلافت کے لئے جب ان کا انتخاب ہوا تو سب سے زیادہ محلہ کی ایک لڑکی کو فکر لاحق ہوئی اور اس نے تأسف آمیز لہجے میں کہا ”اب ہماری بکریاں کون دوہے گا؟“ حضرت ابوبکرؓ نے سنا تو فرمایا ”خدا کی قسم! میں بکریاں دوہوں گا، امید ہے کہ خلافت مجھے مخلوق کی خدمت گزاری سے باز نہ رکھے گی۔“ (۲)

حضرت ابوبکرؓ کپڑے کی تجارت کرتے تھے، خلیفہ ہونے کے بعد بھی حسب معمول کندھے پر کپڑوں کے تھان رکھ کر بازار کی طرف روانہ ہوئے۔ راہ میں حضرت عمر فاروقؓ اور حضرت عبیدہؓ سے ملاقات ہوئی۔ انہوں نے کہا ”یا خلیفہ رسول اللہ ﷺ کہاں؟“ بولے بازار! انہوں نے کہا ”اب آپ مسلمانوں کے حاکم ہیں، چلئے ہم آپ کے لئے کچھ وظیفہ مقرر کر دیں (۳) گے۔“ لیکن بخاری کی روایت ہے کہ جب خلافت کی ذمہ داریوں کی وجہ سے آپ اپنا ذاتی کام نہ کر سکے تو صحابہؓ سے فرمایا کہ میری قوم جانتی ہے کہ میرا پیشہ میرے اہل و عیال کا بار اٹھانے سے قاصر نہ تھا اور اب میں مسلمانوں کے کام میں مصروف ہو گیا ہوں اس بنا پر آل ابوبکر اس مال میں سے کھائیں گے اور مسلمانوں کے لئے تجارت کریں گے۔ صحابہؓ نے اسے منظور کر لیا۔ (۴)

دار الخلافہ سے کوئی فوجی مہم روانہ ہوتی تو حضرت ابوبکرؓ ضعیف و کبرسنی کے باوجود دور تک پیادہ ساتھ جاتے۔ اگر کوئی افسر تعظیماً گھوڑے سے اترنا چاہتا تو روک کر فرماتے ”اس میں کیا مضائقہ ہے! اگر میں تھوڑی دور تک راہ خدا میں اپنا پاؤں غبار آلود کروں، رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ جو پاؤں راہ خدا میں غبار آلود ہوتے ہیں، خدا ان پر جہنم کی آگ حرام کر دیا ہے۔“ (۵)

عجز و تواضع کی انتہا یہ تھی کہ لوگ جانشین رسول اللہ ﷺ کی حیثیت سے تعظیم و توقیر کرتے تو آپ کو تکلیف ہوتی اور فرماتے مجھے لوگوں نے بہت بڑھا دیا ہے۔ کوئی مدح و ستائش کرتا تو فرماتے ”اے خدا! تو میرا حال مجھ سے زیادہ جانتا ہے اور میں اپنی کیفیت ان لوگوں سے زیادہ

① طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث ص ۱۳۷ ② ایضاً ③ ایضاً ④ بخاری کتاب الاحکام باب رزق الحاکم والعالمین علیہا ⑤ طبری ص ۵۰۷ و مسند ارمی باب فصل الغبار فی سبیل اللہ

جانتا ہوں۔ خدایا تو ان کے حسنِ ظن سے مجھے بہتر ثابت کر، میرے گناہوں کو بخش دے اور لوگوں کی بے جا تعریف کا مجھ سے مواخذہ نہ کر۔“ (۱)

غایت تواضع سے تکبر و غرور کی علامات سے بھی خوف زدہ ہو جاتے۔ ایک روز رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ”جو تکبر سے اپنا کپڑا کھینچتے ہوئے چلتا ہے قیامت کے روز خدا اس کی طرف نگاہ نہ کرے گا۔ حضرت ابو بکر صدیق نے عرض کی ”میرا دامن بھی کبھی کبھی لٹک جاتا ہے۔“ ارشاد ہوا ”تم تکبر سے ایسا نہیں کرتے۔“ (۲)

انفاق فی سبیل اللہ

مال و دولت اگر صحیح مصرف اور مناسب موقع پر صرف ہو تو اس کی قدر و قیمت غیر متناہی ہو جاتی ہے۔ روٹی کا ایک خشک ٹکڑا شدتِ گرسنگی میں خوانِ نعمت ہے، لیکن آسودگی میں الوانِ نعمت بھی بے حقیقت شے ہے۔ یہی وجہ ہے کہ فتح مکہ سے پہلے جن لوگوں نے اپنی جان و مال سے رسول اللہ ﷺ کی اعانت کی ہے ان کو قرآن کریم نے مخصوص عظمت و فضیلت کا مستحق قرار دیا ہے:

لَا يَسْتَوِي مِنْكُمْ مَنْ أَنْفَقَ مِنْ
قَبْلِ الْفَتْحِ وَقَاتِلْ أُولَئِكَ
أَعْظَمُ دَرَجَةً مِنَ الَّذِينَ
أَنْفَقُوا مِنْ بَعْدُ وَقَاتِلُوا

(سورۃ حدید رکوع ۱)

تم میں وہ لوگ جنہوں نے فتح مکہ سے پہلے خدا کی راہ میں خرچ کیا اور وہ دوسرے مسلمانوں کے برابر نہیں ہو سکتے، بلکہ یہ ان لوگوں سے درجہ میں بڑے ہیں جنہوں نے بعد فتح مکہ خرچ کیا اور لڑے۔

حضرت ابو بکر صدیق کے پاس قبولِ اسلام کے وقت چالیس ہزار درہم نقد موجود تھے۔ انہوں نے یہ تمام دولت راہِ خدا میں صرف کر دی۔ (۳) آنحضرت نے بارہا اس فیاضی کے بر محل ہونے کا اعتراف فرمایا:

ما انفعني مال احد قط ما
نفعني مال ابی بکر. (۴)

اس فیاضی کے ساتھ اخلاص کا یہ عالم تھا کہ حضرت رسالت مآب ﷺ جب بطور تشکر و امتنان فرماتے:

انه ليس من الناس احدا من علي
في نفسه وماله من ابی بکر (۵)

یعنی جان و مال کے لحاظ سے مجھ پر ابو بکر سے زیادہ کسی کا احسان نہیں۔

① اسد الغابہ ج ۳ ص ۲۱۷ ② بخاری کتاب المناقب ابی بکر ③ ابن سعد جز ۲ قسم اول ص ۱۲۳

④ کنز العمال ص ۳۱۶ ج ۶ ⑤ ایضاً

تو آبدیدہ ہو کر عرض کرتے ”یا رسول اللہ! جان و مال سب حضور ﷺ کے لئے ہے۔“
 آغاز اسلام میں جن لوگوں نے داعیِ توحید ﷺ کو لبیک کہا تھا ان میں ایک بڑی تعداد غلاموں اور لونڈیوں کی تھی جو اپنے مشرک آقاؤں کے منجہ ستم میں گرفتار تھے۔ حضرت ابوبکرؓ نے اکثروں کو آزاد کرایا جن میں بعض کے نام یہ ہیں: بلالؓ عامر بن فہیرہ نذیرہ، جاریہ بنی مول، نہدیہ، بنت نہدیہ وغیرہم۔

حضرت ابوبکرؓ صدیق صدقات و خیرات میں ہمیشہ پیش پیش رہتے تھے۔ حضرت عمرؓ نے بارہا مسابقت کی کوشش کی۔ لیکن وہ کبھی بھی ان کے مقابلہ میں کامیاب نہ ہوئے۔ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام کو صدقہ نکالنے کا حکم دیا۔ حضرت عمرؓ کے پاس معمول سے زیادہ سرمایہ موجود تھا۔ انہوں نے خیال کیا کہ آج ابوبکرؓ سے سبقت لے جانے کا موقع ہے چنانچہ وہ اپنا نصف مال لے کر آستانہ نبوت پر حاضر ہوئے۔ آنحضرت ﷺ نے دریافت فرمایا کہ تم نے اہل و عیال کے لئے کس قدر رہنے دیا ہے؟ بولے ”اسی قدر“ لیکن حضرت ابوبکرؓ اپنا کل سرمایہ لائے تھے۔ ان سے جب سوال کیا تو انہوں نے عرض کی، ”ان کے لئے خدا اور اس کا رسول ہے۔“ اس ایثار و قربانی پر حضرت عمرؓ کی آنکھیں کھل گئیں۔ بولے اب میں کبھی ان سے سبقت نہیں لے جاسکتا۔ (۲)

صدقات میں اخفاء و اظہار دونوں جائز ہیں:

إِنْ تُبْدُوا الصَّدَقَاتِ فَنِعْمًا هِيَ وَإِنْ تُخْفُوهَا وَتُؤَاهَا الْفُقَرَاءَ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ

لیکن اظہار میں ریاء و تفاخر کا امکان ہے۔ اس لئے حضرت ابوبکرؓ صدقات میں اخفاء کا لحاظ رکھتے تھے اور ہمیشہ اس کا خیال رہتا تھا کہ ان کی تمام کائنات خدا کی امانت و ودیعت ہے، چنانچہ ایک دفعہ نہایت مخفی طور پر صدقہ لے کر بارگاہ نبوت میں حاضر ہوئے اور عرض کی: یا رسول اللہ اس کے علاوہ خدا تعالیٰ کی اور امانت بھی میرے پاس ہے۔ (۳)

حضرت ابوبکرؓ صدیق کی فیاضی کا سلسلہ آخری لمحہ حیات تک جاری رہا یہاں تک کہ وفات کے وقت بھی آپ نے فقراء و مساکین کو فراموش نہ کیا اور اپنے مال میں ان کے لئے ایک خمس کی وصیت فرمادی۔ (۴)

خدمت گزاری خلق

خلق اللہ کی نفع رسانی اور خدمت گزاری میں ان کو خاص لطف حاصل ہوتا تھا، اکثر محلہ والوں کا کام کر دیتے تھے۔ بیماروں کی تیمارداری فرماتے اور اپنے ہاتھ سے ضعیف و ناتوان اشخاص کی

① کنز العمال ج ۶ ص ۳۱۶ ② ترمذی مناقب ابی بکرؓ ③ کنز العمال ج ۶ ص ۳۱۷ ④ ایضا

خدمت انجام دینے میں ہمیشہ پیش پیش رہتے تھے۔ اطرافِ مدینہ میں ایک ضعیف نابینا عورت تھی۔ حضرت عمر فاروقؓ روزِ علیؓ صبح اس کے جھونپڑے میں جا کر ضروری خدمات انجام دیتے تھے کچھ دنوں بعد انہوں نے محسوس کیا کہ کوئی شخص ان سے بھی پہلے اس کا رِثاب سے بہرہ یاب ہو جاتا ہے۔ ایک روز بہ نظر تفتیش کچھ رات رہتے ہوئے آئے تو دیکھا خلیفہ اول یعنی حضرت ابوبکرؓ صدیق اس ضعیفہ کی خدمت گزاری سے فارغ ہو کر جھونپڑے سے باہر نکل رہے ہیں۔ بولے انت العمری یا خلیفہ رسول اللہ! قسم ہے کیا روز آپ ہی سبقت کر جاتے ہیں؟ (۱)

مذہبی زندگی

حضرت ابوبکرؓ رات رات بھر نمازیں پڑھتے تھے، دن کو اکثر روزے رکھتے، خصوصاً موسمِ گرما روزوں ہی میں بسر ہوتا۔ خضوع و خشوع کا یہ عالم تھا کہ نماز میں لکڑی کی طرح بے حس و حرکت نظر آتے۔ رقت اس قدر طاری ہوتی کہ روتے روتے ہچکی بندھ جاتی تھی۔ خوفِ محشر اور عبرت پذیری سے دنیا کا ذرہ ذرہ ان کے لئے سرمایہٴ عبرت تھا، کوئی سرسبز درخت دیکھتے تو کہتے کاش! میں درخت ہی ہوتا کہ عاقبت کے جھگڑوں سے چھوٹ جاتا۔ کسی باغ کی طرف گزرتے اور چڑیوں کو چہچہاتے دیکھتے تو آہ سرد کھینچ کر فرماتے ”پرندو! تمہیں مبارک ہو کہ دنیا میں چرتے چلتے ہو، درخت کے سایہ میں بیٹھتے ہو اور قیامت کے روز تمہارا کوئی حساب کتاب نہیں، کاش ابوبکر بھی تمہاری طرح ہوتا۔“ (۲)

قرآن شریف کی تلاوت فرماتے تو بے اختیار آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے اور اس قدر پھوٹ پھوٹ کر روتے کہ آس پاس کے تمام لوگ جمع ہو جاتے۔ نرم دلی اور رقتِ قلب کے باعث بات بات پر آہ سرد کھینچتے تھے، یہاں تک کہ ”اداہِ منیب“ ان کا نام ہو گیا۔ نیکو کاری و حصولِ ثواب کا کوئی موقع ہاتھ سے نہ جانے دیتے تھے۔ ایک روز رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرامؓ سے پوچھا ”آج تم میں سے روزہ سے کون ہے؟“ حضرت ابوبکرؓ نے عرض کی ”میں ہوں۔“ پھر فرمایا ”آج کسی نے جنازہ کی مشایعت کی ہے؟“ کسی نے مسکین کو کھانا دیا ہے اور کسی نے مریض کی عیادت کی ہے؟“ ان سوالوں کے جواب میں جو زبان گویا ہوئی وہ حضرت ابوبکرؓ صدیق کی تھی۔ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا ”جس نے ایک دن میں اس قدر نیکیاں جمع کی ہوں وہ یقیناً جنت میں جائے گا۔“ (۳)

① کنز العمال ج ۶ ص ۳۱۲ ② ایضاً ③ مسلم، فضائل ابی بکرؓ

خانگی زندگی

حضرت ابو بکرؓ بیوی بچوں سے محبت رکھتے تھے، خصوصاً ام المومنین حضرت عائشہؓ کو سب سے زیادہ عزیز رکھتے تھے۔ نواح مدینہ میں اپنی ایک جاگیر ان کو سپرد کردی تھی لیکن وفات کے وقت خیال آیا کہ اس سے دوسرے وارثوں کی حق تلفی ہوگی، اس لئے اُن کو بلا کر فرمایا ”جان پدر! افلاس و امارت دونوں حالتوں میں تم مجھے سب سے محبوب رہی ہو، لیکن جاگیر میں نے تمہیں دی ہے، اس میں تم اپنے دوسرے بہن بھائیوں کو شریک (۲) کر لو۔“ انہوں نے وفات کے بعد حسب وصیت جاگیر تقسیم کر دی۔

مہمان نوازی

نہایت مہمان نواز تھے، چنانچہ ایک مرتبہ شب کے وقت چند اصحاب صفہ ان کے مہمان تھے۔ انہوں نے اپنے صاحبزادے عبدالرحمنؓ کو ہدایت فرمائی کہ میں آنحضرت ﷺ کی خدمت میں جاتا ہوں، تم میرے واپس آنے سے پہلے ان کی مہمان نوازی سے فارغ ہو جانا۔ حضرت عبدالرحمنؓ نے حسب ہدایت ان کے سامنے ماحضر پیش کیا۔ لیکن انہوں نے صاحب خانہ کی غیر موجودگی میں کھانے سے انکار کر دیا۔ اتفاق سے حضرت ابو بکرؓ صدیق بہت دیر کے بعد تشریف لائے اور یہ معلوم کر کے کہ مہمان اب تک بھوکے بیٹھے ہیں، اپنے صاحبزادے پر نہایت برہم ہوئے اور برا بھلا کہا اور فرمایا ”واللہ! میں آج اس کو کھانے میں شریک نہیں کروں گا۔“ حضرت عبدالرحمنؓ ڈر سے مکان کے ایک گوشہ میں چھپ رہے تھے، وہ کسی قدر جرأت کر کے سامنے آئے اور بولے ”آپ اپنے مہمانوں سے پوچھ لیجئے کہ میں نے کھانے کے لئے اصرار کیا تھا۔“ مہمانوں نے اس کی تصدیق کی اور کہا ”خدا کی قسم! جب تک آپ عبدالرحمنؓ کو نہ کھلائیں گے ہم لوگ بھی نہ کھائیں گے۔“

غرض اس طرح غصہ فرو ہو گیا اور دسترخوان بچھایا گیا۔ حضرت عبدالرحمنؓ فرماتے ہیں کہ اس روز کھانے میں اس قدر برکت ہوئی کہ ہم لوگ کھاتے جاتے تھے لیکن وہ کسی طرح ختم نہیں ہوتا تھا۔ یہاں تک کہ اس میں سے کچھ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں بھیج دیا گیا۔ (۳)

لباس و غذا

زندگی نہایت سادی تھی، موئے جھوٹے کپڑے استعمال فرماتے تھے۔ دسترخوان بھی پر تکلف نہ تھا۔ خلافت کے بعد یہ سادگی اور ترقی کر گئی تھی۔ چنانچہ وفات کے وقت انہوں نے

① ابن سعد جز ۳ قسم اول ص ۱۳۸ ② بخاری ج اول کتاب الادب باب ما یکرہ من الغضب والجزع عند الضیف و باب قول الضیف بصاحب الا اکل حتی تاکل

حضرت عائشہؓ سے فرمایا ”جب سے خلافت کا بار میرے سر پر آیا ہے میں نے معمولی سے معمولی غذا اور چھوٹے موٹے پر قناعت کی ہے۔ مسلمانوں کے مال میں سے میرے پاس ایک حبشی غلام، ایک اونٹ اور اس پرانی چادر کے سوا اور کچھ نہیں ہے، میرے بعد یہ تمام چیزیں عمر بن خطاب کو واپس دے کر ان سے بری ہو جانا۔“ (۱)

حضرت ابو بکرؓ نے چونکہ اپنی تمام دولت اسلام پر نثار کر دی تھی اس لئے عسرت و ناداری کے باعث بارہادو، دو، تین، تین وقت فاقے سے گزر جاتے تھے۔ ایک روز آنحضرت ﷺ نے ان کو اور حضرت عمرؓ کو مسجد میں بھوک سے بے قرار دیکھا۔ فرمایا ”میں بھی تمہاری طرح سخت بھوکا ہوں۔“ حضرت ابوالہیثم انصاریؒ کو معلوم ہوا تو انہوں نے اپنے گھر پر کھانے کی دعوت دی۔ (۲)

ذریعہ معاش

تجارت اصلی ذریعہ معاش تھی۔ فرماتے تھے کہ ”میں قریش میں سب سے بڑا اور متمول تاجر تھا۔“ عہد اسلام میں بھی یہی مشغلہ جاری رہا اور مالی تجارت لے کر دور دراز ممالک کا سفر اختیار فرمایا۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ کی وفات سے ایک سال پہلے تجارت کے خیال سے بصری تشریف لے گئے۔ (۳)

خلافت کا بار جب سر پر آیا تو قدرۃ ان کا تمام وقت مسلمانوں کی فلاح و بہبود کے لئے وقف ہو گیا۔ اس بنا پر صحابہ کرامؓ نے مشورہ کر کے روزانہ آدھی بکری کا گوشت اور ان کے اہل و عیال کے کپڑے اور کھانا مقرر کر دیا۔ (۴) حضرت ابو بکرؓ نے اس کو منظور کر کے فرمایا:

”قوم جانتی ہے کہ میرا کاروبار میرے اہل و عیال کی حاجت روائی سے قاصر نہ تھا لیکن اب جبکہ مسلمانوں کے کام میں مشغول ہوں تو ابو بکرؓ کا خاندان حسب ضرورت ان کے مال سے کھائے گا اور ان کا کام کرے گا۔“ (۵)

ابن سعد نے وظیفہ کی تفصیل یہ بیان کی ہے کہ ان کو دو چادریں ملتی تھیں جب وہ پرانی ہو جاتی تھیں تو انہیں واپس کر کے دوسری لیتے تھے۔ سفر کے موقع پر سواری اور خلافت سے پہلے جو خرچ تھا اسی کے موافق اپنے اور اپنے متعلقین کے لئے خرچ لیتے تھے۔ (۶)

جاگیر

آنحضرت ﷺ نے ان کو خیبر میں ایک جاگیر مرحمت فرمائی تھی اس کے علاوہ انہوں نے

② موطا امام مالک ص ۳۷۱

① طبقات ابن سعد ج ۳ ص ۱۳۹

④ طبقات ج ۳ ص ۱۳۰

③ سنن ابن ماجہ کتاب الادب باب المزاج

⑥ طبقات ابن سعد ج ۳ ص ۱۳۱

⑤ بخاری کتاب البیوع باب کسب الرجل وعملہ بیدہ ج ۸ ص ۲۷۸

اطراف مدینہ اور بحرین میں دوسری جاگیریں بھی حاصل کی تھیں۔ (۱)
حلیہ

حضرت ابو بکرؓ نہایت نحیف و لاغر اندام تھے۔ چہرہ کم گوشت اور رنگ گندم گوں تھا۔ پیشانی بلند و فراخ اور آنکھیں دھنسی ہوئی تھیں، بالوں میں مہندی کا خضاب کرتے تھے۔

ازواج و اولاد

حضرت ابو بکرؓ نے مختلف اوقات میں متعدد شادیاں کیں، جن بیویوں سے اولاد ہوئی اُن کے نام یہ ہیں:

- | | |
|-------------------|---|
| ۱ قتیلہ یا قتلہ | : ان سے حضرت عبداللہ اور حضرت اسماءؓ پیدا ہوئیں۔ |
| ۲ ام رومان | : یہ ام المؤمنین حضرت عائشہؓ اور حضرت عبدالرحمنؓ کی ماں تھیں۔ |
| ۳ اسماء | : ان سے محمد بن ابی بکرؓ پیدا ہوئے۔ |
| ۴ حبیبہ بنت خارجہ | : حضرت ابو بکرؓ کی سب سے چھوٹی صاحبزادی ام کلثومؓ ان ہی کے بطن سے تھیں (۲)۔ |

امیر المؤمنین حضرت عمر فاروقؓ

نام و نسب اور خاندان

عمر نام، ابو حفص کنیت، فی روق لقب، والد کا نام خطاب اور والدہ کا نام ختمہ تھا۔ پورا نسب یہ ہے: عمر بن الخطاب بن نفیل بن عبد القریٰ بن ربیع بن عبد اللہ بن قرط بن رزاح بن عدی بن کعب بن لوی بن فہر بن مسانک (۱)۔ عدی کے دوسرے بھائی مرہ تھے جو رسول اللہ ﷺ کے اجداد میں سے ہیں۔ اس لحاظ سے عمر کا سلسلہ نسب آٹھویں پشت میں رسول اللہ ﷺ سے جا کر ملتا ہے۔

حضرت عمرؓ کا خاندان ایام جاہلیت سے نہایت ممتاز تھا۔ آپ کے جد اعلیٰ عدی عرب کے باہمی منازعات میں ثالث مقرر ہوا کرتے تھے اور قریش کو کسی قبیلہ کے ساتھ کوئی ملکی معاملہ پیش آجاتا تو سفیر بن کر جایا کرتے تھے اور یہ دونوں منصب عدی کے خاندان میں نسلاً بعد نسل چلے آ رہے تھے۔ دادھیال کی طرح حضرت عمرؓ نہیال کی طرف سے بھی نہایت معزز خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ آپ کی والدہ ختمہ، ہاشم بن مغیرہ کی بیٹی تھیں اور مغیرہ اس درجہ کے آدمی تھے کہ جب قریش کسی قبیلہ سے نبرد آزما کی کے لئے جاتے تھے تو فوج کا اہتمام ان ہی کے متعلق ہوتا تھا۔ (۲)

حضرت عمرؓ ہجرت نبوی سے چالیس برس پہلے پیدا ہوئے۔ ایام طفولیت کے حالات پردہ خفا میں ہیں۔ بلکہ سن رشد کے حالات بھی بہت کم معلوم ہیں۔ شباب کا آغاز ہوا تو ان شریفانہ مشغلوں میں مشغول ہو گئے جو شرفائے عرب میں عموماً رائج تھے، یعنی نسب دانی، سپہ گری، پہلوانی اور خطابت میں مہارت پیدا کی۔ خصوصاً شہسواری میں کمال حاصل کیا۔ اسی زمانے میں انہوں نے لکھنا پڑھنا بھی سیکھ لیا تھا۔ چنانچہ زمانہ جاہلیت میں جو لوگ لکھنا پڑھنا جانتے تھے۔ ان میں سے ایک حضرت عمرؓ بھی تھے۔ (۲)

① اصابت ج ۲ ص ۵۱۸ ② عقد الفرید باب فضائل العرب ③ استیعاب تذکرہ عمر بن الخطاب

تعلیم و تعلم سے فارغ ہونے کے بعد فکر معاش کی طرف متوجہ ہوئے۔ عرب میں لوگوں کا ذریعہ معاش زیادہ تر تجارت تھا۔ اس لئے انہوں نے بھی یہی شغل اختیار کیا اور اسی سلسلہ میں دور دور ممالک کا سفر کیا۔ اس سے آپ کو بڑے تجربے اور فوائد حاصل ہوئے۔ آپ کی خودداری بلند حوصلگی، تجربہ کاری اور معاملہ فہمی اسی کا نتیجہ تھی اور ان ہی اوصاف کی بناء پر قریش نے آپ کو سفارت کے منصب پر مامور کر دیا تھا۔ قبائل میں جب کوئی پیچیدگی پیدا ہو جاتی تھی تو آپ ہی سفیر بن کر جاتے تھے اور اپنے غیر معمولی فہم و تدبر اور تجربہ سے اس عقدہ کو حل کرتے تھے۔ (۱)

حضرت عمرؓ کا ستائیسواں سال تھا کہ ریگستان عرب میں آفتاب اسلام پر تو افگن ہوا اور مکہ کی گھاٹیوں سے توحید کی صدا بلند ہوئی۔ حضرت عمرؓ کے لئے یہ آواز نہایت نامانوس تھی اس لئے سخت برہم ہوئے۔ یہاں تک کہ جس کی نسبت معلوم ہو جاتا کہ یہ مسلمان ہو گیا ہے اس کے دشمن بن جاتے۔ ان کے خاندان کی ایک کنیز بسینہ نامی مسلمان ہو گئی تھی اس کو اتنا مارتے کہ مارتے مارتے تھک جاتے۔ بسینہ کے سوا اور جس جس پر قابو چلتا زد و کوب سے دریغ نہیں کرتے تھے۔ لیکن اسلام کا نشہ ایسا نہ تھا جو چڑھ کر اتر جاتا۔ ان تمام سختیوں پر ایک شخص کو بھی وہ اسلام سے بد دل نہ کر سکے۔

اسلام حضرت عمرؓ

قریش کے سربراہ اور وہ اشخاص میں ابو جہل اور حضرت عمرؓ اسلام اور آنحضرت ﷺ کی دشمنی میں سب سے زیادہ سرگرم تھے اس لئے آنحضرت ﷺ نے خصوصیت کے ساتھ ان ہی دونوں کے لئے اسلام کی دعا فرمائی اللہم اعز الاسلام باحد الرجلین اما ابن ہشام واما عمر بن الخطاب (۱) یعنی خدایا اسلام کو ابو جہل یا عمر بن الخطاب سے معزز کر۔ مگر یہ دولت تو قسّام ازل نے حضرت عمرؓ کی قسمت میں لکھ دی تھی۔ ابو جہل کے حصہ میں کیونکر آتی؟ اس دعائے مستجاب کا اثر یہ ہوا کہ کچھ دنوں کے بعد اسلام کا یہ سب سے بڑا دشمن اس کا سب سے بڑا دوست اور سب سے بڑا جاں نثار بن گیا۔ یعنی حضرت عمرؓ کا دامن دولت ایمان سے بھر گیا۔ ذلک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء۔ تاریخ و سیر کی کتابوں میں حضرت عمرؓ کی تفصیلات اسلام میں اختلاف ہے۔

ایک مشہور واقعہ جس کو عام طور پر باب سیر لکھتے ہیں، یہ ہے کہ جب حضرت عمرؓ ان انتہائی سختیوں کے باوجود ایک شخص کو بھی اسلام سے بد دل نہ کر سکے تو آخر کار مجبور ہو کر (نعوذ باللہ) خود آنحضرت ﷺ کے قتل کا ارادہ کیا اور تلوار کمر سے لگا کر سیدھے رسول اللہ کی طرف چلے، راہ میں اتفاقاً نعیم بن عبد اللہ مل گئے۔ ان کے تیور دیکھ کر پوچھا خیر تو ہے؟ بولے ”محمد (ﷺ) کا فیصلہ کرنے جاتا ہوں۔ انہوں نے کہا ”پہلے اپنے گھر کی تو خبر لو، خود تمہاری بہن اور بہنوئی اسلام لا چکے ہیں۔“ فوراً پلٹے اور بہن کے یہاں پہنچے، وہ قرآن پڑھ رہی تھیں، اُن کی آہٹ پا کر چپ ہو گئیں اور قرآن کے اجزاء چھپائے۔ لیکن آواز ان کے کان میں پڑ چکی تھی، بہن سے پوچھا یہ کیسی آواز تھی؟ بولیں کچھ نہیں۔ انہوں نے کہا میں سن چکا ہوں کہ تم دونوں مرتد ہو گئے ہو۔ یہ کہہ کر بہنوئی سے دست و گریباں ہو گئے اور جب ان کی بہن بچانے کو آئیں تو اُن کی بھی خبر لی، یہاں تک کہ ان کا جسم لبو لبہاں ہو گیا۔ لیکن اسلام کی محبت پر ان کا کچھ اثر نہ ہوا بولیں ”عمر! جو بن آئے کر لو لیکن اسلام اب دل سے نہیں نکل سکتا۔“ ان الفاظ نے حضرت عمرؓ کے دل پر خاص اثر کیا۔ بہن کی طرف محبت کی نگاہ سے دیکھا۔ ان کے جسم سے خون جاری تھا، اسے دیکھ کر اور بھی

رقت ہوئی۔ فرمایا تم لوگ جو پڑھ رہے تھے مجھے بھی سناؤ۔ فاطمہؓ نے قرآن کے اجزاء سامنے لا کر رکھ دیئے۔ اٹھا کر دیکھا تو یہ سورہ تھی:

سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ
وَالْاَرْضِ وَهُوَ الْعَزِيزُ
الْحَكِيْمُ (حدید)

زمین و آسمان میں جو کچھ ہے سب خدا کی تسبیح پڑھتے ہیں، وہ غالب اور حکمت والا ہے۔

ایک ایک لفظ پر ان کا دل مرعوب ہوتا جاتا تھا۔ یہاں تک کہ جب اس آیت پر پہنچے:

اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ (حدید) خدا اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ۔

تو بے اختیار پکار اٹھے اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا الرَّسُوْلُ اللّٰهُ۔

یہ وہ زمانہ تھا جب رسول اللہ ﷺ ارقم کے مکان پر جو کوہ صفا کے نیچے واقع تھا پناہ گزین تھے۔ حضرت عمرؓ نے آستانہ مبارک پر پہنچ کر دستک دی، چونکہ شمشیر بکف تھے، صحابہ کو تردد ہوا، لیکن حضرت حمزہؓ نے کہا آنے دو، مخلصانہ آیا ہے تو بہتر ہے ورنہ اسی کی تلوار سے اس کا سر قلم کر دوں گا۔ حضرت عمرؓ نے اندر قدم رکھا تو رسول اللہ ﷺ خود آگے بڑھے اور ان کا دامن پکڑ کر فرمایا ”کیوں عمر! کس ارادے سے آئے ہو؟“ نبوت کی پر جلال آواز نے ان کو کپکپا دیا۔ نہایت خضوع کے ساتھ عرض کی ”ایمان لانے کے لئے!“ آنحضرت ﷺ نے بے ساختہ اللہ اکبر کا نعرہ اس زور سے مارا کہ تمام پہاڑیاں گونج اٹھیں۔ (۱)

یہی روایت تھوڑے سے تغیر کے ساتھ دارقطنی، ابو یعلیٰ، حاکم اور بیہقی میں حضرت انسؓ سے مروی ہے، دونوں میں فرق صرف اس قدر ہے کہ پہلی میں سورہ حدید کی آیت سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ہے، دوسری میں سورہ طہ کی یہ آیت ہے:

اِنِّىْ اَنَا اللّٰهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنَا
فَاَعْبُدُوْنِىْ وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ
لِذِكْرِىْ (سورہ طہ)

میں ہوں خدا کوئی نہیں معبود لیکن میں، تو مجھ کو پوجو اور میری یاد کے لئے نماز کھڑی کرو۔

جب اس آیت پر پہنچے تو بے اختیار لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ پکار اٹھے اور در اقدس پر حاضری کی درخواست کی۔ لیکن یہ روایت دو طریقوں سے مروی ہے اور دونوں میں ایسے رواۃ ہیں جو قبول کے لائق نہیں۔ چنانچہ دارقطنی نے اس روایت کو مختصراً لکھا ہے کہ اس کا ایک راوی قاسم بن عثمان بصری قوی نہیں (۲)۔ ذہبی نے مستدرک حاکم کے استدلال میں لکھا ہے کہ روایت واہی و منقطع

① سیرۃ النبی ج ۱ ص ۲۰۹ و ۲۱۰ بحوالہ السد الغابہ وابن عساکر و کامل ابن اثیر ② دارقطنی باب الطہارۃ للقرآن

ہے (۱)۔ میزان الاعتدال میں لکھا ہے کہ قاسم بن عثمان بصری نے حضرت عمرؓ کے اسلام کا جو قصہ نقل کیا ہے وہ نہایت ہی منکر ہے (۲)۔ کنز العمال میں بھی اس کی تضعیف کی گئی ہے (۳)۔ ان دونوں روایتوں کے مشترک راوی اسحاق بن یوسف، قاسم بن عثمان، اسحاق بن ابراہیم الحسینی اور اسامہ بن زید بن اسلام ہیں اور یہ سب کے سب پایہ اعتبار سے ساقط ہیں۔

ان روایتوں کے علاوہ مسند ابن حنبل میں ایک روایت خود حضرت عمرؓ سے مروی ہے جو گواہ ایک تابعی کی زبان سے مروی ہے تاہم اس باب میں سب سے زیادہ محفوظ ہے۔ حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ ایک شب میں آنحضرت ﷺ کو چھیڑنے نکلا۔ آپ ﷺ بڑھ کر مسجد حرام میں داخل ہو گئے اور نماز شروع کر دی۔ جس میں آپ ﷺ نے سورہ الحاقہ تلاوت فرمائی۔ میں کھڑا سنتا رہا اور قرآن کے نظم و اسلوب سے حیرت میں تھا۔ دل میں کہا جیسا قریش کہا کرتے ہیں، خدا کی قسم یہ شاعر ہے۔ ابھی یہ خیال آیا ہی تھا کہ آپ ﷺ نے یہ آیت پڑھی:

إِنَّهُ لَقَوْلُ رَسُولٍ كَرِيمٍ وَمَا
هُوَ بِقَوْلِ شَاعِرٍ قَلِيلًا مَّا
يُؤْمِنُونَ (الحاقہ - ۲)

یہ ایک بزرگ قاصد کا کلام ہے اور یہ کسی
شاعر کا کلام نہیں، تم بہت کم ایمان رکھتے
ہو۔

میں نے کہا یہ تو کاہن ہے، میرے دل کی بات جان گیا ہے۔ اس کے بعد ہی یہ آیت پڑھی:

وَلَا بِقَوْلِ كَاهِنٍ قَلِيلًا مَّا
تُذَكَّرُونَ تَنْزِيلٌ مِّن رَّبِّ
الْعَالَمِينَ (الحاقہ، ۲-۱)

یہ کاہن کا کلام بھی نہیں تم بہت کم نصیحت
پکڑتے ہو، یہ تو جہانوں کے پروردگار کی
طرف سے اتر ہے۔

آپ ﷺ نے یہ سورہ آخر تک تلاوت فرمائی اور اس کو سن کر اسلام میرے دل میں پوری طرح گھر کر گیا (۴)۔

اس کے علاوہ صحیح بخاری میں خود حضرت عمرؓ کی زبانی یہ روایت ہے کہ بعثت سے کچھ پہلے یا اس کے بعد ہی وہ ایک بت خانہ میں سوتے تھے کہ انہوں نے دیکھا کہ ایک بت پر ایک قربانی چڑھائی گئی اور اس کے اندر سے آواز آئی۔ اے حلیج ایک نصیح البیان کہتا ہے: لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ۔ اس آواز کا سننا تھا کہ لوگ بھاگ کھڑے ہوئے۔ لیکن میں کھڑا رہا کہ دیکھوں اس کے بعد کیا ہوتا ہے پھر وہی آواز آئی۔ اس واقعہ پر تھوڑے ہی دن گزرے تھے کہ لوگوں میں چرچا ہوا کہ یہ نبی

② میزان الاعتدال تذکرہ قاسم بن عثمان بصری

① مستدرک حاکم ج ۳ ص ۵۹

④ مسند ابن حنبل ج ۱ ص ۱۷

③ کنز العمال فضائل عمرؓ بن الخطاب

ہیں (۱)۔ اس روایت میں اس کا بیان نہیں ہے کہ اس آواز کا حضرت عمرؓ پر کیا اثر ہوا۔ پہلی عام روایت بھی اگر صحیح مان لی جائے تو شاید واقعہ کی ترتیب یہ ہوگی کہ اس نداؓ غیب پر حضرت عمرؓ نے لبیک نہیں کہا اور اس کا کوئی تعلق آنحضرت ﷺ کی بعثت کی بشارت سے وہ نہ پیدا کر سکے کہ اس میں ان کی رسالت اور نبوت کا کوئی ذکر نہ تھا تاہم چونکہ توحید کا ذکر تھا اس لئے ادھر میلان ہوا ہوگا۔ لیکن چونکہ ان کو قرآن سننے کا موقع نہیں ملا۔ اس لئے اس توحید کی دعوت کی حقیقت نہ معلوم ہو سکی۔ اس کے بعد جب انہوں نے آنحضرت ﷺ کو سورۃ الحاقہ جس میں قیامت اور حشر و نشر کا نہایت موثر بیان ہے۔ نماز میں پڑھتے سنی تو ان کے دل پر ایک خاص اثر ہوا جیسا کہ اس فقرے سے ظاہر ہوتا ہے۔ وقع الاسلام فی قلبی کل موقع، یعنی اسلام میرے دل میں پوری طرح بیٹھ گیا تاہم چونکہ وہ طبعاً مستقل مزاج اور پختہ کار تھے اس لئے انہوں نے اسلام کا اعلان نہیں کیا بلکہ اس اثر کو شاید وہ روکتے رہے لیکن اس کے بعد جب ان کی بہن کا واقعہ پیش آیا اور سورۃ طہ پر نظر پڑی جس میں توحید کی نہایت موثر دعوت ہے تو دل پر قابو نہ رہا اور بے اختیار کلمہ توحید پکار اٹھے اور در اقدس پر حاضری کی درخواست کی۔

اور اگر وہ پہلی روایت صحیح تسلیم نہ کی جائے تو واقعہ کی سادہ صورت یہ ہو سکتی ہے کہ اس نداؓ غیب نے ان کے دل میں توحید کا خیال پیدا کیا لیکن چونکہ تین برس دعوت محدود اور مخفی رہی تھی اس لئے ان کو اس کا حال نہ معلوم ہو سکا اور مخالفت کی شدت کے باعث کبھی خود بارگاہ نبوی ﷺ میں جانے اور قرآن سننے کا موقع نہ ملا پھر جب رفتہ رفتہ اسلام کی حقیقت کی مختلف آوازیں ان کے کانوں میں پڑتی گئیں تو ان کی شدت کم ہوتی گئی۔ بالآخر وہ دن آیا کہ آنحضرت ﷺ کی زبان مبارک سے ان کو سورۃ الحاقہ سننے کا موقع ملا اور وہ لبیک کہتے ہوئے اسلام کے آستانہ پر حاضر ہو گئے۔

زمانہ اسلام

عام مورخین اور ارباب سیر نے حضرت عمرؓ کے مسلمان ہونے کا زمانہ سنہ ۷ نبوی مقرر کیا ہے اور لکھا ہے کہ آپ چالیسویں مسلمان تھے۔ آج کل کے ایک نوجوان خوش فہم صاحب قلم نے تمام گذشتہ روایات کو ایک سرے سے ناقابل التفات قرار دے کر یہ دعویٰ کیا ہے کہ حضرت عمرؓ نہایت قدیم الاسلام تھے۔ شاید مقصود یہ ہو کہ حضرت ابو بکرؓ وغیرہ کے بعد ہی ان کا شمار ہو، اس مقصد کیلئے انہوں نے تنہا بخاری کو سند قرار دیا ہے۔ چنانچہ حضرت عمرؓ کے اسلام کی تمہید میں وہ لکھتے ہیں کہ:

اسی فطرتِ سلیمہ کی بنا پر ان (عمرؓ) کو اسلام سے ہمدردی پیدا ہوئی، چنانچہ ان کے ہمشر اور سعید بن زید نے اسلام قبول کیا تو گو وہ مسلمان نہیں ہوئے تھے تاہم لوگوں کو اسلام پر قائم رہنے کی تاکید کیا کرتے تھے۔ چنانچہ سعید نے اس واقعہ کو ایک موقع پر بیان کیا ہے:

کان عمر بن الخطاب یقیم یعنی حضرت عمرؓ مجھ کو اور اپنی بہن کو اسلام پر علی الاسلام انا واختہ وما مضبوط کرتے تھے حالانکہ خود اسلام نہیں لاتے تھے (۱)۔

اس حدیث میں اپنے موافق مطلب تحریر کرنے کے بعد وہ فرماتے ہیں:

اس حدیث کا بعض لوگوں نے اور بھی مطلب بیان کیا ہے اور قسطلانی نے اسکی تردید کی ہے (۲)۔

اس کے بعد بت خانہ میں ندائے غیب سننے کے واقعہ کا ذکر کیا ہے۔

پہلی حدیث سے حضرت عمرؓ کی اسلام کے ساتھ ہمدردی اور دوسری میں ہاتھ غیب کی آواز سننے کا ذکر ہے۔ ان دونوں باتوں کو ملا کر انہوں نے فوراً حضرت عمرؓ کے آغاز اسلام ہی میں مسلمان ہونے کا قطعی فیصلہ کر دیا اور اسی واقعہ کو ان کے فوری اسلام کا سبب قرار دیدیا۔ اس کے بعد ایک اور شہادت پر مصنف کی نظر پڑی کہ مرض الموت میں ایک نوجوان نے حضرت عمرؓ کے سامنے یہ الفاظ کہے:

اے امیر المومنین! خدا نے آپ کو رسول اللہ ﷺ کی صحبت اور سبقت کے ذریعہ سے (جس کو آپ جانتے ہیں) جو بشارت دی ہے اس سے آپ خوش ہوں (۳)۔

اس قدر شواہد اور اتنے دلائل کے بعد فاضل مصنف ناظرین سے داوطلب ہیں کہ:

ایک طرف تو صحیح بخاری کی مستند روایات ہیں جو حضرت عمرؓ کی فطری سلامت روی اور حق پرستی کو ظاہر کرتی ہیں، دوسری طرف مزخرفات کا یہ دفتر بے پایاں ہے جو ان میں گزشتہ اوصاف سے متعارض صفات تسلیم کراتا ہے۔ ناظرین انصاف کریں کہ ان میں سے کس کو صحیح تسلیم کیا جائے؟

افسوس مصنف کو دیگر مسائل کی طرح اس مسئلہ میں بھی متعدد مسامحات میں گرفتار ہونا پڑا ہے۔ ہم ناظرین کو مصنف کے ابتدائی دلائل کی طرف توجہ دلاتے ہیں۔

مصنف نے سب سے پہلے اسلام کے ساتھ حضرت عمرؓ کی ہمدردی میں سعید بن زیدؓ کی یہ

① سیر الصحابہ ص ۳۲۶ ② ایضاً ص ۳۲۷

③ اس سے مراد وہ روایات ہیں جو حدیث و سیر کی کتابوں میں مذکور ہیں

روایت پیش کی ہے:

کان عمر بن الخطاب یقیم
علی الاسلام انا واختہ وما
اسلم (۱)

یعنی حضرت عمرؓ مجھ کو اور اپنی بہن کو اسلام پر
مضبوط کرتے تھے حالانکہ خود مسلمان نہیں
ہوئے تھے۔

اس کے بعد لکھتے ہیں کہ اس حدیث کا بعض لوگوں نے ایک اور مطلب بھی بیان کیا ہے اور
قسطلانی نے اس کی تردید کی ہے۔ یہاں پر مصنف نے اپنا مطلب ثابت کرنے کے لئے بڑی
جسارت سے کام لیا ہے۔ اول تو حدیث کے لفظ میں صریح تحریف کی ہے اور تحریف بھی ادب عربی
کے خلاف ہے۔ پھر حدیث میں ”تقسیم“ کے بجائے ”موثقی“ ہے (۲)۔ جس کے معنی باندھنے
کے ہیں نہ کہ مضبوط کرنے اور قائم رکھنے کے یہ عربی محاورہ ہے اور قسطلانی نے باندھنے کے معنی
لئے ہیں، اور مصنف کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ قسطلانی سے مصنف کے بیان کردہ معنی کی
تائید ہوتی ہے حالانکہ یہ سراسر غلط ہے ہذا بہتان عظیم۔ چنانچہ قسطلانی کے الفاظ یہ ہیں (۳)۔
بحبل اوقد کالاسیر
تضيقا واهانة
یعنی موثقی سے مراد رستی یا تسمہ سے قیدی کی
طرح تنگ کرنے اور ذلیل کرنے کے
لئے باندھنا ہے۔

البتہ قسطلانی نے مصنف کے اختیار کردہ غلط معنی کی تردید کی ہے جس کو بعض خوش فہموں نے اختیار
کرنا چاہا تھا۔

دوسری حدیث جو مصنف نے حضرت عمرؓ کے اسلام کے باب میں پیش کی ہے، یعنی ہاتھ
غیب کی آواز، اس روایت میں کوئی ایسا فقرہ نہیں ہے جس سے یہ ظاہر ہو کہ حضرت عمرؓ اس کو سن کر
متاثر ہوئے اور فوراً اسلام لے آئے۔ اس قصہ کے آخر میں یہ صاف مذکور ہے کہ اس کے بعد
تھوڑے ہی دن گزرے تھے کہ آنحضرت ﷺ کی نبوت کا شہرہ ہوا۔ اس لئے یہ بالکل ہی آغاز
اسلام کا واقعہ ہوگا۔ اگر اسی وقت حضرت عمرؓ کا اسلام لانا ثابت ہو جائے تو اس سے یہ بھی ثابت ہو
جائے گا کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی ولادت سے پہلے ہی آپ مسلمان ہو چکے تھے جو قطعی غلط ہے،
جیسا کہ آگے ثابت ہوگا۔

آئیے اب ہم صحیح بخاری ہی کے ارشادات پر چل کر حضرت عمرؓ کے اسلام کی تاریخ تلاش
کریں۔ حضرت عمرؓ کے اسلام کے واقعہ کے بیان میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے یہ الفاظ بخاری
میں ہیں:

① بخاری باب اسلام عمرؓ ② بخاری ج ۱ باب اسلام سعید بن زید و اسلام عمرؓ ③ قسطلانی ج ۶ ص ۲۱۳

حضرت عمرؓ مسلمان ہوئے تو ایک ہنگامہ برپا ہو گیا، مشرکین بکثرت ان کے مکان پر جمع ہو گئے اور کہنے لگے صبا عمر، عمر بے دین ہو گئے، حضرت عمرؓ خوف زدہ گھر کے اندر تھے اور میں مکان کی چھت پر تھا (۱)۔

اس روایت سے ظاہر ہے کہ حضرت عمرؓ کے اسلام کے وقت نہ صرف یہ کہ وہ پیدا ہو چکے تھے بلکہ سن تمیز کے اس درجہ پر پہنچ چکے تھے کہ ان کو لڑکپن کے واقعات وضاحت سے یاد رہ گئے اور تجربہ شہادہ ہے کہ ۶، ۵ سال کا بچہ واقعات کو اس طرح سے محفوظ نہیں رکھ سکتا۔ آگے چلے، ۳۷ یعنی بعثت کے سولہویں سال غزوہ احد ہوا۔ بخاری میں خود حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ اس وقت ان کی عمر ۱۴ سال تھی اس لئے خور و سال بچوں کے ساتھ چھانٹ دیئے گئے تھے اور مجاہدین میں نہیں لئے گئے (۲)۔ اس حساب سے بعثت کے دو سال بعد آپ کی پیدائش ماننی پڑے گی۔ اور کم از کم پانچ سال کی عمر واقعات محفوظ رہنے کے لئے ماننی ہوگی تو پانچ سال یہ اور دو سال بعد بعثت کے کل سات سال ہو جاتے ہیں۔ لہذا خود صحیح بخاری کی تائید سے یہ واضح ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ کا زمانہ اسلام ۷ھ بعثت ہوگا۔ اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ ہاتھ غیب کی آواز سننے کے سات سال بعد اسلام لائے۔

حضرت عمرؓ کے مسلمان ہو جانے سے اسلام کی تاریخ میں ایک نیا دور شروع ہو گیا۔ اس وقت تک چالیس یا اس سے کچھ کم و بیش آدمی دائرۂ اسلام میں داخل ہو چکے تھے لیکن وہ نہایت بے بسی و مجبوری کے عالم میں تھے۔ اعلانیہ فرائض مذہبی ادا کرنا تو درکنار اپنے کو مسلمان ظاہر کرنا بھی خطرہ سے خالی نہ تھا اور کعبہ میں نماز پڑھنا تو بالکل ناممکن تھا۔ حضرت عمرؓ کے اسلام لانے سے دفعتاً حالت بدل گئی۔ انہوں نے اعلانیہ اپنے اسلام کا اظہار کیا، صرف اتنا ہی نہیں بلکہ مشرکین کو جمع کر کے با آواز بلند اپنے ایمان لانے کا اعلان کیا۔ مشرکین نہایت برا فروخت ہوئے لیکن عاص ابن وائل نے جو رشتہ میں حضرت عمرؓ کے ماموں تھے، ان کو اپنی پناہ میں لے لیا۔ حضرت عمرؓ قبول اسلام سے پہلے اپنی آنکھوں سے مسلمانوں کی مظلومیت کا تماشا دیکھتے تھے اس لئے شوق مساوات نے اسے پسند نہ کیا کہ وہ اسلام کی نعمت سے متمتع ہونے کے بعد عاص بن وائل کی حمایت کے سہارے اس کے نتائج سے محفوظ رہیں۔ اس لئے انہوں نے پناہ قبول کرنے سے انکار کر دیا اور برابر ثبات و استقلال کے ساتھ مشرکین کا مقابلہ کرتے رہے۔ یہاں تک کہ مسلمانوں کی جماعت کے ساتھ برابر کعبہ میں جا کر نماز ادا کی (۳)۔

یہ پہلا موقع تھا کہ حق، باطل کے مقابلہ میں سر بلند ہوا اور حضرت عمرؓ کو اس صلہ میں دربار

① صحیح بخاری اسلام عمرؓ ② بخاری باب غزوہ الخندق ③ ابن سعد جزو ۳ ق اول ص ۱۹۳

نبوت سے فاروق کا لقب مرحمت ہوا۔
ہجرت

مکہ میں جس قدر مسلمانوں کی تعداد بڑھتی گئی، اسی قدر مشرکین قریش کے بغض و عناد میں بھی ترقی ہوتی گئی۔ اگر پہلے وہ صرف فطری خونخواری اور جوش مذہبی کی بنا پر مسلمانوں کو اذیت پہنچاتے تھے تو اب انہیں سیاسی مصالح نے مسلمانوں کے کامل استیصال پر آمادہ کر دیا تھا۔ سچ یہ ہے کہ اگر بلا کشان اسلام میں غیر معمولی جوش ثبات اور وارفتگی کا مادہ نہ ہوتا تو ایمان پر ثابت قدم رہنا غیر ممکن تھا۔

حضرت عمرؓ سنہ ۷ نبوی میں اسلام لائے تھے اور سنہ ۱۳ نبوی میں ہجرت ہوئی، اس طرح گویا انہوں نے اسلام لانے کے بعد تقریباً ۶، ۷ برس تک قریش کے مظالم برداشت کئے۔ جب مسلمانوں کو مدینہ کی جانب ہجرت کی اجازت ملی تو حضرت عمرؓ بھی اس سفر کے لئے آمادہ ہوئے اور بارگاہ نبوت سے اجازت لے کر چند آدمیوں کے ساتھ مدینہ کی طرف روانہ ہوئے اور اس شان کے ساتھ روانہ ہوئے کہ پہلے مسلح ہو کر مشرکین کے مجموعوں سے گزرتے ہوئے خانہ کعبہ پہنچے۔ نہایت اطمینان سے طواف کیا، نماز پڑھی، پھر مشرکین سے مخاطب ہو کر کہا کہ جس کو مقابلہ کرنا ہو وہ مکہ سے باہر نکل کر مقابلہ کر لے لیکن کسی کی ہمت نہ ہوئی اور وہ مدینہ روانہ ہو گئے (۱)۔

حضرت عمرؓ مدینہ پہنچ کر قبا میں رفاعہ بن عبدالمندر کے مہمان ہوئے۔ قباء کا دوسرا نام عوالی ہے۔ چنانچہ صحیح مسلم میں ان کی فرووگاہ کا نام عوالی ہی لکھا ہے حضرت عمرؓ کے بعد اکثر صحابہ نے ہجرت کی۔ یہاں تک کہ ۶۳۲ء میں خود آفتاب رسالت ﷺ بھی مکہ کی گھاٹیوں سے نکل کر مدینہ کے افق سے ضوا فگن ہوا۔

آنحضرت ﷺ نے مدینہ تشریف لانے کے بعد غریب الوطن مہاجرین کے رہنے سہنے کا اس طرح انتظام فرمایا کہ ان میں اور انصار میں برادری قائم کر دی۔ اس موقع پر انصار نے عدیم النظیر ایثار سے کام لے کر اپنے مہاجر بھائیوں کو مال و اسباب میں نصف کا شریک بنالیا۔ اس رشتہ کے قائم کرنے میں درجہ و مراتب کا خاص طور پر خیال رکھا گیا تھا یعنی جو مہاجر جس رتبہ کا تھا اسی حیثیت کے انصاری سے اس کی برادری قائم کی گئی تھی۔ چنانچہ حضرت عمرؓ کے برادر اسامی حضرت عتبہ بن مالک قرار پائے تھے جو قبیلہ بنی سالم کے معزز رئیس تھے۔

مدینہ کا اسلام مکہ کی طرح بے بس و مجبور نہ تھا، بلکہ اب آزادی اور اطمینان کا دور تھا اور اس کا وقت آ گیا تھا کہ فرائض و ارکان محدود اور معین کئے جائیں۔ نیز مسلمانوں کی تعداد وسیع سے وسیع

ترہوتی جاتی تھی اور وہ دور دور کے محلوں میں آباد ہونے لگے تھے۔ اس بنا پر شدید ضرورت تھی کہ اعلانِ نماز کا کوئی طریقہ معین کیا جائے۔ چنانچہ حضرت رسالت پناہ ﷺ نے سب سے پہلے اسی کا انتظام کرنا چاہا، بعض صحابہ کی رائے ہوئی کہ آگ جلا کر لوگوں کو خبر کی جائے بعض کا خیال تھا کہ یہودیوں اور عیسائیوں کی طرح بوق و ناقوس سے کام لیا جائے۔ حضرت عمرؓ نے کہا کہ ایک آدمی اعلان کے لئے کیوں نہ مقرر کیا جائے۔ رسول اللہ ﷺ کو یہ رائے پسند آئی اور اسی وقت حضرت بلالؓ کو اذان کا حکم دیا گیا۔ اس طرح اسلام کا ایک شعارِ اعظم حضرت عمرؓ کی رائے کے موافق قائم ہوا (۱)۔ جس سے تمام عالم قیامت تک دن اور رات میں پانچ وقت تو حید و رسالت کے اعلان سے گونجتا رہے گا۔

غزوات اور دیگر حالات

مدینہ میں سب سے پہلا معرکہ بدر کا پیش آیا۔ حضرت عمرؓ اس معرکہ میں رائے، تدبیر، جانبازی اور پامردی کے لحاظ سے ہر موقع پر رسول اللہ ﷺ کے دست و بازو رہے۔ عاص بن ہشام ابن مغیرہ جو رشتہ میں ان کا ماموں ہوتا تھا، خود ان کے خنجر خارا شکاف سے واصل جہنم ہوا (۱)۔ یہ بات حضرت عمرؓ کی خصوصیات میں سے ہے کہ اسلام کے مقابلہ میں قرابت و محبت کے تعلقات سے مطلقاً متاثر نہیں ہوتے تھے۔ آپ کے ہاتھوں عاص کا قتل اس کی روشن مثال ہے۔ بدر کا میدان مسلمانوں کے ہاتھ رہا۔ غنیم کے کم و بیش ستر آدمی مارے گئے اور تقریباً اسی قدر گرفتار ہوئے چونکہ ان میں سے قریش کے اکثر بڑے بڑے معزز سردار تھے، اس لئے یہ بحث پیدا ہوئی کہ ان کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے؟ رسول اللہ ﷺ نے تمام صحابہؓ سے رائے لی۔ لوگوں نے مختلف رائیں دیں۔ حضرت ابو بکرؓ کی رائے ہوئی کہ فدیہ لے کر چھوڑ دیا جائے۔ حضرت عمرؓ نے اختلاف کیا اور کہا کہ ان سب کو قتل کر دینا چاہئے۔ اور اس طرح کہ ہم میں سے ہر ایک اپنے ہاتھوں سے اپنے عزیز کو قتل کرے۔ علی عقیل کی گردن ماریں اور فلاں جو میرا عزیز ہے اس کا کام میں تمام کر دوں۔

آنحضرت ﷺ کی شانِ رحمت نے حضرت ابو بکرؓ کی رائے پسند کی اور فدیہ لے کر چھوڑ دیا۔ بارگاہِ الہی میں یہ چیز پسند نہ آئی اس پر عتاب ہوا اور یہ آیت نازل ہوئی:

مَا كَانَ لِنَبِيِّ أَنْ يَتَّخِذَ لِنَفْسِهِ أَهْلًا وَلَا أَهْلًا
مَنْ كَانَ لِنَبِيِّ أَنْ يَتَّخِذَ لِنَفْسِهِ أَهْلًا وَلَا أَهْلًا
أَسْرَى حَتَّى يَفْجَنَ فِي الْأَرْضِ الْخ

کسی پیغمبر کے لئے یہ مناسب نہیں ہے کہ
اس کے پاس قیدی ہوں جب تک وہ
خونریزی نہ کر لے۔

حضور انور ﷺ اور حضرت ابو بکرؓ نے گریہ وزاری کی (۲)۔

① ابن جریر ص ۵۰۹ واستیعاب ترجمہ عمر بن الخطاب

② صحیح مسلم کتاب الجہاد والسیر باب الامداد بالملائکۃ فی غزوہ بدر و احیاء الغنائم

واقعہ بدر کے بعد خود مدینہ کے یہودیوں سے لڑائی ہوئی اور ان کو جلاوطن کیا گیا۔ اسی طرح غزوہٴ سویق اور دوسرے چھوٹے چھوٹے معرکے پیش آئے۔ سب میں حضرت عمرؓ سرگرم پیکار رہے، یہاں تک کہ شوال ۳ھ میں احد کا معرکہ پیش آیا، اس میں ایک طرف تو قریش کی تعداد تین ہزار تھی جس میں دو سو سوار اور سات سو زہ پوش تھے۔ ادھر غازیانِ اسلام کی کل تعداد صرف سات سو تھی جس میں سو زہ پوش اور دو سو سوار تھے۔ ۷ شوال ہفتہ کے دن لڑائی شروع ہوئی۔ آنحضرت ﷺ نے عبداللہ بن جبیرؓ کو پچاس تیر اندازوں کے ساتھ فوج کے عقب میں متعین کر دیا تھا کہ ادھر سے کفار حملہ نہ کرنے پائیں۔

مسلمانوں نے غنیم کی صفیں تہ و بالا کر دیں۔ کفار شکست کھا کر بھاگے اور غازیانِ دین مالِ غنیمت جمع کرنے میں مصروف ہو گئے۔ تیر اندازوں نے سمجھا کہ اب معرکہ ختم ہو چکا ہے، اس خیال سے وہ بھی جمع کرنے میں مصروف ہو گئے۔ تیر اندازوں کا اپنی جگہ سے ہٹنا تھا کہ خالد بن ولید نے (جو اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے) دفعۃً عقب سے زور و شور کے ساتھ حملہ کر دیا۔ مسلمان چونکہ غافل تھے اس لئے اس ناگہانی ریلے کو روک نہ سکے۔ یہاں تک کہ کفار نے خود ذاتِ اقدس ﷺ پر یورش کر دی اور اس قدر تیروں اور پتھروں کی بارش کی کہ آپ ﷺ کے دندانِ مبارک شہید ہوئے، پیشانی پر زخم آیا اور رخساروں میں مغفر کی کڑیاں چبھ گئیں آپ ﷺ ایک گڑھے میں گر پڑے اور لوگوں کی نظروں سے چھپ گئے۔

جنگ کا زور و شور جب کسی قدر کم ہوا تو آنحضرت ﷺ اپنے تئیں فدائیوں کے ساتھ پہاڑ پر تشریف لائے۔ اسی اثناء میں خالد کو ایک دستہ فوج کے ساتھ اس طرف بڑھتے ہوئے دیکھ کر فرمایا کہ خدایا یہ لوگ یہاں تک نہ آنے پائیں۔ حضرت عمرؓ نے چند مہاجرین اور انصار کے ساتھ آگے بڑھ کر حملہ کیا اور ان لوگوں کو ہٹا دیا (۱)۔

ابوسفیان سالارِ قریش نے درہ کے قریب پہنچ کر پکارا کہ اس گروہ میں محمد ﷺ ہیں؟ آنحضرت ﷺ نے اشارہ کیا کہ کوئی جواب نہ دے۔ ابوسفیان نے پھر حضرت عمرؓ اور حضرت ابو بکرؓ کا نام لے کر کہا، یہ دونوں اس مجمع میں ہیں یا نہیں؟ اور جب کسی نے جواب نہ دیا تو بولا کہ ضرور یہ لوگ مارے گئے۔ حضرت عمرؓ سے نہ رہا گیا۔ پکار کر کہا ”او دشمنِ خدا! ہم سب زندہ ہیں۔“ ابو سفیان نے کہا ”اعلِ ہبل“ یعنی اے ہبل بلند ہو (۲)۔ رسول اللہ نے حضرت عمرؓ سے فرمایا جواب دو، اللہ اعلیٰ و اجل یعنی خدا بلند و برتر ہے (۳)۔

غزوہٴ احد کے بعد سنہ ۳ھ میں حضرت عمرؓ کو یہ شرف حاصل ہوا کہ ان کی صاحبزادی حضرت

① طبری ص ۱۴۱ ② ہبل ایک بت کا نام تھا ③ بخاری کتاب المغازی، غزوہٴ احد

حفصہؓ رسول اللہ ﷺ کے نکاح میں آئیں۔ سنہ ۴ھ میں بنو نضیر کو ان کی بد عہدی کے باعث مدینہ سے جلاوطن کیا گیا۔ اس واقعہ میں بھی حضرت عمرؓ شریک رہے۔ سنہ ۵ھ میں غزوہ خندق پیش آیا۔ آنحضرت ﷺ نے مدینہ سے باہر نکل کر خندق تیار کرائی۔ دس ہزار کفار نے خندق کا محاصرہ کیا، وہ لوگ کبھی کبھی خندق میں گھس کر حملہ کرتے تھے، اس لئے آنحضرت ﷺ نے خندق کے ادھر ادھر کچھ کچھ فاصلے پر اکابر صحابہ کو متعین فرما دیا تھا کہ دشمن ادھر سے نہ آنے پائیں۔ ایک حصہ پر حضرت عمرؓ متعین تھے۔ چنانچہ یہاں پر ان کے نام کی ایک مسجد آج بھی موجود ہے۔ ایک دن کافروں کے مقابلہ میں ان کو اس قدر مصروف رہنا پڑا کہ عصر کی نماز قضا ہوتے ہوتے رہ گئی۔ آنحضرت ﷺ کے پاس آ کر عرض کی کہ آج کافروں نے نماز پڑھنے تک کا موقع نہ دیا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میں نے بھی اب تک عصر کی نماز نہیں پڑھی (۱)۔ کامل ایک ماہ کے محاصرہ کے بعد مسلمانوں کے ثبات و استقلال کے آگے کافروں کے پاؤں اکھڑ گئے اور یہ میدان بھی غازیوں کے ہاتھ رہا۔

۶ھ میں رسول اللہ ﷺ نے زیارت کعبہ کا ارادہ فرمایا اور اس خیال سے کہ کسی کو لڑائی کا شبہ نہ ہو، حکم دیا کہ کوئی ہتھیار باندھ کر نہ چلے۔ ذوالحلیفہ پہنچ کر حضرت عمرؓ کو خیال ہوا کہ دشمنوں میں غیر مسلح چلنا مصلحت نہیں ہے، چنانچہ آنحضرت ﷺ نے اُن کی رائے کے موافق مدینہ سے اسلحہ منگوا لئے۔ مکہ کے قریب پہنچ کر معلوم ہوا کہ قریش نے عہد کر لیا ہے کہ مسلمانوں کو مکہ میں قدم نہ رکھنے دیں گے۔ چونکہ رسول اللہ ﷺ کو لڑنا مقصود نہیں تھا اس لئے مصالحت کے خیال سے حضرت عثمانؓ کو سفیر بنا کر بھیجا۔ قریش نے ان کو روک رکھا۔ جب کئی دن گزر گئے تو یہ خبر مشہور ہو گئی کہ وہ شہید ہو گئے۔ رسول اللہ نے یہ خبر سن کر صحابہؓ سے جو تعداد میں چودہ سو تھے، ایک درخت کے نیچے جہاد پر بیعت لی۔ چنانچہ قرآن مجید کی اس آیت میں:

لَقَدْ رَضِيَ اللَّهُ عَنِ الْمُؤْمِنِينَ إِذْ يُبَايِعُونَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ

اسی واقعہ کی طرف اشارہ کیا گیا ہے (۲)۔

حضرت عمرؓ نے بیعت سے پہلے ہی لڑائی کی تیاری شروع کر دی تھی، ہتھیار سج رہے تھے کہ خبر ملی آنحضرت ﷺ بیعت لے رہے ہیں۔ اسی وقت بارگاہ نبوت ﷺ میں حاضر ہوئے اور جہاد کے لئے دست اقدس پر بیعت کی (۳)۔

قریش مُصر تھے کہ رسول اللہ ﷺ اس سال مکہ میں داخل نہیں ہو سکتے۔ آخر بڑے رد و قدح

① بخاری کتاب الصلوٰۃ باب مواقیات الصلوٰۃ ② سیرت ابن ہشام ج ۲ ص ۱۶۶

③ بخاری کتاب المغازی غزوہ حدیبیہ

کے بعد ایک معاہدہ پر طرفین رضا مند ہو گئے۔ اس معاہدہ میں ایک شرط یہ بھی تھی کہ اگر قریش کا کوئی آدمی رسول اللہ ﷺ کے ہاں چلا جائے تو اس کو قریش کے پاس واپس کر دیا جائے گا۔ لیکن اگر مسلمانوں کا کوئی شخص قریش کے ہاتھ آ جائے تو ان کو نہ واپس کرنے کا اختیار ہوگا۔ حضرت عمرؓ کی غیور طبیعت اس شرط سے نہایت مضطرب ہوئی اور خود سرور کائنات ﷺ کے دربار میں حاضر ہو کر دریافت کیا کہ جب ہم حق پر ہیں تو باطل سے اس قدر دب کر کیوں صلح کرتے ہیں۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا، میں خدا کا پیغمبر ہوں اور خدا کے حکم کے خلاف نہیں کرتا۔ اس کے بعد حضرت ابو بکرؓ سے بھی یہی گفتگو کی۔ انہوں نے بھی یہی جواب دیا، بعد کو حضرت عمرؓ کو اپنی گفتگو پر ندامت ہوئی اور اس کے کفارے میں کچھ خیرات کی (۱)۔

غرض معاہدہ صلح مکہ کیا گیا۔ حضرت عمرؓ نے بھی اس پر اپنے دستخط ثبت کئے۔ رسول اللہ ﷺ نے مدینہ کا قصد کیا۔ راہ میں سورہ انا فتحنا لک فتحاً مبیناً نازل ہوئی۔ آنحضرت ﷺ نے حضرت عمرؓ کو بلا کر سنایا اور فرمایا کہ آج ایسی سورہ نازل ہوئی ہے جو مجھ کو دنیا کی تمام چیزوں سے زیادہ محبوب ہے (۲)۔

یہ واقعہ خیبر پیش آیا۔ یہاں یہودیوں کے بڑے بڑے مضبوط قلعے تھے جن کا مفتوح ہونا آسان نہ تھا۔ پہلے حضرت ابو بکرؓ سپہ سالار ہوئے۔ ان کے بعد حضرت عمرؓ اس خدمت پر مامور ہوئے، لیکن یہ فخر حضرت علیؓ کے لئے مقدر ہو چکا تھا چنانچہ آخر میں جب آپ کو علم مرحمت ہوا تو آپ کے ہاتھوں خیبر کا رئیس مرحب مارا گیا اور خیبر مفتوح ہوا۔ آنحضرت ﷺ نے خیبر کی زمین مجاہدوں کو تقسیم کر دی۔ چنانچہ ایک ٹکڑا ثمنغ نامی حضرت عمرؓ کے حصہ میں آیا، انہوں نے اس کو راہ خدا میں وقف کر دیا (۳)۔ اسلام کی تاریخ میں یہ پہلا وقف تھا جو عمل میں آیا۔

آنحضرت اور قریش کے درمیان حدیبیہ میں جو معاہدہ ہوا خیبر کے بعد قریش نے اس کو توڑ دیا۔ ابوسفیان نے پیش بندی کے خیال سے مدینہ آ کر غدر خواہی کی، لیکن رسول اللہ ﷺ خاموش رہے۔ اس لئے وہ اٹھ کر حضرت ابو بکرؓ اور پھر حضرت عمرؓ کے پاس گیا کہ وہ اس معاملہ کو طے کرادیں۔ حضرت عمرؓ نے اس سختی سے جواب دیا کہ وہ بالکل ناامید ہو گیا۔ غرض نقص عہد کے باعث آنحضرت ﷺ نے دس ہزار مجاہدین کے ساتھ رمضان سنہ ۸ھ میں مکہ کا قصد فرمایا، قریش میں مقابلہ کی طاقت نہ تھی، اس لئے انہوں نے کوئی مزاحمت نہ کی اور آنحضرت ﷺ نہایت جاہ و جلال کے ساتھ مکہ میں فاتحانہ داخل ہوئے اور باب کعبہ پر کھڑے ہو کر نہایت فصیح و بلیغ تقریر کی

① بخاری کتاب الشروط فی الجہاد والمصالح مع الہل الحرب ② ایضاً کتاب التفسیر سورہ فتح

③ ایضاً کتاب الوصایا

جو تاریخوں میں بعینہ مذکور ہے، پھر حضرت عمرؓ کو ساتھ لے کر مقام صفا پر لوگوں سے بیعت لینے کے لئے تشریف لائے لوگ جوق در جوق آتے تھے اور بیعت کرتے جاتے تھے۔ حضرت عمرؓ آنحضرت ﷺ سے قریب لیکن کسی قدر نیچے بیٹھے تھے۔ آنحضرت ﷺ بیگانہ عورتوں کے ہاتھ مس نہیں کرتے تھے، اس لئے جب عورتوں کی باری آئی تو آپ ﷺ نے حضرت عمرؓ کو اشارہ کیا کہ تم ان سے بیعت لو۔ چنانچہ تمام عورتوں نے ان ہی کے ہاتھ پر آنحضرت ﷺ سے بیعت کی۔

فتح مکہ کے بعد اسی سال ہوازن کی لڑائی پیش آئی جو غزوہ حنین کے نام سے مشہور ہے۔ حضرت عمرؓ اس جنگ میں بھی نہایت ثابت قدمی اور پامردی کے ساتھ شریک کارزار رہے۔ پھر سنہ ۹ھ میں یہ خبر مشہور ہوئی کہ قیصر روم عرب پر حملہ آور ہونا چاہتا ہے۔ آنحضرت ﷺ نے تمام صحابہؓ کو تیاری کا حکم دیا اور جنگی تیاریوں کے لئے زر و مال سے اعانت کی ترغیب دلائی۔ اکثر صحابہؓ نے بڑی بڑی رقمیں پیش کیں۔ حضرت عمرؓ نے اس موقع پر اپنے تمام مال و املاک کا آدھا حصہ لا کر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں پیش کیا (۱)۔

اسلحہ اور سامانِ رسد مہیا ہو جانے کے بعد مجاہدین نے مقام تبوک کا رخ کیا۔ یہاں پہنچ کر معلوم ہوا کہ خبر غلط تھی، اس لئے چند روز قیام کے بعد سب لوگ واپس آ گئے۔

۱۰ھ میں آنحضرت ﷺ حجۃ الوداع کے لئے تشریف لے گئے۔ حضرت عمرؓ بھی ہمراہ تھے، اس حج سے واپس آنے کے بعد ابتدا ماہ ربیع الاول دوشنبہ کے دن حضور انور ﷺ بیمار ہو گئے اور دس روز کی مختصر علالت کے بعد ۱۲ ربیع الاول دوشنبہ کے دن دوپہر کے وقت آپ ﷺ کا وصال ہو گیا۔ عام روایت یہ ہے کہ حضرت عمرؓ نے از خود رفتہ ہو کر مسجد نبوی ﷺ میں اعلان کیا کہ جو شخص یہ کہے گا کہ آنحضرت ﷺ نے وفات پائی اس کو قتل کر ڈالوں گا۔ شاید اس میں یہ مصلحت ہو کہ منافقین کو فتنہ پردازی کا موقع نہ ملے، پھر بھی فتنہ سقیفہ بنی ساعدہ کھڑا ہی ہو گیا۔ اگر حضرت عمرؓ اور حضرت ابوبکرؓ صدیق وقت پر پہنچ کر اپنے ناحن عقل سے اس گتھی کو نہ سلجھاتے تو کیا عجب تھا کہ یہی فتنہ شیع اسلام کو ہمیشہ کے لئے گل کر دیتا۔ لیکن انصار کے ساتھ بہت بحث و مباحثہ کے بعد حضرت عمرؓ نے حضرت ابوبکرؓ صدیق کے ہاتھ پر بیعت کر لی اور اس کے بعد اور لوگوں نے بیت کی (۲)۔

حضرت ابوبکرؓ صدیق کی خلافت صرف سوا دو برس رہی ان کے عہد میں جس قدر بڑے بڑے کام انجام پائے سب میں حضرت عمرؓ شریک رہے۔ قرآن شریف کی تدوین کا کام خاص ان

① ترمذی فضائل ابی بکرؓ۔ لیکن ترمذی سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ حضرت عمرؓ نے اس موقع پر یہ رقم پیش کی تھی، البتہ سیر و تاریخ سے ثابت ہوتا ہے۔

② بخاری کتاب المناقب فضائل ابی بکرؓ

کے مشورہ اور اصرار سے عمل میں آیا (۱)۔ غرض حضرت ابو بکرؓ کو اپنے عہد خلافت میں تجربہ ہو چکا تھا کہ منصب خلافت کے لئے عمر فاروق سے زیادہ کوئی شخص موزوں نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ انہوں نے وفات کے قریب اکابر صحابہ سے مشورہ کے بعد ان کو اپنے بعد خلیفہ نامزد کیا اور آئندہ کے لئے مفید اور موثر نصیحتیں کیں جو حضرت عمرؓ کے لئے نہایت عمدہ دستور العمل ثابت ہوئیں۔

خلافت اور فتوحات

حضرت ابو بکرؓ نے (۶۳) تریسٹھ سال کی عمر میں اواخر جمادی الثانی دوشنبہ کے روز وفات پائی اور حضرت عمرؓ فاروقؓ مسند آرائے خلافت ہوئے۔ خلیفہ سابق کے عہد میں مدعیان نبوت، مرتدین عرب اور منکرین زکوٰۃ کا خاتمہ ہو کر فتوحات ملکی کا آغاز ہو چکا تھا۔ یعنی سنہ ۱۲ھ میں عراق پر لشکر کشی ہوئی اور حیرہ کے تمام اضلاع فتح ہو گئے۔ اسی طرح سنہ ۱۳ھ میں شام پر حملہ ہوا اور اسلامی فوجیں سرحدی اضلاع میں پھیل گئیں ان مہمات کا آغاز ہی تھا کہ خلیفہ وقت نے انتقال کیا۔ حضرت عمرؓ نے عنان حکومت ہاتھ میں لی تو ان کا سب سے اہم فرض ان ہی مہمات کو تکمیل تک پہنچانا تھا۔

فتوحات عراق

سیرت صدیقؓ میں کسی قدر تفصیل کے ساتھ مذکور ہو چکا ہے کہ عراق پر حملے کے کیا وجوہ و اسباب تھے اور کس طرح اس کی ابتدا ہوئی، یہاں سلسلہ کے لئے مختصر اس قدر جان لینا چاہئے کہ خالد بن ولیدؓ بانقیا، کسکر اور حیرہ کے اضلاع کو فتح کر چکے تھے کہ حضرت ابو بکرؓ کے حکم سے ثنی بن حارثہ کو اپنا جانشین کر کے مہم شام کی اعانت کے لئے ان کو شام جانا پڑا۔ حضرت خالد بن ولیدؓ کا جانا تھا کہ عراق کی فتوحات دفعتاً رک گئیں۔

حضرت عمرؓ مسند نشین خلافت ہوئے تو سب سے پہلے مہم عراق کی تکمیل کی طرف متوجہ ہوئے۔ بیعت خلافت کے لئے عرب کے مختلف حصوں سے بے شمار آدمی آئے تھے۔ اس موقع کو غنیمت سمجھ کر مجمع عام میں آپؓ نے جہاد کا وعظ کیا۔ لیکن چونکہ عام خیال تھا کہ عراق حکومت فارس کا پایہ تخت ہے اور اس کا فتح ہونا نہایت دشوار ہے، اس لئے ہر طرف سے صدائے برنخاست کا معاملہ رہا۔ حضرت عمرؓ نے کئی دن تک وعظ کیا لیکن کچھ اثر نہ ہوا، آخر چوتھے دن ایسی پر جوش تقریر کی کہ حاضرین کے دل دہل گئے۔ ثنی اشیبانی نے کہا کہ ”مسلمانو! میں نے مجوسیوں کو آزمایا ہے وہ مرد میدان نہیں ہیں، ہم نے عراق کے بڑے بڑے اضلاع فتح کر لئے اور عجمی اب ہمارا لوہا

مان گئے ہیں۔ اسی طرح قبیلہ ثقیف کے سردار ابو عبیدہ ثقفی نے جوش میں آ کر کہا ”اے لہذا“، یعنی اس کے لئے میں ہوں۔ ابو عبیدہ کی بیعت نے تمام حاضرین کو گرما دیا اور ہر طرف سے آوازیں اٹھیں کہ ہم بھی حاضر ہیں۔ حضرت عمرؓ نے مدینہ اور اس کے مضافات سے ایک ہزار اور دوسری روایت کے مطابق پانچ ہزار آدمی انتخاب کئے اور ابو عبیدہ کو سپہ سالار مقرر کر کے روانہ کیا۔

حضرت ابو بکرؓ کے عہد میں عراق پر جو حملہ ہوا اس نے ایرانیوں کو بیدار کر دیا تھا چنانچہ پوران وخت نے جو صغیر الحسن یزدگرد شاہ ایران کو متولیہ تھی فرخ زاد گورنر خراسان کے بیٹے رستم کو جو نہایت شجاع اور مدبر تھا دربار میں طلب کر کے وزیر جنگ بنایا اور تمام اہل فارس کو اتحاد و اتفاق پر آمادہ کیا، نیز مذہبی حمیت کا جوش دلا کر نئی روح پیدا کر دی، اس طرح دولت کیانی نے پھر وہی قوت پیدا کر لی جو ہرمز پرویز کے زمانہ میں اس کو حاصل تھی۔

رستم نے ابو عبیدہؓ کے پہنچنے سے پہلے ہی اضلاع فرات میں غدر کر دیا اور جو مقامات مسلمانوں کے قبضہ میں آچکے تھے وہ ان کے قبضہ سے نکل گئے۔ پوران وخت نے ایک اور زبردست فوج رستم کی اعانت کے لئے تیار کی اور نرسی و جابان کو سپہ سالار مقرر کیا، یہ دونوں دوراستوں سے روانہ ہوئے۔ جابان کی فوج نمازق پہنچ کر ابو عبیدہؓ کی فوج سے برسر پیکار ہوئی اور بری طرح شکست کھا کر بھاگی۔ ایرانی فوج کے مشہور افسر جوشن شاہ اور مردان شاہ مارے گئے۔ جابان گرفتار ہوا مگر اس حیلہ سے بچ گیا کہ جس شخص نے اس کو گرفتار کیا تھا وہ پہچانتا نہ تھا، جابان نے اس سے کہا کہ میں بڑھاپے میں تمہارے کس کام کا ہوں، معاوضے میں دو غلام لے لو اور مجھے چھوڑ دو۔ اس نے منظور کر لیا، بعد کو معلوم ہوا کہ یہ جابان تھا، لوگوں نے غل مچایا کہ ایسے دشمن کو چھوڑنا نہیں چاہئے تھا لیکن ابو عبیدہؓ نے کہا کہ اسلام میں بد عہدی جائز نہیں۔

ابو عبیدہؓ نے جابان کو شکست دینے کے بعد سقاطیہ میں نرسی کی فوج گراں کو بھی شکست دی۔ اس کا اثر یہ ہوا کہ قرب و جواب کے تمام رؤسا خود بخود مطیع ہو گئے۔ نرسی و جابان کی ہزیمت سن کر رستم نے مردان شاہ کو چار ہزار کی جمعیت کے ساتھ ابو عبیدہؓ کے مقابلہ میں روانہ کیا۔ ابو عبیدہؓ نے فوجی افسروں کے شدید اختلافات کے باوجود فرات سے پار اتر کر غنیم سے نبرد آزمائی کی۔ چونکہ اس پار کا میدان تنگ اور ناہموار تھا۔ نیز عربی دلا روں کیلئے ایران کے کوہ پیکر ہاتھیوں سے یہ پہلا مقابلہ تھا، اسلئے مسلمانوں کو سخت ہزیمت ہوئی اور نو ہزار فوج میں سے صرف تین ہزار باقی بچی۔

حضرت عمرؓ کو اس شکست نے نہایت برا فروختہ کیا۔ انہوں نے اپنے پر جوش خطبوں سے تمام قبائل عرب میں آگ لگا دی۔ ان کے جوش کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ نمر و تغلب کے سرداروں نے جو مذہب عیسائی تھے اپنے قبائل کے مسلمانوں کے ساتھ شرکت کی اور کہا کہ آج

عرب و عجم کا مقابلہ ہے، اس قومی معرکہ میں ہم بھی قوم کے ساتھ ہیں۔ غرض حضرت عمرؓ نے ایک فوج گراں کے ساتھ جریر بجلی کو میدانِ رزم کی طرف روانہ کیا۔ یہاں شنی نے بھی سرحد کے عربی قبائل کو جوش دلا کر ایک زبردست فوج تیار کر لی۔

پوران وخت نے ان تیاریوں کا حال سنا تو اپنی فوج خاصہ میں سے بارہ ہزار جنگ آزمابہادر منتخب کر کے مہران بن مہرویہ کے ساتھ مجاہدین کے مقابلہ کے لئے روانہ کئے۔ حیرہ کے قریب دونوں حریف صف آراء ہوئے۔ ایک شدید جنگ کے بعد عجمیوں میں بھگدڑ پڑ گئی۔ مہران بن تغلب ایک نوجوان کے ہاتھ سے مارا گیا۔ شنی نے پل کا راستہ روک دیا اور اتنے آدمیوں کو نہ تیغ کیا کہ کشتوں کے پستے لگ گئے۔ اس فتح کے بعد مسلمان عراق کے تمام علاقوں میں پھیل گئے۔

حیرہ کے کچھ فاصلہ پر جہاں آج بغداد آباد ہے وہاں اس زمانہ میں بہت بڑا بازار لگتا تھا۔ شنی نے عین بازار کے دن حملہ کیا۔ بازاری جان بچا کر بھاگ گئے اور بیشمار دولت مسلمانوں کے ہاتھ آئی، اسی طرح قرب و جوار کے مقامات میں مسلمانوں کی پیشقدمی شروع ہو گئی۔ سورا، کسکر، صراۃ اور فلانج وغیرہ پر اسلامی پھیرا لہرانے لگا۔ پایہ تخت ایران میں یہ خبریں پہنچیں تو ایرانی قوم میں بڑا جوش و خروش پیدا ہو گیا۔ حکومت کا نظام بالکل بدل دیا گیا۔ پوران وخت معزول کی گئی، یزدگرد جو سولہ سالہ نوجوان اور خاندان کیانی کا تنہا وارث تھا تخت سلطان پر بٹھا دیا گیا۔ اعیان و اکابر ملک نے باہم متفق و متحد ہو کر کام کرنے کا ارادہ کیا۔ تمام قلعے اور فوجی چھاؤنیوں کو مستحکم کر دیا گیا۔ اسی کے ساتھ کوشش کی گئی کہ مسلمانوں کے مفتوحہ مقامات میں بغاوت پھیلانی جائے۔ ان انتظامات سے سلطنت ایران میں نئی زندگی پیدا ہو گئی اور تمام مفتوحہ مقامات مسلمانوں کے ہاتھ سے نکل گئے۔ شنی مجبور ہو کر عرب کی سرحد میں ہٹ آئے اور ربیعہ اور مضر کے قبائل کو جو اطراف عراق میں پھیلے ہوئے تھے، ایک تاریخ معین تک علمِ اسلامی نیچے جمع ہونے کے لئے طلب کیا۔ نیز دربارِ خلافت کو اہل فارس کی تیاریوں سے مفصل طور پر مطلع کیا۔

حضرت عمرؓ نے ایرانیوں کی تیاریوں کا حال سن کر حضرت سعد بن ابی وقاص کو جو بڑے رتبہ کے صحابی اور رسول اللہ ﷺ کے ماموں تھے بیس ہزار مجاہدین کے ساتھ مہم عراق کی تکمیل پر مامور کیا۔ اس فوج کی اہمیت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ اس میں تقریباً سترہ صحابی تھے جو سرور کائنات ﷺ کے ساتھ غزوہ بدر میں جوہر شجاعت دکھا چکے تھے۔ تین سو وہ تھے جنہیں الرضوان کا شرف حاصل ہو چکا تھا۔ نیز اسی قدر وہ بزرگ تھے جو فتح مکہ میں موجود تھے اور سات سو ایسے تھے جو خود صحابی نہ تھے لیکن ان کی اولاد ہونے کا فخر رکھتے تھے۔

حضرت سعد بن ابی وقاص نے شراف پہنچ کر پڑاؤ کیا۔ شنی آٹھ ہزار آدمیوں کے ساتھ مقام

ذی قار میں اس عظیم الشان کمک کا انتظار کر رہے تھے کہ اس اثناء میں ان کا انتقال ہو گیا۔ اس لئے ان کے بھائی مغنی شراف آکر حضرت سعد بن ابی وقاص سے ملے اور شہنی نے جو ضروری مشورے دیئے تھے ان سے بیان کئے۔

حضرت عمرؓ نے ایام جاہلیت میں نواح عراق کی سیاحت کی تھی اور وہ اس سرزمین کے چپے چپے سے واقف تھے اس لئے انہوں نے خاص طور پر ہدایت کر دی تھی کہ فوج کا جہاں پڑاؤ ہو وہاں کے مفصل حالات لکھ کر آپ کے پاس بھیجے جائیں۔ چنانچہ سعد بن ابی وقاص نے اس مقام کا نقشہ، لشکر کا پھیلاؤ، فرد گاہ کی حالت اور رسد کی کیفیت سے ان کو اطلاع دی۔ اس کے جواب میں دربار خلافت سے ایک مفصل بیان آیا جس میں فوج کی نقل و حرکت حملہ کا بندوبست، لشکر کی ترتیب اور فوج کی تقسیم کے متعلق ہدایتیں درج تھیں، اسی کے ساتھ حکم دیا گیا کہ شراف سے بڑھ کر قادیسیہ کو میدان کارزار قرار دیں اور اس طرح مورچے جمائیں کہ فارس کی زمین سامنے ہو اور عرب کا پہاڑ حفاظت کا کام دے۔

حضرت سعدؓ نے دربار خلافت کی ہدایت کے مطابق شراف سے بڑھ کر قادیسیہ میں مورچہ جمایا اور نعمان بن مقرن کے ساتھ چودہ نامور اشخاص کو منتخب کر کے دربار ایران میں سفیر بنا کر بھیجا کہ شاہ ایران اور اس کے رفقاء کو اسلام کی ترغیب دیں لیکن جو لوگ دولت و حکومت کے نشہ میں مخمور تھے، وہ خانہ بدوش عرب اور ان کے مذہب کو کب خاطر میں لاتے، چنانچہ سفارت گئی اور ناکام واپس آئی۔

اس واقعہ کے بعد کئی مہینے تک دونوں طرف سے سکوت رہا۔ رستم ساٹھ ہزار کی فوج کے ساتھ ساباط میں پڑا تھا۔ اور یزدگرد کی تاکید کے باوجود جنگ سے جی چرار ہا تھا اور مسلمان آس پاس کے دیہات پر چڑھ جاتے تھے اور رسد کے مویشی وغیرہ حاصل کر لاتے تھے جب اس حالت نے طول کھینچا تو مجبور ہو کر رستم کو مقابلہ کے لئے بڑھنا پڑا۔ اور ایرانی فوجیں ساباط سے نکل کر قادیسیہ کے میدان میں خیمہ زن ہوئیں۔

رستم قادیسیہ میں پہنچ کر بھی جنگ کو ٹالنے کی کوشش کرتا رہا اور مدتوں سفراء کی آمد و رفت اور نامہ و پیام کا سلسلہ جاری رکھا لیکن مسلمانوں کا آخری اور قطعی جواب یہ ہوتا تھا کہ اگر اسلام یا جزیہ منظور نہیں ہے تو تلوار سے فیصلہ ہوگا، رستم جب مصالحت کی تمام تدبیروں سے مایوس ہو گیا تو سخت برہم ہوا اور قسم کھا کر کہا ”آفتاب کی قسم! اب میں تمام عربوں کو ویران کر دوں گا۔“

قادیسیہ کی فیصلہ کن جنگ

اور غضب ناک ہو کر فوج کو کمر بندی کا حکم دے دیا اور خود تمام رات جنگی تیاریوں میں

مصرف رہا۔ صبح کے وقت قادسیہ کا میدان عجمی سپاہیوں سے آدمیوں کا جنگل نظر آنے لگا جس کے پیچھے ہاتھیوں کے کالے کالے پہاڑ عجیب خوفناک سماں پیدا کر رہے تھے۔

دوسری طرف مجاہدین اسلام کا لشکر جہاد صاف بستہ کھڑا تھا۔ اللہ اکبر کے نعروں سے جنگ شروع ہوئی۔ دن بھر ہنگامہ برپا رہا۔ شام کو جب تاریکی چھا گئی تو دونوں حریف اپنے اپنے خیموں میں واپس آئے، قادسیہ کا یہ پہلا معرکہ تھا اور عربی میں اس کو یوم الارماث کہتے ہیں۔

قادسیہ کی دوسری جنگ معرکہ اغواث کے نام سے مشہور ہے۔ اس معرکہ میں مہم شام کی چھ ہزار فوج عین جنگ کے وقت پہنچی اور حضرت عمرؓ کے قاصد بھی جن کے ساتھ بیش قیمت تحائف تھے عین جنگ کے موقع پر پہنچے اور پکار کر کہا ”امیر المؤمنین نے یہ انعام ان کے لئے بھیجا ہے جو اس کا حق ادا کریں“۔ اس نے مسلمانوں کے جوش و خروش کو اور بھی بھڑکا دیا۔ تمام دن جنگ ہوتی رہی۔ شام تک مسلمان دو ہزار اور ایرانی دس ہزار مقتول و مجروح ہوئے لیکن فتح و شکست کا کچھ فیصلہ نہ ہوا۔

تیسرا معرکہ یوم العماس کے نام سے مشہور ہے، اس میں مسلمانوں نے سب سے پہلے کوہ پیکر ہاتھیوں سے نجات حاصل کرنے کی کوشش کی۔ کیونکہ ایرانیوں کے مقابلے میں مجاہدین کو ہمیشہ اس کالی آندھی سے نقصان پہنچا تھا۔ اگرچہ قعقاع نے اونٹوں پر سیاہ جھول ڈال کر ہاتھی کا جواب ایجاد کر لیا تھا، تاہم یہ کالے دیو جس طرف جھک پڑتے تھے صف کی صف پس جاتی تھی۔ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ نے ضخیم و سلم وغیرہ پارسی نو مسلموں سے اس سیاہ بلا کے متعلق مشورہ طلب کیا۔ انہوں نے کہا کہ ان کی آنکھیں اور سونڈ بیکار کر دیئے جائیں۔ سعدؓ نے قعقاع، جمال اور ربیع کو اس خدمت پر مامور کیا۔ ان لوگوں نے ہاتھیوں کو نرغے میں لے لیا اور برچھے مار مار کر آنکھیں بیکار کر دیں۔ قعقاع نے آگے بڑھ کر پیل سفید کی سونڈ پر ایسی تلوار ماری کہ مستک الگ ہو گئی۔ جھرجھری لے کر بھاگا، اس کا بھاگنا تھا کہ تمام ہاتھی اس کے پیچھے ہو لئے۔ اس طرح دم کے دم میں یہ سیاہ بادل چھٹ گیا۔

اب بہادروں کو حوصلہ افزائی کا موقع ملا۔ دن بھر ہنگامہ کارزار گرام رہا۔ رات کے وقت بھی اس کا سلسلہ جاری رہا اور اس زور کارن پڑا کہ نعروں کی گرج سے زمین دہل اٹھتی تھی، اسی مناسبت سے اس رات کو لیلۃ الہریر کہتے ہیں۔ رستم پامردی اور استقلال کے ساتھ مقابلہ کرتا رہا، لیکن آ کر میں زخموں سے چور ہو کر بھاگ نکلا اور ایک نہر میں کود پڑا کہ تیر کر نکل جائے گا، بلال نامی ایک مسلمان سپاہی نے تعاقب کیا اور ٹانگیں پکڑ کر نہر سے باہر کھینچ لایا اور تلوار سے کام تمام کر دیا۔ رستم کی زندگی کے ساتھ سلطنت ایران کی قسمت کا فیصلہ بھی ہو گیا۔ ایرانی سپاہیوں کے پاؤں اکھڑ

گئے۔ مسلمانوں نے دور تک تعاقب کر کے ہزاروں لاشیں میدان میں بچھا دیں۔
 قادسیہ کے معرکوں نے خاندان کسریٰ کی قسمت کا آخری فیصلہ کر دیا۔ درفش کا دیانی ہمیشہ کے
 لئے سرنگوں ہو گیا اور اسلامی علم نہایت شان و شوکت کے ساتھ ایران کی سرزمین پر لہرانے لگا۔
 مسلمانوں نے قادسیہ سے بڑھ کر آسانی کے ساتھ بابل، کوئی، بہرہ شیر اور خود نوشیروانی
 دارالحکومت مدائن پر قبضہ کر لیا۔ ایرانیوں نے مدائن سے نکل کر جلولا کو اپنا فوجی مرکز قرار دیا۔ اس
 دوران میں رستم کے بھائی خرداد نے حسن تدبیر سے ایک بڑی زبردست فوج جمع کر لی۔ سعد نے
 ہاشم بن عتبہ کو جلولا کی تسخیر پر مامور کیا۔ جلولا چونکہ نہایت مستحکم مقام تھا، اس لئے مہینوں کے
 محاصرہ کے بعد مفتوح ہوا۔ یہاں سے قعقاع کی سپردگی میں ایک جمعیت حلوان کی طرف بڑھی
 اور خسرو و شنوم کو شکست دے کر شہر پر قابض ہو گیا۔

قعقاع نے حلوان میں قیام کیا اور عام منادی کرادی کہ جو لوگ اسلام یا جزیہ قبول کر لیں گے
 وہ مامون و محفوظ رہیں گے۔ اس منادی پر بہت سے امراء اور رؤسا برضا و رغبت اسلام میں آ گئے
 یہ عراق کی آخری فتح تھی، کیونکہ یہاں اس کی حد ختم ہو جاتی ہے۔

تسخیر عراق کے بعد حضرت عمرؓ کی دلی خواہش تھی کہ جنگ کا سلسلہ منقطع ہو جائے اور وہ فرمایا
 کرتے تھے کہ ”کاش! ہمارے اور فارس کے درمیان آگ کا پہاڑ ہوتا کہ نہ وہ ہم پر حملہ کر سکتے نہ
 ہم ان پر چڑھ سکتے۔“ لیکن ایرانیوں کو عراق سے نکل جانے کے بعد کسی طرح چین نہیں آتا تھا،
 چنانچہ یزدگرد نے معرکہ جلولا کے بعد مرو کو مرکز بنا کر نئے سرے سے حکومت کے ٹھاٹھ لگائے اور
 تمام ملک میں فرامین و نقیب بھیج کر لوگوں کو عربوں کی مقاومت پر آمادہ کیا۔

یزدگرد کے فرامین نے تمام ممالک میں آگ لگادی اور تقریباً ڈیڑھ لاکھ آدمیوں کا مٹی دل
 قم میں اکبر مجتمع ہوا۔ یزدگرد نے مروان شاہ کو سر لشکر مقرر کر کے نہادند کی طرف روانہ کیا۔ اس
 معرکہ میں درفش کا دیانی جس کو عجم نہایت متبرک سمجھتے تھے، فال نیک کے خیال سے نکالا گیا اور
 جب مروان شاہ روانہ ہوا تو یہ مبارک پھریرا اس پر سایہ کرتا جاتا تھا۔

ایرانیوں کی ان تیاریوں کا حال سن کر حضرت عمرؓ نے نعمان بن مقرن کو تیس ہزار کی جمعیت
 کے ساتھ اس ایرانی طوفان کو آگے بڑھنے سے روکنے کا حکم دیا۔ نہادند کے قریب دونوں فوجیں
 سرگرم پیکار ہوئیں اور اس زور کارن پڑا کہ قادسیہ کے بعد ایسی خونریز جنگ کوئی نہیں ہوئی تھی۔
 یہاں تک کہ اس جنگ میں خود اسلامی سپہ سالار نعمان شہید ہو گئے۔ ان کے بعد ان کے بھائی نعیم
 بن مقرن نے علم ہاتھ میں لے کر بدستور جنگ جاری رکھی اور رات ہوتے ہوتے عجمیوں کے
 پاؤں اکھڑ گئے۔ مسلمانوں نے ہمدان تک تعاقب کیا۔ اس لڑائی میں تقریباً تین ہزار عجمی کھیت

رہے۔ نتائج کے لحاظ سے مسلمانوں نے اس کا نام ”فتح الفتوح“ رکھا۔ فیروز جس کے ہاتھ سے حضرت عمرؓ کی شہادت مقدر تھی، اسی لڑائی میں گرفتار ہوا تھا۔

عام لشکر کشی

واقعہ نہادند کے بعد حضرت عمرؓ کو خیال پیدا ہوا کہ جب تک تخت کیانی کا وارث ایران کی سرزمین پر موجود ہے، بغاوت اور جنگ کا فتنہ فرو نہ ہوگا۔ اس بنا پر عام لشکر کشی کا ارادہ کیا اور اپنے ہاتھ سے متعدد علم تیار کر کے مشہور افسروں کو دیئے۔ اور انہیں خاص خاص ممالک کی طرف روانہ کیا۔ چنانچہ سنہ ۲۱ھ میں یہ سب غازیان اسلام اپنے اپنے متعینہ ممالک کی طرف روانہ ہو گئے اور نہایت جوش و خروش سے حملہ کر کے تمام ممالک کو اسلام کا زیرِ نگیں کر دیا اور صرف ڈیڑھ دو برس کے عرصہ میں کسریٰ کی حکومت نیست و نابود ہو گئی۔

خاندان کیانی کا آخری تاجدار ایران سے بھاگ کر خاقان کے دربار میں پہنچا۔ خاقان نے اس کی بڑی عزت و توقیر کی اور ایک فوج گراں اس کے ساتھ یزدگرد کو ہمراہ لے کر خراسان کی طرف بڑھا اور خاقان نے احنف بن قیس کے مقابلہ میں صف آرائی کی لیکن صفائی کے دو ہی ہاتھ نے اس کے عزم و استقلال کو متزلزل کر دیا اور اس کے ذہن نشین ہو گیا کہ ایسے بہادروں کو چھیڑنا مصلحت نہیں۔ چنانچہ اسی وقت کوچ کا حکم دے دیا اور اپنے حدود میں واپس چلا گیا۔

یزدگرد کو خاقان کے واپس جانے کی خبر ملی تو مایوس ہو کر خزانہ اور جواہرات ساتھ لئے ترکستان کا عزم کیا۔ درباریوں نے دیکھا کہ ملک کی دولت ہاتھ سے نکلی جاتی ہے تو روکا، اس نے نہ مانا تو مقابلہ کر کے تمام مال و اسباب ایک ایک کر کے چھین لیا۔ یزدگرد بے سروسامان خاقان کے پاس پہنچا اور خدا تعالیٰ کی نافرمانی کے باعث مدتوں فرغانہ کی گلیوں میں خاک چھانتا رہا۔

اللَّهُمَّ مَلِكُ الْمُلْكِ تُوتِي	خدا یا تو ہی ملکوں کا مالک ہے جس کو چاہتا
الْمُلْكِ مَنْ تَشَاءُ وَتَنْزِعُ	ہے ملک دیتا ہے جس سے چاہتا ہے چھین
الْمُلْكِ مِمَّنْ تَشَاءُ وَتُعْزِزُ	لیتا ہے، جس کو چاہتا ہے عزت دیتا ہے
مَنْ تَشَاءُ وَتَذِلُّ مَنْ تَشَاءُ	جس کو چاہتا ہے ذلت دیتا ہے، ساری
بِيَدِكَ الْخَيْرُ	بھلائیاں تیرے ہی ہاتھ میں ہیں۔

احنف نے بارگاہِ خلافت میں نامہ فتح روانہ کیا۔ حضرت عمرؓ فاروق نے تمام آدمیوں کو جمع کر کے یہ مشرودہ جانفراسنایا اور ایک موثر تقریر کی۔ آخر میں فرمایا کہ آج مجوسیوں کی سلطنت برباد ہو گئی اور اب وہ کسی طرح اسلام کو نقصان نہیں پہنچا سکتے۔ لیکن اگر تم بھی صراطِ مستقیم پر قائم نہ رہے تو خدا تعالیٰ تم سے بھی حکومت چھین کر دوسروں کو دے دیگا۔

فتوحاتِ شام

ممالکِ شام میں سے اجنادین بصریٰ اور دوسرے چھوٹے چھوٹے مقامات عہدِ صدیقی میں فتح ہو چکے تھے۔ حضرت عمرؓ آرائے خلافت ہوئے تو دمشق محاصرہ کی حالت میں تھا، خالدؓ سیف اللہ نے رجب ۱۴ھ میں اپنے حسن تدبیر سے اس کو مسخر کر لیا۔

رومی دمشق کی شکست سے سخت برہم ہوئے اور ہر طرف سے فوجیں جمع کر کے مقامِ بیسان میں مسلمانوں کے مقابلہ کے لئے جمع ہوئے۔ مسلمانوں نے ان کے سامنے فحل میں پڑاؤ ڈالا۔ عیسائیوں کی درخواست پر معاذ بن جبلؓ سفیر بن کر گئے۔ لیکن مصالحت کی کوئی صورت نہ نکلی۔ آخر کار ذیقعدہ سنہ ۱۴ھ میں فحل کے میدان میں نہایت خونریز معرکے پیش آئے۔ خصوصاً آخری معرکہ نہایت سخت تھا، بالآخر یہ میدان بھی مسلمانوں کے ہاتھ رہا (۱)۔ غنیم کے پاؤں اکھڑ گئے اور مسلمان اردن کے تمام شہر اور مقامات پر قابض ہو گئے۔ رعایا ذمی قرار دی گئی اور ہر جگہ اعلان کر دیا گیا کہ ”مقتولین کی جان و مال، زمین، مکانات، گرجے اور عبادت گاہیں سب محفوظ ہیں“۔ دمشق اور اردن مفتوح ہو جانے کے بعد مسلمانوں نے حمص کا رخ کیا، راہ میں بعلبک، حماة، شیراز اور معرة النعمان فتح کرتے ہوئے حمص پہنچے اور اس کا محاصرہ کر لیا۔ حمص والوں نے ایک مدت تک مدافعت کرنے کے بعد مصالحت کر لی۔ سپہ سالار اعظم ابو عبیدہؓ نے عبادہ ابن صامت کو وہاں متعین کر کے لاذقیہ کا رخ کیا اور ایک خاص تدبیر سے اس کے مستحکم قلعوں پر قبضہ کر لیا۔ حمص کی فتح کے بعد اسلامی فوجوں نے ہر قل کے پایہ تخت انطاکیہ کا رخ کیا لیکن بارگاہِ خلافت سے حکم پہنچا کہ اس سال آگے بڑھنے کا ارادہ نہ کیا جائے، اسلئے فوجیں واپس آگئیں (۲)۔

میدانِ یرموک اور شام کی قسمت کا فیصلہ

دمشق، حمص اور لاذقیہ کی پیہم اور متواتر ہزیمتوں نے قیصر کو سخت برہم کر دیا اور وہ نہایت جوش و خروش کے ساتھ مسلمانوں کے مقابلہ کے لئے اپنی شہنشاہی کا پورا زور صرف کرنے پر آمادہ ہو گیا

① طبری ص ۲۱۵۸ ② فتوح الشام از دی ص ۱۳۱

اور انطاکیہ میں فوجوں کا ایک طوفان امنڈ آیا۔ حضرت ابو عبیدہؓ نے اس طوفان کو روکنے کے لئے افسروں کے مشورہ سے تمام ممالک مفتوحہ کو خالی کر کے دمشق میں اپنی قوت مجتمع کی اور ذمیوں سے جو کچھ جزیہ وصول کیا گیا تھا سب واپس کر دیا گیا (۱)۔ کیونکہ اب مسلمان ان کی حفاظت کرنے سے مجبور تھے۔ اس واقعہ کا عیسائیوں اور یہودیوں پر اس قدر اثر ہوا کہ وہ روتے تھے اور جوش کے ساتھ کہتے تھے کہ خداتم کو جلد واپس لائے۔

حضرت عمرؓ کو مفتوحہ مقامات سے مسلمانوں کے ہٹ جانے کی خبر ملی تو وہ بہت رنجیدہ ہوئے لیکن جب معلوم ہوا کہ تمام افسروں کی یہی رائے تھی تو فی الجملہ تسلی ہو گئی اور فرمایا خدا کی قسم اسی میں مصلحت ہوگی۔ سعید بن عامرؓ کو ایک ہزار کی جمعیت کے ساتھ مدد کے لئے روانہ کیا اور قاصد کو ہدایت کی کہ خود ایک ایک صف میں جا کر زبانی یہ پیغام پہنچاتا:

الا عمر یقرئک الاسلام ویقول لکم یا اهل السلام اصدقوا
اللقاء وشدوا علیہم مثدا للیوث ولیکونوا اہون علیکم من
الذرفا ناقد علمنا انکم علیہم منصورون۔

اے برادران اسلام! عمرؓ نے بعد سلام کے تم کو یہ پیغام دیا ہے کہ پوری سرگرمی کے ساتھ جنگ کرو اور دشمنوں پر شیروں کی طرح اس طرح حملہ آور ہو کہ وہ تم کو چیونٹیوں سے زیادہ حقیر معلوم ہوں۔ ہم کو یقین کامل ہے کہ خدا کی نصرت تمہارے ساتھ ہے اور آخر فتح تمہارے ہاتھ ہے۔

اردن کی حدود میں یرموک کا میدان ضروریات جنگ کے لحاظ سے نہایت باموقع تھا، اس لئے اس اہم معرکہ کے لئے اسی میدان کو منتخب کیا گیا۔ رومیوں کی تعداد دو لاکھ تھی، اس کے مقابلہ میں مسلمانوں کی تعداد صرف تیس بتیس ہزار تھی، لیکن سب کے سب یگانہ روزگار تھے۔ اس فوج کی اہمیت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ تقریباً ایک ہزار ایسے بزرگ تھے جنہوں نے رسول اللہ ﷺ کا جمال مبارک دیکھا تھا، سو (۱۰۰) وہ تھے جو غزوہ بدر میں حضور خیر الانام ﷺ کے ہمراہ رہ چکے تھے۔ عام مجاہدین بھی ایسے قبائل سے تعلق رکھتے تھے جو اپنی شجاعت اور سپہ گری میں نظیر نہیں رکھتے تھے۔

یرموک کا پہلا معرکہ بے نتیجہ رہا۔ پانچویں رجب ۵ھ کو دوسرا معرکہ پیش آیا۔ رومیوں کے جوش کا یہ عالم تھا کہ تیس ہزار آدمیوں نے پاؤں میں بیڑیاں پہن لی تھیں کہ بھاگنے کا خیال تک نہ آئے۔ ہزاروں پادری اور بَشپ ہاتھوں میں صلیب لئے آگے آگے تھے اور حضرت عیسیٰ کا

نام لے کر جوش دلاتے تھے۔ اس جوش و اہتمام کے ساتھ رومیوں نے حملہ کیا، فریقین میں بڑی خونریز جنگ ہوئی، لیکن انجام کار مسلمانوں کی ثابت قدمی اور پامردی کے آگے ان کے پاؤں اکھڑ گئے۔ تقریباً ایک لاکھ عیسائی کھیت رہے اور مسلمان کل تین ہزار کام آئے۔ قیصر کو اس ہزیمت کی خبر ملی تو حسرت و افسوس کے ساتھ شام کو الوداع کہہ کر قسطنطنیہ کی طرف روانہ ہو گیا (۱)۔ حضرت عمرؓ نے مژدہ فتح سنا تو اسی وقت سجدہ میں گر کر خدا کا شکر ادا کیا۔

فتح یرموک کے بعد اسلامی فوجیں تمام اطراف ملک میں پھیل گئیں اور قنسرین، انطاکیہ، جومہ، سرمین، توزی، قورس، تل غرار، ولوک، رعیان وغیرہ چھوٹے چھوٹے مقامات نہایت آسانی کے ساتھ فتح ہو گئے۔

بیت المقدس

فلسطین کی مہم پر حضرت عمرو بن العاص مامور ہوئے تھے، انہوں نے نابلس، لد، عمواس، بیت جبرین وغیرہ پر قبضہ کر کے سنہ ۱۶ھ میں بیت المقدس کا محاصرہ کیا۔ اس اثناء میں حضرت ابو عبیدہؓ بھی اس مہم سے فارغ ہو کر ان سے مل گئے۔ بیت المقدس کے عیسائیوں نے کچھ دنوں کی مدافعت کے بعد مصالحت پر آمادگی ظاہر کی اور اپنے اطمینان کے لئے یہ خواہش ظاہر کی کہ امیر المؤمنین خود یہاں آ کر اپنے ہاتھ سے معاہدہ لکھیں۔ حضرت عمروؓ اس کی خبر دی گئی۔ انہوں نے اکابر صحابہؓ سے مشورہ کر کے حضرت علیؓ کو نائب مقرر کیا اور جب سنہ ۱۶ھ میں مدینہ سے روانہ ہوئے (۲)۔

بیت المقدس کا سفر

حضرت عمرؓ کا یہ سفر نہایت سادگی سے ہوا۔ مقام جابیہ میں افسروں نے استقبال کیا اور دیر تک قیام کر کے بیت المقدس کا معاہدہ صلح ترتیب دیا۔ پھر وہاں سے روانہ ہو کر بیت المقدس میں داخل ہوئے۔ پہلے مسجد میں تشریف لے گئے۔ پھر عیسائیوں کے گرجا کی سیر کی۔ نماز کا وقت ہوا تو عیسائیوں نے گرجا میں نماز پڑھنے کی اجازت دی لیکن حضرت عمرؓ نے اس خیال سے کہ آئندہ نسلیں اسکو حجت قرار دے کر مسیحی معبدوں میں دست اندازی نہ کریں، باہر نکل کر نماز پڑھی (۳)۔ بیت المقدس سے واپسی کے وقت حضرت عمرؓ نے تمام ملک کا دورہ کیا۔ سرحدوں کا معائنہ کر کے ملک کی حفاظت کا انتظام کیا اور بخیر و خوبی مدینہ واپس تشریف لائے۔

① فتوح البلدان بلاذری ص ۱۴۳، واقعات کی تفصیل از دی سے ماخوذ ہے ② طبری ص ۲۴۰

③ فتوح البلدان بلاذری ص ۱۴۷

متفرق معرکے اور فتوحات

بیت المقدس کی فتح کے بعد بھی متفرق معرکے پیش آئے۔ اہل جزیرہ کی مستعدی اور ہرقل کی اعانت سے عیسائیوں نے دوبارہ حمص پر قبضہ کرنے کی کوشش کی لیکن ناکام رہے۔ فلسطین کے اضلاع میں قیساریہ نہایت آباد اور پر رونق شہر تھا۔ ۳۳ھ میں عمرو بن العاصؓ نے اس پر چڑھائی کی۔ سنہ ۱۸ھ تک متواتر حملوں کے باوجود فتح نہ ہو سکا۔ آخر ۱۸ھ کے اخیر میں امیر معاویہؓ نے ایک یہودی کی مدد سے قلعہ پر قبضہ کر لیا اور شہر پر اسلامی پرچم لہرانے لگا۔ جزیرہ پر ۱۶ھ میں عبداللہ بن المغنم نے فوج کشی کی، بکریہ کا ایک مہینہ تک محاصرہ رہا اور چوبیس دفعہ حملے ہوئے، آخر میں حسن تدبیر سے مسخر ہوا۔ باقی علاقوں کو عیاض بن غنم نے فتح کیا۔ اسی طرح ۱۶ھ میں مغیرہ بن شعبہ نے خوزستان پر حملہ کیا۔ ۱۷ھ میں وہ معزول ہوئے اور ان کی جگہ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ مقرر ہوئے۔ انہوں نے نئے سرد سامان سے حملہ کیا اور اہواز، مناظر، سوس، رامہرز کو فتح کرتے ہوئے خوزستان کے صدر مقام شوستر کا رخ کیا۔ یہ نہایت مستحکم اور قلعہ بند مقام تھا، لیکن ایک شخص کی راہنمائی سے مسلمانوں نے تہ خانہ کی راہ سے گھس کر اس کو مسخر کر لیا۔ یہاں کا سردار ہرمزان گرفتار ہو کر مدینہ بھیجا گیا۔ وہاں پہنچ کر اُس نے اسلام قبول کیا (۱)۔ حضرت عمرؓ نہایت خوش ہوئے، خاص مدینہ میں رہنے کی اجازت دی اور دو ہزار سالانہ مقرر کر دیا۔

فتوحات مصر

حضرت عمرو بن العاصؓ نے بہ اصرار فاروق اعظمؓ سے اجازت لے کر چار ہزار فوج کے ساتھ مصر پر حملہ کیا اور فرما، بلپس، ام وین وغیرہ کو فتح کرتے ہوئے فسطاط کے قلعہ کا محاصرہ کر لیا اور حضرت عمروؓ کو امدادی فوج کے لئے لکھا۔ انہوں نے دس ہزار فوج اور چار افسر بھیجے۔ زبیر بن العوامؓ، عبادہ بن صامتؓ، مقداد بن عمروؓ، سلمہ بن ملکہؓ، حضرت عمرو بن العاصؓ نے حضرت زبیرؓ کو ان کے رتبہ کے لحاظ سے افسر بنایا۔ سات مہینے کے بعد حضرت زبیرؓ کی غیر معمولی شجاعت سے قلعہ مسخر ہوا اور وہاں سے فوجیں اسکندریہ کی طرف بڑھیں۔ مقام کربوں میں ایک سخت جنگ ہوئی، یہاں بھی عیسائیوں کو شکست ہوئی اور مسلمانوں نے اسکندریہ پہنچ کر دم لیا اور چند دنوں کے محاصرہ کے بعد اس کو بھی فتح کر لیا۔ حضرت عمرؓ نے مژدہ فتح سنا تو سجدہ میں گر پڑے اور خدا کا شکر ادا کیا (۲)۔ فتح اسکندریہ کے بعد تمام مصر پر اسلام کا سکہ بیٹھ گیا اور بہت سے قبیلے برضا و رغبت حلقہ بگوش اسلام ہوئے۔

① عقد الفرید ابن عبد ربہ باب المکیدہ فی الحرب ② مقریزی ص ۲۶۷

شہادت

منغیرہ بن شعبہؓ کے ایک پارسی غلام فیروز نامی نے جس کی کنیت ابو لولوتھی، حضرت عمرؓ سے اپنے آقا کے بھاری محصول مقرر کرنے کی شکایت کی، شکایت بے جا تھی، اس لئے حضرت عمرؓ نے توجہ نہ کی، اس پر وہ اتنا ناراض ہوا کہ صبح کی نماز میں خنجر لے کر اچانک حملہ کر دیا اور متواتر چھ وار کئے۔ حضرت عمرؓ زخم کے صدمے سے گر پڑے، اور حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ نے نماز پڑھائی (۱) یہ ایسا زخم کاری تھا کہ اس سے آپ جانبر نہ ہو سکے۔ لوگوں کے اصرار سے چھ اشخاص کو منصب خلافت کے لئے نامزد کیا کہ ان میں سے کسی ایک کو جس پر باقی پانچوں کا اتفاق ہو جائے اس منصب کے لئے منتخب کر لیا جائے۔ ان لوگوں کے نام یہ ہیں، علیؓ، عثمانؓ، زبیرؓ، طلحہؓ، سعد بن ابی وقاصؓ، عبدالرحمن بن عوفؓ، اس مرحلہ سے فارغ ہونے کے بعد حضرت عائشہؓ سے رسول اللہ ﷺ کے پہلو میں دفن ہونے کی اجازت لی (۲)۔

اس کے بعد مہاجرین انصار، اعراب اور اہل ذمہ کے حقوق کی طرف توجہ دلائی اور اپنے صاحبزادے عبداللہؓ کو وصیت کی کہ مجھ پر جس قدر قرض ہو اگر وہ میرے متروکہ مال سے ادا ہو سکے تو بہتر ہے، ورنہ خاندان عدی سے درخواست کرنا اور اگر ان سے نہ ہو سکے تو کل قریش سے، لیکن قریش کے سوا اور کسی کو تکلیف نہ دینا۔ غرض اسلام کا سب سے بڑا ہیرو ہر قسم کی ضروری وصیتوں کے بعد تین دن بیمار رہ کر محرم کی پہلی تاریخ ہفتہ کے دن ۲۴ھ میں واصل بحق ہوا اور اپنے محبوب آقا کے پہلو میں ہمیشہ کے لئے بیٹھی نیند سو رہا۔

ازدواج و اولاد

حضرت عمرؓ نے مختلف اوقات میں متعدد نکاح کئے۔ ان کے ازدواج کی تفصیل یہ ہے:

- ① زینب، ہمیشہ عثمان بن مظعون: مکہ میں مسلمان ہو کر مرے۔
- ② قریبہ بنت مویہ الخزومی: مشرکہ ہونے کے باعث انہیں طلاق دیدی تھی۔
- ③ ملکیہ بنت حروہ: مشرکہ ہونے کی وجہ سے ان کو بھی طلاق دیدی۔
- ④ عاتکہ بنت زید: ان کو بھی طلاق دیدی۔
- ⑤ عاتکہ بنت زید: ان کا نکاح پہلے عبداللہ بن ابی بکرؓ سے ہوا تھا، پھر حضرت عمرؓ کے نکاح میں آئیں۔
- ⑥ ام کلثوم: رسول اللہ ﷺ کی نواسی اور حضرت فاطمہؓ کی نور دیدہ تھیں، حضرت عمرؓ نے خاندان نبوت سے تعلق پیدا کرنے کے لئے سنہ ۱۷ھ میں چالیس ہزار مہر پر نکاح کیا۔

حضرت عمرؓ کی اولاد میں حضرت حفصہؓ اس لحاظ سے سب سے ممتاز ہیں کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے ازواج مطہرات میں داخل تھیں۔ حضرت عمرؓ نے اپنی کنیت بھی انہی کے نام پر رکھی تھی۔
اولاد مذکور کے نام یہ ہیں:

③ ابو ثممہ

② عاصم

① عبد اللہ

⑥ مجیر

⑤ زید

④ عبد الرحمن

ان سب میں عبد اللہ، عبید اللہ اور عاصم اپنے علم و فضل اور مخصوص اوصاف کے لحاظ سے نہایت مشہور ہیں (۱)۔

فاروقی کارنامے

فتوحات پر اجمالی نظر

فتوحات کی جو تفصیل اوپر گزر چکی ہے اس سے آپ کو معلوم ہوا ہوگا کہ مسلمانوں نے اپنے جوش، ثبات، اور استقلال کے باعث حضرت عمرؓ کے دس سالہ عہد خلافت میں روم و ایران کی عظیم الشان حکومتوں کا تختہ الٹ دیا، لیکن کیا تاریخ کوئی ایسی مثال پیش کر سکتی ہے کہ چند صحرائی نشینوں نے اس قدر قلیل مدت میں ایسا عظیم الشان انقلاب برپا کر دیا ہو؟ بے شبہ سکندر، چنگیز اور تیمور نے تمام عالم کو تہ و بالا کر دیا۔ لیکن ان کے فتوحات کو فاروق اعظمؓ کی کشورستانی سے کوئی مناسبت نہیں، وہ لوگ ایک طوفان کی طرح اٹھے اور ظلم و خونریزی کے مناظر دکھاتے ہوئے ایک طرف سے دوسری طرف کو گزر گئے۔ چنگیز اور تیمور کا حال تو سب کو معلوم ہے، سکندر کی یہ کیفیت ہے کہ اس نے ملک شام میں شہر صور فتح کیا تو ایک ہزار شہریوں کے سر کاٹ کر شہر پناہ کی دیوار پر لٹکا دیئے اور تیس ہزار بے گناہ مخلوق کو لونڈی غلام بنا کر بیچ ڈالا۔ اسی طرح ایران میں اصطخر کو فتح کیا تو تمام مردوں کو قتل کرادیا۔ برخلاف اس کے حضرت عمرؓ کے فتوحات میں ایک واقعہ بھی ظلم و تعدی کا نہیں ملتا۔ فوج کو خاص طور پر ہدایت تھی کہ بچوں، بوڑھوں، عورتوں سے متعلق تعرض نہ کیا جائے۔ قتل عام تو ایک طرف، ہرے بھرے درختوں تک کو کاٹنے کی اجازت نہ تھی۔ مسلمان حکام مفتوحہ اقوام کے ساتھ ایسا عدل و انصاف کرتے تھے اور اس طرح اخلاق سے پیش آتے تھے کہ تمام رعایا ان کی گرویدہ ہو جاتی اور اسلامی حکومت کو خدا کی رحمت تصور کرتی تھی۔ صرف یہی نہیں بلکہ وہ لوگ جوشِ امتنان میں مسلمانوں کی امانت و مساعدت سے دریغ نہیں کرتے تھے، فتوحات شام میں خود شامیوں نے جاسوسی اور خبر رسانی کی خدمات انجام دیں (۱)۔ حملہ مصر میں قبطیوں نے سیرمینا کا کام کیا (۲)۔ اسی طرح عراق میں عجمیوں نے اسلامی لشکر کے لئے پل بندھوائے اور غنیم کے راز سے مطلع کر کے نہایت گراں خدمات انجام دیں۔ ان حالات کی موجودگی میں حضرت عمرؓ کے

مقابلہ میں سکندر اور چنگیز جیسے سفاکوں کا نام لینا کس قدر بے موقع ہے۔ سکندر اور چنگیز کی سفاکیاں فوری فتوحات کے لئے مفید ثابت ہوئیں، لیکن جس سلطنت کی بنیاد ظلم و تعدی پر ہوئی ہے وہ کبھی دیر پا نہیں ہو سکتی۔ چنانچہ ان لوگوں کی سلطنتیں بھی نقش بر آب ثابت ہوئیں۔ اس کے برخلاف فاروق اعظمؓ نے جو وسیع سلطنت قائم کی اس کی بنیاد عدل و انصاف اور مسالمت پر قائم ہوئی تھی، اس لئے وہ آج تیرہ سو برس کے بعد بھی اسی طرح ان کے جانشینوں کے قبضہ اقتدار میں موجود ہے۔

یورپی مؤرخین عہدِ فاروقی کے اس بدیع المثال کارنامے کی اہمیت کم کرنے کے لئے بیان کرتے ہیں کہ اس وقت فارس و روم کی دونوں سلطنتیں طوائف الملوکی اور مسلسل بد نظمیوں کے باعث اوج اقبال سے گزر چکی تھیں، لیکن سوال یہ ہے کہ کیا دنیا کی ایسی زبردست سلطنتیں پادشاہوں کے ادل بدل اور معمولی اختلاف سے اس درجہ کمزور ہو گئی تھیں کہ روم و ایران میں قسطنطین اعظم اور خرد پرویز کا جاہ و جلال نہ تھا، تاہم ان سلطنتوں کا عرب جیسی بے سروسامان قوم سے ٹکرا کر پرزے پرزے ہو جانا دنیا کا عجیب و غریب واقعہ ہے اور ہم کو اس کاراز ان سلطنتوں میں کمزوری میں نہیں بلکہ اسلامی نظامِ خلاف اور خلیفہ وقت کے طرز عمل میں تلاش کرنا چاہئے۔

نظامِ خلافت

اسلام میں خلافت کا سلسلہ گو حضرت ابوبکرؓ صدیق کے عہد سے شروع ہوا اور ان کے قلیل زمانہ خلافت میں بھی بڑے بڑے کام انجام پائے لیکن منظم اور باقاعدہ حکومت کا آغاز حضرت عمرؓ کے عہد سے ہوا۔ انہوں نے نہ صرف قیصر و کسریٰ کی وسیع سلطنتوں کو اسلام کے ممالک محروسہ میں شامل کیا بلکہ حکومت و سلطنت کا باقاعدہ نظام بھی قائم کیا اور اس کو اس قدر ترقی دی کہ حکومت کے جس قدر ضروری شعبے ہیں، سب ان کے عہد میں وجود پذیر ہو چکے تھے، لیکن قبل اس کے کہ ہم نظام حکومت کی تفصیل بیان کریں یہ بتانا ضروری ہے کہ اس حکومت کی ترکیب اور ساخت کیا تھی۔ حضرت عمرؓ کی خلافت جمہوری طرزِ حکومت سے مشابہ تھی، یعنی تمام ملکی و قومی مسائل مجلس شوریٰ میں پیش ہو کر طے پاتے تھے۔ اس مجلس میں مہاجرین و انصار کے منتخب اور اکابر اہل الرائے شریک ہوتے تھے اور بحث و مباحثہ کے بعد اتفاق آراء یا کثرت رائے سے تمام امور کا فیصلہ کرتے تھے۔ مجلس کے ممتاز اور مشہور ارکان یہ ہیں:

حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ، حضرت عبداللہ بن عوفؓ، حضرت معاذ بن جبلؓ، حضرت ابی بن کعبؓ، حضرت زید بن ثابتؓ (۱)۔

① کنز العمال ج ۳ ص ۱۳۴

مجلس شوریٰ کے علاوہ ایک مجلس عام بھی تھی جس میں مہاجرین و انصار کے علاوہ تمام سردارانِ قبائل شریک ہوتے تھے۔ یہ مجلس نہایت اہم امور کے پیش آنے پر طلب کی جاتی تھی، ورنہ روزمرہ کے کاروبار میں مجلس شوریٰ کا فیصلہ کافی ہوتا تھا۔ ان دونوں مجلسوں کے سوا ایک تیسری مجلس بھی تھی جس کو ہم مجلس خاص کہتے ہیں۔ اس میں صرف مہاجرین صحابہ شریک ہوتے تھے (۱)۔ مجلس شوریٰ کے انعقاد کا عام طریقہ یہ تھا کہ منادی ”الصلاة جامعة“ کا اعلان کرتا تھا لوگ مسجد میں جمع ہو جاتے تھے، تو حضرت عمرؓ دو رکعت نماز پڑھ کر مسئلہ بحث طلب کے متعلق مفصل خطبہ دیتے تھے۔ اس کے بعد ہر ایک کی رائے دریافت کرتے تھے (۲)۔

جمہوری حکومت کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ ہر شخص کو اپنے حقوق کی حفاظت اور اپنی رائے کے اعلانیہ اظہار کا موقع دیا جائے۔ حاکم کے اختیارات محدود ہوں اور اس کے طریق عمل پر ہر شخص کو نکتہ چینی کا حق ہو۔ حضرت عمرؓ کی خلافت ان تمام امور کی جامع تھی۔ ہر شخص آزادی کے ساتھ اپنے حقوق کا مطالبہ کرتا تھا اور خلیفہ وقت کے اختیارات کے متعلق خود حضرت عمرؓ نے متعدد موقعوں پر تصریح کر دی تھی کہ حکومت کے لحاظ سے ان کی کیا حیثیت ہے۔ نمونہ کے لئے ایک تقریر کے چند فقرے درج ذیل ہیں:

مجھ کو تمہارے مال میں اسی طرح حق ہے جس طرح یتیم کے مال میں اس کے مربی کا ہوتا ہے، اگر میں دولت مند ہوں گا تو کچھ نہ لوں گا اور اگر صاحب حاجت ہوں گا تو اندازہ سے کھانے کے لئے لوں گا، صاحبو! میرے اوپر تمہارے متعدد حقوق ہیں جن کا تم کو مجھ سے مواخذہ کرنا چاہئے۔ ایک یہ کہ ملک کا خراج اور مالِ غنیمت بے جا طور پر صرف نہ ہونے پائے ایک یہ کہ تمہارے روز سینے بڑھاؤں اور تمہاری سرحدوں کو محفوظ رکھوں اور یہ کہ تم کو خطروں میں نہ ڈالوں۔

انما انا و لکم کولی الیتیم ان
استغیث استعففیت وان
افتقرت اکلت بالمعروف لکم
علی ایہا الناس خصال
فخذونی بہا لکم علی ان لا
اجتبی شینا من خراجکم
ومما افاء اللہ علیکم الا من
وجہہ لکم علی اذا وقع فی
یدی ان لا یخرج منی الا فی
حصہ وما لکم ان اریدنی
اعطیاتکم واسد ثغورکم
ولکم علی ان لا التیکم فی
المہالک (۳)

① فتوح البلدان بلاذری ص ۲۷۶ ② تاریخ طبری ص ۲۵۷ ③ کتاب الخراج ص ۶۷

مذکورہ بالا تقریر صرف دلفریب خیالات کی نمائش نہ تھی بلکہ حضرت عمرؓ نہایت سختی کے ساتھ اس پر عامل بھی تھے، واقعات اس کی حرف بحرف تصدیق کرتے ہیں۔ ایک دفعہ حضرت حفصہؓ آپ کی صاحبزادی اور رسول اللہ ﷺ کی زوجہ مطہرہ یہ خبر سن کر کہ مال غنیمت آیا ہے، حضرت عمرؓ کے پاس آئیں اور کہا کہ امیر المؤمنین! میں ذوالقربیٰ میں سے ہوں اس لئے اس مال میں سے مجھ کو بھی عنایت کیجئے۔ حضرت عمرؓ نے جواب دیا کہ ”بیشک تم میرے خاص مال میں حق رکھتی ہو، لیکن یہ تو عام مسلمانوں کا مال ہے۔ افسوس ہے کہ تم نے اپنے باپ کو دھوکہ دینا چاہا، وہ بے چاری خفیف ہو کر چلی گئیں (۱)۔

ایک دفعہ خود بیمار پڑے لوگوں نے علاج میں شہد تجویز کیا۔ بیت المال میں شہد موجود تھا لیکن بلا اجازت نہیں لے سکتے تھے۔ مسجد نبوی ﷺ میں جا کر لوگوں سے کہا کہ ”اگر آپ اجازت دیں تو تھوڑا سا شہد لے لوں“ (۲)۔

ان چھوٹی چھوٹی باتوں میں جب حضرت عمرؓ کی احتیاط کا یہ حال تھا تو ظاہر ہے کہ مہمات امور میں وہ کس قدر محتاط ہوں گے۔

حضرت عمرؓ نے لوگوں کو احکام پر نکتہ چینی کرنے کی ایسی عام آزادی دی تھی کہ معمولی سے معمولی آدمیوں کو خود خلیفہ وقت پر اعتراض کرنے میں باک نہیں ہوتا تھا۔ ایک موقع پر ایک شخص نے کئی بار حضرت عمرؓ کو مخاطب کر کے کہا ”اتق الله يا عمر (۳)“ اے عمر! خدا سے ڈرو۔ حاضرین میں سے ایک شخص نے اس کو روکنا چاہا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا ”نہیں، کہنے دو، اگر یہ لوگ نہ کہیں گے تو یہ بے مصرف ہیں اور ہم نہ مانیں تو ہم“۔ یہ آزادی صرف مردوں تک محدود نہ تھی بلکہ عورتیں بھی مردوں کے قدم بہ قدم تھیں۔

ایک دفعہ حضرت عمرؓ مہر کی مقدار کے متعلق تقریر فرما رہے تھے، ایک عورت نے اثنائے تقریر ٹوک دیا اور کہا ”اتق الله يا عمر!“ یعنی اے عمر! خدا سے ڈر! اس کا اعتراض صحیح تھا۔ حضرت عمرؓ نے اعتراض کے طور پر کہا کہ ایک عورت بھی عمرؓ سے زیادہ جانتی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ آزادی اور مساوات کی یہی عام ہوائ تھی جس نے حضرت عمرؓ کی خلافت کو اس درجہ کامیاب کیا اور مسلمانوں کو جوش استقلال اور عزم و ثبات کا مجسم پتلا بنا دیا۔

خلافت فاروقی کی ترکیب اور ساخت بیان کرنے کے بعد اب ہم انتظامات ملکی کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اور دکھانا چاہتے ہیں کہ فاروق اعظم نے اپنے عہد مبارک میں خلافت اسلامیہ کو کس درجہ منظم اور باقاعدہ بنادیا تھا اور اس طرح حکومت کی برشاخ کو مستقل محکمہ کی صورت قائم کر دیا تھا۔

نظام حکومت کے سلسلہ میں سب سے پہلا کام ملک کا صوبوں اور ضلعوں میں تقسیم ہے۔ اسلام میں سب سے پہلے حضرت عمرؓ نے اس کی ابتداء کی اور تمام ممالک مفتوحہ کو آٹھ صوبوں پر تقسیم کیا۔ مکہ، مدینہ، شام، جزیرہ، بصرہ، کوفہ، مصر، فلسطین۔ ان صوبوں کے علاوہ تین صوبے اور تھے، خراسان، آذربائیجان، فارس۔ ہر صوبہ میں مفصلہ ذیل بڑے بڑے عہدہ دار رہتے تھے:

- ① والی یعنی حاکم صوبہ
- ② کاتب یعنی میرمنشی
- ③ کاتب دیوان یعنی فوجی محکمہ کا میرمنشی
- ④ صاحب الخراج یعنی کلکٹر
- ⑤ صاحب احداث یعنی افسر پولیس
- ⑥ صاحب بیت المال یعنی افسر خزانہ
- ⑦ قاضی یعنی جج

چنانچہ کوفہ میں عمار بن یاسرؓ والی، عثمان بن حنیفؓ کلکٹر، عبداللہ ابن مسعودؓ افسر خزانہ، شریح قاضی اور عبداللہ بن خزاعیؓ کاتب دیوان تھے (۱)۔

بڑے بڑے عہدہ داروں کا انتخاب عموماً مجلس شوریٰ میں ہوتا تھا۔ حضرت عمرؓ کسی لائق راستباز اور متدین شخص کا نام پیش کرتے تھے، اور چونکہ حضرت عمرؓ میں جو ہر شناسی کا مادہ فطرتاً تھا اس لئے ارباب مجلس عموماً ان کے حسن انتخاب کو پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھتے تھے اور اس شخص کے تقرر پر اتفاق رائے کر لیتے تھے۔ چنانچہ نہادند کی عظیم الشان مہم کے لئے نعمان ابن مقرن کا اسی طریقہ سے انتخاب ہوا تھا (۲)۔

احتساب

خليفة وقت کا سب سے بڑا فرض حکام کی نگرانی اور قوم کے اخلاق و عادات کی حفاظت ہے۔ حضرت عمرؓ اس فرض کو نہایت اہتمام کے ساتھ انجام دیتے تھے وہ اپنے ہر عامل سے عہد لیتے تھے کہ ترکی گھوڑے پر سوار نہ ہوگا، باریک کپڑے نہ پہنے گا، چھنا ہوا آٹا نہ کھائے گا، دروازہ پر دربان نہ رکھے گا۔ اہل حاجت کے لئے دروازہ ہمیشہ کھلا رکھے گا (۳)۔ اسی کے ساتھ اس کے مال و اسباب کی فہرست تیار کر کے محفوظ رکھتے تھے اور جب کسی عامل کی مالی حالت میں غیر معمولی اضافہ کا علم ہوتا تھا تو جائزہ لے کر آدھا مال بٹا لیتے تھے (۴) اور بیت المال میں داخل کر دیتے تھے۔ ایک دفعہ بہت سے عمال اس بلا میں مبتلا ہوئے۔ خالد بن صعق نے اشعار کے ذریعہ سے حضرت عمرؓ کو اطلاع دی۔ انہوں نے سب کی املاک کا جائزہ لے کر آدھا مال بٹا لیا اور بیت المال میں داخل کر لیا۔ موسم حج میں اعلان عام تھا کہ جس عامل سے کسی کو شکایت ہو وہ فوراً بارگاہ خلافت میں پیش کرے (۵)۔ چنانچہ ذرا سی شکایتیں پیش ہوتی تھیں اور تحقیقات کے بعد اس کا

① طبری ص ۶۳۱ ② استیعاب تذکرہ نعمان ③ طبری ص ۲۷۷ ④ فتوح البلدان ص ۲۱۹

⑤ تاریخ طبری ص ۲۶۸

تدارک کیا جاتا تھا۔

ایک دفعہ ایک شخص نے شکایت کی کہ آپ کے فلاں عامل نے مجھ کو بے قصور کوڑے مارے ہیں۔ حضرت عمرؓ نے مستغیث کو حکم دیا کہ وہ مجمع عام میں اس عامل کو کوڑے لگائے۔ حضرت عمرو بن العاصؓ نے التجا کی کہ عمال پر یہ عمل گراں ہوگا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ یہ نہیں ہو سکتا کہ میں ملزم سے انتقام نہ لوں۔ عمرو بن العاصؓ نے منت سماجت کر کے مستغیث کو راضی کیا کہ ایک ایک تازیانے کے عوض دو دوا شرفیاں لے کر اپنے حق سے باز آئے (۱)۔

حضرت خالد سیف اللہ جو اپنی جانبازی اور شجاعت کے لحاظ سے تاج اسلام کے گوہر شاہوار اور اپنے زمانہ کے نہایت ذی عزت اور صاحب اثر بزرگ تھے محض اس لئے معزول کر دیئے گئے کہ انہوں نے ایک شخص کو انعام دیا تھا۔ حضرت عمرؓ کو خبر ہوئی تو انہوں نے حضرت ابو عبیدہؓ سپہ سالار اعظم کو لکھا کہ خالدؓ نے یہ انعام اپنی گرہ سے دیا تو اسراف کیا اور بیت المال سے دیا تو خیانت کی۔ دونوں صورتوں میں وہ معزولی کے قابل ہیں (۲)۔

حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ جو بصرہ کے گورنر تھے، شکایتیں گزریں کہ انہوں نے اسیران جنگ میں سے ساٹھ رئیس زادے منتخب کر کے اپنے لئے رکھ چھوڑے ہیں اور کاروبار حکومت زیادہ بن سفیان کے سپرد کر رکھا ہے اور کہ ان کے پاس ایک لونڈی ہے جس کو نہایت اعلیٰ درجہ کی غذا بہم پہنچائی جاتی ہے جو عام مسلمانوں کو میسر نہیں آ سکتی، حضرت عمرؓ نے ابو موسیٰ اشعریؓ سے مواخذہ کیا تو انہوں نے دوا اعتراضوں کا جواب تشفی بخش دیا، لیکن تیسری شکایت کا کچھ جواب نہ دے سکے۔ چنانچہ لونڈی ان کے پاس سے لے لی گئی (۳)۔

حضرت سعد بن ابی وقاصؓ نے کوفہ میں ایک محل تعمیر کرایا جس میں ڈیوڑھی بھی تھی، حضرت عمرؓ نے اس خیال سے کہ اہل حاجت کو رکاوٹ ہوگا محمد بن مسلمہؓ کو حکم دیا کہ جا کر ڈیوڑھی میں آگ لگا دیں۔ چنانچہ اس حکم کی تعمیل ہوئی اور حضرت سعد بن ابی وقاصؓ خاموشی سے دیکھا کئے (۴)۔

عیاض بن غنم عامل مصر کی نسبت شکایت پہنچی کہ وہ باریک کپڑے پہنتے ہیں اور ان کے دروازہ پر دربان مقرر ہے۔ حضرت عمرؓ نے محمد بن مسلمہؓ کو تحقیقات پر مامور کیا، محمد بن مسلمہؓ نے مصر پہنچ کر دیکھا تو واقعی دروازہ پر دربان تھا اور عیاض باریک کپڑے پہنے ہوئے تھے۔ اسی ہیئت اور لباس کے ساتھ لے کر مدینہ آئے۔ حضرت عمرؓ نے ان کا باریک کپڑا اتر وادیا اور بالوں کا کرتہ پہنا کر جنگل میں بکری چرانے کا حکم دیا۔ عیاضؓ کو انکار کی مجال نہ تھی، مگر بار بار کہتے تھے، اس سے

① کتاب الخراج ص ۶۶ ② ابن اثیر ج ۲ ص ۴۱۸

③ طبری ص ۱۲، ص ۲۷۱ ④ کنز العمال ج ۶ ص ۳۵۵

مرجانا بہتر ہے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ یہ تو تمہارا آبائی پیشہ ہے، اس میں عار کیوں؟ عیاض نے دل سے توبہ کی اور جب تک زندہ رہے اپنے فرائض نہایت خوش اسلوبی سے انجام دیتے رہے (۱) حکام کے علاوہ عام مسلمانوں کی اخلاقی اور مذہبی نگرانی کا خاص اہتمام تھا۔ حضرت عمرؓ جس طرح خود اسلامی اخلاق کا مجسم نمونہ تھے، چاہتے تھے کہ اسی طرح تمام قوم مکارم اخلاق سے آراستہ ہو جائے، انہوں نے عرب جیسی فحار قوم سے فخر و غرور کی تمام علامتیں مٹا دیں، یہاں تک کہ آقا اور نوکر کی تمیز باقی نہ رہنے دی۔ ایک دن صفوان بن امیہ نے ان کے سامنے ایک خوان پیش کیا۔ حضرت عمرؓ نے فقیروں اور غلاموں کو ساتھ بٹھا کر کھانا کھلایا اور فرمایا کہ خدا ان لوگوں پر لعنت کرے جن کو غلاموں کے ساتھ کھانے میں عار آتا ہے (۲)۔

ایک دفعہ حضرت ابی بن کعبؓ جو بڑے رتبہ کے صحابی تھے، مجلس سے اٹھے تو لوگ ادب اور تعظیم کے خیال سے ساتھ ساتھ چلے۔ اتفاق سے حضرت عمرؓ آنگلے، یہ حالت دیکھ کر ابی بن کعبؓ کو ایک کوڑا لگایا، ان کو نہایت تعجب ہوا اور کہا خیر تو ہے؟ حضرت عمرؓ نے فرمایا:

او ما تری فتنة للمتبوع
ومذلة للتابع (۳)

تمہیں معلوم نہیں ہے کہ یہ امر متبوع کے لئے فتنہ اور تابع کے لئے ذلت ہے۔

شعر و شاعری کے ذریعہ جو بد گوئی عرب کا عام مذاق تھا۔ حضرت عمرؓ نے نہایت سختی سے اس کو بند کر دیا۔ حطیہ اس زمانہ کا مشہور جو گو شاعر تھا، حضرت عمرؓ نے اس کو قید کر دیا اور آخر اس شرط پر رہا کیا کہ پھر کسی کی جھوٹیں لکھے گا (۴)۔ ہوا پرستی، رندی اور آوارگی کی نہایت شدت سے روک تھام کی۔ شعراء کو عشقیہ اشعار میں عورتوں کا نام لینے سے قلعی طور پر منع کر دیا۔ شراب خوری کی سزا سخت کر دی۔ چالیس دڑے سے اسی دڑے کر دیئے۔

حضرت عمرؓ کو اس کا بڑا خیال تھا کہ لوگ عیش پرستی اور تنعم کی زندگی میں مبتلا ہو کر سادگی کے جوہر سے معرمانہ ہو جائیں۔ افسروں کو خاص طور پر عیسائیوں اور پارسیوں کے لباس اور طرز معاشرت کے اختیار کرنے پر چشم نمائی فرمایا کرتے تھے، سفر شام میں مسلمان افسروں کے بدن پر حریر یا دیبا کے حلے اور پر تکلف قبائیں دیکھ کر اس قدر خفا ہوئے کہ ان کو سنگریزے مارے اور فرمایا تم اس وضع میں میرا استقبال کرتے ہو (۵)۔

مسلمانوں کو اخلاقی ذمہ سے باز رکھنے کے ساتھ ساتھ مکارم اخلاق کی بھی خاص طور پر تعلیم دی۔ مساوات اور عزت نفس کا خاص خیال رکھتے تھے اور تمام اعمال کو ہدایت تھی کہ مسلمانوں

① کتاب الخراج ص ۶۶۱ ② ادب المفرب باب بھل یجلس خادمہ معہ اذ اکل

③ مسند ذرمی ص ۷۰ ④ اسد الغابہ تذکرۃ زبرقان ⑤ طبری ص ۲۴۰۳

کو مارا نہ کریں اس سے وہ ذلیل ہو جائیں گے (۱)۔

ملکی نظم و نسق

شام و ایران فتح ہوا تو لوگوں کی رائے ہوئی کہ مفتوحہ علاقے امرائے فوج کی جاگیر میں دے دیے جائیں۔ حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ کہتے تھے کہ جن کی تلواروں نے ملک فتح کیا ہے ان ہی کا قبضہ بھی حق ہے۔ حضرت بلالؓ کو اس قدر اصرار تھا کہ حضرت عمرؓ نے دق ہو کر فرمایا ”اللھم اکفنی بلالا“ لیکن خود حضرت عمرؓ کی رائے تھی کہ زمین حکومت کی ملک اور باشندوں کے قبضے میں رہنے دی جائے۔ حضرت علیؓ، حضرت عثمانؓ اور حضرت طلحہؓ بھی حضرت عمرؓ کے ہم آہنگ تھے۔ غرض مجلس عام میں مسئلہ پیش ہوا اور بحث و مباحثہ کے بعد فاروق اعظمؓ کی رائے پر فیصلہ ہوا (۲)۔

عراق کی پیمائش کرائی، قابل زراعت اراضی کا بندوبست کیا، عشر و خراج کا طریقہ قائم کیا۔ عشر کا طریقہ آنحضرت ﷺ اور حضرت صدیقؓ کے زمانہ میں جاری ہو چکا تھا لیکن خراج کا طریقہ اس قدر منضبط نہیں ہوا تھا۔ اسی طرح شام و مصر میں بھی لگان تشخیص کیا لیکن وہاں کا قانون ملکی حالات کے لحاظ سے عراق سے مختلف تھا۔ تجارت پر عشر یعنی چنگی لگائی گئی۔ اسلام میں یہ خاص حضرت عمرؓ کی ایجاد ہے اور اس کی ابتدا یوں ہوئی کہ مسلمان جو غیر ممالک میں تجارت کے لئے جاتے تھے تو ان کو دس فیصدی ٹیکس دینا پڑتا تھا، حضرت عمرؓ کو معلوم ہوا تو انہوں نے بھی غیر ملکی مال پر ٹیکس لگا دیا۔ اسی طرح تجارتی گھوڑوں پر بھی زکوٰۃ خاص حضرت عمرؓ کے حکم سے قائم کی ورنہ گھوڑے مستثنیٰ تھے۔ اس سے یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ نعوذ باللہ حضرت عمرؓ نے رسول اللہ ﷺ کی مخالفت کی۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے جو الفاظ فرمائے تھے اس سے بظاہر سواری کے گھوڑے مفہوم ہوتے ہیں، اس لئے تجارت کے گھوڑے مستثنیٰ کرنے کی کوئی وجہ نہ تھی۔

حضرت عمرؓ نے تمام ملک میں مردم شماری کرائی۔ اضلاع میں باقاعدہ عدالتیں قائم کیں، محکمہ قضا کے لئے اصول و قوانین بنائے۔ قاضیوں کی بیش قرار تنخواہیں مقرر کیں تاکہ یہ لوگ رشوت ستانی سے محفوظ رہیں۔ چنانچہ سلمانؓ، ربیعہؓ اور قاضی شریحؓ کی تنخواہیں پانچ سو درہم ماہانہ تھیں (۳)۔ اور امیر معاویہؓ کی تنخواہ ایک ہزار دینار تھی (۴)۔ حل طلب مسائل کے لئے شعبہ افتاء قائم کیا۔ حضرت علیؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت معاذ بن جبلؓ، حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ، حضرت ابی بن کعبؓ، حضرت زید بن ثابتؓ اور حضرت ابوذرؓ اس شعبے کے ممتاز رکن تھے۔

ملک میں امن و امان قائم رکھنے کے لئے حضرت عمرؓ نے احداث یعنی پولیس کا محکمہ قائم کیا۔

② کتاب الخراج ص ۱۵، ۱۴

① ابن اسد قسم اول جزو ۳ ص ۲۰۱

④ استیعاب تذکرۃ امیر معاویہؓ

③ فتح القدیر حاشیہ ہدایہ ج ۲ ص ۲۳۷

اس کے افسر کا نام ”صاحب الاحداث“ تھا۔ حضرت ابو ہریرہ کو بحرین کا صاحب الاحداث بنادیا تو ان کو خاص طور پر ہدایت کی کہ امن و امان قائم رکھنے کے علاوہ احتساب کی خدمت بھی انجام دیں، احتساب کے متعلق جو کام ہیں، مثلاً دوکاندار ناپ تول میں کمی نہ کریں، کوئی شخص شاہراہ پر مکان نہ بنائے، جانوروں پر زیادہ بوجھ نہ لاداجائے، شراب اعلانیہ نہ بکنے پائے۔ اس قبیل کے اور بہت سے امور کی نگرانی کا جن کا تعلق پبلک مفاد اور احترام شریعت سے تھا، پورا انتظام تھا اور صاحبانِ احداث (افسرانِ پولیس) اس خدمت کو انجام دیتے تھے۔

عہدِ فاروقی سے پہلے عرب میں جیل خانوں کا نام و نشان نہ تھا، حضرت عمرؓ نے اول مکہ معظمہ میں صفوان بن امیہ کا مکان چار ہزار درہم پر خرید کر اس کو جیل خانہ بنایا (۱)۔ پھر اور اضلاع میں بھی جیل خانہ بنوائے۔ جلاوطنی کی سزا بھی حضرت عمرؓ ہی کی ایجاد ہے۔ چنانچہ ابو جحش ثقفی کو بار بار شراب پینے کے جرم میں ایک جزیرہ میں جلاوطن کر دیا تھا (۲)۔

بیت المال

خلافت فاروقی سے پہلے مستقل خزانہ کا وجود نہ تھا بلکہ جو کچھ آتا اسی وقت تقسیم کر دیا جاتا تھا۔ ابن سعد کی ایک روایت سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت ابوبکرؓ نے ایک مکان بیت المال کے لئے خاص کر لیا تھا لیکن وہ ہمیشہ بند پڑا رہتا تھا اور اس میں کچھ داخل کرنے کی نوبت ہی نہیں آتی تھی، چنانچہ ان کی وفات کے وقت بیت المال کا جائزہ لیا گیا تو صرف ایک درہم نکلا۔

حضرت عمرؓ نے تقریباً سنہ ۱۵ھ میں ایک مستقل خزانہ کی ضرورت محسوس کی اور مجلس شوریٰ کی منظوری کے بعد مدینہ منورہ میں بہت بڑا خزانہ قائم کیا۔ دار الخلافہ کے علاوہ تمام اضلاع اور صوبہ جات میں بھی اس کی شاخیں قائم کی گئیں اور ہر جگہ اس محکمہ کے جداگانہ افسر مقرر ہوئے۔ مثلاً اصفہان میں خالد بن حارث اور کوفہ میں عبد اللہ بن مسعود خزانہ کے افسر تھے۔ صوبہ جات اور اضلاع کے بیت المال میں مختلف آمدنیوں کی جو رقم آتی تھی وہ وہاں کے سالانہ مصارف کے بعد اختتام سال پر صدر خزانہ یعنی مدینہ منورہ کے بیت المال میں منتقل کر دی جاتی تھی۔ صدر بیت المال کی وسعت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ دار الخلافہ کے باشندوں کی جو تنخواہیں اور وظائف مقرر تھے، صرف اس کی تعداد تین کروڑ درہم تھی۔ بیت المال کے حساب کتاب کے لئے مختلف رجسٹر بنوائے، اس وقت تک کسی مستقل سنہ کا عرب میں رواج نہ تھا۔ حضرت عمرؓ نے ۱۶ھ میں سنہ ہجری ایجاد کر کے یہ کمی بھی پوری کر دی۔

تعمیرات

اسلام کا دائرہ حکومت جس قدر وسیع ہوتا گیا، اسی قدر تعمیرات کا کام بھی بڑھتا گیا۔ حضرت عمرؓ کے عہد میں اس کے لئے کوئی مستقل صیغہ نہ تھا تاہم صوبہ جات کے عمال اور حکام کی نگرانی میں تعمیرات کا کام نہایت منظم اور وسیع طور پر جاری تھا۔ ہر جگہ حکام کے بود و باش کے لئے سرکاری عمارتیں تیار ہوئیں۔ رفاہ عام کے لئے سڑک، پل اور مسجدیں تعمیر کی گئیں۔ فوجی ضروریات کے لحاظ سے قلعے، چھاؤنیاں اور بارکیں تعمیر ہوئیں۔ مسافروں کے لئے مہمان خانے بنائے گئے۔ خزانہ کے حفاظت کے لئے بیت المال کی عمارتیں تیار ہوئیں۔ حضرت عمرؓ تعمیرات کے باب میں نہایت کفایت شعار تھے لیکن بیت المال کی عمارتیں عموماً شاندار اور مستحکم بنواتے تھے۔ چنانچہ کوفہ کے بیت المال کو روز بہ نامی ایک مشہور مجوسی معمار نے بنایا تھا اور اس میں خسروان فارس کی عمارت کا مسالہ استعمال کیا گیا تھا (۱)۔

مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ میں جو خاص تعلق ہے اس کے لحاظ سے ضروری تھا کہ ان دونوں شہروں کے درمیان راستہ کو سہل اور آرام دہ بنایا جائے۔ حضرت عمرؓ نے سنہ ۱۷ھ میں اس کی طرف توجہ کی اور مدینہ سے لے کر مکہ معظمہ تک ہر منزل پر چوکیاں، سرائیں اور چشمے تیار کرائے (۲)۔ ترقی زراعت کے لئے تمام ملک میں نہریں کھدوائی گئیں۔ بعض نہریں ایسی تھیں جن کا تعلق محکمہ زراعت سے نہ تھا۔ مثلاً نہر ابی موسیٰ جو محض بصرہ والوں کے لئے شیریں پانی بہم پہنچانے کے خیال سے دجلہ کو کاٹ کر لائی گئی تھی۔ یہ نہر نومیل لمبی تھی (۳)۔ اسی طرح نہر معقل جس کی نسبت عربی ضرب المثل ہے اذا جاء نهر الله بطل نهر المعقل (۴)۔

حضرت سعد بن ابی وقاصؓ گورنر کوفہ نے بھی ایک نہر تیار کرائی جو سعد بن عمرو بن حرام کے نام سے مشہور ہوئی (۵)۔ اس سلسلہ میں سب سے بڑی اور فائدہ رساں وہ نہر تھی جو نہر امیر المؤمنین کے نام سے مشہور ہوئی جس کے ذریعہ سے دریائے نیل کو بحر قلزم سے ملا دیا گیا تھا (۶)۔

مستعمرات

مسلمان جب عرب کی گھاٹیوں سے نکل کر شام و ایران کے چمن زار میں پہنچے تو ان کو یہ ممالک ایسے خوش آئند نظر آئے کہ انہوں نے وطن کو خیر باد کہہ کر یہیں طرح اقامت ڈال دی اور نہایت کثرت سے نوآبادیاں قائم کیں۔ حضرت عمرؓ کے عہد میں جو جو شہر آباد ہوئے ان کی ایک

③ فتوح البلدان ص ۳۶۵

② ایضاً ص ۵۲۹

① طبری ذکر آبادی کوفہ

⑥ حسن المحاضرہ سیوطی ص ۶۸

⑤ ایضاً ص ۳۸۳

④ ایضاً ص ۳۶۶

اجمالی فہرست درج ذیل ہے۔

بصرہ

۱۲ھ میں عقبہ بن غزوٰان نے حضرت عمرؓ کے حکم سے اس شہر کو بسایا تھا، ابتدا میں صرف آٹھ سو آدمیوں نے یہاں سکونت اختیار کی لیکن اس کی آبادی بہت جلد ترقی کر گئی۔ یہاں تک کہ زیاد بن ابی سفیان کے عہد امارت میں صرف ان لوگوں کی تعداد جن کے نام فوجی رجسٹر میں درج تھے (۸۰,۰۰۰) اسی ہزار اور ان کی آل و اولاد کی (۱۲۰,۰۰۰) ایک لاکھ بیس ہزار تھی، بصرہ اپنی علمی خصوصیات کے لحاظ سے مدتوں مسلمانوں کا مایہ ناز شہر رہا ہے۔

کوفہ

حضرت سعد بن ابی وقاصؓ نے امیر المؤمنین کے حکم سے عراق کے قدیم عرب فرمانروا نعمان بن منذر کے پایہ تخت کو آباد کیا اور اس میں چالیس ہزار آدمیوں کی آبادی کے لائق مکانات بنوائے گئے۔ حضرت عمرؓ کو اس شہر کے بسانے میں غیر معمولی دلچسپی تھی۔ شہر کے نقشہ کے متعلق خود ایک یادداشت لکھ بھیجی۔ اس میں حکم تھا کہ شارع ہائے عام چالیس چالیس ہاتھ چوڑی رکھی جائیں۔ اس سے کم کی مقدار ۳۰-۳۰ ہاتھ اور ۲۰-۲۰ ہاتھ سے کم نہ ہو۔ جامع مسجد کی عمارت اس قدر وسیع بنائی گئی تھی کہ اس میں چالیس ہزار آدمی آسانی سے نماز ادا کر سکتے تھے (۱)۔ مسجد کے سامنے دو سو ہاتھ لمبا ایک وسیع سائبان تھا جو سنگ رخام کے ستونوں پر قائم کیا گیا تھا۔ یہ شہر حضرت عمرؓ ہی کے عہد میں اس عظمت و شان کو پہنچ چکا تھا کہ وہ اس کو اس اسلام فرمایا کرتے تھے۔ علمی حیثیت سے بھی ہمیشہ ممتاز رہا۔ امام نخعی، حماد، امام ابو حنیفہ اور امام شافعی اسی معدن کے لعل و گہر تھے۔

فسطاط

دریائے نیل اور جبل مقطم کے درمیان ایک کعبہ دست میدان تھا، حضرت عمرو بن العاصؓ فاتح مصر نے اثنائے جنگ میں یہاں پڑاؤ کیا۔ اتفاق سے ایک کبوتر نے ان کے خیمہ میں گھونسلہ بنا لیا۔ عمرو بن العاصؓ نے کوچ کے وقت قصد اس خیمہ کو چھوڑ دیا کہ اس مہمان کو تکلیف نہ ہو۔ مصر کی تسخیر کے بعد انہوں نے حضرت عمرؓ کے حکم سے اسی میدان میں ایک شہر آباد کیا۔ چونکہ خیمہ کو عربی میں فسطاط کہتے ہیں۔ اس لئے اس شہر کا نام فسطاط قرار پایا (۲)۔ فسطاط نے بہت جلد ترقی کر لی اور پورے مصر کا صدر مقرر ہو گیا۔ چوتھی صدی کا ایک سیاح ان الفاظ میں اس شہر کے عروج

و کمال کا نقشہ کھینچا ہے:

”یہ شہر بغداد کا ناخ، مغرب کا خزانہ اور اسلام کا فخر ہے۔ دنیائے اسلام میں یہاں سے زیادہ کسی جامع مسجد میں علمی مجلسیں نہیں ہوتی ہیں، نہ یہاں سے زیادہ کسی ساحل پر جہاز لنگر انداز ہوتے ہیں۔“

موصل

یہ پہلے ایک گاؤں کی حیثیت رکھتا تھا۔ حضرت عمرؓ نے اس کو ایک عظیم الشان شہر بنا دیا ہرثمہ بن عرفجہ نے بنیاد رکھی اور ایک جامع مسجد تیار کرائی اور چونکہ یہ مشرق و مغرب کو آپس میں ملاتا ہے اس لئے اس کا نام موصل رکھا گیا۔

جبزہ

فتح اسکندریہ کے بعد عمرو بن العاصؓ نے اس خیال سے کہ رومی دریا کی سمت سے حملہ نہ کرنے پائیں، تھوڑی سی فوج لپ ساحل مقرر کر دی تھی۔ ان لوگوں کو دریا کا منظر ایسا پسند آ گیا کہ وہاں بے ہننا پسند نہ کیا۔ حضرت عمرؓ نے ان لوگوں کی حفاظت کے لئے سنہ ۲۱ھ میں ایک قلعہ تعمیر کرا دیا اور اس وقت سے یہاں ایک مستقل نو آبادی کی صورت پیدا ہو گئی (۱)۔

فوجی انتظامات

اسلام جب رومن امپائر سے بھی زیادہ وسیع سلطنت کا مالک ہو گیا اور قیصر و کسریٰ کے عظیم الشان ممالک اس کا ورثہ بن گئے تو اس کو ایک منظم اور فوجی سسٹم کی ضرورت محسوس ہوئی۔ ۱۵ھ میں حضرت عمرؓ نے اس کی طرف توجہ کی اور تمام ملک کو فوجی بنانا چاہا لیکن ابتداء میں ایسی تعلیم ممکن نہ تھی اس لئے پہلے قریش و انصار سے آغاز کیا اور مخرمہ بن نوفلؓ، جبیر بن مطعمؓ، عقیل بن ابی طالبؓ، کے متعلق یہ خدمت سپرد کی کہ وہ قریش و انصار کا ایک رجسٹر تیار کریں جس میں ہر شخص کا نام و نسب تفصیل سے درج ہو۔ اس ہدایت کے مطابق رجسٹر تیار ہوا اور حسب حیثیت تنخواہیں اور ان کی بیوی بچوں کے گزارے کے لئے وظائف مقرر ہوئے۔ مہاجرین اور انصار کی بیویوں کی تنخواہ ۲۰۰ سے ۴۰۰ درہم تک اور اہل بدر کی اولاد زکوریؓ کی تنخواہ دو دو ہزار درہم سالانہ مقرر ہوئی۔ اس موقع پر یہ امر خاص طور پر قابل لحاظ ہے کہ جن لوگوں کی جتنی تنخواہیں مقرر ہوئیں اتنی ہی ان کے غلاموں کی بھی مقرر ہوئیں (۲)۔ اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ فاروق اعظمؓ نے مساوات کا کیسا سبق سکھایا تھا۔

① جبزہ کے تفصیلی حالات مقریزی میں مذکور ہیں ② تنخواہوں کی تفصیل میں مختلف روایتیں ہیں،

دیکھو کتاب الخراج ص ۲۲ و مقریزی ج ۱ ص ۹۲ و بلاذری ص ۴۵۳

کچھ دنوں کے بعد اس نظام کو قریش و انصار سے وسعت دے کر تمام قبائل عرب میں عام کر دیا۔ پورے ملک کی مردم شماری کی گئی اور ہر ایک عربی نسل کی علی قدر مراتب تنخواہ مقرر ہوئی۔ یہاں تک کہ شیر خوار بچوں کے لئے وظائف کا قاعدہ جاری کیا گیا (۱)۔ گویا عرب کا ہر ایک بچہ اپنے یوم ولادت ہی سے اسلامی فوج کا ایک سپاہی تصور کر لیا جاتا تھا۔ ہر سپاہی کو تنخواہ کے علاوہ کھانا اور کپڑا بھی ملتا تھا۔ تنخواہ کی تقسیم کا طریقہ یہ تھا کہ ہر قبیلہ میں ایک عریف ہوتا تھا، اسی طرح ہر دس سپاہی پر ایک افسر ہوتا تھا جن کو امراء الاعشار کہتے ہیں۔ تنخواہیں عریف کو دی جاتی تھیں وہ امراء اعشار کی معرفت فوج میں تقسیم کرتا تھا۔ ایک ایک عریف کے متعلق ایک ایک لاکھ درہم کی تقسیم تھی۔ کوفہ اور بصرہ میں سو عریف تھے جن کے ذریعہ سے ایک کروڑ کی رقم تقسیم ہوتی تھی، حسن خدمت اور کارگزاری کے لحاظ سے سپاہیوں اور افسروں کی تنخواہوں میں وقتاً فوقتاً اضافہ بھی ہوتا رہتا تھا۔ چنانچہ زہرہ، عصمہ اور صلیبی وغیرہ نے قادیسیہ میں غیر معمولی جانبازی کا اظہار کیا تھا، اس صلہ میں ان کی تنخواہیں دو دو ہزار سے اڑھائی اڑھائی ہزار کر دی گئیں۔

حضرت عمرؓ کو فوج کی تربیت کا بہت خیال تھا، انہوں نے نہایت تاکید احکام جاری کیئے تھے کہ ممالک مفتوحہ میں کوئی شخص زراعت یا تجارت کا شغل اختیار نہ کرنے پائے۔ کیونکہ اس سے ان کے سپاہیانہ جوہر کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ تھا، سرد اور گرم ممالک پر حملہ کرتے وقت موسم کا بھی خاص خیال رکھا جاتا تھا کہ فوج کی صحت اور تندرستی کو نقصان نہ پہنچے۔

قواعد کے متعلق چار چیزوں کے سیکھنے کی سخت تاکید تھی۔ تیرنا، گھوڑے دوڑانا، تیر لگانا اور ننگے پاؤں چلنا۔ ہر چار مہینے کے بعد سپاہیوں کو وطن جا کر اپنے اہل و عیال سے ملنے کے لئے رخصت دی جاتی تھی۔ جفاکشی کے خیال سے حکم نہ تھا کہ اہل فوج رکاب کے سہارے سے سوار نہ ہوں، نرم کپڑے نہ پہنیں، دھوپ سے بچیں، حماموں میں نہ نہائیں۔

موسم بہار میں فوجیں عموماً سرسبز و شاداب مقامات میں بھیج دی جاتی تھیں، بارکوں اور چھاؤنیوں کے بنانے میں آب و ہوا کی خوبی کا لحاظ رکھا جاتا تھا۔ کوچ کی حالت میں حکم تھا کہ فوج جمعہ کے دن مقام کرے اور ایک شب و روز قیام رکھے کہ لوگ دم لیں۔ غرض حضرت عمرؓ نے تیرہ سو برس پیشتر فوجی تربیت کے لئے اعلیٰ اصول وضع کر دیئے تھے کہ آج بھی اصولی حیثیت سے اس پر کچھ اضافہ نہیں کیا جاسکتا۔

حسب ذیل مقامات کو فوجی مرکز قرار دیا تھا۔ مدینہ، کوفہ، بصرہ، موصل، فسطاط، دمشق، حمص، اردن، فلسطین۔ ان مقامات کے علاوہ تمام اضلاع میں فوجی بارکیں اور چھاؤنیاں تھیں۔ جہاں

تھوڑی تھوڑی فوج ہمیشہ متعین رہتی تھی۔

فوج میں حسب ذیل عہدے دار لازمی طور پر رہتے تھے۔ خزانچی، محاسب، مترجم، طبیب، جراح اور جاسوس جو غنیمت کی نقل و حرکت کی خبریں بہم پہنچایا کرتے تھے۔ یہ خدمت زیادہ تر ذمیوں سے لی جاتی تھی۔ چنانچہ قیساریہ کے محاصرہ میں یوسف نامی یہودی نے جاسوسی کی خدمت انجام دی تھی (۱)۔ اسی طرح عراق میں بعض وفادار مجوسی اپنی خوشی سے اس خدمت کو انجام دیتے تھے۔ تاریخ طبری میں ہے:

و کانت تکون لعمر العیون ہر فوج میں حضرت عمرؓ کے جاسوس رہتے فی کل جیش تھے۔

آلات جنگ میں تیغ و سنان کے علاوہ قلعہ شکنی کے لئے منجنیق اور دبابہ بھی ساتھ رہتا تھا چنانچہ دمشق کے محاصروں میں منجنیقوں کا استعمال ہوا تھا (۲)۔

فوج حسب ذیل شعبوں میں منقسم تھی:

- | | | | |
|------------|----------|-----------|-----------------------|
| ① مقدمہ، | ② قلب، | ③ میمنہ، | ④ میسرہ، |
| ⑤ ساقہ، | ⑥ طلیعہ، | ⑦ سفرینا، | ⑧ روا یعنی عقبی گارڈ، |
| ⑨ شترسوار، | ⑩ سوار، | ⑪ پیادہ، | ⑫ تیر انداز۔ |

گھوڑوں کی پرورش و پرداخت کا بھی نہایت اہتمام تھا۔ ہر مرکز میں چار ہزار گھوڑے ہر وقت ساز و سامان سے لیس رہتے تھے۔ موسم بہار میں تمام گھوڑے سرسبز و شاداب مقامات پر بھیج دیئے جاتے تھے۔ خود مدینہ کے قریب ایک چراگاہ تیار کرائی، اور اپنے ایک غلام کو اس کی حفاظت اور نگرانی کے لئے مقرر کیا تھا، گھوڑوں کی رانوں پر داغ سے ”جیش فی سبیل اللہ“ نقش کیا جاتا تھا۔ عرب کی تلوار اپنی فتوحات میں کبھی غیروں کی ممنون احسان نہیں ہوئی لیکن حریف اقوام کو خود ان ہی کے ہم قوموں سے لڑانا فن جنگ کا ایک بڑا اصول ہے۔ حضرت عمرؓ نے اس کو نہایت خوبی سے برتا۔ ضد ہاشمی، یونانی اور رومی بہادروں نے اسلامی فوج میں داخل ہو کر مسلمانوں کے دوش بدوش نہایت وفاداری کے ساتھ خود اپنی قوموں سے جنگ کی۔ قادیسیہ کے معرکہ میں دوران جنگ ہی میں ایرانیوں کی چار ہزار افواج حلقہ اسلام میں آگئی اور سعد بن ابی وقاصؓ نے ان کو اسلامی فوج میں شامل کر لیا اور ان کی تلخو اہیں مقرر کر دیں۔ یرموک کے معرکہ میں رومیوں کے لشکر کا مشہور سپاہی عین حالت جنگ میں مسلمان ہو گیا اور مسلمانوں کے دوش بدوش لڑ کر شہید ہوا۔

مذہبی خدمات

مذہبی خدمات کے سلسلے میں سب سے بڑا کام اشاعتِ اسلام ہے۔ حضرت عمرؓ کو اس میں بہت اہمیت تھی لیکن تلوار کے زور سے نہیں، بلکہ اخلاق کی قوت سے، انہوں نے اپنے غلام کو اسلام کی دعوت دی۔ اس نے باوجود ترغیب و ہدایت کے انکار کیا تو فرمایا لا اکسراہ فی الدین (۱)۔ یعنی مذہب میں جبر نہیں۔ حکام کو ہدایت تھی کہ جنگ سے پہلے لوگوں کے سامنے محاسنِ اسلام پیش کر کے ان کو شریعتِ عزا کی دعوت دی جائے۔ اس کے علاوہ انہوں نے تمام مسلمانوں کو اپنی تربیت و ارشاد سے اسلامی اخلاق کا مجسم نمونہ بنادیا تھا، وہ جس طرف گزر جاتے تھے لوگ ان کے اخلاقی تفوق کو دیکھ کر خود بخود اسلام کے گرویدہ ہو جاتے تھے۔ رومی سفیرِ اسلامی کیمپ میں آیا تو سالارِ فوج کی سادگی اور بے تکلفی دیکھ کر خود بخود اس کا دل اسلام کی طرف کھینچ گیا اور وہ مسلمان ہو گیا۔ مصر کا ایک رئیس مسلمانوں کے حالات ہی سن کر اسلام کا گرویدہ ہو گیا اور دو ہزار کی جمعیت کے ساتھ مسلمان ہو گیا (۲)۔

وہ عربی قبائل جو عراق و شام میں آباد ہو گئے تھے، نسبتاً آسانی کے ساتھ اسلام کی جانب مائل کئے جاسکتے تھے، حضرت عمرؓ کو ان لوگوں میں تبلیغ کا خاص خیال تھا۔ چنانچہ اکثر قبائل معمولی کوشش سے حلقہٴ بگوشِ اسلام ہو گئے۔ مسلمانوں کے فتوحات کی بواجہی نے بھی بہت سے لوگوں کو اسلام کی صداقت کا یقین دلادیا۔ چنانچہ معرکہ قادسیہ کے بعد دیلیم کی چار ہزار عجمی فوج نے خوشی سے اسلام قبول کر لیا (۳)۔ اسی طرح فتحِ جلولاء کے بعد بہت سے رؤسا برضا و رغبت مسلمان ہو گئے جن میں بعض کے نام یہ ہیں: جمیل بن بصری، بسطام بن زسی، رفیل، فیروزان (۴)۔ عراق کی طرح شام و مصر میں بھی کثرت سے لوگ مسلمان ہوئے۔ چنانچہ شہرِ فسطاط میں ایک بڑا محلہ نو مسلموں کا تھا۔ غرض حضرت عمرؓ کے عہد میں نہایت کثرت سے اسلام پھیلا۔ اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ آپ دینِ حنیف کا آئندہ کے لئے راستہ صاف کر گئے۔

اشاعتِ اسلام کے بعد سب سے بڑا کام خود مسلمانوں کی مذہبی تعلیم و تلقین اور شعارِ اسلامی کی ترویج تھی۔ اس کے متعلق حضرت عمرؓ کے مساعی کا سلسلہ حضرت ابو بکرؓ ہی کے عہد سے شروع ہوتا ہے، قرآن مجید جو اساسِ اسلام ہے حضرت عمرؓ ہی کے اصرار سے کتابی صورت میں عہدِ صدیقی میں مرتب کیا گیا تھا۔ اس کے بعد انہوں نے اپنے عہد میں اس کے درس و تدریس کا رواج دیا۔ معلمین اور حفاظ اور مؤذنین کی تنخواہیں مقرر کیں (۵)۔ حضرت عبادہ بن الصامتؓ،

① کنز العمال ج ۵ ص ۴۹ ② مقریزی ص ۲۴۶ ③ فتوح البلدان ص ۲۰۹ ④ ایضاً فتح جلولاء

⑤ سیرۃ العمر میں مذکور ہے ان عمر بن الخطاب و عثمان کان یرزقان الموذنین والائمة والمعلمین.

حضرت معاذ ابن جبلؓ اور حضرت ابوالدرداءؓ کو جو حفاظ قرآن اور صحابہ کبار میں سے تھے، قرآن مجید کی تعلیم دینے کے لئے ملک شام میں روانہ کیا (۱)۔ قرآن مجید کو صحت کے ساتھ پڑھنے اور پڑھانے کے لئے تاکید احکام روانہ کیئے۔ ابن الانباری کی روایت کے مطابق ایک حکم نامہ کے الفاظ یہ ہیں: تعلموا اعراب القرآن کما تعلمون حفظہ۔ غرض حضرت عمرؓ کی مساعی جلیلہ سے قرآن کی تعلیم ایسی عام ہو گئی تھی کہ ناظرہ خوانوں کا تو شمار ہی نہیں، حافظوں کی تعداد ہزاروں تک پہنچ گئی تھی۔ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ نے ایک خط کے جواب میں لکھا تھا کہ صرف میری فوج میں تین سو حفاظ ہیں (۲)۔

اصول اسلام میں قرآن کے بعد حدیث کا رتبہ ہے۔ حضرت عمرؓ نے اس کے متعلق جو خدمات انجام دیں ان کی تفصیل یہ ہے:

احادیث نبوی ﷺ کو نقل کرا کے حکام کے پاس روانہ کیا کہ عام طور پر اس کی اشاعت ہو، مشاہیر صحابہ کو مختلف ممالک میں حدیث کی تعلیم کے لئے بھیجا۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کو ایک جماعت کے ساتھ کوفہ روانہ کیا۔ عبداللہ بن مغفل، عمران بن حصین اور معقل بن یسارؓ کو بصرہ بھیجا، حضرت عبادہ بن الصامتؓ اور حضرت ابوالدرداءؓ کو شام روانہ کیا (۳)۔ اگرچہ محدثین کے نزدیک تمام صحابہ عدول ہیں، لیکن حضرت عمرؓ اس نکتہ سے واقف تھے کہ جو چیزیں خصائص بشری ہیں، ان سے کوئی زمانہ مستثنیٰ نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ انہوں نے روایت قبول کرنے میں نہایت چھان بین اور احتیاط سے کام لیا۔ ایک دفعہ آپؐ کسی کام میں مشغول تھے، حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ آئے اور تین دفعہ سلام کر کے واپس چلے گئے۔ حضرت عمرؓ کام سے فارغ ہوئے تو ابوموسیٰؓ کو بلا کر دریافت کیا کہ تم واپس کیوں چلے گئے تھے؟ انہوں نے جواب دیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ تین دفعہ اجازت مانگو، اگر اجازت نہ ملے تو واپس چلے جاؤ۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا: اس روایت کا ثبوت دو ور نہ میں تم کو سزا دوں گا۔ حضرت ابوموسیٰؓ نے حضرت سعیدؓ کو شہادت میں پیش کیا۔ اسی طرح سقط یعنی کسی عورت کا حمل ضائع کر دینے کے مسئلہ میں مغیرہؓ نے حدیث روایت کی تو حضرت عمرؓ نے شہادت طلب کی۔ جب محمد بن مسلمہؓ نے تصدیق کی تو انہوں نے تسلیم کیا (۴)۔ حضرت عباسؓ کے مقدمہ میں ایک حدیث پیش کی گئی تو حضرت عمرؓ نے تائیدی ثبوت طلب کیا۔ جب لوگوں نے تصدیق کی تو فرمایا مجھ کو تم سے بدگمانی نہ تھی بلکہ اپنا اطمینان مقصود تھا (۵)۔

حضرت عمرؓ کو کثرت روایت سے بھی نہایت سختی کے ساتھ منع فرماتے تھے۔ چنانچہ جب

③ ازالۃ الخلفاء ج ۲ ص ۶

① کنز العمال ج ۱ ص ۲۸۱ ② ایضاً ص ۲۱۷

④ مسلم باب الاستیذان ⑤ ابوداؤد کتاب الدیات باب دئیة الجبین ⑥ تذکرۃ الحفاظ ج ۱ تذکرہ عمر

قرظہ بن کعب کو عراق کی طرف روانہ کیا تو خود دور تک ساتھ گئے اور سمجھایا کہ دیکھو تم ایک ایسے ملک میں جاتے ہو جہاں قرآن کی آواز گونج رہی ہے، ایسا نہ ہو کہ ان کی توجہ کو قرآن سے ہٹا کا احادیث کی طرف مبذول کرو (۱)۔ حضرت ابو ہریرہؓ بڑے حافظ حدیث تھے اس لئے وہ روایتیں بھی کثرت سے بیان کرتے تھے۔ ایک دفعہ لوگوں نے ان سے پوچھا کہ آپ حضرت عمرؓ کے عہد میں اس طرح روایت کرتے تھے؟ انہوں نے کہا کہ اس زمانہ میں ایسا کرتا تو ڈرے کھاتا (۲)۔ حدیث کے بعد فقہ کا درجہ ہے، حضرت عمرؓ خود بالمشافہ اپنے خطبوں اور تقریروں میں مسائل فقہیہ بیان کرتے تھے اور دور دراز ممالک کے حکام کو فقہی مسائل لکھ کر بھیجتے تھے۔ مختلف فیہ مسائل کو صحابہؓ کے مجمع میں پیش کرا کے طے کراتے تھے۔ اضلاع میں عمال اور افسروں کی تقرری میں عالم اور فقیہ ہونے کا خاص خیال رکھا جاتا تھا۔ تمام ممالک محروسہ میں فقہاء مقرر کئے تھے جو احکام مذہبی کی تعلیم دیتے تھے اور حسب بیان ابن جوزی حضرت عمرؓ نے فقہاء کی بیش قرار تھی وہیں مقرر کی تھیں۔ اس سے پہلے فقہاء اور معلمین کو تنخواہ دینے کا رواج نہ تھا۔ غرض یہ کہ فاروق اعظم کے عہد میں مذہبی تعلیم کا ایک مرتب اور منظم سلسلہ قائم ہو گیا تھا جس کی تفصیل کے لئے اس اجمال میں گنجائش نہیں۔

عملی انتظامات کی طرف بھی حضرت عمرؓ نے بڑی توجہ کی۔ تمام ممالک محروسہ میں کثرت سے مسجدیں تعمیر کرائیں۔ امام اور مؤذن مقرر کیئے، حرم محترم کی عمارت ناکافی تھی اس کو وسیع کیا۔ غلاف کعبہ کے لئے نطع کے بجائے قباطی کا رواج دیا جو نہایت عمدہ کپڑا ہوتا ہے اور مصر میں بنا جاتا ہے۔ مسجد نبوی ﷺ کو بھی نہایت وسعت دی۔ پہلے اس کا طول سولہ گز تھا انہوں نے بڑھا کر ۱۴۰ گز کر دیا۔ عرض میں بھی ۲۰ گز کا اضافہ ہوا۔ مسجد کے ساتھ ایک گوشہ میں چبوترا بنوا دیا کہ جس کو بات چیت کرنا یا شعر پڑھنا ہو تو یہاں چلا آئے۔ مسجدوں میں روشنی اور فرش کا انتظام بھی حضرت عمرؓ کے عہد سے ہی ہوا۔ حجاج کی راحت و آسائش کا بھی پورا انتظام تھا۔ ہر سال خود حج کے لئے جاتے تھے اور خبر گیری کی خدمت انجام دیتے تھے (۳)۔

متفرق انتظامات

ملکی، فوجی اور مذہبی انتظامات کا ایک اجمالی خاکہ درج کرنے کے بعد اب ہم ان متفرق انتظامات کا تذکرہ کرتے ہیں جو کسی خاص عنوان کے تحت نہیں آتے۔

۱۸ھ میں عرب میں قحط پڑا، حضرت عمرؓ نے اس مصیبت کو کم کرنے میں جو سرگرمی ظاہر کی وہ ہمیشہ یادگار زمانہ رہے گی۔ بیت المال کا تمام نقد و جنس صرف کر دیا، تمام صوبوں سے غلہ منگوایا اور

- ① تذکرۃ الحفاظ ج ۱ تذکرہ عمر ص ۶ ② ایضاً ص ۷ ③ اسد الغابہ تذکرہ عمر

انتظام کے ساتھ قحط زدوں میں تقسیم کیا (۱)۔ لاوارث بچوں کو دودھ پلانے اور پرورش پر داخت کا انتظام کیا (۲)۔ غرباء و مساکین کے روزینے مقرر کئے اور منبر پر اس کا اعلان فرمایا:

انسی فرصت لكل نفس
مسلمة في شمع مدى حنطة
میں نے ہر مسلمان کے لئے فی ماہ دو مد
گیہوں اور دو قسط سرکہ مقرر کیا۔

وقسطی خل.

اس پر ایک شخص نے کہا کہ کیا غلام کے لئے بھی؟ فرمایا ہاں غلام کے لئے بھی (۳)۔ لیکن اس سے یہ نہیں سمجھنا چاہئے کہ حضرت عمرؓ اس نکتہ سے بے خبر تھے کہ اس طرح مفت خوری سے لوگ کاہل ہو جائیں گے۔ درحقیقت انہوں نے ان ہی لوگوں کے روزینے مقرر کئے تھے جو یا تو فوجی خدمت کے لائق تھے یا ضعف کے باعث کسب معاش سے معذور تھے۔

ملکی حالات سے واقفیت کے لئے ملک کے ہر حصے میں پرچہ نویس اور واقعہ نگار مقرر کئے تھے جن کے ذریعہ سے ہر جزئی واقع کی اطلاع ہو جاتی تھی۔ مؤرخ طبری لکھتے ہیں:

وکان عمر لا يخفى عليه
شي في علمه كتب اليه من
العراق يخرج من خرج ومن
الشام بجائزة من اجيز بها.
عمر پر کوئی بات مخفی نہیں رہتی تھی، عراق میں
جن لوگوں نے خروج کیا اور شام میں جن
لوگوں کو انعام دیئے گئے سب ہی ان کو لکھا
جاتا تھا۔

محکمہ خبر رسانی کی سرگرمی کا اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ نعمان بن عدی حاکم ميسان نے عیش و عشرت میں مبتلا ہو کر اپنی بی بی کو ایک خط لکھا جس میں یہ شعر بھی تھا:

لعل امير المؤمنين يسوءه
غالباً امير المؤمنين برامانيس گے کہ ہم لوگ
تناد منا بالجوسق المتهدم
محلوں میں رندان صحبت رکھتے ہیں

اس محکمے کو میاں بیوی کے راز و نیاز کی بھی خبر ہو گئی۔ حضرت عمرؓ نے نعمان کو معزول کر کے لکھا کہ ”ہاں مجھ کو تمہاری یہ حرکت ناگوار ہوئی“ (۴)۔

عدل و انصاف

خلافت فاروقی کا سب سے نمایاں وصف عدل و انصاف ہے، ان کے عہد میں کبھی سرمو بھی انصاف سے تجاوز نہیں ہوا۔ شاہ و گدا، شریف و رزیل، عزیز و یتیم سب کے لئے ایک ہی قانون تھا۔ ایک دفعہ عمرو بن العاصؓ کے صاحبزادے عبداللہ نے ایک شخص کو بوجہ مارا۔ حضرت عمرؓ نے

② ایضاً ص ۱۷۱

① یعقوبی ج ۲ ص ۷۷ میں اس کی پوری تفصیل ہے

④ استیعاب ج ۱ تذکرہ نعمان بن عدی

③ فتوح البلدان ذکر العطاء فی خلافتہ عمر بن خطاب

اسی مضروب سے ان کے کوڑے لگوائے۔ عمرو بن العاصؓ بھی موجود تھے، دونوں باپ بیٹے خاموشی سے عبرت کا تماشا دیکھا کئے اور ذمہ نہ مار سکے (۱)۔ جبکہ بن اسہم رئیسِ شام نے طواف میں ایک شخص کو طمانچہ مارا اس نے بھی برابر کا جواب دیا۔ جبکہ نے حضرت عمرؓ سے شکایت کی تو انہوں نے جواب دیا کہ جیسا کیا ویسا پایا، جبکہ کو اس جواب سے حیرت ہوئی اور مرتد ہو کر قسطنطنیہ بھاگ گیا۔ حضرت عمرؓ نے لوگوں کی تنخواہیں مقرر کیں تو اسامہ بن زیدؓ کی تنخواہ جو آنحضرت ﷺ کے محبوب غلام حضرت زیدؓ کے فرزند تھے، اپنے بیٹے عبداللہ سے زیادہ مقرر کی۔ عبداللہ نے عذر کیا کہ واللہ اسامہؓ کسی بات میں ہم سے فائق نہیں ہیں۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ ہاں! لیکن رسول اللہ ﷺ اسامہؓ کو تجھ سے زیادہ عزیز رکھتے تھے (۲)۔

فاروقی عدل و انصاف کا دائرہ صرف مسلمانوں تک محدود نہ تھا بلکہ ان کا دیوانِ عدل مسلمان، یہودی، عیسائی سب کے لئے یکساں تھا۔ قبیلہ بکر بن وائل کے ایک شخص نے حیرہ کے ایک عیسائی کو مار ڈالا۔ حضرت عمرؓ نے لکھا کہ قاتلِ مقتول کے ورثاء کے حوالہ کر دیا جائے۔ چنانچہ وہ شخص مقتول کے وارث کو جس کا نام حنین تھا سپرد کیا گیا اور اس نے اس کو مقتول عزیز کے بدلہ میں قتل کر دیا۔

حضرت عمرؓ نے ایک پیر کہن سال کو گداگری کرتے دیکھا، پوچھا ”تو بھیک مانگتا ہے“ اس نے کہا ”مجھ پر جزیہ لگایا گیا ہے، حالانکہ میں بالکل مفلس ہوں“۔ حضرت عمرؓ اسے اپنے گھر لے آئے اور کچھ نقد دے کر مہتمم بیت المال کو لکھا کہ ”اس قسم کے ذمی مساکین کے لئے بھی وظیفہ مقرر کر دیا جائے۔ واللہ! یہ انصاف نہیں ہے کہ ان کی جوانی سے ہم متمتع ہوں اور بڑھاپے میں ان کی خبر گیری نہ کریں“ (۳)۔

عربوں کے عیسائیوں کو ان کی متواتر بغاوتوں کے باعث جلاوطن کیا گیا۔ مگر اس طرح کہ ان کی املاک کی دوچند قیمت دی گئی (۴)۔ نجران کے عیسائیوں کو جلاوطن کیا گیا تو ان کے ساتھ بھی اچھا سلوک کیا گیا (۵)۔

① کنز العمال ج ۶ ص ۳۵۵ ② مستدرک حاکم جلد ۳ مناقب عبداللہ بن عمرؓ

③ کتاب الخراج ص ۷۲ ④ فتوح البلدان ص ۱۶۳ ⑤ طبری ص ۶۱۶۲

علم و فضل

اسلام سے قبل عرب میں لکھنے پڑھنے کا چنداں رواج نہ تھا۔ چنانچہ جب آنحضرت ﷺ مبعوث ہوئے تو قبیلہ قریش میں صرف سترہ آدمی ایسے تھے جو لکھنا جانتے تھے۔ حضرت عمرؓ نے اسی زمانہ میں لکھنا اور پڑھنا سیکھ لیا تھا (۱)۔ حضرت عمرؓ کے فرامین، خطوط، توقیعات اور خطبے اب تک کتابوں میں محفوظ ہیں۔ ان سے ان کی قوت تحریر برستگی کلام اور زور تحریر کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ بیعت خلافت کے بعد جو خطبہ دیا اس کے چند فقرے یہ ہیں:

اللهم انی غلیظ فلینی،	اے خدا میں سخت ہوں تو مجھ کو نرم کر، میں
اللهم انی ضعیف فقونی الا	کمزور ہوں مجھ کو قوت دے، ہاں عرب
وان العرب جمل انف وقد	والے سرکش اونٹ ہیں جن کی مہار میرے
اعطیت خطامہ الا وانی	باتھ میں دیدی گئی ہے لیکن میں ان کو راستہ
حاملہ علی المحجة	پر چلا کر چھوڑوں گا۔

قوت تحریر کا اندازہ اس خط سے ہو سکتا ہے جو حضرت ابو موسیٰ اشعرئی کے نام لکھا گیا تھا۔ اس کے چند فقرے ہیں:

اما بعد فان الفوة فی العمل	اما بعد! مضبوطی عمل کی یہ ہے کہ آج کا کام
ان لا توخروا عمل الیوم لغد	کل پر نہ اٹھا رکھو، ایسا کرو گے تو تمہارے
فانکم اذا فعلتم ذلک قد	بہت سے کام جمع ہو جائیں گے، پھر
ارکت علیکم اعمالکم فلم	پریشان ہو جاؤ گے کہ کس کو کریں اور کس کو
تدروا ایہا تاخذون فاضعتم	چھوڑ دیں، اس طرح کچھ بھی نہ ہو سکے گا۔

شاعری کا خاص ذوق تھا اور شعرائے عرب کے کلام پر تنقیدی نگاہ رکھتے تھے، مشاہیر میں سے زہیر کے کلام کو سب سے زیادہ پسند کرتے تھے۔ کبھی کبھی خود بھی شعر کہتے تھے (۲) لیکن اس کی

① بلاذری ص ۷۷ ② ابویٰ الحسن بن رشیق نے کتاب العمدہ میں ان کے اشعار نقل کئے ہیں

طرف زیادہ تو غل نہ تھا۔

فصاحت و بلاغت کا یہ حال تھا کہ ان کے بہت سے مقولے ضرب المثل بن گئے جو آج بھی عربی ادب کی جان ہیں۔ علم الانساب میں بھی ید طولیٰ حاصل تھا۔ یہ علم کئی پشتوں سے اُن کے خاندان میں چلا آتا تھا۔ ان کے والد خطاب مشہور نساب تھے۔ جاہل نے لکھا ہے کہ جب وہ انساب کے متعلق کچھ بیان کرتے تھے تو اپنے باپ کا حوالہ دیتے تھے (۱)۔ معلوم ہوتا ہے کہ مدینہ پہنچ کر عبرانی زبان بھی انہوں نے سیکھ لی تھی۔ مسند دارمی میں ہے کہ ایک دفعہ حضرت عمرؓ توریت کا نسخہ آنحضرت ﷺ کے پاس لے گئے اور پڑھنا شروع کیا۔ وہ پڑھتے جاتے تھے اور آنحضرت ﷺ کا چہرہ متغیر ہوتا جاتا ہے (۲)۔ اس سے قیاس ہوتا ہے کہ عبرانی زبان سے اس قدر واقف ہو گئے تھے کہ توریت کو خود پڑھ سکتے تھے۔

حضرت عمرؓ قنطرة ذہین، طباع اور صائب الرائے تھے۔ اصابت رائے کی اس سے زیادہ اور کیا دلیل ہو سکتی ہے کہ ان کی بہت سی رائیں مذہبی احکام بن گئیں۔ اذان کا طریقہ ان کی رائے کے موافق ہوا۔ اسیران بدر کے متعلق جو رائے انہوں نے دی وحی الہی نے اسی کی تائید کی۔ شراب کی حرمت، ازواجِ مطہرات کے پرہ اور مقامِ ابراہیم کو مصلے بنانے کے متعلق حضرت عمرؓ نے نزولِ وحی سے پہلے رسول اللہ ﷺ کو رائے دی تھی (۳)۔

آپ کو بارگاہِ نبوت میں جو خاص تقرب حاصل تھا، اس کے لحاظ سے قدرۃ ان کو شرعی احکام اور عقائد سے واقف ہونے کا زیادہ موقع ملا۔ طبیعت نکتہ رس واقع ہوئی تھی اس لئے آئندہ نسلوں کے لئے اجتہاد اور استنباط مسائل کی وسیع شاہراہ قائم کر دی۔ وہ آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں بھی شرعی مسائل پر غور و فکر کیا کرتے تھے اور جب کوئی مسئلہ خلافِ عقل معلوم ہوتا تو اس کو آپ ﷺ سے دریافت کیا کرتے تھے۔ سفر میں قصر کا حکم دے دیا گیا تھا، لیکن جب راستے مامون ہو گئے تو حضرت عمرؓ نے دریافت کیا کہ اب سفر میں یہ حکم کیوں باقی ہے؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ”یہ خدا کا انجام ہے۔“

مسائل دریافت کرنے میں مطلقاً پس و پیش نہیں کرتے تھے اور جب تک تشفی نہ ہو جاتی ایک ہی مسئلہ کو بار بار رسول اللہ ﷺ سے دریافت کرتے تھے، کلام کے مسئلہ کو جو نہایت دقیق اور مختلف فیہ مسئلہ ہے، بار بار آنحضرت ﷺ سے دریافت کیا۔ آخر میں آپ ﷺ نے فرمایا، ”سورہ نساء کی آخری آیت تمہارے لئے کافی ہے“ (۴)۔

① کتاب البیان والسمیعین ج ۱ ص ۱۱ ② مسند دارمی ص ۲۶ ③ تاریخ الخلفاء ص ۱۲۔ بخاری کے

مختلف ابواب میں یہ واقعات مذکور ہیں۔ ④ تفسیر ابن جریر ج ۶ ص ۲۵

نہایت غور و توجہ کے ساتھ قرآن پاک کی تلاوت کرتے تھے، ہر ایک آیت پر مجتہدانہ حیثیت سے نگاہ ڈالتے تھے۔ ایک دن صحابہؓ کے مجمع میں اس آیت کے معنی پوچھے: **اِيُوْذُ اَخَذْتُكُمْ اَنْ تَكُوْنُوْا لِهٰٓ جَنَّةٍ**۔ لوگوں نے کہا واللہ اعلم۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے کہا کہ اس میں ایک کام کرنے والے کی تمثیل ہے۔ چونکہ جواب نام تمام تھا، حضرت عمرؓ نے اس پر قناعت نہ کی، لیکن عبداللہ بن عباسؓ اس سے زیادہ نہ بتا سکے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا، یہ اس آدمی کی تمثیل ہے جس کو خدا نے دولت و نعمت دی کہ خدا کی بندگی بجالائے۔ لیکن اس نے نافرمانی کی، تو اس کے اچھے اعمال بھی برباد کر دیئے جائیں گے (۱)۔

قرآن مجید سے استدلال میں بڑی مہارت رکھتے تھے۔ عراق کی فتح کے بعد یہ بحث پیدا ہوئی کہ ممالک مفتوحہ مجاہدین کی ملکیت اور وہاں کے باشندے ان کے غلام ہیں۔ حضرت عمرؓ کا خیال تھا کہ مقام مفتوحہ کسی ایک شخص یا بہت سے مخصوص اشخاص کی ملکیت نہیں ہیں بلکہ وقف عام ہیں اور استدلال میں یہ آیت پیش کی۔ **وَمَا اَفَاءَ اللّٰهُ زُكُوْلُهُ مِنْ اَهْلِ الْقَرْيَةِ**۔

بالآخر سب نے اس کی تائید کی اور اسی پر فیصلہ ہوا۔ حضرت عمرؓ کی مرفوع روایات کی تعداد ستر سے زیادہ نہیں ہے۔ لیکن اس سے یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ وہ صرف اسی قدر احادیث سے واقف تھے۔ درحقیقت انہوں نے اپنے عہد خلافت میں جس قدر احکام صادر فرمائے ہیں وہ سب احادیث ہی سے ماخوذ ہیں۔ یہ دوسری بات ہے کہ اس میں رسول اللہ ﷺ کا نام نہیں لیا ہے اور نام نہ لینے کی وجہ یہ تھی کہ وہ رسول اللہ ﷺ کی طرف کسی قول کو منسوب کرنے میں نہایت محتاط تھے جب تک اس کے ہر لفظ پر یقین نہ ہوتا تھا کہ رسول اللہ ﷺ نے اسی طرح بیان فرمایا ہے اس وقت تک ہرگز ہرگز زبان سے قال رسول اللہ ﷺ کا لفظ نہیں نکالتے تھے، یہی وجہ تھی کہ وہ خود بھی بہت کم احادیث روایت کرتے تھے اور دوسروں کو بھی کثرت روایت سے روکتے تھے۔ علامہ ذہبی حضرت عمرؓ کے حالات میں لکھتے ہیں (۲):

وقد كان عمر من دجله	اور حضرت عمرؓ اس ڈر سے کہ صحابہؓ آنحضرت
يخطئ الصاحب علي رسول	ﷺ سے روایت کرنے میں غلطی نہ کریں
الله صلى الله عليه وسلم يامرهم	ان کو حکم دیتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ سے کم
ان يقلوا الرواية من نبهم.	روایت کریں۔

محدث کا سب سے بڑا فرض روایات کی تحقیق و تنقید اور جرح و تعدیل ہے۔ اگرچہ حضرت ابو بکر صدیقؓ نے بھی اپنے عہد میں روایت کے قبول کرنے میں ثبوت اور شہادت کا لحاظ رکھا، لیکن

حضرت عمرؓ کو اس میں بہت زیادہ غلو تھا اور جب تک روایت و درایت دونوں حیثیت سے اس کا ثبوت نہ پہنچتا، قبول نہ کرتے۔ اس کی مثالیں تفصیل کے ساتھ مذہبی خدمات کے سلسلہ میں مذکور ہو چکی ہیں، اس لئے یہاں اس کے اعادہ کی ضرورت نہیں۔

فقہ کا سلسلہ بھی درحقیقت حضرت عمرؓ کا ہی ساختہ پر داختہ ہے۔ ان سے اس قدر فقہی مسائل منقول ہیں کہ اگر جمع کئے جائیں تو ایک ضخیم کتاب تیار ہو سکتی ہے۔ استنباط احکام اور تفریع مسائل کے لئے بھی انہوں نے ایک شاہراہ قائم کر دی تھی۔ مختلف فیہ مسائل کے طے کرنے کے لئے اجماع صحابہ جس کثرت سے حضرت عمرؓ کے عہد میں ہوا پھر نہیں ہوا۔

اخلاق و عادات

حضرت سرور کائنات ﷺ کی بعثت کا حقیقی مقصد دنیا کو برگزیدہ اور پسندیدہ اخلاق کی تعلیم دینا تھا۔ جیسا کہ خود ارشاد فرمایا بعثت لانم مکارم الاخلاق۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو براہ راست اس سرچشمہ اخلاق سے سیراب ہونے کا موقع ملا تھا اس لئے اس مقدس جماعت کا ہر فرد اسلامی اخلاق کا مجسم نمونہ تھا، لیکن حضرت عمرؓ کو بارگاہ نبوی ﷺ میں جو تقرب حاصل تھا اس کے لحاظ سے ان کو زیادہ حصہ ملا۔ وہ محاسن و محامد کی مجسم تصویر تھے، ان کے آئینہ اخلاق میں خلوص، انقطاع الی اللہ، لذائذ دنیا سے اجتناب حفظ لسان حق پرستی، راست گوئی، تواضع اور سادگی کا عکس سب سے زیادہ نمایاں نظر آتا ہے۔ یہ اوصاف آپ میں ایسے راسخ تھے کہ جو شخص آپ کی صحبت میں رہتا تھا وہ بھی کم و بیش متاثر ہو کر اسی قالب میں ڈھل جاتا تھا۔ مسور بن مخرمہ کا بیان ہے کہ ہم اس غرض سے حضرت عمرؓ کے ساتھ رہتے تھے کہ ان سے پرہیزگاری و تقویٰ سیکھیں۔ عہد فاروقی کے افسروں اور عہدیداروں کے حالات کا بغور مطالعہ کرو، تم کو معلوم ہوگا کہ وہ سب ایک ہی رنگ میں رنگے ہوئے تھے۔

خوف خدا

اخلاقی پختگی اور استواری کا اصلی سرچشمہ خشیت الہی اور خداوند جل و علی جبروت و عظمت کا غیر متزلزل یقین ہے۔ جو دل خشوع و خضوع اور خوف خداوندی سے خالی ہے اس کی حقیقت ایک مضغہ گوشت سے زیادہ نہیں۔ حضرت عمرؓ خشوع و خضوع کے ساتھ رات رات بھر نمازیں پڑھتے، صبح ہوتے کے قریب گھر والوں کو جگاتے اور یہ آیت پڑھتے: وَاْمُرْ اَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ (۱)۔ نماز میں عموماً ایسی صورتیں پڑھتے جن میں قیامت کا ذکر یا خدا کی عظمت جلال کا بیان ہوتا ار اس قدر متاثر ہوتے کہ روتے روتے ہچکی بندھ جاتی۔ حضرت عبد اللہ بن شداد کا بیان ہے کہ میں باوجودیکہ پچھلی صف میں رہتا تھا لیکن حضرت عمرؓ یہ آیت اِنَّمَا اَشْكُوْ بَشِيْ وَحْزَنِيْ پڑھ کر اس زور

① مؤطا امام مالک باب ماجاء فی صلوٰۃ اللیل

سے روتے تھے کہ میں رونے کی آواز سنتا تھا (۱)۔

حضرت امام حسن کا بیان ہے کہ ایک دفعہ حضرت عمرؓ نماز پڑھ رہے تھے جب اس پر پہنچے:

اِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ لَوَاقِعٌ مَّالَهُ تیرے رب کا عذاب یقینی ہو کر رہنے والا

مِنْ دَافِعٍ ہے اس کو کئی دفع کرنے والا نہیں۔

تو بہت متاثر ہوئے اور روتے روتے آنکھیں سوچ گئیں۔ اسی طرح ایک دفعہ اس آیت پر و اذا

الْقَوَا مِنْهَا مَكَانًا ضَيِقًا مَقْرَنِينَ دَعَوْا هٰنَالِكَ ثُبُورًا۔ اس قدر خضوع طاری ہوا کہ اگر کوئی ان کے

حال سے ناواقف شخص دیکھ لیتا تو یہ سمجھتا کہ اسی حالت میں روح پرواز کر جائے گی۔

رقتِ قلب اور عبرت پذیری کا یہ عالم تھا کہ ایک روز صبح کی نماز میں سورہ یوسف شروع کی اور

جب اس آیت پر پہنچے وَاَبْيَضَّتْ عَيْنَاهُ مِنَ الْحُزْنِ فَهُوَ كَظِيمٌ۔ تو زار و قطار رونے لگے، یہاں

تک کہ قرآن مجید ختم کر کے رُوع پر مجبور ہو گئے (۲)۔

قیامت کے مواخذہ سے بہت ڈرتے تھے اور ہر وقت اس کا خیال رہتا تھا۔ صحیح بخاری میں

ہے کہ ایک دفعہ ایک صحابی سے کہا کہ ”تم کو یہ پسند ہے کہ ہم رسول اللہ کے ساتھ اسلام لائے،

ہجرت کی، جہاد اور نیک اعمال کئے، اس کے بدلے میں دوزخ سے بچ جائیں اور عذاب و ثواب

برابر ہو جائے۔“ بولے خدا کی قسم نہیں، ہم نے آپ کے بعد بھی روزے رکھے، نمازیں

پڑھیں، بہت سے نیک کام کئے اور ہمارے ہاتھ پر بہت سے لوگ اسلام لائے ہم کو ان اعمال

سے بڑی بڑی توقعات ہیں۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا اُس ذات کی قسم! جس کے ہاتھ میں میری جان

ہے مجھے تو یہی غیبت معلوم ہوتا ہے کہ آپ عذاب سے بچ جائیں اور نیکی اور بدی برابر ہو جائیں“ (۳)

ایک بار راہ میں پڑا ایک تنکا اٹھا لیا اور کہا ”کاش میں بھی خس و خاشاک ہوتا، کاش! کاش

میں پیدا ہی نہ کیا جاتا، کاش میری ماں مجھے نہ جنتی“ (۴)۔

غرض حضرت عمرؓ کا دل ہر لمحہ خوفِ خداوندی سے لرزاں و ترساں رہتا تھا۔ آپ فرماتے کہ اگر

آسمان سے ندا آئے کہ ایک آدمی کے سوا تمام دنیا کے لوگ جنتی ہیں تب بھی مواخذہ کا خوف زائل

نہ ہوگا کہ شاید وہ بد قسمت انسان میں ہی ہوں (۵)۔

حب رسول اور اتباع سنت

تہذیبِ نفس اور اخلاقِ حمیدہ سے مزین ہونے کے لئے ہر مسلمان کا فرض ہے کہ اپنے دل

میں مبداءِ خلقِ عظیم یعنی رسول اکرم ﷺ کی خالص محبت اور اتباع سنت کا صحیح جذبہ پیدا کرے جو دل

① بخاری کتاب الصلوٰۃ باب اذا کبى الامام فى الصلوٰۃ ② کنز العمال ج ۶ ص ۳۳۷

③ بخاری باب ایام الجلبلیۃ ④ کنز العمال ج ۶ ص ۲۳۵ ⑤ ایضاً

سول اللہ ﷺ کی محبت سے خالی اور جو قدم اسوۂ حسنہ کا جادہ مستقیم سے منحرف ہے وہ کبھی سعادت کو نین کی نعمت سے متمتع نہیں ہو سکتا۔ ایک دفعہ حضرت عمرؓ نے بارگاہِ نبوت میں عرض کیا کہ اپنی بان کے سوا حضور ﷺ تمام دنیا سے زیادہ محبوب ہیں۔ ارشاد ہوا، عمر! میری محبت اپنی جان سے بھی زیادہ ہونی چاہئے۔ حضرت عمرؓ نے کہا، اب حضور ﷺ اپنی جان سے بھی زیادہ عزیز ہیں۔

آپ جمالِ نبوت کے سچے شیدائی تھے، ان کو اس راہ میں جان و مال، اولاد اور عزیز و اقارب کی قربانی سے بھی دریغ نہ تھا۔ عاصی بن ہشام جو حضرت عمرؓ کا ماموں تھا، معرکہ بدر میں خود ان کے ہاتھ سے مارا گیا۔ اسی طرح جب آنحضرت ﷺ نے ازواجِ مطہراتؓ سے ناراض ہو کر علیحدگی اختیار کر لی تو حضرت عمرؓ نے یہ خبر سن کر حاضر خدمت ہونا چاہا۔ جب بار بار اذن طلب کرنے پر بھی اجازت نہ ملی تو پکار کر کہا ”خدا کی قسم! میں حصہ کی سفارش کے لئے نہیں آیا ہوں۔ اگر رسول اللہ ﷺ حکم دیں تو اس کی گردن مار دوں“ (۱)۔

آنحضرت کے ساتھ حضرت عمرؓ کی محبت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ حضور نے وفات پائی تو ان کو کسی طرح اس کا یقین نہیں آتا تھا۔ مسجد نبویؐ میں حالتِ وارفتگی میں قسمیں کھا کر اعلان کرتے تھے کہ جس کی زبان سے نکلے گا کہ میرا محبوب آقا دنیا سے اٹھ گیا اس کا سر توڑ دوں گا۔ آپ ﷺ کے وصال کے بعد جب کبھی عہدِ مبارک یاد آ جاتا تو رقت طاری ہو جاتی اور روتے روتے بیتاب ہو جاتے۔ ایک دفعہ سفرِ شام کے موقع پر حضرت بلالؓ نے مسجد اقصیٰ میں اذان دی تو رسول اللہ ﷺ کی یاد تازہ ہو گئی اور اس قدر روئے کہ بجلی بندھ گئی (۲)۔

یہ فطری امر ہے کہ محبوب کا عزیز بھی عزیز ہوتا ہے۔ اس بنا پر جن لوگوں کو آنحضرت ﷺ اپنی زندگی میں عزیز رکھتے تھے، حضرت عمرؓ نے اپنے ایامِ خلافت میں ان کا خاص خیال رکھا۔ چنانچہ جب آپ نے صحابہؓ کے وظائف مقرر کئے تو آنحضرت ﷺ کے محبوب غلام زید بن حارثہؓ کے فرزند اسامہ بن زیدؓ کی تنخواہ اپنے بیٹے عبداللہؓ سے زیادہ مقرر کی۔ عبداللہؓ نے عذر کیا تو آپ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ اسامہ کو تجھ سے زیادہ عزیز رکھتے تھے (۳)۔ اسی طرح جب فتح مدائن کے بعد مالِ غنیمت آیا تو حضرت عمرؓ نے حضرت امام حسنؓ اور حضرت امام حسینؓ کو ہزار ہزار درہم مرحمت فرمائے اور اپنے صاحبزادے عبداللہؓ کو صرف پانچ سو دیئے۔ حضرت عبداللہؓ نے عذر کیا اور کہا کہ جب یہ دونوں بچے تھے، اس وقت میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ معرکوں میں پیش پیش رہا ہوں۔ حضرت عمرؓ نے کہا ہاں لیکن ان کے بزرگوں کا جو رتبہ ہے وہ تیرے باپ دادا کا نہیں ہے۔

① فتح الباری ج ۹ ص ۲۵۱ ② فتوح الشام از وی فتح بیت المقدس

③ مستدرک ج ۳ مناقب عبداللہ بن عمرؓ

ازواج مطہرات کے مرتبہ، ان کے احترام اور آرام و آسائش کا خاص لحاظ رکھتے تھے چنانچہ ان کی تنخواہیں سب سے زیادہ بارہ ہزار مقرر کیں (۱) ۶۳ھ میں جب امیر الحجاج بن کر گئے تو ازواج مطہرات کو بھی نہایت ادب و احترام کے ساتھ ہمراہ لے گئے۔ حضرت عثمانؓ اور حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ کو ساریوں کے ساتھ کر دیا تھا۔ یہ لوگ آگے پیچھے چلتے تھے، اور کسی کو ساریوں کے قریب نہیں آنے دیتے تھے۔ ازواج مطہرات منزل پر حضرت عمرؓ کے ساتھ قیام کرتی تھیں اور حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ کسی کو قیام گاہ کے متصل آنے کی اجازت نہیں دیتے تھے (۲)۔

حضرت عمرؓ کے دستور عمل کا سب سے زین صفحہ اتباع سنت تھا، وہ خورد و نوش، لباس و وضع، نشست و برخاست غرض ہر چیز میں اسوہ حسنہ کو پیش نظر رکھتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے ہمیشہ فقر و فاقہ سے بسر کی تھی، اس لئے حضرت عمرؓ نے روم و ایران کی شہنشاہی ملنے کے بعد بھی فقر و فاقہ کی زندگی کا ساتھ نہ چھوڑا۔ ایک دفعہ حضرت حفصہؓ نے کہا کہ اب خدا نے مرفہ الحالی عطا فرمائی ہے اس لئے آپ کو نرم لباس اور نفیس غذا سے پرہیز نہ کرنا چاہئے۔ حضرت عمرؓ نے کہا، جان پورا تم رسول اللہ ﷺ کی عسرت اور تنگ حالی کو بھول گئیں۔ خدا کی قسم! میں اپنے آقا کے نقش قدم پر چلوں گا کہ آخرت کی فراغت اور خوشحالی نصیب ہو۔ اس کے بعد دیر تک رسول اللہ ﷺ کی عسرت کا تذکرہ کرتے رہے، یہاں تک کہ حضرت حفصہؓ نے تاب ہو کر رونے لگیں (۳)۔

ایک دفعہ یزید بن ابی سفیان کے ساتھ شریک طعام ہوئے۔ معمولی کھانے کے بعد دستر خوان پر جب عمدہ کھانے لائے گئے تو حضرت عمرؓ نے ہاتھ کھینچ لیا اور کہا قسم ہے اُس ذات کی جس کے ہاتھ میں عمرؓ کی جان ہے۔ اگر تم رسول اللہ ﷺ کی روش سے ہٹ جاؤ گے تو خدا تم کو جادہ مستقیم سے منحرف کر دے گا (۴)۔

اسلام میں شعارِ اللہ کی تعظیم کا حکم ہے اس لئے آنحضرت ﷺ نے حجرِ اسود کو بوسہ دیا ہے۔ حضرت عمرؓ کو اپنے زمانہ خلافت میں جب اس کا موقع پیش آیا تو اس خیال سے کہ ایسا نہ ہو کہ پتھر کو بوسہ دینے سے کبھی مسلمانوں کو یہ دھوکہ ہو کہ اس میں بھی الہی شان ہے حجرِ اسود کو بوسہ تو دیا لیکن اس کے سامنے کھڑے ہو کر کہا:

انی اعلم انک حجر وانک
لا تضر ولا تنفع ولولا انی رایت
رسول اللہ یقبلک ما قبلتک
میں جانتا ہوں کہ تو ایک پتھر ہے، نہ نقصان
پہنچا سکتا ہے نہ نفع، اگر میں رسول اللہ کو بوسہ
دیتے نہ دیکھتا تو تجھے ہرگز بوسہ نہ دیتا۔

① کتاب الخراج ص ۲۴ ② ابن سعد تذکرہ عبدالرحمن بن عوفؓ

③ کنز العمال ج ۶ ص ۲۳۹ ④ ایضاً ص ۳۴۵

اسی طرح طواف میں رمل کا حکم مشرکین عرب کے دلوں پر رعب ڈالنے کی مصلحت پر مبنی تھا اس لئے جب خدا نے ان کو ہلاک کر دیا تو حضرت عمرؓ کو خیال ہوا کہ اب رمل سے کیا فائدہ ہے مگر پھر آنحضرت ﷺ کی یادگار کو ترک کرنے پر جرأت نہ ہوئی (۱)۔

ان کی ہمیشہ یہ کوشش رہتی تھی کہ رسول اللہ ﷺ کو جو کام جس طرح کرتے دیکھا اسی طرح وہ بھی عمل پیرا ہوں۔ ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ نے ذوالحلیفہ میں دو رکعت نماز پڑھی تھی، حضرت عمرؓ جب اس طرف سے گزرتے تو اس جگہ دو رکعت نماز ادا کر لیتے تھے۔ ایک شخص نے پوچھا یہ نماز کیسی ہے؟ آپ نے فرمایا کہ میں نے یہاں رسول اللہ ﷺ کو نماز پڑھتے دیکھا ہے۔ یہ کوشش صرف اپنی ذات تک محدود نہ تھی، بلکہ وہ چاہتے تھے کہ ہر شخص کا دل اتباع سنت کے جذبہ سے معمور ہو جائے۔

ایک دفعہ جمعہ کا خطبہ دے رہے تھے کہ ایک شخص مسجد میں داخل ہوا۔ حضرت عمرؓ نے عین خطبہ کی حالت میں اس کی طرف دیکھا اور کہا ”آنے کا یہ کیا وقت ہے؟“ انہوں نے کہا کہ بازار سے آ رہا تھا کہ اذان سنی، وضو کر کے فوراً حاضر ہوا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا ”وضو پر کیوں اکتفا کیا؟“ رسول اللہ ﷺ (جمعہ کو) غسل کا حکم دیا کرتے تھے (۲)۔

زہد و قناعت

دنیا طلبی اور حرص تمام بد اخلاقیوں کی بنیاد ہے۔ حضرت عمرؓ کو اس سے طبعی نفرت تھی، یہاں تک کہ خود ان کے ہم مرتبہ معاصرین کو اعتراف تھا کہ وہ زہد و قناعت کے میدان میں سب سے آگے ہیں۔ حضرت طلحہؓ کا بیان ہے کہ قدامت اسلام اور ہجرت کے لحاظ سے بہت سے لوگوں کو عمر بن الخطابؓ پر فوقیت حاصل ہے، لیکن زہد و قناعت میں وہ سب سے بڑھے ہوئے ہیں۔ صحیح مسلم میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب حضرت عمرؓ کو کچھ دینا چاہتے تو وہ عرض کرتے کہ مجھ سے زیادہ حاجت مند لوگ موجود ہیں جو اس عطیہ کے زیادہ مستحق ہیں۔ آنحضرت ﷺ ارشاد فرماتے کہ ”اس کو لے لو، پھر تمہیں اختیار ہے کہ اپنے پاس رکھو یا صدقہ کر دو، انسان کو اگر بے طلب مل جائے تو لے لینا چاہئے“ (۳)۔

حضرت عمرؓ کا جسم کبھی نرم اور ملائم کپڑے سے مس نہیں ہوا۔ بدن پر بارہ بارہ پیوند کا کرتہ، سر پر پھٹا ہوا عمامہ اور پاؤں میں پھٹی ہوئی جوتیاں ہوتی تھیں۔ اسی حالت میں وہ قیصر و کسریٰ کے سفیروں سے ملتے تھے اور وفود کو باریاب کرتے تھے، مسلمانوں کو شرم آتی تھی، مگر اقلیم زہد کے

① بخاری کتاب الحج ② بخاری کتاب الجمعہ باب فضل الغسل یول الجمعہ

③ ابوداؤد کتاب الزکوٰۃ باب فی الاستغفار

شہنشاہ کے آگے کون زبان کھولتا۔ ایک دفعہ حضرت عائشہؓ اور حضرت حفصہؓ نے کہا، امیر المؤمنین اب خدا نے مرفہ الحال کیا ہے، بادشاہوں کے سفراء اور عرب کے وفود آتے رہتے ہیں، اس لئے آپ کو اپنے طرز معاشرت میں تغیر کرنا چاہئے۔ حضرت عمرؓ نے کہا، افسوس تم دونوں امہات المؤمنین ہو کر دنیا طلبی کی ترغیب دیتی ہو، عائشہؓ! تم رسول اللہ ﷺ کی اس حالت کو بھول گئیں کہ تمہارے گھر میں صرف ایک کپڑا تھا جس کو دن کو بچھاتے تھے اور رات کو اوڑھتے تھے۔ حفصہؓ! تم کو یاد نہیں ہے کہ ایک دفعہ تم نے فرش کو دہرا کر کے بچھا دیا تھا، اس کی نرمی کے باعث رسول اللہ ﷺ رات بھر سوتے رہے۔ بلالؓ نے اذان دی تو آنکھ کھلی اس وقت آپ ﷺ نے فرمایا:

يا حفصة ماذا صنعت ثبيت
المهاد حتى ذهب بي النوم
الى الصباح مالي وللدنيا
ومالي شغلت مني بين الفراش
حفصہ! تم نے یہ کیا کیا کہ فرش کو دہرا کر دیا
کہ میں صبح تک سوتا رہا مجھے دنیاوی راحت
سے کیا تعلق ہے! اور فرش کی نرمی کی وجہ
سے تو نے مجھے غافل کر دیا (۱)۔

ایک دفعہ نرمی کا کرتہ ایک شخص کو دھونے اور پیوند لگانے کے لئے دیا اس نے اس کے ساتھ ایک نرم کپڑے کا کرتہ پیش کیا۔ حضرت عمرؓ نے اس کو واپس کر دیا اور اپنا کرتہ لے کر کہا اس میں پسینہ خوب جذب ہوتا ہے (۲)۔

کپڑا عموماً گرمی میں بنواتے تھے اور پھٹ جاتا تو پیوند لگاتے چلے جاتے حضرت حفصہؓ نے اس کے متعلق گفتگو کی تو فرمایا، مسلمانوں کے مال میں اس سے زیادہ تصرف نہیں کر سکتا (۳)۔ ایک دفعہ دیر تک گھر میں رہے، باہر آئے تو لوگ انتظار کر رہے تھے، معلوم ہوا کہ پہننے کو کپڑے نہ تھے اس لئے ان ہی کپڑوں کو دھو کر سوکھنے کو ڈال دیا تھا، خشک ہوئے تو وہی پہن کر باہر نکلے۔

غذا بھی عموماً نہایت سادہ ہوتی تھی، معمولاً روٹی اور روغن زیتون دسترخوان پر ہوتا تھا، روٹی اگر چہ گیہوں کی ہوتی تھی لیکن آٹا چھانا نہیں جاتا تھا، مہمان یا سفراء آتے تھے تو کھانے کی ان کو تکلیف ہوتی تھی کیونکہ وہ ایسی سادی اور معمولی غذا کے عادی نہیں ہوتے تھے۔ حفصہ بن ابی العاصؓ اکثر کھانے کے وقت موجود ہوتے تھے لیکن شریک نہیں ہوتے تھے، ایک دفعہ حضرت عمرؓ نے وجہ پوچھی تو کہا کہ آپ کے دسترخوان پر ایسی سادہ اور معمولی غذا ہوتی ہے کہ ہم لوگ اپنے لذیذ اور نفیس کھانوں پر اس کو ترجیح نہیں دے سکتے۔ حضرت عمرؓ نے کہا، کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ میں قیمتی اور لذیذ کھانا کھانے کی قدرت نہیں رکھتا؟ قسم ہے اس ذات کی جسکے قبضہ میں میری جان ہے، اگر قیامت کا خوف نہ ہوتا تو میں بھی تم لوگوں کی طرح دنیاوی عیش و عشرت کا دلدادہ ہوتا (۴)۔

① کنز العمال ج ۶ ص ۳۵۰ ② ایضاً ص ۳۴۶ ③ ایضاً ص ۳۳۲ ④ ایضاً ص ۳۴۶

حضرت عمرؓ ہر شخص کو اپنی طرح زہد اور سادگی کی حالت میں دیکھنا چاہتے تھے، وقتاً فوقتاً اپنے عمال اور حکام کو ہدایت کرتے رہتے تھے کہ رومیوں اور عجمیوں کی طرز معاشرت نہ اختیار کریں۔ سفر شام میں جب انہوں نے افسروں کو اس وضع میں دیکھا کہ بدن پر حریر و دپا کے حلے اور پر تکلف قبائیں ہیں اور وہ اپنی زرق برق پوشاک اور ظاہری شان و شوکت سے عجمی معلوم ہوتے ہیں تو آپ کو اس قدر غصہ آیا کہ گھوڑے سے اتر پڑے اور سنگریزے اٹھا کر ان پر پھینکے۔ اور فرمایا کہ اس قدر جلد تم نے عجمی عادتیں اختیار کر لیں۔ اسی طرح ایک دفعہ ایک شخص جس کو انہوں نے یمن کا عامل مقرر کیا تھا، اس صورت سے ملنے آیا کہ لباس فاخرہ زیب تن کئے ہوئے تھے اور بالوں میں خوب تیل پڑا ہوا تھا، اس وضع کو دیکھ کر حضرت عمرؓ نہایت ناراض ہوئے اور وہ کپڑے اتروا کر موٹا جھونا کپڑا پہنایا۔

احنف بن قیس ایک جماعت کے ساتھ عراق کی ایک مہم پر روانہ کئے گئے، وہ وہاں سے کامیاب ہو کر تزک و احتشام کے ساتھ واپس آئے تو حضرت عمرؓ نے ان کی زرق برق پوشاک دیکھ کر منہ پھیر لیا۔ وہ لوگ امیر المؤمنین کو برہم دیکھ کر دربار سے اٹھ آئے اور عرب کی سادہ پوشاک زیب تن کر کے پھر حاضر خدمت ہوئے۔ حضرت عمرؓ اس لباس میں دیکھ کر بہت خوش ہوئے اور فردا فردا ہر ایک سے بغلگیر ہوئے۔

قناعت کا یہ حال تھا کہ اپنے زمانہ خلافت میں چند برس تک مسلمانوں کے مال سے ایک خرہ نہ نہیں لیا حالانکہ فقر و فاقہ سے حالت تباہ تھی۔ صحابہؓ نے ان کی عسرت اور تنگدستی کو دیکھ کر اس قدر تنخواہ مقرر کر دی جو معمولی خوراک اور لباس کے لئے کافی ہو لیکن شہنشاہ قناعت نے اس شرط پر قبول کیا کہ جب تک ضرورت ہے لوں گا اور جب میری مالی حالت درست ہو جائے گی، کچھ نہ لوں گا۔ فرمایا کرتے تھے کہ میرا حق مسلمانوں کے مال میں اسی قدر ہے جس قدر یتیم کے مال میں ولی کا ہوتا ہے (۱)۔ میں اپنی ذات پر اس سے زیادہ نہیں صرف کر سکتا جس قدر خلافت سے پہلے اپنے مال میں سے صرف کرتا تھا، ایک دفعہ زبیع بن زیاد حارثی نے کہا امیر المؤمنین! آپ کو خدا نے جو مرتبہ بخشا ہے اس کے لحاظ سے آپ دنیا میں سب سے زیادہ عیش و نشاط کی زندگی کے مستحق ہیں۔ حضرت عمرؓ نہایت خفا ہوئے اور فرمایا میں قوم کا امین ہوں، امانت میں خیانت کب جائز ہے (۲)۔ ایک دفعہ عتبہ بن فرقہ شریک طعام تھے اور ابلا ہوا گوشت اور سوکھی روٹی کے ٹکڑے زبردستی حلق سے فرو کر رہے تھے۔ حضرت عمرؓ نے کہا اگر تم سے نہیں کھایا جاتا تو نہ کھاؤ، عتبہؓ سے نہ ربا گیا، کہنے لگے امیر المؤمنین! اگر آپ اپنے کھانے پہنچنے میں کچھ زیادہ صرف کریں گے تو اس

سے مسلمانوں کا مال کم نہ ہو جائے گا۔ حضرت عمرؓ نے کہا افسوس تم مجھے دنیاوی عیش و تنعم کی ترغیب دیتے ہو (۱)۔

اپنے وسیع کنبہ کے لئے بیت المال سے صرف دو درہم روزانہ لیتے تھے اور تکلیف و عسرت کے ساتھ بسر کرتے تھے۔ ایک دفعہ حج میں اسی درہم صرف ہو گئے تو اس کا افسوس ہوا اور اسے اسراف تصور کیا (۲)۔ کپڑے پھٹ جاتے تھے لیکن اس خیال سے کہ بیت المال پر بار نہ پڑے، اسی میں پیوند پر پیوند لگاتے جاتے تھے۔ حضرت امام حسنؓ کا بیان ہے کہ ایک دفعہ حضرت عمرؓ جمعہ کے روز خطبہ دے رہے تھے، میں نے شمار کیا تو ان کے تہبند پر بارہ پیوند لگے ہوئے تھے (۳)۔ انس بن مالکؓ کا بیان ہے کہ میں نے زمانہ خلافت میں دیکھا کہ ان کے کرتہ کے مونڈے پر تہہ بہ تہہ پیوند لگے ہوئے ہیں (۴)۔ غرض فاروق اعظمؓ نے زہد و قناعت کا جو نمونہ پیش کیا، دنیا کی تاریخ اس کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے، اور حقیقت یہ ہے کہ ان کی عظمت و شان کے تاج پر زہد و قناعت ہی کا طرہ زیب دیتا ہے۔

خلافت کے بارگراں نے حضرت عمرؓ کو بہت زیادہ محتاط بنادیا تھا کیونکہ اس وقت ان کی معمولی بے احتیاطی اور فروگزاشت قوم کے لئے صد ہا خرابیوں کا باعث ہو سکتی تھی اور مشکوک طبائع ان کی ذرا سی لغزش سے طرح طرح کے افسانے اختراع کر سکتے تھے۔ حضرت عمرؓ نے اپنے قبیلہ کے لوگوں کو کبھی ملکی عہدے نہیں دیئے کہ اس میں جانبداری پائی جاتی تھی، عمال و حکام کے تحائف واپس کر دیتے اور اس سختی سے چشم نمائی کرتے کہ پھر کسی کو جرأت نہ ہوتی۔ ایک دفعہ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ نے آپ کی زوجہ عاتکہ بنت زیدؓ کے پاس ہدیہ ایک نفیس چادر بھیجی۔ حضرت عمرؓ نے دیکھا تو ابو موسیٰ اشعریؓ کو بلا کر کہا مجھے اس کی ضرورت نہیں (۵)۔ اسی طرح ایک دفعہ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ نے بیت المال کا جائزہ لیا تو وہاں صرف ایک درہم موجود تھا، انہوں نے اس خیال سے کہ یہ یہاں کیوں پڑا ہے، اٹھا کر حضرت عمرؓ کے صاحبزادے کو دیدیا۔ حضرت عمرؓ کو معلوم ہوا تو انہوں نے درہم واپس لے کر بیت المال میں داخ کر دیا اور ابو موسیٰ اشعریؓ کو بلا کر فرمایا کہ افسوس تم کو مدینہ میں آل عمرؓ کے سوا اور کوئی کمزور نظر نہ آیا، تم چاہتے ہو کہ قیامت کے دن تمام اُمت محمدیہ کا مطالبہ میری گردن پر ہو (۶)۔

فتح شام کے بعد قیصر روم سے دوستانہ مراسم ہو گئے تھے اور خط و کتابت رہتی تھی، ایک دفعہ ام کلثومؓ (حضرت عمرؓ کی زوجہ) نے قیصر روم کی حرم کے پاس تحفہ کے طرز پر عطر کی چند شیشیاں بھیجیں،

① کنز العمال ج ۶ ص ۳۳۸ ② اسد الغابہ ج ۲ ص ۷۲ ③ کنز العمال ج ۲ ص ۳۳۷

④ مؤطا امام مالک باب ماجاء فی لیس الثياب ⑤ کنز العمال ج ۶ ص ۳۵۰ ⑥ ایضاً

اس نے اس کے جواب میں شیشیوں کو جواہرات سے بھر کر بھیجا۔ حضرت عمرؓ کو معلوم ہوا تو فرمایا کہ گو عطر تمہارا تھا، لیکن قاصد جو لے کر گیا وہ سرکاری تھا اور اس کے مصارف عام آمدنی سے ادا کئے گئے تھے۔ چنانچہ جواہرات لے کر بیت المال میں داخل کر دیئے اور ان کو کچھ معاوضہ دے دیا۔ اسی طرح ایک بازار میں ایک فرہ اونٹ فروخت ہوتے دیکھا اور دریافت سے معلوم ہوا کہ آپ کے صاحبزادے عبداللہؓ کا ہے، ان سے پوچھا کہ یہ اونٹ کیسا ہے؟ انہوں نے کہا کہ میں نے اس کو خرید کر سرکاری چراگاہ میں بھیج دیا تھا اور اب کچھ فرہ ہو گیا ہے تو بیچنا چاہتا ہوں۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا چونکہ یہ سرکاری چراگاہ میں فرہ ہوا ہے اس لئے تم صرف اس المال کے مستحق ہو، اور بقیہ قیمت لے کر بیت المال میں داخل کر دی (۱)۔

خلافت سے پہلے آپ تجارت کرتے تھے۔ بیت المال سے وظیفہ مقرر ہونے سے پیشتر تک کچھ دنوں زمانہ خلافت میں بھی یہ مشغلہ جاری تھا، ایک دفعہ شام کی طرف مال بھیجنا چاہا، روہی کی ضرورت ہوئی تو حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ سے قرض طلب کیا۔ انہوں نے کہا، اپ امیر المؤمنین ہیں، بیت المال سے اس قدر رقم قرض لے سکتے ہیں۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ بیت المال سے نہیں لوں گا، کیونکہ اگر ادا کرنے سے پہلے مر جاؤں گا تو تم لوگ میرے ورثاء سے مطالبہ نہ کرو گے اور یہ بار میرے سر رہ جائے گا، اس لئے چاہتا ہوں کہ کسی ایسے شخص سے لوں جو میرے متروکہ سے وصول کرنے پر مجبور ہو (۲)۔

ایک دفعہ بیمار ہوئے طبیبوں نے شہد تجویز کیا، بیت المال میں شہد موجود تھا لیکن قلب متقی بغیر مسلمانوں کی اجازت کے لینے پر راضی نہ تھا، چنانچہ اسی حالت میں مسجد میں تشریف لائے اور مسلمانوں کو جمع کر کے اجازت طلب کی، جب لوگوں نے اجازت دے دی تو استعمال فرمایا (۳)۔ بحرین سے مال غنیمت میں مشک و عنبر آیا اس کو مسلمانوں میں تقسیم کرنے کے لئے کسی ایسے شخص کی تلاش ہوئی جس کو عطریات کے وزن میں دستگاہ ہو، حضرت عمرؓ کی بیوی عاتکہ بنت زیدؓ نے کہا کہ میں اس کام کو کر سکتی ہوں۔ حضرت عمرؓ نے کہا تم سے یہ کام نہیں لوں گا، کیونکہ مجھے خوف ہے کہ تمہاری انگلیوں میں جو کچھ لگ جائے گا اسے اپنے جسم پر لگاؤ گی اور اس طرح عام مسلمانوں سے زیادہ میرے حصہ میں آجائے گا (۴)۔

ابو موسیٰ اشعریؓ نے عراق سے زیورات بھیجے، اس وقت آپ کی گود میں آپ کی سب سے محبوب یتیم بھیجی اسماء بنت زیدؓ پھیل رہی تھی۔ اس نے ایک انگوٹھی ہاتھ میں لے لی۔ حضرت عمرؓ نے

① کنز العمال ج ۶ ص ۳۵۷ ② طبقات ابن سعد جلد ثالث قسم اول ص ۱۹۹

③ ایضاً ص ۱۹۸ ④ کنز العمال ج ۶ ص ۳۵۰

باطائف الحیل اس سے لے کر زیورات میں ملاوی اور لوگوں سے کہا کہ اس لڑکی کو میرے پاس سے لے جاؤ۔ اسی طرح عبداللہ بن ارقم نے معرکہ جلولہ کے بعد زیورات بھیجے تو آپ کے ایک صاحبزادے نے ایک انگٹھی کی درخواست کی حضرت عمرؓ اس سوال پر خفا ہوئے اور کچھ نہ دیا (۱)۔

ایک دفعہ حضرت حصہؓ یہ سن کر کہ مال غنیمت آیا ہوا ہے، حضرت عمرؓ کے پاس آئیں اور کہا امیر المؤمنین! اس میں میرا حق مجھ کو عنایت کیجئے، میں ذوالقربیٰ میں سے ہوں۔ حضرت عمرؓ نے کہا نور نظر تیرا حق میرے خاص مال میں ہے، یہ تو غنیمت کا مال ہے، افسوس کہ تو نے اپنے باپ کو دھوکہ دینا چاہا۔ وہ بیچاری خفیف ہو کر چلی گئیں۔

حضرت عمرؓ کی تمنا تھی کہ اپنے محبوب آقا حضرت سرور کائنات ﷺ کے پہلو میں مدفون ہوں۔ حضرت عائشہؓ نے اجازت دیدی تھی۔ مگر خیال یہ تھا کہ شاید خلافت کے رعب نے انہیں مجبور کیا ہو، اس لئے اپنے صاحبزادے کو وصیت فرمائی کہ مرنے کے بعد ایک مرتبہ پھر اجازت لی جائے، اگر اذن ہو تو خیر ورنہ عام مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کر دینا۔ اس طرح وفات کے بعد بھی فاروق اعظمؓ نے ورع و تقویٰ کا بدیع المثال نمونہ پیش کیا۔ رضی اللہ عنہ۔
تواضع

حضرت عمرؓ کی عظمت و شان اور رعب و داب کا ایک طرف تو یہ حال تھا کہ محض نام سے قیصر و کسریٰ کے ایوان حکومت میں لرزہ پیدا ہو جاتا تھا دوسری طرف تواضع اور خاکساری کا یہ عالم تھا کہ کاندھے پر مشک رکھ کر بیوہ عورتوں کے لئے پانی بھرتے تھے، مجاہدین کی بیویوں کا بازار سے سودا سلف خرید کر لادیتے تھے، پھر اس حالت میں تھک کر مسجد کے گوشہ میں فرش خاک پر لیٹ جاتے تھے۔

ایک دفعہ اپنے ایام خلافت میں سر پر چادر ڈال کر باہر نکلے۔ ایک غلام کو گدھے پر سوار جاتے دیکھا چونکہ تھک گئے تھے اس لئے اپنے ساتھ بٹھا لینے کی درخواست کی۔ اس کے لئے اس سے زیادہ کیا شرف ہو سکتا تھا۔ فوراً اتر پڑا اور سواری کے لئے اپنا گدھا پیش کیا۔ حضرت عمرؓ نے کہا میں اپنی وجہ سے تمہیں تکلیف نہیں دے سکتا۔ تم جس طرح سوار تھے سوار رہو میں تمہارے پیچھے بیٹھ لوں گا۔ غرض اسی حالت میں مدینہ کی گلیوں میں داخل ہوئے، لوگ امیر المؤمنین کو ایک غلام کے پیچھے دیکھتے تھے اور تعجب کرتے تھے (۲)۔

آپ کو بارہا سفر کا اتفاق ہوا لیکن خیمہ و خرگاہ کبھی ساتھ نہیں رہا۔ درخت کا سایہ شامیانہ اور فرش خاک بستر تھا۔ سفر شام کے موقع پر مسلمانوں نے اس خیال سے کہ عیسائی امیر المؤمنین کے

① کنز العمال ج ۶ ص ۳۵۰ ② بخاری کتاب المناقب باب فقہ البیعة

معمولی لباس اور بے سرو سامانی کو دیکھ کر اپنے دل میں کیا کہیں گے؟ سواری کے لئے ترکی گھوڑا اور پہننے کے لئے قیمتی لباس پیش کیا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ خدا نے ہم کو جو عزت دی ہے وہ اسلام کی عزت ہے اور ہمارے لئے یہی بس ہے۔

ایک دن صدقہ کے اونٹوں کے بدن پر تیل مل رہے تھے۔ ایک شخص نے کہا امیر المؤمنین! یہ کام کسی غلام سے لیا ہوتا؟ بولے مجھ سے بڑھ کر کون غلام ہو سکتا ہے؟ جو شخص مسلمانوں کا والی ہے وہ ان کا غلام بھی ہے (۱)۔

تشدد و تزحم

حضرت عمرؓ کی تند مزاجی کے افسانے نہایت کثرت سے مشہور ہیں اور ایک حد تک وہ صحیح بھی ہیں، لیکن یہ قیاس صحیح نہیں ہے کہ قدرت نے ان کو لطف اور رحمدلی سے نا آشنا رکھا تھا۔ اصل یہ ہے کہ ان کا غیض و غضب بھی خدا کے لئے تھا اور لطف و رحم بھی اسی کے لئے، جیسا کہ ایک موقع پر خود ارشاد فرمایا تھا:

واللہ لان قلبی فی اللہ حتی
لہو الدین من الزبد ولقد
اشہ قلبی فی اللہ لہو اشد
من الحجر
واللہ! میرا دل خدا کے بارہ میں نرم ہوتا ہے
تو جھاگ سے بھی نرم ہو جاتا ہے، اور سخت
ہوتا ہے تو پتھر سے بھی زیادہ سخت ہوتا
ہے۔

مثال کے طور پر چند واقعات درج ذیل ہیں جس سے اندازہ ہوگا کہ حضرت عمرؓ کا غضبہ اور لطف و رحم محض خدا کے لئے تھا، ذاتیات کو مطلقاً دخل نہ تھا۔

غزوہ بدر میں کافروں نے بنو ہاشم کو مسلمانوں سے لڑنے پر مجبور کیا تھا، اس لئے رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا کہ عباسؓ کہیں نظر آئیں تو ان کو قتل نہ کرنا۔ ابو حذیفہؓ کی زبان سے نکل گیا کہ بنو ہاشم میں کیا خصوصیت ہے؟ اگر عباسؓ سے مقابلہ ہو گیا تو ضرور مزہ چکھاؤں گا، حضرت عمرؓ یہ گستاخی دیکھ کر آپ سے باہر ہو گئے اور کہا کہ اجازت دیجئے کہ میں اس کا سر اڑا دوں (۲)۔

حضرت حاتم بن ابی بلتعہؓ بڑے رتبہ کے صحابی تھے۔ یہ خود ہجرت کر کے مدینہ چلے آئے تھے، لیکن ان کے اہل و عیال مکہ میں تھے، جب آنحضرت ﷺ نے فتح مکہ کا قصد فرمایا تو حاطبؓ نے اپنے اہل و عیال کی حفاظت کے خیال سے اپنے بعض مشرک دوستوں کو اس کی اطلاع دیدی۔ حضرت عمرؓ کو معلوم ہوا تو برا فروختہ ہو کر آنحضرت ﷺ سے عرض کیا کہ اجازت دیجئے کہ اس کو قتل

① کنز العمال ج ۶ ص ۳۵۳ ② ابن سعد قسم اول جز ۴، تذکرہ عباسؓ ص ۴

کردوں (۱)۔

اسی طرح خویصرہ نے ایک دفعہ گستاخانہ کہا ”محمد (ﷺ) عدل کر“۔ حضرت عمرؓ غصے سے بیتاب ہوئے اور اس کو قتل کرنا چاہا، لیکن رحمۃ للعالمین ﷺ نے منع کیا۔

غرض اسی قسم کے متعدد واقعات ہیں جن سے اگر تم مزاج کی سختی کا اندازہ کر سکتے ہو تو دوسری طرح للہیت کا بھی اعراف کرنا پڑے گا۔

ایام خلافت میں جو سختیاں ظاہر ہوئیں وہ اصول سیاست کے لحاظ سے نہایت ضروری تھیں۔ حضرت خالد بن ولیدؓ کی معزولی، حکام سے سختی کے ساتھ باز پرس۔ مذہبی پابندی کے لئے تنبیہ و تعزیر، اور اسی قسم کے تمام امور حضرت عمرؓ کے فرائض منصبی میں داخل تھے، اس لئے انہوں نے جو کچھ کیا وہ منصب خلافت کی حیثیت سے ان پر واجب تھا، ورنہ ان کا دل لطف و محبت کے شریفانہ جذبات سے خالی نہ تھا بلکہ وہ جس قدر مذہبی اور انتظامی معاملات میں سختی اور تشدد کرتے تھے، ہمدردی کے موقعوں پر اس سے زیادہ لطف و رحم کا برتاؤ کرتے تھے، خدا کی ذی عقل مخلوق میں غلاموں سے زیادہ قابل رحم حالت کسی کی نہیں ہوگی۔ حضرت عمرؓ نے عنان خلافت ہاتھ میں لینے کے ساتھ تمام عربی غلاموں کو آزاد کرادیا (۲) اور یہ قانون بنادیا کہ اہل عرب کبھی کسی کے غلام نہیں ہو سکتے۔ کنز العمال میں بہ تصریح ان کا قول مذکور ہے کہ لا تسترق عربی یعنی عربی غلام نہیں ہو سکتا۔ عام غلاموں کا آزاد کرانا بہت مشکل تھا تاہم ان کے حق میں بہت سی مراعات قائم کیں۔ مجاہدین کی تنخواہیں مقرر ہوئیں تو آقا کے ساتھ اسی قدر ان کے غلام کی تنخواہ مقرر ہوئی (۳)۔ اکثر غلاموں کو بلا کر ساتھ کھانا کھلاتے، ایک شخص نے دعوت کی تو محض اس وجہ سے برا فروختہ ہو کر اٹھ گئے کہ اس نے دسترخوان پر اپنے غلام کو نہیں بٹھایا تھا، آپ اکثر حاضرین کو سنا کر کہتے تھے کہ جو لوگ غلاموں کو اپنے ساتھ کھانا کھانا عار سمجھتے ہیں، خدا ان پر لعنت بھیجتا ہے۔ غلاموں کے لئے سب سے زیادہ تکلیف دہ بات یہ تھی کہ وہ اپنے عزیز و اقارب سے جدا ہو جاتے تھے۔ حضرت عمرؓ نے حکم دیا کہ کوئی غلام اپنے اعزہ سے جدا نہ کیا جائے (۴)۔

۱۸ھ میں جب عرب میں قحط پڑا اس وقت حضرت عمرؓ کی بیقراری قابل دید تھی، دور دراز ممالک سے غلہ منگوا کر تقسیم کیا، گوشت، گھی اور دوسری مرغوب غذا میں ترک کر دیں۔ اپنے لڑکے کے ہاتھ میں خرپڑہ دیکھ کر خفا ہوئے کہ قوم فاقہ مست ہے اور تو تفکھات سے لطف اٹھاتا ہے۔ غرض جب تک قحط رہا، حضرت عمرؓ نے ہر قسم کے عیش و لطف سے اجتناب رکھا (۵)۔

① بخاری کتاب المغازی باب غزوہ فتح و مابعث بحاطب بن ابی بلتعہ ② یعقوبی ج ۲ ص ۱۵۸

③ فتوح البلدان ذکر العطاء فی خلافت عمر بن الخطاب ④ کنز العمال ج ۲ ص ۳۶ ⑤ ایضاً ج ۱ قطائع الرماہ ص ۳۴۳

عراق عجم کے معرکہ میں نعمان بن مقرن اور دوسرے بہت سے مسلمان شہید ہوئے۔ حضرت عمرؓ پر ان کی شہادت کا اتنا اثر تھا کہ زار و قطار روتے تھے۔ مال غنیمت آیا تو غصہ سے واپس کر دیا کہ مجاہدین اور شہداء کے ورثا میں تقسیم کر دیا جائے۔

تم نے انتظامات کے سلسلہ میں پڑھا ہوگا کہ حضرت عمرؓ نے اپنے عہد میں ہر جگہ لنگر خانے، مسافر خانے اور یتیم خانے بنوائے تھے۔ غرباء مساکین اور مجبور و لاچار آدمیوں کے روزینے مقرر کر دیئے تھے۔ کیا یہ تمام امور لطف و رحم کے دائرہ سے باہر ہیں۔

حضرت عمرؓ نے ذمیوں اور کافروں کے ساتھ جس رحمدلی اور لطف کا سلوک کیا آج مسلمان، مسلمان سے نہیں کرتے۔ زندگی کے آخری لمحے تک ذمیوں کا خیال رہا۔ وفات کے وقت وصیت میں ذمیوں کے حقوق پر خاص زور دیا (۱)۔

عفو

اس لطف و رحم کی بنا پر حضرت عمرؓ عفو اور درگزر سے بھی کام لیتے تھے۔ ایک دفعہ حرب بن قیس اور عیینہ بن حصن حاضر خدمت ہوئے۔ عیینہ نے کہا آپ انصاف سے حکومت نہیں کرتے۔ حضرت عمرؓ اس گستاخی پر بہت غضبناک ہوئے۔ حرب بن قیس نے کہا امیر المؤمنین! قرآن مجید میں آیا ہے: اخذ العفو و امر بالمعروف و اعراض عن الجاہلین۔ یہ شخص جاہل ہے اسکی بات کا خیال نہ کیجئے، اس گفتگو سے حضرت عمرؓ کا غصہ بالکل ٹھنڈا پڑ گیا (۲)۔

رفاہ عام

حضرت عمرؓ نے فریضہ خلافت کی حیثیت سے رفاہ عام اور بنی نوع انسان کی بہبودی کے جو کام کئے اس کی تفصیل گزر چکی ہے، ذاتی حیثیت سے بھی ان کا ہر لمحہ خلق اللہ کی نفع رسانی کے لئے وقف تھا، ان کا معمول تھا کہ مجاہدین کے گھروں پر جاتے اور عورتوں سے پوچھ کر بازار سے سودا سلف لادیتے۔ مقام جنگ سے قاصداً تا تو اہل فوج کے خطوط ان کے گھروں میں پہنچا آتے اور جس گھر میں کوئی لکھا پڑھا نہ ہوتا خود ہی چوکھٹ پر بیٹھ جاتے اور گھر والے جو کچھ لکھاتے لکھ دیتے۔ راتوں کو عموماً گشت کرتے کہ عام آبادی کا حال معلوم ہو، ایک دفعہ گشت کرتے ہوئے مدینہ سے تین میل کے فاصلہ پر مقام حرار پہنچے، دیکھا کہ ایک عورت پکار رہی ہے اور دو تین بچے رو رہے ہیں، پاس جا کر حقیقت حال دریافت کی۔ عورت نے کہا بچے بھوک سے تڑپ رہے ہیں، میں نے ان کے بہلانے کو خالی ہانڈی چڑھا دی ہے، حضرت عمرؓ اسی وقت مدینہ آئے اور آٹا، گھی، گوشت اور کھجوریں لے چلے، حضرت عمرؓ کے غلام اسلم نے کہا میں لئے چلتا ہوں۔ فرمایا،

① بخاری کتاب المناقب باب قصۃ البیعۃ والاتفاق علی عثمان ② کنز العمال ج ۶ ص ۳۵۴

ہاں قیامت میں تم میرا بار نہیں اٹھاؤ گے اور خود ہی سب سامان لے کر عورت کے پاس گئے۔ اس نے کھانا پکانے کا انتظام کیا۔ حضرت عمرؓ نے خود چولہا پھونکا۔ کھانا تیار ہوا تو بچے کھا کر خوشی خوشی اچھلنے کودنے لگے۔ حضرت عمرؓ دیکھتے تھے اور خوش ہوتے تھے (۱)۔

ایک دفعہ کچھ لوگ شہر کے باہر اترے، حضرت عمرؓ نے عبدالرحمن بن عوفؓ کو ساتھ لیا اور کہا مجھ کو ان کے متعلق مدینہ کے چوروں کا ذکر لگا ہوا ہے، چلو ہم دونوں چل کر پہرہ دیں۔ چنانچہ دونوں آدمی رات بھر پہرہ دیتے رہے (۲)۔

ایک دفعہ رات کو گشت کر رہے تھے کہ ایک بدو کے خیمہ سے رونے کی آواز آئی۔ دریافت سے معلوم ہوا کہ بدو کی عورت دروازہ میں مبتلا ہے۔ حضرت عمرؓ گھر آئے اور اپنی بیوی ام کلثوم کو ساتھ لیکر بدو کے خیمہ گئے۔ تھوڑی دیر کے بعد بچہ پیدا ہوا۔ ام کلثوم نے پکار کر کہا اے امیر المؤمنین! اپنے دوست کو مبارکباد دیجئے۔ بدو امیر المؤمنین کا لفظ سن کر چونک پڑا۔ حضرت عمرؓ نے کہا کچھ خیال نہ کرو، کل میرے پاس آنا، بچہ کی تنخواہ مقرر کر دوں گا (۳)۔

حضرت عمرؓ اپنی غیر معمولی مصروفیات میں سے بھی مجبور، یکس اور اپنا بیچ آدمیوں کی خدمت گزاری کے لئے وقت نکال لیتے تھے۔ مدینہ سے اکثر نابینا اور ضعیف اشخاص فاروق اعظمؓ کی خدمت گزاری کے ممنون تھے۔ خلوص کا یہ عالم تھا کہ خود ان لوگوں کو خبر بھی نہ تھی کہ یہ فرشتہ رحمت کون ہے۔ حضرت طلحہؓ کا بیان ہے کہ ایک روز علی الصبح امیر المؤمنین کو ایک جھوپڑے میں جاتے دیکھا۔ خیال ہوا کہ فاروق اعظمؓ کا کیا کام؟ دریافت سے معلوم ہوا کہ اس میں ایک نابینا ضعیف رہتی ہے اور وہ روز اس کی خبر گیری کے لئے جایا کرتے ہیں۔

خدا کی راہ میں دینا

حضرت عمرؓ بہت زیادہ دولتمند نہ تھے، تاہم انہوں نے جو کچھ خدا کی راہ میں صرف کیا وہ ان کی حیثیت سے بہت زیادہ تھا۔ سنہ ۹ھ میں آنحضرت ﷺ نے غزوہ تبوک کی تیاری کی تو اکثر صحابہ نے ضروریات جنگ کے لئے بڑی بڑی رقمیں پیش کیں۔ حضرت عمرؓ نے اس موقع پر اپنے مال و اسباب میں سے آدھا لے کر پیش کیا (۴)۔

یہود بنی حارثہ سے آپ کو ایک زمین ملی تھی اس کو خدا کی راہ میں وقف کر دیا اسی طریقہ سے خیبر میں ایک بہترین سیر حاصل قطعہ اراضی ملا تو آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ مجھے ایک قطعہ زمین ملا ہے جس سے بہتر میرے پاس کوئی جائیداد نہیں ہے، آپ کا کیا

① کنز العمال ج ۶ ص ۳۵۲ ② طبری ص ۴۳۳

③ کنز العمال ج ۶ ص ۳۳۳ ④ ترمذی فضائل عمرؓ

ارشاد ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا وقف کردو۔ چنانچہ حسب ارشاد نبوی فقراء، اعزہ، مسافر، غلام اور جہاد کے لئے وقف کر دیا (۱)۔

ایک دفعہ ایک اعرابی نے نہایت رقت انگیز اشعار سنائے اور دست سوال دراز کیا۔ حضرت عمرؓ متاثر ہو کر بہت روئے اور کرتہ اتار کر دے دیا۔

مساوات کا خیال

عہد فاروقی میں شاہ و گدا، امیر و غریب، مفلس و مالدار سب ایک حال میں نظر آتے تھے، عمال کو تائیدی حکم تھا کہ کسی طرح کا امتیاز و نمود اختیار نہ کریں۔ حضرت عمرؓ نے خود ذاتی حیثیت سے بھی مساوات اپنا خاص شعار بنایا تھا، یہی وجہ تھی کہ انہوں نے اپنی معاشرت نہایت سادہ رکھی تھی، تعظیم و تکریم کو دل سے ناپسند کرتے تھے۔ ایک دفعہ کسی نے کہا، میں آپ پر قربان، فرمایا ایسا نہ کہو، اس سے تمہارا نفس ذلیل ہو جائے گا۔ اسی طرح زید بن ثابتؓ قاضی مدینہ کی عدالت میں مدعا علیہ کی حیثیت سے گئے تو انہوں نے تعظیم کے لئے جگہ خالی کر دی۔ حضرت عمرؓ نے کہا ”تم نے اس مقدمہ میں یہ پہلی نا انصافی کی۔“ یہ کہہ کر اپنے فریق کے برابر بیٹھ گئے (۲)۔

آپ کا مقولہ تھا کہ میں اگر عیش و تنعم کی زندگی بسر کروں اور لوگ مصیبت و افلاس میں رہیں تو مجھ سے برا کوئی نہ ہوگا۔ سفر شام میں نفیس و لذیذ کھانے پیش کئے گئے تو پوچھا کہ عام مسلمانوں کو بھی یہ ایوانِ نعمت میسر ہیں؟ لوگوں نے کہا ہر شخص کے لئے کس طرح ممکن ہے؟ فرمایا، تو پھر مجھے بھی اس کی حاجت نہیں۔

خلافت کی حیثیت سے فاروق اعظمؓ کے جاہ و جلال کا سکہ تمام دنیا پر بیٹھا ہوا تھا لیکن مساوات کا یہ عالم تھا کہ قیصر و کسریٰ کے سفراء آتے تھے تو انہیں یہ پتہ نہیں چلتا تھا کہ شاہ کون ہے، درحقیقت حضرت عمرؓ نے خود نمونہ بن کر مسلمانوں کو مساوات کا ایسا درس دیا تھا کہ حاکم و محکوم، اور آقا و غلام کے سارے امتیازات اٹھ گئے تھے۔

غیرت

حضرت عمرؓ بطبع غیور واقع ہوئے تھے۔ یہاں تک کہ خود رسول اللہ ان کی غیرت کا پاس و لحاظ کرتے تھے۔ صحیح مسلم، ترمذی اور صحاح کی تقریباً سب کتابوں میں باختلاف الفاظ مروی ہے کہ معراج کے موقع پر رسول اللہ ﷺ نے جنت میں ایک عالیشان طلائی قصر ملاحظہ فرمایا جو فاروق اعظمؓ کے لئے مخصوص تھا اس کے اندر صرف اس وجہ سے تشریف نہیں لے گئے کہ آپ ﷺ کو ان کی غیرت کا حال معلوم تھا۔ آپ نے حضرت عمرؓ سے اس کا ذکر فرمایا تو وہ رو کر کہنے لگے بسا ہی انت

① ابوداؤد کتاب الوصایا باب ما جاء فی الرجل یوقف الوقف ② کنز العمال ج ۳ ص ۱۷۴

امی علیک اغا۔ یعنی میرے ماں باپ فدا ہوں کیا میں حضور ﷺ کے مقابلہ میں غیرت کروں گا (۱)۔

آیت حجاب نازل ہونے سے پہلے عرب میں پردہ کا رواج نہ تھا یہاں تک کہ خود ازواج مطہرات پردہ نہیں کرتی تھیں۔ حضرت عمرؓ کی غیرت اس بے حجابی کو نہایت ناپسند کرتی تھی، بار بار رسول اللہ ﷺ سے پہنچی ہوئے کہ آپ ازواج مطہرات کو پردہ کا حکم دیں اس خواہش کے بعد ہی آیت حجاب نازل ہوئی۔

آپ کی غیرت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ جب آپ کو خبر ملی کہ مسلمان عورتیں حماموں میں عیسائی عورتوں کے سامنے بے پردہ نہاتی ہیں تو تحریری حکم جاری کیا کہ مسلمان عورت کا غیر مذہب والی عورت کے سامنے بے پردہ ہونا جائز نہیں۔

خانگی زندگی

حضرت عمرؓ کو اولاد و ازواج سے محبت تھی، مگر اس قدر نہیں کہ خالق و مخلوق کے تعلقات میں فتنہ ثابت ہو، اہل خاندان سے بھی بہت زیادہ شغف نہ تھا، البتہ زیدؓ سے جو حقیقی بھائی تھے، نہایت الفت رکھتے تھے جب وہ یمامہ کی جنگ میں شہید ہوئے تو نہایت قلق ہوا۔ فرمایا کرتے تھے کہ جب یمامہ کی طرف سے ہوا چلتی ہے تو مجھ کو زید کی خوشبو آتی ہے (۲)۔ زید نے اسماء نامی ایک لڑکی چھوڑی تھی اس کو بہت پیار کرتے تھے۔

مکہ سے ہجرت کر کے آئے تو مدینہ سے دو میل کے فاصلہ پر عوالی میں رہتے تھے لیکن خلافت کے بعد خاص مدینہ میں مسجد نبوی کے متصل سکونت اختیار کی، چونکہ وفات کے وقت وصیت کر دی تھی کہ مکان بیچ کر قرض ادا کیا جائے، اس لئے یہ مکان فروخت کر دیا گیا اور عرصہ دراز تک دارالقضا کے نام سے مشہور رہا۔

حصولِ معاش کا اعلیٰ ذریعہ تجارت تھا، مدینہ پہنچ کر زراعت بھی شروع کی تھی لیکن خلافت کے بار گراں نے انہیں ذاتی مشاغل سے روک دیا تو ان کی عسرت کو دیکھ کر صحابہ نے اس قدر تنخواہ مقرر کر دی جو معمولی خوراک اور لباس کے لئے کافی ہو۔ سنہ ۱۵ھ میں لوگوں کے وظیفے مقرر مقرر ہوئے تو حضرت عمرؓ کے لئے بھی پانچ ہزار درہم سالانہ وظیفہ مقرر ہوا (۳)۔

غذا نہایت سادہ تھی یعنی صرف روٹی اور روغن زیتون پر گزارہ تھا کبھی کبھی گوشت، دودھ،

① بخاری مناقب عمرؓ ② مستدرک حاکم ج ۳ تذکرہ زید بن خطاب

③ یہ وظیفہ بھی خلافت کی خصوصیت کی وجہ سے نہ تھا بلکہ تمام بدری صحابیوں کا وظیفہ پانچ پانچ ہزار تھا۔ دیکھو فتح البلدان ذکر العطاء فی خلافت عمر بن الخطاب۔

ترکاری اور سرکہ بھی دسترخوان پر ہوتا تھا، لباس بھی نہایت معمولی ہوتا تھا۔ بیشتر صرف قمیص پہنتے تھے، اکثر عمامہ باندھتے تھے، جوئی قدیم عربی وضع کی ہوتی تھی۔

حلیہ یہ تھا، رنگ گندم گوں، سرچندلا، رخسار کم گوشت، داڑھی گھنی اور مونچھیں بڑی بڑی، قد نہایت طویل، یہاں تک کہ سینکڑوں کے مجمع میں کھڑے ہوں تو سب سے سر بلند نظر آئیں۔

امیر المؤمنین عثمان بن عفان ذو النورین

نام و نسب، خاندان

عثمان نام، ابو عبد اللہ اور ابو عمر کنیت، ذو النورین لقب۔ والد کا نام عفان، والدہ کا نام اروی تھا۔ والد کی طرف سے پورا سلسلہ نسب یہ ہے۔ عثمان بن عفان بن ابی العاص ابن امیہ بن عبد شمس بن عبد مناف بن قصی القرشی۔ والدہ کی طرف سے سلسلہ نسب یہ ہے۔ اروی بنت کریم بن ربیعہ بن حبیب بن عبد شمس بن عبد مناف۔ اسی طرح حضرت عثمان کا سلسلہ پانچویں پشت میں عبد مناف پر آنحضرت ﷺ سے مل جاتا ہے۔ حضرت عثمان کی نانی بیضا ام الحکیم حضرت عبد اللہ بن عبد المطلب کی سگی بہن اور رسول اللہ ﷺ کی پھوپھی تھیں اس لئے وہ ماں کی طرف سے حضرت سرور کائنات ﷺ کے قریشی رشتہ دار ہیں (۱)۔ آپ کو ذو النورین (دونوروں والا) اس لئے کہا جاتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کی دو صاحبزادیاں یکے بعد دیگرے ان کے نکاح میں آئیں۔

حضرت عثمان کا خاندان ایام جاہلیت میں غیر معمولی وقعت و اقتدار رکھتا تھا آپ کے جدِ اعلیٰ امیہ بن عبد شمس قریش کے رئیسوں میں تھے۔ خلفائے بنو امیہ اسی امیہ بن عبد شمس کی طرف سے منسوب ہو کر ”امویین“ کے نام سے مشہور ہیں، عقاب یعنی قریش کا قوی علم اسی خاندان کے قبضہ میں تھا۔ جنگِ فجار میں اسی خاندان کا نامور سردار حرب بن امیہ سپہ سالارِ اعظم کی حیثیت رکھتا تھا۔ عقبہ بن معیط نے جو اپنے زور، اثر اور قوت کے لحاظ سے اسلام کا بہت بڑا دشمن تھا اموی تھا، اسی طرح ابوسفیان بن حرب جنہوں نے قبولِ اسلام سے پہلے غزوہ بدر کے بعد تمام غزوات میں رئیسِ قریش کی حیثیت سے رسول اللہ ﷺ کا مقابلہ کیا تھا اسی اموی خاندان کے ایک رکن تھے۔ غرض حضرت عثمان کا خاندان شرافت، ریاست اور غزوات کے لحاظ سے عرب میں نہایت ممتاز تھا اور بنو ہاشم کے سوا دوسرا خاندان اس کا ہمسرہ نہ تھا۔

۱ فتح الباری کتاب المناقب

حضرت عثمانؓ واقعہ فیل کے چھٹے سال یعنی ہجرت نبوی سے ۴۷ برس قبل پیدا ہوئے، بچپن اور سن رشد کے حالات پردہ خفا میں ہیں۔ لیکن قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے عام اہل عرب کے خلاف اسی زمانہ میں لکھنا پڑھنا سیکھ لیا تھا۔ عہد شباب کا آغاز ہوا تو تجارتی کاروبار میں مشغول ہوئے اور اپنی صداقت، دیانت اور راستبازی کے باعث غیر معمولی فروغ حاصل کیا۔

قبول اسلام

حضرت عثمانؓ کا چونتیسواں سال تھا کہ مکہ میں تو حید کی صدائے غلغلہ انداز بلند ہوئی۔ گو ملکی رسم و رواج اور عرب کے مذہبی تخیل کے لحاظ سے حضرت عثمانؓ کے لئے یہ آواز نامانوس تھی، تاہم وہ اپنی فطری عفت، پارسائی، دیانتداری اور راستبازی کے باعث اس داعی حق کو لبیک کہنے کے لئے بالکل تیار تھے۔

حضرت ابو بکر صدیق ایمان لائے تو انہوں نے دین مبین کی تبلیغ و اشاعت کو اپنا نصب العین قرار دیا اور اپنے حلقہ احباب میں تلقین و ہدایت کا کام شروع کیا۔ ایام جاہلیت میں ان سے اور حضرت عثمانؓ سے ارتباط تھا اور اکثر نہایت مخلصانہ صحبت رہتی تھی۔ ایک روز وہ حسب معمول حضرت ابو بکر صدیق کے پاس آئے اور اسلام کے متعلق گفتگو شروع کی۔ حضرت ابو بکر صدیق کی گفتگو سے آپ اتنے متاثر ہوئے کہ بارگاہ نبوت میں حاضر ہو کر اسلام قبول کرنے پر آمادہ ہو گئے۔ ابھی دونوں بزرگ جانے کا خیال ہی کر رہے تھے کہ خود سرور کائنات ﷺ تشریف لے آئے اور حضرت عثمانؓ کو دیکھ کر فرمایا ”عثمان! خدا کی جنت قبول کر، میں تیری اور تمام خلق کی ہدایت کے لئے مبعوث ہوا ہوں“، حضرت عثمانؓ کا بیان ہے کہ زبان نبوت کے ان سادہ و صاف جملوں میں خدا جانے کیا تاثیر بھری تھی کہ میں بے اختیار کلمہ شہادت پڑھنے لگا اور دست مبارک میں ہاتھ دے کر حلقہ بگوش اسلام ہو گیا (۱)۔

اس موقع پر یہ نکتہ بھی ذہن نشین رکھنا چاہئے کہ حضرت عثمانؓ کا تعلق اموی خاندان سے تھا جو بنو ہاشم کا حریف تھا اور رسول اللہ ﷺ کی کامیابی کو اس لئے خوف و حسد کی نگاہ سے دیکھتا تھا کہ اس طریقہ سے عرب کی سیادت کی باگ بنو اُمیہ کے ہاتھ سے نکل کر بنو ہاشم کے دست اقتدار میں چلی جائے گی۔ یہی وجہ تھی کہ عقبہ بن ابی معیط اور ابوسفیان وغیرہ اس تحریک کے دبانے میں نہایت سرگرمی سے پیش پیش تھے، لیکن حضرت عثمانؓ کا آئینہ دل خاندانی تعصب کے گرد و غبار سے پاک تھا۔ اس لئے اس قسم کی کوئی پیش بینی ان کی صفائے باطن کو مکدر نہ کر سکی۔ انہوں نے نہایت آزادی کے ساتھ اپنے خاندان کے خلاف اس زمانہ میں حق کی آواز پر لہیک کہا۔ جبکہ صرف

پنیتیس یا چھتیس زن و مرد اس شرف سے مشرف ہوئے تھے۔

شادی

قبول اسلام کے بعد حضرت عثمانؓ کو وہ شرف حاصل ہوا جو ان کی کتاب منقبت کا سب سے درخشاں باب ہے، یعنی آنحضرت ﷺ نے اپنی فرزندگی میں قبول فرمایا۔ آپ کی منجھلی صاحبزادی رقیہؓ کا نکاح پہلے ابولہب کے بیٹے عتیہ سے ہوا تھا۔ مگر اسلام کے بعد عتبہ کے باپ ابولہب کو آنحضرت ﷺ سے اتنی عداوت ہو گئی تھی کہ اس نے اپنے بیٹے پر دباؤ ڈال کر طلاق دلوا دی۔ آنحضرت ﷺ نے صاحبزادی ممدوحہ کا دوسرا نکاح حضرت عثمانؓ سے کر دیا۔ حضرت عثمانؓ کی اس شادی کے متعلق بعض لغو اور بے ہودہ روایتیں کتابوں میں ہیں، مگر وہ تمام تر جھوٹی اور جعلی ہیں اور محدثین نے موضوعات میں ان کا شمار کیا ہے۔

حبشہ کی ہجرت

مکہ میں اسلام کی روز افزوں ترقی سے مشرکین قریش کے غیظ و غضب کی آگ روز بروز زیادہ مشتعل ہوتی جاتی تھی۔ حضرت عثمانؓ بھی اپنی وجاہت اور خاندانی عزت کے باوجود عام بلا کشان اسلام کی طرح جفا کاروں کے ظلم و ستم کا نشانہ تھے، ان کو خود ان کے چچا نے باندھ کر مارا۔ اعزہ و اقارب نے سرد مہری شروع کی اور رفتہ رفتہ ان کی سخت گیری اور جفا کاری یہاں تک بڑھی کہ وہ ان کی برداشت سے باہر ہو گئی اور بالآخر خود آنحضرت کے اشارہ سے اپنی اہلیہ محترمہ حضرت رقیہؓ کو ساتھ لے کر ملک حبش کی طرف روانہ ہو گئے۔ چنانچہ یہ پہلا قافلہ تھا جو حق و صداقت کی محبت میں وطن اور اہل وطن کو چھوڑ کر جلا وطن ہوا۔

ہجرت کے بعد رسول اللہ ﷺ کو ان کا کچھ حال معلوم نہ ہو سکا اس لئے پریشان خاطر تھے۔ ایک روز ایک عورت نے خبر دی کہ اس نے ان دونوں کو دیکھا تھا اتنا معلوم ہونے کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا:

ان عثمان اول من ہاجر
یعنی اس میری امت میں عثمان پہلا شخص
باہلہ من هذه الامة (۱)
ہے جو اپنے اہل و عیال کو لے کر جلا وطن ہوا

حضرت عثمانؓ اس ملک میں چند سال رہے، اس کے بعد جب بعض اور صحابہ قریش کے اسلام کی غلط خبر پا کر اپنے وطن واپس آئے تو حضرت عثمانؓ بھی آ گئے۔ یہاں آ کر معلوم ہوا کہ یہ خبر جھوٹی ہے۔ اس بنا پر بعض صحابہ پھر ملک حبش کی طرف لوٹ گئے، مگر حضرت عثمانؓ پھر نہ گئے۔

مدینہ کی طرف

اسی اثناء میں مدینہ کی ہجرت کا سامان پیدا ہو گیا اور رسول اللہ ﷺ نے اپنے تمام اصحاب کو مدینہ کی ہجرت کا ایماء فرمایا تو حضرت عثمانؓ بھی اپنے اہل و عیال کے ساتھ مدینہ تشریف لے گئے اور حضرت اوس بن ثابتؓ کے مہمان ہوئے اور آپ نے ان میں اور حضرت اوس بن ثابتؓ میں برادری قائم کر دی (۱)۔

اس مواخات سے دونوں خاندانوں میں جس قدر محبت اور یگانگت پیدا ہو گئی تھی اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ حضرت عثمانؓ کی شہادت پر حضرت حسان بن ثابتؓ تمام عمر سو گوار رہے اور ان کا نہایت پردرد مرثیہ لکھا۔

پیر رومہ کی خریداری

مدینہ آنے کے بعد مہاجرین کو پانی کی سخت تکلیف تھی تمام شہر میں صرف پیر رومہ ایک کنواں تھا جس کا پانی پینے کے لائق تھا، لیکن اس کا مالک ایک یہودی تھا اور اُس نے اس کو ذریعہ معاش بنا رکھا تھا، حضرت عثمانؓ نے اس عام مصیبت کو دفع کرنے کے لئے اس کنویں کو خرید کر وقف کر دینا چاہا، سبع بلیغ کے بعد یہودی صرف نصف حق فروخت کرنے پر راضی ہوا۔ حضرت عثمانؓ نے بارہ ہزار درہم میں نصف کنواں خرید لیا اور شرط یہ قرار پائی کہ ایک دن حضرت عثمانؓ کی باری ہوگی اور دوسرے دن اس یہودی کے لئے یہ کنواں مخصوص رہے گا۔

جس روز حضرت عثمانؓ کی باری ہوتی اس روز مسلمان اس قدر پانی بھر کر رکھ لیتے تھے کہ دو دن تک کے لئے کافی ہوتا۔ یہودی نے دیکھا کہ اب اس سے کچھ نفع نہیں ہو سکتا تو وہ بقیہ نصف بھی فروخت کرنے پر راضی ہو گیا۔ حضرت عثمانؓ نے آٹھ ہزار درہم میں اس کو خرید کر عام مسلمانوں کے لئے وقف کر دیا۔ اس طرح اسلام میں حضرت عثمانؓ کے فیض کرم کا یہ پہلا ترشح تھا، جس نے توحید کے تشنہ لبوں کو سیراب کیا۔

فجزاہ اللہ خیر الجزاء

غزوات اور دیگر حالات

ہجرت مدینہ کے بعد بھی مشرکین نے مسلمانوں کو سکون و اطمینان سے بیٹھنے نہیں دیا اور اب تحقیر و تذلیل کے بجائے اسلام کی روز افزوں ترقی سے خائف و حراساں ہو کر تیر و تفنگ اور تیغ و سنان کی قوت سے اس کی بیخ کنی پر آمادہ ہوئے۔ چنانچہ ۳ھ سے فتح مکہ تک خونریز جنگوں کا سلسلہ قائم رہا۔ حضرت عثمانؓ اگرچہ فطرتاً سپاہیانہ کاموں کے لئے پیدا نہیں ہوئے تھے، تاہم وہ اپنے محبوب ہادی طریقت ﷺ کے لئے جانثاری و فداکاری میں کسی سے پیچھے نہیں رہے۔

غزوہ بدر اور حضرت رقیہؓ کی علالت

کفر و اسلام کی سب سے پہلی جنگی آویزش جو بدر کی صورت میں ظاہر ہوئی، حضرت عثمانؓ اس میں ایک اتفاقی حادثہ کے باعث شریک ہونے سے مجبور رہے۔ آپ کی اہلیہ محترمہ اور رسول اللہ ﷺ کی نورِ نظر حضرت رقیہؓ بیمار ہو گئی تھیں، اس لئے حضور پر نور ﷺ نے ان کو مدینہ میں تیمارداری کے لئے چھوڑ دیا اور فرمایا تم کو شرکت کا اجر اور مالی غنیمت کا حصہ دونوں ملے گا (۱)۔ اور خود تین سو تیرہ ۳۱۳ قدوسیوں کے ساتھ بدر کی طرف تشریف لے گئے۔

حضرت رقیہؓ کا یہ مرض درحقیقت پیامِ موت تھا، نملکسار شوہر کی جانفشانی و تندہی سب کچھ کر سکتی تھی لیکن قضائے الہی کو کیونکر رد کرتی۔ مرض روز بروز بڑھتا گیا، یہاں تک کہ آپ ﷺ کی غیر حاضری ہی میں چند روز بعد وفات پا گئیں۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُونَ۔

حضرت عثمانؓ اور حضرت اسامہ بن زیدؓ اس ملکہِ جنت کی تجہیز و تکفین میں مشغول تھے کہ نعرۂ تکبیر کی صدا آئی۔ دیکھا تو حضرت زید بن حارثہؓ سرورِ کائنات ﷺ کے ناقہ پر سوار فتح بدر کا مژدہ لے کر آ رہے ہیں، محبوب بیوی اور وہ بھی رسول اللہ ﷺ کی نورِ نظر کی وفات کا سانحہ کوئی معمولی سانحہ نہ تھا۔ اس حادثہ کے بعد حضرت عثمانؓ ہمیشہ افسردہ خاطر رہتے تھے۔ کچھ اسلام کی پہلی امتحان گاہ (بدر) سے محرومی کا بھی افسوس تھا۔ حضرت عمرؓ نے ہمدردی کے طور پر کہا کہ جو ہونا تھا ہو

① بخاری کتاب المناقب باب مناقب عثمانؓ

گیا، اب اس قدر رنج و غم سے کیا فائدہ؟ حضرت عثمانؓ نے کہا افسوس! میں جس قدر اپنی محرومی قسمت پر ماتم کروں کم ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا کہ قیامت کے دن میری قرابت کے سوا تمام قرابت داریاں منقطع ہو جائیں گی۔ افسوس کہ میرا رشتہ خاندان رسالت سے ٹوٹ گیا (۱)۔

آنحضرت ﷺ نے ان کی دلہی فرمائی اور چونکہ ان کو خود رسول اللہ ﷺ نے اپنی صاحبزادی کی تیمارداری کے لئے چھوڑ دیا تھا جس کے باعث وہ بدر میں شریک نہ ہو سکے تھے اس لئے آپ ﷺ نے ان کو بھی مجاہد قرار دیا اور بدر کے مالِ غنیمت میں سے ایک مجاہد کے برابر حصہ ان کو عنایت فرمایا اور بشارت دی کہ وہ اجر و ثواب میں بھی کسی سے کم نہیں رہیں گے، اس سے بڑھ کر یہ کہ حضور انور ﷺ نے اپنی دوسری صاحبزادی اُم کلثوم سے ان کا نکاح کر دیا اور خاندان رسالت ﷺ سے دوبارہ ان کا تعلق قائم ہو گیا۔

غزوہ بدر کے بعد اور جس قدر معرکے پیش آئے سب میں حضرت عثمانؓ پامردی، استقلال اور مردانہ شجاعت کے ساتھ رسالت مآب ﷺ کے ہمراہ رہے اور ہر موقع پر اپنی اصابت رائے اور جوش و ثبات کے باعث آپ ﷺ کے دست و بازو ثابت ہوئے۔

غزوہ احد

شوال سنہ ۳ھ میں جب غزوہ احد پیش آیا تو پہلے غازیانِ دین نے غنیم کو شکست دے کر میدان سے بھگا دیا۔ لیکن وہ مسلمان تیر انداز جو عقب کی حفاظت کر رہے تھے، اپنی جگہ چھوڑ کر مالِ غنیمت جمع کرنے لگے۔ کفار نے اس جنگی غلطی سے فائدہ اٹھایا اور پیچھے سے اچانک حملہ کر دیا، مسلمان اس سے غافل تھے اس لئے اس ناگہانی حملہ کو روک نہ سکے اور بے ترتیبی سے منتشر ہو گئے۔ اسی اثناء میں مشہور ہو گیا کہ رسول خدا ﷺ نے شہادت پائی۔ اس افواہ نے جان نثاروں کے حواس اور بھی گم کر دیئے۔ سوائے چند آدمیوں کے جو جہاں تھا وہیں متحیر ہو کر رہ گیا۔ حضرت عثمانؓ بھی ان ہی لوگوں میں تھے۔

جنگِ احد میں صحابہؓ کا منتشر ہو جانا اگرچہ ایک اتفاقی سانحہ تھا جو مسلمان تیر اندازوں کی غلطی کے باعث پیش آیا تاہم لوگوں کو اس کا سخت ملال تھا۔ خصوصاً حضرت عثمانؓ نہایت پشیمان تھے، لیکن یہ اتفاقی غلطی تھی، اس لئے خدائے پاک نے وحی کے ذریعہ عفو عام کی بشارت دے دی۔

اِنَّ الَّذِيْنَ تَوَلَّوْا مِنْكُمْ يَوْمَ
التَّقْسِي الْجَمْعَانِ اِنَّمَا
اَسْتَزَلَّهُمُ الشَّيْطَانُ بِبَعْضِ

اور تم سے وہ لوگ جنہوں نے جنگ کے
موقع پر پشت دکھادی، حقیقت میں
شیطان نے ان کے بعض اعمال کے بدلہ

مَا كَسَبُوا وَلَقَدْ عَفَا اللَّهُ عَنْهُمْ
 إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ حَلِيمٌ

میں پھسلا دیا، اللہ نے ان کو معاف کر دیا اور
 بے شک خدا بڑا حلیم والا اور آمرزگار ہے۔

دیگر غزوات

غزوہ احد کے بعد سنہ ۳ھ میں غزوہ ذات الرقاع پیش آیا، آنحضرت ﷺ جب اس مہم میں تشریف لے گئے تو حضرت عثمانؓ کو مدینہ میں قائم مقامی کا شرف حاصل ہوا (۱)۔ پھر بنو نضیر کی جلا وطنی عمل میں آئی۔ اس کے بعد سنہ ۵ھ میں غزوہ خندق کا معرکہ پیش آیا۔ حضرت عثمانؓ ان تمام مہمات میں شریک تھے۔ سنہ ۶ھ میں رسول اللہ ﷺ نے زیارت کعبہ کا قصد فرمایا۔ حدیبیہ پہنچ کر معلوم ہوا کہ مشرکین آمادہ پر خاش ہیں، چونکہ رسول اللہ ﷺ کو لڑنا مقصود نہیں تھا، اس لئے مصالحت کے خیال سے حضرت عثمانؓ کو سفیر بنا کر بھیجا۔

سفارت کی خدمت

یہ مکہ پہنچے تو کفار قریش نے ان کو روک لیا اور سخت نگرانی قائم کر دی کہ وہ واپس نہ جانے پائیں۔ جب کئی دن گزر گئے اور حضرت عثمانؓ کا کچھ حال نہیں معلوم ہوا تو مسلمانوں کو سخت تردد ہوا۔ اسی حالت میں افواہ پھیل گئی کہ وہ شہید کر دیئے گئے۔ رسول اللہ ﷺ نے یہ خبر سن کر حضرت عثمانؓ کے خون کے انتقام کے لئے صحابہؓ سے جو تعداد میں چودہ سو تھے، ایک درخت کے نیچے بیعت لی اور حضرت عثمانؓ کی طرف سے خود اپنے دست مبارک پر دوسرا ہاتھ رکھ کر بیعت لی۔ یہ حضرت عثمانؓ کے تاج فخر کا وہ طرہ شرف ہے جو ان کے علاوہ اور کسی کے حصہ میں نہ آیا۔

ایک دفعہ ایک خارجی نے حضرت عبد اللہ بن عمرؓ سے دریافت کیا، کیا یہ سچ ہے کہ حضرت عثمانؓ نے بیعت رضوان نہیں کی۔ آپ نے جواب دیا کہ ہاں عثمانؓ اس وقت موجود نہ تھے مگر اس ہاتھ نے ان کی طرف سے قائم مقامی کی جس سے بہتر کوئی دوسرا ہاتھ نہیں (۲)۔ لیکن درحقیقت یہ بیعت تو حضرت عثمانؓ ہی کے خون کے انتقام کے لئے منعقد ہوئی تھی، اس سے بڑھ کر شرف اور کیا ہو سکتا ہے۔ آخر میں مشرکین قریش نے مسلمانوں کے جوش سے خائف ہو کر مصالحت کر لی اور حضرت عثمانؓ کو چھوڑ دیا اور رسول اللہ ﷺ اس سال بغیر عمرہ کئے اپنے فدائیوں کے ساتھ مدینہ واپس چلے آئے۔

① طبقات ابن سعد قسم اول جزو ثالث ص ۳۹

② سیرت ابن ہشام ج ۲ ص ۱۶۶۔ آنحضرت ﷺ کے اس اعزاز عطا فرمانے کا ذکر بخاری کتاب المناقب باب مناقب عثمانؓ میں بھی ہے اور واقعات کی تفصیلات بخاری کتاب الشروط والمصالحة مع اہل حرب میں ہے۔

۷ھ میں معرکہ خیبر پیش آیا۔ پھر سنہ ۸ھ میں مکہ فتح ہوا۔ اسی سال ہوازن کی جنگ ہوئی جو غزوہ حنین کے نام سے مشہور ہے۔ حضرت عثمانؓ ان تمام معرکوں میں شریک رہے۔
غزوہ تبوک اور تجمیز جیش عسره

۹ھ میں یہ خبر مشہور ہوئی کہ قیصر روم عرب پر حملہ آور ہونا چاہتا ہے، اس کا تدارک ضروری تھا، لیکن یہ زمانہ نہایت عسرت اور تنگی کا تھا۔ اس لئے رسول اللہ ﷺ کو سخت تشویش ہوئی اور صحابہ کو جنگی سامان کے لئے زرو مال سے اعانت کی ترغیب دلائی۔ اکثر لوگوں نے بڑی بڑی رقمیں پیش کیں۔ حضرت عثمانؓ ایک متمول تاجر تھے۔ اس زمانہ میں ان کا تجارتی قافلہ ملک شام سے نفع کثیر کے ساتھ واپس آیا تھا، اس لئے انہوں نے ایک تہائی فوج کے جملہ اخراجات تنہا اپنے ذمہ لے لئے۔ ابن سعد کی روایت کے مطابق غزوہ تبوک کی مہم میں تیس ہزار پیادے اور دس ہزار سوار شامل تھے۔ اس بنا پر گویا حضرت عثمانؓ نے دس ہزار سے زیادہ فوج کے لئے سامان مہیا کیا اور اس اہتمام کے ساتھ کہ اس کے لئے ایک ایک تسمہ تک اُن کے روپے سے خریدا گیا تھا، اس کے علاوہ ایک ہزار اونٹ، ستر گھوڑے اور سامانِ رسد کے لئے ایک ہزار دینار پیش کئے۔ حضور انور ﷺ اس فیاضی سے اس قدر خوش تھے کہ اشرافیوں کو دست مبارک سے اچھالتے تھے اور فرماتے تھے:

ماضر عثمان ما عمل بعد
آج کے بعد عثمان کا کوئی کام اس کو نقصان
نہیں پہنچائے گا (۱)۔

هذا اليوم

۱۰ھ میں سید البشر ﷺ نے آخری حج کیا جو حجۃ الوداع کے نام سے موسوم ہے، حضرت عثمانؓ بھی ہمرکاب تھے۔ حج سے واپس آنے کے بعد ماہ ربیع الاول سنہ ۱۱ھ کی ابتداء میں سرورِ کائنات ﷺ بیمار ہوئے اور بارہویں ربیع الاول دو شنبہ کے دن ربگزیں عالم جاوداں ہوئے۔

رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد سقیفہ بنی ساعدہ میں حضرت ابو بکرؓ کے دست مبارک پر خلافت کی بیعت ہوئی۔ خلافت صدیقی میں حضرت عثمانؓ مجلس شوریٰ کے ایک معتمد رکن تھے۔ سوا دو برس کی خلافت کے بعد حضرت ابو بکرؓ صدیق نے بھی رحلت فرمائی اور حضرت ابو بکرؓ کی وصیت اور عام مسلمانوں کی پسندیدگی سے حضرت فاروق اعظمؓ مسند آرائے خلافت ہوئے۔ حضرت عمرؓ کے استخلاف کا وصیت نامہ حضرت عثمانؓ ہی کے ہاتھ سے لکھا گیا تھا۔ اس سلسلہ میں یہ بات لحاظ رکھنے کے قابل ہے کہ وصیت نامہ کے دوران کتابت میں کسی خلیفہ کا نام لکھانے سے قبل حضرت ابو بکرؓ پر غشی طاری ہو گئی۔ حضرت عثمانؓ نے اپنی عقل و فراست سے سمجھ کر اپنی طرف سے حضرت عمرؓ کا نام لکھ دیا۔ حضرت ابو بکرؓ کو ہوش آیا تو پوچھا کہ پڑھو کیا لکھا؟ انہوں نے سنا شروع کیا اور

① مستدرک حاکم ج ۳ ص ۱۰۲ و ترمذی ابواب المناقب باب مناقب عثمانؓ

جب حضرت عمرؓ کا نام لیا تو حضرت ابوبکرؓ صدیق بے اختیار اللہ اکبر پکار اُٹھے، اور حضرت عثمانؓ کی اس فہم و فراست کی بہت تعریف و توصیف کی (۱)۔

تقریباً دس برس خلافت کے بعد ۲۳ھ میں حضرت عمرؓ نے بھی سفرِ آخرت اختیار کیا مرض الموت میں لوگوں کے اصرار سے عہدہ خلافت کے لئے چھ آدمیوں کا نام قریش کیا کہ ان میں سے کسی کو منتخب کر لیا جائے۔ علیؓ، عثمانؓ، زبیرؓ، طلحہؓ، سعد و وقاصؓ، عبدالرحمن بن عوفؓ، اور تائکید کی کہ تین دن کے اندر انتخاب کا فیصلہ ہونا چاہئے (۲)۔

فاروق اعظمؓ کی تجہیز و تکفین کے بعد انتخاب کا مسئلہ پیش ہوا اور دو دن تک اس پر بحث ہوتی رہی لیکن کوئی فیصلہ نہ ہوا۔ آخر تیسرے دن حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ نے کہا کہ وصیت کے مطابق خلافت چھ آدمیوں میں دائر ہے، لیکن اس کو تین شخصوں تک محدود کر دینا چاہئے۔ اور جو اپنے خیال میں جس کو مستحق سمجھتا ہو اس کا نام لے، حضرت زبیرؓ نے حضرت علیؓ رضی کی نسبت رائے دی۔ حضرت سعدؓ نے حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ کا نام لیا۔ حضرت طلحہؓ نے حضرت عثمانؓ کو پیش کیا۔ حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ نے کہا میں اپنے حق سے باز آتا ہوں، اس لئے اب یہ معاملہ صرف دو آدمیوں میں منحصر ہے اور ان دونوں میں سے جو کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ اور سنت شیخین کی پابندی کا عہد کرے گا اُس کے ہاتھ پر بیعت کی جائے گی۔ اس کے بعد علیحدہ علیحدہ حضرت علیؓ اور حضرت عثمانؓ سے کہا کہ آپ دونوں اس کا فیصلہ میرے ہاتھ میں دے دیں۔ اس پر ان دونوں کی رضا مندی لینے کے بعد حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ اور تمام صحابہ کرام مسجد میں جمع ہوئے۔ حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ نے ایک مختصر لیکن موثر تقریر کے بعد حضرت عثمانؓ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ اس کے بعد حضرت علیؓ نے بیعت کے لئے ہاتھ بڑھایا۔ حضرت علیؓ کا بیعت کرنا تھا کہ تمام حاضرین بیعت کے لئے ٹوٹ پڑے۔ غرض چوٹی محرم ۲۴ھ دوشنبہ کے دن حضرت عثمانؓ اتفاق عام کے ساتھ مسند نشین خلافت ہوئے اور دنیائے اسلام کی عنان حکومت اپنے ہاتھ میں لی۔

① ابن سعد جزو ۳ قسم اول، تذکرہ ابوبکرؓ ② ابن سعد تذکرہ عثمانؓ

خلافت اور فتوحات

فاروق اعظمؓ نے اپنے عہد میں شام، مصر اور ایران کو فتح کر کے ممالک محروسہ میں شامل کر لیا تھا، نیز ملکی نظم و نسق اور طریقہ حکمرانی کا ایک مستقل دستور العمل بنا دیا تھا، اس لئے حضرت عثمانؓ کے لئے میدان صاف تھا۔ انہوں نے صدیق اکبرؓ کی نرمی و ملامت اور فاروق اعظمؓ کی سیاست کو اپنا شعار بنایا اور ایک سال تک قدیم طریق نظم و نسق میں کسی قسم کا تغیر نہیں کیا، البتہ خلیفہ سابق کی وصیت کے مطابق حضرت سعد بن وقاصؓ کو مغیرہ بن شعبہؓ کی جگہ کوفہ کا والی بنا کر بھیجا (۱)۔ یہ پہلی تقرری تھی جو حضرت عثمانؓ کے ہاتھ سے عمل میں آئی۔

۲۴ھ میں بعض چھوٹے چھوٹے واقعات پیش آئے۔ یعنی آذر بایجان اور آرمینیا پر فوج کشی ہوئی، کیونکہ وہاں کے باشندوں نے حضرت عمرؓ کی وفات سے فائدہ اٹھا کر خراج دینا بند کر دیا تھا، اسی طرح رومیوں کی چھیڑ چھاڑ کی خبر سن کر حضرت عثمانؓ نے کوفہ سے سلمان بن ربیعہ کو چھ ہزار کی جمعیت کے ساتھ امیر معاویہؓ کی مدد کے لئے شام روانہ کیا۔

عہدِ فاروقی میں مصر کے والی عمرو بن العاصؓ تھے اور تھوڑا سا علاقہ جو سعید کے نام سے مشہور ہے عبد اللہ بن ابی سرح کے متعلق تھا، مصر کے خراج کی جو رقم دربارِ خلافت کو بھیجی جاتی تھی، حضرت عمرؓ ہی کے زمانہ سے اس کی کمی کے متعلق شکایت چلی آتی تھی اس لئے حضرت عثمانؓ نے مصری خراج کے اضافہ کا مطالبہ کیا۔ عمرو بن العاصؓ نے کہلا بھیجا کہ اونٹنی اس سے زیادہ دودھ نہیں دے سکتی۔ اس پر حضرت عثمانؓ نے ان کو معزول کر کے عبد اللہ بن ابی سرح کو پورے مصر کا گورنر بنادیا۔ مصریوں پر عمرو بن العاصؓ کی دھاک بیٹھی ہوئی تھی، اس لئے ان کی برطرفی سے ان کے دلوں میں مصر پر دوبارہ قبضہ کا خیال پیدا ہوا۔ ۲۵ھ میں ان کی شہ پانچ اسکندریہ کے لوگوں نے بغاوت کر دی۔ حضرت عثمانؓ نے مصر والوں کے مشورہ سے اس فتنہ کو فرو کرنے کے لئے عمرو بن العاصؓ ہی کو متعین کیا۔ انہوں نے حسن تدبیر سے اس بغاوت کو فرو کیا۔ اس کے بعد حضرت عثمانؓ

نے چاہا کہ فوج کا صیغہ عمرو بن العاص کے پاس رہے اور مال و خراج کے صیغہ عبداللہ بن ابی سرح کے سپرد رہیں، مگر عمرو بن العاص نے اُسے منظور نہ کیا۔ یعقوبی نے لکھا ہے کہ عمرو بن العاص نے باغیوں کے اہل و عیال کو لونڈی غلام بنا ڈالا تھا۔ حضرت عثمانؓ نے اس پر ناراضی ظاہر فرمائی اور جو لوگ لونڈی غلام بنائے گئے تھے، ان کو آزاد کرادیا (۱)۔ اس کے بعد دو برس تک عمرو بن العاص مصر کے مال و خراج کے افسر رہے۔ اسی سال عبداللہ بن ابی سرحؓ نے دربار خلافت کے حکم سے طرابلس (ٹریپولی) کی مہم کا انتظام کیا۔ نیز امیر معاویہؓ نے ایشیائے کوچک میں شامی سرحدوں کے قریب کے دورومی قلعے فتح کر لئے۔

۲۶ھ میں سب سے اہم واقعہ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کی معزولی ہے، اس کا سبب یہ ہوا کہ انہوں نے بیت المال سے ایک لمبی رقم قرض لی تھی، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ مہتمم بیت المال نے تقاضا کیا تو سعدؓ نے ناداری کا غدر کیا اور یہ قضیہ دربار خلافت تک پہنچا۔ بیت المال میں اس قسم کا تصرف دیانت کے خلاف تھا، اس لئے حضرت عثمانؓ، حضرت سعد بن وقاصؓ پر نہایت برہم ہوئے اور ان کو معزول کر کے ولید بن عقیہؓ کو والی کو فہ مقرر کیا۔ عبداللہ بن مسعودؓ پر بھی خفگی ظاہر کی، لیکن چونکہ ان کی غلطی صرف بے احتیاطی تھی، اس لئے ان کو ان کے عہدہ سے نہیں ہٹایا۔

۲۷ھ میں مصر کی دو عملی میں اختلاف شروع ہوا اور عبداللہ بن ابی سرح اور عمرو بن العاصؓ نے جو فوجی اور مالی صیغوں کے افسر تھے دربار خلافت میں ایک دوسرے کی شکایت کی۔ حضرت عثمانؓ نے تحقیقات کر کے عمرو بن العاصؓ کو معزول کر دیا اور عبداللہ بن ابی سرحؓ کو مصر کے تمام صیغوں کا تنہا مالک بنا دیا (۲)۔ عمرو بن العاصؓ اس فیصلہ سے نہایت کبیدہ ہوئے اور مدینہ چلے گئے۔ عمرو بن العاصؓ کے زمانہ میں مصر کا خراج ۲۰ لاکھ تھا، عبداللہ بن ابی سرحؓ نے کوشش کر کے چالیس لاکھ کر دیا۔ حضرت عثمانؓ نے فخر یہ عمرو بن العاصؓ سے کہا دیکھو! آخر انہی نے دودھ دیا۔ انہوں نے جواب دیا کہ ہاں دودھ تو دیا لیکن بچے بھوکے رہ گئے۔

فتح طرابلس

مہم طرابلس کا ہتمام تو ۲۵ھ ہی میں ہوا تھا لیکن باقاعدہ فوج کشی ۲۷ھ میں ہوئی۔ عبداللہ بن ابی سرحؓ گورنر مصر افسر نام تھے۔ حضرت عثمانؓ نے دار الخلافہ سے بھی ایک لشکر جرار کمک کے لئے روانہ کیا جن میں عبداللہ بن زبیرؓ، عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ، اور حضرت عبدالرحمن بن ابی بکرؓ خصوصیت سے قابل ذکر ہیں۔

اسلامی فوجیں مدت تک طرابلس کے میدان میں معرکہ آراء رہیں، یہاں تک کہ مسلمانوں کی شجاعت، جاں بازی اور ثبات واستقلال کے آگے اہل طرابلس کے پاؤں اکھڑ گئے۔ عبداللہ بن ابی سرحؓ نے فوج کے چھوٹے چھوٹے دستے بنا کر تمام ممالک میں پھیلا دیئے۔ طرابلس کے امراء نے جب یہ دیکھا کہ مسلمانوں کا مقابلہ ممکن نہیں ہے تو عبداللہ بن ابی سرحؓ کے پاس آ کر پچیس لاکھ دینار پر مصالحت کر لی (۱)۔

فتح افریقیہ

افریقیہ سے مراد وہ علاقے ہیں جن کو اب الجزائر اور مراکش کہا جاتا ہے، یہ ممالک ۲۶ھ میں حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کی ہمت وشجاعت اور حسن تدبیر سے فتح ہوئے۔ اس سلسلہ میں بڑے بڑے معرکے پیش آئے اور بالآخر کامیابی اسلامی فوج کو حاصل ہوئی اور یہ علاقے بھی ممالک محروسہ میں شامل ہوئے۔

اسپین پر حملہ

افریقیہ کی فتح کے بعد اسپین کا دروازہ کھلا۔ چنانچہ ۳۰ھ میں حضرت عثمانؓ نے اسلام فوج کو آگے بڑھنے کا حکم دیا اور عبداللہ بن نافع بن عبد قیس اور عبداللہ بن نافع بن حصین دو صاحبوں کو اس مہم کے لئے نامزد کیا۔ جنہوں نے کچھ فتوحات حاصل کیں، لیکن پھر مستقل مہم روک دی گئی اور عبداللہ بن ابی سرحؓ مصر واپس بھیجے گئے اور عبداللہ بن نافع بن عبد قیس افریقیہ کے حاکم مقرر کئے گئے۔

عبداللہ بن ابی سرح کو انعام

حضرت عثمانؓ نے عبداللہ بن ابی سرح سے وعدہ کیا کہ افریقیہ کی فتح کے صلہ میں مالی غنیمت کا پانچواں حصہ ان کو انعام دیا جائے گا۔ اس لئے عبداللہ نے اس وعدہ کے مطابق اپنا حصہ لے لیا لیکن عام مسلمانوں نے حضرت عثمانؓ کی اس فیاضی پر ناپسندیدگی کا اظہار کیا۔ حضرت عثمانؓ کو اس کا علم ہوا تو انہوں نے عبداللہ بن ابی سرحؓ سے اس رقم کو واپس کرادیا اور فرمایا کہ میں نے بیشک وعدہ کیا تھا، لیکن مسلمان اس کو تسلیم نہیں کرتے (۲)، اس لئے مجبوری ہے۔

ایک اور روایت ہے کہ افریقیہ کا خمس مدینہ بھیجا گیا تھا جو مروان کے ہاتھ پانچ لاکھ دینار میں بیچا گیا تھا، ابن اثیر نے ان دونوں روایتوں میں یہ تطبیق دی ہے کہ عبداللہ بن ابی سرحؓ کو افریقہ کے پہلے غزوہ (شاید طرابلس) کے مال غنیمت کا خمس دیا گیا تھا اور مروان کے ہاتھ پورے افریقہ

کی غنیمت کا خمس بیچا گیا تھا۔

فتح قبرص

قبرص جس کو اب سائپرس کہتے ہیں۔ بحر روم میں شام کے قریب ایک نہایت زرخیز جزیرہ ہے اور یورپ اور روم کی طرف سے مصر و شام کی فتح کا دروازہ ہے اور مصر و شام کی حفاظت اس وقت تک نہیں ہو سکتی تھی اور نہ رومیوں کا خطرہ اس وقت تک دور ہو سکتا تھا جب تک یہ بحری ناکہ بندی مسلمانوں کے قبضہ میں نہ ہو۔ اس لئے امیر معاویہؓ نے عہد فاروقی ہی میں اس پر فوج کشی کی اجازت طلب کی تھی۔ مگر حضرت عمرؓ بحری جنگ کے خلاف تھے اس لئے انکار کر دیا۔ اس کے بعد ۲۸ھ میں امیر معاویہؓ نے پھر حضرت عثمانؓ سے اصرار کے ساتھ قبرص پر لشکر کشی کی اجازت طلب کی اور اطمینان دلایا کہ بحری جنگ کو جس قدر خوف ناک سمجھا جاتا ہے، اس قدر خوفناک نہیں ہے۔ حضرت عثمانؓ نے لکھا کہ اگر تمہارا بیان صحیح ہے تو حملہ میں مضائقہ نہیں، لیکن اس مہم میں اسی کو شریک کیا جائے جو اپنی خوشی سے شرکت کرے۔ اس اجازت کے بعد عبداللہ بن قیس حارثی کی زیر قیادت اسلامی بحری بیڑہ قبرص پر حملہ کے لئے روانہ ہوا اور صحیح و سلامت قبرص پہنچ کر لنگر انداز ہوا۔ عبداللہ بن قیس امیر البحر ناگہانی طور پر شہید ہوئے، لیکن سفیان بن عوف ازدی نے علم سنبھال کر اہل قبرص کو مغلوب کر لیا اور شرائط ذیل پر مصالحت ہوئی:

① اہل قبرص (۷۰۰۰) سات ہزار دینار سالانہ خراج ادا کریں گے۔

② مسلمان قبرص کی حفاظت کے ذمہ دار نہیں ہوں گے۔

③ بحری جنگوں میں اہل قبرص مسلمانوں کے دشمنوں کی نقل و حرکت کی ان کو اطلاع

دیا کریں گے (۱)۔

اہل قبرص کچھ دنوں تک اس معاہدہ پر قائم رہے۔ لیکن ۳۳ھ میں انہوں نے اس کے خلاف رومی جہازوں کو مدد دی، اس لئے امیر معاویہؓ نے دوبارہ قبرص پر فوج کشی کی اور اس کو فتح کر کے ممالک محروسہ میں شامل کر لیا (۲) اور منادی کرادی کے آئندہ سے یہاں کے باشندے رومیوں کے ساتھ کسی قسم کے تعلقات نہ رکھیں۔

والی بصرہ کی معزولی

حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ عہد فاروقی سے بصرہ کی ولایت پر مامور تھے، حضرت عثمانؓ نے بھی اپنے زمانہ میں چھ برس تک ان کو اس منصب پر برقرار رکھا، لیکن یہاں ایک بڑی جماعت ہمیشہ

حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کی مخالفت پر آمادہ رہتی تھی، چنانچہ حضرت عمرؓ کے عہد میں بارہا ان کی شکایتیں پہنچیں، مگر فاروقی رعب و داب نے مخالفین کو ہمیشہ دبائے رکھا۔ حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں ان کو آزادی کے ساتھ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کے خلاف سازش پھیلانے کا موقع مل گیا۔ اسی اثناء میں کردوں نے بغاوت کر دی۔ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ نے مسجد میں جہاد کا وعظ کیا اور راہ میں پیادہ پا چلنے کے فضائل بیان کئے۔ اس کا اثر یہ ہوا کہ بہت سے مجاہدین جن کے پاس گھوڑے موجود تھے وہ بھی پیادہ پا چلنے پر تیار ہو گئے۔ لیکن چند آدمیوں نے کہا کہ ہم کو جلدی نہ کرنا چاہئے، دیکھیں ہمارا والی کس شان سے چلتا ہے۔ چنانچہ صبح کے وقت دارالامارۃ کے قریب مجاہدین کا مجمع ہوا۔ حضرت ابو موسیٰ اس شان سے نکلے کہ ایک ترکی نسل کے گھوڑے پر سوار تھے اور چالیس شجروں پر ان کا اسباب و سامان تھا۔ لوگوں نے بڑھ کر باگ پکڑ لی اور کہا ”قول و فعل میں اختلاف کیسا؟ دوسروں کو جس چیز کی ترغیب دیتے ہو اس پر خود کیوں عمل نہیں کرتے؟“ حضرت ابو موسیٰ اس کا کوئی تشفی بخش جواب نہ دے سکے اور اسی وقت ایک جماعت شکایت لے کر مدینہ پہنچی اور ان کی معزولی کا مطالبہ کیا۔ حضرت عثمانؓ نے ۲۹ھ میں ان کو معزول کر دیا اور عبداللہ بن عامرؓ کو اس منصب پر مامور کیا (۱)۔

فتح طبرستان

۳۰ھ میں عبداللہ بن عامرؓ بصرہ کے نئے والی اور سعید بن عاصؓ نے دو مختلف راستوں سے خراسان اور طبرستان کا رخ کیا۔ سعید بن عاصؓ کے ساتھ امام حسنؓ، امام حسینؓ، عبداللہ بن عباسؓ، عبداللہ بن عمرؓ، عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ اور عبداللہ بن زبیرؓ جیسے اکابر شریک تھے۔ ان لوگوں نے پیش قدمی کر کے عبداللہ بن عامرؓ کے پہنچنے سے پہلے جرجان، خراسان اور طبرستان کو فتح کر لیا (۲)۔ اسی اثناء میں ولید بن عقبہؓ والی کوفہ کے خلاف ایک سازش ہوئی اور ان پر شراب خوری کا الزام لگایا گیا۔ یہ الزام ایسا تھا کہ حضرت عثمانؓ کو انہیں معزول کرنا پڑا اور ان کی جگہ سعید بن عاصؓ کوفہ کے والی مقرر ہوئے۔

عبداللہ بن عامرؓ نے اپنی مہم کو جاری رکھا اور ہرات، کابل اور بھستان کو فتح کر کے نیشاپور کا رخ کیا۔ بست، اشندورخ، خواف، اسبرائن، ارغیان وغیرہ فتح کرتے ہوئے خاص شہر نیشاپور کا رخ کیا۔ اہل نیشاپور نے چند مہینوں تک مدافعت کی لیکن پھر مجبور ہو کر سات لاکھ درہم سالانہ پر مصالحت کر لی۔

عبداللہ بن عامرؓ نے نیشاپور کے بعد عبداللہ بن خازم کو سرخس کی طرف روانہ کیا اور خود

ماوراء النہر کی طرف بڑھے۔ سرخس کے باشندوں نے اطاعت قبول کر لی۔ اہل ماوراء النہر نے بھی مصالحت پر آمادگی ظاہر کی اور بہت سے گھوڑے، ریشمی کپڑے اور مختلف قسم کے تحائف لے کر حاضر ہوئے۔ عبداللہ بن عامرؓ نے صلح کر لی اور قیس بن الہیثم کو اپنا قائم مقام بنا کر خود اسباب و سامان کے ساتھ دار الخلافہ کا رخ کیا۔

ایک عظیم الشان بحری جنگ

۳۱ھ میں قیصر روم نے ایک عظیم الشان جنگی بیڑا جس میں تقریباً پانچ سو جہاز تھے سواحل شام پر حملہ کے لئے بھیجا۔ مورخین کا بیان ہے کہ رومیوں نے مسلمانوں کے مقابلہ میں ایسی عظیم الشان قوت کا مظاہرہ اس سے پہلے کبھی نہیں کیا تھا۔ امیر البحر عبداللہ بن ابی سرح نے مدافعت کے لئے اسلامی بیڑے کو آگے بڑھایا اور سطح سمندر پر دونوں آپس میں مل گئے۔ دوسری صبح کو مسلمانوں نے اپنے کل جہاز ایک دوسرے سے باندھ دیئے اور فریقین میں نہایت خونریز جنگ ہوئی، بے شمار رومی مارے گئے، مسلمان بھی بہت شہید ہوئی لیکن ان کے استقلال و شجاعت نے رومیوں کے پاؤں اکھاڑ دیئے اور ان کی بہت تھوڑی تعداد زندہ بچی، خود قسطنطنین اس معرکہ میں زخمی ہوا اور اسلامی بیڑہ مظفر و منصور اپنی بندرگاہ میں واپس آیا (۱)۔

متفرق فتوحات

قبرص، طرابلس اور طبرستان کے علاوہ حضرت عثمانؓ کے عہد میں اور بھی فتوحات ہوئیں، ۳۱ھ میں خبیب بن مسلمہ فہری نے آرمینیا کو فتح کر کے اسلامی ممالک محروسہ میں شامل کر لیا (۲)۔ ۳۲ھ میں امیر معاویہؓ تنکنائے قسطنطنیہ تک بڑھتے چلے گئے ۳۲ھ میں عبداللہ بن عامرؓ نے مرورد، طالقان، فاریاب، اور جوزجان کو فتح کیا۔ ۳۳ھ میں امیر معاویہؓ نے ارض روم میں حصن المرأة پر حملہ کیا۔ اسی سال اہل خراسان نے بغاوت کی۔ عبداللہ بن عامرؓ والی بصرہ نے احنف بن قیس کو بھیج کر اسے فرو کر لیا۔ اسی طرح ۳۴ھ میں اہل طرابلس نے نقص امن کیا۔ عبداللہ بن ابی سرحؓ نے ایک لشکر جرار کے ساتھ چڑھائی کر کے انہیں قابو میں کیا۔

انقلاب کی کوشش اور حضرت عثمانؓ کی شہادت

حضرت عثمانؓ کے دوازدہ سالہ خلافت میں ابتدائی چھ سال کامل امن و امان سے گزرے۔ فتوحات کی وسعت، مال غنیمت کی فراوانی، وظائف کی زیادتی، زراعت کی ترقی اور حکومت کے عمدہ نظم و نسق نے تمام ملک میں تمول، فارغ البالی اور عیش و تنعم کو عام کر دیا، یہاں تک کہ بعض متکشف صحابہؓ پیام نبوت کی سادگی اور بے تکلفی کو یاد کر کے اس زمانہ کی ثروت اور سامانِ تعیش کو دیکھ کر حد درجہ غمگین تھے کہ اب مسلمانوں کے اس دنیاوی رشک و حسد کا وقت آ گیا جس کی آنحضرت ﷺ نے پیشین گوئی فرمائی تھی۔ چنانچہ حضرت ابوذر غفاریؓ جن کو آنحضرت ﷺ نے مسیح الاسلام کا خطاب دیا تھا، اعلانیہ اس کے خلاف وعظ کہتے تھے اور فرماتے تھے کہ ضرورت سے زیادہ جمع کرنا ایک مسلمان کے لئے ناجائز ہے۔ شام کا ملک جس کے حاکم امیر معاویہؓ تھے اور جو صدیوں تک رومی تعیش و تکلفات کا گہوارہ رہ چکا تھا وہاں کے مسلمانوں میں سب سے زیادہ یہ برائیاں پیدا ہو رہی تھیں۔ حضرت ابوذرؓ بر ملا ان امراء اور دولت مندوں کے خلاف وعظ کہتے تھے جس سے نظام حکومت میں خلل پڑتا تھا، اسلئے امیر معاویہؓ کی استدعا پر حضرت عثمانؓ نے ان کو مدینہ بلوایا۔ مگر اب مدینہ بھی وہ انگلا مدینہ نہ رہا تھا، بیرونی لوگوں کے بڑے بڑے محل تیار ہو چکے تھے۔ اسلئے حضرت ابوذرؓ نے یہاں سے بھی دل برداشتہ ہو کر ربذہ نام کے ایک گاؤں میں اقامت اختیار کیا۔

حضرت عثمانؓ کے آخری زمانہ میں جو فتنہ و فساد برپا ہوا اس کی حقیقت یہی ہے کہ دولتمندی اور تمول کی کثرت نے مسلمانوں میں بھی اس کے وہ لوازم پیدا کر دیئے جو ہر قوم میں ایسی حالت میں پیدا ہو جاتے ہیں اور بالآخر ان کے ضعف اور انحطاط کا سبب بن جاتے ہیں۔ اسی لئے آنحضرت ﷺ مسلمانوں سے فرمایا کرتے تھے کہ لا اخاف علیکم الفقر بل اخاف علیکم الدنیا۔ مجھے تمہارے فقر و فاقہ سے کوئی خوف نہیں ہے بلکہ تمہاری دولت دنیاوی ہی کے خطرات سے ڈرتا ہوں۔ تمول اور دولت کی کثرت کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ کل قوم کے فوائد کے مقابلہ میں ہر جماعت اور ہر فرد اپنے جماعتی اور شخصی فوائد کو ترجیح دینے لگتا ہے، جس سے بغض و عناد پیدا

ہو جاتا ہے۔ قومی وحدت کا شیرازہ بکھر جاتا ہے اور انحطاط کا دور شروع ہو جاتا ہے۔ لیکن اس کے علاوہ اس فتنہ و فساد کی پیدائش کے بعض اور اسباب بھی تھے۔

(۱) سب سے پہلی وجہ یہ ہے کہ صحابہ کرام کی وہ نسل جو فیض نبوت سے براہ راست مستفیض ہوئی تھی ختم ہو چکی تھی جو لوگ موجود تھے وہ اپنی کبر سنی کے سبب سے گوشہ نشین ہو رہے تھے اور ان کی اولاد ان کی جگہ لے رہی تھی۔ یہ نوجوان زہد و اتقاء عدل و انصاف حق پسندی و راستبازی میں اپنے بزرگوں سے کمتر تھے۔ اس بناء پر رعایا کے لئے ویسے فرشتہ رحمت ثابت نہ ہوئے جیسے ان کے اسلاف تھے۔

(۲) حضرت ابوبکرؓ کے مشورہ اور مسلمانوں کی پسندیدگی سے امامت و خلافت کے لئے قریش کا خاندان مخصوص ہو گیا تھا اور بڑے بڑے عہدے بھی زیادہ تر ان ہی کو ملتے تھے، نوجوان قریشی اس کو اپنا حق سمجھ کر دوسرے عرب قبیلوں کو اپنا محکوم سمجھنے لگے۔ عام عرب قبائل کا دعویٰ تھا کہ ملک کی فتوحات میں ہماری تلواروں کی بھی کمائی ہے، اس لئے وظائف، منصب اور عہدوں میں قریش اور ہم میں مساوات چاہئے۔

(۳) اس وقت کابل سے لے کر مراکش تک اسلام کے زیر نگین تھا جس میں سینکڑوں قومیں آباد تھیں، ان محکوم قوموں کے دلوں میں قدرتنا مسلمانوں کے خلاف انتقام کا جذبہ موجود تھا، لیکن ان کی قوت کے مقابلہ میں بے بس تھے، اس لئے انہوں نے سازشوں کا جال بچھایا جن میں سب سے آگے مجوسی اور یہودی تھے۔

(۴) حضرت عثمانؓ فطرتاً نیک ذی مروت اور نرم خو تھے، عموماً لوگوں سے سختی کا برتاؤ نہیں کرتے تھے، اکثر جرائم کو بردباری اور حلم سے ٹال دیا کرتے تھے، اس سے شریروں کے حوصلے بڑھ گئے۔

(۵) حضرت عثمانؓ اموی تھے، اس لئے فطرتاً ان کے جذبات اپنے اہل خاندان کے ساتھ خیر خواہانہ تھے اور آپ ان کو فائدہ پہنچانا چاہتے تھے اور اپنے ذاتی مال سے ان کی امداد فرمایا کرتے تھے، شریروں نے اس کو یوں ملک میں پھیلایا کہ حضرت عثمانؓ سرکاری بیت المال سے ان کے ساتھ داد و دہش کرتے ہیں۔

(۶) ہر امام کی کامیابی کے لئے ضروری ہے کہ اس کے کارکن اور غمال اس کے مطیع اور فرمانبردار ہوں، اسلام کی دوسری نسل میں جواب پہلی نسل کی جگہ لے رہی تھی، امام وقت کی اطاعت کا وہ مذہبی جذبہ نہ تھا جو اول الذکر میں موجود تھا۔ ایسی حالت میں حضرت عثمانؓ نظام خلافت کے قیام و استحکام کے لئے بنی امیہ میں سے زیادہ افراد لینے پر مجبور ہوئے۔

(۷) مختلف، محکوم قوموں کے شورش پسند اشخاص اس لئے انقلاب کے خواہاں تھے کہ شاید اس سے ان کی حالت میں کوئی فرق پیدا ہو۔

(۸) غیر قوموں کے جو لوگ مسلمان ہو گئے تھے یا مسلمانوں نے غیر قوموں کی عورتوں سے جو شادیاں کر لی تھیں یا وہ باندیاں بنی تھیں ان کی اولادیں بہت کچھ فتنہ کا باعث بنیں۔

ان مختلف الخیال جماعتوں کے اغراض و مقاصد پر نظر ڈالنے سے یہ بالکل نمایاں ہو جاتا ہے کہ اس فتنہ و انقلاب کے حقیقی اسباب یہی تھے جو اوپر مذکور ہوئے۔ مثلاً

(۱) بنو ہاشم بنو امیہ کے عروج و ترقی کو پسند نہیں کرتے تھے اور خلافت کے مناصب اور عہدوں کا سب سے زیادہ اپنے کو مستحق جانتے تھے۔

(۲) عام عرب قبائل مناصب اور عہدوں اور جاگیروں کے استحقاق میں اپنے کو قریشیوں سے کم نہیں سمجھتے تھے، اس لئے وہ قریشی افسروں کے غرور و تمکنت کو توڑنا اور اپنا جائز استحقاق اور مساوات حاصل کرنا چاہتے تھے۔

(۳) مجوسی چاہتے تھے کہ ایسا انقلاب پیدا کیا جائے جس میں ان کی مدد سے حکومت ایسے عام خاندان میں منتقل ہو جس سے وہ بہتر سے بہتر حقوق اور مراعات حاصل کر سکیں اور عام عربوں کے مقابلہ میں ان کا استحقاق کم نہ سمجھا جائے۔

(۴) یہودی چاہتے تھے کہ مسلمانوں میں ایسا افتراق پیدا کر دیا جائے کہ ان کی قوت پاش پاش ہو جائے۔

یہ اغراض مختلف تھیں اور ہر جماعت اپنی غرض کے لئے کوشش میں مصروف تھی، اس لئے خفیہ ریشہ دوانیاں شروع ہو گئیں۔ عمال کے خلاف سازشیں ہونے لگیں اور خود امیر المؤمنین کو بدنام کرنے کی کوشش شروع ہوئی۔ حضرت عثمانؓ نے ان فتنوں کو دباننا چاہا لیکن یہ آگ ایسی لگی تھی کہ جس کا بجھانا آسان نہ تھا، فتنہ پردازوں کا دائرہ عمل روز بروز وسیع ہوتا گیا، یہاں تک کہ تمام ملک میں ایک خفیہ جماعت پیدا ہو گئی تھی جس کا مقصد فتنہ و فساد تھا۔ کوفہ کی انقلاب پسند جماعتوں میں اشتر نخعی، ابن ذی الحبکہ، جنذب، صعصعہ، ابن الکوار، کمیل اور عمیر بن ضابطی خاص طور پر قابل ذکر ہیں (۱)۔ ان لوگوں کا خیال تھا کہ امارت و ریاست قریش کے ساتھ مخصوص ہونے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ عام مسلمانوں نے ممالک فتح کئے ہیں، اس لئے وہ سب اس کے مستحق ہیں۔ سعید بن عاص والی کوفہ سے اس جماعت کو خاص طور پر عداوت تھی، ان کو بدنام کرنے کے لئے روز ایک نئی تدبیر اختراع کی جاتی تھی اور قریش کے خلاف ملک کو تیار کرنے کے لئے طرح طرح کے وسائل کام

میں لائے جاتے ہیں۔ اشراف کوفہ نے ان مفسدہ پرداز یوں سے تنگ آ کر امیر المؤمنین سے التجا کی کہ خدا کے لئے جلد ان فتنہ جو اشخاص سے کوفہ کو نجات دلائیے۔ حضرت عثمانؓ نے تقریباً دس آدمیوں کو جو اس جماعت کے سرگروہ تھے، شام کی طرف جلا وطن کر دیا (۱)۔

اسی طرح بصرہ میں بھی ایک فتنہ پرداز جماعت پیدا ہو گئی تھی، حضرت عثمانؓ نے یہاں سے بھی کچھ آدمیوں کو ملک بدر کر دیا۔ لیکن فتنہ کی آگ اس حد تک بھڑک چکی تھی کہ یہ معمولی چھینٹے اس کو بجھانہ سکے بلکہ یہ انتقال مکانی اور بھی ان خیالات کی اشاعت کا سبب بن گئے اور پہلے جو آگ ایک جگہ سلگ رہی تھی وہ سارے ملک میں پھیل گئی۔

مصر سازش کا سب سے بڑا مرکز تھا، مسلمانوں کے سب سے بڑے دشمن یہودی تھے، چنانچہ ایک یہودی النسل نو مسلم عبد اللہ بن سبا نے اپنی حیرت انگیز سازشانہ قوت سے مختلف الخیال مفسدوں کو ایک مرکز پر متحد کر دیا اور اس کو زیادہ مؤثر بنانے کے لئے اس نے مذہب میں عجیب و غریب مقائد اختراع کئے اور خفیہ طور پر ہر ملک میں اس کی اشاعت کی۔ موجودہ شیعہ فرقہ دراصل انہی عقائد پر قائم ہوا۔

مفسدین کی جماعت تمام ملک میں پھیلی ہوئی تھی اور ان میں سے ہر ایک کا مطمح نظر مختلف تھا اور آئندہ خلیفہ کے انتخاب کے بارے میں بھی ہر ایک کی نظر الگ الگ شخصیتوں پر تھی، اہل مصر حضرت علیؓ کے عقیدت کیش تھے۔ اہل بصرہ حضرت طلحہؓ کے طرف دار تھے، اہل کوفہ حضرت زبیرؓ کو پسند کرتے تھے۔ اہل عراق کی جماعت تمام قریش سے عداوت رکھتی تھی اور ایک جماعت سرے سے عربوں ہی کے خلاف تھی لیکن امیر المؤمنین حضرت عثمانؓ کی معزولی اور بنو امیہ کی بیخ کنی پر سب باہم متفق تھے۔ عبد اللہ بن سبا نے حکمت عملی سے ان اختلافات سے قطع نظر کر کے سب کو ایک مقصد یعنی حضرت عثمانؓ کی مخالفت پر متحد کر دیا اور تمام ملک میں اپنے داعی اور سفیر پھیلا دیئے تاکہ ہر جگہ فتنہ کی آگ بھڑکا کر بد امنی پیدا کر دی جائے اور اس مقصد کے حصول کے لئے داعیوں کو حسب ذیل طریقوں پر عمل کی ہدایت کی۔

(۱) بظاہر متقی و پرہیزگار بننا اور لوگوں کو وعظ و پند سے اپنا معتقد بنانا۔

(۲) عمال کو دق کرنا اور ہر ممکن طریقہ سے ان کو بدنام کرنے کی کوشش کرنا۔

(۳) ہر جگہ امیر المؤمنین کی کنبہ پروری اور نا انصافی کی داستان مشتہر کرنا۔

ان طریقوں پر نہایت مستعدی کے ساتھ عمل کیا گیا۔ ولید بن عقبہ والی کوفہ پر شراب خوری کا الزام قائم کیا گیا اور حد بھی جاری کی گئی جو درحقیقت ایک بڑی سازش کا نتیجہ تھا، اسی طرح حضرت

ابوموسیٰ اشعریؓ والی بصرہ کی معزولی بھی جس کا ذکر آئندہ آئے گا ان ہی ریشہ دوانیوں کا نتیجہ تھی۔
 ۳۱ھ میں جبکہ قیصر روم نے پانچ سو جنگی جہازوں کے عظیم الشان بیڑے کے ساتھ اسلامی سواحل پر حملہ کیا اور مسلمان بڑے خوف و ہراس میں مبتلا ہو گئے اس وقت بھی یہ انقلاب پسند اپنی فتنہ انگیزی سے باز نہیں آئے اور محمد بن ابی حذیفہؓ اور محمد بن ابی بکرؓ نے جو مفسدین کے دام تزدیر میں پھنس چکے تھے، اسلامی بیڑے کے امیر البحر عبد اللہ بن ابی سرحؓ کو ہر طرح دق کیا۔ نماز میں بے موقع تکبیریں بلند کر کے برہمی پیدا کرتے۔ عبد اللہ بن سعد کی اعلانیہ مذمت کرتے اور مجاہدین سے کہتے کہ تم رومیوں کے مقابلہ میں جہاد کرنے جاتے ہو، حالانکہ اسلام کو خود مدینہ میں مجاہدین کی ضرورت ہے۔ لوگ تعجب سے کہتے کہ مدینہ میں کیا ضرورت ہے؟ تو وہ حضرت عثمانؓ کا نام لیتے اور کہتے کہ اس ظالم کو معزول کرنا اسلام کی سب سے بڑی خدمت ہے، اس نے سنتِ شیخین کو چھوڑ دیا ہے۔ کبار صحابہ کو معزول کر کے اپنے اعزہ و اقارب کو سیاہ و سپید کا مالک بنا دیا۔

غرض ہر طرح کی فریب کاریوں سے لوگوں کو متاثر کرنے کی کوشش کی گئی۔ اسلامی بیڑا رومیوں کے مقابلہ کے لئے روانہ ہوا تو محمد بن ابی حذیفہؓ اور محمد بن ابی بکرؓ نے ایک کشتی پر سوار ہو کر بیڑے کا تعاقب کیا اور جہاں جہاز لنگر انداز ہوتے وہ اپنی کشتی کو قریب لے کر کے اپنے خیالات کی اشاعت کرتے۔ مجاہدین رومی بیڑے کو شکست دے کر مظفر و منصور واپس آئے تو چند نے محمد بن ابی بکرؓ اور محمد بن ابی حذیفہؓ کو جہاد سے پہلو تہی کرنے پر ملامت کی۔ انہوں نے کہا کہ ہم اس جہاد میں کسی طرح حصہ لے سکتے ہیں جس میں انتظام عثمانؓ کے ایماء سے ہوا ہو؟ اور جس کا امیر عبد اللہ ابن سعد ہو۔ اس کے بعد حسب معمول حضرت عثمانؓ کے معائب اور برائیوں کی طویل داستان شروع کر دی (۱)۔ عبد اللہ بن سعد نے جب دیکھا کہ یہ دونوں کسی طرح اپنی حرکتوں سے باز نہیں آتے اور ان کے مسموم خیالات آہستہ آہستہ اپنا اثر کر رہے ہیں تو نہایت سختی سے انکو منع کیا اور کہا کہ خدا کی قسم! اگر امیر المؤمنین کا خیال نہ ہوتا تو تمہیں اس مفسدہ پرداز کی کا مڑہ چکھا دیتا۔

مدینہ بھی مفسدین سے خالی نہ تھا، کبار صحابہؓ حضرت عثمانؓ کے ساتھ تھے اس لئے علانیہ اس جماعت کا کوئی اثر نہ ہوا۔ البتہ اخیر عہد یعنی ۳۵ھ میں جس سال حضرت عثمانؓ شہید ہوئے مفسدین مدینہ اس قدر بے باک ہو گئے کہ بیرونی مفسدوں کی مدد سے ان کو خود امیر المؤمنین پر بھی دستِ ستم دراز کرنے کی جرأت ہو گئی۔ چنانچہ ایک دفعہ جمعہ کے روز حضرت عثمانؓ منبر پر خطبہ دے رہے تھے، ابھی حمد و ثناء ہی شروع کی تھی کہ ایک شخص نے کھڑے ہو کر کہا کہ ”عثمان! کتاب اللہ کو اپنا طرز عمل بنا“۔ لیکن صبر و تحمل کے اس پیکر نے نرمی سے کہا، ”بیٹھ جاؤ“ دوسری مرتبہ کھڑے ہو کر پھر

اس نے اسی جملہ کا اعادہ کیا۔ حضرت عثمانؓ نے پھر بیٹھنے کو کہا۔ تین دفعہ اس نے اسی طرح خطبہ کے درمیان برہمی پیدا کی۔ حضرت عثمانؓ نے ہر بار نرمی سے بیٹھنے کو فرمایا۔ لیکن اس کی سازش پہلے سے ہو چکی تھی۔ ہر طرف سے مفسدین نے نرغہ کر لیا اور اس قدر سنگریزے اور پتھروں کی بارش کی کہ نایب رسول زخموں سے چور چور ہو کر منبر سے فرشِ خاک پر گر پڑا، مگر صبر و تحمل کا یہ عالم تھا کہ اس بے ادبی پر بھی جذبہ غیض و غضب کو ہيجان نہ ہوا (۱)۔

غرض مختلف عناصر نے مل کر افترا پرداز یوں اور کذب بیانیوں سے اس طرح حضرت عثمانؓ کو بدنام کرنے کی کوشش کی اور آپ کی مخالفت کا صور اس بلند آہنگی سے پھونکا کہ اتنی طویل مدت کے بعد اس زمانہ میں بھی بہت سے تعلیم یافتہ حضرات جو واقعات کی حقیقت تک پہنچنے کی کوشش نہیں کرتے، ان غلط بیانیوں اور فریب کاریوں سے متاثر نظر آتے ہیں، اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس موقع پر تمام اعتراضات کو قلمبند کر کے اصل واقعات کو بے نقاب کر دیا جائے۔ اس وقت تک حضرت عثمانؓ پر جس قدر اعتراضات کئے گئے ہیں ان کی تفصیل یہ ہے:

(۱) کبار صحابہ مثلاً حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ، مغیرہ بن شعبہؓ، عمرو بن العاصؓ، عمار بن یاسرؓ، عبداللہ بن مسعودؓ اور عبدالرحمن بن ارقمؓ کو معزول کر کے خاص اپنے کنبہ کے نااہل اور ناتجربہ کار افراد کو مامور کیا۔

(۲) بیت المال میں بے جا تصرف کیا اور مسرفانہ طریقہ پر اپنے اعزہ و اقارب کے ساتھ سخاوت کا اظہار کیا۔ مثلاً حکم بن العاصؓ کو جسے رسول اللہ ﷺ نے طائف میں جلا وطن کر دیا تھا مدینہ آنے کی اجازت دی اور بیت المال سے ایک لاکھ درہم عطا کئے۔ اور اس کے لڑکے حارث کو اس کی اجازت دی کہ بازار میں جو فروخت ہو اس کی قیمت سے اپنے لئے عشر وصول کرے۔ مردان کو افریقہ کے مالِ غنیمت کا خمس دیا گیا۔ اسی طرح عبداللہ ابن خالدؓ کو تین لاکھ درہم کا گرانقدر عطیہ مرحمت کیا اور خود اپنی صاحبزادیوں کو بیت المال کے قیمتی جواہرات عنایت فرمائے، حالانکہ فاروق اعظمؓ نے نہایت شدت کے ساتھ اس قسم کے تصرفات سے احتراز کیا تھا۔ اس کے علاوہ اپنے لئے ایک عظیم الشان محل تعمیر کرایا اور مصارف کا تمام بار بیت المال پر ڈالا۔ بیت المال کے مہتمم عبداللہ بن ارقمؓ اور معقیب نے اس اسراف پر اعتراض کیا تو ان کو معزول کر کے زید بن ثابتؓ کو یہ عہدہ تفویض کر دیا۔ ایک دفعہ بیت المال میں وظائف تقسیم ہونے کے بعد ایک لاکھ درہم پس انداز ہوئے۔ حضرت عثمانؓ نے بے وجہ زید بن ثابتؓ کو یہ گراں قدر رقم لینے کی اجازت دے دی۔

(۳) عبداللہ بن مسعودؓ اور ابیؓ کے روزینے بند کر دیئے۔

(۴) مدینہ کے اطراف میں بقیع کو سرکاری چراگاہ قرار دیا اور عوام کو اس سے مستفید ہونے سے روک دیا۔

(۵) مدینہ کے بازار میں بعض اشیاء کی خرید و فروخت اپنے لئے مخصوص کر لی اور حکم دیا کہ کھجور کی گٹھلیاں امیر المؤمنین کے ایجنٹ کے سوا کوئی دوسرا نہیں خرید سکتا۔

(۶) اپنے حاشیہ نشینوں اور قرابت داروں کو اطراف ملک میں نہایت وسیع قطععات زمین مرحمت فرمائے حالانکہ اس سے پہلے کسی نے ایسا نہیں کیا تھا۔

(۷) بعض کبار صحابہ کی تذلیل کی گئی اور انکو جلاوطن کیا گیا، مثلاً ابوذر غفاریؓ، عمار بن یاسرؓ، جندب بن جنادہؓ، عبداللہ بن مسعودؓ اور عبادہ بن ثابتؓ کیساتھ نہایت نامنصفانہ سلوک ہوا۔

(۸) زید بن ثابتؓ کے تیار کردہ مصحف کے سوا تمام مصاحف کو جلا دیا۔

(۹) حدود کے اجراء میں تغافل سے کام لیا۔

(۱۰) فرائض وغیرہ میں تمام امت کے خلاف روایات شاذہ پر عمل کیا گیا، حالانکہ شیخین جب تک روایات کی اچھی طرح توثیق نہیں کر لیتے تھے ان کو قبول نہیں کرتے تھے۔

(۱۱) مذہب میں بعض نئی بدعتیں پیدا کیں جن کو اکثر صحابہؓ نے ناپسند کیا۔ مثلاً حج کے موقع پر منیٰ میں دو رکعت نماز کے بجائے چار رکعت نماز ادا کی۔ حالانکہ خود رسول اللہ ﷺ نے اور آپ کے بعد شیخین نے کبھی دو رکعت سے زیادہ نہیں پڑھی۔

(۱۲) مصری وفد کے ساتھ بد عہدی کی گئی جس کا نتیجہ حضرت عثمانؓ کی شہادت کی صورت میں ظاہر ہوا۔

مذکورہ بالا واقعات میں حضرت عثمانؓ کے فردِ قرارِ دادرمانگ آمیزی کر کے نہایت بدنما اور مکروہ بنایا گیا ہے۔ لیکن ان میں سے ایک الزام بھی تحقیق کی کسوٹی پر صحیح نہیں اترتا۔ ہمیں دیکھنا چاہئے کہ اس میں صداقت کا کتنا شائبہ ہے اور اس کو رنگ آمیزی سے کتنا بدنما بنا دیا گیا ہے۔

سب سے پہلا الزام جو بجائے خود متعدد الزامات کا مجموعہ ہے، اس کی تفصیل حسب ذیل ہے:

(۱) کبار صحابہ کو ذمہ داری کے عہدوں سے معزول کر دیا۔

(۲) نااہل اور ناتجربہ کار افراد کو رعایا کی قسمت کا مالک بنا دیا۔

(۳) اپنے خاندان کو فوقیت دی۔

امراؤل کی نسبت تحقیقی فیصلہ سے قطع نظر کر کے پہلے دیکھنا چاہئے کہ اگر یہ الزام ہے تو اسلام کے سب سے عادل اور مدبر خلیفہ فاروقِ اعظمؓ پر جن کا عدل و انصاف اور تدبیر دنیائے اسلام کے

لئے قیامت تک مایہ ناز رہے گا، یہی الزام عائد ہوتا ہے یا نہیں؟ جنہوں نے حضرت خالدؓ سیف اللہ، مغیرہ بن شعبہؓ اور سعد و قاصؓ فاتح ایران کو معزول کر دیا تھا یا حضرت علیؓ اسی اعتراض کے مورد ہوتے ہیں یا نہیں؟ جنہوں نے عنانِ حکومت ہاتھ میں لینے کے ساتھ ہی تمام عمالِ عثمانی کو یک قلم موقوف کر دیا تھا جن کی قوتِ بازو نے طرابلس، آرمینیا اور قبرس کو زیرِ نگین کیا تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ ایک ہی قسم کے واقعات کسی خاص وقتی سبب کی بنا پر ایک شخص کے لئے موجبِ مدح اور دوسرے کے لئے موجبِ ذم بنادیتے جاتے ہیں اور اس پر انہیں طمع سازی کی جاتی ہے کہ کسی کو تحقیق و تنقید کا خیال تک نہیں آتا۔

حضرت عثمانؓ نے کبار صحابہ میں سے جن لوگوں کو معزول کیا تھا ان میں سے عمرو بن العاصؓ سعد بن ابی وقاصؓ اور ابو موسیٰ اشعریؓ کی معزولی کی تفصیل پہلے گزر چکی ہے، اس سے معلوم ہوگا کہ عمرو بن العاصؓ والی مصر نے اسکندریہ کی بغاوت فرو کرنے میں ذمیوں کیساتھ نامنصفانہ سلوک کیا تھا اور ان کو لونڈی غلام بنالیا تھا۔ نیز نئی نہروں کے جاری ہونے کے باوجود وہ مصر کے مالیات میں کچھ اضافہ نہ کر سکے اور آخر عبد اللہ بن ابی سرحؓ کی تقرری کے بعد اس سے کہیں زیادہ ہو گیا۔

اسی طرح سعد بن ابی وقاصؓ والی کوفہ نے بیت المال سے ایک بیش قرار رقم قرض لی اور پھر اس کے ادا کرنے میں تاہل کرتے رہے۔ یہاں تک کہ عبد اللہ بن مسعودؓ مہتمم بیت المال سے سخت کلامی کی نوبت پہنچی (۱)۔ ابو موسیٰ اشعریؓ والی بصرہ رعایا کو خوش نہ رکھتے تھے اور تمام اہل بصرہ اُن کے مخالف ہو گئے تھے چنانچہ ان کے وفد نے دار الخلافہ جا کر ان کی معزولی کا مطالبہ کیا۔ کیا یہ تمام وجوہ ان حضرات کو معزول کر دینے کے لئے کافی نہ تھے؟ مغیرہ بن شعبہؓ پر رشوت ستانی کا الزام قائم کیا گیا، اگرچہ یہ سراسر بہتان تھا لیکن حضرت عثمانؓ نے ان کو اس لئے معزول کر دیا کہ حضرت عمرؓ کی ان کی جگہ سعد بن ابی وقاصؓ کی تقرری کی وصیت کی تھی (۲)۔ عمار بن یاسرؓ کو حضرت عثمانؓ نے معزول نہیں کیا تھا بلکہ وہ عہدِ فاروقی ہی میں معزول ہو چکے تھے۔ البتہ عبد اللہ بن مسعودؓ کی معزولی بے وجہ تھی، لیکن لوگوں نے حضرت عثمانؓ کو ان کی طرف سے اس قدر بدگمان کر دیا تھا کہ ان کو معزول کر دینا ناگزیر ہو گیا۔ رہا بیت المال کے مہتمم عبد اللہ بن ارقمؓ اور معیقیب کی سبکدوشی تو اس کے متعلق خود حضرت عثمانؓ کا بیان موجود ہے جو انہوں نے ان دونوں بزرگوں کی معزولی کے سلسلہ میں ایک جلسہ عام میں دیا تھا:

صاحبو! عبد اللہ بن ارقمؓ ابو بکرؓ اور عمرؓ کے زمانہ سے اس وقت تک آپ کی تقسیم و وظائف کی

الا ان عبد الله بن ارقم لم يزل
على حوائجكم زمن ابى بكر

① طبرانی ص ۲۸۱ ② ایضاً ص ۲۸۰

وَعَمْرُ إِلَى الْيَوْمِ وَإِنَّهُ كَبِيرٌ
وَضَعْفٌ وَقَدْ وَلِينَا عِلْمَهُ زَيْدٌ
بن ثابت

ظاہر ہے کہ مال کی نگرانی کا کام جس قدر اہم اور مشکل ہے اس لحاظ سے اگر حضرت عثمانؓ نے ان دونوں کو جو ضعف اور پیری کے باعث اپنی خدمات کو باحسن وجوہ انجام نہیں دے سکتے تھے سبکدوش کر دیا اور اس عہدہ پر زید بن ثابتؓ کو جو پڑھنے لکھنے اور حساب و کتاب میں خاص طور سے ممتاز تھے، مامور کیا تو کون سی خطا کی؟

امردوم کی نسبت غور کرنا چاہئے کہ نا اہل اور ناتجربہ کار افراد کی تقرری کا الزام کہاں تک درست ہے؟ اس میں شک نہیں کہ ولید بن عقبہؓ، سعید بن العاصؓ، عبد اللہ بن ابی سرحؓ، اور عبد اللہ بن عامرؓ اگرچہ صحابہ کرام اور فاروقی عمال کی طرح زہد و اتقا کے مالک نہ تھے، تاہم ان کے انتظامی کارنامے اور عظیم الشان فتوحات کسی طرح ان کو نا اہل اور ناتجربہ کار نہیں ثابت کرتے۔ ولید بن عقبہؓ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں جزیرہ کے عامل رہ چکے تھے (۱)۔ سعید بن العاصؓ نے طبرستان اور آرمینیا فتح کیا (۲)۔ عبد اللہ بن ابی سرحؓ نے طرابلس اور قبرس کو زیر نگین کیا (۳)۔ کیا ان کی یہ فتوحات ان کی ناتجربہ کاری کا ثبوت ہیں۔

عبد اللہ بن عامرؓ والی بصرہ البتہ ایک کم سن نوجوان تھے لیکن فطری لیاقت کو عمر کی کمی زیادتی سے کوئی تعلق نہیں فتوحات کے سلسلے میں اوپر گزر چکا ہے کہ اسی نوجوان نے کابل، ہرات، بھستان اور نیشاپور کو اسلام کے زیر نگین کیا تھا۔ غرض نا اہل اور ناتجربہ کار عمال کے تقرر کا الزام سراسر خلاف واقعہ ہے۔

البتہ امر سوم یعنی اپنے خاندان کے لوگوں کو ذمہ داری کے عہدوں پر مامور کرنے کا الزام ایک حد تک قابل غور ہے۔ اس میں شک نہیں کہ تخمیناً اس بارے میں نہایت محتاط تھے اور ہر ایک شک و شبہ کے موقع سے بچتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ خلافت کے معاملات میں اپنے اعزہ و اقارب کے لئے ہمیشہ کوتاہ دست رہے، لیکن حضرت عثمانؓ ایک سادہ طبع اور نیک نفس بزرگ تھے، مزاج میں اتنی پیش بینی نہ تھی، نیز اپنے اختیارات سے اپنے قرابت مندوں کو فائدہ پہنچانا صلہ رحم جاننے تھے۔ ایک دفعہ جب لوگوں نے اس طرز عمل کی اعلانیہ شکایتیں کیں تو حضرت عثمانؓ نے صحابہ کو جمع کیا اور خدا کا واسطہ دے کر پوچھا کہ کیا رسول اللہ قریش کو تمام عرب پر ترجیح نہیں دیتے تھے اور کیا قریش میں بنو ہاشم کا سب سے زیادہ خیال نہیں رکھتے تھے؟ لوگ خاموش رہے تو ارشاد فرمایا کہ

اگر میرے ہاتھ میں جنت کی کنجی ہوتی تو تمام بنی اُمیہ کو اس میں بھر دیتا (۱)۔ بہر کیف یہ امام وقت کی ایک اجتہادی رائے تھی، ممکن ہے کہ عام لوگ اس سے متفق نہ ہوں لیکن اس سے حضرت عثمانؓ کے فضل و کمال کا دامن داغدار نہیں ہو سکتا۔

دوسرا الزام بیت المال میں مصرفانہ تصرف کا ہے، لیکن ثبوت میں جن واقعات کو پیش کیا گیا ہے وہ یا تو سرتاپا غلط ہیں، یا رنگ آمیزی کر کے ان کی صورت بدل دی گئی ہے، ہم تفصیل کے ساتھ ہر ایک واقعہ کو اس کی اصلی صورت میں دکھاتے ہیں جس سے اندازہ ہوگا کہ مفسدین نے کس طرح واقعات کی صورت کو مسخ کر کے حضرت عثمانؓ کو بدنام کرنے کی کوشش کی تھی۔ اس سلسلہ میں سب سے اول ہم کو یہ دیکھنا چاہیے کہ ذاتی طور پر حضرت عثمانؓ کی مالی حالت کیسی تھی؟ تاکہ یہ اندازہ ہو سکے کہ وہ اپنی ذاتی دولت سے اس قسم کی فیاضی اور جود و کرم پر قادر تھے یا نہیں؟ یہ مسلمہ تاریخی واقعہ ہے جس سے کسی کو انکار نہیں کہ حضرت عثمانؓ صحابہ کرامؓ میں سب سے زیادہ دولت مند اور متمول تھے، ان کی دولت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ ہزار بارو پے بیر رومہ کی خریداری پر صرف کئے۔ ایک ہیش قرار رقم سے مسجد نبوی ﷺ کی توسیع کی اور لاکھوں روپے سے ”جیشِ عمرت“ کو آراستہ کیا۔ اب سوال یہ ہے کہ راہِ خدا میں جس کے جود و سخا کا یہ حال ہو وہ اپنی دولت سے ذوالقربیٰ کے ساتھ کچھ صلہ رحم نہیں کر سکتا تھا؟

اس کے متعلق ایک موقع پر خود حضرت عثمانؓ نے یہ تقریر فرمائی تھی جس سے اس الزام کی حقیقت پورے طور سے واضح ہو جاتی ہے:

لوگ کہتے ہیں کہ مدینہ میں اپنے خاندان والوں سے محبت رکھتا ہوں اور ان کے ساتھ فیاضی کرتا ہوں لیکن میری محبت نے مجھے ظلم کی طرف مائل نہیں کیا ہے بلکہ میں صرف ان کے واجبی حقوق ادا کرتا ہوں اسی طرح فیاضی بھی اپنے ہی مال تک محدود ہے، مسلمانوں کا مال نہ میں اپنے لئے حلال سمجھتا ہوں اور نہ کسی دوسرے کے لئے، میں رسول اللہ اور ابوبکرؓ و عمرؓ کے عہد میں بھی اپنے مال سے گراں قدر عطیے دیا۔

قالوا انی احب اهل بیتی
او عطیہم فاما حبی فانه لم
یممل معہم علی جور بل
احمل الحقوق علیہم واما
اعطاؤہم فانی ما اعطیہم
من مالی ولا استحل اموال
المسلمین لنفسی ولا لاحد
من الناس ولا کنت اعطی
العطیۃ الکبیرۃ الرغیبۃ من
صلب مالی فی ازمان

① ابن سعد ج ۲، قسم اول تذکرہ عثمان ابن ضہل ج اول ص ۶۲

رسول اللہ ﷺ و ابی بکر
و عمر رضی اللہ عنہما و انا
یومئذ شحیح حریص
افحین اتیت علی اسنان
اہل بیتی و فنی عمری و
ودعت الذی لی فی اہلی
قال الملحدون ما قالوا
وانی واللہ ما حملت علی
مصر من الامصار فضلا
فیجوز ذالک لم قالہ ولقد
رددتہ علیہم و ما قدم علی
الا الا خماس و لا یحل لی
منہا شیء فولی المسلمون
و صنعہا فی اہلہا دونی و لا
یتلف من مال اللہ بقلس
مما فوقہ و ما اتبلغ منہ ما

اکل الا من مالی (۱)

مذکورہ بالا تصریحات کے بعد اب ہم کو ان واقعات کی طرف رجوع کرنا چاہئے جن کی بنا پر
ذوالنورینؑ کی تابش ضیا کو غبار آلود کہا جاتا ہے۔

اس میں شک نہیں کہ حکم کو رسول اللہ نے طائف کو جلا وطن کر دیا تھا لیکن اخیر عہد میں حضرت
عثمانؓ کی سفارش سے مدینہ آنے کی اجازت دیدی تھی۔ چونکہ تیخیں کو ذاتی طور پر رسول اللہ کی
منظوری کا علم نہیں تھا اس لئے انہوں نے مدینہ آنے کی اجازت نہیں دی۔ جب حضرت عثمانؓ نے
منان خلافت ہاتھ میں لی تو اپنے ذاتی علم کی بنا پر ان کو مدینہ بلا لیا (۲) اور ان کے لڑکے مروان
سے اپنی ایک صاحبزادی کا نکاح کر دیا، اور صلہ رحم کے طور پر جیب خاص سے حکم کو ایک لاکھ درہم
عطا فرمائے۔ نیز مروان کو جہیز میں ایک لاکھ درہم کا عطیہ مرحمت کیا۔ یہ ہے اصل واقعہ جس کو
مفسدین نے رنگ آمیزی کر کے کچھ سے کچھ کر دیا۔

① طبری ص ۱۹۵۳ ② صاحب اسبابہ اور اسد الغابہ دونوں نے حکم کے حالات میں اس کا تذکرہ کیا ہے۔

طرابلس کے مال غنیمت سے مروان کو خمس دلانے کا واقعہ سراسر بہتان ہے۔ اس کی صحیح کیفیت یہ ہے کہ مروان نے اس کو خرید لیا تھا۔ چنانچہ مؤرخ ابن خلدون لکھتا ہے:

وارسل ابن زبیر بالفتح
والخمس فاشترى مروان بن
حكم بن خمس مائة الف
دينار وبعض الناس يقول
اعطاه اياه ولا يصح وانما
اعطى ابن ابي سرح خمس
الخمس من الغزوة الاولى

ابن زبیر نے فتح کا مشرکہ اور پانچواں حصہ دار الخلافہ روانہ کیا جس کو پانچ لاکھ دینار پر مروان نے خرید لیا اور بعض لوگ جو یہ کہتے ہیں کہ مروان کو دے دیا گیا صحیح نہیں ہے، بلکہ پہلے معرکہ کے مال غنیمت کے خمس کا خمس ابن ابی سرح کو دے دیا تھا (۱)۔

اب یہ اعتراض رہ جاتا ہے کہ کسی غزوہ کے مال غنیمت کا کوئی حصہ ابن ابی سرح کو دینے کا کیا واقعہ تھا۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ طرابلس کی جنگ کے قبل حضرت عثمانؓ نے ابن ابی سرح سے وعدہ کیا تھا کہ اگر تم اس معرکہ میں کامیاب ہوئے تو مال غنیمت کے پانچویں حصہ کا پانچواں حصہ تم کو دیا جائے گا۔ چنانچہ فتح کے بعد حسب وعدہ انکو دیدیا۔ اس سے عام مسلمانوں کو شہکایت پیدا ہوئی اور انہوں نے حضرت عثمانؓ سے اسکا اظہار کیا تو انہوں نے اسکو واپس لے لیا۔ طبری کے یہ الفاظ ہیں:

فان رضيت فقد جاز وان
سخطتم فهور وقالوا انا
نسخطه قال فهورد وكتب
الى عبد الله بر ذالك (۲)

(حضرت عثمانؓ نے کہا) کہ اگر تم لوگ اس پر راضی ہو تو ان کا ہو چکا اور تمہاری مرضی کے خلاف ہے تو واپس ہے، لوگوں نے کہا ہم راضی نہیں ہیں، فرمایا واپس ہے، اور عبداللہ کو واپس کرنے کا حکم نامہ لکھ دیا۔

عبداللہ بن خالدؓ کو تین لاکھ کا عطیہ مرحمت فرمایا گیا۔ لیکن اس کی نسبت خود حضرت عثمانؓ نے مصری معترضین سے فرمایا تھا کہ میں نے بیت المال سے یہ رقم بطور قرض لی ہے۔ حارث بن حکم کو مدینہ کے بازار سے عشر وصول کرنے کا اختیار دینا بالکل بے بنیاد ہے۔ اسی طرح اپنی صاحبزادیوں کو ہیرے جواہرات دینے کا جو قصہ صرف ابن اسحاق نے ابو موسیٰ اشعرئؓ سے روایت کیا ہے اور چونکہ درمیانی راوی مجہول ہے، اس لئے قابل استناد نہیں۔

بیت المال کے صرف سے اپنے لئے محل تعمیر کرنے کا قصہ محض کذاب صریح ہے جو فیاض طبع اپنے اہل کرم سے دوسروں کو سیراب کرتا ہو اور جو اپنا مقررہ وظیفہ بیت المال سے لینا پسند نہ کرتا ہو

وہ اپنے لئے عام مسلمانوں کا شرمندہ احسان ہونا کس طرح گوارہ کرتا۔

زید بن ثابتؓ بہت مہتمم بیت المال کو ایک لاکھ درہم دینے کی روایت بالکل بے بنیاد ہے اصل واقعہ یہ ہے کہ ایک دفعہ بیت المال میں اخراجات کے بعد ایک معقول رقم پس انداز ہوئی۔ حضرت عثمانؓ نے زید بن ثابتؓ کو حکم دیا کہ اس کو کسی رفاہ عام کے کام پر صرف کر دیں۔ چنانچہ انہوں نے اس کو مسجد کی توسیع اور تعمیر میں صرف کر دیا۔ انشاء اللہ اس کا تفصیلی بیان تعمیرات کے سلسلہ میں آئے گا۔

(۳) حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور حضرت ابیؓ کے وظائف کا بند کرنا کوئی قابل اعتراض بات نہیں۔ امام وقت کو سیاسی وجوہ کی بنا پر اس قسم کے اختیارات حاصل ہیں۔ حضرت عثمانؓ کو ان دونوں بزرگوں کی طرف سے کچھ غلط فہمی پیدا ہو گئی تھی، اس لئے انہوں نے کچھ دنوں کے لئے وظیفہ روک دیا تھا۔ چنانچہ جب حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے وفات پائی تو غایت انصاف سے کام لے کر جس قدر وظیفہ بیت المال کے ذمہ باقی تھا جس کی مقدار تخمیناً بیس پچیس ہزار تھی ان کے ورثاء کے حوالہ کر دیا (۱)۔

(۴) چوتھا اعتراض بالکل بے معنی ہے، فوجی گھوڑوں اور زکوٰۃ کے اونٹوں کے لئے چواگاہیں بنوانا خلیفہ وقت کا منصبی فرض ہے۔ خود رسول اللہ ﷺ نے مقام بقیع کو چراگاہ قرار دیا تھا۔ حضرت عمرؓ نے تمام ملک میں وسیع چراگاہیں تیار کرائی تھیں، عہد عثمانی میں قدرتا گھوڑوں اور اونٹوں کی تعداد میں غیر معمولی اضافہ ہو گیا، یہاں تک کہ صرف ایک چراگاہ میں چالیس ہزار اونٹ پرورش پاتے تھے (۲)۔ اس لئے سرکاری چراگاہوں کا وسیع پیمانہ پر انتظام کرنا ضروری تھا اور چونکہ یہ تمام چراگاہیں سرکاری خرچ پر تیار ہوئی تھیں، اس لئے عوام کو اس سے مستفید ہونے کا کوئی حق نہ تھا۔ البتہ اگر الزام کی یہ صورت ہو کہ حضرت عثمانؓ نے اپنے ذاتی گھوڑوں اور اونٹوں کے لئے مقام بقیع کی چراگاہ کو مخصوص کر لیا تھا تو اس کے متعلق انہوں نے خود جن الفاظ میں اپنی بریت ظاہر کی ہے وہ اس بحث کے لئے کافی ہے:

لوگ کہتے ہیں کہ تو نے مخصوص چراگاہیں بنائی ہیں حالانکہ خدا کی قسم میں نے اسی کو مخصوص چراگاہ قرار دیا ہے جو مجھ سے پہلے مخصوص ہو چکی تھی اور خدا کی قسم ان لوگوں سے وہی مخصوص چراگاہیں تیار کرائیں جن

قالوا وحمیت حمی وانی
واللہ ما حمیت حمی قبلی
واللہ ما حموا شیاً لاحد الا ما
غلبہ علیہ اهل المدینة ثم لم
يمنعوا من رعیة احدا

① ابن سعد جز ۳ قسم اول تذکرہ عبداللہ بن مسعود ② الوفاء باخبار دارالمصطفیٰ ص ۱۵۶

واقتصروا المصداقات
المسلمین یجمعونها لنلا
یکون بین من یلیها و بین احد
الا من ساقه هما و مالی من
بغیر غیر و الاحلتین و مالی
ثاغیة و لا راعیة و انی قد ولیت
و انی اکثر العرب بعیرا و شاء
فمالی الیوم شاء و لا بعیر غیر
بعیرین الحجی (۱)

پر تمام اہل مدینہ غالب آئے، اسکے بعد
چرانے سے کسی کو نہیں روکا اور اس کو
مسلمانوں کے صدقہ پر محدود کر دیا اس
لئے ان کو چراگاہ بنایا تاکہ والی صدقہ اور
کسی کے درمیان نزاع نہ واقع ہو، پھر کسی
کو نہ منع کیا نہ اسکو ہٹایا، بجز اس کے جس
نے بطور ثبوت کے کوئی درہم دیا، میرے
پاس اس وقت دو اونٹوں کے سوا اور کوئی
موسی نہیں ہے حالانکہ جس وقت میں نے
خلافت کا بارگراں اپنے سر لیا ہے تو میں

عرب میں سب سے زیادہ اونٹوں اور بکریوں کا مالک تھا اور آج ایک اونٹ اور ایک
بکری تک نہیں ہے صرف حج کے لئے دو اونٹ رہ گئے ہیں۔

(۵) بازار میں بعض اشیاء کی خرید و فروخت کو اپنے لئے مخصوص کر لینے کا قصہ بالکل غلط
ہے۔ اگر اس کو صحیح تسلیم کر لیا جائے تو نائب رسول ﷺ اور ایک جفا کار بادشاہ میں کوئی فرق نہیں رہ
جاتا۔ البتہ کھجوری گٹھلیوں کو زکوٰۃ کے اونٹوں کی خوراک کے لئے خریدنے کا انتظام کیا گیا ہوگا۔
لیکن اس سے کوئی الزام عائد نہیں ہو سکتا۔

(۶) اپنے حاشیہ نشینوں اور اہل قرابت کو اطراف ملک میں وسیع قطععات زمین مرحمت
فرمانے کا جو الزام عائد کیا گیا ہے اس کی صحیح کیفیت یہ ہے۔

عہد عثمانی میں بہت سے اہل یمین گھر اور جائیداد چھوڑ کر مدینہ چلے آئے تھے، حضرت عثمانؓ
نے ان لوگوں کی راحت اور سہولت کے خیال سے نزدل کی اراضی کا ان کی یمین کی جائیداد سے
تبادلہ کر لیا تھا۔ مثلاً حضرت طلحہؓ کو ایک قطعہ زمین دیا تو اس کے معاوضہ میں کندہ میں ان کی مملوکہ
جائیداد پر قبضہ کر لیا۔ انتظامی حیثیت سے اس قسم کا رد و بدل ناگزیر تھا۔

عراق میں بہت سی زمین غیر آباد پڑی ہوئی تھی جن لوگوں نے اس کو قابل زراعت بنایا
حضرت عثمانؓ نے من احبب ارضا مینة فہی لہ پر عمل کر کے ان کو اس کا مالک قرار دیا اور ملک کو
آباد اور قوم کو مرفہ الحال کرنے کے لئے اس قسم کی ترغیب و تحریض نہ صرف جائز بلکہ ضروری ہے۔

(۷) اگر حضرت عثمانؓ نے اخلاقی یا سیاسی مصالح کی بنا پر کسی صحابی کی تادیب کی تو اس سے

اس کی تذلیل نہیں ہوئی۔ حضرت عمرؓ نے ابی بن کعبؓ پر کوڑا اٹھا۔ عیاض بن غنم کا کرتہ اتروا کر بکریاں چرانے کو دیں اور سعد وقاصؓ کو درے مارے تو کسی نے اس کو تذلیل پر محمول نہیں کیا۔

حضرت ابوذرؓ کو حضرت عثمانؓ نے جلاوطن نہیں کیا تھا بلکہ وہ خود تارک دنیا ہو گئے تھے۔ چنانچہ جب حضرت عثمانؓ نے تحقیقات کے لئے ان کو طلب کیا اور وہ دربار خلافت میں حاضر ہوئے تو حضرت عثمانؓ نے پہلے فرمایا کہ آپ میرے پاس رہئے، آپ کے اخراجات کا میں کفیل ہوں، لیکن انہوں نے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ تمہاری دنیا کی مجھ کو ضرورت نہیں (۱)۔

اسی طرح عبادہ بن صامت کے ساتھ بھی کوئی واقعہ پیش نہیں آیا تھا بلکہ ان کی جلاوطنی کی روایت کے برخلاف ایک مستند روایت موجود ہے کہ وہ حضرت عثمانؓ کے آخری عہد تک شام میں تقسیم غنیمت کے عہدہ پر مامور تھے۔ البتہ عمار بن یاسرؓ، جندب بن جنادہؓ اور عبداللہ بن مسعودؓ کے ساتھ کچھ سختیاں ہوئیں۔ لیکن اس کی ان سے تذلیل نہیں ہوئی۔

ایک مصحف کے سوا تمام مصاحف کے جلا دینے کا الزام صرف ان لوگوں کے نزدیک قابل وقعت قرار پا سکتا ہے، جن کے دل بصیرت سے اور آنکھیں بصارت سے محروم ہیں۔ حضرت عثمانؓ نے خود کوئی صحیفہ ترتیب دے کر پیش نہیں کیا بلکہ فتنہ کے ظہور سے پہلے آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد ہی حضرت ابو بکرؓ نے جو مصحف تیار کرایا تھا اسی کی نقلیں حضرت عثمانؓ نے مختلف امصار و دیار میں بھجوا دیں اور اسی کی تسلیم پر تمام امت کو متفق کر دیا یہ آپ کا وہ کارنامہ ہے جس کے بارِ احسان سے امت محمدیہ بھی سبکدوش نہیں ہو سکتی۔

(۹) اس میں شک نہیں ہے کہ حضرت عثمانؓ نہایت رحم دل اور رقیق القلب تھے لیکن شرعی حدود کے اجراء میں انہوں نے کبھی تساہل سے کام نہیں لیا۔ جن واقعات کی بناء پر ان کو اجرائے حدود میں تغافل شعار بتایا جاتا ہے، ان کی تفصیل یہ ہے:

(۱) عبید اللہ بن عمرؓ سے ہرمزان کا قصاص نہیں لیا گیا۔

(۲) ولید بن عقبہؓ پر شراب خوری کی حد جاری کرنے میں غیر معمولی تاخیر ہوئی۔

ہرمزان کا واقعہ یہ ہے کہ جب فاروق اعظمؓ کو ابو لولو مجوسی نے شہید کیا تو عبید اللہ بن عمرؓ نے غضب ناک ہو کر قاتل کی لڑکی اور ہرمزان کو جو ایک نو مسلم ایرانی تھا قتل کر دیا۔ کیونکہ ان کے خیال میں یہ سب سازش میں شریک تھے۔ چنانچہ حضرت عثمانؓ نے جب عنانِ خلافت ہاتھ میں لی تو سب سے پہلے یہی مقدمہ پیش ہوا۔ آپ نے صحابہؓ سے اس کے متعلق رائے طلب کی حضرت علیؓ نے عبید اللہ بن عمرؓ کو ہرمزان کے قصاص میں قتل کر دینے کا مشورہ دیا۔ بعض مہاجرین نے کہا

① ابن سعد تذکرۃ ابوذرؓ

عمر کل قتل ہوئے اور ان کا لڑکا آج مارا جائے گا؟ عمرو بن العاصؓ نے کہا، امیر المؤمنین! اگر آپ عبید اللہ کو معاف کر دیں گے تو امید ہے کہ خدا آپ سے باز پرس نہ کرے گا۔ غرض اکثر صحابہؓ عبید اللہ کے قتل کر دینے کے خلاف تھے۔ حضرت عثمانؓ نے فرمایا چونکہ ہرمزان کا کوئی وارث نہیں ہے اس لئے بحیثیت امیر المؤمنین میں اس کا والی ہوں اور قتل کے بجائے دیت پر راضی ہوں۔ اس کے بعد خود اپنے ذاتی مال سے دیت کی رقم دے دی (۱)۔ حضرت عثمانؓ نے جس عمدگی سے اس مقدمے کا فیصلہ کیا ہے اس سے بہتر نہیں ہو سکتا تھا۔ کیونکہ قبیلہ عدی کبھی ہرمزان کے قصاص میں عبید اللہ بن عمرؓ کے قتل کو پسندیدگی کی نگاہ سے نہیں دیکھتا اور درحقیقت اسی وقت فتنہ و فساد کی آگ مشتعل ہو جاتی۔

ولید بن عقبہ والی کوفہ نے بادہ نوشی کی تو حضرت عثمانؓ نے فوراً معزول کر دیا لیکن حد کے اجراء میں اس وجہ سے تاخیر ہوئی کہ گواہوں پر کامل اطمینان نہیں تھا۔ جب کافی ثبوت بہم پہنچ گیا تو پھر حد کے اجراء میں پس و پیش نہیں کیا گیا (۲)۔

(۱۰) یہ خیال کہ حضرت عثمانؓ نے موثق روایات کو چھوڑ کر روایاتِ شاذہ پر عمل کیا قطعی غلط ہے۔ البتہ اجتہادی مسائل میں اختلاف آراء ہوا، اور یہ حضرت عثمانؓ کے ساتھ مخصوص نہیں ہے بلکہ تمام صحابہؓ میں اس قسم کا اختلاف پایا جاتا ہے۔

(۱۱) مذہب میں اختراع بدعات کا الزام نہایت لغو اور سراسر کذب ہے۔ اتباع سنت حضرت عثمانؓ کا مقصد حیات تھا۔ منیٰ میں دو کے بجائے چار رکعات نماز ادا کرنا بھی دراصل ایک نص شرعی پر مبنی تھا۔ چنانچہ جب صحابہؓ نے اس کو بدعت پر محمول کر کے اس پر ناپسندیدگی کا اظہار کیا تو خود حضرت عثمانؓ نے ایک مجمع میں چار رکعت نماز پڑھنے کی حسب ذیل وجہ بیان کی:

یایہا الناس انی تاہلت بمکة	صاحبو! جب میں مکہ میں پہنچا تو یہاں
منذ قدمت وانی سمعت	اقامت کی نیت کر لی اور میں نے رسول
رسول اللہ ﷺ یقول من تاہل	اللہ ﷻ کو فرماتے سنا ہے کہ جو کسی شہر میں
فی بلد فیصل صلوة المقیم	اقامت کی نیت کر لے اس کو مقیم کی طرح
(۳)	نماز پڑھنی چاہئے۔

(۱۲) بارہواں الزام ”مصری وفد“ کے ساتھ بدعہدی کا ہے۔ اس پر تفصیلی بحث حضرت عثمانؓ کی شہادت کے موقع پر آئے گی۔

① ابن اثیر ج ۳ ص ۵۸، ۵۹ ② فتح الباری ج ۷ ص ۴۵ و طبری ص ۲۸۴۶

③ مسند ابن حنبل ج ۱ ص ۶۲

شورش کے انسداد اور اصلاح کی آخری کوشش

غرض یہ حقیقت ہے ان تمام الزامات کی جن کی بنیاد پر سازش فتنہ پردازی اور انقلاب کی عمارت قائم کی گئی تھی اور اس حد تک مکمل ہو چکی تھی کہ اس کا انہدام تقریباً ناممکن ہو گیا تھا، تاہم حضرت عثمانؓ نے شورش رفع کرنے کے لئے اصلاح اور شکایتوں کے ازالہ کی ایک آخری کوشش کی اور تمام عمال کو دار الخلافہ میں طلب کر کے اس کے متعلق ایک مجلس شوریٰ منعقد کی جس میں امیر معاویہؓ، عبداللہ بن ابی سرحؓ، سعید بن العاصؓ اور عمرو بن العاصؓ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

حضرت عثمانؓ نے ایک مختصر تقریر کے بعد موجودہ شورش کو رفع کرنے کے متعلق ہر ایک سے رائے طلب کی۔ عبداللہ بن عامرؓ نے کہا امیر المؤمنین! میرا خیال ہے کہ اس وقت کسی ملک پر فوج کشی کر دی جائے، لوگ جہاد میں مشغول ہو جائیں گے تو فتنہ و فساد کی آگ خود بخود سرد ہو جائیگی۔

سعید بن العاصؓ نے کہا: موجودہ شورش صرف ایک جماعت کی وجہ سے ہے، اس کے سرگروہ اگر قتل کر دیئے جائیں تو مفسدین کا شیرازہ بکھر جائیگا اور ملک میں کامل امن و امان پیدا ہو جائیگا۔

امیر معاویہؓ نے کہا: ہر ایک عامل اپنے صوبہ میں امن و امان قائم رکھنے کا ذمہ لے، میں ملک شام کا ضامن ہوں۔

عبداللہ بن سعدؓ نے کہا: شورش پسند گروہ حریص و طماع ہے اس لئے مال و زر سے اس کا منہ بند کیا جاسکتا ہے۔

عمرو بن العاصؓ نے کہا: امیر المؤمنین! آپ کی بے اعتدالیوں نے لوگوں کو احتجاج حق پر آمادہ کیا ہے، اس کے تدارک کی صرف دو ہی سورتیں ہیں، یا عدل و انصاف سے کام لیجئے یا خلافت سے کنارہ کشی اختیار کیجئے۔ اگر یہ دونوں ناپسند ہوں تو پھر جو چاہے کیجئے۔ حضرت عثمانؓ نے تعجب سے عمرو بن العاصؓ کی طرف دیکھا اور فرمایا افسوس! کیا تم میری نسبت ایسی رائے رکھتے ہو؟ عمرو بن العاصؓ خاموش رہے لیکن جب مجمع منتشر ہو گیا اور تنہا حضرت عثمانؓ رہ گئے تو کہا امیر المؤمنین! آپ مجھے بہت زیادہ محبوب ہیں، مجمع عام میں میں نے جو رائے دی وہ صرف نمائشی تھی تاکہ مفسدین مجھے ہم خیال سمجھ کر اپنا راز دار بنائیں اور اس طرح آپ کو ان کے خیر و شر سے مطلع کرتا رہوں۔ اگرچہ یہ عذر معقول اور دلنشین نہ تھا تاہم حضرت عثمانؓ خاموش ہو گئے (۱)۔

مجلس شوریٰ کے ارکان نے اگرچہ اپنے اپنے خیال کے مطابق مفید آرائیں دیں لیکن ان میں سے کسی رائے سے بھی اصل مرض کا ازالہ نہیں ہو سکتا تھا، اس لئے اصلاح ملک کا کوئی مکمل دستور العمل تیار نہ ہو سکا اور حضرت عثمانؓ نے تمام اعمال کو واپس کر دیا (۲) اور خود ایک مکمل اسکیم

سوچنے میں مصروف ہو گئے۔

مفسدین کوفہ کی رضا جوئی

پہلے گزر چکا ہے کہ مفسدین کوفہ سعید بن العاصؓ سے خاص بغض و عناد رکھتے تھے۔ چنانچہ جب وہ مجلس شوریٰ میں شریک ہو گئے تو انہوں نے باہم عہد کیا کہ اب وہ ان کے کوفہ آنے میں بزور مزاحم ہوں گے۔ چنانچہ جب سعید بن العاصؓ مدینہ سے کوفہ گئے تو مفسدین نے شہر سے باہر نکل کر مقام جرمہ میں مزاحمت کی اور سعیدؓ کو مدینہ جانے پر مجبور کر دیا۔ حضرت عثمانؓ نے ان لوگوں کی خواہش کے مطابق سعیدؓ کو معزول کر کے ابو موسیٰ اشعریؓ کا تقرر کیا اور باغیوں کے پاس لکھ بھیجا کہ میں نے تمہاری خواہش کے مطابق تقرر کر دیا اور آخر وقت تک تمہاری اصلاح میں جدوجہد کروں گا اور کسی وقت صبر کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑوں گا (۱)۔

تحقیقاتی وفود

حضرت عثمانؓ برابر اصلاح ملک کی فکر میں تھے کہ کوئی مناسب تدبیر سمجھ میں نہیں آتی تھی۔ حضرت طلحہؓ نے مشورہ دیا کہ ملک کے مختلف حصوں میں حالات کی تحقیق کے لئے وفود روانہ کئے جائیں، حضرت عثمانؓ کو یہ رائے پسند آئی۔ چنانچہ ۳۵ھ میں حضرت محمد بن مسلمہؓ کوفہ، اسامہ بن زیدؓ بصرہ، عمار بن یاسرؓ مصر، عبد اللہ بن عمرؓ شام اور بعض دوسرے صحابہؓ دیگر صوبہ جات کی طرف تفتیش حال کے لئے روانہ کیے (۲)۔ نیز تمام ملک میں گشتی اعلان جاری کر دیا کہ میں عموماً حج کے موقع پر تمام عمال کو جمع کرتا ہوں اور جس عامل کے خلاف کوئی شکایت پیش کی جاتی ہے۔ فوراً تحقیقات کر کے تدارک کرتا ہوں لیکن باوجود اس کے معلوم ہوا ہے کہ بعض عمال بے وجہ لوگوں کو مارتے ہیں، گالی دیتے ہیں اور دوسرے طریقہ سے ظلم و تعدی کرتے ہیں، اس لئے یہ اعلان عام ہے کہ جس کو مجھ سے یا میرے کسی عامل سے کوئی شکایت ہو وہ حج کے موقع پر بیان کر لے میں کامل تدارک کر کے ظالم سے مظلوم کا حق دلاؤں گا (۳)۔

انقلاب کی کوشش

ادھر دربار خلافت میں یہ اصلاحات کی تجویزیں پیش ہو رہی تھیں۔ دوسری طرف ملک میں ایک عظیم الشان انقلاب کی سازش مکمل ہو چکی تھی۔ چنانچہ بصرہ، کوفہ، اور مصر کے فتنہ پردازوں نے آپس میں طے کر کے اپنے اپنے شہر سے حاجیوں کی وضع میں مدینہ کا رخ کیا (۴) تاکہ حضرت عثمانؓ سے بزور اپنے مطالبات تسلیم کرائیں۔

① طبری ص ۲۹۳۶ ② ایضاً ص ۲۹۴۳ ③ ابن اثیر ج ۳ ص ۱۲۲ ④ ایضاً ص ۱۲۵

مدینہ کے قریب پہنچ کر شہر سے دو تین میل کے فاصلے پر قیام کیا اور چند آدمی جو اس جماعت کے سرگروہ تھے باری باری حضرت طلحہؓ، حضرت زبیرؓ، حضرت سعد و قاصؓ، اور حضرت علیؓ کے پاس گئے کہ وہ اپنی وساطت سے معاملہ کا تصفیہ کرا دیں۔ لیکن سب نے اس جھگڑے میں پڑنے سے انکار کر دیا۔

حضرت عثمانؓ کو فتنہ و فساد کا دبانہ اور لوگوں کی صحیح شکایت کا رفع کرنا بہر حال منظور تھا اس لئے انہوں نے مفسدین کے اجتماع کی خبر سنی تو حضرت علیؓ کو بلا کر کہا کہ آپ اس جماعت کو راضی کر کے واپس کر دیجئے۔ میں جائز مطالبات تسلیم کرنے کے لئے تیار ہوں۔ چنانچہ حضرت علیؓ کی وساطت سے مفسدین واپس گئے (۱)۔ اس کے بعد حضرت عثمانؓ نے جمعہ کے روز مسجد میں خطبہ دیا اور تفصیل کے ساتھ اصلاحی اسکیم اور اپنے آئندہ کے طرز عمل کی توضیح کی۔ لوگ خوش ہوئے کہ اب منازعات کا خاتمہ ہو گیا اور جدید اصلاحات کے اجراء سے ایک طرف تو بنو امیہ کا زور ٹوٹ جائے گا، دوسری طرف باغ اسلام میں جس کو مسلسل پانچ سال کے فتنہ و فساد اور سازش فتنہ پرداز کی باخزاں نے بے رونق کر دیا ہے پھر تازہ بہار آ جائے گی۔ لیکن یہ غنچہ سرور ابھی اچھی طرح کھلا بھی نہ تھا کہ مَر جھا گیا اور ایک دن دفعۃً مدینہ کی گلیوں میں تکبیر کے نعروں اور گھوڑوں کی ٹاپوں سے شور قیامت برپا ہو گیا۔ کہاں صحابہ گھبرا کر گھروں سے نکل آئے دیکھا کہ مفسدین کی جماعت پھر واپس آ گئی ہے اور ”انتقام! انتقام!“ کی صدا میں بلند ہو رہی ہیں۔

حضرت علیؓ نے بڑھ کر واپس آنے کا سبب دریافت کیا۔ مصریوں نے کہا کہ راہ میں دربار خلافت کا ایک قاصد ملا کہ جو نہایت تیزی و غلٹ کے ساتھ مصر جا رہا تھا۔ اس کی مشتبہ حالت سے بدگمانی ہوئی اور خیال ہوا کہ ضرور ہم لوگوں کے متعلق والی مصر کے پاس احکام جا رہے ہیں، تلاشی لی گئی تو درحقیقت ایک ایسا فرمان برآمد ہوا جس میں ہدایت کی گئی تھی کہ ہم لوگوں کی گردن ماردی جائے۔ اس لئے اب ہم اس بدعبدی اور فریب کاری کا انتقام لینے آئے ہیں۔

خلافت سے کنارہ کشی کا مطالبہ

حضرت عثمانؓ کو اس واقعہ کی اطلاع دی گئی تو آپ نے حیرت کے ساتھ اپنی لاعلمی ظاہر کی۔ اور قسم کھا کر کہا کہ مجھے مطلقاً اس خط کی اطلاع نہیں ہے۔ حضرت عثمانؓ کے حلفیہ انکار پر لوگوں نے قیاس کیا کہ یہ یقیناً مروان کی شرارت ہے۔ مصریوں نے کہا بہر حال کچھ بھی ہو جو خلیفہ اس قدر غافل ہو کہ اس کی لاعلمی میں ایسے اہم امور پیش آ جائیں اور اسے خبر نہ ہو وہ کسی طرح خلافت کے لئے موزوں نہیں ہو سکتا اور حضرت عثمانؓ سے مسند خلافت سے کنارہ کش ہو جانے کا مطالبہ کیا۔

① ابن اثیر ج ۳ ص ۱۲۹ طبع یورپ

آپ نے فرمایا جب تک مجھ میں رفق جان باقی ہے میں اس خلعت کو جو خدا نے مجھے پہنایا ہے خود اپنے ہاتھوں سے نہیں اتاروں گا اور حضور کی وصیت کے مطابق میں اپنی زندگی کے آخری لمحہ تک صبر کروں گا (۱)۔

محاصرہ

حضرت عثمانؓ کے انکار پر مفسدین نے کاشانہ خلافت کا نہایت سخت محاصرہ کر لیا جو چالیس دن تک مسلسل قائم رہا۔ اس عرصہ میں اندر پانی تک پہنچانا جرم تھا۔ ایک دفعہ ام المؤمنین حضرت ام حبیبہؓ نے اپنے ساتھ کھانے پینے کی کچھ چیزیں لے کر حضرت عثمانؓ تک پہنچنے کی کوشش کی مگر مفسدین کے قلوب نور ایمان سے خالی ہو چکے تھے۔ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے حرم محترم کا بھی پاس و لحاظ نہ کیا اور بے ادبی کے ساتھ مزاحمت کر کے واپس کر دیا (۲)۔ ہمسایہ گھروں سے کبھی کبھی رسد اور پانی کی امداد پہنچ جاتی تھی، مفسدین کی خیرہ سری سے صحابہ کرامؓ کی بے احترامی اتنی بڑھ گئی تھی کہ حضرت عبداللہ بن سلامؓ، ابو ہریرہؓ، سعد و قاصؓ، اور زید بن ثابتؓ جیسے اکابر صحابہ تک کی کسی نے نہ سنی اور ان کی توہین کی۔ حضرت علیؓ نے حضرت عثمانؓ کے بلانے پر ان کے گھر کے اندر جانا چاہا تو لوگوں نے ان کو روک دیا۔ آپ نے مجبور ہو کر اپنا سیاہ عمامہ اُتار کر قاصد کو دے دیا اور کہا جو حالت ہے اس کو دیکھ لو اور جا کر کہہ دو (۳)۔ بہت سے صحابہ مدینہ چھوڑ کر چلے گئے تھے۔ حضرت عائشہؓ نے سفر حج کا ارادہ کر لیا۔ اکابر صحابہ نے ان پر آشوب حالات میں گوشہ نشینی مناسب سمجھی۔ ذمہ دار صحابہ میں اس وقت تین بزرگ حضرت علیؓ، حضرت طلحہؓ، حضرت زبیرؓ موجود تھے جو نہ تو بے تعلق رہ سکتے تھے اور نہ ان حالات پر ان کو قابو تھا۔ تینوں صاحبوں نے کچھ کوششیں بھی کیں مگر اس ہنگامہ میں کوئی کسی کی نہیں سنتا تھا اس لئے یہ تینوں اصحاب بھی عملاً علیحدہ رہے۔ مگر اپنے اپنے جگر گوشوں کو خلیفہ وقت کی حفاظت کیلئے بھیج دیا۔ حضرت امام حسنؓ دروازہ پر پہرہ دے رہے تھے، حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کو حضرت عثمانؓ کے گھر میں جو جان نثار موجود تھے ان کی افسری پر متعین کیا۔

باغیوں کو حضرت عثمانؓ کی فہمائش

کاشانہ خلافت کا محاصرہ کرنے والے باغیوں کو متعدد دفعہ حضرت عثمانؓ نے سمجھانے کی کوشش کی۔ ان کے سامنے مؤثر تقریریں کیں، حضرت ابی بن کعبؓ نے تقریر کی، مگر ان لوگوں پر کسی چیز کا اثر نہ ہوا۔ حضرت عثمانؓ نے چھت کے اوپر سے مجمع کو مخاطب کر کے فرمایا، کیا تمہیں معلوم ہے کہ آنحضرت ﷺ جب مدینہ آئے تو یہ مسجد تنگ تھی آپ نے فرمایا کون اس زمین کو خرید کر وقف کرے گا؟ اس کے صلہ میں اس کو اس سے بہتر جگہ جنت میں ملے گی تو میں نے آپ ﷺ

① ابن سعد تذکرہ عثمانؓ ② طبری ص ۲۱۰ ③ ابن سعد ج ۳ قسم اول۔

کے حکم کی تعمیل کی، تو کیا اسی مسجد میں تم مجھے نماز پڑھنے نہیں دیتے۔ تم کو خدا کی قسم دیتا ہوں، بتاؤ کیا تم جانتے ہو کہ آنحضرت ﷺ جب مدینہ تشریف لائے تو اس میں ارومہ کے سوا بیٹھے پانی کا کنواں نہ تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس کو کون خرید کر عام مسلمانوں پر وقف کرتا ہے؟ اور اس سے بہتر اس کو جنت میں ملے گا تو میں نے ہی اس کی تعمیل کی۔ تو کیا اسی کے پانی پینے سے مجھے محروم کر رہے ہو؟ کیا تم جانتے ہو کہ عسرت کے لشکر کو میں ہی نے ساز و سامان سے آراستہ کیا تھا؟ سب نے جواب دیا خداوند! یہ سب باتیں سچ ہیں (۱)۔ مگر سنگدلوں پر اس کا اثر بھی نہ ہوا۔ پھر مجمع کو خطاب کر کے فرمایا ”تم کو قسم دیتا ہوں، تم میں کسی کو یاد ہے کہ ایک دفعہ آنحضرت ﷺ پہاڑ پر چڑھے تو پہاڑ ہلنے لگا۔ آپ ﷺ نے پہاڑ کو پاؤں سے ٹھوکر مار کر فرمایا، اے حرا ٹھہر جا کہ تیری پیٹھ پر اس وقت ایک نبی اور ایک صدیق اور ایک شہید ہے اور میں آپ ﷺ کے ساتھ تھا۔ لوگوں نے کہا یاد ہے۔ پھر فرمایا خدا کا واسطہ دیتا ہوں، بتاؤ کہ حدیبیہ میں مجھے آپ ﷺ نے مکہ میں سفیر بنا کر بھیجا تھا تو کیا خود اپنے ایک دست مبارک کو میرا ہاتھ قرار نہیں دیا تھا؟ اور میری طرف سے خود ہی بیعت نہیں کی؟ سب نے کہا سچ ہے (۲)۔

آخر میں باغی یہ دیکھ کر کہ حج کا موسم چند روز میں ختم ہو جاتا ہے اور اس کے ختم ہوتے ہی لوگ مدینہ کا رخ کریں گے اور موقع نکل جائے گا۔ آپ کے قتل کے مشورے کرنے لگے جس کو خود حضرت عثمانؓ نے اپنے کانوں سے سنا اور مجمع کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا، لوگو! آخر کس جرم پر تم میرے خون کے پیاسے ہو اسلام کی شریعت میں کسی کے قتل کی صرف تین ہی صورتیں ہیں یا تو اس نے بدکاری کی ہو تو اس کو سنگسار کیا جائے یا اس نے بالارادہ کسی کو قتل کیا ہو تو وہ قصاص میں مارا جائے گا یا وہ مرتد ہو گیا ہو تو وہ قتل کیا جائے گا۔ میں نے نہ تو جاہلیت میں اور نہ اسلام میں بدکاری کی، نہ کسی کو قتل کیا اور نہ اسلام کے بعد مرتد ہوا۔ اب بھی گواہی دیتا ہوں کہ خدا ایک ہے اور محمد ﷺ اس کے بندہ اور رسول ہیں (۳)۔ لیکن باغیوں پر ان میں سے کوئی تقریر کارگر نہ ہوئی۔

جان نثاروں کے مشورے اور اجازت طلبی

بعض جان نثاروں نے مختلف مشورے دیئے، مغیرہ بن شعبہؓ نے آکر عرض کیا ”امیر المؤمنین! تین باتیں ہیں، ان میں سے ایک قبول کیجئے۔ آپ کے طرفداروں اور جان نثاروں کی ایک طاقتور جماعت یہاں موجود ہے اس کو لے کر نکلئے اور ان باغیوں کا مقابلہ کر کے ان کو نکال دیجئے۔ آپ حق پر ہیں وہ باطل پر لوگ حق کا ساتھ دیں گے، اگر یہ منظور نہیں تو پھر صدر دروازہ چھوڑ کر دوسری طرف سے دیوار توڑ کر اس محاصرہ سے نکلئے اور سوار یوں پر بیٹھ کر مکہ معظمہ چلے

جائے وہ حرم ہے وہاں یہ لوگ لڑ نہ سکیں گے، یا پھر یہ کہ شام چلے جائیں وہاں کے لوگ وفادار ہیں اور معاویہ موجود ہیں۔ حضرت عثمانؓ نے فرمایا کہ میں باہر نکل کر ان سے جنگ کروں تو میں وہ پہلا خلیفہ بننا نہیں چاہتا جو امت محمدی کی خونریزی کرے۔ اگر مکہ معظمہ چلا جاؤں تو بھی اس کی امید نہیں کہ یہ لوگ حرم الہی کی توہین نہ کریں گے اور جنگ سے باز آجائیں گے، اور میں آپ ﷺ کی پیشین گوئی کے مطابق وہ شخص نہیں بننا چاہتا جو مکہ جا کر اس کی بے حرمتی کا باعث ہوگا اور شام بھی نہیں جاسکتا کہ اپنے ہجرت کے گھر اور رسول اللہ ﷺ کے جوار کو نہیں چھوڑ سکتا (۱)۔

حضرت عثمانؓ کا گھر بہت بڑا اور وسیع تھا، دروازہ اور گھر میں صحابہ اور عام مسلمانوں کی خاصی جمعیت موجود تھی جس کی تعداد سات سو (۲) تھی اور جس کے سردار حضرت زبیرؓ کے بہادر صاحبزادہ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ تھے (۳)۔ وہ حضرت عثمانؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی کہ امیر المؤمنین! اس وقت گھر کے اندر ہماری خاصی تعداد ہے، اجازت ہو تو میں ان بانیوں سے لڑوں، فرمایا اگر ایک شخص کا بھی ارادہ ہو تو میں اس کو خدا کا واسطہ دیتا ہوں کہ وہ میرے لئے اپنا خون نہ بہائے (۴)۔

گھر میں اس وقت بیس غلام تھے ان کو بھی بلا کر آزاد کر دیا (۵)۔ حضرت زبیرؓ نے ثابت کرنے پر عرض کیا امیر المؤمنین! انصار دروازہ پر کھڑے اجازت کے منتظر ہیں کہ وہ دوبارہ اپنے کارنامے دکھائیں۔ فرمایا اگر لڑائی مقصود ہے تو اجازت نہ دوں گا (۶)۔ اس وقت میرا سب سے بڑا مددگار وہ ہے جو میری مدافعت میں تلوار نہ اٹھائے (۷)۔ حضرت ابو ہریرہؓ نے اجازت مانگی تو فرمایا، اے ابو ہریرہؓ! کیا تمہیں پسند آئے گا کہ تم تمام دنیا کو اور ساتھ ہی مجھ کو بھی قتل کر دو، عرض کی نہیں۔ فرمایا کہ اگر تم نے ایک شخص کو بھی قتل کیا تو گویا سب قتل ہو گئے۔ (یہ سورہ مائدہ ۵ کی آیت ۶ کی طرف اشارہ ہے) ابو ہریرہؓ یہ سن کر لوٹ آئے (۸)۔

شہادت کی تیاری

حضرت عثمانؓ کو آنحضرت ﷺ کی پیشین گوئی کے مطابق یہ یقین تھا کہ ان کی شہادت مقدر ہو چکی ہے (۹)۔ آپ نے متعدد مرتبہ ان کو اس سانحہ سے خبردار کیا تھا اور صبر و استقامت کی تاکید فرمائی تھی۔ حضرت عثمانؓ اس وصیت پر پوری طرح قائم اور ہر لمحہ ہونے والے واقعہ کے منتظر تھے۔ جس دن شہادت ہونے والی تھی، آپ روزہ سے تھے جمعہ کا دن تھا خواب میں دیکھا کہ آنحضرت اور حضرت ابو بکرؓ و عمرؓ تشریف فرما ہیں اور ان سے کہہ رہے ہیں کہ عثمان جلدی کرو،

① ابن ضہب ج ۱ ص ۶۷ ② ابن سعد ج ۳ ص ۴۹ ③ ایضاً ④ ایضاً

⑤ ابن ضہب ج ۱ ص ۷۲ ⑥ ابن سعد ج ۳ ص ۴۸ ⑦ ایضاً ⑧ ایضاً ⑨ ابن ضہب ج ۱ ص ۶۶

تمہارے افطار کے ہم منتظر ہیں۔ بیدار ہوئے تو حاضرین سے اس خواب کا تذکرہ کیا۔ اہلیہ محترمہ سے فرمایا کہ میری شہادت کا وقت آگیا، باغی مجھے قتل کر ڈالیں گے۔ انہوں نے کہا امیر المؤمنین! ایسا نہیں ہو سکتا۔ فرمایا میں یہ خواب دیکھ چکا ہوں اور ایک روایت میں ہے کہ آنحضرت فرما رہے ہیں کہ ”عثمان! آج جمعہ میرے ساتھ پڑھنا۔“ (۱) پھر پانچواں جس کو کبھی نہیں پہنا تھا، منگا کر پہنا (۲)، اپنے بیٹے غلاموں کو بلا کر آزاد کیا اور قرآن کھول کر تلاوت میں مصروف ہو گئے۔

شہادت

باغیوں نے مکان پر حملہ کر دیا، حضرت امام حسنؑ جو دروازہ پر متعین تھے، مدافعت میں زخمی ہوئی، چار باغی دیوار پھاند کر چھت پر چڑھ گئے۔ آگے آگے حضرت ابوبکرؓ کے چھوٹے صاحبزادے محمد بن ابی بکر تھے، جو حضرت علیؓ کی آغوش تربیت میں پلے تھے، یہ کسی بڑے عہدے کے طلب گار تھے جس کے نہ ملنے سے حضرت عثمانؓ کے دشمن بن گئے۔ انہوں نے آگے بڑھ کر حضرت عثمانؓ کی ریش مبارک پکڑ لی اور زور سے کھینچی۔ حضرت عثمانؓ نے فرمایا، بھتیجے! اگر تمہارے باپ زندہ ہوتے تو ان کو یہ پسند نہ آتا، یہ سن کر محمد بن ابی بکر شرما کر پیچھے ہٹ گئے اور ایک دوسرے شخص کنانہ بن بشر نے آگے بڑھ کر پیشانی مبارک پر لوہے کی لاٹ اس زور سے ماری کہ پہلو کے بل گر پڑے۔ اس وقت بھی زبان سے ”بسم اللہ تو کلت علی اللہ“ نکلا۔ سودان ابن حمران مرادی نے دوسری جانب ضرب لگائی جس سے خون کا فوارہ جاری ہو گیا۔ ایک اور سنگدل عمرو بن الحمق سینہ پر چڑھ بیٹھا اور جسم کے مختلف حصوں پر پے درپے نیزوں کے نوزخم لگائے، کسی شقی نے بڑھ کر تلوار کا وار کیا۔ وفادار بیوی حضرت نائلہ نے جو پاس ہی بیٹھی تھیں، ہاتھ پر روکا، تین انگلیاں کٹ کر الگ ہو گئیں، وار نے ذوالنورینؓ کی شمع حیات بجھا دی، اس بے کسی کی موت پر عالم امکان نے ماتم کیا۔ کائنات ارضی و سماوی نے خونِ ناحق پر آنسو بہائے کارکنانِ قضا و قدر نے کہا جو خون آشام تلوار آج بے نیام ہوئی ہے وہ قیامت تک بے نیام رہے گی اور فتنہ و فساد کا جو دروازہ کھلا ہے وہ حشر تک کھلا رہے گا (۳)۔

شہادت کے وقت حضرت عثمانؓ تلاوت فرما رہے تھے۔ قرآن مجید سامنے کھلا تھا۔ اس خانِ ناحق نے جس آیت کو خونِ ناب کیا وہ یہ ہے:

فَسَيَكْفِيكَهُمُ اللَّهُ وَهُوَ سَمِيعٌ خداتم کو بس ہے اور وہ سننے اور جاننے

① ابن سعد ج ۳ ص ۵۳ اور حاکم ج ۳ ص ۹۹ و ص ۱۰۳ میں یہ دونوں خواب مذکور ہیں اور ابن ضہل میں صرف پہلے خواب کا ذکر ہے۔

② ابن ضہل ج اول ص ۱۷۱ ③ صحیح بخاری کتاب الفتن میں اس کا اشارہ ہے۔

الْعَلِيمُ. (البقرہ، ۱۵) والا ہے۔

جمعہ کے دن عصر کے وقت شہادت کا واقعہ پیش آیا، دو دن تک لاش بے گور و کفن پڑی رہی، حرم رسول میں قیامت برپا تھی، باغیوں کی حکومت تھی ان کے خوف سے کسی کو اعلانیہ دفن کرنے کی ہمت نہ ہوتی تھی۔ سنیچر کا دن گزر کر رات کو چند آدمیوں نے ہتھیلی پر جان رکھ کر تجہیز و تکفین کی ہمت کی اور غسل دیئے بغیر اسی طرح خون آلود پیراہن میں شہید مظلوم کا جنازہ اٹھایا اور کل سترہ افراد نے کابل سے مراکش تک کے فرماں رواں کے جنازہ کی نماز پڑھی۔ مسند ابن حنبل میں ہے کہ حضرت زبیرؓ نے اور ابن سعد میں ہے کہ حضرت جبیر بن مطعمؓ نے نماز جنازہ پڑھائی اور جنت البقیع کے پیچھے حش کوکب (۱) میں اس حلیم و بردباری کے مجسمہ اور بیکسی و مظلومی کے پیکر کو سپرد خاک کیا۔ بعد کو یہ دیوار توڑ کر جنت البقیع میں داخل کر لیا گیا۔ آج بھی جنت البقیع کے سب سے آخر میں مزار مبارک موجود ہے۔

حضرت عثمانؓ کا ماتم

صحابہ کرام اور عام مسلمانوں میں سے کوئی اس سانحہ عظمیٰ کے سننے کے لئے تیار نہ تھا اور کسی کو یہ وہم و گمان بھی نہ تھا کہ باغی اس حد تک جرأت کریں گا کہ امام وقت کے قتل کے مرتکب ہوں گے اور حرم رسول اللہ ﷺ کی توہین کریں گے۔ اس لئے جس نے اس کو سنا وہ انکشت بدنداں رہ گیا۔ جو لوگ حضرت عثمانؓ کی طرز حکومت کے کسی قدر شاکی تھے انہوں نے بھی اس بیکسی اور مظلومی کی موت پر آنسو بہائے۔ تمام لوگوں میں سناٹا چھا گیا، خود باغی بھی جن کی پیاس اس خون سے بجھ چکی تھی، اب مالِ کار کو سوچ کر اپنی حرکت پر نادم تھے، لیکن دشمنوں نے اسلام کے لئے سازش کا جو جال بچھایا تھا اس میں وہ کامیاب ہو چکے تھے، متحد اسلام، سنی، شیعہ، خارجی اور عثمانی مختلف حصوں میں بٹ گیا اور ایسا تفرقہ پڑا جو قیامت تک کے لئے قائم رہ گیا۔

● حضرت علیؓ مسجد سے نکل کر حضرت عثمانؓ کے گھر کی طرف آرہے تھے کہ راہ میں شہادت کی اطلاع ملی یہ خبر سنتے ہی دونوں ہاتھ اٹھا کر فرمایا، خداوند! میں عثمان کے خون سے بری ہوں۔
● حضرت عمرؓ کے بہنوئی سعید بن زید بن عمرو بن نفیل نے کہا لوگو! اگر کوہِ اُحد تمہاری اس بد اعمالی کے سبب پھٹ کر تم پر گر پڑے تو بھی بجا ہے۔

● حضرت حذیفہؓ نے جو صحابہ میں فتنہ و فساد کی پیشین گوئی کے سب سے بڑے حافظ اور آنحضرت کے محرم اسرار تھے، فرمایا: آہ! عثمان کے قتل سے اسلام میں وہ رخنہ پڑ گیا جو اب قیامت تک بدنہ ہوگا۔

- حضرت ابن عباسؓ نے کہا اگر تمام خلقت عثمان کے قتل میں شریک ہوتی تو قوم لوط کی طرح آسمان سے اس پر پتھر برستے۔
- ثمامہ بن عدیؓ صحابی کو جو صنعاۓ یمن کے والی تھے، اس کی خبر پہنچی تو وہ رو پڑے اور فرمایا کہ افسوس! رسول اللہ ﷺ کی جانشینی جاتی رہی۔
- ابو حمید ساعدہؓ صحابی نے قسم کھائی کہ جب تک جیوں گا، ہنسی کا منہ نہ دیکھوں گا۔
- عبد اللہ بن سلامؓ صحابی نے کہا، آہ! آج عرب کی قوت کا خاتمہ ہو گیا۔
- حضرت عائشہؓ نے فرمایا، عثمان مظلوم مارے گئے، خدا کی قسم! ان کا نامہ اعمال اڑھلے کپڑے کی طرح پاک ہو گیا۔
- حضرت زید بن ثابتؓ کی آنکھوں سے آنسوؤں کا تار جاری تھا۔
- حضرت ابو ہریرہؓ کا یہ حال تھا کہ جب اس سانحہ کا ذکر آ جاتا تو دھاریں مار مار کر روتے (۱)۔
- حضرت عثمانؓ کا خون سے رنگین کرتہ اور حضرت نائلہؓ کی کٹی ہوئی انگلیاں شام میں امیر معاویہؓ کے پاس پہنچ گئیں۔ جب وہ کرتہ مجمع عام میں کھولا گیا اور انگلیاں لڑکائی گئیں تو ماتم برپا ہو گیا اور انتقام انتقام کی آوازیں آنے لگیں۔

① یہ تمام الفاظ ابن سعد ج ۳ قسم اول ص ۵۵، ۵۶ میں مذکور ہیں، حضرت سعید بن زید بن عمرو بن نفیل کا فقرہ صحیح بخاری باب اسلام سعید بن زید میں مذکور ہے۔ حضرت عیٰی کا فقرہ حاتم مستدرک میں بسند صحیح نقل کیا ہے۔

عثمانی کارنامے

فتوحات پر اجمالی نظر

اس میں شک نہیں کہ فاروق اعظمؓ نے اپنے حسن تدبیر اور غیر معمولی سیاسی قوتِ عمل سے روم و ایران کے دفتر الٹ دیئے اور ان کی دولت و مملکت فرزندِ انِ توحید کا ورثہ بن گئی۔ دولتِ کیانی صفحہ ہستی سے معدوم ہو گئی اور تمام ایران مسخر ہو گیا۔ شام، مصر، الجزائر نے بھی سپردِ ال دی۔ لیکن کیا یہ ممکن ہے کہ فاتحِ قوم کا ایک ہی سیلابِ مفتوح اقوام کے احساسِ خودی کو فنا کر دے؟ اور کیا تاریخ کوئی ایسی مثال پیش کر سکتی ہے کہ ایک ہی شکست نے کسی قوم کی حریت و آزادی کے جذبہ کو معدوم کر دیا ہو؟ اور اس کے تو اے عملی بے کار ہو گئے ہوں؟ سنلدر نے تمام دنیا کو مسخر کر لیا، لیکن اس کے جانشینوں نے کتنے دنوں تک حکومت قائم رکھی؟ چنگیز و تیمور نے بھی عالم کو تہ و بالا کر دیا، لیکن ان کی فتوحات کیوں نقشِ بر آب ثابت ہوئیں۔

درحقیقت یہ ایک تاریخی نکتہ ہے کہ جب اولوالعزم فاتح کا جانشین ویسا ہی اولوالعزم اور عالی حوصلہ نہیں ہوتا تو اس کی فتوحات اس تماشِ گاہِ عالم میں صرف ایک وقتی نمائش ہوتی ہیں۔ اس بنا پر جانشینِ فاروقؓ کا سب سے اہم کارنامہ یہ ہے کہ اس نے ممالکِ مفتوحہ میں حکومت و سلطنت کی بنیاد مستحکم کی اور مفتوح اقوام کے جذبہِ خود سری کو رفتہ رفتہ اپنے حسن تدبیر اور حسنِ عمل سے اس طرح ختم کر دیا کہ مسلمانوں کی باہمی کشمکش کے موقعوں میں بھی انہیں سرتابی کی ہمت نہ ہوئی۔

آپ نے فتوحات کے سلسلہ میں پڑھا ہوگا کہ حضرت عثمانؓ کو نہایت کثرت کے ساتھ بغاوتیں فرو کرنا پڑیں، مصر میں بغاوت ہوئی۔ اہلِ آرمینہ اور آذربائیجان نے خراج دینا بند کر دیا۔ اہلِ خراسان نے سرکشی اختیار کی، یہ تمام بغاوتیں درحقیقت اسی جذبہ کا نتیجہ تھیں جو فتوح ہوئے کے بعد بھی اقوام کے جذبہِ آزادی کو براہِ نیچتہ کرتا رہتا ہے۔ لیکن حضرت عثمانؓ نے تمام بغاوتوں کو نہایت ہوشیاری کے ساتھ فرو کیا اور آہستہ آہستہ تشدد و تلطف کی مجموعی حکمتِ عملی سے مفتوحہ ممالک کی عام رعایا کو اطاعت اور انقیاد پر مجبور کر دیا۔

فتوحات کی وسعت

عہد عثمانی میں ممالکِ محروسہ کا دائرہ بھی نہایت وسیع ہوا۔ افریقہ میں طرابلس، برقہ اور مراکش (افریقہ) مفتوح ہوئے۔ ایران کی فتح تکمیل کو پہنچی۔ ایران کے متصل ملکوں میں افغانستان، خراسان، اور ترکستان کا ایک حصہ زیرِ نگین ہوا۔ دوسری سمت آرمینیا اور آذربائیجان مفتوح ہو کر اسلامی سرحد کوہ قاف تک پھیل گئی۔ اسی طرح ایشیائے کوچک کا ایک وسیع خطہ ملک شام میں شامل کر لیا گیا۔

بحری فتوحات کا آغاز خاص حضرت عثمانؓ کے عہدِ خلافت سے ہوا، حضرت عمرؓ کی احتیاط نے مسلمانوں کو سمندری خطرات میں ڈالنا پسند نہ کیا، ذوالنورینؓ کی اولوالعزمی نے خطرات سے بے پرواہ ہو کر ایک عظیم الشان بیڑا تیار کر کے جزیرہ قبرص (سائپرس) پر اسلامی پھریرا بلند کیا اور بحری جنگ میں قیصر روم کے بیڑے کو جس میں پانچ سو جنگی جہاز شامل تھے، ایسی فاش شکست دی کہ پھر رومیوں کو اس جرأت کے ساتھ بحری حملہ کی ہمت نہ ہوئی۔

نظامِ خلافت

اسلامی حکومت کی ابتداء شوریٰ سے ہوئی۔ فاروق اعظمؓ نے اس کو زیادہ مکمل اور منظم کر دیا۔ حضرت عثمانؓ نے بھی اس نظام کو اپنے ابتدائی عہد میں قائم رکھا۔ لیکن آخر میں بنو امیہ کے استیلاء نے اس میں برہمی پیدا کر دی۔ مروان بن حکم نے حضرت عثمانؓ کے اعتماد، نیکی اور سادگی سے ناجائز فائدہ اٹھا کر خلافت کے کاروبار میں پورا رسوخ پیدا کر لیا تھا، تاہم جب کبھی آپ کو کسی معاملہ کی طرف توجہ دلائی جاتی تھی تو آپ فوراً اس کے تدارک کی سعی کرتے۔ نیک مشوروں کو قبول کرنے میں تامل نہ فرماتے۔ چنانچہ ولید بن عقبہ کی بادہ نوشی کی طرف توجہ دلائی گئی تو تحقیق کے بعد انہوں نے فوراً اس کو معزول کر دیا اور شرعی حد جاری کی۔ اسی طرح جب حضرت طلحہؓ نے ملک میں عام تحقیقات کے لئے وفد بھیجنے کا مشورہ دیا تو فوراً اس کو تسلیم کر لیا۔

جمہوری ملک کا ایک مقصد یہ ہوتا ہے کہ ہر شخص کو اپنے حقوق کی حفاظت اور حکام کے طریق عمل پر نکتہ چینی کرنے کا حق حاصل ہو۔ حضرت عثمانؓ کے اخیر عہد میں اگرچہ مجلس شوریٰ کا باقاعدہ نظام درہم برہم ہو گیا تھا تاہم یہ حقوق بحسبہ باقی تھے۔ چنانچہ ایک دفعہ مجمع عام میں ایک شخص نے عمال کو اپنے ہی خاندان سے منتخب کرنے پر بلند آہنگی سے اعتراض کیا۔ اسی طرح حضرت عثمانؓ نے عبداللہ بن ابی سرح کو طرابلس کے مالِ غنیمت سے خمس کا پانچواں حصہ دیا تو بہت سے آدمیوں نے اس پر اعتراض کیا اور حضرت عثمانؓ کو اسے واپس کرنا پڑا۔

عمال کی مجلس شوریٰ

ملکی و انتظامی معاملات میں حکام وقت دوسرے غیر ذمہ دار اشخاص کے مقابلہ میں نسبتاً بہتر اور صائب رائے قائم کر سکتے ہیں، چنانچہ آج تمام مہذب حکومتوں میں عمال و حکام کی ایک مجلس شوریٰ ہوتی ہے۔ حضرت عثمانؓ ذوالنورین نے تیرہ سو برس پہلے اس ضرورت کو محسوس کر کے عمال کی ایک مجلس شوریٰ ترتیب دی تھی۔ اس مجلس کے ارکان سے عموماً تحریری رائیں طلب کی جاتی تھیں۔ کوفہ میں پہلے پہلے جب فتنہ و فساد کی ابتداء ہوئی تو اس کی بیخ کنی کے متعلق تحریر ہی کے ذریعہ سے رائیں طلب کی گئی تھیں، کبھی کبھی دار الخلافہ میں باقاعدہ جلسے بھی ہوتے تھے۔ چنانچہ ۳۴ھ میں اصلاحات ملک پر غور کرنے کے لئے جو جلسہ ہوا تھا، اس میں تمام اہل الرائے اور اکثر عمال شریک تھے (۱)۔

صوبوں کی تقسیم

نظام حکومت کے سلسلہ میں سب سے پہلے کام صوبہ جات اور اضلاع کی مناسب تقسیم ہے۔ حضرت عمرؓ نے ملک شام کو تین صوبوں میں تقسیم کیا تھا، یعنی دمشق، اردن اور فلسطین علیحدہ صوبے قرار پائے تھے۔ حضرت عثمانؓ نے سب کو ایک والی کے ماتحت کر کے ایک صوبہ بنادیا، جو نہایت سودمند ثابت ہوا کیونکہ جب والی خوش تدبیر اور ذی ہوش ہو تو ملک کو چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں میں تقسیم کر دینے سے اس کا ایک ہی مرکز سے وابستہ رہنا زیادہ مفید ہوتا ہے۔ اسی کا نتیجہ تھا کہ آخری عہد میں جب تمام ملک سازش اور فتنہ پردازی کا جولان گاہ بنا تھا اس وقت وہ تمام اضلاع جو شام سے ملحق کر دیئے گئے تھے اس سے پاک و صاف رہے۔ دوسرے صوبہ جات بعینہ باقی رکھے گئے البتہ جدید مفتوحہ ممالک یعنی طرابلس، قبرص، آرمینیا اور طبرستان علیحدہ صوبے قرار پائے۔

اختیارات کی تقسیم

حضرت عثمانؓ نے افسر فوج کا ایک جدید عہدہ ایجاد کیا اس سے پہلے والی یعنی حاکم صوبہ انتظام ملک کے ساتھ فوج کی افسری بھی کرتا تھا۔ چنانچہ یعلیٰ بن منبہ صنعا کے عامل ہوئے تو عبداللہ بن ربیعہ فوج کی افسری پر مامور ہوئے۔ اسی طرح عمرو بن العاصؓ معزولی سے پہلے والی مصر تھے اور مصری فوج کی باگ عبداللہ بن ابی سرح کے ہاتھ میں تھی۔

حکام کی نگرانی

خليفة وقت کا سب سے اہم فرض حکام و عمال کی نگرانی ہے۔ حضرت عثمانؓ اگرچہ طبعاً نہایت

نرم تھے، بات بات پر رقت طاری ہو جاتی تھی اور ذاتی حیثیت سے تحمل، بردباری، تسامح اور چشم پوشی آپ کا شیوہ تھا، لیکن ملکی معاملات میں انہوں نے تشدد و احتساب اور کٹہہ چینی کو اپنا طرز عمل بنایا، سعید بن ابی وقاصؓ نے بیت المال سے ایک بیش قرار رقم لی جس کو ادا نہ کر سکے۔ حضرت عثمانؓ نے سختی سے باز پرس کی اور معزول کر دیا۔ ولید بن عقبہؓ نے بادہ نوشی کی، معزول کر کے غلامیہ حد جاری کی۔ ابو موسیٰ اشعریؓ نے امیرانہ زندگی اختیار کی تو انہیں بھی ذمہ داری کے عہدہ سے سبکدوش کر دیا۔ اسی طرح عمرو بن العاصؓ والی مصر وہاں کے خراج میں اضافہ نہ کر سکے تو ان کو علیحدہ کر دیا۔

نگرانی کا یہ عام طریقہ تھا کہ دریافت حال کے لئے دربار خلافت سے تحقیقاتی وفد روانہ کئے جاتے تھے جو تمام ممالک محروسہ میں دورہ کر کے عمال کے طرز عمل اور رعایا کی حالت کا اندازہ کرتے تھے۔ یہ تینوں بزرگ صحابہؓ میں ممتاز حیثیت رکھتے تھے۔ چنانچہ ۳۵ھ میں ملک کی عام حالت دریافت کرنے کے لئے جو وفد روانہ کئے گئے تھے ان میں یہی حضرات تھے (۱)۔

ملک کی حالت سے واقفیت پیدا کرنے کے لئے آپ کا یہ معمول تھا کہ جمعہ کے دن منبر پر تشریف لاتے تو خطبہ شروع کرنے سے پہلے لوگوں سے اطراف ملک کی خبریں پوچھتے اور نہایت غور سے سنتے (۲)۔ تمام ملک میں اعلان عام تھا کہ جس کسی کو کسی والی سے شکایت ہو وہ حج کے موقع پر بیان کرے۔ اس موقع پر تمام عمال لازمی طور پر طلب کئے جاتے تھے اس لئے بالموجب شکایتوں کی تحقیقات کر کے تدارک فرماتے (۳)۔

ملکی نظم و نسق

فاروق اعظمؓ نے ملکی نظم و نسق کا جو دستور العمل مرتب کیا تھا، حضرت عثمانؓ نے اس کو بعینہ باقی رکھا اور مختلف شعبوں کے جس قدر محکمے قائم ہو چکے تھے، ان کو منضبط کر کے ترقی دی۔ یہ اسی نظم و نسق کا اثر تھا کہ ملکی محاصل میں غیر معمولی اضافہ ہو گیا۔ حضرت عمرؓ کے عہد میں مصر کا خراج ۴۰ لاکھ دینار تھا لیکن عہد عثمانی میں اس کی مقدار ۴۰ لاکھ تک پہنچ گئی (۴)۔

بیت المال

جدید فتوحات کے باعث جب ملکی محاصل میں غیر معمولی ترقی ہوئی تو بیت المال کے مصارف میں بھی اضافہ ہوا۔ چنانچہ اہل وظائف کے وظیفوں میں ایک ایک سو درہم کا اضافہ ہوا۔

② مسند ابن فضال ج ۱ ص ۷۳

① طبری ص ۲۹۴

④ فتوح البلدان بلاذری ص ۲۲۳

③ طبری ص ۲۹۴

حضرت عمرؓ رمضان میں امہات المؤمنینؓ کو دو دو درہم اور عوام کو ایک ایک درہم روزانہ بیت المال سے دلاتے تھے، حضرت عمرؓ نے اس کے علاوہ لوگوں کا کھانا بھی مقرر کر دیا۔

تعمیرات

حکومت کا دائرہ جس قدر وسیع ہوتا گیا، اسی قدر تعمیرات کا کام بھی بڑھتا گیا۔ تمام صوبہ جات میں مختلف دفاتر کے لئے عمارتیں تیار ہونیں۔ رفاہ عام کے لئے سڑک، پل اور مسجدیں تعمیر کی گئیں، مسافروں کے لئے مہمان خانے بنائے گئے۔ پہلے کوفہ میں کوئی مہمان خانہ نہ تھا اس سے مسافروں کو سخت تکلیف ہوتی تھی، حضرت عثمانؓ کو معلوم ہوا تو انہوں نے عقیل اور ابن ہبار کے مکانات خرید کر ایک نہایت عظیم الشان مہمان خانہ بنوایا۔

ملکی انتظام اور رعایا کی آسائش دونوں لحاظ سے ضرورت تھی کہ الخلافہ کے تمام راستوں کو سہل اور آرام دہ بنادیا جائے، چنانچہ حضرت عثمانؓ نے مدینہ کے راستہ میں موقع موقع سے چوکیاں، سرائیں اور چشمے تیار کرا دیئے۔ چنانچہ نجد کی راہ میں مدینہ سے چوبیس میل کے فاصلے پر ایک نہایت نفیس سرائے تعمیر کی گئی، اس کے ساتھ ساتھ ایک مختصر بازار بھی بسایا گیا۔ نیز شیریں پانی کا ایک کنواں بنایا گیا جو بیر السائب کے نام سے مشہور ہے (۱)۔

بند مزور

خیبر کی سمت سے کبھی کبھی مدینہ میں نہایت ہی خطرناک سیلاب آیا کرتا تھا جس سے شہر کی آبادی کو سخت نقصان پہنچتا تھا، مسجد نبویؐ کو اس سے صدمہ پہنچنے کا احتمال تھا اس لئے حضرت عثمانؓ نے مدینہ سے تھوڑے فاصلے پر مدری کے قریب ایک بند بندھوایا اور نہر کھود کر سیلاب کا رخ دوسری طرف موڑ دیا۔ اس بند کا نام بند مزور ہے۔ رفاہ عام کی تعمیرات میں یہ خلیفہ ثالث کا ایک بڑا کارنامہ ہے (۲)۔

مسجد نبویؐ کی تعمیر و توسیع

مسجد نبویؐ کی تعمیر میں حضرت عثمانؓ ذوالنورین کا ہاتھ سب سے زیادہ نمایاں ہے۔ عہد نبویؐ میں جب مسلمانوں کی کثرت کے باعث مسجد کی وسعت نا کافی ثابت ہوئی تھی تو اس کی توسیع کے لئے حضرت عثمانؓ نے قریب کا قطعہ زمین خرید کر بارگاہ نبوت میں پیش کیا تھا، پھر اپنے عہد میں بڑے اہتمام سے اس کی وسیع اور شاندار عمارت تعمیر کرائی۔ سب سے اول ۲۴ھ میں اس کا ارادہ کیا لیکن مسجد کے گرد و پیش جن لوگوں کے مکانات تھے وہ کافی معاوضہ دینے پر بھی مسجد

نبوی ﷺ کی قربت کے شرف سے دست کش ہونے کے لئے راضی نہ ہوتے۔ حضرت عثمانؓ نے ان لوگوں کو راضی کرنے کے لئے مختلف تدبیریں کی لیکن وہ کسی طرح راضی نہیں ہوئے۔ یہاں تک کہ پانچ سال اس میں گزر گئے۔ بالآخر ۲۹ھ میں حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے مشورہ کرنے کے بعد حضرت عثمانؓ نے جمعہ کے روز ایک نہایت ہی مؤثر تقریر کی اور نمازیوں کی کثرت اور مسجد کی تنگی کی طرف توجہ دلائی۔ اس تقریر کا اثر یہ ہوا کہ لوگوں نے خوشی سے اپنے مکانات دے دیئے اور آپ نے نہایت اہتمام کے ساتھ تعمیر کا کام شروع کیا۔ نگرانی کے لئے تمام عمال طلب کئے اور خود شب و روز مصروف کار رہتے تھے۔ غرض دس مہینوں کی مسلسل جدوجہد کے بعد اینٹ، چونا اور پتھر کی ایک نہایت خوش نما اور مستحکم عمارت تیار ہو گئی، وسعت میں بھی کافی اضافہ ہو گیا، یعنی طول میں پچاس گز کا اضافہ ہوا، البتہ عرض میں کوئی تغیر نہیں کیا گیا (۱)۔

فوجی انتظامات

حضرت عمرؓ نے اپنے عہد میں جس اصول پر فوجی نظام قائم کیا تھا حضرت عثمانؓ نے اس کو ترقی دی، فوجی خدمات کے صلہ میں جن لوگوں کے وظائف مقرر کئے گئے تھے، حضرت عثمانؓ نے اس میں سو سو درہم کا اضافہ کیا اور فوجی صیغہ کو انتظامی صیغوں سے الگ کر کے تمام صدر مقامات میں علیحدہ مستقل افسروں کے ماتحت کر دیا۔ اس عہد کے مکمل فوجی نظام کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ امیر معاویہؓ کو حدود شام میں رومیوں کے مقابلہ کے لئے فوجی کمک کی ضرورت ہوئی تو ایران اور آرمینیا کی فوجیں نہایت عجلت کے ساتھ بروقت پہنچ گئیں۔ اسی طرح جب عبداللہ بن ابی سرحؓ کو طرابلس میں بغاوت فرو کرنے کے لئے فوجی طاقت کی ضرورت پیش آئی تو شام و عراق کی کمک نے عین وقت پر مساعدت کی۔ افریقہ کی فتح میں جب مصری فوج ناکام ثابت ہوئی تو مدینہ سے کمک روانہ کی گئی جس کے افسر حضرت عبداللہ بن زبیرؓ تھے۔ انہوں نے معرکہ کومایا کی ساتھ ختم کیا۔

عہد فاروقی میں جو مقامات فوجی مرکز قرار پائے تھے، عہد عثمانی میں ان کے علاوہ طرابلس، قبرص، طبرستان اور آرمینیا میں بھی فوجی مرکز قائم کیئے گئے اور اضلاع میں چھاؤنیاں قائم کی گئیں جہاں تھوڑی تھوڑی فوج ہمیشہ متعین رہتی تھی۔

تمام ممالک میں گھوڑوں اور اونٹوں کی پرورش و پرداخت کے لئے نہایت وسیع چراگاہیں بنوائی گئیں۔ خود دار الخلافہ کے اطراف میں متعدد چراگاہیں تھیں، سب سے بڑی چراگاہ مقام زبدہ میں تھی، جو مدینہ سے چار منزل کے فاصلہ پر واقع ہے۔ یہ چراگاہ دس میل لمبی اور اسی قدر

چوڑی تھی۔ دوسری چراگاہ مقام نقیع میں تھی جو مدینہ سے بیس میل دور ہے۔ اسی طرح ایک چراگاہ مقام ضربہ میں تھی جو وسعت میں ہر طرف سے چھ چھ میل تھی۔ حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں جب گھوڑوں اور اونٹوں کی کثرت ہوئی تو ان چراگاہوں کو پہلے سے زیادہ وسیع کیا گیا اور ہر چراگاہ کے قریب چشمے تیار کرائے گئے۔ چنانچہ مقام ضربہ میں بنی صبیہ سے پانی کا ایک چشمہ خرید کر چراگاہ کیلئے مخصوص کر دیا گیا۔ علاوہ اسکے حضرت عثمانؓ نے خود اپنے اہتمام سے ایک دوسرا چشمہ تیار کرایا اور تنظیمیں چراگاہ کیلئے مکانات تعمیر کرائے۔ عہد عثمانی میں اونٹوں اور گھوڑوں کی جو کثرت تھی، اسکا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ صرف ضربہ کی چراگاہ میں چالیس ہزار اونٹ پرورش پاتے تھے۔

امارت بحریہ

اسلام میں بحری جنگ اور بحری فوجی انتظامات کی ابتدا خاص حضرت عثمانؓ کے عہد خلافت میں ہوئی۔ اس سے پہلے یہ ایک خطرناک کام سمجھا جاتا تھا مگر افسوس ہے کہ تاریخوں سے اس کے تفصیلی انتظامات کا پتہ نہیں چلتا۔ صرف اس قدر معلوم ہے کہ امیر معاویہؓ کے توجہ دلانے پر بارگاہ خلافت سے ایک جنگی بیڑا تیار کرنے کا حکم ہوا اور عبداللہ بن قیس حارثی اس کے امیر البحر ہوئے۔ لیکن اس قدر یقینی ہے کہ اسی زمانہ میں مسلمانوں کی بحری قوت اتنی بڑھ گئی تھی کہ آسانی کے ساتھ قبرص زیر نگین ہو گیا اور رومیوں کے عظیم الشان جنگی بیڑے کو جس میں پانچ سو جہاز تھے اسلامی بیڑے نے ایسی شکست دی کہ پھر اس نے اسلامی سواحل کی طرف رخ کرنے کی ہمت نہ کی۔

مذہبی خدمات

نائب رسول ﷺ کا سب سے اہم فرض مذہب کی خدمت اور اس کی اشاعت و تبلیغ ہے۔ اس لئے حضرت عثمانؓ ذوالنورین کو اس فرض کے انجام دینے کا ہر لحظہ خیال رہتا تھا۔ چنانچہ جہاد میں جو قیدی گرفتار ہو کر آتے تھے ان کے سامنے خود اسلام کے محاسن بیان کر کے ان کے دین متین کی طرف دعوت دیتے تھے۔ ایک دفعہ بہت سی رومی لونڈیاں گرفتار ہو کر آئیں، حضرت عثمانؓ نے خود ان کے پاس جا کر تبلیغ اسلام کا فرض انجام دیا۔ چنانچہ دو عورتوں نے متاثر ہو کر کلمہ توحید کا اقرار کیا اور دل سے مسلمان ہوئیں (۱)۔

غیر قوموں میں اشاعت اسلام کے بعد سب سے بڑی خدمت خود مسلمانوں کی مذہبی تعلیم و تلقین ہے۔ حضرت عثمانؓ خود بالمشافہ مسائل فقہیہ بیان کرتے تھے اور عملاً اس کی تعلیم دیتے تھے۔ ایک دفعہ وضو کر کے بتایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو اسی طرح وضو کرتے دیکھا تھا (۲)۔ جس مسئلہ میں شبہ ہوتا اس کے متعلق کوئی صحیح رائے قائم نہ کر سکتے تو دوسرے صحابہؓ سے استفسار فرماتے

① ادب المفرد باب خفض المراء ② ابوداؤد کتاب الطہارت باب صفۃ وضو النبی ﷺ

اور عوام کو بھی ان کی طرف رجوع کرنے کی ہدایت کرتے تھے۔ ایک دفعہ سفر حج کے دوران میں ایک شخص نے پرندہ کا گوشت پیش کیا جو شکار کیا گیا تھا، جب آپ کھانے کے لئے بیٹھے تو شبہ ہوا کہ حالت احرام میں اس کا کھانا جائز ہے یا نہیں؟ حضرت علیؓ بھی ہمسفر تھے، ان سے استصواب کیا۔ انہوں نے عدم جواز کا فتویٰ دیا اور حضرت عثمانؓ نے اسی وقت کھانے سے ہاتھ روک لیا (۱)۔

مذہبی انتظامات کی طرف پوری توجہ تھی، مسجد نبوی ﷺ کی تعمیر کا حال گزر چکا ہے، مدینہ کی آبادی اس قدر ترقی کر گئی تھی کہ جمعہ کے روز ایک اذان کافی نہیں ہوتی تھی، اس لئے ایک اور مؤذن کا تقرر کیا جو مقام زوراء میں اذان دے کر لوگوں کو نماز کے وقت سے مطلع کرتا تھا، نماز میں صفوں کے برابر اور سیدھی رکھنے کے انتظام پر متعدد اشخاص متعین تھے جو خطبہ ختم ہونے کے ساتھ ہی مستعدی کے ساتھ صفیں برابر کرتے تھے (۲)۔

مذہبی خدمات کے سلسلہ میں حضرت عثمانؓ کا سب سے زیادہ روشن کارنامہ قرآن مجید کو اختلاف و تحریف سے محفوظ کرنا اور اس کی عام اشاعت ہے، اس کی تفصیل یہ ہے کہ آرمینہ اور آذربائیجان کی مہم میں شام، مصر، عراق وغیرہ مختلف ملکوں کی فوجیں مجتمع تھیں، جن میں زیادہ تر نو مسلم اور جمعی النسل تھے، جن کی مادری زبان عربی نہ تھی، حضرت حذیفہؓ بن یمان بھی شریک جہاد تھے، انہوں نے دیکھا کہ اختلاف قرأت کا یہ حال ہے کہ اہل شام کی قرأت، اہل عراق سے بالکل جدا گانہ ہے، اسی طرح اہل بصرہ کی قرأت اہل کوفہ سے مختلف ہے اور ہر ایک اپنے ملک کی قرأت صحیح اور دوسری کو غلط سمجھتا ہے۔ حضرت حذیفہؓ کو اس اختلاف سے اس قدر خلجان ہوا کہ جہاد سے واپس ہوئے تو سیدھے بارگاہ خلافت میں حاضر ہوئے اور مفصل واقعات عرض کر کے کہا ”امیر المؤمنین! اگر جلد اس کی اصلاح کی فکر نہ ہوئی تو مسلمان عیسائیوں اور رومیوں کی طرح خدا کی کتاب میں شدید اختلاف پیدا کر لیں گے۔“ حضرت حذیفہؓ کے توجہ دلانے پر حضرت عثمانؓ کو بھی خیال ہوا اور انہوں نے ام المؤمنین حضرت حفصہؓ سے عہد صدیقی کا مرتب و مدون کیا ہوا نسخہ لے کر حضرت زید بن ثابتؓ، عبد اللہ بن زبیرؓ اور سعید بن العاصؓ سے اس کی نقلیں کرا کے تمام ملک میں اس کی اشاعت کی اور ان تمام مختلف مصاحف کو جنہیں لوگوں نے بطور خود مختلف املاؤں سے لکھا تھا، صفحہ ہستی سے معدوم کر دیا (۳)۔

ظاہر ہے کہ ان اختلاف کو رفع کرنے کی کوشش نہ کی جاتی تو آج قرآن کا بھی وہی حال ہوتا جو توریت و انجیل اور دیگر صحیف آسمانی کا ہوا۔

① مستدرک ابن حنبل ج ۱ ص ۱۰۰ ② مسند شافعی ص ۳۸ ③ بخاری باب جمع القرآن

فضل و کمال

نوشت و خواند

حضرت عثمانؓ ان صحابہ میں سے تھے جو اسلام سے پہلے ہی نوشت و خواند جانتے تھے۔ اسلام کے بعد اس ملکہ میں اور زیادہ ترقی ہوئی۔

کتابت وحی

آپ کی تحریر و کتابت کی مہارت کی بنا پر حضور پر نور ﷺ نے آپ کو کتابت وحی پر مامور کیا تھا اور جب کبھی کوئی آیت نازل ہوتی تھی تو آپ کو بلا کر لکھوایا کرتے تھے۔ حضرت عائشہؓ کا بیان ہے کہ ایک دفعہ شب کے وقت وحی نازل ہوئی، حضرت عثمانؓ موجود تھے، رسول اللہ ﷺ نے ان کو لکھنے کا حکم دیا تو انہوں نے اسی وقت تعمیل ارشاد کی (۱)۔

اسلوب تحریر

اسلوب تحریر کا اندازہ ان فرامین و خطوط سے ہو سکتا ہے جو اب تک کتابوں میں محفوظ ہیں۔ افسوس کہ الفاظ کی فصاحت اور کلام کی بلاغت کا لطف ترجمہ میں قائم نہیں رہ سکتا۔ بیعت خلافت کے بعد تمام ملک میں جو مختلف فرامین بھیجے ہیں ان میں سے ایک کے چند فقرے یہ ہیں:

انما بتغتم بالاقداء والاتباع	اتباع اور اطاعت ہی سے تم کو یہ درجہ
فلا تلتفتکم الدنيا عن امرکم	حاصل ہوا ہے، پس دنیا طلبی تم کو تمہارے
فان امر هذه الامة صائر ابی	مقصد سے برگشتہ نہ کرنے پائے، امت
الابتداء بعد اجتماع ثلث	میں تین اسباب کے مجتمع ہو جانے کے بعد
فيکم تکامل النعم وبلوغ	بدعات کا سلسلہ شروع ہو جائیگا، دولت کی
اولادکم من السبايا وقرأة	بہتات، لونڈیوں سے اولادوں کی کثرت،
الاعراب ولا عاجم القرآن	اعراب اور عاجم کا قرآن پڑھنا، رسول اللہ
فان رسول الله ﷺ قال الکفر	ﷺ نے فرمایا ہے کہ کفر عجمیت میں ہے کیونکہ

میں ہے، کیونکہ وہ جب کوئی بات نہیں سمجھ سکتے تو (خواہ مخواہ) تکلیف کر کے نئی نئی باتیں گھڑ لیتے ہیں۔

فی العجۃ فاذا استعجم علیہم امر تکلفوا وابتدعوا۔

ایک فرمان میں عمال کو تحریر فرماتے ہیں:

یوشکن ایمتکم ان یصیروا جباۃ ولا یکونوا دعاۃ فاذا عادو کذلک انقطع الحیاء والامانۃ والوفاء الا وان اعدل السیرۃ ان تنظروا فی امور المسلمین وفیما علیہم فتعطوہم مالہم وتاخذوہم باللذی علیہم۔ (۱)

قریب ہے کہ تمہارے ائمہ تمہانے ہونے کے بجائے صرف تحصیلدار ہو کر رہ جائیں، جب ایسی حالت ہو جائے گی تو حیا، امانت اور وفاداری ناپید ہو جائے گی، ہاں! بہتر طریقہ یہ ہے کہ تم مسلمانوں کے نفع نقصان کا خیال رکھو، ان کا حق انکو دلو اور ان سے لینا چاہے وہ ان سے وصول کرے۔

تقریر

برجستہ تقریر و خطابت کا ملکہ نہ تھا، چنانچہ مسند نشینی کے بعد پہلے پہل جب منبر پر تشریف لائے تو زبان نے یاری نہ کی اور صرف یہ کہہ کر اتر آئے کہ ابو بکرؓ و عمرؓ پہلے سے اس کے لئے تیار ہو کر آتے تھے، میں بھی آئندہ تیار ہو کر آؤں گا، لیکن تم کو تقریر کرنے والے امام سے زیادہ کام کرنے والے امام کی ضرورت ہے۔ آپ کی تقریر مختصر لیکن فصیح و موثر ہوتی تھی۔ ایک خطبہ کے چند ابتدائی فقرے یہ ہیں:

لوگو! بعض حرص و طمع احتیاج محض ہے اور بعض ناامیدی تو غمری و بے نیازی کے مترادف ہے تم ایسی چیزیں جمع کرتے ہو جس سے مستمتع نہیں ہو سکتے اور ایسی امیدیں باندھتے ہو جو پوری نہیں ہو سکتی ہیں تم لوگ اس دھوکہ کے گھر میں ایک وقت مقررہ تک کیلئے چھوڑے گئے ہو۔

ایہا الناس ان بعض الطمع فقر و بعض الیاس غنی وانکم تجمعون مالا تاکلون وتاملون مالا تدركون وانتم موجلون فی دار غرور۔

قرآن پاک

حضرت عثمانؓ روایت کرتے ہیں کہ قرآن کا پڑھنا یا پڑھانا سب سے افضل ہے (۲)۔ غالباً

① یہ تمام عبارتیں طبری ص ۲۸۰۲ و ۲۸۰۳ سے منقول ہیں۔ ② ابن خضیل ج ۱ ص ۵۷

اسی لئے ان کو قرآن شریف سے خاص شغف تھا۔ دوسرے اکابر صحابہؓ کی طرح وہ بھی قرآن مجید کے حافظ تھے اور چونکہ کاتب وحی رہ چکے تھے، اس لئے ہر آیت کے شان نزول اور اس کے حقیقی مفہوم سے واقف تھے۔ کہتے ہیں کہ عہد نبوت میں انہوں نے بھی ایک مصحف جمع کیا تھا (۱)۔ آیات قرآنی سے استدلال، استنباط احکام اور تفریع مسائل میں خاص ملکہ رکھتے تھے۔ قرآن پاک کو نو مسلم قوموں نے تحریف سے بچانا ان کا بڑا کارنامہ ہے، یہ واقعہ بھی ان کی فضیلت کا ایک باب ہے کہ اس وقت بھی جب وہ دشمنوں کے زرعہ میں تھے اور قاتل تیغ بکف ان کے سامنے تھے اور وہ قرآن کی تلاوت میں مصروف تھے۔

حدیث شریف

سلسلہ احادیث میں دوسرے صحابہؓ کی نسبت حضرت عثمانؓ سے مرفوع احادیث بہت کم مروی ہیں۔ آپ کی کل روایتوں کی تعداد ۱۴۶ ہے جن میں تین متفق علیہ ہیں، یعنی بخاری و مسلم دونوں میں موجود ہیں اور آٹھ صرف بخاری اور پانچ صرف مسلم ہیں، اس طرح صحیحین میں آپ کی کل ۱۶ حدیثیں ہیں۔

ان کی روایات کی قلت کی وجہ یہ ہے کہ وہ روایات حدیث میں حد درجہ محتاط تھے، فرماتے تھے کہ ”آنحضرت ﷺ سے بیان کرنے میں یہ چیز مانع ہوتی ہے کہ شاید دیگر صحابہؓ کے مقابلہ میں میرا حافظہ زیادہ قوی نہ ہو، لیکن میں گواہی دیتا ہوں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ کہتے سنا ہے کہ ”جو شخص میری طرف وہ منسوب کرے گا جو میں نے نہیں کہا ہے وہ اپنا ٹھکانہ جہنم بنالے“ (۲)۔

اسی لئے وہ حدیث کی روایت میں سخت احتیاط کرتے تھے، عبدالرحمن بن حاطب کا بیان ہے کہ میں نے کسی صحابی کو حضرت عثمانؓ سے زیادہ پوری بات کرنے والا نہیں دیکھا لیکن وہ حدیث بیان کرتے ڈرتے تھے (۳)۔

فقہ واجتہاد

حضرت عثمانؓ اگرچہ حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ و علیؓ مرتضیٰ کی طرح اکابر مجتہدین میں داخل نہیں تاہم وہ شرعی اور مذہبی مسائل میں مجتہد کی حیثیت رکھتے تھے اور دوسرے مجتہد صحابہؓ کی طرح ان کے اجتہادات اور فیصلے بھی کتب آثار میں مذکور ہیں۔ لوگ ان کے قول و عمل سے استناد کرتے تھے (۴)۔ خصوصاً حج کے ارکان اور مسائل کے علم میں ان کا پایہ بہت بلند تھا، اس علم میں ان کے بعد حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا درجہ تھا (۵)۔ شیخین کے عہد خلافت میں بھی حضرت عثمانؓ سے فتوے

- ① نزہۃ الارباب فی ص ۴۲ کتب خالصہ ج ۲ مسند ابن حنبل ج ۱ ص ۶۵ ② ابن سعد جلد ۳ قسم اول ص ۳۹
- ③ بخاری کتاب الغسل و ابن حنبل ج ۱ ص ۶۰، ۶۱ وغیرہ ④ ابن سعد ج ۳ ق اول ص ۴۱

پوچھے جاتے تھے اور پیچیدہ مسائل میں ان کی رائے دریافت کی جاتی تھی۔

ایک دفعہ حضرت عمرؓ مکہ میں گئے اور اپنی چادر ایک شخص پر جو خانہ کعبہ میں کھڑا ہوا تھا، ڈال دی، اتفاق سے اس پر ایک کبوتر بیٹھ گیا۔ انہوں نے اس خیال سے کہ چادر کو اپنی بیٹ سے گندہ نہ کر دے، اس کو اڑا دیا، کبوتر اڑ کر دوسری جگہ جا بیٹھا، وہاں اس کو ایک سانپ نے کاٹ لیا اور وہ اسی وقت مر گیا۔ حضرت عثمانؓ کے سامنے یہ مسئلہ پیش ہوا تو انہوں نے کفارہ کا فتویٰ دیا، کیونکہ وہ اس کبوتر کو ایک محفوظ مقام سے غیر محفوظ مقام میں پہنچانے کا باعث ہوئے تھے (۱)۔

بیعت خلافت کے بعد حضرت عثمانؓ کے سامنے ہرمزان کے قتل کا مقدمہ پیش ہوا۔ حضرت عبید اللہ بن عمرؓ مدعا علیہ تھے۔ اس مقدمہ میں جو فیصلہ ہوا وہ بھی درحقیقت ایک اجتہاد پر مبنی ہے۔ یعنی مقتول کا اگر کوئی وارث نہ ہو تو حاکم وقت اس کا ولی ہوتا ہے چونکہ ہرمزان کا کوئی وارث نہ تھا اس لئے حضرت عثمانؓ نے بحیثیت ولی کے قصاص کے بجائے دیت لینا قبول کیا اور رقم بھی اپنے ذاتی مال سے دے کر بیت المال میں داخل کر دی۔

حضرت عثمانؓ نے اپنے بعض اجتہاد سے بعض معاملات میں سہولت پیدا کر دی، مثلاً دیت میں اونٹ دینے کا رواج تھا، حضرت عثمانؓ نے اس کی قیمت بھی دینی جائز قرار دی (۲)۔

ان کے بعض اجتہادی مسائل سے دوسرے مجتہدین صحابہؓ کو اختلاف بھی تھا لیکن حضرت عثمانؓ چونکہ اپنی رائے کو صحیح سمجھتے تھے، اس لئے انہوں نے اپنے اجتہاد سے رجوع نہیں کیا۔ مثلاً آپ لوگوں کو حج تمتع یعنی حج اور عمرہ کے لئے علیحدہ علیحدہ نیت کرنے سے اس بنا پر روکتے تھے کہ اس کے جواز کی علت اب باقی نہیں رہی، یعنی کفار کا خوف، لیکن حضرت علیؓ اس کو تسلیم نہیں کرتے تھے (۳)۔ اسی لئے حضرت عثمانؓ کا خیال تھا کہ اگر کوئی شخص حج کے موقع پر اقامت کی نیت کر لے تو اس کو منیٰ میں بھی پوری چار رکعت نماز ادا کرنی چاہئے۔ حضرت علیؓ منیٰ میں قصر کرنا ضروری سمجھتے تھے، حضرت عثمانؓ حالت احرام میں نا جائز قرار دیتے ہیں (۴)۔ کیونکہ آنحضرت ﷺ سے انہوں نے اس کی ممانعت سنی تھی۔ لیکن حضرت علیؓ اور دوسرے صحابہؓ اس کے جواز کا فتویٰ دیتے تھے۔

حضرت عثمانؓ اس زن مطلقہ کو جس کو طلاق بائن دی گئی ہو، حالت عدت میں وارث قرار دیتے تھے (۵)۔ کیونکہ ان کے خیال میں جب تک عدت پوری نہ ہو جائے اس وقت تک ایک رشتہ قائم ہے، حضرت علیؓ کو اس سے اختلاف تھا۔ حضرت عثمانؓ کا خیال تھا کہ اگر کوئی شخص حالت عدت میں کسی عورت سے نکاح کر لے تو مستوجب مزا ہے کہ قرآن نے اس کی ممانعت کی ہے۔ چنانچہ

① مسند شافعی طبع آرو ص ۷۹ ② کتاب الخراج مصر ۹۲ ③ مسند ابن فضال ج ۱ ص ۶۱

④ ایضاً ص ۶۸ ⑤ مسند شافعی طبع آراہ ص ۱۷۰

ایک شخص ان کے عہد میں اس کا مرتکب ہوا تو انہوں نے اس کو جلا وطن کر دیا (۱)۔ حضرت علیؓ اس کو کسی حد شرعی کا مستوجب نہیں سمجھتے تھے۔ غرض اسی طرح بعض اور مسائل میں بھی حضرت عثمانؓ اور دوسرے صحابہ کرامؓ کے درمیان اختلاف تھا۔ لیکن اس سے یہ نہیں سمجھنا چاہئے کہ یہ اختلاف کسی نفسانیت پر مبنی تھا، ان بزرگوں کی رواداری اور صفائی قلب کا یہ حال تھا کہ جب حضرت عثمانؓ نے منیٰ میں دو رکعت نماز کے بجائے پوری چار رکعت نماز ادا کی تو حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا اگرچہ میرے خیال میں قصر ضروری ہے لیکن میں عملاً امیر المؤمنین کی مخالفت نہیں کروں گا۔ چنانچہ خود بھی دو کے بجائے پوری رکعتیں پڑھیں۔

اسی طرح حضرت عثمانؓ کو جب یہ معلوم ہوا کہ بعض مسائل میں دوسرے صحابہ کو اختلاف ہے تو فرمایا کہ ”ہر شخص کو اختیار ہے کہ جو حق نظر آئے اس پر عمل کرے، میں کسی کو اپنی رائے ماننے پر مجبور نہیں کرتا۔“

بعض ناواقفوں نے حضرت عثمانؓ کے کسی مسئلہ پر اعتراض کیا تو فرمایا ہم لوگ خدا کی قسم سفر میں آنحضرت ﷺ کے ساتھ رہتے تھے، ہم بیمار ہوتے تو آپ ﷺ ہماری عیادت فرماتے، ہمارے جنازوں کے پیچھے چلتے، ہم کو ساتھ لے کر جہاد کرتے تھے، کم و بیش جو کچھ ہوتا اس سے ہماری غمخواری فرماتے۔ اب ایسے لوگ ہم کو آپ ﷺ کی سنت بتانا چاہتے ہیں جنہوں نے شاید آپ ﷺ کی صورت بھی نہ دیکھی ہو (۲)۔

علم الفرائض

حضرت عثمانؓ کو چونکہ تجارتی کاروبار سے ہمیشہ سابقہ پڑتا تھا اس لئے ان کو علم حساب سے ضرور دلچسپی رہی ہوگی، جس کا ثبوت یہ ہے کہ فرائض یعنی علم تقسیم ترکہ سے جس میں حساب کو بڑا دخل ہے، مناسبت تھی، چنانچہ اس فن کی تدوین اور ترتیب میں حضرت زید بن ثابتؓ کے ساتھ ان کا ہاتھ بھی شامل ہے۔ قرآن شریف میں ذوی الفروض اور بعض عصبات کا ذکر ہے۔ حضرت عثمانؓ اور زید بن ثابتؓ نے اپنی مجتہدانہ قوت سے اسی کو بنیاد قرار دے کر موجودہ علم الفرائض کی عمارت قائم کی۔

یہ دونوں اپنے زمانہ میں اس فن کے امام سمجھے جاتے تھے۔ عہد صدیقی اور عہد فاروقی میں وراثت کے جھگڑوں کا فیصلہ بھی کرتے تھے اور اس سے متعلق تمام مشکل عقدوں کو حل فرماتے تھے، بعض صحابہ کو یہاں تک خوف تھا کہ ان دونوں کی وفات سے فرائض کا علم ہی جاتا رہے گا (۳)۔

① نزہۃ الابرار قلمی ج ۴ کتب خانہ حبیب گنج ② مسند احمد بن حنبل ج ۱ ص ۲۹

③ کنز العمال ج ۶ ص ۳۷۲

اخلاق و عادات

حضرت عثمانؓ فطرتاً عقیف، پارسا، دیانت دار اور راست باز تھے۔ حیا اور رحمہلی ان کی خاص شان تھی۔ ایام جاہلیت میں جبکہ عرب کا ہر بچہ مست شراب تھا، اس وقت بھی عثمانؓ ذوالنورین کی زبان بادۂ گلگوں کے ذائقہ سے نا آشنا تھی (۱)۔ اور جب کذب و افتراء، فسق و فجور عالمگیر تھا، آپ کا دامن ان دھبوں سے آلودہ نہیں ہوا۔ رسول اللہ ﷺ کی صحبت نے ان اوصاف کو اور بھی چمکا دیا تھا۔

خوفِ خدا

خوفِ خدا تمام محاسن کا سرچشمہ ہے۔ جو دل خدا کی ہیبت و جلال سے لرزاں نہیں، اس سے کسی نیکی کی امید نہیں ہو سکتی۔ حضرت عثمانؓ اکثر خوفِ خداوندی سے آبدیدہ رہتے، موت، قبر اور عاقبت کا خیال ہمیشہ دامن گیر رہتا۔ سامنے سے جنازہ گزرتا تو کھڑے ہو جاتے اور بے اختیار آنکھوں سے آنسو نکل آتے۔ مقبروں سے گزرتے تو اس قدر روتے کہ ڈاڑھی تر ہو جاتی۔ لوگ کہتے کہ دوزخ و جنت کے تذکروں سے تو آپ پر اس قدر رقت طاری نہیں ہوتی، آخر مقبروں میں کیا خاص بات ہے کہ انہیں دیکھ کر آپ بے قرار ہو جاتے ہیں؟ فرماتے آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے کہ قبر آخرت کی سب سے پہلی منزل ہے، اگر یہ معاملہ آسانی سے طے ہو گیا تو پھر تمام منزلیں آسان ہیں اور اگر اس میں دشواری پیش آئی تو تمام مرحلے دشوار ہوں گے (۲)۔

حبِ رسول

حضرت عثمانؓ تقریباً تمام غزوات میں رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ رہے اور آپ پر فدویت و جا ثاری کا حق ادا کیا۔ آپ کو آنحضرت ﷺ کی ذاتِ مبارک کے ساتھ اتنی محبت و شیفتگی تھی کہ اپنے محبوبِ آقا کی فقیرانہ اور زاہدانہ زندگی دیکھ کر بے قرار رہتے تھے اور جب موقع ملا آپ کی خدمت میں تحائف پیش کرتے۔ ایک دفعہ چار دن تک آلِ رسول ﷺ نے فقر و فاقہ سے بسر کیا،

حضرت عثمانؓ کو معلوم ہوا تو آنکھوں سے آنسو نکل آئے اور اسی وقت بہت سا سامان خورد و نوش اور تین سو درہم لاکر بطور نذرانہ پیش کئے (۱)۔

احترام رسول

آنحضرت ﷺ کا ادب و احترام اس قدر ملحوظ تھا کہ جس ہاتھ سے آپ ﷺ کے دست مبارک پر بیعت کی تھی، پھر اس کو نجاست یا محل نجاست سے مس نہ ہونے دیا (۲)۔ اہل بیت نبوی اور ازواجِ مطہرات کا خاص طور سے پاس و خیال تھا۔ چنانچہ اپنے عہد خلافت میں جب اصحاب و طائف کے رمضان کے روزے مقرر کئے تو ازواجِ مطہرات کا روزہ سب سے دونا مقرر کیا۔

اتباع سنت

جناب سرور کائنات ﷺ کی ذات پاک سے اس محبت و ارادت کا لازمی نتیجہ یہ تھا کہ اپنے ہر قول و فعل یہاں تک کہ حرکات و سکنات اور اتفاقی باتوں میں بھی محبوب آقا کی اتباع کو پیش نظر رکھتے تھے۔ ایک دفعہ وضو کرتے ہوئے متبسم ہوئے۔ لوگوں نے اس بے موقع تبسم کی وجہ پوچھی، فرمایا میں نے ایک دفعہ آنحضرت ﷺ (روحی فداہ) کو اسی طرح وضو کر کے ہنستے ہوئے دیکھا تھا (۳)۔ ایک دفعہ سامنے سے جنازہ گزرا تو کھڑے ہو گئے اور فرمایا کہ حضور ﷺ بھی ایسا ہی کیا کرتے تھے (۴)۔ ایک دفعہ عصر کے وقت سب کے سامنے وضو کر کے دکھایا کہ آنحضرت اسی طرح وضو فرمایا کرتے تھے (۵)۔ ایک بار مسجد کے دوسرے دروازہ پر بیٹھ کر بکری کا پٹھا منگوایا اور کھایا اور بغیر تازہ وضو کئے ہوئے نماز کو کھڑے ہو گئے، پھر فرمایا کہ آنحضرت نے بھی اسی جگہ بیٹھ کر کھایا تھا اور اسی طرح کیا تھا (۶)۔ حج کے موقع پر آپ اور ایک صحابی طواف کر رہے تھے، طواف میں انہوں نے رکن یماق کا بھی بوسہ لیا۔ حضرت عثمانؓ نے ایسا نہیں کیا تو انہوں نے ان کا ہاتھ پکڑ کر اس کا اسلام کرنا چاہا۔ حضرت عثمانؓ نے کہا یہ کیا کرتے ہو؟ کیا تم نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ طواف نہیں کیا؟ انہوں نے کہا، ہاں! کیا آپ کو اس کا اسلام کرتے تم نے دیکھا؟ کہا، نہیں! فرمایا، پھر کیا رسول اللہ کی اقتداء مناسب نہیں؟ انہوں نے جواب دیا بیشک (۷)۔

حیاء

شرم و حیاء حضرت عثمانؓ کا امتیازی وصف تھا، اس لئے مؤرخین نے ان کے اخلاق و عادات کے بیان میں حیاء کا مستقل عنوان قائم کیا۔ آپ میں اس درجہ شرم و حیاء تھی کہ خود حضور پر نور ﷺ

① کنز العمال ج ۶ ص ۳۷۶ ② بنیاد ص ۳۷۱ ③ طبری ص ۲۸۰۴

④ مسند ابن خنبل ج ۱ ص ۵۸ ⑤ ایضاً ص ۶۸ ⑥ ایضاً ص ۶۸، ۶۷ ⑦ ایضاً ص ۷۰، ۷۱

اس حياء کا پاس ولحاظ رکھتے تھے۔ ایک دفعہ صحابہ کرامؓ کا مجمع تھا، رسول اللہ ﷺ بے تکلفی کے ساتھ تشریف فرما تھے، زانوائے مبارک کا کچھ حصہ کھلا ہوا تھا۔ اسی حالت میں حضرت عثمانؓ کے آنے کی اطلاع ملی تو سنبھل کر بیٹھ گئے اور زانوائے مبارک پر کپڑا برابر کر لیا۔ لوگوں نے حضرت عثمانؓ کے لئے اس اہتمام کی وجہ پوچھی تو فرمایا کہ عثمانؓ کی حياء سے فرشتے بھی شرماتے ہیں (۱)۔ اسی قسم کا ایک اور واقعہ حضرت عائشہؓ بھی بیان فرماتی ہیں (۲)۔ حضرت ذوالنورینؓ کی حياء کا یہ عالم تھا کہ تنہائی اور بند کمرے میں بھی وہ برہنہ نہیں ہوتے تھے۔

زہد

حضرت عثمانؓ اگرچہ کچھ اپنی خلعتی ناتوانی اور ضعف پیری کے باعث اور کسی قدر اس سبب سے کہ انہوں نے ناز و نعمت میں پرورش پائی تھی، ہلکی غذا اور نرم پوشاک استعمال کرنے پر مجبور تھے اور فاروق اعظمؓ کی طرح موٹا جھوٹا کپڑا اور روکھا پھیکا نہیں کھا سکتے تھے۔ لیکن اس سے یہ قیاس نہیں کرنا چاہئے کہ آپ عیش و تنعم کے گرویدہ تھے بلکہ انہوں نے باوجود غیر معمولی دولت و ثروت کے کبھی امیرانہ زندگی اختیار نہیں فرمائی اور نہ کبھی صرف زیب و زینت کی چیزیں استعمال کیں۔ قز ایک خوش وضع رومی کپڑا تھا جو عرب کا مطبوع عام لباس تھا۔ امراء تو امراء متوسط درجہ کے لوگ بھی اس کو پہننے لگے تھے، لیکن حضرت عثمانؓ نے کبھی اس کو استعمال نہ فرمایا اور نہ اپنی بیویوں کو استعمال کرنے دیا۔

تواضع

تواضع اور سادگی کا یہ حال تھا کہ گھر میں بیسیوں لونڈی اور غلام موجود تھے، لیکن اپنا کام آپ ہی کر لیتے تھے اور کسی کو تکلیف نہ دیتے، رات کو تہجد کے لئے اٹھتے اور کوئی بیدار نہ ہوتا تو خود ہی وضو کا سامان کر لیتے اور کسی کو جگا کر اس کی نیند خراب نہ فرماتے۔ اگر کوئی درشت کلامی کرتا تو آپ نرمی سے جواب دیتے۔ ایک دفعہ عمرو بن العاصؓ نے اثنائے گفتگو میں حضرت عثمانؓ کے والد کی شرافت پر طعنہ زنی کی۔ حضرت عثمانؓ نے نرمی سے جواب دیا کہ عہد اسلام میں زمانہ جاہلیت کا کیا تذکرہ ہے (۳)۔ اسی طرح ایک دفعہ جمعہ کے روز منبر پر خطبہ دے رہے تھے کہ ایک طرف سے آواز آئی، عثمانؓ توبہ کر اور اپنی بے اعتدالیوں سے باز آ۔ حضرت عثمانؓ نے اسی وقت قبلہ رخ ہو کر ہاتھ اٹھایا اور کہا:

اللہم انی اول نائب تاب الیک اے خدا میں پہلا توبہ کرنے والا ہوں جس نے تیری درگاہ میں رجوع کیا۔

① بخاری ج ۲ مناقب حضرت عثمانؓ ② مسند ابن خضیل ج ۱ ص ۷۱ ③ طبری ص ۲۹۶ ④ ایضاً ص ۲۹۷

ایثار

آپ نے مسلمانوں کے مال میں ہمیشہ ایثار سے کام لیا۔ چنانچہ اپنے زمانہ خلافت میں ذاتی مصارف کے لئے بیت المال سے ایک حبہ نہیں لیا (۱)۔ اور اس طرح گویا اپنا مقررہ وظیفہ عام مسلمانوں کے لئے چھوڑ دیا۔

حضرت عمرؓ کا سالانہ وظیفہ پانچ ہزار درہم تھا۔ اس حساب سے حضرت عثمانؓ نے اپنے دوازدہ سالہ مدت خلافت میں ساٹھ ہزار درہم کی گراں قدر رقم مسلمانوں کے لئے چھوڑی، جو درحقیقت ایثارِ نفس کا نمونہ ہے۔

فیاضی

حضرت عثمانؓ عرب میں سب سے زیادہ دولت مند تھے، اس کے ساتھ خدا نے فیاض طبع بھی بنایا تھا۔ چنانچہ انہوں نے اپنی فیاضی، اپنے مال و دولت سے اس وقت اسلام کو فائدہ پہنچایا جب اس امت میں کوئی دوسرا ان کا ہمسر موجود نہ تھا۔

مدینہ میں تمام کنویں کھاری تھے، صرف بیر رومہ جو ایک یہودی کی ملکیت میں تھا شیریں تھا، حضرت عثمانؓ نے رفاہ عام کے خیال سے اس کو بیس ہزار درہم میں خرید کر مسلمانوں کے لئے وقف کر دیا۔ اسی طرح جب مسلمانوں کی کثرت ہوئی اور مسجد نبوی ﷺ میں جگہ کی تنگی کے باعث نمازیوں کو تکلیف ہونے لگی تو حضرت عثمانؓ نے ایک گراں قدر رقم صرف کر کے اسکی توسیع کرائی۔ آپ کی فیاضی کا سب سے زیادہ نمایاں کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے غزوہ تبوک کے موقع پر ہزاروں روپے کے صرف سے مجاہدین کو آراستہ کیا۔ یہ فیاضی ایسے وقت میں ظاہر ہوئی جبکہ عام طور پر مسلمانوں کی عسرت اور تنگی نے پریشان کر رکھا تھا اور دوسری طرف قیصر روم کی جنگی تیاریوں سے خود رسول اللہ ﷺ کو تشویش دامن گیر تھی۔

مذکورہ بالا فیاضیوں کے علاوہ روزانہ جو دو کرم اور صدقات و خیرات کا سلسلہ جاری رہتا تھا، ہر جمعہ کو ایک غلام آزاد کرتے تھے (۲)۔ بیواؤں اور یتیموں کی خبر گیری کرتے تھے۔ مسلمانوں کی عسرت و تنگ حالی سے ان کو دلی صدمہ ہوتا تھا۔ ایک دفعہ ایک جہاد میں ناداری اور مفلسی کے باعث مسلمانوں کے چہرے اداس تھے اور اہل نفاق ہشاش بہش طرف اکڑتے پھرتے تھے۔ اسی وقت چودہ اونٹوں پر سامانِ خور و نوش بار کر کے آنحضرت ﷺ کے پاس بھیجا کہ اس کو مسلمانوں میں تقسیم کرادیں (۳)۔

① طبری ص ۲۹۵۳ ② نزہۃ الابرار قلمی ص ۴۱ کتب خانہ حبیب گنج ③ کنز العمال ج ۶ ص ۳۷۴

اعزہ اور احباب کے ساتھ حسن سلوک

اعزہ اور احباب کے ساتھ مسلوک ہوتے تھے اور ان کی پرورش فرماتے تھے۔ آپ کے چچا حکم بن العاص کو رسول اللہ ﷺ نے طائف کو جلاوطن کر دیا تھا، حضرت عثمانؓ نے بارگاہ نبوت میں کوشش کر کے ان کی خطا معاف کرائی اور اپنے عہد میں مدینہ بلوایا اور جیب خاص سے ان کی اولاد کو ایک لاکھ درہم عطا فرمائے (۱)۔ اور ان کے لڑکے مروان سے اپنی ایک صاحبزادی کا نکاح کر کے جہیز میں ایک لاکھ درہم عطا فرمائے۔

عبداللہ بن عامر، عبداللہ بن ابی سرح، عثمانؓ بن ابن العاص، امیر معاویہؓ، حضرت عثمانؓ کے نہایت قریبی رشتہ دار تھے اور ان کے عہد خلافت میں ممتاز عہدوں پر متعین رہے۔ احباب کے ساتھ بھی یہی سلوک تھا، ان کی ضرورت پر بڑی بڑی رقمیں قرض دیتے تھے اور بسا اوقات واپس نہیں لیتے تھے، ایک دفعہ حضرت طلحہؓ نے ایک بڑی رقم قرض لی۔ کچھ دنوں بعد واپس دینے آئے تو لینے سے انکار کر دیا اور فرمایا کہ یہ تمہاری مروت کا صلہ ہے (۲)۔

صبر و تحمل

صبر و تحمل کا پیکر تھے، مصائب و آلام کو نہایت صبر و سکون کے ساتھ برداشت کرتے تھے۔ شہادت کے موقع پر چالیس دن تک جس بردباری، ضبط اور تحمل کا اظہار آپ کی ذات سے ہوا وہ اپنی آپ نظیر ہے۔ سینکڑوں وفا شعار غلام اور ہزاروں معاون و انصار سرفروشی کے لئے تیار تھے مگر اس ایوب وقت نے خونریزی کی اجازت نہ دی اور اپنے اخلاق کریمانہ کا آخری منظر دکھا کر ہمیشہ کے لئے دنیا سے روپوش ہو گیا۔

مذہبی زندگی

دن کے وقت مہمات خلافت میں مصروف رہتے تھے اور رات کا اکثر حصہ عبادت و ریاضت میں بسر فرماتے تھے، کبھی کبھی رات بھر جاگتے اور ایک ہی رکعت میں پورا قرآن ختم کر دیتے تھے (۳)۔ دوسرے تیسرے دن عموماً روزہ رکھتے تھے۔ کبھی کبھی مہینوں روزے سے رہتے، اور شب کے وقت صرف اس قدر کھا لیتے کہ سدر مق کے لئے کافی ہو۔

ہر سال حج کے لئے تشریف لے جاتے تھے، خود امیر الحج کے فرائض انجام دیتے تھے۔ خصوصاً ایام خلافت میں کوئی سال حج سے خالی نہیں گزرا۔ البتہ جس سال شہید ہوئے اُس سال محصور ہونے کے باعث نہ جاسکے۔

ذاتی حالات

مسکن

ہم اوپر لکھ چکے ہیں کہ حضرت عثمانؓ ہجرت کر کے مدینہ تشریف لائے تو حضرت اوسؓ بن ثابت کے مہمان ہوئے اور غالباً عرصہ تک ان ہی کے مکان میں مقیم رہے۔ اس کے بعد اپنے عہد خلافت میں مسجد نبوی ﷺ کے قریب ایک محل تعمیر کرایا، جو عظمت و شان میں مدینہ کی تمام عمارتوں سے ممتاز تھا۔ یہ جگہ اب بھی سیدنا عثمانؓ کے نام سے مشہور ہے اور کچھ حصہ مغربی حاجیوں کا زاد یہ ہے اور یہاں ایک کتب خانہ، کتب خانہ سیدنا عثمانؓ کے نام سے قائم ہے۔ مسجد نبوی ﷺ کی پشت پرگلی کی دوسری طرف ایک مکان کے دروازے پر مشہد سیدنا عثمانؓ کا کتبہ لگا ہوا ہے۔

وسائل معاش

معاش کا اصلی ذریعہ تجارت تھا، عرب میں کوئی ان سے بڑا دولت مند تاجر نہ تھا، اس غیر معمولی دولت و ثروت کے باعث ان کو غنی کا خطاب دیا تھا تھا۔

جاگیر

فتح خیبر کے بعد رسول اللہ ﷺ نے تمام صحابہ کو جو اس معرکہ میں شریک تھے، جاگیریں عطا کی تھیں۔ حضرت عثمانؓ کے حصہ میں بھی ایک قطعہ زمین آیا تھا، اس کے علاوہ انہوں نے مختلف مقامات میں جائدادیں خریدی تھیں، مدینہ سے قریب مقام بقیع میں بھی ایک نہایت وسیع قطعہ خریدا تھا جس کو انہوں نے قبرستان کے لئے وقف فرما دیا تھا۔

زراعت

جہاں تک معلوم ہے کہ حضرت عثمانؓ خود زراعت نہیں فرماتے تھے۔ البتہ اپنی زمین کو بٹائی پر دیتے تھے کہ پیداوار میں سے دوثلث کاشت کار کو ملتا تھا اور صرف ایک ثلث آپ کا حق ہوتا تھا۔

غذا

ضعف پیری کے باعث غذا عموماً نرم، ہلکی اور زود ہضم تناول فرماتے تھے، دسترخوان پر عموماً

اعزہ و احباب کا جمع رہتا تھا۔

صفائی

مزاج میں نفاست اور طہارت تھی، جب سے مسلمان ہوئے روزانہ غسل کیا کرتے تھے۔
(ابن حنبل ۱-۶۷) ہمیشہ اچھے کپڑے پہنتے تھے اور عطر لگاتے تھے۔

لباس

ابن سعد نے آپ کے لباس کا خاص عنوان باندھا ہے، گو آپ اچھے کپڑے استعمال فرماتے تھے لیکن اس میں تکلفات کو دخل نہیں ہوتا تھا، ایسے کپڑوں سے نہایت پرہیز کرتے تھے جس سے مزاج میں غرور اور تکبر اور خود بینی کا مادہ پیدا ہو جاتا ہے، نطف ایک خاص قسم کا رومی کپڑا تھا جو امرائے عرب میں عموماً نہایت مطبوع تھا لیکن انہوں نے اس کو کبھی استعمال نہیں فرمایا اور نہ اپنی بیویوں کو پہننے دیا۔ تمام عمر پانچا منہ نہیں پہنا، صرف شہادت کے وقت ستر کے خیال سے پہن لیا تھا، عموماً تہ بند باندھا کئے۔ ایک تابعی روایت کرتے ہیں کہ جمعہ کے روز منبر پر ان کو دیکھا تو جو موٹا تہ بند وہ پہنے تھے اس کی قیمت پانچ درہم سے زیادہ نہ تھی (۱)۔

حلیہ

صورۃ خوش رو اور خوب صورت تھے (۲)۔ رنگ گندم گوں، قد معتدل، ناک بلند اور خم دار، رخسار پر گوشت اور آن پر چپک کے ہلکے ہلکے داغ، داڑھی گھنی اور طویل، سر کے بال گھنے اور بڑے بڑے، یہاں تک کہ زلف کانوں تک پہنچتی تھی، بعض روایات کے مطابق بالوں میں خضاب فرماتے تھے، دانت پیوستہ اور چمکدار تھے جن کو سونے کے تار سے باندھ کر مضبوط کیا گیا تھا۔

ازواج و اولاد

مختلف اوقات میں متعدد شادیاں کیں، پہلی بیوی آنحضرت ﷺ کی صاحبزادی حضرت رقیہؓ تھیں۔ حبشہ کی ہجرت میں وہ آپ کے ساتھ تھیں، واپس آ کر مدینہ منورہ ہجرت میں شریک ہوئیں۔ ایک سال زندہ رہیں سنہ ۲ھ میں غزوہ بدر کے موقع پر وفات پائی۔ ان سے عبداللہ نام ایک فرزند تولد ہوا تھا جس نے بچپن ہی میں وفات پائی۔ اس کے بعد آنحضرت کی چھوٹی صاحبزادی حضرت ام کلثومؓ سے سنہ ۳ھ میں نکاح ہوا۔ انہوں نے بھی نکاح کے چھ سات برس بعد ۹ھ میں وفات پائی۔ ان سے کوئی اولاد نہیں ہوئی۔

① مستدرک حاکم ج ۳ ص ۹۲ ② ابن حنبل ج اول ص ۷۳ و مستدرک حاکم ج ۳ ص ۹۶

اس کے بعد حسب ذیل نکاح کیے:

③ فاختہ بنت غزو ان: ان کے لطن سے بھی ایک فرزند تولد ہوا، عبداللہ نام تھا لیکن وہ بھی بچپن ہی میں فوت ہو گیا۔

④ ام عمرو بنت جندب: ان کے لطن سے عمرو، خالد، ابان، عمر اور مریم پیدا ہوئے۔

⑤ فاطمہ بنت ولید: یہ حضرت عثمانؓ کے صاحبزادے ولید اور سعید کی ماں ہیں۔

⑥ ام لبنین بنت عمتیہ: ان سے عبدالملک پیدا ہوئے۔ انہوں نے بچپن ہی میں وفات پائی۔

⑦ رملہ بنت شیبہ: عائشہؓ، ام ابان اور ام عمرو ان کے لطن سے تولد ہوئیں۔

⑧ نائلہ بنت الفرافصہ: شہادت کے وقت موجود تھیں، ان کے لطن سے مریم بنت عثمانؓ پیدا ہوئیں۔

صاحبزادوں سے نامور حضرت ابان ہوئے۔ انہوں نے بنو امیہ کے عہد میں خاصا اعزاز حاصل کیا۔

رضی اللہ تعالیٰ عنہ

امیر المؤمنین حضرت علی مرتضیٰؓ

نام، نسب، خاندان

علی نام، ابوالحسن اور ابوتراب کنیت، حیدر (۱) (شیر) لقب والد کا نام ابوطالب اور والدہ کا نام فاطمہ تھا۔ پورا سلسلہ نسب یہ ہے۔ علی بن ابی طالب بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبد مناف بن قصی بن کلاب بن مروہ بن کعب بن لوی۔ چونکہ ابوطالب کی شادی اپنے چچا کی لڑکی سے ہوئی تھی اس لئے حضرت علیؓ نجیب الطرفین ہاشمی اور آنحضرت ﷺ کے حقیقی چچا زاد بھائی تھے۔

خاندان ہاشم کو عرب اور قبیلہ قریش میں جو وقعت و عظمت حاصل تھی وہ محتاج اظہار نہیں۔ خانہ کعبہ کی خدمت اور اس کا اہتمام بنو ہاشم کا مخصوص طغرائے امتیاز تھا اور اس شرف کے باعث ان کو تمام عرب میں مذہبی سیادت حاصل تھی۔

حضرت علیؓ مرتضیٰ کے والد ابوطالب مکہ کے ذی اثر بزرگ تھے، آنحضرت ﷺ نے ان ہی کی آغوش شفقت میں پرورش پائی تھی اور بعثت کے بعد ان ہی کے زیر حمایت مکہ کے کفرستان میں دعوت حق کا اعلان کیا تھا۔ ابوطالب ہر موقع پر آپ ﷺ کے سینہ پر سپر رہے اور سرور کائنات ﷺ کو کفار کے ہنجر ظلم و ستم سے محفوظ رکھا۔ مشرکین قریش نے رسول اللہ ﷺ کی پشت پناہی اور حمایت کے باعث ابوطالب اور ان کے خاندان کو طرح طرح کی تکلیفیں پہنچائیں۔ ایک گھائی میں اس کو محصور کر دیا۔ کاروبار اور لین دین بند کر دیا، شادی بیاہ کے تعلقات منقطع کر لئے، کھانا پینا تک بند کر دیا۔ غرض ہر طرح پریشان کیا، مگر اس نیک طینت بزرگ نے آخری لمحہ حیات تک اپنے عزیز بھتیجے کے سر سے دست شفقت نہ اٹھایا۔

آنحضرت ﷺ کی دلی آرزو تھی کہ ابوطالب کا دل نور ایمان سے منور ہو جائے اور انہوں نے اپنی ذات سے دنیا میں مہبط وحی (ﷺ) کی جو خدمت و حمایت کی ہے اس کے معاوضہ میں ان کو نعیم فردوس کی ابدی اور لامتناہی دولت حاصل ہو، اس لئے ابوطالب کی وفات کے وقت

① صحیح مسلم کتاب الجہاد باب غزوہ ذی قرد وغیرہا

نہایت اصرار کے ساتھ کلمہ توحید کی دعوت دی۔ ابوطالب نے کہا، عزیز بھتیجے! اگر مجھے قریش کی طعنہ زنی کا خوف نہ ہوتا تو نہایت خوشی سے تمہاری دعوت قبول کر لیتا (۱)۔ سیرت ابن ہشام میں حضرت عباسؓ سے یہ بھی روایت ہے کہ نزاع کی حالت میں کلمہ توحید ان کی زبان پر تھا، مگر یہ روایت کمزور ہے۔ بہر حال ابوطالب نے گواہی اعلانیہ اسلام قبول نہیں کیا، تاہم انہوں نے حضور سرور کائنات ﷺ کی جس طرح پرورش و پرداخت کی اور کفار کے مقابلہ میں جس ثبات اور استقلال کے ساتھ آپ کی نصرت و حمایت کا فرض انجام دیا، اس کے لحاظ سے اسلام کی تاریخ میں ان کا نام ہمیشہ شکرگزاری اور احسان مندی کے ساتھ لیا جائے گا۔

حضرت علیؓ کی والدہ ماجدہ حضرت فاطمہؓ بنت اسد نے بھی حضرت آمنہؓ کے اس یتیم معصوم کی ماں کی طرح شفقت و محبت سے پرورش کی۔ مستند روایات کے مطابق وہ مسلمان ہوئیں اور ہجرت کر کے مدینہ گئیں، ان کا انتقال ہوا تو رسول اللہ ﷺ نے کفن میں اپنی قمیص مبارک پہنائی اور قبر میں لیٹ کر اس کو تبرک کیا۔ لوگوں نے اس عنایت کی وجہ دریافت کی تو فرمایا کہ ابوطالب کے بعد سب سے زیادہ اسی نیک سیرت خاتون کا ممنون احسان ہوں (۲)۔

حضرت علیؓ آپ کی بعثت سے دس برس پہلے پیدا ہوئے تھے، ابوطالب نہایت کثیر العیال اور معاش کی تنگی سے نہایت پریشان تھے۔ قحط و خشک سالی نے اس مصیبت میں اور بھی اضافہ کر دیا، اس لئے رحمۃ اللعالمین ﷺ نے محبوب چچا کی عسرت سے متاثر ہو کر حضرت عباسؓ سے فرمایا کہ ہم کو اس مصیبت و پریشان حالی میں چچا کا ہاتھ بٹانا چاہئے۔ چنانچہ حضرت عباسؓ نے حسب ارشاد جعفر کی کفالت اپنے ذمہ لی اور سرور کائنات ﷺ کی نگاہ انتخاب نے علیؓ کو پسند کیا۔ چنانچہ وہ اس وقت سے برابر حضور پر نور ﷺ کے ساتھ رہے (۳)۔

اسلام

حضرت علیؓ کا سن ابھی صرف دس سال کا ہوا تھا کہ ان کے شفیق مربی کو دربارِ خداوندی سے نبوت کا خلعت عطا ہوا۔ چونکہ حضرت علیؓ آپ کے ساتھ ہی رہتے تھے اس لئے ان کو اسلام کے مذہبی مناظر سب سے پہلے نظر آئے۔ چنانچہ ایک روز آنحضرت ﷺ اور ام المؤمنین حضرت خدیجہ الکبریٰؓ کو مصروفِ عبادت دیکھا۔ اس مؤثر نظارہ نے اثر کیا۔ طفلانہ استعجاب کے ساتھ پوچھا، آپ دونوں کیا کر رہے تھے؟ سرور کائنات ﷺ نے نبوت کے منصب گرامی کی خبر دی اور کفر و شرک کی مذمت کر کے توحید کی دعوت دی۔ حضرت علیؓ کے کان ایسی باتوں سے آشنا نہ تھے۔ متحیر ہو کر عرض کی، اپنے والد ابوطالب سے دریافت کروں اس کے متعلق؟ چونکہ سرور کائنات

ﷺ کو ابھی اعلانِ عام منظور نہ تھا، اس لئے فرمایا کہ اگر تمہیں تامل ہے تو خود غور کرو، لیکن کسی سے اس کا تذکرہ نہ کرنا۔ آنحضرت کی پرورش سے فطرت سنور چکی تھی، توفیق الہی شامل ہوئی، اس لئے زیادہ غور و فکر کی ضرورت پیش نہ آئی اور دوسرے ہی دن بارگاہِ نبوت میں حاضر ہو کر مشرف باسلام ہو گئے۔

اس بارے میں اختلاف ہے کہ حضرت خدیجہ الکبریٰ کے بعد سب سے پہلے کون ایمان لایا، بعض روایات سے حضرت ابوبکرؓ کی، بعض سے حضرت علیؓ کی اولیت ظاہر ہوتی ہے، اور بعضوں کے خیال میں حضرت زید بن حارثہؓ کا ایمان سب پر مقدم ہے، لیکن محققین نے ان مختلف احادیث میں اس طرح تطبیق دی ہے کہ ام المؤمنین حضرت خدیجہ الکبریٰؓ غور توں میں، حضرت ابوبکرؓ صدیقؓ مردوں میں، حضرت زید بن حارثہؓ غلاموں میں اور حضرت علیؓ بچوں میں سب سے پہلے ایمان لائے۔

مکہ کی زندگی

اسلام قبول کرنے کے بعد حضرت علیؓ کی زندگی کے تیرہ سال مکہ معظمہ میں بسر ہوئے، چونکہ وہ رات دن سرورِ کائنات ﷺ کے ساتھ رہتے تھے، اس لئے مشورہ کی مجلسوں میں تعلیم و ارشاد کے مجموعوں میں، کفار و مشرکین کے مباحثوں میں اور معبودِ حقیقی کی پرستش و عبادت کے موقعوں پر، غرض ہر قسم کی صحبتوں میں شریک رہے۔

حضرت عمرؓ کے اسلام قبول کرنے سے پہلے سرزمینِ مکہ میں مسلمانوں کے لئے اعلانیہ خدا کا نام لینا اور اس کی عبادت و پرستش کرنا تقریباً ناممکن تھا۔ آنحضرت ﷺ چھپ چھپ کر اپنے معبودِ حقیقی کی پرستش فرماتے۔ حضرت علیؓ بھی ان عبادتوں میں شریک ہوتے۔ ایک دفعہ وادیِ نخلہ میں حسب معمول مصروفِ عبادت تھے کہ اتفاق سے اس طرف ابوطالب کا گزر ہوا۔ اپنے معصوم بھتیجے اور نیک بخت بیٹے کو مصروفِ عبادت دیکھ کر پوچھا کیا کرتے ہو؟ آنحضرت ﷺ نے کلمہ حق کی دعوت دی تو کہنے لگے کہ اس میں کوئی ہرج نہیں لیکن مجھ سے نہیں ہو سکتا (۱)۔

ایام حج میں مکہ کی سرزمینِ قبائل عرب کا مرجع بن جاتی تھی اس لئے آنحضرت ﷺ حضرت ابوبکر صدیقؓ کو ہمراہ لے کر عام مجموعوں میں تشریف لے جاتے تھے اور تبلیغِ اسلام کا فرض ادا کرتے تھے۔ اس وقت حضرت علیؓ اگرچہ اپنی طفولیت کے باعث کوئی اہم خدمت انجام دینے کے قابل نہ تھے، تاہم کبھی کبھی ساتھ ہوتے تھے (۲)۔ کبھی کبھی تو آپ کے ساتھ خانہ کعبہ تشریف لے جاتے اور بتوں کو توڑ پھوڑ کر عیب دار کر دیتے تھے (۳)۔

انتظام دعوت

منصب نبوت عطا ہونے کے بعد آنحضرت ﷺ نے تین برس تک اعلانیہ دعوت اسلام کی صدا بلند نہیں فرمائی۔ بلکہ پوشیدہ طریقہ پر خاص خاص لوگوں کو اس کی ترغیب دیتے رہے۔ چوتھے سال کے اعلان عام اور سب سے پہلے اپنے قریبی رشتہ داروں میں اس کی تبلیغ کا حکم ہوا۔ چنانچہ یہ آیت نازل ہوئی:

وَأَنْذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ اپنے قریبی اعزہ کو (عذاب الہی) سے ڈراؤ

سرور کائنات ﷺ نے اس حکم کے موافق کوہ صفا پر چڑھ کر اپنے خاندان کے سامنے دعوت اسلام کی صدا بلند کی لیکن مدت کا زنگ ایک دن کے صیقل سے نہیں دور ہو سکتا تھا۔ ابولہب نے کہا تبالک اسی لئے تو نے ہم لوگوں کو جمع کیا تھا؟ اس کے بعد آنحضرت ﷺ نے ایک مرتبہ پھر اپنے خاندان میں تبلیغ اسلام کی کوشش فرمائی اور حضرت علیؑ کو انتظام دعوت کی خدمت پر مامور کیا۔

حضرت علیؑ کی عمر اس وقت مشکل سے چودہ پندرہ برس کی تھی لیکن انہوں نے اس کمسنی کے باوجود نہایت اچھا انتظام کیا۔ دسترخوان پر بکرے کے پائے اور دودھ تھا۔ دعوت میں کل خاندان شریک تھا جن کی تعداد چالیس تھی، حضرت حمزہؑ، عباسؑ، ابولہب اور ابوطالب بھی شرکاء میں تھے۔ لوگ کھانے سے فارغ ہو چکے تو آنحضرت ﷺ نے اٹھ کر فرمایا: ”یا بنی عبدالمطلب! خدا کی قسم میں تمہارے سامنے دنیا و آخرت کی بہترین نعمت پیش کرتا ہوں، بولو تم میں سے کون اس شرط پر میرا ساتھ دیتا ہے کہ وہ میرا معاون و مددگار ہوگا؟“ اس کے جواب میں سب چپ رہے، صرف شیر خدا علیؑ مرتضیٰ کی آواز بلند ہوئی کہ ”گو میں عمر میں سب سے چھوٹا ہوں اور مجھے آشوب چشم کا عارضہ ہے، اور میری نانگیں پتلی ہیں، تاہم میں آپ کا یاور اور دست و بازو بنوں گا۔“ آنحضرت ﷺ نے فرمایا، اچھا تم بیٹھ جاؤ، اور پھر لوگوں سے خطاب فرمایا، لیکن کسی نے جواب نہ دیا۔ حضرت علیؑ پھر اٹھے۔ آنحضرت ﷺ نے اس دفعہ بھی ان کو بٹھا دیا۔ یہاں تک کہ جب تیسری دفعہ بھی اس بارگراں کا اٹھنا کسی نے قبول نہیں کیا تو اس مرتبہ بھی حضرت علیؑ نے جاں بازی کے لہجے میں انہی الفاظ کا اعادہ کیا تو ارشاد ہوا کہ بیٹھ جاؤ کہ تو میرا بھائی اور میرا وارث ہے۔“ (۲)

ہجرت

بعثت کے بعد تقریباً تیرہ برس تک رسول اللہ ﷺ مکہ کی گھاٹیوں میں اسلام کی صدا بلند کرتے رہے، لیکن مشرکین قریش نے اس کا جواب محض بغض و عناد سے دیا اور آپ ﷺ کے فدا یوں پر طرح طرح کے مظالم ڈھائے۔ رحمۃ للعالمین ﷺ نے اپنے جاں نثاروں کو اسیرہٗ غیہ ستم دیکھ کر

① طبری ص ۱۷۲ یہ روایت مسند ابن فضال میں بھی بالاختصار مذکور ہے۔ دیکھو جلد ۱ ص ۱۵۵

آہستہ آہستہ ان سب کو مدینہ چلے جانے کا حکم دیا۔ چنانچہ چند نفوسِ قدسیہ کے علاوہ مکہ مسلمانوں سے خالی ہو گیا۔ اس ہجرت سے مشرکین کے اندیشہ ہوا کہ اب مسلمان ہمارے قبضہ اقتدار سے باہر ہو گئے ہیں، اسلئے بہت ممکن ہے کہ وہ اپنی قوت مضبوط کر کے ہم سے انتقام لیں۔ اس خطرہ نے ان کو خود رسول مقبول ﷺ کی جان کا دشمن بنا دیا۔ چنانچہ ایک روز مشورہ کر کے وہ رات کے وقت کاشانہ نبوت کی طرف چلے کہ مکہ چھوڑنے سے پہلے ذاتِ اقدس ﷺ کو دنیا سے رخصت کر دیں، لیکن مشیتِ الہی تو یہ تھی کہ ایک دفعہ تمام عالم حقانیت کے نور سے پُر نور اور توحید کی روشنی سے شرک کی ظلمت کا فور ہو جائے۔ اس مقصد کی تکمیل سے پہلے آفتاب رسالت کس طرح غروب ہو سکتا تھا۔ اسلئے وحی الہی نے آنحضرت ﷺ کو مشرکین کے ارادوں کی اطلاع دیدی اور ہجرتِ مدینہ کا حکم ہوا، سرورِ کائنات ﷺ نے اس خیال سے کہ مشرکین کو شبہ نہ ہو، حضرت علیؓ مرتضیٰ کو اپنے فرشِ اطہر پر استراحت کا حکم دیا اور خود حضرت ابو بکرؓ صدیق کو ساتھ لے کر مدینہ منورہ روانہ ہو گئے۔

فدویت و جان نثاری کا ایک عدیم المثال کارنامہ

حضرت علیؓ کی عمر اس وقت زیادہ سے زیادہ بائیس تیس برس کی تھی، اس عصفوانِ شباب میں اپنی زندگی کو قربانی کے لئے پیش کرنا فدویت و جان نثاری کا عدیم المثال کارنامہ ہے۔ رات بھر مشرکین کا محاصرہ قائم رہا اور اس خطرہ کی حالت میں یہ نوجوان نہایت سکون و اطمینان کے ساتھ محو خواب رہا۔ غرض تمام رات مشرکین قریش اس دھوکہ میں رہے کہ خود سرورِ کائنات ﷺ ہی استراحت فرما ہیں۔ صبح ہوتے ہی اپنے ناپاک ارادہ کی تکمیل کے لئے اندر آئے، لیکن یہاں یہ دیکھ کر وہ متحیر رہ گئے کہ شہنشاہِ دو عالم ﷺ کے بجائے آپ کا ایک جاں نثار اپنے آقا پر قربان ہونے کے لئے سر بکف سو رہا ہے۔ مشرکین اپنی اس غفلت پر سخت براہم ہوئے اور حضرت علیؓ کو چھوڑ کر اصل مقصد کی تلاش و جستجو میں روانہ ہو گئے۔

حضرت علیؓ کرم اللہ وجہہ آنحضرت کے تشریف لے جانے کے بعد دو یا تین دن تک مکہ میں مقیم رہے اور آنحضرت ﷺ کی ہدایت کے مطابق جن لوگوں سے آپ کا کاروبار اور لین دین تھا، ان کے معاملات سے فراغت حاصل کی اور تیسرے یا چوتھے دن وطن کو خیر باد کہہ کر عازمِ مدینہ ہوئے۔ اس زمانہ میں حضرت سرورِ کائنات ﷺ، حضرت کلثومؓ بن ہدم کے مہمان تھے اس لئے حضرت علیؓ بھی انہی کے مکان میں جا کر فروش ہوئے (۱)۔ رسول اللہ ﷺ نے جب مہاجرین میں باہم بھائی چارہ کرایا تو حضرت علیؓ کو اپنا بھائی بنایا (۲)۔

تعمیر مسجد

مدینہ کا اسلام مکہ کی طرح بے بس و مجبور نہ تھا بلکہ آزادی و حریت کی سر زمین میں تھا جہاں ہر شخص اعلانیہ خدائے واحد کی پرستش کر سکتا اور احکام شرعیہ نہایت اطمینان کے ساتھ ادا کر سکتا تھا۔ مسلمانوں کی تعداد بھی روز بروز بڑھتی جاتی تھی، یہاں تک کہ ہجرت کے چھٹے یا ساتویں مہینہ سرور کائنات کو ایک مسجد تعمیر کرنے کا خیال پیدا ہوا۔ آپ نے اس کی بنیاد رکھی اور اپنے رفقاء کے ساتھ خود اس کی تعمیر میں حصہ لیا۔ تمام صحابہ جوش کے ساتھ شریک کار تھے۔ حضرت علیؓ اینٹ اور گارہ لالا کر دیتے تھے اور یہ رجز پڑھتے تھے (۱)۔

جو مسجد تعمیر کرتا کھڑے ہو کر اور بیٹھ کر اس مشقت کو برداشت کرتا ہے اور جو گرد و غبار کے باعث اس کام سے جی چراتا ہے وہ برابر نہیں ہو سکتے۔

لا یستوی من یعمر المساجد
یدائب فیہ قائماً وقاعداً ومن
یری عن الغبار حائداً

غزوات و دیگر حالت

غزوہ بدر

سلسلہ غزوات میں سب سے پہلا معرکہ غزوہ بدر ہے، اس غزوہ میں آنحضرت ﷺ اپنے تین سو تیرہ جان نثاروں کے ساتھ مدینہ منورہ سے روانہ ہوئے، آگے آگے دو سیاہ رنگ کے علم تھے، ان میں سے ایک حیدر کرار کے ہاتھ میں تھا۔ جب رزمگاہ بدر کے قریب پہنچے تو سرور کائنات ﷺ نے حضرت علیؓ کو چند منتخب جان بازوں کے ساتھ غنیم کی نقل و حرکت کا پتہ چلانے کے لئے بھیجا۔ انہوں نے نہایت خوبی کے ساتھ یہ خدمت انجام دی اور مجاہدین نے مشرکین سے پہلے پہنچ کر اہم مقاموں پر قبضہ کر لیا، سترہویں رمضان جمعہ کے دن جنگ کی ابتدا ہوئی۔ قاعدہ کے موافق پہلے تنہا مقابلہ ہوا۔ سب سے پہلے قریش کی صف سے تین نامی بہادر نکل کر مسلمانوں سے مبارز طلب ہوئے۔ تین انصاریوں نے ان کی دعوت کو لبیک کہا اور آگے بڑھے۔ قریش کے بہادروں نے ان کا نام و نسب پوچھا۔ جب یہ معلوم ہوا کہ دو یثرب کے نوجوان ہیں تو ان کے ساتھ لڑنے سے انکار کر دیا اور آنحضرت ﷺ کو پکار کر کہا کہ اے محمد! ہمارے مقابلہ میں ہمارے ہمسر کے آدمی بھیجو۔ اس وقت آنحضرت نے اپنے خاندان کے تین عزیزوں کے نام لئے۔ حمزہؓ، علیؓ، اور عبیدہؓ، تینوں اپنے حریفوں کے لئے میدان میں آئے۔ حضرت علیؓ نے اپنے حریف، ولید کو ایک ہی وار میں تہ تیغ کر دیا۔ اس کے بعد جھپٹ کر عبیدہؓ کی مدد کی اور ان کے حریف شیبہ کو بھی قتل کیا۔ مشرکین نے طیش میں آ کر عام حملہ کر دیا۔ یہ دیکھ کر مجاہدین بھی نعرہٴ تکبیر کے ساتھ کفار کے نزعہ میں گھس گئے اور عام جنگ شروع ہو گئی۔ شیر خدا نے صفوں کی صفیں الٹ دیں اور ذوالفقار حیدری نے بجلی کی طرح چمک چمک کر اعدائے اسلام کے خرمن ہستی کو جلا دیا۔ مشرکین کے پاؤں اکھڑ گئے اور مسلمان مظفر و منصور بے شمار مال غنیمت اور تقریباً ستر (۷۰) قیدیوں کے ساتھ مدینہ واپس آئے۔ مال غنیمت میں سے آپ کو ایک زرہ ایک اونٹ اور ایک تلوار ملی (۱)۔

حضرت فاطمہؓ سے نکاح

اسی سال یعنی سنہ ۲ھ میں حضرت سرور کائنات ﷺ نے ان کا دامادی کا شرف بخشا۔ یعنی اپنی

① دیکھو سیرت ابن ہشام غزوہ بدر

محبوب ترین صاحبزادی سیدۃ النساء حضرت فاطمہؓ زہراؓ سے نکاح کر دیا۔
حضرت فاطمہؓ سے عقد کی درخواست سب سے پہلے حضرت ابو بکرؓ اور ان کے بعد حضرت عمرؓ نے کی تھی۔ لیکن آنحضرت ﷺ نے کچھ جواب نہیں دیا۔ اس کے بعد حضرت علیؓ نے خواہش کی۔ آپ ﷺ نے ان سے پوچھا، تمہارے پاس مہر ادا کرنے کے لئے کچھ ہے؟ بولے ایک گھوڑے اور ایک ذرہ کے سوا کچھ نہیں ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ گھوڑا تو لڑائی کے لئے ہے البتہ ذرہ کو فروخت کر دو۔ حضرت علیؓ نے اس کو حضرت عثمانؓ کے ہاتھ چار سو اسی درہم میں بیچا اور قیمت لا کر آنحضرت کے سامنے پیش کی۔ آپ نے حضرت بلالؓ کو حکم دیا کہ بازار سے عطر اور خوشبو خرید لائیں اور خود نکاح پڑھایا اور دونوں میاں بیوی پر وضو کا پانی چھڑک کر خیر و برکت کی دعا دی (۱)۔

رخصتی

نکاح کے تقریباً دس گیارہ ماہ بعد باقاعدہ رخصتی ہوئی۔ اس وقت تک حضرت علیؓ آنحضرت ﷺ کے ساتھ رہتے تھے، اس لئے جب رخصتی کا وقت آیا تو آنحضرت ﷺ نے اُن سے فرمایا کہ ایک مکان کرایہ پر لے لو۔ چنانچہ حارث بن النعمان کا مکان ملا اور حضرت علیؓ اور ملکہ جنت کو رخصت کرا کے اس میں لے آئے (۲)۔

جہیز

حضرت سیدہ زہراؓ کو اپنے گھر سے جو جہیز ملا تھا اس کی کل کائنات یہ تھی، ایک پلنگ، ایک بستر، ایک چادر، دو چکیاں اور ایک مشکیزہ۔ عجیب اتفاق ہے کہ یہی چیزیں حضرت فاطمہؓ کی زندگی تک ان کی رفیق رہیں اور حضرت علیؓ کرم اللہ وجہہ اس میں کوئی اضافہ نہ کر سکے۔

دعوتِ ولیمہ

حضرت علیؓ کی زندگی نہایت فقیرانہ و زاهدانہ تھی۔ خود رسول اللہ کے ساتھ رہتے تھے۔ ذاتی ملکیت میں صرف ایک اونٹ تھا جس کے ذریعہ سے اذخر (ایک قسم کی گھاس) کی تجارت کر کے دعوتِ ولیمہ کے لئے چھ رقم جمع کرنے کا ارادہ تھا، لیکن حضرت حمزہؓ نے حالتِ نشہ میں (۳) اس اونٹ کو ذبح کر کے کباب بنا دیا۔ اس لئے اب اقلیم زہد کے تاجدار کے پاس اس رقم کے سوا جو زرہ کی قیمت میں سے مہر ادا کرنے کے بعد بچ رہی تھی اور کچھ نہ تھا۔ چنانچہ اسی سے دعوتِ ولیمہ کا سامان کیا جس میں کھجور، جو کی روٹی، پیڑ اور ایک خاص قسم کا شور بہ تھا، لیکن یہ اس زمانے کے لحاظ سے پر تکلف ولیمہ تھا۔ حضرت اسماءؓ کا بیان ہے کہ اس زمانہ میں اس سے بہتر ولیمہ نہیں ہوا (۴)۔

① زر قانی ج ۲ ص ۴ ② اصابہ ج ۸ ص ۱۵۸

③ اس وقت شراب حرام نہیں ہوئی تھی، بخاری میں مفصل واقعہ مذکور ہے۔ ④ زر قانی ج ۲ ص ۸

غزوہ اُحد

۳ھ میں اُحد کا معرکہ پیش آیا۔ شوال ہفتہ کے دن لڑائی شروع ہوئی اور پہلے مسلمانوں نے قلت تعداد کے باوجود غنیم کو بھگا دیا لیکن عقب کے محافظ تیر اندازوں کا اپنی جگہ سے ہٹنا تھا کہ مشرکین پیچھے سے یکا یک ٹوٹ پڑے۔ اس ناگہانی حملے سے مسلمانوں کے اوسان جاتے رہے۔ اسی حالت میں سرور کائنات ﷺ کو چشم زخم پہنچا، دندان مبارک شہید ہوئے اور آپ ایک خندق میں گر پڑے (۱)۔ مشرکین اُدھر بڑھے لیکن حضرت مصعب بن عمیر نے ان کو آپ کے پاس جانے سے روکا اور اسی میں لڑتے لڑتے شہید ہوئے۔ اس کے بعد حیدر کرارؓ نے بڑھ کر علم سنبھالا اور بے جگری کے ساتھ دادِ شجاعت دی۔ مشرکین کے علمبردار، ابوسعید بن ابی طلحہ نے مقابلہ کے لئے لکارا۔ شیر خدا نے بڑھ کر ایسا ہاتھ مارا کہ فرشِ خاک پر تڑپنے لگا اور بدحواسی کے عالم میں برہنہ ہو گیا۔ حضرت علیؓ کو اس کی بدحواسی اور بے بسی پر رحم آ گیا اور زندہ چھوڑ کر واپس آئے۔ مشرکین کا زور کم ہوا تو حضرت علیؓ چند صحابہ کے ساتھ آنحضرت ﷺ کو پہاڑ پر لے گئے۔ حضرت فاطمہؓ نے زخم دھویا اور حضرت علیؓ نے ڈھال میں پانی بھر بھر کر گرایا، اس سے خون بند نہ ہوا تو حضرت فاطمہؓ نے چٹائی جلا کر اس کی راکھ سے زخم کا منہ بند کیا۔

بنو نضیر

غزوہ اُحد کے بعد سنہ ۴ھ میں بنو نضیر کو ان کی بد عہدی کے باعث جلا وطن کیا گیا۔ حضرت علیؓ اس میں بھی پیش پیش تھے اور علم ان ہی کے ہاتھ میں تھا۔

غزوہ خندق

۵ھ میں غزوہ خندق پیش آیا اس میں کفار کبھی کبھی خندق میں گھس گھس کر حملہ کرتے تھے۔ ایک دفعہ سواروں نے حملہ کیا۔ حضرت علیؓ نے چند جانبازوں کے ساتھ بڑھ کر روکا۔ سواروں کے سردار عمرو بن عبدود نے کسی کو تنہا مقابلہ کی دعوت دی۔ حضرت علیؓ نے اپنے کو پیش کیا۔ اُس نے کہا میں تم کو قتل کرنا نہیں چاہتا۔ شیر خدا نے کہا، لیکن میں تم کو قتل کرنا چاہتا ہوں، وہ برہم ہو کر گھوڑے سے کود پڑا۔ اور مقابلہ میں آیا۔ تھوڑی دیر تک شجاعانہ مقابلہ کے بعد ذوالفقار حیدری نے اس کو واصل جہنم کیا۔ اس کا مقتول ہونا تھا کہ باقی سوار بھاگ کھڑے ہوئے (۲)۔ کفار بہت دن تک خندق کا محاصرہ کئے رہے، لیکن بالآخر مسلمانوں کی اس پامردی اور استقلال کے آگے اُن کے پاؤں اکھڑ گئے اور یہ معرکہ بھی مجاہدین کرام کے ہاتھ رہا۔

بنو قریظہ

بنو قریظہ نے مسلمانوں سے معاہدہ کے باوجود ان کے مقابلہ میں قریش کا ساتھ دیا اور تمام قبائل عرب کو مسلمانوں کے خلاف بھڑکا دیا تھا۔ اس لئے غزوہ خندق سے فراغت کے بعد آنحضرت ﷺ نے ان کی طرف توجہ کی۔ اس مہم میں بھی علم حضرت علیؑ کے ہاتھ میں تھا اور انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے عہد کے مطابق قلعہ پر قبضہ کر کے اس کے صحن میں عصر کی نماز ادا کی۔

بنو سعد کی سرکوبی

۶ھ میں آنحضرت ﷺ کو معلوم ہوا کہ بنو سعد یہود خیبر کی اعانت کیلئے مجتمع ہو رہے ہیں، اسلئے حضرت علیؑ کو ایک سو (۱۰۰) کی جمعیت کے ساتھ ان کی سرکوبی پر مامور کیا۔ انہوں نے ماہ شعبان میں حملہ کر کے بنو سعد کو منتشر کر دیا اور پانچ سو انٹ اور دو ہزار بکریاں مال غنیمت میں لائے۔

صلح حدیبیہ

اسی سال یعنی سنہ ۶ھ میں رسول اللہ ﷺ نے تقریباً چودہ ہزار صحابہ کرامؓ کے ساتھ زیارت کعبہ کا ارادہ فرمایا۔ مقام حدیبیہ میں معلوم ہوا کہ مشرکین مکہ مزاحمت کریں گے۔ حضرت عثمانؓ گفتگو کے لئے سفیر بنا کر بھیجے گئے۔ مشرکین نے ان کو روک لیا۔ یہاں یہ خبر مشہور ہو گئی کہ وہ شہید کر دیئے گئے، اس لئے آنحضرت ﷺ نے حضرت عثمانؓ کے انتقام کے لئے مسلمانوں سے بیعت لی۔ حضرت علیؑ بھی اس بیعت میں شریک تھے۔ بعد کو جب یہ معلوم ہوا کہ شہادت کی خبر غلط تھی تو مسلمانوں کا جوش کسی قدر کم ہوا۔ اور طرفین نے مصالحت پر رضامندی ظاہر کی۔ حضرت علیؑ کو صلح نامہ لکھنے کا حکم ہوا۔ انہوں نے حسب دستور ہذا اما قاضی علیہ محمد رسول اللہ ﷺ کی عبارت سے عہد نامہ کی ابتداء کی۔ مشرکین نے ”رسول اللہ“ کے لفظ پر اعتراض کیا کہ ہم کو رسول اللہ ہونا تسلیم ہوتا تو پھر جھگڑا ہی کیا تھا؟ سرور کائنات ﷺ نے اس لفظ کو مٹا دینے کا حکم دیا، لیکن حضرت علیؑ کی غیرت نے گوارہ نہ کیا اور عرض کی، خدا کی قسم! میں اس کو نہیں مٹا سکتا، اس لئے آنحضرت ﷺ نے خود دست مبارک سے اس کو مٹا دیا۔ اس کے بعد معاہدہ صلح لکھا گیا اور آنحضرت زیارت کا ارادہ ملتوی کر کے مدینہ واپس تشریف لائے (۱)۔

فتح خیبر

۶ھ میں خیبر پر فوج کشی ہوئی، یہاں یہودیوں کے بڑے بڑے مضبوط قلعے تھے، جن کا مفتوح ہونا آسان نہ تھا، پہلے حضرت ابو بکرؓ اور ان کے بعد حضرت عمرؓ اس کی تسخیر پر مامور ہوئے

① بخاری کتاب الصلح زرقانی باب غزوہ حدیبیہ

لیکن کامیابی نہ ہوئی۔ حضرت سرور کائنات ﷺ نے فرمایا کل ایک ایسے بہادر کو علم دوں گا جو خدا اور رسول کا محبوب ہے اور خیر کی فتح اسی کے ہاتھ سے مقدر ہے۔ صبح ہوئی تو ہر شخص متنبی تھا کہ کاش اس فخر و شرف کا تاج اس کے سر پر ہوتا، لیکن یہ دولت گرانمایہ حیدر کراڑ کے لئے مقدر ہو چکی تھی، صبح کو بڑے بڑے جاں نثار اپنے نام سننے کے منتظر تھے کہ دفعتاً آپ ﷺ نے علیؑ کا نام لیا، یہ آواز غیر متوقع تھی۔ کیونکہ حضرت علیؑ آشوب چشم میں مبتلا تھے۔ آنحضرت ﷺ نے اُن کو بلا کر اُن کی آنکھوں میں اپنا لعاب دہن لگایا جس سے یہ شکایت فوراً جاتی رہی (۱)۔

مرحب

اس کے بعد علم مرحمت فرمایا، حضرت علیؑ نے پوچھا یا رسول اللہ! کیا میں لڑ کر ان کو مسلمان بنا لوں؟ فرمایا، نہیں بلکہ پہلے اسلام پیش کرو اور ان کو اسلام کے فرائض سے آگاہ کرو کیونکہ تمہاری کوشش سے ایک شخص بھی مسلمان ہو گیا تو وہ تمہارے لئے بڑی بڑی نعمت سے بہتر ہے (۲)۔ لیکن یہودیوں کی قسمت میں اسلام کی عزت کے بجائے شکست، ذلت اور رسوائی لکھی تھی، اس لئے انہوں نے آنحضرت کے اس حکم سے کوئی فائدہ نہ اٹھایا اور ان کا معزز سردار مرحب بڑے جوش و خروش سے یہ رجز پڑھتا ہوا نکلا:

قد علمت خیبر انی مرحب شاکی السلاح بطل مجرب
خیبر مجھ کو جانتا ہے کہ میں مرحب ہوں سطح پوش ہوں، بہادر ہوں، تجربہ کار ہوں

اذا الحروب اقبلت تلہب

جب کہ لڑائی کی آگ بھڑکتی ہے

فاتح خیبر نے اس متکبرانہ رجز کا جواب دیتے ہوئے پڑھا:

انا الذی سمتنی امی حیدرہ کلیث غابات کریہ المنظرہ
میں ہوں جس کا نام میری ماں نے حیدر رکھا ہے جھاڑی کے شیر کی طرح مہیب اور ڈراؤنا

اوفیہم بالصاع کیل السدرہ

میں دشمنوں کو نہایت سرعت سے قتل کر دیتا ہوں

اور جھپٹ کر ایک ہی وار میں اس کا کام تمام کر دیا (۳)۔ اس کے بعد حیدر کراڑ نے بڑھ کر حملہ کیا اور حیرت انگیز شجاعت کے ساتھ اس کو مسخر کر لیا۔

مہم مکہ

رمضان سنہ ۸ھ میں مکہ پر فوج کشی کی تیاریاں شروع ہوئیں، ابھی مجاہدین روانہ نہ ہوئے

① بخاری کتاب المغازی غزوہ خیبر ② ایضاً ③ صحیح بخاری جلد ۲ ص ۱۰۳ مطبوعہ مصر باب غزوہ ذی قرد، غیر با

تھے کہ معلوم ہوا کہ ایک عورت غنیم کو یہاں کے تمام حالات سے مطلع کرنے کے لئے روانہ ہو گئی ہے۔ آنحضرت ﷺ نے حضرت علیؓ، زبیرؓ اور مقدادؓ کو اس کی گرفتاری پر مامور کیا۔ یہ تینوں تیز گھوڑوں پر سوار ہو کر اس کے تعاقب میں روانہ ہو گئے۔ اور خانہ کے باغ میں گرفتار کر کے خط مانگا۔ پہلے اس عورت نے لاعلمی ظاہر کی لیکن جب ان لوگوں نے جامع تلاشی کا ارادہ کیا تو اس نے خط حوالہ کر دیا اور یہ لوگ خط لے کر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ جب یہ خط پڑھا گیا تو معلوم ہوا کہ مشہور صحابی حضرت حاطب بن ابی بلتعہؓ نے مشرکین مکہ کے نام بھیجا تھا اور اس میں بعض مخفی حالات کی اطلاع تھی۔ آنحضرت ﷺ نے حاتم بن ابی بلتعہؓ سے پوچھا کہ یہ کیا معاملہ ہے؟ انہوں نے عرض کی، حضور فرد جرم قرار دینے سے قبل اصل حالات سن لیں۔ واقعہ یہ ہے کہ مجھ کو قریش سے کوئی نسبى تعلق نہیں ہے، صرف اس کا حلیف ہوں اور مکہ میں دوسرے مہاجرین کی قرابتیں ہیں جو فتح مکہ کے وقت ان کے اہل و عیال کی حفاظت کرتے، میں نے اس خیال سے کہ اگر کوئی نازک وقت آئے تو میرے بچے بے یار و مددگار نہ رہ جائیں یہ خط لکھا تھا، حاشا وکلا اس سے مخبری یا اسلام کے ساتھ دشمنی مقصود نہ تھی، آنحضرت ﷺ نے اس عذر کو قبول کیا اور لوگوں سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ انہوں نے سچ بیان کیا ہے۔ لیکن حضرت عمرؓ کی آتش غضب بھڑک چکی تھی، انہوں نے کہا یا رسول اللہ! اجازت دیجئے کہ اس منافق کی گردن اڑا دوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ بدری ہیں، کیا تم کو معلوم نہیں کہ بدریوں کے تمام گناہ معاف ہیں (۱)۔

غرض آنحضرت ﷺ ۱۰، رمضان سنہ ۸ھ کو مدینہ روانہ ہوئے اور ایک مرتبہ پھر اس محبوب سرزمین پر دس ہزار قدسیوں کے ساتھ فاتحانہ جاہ و جلال کے ساتھ داخل ہوئے، جہاں سے آٹھ سال پہلے بڑی بے کسی کے ساتھ مسلمان نکالے گئے تھے، ایک علم حضرت سعد بن عبادہؓ کے ہاتھ میں تھا اور وہ جوش کی حالت میں یہ رجز پڑھتے جاتے تھے:

اليوم يوم الملحاة اليوم تستحل الكعبة

آج شدید جنگ کا دن ہے آج حرم میں خونریزی جائز ہے

آنحضرت ﷺ کو معلوم ہوا تو فرمایا، نہیں ایسا نہ کہو آج تو کعبہ کی عظمت کا دن ہے اور حضرت علیؓ کو حکم ہوا کہ سعد بن عبادہؓ سے علم لے کر فوج کے ساتھ شہر میں داخل ہوں، چنانچہ وہ کداء کی جانب سے مکہ میں داخل (۲) ہوئے اور مکہ بلا کسی خونریزی کے تسخیر ہو گیا اور وقت آ گیا کہ خلیل بت شکن کی یادگار (خانہ کعبہ) کو بتوں کی آلائشوں سے پاک کیا جائے جس کے گرد تین سو ساٹھ بت نصب تھے۔ آنحضرت ﷺ نے سب سے پہلے اس فریضہ کو ادا کیا اور خانہ کعبہ کے گرد جس قدر

① بخاری کتاب المغازی باب غزوہ فتح ② ایضاً

بت تھے، سب کو لکڑی سے ٹھکراتے جاتے تھے اور یہ آیت فرماتے جاتے تھے: جاء الحق وزهق الباطل ان الباطل كان زهوقاً۔ پھر خانہ کعبہ کے اندر سے حضرت ابراہیم واسماعیل کی مورتیوں کو الگ کروایا اور تطہیر کعبہ کے بعد اندر داخل ہوئے (۱)۔ لیکن چونکہ اس وحدت کدہ کا گوشہ گوشہ بتوں کی مورتیوں سے اٹا ہوا تھا اس لئے اس اہتمام کے باوجود تانبے کا سب سے بڑا بت باقی رہ گیا۔ یہ لوہے کی سلاخ میں پیوست کیا ہوا زمین پر نصب تھا اس لئے بہت بلندی پر تھا، پہلے آنحضرت ﷺ نے حضرت علیؑ کے کندھوں پر چڑھ کر اس کے گرانے کی کوشش کی لیکن وہ جسم اطہر کا بار نہ سنبھال سکے، اس لئے حضور پر نور ﷺ نے ان کو شانہ اقدس پر چڑھا کر اس کے گرانے کا حکم دیا اور انہوں نے سلاخ سے اکھاڑ کر حسب ارشاد نبوی ﷺ پاش پاش کر ڈالا اور خانہ کعبہ کی کامل تطہیر ہو گئی (۲)۔

ایک غلطی کی تلافی

فتح مکہ کے بعد آنحضرت نے خالد بن ولیدؓ کو بنو حذیمہ میں تبلیغ اسلام کے لئے روانہ فرمایا۔ انہوں نے توحید کی دعوت دی، بنو حذیمہ نے اُسے قبول کیا، لیکن اپنی بدویت اور جہالت کے باعث اس کو ادا نہ کر سکے اور اسلما یعنی ہم نے اسلام قبول کیا کے بجائے صبا نا صبا یعنی ہم بے دین ہو گئے کہنے لگے۔ حضرت خالد بن ولید نے ان کا منشا سمجھ کر سب کو قید کر لیا اور بہتوں کو قتل کر ڈالا۔ آنحضرت ﷺ نے سنا تو نہایت متاثر ہوئے اور حضرت علیؑ کو اس غلطی کی تلافی کے لئے روانہ فرمایا۔ انہوں نے پہنچ کر تمام قیدیوں کو آزاد کر دیا اور مقتولین کے معاوضہ میں خوں بہا دیا (۳) غزوہ حنین

فتح مکہ کے بعد اسی سال غزوہ حنین کا عظیم الشان معرکہ پیش آیا اور اس میں پہلے مسلمانوں کی فتح ہوئی۔ لیکن جب وہ مال غنیمت سمیٹنے میں مصروف ہوئے تو شکست خوردہ غنیم نے غافل پاکر پھر اچانک حملہ کر دیا۔ مجاہدین اس ناگہانی مصیبت سے ایسے پریشان ہوئے کہ بارہ ہزار نفوس میں سے صرف چند ثابت قدم رہ سکے۔ ان میں ایک حضرت علیؑ بھی تھے۔ آپ نہ صرف پامردی اور استقلال کے ساتھ قائم رہے بلکہ اپنی غیر معمولی شجاعت سے لڑائی کو سنبھال لیا اور غنیم کے ① بخاری کتاب المغازی باب غزوہ فتح ② حاکم نے مستدرک میں اس واقعہ کو بہ تفصیل نقل کیا ہے، لیکن فتح مکہ کے بجائے شب ہجرت کی طرف منسوب کیا ہے، لیکن اس کے علاوہ دوسرے محدثین اور ارباب سیر نے فتح مکہ میں لکھا ہے اور یہی صحیح اور قرین عقل ہے، ہجرت کی ایسی نازک رات میں جبکہ جان خطرہ میں تھی ایسے بڑے اور خطرناک کام کا انجام دینا بعید از قیاس ہے۔ دوسرے مکہ کی زندگی میں بت شکنی کا کوئی واقعہ نہیں ہے۔ ③ فتح الباری ج ۸ ص ۳۶

امیر عسکر پر حملہ کر کے اس کا کام تمام کر دیا اور دوسری طرف جو مجاہدین ثابت قدم رہ گئے تھے وہ اس بے جگری کے ساتھ لڑے کہ مسلمانوں کی ابتری اور پریشانی کے باوجود دشمن کو شکست ہوئی (۱)۔

اہل بیت کی حفاظت

۹ھ میں جب آنحضرت نے تبوک کا قصد فرمایا تو حضرت علیؓ کو اہل بیت کی حفاظت کے لئے مدینہ میں رہنے کا حکم دیا۔ شیر خدا کو شرکتِ جہاد سے محرومی کا غم تو تھا، منافقین کی طعنہ زنی نے اور بھی رنجیدہ کر دیا۔ سرور کائنات کو اس حال کا علم ہوا تو ان کا غم دور کرنے کے لئے فرمایا: ”علی! کیا تم اسے پسند کرو گے کہ میرے نزدیک تمہارا وہ رتبہ ہو جو ہارون کا موسیٰ کے نزدیک تھا“ (۲)۔

تبلیغ فرمانِ رسول

غزوہ تبوک سے واپسی کے بعد اسی سال آنحضرت ﷺ نے حضرت ابوبکرؓ صدیق کو امیر حج بنا کر روانہ فرمایا۔ اسی اثناء میں سورہ برأت نازل ہوئی۔ لوگوں نے کہا کہ اگر یہ سورہ ابوبکرؓ کے ساتھ حج کے موقع پر لوگوں کو سنانے کے لئے بھیجی جاتی تو اچھا ہوتا۔ سرور کائنات ﷺ نے فرمایا کہ میری طرف سے صرف میرے خاندان کا آدمی اس کی تبلیغ کر سکتا ہے۔ چنانچہ حضرت علیؓ کرم اللہ وجہہ کو بلا کر حکم دیا کہ وہ مکہ جا کر اس سورہ کو سنائیں اور عام اعلان کر دیں کہ کوئی کافر جنت میں داخل نہ ہوگا اور اس سال کے بعد کوئی مشرک حج نہ کرے اور نہ کوئی شخص برہنہ خانہ کعبہ کا طواف کرے اور جس کا رسول اللہ کے ساتھ کوئی عہد ہے وہ مدتِ مہینہ تک باقی رہے گا (۳)۔

مہم یمن اور اشاعتِ اسلام

تبلیغِ اسلام کے سلسلہ میں آنحضرت ﷺ نے جو مہمیں روانہ فرمائیں ان میں یمن کی مہم پر حضرت خالد بن ولیدؓ، مامور ہوئے۔ لیکن چھ مہینہ کی مسلسل جدوجہد کے باوجود اشاعتِ اسلام میں کامیاب نہ ہو سکے۔ اس لئے رمضان سنہ ۱۰ھ میں آنحضرت نے حضرت علیؓ کو بلا کر یمن جانے کا حکم دیا۔ انہوں نے عرض کیا ”یا رسول اللہ! میں ایک ایسی قوم میں بھیجا جاتا ہوں جس میں مجھ سے زیادہ معمر اور تجربہ کار لوگ موجود ہیں۔ ان لوگوں کے جھگڑوں کا فیصلہ کرنا میرے لئے نہایت دشوار ہوگا“۔ حضور نے دعا فرمائی: ”اے خدا اس کی زبان کو راست گو بنا اور اس کے دل کو ہدایت کے نور سے منور کر دے“، اس کے بعد خود اپنے دستِ اقدس سے ان کے فریقِ مبارک پر عمامہ باندھ اور سیاہ علم دے کر یمن کی طرف روانہ فرمایا (۴)۔

① سیرت ابن ہشام ج ۲ ص ۲۶۷ و مستدرک حاکم ج ۳ ص ۱۰۹ ② بخاری کتاب المناقب، مناقب علیؓ

④ زر قانی ج ۳ ص ۱۲۲

③ سیرت ابن ہشام ج ۲ ص ۳۴۲، ۳۴۳

حضرت علیؓ کے یمن پہنچتے ہی یہاں کارنگ بالکل بدل گیا۔ جو لوگ حضرت خالدؓ کی چھ مہینہ کی سعی و کوشش سے بھی اسلام کی حقیقت کو نہیں سمجھتے تھے، وہ حضرت علیؓ مرتضیٰ کی صرف چند روزہ تعلیم و تلقین سے اسلام کے شیدائی ہو گئے اور قبیلہ ہمدان مسلمان ہو گیا (۱)۔

حج الوداع میں شرکت

اسی سال یعنی سنہ ۱۰ھ میں آنحضرت ﷺ نے آخری حج کیا۔ حضرت علیؓ بھی یمن سے آ کر اس یادگار حج میں شریک ہوئے۔

صدمہ جانکاہ

حج سے واپسی کے بعد ابتدائے ماہ ربیع الاول سنہ ۱۱ھ میں آنحضرت ﷺ بیمار ہوئے۔ حضرت علیؓ نے نہایت تندہی اور جانفشانی کے ساتھ تیمارداری اور خدمت گزاری کا فرض انجام دیا، ایک روز باہر آئے لوگوں نے پوچھا، اب حضور انور ﷺ کا مزاج کیسا ہے؟ حضرت علیؓ نے اطمینان ظاہر کیا۔ حضرت عباسؓ نے اُن کا ہاتھ پکڑ کر کہا، خدا کی قسم! میں موت کے وقت خاندان عبدالمطلب کے چہرے پہچانتا ہوں، آؤ چلو رسول اللہ ﷺ سے عرض کریں کہ ہمارے لئے خلافت کی وصیت کر جائیں۔ حضرت علیؓ نے کہا، ”میں عرض نہیں کروں گا۔ اگر خدا کی قسم! آنحضرت ﷺ نے انکار کر دیا تو پھر آئندہ کوئی اُمید باقی نہیں رہے گی“ (۲)۔ دس روز کی مختصر علالت کے بعد ۱۲ ربیع الاول دوشنبہ کے دن دوپہر کے وقت آنحضرت ﷺ نے جان نثاروں کو اپنی مفارقت کا داغ دیا۔ حضرت علیؓ چونکہ رسالتِ مآب ﷺ کے قریب ترین عزیز تھے اور خاندان کے رکن رکین تھے، اسلئے غسل اور تجہیز و تکفین کے تمام مراسم انہی کے ہاتھ سے انجام پائے (۳)۔ انصار و مہاجرین دروازے کے باہر کھڑے تھے، ایک روایت میں ہے کہ ایک انصاری کو بھی اس میں شرکت کا شرف حاصل ہوا۔

خليفة اول کی بیعت، توقف کی وجہ

سقیفہ بنو ساعدہ کی مجلس نے حضرت ابوبکرؓ صدیق کی خلافت پر اتفاق کیا اور تقریباً تمام اہل مدینہ نے بیعت کی۔ البتہ صحیح روایات کے مطابق صرف حضرت علیؓ کرم اللہ وجہہ نے چھ مہینے تک دیر کی۔ لوگوں نے اس توقف کے عجیب و غریب وجوہ اختراع کر لئے ہیں۔ لیکن صحیح یہ ہے کہ حضرت فاطمہؓ کی سوگوار زندگی نے ان کو بالکل خانہ نشین بنادیا تھا اور تمام معاملات سے قطع تعلق کر

② صحیح بخاری باب مرض النبی ﷺ

① فتح الباری ج ۸ ص ۱۵۲

③ مستدرک حاکم ج ۳ ص ۱۱۱

کے وہ صرف اُن کی تسلی و دلہنی اور قرآن شریف کے جمع کرنے میں مصروف تھے، چنانچہ جب حضرت فاطمہؓ کا انتقال ہو گیا اس وقت انہوں نے خود حضرت ابو بکرؓ سے اُن کے فضل کا اعتراف کیا اور بیعت کر لی (۱)۔

سوا دو برس کی خلافت کے بعد حضرت ابو بکر صدیقؓ نے وفات پائی اور حضرت عمرؓ مسند آرائے خلافت ہوئے۔ حضرت عمرؓ بڑی بڑی مہمات میں حضرت علیؓ کے مشورے کے بغیر کام نہیں کرتے تھے اور حضرت علیؓ بھی نہایت دوستانہ اور مخلصانہ مشورے دیتے تھے۔ نہادند کے معرکہ میں اُن کو سپہ سالار بھی بنانا چاہا تھا لیکن انہوں نے منظور نہیں کیا۔ بیت المقدس گئے تو کاروبار خلافت انہی کے ہاتھ میں دے کر گئے (۲)۔ اتحاد و یگانگت کا اخیر مرتبہ یہ تھا کہ باہم رشتہ مصاہرت قائم ہو گیا۔ یعنی حضرت علیؓ کی صاحبزادی ام کلثومؓ حضرت عمرؓ کے نکاح میں آئیں۔

فاروق اعظمؓ کے بعد حضرت عثمانؓ کے عہد خلافت میں فتنہ و فساد شروع ہوا تو حضرت علیؓ نے ان کے رفع کرنے کے لئے ان کو نہایت مخلصانہ مشورے دیئے۔ ایک دفعہ حضرت عثمانؓ نے اُن سے پوچھا کہ ملک میں موجودہ شورش و ہنگامہ کی حقیقی وجہ اور اس کے رفع کرنے کی صورت کیا ہے؟ انہوں نے نہایت خلوص اور آزادی سے یہ ظاہر کر دیا کہ موجودہ بے چینی تمام تر آپ کے عمال کی بے اعتدالیوں کا نتیجہ ہے۔ حضرت عثمانؓ نے فرمایا کہ میں نے عمال کے انتخاب میں انہی صفات کو ملحوظ رکھا ہے جو فاروق اعظمؓ کے پیش نظر تھے، پھر اُن سے عام بیزاری کی وجہ سمجھ میں نہیں آتی؟ جناب علیؓ مرتضیٰ نے فرمایا ہاں! یہ صحیح ہے لیکن حضرت عمرؓ نے سب کی تکمیل اپنے ہاتھ میں لے رکھی تھی اور گرفت ایسی سخت تھی کہ عرب کا سرکش سے سرکش اونٹ بھی بلبلا اٹھا۔ برخلاف اس کے آپ ضرورت سے زیادہ نرم دل ہیں۔ آپ کے عمال اس نرمی سے فائدہ اٹھا کر من مانی کارروائیاں کرتے ہیں اور آپ کو خبر بھی نہیں ہونے پاتی۔ رعایا سمجھتی ہے کہ عمال جو کچھ کرتے ہیں وہ سب دربار خلافت کے احکام کی تعمیل ہے، اس طرح تمام بے اعتدالیوں کا ہدف آپ کو بننا پڑا (۳)۔

سب سے آخر میں مصری وفد کا معاملہ پیش آیا، حضرت عثمانؓ نے ان سے اصرار کیا کہ اپنی وساطت سے اس جھگڑے کا تصفیہ کرادیں اور انقلاب پسند جماعت کو راضی کر کے واپس کر دیں، پہلے تو انہوں نے انکار کیا لیکن پھر معاملہ کی اہمیت اور حضرت عثمانؓ کے اصرار سے مجبور ہو کر درمیان میں پڑے اور حضرت عثمانؓ سے اصلاحات کا وعدہ لے کر انقلاب پسندوں کو اپنی ذمہ داری پر واپس کر دیا۔ مصری وفد کے ارکان ابھی راہ ہی میں تھے کہ ان کو سرکاری قاصد کی تلاشی سے ایک فرمان ہاتھ آیا جس میں حاکم مصر کو ہدایت کی گئی تھی کہ اس وفد کے تمام شرکاء کو تہ تیغ کر دیا

① بخاری غزوہ خیبر ② تاریخ ابن خلدون ج ۲ ص ۱۰۶ و طبری فتح المقدس ③ تاریخ طبری ص ۲۹۳۸

جائے۔ مصری اس غداری سے غضبناک ہو کر پھر مدینہ واپس آئے اور حضرت علیؑ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی کہ ایک طرف تو آپ نے ہم کو اصلاحات کا اطمینان دلا کر واپس کیا اور دوسری طرف سے دربار خلافت کا یہ غدارانہ فرمان جاری ہوا۔ حضرت علیؑ نے فرمان دیکھا تو سخت متعجب ہوئے اور حضرت عثمانؓ کے پاس جا کر اس کی حقیقت دریافت کی۔ انہوں نے اس سے حیرت کے ساتھ لاعلمی ظاہر کی۔ حضرت علیؑ نے کہا مجھے بھی آپ سے ایسی توقع نہیں ہو سکتی تھی لیکن اب میں آئندہ کسی معاملہ میں نہ پڑوں گا۔ چنانچہ اس کے بعد وہ بالکل عزت نشین ہو گئے۔

مصریوں نے جوش انتقام میں نہایت سختی کے ساتھ کاشانہ خلافت کا محاصرہ کر لیا اور آخر میں یہاں تک شدت اختیار کی کہ آب و دانہ سے بھی محروم کر دیا۔ حضرت علیؑ کو معلوم ہوا تو عزت گزینی اور خلوت نشینی کے باوجود محاصرہ کرنے والوں کے پاس تشریف لے گئے اور فرمایا کہ تم لوگوں نے جس قسم کا محاصرہ قائم کیا ہے وہ نہ صرف اسلام بلکہ انسانیت کے بھی خلاف ہے۔ کفار بھی مسلمانوں کو قید کر لیتے ہیں تو آب و دانہ سے محروم نہیں کرتے۔ اس شخص نے تمہارا کیا نقصان کیا ہے جو ایسی سختی روا رکھتے ہو؟ محاصرین نے حضرت علیؑ کی سفارش کی کچھ پرواہ نہ کی اور محاصرہ میں سہولت پیدا کرنے سے قطعی انکار کر دیا۔ حضرت علیؑ غصہ میں اپنا عمامہ پھینک کر واپس چلے آئے (۱) محاصرہ اگرچہ نہایت سخت تھا تاہم حضرت علیؑ کو اس کا وہم بھی نہ تھا کہ یہ معاملہ اس قدر طول کھینچے گا کہ شہادت تک نہایت پہنچے گی۔ وہ سمجھے کہ جس طرح حقوق طلبی کے متواتر مظاہرے ہوتے رہے ہیں، یہ بھی اسی قسم کا ایک سخت مظاہرہ ہے۔ تاہم اپنے دونوں صاحبزادوں کو احتیاطاً حفاظت کے لئے بھیج دیا، جنہوں نے نہایت تندہی اور جانفشانی کے ساتھ مدافعت کی، یہاں تک کہ اسی کشمکش میں زخمی ہوئے لیکن کثیر العدد مفسدین کا روکنا آسان نہ تھا، وہ دوسری طرف سے دیوار پھاند کر اندر گھس آئے اور خلیفہ وقت کو شہید کر ڈالا۔ حضرت علیؑ کو معلوم ہوا تو اس سانحہ جانکاہ پر حد درجہ متاسف ہوئے اور جو لوگ حفاظت پر مامور تھے، ان پر سخت ناراضگی ظاہر کی۔ حضرت امام حسنؑ اور امام حسینؑ کو مارا۔ محمد بن طلحہ اور عبداللہ بن زبیرؓ کو برا بھلا کہا کہ تم لوگوں کی موجودگی میں یہ واقعہ کس طرح پیش آیا۔

بیعت خلافت

حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد تین دن تک مسند خلافت خالی رہی۔ اس عرصہ میں لوگوں نے حضرت علیؑ کو کرم اللہ وجہہ سے اس منصب کے قبول کرنے کے لئے سخت اصرار کیا۔ انہوں نے پہلے اس بارگراں کے اٹھانے سے انکار کر دیا، لیکن آخر میں مہاجرین و انصار کے اصرار سے

مجبور ہو کر اٹھانا پڑا (۱)۔ اور اس واقعہ کے تیسرے دن ۲۱ ذی الحجہ دو شنبہ کے دن مسجد نبوی ﷺ میں جناب علی مرتضیٰ کے دست اقدس پر بیعت ہوئی۔

مسند نشین خلافت ہونے کے بعد سب سے پہلے کام حضرت عثمانؓ کے قاتلوں کا پتہ چلانا اور اُن کو سزا دینا تھا، لیکن دقت یہ تھی کہ شہادت کے وقت صرف اُن کی بیوی نائلہ بنت الفرافصہ موجود تھیں جو اس کے سوا کچھ نہ بتا سکیں کہ محمد بن ابی بکرؓ دو آدمیوں کے ساتھ جن کو وہ پہلے سے پہچانتی نہ تھیں، اندر آئے۔ حضرت علیؓ نے محمد بن ابی بکرؓ کو پکڑا تو انہوں نے قسم کھا کر اپنی برأت ظاہر کی کہ وہ قتل کے ارادے سے ضرور داخل ہوئے تھے لیکن حضرت عثمانؓ کے جملہ سے محبوب ہو کر پیچھے ہٹ آئے۔ البتہ ان دونوں نابکاروں نے بڑھ کر حملہ کیا جن کو وہ بھی نہیں جانتے تھے کہ کون تھے؟ حضرت نائلہؓ نے بھی اس بیان کی تصدیق کی کہ محمد بن ابی بکرؓ شریک نہ تھے۔ غرض تحقیق و تفتیش کے باوجود قاتلوں کا پتہ نہ تھا۔ تاریخ کی کتابوں میں قاتلوں کے مختلف نام مذکور ہیں۔ لیکن شہادت کی قانونی حیثیت سے وہ مجرم ثابت نہیں ہوتے اس لئے مجرموں کا کوئی پتہ نہ چلا اور حضرت علیؓ اس وقت کوئی کارروائی نہ کر سکے۔

جیسا کہ اوپر مذکور ہوا حضرت علیؓ کے نزدیک اس انقلاب کا اصلی سبب عمال کی بے اعتدالیاں تھیں اور بڑی حد تک یہ صحیح بھی ہے اس لئے آپؐ نے تمام عثمانی عمال کو معزول کر کے عثمان بن حنیف کو بصرہ کا عامل مقرر کیا، عمارہ بن حسان کو کوفہ کی حکومت سپرد کی۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کو یمن کی ولایت پر مامور کیا اور سہل کو حکومت شام کا فرمان دے کر روانہ کیا۔ سہل تبوک کے قریب پہنچے تو امیر معاویہؓ کے سوار مزاحم ہوئے اور ان کو مدینہ جانے پر مجبور کیا۔ اس وقت حضرت علیؓ کرم اللہ وجہہ کو معلوم ہوا کہ ان کی خلافت جھگڑوں سے پاک نہیں ہے۔

حضرت علیؓ نے امیر معاویہؓ کو لکھا کہ مہاجرین و انصار نے اتفاق عام کے ساتھ میرے ہاتھ پر بیعت کی ہے، اس لئے یا تو میری اطاعت کرو یا جنگ کے لئے تیار ہو جاؤ۔ امیر معاویہؓ نے اپنے خاص قاصد کی معرفت جواب بھیجا اور خط میں صرف بسم اللہ الرحمن الرحیم کے بعد مکتوب الیہ کا اور اپنا نام لکھا۔ قاصد نہایت طرار اور زبان آور تھا اس نے کھڑے ہو کر کہا صابو! میں نے شام میں پچاس ہزار شیوخ کو اس حال میں چھوڑا ہے کہ عثمانؓ کی خون آلود قمیص پر ان کی ڈاڑھیاں آنسوؤں سے تر ہیں اور انہوں نے عہد کر لیا ہے کہ جب تک اس خون ناحق کا قصاص نہیں لیں گے، اس وقت تک ان کی تلواریں بے نیام رہیں۔ قاصد یہ کہہ چکا تو حضرت علیؓ کی جماعت میں سے خالد بن زفر عیسیٰ نے اس کے جواب میں کہا ”تمہارا برا ہو! کیا تم مہاجرین و انصار کو شامیوں

سے ڈراتے ہو؟ خدا کی قسم! نہ تو قمیص عثمان، قمیص یوسف ہے اور نہ معاویہ کو یعقوب کی طرح غم ہے۔ اگر شام میں اس قدر اس کو اہمیت دی گئی ہے تو تم کو معلوم ہونا چاہئے کہ اہل عراق اس کی کچھ پرواہ نہیں کرتے۔

حضرت عائشہؓ کی قصاص پر آمادگی

امیر معاویہؓ کے مناقشات کا ابھی آغاز ہی ہوا تھا کہ دوسرا قضیہ نامرضیہ پیدا ہو گیا۔ یعنی حضرت عائشہؓ مکہ سے مدینہ واپس ہو رہی تھیں، راستہ میں ان کے ایک عزیز ملے، ان سے حالات دریافت کیے تو معلوم ہوا کہ عثمانؓ شہید کر دیئے گئے اور علیؓ خلیفہ منتخب ہوئے لیکن ہنوز فتنہ کی گرم بازاری ہے۔ یہ خبر سن کر پھر مکہ واپس ہو گئیں، لوگوں نے واپسی کا سبب دریافت کیا تو فرمایا کہ عثمانؓ مظلوم شہید کر دیئے گئے اور فتنہ دہتا ہوا نظر نہیں آتا، اس لئے تم لوگ خلیفہ مظلوم کا خون رائیگاں نہ جانے دو اور قاتلوں سے قصاص لے کر اسلام کی عزت بچاؤ (۱)۔

حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد مدینہ میں فتنہ و فساد کے آثار دیکھ کر حضرت طلحہؓ اور زبیرؓ بھی حضرت علیؓ سے اجازت لے کر مکہ چلے گئے تھے، حضرت عائشہؓ نے ان سے بھی وہاں کے حالات دریافت کئے۔ انہوں نے بھی شور و غوغا کی داستان سنائی۔ اُن کے بیان سے حضرت عائشہؓ کے ارادوں میں اور تقویت ہو گئی اور انہوں نے خلیفہ مظلوم کے قصاص کی دعوت شروع کر دی۔

حقیقت یہ ہے کہ واقعات کی ترتیب اور حضرت علیؓ کرم اللہ وجہہ کے بعض سیاسی تسامح نے عام طور پر ملک میں بد نظمی پیدا کر دی تھی۔ حضرت عثمانؓ کے قاتلوں کا پتہ نہ چلنا ان کے اعداء کو اپنا معاون و انصار بنانا اور مسند خلافت پر متمسک ہونے کے ساتھ تمام عمال کو برطرف کر دینا لوگوں کو بدظن کر دینے کے لئے کافی تھا، انہی بدگمانیوں نے ام المؤمنین حضرت عائشہؓ کو بھی حضرت عثمانؓ کے قصاص پر آمادہ کر دیا، چنانچہ قصاص کی تیاریاں شروع ہو گئیں، عبداللہ بن عامر حضرمی والی مکہ مروان بن حکم سعید بن العاص اور دوسرے بنی امیہ نے جو مدینہ سے مفرور ہو کر مکہ میں پناہ گزین تھے، نہایت جوش کے ساتھ اس تحریک کو پھیلایا اور ایک معتد بہ جمعیت فراہم کر کے روانہ ہوئے کہ پہلے بیت المال پر قبضہ کر کے مالی مشکلات میں سہولت پیدا کریں۔ پھر بصرہ، کوفہ اور عراق کی دوسری نوآبادیوں میں اس تحریک کی اشاعت کر کے لوگوں کو اپنا ہم آہنگ بنائیں۔

سفر عراق

حضرت علیؓ کرم اللہ وجہہ کو مکہ کی تیاریوں کا حال معلوم ہوا تو آپ نے بھی اس خیال سے عراق کا قصد کیا کہ وہاں مخالفین سے پہلے پہنچ کر بیت المال کی حفاظت کا انتظام کریں اور اہل عراق

کو وفاداری کا سبق دیں۔ انصار کرام کو اس ارادہ کی خبر ہوئی تو وہ بارگاہ خلافت میں حاضر ہوئے اور حضرت عقبہ بن عامرؓ نے جو بڑے پایہ کے صحابی اور غزوہ بدر میں سرور کائنات ﷺ کے ہمراہ رہ چکے تھے، انصار کی جانب سے گزارش کی کہ دار الخلافہ کو چھوڑ کر جانا کسی طرح مناسب نہیں ہے۔ عمر فاروقؓ کے عہد میں بڑی بڑی جنگیں پیش آئیں، لیکن انہوں نے کبھی مدینہ سے باہر قدم نہیں نکالا۔ اگر اس وقت خالدؓ، ابوعبیدہؓ، سعد وقاصؓ، ابو موسیٰ اشعرؓ نے شام و ایران کو تالا کر دیا تھا تو اس وقت بھی ایسے جانبازوں کی کمی نہیں۔ حضرت علیؓ نے فرمایا، یہ صحیح ہے لیکن عراق پر مخالفین کے تسلط سے نہایت دشواری پیش آئے گی، وہ اس وقت مسلمانوں کی بہت بڑی نوآبادی ہے، وہاں کے بیت المال بھی مال و زر سے پُر ہیں، اس لئے میرا وہاں موجود رہنا نہایت ضروری ہے اور مدینہ میں عام منادی کرادی کہ لوگ سفر عراق کے لئے تیار ہو جائیں۔ چند محتاط صحابہ کے سوا تقریباً اہل مدینہ ہمراہ ہوئے۔ ذی قار پہنچ کر معلوم ہوا کہ حضرت طلحہؓ اور زبیرؓ شہقت کر کے بصرہ پہنچ گئے ہیں اور بنو سعد کے علاوہ تقریباً تمام بصرہ والوں نے ان کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔

حضرت امام حسنؓ کا سفر کوفہ

یہ سن کر حضرت علیؓ نے ذی قار میں قیام کیا اور حضرت امام حسنؓ کو حضرت عمار بن یاسرؓ کے ساتھ کوفہ روانہ کیا کہ لوگوں کو مرکز خلافت کی اعانت پر آمادہ کریں۔ حضرت امام حسنؓ جس وقت کوفہ پہنچے، حضرت ابو موسیٰ اشعرؓ والی کوفہ مسجد میں ایک عظیم الشان مجمع کے سامنے تقریر کر رہے تھے کہ سرور کائنات ﷺ نے جس فتنہ کا خوف دلایا وہ اب سر پر ہے، اس لئے ہتھیار بے کار کر دو اور بالکل عزت نشین ہو جاؤ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ فتنہ و فساد کے وقت سونے والا بیٹھنے والے سے اور بیٹھنے والا چلنے والے سے بہتر ہے، اس اثناء میں حضرت امام حسنؓ مسجد میں داخل ہوئے اور حضرت ابو موسیٰ اشعرؓ سے کہا، تم بھی ہماری مسجد میں سے نکلو اور جہاں جی چاہے چلے جاؤ۔ اس کے بعد منبر پر کھڑے ہو کر لوگوں کو امیر المؤمنین کی مساعادت پر آمادہ کیا۔ حجر بن عدیؓ کندی نے جو کوفہ کے نہایت معزز اور ذی اثر بزرگ تھے، حضرت امام حسنؓ کی تائید کی اور کہا صاحبو! امیر المؤمنین نے خود اپنے صاحبزادہ کو بھیج کر تمہیں دعوت دی ہے، اس دعوت کو قبول کرو اور علم حیدری کے نیچے مجمع ہو کر فتنہ و فساد کی آگ سرد کر دو میں خود سب سے پہلے چلنے کو تیار ہوں۔

غرض حضرت امام حسنؓ اور حجر بن عدیؓ کی تقریروں نے لوگوں کو حضرت علیؓ کی اعانت پر آمادہ کر دیا اور ہر طرف سے امیر المؤمنین کی اطاعت اور فرمانبرداری کی صدائیں بلند ہوئیں اور دوسرے ہی دن صبح کے وقت تقریباً ساڑھے نو ہزار جانبازوں کی ایک جماعت مسلح ہو کر حضرت

امام حسنؑ کے ساتھ روانہ ہوئی اور مقام ذی قار میں امیر المؤمنین کی فوج سے مل گئی۔ جناب امیرؑ نے اپنی فوج کو نئے سرے سے ترتیب دے کر بصرہ کا رخ کیا۔ اس وقت بصرہ کا یہ حال تھا کہ وہ تین گروہوں میں منقسم تھا، ایک خاموش اور غیر جانبدار تھا، دوسرا حضرت علیؑ کا طرف دار تھا اور تیسرا حضرت عائشہؓ اور حضرت طلحہؓ وغیرہ کا حامی، خانہ جنگی کی یہ تیاریاں دیکھ کر پہلی جماعت نے مصالحت کی بڑی کوشش کی، بلکہ ہر فریق کے نیک نیت لوگ اس کی تائید میں تھے۔ حضرت علیؑ اور حضرت عائشہؓ دونوں چاہتے تھے کہ جنگ کی نوبت نہ آنے پائے اور کسی طرح باہمی اختلافات دور ہو جائیں۔ صلح کی گفتگو ترقی پر تھی اور فریقین جنگ کے تمام احتمالات دلوں سے دور کر چکے تھے اور رات کے سناٹے میں ہر فریق آرام کی نیند سو رہا تھا۔ دونوں فریقوں میں کچھ ایسے عناصر شامل تھے جن کے نزدیک یہ مصالحت ان کے حق میں سم قاتل تھی، حضرت علیؑ کی فوج میں سبائی انجمن کے ارکان اور حضرت عثمانؓ کے قاتلوں کا گروہ شامل تھا اور حضرت عائشہؓ کی طرف کچھ اموی تھے۔ حضرت عثمانؓ کے قاتل اور سبائی سمجھے کہ اگر یہ مصالحت کامیاب ہو گئی تو ان کی خیر نہیں، اس لئے انہوں نے رات کی تاریکی میں حضرت عائشہؓ کی فوج پر شیخون مارا۔ گھبراہٹ میں فریقین نے یہ سمجھ کر یہ دوسرے فریق نے دھوکہ دیا، ایک دوسرے پر حملہ شروع کر دیا۔ حضرت عائشہؓ اونٹ پر آہنی ہودہ رکھوا کر سوار ہوئیں کہ وہ اپنی فوج کو اس حملہ سے روک سکیں۔ حضرت علیؑ نے بھی اپنے سپاہیوں کو روکا مگر جو فتنہ پھیل چکا تھا وہ کب رک سکتا تھا۔ ام المؤمنین حضرت عائشہؓ کی وجہ سے ان کی فوج میں غیر معمولی جوش و خروش تھا۔ قلب فوج میں ان کا ہودج تھا، محمد بن طلحہؓ سواروں کے افسر تھے، عبداللہ بن زبیرؓ پیادہ فوج کی سربراہی پر مامور تھے اور پوری فوج کی قیادت حضرت طلحہؓ زبیرؓ کے ہاتھوں میں تھی۔

جنگ جمل

دوران جنگ میں حضرت علیؑ گھوڑا بڑھا کر میدان میں آئے اور حضرت زبیرؓ کو بلا کر کہا ”ابو عبداللہ! تمہیں وہ دن یاد ہے جب رسول اللہ ﷺ نے تم سے پوچھا تھا کہ کیا تم علیؑ کو دوست رکھتے ہو؟ تو تم نے عرض کی تھی ہاں یا رسول اللہ! یاد کرو، اس وقت تم سے حضور انور ﷺ نے فرمایا تھا کہ ایک دن تم اس سے ناحق لڑو گے۔“ حضرت زبیرؓ نے جواب دیا ہاں اب مجھے بھی یاد آیا ہے (۱)۔ یہ پیشین گوئی یاد کر کے حضرت زبیرؓ جنگ سے کنارہ کش ہو گئے اور اپنے صاحبزادے عبداللہؓ سے فرمایا، جان پدر! علیؑ نے ایسی بات یاد دلادی کہ تمام جنگ کا تمام جوش فرو ہو گیا بے شک ہم حق پر نہیں ہیں، اب میں اس جنگ میں شرکت نہ کروں گا تم بھی میرا ساتھ دو، لیکن حضرت عبداللہؓ

نے انکار کیا تو وہ تنہا بصرہ کی طرف چل کھڑے ہوئے کہ وہاں سے سامان لے کر کسی طرف نکل جائیں۔ حضرت طلحہؓ نے حضرت زبیرؓ کو جاتے دیکھا تو ان کا راہ بھی متزلزل ہو گیا، مروان ابن حکم کو معلوم ہوا تو انہوں نے حضرت طلحہؓ کو ایک ایسا تاک کر تیر مارا کہ جو گھٹنے میں پیوست ہو گیا۔ یہ تیر زہر میں بجھا ہوا تھا، زہر کے اثر سے ان کا کام تمام ہو گیا۔ اب میدان جنگ میں صرف ام المؤمنین حضرت عائشہؓ اور ان کے جان نثار فرزند رہ گئے۔ جنگ کی ابتداء ہو چکی تھی، دیر تک گھمسان کی جنگ ہوتی رہی۔ ام المؤمنین زہر پوش ہو وچ میں بیٹھی تھیں، نامرتبہ شناس سبائی آپ کے ساتھ گستاخیاں کر رہے تھے اور آپ کو گرفتار کرنا چاہتے تھے، حضرت عائشہؓ کے وفادار بیٹوں میں بنو ضبہ اس اونٹ کی حفاظت میں اپنی لاشوں پہ لاشیں گرارہے تھے، بکر بن وائل، از و اور بنو ضبہ اونٹ کو اپنے حلقہ میں لے کر اس جوش ثبات اور وارفتگی کے ساتھ لڑے کہ خود حیدر کرار کو حیرت تھی، عبداللہ بن زبیرؓ اونٹ کی ٹیل پکڑے تھے وہ زخمی ہو کر گرے تو فوراً دوسرے نے بڑھ کر پکڑ لی، مارا گیا تو تیسرے نے اس کی جگہ لے لی۔ اس طرح یکے بعد دیگرے ستر آدمیوں نے اپنے آپ کو قربان کر دیا (۱)۔ بصرہ کا شہسوار عمرو بن بحرہ اس جوش سے لڑ رہا تھا کہ حضرت علیؓ کی فوج کا جو شخص اس کے سامنے پہنچ جاتا تھا، مارا جاتا تھا اور ابن بحرہ کی زبان پر یہ جڑ جاری تھا:

یا امنا خیر ام نعلم	والام تغذو ولدھا و ترحم
اے ہماری بہترین اور ماں بچوں کو	کھلاتی ہے اور ان پر رحم کرتی ہے
الا ترین کم جواد لکم	وتختلی ما متھ والمعصم
کیا تو نہیں دیکھتی کہ کتنے گھوڑے زخمی کئے جاتے ہیں	اور انکی کھوپڑی اور کلائی کاٹی جاتی ہے

آخر کار حضرت علیؓ کی فوج کے مشہور شہسوار حارث بن زبیرؓ نے بڑھ کر اس کا مقابلہ کیا اور تھوڑی دیر تک تیغ و سنان کے ردل بدل کے بعد دونوں ایک دوسرے کے وار سے کٹ کر ڈھیر ہو گئے۔ اونٹ کے سامنے بنو ضبہ حیرت انگیز شجاعت کے ساتھ سد سکندری بنے دشمنوں کو روکے کھڑے تھے اور جب تک ایک شخص بھی زندہ رہا اسے پشت نہیں پھیری اور یہ جڑ انکی زبان پر تھا:

الموت احلی عندنا من العسل	نحن بنو ضبہ اصحاب الجمل
موت ہمارے نزدیک شہد سے زیادہ شیرین ہے	ہم ضبہ کی اولاد اونٹ کے محافظ ہیں
نحن بنو الموت نزل	ننعی ابن عفان باطراف الاسل
ہم موت کے بیٹے ہیں جب موت اترے	ہم عثمان بن عفان کی موت کی خبر نیزوں سے پھیلا رہے ہیں

ردوا علینا شیخنا ثم بحل
ہمارے سردار کو ہم کو واپس کر دو تو پھر کچھ نہیں

حضرت علیؑ نے دیکھا کہ جب تک اونٹ بٹھایا نہ جائے گا مسلمانوں کی خوزیزی رک نہیں سکتی، اسلئے آپ کے اشارے سے ایک شخص نے پیچھے سے جا کر اونٹ کے پاؤں پر تلوار ماری، اونٹ بلبلا کر بیٹھ گیا۔ اونٹ کے بیٹھتے ہی حضرت عائشہؓ کی فوج کی ہمت چھوٹ گئی اور حضرت علیؑ کے حق میں جنگ کا فیصلہ ہو گیا۔ آپ نے حضرت عائشہؓ کے بھائی محمد بن ابی بکرؓ کو جو حضرت علیؑ کے ساتھی تھے، حکم دیا کہ اپنی ہمشیرہ محترمہ کی خبر گیری کریں اور عام منادی کرادی کہ بھاگنے والوں کا تعاقب نہ کیا جائے، زخمیوں پر گھوڑے نہ دوڑائے جائیں، مال غنیمت نہ لوٹا جائے، جو ہتھیار ڈال دیں وہ مامون ہیں۔ پھر خود ام المؤمنین حضرت عائشہؓ صدیقہ کے پاس حاضر ہو کر مزاج پرسی کی اور بصرہ میں چند دن تک آرام و آسائش سے ٹھہرانے کے بعد محمد بن ابی بکرؓ کے ہمراہ عزت و احترام کے ساتھ مدینہ بھیج دیا۔ بصرہ کی چالیس شریف و معزز خواتین کو پہنچانے کے لئے ساتھ کیا اور رخصت کرنے کے لئے خود چند میل تک ساتھ گئے اور ایک منزل اپنے صاحبزادوں کو مشاعت کے لئے بھیجا۔

حضرت عائشہؓ نے رخصت ہوتے وقت لوگوں سے فرمایا کہ میرے بچو! ہماری ہاہمی کشمکش محض غلط فہمی کا نتیجہ تھی، ورنہ مجھ میں اور علیؑ میں پہلے کوئی جھگڑا نہ تھا۔ حضرت علیؑ نے بھی مناسب الفاظ میں تصدیق کی اور فرمایا کہ یہ آنحضرت ﷺ کی حرم محترمہ اور ہماری ماں ہیں، انکی تعظیم و توقیر ضروری ہے۔ غرض پہلی رجب ۳۶ھ سینچر کے روز حضرت عائشہؓ مدینہ کی طرف روانہ ہو گئیں۔

بصرہ میں چند روز قیام کے بعد حضرت علیؑ نے کوفہ کا عزم کیا اور ۱۲ رجب ۳۶ھ دوشنبہ کے روز داخل شہر ہوئے۔ اہل کوفہ نے قصر امارت میں مہمان نوازی کا سامان کیا لیکن زہد و قناعت کے شہنشاہ نے اس میں فروکش ہونے سے انکار کیا اور فرمایا کہ عمر بن الخطابؓ نے ہمیشہ ان عالی شان محلات کو حقارت کی نظر سے دیکھا مجھے بھی اس کی حاجت نہیں، میدان میرے لئے بس ہے۔ چنانچہ میدان میں قیام فرمایا اور مسجد اعظم میں داخل ہو کر دو رکعت نماز ادا کی اور جمعہ کے روز خطبہ میں لوگوں کو اتقاء و پرہیزگاری اور وفا شعار کی ہدایت کی۔

جنگ جمل کے بعد حضرت علیؑ نے مدینہ چھوڑ کر کوفہ میں مستقل اقامت اختیار کی اور دار الحکومت حجاز سے عراق منتقل ہو گیا۔ لوگوں نے اس تبدیلی کے مختلف وجوہات بیان کئے ہیں مگر میرے نزدیک صحیح یہ ہے کہ حضرت عثمانؓ کی شہادت سے حرم نبوی ﷺ کی جو توہین ہوئی اس نے علیؑ مرتضیٰ کو مجبور کیا کہ وہ آئندہ سلطنت کے سیاسی مرکز کو علمی اور مذہبی مرکز سے علیحدہ کر دیں۔ ایک

وجہ یہ بھی تھی کہ کوفہ میں حضرت علیؑ کے طرفداری اور حامیوں کی اس وقت سب سے بڑی تعداد تھی، گو حضرت علیؑ نے مدینہ کو سیاسی شرف و فتن سے بچانے کے لئے عراق کو دار الحکومت بنایا تھا، لیکن اس کا کوئی مفید نتیجہ مرتب نہیں ہوا، اس سے مدینہ کی سیاسی اہمیت ختم ہو گئی اور خود حضرت علیؑ مرکز اسلام سے دور ہو گئے جو سیاسی حیثیت سے آئندہ ان کے لئے مضر ثابت ہوا۔

بہر حال حضرت علیؑ نے کوفہ میں قیام فرما کر ملک کا از سر نو نظم و نسق قائم کیا۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کو بصرہ کی ولایت سپرد کی، مدائن پر یزید بن قیس، اصفہان پر محمد بن سلیم، کسکر پر قدامہ بن عجلان ازدی، ہجستان پر ربیع بن کاس اور تمام خراسان پر خلید بن کاس کو مامور کر کے بھیجا۔ خلید خراسان پہنچے تو ان کو خبر ملی کہ خاندان کسریٰ کی ایک لڑکی نے نیشاپور پہنچ کر بغاوت کرادی ہے۔ چنانچہ انہوں نے نیشاپور پر فوج کشی کر کے بغاوت فرو کی اور اس کو بارگاہ خلافت میں بھیج دیا۔ جناب امیر نے اس کے ساتھ نہایت لطف و کرم کا برتاؤ کیا اور اس سے فرمایا کہ اگر وہ پسند کرے تو اپنے فرزند امام حسنؑ سے نکاح کر دیں، اس نے کہ اکہ وہ ایسے شخص سے شادی کرنا نہیں چاہتی جو ابھی خود مختار نہ ہو۔ اگر خود جناب امیر اپنے عقد نکاح سے مشرف فرمائیں تو بطیب خاطر حاضر ہوں، حضرت علیؑ نے انکار کیا اور اُسے آزاد کر دیا کہ جہاں چاہے رہے اور جس سے چاہے بیاہ کرے۔

جزیرہ موصل اور شام کے متصلہ علاقوں پر اشتر نخعی کو مامور کیا۔ اشتر نے بڑھ کر شام کے بعض علاقوں پر قبضہ کر لیا، لیکن امیر معاویہؓ کے عامل ضحاک بن قیس نے حران اور رقہ کے درمیان مقابلہ کر کے اشتر کو پھر موصل جانے پر مجبور کیا۔ اشتر نے موصل میں قیام کر کے شامی فوج سے مستقل چھیڑ چھاڑ شروع کر دی اور اس سیلاب کو آگے بڑھنے سے روک رکھا۔

صلح کی دعوت

اگرچہ حضرت علیؑ کو یہ معلوم تھا کہ امیر معاویہؓ آپ کی خلافت تسلیم نہیں کریں گے تاہم اتمام حجت کے لئے ایک دفعہ پھر صلح کی دعوت دی اور جریر بن عبداللہؓ کو قاصد بنا کر بھیجا، جریر ایسے وقت میں امیر معاویہؓ کے پاس پہنچے کہ ان کے دربار میں رؤسائے شام کا مجمع تھا، امیر معاویہؓ نے خط لے کر پہلے خود پڑھا پھر بائگ بلند حاضرین کو سنایا، بعد حمد و نعت کے خط کا مضمون یہ تھا:

تم اور تمہارے زیر اثر جس قدر مسلمان ہیں، سب پر میری بیعت لازم ہے کیونکہ مہاجرین و انصار نے اتفاق عام سے مجھے منصب خلافت کے لئے منتخب کیا ہے۔ ابو بکرؓ و عمرؓ اور عثمانؓ کو بھی انہی لوگوں نے منتخب کیا تھا۔ اس لئے جو شخص اس بیعت کے بعد سرکشی اور اعراض کرے گا وہ جبراً اطاعت پر مجبور کیا جائے گا۔ پس تم مہاجرین و انصار کی اتباع کرو یہی سب سے بہتر طریقہ ہے، ورنہ جنگ کے لئے تیار ہو جاؤ۔ تم نے عثمانؓ کی

شہادت کو اپنی مقصد برآری کا وسیلہ بنایا ہے، اگر تم کو عثمانؓ کے قاتلوں سے انتقام لینے کا حقیقی جوش ہے تو پہلے میری اطاعت قبول کرو، اس کے بعد باضابطہ اس مقدمہ کو پیش کرو، میں کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ کے مطابق اس کا فیصلہ کروں گا۔ ورنہ تم نے جو طریقہ اختیار کیا ہے وہ محض دھوکہ اور فریب ہے۔

امیر معاویہؓ بیس بائیس برس سے شام کے والی تھے۔ اس طویل حکومت نے ان کے دل میں استقلال و خود مختاری کی تمنا پیدا کر دی تھی، جس کے حصول کے لئے اس سے بہتر موقع میسر نہیں آ سکتا تھا۔ نیز حضرت عثمانؓ کی شہادت، حضرت علیؓ کی خلافت اور اموی عمال کی برطرفی سے بنو امیہ اور بنو ہاشم کی درینہ چشمک پھر تازہ ہو گئی تھی۔ حضرت علیؓ کے معزول کردہ تمام اموی عمال، امیر معاویہؓ کے گرد و پیش جمع ہو گئے تھے۔ بہت سے قبائل عرب جو اگرچہ اموی نہ تھے لیکن امیر معاویہؓ کی شاہانہ داد و دہش نے ان کو بھی ان کا طرفدار بنا دیا تھا، بعض صحابہ بھی اپنے مقاصد کے لئے ان کے دست و بازو بن گئے تھے۔ حضرت عمرو بن العاصؓ نے مصر کی حکومت کا عہدہ لے کر اعانت و مساعدت کا وعدہ کر لیا تھا۔ حضرت مغیرہ بن شعبہؓ جو عرب کے نامور مدبروں میں تھے اور پہلے حضرت علیؓ کے طرفدار تھے، آپ سے دلبرداشتہ ہو کر امیر معاویہؓ کے ساتھ ہو گئے تھے۔ عبید اللہ بن عمرؓ جنہوں نے اپنے والد کے خون کے جوش انتقام میں ایک پارسی نو مسلم ہرمزان کو بے وجہ قتل کر دیا تھا اور حضرت عثمانؓ نے ان سے قصاص نہیں لیا تھا، حضرت علیؓ کی مسند نشینی کے بعد مقدمہ قائم ہونے کے خوف سے بھاگ کر امیر معاویہؓ کے دامن میں پناہ گزین ہو گئے تھے۔ امیر معاویہؓ نے ایک اور نامور مدبر زیاد بن امیہؓ کو جو حضرت علیؓ کے حامیوں میں تھا، اپنے ساتھ ملا لیا تھا، اکابر شام کی پہلے سے ہی ان کو تائید و حمایت حاصل تھی، ان کی مدد سے انہوں نے حضرت عثمانؓ کی شہادت کے واقعہ کو جس سے تمام مسلمان سخت متاثر تھے، سارے شام میں پھیلایا۔ ہر ہر گاؤں، قصبہ اور شہر میں اس کی اشاعت کے لئے خطیب مقرر کیے۔ دمشق کی جامع مسجد میں حضرت عثمانؓ کے خود آلود پیراہن اور حضرت نائلہؓ کی کٹی ہوئی انگلیوں کی نمائش کی جاتی تھی (۱)۔

ان تدبیروں سے لوگوں کو حضرت عثمانؓ کے خون کے انتقام کا جوش پیدا کرنے کے بعد اپنے حاشیہ نشینوں کے مشورہ سے حضرت علیؓ کے خط کا جواب لکھا اور حسب معمول قاتلین عثمانؓ کو حوالہ کر دینے پر اصرار کیا۔ ابو مسلم نے جو خط کا جواب لے کر گئے تھے۔ دربار خلافت میں خط پیش کرنے کے بعد رنج کے طور پر گدازش کی کہ اگر عثمانؓ کے قاتلوں کو ہمارے حوالہ کر دیا جائے تو ہم اور تمام اہل شام خوشی کے ساتھ آپ کے ہاتھ پر بیعت کرنے کو تیار ہیں، فضل و کمال کے لحاظ سے

آپ ہی خلافت کے حقیقی مستحق ہیں۔ جناب امیرؓ نے دوسرے روز صبح کے وقت جواب دینے کا وعدہ فرمایا۔ ابو مسلم جب دوسرے روز حاضر ہوئے تو وہاں تقریباً دس ہزار مسلح آدمیوں کا مجمع تھا۔ ابو مسلم کو دیکھ کر سب نے ایک ساتھ بانگ بلند کہا، ”ہم سب عثمانؓ کے قاتل ہیں“۔ ابو مسلم نے مستعجب ہو کر بارگاہ خلافت میں عرض کی کہ معلوم ہوتا ہے کہ باہم سازش اختیار کر لی ہے۔ حضرت علیؓ نے فرمایا تم اس سے سمجھ سکتے ہو کہ عثمانؓ کے قاتلوں پر میرا کہاں تک اختیار ہے۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے پھر امیر معاویہؓ کو لکھا کہ وہ ناحق ضد سے باز آ جائیں اور حضرت عثمانؓ کے قتل میں ان کی کوئی شرکت نہ تھی۔ عمرو بن العاصؓ کو علیحدہ لکھا کہ ”دنیا طلبی چھوڑ کر حق کی حمایت کرو“۔ لیکن زمین مسلمانوں کے خون کی پیاسی تھی، گوجنگ جمل میں دس ہزار مسلمانوں کا خون پی چکی تھی لیکن ابھی اس کی پیاس نہ بجھی تھی، اس لئے مصالحت اور خانہ جنگی کے سد باب کی تمام تر کوششیں ناکام رہیں اور حضرت علیؓ کو مجبور ہو کر قبضہ شمشیر پر ہاتھ رکھنا پڑا۔ تمام عمال و حکام کو دور دراز حصص ملک سے جنگ میں شریک ہونے کے لئے بلایا اور تقریباً اسی ہزار کی جمعیت کے ساتھ حدودِ شام کا رخ کیا۔

معرکہ صفین

جب یہ فوج گراں فرات کو عبور کر کے سرحدِ شام میں داخل ہوئی تو امیر معاویہؓ کی طرف سے ابوالدعور سلمیٰ نے مقدمہٴ الجیش کو آگے بڑھنے سے روکا۔ علوی فوج کے افسر زیاد بن النفر اور شریح بن ہانی نے تمام دن نہایت جاں بازی کے ساتھ مقابلہ کیا۔ اسی اثناء میں اشتر نخعی کمک لے کر پہنچ گئے۔ ابوالدعور نے دیکھا کہ اب مقابلہ دشوار ہے اس لئے رات کی تاریکی میں اپنی فوج کو ہٹالیا اور امیر معاویہؓ کو فوج مخالف کی آمد کی اطلاع دی۔ انہوں نے صفین کے میدان کو مدافعت کے لئے منتخب کیا اور پیش قدمی کر کے مناسب موقعوں پر مورچے جمادیئے۔ گھاٹ کو اپنے قبضہ میں لے کر سلمیٰ کو ایک بڑی جمعیت کے ساتھ متعین کر دیا کہ علوی فوج کو دریا سے پانی نہ لینے دیں۔

پانی کے لئے کشمکش

ابوالدعور نے اس حکم کی تعمیل کی۔ چنانچہ حضرت علیؓ کی فوج صفین پہنچی تو اس کو پانی کی وجہ سے سخت دقت پیش آئی۔ حضرت علیؓ نے حکم دیا کہ شامی فوج کا مقابلہ کر کے بزور گھاٹ پر قبضہ کر لیا جائے۔ چنانچہ پہلے چند آدمی اتمام حجت کے لئے آشتی کے ساتھ دریا کی طرف بڑھے لیکن جیسے ہی قریب پہنچے ہر طرف سے تیروں کی بارش شروع ہو گئی۔ حضرت علیؓ کی فوج پیش دستی کی منتظر تھی، سب نے ایک ساتھ مل کر حملہ کر دیا۔ ابوالدعور نے دیر تک ثبات و استقلال کے ساتھ مقابلہ کیا۔ عمرو بن العاصؓ نے بھی اپنی کمک سے تقویت دی، لیکن پیاسوں کو پانی سے روکنا آسان نہ تھا۔

آخر کار شامی دستوں کے پاؤں اکھڑ گئے اور گھاٹ پر تشنہ کاموں کا قبضہ ہو گیا۔ اب جو دقت امیر المؤمنین کی فوجوں کو ہوئی تھی وہی امیر معاویہ کو پیش آئی لیکن جناب مرتضیٰ کی حمیت انسانی نے کسی کو تشنہ کام رکھنا گوارا نہ کیا اور شامی فوج کو دریا سے پانی لینے کی اجازت دے دی (۱)۔ چنانچہ دونوں فوجیں ایک ساتھ دریا سے سیراب ہونے لگیں اور باہم اس قدر اختلاط پیدا ہو گیا کہ دونوں کیمپوں کے سپاہیوں میں دوستانہ آمد و رفت شروع ہو گئی یہاں تک کہ بعضوں کو خیال ہوا کہ اب صلح ہو جائے گی۔

میدان جنگ میں مصالحت کی آخری کوشش

حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے جنگ شروع کرنے سے قبل ایک دفعہ پھر اتمام حجت کے لئے بشیر بن عمرو بن محسن انصاری، سعید بن قیس ہمدانی اور شبث بن ربعی کو امیر معاویہ کے پاس بھیج کر مصالحت کی آخری کوشش کی لیکن کامیابی نہ ہوئی۔ دونوں طرف علماء فضلاء اور حفاظ قرآن کی ایک جماعت موجود تھی جو دل سے اس خونریزی کو ناپسند کرتی تھی۔ اس نے مسلسل تین ماہ تک جنگ کو روکے رکھا اور اس درمیان میں برابر مصالحت کی کوشش کرتی رہی۔ اس اثناء میں دونوں طرف سے تقریباً پچاسی دفعہ حملہ کا ارادہ کیا گیا لیکن ان بزرگوں نے ہمیشہ درمیان میں پڑ کر بیچ بچاؤ کرادیا۔ غرض ربیع الاول، ربیع الثانی اور جمادی الاولیٰ تین مہینے صرف صلح کے انتظار میں گزر گئے۔ لیکن اس کی کوئی صورت نہ نکل سکی اور جمادی الآخر کے شروع میں جنگ چھڑ گئی۔

آغاز جنگ

لڑائی کا یہ طریقہ تھا کہ دونوں طرف سے دن میں دو دفعہ یعنی صبح و شام تھوڑی تھوڑی فوج میدان جنگ میں اترتی تھی اور کشت و خون کے بعد اپنے فرود گاہ پر واپس جاتی تھی۔ فوج کی کمان حضرت علیؓ بھی خود کرتے تھے اور کبھی باری باری سے اشتر نخعی، جبر بن عدی، شبث ربعی، خالد بن العمرہ، زیاد بن النضر، زیاد بن حصہ، التیمی، سعید بن قیس، محمد بن حنفیہ، معقل بن قیس اور قیس بن سعد اس فرض کو انجام دیتے تھے۔ یہ سلسلہ جمادی الآخری کی تاریخوں تک جاری رہا لیکن جیسے ہی رجب کا ہلال طلوع ہوا، شہر حرم کی عظمت کے خیال سے دفعۃً دونوں طرف سے جنگ رک گئی۔ اس التواء سے خیر خواہان امت کو پھر ایک مرتبہ مصالحت کی کوشش کا موقع مل گیا۔ چنانچہ حضرت ابوالدرداءؓ اور حضرت ابوامامہ باہلیؓ نے امیر معاویہ کے پاس جا کر ان سے حسب ذیل گفتگو کی:

حضرت ابوالدرداءؓ: تم علیؓ سے لڑتے ہو کیا وہ امامت کے تم سے زیادہ مستحق نہیں ہیں؟
امیر معاویہؓ: میں عثمانؓ کے خونِ ناحق کے لئے لڑتا ہوں۔

حضرت ابوالدرداءؓ: کیا عثمانؓ کو علیؓ نے قتل کیا ہے؟

امیر معاویہؓ: قتل تو نہیں کیا ہے، قاتلوں کو پناہ دی ہے، اگر وہ ان کو میرے سپرد کر دیں تو سب سے پہلے بیعت کرنے کو تیار ہوں۔

اس گفتگو کے بعد حضرت ابوالدرداءؓ اور حضرت ابوامامہؓ حضرت علیؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور امیر معاویہؓ کی شرائط سے مطلع کیا۔ اسے سن کر تقریباً بیس ہزار سپاہیوں نے علوی فوج سے نکل کر کہا کہ ”ہم سب عثمانؓ کے قاتل ہیں“۔ حضرت ابوالدرداءؓ اور حضرت ابوامامہؓ نے یہ رنگ دیکھا تو لشکر گاہ چھوڑ کر ساحلی علاقہ کی طرف چلے گئے اور اس جنگ میں کوئی حصہ نہیں لیا۔

غرض پہلی رجب سے اخیر محرم ۳ھ تک طرفین سے سکون رہا اور کوئی قابل ذکر معرکہ پیش نہ آیا۔ آغاز سفر سے پھر از سر نو جنگ شروع ہو گئی اور اس قدر خونریزی لڑائیاں پیش آئیں کہ ہزاروں عورتیں بیوہ اور ہزاروں بچے یتیم ہو گئے۔ پھر بھی اس خانہ جنگی کا فیصلہ نہ ہوا۔ حضرت علیؓ کرم اللہ وجہہ نے اس طوالت سے تنگ آ کر اپنی فوج کے سامنے نہایت پر جوش تقریر کی اور اس کو فیصلہ کن جنگ کے لئے ابھارا۔ تمام فوج نے نہایت جوش و خروش کے ساتھ اس تقریر کو لبیک کہا اور اپنے حریف پر اس زور سے حملہ کیا کہ شامی فوج کی صفیں درہم برہم ہو گئیں اور بڑے بڑے بہادروں کے پاؤں اکھڑ گئے۔ حیدر کرارؓ خود فوج کے آگے تھے اور اس جانبازی سے لڑ رہے تھے کہ حریف کی صفیں چیرتے ہوئے امیر معاویہؓ کے مقصورہ تک پہنچ گئے۔ آپ کی زبان پر یہ رجز جاری تھا:

اضربہم ولا اری معاویۃ الجاحظ العین العظیم الحاویۃ
قریب پہنچ کر پکار کر کہا ”معاویہ! خلق خدا کا خون گراتے ہو، آؤ ہم تم باہم اپنے جھگڑوں کا فیصلہ کر لیں۔“

اس مبارزت پر عمرو بن العاصؓ اور امیر معاویہؓ میں حسب ذیل مکالمہ ہوا:

عمرو بن العاصؓ: بات انصاف کی ہے۔

امیر معاویہؓ: خوب کیا انصاف ہے؟ تم جانتے ہو کہ جو اس شخص کے مقابلہ میں جاتا ہے پھر زندہ نہیں بچتا۔

عمرو بن العاصؓ: جو کچھ ہو، تاہم مقابلے کے لئے نکلنا چاہئے۔

امیر معاویہؓ: تم چاہتے ہو کہ مجھے قتل کر کے میرے منصب پر قبضہ کرو۔

امیر معاویہؓ کے اعراض پر عمرو بن العاصؓ خود شیر خدا کے مقابلے کے لئے نکلے۔ دیر تک

دونوں میں تیغ و شان کا رد و بدل ہوتا رہا۔ ایک دفعہ حضرت علیؓ نے ایسا وار کیا کہ اس سے سلامت

بچنا ناممکن تھا۔ عمرو بن العاصؓ اس بدحواسی کے ساتھ گھوڑے سے گرے کہ بالکل برہنہ ہو گئے۔

فاتح خیبر نے اپنے حریف کو برہنہ دیکھ کر منہ پھیر لیا اور زندہ چھوڑ کر واپس چلے آئے۔

اس جنگ کے بعد تھوڑی تھوڑی فوج سے مقابلہ ہونے کے بجائے پوری فوج کے ساتھ جنگ ہونے لگی۔ چند دنوں تک یہ سلسلہ جاری رہا۔ یہاں تک کہ جمعہ کے روز عظیم الشان جنگ پیش آئی جو شدت خونریزی کے لحاظ سے تاریخ اسلام میں اپنی نظیر آپ ہے۔ صبح سے شام اور شام سے دوسری صبح تک اس زور کارن پڑا کہ نعروں کی گرج، گھوڑوں کی ٹاپوں اور تلواروں کی جھنکاروں سے کرۂ ارض تھرا رہا تھا، اسی مناسبت سے اس کو لیلۃ الہریر کہتے ہیں۔

دوسری صبح کو مجروحین و مقتولین کے اٹھانے کے لئے جنگ ملتوی ہو گئی۔ حضرت علیؑ نے اپنے طرفداروں کو مخاطب کر کے نہایت جوش سے تقریر کی اور فرمایا ”جانبا زو! ہماری کوششیں اس حد تک پہنچ چکی ہیں کہ انشاء اللہ کل اس کا آخری فیصلہ ہو جائے گا۔ پس آج کچھ آرام لینے کے بعد اپنے حریف کو آخری شکست دینے کے لئے تیار ہو جاؤ اور اس وقت تک میدان سے منہ نہ موڑو جب تک اس کا قلعی فیصلہ نہ ہو جائے۔“

امیر معاویہؓ اور عمرو بن العاصؓ نے اس وقت تک نہایت جانبازی، شجاعت اور پامردی کے ساتھ اپنی فوجوں کو سرگرم کارزار رکھا تھا، لیکن لیلۃ الہریر کی جنگ سے انہیں بھی یقین ہو گیا تھا کہ اب لشکر حیدری کا مقابلہ کرنا ناممکن ہے۔ قبیلوں کے سردار بھی ہمت ہار گئے۔ اشعث ابن قیس نے اعلانیہ دربار میں کھڑے ہو کر کہا اگر مسلمانوں کی باہمی لڑائی ایسی ہی قائم رہی تو تمام عرب ویران ہو جائے گا۔ رومی شام میں ہمارے اہل و عیال پر قبضہ کر لیں گے۔ اس طرح ایران و ہقان اہل کوفہ کی عورتوں اور بچوں پر متصرف ہو جائیں گے۔ تمام درباریوں کی نظریں امیر معاویہؓ کے چہرہ پر گز گئیں اور سب نے بالاتفاق اس خیال کی تائید کی۔

یہ رنگ دیکھ کر امیر معاویہؓ نے جناب مرتضیٰؑ کو لکھا ”اگر ہم کو اور خود آپ کو معلوم ہوتا کہ یہ جنگ اس قدر طول کھینچے گی تو غالباً ہم دونوں اس کو چھیڑنا پسند نہ کرتے۔ بہر حال اب ہم کو اس تباہ کن جنگ کا خاتمہ کر دینا چاہئے، ہم لوگ بنی عبد مناف ہیں اور آپس میں ایک دوسرے پر کوئی فوقیت نہیں، اس لئے مصالحت ایسی ہو کہ طرفین کی عزت و آبرو برقرار رہے۔ لیکن اب حضرت علیؑ کرم اللہ وجہہ نے مصالحت سے انکار کیا اور دوسرے روز علیؑ صبح زرہ بکتر سے آراستہ ہو کر اپنی فوج ظفر موج کے ساتھ میدان میں صف آراء ہوئے۔ لیکن حریف نے جنگ ختم کر دینے کا تہیہ کر لیا تھا۔ عمرو بن العاصؓ نے کہا اب میں ایک ایسی چال چلوں گا کہ یا تو جنگ کا خاتمہ ہی ہو جائے گا یا علیؑ کی فوج میں پھوٹ پڑ جائے گی۔ چنانچہ دوسری صبح شامی فوج ایک عجیب منظر کے ساتھ میدان جنگ میں آئی، آگے آگے دمشق کا مصحف اعظم پانچ نیزوں پر بندھا ہوا تھا اور اس کو

پانچ آدمی بلند کئے ہوئے تھے۔ اس کے علاوہ جس جس کے پاس قرآن پاک تھا اس نے اس کو نیزے پر باندھ لیا تھا۔ حضرت علیؑ کی طرف سے اشتر نخعی نے ایک جمعیت عظیم کے ساتھ حملہ کیا تو قلب سے فضل بن اوہم، میمنہ سے شریح الجذامی اور میسرہ سے زرقاء بن معمر بڑھے اور چلا کر کہا ”گروہ عرب! خدا رومیوں اور ایرانیوں کے ہاتھ سے تمہاری عورتوں اور بچوں کو بچائے تم فنا ہو گئے دیکھو یہ کتاب اللہ ہمارے اور تمہارے درمیان ہے۔“ اسی طرح ابوالد عور سلمیٰ اپنے سر پر کلام مجید رکھے ہوئے لشکر حیدری کے قریب آئے اور بانگ بلند کہا: ”اے اہل عراق! یہ کتاب اللہ ہمارے اور تمہارے درمیان حکم ہے۔“ اشتر نخعی نے اپنے ساتھیوں کو سمجھایا کہ حریف کی چال ہے اور جوش دلا کر نہایت زور و شور سے حملہ کر دیا۔ لیکن شامیوں کی چال کامیاب ہو گئی۔

حضرت علیؑ کرم اللہ وجہہ نے لوگوں کو لاکھ سمجھایا کہ مصاحف کا بلند کرنا محض عیاری ہے ہم کو اس دام تزویر سے بچنا چاہئے۔ کردوس بن ہانی، سفیان بن ثور اور خالد بن العمر نے بھی امیر المؤمنین کی تائید کی اور کہا کہ ہم پہلے ہم نے ان کو قرآن کی طرف دعوت دی تو انہوں نے کچھ پرواہ نہ کی، لیکن جب ناکامی و نامرادی کا خوف ہوا تو اس مکاری کے ساتھ ہمیں دھوکہ دینا چاہتے ہیں، لیکن شامیوں کا جادو چل چکا تھا، اس لئے باوجود سعی و کوشش ایک جماعت نے نہایت سختی کے ساتھ اصرار کیا کہ قرآن کی دعوت کو رد نہ کرنا چاہئے اور دھمکی دی کہ اگر قرآن کے درمیان میں آنے کے بعد بھی جنگ بند نہ ہوگی تو وہ نہ صرف فوج سے کنارہ کش ہو جائے گی بلکہ خود جناب امیرؑ کا مقابلہ کریں گی۔ معمر بن فدی، زید بن حصین، سنی اور ابن الکواء اس جماعت کو سرگروہ تھے، اسی طرح اشعث بن قیس نے عرش کی ”امیر المؤمنین! میں جس طرح کل آپ کا جان نثار تھا اسی طرح آج بھی ہوں۔ لیکن میری بھی یہی رائے ہے کہ قرآن مجید کو حکم مان لینا چاہئے۔“ غرض یہ چال ایسی کامیاب ہوئی کہ جناب مرتضیٰ کو مجبوراً اپنی فوج کو بازگشت کا حکم دینا پڑا۔ اشتر نخعی اس وقت نہایت کامیاب جنگ میں مصروف تھے اس لئے واپسی کا حکم سن کر ان کو بڑا صدمہ ہوا اور فرودگاہ پر واپس جانے کے بعد ان میں اور مسعر بن مذکی اور ابن الکواء وغیرہ میں جنہوں نے التوائے جنگ پر مجبور کیا تھا نہایت تلخ گفتگو ہوئی اور قریب تھا کہ باہم کشت و خون کی نوبت پہنچ جائے لیکن جناب امیرؑ نے درمیان میں پڑ کر معاملہ کو رفت و گذشت کر دیا۔

التوائے جنگ کے بعد دونوں طریق میں خط و کتاب شروع ہوئی اور طرفین کے علماء فضلاء کا اجتماع ہوا اور بحث و مباحثہ کے بعد قرار پایا کہ خلافت کا مسئلہ دو حکم کے سپرد کر دیا جائے اور وہ جو کچھ فیصلہ کریں اس کو قطعی تصور کیا جائے۔ شامیوں نے اپنی طرف سے عمرو بن العاصؓ کا نام پیش کیا۔ اہل عراق کی طرف سے اشعث بن قیس نے ابو موسیٰ اشعریؓ کا نام لیا۔ حضرت علیؑ نے اس

سے اختلاف کیا اور حضرت ابو موسیٰ اشعرئ کے بجائے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کو تجویز کیا۔ لوگوں نے کہا کہ عبداللہ بن عباسؓ اور آپؐ تو ایک ہی ہیں، حکم کو غیر جانبدار ہونا چاہئے۔ اس لئے جناب امیرؓ نے دوسرا نام اشتر نخعیؓ کا لیا۔ اشعث بن قیس نے برا فروختہ ہو کر کہا ”جنگ کی آگ اشتر ہی نے بھڑکائی ہے اور ان کی رائے تھی کہ جب تک آخری نتیجہ نہ ظاہر ہو ہر فریق دوسرے سے لڑتا رہے۔ اس وقت تک ہم اس کی رائے پر عمل کرتے رہے۔ ظاہر ہے کہ جس کی رائے یہ ہے کہ اس کا فیصلہ بھی یہی ہوگا۔“ حضرت علیؓ نے جب دیکھا کہ لوگ ابو موسیٰ اشعرئ کے علاوہ اور کسی پر رضا مند نہیں تو تحمل و بردباری کے ساتھ فرمایا: ”جس کو چاہو حکم بناؤ مجھے بحث نہیں۔“

حضرت ابو موسیٰ اشعرئؓ جنگ سے کنارہ کش ہو کر ملک شام کے ایک گاؤں میں گوشہ نشین ہو گئے تھے۔ لوگوں نے قاصد بھیج کر ان کو بلایا اور دونوں فریق کے ارباب حل و عقد ایک عہد نامہ ترتیب دینے کے لئے مجتمع ہوئے۔ کاتب نے بسم اللہ الرحمن الرحیم کے بعد لکھا ”بذا ما قاضی علیہ امیر المؤمنین“، امیر معاویہؓ تسلیم کر لیتا تو پھر جھگڑا ہی کیا تھا، عمرو بن العاصؓ نے مشورہ دیا کہ صرف نام پر اکتفا کیا جائے۔ لیکن احفاب بن قیس اور حضرت علیؓ کے دوسرے جاں نثاروں کو اس لقب کا محو ہونا نہایت شاق تھا۔ فدائے رسول ﷺ نے کہا: خدا کی قسم! یہ سنت کبریٰ ہے، صلح حدیبیہ (ذوقعدہ ۱ھ) میں ”رسول اللہ“ کے فقرے پر ایسا ہی اعتراض ہوا تھا اس لئے جس طرح حضور انور ﷺ نے اس کو اپنے دست مبارک سے مٹایا تھا اسی طرح میں بھی اپنے ہاتھ سے مٹاتا ہوں۔ غرض معاہدہ لکھا گیا اور دونوں طرف کے سربراہ آرمیوں نے دستخط کر کے اس کو موثق کیا۔ معاہدہ کا خلاصہ یہ ہے:

علیؓ، معاویہؓ اور ان دونوں کے طرفدار باہمی رضا مندی کے ساتھ عہد کرتے ہیں کہ عبداللہ بن قیس (ابو موسیٰ اشعرئؓ) اور عمرو بن العاصؓ قرآن پاک اور سنت نبوی کے مطابق جو فیصلہ کریں گے اس کے تسلیم کرنے میں ان کو پس و پیش نہ ہوگا۔ اس لئے دونوں حکم کے لئے نہایت ضروری ہے کہ وہ قرآن اور سنت نبوی ﷺ کو نصب العین بنائیں اور کسی حالت میں اس سے انحراف نہ کریں، حکم کی جان اور ان کا مال محفوظ رہے گا اور ان کے حق فیصلہ کی تمام امت تائید کرے گی۔ ہاں اگر فیصلہ کتاب اللہ اور سنت نبوی ﷺ کے خلاف ہوگا تو تسلیم نہیں کیا جائے گا اور فریقین کو اختیار ہوگا کہ پھر از سر نو جنگ کو اپنا حکم بنائیں۔

خارجی فرقہ کی بنیاد

معاہدہ تیرہویں صفر ۳ھ چہار شنبہ کے روز ترتیب پایا، اشعث بن قیس تمام قبائل کو اس

معاہدہ سے مطلع کرنے پر مامور ہوئے۔ وہ سب کو سناتے ہوئے جب غزوہ کے فرود گاہ پر پہنچے تو دو آدمیوں نے کھڑے ہو کر کہا کہ خدا کے سوا اور کسی کو فیصلہ کا حق نہیں اور غضب ناک ہو کر شامی فوج پر حملہ کر دیا اور لڑ کر مارے گئے۔ اسی طرح قبیلہ مراد اور بنو راست اور بنو تمیم نے بھی اس کو ناپسند کیا۔ بنو تمیم کے ایک شخص غزوہ بن اودیہ نے اشعث سے سوال کیا کہ کیا تم لوگ اللہ کے دین میں آدمیوں کا فیصلہ قبول کرتے ہو؟ اگر ایسا ہے تو بتاؤ کہ ہمارے مقتول کہاں جائیں؟ اور غضب ناک ہو کر تلوار کا ایسا وار کیا کہ اگر خالی نہ جاتا تو اشعث کا کام ہی تمام ہو جاتا، بہت سے آدمیوں نے خود حضرت علیؑ کی خدمت میں حاضر ہو کر اس معاہدہ کی نسبت اپنی بیزاری ظاہر کی۔ محزربن خنیس نے عرض کی، امیر المؤمنین! اس معاہدہ سے رجوع کر لیجئے، واللہ میں ڈرتا ہوں کہ شاید آپ کا انجام بُرا نہ ہو۔ غرض ایک معتد بہ جماعت نے اس کو ناپسند کیا اور انجام کار اسی ناپسندیدگی نے ایک مستقل فرقہ کی بنیاد قائم کر دی جس کا ذکر آگے آئے گا۔

تحکیم کا نتیجہ

حضرت علیؑ اور امیر معاویہؓ نے دومۃ الجندل کو جو عراق اور شام کے وسط میں تھا بالاتفاق حکمین کے لئے اجلاس کا مقام منتخب کیا اور ہر ایک نے اپنے اپنے حکم کے ساتھ چار چار سو آدمیوں کی جمعیت ساتھ کر دی۔ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کے ساتھ جو فوج گئی تھی اس کے افسر شریح بن ہانی اور مذہبی نگران حضرت عبداللہ بن عباسؓ تھے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ، حضرت سعد وقاصؓ اور حضرت مغیرہ بن شعبہؓ وغیرہ جو اپنے ورع و تقویٰ کے باعث اس خانہ جنگی سے الگ رہے تھے تحکیم کی خبر سن کر اس کا آخری فیصلہ معلوم کرنے کے لئے دومۃ الجندل میں آئے۔ حضرت مغیرہ بن شعبہؓ نے جو نہایت نکتہ رس اور معاملہ فہم بزرگ تھے پہنچنے کے ساتھ ابوموسیٰ اشعریؓ اور عمرو بن العاصؓ سے علیحدہ علیحدہ گفتگو کر کے ان کی رائے کا اندازہ کیا تو انہیں یقین ہو گیا کہ ان دونوں میں اتحاد وائے ممکن نہیں ہے۔ چنانچہ انہوں نے اسی وقت اعلانیہ پیشین گوئی کی کہ اس تحکیم کا نتیجہ خوش آئند نہ ہوگا۔ بہر حال دونوں قلم حسب قرار داد گوشہ خلوت میں مجتمع ہوئے۔ عمرو بن العاصؓ نے حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کو اپنا ہم خیال بنانے کے لئے ان کی غیر معمولی تعظیم و توقیر شروع کی۔ تعریف و توصیف کے پل باندھ دیئے۔ اصل مسئلہ کے متعلق جو گفتگو ہوئی اس کا خلاصہ یہ ہے:

ابوموسیٰ: عمرو! تم ایک ایسی رائے کے متعلق کیا خیال رکھتے ہو جس سے خدا کی خوشنودی اور قوم کی بہبودی دونوں میسر آئے؟

عمرو بن العاصؓ: وہ کیا ہے؟

ابوموسیٰ: عبداللہ بن عمرؓ نے ان خانہ جنگیوں میں کسی طرح حصہ نہیں لیا ہے، ان کو منصب

خلافت پر کیوں نہ متمکن کیا جائے؟

عمر و ابن العاص: معاویہؓ میں کیا خرابی ہے؟

ابوموسیٰ: معاویہؓ نہ تو اس منصبِ جلیل کے لئے موزوں ہیں اور نہ ان کو کسی طرح کا استحقاق ہے، ہاں اگر تم مجھ سے اتفاق کرو تو فاروقِ اعظمؓ کا عہد لوٹ آئے اور عبد اللہ اپنے باپ کی یاد پھر تازہ کر دیں۔

عمر و ابن العاص: میرے لڑکے عبد اللہ پر آپ کی نظر انتخاب کیوں نہیں پڑتی، فضل و منقبت میں تو وہ بھی کچھ کم نہیں۔

ابوموسیٰ: بیشک تمہارا لڑکا صاحبِ فضل و منقبت ہے لیکن ان خانہ جنگیوں میں شریک کر کے تم نے ان کے دامن کو بھی ایک حد تک داغدار کر دیا ہے، برخلاف اس کے طیب ابن طیب عبد اللہ بن عمرؓ کا لباس تقویٰ ہر قسم کے دھبوں سے محفوظ ہے۔ بس آؤ انہی کو مسندِ خلافت پر بٹھادیں۔

عمر و ابن العاص: ابوموسیٰ! اس منصب کی صلاحیت صرف اس میں ہو سکتی ہے جس کے دو داڑھ ہوں، ایک سے کھائے اور دوسرے سے کھلائے۔

ابوموسیٰ: عمرو! تمہارا برا ہو، کشت و خون کے بعد مسلمانوں نے ہمارا دامن پکڑا ہے اب ہم ان کو پھر فتنہ و فساد میں مبتلا نہیں کریں گے۔

عمر و ابن العاص: پھر آپ کی کیا رائے ہے؟

ابوموسیٰ: ہمارا خیال ہے کہ علیؓ اور معاویہؓ دونوں کو معزول کر دیں اور مسلمانوں کی مجلسِ شوریٰ کو پھر سے اختیار دیں کہ جس کو چاہے منتخب کرے۔

عمر و ابن العاص: مجھے بھی اس سے اتفاق ہے۔

مذکورہ بالا قرارداد کے بعد جب دونوں ایک دوسرے سے جدا ہوئے تو عبد اللہ ابن عباسؓ نے ابوموسیٰ کے پاس جا کر کہا: ”خدا کی قسم! مجھے یقین ہے کہ عمروؓ نے آپ کو دھوکہ دیا ہوگا، اگر کسی رائے پر اتفاق ہوا ہو تو آپ ہرگز اعلان میں سبقت نہ کیجئے گا، وہ نہایت غدار ہے، کیا عجب ہے کہ آپ کے بیان کی مخالفت کر بیٹھے۔“ ابوموسیٰ نے کہا کہ ہم لوگ ایسی رائے پر متفق ہوئے ہیں کہ اس میں اختلاف کی گنجائش ہی نہیں۔ غرض دوسرے روز مسجد میں مسلمانوں کا مجمع ہوا۔ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ نے عمرو بن العاصؓ سے فرمایا کہ وہ منبر پر چڑھ کر فیصلہ سنائیں۔ انہوں نے عرض کی: ”میں آپ پر سبقت نہیں کر سکتا۔ آپ فضل و منقبت میں، سن و سال میں، غرض ہر حیثیت سے ہم سے افضل اور ہمارے بزرگ ہیں۔“

حضرت ابو موسیٰ پر عمرو بن العاصؓ کا جادو چل گیا۔ چنانچہ آپ بغیر کسی پس و پیش کے کھڑے ہو گئے اور حمد و ثنا کے بعد کہا ”صاحبو! ہم نے علیؓ اور معاویہؓ دونوں کو معزول کیا اور پھر نئے سرے سے مجلس شوریٰ کو انتخاب کا حق دیا۔ وہ جس کو چاہے اپنا امیر بنائے۔“ ابو موسیٰ اپنا فیصلہ سنا کر منبر پر سے اترے تو عمرو بن العاصؓ نے کھڑے ہو کر کہا ”صاحبو! علیؓ کو جیسا کہ ابو موسیٰ نے معزول کیا میں بھی معزول کرتا ہوں لیکن معاویہؓ کو اس منصب پر قائم رکھتا ہوں، کیونکہ وہ امیر المؤمنین عثمانؓ کے ولی اور خلافت کے سب سے زیادہ مستحق ہیں۔“

حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ بہت نیک دل اور سادہ دل بزرگ تھے۔ اس خلاف بیان سے ششدر رہ گئے۔ چلا کر کہنے لگے: ”یہ کیا غداری ہے؟ یہ کیا بے ایمانی ہے؟ سچ یہ ہے کہ تمہاری حالت بالکل اس کتے کی طرح ہے جس پر لا دو جب بھی ہانپتا ہے اور چھوڑ تو بھی ہانپتا ہے انما مثلک کمثل الکلب ان تحمل علیہ یلھث او تترکہ یلھث۔ عمرو بن العاصؓ نے کہا اور آپ پر چار پائے بروکتا بے چند کی مثل صادق آتی ہے۔ مثلک کمثل الحمار یحمل اسفارا۔ عمرو بن العاصؓ کے بیان سے مجمع میں سخت برہمی پیدا ہو گئی۔ شریح بن ہانی نے عمرو بن العاصؓ کو کوڑے سے مارنا شروع کیا۔ اس طرف سے ان کے ایک لڑکے نے شریح پر حملہ کر دیا، لیکن بات بڑھنے نہیں پائی اور لوگوں نے بیچ بچاؤ کر کے رفت و گذشت کر دیا۔ حضرت ابو موسیٰؓ کو اس قدر رندامت ہوئی کہ اسی وقت مکہ روانہ ہو گئے اور تمام عمر گوشہ نشین رہے۔

خوارج کی سرکشی

پہلے گزر چکا ہے کہ تحکیم کو حضرت علیؓ کے اعوان و انصار میں سے معتدیہ جماعت نے ناپسند کیا تھا۔ چنانچہ جب آپ صفین سے کوفہ تشریف لائے تو اس نے اپنی ناپسندیدگی کا ثبوت اس طرح دیا کہ تقریباً بارہ ہزار آدمیوں نے لشکرِ حیدری سے کنارہ کش ہو کر حر دار میں اقامت اختیار کی۔ حضرت علیؓ نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کو سمجھانے کے لئے بھیجا، انہیں ناکامی ہوئی تو خود تشریف لے گئے اور مناظرہ و مباحثہ کے بعد راضی کر کے سب کو کوفہ لے آئے۔ یہاں یہ افواہ پھیل گئی کہ جناب امیرؓ نے ان کی خاطر داری کے لئے تحکیم کو کفر تسلیم کر کے اس سے توبہ کی ہے۔ حضرت علیؓ کے کان میں اس کی بھنک پہنچی تو آپ نے خطبہ دے کر اس کی تکذیب کی اور فرمایا کہ پہلے ان ہی لوگوں نے جنگ ملتوی کرنے پر مجبور کیا، پھر تحکیم پر ناپسندیدگی ظاہر کی اور اب چاہتے ہیں کہ عہد شکنی کر کے قبل از فیصلہ پھر جنگ شروع کر دوں۔ خدا کی قسم! یہ نہیں ہو سکتا۔ حاضرین میں اس جماعت کے لوگ بھی موجود تھے وہ سب ایک ساتھ چلا اٹھے لاکھم الا اللہ یعنی فیصلہ کا حق صرف اللہ کو ہے اور ایک شخص نے سامنے آ کر نہایت بلند آہنگی سے کہا:

اے محمد! تم اور تمہارے قبل انبیاء پر یہ وحی بھیجی گئی کہ اگر تم نے خدا کی ذات میں دوسرے کو شریک بنایا تو تمہارے سب اعمال بے کار ہو جائیں گے اور تم خسارہ اٹھانے والوں میں ہو گے۔

وَلَقَدْ اَوْحٰی اِلَیْکَ وَ اِلٰی الذِّیْنَ
مِنْ قَبْلِکَ اَنْ لَّیْسَ لَیْسَ اَشْرَکَتْ
لَیْسَ یَحْبُطَنَّ عَمَلُکَ وَلَ تَکُوْنَنَّ مِنْ
الْخٰسِرِیْنَ
(زمر-۶۵)

حضرت علیؑ نے برجستہ جواب دیا:

تو صبر کر، خدا کا وعدہ حق ہے اور جو لوگ یقین نہیں رکھتے وہ تیرا استخفاف نہ کریں۔

فَاَصْبِرْ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَلَا
یَسْتَخْفِنُکَ الذِّیْنَ لَا یُوقِنُوْنَ
(دور-۶۴)

غرض رفتہ رفتہ اس جماعت نے ایک مستقل فرقہ کی صورت اختیار کر لی۔ دومۃ الجندل کی حکیم کا افسوس ناک نتیجہ ملک میں شائع ہوا تو اس فرقہ نے جناب مرتضیٰ کی بیعت توڑ کر عبد اللہ بن وہب الراسی کے ہاتھ پر بیعت کی اور کوفہ، بصرہ، انبار اور مدائن وغیرہ میں جس قدر اس فرقہ کے لوگ موجود تھے وہ سب نہروان میں جمع ہوئے اور عام طور پر قتل و غارت گری کا بازار گرم کر دیا۔ خارجیوں کا عقیدہ تھا کہ معاملات دین میں سرے سے حکم مقرر کرنا کفر ہے۔ پھر ان دونوں حکم نے جس طریقہ پر اس کا فیصلہ کیا اس کے لحاظ سے خود وہ دونوں اور ان کے انتخاب کرنے والے کافر ہیں اور اس عقیدہ سے جس کو اتفاق نہ ہو اس کا خون مباح ہے۔ چنانچہ انہوں نے عبد اللہ بن خباب اور ان کی اہلیہ کو نہایت بے دردی سے قتل کر دیا۔ اسی طرح ام سنان اور صیداویہ کو مشق ستم بنایا اور جو انہیں ملا اس کو یا تو اپنا ہم خیال بنا کر چھوڑا یا موت کے گھاٹ اتار دیا۔ حضرت علیؑ کو ان جگر خراش واقعات کی اطلاع ہوئی تو حارث بن مرہ کو دریافت حال کے لئے بھیجا۔ خارجیوں نے ان کا بھی کام تمام کر دیا۔

جناب مرتضیٰؑ اس وقت نئے سرے سے شام پر فوج کشی کی تیاری فرما رہے تھے لیکن جب خارجیوں کی سرکشی اور قتل و غارت اس حد تک پہنچ گئی تو اس ارادہ کو ملتوی کر کے ان خارجیوں کی تنبیہ کے لئے نہروان کا قصد کرنا پڑا۔

معرکہ نہروان

نہروان پہنچ کر حضرت ابویوبؓ انصاری اور قیس بن سعد بن عبادہؓ کو خارجیوں کے پاس بھیجا کہ وہ بحث و مباحثہ کر کے ان کو ان کی غلطی پر متنبہ کریں۔ جب ان دونوں کو ناکامی ہوئی تو خارجیوں کے ایک سردار ابن الکواکبرؓ کو بلا کر خود ہر طرح سمجھایا، لیکن ان کے قلوب تاریک ہو چکے تھے، اس لئے ارشاد و ہدایت کے تمام مساعی ناکام رہے اور جناب امیرؓ نے مجبور ہو کر فوج کو

تیاری کا حکم دیا۔ میمنہ پر حجر بن عدی، میسرہ پر شیت بن ربیع، پیادہ پر حضرت ابو قتادہ انصاری اور سواروں پر حضرت ابوالیوب کو متعین کر کے باقاعدہ صف آرائی کی۔

خارجیوں میں ایک جماعت ایسی تھی جس کو حیدر کرار سے جنگ آزمائی ہونے میں پس و پیش تھا، اس لئے جب لڑائی شروع ہوئی تو تقریباً (۵۰۰) پانچ سو آدمیوں نے الگ ہو کر بند کجین کی راہ لی، ایک بڑا گروہ کوفہ چلا گیا اور ایک ہزار آدمیوں نے تو بہ کر کے علم حیدری کے نیچے پناہ لی اور عبداللہ بن وہب الراسی کے ساتھ صرف چار ہزار خارجی باقی رہ گئے، لیکن یہ سب منتخب اور جانباز تھے اس لئے انہوں نے میمنہ اور میسرہ پر اس زور کا حملہ کر دیا کہ اگر جاں نثاران علیؑ میں غیر معمولی ثبات و استقلال نہ ہوتا تو ان کا روکنا سخت مشکل تھا۔ خارجیوں کی حالت یہ تھی کہ ان کے اعضاء کٹ کٹ کر جسم سے علیحدہ ہو جاتے تھے لیکن ان کی حملہ آوری میں فرق نہیں آتا تھا، شریح بن ابی ادنیٰ کا ایک پاؤں کٹ گیا تو تنہا ایک ہی پاؤں پر کھڑا ہو کر لڑتا رہا۔ اسی طرح خارجی ایک ایک کر کے کٹ کر مر گئے۔ جنگ ختم ہونے کے بعد حضرت علیؑ نے خارجی مقتولین میں اس شخص کو تلاش کرنا شروع کیا جس کے متعلق رسول اللہ ﷺ نے پیشین گوئی فرمائی تھی۔ چنانچہ تمام علامات کے ساتھ ایک لاش برآمد ہوئی تو فرمایا ”اللہ اکبر! خدا کی قسم! رسول اللہ ﷺ نے کس قدر صحیح ارشاد فرمایا تھا۔“

جنگ نہروان سے فارغ ہونے کے بعد حضرت علیؑ نے شام کی طرف کوچ کرنے کا حکم دیا لیکن اشعث بن قیس نے کہا ”امیر المؤمنین! ہمارے ترکش خالی ہو گئے ہیں، تلواروں کی دھاریں مڑ گئی ہیں، نیزوں کے پھل خراب ہو گئے ہیں، اس لئے ہم کو دشمن پر فوج کشی کرنے سے پہلے اسباب و سامان درست کر لینا چاہئے۔“ جناب امیرؑ نے اشعث کی رائے کے مطابق خیلہ میں پڑاؤ کر کے لوگوں کو تیاری کا حکم دیا۔ لیکن لوگ تیار ہونے کے بجائے آہستہ آہستہ دس دس بیس بیس کوفہ کھسنے لگے، یہاں تک کہ آخر میں کل ایک ہزار کی جمعیت ساتھ رہ گئی۔ حضرت علیؑ نے یہ رنگ دیکھا تو سر دست شام پر فوج کشی کا ارادہ ترک کر دیا اور کوفہ واپس جا کر اقامت اختیار کی۔

مصر کے لئے کشمکش

پہلے گزر چکا ہے کہ جناب مرتضیٰؑ نے مسند خلافت پر متمکن ہونے کے ساتھ عہد عثمانی کے تمام عمال کو معزول کر کے نئے عمال مقرر کئے تھے۔ چنانچہ مصر کی ولایت حضرت قیس بن سعد انصاری کے سپرد ہوئی تھی۔ انہوں نے حکمت عملی سے تقریباً تمام اہل مصر کو جناب امیرؑ کی خلافت پر راضی کر کے اُن سے آپ کی بیعت لے لی صرف قصبہ خربتہ کے لوگوں کو تامل ہوا اور انہوں نے کہا جب تک معاملات یکسو نہ ہو جائیں اس وقت تک ان سے بیعت کے لئے اصرار نہ کیا جائے۔ البتہ والی مصر کی اطاعت و فرمانبرداری میں کوتاہی نہ کریں گے اور نہ ملک کے امن و سکون

کو صدمہ پہنچائیں گے۔ قیس بن سعد نہایت پختہ کار اور صاحب تدبیر تھے، انہوں نے اس بھڑکے چھتے کو چھیڑنا خلاف مصلحت سمجھا اور انہیں امن و سکون کی زندگی بسر کرنے کی اجازت دے دی۔ اس رواداری کا نتیجہ یہ ہوا کہ اہل خربتاً مطیع و فرماں بردار ہو گئے اور خراج وغیرہ ادا کرنے میں انہوں نے کبھی کوئی جھگڑا نہیں کیا۔

جنگ صفین کی تیاریاں شروع ہوئیں تو امیر معاویہؓ کو خوف ہوا کہ اگر وہ دوسری طرف سے قیس بن سعد اہل مصر کو لے کر شام پر چڑھ آئے تو بڑی دقت کا سامنا ہوگا اس لئے انہوں نے قیس بن سعدؓ کو خط لکھ کر اپنا طرف دار بنانا چاہا۔ قیس بن سعدؓ نے دنیا سازی کے طور پر نہایت گول جواب دے کر نال دیا۔ امیر معاویہؓ غور اس کو تاڑ گئے اور ان کو لکھا کہ تم مجھے دھوکہ دینا چاہتے ہو، مجھ جیسا شخص کبھی تمہارے دام فریب کا شکار نہیں ہو سکتا، افسوس! تم اس کو فریب دیتے ہو جس کا ادنیٰ سا اشارہ مصر کو پامال کر سکتا ہے۔ قیس بن سعدؓ نے اس تحریر کا جواب نہایت سخت دیا اور لکھا کہ تمہاری دھمکی سے نہیں ڈرتا، خدا نے چاہا تو خود تمہاری اپنی جان کے لالے پڑ جائیں گے۔

حضرت قیس بن سعدؓ نہایت بلند پایہ اور ذی اثر بزرگ تھے۔ رسول مقبول ﷺ کے ساتھ اکثر غزوات میں انصار کے علم بردار رہے تھے۔ امیر معاویہؓ نے جب دیکھا کہ ان کے مقابلہ میں کچھ پیش نہ جائے گی تو انہوں نے ان کے مصر سے ہٹانے کی تدبیر کی ان کے متعلق مشہور کر دیا کہ قیس بن سعدؓ میرے طرفدار ہیں۔ رفتہ رفتہ یہ افواہ دربار خلافت میں پہنچی، محمد بن ابی بکرؓ وغیرہ نے اس کو اور بھی بڑھا چڑھا کر بیان کیا اور اہل خربتاً کو بیعت نہ کرنے کا واقعہ ثبوت میں پیش کیا۔

جناب امیرؓ نے اس افواہ سے متاثر ہو کر قیس بن سعدؓ کو خربتاً والوں سے بیعت کے لئے لڑنے کا حکم دیا۔ انہوں نے جواب دیا کہ خربتاً تقریباً دس ہزار نفوس کی آبادی ہے اس میں بسر بن ارطاة، مسلمہ بن مخلد اور معاویہ بن خدیج جیسے جنگ آزمابہادر موجود ہیں، ان سے لڑائی خریدنا مصلحت نہیں ہے جب دربار خلافت سے مکرر اصرار ہوا تو انہوں نے استعفیٰ دے دیا۔ قیس کی جگہ محمد بن ابی بکرؓ والی مصر مقرر ہوئے۔ یہ کمسن نا تجربہ کار تھے، ان کے طرز عمل نے مصر میں شورش و بے چینی کی آگ بھڑکا دی اور انہوں نے خربتاً والوں سے چھیڑ کر کے ان کو آمادہٴ پر خاش کر دیا۔ حضرت علیؓ کو ان حالات کی اطلاع ہوئی تو انہوں نے معرکہ صفین کے بعد اشتر نخعی کو مصر روانہ کیا کہ وہ محمد بن ابی بکرؓ کو سبکدوش کر کے ملک کے حالات درست کریں۔ لیکن امیر معاویہؓ نے راستے میں زہر دلا کر اشتر نخعی کا کام تمام کر دیا اور عمر بن العاصؓ کے ماتحت ایک زبردست مہم مصر روانہ کی۔ محمد بن ابی بکرؓ کے لئے اس فوج کا مقابلہ نہایت دشوار تھا تاہم دو ہزار کی جمعیت فراہم کر کے وہ اس جانبازی سے لڑے کہ عمرو بن العاصؓ کو معاویہ بن خدیجؓ کی خربتاً کی مدد و طلب کرنی پڑی۔ لیکن

اس دوران امیر معاویہؓ نے ایک بڑی جمعیت کے ساتھ آ کر پیچھے سے گھیر لیا اور محمد بن ابی بکرؓ کے ساتھی یا تو مارے گئے یا جان بچا کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ محمد بن ابی بکرؓ نے بھی ایک ویران کھنڈر میں پناہ لی لیکن عمرو بن العاصؓ کے جاسوسوں نے ڈھونڈ نکالا اور معاویہؓ نے خدیجہؓ نے نہایت بے رحمی کے ساتھ قتل کر کے لاش کو ایک مردہ گدھے کے پیٹ میں ڈال کر جلا دیا۔ اس افسوسناک طریقہ پر ۳۸ھ میں مصر کی قسمت کا فیصلہ ہو گیا اور حضرت علیؓ اپنی مجبور یوں کے باعث محمد بن ابی بکرؓ کی کوئی مدد نہ کر سکے۔

اسی سال یعنی ۳۸ھ میں امیر معاویہؓ نے اہل بصرہ کو جناب مرتضیٰؓ کی اطلاع سے برگشتہ کر کے اپنی حکومت کا طرفدار بنانے کے لئے عبداللہ بن حضرمی کو بصرہ بھیجا۔ عبداللہ کو اس مہم میں بڑی کامیابی ہوئی۔ قبیلہ بنو تمیم اور تقریباً تمام اہل بصرہ نے اس دعوت کو لبیک کہا اور حضرت علیؓ کے عامل زیاد کو بصرہ چھوڑ کر حدان میں پناہ گزین ہونا پڑا۔ بارگاہ خلافت کو اس کی اطلاع ہوئی تو حضرت علیؓ نے عین بن ضبیہ کو ابن حضرمی کی ریشہ دوانیوں کے انسداد پر مامور کیا لیکن قبل اس کے کہ انہیں کامیابی ہو، امیر معاویہؓ کے ہوا خواہوں نے ناگہانی طور پر قتل کر دیا۔ عین بن ضبیہ کے بعد جناب امیر نے جاریہ بن قدامہ کو ابن حضرمی کی سرکوبی پر مامور کیا۔ انہوں نے نہایت حکمت عملی کے ساتھ بصرہ پہنچ کر حضرمی اور اس کے ساتھیوں کو گھیر لیا اور ان کی پناہ گاہ کو نذر آتش کر کے خاک سیاہ کر دیا اور اہل بصرہ نے دوبارہ اطاعت قبول کر لی۔ امیر المؤمنین کے رحم نے غنہ عام کا اعلان کیا۔

بغاوتوں کا استیصال

جنگ نہروان میں گوجاریوں کا زور ٹوٹ چکا تھا تاہم ان کی چھوٹی چھوٹی ٹولیاں ملک میں موجود تھیں اور اپنی ریشہ دوانیوں سے روز ایک نہ ایک فتنہ برپا کرتی رہتی تھیں۔ چنانچہ ایک خارجی خریث بن راشد کا صرف یہ کام تھا کہ وہ مجوسیوں، مرتدوں اور نو مسلموں کو اپنے دام تزویر میں پھنسا کر ملک میں ہر طرف لوٹ مار کرتا پھرتا تھا اور ہر جگہ ذمیوں کو بھڑکا کر بغاوت کرا دیتا تھا۔ حضرت علیؓ نے زیاد بن حصہ اور ایک روایت کے مطابق معقل بن قیس کو جب رامہر مز سے روانہ ہوئے تو ان لوگوں نے دور تک مشایعت کی۔ ایرانی مردوں اور عورتوں نے خدا حافظ کہا اور ان کی جدائی پر بے اختیار آنکھوں سے آنسو نکل آئے۔

امیر معاویہؓ کا جارحانہ طریق عمل

جنگ صفین کے التواء اور مسئلہ تحکیم نے ایک طرف تو حضرت علیؓ کی جماعت میں تفریق و اختلاف ڈال کر خارجیوں کو بیدار کر دیا اور دوسری طرف اس سے بھی بڑھ کر یہ ہوا کہ آپ کے

مخصوص ہمدموں اور جانثاروں کے عزم و ارادے بھی پست ہو گئے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ پھر وہ جنگ سے پہلو تہی کرنے لگے۔ جناب امیرؓ نے بارہا شام پر چڑھائی کا قصد کیا۔ پر جوش خطبوں سے اپنے ساتھیوں کو حمایت حق کی دعوت دی اور طعن آمیز جملوں سے ان کی رگ غیرت کو جوش میں لانے کی کوشش کی لیکن شیعانِ علیؓ کے دل ایسے پڑ مردہ ہو گئے تھے اور ان کی ہمتیں ایسی پست ہو چکی تھیں کہ پھر وہ کسی طرح آمادہ نہ ہوئے۔ اس سلسلے کے جو خطبے حضرت علیؓ کی طرف منسوب اور سچ البلاغہ میں موجود ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علیؓ کو اپنے حامیوں اور طرفداروں کی اس سردمہری کا کتنا صدمہ تھا۔ امیر معاویہؓ اس حقیقتِ حال سے ناواقف نہ تھے۔ انہوں نے شیعانِ علیؓ کی پست ہمتی سے فائدہ اٹھا کر مدافعت کے بجائے اب جارحانہ قدم اٹھایا اور ۳۹ھ میں فوج کے چھوٹے چھوٹے دستے حجاز، عراق اور جزیرہ میں پھیلا دیئے کہ وہ بدامنی پھیلا کر جناب مرتضیٰؓ کی پریشانیوں میں اضافہ کریں۔ چنانچہ نعمان بن بشر نے دو ہزار کی جمعیت سے عین التمر پر، سفیان بن عوف نے چھ ہزار کی فوج سے انبار اور مدائن وغیرہ پر، عبداللہ بن مسعود فزاری نے ایک ہزار سات سو آدمیوں سے یتھاء پر، ضحاک بن قیس نے وافضہ کے نشیبی حصہ پر اور امیر معاویہؓ نے دجلہ کے ساحلی علاقوں پر حملہ کر کے بیت المال لوٹ لیا اور شیعانِ علیؓ کو تہ تیغ کر کے لوگوں کو اپنی حکومت کے سامنے گردنِ اطاعت خم کرنے پر مجبور کر دیا۔

کرمان و فارس کی بغاوتوں کو فرو کرنا

حیدر کرارؓ کی ہمت مردانہ نے گو بہت جلد امیر معاویہؓ کے حملہ آور دستوں کو ممالکِ مقبوضہ سے نکال دیا، تاہم اس سے ایک عام بدامنی اور بے رُعمی پیدا ہو گئی۔ کرمان و فارس کے عجمیوں نے بغاوت کر کے خراج دینے سے انکار کر دیا۔ اکثر صوبوں نے اپنے یہاں کے علوی نکال دیئے اور ذمیوں نے خود سری اختیار کر لی۔ حضرت علیؓ نے اس عام بغاوت کے فرو کرنے کے متعلق مشورہ طلب کیا۔ لوگوں نے عرض کی، زیاد بن ابیہ سے زیادہ اس کام کے لئے کوئی شخص موزوں نہیں ہو سکتا، اس لئے زیاد اس مہم پر مامور ہوئے۔ انہوں نے بہت جلد کرمان، فارس اور تمام ایران میں بغاوت کی آگ فرو کر کے امن و سکون پیدا کر دیا۔ بغاوت فرو ہونے کے بعد حضرت علیؓ نے ایرانی باغیوں کے ساتھ اس لطف و مدارت کا سلوک کیا کہ ایران کا بچہ بچہ منت پذیری کے جذبات سے لبریز ہو گیا۔ ایرانیوں کا خیال تھا کہ امیر المؤمنین علیؓ بن ابی طالب کے طریق جہان بانی نے شیروانی طرزِ حکومت کی یاد بھلا دی۔

فتوحات

گذشتہ حالات سے یہ معلوم ہو گیا ہو گا کہ حضرت علیؓ مرتضیٰؓ کو اندرونی شورشوں اور خانگی

جھگڑوں کے دبانے سے اتنی فرصت نہ مل سکی کہ وہ اسلام کے فتوحات کے دائرے کو بڑھا سکتے۔ تاہم آپ بیرونی امور سے غافل نہ رہے۔ چنانچہ سیرستان اور کابل کی سنت میں بعض عرب خود مختار ہو گئے تھے، ان کو قابو میں کر کے آگے قدم بڑھایا (۱)۔ اور ۳۸ھ میں بعض مسلمانوں کو بحری راستہ سے ہندوستان پر حملہ کرنے کی اجازت دی۔ اس وقت کوکن بمبئی کا علاقہ سندھ میں شامل تھا۔ مسلمان رضا کار سپاہیوں نے سب سے پہلے اسی عہد کوکن پر حملہ کیا (۲)۔

حجاز اور عرب کے قبضہ کے لئے کشمکش

امیر معاویہؓ نے ۴۰ھ میں پھر از سر نو چھیڑ چھاڑ شروع کی اور بسر بن ارطاة کو تین ہزار کی جمعیت کے ساتھ حجاز روانہ کیا۔ اُس نے بغیر کسی مزاحمت و جنگ کے مکہ اور مدینہ پر قبضہ کر کے یہاں کے باشندوں سے زبردستی امیر معاویہؓ کے لئے بیعت لی۔ پھر وہاں سے یمن کی طرف بڑھا۔ حضرت ابو موسیٰ اشعرؓ نے پہلے سے پوشیدہ طور پر یمن کے عامل عبید اللہ بن عباسؓ کو بسر بن ابی ارطاة کے حملہ کی اطلاع کردی اور یہ بھی لکھ دیا کہ جو لوگ معاویہؓ کی حکوم تسلیم کرنے میں لیت و لعل کرتے ہیں وہ ان کو نہایت بے دردی سے تہ تیغ کر دیتا ہے۔ عبید اللہ بن عباسؓ نے اپنے کو اس مقابلہ سے عاجز دیکھ کر عبد اللہ بن عبد المذہبؓ کو اپنا قائم مقام بنایا اور خود دربار خلافت سے مدد طلب کرنے کے لئے کوفہ کی راہ لی۔ بسر بن ابی ارطاة نے یمن پہنچ کر نہایت بے دردی کے ساتھ عبید اللہ بن عباسؓ کے دو صغیر الحسنؓ و ہجوں اور شعیبانؓ علیؓ کی ایک بڑی جماعت کو قتل کر دیا۔

دوسری طرف شامی سواروں نے سرحد عراق پر ترکتاز شروع کر دی اور یہاں کی محافظ سپاہ کو شکست دے کر انبار پر قبضہ کر لیا۔ حضرت علیؓ کو بسر بن ابی ارطاة کے مظالم کا حال معلوم ہوا تو آپ نے جاریہ بن قدامہ اور وہب بن مسعود کو چار ہزار جمعیت کے ساتھ اس کی سرکوبی کے لئے یمن و حجاز کی مہم پر مامور کیا اور کوفہ کی جامع مسجد میں پر جوش خطبے دے کر لوگوں کو حدود و عراق سے شامی فوج نکال دینے پر ابھارا، اور یہ تقریریں ایسی موثر تھیں کہ اہل کوفہ کے مردہ قلوب میں بھی فوری طور پر روح پیدا ہو گئی اور ہر گوشہ سے صدائے لبیک بلند ہوئی، لیکن جب کوچ کا وقت آیا تو صرف سو آدمی رہ گئے۔ جناب مرتضیٰؓ کو اہل کوفہ کی اس بے بسی پر نہایت صدمہ ہوا۔ حجر بن عدی اور سعید بن قیس ہمدانی نے عرض کی، امیر المؤمنین! بغیر تشدد کے لوگ راہ پر نہ آئیں گے۔ عام منادی کرادیں کہ بلا استثناء ہر شخص کو میدان جنگ کی طرف چلنا پڑے گا اور جو اس میں تساہل یا اعراض سے کام لے گا اس کو سخت سزا دی جائے گی۔ اب صورت حال ایسی تھی کہ اس مشورہ پر عمل کرنے کے سوا چارہ نہ تھا اس لئے حضرت علیؓ نے اس کا اعلان عام کر دیا اور معقل کو رساتیق بھیجا کہ وہاں

① فتوح البلدان بلاذری باب سیرستان و کابل ② ایضاً ذکر فتوح السند

سے جس قدر بھی سپاہی مل سکیں جمع کر کے لے آئیں۔ لیکن یہ تیاریاں ابھی حد تکمیل کو نہیں پہنچی تھیں کہ ابن مجہم کی زیر آلودگوار نے جامِ شہادت پلا دیا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

اس جانگداز واقعہ اور اندوہناک سانحہ کی تفصیل یہ ہے کہ واقعہ نہروان کے بعد چند خارجیوں نے حج کے موقع پر مجتمع ہو کر مسائلِ حاضرہ پر گفتگو شروع کی اور بحث و مباحثہ کے بعد بالاتفاق یہ رائے قرار پائی کہ جب تک تین آدمی علیؑ، معاویہؓ اور عمرو بن العاصؓ ہستی پر موجود ہیں دنیائے اسلام کو خانہ جنگیوں سے نجات نصیب نہیں ہو سکتی۔ چنانچہ تین آدمی ان تینوں کے قتل کرنے کے لئے تیار ہو گئے۔ عبدالرحمن بن مجہم نے کہا کہ میں علیؑ کے قتل کا ذمہ لیتا ہوں، اسی طرح نزال نے معاویہؓ اور عبداللہ نے عمرو بن العاصؓ کے قتل کا بیڑہ اٹھایا۔ اور تینوں اپنی اپنی مہم پر روانہ ہو گئے۔ کوفہ پہنچ کر ابن مجہم کے ارادہ کو قطعاً نامی ایک خوب صورت خارجی عورت نے اور زیادہ مستحکم کر دیا۔ اس مہم میں کامیاب ہونے کے بعد اس سے شاوی کا وعدہ کیا اور جناب مرتضیٰؑ کے خون کا مہر قرار دیا۔

غرض رمضان ۴۰ھ میں تینوں نے ایک ہی روز صبح کے وقت تینوں بزرگوں پر حملہ کیا۔ امیر معاویہؓ اور عمرو بن العاصؓ اتفاقی طور پر بچ گئے۔ امیر معاویہؓ پر وار اوچھا پڑا۔ عمرو بن العاصؓ اس دن امامت کے لئے نہیں آئے تھے۔ ایک اور شخص ان کا قائم مقام ہوا تھا وہ عمرو بن العاصؓ کے دھوکہ میں مارا گیا۔ جناب مرتضیٰؑ کا پیمانہ حیات لبریز ہو چکا تھا، آپ مسجد میں تشریف لائے اور ابن مجہم کو جو مسجد میں آ کر سوراہا تھا، جگایا۔ جب آپ نے نماز شروع کی اور سرسجدہ میں اور دل راز و نیاز الہی میں مصروف تھا کہ اسی حالت میں شقی ابن مجہم نے تلوار کا نہایت کاری وار کیا، سر پر زخم آیا اور ابن مجہم کو لوگوں نے گرفتار کر لیا (۱)۔ حضرت علیؑ اتنے سخت زخمی ہوئے تھے کہ زندگی کی کوئی امید نہ تھی اس لئے حضرت امام حسنؑ اور امام حسینؑ کو بلا کر نہایت مفید نصائح کئے اور محمد بن حنفیہ کے ساتھ لطف و مدارت کی تائید کی۔ جناب بن عبداللہ نے عرض کی امیر المؤمنین! آپ کے بعد ہم لوگ امام حسنؑ کے ہاتھ پر بیعت کریں، فرمایا اس کے متعلق میں کچھ نہیں کہنا چاہتا تم لوگ خود اس کو طے کرو۔ اس کے بعد مختلف وصیتیں کی، قاتل کے متعلق فرمایا کہ معمولی طور پر قصاص لینا (۲)۔

تلوار زہر میں بجھی ہوئی تھی اس لئے نہایت تیزی کے ساتھ اس کا اثر تمام جسم میں سرایت کر گیا اور اسی روز یعنی ۲۰، رمضان ۴۰ھ جمعہ کی رات کو یہ فضل و کمال اور رشد و ہدایت کا آفتاب ہمیشہ کیلئے غروب ہو گیا۔ حضرت امام حسنؑ نے خود اپنے ہاتھ سے تجہیز و تکفین کی۔ نماز جنازہ میں چار تکبیروں کے بجائے پانچ تکبیریں کیں اور عزی، نام کوفہ کے ایک قبرستان میں سپرد خاک کیا۔

کارنامے

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی خلافت کا پورا زمانہ خانہ جنگی اور شورش کی نذر ہوا اور اس بیخ سالہ مدت میں آپ کو ایک لمحہ بھی سکون و اطمینان کا نصیب نہ ہوا۔ اس لئے آپ کے زمانہ میں فتوحات کا دروازہ تقریباً بند ہو گیا۔ ملکی انتظام کی طرف بھی توجہ کرنے کی فرصت ان کو نہ مل سکی۔ لیکن ان لوگوں ناگوں مشکلات کے باوجود جناب مرتضیٰ کی زندگی عظیم الشان کارناموں سے مملو ہے لیکن ان کارناموں پر نظر پڑنے سے پہلے یہ امر قابل غور ہے کہ خلافت مرتضوی میں اس قدر افتراق، اختلاف اور شروفساد کے اسباب کیا تھے؟ حضرت علیؑ نے کس تحمل، استقلال اور سلامت روی کے ساتھ ان کا مقابلہ کیا۔

خلافت مرتضوی پر ایک نظر

حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد جناب مرتضیٰ نے جس وقت مسند خلافت پر قدم رکھا ہے اس وقت نہ صرف دار الخلافہ بلکہ تمام دنیائے اسلام پر آشوب تھی، حضرت عثمانؓ کی شہادت کوئی معمولی واقعہ نہ تھا، اس نے مسلمانوں کے جذبہ غیض و غضب کو مشتعل کر دیا۔ یہاں تک کہ جو لوگ آپ کے طرز حکومت کو ناپسند کرتے تھے، انہوں نے بھی مفسدین کی اس جسارت کو نفرت کی نگاہ سے دیکھا۔ چنانچہ حضرت زبیرؓ، طلحہؓ اور خود ام المؤمنین حضرت عائشہؓ نے حضرت عثمانؓ کی حکومت سے شاکی ہونے کے باوجود قصاص کا علم بلند کیا۔

دوسری طرف شام میں بنو امیہ امیر معاویہؓ کے زیر سیادت خلافت راشدہ کو اپنی سلطنت میں تبدیل کرنے کے خواب دیکھ رہے تھے، ان کے لئے اس سے زیادہ بہتر موقع کیا ہو سکتا تھا۔ چنانچہ امیر معاویہؓ نے بغیر کسی تامل کے ہر ممکن ذریعہ سے تمام شام میں خلیفہ ثالث کے انتقام کا جوش پیدا کر کے حضرت علیؑ کے خلاف ایک عظیم الشان قوت پیدا کر لی اور حسب ذیل وجہ کو آڑ بنا کر میدان میں اترے:

۱۔ حضرت علیؑ نے مفسدین کے مقابلہ میں حضرت عثمانؓ کو مدد نہیں دی۔

۲۔ اپنی خلافت میں قاتلین عثمانؓ سے قصاص نہیں لیا۔

۳۔ محاصرہ کرنے والوں کو قوت بازو بنایا اور ان کو بڑے بڑے عہدے دیے۔

یہ وجوہ تمام خانہ جنگیوں کی بناء قرار پائے، اس لئے غور کرنا چاہئے کہ اس میں کہاں تک صداقت ہے اور جناب مرتضیٰؑ کس حد تک اس میں معذور تھے۔

پہلا سبب یعنی مفسدین کے مقابلہ میں مدد نہ دینے کا الزام صرف حضرت علیؑ ہی پر نہیں بلکہ حضرت طلحہؓ، زبیرؓ، سعد و قاصؓ اور تمام اہل مدینہ پر عائد ہوتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ حضرت عثمانؓ کو یہ منظور ہی نہ تھا کہ ان کے عہد میں خانہ جنگی کی ابتداء ہو۔ چنانچہ انصار کرام، بنو امیہ اور دوسرے وابستگانِ خلافت نے جب اپنے کو جاں نثاری کے لئے پیش کیا تو حضرت عثمانؓ نے نہایت سختی کے ساتھ کشت و خون سے منع کر دیا۔

جناب مرتضیٰؑ نے اس باب میں جو کچھ کیا، ان کے لئے اس سے زیادہ ممکن نہ تھا، چنانچہ پہلی مرتبہ آپ ہی نے مفسدین کو راضی کر کے واپس کیا تھا لیکن جب دوسری مرتبہ وہ پھر لوٹے تو مروان کی غداری نے ان کی آتش غیظ و غضب کو اس قدر بھڑکا دیا تھا کہ کسی قسم کی سفارش کارگر نہیں ہو سکتی تھی۔ ام المؤمنین، ام حبیبہؓ نے محاصرہ کی حالت میں حضرت عثمانؓ کے پاس کھانے پینے کا کچھ سامان پہنچانا چاہا، تو مفسدین نے ان کا بھی پاس و لحاظ نہ کیا اور گستاخانہ مزاحمت کی اسی طرح حضرت علیؑ نے سفارش کی کہ آب و دانہ کی بندش نہ کی جائے تو ان شوریدہ سروں نے نہایت سختی سے انکار کیا۔ جناب امیرؓ کو اس کا اس قدر صدمہ ہوا کہ عمامہ پھینک کر اسی وقت واپس چلے آئے (۱)۔ اور تمام معاملات سے قطع تعلق کر کے عزلت نشین ہو گئے۔ پھر یہ بھی ملحوظ رکھنا چاہئے کہ اگر حضرت عثمانؓ محصور تھے تو دوسرے بڑے بڑے صحابہؓ بھی آزاد نہ تھے اور مفسدین نے ان لوگوں کی نقل و حرکت پر نہایت سخت نگرانی قائم کر دی تھی۔ چنانچہ ایک دفعہ حضرت امام حسنؓ نے اپنے پدر گرامی سے عرض کی کہ اگر آپ میری گزارش پر عمل کر کے محاصرہ کے وقت مدینہ چھوڑ دیتے تو مطالبہ قصاص کا جھگڑا آپ کے سر نہ پڑتا۔ اس وقت جناب امیرؓ نے یہی جواب دیا تھا کہ تمہیں کیا معلوم کہ میں اس وقت آزاد تھا یا مقید (۲)۔

البتہ قاتلوں کو سزا دینے کا الزام ایک حد تک لائق بحث ہے، اصل یہ ہے کہ اگر قاتل سے مراد وہ اشخاص ہیں جنہوں نے براہِ راست قتل میں حصہ لیا تو بے شک انہیں کیفرِ کردار تک پہنچانا حضرت علیؑ کا فرض تھا، لیکن جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے، پوری تفتیش و تحقیقات کے باوجود ان کا سراغ نہ ملا۔ اگر قاتل کا لفظ تمام محاصرہ کرنے والوں پر مشتمل ہے جیسا کہ امیر معاویہؓ وغیرہ کے مطالبہ

سے ظاہر ہوتا ہے کہ ایک شخص کے قصاص میں ہزاروں آدمیوں کا خون نہیں بہایا جاسکتا تھا اور نہ شریعت اس کی اجازت دیتی تھی، اس بڑی جماعت میں بعض صحابہ کرام اور بہت سے صلحائے روزگار بھی شامل تھے جن کا مطمع نظر صرف طلب اصلاح تھا، ان لوگوں کو قتل کر دینا یا امیر معاویہ کے خراج انتظام کے نیچے دے دینا صریحاً ظلم تھا۔

امرسوم یعنی محاصرہ کرنے والوں کو قوت بازو بنانے اور ان کو بڑے بڑے عہدے دینے کا الزام ایک حد تک صحیح ہے لیکن حضرت علیؑ اس میں مجبور تھے۔ اس وقت دنیائے اسلام میں تین فرقے پیدا ہو گئے تھے۔

شیعہ عثمانؓ، یعنی عثمانی فرقہ جو اعلانیہ جناب امیرؓ کا مخالف اور اپنی ایک مستقل سلطنت قائم کرنے کا خواب دیکھ رہا تھا۔

دوسرا گروہ اکابر صحابہؓ کا تھا جو اگرچہ حضرت علیؑ کو برحق سمجھتا تھا، لیکن اپنے ورع و تقویٰ کے باعث خانہ جنگی میں حصہ لینا پسند نہیں کرتا تھا۔ چنانچہ جب حضرت علیؑ نے مدینہ سے کوفہ کا قصد کیا اور صحابہ کرام سے چلنے کے لئے کہا تو بہت سے محتاط صحابہ نے معذرت کی۔ حضرت سعد و قاصؓ نے کہا، ”مجھے ایسی تلوار دیجئے جو مسلم و کافر میں امتیاز رکھے، میں صرف اسی صورت میں جانبازی کے لئے حاضر ہوں۔“ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے کہا، خدا کے لئے مجھے ایک ناپسندیدہ فعل کے لئے مجبور نہ کیجئے۔ حضرت محمد ابن مسلمہؓ نے کہا کہ قبل اس کے کہ میری تلوار کسی مسلم کا خون گرائے اس زور سے اسے جبل احد پر پٹک ماروں گا کہ وہ ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے گی۔ حضرت اسامہ بن زیدؓ نے عرض کی امیر المؤمنین! مجھے معاف کیجئے، میں نے عہد کیا کہ کسی کلمہ گو کے خون سے اپنی تلوار رنگین نہ کروں گا۔ غرض یہ گروہ عملی اعانت سے قطعی کنارہ کش تھا۔

تیسرا گروہ شیعان علیؑ کا تھا جس میں ایک بڑی جماعت ان لوگوں کی تھی جو یا تو خود محاصرہ میں شریک تھے یا وہ ان کے زیر اثر تھے۔ اس لئے جناب امیرؓ خواجواہ بے رخی کر کے اس بڑی جماعت کو قصد اپنا دشمن نہیں بنا سکتے تھے، تاہم آپ نے ان لوگوں کو مقرب خاص بنایا جو درحقیقت اس کے اہل تھے۔ حضرت عمار بن یاسرؓ ایک بلند پایہ صحابی اور مقبول بارگاہ نبوت تھے۔ محمد بن ابی بکرؓ خلیفہ اول کے صاحبزادے اور آغوشِ حیدرؓ کے تربیت یافتہ تھے۔ اسی طرح اشتر نخعیؓ ایک صالح نیک سیرت اور جاں نثارتا بھی تھے۔

غرض اسباب و علل جو بھی رہے ہوں اور ان کی حقیقت کچھ بھی ہو لیکن یہ واقعہ ہے کہ جناب مرتضیٰؑ کی مسند نشینی کے ساتھ ہی یکا یک دنیائے اسلام میں افتراق و اختلاف کی آگ بھڑک اٹھی اور شیرازہ ملی اس طرح بکھر گیا کہ جناب مرتضیٰؑ کی سعی اور جدوجہد کے باوجود پھر اوراق پریشاں

کی شیرازہ بندی نہ ہو سکی اور روز بروز مشکلات میں اضافہ ہوتا گیا اور اسلام کے سرشتہ نظام میں فرقہ آرائی اور جماعت بندی کی ایسی گرہ پڑ گئی جو قیامت تک کسی کے ناخن تدبیر سے حل نہیں ہو سکتی۔

اس میں شک نہیں کہ حضرت ابو بکر صدیق نے جب عنانِ خلافت ہاتھ میں لی تھی تو اس وقت دنیائے اسلام نہایت پر آشوب تھی لیکن دونوں حالتوں میں بین فرق ہے۔ صدیق اکبرؓ کے سامنے گو مصائب کا طوفان امنڈ رہا تھا، لیکن یہ کفر و ارتداد اور اسلام کا مقابلہ تھا، اس لئے سارے مسلمان اس کے مقابلہ میں متحد تھے۔ کل صحابہ ان کے معین و مددگار تھے، پھر خود حریف طاقتوں میں ہوا و ہوس اور باطل پرستی کی وجہ سے کوئی استقلال نہ تھا اس لئے ان کو زیر کر لینا نسبتاً آسان تھا، اس کے برخلاف جناب امیرؓ کے مقابلہ میں جو لوگ تھے وہ نہ صرف مسلمان تھے بلکہ ان میں آنحضرت ﷺ کی محبوب حرم حضرت عائشہ صدیقہ، آپ کے پھوپھی زاد اور ہم زلف و حواری رسول حضرت زبیر بن العوامؓ، متبشر بالجنۃ صحابی اور غزوہ احد کے ہیرو جن کا آنحضرت کی حفاظت میں سارا بدن چھلنی ہو گیا تھا اور اس صلہ میں انہیں بارگاہ نبوت سے خیر کا لقب ملا تھا، جیسے اکابر امت تھے۔ ان کے علاوہ امیر معاویہؓ والی شام جیسے مدبر تھے۔ جنہیں آنحضرت ﷺ سے قرابت داری کا بھی شرف حاصل تھا اور عمرو بن العاصؓ فاح مصر جیسے سیاست دان تھے جن کی اسلام میں بڑی خدمات تھیں اور ان میں سے ہر ایک اپنے کو برسرِ حق سمجھتا تھا۔ ساتھ ہی ان کو ایسے جاں نثار و وفا شعار ملے تھے جن کی مثالیں شیعانِ علیؓ میں کم تھیں اس لئے ان کے مقابلہ میں حضرت علیؓ کا عہدہ برا ہونا بہت دشوار تھا۔

حضرت علیؓ کی سیاسی ناکامی کا ایک بڑا سبب یہ بھی تھا کہ وہ جس زہد و اتقاء، دینداری، امانت، عدل و انصاف کے ساتھ حکومت کرنا چاہتے تھے اور لوگوں کو جس راستہ پر لے جانا چاہتے تھے زمانہ کے تغیر اور حالات کے انقلاب سے لوگوں کے قلوب میں اس کی صلاحیت باقی نہیں رہ گئی تھی۔ ایک طرف امیر معاویہؓ اپنے طرفداروں کے لئے بیت المال کا خزانہ لٹا رہے تھے دوسری طرف حضرت علیؓ ایک ایک خر مہرہ کا حساب لیتے تھے۔ یہی سبب تھا کہ حضرت علیؓ کے طرفدار اور ان کے بعض اعزہ تک دل برداشتہ ہو کر ان سے جدا ہو گئے تھے لیکن بہر حال حق، حق ہے اور باطل باطل، باطل کے مقابلہ میں حق کی شکست سے اس کی عظمت میں فرق نہیں آتا۔ اگر حضرت علیؓ ایسا نہ کرتے اور سیاسی حیثیت سے وہ کامیاب بھی ہو جاتے تو زہد و تقویٰ اور دیانت و امانت کی حیثیت میں وہ ناکام ہی ٹھہرتے۔ ان کی سیاسی ناکامی کا دوسرا سبب یہ بھی تھا کہ ان کے طرفداروں اور حامیوں میں پورا اتحاد خیال اور کامل خلوص نہ تھا، اس جماعت میں ایک بڑا طبقہ عبداللہ بن سبا کے

پیروؤں کا تھا جس کا عقیدہ تھا کہ جناب مرتضیٰ رسول اللہ ﷺ کے وصی ہیں۔ پھر اس خیال نے یہاں تک ترقی کی کہ سبائی فرقہ کے لوگ حضرت علیؑ کو انسان سے بالاتر ہستی بلکہ بعض خدا تک کہنے لگے۔ حضرت علیؑ نے ان لوگوں کو عبرت انگیز سزائیں دیں، لیکن جو وہاں پھیل چکی تھی اس کا دور کرنا آسان نہ تھا۔ اس فرقہ نے مذہب کے علاوہ سیاسی حیثیت سے بھی مسلمانوں کو بڑا نقصان پہنچایا۔ واقعہ جمل میں ممکن تھا کہ صلح ہو جاتی لیکن اسی جماعت نے پیش دستی کر کے جنگ شروع کر دی۔

دوسری جماعت قراء اور حفاظ قرآن کی تھی جو ہر معاملہ میں قرآن پاک کی لفظی پابندی چاہتی تھی، معنی اور مفہوم سے اس کو چنداں سروکار نہ تھا۔ چنانچہ واقعہ تحکیم کے بعد یہی جماعت خارجی فرقہ کی صورت میں ظاہر ہوئی۔

حضرت علیؑ کے حاشیہ نشینوں میں کچھ لوگ ایسے بھی تھے جو درحقیقت جاں نثار و فاشعار تھے لیکن معرکہ صفین میں کامل جدوجہد کے بعد درمقصود تک پہنچ کر غنیم کی چال سے محروم واپس آنا نہایت ہمت شکن واقعہ تھا، اس نے تمام جاں نثاروں کے حوصلے اور ارادے پست کر دیئے تھے۔ غرض ان تمام مشکلوں اور مجبوریوں کے باوجود جناب مرتضیٰ نے غیر معمولی ہمت و استقلال اور عدیم النظر عزم و ثبات کے ساتھ آخری لمحہ حیات تک ان مشکلات و مصائب کا مقابلہ کر کے دنیا کے سامنے بے نظیر تحمل و سلامت روی کا نمونہ پیش کیا اور اپنی ناکامی کے اسباب کا مشاہدہ کرنے کے باوجود دیانت داری اور شریعت سے سرمو تجاوز کرنا پسند نہ فرمایا۔ اگر آپ تھوڑی سی دنیا داری سے کام لیتے تو کامیاب ہو جاتے لیکن دین ضائع ہو جاتا، جس کا بچانا ایک خلیفہ راشد اور جانشین رسول اللہ ﷺ کا سب سے پہلا معرکہ اصلی فرض تھا۔

ملکی نظم و نسق

حضرت علی کرم اللہ وجہہ انتظام مملکت میں حضرت عمرؓ کے نقش قدم پر چلنا چاہتے تھے اور اس زمانہ کے انتظامات میں کسی قسم کا تغیر کرنا پسند نہیں فرماتے تھے۔ ایک دفعہ بحران کے یہودیوں نے (جن کو فاروق اعظمؓ نے حجاز سے جلا وطن کر کے بحران میں آباد کرایا تھا) نہایت لجابت کے ساتھ درخواست کی کہ ان کو پھر اپنے قدیم وطن میں واپس آنے کی اجازت دی جائے۔ حضرت علیؑ نے صاف انکار کر دیا اور فرمایا کہ عمرؓ سے زیادہ کون صحیح الرائے ہو سکتا ہے (۱)۔

عمال کی نگرانی

ملکی نظم و نسق کے سلسلہ میں سب سے اہم کام عمال کی نگرانی ہے۔ حضرت علیؑ نے اس کا

① کتاب الخراج قاضی ابو یوسف و مصنف ابن ابی شیبہ کتاب الغزوات

خاص اہتمام مد نظر رکھا، وہ جب کسی عامل کو مقرر کرتے تھے تو اس کو نہایت مفید اور گراں بہا نصائح کرتے تھے (۱)۔ وقتاً فوقتاً اعمال و حکام کے طرز عمل کی تحقیقات کرتے تھے، چنانچہ ایک مرتبہ جب کعب بن مالک کو اس خدمت پر مامور کیا تو یہ ہدایت فرمائی:

اخرج فی طائفۃ من
اصحابک حتی تمر بارض
السواد کورۃ فتسالہم عن
عمالہم وتنظر فی سیرتہم (۲)

تم اپنے ساتھیوں کا ایک گروہ لے کر روانہ
ہو جاؤ اور عراق کے ہر ضلع میں پھر کر اعمال
کی تحقیقات کرو اور ان کی روش پر غائر نظر
ڈالو۔

عمال کے اسراف اور مالیات میں ان کی بدعنوانیوں کی سختی سے باز پرس فرماتے تھے۔ ایک دفعہ اردشیر کے عامل مصقلہ نے بیت المال سے قرض لے کر پانچ سولونڈی اور غلام خرید کر آزاد کئے۔ کچھ دنوں کے بعد حضرت علیؑ نے سختی کے ساتھ اس رقم کا مطالبہ کیا، مصقلہ نے کہا خدا کی قسم! عثمانؓ کے نزدیک اتنی رقم کا چھوڑ دینا کوئی بات نہ تھی، لیکن یہ تو ایک ایک حب کا تقاضہ کرتے ہیں اور ناداری کے باعث مجبور ہو کر امیر معاویہؓ کی پناہ میں چلے گئے۔ جناب امیرؓ کو معلوم ہوا تو فرمایا:

برحہ اللہ فعل فعل السید و فر
فرار العبد و خان خیانة الفاجر
اما والله لو انه اقام فعجز ما زدنا
علی حبس فان وجدنا له شیئاً
اخذناہ وان لم نقدر علی مال
ترکناہ (۳)

خدا اس کا برا کرے اس نے کام تو سید کا کیا
لیکن غلام کی طرح بھاگا اور فاجر کی طرف
خیانت کی، خدا کی قسم! اگر وہ مقیم ہوتا تو قید
سے زیادہ اس کو سزا دیتا اور اگر اس کے
پاس کچھ ہو تو تولیتا ورنہ معاف کر دیتا۔

اس باز پرس سے آپ کے مخصوص اعزہ و اقارب بھی مستثنی نہ تھے۔ ایک مرتبہ آپ کے چچیرے بھائی حضرت عبداللہ بن عباسؓ عامل بصرہ نے بیت المال سے ایک بیش قرار رقم لی۔ حضرت علیؑ نے چشم نمائی فرمائی تو جواب دیا کہ میں نے ابھی اپنا پورا حق نہیں لیا ہے لیکن اس عذر کے باوجود وہ خائف ہو کر بصرہ سے مکہ چلے گئے (۴)۔

صیغہ محاصل

حضرت علیؑ نے محاصل کے صیغہ میں خاص اصلاحات جاری کیں۔ آپ سے پہلے جنگل سے کسی قسم کا مالی فائدہ نہیں لیا جاتا تھا، آپ کے عہد میں جنگلات کو بھی محاصل ملنے کے ضمن میں داخل کیا گیا۔ چنانچہ برص کے جنگل پر چار ہزار درہم مال گذاری تشخیص کی گئی (۵)۔

- ① کتاب الخراج ص ۷۹ ② کتاب الخراج ص ۶۷ ③ طبری ص ۳۳۱
④ ایضاً ص ۳۵۳ ⑤ کتاب الخراج ص ۵۰

عہد نبوی ﷺ میں گھوڑے زکوٰۃ سے مستثنیٰ تھے، لیکن عہد فاروقی میں جب عام طور سے اس کی تجارت ہونے لگی تو اس پر بھی زکوٰۃ مقرر کر دی۔ حضرت علیؑ کے نزدیک تمدنی اور جنگی فوائد کے لحاظ سے گھوڑوں کی افزائش نسل میں سہولت بہم پہنچانا ضروری تھا اس لئے آپ نے اپنے زمانہ میں زکوٰۃ موقوف کر دی (۱)۔ گو آپ محاصل ملکی وصول کرنے میں نہایت سخت تھے لیکن اسی کے ساتھ رعایا کی فلاح و بہبود کا بھی خیال رکھا تھا۔ چنانچہ معذور اور نادار آدمیوں کے ساتھ کسی قسم کی زیادتی نہیں کی جاتی تھی (۲)۔

رعایا کے ساتھ شفقت

حضرت علیؑ کا وجود رعایت کے لئے سایہ رحمت تھا، بیت المال کے دروازے غرباء اور مساکین کے لئے کھلے ہوئے تھے اور اس میں جو رقم جمع ہوتی تھی نہایت فیاضی کے ساتھ مستحقین میں تقسیم کر دی جاتی تھی، ذمیوں کے ساتھ بھی نہایت شفقت آمیز برتاؤ تھا۔ ایران میں مخفی سازشوں کے باعث بارہا بغاوتیں ہوئیں لیکن حضرت علیؑ نے ہمیشہ نہایت رحم سے کام لیا، یہاں تک کہ ایرانی اس لطف و شفقت سے متاثر ہو کر کہتے تھے، خدا کی قسم! اس عربی نے نوشیرواں کی یاد تازہ کر دی۔

فوجی انتظامات

حضرت علیؑ خود ایک بڑے تجربہ کار جنگ آزما تھے اور جنگی امور میں آپ کو پوری بصیرت حاصل تھی۔ اس لئے اس سلسلے میں آپ نے بہت سے انتظامات کئے۔ چنانچہ شام کی سرحد پر نہایت کثرت کے ساتھ فوجی چوکیاں قائم کیں۔ ۴۰ھ میں جب امیر معاویہؓ نے عراق پر عام یورش کی تو پہلے انہی سرحدی فوجوں نے ان کو آگے بڑھنے سے روکا۔ اسی طرح ایران میں مسلسل شورش اور بغاوت کے باعث بیت المال، عورتوں اور بچوں کی حفاظت کے لئے نہایت مستحکم قلعے بنوائے۔ اصطخر کا قلعہ حصن زیاد اسی سلسلہ میں بنا تھا (۳)۔ جنگی تعمیرات کے سلسلہ میں دریائے فرات کا پل بھی جو معرکہ صلیبین میں فوجی ضروریات کے خیال سے تعمیر کیا تھا لائق ذکر ہے۔

مذہبی خدمات

امام وقت کا سب سے اہم فرض مذہب کی اشاعت، تبلیغ اور خود مسلمانوں کی مذہبی تعلیم و تلقین ہے۔ حضرت علیؑ عہد نبوت ہی سے ان خدمات میں ممتاز تھے۔ چنانچہ یمن میں اسلام کی روشنی اُنہی کی کوشش سے پھیلی تھی، سورہ برآۃ نازل ہوئی تو اسکی تبلیغ و اشاعت کی خدمت بھی انہی کے سپرد ہوئی۔

مسند خلافت پر قدم رکھنے کے بعد سے آخر وقت تک گوخانہ جنگیوں نے فرصت نہ دی تاہم اس فرض سے بالکل غافل نہ تھے۔ ایران اور آرمینہ میں بعض نو مسلم عیسائی مرتد ہو گئے تھے، حضرت علیؑ نے نہایت سختی کے ساتھ ان کی سرکوبی کی اور ان میں سے اکثر تائب ہو کر پھر دائرہ اسلام میں داخل ہو گئے۔

خارجیوں کی سرکوبی اور ان سبائیوں کو جو شدت غلو میں جناب مرتضیٰؑ کو خدا کہنے لگے تھے، سزا دینا بھی دراصل مذہب کی ایک بڑی خدمت تھی۔

حضرت علیؑ نے مسلمانوں کی اخلاقی نگرانی کا بھی نہایت سختی کے ساتھ خیال رکھا۔ مجرموں کو عبرت انگیز سزائیں دیں۔ جرم کی نوعیت کے لحاظ سے نئی سزائیں تجویز کیں جو ان سے پہلے اسلام میں رائج نہ تھیں۔ مثلاً زندہ جلانا، مکان مسمار کر دینا، چوری کے علاوہ دوسرے جرم میں بھی ہاتھ کاٹنا وغیرہ، لیکن اس سے قیاس نہیں کرنا چاہئے کہ حضرت علیؑ حدود کے اجراء میں کسی اصول کے پابند نہ تھے۔ زندہ جلادینے کی سزا صرف چند زندیقوں کو دی تھی مگر جب حضرت ابن عباسؓ نے آپ کو بتایا کہ آنحضرت ﷺ نے اس کی سزا کی ممانعت فرمائی ہے تو آپ نے اس فعل پر ندامت ظاہر کی (۱)۔ شراب نوشی کی میں کوڑوں کی تعداد متعین نہ تھی، حضرت علیؑ نے اس کے لئے اسی کوڑے تجویز کئے (۲)۔

درے مارنے والوں کو ہدایت تھی کہ چہرہ اور شرمگاہ کے علاوہ تمام جسم پر کوڑا مار سکتے ہیں۔ عورتوں کیلئے حکم تھا کہ ان کو ہٹھا کر سزا دیں اور کپڑے سے تمام جسم کو اس طرح چھپا دیں کہ کوئی عفو بے ستر نہ ہونے پائے۔ اسی طرح رجم کی صورت میں ناف تک زمین میں گاڑ دینا چاہئے (۳)۔ اقرار جرم کی حالت میں صرف ایک دفعہ کا اقرار کافی نہ سمجھتے تھے۔ چنانچہ ایک مرتبہ ایک شخص نے حاضر ہو کر عرض کی امیر المؤمنین! میں نے چوری کی ہے۔ حضرت علیؑ نے غضب آلود نگاہ ڈال کر اس کو واپس کر دیا۔ لیکن جب اس نے پھر مکرر حاضر ہو کر اقرار جرم کیا تو فرمایا اب تم نے اپنا جرم آپ ثابت کر دیا اور اس وقت اس کے ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا (۴)۔

تنہا جرم کا ارادہ اور اس کے لئے اقدام بغیر جرم کئے ہوئے مجرم بنانے کے لئے کافی نہیں ہے۔ چنانچہ ایک شخص نے ایک مکان میں نقب لگائی اور چوری کرنے سے قبل پکڑ لیا گیا۔ حضرت علیؑ کے سامنے پیش کیا گیا تو آپ نے اس پر کسی قسم کی حد جاری نہیں کی (۵)۔

دس درہم سے کم کی چوری میں ہاتھ کاٹنے کا حکم نہ تھا۔ اسی طرح اگر مجرم نشہ کی حالت میں ہو

① ترمذی حدود مرتد ② کتاب الخراج ص ۹۹ اور سنن ابی داؤد کتاب الحدود

③ کتاب الخراج ص ۹۷ ④ ایضاً ص ۱۰۳ ⑤ ایضاً ص ۱۰۴

تو نشہ اُترنے کا انتظار کیا جاتا ہے (۱)۔

جو عورتیں ناجائز حمل سے حاملہ ہوتی تھیں، ان پر حد جاری کرنے کے لئے وضع حمل کا انتظار کیا جاتا تھا تا کہ بچہ کی جان کو نقصان نہ پہنچے، جس کا کوئی گناہ نہیں ہے۔
عام قیدیوں کو بیت المال سے کھانا دیا سے دیا جاتا تھا لیکن جو لوگ محض اپنے فسق و فجور کے باعث نظر بند کئے جاتے تھے، وہ اگر مالدار ہوتے تھے تو خود ان کے مال سے اُن کے کھانے پینے کا انتظام کیا جاتا تھا۔ ورنہ بیت المال سے مقرر کر دیا جاتا تھا (۲)۔

تعزیری سزا

حضرت علیؓ نے جو بعض غیر معمولی سزائیں تجویز کیں وہ دراصل تعزیری سزائیں تھیں۔
حضرت عمرؓ نے بھی اس قسم کی سزائیں جاری کی تھیں۔ چنانچہ ان کے عہد میں ایک شخص نے رمضان میں شراب پی تو اسی کوڑوں کے بجائے سو کوڑے لگوائے۔ کیونکہ اُس نے بادہ نوشی کے ساتھ رمضان کی بھی بے حرمتی کی تھی۔

فضل و کمال

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو بچپن ہی سے درس گاہ نبوت میں تعلیم و تربیت حاصل کرنے کا موقع ملا جس کا سلسلہ ہمیشہ قائم رہا۔ مسند میں خود اُن سے روایت ہے کہ میں روزانہ صبح کو معمولاً آپ کی خدمت میں حاضر ہوا کرتا تھا (۱) اور تقرب کا درجہ میرے سوا کسی اور کو حاصل نہ تھا (۲)۔ ایک روایت سے ثابت ہوتا ہے کہ رات دن میں دو، بار اس قسم کا موقع ملتا تھا (۳)۔ اکثر سفر میں بھی آپ کی رفاقت کا شرف حاصل ہوتا تھا اور اس سلسلہ میں سفر سے متعلق شرعی احکام سے واقف ہونے کا موقع ملتا تھا۔ ایک مرتبہ شریح بن ہانی نے حضرت عائشہؓ سے ”مسح علی الخفین“ کے متعلق سوال کیا تو انہوں نے اس کے لئے حضرت علیؓ کا نام بتایا اور اس کی وجہ یہ بیان کی کہ وہ آپ کے ساتھ سفر کیا کرتے تھے (۴)۔ شاہ ولی اللہ صاحب ازالۃ الخفاء میں بارگاہ رسالت میں جناب امیر کے اس تقرب و تربیت کو ان کے فضائل کی اصلی بنیاد قرار دیا ہے، چنانچہ امام احمد بن حنبل کی ایک روایت نقل کر کے جس کا مفہوم یہ ہے کہ حضرت علیؓ کے جس قدر فضائل مذکور ہیں، کسی صحابی کے نہیں ہیں، اس کی تشریح یہ کی ہے:

”عبد ضعیف گوید سب ایں معنی اجتماع دو جہت است، در مرتضیٰ یکے رسوخ اور سوابق اسلامیہ، دوم قرب قرابت او با آنحضرت ﷺ و آن جناب علیہ الصلوٰۃ والسلام اوصل ناس بارحام و اعرف ناس بحقوق قرابت بودند باز چوں عنایت الہی مساعدت نمود۔ حضرت مرتضیٰ را در کنار تربیت آنحضرت ﷺ انداخت مرتبہ قرابت در بالاشد و کرامت دیگر در کار او کردند رضی اللہ عنہ باز چوں حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا عقد او دادند مزید فضیلت بادیار شد۔“ (۵)

آپ کے تقرب و اختصاص کی بنا پر خود رسول اللہ ﷺ آپ کو قرآن مجید کی تعلیم دیتے تھے (۶) بعض موقعوں پر قرآن مجید کی آیتوں کی تفسیر بھی فرماتے تھے (۷)۔ چند مخصوص حدیثیں بھی قلمبند

- ① کتاب الخراج ص ۸۵ ② ایضاً ص ۸۰ ③ مسند جلد اول ص ۱۳۶
④ ازالۃ الخفاء ج اول ص ۸۳ ⑤ ایضاً ج ۲ ص ۶۶۰ ⑥ مسند ج ۱ ص ۸۳ ⑦ ایضاً ص ۸۵

کر لی تھیں (۱)۔ غرض حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے ابتدا ہی سے علم و فضل کے گہوارہ میں تربیت پائی تھی اس لئے صحابہ کرام میں آپ غیر معمولی تجربہ اور فضل و کمال کے مالک اور ”وانا مدینۃ العلم وعلی بابہا“ (میں علم کا گھر اور علی اس کا دروازہ ہیں) کے طغرائے خاص سے ممتاز ہوئے (۲)۔

نوشت اور خواندگی تعلیم آپ نے بچپن ہی میں حاصل کی تھی، چنانچہ ظہور اسلام کے وقت جبکہ آپ کی عمر بہت کم تھی آپ لکھنا پڑھنا جانتے تھے (۳)۔ اسی لئے ابتداء ہی سے بعض دوسرے صحابہ کی طرح آپ بھی آنحضرت ﷺ کے تحریری کام انجام دیتے تھے، چنانچہ کاتبان وحی میں آپ کا بھی نام ہے۔ آنحضرت ﷺ کی طرف سے جو مکاتیب و فرامین لکھے جاتے تھے ان میں بعض آپ کے دست مبارک کے لکھے ہوئے تھے۔ چنانچہ حدیبیہ کا صلح نامہ آپ ہی نے لکھا تھا۔

تفسیر اور علوم القرآن

اسلام کے علوم و معارف کا اصل سرچشمہ قرآن پاک ہے، حضرت علی مرتضیٰ اس سرچشمہ سے پوری طرح سیراب اور ان صحابہ میں تھے جنہوں نے آنحضرت کی زندگی ہی میں نہ صرف پورا قرآن زبانی یاد کر لیا تھا بلکہ اس کی ایک ایک آیت کے معنی اور شان نزول سے واقف تھے۔ ابن سعد میں ہے کہ ایک موقع پر خود آپ نے اس کا اظہار فرمایا کہ میں ہر آیت کے متعلق بتا سکتا ہوں کہ یہ کہاں اور کیوں اور کس کے حق میں نازل ہوئی (۴)۔ چنانچہ حضرت علی کا شمار مفسرین کے اعلیٰ طبقہ میں ہے اور صحابہ میں حضرت ابن عباسؓ کے سوا اس کمال میں آپ کا کوئی شریک نہیں ہے۔

چنانچہ ان تمام تفسیروں میں فن کا مدار روایتوں پر ہے۔ مثلاً ابن جریر طبری، ابن ابی حاتم، ابن کثیر وغیرہ میں بکثرت آپ کی روایت سے آیت کی تفسیریں منقول ہیں۔ ابن سعد میں ہے کہ آپ نے آنحضرت ﷺ کی وفات کے چھ مہینے تک جو گوشہ نشینی اختیار کی اس میں آپ نے قرآن مجید کی تمام سورتوں کو نزول کی ترتیب سے مرتب کیا تھا۔ ابن ندیم نے کتاب الفہرست میں سورتوں کی اس ترتیب کو نقل کیا ہے۔

قرآن پاک سے اجتہاد اور مسائل کے استنباط میں آپ کو ید طولیٰ حاصل تھا۔ چنانچہ تحکیم کے مسئلہ میں خوارج نے اعتراض کیا کہ فیصلہ کا حق خدا کے سوا اور کسی کو حاصل نہیں ان الحکم الا للہ، تو آپ نے قرآن کے تمام حفاظ اور اس کے عالموں کو جمع کر کے فرمایا کہ میاں بیوی میں جب

① مسند ج ۹ ص ۷۹ ② جامع ترمذی مناقب علی مرتضیٰ میں ہے ”انا دار الحکمة وعلی بابہا“ لیکن امام ترمذی نے اس کو منکر کہا ہے۔ حاکم نے مستدرک ج ۳ ص ۴۹۲ اس روایت کے متعلق متعدد راویوں کو جمع کیا ہے اور اس کو صحیح ثابت کرنے کی کوشش کی ہے، لیکن امام ذہبی نے ان کے صحیح کہنے کو تسلیم نہیں کیا ہے۔ ③ فتوح البلدان بلاذری ص ۴۷۷ ④ ابن سعد جز ثانی قسم ثانی ص ۱۰۱

اختلاف رائے ہو تو اللہ تعالیٰ حکم بنانے کی اجازت دے وَاِنْ حِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَابْعَثُوا حَكَمًا مِّنْ اَهْلِهِ وَحَكَمًا مِّنْ اَهْلِهَا۔ اور امت محمدیہ میں جب اختلاف رائے ہو جائے تو حکم بنانا ناجائز ہو؟ کیا تمام امت محمدیہ کی حیثیت ایک مرد اور ایک عورت سے بھی خدا کی نگاہ میں کم ہے (۱)۔

علم ناسخ اور منسوخ میں آپ کو کمال حاصل تھا اور اس کو آپ بڑی اہمیت دیتے تھے اور جن لوگوں کو اس میں درک نہ ہوتا، انکو درس و وعظ سے روک دیتے تھے۔ چنانچہ کوفہ میں جامع مسجد میں جو شخص وعظ و تذکیر کرنا چاہتا تھا، اس سے پہلے آپ دریافت فرماتے تھے کہ تم کو ناسخ و منسوخ کا بھی علم ہے، اگر وہ نفی میں جواب دیتا تو اسکو زبردستی فرماتے تھے اور درس و وعظ کی اجازت نہ دیتے۔ آیات کی تفسیر و تاویل کے متعلق آپ سے اس کثرت سے روایتیں ہیں کہ اگر ان کا استقصا کیا جائے تو ایک ضخیم کتاب تیار ہو جائے اسی لئے یہاں ان کو نقل کرنے کی کوشش نہیں کی گئی۔

بعض لوگوں کا خیال تھا کہ آنحضرت نے حضرت علی مرتضیٰ کو ان طاہری علوم کے علاوہ کچھ خاص باتیں اور بھی بتائی ہیں۔ ان کے شاگردوں نے ان سے پوچھا کہ کیا قرآن کے سوا کچھ اور بھی آپ کے پاس ہے؟ فرمایا قسم ہے اس کی جو دانہ کو پھاڑ کر درخت اُگاتا ہے اور جو جان کو (جسم کے اندر) پیدا کرتا ہے، قرآن کے سوا میرے پاس کچھ اور نہیں ہے لیکن قرآن کے سمجھنے کی قوت (فہم) یہ دولت خدا جس کو چاہے دے (۲)، ان کے علاوہ چند حدیثیں میرے پاس ہیں۔ اس موقع میں حضرت علیؑ نے جو قسم کھائی ہے اس میں بھی ایک خاص نکتہ ہے، یعنی قرآن کی آیتوں کی مثال تخم اور جسم کی ہے اور اس کے معنی و مقصود کی مثال درخت کی ہے جو اسی تخم سے پیدا ہوتا ہے اور جان کی ہے جو جسم میں پوشیدہ رہتی ہے۔ یعنی جس طرح ایک چھوٹے سے تخم سے اتنا بڑا عظیم الشان درخت پیدا ہو جاتا ہے جو درحقیقت اس کے اندر مخفی تھا اور روح سے جو جسم میں چھپی رہتی ہے، تمام اعمال انسانی کا ظہور ہوتا ہے، اسی طرح قرآن پاک کے الفاظ سے جو بمنزلہ جسم کے ہیں، معنی و مطالب نکلتے ہیں۔

علم حدیث

جناب مرتضیٰ نے بچپن سے لے کر وفات نبویؐ تک کامل تیس سال آنحضرت ﷺ کی خدمت و رفاقت میں بسر کیئے۔ اس لئے حضرت ابو بکرؓ کو چھوڑ کر اسلام کے احکام و فرائض اور ارشادات نبویؐ کے سب سے بڑے عالم آپ ہی تھے، پھر تمام اکابر صحابہؓ میں وفات نبویؐ کے بعد سب سے زیادہ آپ نے عمر پائی۔ آنحضرت ﷺ کے بعد تقریباً تیس برس تک ارشادات و افادات کی مسند پر جلوہ گر رہے۔ خلفائے ثلاثہ کے عہد میں بھی یہ خدمت آپ ہی کے سپرد رہی۔

① مسند ابن ضہب ج اول ص ۸۶ ② صحیح بخاری کتاب الدیات وابن ضہب ج اول ص ۷۹، ۱۰۰

ان کے بعد خود آپ کے زمانہ خلافت میں بھی یہ فیض بدستور جاری رہا اس لئے تمام خلفاء میں احادیث کی روایت کا زمانہ آپ کو سب سے زیادہ ملا۔ اسی لئے خلفائے سابقین کے مقابلہ میں آپ کی روایتوں کی تعداد سب سے زیادہ ہے، لیکن احادیث کی روایت میں آپ بھی اپنے پیشرو خلفاء اور اکابر صحابہ کی طرح محتاط اور متشدد تھے۔ اس لئے دوسرے کثیر الروایۃ صحابہ کے مقابلہ میں آپ کی روایتیں بہت کم ہیں۔ چنانچہ آپ سے کل ۵۸۶ حدیثیں مروی ہیں جن میں سے بیس حدیثوں پر بخاری و مسلم دونوں کا اتفاق ہے اور ۹ حدیثیں صرف بخاری میں ہیں مسلم میں نہیں اور دس حدیثیں مسلم میں ہیں بخاری میں نہیں۔ غرض، صحیحین میں آپ کی کل ۳۹ حدیثیں ہیں۔

آپ نے آنحضرت ﷺ کے علاوہ اپنے رفقاء اور معصروں میں حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت مقداد بن الاسودؓ، اپنی حرم محترم حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا سے روایتیں کی ہیں۔ آپ کی عمرت مطہرہ اور اولاد امجاد میں حضرت حسنؓ، حضرت حسینؓ، محمد بن حنفیہ، عمر، فاطمہ (صاحبزادے اور صاحبزادیاں) محمد بن عمر بن علی، علی بن حسین بن علی (پوتے) عبد اللہ بن جعفر بن ابی طالب (بھتیجے) جعدہ بن ہبیرہ مخزومی (بھانجے) عام اصحاب میں حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ، براء بن عازبؓ، ابو ہریرہؓ، ابوسعید خدریؓ، بشر بن شمیم غفاریؓ، زید بن ارقمؓ، سفینہ مولیٰ رسول اللہ ﷺ، صہیب رومیؓ، ابن عباسؓ، ابن عمرؓ، ابن زبیرؓ، عمرو بن حرثؓ، نزال بن سبرہؓ، ہلالؓ، جابر بن سمرہؓ، جابر بن عبد اللہؓ، ابو جحیفہؓ، ابوامامہؓ، ابولیلیٰ انصاریؓ، ابو موسیٰؓ، مسعود بن حکم زرقیؓ، ابوالطفیلؓ، عامر بن واثلہؓ، عبید اللہ بن ابی رافعؓ (کاتب) اور ام موسیٰؓ (جاریہ)۔

تابعین میں زر بن حبیشؓ، زید بن وہبؓ، ابوالاسود دؤلیؓ، حارث بن سویدؓ، لثمیہؓ، حارث بن عبد اللہ الاعورؓ، حرمہ مولیٰ بن زیدؓ، ابوسامانؓ، حنین بن منذر الرقاشیؓ، جحیہ بن عبد اللہ الکندیؓ، ربیع بن حراشؓ، شریح بن ہانیؓ، شریح بن النعمان الصائدیؓ، ابوالائل شقیؓ، بن سلمہؓ، شیت بن ربیعؓ، سوید بن غفلہؓ، عاصم بن ضمرہؓ، عامر بن شراحیل الشعمیؓ، عبد اللہ بن سلمہ مرادیؓ، عبد اللہ بن شداد بن الہادؓ، عبد اللہ بن شقیقؓ، عبد اللہ بن معقل بن مقرنؓ، عبد خیر بن یزید المرانیؓ، عبد الرحمن بن ابی لیلیٰؓ، عبیدہ سلیمانیؓ، علقمہ بن قیس النخعیؓ، عمیر بن سعید النخعیؓ، قیس بن عباد البصریؓ، مالک بن اوس بن حدثانؓ، مروان بن حکم امویؓ، مطرف بن عبد اللہ بن شخیرؓ، نافع بن جبیر بن مطعمؓ، ہانی بن ہانیؓ، یزید بن شریک النخعیؓ، ابوبردہ بن ابی المویٰ الاشعریؓ، ابو حنیہ دادیؓ، ابوالخلیل الحضرمیؓ، ابوصالح الحضرمیؓ، ابوالصالح الحنفیؓ، ابو عبد الرحمن السلمیؓ، ابو عبیدہ مولیٰ ابن ازہرؓ، ابوالبیان الاسدی (۱) وغیرہ نے آپ سے فیض پایا ہے۔

① یہ فہرست تہذیب التہذیب سے منقول ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب نے حضرت علیؑ کی تمام حدیثوں پر ایک اجمالی نظر ڈالی ہے اس میں وہ لکھتے ہیں کہ رسول اللہ کی حلیہ اقدس، آپ کی نماز و مناجات و دعا و نوافل کے متعلق سب سے زیادہ روایتیں حضرت علیؑ ہی سے مروی ہیں جس کی وجہ یہ ہے کہ وہ بروقت رفاقت نبوی میں رہتے تھے اور ان کو عبادتوں سے خاص شغف تھا (۱)۔

احادیث کو قلمبند کرنے کا شرف جن چند صحابہ کو حاصل ہے ان میں حضرت علی مرتضیٰؑ بھی داخل ہیں۔ فہم قرآن کے سلسلہ میں جو روایت اوپر گزری ہے، اس میں چند حدیثوں کا ذکر ہے، یہ وہی ہیں جن کو آنحضرت ﷺ سے سن کر آپ نے ایک لمبے کاغذ پر لکھ لیا تھا۔ یہ تحریر لپٹی ہوئی آپ کی تلوار کی نیام میں لٹکی رہتی تھی۔ اس کا نام آپ نے صحیفہ رکھا تھا۔ اس صحیفہ کا ذکر حدیث کی کتابوں میں آتا ہے۔ یہ حدیثیں چند فقہی احکام سے متعلق تھیں (۲)۔

فقہہ واجتہاد

حضرت علی مرتضیٰؑ کو فقہہ واجتہاد میں بھی کامل دستگاہ حاصل تھی بلکہ علم و اطلاع کی وسعت سے دیکھا جائے تو آپ کی مستحضرانہ قوت سب سے اعلیٰ مانتی پڑے گی۔ بڑے بڑے صحابہ یہاں تک کہ حضرت عمرؓ اور حضرت عائشہؓ کو بھی کبھی کبھی حضرت علیؑ کے فضل و کمال کا ممنون ہونا پڑتا تھا۔ فقہہ واجتہاد کے لئے کتاب و سنت کے علم کے ساتھ سرعت فہم، دقیقہ بینی، انتقال دہنی کی بڑی ضرورت ہے اور حضرت علی مرتضیٰؑ کو یہ کمالات خداداد حاصل تھے۔ مشکل سے مشکل اور پیچیدہ سے پیچیدہ مسائل کی تہہ تک آپ کی نکتہ رس نگاہ آسانی سے پہنچ جاتی تھی۔ شاہ ولی اللہ صاحب نے ازلیہ الخفاء میں آپ کی طباعی اور انتقال دہنی کے بہت سے واقعات نقل کئے ہیں لیکن ہم طوالت کے خوف سے ان کو نظر انداز کرتے ہیں۔ مثلاً ایک واقعہ یہ ہے:

ایک مرتبہ حضرت عمرؓ کے سامنے ایک مجنون زانیہ عورت پیش کی گئی۔ حضرت عمرؓ نے اس پر حد جاری کرنے کا ارادہ کیا۔ حضرت علیؑ نے فرمایا یہ ممکن نہیں کہ مجنون حدود شرعی سے مستثنیٰ ہیں، یہ سن کر حضرت عمرؓ اپنے ارادہ سے باز آ گئے (۳)۔

ایک دفعہ حج کے موسم میں حضرت عثمانؓ کے سامنے کسی نے شکار کا گوشت پکا کر پیش کیا۔ لوگوں نے احرام کی حالت میں اس کے کھانے کے جواز و عدم جواز میں اختلاف کیا۔ حضرت عثمانؓ اس کے جواز کے قائل تھے۔ انہوں نے کہا حالت احرام میں خود شکار کر کے کھانا منع ہے لیکن جب کسی دوسرے غیر محرم نے شکار کیا ہے تو اس کے کھانے میں کیا حرج ہے؟ دوسروں نے

① ازلیہ الخفاء ص ۲۵۵ ② صحیح بخاری کتاب العلم باب کتاب العلم ج ۲ کتاب الاعتصام و مسند ابن ضبیل ج ۱ ص ۷۰۹ ③ مسند ابن ضبیل ج ۱ ص ۱۴۰

اس سے اختلاف کیا، حضرت عثمانؓ نے دریافت کیا کہ اس مسئلہ میں قطعی فیصلہ کس سے معلوم ہوگا؟ لوگوں نے حضرت علیؓ کا نام لیا۔ چنانچہ انہوں نے ان سے جا کر دریافت کیا۔ حضرت علیؓ نے فرمایا جن لوگوں کو یہ واقعہ یاد ہو وہ شہادت دیں کہ ایک دفعہ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں جب آپ احرام کی حالت میں تھے ایک گور خر شکار کر کے پیش کیا گیا تھا تو آپ نے فرمایا تھا کہ ہم لوگ تو احرام کی حالت میں ہیں یہ ان کو کھلا دو جو احرام میں نہیں ہیں۔ حاضرین میں سے بارہ آدمیوں نے شہادت دی، اسی طرح آپ نے ایک دوسرے واقعہ کا ذکر کیا جس میں کسی نے آنحضرت ﷺ کے سامنے حالت احرام میں شتر مرغ کے انڈے پیش کئے تھے تو آپ نے ان کے کھانے سے بھی احتراز فرمایا تھا۔ اس کی بھی کچھ لوگوں نے گواہی دی۔ یہ سن کر حضرت عثمانؓ اور ان کے رفقاء نے اس کے کھانے سے پرہیز کیا (۱)۔

ایک دفعہ ام المؤمنین حضرت عائشہؓ سے کسی نے یہ مسئلہ پوچھا کہ ایک بار پاؤں دھونے کے بعد کتنے دن تک موزوں پر مسح کر سکتے ہیں؟ فرمایا علیؓ سے جا کر دریافت کرو، ان کو معلوم ہوگا کیونکہ وہ سفر میں آنحضرت ﷺ کے ساتھ رہا کرتے تھے، چنانچہ وہ سائل حضرت علیؓ مرتضیٰ کے پاس گیا۔ انہوں نے بتایا کہ مسافر تین دن تین رات تک اور مقیم ایک دن ایک رات تک (۲)۔

حضرت علیؓ کے علم اور ان کی اجتہادی قوت اور دقت نظر کا اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ ان کے حریف بھی دقیق اور مشکل مسائل میں ان کی طرف رجوع کرنے کے لئے مجبور ہوتے تھے۔ چنانچہ ایک دفعہ امیر معاویہؓ نے لکھ کر دریافت کیا کہ خنثی مشکل کی وراثت کی کیا صورت ہے؟ یعنی وہ مرد قرار دیا جائے یا عورت؟ حضرت علیؓ نے فرمایا خدا کا شکر ہے کہ ہمارے دشمن بھی علم دین میں ہمارے محتاج ہیں، پھر جواب دیا کہ پیشاب گاہ سے اندازہ کرنا چاہئے کہ وہ مرد ہے یا عورت (۳)۔

فقہی مسائل میں حضرت علیؓ کی وسعت نظر کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ آپ جو بات نہیں جانتے تھے اس کو آنحضرت ﷺ سے دریافت کرتے تھے بعض ایسے مسائل جو شرم و حیا اور اپنے رشتہ کی نزاکت کے باعث خود براہ راست نہیں پوچھ سکتے تھے، اس کو کسی دوسرے کے ذریعہ سے پوچھوا لیتے تھے۔ چنانچہ مذی کا ناقص وضو ہونا آپ نے اسی طرح بالواسطہ دریافت کرایا تھا۔

حضرت علیؓ مرتضیٰ اپنے علم و کمال کی بناء پر متعدد مسائل میں عام صحابہ سے مختلف رائے رکھتے

① مسند امام ابی عبد اللہ احمد بن محمد بن حنبل ج ۱ ص ۱۰۰ افتہاء، میں یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے، بہت سے لوگ حضرت عثمانؓ کے استدلال کو صحیح سمجھتے ہیں اور دیگر احادیث سے بھی اس کا ثبوت ملتا ہے، بہر حال حضرت علیؓ کا فتویٰ زیادہ محتاطانہ ہے اس لئے حضرت عثمانؓ نے اس کو قبول کر لیا۔

② مسند ابن حنبل ج ۱ ص ۹۶ و ج ۶ ص ۵۵ ③ تاریخ الخلفاء سیوی بحوالہ سنن سعد بن منصور و مسند بیہم

تھے۔ خصوصاً حضرت عثمانؓ سے بعض خاص مسائل میں زیادہ اختلاف تھا۔ مثلاً حضرت عثمانؓ حج تمتع کو جائز نہیں سمجھتے تھے اور فرماتے تھے کہ آنحضرت ﷺ کے عہد میں یہ صرف لڑائی اور بے امنی کی وجہ سے جائز تھا، اب وہ حالت نہیں ہے اس لئے اب جائز نہیں ہے۔ حضرت علیؓ اور دوسرے صحابہ بہر حال میں جائز سمجھتے تھے۔ اسی طرح حالت احرام میں نکاح اور حالت عدت میں عورت کی وراثت وغیرہ کے مسائل میں بھی اختلاف تھا۔

حضرت علیؓ مرتضیٰ گو تمام عمر مدینہ منورہ میں رہے لیکن آپ کی خلافت کا زمانہ تمام ترکوفہ میں گزرا اور احکام اور مقدمات کے فیصلے کا زیادہ موقع نہیں پیش آیا۔ اس لئے آپ کے مسائل و اجتہادات کی زیادہ تراشاعت عراق میں ہوئی اسی بنا پر حنفی فقہ کی بنیاد حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے بعد حضرت علیؓ مرتضیٰ کے ہی فیصلوں پر ہے۔

قضا اور فیصلے

حضرت مرتضیٰ ان ہی خصوصیات کی بنا پر مقدمات کے فیصلوں اور قضا کے لئے نہایت موزوں تھے اور اس کو صحابہ عام طور سے تسلیم کرتے تھے۔ حضرت عمرؓ فرمایا کرتے تھے کہ ”اقضانا علی و اقرانا ابی“ یعنی ہم میں مقدمات کے فیصلے کے لئے سب سے موزوں علی ہیں اور سب سے بڑے قاری الی ہیں (۱)۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کہتے ہیں کہ ہم (صحابہ) کہا کرتے تھے کہ مدینہ والوں میں سب سے زیادہ صحیح فیصلہ کرنے والے علیؓ ہیں (۲)۔

آنحضرت کی جو ہر شناس نگاہ نے حضرت علیؓ کی اس استعداد و قابلیت کا پہلے ہی اندازہ کر لیا تھا اور آپ کی زبان فیض ترجمان سے حضرت علیؓ کو ”افضاهم علی“ کی سند مل چکی تھی اور ضرورت کے اوقات میں قضا کی خدمت آپ کے سپرد فرماتے تھے۔ چنانچہ جب اہل یمن نے اسلام قبول کیا تو آنحضرت ﷺ نے وہاں کے عہدہ قضا کے لئے آپ کو منتخب فرمایا۔ حضرت علیؓ نے عرض کی یا رسول اللہ! وہاں نئے نئے مقدمات پیش ہوں گے اور مجھے قضا کا تجربہ اور علم نہیں، فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تمہاری زبان کو راہ راست اور تمہارے دل کو ثبات و استقلال بخشے گا۔ حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ اس کے بعد مقدمات کے فیصلہ میں تذبذب نہ ہوا (۳)۔

آنحضرت ﷺ نے آپ کو قضا اور فصل مقدمات کے بعض اصول بھی تعلیم فرمائے۔ چنانچہ ایک مرتبہ فرمایا علی! جب تم دو آدمیوں کا جھگڑا چکا نے لگو تو صرف ایک آدمی کا بیان سن کر فیصلہ نہ

① طبقات ابن سعد ج ۲ ص ۱۰۲ ② مستدرک حاکم ج ۳ ص ۱۳۵

③ مسند ابن خنبل ج اول ص ۸۳ و حاکم ج ۳ ص ۱۳۵

کرو، اس وقت تک اپنے فیصلے کو روکو جب تک دوسرے کا بیان بھی نہ سن لو (۱)۔

مقدمات میں علم یقین کے لئے اہل مقدمہ اور گواہوں سے جرح اور ان سے سوالات کرنا بھی آپ کے اصول قضا میں داخل تھا۔ ایک مرتبہ ایک عورت نے آپ کی عدالت میں اپنی نسبت جرم زنا کا اعتراف کیا۔ آپ نے اُس سے پے در پے متعدد سوالات کئے۔ جب وہ آخر تک اپنے بیان پر قائم رہی تو اس وقت سزا کا حکم دیا (۲)۔ اسی طرح لوگوں نے ایک شخص کو چوری کے الزام میں پکڑ کر پیش کیا اور دو گواہ بھی پیش کر دیئے۔ آپ نے گواہوں کو دھمکی دی کہ اگر تمہاری گواہی جھوٹی نکلی تو میں یہ سزا دوں گا اور یہ کروں گا اور وہ کروں گا، اس کے بعد کسی دوسرے کام میں مصروف ہو گئے۔ اس سے فراغت کے بعد دیکھا کہ دونوں گواہ موقع پا کر چل دیئے۔ آپ نے ملزم کو بے قصور پا کر چھوڑ دیا (۳)۔

یمن میں آپ نے دو عجیب و غریب مقدمات کا فیصلہ کیا۔ یمن نیا نیا مسلمان ہوا تھا، پرانی باتیں بھی تازہ تھیں، ایک عورت کا مقدمہ پیش ہوا، جس سے ایک ماہ کے اندر تین مرد خلوت کر چکے۔ نو ماہ بعد اس کے لڑکا ہوا۔ اب یہ نزاع ہوئی کہ وہ لڑکا کس کا قرار دیا جائے۔ ہر ایک نے اُس کے باپ ہونے کا دعویٰ کیا۔ حضرت علیؑ نے یہ فیصلہ کیا کہ اس لڑکے کی دیت کے تین حصے کئے۔ پھر قرعہ ڈالا جس کے نام قرعہ نکلا، اس کے حوالہ کیا اور بقیہ دونوں کو دیت کے تین حصوں میں سے دو حصے اس سے لے کر دلوادئے۔ گویا غلام کے مسئلہ پر اس کو قیاس کیا۔ آنحضرت ﷺ نے جب حضرت علیؑ کا یہ فیصلہ سنا تو آپ نے تبسم فرمایا (۴)۔

دوسرا واقعہ یہ پیش آیا کہ چند لوگوں نے شیر پھسانے کے لئے ایک کنواں کھودا تھا شیر اس میں گزر گیا۔ چند اشخاص ہنسی مذاق میں ایک دوسرے کو ہکھیل رہے تھے کہ اتفاق سے ایک کا پیر پھسلا اور وہ اس کنویں میں گرا۔ اس نے اپنی جان بچانے کے لئے بدحواسی میں دوسرے کی کمر پکڑ لی وہ بھی سنبھل نہ سکا اور گرتے گرتے اس نے تیسرے کی کمر تھام لی۔ تیسرے نے چوتھے کو پکڑ لیا۔ غرض چاروں اس میں گر پڑے اور شیر نے چاروں کو مار ڈالا۔ ان مقتولین کے ورثاء باہم آمادہ جنگ ہوئے۔ حضرت علیؑ نے ان کو اس ہنگامہ و فساد سے روکا اور فرمایا کہ ایک رسول کی موجودگی میں فتنہ و فساد مناسب نہیں۔ میں فیصلہ کرتا ہوں، اگر وہ پسند نہ ہو تو دربار رسالت میں جا کر تم اپنا مقدمہ پیش کر سکتے ہو۔ لوگوں نے رضا مندی ظاہر کی۔ آپ نے یہ فیصلہ کیا کہ جن لوگوں نے یہ کنواں کھودا، ان کے قبیلوں سے ان مقتولین کے خوں بہا کی رقم اس طرح وصول کی جائے کہ ایک

② ایضاً ص ۱۴۰

① مسند ابن جنبل ج اول ص ۹۶، ۱۳۳

④ مستدرک حاکم ج ۳ ص ۱۳۵

③ تاریخ الخلفاء بحوالہ مصنف ابن ابی شیبہ

پوری، ایک، ایک تہائی، ایک، ایک چوتھائی، اور ایک آدھی، پہلے مقتول کے ورثاء کو ایک چوتھائی خوں بہا، دوسرے کو ثلث، تیسرے کو نصف اور چوتھے کو پورا خوں بہا دلایا۔

لوگ اس بظاہر عجیب و غریب فیصلہ سے راضی نہ ہوئے اور حجۃ الوداع کے موقع پر حاضر ہو کر اس فیصلہ کا مرافعہ (اپیل) عدالتِ نبوی میں پیش کیا۔ آنحضرت ﷺ نے اس فیصلہ کو برقرار رکھا (۱)۔

روایت میں مذکور نہیں کہ یہ فیصلہ کس اصول پر کیا گیا تھا، صرف پہلے شخص کے متعلق اتنا ہے کہ اس کو چوتھائی اس لئے ملا کہ فوراً اوپر سے گرا تھا، ہمارا خیال ہے کہ حضرت علی مرتضیٰ نے اس فیصلہ میں اس اصول کو پیش نظر رکھا ہے کہ یہ حادثے بالقصد قتل اور اتفاقی قتل کے درمیان ہیں۔ غرض قصد اور عدم قصد کے بیچ کی شکل ہے، اس لئے عدم قصد و اتفاق اور قصد و ارادہ ان دونوں میں اس کا حصہ جس مقتول میں زیادہ ہے اتنا ہی اس کو کم و بیش دلایا گیا۔ اس کے بعد وراثت کا اصول پیش نظر رہا۔ چونکہ یہ معاملہ چار آدمیوں کا تھا اس لئے کم سے کم رقم ایک چوتھائی مقرر کی۔ اس کے نکل جانے کے بعد تین آدمی رہ گئے تو اس کو تہائیوں پر تقسیم کر کے تیسرا حصہ یعنی ایک تہائی اس کو دلایا، باقی دو حصے کر کے نصف تیسرے کا مقرر کیا۔

اب غور کیجئے کہ اصل جرم ان لوگوں کا تھا جنہوں نے آبادی کے قریب کنواں کھود کر شیر پھسانے کی غلطی کی تھی، اس لئے کسی متعین قاتل نہ ہونے کے سبب سے قسامت کے اصول سے خوں بہا کو ان کے کھودنے والوں اور ان کے ہم قبیلوں پر عائد کیا۔ پہلا شخص گواہ تھا گرا، مگر ایک دوسرے کے دھکیلنے کے نتیجے کو بھی اس میں دخل تھا اس لئے پہلے شخص کے گرنے میں اتفاق کا زیادہ اور قصد کا بہت کم دخل تھا اس لئے وہ خوں بہا کا کم سے کم مستحق ٹھہرا، یعنی ایک چوتھائی۔ پہلے نے دوسرے کو گویا بالقصد کھینچا، مگر غایب بدحواسی میں اس کو اپنے فعل کے نتیجے کے سوچنے سمجھنے کا موقع نہیں ملا، اس لئے پہلے کے مقابلہ میں اس میں اتفاق کا عنصر کم اور قصد کا کچھ زیادہ ہے۔ اس لئے وہ تہائی کا مستحق ہوا۔ دوسرے کو پہلے نتائج کو دیکھ کر اپنے فعل کے نتیجے کے سوچنے سمجھنے کا موقع زیادہ ملا اس لئے اس میں اتفاق کے مقابلہ میں قصد کا عنصر زیادہ تھا اس لئے اس کو نصف دلایا گیا۔ تیسرے نے چوتھے کو کھینچا حالانکہ وہ سب سے دور تھا اور گزشتہ نتائج کو تیسرے نے خوب غور سے دیکھ لیا تھا، اس لئے وہ تمام تر قصد و ارادہ سے گرایا گیا۔ نیز یہ کہ اس نے اپنے رفقاء کی طرح کسی اور کے گرانے کا جرم بھی نہیں کیا اس لئے وہ پوری دیت کا مستحق تھا۔ (واللہ اعلم)

ایک اور مقدمہ کا اس سے بھی زیادہ دلچسپ فیصلہ آپ نے فرمایا۔ دو شخص (غالباً مسافر) تھے

ایک کے پاس تین روٹیاں تھیں اور دوسرے کے پاس پانچ روٹیاں تھیں، دونوں مل کر ایک ساتھ کھانے کو بیٹھے تھے کہ اتنے میں ایک تیسرا مسافر بھی آگیا، وہ بھی کھانے میں شریک ہوا، کھانے سے جب فراغت ہوئی تو اس نے آٹھ درہم اپنے حصہ کی روٹیوں کی قیمت دے دی اور آگے بڑھ گیا، جس شخص کی پانچ روٹیاں تھیں اس نے سیدھا حساب یہ کیا کہ اپنی پانچ روٹیوں کی قیمت پانچ درہم لی اور دوسرے کو اس کی تین درہم روٹیوں کی قیمت تین درہم دینے چاہیے، مگر وہ اس پر راضی نہ ہوا اور نصف کا مطالبہ کیا۔ یہ معاملہ عدالت مرتضوی میں پیش ہوا، آپ نے دوسرے کو نصیحت فرمائی کہ تمہارا رفیق جو فیصلہ کر رہا ہے اس کو قبول کر لو اس میں زیادہ تمہارا نفع ہے۔ لیکن اس نے کہا کہ حق کے ساتھ جو فیصلہ ہو مجھے منظور ہے۔

حضرت علی مرتضیٰ نے فرمایا کہ حق تو یہ ہے کہ تم کو صرف ایک درہم اور تمہارے رفیق کو سات درہم ملنے چاہئیں۔ اس عجیب فیصلہ سے وہ متحیر ہو گیا۔ آپ نے فرمایا کہ تم تین آدمی تھے، تمہاری تین روٹیاں تھیں اور تمہارے رفیق کی پانچ، تم دونوں نے برابر کھائیں اور ایک تیسرے کو بھی برابر کا حصہ دیا۔ تمہاری تین روٹیوں کے حصے تین جگہ کئے جائیں تو ۹ ٹکڑے ہوتے ہیں۔ تم اپنے ۹ ٹکڑوں اور اس کے ۵ ٹکڑوں کو جمع کرو تو ۱۴ ٹکڑے ہوتے ہیں۔ تینوں میں سے ہر ایک نے برابر ٹکڑے کھائے تو فی کس ۸ آٹھ ٹکڑے ہوتے ہیں۔ تم نے اپنے ۹ ٹکڑوں میں سے ۸ خود کھائے اور ایک تیسرے مسافر کو دیا اور تمہارے رفیق نے اپنے ۵ ٹکڑوں میں سے ۸ خود کھائے اور سات تیسرے کو دیئے۔ اس لئے آٹھ درہم میں سے ایک کے تم اور سات کا تمہارا رفیق مستحق ہے (۱)۔ کبھی کبھی کوئی لغو مقدمہ پیش ہوتا تو آپ زندہ دلی کا ثبوت بھی دیتے تھے، ایک شخص نے ایک شخص کو یہ کہہ کر پیش کیا کہ اس نے خواب میں دیکھا ہے کہ اس نے میری ماں کی آبروریزی کی ہے۔ فرمایا ملزم کو دھوپ میں لے جا کر کھڑا کرو، اس کے سہاۓ کو سو کوڑے مارو (۲)۔

حضرت علیؑ کے فیصلے قانون کے نظائر کی حیثیت رکھتے تھے، اس لئے اہل علم نے ان کو تحریری صورت میں مدون کر لیا تھا مگر اس عہد میں اختلاف آراء اور فرقہ آرائی کا زمانہ شروع ہو چکا تھا اس لئے ان میں تحریف بھی ہونے لگی۔ چنانچہ حضرت عبد اللہ بن عباسؓ کے سامنے جب ان کے فیصلوں کا تحریری مجموعہ پیش ہوا تو اس کے ایک حصہ کو انہوں نے جعلی بتلایا اور فرمایا کہ عقل و ہوش کی سلامتی کے ساتھ علیؑ کبھی ایسا فیصلہ نہیں کر سکتے تھے (۳)۔

علم اسرار و حکم
دنیا میں اہل حکمت اور متکلمین کے دُور وہ ہیں ایک وہ جو اپنی عقل و فہم اور علم کی بناء پر ہر شرعی
① تاریخ الخلفاء، بیروٹی بروایت زر بن حبیش ② ایضاً بحوالہ مصنف ابن ابی شیبہ ③ مقدمہ صحیح مسلم

حکم کی جزئی مصلحتوں پر نگاہ رکھتا ہے اور اس کے اسرار و حکم کی تلاش میں رہتا ہے۔ دوسرا اگر وہ وہ ہے جو ایک ایک حکم کے جزئی مصالح سے دلچسپی نہیں رکھتا بلکہ وہ کلی طور پر پوری شریعت پر ایک مبصرانہ نگاہ ڈال کر ایک کلی اصول طے کر لیتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے ان احکام میں جزئی مصلحتیں رکھی ہیں، ان کی تلاش اور جستجو کی ضرورت نہیں سمجھتا۔ صحابہ میں حضرت عائشہ صدیقہ کا مذاق علم پہلی قسم کا اور حضرت علی مرتضیٰ کا ذوق فکر دوسری قسم کا معلوم ہوتا ہے، ان کی نظر احکام کی نظری کیفیت پر اتنی نہیں پڑتی جتنی ان کی عملی کیفیت پر، اسی لئے کسی حکم کا انسان کی ظاہری عقل کے خلاف ہونا ان کے نزدیک چنداں اہم نہیں کہ انسانی عقل خود ناقص ہے، وہ کسی حکم شرعی کے لئے صحت اور صواب کا معیار نہیں بن سکتی۔

صحیح بخاری کی تعلیقات میں ہے کہ ایک دفعہ حضرت علی مرتضیٰ نے فرمایا:

حدثوا الناس بما يعرفون
اتحبون ان يكذب الله
ورسوله (كتاب العلم)
لوگوں سے وہی کہو جو سمجھ سکتے ہوں، کیا تم
یہ پسند کرتے ہو کہ خدا یا خدا کا رسول جھٹلایا
جائے۔

مقصود یہ ہے کہ اگر ان سے ایسی باتیں کی جائیں جو ان کے فہم سے بالاتر ہوں تو لامحالہ اپنی کوتاہی عقل سے وہ ان باتوں کو غلط سمجھیں گے اور اس طرح سے وہ نادانستگی میں خدا اور رسول کی تکذیب کے جرم کے مرتکب ہوں گے، اس لئے لوگوں سے ان کی عقل کے موافق گفتگو کرنی چاہئے کہ ہر مصالح الہی ہر شخص کی سمجھ میں یکساں نہیں آ سکتے ہیں۔

احکام اور روایات کے الفاظ اگر متعدد معنوں کو متحمل ہوں تو آپ کا یہ فیصلہ ہے کہ ان میں سے وہی معنی صحیح ہوں گے جو رسالت اور نبوت کی شان کے شایان ہوں۔ مسند ابن حنبل کے مطابق اس روایت کے اصل الفاظ یہ ہیں، آپ نے فرمایا:

اذا حدثتم عن رسول الله
صلى الله عليه وسلم بحديث
فطنوا به الذی هو اهدى
والذی هو اتقى والذی
هو اهتأ (ص ۱۳۰)
جب تم سے رسول اللہ ﷺ کی کوئی حدیث
بیان کی جائے تو اس کے معنی وہ سمجھو جو
زیادہ قرین ہدایت، زیادہ پرہیزگارانہ اور
زیادہ بہتر ہوں۔

موزوں پر مسح کرنا سنت ہے، لیکن یہ مسح نیچے ٹکڑوں پر نہیں بلکہ اوپر پاؤں پر کیا جاتا ہے۔
حضرت علی فرماتے ہیں جیسا کہ سنن ابی داؤد میں ہے:

لو كان الدين والارزاق
اگر نبی مسائل کا انحصار عقل کے لئے ہو جاتا

باطن المقدمین احق بالمسح
من ظاهرهما وقد مسح النبی
صلی اللہ علیہ وسلم علی
اظہر خفیہ (باب کیف المسح)

تلوے اوپر کے پاؤں سے زیادہ مسح کے
مستحق ہوتے لیکن آنحضرت ﷺ نے
موزوں کی پشت پر مسح فرمایا۔

حضرت علی مرتضیٰ کا مقصود یہ ہے کہ چلنے کی وجہ سے اگر گرد و غبار کے دور کرنے اور صفائی کی
غرض سے یہ مسح ہوتا تو نیچے کے تلوؤں پر مسح ہوتا، لیکن آنحضرت ﷺ نے نیچے نہیں اوپر مسح فرمایا،
اس لئے احکام الہی کے مصالح کی تعمین میں محض ظاہری عقل و رائے کو دخل نہیں ہے۔
یہی روایت مسند بن ضہل (جلد اول ص ۱۱۲) میں اس طرح ہے کہ آپ نے فرمایا کہ اگر میں
رسول اللہ ﷺ کو مسح کرتے ہوئے نہ دیکھتا تو سمجھتا کہ نیچے مسح کرنا اوپر کرنے سے زیادہ بہتر ہے۔
یعنی ظاہر قیاس کا مقتضی یہی تھا، مگر حکم الہی محض ظاہری قیاس پر مبنی نہیں۔

تصوف

اس بیان سے یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ حضرت علی مرتضیٰ کو اسرار، شریعت پر عبور نہ تھا بلکہ ان کا
مسلك یہ تھا کہ عوام کے لئے یہ موزوں نہیں ہیں اور یہ بالکل سچ ہے کہ اس سے عوام کے طبائع
میں احکام الہی کی اتباع اور پیروی کے بجائے عدم عمل کے لئے حیلہ سازی اور فلسفیانہ بہانہ جوئی
پیدا ہوتی ہے۔ خواص اس فرق کو سمجھتے ہیں اس لئے ان ہی کے لئے یہ علم موزوں ہے۔ چنانچہ
تصوف جو مذہب کی جان، شریعت کی روح اور جو خاصان امت کا حصہ ہے حضرت علیؑ نے اس
کے حقائق و معارف بہت خوبی سے بیان کئے ہیں۔

تصوف کے اکثر سلسلے سینہ مرتضویؑ پر جا کر ختم ہوتے ہیں۔ حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ کا قول
ہے کہ ”اصول اور آزمائش و امتحان میں ہمارے شیخ الشیوخ علی مرتضیٰؑ ہیں“۔ شاہ ولی اللہ صاحب
نے ازالۃ الخفاء میں لکھا ہے کہ خلافت سے پہلے حضرت ممدوح کو اس میں بے حد انہماک تھا، مگر
خلافت کے بعد اس کی مصروفیت نے ان کو اس فن کی تفصیل بیان کرنے کی فرصت نہ دی (۱)۔

محدثین کے اصول روایت کے مطابق حضرت علی مرتضیٰؑ کے یہ صوفیانہ اقوال پایہ صحت کو نہیں
پہنچتے اور نہ سلسلہ صحبت کی کڑیاں ثابت ہوتی ہیں کہ یہ اکثر سلسلے حضرت حسن بصریؑ پر جا کر تمام
ہوتے ہیں، ان کو حضرت علی مرتضیٰؑ کا فیض اور صحبت یافتہ سمجھا جاتا ہے۔ مگر حضرت حسن بصریؑ کی
صحبت اور تعلیم محدثین کی روایتوں سے ثابت نہیں ہوتی بلکہ امام ترمذی نے تو اس سے بھی انکار کیا
ہے کہ انہوں نے بلا واسطہ حضرت علیؑ سے کچھ سنا بھی ہے۔ بہر حال اتنا بالاتفاق ثابت ہے کہ
انہوں نے حضرت علی مرتضیٰؑ کو خلافت سے پہلے مدینہ میں دیکھا تھا اور ان کے دیدار سے مشرف

تھے، اور اس وقت ان کی عمر غالباً ۱۴، ۱۵ برس کی تھی۔

تقریر و خطابت

تقریر و خطابت میں حضرت علی مرتضیٰ کو خدا واد ملکہ حاصل تھا اور مشکل سے مشکل مسائل پر بڑے بڑے مجموعوں میں فی البدیہہ تقریر فرماتے تھے۔ تقریریں نہایت خطیبانہ مدلل، اور موثر ہوتی تھیں۔ ۳۹ھ میں جب امیر معاویہ نے مدافعت کے بجائے جارحانہ طریق عمل اختیار کیا تو جمعہ کے روز اپنی جماعت کو ابھارنے کے لئے جو خطبہ دیا تھا، اس سے زور تقریر اور حسن خطابت کا اندازہ ہوگا۔

حمد و نعت کے بعد، جہاد جنت کے دروازوں میں سے ایک دروازہ ہے جس نے اس کو چھوڑا، خدا اس کو ذلت کا لباس پہناتا ہے، اور رسوائی کو شامل حال کرتا ہے اور ذلت کا مزہ چکھایا جاتا ہے اور دشمنوں کی دست درازی میں گرفتار ہوتا ہے، میں نے تم کو شب و روز اعلانیہ اور پوشیدہ، ان لوگوں سے لڑنے کی دعوت دی اور میں نے کہا کہ اس سے پہلے کہ وہ حملہ ہو تو خدا کی قسم! تلوار سے اور بھی بھاگو گے۔ قسم ہے اُس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے تم اس سے نہیں بھاگتے بلکہ تلوار سے جان چراتے ہو، اے مرد نہیں، بلکہ مرد کی تصویر اور اے بچوں اور عورتوں کی سی عقل اور سمجھ رکھنے والو، خدا کی قسم میں پسند کرتا ہوں کہ خدا تمہاری جماعت سے مجھے نکال لے جائے اور (موت دے کر) اپنی رحمت نصیب کرے کریں میں حملہ کروں، کوئی قوم جس پر اس

اما بعد فان الجهاد باب من ابواب الجنة من تركه البسه الله الزلة وشمله بالصغار وسيم الخسف وسيل الضيم واني قد دعوتكم الى الجهاد وهؤلاء القوم ليلاً ونهاراً وسراً وجهاراً وقلت لكم اعزوهم قبل ان يغزوهكم فما غزى قوم في عقر دارهم الا ذلوا واجتثر عليهم عدولهم هذا اخو بني عامر قد ورد الانبار وقتل ابن حسان البكري وازال مسالحكم عن مواضعها وقتل رجالاً منكم صالحين وقد بلغني انهم كانوا يدخلون بيت المرأة المسلمة والاخرى المعاهدة فينزعهن خجلها من دجلها وقلائدها من عنقها يا عجبها من امر يميت القلوب ويحتلب النعم ويسعر

الاخران من اجتماع القوم
على باطلهم وتفرقكم عن
حقكم فبعد انكم وسحقاً
قد مرتم غرضاً ترمون ولا
ترمون ويغار عليكم ولا
تغيرون ويسعصى الله
فترضون اذا قلت لكم
سيروا في الشتاء قلتم كيف
نغزو في هذا القرو الصروان
قلت لكم سيروا في
الصيف قلتم حتى ينصوم
عنا حرارة القيظ وكل هذا
فرار من الموت فاذا كنتم
من الحرروا نفر تفررون فانتم
والله من السيف افروا الذي
نفسى بيده ما من ذلك
تهربون ولكن من السيف
تحيدون يا اشباه الرجال
ولا الرجال ويا احلام
اطفال وعقول ربات
الحجل اما والله لو دوت
ان الله اخرجني من بين
اظهركم وقبضتني الى
رحمة من بينكم وودرت
اني الم اداكم ولم اعرفكم
والله ملائم صدري غيظاً

کے گھر میں آکر حملہ کیا جائے وہ ذلیل و
رسوا ہوتی ہے اس کا دشمن اس پر جری ہوتا
ہے، دیکھو کہ عامری نے انہار میں آکر
ابن حسان بکری کو قتل کر دیا۔ تمہارے
مورچوں کو اپنی جگہ سے ہٹا دیا، تمہاری
فوج کے چند نیکو کار بہادروں کو قتل کر ڈالا
اور مجھے یہ خبر معلوم ہوئی ہے کہ وہ مسلمان
اور ذمی عورتوں کے گھروں میں گھسے اور
ان کے پاؤں سے ان کے پازیب، ان
کے گلے سے ان کے ہاراتار لئے، ایک
قوم کا باطل پر اجتماع اور تمہارا امر حق سے
برگشتہ ہونا کس قدر تعجب انگیز ہے جو دلوں
کو مردہ کرتا ہے اور غم ورنج کو بڑھاتا ہے،
تمہارے لئے دوری و ہلاکت ہو تم نشانہ
بن گئے ہو اور تم پر تیر برسایا جاتا ہے لیکن
تم خود تیر نہیں چلا سکتے تم پر غارت گری کی
جاتی ہے، لیکن تم غارت گری نہیں کرتے،
خدا کی نافرمانی کی جاتی ہے اور تم اس کو
پسند کرتے ہو، جب تم سے کہتا ہوں کہ
موسم سرما میں فوج کشی کرو تم کہتے ہو کہ
اس قدر سردی اور پالے میں کس طرح لڑ
سکتے ہیں اور اگر کہتا ہوں کہ موسم گرما میں
چلو تو کہتے ہو کہ گرمی کی شدت کم
ہو جائے تب، حالانکہ یہ سب موت سے
بھاگنے کا حیلہ ہے، پس تم گرمی سردی سے
بھاگتے میری تمنا تھی کہ تم سے جان پہچان
نہ ہوتی، خدا کی قسم! تم نے میرا سینہ غیظ و

و جسر عثمونی الامرین انفاساً
و افسدتم علی رائی
بالعصیان والخذلان۔
غضب سے بھر دیا ب، تم نے مجھے وہ
تلخیوں کے گھونٹ پلائے ہیں اور عصیان و
نافرمانی کر کے میری رائے کو برباد کر دیا ہے۔

آپ کے طرفداروں کے دل اگرچہ پڑمردہ ہو چکے تھے اور قوائے عمل نے جواب دے دیا
تھا تاہم اس پر جوش اور ولولہ انگیز تقریر نے تھوڑی دیر کے لئے ہلچل پیدا کر دی اور ہر طرف سے
پر جوش صداؤں نے لبیک کہا۔

شریف رضی نے حضرت علیؑ کے تمام خطبوں کو ”سج البلاغۃ“ کے نام سے چار جلدوں میں جمع
کر دیا ہے اور ان پر اپنی رائے ظاہر کرتے ہوئے صحیح لکھا ہے کہ ان خطبوں نے ہزاروں اور
لاکھوں آدمیوں کو فصیح و بلیغ مقرر بنا دیا۔ لیکن سج البلاغۃ کے تمام خطبوں کا صحیح ہونا ایک مشتبہ امر
ہے، کیونکہ ان میں ایسے اصلاحات و خیالات بھی ہیں جو تیسری صدی میں یونانی فلسفہ کے ترجمہ
کے بعد سے عربی میں رائج ہوئے ہیں اور ان میں حضرت علیؑ کی زبان سے ایسی باتیں بھی ہیں جن
کو کوئی صاحب ایمان ان کی طرف منسوب نہیں کر سکتا۔
شاعری

جناب مرتضیٰؑ کی طرف بہت سے اشعار بھی منسوب ہیں جن میں سے دو، چار احادیث صحیحہ
میں بھی مذکور ہیں۔ مثلاً آپ کو وہ رجز یہ شعر جو معرکہ خیبر میں آپ نے پڑھا تھا:

انا الذی سمتی امی حیدرة
کلیث غابات کرہ المنظرۃ

لیکن بہت سے جعلی اشعار بنا کر آپ کی طرف منسوب کر دیئے گئے ہیں، بلکہ ایک پورا
دیوان دیوان علیؑ کے نام سے موجود ہے جس کو افسوس ہے کہ طلباء اور علماء نہایت شوق سے پڑھتے
پڑھاتے ہیں۔ حالانکہ اس کی زبان اس لائق بھی نہیں کہ کسی عربی شاعر کی طرف منسوب کی جائے
چہ جائیکہ الفصح الفصحا، حضرت علیؑ کرم اللہ وجہہ الشریف کی طرف۔ حاکم نے مستدرک میں حضرت
فاطمہؑؓ ہر اکے مرثیہ میں آپ کی زبان مبارک سے دو شعر نقل کئے ہیں۔

علم نحو کی ایجاد

علم نحو کی بنیاد خاص حضرت علیؑ کے دست مبارک سے رکھی گئی ہے۔ ایک دفعہ ایک شخص کو
قرآن شریف غلط پڑھتے سنا۔ اس سے خیال پیدا ہوا کہ کوئی ایسا قاعدہ بنا دیا جائے جس سے
اعراب میں غلطی واقع نہ ہو سکے۔ چنانچہ ابوالاسود دہلی کو چند کلیہ بتا کر اس فن کی تدوین پر مامور
کیا (۱)۔ اس طرح علم نحو کے ابتدائی اصول بھی آپ ہی کی طرف منسوب ہیں۔

اخلاق و عادات اور ذاتی حالات

حضرت علی مرتضیٰ نے ایام طفولیت ہی سے سرور کائنات ﷺ کے دامن عاطفت میں تربیت پائی تھی اس لئے وہ قدرتاً محاسن اخلاق اور حسن تربیت کے نمونہ تھے۔ آپ کی زبان کبھی کلمہ شرک و کفر سے آلودہ نہ ہوئی اور نہ آپ کی پیشانی غیر خدا کے آگے جھکی۔ جاہلیت کے ہر قسم کے گناہ سے میرا اور پاک رہے۔ شراب کے ذائقہ سے جو عرب کی گھٹی میں تھی، اسلام سے پہلے بھی آپ کی زبان آشنا نہ ہوئی اور اسلام کے بعد تو اس کا کوئی خیال ہی نہیں کیا جاسکتا (۱)۔

المہنت و دیانت

آپ ایک امین کے تربیت یافتہ تھے، اس لئے ابتداء ہی سے امین تھے۔ آنحضرت ﷺ کے پاس قریش کی امانتیں جمع رہتی تھیں۔ جب آپ نے ہجرت فرمائی تو ان امانتوں کی واپسی کی خدمت حضرت علیؑ کے سپرد فرمائی (۲)۔

① ترمذی اور ابوداؤد کی ایک روایت میں ہے کہ شراب کی حرمت سے پہلے دوستوں کے ایک جلسہ میں حضرت علیؑ نے شراب پی اور اسی حالت میں نماز پڑھائی تو سورۃ قل بآئہا الکفرؤن کچھ سے کچھ پڑھ دی اس پر شراب کی حرمت کی آیت نازل ہوئی، گو شراب کی حرمت نازل ہونے سے پہلے شراب پینا مذہباً گناہ نہیں تھا، تاہم ظاہر ہے کہ کمال تقویٰ کے خلاف ضرور تھا اور دوسری روایتوں سے یہ بالکل ثابت نہیں ہوتا کہ آپ کا دامن مبارک کبھی اس سے آلودہ ہوا۔ اسی لئے اس روایت کے قبول کرنے میں ہمیں تردد ہے۔ اصل یہ ہے کہ اس کا اخیر راوی گو پہلے علوی تھا مگر آخر میں حضرت علیؑ کا مخالف (عثمانی) ہو گیا تھا۔ اس لئے حضرت علیؑ کی شان میں اس کی شہادت معتبر نہیں ہو سکتی۔ اب حاکم کی مستدرک چھپ چکی ہے، اس کی روایت سے اصلی واقعہ ثابت ہوتا ہے کہ حضرت علیؑ نے یہ واقعہ ایک اور شخص کا بیان کیا تھا۔ عثمانی راوی نے خود حضرت علی مرتضیٰ کا نام رکھ دیا۔ حاکم نے اس روایت کو نقل کر کے لکھا ہے کہ بحمد اللہ اس روایت سے حضرت علیؑ کے مخالفین جو آپ پر اعتراض کرتے تھے وہ اٹھ گیا۔

اپنے عہد خلافت میں آپ نے مسلمانوں کی امانت بیت المال کی جیسی امانت داری فرمائی اس کا اندازہ حضرت ام کلثومؓ کے اس بیان سے ہو سکتا ہے کہ ایک دفعہ نارنگیاں آئیں۔ امام حسنؑ، امام حسینؑ نے ایک نارنگی اٹھالی۔ جناب امیرؑ نے دیکھا تو چھین کر لوگوں میں تقسیم کر دی (۱)۔ مال غنیمت تقسیم فرماتے تھے تو برابر حصے لگا کر غایت احتیاط میں قرعہ ڈالتے تھے کہ اگر کچھ کمی بیشی رہ گئی ہو تو آپ اس سے بری ہو جائیں۔ ایک دفعہ اصفہان سے مال آیا، اس میں ایک روٹی بھی تھی۔ حضرت علیؑ نے تمام مال کے ساتھ اس روٹی کے بھی سات ٹکڑے کئے اور قرعہ ڈال کر تقسیم فرمایا۔ ایک دفعہ بیت المال کا تمام اندوختہ تقسیم کر کے اس میں جھارودی اور دو رکعت نماز ادا فرمائی کہ وہ قیامت میں ان کی امانت و دیانت کی شاہد رہے (۲)۔

زہد

آپ کی ذات گرامی زہد فی الدنیا کا نمونہ تھی، بلکہ حق یہ ہے کہ آپ کی ذات پر زہد کا خاتمہ ہو گیا۔ آپ کے کاشانہ فقر میں دنیاوی شان و شکوہ کا درگزر نہ تھا، کوفہ تشریف لائے تو دارالامارت کے بجائے ایک میدان میں فروکش ہوئے اور فرمایا کہ عمر بن الخطابؓ نے ہمیشہ ہی ان عالی شان محلات کو حقارت کی نگاہ سے دیکھا، مجھے بھی اس کی حاجت نہیں، میدان ہی میرے لئے بس ہے۔ بچپن سے پچیس چھبیس برس کی عمر تک آنحضرت ﷺ کے ساتھ رہے اور شہنشاہ اقلیم زہد و قناعت کے یہاں دنیاوی عیش کا کیا ذکر تھا۔ حضرت فاطمہؓ کے ساتھ شادی ہوئی تو علیحدہ مکان میں رہنے لگے۔ اس نئی زندگی کے ساز و سامان کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ سیدہ جنت جو ساز و سامان اپنے میکہ سے لائی تھیں اس میں ایک چیز کا بھی اضافہ نہ ہو سکا۔ چکی پیٹے پیٹے حضرت فاطمہؓ کے ہاتھوں میں گئے پڑ گئے تھے، گھر میں اوڑھنے کی صرف ایک چادر تھی، وہ بھی اس قدر مختصر کہ پاؤں چھپاتے تو سر برہنہ ہو جاتا اور سر چھپاتے تو پاؤں کھل جاتا۔ معاش کی یہ حالت تھی کہ ہفتوں گھر سے دھواں نہیں اٹھتا تھا۔ بھوک کی شدت ہوتی تو پیٹ سے پتھر باندھ لیتے۔ ایک دفعہ شدت گرسنگی میں کاشانہ اقدس سے باہر نکلے کہ مزدوری کر کے کچھ کمالائیں۔ عوالی (۳) مدینہ میں دیکھا کہ ایک ضعیفہ کچھ اینٹ پتھر جمع کر رہی ہے۔ خیال ہوا کہ شاید اپنا باغ سیراب کرنا چاہتی ہے۔ اسکے پاس پہنچ کر اجرت طے کی اور پانی سینچنے لگے۔ یہاں تک کہ ہاتھوں میں آبلے پڑ گئے۔ غرض اس محنت و مشقت کے بعد ایک منہمی کھجوریں اجرت میں ملیں، لیکن تنہا خوری کی عادت نہ تھی۔ بجنسہ لئے ہوئے بارگاہ نبوت ﷺ میں حاضر ہوئے۔ آنحضرت ﷺ نے

② ایضاً ابو عمر ص ۲۶۶

① ازالۃ الخفاء بحوالہ ابن ابی شیبہ

③ مدینہ کے قرب و جوار کی آبادی کا نام عوالی تھا۔

تمام کیفیت سن کر نہایت شوق کے ساتھ کھانے میں ساتھ دیا (۱)۔

ایام خلافت میں بھی زہد کا دامن ہاتھ سے نہ چھوٹا اور آپ کی زندگی میں کوئی فرق نہ آیا۔ مونا جھوٹا لباس اور روکھا پھیکا کھانا اُن کے لئے دنیا کی سب سے بڑی نعمت تھی۔ ایک دفعہ عبداللہ بن زریر نامی ایک صاحب شریک طعام تھے، دسترخوان پر کھانا نہایت معمولی اور سادہ تھا، انہوں نے کہا: امیر المؤمنین! آپ کو پرند کے گوشت سے شوق نہیں ہے؟ فرمایا: ابن زریر! خلیفہ وقت کو مسلمانوں کے مال میں سے صرف دو پیالوں کا حق ہے، ایک خود کھائے اور اہل کو کھالائے اور دوسرا خلق خدا کے سامنے پیش کرے (۲)۔

درب دولت پر کوئی حاجب نہ تھا نہ دربان، نہ امیر نہ کروفر، شاہانہ تزک و احتشام اور عین اس وقت جب قیصر و کسری کی شہنشاہی مسلمانوں کے لئے زرو جواہر اُگل رہی تھی، اسلام کا خلیفہ ایک معمولی غریب کی طرح زندگی بسر کرتا تھا اور اس پر فیاضی کا یہ حال تھا کہ داد و دہش کی بدولت کبھی فقر و فاقہ کی نوبت بھی آ جاتی تھی۔ ایک دفعہ منبر پر خطبہ دیتے ہوئے فرمایا کہ ”میری تلوار کا کون خریدار ہے؟ خدا کی قسم! اگر میرے پاس ایک تہہ بند کی قیمت ہوتی تو اس کو فروخت نہ کرتا۔“ ایک شخص نے کھڑے ہو کر کہا، ”امیر المؤمنین! میں تہہ بند کی قیمت قرض دیتا ہوں۔“

گھر میں کوئی خادمہ نہ تھی، شہنشاہِ دو عالم ﷺ کی بیٹی گھر کا سارا کام اپنے ہاتھوں سے انجام دیتی تھی۔ ایک مرتبہ شفیق باپ کے پاس اپنی مصیبت بیان کرنے گئیں۔ حضرت سرور کائنات ﷺ موجود نہ تھے اس لئے واپس آ کر سو رہی۔ تھوڑی دیر کے بعد حضرت عائشہ کی اطلاع پر آنحضرت ﷺ خود تشریف لائے اور فرمایا، ”کیا تم کو ایسی بات نہ بتا دوں جو ایک خادم سے کہیں زیادہ تمہارے لئے مفید ہو؟“ اس کے بعد آپ نے تسبیح کی تعلیم دی (۳)۔

عبادات

حضرت علی کرم اللہ وجہہ خدا کے نہایت عبادت گزار بندے تھے، عبادات ان کا مشغلہ حیات تھا جس کا شاہد خود قرآن ہے۔ کلام پاک کی اس آیت:

مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللَّهِ وَالَّذِينَ مَعَهُ
أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ
بَيْنَهُمْ تَرَاهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا
يَبْتَغُونَ فَضْلًا مِّنَ اللَّهِ وَرِضْوَانًا
مُّحَمَّدٌ رَّسُولُ اللَّهِ وَالَّذِينَ مَعَهُ
أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ
بَيْنَهُمْ تَرَاهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا
يَبْتَغُونَ فَضْلًا مِّنَ اللَّهِ وَرِضْوَانًا

محمد رسول اللہ اور وہ لوگ جو ان کے ساتھ
ہیں کافروں پر سخت ہیں باہم رحمہل ہیں، تم
ان کو دیکھتے ہو کہ بہت رکوع اور بہت سجدہ
کر کے خدا کا فضل اور اس کی رضا مندی
کی جستجو کرتے ہیں۔

کی تفسیر میں مفسرین نے نکتہ لکھا ہے کہ وَالَّذِينَ مَعَهُ سے ابو بکر صدیق، اَشْدَّاءُ عَلٰی الْكُفَّارِ سے عمر بن الخطاب رَحْمَاءُ بَيْنَهُمْ سے عثمان بن عفان، رُكْعًا سُجَّدًا سے حضرت علی ابن ابی طالب اور يَتَّبِعُونَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا سے بقیہ صحابہؓ مراد ہیں (۱)۔ اس سے عبادات میں تمام صحابہؓ پر حضرت علی کی فضیلت ثابت ہوتی ہے۔ کیونکہ رکوع و سجود تمام صحابہؓ کا مشترک وصف تھا۔ پھر اس اشتراک میں تخصیص سے معلوم ہوا کہ اس اشتراک کے باوجود ان کو اس باب میں کچھ مزید امتیاز بھی حاصل تھا۔

قرآن مجید کے اس اشارہ کے علاوہ خود صحابہؓ کی زبان سے ان کے اس امتیازی وصف کی شہادت مذکور ہے۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں:

کان ما علمت صواما قواما جہاں تک مجھے معلوم ہے وہ بڑے روزہ دار اور عبادت گزار تھے (۲)۔

زبیر بن سعید قریشی کہتے ہیں:

لَمْ ارْهَاشْمِيَا قَطُّ كَانَ عَبْدَ اللَّهِ مِنْهُ میں نے کسی ہاشم کو نہیں دیکھا جو اُن سے زیادہ خدا کا عبادت گزار ہو (۳)۔

ان حالات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ عبادات میں جس چیز کا التزام کر لیتے تھے اس پر ہمیشہ قائم رہتے تھے۔ ایک موقع پر رسول اللہ ﷺ نے اُن سے اور حضرت فاطمہؓ سے فرمایا کہ تم دونوں ہر نماز کے بعد دس بار تسبیح، دس بار تحمید اور دس بار تکبیر پڑھ لیا کرو اور جب سوؤ تو ۳۳ بار تسبیح، ۳۳ بار تحمید، اور ۳۳ بار تکبیر پڑھ لیا کرو۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ جب بے رسول اللہ نے مجھ کو اس کی تلقین کی میں نے اس کو چھوڑا نہیں۔ ابن کواء نے کہا کہ ”صفین کی شب میں بھی نہیں؟“ فرمایا، ”صفین کی شب میں بھی نہیں“ (۴)۔

انفاق فی سبیل اللہ

حضرت علیؓ کو دنیاوی دولت سے تہی دامت تھے، لیکن دل غنی تھا، کبھی کوئی سائل آپ کے در سے ناکام واپس نہیں ہوا، حتیٰ کہ قوت لایموت تک دے دیتے۔ ایک دفعہ رات بھر باغ سینچ کر تھورے سے جو مزدوری میں حاصل کئے، صبح کے وقت گھر تشریف لائے تو ایک ایک ٹلٹ پسوا کر حریرہ پکوانے کا انتظام کیا۔ اب پک کر تیار ہوا ہی تھا کہ ایک مسکین نے صدا دی۔ حضرت علیؓ نے سب اٹھا کر اس کو دے دیا اور پھر بقیہ میں دوسرے ٹلٹ کے پکنے کا انتظار کیا، لیکن تیار ہوا کہ

② ترمذی کتاب المناقب فضل فاطمہ

① تفسیر فتح البیان ج ۹

③ مستدرک حاکم ج ۳ ص ۱۰۸ ④ مسند ابن خنبل ج ۱ ص ۱۰۷ او الوداؤد کتاب الادب

ایک مسکین یتیم نے دستِ سوال بڑھایا، اسے بھی اٹھا کر اس کی نذر کیا۔ غرض اسی طرح تیسرا حصہ بھی چونچ رہا تھا پکنے کے بعد ایک مشرک قیدی کی نذر ہو گیا اور یہ مردِ خدات بھر کی مشقت کے باوجود دن کو فاقہ مست رہا۔ خدائے پاک کو یہ ایثار کچھ ایسا بھایا کہ بطور ستائش اس کے صلہ میں وَيُطْعَمُونَ الطَّعَامَ عَلَى حُبِّهِ مِسْكِينًا وَيَتِيمًا وَأَسِيرًا (الایۃ) کی آیت نازل ہوئی (۱)۔
تواضع

سادگی اور تواضع حضرت علیؑ کی دستارِ فضیلت کا سب سے خوشنما طرہ ہے، اپنے ہاتھ سے محنت و مزدوری کرنے میں کوئی عار نہ تھا۔ لوگ مسائل پوچھنے آتے تو آپؑ کبھی جوتا ٹانگتے، کبھی اونٹ چراتے اور کبھی زمین کھودتے ہوئے پائے جاتے، مزاج میں بے تکلفی اتنی تھی کہ فرشِ خاک پر بے تکلف سو جاتے۔ ایک دفعہ آنحضرت ﷺ انہیں ڈھونڈتے ہوئے مسجد میں تشریف لائے، دیکھا کہ بے تکلفی کے ساتھ زمین پر سو رہے ہیں، چادر پیٹھ کے نیچے سے سرک گئی اور جسم انور گرد و غبار کے اندر کندن کی طرح دمک رہا ہے۔ سرورِ کائنات ﷺ کو یہ سادگی نہایت پسند آئی۔ خود دست مبارک سے ان کا بدن صاف کر کے محبت آمیز لہجے میں فرمایا: اجلس یا ابنا تراب (۲) مٹی والے اب اٹھ بیٹھ، زبانِ نبویؐ کی عطا کی ہوئی یہ کنیت حضرت علیؑ کی اس قدر محبوب تھی کہ جب کوئی اس سے مخاطب کرتا تو خوشی سے ہونٹوں پر تبسم کی لہر دوڑ جاتی۔

ایامِ خلافت میں بھی یہ سادگی قائم رہی، چھوٹی آستین اور اونچے دامن کا کرتہ پہنچے اور معمولی کپڑے کہ تہہ بند باندھتے۔ بازار میں گشت کرتے پھرتے، اگر کوئی تعظیماً پیچھے ہو لیتا تو منع فرماتے کہ اس میں ولی کے لئے فتنہ اور مومن کے لئے ذلت ہے (۳)۔

شجاعت

شجاعت و بسالت حضرت علیؑ کا مخصوص وصف تھا جس میں کوئی معاصر آپؑ کا حریف نہ تھا۔ آپ تمام غزوات میں شریک ہوئے اور سب میں اپنی شجاعت کے جوہر دکھائی۔ اسلام میں سب سے پہلا غزوہ بدر پیش آیا۔ اس وقت حضرت علیؑ کا غفوانِ شباب تھا، لیکن اس عمر میں آپؑ نے جنگِ آزمابہادروں کے دوش بدوش ایسی داؤدِ شجاعت دی کہ آپؑ اس کے ہیر و قرار پائے۔

آغازِ جنگ میں آپؑ کا مقابلہ ولید سے ہوا۔ ایک ہی وار میں اس کا کام تمام کر دیا۔ پھر شیبہ کے مقابلہ میں حضرت عبیدہ بن حارث آئے اور اس نے ان کو زخمی کیا تو حضرت حمزہؓ اور حضرت علیؑ نے حملہ کر کے اس کا کام بھی تمام کر دیا۔ غزوہٴ احد میں کفار کا جھنڈا طلحہ بن ابی طلحہ کے ہاتھ میں تھا اس نے مبارزت طلب کی تو حضرت علیؑ مرتضیٰ ہی اس کے مقابلہ میں آئے اور سر پر ایسی تلوار ماری

کہ سر کے دو ٹکڑے ہوئے۔ رسول اللہ ﷺ کو اس کی خبر ہوئی تو فرط مسرت میں تکبیر کا نعرہ بلند کیا اور مسلمانوں نے بھی تکبیر کے نعرے لگائے۔

غزوہ خندق میں بھی پیش پیش رہے۔ چنانچہ عرب کے مشہور پہلوان عمرو بن عبدود نے مبارزت طلب کی تو حضرت علی مرتضیٰ نے رسول اللہ سے میدان میں جانے کی اجازت چاہی۔ آپ نے ان کو اپنی تلوار عنایت فرمائی۔ خود اپنے دست مبارک سے ان کے سر پر عمامہ باندھا اور دعا کی خداوند! تو اس کے مقابلہ میں ان کا مددگار ہو۔ اس اہتمام سے آپ ابن عبدود کے مقابلہ میں تشریف لے گئے اور اس کو زیر کر کے تکبیر کا نعرہ مارا جس سے مسلمانوں کو معلوم ہوا کہ انہوں نے اپنے حریف پر کامیابی حاصل کر لی۔

غزوہ خیبر کا معرکہ حضرت علیؑ ہی کی شجاعت سے سر ہوا۔ جب خیبر کا قلعہ کئی دن تک فتح نہ ہو سکا تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ کل میں جھنڈا ایسے شخص کو دوں گا کہ خدا اور خدا کے رسول ﷺ کو محبوب رکھتا ہے اور خدا اور خدا کے رسول ﷺ اس کو محبوب رکھتے ہیں۔ چنانچہ دوسرے دن آپ ﷺ نے حضرت علیؑ کو جھنڈا عنایت فرمایا اور خیبر کا رئیس مرحب تلوار ہلاتا ہوا اور رجز پڑھتا ہوا مقابلے میں آیا۔ اس کے جواب میں حضرت علی مرتضیٰ رجز خواں آگے بڑھے اور مرحب کے سر پر ایسی تلوار ماری کہ سر پھٹ گیا اور خیبر فتح ہو گیا۔ خیبر کی فتح کو آپ کے جنگی کارناموں میں خاص امتیاز حاصل ہے۔

غزوات میں غزوہ ہوازن خاص اہمیت رکھتا ہے اس میں تمام قبائل عرب کی متحدہ طاقت مسلمانوں کے خلاف امنڈ آئی تھی۔ لیکن اس غزوہ میں بھی حضرت علیؑ ہر موقع پر ممتاز رہے۔ رسول اللہ ﷺ نے جن اکابر صحابہ کو جھنڈے عنایت فرمائے، ان میں حضرت علی مرتضیٰ بھی شامل تھے۔ آغاز جنگ میں جب کفار نے دفعہ تیسروں کا مینہ برسانا شروع کیا تو مسلمانوں کے پاؤں اکھڑ گئے اور صرف چند ممتاز صحابہ کرام رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ثابت قدم رہے۔ ان میں ایک حضرت علی مرتضیٰ بھی تھے، عہد نبوت کے بعد خود ان کے زمانہ میں جو معرکے پیش آئے ان میں کبھی ان کے پائے ثبات کو لغزش نہیں ہوئی۔

دشمنوں کے ساتھ حسن سلوک

حدیث میں آیا ہے کہ ”بہادروہ نہیں ہے جو دشمن کو پچھاڑ دے، بلکہ وہ ہے جو اپنے نفس کو زیر کرے۔“ حضرت علی مرتضیٰ اس میدان کے مرد تھے، ان کی زندگی کا اکثر حصہ مخالفین کی معرکہ آرائی میں گزرا۔ لیکن بایں ہمہ انہوں نے ہمیشہ دشمنوں کے ساتھ اچھا برتاؤ کیا۔ ایک دفعہ ایک لڑائی میں جب ان کا حریف گر کر رہنے ہو گیا تو اس کو چھوڑ کر الگ کھڑے ہو گئے کہ اس کو شرمندگی

نہ اٹھانی پڑے۔ جنگِ جمل میں حضرت عائشہؓ ان کی حریف تھیں، لیکن جب ایک ضعی نے ان کے اونٹ کو زخمی کر کے گرایا تو خود حضرت علیؓ نے آگے بڑھ کر ان کی خیریت دریافت کی اور ان کو ان کے طرفدار بصرہ کے رئیس کے گھر میں اتارا۔ حضرت عائشہؓ کی فوج کے تمام زخمیوں نے بھی اسی گھر کے ایک گوشے میں پناہ لی تھی۔ حضرت علیؓ حضرت عائشہؓ سے ملنے کے لئے تشریف لے گئے لیکن ان پناہ گزین دشمنوں سے کچھ تعرض نہیں کیا۔

جنگِ جمل میں جو لوگ شریکِ جنگ تھے، ان کی نسبت بھی عام منادی کرادی کہ بھاگنے والوں کا تعاقب نہ کیا جائے، زخمیوں کے اوپر گھوڑے نہ دوڑائے جائیں۔ مالِ غنیمت نہ لوٹا جائے، جو ہتھیار ڈال دے اس کو امان ہے۔

حضرت زبیرؓ نے ایک حریف کی حیثیت سے ان کا مقابلہ کیا تھا اور جنگِ جمل کے سپہ سالاروں میں تھے، مگر جب ان کا قاتل ابنِ جرموز ان کا مقتول سر اور تلوار لے کر حضرت علیؓ کے پاس آیا تو وہ آبدیدہ ہو گئے اور فرمایا ”فرزندِ صفیہؓ کے قاتل کو جہنم کی بشارت دے دو“۔ پھر حضرت زبیرؓ کی تلوار ہاتھ میں لے کر فرمایا: یہ وہی تلوار ہے جس نے کئی دفعہ آنحضرت ﷺ کے چہرہ سے مشکلات کا بادل ہٹایا ہے۔

مستدرک میں ہے کہ حضرت علیؓ کرم اللہ وجہہ کے پاس ان کا سر آیا تو فرمایا کہ ”فرزندِ صفیہؓ کے قاتل کو جہنم کی بشارت دے دو، میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ ہر نبی کے حواری ہوتے ہیں اور میرا حواری زبیرؓ ہے“ (۱)۔

جنگِ جمل کے میدان میں جب آپ فریقِ مخالف کی لاشوں کا معائنہ کر رہے تھے، تو ایک ایک لاش کو دیکھ کر افسوس کرتے تھے۔ جب حضرت طلحہؓ کے صاحبزادے محمدؓ کی لاش پر نظر پڑی تو آہ سرد بھر کر فرمایا ”اے قریش کا شکرہ!“۔

ان کا سب سے بڑا دشمن ان کا قاتل ابنِ ملجم ہو سکتا تھا، لیکن انہوں نے اس کے متعلق جو آخری وصیت کی تھی وہ یہ تھی کہ اس سے معمولی طور پر قصاص لینا، مثلاً نہ کرنا۔ یعنی اس کے ہاتھ پاؤں اور ناک نہ کاٹنا۔ ابنِ سعد میں ہے کہ جب وہ آپ کے سامنے لایا گیا تو فرمایا کہ اس کو اچھا کھانا کھلاؤ اور اس کو نرم بستر پر سلاؤ اگر میں زندہ بچ گیا تو اس کے معاف کرنے یا قصاص لینے کا مجھے اختیار حاصل ہوگا اور اگر میں مر گیا تو اس کو مجھ سے ملا دینا، میں خدا کے سامنے اس سے جھگڑ لوں گا (۲)۔ دشمنوں کے ساتھ حسن سلوک کی اس سے اعلیٰ مثال کیا ہو سکتی ہے؟

اصابت رائے

حضرت علی کرم اللہ وجہہ صائب الرائے بھی تھے اور آپ کی اصابت رائے پر عہد نبوی ہی سے اعتماد کیا جاتا تھا۔ چنانچہ آپ تمام مہمات امور میں شریک مشورہ کئے جاتے تھے۔ واقعہً افک میں رسول اللہ ﷺ نے اپنے گھر کے رازداروں میں جن لوگوں سے مشورہ کیا ان میں سے ایک حضرت علی کرم اللہ وجہہ بھی تھے۔ غزوہ طائف میں آپ ﷺ نے ان سے اتنی دیر تک سرگوشی فرمائی کہ لوگوں کو اس پر شک ہونے لگا۔

خلافت راشدہ کے زمانہ میں وہ ابو بکر و عمر و دونوں کے مشیر تھے۔ چنانچہ حضرت ابو بکر صدیق نے مہاجرین و انصار کی جو مجلس شوریٰ قائم کی تھی، اس کے رکن حضرت علی کرم اللہ وجہہ بھی تھے۔ حضرت عمر فاروقؓ نے اس مجلس کے ساتھ مہاجرین کی جو مخصوص مجلس شوریٰ قائم کی تھی اس کے اراکین کے نام اگرچہ ہم کو معلوم نہیں ہیں، لیکن حضرت علی کرم اللہ وجہہ لازمی طور پر اس کے ایک رکن رہے ہوں گے۔ کیونکہ حضرت عمرؓ کو ان کی رائے پر اتنا اعتماد تھا کہ جب کوئی مشکل معاملہ پیش آ جاتا تو حضرت علیؓ سے مشورہ کرتے تھے۔ ایک موقع پر انہوں نے فرمایا تھا:

لولا علی لہلک عمر
اگر علی نہ ہوتے تو عمر ہلاک ہو جاتا

اس اعتماد کی بنا پر بعض امور میں حضرت عمرؓ نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی رائے کو اپنی رائے پر ترجیح دی ہے۔ معرکہ نہادند میں جب ایرانیوں کی کثرت نے حضرت عمرؓ کو بے حد مشوش کر دیا، تو انہوں نے مسجد نبوی میں تمام صحابہ کو جمع کر کے رائے طلب کی۔ حضرت طلحہؓ نے کہا امیر المؤمنین آپ خود ہم سے زیادہ سمجھ سکتے ہیں، البتہ ہم لوگ تعمیل حکم کے لئے تیار ہیں۔ حضرت عثمانؓ نے مشورہ دیا کہ شام و یمن وغیرہ سے فوجیں جمع کر کے آپ خود سپہ سالار ہو کر میدان جنگ تشریف لے جائیں۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ خاموش تھے، حضرت عمرؓ نے ان کی طرف دیکھا تو بولے کہ شام سے اگر فوجیں نہیں تو مفتوحہ مقامات پر دشمنوں کا تسلط ہو جائے گا اور آپ نے مدینہ چھوڑا تو عرب میں ہر طرف قیامت برپا ہو جائے گی، اسلئے میری رائے یہ ہے کہ آپ یہاں سے نہ ہلیں اور شام و یمن وغیرہ میں فرمان بھیج دیئے جائیں کہ جہاں جہاں جس قدر فوجیں ہوں ایک ایک ٹکٹ ادھر روانہ کر دی جائیں۔ حضرت عمرؓ نے اس رائے کو پسند کیا اور کہا کہ میرا بھی یہی خیال تھا۔ حضرت عثمانؓ نے بھی ان سے اہم معاملات میں مشورے لئے اور اگر ان کے مشورہ پر عمل کیا جاتا تو ان کا عہد نہ صرف فتنہ و فساد سے محفوظ رہتا بلکہ قبائل عرب میں ایک ایسا توازن قائم ہو جاتا کہ آئندہ جھگڑے کی کوئی صورت ہی نہ پیدا ہوتی۔

آپ کی اصابت رائے کا سب سے بڑا ثبوت آپ کے فیصلوں سے ملتا ہے۔ احادیث کی

کتابوں میں بہت سے ایسے پیچیدہ مقامات مذکور ہیں جن کا فیصلہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے کیا اور جب وہ فیصلے رسول اللہ ﷺ کے سامنے پیش کئے گئے تو آپ نے فرمایا:

ما اجد فیہا الا ما قال علی
میرے نزدیک بھی اس کا فیصلہ وہی ہے جو
علی نے کیا۔

ان کے ایک اور فیصلہ کا ذکر کیا گیا تو آپ ﷺ بہت خوش ہوئے اور فرمایا:

الحمد لله الذی جعل فینا
الحکمة اهل البيت (۱)
اس خدا کا شکر ہے جس نے ہم اہل بیت کو
حکمت سکھائی۔

شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے ازالۃ الخفاء میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے محاسن اخلاق پر ایک نہایت جامع بحث کی ہے، جس کا خلاصہ یہاں مناسب ہوگا۔ وہ لکھتے ہیں:

بڑے بڑے لوگوں کی سرشت میں جو عظیم الشان اخلاق داخل ہوتے ہیں مثلاً شجاعت،
قوت، حمیت اور وفا وہ سب ان میں موجود تھے اور فیض ربانی نے ان سب کو اپنی مرضی
میں صرف کیا اور ان کے ایک ایک خلق کے ساتھ اس فیض ربانی کی آمیزش سے ایک
ایک مقام پیدا ہوا۔

ریاض النضرہ میں ہے کہ:

جب وہ راہ چلتے تھے تو ادھر ادھر جھکے ہوئے چلتے تھے، اور جب کسی کا ہاتھ پکڑ لیتے تھے تو
وہ سانس تک نہیں لے سکتا تھا۔ وہ تقریباً فرہ اندام تھے، ان کی کلاہیاں اور ان کے ہاتھ
مضبوط تھے اور دل کے مضبوط تھے، جس شخص سے کشتی لڑتے اس کو پچھاڑ دیتے تھے،
بہادر تھے اور جس سے جنگ میں مقابلہ کرتے اس پر غالب آتے تھے۔

ان کے تمام محاسن اخلاق میں ایک وفا تھی اور جب فیض ربانی نے اس کو موہبت کیا تو مقام
محبت اُن کے لئے ایک مسلمہ چیز بن گیا۔ رسول اللہ ﷺ نے جیسا کہ متواتر طور پر ثابت ہے، فرمایا
کہ میں کل ایسے شخص کو جھنڈا دوں گا جو اللہ اور اُس کے رسول سے محبت کرتا ہے اور اللہ اور اس کا
رسول بھی اس سے محبت کرتے ہیں۔ بالآخر آپ ﷺ نے جھنڈا حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو دیا۔

ان کے محاسن اخلاق میں ایک خلق، دشمنوں کی مدافعت و مبارزت تھی جس فیض ربانی نے
ان کے سوانح اسلامہ میں صرف کیا اور آخرت میں اس سے عجیب نتیجہ پیدا ہوا اور یہ آیت:

هَذَا نَحْصَمَانِ اخْتَصَمُوا
ان دونوں فریق نے باہم خاصیت کی۔

ان کی اور ان کے رفقاء کی شان میں نازل ہوئی۔ امام بخاری نے حضرت علیؓ بن ابی طالب سے

① ازالۃ الخفاء ص ۲۶۹ عن حمید بن عبد اللہ بن یزید المدنی

روایت کی ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ میں پہلا شخص ہوں گا جو قیامت کے دن خدا کے سامنے خصوصیت کے لئے دوزانو بیٹھے گا۔ قیس کہتے ہیں کہ یہ آیت:

هَٰذَا نِ خَصْمَانِ اخْتَصَمُوْا فِیْ رَیْبِهِمْ
ان دونوں فریق نے اپنے رب کے بارے میں باہم خصامت کی۔

ان ہی لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی اور یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے بدر کے دن باہم مبارزت کی، یعنی حمزہؓ، علیؓ، عبیدہ بن الحارثؓ، شیبہ بن ربیعہؓ، عتبہ اور ولید بن عتبہؓ۔

ان کے محاسن اخلاق میں ایک خلق ان کی غیر معمولی دلیری تھی، وہ کسی کی بھی پرواہ نہیں کرتے تھے، لوگوں کی خاطر مدارت میں اپنی خواہش سے بھی باز نہیں آتے تھے، فیض ربانی نے اُن کے ان اخلاق سے نبی عن المنکر اور بیت المال کی حفاظت کا کام لیا۔ حاکم نے حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت کی ہے: لوگوں نے رسول اللہ ﷺ سے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی شکایت کی تو آپ ﷺ نے ہم لوگوں کے سامنے خطبہ دیا اور فرمایا ”لوگو! علیؓ کی شکایت نہ کرو، خدا کی قسم! خدا کی ذات اور اس کی راہ کے معاملہ میں وہ کسی قدر سخت ہے۔“ حضرت عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ”خدا کی ذات کے معاملہ میں علیؓ سخت ہیں۔“

ان کے محاسن اخلاق میں ایک خلق اپنی قوم اور اپنے چچا زاد بھائی (آنحضرت ﷺ) کی حمیت تھی، وہ ان کے کام کی تکمیل میں نہایت اہتمام کرتے تھے اور ان کی مدد میں نہایت ہمت سے کام لیتے تھے۔ یہ وہ وصف ہے جو اکثر شریفوں میں پیدا ہوتا ہے۔ جب فیض ربانی نے اعلائے کلمۃ اللہ کا جذبہ ان کے دل میں پیدا کیا تو اس خلق سے کام لیا اور اس عقلی معنی کی شرح و تفسیر جس سے ایک ایسا عجیب مقام پیدا ہوا جس کی تعبیر اخوت رسول، مولات رسول، وصی اور وارث وغیرہ متعدد الفاظ سے کی جاتی ہے۔ حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے چچیرے بھائیوں میں سے ہر ایک سے فرمایا کہ دنیا و آخرت میں تم سے کون میرا ولی ہوگا؟ لیکن ان سب نے اس بار کے تحمل سے انکار کیا۔ اس وقت آپ ﷺ نے حضرت علیؓ سے فرمایا کہ تم دنیا و آخرت میں میرے ولی ہوئے۔ حاکم نے حضرت ابن عباسؓ سے روایت کی ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ، رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں فرماتے تھے کہ خداوند تعالیٰ فرماتا ہے (۱):

اَفَاِنْ مَّاتَ اَوْ قُبِلَ اَنْقَلَبْتُمْ
اگر وہ مر گئے یا مارے گئے تو کیا تم اُن کے
عَلٰی اَعْقَابِکُمْ
پاؤں پھر جاؤ گے۔

① مستدرک کی روایت اور ازالۃ الخفا کی روایت میں تھوڑا سا فرق ہے۔ اس ترجمہ میں اصل مستدرک کی

روایت کا لحاظ رکھا گیا ہے۔ مستدرک ج ۳ ص ۱۳۱

خدا کی قسم! جب ہم کو خدا نے ہدایت دے دی تو اس کے بعد ہم پیٹھ نہ پھیریں گے۔ خدا کی قسم! اگر رسول اللہ ﷺ کا وصال ہوایا آپ ﷺ شہید ہو گئے تو جس چیز کے لئے آپ ﷺ جنگ کرتے تھے، ہم بھی اس کے لئے لڑیں گے، یہاں تک کہ مرجائیں۔ خدا کی قسم! میں آپ ﷺ کا بھائی ہوں، آپ ﷺ کا ولی ہوں، آپ ﷺ کے چچا کا لڑکا ہوں، اور آپ ﷺ کے علم کا وارث ہوں۔ ایسی صورت میں مجھ سے زیادہ آپ کا حق دار کون ہے۔ اسی سے ان دونوں فریق کی جو افراط و تفریط کرتے ہیں غلطی بھی ظاہر ہو گئی۔ ایک کہتا ہے کہ قوم کی حمایت کے لئے غلبہ کا خواستگار ہونا خلوص نہیں، دوسرا کہتا ہے کہ استحقاق خلافت کے لئے اخوت نسبتی شرط ہے۔

ان کے محاسن اخلاق میں ایک زہد اور شہواتِ نفسانی سے اجتناب ہے۔ حضرت امیر معاویہؓ نے ضرار اسدی سے کہا کہ مجھ سے حضرت علیؓ کرم اللہ وجہہ کے اوصاف بیان کرو، انہوں نے کہا: امیر المؤمنین! اس سے مجھے معاف فرمائیے۔ معاویہؓ نے اصرار کیا۔ ضرار بولے۔ اگر اصرار ہے تو سنئے۔ ”وہ بلند حوصلہ اور نہایت قوی تھے، فیصلہ کن بات کہتے تھے، عادلانہ فیصلہ کرتے تھے، ان کے ہر جانب سے علم کا سرچشمہ پھوٹا تھا، ان کے تمام اطراف سے حکمت نکلتی تھی۔ دنیا کی دلفریبی اور شادابی سے وحشت کرتے اور رات کی وحشت ناک کی سے انس رکھتے تھے۔ بڑے رونے والے اور بہت زیادہ غور و فکر کرنے والے تھے۔ چھوٹا لباس اور موٹا جھوٹا کھانا پسند تھا۔ ہم میں بالکل ہماری طرح رہتے تھے، جب ہم ان سے سوال کرتے تھے تو وہ ہمارا جواب دیتے تھے اور جب ہم ان سے انتظار کی درخواست کرتے تھے تو وہ ہمارا انتظار کرتے تھے۔ باوجودیکہ اپنی خوش خلقی سے ہم کو اپنے قریب کر لیتے تھے اور وہ خود ہم سے قریب ہو جاتے تھے، لیکن اس کے باوجود خدا کی قسم ان کی ہیبت سے ہم ان سے گفتگو نہیں کر سکتے تھے۔ وہ اہل دین کی عزت کرتے تھے، غریبوں کو مقرب بناتے تھے، قوی کو اس کے باطل میں حرص و طمع کا موقع نہیں دیتے تھے۔ ان کے انصاف سے ضعیف ناامید نہیں ہوتا تھا۔ میں شہادت دیتا ہوں کہ میں نے ان کو بعض معرکوں میں دیکھا کہ رات گزر چکی ہے، ستارے ڈوب چکے ہیں اور وہ اپنی داڑھی پکڑے ہوئے ایسے مضطرب ہیں جیسے مار گزیدہ مضطرب ہوتا ہے اور اس حالت میں وہ غمزہ آدی کی طرف رو رہے ہیں اور کہتے ہیں کہ اے دنیا مجھ کو فریب نہ دے، تو مجھ سے چھیڑ چھاڑ کرتی ہے، یا میری مشتاق ہوتی ہے۔ افسوس افسوس! میں نے تجھ کو تین طلاقیں دے دی ہیں جس سے رجعت نہیں ہو سکتی۔ تیری عمر کم اور تیرا مقصد حقیر ہے۔ آہ! زارِ راہ کم اور سفر دور دراز کا ہے، راستہ وحشت خیز ہے۔“

یہ سن کر امیر معاویہؓ رو پڑے اور فرمایا کہ خدا ابوالحسن پر رحم کرے، خدا کی قسم! وہ ایسے ہی تھے۔ ان کے محاسن اخلاق میں ایک چیز شبہات سے اجتناب ہے، ان کی صاحبزادی حضرت

ام کلثوم سے روایت ہے کہ اگر حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے پاس لیموں آ جاتے تھے اور حسن و حسین ان میں سے کوئی لیموں لے کر کھانے لگتے تو وہ اس کو ان کے ہاتھ سے چھین لیتے اور اس کو تقسیم کرنے کا حکم دیتے تھے۔ ابو عمرو سے روایت ہے کہ وہ نے کی تقسیم میں حضرت ابو بکر کا طریقہ اختیار کرتے تھے، یعنی جب ان کے پاس آتا تھا تو سب تقسیم کر دیتے تھے اور بیت المال میں صرف اس قدر باقی رہ جاتا تھا جس کی تقسیم اس روز نہ کر سکتے تھے اور فرماتے اے دنیا میرے سوا کسی اور کو دھوکہ دے، اور خود اس سے اپنے لئے کوئی چیز انتخاب نہ کرتے تھے اور نہ تقسیم میں اپنے کسی رشتہ دار یا عزیز کی تخصیص کرتے تھے۔ حکومت اور امانت صرف متدین لوگوں کے سپرد کرتے تھے، اور جب یہ معلوم ہوتا کہ کسی نے اس میں خیانت کی ہے تو اس کو لکھتے:

قد جاءكم موعظة من ربكم
فاوفوا الكيل والميزان
بالقسط ولا تبخسوا الناس
اشياءهم ولا تعثوا في الارض
مفسدين بقية الله خير لكم ان
كنتم مومنين وما انا عليكم
بحفيظ

تمہارے پاس تمہارے رب کی جانب
سے نصیحت آ چکی ہے تو ناپ جو کچھ کر
انصاف کے ساتھ پورا کرو اور لوگوں کی
چیزوں میں کمی نہ کرو اور زمین میں فساد نہ
پھیلاؤ، خدا کا ثواب تمہارے لئے بہتر
ہے، اگر تم ایماندار ہو اور میں تمہارا نگران
نہیں ہوں۔

جب تمہارے پاس میرا خط پہنچے تو تمہارے ہاتھ میں جو کام ہے اس وقت تک تم اس کی پوری حفاظت کرو جب تک کہ ہم تمہارے پاس دوسرے شخص کو نہ بھیجیں جو تمہارے ہاتھوں سے لے لئے، پھر اپنی نگاہ کو آسمان کی طرف اٹھاتے اور کہتے کہ خداوند تو جانتا ہے کہ میں نے ان کو تیری مخلوق پر ظلم کرنے اور تیرے حق کو چھوڑنے کا حکم نہیں دیا ہے۔

مجمع السنی سے روایت ہے کہ بیت المال میں جو کچھ تھا اس کو حضرت علیؑ نے مسلمانوں میں تقسیم کر دیا، پھر حکم دیا کہ اس میں جھاڑو دے دی جائے اور اس میں نماز پڑھی تاکہ قیامت کے دن ان کی گواہ رہے۔

حضرت کلثب سے روایت ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے پاس اصفہان سے مال آیا تو انہوں نے اس کے سات حصے کئے۔ اس میں ایک روٹی بھی تھی اس کے بھی سات ٹکڑے کئے اور ہر حصے پر ایک ایک ٹکڑا تقسیم کیا۔ پھر قرعہ ڈالا کہ ان میں کس کو کون سا حصہ دیا جائے۔

ان کے محاسن اخلاق میں ایک چیز یہ ہے کہ وہ معاش کی تنگی پر صبر کرتے تھے اور اس کو اپنے لئے گوارہ کر لیتے تھے۔ خود ان سے روایت ہے کہ حضرت فاطمہؑ ہمارے گھر میں آئیں تو ہمارے

بچانے کے لئے صرف مینڈھے کی ایک کھال تھی۔ ضمیرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے گھر کا کام اپنی صاحبزادی حضرت فاطمہ کے متعلق کیا تھا اور بیرونی انتظامات حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے سپرد کئے تھے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ نے ان سے حضرت فاطمہ کا نکاح کیا تو جہیز میں ایک چادر، چمڑے کا ایک گدا، جس میں کھجور کی پیتاں بھری ہوئی تھیں۔ ایک چکی، ایک مشک اور دو گھڑے دیئے۔ ایک دن حضرت علیؑ نے حضرت فاطمہ سے کہا کہ پانی بھرتے بھرتے میرا سینہ درد کرنے لگا۔ رسول اللہ ﷺ کے پاس لونڈی غلام آئے ہیں، آپ سے ایک خادم کی درخواست کرو۔ انہوں نے کہا کہ آنا پیتے پیتے میرے ہاتھوں میں آبلے پڑ گئے۔ چنانچہ وہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔ آپ ﷺ نے پوچھا، بیٹی کسی غرض سے آئی ہو؟ بولیں سلام کرنے، لیکن سوال کرنے سے ان کو شرم آئی اور واپس چلی گئیں۔ حضرت علیؑ نے پوچھا تم نے کیا کیا؟ بولیں سوال کرنے میں مجھے شرم آئی۔ دوبارہ دونوں آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضرت علیؑ نے عرض کیا کہ پانی بھرتے بھرتے میرا سینہ درد کرنے لگا اور حضرت فاطمہ نے کہا کہ آنا پیتے پیتے میرے ہاتھوں میں چھالے پڑ گئے۔ خدا نے آپ کے پاس لونڈی غلام اور مال بھیجا ہے۔ ہم کو بھی ایک خادم عنایت ہو۔ آپ نے فرمایا: نہیں، یہ نہیں ہو سکتا کہ میں تم کو دوں اور اہل صفہ کو فاقہ مستی کی حالت میں چھوڑ دوں۔ میں ان لونڈی غلاموں کو فروخت کر کے ان کی قیمت ان پر صرف کروں گا۔ یہ جواب پا کر دونوں لوٹ آئے۔ ان کی واپسی کے بعد خود رسول اللہ ﷺ ان کے پاس تشریف لے گئے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور حضرت فاطمہؑ چادر اوڑھ کر سو چکی تھیں۔ یہ چادر اتنی چھوٹی تھی کہ جب سر ڈھکتے تھے تو پاؤں اور جب پاؤں ڈھکتے تھے تو سر کھل جاتا تھا۔ رسول اللہ کے تشریف لانے پر دونوں اٹھ گئے۔ آپ نے فرمایا کیا تم کو میں ایسی چیز نہ بتا دوں جو اس چیز سے بہتر ہے جس چیز کو تم مجھ سے مانگ سکتے ہو؟ دونوں نے کہا، ہاں! فرمایا: مجھ کو جبریل نے چند کلمے سکھائے اور کہا کہ دونوں ہر نماز کے نماز دس بار تسبیح اور دس بر تحمید اور دس بار تکبیر کہہ لیا کرو اس لئے تم دونوں دونوں سوتے وقت ۳۳ بار تحمید اور ۳۳ بار تکبیر کہہ لیا کرو۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا بیان ہے کہ جب سے رسول اللہ ﷺ نے مجھ کو یہ کلمے سکھائے، اس وقت سے میں نے ان کو نہیں چھوڑا۔ ابن کواء نے کہا کہ صفین کی رات میں بھی نہیں؟ فرمایا، نہیں۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا بیان ہے کہ مدینہ میں ایک مرتبہ مجھے سخت بھوک لگی، کھانے کو کچھ نہ تھا اس لئے عوالی میں مزدوری کی تلاش میں نکلا، ایک عورت ملی، جس نے ڈھیلے اکٹھے کئے تھے۔ میں نے خیال کیا کہ غالباً ان کو وہ بھگونا چاہتی ہے۔ چنانچہ میں نے ہر ڈول پر ایک کھجور اجرت

طے کی اور ۱۶ ڈول پانی بھرے جس سے میرے ہاتھوں میں چھالے پڑ گئے، اس نے مجھے سولہ کھجوریں گن کر دیں۔ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ ﷺ نے ان کھجوروں کو میرے ساتھ کھایا (۱)۔

خانگی زندگی

حضرت علیؑ کی مستقل خانہ داری کی زندگی اس وقت سے شروع ہوئی جبکہ سیدہ جنت حضرت فاطمہؑ کے ساتھ ایک علیحدہ مکان میں رہنے لگے، اس سے پہلے آپ آنحضرت کے ساتھ رہتے تھے۔ اس لئے کسب معاش کے لئے آپ کو کسی جدوجہد کی ضرورت نہ پڑتی تھی۔ ہجرت کے بعد جب حضرت فاطمہؑ سے شادی قرار پائی تو ولیمہ کی فکر دامن گیر ہوئی۔ چنانچہ قرب و جوار کے جنگل سے اونٹ پر گھاس لا کر بیچنے کا ارادہ کیا۔ حضرت حمزہؑ نے ایک روز ان کی اجازت کے بغیر اس اونٹ کو ذبح کر کے لوگوں کو کھلا دیا۔ حضرت علیؑ نے دیکھا تو نہایت صدمہ ہوا۔ کیونکہ آپ کے پاس صرف دو اونٹ (۲) تھے۔ آخر زرہ بیچ کر سامان کیا۔ اس زرہ کی قیمت بھی روپیہ سواروپیہ سے زیادہ نہ تھی۔

شادی کے بعد جب علیحدہ مکان میں رہنے لگے تو حصول معاش کی فکر لاحق ہوئی۔ چونکہ شروع سے اس وقت تک آپ کی زندگی سپاہیانہ کاموں میں بسر ہوئی تھی اس لئے کسی قسم کا سرمایہ پاس نہ تھا۔ محنت مزدوری اور جہاد کے مالی غنیمت پر گزر اوقات تھی۔ خیبر فتح ہوا تو آنحضرت ﷺ نے آپ کو ایک قطعہ زمین جاگیر کے طور پر عنایت فرمایا۔ حضرت عمرؓ نے اپنی خلافت میں باغ فدک کا انتظام بھی ان کے حوالہ کر دیا اور دوسرے صحابہؓ کی طرح ان کے لئے بھی پانچ ہزار درہم سالانہ کا وظیفہ مقرر فرمایا۔ خلیفہ ثالث کے بعد جب مسند نشین خلافت ہوئے تو بیت المال سے بقدر کفالت روزیہ مقرر ہو گیا جس پر آخری لمحہ حیات تک قانع رہے۔

مسند کی ایک روایت میں ہے کہ حضرت علیؑ نے فرمایا کہ ایک وہ زمانہ تھا کہ رسول اللہ کے ساتھ بھوک کی شدت سے پیٹ پر پتھر باندھتا تھا اور آج میرا یہ حال ہے کہ چالیس ہزار سالانہ میری زکوٰۃ کی رقم ہوتی ہے (۳)۔ اس واقعہ میں اور آپ کی عسرت اور فقر و فاقہ کی روایتوں میں کوئی تضاد نہیں ہے۔ اس لئے کہ آپ کی اس آمدنی کا بڑا حصہ خدا کی راہ میں صرف ہوتا تھا اور تمول کے دور میں بھی ذاتی اور خانگی فقر و فاقہ کا وہی عالم رہتا تھا۔

کبھی کبھی خانہ داری کے معاملات میں حضرت فاطمہؑ سے رنجش بھی ہو جاتی تھی۔ لیکن

① ازالۃ الخفاء کا خلاصہ ختم ہوا۔ ② ابوداؤد کتاب الخراج والامارۃ باب فی بیان مواضع قسم الخمس

③ مسند ابن خنبل ج ۱ ص ۱۵۹

آنحضرت ﷺ ہمیشہ درمیان میں پڑ کر صفائی کر دیتے تھے۔ ایک مرتبہ حضرت علیؑ نے ان پر کچھ سختی کی، وہ آنحضرت ﷺ کے پاس شکایت لے کر چلیں۔ پیچھے پیچھے حضرت علیؑ بھی آئے۔ حضرت فاطمہؑ نے شکایت کی تو آپ ﷺ نے فرمایا بیٹی! تم کو خود سمجھنا چاہئے کہ کون شوہر اپنی بی بی کے پاس خاموش چلا آتا ہے؟ حضرت علیؑ نہایت متاثر ہوئے اور انہوں نے حضرت فاطمہؑ سے کہا اب میں تمہارے خلاف مزاج کوئی بات نہ کروں گا۔

آنحضرت ﷺ نے رحلت فرمائی تو حضرت فاطمہؑ کو اس قدر غم ہوا کہ آنحضرت ﷺ کے بعد صرف چھ مہینے زندہ رہیں اور اس عرصہ میں ایک لمحہ کے لئے بھی ان کا دل پڑمردہ شگفتہ نہ ہوا۔ حضرت علیؑ بھی ان کی دلہن اور تسلی کے خیال سے خانہ نشین رہے۔ اور جب تک وہ زندہ رہیں گھر سے باہر قدم نہ رکھا۔ حضرت فاطمہؑ کے بعد متعدد شادیاں کیں اور ان بیویوں سے بھی لطف و محبت کے ساتھ پیش آئے۔ دوسری بیویوں سے جو اولادیں تھیں ان میں حضرت محمد بن حنفیہؑ سے بھی نہایت محبت تھی۔ چنانچہ وفات کے وقت حضرت امام حسنؑ سے ان کے ساتھ لطف و محبت سے پیش آنے کی خاص طور پر وصیت فرمائی تھی۔

غذا و لباس

حضرت علیؑ کے غیر معمولی زہد و ورع نے ان کی معاشرت کو نہایت سادہ بنا دیا تھا۔ کھانا عموماً روکھا پھیکا کھاتے تھے۔ عمدہ لباس اور قیمتی لباس سے بھی شوق نہ تھا۔ عمامہ بہت پسند کرتے تھے، چنانچہ فرمایا کرتے تھے العمامۃ یتجان العرب، یعنی عمامے عربوں کے تاج ہیں۔ کبھی کبھی سپید ٹوپی بھی پہنتے تھے۔ کرتے کی آستین اس قدر چھوٹی ہوتی کہ اکثر ہاتھ آدھے کھلے رہتے تھے۔ تہبند بھی نصف ساق تک ہوتی تھی۔ کبھی صرف ایک تہبند اور ایک چادر ہی پر قناعت کرتے اور اسی حالت میں فرائض خلافت ادا کرنے کے لئے کوزالے کر بازار میں گشت کرتے نظر آتے تھے۔ غرض آپ کو ظاہری طمطراق کا مطلق شوق نہ تھا۔ پیوند لگے ہوئے کپڑے پہنتے تھے۔ لوگوں نے اس کے متعلق عرض کیا تو فرمایا یہ دل میں خشوع پیدا کرتا ہے۔ اور مسلمانوں کے لئے ایک اچھا نمونہ ہے کہ وہ اسکی پیروی کریں۔ بائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہنچے تھے اور اس پر ”اللہ الملک“ نقش تھا۔

حضرت علیؑ پر سردی و گرمی کا کچھ اثر نہ ہوتا تھا کیونکہ رسالت مآب ﷺ نے غزوہ خیبر میں اُن کے لئے دُعا فرمائی تھی اللھم اذهب عنه الحر و البرد یعنی اے اللہ! اس سے گرمی و سردی دور کر۔ اس کا یہ اثر تھا کہ وہ جاڑے کا کپڑا گرمی میں اور گرمی کا کپڑا اجاڑا میں زیب تن فرماتے اور اس سے کوئی تکلیف نہ ہوتی (۱)۔

حلیہ

قد میانہ، رنگ گندم گوں، آنکھیں بڑی بڑی، چہرہ پر رونق و خوبصورت، سینہ چوڑا اس پر بال، بازو اور تمام بدن گٹھا ہوا۔ پیٹ بڑا اور نکلا ہوا۔ سر میں بال نہ تھے یا ایک روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا کہ میں نے آنحضرت ﷺ کو کہتے سنا ہے کہ سر کے بال کے نیچے نجاست ہوتی ہے اسی لئے میں بالوں کا دشمن ہوں۔ ایک روایت میں ہے کہ ایک شخص نے آپ کے دو گیسو پڑے دیکھے۔ مگر زیادہ مشہور یہی ہے کہ آپ کے سر میں بال نہ تھے۔ ریش مبارک بڑی اور اتنی چوڑی تھی کہ ایک مونڈھے سے دوسرے مونڈھے تک پھیلی تھی۔ آخر میں بال بالکل سپید ہو گئے تھے اور شاید تمام عمر میں ایک مرتبہ بالوں میں مہندی کا خضاب کیا تھا۔

ازواج و اولاد

سیدہ جنت حضرت فاطمہؓ زہرا کے بعد جناب مرتضیٰؑ نے مختلف اوقات میں متعدد شادیاں کیں اور ان سے نہایت کثرت کے ساتھ اولادیں ہوئیں۔ تفصیل حسب ذیل ہے:

① حضرت فاطمہؓ: رسول اللہ کی صاحبزادی تھیں۔ ان سے ذکور میں حسنؓ، حسینؓ، محسنؓ اور

لڑکیوں میں زینبؓ کبریٰ اور ام کلثومؓ کبریٰ پیدا ہوئیں۔ محسنؓ نے بچپن ہی میں وفات پائی۔

② ام العین بنت حزام: ان سے عباس، جعفر، عبد اللہ اور عثمان پیدا ہوئے۔ ان میں سے عباس

کے علاوہ سب حضرت امام حسینؑ کے ساتھ کربلا میں شہید ہوئے۔

③ لیلیٰ بنت مسعود: انہوں نے عبید اللہ اور ابو بکر کو یادگار چھوڑا۔ لیکن ایک روایت کے مطابق یہ

دونوں بھی حضرت امام حسینؑ کے ساتھ شہید ہوئے۔

④ اسماء بنت عمیس: ان سے یحییٰ اور محمد اصغر پیدا ہوئے۔

⑤ صہبایا ام حبیب بنت ربیعہ: یہ ام ولد تھیں، ان سے عمر اور رقیہ پیدا ہوئیں۔ عمر نے نہایت

طویل عمر پائی تقریباً پچاس برس کے سن میں ینوع میں وفات پائی۔

⑥ امامہ بنت ابی العاص: یہ حضرت زینبؓ کی صاحبزادی اور آنحضرت کی نواسی تھیں، ان سے

محمد اوسط تولد ہوئے۔

⑦ خولہ بنت جعفر: محمد بن علی، جو محمد بن حنفیہ کے نام سے مشہور ہیں، ان ہی کے لطن سے پیدا

ہوئے تھے۔

⑧ ام سعید بن عروہ: ان سے ام الحسن اور رملہ کبریٰ پیدا ہوئیں۔

⑨ حیا بنت امراء القیس: ان سے ایک لڑکی پیدا ہوئی تھی، مگر بچپن ہی میں قضا کر گئی۔

متذکرہ بالا بیویوں کے علاوہ متعدد لونڈیاں بھی تھیں اور ان سے حسب ذیل لڑکیاں تولد

ہوئیں:

ام ہانی	میسونہ	زینب صفری	رملہ صفری
ام کلثوم صفری	فاطمہ	امامہ	خدیجہ ام الکرم
ام سلمہ	ام جعفر	جمانہ	نفیسہ

غرض حضرت علیؑ کے سترہ لڑکیاں اور چودہ لڑکے تھے، ان میں سے پانچ سے سلسلہ نسب جاری رہا ان کے نام یہ ہیں:

- ① امام حسنؑ ② امام حسینؑ ③ محمد بن حنفیہؑ ④ عمرؑ

رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ

انبیاء علیہم السلام کے بعد دنیا کے مقدس ترین انسانوں کی سرگزشت حیات

سید الصحابة رضی اللہ عنہم

خلفائے راشدین

۲

www.KitaboSunnat.com

دارالاشاعت کراچی

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

معزز قارئین توجہ فرمائیں!

کتاب وسنت ڈاٹ کام پر دستیاب تمام الیکٹرانک کتب

← عام قاری کے مطالعے کے لیے ہیں۔

← مجلس التحقیق الاسلامی کے علمائے کرام کی باقاعدہ تصدیق و اجازت کے بعد آپ لوڈ (Upload)

کی جاتی ہیں۔

← دعوتی مقاصد کی خاطر ڈاؤن لوڈ، پرنٹ، فوٹو کاپی اور الیکٹرانک ذرائع سے محض مندرجات نشر و اشاعت کی مکمل اجازت ہے۔

☆ تنبیہ ☆

← کسی بھی کتاب کو تجارتی یا مادی نفع کے حصول کی خاطر استعمال کرنے کی ممانعت ہے۔

← ان کتب کو تجارتی یا دیگر مادی مقاصد کے لیے استعمال کرنا اخلاقی، قانونی و شرعی جرم ہے۔

﴿اسلامی تعلیمات پر مشتمل کتب متعلقہ ناشرین سے خرید کر تبلیغ دین کی کاوشوں میں بھرپور شرکت اختیار کریں﴾

← نشر و اشاعت، کتب کی خرید و فروخت اور کتب کے استعمال سے متعلقہ کسی بھی قسم کی معلومات کے لیے رابطہ فرمائیں۔

kitabosunnat@gmail.com

www.KitaboSunnat.com

فہرست مضامین

سیر الانصار (حصہ اول)

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
	انصار بعد از اسلام	۵۰	جنگِ فجار اول	۹	دیباچہ
		۵۰	جنگِ معین اور مضر		انصار قبل از اسلام
۸۱	انصار میں اسلام کی ابتداء	۵۱	جنگِ فجار ثانی		
۸۴	بیعتِ عقبہ اولیٰ	۵۲	جنگِ بعاث	۱۱	انصار کا نسب نامہ
۸۶	بیعتِ عقبہ ثانی	۵۳	بعض غیر معروف جنگیں	۲۵	انصار کی تاریخ
	سعد بن معاذ اور اسید	۵۷	انصار کا مذہب	۲۵	مورخین عرب کا بیان
۸۷	بنِ حفصہؓ کا اسلام	۶۳	انصار کا تمدن	۲۷	ہمارا خیال
۹۱	بیعتِ عقبہ کبیرہ	۶۳	نظامِ اجتماعی	۳۷	انصار کی شخصیت
۹۷	مدینہ میں اس کا اثر	۶۵	نظامِ عسکری	۴۵	ایام الانصار
۹۹	مہاجرین مکہ	۶۷	انصار کے قلعے	۴۶	جنگِ سیر
۱۰۰	ہجرت نبوی ﷺ	۷۱	نظامِ مذہبی	۴۶	جنگِ کعب بن عمرو
۱۰۳	مسجد نبوی کی تعمیر	۷۲	نظارتِ نافعہ	۴۷	جنگِ سرارہ
۱۰۴	یہود سے معاہدہ	۷۲	متفرقات	۴۷	جنگِ حصین بن اسلم
۱۰۴	مواخاۃ	۷۳	زراعت	۴۷	جنگِ ریح
	حضرت عبداللہ بن زید	۷۶	تجارت	۴۸	جنگِ فارغ
۱۰۵	بنِ عبد ربہ کا خواب	۷۹	صنعت و حرفت	۴۸	جنگِ حاطب
۱۰۶	حکمِ اذان	۷۹	تعلیم	۴۹	جنگِ ریح
				۴۹	جنگِ بقیع

اسمائے انصار کرام

صفحہ	نام	صفحہ	نام	صفحہ	نام
۲۷۳	حضرت جبار بن صخر	۲۲۳	حضرت ابو قیس صرمہؓ		الف
۲۷۵	حضرت جلیبؓ	۲۲۷	حضرت ابو حمید ساعدیؓ		حضرت ابو ایوب
	ح	۲۲۹	حضرت امیرؓ	۱۰۹	انصاری
۲۷۷	حضرت حباب بن منذر		حضرت ابو زید عمروؓ	۱۱۹	حضرت انس بن نضرؓ
۲۷۹	حضرت حرام بن ملکان	۲۳۱	بن اخطب	۱۲۱	حضرت انس بن مالک
۲۸۱	حضرت حسان بن ثابت	۲۳۳	حضرت ابو عمرہؓ	۱۳۱	حضرت ابی بن کعب
۲۹۹	حضرت حارثہ بن سراقہ	۲۳۵	حضرت اوس بن خولی	۱۶۱	حضرت ابو طلحہ انصاری
۳۰۱	حضرت حارثہ بن صمہ	۲۳۷	حضرت ابو بکس بن جبر	۱۷۱	حضرت ابو درداءؓ
	حضرت حظلہ بن	۲۳۹	حضرت ابو زیدؓ	۱۸۵	حضرت ابو سعید خدریؓ
۳۰۳	ابی عامر	۲۴۱	حضرت ابو اسید ساعدی	۱۹۳	حضرت ابو مسعود بدری
	خ		ب	۱۹۵	حضرت ابو قتادہؓ
۳۰۷	حضرت خبیب بن عدی	۲۴۳	حضرت براء بن مالک	۲۰۱	حضرت اسید بن خضیر
	حضرت خارجہ بن زید	۲۴۷	حضرت براء بن عازب	۲۰۷	حضرت ابو دجانہؓ
۳۱۱	بن ابی زہیر	۲۵۳	حضرت براء بن معرور		حضرت ابو الیسر کعبؓ
۲۲۳	حضرت خزیمہ بن ثاقب		ث	۲۰۹	بن عمرو
۳۱۵	حضرت خوات بن جبر	۲۵۵	حضرت ثابت بن قیس	۲۱۱	حضرت ابولبابہؓ
۳۱۷	حضرت خلاؤ بن سوید	۲۵۹	حضرت ثابت بن ضحاک		حضرت ابو الہشیمؓ
	د		ج	۲۱۵	بن التیمان
۳۱۹	حضرت رافع بن مالک	۲۶۱	حضرت جابر بن عبد اللہ	۲۱۹	حضرت اسعد بن زراہ

فہرست مضامین مہاجرین (حصہ اول)

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۲۵	خانہ کعبہ کی مرمت	۱۰	دیباچہ
۲۶	قریش کی سیاسی خود مختاری	۱۱	مقدمہ
۲۷	قصی کا ظہور اور قریش کا اجتماع	۱۱	اسلام سے پہلے مہاجرین کے خانوادے
۲۷	قریش کا تمدن	۱۲	دور اول (۲-۵)
۲۸	نظام عسکری	۱۳	دور دوم (۵-۱۵)
۲۸	عدالتی نظام	۱۵	قبائل عدنان
۲۸	نظام مذہبی	۱۷	عدنان کی حکومتیں
۲۹	ندودہ	۱۸	عدنان کی تجارت
۲۹	مشورہ	۱۸	آل عدنان کا مذہب
۲۹	حلف فضول	۱۹	ایام عدنان
۳۰	قریش کا مذہب		آل عدنان کی لڑائیاں دوسری نسل والوں کے ساتھ
۳۳	لوازم تمدن	۲۰	عدنانوں کی خانہ جنگیاں
۳۳	تجارت	۲۰	ایام بکرو تغلب
۳۶	علوم و فنون	۲۰	ایام بحس و بیاض
۳۶	رفاہ عام کے کام	۲۰	ایام ربیعہ و مضر
۳۷	اسلام کا ظہور	۲۰	ایام بنو عامر
	پہلی ہجرت یا مہاجرین کی پہلی جماعت	۲۱	دیگر ایام مشہور
۳۱	۳۱-۳۵	۲۱	دور سوم
۳۱	جشہ کی پہلی ہجرت	۲۱	قریش
۳۲	جشہ سے مسلمانوں کے اخراج کی کوشش	۲۱	قبائل قریش اور ان کے مشاہیر
۳۲	نجاشی کا جواب	۲۲	ایام قریش
۳۳	حضرت جعفر کی تقریر	۲۳	یوم ہجاء اول
	نجاشی کا آیات قرآنی سے متاثر ہونا اور اسلام	۲۳	یوم ہجاء ثانی
۳۳	کی حقانیت کا اعتراف	۲۳	واقعہ فیل
۳۳	وفد مشرکین کی ایک چال اور اس میں ناکامی	۲۴	ایک جنگ
۳۴	مہاجرین جشہ کی واپسی	۲۵	یوم ذات النقیف
۳۴	دوسری ہجرت	۲۵	

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۵۳	اہل مدینہ کا قبول اسلام	۴۴	حبشہ کی دوسری ہجرت
۵۳	انصار کی پہلی بیعت	۴۶	حضرت ابوطالب اور حضرت خدیجہ کا انتقال
۵۳	انصار کی دوسری بیعت	۴۷	قریش کی ایذا رسانی
	ہجرت کا سلسلہ فتح مکہ تک قائم رہا اور اس کے	۴۷	تبلیغ اسلام اور طائف کا سفر مکہ کی واپسی اور
۵۴	اسباب		مطعم بن عدی کی امان
۵۵	مہاجرین کے فضائل و مناقب ۶۱-۷۳	۴۷	مطعم بن عدی کا گھر اور تبلیغ اسلام
۵۵	کلام اللہ اور مہاجرین	۴۸	تبلیغ کا اثر قبائل پر
۶۰	احادیث نبوی مہاجرین منافق نہ تھے	۵۲	قبیلہ دوس کی خواہش
اسمائے مہاجرین (حصہ اول)			
(بہ ترتیب کتاب)			
صفحہ	اسمائے گرامی	صفحہ	اسمائے گرامی
۲۷۰	حضرت مصعب بن عمیرؓ	۶۷	حضرت زبیر بن العوامؓ
۲۷۷	حضرت عثمان بن مظعونؓ	۸۳	حضرت طلحہؓ
۲۸۲	حضرت ارقم بن ابی الارقمؓ	۹۴	حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ
۲۸۵	حضرت مقداد بن عمروؓ	۱۰۵	حضرت سعد بن ابی وقاصؓ
۲۹۰	حضرت عبدالرحمن بن ابی بکر صدیقؓ	۱۲۴	حضرت ابوعبیدہ بن الجراحؓ
۲۹۳	حضرت حاطب بن ابی بلتعہؓ	۱۳۶	حضرت سعید بن زیدؓ
۲۹۸	حضرت عبداللہ بن سہیلؓ	۱۴۱	سید الشہداء حضرت حمزہ بن عبدالمطلبؓ
۳۰۰	حضرت عتبہ بن غزوٰؓ	۱۴۷	حضرت عباس بن عبدالمطلبؓ
۳۰۴	حضرت عامر بن فہرہؓ	۱۵۴	حضرت بلال بن رباحؓ
۳۰۷	حضرت ابوسلمہ بن عبدالاسدؓ	۱۶۰	حضرت جعفر طیارؓ
۳۱۰	حضرت عبداللہ بن جحشؓ	۱۶۵	حضرت زید بن حارثہؓ
۳۱۴	حضرت عکاشہ بن محسنؓ	۱۷۴	حضرت عبداللہ بن عباسؓ
۳۱۶	حضرت ابو حذیفہؓ	۲۰۲	حضرت عبداللہ بن مسعودؓ
۳۱۹	حضرت سالم مولیٰ ابی حذیفہؓ	۲۲۷	حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ
۳۲۲	حضرت عبیدہ بن الحارثؓ	۲۴۹	حضرت عمار بن یاسرؓ
۳۲۴	حضرت شماس بن عثمانؓ	۲۶۰	حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ
۳۲۶	حضرت شجاع بن وہبؓ	۲۶۶	حضرت صہیب بن سنانؓ

صفحہ	اسمائے گرامی	صفحہ	اسمائے گرامی
۳۳۱	حضرت عمیر بن ابی وقاصؓ	۳۲۸	حضرت محرز بن نھلهؓ
۳۳۳	حضرت عامر بن ربیعہؓ	۳۳۰	حضرت شقران صالحؓ
اسمائے مہاجرین (حصہ اول) (بہ ترتیب حروف تہجی)			
صفحہ	اسمائے گرامی	صفحہ	اسمائے گرامی
	ص		الف
۲۶۶	حضرت صہیب بن سنانؓ	۳۱۶	حضرت ابو حذیفہؓ
	ط	۳۰۷	حضرت ابو سلمہ بن عبد اللہؓ
۸۳	حضرت طلحہؓ	۲۸۲	حضرت ارقم بن ابی الارقمؓ
	ع	۱۲۳	حضرت ابو عبیدہ بن الجراحؓ
۳۳۳	حضرت عامر بن ربیعہؓ	۲۲۷	حضرت ابو موسیٰ اشعرئؓ
۳۰۴	حضرت عامر بن فہیرہؓ		ب
۱۲۷	حضرت عباس بن عبد المطلبؓ	۱۵۳	حضرت بلال بن رباحؓ
۲۹۰	حضرت عبد الرحمن بن ابی بکر الصدیقؓ		ج
۹۴	حضرت عبد الرحمن بن عوفؓ	۱۶۰	حضرت جعفر طیارؓ
۳۱۰	حضرت عبد اللہ بن جحشؓ		ح
۲۹۸	حضرت عبد اللہ بن سہیلؓ	۲۹۳	حضرت حاطب بن ابی بلتعہؓ
۱۷۴	حضرت عبد اللہ بن عباسؓ	۱۴۱	حضرت حمزہ بن عبد المطلبؓ
۲۶۰	حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاصؓ		ز
۲۰۲	حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ	۶۷	حضرت زبیر بن العوامؓ
۳۲۲	حضرت جہدہ بن الحارثؓ	۱۶۵	حضرت زید بن حارثہؓ
۳۰۰	حضرت عقبہ بن غزوہؓ		س
۲۷۷	حضرت عثمان بن مظعونؓ	۳۱۹	حضرت سالم مولیٰ ابی حذیفہؓ
۳۱۴	حضرت عکاشہ بن محصنؓ	۱۰۵	حضرت سعد بن ابی وقاصؓ
۲۴۹	حضرت عمار بن یاسرؓ	۱۳۶	حضرت سعید بن زیدؓ
۳۳۱	حضرت عمیر بن ابی وقاصؓ		ش
	م	۳۲۶	حضرت شجاع بن وہبؓ
۳۲۸	حضرت محرز بن نھلهؓ	۳۳۰	حضرت شقران صالحؓ
۲۷۰	حضرت مصعب بن عمیرؓ	۳۲۳	حضرت ثمال بن عثمانؓ
۲۸۵	حضرت مقداد بن عمروؓ		

اسمائے مہاجرین (حصہ دوم)			
(بہ ترتیب کتاب)			
صفحہ	اسمائے گرامی	صفحہ	اسمائے گرامی
۵۳۳	حضرت عبداللہ بن حبیل	۳۳۷	حضرت عبداللہ بن عمر
۵۳۵	حضرت معقیب بن ابی فاطمہ	۳۷۱	حضرت ابو ہریرہ دوسی
۵۳۷	حضرت عبداللہ بن حذافہ	۳۸۶	حضرت ابو ذر غفاری
۵۴۰	حضرت حجاج بن علاط	۴۰۰	حضرت سلمان فارسی
۵۴۲	حضرت ابو ہریرہ اسلمی	۴۱۱	حضرت اسامہ بن زید
۵۴۳	حضرت ہشام بن عاص	۴۲۰	حضرت عمرو بن العاص
۵۴۶	حضرت قدامہ بن مظعون	۴۳۸	حضرت خالد بن ولید
۵۴۸	حضرت ابواحمد بن جحش	۴۶۸	حضرت مغیرہ بن شعبہ
۵۵۰	حضرت عمرو بن سعید بن العاص	۴۷۴	حضرت خالد بن سعید بن العاص
۵۵۲	حضرت مسطح بن اثاثہ	۴۷۸	حضرت ثعلبہ بن حنیس
۵۵۳	حضرت مرثد بن ابی (مرثد) غنوی	۴۸۱	حضرت خباب بن ارت
۵۵۶	حضرت ابو ہریرہ غفاری	۴۸۵	حضرت سلمہ بن اکوع
۵۵۸	حضرت عمرو بن امیہ	۴۸۹	حضرت ابن ام مکتوم
۵۶۰	حضرت آبان بن سعید بن العاص	۴۹۳	حضرت بریدہ بن حصیب
۵۶۳	حضرت نعیم بن مسعود	۴۹۷	حضرت طفیل بن عمرو دوسی
۵۶۵	حضرت واقد بن عبداللہ	۵۰۱	حضرت عقبہ بن عامر جہنی
۵۶۷	حضرت عیاش بن ابی ریحہ	۵۰۴	حضرت عمیرہ بن وہب
۵۶۹	حضرت ابو قیسہ	۵۰۷	حضرت زید بن خطاب
۵۷۰	حضرت عبداللہ بن مخرمہ	۵۱۰	حضرت ابورافع
۵۷۱	حضرت نعیمہ بنت ام	۵۱۳	حضرت سعید بن عامر
۵۷۳	حضرت معمر بن عبداللہ	۵۱۵	حضرت عقیل بن ابی طالب
۵۷۴	حضرت عمرو بن عوف	۵۱۸	حضرت نوفل بن حارث
۵۷۵	حضرت عثمان بن طلحہ	۵۲۱	حضرت فضل بن عباس
۵۷۶	حضرت سہل بن بیض	۵۲۳	حضرت طہیب بن عمیہ
۵۷۷	حضرت حبیل بن بیضاء	۵۲۵	حضرت ثوبان
۵۷۸	حضرت ابو قیس بن حارث	۵۲۷	حضرت عمرو بن عبسہ
۵۷۹	حضرت ابو کبشہ	۵۲۹	حضرت ولید بن ولید
۵۸۰	حضرت سلیم بن عمرو	۵۳۲	حضرت سلمہ بن ہشام

صفحہ	اسمائے گرامی	صفحہ	اسمائے گرامی
۵۹۶	حضرت ابوسنان بن مھسن	۵۸۱	حضرت ابومرشد غنوی
۵۹۷	حضرت فراس بن نصر	۵۸۲	حضرت ذوالشمالین
۵۹۸	حضرت حاطب بن حارث	۵۸۳	حضرت ابوسبرہ بن ابی رہم
۵۹۸	حضرت معمر بن حارث	۵۸۴	حضرت خنیس بن حذافہ
۵۹۹	حضرت ابورہم اشعری	۵۸۵	حضرت عتبہ بن مسعود
۵۹۹	حضرت ابوبردہ	۵۸۶	حضرت صفوان بن بیضاء
۵۹۹	حضرت حارث بن خالد	۵۸۶	حضرت سنان بن ابی سنان
۶۰۰	حضرت عیاض بن زبیر	۵۸۷	حضرت آنسہ
۶۰۱	حضرت جناب مولیٰ عتبہ ابن غزوہ	۵۸۷	حضرت طفیل بن حارث
۶۰۱	حضرت مسعود بن ربیع	۵۸۸	حضرت سائب بن عثمان
۶۰۲	حضرت ربیعہ بن اکثم	۵۸۹	حضرت عامر بن ابی وقاص
۶۰۲	حضرت عمیر بن رباب	۵۹۰	حضرت وہب بن سعد
۶۰۳	حضرت عمرو بن عثمان	۵۹۰	حضرت عبداللہ بن حارث
۶۰۳	حضرت خطاب بن حارث	۵۹۱	حضرت عمرو بن سراقہ
۶۰۳	حضرت عاقل بن ابی بکیر	۵۹۱	حضرت عبداللہ بن سراقہ
۶۰۳	حضرت عبداللہ الاصفہر	۵۹۲	حضرت اسود بن نوفل
۶۰۵	حضرت قیس بن عبداللہ	۵۹۲	حضرت ثمامہ بن عدی
۶۰۵	حضرت مالک بن زمعہ	۵۹۳	حضرت سعد بن خولہ
۶۰۶	حضرت حاطب بن عمرو	۵۹۳	حضرت معمر بن ابی سرح
۶۰۶	حضرت اربد بن حمیر	۵۹۳	حضرت حمیہ بن جزء
۶۰۷	حضرت جہم بن قیس	۵۹۵	حضرت عدی بن نضلہ
۶۰۷	حضرت ہاشم بن ابی حذیفہ	۵۹۵	حضرت یزید بن زمعہ
		۵۹۶	حضرت سکران بن عمرو

اسمائے مہاجرین (حصہ دوم)

(بہ ترتیب حروف تہجی)

صفحہ	اسمائے گرامی	صفحہ	اسمائے گرامی
۴۸۹	حضرت ابن ام مکتوم		الف
۵۲۸	حضرت ابواحمد بن جحش	۵۸۷	حضرت آنسہ
۵۹۹	حضرت ابوبردہ	۵۶۰	حضرت آبان بن سعید ابن العاص

صفحہ	اسمائے گرامی	صفحہ	اسمائے گرامی
۳۳۸	حضرت خالد بن ولید	۵۳۲	حضرت ابو ہریرہ سلمیٰ
۳۸۱	حضرت خیاب بن ارت	۳۸۶	حضرت ابو ذر غفاریؓ
۶۰۱	حضرت خیاب بن موسیٰ عتبہ بن غزوہ	۵۱۰	حضرت ابو رافعؓ
۶۰۳	حضرت خطاب بن حارث	۵۹۹	حضرت ابو رہم اشعری
۵۸۲	حضرت حمیس بن خداؤ	۵۵۶	حضرت ابو رہم غفاری
	ذ	۵۸۳	حضرت ابو ہریرہ بن ابی رہم
۵۸۲	حضرت ذوالشمالینؓ	۵۹۶	حضرت ابوسنان بن مخصن
	ر	۵۶۹	حضرت ابو قلیبہؓ
۶۰۲	حضرت ربیعہ بن اسلم	۵۷۸	حضرت ابو قیس بن حارث
	ز	۵۷۹	حضرت ابو کبشہؓ
۵۰۷	حضرت زید بن خطاب	۵۸۱	حضرت ابو مرثدہ غنویؓ
	س	۳۷۱	حضرت ابو ہریرہ دوسی
۵۸۸	حضرت سائب بن عثمان	۶۰۶	حضرت اربہ بن حمیر
۵۹۳	حضرت سعد بن خولہ	۶۱۱	حضرت اسامہ بن زید
۵۱۳	حضرت سعید بن عامر	۵۹۲	حضرت اسود بن نوفل
۵۹۶	حضرت سکران بن عمرو		ب
۴۰۰	حضرت سلمان فارسی	۴۹۳	حضرت بریدہ بن حبیب
۴۸۵	حضرت سلمہ بن اکوع		ث
۵۳۲	حضرت سلمہ بن بشام	۵۹۲	حضرت ثمامہ بن عدی
۵۸۰	حضرت سلیط بن عمرو	۵۲۵	حضرت ثوبانؓ
۵۸۶	حضرت سنان بن ابی سنان		ج
۵۷۶	حضرت سہیل بن بیضاء	۶۰۷	حضرت جہم بن قیس
۵۷۷	حضرت سہیل بن بیضاء		ح
	ش	۵۹۹	حضرت حارث بن خالد
۴۷۸	حضرت شرییل بن حسنہ	۵۹۸	حضرت حاطب بن حارث
	ص	۶۰۶	حضرت حاطب بن عمرو
۵۸۶	حضرت صفوان بن بیضاء	۵۴۰	حضرت حجاج بن علاط
	ط		خ
۵۸۷	حضرت طفیل بن حارث	۴۷۴	حضرت خالد بن سعید ابن العاص

۵۲۱	حضرت فضل بن عباس	۳۹۷	حضرت طفیل بن عمرو سی
	ق	۵۲۳	حضرت طلیب بن عمیر
۵۴۶	حضرت قدامہ بن مظعون		ع
۶۰۵	حضرت قیس بن عبد اللہ	۶۰۳	حضرت عاقل بن ابی بکیر
	م	۵۸۹	حضرت عامر بن ابی وقاص
۶۰۵	حضرت مالک بن زمعہ	۶۰۴	حضرت عبد اللہ الاصفہر
۵۹۴	حضرت حمیہ بن جزء	۵۹۰	حضرت عبد اللہ بن حارث
۵۵۴	حضرت مرثد بن ابی مرثد غنوی	۵۳۷	حضرت عبد اللہ بن حذافہ
۵۵۲	حضرت مسطح بن اثاثہ (عوف)	۵۹۱	حضرت عبد اللہ بن سراقہ
۶۰۱	حضرت مسعود بن ربیع	۵۳۳	حضرت عبد اللہ بن سہیل
۵۹۴	حضرت معمر بن ابی سرح	۴۳۷	حضرت عبد اللہ بن عمر
۵۹۸	حضرت معمر بن حارث	۵۷۰	حضرت عبد اللہ بن مخرمہ
۵۷۳	حضرت معمر بن عبد اللہ	۵۸۵	حضرت عقبہ بن مسعود
۵۳۵	حضرت معقیب بن ابی فاطمہ	۵۷۵	حضرت عثمان بن طلحہ
۴۶۸	حضرت مغیرہ بن شعبہ	۵۹۵	حضرت عدی بن نسلہ
	ن	۵۰۱	حضرت عقبہ بن عامر جہنی
۵۶۳	حضرت نعیم بن مسعود	۵۱۵	حضرت عقیل بن ابی طالب
۵۷۱	حضرت نعیم النحام	۵۵۸	حضرت عمرو بن امیہ
۵۱۸	حضرت نوفل بن حارث	۵۹۱	حضرت عمرو بن سراقہ
	و	۵۵۰	حضرت عمرو بن سعید ابن العاص
۵۶۵	حضرت واقد بن عبد اللہ	۴۲۰	حضرت عمرو بن العاص
۵۲۹	حضرت ولید بن ولید	۵۲۷	حضرت عمرو بن عہد
۵۹۰	حضرت وہب بن سعد	۶۰۳	حضرت عمرو بن عثمان
	ہ	۵۷۴	حضرت عمرو بن عوف
۶۰۷	حضرت ہاشم بن ابی حذیفہ	۶۰۲	حضرت عمیر بن رباب
۵۴۴	حضرت ہشام بن عاص	۵۰۴	حضرت عمیر بن وہب
	ی	۵۶۷	حضرت عیاش بن ابی ربیعہ
۵۹۵	حضرت یزید بن زمعہ	۶۰۰	حضرت عیاض بن زبیر
	☆☆☆		ف
		۵۹۷	حضرت فراس بن نضر

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

یہ جلد ان حضرات صحابہ ؓ کے حالات میں ہے، جو فتح مکہ سے پہلے اسلام لائے چونکہ اسلام میں ان بزرگوں کی حیثیت بہت بڑی ہے اس لئے ان کو سب سے اول جگہ دی گئی اور ان میں بھی چاروں خلفائے راشدین ؓ کے بعد جن کے حالات میں ایک مستقل جلد چھپ چکی ہے، عشرہ مبشرہ میں سے باقی چھ بزرگوں اس جلد میں مذکور ہیں اور ان کو تمام مہاجرین میں سب سے پہلے ذکر کیا گیا ہے۔

یہ جلد بھی ہمارے رفیق عزیز مولوی حاجی معین الدین صاحب ندوی کی تالیف ہے، مقدمہ اور حضرت ابن عباسؓ اور حضرت ابو موسیٰؓ اشعری کے فضل و کمال و اخلاق کا حصہ ان کے ہم نام اور ہم مدرسہ مولوی شاہ معین الدین احمد صاحب ندوی رفیق دارالمصنفین نے لکھا ہے، آئندہ حصہ تمام و کمال ان ہی کا ہوگا۔

کتاب میں دو فہرستیں لگائی گئی ہیں، ایک میں کتاب کی ترتیب کے مطابق ناموں کی فہرست ہے اور دوسری میں حروف تہجی کے اعتبار سے نام لکھے گئے ہیں، تاکہ تلاش و مراجعت میں لوگوں کو آسانی ہو۔

سید سلیمان ندوی

ناظم دارالمصنفین

۲۳ اکتوبر ۱۹۲۸ء

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

مقدمہ

اسلام سے پہلے مہاجرین کے خانوادے

مؤرخین اسلام اور علمائے انساب نے عرب کی تین قسمیں قرار دی ہیں، باندہ، عاربہ اور مستعربہ، بعض صرف دو پر اکتفاء کرتے ہیں، عاربہ اور مستعربہ۔

عرب باندہ عرب کے وہ قبائل ہیں جن کا زمانہ اس قدر قدیم ہے کہ تاریخوں میں ان کے تفصیلی حالات نہیں ملتے، البتہ عرب کے اشعار میں جا بجا ان کا ذکر آ جاتا ہے یا الہامی کتابوں میں کہیں کہیں حالات مل جاتے ہیں، یہ قبائل عاد، ثمود، قحطانی قبائل ہیں جو یمن اور اس کے قرب و جوار میں آباد ہوئے، ان میں سے حمیر، کہلان، بنی عمرو وغیرہ مشہور ہیں، ان کے حالات کثرت سے ملتے ہیں اور ان کی عظیم الشان یادگاریں ابھی تک سرزمین عرب میں موجود ہیں۔

تیسرا طبقہ عرب مستعربہ کا ہے اور یہی ہمارا موضوع بحث ہے کہ اسی سلسلہ اسماعیلی کی ابتدا ہوئی، جس میں مہاجرین کے اکثر خاندان داخل ہیں، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب اپنے بیٹے اسماعیل اور اپنی بیوی ہاجرہ کو ”وادی غیر ذی زرع“ میں بسایا تو وہاں اس وقت جرہمی قبائل آباد تھے، ان میں حضرت اسماعیلؑ نے شادی کی اور ان سے جو نسل چلی، وہ ”عرب مستعربہ“ کے نام سے موسوم ہوئی حضرت اسماعیلؑ کے گیارہ اولادیں ہوئیں، جن میں ایک کا نام قیدار تھا، قیدار کی نسل میں سب سے مشہور عدنان گذرا ہے، قریش کے تمام قبائل اور مہاجرین کے اکثر قبیلوں کا سلسلہ نسب عدنان ہی تک آ کر ختم ہو جاتا ہے، اس طرح یہ سلسلہ تاریخ کے تین دوروں پر منقسم ہو جاتا ہے، ایک حضرت اسماعیلؑ سے عدنان تک، دوسرا عدنان سے فہر تک اور تیسرا فہر سے آخر تک۔ مہاجرین کے حالات میں اگرچہ پہلے اور دوسرے دوروں کا تذکرہ کرنا ضروری نہیں ہے اور صرف قریش کے حالات کا لکھ دینا کافی ہے، مگر اس خیال سے کہ اس سلسلہ

کی تمام کڑیاں سامنے آجائیں، پہلے دور کا اجمالی اور دوسرے دور کا کسی قدر تفصیلی اور تیسرے دور کا نہایت مفصل طور پر تذکرہ کرتے ہیں۔

دور اول

حضرت اسماعیلؑ کی گیارہ اولادوں میں نابت اور قیدار نے نہایت جاہ و جلال اور دنیاوی اعزاز حاصل کیا، مورخین اس بارہ میں مختلف الرائے ہیں کہ عدنان آل نابت سے تھا، یا آل قیدار سے بعض عدنان کو نابت کی اولاد بتاتے ہیں اور بعض قیدار کی، مگر اکثریت اسی طرف ہے کہ عدنان کا سلسلہ نسب قیدار سے ملتا ہے، چنانچہ مورخ ابوالفداء نے اس اختلاف کو لکھ کر اسی قول کو ترجیح دی ہے، قیدار اپنے تمام بھائیوں میں زیادہ ممتاز اور نام آور تھا، اور اسی کی نسل سے مشہور قبائل اور اشخاص پیدا ہوئے، حتیٰ کہ دنیا کے سب سے بڑے انسان یعنی آنحضرت ﷺ اسی کی نسل میں پیدا ہوئے، الہامی صحائف میں قیدار کا نام ایک صاحب سطوت شخص اور اس کی اولاد کا تذکرہ ایک جری و بہادر قوم کی حیثیت سے آیا ہے، چنانچہ یسعیاہ نبی فرماتے ہیں کہ قیدار کی ساری چشمت جاتی رہے گی اور تیر اندازوں کے جو باقی رہے، قیدار کے بہادر لوگ گھٹ جائیں گے کہ خداوند اسرائیل کے خدا نے یوں فرمایا۔ (یسعیاہ باب ۲۱ آیہ ۱۶، ۱۷)

اس عظمت و شجاعت کے علاوہ تعداد کی کثرت کے اعتبار سے بھی ان کی بستیاں کی بستیاں آباد تھیں، چنانچہ یسعیاہ نبی فرماتے ہیں۔ ”قیدار کی آباد بستیاں اپنی آواز بلند کریں گی۔“ (یسعیاہ باب ۲۴ آیہ ۱۱) اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ عام بدویوں کی طرح ان کے قبائل منتشر نہ تھے، بلکہ ان کی بستیاں منظم اور ان کی معاشرت اجتماعی تھی، اجتماعی زندگی کے لئے ایک نظام اور ناظم کی سخت ضرورت ہے، جو لوگوں کو منظم اور منضبط رکھ سکے، ورنہ اجتماعی زندگی نہیں پیدا ہو سکتی، چنانچہ آل اسماعیل میں بھی اگرچہ باقاعدہ حکومت نہ تھی، تاہم وہ ایک سردار کے ماتحت زندگی بسر کرتے تھے اور بنو اسماعیل کے علاوہ ان کے پڑوسی قبائل بھی اس سردار کی اطاعت ضروری سمجھتے تھے، چنانچہ بنو جرہم ہمیشہ آل اسماعیل کے اطاعت گزار رہے، آل قیدار کی زندگی اگرچہ بدویانہ تھی اور ان کا تمدن سادہ تھا، تاہم بالکل بدوی نہ تھے، بلکہ تمدن کے کچھ آثار بھی ان میں پائے جاتے تھے اور تنہا بھیڑ بکریوں کی کھال اور دودھ پر ان کی زندگی کا دار و مدار نہ تھا، اس سے ترقی کر کے وہ تجارت بھی کرتے تھے، چنانچہ حزقیال نبی فرماتے ہیں عرب اور قیدار کے سب امیر تجارت کی راہ میں تیرے علاقہ مند تھے، وہ بڑے اور مینڈھے اور بکری لے کے تیرے ساتھ

تجارت کرتے تھے (حزقیال باب ۲۷ آیت ۲۱) اسماعیلی قبائل نے تجارت کو اس قدر فروغ دیا کہ وہ تجارتی اشیاء لے کر ملکوں ملکوں پھرتے تھے، چنانچہ وہ مشہور قافلہ جس نے حضرت یوسفؑ کو کنوئیں سے نکالا تھا، اسماعیلی تھا اور بغرض تجارت مصر جا رہا تھا۔ چنانچہ توراۃ میں ہے کہ ”جب حضرت یوسفؑ نے آنکھ اٹھائی تو دیکھا کہ اسماعیلیوں کا ایک قافلہ جلعاد سے گرم مصالحہ اور روغن بلساں اور مراونٹوں پر لاوے ہوئے کہ انہیں مصر کو لے جائے۔ (پیدائش باب ۳۷ آیت ۲۵)۔

اس تجارتی ترقی کا نتیجہ تمول اور تمول کا نتیجہ تمدن تھا، چنانچہ ان کی عورتیں سونے کے زیورات استعمال کرتی تھیں اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تمول کے ساتھ ان میں تمدن بھی آچلا تھا، توراۃ میں ایک موقع پر ان زیورات کا ذکر آیا ہے۔ ”جدعون نے انہیں کہا کہ میں تم سے ایک سوال کرتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ تم میں سے ہر ایک شخص اپنے لوٹ کے کرن پھول مجھے دے کہ ان کے کرن پھول سونے کے تھے اس لئے کہ وہ اسماعیلی تھے۔ (قضاہ باب ۱۸ آیت ۲۴)

ان مذکورہ بالا شہادتوں سے معلوم ہوا کہ اسماعیلی قبائل بدادت کے ابتدائی دور میں نہ تھے، بلکہ اس سے نکل کر تمدن شاہراہ اختیار کر لی تھی، یعنی ان میں دنیاوی شان و شوکت کے ساتھ ساتھ تجارت بھی پھیلی ہوئی تھی، معاشرت بھی اجتماعی اور منظم تھی، ان کی عورتیں سونے کے زیورات استعمال کرتی تھیں۔

یہ تو بنی اسرائیل کے صحیفوں کی شہادتیں ہیں، ہماری تاریخوں میں بھی کثرت سے ان کے حالات ملتے ہیں اور ان سے بھی ان کی عزت و احترام کا پتہ چلتا ہے، بنو اسماعیل کی ابتدائی تاریخ خانہ کعبہ سے وابستہ ہے، اس لئے ہم بھی خانہ کعبہ کی روشنی میں ان کے حالات تلاش کرتے ہیں، خانہ کعبہ کی تولیت آل اسماعیلؑ میں بڑی عزت کی چیز تھی، کعبہ کا متولی ایک مذہبی پیشوا کی حیثیت رکھتا تھا، تمام قبائل اس کا احترام کرتے تھے، دوسرے لفظوں میں کعبہ کی تولیت عرب کی بادشاہی کے مرادف تھی، حضرت اسماعیلؑ کے بعد اس تولیت کا شرف قیدار کو حاصل ہوا، مگر حضرت اسماعیلؑ کی نسل سے یہ سلسلہ دو ہی پشتوں کے بعد منقطع ہو گیا، کیونکہ جب حضرت اسماعیلؑ کی اولاد میں نفوس کی کثرت ہوئی اور ارض حرم میں اتنی گنجائش باقی نہ رہی، کہ وہ ان سب کو اپنے دامن میں سمیٹ سکے، تو وہ لوگ حرم سے نکل کر اس کے اطراف و جوانب میں پھیل گئے اور صرف چند اشخاص حرم کی پاسبانی کے لئے رہ گئے، مگر یہ سب صغیر السن تھے اور اس صغیر سنی کی وجہ سے تولیت کعبہ کے فرائض ادا نہیں کر سکتے تھے، حضرت اسماعیلؑ کے سرالی قبیلہ جرہم میں یہ عہدہ منتقل ہو گیا اور مضماض جرہمی اس پر فائز ہوا، چنانچہ حارث جرہمی کہتا ہے۔

و کنا اولاہ البیت من بعد نابت

نطوف بذاک البیت والامدظاہر

بنو جرہم میں اس اعزاز کو دیکھ کر سمیدع بن ہو برعمالقی کو رشک ہوا اور مضماض جرہم سے آمادہ جنگ ہو گیا، مگر شکست کھائی اور جرہم میں کئی پشتوں تک یہ منصب قائم رہا، مگر انھوں نے اپنی حکومت کے زعم میں ظلم و ستم اور فسق و فجور کا ایک ہنگامہ برپا کر دیا اور سب سے زیادہ نفرت انگیز اور قابل مذمت حرکت یہ کی کہ حرمت کعبہ کا بھی خیال نہ رکھا اور حجاج پر زیادتیاں کرنے لگے، حرم کا چڑھاوا کھا جاتے، لوگوں کو طرح طرح سے ستاتے، غرضیکہ ہر طرح خلق اللہ کو پریشان کرنا شروع کر دیا، آل اسماعیل ان کی ناروا حرکتوں کو دیکھتے تھے، مگر اول تو عزیز داری کے پاس سے کچھ نہیں بولتے تھے، دوسرے حرم میں کشت و خون کو ناپسند کرتے تھے کہ ان کے اخراج میں خونریزی کا ہونا یقینی تھا، آخر کار حرم کی توہین اور خلق اللہ کے مصائب کو دیکھ کر بنو بکر اور عیشاں نے سختی سے اس کا تذکرہ کیا۔ ”یہاں تک کہ جنگ کی نوبت آئی اور ایک خونریز جنگ کے بعد بنو جرہم کو یمن کی طرف بھگا کر حرم کو ہمیشہ کے لئے ان کی نجاستوں سے پاک کر دیا۔ یہ شکست خوردہ تو تھے ہی، انھوں نے چلتے چلتے حجر اسود کو اکھاڑ کر اس کو حرم کے دیگر تبرکات کے ساتھ چاہ زمزم میں پھینک کر کنوئیں کو پاٹ دیا۔“

اس تاریخ سے حرم کی تولیت اور مکہ کی سیادت پھر آل اسماعیل میں لوٹ آئی اور چند پشتوں کے بعد عدنان تک پہنچی، ابھی عدنان کا دور تھا کہ بخت نصر کا ملک عرب پر زبردست حملہ ہوا، جس سے عربوں کی قوتیں ٹوٹ گئیں، سارا عرب ویران ہو گیا اور تمام ملک میں خاک اڑنے لگی۔ عدنان اسی حملہ میں مارا گیا۔ مگر اس کے لڑکے معد کو ارمیانی نے بچا لیا، جس سے آئندہ نسل پھیلی۔

دور دوم

پہلے دور میں حضرت اسماعیلؑ سے لے کر عدنان تک کے مختصر حالات لکھے گئے ہیں، دوسرے دور میں عدنان سے فہر تک کسی قدر تفصیل ہوگی، کیونکہ مہاجرین کا سلسلہ نسب اسی تک ختمی ہوتا ہے، عدنان کا سلسلہ نسب باتفاق نسابین حضرت اسماعیلؑ تک پہنچتا ہے۔ لیکن درمیانی پشتوں کی تعداد اور ان کے ناموں میں اختلاف ہے، اس اختلاف کی وجہ تو یہ ہے، کہ وہ عبری سے عربی میں خٹل ہوئے ہیں اور جب ایک زبان کے نام دوسری زبان میں جاتے ہیں تو لامحالہ کچھ لب و لہجہ کے اختلاف اور کچھ حروف کے تغیرات سے ان کی اصل صورت باقی نہیں رہتی، اس لئے یہ اختلاف قابل توجہ نہیں، البتہ درمیانی کڑیوں کی تعداد کا اختلاف ضرور قابل لحاظ ہے، بعض

عدنان سے حضرت اسماعیلؑ تک صرف آٹھ دس پشتیں بتاتے ہیں اور بعضوں کے نزدیک ان کی تعداد چالیس تک پہنچ جاتی ہے اور یہی آخری قول صحیح ہے، کیونکہ اگر صرف نو دس پشتیں مانی جائیں، تو عدنان اور حضرت اسماعیلؑ کے درمیان زمانہ بہت کم رہ جاتا ہے، جو تاریخی مسلمات کے بالکل منافی ہے، چنانچہ علامہ سہلی روضۃ الانف میں لکھتے ہیں کہ ”عادۃً“ محال ہے کہ عدنان اور حضرت اسماعیلؑ کے درمیان چار یا سات پشتیں یا دس یا بیس پشتیں ہوں، کیونکہ ان دونوں کے درمیان اس سے بہت زیادہ زمانہ ہے۔“

یہ تو قیاس عقلی ہے، اس کے علاوہ بہت سے علماء عرب میں ایسے تھے، جن کو چالیسوں پشتیں برباں یاد تھیں۔ چنانچہ علامہ طبری لکھتے ہیں کہ ”مجھ سے بعض عرب نسابوں نے کہا کہ وہ بہت سے ایسے علمائے عرب کو جانتے ہیں جن کو معد بن عدنان سے حضرت اسماعیلؑ تک پشتیں نام بنام حفظ تھیں اور وہ اس پر اشعار عرب سے استدلال کرتے تھے اور ان نسابوں نے علماء کے محفوظ ناموں کا اہل کتاب کے بتائے ہوئے ناموں سے مقابلہ کیا تو تعداد بالکل صحیح نکلی، البتہ لہجہ و زبان کے تغیر سے ناموں میں اختلاف ہو گیا تھا۔“

اس اختلاف کی وجہ یہ ہے کہ عربوں کے نزدیک چونکہ عدنان کا حضرت اسماعیلؑ کی اولاد سے ہونا یقینی تھا۔ اس لئے انھوں نے صرف مشہور لوگوں کے نام یاد رکھے اور پورا سلسلہ محفوظ نہیں رکھا، لیکن بہر حال تاریخی شہادت اور عقلی قیاس کا فیصلہ یہی ہے کہ عدنان اور حضرت اسماعیلؑ کے درمیان چالیس پشتیں تھیں۔

قبائل عدنان عدنان کی اولاد اس کثرت سے پھیلی کہ اس کا استقصاء اس دیباچہ میں مشکل ہے اور ہمارے موضوع بحث کے لئے زیادہ کارآمد بھی نہیں ہے، اس لئے ہم ان کے مشہور قبائل اور ان میں سے بھی خاص کر ان ہی کا تذکرہ کریں گے، جس سے ہماری کتاب کو کچھ تعلق ہوگا، اس سے قبائل عدنان کا اجمالی خاکہ ذہن میں آجائے گا اور آئندہ جہاں قبائل یا اشخاص کے نام آئیں گے وہاں اس کے سمجھنے میں دقت نہ ہوگی۔

عدنان کے دوڑ کے تھے، عک اور معد، مگر آئندہ نسل صرف معد کے لڑکے نزار سے پھیلی، اس سے پانچ مشہور قبیلے نکلے، جن کو تاریخ عرب میں بہت اہمیت حاصل ہوئی، انمار، ایاد، ربیعہ قضاہ اور مضران میں سے انمار اور ایاد بہت کم پھیلے، البتہ ربیعہ، قضاہ اور مضر نے کثرت تعداد دنیاوی اعزاز اور تاریخی اہمیت وغیرہ کے لحاظ سے بہت شہرت حاصل کی۔

ربیعہ بن نزار کے متعدد اولادیں جن سے بڑے بڑے قبائل نکلے اور نہایت دنیاوی اعزاز حاصل کیا اور حکومتیں قائم کیں، ان کے مشہور قبائل و بطون یہ ہیں۔

بنو جدیلہ نہب بن افصہ (خاندان حضرت صہیبؓ) بنو وائل، بکر بن وائل، بنو عجل، بنو عبد قیس، بنو تغلب وغیرہ پھر ان سے بھی بہت سے بطون شاخ در شاخ ہو کر نکلے ہیں۔
قضاء کو عام مورخین اگرچہ قحطانی النسل خیال کرتے ہیں مگر از روئے تحقیق وہ عدنانی ہیں، بنو قضاء نے بھی دنیاوی حکومت اور قبائل کی کثرت کے اعتبار سے بہت شان و شوکت حاصل کی، حانی بن قضاء کے تین لڑکے تھے، عمرو، عمران اور اسلم ان ہی تینوں سے تمام بطون و شعوب پھیلے۔

بنو عمرو کے مشہور بطون عبدان، ملی، (حضرت کعب بن عجرہ، خدیج بن سلامہ، اہل بن رافع ابو بکر رضوان اللہ علیہم کا خاندان بہرا) (حضرت مقداد بن اسود کا خاندان) بنو اسلم کے مشہور بطون ہذیم، جہینہ اور نہد ہیں۔

بنو عمران کے مشہور قبائل بنو سلیم، بنو صحم، بنو جرم، بنو اسد، بنو تمر، بنو کلب وغیرہ ہیں۔ پھر ان میں بھی شاخ در شاخ ہو کر سینکڑوں بطون نکلے۔

مضر بن نزار بطون و قبائل کی وسعت اور تاریخی اہمیت میں قضاء اور ربیعہ سے زیادہ ممتاز ہے مضر کے دو لڑکے تھے، الیاس اور قیس عیلان ان ہی دونوں کی نسل سے تمام مضری قبائل کا سلسلہ پھیلا۔

بطون خندف بن الیاس بن مضر..... الیاس کے تین لڑکے تھے، مدرکہ، طانجہ، قمعہ، یہ تینوں قبیلہ قضاہ کی ایک عورت خندف قضاہ کے لطن سے تھے، اس لئے یہ اسی کی طرف منسوب ہوئے اور ان کے تمام بطون خندف کہلائے۔

قمعہ کے مشہور قبائل بنو خزاعہ اور بنو افصہ ہیں، بنو خزاعہ سے بنو مصطلق بنو کعب (حضرت عمران بن حصین کا خاندان) بنو عدی (ام المومنین حضرت جویریہ کا خاندان) بنو جہینہ وغیرہ نکلے ہیں بنو افصہ سے بنو مالک اور بنو اسلم (حضرت سلمہ بن اکوع کا خاندان پیدا ہوئے، یہ قبائل مرظہران اور اس کے قرب و جوار میں آباد ہوئے۔

طانجہ کے مشہور بطون و قبائل ضبیہ، رباب، تمیم اور مزنیہ (بجیر و کعب مداح رسول اکرم و معقل ابن یسار کا خاندان) ہیں چھوٹے بطون میں صوفہ اور محارب وغیرہ کا شمار ہے، پھر تمیم کی شاخیں، بنو حارثہ، بنو اسید (حضرت ہند بن زرارہ صحابیؓ اور حظلہ بن ربیعؓ کا تب نبوی کا خاندان) بنو مالک اور بنو سعد وغیرہ ہیں، یہ سب عراق اور نجد میں آباد تھے۔

مدرکہ کے مشہور قبائل ہذیل قارہ، اسد اور کنانہ ہیں، پھر بنو اسد سے بنو غنم (ام المومنین حضرت زینبؓ اور عکاشہ بن محسن کا خاندان) بنو تغلبہ وغیرہ نکلے، یہ بھی اضلاع نجد میں آباد تھے، کنانہ سے بنو عبد، مناۃ بنو مالک اور بنو نضر تھے، بنو عبد مناۃ سے بنو بکر، بنو مرہ، بنو حارث اور

بنو عامر تھے، بنو بکر سے بنو لیث (ابو واقد اور قیس بن شداد کا خاندان) بنو سعد (عبدہ بن سعد کا خاندان بنو جزیع وغیرہ پیدا ہوئے۔

بطون قیس عیلام..... بنو خندف کی طرح بنو قیس سے بھی بطون و شعوب کا وسیع سلسلہ پھیلا قیس عیلام کے تین لڑکے تھے، عمرو، کعب اور حفصہ ان تینوں سے الگ سلسلے چلے۔

بنو عمرو کے بطون بنو فہم، بنو عدوان وغیرہ ہیں ان دونوں کی اولاد بن طائف اور نجد میں بستی تھیں۔ بنو سعد کے مشہور قبائل غنی، ہاہلہ، عطفان، مرہ، پھر غطفان کے بنو عبس، بنو ذبیان بنو الحجاج، (خاندان حضرت معقل بن سنان) پھر بنو عبس سے بنو حارث (خاندان حضرت حذیفہ بن یمان) اور ذبیان سے بنو ثعلبہ، بنو مرہ (خاندان حضرت سمرہ بن جندب)۔

بنو حفصہ بن قیس کے دو بڑے لڑکے بنو سلیم اور بنو ہوازن مستقل صد ہا بطون کا منبع تھے، بنو ہوازن (خاندان عقبہ بن غزوہ) بھی بنو حفصہ کا ایک لڑکا تھا، مگر اس کی مستقل بستی نہ تھی بلکہ سلیم اور ہوازن کے تحت میں تھا۔

بنو سلیم کے بطون بنو ذکوان، بنو عبس (خاندان حضرت عباس بن مرداس) بنو ثعلبہ، بنو بھر (خاندان حضرت حجاج بن علاط) بنو زعبہ، بنو عوف، بنو سلیم ان میں سے کچھ نجد کے بالائی حصہ میں آباد تھے، کچھ خیبر کے اطراف میں اس کے علاوہ افریقہ میں ان کی بڑی تعداد تھی۔

بنو ہوازن کے مشہور قبائل بنو معاویہ، بنو مہبہ، بنو سعد (آنحضرت کا رضاعی تعلق اس خاندان سے تھا۔) پھر بنو مہبہ سے بنو ثقیف، بنو جہم، بنو سعد وغیرہ ہیں، یہ سب کے سب طائف میں آباد تھے اور بنو معاویہ سے بنو نضر، بنو جشم، بنو سلول، بنو مرہ، بنو عامر وغیرہ تھے، ان میں بھی شاخ درشاخ ہو کر صد ہا بطون نکلے۔

قبائل کی تقسیم میں بعض خانوادوں کی کسی قدر تفصیل کر دی گئی ہے اور بعض میں صرف مورث اعلیٰ کی طرف تمام شاخوں کو منسوب کر دیا گیا ہے اور شاخ درشاخ کی تفصیل نہیں کی گئی ہے اور نہ درمیانی واسطوں کا ذکر کیا گیا ہے۔

عدنان کی حکومتیں..... بنی عدنان نجد، حجاز اور تہامہ میں آباد تھے اور ابتداً سب بدویانہ زندگی بسر کرتے تھے، جہاں شاداب مرغزار اور پانی کے چشمے ملتے، وہیں خیمہ زن ہو جاتے۔ اونٹ اور بکریوں کے گلے ان کا ذریعہ معاش تھے، ایک عرصہ تک اسی حالت میں رہے، مگر عدنان کی چوتھی پشت کے بعد اس کی اولاد میں اس قدر کثرت ہوئی کہ قدیم اقامت گاہیں ان کے لئے کافی نہ ہو سکیں، چنانچہ عدنان کی پانچوں شاخیں اپنے اپنے مستقر سے نکل کر تمام اطراف میں پھیل گئیں، ان میں سے ربیعہ، قضاہ اور مضر نے بڑا دنیاوی اعزاز حاصل کیا، متعدد بڑی بڑی حکومتیں اور چھوٹی چھوٹی ریاستیں قائم کیں، جو صدیوں تک بڑی شان و شوکت

سے چلتی رہیں، چنانچہ بنو قضاہ کی حکومتیں حجاز سے لے کر شام اور عراق تک پھیلی ہوئی تھیں اور ان کے حکمران قبائل میں تنوخ، اور سلیم نے بڑا جاہ و جلال حاصل کیا اور دونوں یکے بعد دیگرے شام کے تحت حکومت پر بیٹھے۔ ۲۔ شام کی سلطنت کے علاوہ تبوک اور دومیۃ الجندل میں بھی ان کی ریاستیں تھیں۔ ۳۔ بنو قضاہ کی طرح اگرچہ ربیعہ کی کوئی باقاعدہ سلطنت نہ تھی، تاہم ان کی سیادت اور ان کا اقتدار تمام قبائل میں مسلم تھا، چنانچہ یہ اظہار سیادت اور تفوق کے لئے اپنا ایک شعار مخصوص کر لیتے تھے، جو تمام قبائل کے لئے واجب التسلیم ہوتا تھا اور کوئی قبیلہ اس کی مخالفت کی جرات نہیں کر سکتا تھا۔ حتیٰ کہ اس کی ادنیٰ مخالفت ہی، اعلان جنگ تصور کی جاتی تھی۔ ۴۔ آل معمر میں بکر و تغلب کی ریاستیں حجاز میں تھیں اور بنو عامر کی حکومت عراق میں تھی۔ ۵۔ ان کے علاوہ نجد میں کندہ نے بڑی شاندار حکومت قائم کی اگرچہ علمائے انساب کندہ کو حمیر کی شاخ بتاتے ہیں، اگر قیاسات و قرائن کی رو سے نسابہ عدنانی ہیں، اس کی بڑی دلیل یہ ہے کہ مشہور شاعر امراء القیس کندہ کا آخری شہزادہ فصیح عدنانی زبان شاعری کرتا تھا اور اس کے کلام میں حمیری زبان کی جھلک تک نہ تھی، اس لسانی استدلال کے علاوہ وہ خود عدنانی ہونے کا مدعی تھا، چنانچہ اپنے باپ کے مرثیہ میں کہتا ہے۔ ۶۔

حمیر معد حسباً و نائلاً

وجرہم قد علمو شمائلہ

دوسرے موقع پر اپنی مدح میں کہتا ہے۔

وانا الذی عرفت معد فضله

اس کے برخلاف حمیر کا بھی متعدد اشعار میں ذکر کیا ہے، مگر کہیں ہم نسب کا دعویٰ نہیں کیا۔ عدنان کی تجارت..... اگرچہ قریش کے علاوہ تمام عدنانی بدویانہ زندگی بسر کرتے تھے، تاہم عام عربوں کی طرح ان کا مخصوص پیشہ تجارت تھا، مقامی خرید و فروخت کے علاوہ ملکوں ملکوں پھر کر بھی بیوپار (تجارت) کرتے تھے، چنانچہ بخت نصر کے مشہور حملہ کے وقت جس میں عدنان کام آیا، عدنانی کاروان تجارت اس کے حدود سلطنت میں موجود تھے اور بخت نصر نے پہلے ان ہی کو گرفتار کر لیا تھا۔ ۷۔

آل عدنان کا مذہب..... دنیا کے سب سے بڑے موحد خلیل بت شکن نے دنیا کے سامنے ایک ایسا دین حنیف پیش کیا تھا، جو شرک و بدعات کی آمیزش سے یکسر پاک تھا اور خانہ کعبہ کی بنیاد تو حید خالص پر رکھی تھی، تاکہ آستانوں پر جھکنے والی گردنیں صرف ایک خدائے قدوس

۱۔ ابن خلدون جلد ۲ صفحہ ۲۳۹

۲۔ ایضاً

۳۔ ایضاً

۴۔ ابن خلدون جلد ۲ صفحہ ۲۲۸

۵۔ ارض القرآن جلد ۲ صفحہ ۱۰۸

۶۔ ابن خلدون جلد ۲ صفحہ ۳۰۰

کی عتبہؓ کو حید پر تاحیہ سائی کریں،

واذبو ان لا براہیم مکان البیت ان لا تشرک ہی شینا و طہر بیتی
للطائفین والقالمین والرکع السجود، واذن فی الناس بالحج یا توک
رجالا وعلی کل ضامر یاتین من کل فج عمیق. (حج ۲۲: ۲۶، ۲۷)
اور جب آنے خانہ کعبہ کے مقام میں ابراہیم کو ٹھکانا دیا، تو کہا کہ میرا
شریک نہ ٹھہرانا اور میرے اس گھر کو طواف کرنے والوں، نماز میں کھڑے
ہونے والوں، رکوع کرنے والوں اور سجدہ کرنے والوں کے لئے پاک و
صاف کرنا اور لوگوں میں حج کا اعلان کر دے، وہ تیرے پاس پیادہ اور سفر سے
دہلی ہو جانے والی سواریوں پر دروازہ راستہ سے آئیں گے۔

مگر چند ہی پشتوں کے بعد بن ابراہیم کے شفاف آئینہ میں شرک و بدعات کا رنگ لگ
گیا، اور اس نسل میں عمرو بن لُحی ایک شخص پیدا ہوا، جس نے مکہ میں بت پرستی رائج کی اور خانہ
کعبہ میں متعدد بت لاکر نصب کئے۔ آپ چونکہ خانہ کعبہ تمام عرب کا مذہبی مرکز تھا اور تمام اکناف
عرب کے لوگ یہاں موسم حج میں جمع ہوتے تھے اور عمرو بن لُحی نے بت بھی اسی قلب توحید میں
نصب کئے تھے، اس لئے بہت جلد آل عدنان نے بت پرستی قبول کر لی اور چند ہی دنوں میں یہ
وباء تمام عرب میں پھیل گئی، اس کی تفصیل آئندہ قریش کے حالات میں آئے گی، بت پرستی کے
علاوہ عدنانیوں میں یہودیت، نصرانیت اور مجوسیت کا اثر بھی جا بجا موجود تھا، چنانچہ قضاء اور
ربیعہ میں نصرانیت کا اثر غالب تھا، نبی کنانہ میں یہودیت کے اثرات موجود تھے، تمیم میں
مجوسیت کی جھلک پائی جاتی تھی، تمیم اور کنانہ دونوں میں کچھ لوگ ستارہ پرستی کی طرف مائل تھے۔
کچھ لوگ عقلی بلند پروازی کی آخری حد الحاد تک پرواز کر چکے تھے۔ ان ہی کے متعلق قرآن میں
آیا ہے۔

وَقَالُوا مَا هِيَ إِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوتُ وَنَحْيَا وَمَا يُهْلِكُنَا إِلَّا الدَّهْرُ .

(جالہ . ۳)

”اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ جو کچھ ہے، بس یہی ہماری دنیاوی زندگی ہے

اور ہم مرتے ہیں اور جیتے ہیں اور ہم کو صرف زمانہ ہی مارتا ہے۔“

اگرچہ تمام مذکورہ مذاہب کا اثر آل عدنان میں پایا جاتا تھا، مگر خال خال ورنہ ان کا عام
مذہب بگڑا ہوا دین ابراہیمی تھا۔

ایام عدنان آل عدنان میں صد ہا خونریز جنگیں ہوئیں اور ادنیٰ ادنیٰ سی باتوں پر صدیوں
تک لڑائی کا سلسلہ جاری رہا، اگر اسلام نے آکر ان میں اخوت اور مساوات کی بنیاد نہ رکھی

ہوئی، تو عجب نہیں کہ یہ قوم صفحہ ہستی سے نابود ہوئی، یہ لڑائیاں ایام عرب کے نام سے مشہور ہیں اور دو قسم کی ہیں، ایک وہ لڑائیاں ہیں، جو آل عدنان اور دوسری نسل سے ہوئیں اور دوسری خود عدنان کی خانہ جنگیاں ہیں۔

آل عدنان کی لڑائیاں دوسری نسل والوں کے ساتھ..... عدنانیوں میں خانہ جنگیوں کے علاوہ دوسری متعدد جنگیں بھی ہوئیں، جن میں یوم بیضاء، یوم خزار، یوم صفقہ، یوم مشقر، یوم کلاب ثانی، یوم ذی قار، زیادہ مشہور ہیں، یوم بیضاء بنو مذحج یمنی اور بنو معد عدنانی کے درمیان ہوئی تھی جس میں یمن والوں نے بہت سخت ہزیمت اٹھائی تھی، جنگ خزار بھی بنو معد عدنانی اور یمدیوں کے درمیان ہوئی، اس میں بھی عدنانی غالب رہے، جنگ صفقہ یا مشقر فارس اور تمیم عدنانی میں ہوئی۔ اس میں اہل فارس نے تمیم کے بہت آدمی دھوکے سے قتل کر ڈالے، جنگ کلاب ثانی بنو مذحج اور تمیم کے درمیان ہوئی، اس میں تمیم غالب رہے، یوم ذی قار عرب اور عجم کی عظیم الشان جنگ تھی، اس میں عجمیوں نے بہت بری طرح شکست کھائی، اسی جنگ کے متعلق عربوں میں یہ مثل مشہور ہے کہ هذا اول يوم انتصرت العرب على العجم۔ یعنی پہلا دن تھا جس میں عرب عجم پر غالب ہوئے۔

عدنان کی خانہ جنگیاں..... عدنانی قبائل میں بے شمار خانہ جنگیاں ہوئیں، جن کا استقصا مشکل اور بے سود بھی ہے، اس لئے ہم صرف چند مشہور مشہور لڑائیوں کے مختصر تذکرہ پر اکتفا کرتے ہیں۔

ایام بکر و تغلب..... ایام عرب میں بکر و تغلب کی لڑائیاں بہت شہرت رکھتی ہیں، اس کی ابتداء ایک معمولی واقعہ سے ہوئی اور چالیس سال تک اس کا سلسلہ برابر قائم رہا، یہ لڑائیاں حرب بسوس کے نام سے بھی مشہور ہیں، اس میں پانچ لڑائیاں بہت زیادہ شہرت رکھتی ہیں اور یوم عنیزہ، یوم واردات، یوم حنو، یوم قصبات، اور یوم قضہ پہلی میں طرفین برابر رہے، دوسری میں تغلب پر بنو بکر غالب رہے، تیسری میں بکر تغلب پر فتح یاب ہوئے، چوتھی میں بکر نے بڑی زبردست ہزیمت اٹھائی، اس کے علاوہ جنگ نفیع جنگ فہیل متعدد چھوٹی چھوٹی لڑائیاں ہوئیں۔

یوم عبس ذوبیاں..... عبس ذوبیاں کی لڑائیاں احس وغمراء کے نام سے مشہور ہیں، احس اور غمراء دو گھوڑے تھے، ان ہی کا مقابلہ بنائے فساد ہوا اور اس سلسلہ میں متعدد لڑائیاں ہوئیں، جن میں یوم عراعر، یوم ہباہ، یوم بوار، یوم جراج، یوم غرق، وغیرہ زیادہ مشہور ہیں۔

ایام ربیعہ و مضمر..... بنو تمیم مضری اور بنو بکر ربیعہ میں بہت لڑائیاں ہوئیں، مشہور لڑائیوں کے نام یہ ہیں، یوم نباج، یوم دثمل، یوم ذی طلوح، یوم جدود، یوم آباد، یوم غبیط، یوم شقیقہ، ان

لڑائیوں میں بنو بکر بنو تمیم پر غالب رہے، یوم فلج، یوم وقیط، یوم زورین، یوم نصف، یوم مباحض، یوم شیطین، ان میں بنو بکر نے شکست کھائی اور بنو تمیم حیا ب ہوئے، ان لڑائیوں کے علاوہ متعدد چھوٹی چھوٹی لڑائیاں، یوم ذی قار، یوم ساہوق، یوم اہباد، یوم لقیعہ وغیرہ ہوئیں۔
ایام بنو عامر..... بنو عامر قیس عیلاں کی شاخ ہوازن کا بہت مشہور قبیلہ تھا اور قبائل عرب میں ممتاز درجہ رکھتا تھا، مضری قبائل سے اس کی متعدد لڑائیاں ہوئیں، جن میں مشہور لڑائیوں کے نام یہ ہیں، یوم شعب جبلہ، یوم ذی نجب، یوم نسا، یوم جفار، یوم مروت، یوم رقم، یوم شعب جبلہ اور ذی نجب، بنو عامر اور بنو تمیم میں ہوئی، پہلی میں عامر غالب رہے، دوسری میں تمیم۔ یوم نسا اور جفار کا معرکہ بھی ان ہی دونوں میں ہوا۔ اس میں بنو عامر اگرچہ ثابت قدم رہے تاہم ان کا بہت نقصان ہوا۔ ۳ یوم مروت معمولی جھڑپ تھی، جنگ رقم بنو عامر اور غطفان میں ہوئی اور غطفان غالب رہے۔ ۴

دیگر ایام مشہورہ..... یوم ابانغ منذر بن ماء السماء تغلیسی اور حارث غسانی کے درمیان ہوئی۔ ۵ یوم کلاب اول ایام عرب میں بہت مشہور ہے، یہ باہم حارث کنذی کی اولاد میں ہوئی، جس میں معد کے بھی متعدد قبائل شریک تھے، ۶ یوم رحران، اس جنگ میں بنو تمیم، بنو عامر، بنو عبس اور بنو ہوازن وغیرہ سب شریک تھے۔ ۷ یوم ادارۃ الاول بنو منذر بن امرء القیس اور بنو بکر بن وائل میں ہوئی۔ ۸

دورِ سوم

قریش

مہاجرین کی اصل تاریخ فہر و قریش سے شروع ہوتی ہے، کیونکہ ان کی بڑی تعداد اسی کی نسل سے تھی، اس خاندان کا بانی فہر بن مالک بن نصر بن کنانہ ہے۔ ”قریش“ فہر کے مورث اعلیٰ نصر کا خطاب تھا۔ مگر چونکہ اس کی نسل میں صرف فہر ہی سے سلسلہ پھیلا، اس لئے یہ خطاب بھی فہر کی طرف منتقل ہو گیا۔ اور بنو فہر سب کے سب قریش کہلانے لگے، بنو نصر تجارت پیشہ تھے اور ”تقرش“ تجارت کے معنوں میں آتا ہے، اس لئے بنو نصر کا نام قریش پڑ گیا۔ اس کے علاوہ

۱ ایام عرب ابن اثیر جلد ۱	۲ ابن اثیر ج ۳۳۵	۳ ایضاً صفحہ ۲۶۳	۴ ایضاً صفحہ ۲۸۲
۵ ابن اثیر جلد ۱ صفحہ ۳۹۸	۶ ایضاً صفحہ ۳۰۶	۷ ایضاً صفحہ ۲۰۹	۸ ایضاً صفحہ ۲۰۸

قریش ایک بڑی قسم کی مچھلی ہے۔ جو تمام دریائی جانوروں کو کھا جاتی ہے، لہذا قوت و غلبہ کے اظہار کے لئے اپنے کو قریش کہنے لگے۔

قابل قریش اور ان کے مشاہیر..... قریش کے عام حالات معلوم کرنے کے قبل ان کے قابل کی تقسیم سمجھ لینی چاہئے قریش ایک خاندان کا نام نہیں ہے، بلکہ چھوٹے چھوٹے دس خانوادوں پر مشتمل ہے، جو سب کے سب فہر کی نسل سے نکلے، فہر کے تین لڑکے تھے، محارب، حارث، غالب، محارب اور حارث کی نسل زیادہ نہ پھیلی، تاہم بعض اکابر صحابہؓ اور ناموران اسلام اس سے تعلق رکھتے تھے چنانچہ ضحاک بن قیس، ضرار بن خطاب، کرز بن جابر وغیرہ بنو محارب تھے۔

عشرہ مبشر میں ابو عبیدہ بن جراحؓ، ان کے علاوہ عقبہ بن نافع، قحاح افریقہ بانی شہر قیروان اور عبد الملک بن قسبی والی اندلس وغیرہ بنو حارث سے تھے۔

البتہ غالب کی اولاد بہت پھلی پھولی، قریش کے دسوں خانوادے اس کی نسل سے تھے، بنو ہاشم، بنو امیہ، بنو نوفل، بنو عبد دار، بنو اسد، بنو تیم، بنو مخزوم، بنو عدی، بنو جحج، بنو سلیم۔

مشاہیر قریش..... بنو امیہ خاندان سلاطین، بنو امیہ دمشق و اندلس، ابوسفیانؓ، امیر معاویہؓ، حضرت عثمانؓ، ام المومنین ام حبیبہؓ۔

بنو عدی: خاندان حضرت عمر بن خطابؓ، سعید بن زید، جو عشرہ مبشرہ میں سے ایک تھے۔

بنو تیم: خاندان حضرت ابو بکر صدیقؓ، حضرت طلحہؓ عمر بن عبد اللہ بن جدعان وغیرہم،

نبی عبد دار: حضرت عثمان بن طلحہؓ، مصعب بن عمیرؓ

نبی اسد: زبیر بن عوامؓ، ورقہ بن نوفلؓ، ام المومنین حضرت خدیجہؓ وغیرہ۔

بنو مخزوم: خالد بن ولیدؓ، عیاش بن ربیعہ، ابو جہل، ابوسلمہ، ام المومنین ام سلمہؓ

بنو جحج: صفوان بن امیہ، ابو محمد درہ، موزن بن ابی اسدؓ، عثمان بن مظعونؓ،

بنو سہم: عمرو بن العاصؓ، قحاح مصر

بنو ہاشم: خاندان رسالت، عباسؓ، حمزہؓ، مطلب، حضرت علیؓ وغیرہ۔

قریش کے ان چند مشہور خانوادوں کے علاوہ کچھ اور چھوٹے گھرانے تھے، جن کو ان ہی کی شاخ سمجھنا چاہئے۔

بنو زہرہ: خاندان حضرت امیہ، و عبد الرحمن بن عوفؓ و سعد بن وقاصؓ،

بنو عبد العزی: خاندان ابوالعاصؓ داماد رسول اکرم ﷺ

بنو جب: خاندان عبد اللہ بن عامر والی عراق۔

بنو امیہ اصغر..... قریش کے مذکورہ خانوادے طرز زندگی کے اعتبار سے دو قسم کے تھے، قریش الظواہر اور قریش البطائح، قریش الظواہر، قریش کے وہ قبائل کہلاتے تھے، جو عام بدویوں کی طرح خانہ بدوش زندگی بسر کرتے تھے۔

قریش البطائح وہ کہلاتے تھے جو مکہ میں آباد تھے اور متمدن زندگی بسر کرتے تھے، تفصیل یہ ہے:

بطائح	ظواہر
بنو محارب بنو تمیم الادرم بنو خزیمہ بن لوی بنو سعد بنو حارث	بنو قصی بن کلاب بنو کعب بن لوی

ایام قریش

عام عربوں کی طرح قریش بھی سخت جنگجو تھے، بات بات پر تلوار بن نکل آتی تھیں۔ ادنیٰ ادنیٰ باتوں پر قتل و غارت کا ہنگامہ برپا ہو جاتا تھا، ان کی مشہور لڑائیوں میں سے بعض یہ ہیں۔
یوم فجار اول..... یہ لڑائی قریش کنانہ اور قیس عیلان کے درمیان ہوئی، اس کی ابتدا اس طرح ہوئی کہ ایک کنانی بنو نضر (قیس عیلان) کے قبیلہ کے ایک شخص کا قرض دار تھا، مگر تنگدستی کی وجہ سے اس کو ادا نہ کر سکتا تھا۔ نضری قرض خواہ ایک بندر کو بازار عکاظ میں لے کر آیا، اور کنانی کو ذلیل کرنے کے خیال سے کہا کہ اس بندر کو کنانی قرض دار کی رقم کے مساوی قیمت پر کون خریدتا ہے؟ اتفاق سے ایک کنانی ادھر سے گذر رہا تھا، اس نے سن لیا اور غصہ میں بندر پر ایسی تلوار لگائی کہ وہیں ٹھنڈا ہو کر رہ گیا، نضری شخص نے بنو قیس سے فریاد کی اور کنانی نے اپنے قبیلہ سے مدد مانگی، طرفین کے آدمی جمع ہوئے مگر جنگ کی نوبت نہیں آئی اور آپس میں صلح ہو گئی، یہ واقعہ متعدد صورتوں سے بیان کیا جاتا ہے، مگر نتیجہ سب کا صلح ہے۔

یوم فجار ثانی..... حرب فجار عرب کی سب سے بڑی اور مشہور جنگ ہے، جو عام فیل کے بیس سال بعد ہوئی، اس کا واقعہ یہ ہے کہ براض قبیلہ کنانہ کا ایک شخص تھا، اس کے قبیلہ والوں نے اس کو نکال دیا یہ اپنے قبیلہ سے نکل کر نعمان بن منذر کے یہاں آیا، نعمان بن منذر تجارت پیشہ تھا اور ہر سال کچھ نہ کچھ مال بازار عکاظ وغیرہ میں بغرض فروخت بھیجا کرتا تھا، عکاظ کے میلہ

کا زمانہ آیا، تو براض نعمان کے یہاں موجود تھا، اتفاق سے عروہ رحال بھی وہیں موجود تھا، یہ شخص سلاطین اور امراء کے درباروں میں بہت آیا جایا کرتا تھا، نعمان نے کہا میں کچھ سامان عکاظ بھیجنا چاہتا ہوں، تم میں سے کون شخص ذمہ داری لیتا ہے؟ عروہ اور براض دونوں نے اس خدمت کے لئے اپنے کو پیش کیا اور اس مسابقت میں سخت کلامی کی نوبت آگئی مگر چونکہ عروہ زیادہ تجربہ کار تھا، اس لئے نعمان نے یہ خدمت اسی کے سپرد کی، جب عروہ مال لے کر نکلا، تو براض بھی بدلہ لینے کے لئے اس کے پیچھے ہولیا اور موقعہ پا کر اس کو قتل کر کے سامان پر قبضہ کر لیا، جب عروہ کے قتل کی خبر مشہور ہوئی، تو قبیلہ قیس کے کچھ لوگ براض سے بدلہ لینے کو نکلے، مگر براض نے ان کو بھی دھوکے سے قتل کر دیا اور مکہ کی طرف روانہ ہو گیا اور امیہ بن حرب سے کہلا دیا کہ میں نے عروہ کو قتل کیا ہے، بنو قیس اس کا بدلہ ضرور لیں گے۔ اس لئے پہلے سے تیار رہنا چاہئے، امیہ کو یہ پیام عکاظ میں ملا، اس نے تمام روسائے قریش کو خبر کر دی اور پھر باہمی مشورہ سے عامر بن مالک سردار بنو قیس کے پاس ایک وفد مصالحت بھیجا، ابھی طرفین میں صلح کی گفت و شنید ہو ہی رہی تھی کہ قریش کے کچھ لوگوں کو یہ غلط خبر ملی کہ قریش اور بنو قیس میں جنگ ہوا چاہتی ہے، قریش یہ سن کر مکہ کی طرف روانہ ہوئے، عامر بن مالک کو جب قریش کی روانگی کی خبر ہوئی تو سمجھا کہ قریش نے دھوکا دیا، اس لئے ایک جمعیت لے کر قریش کا تعاقب کیا، مکہ کے قریب مقابلہ ہوا، قریش کے پاؤں اکھڑنے ہی کو تھے کہ بڑھ کر حرم میں داخل ہو گئے اور بنو قیس واپس ہو گئے، مگر یہ کہتے ہوئے گئے کہ آئندہ سال عکاظ میں ہمارا تمہارا مقابلہ ہوگا، چنانچہ سال بھر میں دونوں نے پھر تیاری کی اور حسب وعدہ عکاظ میں سخت مقابلہ ہوا، ابتداً قریش پسپا ہو رہے تھے، لیکن ان کے عزم و ثبات نے جنگ کا رخ بدل دیا اور بنو قیس نے سخت ہزیمت اٹھائی آخر میں اس شرط پر صلح ہو گئی کہ طرفین کے مقتولین شمار کئے جائیں، جن کے زیادہ ہوں، بقدر زیادتی دوسرا اس کی دیت ادا کرے، اس جنگ میں آنحضرت ﷺ بھی شریک تھے اور آپ کا سن مبارک بیس سال کا تھا۔

واقعہ فیل..... اصحاب فیل کا واقعہ آنحضرت ﷺ کی پیدائش کے چالیس سال قبل ہوا، اس موقع پر بھی بڑی ہولناک جنگ ہوتے ہوئے رہ گئی، اس کا واقعہ یہ ہے کہ یمن کے عیسائی حبشی بادشاہ ابرہہ اشرم نے یمن میں ایک عظیم الشان کنیہ تیار کرایا اور نجاشی اور قیصر روم کو لکھا کہ میں نے ایک بے مثل کنیہ تعمیر کرایا ہے اور میں چاہتا ہوں کہ خانہ کعبہ کے حجاج کو اس طرف پھیر لوں، عربوں نے سنا تو بہت برا فروختہ ہوئے اور اسی حالت غضب میں ایک کنانی نے کنیہ میں نجاست ڈال دی، ابرہہ کو اس حرکت کی خبر ہوئی، تو اس کے بدلہ میں خانہ کعبہ کو منہدم کرنے کے لئے چلا، مکہ کے پاس پہنچ کر لوٹ مار شروع کر دی، قریش اور کنانہ کو معلوم ہوا تو مقابلہ کا ارادہ کیا، مگر پھر مشورہ سے طے ہوا کہ چند قریش ابرہہ کی ٹڈی دل فوج کا مقابلہ نہیں کر سکتے، اس

لئے خاموش ہو رہے، مکہ کے سردار اس وقت عبدالمطلب تھے، اس لئے ابرہہ نے ان کے پاس کہلا بھیجا کہ ہم صرف خانہ کعبہ کو ڈھانے کے ارادہ سے آئے ہیں، اگر تم اس میں کسی قسم کا تعرض نہ کرو، تو خواہ مخواہ ہم کو تم سے لڑنے کی ضرورت نہیں ہے، عبدالمطلب خود گئے اور جا کر کہا کہ ہم میں اتنی طاقت نہیں ہے کہ تمہارا مقابلہ کر سکیں، خدا خود اپنے گھر کا محافظ ہے، اگر اس کو اپنی حرمت کا پاس ہوگا، تو خود ہی بچالے گا، چنانچہ اس گفتگو کے بعد عبدالمطلب واپس آئے اور قریش کو محفوظ مقامات میں بھیج دیا اور خود مع چند قریش کے خانہ کعبہ کی زنجیر پکڑ کر نہایت رقت انگیز دعائیں مانگیں اور چلے گئے جب ابرہہ نے حملہ کیا، تو خدا نے اپنے گھر کو اس کے شر سے بچالیا۔ اور اس کی فوج پر آفت آئی، سپاہیوں میں چیچک کی بیماری پھیلی اور اللہ تعالیٰ نے ان پر رندوں کا جھنڈ بھیجا۔

ایک جنگ..... قریش، کنانہ، خزاعہ اور قضاہ میں تولیت حرم کے بارہ میں دو لڑائیاں ہوئیں، تفصیل یہ ہے کہ قصی جب مکہ میں آیا، تو حرم کے متولی بنوصوفہ تھے، قصی چند کنانی اور قضاعی اشخاص کے ساتھ عقبہ گیا اور بنوصوفہ سے کہا کہ تولیت حرم کے ہم تم سے زیادہ حقدار ہیں، مگر انھوں نے انکار کر دیا، جس پر طرفین میں جنگ ہوئی اور بنوصوفہ نے شکست کھائی، بنوخزاعہ نے جب یہ دیکھا، تو ان کو یقین ہو گیا کہ قصی عنقریب صوفہ کی طرح ان کے اختیارات بھی سلب کر کے ان کو حرم سے الگ کر دے گا۔ اس لئے بنوبکر کو لے کر قصی سے علیحدہ ہو گئے اور چاہا کہ لڑ کر قصی کو الگ کر دیں، قریش کے معاون قضاہ اور کنانہ تھے، غرضیکہ دونوں میں سخت جنگ ہوئی، فریقین کے ہزاروں آدمی کام آئے، جب دونوں خوب لڑ کر تھک گئے، تو معمر بن عوف کنانی کو حکم بنایا اس نے فیصلہ کیا کہ متولی قصی کو تسلیم کیا جائے اور اپنے مقتولین کا معاوضہ نہ لے اور بنوبکر و خزاعہ کے مقتولین کی دیت ادا کرے، اس پر طرفین راضی ہو گئے۔

یوم ذات نکلیف..... چونکہ قصی بنوبکر کو خانہ کعبہ کی تولیت سے بے دخل کر کے خود متولی ہو گیا تھا، اس لئے قبیلہ بنوبکر میں قریش کے خلاف ہمیشہ رشک و رقابت کی آگ سلگتی رہی، مگر کوئی موقع نہ ملا آخر کار عبدالمطلب کے زمانہ میں دفعتاً یہ آگ بھڑک گئی، چنانچہ انھوں نے ارادہ کر لیا کہ کسی نہ کسی طرح لڑ بھڑ کر قریش کو خرم سے نکال دیں اور جنگ کی تیاریاں شروع کر دیں، ادھر قریش بھی مقابلہ کے لئے آمادہ ہو گئے، عبدالمطلب نے بنوہو، بنوحارث، اور بنومصطلق کو جمع کر لیا اور ذات نکلیف میں دونوں کا مقابلہ ہوا، بنوبکر بڑی طرح مغلوب ہوئے اور ان کے بہت سے آدمی مارے گئے۔

خانہ کعبہ کی مرمت..... خانہ کعبہ کی مرمت کے موقع پر بھی ایک خونریز جنگ ہوتے

ہوتے رہ گئی، اس کا واقعہ یہ ہے کہ خانہ کعبہ کی عمارت امتداد زمانہ سے بہت کمزور ہو گئی تھی، دیواریں پست تھیں، چھت گر گئی تھی، اس لئے قریش نے اس کو منہدم کر کے از سر نو تعمیر کرنے کا ارادہ کیا اور اس قدر اہتمام کیا تھا کہ ناجائز مال سے ایک جبہ بھی نہیں لگایا، جب دیواریں اس قدر بلند ہو گئیں کہ حجر اسود نصب کیا جائے تو قبائل قریش میں سخت اختلاف ہوا کہ اس کا شرف کس کو حاصل ہو، یہ اختلاف اس حد تک بڑھ گیا کہ بنو عبد دار اور بنو عدی نے موت کا حلف لے لیا، چار دن اسی کشمکش میں گزر گئے، آخر میں یہ طے پایا کہ صبح سویرے جو شخص سب سے پہلے مسجد میں داخل ہو، وہ حکم مانا جائے، حسن اتفاق سے دوسرے دن سب سے پہلے آنحضرت ﷺ داخل ہوئے، سب نے باتفاق آپ کو حکم مان لیا، ابھی تک آنحضرت ﷺ اس سے بے خبر تھے، آپ کو اطلاع دی گئی، تو آپ نے رفع شرکی بہترین صورت یہ نکالی کہ ایک چادر پھیلا کر حجر اسود کو اس میں رکھ دیا اور فرمایا کہ ہر قبیلہ کا ایک ایک شخص چادر کا ایک ایک کونہ پکڑ کر اٹھائے، غرضیکہ اس عاقلانہ تدبیر سے یہ فتنہ عظیم رک گیا۔

قریش کی سیاسی خود مختاری

مکہ چونکہ حجاز میں تھا، اس لئے وہ عرب کے دوسرے صوبوں کی بہ نسبت زیادہ سیاسی اہمیت رکھتا تھا اور اہمیت کی وجہ سے قدرۃ آس پاس کے حکمرانوں کی نظریں اس طرف اٹھتی تھیں، چنانچہ عجمی سلطنتوں میں روم اور ایران نے اور عربوں میں حمیری اور حبشی حکومتوں نے بارہا حجاز کو لینا چاہا، مگر ہمیشہ ناکام رہیں، یہاں تک کہ بعض محققین نے مکہ کی وجہ تسمیہ یہ بتائی ہے کہ مکہ تیسکک سے مشتق ہے، جس کے معنی میں نخوت اور غرور توڑنا اور سرکشوں کی گردن جھکانا چونکہ مکہ کی تسخیر میں بڑے بڑے جبابرہ کی گردنیں جھک جاتی تھیں، اس لئے اس کو مکہ کہنے لگے۔ ۲۔ بہر حال مکہ اغیار کی دست برد سے ہمیشہ بچتا رہا، حتیٰ کہ وہاں خود عربوں کی حکومت بھی نہ قائم ہو سکی، اسی آزادی کا یہ نتیجہ تھا، کہ مکہ کے آس پاس بسنے والے قبائل میں کوئی باقاعدہ نظام حکومت قائم نہ تھا، بلکہ عام غیر متمدن اقوام کی طرح ایک سردار کی ماتحتی میں زندگی بسر کرتے تھے، خاص مکہ میں جہاں بہت کچھ تمدن موجود تھا، کوئی نظام اجتماعی نہ تھا، البتہ ان کا ایک مشترکہ مرکز خانہ کعبہ تھا، جس کے گرد قبائل جمع ہو سکتے تھے، چنانچہ آئندہ چل کر ان منتشر قبائل نے جو کچھ بھی حکومت کی شکل اختیار کی، اس کا دار و مدار اسی خانہ کعبہ پر تھا، قبائل کے آزاد پسند طبائع اگرچہ کسی کے تابع فرمان ہونا عار سمجھتے تھے، تاہم متولی کعبہ کا وقار ان کی نگاہوں میں بحیثیت مذہبی پیشوا کے ضرور تھا۔

۱۔ سیرۃ ابن ہشام،

۲۔ معجم البلدان جلد ۸ ص ۱۳۴

قصی کا ظہور اور قریش کا اجتماع..... وحشت اور تمدن کی یہی طبعی عمر ہوتی ہے جس کو ختم کر کے تمدن تباہ ہوتا ہے اور وحشت تمدن کی شکل اختیار کرتی ہے، چنانچہ قریش کی بدادوت کا دور ختم ہوا اور تمدن کی بنیاد پڑی، اگرچہ شہر مکہ کے قریش ضرور کچھ متمدن تھے، لیکن عام طور پر ان میں بدویت ہی کا دور تھا، لیکن فہر کی پانچویں پشت میں کلاب بن مرہ کی پشت میں قصی نامی ایک مدبر پیدا ہوا جس نے قریش کی کایا پلٹ دی، قصی ابھی بچہ ہی تھا، کہ باپ کا سایہ سر سے اٹھ گیا، ماں نے قبیلہ بنی عذرہ میں شادی کر لی، قصی کی بھی نشوونما وہیں ہوئی، جوان ہوا، تو غیور طبیعت نے اجنبیوں میں رہنا گوارا نہ کیا، ماں کی زبانی اپنی خاندانی وجاہت و عظمت کا حال معلوم کر کے فوراً مکہ کا رخ کیا، دادھیال والوں نے ہاتھوں ہاتھ لیا، اس وقت حرم کی ولایت حلیل بن حبشہ خزاعی کے ہاتھ میں تھی، قصی نے حلیل کی لڑکی سے شادی کر لی، جب حلیل مر گیا، تو قصی کو خیال ہوا کہ قریش کے ہوتے ہوئے بنو خزاعہ کو ولایت حرم کا کیا حق ہے، چنانچہ اس نے قریش و کنانہ کو آمادہ کر کے بنو خزاعہ کو لڑ کر حرم سے نکال دیا، چونکہ قصی سے زیادہ خدمت حرم کا اہل و مستحق کوئی دوسرا نہ تھا، اس لئے یہ معزز عہدہ اسی کے سپرد ہوا، اس سے فراغت کے بعد قصی نے دیکھا کہ قریش کے تمام قبائل منتشر ہیں، کوئی پہاڑوں پر بسا ہے، کوئی خانہ بدوش ہے، نہ ان میں کوئی نظام ہے اور نہ اصول جس سے ان کی قوت بالکل ٹوٹی ہوئی ہے، چنانچہ اس نے سب کو پہاڑوں اور صحراؤں سے اکٹھا کر کے، ایک جگہ آباد کیا، اس لئے اس کو مجمع بھی کہتے ہیں، اب اس اجتماعی زندگی کے لئے ایک ایسی طاقت کی ضرورت تھی، جو اس کو منظم صورت میں قائم رکھ سکے، اسی لئے قصی نے ایک چھوٹی سی جمہوری حکومت قائم کی، جو باہمی مشورہ سے چلتی تھی، اس دن سے قریش کی تاریخ کا نیا دور شروع ہوا اور یہ پہلا دن تھا، جب کہ قریش کو جاز میں سیاسی اہمیت حاصل ہوئی، تمام مورخین کا اتفاق ہے کہ قصی پہلا شخص ہے، جس کی اطاعت تمام قبائل قریش نے قبول کی اور وہ خود اس سرزمین کا بادشاہ ہوا۔

قریش کا تمدن

حکومت کی بنیاد ڈالنے کے بعد سب سے پہلا اور اہم کام یہ تھا کہ فوجی اور عدالتی نظام کو علیحدہ علیحدہ منظم صورت میں قائم کیا جائے، چنانچہ فوجی، عدالتی اور مذہبی نظام علیحدہ علیحدہ قائم کئے گئے اور جمہوریت کے اصول کو ہر شعبہ حکومت میں ملحوظ رکھا گیا، چنانچہ تمام شعبوں میں ہر قبیلہ کے اشخاص لئے گئے، ان میں بعض بعض عہدے بہت قدیم تھے، لیکن قصی نے تمام صیغوں کو ترقی دے کر بہت سے نئے عہدے بھی اضافہ کئے، ان صیغوں اور عہدوں کی تقسیم حسب ذیل تھی۔

نظام عسکری:-

قریش نے چار فوجی عہدے قائم کئے تھے، عقاب، قتبہ، اعنبہ، سفارہ،

نام قبیلہ	توضیح	نام عہدہ
بنو امیہ	نشان قومی کی علمداری	عقاب
بنو مخزوم	فوجی کیمپ کا انتظام اور اس کی دیکھ بھال	قتبہ
بنو مخزوم	فوج کی سپہ سالاری	اعنبہ
بنو عدی	قبائل اور حکومت کے درمیان مراسلت کرنا	سفارت

عدالتی نظام:-

اس کے دو شعبے تھے، حکومت و اشاق

نام قبیلہ	توضیح	نام عہدہ
بنو سہم	مقدمات کی سماعت اور ان کا فیصلہ	حکومت
بنو تیم	جرمانہ خوبیا اور مالی تاواں کی نگرانی	اشاق

نظام مذہبی..... قریش چونکہ خانہ کعبہ کے متولی تھے، جہاں حج کے موقعہ پر ہزاروں لاکھوں آدمیوں کا اجتماع ہوتا تھا۔ اس پر بڑی بڑی جائیدادیں وقف تھیں۔ لاکھوں روپیہ نقد اور جنس کی صورت میں جمع ہوتا تھا۔ اس بنا پر اس کے لئے نہایت وسیع انتظام کی ضرورت تھی، چنانچہ قریش نے اس کا انتظام بہت وسیع پیمانہ پر کیا تھا اور اس سے زیادہ مکمل ان کا کوئی انتظام نہ تھا، اس لئے چھ عہدے تھے، سقایہ، عمارہ، رقادہ، سدانہ، ایسار، موال، حجرہ، سقایہ اور رقادہ حجاج کے متعلق تھے اور باقی خاص خانہ کعبہ کے متعلق۔

سقایہ: یعنی حج کے موسم میں لاکھوں انسانوں کو پانی پلانا، یہاں ذمہ داری بنو ہاشم کے سپرد تھی۔
 رقادہ: یعنی حجاج کے خورد و نوش کا انتظام، نادار حجاج کی مالی امداد اور ان کے کھانے پینے کی خبر گیری، اس کا رخبر کی بنیاد قصی نے ڈالی تھی، ایک دن اس نے تمام قریش کو جمع کر کے تقریر کی کہ برادران قریش بیت اللہ معلوم نہیں کتنی مصیبتیں اٹھا کر بڑی بڑی مسافتیں طے کر کے محض زیارت بیت اللہ کے خاطر آتے ہیں اور خدا کے مہمان ہوتے ہیں اور تم اپنے آپ کو ”جبر اللہ خدا کے پڑوسی کہتے ہو“، کیا تمہارا اس قدر بھی فرض نہیں کہ تم ان کی خاطر و مدارات کرو، مفلسوں کو کھانا کھلاؤ، ناداروں کی مالی امداد کرو اور ہر طرح ان کی آسائش کا سامان بہم پہنچاؤ۔

اس تقریر کا قریش پر بہت اثر ہوا اور ہر شخص نے ایک سالانہ رقم مقرر کر دی جو حجاج پر صرف ہوتی تھی۔ اس کا انتظام بنو نوفل کے سپرد تھا۔

عمارہ۔ چونکہ قریش کی ساری عظمت خانہ کعبہ سے تھی، اس لئے ان کو اس کی نگرانی اور دیکھ بھال میں خاص اہتمام تھا اور اس کے لئے علیحدہ علیحدہ عمارہ قائم کیا تھا، جس کے منتظم بنو ہاشم تھے۔

سدانہ: خانہ کعبہ کی کلید برداری یا در بانی، چونکہ خانہ کعبہ ایک حجرے کی شکل کا تھا اور اس میں بیش قیمت سامان بھی رہتا تھا۔ اس لئے عموماً بندرہا کرنا تھا، صرف ضرورت کے اوقات میں کھولا جاتا تھا، اس در بانی کا شرف بنو عذر کو حاصل تھا۔

ایسار: خانہ کعبہ میں کچھ تیر رکھے ہوئے تھے، جن سے ضرورت کے وقت استخارہ کیا جاتا تھا، اس استخارہ کی خدمت بنو جحج کے سپرد تھی۔

اموال حجرہ..... حجاج وزائرین کعبہ بتوں پر بڑے بڑے چڑھاوے چڑھایا کرتے اور جائیدادیں وقف کرتے تھے، اس لئے اوقاف و محاصل کے انتظام کے لئے مخصوص ایک عہدہ قائم تھا۔ جس کو اموال حجرہ کہتے تھے اس کی نگرانی بنو سہم کے متعلق تھی۔

ندوہ..... دار الندوہ ایک عمارت تھی، جس کو قصی نے خانہ کعبہ کے بالمقابل تعمیر کیا تھا، اس میں اہم کاموں کے وقت قریش جمع ہو کر مشورہ وغیرہ کرتے تھے، بلکہ بہت سی تقریبات بھی یہیں انجام پذیر ہوتی تھیں۔

مشورہ..... اگرچہ قریش کے تمام کام پبلک کے مشورہ سے انجام پاتے تھے، تاہم بنو اسد کا قبیلہ مشورہ کے لئے مخصوص تھا، بغیر ان سے مشورہ کئے ہوئے کوئی کام نہیں انجام پاتا تھا۔

حلف فضول..... عام نظام عدالت کے علاوہ قریش نے انسداد مظالم کے لئے ایک خاص انجمن قائم کر رکھی تھی جس کا محرک ایک واقعہ تھا، وہ یہ کہ بنو زبید کا ایک شخص مکہ میں کچھ مال بغرض فروخت لایا، جس کو عاص ابن وائل نے خرید لیا۔ مگر اس کی قیمت نہیں ادا کی، وہ بے چارہ قبائل قریش میں فریاد لے کر گیا، مگر عاص ابن وائل کی وجاہت سے اس کی فریاد رسی کی کسی کو ہمت نہ ہوتی تھی، ایک صبح کو جب قریش خانہ کعبہ کے گرد جمع تھے، تو اس تاجر نے چند دردناک اشعار پڑھ کر اپنی بے کسی ظاہر کی زبیر بن عبدالمطلب پر اس کا بہت اثر ہوا اور اس نے بنو ہاشم، بنو زہرہ، بنو تمیم بن مرہ کو عبد اللہ بن جدعان کے گھر میں جمع کیا اور سبھوں نے حلف لے کر عہد کیا کہ جب تک بحر صوفہ میں پانی رواں رہے گا اور جب تک حراء اور شہیر اپنی جگہ پر قائم رہیں گے، اس وقت تک ہم سب مظلوم کی اعانت کرنا اپنا فرض سمجھیں گے، جب تک کہ ظالم سے مظلوم کا بدلہ نہ لے لیں۔

اس حلف کی بنیاد ایسے پاکیزہ مقاصد کے لئے رکھی گئی تھی کہ آنحضرت ﷺ نے ۳ فرمایا کہ
شہدت فی دار عبد اللہ بن جدعان حلفاً لودعیۃ بہ فی الاسلام

لاجیب

”یعنی عبد اللہ بن جدعان کے گھر میں، میں ایسے حلف میں شریک ہوا کہ

اگر اس کی شرکت کی دعوت مجھ کو زمانہ اسلام میں بھی دی جائے تو قبول کر لوں۔“

قریش کا مذہب..... قریش کا مذہب اگرچہ مذہب ابراہیمی تھا، لیکن اصنام پرستی ان میں اس قدر چھا گئی تھی کہ دین حنیف کے تمام خط و خال بالکل دھندلے ہو کر رہ گئے تھے اور ان کا پہچانا مشکل تھا، مکہ کی پاک اور مقدس سرزمین میں بت پرستی کا سب سے پہلا بانی عمرو بن لُحی ہے یہ ایک مرتبہ کسی ضرورت سے شام گیا، وہاں ایک شہر میں لوگوں کو بت پوجتے دیکھا، تو پوچھا کہ ان کو کیوں پوجتے ہو؟ انھوں نے کہا کہ یہ ہمارے معبود میں ہم ان کی پرستش کرتے ہیں، اس کے صلہ میں یہ پانی برساتے ہیں اور ہر قسم کی امداد کرتے ہیں، عمرو بن لُحی نے کہا، لاؤ ہم کو بھی دو ہم اپنے یہاں لے جا کر ان کی پرستش کریں گے، لوگوں نے ہل نامی بت اس کو دے دیا، جس کو لا کر اس نے مکہ میں نصب کیا، اور لوگوں کو اس کی پرستش کی ترغیب دینا شروع کر دی۔ اس بڑے بت کے علاوہ عمرو بن لُحی نے چند چھوٹے چھوٹے بت بھی خانہ کعبہ کے گرد نصب کر دیئے اور مناة کو مکہ اور مدینہ کے درمیان مقام قدید پر لب ساحل نصب کیا تھا۔ ۲ غرضیکہ یہ وہا عمرو بن لُحی نے عام عرب میں پھیلائی، چنانچہ آنحضرت ﷺ نے اس کے متعلق فرمایا ہے۔ یجوز نصب فی النار۔ ۳ یعنی اس کی آنتیں آگ میں گھسیٹی جاتی ہیں، قریش بھی اس سے مستثنیٰ نہ تھے اور ان کا بھی عام مذہب یہی بت پرستی تھا، وہ متعدد بتوں کی پوجا کرتے تھے، جن میں بعض تو قریش کے مخصوص بت تھے اور بعض قریش اور دیگر قبائل میں مشترک تھے، چنانچہ اساف و نائلہ چاہ زمزم کے پاس نصب تھے اور قریش کے مخصوص بت تھے اور وہ ان کے پاس قربانی کیا کرتے تھے، ان دونوں بتوں کے متعلق قریش کا یہ اعتقاد تھا کہ یہ قبیلہ بنو جرہم کے مرد و عورت تھے، لیکن بعض گناہوں کے باعث پتھر کے ہو گئے۔ ۴

لات..... بنو ثقیف کا بت تھا، مگر قریش اور کنانہ بھی اس کی پوجا کرتے تھے۔ ۵ اس کی تاریخ یہ ہے کہ لات مکہ میں ایک پتھر تھا، جس پر حجاج کے لئے ستو گوندھا جاتا تھا، اور اسی نام کا ایک شخص بھی بنی ثقیف میں تھا، وہ مر گیا، تو لوگوں نے کہا کہ وہ مرا نہیں، بلکہ اپنے ہم نام پتھر میں گھس گیا ہے، اس وہم سے اس کی پرستش بھی شروع ہو گئی۔

۲۔ معجم البلدان جلد ۸ ص ۱۶۷

۳۔ سیرۃ ابن ہشام جلد ۱ ص ۳۹ مطبوعہ مصر

۴۔ سیرۃ ابن ہشام جلد ۱ ص ۳۷ مطبوعہ مصر

۵۔ روض الانف جلد ۱ ص ۶۱ مطبوعہ مصر

۶۔ معجم البلدان ص ۴۴۲

عزی..... بنو غطفان کا بت تھا، مگر قریش بھی اس کی پرستش کرتے تھے اور تمہارے نام پر نام رکھتے تھے، چنانچہ عبدالعزی قریش کا مشہور نام ہے، یہ بت بنی غطفان کے باغ میں نصب تھا، قریش برابر وہاں تحائف لے جاتے تھے اور قربانیاں کرتے تھے۔

منافہ..... بنو خزاعہ اور ہذیل کا بت تھا، مگر قریش لات اور عزی کی طرح اس کی بھی پرستش کرتے تھے چنانچہ طواف کرتے وقت کہا کرتے تھے۔ والات والعزی ومنافہ الفالہ الاخری فالہن الغرالیق العلی وان شفاعتہن لخرجی۔ ان تینوں بتوں کو قریش خدا کی بیٹیاں کہتے تھے اور ان کا اعتقاد تھا کہ قیامت کے دن یہ ان کی سفارش کریں گے۔ اس اعتقاد کی تردید قرآن پاک میں ان الفاظ میں آئی ہے۔

الرَّیْتُمُ اللَّاتَ وَالْعُزَّىٰ، وَمَنَاةَ الثَّالِثَةَ الْاٰخَرٰی،
تِلْكَ اِذَا قُضِیَ ضِیْزٰی، اِنْ هٰی اِلَّا اَسْمَاءٌ مِّمَّنْ سَمَّوْهُنَّ اَبَآءَکُمْ
مَا اَنْزَلَ اللّٰهُ بِهَآئِمْ مٰلِطٰنٌ .

کیا تم نے لات اور عزی اور تیسرے بت منافہ پر نظر کیا تمہارے لئے
بیٹے اور خدا کے لئے بیٹیاں ہیں، اگر ایسا ہے تو بڑی غیر منصفانہ تقسیم ہے، یہ تو
نام ہی نام ہیں، جن کو تم نے اور تمہارے باپ داداؤں نے رکھ لیا ہے، خدا نے
ان کے معبود ہونے کی کوئی سند نہیں اتاری۔

ہبل..... قریش کا یہ بت خانہ کعبہ کے عین وسط میں نصب تھا اور قریش کے تمام بتوں میں
سب سے زیادہ معزز مانا جاتا تھا، یہ سب سنگ سرخ کا انسانی مجسمہ تھا، اس پر انسانی قربانیاں بھی
چڑھائی جاتی تھیں، چنانچہ عبدالمطلب نے منت مانی تھی کہ وہ جس وقت اپنے دس بیٹوں کو جوان
دیکھیں گے، تو ایک کو بیٹے ہبل پر نذر چڑھائیں گے۔ سچ لڑائیوں میں ہبل کی بے پکارتی تھی،
جنگ احد کے موقع پر جب مسلمانوں کو پہپائی ہوئی اور دشمنوں نے مشہور کر دیا کہ خدا نخواستہ
آنحضرت ﷺ شہید ہو گئے، تو ابوسفیان نے خوشی و مسرت میں اس کی بے کاندہ لگایا۔ خانہ
کعبہ کے بتوں کی تعداد تین سو ساٹھ تھی، جن میں حضرت اسماعیل اور حضرت ابراہیم کی صورتیں
بھی شامل تھیں۔ ہبل کے سامنے سات تیر رکھے ہوئے تھے جن سے شادی اور نکاح وغیرہ کے
موقع پر قریش استخارہ کیا کرتے تھے، اگر راست آتا تو وہ کام کرتے ورنہ نہ کرتے۔

بدعات حج..... اگرچہ قریش مذہب ابراہیم کے پیرو تھے، مگر امتداد زمانہ سے اس میں اس
قدر تغیر و تبدل ہو گیا تھا کہ مذہب کی اصل صورت مسخ ہو کر رہ گئی تھی چونکہ حضرت ابراہیم بیت
اللہ کے بانی تھے، اس لئے حج ان کی تعلیمات میں راس العبادات تھا، قریش بلکہ پورا عرب اس

فریضہ کو ادا کرتا تھا، مگر اس کے ارکان اور طریقہ ادا میں طرح طرح کی بدعات رائج کر دی تھیں، اشہر حرام یعنی رجب، ذیقعدہ، ذی الحجہ اور محرم کو ضرورت کے وقت بدل دیتے تھے، یعنی محرم کا نام بدل کر صفر رکھ دیتے اور اس میں تمام وہ باتیں جائز سمجھتے، جو غیر اشہر حرام میں جائز ہیں، حج کے مہینے میں عمرہ کرنا گناہ سمجھتے تھے۔ خاموش حج کرتے، یعنی دوران حج میں منہ سے نہ بولتے، ایک شخص دوسرے شخص کو لگام لگا کر گھسیٹتا ہوا طواف کراتا۔ ۲۔ قریش اپنے کو عام حجاج سے ممتاز رکھنے کے لئے بجائے عرفات کے مزدلفہ میں ٹھہرتے۔ ۳۔ اسی پر آیت نازل ہوئی۔

ثم الميضوا من حيث الماض الناس۔ (سورۃ بقرہ)

آفتاب نکلنے کے بعد افاضہ کرتے تھے۔ ۴۔ حجاج بغیر متولی کی اجازت اور اس کی ابتدا کے رمی جمار نہیں کر سکتے تھے رمی جمار کے بعد بغیر متولی کے واپس ہوئے لوٹ نہیں سکتے تھے۔ ۵۔ طواف کے وقت واللات والعزى ومناة الثالثة الاخرى فانهن الغرائق العلى وان شفا، متھن لجر جی۔ پڑھتے تھے۔ ۶۔ تلبیہ میں خدا کے نام کے ساتھ ساتھ بتوں کو بھی داخل کر لیتے تھے۔ ۷۔ قرآن مجید کی اس آیت میں اسی کی طرف اشارہ ہے مایومن اکثرهم بالله الا وهم مشرکون۔ ان کے اکثر لوگ خدا پر ایمان بھی لاتے ہیں، تو اس میں دوسروں کو بھی شریک کر لیتے ہیں۔

قریش میں تنہا اصنام پرستی یا بدعات حج ہی نہیں رائج تھیں، بلکہ تمام وہ اخلاق ذمیرہ جن میں سارا عرب مبتلا تھا، مثلاً: شراب خواری، قمار بازی، دختر کشی اعیاشی، اوہام پرستی وغیرہ وغیرہ ان سے قریش بھی مستثنیٰ نہ تھے، بلکہ علی الاعلان نہایت فخر و مباہات سے یہ کام کرتے تھے۔ سوتیلی ماں لڑکے کو بطور وراثت ملتی تھی غرض کہ اس قبیل کی صد ہا لغویتیں ان میں رائج تھیں، تاہم ان برائیوں کے ساتھ ساتھ ان میں بہت سی خوبیاں تھیں، مظلوموں کی دادرسی ان کا خاص شعار تھا، حلف الفضول کا ذکر اوپر آچکا ہے، جس سے قریش کے اس شریفانہ جذبہ کا بخوبی اندازہ ہوا ہوگا، مہمان نوازی تو ان کی ضرب المثل تھی، موسم حج میں ہزاروں حجاج کی ضیافت کرتے تھے، ناداروں کے ساتھ نقدی سلوک بھی کرتے تھے اور اس سعادت میں قریش کا ہر فرد برابر کا حصہ لیتا تھا۔ ۸۔ حجاج کے پاس کپڑا نہ ہوتا، تو دیتے۔ ۹۔ یہ خاطر تواضع کچھ حجاج کے ساتھ مخصوص نہ تھی، بلکہ عام مہمانوں کے لئے بھی قریش کا دستور خان اسی طرح وسیع تھا، ایفائے عہد میں خواہ کتنا ہی شدید جانی و مالی نقصان کیوں نہ ہو، مگر عہد سے نہ پھرتے تھے۔

۱۔ بخاری جلد ۱ باب بیان الکعبہ باب ایام جاہلیت ص ۵۴۱ ۲۔ بخاری جلد ۱ کتاب الناسک ص ۲۲

۳۔ بخاری جلد ۱ ص ۳۲۶ ۴۔ ایضاً ص ۲۲۸ ۵۔ سیرۃ ابن ہشام جلد ۱ ص ۶۷

۶۔ معجم البلدان جلد ۱ ص ۱۶۶ ۷۔ سیرۃ ابن ہشام جلد ۱ ص ۴۷ ۸۔ دوض اللائف

۹۔ بخاری جلد ۱ ص ۵۴۰

مورخ یعقوبی نے قریش کی اجمالی حالت کا یہ نقشہ کھینچا ہے کہ مہمانوں کی مہمان نوازی کرتے تھے، اشہر حرام کی عظمت کرتے تھے، خواہش، مظالم اور قطع رحم کو برا سمجھتے تھے، جرائم کا تذکرہ کرتے تھے، حرم کے احترام کا اس سے اندازہ ہوگا کہ قصی جو قریش کا سب سے بڑا محسن تھا اور قریش پر اس کا اثر بھی کافی تھا، جب اس نے صفائی کے خیال سے حرم کے درختوں کو کاٹنا چاہا، تو تمام قریش نے انکار کر دیا۔

کفر و شرک کی اس عام تیرگی میں کہیں کہیں خدا پرستی کا نور بھی پرتو لگن تھا، چنانچہ قریش میں خدا پرستوں کی خاصی تعداد موجود تھی، مثلاً: زید بن عمرو بن نفیل زمانہ جاہلیت میں موحّد تھے، دین حنیف کی پیاس میں موسوی اور عیسوی چشموں کی طرف لپکے، مگر کہیں پیاس نہ بجھی، آخر میں خانہ کعبہ میں کھڑے ہو کر خدا کو شاہد بنایا، کہ خدایا میں تجھے گواہ بناتا ہوں کہ میں دین ابراہیم پر ہوں، وہ اس نعمت تو حید کو تنہا اپنی ذات تک محدود نہ رکھنا چاہتے تھے، بلکہ قریش میں اپنے عقائد کی اشاعت بھی کرتے تھے، بت کی قربانیوں پر قریش کو ملامت کرتے تھے، دختر کشی کی ممانعت کرتے حتیٰ کہ لڑکیوں کو لے کر خود پرورش کرتے تھے۔ اس کے علاوہ قریش کے اور متعدد اشخاص بھی بت پرستی سے نفرت کرتے تھے، چنانچہ ورقہ بن نوفل، عبد اللہ بن جحش، عثمان بن حویرث، زید کے ساتھ ایک مرتبہ بت خانہ میں گئے، تو ان کو خیال ہوا کہ یہ بھی کیا حماقت ہے کہ ہم پتھر کو پوجتے ہیں، جو نہ سن سکتا ہے نہ دیکھ سکتا ہے اور نہ کسی کو فائدہ نقصان پہنچا سکتا ہے۔ خود صحابہ کرامؓ میں متعدد مثالیں ایسی ملتی ہیں، جو زمانہ جاہلیت میں فطرت سلیمہ رکھتے تھے، مثلاً حضرت ابو بکر صدیقؓ۔

لوازم تمدن

تجارت..... قریش کا پیشہ تجارت تھا، زراعت کو وہ عار سمجھتے تھے حتیٰ کہ ابو جہل مرتے وقت بھی زراعت پیشہ لوگوں کے ہاتھ سے قتل کے عار کو نہ برداشت کر سکا۔ قریش کی تجارت کا سلسلہ بہت وسیع تھا، ان کے تجارتی قافلے ملکوں ملکوں پھر کر بیوپار کرتے تھے، عموماً ان کے کاروان تجارت سال میں دو مرتبہ جاتے تھے، سورہ قریش میں اسی کی طرف اشارہ ہے۔

لایلف قریش الفہم رحلة الشتاء والصیف فلیعبدوا رب هذا

البت الذی اطعمہم من جوع و امنہم من خوف۔ (سورۃ القریش)

”تعجب ہے کہ قریش کو اپنے جاڑے اور گرمی کے سفر (تجارت) سے کس قدر الفت ہے،

ان کو چاہئے کہ اس گھر کے رب کو پوچھیں جس نے ان کو بھوک سے بچانے کے لئے کھانا کھلایا، اور خوف سے امن بخشا۔“

قریش کی تجارت کو قصی نے بہت با اصول اور منظم کر دیا تھا، نجاشی شاہ حبش اور قیصر شاہ روم سے اجازت نامے حاصل کئے، تاکہ قریش آسانی اور امن سے ان کے حدود حکومت میں اپنا تجارتی کاروبار پھیلا سکیں، اس زمانہ میں اگرچہ راستے پر امن نہ تھے، رہزنی اور لوٹ مار عام تھی، تاہم قریش کے کاروان تجارت سے کوئی تعرض نہیں کرتا تھا اور وہ بے خوف و خطر گھوم پھر کر اپنا بیوپار کرتے تھے، اس کی وجہ یہ تھی کہ قریش حرم کے متولی ہونے کی وجہ سے ”حیر اللہ“ خدا کے بڑی کھلاتے تھے اور خانہ کعبہ کی عظمت تمام عرب کرتے تھے، اس نسبت سے وہ لوگ قریش کا بھی بہت احترام کرتے تھے اور ان سے کسی قسم کا تعرض نہیں کرتے تھے، قریش میں اس درجہ تجارت کا چرچا تھا کہ اس میں مرد و عورت، بوڑھے جوان بچے سب اپنا سرمایہ لگاتے تھے، چنانچہ حضرت خدیجہ بیوگی کے زمانہ میں بڑے پیمانہ پر تجارت کرتی تھیں، بروایت ابن سعد تنہا حضرت خدیجہ کا مال تجارت کل قریش کے سامان تجارت کے برابر ہوتا تھا، خود آنحضرت ﷺ حضرت خدیجہ کا مال لے کر بصرے تشریف لے گئے ہیں۔ آنحضرت ﷺ بہ نفس نفیس بھی تجارت فرماتے تھے اور آپ کی تجارت کے واقعات کتب احادیث میں مذکور ہیں، چنانچہ سائب نامی ایک شخص کی اور آپ کی تجارت مشترک تھی اور بعد اسلام انھوں نے آپ کی خوش معاملگی کی شہادت بھی دی۔ آپ یمن کے بازار جرش میں دوبار تشریف لے گئے، بحرین میں بھی آپ کا جانا ثابت ہے، ابوطالب بھی تاجر تھے، اکابر قریش میں ابوسہل اور ابوسفیان وغیرہ تجارت کرتے تھے۔ حضرت ابوبکرؓ کا بھی شغل تجارت تھا۔ مدینہ میں مقام سلخ پر آپ کا ایک پرچہ بانی کا کارخانہ تھا۔ کبھی کبھی خود مال لے کر باہر تشریف لے جاتے تھے چنانچہ اسلام کے بعد بصری مال تجارت لے کر جاتے تھے۔

حضرت عمرؓ بھی تاجر تھے، ان کی تجارت کا سلسلہ ایران تک پھیلا ہوا تھا اور بذات خود تجارت کے سلسلہ میں بہت آیا جایا کرتے تھے، چنانچہ خود کہتے ہیں کہ بہت سے ارشادات نبویؐ میں تجارت کی دوڑ دھوپ کی وجہ سے نہ سن سکا۔ حضرت عثمانؓ عرب کے بہت بڑے تاجر تھے، اسی بنا پر ان کو غنی کہا جاتا ہے، بنو قینقاع کے بازاروں میں آپ کا بھجوروں کا کاروبار تھا۔ زمانہ جاہلیت میں ربیعہ بن حارث کی شرکت میں تجارت کرتے تھے۔ حضرت علیؓ

۱۔ سیرۃ ابن ہشام جلد ۱ ص ۱۰۰ ۲۔ ابوداؤد جلد ۲ ص ۲۱۷

۳۔ ارض القرآن ص ۱۳۸ جلد ۱ ۴۔ ابن سعد جلد ۳ ص ۱۳۰

۵۔ ابن ماجہ باب المزاج ۶۔ مسند ابن فضال جلد ۱ ص ۶۲

۷۔ ایضاً جلد ۳ ص ۳۴۷ ۸۔ بخاری جلد ۱ ص ۲۷۷ ۹۔ مسند احمد بن حنبل ۱۰۔ اصحابہ جلد ۲ ص ۱۹

نے بھی اذخر کی تجارت کی ہے۔ ۱۔ ابان بن سعید قرشی بھی تاجر تھے، اور شام وغیرہ جا کر تجارت کرتے تھے۔ ۲۔ آنحضرت ﷺ نے شاہان عالم کے نام دعوت اسلام کے خطوط بھیجے، تو ان میں ایک خط قیصر روم کے نام بھی تھا، جب قاصد خط لے کر پہنچا، تو اس وقت قریش کے تاجروہاں موجود تھے، چنانچہ قیصر نے ان سے آنحضرت ﷺ کے متعلق سوالات کئے۔ ۳۔ غرضیکہ تمام قریش تجارت پیشہ تھے، چنانچہ ابن اسحاق کے الفاظ یہ ہیں، کانت قریش قومًا تجاراً۔ ۴۔ چنانچہ قریش نے جب مسلمانوں کو حج سے روکا تو انھوں نے یہ دھمکی دی کہ ہم تمہاری شام کی تجارت روک دیں گے، عرب عموماً ان چیزوں کی تجارت کرتے تھے۔ (۱) کھانے کا مسالہ اور خوشبودار جڑیں۔ (۲) سونا، لوہا اور جواہرات۔ (۳) خام کھالیں، بنا ہوا چمڑا، زین پوش اور بھیڑ بکری وغیرہ۔

توراة میں جا بجا ان چیزوں کا ذکر آیا ہے، قریش بھی غالباً ان کی تجارت کرتے ہوں گے، بعض تصریحات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ چمڑا اور چاندی کی تجارت زیادہ کرتے تھے، قریش کے مہاجرین کے خلاف جو وفد نجاشی کے پاس تحفہ لے کر بھیجا، وہ تحفہ بھی یہی چمڑا تھا۔ ۵۔ طبری نے لکھا ہے کہ

ومعه فضة كثيرة وهي عظم تجارتهم۔ ۱۔

عرب کی دس تجارتی منڈیاں تھیں، ان میں قریش زیادہ تر بازار ذوالحجاز اور عکاظ میں شریک ہوتے تھے۔ ۲۔ زمانہ اسلام میں لوگوں نے اس غرض سے حج کی شرکت کو برا جانا، جس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ ۸۔

ليس عليكم جناح ان تبتغوا فضلا من ربكم (البقرہ ۲: ۱۹۸)

”تمہارے لئے اس میں کوئی حرج نہیں (کہ زمانہ حج میں) اپنے رب کا

فضل تلاش کرو۔“

زمانہ اسلام میں تجارت اور زیادہ چمکی، چنانچہ مہاجرین کا زیادہ وقت بازاروں میں کاروبار تجارت میں گزرتا تھا، اور زمانہ جہالت کی منڈیوں میں بھی وہی چہل باقی رہی، اور زمانہ اسلام میں تقریباً سو برس تک یہ بازار گرم رہے، سب سے پہلے ۱۲۹ھ میں بازار عکاظ خارجیوں کی لوٹ مار کے خوف سے بند ہوا۔ ۹۔

۱۔ بخاری جلد ۱ ص ۲۸۰	۲۔ اسد الغابہ جلد ۱ ص ۳۶	۳۔ بخاری جلد ۱ ص ۴
۴۔ سیرۃ ابن ہشام ص ۱۰۰	۵۔ مسند حنبل مسند اہل بیت	۶۔ طبری ص ۱۳۷
۷۔ یعقوبی جلد ۱ ص ۳۱۴	۸۔ کتاب البیوع باب ما جاء فی قول اللہ تعالیٰ فاذا قضیت الصلوۃ	۹۔ بخاری جلد ۱ ص ۲۷۴
فانتشر وافى الارض		

علوم و فنون..... یوں تو شاعری اور زبان آوری کا مذاق تمام عرب میں تھا، تاہم بعض مخصوص قبائل ایسے تھے، جن کی زبان معتبر اور قابل اسناد سمجھی جاتی تھی، از آنجملہ قبیلہ مضر کی زبان زیادہ معتبر تھی، ان میں بھی قریش زیادہ فصیح اللسان مانے جاتے تھے، ان کی فصاحت کی سند اس سے بڑھ کر اور کیا ہو سکتی ہے کہ قرآن کریم جو فصاحت و بلاغت کا سرچشمہ ہے، قریش کی زبان میں اترا۔ خود آنحضرت ﷺ نے قریش کے فصیح اللسان ہونے کا تذکرہ فرمایا ہے کہ ”میں تم سب میں فصیح تر ہوں، اس لئے کہ میں قریش کے خاندان سے ہوں اور میری زبان بنی سعد کی زبان ہے۔“ قریش میں بڑے بڑے باکمال شعراء پیدا ہوئے، بلکہ خاص بنو ہاشم میں متعدد شعراء تھے، خلفائے اربعہ کو بھی شاعری کا ذوق تھا، چنانچہ ابن رشیق نے کتاب العمدہ میں ان کے اشعار بھی نقل کئے ہیں۔ ۳۔ قریش میں ذوق شاعری کے ساتھ ساتھ تعلیم کا بھی کچھ نہ کچھ رواج تھا، اگرچہ ان میں تعلیم عام نہ تھی تاہم ظہور اسلام کے وقت پڑھے لکھے اشخاص کی خاصی تعداد موجود تھی، چنانچہ حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ، حضرت عثمانؓ، ابو عبیدہؓ، طلحہؓ، یزید بن ابی سفیانؓ، ابو حذیفہ بن عتبہؓ، حاطب بن عمروؓ، ابوسلمہ بن عبدالاسدؓ، ابان ابن سعیدؓ، خالد بن سعیدؓ، عبداللہ بن سعدؓ، ابوسفیان بن حربؓ، امیر معاویہؓ وغیرہم اچھی طرح پڑھنا لکھنا جانتے تھے، یہ تعلیم صرف مردوں تک محدود نہ تھی، بلکہ مشہور عورتوں میں ام المومنین حضرت حفصہؓ لکھنا پڑھنا جانتی تھیں اور حضرت ام سلمہؓ ظرف پڑھ سکتی تھیں۔

لکھ نہیں سکتی تھیں، ان کے علاوہ قریش کی غیر معروف عورتیں مثلاً ام کلثوم بنت عقبہ، کریمہ بنت مقداد لکھنا جانتی تھیں، عائشہ بنت سعد نے تعلیم حاصل کی تھی۔ ۴۔

رفاہ عام کے کام..... قریش کی مذہبی سیادت کے علاوہ ان کے دوسرے اعمال بھی عام حجازیوں سے ان کو ممتاز کرتے تھے، جس سے ان کے معاصر قبائل میں ان کی قدر و منزلت زیادہ ہوتی تھی، چنانچہ اہل مکہ اور اس کے قرب و جوار کے قبائل کی آسائش کے خیال سے قریش کے خاندان نے متعدد کنوئیں مختلف مقامات پر کھدوائے تھے، اہل مکہ کی سب سے بڑی خدمت یہی تھی کہ اس بے آب و گیاہ زمین میں ان کے لئے آب شیریں مہیا کیا جائے، ان کے کنوؤں اور ان کے مالکوں کے نام کی تفصیل یہ ہے۔ ۵۔

۲۔ طبقات ابن سعد جلد ۱ ص ۷۱

۳۔ فتوح البلدان بلاذری ص ۴۷، ۴۸

۴۔ سیرۃ ابن ہشام جلد ۱ ص ۸۹

۱۔ بخاری جلد ۱ ص ۴۹۷

۲۔ کتاب العمدہ ص ۱۳، ۱۴

۵۔ بخاری جلد ۲ ص ۹۰۹

شہر مکہ کے اندرونی کنوئیں

نام شخص	نام کنوئیں	جگہ
عبد شمس ہاشم بن عبد مناف منطعم بن عدی بنو اسد ابن عبد العزی بنو عبد دار بنو حنظل بنو سہم بدر سجلہ سقیہ ام احراء سبلہ غمر	مکہ کے بالائی حصہ پر ابوطالب کی گھاٹی پر

مکہ کے بیرونی کنوئیں

مرہ بن کعب بنی کلاب بن مرہ	احرم خمر خم	
-------------------------------	----------------	--

اسلام کا ظہور..... قریش بلکہ پورے عرب پر جہالت کی گھٹائیں چھائی ہوئی تھیں کہ دفعۃً افق مکہ پر برق تجلی چمکی، نور حق کا اجالا تمام عرب میں پھیل گیا، ابھی آفتاب رسالت کی کرنیں پھوٹی ہی تھیں کہ خیرہ چشموں کی آنکھیں تاب نظارہ نہ لاسکیں اور ہر چہار جانب سے ظلم و تعدی کے بادل امنڈنے لگے کہ نور حق کی روشنی کو تاریکی میں چھپا دیں، یعنی آنحضرت ﷺ نے دعوت اسلام کی ابتدا ہی کی تھی کہ ہر طرف سے مخالفت کے طوفان اٹھنے لگے، مگر سیل صداقت برابر پھیلتا گیا، یہاں تک کہ ریگستان عرب کو رشک گلزار بنا دیا۔

آنحضرت ﷺ نے جب دعوت اسلام شروع کی تو ابتداءً مشرکین نے آپ کی تعلیم کو زیادہ اہمیت نہ دی، مگر رفتہ رفتہ جب دعوت کا حلقہ وسیع ہونے لگا، اور لوگ برابر دائرہ اسلام میں داخل ہونا شروع ہوئے، تو ان کو سخت تشویش پیدا ہوئی، اور اس کے استیصال کی تمام امکانات کو ششیں شروع کر دیں، وہ اشاعت اسلام سے زیادہ بیچ و تاب اپنے مذہب اور اپنے معبودوں کی مذمت پر کھاتے تھے، پہلے تو آنحضرت ﷺ کو خود سمجھاتے بھجاتے رہے مگر جب آپ پر اس پر کوئی اثر نہ ہوا اور آپ کی تبلیغی سرگرمی برابر جاری رہی، تو مجبوراً ان لوگوں کو ابوطالب کی طرف رجوع کرنا پڑا کہ وہ آپ کے کفیل تھے، چنانچہ عمائد قریش کا ایک وفد ان کے پاس گیا، اور اپنے ارادہ سے آگاہ کیا کہ تمہارا بھتیجا ہمارے معبودوں کو برا بھلا کہتا ہے، ہمارے مذہب کی مذمت کرتا ہے، ہمارے سمجھدار اشخاص کو بے شعور کہتا ہے اور ہمارے آباء و اجداد کو گمراہ بتاتا ہے، اس لئے یا تو تم

اس کو روکو ورنہ ہمارے حوالہ کردو، اس وقت ابوطالب نے خوش اسلوبی سے معاملہ کو رفع دفع کر دیا، مگر پھر مشرکین نے دیکھا کہ اس شکایت کا بھی کوئی اثر آنحضرت ﷺ پر نہ پڑا، اور آپ کے سابق طرز عمل میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی تو دوبارہ ابوطالب کے پاس آئے، اس مرتبہ ابو طالب نے آنحضرت ﷺ کو بہت سمجھایا کہ بیٹا چچا پر ناقابل برداشت بوجھ نہ ڈالو، اور اپنی قوم کی مخالفت چھوڑ دو، یہ سن کر آنحضرت ﷺ کو خیال پیدا ہوا کہ اب چچا ہماری طرف سے مدافعت نہیں کر سکتے، اور ان کی شفقت بھی ہمارا ساتھ چھوڑ دے گی، اس سے آپ بہت متاثر ہوئے، مگر اس بے بسی کے عالم میں بھی آبدیدہ ہو کر جواب دیا کہ چچا! خدا کی قسم اگر کفار میرے داہنے ہاتھ پر آفتاب اور بائیں پر ماہتاب رکھ دیں کہ میں اس فریضہ کو چھوڑ دوں، تو بھی نہیں چھوڑ سکتا، تا آنکہ اس میں ہلاک ہو جاؤں، یا کامیاب ہوں، اس جواب سے ابوطالب بہت متاثر ہوئے اور کہا کہ بیٹا! جاؤ جو جی میں آئے کرو، میں تم کو کسی حالت میں نہیں چھوڑوں گا۔ جب قریش کو ابو طالب کے اس فیصلہ کی اطلاع ہوئی، تو تیسری مرتبہ پھر آئے، مگر اس مرتبہ انہوں نے صاف جواب دے دیا، جب وہ لوگ اس طرف سے بالکل مایوس ہو گئے، تو آنحضرت ﷺ کو جاہ و ثروت کا لالچ دلانا شروع کیا کہ شاید اس سے وہ باز آجائیں، چنانچہ ابوالولید نے رؤسائے قریش کے مشورہ سے متعدد دنیاوی دلفریبیاں آپ کے سامنے پیش کیں، کہ اگر تم اپنے مذہب کی اشاعت سے مال جمع کرنا چاہتے ہو، تو ہم تمہارے لئے اس قدر مال جمع کر دیں، کہ تم ہم سب سے زیادہ دولت مند بن جاؤ، اور اگر سرداری کی خواہش ہے، تو تم کو اپنا سردار بنالیں اور اگر بادشاہی کی تمنا ہے، تو بادشاہ بنانے پر بھی تیار ہیں۔

جب تمام تر غیبات ابوالولید دے چکا، تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اب میری بھی کچھ سنو! یہ کہہ کر آپ نے سورہ حم سجدہ کی چند آیتیں تلاوت فرمائیں، عتبہ نہایت خاموشی اور تاثر سے سنتا رہا، جب سن چکا تو آپ نے فرمایا کہ یہ میرا جواب ہے۔

عتبہ جب یہاں سے اپنے ساتھیوں میں گیا تو وہ لوگ اس کا بدلہ ہوا رنگ دیکھ کر سرگوشیاں کرنے لگے کہ یہ تو وہ عتبہ نہیں معلوم ہوتے، جو یہاں سے بھیجے گئے تھے، سبھوں نے ماجرا پوچھا، انہوں نے کہا، میں نے عجیب و غریب کلام سنا ہے، خدا کی قسم! اس سے بہتر کلام آج تک میرے کانوں نے نہیں سنا، واللہ نہ وہ جادو ہے نہ وہ شعر ہے اور نہ وہ کہانت ہے، میری رائے ہے کہ تم اس شخص کو اس کی حالت پر چھوڑ دو، عجب نہیں کہ اس کا کلام غیبی آواز ہو، بالفرض اگر وہ کامیاب بھی ہو گیا تو اس کی بادشاہت تمہاری بادشاہت ہے، اور اس کی عزت تمہاری عزت ہے، اور اگر وہ ناکام رہا، تو عربوں کی کامیابی بھی تمہاری کامیابی ہے، عتبہ کے یہ خیالات سن کر لوگوں نے کہا کہ تم اس کی زبان سے مسکور ہو گئے ہو، عتبہ نے جواب دیا کہ جو کچھ بھی ہو، مگر یہ میری رائے ہے، آئندہ تم لوگ جو چاہو کرو۔

غرض جب ترغیب و ترہیب کوئی چیز کارگر نہ ہوئی اور آنحضرت ﷺ کسی طرح اپنے فریضہ سے دست کش نہ ہوئے بلکہ انہماک اور سرگرمی پہلے سے بھی زیادہ بڑھتی گئی اور قبائل قریش میں مسلمانوں کا زور افزوں اضافہ ہوتا گیا، اکابر قریش میں حضرت عمرؓ، اور حضرت حمزہؓ مشرف باسلام ہو چکے، تو مشرکین کا جنون اور تیز ہو گیا، اور شان نبوت میں طرح طرح کی گستاخیاں شروع کر دیں، کوئی آپ پر خاک ڈالتا، کوئی آپ کے دروازہ پر غلاطت ڈال جاتا، کوئی آپ کے برتنوں میں گندی چیزیں ڈال دیتا، امیہ بن خلف آپ کے چہرہ مبارک پر غلاطت پھینک دیتا، ایک مرتبہ آپ سجدہ میں تھے کہ عقبہ بن ابی معیط آپ کی گردن پر سوار ہو گیا، اور اس زور سے دبایا کہ آنکھیں نکل پڑیں، بعض مرتبہ یہ سنگ دل اس طرح سے گلا گھونٹتے کہ دم گھٹتے گھٹتے رہ جاتا، ایک مرتبہ قریش کچھ مشورہ کر رہے تھے، اتفاقاً آنحضرت ﷺ اس طرف سے گزرے، سمجھوں نے دوڑ کر گھیر لیا، اور پوچھا کہ کیا تم ہی ہمارے معبودوں کو برا کہتے ہو؟ آپ نے فرمایا کہ ہاں! میں ہی ہوں، اس پر ایک شخص نے مجمع سے نکل کر آپ کی چادر سے آپ کا گلا بڑی زور سے گھوٹنا شروع کیا، حضرت ابو بکرؓ موجود تھے، یہ درد ناک منظر نہ دیکھ سکے اور رو کر فرمانے لگے کہ کیا تم ایسے آدمی کی جان صرف اس بات پر لینے کو آمادہ ہو کہ وہ خدا کو ایک کہتا ہے۔

آنحضرت ﷺ کا خاندان قریش میں بہت معزز تھا، اس لئے ان مخالفوں کے باوجود آپ کے بہت سے حامی موجود تھے، آنحضرت ﷺ کے علاوہ دوسرے اکابر قریش جو مشرف باسلام ہو چکے تھے، ان کو بھی خاندانی عظمت اور وجاہت سے زیادہ نہ ستا سکتے تھے، اس لئے سارا غصہ ان غریب مسلمانوں پر ٹوٹتا تھا، جن کا کوئی یار و مددگار نہ تھا اور کفار بھوک پیاس، مار پیٹ ہر طرح سے ان غریب و خستہ حال مسلمانوں پر مظالم ڈھاتے۔ ان کی درندگی کی داستان صرف مار پیٹ پر ختم نہیں ہوتی، بلکہ مار پیٹ کے علاوہ نئے نئے انداز ستم ایجاد کرتے تھے۔

امیہ بن خلف حضرت بلالؓ کو چلچلاتی ہوئی دھوپ میں جب کہ مکہ کی زمین توڑے کی طرح تپتی ہوئی گرم ریت پر لٹاتا اور سینہ پر بھاری پتھر رکھ دیتا، کہ جنبش نہ کر سکیں، اور کہتا کہ محمدؐ سے توبہ کر کے لات وعزی کی پرستش کا اقرار کرو، ورنہ یوں ہی سسک سسک کر مر جاؤ گے مگر اس وقت بھی اس شیدائے رسالت کی زبان سے احدا حد کی صدا بلند ہوتی۔

حضرت عمار بن یاسرؓ بھی بے یار و مددگار تھے، اس لئے قریش کا دست ستم ان پر بھی دراز ہوتا اور ان کو دو پہر کے وقت انگاروں پر لٹاتے، پانی میں غوطہ دیتے، مگر زبان کلمہ حق سے نہ

۱۔ سیرۃ ابن ہشام جلد ۱ ص ۱۵۳، بخاری باب بنیان الکعبہ باب مبعث النبی میں یہی واقعہ تھوڑے تغیر کے ساتھ مذکور ہے۔

۲۔ سیرۃ ابن ہشام جلد ۱ ص ۷۰ و اسد الغار جلد ۱ ص ۲۰۶

پھرتی، ایک مرتبہ مشرکین ان کو انگاروں پر لٹا رہے تھے، کہ آنحضرت ﷺ اس طرف سے گزرے، اور آپ کے سر پر ہاتھ پھیر کر فرمایا۔ بانا رکھو بیوہ و سلا ما علی عمار کما کنت علی ابراہیم۔ اچھے ہونے کے بعد بھی ان کی پیٹھ پر زخم کے نشانات باقی تھے۔

حضرت خباب بن ارت بھی مشرکین کے ظلم و ستم کے شکار تھے وہ خود حضرت عمرؓ کو اپنی مظلومی کی داستان سناتے تھے کہ مشرکین انگارے دھکاتے اور مجھ کو پیٹھ کے بل لٹاتے، اور ایک شخص چھاتی پر پتھر رکھ کر جنبش نہ کرنے دیتا، اور اس عذاب میں اس وقت تک جتلا رہتا جب تک کہ خود میرے زخموں کی رطوبت آگ کو نہ بجھا دیتی۔

حضرت صہیبؓ بھی ان ہی بے کس لوگوں میں تھے جن کو ستا کر مشرکین دل ٹھنڈا کرتے تھے جب انہوں نے ہجرت کا ارادہ کیا، تو مشرکین نے کہا کہ تو ہمارے یہاں افلاس و فقر کی حالت میں آیا تھا، یہاں رہ کر دولت مند ہوا، اب چاہتا ہے کہ جان مال لے کر نکل جائے، ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا، انہوں نے فرمایا، اگر میں سب مال و متاع تم کو دے دوں تو مجھے جانے دو گے؟ انہوں نے کہا ہاں! انہوں نے سارا مال حوالہ کر دیا، آنحضرت ﷺ نے اس قربانی کی خبر سنی تو فرمایا۔ ”ربح صہیب ربح صہیب۔“ صہیب نفع مند رہے، صہیب نفع مند رہے۔

یہ تو مردوں کی مثالیں تھیں، ان اشقیاء کے دست ستم سے عورتیں بھی نہ بچ سکیں۔ حضرت سمیہؓ حضرت عمار بن یاسرؓ کی والدہ سابقات اسلام میں تھیں ان کو ابو جہل بہت ستاتا تھا، حتیٰ کہ نیزے سے زخمی کر کے شہید کر ڈالا۔

حضرت زینبہؓ دائرہ اسلام میں ابتدا ہی میں داخل ہوئیں، ابو جہل ان کو بہت اذیتیں دیتا تھا حضرت عمرؓ بھی قبل از اسلام ان کو بہت مارا کرتے تھے۔ ان ہی میں ایک خاتون لبینہؓ تھیں، منجملہ دیگر ضعفائے اسلام کے حضرت ابوبکرؓ نے ان کو بھی خرید کر آزاد کر دیا تھا۔

یہ تمام مہاجرین ضعفائے اسلام میں تھے، جن کا کوئی حامی و مددگار نہ تھا، اس لئے ان پر جو ستم ڈھاتے کم تھے جب کہ ان کی زد سے ذی وجاہت اور صاحب حیثیت لوگ نہ بچ سکے حضرت ابوبکرؓ زمانہ جاہلیت میں خاصی عمر کے تھے، اور اپنے قبیلہ میں معزز تھے، تاہم کسی مشرک نے آنحضرت ﷺ کی حمایت پر ان کی ڈاڑھی نوچ لی۔ بے حضرت عثمانؓ جب مشرف باسلام ہوئے، تو ان کے چچا حکم بن ابوالعاص رستی سے باندھتے اور کہتے کہ اب بھی اس نئے دین کو نہ چھوڑو گے۔

حضرت عمرؓ نے قبل از اسلام اپنی بہن فاطمہؓ اور بہنوئی سعید بن زیدؓ کو اسلام پر اس قدر مارا کہ ان کے چہرے سے خون کے فوارے چھوٹنے لگے۔ یہ مذکورہ بالا چند واقعات مثال کے طور پر لکھ دیئے گئے، ورنہ ان کی فہرست اس سے کہیں زیادہ طویل ہے۔

پہلی ہجرت یا مہاجرین کی پہلی جماعت

حبشہ کی پہلی ہجرت..... مظلوم مسلمان کفار کی سختیاں سہتے سہتے عاجز آ گئے تھے، نہ کفار کے خوف سے کہیں چل پھر سکتے تھے اور نہ عبادت کر سکتے تھے، اس لئے ان کو ایسی جائے پناہ کی تلاش تھی، جہاں وہ کچھ اطمینان و سکون حاصل کر سکیں، اس لئے آنحضرت ﷺ نے مشورہ دیا کہ تم لوگ فی الحال حبشہ کو ہجرت کر جاؤ، وہاں کا بادشاہ رحم دل اور منصف مزاج ہے، وہ تم کو آرام سے رکھے گا، اس قسم کے حکم کے لوگ منتظر ہی تھے، حکم پاتے ہی بڑی تعداد ہجرت کے لئے آمادہ ہو گئی اور مسلمانوں کا یہ پہلا مصیبت زدہ قافلہ راہ خدا میں غریب الوطن ہوا، یہ جماعت ذیل کے اشخاص پر مشتمل تھی، حضرت عثمان بن مظعونؓ رئیس قافلہ تھے۔

مرد	عورتیں
<p>حضرت عثمانؓ</p> <p>حضرت ابو حذیفہؓ</p> <p>حضرت زبیر بن عوامؓ</p> <p>حضرت مصعب بن عمیرؓ</p> <p>حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ</p> <p>حضرت ابوسلمہ بن عبدالاسدؓ</p> <p>حضرت عثمان بن مظعونؓ</p> <p>حضرت عامر بن ربیعہؓ</p> <p>حضرت ابوسبرہ بن ابی رہمؓ</p> <p>حضرت سہیل بن بیضاءؓ</p> <p>حضرت حاطب بن عمروؓ</p>	<p>حضرت رقیہؓ</p> <p>حضرت سہلہ بنت سہیلؓ</p> <p>حضرت ام سلمہؓ</p> <p>حضرت لیلیٰ بنت ابی شمسہؓ</p>

اس قافلہ کی روانگی کے بعد لوگ برابر ہجرت کرتے رہے، یہاں تک کہ حبشہ میں مسلمانوں کی کافی تعداد ہو گئی، اور بہت آرام و آسائش کی زندگی بسر کرنے لگے، مگر قریش مسلمانوں کا آرام و آسائش کب گوارا کر سکتے تھے۔

حبشہ سے مسلمانوں کے اخراج کی کوشش..... اس لئے نجاشی کے پاس ایک وفد ہدایا و تحائف کے ساتھ بھیجا کہ وہ کسی نہ کسی طرح پناہ گزین مسلمانوں کو وہاں سے نکال دے، اس وفد کے ارکان میں عبداللہ بن ربیعہ اور عمرو بن العاص تھے، یہ دونوں حبش پہنچے، اور نجاشی کے دربار میں حاضری سے قبل پہلے درباری بطریقوں سے ملے اور فردا فردا ہر ایک کو تحفہ دے کر کہا کہ ہماری قوم کے چند سادہ لوح لونڈوں نے اپنا آبائی مذہب چھوڑ کر ایک نیا دین اختیار کر لیا ہے، جو ہمارے اور تمہارے دونوں کے مذہب سے مختلف ہے اور وہ اپنے وطن سے بھاگ کر نجاشی کی حکومت میں پناہ گزین ہوئے ہیں، ہم ان کو پکڑنے آئے ہیں، اس لئے آپ لوگوں کی خدمت میں ہماری درخواست ہے کہ جس وقت ہم بادشاہ سلامت کے حضور میں عرض گزار ہوں تو برائے مہربانی آپ لوگ ہماری تائید فرمائیں، اور ان کو مشورہ دیں کہ ہمارے مفروضین ہمارے حوالہ کر دیئے جائیں، اس کے بعد نجاشی کی خدمت میں باریاب ہو کر ہدایا پیش کئے اور عرض کیا کہ ہمارے چند سادہ لوح لڑکوں نے اپنا آبائی مذہب چھوڑ کر ایک نیا مذہب ایجاد کیا ہے، جو ہمارے اور آپ دونوں کے مذہب سے مختلف ہے، اس لئے ہم عرض گزار ہیں کہ ان کو ہمارے حوالہ کر دینے کا حکم صادر فرمایا جائے بطارقہ کو پہلے ہی ہموار کر لیا تھا، اس لئے انہوں نے پرزور طریقہ سے تائید کی کہ بے شک یہ لوگ ان لڑکوں کی بہ نسبت زیادہ تجربہ کار اور ان کے واقف کار ہیں، اس لئے ان کا حوالہ کر دینا ہی مناسب ہے۔

نجاشی کا جواب..... نجاشی یہ درخواست سن کر بہت برہم ہوا، اور کہا کہ جب تک میں ان لوگوں کو بلا کر خود تحقیقات نہ کر لوں گا، اس وقت تک میں اپنے مہمان اور پناہ گزینوں کو ہرگز حوالہ نہیں کر سکتا، البتہ اگر وہ تمہارے بیان کے مطابق ہیں، تو مجھے حوالہ کرنے میں کوئی عذر نہ ہوگا، اور اگر ایسا نہیں ہے، تو تم لوگ کسی طرح ان کو نہیں لے جا سکتے، اور وہ جب تک ہماری پناہ میں رہیں گے، آزادی سے رہ سکیں گے۔

نجاشی کا مسلمانوں کو تحقیق حال کے لئے طلب کرنا..... چنانچہ نجاشی نے مسلمانوں کو بلایا چونکہ یہ واقعہ ان لوگوں کے لئے بالکل نیا تھا، اس لئے بہت گھبرائے اور سوچنے لگے کہ کیا جواب دینا چاہئے مگر آخر میں یہ فیصلہ کیا کہ جو کچھ واقعہ ہے صحیح بیان کر دیں گے، خواہ نتیجہ کچھ بھی ہو۔

جب یہ لوگ حاضر ہوئے، تو نجاشی نے پوچھا کہ تمہارا کون سا دین ہے جس کے باعث تم نے آبائی مذہب کو چھوڑ دیا، اور وہ تمہارا جدید مذہب، ہم سب لوگوں کے مذہب سے نرالا ہے؟ اس کا جواب حضرت جعفرؓ نے ایک مختصر تقریر میں دیا۔

حضرت جعفرؓ کی تقریر..... ایہا الملک، ہم جاہل قوم تھے بتوں کو پوجتے تھے، مردار خوار تھے، فواحش میں مبتلا تھے، قطع رحم کرتے تھے، پڑوسیوں کے ساتھ برابر تاؤ رکھتے تھے، ہمارا زبردست زبردست کو کھا جاتا تھا، ہماری یہ حالت تھی کہ ہم میں خدا نے ایک ایسا پیغمبر مبعوث کیا۔ جس کے صدق، عفاف، امانت اور نسب کو ہم جانتے ہیں، اس نے ہم کو خدائے واحد کی طرف بلایا کہ ہم صرف اسی کی پرستش کریں اور اپنے اور اپنے آباؤ کے اصنام کی پرستش چھوڑ دیں، اس نے ہم کو خدائے واحد کی طرف بلایا کہ ہم صرف اس کی پرستش کریں، اس نے ہم کو سچ بولنے، امانت ادا کرنے، صلہ رحمی کرنے، پڑوسیوں کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آنے، حرام باتوں اور خونریزی سے محترز رہنے کا حکم دیا، اور فواحش سے جھوٹ بولنے سے، یتیم کا مال کھانے سے، عقیقہ عورتوں پر تہمت لگانے سے منع کیا، اور خدائے واحد کی تنہا عبادت کا حکم دیا کہ اس میں کسی کو شریک نہ کریں اور صوم و صلوٰۃ اور زکوٰۃ کا حکم دیا، ہم نے اس کو مانا اور اس پر ایمان لائے، اب جب کہ ہم نے شرک چھوڑ کر خدا پرستی اختیار کی اور حلال کو حلال اور حرام کو حرام جانا، اس پر ہماری قوم ہماری دشمن ہو گئی، اور ہم کو طرح طرح کی تکلیفیں پہنچانے لگی، کہ ہم خدا پرستی کو چھوڑ کر اصنام پرستی شروع کر دیں۔

نجاشی کا آیات قرآنی متاثر سے ہونا اور اسلام کی حقانیت کا اعتراف..... نجاشی نے کہا، خدا کا کلام تم کو کچھ یاد ہے؟ حضرت جعفرؓ نے کہا ہاں! نجاشی نے سننے کی خواہش کی، حضرت جعفرؓ نے کھبے عص کا تھوڑا سا ابتدائی حصہ سنایا، جس کو سن کر نجاشی اور اس کے درباری اسقف اس قدر متاثر ہوئے کہ روتے روتے ڈاڑھیاں تر ہو گئیں، نجاشی نے کہا کہ یہ اور عیسیٰ کا لایا ہوا مذہب ایک ہی چراغ کے دو پرتو ہیں۔

وفد مشرکین کی ایک چال..... اور عمرو بن العاص اور عبد اللہ بن ابی ربیعہ سے کہا کہ تم دونوں چلے جاؤ، یہ لوگ کسی طرح تمہارے حوالہ نہیں کئے جاسکتے، جب یہ دونوں اس طرح ناکام ہوئے، تو ایک دوسری تدبیر سوچی وہ یہ کہ نجاشی کے سامنے مسلمانوں سے حضرت عیسیٰ کے متعلق ان کا عقیدہ دریافت کیا جائے، عیسائی ان کو ابن اللہ کہتے ہیں اور مسلمان عبد اللہ بتائیں گے، ان کے اس عقیدہ کا اثر نجاشی پر پڑے گا، غرض دوسرے دن عمرو بن العاص نے نجاشی سے کہا کہ یہ لوگ حضرت عیسیٰ کے متعلق بہت غلط عقیدہ رکھتے ہیں، اور ان کی شان میں ناروا الفاظ استعمال کرتے ہیں، ہمارے اس قول کی تصدیق آپ ان کو بلا کر کر سکتے ہیں، یہ آزمائش پہلے سے بھی زیادہ سخت تھی، تاہم ان لوگوں نے یہی فیصلہ کیا کہ قرآن میں جو کچھ حضرت عیسیٰ کے متعلق مذکور ہے، وہی نجاشی کے سامنے بیان کریں گے، خواہ اس کا نتیجہ خراب ہی کیوں نہ نکلے۔

مسلمانوں کی دوبارہ طلبی اور وفد کی ناکامی..... غرض کہ یہ لوگ دربار میں بلائے گئے، نجاشی نے سوال کیا کہ عیسیٰ کے متعلق کیا عقیدہ رکھتے ہو؟ حضرت جعفرؓ نے جواب دیا کہ ہماری کتاب کے رو سے وہ خدا کے بندے اور اس کے رسول اور اس کی روح تھے، نجاشی نے زمین پر ہاتھ مار کر ایک تنکا اٹھایا اور کہا کہ جو تم کہتے ہو، حضرت عیسیٰؑ اس تنکے سے ذرہ برابر بھی زیادہ نہیں تھے، اس پر بطارقہ بہت زیادہ چینیں بچیں ہوئے اور قریش کی سفارت ناکام رہی۔

مہاجرین حبشہ کی واپسی..... ابھی مہاجرین حبشہ میں کچھ ہی دن رہے تھے کہ ان کو اہل مکہ کے اسلام کی غلط خبر ملی، اس خبر سے فطرتاً ان کو وطن لوٹنے کا شوق پیدا ہوا کہ اب وہاں بھی امن و امان نصیب ہوگا، اس خیال سے یہ لوگ مکہ روانہ ہو گئے، مگر مکہ کے قریب پہنچ کر معلوم ہوا کہ یہ خبر غلط تھی، اب یہ لوگ بڑی محنت میں پڑے، نہ پائے رفتن نہ جائے ماندن، لیکن بالآخر یہ سب کسی نہ کسی کی امان میں داخل ہو گئے، البتہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ ایک دن ٹھہر کر واپس چلے گئے۔

دوسری ہجرت

حبشہ کی دوسری ہجرت..... مہاجرین مکہ میں قیام پذیر تو ہو گئے، مگر مشرکین مکہ ان کو کب چین لینے دیتے، بالخصوص اس وجہ سے اور چلے ہوئے تھے کہ قریش کی سفارت مہاجرین کے مقابلہ میں دربار حبشہ سے ناکام واپس ہوئی تھی، اور مہاجرین وہاں آرام و اطمینان کی زندگی بسر کرتے تھے، اس لئے پھر پہلے کی طرح بلکہ اس سے بھی زیادہ ایذا رسانی شروع کر دی، اس لئے آنحضرت ﷺ نے دوبارہ ہجرت حبشہ کی اجازت دے دی، مگر اس مرتبہ پہلی ہجرت کی طرح آسانی سے قافلہ چلا جانا دشوار تھا، کفار نے سخت مزاحمت کی، طرح طرح کی رکاوٹیں ڈالنا شروع کیں، تاہم ۸۳ مرد اور ۲۰ عورتوں کا قافلہ کسی نہ کسی طرح حبشہ روانہ ہو گیا۔

اکثر کے اسمائے گرامی حسب ذیل ہیں۔

نمبر شمار	نام	نمبر شمار	نام
۱	حضرت عثمان بن عفانؓ	۴	حضرت شجاع بن وہبؓ
۲	حضرت ابو حذیفہؓ	۵	حضرت عتبہ بن غزوہؓ
۳	حضرت عبداللہ بن جحشؓ	۶	حضرت طلیب بن عمیرؓ

۱۔ یہ واقعات سیرۃ ابن ہشام جلد اسناد احمد بن حنبل جلد ۱ ص ۲۰۲، ۲۰۳ میں مفصل مذکور ہیں۔ ۱۲ منہ

۲۔ طبقات ابن سعد جز اول قسم اول ص ۱۳۸

نمبر شمار	نام	نمبر شمار	نام
۷	حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ	۳۵	حضرت خراس بن نصرؓ
۸	حضرت عبداللہ بن مسعودؓ	۳۶	حضرت جہم بن قیسؓ
۹	حضرت مقداد بن عمروؓ	۳۷	حضرت ابوقلیبہؓ
۱۰	حضرت ابوسلمہ بن عبدالاسدؓ	۳۸	حضرت مطلب بن ازہرؓ
۱۱	حضرت معتب بن عوفؓ	۳۹	حضرت عتبہ بن مسعودؓ
۱۲	حضرت عامر بن ربیعہؓ	۴۰	حضرت شریح بن حسنہؓ
۱۳	حضرت حمیس بن حذافہؓ	۴۱	حضرت حارث بن خالدؓ
۱۴	حضرت عثمان بن مظعونؓ	۴۲	حضرت عمرو بن عثمانؓ
۱۵	حضرت عبداللہ بن مظعونؓ	۴۳	حضرت عباس بن ابی ربیعہؓ
۱۶	حضرت قدامہ بن مظعونؓ	۴۴	حضرت ہاشم بن ابوحنیفہؓ
۱۷	حضرت سائب بن عثمانؓ	۴۵	حضرت ہبار بن سفیانؓ
۱۸	حضرت ابوسبرہ بن ابی رہمؓ	۴۶	حضرت عبداللہ بن سفیانؓ
۱۹	حضرت عبداللہ بن محرمہؓ	۴۷	حضرت معمر بن عبداللہؓ
۲۰	حضرت حاطب بن عمروؓ	۴۸	حضرت عبداللہ بن حذافہؓ
۲۱	حضرت عبداللہ بن سہلؓ	۴۹	حضرت قیس بن حذافہؓ
۲۲	حضرت سعد بن خولہؓ	۵۰	حضرت ہشام بن عاصؓ
۲۳	حضرت ابو عبیدہ بن جراحؓ	۵۱	حضرت ابوقیس بن حارثؓ
۲۴	حضرت سہیل بن بیضاءؓ	۵۲	حضرت سائب بن حارثؓ
۲۵	حضرت معمر بن ابی سرحؓ	۵۳	حضرت حجاج بن حارثؓ
۲۶	حضرت عیاض بن زہیرؓ	۵۴	حضرت تمیم بن حارثؓ
۲۷	حضرت جعفر بن ابی طالبؓ	۵۵	حضرت سعید بن حارثؓ
۲۸	حضرت خالد بن سعیدؓ	۵۶	حضرت سعید بن عمروؓ
۲۹	حضرت معقیب بن ابی فاطمہؓ	۵۷	حضرت حمیہ بن جزءؓ
۳۰	حضرت خالد بن حزامؓ	۵۸	حضرت حاطب بن حارثؓ
۳۱	حضرت اسود بن نوفلؓ	۵۹	حضرت خطاب بن حارثؓ
۳۲	حضرت عمرو بن امیہؓ	۶۰	حضرت سفیان بن معمرؓ
۳۳	حضرت یزید بن زمعہؓ	۶۱	حضرت خالد بن سفیانؓ
۳۴	حضرت ابوالروم بن عمیرؓ	۶۲	حضرت جنادہ بن سفیانؓ

نمبر شمار	نام	نمبر شمار	نام
۶۳	حضرت غیبہ بن عثمانؓ	۶۶	حضرت مالک بن زمعہؓ
۶۴	حضرت سلیط بن عمروؓ	۶۷	حضرت عمرو بن حارثؓ
۶۵	حضرت سکران بن عمروؓ	۶۸	حضرت عثمان بن عبد غنمؓ

نمبر شمار	نام	نمبر شمار	نام
۱	حضرت سودہ بنت زمعہؓ	۱۱	حضرت ام کلثوم اسماء بنت عمیسؓ
۲	حضرت فاطمہ بن علقمہؓ	۱۲	حضرت فاطمہ بنت عمیسؓ
۳	حضرت عمیرہ بن سعدیؓ	۱۳	حضرت امینہ بنت خلفؓ
۴	حضرت حسنہ ام شریکؓ	۱۴	حضرت خزیمہ بنت جہمؓ
۵	حضرت حبیبہ بنت ابوسفیانؓ	۱۵	حضرت ام حرمہؓ
۶	حضرت ام سلمہ بنت ابی سلمہؓ	۱۶	حضرت فاطمہ بنت مجللؓ
۷	حضرت ربطہ بنت حارثؓ	۱۷	حضرت فکیہہ بنت یسارؓ
۸	حضرت رملہ بنت ابی عوفؓ	۱۸	حضرت برکہ بنت یسارؓ
۹	حضرت لیلیٰ بنت ابی حمزہؓ	۱۹	حضرت اسماء بنت عمیسؓ
۱۰	حضرت سہلہ بنت سہیلؓ		

غریب مسلمانوں کو خانمان برباد کرنے کے بعد بھی قریش کی آتش غضب نہ ٹھنڈی ہوئی، چنانچہ آنحضرت ﷺ کو اور آپؐ کی حمایت کے جرم میں بنو ہاشم کا مقاطعہ کر دیا، اور ایک معاہدہ مرتب کیا، جس کی رو سے بنو ہاشم کے ساتھ ہر قسم کے تعلقات جرم قرار دیئے گئے، اس ظالمانہ معاہدہ کے بعد بنو ہاشم شعب ابی طالب میں پناہ گزین ہو گئے، اور تین سال تک قید و بند میں گزارے، بالآخر قریش کے ایک نرم دل آدمی ہشام بن عمرو کو بنو ہاشم کی بے کسی پر رحم آیا، اور انہوں نے چند معززین کی تائید سے اس معاہدہ کو منسوخ کر کے چاک کر ڈالا، اور ہاشمیوں کو قید تنہائی سے نجات ملی۔

حضرت ابوطالب اور حضرت خدیجہؓ کا انتقال..... اس معاہدہ کی تیغ کو تھوڑے ہی دن ہوئے تھے، کہ آنحضرت ﷺ کے حامی اور چہیتے چچا ابوطالب کا انتقال ہو گیا، اس سانحہ کے تقریباً سوا مہینہ بعد ام المومنین حضرت خدیجہؓ نے بھی داغ مفارقت دیا، اور دواڑھائی مہینہ کے اندر اندر آنحضرت ﷺ کے دونوں محافظ اٹھ گئے۔

قریش کی ایذا رسالی..... اب قریش کے لئے کوئی رکاوٹ باقی نہ رہی؟ ابوطالب کی حمایت اور حضرت خدیجہ کا تمول اور ان کی وجاہت سب ختم ہو چکے تھے، اس لئے ان کو دل کھول کر بھڑاس نکالنے کا موقع ملا، اور انہوں نے کسی ممکن ایذا رسالی سے دریغ نہ کیا، ان میں اکثر واقعات اوپر گزر چکے ہیں ایک مرتبہ ایک گستاخ نے مٹی لا کر فرق مبارک پر جھونک دی، آپ اسی حالت میں گھر تشریف لائے، ایک صاحبزادی نے اس حالت میں دیکھا تو زار و قطار رونے لگیں، سر سے مٹی دھونی جاتی تھیں اور آنسو بہتے جاتے تھے، سرور عالم ﷺ تشریف دیتے تھے کہ جان پدر مت رو، خدا تمہارے باپ کو کفار کی دراز دستیوں سے روکنے والا ہے، اس موقع پر آپ نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ ابوطالب کی زندگی تک قریش میرے ساتھ کوئی ناروا سلوک نہ کر سکے۔ تبلیغ اسلام اور طائف کا سفر..... ابوطالب اور حضرت خدیجہ کے انتقال کے بعد مشرکین مکہ کے جو رستم نے سرزمین حرم آنحضرت ﷺ کے لئے تنگ کر دی، اس لئے آپ نے زید بن حارثہ کی معیت میں طائف کا رخ کیا، کہ شاید وہاں کچھ بندگان خدا توحید کی صدا پر لبیک کہیں، چنانچہ طائف پہنچ کر سرداران ثقیف کے سامنے اسلام پیش کیا، لیکن جواب کیا ملتا ہے؟ کیا خدا نے تم کو بھیجا ہے؟ کیا خدا کو تمہارے علاوہ دوسرا پیغمبر نہیں ملا؟ خدا کی قسم! ہم تم سے بات نہیں کر سکتے، کیونکہ اگر تم پیغمبر ہو جیسا کہ تمہارا خیال ہے، تو تم سے گفتگو کرنے میں بڑا خطرہ ہے اور اگر جھوٹے ہو، تو قابل التفات نہیں۔ آپ یہ جواب سن کر ایک گونہ مایوس ہو گئے، تاہم دس دن ٹھہر کر قبیلہ ثقیف کے ایک ایک سربر آوردہ شخص سے ملے، لیکن سب نے جواب دیا کہ محمد ہمارے یہاں سے نکل جاؤ، اور جہاں تمہاری آواز سننے والے ہوں وہاں جاؤ، صرف اس جواب پر اکتفا نہیں کیا، بلکہ کچھ اوباشوں کو پیچھے لگا دیا، جنہوں نے ذات اقدس پر سنگ باری شروع کر دی، اور اس قدر پتھر برسائے کہ آپ کے دونوں پاؤں زخموں سے چور ہو گئے، زید بن حارثہ آپ کو بجاتے تھے، اس مہافت میں وہ بھی زخمی ہوئے۔ ۳

مکہ کی واپسی اور مطعم بن عدی کی امان..... غرض اس طرح آپ وہاں سے مغموم و ناکام واپس ہوئے، راستہ میں زید ابن حارثہ نے گزارش کی کہ مکہ میں ہم کس طرح رہ سکتے ہیں، جب کہ قریش ہمارے نکالنے پر تلے ہوئے ہیں، آپ نے فرمایا کہ خدا اپنے مذہب کا حافظ و ناصر ہے، وہ خود ہماری حفاظت کا سامان کرے گا، چنانچہ خدا نے آپ کی حفاظت کا سامان کیا، اور مطعم بن عدی نے اپنی پناہ میں لے کر عام اعلان کر دیا کہ میں نے محمد ﷺ کو پناہ دی، اس لئے کوئی آپ کے ستانے کا ارادہ نہ کرے اور آپ اطمینان سے ان کے گھر میں رہنے لگے۔ ۴

مطعم بن عدی کا گھر اور تبلیغ اسلام..... اسلام اور بانی اسلام (ﷺ) کے خلاف غیظ و

۱۔ سیر ذابن ہشام جلد ۱ ص ۲۲۷ ۲۔ ایضاً ص ۳۳۹، زید بن حارثہ کا نام طبقات میں ہے۔

۳۔ ابن سعد حصہ سیرہ ص ۱۴۲

۴۔ ابن سعد حصہ سیرہ ص ۱۴۲

غضب کا جو طوفان اٹھا تھا، وہ طائف سے واپسی کے بعد پہلے سے بھی زیادہ تند ہو گیا، لیکن آنحضرت ﷺ سے مطلق خوف زدہ اور مایوس نہ ہوئے، بلکہ مطعم بن عدی کے گھر میں بیٹھ کر اور قبائل کا دورہ کر کے بدستور اشاعت اسلام فرماتے رہے، اور اجتماع کا کوئی موقع ایسا نہ چھوڑا جس میں خدا کا پیغام نہ پہنچایا ہو، حج کے موسم میں حجاج کے فرو دگا ہوں پر بالخصوص عکاظ، مجنہ، اور ذوالعکاظ کے بازاروں میں، غرض جہاں کہیں خدا کے کچھ بندے یکجا ہوتے، وہاں آپ ان کے کانوں تک اس کا پیغام پہنچا دیتے، پورے دس سال تک آپ اس فرض نبوت کو نہایت جانفشانی اور تندی کے ساتھ ادا کرتے تھے، جن قبائل میں آپ نے گشت لگا کر پیغام خداوندی پہنچایا، ان کی فہرست حسب ذیل ہے۔

بنو عامر، بنو محارب، بنو فزارہ، غسان، مرہ، حنیفہ، سلیم، عیس، بنو نضر، بکا، کندہ کعب، حارث بن کعب، غدرہ، حضارہ لیکن اس دعوت کا مشترک جواب یہ ملتا کہ آدمی کا قبیلہ اس آدمی کے حالات زیادہ جانتا ہے، یعنی جب قریش نے تمہاری دعوت کو مسترد کر دیا، تو دوسرے کیوں قبول کریں گے۔ تبلیغ کا اثر قبائل پر..... اگرچہ عرب کے تمام قبائل میں اسلام کے خلاف یکساں فضا تھی، تاہم انفرادی طور پر ان میں ایسے نفوس صالحہ موجود تھے، جن کی فطرت سلیمہ دعوت حق سننے پر مستعد تھی، اور ان کے قلب سلیم کا عارضی رنگ تھوڑی کوشش سے دور ہو سکتا تھا، چنانچہ کفر و ضلالت کے بیابان میں توحید کی آواز بالکل بے اثر نہ رہی، بلکہ بہترے قبائل میں اسلام کا خاصا پر تو پڑا، ان قبائل اور ان کے ان مقدس نفوس کا اجمالی خاکہ ذیل میں درج کیا جاتا ہے، اس سے اندازہ ہوگا کہ ہجرت کے قبل مکہ کی زندگی میں اسلام نے کن کن قبائل کو متاثر کیا۔

نام قبیلہ یا بطن	اسمائے گرامی
بنو ہاشم	حضرت حمزہ بن عبدالمطلبؑ حضرت جعفر بن ابوطالبؑ حضرت علی بن ابوطالبؑ
موالی ہاشم	حضرت آنسہؑ مولیٰ آنحضرت ﷺ حضرت ابو کبشہ مولیٰ آنحضرت ﷺ حضرت زید بن حارثہ مولیٰ آنحضرت ﷺ
بنو مطلب	حضرت عبیدہ بن حارثؑ حضرت طفیل بن حارثؑ حضرت ابو مرثد غنویؑ
بنو مطلب کے حلیف	حضرت مرثد بن ابی مرثدؑ

اسمائے گرامی	نام قبیلہ یا بطن
حضرت عثمان بن عفانؓ	بنو عبد شمس
حضرت خالد بن سعیدؓ	
حضرت عبد اللہ بن جحشؓ	بنو شمس کے حلیف
حضرت ابواحمد بن جحشؓ	
حضرت عکاشہ بن محسنؓ	
حضرت شجاع بن وہبؓ	
حضرت عقبہ بن وہبؓ	بنو شمس کے حلیف
حضرت عتبہ بن غزوہؓ	بنو نوفل کے حلیف
حضرت زبیر بن عوامؓ	بنو اسد بن عبد العزی
حضرت حاطب بن ابی بلتعہؓ	بنو اسد کے حلیف
حضرت مصعب بن عمیرؓ	بنو عبد دار
حضرت طلیب بن عمیرؓ	بنو عبد بن قصی
حضرت عبد الرحمن بن عوفؓ	بنی زہرہ بن کلاب
حضرت سعد بن ابی وقاصؓ	
حضرت طلیب بن ازہرؓ	
حضرت عبد اللہ صقرؓ	
حضرت عبد اللہ بن شہابؓ	
حضرت عامر بن ابی وقاصؓ	
حضرت مطلب بن ازہرؓ	
حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ	بنی زہرہ کے حلیف
حضرت مقداد بن عمرؓ	
حضرت خباب بن ارتؓ	
حضرت مسعود بن ربیعؓ	
حضرت عقبہ بن مسعودؓ	
حضرت شریک بن حبیلؓ	
حضرت ابو بکر صدیقؓ	بنو تیم بن مرہ
حضرت طلحہ بن عبید اللہؓ	
حضرت عامر بن فہیرہ خادم صدیق اکبرؓ	
حضرت حارث بن خالدؓ	

حضرت عمرو بن عثمانؓ	بنو تميم بن مرہ
حضرت ابوسلمہ بن عبدالاسدؓ	بنو مخزوم بن یقطہ
حضرت ارقم بن ارقمؓ	
حضرت شماس بن عثمانؓ	
حضرت عیاش بن ابی ربیعہؓ	
حضرت سلمہ بن ہشامؓ	
حضرت ہاشم بن ابو حذیفہؓ	
حضرت ہبار بن سفیانؓ	
حضرت عبداللہ بن سفیانؓ	
حضرت عمار بن یاسرؓ	بنو مخزوم کے حلیف
حضرت مصعب بن عوفؓ	
حضرت عمر بن الخطابؓ	بنو عدی
حضرت زید بن خطابؓ	
حضرت سعید بن زیدؓ	
حضرت عبداللہ بن عمرؓ	
حضرت عمرو بن سراقہؓ	بنو عدی
حضرت نعم النجاشی بن عبداللہؓ	
حضرت معمر بن عبداللہؓ	
حضرت عدی بن نضلہؓ	
حضرت عروہ بن ابی اثاثہؓ	
حضرت مسعود بن سویدؓ	
حضرت عبداللہ بن سراقہؓ	
حضرت عامر بن ربیعہؓ	حلیف بنو عدی
حضرت عاقل بن ربیعہؓ	
حضرت خالد بن ربیعہؓ	
حضرت ایاس بن ربیعہؓ	
حضرت عامر بن ربیعہؓ	
حضرت خولی بن ابی خولیؓ	
حضرت کج بن صالح غلام عمر بن خطابؓ	

بنو سہم

حضرت حمیس بن حذافہؓ
 حضرت عبداللہ بن حذافہؓ
 حضرت ہشام بن عاصؓ
 حضرت ابوقیس بن حارثؓ
 حضرت عبداللہ بن حارثؓ
 حضرت سائب بن حارثؓ
 حضرت حجاج بن حارثؓ
 حضرت تمیم بن حارثؓ
 حضرت سعید بن حارثؓ
 حضرت سعید بن عمروؓ
 حضرت عثمان بن مظعونؓ
 حضرت عبداللہ بن مظعونؓ
 حضرت قدامہ بن مظعونؓ
 حضرت سائب بن عثمانؓ
 حضرت معمر بن حارثؓ
 حضرت خطاب بن حارثؓ
 حضرت سفیان بن معمرؓ
 حضرت خالد بن سفیانؓ
 حضرت جنادہ بن سفیانؓ
 حضرت عتبہ بن عثمانؓ
 حضرت ابوسبرہ بن ابی رہمؓ
 حضرت عبداللہ بن مخرمہؓ
 حضرت حاطب بن عمروؓ
 حضرت عبداللہ بن سہیلؓ
 حضرت عمیر بن عوفؓ
 حضرت وہب بن سعدؓ
 حضرت سلیط بن عمروؓ
 حضرت سکران بن عمروؓ
 حضرت مالک بن زمعہؓ

بنی محم بن عمرو

بنو عامر بن لوئی

حضرت ابو عبیدہ بن جراحؓ	بنو فہر بن مالک
حضرت سہیل بن بیضاءؓ	
حضرت معمر بن ابی سرخؓ	
حضرت عیاض بن زہیرؓ	
حضرت عمرو بن حارثؓ	
حضرت عثمان بن عبد غنمؓ	
حضرت سعید بن عبد قیسؓ	بنو اسد بن عبد العزی
حضرت خالد بن حزامؓ	
حضرت اسود بن نوفلؓ	
حضرت عمرو بن امیہؓ	
حضرت یزید بن زمعہؓ	
حضرت ابوالروم بن عبیرؓ	بنو عبد ٰر بن قصی
حضرت فراس بن نصرؓ	
حضرت جہم بن قیسؓ	
حضرت ابو فکیہؓ	بنو عبد بن قصی کے حلیف
حضرت حمیہ بن جزاءؓ	بنی سعد کے حلیف
حضرت معیقب بن ابی فاطمہ دوسیؓ	قبیلہ دوس
حضرت طفیل بن عمرو دوسی رئیس قبیلہؓ	

قبیلہ دوس کی خواہش..... جب کہ مکہ میں چاروں طرف مشرکین کی یورش اور دشمنان اسلام کا نرغہ تھا، اس وقت بھی اطراف مکہ کے وہ قبائل جن پر اسلام کا پر تو پڑ چکا تھا، ذات نبویؐ کی حمایت اور امداد پر آمادہ تھے، چنانچہ قبیلہ دوس جو مستحکم قلعہ کا مالک تھا، اس کے سردار طفیل بن عمروؓ نے خواہش کی آنحضرت ﷺ یہاں ہجرت کر آئیں، لیکن آپؐ نے انکار کر دیا۔ اسی طریقہ سے ایک ہمدانی نے آپؐ کی حفاظت پر آمادگی ظاہر کی۔ لیکن بغیر آپؐ حکم الہی کے مجبور تھے۔

مدینہ کا خواب..... بالآخر جس چیز کا انتظار تھا، آنحضرت ﷺ کو عالم رویا میں اس کا مشاہدہ کرا دیا گیا، اور آپؐ نے خواب دیکھا کہ مکہ سے کھجوروں والی زمین میں ہجرت کر رہے ہیں، اس

۱۔ مسلم جلد ۱ باب الدلیل علی ان قاتل نفسہ لایکفر۔

۲۔ مستدرک حاکم جلد ۲ ص ۲۱۳

سے آپؐ یمامہ یا ہجر سمجھے، لیکن درحقیقت یہ یثرب کی بابرکت زمین تھی۔ اہل مدینہ کا قبول اسلام..... اوپر گزر چکا ہے کہ آنحضرت ﷺ حج کے موسم میں حجاج میں تبلیغ اسلام فرماتے تھے، اس سلسلہ میں آپؐ کو چند خزر جی اشخاص ملے، آپؐ نے ان کے سامنے اسلام پیش کیا، ان کا آئینہ قلب اس کے پہلے ہی عکس میں توحید کے پرتو سے چمک اٹھا، البتہ ان کی تعداد اور اولیت میں اختلاف ہے کہ پہلی مرتبہ کتنے لوگ مشرف باسلام ہوئے اور وہ کون کون لوگ تھے، ان کی تعداد باختلاف روایت ۲، ۶، ۸ ہے، لیکن ۶ کی روایت مرجح ہے، اور اس صورت میں واقعہ کی صورت یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کو موسم حج میں بنونجار کے کچھ آدمی ملے، آپؐ نے دریافت فرمایا کہ تم یہود کے حلیف ہو؟ انہوں نے اثبات میں جواب دیا، آپؐ نے اسلام پیش کیا، اور قرآن کی چند آیتیں تلاوت فرمائیں، اور وہ لوگ مشرف باسلام ہو گئے۔

ان کے اسمائے گرامی حسب ذیل ہیں۔ ۱۔

حضرت عوف بن حارثؓ

حضرت اسعد بن زرارہؓ

حضرت قطبہ بن عامرؓ

حضرت رافع بن مالکؓ

حضرت جابر بن عبد اللہؓ

حضرت عقبہ بن عامرؓ

انصارؓ کی پہلی بیعت..... دوسرے سال موسم حج میں خزر ج کے بارہ آدمی آئے، اور آنحضرت ﷺ کے دست مبارک پر بیعت کی، یہ بیعت جہاد نہ تھی، بلکہ چند اخلاقی باتوں کا عہد تھا یعنی شرک، چوری، زنا، قتل اولاد، اور بہتان سے احتراز، اور امر بالمعروف میں اطاعت۔ یہ لوگ جب بیعت کر کے واپس جانے لگے تو آنحضرت ﷺ نے مصعب بن عمیرؓ کو تعلیم قرآن کے لئے ساتھ کر دیا۔ یہ وہاں امامت بھی کرتے تھے۔ ۲۔

انصارؓ کی دوسری بیعت..... تیسری مرتبہ خزر جی مسلمان بہتر اشخاص اپنے ساتھ لائے، اور ان سکھوں نے بیعت کی، مگر یہ بیعت آسان نہ تھی، اس میں جان کی بازی تھی کہ وہ ہزاروں دشمنان اسلام کے درمیان آنحضرت ﷺ کی حفاظت اپنے اہل و عیال کی طرح کریں گے۔ ۳۔ عام ہجرت..... انصارؓ کی بیعت اور اذن ہجرت کے بعد ستم رسیدہ مسلمانوں کے لئے بیت الامن مدینہ کی شاہراہ کھل گئی، اور آنحضرت ﷺ نے عام مسلمانوں کو مژدہ سنا دیا، اور ہجرت کا سلسلہ شروع ہو گیا، سب سے پہلے حضرت ابوسلمہ بن عبدالاسدؓ اور عامر بن ربیعہؓ نے ابتدا کی۔ ۴۔ اس کے بعد مسلمان ہر طرف سے جوق در جوق اس جائے پناہ میں آنے لگے، ان کی فہرست بہت طویل ہے، اکثروں کے اسمائے گرامی یہ ہیں۔ ۵۔

۱۔ ابن سعد حصہ سیرۃ ص ۱۲۷

۲۔ بخاری جلد ۱ ص ۵۵۱

۳۔ ایضاً ص ۲۴۳

۴۔ سیرۃ ابن ہشام جلد ۱ ص ۳۳۷

۵۔ ۶۔ ناموں کی تفصیل سیرۃ ابن ہشام جلد ۱ ص ۲۶۳ تا ۲۵۳ سے لی گئی

۷۔ سیرۃ ابن ہشام جلد ۱ ص ۲۵۰

عبداللہ بن جحشؓ	محمد بن عبداللہ بن جحشؓ	زید بن حارثہؓ
ابو احمد بن جحشؓ	عمر بن خطابؓ	کنانہ بن حصینؓ
عکاشہ بن مھسنؓ	عیاش بن ابی ربیعہؓ	آنسہؓ
شجاع بن وہبؓ	زید بن خطابؓ	ابو کبشہؓ
عقبہ بن وہبؓ	عمر بن سراقہؓ	عبیدہ بن حارثؓ
اربد بن حمیرہؓ	عبداللہ بن سراقہؓ	طفیل بن حارثؓ
منقذ بن بناتہؓ	حنیس بن حذاقہؓ	حصین بن حارثؓ
یزید بن رقیشؓ	سعید بن زیدؓ	مسطح بن اثاثہؓ
سعید بن رقیشؓ	عمر بن نفیلؓ	سویط بن سعدؓ
محرز بن نھلہؓ	واقہ بن عبداللہؓ	طلیب بن عمیرؓ
قیس بن جابرؓ	خولی بن ابی خولیؓ	جناب مولیٰ عتبہ بن
عمر بن مھسنؓ	مالک بن ابی خولیؓ	غزو انؓ
مالک بن عمروؓ	ایاس بن بکیرؓ	زبیر بن عوامؓ
صفوان بن عمروؓ	عامر بن بکیرؓ	ابو بھرہؓ
ثقیف بن عمروؓ	عافل بن بکیرؓ	مصعب بن عمیرؓ
ربیعہ بن اکثمؓ	خالد بن بکیرؓ	ابو حذیفہؓ
زبیر بن عبیدہؓ	طلحہ بن عبید اللہؓ	سالم مولیٰ ابو حذیفہؓ
تمام بن عبیدہؓ	صہیب بن سنانؓ	عتبہ بن غزو انؓ
سخرہ بن عبیدہؓ	حمزہ بن مطلبؓ	عثمان بن عفانؓ

مستورات :

زیب بنت جحشؓ	جدامہ بنت جندلؓ	سخرہ بنت تمیمؓ
ام حبیب بنت جحشؓ	ام قیس بنت مھسنؓ	حنہ بنت جحشؓ
ام حبیب بنت ثمامہؓ	ام سلمہؓ	آمنہ بنت رقیشؓ

ہجرت کا سلسلہ فتح مکہ تک کیوں قائم رہا اور اس کے کیا اسباب تھے..... مدینہ آنے کے بعد مسلمانوں کی زندگی بڑی حد تک محفوظ و مطمئن ہو گئی تھی، تاہم ہجرت عظمیٰ کے بعد اس کا سلسلہ منقطع نہیں کیا گیا، اور کچھ نہ کچھ لوگ برابر ہجرت کرتے رہے، اس کے متعدد وجوہ و اسباب تھے، اول یہ کہ ابھی بہت سے ستم رسیدہ مسلمان مشرکین کے پنجہ ظلم میں اسیر تھے، جب ان کی گلو خاصی ہوتی گئی، مدینہ آتے گئے، دوسرے یہ کہ ان مسلمانوں کے لئے جو مکہ سے دور دراز مقامات پر رہتے تھے، اتنا وقت درکار تھا کہ ہجرت کے لئے ضروری انتظامات کر سکیں،

تیسرا اور سب سے اہم سبب یہ تھا کہ ہجرت کے بعد بھی اسلام میں اتنی قوت پیدا نہ ہوئی تھی کہ وہ اپنے ان پرستاروں کے جان و مال کی پوری حفاظت کر سکے، جو مدینہ کے علاوہ دوسرے مقامات پر رہتے تھے، اور یہ اس وقت تک ناممکن تھا، جب تک کہ مشرکین کی قوت نہ ٹوٹ جائے، اور ان کا سب سے بڑا قافلہ اور مرکز مکہ مکرمہ مسلمانوں کے قبضہ میں نہ آجائے، اس لئے ہجرت کا سلسلہ اس وقت تک قائم رہا جب تک خانہ کعبہ پر توحید کا علم نصیب نہ ہو گیا، اور ہجرت عظمیٰ کے بعد سے فتح مکہ تک برابر مسلمان آتے رہے، چنانچہ غزوہ خیبر کے قبل تک جو فتح مکہ کے کچھ ہی دن پیشتر ہوا، قابل ذکر اشخاص میں سعید بن عامر، حذیفہ بن یمان، حجاج بن علاط اور عوف بن مالک جمع ہوئے، پھر عین غزوہ خیبر کے موقع پر مہاجرین حبش کا پورا قافلہ مدینہ آ گیا، ان سب کے نام اور پر لکھے جا چکے ہیں، پھر فتح مکہ کے کچھ دن پہلے مسلمانوں کی کافی تعداد آئی، جن میں ذیل کے اشخاص قابل ذکر ہیں، حضرت عمرو بن عاصؓ، خالد بن ولیدؓ، مغیرہ بن شعبہؓ، سلمہ بن اکوعؓ، ابو ہریرہؓ، دوسؓ، عبداللہ بن ابی اوفیؓ، ربیعہ بن کعبؓ، سلیمان بن صردؓ، اور یہ سلسلہ فتح مکہ تک قائم رہا، فتح مکہ کے دن آنحضرت ﷺ نے اعلان فرمادیا کہ:

لاہجرة بعد الفتح الا جهاد و نية۔

”فتح مکہ کے بعد ہجرت نہیں، اب صرف جہاد اور نیت کا ثواب ہے۔“

کیونکہ اب اسلام کو کل عرب میں امن و امان حاصل ہو گیا تھا، اور مسلمانوں کی حفاظت کے لئے کسی خاص دارالامان کی ضرورت نہیں تھی۔

مہاجرین کے فضائل و مناقب

کلام اللہ اور مہاجرین..... انسان کے لئے تھوڑے عرصہ تک مصائب برداشت کر لینا زیادہ دشوار نہیں ہے، کچھ دنوں کے لئے وہ مالی نقصان بھی اٹھا سکتا ہے، جسمانی اذیتیں بھی برداشت کر سکتا ہے، بلکہ اس سے بڑھ کر ایک مرتبہ جان بھی دے سکتا ہے، مگر جیتے جی ہمیشہ کے لئے خویش و اقارب، اہل و عیال، اور مال و دولت سب چھوڑ کر جلا وطنی کی مصیبت نہیں سہہ سکتا، مہاجرین رضوان اللہ علیہم اجمعین کا سب سے بڑا ایثار، سب سے بڑی قربانی اور سب سے بڑا شرف یہی ہے، کہ وہ صرف خدا اور رسول کی خوشنودی کے لئے اپنے وطن، اپنے اہل و عیال اور اپنے مال و جائیداد سب کو چھوڑ کر بے خانماں ہوئے، یہ وہ جذبہ فدویت ہے، جس کی مثال مذاہب عالم کے تاریخی صفحات میں نہیں مل سکتی، جب وہ گھر سے بے گھر ہوئے، تو ان کے جیب و دامن مال و دولت کے زخارف سے خالی تھے، کھانے پینے تک کا سہارا نہ تھا، نہ کپڑا تھا، غرض وہ

۱۔ بخاری کتاب الجہاد، باب وجوب التفسیر و ما یجیب من الجہاد۔

ہر قسم کی مادی دولت سے بھی دامن تھے، لیکن ان کے دل ایمان، خدا اور رسول کی محبت اور ولولہ مذہب کی دولت سے معمور تھے اور اس نے ان کو تمام مخرقات دنیوی سے بے نیاز کر دیا تھا۔
خدا نے ان کے یہ تمام صفات قرآن پاک میں خود بیان فرمائے ہیں، چنانچہ سورہ حشر میں مہاجرین کی یہ خصوصیات شمار کرائی گئی ہیں۔

للفقراء المهاجرين الذين اخرجوا من ديارهم واموالهم يبتغون
فضلا من الله ورضوانا وينصرون الله ورسوله اولئك هم الصادقون.
(الحشر-ع ۵۹: ۸)

”(مال غنیمت میں) ان محتاج مہاجرین کا بھی حق ہوتا ہے جو اپنے وطن سے نکالے گئے، اور اپنی جائیداد اور دولت سے محروم کر دیئے گئے، اور خدا کے فضل اور اس کی رضا مندی کے متلاشی ہیں، اور اس کے رسول کی مدد کرتے ہیں، یہ ہیں راست باز لوگ۔“
ان کے اقوال و افعال یہ تھے۔

الذين اخرجوا من ديارهم بغير حق الا ان يقولوا ربنا الله ولولا
دفع الله الناس بعضهم ببعض لهدمت صوامع وبيع وصلوات و
مسجد يذكر فيها اسم الله كثيرا ولينصرون الله من ينصره ان الله لقوى
عزيز ۵ الذين ان مكنتهم في الارض اقاموا الصلوة واتوا الزكوة وامروا
بالمعروف ونهوا عن المنكر ولله عاقبة الامور. (الحج ع ۲۲: ۴۰، ۴۱)
”وہ لوگ اپنے گھروں سے ناحق اس جرم میں نکالے گئے کہ وہ کہتے ہیں
کہ ہمارا پروردگار اللہ ہے اور اگر اللہ لوگوں کو ایک دوسرے کے ہاتھ سے نہ ہٹوا
دیتا تو کلیے اور گرجے اور عبادت خانے اور مسجدیں جن میں کثرت سے خدا کا
نام لیا جاتا ہے، گرا دیئے جاتے، اور جو اللہ کی مدد کرے گا، اللہ ضرور اس
کی مدد کرے گا، بے شک اللہ قوت والا اور غالب ہے، یہ لوگ (مہاجرین)
اگر ہم ان کو حکومت دے کر زمین پر قادر کر دیں تو یہ نمازیں پڑھیں گے، زکوٰۃ
دیں گے اور لوگوں کو اچھے کام کے لئے کہیں گے اور برے کاموں سے منع
کریں گے اور انجام خدا ہی کے لئے ہے۔“

ان قربانیوں کے صلہ میں دنیا اور آخرت کی سب سے گراں بہا نعمت ان کو حاصل تھی، یعنی
رضائے الہی اور اس کی رحمت درجات اور مراتب کے اعتبار سے بھی وہ خدا کے نزدیک سب
سے بلند تر تھے۔

الذین امنوا وهاجروا وجاهدوا فی سبیل اللہ باموالہم وانفسہم
اعظم درجۃ عند اللہ واولئک ہم الفائزون، یشرفہم ربہم برحمۃ منہ
ورضوان و جنت لہم فیہا نعیم مقیم، خالدین فیہا ابدًا۔
(توبہ ع ۹: ۲۰-۲۲)

”جو لوگ ایمان لائے، اور ہجرت کی اور جان و مال سے اللہ کے راستہ
میں جہاد کیا، یہ لوگ اللہ کے نزدیک بہت بلند مرتبہ ہیں اور یہی لوگ کامیاب
ہونے والے ہیں، ان کا رب ان کو اپنی خوشنودی اور رحمت اور ایسے باغوں کی
خوشخبری دیتا ہے، جن میں ان کو دائمی آسائش ہے، اور یہ لوگ ان میں ہمیشہ
ہمیشہ رہیں گے۔“

اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ہجرت کے علاوہ ان کی شان یہ بھی ہے کہ وہ اپنی جان اور
اپنا مال خدا کی راہ میں لٹاتے ہیں۔
ایک دوسری آیت میں نہ صرف مہاجرین کے لئے بلکہ مہاجرین کے نقش قدم پر چلنے
والوں کے لئے بھی اس خوشنودی کا مژدہ سنایا گیا ہے۔

والسابقون الاولون من المہاجرین والانصار والذین تبعوہم
باحسان رضی اللہ عنہم ورضوانہ واعدلہم جنت تجری تحتہا
الانہار خالدین فیہا ابدًا ذالک الفوز العظیم۔
(توبہ ع ۹: ۱۰۰)

”اور مہاجرین و انصار میں سے جن لوگوں نے اسلام میں سبقت کی اور
وہ لوگ جنہوں نے خلوص قلب سے ان کا اتباع کیا، خدا ان سے راضی ہے اور
وہ لوگ خدا سے راضی ہیں، اور ان کے لئے ایسے باغ تیار کرائے گئے ہیں جن
کے نیچے نہریں رواں ہیں، ان میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے، یہ بڑی کامیابی
ہے۔“

ایمان والوں کی شان یہ ہے کہ وہ رحمت اللہی سے ناامید نہیں ہوتے، اس لئے مہاجرین
ہمیشہ اس کی رحمت کے امیدوار رہتے تھے۔

والذین ہاجروا وجاهدوا فی سبیل اللہ اولئک یرجون رحمۃ
اللہ واللہ غفور رحیم۔ (بقرہ ع ۲: ۲۱۸)

”جو لوگ ایمان لائے اور ہجرت کی اور راہ خدا میں جہاد کیا یہی لوگ خدا
کی رحمت کے امیدوار ہیں اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔“

خدا ان کی اس امید رحمت کو اس طرح پورا کرے گا کہ ان کے تمام گناہوں سے درگزر کرے گا، اور ان کی خطائیں ان کے نامہ اعمال سے مٹا دے گا۔

فَالَّذِينَ هَاجَرُوا وَآخَرُوا مَن دِيَارِهِمْ وَأُوذُوا فِي سَبِيلِي وَقَاتَلُوا
وَقُتِلُوا لَا كُفْرَنَ عَنْهُمْ سَيِّئَاتِهِمْ وَلَا دُخْلَنَّهُمْ جَنَّتِ تَجْرِي مَن تَحْتَهَا
الْأَنْهَارُ. (آل عمران ع ۱۹۵:۳)

پس جن لوگوں نے ہجرت کی اور اپنے وطن سے نکالے گئے اور میرے
راستے میں تکلیفیں پہنچائے گئے، اور لڑے اور مارے گئے، ہم ان کی برائیوں کو
مٹا دیں گے اور ان کو ایسے باغوں میں داخل کریں گے جس کے نیچے نہریں
رواں ہوں گی۔

خدا ان کی اس خانہ بربادی کے صلہ میں ان کو دنیا میں بھی بلند مرتبہ کرے گا، اور آخرت
میں بھی سرفراز فرمائے گا۔

وَالَّذِينَ هَاجَرُوا فِي اللَّهِ مَن بَعْدَ مَا ظَلَمُوا لَنَبُوْنَهُمْ فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً
وَلَا جَزَا الْآخِرَةِ أَكْبَرُ لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ. (نحل ع ۱۶:۴۱)
اور جن مسلمانوں نے اپنی مظلومیت کی وجہ سے ہجرت کی ان کو ہم دنیا
میں ضرور اچھی جگہ بٹھائیں گے اور آخرت کا اجر اس سے بہت بڑا ہے کاش وہ
لوگ جانتے۔

مہاجرین نے راہ خدا میں تمام شدائد اٹھائے، جلا وطن ہوئے، ہر طرح کی جسمانی اور
روحانی تکلیفیں برداشت کیں مگر ابرو پر مسکن تک نہ آئی، اور نہ صبر کا دامن ہاتھ سے چھوٹا، خدا نے
ان کو اس استقامت اور صبر کا صلہ دیا۔

ثُمَّ إِن رَّبَّكَ لِلَّذِينَ هَاجَرُوا مَن بَعْدَ مَا فَتَنَّا مَن جَاهَدُوا وَصَبَرُوا إِن
رَّبَّكَ مَن بَعْدَ مَا لَغُفُورٌ رَّحِيمٌ. (نحل ع ۱۶:۱۱۰)
”پھر خدا ان لوگوں کے لئے جنہوں نے مصیبت میں جہاد کیا، ہمت کی اور صبر کیا، بے شک تمہارا خدا (ان
امتحانوں کے بعد) بخشنے والا مہربان ہے۔“

سورہ حج میں ایک موقع پر اپنے انعام و اکرام کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے۔

وَالَّذِينَ هَاجَرُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ ثُمَّ قَاتَلُوا أَوْ مَاتُوا لَيَرْزُقَنَّهُمُ اللَّهُ رِزْقًا
حَسَنًا وَإِنَّ اللَّهَ لَهُوَ خَيْرُ الرَّازِقِينَ لَيَدْخُلَنَّهُمْ مَدْخَلًا يُرْضَوْنَ. (حج: ۸۴)
”جن لوگوں نے خدا کی راہ میں ہجرت کی، پھر شہید ہو گئے یا مر گئے، ان

کو خدا ضرور اچھا رزق دے گا، بے شک خدا ہی روزی دینے والوں میں بہتر روزی دینے والا ہے، اور ان کو ایسی جگہ داخل کرے گا جس سے وہ لوگ خوش ہو جائیں گے۔“

تنگدستی و عسرت کے وقت جب کہ تمام رشتہ داریاں منقطع ہو جاتی ہیں اور احباب کنارہ کش ہو جاتے ہیں، مہاجرین نے آنحضرت ﷺ کا ساتھ دیا، خدا نے اس کے عوض میں ان پر اپنا یہ فضل کیا۔

لقد تاب الله على النبي والمهاجرين والانصار الذين تبعوه في ساعة العسرة. (توبہ ع ۹: ۱۱)

اللہ تعالیٰ نے نبی اور ان مہاجرین و انصار پر..... اپنا فضل و کرم کیا، جنہوں نے عسرت کی گھڑیوں میں نبی کا ساتھ دیا۔

خدا نے صرف اپنے فضل و کرم پر اکتفا نہ کیا، بلکہ صاحب مقدور مسلمانوں کو ان کے ساتھ حسن سلوک اور ان کی خطاؤں سے درگزر کرنے کی ہدایت فرمائی، اور اس کو موجب مغفرت قرار دیا۔

ولا ياتل اولوا الفضل منكم والسعة ان يؤتوا اولى القربى والمساكين والمهاجرين في سبيل الله وليعفوا وليصفحوا ط الاتحبون ان يغفر الله لكم ط والله غفور رحيم. (نور ع ۲۲: ۲۲)

تمہارے صاحب فضل اور صاحب مقدور لوگ قرابت والوں اور محتاجوں اور مہاجرین فی سبیل اللہ کی (مالی) مدد نہ کرنے کی قسم نہ کھالیں، بلکہ چاہئے کہ ان کی خطائیں معاف کر دیں، اور ان سے درگزر کریں، کیا تم نہیں چاہتے کہ خدا تمہاری مغفرت کرے، اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

ہجرت اخلاص فی الاسلام کی علامت اور ایمان کی کسوٹی ہے، اس سے مومنین اور منافقین میں امتیاز ہوتا ہے، بغیر ہجرت ان پر اعتماد کی اجازت نہیں۔

فلا تخلصوا منهم اولياء حتى يهاجروا في سبيل الله. (النساء ع ۴: ۸۹)

”جب تک یہ لوگ (منافقین) خدا کی راہ میں ہجرت نہ کر جائیں اس وقت تک ان میں سے کسی کو دوست نہ بناؤ۔“

مسلمانوں میں صرف وہی ایک دوسرے کے دوست ہیں، جنہوں نے راہ خدا میں گھر چھوڑے اور اس کے راستہ میں جانی اور مالی جہاد کیا، یا جنہوں نے مہاجرین کی امداد کی۔

ان الذين امنوا وهاجروا وجاهلوا باموالهم و انفسهم في سبيل

اللہ والذین اووا ونصروا اولئک بعضهم اولیاء بعض. (انفال ع ۸: ۷۲)

”جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے ہجرت کی اور راہ خدا میں اپنی جان

و مال سے جہاد کیا اور جن لوگوں نے ان مہاجرین کو جگہ دی اور ان کی مدد کی،

یہی لوگ ایک دوسرے کے دوست ہیں۔“

وراثت کے لئے تھا ایمان کافی نہیں بلکہ ایمان کے ساتھ ساتھ ہجرت بھی نہایت ضروری

ہے، ورنہ وارث مورث کی وراثت نہیں پاسکتا۔

والذین امنوا ولم یہاجرُوا مالکم من ولا یتہم من شیء حتی

یہاجرُوا (انفال ع ۸: ۷۲)

”اور وہ لوگ جو ایمان لائے مگر ہجرت نہیں کی، تو تم کو ان کی وراثت سے

کوئی تعلق نہیں، جب تک وہ ہجرت نہ کر جائیں۔“

ایمان کی پختگی کا دار و مدار ہجرت اور جہاد فی سبیل اللہ پر ہے۔

والذین امنوا و ہاجرُوا و جاہلُوا فی سبیل اللہ والذین اووا ونصروا

اولئک ہم المؤمنون حقاً لہم مغفرة و رزق کریم. (انفال ع ۸: ۷۳)

”اور جو لوگ ایمان لائے، اور انہوں نے ہجرت کی، اور خدا کے راستہ میں

جہاد کیا اور جن لوگوں نے ان کو جگہ دی اور ان کی مدد کی، یہی لوگ بکے ایمان والے

ہیں، اور ان کے لئے مغفرت اور عزت کی روزی ہے۔“

احادیث نبوی ﷺ..... قرآن کے علاوہ احادیث میں بھی ہجرت کی اہمیت اور مہاجرین

کے فضائل کا کافی ذخیرہ موجود ہے، چنانچہ آنحضرت ﷺ ایک موقع پر مہاجرین کی فضیلت اس

پیرایہ میں ظاہر کرتے ہیں :-

لولا الهجرة لکنت امراء من الانصار. ۲

”اگر ہجرت نہ ہوتی، تو میں بھی انصار کا ایک فرد ہوتا۔“

ہجرت حفاظت دین کی خاطر کی جاتی تھی۔

فقال لا هجرة اليوم كان المؤمنون یفراحدہم بدینہ الی اللہ و

رسولہ. ۳

”حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ اب ہجرت کا حکم منسوخ ہو گیا، یہ مومنین

کے لئے اس وقت تھی، جب وہ اپنے دین کو بچانے کے لئے خدا اور اس کے

رسول کی طرف فتنہ کے خوف سے بھاگ کر پناہ گزین ہوتے تھے۔“

ہجرت کا معاملہ نہایت سخت ہے اور وہی لوگ اس کو کر سکتے ہیں جو اپنے ایمان و اعتقاد میں نہایت سخت ہوں۔

جاء اعرابی الى النبي صلى الله عليه وسلم فسأله عن الهجرة فقال ويحك ان الهجرة شأنها شديد.

”ایک اعرابی نے آنحضرت کے پاس آکر ہجرت کے بارے میں سوال کیا، آپ نے فرمایا کہ تجھ پر افسوس ہے، ہجرت بہت ہی سخت ہے۔“

ہجرت کا ثمرہ نیت پر ہے۔

عن عمر قال سمعت النبي صلى الله عليه وسلم يقول الاعمال بالنية فمن كانت هجرته الى دنيا يصيبها او امرأة يتز و جها فلهجرة الى ماها جرياليه ومن كانت هجرته الى الله ورسوله فلهجرة الى الله ورسوله. ۱

حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ میں نے آنحضرت ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ اعمال کا دار و مدار نیت پر ہے، پس جس کی نیت ہجرت دنیا کے لئے یا کسی عورت سے شادی کی نیت سے ہوگی، تو یہ ان ہی چیزوں کے لئے ہوگی، اور جو ہجرت اللہ اور رسول کے لئے ہوگی، اس کا اللہ و رسول کی خوشنودی میں شمار ہوگا۔ اور صحابہ کرامؓ کی ہجرت جاہ و دولت کے لئے نہ تھی، بلکہ جس چیز کے لئے تھی، اس کو خود حضرت خوابؓ بیان کرتے ہیں۔

كناها جونا مع رسول الله صلى الله عليه وسلم لبطي وجه الله فوجب اجرنا على الله. ۲

”ہم لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خالصتاً لوجہ اللہ ہجرت کی تھی، اس لئے ہم اجر کے مستحق ہو گئے۔“

چونکہ مہاجرین اپنے وطن کو خالصتاً لوجہ اللہ چھوڑتے تھے، اس لئے دوبارہ اس زمین میں رہنا اور مرنا تک گوارا نہ کرتے تھے، چنانچہ حضرت سعدؓ ہجرت کے بعد کسی ضرورت سے مکہ آئے اور وہاں آکر بیمار پڑ گئے، حالت نازک ہوئی، تو محض اس خیال سے زیادہ پریشان تھے کہ مکہ ہی میں انتقال نہ ہو جائے، آنحضرت ﷺ بھی اس کو ناپسند فرماتے تھے، چنانچہ آپ خود بیان کرتے ہیں۔

عن سعد بن ابی وقاص قال جاء نبي النبي صلى الله عليه وسلم
يعودني وانا بمكة وهو يكره ان يموت بالارض التي هاجر منها۔
”حضرت سعد بن وقاص فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ امیری عیادت کو
مکہ تشریف لائے، اور آپ اس مقام پر موت کو ناپسند فرماتے تھے، جہاں سے
ہجرت کی گئی ہو۔“

اسی حدیث میں اس موقع پر ایک روایت میں ہے کہ خود حضرت سعدؓ نے آنحضرت ﷺ
سے دعائے صحت کی درخواست کی تاکہ ان کی ہجرت ناکام نہ رہ جائے۔

قال مرضت فعادني النبي صلى الله عليه وسلم فقلت يا رسول
الله ا ادع الله ان لا يردني على عقبي .

”حضرت سعدؓ فرماتے ہیں کہ میں بیمار ہوا، آنحضرت ﷺ امیری عیادت کو
تشریف لائے میں نے درخواست کی کہ حضور میرے لئے دعا فرمائیں کہ خدا
مجھ کو الٹے پاؤں نہ لوٹائے۔“
اس درخواست پر آپ نے یہ دعا فرمائی۔

اللهم امض اصحابي هجرتهم ولا يردهم على اعقابهم۔

”خدایا! میرے اصحاب کی ہجرت پوری کر دے اور ان کو الٹے پاؤں نہ لوٹا۔“

اکابر اصحاب ہجرت کو اپنے لئے سرمایہ فخر سمجھتے تھے، چنانچہ حضرت عثمانؓ غفر یہ فرماتے تھے
کہ ”هاجرت الهجرتين اوالتين“۔

مہاجرین قیامت کے دن عام مسلمانوں سے ممتاز اور آفتاب کی طرح تاباں ہوں گے۔

عن ابن عمر قال كنا عند رسول الله صلى الله عليه وسلم يوما
حين طلعت الشمس فقال سيأتي ناس من امتي يوم القيامة نورهم
كضوء الشمس قلنا من اولئك يا رسول الله؟ فقال فقراء المهاجرين
تتقى بهم المكاره يموت احدهم وحاجته في صدره يحشرون من
اقطار الارض۔

”حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ ایک دن ہم لوگ طلوع آفتاب کے
وقت آنحضرت ﷺ کے پاس تھے، آپ نے فرمایا کہ عنقریب قیامت کے دن
میری امت کے کچھ لوگ ایسے انھیں گے کہ جن کا نور ضیائے شمس کے مماثل

ہوگا، ہم لوگوں نے کہا یا رسول اللہ! وہ کون لوگ ہوں گے؟ فرمایا کہ فقراء مہاجرین جن کے ذریعہ سے مصیبتوں کا تحفظ کیا جاتا ہے اور اپنی حسرتیں اور تمنائیں سینوں میں لئے ہوئے دنیا سے اٹھتے ہیں، یہ لوگ مختلف اقطاع عالم سے اٹھائے جائیں گے۔

مہاجرین کے لئے عام مسلمانوں سے مدتوں پہلے جنت کے دروازے کھل جائیں گے۔
 قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم العلم اول زمرة تدخل الجنة من امتی فقراء المهاجرين ياتون يوم القيمة الى باب الجنة ومستفتحون فتقول لهم عزله او قدحو سبعم قالوا ابای شی لحاسب والما كانت اسيا فانا على عواقبنا فی سبیل اللہ حتی متنا علی ذالک فیفتح لهم فیقيلون فیها اربعین عاما قبل ان یدخلها الناس . (مسند ابن عمر)

”حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ کیا تم میری امت کے اس زمرہ کے لوگوں کو جانتے ہو جو سب سے پہلے جنت میں داخل ہوگا، وہ فقراء مہاجرین ہوں گے، قیامت کے روز وہ جنت کے دروازہ پر آکر باب جنت کھلوانا چاہیں گے دربان سوال کریں گے کہ کیا تمہارا حساب ختم ہو چکا؟ وہ لوگ جواب دیں گے کہ ہمارا کس چیز کا حساب ہوگا، خدا کے راستہ میں ہماری تلواریں ہمارے زیب و دوش رہیں، اور اسی آن کے ساتھ جان دی اس کے بعد جنت کے دروازے کھول دیئے جائیں گے، اور عام لوگوں کے داخلہ سے چالیس سال قبل وہ لوگ اس میں آرام کریں گے۔“

مہاجرین کی حالت اور کسی وقت میں بھی اسلام کی خدمت سے پہلو تہی نہ کرتے تھے فاقہ پر فاقہ ہوتے، مگر ان کی جانفروشیوں میں فرق نہ آتا، غزوہ خندق کے موقعہ پر علی الصبح کڑکڑاتے جاڑوں میں خالی پیٹ خندق کھودتے تھے، چنانچہ اسی موقعہ پر ایک دن صبح سویرے آنحضرت ﷺ نکلے تو یہ منظر دیکھا۔

قال خرج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الى الخندق فاذا المهاجرون والانصار يحفرون فی غداة باردة فلم یکن لهم عہد یعملون ذالک فلما رای ما بہم من النصب والجوع .
 ”رسول اللہ ﷺ خندق کی طرف گئے تو آپ نے دیکھا کہ مہاجرین اور

انصار سردی کی صبح میں خندق کھود رہے ہیں، اور ان کے پاس کوئی نوکر چاکر نہیں کہ اس کام کو کر دے اور ان کی تھکن اور بھوک کو دیکھ کر۔

یہ دعا فرمائی۔

اللهم ان العیش عیش الاخرة فاغفر الانصار والمهاجر
”خدا یا اصل عیش آخرت کا عیش ہے، مہاجرین اور انصار کی مغفرت فرما۔“

ان فضائل کے علاوہ مہاجرین کی ایک نمایاں فضیلت یہ تھی کہ ان کا دامن نفاق کے داغ سے پاک و صاف تھا، اس لئے منافق وہ لوگ تھے جو در پردہ تو اسلام کے دشمن تھے مگر خوف سے اس کا اظہار نہ کر سکتے تھے، یا وہ تھے جو مال و دولت کی طمع میں مسلمان ہوئے تھے، یا وہ تھے جو خوف سے اسلام لائے تھے، اور مہاجرین رضوان اللہ علیہم اجمعین کا اسلام ان تینوں چیزوں کی آمیزش سے پاک تھا، اس لئے کہ جب یہ لوگ مشرف باسلام ہوئے، اس وقت اسلام بالکل ابتدائی حالت میں تھا، نہ اس کے پاس مال و زر تھا، نہ قوت و حکومت تھی، بلکہ اس زمانہ میں جو لوگ مسلمان ہوئے ان کی جان اور ان کا مال خود خطرہ میں پڑ گیا تھا، اس لئے ان کا اسلام خاصہ اللہ تھا، ایک سبب یہ بھی تھا کہ مکہ کی سیزدہ (تیرہ) سالہ زندگی میں مسلمان تعداد اور قوت دونوں حیثیتوں سے کفار کے مقابلہ میں ضعیف تھے، اس لئے وہ مسلمانوں کا مقابلہ اپنی قوت کے بل پر کرتے تھے، اس لئے ان کی دوستی اور دشمنی دونوں کھلی ہوئی تھیں۔

اس کے برعکس مدینہ میں انصار کے علاوہ کچھ لوگ تو خوف سے اسلام کے دائرہ میں داخل ہوئے اور کچھ لوگوں نے مال و زر کی طمع میں اسلام قبول کیا، اس کے علاوہ جن لوگوں کے اقتدار کو اسلام نے صدمہ پہنچایا تھا وہ در پردہ تو ان کے مخالف تھے، مگر علی الاعلان اس کا اظہار نہیں کر سکتے تھے کہ مسلمانوں میں کافی طاقت آچکی تھی، خود انصار ان کے پشت پناہ تھے چنانچہ عبداللہ بن ابی وغیرہ اسی قسم کے لوگوں میں تھے، اس لئے مکی سورتوں میں کہیں نفاق و منافقت کا تذکرہ نہیں ہے، اور مدنی سورتوں میں اس کا بکثرت ذکر آتا ہے، نساء، توبہ، انفال، احزاب، حدید اور فتح مدنی سورتیں ہیں اور ان سب میں مذمت کے ساتھ نفاق کا ذکر ہے، سورہ منافقون مخصوص طور پر ان کی پردہ دری میں نازل ہوئی ہے، سورہ توبہ میں بھی نہایت تفصیل کے ساتھ ان کی نفاق آمیز دوستی کا راز فاش کیا گیا ہے۔

الاعراب اشد کفرا و نفاقا واجلوا لا تعلموا حلود ما انزل اللہ علی
رسوله واللہ علیم حکیم، ومن الاعراب من يتخذ ما ينطق مغرما و يترهب
بکم الدوائر علیہم دائرة السوء واللہ سمیع علیم . (توبہ ع ۹: ۹۷، ۹۸)

”دیہاتی بد و کفر اور نفاق میں بہت سخت ہیں، اور یہ اسی لائق ہیں کہ خدا نے اپنے رسول پر جو اتارا ہے، اس کے احکام کو نہ جانیں اور اللہ جاننے والا حکمت والا ہے، دیہاتیوں میں کچھ ایسے بھی ہیں کہ جو کچھ خدا کی راہ میں صرف کرتے ہیں اس کو تادان سمجھتے ہیں اور تم مسلمانوں پر گردش زمانہ کے مختلر ہیں سوان ہی پر بری گردش ہوگی اور خدا سننے والا اور جاننے والا ہے۔“

خداوند تعالیٰ نے دوسرے موقع پر مدینہ کی بھی صراحت کر دی ہے۔

وَمِمَّنْ حَوْلَكُمْ مِنَ الْأَعْرَابِ مُنْفِقُونَ ۚ وَمِنْ أَهْلِ الْمَدِينَةِ مَرَدُوا عَلَى النِّفَاقِ لَا تَعْلَمُهُمْ نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ سَنُعَذِّبُهُمْ مَرَّتَيْنِ ثُمَّ يَرَدُّونَ إِلَىٰ عَذَابِ الْيَمِّ ۚ (توبہ ع ۹: ۱۰۱)

”اور مسلمانو! تمہاری آس پاس کے دیہاتیوں میں منافق ہیں اور خود مدینہ والوں میں جو نفاق پراڑے ہوئے ہیں، ان کو تم نہیں جانتے، ہم ان کو جانتے ہیں عنقریب ہم ان کو دہرا عذاب دیں گے پھر بڑے عذاب کی طرف لوٹائے جائیں گے۔“

علامہ ابن تیمیہؒ نے منہاج السنہ میں مہاجرینؓ کی اس فضیلت کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے کہ:

”احمد بن حنبل اور دوسرے علماء کہتے ہیں کہ مہاجرینؓ میں کوئی منافق نہ تھا، بلکہ نفاق انصارؓ کے قبیلوں میں ظاہر ہوا، حب مدینہ میں اسلام کا غلبہ ہوا، اور اس میں اوس و خزرج کے قبیلے داخل ہوئے اور مسلمانوں کو ایک ایسا محفوظ گھر مل گیا جس کے ذریعہ سے وہ اپنی حفاظت کرنے اور لڑنے پر قادر ہو گئے تو مدینہ کے باشندے اسلام میں داخل ہو گئے اور اس کے قرب و جوار کے اعراب خوف اور جان بچانے کے لئے اسلام لائے، یہ لوگ منافق تھے، جیسا کہ خداوند تعالیٰ فرماتا ہے:

وَمِمَّنْ حَوْلَكُمْ مِنَ الْأَعْرَابِ مُنْفِقُونَ وَمِنْ أَهْلِ الْمَدِينَةِ مَرَدُوا عَلَىٰ النِّفَاقِ لَا تَعْلَمُهُمْ نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ سَنُعَذِّبُهُمْ مَرَّتَيْنِ ۚ

اسی لئے نفاق کا ذکر مدنی سورتوں میں ہے، مکی سورتوں میں نہیں ہے، کیونکہ جو لوگ ہجرت سے قبل مکہ میں اسلام لائے تھے، ان میں کوئی منافق نہ تھا

اور جن لوگوں نے ہجرت کی ان میں بھی کوئی منافق نہ تھا بلکہ یہ سب اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے تھے، اور اللہ اور اس کے رسول سے محبت رکھنے والے تھے، اور اللہ اور اس کا رسول ان کو ان کے اہل و عیال اور ان کے مال و دولت سے زیادہ محبوب تھا۔

شاہ معین الدین احمد ندوی

۱۰ جولائی ۱۴۲۸ھ
دارالمصنفین، اعظم گڑھ

حضرت زبیر بن العوامؓ

نام، نسب، خاندان..... زبیر نام، ابو عبد اللہ کنیت، حواری رسول اللہ لقب، والد کا نام عوام اور والدہ کا نام صفیہ تھا، پورا سلسلہ نسب یہ ہے، زبیر بن العوام بن خویلد بن اسد بن عبد العزی بن قصی بن کلاب ابن مرہ بن کعب بن لوئی القرشی الاسدی، حضرت زبیرؓ کا سلسلہ نسب قصی بن کلاب پر آنحضرت ﷺ سے مل جاتا ہے، اور چونکہ ان کی والدہ حضرت صفیہؓ سرور کائنات کی پھوپھی تھیں، اس لئے آنحضرت ﷺ کے پھوپھی زاد بھائی تھے، اس کے علاوہ آنحضرت ﷺ کی زوجہ محترمہ ام المومنین حضرت خدیجہؓ کے بھی حقیقی بھتیجے تھے، اور حضرت صدیقؓ کے داماد ہونے کے سبب سے وہ آنحضرت ﷺ کے ساڑھو بھی تھے، اور اس طرح ذات نبویؐ کے ساتھ ان کو متعدد نسبتیں حاصل تھیں۔

حضرت زبیرؓ ہجرت نبویؐ سے اٹھائیس سال قبل پیدا ہوئے، بچپن کے حالات بہت کم معلوم ہیں، لیکن اس قدر یقینی ہے کہ ان کی والدہ حضرت صفیہؓ نے ابتداء ہی سے ان کی ایسی تربیت کی تھی کہ وہ جوان ہو کر ایک عالی حوصلہ، بہادر، اولوالعزم مرد ثابت ہوں، چنانچہ وہ بچپن میں عبو ما انہیں مارا پیٹا کرتیں اور سخت سے سخت محنت و مشقت کے کام کا عادی بناتی تھیں، ایک دفعہ نوفل بن خویلد جو اپنے بھائی عوام کے مرنے کے بعد ان کے ولی تھے، حضرت صفیہؓ پر نہایت خفا ہوئے کہ کیا تم اس بچے کو اس طرح مارتے مارتے مار ڈالو گی، اور بنو ہاشم سے کہا کہ تم لوگ صفیہؓ کو سمجھاتے کیوں نہیں، حضرت صفیہؓ نے حسب ذیل رجز میں اس خفگی کا جواب دیا۔

من قال انسی ابغضه فقد كذب

انما اضربه لکي يلب

جس نے یہ کہا کہ میں اس سے بغض رکھتی ہوں، اس نے جھوٹ کہا، میں اس کو اس لئے مارتی ہوں کہ عقل مند ہو۔

ويهزم الجيش ويأتي بأسلب . الخ

اور فوج کو شکست دے اور مال غنیمت حاصل کرے۔

اس تربیت کا یہ اثر تھا، کہ وہ بچپن ہی میں بڑے بڑے مردوں کا مقابلہ کرنے لگے تھے، ایک دفعہ مکہ میں ایک جوان آدمی سے مقابلہ پیش آیا، انہوں نے ایسا ہاتھ مارا کہ اس کا ہاتھ ٹوٹ

۱۱ ابن سعد اسبابہ تذکرہ زبیرؓ

گیا، لوگ اسے لاد کر شکایہ حضرت صفیہؓ کے پاس لائے، تو انہوں نے معذرت و غفوَ خواہی کے بجائے سب سے پہلے یہ پوچھا کہ تم نے زبیرؓ کو کیسا پایا، بہادر یا بزدل۔

اسلام..... حضرت زبیرؓ صرف سولہ برس کے تھے کہ نور ایمان نے ان کے خانہ دل کو منور کر دیا۔ بعض روایتوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ پانچویں یا چھٹے مسلمان تھے، لیکن یہ صحیح نہیں معلوم ہوتا، تاہم سابقین اسلام میں وہ ممتاز اور نمایاں تقدم کا شرف رکھتے ہیں۔

حضرت زبیرؓ اگرچہ کمسن تھے، لیکن استقامت اور جان نثاری میں کسی سے پیچھے نہ تھے قبول اسلام کے بعد ایک دفعہ کسی نے مشہور کر دیا، کہ مشرکین نے آنحضرت ﷺ کو گرفتار کر لیا ہے، یہ سن کر جذبہ جان نثاری سے اس قدر بے خود ہوئے کہ اسی وقت نگلی تلوار کھینچ کر مجمع کو چیرتے ہوئے آستانہ اقدس پر حاضر ہوئے، رسول ﷺ نے دیکھا تو پوچھا زبیرؓ! یہ کیا ہے؟ عرض کی مجھے معلوم ہوا تھا کہ (خدا نخواستہ) حضور گرفتار کر لئے گئے ہیں۔

سرور کائنات نہایت خوش ہوئے، اور ان کے لئے دعائے خیر فرمائی، اہل سیر کا بیان ہے۔ کہ یہ پہلی تلوار تھی جو راہ فدویت و جان نثاری میں ایک بچے کے ہاتھ سے برہنہ ہوئی۔^۱ ہجرت..... عام بالا کشان اسلام کی طرح حضرت زبیرؓ مشرکین مکہ کے پنجہ ظلم و ستم سے محفوظ نہ تھے، ان کے چچا نے ہر ممکن طریقہ سے ان کو اسلام سے برگشتہ کرنا چاہا، لیکن توحید کا نشہ ایسا نہ تھا، جو اتر جاتا، بالآخر اس نے برہم ہو کر اور بھی سختی شروع کی، یہاں تک کہ چٹائی میں لپیٹ کر باندھ دیتا، اور اس قدر دھونی دیتا، کہ دم گھٹنے لگتا، لیکن وہ ہمیشہ یہی کہے جاتے ”کچھ کرو اب میں کافر نہیں ہو سکتا۔“ غرض مظالم و شدائد سے اس قدر تنگ آئے کہ وطن چھوڑ کر حبش کی راہ لی، پھر کچھ دنوں کے بعد وہاں سے واپس آئے، تو خود سرور کائنات نے مدینہ کا قصد کیا، اس لئے انہوں نے بھی یثرب کی مبارک سرزمین کو وطن بنایا۔

مواخات..... آنحضرت ﷺ نے مکہ میں حضرت طلحہؓ کو حضرت زبیرؓ کا اسلام بھائی قرار دیا تھا، لیکن جب مدینہ پہنچنے کے بعد انصار و مہاجرین میں تعلقات پیدا کرنے کے لئے ایک دوسری مواخات منعقد ہوئی، تو اس دفعہ حضرت سلمہ بن سلامہ انصاریؓ سے رشتہ اخوت قائم کیا گیا، جو مدینہ کے ایک معزز بزرگ اور بیعت عقبہ میں شریک تھے۔

غزوات..... غزوات میں ممتاز حیثیت سے شریک رہے، سب سے پہلے غزوہ بدر پیش آیا، حضرت زبیرؓ نے اس معرکہ میں نہایت جانبازی و دلیری کے ساتھ حصہ لیا، جس طرف نکل جاتے تھے غنیم کی صفیں تہ و بالا کر دیتے تھے، ایک مشرک نے ایک بلند ٹیلے پر کھڑے ہو کر مبارزت چاہی، حضرت زبیرؓ بڑھ کر اس سے لپٹ گئے اور دونوں قلابازیاں کھاتے ہوئے نیچے آئے،

۱۔ اصحابہ جلد ۱۲ ذکرہ زبیرؓ

۲۔ مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۲۵۹

۳۔ اسد الغابہ ذکرہ زبیر بن عوامؓ

آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ان دونوں میں جو سب سے پہلے زمین پر رکے گا، وہ مقتول ہوگا، چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ وہ مشرک پہلے زمین پر گر کر حضرت زبیرؓ کے ہاتھ سے واصل جہنم ہوا۔ اسی طرح عبیدہ بن سعید سے مقابلہ پیش آیا، جو سر سے پاؤں تک زرہ پہنے ہوئے تھا، صرف دونوں آنکھیں کھلی ہوئی تھیں، حضرت زبیرؓ نے تاک کر اس زور سے آنکھ میں نیزہ مارا کہ اس پار نکل گیا، اس کی لاش پر بیٹھ کر بمشکل نیزہ کو نکالا، پھل ٹیڑھا ہو گیا تھا، آنحضرت ﷺ نے بطور یادگار حضرت زبیرؓ سے اس نیزہ کو لے لیا، اس کے بعد پھر خلفاء میں تبرکاً منتقل ہوتا رہا، یہاں تک خلیفہ ثالثؓ کے بعد حضرت زبیرؓ کے وارث حضرت عبداللہؓ کے پاس پہنچا، اور ان کی شہادت تک ان کے پاس موجود تھا۔

وہ جس بے جگری کے ساتھ بدر میں لڑے اس کا اندازہ صرف اس سے ہو سکتا ہے کہ ان کی تلوار میں دندانے پڑ گئے تھے، تمام جسم زخموں سے چھلنی ہو گیا تھا، خصوصاً ایک زخم اس قدر کاری تھا کہ وہاں پر ہمیشہ کے لئے گڑھا پڑ گیا تھا، حضرت عروہ بن زبیرؓ کا بیان ہے کہ ہم ان میں انگلیاں ڈال کر کھیلا کرتے تھے۔ ۲

معرکہ بدر میں حضرت زبیرؓ زرد عمامہ باندھے ہوئے تھے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ آج ملائکہ بھی اس وضع میں آئے ہیں۔ مع غرض مسلمانوں کی شجاعت و ثابت قدمی نے میدان مار لیا، حق غالب رہا اور باطل کو شکست ہوئی۔

غزوہ احد..... ۳ھ میں معرکہ احد کا واقعہ ہوا، اثنائے جنگ میں رسول اللہ ﷺ نے اپنی تلوار کھینچ کر فرمایا، کون اس کا حق ادا کرے گا؟ تمام جان نثاروں نے بے تابی کے ساتھ اپنے ہاتھ پھیلائے، حضرت زبیرؓ نے تین دفعہ اپنے آپ کو پیش کیا، لیکن یہ فخر حضرت ابودجانہ انصاری کے لئے مقدر ہو چکا تھا۔ ۴

جنگ احد میں جب تیر اندازوں کی بے احتیاطی سے فتح شکست سے مبدل ہو گئی، اور مشرکین کے اچانک حملے سے غازیان دین کے پاؤں متزلزل ہو گئے، یہاں تک کہ شمع نبوت کے گرد صرف چودہ صحابہؓ پروانہ وار ثابت قدم رہ گئے تھے، تو اس وقت بھی یہ جان نثار حواری جان نثاری کا فرض ادا کر رہا تھا۔ ۵

غزوہ خندق..... ۵ھ میں یہودیوں کی مفسدہ پردازی سے تمام عرب مسلمانوں کے خلاف امنڈ آیا، سرور کائناتؐ نے مدینہ کے قریب خندق کھود کر اس طوفان کا مقابلہ کیا، حضرت زبیرؓ اس حصہ پر غمور تھے جہاں عورتیں تھیں۔ ۶

۱ کنز العمال جلد ۶ ص ۴۱۶۔ ۲ بخاری باب غزوہ بدر

۳ کنز العمال جلد ۶ ص ۴۱۶۔ ۴ زرقانی جلد ۲ ص ۳۲

۵ ایضاً ۶ مسند جلد ۱ ص ۱۶۴۔

بنو قریظہ اور مسلمانوں میں باہم معاہدہ تھا، لیکن عام سیلاب میں وہ بھی اپنے عہد پر قائم نہ رہے، رسول اللہ ﷺ نے دریافت کے لئے کسی کو بھیجنا چاہا اور تین بار فرمایا کون اس قوم کی خبر لائے گا؟ حضرت زبیرؓ نے ہر مرتبہ بڑھ کر عرض کی کہ ”میں“ آنحضرت ﷺ نے خوش ہو کر فرمایا ”ہر نبی کے لئے حواری ہوتے ہیں، میرا حواری زبیرؓ ہے۔“ اس نازک وقت میں حضرت زبیرؓ کی اس طرح بے خطر تہا آمد و رفت سے آنحضرت ﷺ ان کی اس جانبازی سے اس قدر متاثر تھے کہ فرمایا فداک ابی وامی یعنی میرے ماں باپ تم پر فدا ہوں۔۲

کفار بہت دنوں تک خندق کا محاصرہ کئے رہے۔ لیکن پھر کچھ توارضی و سماوی مصائب اور کچھ مسلمانوں کے غیر معمولی ثبات و استقلال سے پریشان ہو کر بھاگ کھڑے ہوئے۔

غزوہ خیبر..... غزوہ خندق کے بعد غزوہ بنو قریظہ اور بیعت رضوان میں شریک ہوئے، پھر خیبر کی مہم میں غیر معمولی شجاعت دکھائی، مرحب یہودی خیبر کا رئیس تھا وہ مقتول ہوا تو اس کا بھائی یا سر غضب ناک ہو کر ”ہل من مبارز“ کا نعرہ بلند کرتے ہوئے میدان میں آیا، حضرت زبیرؓ نے بڑھ کر اس کا مقابلہ کیا، وہ اس قدر تومند اور قوی ہو چکا تھا کہ ان کی والدہ حضرت صفیہؓ نے کہا یا رسول اللہ! میرا لخت جگر آج شہید ہوگا، آنحضرت ﷺ نے فرمایا نہیں! زبیرؓ اس کو مارے گا، چنانچہ درحقیقت تھوڑی دیر رد و بدل کے بعد وہ واصل جہنم ہوا۔۳

غرض خیبر فتح ہوا اور اس کے بعد فتح مکہ کی تیاریاں شروع ہوئیں، مشہور صحابی حضرت حاطب بن ابی بلتعہؓ نے تمام کیفیت لکھ کر ایک عورت کے ہاتھ قریش مکہ کے پاس روانہ کی، لیکن آنحضرت ﷺ کو خبر ہو گئی اور ایک جماعت اس عورت کی گرفتاری پر مامور ہوئی، حضرت زبیرؓ بھی اس میں شریک تھے، وہ گرفتار ہو کر آئی اور خط پڑھا گیا، تو ابن ابی بلتعہؓ کا سرندامت سے جھک گیا، رحمتہ للعالمین نے ان کی غفوا ہی پر جرم معاف فرمادیا، اور یہ آیت نازل ہوئی۔

يا ايها الذين امنوا لا تتخذوا عدوى وعدوكم اولياء تلقون اليهم

بالمودة. الآية ۲ (ممتحنة ع ۶۰: ۱)

فتح مکہ..... رمضان ۱۸ھ میں دس ہزار مجاہدین کے ساتھ رسول اللہ ﷺ نے مکہ کا قصد کیا اور شاہانہ جاہ و جلال کے ساتھ اس سرزمین میں داخل ہوئے جہاں سے آٹھ سال قبل طرح طرح کے مصائب و شدائد برداشت کرنے کے بعد بے بسی کی حالت میں نکلنے پر مجبور ہوئے تھے، اس عظیم الشان فوج کے متعدد دستے بنائے گئے تھے، سب سے چھوٹا اور آخری دستہ وہ تھا جس میں خود آنحضرت ﷺ موجود تھے، حضرت زبیرؓ اس کے علمبردار تھے۔۴

۲ مسند جلد ۱ ص ۱۳۶ بخاری کتاب المناقب زبیرؓ۔

۱ بخاری کتاب المغازی باب غزوہ خندق۔

۳ بخاری کتاب المغازی باب غزوہ الفتح

سیرت ابن ہشام جلد ۲ ص ۱۸۲

۵ بخاری باب غزوہ الفتح

آنحضرت ﷺ جب مکہ میں داخل ہوئے اور ہر طرف سکون و اطمینان ہو گیا، تو حضرت زبیرؓ اور حضرت مقداد بن اسودؓ اپنے گھوڑوں پر بارگاہ نبوت میں حاضر ہوئے، آنحضرت ﷺ نے کھڑے ہو کر ان کے چہروں سے گرد و غبار صاف کیا اور فرمایا میں نے گھوڑے کے لئے دو حصے اور سوار کے لئے ایک حصہ مقرر کیا ہے، جو ان حصوں میں کمی کرے گا خدا اس کو نقصان پہنچائے گا۔

مختلف غزوات..... فتح مکہ کے بعد واپسی کے وقت غزوہ حنین پیش آیا، کفار کمین گا ہوں میں چھپے ہوئے مسلمانوں کی نقل و حرکت دیکھ رہے تھے، حضرت زبیرؓ اس گھائی کے قریب پہنچے تو ایک شخص نے اپنے ساتھیوں سے پکار کر کہا، لات وعزی کی قسم! یہ طویل القامت سوار یقیناً زبیرؓ ہے، تیار ہو جاؤ، اس کا حملہ نہایت خطرناک ہوتا ہے۔ یہ جملہ ختم ہی ہوا تھا کہ ایک زبردست جمعیت نے اچانک حملہ کر دیا۔ حضرت زبیرؓ نے نہایت پھرتی اور تیز دستی کے ساتھ اس آفت ناگہانی کو روکا اور اس قدر شجاعت و جانبازی سے لڑے کہ یہ گھائی کفار سے بالکل صاف ہو گئی۔ اس کے بعد جنگ طائف اور تبوک کی فوج کشی میں شریک ہوئے، پھر ۵ھ میں رسول اللہ ﷺ نے حجۃ الوداع کا قصد کیا، حضرت زبیرؓ اس سفر میں بھی ہمراہ تھے۔

حج سے واپس آنے کے بعد سرور کائناتؐ نے وفات پائی، اور حضرت ابوبکر صدیقؓ مسند آرائے خلافت ہوئے، بعض روایات کے مطابق حضرت زبیرؓ کو بھی خلیفہ اول کی بیعت میں پس و پیش تھا، تاہم وہ زیادہ دنوں تک اس پر قائم نہیں رہے۔

جنگ یرموک کا حیرت انگیز کارنامہ..... سواد و برس کی خلافت کے بعد خلیفہ اولؓ رہ گزین عالم جاودانی ہوئے، اور فاروق اعظمؓ نے مسند حکومت پر قدم رکھا، خلیفہ اول کے عہد میں فتوحات کا سلسلہ شروع ہو چکا تھا، حضرت عمرؓ نے تمام عرب میں جوش پھیلا کر اس کو اور بھی زیادہ وسیع کر دیا، حضرت زبیرؓ کا دل گور رسول اللہ ﷺ کی وفات سے افسردہ ہو چکا تھا، تاہم ایک مرد میدان و جانباز بہادر کے لئے اس جوش و ولولہ کے وقت عزالت نشین رہنا سخت تنگ تھا، خلیفہ وقت سے اجازت لے کر شامی زرم گاہ میں شریک ہوئے اس وقت یرموک کے میدان میں ملک شام کی قسمت کا آخری فیصلہ ہو رہا تھا، اثنائے جنگ میں لوگوں نے کہا اگر آپ حملہ کر کے غنیم کے قلب میں گھس جائیں تو ہم بھی آپ کا ساتھ دیں، حضرت زبیرؓ نے کہا تم لوگ میرا ساتھ نہیں دے سکتے، لوگوں نے عہد کیا تو اس زور سے حملہ آور ہوئے کہ رومی فوج کا قلب چیرتے ہوئے تنہا اس یار سے اس پار نکل گئے اور کوئی رفاقت نہ کر سکا، پھر واپس لوٹے تو رومیوں نے گھوڑے کی باگ پکڑ لی، اور نرغہ کر کے سخت زخمی کیا، گردن پر دو زخم اس قدر کاری تھے کہ اچھے ہونے کے بعد بھی گڑھے باقی رہ گئے، عروہ بن زبیرؓ کا بیان ہے کہ بدر کے زخم کے بعد یہ دوسرا زخم کا گڈھا

تھا جس میں بچپن میں ہم انگلیاں ڈال کر کھیلا کرتے تھے۔
غرض ان ہی حیرت انگیز جانبازیوں کا نتیجہ تھا کہ رومیوں کی ٹڈی دل فوج بھاگ کھڑی ہوئی، اور فرزند ان تو حید تمام ملک شام کے وارث بن گئے۔

فسطاط کی فتح..... فتح شام کے بعد حضرت عمرو بن العاصؓ کی سرکردگی میں مصر پر حملہ ہوا، انہوں نے چھوٹے چھوٹے مقامات کو فتح کرتے ہوئے فسطاط کا محاصرہ کر لیا اور قلعہ کی مضبوطی، نیز فوج کی قلت دیکھ کر دربار خلافت سے اعانت طلب کی، امیر المومنین حضرت عمرؓ نے دس ہزار فوج اور چار افسر بھیجے اور خط میں لکھا کہ ان افسروں میں ایک ایک ہزار سوار کے برابر ہے، افسروں میں حضرت زبیرؓ بھی تھے، ان کا جو رتبہ تھا اس کے لحاظ سے عمروؓ نے ان کو افسر بنایا اور محاصرہ وغیرہ کے انتظامات ان کے ہاتھ میں دیئے، انہوں نے گھوڑے پر سوار ہو کر خندق کے چاروں طرف چکر لگایا اور جہاں جہاں مناسب تھا مناسب تعداد کے ساتھ سوار اور پیادے متعین کئے، اس کے ساتھ منجنیقوں سے پتھر برسائے شروع کر دیئے، اس پر پورے سات مہینے گزر گئے اور فتح و شکست کا کچھ فیصلہ نہ ہوا، حضرت زبیرؓ نے ایک دن تنگ آ کر کہا کہ آج میں مسلمانوں پر فدا ہوتا ہوں، یہ کہہ کر تنگی تلوار ہاتھ میں لی اور سیڑھی لگا کر قلعہ کی فصیل پر چڑھ گئے، چند اور صحابہؓ نے ان کا ساتھ دیا، فصیل پر پہنچ کر سب نے ایک ساتھ تکبیر کے نعرے بلند کئے، ساتھ ہی تمام فوج نے نعرہ مارا کہ قلعہ کی زمین دہل اٹھی، عیسائی یہ سمجھ کر کہ مسلمان قلعہ کے اندر گھس آئے، بدحواس ہو کر بھاگے، ادھر حضرت زبیرؓ نے فصیل سے اتر کر قلعہ کا دروازہ کھول دیا اور تمام فوج اندر گھس آئی، مقوقس حاکم مصر نے یہ دیکھ کر صلح کی درخواست کی اور اسی وقت سب کو امان دے دی گئی۔

اسکندر یہ کی تسخیر..... فسطاط فتح کر کے اسلامی فوج نے اسکندر یہ کا رخ کیا اور مدتوں قلعہ کا محاصرہ کئے بڑی رہی، لیکن جس قدر زیادہ دن گزرتے جاتے تھے، اسی قدر دربار خلافت سے اس کے جلد فتح کرنے کا تقاضا بڑھتا جاتا تھا، غرض ایک روز عمرو بن العاصؓ نے آخری اور قطعی حملہ کا ارادہ کر لیا اور حضرت زبیرؓ اور مسلمہ بن مخلدؓ کو فوج کا ہراول بنا کر اس زور سے یورش کی کہ ایک ہی حملہ میں شہر فتح ہو گیا۔

مفتوحہ ممالک کی تقسیم کا مطالبہ..... مصر کامل طور پر مسخر ہو گیا تو حضرت زبیرؓ نے عمرو بن العاصؓ سپہ سالار فوج سے اراضی مفتوحہ کی تقسیم کا مطالبہ کیا اور فرمایا کہ جس طرح رسول اللہ ﷺ نے خیبر کو مجاہدین پر تقسیم فرمادیا تھا، اسی طرح تمام ممالک مفتوحہ کو تقسیم کر دینا چاہئے، عمرو بن العاصؓ نے کہا خدا کی قسم! میں امیر المومنینؓ کی اجازت کے بغیر کچھ نہیں کر سکتا، حضرت عمرؓ کو لکھا گیا تو انہوں نے لکھا کہ اس کو اسی طرح رہنے دینا چاہئے تاکہ آئندہ نسلیں بھی اس سے

مستفید ہوئی رہیں، حضرت زبیرؓ کے ذہن میں بھی اس کی مصلحت آگئی اور خاموش ہو رہے۔
 ۲۳ھ میں خلیفہ وقت حضرت عمرؓ نے ایک مجوسی کے ہاتھ ناگہانی طور پر زخمی ہو کر سفر آخرت کی تیاری کی تو عہدہ خلافت کے لئے چھ آدمیوں کے نام پیش کئے اور فرمایا کہ حضرت سرور کائنات ﷺ آخر وقت تک ان سے راضی رہے تھے، ان چھ بزرگوں میں ایک حضرت زبیرؓ بھی تھے، لیکن تین دن کی مسلسل گفت و شنید اور بحث و مباحثہ کے بعد مجلس شوریٰ نے حضرت عثمان ذوالنورینؓ کو اس مسند گرامی پر بٹھادیا۔ حضرت زبیرؓ نے بھی بے چون و چرا اس انتخاب کو تسلیم کر کے بیعت کر لی۔۲

خلیفہ ثالثؓ کے عہد میں حضرت زبیرؓ نے نہایت سکون و خاموشی کی زندگی بسر کی اور کسی قسم کے ملکی مہم میں شریک نہیں ہوئے، درحقیقت عمر بھی اس حد سے متجاوز ہو چکی تھی، لیکن ۳۵ھ میں مصری مفسدوں نے بارگاہ خلافت کا محاصرہ کیا، تو انہوں نے اپنے بڑے صاحبزادہ عبداللہ بن زبیرؓ کو امیر المومنین کی مساعدت و حفاظت پر مامور کر دیا۔

غرض اٹھارہویں ذی الحجہ جمعہ کے روز حضرت عثمانؓ مفسدین کے ہاتھ سے شہید ہوئے، حضرت زبیرؓ نے حسب وصیت پوشیدہ طریقہ پر رات کے وقت نماز جنازہ ادا کی اور مضافات مدینہ میں حش کو کب نامی ایک مقام پر سپرد خاک کیا۔

خلیفہ وقت کے قتل سے تمام مدینہ میں مفسدین کا رعب طاری ہو گیا، ہر شخص دم بخود تھا، حضرت عثمانؓ کے طرفدار اور تمام بنو امیہ مکہ اور دوسرے مقامات کی طرف بھاگ گئے، چونکہ مصری حضرت علیؓ کے طرف دار تھے اس لئے انہوں نے اس کو خلافت کا بارگراں اٹھانے پر مجبور کیا، اور مسجد نبویؐ میں لوگوں کو بیعت کے لئے جمع کیا، حضرت طلحہؓ و زبیرؓ کو برابر کے دعویدار تھے، تاہم مصریوں کے خوف سے زبان نہ ہلا سکے اور کسی طرح بیعت کر لی۔۳

حضرت علیؓ کی مسند نشینی کے بعد بھی مدینہ میں امن و امان قائم نہ ہو سکا، سبائی فرقہ جو اس انقلاب کا بانی تھا، اور فتنہ و فساد کے نئے نئے کرشمے دکھاتا رہتا تھا، جال بدوی جو ہمیشہ ایسے لوٹ مار کے موقعوں پر شریک ہو جاتے، سبائیوں کے ساتھ ہو گئے، حضرت علیؓ نے کوشش کی کہ یہ لوگ اپنے اپنے وطن کی طرف لوٹ جائیں اور بدویوں کو بھی شہر سے نکال دیا جائے لیکن سبائیوں کے ضد اور انکار سے کامیابی نہ ہوئی۔۴

حضرت زبیرؓ جو اساطین امت میں تھے، کب تک خاموشی کے ساتھ اس شورش و ہنگامہ آرائی کا تماشا دیکھتے، اصلاح حال اور رفع فساد کا انتظار کرتے کرتے کامل چار ماہ گزر گئے، لیکن امن و سکون کی کوئی صورت پیدا نہ ہوئی، آخر تھک کر حضرت طلحہؓ کے ساتھ حضرت علیؓ کے پاس

۱۔ مسند ابن جبریل جلد ۱ ص ۱۶۶

۲۔ بخاری کتاب المناقب باب قصۃ النبیؐ -

۳۔ تاریخ طبری ص ۳۰۷

آئے، اور اصلاح و اقامت حدود کا مطالبہ کیا، انہوں نے جواب دیا، بھائی! میں اس سے غافل نہیں، لیکن ایک ایسی قوم کے ساتھ کیا کر سکتا ہوں جس پر میرا کچھ اختیار نہیں، بلکہ وہ خود مجھ پر حکمران ہے۔ غرض جب اس طرف سے بھی مایوسی ہوئی تو یہ دونوں خود عملاً اس شورش کو رفع کرنے کے لئے مکہ کی طرف روانہ ہو گئے۔

ام المومنین حضرت عائشہؓ حج کے خیال سے مکہ آئی تھیں، اور اب تک مدینہ کی شورشوں کا حال سن کر یہیں مقیم تھیں۔ حضرت طلحہؓ و زبیرؓ سب سے پہلے ام المومنینؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان لفظوں میں مدینہ کی بد امنی کا نقشہ کھینچا۔

انا تحملنا بقتینا ہر ابامن المدینۃ من غبوغا اعراب و فارقنا قوما

حیاری لا یعرفون حقاً ولا ینکرون باطلا ولا یمنعون انفسہم۔

ہم اعراب کے شور و شر کے خوف سے مدینہ سے بھاگ آئے ہیں اور ہم

نے وہاں ایسی حیران قوم کو چھوڑا ہے جو نہ حق کو پہچانتی ہے اور نہ باطل سے احتراز

کرتی ہے، اور نہ اپنی جانوں کی حفاظت کرتی ہے۔

ام المومنینؓ نے فرمایا ”تو پھر کوئی رائے قائم کر کے اس شورش کو فرو کرنا چاہئے“ غرض تھوڑی دیر کی بحث و مباحثہ کے بعد علم اصلاح بلند کرنے پر سب کا اتفاق ہوا، بنو امیہ بھی جو مدینہ سے بھاگ کر یہاں مجتمع ہو گئے تھے، جوش انتقام میں ساتھ ہو گئے اور اس طرح داعیان اصلاح کی ایک ہزار جماعت بصرہ کی طرف روانہ ہوئی تاکہ وہاں سے اپنی قوت مضبوط کر کے مدینہ کا رخ کرے، راہ میں امویوں نے خلافت و امامت کی بحث چھیڑ کر حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ کو لڑانا چاہا، لیکن ام المومنینؓ کی مداخلت سے معاملہ رفت و گذشت ہو گیا، بصرہ کے قرب پہنچے تو عثمان بن حنیف والی بصرہ نے مزاحمت کی، لیکن وہاں داعیان اصلاح کے حامیوں کی ایک بڑی جماعت بھی موجود تھی، وہ خود عثمانؓ کے ساتھیوں سے دست و گریبان ہو گئی، یہاں تک تک کشت و خون کی نوبت پہنچ گئی، عثمان بن حنیف کا بیان تھا کہ جب طلحہؓ و زبیرؓ حضرت علیؓ کے ہاتھ پر بیعت کر چکے تو پھر انہیں علم مخالفت بلند کرنے کا کیا استحقاق ہے؟ ان دونوں کا یہ جواب تھا کہ ہم قہراً و جبراً شریک بیعت ہوئے اور اگر فرض کر لو کہ یہ بیعت صحیح تھی تب بھی اس سے مطالبہ اصلاح کی نفی نہیں ہوتی، غرض معاملہ نے زیادہ طول کھینچا تو مصالحت کی یہ صورت قرار پائی کہ ایک شخص تحقیقات کے لئے مدینہ روانہ کیا جائے، اگر ثابت ہو کہ طلحہؓ و زبیرؓ بیعت پر مجبور کئے گئے تھے تو عثمان بن حنیف مزاحمت سے باز آئیں گے ورنہ ان دونوں کو اس جماعت سے کنارہ کش ہونا پڑے گا، چنانچہ کعبؓ اس تحقیقات پر مامور ہوئے، انہوں نے جمعہ کے روز مسجد نبویؐ میں داخل

ہو کر حاضرین سے بباغک بلند سوال کیا۔

یا اهل المدينة انی رسول اهل البصرة الیکم اکره هؤلاء القوم

هذین الرجلین علی بیعة علی ام اتیها طالعین.

اے اہل مدینہ! میں اہل بصرہ کا قاصد بن کر آیا ہوں، کیا واقعی اس قوم

نے ان دونوں کو علیؑ کی بیعت پر مجبور کیا تھا یا وہ خوشی سے اس پر تیار ہوئے تھے؟

مجمع میں تھوڑی دیر تک سناٹا رہا لیکن حضرت اسامہ بن زیدؓ سے نہ رہا گیا، بول اٹھے ”خدا کی قسم! ان دونوں نے سخت ناپسندیدگی کے ساتھ بیعت کی تھی“ اس سے ایک ہلچل پڑ گئی، تمام اور اہل بن حنیف حضرت اسامہؓ سے الجھ پڑے، صہیب بن سنانؓ، ابویوبؓ اور محمد بن مسلمہؓ وغیرہ کبار صحابہ نے دیکھا کہ لوگ اسامہؓ کو مار ڈالیں گے تو سب نے ایک زبان ہو کر کہا ”ہاں خدا کی قسم اسامہؓ نے سچ کہا، غرض اسی طرح اسامہؓ کی جان بچ گئی اور کعبؓ بصرہ واپس آئے، دوسری طرف حضرت علیؓ کو ان واقعات کی اطلاع مل چکی تھی، انہوں نے عثمان بن حنیف کو لکھا کہ اولاً تو یہی صحیح نہیں کہ وہ مجبور کئے گئے اور اگر مان بھی لو تو قوم و ملک کی بہتری کے لئے ایسا ہونا ضروری تھا، اور اگر وہ مجھے معزول کرنا چاہتے ہیں تو ان کے پاس کوئی معقول عذر نہیں اور اگر کچھ اور مقصد ہے تو اس پر غور ہو سکتا ہے، اس خط کے بعد عثمانؓ نے اپنی رائے بدل دی، اور کعبؓ کی تحقیقات کے باوجود داعیان اصلاح کی مزاحمت پراڑے رہے۔

حضرت طلحہؓ وزیرؓ نے دیکھا کہ اب سہولت کے ساتھ یہ معاملہ طے نہ ہوگا تو ایک روز عشاء کے وقت اپنے ساتھیوں کے ساتھ مسجد پہنچے اور عبدالرحمان بن عتابؓ کو نماز پڑھانے کے لئے کھڑا کر دیا، حضرت عثمان بن حنیفؓ نے اس کو اپنے حق میں مداخلت تصور کر کے ایرانی ”زط“ اور سبا بچہ سپاہیوں کو حملہ کا حکم دے دیا، لیکن حضرت طلحہؓ وزیرؓ نے پامردی کے ساتھ مقابلہ کر کے ان کو بھگا دیا، دوسری طرف چند آدمی دارالامارت میں گھس گئے اور حضرت عثمان ابن حنیفؓ کو پکڑ کر سامنے لائے، ان لوگوں نے اس بے رحمی کے ساتھ ان کو مارا کہ تھا اور ڈاڑھیاں نوچی تھیں کہ چہرہ پر ایک بال بھی باقی نہ تھا، حضرت طلحہؓ وزیرؓ کو یہ سخت ناگوار گذرا اور حضرت عائشہؓ سے اس کے متعلق دریافت کیا، انہوں نے حکم دیا کہ عثمانؓ کو چھوڑ دو، جہاں جی چاہے جائے، غرض اس طرح بصرہ پر قبضہ ہو گیا۔ اور ایک بڑی جماعت اس مہم میں ساتھ دینے پر تیار ہو گئی۔

جنگ جمل اور حضرت زبیرؓ کی حق پسندی حضرت طلحہؓ وزیرؓ نے اہل کوفہ کو بھی خطوط لکھ کر شرکت کی ترغیب دی لیکن وہاں حضرت امام حسینؓ نے پہنچ کر پہلے ہی ان کو اپنا طرفدار بنالیا اور تقریباً نو ہزار کی عظیم الشان جمعیت مقام ذی قار میں حضرت علیؓ کی فوج سے مل کر بصرہ کی طرف بڑھی، حضرت طلحہؓ وزیرؓ کو معلوم ہوا تو انہوں نے بھی اپنی فوج کو مرتب و منظم

کر کے آگے بڑھایا، دسویں جمادی الآخر ۳۶ھ جمعرات کے دن دونوں فوجوں میں مذبذب ہوئی، کیسا عبرت انگیز نظارہ تھا، چند دن بیشتر جو لوگ بھائی بھائی تھے، آج باہم ایک دوسرے کے خون کے پیاسے ہو کر نگاہ غیظ و غضب سے اپنے مقابل کو گھور رہے ہیں لیکن ذاتی محاصمت و عداوت سے نہیں بلکہ حق و صداقت کے جوش میں، یہی وجہ ہے کہ ایک ہی قبیلہ کے کچھ آدمی اس طرف ہیں تو کچھ اس طرف چونکہ دونوں جماعتوں کے سربراہ کاروں کو اصلاح مد نظر تھی، اس لئے پہلے مصالحت کی سلسلہ جنبانی شروع ہوئی، حضرت علیؓ تنہا گھوڑا آگے بڑھا کر بیچ میدان میں آئے اور حضرت زبیرؓ کو بلا کر کہا ”ابو عبد اللہ! تمہیں وہ دن یاد ہے جب کہ ہم اور تم دونوں ہاتھ میں ہاتھ دیئے رسالت مآب ﷺ کے سامنے گذرے تھے، اور رسول اللہ ﷺ نے تم سے پوچھا تھا کہ کیا تم اس کو دوست رکھتے ہو؟ تم نے عرض کی تھی، ہاں! یا رسول اللہ، یاد کرو اس وقت تم سے حضور انور ﷺ نے فرمایا تھا کہ ایک دن تم اسی سے ناحق لڑو گے، حضرت زبیرؓ نے جواب دیا ہاں! اب مجھے بھی یاد آیا۔

حضرت علیؓ تو صرف ایک بات یاد دلا کر پھر اپنی جگہ پر چلے گئے، لیکن حضرت زبیرؓ کے قلب حق پرست میں ایک خاص سخت مظلوم برپا ہو گیا، تمام عزائم اور ارادے منسوخ ہو گئے، ام المؤمنینؓ کے پاس آ کر کہنے لگے، میں برسر غلط تھا، علیؓ نے مجھے رسول اللہ ﷺ کا مقولہ یاد دلادیا، حضرت عائشہؓ نے پوچھا پھر اب کیا ارادہ ہے؟ بولے ”اب میں اس جھگڑے سے کنارہ کش ہوتا ہوں۔“ حضرت زبیرؓ کے صاحبزادہ حضرت عبد اللہؓ نے کہا آپ ہم لوگوں کو دو گروہوں کے درمیان پھنسا کر خود علیؓ کے خوف سے بھاگنا چاہتے ہیں، حضرت زبیرؓ نے کہا میں قسم کھاتا ہوں کہ علیؓ سے نہیں لڑوں گا۔“ عبد اللہؓ نے کہا قسم کا کفارہ ممکن ہے، اور اپنے غلام مکحول کو بلا کر آزاد کر دیا، لیکن خواری رسول کا دل اچاٹ ہو چکا تھا، کہنے لگے، جان پدر علیؓ نے ایسی بات یاد دلائی کہ تمام جوش فرو ہو گیا، بے شک ہم حق پر نہیں ہیں آؤ تم بھی میرا ساتھ دو، حضرت عبد اللہؓ نے انکار کر دیا تو تنہا بصرہ کی طرف چل کھڑے ہوئے تاکہ وہاں سے اپنا اسباب و سامان لے کر حجاز کی طرف نکل جائیں، اخف بن قیس نے حضرت زبیرؓ کو جاتے دیکھا تو کہا دیکھو یہ کسی وجہ سے واپس جا رہے ہیں، کوئی جا کر خبر لائے، عمرو بن جرموز نے کہا میں جاتا ہوں اور ہتھیار سجا کر گھوڑا دوڑاتے ہوئے حضرت زبیرؓ کے پاس پہنچاؤ اس وقت اپنے غلاموں کو اسباب و سامان کے ساتھ روانگی کا حکم دے کر بصرہ کی آبادی سے دور نکل آئے تھے، ابن جرموز نے قریب پہنچ کر پوچھا۔

ابن جرموز۔ ابو عبد اللہ! آپ نے قوم کو کس حال میں چھوڑا؟
حضرت زبیرؓ۔ سب باہم ایک دوسرے کا گلا کاٹ رہے تھے۔

ابن جرموز۔ آپ کہاں جا رہے ہیں؟
حضرت زبیرؓ میں اپنی غلطی پر متنبہ ہو گیا، اس لئے اس جھگڑے سے کنارہ کش ہو کر کسی طرف نکل جانے کا قصد ہے۔

ابن جرموز نے کہا چلئے مجھے بھی اسی طرف کچھ دور تک جانا ہے، غرض دونوں ساتھ چلے، ظہر کی نماز کا وقت آیا تو زبیرؓ نماز پڑھنے کے لئے ٹھہرے، ابن جرموز نے کہا میں بھی شریک ہوں گا، حضرت زبیرؓ نے کہا میں تمہیں امان دیتا ہوں، کیا تم بھی میرے ساتھ ایسا ہی سلوک روا رکھو گے؟ اس نے کہا ہاں! اس عہد و پیمان کے بعد دونوں اپنے گھوڑے سے اترے اور معبود حقیقی کے سامنے سر نیاز جھکانے کو کھڑے ہو گئے۔

شہادت..... حضرت زبیرؓ جیسے ہی سجدہ میں گئے کہ عمرو بن جرموز نے غداری کر کے تلوار کا وار کیا اور حواریؓ رسولؐ کا سرتن سے جدا ہو کر خاک و خون میں تڑپنے لگا، افسوس! جس نے اعلاء کلمۃ اللہ کی راہ میں کبھی اپنی جان کی پروا نہ کی اور جس نے رسول اللہ ﷺ کے سامنے سے بارہا مصائب و شدائد کے پہاڑ ہٹائے تھے وہ آج خود ایک کلمہ خواں اور پیرو رسول ﷺ کی شقاوت اور بے رحمی کا شکار ہو گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

ابن جرموز حضرت زبیرؓ کی تلوار اور زرہ وغیرہ لے کر بارگاہ مرتضویؓ میں حاضر ہوا، اور فخر کے ساتھ اپنا کارنامہ بیان کیا، جناب مرتضیٰؓ نے تلوار پر ایک حسرت کی نظر ڈال کر فرمایا ”اس نے بارہا رسول اللہ ﷺ کے سامنے سے مصائب کے بادل ہٹائے ہیں، اے ابن صفیہ کے قاتل! تجھے بشارت ہو کہ جہنم تیری منتظر ہے۔“

حضرت زبیرؓ نے چونٹھ برس کی عمر پائی اور ۳۷ھ میں شہید ہو کر وادی السباع میں سپرد خاک ہوئے۔ فنور اللہ مرقده و حسن مثواه۔

اخلاق و عادات..... حضرت زبیرؓ کا دامن اخلاقی زرو جواہر سے مالا مال تھا، تقویٰ، پارسائی، حق پسندی بے نیازی، سخاوت اور ایثار آپ کا خاص شیوہ تھا، رقت قلب اور عبرت پذیری کا یہ عالم تھا کہ معمولی سے معمولی واقعہ پر دل کانپ اٹھتا تھا۔

خشیت الہی..... جب یہ آیت نازل ہوئی انک میت وانہم میعون ثم انکم یوم القیامۃ عند ربکم تخصمون الایۃ۔ تو سرور کائنات ﷺ سے پوچھا ”یا رسول اللہ! کیا قیامت کے روز ہمارے جھگڑے پھر دہرائے جائیں گے؟“ ارشاد ہوا ہاں! ایک ایک ذرہ کا حساب ہو کر حقدار کو اس کا حق دلایا جائے گا، یہ سن کر ان کا دل کانپ اٹھا کہنے لگے ”اللہ اکبر! کیسا سخت موقع ہو گا۔“

تقویٰ و پرہیزگاری حضرت زبیرؓ کی کتاب اخلاق کا سب سے روشن باب ہے، وہ خود اس کا خیال رکھتے تھے، اور دوسروں کو بھی ہدایت کرتے تھے، ایک دفعہ وہ اپنے غلام ابراہیم کی دادی

ام عطاء کے پاس گئے، دیکھا کہ یہاں ایام تشریق کے بعد بھی قربانی کا گوشت موجود ہے، کہنے لگے ”ام عطاء! رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں کو تین دن سے زیادہ قربانی کا گوشت کھانے سے منع فرمایا ہے، انہوں نے عرض کی کہ ”میں کیا کروں لوگوں نے اس قدر ہدیے بھیج دیئے کہ ختم ہی نہیں ہوتے۔“

حضرت زبیرؓ نے جب دعوت اصلاح کا علم بلند کیا تو ایک شخص نے آکر کہا ”اگر حکم دیجئے تو علیؓ کی گردن اڑادوں؟“ بولے تم تنہا اس قدر عظیم الشان فوج کا کیسے مقابلہ کرو گے؟ اس نے کہا میں علیؓ کی فوج میں جا کر مل جاؤں گا، اور کسی وقت موقع پا کر دھوکے سے قتل کر ڈالوں گا،“ فرمایا کہ نہیں! رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے ”ایمان قتل ناگہانی کی زنجیر ہے، اس لئے کوئی مومن کسی کو اچانک نہ مارے۔“ ۱

قلبت روایت کا سبب..... حضرت زبیرؓ اگرچہ رسول اللہ ﷺ کے حواری اور ہر وقت کے حاضر رہنے والوں میں سے تھے، لیکن کمال اتقاء کے باعث بہت کم حدیثیں روایت کرتے تھے ایک دفعہ آپ کے صاحبزادہ حضرت عبداللہؓ نے کہا، پدر بزرگوار کیا سبب ہے کہ آپ حضورؐ کی اتنی باتیں بیان نہیں کرتے جتنی اور لوگ بیان کرتے ہیں، فرمایا جان پدر! حضورؐ کی رفاقت اور معیت میں دوسروں سے میرا حصہ کم نہیں ہے، میں جب سے اسلام لایا، رسول اللہ ﷺ سے جدا نہیں ہوا، لیکن حضورؐ کی صرف اس تنبیہ نے مجھے محتاط بنادیا ہے۔

من کذب علی متعمدا فلیتبو مقعده من النار۔

”یعنی جس نے قصد امیری طرف غلط بات منسوب کی، اسے چاہئے کہ جہنم

میں اپنا ٹھکانا بنالے۔“ ۲

مساوات پسندی..... مساوات اسلامی کا اس قدر خیال تھا کہ دو مسلمان لاشوں میں بھی کسی تفریق یا امتیاز کو جائز نہیں سمجھتے تھے، جنگ احد میں آپ کے ماموں حضرت حمزہؓ شہید ہوئے تو حضرت صفیہؓ نے بھائی کی تجہیز و تکفین کے لئے دو کپڑے لا کر دیئے، لیکن ماموں کے پہلو میں ایک انصاری کی لاش بھی بے گور و کفن پڑی تھی، دل نے گوارا نہ کیا کہ ایک کے لئے دو دو کپڑے ہوں اور دوسرا بے کفن رہے، غرض تقسیم کرنے کے لئے دونوں ٹکڑوں کو ناپا، اتفاق سے چھوٹا بڑا ٹکڑا قرعہ ڈال کر تقسیم کیا کہ اس میں بھی کسی طرح کی ترجیح نہ پائی جائے۔ ۳

استقلال..... حضرت زبیرؓ خطرات کی مطلق پروا نہ کرتے اور موت کا خوف کبھی ان کے

۱۔ مسند جلد ۱ ص ۱۶۶۔ ۲۔ مسند جلد ۱ ص ۱۶۶۔

۳۔ ابوداؤد کتاب العلم باب فی التعدید فی الکذب علی رسول اللہ ﷺ و مسند جلد ۱ ص ۱۶۵ صحیح بخاری جلد اول ص ۲۱

۴۔ مسند جلد ۱ ص ۱۶۵

عزم و ارادہ میں حائل نہ ہوتا، اسکندریہ کے محاصرہ نے طول کھینچا تو چاہا کہ سیڑھی لگا کر قلعہ پر چڑھ جائیں، لوگوں نے کہا قلعہ میں سخت طاعون ہے، فرمایا ”ہم طعن و طاعون ہی کے لئے آئے ہیں۔“ یعنی موت سے ڈرنا کیا ہے، غرض سیڑھیاں لگائی گئیں اور جان بازی کے ساتھ چڑھ گئے۔

امانت..... حواری رسول کی امانت، دیانت اور انتظامی قابلیت کا عام شہرہ تھا، یہاں تک کہ لوگ عموماً اپنی وفات کے وقت ان کو اپنے آل و اولاد اور مال و متاع کے محافظ بنانے کی تمنا ظاہر کرتے تھے، مطیع بن الاسود نے ان کو وصی بنانا چاہا، انہوں نے انکار کیا تو لجاجت کے ساتھ کہنے لگے ”میں آپ کو خدا، رسول اور قرابت داری کا واسطہ دلاتا ہوں، میں نے فاروق اعظم کو کہتے سنا ہے کہ زبیرؓ دین کے ایک رکن ہیں۔“ حضرت عثمانؓ، مقدادؓ، عبداللہ بن مسعودؓ اور عبدالرحمن بن عوفؓ وغیرہ نے بھی ان کو اپنا وصی بنایا تھا، چنانچہ یہ دیانتداری کے ساتھ ان کے مال و متاع کی حفاظت کر کے ان کے اہل و عیال پر صرف کرتے تھے۔

فیاضی..... فیاضی، سخاوت اور خدا کی راہ میں خرچ کرنے میں بھی پیش پیش رہتے تھے، حضرت زبیرؓ کے پاس ایک ہزار غلام تھے، روزانہ اجرت پر کام کر کے ایک بیش قرار رقم لاتے تھے، لیکن انہوں نے اس میں سے ایک حبہ بھی کبھی اپنی ذات یا اپنے اہل و عیال پر صرف کرنا پسند نہ کیا بلکہ جو کچھ آیا اسی وقت صدقہ کر دیا۔^۱ غرض ایک پیغمبر کے حواری میں جو خوبیاں ہو سکتی ہیں، حضرت زبیرؓ کی ذات والا صفات میں ایک ایک کر کے وہ سب موجود تھیں۔

ذریعہ معاش اور تمول..... معاش کا اصلی ذریعہ تجارت تھا، اور عجیب بات ہے کہ انہوں نے جس کام میں ہاتھ لگایا وہ کبھی گھٹا نہیں۔^۲

تجارت کے علاوہ مال غنیمت سے بھی گراں قدر رقم حاصل کی، حضرت زبیرؓ کے تمول کا صرف اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ ان کے تمام مال کا تخمینہ پانچ کروڑ دو لاکھ درہم (یادینار) کیا گیا تھا، لیکن یہ سب نقد نہیں بلکہ جائیداد غیر منقولہ کی صورت میں تھا، اطراف مدینہ میں ایک جھاڑی تھی، اس کے علاوہ مختلف مقامات میں مکانات تھے، چنانچہ خاص مدینہ میں گیارہ، بصرہ میں دو اور مصر و کوفہ میں ایک ایک مکان تھا۔^۳

قرض اور اس کی ادائیگی..... حضرت زبیرؓ اس قدر تمول کے باوجود بائیس لاکھ کے مقروض تھے، اس کی وجہ یہ تھی کہ لوگ عموماً اپنا مال ان کے پاس جمع کرتے تھے، لیکن یہ احتیاط کے خیال سے سب سے کہہ دیتے تھے کہ امانت نہیں بلکہ قرض کی حیثیت سے لیتا ہوں، ہوتے

۱۔ اصحابہ جلد ۳ ص ۶

۲۔ استیعاب جلد ۱ ص ۲۰۸

۳۔ بخاری کتاب الجہاد باب بركة الغازی فی ماله

ہوتے اسی طرح بائیس لاکھ کے مقروض ہو گئے۔

حضرت زبیرؓ جب جنگ جمل کے لئے تیار ہوئے تو انہوں نے اپنے صاحبزادہ عبداللہؓ سے کہا ”جان پدر! مجھے سب سے زیادہ خیال اپنے قرض کا ہے، اس لئے میرا مال و متاع بیچ کر سب سے پہلے قرض ادا کرنا اور جو کچھ بچ رہے اس میں سے ایک ٹلٹ خاص تمہارے بچوں کے لئے وصیت کرتا ہوں، ہاں! اگر مال کفایت نہ کرے تو میرے مولیٰ کی طرف رجوع کرنا۔“ حضرت عبداللہؓ نے پوچھا ”آپ کا مولیٰ کون ہے؟“ فرمایا ”میرا مولیٰ خدا ہے جس نے ہر مصیبت کے وقت میری دستگیری کی ہے۔“

حضرت عبداللہؓ بن زبیرؓ نے حسب وصیت مختلف آدمیوں کے ہاتھ جھاڑی بیچ کر قرض ادا کرنے کا سامان کیا، اور چار برس تک موسم حج میں اعلان کرتے رہے کہ زبیرؓ پر جس کا قرض ہو آکر لے لے، غرض اس طرح سے قرض ادا کرنے کے بعد بھی اس قدر رقم بچ رہی کہ صرف حضرت زبیرؓ کی چار بیویوں میں سے ہر ایک کو بارہ بارہ لاکھ حصہ ملا، موصی لہ اور دوسرے ورثہ کے علاوہ تھے۔

جاگیر و زراعت..... فتح خیبر کے بعد رسول اللہ ﷺ نے اس کی زمین کو مجاہدین پر تقسیم فرمادیا تھا، چنانچہ حضرت زبیرؓ کو بھی اس میں سے ایک وسیع اور سرسبز قطعہ ملا تھا، اس کے علاوہ مدینہ کے اطراف میں بھی ان کے کھیت تھے، جن کو وہ خود آباد کرتے تھے، کبھی کبھی آب پاشی وغیرہ کے متعلق دوسرے شرکاء سے جھگڑا بھی ہو جاتا تھا، ایک دفعہ ایک انصاری سے جن کا کھیت حضرت زبیرؓ کے کھیت سے ملا ہوا نیچے کی طرف تھا، آب پاشی کے متعلق جھگڑا ہوا انصارؓ نے بارگاہ نبوت میں شکایت کی تو آنحضرت ﷺ نے حضرت زبیرؓ سے فرمایا کہ تم اپنا کھیت پہنچ کر اپنے پڑوسی کے لئے پانی چھوڑ دیا کرو، انصاری اس فیصلہ سے ناراض ہوئے اور کہنے لگے ”یا رسول اللہ! آپ نے اپنے پھوپھی زادہ کی پاسداری فرمائی۔ چونکہ انصاری کو اس آب پاشی سے متمتع ہونے کا کوئی حق نہ تھا اور رسول اللہ ﷺ نے محض ان کی رعایت سے یہ فیصلہ صادر فرمایا تھا، اس لئے چہرہ سرخ ہو گیا، اور حضرت زبیرؓ کو حکم دیا کہ تم اپنے پورے حق سے فائدہ اٹھاؤ، یعنی خود آب پاشی کر کے پانی کو روک رکھو یہاں تک کہ نالیوں کے ذریعہ سے دوسری طرف بہہ جائے۔

کھیت کی نگرانی اور فصل کی حفاظت کا فرض بسا اوقات خود ہی انجام دیتے تھے، ایک دفعہ عہد فاروقیؓ میں حضرت عبداللہ بن عمروؓ اور حضرت مقداد بن الاسودؓ کے ساتھ اپنی جاگیر کی دیکھ بھال کے لئے خیبر تشریف لے گئے اور رات کے وقت تک تینوں علیحدہ اپنی اپنی جاگیر کے قریب سوئے، رات کی تاریکی میں کسی یہودی نے شرارت سے حضرت عبداللہ بن

۱۔ بخاری ۲۔ بخاری کتاب الجہاد باب برکتہ الغازی فی مالہ

۳۔ بخاری کتاب المساقاة

عمرؓ کی کلائی اس زور سے موڑ دی کہ بے اختیار ہو کر چلا اٹھے، حضرت زبیرؓ وغیرہ مدد کے لئے دوڑے، اور واقعہ دریافت کر کے ان کو لئے ہوئے بارگاہ خلافت میں حاضر ہوئے اور یہودیوں کی شرارت کا حال بیان کیا، چنانچہ حضرت عمرؓ نے اسی واقعہ کے بعد یہودیوں کو خیبر سے جلا وطن کر دیا۔

حضرت ابو بکرؓ نے بھی مقام جرف میں انہیں ایک جاگیر مرحمت فرمائی تھی، اسی طرح حضرت عمرؓ نے مقام عقیق کی زمین انہیں دے دی تھی۔ ۲۔ جو مدینہ کے اطراف میں ایک خوش فضا میدان ہے۔

آل و اولاد سے محبت..... حضرت زبیرؓ کو بیوی بچوں سے نہایت محبت تھی، خصوصاً حضرت عبداللہؓ اور ان کے بچوں کو بہت مانتے تھے، چنانچہ اپنے مال میں سے ایک ٹکٹ کی خاص ان کے بچوں کے لئے وصیت کی تھی، لڑکوں کی تربیت کو بھی خاص طور پر ملحوظ رکھتے تھے، جنگ یرموک میں شریک ہوئے تو اپنے صاحبزادہ عبداللہ بن زبیرؓ کو بھی ساتھ لے گئے، اس وقت ان کی عمر صرف دس سال کی تھی، لیکن حضرت زبیرؓ نے ان کو گھوڑے پر سوار کر کے ایک آدمی کے سپرد کر دیا کہ جنگ کے ہولناک مناظر دکھا کر جرات و بہادری کا سبق دے۔

غذا و لباس..... دولت و ثروت کے باوجود طرز معاشرت نہایت سادہ تھا، غذا بھی پر تکلف نہ تھی لباس عموماً معمولی اور سادہ زیب بدن فرماتے، البتہ جنگ میں ریشمی کپڑے استعمال کرتے تھے، کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے خاص طور پر ان کو اجازت دی تھی، آلات حرب کا نہایت شوق تھا اور اس میں تکلف جائز سمجھتے تھے، چنانچہ ان کی تلوار کا قبضہ نقرئی تھا۔

حلیہ..... بدن چھریرا، قد بلند و بالا، خصوصاً پاؤں اس قدر لمبے کہ گھوڑے پر چڑھتے تو پاؤں زمین سے چھو جاتا، رنگ گندم گوں اور سر پر کندھوں تک بالوں کی ٹہیں۔

اولاد و ازواج..... حضرت زبیرؓ نے مختلف اوقات میں متعدد شادیاں کیں اور کثرت کے ساتھ اولاد پیدا ہوئی، بعض بچے تو ان کی حیات ہی میں قضا کر گئے تاہم پھر بھی بہت سی اولاد یادگار رہ گئی،

ان کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

- (۱)..... حضرت اسماء بنت ابی بکرؓ۔ ان کے بطن سے چھ بچے ہوئے۔ نام یہ ہیں
(۱) عبداللہ (۲) عروہ (۳) منذر (۴) خدیجہ الکبریٰ (۵) ام الحسن (۶) عائشہ

۱۔ ابن ہشام جلد ۲ ص ۲۰۱۔ ۲۔ ابن سعد قسم اول جلد ۳ ص ۱۷۳۔
۳۔ اولاد و ازواج کی تفصیل فتح الباری جلد ۶ ص ۱۶۱ سے ماخوذ ہے۔

- (۲)..... حضرت ام خالد بنت خالد بن سعید، انہوں نے
 (۷) خالد، (۸) عمر (۹) حبیب، (۱۰) سودہ (۱۱) ہند۔ یادگار چھوڑی۔
 (۳)..... حضرت رباب بنت انیف ان سے
 (۱۲) مصعب، (۱۳) حمزہ (۱۴) رملہ پیدا ہوئیں۔
 (۴)..... حضرت زینب بنت بشر، ان کے بطن سے
 (۱۵) عبیدہ، (۱۶) جعفر (۱۷) حصہ پیدا ہوئیں۔
 (۵) حضرت ام کلثوم بنت عقبہ ان سے صرف ایک لڑکی (۱۸) زینب پیدا ہوئی۔

حضرت طلحہؓ

نام و نسب، خاندان..... طلحہ نام، ابو محمد کنیت، فیاض اور خیر لقب، والد کا نام عبید اللہ اور والدہ کا نام صعہ تھا، پورا سلسلہ نسب یہ ہے، طلحہ بن عبد اللہ بن عثمان بن عمرو بن کعب بن سعد بن تیم بن مرہ بن کعب بن لوی ابن غالب القرشی النخعی، چونکہ مرہ بن کعب آنحضرت ﷺ کے اجداد میں سے ہیں اس لئے حضرت طلحہؓ کا نسب چھٹی ساتویں پشت میں حضرت سرور کائنات ﷺ سے مل جاتا ہے۔

حضرت طلحہؓ کے والد عبید اللہ نے آنحضرت ﷺ کی بعثت سے پہلے یا کم سے کم حضرت طلحہؓ کے اسلام قبول کرنے سے قبل وفات پائی، البتہ ان کی والدہ حضرت صعہؓ نے نہایت طویل زندگی پائی، مسلمان ہوئیں، اور حضرت عثمانؓ کے محصور ہونے کے وقت تک زندہ تھیں، چنانچہ امام بخاریؒ کی تاریخ الصغیر میں ایک روایت ہے کہ جب صعہؓ گوا میرالمومنینؓ کے محصور ہونے کی خبر ملی تو وہ گھر سے نکل کر آئیں اور اپنے صاحبزادہ حضرت طلحہؓ سے خواہش کی کہ وہ اپنے اثر سے مفسدین کو دور کر دیں، اس وقت خود حضرت طلحہؓ کی عمر ساٹھ برس سے زیادہ تھی، اس لئے اگر تاریخ الصغیر کی روایت صحیح ہے تو حضرت صعہؓ نے اسی برس سے زیادہ عمر پائی۔

حضرت طلحہؓ ہجرت نبویؐ سے چوبیس پچیس برس قبل پیدا ہوئے، ابتدائی حالات نامعلوم ہیں، لیکن اس قدر یقینی ہے کہ ان کو بچپن ہی سے تجارتی مشاغل میں مصروف ہونا پڑا، اور عقوان شباب ہی میں دور دراز ممالک کے سفر کا اتفاق ہوا۔

اسلام..... ایک دفعہ جب کہ غالباً سترہ یا اٹھارہ برس کی عمر تھی، تجارتی اغراض سے بصری تشریف لے گئے، وہاں ایک راہب نے حضرت سرور کائنات ﷺ کے مبعوث ہونے کی بشارت دی، لیکن یوم ولادت سے اس وقت تک جس قسم کی آب و ہوا میں پرورش پائی تھی اور گرد و پیش جس قسم کے مذہبی جے جے تھے، اس کا اثر صرف ایک راہب کی پیشین گوئی سے زائل نہیں ہو سکتا تھا، بلکہ ابھی مزید تعلیم و تلقین کی ضرورت تھی، مکہ واپس آئے تو حضرت ابو بکر صدیقؓ کی صحبت اور ان کے مخلصانہ وعظ و پند نے تمام شکوک رفع کر دیئے، چنانچہ ایک روز صدیق اکبرؓ کی وساطت سے دربار رسالت میں حاضر ہوئے اور خلعت ایمان سے مشرف ہو کر واپس آئے، اس طرح حضرت طلحہؓ ان آٹھ آدمیوں میں سے ہیں جو ابتدائے اسلام میں عجم صداقت کی پر تو ضیاء سے ہدایت یاب ہوئے اور آخر کار خود بھی آسمان اسلام کے روشن ستارے بن کر چمکے۔ اسلام لانے کے بعد حضرت طلحہؓ بھی عام مسلمانوں کی طرح کفار کے ظلم و ستم سے محفوظ نہ

رہے، عثمان بن عبید اللہ نے جو نہایت سخت مزاج اور حضرت طلحہؓ کا حقیقی بھائی تھا، ان کو اور حضرت ابوبکر صدیقؓ کو ایک ہی رسی میں باندھ کر مارا کہ اس تشدد سے اپنے نئے مذہب کو ترک کر دیں، لیکن توحید کا نشہ ایسا نہ تھا جو چڑھ کر اتر جاتا۔
مواخات..... مکہ میں آنحضرت ﷺ نے حضرت زبیرؓ بن عوام سے ان کا بھائی چارہ کرا دیا۔

ہجرت..... حضرت طلحہؓ نے مکہ میں نہایت خاموش زندگی بسر کی اور اپنے تجارتی مشاغل میں مصروف رہے، چنانچہ جس وقت رسول اللہ ﷺ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے ساتھ مدینہ تشریف لے جا رہے تھے، اس وقت وہ اپنے تجارتی قافلہ کے ساتھ شام سے واپس آ رہے تھے، راہ میں ملاقات ہوئی، انہوں نے ان دونوں کی خدمت میں کچھ شامی کپڑے پیش کئے اور عرض کی کہ اہل مدینہ نہایت بے چینی اور اضطراب کے ساتھ انتظار کر رہے ہیں، غرض آنحضرت ﷺ نہایت عجلت کے ساتھ مدینہ کی طرف بڑھے اور حضرت طلحہؓ نے مکہ پہنچ کر اپنے تجارتی کاروبار سے فراغت حاصل کی اور حضرت ابوبکرؓ کے اہل و عیال کو لے کر مدینہ پہنچے حضرت اسعد بن زرارہؓ نے ان کو اپنا مہمان بنایا اور آنحضرت ﷺ نے حضرت ابی بن کعب انصاریؓ سے ان کا بھائی چارہ کرا دیا۔

غزوات اور دیگر حالات

ہجرت مدینہ کے دوسرے سال سے غزوات کا سلسلہ شروع ہوا، اور کفر و اسلام کی پہلی آویزش جنگ بدر کی صورت میں ظاہر ہوئی، لیکن حضرت طلحہؓ کسی خاص مہم پر مامور ہو کر ملک شام تشریف لے گئے تھے، اس لئے اس میں شریک نہ ہو سکے، وہاں سے واپس آئے تو دربار رسالت میں حاضر ہو کر غزوہ بدر کے مال غنیمت میں سے اپنے حصے کی درخواست کی، سرور کائنات ﷺ نے مال غنیمت میں حصہ دیا اور فرمایا کہ تم جہاد کے ثواب سے بھی محروم نہیں رہو گے۔

بعض اہل سیر کا بیان ہے کہ حضرت طلحہؓ اپنے تجارتی اغراض سے شام گئے تھے، لیکن یہ صحیح نہیں ہے، کیونکہ اس صورت میں مال غنیمت میں حصہ طلب کرنے کی کوئی وجہ نہ تھی، نیز ایک دوسری روایت یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ان کو اور سعید بن زیدؓ کو شام کی طرف قریش کے قافلہ کی تحقیق حال کی خدمت پر مامور کر کے بھیجا تھا، اس روایت سے بھی ہمارے خیال کی تائید ہوتی

ہے، بہر حال اگرچہ حضرت طلحہؓ غزوہ بدر میں شریک نہ تھے تاہم وہ اپنی اہم کارگزاریوں کے باعث اس کے اجر و ثواب سے محروم نہیں رہے۔

غزوہ احد..... ۳ھ میں غزوہ احد پیش آیا، اس جنگ میں پہلے مسلمانوں کی فتح ہوئی اور کفار بھاگ کھڑے ہوئے، لیکن مسلمان جیسے ہی اپنی اپنی جگہ سے ہٹ کر لوٹ گھسٹ میں مصروف ہوئے، کفار نے پھر پلٹ کر حملہ کر دیا، اس ناگہانی حملہ نے مسلمانوں کو ایسا بدحواس کیا کہ ان کو سرور کائنات کی حفاظت کا بھی خیال نہ رہا اور جو جس طرف تھا اسی طرف سے بھاگ کھڑا ہوا میدان جنگ میں صرف دس بارہ آدمی ثابت قدم رہ گئے تھے، لیکن وہ سب بھی شمع ہدایت سے دور تھے، اور اس وقت صرف حضرت طلحہؓ پروانہ وار فدویت و جان نثاری کے حیرت انگیز مناظر دکھا رہے تھے، کفار کا ہر طرف سے نرغہ تھا، تیروں کی بارش ہو رہی تھی، خون آشام تلواریں چمک چمک کر آنکھوں کو خیرہ کر رہی تھیں اور صد ہا کفار صرف ایک مقدس ہستی کو فنا کر دینے کے لئے ہر طرف سے یورش کر رہے تھے، اس نازک وقت میں جمال نبوت کا یہ شیدائی ہالہ بن کر خورشید نبوت کو آگے پیچھے داہنے بائیں ہر طرف سے بچا رہا تھا، تیروں کی بوچھاڑ کو ٹھیلی پر روکتا، تلوار اور نیزہ کے سامنے اپنے سینہ کو سپر بناتا، پھر اسی حال میں کفار کا نرغہ زیادہ ہو جاتا تو شیر کی طرح تڑپ کر حملہ کرتا اور دشمن کو پیچھے ہٹا دیتا، ایک دفعہ کسی نابکار نے ذابت قدسی پر تلوار کا وار کیا، خادم جاں نثار یعنی طلحہؓ جانبا ز نے اپنے ہاتھ پر روک لیا، اور انگلیاں شہید ہوئیں تو آہ کے بجائے زبان سے نکلا، ”حسن“ یعنی خوب ہوا، سرور کائنات ﷺ نے فرمایا کہ اگر تم اس لفظ کے بجائے بسم اللہ کہتے تو ملائکہ آسمانی تمہیں ابھی اٹھالے جاتے، غرض حضرت طلحہؓ دیر تک حیرت انگیز جانبا زی اور بہادری کے ساتھ مدافعت کرتے رہے، یہاں تک کہ دوسرے صحابہ بھی مدد کے لئے آ پہنچے، مشرکین کا ہلہ کسی قدر کم ہوا تو سرور کائنات ﷺ کو اپنی پشت پر سوار کر کے پہاڑی پر لے آئے، اور مزید حملوں سے محفوظ کر دیا۔

حضرت طلحہؓ نے غزوہ احد میں فدویت، جان نثاری اور شجاعت کے جو بے مثل جوہر دکھائے۔ یقیناً تمام اقوام عالم کی تاریخ اس کی نظیر پیش کرنے سے عاجز ہے، تمام بدن زخموں سے چھلنی ہو گیا تھا، حضرت ابو بکر صدیقؓ نے ان کے جسم پر ستر سے زیادہ زخم شمار کئے تھے۔ دربار رسالت (ﷺ) سے اسی جان با زی کے صلہ میں ”خیر“ کا لقب مرحمت ہوا، صحابہ گو واقعہ احد میں ان کی اس غیر معمولی شجاعت اور جانبا زی کا دل سے اعتراف تھا، حضرت ابو بکر صدیقؓ غزوہ احد کا تذکرہ کرتے تو فرماتے کہ یہ طلحہؓ کا مخصوص دن تھا، حضرت عمرؓ ان کو صاحب احد فرمایا

۱۔ اسد الغابہ جلد ۳ ص ۱۵۹

۲۔ طبقات ابن سعد قسم اول جزو ثالث ص ۱۵۵

۳۔ فتح الباری جلد ۶ ص ۶۶۔

کرتے تھے، خود حضرت طلحہؓ کو بھی اس پر فخر کا نامہ پر بڑا ناز تھا اور ہمیشہ لطف و انبساط کے ساتھ اس کی داستان سنایا کرتے تھے۔

متفرق غزوات..... غزوہ احد کے بعد فتح مکہ تک جس قدر غزوات ہوئے، حضرت طلحہؓ سب میں نمایاں طور پر شریک رہے، بیعت رضوان کے وقت بھی موجود تھے، اور شرف بیعت سے مشرف ہوئے۔

فتح مکہ کے بعد غزوہ حنین پیش آیا، اس معرکہ میں بھی غزوہ احد کی طرح پہلے مسلمانوں کے پاؤں اکھڑ گئے، لیکن چند بہادر اور ثابت قدم مجاہدین کے استقلال و ثبات نے پھر اس کو سنبھال لیا، اور اس طرح جم کر لڑے کہ غنیم کی فتح شکست سے بدل گئی اور بے شمار سامان اور مال غنیمت چھوڑ کر بھاگ کھڑا ہوا، حضرت طلحہؓ اس جنگ میں بھی ثابت قدم اصحاب کی صف میں تھے۔

۹ھ میں آنحضرت ﷺ کو خبر ملی کہ قیصر روم بڑے ساز و سامان کے ساتھ عرب پر حملہ آور ہونا چاہتا ہے اس لئے آپؐ نے صحابہ کرام کو تیاری کا حکم دیا اور جنگی اسباب و سامان کے لئے مال و زرمصدقہ کرنے کی ترغیب دی، حضرت طلحہؓ نے اس موقع پر ایک بیش قرار رقم پیش کی اور بارگاہ رسالت سے فیاض کا لقب حاصل کیا۔

سرور کائنات ﷺ ایک طرفہ حملہ قیصر کے مدافعتانہ اہتمام میں مصروف تھے۔ دوسری طرف منافقین جو ہمیشہ درپے تخریب رہتے تھے، اس موقع پر بھی اپنی شرارتوں سے باز نہ آئے اور مدینہ سے کچھ فاصلہ پر سویلم یہودی کے مکان میں مجتمع ہو کر ان مذاہیر پر غور کرتے تھے جن سے مسلمانوں میں بددلی پیدا ہو اور اس مہم میں شرکت سے انحراف کریں، آنحضرت ﷺ نے حضرت طلحہؓ کو اس خانہ برانداز جماعت کی تنبیہ پر مامور فرمایا، انہوں نے چند آدمیوں کو ساتھ لے کر نہایت مستعدی کے ساتھ سویلم یہودی کے مکان کا محاصرہ کر لیا اور اس میں آگ لگا دی، ضحاک بن خلیفہ نے مکان کے پشت سے کود کر حملہ کیا اور اس حالت میں اس کی ٹانگ ٹوٹ گئی اور اس کے ساتھی اس کو مسلمانوں کے پنجہ افتدار سے بچا کر لے بھاگے۔

غرض تیس ہزار مجاہدین نہایت چاہ و جلال کے ساتھ رومیوں کے مقابلہ کے لئے روانہ ہوئے، تبوک پہنچ کر معلوم ہوا کہ خبر غلط تھی، اس لئے وہاں چودہ دن قیام کر کے سب لوگ واپس آئے پھر ۱۰ھ میں رسول اللہ ﷺ نے آخری حج کیا۔ حضرت طلحہؓ ہمراہ تھے حج سے واپس آنے کے بعد ۱۲ ربیع الاول ۱۱ھ دو شنبہ کے دن آفتاب رسالت دنیا سے غروب ہوا، حضرت طلحہؓ کو اس سانحہ کبریٰ سے جو صدمہ ہوا اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ جس وقت سقیفہ بنی ساعدہ میں

۱۔ بخاری کتاب المغازی غزوہ احد

۲۔ اسد الغابہ جلد ۳ ص ۵۹

۳۔ سیرت ابن ہشام جلد ۲ ص ۳۱۵

سیادت و خلافت کا فیصلہ ہو رہا تھا اس وقت یہ کسی گوشہ تنہائی میں مصروف گریہ تھے۔ عہد صدیقی..... سقیفہ بنی ساعدہ کی مجلس نے حضرت ابو بکر صدیقؓ کی خلافت پر اتفاق کیا، حضرت طلحہؓ نے بھی کچھ دنوں کے بعد بیعت کی اور مہمات امور میں رائے اور مشورہ کے لحاظ سے جانشین رسول کے ہمیشہ دست و بازو ثابت ہوئے، سوادو برس کی خلافت کے بعد جب خلیفہ اول مرض الموت کے بستر پر تھے اور انہوں نے منصب کے لئے فاروق اعظمؓ کو نامزد کیا تو حضرت طلحہؓ نے نہایت آزادی کے ساتھ حضرت ابو بکرؓ سے جا کر کہا کہ آپ کے موجود ہوتے ہوئے عمرؓ کا ہم لوگوں کے ساتھ کیا برتاؤ تھا؟ اب وہ خود خلیفہ ہوں گے تو خدا جانے کیا کریں گے؟ آپ اب خدا کے ہاں جاتے ہیں، یہ سوچ لیجئے کہ خدا کو کیا جواب دیجئے گا؟ حضرت ابو بکرؓ نے کہا میں خدا سے کہوں گا کہ میں نے تیرے بندوں پر اس شخص کو امیر کیا جو ان میں سب سے زیادہ اچھا تھا۔

عہد فاروقی..... حضرت عمرؓ کے متعلق حضرت طلحہؓ کی جو رائے تھی وہ کسی بغض و عداوت سے ملوث نہ تھی بلکہ اکثر صحابہؓ کی یہ رائے تھی کہ ان کا تشدد ناقابل تحمل ہوگا، لیکن جب حضرت عمرؓ نے اپنے طرز عمل سے ثابت کر دیا کہ وہ اس منصب عظیم کے لئے سب سے موزوں ہیں تو دفعتاً حضرت طلحہؓ کا خیال بھی بدل گیا اور مجلس شوریٰ کے ایک رکن کی حیثیت سے انہوں نے ہمیشہ حضرت فاروق اعظمؓ کی اعانت کی، اختلافی مسائل میں ساتھ دیا، اور اہم امور میں نہایت مخلصانہ مشورے دیے، ایک دفعہ عہد فاروقی میں یہ سوال پیدا ہوا کہ ممالک مفتوحہ مجاہدین میں باہم تقسیم کر دیئے جائیں اور ایک بڑی جماعت اس کی مؤید ہوگئی، صرف حضرت عمرؓ اور چند دوسرے صحابہؓ کو اس سے اختلاف تھا، تین دن تک بحث ہوتی رہی، حضرت طلحہؓ نے نہایت بلند آہنگی کے ساتھ اس مسئلہ میں حضرت عمرؓ کی تائید کی، یہاں تک کہ ان ہی کی رائے پر آخری فیصلہ ہوا، اسی طرح معرکہ نہادند کے موقع پر ایرانی ٹڈی دل نے فاروق اعظمؓ کو مشوش کر دیا اور انہوں نے صحابہؓ سے اس کے متعلق مشورہ چاہا، تو حضرت طلحہؓ نے کھڑے ہو کر کہا آپ ہم سے زیادہ بہتر جانتے ہیں، البتہ ہم لوگ تعمیل حکم کے لئے تیار ہیں۔

امیر المؤمنین فاروق اعظمؓ نے ۲۳ھ میں دس برس کی خلافت کے بعد سفر آخرت کی تیاری کی اور عہد خلافت کے لئے چھ آدمیوں کا نام پیش کیا، ان میں حضرت طلحہؓ بھی تھے، لیکن انہوں نے نہایت فراخ حوصلگی کے ساتھ حضرت عثمانؓ کو اپنے اوپر ترجیح دی اور ان کا نام اس منصب کے لئے پیش کیا، چنانچہ حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ کی کوشش اور حضرت طلحہؓ کی تائید سے وہی خلیفہ منتخب ہوئے۔

عہد عثمانی..... حضرت عثمانؓ نے بارہ برس تک خلافت کی لیکن آخری چھ سالہ عہد خلافت میں تمام ملک عام طور پر شورش و بے چینی کا آماجگاہ ہو گیا تھا اور ہر طرف ریشہ دوانی و فتنہ پردازی

کا بازار گرم تھا، حضرت طلحہؓ نے دربار خلافت کو مشورہ دیا کہ اسباب شورش کی نفی و تحقیق کے لئے تمام ملک میں وفود روانہ کئے جائیں، چنانچہ یہ رائے پسند کی گئی اور ۳۵ھ میں محمد بن مسلمہؓ، اسامہ بن زیدؓ، عمار بن یاسرؓ اور عبداللہ بن عمرؓ مختلف حصص ملک میں روانہ کئے گئے، ان لوگوں نے واپس آ کر اپنی تحقیقات کا جو نتیجہ پیش کیا اس پر عمل بھی نہ ہونے پایا تھا کہ مفسدین نے بارگاہ خلافت کا محاصرہ کر لیا، گو حضرت طلحہؓ نے اس موقع پر حضرت عثمانؓ کی کوئی خاص اعانت نہیں کی، تاہم وہ اکثر خود ایک غیر جانب دار شخص کی حیثیت سے دریافت حال کے لئے محاصرین کی جماعت میں تشریف لے گئے چنانچہ وہ ایک دفعہ وہاں موجود تھے کہ حضرت عثمانؓ نے اپنے بالا خانہ پر کھڑے ہو کر کبار صحابہ میں ایک ایک کا نام لے کر پکارا اسی ضمن میں حضرت طلحہؓ کا نام بھی آیا، انہوں نے جواب دیا ”ہاں! میں حاضر ہوں“ حضرت عثمانؓ نے اپنے احسانات اور فضائل و مناقب بیان کر کے ان سے تصدیق چاہی، تو انہوں نے مفسدین کے سامنے نہایت بلند آہنگی کے ساتھ اس کی تصدیق کی۔

آخر میں جب محاصرہ زیادہ خطرناک ہو گیا تو حضرت علیؓ اور حضرت زبیرؓ کی طرح حضرت طلحہؓ نے بھی اپنے صاحبزادہ محمدؓ کو حضرت عثمانؓ کی حفاظت کے لئے متعین کر دیا، چنانچہ جب مفسدین نے یورش کی تو محمد بن طلحہؓ نے نہایت تندہی اور جانفشانی سے ان کا مقابلہ کیا۔ محافطین نے باوجود قلت تعداد کے اس سیلاب کو روکے رکھا، لیکن چند نابکار دوسری طرف سے اندر گھس آئے اور صبر و حلم کے آفتاب کو ہمیشہ کے لئے خونیں شفق کے پردہ میں نہان کر دیا، حضرت طلحہؓ کو معلوم ہوا تو افسوس کے ساتھ فرمایا ”خدا عثمانؓ پر رحم کرے“ لوگوں نے کہا مفسدین اب اپنے فعل پر نادم ہیں، فرمایا خدا انہیں ہلاک کرے، اس کے بعد یہ آیت پڑھی

فلا يستطيعون توصية ولا الى اهلهم يرجعون. (یس ۳۶: ۵۰)

حضرت علیؓ کے ہاتھ پر بادل نخواستہ بیعت کی..... حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد مصریوں نے حضرت علیؓ کو عمان خلافت سنبھالنے پر مجبور کیا، اور مسجد نبویؐ میں لوگوں کو بیعت عام کے لئے جمع کیا، حضرت طلحہؓ کو برابر کے دعویدار تھے تاہم اس شورش و ہنگامہ کے وقت زبان نہ ہلا سکے اور بادل نخواستہ بیعت کر لی۔

خلیفہ وقت کے مقابلہ میں خروج اور اس کی وجہ..... خلیفہ وقت کا قتل کوئی معمولی حادثہ نہ تھا، اس سے تمام علاقہ میں شورش اور بد نظمی پھیل گئی، اور مفسدین کی مطلق العنانی نے خود مدینہ کو پر فتن بنا دیا، حضرت طلحہؓ کا کل چار ماہ تک خاموشی کے ساتھ اس فتنہ و فساد کا تماشا دیکھتے رہے، لیکن جب دربار خلافت کی طرف سے اس کے انسداد کی کوئی امید نہ رہی تو خود علم اصلاح

بلند کرنے کے لئے حضرت زبیرؓ کو ساتھ لے کر مدینہ سے مکہ چلے آئے، حضرت عائشہؓ حج کے خیال سے مکہ آئی تھیں اور مدینہ کی شورشوں کا حال سن کر اس وقت تک یہیں مقیم تھیں، اس لئے ان دونوں نے سب سے پہلے ام المومنینؓ کی خدمت میں حاضر ہو کر مدینہ کی کیفیت بیان کی اور علم اصلاح بلند کرنے پر آمادہ کیا، تھوڑی دیر کی بحث و مباحثہ کے بعد حضرت عائشہؓ راضی ہو گئیں اور حضرت طلحہؓ کی رائے کے مطابق بصرہ جانے کی تیاری ہوئی، کیونکہ وہاں ان کے طرفداروں کی ایک بڑی جماعت موجود تھی، اور نہایت آسانی کے ساتھ اس مہم کی شرکت پر آمادہ ہو سکتی تھی۔ بصرہ پر قبضہ..... غرض داعیان اصلاح کی ایک ہزار جماعت مکہ سے بصرہ کی طرف روانہ ہوئی، بنو امیہ بھی جو مدینہ سے بھاگ کر مکہ میں پناہ گزین تھے جوش انتقام میں ساتھ ہو گئے، بصرہ کے قریب پہنچے تو عثمان بن حنیف والی بصرہ نے مزاحمت کی، پہلے کچھ دنوں تک ان سے مصالحت کی سلسلہ جنابی ہوتی رہی لیکن جب وہ راہ پر نہ آئے تو بزور شہر پر قابض ہو گئے اور حضرت طلحہؓ کے حامیوں نے جوش و خروش کے ساتھ اہل دعوت کو لبیک کہا۔

حضرت علیؓ کی فوج سے مقابلہ کے لئے بڑھنا..... حضرت علیؓ کو مدعیان اصلاح کے خروج کا حال معلوم ہو چکا تھا، اس لئے مدینہ سے روانہ ہو کر ذی قار پہنچے اور یہاں سے تقریباً کوفہ کے نو ہزار جنگ آزمانو جوان ساتھ لے کر بصرہ کی طرف بڑھے، حضرت طلحہؓ و زبیرؓ نے اس فوج کا حال سنا تو انہوں نے بھی اپنی فوج کو منظم و مرتب کر کے آگے بڑھایا، دسویں جمادی الآخر ۳ھ میں دونوں فوجوں میں ٹکرائو ہوئی۔

شہادت..... جنگ شروع ہونے سے پہلے صلح کی سلسلہ جنابی شروع ہوئی، اور حضرت علیؓ نے حضرت زبیرؓ کو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک پیشین گوئی یاد دلائی کہ اسی وقت ان کا دل اس خانہ جنگی سے پھر گیا، حضرت طلحہؓ نے اپنے زور بازو کو برواشتہ خاطر دیکھا تو ان کا ارادہ بھی متزلزل ہوا، اور جنگ سے کنارہ کش ہونے کی رائے قائم کر لی، مروان نے جو حضرت عثمانؓ کی شہادت کے معاملہ میں ان سے بدظن تھا، اس موقع کو غنیمت جان کر ایک تیر مارا جو اگرچہ پاؤں میں لگا لیکن ان کے لئے تیر قضا ثابت ہوا۔ لوگوں نے نکالنے کی کوشش کی تو فرمایا چھوڑ دو، یہ تیر نہیں بلکہ پیام خداوندی ہے۔

تجہیز و تکفین..... اختلاف روایات حضرت طلحہؓ نے باسٹھ یا چونسٹھ برس کی عمر میں شہادت حاصل کی، اور غالباً اسی میدان جنگ کے کسی گوشہ میں مدفون ہوئے لیکن یہ زمین نشیب میں تھی اس لئے اکثر غرق آب رہتی تھی، ایک شخص نے مسلسل تین دفعہ حضرت طلحہؓ کو خواب میں دیکھا کہ وہ اپنی لاش کو اس قبر سے منتقل کرنے کی ہدایت فرما رہے ہیں، حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے خواب کا حال سنا تو حضرت ابو بکرؓ صحابیؓ کا مکان دس ہزار درہم میں خرید کر ان کی لاش کو اس

میں منتقل کر دیا، دیکھنے والوں کا بیان ہے کہ اتنے دنوں کے بعد بھی یہ جسم خاکی اسی طرح مصنون و محفوظ تھا، یہاں تک کہ آنکھوں میں جو کافور لگایا گیا تھا وہ بھی بعینہ موجود تھا۔
اخلاق و عادات..... حضرت طلحہؓ کا اخلاقی پایہ نہایت ارفع و اعلیٰ تھا، خشیت الہی اور رسول اللہ ﷺ کی محبت سے ان کا پیاناہ لبریز تھا، معرکہ احد اور دوسرے غزوات میں جس جوش و فداکاری کے ساتھ پیش پیش رہے وہ اسی جذبہ کا اثر تھا، اس راہ میں ان کو جان کے ساتھ مال کی قربانی سے بھی دریغ نہ تھا۔

چنانچہ انہوں نے نذر مانی تھی کہ غزوات کے مصارف کے لئے اپنا مال راہ خدا میں دیا کریں گے، اس نذر کو انہوں نے اس پابندی کے ساتھ پوری کرنے کی کوشش کی کہ خاص قرآن پاک میں ان کی مدح میں یہ آیت نازل ہوئی۔

رجال صدقوا ما عاہدوا اللہ علیہ فممنہم من قضیٰ نحبہ . الایۃ .

(احزاب ۲۳: ۲۳)

”یعنی کچھ آدمی ایسے ہیں جنہوں نے خدا سے جو کچھ عہد کیا اس کو سچا کر

دکھایا، چنانچہ بعض ان میں سے وہ ہیں جنہوں نے اپنی نذر پوری کی۔“

اس آیت کے نازل ہونے کے بعد حضرت طلحہؓ بارگاہ نبوت میں حاضر ہوئے تو ارشاد ہوا، ”طلحہؓ تم بھی ان لوگوں میں ہو جنہوں نے اپنی نذر پوری کی۔“^۱

حضرت طلحہؓ اقلیم سخاوت کے بادشاہ تھے، فقراء و مساکین کے لئے ان کا دروازہ کھلا رہتا تھا، حضرت فیس ابن ابی حازم کا بیان ہے کہ میں نے طلحہؓ سے زیادہ کسی کو بے طلب کی بخشش میں پیش پیش نہ دیکھا۔^۲

غزوہ ذی القرد میں آنحضرت ﷺ مجاہدین کے ساتھ پانی کے ایک چشمہ پر گزرے جس کا نام بلیان مارح تھا، حضرت طلحہؓ نے اس کو خرید کر وقف کر دیا۔^۳ اسی طرح غزوہ ذی العسرہ میں تمام مجاہدین کی دعوت کی، غزوہ تبوک کے موقع پر جب کہ عموماً تمام مسلمان افلاس و ناداری کی مصیبت اور فلاح میں مبتلا تھے، انہوں نے مصارف جنگ کے لئے ایک گرانقدر رقم پیش کی اور دربار رسالت سے فیاض کا خطاب حاصل کیا۔^۴

ایک دفعہ حضرت عثمانؓ کے ہاتھ اپنی جائیداد سات لاکھ درہم میں فروخت کی اور سب راہ خدا میں صرف کر دیا، آپ کی بیوی سعدی بنت عوف کا بیان ہے کہ ایک دفعہ میں نے انہیں غمگین دیکھا، پوچھا ”آپ اس قدر اداس کیوں ہیں مجھ سے کوئی خطا تو سرزد نہیں ہوئی؟“ بولے ”نہیں!

^۱ صحیح الباری جلد ۸ ص ۳۹۰

^۲ اسد الغابہ جلد ۳ ص ۱۶۱

^۳ اصحابہ جلد ۳ ص ۲۹۱

^۴ ایضاً جلد ۷ ص ۶۶

^۵ اسد الغابہ جلد ۳ ص ۶۰

تم نہایت اچھی بیوی ہو، تمہاری کوئی بات نہیں ہے، اصل قصہ یہ ہے کہ میرے پاس ایک بہت بڑی رقم جمع ہو گئی ہے، اس وقت اسی کی فکر میں تھا کہ کیا کروں؟ میں نے کہا ”اس کو تقسیم کر دیجئے“ یہ سن کر انہوں نے اسی وقت لونڈی کو بلایا اور چار لاکھ کی رقم اپنی قوم میں تقسیم کرادی۔

حضرت طلحہؓ بنو تمیم کے تمام محتاج و تنگدست خاندانوں کی کفالت کرتے تھے، لڑکیوں اور بیوہ عورتوں کی شادی کر دیتے تھے، جو لوگ مقروض تھے ان کا قرض ادا کر دیتے تھے چنانچہ صبیحہؓ بھی پرتیس ہزار درہم قرض تھا، وہ سب انہوں نے اپنے پاس سے ادا کر دیا ام المومنین حضرت عائشہؓ سے بھی خاص عقیدت تھی اور ہر سال دس ہزار درہم پیش خدمت کرتے تھے۔

مہمان نوازی حضرت طلحہؓ کا خاص شیوہ تھا، ایک دفعہ بنی عذرہ کے تین آدمی مدینہ آ کر مشرف بہ اسلام ہوئے، آنحضرت ﷺ نے فرمایا کون ان کی کفالت کا ذمہ لیتا ہے؟ حضرت طلحہؓ نے کھڑے ہو کر عرض کی ”میں یا رسول اللہ“ اور وہ تینوں نو مسلم مہمانوں کو خوش خوشی گھر لے آئے، ان میں سے دو نے یکے بعد دیگرے مختلف غزوات میں شہادت حاصل کی اور تیسرے نے بھی ایک مدت کے بعد حضرت طلحہؓ کے مکان میں وفات پائی ان کو اپنے مہمانوں سے جو انس پیدا ہو گیا تھا اس کا اثر یہ تھا کہ ہر وقت ان کی یاد تازہ رہتی تھی اور رات کے وقت خواب میں بھی ان ہی کا جلوہ نظر آتا تھا، ایک روز خواب میں دیکھا کہ وہ اپنے تینوں مہمانوں کے ساتھ جنت کے دروازہ پر کھڑے ہیں، لیکن جو سب سے پیچھے مرا تھا وہ سب سے آگے ہے، اور جو سب سے پہلے شہید ہوا تھا وہ سب سے پیچھے ہے، حضرت طلحہؓ کو اس تقدم و تاخر پر سخت تعجب ہوا، صبح کے وقت سرور کائنات ﷺ سے خواب کا واقعہ بیان کیا تو ارشاد ہوا، اس میں تعجب کی کیا بات ہے، جو زیادہ دنوں تک زندہ رہا اس کو عبادت و نیکو کاری کا زیادہ موقع ملا، اس لئے وہ جنت کے داخلہ میں اپنے ساتھیوں سے پیش تھا۔

احباب کی مسرت و شادمانی ان کے لئے بھی سامان انبساط بن جاتی تھی، حضرت کعب بن مالکؓ غزوہ تبوک میں شریک نہ ہونے کے باعث معتبوب بارگاہ تھے، ایک مدت کے بعد رسول اللہ ﷺ نے ان کی خطا معاف کر دی اور وہ خوش خوش دربار رسالت میں حاضر ہوئے تو حضرت طلحہؓ نے دوڑ کر ان سے مصافحہ کیا اور مبارکباد دی، حضرت کعبؓ فرمایا کرتے تھے کہ میں طلحہؓ کے اس اخلاق کو کبھی نہ بھولوں گا، کیونکہ مہاجرین میں سے کسی نے ایسی گرجوشی کا اظہار نہیں کیا تھا۔

حضرت طلحہؓ دو دوستوں کی خدمت گزاری سے بھی دریغ نہ تھا، ایک دفعہ ایک اعرابی مہمان ہوا، اور اس نے درخواست کی کہ بازار میں میرا اونٹ فروخت کر دیجئے، حضرت طلحہؓ نے فرمایا ”گو رسول اللہ ﷺ نے منع فرمایا ہے کہ کوئی شہری، دیہاتی کا معاملہ نہ چکائے تاہم میں تمہارے ساتھ چلوں گا، اور اس کے ساتھ جا کر مناسب قیمت پر اس کا اونٹ فروخت کرادیا، اعرابی نے اس کے بعد خواہش ظاہر کی کہ دربار رسالت سے زکوٰۃ کی وصولی کا ایک مفصل ہدایت نامہ دلوادیتجئے تاکہ اعمال کو اسی کے مطابق دیا کروں حضرت طلحہؓ نے اپنے مخصوص تقرب کے باعث اس کی یہ خواہش بھی پوری کر دی۔“

رسول خدا ﷺ کے اسوۂ حسنہ کو طرز عمل بنانا ہر مسلمان کی سب سے بڑی سعادت ہے، حضرت طلحہؓ نے اس سعادت کے حصول کو اپنے فرائض میں شامل کر لیا تھا، یہی وجہ ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کی مختلف صحبتوں میں جو کچھ دیکھتے یا سنتے اس کو ہمیشہ یاد رکھتے اور اگر اتفاق سے کبھی کوئی بات بھول جاتے تو سخت مغموں ورنجیدہ نظر آتے، ایک دفعہ حضرت عمرؓ نے ان کو مغموں دیکھ کر پوچھا ”تمہارا حال کیسا ہے؟ کسی سے کوئی جھگڑا تو نہیں ہوا؟“ کہنے لگے نہیں! میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا تھا کہ ”اگر کوئی بندہ موت کے وقت ایک کلمہ زبان سے ادا کرے تو نزع کی مصیبت دور ہو جائے گی اور اس کا چہرہ چمکنے لگے گا“ مجھے اس وقت وہ کلمہ معلوم تھا، لیکن اب یاد نہیں آتا، حضرت عمرؓ نے کہا کیا تم اس کلمہ سے بھی زیادہ با عظمت و پراثر کلمہ جانتے ہو جس کا رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا تھا یعنی لا الہ الا اللہ حضرت طلحہؓ نے کراچھل پڑے فرمایا ”ہاں! خدا کی قسم یہی کلمہ ہے۔“

حسن معاشرت..... حضرت طلحہؓ اپنے حسن معاشرت کے باعث بیوی بچوں میں نہایت محبوب تھے، وہ اپنے کنبہ میں جس لطف و محبت کے ساتھ زندگی بسر کرتے تھے اس کا اندازہ صرف اس سے ہو سکتا ہے کہ عتبہ بن ربیعہ کی لڑکی ام ابان سے اگرچہ بہت سے معزز اشخاص نے شادی کی درخواست کی، لیکن انہوں نے حضرت طلحہؓ کو سب پر ترجیح دی، لوگوں نے وجہ پوچھی تو کہا ”میں ان کے اوصاف حمیدہ سے واقف ہوں وہ گھر آتے ہیں تو ہنستے ہوئے باہر جاتے ہیں تو مسکراتے ہوئے کچھ مانگو تو بخل نہیں کرتے اور خاموش رہو تو مانگنے کا انتظار نہیں کرتے، اگر کوئی کام کر دو شکر گزار ہوتے ہیں اور خطا ہو جائے تو معاف کر دیتے ہیں۔“

ذریعہ معاش..... حضرت طلحہؓ کے معاش کا اصلی ذریعہ تجارت تھا، چنانچہ نیر اسلام کے طلوع ہونے کی بشارت بھی اسی تجارتی سفر میں ملی تھی، جب مدینہ پہنچے تو زراعت کا شغل بھی شروع کیا، اور رفتہ رفتہ اس کو نہایت وسیع پیمانہ پر پھیلا دیا، خیبر کی جاگیر کے علاوہ عراق عرب میں

متعدد علاقے حاصل کئے، ان میں سے قناتہ اور سراقۃ نہایت مشہور ہیں، ان دونوں مقامات میں کاشتکاری کا نہایت وسیع اہتمام تھا، صرف قناتہ کے کھیتوں پر بیس اونٹ سیرابی کا کام کرتے تھے، ان علاقوں کی پیداوار کا صرف اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ حضرت طلحہؓ کی روزانہ آمدنی کا اوسط ایک ہزار دینار تھا۔

تمول..... غرض تجارت و زراعت نے ان کو غیر معمولی دولت و ثروت کا مالک بنادیا تھا، چنانچہ لاکھوں دینار و درہم راہ خدا میں لٹا دینے کے بعد بھی اہل و عیال کے لئے ایک عظیم الشان دولت چھوڑ گئے، ایک دفعہ امیر معاویہؓ نے موسیٰ بن طلحہؓ سے پوچھا کہ تمہارے والد نے کس قدر دولت چھوڑی تو انہوں نے کہا ”بائیس لاکھ درہم اور دو لاکھ دینار، اس کے علاوہ نہایت کثیر مقدار میں سونا اور چاندی“ یہ نقدی کی تفصیل تھی، جائیداد غیر منقولہ اس کے علاوہ تھی جس کی کل قیمت کا اندازہ تین کروڑ درہم تھا۔

غذا و لباس..... طرز معاش نہایت سادہ تھا، کپڑے اکثر رنگین پہنتے تھے، ایک دفعہ حضرت عمرؓ نے حالت احرام میں رنگین لباس زیب جسم دیکھا بولے ”طلحہؓ یہ کیا ہے؟“ ”عرض کی“ امیر المومنین یہ گیردارنگ ہے“ فرمایا، آپ لوگ ائمہ دین ہیں، عوام آپ کا اتباع کرتے ہیں، کوئی جاہل دیکھ لے گا تو وہ بھی رنگین کپڑے استعمال کرے گا اور دلیل پیش کرے گا کہ میں نے طلحہؓ کو حالت احرام میں پہنے ہوئے دیکھا تھا۔

حضرت طلحہؓ کے ہاتھ میں ایک سونے کی انگوٹھی تھی جس میں نفیس سرخ یا قوت کا نگ جڑا ہوا تھا، لیکن بعد کو یا قوت نکال کر معمولی پتھر سے مرصع کرایا تھا۔ دسترخوان بھی وسیع تھا، لیکن پر تکلف نہ تھا۔

حلیہ..... حلیہ یہ تھا، قدمیانہ بلکہ ایک حد تک پست، چہرہ کارنگ سرخ و سفید، بدن خوب گٹھا ہوا، سینہ چوڑا، پاؤں نہایت پر گوشت اور ہاتھ کی انگلیاں غزوۂ احد میں شل ہو گئی تھیں۔

اولاد و ازواج..... حضرت طلحہؓ نے مختلف اوقات میں متعدد شادیاں کی تھیں۔ بیویوں کے نام یہ ہیں، حمزہ بنت جحش، ام کلثوم بنت ابوبکر الصدیقؓ، سعدی بنت عوف، ام ابان بنت عتبہ بن ربیعہ، خولہ بنت القحطاع، ان میں سے ہر ایک کے بطن سے متعدد اولاد ہوئی تھی، لڑکوں کے نام یہ ہیں۔

محمد، عمران، عیسیٰ، یحییٰ، اسماعیل، اسحاق، زکریا، یعقوب، موسیٰ، یوسف ان کے علاوہ چار صاحبزادیاں بھی تھیں، ان کے نام یہ ہیں، ام اسحاق، عائشہ، صعبہ، مریم

۱۔ طبقات ابن سعد، جلد اول جزو ثالث ص ۱۵۸

۲۔ طبقات ابن سعد، جلد اول جزو ثالث ص ۱۵

۳۔ ایضاً ص ۱۵۶

حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ

نام، نسب خاندان..... عبدالرحمن نام، ابو محمد کنیت والد کا نام عوف اور والدہ کا نام شفاء تھا، یہ دونوں زہری خاندان سے تعلق رکھتے تھے، سلسلہ نسب یہ ہے عبدالرحمن بن عوف بن عبد جوف بن عبد بن الحارث بن زہرہ بن کلاب بن مرہ القرشی الزہری۔

حضرت عبدالرحمنؓ کا اصلی نام عبد عمرو تھا، ایمان لائے تو رسول اللہ ﷺ نے بدل کر عبدالرحمن رکھا۔

اسلام..... عام روایت کے مطابق حضرت عبدالرحمنؓ واقعہ فیل کے دسویں سال پیدا ہوئے تھے، اس لحاظ سے جس وقت رسول اللہ ﷺ نے دعوت توحید کی صدا بلند کی، اس وقت ان کا سن تیس سال سے متجاوز ہو چکا تھا، فطری عفت و سلامت روی کے باعث شراب سے پہلے ہی تائب ہو چکے تھے، صدیق اکبرؐ کی راہنمائی سے صراطِ مستقیم کی شاہراہ بھی نظر آ گئی اور بارگاہِ نبوت میں حاضر ہو کر ہر وان حق کے قافلہ میں شامل ہو گئے، اس وقت تک صرف چند روشن ضمیر بزرگوں کو اس کی توفیق ہوئی تھی اور قافلہ سالار یعنی سرور دو عالم ﷺ ارقم بن ابی ارقم کے مکان میں پناہ گزین نہیں ہوئے تھے۔

ہجرت..... خلعت ایمان سے مشرف ہونے کے بعد حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ کو بھی عام بلاکشان اسلام کی طرح جلاوطن ہونا پڑا، پہلے ہجرت کر کے حبشہ تشریف لے گئے، پھر وہاں سے واپس آئے تو سب کے ساتھ سرزمینِ یثرب کی طرف ہجرت کر گئے۔

مواعیات..... مدینہ پہنچنے کے بعد رسول اللہ ﷺ نے حضرت سعد بن الربیع انصاریؓ سے بھائی چارہ کرادیا، اور وہ انصار میں سے سب سے زیادہ مالدار اور فیاض طبع تھے، کہنے لگے ”میں اپنا نصف مال و منال تمہیں بانٹ دیتا ہوں اور میری دو بیویاں ہیں، ان کو دیکھو جو پسند آئے اس کا نام بتاؤ میں طلاق دے دوں گا، عدت گزارنے کے بعد تم نکاح کر لیتا۔“ لیکن حضرت عبدالرحمنؓ کی غیرت نے گوارا نہ کیا، جواب دیا ”خدا تمہارے مال و منال اور اہل و عیال میں برکت دے، مجھے صرف بازار دکھا دو۔“ لوگوں نے بنی قینقاع کے بازار میں پہنچا دیا، وہاں سے واپس آئے تو کچھ گھی اور پنیر وغیرہ نفع میں بچا لائے، دوسرے روز باقاعدہ تجارت شروع کر دی

۱۔ مستدرک حاکم جلد ۲ ص ۲۷۶ ۲۔ طبقات ابن سعد قسم اول ج ۲ ثالث

۳۔ بخاری باب بنیان الکعبہ باب کیف انی صلی اللہ علیہ وسلم بین الصحابہ

یہاں تک کہ چند دنوں کے بعد بارگاہ نبوت میں حاضر ہوئے تو جسم پر مراسم شادی کی علامتیں موجود تھیں، استفسار ہوا ”یہ کیا ہے“ عرض کی ”ایک انصاریہ سے شادی کر لی ہے۔“ سوال ہوا مہر کس قدر ادا کیا؟ عرض کی ”ایک کھجور کی گٹھلی کے برابر سونا۔“ حکم ہوا ”تو پھر ولیمہ کرو اگرچہ ایک بکری ہی سہی۔“

غزوات..... ۲ سے غزوات کا سلسلہ شروع ہوا، حضرت عبدالرحمنؓ اکثر معرکوں میں پامردی و شجاعت کے ساتھ شریک رہے، غزوہ بدر میں دونو جوان انصاری پہلو میں کھڑے تھے، انہوں نے آہستہ سے پوچھا ”یا ام! ابو جہل کون ہے جو سرور کائنات ﷺ کی شان میں بدزبانی کرتا ہے؟“ اسی اثناء میں ابو جہل سامنے آگیا، حضرت عبدالرحمنؓ نے کہا ”وہ دیکھو! جس کو تم پوچھتے تھے سامنے موجود ہے۔“ ان دونوں نے جھپٹ کر ایک ساتھ وار کیا اور اس ناپاک ہستی سے دنیا کو نجات دلا دی۔

غزوہ احد میں جس جانبازی و شجاعت سے لڑے اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ بدن پر بیس سے زیادہ آثار جراحت (زخم) شمار کئے گئے تھے، خصوصاً پاؤں میں ایسے کاری زخم لگے تھے کہ صحت کے بعد بھی ہمیشہ لتکڑا کر چلتے تھے۔

دومۃ الجہد کی مہم..... شعبان ۶ھ میں دومۃ الجہد کی مہم پر مامور ہوئے، رسول اللہ ﷺ نے بلا کر اپنے دست اقدس سے عمامہ باندھا، پیچھے شملہ چھوڑا، اور ہاتھ میں علم دے کر فرمایا۔ ”بسم اللہ! راہ خدا میں روانہ ہو جا، جو لوگ خدا کی نافرمانی و عصیان میں مبتلا ہیں ان سے جا کر جہاد کر، لیکن کسی کو دھوکا نہ دینا، فریب نہ کرنا، بچوں کو نہ مارنا، یہاں تک کہ وہ دومۃ الجہد پہنچ کر قبیلہ کلب کو اسلام کی دعوت دے، اگر وہ قبول کریں تو ان کے بادشاہ کی لڑکی سے نکاح کر لے۔“ حضرت عبدالرحمنؓ اس اعزاز کے ساتھ مدینہ سے روانہ ہو کر دومۃ الجہد پہنچے اور تین دن تک دعوت و تبلیغ اسلام کا فرض اس خوش اسلوبی سے انجام دیتے رہے کہ قبیلہ کلب کے سردار، صغ بن عمرو الکھنی جو نہ ہامینائی تھے، اور اس کی قوم کے بہت سے لوگ بطیب خاطر دائرہ اسلام میں داخل ہو گئے، البتہ بعضوں نے جن کو اس کی توفیق نہ ہوئی جزیہ منظور کر لیا، حضرت عبدالرحمنؓ نے حسب فرمان اصغ کی لڑکی تمار سے شادی کر لی اور رخصت کرا کے مدینہ ساتھ لائے، چنانچہ ابوسلمہ بن عبدالرحمن ان ہی کے بطن سے پیدا ہوئے۔

فتح مکہ..... مکہ کی فوج کشی میں بھی شریک تھے، اس کے زیر نگیں ہونے کے بعد رسول اللہ ﷺ نے حضرت خالد بن ولیدؓ کو قبیلہ بنو جذیمہ کے پاس جو اطراف مکہ میں مسکن گزین

۲ مسند جلد ۱ ص ۹۳ بخاری کتاب المغازی باب قبل ابی جہل

۳ سیرت ابن ہشام جلد ۱ ص ۳۶۱ مع طبقات ابن سعد حصہ مغازی ص ۶۴

۴ طبقات ابن سعد ج ۱ ص ۱۰۱

تھا دعوت اسلام کے لئے بھیجا، انہوں نے غلطی سے قتل و خون ریزی کا بازار گرم کر دیا، سرور کائنات ﷺ کو اطلاع ہوئی تو نہایت متاسف ہوئے اور ہاتھ اٹھا کر بارگاہ رب العالمین میں تین دفعہ اپنی برائت ظاہر کی ”خدا یا! خالدؓ نے جو کچھ کیا میں اس سے بری ہوں۔“

حضرت عبدالرحمنؓ کے خاندان اور قبیلہ بنو جذیمہ میں گو قدیم زمانہ سے عداوت چلی آتی تھی، یہاں تک کہ ان کے والد عوف کے اسی قبیلہ کے ایک آدمی نے قتل کیا تھا، تاہم اخوت اسلامی نے اس دیرینہ عداوت کو بھی محو کر دیا، چنانچہ اس خون ریزی سے بیزار ہو کر حضرت خالد بن ولیدؓ سے کہا ”افسوس تم نے اسلام میں جاہلیت کا بدلہ لیا“ انہوں نے جواب دیا ”میں نے تمہارے باپ کے قاتل کو مارا“ حضرت عبدالرحمنؓ نے کہا ”بے شک تم نے میرے باپ کے قاتل کو مارا، لیکن درحقیقت یہ فاکہ بن مغیرہ کا انتقام تھا، جو تمہارا چچا تھا۔ اس کے بعد دونوں میں نہایت گرم گفتگو ہوئی، آنحضرتؐ کو اطلاع ہوئی تو حضرت خالدؓ سے ارشاد ہوا بس خالد! میرے اصحاب کو چھوڑ، اگر تو راہ خدا میں کوہ احد کے برابر بھی سونا صرف کرے گا تب بھی ان کے برابر نہ ہوگا۔“

فتح مکہ کے بعد حجۃ الوداع تک جس قدر مہمات اور جنگیں پیش آئیں، حضرت عبدالرحمنؓ سب میں شریک رہے، آخری سفر حج سے واپس آنے کے بعد ۱۰ھ میں سرور کائنات ﷺ نے وفات پائی اور سقیفہ بنی ساعدہ میں خلافت کا قصہ پیش آیا، حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ اسی تھی کے سلجھانے میں شریک تھا اور صدیق اکبرؓ کے ہاتھ پر بیعت کرنے میں ان کا تیسرا نمبر تھا۔

عہد صدیقیؓ..... خلیفہ اول کے عہد میں حضرت عبدالرحمنؓ ایک مخلص مشیر اور صائب الرائے رکن کی حیثیت سے ہر قسم کے مشوروں میں شریک رہے ۱۳ھ میں جب صدیق اکبرؓ کا آفتاب حیات لب بام آیا اور ایک جانشین نامزد کرنے کی فکر دامن گیر ہوئی تو انہوں نے سب سے پہلے حضرت عبدالرحمنؓ کو بلا کر اس کے متعلق مشورہ کیا اور اس منصب جلیل کے لئے فاروق اعظمؓ کا نام لیا، حضرت عبدالرحمنؓ نے نہایت آزادی اور خلوص کے ساتھ کہا ”عمر کی اہلیت میں کیا شک ہے لیکن مزاج میں سختی ہے۔“ حضرت ابو بکرؓ نے فرمایا ”ان کی سختی اس لئے بھی تھی کہ میں نرم تھا، لیکن جب یہ بارگراں ان ہی پر آپڑے گا تو خود بخود نرم ہو جائیں گے۔“ ۳۰ھ غرض چند روزہ علالت کے بعد خلیفہ اول نے داعی اجل کو لبیک کہا اور حضرت فاروقؓ مسند آرائے خلافت ہوئے۔

عہد فاروقیؓ..... فاروق اعظمؓ نے مسند خلافت پر قدم رکھنے کے ساتھ نظام خلافت کو

۱ حضرت عبدالرحمنؓ کے والد عوف اور حضرت خالدؓ کے چچا فاکہ بن مغیرہ تجارت کے خال سے یمن جا رہے تھے بنو جذیمہ نے راہ میں ایک ساتھ دونوں کو قتل کیا تھا (سیرت ابن ہشام جلد ۲)

۲ سیرت ابن ہشام جلد ۲ ص ۲۵۶

۳ طبری ۲۱۳۷

پہلے سے زیادہ متعلم و مرتب کر دیا، مہمات مسائل پر بحث و مباحثہ کے لئے ایک مستقل مجلس شوریٰ قائم کی، حضرت عبدالرحمنؓ اس مجلس کے نہایت صائب الرائے، پر جوش اور سرگرم رکن ثابت ہوئے، بہت سے معاملات میں ان ہی کی رائے پر آخری فیصلہ ہوا، عراق پر مستقل اور باقاعدہ فوج کشی کے لئے جب دار الخلافہ کے گرد ایک عظیم الشان لشکر مجتمع ہوا اور عوام نے زور ڈالا کہ خود امیر المومنین اس فوج کی باگ اپنے ہاتھ میں لیں، یہاں تک کہ حضرت عمرؓ خود بھی اس کے لئے تیار ہو گئے تو اس وقت صرف حضرت عبدالرحمنؓ ہی تھے جنہوں نے سختی کے ساتھ اس کی مخالفت کی اور کہا کہ لڑائی کے دونوں پہلو ہیں، خدا نخواستہ اگر شکست ہوئی اور امیر المومنین کو کچھ صدمہ پہنچا تو پھر اسلام کا خاتمہ ہے، حضرت عبدالرحمنؓ کی اس مال اندیشی نے تمام اکابر صحابہؓ کی آنکھیں کھول دیں اور سب نے پر زور الفاظ میں اس کی تائید کی، لیکن مشکل یہ تھی کہ اس مہتمم بالشان عہدہ کے لائق کوئی شخص نہ تھا، حضرت علیؓ سے کہا گیا تو انہوں نے صاف انکار کر دیا، غرض اسی جیسے بیٹھ میں تھے کہ حضرت عبدالرحمنؓ کی نگاہ انتخاب نے یہ مشکل بھی حل کر دی، اور کھڑے ہو کر کہا میں نے پالیا، حضرت عمرؓ نے پوچھا کون؟ بولے سعد بن ابی وقاصؓ اس حسن انتخاب پر ہر طرف سے صدائے تحسین و آفرین بلند ہوئی۔ اور واقعات نے بہت جلد ثابت کر دیا کہ یہ انتخاب کس قدر موزوں تھا۔

اسی طرح معرکہ نہاوند میں بھی حضرت عمرؓ کو موقع جنگ پر جانے سے روکا، لیکن کبھی کبھی جوش مال اندیشی پر غالب آ جاتا تھا۔ چنانچہ جب مہم شام میں اسلامی فوجیں رومیوں کی عظیم الشان تیاریوں کے باعث مقامات مفتوحہ چھوڑ کر پیچھے ہٹ آئیں، اور حضرت ابو عبیدہؓ سپہ سالار اعظم نے رومیوں کے جوش و خروش اور نڈی دل اجتماع کی اطلاع دار الخلافہ میں بھیجی، تو حضرت عبدالرحمنؓ کو اس قدر جوش آیا کہ بیتاب ہو کر بولے ”امیر المومنین تو خود سپہ سالار بن اور مجھ کو ساتھ لے کر چل، خدا نخواستہ اگر ہمارے بھائیوں کا بال بیکا ہوا تو پھر جینا بے سود ہے۔“ لیکن اس موقع پر دوسرے مال اندیش صحابہؓ نے مخالفت کی اور اسی پر فیصلہ ہوا۔

حضرت عبدالرحمنؓ نے انتظامی اور قانونی حیثیت سے جو رائیں دیں، ان کا اجمالی تذکرہ انشاء اللہ علم و فضل کے سلسلہ میں آئے گا۔

واقعہ ہائلہ..... ۲۳ھ میں ایک روز حسب معمول حضرت عمرؓ کی نماز پڑھانے کھڑے ہوئے کہ دفعتاً فیروز نام ایک بچی غلام نے حملہ کیا اور متعدد زخم پہنچائے، حضرت عبدالرحمنؓ کا ہاتھ پکڑ کر امامت کے مصلے پر کھڑا کیا، حضرت عبدالرحمنؓ نے جلدی جلدی نماز تمام کی۔ ۲ اور حضرت عمرؓ گواٹھا کر ان کے گھر لائے۔

حضرت عبدالرحمنؓ کا ایثار..... خلیفہ دوم کی حالت غیر ہوئی تو لوگوں نے منصب خلافت کے لئے کسی کو نامزد کرنے کی درخواست کی، حضرت عمرؓ نے چھ آدمیوں کے نام پیش کر کے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ ان سے آخر وقت تک خوش رہے تھے، یہ باہم کسی ایک کو منتخب کر لیں، لیکن تین دن کے اندر یہ مسئلہ طے پا جائے۔

خلیفہ دوم کی تجہیز و تکفین کے بعد حسب وصیت انتخاب کا مسئلہ پیش ہوا، لیکن دو دن تک کچھ فیصلہ نہ ہو سکا، تیسرے روز حضرت عبدالرحمنؓ نے کہا کہ یہ مسئلہ چھ آدمیوں میں دائر ہے، اس کو تین شخصوں میں محدود کرنا چاہئے اور جو اپنے خیال میں جس کو زیادہ مستحق سمجھتا ہے اس کا نام لے، چنانچہ حضرت زبیرؓ نے حضرت علیؓ کی نسبت رائے، حضرت طلحہؓ نے حضرت عثمانؓ کو پیش کیا، اور حضرت سعدؓ نے حضرت عبدالرحمنؓ بن عوفؓ کا نام لیا، لیکن حضرت عبدالرحمنؓ اپنے حق سے باز آ گئے اور حضرت علیؓ اور عثمانؓ سے کہا کہ اب تم دونوں میں جو احکام الہی، سنت نبویؐ اور طریقہ شیخینؓ کی پابندی کا عہد کرے گا، اس کے ہاتھ پر بیعت کی جائے گی، عام روایت یہ ہے کہ حضرت عثمانؓ نے کہا میں سب سے پہلے اس عہد پر راضی ہوں، لیکن صحیح بخاری کی ایک روایت سے ظاہر ہوتا ہے کہ دونوں خاموش رہے بہر حال حضرت عبدالرحمنؓ نے دونوں کو راضی کر کے اس کا تصفیہ اپنے ہاتھ میں لے لیا، اور ہر ایک کو علیحدہ لے جا کر ان کے فضائل و مناقب یاد دلانے اور کہا ”مجھے توقع ہے کہ اگر میں تمہیں یہ منصب دوں تو عدل و انصاف کرو گے، اور اگر تمہارے مقابل کو یہ شرف نصیب ہو تو اطاعت سے کام لو گے“ غرض اس عہد و پیمان کے بعد حضرت عبدالرحمنؓ نے مجمع عام میں ایک موثر تقریر کی اور حضرت عثمانؓ سے کہا ہاتھ پھیلاؤ اور خود بڑھ کر بیعت کر لی، ان کا بیعت کرنا تھا کہ تمام خلقت ٹوٹ پڑی۔

اس موقع پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ حضرت عبدالرحمنؓ کی نگاہ انتخاب نے حضرت عثمانؓ کو حضرت علیؓ پر کیوں ترجیح دی؟ عام خیال یہ ہے کہ ان دونوں کی باہمی یگانگت و محبت اور رشتہ داری کا نتیجہ تھا، چنانچہ طبری کی ایک روایت کے مطابق حضرت عباسؓ نے ابتدا ہی میں حضرت علیؓ سے اپنا شبہ ظاہر کر دیا تھا۔ لیکن یہ صحیح نہیں ہے، رشتہ داری بے شک ایک موثر چیز ہے، مگر ایسے اہم معاملات میں بنائے فیصلہ نہیں ہو سکتی۔

اصل یہ ہے کہ گو اسلام نے قبائل کو باہم متحد کر دیا تھا تاہم ایک حد تک منافست و مسابقت کا خیال باقی تھا، اور لوگ اس کو پسند نہ کرتے تھے کہ نبوت و خلافت ایک ہی قبیلہ یعنی بنو ہاشم میں مجتمع ہو جائے، چنانچہ خلافت مرتضوی میں جو خانہ جنگیاں برپا ہوئیں، وہ اسی منافست کا نتیجہ تھیں، حضرت عبدالرحمنؓ کی نگاہ عاقبت بین نے اس کا پہلے ہی اندازہ کر لیا تھا اور یہی وجہ ہے کہ

۱۔ بخاری باب الاتفاق علی بیعت عثمانؓ، لیکن بعض تفصیلی باتیں تاریخ طبری سے ماخوذ ہیں۔

۲۔ طبری ص ۲۷۸۰

انہوں نے حضرت عثمانؓ کو جناب امیرؓ پر ترجیح دی، ورنہ اسلام کا شیرازہ اسی وقت بکھر جاتا، جیسا کہ بعد کو واقعات نے ثابت کر دیا ہے۔

اس ترجیح کی ایک دوسری روایت یہ بھی ہے کہ حضرت علیؓ نے شیخینؓ کی روش پر کار بند ہونے میں پس و پیش کیا تھا، جیسا کہ متعدد روایتوں سے ثابت ہوتا ہے، برخلاف اس کے حضرت عثمانؓ نے نہایت بلند آہنگی کے ساتھ حامی بھری تھی، بہر حال حضرت عبدالرحمنؓ نے اس عقدہ کو جس ایثار، دور اندیشی اور دانائی کے ساتھ حل کیا وہ یقیناً ان کی زندگی کا مایہ ناز کارنامہ ہے۔

وفات..... عہد عثمانی میں حضرت عبدالرحمنؓ نے نہایت خاموش زندگی بسر کی اور جہاں تک معلوم ہے مہمات ملکی میں انہوں نے کوئی دلچسپی نہیں لی، یہاں تک کہ روح اطہر نے مکھتر (۷۵) برس تک اس سرائے فانی کی سیر کر کے ۳۳ھ میں داعی حق کو لبیک کہا۔ ان لله وانا الیہ راجعون۔ حضرت علیؓ نے جنازہ پر کھڑے ہو کر کہا:-

اذهب یا ابن عوف فقد ادرکت صفوها و مسقت زلقها.

یعنی ”ابن عوف! جا تو نے دنیا کا صاف پانی پایا اور گدلا چھوڑ دیا۔“

حضرت سعد بن ابی وقاصؓ جنازہ اٹھانے والوں میں شریک تھے اور کہتے جاتے تھے ”واجب لہ“۔ یعنی یہ پہاڑ بھی چل بسا، حضرت عثمانؓ نے نماز جنازہ پڑھائی اور جنت البقیع میں دفن کیا۔

علم و فضل..... رسول اللہ ﷺ کی صحبت نے حضرت عبدالرحمنؓ کے کیمہ فضل و کمال کو علمی زرد جوہر سے پر کر دیا تھا، گو انہوں نے دوسرے کبار صحابہؓ کی طرح حدیثیں بہت کم روایت کیں۔ تاہم خلفائے راشدینؓ کو بہت اہم اور ضروری موقعوں پر انہی معلومات سے فائدہ پہنچایا۔ چنانچہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کی خلافت میں جب رسول اللہ ﷺ کی وراثت کا جھگڑا چھڑا تو انہوں نے بلند آہنگی کے ساتھ اس حدیث کی تصدیق کی کہ ”آنحضرت ﷺ کے متروکہ میں وراثت نہیں ہے۔“

اسی طرح حضرت عمرؓ کے عہد میں جب ایران فتح ہوا اور انہیں فکر دامن گیر ہوئی کہ آتش پرستوں کے ساتھ کیا سلوک ہونا چاہئے تو اس وقت حضرت عبدالرحمنؓ ہی نے اس عقدہ کو حل کیا اور بیان کیا کہ آنحضرت ﷺ نے ان لوگوں کے ساتھ اہل کتاب کی روش اختیار کی تھی اور انہیں ذمی قرار دیا۔

۱۔ اسد الغابہ جلد ۳ ص ۳۱۷

۲۔ استیعاب جلد ۲ و طبقات ابن سعد تذکرہ عبدالرحمن بن عوفؓ

۳۔ کتاب الخراج ص ۷۳ و مسند ص ۱۹۴

۱۸ھ میں مقام عمواس میں طاعون پھیلا اور حضرت عمرؓ نے صحابہ کرامؓ سے بلا کر دریافت کیا کہ طاعون زدہ مقام سے ہٹنا جائز ہے یا نہیں؟ تو کوئی اس کا قطعی جواب نہ دے سکا، حضرت عبدالرحمنؓ اس وقت موجود نہ تھے لیکن جب انہیں خبر ملی تو انہوں نے حاضر ہو کر کہا میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ جہاں طاعون ہو وہاں نہ جاؤ، اگر تم پہلے سے طاعون زدہ مقام میں ہو تو وہاں سے نہ ہٹو۔

اصابت رائے..... خدائے تعالیٰ نے حضرت عبدالرحمنؓ کو اصابت رائے، اور دور اندیشی کا نہایت وافر حصہ دیا تھا، چنانچہ حضرت عمرؓ نے اپنی وفات کے وقت مستحقین خلافت پر یمارک کرتے ہوئے فرمایا تھا۔ ”عبدالرحمنؓ نہایت صائب الرائے، ہوشمند اور سلیم الطبع ہیں، ان کی رائے کو غور سے سننا اور اگر انتخاب میں مخالفت پیدا ہو جائے تو جس طرف عبدالرحمنؓ ہوں ان کا ساتھ دینا۔“

حضرت عمرؓ کی رائے صرف حسن ظن نہیں بلکہ دیرینہ تجربات پر مبنی تھی، چنانچہ حضرت عبدالرحمنؓ نے خلافت کی گرہ کو حسن خوبی کے ساتھ سلجھایا وہ ان کی تجربہ کاری اور ہوش مندی کی نہایت بین شہادت ہے۔

اخلاق و عادات..... حضرت عبدالرحمنؓ کا دامن فضل و کمال اور اخلاقی جواہر پاروں سے مالا مال تھا، خصوصاً خوف خدا، حب رسول، صدق و عفاف، ترحم، فیاضی اور انفاق فی سبیل اللہ ان کے نہایت درخشاں اوصاف تھے۔

خوف خدا..... خوف خدا کے باعث دنیا کا ہر واقعہ ان کے لئے مرقع عبرت بن جاتا تھا اور اس کی ہیبت و جلال کو یاد کر کے رونے لگتے تھے، ایک دفعہ دن بھر روزہ سے رہے، شام کے وقت کھانا سامنے آیا تو بے اختیار مسلمانوں کا گذشتہ فقر و فاقہ یاد آ گیا، بولے ”مصعب بن عمیرؓ مجھ سے بہتر تھے، وہ شہید ہوئے تو کفن میں صرف ایک چادر تھی جس سے سر چھپایا جاتا تھا تو پاؤں کھل جاتے تھے، اور پاؤں چھپائے جاتے تھے تو سر کھل جاتا تھا، اسی طرح حمزہؓ شہید ہوئے، حالانکہ وہ مجھ سے بہتر تھے، لیکن اب دنیا ہمارے لئے کشادہ ہو گئی ہے، اور ہمیں اس قدر دنیاوی نعمتیں مرحمت کی گئی ہیں کہ مجھے ڈر ہے کہ شاید ہماری نیکیوں کا معاوضہ دنیا ہی میں ہو گیا“ اس کے بعد اس قدر رقت طاری ہوئی کہ کھانے سے ہاتھ کھینچ لیا۔

حب رسول..... ایک بار گاہ صحابی کی حیثیت سے حضرت عبدالرحمنؓ رسالت ماب کی محبت اور خدمت و حفاظت میں ہمیشہ پیش پیش رہے، واقعہ احد صحابہؓ کی جاں نثاری و محبت کا نہایت سخت امتحان تھا، حضرت عبدالرحمنؓ اس آزمائش میں پورے اترے، بدن پر تیش

زخم کھائے، پاؤں میں ایسا کاری زخم لگا کر لٹکڑا کر چلتے گئے، لیکن جذبہ جاں نثاری نے میدان سے منہ موڑنے نہ دیا۔

حضرت سرور کائنات ﷺ کبھی باہر تشریف لے جاتے تو حضرت عبدالرحمن پیچھے پیچھے ساتھ ہو لیتے، ایک دفعہ آنحضرت ﷺ باہر نکلے، حضرت عبدالرحمن بھی پیچھے چلے، یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ ایک نخلستان میں پہنچ کر سر بسجود ہو گئے اور اس قدر دیر تک سجدہ میں رہے کہ ان کو خوف ہوا کہ شاید روح اطہر خدا سے جا ملی، گھبرا کر قریب آئے، آنحضرت ﷺ نے سر مبارک اٹھا کر فرمایا کیا ہے عبدالرحمن؟ انہوں نے اپنی گھبراہٹ کی وجہ عرض کی، ارشاد ہوا ”جبرائیلؑ نے مجھ سے کہا کیا میں آپ کو یہ بشارت نہ دوں کہ خداوند جل وعلا نے فرمایا ہے کہ جو آپ پر درود بھیجے گا، میں اس پر درود بھیجوں گا اور جو آپ پر سلام بھیجے گا، میں اس پر سلام بھیجوں گا۔ یعنی یہ طویل سجدہ سجدہ تشکر تھا۔

آنحضرت ﷺ کے بعد بھی ہمیشہ آپ کی یاد تازہ رہتی تھی، نوفل بن ایاس فرماتے ہیں کہ عبدالرحمن بن عوفؓ سے اکثر لطف صحبت رہتا تھا، درحقیقت وہ خوب ہم نشین تھے، ایک روز ہم کو اپنے دولت کدہ پر لے گئے، پھر خود اندر داخل ہوئے اور غسل کر کے باہر نکلے، اس کے بعد کھانا آیا تو روٹی اور گوشت دیکھ کر بے اختیار رونے لگے، میں نے پوچھا ”ابو محمد! یہ گریہ وزاری کیسی؟“ بولے رسول اللہ ﷺ نے وفات پائی لیکن تمام عمر آپ کو اور آپ کے اہل و عیال کو پیٹ بھر جو کی روٹی بھی نہ ملی، ہم دیکھتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کے بعد اتنے دنوں تک دنیا میں رہتا ہمارے لئے بہتر نہیں ہے۔

صدق و عفاف..... دیانتداری، صدق و عفاف حضرت عبدالرحمنؓ کے دستار فضل و کمال کا نہایت خوبصورت طرہ تھا، صحابہ کرامؓ کو ان کی صداقت پر اس قدر اعتماد تھا کہ مدعی یا مدعا علیہ ہونے کی حیثیت میں بھی وہ تنہا ان کے بیان کو کافی سمجھتے تھے، ایک دفعہ حضرت عثمانؓ کی عدالت میں حضرت زبیرؓ نے مقدمہ دائر کیا کہ ”میں نے آل عمرؓ سے ایک قطعہ زمین خریدا ہے جو عمرؓ کو دربار نبوتؐ سے بطور جاگیر مرحمت ہوا تھا، لیکن حضرت عبدالرحمنؓ کا دعویٰ ہے کہ ان کو اور عمرؓ کو ایک ساتھ جاگیر ملی تھی اور فلاں جگہ سے فلاں جگہ تک ان کا حصہ ہے۔“ حضرت عثمانؓ نے فرمایا ”عبدالرحمنؓ اپنے موافق یا مخالف شہادت دے سکتے ہیں۔“

آنحضرت ﷺ نے فرمایا تھا کہ میرے بعد جو شخص میری ازواج (مطہرات) کی نگرانی و محافظت کرے گا وہ نہایت صادق اور نیکو کار ہوگا، چنانچہ یہ فرض مخصوص طور پر حضرت عبدالرحمنؓ سے متعلق تھا، وہ سفر حج کے موقعوں پر ساتھ جاتے تھے، سواری اور پردہ کا انتظام کرتے تھے،

جہاں پڑاؤ ہوتا تھا وہاں انتظام و اہتمام کے ساتھ اتارتے تھے، غرض انہیں صرف اپنی عصمت و عفت کے باعث امہات المومنین کی خدمت و حفاظت کا فخر نصیب ہوا تھا جو ان کا مخصوص طغرائے امتیاز ہے۔

انفاق فی سبیل اللہ ہجرت کے بیان میں گذر چکا ہے کہ حضرت عبدالرحمنؓ کو بے نیازی اور استغناء نے تجارت کی طرف مائل کر دیا تھا، چنانچہ اس میں انہوں نے اس قدر ترقی کی کہ ایک عظیم الشان دولت کے مالک ہو گئے، یہاں تک کہ ایک دفعہ ان کا تجارتی قافلہ مدینہ آیا تو اس میں سات سواونٹ پر صرف گیسوں آٹا اور دوسری اشیائے خوردنی بار تھیں، اس عظیم الشان قافلہ کا تمام مدینہ میں غل پڑ گیا، حضرت عائشہؓ نے سنا تو فرمایا ”میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا کہ عبدالرحمنؓ جنت میں ریختے ہوئے جائیں گے۔“ حضرت عبدالرحمنؓ کو اطلاع ہوئی تو ام المومنینؓ کے پاس حاضر ہو کر عرض کی ”میں آپ کو گواہ کرتا ہوں کہ یہ پورا قافلہ مع اسباب و سامان بلکہ اونٹ اور کجاوہ تک راہ خدا میں وقف ہے۔“

صحابہؓ کی دولت ذاتی راحت و آسائش کے لئے نہ تھی بلکہ جو جس قدر زیادہ دولت مند تھا، اسی قدر اس کا دست کرم زیادہ کشادہ تھا، حضرت عبدالرحمنؓ کی فیاضی اور انفاق فی سبیل اللہ کا سلسلہ آنحضرت ﷺ کے عہد ہی سے شروع ہو چکا تھا، اور وقتاً فوقتاً قومی و مذہبی ضروریات کے لئے گراں قدر رقمیں پیش کیں، سورہ برأت نازل ہوئی اور صحابہؓ کو صدقہ و خیرات کی ترغیب دی گئی تو حضرت عبدالرحمنؓ نے اپنا نصف مال یعنی چار ہزار پیش کئے، پھر دو دفعہ چالیس چالیس ہزار دینار وقف کئے، اسی طرح جہاد کے لئے پانچ سو گھوڑے اور پانچ سواونٹ حاضر کئے۔^۱

عام خیرات و صدقات کا یہ حال تھا کہ ایک ہی دن میں تیس تیس غلام آزاد کر دیتے تھے ایک دفعہ انہوں نے اپنی ایک زمین چالیس ہزار دینار میں حضرت عثمانؓ کے ہاتھ فروخت کی اور سب راہ خدا میں لٹا دیا۔^۲ لیکن اس فیاضی کے باوجود ہر وقت یہ فکر دامن گیر رہتی تھی کہ کہیں اس قدر تمول آخرت کے لئے موجب نقصان نہ ہو، ایک دفعہ ام المومنین حضرت ام سلمہؓ کی خدمت میں حاضر ہو کر گزارش کی ”اماں! مجھے خوف ہے کہ کثرت مال مجھے ہلاک کر دے گا۔“ ارشاد ہوا بیٹا راہ خدا میں صرف رو، میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ ”میرے اصحابؓ میں بعض ایسے ہیں کہ مفارقت کے بعد انہیں میرا دیدار نصیب ہوگا۔“^۳

غرض فیاضی اور انفاق فی سبیل اللہ کا سلسلہ آخری لمحہ حیات تک قائم رہا، وفات کے وقت

۱۔ اصحابہ جلد ۲ ص ۱۷۷

۲۔ ایضاً ص ۳۱۶

۳۔ اسد الغابہ جلد ۳ ص ۳۱۶

۴۔ طبقات ابن سعد قسم اول ج ۱ ثالث تذکرہ عبدالرحمنؓ

۵۔ استیعاب جلد ۲ ص ۴۰۴

بھی پچاس ہزار دینار اور ایک ہزار گھوڑے راہ خدا میں وقف کئے، نیز بدر میں جو صحابہ شریک ہوئے تھے اور اس وقت تک زندہ موجود تھے، ان میں سے ہر ایک کے لئے چار چار سو دینار کی وصیت کی، بیان کیا جاتا ہے کہ اس وقت ایک سو اسی صحابہ بدر بقید حیات تھے اور سب نے نہایت خوشی کے ساتھ اس وصیت سے فائدہ اٹھایا یہاں تک کہ حضرت عثمانؓ نے بھی حصہ لیا۔

امہات المؤمنینؓ کے لئے بھی ایک باغ کی وصیت کی جو چار لاکھ درہم میں فروخت ہوا، نیز اس سے پہلے مختلف موقعوں پر بڑی بڑی زمینیں پیش کیں، ایک دفعہ ایک جائیداد پیش کی جو چالیس ہزار دینار میں فروخت ہوئی تھی، چنانچہ حضرت عائشہؓ ان کے صاحبزادہ ابوسلمہ سے اکثر بطریق تشکر و دعا فرمایا کرتی تھیں، خدا تمہارے باپ کو سلسبیل جنت سے سیراب کرے۔^۱ مذہبی زندگی..... حضرت عبدالرحمنؓ نماز نہایت خشوع و خضوع کے ساتھ پڑھتے تھے خصوصاً ظہر کے وقت فرض سے پہلے دیر تک نوافل سے مشغول رکھتے تھے۔^۲

اکثر روزے رکھتے تھے، حج کے لئے بھی بارہا تشریف لے گئے، جس سال حضرت عمرؓ مدینہ نشین خلافت ہوئے اس سال امارت حج کی خدمت بھی ان ہی کے سپرد ہوئی تھی۔^۳

ذریعہ معاش..... تجارت اصلی ذریعہ معاش تھا، آخر میں زراعت کا کاروبار بھی نہایت وسیع پیمانہ پر قائم ہو گیا تھا، آنحضرت ﷺ نے خیبر میں ایک وسیع جاگیر مرحمت فرمائی تھی، پھر انہوں نے خود بہت سی قابل زراعت اراضی خرید کر کاشت کاری شروع کی تھی، چنانچہ صرف، مقام ”جرف“ کے کھیتوں میں بیس اٹاب پاشی کا کام کرتے تھے۔^۴

حضرت عبدالرحمنؓ کے کاروبار میں خدائے پاک نے غیر معمولی برکت دی تھی، وہ خود فرماتے ہیں کہ اگر میں پتھر بھی اٹھاتا تو اس کے نیچے سونا نکل آتا ہے، یہی وجہ ہے کہ اس قدر فیاضی اور انفاق فی سبیل اللہ کے باوجود وہ اپنے وارثوں کے لئے نہایت وافر دولت چھوڑ گئے، یہاں تک کہ چاروں بیویوں نے جائیداد متروکہ کے صرف آٹھویں حصہ سے اسی اسی ہزار دینار پائے، سونے کی اینٹیں اتنی بڑی بڑی تھیں کہ کلباڑی سے کاٹ کاٹ کر تقسیم کی گئیں اور کاٹنے والوں کے ہاتھ میں آبلے پڑ گئے، جائیداد غیر منقولہ اور نقدی کے علاوہ ایک ہزار اونٹ اور سو گھوڑے اور تین ہزار بکریاں چھوڑیں۔^۵

غذا و لباس..... دسترخوان وسیع تھا لیکن پر تکلف نہ تھا، کبھی قیمتی اور خوش ذائقہ کھانا سامنے آ جاتا تو گذشتہ فقر و فاقہ یاد کر کے آنکھیں پر نم ہو جاتیں، لباس میں زیادہ تر ریشم کا استعمال تھا کیونکہ فقر و فاقہ میں بیماری کی وجہ سے رسول اللہ ﷺ نے خاص طور پر اجازت دی تھی

۱۔ اسد الغابہ جلد ۳ ص ۱۷۷

۲۔ ترمذی ص ۶۲۱

۳۔ استیعاب جلد ۲ ص ۴۰۳

۴۔ اسد الغابہ جلد ۳ ص ۳۱۷

۵۔ اسد الغابہ جلد ۳ ص ۳۱۷

ایک دفعہ حضرت عبدالرحمنؓ کے صاحبزادے ابوسلمہ ریشمی کرتہ زیب تن کئے ہوئے تھے حضرت عمرؓ نے دیکھا تو گریبان میں ہاتھ ڈال کر اس کے چیتھڑے اڑا دیئے، حضرت عبدالرحمنؓ نے کہا کیا آپ کو معلوم نہیں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے اجازت دی ہے؟“ فرمایا کہ ہاں! معلوم ہے لیکن صرف تمہارے لئے اجازت ہے دوسروں کے لئے نہیں۔“ ۱

حلیہ حلیہ یہ تھا، قد طول، رنگ سرخ و سپید، چہرہ خوبصورت، ریش دراز، سر پر کان سے نیچے تک گھونگھڑدار کا کلیں، کلائی گٹھی ہوئی، انگلیاں موٹی اور مضبوط، سامنے کے دو دانت گر گئے تھے، اور غزوہ احد میں زخمی ہونے کے باعث پاؤں میں لنگ تھا۔ ۲

اولاد و ازواج حضرت عبدالرحمنؓ نے مختلف اوقات میں متعدد شادیاں کیں، بیویوں کے ساتھ عموماً لطف و محبت سے پیش آتے تھے، ایک انصاریہ سے شادی کی تو بیس ہزار دینار مہر میں دیئے۔ ۳ بیویوں کے نام یہ ہیں۔

حضرت کلثوم بنت عقبہ بن ربیعہ، تماضر بنت الاصغ، کلثوم بنت عقبہ بن ابی معیط، سہلہ بنت عاصم، بحریہ بنت ہانی، سہلہ بنت سہیل، ام حکیم بنت قارظ، بنت ابی انحنشاش، اسماء بنت سلامہ، ام حریث، یہ بہرا سے قید ہو کر آئی تھیں، مجد بنت یزید، غزال بنت کسری، یہ مدائن سے گرفتار ہو کر آئی تھیں، بعض مورخین کا خیال ہے کہ خاندان کسری کی شہزادی تھیں، زینب بنت الصباح بادیہ بنت غیلان۔ ۴

حضرت عبدالرحمنؓ کی اولاد نہایت کثیر تھی، جن لڑکوں کے نام معلوم ہو سکے وہ یہ ہیں، سالم، اسلام سے پہلے پیدا ہوئے اور پہلے ہی مرے، محمد، ابوسلمہ فقیہ، ابراہیم، اسماعیل، حمید، زید، معن، عمر، عدی، عروہ، اکبر، سالم اصغر، ابوبکر، عبداللہ، عبدالرحمن، مصعب، سہیل (ابوالابيض) عثمان، عروہ، یحییٰ، بلال۔

صاحبزادیوں کے نام یہ ہیں۔

”ام القاسم۔“ یہ زمانہ جاہلیت ہی میں پیدا ہوئی تھیں، حمیدہ، لمة الرحمن، صفری، ام یحییٰ، جویریہ، امیہ، مریم۔

۱ طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث تذکرہ عبدالرحمن بن عوفؓ

۲ اصحابہ جلد ۲ ص ۱۷۷

۳ طبقات قسم اول جزء ثالث تذکرہ عبدالرحمن بن عوفؓ

۴ استیعاب جلد ۲ ص ۲۰۲

حضرت سعد بن ابی وقاصؓ

نام، نسب، خاندان سعد نام، ابواسحاق کنیت، والد کا نام مالک اور ابو وقاص کنیت، والدہ کا نام حنہ تھا، سلسلہ نسب یہ ہے، سعد بن مالک بن وہیب بن عبد مناف بن زہرہ بن کلاب بن مرہ بن کعب بن لوی بن غالب بن فہر بن نضر بن کنانہ القرشی الزہری، چونکہ آنحضرتؐ کی نانہال زہری خاندان میں تھی، اس لئے حضرت سعد وقاصؓ رشتہ میں آپ کے ماموں تھے، سرور کائنات ﷺ نے خود بھی بارہا اس رشتہ کا اقرار فرمایا تھا۔

اسلام حضرت سعد وقاصؓ کا سن مبارک صرف انیس سال کا تھا کہ دعوت اسلام کی صدائے سامعہ نواز نے توحید کا شیدائی بنادیا، اور حضرت ابوبکرؓ کے ساتھ بارگاہ نبوت میں حاضر ہو کر خلعت ایمان سے مشرف ہوئے۔

بخاری میں حضرت سعدؓ سے روایت ہے کہ ان سے پہلے کوئی شخص مسلمان نہیں ہوا تھا، اور ایک دوسری روایت میں وہ اپنے کو تیسرا مسلمان بتاتے ہیں، لیکن محدثین عظام کی تحقیق کے مطابق چھ سات بزرگوں کو ان پر تقدم کا فخر حاصل ہو چکا تھا، البتہ یہ ممکن ہے کہ حضرت سعد وقاصؓ کو ان کی اطلاع نہ ہو کیونکہ کفار کے خوف سے انہوں نے اپنے ایمان لانے کا اعلان نہیں کیا تھا۔

استقامت حضرت سعد وقاصؓ کی ماں نے لڑکے کی تبدیل مذہب کا حال سنا تو نہایت کبیدہ خاطر ہوئیں، بات چیت، کھانا پینا سب چھوڑ بیٹھیں، چونکہ وہ اپنی ماں کے حد درجہ فرماں بردار اور اطاعت شعار تھے، اس لئے یہ سخت آزمائش کا موقع تھا، لیکن جو دل توحید کی لذت کا آشنا ہو چکا تھا وہ پھر کفر و شرک کی طرف کس طرح رجوع ہو سکتا تھا، ماں مسلسل تین دن تک بے آب و دانہ رہیں، لیکن بیٹے کی جبین استقلال پر شکن تک نہ پڑی، خدائے پاک کو یہ شان استقامت کچھ ایسی پسند آئی کہ تمام مسلمانوں کے لئے معصیت الہی میں والدین کے عدم اطاعت کا ایک قانون عام بنادیا گیا۔

وَإِنْ جَاهَدَاكَ لِتُشْرِكَ بِيْ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا

(الایۃ)

بخاری مع فتح الباری مناقب سعد وقاصؓ

۱۔ اسد الغابہ جلد ۲ ص ۲۹۱

۲۔ مسلم مناقب سعد وقاصؓ

مکہ کی زندگی..... اسلام قبول کرنے کے بعد ہجرت نبوی تک مکہ میں ہی مقیم رہے گو یہ سرزمین عام مسلمانوں کی طرح ان کے لئے مصائب و شدائد سے خالی نہ تھی، تاہم استقلال کے ساتھ ہر قسم کی سختیاں جھیلنے رہے۔

حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کفار کے خوف سے عموماً مکہ کی ویران و سنسان گھاٹیوں میں چھپ کر معبود حقیقی کی پرستش و عبادت فرمایا کرتے تھے، ایک دفعہ ایک گھاٹی میں چند صحابہؓ کے ساتھ مصروف عبادت تھے، اتفاق سے کفار کی ایک جماعت اس طرف آنکلی، اور اسلام کا مذاق اڑانے لگے، حضرت سعد و قاصؓ کو اس بے بسی کی زندگی میں بھی جوش آگیا، اور اونٹ کی ہڈی اٹھا کر اس زور سے ماری کہ ایک مشرک کا سر پھٹ گیا، اور خون بہنے لگا، بیان کیا جاتا ہے کہ اسلام کی حمایت میں یہ پہلی خونریزی تھی جو حضرت سعد و قاصؓ کے ہاتھ سے عمل میں آئی۔ ۳۔

ہجرت..... مکہ میں جب کفار کے ظلم و ستم سے مسلمانوں کا پیاناہ صبر و تحمل لبریز ہو گیا تو آنحضرت ﷺ نے صحابہ کرامؓ کو ہجرت مدینہ کا حکم دیا، اس حکم عام کی بنا پر حضرت سعد و قاصؓ نے مدینہ کی راہ لی، اور اپنے بھائی عتبہ بن ابی وقاصؓ کے مکان میں فروکش ہوئے۔ ۴۔

جنہوں نے ایام جاہلیت میں ایک خون کیا تھا اور انتقام کے خوف سے مدینہ میں سکونت اختیار کر لی تھی۔

یہاں پہنچ کر مسلمانوں کو آزادی و طمانیت نصیب ہوئی، تاہم قریش مکہ کی حملہ آوری کا خطرہ موجود تھا، آنحضرت ﷺ نے پیش بینی کر کے حضرت عبداللہ بن الحارثؓ کو ساٹھ یا اسی سواروں کے ساتھ غنیم کی نقل و حرکت دریافت کرنے کے لئے روانہ فرمایا حضرت سعد و قاصؓ بھی اس جماعت میں شامل تھے، غرض دورہ کرتے ہوئے حجاز کے ساحلی علاقہ میں قریش کی ایک بڑی تعداد سے ٹکرائے ہوئے، چونکہ محض بحسب مقصود تھا، اس لئے کوئی جنگ پیش نہ آئی، مگر حضرت وقاصؓ کو کہاں تاب تھی، انہوں نے ایک تیر چلا ہی دیا، چنانچہ یہ اسلام کا پہلا تیر تھا جو راہ خدا میں چلا گیا۔ ۵۔

دوسری دفعہ خود حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کے زیر قیادت آٹھ مہاجرین کی ایک جماعت تجسس کے لئے روانہ کی گئی، چنانچہ یہ مقام خرار تک دور کر کے واپس آئے اور کوئی جنگ پیش نہ آئی، اس کے بعد حضرت عبداللہ بن جحشؓ کے ساتھ دشمن کی خبر گیری پر مامور ہوئے، آنحضرت ﷺ نے حضرت

۱۔ مسلم مناقب سعد و قاصؓ

۲۔ ترجمہ: اگر والدین تجھ کو میرے ساتھ شرک پر مجبور کریں جن کا کوئی علم و یقین تیرے پاس نہیں ہے تو اس میں ان کی اطاعت نہ کر

۳۔ ابن سعد قسم اول جزء ثالث ص ۹۹

۴۔ اسد الغابہ جلد ۲ ص ۱۹۱

۵۔ سیرت ابن ہشام جلد ۱ ص ۳۳۸

عبداللہ بن ابی جحش کو ایک سر بہر فرمان دیا تھا کہ دو روز سفر کرنے کے بعد کھول کر پڑھیں اور اس کی ہدایتوں پر عمل کریں، انہوں نے حسب ہدایت دو روز کے بعد پڑھا تو اس میں لکھا تھا کہ مکہ اور طائف کے درمیان جو نخلستان ہے وہاں پہنچ کر قریش کی نقل و حرکت کا پتہ چلائیں، حضرت عبداللہ نے اپنے ساتھیوں کو فرمان کا مضمون سنا کر کہا ”میں کسی کو مجبور نہیں کرتا جس کو شہادت منظور ہو وہ ساتھ چلے ورنہ واپس جائے۔“

حضرت سعد بن ابی وقاصؓ اور تمام دوسرے ساتھیوں نے جوش کے ساتھ سمعاً و طاعتاً کہا، لیکن کچھ دور جانے کے بعد عتبہ بن غزو انؓ اور حضرت سعد وقاصؓ کا اونٹ جو مشترکہ طور پر دونوں کی سواری میں تھا گم ہو گیا، اور اس طرح وہ دونوں پیچھے چھوٹ گئے، حضرت عبداللہ بن جحشؓ نے نخلستان میں پہنچ کر قریش کے ایک قافلہ سے جنگ کی اور مال غنیمت اور چند قیدیوں کے ساتھ مدینہ واپس آئے، چونکہ یہ وہ مہینہ تھا جس میں رسماً جنگ ممنوع بھی جاتی تھی، اس لئے سرور کائنات ﷺ نے اس پر ناپسندیدگی ظاہر کی اور فرمایا کہ میں نے تمہیں جنگ کا حکم نہیں دیا تھا، مسلمانوں نے بھی عبداللہ اور ان کے ساتھیوں کو ملامت کی لیکن وحی الہی نے اس مسئلہ کو اس طرح صاف کر دیا۔

يسئلوك عن الشهر الحرام قتال فيه قل قتال فيه كبير وصد عن
مبيل الله و كفر به والمسجد الحرام واخراج اهله منه اكبر عند الله
والفتنة اكبر من القتل. (بقرہ ۲: ۲۱۷)

لوگ تم سے ماہ حرام کی نسبت پوچھتے ہیں کہ اس میں لڑنا (جائز ہے) کہہ دو
اس میں لڑنا بڑا گناہ اور خدا کی راہ سے روکنا اور اس کا نہ ماننا اور مسجد حرام سے باز
رہنا اور اس کے اہل کو اس سے نکال دینا خدا کے نزدیک اس سے بھی بڑھ کر ہے
اور فتنہ کشت و خون سے زیادہ برا ہے۔

قریش فدیہ لے کر اپنے قیدیوں کو چھڑانے آئے لیکن اس وقت تک عتبہ بن غزو انؓ اور حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کا کچھ پتہ نہ تھا، اس لئے آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ جب تک یہ دونوں صحیح و سلامت پہنچ نہ جائیں تمہارے قیدی رہانہ ہوں گے، غرض جب یہ دونوں جاننا واپس آ گئے تو مشرکین چھوڑ دیئے گئے۔

غزوات

غزوہ بدر..... معرکہ بدر سے مستقل جنگوں کی ابتدا ہوئی، حضرت سعد بن ابی وقاصؓ نے اس جنگ میں غیر معمولی شجاعت و جان بازی کے جوہر دکھائے اور سعید بن العاص سرخیل کفار کو تہ تیغ کیا، حضرت سعدؓ کو اس کی ذوالکلیفہ نامی تلوار پسند آگئی تھی، اس تلوار کو لئے ہوئے بارگاہ نبوت میں حاضر ہوئے، چونکہ اس وقت تک تقسیم غنیمت کے متعلق کوئی حکم نازل نہ ہوا تھا اس لئے ارشاد ہوا کہ جہاں سے اٹھانی ہے وہیں رکھ دو۔

حضرت سعدؓ کے برادر عزیز حضرت عیمہؓ اس جنگ میں شہید ہوئے تھے کچھ تو ان کی مفارقت کا صدمہ اور کچھ تلوار نہ ملنے کا افسوس، غرض عمکین و طول واپس آئے، لیکن تھوڑی ہی دیر کے بعد سورہ انفال نازل ہوئی اور سرور کائنات ﷺ نے ان کو بلا کر تلوار لینے کی اجازت دے دی۔ غزوہ احد..... ۳ھ میں غزوہ احد پیش آیا، اس جنگ میں تیر اندازوں کی غفلت سے اتفاقاً مسلمانوں کی فتح شکست سے تبدیل ہوگئی اور ناگہانی حملہ کے باعث اکثر غازیوں کے پاؤں اکٹڑ گئے لیکن حضرت سعد بن ابی وقاصؓ ان ثابت قدم اصحاب کی صف میں تھے، جن کے پائے استقلال کو اخیر وقت تک لغزش نہ ہوئی، حضرت سعدؓ تیر اندازی میں کمال رکھتے تھے، اس لئے جب کفار کا زغہ ہوا تو آنحضرت ﷺ ان کو اپنے ترکش سے تیر دیتے جاتے اور فرماتے۔

یا سعد ارم فداک امی و ابی

یعنی اے سعد! تیر چلا میرے باپ ماں تجھ پر فدا ہوں۔

حضرت علیؓ کا بیان ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کی زبان مبارک سے سعدؓ کے سوا اور کسی کے لیے ”فداک ابی و امی“ کا جملہ نہیں سنا، لیکن دوسری روایتوں میں حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ کی نسبت بھی ایسے ہی جملے منقول ہیں، بہر حال محدثین کا فیصلہ ہے کہ غزوہ احد میں یہ فخر صرف سعد بن ابی وقاصؓ کے لیے مخصوص تھا۔

اثنائے جنگ میں ایک مشرک سامنے آیا جس نے اپنے تیز و تند جملوں سے مسلمانوں کو پریشان کر رکھا تھا، آنحضرت ﷺ نے اس کو نشانہ بنانے کا حکم دیا، لیکن اس وقت ترکش تیروں سے خالی ہو چکا تھا، حضرت سعدؓ نے قبیل ارشاد کے لیے ایک تیر اٹھا کر جس میں پھل نہیں تھا اس صفائی کے

۱۔ مسند جلد ۱ ص ۸۰ اور مسلم مناقب سعد وقاصؓ

۲۔ بخاری کتاب المغازی غزوہ احد

۳۔ فتح الباری کتاب المناقب سعد وقاصؓ

ساتھ اس کی پیشانی پر مارا کہ وہ بدحواسی کے ساتھ برہنہ ہو کر گر گیا، آنحضرت ﷺ ان کی تیر اندازی اور اس کی بدحواسی پر بے اختیار ہنس پڑے، یہاں تک کہ دندان مبارک نظر آنے لگے۔ اسی طرح طلحہ بن ابی طلحہ کے حلق میں تاک کر ایسا تیر مارا کہ زبان کتے کی طرح باہر نکل پڑی اور تڑپ کر داخل ستر (جہنم) ہوا۔^۱

متفرق غزوات غزوہ احد سے فتح مکہ تک جس قدر معرکے پیش آئے، حضرت سعدؓ بہادری و جانبازی کے ساتھ سب میں پیش پیش رہے، پھر فتح مکہ کے بعد غزوہ حنین میں اسی فدویت، جان نثاری اور ثبات و پامردی کا کارنامہ پیش کیا، جس کا اظہار غزوہ احد میں کر چکے تھے۔

غزوہ طائف اور تبوک کی فوج کشی میں بھی شریک تھے، پھر ۱۰ھ میں سرور کائنات ﷺ نے حجۃ الوداع کا قصد فرمایا تو حضرت سعد و قاصؓ ہر کاب تھے، لیکن مکہ پہنچ کر سخت علیل ہو گئے، یہاں تک کہ جب آنحضرت ﷺ عیادت کے لئے تشریف لائے تو زندگی سے مایوس ہو کر عرض کرنے لگے یا رسول اللہ! میں مالدار آدمی ہوں لیکن ایک لڑکی کے سوا کوئی وارث نہیں ہے، اس لئے اگر اجازت ہو تو اپنا دو ٹکٹ مال کار خیر میں لگا دوں؟ ارشاد ہوا ”نہیں! پھر عرض کی ”دو ٹکٹ نہیں تو نصف سہی“ حکم ہوا، نہیں صرف ایک ٹکٹ اور یہ بھی بہت ہے، تم اپنے وارثوں کو مالدار و تو نگر چھوڑ کر جاؤ کہ وہ لوگوں کے سامنے دست سوال نہ پھیلاتے پھریں، تم جو کچھ بھی خدا کی رضا جوئی کے لئے صرف کرو گے اس کا اجر ملے گا، یہاں تک کہ اپنی بیوی کے منہ میں جو لقمہ ڈالتے ہو اس کا بھی ثواب پاؤ گے۔^۲

ایک مبارک پیشین گوئی حضرت سعدؓ کو مدینہ سے اس قدر محبت ہو گئی تھی کہ مکہ میں مرنا بھی پسند نہ تھا، بیماری جس قدر طول کھینچتی جاتی تھی اسی قدر ان کی بے قراری بڑھتی جاتی تھی، رسول اللہ ﷺ نے اشکبار دیکھ کر پوچھا ”روتے کیوں ہو؟“ عرض کی ”معلوم ہوتا ہے کہ اسی سر زمین کی خاک نصیب ہوگی، جس کو خدا اور رسول کی محبت میں ہمیشہ کے لئے ترک کر چکا تھا۔“ آنحضرت ﷺ نے تسفی دیتے ہوئے ان کے قلب پر ہاتھ رکھ کر تین دفعہ دعا فرمائی۔

اللهم اشف سعدا اللهم اشف سعدا۔ ۳

یعنی اے خدا سعدؓ کو صحت عطا کر! سعدؓ کو صحت عطا کر!

رسول اللہ ﷺ کے دہن مبارک سے جو الفاظ نکلے تھے وہ اس مریض بنسرت مرگ کے لئے آب حیات ثابت ہوئے، یعنی دعا مقبول ہوئی اور وہ صحیح و تندرست ہوئے ساتھ ہی یہ بشارت

۱۔ مسلم کتاب المناقب مناقب سعدؓ ۲۔ طبقات ابن سعد حصہ مغازی ص ۲۸

۳۔ مسلم کتاب الوصیہ ۴۔ ایضاً

سنائی کہ اے سعد! تم اس وقت تک نہ مرو گے جب تک تم سے ایک قوم کو نقصان اور دوسری قوم کو نفع نہ پہنچ لے۔ ایہ پیشین گوئی عجیبی فتوحات کے ذریعہ پوری ہوئی، جن میں عجم قوم نے آپ کے ہاتھوں سے نقصان اور عرب قوم نے فائدہ اٹھایا۔

مکہ سے واپس آنے کے بعد اسی سال رسول اللہ ﷺ نے وفات پائی اور حضرت ابوبکرؓ صدیق سقیفہ بنی ساعدہ میں کثرت آراء سے مسند نشین خلافت ہوئے، حضرت سعد بن ابی وقاصؓ نے بھی جمہور کا ساتھ دیا اور خلیفہ اول کے ہاتھ پر بلا توقف بیعت کر لی۔

خلیفہ اول نے صرف سواد و برس کی خلافت کے بعد داعی حق کو لبیک کہا اور فاروق اعظمؓ کو جانشین کر کے رحلت گزین عالم جاوداں ہوئے، اس وقت اندرونی مہمات کا فیصلہ ہو کر شام و عراق پر فوج کشی کی ابتدا ہو چکی تھی، حضرت عمرؓ نے مسند نشین ہونے کے ساتھ ہی تمام عرب میں جوش و خروش کی آگ بھڑکادی، اور ان حملوں کا انتظام زیادہ وسیع پیمانہ پر قائم کر دیا، خصوصاً عراق کی فوج کشی پر سب سے پہلے توجہ کی چونکہ حضرت سعد وقاصؓ کے آئندہ زمانوں کا تعلق تمام تر اسی سرزمین سے وابستہ ہے، اس لئے اس ملک کی لشکر کشی کے ابتدائی حالات تسلسل قائم رہنے کے خیال سے درج ذیل ہیں۔

عراق کی فوج کشی اہل عرب اور ایرانیوں میں نہایت قدیم زمانہ سے عداوت چلی آتی تھی، ایرانیوں نے بارہا عربوں کے تفرق، اختلاف اور کمزوری سے فائدہ اٹھا کر تمام عرب کو تباہ و برباد کر دیا تھا، خصوصاً عراق عرب اور سرحدی علاقوں پر مستقل قبضہ جمالیا تھا، لیکن عرب بھی دب کر رہنے والے نہ تھے، جب موقع ملتا بغاوت کر دیتے تھے، چنانچہ پوران وخت کے زمانہ میں جب طوائف الملوکی کے باعث ایرانی حکومت کا نظام ابتر ہو گیا تو سرحدی قبائل کو پھر شورش کا موقع ملا اور ثنی شیبانی اور سوید عجمی نے تھوڑی جمعیت فراہم کر کے عراق کی سرحد حیرہ اور ابلہ کی طرف غارت گری شروع کر دی، یہ حضرت ابوبکرؓ کی خلافت کا زمانہ تھا، ثنی نے بارگاہ خلافت میں حاضر ہو کر باقاعدہ عراق پر حملہ آوری کی اجازت طلب کی، چونکہ عام عرب میں اسلام کی روشنی پھیل چکی تھی، اس لئے اس کے ایک وسیع خطہ کا کسی دوسری حکومت کے زیر اقتدار رہنا مذہبی اور قومی نقطہ نگاہ سے نہایت خطرناک تھا، اس بنا پر خلیفہ اول نے ثنی کو اجازت دے دی، اور حضرت خالدؓ سیف اللہ کو ایک بڑی جمعیت کے ساتھ مدد کے لئے روانہ کیا، انہوں نے حملہ کر کے بہت سے سرحدی مقامات فتح کر لئے، لیکن چونکہ دوسری طرف شام کی مہم بھی درپیش تھی اور وہاں کمک کی بہت زیادہ ضرورت تھی، اس لئے حضرت ابوبکرؓ نے خالدؓ کو حکم دیا کہ ثنی کو اپنا جانشین کر کے شامی رزمگاہ کی طرف روانہ ہو جائیں، لیکن خالدؓ سیف اللہ کا جانا تھا کہ عراق کی مہم دفعتاً سرد پڑ گئی۔

حضرت عمرؓ نے مسند خلافت پر قدم رکھا تو پھر نئے سرے سے عراق کی مہم پر توجہ مبذول

فرمائی اور حضرت ابو عبیدہؓ کو ایک فوج گراں کے ساتھ اس طرف روانہ فرمایا، انہوں نے ایرانیوں کو متفرق معرکوں میں شکست دے کر تمام متعلقہ علاقوں پر قبضہ کر لیا اور مشرقی فرات کے کنارے ایک مقام پر جس کا نام مروہ تھا، غنیم کی ایک زبردست فوج کے سامنے صف آرائی کی، چونکہ بیچ میں دریا حائل تھا، اس لئے ایرانی سپہ سالار بہمن نے کہلا بھیجا کہ یا تو تم اس پار اتر کر آؤ یا ہم آئیں، ابو عبیدہؓ نے سرداران فوج کے اختلاف کے باوجود شجاعت کے نشے میں خود دریا کے پار اتر کر مقابلہ کیا، لیکن اس غلطی کا جو نتیجہ ہونا چاہئے تھا وہ ہوا یعنی مسلمانوں کو نہایت افسوس ناک شکست ہوئی۔

حضرت عمرؓ نے کمک بھیج کر فوج کو از سر نو مستحکم کر دیا اور چونکہ حضرت ابو عبیدہؓ کام آچکے تھے، اس لئے مثنیٰ شیبانی کو سپہ سالاری کی خدمت سپرد کر دی، انہوں نے معرکہ بویب اور دوسری جنگوں میں دشمن کو پے در پے شکستیں دے کر عراق کے ایک وسیع خطہ پر قبضہ کر لیا۔

ایرانیوں کو اب تک مسلمانوں کی جارحانہ قوتوں کا اندازہ نہ تھا، ان فتوحات نے ان کی آنکھیں کھول دیں، اراکین سلطنت نے حکومت کیانی کو محفوظ رکھنے کے لئے نئی تدبیریں اختیار کیں، پوزان وخت کو جو ایک عورت تھی تخت سے اتار کر خاندان کسریٰ کے اصلی وارث یزدگرد کو تخت نشین کیا اور تمام ملک میں اتحاد، اتفاق اور جوش و خروش کی آگ بھڑکادی، یہاں تک کہ مسلمانوں کے مفتوحہ مقامات میں بھی بغاوت و سرکشی کی آگ بھڑک اٹھی اور مثنیٰ کو مجبوراً عرب کی سرزمین میں ہٹ آنا پڑا۔

حضرت عمرؓ نے ان واقعات سے مطلع ہو کر تمام عرب میں پر جوش و جادو بیان خطیب پھیلا دیئے، کہ وہ اپنی پر تاثیر تقریروں سے قبائل عرب کو جنگ میں شریک ہونے کے لئے آمادہ کریں، اس کا اثر یہ ہوا کہ تھوڑے ہی عرصہ میں دار الخلافہ کی طرف جنگ آزما بہادروں کا ایک طوفان امنڈ آیا، حضرت سعد بن ابی وقاصؓ عہد صدیقی سے ہوازن کے عامل تھے، انہوں نے اپنے اثر سے ایک ہزار آدمی بھیجے، جن میں سے ہر ایک تیغ و تنگ کا ماہر تھا، غرض فوج توقع سے زیادہ فراہم ہو گئی لیکن سب سے زیادہ دقت یہ تھی کہ اس عظیم الشان لشکر کی سربراہی کے لئے کوئی شخص موزوں نظر نہ آتا تھا، حضرت علیؓ سے درخواست کی گئی تو انہوں نے بھی اس بار گراں کے اٹھانے سے انکار کر دیا، عوام کے اصرار سے خود حضرت عمرؓ تیار ہو گئے، لیکن اہل الرائے صحابہؓ مانع ہوئے کہ آپؓ کا جانا کسی طرح مناسب نہیں ہے، لوگ اسی جیسے بیس میں تھے کہ دفعۃً حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ نے اٹھ کر کہا کہ میں نے پالیا، حضرت عمرؓ نے فرمایا کون؟ بولے کہ سعد بن ابی وقاصؓ، تمام حاضرین اس انتخاب پر بھڑک اٹھے، اور سب نے متفقہ طور پر تائید کی۔ سپہ سالاری..... حضرت سعدؓ نہایت بلند پایہ صحابی اور رسول اللہ ﷺ کے ماموں تھے، اس

کے ساتھ بہادری و شجاعت میں بھی بے نظیر تھے، تمام فوج نے ان کی سپہ سالاری کو نہایت پسندیدگی و فخر کی نگاہ سے دیکھا، حضرت عمرؓ کو سپہ سالاری کے لحاظ سے مجبور ہو کر منظور کر لیا اور ہر قسم کی ہدایتیں اور نصیب و فراز سمجھا کر رزمگاہ کی طرف کوچ کرنے کی اجازت دے دی۔

غرض اس طرح حضرت سعدؓ کی تاریخ زندگی کا وہ صفحہ شروع ہوا جو سب سے زیادہ درخشاں و تاباں ہے اور جس نے دنیا کے بڑے بڑے الوالعزم، حوصلہ مند اور خوش تدبیر نام آوروں کی صف میں ان کو ممتاز کر دیا ہے، وہ اپنے لشکر کو آراستہ کر کے منزل بہ منزل طے کرتے ہوئے ثعلبہ پہنچے، یہاں تین مہینے تک قیام رہا، پھر وہاں سے چل کر مشراف میں خیمہ زن ہوئے، حضرت ثنیٰ مقام ذی قار میں آٹھ ہزار نیرد آزما سپاہیوں کے ساتھ ان کی آمد کا انتظار کر رہے تھے، لیکن داعی اجل نے ملاقات کا موقع نہ دیا اور وہ اپنے بھائی کو سپہ سالار اعظم سے ملنے کی ہدایت کر کے رہ گزین عالم جاوداں ہوئے، معنی نے حسب ہدایت (مقام) مشراف میں آ کر ملاقات کی اور ثنیٰ نے جو ضروری مشورے دیئے تھے، حضرت سعدؓ و قاصؓ سے بیان کئے۔

حضرت سعدؓ نے مشراف میں اپنی فوج کا باقاعدہ جائزہ لیا، جو کم و بیش تیس ہزار ٹھہری پھر میمنہ و میسرہ وغیرہ کی تقسیم کر کے ہر ایک پر جدا جدا افسر مقرر کئے اور مقام کا نقشہ، فرودگاہ کا ڈھنگ، لشکر کا پھیلاؤ اور رسد کی کیفیت وغیرہ سے دربار خلافت کو مطلع کیا، وہاں سے حکم آیا کہ مشراف سے آگے بڑھ کر قادیسیہ پر اس طرح مورچے جمائیں کہ پشت پر عرب کے پہاڑ ہوں اور سامنے دشمن کا ملک ہو، چنانچہ وہ یہاں سے روانہ ہو کر عذیب میں عجمیوں کے میگزین پر قبضہ کرتے ہوئے قادیسیہ پہنچے اور مناسب موقعوں پر مورچے جمادیئے۔

حضرت سعدؓ نے لڑائی شروع ہونے سے پہلے سرداران قبائل میں سے چودہ نامور اشخاص منتخب کئے، سفیر بنا کر مدائن روانہ کیا تاکہ شاہ ایران کو اسلام یا جزیہ قبول کرنے کی دعوت دیں، چنانچہ انہوں نے پہلے اسلام پیش کیا، اور طرفین میں بڑی رد و قدح ہوتی رہی، آخر میں مسلمانوں نے کہا اگر تم اسلام نہیں قبول کرتے تو ہم اپنے نبی کی پیشین گوئی یا دلاتے ہیں کہ ایک دن تمہاری زمین ہمارے تصرف میں آئے گی، مسلمانوں کی صاف بینی پر غضب ناک ہو کر، مسلمانوں کی اس دلیری پر جھلا کر خاک و حول منگا کر کہا لو یہ تم کو ملے گا، حضرت عمرو بن سعدی کرب نے اس کو اپنی چادر میں لے لیا، اور سعدؓ کے پاس پہنچے اور ان کے سامنے رکھ کر کہا کہ ”فتح مبارک ہو دشمن نے خود اپنی زمین ہم کو دے دی، غرض سرفراہ واپس آ گئے، اور جنگ کی تیاریاں شروع ہو گئیں، جمعی سپہ سالار رستم نے بھی جو سابطا میں مقیم تھا، اپنی فوج کو آگے بڑھا کر قادیسیہ میں ڈیرے ڈالے۔

رستم کی فوجیں قادیسیہ پہنچیں تو حضرت سعدؓ نے ہر طرف جاسوس پھیلا دیئے کہ دشمن کی نقل و حرکت سے ہر وقت مطلع کرتے رہیں، نیز غنیم کی فوج کا رنگ ڈھنگ، لشکر کی ترتیب اور پڑاؤ

کی حالت دریافت کرنے کے لئے فوجی افسر متعین کر دیئے، اس میں کبھی کبھی دشمن کا سامنا بھی ہو جاتا تھا، چنانچہ ایک دفعہ رات کے وقت غنیم کے کیمپ میں گشت کر رہے تھے، ایک جگہ ایک بیش بہا گھوڑا بندھا دیکھا، تلواریں سے باگ ڈور کاٹ کر اپنے گھوڑے کی باگ ڈور سے انکالی، لوگوں نے ان کا تعاقب کیا تو ایک سپاہی کو قید کر کے لڑتے بھڑتے صاف نکل آئے، قیدی نے حضرت سعدؓ کے سامنے آ کر اسلام قبول کیا، اور فوج کے بہت سے اسرار بیان کئے۔

عرصہ تک صرف اسی قسم کی جھڑپ ہوتی رہی، اور کوئی باقاعدہ جنگ پیش نہ آئی، رستم قصداً جنگ سے جی چراتا تھا، اس نے ایک دفعہ پھر صلح کی کوشش کی اور حضرت سعدؓ نے اس کی خواہش پر متعدد سفارتیں روانہ کیں، آخری سفارت میں حضرت مغیرہؓ بھیجے گئے، لیکن مصالحت کی کوئی صورت نہ نکلی۔ رستم کو ناکامی ہوئی تو اس نے غضب ناک ہو کر کہا کہ ”کل تمہاری فوجیں تیرے وبالاً کر ڈالوں گا۔“ حضرت مغیرہؓ نے واپس آ کر رستم کا مقولہ بیان کیا تو حضرت سعدؓ نے بھی جوش و خروش کے ساتھ مسلمانوں کو تیاری کا حکم دے دیا۔

جنگ قادسیہ..... رستم اس قدر غضب ناک ہو گیا تھا کہ اس نے اسی وقت فوج کو کربندی کا حکم دے دیا اور دوسرے روز صبح کے وقت درمیان کی نہر کو عبور کر کے میدان جنگ میں صف آراء ہوا، دوسری طرف حضرت سعدؓ کا لشکر بھی تیار تھا، مشہور شعراء اور پر جوش خطیب رزمیہ اشعار اور جادو اثر تقریروں سے تمام بہادر سپاہیوں کے شجاعانہ ولولے بھڑکار رہے تھے، اس کے ساتھ قاریوں کی خوش الحانی اور جہاد کی آیتوں نے جنت کے عاشقوں کو بے تاب کر رکھا تھا۔

حضرت سعدؓ نے قاعدہ کے موافق اللہ اکبر کے تین نعرے بلند کئے، اور چوتھے پر جنگ شروع ہو گئی، گو وہ خود عرق النساء کے عارضہ میں مبتلا ہونے کے باعث عام فوج کا ساتھ نہ دے سکے اور حضرت خالد ابن عطفہ کو قائم مقام کر کے میدان جنگ کے قریب جو قصر تھا اس کے بالا خانہ پر رونق افروز ہوئے تاہم فوج کو لڑاتے خود تھے یعنی جس وقت جو حکم دینا مناسب سمجھتے تھے پرچوں پر لکھ کر اور گولیاں بنا کر خالد کی طرف پھینکتے جاتے تھے اور خالد ان ہی ہدایتوں کے مطابق موقع بہ موقع لڑائی کا اسلوب بدلتے جاتے تھے، ایک دفعہ ایرانی ہاتھیوں کے ریلے کی وجہ سے قریب تھا کہ بجیلہ سواروں کے پاؤں اکھڑ جائیں، حضرت سعدؓ نے یہ رنگ دیکھ کر فوراً قبیلہ اسد کو حکم بھیجا کہ بجیلہ کو مدد پہنچائیں، پھر جب اس کالی آندھی نے اس طرف رخ کیا تو قبیلہ تمیم کو جو نیزہ بازی اور قادر اندازی میں کمال رکھتے تھے کہلا بھیجا کہ تمہارا کمال ہاتھیوں کے مقابلہ میں کیا ہوا؟ یہ سن کر انہوں نے اس جوش سے تیر برسائے کہ دفعتاً جنگ کا نقشہ بدل گیا، غرض تمام دن اسی زور کارن ہوا، شام ہوئی تو دونوں فریق اپنے اپنے پڑاؤ میں واپس آئے، قادسیہ کا یہ پہلا معرکہ تھا جس کو عربی میں یوم الارماث کہتے ہیں۔

دوسرے روز پھر جنگ شروع ہوئی، عین ہنگامہ کارزار میں شام کی امدادی فوجیں بھی پہنچ

کنیں، اس تائیدِ نبی سے مسلمانوں کا جوش دوبالا ہو گیا اور اس زور شور سے تیغ و سنان اور تیر و تفنگ کا بازار گرم ہوا کہ دور سے دیکھنے والوں کی رگ شجاعت میں ہیجان پیدا ہو رہا تھا حضرت ابو جحش ثقفی جن کو حضرت سعدؓ نے شراب خواری کے جرم میں اپنے قصر میں مقید کر دیا تھا، اس ولولہ انگیز منظر کو دیکھ کر بے تاب ہو رہے تھے، ضبط نہ کر سکے تو حضرت سلمیٰؓ کی بیوی سے درخواست کی کہ اس وقت مجھ کو چھوڑ دو، لڑائی سے جیتا بچا تو پھر خود آ کر بیڑیاں پہن لوں گا، سلمیٰؓ نے انکار کیا تو حسرت کے ساتھ یہ اشعار پڑھنے لگے۔

کفی حزنا ان تردی الخیل بالقنا

واترک مشدودا علی وثاقیا

اس سے بڑھ کر کیا غم ہو گا کہ سوار نیزہ بازیاں کر رہے ہیں، اور میں زنجیر

میں بندھا پڑا ہوں۔“

اذ اقامت عنافی الحدیرو اغلقت

مصاریع دونی تصنع المنادیا

”جب میں کھڑا ہونا چاہتا ہوں تو زنجیر باگ کھینچ لیتی ہے اور دروازے اس

طرح سامنے بند کر دیئے جاتے ہیں کہ پکارنے والا پکارتے پکارتے تھک جاتا

ہے۔“

ان اشعار سے سلمیٰؓ نے متاثر ہو کر ان کی بیڑیاں کاٹ دیں اور وہ حضرت سعدؓ کے گھوڑے پر سوار ہو کر جنگ کی دہکتی ہوئی آگ میں کود پڑے اور ان لوگوں کو اپنی شجاعت و جانبازی سے متحیر کر دیا، حضرت سعدؓ بھی حیران تھے کہ یہ کون بہادر ہے؟ شام کو جنگ ختم ہوئی تو ابو جحشؓ نے خود آ کر بیڑیاں پہن لیں، حضرت سلمیٰؓ نے یہ حالات سعدؓ سے بیان کئے تو انہوں نے کہا ”خدا کی قسم! میں ایسے فدائی اسلام کو سزا نہیں دے سکتا۔“ اور اسی وقت رہا کر دیا ابو جحشؓ پر بھی اس قدر دانی کا یہ اثر ہوا کہ آئندہ شراب پینے سے توبہ کر لی۔

تیسرے روز حسب معمول پھر معرکہ شروع ہوا، حضرت سعدؓ نے آج آخری فیصلہ کا ارادہ کر لیا تھا، لیکن شام ہو گئی اور جنگ کے زور و شور میں کچھ فرق نہ آیا، زیادہ دقت ہاتھیوں کی وجہ سے تھی، وہ جس طرف جھک پڑتے تھے، صفیں کی صفیں درہم برہم کر دیتے تھے، حضرت سعدؓ نے قعقاع اور چند دوسرے بہادر سپاہیوں کو بلا کر کہا کہ تم ہاتھیوں کو مار لو تو پھر میدان تمہارے ہاتھ میں ہے، انہوں نے نہایت جانبازی کے ساتھ اس حکم کی تعمیل کی اور نرغہ کر کے بڑے بڑے ہاتھیوں کو مار ڈالا تو دوسرے ہاتھی خود بخود بھاگ کھڑے ہوئے ہاتھیوں سے میدان صاف ہونا تھا کہ حضرت سعدؓ نے اپنی فوج کو سمیٹ کر پھر نئے سرے سے ترتیب دیا اور حکم دیا کہ جب میں

تیسرا نعرہ بلند کروں تو غنیم پر حملہ کر دیا جائے، لیکن ابھی پہلا ہی نعرہ بلند ہوا تھا کہ قعقاع نے جوش سے بے تاب ہو کر حملہ کر دیا، حضرت سعدؓ نے فرمایا اللھم اغفر لہ وانصرہ یعنی اے خدا! قعقاع کو معاف کرنا اور اس کا مددگار رہنا، قعقاع کو دیکھ کر دوسرے قبائل بھی ٹوٹ پڑے، حضرت سعدؓ ہر قبیلے کے حملے پر کہتے جاتے تھے کہ اے خدا! اس کو معاف کرنا اور اس کا معین و مددگار رہنا، غرض دن ختم ہونے کے بعد تمام رات ہنگامہ کارزار گرم رہا، لیکن بالآخر مسلمانوں کے ثبات و استقلال نے ایرانیوں کے پاؤں اکھاڑ دیئے رستم کو بھی مجبوراً بھاگنا پڑا، مگر ہلال نامی ایک مسلمان سپاہی نے تعاقب کر کے اس کا کام تمام کر دیا۔

حضرت سعدؓ نے بارگاہ خلافت میں نامہ فتح روانہ کر کے مقتولین و مجروحین (زخمیوں) کی تجہیز و تدفین اور مرہم پٹی کا اہتمام کیا، چونکہ وہ خود اس جنگ میں شریک نہ تھے اس لئے بعض سپاہیوں کو ان کی طرف سے بدگمانی تھی، چنانچہ ایک شاعر نے اعلانیہ اس خیال کو ظاہر کر دیا۔

وفاتلت حتی انزل اللہ نصرہ

وسعد بباب القادسیۃ معظم

میں نے جنگ کی یہاں تک کہ خدا نے اپنی مدد بھیجی، حالانکہ سعد قادسیہ کے

دروازے سے چٹھے رہے۔

فابنا وقد اذملت نساء کثیرۃ

ونسوۃ سعد لیس فیہن ایم

ہم لوٹے تو بہت سی عورتیں بیوہ ہوئیں، حالانکہ سعدؓ کی بیویوں میں سے

کوئی بھی بیوہ نہ ہوئی۔

حضرت سعدؓ نے اس غلط فہمی کو رفع کرنے کے لئے تمام فوج کو جمع کیا اور ایک مفصل تقریر کر کے اپنی معذوری ظاہر کی۔

عراق عرب پر عام لشکر کشی حضرت سعدؓ نے معرکہ قادسیہ کے بعد ۱۵ھ میں تمام عراق عرب کو زیرِ یمن کر لینے کا تہیہ کر لیا، ایرانی باہل میں پناہ گزین تھے، اس لئے سب سے پہلے اسی طرف بڑھے، انہوں نے خود جمیوں پر اس قدر رعب بٹھا دیا تھا کہ راہ میں بڑے بڑے سرداروں نے پیشوائی کر کے صلح کر لی اور باہل تک موقع بموقع پل تیار کرادیئے، کہ اسلامی فوجیں آسانی کے ساتھ گزر جائیں، باہل پہنچ کر حضرت سعدؓ نے ایک ہی حملہ میں اس کو فتح کر لیا اور خود یہاں قیام کر کے حضرت زہرہ کی افسری میں کچھ فوجیں آگے روانہ کر دیں، انہوں نے کوئی پہنچ کر دم لیا اور وہاں کے رئیس شہریار کو قتل کر کے شہر پر قبضہ کر لیا۔

کوئی ایک تاریخی جگہ تھی، حضرت ابراہیم علیہ السلام کو نمرود نے یہیں قید کیا تھا، چنانچہ قید

خانہ کی جگہ اس وقت تک محفوظ نہ تھی، حضرت سعدؓ بابل سے تشریف لائے تو اس کی زیارت کو گئے اور درود پڑھ کر یہ آیت پڑھی۔ تِلْكَ الْاَيَّامُ نَدَاوْ لَهَا بَيْنَ النَّاسِ ط

کوئی سے آگے بڑھ کر پایہ تخت کے قریب ایک مستحکم مقام بہرہ شیر تھا، اس نام کی وجہ یہ تھی کہ یہاں خاص کسریٰ کا شکاری شیر رہتا تھا، حضرت سعدؓ کا لشکر جب اس شہر کے قریب پہنچا تو شیر مقابلہ کے لئے چھوڑا گیا، اس نے تڑپ کر اسلامی شیروں پر حملہ کیا، لیکن حضرت سعدؓ کے بھائی ہاشمؓ نے جو ہر اول کے افسر تھے، اس صفائی سے تلوار ماری کہ وہیں ڈھیر ہو گیا، حضرت سعدؓ نے اس بہادری پر خوش ہو کر ان کی پیشانی چوم لی، اور انہوں نے ان کے قدم کو بوسہ دیا۔

بہرہ شیر کا کامل دو ماہ تک محاصرہ رہا اور اس اثناء میں متعدد ہولناک جنگیں ہوئیں، لیکن کچھ نہ ہوسکا، ایک روز خود ایرانی فوجیں تنگ آ کر جوش و خروش کے ساتھ قلعہ سے باہر نکلیں اور دیر تک شجاعانہ لڑتی رہیں۔ اسی حالت میں ان کا سپہ سالار شہر براز جونہایت بہادر افسر تھا، ایک مسلمان کے ہاتھ سے مارا گیا، اس کا مقتول ہونا تھا کہ نجی فوجیں بھاگ کھڑی ہوئیں اور شہر والوں نے صلح کا پھریرا اڑا دیا۔

بہرہ شیر اور مدائن (پایہ تخت عراق) کے درمیان صرف دجلہ حائل تھا، ایرانیوں نے مسلمانوں کے خوف سے جہاں جہاں پل تھے سب توڑ کر بیکار کر دیئے تھے، لیکن حضرت سعدؓ کی اولوالعزمی کے آگے دنیا کی کون سی چیز حائل ہو سکتی تھی؟ انہوں نے اہل فوج کو مخاطب کر کے کہا ”برادران اسلام! دشمن نے ہر طرف سے مجبور ہو کر دریا کے دامن میں پناہ لی ہے، آؤ اس کو بھی تیر جائیں تو پھر مطلع صاف ہے“ یہ کہہ کر گھوڑا دریا میں ڈال دیا، سپہ سالار اعظم کی جانبازی دیکھ کر تمام فوج نے بھی جوش کے ساتھ گھوڑے ڈال دیئے اور باہم باتیں کرتے ہوئے دوسرے کنارے پر جا پہنچے۔ ایرانی اس عجیب و غریب جوش و استقلال کا منظر دیکھ کر ”دیوان آمدند“ کہتے ہوئے بھاگے تاہم سپہ سالار حرز اور تھوڑی سی فوج کے ساتھ ہمارا دریا سے نکلنے پر مزاحم ہوا، لیکن مسلمانوں نے ان کو کاٹ کر ڈھیر کر دیا، اور مدائن پہنچ کر شاہی محلات پر قبضہ کر لیا یزدگرد شاہ ایران پہلے ہی بھاگ چکا تھا، البتہ تمام اسباب و سامان موجود تھا، جو بحسنہ تدبیر روانہ کیا گیا۔

حضرت سعدؓ جس وقت مدائن میں داخل ہوئے تو ہر طرف سناٹا تھا، نہایت عبرت ہوئی اور بے اختیار زبان سے یہ آیتیں نکلیں۔

كَمْ نَرُكُوْا مِنْ جَنْتٍ وَعِيُوْنَ، وَزُرُوْا مَقَامَ كَرِيْمٍ، وَنِعْمَةُ كَانُوْا

فِيْهَا فَكْهِيْنَ، كَذٰلِكَ وَاوْرَثْنٰهَا قَوْمًا اٰخِرِيْنَ. (دخان ع ۲۵:۲۸)

(اگلی قومیں) کس قدر باغ، چشمے، کھیتیاں اور طرح طرح کی نعمتیں، عمدہ

عمدہ محلات چھوڑ کر چل بسیں جس میں خوش باش زندگی بسر کرتی تھیں اور ہم نے

ان چیزوں کا مالک دوسری قوموں کو بنا دیا۔

مدائن فتح ہونے کے ساتھ تمام عراق عرب پر تسلط قائم ہو گیا، بڑے بڑے رؤساء اور جاگیرداروں نے سپردال کر صلح کر لی، اور تمام ملک میں امن و امان کی منادی ہو گئی، جو لوگ گھر بار چھوڑ کر بھاگ گئے تھے وہ پھر واپس آ گئے اور حاکم و محکوم میں اس قدر ارتباط پیدا ہوا کہ باہم ازدواج و مناکحت کا سلسلہ جاری ہو گیا۔

عراق عرب کے مفتوح ہونے کے بعد حضرت سعدؓ کے اہتمام سے جلولا، اور تکریم پر فوج کشی ہوئی اور نہایت کامیابی و فیروز مندی کے ساتھ ان مقامات پر اسلامی پھر پرا نصب کر دیا گیا، اس کے بعد حضرت سعدؓ نے دربار خلافت سے آگے بڑھنے کی اجازت طلب کی تو جواب آیا کہ ”دولت و حکمرانی کے مقابلہ میں مجھے ایک ایک سپاہی کا خون زیادہ محبوب ہے، کاش ہمارے اور عجمیوں کے درمیان سد سکندری حائل ہوتی کہ نہ ہم ان کی طرف بڑھتے اور نہ وہ ہم پر حملہ آور ہوتے، غرض ہر دست اسی پر اکتفا کر کے ممالک مفتوحہ کا نظم و نسق اپنے ہاتھ میں لو۔“

امارت اس فرمان کے مطابق حضرت سعدؓ کی سپہ سالاری کا زمانہ ختم ہو گیا اور وہ روانی ملک کی حیثیت سے مدائن کو صوبہ کا مرکز بنا کر نظم و نسق میں مصروف ہو گئے، اصل یہ ہے کہ کسی غیر قوم پر حکمرانی اور ملکی نظام کو بہترین اصول پر مرتب کرنا بھی اسی قدر مشکل ہے جس قدر کسی ملک کو فتح کرنا، حضرت سعدؓ اپنی فطری قابلیت کے باعث ان دونوں مشکلات پر غالب آئے، انہوں نے جس خوبی و عمدگی کے ساتھ اپنے عہدہ جلیلہ کے فرائض انجام دیئے، اس سے زیادہ اس زمانہ میں ممکن نہ تھا، دربار خلافت کے ایماء سے تمام عراق کی مردم شماری اور پیمائش کرائی، اراضی مفتوحہ کو ملک کے اصلی باشندوں کے ہاتھ میں رہنے دیا، البتہ جس زمین کا کوئی وارث نہ تھا، اس کا پھر نئے سرے سے بندوبست کیا، اسی طرح لگان اور جزیہ کے اصول بنائے اور رعایا کے امن و آسائش کا انتظام کیا، عجمیوں کے ساتھ اس قدر خلق و شفقت سے پیش آئے کہ ان کے دل پر قبضہ کر لیا، چنانچہ بڑے بڑے امراء اور رؤساء اسی اثر سے متاثر ہو کر مسلمان ہو گئے، اسی طرح ولیم کی چار ہزار فوج جو شاہی رسالہ کے نام سے موسوم تھی حلقہ بگوش اسلام ہوئی۔

تعمیر کعبہ حضرت سعدؓ نے ایک عرصہ تک مدائن میں قیام کرنے کے بعد محسوس کیا کہ یہاں کی آب و ہوا نے اہل عرب کا رنگ روپ بالکل بدل دیا ہے، حضرت عمرؓ کو اس سے مطلع کیا تو حکم آیا کہ عرب کی سرحد میں کوئی مناسب سرزمین تلاش کر کے ایک نیا شہر بسائیں اور عربی قبائل کو آباد کر کے اس کو مرکز حکومت قرار دیں، حضرت سعدؓ نے اس حکم کے مطابق مدائن سے نکل کر ایک موزوں جگہ منتخب کر کے کوفہ کے نام سے ایک وسیع شہر کی بنیاد ڈالی، عرب کے جدا جدا قبیلوں کو جدا جدا محلوں میں آباد کیا، وسط شہر میں ایک عظیم الشان مسجد بنوائی، جس میں تقریباً چالیس ہزار نمازیوں کی گنجائش رکھی گئی، مسجد کے قریب ہی بیت المال کی عمارت اور اپنا محل تعمیر

کرایا جو قصر سعد کے نام سے مشہور تھا۔

کچھ دنوں کے بعد بیت المال میں چوری ہو گئی، حضرت سعدؓ نے اس کی رپورٹ دار الخلافہ میں بھیجی تو حکم آیا کہ بیت المال کو مسجد سے ملا دیا جائے تاکہ ہر وقت نمازیوں کی آمد و رفت سے خزانہ محفوظ رہے، چنانچہ انہوں نے روز بہ نام ایک مشہور پارسی معمار کو بلا کر یہ خدمت سپرد کی، اس نے نہایت خوبی و موزونی کے ساتھ بیت المال کی عمارت کو بڑھا کر مسجد سے ملا دیا، حضرت سعدؓ نے اس کی کارگیری کی بڑی قدر کی اور خوش ہو کر اس کو دار الخلافہ بھیج دیا، جہاں ہمیشہ کے لئے اس کا روزینہ مقرر ہو گیا۔

حضرت سعدؓ کا قصر چونکہ وسط بازار میں تھا، اس لئے شور و شغب کے ساتھ باہم گفتگو کرنا بھی دشوار تھا، انہوں نے اس سے بچنے کے لئے قصر کے سامنے ایک ڈیوڑھی بنوائی اور اس میں پھانک لگوا دیا، بارگاہ خلافت میں اس ڈیوڑھی کی اطلاع پہنچی تو اس خیال سے کہ اہل حاجت کے لئے یہ سدا رہا نہ ہو جائے، حضرت محمد بن مسلمہؓ کو حکم ہوا کہ کوفہ جا کر اس میں آگ لگا دیں، چنانچہ اس حکم کی تعمیل ہوئی، اور حضرت سعدؓ بن ابی وقاص اطاعت شعاری کے ساتھ خاموشی سے دیکھا کئے۔

متفرق انتظامات کوفہ دراصل ایک فوجی چھاؤنی تھی، جہاں تقریباً ایک لاکھ نبرد آزما سپاہی بسائے گئے تھے، ان کو علی قدر مراتب تنخواہیں دی جاتی تھیں، تنخواہ کی تقسیم کا طریقہ یہ تھا کہ دس دس سپاہیوں پر افسر ہوتے تھے، جو امراء الاعشا کہلاتے تھے، تنخواہیں ان کو دی جاتی تھیں اور وہ اپنے ماتحت سپاہیوں کو تقسیم کر دیتے تھے، ایک دفعہ امراء اعشا نے تنخواہوں کی تقسیم میں بے اعتدالی کی، اور اس کی وجہ سے فوج میں برہمی کے آثار نمایاں ہوئے، حضرت سعدؓ نے فوراً دربار خلافت کو اس واقعہ سے مطلع کیا اور فرمان خلافت کے مطابق دوبارہ نہایت صحت و تحقیق کے ساتھ لوگوں کے عہدے اور روزینے مقرر کئے اور اس دفعہ دس کے بجائے سات سات سپاہیوں پر ایک ایک افسر متعین کیا۔

شام کی اسلامی فوجوں نے حمص پر چڑھائی کی تو اہل جزیرہ ایک جمعیت عظیم کے ساتھ رومیوں کی مدد کے لئے روانہ ہوئے، لیکن حضرت سعدؓ بن ابی وقاص نے جو ملک کے اندرونی و سرحدی واقعات سے ہر وقت باخبر رہتے تھے ایک فوج گراں بھیج کر ان کو وہیں روک لیا اور آگے بڑھنے نہ دیا۔

۲۱ھ میں ایرانیوں نے عراق عجم میں نہایت عظیم الشان جنگی تیاریاں کیں اور مسلمانوں کو ان کے مفتوحہ ممالک سے نکال دینا چاہا، حضرت عمرؓ نے ان تیاریوں کا حال سنا تو تمام فوجی مرکوزوں میں اسلامی فوج کو بھیج کر آراستہ کرنے کے احکام صادر کئے، کوفہ سب سے بڑا مرکز تھا،

حضرت سید البراء وقاصؓ نے یہاں نہایت اہتمام کے ساتھ تیاریاں شروع کیں اور دربار خلافت کے ایماء سے نعمان بن مقرن کو جو پہلے ان کی ماتحتی میں افرامال تھے، اس فوج کا امیر عسکر مقرر کیا، لیکن یہاں ایک جماعت ایسی پیدا ہو گئی تھی جو قصد جنگ سے جی چراتی تھی، اور کہتی تھی کہ بصرہ والوں نے خواہ مخواہ فارس پر حملہ کر کے یہ لڑائی مول لی ہے، حضرت سعدؓ وقاصؓ نے بارگاہ خلافت میں ان لوگوں کی شکایت لکھی تو ان میں سے جراح بن سنان اور اس کے چند ساتھیوں کو ان سے شدید عداوت پیدا ہو گئی اور انہوں نے مدینہ پہنچ کر شکایت کی، کہ وہ نماز اچھی طرح نہیں پڑھاتے، ظاہر ہے کہ حضرت سعدؓ بن ابی وقاصؓ جیسے عالی مرتبت و بلند پایہ صحابی کی نسبت یہ شکایت کس قدر مہمل تھی حضرت عمرؓ کو بھی اس کے لغو ہونے کا یقین تھا تاہم رفع حجت کے خیال سے حضرت محمد بن مسلمہؓ کو تحقیقات کے لئے روانہ فرمایا، انہوں نے کوفہ کی ہر ایک مسجد میں گشت کر کے اس شکایت کی حقیقت دریافت کی تو ہر جگہ سب نے یک زبان ہو کر اس کی تکذیب کی اور لغو بتایا، محمد بن مسلمہؓ تحقیقات سے فارغ ہو کر دونوں فریق کو ساتھ لئے ہوئے مدینہ پہنچے، حضرت عمرؓ نے دیکھنے کے ساتھ پوچھا ”سعد! تم کیسی نماز پڑھاتے ہو کہ لوگ شکایت کرتے ہیں؟“ انہوں نے جواب دیا کہ پہلی دو رکعتوں میں لمبی سورتیں پڑھتا ہوں اور دونوں آخری میں صرف فاتحہ پراکتفا کرتا ہوں، حضرت عمرؓ نے فرمایا بے شک تمہاری نسبت یہی گمان ہو سکتا ہے۔ یہ معزولی..... گواہی کے بنیاد ثابت ہوا، تاہم حضرت عمرؓ نے اس خیال سے کہ ایک جماعت مخالفت پر آمادہ ہو گئی تھی ان کو اس عہدہ سے سبکدوش ہی کر دینا مناسب سمجھا، چنانچہ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ جن کو اپنا جانشین بنا آئے تھے، حضرت عمرؓ نے ان ہی کو مستقل کر دیا اور ان کو دوبارہ واپس جانے کی زحمت نہ دی۔ ۲

حضرت سعدؓ وقاصؓ کو اپنے اوپر اس بے ہودہ الزام کے قائم ہونے کا نہایت افسوس تھا، فرمایا کرتے تھے کہ میں عرب میں سب سے پہلا شخص ہوں جس نے راہ خدا میں تیر اندازی کی ہے، ہم لوگ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ درخت کے سوکھے پتے کھا کھا کر لڑے تھے، لیکن خدا کی شان آج یہ بنو اسد پیدا ہوئے ہیں جو خود مجھے مذہب سکھاتے ہیں کہ میں نماز اچھی نہیں پڑھتا۔ ۳

فاروق اعظمؓ کی سفارش..... ۲۳ھ میں حضرت عمرؓ نے ایک مجوسی غلام کے ہاتھ سے شہادت پائی، حالت نزاع میں لوگوں نے خلیفہ نامزد کرنے کی طرف توجہ دلائی تو انہوں نے اس منصب کے لئے چھ آدمیوں کے نام پیش کئے، ان میں ایک حضرت سعدؓ بھی تھے اور فرمایا کہ اگر وہ خلافت کے لئے منتخب نہ ہو سکیں تو جو منتخب ہوا سے چاہئے کہ ان کی خدمات سے فائدہ اٹھائے

کیونکہ میں نے انہیں کسی کمزوری یا خیانت کی وجہ سے معطل نہیں کیا تھا۔
دوبارہ تقرری..... حضرت فاروق اعظمؓ کی تجہیز و تکفین کے بعد مجلس شوریٰ نے حضرت عثمانؓ کے سر پر دستار خلافت باندھی اور انہوں نے حسب وصیت حضرت سعدؓ کو دوبارہ کوفہ کا والی مقرر کیا، لیکن اس تقرری کے تین سال بعد یعنی ۲۶ھ میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ مہتمم بیت المال سے اختلاف پیدا ہو جانے کے باعث پھر معزول ہو گئے۔

دور فتنہ اور حضرت سعدؓ کی گوشه نشینی..... حضرت سعدؓ نے معزول ہونے کے بعد مدینہ میں عزلت نشینی اختیار کر لی، یہاں تک کہ جب خلیفہ ثالث کے آخری عہد حکومت میں فتنہ و فساد کا بازار گرم ہوا تو یہ ہنگامہ بھی ان کی گوشہ گیری میں نکل نہ ہوا، البتہ جب مفسدین نے کاشانہ خلافت کا محاصرہ کر لیا تو ان کو سمجھانے کی کوشش کی، مگر ناکام رہے۔

حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد حضرت علیؓ کے ہاتھ پر بیعت کی، لیکن معاملات ملکی سے بے تعلق رہنے کی روش پر اس وقت بھی قائم رہے، چنانچہ حضرت علیؓ جب حضرت طلحہؓ وزیر کے مقابلہ میں اپنی فوج کے ساتھ روانہ ہوئے تو لوگوں نے ان کو بھی ساتھ چلنے کی دعوت دی، لیکن انہوں نے معذرت کی اور کہا ”مجھے ایسی تلوار بتاؤ جو مسلم و کافر میں امتیاز رکھے۔“ ۱

حضرت ابوباقصؓ سے خود ان کے صاحبزادہ عمر بن سعدؓ نے ایک دفعہ جب کہ وہ جنگل میں اونٹ چرا رہے تھے آکر کہا ”کیا یہ اچھا معلوم ہوتا ہے کہ آپ جنگل میں اونٹ چرائیں اور لوگ بادشاہت و حکومت کے لئے اپنی اپنی قسمت آزمائیں؟“ حضرت سعدؓ نے ان کے سینہ پر ہاتھ مار کر فرمایا ”خاموش! میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ ”خدا مستغنی اور پرہیزگار بندہ کو محبوب رکھتا ہے۔“ ۲

جناب مرتضیٰؓ اور امیر معاویہؓ کے منازعات کا فیصلہ کرنے کے لئے جب ہجرت مقرر ہوئی، تو حضرت سعدؓ وقاصؓ بھی اس خوشی میں کہ اب خانہ جنگیوں اور خونریزیوں کا خاتمہ ہو جائے گا، فیصلہ سننے کے لئے دومۃ الجندل تشریف لائے، لیکن جب یہ بے نتیجہ ثابت ہوئی تو پھر اپنے عزلت کدہ میں واپس آ گئے، اور تمام جھگڑوں سے قطعی طور پر کنارہ کش رہے۔

وفات..... حضرت سعدؓ نے مدینہ سے دس میل کے فاصلہ پر مقام عقیق میں اپنے لئے ایک قصر تعمیر کرایا تھا، چنانچہ عزلت نشینی کی زندگی اسی میں بسر ہوئی، آخر عمر میں قوی مضحل ہو گئے تھے اور آنکھوں کی بصارت بھی جاتی رہی تھی، یہاں تک کہ ۵۵ھ میں طائر روح نے باغ رضوان کے اشتیاق میں ہمیشہ کے لئے اس نفسِ عنصری کو خیر باد کہا۔ ۳ حضرت سعدؓ نے وصیت کی تھی کہ جنگ

۱۔ استیعاب جلد ۲ تذکرہ سعدؓ ۲۔ ابن سعد جزء ۲ قسم اول ترجمہ سعد بن ابی وقاصؓ

۳۔ اسد الغابہ تذکرہ سعدؓ میں اجمالاً اس کا ذکر ہے

۴۔ طبقات ابن سعد جزء سادس

بدر میں جو ادنیٰ کپڑا میرے جسم پر تھا اس سے کفن کا کام لیا جائے، چنانچہ اس پر عمل کیا گیا۔ اور لاش مدینہ طیبہ لائی گئی، بعض امہات المؤمنین اس وقت زندہ تھیں انہوں نے حکم دیا کہ اس جاں نثار رسول اللہ ﷺ کا جنازہ مسجد میں لایا جائے، چنانچہ مسجد میں ان کے حجروں کے سامنے نماز ادا کی گئی، امہات المؤمنین بھی نماز میں شریک تھیں کسی نے مسجد میں نماز جنازہ پر اعتراض کیا تو حضرت عائشہؓ نے فرمایا ”لوگ کس قدر جلد بھول گئے، کہ رسول اللہ ﷺ نے سہیل بن ابیہاء پر پڑ مسجد میں نماز نہیں پڑھائی تھی۔“

غرض اس تزک و احتشام کے ساتھ مقام بقیع میں مدفون ہوئے ستر برس سے زیادہ عمر پائی اور اس عرصہ میں اپنے عظیم الشان کارناموں کی ایسی یادگار چھوڑ گئے کہ ان کے خلاف قیامت تک فخر و مباہات کے ساتھ ان پر رطب اللسان رہیں گے۔

علم و فضل حضرت سعد وقاصؓ کا علمی پایہ نہایت ارفع تھا، حضرت عمرؓ فرمایا کرتے تھے کہ جب سعدؓ رسول اللہ ﷺ سے کوئی حدیث روایت کریں تو پھر اس کے متعلق کسی دوسرے سے نہ پوچھو۔

رسول اللہ ﷺ سے تحصیل علم میں کبھی پس و پیش یا شرم و حجاب دامن گیر نہ ہوتا تھا، ایک دفعہ بارگاہ نبوت میں حاضر تھے، آنحضرت ﷺ نے ایک جماعت کو کچھ عطیے مرحمت فرمائے، لیکن اس میں سے ایک شخص کو محروم رکھا، حضرت سعدؓ کو اس کی محرومی پر سخت تعجب ہوا، عرض کی یا رسول اللہ!، میرا خیال ہے کہ یہ بھی مومن ہے؟ ارشاد ہوا ”مومن یا مسلم“، لیکن حضرت سعدؓ کو شفی نہ ہوئی، انہوں نے پھر اپنا سوال دہرایا، آنحضرت ﷺ نے اس دفعہ بھی وہی جواب دیا، غرض حضرت سعدؓ نے مکرر اس سوال کو جاری رکھا، یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ نے یہ فرما کر تشریف کر دی کہ بسا اوقات اس سے جس کو عطیے دیتا ہوں وہ شخص جس کو کچھ نہیں دیتا میرے نزدیک زیادہ محبوب ہوتا ہے۔

اخلاق و عادات حضرت سعدؓ کے مصحف اخلاق میں خشیت الہی، حب رسول، تقویٰ، زہد، بے نیازی اور خاکساری سب سے روشن ابواب ہیں، خوف خدا اور عبادت گزاری کا یہ حال تھا کہ عموماً رات کے اخیر حصے میں مسجد نبویؐ میں آکر نمازیں پڑھا کرتے تھے۔ طبعیت رہبانیت کی طرف بہت مائل تھی، لیکن اسلام میں ممنوع ہونے کی وجہ سے مجبور تھے، چنانچہ فرمایا

۱۔ اسد الغلبۃ تذکرہ سعدؓ

۲۔ ابن سعد جزوہ ۳ قسم اول تذکرہ سعد بن ابی وقاصؓ

۳۔ بخاری کتاب الایمان باب اذالم یکن الاسلام علی الحقیقہ

۴۔ مسند ابن حبیل جلد ۱ ص ۱۷۰

کرتے تھے کہ عثمان بن مظعونؓ کو رسول اللہ ﷺ نے رہبانیت اور تہمت سے منع نہ فرمایا ہوتا تو میں اس کو اختیار کر لیتا۔

رسول اللہ ﷺ کے ساتھ محبت و جان نثاری کا صرف اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ تقریباً تمام غزوات میں ہمرکاب رہے، غزوہ احد میں جب شکست رونما ہوئی اور تمام صحابہؓ پریشانی اور گھبراہٹ میں منتشر ہو گئے تو اس وقت تھوڑی دیر تک تنہا انہوں نے اور حضرت طلحہؓ نے خیر الانام (نبی کریم ﷺ) کی حفاظت کا فرض انجام دیا تھا، سفر میں عموماً خود شوق سے رسول اللہ ﷺ کے خیمے کے گرد رات رات بھر پہرہ دیتے تھے، ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ کسی غزوہ سے واپس تشریف لارہے تھے، رات کے وقت ایک جگہ قیام ہوا، یہاں دشمنوں کا سخت خطرہ تھا، آنحضرت ﷺ دیر تک جاگتے رہے اور فرمانے لگے کہ کاش! میرے اصحاب میں سے کوئی مرد صالح آج پہرہ دیتا، حضرت عائشہؓ کا بیان ہے کہ ابھی یہ جملہ تمام بھی نہیں ہوا تھا کہ اسلحہ کی جھنکار سننے میں آئی، آنحضرت ﷺ نے پوچھا کون ہے؟ عرض کی سعد بن ابی وقاصؓ! ارشاد ہوا ”تم کیسے آئے؟“ عرض کی ”خود بخود یہ خیال پیدا ہوا کہ آج رسول اللہ ﷺ کی حفاظت کرنا چاہئے۔“ اس فرض کو انجام دینے آیا ہوں، آنحضرت ﷺ اس جان نثاری سے نہایت خوش ہوئے اور دعا دی۔

عتبہ بن ابی وقاصؓ حضرت سعدؓ کے حقیقی بھائی تھے، انہوں نے حالت کفر میں غزوہ احد میں رسول اللہ ﷺ کا روئے مبارک زخمی کیا تھا، حضرت سعدؓ فرمایا کرتے تھے ”واللہ میں عتبہ سے زیادہ کبھی کسی شخص کے خون کا پیاسا نہیں ہوا۔“

اتباع سنت اور رسول اللہ ﷺ کے اعمال و احکام کی کامل پیروی کو اپنی سب سے بڑی سعادت سمجھتے تھے، اہل کوفہ نے دربار خلافت میں شکایت کی کہ یہ نماز اچھی نہیں پڑھاتے تو فرمانے لگے کہ میں رسول اللہ ﷺ کی نماز سے سرمو انحراف نہیں کرتا۔

ایک دفعہ مدینہ سے اپنے قصر کی طرف جو مقام عقیق میں تھا، تشریف لے جا رہے تھے، راہ میں ایک غلام کو درخت کاٹتے دیکھا، چونکہ رسول اللہ ﷺ نے مدینہ کو حرم قرار دیا تھا، اس لئے انہوں نے اس کے اوزار چھین لئے، غلام کے مالک نے آکر اس کا مطالبہ کیا تو فرمانے لگے، معاذ اللہ! میں رسول اللہ ﷺ کی بخشش کو واپس کر دوں گا؟ اور اوزار کے واپس دینے سے قطعاً انکار کر دیا۔

زہد و تقویٰ کا یہ عالم تھا کہ جس وقت دنیائے اسلام حکومت و بادشاہت کے جھگڑوں میں مبتلا تھی، اس وقت وہ مدینہ کے ایک گوشہ میں بیٹھے ہوئے اس فتنہ سے محفوظ رہنے کی دعائیں مانگ رہے تھے اور جو کوئی ان جھگڑوں کے متعلق کچھ پوچھتا تو فرماتے کہ میں نے رسول اللہ

۱۔ مسلم مناقب سعد
۲۔ مسلم باب فضل المدینہ

۱۔ مسند ابن کعب ص ۱۷۵
۲۔ بخاری باب صفۃ الصلوۃ

ﷺ سے سنا ہے کہ ”میرے بعد عنقریب ایک فتنہ برپا ہوگا، جس میں سونے والا بیٹھنے والے سے، بیٹھنے والا کھڑے ہونے والے سے اور کھڑا ہونے والا چلنے والے سے اچھا ہوگا۔“

ذریعہ معاش و جاگیر..... ایک زمانہ وہ تھا کہ حضرت سعدؓ درخت کے پتے کھا کھا کر رسول اللہ ﷺ کے ساتھ غزوات میں جانبازی دکھاتے تھے لیکن اسلام نے بہت جلد روحانیت کے ساتھ ساتھ مادی حیثیت سے بھی اپنے فدا یوں کی عسرت و تنگ حالی کو دولت و ثروت سے تبدیل کر دیا، خیبر کی مفتوحہ اراضی میں جاگیر ملی، ایران کے مال غنیمت میں حصہ ملا، اسی طرح دور فتنہ و فساد میں ایک غیر آباد زمین خرید کر زراعت کا مشغلہ اختیار کیا، غرض اخیر زندگی میں ایک بڑی دولت کے مالک ہوئے، کوفہ اور مدینہ سے دس میل کے فاصلہ پر مقام عقیق میں عالی شان محلات تعمیر کرائے مگر باوجود اس کے غذا و لباس کی سادگی میں کچھ فرق نہیں آیا تھا۔

حلیہ..... حلیہ یہ تھا، قد بلند و بالا، جسم فربہ، ناک چھٹی، سر بڑا اور ہاتھ کی انگلیاں نہایت موٹی اور مضبوط

ازواج..... حضرت سعدؓ نے مختلف اوقات میں متعدد شادیاں کیں، بیویوں کے نام یہ ہیں۔

بنت الشہاب، بنت قیس بن معدی کرب، ام عامر بنت عمرو، زہد، ام بلال بنت ربیع، ام حکیم بنت قارظ، سلمیٰ بنت حفص، ظبیہ بنت عامر، ام حجر۔

اولاد..... حضرت سعدؓ کے چونتیس اولادیں تھیں ان میں سے لڑکے سترہ تھے، لڑکیاں بھی اسی قدر تھیں، سب کے نام حسب ترتیب درج ذیل ہیں۔

لڑکے..... اسحاق اکبر، عمر، محمد، عامر، اسحاق اصغر، اسماعیل، ابراہیم، موسیٰ، عبداللہ، عبداللہ اصغر، عبدالرحمن، عمیر اکبر، عمیر الاصغر، عمرو، عمران، صالح، عثمان۔

لڑکیاں..... ام الحکیم کبریٰ، حفصہ، ام القاسم، کلثوم، ام عمران، ام الحکیم صغریٰ، ام عمرو، ہند، ام الزبیر، ام موسیٰ، حمند، ام عمر، ام ایوب، ام اسحاق، ملہ، عمرہ، عائشہ۔

حضرت ابو عبیدہ بن الجراحؓ

نام، نسب، خاندان..... عامر نام، ابو عبیدہ کنیت، امین الامۃ لقب، گودالد کا نام عبد اللہ تھا، لیکن دادا کی طرف منسوب ہو کر ابن الجراح کے نام سے مشہور ہوئے، سلسلہ نسب یہ ہے عامر بن عبد اللہ بن الجراح ابن ہلال بن اہیب بن ضہ بن الحارث بن القہر القرشی القہری، حضرت ابو عبیدہؓ کا سلسلہ نسب پانچویں پشت میں فہر پر حضرت سرور کائنات ﷺ سے مل جاتا ہے۔
ماں بھی اسی فہری خاندان سے تعلق رکھتی تھیں اور اصحاب سیر کی تحقیق کے مطابق مسلمان ہوئیں۔

اسلام..... حضرت ابو عبیدہؓ حضرت ابو بکر صدیقؓ کی تبلیغ و دعوت پر حلقہ بگوش اسلام ہوئے، اس وقت تک رسول اللہ ﷺ کے مکان میں پناہ گزین نہیں ہوئے تھے۔
ہجرت..... اسلام قبول کرنے کے بعد قریش مکہ کے ظلم و ستم سے دو مرتبہ ہجرت کر کے حبشہ تشریف لے گئے، پھر آخری دفعہ سب کے ساتھ مدینہ کی طرف ہجرت فرما ہوئے، یہاں رسول اللہ ﷺ نے ان میں اور حضرت بن معاذؓ میں باہم بھائی چارہ کرادیا۔
غزوات..... مشرکین قریش نے مدینہ پہنچنے کے بعد بھی مسلمانوں کو چین سے بیٹھنے نہ دیا، اور مبارزت طلبی کر کے میدان جنگ کی دعوت دی، چنانچہ غزوہ بدر اس سلسلہ کی پہلی کڑی تھی، حضرت ابو عبیدہؓ شجاعت و جانبازی کے ساتھ اس جنگ میں سرگرم پیکار ہوئے، ان کے والد عبد اللہ بھی اس وقت تک زندہ تھے اور کفار کی طرف سے لڑنے آئے تھے، انھوں نے تاک تاک کر خود اپنے لخت جگر کو نشانہ بنانا چاہا، حضرت ابو عبیدہؓ تھوڑی دیر تک طرح دیتے رہے، لیکن جب دیکھا کہ وہ باز نہیں آتے تو بالآخر جوش تو حیدر نسبی تعلق پر غالب آ گیا، اور ایک ہی ہاتھ میں ان کا کام تمام کر دیا، درحقیقت یہ والہانہ جوش اور مذہبی وارفتگی کی نہایت سچی مثال تھی جس میں ماں، باپ، بھائی، بہن، غرض تمام رشتہ دار بالکل ایک اجنبی دشمن کی طرح نظر آتے ہیں، چنانچہ قرآن پاک نے اس انقطاع الی اللہ کی ان الفاظ میں داد دی۔

لَا تَجِدُ قَوْمًا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ يُوَادُّونَ مَنْ حَادَّ اللَّهَ وَ

رَسُولَهُ وَلَوْ كَانُوا آبَاءَهُمْ أَوْ أَبْنَاءَهُمْ أَوْ إِخْوَانَهُمْ أَوْ عَشِيرَتَهُمْ أُولَئِكَ

۱۔ طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث ص ۱۲۹۸۔

۲۔ اصحابہ جلد ۳ ص ۷۶

كتب في قلوبهم الايمان وايدهم بروح منه . ط

(سورہ مجادلہ ۵۸: ۲۲)

”تم نہ پاؤ گے اس قوم کو جو خدا اور قیامت کے دن پر ایمان لائی کہ وہ خدا اور اس کے رسول کے مخالفین سے محبت رکھتے ہوں گے گو وہ ان کے باپ، بیٹے، بھائی یا ان کے کنبہ کے ہی کیوں نہ ہوں یہی وہ مسلمان ہیں جن کے دلوں کے اندر خدا نے ایمان نقش کر دیا ہے اور اپنے فیضانِ نبوی سے ان کی مدد کی ہے۔“

غزوہٴ احد میں آنحضرت ﷺ کا چہرہ مبارک زخمی ہو گیا اور زرہ کی دو کڑیاں چبھ گئیں تھیں جس سے سخت تکلیف ہوئی تھی، حضرت ابو عبیدہؓ نے دانت سے پکڑ کر کھینچا، اگرچہ ان کڑیوں نے نکلنے نکلنے ان کے دودانت شہید کر دیئے، لیکن رسول اللہ ﷺ کی خدمت گزاری میں دودانت کیا جان بھی بنا رہا تھا تو پرواہ نہ تھی۔ ۲

غزوہٴ خندق، اور بنو قریظہ کی سرکوبی میں بھی سرگرم پیکار تھے، پھر ۶ھ میں جب قبیلہ ثعلبہ اور انمار نے قحط زدہ ہو کر اطرافِ مدینہ میں غارت گری شروع کی تو بارگاہ رسالت سے ان کی سرکوبی پر مامور ہوئے، چنانچہ انہوں نے ربیع الثانی کے مہینے میں چالیس آدمیوں کے ساتھ ڈاکوؤں کے مرکزی مقام ذی القصرہ پر چھاپہ مار کر ان کو پہاڑوں میں منتشر کر دیا اور ایک شخص کو گرفتار کر کے لے آئے جس نے مدینہ پہنچ کر بطیب خاطر اسلام قبول کر لیا۔ ۳

اسی سال بیعت رضوان میں شریک ہوئے، بلکہ مقام حدیبیہ میں قریش مکہ نے جو عہد نامہ طے پایا، اس پر ان کی شہادت بھی تھی۔ ۴ پھر ۷ھ میں خیبر کی فتح کشی میں رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ ہوئے، اور اس کی فتح میں شجاعت و بہادری کے ساتھ حصہ لیا، ان مہمات سے فارغ ہو کر سرور کائنات ﷺ نے حضرت عمرو بن العاصؓ کو ایک جمعیت کے ساتھ ذات السلاسل کی طرف روانہ فرمایا، وہاں پہنچ کر معلوم ہوا کہ دشمن کی تعداد بہت زیادہ ہے، اس لئے انہوں نے دربار رسالت سے کمک طلب کی، آنحضرت ﷺ نے حضرت ابو عبیدہؓ کی زیرامارت دو سو جنگی بہادر روانہ فرمائے، اس امدادی فوج کی اہمیت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ اس میں حضرت ابو بکر صدیقؓ اور عمر فاروقؓ جیسے جلیل القدر صحابہ شامل تھے، غرض جب یہ فوج حضرت عمرو بن العاصؓ کی فوج سے مل گئی، تو قدرۃِ امامت و سپہ سالاری عام کی بحث پیدا ہوئی، ظاہر ہے کہ حضرت ابو عبیدہؓ کی جلالتِ شان و علو مرتبت کے مقابلہ میں حضرت عمرو بن العاصؓ کو اس شرف گرامی کا استحقاق نہ تھا، تاہم ان کی ضد اور اصرار سے حضرت ابو عبیدہؓ نے اطاعت کا طوق خود

۱۔ اسد الغابہ جلد ۳ ص ۸۵

۲۔ طبقات ابن سعد قسم اول جز ۳، ثالث ص ۲۹۸

۳۔ ابن سعد حصہ مغازی ص ۲۶،

۴۔ ایضاً

اپنے گلے میں ڈال لیا، اور نہایت کامیابی کے ساتھ حملہ کر کے غنیم کو زیر کر دیا۔
 جب ۸ھ میں ایک دوسری مہم خود حضرت ابو عبیدہؓ کی زیر قیادت ساحلی علاقہ کی طرف روانہ کی گئی، تاکہ قریشی قافلہوں کی نقل و حرکت کا پتہ چلائیں، اور سامانِ رسد میں صرف کھجوریں ساتھ کر دی گئیں، یہاں تک کہ جب یہ سرمایہ ختم ہونے لگا تو چند دنوں تک صرف ایک ایک کھجور پر قناعت کرنا پڑی، لیکن خدائے پاک نے بہت جلد یہ مصیبت دور کر دی اور سمندر کے کنارے ایک ایسی عظیم الشان مچھلی مل گئی کہ مجاہدین نے عرصہ تک اس پر گزراوقات کی اور کامیابی کے ساتھ مدینہ واپس آئے۔^۱

اسی سال مکہ فتح ہوا، پھر حنین اور طائف کی جنگیں پیش آئیں، حضرت ابو عبیدہؓ ان تمام معرکوں میں جانبازی کے ساتھ پیش پیش رہے۔

متفرق خدمات جنگی مہمات کے علاوہ حضرت ابو عبیدہؓ کو بعض دوسری اہم خدمتیں بھی سپرد ہوئیں۔ مثلاً: ۹ھ میں اہل نجران نے بارگاہِ نبوت میں حاضر ہو کر ایک معلم دین کی درخواست کی جو مذہبی تعلیم و تلقین کے سوا ان کے جھگڑوں کو بھی فیصلہ کرے، آنحضرت ﷺ نے فرمایا ”ابو عبیدہ اٹھ“ جب وہ کھڑے ہوئے تو اہل نجران سے مخاطب ہو کر فرمایا ”یہ امت کا امین ہے“ اس کو تمہارے ساتھ کرتا ہوں۔“^۲

آنحضرت ﷺ نے اہل بحرین سے مصالحت کر لی تھی، اور حضرت علاء بن الحضرمی کو بحرین کا امیر مقرر کیا تھا، حضرت ابو عبیدہؓ ایک دفعہ وہاں سے جزیہ کی رقم لانے پر مامور ہوئے، جب لے کر مدینہ پہنچے تو اس روز نماز صبح میں انصار کا غیر معمولی مجمع ہوا آنحضرت ﷺ نے متبسم ہو کر فرمایا شاید تم لوگوں کو ابو عبیدہؓ کے آنے کی اطلاع ہو گئی ہے، لوگوں نے عرض کی ”ہاں یا رسول اللہ!“ سرور عالم ﷺ نے فرمایا ”بشارت ہو کہ آج تمہیں خوش کردوں گا، لیکن خدا کی قسم! میں تمہارے فقر و افلاس سے نہیں ڈرتا بلکہ مجھے ڈر ہے کہ پہلی قوموں کی طرح تمہارے اوپر بھی دنیا کشادہ ہو جائے گی، اور جس طرح ان کو منافست باہمی اور حسد و طمع سے ہلاک کر دیا ہے، تمہیں بھی ہلاک کرے گی۔“^۳

۱۰ھ میں رسول اللہ ﷺ حجۃ الوداع کے لئے تشریف لے گئے، حضرت ابو عبیدہؓ ہمرکاب تھے، اس سفر سے واپس آنے کے بعد آنحضرت ﷺ نے وفات پائی اور سقیفہ بنی ساعدہ میں خلافت کا جھگڑا پیدا ہو گیا، لیکن صلحائے امت کی کوشش سے بہت جلد فرو ہو گیا، اس آتشِ خرمن سوز کے بجھانے میں امین امت کی کوششیں بھی کسی سے کم نہ تھیں، چنانچہ انہوں نے انصار کو

۱۔ ابن سعد حصہ مغازی ص ۹۵

۲۔ بخاری کتاب المغازی باب غزوہ سیف الجرا

۳۔ بخاری قصۃ اہل نجران

۴۔ بخاری کتاب الرقاق باب ما بحذر من زہرۃ الدنیا

مخاطب کر کے فرمایا۔

یامعشر الانصار انکم کنتم اول من نصر فلا تکتونوا اول من

غیر!

”اے گروہ انصار! تم نے سب سے پہلے امداد و اعانت کا ہاتھ بڑھایا تھا، اس

لئے تم ہی سب سے پہلے افتراق و اختلاف کے بانی نہ ہو جاؤ۔“

حضرت ابو بکر صدیقؓ نے خود ان کے نام کو پیش کر کے فرمایا، دیکھو یہ عمر بن الخطاب موجود ہیں، جن کی نسبت رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے، کہ ان کی ذات سے۔ خدا نے دین کو معزز کیا ہے، یہ دیکھو ابو عبیدہ بن الجراحؓ موجود ہیں، جن کو امین الامت کا خطاب عطا کیا گیا ہے، ان دونوں میں سے جس کے ہاتھ پر چاہو، بیعت کر لو، لیکن ان دونوں بزرگوں نے بالاتفاق صدیق اکبرؓ کی موجودگی میں اپنے استحقاق سے انکار کیا، اور بڑھ کر سب سے پہلے بیعت کر لی۔ اس کے بعد تمام مہاجرین و انصار بیعت کے لئے ٹوٹ پڑے، اور قنہ کا اہر تار یک افتق اسلام سے چھٹ گیا۔ شام کی سپہ سالاری..... حضرت ابو بکر صدیقؓ نے مسند نشینی کے بعد ۱۳ھ میں ملک شام پر کئی طرف سے لشکر کشی کا اہتمام کیا، حضرت ابو عبیدہؓ کو حمص پر یزید بن ابی سفیان کو دمشق پر شرجیل کو اردن پر عمرو بن العاصؓ کو فلسطین پر مامور کیا، اور ہدایت کی کہ جب سب ایک جگہ مجتمع ہو جائیں، تو ابو عبیدہؓ سپہ سالار عام ہوں گے۔

حضرت ابو عبیدہؓ جب عرب کی سرحد سے باہر نکلے، تو کثیر التعداد رومی فوجوں کا سامنا ہوا یہ دیکھ کر انہوں نے تمام اسلامی فوجوں کو یکجا کر لیا، اور دربار خلافت سے مزید کمک طلب کی، چنانچہ حضرت خالد بن ولیدؓ جو عراق کی مہم پر مامور تھے، دربار خلافت کے حکم سے راہ میں چھوٹی چھوٹی لڑائیاں لڑتے ہوئے شامی فوج سے آکر مل گئے، اور متحدہ فوج نے بصری، نخل اور اجنادین کو فتح کر کے دمشق کا محاصرہ کر لیا۔

فتح دمشق..... دمشق کا محاصرہ جاری تھا کہ خلیفہ اول نے داعی اجل کو لبیک کہا، اور فاروق اعظمؓ کی ابتدائی حکومت میں خالد بن ولیدؓ بیدار مغزی اور حسن تدبیر کے ساتھ تفصیل پھاند گئے، اور شہر میں داخل ہو کر دروازے کھول دیئے، حضرت ابو عبیدہؓ اپنی فوج کے ساتھ تیار کھڑے تھے، فوراً اندر گھس گئے، عیسائیوں نے یہ رنگ دیکھا تو مصلحت اندیشی کے ساتھ اسلامی سپہ سالار اعظمؓ سے مصالحت کر لی، حضرت خالدؓ کو خبر نہ تھی، وہ شہر کے دوسرے حصہ میں سرگرم پیکار تھے، عیسائی آکر تلپی ہوئے کہ ہم کو خالدؓ سے بجائے، وسط بازار میں دونوں آدمیوں کا سامنا ہوا، حضرت ابو عبیدہؓ نے صلح کر لی اور مفتوحہ حصہ کو بھی صلح میں رکھا اور اس پر صلح کے شرائط جاری کئے۔

معرکہ فحل..... دمشق فتح کر کے اسلامی فوجیں آگے بڑھیں، اور مقام فحل میں خیمہ افکن ہوئیں، رومیوں کا پڑاؤ فحل کے سامنے مقام ہسیان میں تھا، انہوں نے حضرت ابو عبیدہؓ کے پاس مصالحت کا پیام بھیجا اور گفت و شنید کے لئے ایک سفیر بلا یا، چنانچہ حضرت معاذ بن جبل اس عہدہ پر مامور ہوئے، لیکن یہ سفارت بے نتیجہ رہی، اور رومیوں نے براہ راست حضرت ابو عبیدہؓ سے گفتگو کرنے کے لئے قاصد بھیجا، جس وقت وہ پہنچا تو یہ دیکھ کر متحیر رہ گیا، کہ یہاں ہر ایک ادنیٰ و اعلیٰ ایک ہی رنگ میں ڈوبا ہوا ہے، اور افسری اور ماتحتی کی کوئی تمیز نظر نہیں آتی، آخر اس نے گھبرا کر پوچھا کہ تمہارا سردار کون ہے؟ لوگوں نے حضرت ابو عبیدہؓ کی طرف اشارہ کیا، اس وقت وہ زمین پر بیٹھے ہوئے تھے، اس نے متعجب ہو کر کہا کیا درحقیقت تم ہی سردار ہو؟ فرمایا ہاں، قاصد نے کہا ”تمہاری فوج کو دو اشرفیاں فی کس دیں گے، تم یہاں سے چلے جاؤ، حضرت ابو عبیدہؓ نے انکار فرمایا، اور قاصد کے تئیں دیکھ کر فوج کو تیاری کا حکم دے دیا، غرض دوسرے دن جنگ شروع ہوئی، حضرت ابو عبیدہؓ ایک ایک صف میں جا کر کہتے تھے۔

عباد اللہ استوجبوا من اللہ النصر بالصبر فان اللہ مع الصابرين

خدا کے بندو! صبر کے ساتھ خدا سے مدد چاہو کیونکہ خدا صبر کرنے والوں کے

ساتھ ہے۔

حضرت ابو عبیدہؓ خود قلب فوج میں تھے، اور دانشمندی کے ساتھ سب کو لڑا رہے تھے، یہاں تک کہ مسلمانوں کی قلیل تعداد نے رومیوں کی پچاس ہزار باقاعدہ فوج کو شکست دے دی، اور ضلع اردن کے تمام مقامات فرزند ان توحید کے زیر نگین ہو گئے۔

فتح حمص..... یہاں سے چھوٹے چھوٹے مقامات فتح کرتے ہوئے حمص کی طرف بڑھے، اور محاصرہ کا سامان پھیلا دیا، اہل حمص کچھ عرصہ تک کمک کی امید پر مدافعت کرتے رہے، لیکن جب ہر طرف سے مایوسی ہوئی تو انہوں نے خود بخود شہر حوالہ کر دیا۔ حضرت ابو عبیدہؓ نے یہاں عبادہ بن صامتؓ کو چھوڑ کر لاذقیہ کا رخ کیا اور راہ میں شیرز، حما، معرة النعمان اور دوسرے مقامات میں اسلامی جھنڈا گاڑتے ہوئے منزل مقصود پر دم لیا۔

لاذقیہ نہایت مستحکم مقام تھا، حضرت ابو عبیدہؓ نے اس کو فتح کرنے کی ایک نئی تدبیر اختیار کی، یعنی میدان میں بہت سے پوشیدہ غار کھدوائے، اور محاصرہ اٹھا کر حمص کی طرف روانہ ہو گئے، شہر والوں نے جو مدت کی قلعہ بندی سے تنگ آ گئے تھے، اس کو تائید غیبی خیال کیا، اور اطمینان کے ساتھ شہر پناہ کا دروازہ کھول کر کاروبار میں مصروف ہو گئے، لیکن حضرت ابو عبیدہؓ اسی رات کو اپنے سپاہیوں کے ساتھ پلٹ کر غاروں میں چھپ رہے تھے، صبح کے وقت نکل کر دفعۃً شہر میں گھس گئے، اور آسانی کے ساتھ اسلام کا علم بلند کر دیا۔

یرموک کی فیصلہ کن جنگ..... رومیوں کی متواتر ہزیمتوں نے ان کے آتش غلط و غضب کو بھڑکا دیا اور ہر قل شہنشاہ روم کی دعوت پر تمام اطراف ملک سے ٹڈی دل فوج مجتمع ہو گئی، حضرت ابو عبیدہؓ کو خود شامی امراء اور رؤساء نے جو باوجود مذہبی اختلاف کے ان کے اخلاق کے گرویدہ ہو گئے تھے، تمام واقعات کی اطلاع دی انہوں نے اچھی طرح سے غنیم کی تیاریوں کی تحقیقات کر کے اپنے ماتحت افسروں کو جمع کیا، اور ایک پر جوش تقریر کے بعد اس مہیب سیلاب کے روکنے کے متعلق مشورہ طلب کیا، یزید بن ابی سفیانؓ نے کہا ”میری رائے یہ ہے کہ عورتوں اور بچوں کو شہر میں چھوڑ کر ہم لوگ مقابلہ کے لئے نکلیں، اس کے ساتھ خالدؓ اور عمرو بن العاصؓ کو لکھا جائے کہ دمشق اور فلسطین سے چل کر مدد کو آئیں۔“ حضرت شرجیل بن حسنہ نے کہا ”یزید کی رائے یقیناً مخلصانہ ہے، لیکن ہم کو اپنا ننگ و ناموس شہر کے عیسائی باشندوں کے رحم پر نہ چھوڑنا چاہئے۔“ حضرت ابو عبیدہؓ نے فرمایا، تو پھر سردست اس کی تدبیر یہ ہے کہ ہم عیسائیوں کو شہر بدر کر دیں، حضرت شرجیل نے اٹھ کر کہا، اے امیر! یہ صریحاً نقض عہد ہوگا تجھ کو ہرگز اس کا حق نہیں ہے۔“ حضرت ابو عبیدہؓ نے فوراً اپنی غلطی تسلیم کر لی، اور بالآخر بحث و مباحثہ کے بعد یہ رائے قرار پائی کہ مفتوحہ ممالک چھوڑ کر تمام فوجیں دمشق میں جمع ہوں، غرض اس قرارداد کے بعد حضرت ابو عبیدہؓ نے عیسائیوں سے جو کچھ جزیہ یا خراج لیا تھا واپس کر دیا اور فرمایا کہ یہ تمہاری حفاظت کا معاوضہ تھا، لیکن جب ہم سردست، اس سے عاجز ہیں تو پھر ہم کو اس سے مستفید ہونے کا کوئی استحقاق نہیں ہے، چنانچہ کئی لاکھ کی رقم جو وصول ہوئی تھی سب واپس کر دی گئی، عیسائیوں پر اس حق پسندی و انصاف کا اس قدر اثر ہوا کہ وہ روتے تھے، اور جوش کے ساتھ کہتے جاتے تھے کہ ”خدا تم کو پھر واپس لائے۔“

دمشق میں جب اسلامی فوجیں مجتمع ہو گئیں تو حضرت ابو عبیدہؓ نے آگے بڑھ کر یرموک کے میدان میں (جو جنگی ضروریات کے لحاظ سے نہایت مناسب موقع تھا) مورچہ جمایا، اسی اثناء میں اردن سے حضرت عمرو بن العاصؓ کا خط پہنچا کہ آپ کی معاودت نے اس علاقہ پر بہت برا اثر ڈالا ہے اور ہر طرف بغاوت و شورش پھیل گئی ہے، حضرت ابو عبیدہؓ نے جواب میں لکھا کہ ہم کو مصلحتاً پیچھے ہٹنا پڑا تا کہ تمام منتشر قوت مجتمع ہو جائے، بہر حال تم اپنی جگہ جمے رہو، میں عنقریب آ کر تم سے ملتا ہوں۔

مسلمانوں کے پیچھے ہٹ آنے سے رومیوں کی ہمت بڑھ گئی اور ایک عظیم الشان جمعیت کے ساتھ یرموک پہنچ کر مسلمانوں کے مقابلہ میں خیمہ زن ہوئے تاہم جو عریلی تلواریں کا مزہ چکھ چکے تھے وہ دل سے صلح کے متمنی تھے، سپہ سالار اعظم باہان کی بھی یہی خواہش تھی، غرض جارج نامی

ایک رومی قاصد اسلامی لشکر گاہ میں پہنچا کہ کسی مسلمان سفیر کو ساتھ لے جائے، اس وقت شام ہو چکی تھی، ذرا دیر کے بعد مغرب کی نماز شروع ہوئی، مسلمانوں کے موثر طریقہ عبادت خشوع و خضوع اور محویت اور استغراق نے اس پر عجیب و غریب کیفیت طاری کی، وہ استعجاب کے ساتھ دیکھتا رہا، یہاں تک کہ جب نماز ہو چکی تو اس نے حضرت ابو عبیدہؓ نے چند سوالات کئے جن میں ایک یہ بھی تھا کہ عیسیٰ کے متعلق کیا اعتقاد رکھتے ہو؟ حضرت ابو عبیدہؓ نے قرآن کی یہ آیتیں پڑھیں۔

يا اهل الكتب لا تغلوا فی دینکم ولا تقولوا علی اللہ الا الحق انما
المسیح عیسیٰ بن مریم رسول اللہ و کلمتہ القہا الی مریم
(نساء ع ۴: ۱۷۱)

اے اہل کتاب اپنے دین میں زیادہ غلو نہ کرو اور خدا کی طرف حق کے سوا غلط باتیں نہ منسوب کرو حقیقت میں مسیح بن مریم خدا کے رسول اور اس کا کلمہ ہیں جس کو اس نے ان کی طرف ڈال دیا تھا۔

لن یستکف المسیح ان یکون عبد اللہ ولا الملئکة المقربون
(نساء ع ۴: ۱۷۲)

مسیح بن مریم اور ملائکہ مقربین کو خدا کی بندگی میں عار نہیں ہے۔

جارج نے ان آیتوں کا ترجمہ سنا تو بے اختیار پکار اٹھا، بے شک عیسیٰؑ کے یہی اوصاف ہیں اور درحقیقت تمہارا پیغمبر سچا ہے، یہ کہہ کر بطیب خاطر مسلمان ہو گیا، وہ اپنی قوم میں واپس جانا نہیں چاہتا تھا، لیکن حضرت ابو عبیدہؓ نے اس خیال سے کہ رومیوں کو بد عہدی کا گمان نہ ہو واپس جانے پر مجبور کیا، اور فرمایا کہ کل جو سفیر یہاں سے جائے گا اس کے ساتھ چلے آنا۔

غرض دوسرے روز حضرت خالدؓ سفیر بنا کر بھیجے گئے لیکن اس سفارت کا بھی اس کے سوا کوئی نتیجہ نہ نکلا کہ دونوں فریق اور بھی زیادہ جوش و خروش کے ساتھ جنگ کے لئے تیار ہو گئے، کیونکہ مسلمانوں کی صرف دو شرطیں تھیں جو ہر موقع پر پیش کی جاتی تھیں اور اس میں تغیر و تبدل قطعاً ناممکن تھا، یعنی ”اسلام“ یا ”جزیہ“ دوسری طرف رومی جو اپنی شہنشاہی کے نشہ میں سرشار تھے ایسے شرائط کا سننا بھی گوارا نہیں کرتے تھے، بہر حال جنگ شروع ہوئی اور گو مسلمان تعداد میں صرف تیس بتیس ہزار تھے تاہم افسران فوج کی دانش مندی، فن سپہ گری کی واقفیت اور خود سپاہیوں کے غیر معمولی جوش نے غنیم کے پاؤں اکھاڑ دیئے، اس جنگ کی اہمیت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ تقریباً ستر ہزار رومی کھیت رہے، مسلمان بھی کم و بیش تین ہزار شہید ہوئے، جن

میں ضرار بن ازور، ہشام بن العاص، ابان، سعید وغیرہ جیسے جنگ آزما افسر بھی تھے۔ فتح یرموک کے بعد تمام ملک شام مسلمانوں کے خیر مقدم کے لئے تیار تھا، حضرت ابو عبیدہؓ نے حمص پہنچ کر حضرت خالدؓ سیف اللہ کو قنسرین روانہ کیا اور خود حلب کی طرف بڑھے، یہ دونوں مقامات آسانی کے ساتھ مفتوح ہو گئے، چند دنوں کے بعد اہل انطاکیہ نے بھی سپردال دی، غرض بیت المقدس کے سوا تمام شام پر آسانی کے ساتھ قبضہ ہو گیا۔

بیت المقدس..... ہم پہلے لکھ آئے ہیں کہ فلسطین کی مہم حضرت عمرو بن العاصؓ کے سپرد تھی، چنانچہ وہ بڑے بڑے شہر فتح کر کے عرصہ سے بیت المقدس کا محاصرہ کئے ہوئے تھے، حضرت ابو عبیدہؓ کو اپنی مہم سے فرصت ہوئی تو وہ بھی اس فوج سے آٹے، عیسائیوں نے ایک عرصہ ایک قلعہ بندی سے تنگ آ کر صلح کی درخواست کی اور مزید اطمینان کے لئے یہ شرط لگائی کہ امیر المومنین خود یہاں آ کر اپنے ہاتھ سے معاہدہ صلح لکھیں، حضرت ابو عبیدہؓ نے حضرت عمرؓ کو خط لکھ کر اس شرط سے مطلع کیا اور ملک شام تشریف لانے کی دعوت دی، حضرت عمرؓ مدینہ سے روانہ ہو کر مقام جابیہ پہنچے، حضرت ابو عبیدہؓ نے اپنے ماتحت افسروں کے ساتھ ان کا استقبال کیا، بیت المقدس کے نمائندے بھی یہیں پہنچے اور معاہدہ صلح ترتیب پانے کے بعد اس مقدس شہر پر قبضہ ہو گیا۔ رومیوں کی آخری کوشش..... شام جیسے سرسبز و شاداب ملک کا ہاتھ سے نکل جانا رومیوں کے لئے سخت سوہان روح تھا، انہوں نے جزیرہ اور آرمینیا والوں کی امداد سے ایک مرتبہ پھر قسمت آزمائی کی اور ایک عظیم الشان جمعیت کے ساتھ حمص کی طرف بڑھے۔

حضرت ابو عبیدہؓ نے بھی ادھر ادھر سے فوجیں جمع کیں اور دربار خلافت کو تمام واقعات سے مطلع کیا، چنانچہ امیر المومنین کے حکم سے عراق سے ایک بہت بڑی کمک پہنچ گئی اور حضرت ابو عبیدہؓ اس عظیم الشان قوت کے ساتھ رومی سیلاب کو روکنے کے لئے آگے بڑھے۔

میدان جنگ میں پہنچ کر باقاعدہ صف آرائی کی اور ایک پر جوش و موثر تقریر کے بعد فرمایا ”مسلمانو! آج جو ثابت قدم رہ گیا اور اگر زندہ بچا تو ملک و مال ہاتھ آئے گا اور مارا گیا تو شہادت کی دولت ملے گی، میں گواہی دیتا ہوں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ”جو شخص مرے اور مشرک ہو کر نہ مرے وہ ضرور جنت میں جائے گا، اس زمانہ میں اسلام کا ہر ایک فرزند جوش ملی اور غیرت دینی کا مجسم پتلا تھا، اس تقریر نے اور بھی گرمادیا، غرض مجاہدین نے اس زور سے حملہ کیا کہ رومیوں کے پاؤں اکھڑ گئے اور مرج الدیباں تک بھاگتے چلے گئے، اس طرح رومیوں کی آخری کوشش بھی ناکام رہی اور پھر انہیں کبھی پیش قدمی کا حوصلہ نہ ہوا۔

امارت..... حضرت خالدؓ سیف اللہ دمشق کے امیر یا والی مقرر ہوئے تھے، لیکن اس میں حضرت عمرؓ نے ان کو معزول کر کے یہ عہدہ بھی حضرت ابو عبیدہؓ کو تفویض کیا، حضرت خالدؓ دمشق

سے روانہ ہونے لگے تو انہوں نے لوگوں سے کہا ”تمہیں خوش ہونا چاہئے کہ امین امت تمہارا والی ہے“ حضرت ابو عبیدہؓ نے اس کے جواب میں کہا ”میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ ”خالد خدا کی تلواروں میں سے ایک تلوار ہے“ غرض اسی لطف و محبت کے ساتھ امارت یا ولایت کا چارج لینے کے بعد ملکی انتظامات میں مصروف ہوئے۔

حضرت عمرؓ نے انتظامی حیثیت سے ملک شام میں جو مختلف اصلاحیں جاری کیں، ان میں سے اکثر حضرت ابو عبیدہؓ کے ہاتھ سے عمل میں آئیں ۱۸ھ میں جب عرب میں قحط پڑا تو نہایت سرگرمی کے ساتھ شام سے چار ہزار اونٹ غلے سے لدے ہوئے بھیجے۔ اشاعت اسلام کا بھی ان کو خاص خیال تھا، چنانچہ قبیلہ تنوخ، بنو سلج اور عرب کے دوسرے بہت سے قبائل جو مدت سے شام میں آباد ہو گئے تھے اور عیسائی مذہب کے پیرو تھے، صرف ابو عبیدہؓ کی کوشش سے حلقہ بگوش اسلام ہوئے، بعض شامی اور رومی عیسائی بھی ان کے اخلاق سے متاثر ہو کر اسلام لائے۔ طاعون عمواس ۱۸ھ..... میں تمام ممالک مفتوحہ میں نہایت شدت کے ساتھ طاعون کی وبا پھیلی خصوصاً شام میں اس نے بہت نقصان پہنچایا، یہاں تک کہ حضرت عمرؓ خود مدینہ و انتظام کے لئے دار الخلافہ چھوڑ کر مقام سرخ پہنچے، حضرت ابو عبیدہؓ اور دوسرے سرداروں نے یہاں استقبال کیا، حضرت عمرؓ نے شدت کی کیفیت سن کر پہلے مہاجرین اور پھر انصارؓ سے مشورہ طلب کیا، سب نے مختلف رائیں دیں، اس کے بعد مہاجرین فتح سے جو عموما قریش کے بوڑھے تجربہ کار لوگ تھے مشورہ چاہا، انہوں نے یک زبان ہو کر کہا کہ سر دست یہاں سے لوگوں کا منتقل ہو جانا مناسب ہوگا، چنانچہ حضرت عمرؓ نے منادی کرادی کہ میں کل صبح واپس جاؤں گا، سب ساتھ چلیں، چونکہ حضرت ابو عبیدہؓ نہایت شدت کے ساتھ تقدیر کے قائل تھے، اس لئے ان کو یہ حکم ناگوار ہوا اور آزادی کے ساتھ کہا ”افرار امن قدر اللہ“ یعنی تقدیر الہی سے بھاگتے ہو، حضرت عمرؓ عموماً حضرت ابو عبیدہؓ کی رائے سے اختلاف ظاہر کرنا ناپسند کرتے تھے، اس لئے انہوں نے کہا ”کاش! تمہارے سوا کوئی دوسرا یہ جملہ کہتا، ہاں تقدیر الہی سے بھاگتا ہوں لیکن تقدیر الہی کی طرف۔“

غرض حضرت عمرؓ مدینہ واپس آئے اور حضرت ابو عبیدہؓ کو خط لکھ کر بلایا کہ کچھ دنوں کے لئے یہاں چلے آؤ، تم سے کچھ کام ہے، حضرت ابو عبیدہؓ اس طلبی کا مقصد سمجھ گئے اور لکھا کہ جو مقدر ہے وہ ہوگا میں مسلمانوں کو چھوڑ کر اپنی جان بچانے کے لئے یہاں سے ٹل نہیں سکتا، حضرت عمرؓ نے دیکھا کہ وہ کسی طرح ٹلنے کا نام نہیں لیتے تو پھر تاکید لکھا کہ فوج کو لے کر کسی بلند اور صحت بخش مقام کی طرف چلے جاؤ، اس وقت جہاں پڑاؤ ہے وہ نہایت نشیبی اور مرطوب جگہ

ہے، حضرت ابو عبیدہؓ نے اس حکم کی تعمیل کی اور حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کے انتخاب پر جابیہ اٹھ گئے۔ جابیہ پہنچ کر حضرت ابو عبیدہؓ طاعون میں مبتلا ہوئے، جب مرض کی زیادہ شدت ہوئی تو حضرت معاذ بن جبلؓ کو جو ان کے اسلامی بھائی تھے اپنا جانشین کیا اور لوگوں کو جمع کر کے ایک نہایت مؤثر تقریر کی، آخر میں فرمایا ”صاحبو! یہ مرض خدا کی رحمت اور تمہارے نبی کریمؐ کی دعوت ہے، پہلے بہت سے صحابہؓ روزگار اس میں جاں بحق ہو گئے ہیں، اور اب عبیدہؓ بھی اپنے خدا سے اس سعادت میں حصہ پانے کا متمنی ہے۔“ ۱

نماز کا وقت آیا تو حضرت ابو عبیدہؓ نے اپنے جانشین کو نماز پڑھانے کا حکم دیا، ادھر نماز ختم ہوئی اور ادھر راضی برضائے الہی یعنی ابو عبیدہؓ بن الجراحؓ امین الامت نے داعی حق کو لبیک کہا، حضرت معاذؓ ابن جبلؓ نے تجہیز و تکفین کا سامان کیا اور حاضرین کے سامنے ایک مؤثر پروردِ تقدیر کے بعد کہا ”صاحبو! آج تم سے ایک شخص ایسا اٹھ گیا کہ خدا کی قسم میں نے اس سے زیادہ صاف دل، بے کینہ، سیر چشم، عاقبت اندیش، باحیا اور خیر خواہ خلق کبھی نہیں دیکھا، پس خدا سے اس کے لئے رحم و مغفرت کی دعا کرو۔“ ۲

حضرت ابو عبیدہؓ نے اٹھاؤں (۵۸) برس کی عمر پائی اور اس قلیل عرصہ میں اپنے حیرت انگیز کارناموں کا منظر دکھا کر ۱۸ھ میں اس دنیا سے رخصت ہو گئے۔ فانا للہ وانا الیہ راجعون۔

اخلاق و عادات..... حضرت ابو عبیدہؓ کے صحیفہ اخلاق میں خدا ترسی، اتباع سنت، تقویٰ، زہد تواضع مساوات اور ترجم کے ابواب نہایت روشن ہیں۔

خوف خدا کا یہ حال تھا کہ محض معمولی واقعات ان کے لئے سرمایہ عبرت بن جاتے اور اکثر خدا کی ہیبت و جلال کو یاد کر کے چشم پر غم ہو جاتے تھے، ایک دفعہ ایک شخص ان کے گھر آیا دیکھا تو زار و قطار رو رہے ہیں، اس نے متعجب ہو کر پوچھا ”ابو عبیدہؓ خیر ہے؟ یہ رونا دھونا کیسا؟ کہنے لگے ”ایک روز رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں کے آئندہ فتوحات اور تمول کا ذکر کرتے ہوئے شام کا تذکرہ فرمایا اور کہا! ابو عبیدہؓ! اگر اس وقت تک تمہاری عمر وفا کرے تو تمہارے لئے صرف تین خادم کافی ہوں گے، ایک خاص تمہاری ذات کے لئے، ایک تمہارے اہل و عیال کے لئے اور ایک سفر میں ساتھ جانے کے لئے، اسی طرح سواری کے تین جانور کافی ہیں، ایک تمہارے لئے، ایک غلام کے لئے اور ایک اسباب و سامان کے لئے، لیکن اب دیکھتا ہوں تو میرا گھر غلاموں سے اور اصطلیل گھوڑوں سے بھرا ہوا ہے، آہ! میں رسول اللہ ﷺ کو کیا منہ دکھاؤں گا؟ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا تھا کہ وہ شخص میرے نزدیک سب سے زیادہ محبوب ہوگا جو اسی حال

میں ملے گا جس حال میں میں اسے چھوڑ جاؤں گا۔

ہادی دین کی اطاعت محبت اور خدمت گذاری میں امین امت سے زیادہ کون پیش پیش رہتا؟ واقعہ بدر میں باپ کو قتل کیا، رسول برحق کی راحت رسانی کے لئے دو دانت شہید کئے، غزوہ ذات السلاسل میں حضرت عمرو بن العاصؓ سے اختلاف ہوا تو صرف اس لئے طوق اطاعت گلے میں ڈال لیا کہ رسول اللہ ﷺ نے اتفاق باہمی کی ہدایت کی تھی اور فرمایا کہ میں تمہاری اطاعت نہیں کرتا بلکہ فرمان رسول ﷺ پر گردن جھکاتا ہوں۔

امین امت کا آخری لمحہ حیات بھی اطاعت رسول میں گزرا، شام میں طاعون کی شدت ہوئی تو بڑے بڑے ثابت قدم بزرگوں کے پاؤں ڈگمگائے، لیکن انہوں نے صرف اس وجہ سے ٹلنے کا نام نہ لیا کہ رسول اللہ ﷺ نے اس سے بھاگنے کی ممانعت کی تھی، حضرت ابو عبیدہؓ زہد و بے نیازی کے بادشاہ تھے، ان کی نظر میں دنیا اور اس کی نعمتیں ایک حقیر ذرہ سے بھی زیادہ بے وقعت تھیں، شام کی آب و ہوا نے بڑے بڑے صحابہ کے طرز معاشرت کو بدل دیا تھا، چنانچہ حضرت عمرؓ نے سفر شام کے موقع پر افسروں کو پر تکلف قبائیں، اور زرق برق پوشاک پہنے دیکھا تو اس قدر غصہ ہوئے کہ گھوڑے سے اتر پڑنے اور سنگریزے اٹھا کر ان کی طرف پھینکنے لگے کہ اس قدر جلد تم نے عجمی عادتیں اختیار کر لیں، لیکن حضرت ابو عبیدہؓ جس حال میں ملے وہ وہی عرب کی سادگی تھی، بدن پر سادہ کپڑے اور سواری میں اونٹنی جس کی ٹیکل بھی معمولی سی کی تھی، حضرت عمرؓ ان کے قیام گاہ پر تشریف لائے تو وہاں اس سے بھی زیادہ سادگی تھی، یعنی ڈھال، تلوار اور اونٹ کے کجاوہ کے سوا کوئی سامان راحت نہ تھا، حضرت عمرؓ نے فرمایا ”ابو عبیدہؓ! کاش تم ضروری سامان تو فراہم کر لیتے، اس بے نیاز عالم نے جواب دیا ”امیر المؤمنین! ہمارے لئے بس یہی ہے۔“

ایک دفعہ حضرت عمرؓ نے حضرت ابو عبیدہؓ کے پاس چار سو دینار اور چار ہزار درہم بطور انعام بھیجے، انہوں نے تمام رقم فوج میں تقسیم کر دی اور اپنے لئے ایک جہ بھی نہ رکھا، حضرت عمرؓ نے سنا تو فرمایا ”الحمد للہ کہ اسلام میں ایسے لوگ بھی موجود ہیں۔“

امین امت کی خاکساری اور تواضع کا اس سے اندازہ ہوگا کہ انہوں نے باوجود سپہ سالار اعظم ہونے کے جاہ و حشم سے کبھی سروکار نہ رکھا، رومی سفراء جب کبھی اسلامی لشکر گاہ میں آئے تو انہیں ہمیشہ سردار فوج کی شناخت میں دقت پیش آئی، ایک دفعہ ایک رومی قاصد آیا، وہ یہ دیکھ کر متحیر ہو گیا کہ یہاں سب ایک ہی رنگ میں ڈوبے ہوئے ہیں، بالآخر اس نے گھبرا کر پوچھا تھا کہ سردار کون ہے؟ لوگوں نے حضرت ابو عبیدہؓ کی طرف اشارہ کیا، دیکھا تو ایک نہایت معمولی وضع قطع کا عرب فرش خاک میں بیٹھا ہے۔

۱۔ مسند ج ۱ ص ۱۹۶ بحوالہ ایضاً ۱۳ ص ۱۲۳ جلد ۳ ص ۱۲

۲۔ طبقات ابن سعد قسم اول جز ثانی ص ۳۰۱

مساوات اسلامی کا حد درجہ خیال تھا، ان کے لشکر گاہ میں ایک معمولی مسلمان سپاہی کو بھی وہی عزت حاصل تھی جو ایک بڑے سے بڑے سردار کو ہو سکتی ہے، ایک دفعہ ایک مسلمان نے غنیم کے ایک سپاہی کو پناہ دی، حضرت خالد بن ولیدؓ اور حضرت عمرو بن العاصؓ نے اس کے تسلیم کرنے سے انکار کر دیا، لیکن سپہ سالار اعظم حضرت ابو عبیدہؓ بن الجراح نے فرمایا ”ہم اس کو پناہ دیتے ہیں کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ ایک مسلمان سب کی طرف سے پناہ دے سکتا ہے۔“

حضرت ابو عبیدہؓ کا خلق و ترجم تمام خلق اللہ کے لئے عام تھا، شام میں ان کی شفقت اور رعایا پروری نے عیسائیوں کو بھی مرہون منت بنا رکھا تھا، وہاں عیسائیوں کو نماز کے وقت ناقوس بجانے کی اور عام گزرگاہوں میں صلیب نکالنے کی سخت ممانعت تھی، لیکن انہوں نے عرضی پیش کی کہ کم سے کم سال میں ایک دفعہ عید کے روز صلیب نکالنے کی اجازت دی جائے؟ حضرت ابو عبیدہؓ نے خوشی کے ساتھ یہ درخواست منظور کر لی، اس رواداری کا یہ اثر ہوا کہ شامی خود اپنے ہم مذہب رومیوں کے دشمن ہو گئے اور خوشی کے ساتھ جاسوسی اور خبر رسانی کے فرائض انجام دینے لگے۔

حضرت ابو عبیدہؓ کی خانگی زندگی کے حالات نامعلوم ہیں تاہم اس قدر یقینی ہے کہ جذبہ انقطاع الی اللہ نے بیوی بچوں سے غیر معمولی شغف پیدا ہونے نہ دیا۔
حلیہ..... حلیہ یہ تھا، قد لمبا، جسم نحیف ولاغر، چہرہ کم گوشت، سامنے کے دو دانت خدمت رسولؐ میں قربان ہو گئے تھے، ڈاڑھی کھنی نہ تھی، اور بعض روایات کے مطابق خضاب استعمال کرتے تھے۔

اولاد و ازواج..... حضرت ابو عبیدہؓ کی صرف دو بیویوں سے اولاد ہوئی، ہند بنت جابر سے یزید اور رجا سے عمیر پیدا ہوئے، لیکن دونوں لا ولد فوت ہوئے۔

حضرت سعید بن زیدؓ

نام، نسب، خاندان..... سعید نام، ابوالاعور کنیت، والد کا نام زید اور والدہ کا نام فاطمہ بنت بعبہ تھا، سلسلہ نسب یہ ہے، سعید بن زید بن عمرو بن نفیل بن عبد العزی بن رباح بن عبد اللہ بن قرظ بن زراح ابن عدی بن کعب بن لوی القرشی العدوی۔

حضرت سعید بن زیدؓ کا سلسلہ نسب کعب بن لوی پر آنحضرت ﷺ سے اور نفیل پر حضرت عمرؓ سے مل جاتا ہے، حضرت سعیدؓ کے والد زید ان سعادت مند بزرگوں میں تھے جن کی آنکھوں نے اسلام سے پہلے ہی کفر و شرک کے ظلمت کدہ میں توحید کا جلوہ دیکھا تھا اور ہر قسم کے فسق و فجور یہاں تک کے مشرکین کے ذبیحہ سے بھی محترز رہے تھے، چنانچہ ایک دفعہ ان سے اور آنحضرت ﷺ سے قبل بعثت وادی بلح میں ملاقات ہوئی، آنحضرت ﷺ کے سامنے کھانا پیش کیا گیا تو آپ نے انکار فرمایا پھر انہوں نے بھی انکار کیا اور کہا ”میں تمہارے بتوں کا چڑھایا ہوا ذبیحہ نہیں کھاتا“۔^۱

زید کا دل کفر و شرک سے متنفر ہوا تو جستجوئے حق میں دور دراز ممالک کی خاک چھانی، اور شام پہنچ کر ایک یہودی عالم سے مقصود کی رہبری چاہی، اس نے کہا اگر خدا کے غضب میں حصہ لینا ہے تو ہمارا مذہب حاضر ہے، زید نے کہا ”میں اسی سے بھاگا ہوں، پھر اس میں گرفتار نہیں ہو سکتا البتہ کوئی دوسرا مذہب بتا سکتے ہو تو بتاؤ؟“ اس نے دین حنیف کا پتہ دیا، انہوں نے پوچھا ”دین حنیف کیا ہے؟“ بولا دین حنیف حضرت ابراہیم علیہ السلام کا مذہب ہے جو نہ یہودی تھے، نہ عیسائی بلکہ صرف خدائے واحد کی پرستش کرتے تھے، یہاں سے بڑھے تو ایک عیسائی عالم سے چارہ خواہ ہوئے، اس نے کہا ”اگر خدا کی لعنت کا طوق چاہتے ہو تو ہمارا مذہب موجود ہے“ زید نے کہا ”خدا را کوئی ایسا مذہب بتاؤ جس میں نہ خدا کا غضب ہو، نہ لعنت، میں ان دونوں سے بھاگتا ہوں، بولا میرے خیال میں ایسا مذہب صرف دین حنیف ہے، غرض جب ہر جگہ سے دین ابراہیم کا پتہ ملا تو شام سے واپس ہوئے اور دونوں ہاتھ اٹھا کر کہا ”خدایا! تجھے گواہ بناتا ہوں کہ..... اب میں دین حنیف کا پیرو ہوں۔“^۲

^۱ التعمیم کی راہ میں ایک مقام کا نام تھا فتح الباری جلد ۷ ص ۱۸۰

^۲ بخاری باب حدیث زیدؓ ۱۲۱۰

^۳ بخاری باب حدیث زیدؓ مفصل قصہ مذکور ہے

زید کو اس کفرستان میں اپنے موحد ہونے کا نہایت فخر تھا، حضرت ابو بکر صدیقؓ کی بڑی صاحبزادی حضرت اسماءؓ کا بیان ہے کہ میں نے ایک دفعہ زید کو دیکھا کہ کعبہ سے پشت ٹیک کر کہہ رہے تھے، ”اے گروہ قریش! خدا کی قسم! میرے سوا تم میں کوئی بھی دین ابراہیم پر قائم نہیں ہے“۔

ایام جاہلیت میں اہل عرب عموماً اپنی لڑکیوں کو زندہ دفن کر دیتے تھے، لیکن خدائے واحد کے اس تنہا پرستار کو ان معصوم ہستیوں کے بچانے میں خاص لطف حاصل ہوتا تھا، اور جب کوئی ظالم باپ اپنی بے گناہ بچی کے حلق پر چھری پھیرنا چاہتا تھا تو اس کی کفالت اپنے ذمہ لے لیتے اور جب جوان ہو جاتی تو اس کے باپ سے کہتے، ”جی چاہے لے لو یا میری ہی کفالت میں رہنے دو“۔

اسلام..... جب رسول اللہ ﷺ نے دین حنیف کو زیادہ مکمل صورت میں دوبارہ دنیا کے سامنے پیش کیا اور دعوت تو حید شروع کی، تو گو اس وقت اس کے سچے شیعہ زید صفحہ ہستی پر موجود نہ تھے تاہم ان کے فرزند حضرت سعیدؓ کے لئے یہ آواز بالکل مانوس تھی، انہوں نے جوش کے ساتھ لبیک کہا اور اپنی نیک بخت بیوی کے ساتھ حلقہ بگوش اسلام ہوئے۔

حضرت سعیدؓ کی بیوی حضرت فاطمہؓ حضرت عمرؓ کی حقیقی بہن تھیں، لیکن وہ خود اس وقت تک اسلام کی حقیقت سے نا آشنا تھے، بہن اور بہنوئی کی تبدیل مذہب کا حال سن کر نہایت برا فروختہ ہوئے، اور دونوں میاں بیوی کو اس قدر مارا کہ وہ لہو لہان ہو گئے، لیکن یہاں کچھ ایسی درافلی تھی کہ اس تمام زد و کوب کا صرف یہی ایک جواب تھا۔

من ز جاناں گر چہ صد اندوہ جان خواہم کشید

تاناہ پنداری کہ خود را بر کر اں خواہم کشیدہ

یہاں تک کہ ان بزرگوں کی اسی استقامت و استقلال نے خود حضرت عمرؓ کو بھی اسلام کی حقانیت کا جلوہ دکھا دیا، اور بالآخر عمر بن الخطابؓ سے فاروق اعظمؓ بنا دیا۔

ہجرت اور غزوات..... حضرت سعیدؓ مہاجرین اولین کے ساتھ مدینہ پہنچے، اور حضرت رفاعہ بن عبدالمندرانصاری کے مہمان ہوئے کچھ دنوں کے بعد رسول اللہ ﷺ نے ان میں اور حضرت رافع بن مالکؓ انصاری میں بھائی چارہ کر دیا۔

۲ھ میں قریش مکہ کا وہ مشہور قافلہ جس کی وجہ سے جنگ بدر پیش آئی ملک شام سے آرہا تھا، رسول اللہ ﷺ نے ان کو اور حضرت طلحہؓ کو اس بحس پر مامور فرمایا، یہ دونوں حدود شام میں تجہار پہنچ

۱۔ بخاری

۲۔ ایضا

۳۔ طبقات ابن سعد، ج ۱، ص ۱۹۲

۴۔ طبقات ابن سعد، ج ۱، ص ۱۹۲

کر کشد جہنمی کے مہمان ہوئے اور جب قافلہ وہاں سے آگے بڑھا تو نظر بچا کر تیزی کے ساتھ مدینہ کی طرف روانہ ہوئے کہ رسالت مآب ﷺ کو پوری کیفیت سے مطلع کریں، لیکن قافلہ نے کچھ سن گین پا کر ساحلی راستہ اختیار کیا، اور کفار قریش کی ایک بڑی جمعیت کے جو اس کی مدد کے لئے آئی تھی، اور پرستاران حق کے درمیان بدر کے میدان میں وہ مشہور معرکہ پیش آیا جس نے اسلام کو ہمیشہ کے لئے سر بلند کر دیا۔

نرض جس وقت حضرت سعیدؓ مدینہ پہنچے اس وقت غازیان دین فاتحانہ سرور و انبساط کے ساتھ میدان جنگ سے واپس آ رہے تھے، چونکہ یہ بھی ایک خدمت پر مامور تھے اس لئے رسول ﷺ نے ان کو بدر کے مال غنیمت میں حصہ مرحمت فرمایا اور جہاد کے ثواب سے بھی بہرہ ور ہونے کی بشارت دی۔

حضرت سعیدؓ جنگ بدر کے سوا تمام غزوات میں مردانگی و شجاعت کے ساتھ آنحضرت ﷺ کے ساتھ ہمرکاب رہے، لیکن افسوس ہے کہ کسی غزوہ کے متعلق کوئی تفصیلی واقعہ نہیں ملتا۔

عہد فاروقی میں جب شام پر باقاعدہ فوج کشی ہوئی تو حضرت سعیدؓ حضرت ابو عبیدہؓ کے ماتحت پیدل فوج کی افسری پر متعین ہوئے، دمشق کے محاصرہ اور یرموک کی فیصلہ کن جنگ میں نمایاں شجاعت و جانبازی کے ساتھ شریک کارزار تھے، اثنائے جنگ میں حضرت ابو عبیدہؓ نے ان کو دمشق کی گورنری پر مامور کیا، لیکن شوق جہاد نے اس سے بیزار کر دیا، حضرت ابو عبیدہؓ کو لکھا کہ میں ایسا ایثار نہیں کر سکتا کہ آپ لوگ جہاد کریں اور میں اس سے محروم رہوں، اس لئے خط پہنچنے کے ساتھ ہی کسی کو میری جگہ بھیج دیجئے میں عنقریب آپ کے پاس پہنچتا ہوں حضرت ابو عبیدہؓ نے مجبور ہو کر حضرت یزید بن ابی سفیانؓ کو دمشق پر متعین کیا اور حضرت سعیدؓ پھر میدان رزم میں پہنچ گئے۔

وفات..... فتح شام کے بعد حضرت سعیدؓ کی تمام زندگی نہایت سکون و خاموشی سے بسر ہوئی، یہاں تک کہ ۵۰ھ یا ۵۱ھ میں ستر برس تک اس سرائے فانی میں رہ کر رحلت گزین عالم جاوداں ہوئے، چونکہ نواح مدینہ میں بمقام عقیق آپ کا مستقل مسکن تھا، اس لئے وہیں وفات پائی جمعہ کا دن تھا عبداللہ بن عمرؓ نماز جمعہ کی تیاری کر رہے تھے کہ وفات کی خبر سنی، اسی وقت عقیق کی طرف روانہ ہو گئے، حضرت سعد بن ابی وقاصؓ نے غسل دیا، حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے نماز جنازہ پڑھائی اور مدینہ لا کر سپرد خاک کیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون ۲

ذاتی حالات اور اخلاق و عادات..... حضرت سعیدؓ کا دل دنیاوی جاہ و حشمت سے مستغنی تھا، صرف مقام عقیق کی جاگیر پر گذر اوقات تھی، آخر میں حضرت عثمانؓ نے عراق میں بھی

۱ طبقات ابن سعد حصہ ہد رتین تذکرہ سعید بن زید

۲ طبقات ابن سعد حصہ ہد رتین تذکرہ سعید بن زید

ایک جاگیر دی تھی۔

امیر معاویہؓ کے عہد میں اروی نامی ایک عورت نے جس کی زمین ان کی جاگیر سے ملی ہوئی تھی، مدینہ کے عامل مروان بن حکم کے دربار میں شکایت کی کہ انہوں نے اس کی کچھ زمین دہالی ہے، مروان نے تحقیقات کے لئے دو آدمی متعین کیے، حضرت سعیدؓ کو خبر ہوئی تو انہوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ ”جو اپنے مال کے آگے قتل ہو وہ شہید ہے“، پھر مروان سے کہا ”کیا تم خیال کرتے ہو کہ میں نے اس کے ساتھ ظلم کیا ہے؟ حالانکہ میں نے رسول ﷺ سے سنا ہے کہ اگر کوئی شخص کسی کی ایک بالشت زمین بھی ظلم و زبردستی سے لے گا تو وہی سات زمینیں قیامت میں اس کے گلے کا ہار ہوں گی“ مروان نے قسم کھانے کو کہا یہ اپنی زمین سے باز آ گئے اور اس عورت کے حق میں بددعا کے طور پر فرمایا ”اے خدا! اگر یہ جھوٹی ہے تو اندھی ہو کر مرے اور اس کے گھر کا کنواں خود اس کے لئے قبر بنے، خدا کی قدرت بددعا کا تیر ٹھیک نشانہ پر لگا، وہ عورت بہت جلد بصارت کی نعمت سے محروم ہو گئی اور ایک روز گھر کے کنویں میں گر کر راہی عدم ہوئی، چنانچہ یہ واقعہ اہل مدینہ کے لئے ضرب المثل ہو گیا اور وہ عموماً یہ بددعا دینے لگے، اعماک اللہ کما اعمی اروی

حضرت سعیدؓ کے سامنے بہت سے انقلابات برپا ہوئے، بیسوں خانہ جنگیاں پیش آئیں اور گو وہ اپنے زہد و اتقاء کے باعث ان جھگڑوں سے ہمیشہ کنارہ کش رہے تاہم جس کی نسبت جو رائے رکھتے تھے اس کو آزادی کے ساتھ ظاہر کرنے میں شامل نہیں کرتے تھے، حضرت عثمانؓ شہید ہوئے تو وہ عموماً کوفہ کی مسجد میں فرمایا کرتے تھے، ”تم لوگوں نے عثمانؓ کے ساتھ جو سلوک کیا، اس سے اگر کوہ احد متزلزل ہو جائے تو کچھ عجب نہیں۔“

حضرت مغیرہ بن شعبہؓ امیر معاویہؓ کی طرف سے کوفہ کے گورنر، ایک روز وہ جامع مسجد میں عوام کے ایک حلقہ میں بیٹھے تھے کہ حضرت سعیدؓ بن زیدؓ داخل ہوئے تو انہوں نے نہایت تعظیم و تکریم کے ساتھ ان کا استقبال کیا اور اپنے پاس بٹھایا، اسی اثناء میں ایک دوسرا آدمی اندر آیا اور حضرت علیؓ کی شان میں ناپائیدار کلمات استعمال کرنے لگا، حضرت سعیدؓ سے ضبط نہ ہو سکا بولے ”مغیرہ! مغیرہ! لوگ تمہارے سامنے رسول ﷺ کے جان نثاروں کو گالیاں دیتے ہیں اور تم منع نہیں کرتے، اس کے بعد اصحاب عشرہؓ سے آٹھ آدمیوں کا نام لے کر فرمایا کہ رسول ﷺ نے ان کو جنت کی بشارت دی ہے اور اگر چاہو تو میں ان کو آدمی کا نام بھی لے سکتا ہوں، لوگوں نے اصرار کیا تو فرمایا ان میں ہوں۔“

حضرت سعیدؓ کے حالات کتب میں بہت کم ہیں تاہم وہ بالاتفاق ان صحابہ کرامؓ میں تھے جو

بخاری باب بنیان الکعبہ باب اسلام سعید بن زید

۲۔ مسند جلد ۱ ص ۱۸۷

۳۔ استیعاب جلد ۲ ص ۵۵۴

آسمان اسلام کے مہر و ماہ ہیں، وہ لڑائیوں میں آنحضرت ﷺ کے آگے رہتے تھے اور نماز میں پیچھے۔!

حلیہ یہ تھا : قد لمبا، بال بڑے بڑے اور گھنے۔

اہل و عیال..... حضرت سعیدؓ نے مختلف اوقات میں متعدد شادیاں کی تھیں، بیویوں کے نام یہ ہیں، فاطمہ، ام الجحیل، جلیسہ بنت سوید، امامہ بنت الدجیح، حزمہ بنت قیس، ام الاسود، بنت الاصح، بنت قریبہ، ام خالد، ام بشیر بنت ابی مسعود انصاری۔

ان بیویوں نیز لونڈیوں کے بطن سے نہایت کثرت کے ساتھ اولاد ہوئی، لیکن ان میں سے اکثر اولاد ہوئی، جن لڑکیوں اور لڑکوں کے نام معلوم ہو سکے، وہ علیحدہ علیحدہ درج ذیل ہیں۔
لڑکے..... عبدالرحمن اکبر، عبدالرحمن اصغر، عبداللہ اکبر، عبداللہ اصغر، عمراکبر، عمراصغر، محمد، اسود، زید، طلحہ، خالد، ابرہیم اکبر، ابرہیم اصغر۔

لڑکیاں..... عاتکہ، ام موسیٰ، ام الحسن، ام سلمیٰ، ام حبیب کبریٰ، ام حبیب صفری، ام زید کبریٰ، ام زید صفری، ام سعید، ام سلمہ، حفصہ، ام خالد، عائشہ، زینب، ام عبدالمحولا، ام صالح۔

سید الشہداء حضرت حمزہ بن عبدالمطلبؓ

نام و نسب حمزہ نام، ابو یعلیٰ اور ابو عمارہ کنیت، اسد اللہ لقب، آنحضرت ﷺ کے حقیقی چچا تھے، ماں کی طرف سے یہ تعلق تھا کہ ان کی والدہ ہالہ بنت وہیب سرور کائنات ﷺ کی والدہ حضرت آمنہ کی چچا زاد بہن تھیں، پورا سلسلہ نسب یہ ہے حمزہ بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبد مناف بن قصی۔

اس نسب تعلق کے علاوہ حضرت حمزہؓ آپ کے رضاعی بھائی بھی تھے، یعنی ابوہب کی لونڈی حضرت ثویبہؓ نے دونوں کو دودھ پلایا تھا، عمر میں حضور ﷺ سے دو برس بڑے تھے، شمشیر زنی، تیر اندازی اور پہلوانی کا بچپن ہی سے شوق تھا، سیر و شکار سے بھی غیر معمولی دلچسپی تھی چنانچہ زندگی کا بڑا حصہ اسی مشغلہ میں بسر ہوا۔

اسلام دعوت توحید کی صدا گواہ ایک عرصہ سے مکہ کی گھاٹیوں میں گونج رہی تھی، تاہم حضرت حمزہؓ جیسے سپاہی منش کو ان باتوں سے کیا تعلق؟ انہیں صحرا نوردی اور سیر و شکار سے کب فرصت تھی جو شرک و توحید کی حقانیت پر غور کرتے لیکن خدا نے عجیب طرح سے ان کی رہنمائی کی، ایک روز حسب معمول شکار سے واپس آ رہے تھے، کوہ صفا کے پاس پہنچے تو ایک لونڈی نے کہا ”ابو عمارہ! کاش تھوڑی دیر پہلے تم اپنے بھتیجے محمدؐ کا حال دیکھتے، وہ خانہ کعبہ میں اپنے مذہب کا وعظ کہہ رہے تھے کہ ابو جہل نے نہایت سخت گالیاں دیں اور بہت بری طرح ستایا، لیکن محمدؐ نے کچھ جواب نہ دیا اور بے بسی کے ساتھ لوٹ گئے، یہ سننا تھا کہ رگ حمیت میں جوش آ گیا، تیزی کے ساتھ خانہ کعبہ کی طرف بڑھے، ان کا قاعدہ تھا کہ شکار سے واپس آتے ہوئے کوئی راہ میں مل جاتا تو کھڑے ہو کر ضرور اس سے دو دو باتیں کر لیتے تھے، لیکن اس وقت جوش انتقام نے مغضوب الغضب کر دیا تھا، کسی طرف متوجہ نہ ہوئے اور سیدھے خانہ کعبہ پہنچ کر ابو جہل کے سر پر زور سے اپنی کمان دے ماری جس سے وہ زخمی ہو گیا، یہ دیکھ کر نبی مخزوم کے چند آدمی ابو جہل کی مدد کے لئے دوڑے اور بولے ”حمزہ! شاید تم بھی بد دین ہو گئے، فرمایا ”جب اس کی حقانیت مجھ پر ظاہر ہوگی تو کون چیز اس سے باز رکھ سکتی ہے؟ اہاں! میں گواہی دیتا ہوں کہ محمدؐ خدا کے رسول ہیں، اور جو کچھ وہ کہتے ہیں سب حق ہے، خدا کی قسم! میں اس سے پھر نہیں سکتا، اگر تم سچے ہو تو مجھے روک کر دیکھ لو“ ابو جہل نے کہا ابو عمارہ کو چھوڑ دو، خدا کی قسم! میں نے ابھی اس کے بھتیجے کو سخت گالیاں دی ہیں۔

یہ اسلام کا وہ زمانہ تھا کہ آنحضرت ﷺ ارقم بن ابی ارقم کے مکان میں پناہ گزین تھے، اور مؤمنین کا حلقہ صرف چند کمزور و ناتواں ہستیوں پر محدود تھا، لیکن حضرت حمزہؓ کے اضافہ سے دفعۃً حالت بدل گئی اور کفار کی مطلق العنان دست درازیوں اور ایذا رسانیوں کا سد باب ہو گیا، کیونکہ ان کی شجاعت و جانبازی کا تمام مکہ لوہا ماننا تھا۔

حضرت امیر حمزہؓ کے اسلام لانے کے بعد ایک روز حضرت عمرؓ نے آستانہ نبویؐ پر دستک دی، چونکہ شمشیر بکف تھے، اس لئے صحابہ کرام کو تردد ہوا لیکن اس شیر خدا نے کہا ”کچھ مضائقہ نہیں آنے دو، اگر مخلصانہ آیا ہے تو بہتر ورنہ اسی کی تلوار سے اس کا سر قلم کر دوں گا“، غرض وہ اندر داخل ہوئے اور کلمہ تو حیدان کی زبان پر تھا اور مسلمان جوش مسرت سے اللہ اکبر کے نعرے بلند کر رہے تھے۔

مواخات مکہ کی مواخات میں حضرت خیر الانام ﷺ کے محبوب غلام حضرت زید بن حارثہؓ حضرت حمزہؓ کے اسلامی بھائی قرار پائے ان کو حضرت زیدؓ سے اس قدر محبت ہو گئی تھی کہ جب غزوات میں تشریف لے جاتے تو ان ہی کو ہر قسم کی وصیت کر جاتے تھے۔

ہجرت بعثت کے تیرہویں سال تمام صحابہ کرامؓ کے ساتھ ہجرت کر کے مدینہ پہنچے، جہاں ان کو زور بازو اور خداداد شجاعت کے جوہر دکھانے کا نہایت اچھا موقع ہاتھ آیا، چنانچہ پہلا اسلامی پھریرا ان ہی کو عنایت ہوا، اور تین آدمیوں کے ساتھ ساحلی علاقہ کی طرف روانہ کیے گئے کہ قریشی قافلوں کے سدراہ ہوں، غرض وہاں پہنچ کر ابو جہل کے قافلہ سے جس میں تین سو سوار تھے ٹڈ بھڑ ہوئی اور طرفین نے جنگ کے لئے صف بندی کی، لیکن مجدی بن عمرو الجہنی نے بیچ بچاؤ کر کے لڑائی روک دی اور حضرت امیر حمزہؓ بغیر کشت و خون واپس آئے۔

غزوات اسی سال ماہ صفر میں خود سرور کائنات ﷺ نے سب سے پہلی دفعہ تقریباً ساٹھ صحابہ کرامؓ کے ساتھ قریش مکہ کی نقل و حرکت میں سدراہ ہونے کے لئے ابو اہر فوج کشی فرمائی، حضرت حمزہؓ علمبردار تھے اور تمام فوج کی کمان ان کے ہاتھ میں تھی، لیکن قریش کا قافلہ آگے بڑھ چکا تھا، اس لئے جنگ وجدل کا موقع پیش نہ آیا تاہم اس مہم کا سب سے زیادہ نتیجہ خیر اثر یہ تھا کہ بنو خمرہ سے ایک دوستانہ معاہدہ طے پا گیا۔

اسی طرح ۲ھ میں غزوہ عسیرہ پیش آیا، اس میں بھی علمبرداری کا طرہ افتخار حضرت امیر حمزہؓ کے دستار فضل و کمال پر آویزاں تھا، لیکن اس دفعہ بھی کوئی جنگ واقع نہ ہوئی اور صرف

۱۔ اسد الغابہ تذکرہ حمزہؓ

۲۔ طبقات ابن سعد قسم اول جز ۳، ص ۹۲

۳۔ طبقات ابن سعد قسم اول جز ۳، ثالث ۴۴ طبقات ابن سعد حصہ مغازی ص ۲

۵۔ طبقات ابن سعد حصہ مغازی ص ۳

بنو مدیج سے امداد باہمی کا ایک عہد نامہ طے پایا۔
 غزوہ بدر..... اسی سال بدر کا مشہور معرکہ پیش آیا، صف آرائی کے بعد عتبہ، شیبہ، اور ولید نے کفار کی طرف سے نکل کر مبارز طلبی کی تو غازیان دین میں سے چند انصار نو جوان مقابلہ کے لئے آگے بڑھے لیکن عتبہ نے پکار کر کہا ”محمد! ہم ناجنسوں سے نہیں لڑ سکتے، ہمارے مقابل والوں کو بھیجو“ ارشاد ہوا ”حمزہ رضی اللہ عنہ! اٹھو اور آگے بڑھو، حکم کی دیر تھی کہ یہ تینوں نبرد آزما بہادر نیزے ہلاتے ہوئے اپنے حریف کے مقابل جا کھڑے ہوئے، حضرت حمزہؓ نے پہلے ہی حملہ میں عتبہ کو واصل جہنم کیا، حضرت علیؓ بھی اپنے حریف پر غالب آئے، لیکن حضرت ابو عبیدہؓ اور ولیدؓ میں دیر تک کشمکش جاری رہی، وہ زخمی ہو گئے تو ان دونوں نے ایک ساتھ حملہ کر کے ان کو تے تیغ کر دیا، یہ دیکھ کر طعیمہ بن عدی جوش انتقام میں آگے بڑھے لیکن شیر خدا نے ایک ہی وار میں اس کو بھی ڈھیر کر دیا، مشرکین نے طیش میں آ کر عام ہلہ کر دیا، دوسری طرف سے مجاہدین اسلام بھی اپنے دلاوروں کو زغہ میں دیکھ کر ٹوٹ پڑے، نہایت گھمسان کارن پڑا، اسد اللہ حمزہؓ کے دستار پر شتر مرغ کی کلفی تھی اس لئے جس طرف گھس جاتے تھے صاف نظر آتے تھے، دونوں ہاتھ میں تلوار تھی اور مردانہ وار دوستی حملوں سے پرے کا پرا صاف کر رہے تھے، غرض جب تھوڑی دیر میں غنیم بہت سے قیدی اور مال غنیمت چھوڑ کر بھاگ کھڑا ہوا تو بعض قیدیوں سے پوچھا، ”یہ کلفی لگائے کون ہے؟“ لوگوں نے کہا ”حمزہ!“ بولا ”آج ہم کو سب سے زیادہ نقصان اسی نے پہنچایا“،
 غزوہ بنی قینقاع..... بنو قینقاع نام کی اطراف مدینہ میں یہودیوں کی ایک جماعت تھی، چونکہ یہ عبداللہ بن ابی سلول کے حلیف تھے، اس لئے رسول اللہ ﷺ سے دوستانہ معاہدہ طے پا گیا تھا، لیکن غزوہ بدر کی کامیابی نے ان کے دلوں میں رشک و حسد کی آگ بھڑکادی اور علانیہ سرکشی پر آمادہ ہو گئے، چنانچہ آنحضرت ﷺ نے اس عہد شکنی کے باعث اسی سال ماہ شوال میں ان پر فوج کشی فرمائی، اور بزور اطراف مدینہ سے جلا وطن کر دیا، حضرت حمزہؓ اس معرکہ میں بھی علمبرداری کے منصب پر مامور تھے۔

غزوہ احد..... بدر کی شکست فاش نے مشرکین قریش کے تو سن غیرت کے لئے تازیانہ کا کام کیا اور جوش انتقام سے برا بھلا ہو کر ۳ھ میں قریش کا سیلاب عظیم پھر مدینہ کی طرف بڑھا، حضرت سرور کائنات ﷺ نے اپنے جان نثاروں کے ساتھ نکل کر کوہ احد کے دامن میں اس کو روکا، ۷ شوال ہفتہ کے دن لڑائی شروع ہوئی، کفار کی طرف سے سباع نے بڑھ کر مبارز طلبی کی تو حضرت امیر حمزہؓ اپنی شمشیر خارا شکاف تولتے ہوئے میدان میں آئے اور لاکر کہا ”اے سباع!

اے ام انمار مضغہ نجس کے بچے! کیا تو خدا اور اس کے رسول سے لڑنے آیا ہے؟ یہ کہہ کر اس زور سے حملہ کیا کہ ایک ہی وار میں اس کا کام تمام ہو گیا، اس کے بعد گھمسان کی جنگ شروع ہوئی، اس شیر خدا نے روباہ کفر کے نڈی دل میں گھس کر کشتوں کے پستے لگا دیئے اور جس طرف جھک پڑے صفیں کی صفیں الٹ دیں، غرض اس جوش سے لڑے کے تنہا تین کافروں کو واصل جہنم کر دیا، شہادت حضرت امیر حمزہؓ نے چونکہ جنگ بدر میں چن چن کر اکثر صنادید قریش کو تیغ کیا تھا اس لئے تمام مشرکین قریش سب سے زیادہ ان کے خون کے پیاسے تھے، چنانچہ جیسر بن مطعم نے ایک غلام کو جس کا نام وحشی تھا، اپنے چچا طعیمہ بن عدی کے انتقام پر خاص طور سے تیار کیا تھا اور اس صلہ میں آزادی کا لالچ دلایا تھا، غرض وہ جنگ احد کے موقع پر ایک چٹان کے پیچھے گھات میں بیٹھا ہوا حضرت حمزہؓ کا انتظار کر رہا تھا، اتفاقاً وہ ایک دفعہ قریب سے گزرے تو اس نے اچانک اس زور سے اپنا حربہ پھینک کر مارا کہ دو ٹکڑے ہو کر گر پڑے، اس شیر خدا کی شہادت پر کفار کی عورتوں نے خوشی و مسرت کے ترانے گائے، ابوسفیانؓ کی بیوی ہندہ بنت عتبہ نے ناک کان کاٹ کر زیور بنائے، نیز شکم چاک کر کے جگر نکالا اور چبا چبا کر تھوک دیا، حضرت سرور کائنات ﷺ نے سنا تو پوچھا ”کیا اس نے کچھ کھایا بھی ہے“ لوگوں نے عرض کی نہیں ”فرمایا اے خدا! حمزہ کے کسی جزو کو جہنم میں داخل ہونے نہ دینا“،

تجہیز و تکفین اختتام جنگ کے بعد شہدائے اسلام کی تجہیز و تکفین شروع ہوئی، حضرت سرور کائنات ﷺ اپنے عم محترم کی لاش پر تشریف لائے، چونکہ ہندہ نے ناک کان کاٹ کر نہات دردناک صورت بنا دی تھی، اس لئے یہ منظر دیکھ کر بے اختیار دل بھرا آیا اور مخاطب ہو کر فرمایا: تم پر خدا کی رحمت ہے، کیونکہ تم رشتہ داروں کا سب سے زیادہ خیال رکھتے تھے، نیک کاموں میں پیش پیش رہتے تھے، اگر مجھے صفیہ کے رنج و غم کا خیال نہ ہوتا تو میں تمہیں اسی طرح چھوڑ دیتا کہ درند اور پرند کھا جائیں، اور تم قیامت میں ان ہی کے شکم سے اٹھائے جاتے، خدا کی قسم! مجھ پر تمہارا انتقام واجب ہے، میں تمہارے عوض ستر کافروں کا مشلہ کروں گا، لیکن تھوڑی ہی دیر کے بعد وحی الہی نے اس ناجائز انتقام کی ممانعت کر دی، اس لئے کفارہ یمین ادا کر کے صبر و شکیبائی اختیار فرمائی،

حضرت صفیہؓ حضرت امیر حمزہؓ کی حقیقی بہن تھیں، بھائی کی شہادت کا حال سنا تو روتے ہوئے جنازہ کے پاس آئیں، لیکن آنحضرت ﷺ نے دیکھنے نہ دی اور تسلی و تشفی دے کر واپس فرمایا، حضرت صفیہؓ اپنے صاحبزادہ حضرت زبیرؓ کو دو چادریں دے گئی تھیں کہ ان سے کفن کا

۱ بخاری کتاب المغازی باب قتال حمزہؓ، ۲ اسد الغابہ تذکرہ حمزہؓ،

۳ بخاری باب قتال حمزہؓ، ۴ طبقات ابن سعد قسم اول جز ثانی ص ۷

۵ طبقات ابن سعد قسم اول جز ثانی ص ۷

کام لیا جائے، لیکن پہلو میں ایک انصاری کی لاش بھی بے گور و کفن تھی، اس لئے انہوں نے دونوں شہیدان ملت میں ایک ایک چادر تقسیم کر دی، اس ایک چادر سے سر چھپایا جاتا تو پاؤں کھل جاتے اور پاؤں چھپائے جاتے تو سر برہنہ ہو جاتا تھا، آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ چادر سے چہرہ چھپا دو اور پاؤں پر گھاس اور پتے ڈال دو غرض اس عبرت انگیز طریقہ سے سید الشہداء کا جنازہ تیار ہوا، سرور کائنات ﷺ نے خود نماز جنازہ پڑھائی، اس کے بعد ایک ایک کر کے شہدائے احد کے جنازے ان کے پہلو میں رکھے گئے اور آپ نے علیحدہ علیحدہ ہر ایک پر نماز جنازہ پڑھائی، اسی طرح تقریباً ستر نمازوں کے بعد غازیان دین نے بھدا اندوہ والہ اس شیر خدا کو اسی میدان میں سپرد خاک کیا۔

آنحضرت ﷺ کا حزن و ملال..... سرور کائنات ﷺ کو اس سانحہ پر شدید قلق تھا، مدینہ منورہ تشریف لائے اور بنی عبدالاشہل کی عورتوں کو اپنے اپنے اعزہ و اقارب پر روتے سنا تو فرمایا ”افسوس! حمزہؓ کے لئے رونے والیاں بھی نہیں“ انصار نے یہ سن کر اپنی عورتوں کو آستانہ نبوت پر بھیج دیا، جنہوں نے نہایت رقت آمیز طریقہ سے سید الشہداء پر گریہ و زاری شروع کی، اسی حالت میں آنحضرت ﷺ کی آنکھ لگ گئی، کچھ دیر کے بعد بیدار ہوئے تو دیکھا کہ وہ اب تک رو رہی ہیں، فرمایا کیا ”یہ سب اب تک یہیں بیٹھی رو رہی ہیں، انہیں حکم دو کہ واپس جائیں اور آج کے بعد پھر کسی مرنے والے پر نہ روئیں“ بیان کیا جاتا ہے کہ اس وقت سے مدینہ کی عورتوں کا یہی دستور ہو گیا تھا کہ جب وہ کسی پر روتی تھیں تو پہلے حضرت امیر حمزہؓ پر دو آنسو بہا لیتی تھیں۔

قاتل سے بیزاری..... حضرت حمزہؓ کے قاتل وحشیؓ اسلام قبول کر کے بارگاہ نبوت میں حاضر ہوئے تو آنحضرت ﷺ نے دیکھ کر پوچھا ”کیا تم ہی وحشی ہو؟“ عرض کی ”ہاں“ فرمایا ”تم نے حمزہؓ کو قتل کیا تھا؟“ بولے ”حضور کو جو کچھ معلوم ہوا وہ صحیح ہے“ ارشاد ہوا ”کیا تم اپنا چہرہ مجھ سے چھپا سکتے ہو؟ غرض اسی وقت باہر آنا پڑا، اور پھر تمام عمر سامنے نہ جاسکے، آنحضرت ﷺ کے بعد جب مسلمان کذاب پر فوج کشی ہوئی تو یہ بھی اس میں شریک ہوئے کہ شاید میں اس کو قتل کر کے حمزہؓ کے نقصان کی تلافی کر سکوں، چنانچہ وہ اس ارادہ میں کامیاب ہوئے، ۳۱ اس طرح خدا نے ان کی ذات سے اسلام کو جس قدر نقصان پہنچایا تھا اس سے زیادہ فائدہ پہنچایا۔

اخلاق..... حضرت امیر حمزہؓ کے اخلاق میں سپاہیانہ خصائل نہایت نمایاں ہیں، شجاعت جانبازی، اور بہادری ان کے مخصوص اوصاف تھے، مزاج قدرۃ تیز و تند تھا، شراب حرام ہونے سے پہلے اس کے عادی تھے، ایک دفعہ ایک انصار کے میخانہ میں صحبت احباب گرم تھی، اور دور ساغر کے ساتھ ایک رتا صہ کی خوش الحان راگنیوں سے محل کا رنگ جما ہوا تھا، اسی حالت میں

اس نے دواؤنٹوں کی طرف اشارہ کر کے جو سامنے بندھے ہوئے تھے یہ مصرعہ پڑھا

الایا حمزة للشرف النواء

حضرت حمزہؓ کی مدہوشی میں بے اختیار کودے اور دونوں کے جگر اور کوہان کاٹ لائے، یہ اونٹ حضرت علیؓ کے تھے، انہوں نے یہ حال دیکھا تو آبدیدہ ہو کر دربار نبوت میں شکایت کی، آنحضرت ﷺ ان کو اور حضرت زید بن حارثہؓ کو ساتھ لئے ہوئے اسی وقت اس محفل طرب میں تشریف لائے اور حضرت حمزہؓ کو ملامت فرمانے لگے، لیکن یہاں ہوش و حواس کا قبضہ ہو چکا تھا، انہوں نے ایک دفعہ سر سے پاؤں تک آنحضرت ﷺ کو گھور کر دیکھا اور آنکھیں لال پیلی کر کے بولے ”تم سب میرے باپ کے غلام ہو، آپ نے مدہوشی کی یہ کیفیت دیکھی تو اٹنے پاؤں لوٹ آئے۔“

حضرت امیر حمزہؓ رشتہ داروں کے ساتھ حسن سلوک اور تمام نیک کاموں میں ہمیشہ پیش پیش رہتے تھے، چنانچہ شہادت کے بعد آنحضرت ﷺ نے ان کی لاش سے مخاطب ہو کر اس طرح ان محاسن کی داد دی تھی۔

رحمة الله عليك فانك كنت ما علمت وصولا للرحم فعولا

للخيرات، ۲

”تم پر خدا کی رحمت ہو کیونکہ جہاں تک مجھے معلوم ہے تم قرابت داری کا

سب سے زیادہ خیال رکھتے تھے، نیک کاموں میں پیش پیش رہتے تھے،“

ازواج و اولاد..... حضرت حمزہؓ نے متعدد شادیاں کیں، بیویوں کے نام یہ ہیں، بنت المملہ، خولہ بنت قیس، سلمیٰ بنت عمیس، ان میں سے ہر ایک کے بطن سے اولاد ہوئی، لڑکوں کے نام یہ ہیں، ابویعلیٰ، عامر، عمارہ آخر الذکر دونوں لا ولد فوت ہوئے، ابویعلیٰ سے چند اولادیں ہوئیں لیکن وہ سب بچپن ہی میں قضا کر گئیں، اس طرح حضرت حمزہؓ کا سلسلہ نسل شروع ہی میں منقطع ہو گیا، سلمیٰ بنت عمیس کے بطن سے امامہ نامی ایک لڑکی بھی تھی، فتح مکہ کے بعد رسول اللہ ﷺ نے مراجعت فرمائی تو بھائی بھائی کہہ کر اس نے پیچھا کیا، حضرت حمزہؓ کے رشتہ داروں میں سے حضرت علیؓ، حضرت جعفرؓ، اور حضرت زید بن حارثہؓ نے ان کو اپنی اپنی تربیت میں لینے کا دعویٰ پیش کیا، لیکن آپ نے حضرت جعفرؓ کے حق میں فیصلہ دیا کیونکہ ان کی بیوی اسماء بنت عمیس امامہؓ کی حقیقی خالہ تھیں، حضرت علیؓ نے آنحضرت ﷺ کو امامہؓ سے شادی کر لینے کی ترغیب دی تھی، لیکن آپ نے انکار کر دیا اور فرمایا حمزہؓ میرا رضاعی بھائی تھا۔

۲ طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث ص ۷

۱ بخاری کتاب فرض الخمس

۳ طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث ص ۷

۴ طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث ص ۷

حضرت عباس بن عبدالمطلبؓ

نام و نسب عباس نام، ابو الفضل کنیت، والد کا نام عبدالمطلب اور والدہ کا نام ثعلبہ تھا شجرہ نسب یہ ہے۔

عباس بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبدالمنفی البہاشمی القرشی۔
آنحضرت ﷺ کے چچا تھے، لیکن عمر میں کچھ زیادہ فرق نہ تھا، غالباً حضرت عباسؓ دو یا تین برس آپ سے پہلے پیدا ہوئے تھے۔

ابتدائی حالات حضرت عباسؓ عہد طفولیت میں ایک مرتبہ گم ہو گئے تھے، ان کی والدہ نے خانہ کعبہ پر غلاف چڑھانے کی نذر مانی، چنانچہ ان کے حج و سلامت مل جانے کے بعد نہایت تزک و احتشام کے ساتھ یہ نذر پوری کی گئی، بیان کیا جاتا ہے کہ یہ پہلی عرب خاتون تھی، جنہوں نے ایام جاہلیت میں خانہ کعبہ کو دیبا و حریر سے مزین کیا۔

زمانہ جاہلیت وہ قریش کے ایک سربراہ اور ردہ رئیس تھے، خانہ کعبہ کا اہتمام و انصرام اور لوگوں کو پانی پلانے کا عہدہ ان کو اپنے والد عبدالمطلب سے وراثت میں ملا تھا۔

آنحضرت ﷺ کو خلعت نبوت عطا ہوا اور آپ نے مکہ میں علانیہ دعوت تو حید کی صدا بلند فرمائی تو حضرت عباسؓ نے گو بظاہر ایک عرصہ تک بیعت کے لئے ہاتھ نہیں بڑھایا، تاہم دل سے وہ اس تحریک کے حامی تھے، چنانچہ اہل یثرب نے جب رسالت پناہ ﷺ کو مدینہ تشریف لانے کی دعوت دی اور زمانہ حج میں بہتر انصار نے کفار سے چھپ کر منیٰ کی ایک گھائی میں آنحضرت ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کی اور اس ازداری کے موقع پر حضرت عباسؓ بھی موجود تھے، انہوں نے انصار سے خطاب کر کے کہا ”گروہ خزرج! تم کو معلوم ہے کہ محمد ﷺ اپنے خاندان میں معزز و محترم رہے ہیں اور دشمنوں کے مقابلہ میں ہم نے ہمیشہ ان کی حفاظت کی ہے، اب وہ تمہارے پاس جانا چاہتے ہیں، اگر مرتے دم تک ان کا ساتھ دے سکو تو بہتر ورنہ ابھی سے صاف جواب دے دو۔“ انصارؓ نے اس کو جواب میں جانثاری و وفا شعار کی حامی بھری اور اس کے کچھ عرصہ کے بعد ہی آنحضرت ﷺ ہجرت کر کے مدینہ تشریف لے گئے۔

۱۔ استیعاب تذکرہ عباس بن عبدالمطلبؓ،

۳۱۰

۲۔ اسد الغابہ جلد ۳ ص ۱۰۹،

۳۔ سیرت ابن ہشام جلد اول ص ۳۴۲،

جنگ بدر..... مشرکین قریش کے مجبور کرنے پر ان کے ساتھ معرکہ بدر میں شریک ہوئے، لیکن رسول اللہ ﷺ حقیقت حال سے آگاہ تھے، آپ نے صحابہ کرامؓ کو ہدایت فرمائی کہ اگر اٹھا ئے جنگ میں ابوالخترؓ کی عباس اور دوسرے بنی ہاشم سامنے آجائیں تو قتل نہ کیے جائیں، کیونکہ وہ زبردستی میدان میں لائے گئے ہیں، حضرت ابو حذیفہؓ بول اٹھے کہ ”ہم اپنے باپ، بیٹے، بھائی سے درگزر نہیں کرتے، تو بنی ہاشم میں کیا خصوصیت ہے؟ واللہ! اگر عباس مجھ کو ہاتھ آئیں گے تو میں ان کو تلوار کی لگام دوں گا، آنحضرت ﷺ نے حضرت عمرؓ کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا ”ابو حفص! دیکھتے ہو، عم رسول کا چہرہ تلوار کے قابل ہے؟“ حضرت عمرؓ نے کہا ”اجازت دیجئے کہ اس کا سراڑ اڑوں“، لیکن حضرت ابو حذیفہؓ ایک بلند پایہ صحابی تھے، یہ جملہ اتفاقاً زبان سے نکل گیا تھا آپ نے کچھ مواخذہ نہ فرمایا۔

اس جنگ میں دوسرے مشرکین قریش کے ساتھ حضرت عباسؓ، عقیلؓ اور نوفل بن حارث بھی گرفتار ہوئے تھے، اتفاق سے حضرت عباسؓ کی مشکیں اس قدر کس کر باندھی گئی تھیں کی وہ دردناک آواز کے ساتھ کرا رہے تھے، یہاں تک کہ آنحضرت ﷺ انکی کراہ سن کر رات کو آرام نہ فرما سکے، صحابہ کرامؓ کو معلوم ہوا تو انہوں نے ان کی مشکیں ڈھیلی کر دیں۔

اسیران جنگ کے پاس کپڑے نہ تھے، آنحضرت ﷺ نے سب کو کپڑے دلوائے لیکن حضرت عباسؓ کا قد اس قدر اونچا تھا کہ کسی کا کرتا، ان کے بدن پر ٹھیک نہیں اترتا تھا، عبداللہ بن ابی نے جو کہ حضرت عباسؓ کا ہم قد تھا، اپنا کرتا منگوا کر دیا، آنحضرت ﷺ نے منافق ہونے کے باوجود مرنے کے بعد اس کی لاش کو اپنا کرتا پہنانے کے لئے دیا، وہ درحقیقت اسی احسان کا معاوضہ تھا۔ دربار رسالت نے قیدیوں کو فدیہ لے کر چھوڑ دینے کا فیصلہ کیا، چونکہ حضرت عباسؓ کی والدہ انصار کے ایک قبیلہ (خزرج سے تھیں) اس لئے انہوں نے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی کہ عباسؓ ہمارے بھانجے ہیں، ہم ان کا فدیہ چھوڑ دیتے ہیں، لیکن آنحضرت ﷺ نے مساوات کی بنا پر گوارہ نہیں فرمایا اور دولت مند ہونے کے باعث ان سے ایک بڑی رقم طلب فرمائی، حضرت عباسؓ نے ناداری کا عذر پیش کر کے کہا ”میں دل سے پہلے ہی مسلمان ہو چکا تھا، مشرکین نے مجھ کو بھجور اس جنگ میں شریک کیا، ارشاد ہوا کہ دل کا حال خدا جانتا ہے اگر آپ کا دعویٰ صحیح ہے تو خدا اس کا اجر دے گا، لیکن ظاہری حالت کے لحاظ سے کوئی رعایت نہیں ہو سکتی، ناداری کا عذر بھی قابل تسلیم نہیں کیونکہ مجھے معلوم ہے کہ آپ مکہ میں ام الفضل کے پاس ایک بڑی رقم رکھ آئے ہیں، حضرت عباسؓ نے متعجب ہو کر کہا خدا کی قسم! اس رقم کا حال میرے

۱۔ ابن سعد قسم اول جزء ۵ ص ۵

۲۔ ابن سعد قسم اول جزء ۴ ص ۷،

۳۔ بخاری جلد ۲ ص ۵۷۲

۴۔ طبقات ابن سعد قسم اول دور درج ص ۷،

اور ام الفضل کے سوا کوئی نہیں جانتا تھا، بے شک آپ رسول خدا ہیں اور اپنی طرف سے نیز اپنے بھتیجے عقیل و نوفل بن حارث کی طرف سے گرانقدر فدیہ دے کر مخلص حاصل کی۔

تاخیر اسلام اور قیام مکہ کی غایت..... حضرت عباسؓ کا ایک عرصہ تک مکہ میں مقیم رہنا اور علانیہ دائرہ اسلام میں داخل نہ ہونا درحقیقت ایک مصلحت پر مبنی تھا، وہ کفار مکہ کی نقل و حرکت اور ان کے راز ہائے سر بستہ سے رسول ﷺ کو اطلاع دیتے تھے، نیز اس سر زمین کفر میں جو ضعفائے اسلام رہ گئے تھے ان کے لئے تنہا مامن و ملجأ تھے، یہی وجہ ہے کہ حضرت عباسؓ نے جب کبھی رسالت پناہ ﷺ سے ہجرت کی اجازت طلب کی تو آپؐ نے باز رکھا اور فرمایا کہ ”آپ کا مکہ میں مقیم رہنا بہتر ہے، خدا نے جس طرح مجھ پر نبوت ختم کی ہے اسی طرح آپ پر ہجرت ختم کرے گا“۔

گو حضرت عباسؓ نے عرصہ تک اپنے ایمان و عقیدہ کو مشرکین قریش سے مخفی رکھا تاہم وہ اپنے دلی رجحان کو چھپانہ سکے، ایک مرتبہ حضرت حجاج بن علاط آنحضرت ﷺ سے اجازت لے کر مکہ آئے، اس زمانہ میں جنگ خیبر درپیش تھی، اور اہل مکہ نہایت بے چینی کے ساتھ اس کے نتیجہ پر آنکھیں لگائے ہوئے تھے، لوگوں نے ان کو مدینہ کی طرف سے آتے ہوئے دیکھ کر گھیر لیا اور جنگ کی خبر پوچھی بولے ”خیبر کی جنگ میں مسلمانوں کو نہایت عبرت ناک شکست ملی، محمد ﷺ گرفتار ہوئے، اور ان کے اکثر جان نثار قتل کیے گئے ہیں، اپنا مال لینے آیا ہوں کہ دوسرے تاجروں کو خبر نہ ہونے سے پہلے اہل خیبر سے تمام مال غنیمت خرید لو۔

اس خبر سے یکا یک تمام مکہ میں خوشی و مسرت کی لہر دوڑ گئی، وادی بطنجا کا ہر بچہ بادہ انبساط سے محمور ہو گیا، گھر گھر خوشی کے ترانے گائے جانے لگے، لیکن حضرت عباسؓ کا گھر ماتم کدہ تھا، وہ افسردہ دل اور مغموم صورت حجاج بن علاطؓ سے تخیلہ میں ملے اور پوچھا ”حجاج! کیا یہ خبر صحیح ہے!“ بولے ”نہیں!، خدا کی قسم آپ کے لئے نہایت خوش آئند خبر ہے، خدا نے آپ کے بھتیجے کو خیبر پر کامل فتح عطا فرمائی، اکثر روسائے خیبر قتل کیے گئے ان کا تمام مال و اسباب مجاہدین اسلام کے ہاتھ آیا اور میں نے رسول ﷺ کو اس حال میں چھوڑا کہ خیبر کی شہزادی داخل حرم ہو رہی تھی، میں اسلام قبول کر چکا ہوں، اور یہاں صرف اس لئے آیا ہوں کہ بلطائف الخیل اپنا مال لے کر رسول ﷺ سے جاملوں، آپ میرے جانے کے بعد تین دن تک اس خبر کو پوشیدہ رکھیں، کیوں کہ مجھے تعاقب کا خوف ہے۔“

حضرت عباسؓ کی مسرت و انبساط کی کوئی انتہا نہ رہی، وہ بمشکل تین دن تک اس کو چھپا سکے اور چوتھے روز نہادھو کر اور بیش قیمت کپڑے زیب بدن کر کے ہاتھ میں عصا لئے ہوئے

خانہ کعبہ آئے اور طواف کرنے لگے، لوگوں نے چھیڑ کر کہا، ”خدا کی قسم! یہ مصیبت پر اظہار صبر ہے“ بولے ”قسم ہے اس ذات کی جس کی تم نے قسم کھائی ہرگز نہیں! بالکل غلط ہے، خیبر فتح ہو گیا اور اس کا ایک ایک چپہ محمد ﷺ اور ان کے اصحاب کے تصرف میں ہے“، لوگوں نے تعجب سے پوچھا ”یہ خبر کہاں سے آئی؟“ فرمایا حجاج بن علاط نے بیان کیا جو اسلام قبول کر چکے ہیں اور یہاں شخص اپنا مال لینے آئے تھے، اس حقیقت نے مشرکین مکہ کی تمام مسرت خاک میں ملا دی اور وہ ایک فریب خوردہ دشمن کی طرح دانت پیسنے لگے۔

اسلام و ہجرت فتح مکہ سے کچھ عرصہ پہلے حضرت عباسؓ کو ہجرت کی اجازت مل گئی، چنانچہ وہ مع اہل و عیال رسول ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور علانیہ بیعت کر کے مستقل طور سے مدینہ میں سکونت پذیر ہوئے۔

غزوات مکہ کی فوج کشی میں شریک تھے، حنین کی جنگ میں حضرت خیر الانام (نبی ﷺ) کے ہمراہ تھے، اور ہزار رسالت کی باگ تھامے ہوئے ساتھ ساتھ دوڑتے تھے فرماتے ہیں کہ اثنائے جنگ میں جب کفار کا غلبہ ہوا اور مسلمانوں کے منہ پھر گئے، تو ارشاد ہوا ”عباس! نیزہ برداروں کو آواز دو“ فطرۃ میری آواز نہایت بلند تھی، میں نے ”این اصحاب السمرہ؟“ کا نعرہ مارا تو سب کے سب یکا یک پلٹ پڑے اور مسلمانوں کا بگڑا ہوا کھیل بن گیا، ۲۰ محاصرہ طا کف، غزوہ تبوک اور حجتہ الوداع میں بھی شریک تھے۔

آنحضرت ﷺ کی وفات حجتہ الوداع سے واپس آ کر آنحضرت ﷺ بیمار ہوئے، مرض روز بڑھتا گیا، حضرت علیؓ، حضرت عباسؓ اور دوسرے بنی ہاشم تیمارداری کی خدمت انجام دیتے تھے، وفات کے دن حضرت علیؓ باہر نکلے، لوگوں نے پوچھا کہ رسول اللہ ﷺ کا مزاج کیسا ہے؟ چونکہ بظاہر حالت سنبھل گئی تھی، اس لئے انہوں نے کہا کہ ”خدا کے فضل سے اب اچھے ہیں“۔ لیکن حضرت عباسؓ خاندان کا دیرینہ تجربہ رکھتے تھے، انہوں نے حضرت علیؓ کا ہاتھ پکڑ کر کہا ”تمہارا کیا خیال ہے؟ خدا کی قسم! تین دن کے بعد تم غلامی کرو گے، میں آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں کہ رسول اللہ ﷺ اس مرض میں وفات پائیں گے کیونکہ میں خاندان عبدالمطلب کے چہروں سے موت کا اندازہ کر سکتا ہوں، مآؤ چلو رسول اللہ ﷺ سے پوچھ لیں کہ آپ کے بعد منصب خلافت کس کو حاصل ہوگا، اگر ہم مستحق ہیں تو معلوم ہو جائے گا، ورنہ عرض کریں گے کہ ہمارے لئے وصیت فرما جائیں، حضرت علیؓ نے کہا ”خدا کی قسم میں نہ پوچھوں گا، اگر پوچھنے پر آپ نے انکار کر دیا تو پھر آئندہ ہمیشہ کے لئے اس سے محروم ہو جاؤں گا“، حضرت علیؓ کے انکار سے حضرت عباسؓ کو بھی جرأت نہ ہوئی۔

غرض آنحضرت ﷺ نے اسی روز وفات پائی، حضرت عباسؓ نے حضرت علیؓ اور دوسرے بنو ہاشم کی مدد سے تجہیز و تکفین کی خدمت انجام دی، چونکہ وہ آنحضرت ﷺ کے عم محترم تھے، خاندان ہاشم میں سب سے معمر تھے، اس لئے تعزیت و ماتم پر ہی کے خیال سے لوگ ان ہی کے پاس آئے۔

بارگاہ نبوت میں اعزاز..... آنحضرت ﷺ اپنے عم محترم کی نہایت تعظیم و توقیر فرماتے تھے اور ان کی معمولی اذیت سے بھی آپ کو تکلیف ہوتی تھی، ایک مرتبہ انہوں نے بارگاہ نبوت میں شکایت کی کہ قریش جب باہم ملتے ہیں تو ان کے چہروں پر تازگی و شگفتگی برسی ہے، لیکن جب ہم سے ملتے ہیں تو بشارت کے بجائے برہمی کے آثار نمایاں ہوتے ہیں، آنحضرت ﷺ یہ سن کر غضبناک ہوئے اور فرمایا ”قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے جو شخص خدا اور رسول کے لئے تم لوگوں سے محبت نہ کرے گا اس کے دل میں نور ایمان نہ ہوگا، چچا باپ کا قائم مقام ہے۔“

ایک دفعہ حضرت عمر بن خطابؓ مدینہ کے محصل مقرر ہوئے، انہوں نے حسب قاعدہ حضرت عباسؓ سے بھی رقم طلب کی، انہوں نے انکار کیا تو حضرت عمرؓ نے سختی سے تقاضا کیا، اور آنحضرت ﷺ سے جا کر صورت واقعہ عرض کی، آپ نے فرمایا کہ تم عباسؓ سے کیا چاہتے ہو؟ بدر کے فدیہ میں تم ان سے بہت کچھ لے چکے، عباسؓ رسول خدا کا چچا ہے اور چچا باپ ہی کا قائم مقام ہے۔۱
خلفائے راشدین..... آنحضرت ﷺ کے بعد خلفائے راشدین نے بھی حضرت عباسؓ کی عزت و احترام کا مخصوص لحاظ رکھا، حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ اگر کبھی گھوڑے پر سوار ہو کر ان کی طرف سے گذرتے تو تعظیماً اتر پڑتے، اور فرماتے کہ ”یہ رسول اللہ ﷺ کے عم محترم ہیں۔“
حضرت عمرؓ اکثر ان کو اپنے مشوروں میں شریک کرتے تھے اور قحط و خشک سالی کے موقعوں پر ان سے دعائیں کراتے تھے، قحط عام الرمادہ کے موقع پر حضرت عمرؓ نے منبر پر کھڑے ہو کر کہا ”خدا یا! پہلے ہم رسول ﷺ کا وسیلہ پکڑ کر حاضر ہوتے تھے، اور اب ہم آنحضرت ﷺ کے عم محترم کا وسیلہ لے کر آئے ہیں، ان کے طفیل میں ہم کو سیراب کر“، ان کے بعد حضرت عباسؓ نے منبر پر بیٹھ کر دعا کے لئے ہاتھ اٹھایا تو یکایک صاف و شفاف آسمان پر لکھ ہائے ابر نمودار ہوئے اور ٹھوڑی ہی دیر میں باران رحمت سے تمام کوہ و بیابان جل تھل ہو گئے حضرت حسان بن ثابتؓ نے اس واقعہ کو اس طرح نظم کیا ہے۔

۱۔ استیعاب تذکرہ عباس بن عبدالمطلب

۲۔ جامع ترمذی مناقب حضرت عباسؓ مسند جلد ۱ ص ۲۰۷

۳۔ جامع ترمذی وغیرہ مناقب عباسؓ

۴۔ استیعاب تذکرہ عباسؓ ۵۔ بخاری جلد ۱ ص ۵۲۶

سال الامام و قد تبايع جد بنا
فسقى الغمام بعزة العباس
امام کے دعا مانگنے پر بھی خشک سالی بڑھتی گئی لیکن عباس کی شرافت کے طفیل
میں ابر نے سیراب کر دیا

عم النبي و صنو والده الذي
ورث النبي بذاك دون الناس
”وہ آنحضرت ﷺ کے چچا اور آپ کے والد کے حقیقی بھائی ہیں انہوں نے
تمام لوگوں کے مقابلہ میں رسول ﷺ کی وراثت پائی۔“

احیی الاله به البلا دفا صبحت
محضرة الاجناب بعد الباس
”ان کے طفیل میں خدا نے ملک کو زندہ کر دیا اور ناامیدی کے بعد پھر تمام
میدان سرسبز ہو گئے۔“

چونکہ یہ بارش نہایت غیر متوقع تھی، اس لئے لوگ فرط مسرت سے ان کے ہاتھ پاؤں چوم
چوم کر کہتے تھے ”ساقی حرمین! مبارک ہو، ساقی حرمین! مبارک ہو!“
وفات..... حضرت عباسؓ اٹھاسی (۸۸) برس کی عمر پا کر ۳۲ھ میں بمابہ رجب یارمضان
جمعہ کے روز رہ گزین عالم جاوداں ہوئے، خلیفہ ثالثؓ نے نماز جنازہ پڑھائی اور حضرت عبداللہ
بن عباسؓ نے قبر میں اتر کر سپرد خاک کیا۔
اخلاق..... حضرت عباسؓ نہایت فیاض، مہمان نواز اور رحم دل تھے، حضرت سعد بن ابی
وقاصؓ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ مقام بقیع میں آنحضرت ﷺ نے حضرت عباسؓ کو آتے دیکھ کر
فرمایا ”عباسؓ عم رسول ہیں، یہ قریش میں سب سے زیادہ کشادہ دست ہیں اور اپنے رشتہ
داروں کا خیال رکھتے ہیں۔“ ۱۱

دل نہایت نرم تھا، دعا کے لئے ہاتھ اٹھاتے تو آنکھوں سے سیل اشک رواں ہو جاتا، یہی
وجہ ہے کہ ان کی دعاؤں میں خاص اثر ہوتا تھا۔

تمول و ذریعہ معاش..... حضرت عباسؓ ایام جاہلیت میں نہایت متمول تھے، چنانچہ
جنگ بدر کے موقع پر رسول اللہ ﷺ نے ان سے بیس اوقیہ سونا فدیہ لیا تھا جو دوسرے قیدیوں کے

۱۱ استیعاب تذکرہ عباس بن عبدالمطلب،

۱۲ استیعاب تذکرہ عباس بن عبدالمطلب،

۱۳ اسد الغابہ جلد ۳ ص ۱۰۱

مقابلہ میں بہت زیادہ تھا۔^۱ تجارت ذریعہ معاش تھی، ساتھ ہی وہ سودی لین دین بھی کرتے تھے، لوگوں کو سود پر قرض دیتے تھے، یہ سلسلہ فتح مکہ تک قائم رہا، حجۃ الوداع کے موقع پر محرم ۱۰ھ میں آنحضرت ﷺ نے جب اپنا مشہور آخری خطبہ دیا تو اس میں فرمایا ”آج سے عرب کے تمام سودی کاروبار بند کئے گئے اور سب سے پہلا سودی کاروبار جس کو میں بند کرتا ہوں وہ عباس بن عبدالمطلب کا ہے۔“^۲ آنحضرت ﷺ مال غنیمت کے خمس اور فدک کی آمدنی سے بھی ان کی اعانت فرماتے تھے رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد انہوں نے حضرت فاطمہؓ کے ساتھ خلیفہ سے فدک اور آنحضرت ﷺ کی دوسری متروکہ جائیداد میں وراثت کا مطالبہ کیا لیکن ”لانورث ماتر کنا صدقۃ“ کی حدیث سن کر خاموش ہو گئے۔

حضرت عمرؓ نے اپنے عہد خلافت میں باغ فدک حضرت علیؓ اور حضرت عباسؓ کے حوالہ کر دیا تھا، لیکن وہ دونوں باہمی اتفاق سے اس کا انتظار قائم نہ رکھ سکے، اور بارگاہ خلافت میں تقسیم کر دینے کی درخواست پیش کی، حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ یہ محض گذارہ کے لئے دیا گیا ہے اس میں وراثت کا قاعدہ جاری نہیں ہو سکتا۔^۳

حلیہ..... حلیہ یہ تھا، قد بلند و بالا، چہرہ خوبصورت، رنگ سفید اور جلد نہات نازک۔ ازواج و اولاد..... حضرت عباسؓ نے مختلف اوقات میں متعدد شادیاں کیں جن سے کثرت سے اولادیں ہوئیں، سب سے پہلی بیوی لبابہ بنت حارث تھیں، ان سے حسب ذیل اولادیں ہوئیں۔

فضل، عبداللہ، عبید اللہ، عبدالرحمن، قشم، معبد ام حبیبہ

ام ولد سے یہ اولادیں ہوئیں،

کثیر، تمام صفیہ، امیمہ

تیسری بیوی حیلہ تھیں، ان بطن سے حارث تھے،^۴

حضرت بلال بن رباحؓ

نام و نسب..... بلال نام، ابو عبد اللہ کنیت، والد کا نام رباح اور والدہ کا نام حمامہ تھا، یہ حبشی نژاد غلام تھے لیکن مکہ ہی میں پیدا ہوئے، بنی نجج ان کے آقا تھے۔ اسلام..... حضرت بلالؓ صورت ظاہری کے لحاظ سے گویا فام حبشی تھے، تاہم آئینہ دل شفاف تھا، اس کو ضیائے ایمان نے اس وقت منور کیا، جب کہ وادی بطناء کی اکثر گوری مخلوق غرور حسن و زعم شرافت میں ضلالت و گمراہی کی ٹھوکریں کھا رہی تھی، جن..... معدودے چند بزرگوں نے داعی حق کو لبیک کہا تھا ان میں صرف سات آدمیوں کو اس کے اعلان کی توفیق ہوئی تھی جن میں ایک یہ غلام حبشی بھی تھا، سچ ہے۔

این سعادت بزور بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

ابتلاء و استقامت..... کمزور ہمیشہ سب سے زیادہ ظلم و ستم کا آماجگاہ رہتا ہے، حضرت بلالؓ کی جو ذاتی حالت تھی، اس کے لحاظ سے وہ اور بھی اس ناموس جفا کے شکار ہوئے، گونا گوں مصائب اور طرح طرح کے مظالم سے ان کے استقلال و استقامت کی آزمائش ہوئی، تپتی ہوئی ریگ، جلتے ہوئے سنگریزوں اور دہکتے ہوئے انگاروں پر لٹائے گئے، مشرکین کے لڑکوں نے گلوے مبارک میں رسیاں ڈال کر بازو پچھ اطفال بنایا، لیکن ان تمام فرسا و جان کسل آزمائشوں کے باوجود تو حید کا جل متین ہاتھ سے نہ چھوٹا، ابو جہل ان کو منہ کے بل سنگریزوں پر لٹا کر اوپر سے پتھر کی چکی رکھ دیتا اور جب آفتاب کی تمازت بیقرار کر دیتی تو کہتا، بلالؓ! اب بھی محمد کے خدا سے باز آ، لیکن اس وقت بھی دہن مبارک سے یہی ”احد احد“ نکلتا تھا۔ ۱

ستم پیشہ مشرکین میں امیہ بن خلف سب سے زیادہ پیش پیش تھا، اس کی جدت طرازیوں نے ظلم و جفا کے نئے طریقہ ایجاد کیے تھے، وہ اس کو طرح طرح سے اذیتیں پہنچاتا کبھی گائے کی کھال میں لپیٹتا، کبھی لوہے کی زرہ پہنا کر جلتی ہوئی دھوپ میں بٹھاتا اور کہتا ”تمہارا خدا لات اور عزی ہے“، لیکن اس وارفتہ تو حید کی زبان سے ”احد احد“ کے سوا اور کوئی کلمہ نہ نکلتا، مشرکین کہتے کہ تم ہمارے ہی الفاظ کا اعادہ کرو تو فرماتے کہ میری زبان ان کو اچھی طرح ادا نہیں کر سکتی۔ ۲

۱۔ اسد الغابہ جلد ۱ ص ۲۰۶

۲۔ طبقات ابن سعد قسم اول جز ۲، ثالث ص ۱۶۶

۳۔ طبقات ابن سعد قسم اول جز ۲، ثالث ص ۱۶۵

۴۔ اسد الغابہ جلد ۱ ص ۲۰۶

آزادی..... حضرت بلالؓ ایک روز حسب معمول وادی بطحاء میں مشق ستم بنائے جا رہے تھے، حضرت ابوبکر صدیقؓ اس طرف سے گزرے تو یہ عبرت ناک منظر دیکھ کر دل بھر آیا اور ایک گرانقدر رقم معاوضہ دے کر آزاد کر دیا، آنحضرت ﷺ نے سنا تو فرمایا ”ابوبکر! تم مجھے اس میں شریک کر لو“، عرض کی ”یا رسول اللہ! میں آزاد کرا چکا ہوں“۔

ہجرت..... وہ مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ پہنچے تو حضرت سعد بن خثیمہؓ کے مہمان ہوئے، حضرت ابورویحہؓ عبد اللہ ابن عبد الرحمنؓ کی سے مواخات ہوئی، ان دونوں میں نہایت شدید محبت پیدا ہو گئی تھی، عہد فاروقی میں حضرت بلالؓ نے شامی مہم میں شرکت کا ارادہ کیا تو حضرت عمرؓ نے پوچھا ”بلال! تمہارا وظیفہ کون وصول کرے گا؟“ عرض کی ”ابورویحہؓ کیونکہ رسول ﷺ نے ہم دونوں میں جو برادرانہ تعلق پیدا کر دیا ہے وہ کبھی منقطع نہیں ہو سکتا۔“

موذن..... مدینہ کا اسلام مکہ کی طرح بے بس اور مجبور نہ تھا، یہاں پہنچنے کے ساتھ شعار اسلام و دین متین کی اصولی تدوین و تکمیل کا سلسلہ شروع ہوا، مسجد تعمیر ہوئی، خدائے لایزال کی عبادت و پرستش کے لئے نماز منجگانہ قائم ہوئی اور اعلان عام کے لئے اذان کا طریقہ وضع کیا گیا، حضرت بلالؓ سب سے پہلے وہ بزرگ ہیں جو اذان دینے پر مامور ہوئے۔

حضرت بلالؓ کی آواز نہایت بلند و بالا و دلکش تھی، ان کی ایک صدا تو حید کے متوالوں کو بے چین کر دیتی تھی، مرد اپنا کاروبار، عورتیں شہستان حرم اور بچے کھیل کود چھوڑ کر والہانہ وارنگی کے ساتھ ان کے ارد گرد جمع ہو جاتے، جب خدائے واحد کے پرستاروں کا مجمع کافی ہو جاتا تو نہایت ادب کے ساتھ آستانہ نبوت پر کھڑے ہو کر کہتے حسی علی الصلوٰۃ حسی علی الفلاح الصلوٰۃ یا رسول اللہ! یعنی یا رسول اللہ! نماز تیار ہے، غرض آپ تشریف لاتے اور حضرت بلالؓ کی صدائے سامعہ نواز تکبیر اقامت کے نعروں سے بندگان تو حید کو بارگاہ ذوالجلال والا کرام میں سر بسجود ہونے کے لئے صف بصف کھڑا کر دیتی۔

حضرت بلالؓ اگر کسی روز مدینہ میں موجود نہ ہوتے تو حضرت ابو محذورہؓ اور حضرت عمرو بن ام مکتومؓ ان کی قائم مقامی کرتے تھے، صبح کی اذان عموماً کچھ رات رہتے ہوئے دیتے تھے، یہی وجہ ہے کہ صبح کی وقت دو اذانیں مقرر کی گئی تھیں، آخری اذان حضرت عمرو بن ام مکتومؓ دیتے تھے، چونکہ وہ ناپینا تھے، اس لئے ان کو وقت کا پتہ نہ چلتا تھا، جب لوگ ان سے کہتے کہ ”صبح ہو گئی“ تو اٹھ کر ندائے تکبیر بلند فرماتے تھے، اس بنا پر رمضان میں حضرت بلالؓ کی اذان کے بعد اکل و شرب جائز تھا، کیونکہ آپؐ نے فرمایا تھا کہ بلالؓ کی اذان صرف اس لئے ہے کہ جو لوگ رات بھر عبادت الہی میں مصروف رہے ہیں، وہ کچھ دیر آرام کریں اور جو تمام رات خواب راحت میں

۱ طبقات ابن سعد قسم اول جزو ثالث ص ۱۲۷

۲ طبقات ابن سعد قسم اول جزو ثالث ص ۱۷۶

۱ طبقات ابن سعد و بخاری

۲ بخاری باب بدء الاذان

سیر شارر ہے ہیں وہ بیدار ہو کر نماز صبح کی تیاری کریں، لیکن وہ صبح کا وقت نہیں ہوتا بلکہ کچھ رات باقی رہتی ہے۔

حضرت بلالؓ سفر و حضر ہر موقع پر رسول ﷺ کے مؤذن خاص تھے، ایک دفعہ سفر در پیش تھا ایک جگہ رات ہو گئی، بعض صحابہؓ نے عرض کی ”یا رسول اللہ! اگر اسی جگہ پڑاؤ کا حکم ہوتا تو بہتر تھا، ارشاد ہوا ”مجھے خوف ہے کہ نیند تم کو نماز سے غافل کر دے گی، حضرت بلالؓ کو اپنی شب بیداری پر اعتماد تھا، انہوں نے بڑھ کر ذمہ لیا کہ وہ سب کو بیدار کر دیں گے غرض پڑاؤ کا حکم ہوا اور سب لوگ مشغول راحت ہوئے، حضرت بلالؓ نے مزید احتیاط کے خیال سے شب زندہ داری کا ارادہ کر لیا اور رات بھر اپنے کجاوہ پر ٹیک لگائے بیٹھے رہے، لیکن اتفاق وقت اس حالت میں بھی آنکھ لگ گئی اور ایسی غفلت طاری ہوئی کہ طلوع آفتاب تک ہوشیار نہ ہوئے، آنحضرت ﷺ نے خواب راحت سے بیدار ہو کر سب سے پہلے ان کو پکارا اور فرمایا ”بلالؓ! تمہاری ذمہ داری کیا ہوئی“ عرض کی ”یا رسول اللہ! آج کچھ ایسی غفلت طاری ہوئی کہ مجھے کبھی ایسا اتفاق نہیں ہوا تھا۔“ ارشاد ہوا ”بے شک خدا جب چاہتا ہے تمہاری روحوں پر قبضہ کر لیتا ہے اور جب چاہتا ہے تم میں واپس کر دیتا ہے اچھا اٹھو اذان دو اور لوگوں کو نماز کے لئے جمع کرو۔“

غزوات حضرت بلالؓ تمام مشہور غزوات میں شریک تھے، غزوہ بدر میں انہوں نے امیہ بن خلف کو تہ تیغ کیا جو اسلام کا بہت بڑا دشمن تھا، اور خود ان کی ایذا رسانی میں بھی اس کا ہاتھ سب سے پیش پیش تھا۔ ۳

فتح مکہ میں بھی آنحضرت ﷺ کے ہر کاب تھے، آپ خانہ کعبہ میں داخل ہوئے تو اس مؤذن خاص کو معیت کا فخر حاصل تھا، انہیں حکم ہوا کہ کعبہ کی چھت پر کھڑے ہو کر توحید کی پر عظمت صدائے تکبیر بلند کریں، خدا کی قدرت وہ حریم قدس جس کو ابوالانبیاء ابراہیمؑ نے خدائے واحد کی پرستش کے لئے تعمیر کیا تھا، مدتوں صنم خانہ رہنے کے بعد پھر ایک حبشی نژاد کے نغمہ توحید سے گونجا۔ ۵

آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد حضرت بلالؓ نے اپنے محسن و ولی نعمت حضرت صدیق اکبرؓ سے عرض کی یا خلیفہ رسول اللہ ﷺ آپ نے خدا کے لئے آزاد کیا ہے یا اپنی مصاحبت کے لئے؟ فرمایا کہ خدا کے لئے، بولے ”میں نے رسول ﷺ سے سنا ہے کہ راہ خدا میں جہاد کرنا مومن کا سب سے بہتر کام ہے، اس لئے میں چاہتا ہوں کہ پیام موت تک اسی عمل خیر کو لازمہ

۱۔ بخاری باب الاذان بعد الفجر و باب الاذان العظمی ۱۲ منہ

۳۔ اسد الغابہ جلد ۱ ص ۲۰۷

۲۔ بخاری باب الاذان بعد الوقت

۳۔ کتاب المغازی باب دخول النبی صلی اللہ علیہ وسلم من اعلیٰ مکہ

۵۔ طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث ص ۱۶۷

حیات بنالوں“ حضرت ابو بکرؓ نے فرمایا، بلالؓ! میں تمہیں خدا اور اپنے حق کا واسطہ دیتا ہوں کہ مجھے اس عالم پیری میں داغ مفارقت نہ دو، اس موثر فرمان نے حضرت بلالؓ کو عہد صدیقی کے غزوات میں شریک ہونے سے باز رکھا۔

حضرت ابو بکرؓ کے بعد حضرت عمرؓ نے مسند خلافت پر قدم رکھا تو انہوں نے پھر شرکت جہاد کی اجازت طلب کی خلیفہ نے بھی ان کو روکنا چاہا لیکن جوش جہاد کا پیمانہ لبریز ہو چکا تھا، بے حد اصرار کے بعد اجازت حاصل کی، اور شامی مہم میں شریک ہو گئے، حضرت عمرؓ نے ۱۶ھ میں شام کا سفر کیا تو دوسرے افسران فوج کے ساتھ حضرت بلالؓ نے بھی مقام جابیہ میں ان کو خوش آمدید کہا اور بیت المقدس کی سیاحت میں ہمراہ رہے، ایک روز حضرت عمرؓ نے اسے اذان دینے کی فرمائش کی تو بولے ”گو میں عہد کر چکا ہوں کہ حضرت خیر الانام ﷺ کے بعد کسی کے لئے اذان نہ دوں گا، تاہم آج آپ کی خواہش پوری کروں گا، یہ کہہ کر اس عندلیب توحید نے کچھ ایسے لُحْن میں خدائے ذوالجلال کی عظمت و شوکت کا نغمہ سنایا کہ تمام مجمع بیتاب ہو گیا، حضرت عمرؓ اس قدر روئے کہ ہچکی بندھ گئی، حضرت ابوعبیدہؓ اور حضرت معاذ بن جبلؓ بھی بے اختیار رو رہے تھے، غرض سب کے سامنے عہد نبوی کا نقشہ کھینچ گیا اور تمام سامعین نے ایک خاص کیفیت محسوس کی۔

شام میں تو طن..... حضرت بلالؓ کو ملک شام کی سرسبز و شاداب سرزمین پسند آگئی تھی، انہوں نے خلیفہ دوم سے درخواست کی کہ ان کو اور ان کے اسلامی بھائی حضرت ابوردیحہؓ کو یہاں مستقل سکونت کی اجازت دی جائے، یہ درخواست منظور ہوئی تو ان دونوں نے قصبہ خولان میں مستقل اقامت اختیار کر لی اور حضرت ابوالدرداء انصاریؓ کے خاندان سے جو پہلے ہی یہاں آکر آباد ہو گیا تھا، رشتہ مناکحت کی سلسلہ جنبانی فرماتے ہوئے کہا ”ہم دونوں کافر تھے، خدا نے ہماری ہدایت کی، ہم غلام تھے، اس نے آزاد کرایا، ہم محتاج تھے، اس نے مالدار بنایا، اب ہم تمہاری خاندان سے پوستہ ہونے کی آرزو رکھتے ہیں، اگر تم رشتہ ازدواج سے یہ آرزو پوری کرو گے تو خدا کا شکر ہے، ورنہ کوئی شکایت نہیں“ اسلام نے کالے، گورے، حبشی اور عربی کی تفریق مٹا دی تھی، انصارؓ نے نہایت خوشی کے ساتھ ان کے اس پیام کو لبیک کہا اور اپنی لڑکیوں سے شادی کر دی۔

حضرت بلالؓ نے ایک عرصہ تک شام میں متوطن رہنے کے بعد ایک روز رسول اللہ ﷺ کو خواب میں دیکھا کہ آپ فرما رہے ہیں ”بلالؓ! یہ خشک زندگی کب تک؟ کیا تمہارے لئے وہ

۱۔ بخاری و طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث ص ۱۶۹،

۲۔ بخاری و طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث ص ۱۶۹،

۳۔ تاریخ طبری و اسد الغابہ جلد ۱ ص ۲۰۸،

۴۔ اسد الغابہ جلد ۱ ص ۲۰۸،

وقت نہیں آیا کہ ہماری زیارت کرو؟ اس خواب نے گزشتہ زندگی کے پر لطف افسانے یاد دلائے، عشق و محبت کے مرجھائے ہوئے زخم پھر ہرے ہو گئے، اسی وقت مدینہ کی راہ لی اور روضہ اقدس پر حاضر ہو کر مرغِ بسل کی طرح تڑپنے لگے، آنکھوں سے سیل اشک رواں تھا، اور مضطربانہ جوش و محبت کے ساتھ جگر گوشگانِ رسول یعنی امام حسنؑ اور حضرت امام حسینؑ کو چمٹا چمٹا کر پیار کر رہے تھے، ان دونوں نے خواہش ظاہر کی کہ آج صبح کے وقت اذان دیجئے گو ارادہ کر چکے تھے کہ رسول اللہ ﷺ کے بعد وہ اذان نہ دیں گے تاہم ان کی فرمائش ٹال نہ سکے، صبح کے وقت مسجد کی چھت پر کھڑے ہو کر نعرہ تکبیر بلند کیا تو تمام مدینہ گونج اٹھا، اس کے بعد نعرہ توحید نے اس کو اور بھی پر عظمت بنادیا، لیکن جب اشہد ان محمد رسول اللہ کا نعرہ بلند کیا تو عورتیں تنگ بیقرار ہو کر پردوں سے نکل پڑیں اور تمام عاشقانِ رسول کے رخسار آنسوؤں سے تر ہو گئے، بیان کیا جاتا ہے کہ مدینہ میں ایسا بڑا اثر منظر بھی دیکھنے میں نہیں آیا تھا۔

وفات..... ۲۰ھ میں اس مخلص با وفائے اپنے محبوب آقا کی دائمی رفاقت کے لئے دنیائے فانی کو خیر باد کہا، کم و بیش ساٹھ برس کی عمر پائی، دمشق میں باب الصغیر کے قریب مدفون ہوئے۔ اخلاق..... محاسن اخلاق نے حضرت بلالؓ کے پایہ فضل و کمال کو نہایت بلند کر دیا تھا، حضرت عمرؓ فرمایا کرتے تھے، ابو بکرؓ سیدنا و اعتق سیدنا یعنی، ابو بکرؓ ہمارے سردار ہیں، اور انہوں نے سردار بلالؓ کو آزاد کیا ہے۔ ۳

حبیبِ خدا ﷺ کی خدمت گزاری ان کا مخصوص مقصد حیات تھا، ہر وقت بارگاہِ نبویؐ میں حاضر رہتے، آپ کہیں باہر تشریف لے جاتے تو خادمِ جانِ نثار کی طرح ہمراہ ہوتے عیدین و استقواء کے مواقع پر بنم لے کر آگے آگے چلتے، ہم وعظ و پند کی مجلسوں میں ساتھ جاتے، افلاس و ناداری کے باوجود ان کو جو کچھ میسر آ جاتا اس کا ایک حصہ رسول اللہ ﷺ کی ضیافت کے لئے پس انداز کرتے، ایک دفعہ برنی کھجوریں (جو نہایت خوش ذائقہ ہوتی ہیں) آنحضرت ﷺ کی خدمت میں لائے، آپ نے تعجب سے پوچھا ”بلال! یہ کہاں سے؟“ عرض کی میرے پاس جو کھجوریں تھیں، وہ نہایت خراب قسم کی تھیں، چونکہ مجھے حضور کی خدمت میں پیش کرنا تھا اس لئے میں نے دو صاع دے کر یہ ایک صاع اچھی کھجوریں حاصل کیں، ارشاد ہوا ”اف! اف! ایسا نہ کیا کرو، یہ تو عین ربا (سود) ہے، اگر تمہیں خریدنا تھا تو پہلے اپنی کھجوروں کو فروخت کرتے پھر اس کی قیمت سے اس کو خرید لیتے۔ ۵

حضرت بلالؓ مکہ کی زندگی میں جن عبرتناک مظالم و مصائب کے متحمل ہوئے، اس سے

۱۔ اسد الغابہ جلد اول ص ۲۰۸

۲۔ مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۲۸۴

۳۔ اسد الغابہ جلد ۱ ص ۲۰۹

۴۔ بخاری جلد ۱ ص ۳۱۱

۵۔ طبقات ابن سعد قسم اول جز ۳، ثالث ص ۱۶۸

ان کی غیر معمولی استقامت و استقلال کا اندازہ ہوا ہوگا، تواضع و خاکساری ان کی فطرت میں داخل تھی، لوگ ان کے فضائل و محاسن کا تذکرہ کرتے تو فرماتے ”میں صرف ایک حبشی ہوں جو کل تک معمولی غلام تھا، صداقت، بے لوثی اور دیانت داری نے ان کو نہایت عمدہ علیہ بنا دیا تھا، ان کے ایک بھائی نے جو بزم خود اپنے آپ کو عرب سمجھتے تھے، ایک عربی خاتون کے پاس نکاح کا پیام بھیجا، اس کے خاندان والوں نے جواب دیا کہ اگر بلالؓ ہمارے پاس آکر تصدیق کریں گے تو ہمیں بخوشی منظور ہے، حضرت بلالؓ نے کہا ”صاحبو! میں بلالؓ بن رباح ہوں اور یہ میرا بھائی ہے، میں جانتا ہوں کہ اخلاق و مذہب کے لحاظ سے یہ بڑا آدمی ہے، اگر تم چاہو تو اس سے بیاہ دو ورنہ انکار کرو“ انہوں نے کہا ”بلالؓ! تم جس کے بھائی ہو گے اس سے تعلق پیدا کرنا ہمارے لئے عار نہیں“۔ ۲

مذہبی زندگی..... حضرت بلالؓ رسول اللہ ﷺ کے مؤذن خاص تھے، اس بنا پر ان کو ہمیشہ خدا نہ خدا میں حاضر رہنا پڑتا تھا، معاملات دنیاوی سے سروکار نہ ہونے کے باعث عبادت و شب زندہ داری ان کا خاص مشغلہ تھا، ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے ان سے پوچھا کہ تم کو کس عمل خیر پر سب سے زیادہ ثواب کی امید ہے؟ عرض کی ”میں نے ایسا کوئی کام نہیں کیا ہے البتہ ہر طہارت کے بعد نماز ادا کی ہے“ نماز میں سب سے پہلے آمین کہتے تھے، لیکن رسول ﷺ نے فرمایا کہ مجھ سے سبقت نہ کیا کرو۔ ۳

ایمان کو تمام اعمال حسنہ کی بنیاد سمجھتے تھے، ایک مرتبہ کسی نے پوچھا کہ سب سے بہتر عمل کیا ہے؟ بولے ”خدا اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ، پھر جہاد، پھر حج مبرور“۔ ۴

حلیہ..... حلیہ یہ تھا، قد نہایت طویل، جسم لاغر، رنگ نہایت گندم گوں بلکہ مائل بہ سیاہی، سر کے بال گھنے، خمدار اور اکثر سفید تھے۔ ۵

ازواج..... حضرت بلالؓ نے متعدد شادیاں کیں، ان کی بعض بیویاں عرب کے نہات شریف و معزز گھرانوں سے تعلق رکھتی تھیں، حضرت ابوبکرؓ کی صاحبزادی سے خود رسول اللہ ﷺ نے نکاح کرادیا تھا، بنی زہرہ اور حضرت ابوالدرداءؓ کے خاندان میں بھی رشتہ مصاہرت قائم ہوا تھا، لیکن کسی سے کوئی اولاد نہیں ہوئی۔ ۶

۱۔ طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث ص ۱۶۹

۲۔ بخاری جلد ۲ ص ۱۱۲۳

۳۔ مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۲۸۳

۴۔ بخاری جلد ۲ ص ۱۱۲۳

۵۔ اصحابہ تذکرہ بلالؓ بخوالہ بخاری

۶۔ طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث ص ۱۷۰

۷۔ طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث ص ۱۶۹

حضرت جعفر طیارؓ

نام و نسب..... جعفر نام، ابو عبد اللہ کنیت، والد کا نام عبد المناف (ابو طالب) اور والدہ کا نام فاطمہ تھا شجرہ نسب یہ ہے، جعفر بن ابی طالب بن عبد المطلب بن ہاشم بن عبد مناف بن قصی القرشی البہاشمی۔

آنحضرت ﷺ کے ابن عم اور حضرت علیؓ کرم اللہ وجہہ کے سگے بھائی تھے، اور عمر میں ان سے تقریباً دس سال بڑے تھے۔

اسلام..... آنحضرت ﷺ ایک روز حضرت علیؓ کے ساتھ مشغول عبادت تھے، خاندان ہاشم کے سردار ابو طالب نے اپنے دو عزیزوں کو بارگاہِ صمدیت میں سر بسجود دیکھا تو دل پر خاص اثر ہوا، اپنے صاحبزادہ حضرت جعفرؓ کی طرف دیکھ کر کہا ”جعفر! تم بھی اپنے ابن عم کے پہلو میں کھڑے ہو جاؤ“ حضرت جعفرؓ نے بائیں طرف کھڑے ہو کر نماز ادا کی، ان کو خدائے لایزال کی عبادت و پرستش میں ایسا مزہ ملا کہ وہ بہت جلد یعنی آنحضرت ﷺ کے زید بن ارقم کے گھر میں پناہ گزین ہونے کے قبل ہمیشہ کے لئے اس کے پرستاروں میں داخل ہو گئے اس وقت تک اکتیس بتیس آدمی اس سعادت سے مشرف ہوئے تھے۔

ہجرت حبش..... مشرکین مکہ کی ستم آرائیوں سے تنگ آ کر جب مسلمانوں کی جماعت نے حبش کی راہ لی تو حضرت جعفرؓ بھی اس کے ساتھ ہو گئے، لیکن قریش نے یہاں بھی چھین لینے نہ دیا، نجاشی کے دربار میں مکہ سے گراں قدر تحائف کے ساتھ ایک وفد آیا اور اس نے درباری پادریوں کو تائید پر آمادہ کر کے نجاشی سے درخواست کی کہ ”ہماری قوم کے چندنا سمجھو جو ان اپنے آبائی مذہب سے برگشتہ ہو کر حضور کے قلمروے حکومت میں چلے آئے ہیں، انہوں نے ایک ایسا نرالا مذہب ایجاد کیا ہے جس کو پہلے کوئی جانتا بھی نہ تھا ہم کو ان کے بزرگوں اور رشتہ داروں نے بھیجا ہے کہ حضور ان لوگوں کو ہمارے ساتھ واپس کر دیں“ درباریوں نے بھی بلند آہنگی کے ساتھ اس مطالبہ کی تائید کی، نجاشی نے مسلمانوں سے بلا کر پوچھا کہ ”وہ کون سا نیا مذہب ہے جس کے لئے تم لوگوں نے اپنا خاندانی مذہب چھوڑ دیا؟“۔

حضرت جعفرؓ کی دربار حبش میں اسلام پر تقریر..... مسلمانوں نے نجاشی سے گفتگو کے لئے اپنی طرف سے حضرت جعفرؓ کو منتخب کیا، انہوں نے اس طرح تقریر کی ”بادشاہ سلامت!

ہماری قوم نہایت جاہل تھی، ہم بت پوجتے تھے، مردار کھاتے تھے، بدکاریاں کرتے تھے، رشتہ داروں اور پڑوسیوں کو ستاتے تھے، طاقتور کمزوروں کو کھا جاتا، غرض ہم اسی بدبختی میں تھے کہ خدا نے خود ہی ہماری جماعت میں سے ایک شخص کو ہمارے پاس رسول بنا کر بھیجا، ہم اس کی شرافت، راستی، دیانتداری اور پاکبازی سے اچھی طرح سے آگاہ تھے، اس نے ہم کو شرک و بت پرستی سے روک کر توحید کی دعوت دی، راست بازی، امانت داری، ہمسایوں اور رشتہ داروں سے محبت کا سبق ہم کو سکھایا اور ہم سے کہا کہ ہم جھوٹ نہ بولیں، بے وجہ دنیا میں خونریزی نہ کریں، بدکاری اور فریب سے باز آئیں، یتیم کا مال نہ کھائیں، شریف عورتوں پر بدننامی کا داع نہ لگائیں، بت پرستی چھوڑ دیں، ایک خدا پر ایمان لائیں، نماز پڑھیں، روزے رکھیں، زکوٰۃ دیں، ہم اس پر ایمان لے آئے اور اس کی تعلیم پر چلے، ہم نے بتوں کو پوجنا چھوڑ دیا، صرف ایک خدا کی پرستش کی، اور حلال کو حلال اور حرام کو حرام سمجھا، اس پر ہماری قوم ہماری جان کی دشمن ہو گئی، اس نے طرح طرح سے ظلم و تشدد کر کے ہم کو پھر بت پرست اور جاہلیت کے برے کاموں میں مبتلا کرنا چاہا، یہاں تک کہ ہم لوگ ان کے ظلم و ستم سے تنگ آ کر آپ کی خدمت میں چلے آئے۔

نجاشی نے کہا ”تمہارے نبی پر جو کتاب نازل ہوئی اسکو کہیں سے پڑھ کر سناؤ“ حضرت جعفرؓ نے سورہ مریم کی چند آیتیں تلاوت کیں تو نجاشی پر ایک خاص کیفیت طاری ہو گئی، اس نے کہا ”خدا کی قسم! یہ اور تورات ایک ہی چراغ کے پرتو ہیں، اور قریش کے سفیروں سے مخاطب ہو کر کہا ”واللہ! میں انکو کبھی واپس جانے نہ دوں گا۔“

سفرائے قریش نے ایک دفعہ پھر کوشش کی اور دوسرے روز دربار میں باریاب ہو کر عرض کی ”حضور! کچھ یہ بھی جانتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ کے متعلق ان لوگوں کا کیا خیال ہے“ نجاشی نے جواب دینے کے لئے مسلمانوں کو بلایا، ان لوگوں کو سخت تردد تھا کہ کیا جواب دیں، حضرت جعفرؓ نے کہا کچھ بھی ہو، خدا اور رسول نے جو کچھ بتایا ہے، ہم اس سے انحراف نہیں کریں گے، غرض دربار میں پہنچے تو نجاشی نے پوچھا ”حضرت عیسیٰ کی نسبت تمہارا کیا اعتقاد ہے؟“ حضرت جعفرؓ نے کہا ”ہم ان کو خدا کا بندہ، پیغمبر اور اس کی روح مانتے ہیں“ نجاشی نے زمین سے ایک تکا اٹھا کر کہا ”واللہ جو کچھ تم نے کہا عیسیٰ بن مریم اس سے اس تنکے کے برابر بھی زیادہ نہیں ہیں یہ سن کر دربار کے پادری جو ابن اللہ کا عقیدہ رکھتے تھے، نہایت براہم ہوئے، ہتھنوں سے خرخراہٹ کی آوازیں، آنے لگیں، لیکن نجاشی نے کچھ پرواہ نہ کی، اور قریش کی سفارت کا کام واپس آئی۔

حبشہ سے مدینہ..... حضرت جعفرؓ آنحضرت ﷺ کے مدینہ کی ہجرت کے چھ سال بعد تک حبشہ ہی میں رہے، وہ حبشہ سے مدینہ آئے، یہ وہ زمانہ تھا کہ خیبر فتح ہو گیا تھا اور مسلمان اس کی خوشی منا رہے تھے، کہ مسلمانوں کو اپنے ان دور افتادہ بھائیوں کی واپسی کی دوہری خوشی

حاصل ہوئی، حضرت جعفرؓ سامنے آئے تو آنحضرت ﷺ نے ان کو گلے سے لگایا اور پیشانی چوم کر فرمایا ”میں نہیں جانتا کہ مجھ کو جعفر کے آنے سے زیادہ خوشی ہوئی یا خیبر کی فتح سے۔“ ۱

حضرت جعفرؓ کی واپسی کو ابھی ایک سال بھی گزرنے نہ پایا تھا کہ ان کے امتحان کا وقت آگیا۔ غزوہ موتہ..... جمادی الاول ۸ھ میں موتہ پر فوج کشی ہوئی، آنحضرت ﷺ نے فوج کا علم حضرت زید بن حارثہؓ کو عطا کر کے فرمایا کہ اگر زید شہید ہوں تو جعفرؓ اور اگر جعفرؓ بھی شہید ہوں تو عبد اللہ بن رواحہؓ اس جماعت کے امیر ہوں گے، ۲ چونکہ حضرت جعفرؓ اپنے مخصوص تعلقات کی بنا پر متوقع شرف امارت ان ہی کو حاصل ہوگا، اس لئے انہوں نے کھڑے ہو کر عرض کی ”یا رسول اللہ! میرا کبھی یہ خیال نہ تھا کہ آپؐ زیدؓ کو مجھ پر امیر بنائیں گے“ ارشاد ہوا ”اس کو جانے دو تم نہیں جان سکتے کہ بہتری کس میں ہے“ ۳ آنحضرت ﷺ اس غزوہ کے انجام و نتیجہ سے آگاہ تھے، اس لئے فرمایا کہ اگر زیدؓ شہید ہوں تو جعفرؓ علم سنبھالیں، اگر وہ بھی شہید ہوں تو عبد اللہ بن رواحہؓ ان کی جگہ لیں۔ ۴

شہادت..... موتہ پہنچ کر معرکہ کارزار گرم ہوا، تین ہزار غازیان دین کے مقابلہ میں غنیم کا ایک لاکھ نڈی دل لشکر تھا، امیر فوج حضرت زیدؓ شہید ہوئے تو حضرت جعفرؓ گھوڑے سے کود پڑے اور علم کو سنبھال کر غنیم کی صفیں چیرتے ہوئے آگے بڑھے، دشمنوں کا ہر طرف سے زرخہ تھا، شیخ و تبر، تیرو سنان کی بارش ہو رہی تھی، یہاں تک کہ تمام بدن زخموں سے چھلنی ہو گیا، دونوں ہاتھ بھی یکے بعد دیگرے شہید ہوئے مگر اس جانباز نے اس حالت میں بھی تو حید کے جھنڈے کو سرنگو ل ہونے نہ دیا، ۵ بالآخر شہید ہو کر گرے تو عبد اللہ بن رواحہؓ نے اور ان کے بعد حضرت خالد سیف اللہؓ نے علم ہاتھ میں لیا اور مسلمانوں کو بچالائے۔ ۶

حضرت عبد اللہ بن عمرؓ اس جنگ میں شریک تھے، فرماتے ہیں کہ میں نے جعفرؓ کی لاش کو تلاش کر کے دیکھا تو صرف سامنے کی طرف پچاس زخم تھے، تمام بدن کے زخموں کا شمار تو نوے سے بھی متجاوز تھا لیکن ان میں سے کوئی زخم پشت پر نہ تھا۔ ۷

رسول اللہ ﷺ کا حزن و ملال..... میدان جنگ میں جو کچھ ہو رہا تھا، خدا کے حکم سے آنحضرت ﷺ کے سامنے تھا، چنانچہ خبر آنے سے پہلے ہی آپؐ نے حضرت جعفرؓ وغیرہ کی شہادت کا حال بیان فرمادیا، اس وقت آپؐ کی آنکھوں سے بے اختیار آنسو جاری ہو گئے، اور روئے انور پر حزن و ملال کے آثار نمایاں تھے۔ ۸

- | | |
|--|--------------------------------------|
| ۱ طبقات ابن سعد جلد ۲، قسم اول ص ۱۲۴، مختصر البخاری ذکر غزوہ خیبر میں ہے | ۲ بخاری کتاب المغازی باب غزوہ موتہ، |
| ۳ طبقات ابن سعد قسم اول ص ۳۳، | ۴ طبقات ابن سعد حصہ مغازی غزوہ موتہ، |
| ۵ اسد الغابہ جلد ۱ ص ۲۸۸، | ۶ طبقات ابن سعد حصہ مغازی، ۱۲۱ منہ، |
| ۷ بخاری باب غزوہ موتہ، | ۸ بخاری باب غزوہ موتہ، |
| ۹ اسد الغابہ جلد ۱ ص ۲۸۸ | |

حضرت جعفرؓ کی اہلیہ محترمہ حضرت اسماء بنت عمیسؓ فرماتی ہیں کہ میں آٹا گوندھ چکی تھی، اور لڑکوں کو نہلا دھلا کر صاف کپڑے پہنا رہی تھی کہ آنحضرت ﷺ تشریف لائے اور فرمایا کہ بچوں کو لاؤ، میں نے ان کو حاضر خدمت کیا، تو آپؐ نے آبدیدہ ہو کر ان کو پیار فرمایا، میں نے کہا میرے ماں باپ فدا ہوں، حضور آبدیدہ کیوں ہیں کیا جعفر اور ان کے ساتھیوں کے متعلق کوئی اطلاع آئی ہے؟ فرمایا ہاں! وہ شہید ہو گئے، یہ سن کر میں چیخنے چلانے لگی، محلہ کی عورتیں میرے ارد گرد جمع ہو گئیں، آنحضرت ﷺ واپس تشریف لے گئے، اور ازواج مطہراتؓ سے فرمایا کہ آل جعفرؓ کا خیال رکھنا، آج وہ اپنے ہوش میں نہیں ہیں۔

سیدہ جنت حضرت فاطمہ زہراؓ کو بھی اپنے عم محترم کی مفارقت کا شدید غم تھا، شہادت کی خبر سن کر دیدہ تر و اعماء! و اعماء! کہتے ہوئے بارگاہ نبوت میں حاضر ہوئیں، آنحضرت ﷺ نے فرمایا، بے شک! جعفرؓ جیسے شخص پر رونے والیوں کو رونا چاہیے، آپؐ کو عرصہ تک شدید غم رہا، یہاں تک کہ روح الامین نے یہ بشارت دی کہ ”خدا نے جعفرؓ کو دو کٹے ہوئے بازوؤں کے بدلہ میں دو نئے بازو عنایت کیے ہیں، جن سے وہ ملائکہ جنت کے ساتھ مصروف پرواز رہتے ہیں، چنانچہ ذوالجناحین اور طیاران کا لقب ہو گیا۔

فضائل و محاسن..... حضرت جعفرؓ کشادہ دست و فیاض تھے، غرباء و مساکین کو کھانا کھلانے میں ان کو خاص لطف حاصل ہوتا تھا، آنحضرت ﷺ ان کو ابوالمساکین کے نام سے یاد فرمایا کرتے تھے، حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ میں اکثر بھوک کے باعث پیٹ کو کنکروں سے دبائے رکھتا تھا، اور آیت یاد بھی رہتی تو اس کو لوگوں سے پوچھتا پھرتا، کہ شاید کوئی مجھ کو اپنے گھر لے جائے اور کچھ کھلائے میں نے جعفرؓ کو مسکینوں کے حق میں سب سے بہتر پایا، وہ ہم لوگوں (اصحاب صفہ) کو اپنے گھر لے جاتے تھے، اور جو کچھ ہوتا تھا، سامنے لا کر رکھ دیتے تھے، یہاں تک بعض اوقات گھی یا شہد کا خالی مشکیزہ تک لا دیتے تھے اس کو پھاڑ کر ہمارے سامنے رکھ دیتے اور ہم اس کو چاٹ لیتے تھے۔

حضرت جعفرؓ کے فضائل و مناقب کا پایہ نہایت بلند تھا، خود آنحضرت ﷺ ان سے فرمایا کرتے تھے، کہ ”جعفرؓ! تم میری صورت و سیرت دونوں میں مجھ سے مشابہ ہو“ آنحضرت ﷺ فرمایا کرتے تھے، ”مجھ سے پہلے جس قدر نبی گذرے ہیں ان کو سات رفیق دیئے گئے تھے، لیکن میرے رفقاء خاص کی تعداد چودہ ہے، ان میں سے ایک جعفرؓ بھی ہیں“ حضرت ابو ہریرہؓ

۱۔ مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۲۰۹

۲۔ صحیح بخاری مناقب حضرت جعفرؓ

۳۔ مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۲۰۹

۴۔ صحیح بخاری مناقب حضرت جعفرؓ

۵۔ جامع ترمذی مناقب اہل بیت،

فرماتے ہیں کہ ”رسول اللہ ﷺ کے بعد جعفرؓ سب سے افضل ہیں“ حضرت عبد اللہ بن عمرؓ ان کے صاحبزادہ کو سلام کرتے تو کہتے ”السلام علیک یا ابن ذی الجناحین“ حضرت عبد اللہ بن جعفرؓ فرماتے ہیں کہ بعض اوقات میں حضرت علیؓ سے کچھ مانگتا تو وہ انکار کر دیتے، لیکن جب اپنے والد جعفرؓ کا واسطہ دیتا تو بغیر کچھ دیئے نہ رہتے۔

ازواج و اولاد..... بیویوں کی صحیح تعداد نہیں معلوم، آپ کی بیوی اسماء سے تین صاحبزادے تھے، عبد اللہ، محمد اور عوف، ان میں صرف عبد اللہ سے نسل چلی۔

حضرت زید بن حارثہؓ

نام و نسب زید نام، ابو اسامہ کنیت، حب رسول اللہ ﷺ لقب، والد کا نام حارثہ اور والدہ کا نام سعدی بنت ثعلبہ تھا، پورا سلسلہ نسب یہ ہے، زید بن حارثہ بن شریحیل بن کعب ابن عبد العزی بن امراء القیس بن عامر بن نعمان بن عامر بن عبد ود بن عوف بن کنانہ بن بکر بن عوف بن عذرہ بن زید الملاث بن رفیدہ بن ثور بن کلب بن دبرہ بن ثعلب بن حلوان بن عمران بن الحاف بن قضاعہ۔

ابتدائی حالات گزشتہ بالانسب سے ظاہر ہوا ہوگا کہ حضرت زیدؓ کے والد حارثہ بنی قضاعہ سے تعلق رکھتے تھے، جو یمن کا ایک نہایت معزز قبیلہ تھا، ان کی والدہ سعدی بنت ثعلبہ بنی معن سے تھیں جو قبیلہ طے کی ایک شاخ تھی، وہ ایک مرتبہ اپنے صغیر السن بچے حضرت زیدؓ کو ساتھ لے کر اپنے میکہ گئیں، اسی اثناء میں بنو قین کے سوار جو غارتگری سے واپس آرہے تھے اس نو نہال کو خیمہ کے سامنے سے اٹھالائے اور غلام بنا کر عکاظ کے بازار میں فروخت کے لئے پیش کیا، ستارہ اقبال بلند تھا، غلامی میں بھی سیادت مقدر تھی، حکیم بن حزام نے چار سو درہم میں خرید کر اپنی پھوپھی ام المؤمنین حضرت خدیجہ بنت خویلدؓ کی خدمت میں پیش کیا، جن کی وساطت سے سرور دو عالم ﷺ کی غلامی کا شرف نصیب ہوا، جس پر ہزاروں آزادیاں اور تمام دنیا کی شاہنشاہیاں قربان ہیں۔

حضرت زیدؓ کے والد حارثہ بن شریحیل کو قدرۃ اپنے لخت جگر کے گم ہو جانے کا شدید غم ہوا، آنکھوں سے سیل اشک بہائے، دل آتش فراق سے بھڑک اٹھا اور محبت پدری نے الفاظ کی رنگ آمیزی سے اس طرح اس رنج و الم کا نقشہ کھینچا۔

بکیت علی زید ولم ادر ما فعل

احی فیہر جی ام اتی دونہ الا جل

میں نے زید پر گریہ و زاری کی لیکن یہ معلوم نہ ہو سکا کہ وہ کیا ہو گیا، آیا زندہ

ہے جس کی امید رکھی جائے یا اسے موت آگئی۔

فواللہ ما ادری وان کنت سائلا

اغالک سہل الارض ام غالک لحیل

طبقات ابن سعد جلد ثانی قسم اول ص ۲۷

خدا کی قسم میں جانتا ہوں اگرچہ پوچھتا بھی ہوں کہ ”کیا تجھے نرم زمین نکل گئی
یا پہاڑ کھائے؟“

فِیالیت شعری هل لك الدهر رجعة
فحسبی من الدنیار جو عک لی بحل
کاش! میں جانتا کہ آیا تیرا آنا کبھی ممکن ہے؟ پس تیرا واپس آنا ہی میرے
لئے دنیا میں کافی ہے۔

تذکرینہ الشمس عند طلوعها
و تعرض ذکراه اذا قارب الطفل
آفتاب اپنے طلوع ہونے کے وقت اس کو یاد دلاتا ہے، اور جب غروب کا
وقت قریب آ جاتا ہے تو اس کی یاد کو پھر تازہ کر دیتا ہے۔

وان هبت الارواح هيجن ذكوره
فيا طول ما حزني عليه و يا وجل
باد بہاری کی لپٹ اس کی یاد کو برا بیچتہ کر دیتی ہے، آہ! مجھے اس پر کس قدر
شدید رنج و الم ہے۔

ساعمل نص العیش فی الارض جاہدا
والا اسام التطواف او تنام الابل
عنقریب میں اونٹ کی طرح چل کر تمام دنیا چھان ماروں گا، میں اس آوارہ
گردی سے اپنی زندگی بھر نہیں تھکوں گا یہاں تک کہ اونٹ تھک جائے گا۔

حیسانی او تانی علی منیتی
وکل امر فان و ان غره الامل
یا مجھ پر موت آ جائے..... ہر آدمی فانی ہے، اگرچہ مراب امیدات دھوکا دے۔

و اوصی بہ قیسا و عمرا کلیہما
اوصی یزید اثم من بعدہم جبل
میں قیس اور عمر دونوں کو اس کے جستجو کی وصیت کرتا ہوں، اور یزید کو پھر ان کے
بعد جبل کو وصیت کرتا ہوں۔

جبل سے مراد جبلہ بن حارث ہیں، جو حضرت زیدؓ کے بڑے بھائی تھے اور یزید ان کے
اخیاں بھائی تھے۔

ایک سال بنی کلب کے چند آدمی حج کے خیال سے مدینہ آئے تو انہوں نے اس یوسف گم گشتہ کو دیکھتے ہی پہچان لیا اور یعقوب صفت باپ کا ماجرائے غم کہہ سنایا، بولے یقیناً انہوں نے میری فرقت میں نوحہ خوانی کی ہوگی، تم میری طرف سے میرے خاندان والوں کو یہ اشعار سنا دینا

احسن الی قومى وان كنت فانیا

بانی قطن البیت عند المشاعر

”میں اپنی قوم کا مشتاق ہوں گوان سے دور ہوں، میں خانہ کعبہ میں مشعر حرام کے قریب رہتا ہوں۔“

فكفوا من الوجد الذی قد شماكم

ولا تعملوا فی الارض نص الابعار

”اس لئے اس غم سے باز آ جاؤ، جس نے تم کو پرالم بنا رکھا ہے اور اونٹوں کی طرح چل کر دنیا کی خاک نہ چھانو۔“

فانى بحمد الله فى خير اسرة

كدام معد كابر بعد كابر

”الحمد للہ کہ میں بنی معد کے ایک معزز اور اچھے خاندان میں ہوں جو پشتہا پشت سے معزز ہے۔“

بنی کلب کے زائروں نے واپس جا کر ان کے والد کو اطلاع دی تو تعجب سے ان کی آنکھیں چمک اٹھیں اور وفوریاس نے پیک بیک یقین نہ ہونے دیا، ”بولے رب کعبہ کی قسم! کیا میرا ہی نور نظر تھا؟ ان لوگوں نے جب تفصیل کی ساتھ حلیہ، جائے قیام اور مربی کے حالات بیان کیے تو اسی وقت اپنے بھائی کعب بن شریل کو ہمراہ لے کر مکہ کی طرف چل کھڑے ہوئے، اور حضرت سرور کائنات ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر بصد منت و لجاجت عرض کی ”اے ابن عبد اللہ! اے ابن عبد المطلب! اے اپنی قوم کے رئیس زادہ! تم اہل حرم اور اس کے مجاور ہو، مصیبت زدوں کی دشگیری کرتے ہو، قیدیوں کو کھانا دیتے ہو، ہم تمہارے پاس اس غرض سے آئے ہیں کہ ہمارے لڑکے کو آزاد کر کے ہم کو رہن منت بنا دو، زرفدیہ جس قدر چاہو لو، ہم بیش قرار معاوضہ دینے کو تیار ہیں“ ارشاد ہوا ”وہ کون ہے“ بولے ”زید بن حارثہ“ آنحضرت ﷺ نے حضرت زیدؓ کا نام سنا تو ایک لمحہ تفکر کے بعد فرمایا ”کیا اس کے سوا تمہاری کوئی اور حاجت نہیں؟“ عرض کی ”نہیں“ فرمایا ”بہتر زیدؓ کو بلا کر اختیار دو، اگر وہ تمہیں پسند کرے تو تمہارا ہے، اور اگر مجھے ترجیح دے تو خدا کی قسم! میں ایسا نہیں ہوں جو اپنے ترجیح دینے والے پر کسی کو ترجیح دوں“ حارثہ اور کعب نے اس شرط پر شکریہ کے ساتھ رضا مندی ظاہر کی ”حضرت زیدؓ بلائے گئے،

آنحضرت ﷺ نے ان سے پوچھا ”تم ان دونوں کو پہچانتے ہو؟“ عرض کی ”ہاں! یہ میرے والد اور چچا ہیں“ آپ نے ان کے ہاتھ میں قرعہ انتخاب دے کر فرمایا ”میں کون ہوں؟ اس سے تم واقف ہو، میری ہم نشینی کا حال تم کو معلوم ہے، اب تمہیں اختیار ہے چاہے مجھے پسند کر دیا ان دونوں کو“ حضرت زیدؓ کو شہنشاہ کوئین کی غلامی میں جو لطف ملا تھا اس پر صد ہا آزادیاں نثار تھیں بولے ”میں ایسا نہیں ہوں جو حضورؐ پر کسی کو ترجیح دوں، آپ ہی میرے ماں باپ ہیں“ حضرت زیدؓ کی اس مخلصانہ وفا شعاری نے ان کے باپ اور چچا کو محو حیرت کر دیا، تعجب سے بولے ”زیدؓ! افسوس تم آزادی، باپ چچا اور خاندان پر غلامی کو ترجیح دیتے ہو، فرمایا ”ہاں! مجھے اس ذات پاک میں ایسے محاسن نظر آئے ہیں کہ میں اس پر کسی کو بھی ترجیح نہیں دے سکتا“۔

حضرت زیدؓ نے اپنی غیر متزلزل وفا شعاری سے آقائے شفیق کے دل میں محبت کی دہلی ہوئی چنگاری کو مشتعل کر دیا، آنحضرت ﷺ نے خانہ کعبہ میں مقام حجر کے پاس ان کو لے جا کر اعلان فرمایا کہ ”زید آج سے میرا فرزند ہے میں اس کا وارث ہوں گا، وہ میرا وارث ہوگا“ اس اعلان سے ان کے چچا اور باپ کے افسردہ دل گل شکفتہ کی طرح کھل گئے گو والد کو مفارقت گوارہ نہ تھی تاہم اپنے لخت جگر کو ایک شفیق و معزز باپ کے آغوش عاطفت میں دیکھ کر اطمینان ہو گیا اور امتنان و مسرت کے ساتھ واپس گئے۔

اس اعلان کے بعد حضرت زیدؓ ”آنحضرت ﷺ ہی کے انتساب کے ساتھ زید بن محمد کے نام سے زبان زد عام و خاص ہوئے، یہاں تک کہ جب اسلام کا زمانہ آیا اور قرآن پاک کی الہامی زبان نے صرف اپنے نبی آباء کے ساتھ انتساب کی ہدایت فرمائی تو وہ پھر حارثہ کی نسبت سے زید بن حارثہ مشہور ہوئے۔

اسلام آنحضرت ﷺ کو خلعت نبوت عطا ہوا تو حضرت زیدؓ نے ابتداء ہی میں شرف بیعت حاصل کیا، محققین کا فیصلہ ہے کہ وہ غلاموں میں سب سے پہلے مومن تھے، حضرت حمزہؓ ایمان لائے تو ان سے رسول اللہ ﷺ نے بھائی چارہ کرادیا، ان دونوں میں اس قدر محبت ہو گئی تھی کہ حضرت حمزہؓ جب غزوات میں تشریف لے جاتے تھے تو ان ہی کو اپنا وصی بنا کر جاتے تھے۔

شادی حضرت ام ایمنؓ آنحضرت ﷺ کی آیا اور کنیز تھیں، آپ ان کو نہایت محبوب رکھتے تھے، اور اماں کہہ کر مخاطب فرماتے تھے، ایک روز آپ نے فرمایا کہ اگر کوئی شخص کسی جنتی عورت سے نکاح کرنا چاہتا ہے تو اس کو ام ایمنؓ سے نکاح کرنا چاہیے، حضرت زیدؓ نے (جو رسول اللہ ﷺ کی خوشنودی کے کسی موقع کو ہاتھ سے جانے نہیں دیتے تھے، ان سے نکاح کر لیا،

۱۔ طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث ص ۲۹۲، ۲۹۳،

۲۔ طبقات ابن سعد جزء ثالث تذکرہ حمزہ

چنانچہ حضرت اسامہ بن زیدؓ جو اپنے والد کے بعد حب رسول اللہ ﷺ کے لقب سے مشہور ہوئے، ان ہی کے بطن سے مکہ میں پیدا ہوئے۔

ہجرت مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ پہنچے تو آنحضرت ﷺ کی طرح یہ حضرت کلثوم بن ہدمؓ کے مہمان ہوئے، حضرت اسید بن حضیر انصاری جو قبیلہ عبدالاشہل کے معزز رئیس تھے، ان کے اسلامی بھائی بنائے گئے، وہ اب تک خاندان نبوت کے ایک ممبر کی طرح آنحضرت ﷺ کے ساتھ رہتے تھے، لیکن یہاں پہنچ کر آپ نے ان کے لئے ایک علیحدہ مکان مخصوص فرمادیا اور اپنی پھوپھی زاد بہن حضرت زینب بنت جحشؓ سے نکاح کر دیا، اس طرح درحقیقت یہ دوسرا طرہ افتخار تھا جو حضرت زیدؓ کے دستار فضل پر نصب ہوا، لیکن یہ پیوند زیادہ عرصہ تک قائم نہ رہ سکا، نسبی و خاندانی عدم توازن نے دونوں کے سطح مزاج میں نشیب و فراز پیدا کر دیا، حضرت زیدؓ نے دربار نبوت میں بار بار نا موافقت کی شکایت کی اور بالآخر طلاق دینے پر مجبور ہو گئے، انقضائے عدت کے بعد آنحضرت ﷺ نے حضرت زیدؓ کی معرفت پیام نکاح بھیجا تو انہوں نے کہا ”جب تک خدا کی طرف سے کچھ نہ آئے کچھ نہیں کر سکتی“، چنانچہ اس کے بعد ہی اس آیت نے ان کو امہات المؤمنین میں داخل کر دیا۔

فلما قضی زید منها وطراً زوجنا کھا،

”جب زیدؓ نے حاجت پوری کی تو ہم نے اس کو تم سے بیاہ دیا۔“

حضرت زیدؓ چونکہ آنحضرت ﷺ کے متبھی اور زید بن محمد کے نام سے مشہور تھے اس لئے منافقین نے اس واقعہ کو نہایت ناگوار پیرایہ میں شہرت دی اور کہنے لگے ”محمد ایک طرف تو بہو سے نکاح کرنا حرام قرار دیتے ہیں اور دوسری طرف خود اپنے لڑکے زیدؓ کی بیوی سے نکاح کرتے ہیں لیکن قرآن پاک نے اس مفسدہ پردازی کا اس طرح پردہ فاش کر دیا۔“

ما کان محمد اباء احد من رجالکم و لکن رسول اللہ و خاتم النبیین
”محمد تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں بلکہ وہ خدا کے رسول اور

انبیاء کی مہر ہیں۔“

اور مسلمانوں کو حکم ہوا۔

ادعوہم لا بانہم ہو اقسط عند اللہ

”لوگوں کو ان کے باپ کی نسبت سے پکارو، یہ خدا کے نزدیک زیادہ قرین

انصاف ہے۔“

چنانچہ اس کے بعد ہی وہ اپنے والد حارثہ کی نسبت سے زید بن حارثہ مشہور ہوئے۔
غزوات..... حضرت زیدؓ تیر اندازی میں مخصوص کمال رکھتے تھے، ان کا شمار ان مشاہیر صحابہ میں تھا جو اس فن میں اپنی نظیر نہیں رکھتے تھے، معرکہ بدر سے غزوہ موتہ تک جس قدر اہم و خونریز معرکے پیش آئے سب میں پامردی و شجاعت کے ساتھ شریک کارزار ہوئے، غزوہ مریسج میں چونکہ رسول اللہ ﷺ نے ان کو مدینہ میں اپنی جائی نشینی کا فخر بخشا اس لئے اس مہم میں حصہ نہ لے سکے۔

متفرق کارنامے..... مشہور معرکوں کے علاوہ اکثر چھوٹی چھوٹی مہمات خاص ان کے سپہ سالاری میں سر ہوئیں، حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ جس فوج کشی میں زیدؓ شریک ہوتے تھے، اس میں امارت کا عہدہ ان ہی کو عطا ہوتا تھا، اس طرح نو دفعہ سپہ سالار بنا کر بھیجے گئے، ان مہمات میں سے پہلی مہم سریہ قرہ تھی جس میں انہوں نے غنیم کو نہایت کامیابی کے ساتھ شکست دی، اور بہت سے اونٹ مال و اسباب اور دشمن کے ایک سردار فرات بن حیان بجلی کو گرفتار کر کے لائے۔

ربیع الثانی ۶ھ میں بنی سلیم کو سرکوبی پر مامور ہوئے جو مقام جموم میں مسکن گزین تھے، اس مہم میں بھی حضرت زیدؓ کو غیر معمولی کامیابی حاصل ہوئی، بہت سے اونٹ بکریاں اور قیدی پکڑ کر لائے۔

اسی سال قریش کے ایک قافلہ کو جو شام سے واپس آرہا تھا روکنے کا حکم ہوا، حضرت زیدؓ ایک سو ستر سواروں کو ساتھ یکا یک مقام عیص میں اس قافلہ پر جا پڑے اور تمام اہل قافلہ کو مع سامان گرفتار کر لائے، مال غنیمت میں چاندی کا ایک بڑا ذخیرہ ہاتھ آیا جو صفوان بن امیہ کے لئے شام سے آرہا تھا، قیدیوں میں ابو العباس بن الربیع آنحضرت ﷺ کے داماد بھی تھے، جنہوں نے اپنی اہلیہ اور حضرت سردار کائنات ﷺ کی دختر نیک اختر حضرت زینبؓ کی پناہ حاصل کر کے مخلصی پائی۔

اسی سال ماہ جمادی الثانیہ میں مقام طرف پر حملہ آور ہوئے، لیکن کوئی جنگ نہ ہوئی کیونکہ غنیم پہلے ہی خائف ہو کر بھاگ گیا تھا، اس کے بعد مقام حمی پر فوج کشی ہوئی، پانچ سو جانباز مجاہدان کے زیرِ کمان تھے، حضرت زیدؓ احتیاط کے خیال سے دن کو پہاڑوں میں چھپ جاتے

۱۔ بخاری کتاب النفس، ۲۔ طبقات ابن سعد حصہ مغازی

۳۔ طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث ص ۳۱

۴۔ طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث ص ۳۱

۵۔ طبقات حصہ مغازی باب سریہ قرہ ص ۲۴ ۶۔ ایضاً سریہ جموم ص ۶۲

۷۔ طبقات حصہ مغازی باب سریہ عیص ص ۶۳ ۸۔ طبقات حصہ مغازی باب سریہ طرف ص ۶۳

تھے اور رات کو یلغار کرتے ہوئے، قطع منازل کرتے تھے، یہاں تک کہ ایک روز یکا یک غنیم پر جا پڑے، ہر اور اس کے خاندان کو جس نے حضرت وحیہ کلبیؓ کو قسطنطنیہ کی سفارت سے واپس آتے وقت لوٹ لیا تھا، تہ تیغ کیا اور ایک ہزار اونٹ، پانچ ہزار بھیڑ بکریاں اور بہت سے قیدی گرفتار کر کے زید بن رفاعہ کے ساتھ دربار نبوت میں ارسال کیے، چونکہ اس قوم کے ایک ممبر ابو یزید بن عمرو نے دورانہ لشی سے پہلے ہی پہنچ کر اسلام قبول کر لیا تھا اس لئے ان کی سفارش پر تمام قیدی رہا کر دیئے گئے، اور مال غنیمت واپس کر دیا گیا، پھر اسی سال ماہ رجب میں وادی قری کی مہم پر بھیجے گئے اور کامیابی کے ساتھ واپس آئے۔

ماہ رمضان المبارک ۶ھ میں حضرت زیدؓ ایک اسلامی کاروان تجارت کے ساتھ شام کی طرف روانہ ہوئے، صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کا بہت سا سامان تجارت ان کے ساتھ تھا، مدینہ سے سات منزل دور وادی قری کے نواح میں پہنچے تو بنی بدر کے ایک رہزن و غارت پیشہ جماعت کے تمام قافلہ کو لوٹ لیا اور کلمہ گویان تو حید کو سخت اذیتیں پہنچائیں، حضرت زیدؓ بمشکل جان بچا کر مدینہ واپس آئے اور دربار نبوت میں اس واقعہ کو اطلاع دی، چونکہ اس قسم کے متعدد واقعات پیش آچکے تھے، اس لئے حضرت سرور کائنات ﷺ نے ان کو ایک جمعیت کے ساتھ اس قبیلہ کی سرکوبی پر مامور فرمایا، حضرت زیدؓ کمال احتیاط کے ساتھ دن کو چھپتے ہوئے اور رات کو یلغار کرتے ہوئے یکا یک ان ڈاکوؤں پر جا پڑے اور قرار واقعی سزا دے کر مدینہ واپس آئے، انہوں نے آستانہ نبوت پر پہنچ کر دستک دی تو آنحضرت ﷺ جس حالت میں تھے اسی حالت میں باہر تشریف لے آئے، اور جوش مسرت سے گلے لگا کر ان کی پیشانی پر بوسہ دیا، اور دیر تک مفصل کیفیت دریافت فرماتے رہے۔^۱

مہم موتہ اور شہادت موتہ دمشق کے قریب ایک مقام کا نام تھا، حضرت حارث بن عمیر ازدیؓ کو شاہ بصری کے دربار میں سفارت کی خدمت انجام دے کر واپس آرہے تھے، اسی مقام پر شریمل ابن عمر غسانی کے ہاتھ سے شہید ہوئے، یہ پہلا موقع تھا کہ دربار رسالت کے ایک قاصد کے ساتھ اس قسم کی جسارت کی گئی، آنحضرت ﷺ نے ان کے انتقام کے لئے تین ہزار مجاہدین کی جمعیت فراہم کر کے حضرت زیدؓ بن حارثہ کو لوئے قیادت (جھنڈا، علم) عطا کیا اور فرمایا اگر زید شہید ہوں تو جعفرؓ اور ان کے بعد عبداللہ بن رواحہؓ اس جماعت کے امیر ہوں گے حضرت جعفرؓ چونکہ اپنے مخصوص تعلقات کی بنا پر متوقع تھے کہ امارت کا طغرائے امتیاز ان کے سینہ پر آویزاں ہوگا اس لئے انہوں نے کھڑے ہو کر عرض کی ”یا رسول اللہ! میرا بھی یہ خیال نہ تھا کہ آپ زیدؓ کو مجھ پر امیر

۱ طبقات ابن سعد ص ۶۳، ۶۴

۲ طبقات ابن سعد حصہ مغازی سریہ زیدالی ام القری ص ۶۵،

۳ بخاری باب غزوہ موتہ

۴ ایضا باب غزوہ موتہ

بنائیں گے، ارشاد ہوا ”اس کو جانے دو تم نہیں جان سکتے کہ بہتر کیا ہے؟“
جمادی الاولیٰ ۸ھ میں یہ مہم روانہ ہوئی، چونکہ غنیم کو اس فوج کشی کی اطلاع پہلے سے مل چکی تھی، اس لئے ایک لاکھ کانڈی دل لشکر امنڈ آیا تھا، لیکن حضرت زیدؓ نے اس کثرت کی پرواہ نہ کی اور علم سنبھال کر پیادہ یا دشمن کی صف میں گھس گئے، ان کے اتباع میں دوسرے سرداران فوج نے بھی ہلہ کر دیا، دیر تک گھمسان کی جنگ رہی، اس حالت میں نیزہ کے ایک وار نے اسلامی سالار فوج یعنی حضرت خیر الانامؓ کے محبوب غلام حضرت زید کو شہید کیا، اس کے بعد یکے بعد دیگرے حضرت جعفرؓ طیار اور حضرت عبداللہ بن رواحہؓ نے علم سنبھالا اور شدید کشت و خون کے بعد واصل بحق ہوئے، ان کے بعد حضرت خالدؓ سیف اللہ نے علم ہاتھ میں لیا اور غازیان دین کو مجتمع کر کے ایک ایسا حملہ کیا کہ غنیم کے پاؤں اکھڑ گئے۔^۱

آنحضرتؐ نے میدان جنگ سے اطلاع آنے کے قبل ہی لوگوں کو امرائے فوج کی خبر شہادت سنادی اور فوراً غم سے آبدیدہ ہو گئے، حضرت زیدؓ کی ایک صاحبزادی شفیق باپ کا سایہ اٹھ جانے سے پھوٹ پھوٹ کر رونے لگیں، تو آپؐ بھی ضبط نہ فرما سکے، اور اس قدر روئے کہ گلو گرفتہ ہو گئے، حضرت سعد بن عبادہؓ نے عرض کی ”یا رسول اللہ! یہ کیا ہے“ فرمایا ”یہ جذبہ محبت ہے“^۲
انتقام..... حضرت سرور کائناتؐ کو اپنے محبوب و وفا شعار غلام کی مفارقت کا شدید غم تھا، حجۃ الوداع سے واپس آنے کے بعد ان کے صاحبزادہ حضرت اسامہ بن زیدؓ کو ایک جمعیت کے ساتھ انتقام پر مامور فرمایا، چونکہ وہ نہایت کمسن تھے اس لئے بعض نے ان کی سیادت پر ناپسندیدگی کا اظہار کیا، آنحضرتؐ نے فرمایا ”تم لوگ پہلے جس طرح اس کے باپ کی سرداری پر طعن و طنز کرتے تھے اسی طرح اب اس کی امارت کو ناپسند کرتے ہو، خدا کی قسم! زیدؓ سزاوار امارت و محبوب ترین شخص تھا، اور اس کے بعد اسامہؓ مجھ کو سب سے زیادہ محبوب ہے،^۳

یہ مہم ابھی روانہ بھی نہیں ہوئی تھی، کہ آفتاب رسالت غروب ہو گیا، لیکن خلیفہ اولؓ نے ہجوم مصائب و صعوبات گوناگوں کے باوجود کوچ کا حکم دے دیا اور حضرت اسامہؓ اپنے پدر شفیق کے قاتلوں سے انتقام لے کر غیر معمولی کامیابی کے ساتھ مدینہ واپس آئے۔

اخلاق..... حضرت زیدؓ کے صحیفہ اخلاق میں وفا شعار کی کا باب سب سے نمایاں ہے، گذشتہ واقعات سے اس کا اندازہ ہوا ہوگا، آقائے نامدار کی رضامندی ان کا پر لطف مقصد حیات تھا حضرت ام ایمنؓ کو ایک معمر عورت تھیں تاہم انہوں نے محض اس لئے ان سے نکاح کر لیا، آنحضرتؐ ان کو

۱ طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث ص ۳۲

۲ بخاری باب غزوہ موت، ۳ ایضاً،

۳ طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث ص ۳۲

۴ بخاری ذکر اسامہ بن زید

بہت زیادہ محبوب رکھتے تھے،

حضرت رسالت مآب ﷺ اور ان کے متعلقین کا بے حد ادب و احترام ملحوظ رکھتے تھے، حضرت زینب بنت جحش کے پاس (جن کو انہوں نے ناموافقیت کے باعث طلاق دے دی تھی) آنحضرت ﷺ کی طرف سے پیام لے کر گئے تو محض اس خیال سے کہ آپ نے ان سے نکاح کی خواہش ظاہر فرمائی ہے تعظیماً دیکھ نہ سکے اور جو کچھ کہنا تھا منہ پھیر کر کہا،

گو حضرت زیدؓ کے اخلاقی کارناموں کی تفصیل نہیں ملتی تاہم درحقیقت ان کے وہ اوصاف حسنہ و محاسن جمیلہ ہی تھے جس نے انکو اور ان کی اولاد کو حضرت رسالت مآب ﷺ کی نگاہ میں سب سے زیادہ محبوب بنادیا تھا، حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ اگر وہ آنحضرت ﷺ کے بعد زندہ رہتے تو آپ ان ہی کو اپنا جانشین بناتے، حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے ایک دفعہ ان کے پوتے محمد بن اسامہؓ کو مدینہ کی مسجد میں دیکھا تو تعظیم سے گردن جھکالی اور بولے ”اگر رسول اللہ ﷺ دیکھتے تو اس کو بھی محبوب رکھتے،“

حلیہ اور عمر..... حضرت زیدؓ کا حلیہ یہ تھا، قد کوتاہ، ناک پست اور رنگ گہرا گندمی ۵۵ یا ۵۲ برس کی عمر میں شہادت پائی۔ ۵۱

ازواج..... مختلف اوقات میں متعدد شایاں کیں، بیویوں کے نام یہ ہیں:-

ام ایمن، ام کلثوم بنت عقبہ، درہ بنت لہب، ہند بنت العوام، زینب بنت جحش، ناموافقیت کے باعث ان کو طلاق دے دی اور اس کے بعد وہ امہات المؤمنین میں شامل کی گئیں، ۵۱
اولاد..... دو لڑکے اسامہ بن زید، زید بن زید اور ایک لڑکی رقیہ پیدا ہوئی، لیکن حضرت اسامہؓ کے سوا موخر الذکر دونوں بچوں نے بچپن ہی میں داغ مفارقت دیا۔ ۵۱

۱ مسلم باب زواج زینب بنت جحش

۲ بخاری ذکر اسامہ بن زید

۳ اسد الغابہ تذکرہ زید بن زید

۱ طبقات ابن سعد تذکرہ ام ایمنؓ

۲ طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث ۳۱

۳ اصحابہ تذکرہ زید بن حارثہؓ

۴ طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث ص ۳۰

حضرت عبداللہ بن عباسؓ

نام و نسب عبداللہ نام، ابو العباس کنیت، والد کا نام عباسؓ اور والدہ کا نام ام الفضل لبابہ تھا شجرہ نسب یہ ہے۔

عبداللہ بن عباس بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبدمناف القرشی البہاشمی۔
آنحضرت ﷺ کے ابن عم اور ام المؤمنین حضرت میمونہؓ کے خواہر زادہ تھے، کیونکہ ان کی والدہ حضرت ام الفضل حضرت میمونہؓ کی حقیقی بہن تھیں۔

ولادت حضرت عبداللہؓ ہجرت سے تین سال قبل مکہ کی اس گھاٹی میں پیدا ہوئے جہاں مشرکین قریش نے تمام خاندان ہاشم کو محصور کر دیا تھا، حضرت عباسؓ ان کو بارگاہ نبوت میں لے کر آئے تو آپ نے منہ میں لعاب دہن ڈال کر دعا فرمائی۔

اسلام حضرت عباسؓ نے بظاہر فتح مکہ کے بعد اسلام قبول کیا، لیکن حضرت عبداللہؓ کی والدہ حضرت ام الفضلؓ نے ابتداء ہی میں داعی تو حید کو لبیک کہا تھا، ابن سعد کی روایت ہے کہ ام المؤمنین حضرت خدیجہؓ کے بعد عورتوں میں ان کا ایمان سب پر مقدم تھا، اس بنا پر حضرت عبداللہؓ نے یوم ولادت ہی سے تو حید کی لوریوں میں پرورش پائی اور ہوش سنبھالنے کے ساتھ وہ قدرۃ ایک پر جوش مسلم ثابت ہوئے امام بخاری ترجمۃ الباب میں فرماتے ہیں: ۲

کان ابن عباس مع امہ من المستضعفین وکم یکن مع ابیہ علی

دین قومہ و قال الا سلام یعلو و لا یعلی

”حضرت ابن عباسؓ اپنی ماں کے ساتھ ضعیفائے اسلام میں تھے (جو اپنی

مجبوریوں کے باعث مکہ میں رہ گئے تھے) وہ اپنے والد کے ساتھ اپنی قوم کے

مذہب پر نہ تھے وہ کہا کرتے تھے کہ اسلام سر بلند رہے گا مغلوب نہ ہوگا۔“

حضرت عبداللہ بن عباسؓ جب یہ آیت تلاوت فرماتے ”۱ لا المستضعفین من

الرجال والنساء والولدان“ تو فرماتے تھے کہ میں بھی اپنی والدہ کے ساتھ ان لوگوں میں

شامل تھا جن کو خدا نے معذور قرار دیا ہے، ۳

۱۔ اسد الغلبہ تذکرہ عبداللہ بن عباسؓ

۲۔ بخاری جلد ۱ ص ۱۸۰ ۳۔ بخاری جلد ۲ ص ۶۶۰

ہجرت حضرت عباسؓ ۸ھ میں فتح مکہ سے کچھ عرصہ پہلے حلقہ بگوش اسلام ہوئے، اور اپنے اہل و عیال کے ساتھ ہجرت کر کے مدینہ پہنچے، حضرت عبداللہؓ کی عمر اس وقت گیارہ برس سے زیادہ نہ تھی، لیکن وہ اپنے والد کے حکم سے اکثر بارگاہ نبوت میں حاضر ہوتے تھے، ایک روز انہوں نے واپس آ کر بیان کیا ”میں نے رسول اللہ! کے پاس ایک ایسے شخص کو دیکھا جس کو میں نہیں جانتا تھا، کاش مجھے معلوم ہوتا کہ وہ کون تھے؟“ حضرت عباسؓ نے آنحضرت ﷺ سے اس کا تذکرہ کیا، آپ نے ان کو بلا کر فرط محبت سے اپنے آغوش عاطفت میں بٹھایا، اور سر پر ہاتھ پھیر کر دعا فرمائی، ”اے خدا! اس میں برکت نازل فرما اور اس سے علم کی روشنی پھیلا“۔

عہد طفولیت و مصاحبت رسول حضرت عبداللہ بن عباسؓ کو فطرۃً ذہین، سلیم الطبع، متین اور سنجیدہ تھے، تاہم انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی مصاحبت کا جو زمانہ پایا وہ درحقیقت ان کا عہد طفولیت تھا، جس میں انسان کو کھیل کود سے دل آویزی ہوتی ہے، فرماتے ہیں کہ میں لڑکوں کے ساتھ گلیوں میں کھیلتا پھرتا تھا، ایک روز رسول اللہ ﷺ کو پیچھے آتے ہوئے، دیکھا تو جلدی سے ایک گھر کے دروازے میں چھپ گیا، لیکن آپؐ نے آ کر مجھے پکڑ لیا اور سر پر ہاتھ پھیر کر فرمایا ”جامعاویہ کو بلا لا“ وہ آنحضرت ﷺ کے کاتب تھے، میں دوڑ کر ان کے پاس گیا اور ”کہا چلیے رسول ﷺ آپ کو یاد فرماتے ہیں، کوئی خاص ضرورت ہے؟“۔

ام المؤمنین حضرت میمونہؓ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی خالہ تھیں اور ان کو نہایت عزیز رکھتی تھیں، اس لئے وہ اکثر ان کی خدمت میں حاضر رہتے، کبھی کبھی رات کے وقت بھی ان ہی کے گھر سو رہتے تھے، اس طرح ان کو رسول ﷺ کی صحبت سے مستفیض ہونے کا بہترین موقع میسر تھا، فرماتے ہیں کہ ”ایک مرتبہ میں رات کے وقت اپنی خالہ (حضرت میمونہؓ) کے پاس سو رہا تھا، آنحضرت ﷺ تشریف لائے اور چار رکعت نماز پڑھ کر استراحت فرما ہوئے، پھر کچھ رات باقی تھی کہ بیدار ہوئے اور مشکیزہ کے پانی سے وضو کر کے نماز پڑھنے لگے میں بھی اٹھ کر بائیں طرف کھڑا ہو گیا، آپؐ نے میرا سر پکڑ کر مجھے داہنی طرف کر لیا،“۔

اسی سلسلہ میں بارہا خدمت گذاری کا شرف بھی حاصل ہوا، ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نماز کے لئے بیدار ہوئے، انہوں نے وضو کے لئے پانی لا کر رکھ دیا، آپؐ نے وضو فرما کر پوچھا ”پانی کون لایا تھا؟“ حضرت میمونہؓ نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا نام لیا، آنحضرت ﷺ نے خوش ہو کر دعائیں دیں اور فرمایا ”اللھم فقہہ فی الدین و علمہ التأویل“ یعنی اے خدا! اس کو مذہب کا فقیہ بنا اور تاویل کا طریقہ سکھا،“۔

۱۲ اصابہ تذکرہ عبداللہ بن عباسؓ

۱۳ بخاری جلد ۱ ص ۹۷

۱۴ اسد الغابہ تذکرہ عباس بن عبدالمطلبؓ

۱۵ مسند جلد ۱ ص ۲۹۱

۱۶ مسند احمد جلد ۱ ص ۳۲۸، و مستدرک جلد ۳ ص ۵۳۴

ایک دفعہ وہ نماز میں آنحضرت ﷺ کے پیچھے کھڑے ہوئے، آپ نے ان کا ہاتھ پکڑ کر کھینچا اور اپنے برابر کھڑا کر لیا، لیکن وہ جیس جیس میں کھڑے کے کھڑے رہ گئے، آنحضرت ﷺ نے نماز سے فارغ ہو کر پوچھا، تمہارا کیا حال ہے؟ عرض کی ”یا رسول اللہ! کیا آپ کے برابر کھڑا ہونا کسی کے لئے مناسب ہے، حالانکہ آپ رسول خدا ہیں، آنحضرت ﷺ نے ان کے لئے از دیاد علم و فہم کی دعا فرمائی۔

خلفائے راشدینؓ کا عہد..... حضرت عبد اللہ بن عباسؓ صرف تیرہ برس کے تھے کہ حضرت سرور کائنات ﷺ نے اس دار فانی سے رحلت فرمائی، سوادو برس کے بعد خلیفہ اول نے بھی داغ مفارقت دیا، خلیفہ دوم یعنی حضرت عمر فاروقؓ مسند آرائے خلافت ہوئے تو وہ سن شباب کو پہنچ چکے تھے، حضرت عمرؓ نے ان کو جو ہر قابل پا کر خاص طور سے اپنے دامن تربیت میں لے لیا، اور اکابر صحابہؓ کی علمی صحبتوں میں شریک کیا، یہاں تک کہ لوگوں کو اس پر رشک ہوتا تھا، صحیح بخاری میں خود حضرت عبد اللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ حضرت عمرؓ مجھ کو شیوخ بدر کے ساتھ بٹھایا کرتے تھے، اس پر بعض بزرگوں نے کہا کہ آپ اس نو عمر کو ہمارے ساتھ کیوں شریک کرتے ہیں، اور ہمارے لڑکوں کو جوان کے ہمسر ہیں کیوں یہ موقع نہیں دیتے؟ حضرت عمرؓ نے فرمایا ”یہ وہ شخص ہے جس کی قابلیت تم کو بھی معلوم ہے“۔

محدث ابن عبد البر استیعاب میں تحریر فرماتے ہیں، ”کان عمر یحب ابن عباس و یقر بہ“ یعنی حضرت عمرؓ ابن عباسؓ کو محبوب رکھتے تھے، اور ان کو تقرب دیتے تھے، بسا اوقات حضرت عمرؓ کی مجلس میں کوئی مسئلہ پیش ہوتا، حضرت عبد اللہ بن عباسؓ اس کا جواب دینا چاہتے لیکن کم سنی کی وجہ سے جھجکتے، حضرت عمرؓ ان کی ہمت بندھاتے اور فرماتے ”علم عمر کی کمی اور زیادتی پر موقوف نہیں ہے، تم اپنے نفس کو حقیر نہ بناؤ“۔ حضرت عمرؓ اکثر پیچیدہ اور مشکل مسائل ان سے حل کراتے تھے، اور ان کی فطری ذہانت و طباعی سے خوش ہو کر داد دیتے تھے، انشا اللہ علم و فضل کے بیان میں اسکی تفصیل آئے گی۔

خلیفہ ثالث کے عہد میں عبد اللہ بن ابی سرح والی مصر کے زیر اہتمام ۳۷ھ میں افریقہ پر فوج کشی ہوئی، حضرت عبد اللہ بن عباسؓ ایک جماعت کے ساتھ مدینہ منورہ سے چل کر اس مہم میں شریک ہوئے اہد ایک سفارت کے موقع میں جریر شاہ افریقہ سے مکالمہ ہوا، اس کو ان کی ذہانت و طباعی سے نہایت حیرت ہوئی اور بولا ”میں خیال کرتا ہوں کہ آپ جریر (عرب کے کوئی عالم تبحر) ہیں“۔

۱۔ مسند احمد جلد ۱ ص ۲۳۰، مستدرک جلد ۳ ص ۵۳۵،

۲۔ بخاری جلد ۲ ص ۶۱۵،

۳۔ اصابتہ ذکرہ عبد اللہ بن عباسؓ

امارت حج چونکہ ۳۵ھ میں حضرت عثمانؓ محصور تھے، اس لئے اس سال وہ خود امارت حج کا فرض انجام نہ دے سکے، انہوں نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کو بلا کر فرمایا ”خالد بن عاص کو میں نے مکہ کا والی مقرر کیا ہے، میں ڈرتا ہوں کہ امارت حج کے فرائض انجام دینے پر شاید ان کی مزاحمت کی جائے اور اس طرح خانہ خدا میں بھی فتنہ و فساد اٹھ کھڑا ہو، اس لئے میں تم کو اپنا قائم مقام بنا کر بھیجتا ہوں“۔

حضرت عبداللہؓ اس خدمت کو سرانجام دے کر واپس آئے تو مدینہ نہایت پر آشوب ہو رہا تھا، خلیفہ ثالثؓ شہید ہو چکے تھے، اور حضرت علیؓ کو بار خلافت اٹھانے پر لوگ مجبور کر رہے تھے، انہوں نے ان سے مشورہ طلب کیا۔

حضرت علیؓ: خلافت کے متعلق تمہاری کیا رائے ہے؟ میں خیال کرتا ہوں کہ اس حادثہ عظیم کے بعد کوئی شخص اس بار کو اٹھانے کی جرأت نہیں کر سکتا۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ: یہ ضروری ہے کہ اب جس کے ہاتھ پر بیعت کی جائے گی اس پر خون ناحق کا اتہام لگایا جائے گا، تاہم لوگوں کو اس وقت آپ کی ضرورت ہے۔

غرض المدینہ کے اتفاق عام سے حضرت علیؓ مسند آرائے خلافت ہوئے اور نئے سرے سے ملکی نظم و نسق کا اہتمام شروع ہوا، حضرت مغیرہ بن شعبہؓ نے مشورہ دیا کہ سر دست موجودہ عمال و حکام برقرار رکھے جائیں، لیکن جب حضرت علیؓ نے سختی کے ساتھ اس سے انکار کیا تو انہوں نے دوسرے روز اپنی رائے واپس لے لی، اور کہا ”امیر المؤمنین! میں نے رائے دینے کے بعد غور کیا تو آپ ہی کا خیال انسب نظر آیا“۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ فوراً اصل حقیقت کو تازہ گئے اور بولے، میرے خیال میں مغیرہ کی پہلی رائے خیر خواہی پر مبنی تھی، لیکن دوسری دفعہ انہوں نے آپ کو دھوکہ دیا“۔

حضرت علیؓ: خیر خواہی کیا تھی؟

حضرت عبداللہ بن عباسؓ: آپ جانتے ہیں کہ معاویہ اور ان کے احباب دیندار ہیں، اگر آپ ان کو برطرف کر دیں گے تو وہ تمام ملک میں شورش و فتنہ پردازی کی آگ بھڑکا دیں گے، اور اہل شام و عراق کو خلیفہ ثالثؓ کے انتقام پر ابھار کر آپ کے خلاف کھڑا کر دیں گے۔

حضرت علیؓ: اس میں شک نہیں کہ تمہاری رائے مصالح دنیاوی کے لحاظ سے نہایت صائب ہے، تاہم میرا ضمیر اس کو پسند نہیں کرتا کہ میں جن لوگوں کی بد اعمالیوں سے واقف ہوں ان کو اپنے عہدوں پر برقرار رہنے دوں گا، خدا کی قسم! میں کسی کو نہ رہنے دوں گا، اگر سرکشی کریں گے تو تلوار سے فیصلہ کروں گا۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ: میری بات مانئے، گھر کا دروازہ بند کر کے بیٹھ جائیے یا اپنی

جاگیر پر بیع چلے جائے، لوگ تمام دنیا کی خاک چھان ماریں گے، لیکن آپ کے سوا کسی کو خلافت کے لائق نہ پائیں گے، خدا کی قسم! اگر آپ ان مصریوں کا ساتھ دیں گے تو کل ضرور آپ پر عثمانؓ کے خون کا اتہام لگایا جائے گا۔

حضرت علیؓ: اب کنارہ کش ہونا میرے امکان سے باہر ہے۔

حضرت علیؓ نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کو امیر معاویہؓ کے بجائے شام کا والی مقرر کرنا چاہا، لیکن انہوں نے انکار کیا، اور بار بار یہی مشورہ دیا کہ آپ معاویہؓ کو برقرار رکھ کر اپنا طرفدار بنا لیجئے، یہاں تک کہ ایک مرتبہ حضرت علیؓ نے برہم ہو کر نہایت سختی سے انکار کر دیا اور فرمایا ”خدا کی قسم یہ کبھی نہیں ہوسکتا“۔

غرض اس تشدد آمیز طرز عمل پر حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے جو اندیشہ ظاہر کیا تھا وہ واقعہ بن کر سامنے آیا، تمام ملک میں جناب امیرؓ کے خلاف مخالفت کی آگ بھڑک اٹھی، ایک طرف حضرت طلحہؓ، حضرت زبیرؓ، اور حضرت عائشہؓ نے مطالبہ اصلاح و انتقام کا علم بلند کر کے بصرہ پر قبضہ کر لیا اور دوسری طرف امیر معاویہؓ نے شام میں ایک عظیم الشان جنگ کی تیاریاں شروع کر دیں۔

جنگِ جمل..... حضرت علیؓ بصرہ کو محفوظ رکھنے کے خیال سے ایک فوج گراں کے ساتھ مدینہ منورہ سے روانہ ہوئے تھے، لیکن وہ پہلے داعیان اصلاح کے قبضہ میں آچکا تھا، اس لئے طرفین نے میدانِ ذی قار میں صف آرائی کی، حضرت عبداللہ بن عباسؓ جناب امیرؓ کی طرف سے اہل حجاز کی افسری پر مامور ہوئے اور جنگ شروع ہونے پر نہایت شجاعت و جانبازی کے ساتھ نبرد آزما ہوئے، یہاں تک کہ حامیانِ عرشِ خلافت کی فتح پر اس افسوس ناک خانہ جنگی کا خاتمہ ہوا۔

ولایتِ بصرہ..... بصرہ پر دوبارہ قبضہ ہونے کے بعد حضرت عبداللہ بن عباسؓ یہاں کے گورنر بنائے گئے اور زیادان کے مشیر اور بیت المال کے مہتمم مقرر ہوئے۔

معرکہ صفین..... جنگِ جمل کے بعد امیر معاویہؓ سے معرکہ صفین پیش آیا، حضرت عبداللہ بن عباسؓ بصرہ سے ایک جماعت فراہم کر کے جناب امیرؓ کی حمایت میں میدانِ جنگ میں پہنچے اور نہایت جانبازی و پامردی کے ساتھ سرگرم کارزار ہوئے، حضرت علیؓ نے ان کو میسرہ کا افسر مقرر فرمایا تھا، چونکہ دونوں طرف سے روزانہ تھوڑی تھوڑی فوجیں نکل کر معرکہ آرا ہوتی تھیں، اس لئے اس جنگ کا سلسلہ طویل عرصہ تک قائم رہا، لیکن رفتہ رفتہ حامیانِ خلافت کا پلہ بھاری ہونے لگا یہاں تک کہ ایک روز شامی فوجوں نے شکست کے خوف سے اپنے نیزوں پر قرآن مجید بلند کر کے صلح کی دعوت دی، گو جناب مرتضیٰؓ اور ان کے ہوا خواہوں نے اپنی فوج کو اس دامِ نزویر سے

محفوظ رکھنے کی بے پناہ کوشش کی تاہم مخالف کا جادو چل چکا تھا، ایک بڑی جماعت نے دعوت قرآن کی تسلیم کرنے پر اصرار کیا۔

ثالثی اور اس کا حشر..... غرض جنگ ملتوی ہو گئی اور مسئلہ خلافت کا فیصلہ دو حکم پر محمول ہوا، شامیوں نے حضرت عمرو بن العاصؓ کو حکم مقرر کیا اور اہل عراق کی طرف سے حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کا انتخاب ہوا، حضرت علیؓ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کو ثالث بنانا چاہتے تھے، لیکن لوگوں نے اس پر اعتراض کیا اور کہا ”آپ اور عبداللہ بن عباسؓ ایک ہی ہیں، حکم کو غیر جانبدار ہونا چاہیے۔“

دونوں فریق کے اتفاق سے دومۃ الجندل حکمین کے لئے مقام اجلاس قرار پایا، اور ہر ایک نے اپنے حکم کے ساتھ چار ہزار آدمیوں کے جمعیت ساتھ کر دی، حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کے ساتھ جو فوج گئی تھی اس کے افسر شریح بن ہانی اور مذہبی نگران حضرت عبداللہ بن عباسؓ تھے۔ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ نہایت نیک طبیعت و سادہ مزاج تھے، وہ جب تخیل میں حضرت عمرو بن العاصؓ سے کسی فیصلہ پر متفق ہو کر باہر تشریف لائے تو حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے ان سے کہا ”خدا کی قسم! مجھے یقین ہے کہ عمروؓ نے آپ کو دھوکہ دیا ہوگا، اگر کسی رائے پر اتفاق ہوا ہو تو آپ ہرگز اعلان میں سبقت نہ کیجئے گا، وہ نہایت چالاک ہیں، کیا عجب ہے کہ آپ کے بیان کی مخالفت کر بیٹھیں،“ ”بولے“ ہم دونوں ایک ایسی رائے پر متحد ہوئے ہیں کہ اس میں اختلاف کی گنجائش نہیں،“ غرض دوسرے روز مسجد میں مسلمانوں کا مجمع ہوا، حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ نے حضرت عمرو بن العاصؓ کے اصرار پر کھڑے ہو کر یہ متفق علیہ فیصلہ سنایا۔

صاحبو! ہم نے علیؓ اور معاویہؓ دونوں کو معزول کر کے پھر نئے سرے سے مسلمانوں کو مجلس شوریٰ کو انتخاب کا حق دیا، وہ جس کو چاہے اپنا امیر بنائے۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے جو اندیشہ ظاہر کیا تھا، وہ نہایت صحیح ثابت ہوا عمرو بن العاصؓ نے قرارداد سے منحرف ہو کر کہا! بے شک علیؓ کو جیسا کہ ابو موسیٰ نے معزول کیا، میں بھی معزول کرتا ہوں، لیکن معاویہؓ کو اس منصب پر قائم رکھتا ہوں کیونکہ وہ امیر المومنین عثمانؓ کے ولی اور خلافت کے سب سے زیادہ مستحق ہیں۔“

حضرت ابو موسیٰؓ اس خلاف بیانی پر ششدر رہ گئے، چلا کر کہنے لگے یہ کیا غداری ہے؟ یہ کیا بے ایمانی ہے؟ افسوس! ابن عباسؓ نے مجھے عمروؓ کی غداری سے ڈرایا تھا، لیکن میں نے اس پر اطمینان رکھ لیا، مجھے کبھی یہ گمان نہ تھا کہ وہ مسلمانوں کی خیر خواہی پر کسی چیز کو ترجیح دیں گے، غرض اس ثالثی نے ہمتی کو سلجھانے کے بجائے اور زیادہ الجھا دیا، جناب امیرؓ کے اعوان و انصار میں تفریق و اختلاف کی ہوا چل گئی اور ایک بڑی جماعت نے لشکر حیدری سے کنارہ کش ہو کر خارجی فرقہ کی بنیاد ڈالی اس کا عقیدہ تھا کہ معاملات دین میں حکم مقرر کرنا کفر ہے، اس بنا پر دونوں حکم

اور ان کے انتخاب کرنے والے کافر ہیں،

حضرت علیؓ نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کو خارجیوں کے پاس بھیجا کہ بحث و مباحثہ سے ایک ضلالت دور کر دیں، لیکن قلوب تاریک ہو چکے تھے، آنکھوں پر ضلالت و گمراہی کا پردہ پڑ چکا تھا، اس لئے ارشاد و ہدایت کی تمام کوششیں ناکام رہیں۔

معمر کہ نہروان..... خارجیوں نے نہروان میں مجمع ہو کر عملاً سرکشی اختیار کی اور تمام ملک میں قتل و غارتگری کا بازار گرم کر دیا، حضرت علیؓ دوبارہ شام پر فوج کشی کے خیال سے روانہ ہو چکے تھے، ان سرکشوں کا حال سکر نہروان کی طرف پلٹ پڑے، حضرت عبداللہ بن عباسؓ گورنری کے عہدہ پر بصرہ پہنچ گئے تھے، وہاں سے تقریباً سات ہزار کی جمعیت فراہم کر کے مقام نخیلہ میں افواج خلافت سے مل گئے اور نہروان پہنچ کر نہایت بہادری و پامردی کے ساتھ سرگرم پیکار ہوئے،

ایران کی حکومت..... جنگ نہروان نے گو خارجیوں کا زور توڑ دیا تھا تاہم ان کی چھوٹی چھوٹی جماعتوں نے فارس، کرمان و ایران کے دوسرے اضلاع میں پھیل کر ایک عام شورش برپا کر دی، اور ذمیوں کو بھڑکا کر آمادہ بغاوت کر دیا، چنانچہ ایران کے اکثر صوبوں میں عمال نکال دیئے گئے، اور عجمیوں نے خراج ادا کرنے سے قطعاً انکار کر دیا، حضرت علیؓ نے اپنے تمام عمال کو بلا کر اس شورش کے متعلق مشورہ طلب کیا حضرت عبداللہ نے کہا، ”میں ایران میں تسلط قائم کرنے کا ذمہ لیتا ہوں“، چونکہ بصرہ ایران کے باغی اضلاع سے بالکل متصل تھا اور وہ ایک عرصہ وہاں کامیابی کے ساتھ گورنری کے فرائض انجام دے رہے تھے، اس لئے حضرت علیؓ نے ان کی درخواست قبول فرمائی اور ان کو تمام ایران کا حاکم اعلیٰ بنا دیا۔

بغاوت کا استیصال..... حضرت عبداللہ نے بصرہ پہنچ کر زیاد بن ابیہ کو ایک زبردست جمعیت کے ساتھ ایران کی بغاوت فرو کرنے پر مامور فرمایا، چنانچہ انہوں نے بہت جلد کرمان، فارس اور تمام ایران میں امن و سکون پیدا کر دیا۔

مکہ میں عزلت نشینی..... ایک روایت کے مطابق ۴۰ھ یعنی حضرت علیؓ کی زندگی ہی میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے بصرہ کے عہدہ امارت سے مستعفی ہو کر مکہ میں عزلت نشینی اختیار کر لی، وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور ابوالاسود دؤلی قاضی بصرہ میں باہم مخالفت تھے، ابوالاسود نے بارگاہ خلافت میں ان کی شکایت لکھی کہ انہوں نے بیت المال میں تصرف بے جا کیا ہے، حضرت علیؓ نے ان سے جواب طلب کیا تو انہوں نے لکھا۔

ان الذی بلغک باطل و انی لما تحت یدی ضابط قائم له وله

حافظ فلا تصدق الظنون.

ایہ تمام واقعات طبری سے ماخوذ ہیں، تاریخ الطوال

۳۴۴ھ

۳۴۴ھ

”آپ کو جو خبر ملی ہے وہ قطعاً غلط ہے، میرے قبضہ میں جو کچھ ہے میں اس کا

محافظ و نگہبان ہوں، آپ ان بدگمانیوں کو باور نہ فرمائیں۔“

حضرت علیؑ نے اس کے جواب میں ان سے بیت المال کا تمام و کمال حساب طلب کیا،

حضرت عبداللہ عباسؓ کو یہ ناگوار گذرا، انہوں نے برداشتہ خاطر ہو کر لکھا

فہمت تعظیمنک مر راة ما بلغک انی رزاقہ من مال اہل ہذا

البلد فا بعث الی عملک من احببت فانی طاعن منہ و السلام۔

”میں سمجھتا ہوں کہ آپ اس شکایت کو کہ میں : اس شہر والوں کے مال میں

کچھ خورد برد کیا ہے، زیادہ اہمیت دینا چاہتے ہیں، اس لئے آپ اپنے کام پر جس کو

چاہیے بھیج دیئے میں اس سے کنارہ کش ہوتا ہوں۔“

ایک دوسری روایت ہے کہ حضرت علیؑ نے جب زیادہ باز پرس کی تو انہوں نے لکھ بھیجا کہ

ابھی میں نے اپنا پورا حق نہیں لیا ہے اور بیت المال سے ایک بڑی رقم لے کر مکہ چلے گئے،

لیکن صحیح یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ حضرت علیؑ کی شہادت تک بصرہ کی گورنری پر

مامور تھے، البتہ جب حضرت امام حسینؓ اور امیر معاویہؓ میں مصالحت کی سلسلہ جنبانی شروع ہوئی

تو انہوں نے بطور حفظ ما تقدم پہلے ہی امیر معاویہؓ کو خط لکھ کر جان و مال کی امان حاصل کی اور مکہ

جا کر گوشہ نشین ہو گئے۔

حضرت امام حسینؓ کو کوفہ جانے سے منع کرنا ۶۰ھ میں امیر معاویہؓ کے بعد جب

یزید مسند نشین حکومت ہوا تو شیعیان علی مرتضیٰ نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو اس انقلاب

سے فائدہ اٹھانے پر ابھارا اور کوفہ آنے کی دعوت دی چنانچہ وہ مدینہ سے مکہ آئے اور یہاں سے

عازم کوفہ ہوئے۔

چونکہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کو فیوں کے غداری کا دیرینہ تجربہ رکھتے تھے، اس لئے

انہوں نے حضرت حسینؓ کو بہ اصرار کوفہ جانے سے منع کیا اور کہا۔

عبداللہ بن عباسؓ :- اے ابن عم! میں اپنے دل کو مطمئن کرنا چاہتا ہوں، لیکن وہ نہیں ہوتا،

اس طریقہ سے جانے میں مجھ کو تمہاری ہلاکت و تباہی کا خوف ہے، اہل عراق نہایت غدار ہیں، تم

ان کے قول و قرار پر اعتبار نہ کرو، تم اہل حجاز کے سردار ہو، اس لئے کوفہ جانے سے یہیں مقیم رہنا

زیادہ مناسب ہے، ہاں! اگر اہل کوفہ درحقیقت تمہارے عقیدت کیش ہیں، تو ان کو لکھو کہ وہ

پہلے اپنے ملک سے دشمن کو نکال باہر کریں، پھر ان کے پاس جاؤ، اگر یہ منظور نہ ہو تو یمن کی راہ لو،

وہاں بہت سے قلعے اور گھاٹیاں ہیں، ملک نہایت وسیع و فراخ ہے اور تمہارے والد کا اثر بھی

خاصہ ہے، علاوہ ازیں دشمن کے دور ہونے کے باعث لوگوں سے مراسلت و مکاتبت کر سکتے ہو اور تمام ملک میں اپنے داعی پھیلا سکتے ہو، مجھے امید ہے کہ اسی طرح زیادہ آسانی و اطمینان کے ساتھ تمہارا مقصد حاصل ہو جائے گا،

حضرت حسینؑ:۔ اے ابن عم! خدا کی قسم میں جانتا ہوں کہ آ مہربان ہیں، لیکن اب سفر کوفہ کی تیاریاں ہو چکی ہیں اور میں نے وہاں جانے حضرت عبداللہ بن عباسؑ:۔ اگر تم جاتے ہو تو خدا را بیوی، بچوں کو ساتھ نہ لے جاؤ، خدائی قسم! مجھے خطرہ ہے کہ کہیں تم بھی اس طرح نہ شہید کیے جاؤ جس طرح (حضرت عثمانؓ) اپنی عورتوں اور بچوں کے سامنے ذبح کیے گئے۔

لیکن مشیت الہی میں کس کو دخل تھا، حضرت عبداللہ بن عباسؑ کے ضد و اصرار کے باوجود حضرت امام حسنؑ اپنے تمام خاندان کے ساتھ راہی کوفہ ہوئے اور میدان کر بلا نے وہ خونین منظر پیش کیا جس سے جگر پاش پاش ہوتا ہے، حضرت عبداللہ بن عباسؑ کو اپنے خاندان کی تباہی کا جو روح فرسا صدمہ ہوا ہوگا اس کا کون اندازہ کر سکتا ہے؟ وہ بیس سال سے گوشہ نشین تھے، لیکن اس واقعہ کے بعد تمام دنیا ان کے سامنے تیرہ و تار تھی، بیان کیا جاتا ہے کہ وہ اخیر عمر میں نابینا ہو گئے تھے۔ شاید اسی جگر خراش سانحہ کا اثر ہو۔

حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کی بیعت سے انکار..... اسی سال حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے مکہ میں خلافت کا دعویٰ کیا، چونکہ حجاز و عراق میں عبداللہ بن عباسؑ کے معتقدین کی ایک بڑی جماعت تھی، اس لئے انہوں نے ان سے بیعت کے لئے بے حد اصرار کیا اور بصورت انکار آگ میں جلادینے کی دھمکی دی، لیکن وہ تمام جھگڑوں سے کنارہ کش ہو چکے تھے، اس بنا پر انہوں نے نہایت سختی سے انکار کیا، اور ابوالطفیل کو کوفہ بھیج کر اپنے معتقدین سے مدد طلب کی۔

ابو طفیل کا بیان ہے کہ ہم کوفہ سے چار ہزار جان نثاروں کی ایک جماعت لے کر نعرہ تکبیر بلند کرتے ہوئے، مکہ میں داخل ہوئے تو حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے غلاف کعبہ تھام کر پناہ حاصل کی، حضرت عبداللہ بن عباسؑ کے مکان کے ارد گرد لکڑیوں کا انبار لگایا جا چکا تھا، ہم نے ان سے کہا ”اگر آپ اجازت دیجئے تو اس شخص سے مخلوق الہی کو نجات دیں“ بولے ”نہیں یہ حرم ہے! یہاں کشت و خون جائز نہیں، تم صرف میری حفاظت کرو اور مجھے پناہ دو“ ۲

حضرت عبداللہ بن عباسؑ درحقیقت بنو امیہ کی بہ نسبت حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کو خلافت کا زیادہ مستحق سمجھتے تھے، ابن ابی ملیکہ فرماتے ہیں کہ ایک روز میں نے ان کی خدمت میں حاضر ہو کر کہا ”کیا آپ ابن زبیرؓ سے لڑ کر حرم الہی کو حلال کرنا چاہتے ہیں؟“ بولے ”معاذ اللہ! حرم میں

خونریزی کرنا تو صرف بنو امیہ اور ابن زبیر کی قسمت میں لکھا ہے، میں خدا کی قسم ابھی ایسی جرأت نہ کروں گا، میں نے کہا ”لوگ ابن زبیر کے ہاتھ پر بیعت کر رہے ہیں، معلوم نہیں ان کو خلافت کا دعویٰ کس بنا پر ہے؟“ فرمایا ”کیوں نہیں! ان کے والد زبیرؓ حواری رسول تھے، ان کے نانا، ابو بکرؓ آنحضرت ﷺ کے رفیق غار تھے، ان کی ماں اسماءؓ ذات الطلاق تھیں، ان کی خالہ عائشہؓ، ام المؤمنین تھیں، ان کے والد کی پھوپھی خدیجہؓ آنحضرت ﷺ کی حرم محترم تھیں، اور ان کی دادی صفیہؓ آنحضرت ﷺ کی پھوپھی تھیں، پھر وہ ایک خود بھی پاک باز مومن اور قاری قرآن ہیں، خدا کی قسم! اگر وہ میرے ساتھ کوئی احسان کریں گے تو ایک رشتہ دار کا احسان ہوگا اگر وہ میری پرورش کریں گے تو یہ اپنے ایک ہمسر محترم کی پرورش ہوگی۔“

طائف منتقل ہونا..... لیکن دلی ہمدردی اور جانبداری کے باوجود انکار بیعت سے جو مخالفت پیدا ہوئی تھی، اس کی بنا ر مکہ میں ان کا رہنا خطرہ سے خالی نہ تھا، اس لئے کوئی معاونین کی حفاظت میں مکہ سے طائف منتقل ہو گئے اور بقیہ زندگی کے دن وہیں پورے کئے۔

وفات..... ۶۱ھ میں پیمانہ حیات لبریز ہو گیا، ایک روز سخت بیمار ہوئے، بستر علالت کے ارد گرد احباب و معتقدین کا ہجوم تھا، بولے ”میں ایک ایسی جماعت میں دم توڑوں گا جو روئے زمین پر خدا کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب مشرف و مقرب ہے، اس لئے اگر میں تم لوگوں میں مروں تو یقیناً تم ہی وہ بہتر جماعت ہو“۔ غرض ہفت روزہ علالت کے بعد طائر روح نے قفس عنصری چھوڑا، محمد بن حنفیہ نے جنازہ کی نماز پڑھائی اور سپرد خاک کر کے کہا ”خدا کی قسم! آج دنیا سے حرامت اٹھ گیا“۔ غیب سے ندا آئی

یا ایہا النفس المطمئنة ارجعی الی ربک راضیة مرضیة (فجر)
”یعنی اے نفس مطمئن! اپنے خدا کی طرف خوشی خوشی لوٹ آ“۔ ۲

علم و فضل

فضل و کمال کے اعتبار سے حضرت ابن عباسؓ اس عہد مبارک کے ممتاز ترین علماء میں تھے ان کی ذات ایسی زندہ کتاب خانہ تھی، جس میں تمام علوم و معارف بہ ترتیب جمع تھے، قرآن، تفسیر، حدیث، فقہ، ادب، شاعری، وغیرہ کوئی ایسا علم نہ تھا جس میں ان کو ید طولی حاصل نہ رہا ہو۔ تفسیر..... بالخصوص قرآن پاک کی تفسیر و تاویل میں جو مہارت اور آیات قرآنی کے شان نزول اور ناخ و منسوخ کے علم میں جو وسعت ان کو حاصل تھی، وہ کم کسی کے حصہ میں آئی، حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ جو علم و فضل میں ان کے ہمسر تھے، فرماتے تھے کہ ”عبداللہ بن عباسؓ قرآن

کے کیا اچھے ترجمان ہیں، ”اشقیق تابعی راوی ہیں کہ ایک مرتبہ حج کے موسم میں عبداللہ بن عباسؓ نے خطبہ دیا اور اس میں سورہ نور کی تفسیر بیان کی، میں کیا بتاؤں وہ کیا تفسیر تھی، اس سے پہلے نہ میرے کانوں نے سنی تھی، نہ آنکھوں نے دیکھی تھی، اگر اس تفسیر کو فارس اور روم والے سن لیتے تو پھر اسلام سے ان کو کوئی چیز نہ روک سکتی۔

حضرت عمرؓ کی علمی مجلسوں میں یہ برابر شریک تھے، اور قرآن پاک کی فہم میں وہ اکثر بڑے بڑے صحابہؓ سے بازی لے جاتے تھے، ایک دن فاروق اعظمؓ کے حلقہ مجلس میں اکابر صحابہؓ کا مجمع تھا، ابن عباسؓ بھی موجود تھے، حضرت عمرؓ نے اس آیت کا مطلب پوچھا۔

ایو دا حد کم ان تکون له جنة من نخيل و اعناب تجري من
تحتها الا نهر له فيها من كل الثمرات و اصا به الکبر و له ذرية ضعفاء
فا صابها اعصار فيه نار فاحترقت کذا لک یبین اللہ لکم الایة
لعلکم تتقون

”کیا تم میں سے کوئی اس کو پسند کریگا کہ اس کا کھجور اور انگور کا ایک باغ ہے جس کے نیچے نہریں رواں ہوں، اس کے لئے ہر قسم کے پھل اس میں موجود ہوں، اور اس شخص پر بڑھاپا آگیا ہو اور اس کے ناتواں بچے ہوں، اس حالت میں اس باغ میں ایسا بگولہ آیا جس میں آگ بھری تھی، اس نے باغ کو جلا دیا، اسی طریقہ سے اللہ تمہارے لئے کھول کھول کر نشانیاں بیان کرتا ہے، شاید تم بچو“،

لوگوں نے کہا واللہ اعلم! حضرت عمرؓ کو اس بے معنی جواب پر غصہ آگیا، بولے اگر نہیں معلوم تو صاف صاف کیوں نہیں کہتے کہ نہیں معلوم، حضرت ابن عباسؓ جھجکتے ہوئے بولے میں کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں، فرمایا کہ تم اپنے کو چھوٹا نہ سمجھو جو دل میں ہو بیان کرو، کہاں اس میں عمل کی مثال دی گئی ہے، جواب گویا تھا، تاہم نا کافی تھا، حضرت عمرؓ نے پوچھا کیسا عمل؟ ابن عباسؓ اس سے زیادہ نہ بتا سکے، تب حضرت عمرؓ نے بتایا کہ اس میں اس دولت مند کی تمثیل ہے جو خدا کی اطاعت بھی کرتا ہے، لیکن اس کو شیطانی وسوسہ گناہوں میں مبتلا کر دیتا ہے، اور اس کے تمام اچھے اعمال برباد ہو جاتے ہیں،

حضرت عمرؓ ان کی ذہانت اور ذکاوت کی وجہ سے ان کو شیوخ بدر کے ساتھ مجلسوں میں شریک کرتے تھے، بعض صحابہؓ کو اس سے شکایت پیدا ہوئی، انہوں نے کہا کہ ان کو ہمارے سات مجلسوں میں کیوں شریک کرتے ہو، ان کے برابر تو ہمارے لڑکے ہیں؟ فرمایا تم لوگ ان کا مرتبہ جانتے ہو؟ اس کے بعد، ان کی ذہانت کا مشاہدہ کرانے کے لئے ایک دن ان کو بلا بھیجا اور

لوگوں سے پوچھا کہ

اذا جاء نصر الله و الفتح الخ (نصر)

”جب خدا کی نصرت اور فتح آگئی تو اے پیغمبر توبہ اور استغفار کرنا۔“

کے بارہ میں تم لوگوں کا کیا خیال ہے اس کے کیا معنی ہیں؟ کسی نے جواب دیا کہ نصرت و فتح پر ہم کو خدا کی حمد و ثنا کا حکم دیا گیا ہے، کوئی خاموش رہا، پھر حضرت ابن عباسؓ سے پوچھا کہ ابن عباسؓ! تمہارا بھی یہی خیال ہے؟ انہوں نے کہا نہیں! پوچھا پھر کیا ہے؟ عرض کی اس میں آنحضرت ﷺ کی وفات کا اشارہ ہے، حضرت عمرؓ نے فرمایا جو تم کہتے ہو یہی میرا بھی خیال ہے، اور حقیقت حضرت ابن عباسؓ کی فہم تفسیر قرآن میں ایسی دقیقہ رس تھی کہ وہاں تک مشکل سے دوسروں کا خیال پہنچ سکتا تھا، چنانچہ اس سورہ کا مقصد خاص محرمان اسرار کے علاوہ عام لوگ کم سمجھ سکتے تھے، جب یہ آیت نازل ہوئی تو اکثر صحابہ ضعیف مسرت و شادمانی کی لہر دوڑ گئی کہ اس میں خدا نے فتح و نصرت اور اسلام کی مقبولیت کے ایفاءئے عہد پر حمد و ثنا کا حکم دیا ہے، لیکن مقرب بارگاہ رسالت محرم، اسرار نبوت، ثانی اثین فی الغار حضرت ابو بکر صدیقؓ کی آنکھوں سے جوئے اشک رواں ہو گئی، کہ اس کی صبح وصل کا نور چھٹتا ہوا اور شام فراق کی تاریکی چھاتی ہوئی نظر آگئی تھی،

بظاہر اس سورہ کا آنحضرت ﷺ کی وفات سے کوئی تعلق نہیں معلوم ہوتا لیکن اگر انسان کے مقصد حیات کو پیش نظر رکھ کر اس کی ترتیب اور اس کے معنی پر غور کیا جائے تو مطلب واضح ہو جاتا ہے، دنیا میں انسان ایک نہ ایک مقصد لے کر آتا ہے، اور اس کے حصول کے بعد اس کے آنے کا مقصد پورا ہو جاتا ہے، پھر قیام کی ضرورت باقی نہیں رہتی، آنحضرت ﷺ دین الہی کی تبلیغ کے لئے دنیا میں تشریف لائے تھے، وہ پوری ہو چکی تو خدا نے فرمایا کہ جب خدا کی مدد اور اس کی فتح آچکی اور تم نے دیکھ لیا جوق در جوق خدا کے دین میں داخل ہو رہے ہیں تو اب تم خدا کی حمد و تقدس کرو، اس سے مغفرت چاہو، وہ بڑا توبہ قبول کرنے والا ہے، یعنی خدا کو کچھ کام تمہارے ذریعہ لینا تھا وہ لے چکا اب تم کو اس سے ملنے کی تیاری کرنی چاہیے۔

حضرت ابن عباسؓ تفسیر میں ہمیشہ عام، جامع اور قرین عقل شق کو اختیار کرتے تھے، سورہ کوثر کی تفسیر خود آنحضرت ﷺ سے حضرت عائشہؓ اور متعدد اکابر صحابہؓ کے ذریعہ سے منقول ہے، حضرت انسؓ راوی ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے سورہ کوثر کے نزول کے وقت پوچھا ”جانتے ہو کوثر کیا چیز ہے؟“ لوگوں نے عرض کی خدا اور اس کا رسول خوب جانتا ہے، فرمایا کہ خدا نے مجھ سے ایک نہر کا وعدہ کیا ہے جس میں بیٹھار بھلائیاں ہیں، قیامت کے دن اس حوض پر میری امت آئے

بخاری جلد ۱ ص ۲۳، کتاب التفسیر باب قوله فسیب بحمد ربک الخ،

صحیح بخاری

مسلم

گی۔ حضرت عائشہؓ اور حضرت انسؓ کوثر سے مراد نہر لیتے ہیں اور حضرت ابن عباسؓ ”خیر کثیر“ حضرت ابن عباسؓ کی اس تفسیر سے عطیہ الہی کی وسعت اور عظمت بہت بڑھ جاتی ہے، اور دوسری تفسیریں بھی اس کے تحت آ جاتی ہے، اور قرآن پاک کے سلسلہ کلام کا بھی یہی اقتضا ہے کہ کوثر سے مراد ”خیر کثیر“ لیا جائے، تاکہ اس کے بعد کفار سے برأت (قل یا ایہا الکافرون) اور فتح و نصر (فتح مکہ) کی بشارت اسی سلسلہ میں داخل ہو جائے۔

قل لا اسئلكم علیہ اجر الا المودة فی القربی (شوری ۳)

”کہہ دو اے محمد (تبلیغ رسالت کے عوض) میں تم سے کوئی صلہ نہیں مانگتا،

صرف قرابت داری کی محبت ملحوظ رکھو۔“

عام مفسرین ”قربی“ سے مراد خاص آنحضرت ﷺ کے اہل بیت لیتے ہیں، لیکن ابن عباسؓ قریش کے تمام قبائل کو اس میں شامل کرتے ہیں، ایک مرتبہ کسی نے ان سے مودة فی القربی کی تفسیر پوچھی، سعید بن جیر بولے اس سے مراد آنحضرت ﷺ کی قرابت ہے، یعنی آپ کے اہل بیت کی قرابت، ابن عباسؓ نے کہا تم نے جلد بازی سے کام لیا، قریش کا کوئی قبیلہ ایسا نہ تھا جس سے آنحضرت ﷺ کی قرابت نہ رہی ہو، اس آیت میں یہ سب شامل ہیں، ۲۔

تفسیر قرآن و فہم قرآن کے فطری ملکہ کے علاوہ شان نزول اور ناسخ و منسوخ کے بارے میں اس قدر حاضر المعلومات تھے کہ بمشکل کوئی ایسی آیت نکل سکے گی جس کے تمام جزئیات اور مالہ و ماعلیہ سے پوری ان کو واقفیت نہ ہو۔

لا تقولوا لمن القی الیکم السلم لست مومنا (نساء ۱۳)

”اے مسلمانو! (اظہار اسلام کے لئے) جو تم کو سلام کرے، اس کو تم خواہ مخواہ

نہ کہو تو مسلمان نہیں ہے۔“

بظاہر یہ ایک عام حکم ہے اس کی تفسیر بھی ابن عباسؓ کی ممنون احسان ہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ کسی غزوہ میں ایک شخص کچھ مال غنیمت لئے ہوئے تھے، مسلمانوں کا سامنا ہوا تو اس نے سلام کیا، ان لوگوں نے (شبہ میں) مار ڈالا، اور مال غنیمت چھین لیا، اس پر یہ حکم نازل ہوا۔ ۳۔

اسی طریقہ اس آیت،

ولقد علمنا المستقدمین منکم و لقد علمنا المستأخیرین

”ہم نے تم میں سے بعض ان لوگوں کو جو آگے بڑھ کر کھڑے ہوتے ہیں جان

بخاری کتاب التفسیر انا اعطینک الکوثر

۲۔ ایضاً باب قولہ تعالیٰ قل لا الخ

بخاری باب قولہ تعالیٰ لا تقولوا، و مسند احمد بن حنبل جلد ۱ ص ۲۲۹

لیا ہے اور ان کو پیچھے کھڑے ہوتے ہیں،
 کے متعلق بیان کرتے ہیں کہ ایک خوبصورت عورت جماعت کی نماز میں شریک ہوتی تھی،
 بعض محتاط اشخاص اگلی صف میں چلے جاتے تھے کہ اس پر نظر نہ پڑے اور بعض دیکھنے کی نیت سے
 پیچھے رہتے تھے، اور رکوع میں بغل کے راستہ میں نظر ڈال لیتے تھے، ان کی اس خیانت پر یہ آیت
 نازل ہوئی،

قرآن مجید کا یہ حکم:-

لا تحسبن الذين يفرحون بما اتوا و يحبون ان يحمدوا و ابمالهم يفعلوا فلا

تحسبنهم بمفازة من العذاب و لهم عذاب الیم (آل عمران ۱۹)

”اور جو لوگ اپنے کیے پر خوش ہوتے ہیں، اور جو نہیں کیا ہے اس پر تعریف
 چاہتے ہیں تو ایسے لوگوں کی نسبت ہرگز یہ خیال نہ کرو کہ وہ عذاب سے بچ جائیں
 گے، بلکہ ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔“

بظاہر انسانی فطرت کے کس قدر خلاف ہے، کیونکہ ہر شخص اپنے کیے پر خوش ہوتا ہے
 اور جو نہیں کرتا ہے اس پر بھی تعریف کا خواہاں ہے، اگر بہت بلند اخلاق کا شخص ہے تو زیادہ سے
 زیادہ وہ یہ کہ دوسرا جذبہ اس میں نہ ہوگا، اس تہدیدی حکم کے استفسار کے لئے مروان نے اپنے
 دربان کو عبد اللہ بن عباسؓ کے پاس بھیجا کہ ان سے جا کر پوچھو کہ ہم میں سے کون ایسا ہے، جس
 کے دل میں یہ جذبہ نہ ہو، اس حکم کے مطابق تو ہم سب عذاب میں مبتلا ہوں گے؟ حضرت ابن
 عباسؓ نے جواب دیا کہ اس کو ہم لوگوں سے کوئی تعلق نہیں، یہ ایک خاص موقعہ پر اہل کتاب کے
 بارہ میں نازل ہوئی تھی، پھر یہ آیت

واذ اخذ الله ميثاق الذين اتوا الكتاب لئلا ينسوا (آل عمران ۱۹)

”جب خدا نے ان لوگوں سے جن کو کتاب دی ہے وہ وعدہ لیا کہ وہ اسے لوگوں
 کو کھول کھول کے سنائیں گے۔“

تلاوت کر کے کہا کہ ان کو وہ حکم ملا تھا، مگر انہوں نے بالکل اس کے برعکس عمل کیا، ایک
 مرتبہ آنحضرت ﷺ نے ان سے کسی بات کے متعلق استفسار فرمایا، انہوں نے اصل جواب جو ان
 کی کتاب میں تھا چھپا ڈالا اور اپنے حسب منشا، دوسرا فرضی جواب دے کر آنحضرت ﷺ پر ظاہر
 کیا کہ انہوں نے اصل جواب دیا ہے، اور پھر اس فعل پر آنحضرت ﷺ سے خوشنودی کے طالب
 ہوئے اور اپنی اس چالاکی پر شاداں و فرحاں ہوئے، اس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ جو لوگ اپنے
 کیے پر خوش ہوتے ہیں (جیسا کہ اہل کتاب اپنی چالاکی پر خوش ہوئے تھے) اور جو نہیں کیا ہے

اس پر تعریف کے خواہاں ہوتے ہیں (جیسا کہ یہ لوگ آنحضرت ﷺ کی خوشنودی کے خواہاں ہوئے تھے) تو ایسے لوگوں کے لئے عذاب سے چھٹکارا نہیں ہے اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔

ذیل کے واقعہ سے ان کی فراست طباعی، دقیقہ سنجی، اور قوت استنباط کا اندازہ ہوگا ایک مرتبہ حضرت عمرؓ نے صحابہؓ کے مجمع میں سوال کیا کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا، ہے کہ لیلۃ القدر رمضان کے اخیر عشرہ کی ایک طاق رات ہے، تم لوگ اس سے کون سی طاق رات سمجھتے ہو؟ کسی نے ساتویں کسی نے پانچویں، کسی نے تیسری بتائی حضرت ابن عباسؓ سے فرمایا تم کیوں نہیں بولتے؟ عرض کی اگر آپ فرماتے ہیں تو مجھ کو کیا عذر ہو سکتا ہے، حضرت عمرؓ نے فرمایا میں نے بولنے ہی کے لئے تم کو بلایا تھا، کہا اپنی ذاتی رائے دوں گا، فرمایا ذاتی رائے تو پوچھتا ہی ہوں؟ کہا میں نے آنحضرت ﷺ سے سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سات کے عدد کو بہت اہمیت دی ہے، چنانچہ فرمایا کہ سات آسمان، سات زمین ایک دوسرے موقع پر فرمایا کہ ہم نے زمین کو پھاڑا اور اس میں ۱۔ غلہ، ۲۔ انگور، ۳۔ شاخ، ۴۔ زیتون، ۵۔ کھجور کے درخت گنجان باغ اور میوے اگائے، یہ بھی سات باتیں ہیں، حضرت عمرؓ نے یہ جواب سن کر فرمایا کہ تم لوگ اس بچے سے بھی گئے گذرے ہوئے، جس کے سر کے گوشہ بھی ابھی درست نہیں ہوئے، یہ جواب کیوں نہ دیا، گو بعض دوسرے صحابہؓ نے بھی سات کی تعین کی تھی، لیکن کسی استدلال کے ساتھ نہیں، سبھوں نے ایک ایک طاق رات اپنے اپنے قیاس و فہم کے مطابق لی، کسی نے سات کی شب بھی لی..... لیکن ابن عباسؓ نے قرآن سے اس کی تائید پیش کی، حضرت ابن عباسؓ تفسیر میں نہایت دلیری سے کام لیتے تھے، بعض محتاط صحابہؓ کی اس دلیری کو ناپسند کرتے تھے، لیکن بالآخر ان کو بھی ان کی مہارت تفسیر کا اعتراف کرنا پڑا۔

ایک مرتبہ حضرت ابن عمرؓ کے پاس ایک شخص آیا، اور اس نے آیت کا کانتا رتقا ففتقھا کا مطلب پوچھا، انہوں نے امتحان کی غرض سے ابن عباسؓ کے پاس بھیج دیا کہ ان سے پوچھ کر بتاؤ، اس نے جا کر پوچھا، انہوں نے بتایا کہ آسمان کا فتق یہ ہے کہ پانی برسائے زمین کا فتق یہ نباتات نہ اگائے، سائل نے واپس آ کر یہ جواب حضرت ابن عمرؓ کو سنایا انہوں نے کہا ابن عباسؓ کو نہایت سچا علم مرحمت ہوا ہے، مجھ کو تفسیر قرآن میں ان کی دلیری پر حیرت تھی لیکن اب معلوم ہوا کہ درحقیقت علم ان ہی کا حصہ ہے، حضرت ابن عمرؓ اس کے بعد قرآن کے سائلین کو خود جواب نہ دیتے تھے، بلکہ ابن عباسؓ کے پاس بھیج دیتے تھے، ایک مرتبہ عمرو بن حبشی نے ایک آیت کے متعلق ان سے استفسار کیا، انہوں نے کہا ابن عباسؓ سے پوچھو، قرآن کے جاننے والے جو لوگ

۱۔ مسند احمد بن حنبل جلد ۱ ص ۲۹۸

۲۔ مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۵۳۹

۳۔ اصحابہ جلد ۲ ص ۹۲

باقی رہ گئے ہیں، ان میں سب سے زیادہ معلومات وہی رکھتے تھے۔
 علوم قرآنی میں علم النسخ کی اہمیت بالکل عیاں ہے، حضرت ابن عباسؓ اس بحرِ خار کے بھی
 شناور تھے، اور تمام نسخ اور منسوخ احکام ان کے ذہن میں مستحضر تھے، یہ اس علم کو اس قدر اہمیت
 دیتے تھے، کہ بغیر اس پر حاوی ہوئے وعظ کی لب کشائی کی اجازت نہ دیتے تھے، ایک مرتبہ کسی
 راستہ سے گزر رہے تھے، ایک واعظ وعظ کہہ رہا تھا، اس سے پوچھا: نسخ منسوخ جانتے ہو کسے
 کہتے ہیں؟ اس نے کہا کہ نہیں؟ فرمایا، تو تم خود بھی ہلاک ہوئے اور دوسروں کو بھی ہلاک کیا؟
 گو حضرت ابن عباسؓ قرآن کی تعلیم میں بخل نہ کرتے تھے، اور ان کا دروازہ ہر طالب
 قرآن کے لئے کھلا ہوا تھا، تاہم وہ اس نکتہ سے بھی بے خبر نہ تھے، کہ جب کثرت سے قرآن کی
 اشاعت ہوئی اور ہر کس و نا کس فہم قرآن کا مدعی ہو جائے گا تو امت میں اختلاف کا دروازہ کھل
 جائے گا، ان کی اس نکتہ رسی کا اعتراف حضرت عمرؓ کو بھی کرنا پڑا، حضرت عمرؓ نے اپنے عہد خلافت
 میں سارے ممالک محروسہ میں حافظ قرآن.... مقرر کر دیئے تھے، وہ مسلمانوں کو قرآن کی تعلیم
 دیں، ایک دن ابن عباسؓ ان کے پاس بیٹھے ہوئے تھے، حاکم کوفہ کا خط آیا کہ کوفہ والوں نے اتنا
 اتنا قرآن پڑھ لیا، حضرت عمرؓ نے یہ معرہ سکر تکبیر کا نعرہ لگایا، لیکن ابن عباسؓ بولے کہ اب ان
 میں اختلاف کا ختم پڑ گیا، حضرت عمرؓ نے غصہ سے پوچھا تم کو کیسے معلوم ہوا؟ اس واقعہ کے بعد یہ
 گھر چلے آئے، لیکن حضرت عمرؓ کے دل میں ان کا کہنا کھٹکتا رہا، چنانچہ آدمی بھیج کر ان کو بلا بھیجا،
 انہوں نے عذر کر دیا، دوبارہ پھر آدمی بھیجا کہ تم کو آنا ہوگا، اس تاکید پر یہ چلے آئے، حضرت عمرؓ
 نے پوچھا تم نے کوئی رائے ظاہر کی تھی، انہوں نے کہا پناہ بخدا اب میں بھی دوبارہ کوئی خیال نہ
 ظاہر کروں گا، حضرت عمرؓ نے کہا میں طے کر چکا ہوں کہ جو تم نے کہا تھا اس کو کھلوا کر رہوں گا، اس
 اصرار پر انہوں نے کہا کہ آپ نے جب کہا کہ میرے پاس خط آیا ہے، کہ کوفہ والوں نے اتنا اتنا
 قرآن یاد کر لیا؟ اس پر میں نے کہا کہ ان لوگوں میں اختلاف پیدا ہو گیا، حضرت عمرؓ نے کہا یہ تم
 نے کیسے جانا؟ انہوں نے سورہ بقرہ کی یہ آیتیں پڑھ کر سنائیں۔

و من الناس من يعجبك قوله في الحياة الدنيا ويشهد الله على
 ما في قلبه وهو الذاخض، وإذا تولي سعى في الارض ليفسد فيها و
 يهلك الحرث والنسل والله لا يحب الفساد و اذا قيل له اتق الله
 اخذته العزة باللائم فحسبه جهنم و لئیس المهادر، و من الناس من
 يشري نفسه ابتغاء مرضات الله والله رءوف العباد (بقرہ، ع ۲۵)

اے محمد! لوگوں میں سے بعض ایسے آدمی بھی ہیں جن کی باتیں تم کو دنیاوی
 زندگی میں بھلی معلوم ہوتی ہیں اور وہ اپنی دلی باتوں پر خدا کو گواہ بناتا ہے، حالانکہ وہ

دشمنوں میں بڑا جھگڑالو ہے اور جب وہ تمہارے پاس لوٹ کر جائے تو ملک میں پھر سے تاکہ اس میں فساد پھیلانے اور کھیتی اور نسل کو تباہ کرے اور اللہ فساد کو پسند نہیں کرتا اور جب اس سے کہا جائے کہ خدا سے ڈرو تو ان کو عزت نفس گناہ پر آمادہ کرے، ایسے شخص کے لئے جہنم کافی ہے اور وہ بہت برا ٹھکانا ہے، اور لوگوں میں کچھ ایسے بھی ہیں جو خدا کی رضا جوئی کے لئے اپنی جان تک بیچ ڈالتے ہیں اور اللہ بندوں پر شفقت کرنے والا ہے۔“

یہ آیتیں سن کر حضرت عمرؓ نے فرمایا اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، تم نے سچ کہا۔

حدیث..... حضرت ابن عباسؓ ان مخصوص صحابہؓ میں ہیں جو علم حدیث کے اساطین سمجھے جاتے ہیں، اگر حدیث کی کتابوں سے ان کی روایتیں علیحدہ کر لی جائیں تو اس کے بہت سے اوراق سادہ رہ جائیں گے، ان کی مرویات کی مجموعی تعداد ۲۶۶۰ ہے ان میں ۷۵ متفق علیہ ہیں، یعنی بخاری اور مسلم دونوں میں ہیں، ان کے علاوہ ۱۸ روایتوں میں بخاری منفرد ہیں، اور ۴۹ میں مسلم۔

ان کی روایات کی کثرت اور معلومات کی وسعت خود انکی ذاتی کاوش و جستجو کا نتیجہ ہیں، گو بہت سی روایتیں براست خود زبان وحی والہام سے لی ہیں، لیکن آنحضرت ﷺ کی وفات کے وقت انکی عمر ۱۴، ۱۵ سال سے زائد نہ تھی، ظاہر ہے کہ اس عمر میں علم کا اتنا سرمایہ کہاں سے حاصل کر سکتے تھے، ان کے ذوق علم اور تلاش، و جستجو کا اندازہ ذیل کے واقعات سے ہوگا۔

آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد ایک انصاری سے کہا کہ آنحضرت ﷺ کی وفات پا گئے، مگر آپ کے اصحاب زندہ ہیں چلو ان سے تحصیل علم کریں، انھوں نے کہا ابن عباسؓ مجھ کو تم پر حیرت ہوتی ہے، تم دیکھتے ہو کہ لوگ علم میں خود تمہارے محتاج ہیں، پھر تم دوسروں کے پاس جاتے ہو، یہ جواب سن کر ان کو چھوڑ دیا اور تنہا جہاں کہیں سراغ ملتا کہ فلاں شخص نے آنحضرت ﷺ سے کوئی حدیث سنی ہے، فوراً مشقت اٹھا کر اس کے پاس پہنچتے..... اور اطلاع دیتے، وہ گھر سے نکلتا اور کہتا کہ تم نے آنحضرت ﷺ سے کوئی حدیث سنی ہے، وہ کہتا..... ابن عمر رسول ﷺ! آپ نے کیوں زحمت گوارا کی، کیسی دوسرے کو بھیج دیا ہوتا، کہتے نہیں یہ میرا فرض تھا، اس طریقہ سے عرب کے گوشہ گوشہ سے ایک ایک دن جن جن کر خرمن علم کا انبار لگایا، جب انکے فضل و کمال کا جہ چہ زیادہ ہوا، اس وقت ان انصاری نے جنہوں نے ساتھ چلنے سے انکار کر دیا تھا، ندامت کے ساتھ اقرار کیا کہ ”ابن عباسؓ ہم سے زیادہ عقل مند تھے۔“

۱۔ مستدرک حاکم جلد ۵۴، شرطین، ۲۔ تہذیب الکمال ص ۲۰۲
۳۔ مستدرک حاکم جلد ۳ فضائل بن عباسؓ معنی ابن عباسؓ فی طالب العلم

ابو سلمہؒ روایت کرتے ہیں کہ ابن عباسؓ کہتے تھے، کہ جس شخص کے متعلق مجھ کو پتہ چلا کہ اس نے آنحضرت ﷺ سے کوئی حدیث سنی ہے تو میں خود اس کے مکان پر جا کر حاصل کرتا، حالانکہ اگر میں چاہتا تو راوی کو اپنے یہاں بلوا سکتا تھا۔

حضرت ابورافعؓ آنحضرت ﷺ کے غلام تھے، اس لئے ان کو آنحضرت ﷺ کے افعال دیکھنے اور اقوال سننے کا زیادہ موقع ملتا تھا، ابن عباسؓ ان کے پاس کاتب لے کر آتے اور پوچھتے کہ آنحضرت ﷺ نے فلاں فلاں دن کیا کیا، ابورافعؓ بیان کرتے اور کاتب قلمبند کرتا جاتا۔

اس تلاش و جستجو نے ان کو اقوال و افعال نبوی کا سب سے بڑا حافظ بنا دیا تھا، اکثر اکابر صحابہؓ کو جو عمر اور مرتبہ ان سے کہیں زیادہ تھے، ان کا مقابلہ میں اپنے قصور علم کا اعتراف کرنا پڑتا تھا، یہ فتویٰ دیتے تھے کہ حائضہ طواف رخصت کیے بغیر لوٹ جائے، حضرت زید بن ثابتؓ انصاری کاتب وحی کو معلوم ہوا تو انہوں نے پوچھا تم حائضہ عورت کو یہ فتویٰ دیتے ہو؟ انہوں نے کہا ہاں، زید بن ثابتؓ نے کہا یہ فتویٰ زور دیا کرو، انہوں نے کہا میں تو یہی دوں گا، اگر آپ کو شک ہے تو فلاں انصاری سے یہ جا کر پوچھ لیجئے کہ اس کو یہ حکم دیا تھا یا نہیں، حضرت زید بن ثابتؓ نے جا کر پوچھا تو ابن عباسؓ کا فتویٰ صحیح نکلا، چنانچہ ہنستے ہوئے واپس آئے اور بولے تم نے سچ کہا تھا۔

اسی طریقہ سے ایک مرتبہ ان میں اور مسور بن مخرمہؓ میں محرم کے سردھونے کے بارے میں اختلاف ہوا، یہ کہتے تھے، محرم سردھوسکتا ہے، مخرمہ اس کے خلاف تھے، اس پر عبد اللہ بن عباسؓ نے عبد اللہ بن حنینؓ کو حضرت ابویوب انصاریؓ کے پاس تحقیق کے لئے بھیجا، یہ اس وقت کپڑا آڑ کیے ہوئے کنوئیں پر نہا رہے تھے، عبد اللہ نے سلام کیا، انہوں نے پوچھا کون ہو؟ کہا میں ہوں، عبد اللہ بن حنینؓ، ابن عباسؓ نے پوچھا کہ آنحضرت ﷺ احرام کی حالت میں کس طرح سردھوتے تھے؟ ابویوبؓ نے عملاً نقشہ کھینچ کر بتا دیا۔

جب صحابہ کرامؓ میں آنحضرت ﷺ کے کسی قول و فعل کے بارہ میں اختلاف ہوتا تو وہ ابن عباسؓ کی طرف رجوع کرتے، اس بارہ میں کہ آنحضرت ﷺ نے کہاں سے احرام باندھا؟ صحابہؓ میں بہت اختلاف ہے، سعید بن جبیرؓ نے ابن عباسؓ سے کہا کہ ابو العیاسؓ مجھ کو حیرت ہوتی ہے، کہ آنحضرت ﷺ کے اصحابؓ میں آپ کے احرام باندھنے کی جگہ کی تعیین میں بہت زیادہ اختلاف ہے، انہوں نے کہا میری معلومات اس بارہ میں سب سے زیادہ ہیں، چونکہ آنحضرت ﷺ نے ایک ہی حج کیا ہے، اس لئے لوگوں میں اختلاف پیدا ہو گیا، اس کا سبب یہ ہے کہ جب آپ نے ذوالحلیفہ کی مسجد میں دو رکعت نماز پڑھنے کے بعد احرام باندھا اور لبیک کہنا شروع

کیا، جو لوگ اس وقت موجود تھے انہوں نے اسی کو یاد رکھا، پھر جب آپ اونٹنی پر سوار ہوئے اور وہ چلی تو پھر آپ نے لبیک کہا، اس وقت جو لوگ موجود تھے وہ یہ سمجھے کہ آپ نے یہیں ابتدا کی ہے، چنانچہ وہ لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ یہ جب آپ اونٹنی پر سوار ہو کر چلے اس وقت سے لبیک کہنا شروع کیا، اس کے بعد آپ بلندی پر چڑھے اس وقت سے کہنا شروع کیا، لیکن میں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ آپ نے مسجد میں احرام باندھا، اس کے بعد جب اونٹنی چلی تب، اور جب بلند مقام پر چڑھے تب، دونوں مرتبہ لبیک کہا،

روایتوں میں احتیاط عموماً کثیر الروایت راویوں کے متعلق یہ شبہ کیا جاتا ہے کہ وہ روایت کرنے میں محتاط نہیں ہوتے، اور رطب و یابس کا امتیاز نہیں رکھتے، لیکن ابن عباسؓ کی ذات اس سے مستثنیٰ اور اس قسم کے شکوک و شبہات سے ارفع و اعلیٰ تھی، وہ حدیث بیان کرتے وقت اس کا پورا پورا الحاظ رکھتے تھے، کہ کوئی غلط روایت آنحضرت ﷺ کی جانب نہ منسوب ہونے پائے، جہاں اس قسم کا کوئی خفیف سا بھی خطرہ ہوتا، وہ بیان نہ کرتے تھے، چنانچہ اکثر کہا کرتے تھے، کہ ہم اس وقت تک آنحضرت ﷺ کی حدیث بیان کرتے تھے، جب تک جھوٹ کا خطرہ نہ تھا، لیکن جب سے لوگوں نے ہر قسم کی رطب و یابس حدیثیں بیان کرنا شروع کی ہیں، اس وقت سے ہم نے روایت ہی کرنا چھوڑ دیا، لوگوں سے کہتے کہ تم کو قال رسول اللہ کہتے وقت یہ خوف نہیں معلوم ہوتا کہ تم پر عذاب نازل ہو جائے گا یا زمین شق ہو جائے اور تم اس میں سما جاؤ، اسی احتیاط کی بنا پر فتویٰ دیتے تو آنحضرت ﷺ کا نام نہ لیتے تھے، یہ کہ آپ کی طرف نسبت کرنے کا بار نہ اٹھانا پڑے۔

حلقہ درس حضرت ابن عباسؓ کا حلقہ درس بہت وسیع تھا، سینکڑوں طلب گار روزانہ ان کے خرمین کمال سے خوشہ چینی کرتے تھے، ان کی زندگی کا ہر لمحہ درس و تدریس کے لئے وقف تھا کبھی کوئی شخص ان کے چشمہ فیض سے ناکام واپس نہ ہوا، اس عام فیض کے علاوہ بعض مجالس خصوصیت کے ساتھ درس و تدریس اور علمی مذاکروں کے لئے مخصوص تھیں، اور ان میں باقاعدہ ہر علم و فن کی جدا جدا تعلیم ہوتی تھی، ابوصالح تابعی بیان کرتے ہیں کہ ”میں نے ابن عباسؓ کی طرف ایک ایسی علمی مجلس دیکھی ہے اگر سارا قریش اس پر فخر کرے تو بھی بجا ہوگا، اس مجلس کا یہ حال تھا کہ عبداللہ بن عباسؓ کے مکان کے سامنے آدمیوں کا اتنا اثر و دھام تھا کہ ان کی کثرت سے آمد و رفت مشکل تھی، میں جا کر اس اثر و دھام کی اطلاع تو مجھ سے پانی مانگا، میں لایا، انہوں

۱۔ ابوداؤد کتاب المناسک باب وقت الاحرام،

۲۔ مسند دارمی باب فی الحدیث عن الثقات

۳۔ ایضاً باب ما یبقی من تفسیر حدیث النبی صلی اللہ علیہ وسلم

۴۔ مسند احمد بن حنبل جلد ۱ ص ۳۵۰

نے وضو کیا، وضو کر کے بیٹھ گئے، پھر مجھ سے کہا جاؤ قرآن کے جس شعبہ کے متعلق جو سائل ہوں ان کو اطلاع دو، میں نے اطلاع دی، دیکھتے دیکھتے سائلوں سے سارا گھر اور تمام حجرے بھر گئے، جس نے سوال کیا اس کے سوال سے زیادہ اس کا جواب دے کر رخصت کیا، پھر مجھ سے کہا جاؤ حرام و حلال اور فقہ کے سائلوں کو بلاؤ، میں نے ان لوگوں کو اطلاع دی، چنانچہ ان کا جم غفیر آیا، اور جن کو جو سوالات کرنا تھے، پیش کیے، فرداً فرداً سب کو نہایت تشفی بخش اور ان کے سوالات سے زیادہ جواب دے کر رخصت کیا، پھر فرمایا کہ اب تمہارے دوسرے بھائیوں کی باری ہے، اسکے بعد فرائض وغیرہ کے سائلوں کو بلایا، ان کی تعداد بھی اتنی بڑی تھی کہ پورا گھر بھر گیا، ان کے پیشروؤں کی طرح ان کے سوالات سے زیادہ دے کر فارغ ہوئے، تو مجھ سے کہا کہ عربی زبان، شعرو شاعری اور ادب و انشاء کے سائلوں کو بلاؤ، چنانچہ میں نے اطلاع دی، وہ لوگ آئے ان کے جھوم کا بھی وہی حال تھا، ان لوگوں نے جو سوالات کیے، ان کے سوالات سے زیادہ جوابات دیئے، ابوصالح یہ واقعہ بیان کر کے کہتے ہیں کہ میں نے کسی شخص کی اتنی بڑی مجلس نہیں دیکھی تھی، ۱۔

درس کے ان مستقل حلقوں کے علاوہ کبھی کسی نماز کے بعد تقریر اور خطبہ کے ذریعہ سے تعلیم دیتے، عبداللہ بن شفیق بیان کرتے ہیں کہ ایک دن ابن عباسؓ نے عصر کے بعد ہم لوگوں کے سامنے تقریر کی، اور اتنی دیر تک کرتے رہے کہ آفتاب غروب ہو گیا، اور تارے نکل آئے لوگوں نے نماز کی آوازیں بلند کرنا شروع کیں، ایک تمیمی نے مسلسل نماز کہنا شروع کیا، ابن عباسؓ جھنجھلا کر بولے لا ام لک، تو مجھ کو سنت کی تعلیم دیتا ہے، میں نے آنحضرت ﷺ کو دیکھا ہے، آپ ظہر، عصر اور مغرب و عشاء کی نمازیں ایک ساتھ پڑھتے تھے، عبداللہ بن شفیق کے دل میں یہ بات کھٹکتی رہی، انہوں نے جا کر حضرت ابو ہریرہؓ سے پوچھا حضرت ابو ہریرہؓ نے کہا ہاں صحیح ہے، ۲۔

حضرت کے علاوہ سفر میں بھی ان کا یہ چشمہ فیض جاری رہتا تھا، چنانچہ جب چند دنوں کے لئے حج کی غرض سے مکہ معظمہ تشریف لے جاتے تھے، اس وقت بھی انکی قیام گاہ طالبان علم کی درس گاہ بن جاتی۔ ۳۔

ترجمان کا تقریر..... اسلامی فتوحات کے بعد جب اسلام عرب کے حدود سے نکل کر ایران و مصر وغیرہ میں پھیلا، تو وہ قومیں اسلام کے حلقہ اثر میں آئیں جن کی زبان عربوں سے جدا تھی، ابن عباسؓ نے انکی آسانی کے لئے مخصوص ترجمان رکھے کہ ان کو سوال میں زحمت نہ ہو۔ ۴۔

تلامذہ..... ان کی اس فیض رسانی و علم و عرفان کی بارش نے ان کے تلامذہ کا دائرہ بہت وسیع کر دیا تھا، جن کی تعداد ہزاروں تک پہنچ جاتی ہے، مشہور تلامذہ اور شاگردوں کی مختصر فہرست یہ ہے۔

۱۔ مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۵۳۸

۲۔ مسلم کتاب صلوۃ المسافرین و قصر ہاباب الجمع بین الصلوۃین فی الحضر،

۳۔ استیعاب جلد ۱ ص ۳۵۳

۴۔ مسلم جلد ۱

مکہ میں فقہ کی بنیاد ان ہی نے رکھی، وہ تمام فقہاء جن کا سلسلہ مکہ کے شیوخ تک پہنچتا ہے، وہ سب بالواسطہ یا بلاواسطہ ان کے خوشہ چیں تھے، ایک فقیہ و مجتہد کے لئے قیاس ناگزیر ہے، کیونکہ وقتاً فوقتاً بہت سے ایسے نئے مسائل پیدا ہوتے رہتے ہیں، جو حضرت حامل شریعت علیہ السلام کے عہد میں نہ تھے، اور ان کے متعلق کوئی صریح حکم موجود نہیں ہے، ایسے وقت میں مجتہد کا یہ فرض ہے کہ وہ منصوصہ احکام اور ان میں علت مشترک نکال کر ان پر قیاس کر کے حکم صادر کرے ورنہ فقہ کا دروازہ ہمیشہ کے لئے بند ہو جائے گا، حضرت ابن عباسؓ کے سامنے جب کوئی مسئلہ پیش ہوتا تو وہ پہلے کتاب اللہ کی طرف رجوع کرتے، اگر اس سے جواب مل جاتا تو فیہا، ورنہ رسول اللہ ﷺ کی سنت کی طرف رجوع کرتے، اگر اس سے بھی مقصد برآزی نہ ہوتی،

تو حضرت ابو بکرؓ و عمرؓ کا فیصلہ دیکھتے، اگر اس سے بھی عقدہ حل نہ ہوتا تو، پھر اجتہاد کرتے، مگر اسی کے ساتھ قیاس بالرائے کو برا سمجھتے تھے، چنانچہ وہ اس کی مذمت میں کہتے ہیں کہ ”جو شخص کسی مسئلہ میں ایسی رائے دیتا ہے جو کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ میں نہیں ہے، تو میری سمجھ میں نہیں آتا کہ جب وہ خدا سے ملے گا تو اس کے ساتھ کیا معاملہ ہوگا۔“

حضرت علیؓ کے عہد خلافت میں کچھ لوگ مرتد ہو گئے، حضرت علیؓ نے ان کو زندہ جلا دیا، ابن عباسؓ کو معلوم ہوا تو کہا اگر ان کی جگہ میں ہوتا، تو جلانے کے بجائے قتل کی سزا دیتا، کیونکہ میں نے آنحضرت ﷺ سے سنا ہے کہ جو شخص مذہب تبدیل کرے اس کو قتل کر دو، پھر فرمایا کہ ”جو عذاب خدا کا مخصوص ہے، اس کو تم لوگ نہ دو“ یعنی آگ میں کسی کو نہ جلاؤ، حضرت علیؓ کو معلوم ہوا تو فرمایا ابن عباسؓ پر افسوس ہے۔

فقہ کے ساتھ ساتھ فرائض میں بھی درک تھا، اگرچہ وہ اس فن میں حضرت معاذ بن جبلؓ زید بن ثابتؓ اور عبداللہ بن مسعودؓ کے برابر نہ تھے، تاہم عام صحابہ میں حضرت ابن عباسؓ بھی اس فن میں ممتاز درجہ رکھتے تھے، عبید اللہ بن عبد اللہؓ کا بیان ہے کہ حساب اور فرائض میں ابن عباسؓ ممتاز درجہ رکھتے تھے۔

دیگر علوم..... ان مذہبی علوم کے علاوہ ان تمام علوم میں جو اس زمانہ میں لازمہ شرافت سمجھے جاتے تھے، کافی دستگاہ اور ناقدانہ نظر رکھتے تھے، اوپر گزر چکا ہے کہ مذہبی علوم کے علاوہ ان کے حلقہ درس میں عربی شعری و شاعری اور ادب و انشاء کے طالبین بھی آتے تھے، عربوں میں شاعری لازمہ شرافت تھی، بالخصوص قریش کی آتش بیانی مشہور تھی، ابن عباسؓ نہ صرف سخن و سخن تھے، بلکہ خود بھی اشعار کہتے تھے، ابن رشیق نے ان کے یہ چند اشعار کتاب العمدة میں نمونہ کے طور پر نقل کیے ہیں۔

اذا طارقات الهم ضاجعت الفتى

واعمل فكر الليل و الليل عاكر

”جب رات کے آنے والے غم کسی جوان مرد کے ساتھ ہم خواب ہوتے ہیں

اور شب کے آخر حصہ میں تفکرات اپنا عمل کرتے ہیں۔“

و باکرنی فی صاحبة لم یجد بها

سواى ولا من نكبة الدهر ناصر

”اور وہ صبح کو میرے پاس اس حالت میں اپنی حاجت لے کر آتا ہے کہ اس میں اور اس کی زمانہ کی بد بختیوں میں اس کا کوئی مددگار نہیں ہوتا۔“

فرجت بمالی ہمہ من مقامہ

و زائلہ ہم طروق مسام

”تو میں اپنے مال کے ذریعہ اس کا غم دور کرتا ہوں اور اس کے رات کی آنے والی تفکرات دور ہو جاتے ہیں۔“

و کان لہ فضل علی بظنہ

بی الخیر انی للذی ظن شا کر

”اور میں اسی کا ممنون ہوں کیونکہ وہ میرے ساتھ حسن ظن رکھتا ہے اور جو شخص

میرے ساتھ حسن ظن رکھتا ہے اس کا میں مشکور ہوتا ہوں۔“

شعر گوئی کے ساتھ فصیح و بلیغ بھی تھے، اگرچہ خطیب کی حیثیت سے انہوں نے کوئی شہرت نہیں حاصل کی، تاہم ان کی روزانہ کی گفتگو بھی ادب کی چاشنی سے خالی نہ ہوتی تھی، مسروق کا بیان ہے کہ جب ابن عباسؓ گفتگو کرتے تھے، تو فصیح ترین آدمی معلوم ہوتے تھے۔
حضرت حسینؓ کی وفات کے بعد ان میں اور امیر معاویہؓ میں جو گفتگو ہوئی، وہ حسن بیان کا ایک دل آویز نمونہ ہے۔

معاویہؓ: اجرک اللہ ابا العباس فی ابی محمد الحسن بن علی

معاویہؓ: ابوالعباس خدا تمہیں ابی محمد الحسن بن علی کی موت پر اجر دے۔

فقال ابن عباس: انا لله وانا اليه راجعون و غلبه البكاء فردہ ثم

قال لا یسد د اللہ مکانہ حفر تک ولا یزید موتہ فی اجلک و اللہ

لقد اصبا بمن هو اعظم منه فقد فما صنعا و اللہ بعدہ۔

ابن عباس: ابن عباسؓ نے انا اللہ و انا الیہ راجعون پڑھا اور آنسو ضبط

کر کے بولے، خدا کی قسم! ان کی موت سے تمہاری قبر پر نہ ہو جائے گی اور نہ ان کی

موت سے تمہاری زندگی میں کچھ اضافہ ہوگا خدا کی قسم ہم کو ان سے بڑے کی موت کا

صدمہ اٹھانا پڑا، خدا کی قسم اس کے بعد ہمارا کیا چارہ تھا۔

معاویہؓ: کم کانت سنہ۔

معاویہؓ: ان کی عمر کتنی تھی۔

ابن عباس: مولدہ اشہر من ان تتعرف سنہ
ابن عباس: ان کی ولادت اتنی مشہور ہے کہ تم کو ان کی عمر معلوم کرنے کی
ضرورت نہیں۔

معاویہ: احسبہ ترک اولاداً صغاراً
معاویہ: میرا خیال ہے کہ انہوں نے چھوٹے چھوٹے بچے چھوڑے
ابن عباس: کان کانا صغیر افکسد ولن اختار اللہ لابی محمد ما
عندہ و قبضہ الی رحمۃہ لقد ابقی اللہ ابا عبد اللہ و فی مثلہ الخلف
الصالح

ابن عباس: ہم سب چھوٹے تھے، پھر بڑے ہوئے، اگر خدا نے ابو محمد (حسن)
کو اپنی رحمت کی طرف بلا لیا اور ابھی اس نے ابو عبد اللہ (حسن) کو زندہ رکھا ہے اور
ان کے ایسے لوگ خلف صالح ہوتے ہیں۔

تقریر اس قدر شیریں ہوتی تھی، کہ بے ساختہ سننے والوں کی زبانوں سے مرجان نکل جاتا
تھا، ہم نے مستدرک حاکم کے حوالہ سے اوپر کہیں نقل کیا ہے کہ شقیق بیان کرتے تھے، ”ابن
عباسؓ نے ایک مرتبہ حج کے موسم میں سورہ نور کی تفسیر اس اچھوتے انداز سے بیان کی تھی کہ اس
سے بہتر نہ میرے کانوں نے سنی تھی، نہ آنکھوں سے دیکھی تھی، اگر اس کو فارس و روم سن لیتے تو
پھر ان کو اسلام سے کوئی چیز نہیں روک سکتی تھی،“ ابن ابی شیبہ کی روایت میں اتنا اور اضافہ ہے کہ
ایک شخص بولا کہ ابن عباسؓ کی شیریں بیانی اور حلاوت پر میرا بے اختیار دل چاہتا تھا کہ ان کا سر
چوم لوں!“

حضرت ابن عباسؓ کی جامعیت..... اوپر کی تفصیلات سے ان کی جامعیت کا اندازہ ہوا
ہوگا، عبید اللہ بن عبد اللہ کے اس تبصرہ سے اس کا پورا اندازہ ہو گا وہ کہا کرتے تھے کہ اس زمانہ کے
علوم میں کوئی ان کا ہمسر نہ تھا، معاملہ فہمی اور اصابت رائے میں وہ سب پر فائق تھے، نسب دانی
اور تاویل قرآن کے بڑے ماہر تھے، احادیث نبوی اور ابو بکرؓ عمرؓ اور عثمانؓ کے فیصلوں کا ان سے
زیادہ کوئی واقف کار نہ تھا، شعر و شاعری، ادب، تفسیر، حساب، اور فرائض میں ممتاز درجہ رکھتے تھے
، اور ان سب میں ان کی رائے بے نظیر ہوتی تھی، ان کے علمی مذاکرے کے دن مقرر تھے، کسی دن
فقہ کا درس دیتے تھے، کسی دن تاویل قرآن پر روشنی ڈالتے تھے، کسی دن مغازی کے واقعات کا
تذکرہ کرتے تھے، کسی دن ایام عرب کی داستان سناتے تھے، کسی دن شعر و شاعری، کاچہ چاہوتا،
غرض ان کا چشمہ معرفت فیض ہر دن نئے رنگ سے اُبلتا تھا، میں نے کسی بڑے سے بڑے عالم کو

نہیں دیکھا جو تھوڑی دیر کے لئے ان کی صحبت میں بیٹھا ہو اور ان کے کمال علم کے سامنے اس کی گردن نہ جھک گئی ہو، کسی علم کے متعلق کوئی سوال بھی کرتا اس کو اس کا جواب ضرور ملتا تھا۔^۱ معاصرین کا اعتراف حضرت ابن عباسؓ صحابہؓ کی جماعت میں گو عمر میں بہت چھوٹے تھے مگر ان کا علم سب سے بڑا تھا، ان کے تمام معاصرین جن میں سے بڑے بڑے صحابہؓ تک تھے ان کے فضل و کمال کے معترف تھے۔

حضرت عمرؓ فرماتے تھے ابن عباسؓ ادھیڑ عمر والوں میں نوجوان ہیں، ان کی زبان سائل اور ان کا ذہن رسا ہے، مجاہد تابعی کہتے تھے کہ ”میں نے ابن عباسؓ کے فتاویٰ سے بہتر کسی شخص کا فتویٰ نہیں دیکھا تھا، علاوہ اس شخص کے جو قال رسول اللہ کہتا ہے ”طاؤس کہتے تھے، کہ ”میں نے آنحضرت ﷺ کے پانچ سواصحابؓ کو دیکھا ہے کہ جب وہ کسی مسئلہ میں ابن عباسؓ سے مباحثہ کرتے اور دونوں میں اختلاف رائے ہوتا تو آخر میں ابن عباسؓ ہی کی رائے پر فیصلہ ہوتا تھا“^۲ حضرت عبید اللہ بن عباسؓ کہتے تھے کہ میں نے عبداللہ بن عباسؓ سے زیادہ سنت کا عالم، ان سے زیادہ صائب الرائے ان سے بڑا دقیق النظر کسی کو نہیں دیکھا، حضرت عمرؓ باوجود اپنے ملکہ اجتہاد اور مسلمانوں کی خیر خواہی کے ابن عباسؓ کو مشکلات کے لئے تیار کرتے تھے، قاسم بن محمد کا بیان ہے کہ ”ہم نے ابن عباسؓ کی مجلس میں کبھی کوئی باطل تذکرہ نہیں سنا، اور ان سے زیادہ کسی کا فتویٰ سنت نبویؐ کے مشابہ نہیں دیکھا۔“^۳

حضرت طاؤس تابعی حضرت ابن عباسؓ کے ساتھ بہت رہا کرتے تھے، ابوسلیم نے ان پر اعتراض کیا کہ آنحضرت ﷺ کے اکابر صحابہؓ کو چھوڑ کر تم اس چھوکرے سے کیوں چٹھے رہتے ہو؟ انہوں نے کہا میں نے آنحضرت ﷺ کے ستر اصحابؓ کو دیکھا ہے جب وہ کسی مسئلہ میں گفتگو کرتے تھے تو آخر میں ان کو ابن عباسؓ ہی کے قول کی طرف رجوع کرنا پڑتا تھا،^۴ حضرت زید بن ثابتؓ کا انتقال ہوا تو حضرت ابو ہریرہؓ نے کہا آج اس امت کا عالم اٹھ گیا، امید ہے کہ خدا ابن عباسؓ کو ان کا قائم مقام بنائے گا، مشہور عالم صحابی ابی بن کعبؓ کے بیٹے محمد روایت کرتے ہیں کہ ابن عباسؓ ایک دن میرے والد کے پاس بیٹھے ہوئے تھے، جب وہ اٹھ کر چلے تو میرے باپ نے کہا کہ ایک دن یہ شخص اس امت کا حبر (زبردست عالم) ہوگا،^۵ حضرت ابی بن کعبؓ کی یہ پیشین گوئی حرف بحرف پوری ہوئی، اور ابن عباسؓ اپنے کثرت علم کی وجہ سے حبر الامۃ کہلائے گئے۔^۶

۱۔ اسد الغابہ جلد ۳ ص ۱۹۳، ۱۹۴۔

۲۔ یہ تمام اقوال استیعاب سے منقول ہیں جلد ۴ ص ۳۸۴۔

۳۔ اصابہ جلد ۴ ص ۹۲۔

۴۔ اسد الغابہ جلد ۳ ص ۱۹۴۔

۵۔ مستدرک حاکم فضائل ابن عباسؓ

۶۔ اصابہ جلد ۴ ص ۹۸۔

معاصرین کی عزت..... اس ذاتی علم و فضل کے باوجود دوسرے علماء کی بڑی عزت کرتے تھے، اور ان سے نہایت تواضع اور انکساری سے پیش آتے تھے، ایک مرتبہ حضرت زید بن ثابتؓ سوار ہوئے تو، ابن عباسؓ نے احتراماً ان کی رکاب تھام لی، زید بن ثابتؓ نے کہا اے ابن عم رسول! ایسا نہ کیجئے، فرمایا ہم کو اپنے علماء کا ایسا ہی احترام کرنا چاہیے، زید بن ثابتؓ نے ان کا ہاتھ چوم کر کہا، ہم کو اپنے نبی کے اہل بیت کا ایسا ہی احترام کرنا چاہیے۔

بدعت سے نفرت..... عقیدہ کی صحت مذہب کی روح ہے، اس میں جہاں رخنہ پیدا ہوا، مذہب کی بنیاد وہیں ہل جاتی ہے، تقدیر کا مسئلہ مذہب میں ایسا نازک اور پیچیدہ ہے کہ اس میں ادنیٰ افراط و تفریط سے عظیم الشان فتنوں کا دروازہ کھل جاتا ہے، صحابہؓ کے آخر زمانہ میں نو مسلم عجمیوں کے ذریعہ سے خیر و شر اور قضاء و قدر کی بحث عراق میں پیدا ہو چلی تھی، ایک مرتبہ حضرت ابن عباسؓ کو معلوم ہوا کہ ایک شخص تقدیر کا منکر ہے، اس وقت اس کی آنکھوں کی بصارت زائل ہو چکی تھی، پھر بھی لوگوں سے کہا کہ مجھ کو اس شخص تک پہنچا دو، لوگوں نے پوچھا آپ اس کے ساتھ کیا طرز عمل اختیار کریں گے؟ بولے اگر ہو سکا تو اس کی ناک کاٹ ڈالوں گا اور اگر گردن ہاتھ میں آگئی تو اس کو توڑ دوں گا، میں نے آنحضرت ﷺ سے سنا ہے آپ فرماتے تھے کہ ”میں بنو فہر کی عورتوں کو دیکھ رہا ہوں کہ وہ خزانہ کا طواف کر رہی ہیں، اور سب کی سب اعمال شرک میں مبتلا ہیں،“ تقدیر کا انکار اس امت کا پہلا شرک ہے، میں اس ذات کی قسم کھا کر کہتا ہوں جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ ایسے لوگوں کی بری رائے یہیں تک نہ محدود رہے گی، بلکہ جس طرح انہوں نے خدا کو شرکی تقدیر سے معطل کر دیا ہے، اسی طرح اس کی خیر کی تقدیر سے منکر ہو جائیں گے۔

رسول ﷺ کی محبت..... حضرت ابن عباسؓ کو ذات نبویؐ کے ساتھ غیر معمولی شیفنگی اور گرویدگی تھی، آپ کی وفات کے موقع کے ایک واقعہ کو یاد کرتے تو روتے روتے بیقرار ہو جاتے تھے، حضرت سعید بن جبیر تابعی روایت کرتے ہیں کہ ایک دفعہ حضرت ابن عباسؓ نے کہا ”پنجشنبہ کا دن، کون پنجشنبہ“ اتنا کہنے پائے تھے، ابھی متبدا کی خبر نہ نکلی تھی کہ زار و قطار رونے لگے، اور اس قدر روئے کہ سامنے پڑے ہوئے سنگ ریزے ان کی آنسوؤں سے تر ہو گئے، ہم لوگوں نے کہا ابوالعباس! پنجشنبہ کے دن کیا خاص بات تھی؟ بولے اسی دن آنحضرت ﷺ کی بیماری نے شدت پکڑی تھی، آپ نے فرمایا ”لاؤ میں تم لوگوں کو ایک پرچہ پر لکھ دوں کہ گمراہی سے ہمیشہ کے لئے محفوظ ہو جاؤ، اس پر لوگ جھگڑنے لگے، حالانکہ نبیؐ کے پاس جھگڑا مناسب نہیں ہے اور کہنے لگے کہ (بیماری کی تکلیف سے) ہڈیاں ہو گیا ہے، اور آپ سے بار بار پوچھتے تھے کہ یہ حکم آپ حواس کی حالت میں دے رہے ہیں، یا ہڈیاں ہے؟ آپ نے فرمایا: میرے پاس سے ہٹ

جاؤ میں جس حالت میں وہ اس سے بہتر ہے، جس کی طرف مجھے لے جانا چاہتے ہو“، رسول اللہ ﷺ کی خدمت..... ام المؤمنین حضرت میمونہؓ انکی خالہ تھیں، یہ ان کے پاس بہت رہا کرتے تھے، اکثر راتوں کو بھی رہ جاتے تھے، اس لئے آنحضرت ﷺ کی خدمت گزاری کا بھی انہیں موقع ملتا رہتا تھا، ایک دن آنحضرت ﷺ حضرت میمونہؓ کے گھر میں تشریف فرما تھے، ابن عباسؓ نے آپ کے لئے وضو کا پانی رکھا، حضرت میمونہؓ نے آنحضرت ﷺ سے کہا کہ ابن عباسؓ نے آپ کے لئے وضو کا پانی رکھا ہے، آپ نے دعا دی، ”خدا یا ان کو دین میں سمجھ اور قرآن کی تفسیر کا عمل عطا فرما“۔

ایک دوسری روایت میں ہے کہ آنحضرت ﷺ جائے ضرورت سے فارغ ہو کر تشریف لائے، تو ایک طشت میں پانی ڈھکا ہوا رکھا دیکھا پوچھا کس نے رکھا ہے؟ ابن عباسؓ نے عرض کی میں نے فرمایا ”خدا یا ان کو قرآن کی تفسیر کا علم عطا فرما“، کبھی کبھی آپ خود بھی ان سے کام لیا کرتے تھے، ایک دفعہ یہ بچوں کے ساتھ کھیل رہے تھے کہ آنحضرت ﷺ کو اپنی طرف آتے ہوئے دیکھا، سمجھ گئے کہ میرے پاس آرہے ہیں، بچپن کا زمانہ تھا بھاگ کے ایک مکان کے دروازے کی آڑ میں چھپ رہے، آنحضرت ﷺ نے پشت سے آکر پکڑ لیا اور فرمایا جاؤ معاویہ کو بلا لاؤ۔ حضرت معاویہؓ اس وقت آپ کا تب و جی تھے، ابن عباسؓ نے جا کر کہا کہ نبی ﷺ کو تمہاری ضرورت ہے، فوراً چلو، ۳

رسول اللہ ﷺ کا احترام..... آنحضرت ﷺ کا اتنا احترام کرتے تھے کہ نماز میں بھی آپ کے برابر کھڑا ہونا گستاخی سمجھتے تھے، ایک مرتبہ آخر شب میں نماز کے لئے کھڑے ہوئے، ابن عباسؓ آکر پیچھے کھڑے ہو گئے، آنحضرت ﷺ نے ان کو ہاتھ سے پکڑ کر اپنے برابر کر لیا، اس وقت تو یہ ساتھ کھڑے ہو گئے، مگر جیسے ہی آپ نے نماز پڑھنا شروع کی، ابن عباسؓ ہٹ کر اپنی جگہ پر آ گئے، نماز ختم کرنے کے بعد آپ نے پوچھا کہ ”میں نے تم کو اپنے ساتھ کھڑا کیا تھا تم پیچھے کیوں ہٹ گئے؟“ عرض کی ”کسی کی یہ مجال نہیں ہے کہ وہ..... رسول اللہ ﷺ کے شانہ بہ شانہ کھڑا ہو کر نماز پڑھے، آنحضرت ﷺ اس معقول عذر پر خوش ہوئے اور ان کے لئے فہم و فراست کی دعا فرمائی۔ ۴

امہات المؤمنینؓ کا احترام..... آنحضرت ﷺ کے ساتھ اس غیر معمولی عقیدت کا فطری اقتضاء یہ تھا کہ وہ امہات المؤمنین کے ساتھ بھی اس عزت و تکریم سے پیش آتے تھے، جب

۱۔ مسند احمد بن حنبل جلد اول ۳۳۰

۲۔ مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۵۳۲، ۵۳۵ بشرط شیخین،

۳۔ مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۵۳۲ بشرط شیخین

۴۔ ایضاً

حضرت میمونہؓ کا انتقال ہوا، اور لوگ مقام شرف میں جنازہ کی شرکت کے لئے جمع ہوئے تو انہوں نے کہا کہ ”لوگو! یہ آنحضرت ﷺ کی حرم محترم کا جنازہ ہے، نقش آہستہ اٹھاؤ، ہٹنے نہ پائے“۔ یہ احترام حضرت میمونہؓ کی ذات کے ساتھ مخصوص نہ تھا، بلکہ تمام امہات المؤمنینؓ کے ساتھ وہ اسی تعظیم سے پیش آتے تھے، البتہ خاندانی مناقشوں کی وجہ سے حضرت عائشہؓ سے کچھ بد مزگی ہو گئی تھی، مگر ان کی وفات سے پہلے خود ان کے در دولت پر حاضر ہو کر صفائی کر لی۔

حضرت ذکوان حضرت عائشہؓ کے حاجب بیان کرتے تھے کہ حضرت عائشہؓ کے مرض الموت میں ابن عباسؓ آئے، اور حضوری کی اجازت چاہی میں نے حضرت عائشہؓ سے جا کر عرض کی، اس وقت حضرت عائشہؓ کے بھتیجے، عبد اللہ بن عبد الرحمن ان کے سر ہانے بیٹھے ہوئے تھے، انہوں نے بھی کہا کہ ابن عباسؓ آنے کی اجازت چاہتے ہیں، بولیں ان کو آنے کی ضرورت نہیں، عبد اللہ بن عبد الرحمن نے کہا، اماں! ابن عباسؓ آپ کے سعادت مند بیٹے ہیں، وہ سلام کرتے ہیں، اور رخصت کرنے کے لئے حاضر ہوئے ہیں ان کو اجازت دیجئے فرمایا خیر اگر تم چاہتے ہو تو بلاؤ، چنانچہ ان کو باریابی کی اجازت مل گئی، بیٹھنے کے بعد عرض کی، آپ کو بشارت ہو (یعنی آنحضرت ﷺ کے پاس پہنچنا چاہتی ہیں) حضرت عائشہؓ نے جواب میں فرمایا ”تم کو بھی بشارت ہو“ اس خوش آئند سلسلہ کلام کے بعد ابن عباسؓ نے عرض کی کہ اب آپ کے اور آنحضرت ﷺ اور آپ کے اعزہ و احباب سے ملنے میں صرف روح کو جسم کے ساتھ چھوڑنے کی دیر ہے، آپ آنحضرت ﷺ کی محبوب ترین بیوی تھیں، اور آنحضرت ﷺ ہمیشہ طیب ہی چیز کو محبوب رکھتے تھے، پھر حضرت عائشہؓ کے فضائل بیان کیے۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ

نام و نسب عبداللہ نام، ابو عبد الرحمن کنیت، والد کا نام مسعود اور والد کا نام ام عبد تھا شجرہ نسب یہ ہے، عبداللہ بن مسعود بن غافل بن حبیب بن مخرمہ بن مخزوم بن صاہلہ بن کاهل بن الحارث بن تمیم بن سعد بن ہذیل بن مدرکہ بن الیاس بن مضر

حضرت عبداللہؓ کے والد مسعود ایام جاہلیت میں عبداللہ بن حارث کے حلیف تھے ابتدائی حالات ایام جاہلیت میں زمانہ طفولیت عموماً بھیڑ بکریوں کے چرانے میں بسر ہوتا تھا یہاں تک کہ شرفاء امراء کے بچے اس سے مستثنیٰ نہ تھے، گویا یہ ایک درس گاہ تھی جہاں سادگی، جفاکشی و فاشعاری اور راستبازی کا عملی سبق دیا جاتا تھا۔

مکہ میں جب دعوت تو حید کا غلغلہ بلند ہوا تو حضرت عبداللہؓ اسی درس گاہ میں تعلیم پا رہے تھے اور عقبہ بن معیط کی بکریاں ان کے سپرد تھیں۔

اسلام ایک روز آنحضرتؐ اپنے مولس و ہمد حضرت ابو بکرؓ کے ساتھ اس طرف سے گذرے جہاں یہ بکریاں چرا رہے تھے، حضرت ابو بکرؓ نے ان سے فرمایا ”صاحبزادے! تمہارے پاس کچھ دودھ ہو تو پیاس بجھاؤ“ بولے ”میں آپ کو دودھ نہیں دے سکتا کیونکہ یہ دوسرے کی امانت ہے“ آنحضرتؐ نے فرمایا ”کیا تمہارے پاس کوئی ایسی بکری ہے جس نے بچے نہ دیئے ہوں“ عرض کی ہاں اور ایک بکری پیش کی، آپ نے تھن پر ہاتھ پھیر کر دعا فرمائی، یہاں تک کہ وہ دودھ سے لبریز ہو گیا، حضرت ابو بکر صدیقؓ نے اس کو علیحدہ لے جا کر دوہا تو اس قدر دودھ نکلا کہ تینوں آدمیوں نے یکے بعد دیگرے خوب سیر ہو کر نوش فرمایا ”اس کے بعد رسول اللہؐ نے تھن سے فرمایا ”خشک ہو جا اور وہ پھر اپنی اصلی حالت پر عود کر آیا۔

اس کرشمہ قدرت نے حضرت عبداللہؓ کے دل پر بے حد اثر کیا، حاضر ہو کر عرض کی ”مجھے اس موثر کلام کی تعلیم دیجئے“، آپ نے شفقت سے ان کے سر پر دست مبارک پھیر کر فرمایا ”تم تعلیم یافتہ بچے ہو“ غرض اس روز سے وہ معلم دین مبین کے حلقہ تلمذ میں داخل ہوئے، اور بلا واسطہ خود مہبط وحی والہام سے ستر سورتوں کی تعلیم حاصل کی جن میں کوئی اور ان کا شریک و سہم نہ تھا۔ اسلام قبول کرنے کے بعد وہ ہمیشہ خدمت بابرکت میں حاضر رہنے لگے اور رسول اللہؐ

نے ان کو اپنا خادم خاص بنالیا انشاء اللہ آگے ایک خاص باب میں خدمت گذاریوں کی تفصیل آئے گی۔

جوش ایمان حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اس زمانہ میں ایمان لائے تھے جب کہ مؤمنین کی جماعت صرف چند اصحاب پر مشتمل تھی اور مکہ کی سرزمین میں رسول اللہ ﷺ کے سوا اور کسی نے علانیہ بلند آہنگی کے ساتھ تلاوت قرآن کی جرأت نہیں کی تھی، چنانچہ ایک روز مسلمانوں نے باہم مجتمع ہو کر اس مسئلہ پر گفتگو کی اور سب نے بالاتفاق کہا ”خدا کی قسم! قریش نے اب تک بلند آواز سے قرآن پڑھتے ہوئے نہیں سنا“، لیکن پھر یہ سوال پیدا ہوا کہ اس پر خطر فرض کو کون انجام دے؟ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے آگے بڑھ کر اپنے آپ کو پیش کیا، لوگوں نے کہا کہ تمہارا خطرہ میں پڑنا مناسب نہیں، اس کام کے لئے تو ایک ایسا شخص درکار ہے جس کا خاندان وسیع ہو، اور وہ اس کی حمایت میں مشرکین کے دست ستم سے محفوظ رہے، لیکن حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے جوش ایمان سے برا بیختہ ہو کر کہا ”مجھے چھوڑ دو! خدا میرا محافظ ہے“

غرض دوسرے روز چاشت کے وقت جب کہ تمام مشرکین قریش اپنی انجمن میں حاضر تھے، اس وارفتہ اسلام نے ایک طرف کھڑے ہو کر ساز و توحید پر مضرب لگائی اور بسم اللہ الرحمن الرحیم کے بعد علم قرآن کا سحر آفرین راگ چھیڑا کہ مشرکین نے تعجب اور غور سے سکر پوچھا ”ابن ام عبد کیا کہہ رہا ہے؟“ کسی نے کہا کہ محمدؐ پر جو کتاب اتری ہے اس کو پڑھتا ہے، یہ سننا تھا کہ تمام مجتمع غیظ و غضب سے مشتعل ہو کر ٹوٹ پڑا اور اس قدر مارا کہ چہرہ ورم کر آیا لیکن جس طرح پانی کے چند چھینٹے آگ کو اور زیادہ مشتعل کر دیتے تھے، اسی طرح حضرت عبداللہؓ کا شعلہ ایمان اس ظلم و تعدی سے بھڑک اٹھا، مشرکین مارتے گئے لیکن ان کی زبان بند نہ ہوئی۔

حضرت عبداللہ جب اس فرض کو انجام دے کر حسی و شکستہ حالی کے ساتھ اپنے احباب میں واپس آئے تو لوگوں نے کہا کہ ہم اسی ڈر سے تم کو جانے نہ دیتے تھے، بولے ”خدا کی قسم! دشمنان خدا آج سے زیادہ میری نظر میں بھی ذلیل نہ تھے، اگر تم چاہو تو کل میں پھر اسی طرح ان کے مجمع میں جا کر قرآن کریم کی تلاوت کروں، لوگوں نے کہا ”بس جانے دو“ اس قدر کافی ہے کہ جس کو سننا وہ ناپسند کرتے تھے اس کو تم نے بلند آہنگی کے ساتھ ان کے کانوں تک پہنچا دیا“

ہجرت حضرت عبداللہؓ کے جوش و غیرت ایمان نے رفتہ رفتہ تمام مشرکین قریش کو دشمن بنا دیا، یہاں تک کہ ان کی مسلسل و پیہم ایذا رسانیوں سے تنگ آ کر دو دفعہ سرزمین حبش کی صحرا نور دی پر مجبور ہوئے، پھر تیسری دفعہ دائمی ہجرت کا ارادہ کر کے یثرب کی راہ لی اور یہاں پہنچ کر حضرت معاذ بن جبلؓ کے مہمان ہوئے، آنحضرت ﷺ نے مدینہ تشریف لانے کے بعد ان دونوں میں بھائی چارہ کرادیا اور مستقل سکونت کے لئے حضرت عبداللہؓ کو مسجد نبوی کے متصل ایک

۱۔ اسد الغابہ تذکرہ عبداللہ بن مسعودؓ

قطعہ زمین مرحمت فرمایا۔۱

غزوات حضرت عبداللہ بن مسعود تمام مشہور و اہم جنگوں میں جانبازی و پامردی کے ساتھ سرگرم پیکار تھے، غزوہ بدر میں دو انصاری نوجوانوں نے سرخیل کفار ابو جہل بن ہشام کو تہ تیغ کیا تھا، آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ کوئی ابو جہل کی خبر لاتا، حضرت عبداللہ بن مسعود گئے ابھی کچھ کچھ جان باقی تھی، اس کی ڈاڑھی پکڑ کر کہا کہ ابو جہل تو ہی ہے۔۲

غزوہ احد، خندق، حدیبیہ، خیبر اور فتح مکہ میں بھی رسول ﷺ کے ہمراہ تھے مکہ سے واپس آتے ہوئے راہ میں غزوہ حنین پیش آیا، اس جنگ میں مشرکین اس طرح یکا یک ٹوٹ پڑے کہ مسلمان بدحواسی کے ساتھ منتشر ہو گئے اور دس ہزار کی جماعت میں سے صرف اسی اصحاب ثابت قدمی کے ساتھ شمع نبوت کے ارد گرد پروانہ وارا اپنی فدویت کے جوہر دکھاتے رہے، حضرت عبداللہ بن مسعود ان ہی جانثاروں میں تھے، فرماتے ہیں کہ جب مشرکین نے سخت حملہ کیا تو ہم لوگ تقریباً اسی قدم تک پسپا ہوئے لیکن پھر جم کر کھڑے ہو گئے آنحضرت ﷺ اپنے رہوار کو آگے بڑھاتے تھے لیکن وہ پیچھے کی طرف ہٹا تھا اسی حالت میں ایک دفعہ زین سے جھکے، میں نے پکار کر کہا ”آپ سر بلند رہیں، خدا نے آپ کی رفعت عطا فرمائی ہے“ فرمایا مجھے ایک مٹھی خاک اٹھا دو“ میں نے خاک اٹھا کر دی، تو آپ نے مشرکین کے منہ کی جانب پھینک دی، جس سے ان کی آنکھیں غبار آلود ہو گئیں، پھر ارشاد ہوا مہاجرین و انصار کہاں ہیں؟ ”میں نے اشارہ سے بتایا تو حکم ہوا کہ انہیں آواز دے کر بلاؤ میں نے چیخ کر پکارا تو یکا یک سب کے سب پلٹ پڑے، اس وقت ان کی تلواریں نور ایمان سے اس طرح چمک رہی تھیں جس طرح شعلہ دہکتا ہے، غرض بگڑا ہوا کھیل پھر بن گیا، مشرکین مغلوب ہو کر بھاگ کھڑے ہوئے اور میدان مسلمانوں کے ہاتھ رہا۔۳

جنگ یرموک رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد ایک عرصہ تک عزلت نشین رہے، لیکن عہد فاروقی میں جن عظیم الشان فتوحات کا سلسلہ چھڑ گیا تھا اس نے بالآخر ان کی رگ شجاعت میں بھی ہيجان پیدا کیا، ۱۵ھ میں گوشہ خلوت سے نکل کر رزمگاہ شام کی طرف چل کھڑے ہوئے اور میدان یرموک کی فیصلہ کن جنگ میں سرگرم پیکار ہو کر خوب داد شجاعت دی۔۴

عہدہ قضاء ۲۰ھ میں کوفہ کے قاضی مقرر کئے گئے، عہد قضاء کے علاوہ خزانہ کی افسری مسلمانوں کی مذہبی تعلیم اور والی کوفہ کی وزارت کے فرائض بھی ان کے متعلق تھے، چنانچہ فرمان تفری کے الفاظ یہ ہیں۔

۱۔ طبقات ابن سعد قسم اول جلد ۳ تذکرہ عبداللہ بن مسعود

۲۔ احمد جلد ۱ ص ۲۵۳

۳۔ بخاری جلد ۲ ص ۵۶۵

۴۔ اسد الغابہ جلد ۳ ص ۲۵۷

انی بعثت الیکم عمار بن یاسر امیرا و ابن مسعود معلما و زیوا
و قد جعلت ابن مسعود علی بیت مالکم و انهما لمن النجباء من
اصحاب محمد من اهل بدرفا سمعوا الھما و اطیعوا و اقتدوا بہما و
قد اثر تکم یا بن ام عبد علی نفسی۔

”میں نے تم پر عمار بن یاسر کو امیر اور ابن مسعود کو معلم اور وزیر بنا کر بھیجا ہے،
ابن مسعود کو بیت المال کی انصری بھی دی ہے، یہ دونوں آنحضرت ﷺ کے ان ذی
عزت اصحاب میں سے ہیں جو کہ معرکہ بدر میں شریک تھے اس لئے ان کو سمعاً
وطاعہ کہو اور اتباع کرو، حقیقت یہ ہے کہ میں نے تمہارے لئے ابن ام عبد اللہ بن
مسعود کو اپنی ذات پر ترجیح دی ہے۔“

حضرت عبد اللہ بن مسعود نے کامل دس سال تک نہایت مستعدی و خوش اسلوبی کے ساتھ
اپنے فرائض انجام دیئے ہیں، اس طویل عرصہ میں بساط سیاست پر گونا گوں انقلاب ہوئے
خلیفہ دوم نے وفات پائی، خلیفہ ثالث نے مسند خلافت پر قدم رکھا، اور خاص کوفہ کی عنان حکومت
اہل کوفہ کی شکایت و احتجاج پر یکے بعد دیگرے مختلف دالیوں کے ہاتھ میں آئی لیکن وہ جس
احتیاط اور انصاف کے ساتھ اپنے فرائض انجام دیتے تھے اس کے لحاظ سے کسی کو ان سے
شکایت پیدا نہ ہوئی۔

فطری رحم دلی، نرمی اور تلطف کے باعث عفو و درگزر اور چشم پوشی ان کا مخصوص شیوہ تھا،
لیکن اسی کے ساتھ وہ اس راز سے بھی واقف تھے کہ بارگاہ عدالت میں جب کسی مجرم پر کوئی جرم
ثابت ہو جائے تو اس کے ساتھ نرمی و درگزر سے پیش آنا، درحقیقت نظام حکومت ارکان و
اساطین کو متزلزل کر دینا ہے، اس بنا پر وہ اثبات جرم کے بعد اپنی طبعی نرمی و شفقت کے باوجود
قانون عدالت کے اجراء میں کبھی دریغ نہ فرماتے تھے، ایک دفعہ ایک شخص نے اپنے برادر زادہ کو
شراب خوری کے جرم میں پیش کیا، حضرت عبد اللہ نے تحقیقات کے بعد حد جاری کرنے کا حکم
دے دیا، لیکن جب درے پڑنے لگے تو اس کا دل رحم و شفقت سے بھر آیا اور منت و سماجت کے
ساتھ سفارش کرنے لگا، انہوں نے غضبناک ہو کر فرمایا تو نہایت ظالم چچا ہے اس کو حد شرعی کا
مستحق ثابت کر کے چھوڑ دینے کی سفارش کرتا ہے جواب ممکن نہیں اسلام میں سب سے پہلے
ایک عورت پر حد جاری ہو گئی تھی جس نے چوری کی تھی، آنحضرت ﷺ نے اس کے ہاتھ کاٹنے کا
حکم دے دیا اور فرمایا کہ تم لوگوں کو اعراض و چشم پوشی سے کام لینا چاہیے کیا تم اسے پسند نہیں
کرتے کہ خدا تمہیں بخش دے۔“

بعض اوقات ایک ہی جرم مجرموں کے اختلاف حیثیات کے لحاظ سے ان کو مختلف سزاؤں کا

مستوجب قرار دیتا ہے، حضرت عبداللہؓ اس نکتہ سے بھی اچھی طرح آگاہ تھے، ایک دفعہ ان کو اطلاع دی گئی کہ مسیلہ کذاب کے قلعین میں سے کچھ لوگ اب تک موجود ہیں جو اس کو رسول خدا کہتے ہیں، حضرت عبداللہؓ نے چند سپاہی بھیج کر ان کو گرفتار کر دیا اور سب کی توبہ قبول کر کے چھوڑ دیا لیکن ان کے سرگروہ ابن نواحہ کے لئے قتل کی سزائے تجویز کی لوگوں نے اس پر اعتراض کیا تو بولے کہ ابن نواحہ اور ابن اثال دو شخص مسیلہ کذاب کی طرف سے رسول ﷺ کی خدمت میں سفیر بن کر گئے تھے آنحضرت ﷺ نے ان سے پوچھا کہ تم مسیلہ کی رسالت پر ایمان رکھتے تھے؟ انہوں نے کہا ”ہاں“ آپ نے فرمایا کہ اگر تم سفیر نہ ہوتے تو میں تمہیں قتل کر دیتا“ اس بنا پر جبکہ وہ اب تک اس کے اس باطل عقیدہ سے باز نہیں آیا ہے تو رسول ﷺ کی خواہش کا پورا کرنا ضروری تھا

حضرت عثمانؓ کے آخری عہد خلافت میں جب کوفہ سازش فتنہ پردازی اور بد امنی کا مرکز ہو گیا تو عہدہ قضا کے لحاظ سے قدرۃ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کو بھی غیر معمولی دشواریاں پیش آئیں، ایک دفعہ عقبہ بن ولید کے دور امارت میں ایک ساحر کا مقدمہ پیش ہوا، جو امیر کوفہ کے سامنے اپنی بازیگری کے کرشمے دکھا رہا تھا، لیکن فیصلہ صادر ہونے سے پہلے ہی جنذب نامی ایک شخص نے اس کو قتل کر ڈالا، چونکہ صریحاً معاملات حکومت میں مداخلت بیجا تھی، اس لئے انہوں نے قاتل کی گرفتاری کا حکم دے کر دوبارہ خلافت کو منسلق واقعہ سے مطلع کیا، وہاں سے حکم آیا کہ معمولی تنبیہ و تعزیر کے بعد اس کو چھوڑ دو اور لوگوں کو سمجھاؤ کہ پھر آئندہ اس قسم کے واقعات کا اعادہ نہ ہونے پائے حضرت عبداللہؓ نے اس حکم کی تعمیل کی اور اہل کوفہ کو جمع کر کے فرمایا ”صاحبو! صرف شک و شبہ پر کوئی کام نہ کرو اور عدالت کو اپنے ہاتھ میں نہ لو مجرموں اور خطاکاروں کو سزا دینا ہمارا فرض ہے، تم کو اس میں مداخلت کی ضرورت نہیں ہے“

اسی سال ولید بن عقبہ والی کوفہ پر شراب، خواری کا الزام لگایا گیا اور ایک جماعت نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی خدمت میں حاضر ہو کر شکایت کی کہ وہ تخلیہ میں شراب پیتا ہے، انہوں نے جواب دیا کہ جاسوسی میرا فرض نہیں ہے، اگر ایک شخص چھپ کر کوئی کام کرتا ہے تو میں اس کی پردہ داری کے درپے نہیں ہو سکتا، ولید نے یہ جواب سنا تو ناراض ہو کر ان کو بلا بھیجا اور پوچھا کہ ”کیا مفسدین کو ایسا ہی جواب دینا مناسب تھا؟ میں چھپ کر کون سا کام کرتا ہوں، یہ تو اس شخص سے کہا جاسکتا ہے جو مشکوک ہو“ غرض اسی سوال و جواب میں بات بڑھ گئی اور دونوں ایک دوسرے سے کشیدہ خاطر اٹھے،

خزانہ کی افسری..... حضرت عبداللہ منصب قضا کے ساتھ خزانہ کی افسری پر بھی مامور تھے، کوفہ عظمت، وسعت و کثرت محاصل کے لحاظ سے اس کا بیت المال نہایت اہمیت رکھتا تھا، اس سے لاکھوں روپے کے وظائف جاری تھے فوجی مرکز ہونے کے باعث ہزاروں سپاہیوں کی

تنخواہیں مقرر تھیں، اور خراساں، ترکستان اور آرمینیا پر وقتاً فوقتاً جو فوج کشی ہوتی رہتی تھی، اس کے مصارف ادا کئے جاتے تھے، اس بنا پر دوسرے اہم مشاغل کے ساتھ شعبہ کی اس طرح نگرانی کرنا کہ ایک حبہ بھی ادھر کا ادھر نہ ہونے پائے درحقیقت حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی انتظامی قابلیت بیدار مغزی اور حساب فہمی کا حیرت انگیز کارنامہ ہے۔

ذاتی حیثیت سے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ زہد و بے نیازی کے اقلیم کے بادشاہ تھے، دنیا کی بڑی سے بڑی نعمتوں کو حقارت کے ساتھ ٹکرا دیتے تھے، لیکن قومی سرمایہ کے تحفظ میں اس قدر سخت تھے کہ اعزہ احباب، افسر اور ولی ملک کے ساتھ بھی کسی قسم کی رعایت ملحوظ نہ رکھتے تھے، ایک دفعہ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ والی کوفہ نے بیت المال سے قرض لیا اور ناداری کے باعث عرصہ تک ادا نہ کر سکے، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے مہتمم بیت المال کی حیثیت سے نہایت سختی کے ساتھ ان سے تقاضا شروع کیا، یہاں تک کہ ایک روز کلامی کی نوبت پیش آئی، حضرت سعد بن ابی وقاصؓ نے جھلا کر چھڑی زمین پر پھینک دی اور دونوں ہاتھ اٹھا کر کہا ”اے آسمانوں وزمین کے پیدا کرنے والے“

چونکہ وہ نہایت مستجاب الدعوات مشہور تھے، اس لئے حضرت عبداللہ نے خوف زدہ ہو کر کہا ”دیکھو میرے لئے بددعا نہ کرنا“ بولے ”خدا کی قسم! اگر خوف خدا نہ ہوتا تو میں تمہارے لئے سخت بددعا کرتا“ حضرت عبداللہ نے ان کی برا فروختی کا یہ انداز دیکھا تو تیزی کے ساتھ کاشانہ امارت سے باہر نکل آئے۔

اس واقعہ کی رپورٹ دربار خلافت میں پہنچی تو امیر المومنین حضرت عثمانؓ نے سخت ناراضگی ظاہر فرمائی اور حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کو معزول کر کے ولید بن عقبہ کو کوفہ کا والی بنا کر بھیجا، حضرت عبداللہؓ بھی گواس ناراضگی سے مستغنی نہ تھے، تاہم وہ ایک عرصہ تک اپنے عہدہ پر برقرار رہے۔ معزولی..... حضرت عثمانؓ کے اخیر عہد حکومت میں جب سازش و مفسدہ پردازی کا بازار گرم ہوا تو مخفی ریشہ دوانیوں نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کو بھی زیادہ دنوں تک اپنے عہدہ پر برقرار رہنے نہ دیا، اور یکا یک معزول کر دیئے گئے، معزولی کی خبر نے کوفہ کی علمی دنیا کو ماتم کدہ بنا دیا، احباب معتقدین تلامذہ اور اعیان شہر کی ایک بڑی جماعت نے مجتمع ہو کر اس فرمان عزل پر سخت ناراضگی ظاہر کی اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے مصر ہوئے کہ ”آپ کوفہ سے تشریف نہ لے جائیں اگر اس کی پاداش میں کوئی مصیبت پیش آئے گی تو ہم سب اپنی جانیں قربان کرنے کو حاضر ہیں، بولے ”امیر المومنین کی اطاعت مجھ پر فرض ہے، میں نہیں چاہتا کہ فتنہ و فساد جو عنقریب برپا ہونے والا ہے اس کی ابتدا میری ذات سے ہو، غرض وہ عمرہ کی نیت کر کے ایک جماعت کے ساتھ حجاز کی طرف روانہ ہو گئے۔

حضرت ابوذرؓ کی تجہیز و تکفین..... جب مقام ربذہ میں پہنچے تو وسط راہ میں ایک عورت کو سرگرداں و پریشان دیکھ کر پوچھا خیر ہے، کہا ایک مرد مسلمان کی تجہیز و تکفین کیجئے پوچھا کون؟ کہا ابوذرؓ صحابی رسول ﷺ آپ فدیتہ بابی و امی کہہ کر مع اپنے ساتھیوں کے اتر پڑے، حضرت ابوذرؓ ایک بلند پایہ اور نہایت زاہد و متقشف صحابی تھے، وہ دار الخلافہ کی روز افزوں تمدنی زندگی سے اس قدر بیزار ہوئے کہ ربذہ کے سنان جنگل میں اٹھ آئے اور بالآخر اسی سرزمین نے ان کے لئے اپنا آغوش شوق پھیلا دیا، یہ لوگ حضرت ابوذرؓ کے پاس پہنچے، ان کا دم واپس تھا، اپنی تجہیز و تکفین کے متعلق ضروری ہدایات دے کر واصل بحق ہوئے، حضرت عبداللہؓ نے حضرت ابوذرؓ کی وصیت کے مطابق ان کی تجہیز و تکفین کر کے نماز جنازہ پڑھا کہ سپرد خاک کیا۔

حضرت عبداللہؓ نے مکہ پہنچ کر امیر المؤمنین کو حضرت ابوذرؓ کی وفات کی اطلاع دی، اور عمرہ سے فارغ ہو کر مدینہ پہنچے کہ زندگی کے بقیہ ایام عزت نشینی و عبادت الہی میں بسر ہوں۔

علالت..... ۳۲ھ میں جب کہ حضرت عبداللہؓ کا سن مبارک ساٹھ برس سے متجاوز ہو چکا تھا ایک روز ایک شخص نے حاضر خدمت ہو کر عرض کی، خدا مجھے آپ کی آخری زیارت سے محروم نہ رکھے، میں نے گذشتہ شب کو خواب میں دیکھا کہ حضرت رسول خدا ﷺ ایک بلند منبر پر تشریف فرما ہیں اور آپ سامنے حاضر ہیں، اسی حالت میں ارشاد ہوتا ہے ”ابن مسعود! میرے بعد تمہیں بہت تکلیف پہنچائی گئی، آؤ میرے پاس چلے آؤ“ فرمایا کہ خدا کی قسم! تم نے یہ خواب دیکھا ہے؟ بولا ”ہاں“ فرمایا تم میرے جنازہ میں شریک ہو کر مدینہ سے کہیں جاؤ گے“

یہ خواب درحقیقت واقعہ ہو کر پیش آیا، چند ہی دنوں کے بعد اس طرح بیمار ہوئے کہ لوگوں کو ان کی زندگی سے مایوسی ہو گئی، امیر المؤمنین حضرت عثمانؓ سے چونکہ ایک گونہ شکر رنجی تھی اور انہوں نے دو برس سے ان کا مقررہ وظیفہ مطلقاً بند کر دیا تھا، اس لئے وہ اس آخری لمحہ حیات میں غفوخوای و عیادت کے لئے تشریف لائے اور اس طرح گفتگو شروع کی۔

حضرت عثمانؓ: آپ کو کس مرض کی شکایت ہے؟

حضرت عبداللہؓ: اپنے گناہوں کی۔

حضرت عثمانؓ: آپ کیا چاہتے ہیں؟

حضرت عبداللہؓ: خدا کی رحمت۔

حضرت عثمانؓ: آپ کے لئے طبیب بلاؤں؟

حضرت عبداللہؓ: مجھے طبیب ہی نے بیمار ڈالا۔

حضرت عثمانؓ: آپ کا وظیفہ جاری کر دوں؟

امسند احمد بن حنبل جلد ۱۶۶، اس روایت میں عبداللہؓ کے نام کے تصریح نہیں لیکن متدرک حاکم میں صراحت کے ساتھ نام موجود ہے

حضرت عبداللہؓ: مجھے اس کی ضرورت نہیں۔

حضرت عثمانؓ: آپ کی صاحبزادیوں کے کام آئے گا۔

حضرت عبداللہؓ: کیا آپ کو میری لڑکیوں کے محتاج و دست نگر ہو جانے کا خوف ہے؟
میں نے انہیں حکم دیا کہ ہر رات سورہ واقعہ پڑھ لیا کریں، کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ ”جو ہر رات کو سورہ واقعہ پڑھے گا وہ کبھی فاقہ مست نہ ہوگا۔“

مذکورہ بالا سوال و جواب سے بعض اصحاب سیر کو یہ غلط فہمی ہے کہ اس آخری وقت میں بھی دونوں ایک دوسرے سے صاف نہ ہوئے لیکن طبقات ابن سعد کی ایک روایت سے ظاہر ہوتا ہے کہ باہمی عفو خواہی کے صیقل نے دونوں کے آئینہ قلب کو بالکل شفاف کر دیا تھا، محمد بن سعد نے اس واقعہ کی صحت پر خاص طور سے زور دیا ہے۔^۱

وفات حضرت عبداللہؓ کو جب سفر آخرت کا یقین ہو گیا تو انہوں نے حضرت زبیرؓ اور ان کے صاحبزادہ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کو بلا کر اپنے مال و اسباب اور اولاد و نیز خود اپنی تجہیز و تکفین کے متعلق مختلف وصیتیں فرمائیں اور ساٹھ برس سے کچھ زیادہ عمر پا کر ۲۲ھ میں داعی اجل کو لبیک کہا، مستند و صحیح روایت کے مطابق امیر المومنین حضرت عثمانؓ نے جنازہ کی نماز پڑھا کی اور حضرت عثمان بن مظعونؓ کے پہلو میں سپرد خاک کیا۔^۲ انا للہ و انا الیہ راجعون

علم و فضل

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ ان صحابہ کرام میں ہیں جو اپنے علم و فضل کے لحاظ سے تمام دنیائے اسلام کے امام تسلیم کئے گئے ہیں تم نے پہلے پڑھا ہے کہ وہ ایام جاہلیت میں عقبہ بن معیط کی بکریاں چراتے تھے، لیکن خدا کی قدرت معلم ربانی کی نگاہ انتخاب نے گلہ بانی کی درس گاہ سے نکال کر اپنے حلقہ تلمذ میں داخل کر لیا اور علم و فضل کے آسمان پر مہر منیر بنا کر چمکایا۔
علم کا شوق حضرت عبداللہؓ ابتداء ہی سے علم کے شائق تھے، قبول اسلام کے ساتھ ہی انہوں نے عرض کی ”یا رسول اللہ! مجھے تعلیم دیجئے“ بشارت ملی

انک غلام معلم

تم تعلیم یافتہ لڑکے ہو

۱۔ یہ تمام تفصیل، اسد الغابہ سے ماخوذ ہے۔

۲۔ طبقات ابن سعد قسم اول جلد ۳ ص ۱۱۳

۳۔ طبقات ابن سعد قسم اول جلد ۱۱۳

۴۔ مسند ابوداؤد طیالسی و مسند احمد جلد ۱ ص ۳۸۹ و ابن سعد و دلائل ابی نعیم و اسد الغابہ جلد ۳ ص ۲۵۶

اس شوق کا یہ اثر تھا کہ شب و روز سرچشمہ علم سے مستفیض ہوتے، خلوت، جلوت، سفر، حضر، غرض ہر موقع پر ساقی معرفت کی خدمت میں حاضر رہتے تھے، لیکن طلب صادق کی پیاس نہ بجھتی، یہاں تک کہ آپ جب داخل حرم نہ ہوتے تو اپنی والدہ حضرت ام عبد کو بھیجتے کہ وہ خانگی زندگی کے معلومات بہم پہنچائیں۔

رسالت مآب ﷺ کی خدمت و صحبت کا اثر..... حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ پر نور ﷺ کے خادم خاص میں شامل تھے، مسواک اٹھا کر رکھنا، جوتہ پہنانا، سفر کے موقع پر کجاوہ کسنا اور عصا لے کر آگے چلنا آپ کی مخصوص خدمت تھی، اس خدمت گزاری کے ساتھ وہ آنحضرت ﷺ کے ہدم و ہمز بھی تھے، مخصوص صحبتوں میں شریک کئے جاتے تھے بلا اذن تخلیہ کے موقعوں پر حاضر ہوتے اور راز کی تمام باتیں سن سکتے تھے چنانچہ یہی وجہ ہے کہ صحابہ کرامؓ نے ان کو حضور کی بستر مسواک اور وضو کے پانے والے کا معزز خطاب دے رکھا تھا۔

حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ فرماتے ہیں کہ ہم یمن سے آئے اور کچھ دنوں تک مدینہ میں رہے ہم نے عبد اللہ بن مسعودؓ کو رسول اللہ ﷺ کے پاس اس کثرت سے آتے جاتے دیکھا کہ ہم ان کو عرصہ تک خاندان رسالت کا ایک رکن گمان کرتے رہے غرض اس خدمت گزاری اور ہر وقت کی حاضر باشی نے ان کو قدرۃً سب سے زیادہ وہ خرم کمال کی خوشہ چینی کا موقع دیا۔

قرآن..... قرآن کریم جو اصل اصول اسلام ہے، حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ اس کے سب سے بڑے عالم تھے، فرماتے ہیں کہ ”ستر سورتیں میں نے خاص مہبط وحی اور الہام کے دہن مبارک سے سن کر یاد کی تھیں، ان کا دعویٰ تھا کہ قرآن مجید میں کوئی آیت ایسی نہیں جن کی نسبت میں یہ نہ جانتا ہوں کہ کب اور کہاں اور کس بارہ میں اتری ہے، وہ فرمایا کرتے تھے کہ ”اگر کوئی شخص قرآن مجید کا مجھ سے زیادہ عالم ہوتا تو میں اس کے پاس سفر کر کے جاتا ایک دفعہ انہوں نے مجمع عام میں دعویٰ کیا کہ ”تمام صحابہ جانتے ہیں کہ میں قرآن کا سب سے زیادہ عالم ہوں، گو سب سے بہتر نہیں ہوں“ شقیق اس جلسہ میں موجود تھے، وہ کہتے ہیں کہ اس واقعہ کے بعد اکثر صحابہؓ کے حلقوں میں شریک ہوا، مگر کسی کو عبد اللہ بن مسعود کے دعویٰ کا منکر نہیں پایا۔

حضرت ابو الاحوصؓ فرماتے ہیں کہ ایک روز ہم اور عبد اللہ بن مسعودؓ اپنے چند احباب کے ساتھ ابو موسیٰ اشعریؓ کے مکان میں تھے، حضرت عبد اللہؓ چلنے کے قصد سے کھڑے ہوئے تو ابو مسعود نے انکی طرف اشارہ کیا اور کہا ”میں نہیں جانتا کہ رسول اللہ ﷺ کے بعد ان سے زیادہ کوئی شخص قرآن کا عالم ہے“ ابو موسیٰؓ نے کہا ”کیوں نہیں! یہ اس وقت بارگاہ رسالت میں حاضر

۱۔ مسند اعظم ص ۱۸۴

۲۔ مستدرک جلد ۳ ص ۳۱۶

۳۔ طبقات ابن سعد قسم اول جز ۲، ثالث ص ۱۰۹

۴۔ صحیح مسلم جلد ۲ ص ۳۴۳

۵۔ بخاری جلد ۲ ص ۷۴۸

رہتے تھے جب کہ ہم لوگ غائب ہوتے تھے اور ان کو ان موقعوں میں باریاب ہونے کی اجازت تھی جب کہ ہم لوگ روک دیئے جاتے تھے۔“ حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرمایا کرتے تھے کہ میں عبداللہ بن مسعودؓ کو اس دن سے بہت دوست رکھتا ہوں جس دن رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ”قرآن چار آدمیوں سے حاصل کرو“ اور سب سے پہلے ابن ام عبد کا نام لیا حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے جب وفات پائی تو حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ اور حضرت ابو مسعودؓ نے ایک دوسرے سے کہا ”کیا عبداللہؓ نے اپنے جیسا کسی کو چھوڑا؟ دوسرے نے کہا نہیں وہ خلوت جلوت ہر موقع پر حاضر رہتے تھے جبکہ ہم لوگوں کے لئے یہ ممکن نہ تھا۔“

حضرت عبداللہؓ کے پاس عہد نبوت کا جمع کیا ہوا ایک مصحف بھی تھا جس کو نہایت عزیز رکھتے تھے، چنانچہ امیر المؤمنین حضرت عثمانؓ نے جب مصحف صدیقی کے سوا تمام مصاحف کو تلف کر دینے کا حکم دیا تو انہوں نے نہایت ناگواری کے ساتھ اس حکم کی تعمیل کی۔ چونکہ اس مصحف کے نقل و ترتیب کی خدمت زید بن ثابتؓ نے انجام دی تھی، اس لئے وہ اکثر ان کی ناتجربہ کاری پر معترض ہوتے تھے، شقیق بن سلمہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ انہوں نے خطبہ دیتے ہوئے فرمایا، ستر سے کچھ زیادہ سورتیں میں نے خاص رسول ﷺ کی زبان سے سن کر یاد کی تھیں، حالانکہ زید بن ثابتؓ اس وقت لڑکے تھے، اور لڑکوں کے ساتھ کھیلتے پھرتے تھے۔ اس سے بڑھ کر ان کی قرآن دانی کی اور کیا سند ہو سکتی ہے کہ خود حضور ﷺ نے ایک موقع پر لوگوں سے فرمایا کہ قرآن چار آدمیوں سے سیکھنا، عبداللہ بن مسعودؓ، سالمؓ، معاذؓ اور ابی بن کعبؓ۔ مکہ تفسیر..... قرآن مجید کی تفسیر اور مناسب موقعوں پر برجستہ آیات قرآنی کی تلاوت میں خاص مہارت رکھتے تھے، ایک دفعہ یہ حدیث زیر بحث بھی کہ جو شخص جھوٹی قسم کھا کر کسی مسلمان کا مال مارے گا، قیامت کے روز خدا اس پر نہایت غضبناک ہوگا۔“ حضرت عبداللہؓ نے اس حدیث کی تصدیق میں برجستہ یہ آیت تلاوت فرمائی۔

ان الذین یشترون بعہد اللہ وایمانہم لثمناً قلیلاً اولئک لا اخلاق

لہم فی الآخرۃ

بے شک وہ لوگ جو خدا کے عہد اور اپنی قسموں کے معاوضہ میں نفع قلیل حاصل

کرتے ہیں ان کے لئے آخرت میں کوئی حصہ نہ ہوگا۔

اسی طرح ایک دفعہ اپنے حلقہ درس میں بیان فرما رہے تھے کہ ایک روز رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا گیا کہ سب سے بڑا گناہ کیا ہے؟ ارشاد ہوا کہ شرک پھر قتل اولاد پھر آپ نے

۱۔ مسلم باب فضائل عبداللہ بن مسعودؓ

۲۔ اسد الغابہ جلد ۳ ص ۳۸۶، ابی القراء میں اصحاب النبی ﷺ جلد ۷ ص ۳۷۷، بخاری جلد ۲ ص ۲۵۲

ہمسایہ کی بیوی سے زنا کرنا“ اس حدیث کو بیان کر کے انھوں نے برجستہ اس آیت سے اس کی تصدیق فرمادی۔

والذین لا یدعون مع اللہ الہا اخر ولا یقتلون النفس التي حرم اللہ الا بالحق ولا یزنون و من یفعل ذلک یلق انا ما
جو لوگ خدا کے ساتھ کسی دوسرے خدا کو نہیں پکارتے اور ناحق جان نہیں مارتے کہ اللہ نے اس کو حرام کر رکھا ہے اور نہ زنا کے مرتکب ہوتے ہیں اور جو شخص ایسا کریگا وہ ان گناہوں کا خمیازہ اٹھائے گا۔

حضرت عبداللہ بن مسعود کی تفسیریں حدیث و تفسیر کی کتابوں میں بکثرت منقول ہے، اگر ان کو جمع کیا جائے تو ایک مستقل کتاب تیار ہو سکتی ہے۔

تفسیر بالرائے سے احتراز..... محض اپنی رائے و قیاس سے آیت قرآنی کی تشریح و تفسیر کرنا علمائے امت کے نزدیک بالاتفاق ناجائز ہے، حضرت عبداللہ بن مسعود اگر کسی کو ایسا کرتے دیکھتے تو نہایت برہم ہوتے، ایک مرتبہ کسی نے آکر کہا کہ ایک شخص مسجد میں یوم ناسی السماء بد خان مبین کی تفسیر محض اپنی رائے سے کر رہا ہے، وہ کہتا ہے کہ ”قیامت کے روز اس قدر دھواں ہوگا کہ لوگ اس میں سانس لے کر زکام یا اسی قسم کی ایک بیماری میں مبتلا ہو جائیں گے“، بولے ”دانشمندی یہ ہے کہ اگر انسان کسی امر سے واقف ہو تو بیان کرے اور اگر ناواقف ہو تو اللہ اعلم کہہ کر خاموش ہو جائے، یہ آیت اس وقت نازل ہوتی تھی جب کہ قریش کی نافرمانی اور آنحضرت ﷺ کی بددعا کے باعث تمام عرب قحط کی مصیبت میں مبتلا تھا، لوگ جب آسمان کی طرف نظر اٹھا کر دیکھتے تھے تو بھوک کی شدت اور ضعف و ناتوانی کے باعث زمین سے آسمان تک دھواں ہی دھواں نظر آتا تھا، خدائے پاک نے اس موقع پر کفار کو متنبہ کیا کہ اس سے بھی ایک زیادہ ہولناک اور سخت انتقام کا دن آنے والا ہے، اور وہ جنگ بدر کا دن ہے“۔

قرأت..... قرأت میں غیر معمولی کمال حاصل تھا، صحاح میں بکثرت ایسی روایتیں ہیں جن کا حاصل یہ ہے کہ قرأت میں ابن ام عبدیعنی حضرت عبداللہ بن مسعود کی پیروی کی جائے۔ ایک مرتبہ وہ نماز میں سورہ نساء تلاوت فرما رہے تھے کہ خیر الامم (نبی کریم) حضرت ابو بکرؓ حضرت عمرؓ کے ساتھ مسجد میں تشریف لائے اور ان کی خوش الحانی اور باقاعدہ ترتیل سے خوش ہو کر فرمایا۔

اسئل تعطہ اسئل تعطہ

(جو کچھ) سوال کرو پورا کیا جائے گا (جو کچھ) سوال کرو پورا کیا جائے گا۔

پھر ارشاد ہوا کہ ”جو پسند کرتا ہے کہ قرآن کو اسی طرح تروتازہ پڑھنا سیکھے، جس طرح وہ

نازل ہوا ہے تو اس کو قرآن ابن ام عبد کی اتباع کرنا چاہیے۔

دوسرے روز حضرت ابو بکر صدیقؓ ان کے پاس بشارت و تہنیت کے خیال سے تشریف لائے، اور پوچھا کہ ”رات آپ نے خدا سے کیا دعا مانگی؟“ بولے ”میں نے کہا اے خدا! مجھے ایسا ایمان عطا کر جس کو کبھی جنبش نہ ہو، ایسی نعمت دے جو کبھی ختم نہ ہو، اور خلد بریں میں (حضرت محمد ﷺ) کی دائمی رفاقت نصیب ہو۔“

وہ تلاوت قرآن کے نہایت شائق تھے، اور تنہائی کے موقع میں عموماً اس سے دل بہلایا کرتے تھے، بسا اوقات خود آنحضرت ﷺ بھی ان سے قرآن کی کوئی سورہ پڑھوا کر سنتے اور محفوظ ہوتے، خود کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ ارشاد ہوا کہ سورہ نساء پڑھ کر سناؤ میں نے عرض کی یا رسول اللہ! آپ پر نازل ہوا اور آپ کو میں سناؤں! ارشاد ہوا ”کیوں نہیں! لیکن میں دوسرے کی زبان سے سننا چاہتا ہوں“ غرض میں نے تعمیل ارشاد کی اور جب اس آیت پر پہنچا ”فکیف اذا جنننا من کل امۃ بشہید و جننا بک علیٰ ہذا لا شہید“ آپ کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔

روایت میں خوف اور احتیاط حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کو بارگاہ نبوت میں جو مخصوص تقرب حاصل تھا اس کے لحاظ سے نہایت وسیع معلومات رکھتے تھے، لیکن روایت میں وہ حد درجہ محتاط تھے ابو عمر شیبانی کہتے ہیں کہ میں ابن مسعودؓ کی صحبت میں کامل ایک سال رہا، لیکن بہت کم قال رسول اللہ کا لفظ ان کی زبان سے سنا، ایک مرتبہ انہوں نے ایک حدیث بیان کی تو تمام جسم میں رعشہ آگیا، اور کہنے لگے، آپ نے اسی طرح فرمایا: اس کے قریب قریب یا اسی کے مشابہ۔

حضرت عمرو بن میمون فرماتے ہیں کہ تقریباً ایک سال تک عبد اللہ بن مسعودؓ کی خدمت میں میری آمد و رفت رہی، لیکن میں نے کبھی ان کو رسول اللہ کے امتساب سے کچھ بیان کرتے ہوئے نہیں سنا، ایک مرتبہ حدیث بیان کرتے ہوئے اتفاقاً ان کی زبان سے قال رسول اللہ کا فقرہ نکل گیا، تو دیکھا کہ ان کا تمام بدن تھرا اٹھا اور خوف و ہراس سے عرق عرق (پسینہ پسینہ) ہو گئے۔

تلامذہ کو احتیاط کی ہدایت شاگردوں کو بھی عموماً روایت حدیث میں احتیاط کی ہدایت کیا کرتے اور فرماتے کہ جب تم کوئی حدیث بیان کرو تو اس خیال کو پیش نظر رکھو کہ رسول اللہ ﷺ سب سے زیادہ مقدس پرہیزگار اور ہدایت یاب تھے۔

کثرت روایات کی وجہ لیکن ان واقعات سے یہ قیاس نہ کرنا چاہیے کہ وہ مطلقاً حدیثیں روایت نہیں کرتے تھے، کیونکہ معلم دین ہونے کی حیثیت سے حضرت خیر الانام کی

تعلیمات و ارشادات کا پھیلا نا ان کے فرائض منصبی میں داخل تھا، یہی وجہ ہے کہ خوف و احتیاط کے باوجود صحاح و مسانید میں ان سے بکثرت روایات منقول ہیں، چنانچہ آپ کے جملہ مرویات کی تعداد ۸۴۸ ہے ان میں سے ۶۴ بخاری اور مسلم دونوں میں ہیں، ان کے علاوہ ۲۱ بخاری میں ہیں اور ۳۵ مسلم میں ہیں۔

مذاکرہ حدیث کا شوق..... بسا اوقات وہ مذاکرہ حدیث کے شوق میں تلامذہ و احباب کے گھر پر تشریف لے جاتے اور دیر تک عہد نبوت کا ذکر مذکور رہتا، واپسہ اسدی فرماتے ہیں کہ میں کوفہ میں دوپہر کے وقت اپنے گھر میں تھا کہ یکا یک دروازہ سے السلام علیکم کی آواز بلند ہوئی، میں نے جواب دیا باہر نکل کر دیکھا، تو عبداللہ بن مسعودؓ تھے، میں نے کہا ابو عبد الرحمن! یہ ملاقات کا کون سا وقت ہے؟ بولے ”آج بعض مشاغل ایسے پیش آ گئے کہ دن چڑھ گیا اور اب فرصت ملی تو یہ خیال کہ کسی سے باتیں کر کے عہد مقدس کی یاد تازہ کر لوں“ غرض وہ بیٹھ کر حدیثیں بیان فرمانے لگے، اور دیر تک پر لطف صحبت رہی۔

آداب روایت..... حضرت عبداللہؓ حدیث روایت کرتے وقت نہایت مؤدب متین اور سنجیدہ بن جاتے ہیں اور اس طرح نقشہ کھینچ دیتے تھے کہ گویا سامع خود حضرت رسول مقبول ﷺ کی زبان فیض ترجمان سے سن رہا ہے، ایک مرتبہ انہوں نے ایک طولانی حدیث بیان فرمائی جس میں قیامت، جنت اور مؤمنین و سبحان رب العزت کے سوال و جواب کا تذکرہ تھا، حدیث ختم کر کے متبسم ہوئے اور فرمایا ”تم پوچھتے نہیں کہ میں کیوں ہنستا ہوں؟ لوگوں نے کہا آپ کیوں ہنستے ہیں؟ اس لئے کہ اس موقع پر رسول ﷺ نے اسی طرح تبسم فرمایا تھا۔“

فقہ..... حضرت عبداللہ بن مسعودؓ ان فاضل صحابہ میں ہیں جو فقہ کے مؤسس اور بانی سمجھے جاتے ہیں، خصوصاً فقہ حنفی کی عمارت تمام تر حضرت عبداللہ بن مسعودؓ ہی کے سنگ اساس پر تعمیر ہوئی۔

پہلے گزر چکا ہے کہ حضرت عبداللہؓ کوفہ کے قاضی مقرر ہوئے تو اس کے ساتھ تعلیم دین کی خدمت بھی سپرد ہوئی تھی، اس بنا پر ان کو قدرۃً ایک حلقہ درس قائم کرنا پڑا، اور عام مسلمانوں میں مسائل فقہ اور اپنے اجتہادات کی ترویج و اشاعت کا نہایت کافی موقع ہاتھ آیا، اس طرح تمام خطہ عراق فقہ میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا پیرو ہو گیا، اور ان کی درس گاہ سے بڑے بڑے اہل کمال سند فضیلت لے کر نکلے۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے مخصوص تلامذہ میں سے علقمہ اور اسود نے فقہ میں خاص شہرت حاصل کی، پھر ان کے بعد ابرہیم نخعی نے کوفہ کی فقہ کو بہت کچھ وسعت دی، یہاں تک کہ ان کو

فقہ العراق کا لقب ملا۔

حضرت ابراہیم نخعی کے پاس حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے فتاویٰ کا نہایت کافی ذخیرہ تھا، جو ان کو تمام تر زبانی یاد تھا، ان سے حماد نے حاصل کیا، اور حماد سے نقل ہو کر وہ حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے حصہ میں آیا، جنہوں نے اپنے علم و اجتہاد سے اسکو اس قدر وسعت دی کہ آپ اکثر دنیائے اسلام ان کے فیوض و برکات سے مالا مال ہے۔

اصول فقہ قرآن، حدیث، اجماع اور قیاس فقہ اسلامی کی عمارت کے چار ستون ہیں اور یہی اصول فقہ کے موضوع فن بھی ہیں، ان میں سے دونوں مؤخر الذکر کی ضرورت رسول ﷺ کے بعد پیش آئی کیونکہ مہبط وحی والہام کی موجودگی میں اجماع و قیاس کی ضرورت ہی کیا تھی۔ اجماع اجماع کو عملی حیثیت سے رواج دینا گو حضرت ابو بکرؓ و حضرت عمر فاروقؓ کا خاص طغرائے امتیاز ہے، تاہم اصولی حیثیت سے پہلے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے اس کو مستحسن قرار دیا اور فرمایا۔

مارای المسلمون حسنا فهو عند الله حسن و مارا و اسینا فهو

عند الله سیئ

”جس چیز کو تمام مسلمان بہتر سمجھ لیں وہ خدا کے نزدیک بھی بہتر ہے اور جس کو

برا سمجھ لیں وہ خدا کے نزدیک بھی برا ہے۔“

اور یہی درحقیقت اجماع کی اصلی روح ہے۔

قیاس اصول فقہ کا چوتھا رکن قیاس ہے، جو درحقیقت قرآن پاک، حدیث نبوی اور اجماع ہی کی ایک شاخ ہے، لیکن توسیع فقہ اور نئے نئے مسائل کی گتھیوں کو سلجھانے کے لحاظ سے وہ خاص اہمیت رکھتا ہے، یہ ظاہر ہے کہ قرآن مجید اور احادیث میں تمام جزئیات مذکور نہیں، اور نہ اس قدر احاطہ ممکن تھا، اس لئے علت مشترکہ نکال کر ان جزئیات غیر منصوصہ کو احکام منصوصہ پر قیاس کرنا فقیہ یا مجتہد کا سب سے اہم فرض ہے اور درحقیقت یہی موقع ہے، جہاں اس کی قوت اجتہاد و تفریع مسائل و استنباط احکام کا امتحان ہوتا ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے عملاً قیاس شرعی سے کام لے کر آئندہ نسلوں کے لئے ایک وسیع شاہراہ قائم کر دی اور ضمناً بہت سے ایسے قاعدے مقرر کر دیئے جو آج ہمارے علم اصول فقہ کی بنیاد ہیں، ہم یہیں ان کے چند قیاسی مسائل نقل کرتے ہیں جن سے ان کی قوت استنباط کا اندازہ ہوگا۔

حج یا عمرہ کا ایک مسئلہ یہ ہے کہ اگر کوئی احرام باندھ لے اور دشمن کے سدرہ ہو جانے سے حج یا عمرہ کے ارکان کو پورا نہ کر سکے تو وہ صرف قربانی کا جانور بھیج کر حرام کھول دے، اور آئندہ

جب بھی موقع میسر آئے اپنے ارادہ کو پورا کرے، جیسا کہ خود آنحضرت ﷺ نے غزوہ حدیبیہ کے موقع پر کیا تھا، لیکن عبداللہ بن مسعودؓ مجبوری کو علت مشترکہ قرار دے کر مریض یا دوسرے مجبور اشخاص کے لئے بھی یہی حکم جاری فرماتے ہیں، چنانچہ ایک شخص نے ان سے پوچھا کہ ”میں عمرہ کے لئے احرام باندھ چکا تھا کہ اتفاقاً سانپ نے کاٹ کھایا اور اب جانے کی طاقت نہیں رہی“ ”بولے“ تم صرف قربانی بھیج کر احرام کھول دو، اور جب ممکن ہو عمرہ ادا کرو۔“

اس قیاس سے ضمناً دو نہایت اہم اصول منضبط ہوتے ہیں (۱) اشتراک علت اشتراک حکم کا باعث ہے (۲) سبب کا خاص ہونا حکم کی تعلیم پر کچھ اثر نہیں ڈالتا۔

علم فرائض کا ایک قاعدہ یہ ہے کہ میت سے جس کو زیادہ قرابت ہوگی، اس کو وراثت میں ترجیح دے جائے گی، مثلاً حقیقی بھائی کو اخیانی یا علاتی بھائی پر صرف اس لئے ترجیح ہے کہ اول الذکر کو ماں اور باپ دونوں کی طرف سے قرابت ہے برخلاف اس کے دونوں موخر الذکر میں صرف ایک ہی حیثیت پائی جاتی ہے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اس اصول کو دوسرے قرابت داروں میں بھی پیش نظر رکھتے ہیں مثلاً ایک میت نے زید اور بکر دو چچا زاد بھائی چھوڑے اور زید اس رشتہ کے علاوہ میت کا اخیانی بھائی بھی ہے، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اس صورت میں زیادہ قرابت کی علت مرتجہ نکال کر زید کو بکر پر ترجیح دیتے ہیں، لیکن جمہور علمائے اہل سنت عصبہ ہونے کی حیثیت سے ان دونوں میں کوئی تفریق نہیں کرتے۔

اجتہاد..... مذکورہ بالا قیاسی مسائل کے علاوہ فقہ اسلامی کی بہت سی پیچیدہ گتھیاں صرف حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے ناخن اجتہاد سے حل ہوئیں، آپ استنباط احکام و تفریع مسائل پر غیر معمولی قدرت رکھتے تھے، اور نصوص شرعیہ میں ناسخ و منسوخ، موقت و مؤبد کی تفریق کر کے صحیح استنباط حکم راہ پیدا کر لیتے تھے، مثلاً ایک دفعہ استفتاء آیا کہ ایک حاملہ عورت کے لئے جس کا شوہر مر گیا ہو، عدت کیا ہے؟ کیونکہ قرآن مجید میں عدت کے متعلق مختلف احکام ہیں، سورہ بقرہ میں عام حکم یہ ہے۔

و الذین یتوفون منکم و یذرون ازو اجایتر بصلن با نفسھن اربعۃ

اشھرو عشرۃ

”تم میں سے جو لوگ مر جائیں، اور بیویاں چھوڑیں تو وہ (عورتیں) اپنے

آپ کو چار مہینے دس دن تک روکے رکھیں۔“

اور سورہ نساء میں خاص حاملہ عورتوں کے لئے جن کے شوہر مر گئے ہوں یہ حکم ہے۔

و اولات الاحمال اجلھن ان یضعن حملھن

”اور جو عورتیں حاملہ ہوں ان کی مدت یہ ہے کہ اپنا حمل وضع کریں۔“

اس بنا پر حضرت علی کا خیال تھا کہ جس میں زیادہ مدت صرف ہو وہی اس زمانہ عدت قرار دیا دے تاکہ دونوں آیتوں کا توافق پیدا ہو جائے، لیکن حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے حاملہ عورت کے حق میں سورہ بقرہ کی آیت کو سورہ نساء کی آیت سے منسوخ قرار دے کر وضع حمل عدت قرار دی، اور فرمایا کہ میں اس کے لئے مہالہ کر سکتا ہوں کہ سورہ بقرہ سورہ نساء کے بعد نازل ہوئی ہے۔

یہ مسئلہ کہ جہری نمازوں میں مقتدی کو سرافاتحہ پڑھنا چاہیے یا نہیں؟ آج تک احناف اور دیگر فرق اسلامیہ کے درمیان ایک معرکہ الآراء بحث ہے اور اس کا کسی طرح فیصلہ ہی نہیں ہونے پاتا، حضرت عبداللہؓ کے زمانہ میں یہ بحث پیدا ہو چکی تھی، چنانچہ ایک شخص نے بطریق استفتاء اس مسئلہ کو ان کے سامنے پیش کیا انہوں نے جواب دیا۔

انصت فان فی الصلوة شغلا سیکفیک ذاک الامامؓ

”خاموش ہو کیونکہ نماز میں توجہ قائم نہیں رہتی امام کا پڑھنا تمہارے لئے کافی ہے۔“

اس جواب میں درحقیقت حسب ذیل تین دلیلوں کی طرف اشارہ ہے، جو آج بھی احناف کے لئے مخالفین کے مقابلہ میں بمنزلہ سپر ہے۔

(۱) اذ اقرئ القرآن فاستمعوا له وانصتوا

”جب قرآن پڑھا جائے تو اس کو سنو اور خاموش رہو“

(۲) مقتدی کی قرأت سے نماز میں توجہ قلب باقی نہیں رہتی۔

(۳) آنحضرت ﷺ کا فرمان ہے من کان له امام فقرأ الامام قراءة له، یعنی جو امام کے پیچھے ہو اس کے لئے امام کی قرأت کافی ہے۔

ایک مرتبہ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کے پاس فرائض کا یہ استفتاء آیا کہ ایک میت نے ورثہ میں ایک لڑکی ایک پوتی اور ایک بہن چھوڑی ہے، اس کی جائداد کس طرح تقسیم ہوگی، انہوں نے جواب دیا کہ لڑکی اور بہن نصف کی مستحق ہیں اور پوتی محروم الارث ہے ابو موسیٰؓ کے جواب کے ساتھ یہی استفتاء حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی خدمت میں آیا انھوں نے فرمایا ”اگر میں رسول ﷺ کے فرمان پر ابو موسیٰ کے قول کو ترجیح دوں تو میں گمراہ ہوں گا، بیشک لڑکی نصف پائے گی، لیکن دو ٹکٹ پورا کرنے کے لئے ایک سدس پوتی کو بھی ملے گا، اور جو باقی رہے گا وہ بہن کا حصہ ہے“ یہ جواب حضرت ابو موسیٰؓ کو معلوم ہوا تو فرمایا ”جب تک یہ بڑا عالم ہم میں موجود ہے اس وقت تک ہم سے پوچھنے کی ضرورت نہیں“ چنانچہ آج یہی فتویٰ تمام مسلمانوں کا معمول ہے۔

التوضیح والتلویح ۲ موطا امام محمد جلد ۱ ص ۹۶

۳ مسند احمد بن حنبل ص ۴۲۸، بخاری جلد ۲ ص ۹۹

معاصرین فضل و کمال کے معترف تھے..... حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے تبحر علمی و ملکہ اجتہاد کے تمام صحابہ کرام معترف تھے، حضرت عمرؓ جب ان کو دیکھتے تو چہرہ بشاش ہو جاتا اور فرماتے۔

کیف ملی علما (مندرک حاکم، مناقب)۔ ایک طرف ہے جو علم سے بھرا ہوا ہے ایک مرتبہ حضرت علیؓ سے چند کوفیوں نے ان کے تقویٰ حسن خلق اور تبحر علمی کی بیحد تعریف کی، انہوں نے پوچھا ”کیا تم سچے دل سے کہتے ہو؟“ بولے ہاں ”فرمایا تم لوگوں نے عبداللہ بن مسعودؓ کی جو کچھ تعریف کی ہے، میں ان کو اس سے بھی بہتر خیال کرتا ہوں“ ۲۔

ایک دفعہ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ سے ایک شخص نے پوچھا کہ اگر کسی کے حلق سے بیوی کا دودھ فرو ہو جائے تو اس کے لئے کیا حکم ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ وہ اس پر حرام ہو جائے گی، حضرت عبداللہؓ موجود تھے، انہوں نے (روک کر کہا) آپ یہ کیا فتویٰ دیتے ہیں؟ رضاعت صرف دو سال تک ہے، حضرت ابو موسیٰؓ نے خوش ہو کر اعتراف فضل کے لہجہ میں لوگوں سے کہا ”جب تک یہ حرم (یعنی عالم تبحر) تم میں موجود ہے مجھ سے کچھ نہ پوچھو“ ۳۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے ایک شخص سے جو تہ بند ٹخنوں سے نیچے لٹکائے ہوئے تھا، کہا ”تہ بند زرا اوپر کر کے باندھو“ اس نے کہا ابن مسعودؓ تم بھی تہ بند اوپر کرو، ”لے“ میں تمہارے جیسا نہیں ہوں، میری ٹانگیں پتلی ہیں“ حضرت عمرؓ نے اس رد و قدح کا حال سنا تو اس شخص کے کوڑے لگوائے کہ تو نے عبداللہ بن مسعودؓ جیسے شخص سے منہ زوری کی ۴۔

نامعلوم مسائل میں رائے زنی سے احتراز..... ایک طرف تو کی قوت اجتہاد و جلالت شان کا یہ حال تھا، لیکن دوسری طرف حزم و احتیاط کا یہ عالم تھا کہ تا م مسائل میں کبھی رائے زنی سے کام نہ لیتے اور اپنے شاگردوں کو ہمیشہ ہدایت فرمایا کرتے تھے جس چیز کو تم نہ جانتے ہو اس کی نسبت یہ نہ کہا کرو کہ میری رائے یہ ہے یا میرا خیال یہ ہے بلکہ صاف کہہ دیا کرو کہ میں نہیں جانتا۔ ۵۔

حضرت مسروقؓ جو ان کے خاص تلامذہ میں ہیں بیان کرتے ہیں کہ عبداللہ بن مسعودؓ اکثر مسرت و افسوس کے ساتھ فرمایا کرتے تھے کہ عنقریب ایک ایسا زمانہ آنے والا ہے، جبکہ علماء باقی نہ رہیں گے اور لوگ ایسے جاہلوں کو سردار بتالیں گے جو تمام امور کو محض اپنی عقل و رائے سے قیاس کریں گے۔ ۶۔

ایک مرتبہ ان کے پاس یہ استفتاء آیا کہ ایک عورت کا نکاح ہوا لیکن اس میں مہر کا کوئی

۱۔ طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث ص ۱۱۰

۲۔ طبقات ابن سعد قسم ۳ جزء ۳ ص ۱۱۰

۳۔ موطا امام مالک ص ۲۲۳

۴۔ اصحابہ جلد ۳ ص ۱۳۰

۵۔ اعلام الموقعین ص ۶۴

۶۔ اعلام الموقعین ص ۶۴

تذکرہ نہیں کیا گیا، یہاں تک کہ اس کے شوہر کا انتقال ہو گیا، اس کے لئے کیا حکم ہے وہ مہر و وراثت کی مستحق ہے یا نہیں؟ چونکہ ان کو اس کے متعلق کوئی واقفیت نہ تھی اس لئے لوگوں کے ضد اور اصرار کے باوجود تقریباً ایک مہینہ تک خاموش رہے، لیکن جب زیادہ مجبور کئے گئے تو بولے ”میرا فیصلہ یہ ہے کہ وہ مہر مثل اور وراثت کی مستحق ہے اور اس کو عدت میں بیٹھنا چاہیے“ پھر فرمایا ”اگر یہ صحیح ہے، تو خدا کی طرف سے ہے اور اگر غلط ہے تو میری طرف سے اور شیطان کی طرف سے ہے خدا اور اس کا رسول اس سے بری ہے“ اس وقت حاضرین میں دو صحابی حضرت جراحؓ اور حضرت ابوسنانؓ موجود تھے، انہوں نے اٹھ کر کہا ”ہم گواہی دیتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے بروع بنت واشق کے حق میں یہی فیصلہ فرمایا تھا“۔ اس توافق سے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ وغیرہ معمولی مسرت حاصل ہوئی۔

فتویٰ سے رجوع کرنا..... اگر وہ کبھی کوئی فتویٰ دیتے اور بعد کو اس کے خلاف ثابت ہو جاتا تو فوراً اس سے رجوع کر لیتے، ایک مرتبہ کوفہ میں ایک شخص نے ان سے پوچھا کہ ”اگر کسی نے اپنی بیوی کو ہاتھ نہ لگایا ہو تو اس کے بعد اسکی ماں سے نکاح کر سکتا ہے؟“ حضرت عبداللہؓ نے جواز فتویٰ دیا، لیکن جب مدینہ آئے اور لوگوں سے دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ ربیہ لڑکیوں کے سوا اور تمام صورتوں میں ناجائز ہے، چنانچہ انہوں نے کوفہ واپس آ کر براہ راست مستقیماً سے ملاقات کی اور اپنے فتویٰ سے رجوع کر کے صحیح نکاح کا حکم دیا۔

معاصرین سے استفادہ..... نامعلوم مسائل میں ان کو اپنے اہل علم معاصرین سے استفادہ کرنے میں عار نہ تھا، ایک مرتبہ انہوں نے اپنی بیوی سے ایک لونڈی خرید کی اور شرط یہ قرار پائی کہ اگر وہ فروخت کی جائے تو اس کی قیمت ان کی بیوی کو ملے گی، چونکہ ان کو خود اس بیع کی تکمیل میں شک تھا، اس لئے انہوں نے حضرت عمرؓ سے فتویٰ پوچھا، انہوں نے جواب دیا کہ بیع مشروط سے ملکیت حاصل نہیں ہوتی تم اس کے قریب نہ جاؤ۔

امام محمدؓ نے کتاب الآثار میں روایت کی ہے ”صحابہ کرام میں سے چھ شخص مجتہد تسلیم کئے جاتے ہیں، اور وہ باہم مسائل فقہ میں بحث و مذاکرہ کرتے رہتے تھے، علیؓ، ابی بن کعبؓ اور حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ ایک ساتھ اور عمرؓ، زید بن ثابتؓ اور عبداللہ بن مسعودؓ ایک ساتھ“ امام شعبیؒ کا بیان ہے کہ عمرؓ، زید اور عبداللہ بن مسعود باہم ایک دوسرے سے استفادہ کرتے تھے، اور اسی وجہ سے ان کے مسائل باہم ملتے جلتے تھے۔

ارباب علم کی قدر شناسی..... حضرت عبداللہ بن مسعودؓ ارباب علم و فضل کی نہایت عزت کرتے تھے، حضرت عمرؓ کی نسبت ان کا قول تھا کہ ”اگر تمام عرب کا علم ایک پلہ میں رکھا جائے

اور عمر کا علم دوسرے پہلے میں تو عمر کا پہلہ بھاری رہے گا۔ وہ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ عمرؓ کے ساتھ ایک گھڑی بیٹھنا میں سال بھر کی عبادت سے بہتر جانتا ہوں۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی نسبت فرمایا کرتے تھے، ابن عباسؓ بہترین ترجمان قرآن ہیں، اگر وہ (عہد رسالت میں) ہم لوگوں کا سن (عمر، زمانہ) پاتے تو کوئی ان کی برابری نہ کر سکتا۔^{۳۵}
حضرت علقمہ ان کے شاگرد تھے، انہوں نے محض اپنی ذہانت و کثرت معلومات کے باعث ان کے حلقہ درس میں ممتاز عزت حاصل کر لی تھی، حضرت عبداللہؓ ان کی نسبت فرمایا کرتے تھے کہ ”علقمہ کی معلومات سے میری معلومات زیادہ نہیں ہیں۔“^{۳۶}

احترام خلافت منصب خلافت کا نہایت ادب و احترام ملحوظ رکھتے تھے، اور کبھی خلیفہ وقت کا کوئی حکم یا فعل سنت ماضیہ کے خلاف نظر آتا تو عملاً اس کی مخالفت نہ فرماتے تھے کہ اس سے امت مرحومہ میں تفریق و انتشار کا اندیشہ تھا، ایک سال حج کے موقع پر حضرت عثمانؓ نے منیٰ میں دو کے بجائے چار کعتیں ادا کیں، حضرت عبداللہؓ کو خبر ملی تو متاسف ہو کر بولے انا للہ وانا الیہ راجعون میں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ دو رکعتیں پڑھیں، ابو بکرؓ اور عمرؓ کے عہد میں بھی دو ہی رکعتیں تھیں، اب یہ کیا انقلاب ہے؟“^{۳۷} اس لئے عملاً انہوں نے چار ہی رکعتیں پڑھیں لوگوں نے اس پر تعجب ظاہر کیا تو بولے کہ خلافت کا احترام ضروری ہے۔

درس و تدریس حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کو فہم میں باقاعدہ حدیث، فقہ اور قرآن پاک کی تعلیم دیتے تھے، ان کی درس گاہ میں شاگردوں کا بڑا مجمع رہتا تھا، جن میں سے علقمہؓ، اسودؓ، مسروقؓ، عبیدہ حارثؓ، قاضی شریحؓ اور ابو وائلؓ نہایت نام آور ہوئے، خاص کر علقمہ ان کی صحبت میں اس التزام سے رہے تھے اور ان کے طور و طریقہ کے اس قدر پابند تھے کہ لوگوں کا بیان تھا کہ جس نے علقمہؓ کو دیکھ لیا اس نے عبداللہ بن مسعودؓ کو دیکھ لیا۔

شاگردوں کی ایک جماعت سفر میں بھی عموماً ہمراہ ہوتی تھی، علقمہ اس قدر اہتمام کرتے تھے کہ اگر خود جانے سے مجبور ہوتے تو اپنے کسی رفیق کو ساتھ کر دیتے اور تاکید کرتے کہ ہمیشہ حاضر خدمت رہیں، عبدالرحمن بن یزید کا بیان ہے کہ عبداللہ بن مسعودؓ نے ایک مرتبہ حج کا قصد کیا علقمہؓ نے مجھ کو ان کے ہمراہ بھیجا اور تاکید کی کہ ہر وقت حاضر رہوں اور جو کچھ معلومات حاصل ہوں ان سے ان کو مطلع کروں۔“^{۳۸}

ایک مرتبہ حضرت خبابؓ نے ان کے وسیع حلقہ درس کو دیکھ کر کہا ”ابو عبدالرحمن کیا آپ کی طرح آپ کے یہ نوجوان شاگرد بھی باقاعدہ قرأت کر سکتے ہیں؟“ بولے ”اگر آپ کی خواہش

۳۵ تذکرۃ الحفاظ جلد ۱ ص ۳۵

۳۶ بخاری جلد ۱ ص ۱۴۷

۳۷ مسند احمد جلد ۱ ص ۴۶۱

۳۸ استیعاب تذکرہ عمر فاروق

۳۹ تہذیب التہذیب جلد ۸ ص ۳۰۸

۴۰ مسند اعظم ص ۸۶

ہو تو کسی کو سنانے کا حکم دوں“ حضرت خبابؓ نے کہا کیوں نہیں؟ حضرت عبداللہؓ نے علقمہ کی طرف اشارہ کیا، انہوں نے تقریباً پچاس آیتوں کی ایک سورہ پڑھ کر سنا کی حضرت عبداللہؓ نے حضرت خبابؓ کی طرف دیکھ کر کہا ”کیا رائے ہے؟“ انہوں نے نہایت تعریف کی۔
 معتقدین کا ہجوم..... تلامذہ کے علاوہ معتقدین کا ایک بڑا مجمع بھی ہر وقت حاضر رہتا تھا حضرت شقیق کا بیان ہے کہ ”ہم لوگ مسجد میں بیٹھ کر عبداللہ بن مسعودؓ کے مکان سے برآمد ہونے کا انتظار کرتے رہتے تھے“۔

حضرت طارق بن شہاب کہتے ہیں ”ہم لوگ عبداللہ بن مسعودؓ کے گرد بیٹھتے اور ان کی صحبت سے فیض یاب ہوتے تھے ایک شخص معمول بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک شخص السلام یا ابا عبد الرحمن کہتا ہوا تیزی کے ساتھ اس طرف سے گذرنا انہوں نے جواب دیا ”صدق اللہ ورسولہ یعنی خدا اور اس کے رسول نے سچ فرمایا ہے“ یہ کہہ کر داخل حرم ہوئے ”ہم لوگوں کو اس جواب پر سخت حیرت تھی، باہم مشورہ ہوا کہ ان کے برآمد ہونے کے بعد کون اس کے متعلق سوال کرے؟ میں نے کہا کہ میں پوچھوں گا، غرض وہ تشریف لائے اور میں نے پوچھا بولے ”رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ خاص خاص آدمیوں کو سلام کرنا تجارت کا ترقی کرنا، اعزہ کے ساتھ بدسلوکی، جھوٹی گواہی دینا اور حق کو چھپانا قرب قیامت کی نشانی ہے“۔
 قوتِ تقریر اور وعظ و پند..... تقریر و خطابت میں خاص مہارت رکھتے تھے، ایجاز و اختصار کے ساتھ تاثیر ان کی تقریر اور وعظ کی ممتاز صفت تھی، ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے ایک مختصر تقریر فرمائی، پھر حضرت ابو بکرؓ اور ان کے بعد عمرؓ کو تقریر کا حکم دیا، ان دونوں نے باری باری اختصار کے ساتھ اپنا بیان ختم کیا، تو حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کو حکم ہوا، انہوں نے کھڑے ہو کر حمد و نعت کے بعد کہا

ایہا الناس ان اللہ ربنا وان الاسلام دیننا وان هذا نبینا (و اوما
 بیہ الی النبی ﷺ) رضینا مارضی اللہ لنا ورسولہ السلام علیکم

”صاحبو! بے شک خدا ہمارا مالک ہے، اسلام ہمارا مذہب ہے اور یہ (ہاتھ
 سے آنحضرت ﷺ کی طرف اشارہ کر کے) ہمارے نبی ہیں، خدا اور اس کے رسول

نے جو کچھ ہمارے لئے پسند کیا ہے ہم نے بھی اس کو پسند کیا، السلام علیکم“
 آنحضرت ﷺ نے اس مختصر تقریر کی نہایت تعریف کی اور فرمایا ”ابن ام عبد نے سچ کہا“۔
 حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اپنے مواعظ حسنہ میں عموماً توحید، نماز، باجماعت اور خوف خدا کی تلقین فرماتے، اور تمثیلات سے ذہن نشین کراتے تھے، مثلاً ایک وعظ میں انہوں نے فرمایا کہ

”ایک شخص نے جس کے نامہ اعمال میں توحید کے سوا اور کوئی نیکی نہ تھی، مرنے کے وقت وصیت کی کہ میری لاش کو جلا کر اور چکی میں پیس کر سمندر میں ڈال دینا، لوگوں نے اس کی وصیت پوری کی، خدا نے اس کی روح سے سوال کیا ”تو نے اپنی لاش کے ساتھ ایسا کیوں کیا؟“ بولا ”خدا یا تمہارے خوف اور ڈر سے“ اس گزارش پر دریائے رحمت جوش میں آیا اور وہ بخش دیا گیا“ اس تمثیل سے درحقیقت یہ سمجھانا تھا کہ خشیت باری تمام اعمال حسنہ کی روح ہے۔

کثرت وعظ سے احتراز..... وہ اس حقیقت سے آگاہ تھے کہ وعظ و پند کی کثرت اس کے اثر کو زائل کر دیتی ہے، اس بنا پر لوگوں کی ضد و اصرار کے باوجود بہت کم منبر وعظ پر تشریف لے جاتے اور جو کچھ کہنا ہوتا اس کو نہایت مختصر صاف و سادہ لیکن موثر الفاظ میں فرماتے کہ سامعین تقریر کی طوالت سے گھبرانہ انھیں، ایک مرتبہ وعظ سننے کے شوق میں معتقدین کا ہجوم تھا، یزید بن معاویہ نخی نے ان کو خبر دی، لیکن وہ بہت دیر کے بعد گھر سے برآمد ہوئے اور فرمایا ”صاحبو! مجھے معلوم تھا کہ آپ دیر سے میرا انتظار کر رہے ہیں، لیکن میں اس ڈر سے باہر نہیں آیا کہ کثرت بیان آپ کو تھکا دے گی، رسول اللہ ﷺ ہم لوگوں کی تکلیف کے خیال سے کئی کئی دن نانغہ دے کر وعظ فرماتے تھے“ ۱۔

یوں تو ان کا دولت کدہ ہر وقت طالبان علم کا مرجع رہتا تھا، لیکن طلوع آفتاب کے بعد کے وقت مسئلہ مسائل کے لئے مخصوص تھا، ابو دائل بیان کرتے ہیں کہ ہم لوگ ایک دن فجر کی نماز کے بعد عبد اللہ بن مسعودؓ کے پاس گئے، وہ اس وقت تسبیح و تہلیل میں مصروف تھے، طلوع آفتاب کے بعد ایک شخص نے پوچھا میں نے رات نماز میں پوری مفصل پڑھیں، عبد اللہؓ نے کہا شعر کی طرح جلدی جلدی پڑھی ہوں گی، ہم نے قرآن کی تلاوت سنی ہے اور مجھے وہ قرآن یاد ہیں جن کو آنحضرت ﷺ پڑھا کرتے تھے، آپ دس مفصل اور دو سورتیں آل عم کی پڑھتے تھے۔ ۲۔

اخلاق..... سنت نبوی کی پیروی کے شوق نے حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کے اخلاق و طرز معاشرت میں ایک گونہ حضرت خیر الانام ﷺ کے مکارم و محامد کی جھلک پیدا کر دی تھی، عبد الرحمن بن یزید کا بیان ہے کہ ہم نے حضرت حذیفہؓ کی خدمت میں حاضر ہو کر کہا، ہم کو کسی ایسے شخص کا پتہ دیجئے جو خلق و ہدایت میں آنحضرت ﷺ سے قریب تر ہوتا کہ ہم اس سے کچھ حاصل کریں“ بولے ”عبد اللہ بن مسعودؓ سب سے زیادہ آنحضرت ﷺ کی ہدایت حسن خلق اور طور طریقے کے پابند تھے اور محمد ﷺ کے دوستوں میں سے جو لوگ موجود ہیں وہ جانتے ہیں کہ بارگاہ نبوت میں

۱۔ مسند احمد ص ۳۹۸،

۲۔ مسند احمد جلد ۷ ص ۳۷۷،

۳۔ مسلم جلد اول ص ۳۰۴، مطبوعہ مصر اس حدیث میں اور واقعات میں بھی ہیں، مگر ان کی تعلیم نہیں ہے اس لئے ہم نے حذف کر دیئے

تقرب کے لحاظ سے ابن ام عبد کا درجہ سب سے بلند ہے۔^۱
حضرت علیؓ جب کوثر تشریف لے گئے تو حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کے چند دیرینہ احباب ان سے ملنے آئے، حضرت علیؓ نے امتحاناً حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کی نسبت ان کے خیالات دریافت کئے سب نے با اتفاق تعریف کی اور کہا امیر المؤمنین ہم نے عبد اللہ بن مسعودؓ سے زیادہ متقی پر ہیزگار، خلعتی، نرم دل اور بہتر ہم نشین نہیں دیکھا، حضرت علیؓ نے فرمایا ”بے شک میرا بھی یہی خیال ہے بلکہ تم نے جو کچھ تعریف کی میں ان کو اس سے زیادہ بہتر سمجھتا ہوں، انہوں نے قرآن پڑھا، حلال کو حلال اور حرام کو حرام کیا وہ دین کے فقیہ اور سنت کے عالم تھے۔“^۲

حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ ایک دفعہ اپنے ایک دوست ابو عمیر سے ملنے گئے، اتفاق سے وہ موجود نہ تھے انہوں نے ان کی بیوی کو سلام کہلا بھیجا اور پینے کے لئے پانی مانگا، گھر میں پانی موجود نہ تھا، ایک لونڈی کسی ہمسایہ کے یہاں سے لینے گئی اور دیر تک واپس نہ آئی، اور ابو عمیر کی بیوی نے غضبناک ہو کر اس کو سخت و ست کہا اور اس پر لعنت بھیجی، حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ یہ سن کر تشنہ لب واپس چلے آئے اور دوسرے روز ابو عمیر سے ملاقات ہوئی تو انہوں نے اس قدر جلد بازی کے ساتھ واپس چلے آنے کی وجہ پوچھی بولے ”خادمہ نے جب پانی لانے میں دیر کی تو تمہاری بیوی نے اس پر لعنت بھیجی، چونکہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے جس پر لعنت بھیجی جاتی ہے اگر وہ بے قصور ہوتا ہے تو بھیجنے والے پر لوٹ آتی ہے میں نے خیال کیا کہ خادمہ اگر معذور ہوئی تو بے وجہ میں اس لعنت کے واپس آنے کا باعث ہوں گا۔“^۳

ایک بار انہوں نے ایک شخص سے ایک لونڈی خریدی لیکن قیمت بے باق ہونے سے پہلے بائع مفقود الخمر ہو گیا، حضرت عبد اللہؓ نے ایک سال تک اس کو تلاش کیا، مگر کچھ پتہ نہ چلا بالآخر مایوس ہو کر ایک ایک دو دو درہم کر کے اس کی طرف سے صدقہ کر دیا اور فرمایا کہ اگر وہ واپس آجائے تو قیمت ادا کروں گا اور یہ صدقہ میری طرف سے ہوگا۔“^۴

حضرت تمیم بن حرام فرماتے ہیں کہ مجھ کو اکثر اصحاب رسول ﷺ کی ہم نشینی کا فخر حاصل ہے، لیکن میں نے عبد اللہ بن مسعودؓ سے زیادہ کسی کو دنیا سے بے نیاز اور آخرت کا طالب نہ دیکھا۔^۵ حضرت عثمانؓ نے دو برس تک کا وظیفہ بند کر دیا تھا وفات کے وقت انہوں نے ان کی اولاد کے لئے جاری کر دینا چاہا لیکن حضرت عبد اللہؓ نے نہایت بے نیازی کے ساتھ انکار کر دیا بولے ”کیا آپ کو میری اولاد کے محتاج و دست نگر ہو جانے کا اندیشہ ہے؟ میں نے انہیں حکم دیا ہے کہ ہر رات کو سورۃ واقعہ پڑھ لیا کریں، کیونکہ رسول ﷺ نے فرمایا ہے کہ جو ہر رات کو سورۃ واقعہ پڑھے گا وہ کبھی فاقہ مست نہ ہوگا۔“^۶

۱۔ جامع ترمذی مناقب عبد اللہ بن مسعودؓ ۲۔ طبقات ابن سعد قسم اول جلد ۱۰ ص ۳۰۸

۳۔ بخاری جلد ۲ ص ۷۹ ۴۔ اصحابہ تذکرہ عبد اللہ بن مسعودؓ ۵۔ اسد الغابہ جلد ۳ ص ۲۵۹

حضرت عبداللہؓ کو مہمان نوازی کا نہایت شوق تھا، انہوں نے کوفہ میں موضع الرمادہ کا مکان مخصوص طور سے مہمانوں کے لئے خالی کر دیا تھا۔

مذہبی زندگی..... حضرت عبید اللہ بن عبد اللہ کا بیان ہے کہ رات کے وقت جب کہ تمام دنیا محو راحت ہوتی تھی، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ بیٹھ کر صبح تک آہستہ آہستہ قرآن کی تلاوت فرماتے تھے۔ ۲۔ رمضان المبارک کے آخری عشرہ کی تمام طاق راتیں شب قدر کی تلاش میں بسر ہوتی تھی، حضرت ابو عقیل کہتے ہیں کہ میں رمضان میں ایک روز علی الصبح ان کی خدمت میں حاضر ہوا دیکھا کہ چھت پر بیٹھے ہوئے فرما رہے ہیں ”خدا اور اس کے رسول نے سچ کہا“ میں نے پوچھا کہ وہ کیا ہے؟ بولے ”رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا کہ لیلۃ القدر رمضان کے آخری عشرہ میں ہے اور اس کی علامت یہ ہے کہ اس روز جب آفتاب طلوع ہوتا ہے تو اس میں شعاع نہیں ہوتی چنانچہ آج میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا۔ ۳۔

سارا گھر صبح سویرے بیدار ہو کر عبادت میں مشغول ہو جاتا تھا، خود صبح صادق سے طلوع آفتاب تک تسبیح و تہلیل میں مصروف رہتے تھے۔

حضرت ابو وائل راوی ہیں کہ ایک دن ہم لوگ صبح کی نماز پڑھ کر عبداللہ بن مسعودؓ کے پاس گئے دروازہ پر طرے ہو کر سلام کیا، اندر آنے کی اجازت ملی لیکن ہم لوگ تھوڑی دیر دروازے پر ٹھہرے رہے کہ اتنے میں لونڈی نے آکر کہا آتے کیوں نہیں، ہم لوگ گھر میں گئے تو وہ بیٹھے ہوئے تسبیح پڑھ رہے تھے، کہا اجازت ملنے کے بعد تم لوگوں کو اندر آنے سے کس نے روکا تھا؟ ہم لوگوں نے کہا کسی نے نہیں، خیال ہوا ممکن ہے۔ بعض اہل بیت سورہے ہوں، کہا ابن ام عبد کی اولاد پر تم نے غفلت کا گمان کیا، اس کے بعد پھر تسبیح میں مشغول ہو گئے، جب سمجھے کہ آفتاب نکل چکا تو لونڈی سے کہا دیکھو آفتاب طلوع ہوا، اس نے جا کر دیکھا تو ابھی طلوع نہ ہوا تھا، پھر تسبیح میں مشغول ہو گئے تھوڑی دیر کے بعد پھر لونڈی سے کہا دیکھو آفتاب طلوع ہوا، اس نے جا کے دیکھا تو طلوع ہو چکا تھا تو پھر یہ دعا پڑھی، اس خدا کا شکر ہے جس نے ہم کو آج کے دن معاف کر دیا، مہدی راوی کہتے ہیں کہ میرے خیال میں یہ بھی کہا تھا اور ہمارے گناہوں کے بدلے میں ہم کو ہلاک نہیں کیا۔ ۴۔

نمازیں نہایت کثرت سے پڑھتے تھے، فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کہ سب سے بہتر عمل خیر کیا ہے؟ ارشاد ہوا کہ نماز کا اپنے وقت پر ادا کرنا، میں نے کہا پھر کیا ہے؟ فرمایا ”والدین کے ساتھ نیکو کاری“ میں نے کہا ”پھر؟“ حکم ہوا ”راہ خدا میں جہاد کرنا“ اس کے

۲۔ اسد الغابہ تذکرہ عبداللہ بن مسعودؓ

۱۔ تاریخ طبری ص ۲۸۴۲

۳۔ مسند احمد جلد ۱ ص ۴۰۶

۴۔ مسلم جلد اول ص ۳۰۵ باب ترتیل القراءۃ و اجتناب

بعد خاموش ہو گیا، ہاں اگر میں اپنا سوال آگے بڑھاتا تو آپ اس پر کچھ اور اضافہ فرماتے، غرض اس ارشاد کے مطابق وہ فرائض ٹھیک وقت پر ادا کرتے تھے، ایک مرتبہ ولید بن عقبہ والی کوفہ کو پہنچے میں دیر ہو گئی، حضرت عبداللہؓ نے بغیر توقف و انتظار نماز پڑھائی، ولید نے براہم ہو کر کہلا بھیجا ”آپ نے ایسا کیوں کیا؟ کیا امیر المؤمنین کا کوئی حکم ہے یا اپنی ایجاد؟ انہوں نے جواب دیا کہ نہ تو امیر المؤمنین کا حکم ہے، اور نہ اپنی ایجاد، البتہ خدا کو یہ ناپسند ہے کہ تم اپنے مشاغل میں مصروف رہو اور لوگ نماز میں تمہارے منتظر رہیں۔“

رمضان کے علاوہ ہفتہ میں دو دن دوشنبہ اور جمعرات عموماً روزوں کے لئے مخصوص تھے عاشورے کا روزہ بھی پابندی کے ساتھ رکھتے تھے، باوجود اس کے عبدالرحمن ابن یزید کہتے ہیں کہ میں نے عبداللہ بن مسعودؓ کے سوا اور کسی فقیہ کو اس قدر کم روزے رکھتے ہوئے نہیں دیکھا، چنانچہ ایک دفعہ ان سے پوچھا گیا کہ آپ روزے کیوں نہیں رکھتے؟ بولے ”میں روزہ پر نماز کو ترجیح دیتا ہوں، اگر روزے رکھوں گا تو ضعف کے باعث نماز نہ ہو سکے گی۔“

خشیت الہی اور خوف قیامت سے حضرت عبداللہؓ کا دل ہمیشہ مضطرب رہتا تھا، وہ فرمایا کرتے تھے ”کاش! میں مرنے کے بعد اٹھایا نہ جاتا۔“

خانگی زندگی..... بیوی بچوں سے محبت رکھتے تھے، گھر میں داخل ہوتے تو باہر ہی سے کھنکھارتے اور بلند آواز سے کچھ بولتے تاکہ گھر کے لوگ باخبر ہو جائیں، ان کی اہلیہ محترمہ حضرت زینبؓ فرماتی ہیں کہ ایک روز عبداللہؓ کھنکھارتے ہوئے اندر آئے، اس وقت ایک بڑھی عورت مجھے تعویذ پہنا رہی تھی، میں نے ان کے ڈر سے اس کو پلنگ کے نیچے چھپا دیا عبداللہؓ آ کر میرے پاس بیٹھ گئے، اور گلے کی طرف دیکھ کر پوچھا ”یہ دھاگہ کیسا ہے؟“ میں نے کہا ”تعویذ ہے“ انہوں نے اس کو توڑ کر پھینک دیا اور کہا ”عبداللہؓ کا خاندان شرک سے بری ہے، رسول اللہ ﷺ سے میں نے سنا ہے کہ تعویذ اور گندے شرک میں داخل ہیں“ میں نے کہا ”آپ یہ کیا فرماتے ہیں میری آنکھیں جوش کر آتی تھیں تو میں فلاں فلاں یہودی سے تعویذ لینے جایا کرتی تھی اور اس کے تعویذ سے سکون ہو جاتا تھا، بولے یہ سب عمل شیطانی ہے، تمہارے لئے صرف رسول اللہ ﷺ کی یہ دعا کافی ہے۔“

اذھب الباس رب الناس اشف واشف وانت الشافی لا شفاء الا شفاءک

شفاء لا یغادر سقما

”خوف دور کر! اے پروردگار شفا دے تو ہی شفا دینے والا ہے تیرے سوا کوئی

شفا نہیں، وہ شفا ایسی ہے جو کسی بیماری کو نہیں چھوڑتی۔“

۱۔ بخاری جلد ۱ ص ۳۹۰، ۲۔ مسند احمد بن حنبل جلد ۱ ص ۴۵۰

۳۔ طبقات ابن سعد قسم اول جلد ۳ ص ۴۰۱، ۴۔ ایضاً ص ۱۱۰

۵۔ مسند احمد جلد ۱ ص ۱۳۸ ابوداؤد جلد ۲ ص ۱۸۶

پوشاک نہایت سادہ پہنتے تھے، ہاتھ میں ایک آہنی انگوٹھی رہتی تھی، اہو غالباً مہر وغیرہ کے کام آتی ہوگی، غذا بھی پر تکلف نہ تھی، کھانے کے بعد عموماً نبیذ (چھوہاروں کا شربت) استعمال کرتے تھے، ایک مرتبہ علقمہ نے ان سے کہا ”خدا آپ پر رحم کرے، آپ تمام امت کے مقتداء اور پیشوا ہو کر نبیذ پیتے ہیں، بولے ”میں نے رسول اللہ ﷺ کو نبیذ پیتے ہوئے دیکھا تھا، اگر میں آپ کو نہ دیکھتا تو استعمال نہ کرتا“ ۲۔

وظیفہ..... حضرت عبداللہ کے لئے بیت المال سے پانچ ہزار درہم کا سالانہ وظیفہ مقرر تھا جو ان کی وفات سے دو برس پہلے خلیفہ ثالث کے حکم سے بند کر دیا گیا تھا، لیکن حضرت زبیرؓ نے سفارش کر کے ان کی اولاد کے لئے واگذار کر دیا، اس طرح ان کے پسماندوں کو ایک مشیت دس پانچ ہزار درہم مل گئے، اس کے علاوہ انہوں نے تقریباً ۹۰ ہزار درہم نقد چھوڑے ۳۔

حلیہ..... حلیہ یہ تھا، جسم لاغر، قد کوتاہ، رنگ گندم گوں، اور سر پر کانوں تک نہایت نرم خوبصورت زلف، حضرت عبداللہ اس کو اس طرح سنوارتے تھے کہ ایک بال بھی بکھرنے نہیں پاتا تھا۔ پاکستان

ٹانگیں نہایت پتلی تھیں، حضرت عبداللہ ہمیشہ ان کو چھپائے رکھتے تھے، ایک مرتبہ وہ آنحضرت ﷺ کے لئے مسواک توڑنے کے خیال سے پیلو کے درخت پر چڑھے تو ان کی پتلی پتلی ٹانگیں دیکھ کر لوگوں کو بے اختیار ہنسی آگئی، آنحضرت ﷺ نے فرمایا ”تم ان کی پتلی ٹانگوں پر ہنستے ہو حالانکہ یہ قیامت کے روز میزان عدل میں کوہ احد سے بھی زیادہ بھاری ہوں گی“ ۴۔

حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ

نام، نسب و خاندان..... عبداللہ نام، ابو موسیٰ کنیت، والد کا نام قیس اور والدہ کا نام طیبہ تھا، سلسلہ نسب یہ ہے۔

عبداللہ بن قیس بن سلیم بن حضار بن حرب بن عامر بن عزیٰ بن بکر بن عامر بن عذر بن وائل بن ناجیہ بن الجمہار بن الاشعر بن ادد بن زید بن شجب۔

حضرت ابو موسیٰ یمن کے رہنے والے تھے، ان کا خاندان قبیلہ اشعر سے تعلق رکھتا تھا، اسی کے انتساب سے وہ اشعری مشہور ہوئے، اور ان کے والدہ طیبہ بنت وہب قبیلہ عک سے تعلق رکھتی تھیں، وہ اپنے صاحبزادہ کی ہدایت سے ایمان لائیں، اور مدینہ پہنچ کر وفات پائی۔ اسلام..... ساقی تو حید کے صدائے عام پر نزدیک والوں نے اپنے کان بند کر لئے تھے، لیکن تشنہ کا مان حق دور دراز ممالک سے دشواری گزار منزلیں طے کر کے آتے تھے، اور اپنی پیاس بجھاتے تھے، حضرت ابو موسیٰ یمن سے چل کر مکہ آئے اور بادہ اسلام کے ایک ہی جام میں سرشار ہو گئے، وہ مکہ میں قبیلہ عبد شمس سے حلیفانہ تعلق پیدا کر کے پھر مراجعت فرمائے وطن ہوئے کہ اپنے اعزہ اور احباب کو بھی یہ معرکہ جانفراسنا میں۔

ہجرت..... حضرت ابو موسیٰ خاندان کے ایک ذی اثر رئیس تھے، اس لئے ان کی دعوت حق نے بہت جلد قبولیت عام حاصل کر لی اور وہ تقریباً پچاس حلقہ بگوشان اسلام کی ایک جماعت لے کر بحری راستہ سے بارگاہ نبوت کی طرف چل کھڑے ہوئے، لیکن طوفان و باد مخالف نے اس کشتی کو حجاز کی بجائے حبش پہنچا دیا، حضرت جعفرؓ اور دوسرے ستم زدگان اسلام جو یہاں ہجرت کر کے آئے تھے اور اب تک موجود تھے، مدینہ منورہ کے قصد سے روانہ ہوئے تو حضرت ابو موسیٰ بھی اس قافلہ میں شریک ہوئے، اور عین اس وقت مدینہ پہنچے جب کہ مجاہدین اسلام خیبر فتح کر کے واپس آرہے تھے، چنانچہ آنحضرت ﷺ نے حضرت ابو موسیٰؓ اور ان کی تمام جماعت کو بھی خیبر کے مال غنیمت میں حصہ مرحمت فرمایا۔ ۳

غزوات..... حضرت ابو موسیٰؓ فتح مکہ اور غزوہ خنین میں شریک تھے، بنو ہوازن رزمگاہ خنین سے بھاگ کر وادی اوطاس میں پھر مجتمع ہونے لگے تو آنحضرت ﷺ نے حضرت ابو عامرؓ کو ایک

جمعیت کے ساتھ ان کے استیصال کامل پر مامور فرمایا، انہوں نے اوطاس پہنچ کر بنو ہوازن کے سردار درید بن الصمہ کو قتل کیا اور خدا نے اس کے ساتھیوں کو شکست فاش دی، لیکن اتفاقاً کسی نام ایک مشرک کے تیر نے ان کو بھی زخمی کر دیا، حضرت ابو موسیٰؓ اس مہم میں شریک تھے، فرماتے ہیں کہ میں نے بڑھ کر ان سے پوچھا ”یا عم! کس نے آپ کو زخمی کیا؟“ انہوں نے اشارہ سے بتایا تو میں اس پر جھپٹ پڑا، وہ مجھ کو دیکھ کر بھاگ کھڑا ہوا لیکن میں تعاقب کرتا جاتا تھا اور کہتا جاتا تھا، کیا تجھے شرم نہیں آتی؟ کیا تو ثابت قدم نہ رہے گا؟“ غرض وہ (ان غیرت انگیز جملوں سے جوش میں آ کر) پلٹ پڑا اور تلوار کے دو دو ہاتھ چلنے لگے، یہاں تک کہ میں نے اس کو قتل کیا، اور ابو عامر کو آ کر بشارت دی کہ خدا نے آپ کے دشمن کو مار ڈالا۔

حضرت ابو عامرؓ کا زخم نہایت مہلک تھا، انہوں نے حالت نزع میں حضرت ابو موسیٰؓ اشعریؓ کو اپنا جانشین بنایا اور کہا ”جان برادر! رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں سلام عرض کرنا اور کہنا کہ میرے لئے دعائے مغفرت فرمائیں، اس وصیت کے تھوڑی دیر بعد روح فقس غصری سے پرواز کر گئی، حضرت ابو موسیٰؓ نے ان کو سپرد خاک کر کے فوج کو مراجعت کا حکم دیا اور بارگاہ نبوت میں حاضر ہو کر میدان جنگ کی کیفیت اور حضرت ابو عامرؓ کی وصیت بیان کی، سرور کائنات ﷺ نے اسی وقت پانی مانگ کر وضو فرمایا، پھر دونوں ہاتھ اٹھا کر دعا کی اے خدا! ابو عامرؓ کو بخش دے، اے خدا! تو اس کو قیامت کے روز اپنی بہت سی مخلوق پر تفوق عطا فرما“ حضرت ابو موسیٰؓ نے عرض کی ”یا رسول! میرے لئے بھی، فرمایا خدا یا عبد اللہ ابن قیس کی خطائیں بخش دے اور قیامت کے دن اس کا باعزت داخلہ فرما“۔

۹ھ میں غزوہ تبوک کا اہتمام شروع ہوا تو حضرت ابو موسیٰؓ کو ان کے ساتھیوں نے بھیجا کہ دربار نبوت سے ان کے لئے سوار یوں کا انتظام کریں، اتفاق سے آنحضرت ﷺ اس وقت حالت غیظ میں تھے، لیکن ابو موسیٰؓ اس کا اندازہ نہ کر سکے، اور عرض کی ”یا رسول! میرے ساتھیوں نے مجھ کو بھیجا ہے کہ حضور ان کو سواریاں مرحمت فرمائیں“ حضرت ابو موسیٰؓ کچھ اپنی محرومی اور کچھ اس خوف سے کہ شاید رسول اللہ ﷺ ان سے ناراض ہیں، نہایت غمزہ واپس آ کر اپنے ساتھیوں کو اس کی اطلاع دی، لیکن وہ ابھی اچھی طرح کھڑے بھی نہ ہونے پائے تھے کہ حضرت بلالؓ پکارتے ہوئے آئے ”عبد اللہ بن قیس کہاں ہیں؟“ چلو رسول اللہ ﷺ یاد فرماتے ہیں، وہ ان کے ساتھ پھر بارگاہ نبوت میں حاضر ہوئے تو آپ نے دو ساتھ بندھے ہوئے اونٹوں کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ ان کو اپنے ساتھیوں کے پاس لے جاؤ، حضرت ابو موسیٰؓ ان کو لئے ہوئے اپنی قوم میں آئے اور کہا کہ ”رسول اللہ ﷺ نے یہ دو اونٹ تمہاری سواری کے لئے مرحمت فرمائے ہیں، لیکن خدا کی قسم! چند آدمیوں کو میرے ساتھ کسی ایسے شخص کے پاس چلنا ہوگا جس نے

رسول ﷺ کی گفتگو سنی تھی، تاکہ یہ خیال نہ کرو کہ میں نے پہلے جو کچھ کہا تھا وہ دل سے گھڑ کر کہا تھا ”لوگوں نے کہا ”خدا کی قسم! ہم آپ کو سچے سمجھتے ہیں، آئندہ جو آپ کی خوشی ہو“ غرض انہوں نے چند آدمیوں کو ساتھ لے جا کر لوگوں سے تمام واقعہ کی تصدیق کرا دی۔

ولایت یمن..... تبوک سے واپس آنے کے بعد ایک روز دو اشعری بزرگ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کو اپنے ساتھ لے کر دربار نبوتؐ میں حاضر ہوئے اور آنحضرت ﷺ سے کسی عہدہ کی خواہش کی، آپ مسواک فرما رہے تھے، اس سوال پر دفعۃً مسواک رک گئی، اور حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کی طرف دیکھ کر فرمایا ”ابو موسیٰ! انہوں نے عرض کی ”یا رسول اللہ! قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو دین حق کے ساتھ مبعوث فرمایا کہ میں ان کے دل کے حال سے آگاہ نہ تھا اور نہ یہ جانتا تھا کہ وہ کسی عہدہ کے خواہش کریں گے“ ارشاد ہوا کہ جو کوئی خود سے کسی عہدہ کی خواہش کرے گا اس کو ہرگز اس پر مامور نہ کروں گا، لیکن ابو موسیٰ تم یمن جاؤ میں نے تم کو وہاں کا عامل مقرر کیا۔

یمن دو حصوں پر منقسم تھا، ایک اقصائے یمن جس میں جند اور عدن وغیرہ دور کے اضلاع شامل تھے، اور دوسرا یمن ادنیٰ یا زیرین یمن، اول الذکر پر حضرت معاذ بن جبلؓ کا تقرر ہوا، اور دوسرے پر حضرت ابو موسیٰؓ مامور ہوئے، آنحضرت ﷺ نے ان دونوں کو رخصت کرتے وقت حسب ذیل نصیحت فرمائی۔

یسر اولاً تعسروا و بشر او لاتنفروا و اطوا و عا

”یعنی ملک والوں سے نرمی کے ساتھ پیش آنا سختی نہ کرنا، لوگوں کو خوش رکھنا،

متنفر نہ کر دینا اور باہم میل جول سے رہنا۔“

حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ نے عرض کی یا رسول اللہ! ہمارے ملک میں جو سے ایک قسم کی شراب بنائی جاتی ہے، اس کو ”مزر“ کہتے ہیں نیز شہد سے ایک طرح کی شراب ہوتی ہے جو ”تبع“ کے نام سے مشہور ہے، اس کے متعلق کیا حکم ہے؟ فرمایا کہ ”ہر وہ چیز جو نشہ لائے حرام ہے۔“

حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ چونکہ اپنے وطن میں گورنر ہو کر آئے تھے جہاں پہلے سے ان کا اثر موجود تھا، اس لئے قدرۃ انہوں نے اپنے خدمات نہایت کامیابی کے ساتھ انجام دیئے، حضرت معاذ بن جبلؓ سے دوستانہ تعلقات و مراسم کا سلسلہ بھی قائم تھا، بسا اوقات یہ دونوں بزرگ سرحد پر آ کر فروکش ہوتے اور باہم ملاقات کر کے تبادلہ خیالات فرماتے تھے، ایک مرتبہ حضرت معاذؓ ابن جبلؓ حضرت ابو موسیٰؓ کی ملاقات کے لئے تشریف لائے تو دیکھا کہ ان کے پاس لوگوں کا ہجوم ہے اور ایک شخص کے دونوں ہاتھ گردن سے بندھے ہوئے ہیں، انہوں نے تعجب سے پوچھا

کہ ”عبداللہ بن قیس! کون ہے؟“ بولے ”یہ مرتد ہو گیا ہے انہوں نے اس کے قتل کا مشورہ دیا، حضرت ابو موسیٰؓ نے کہا کہ ”یہ اسی لئے گرفتار ہو کر آیا ہے“ آپ گھوڑے سے اتر آئے بولے ”جب تک وہ قتل نہ ہوگا، میں نہ اتروں گا“ حضرت ابو موسیٰؓ نے اس کے قتل کا حکم دیا تو وہ اتر کر اندر آئے اور دیر تک دوستانہ صحبت قائم رہی، حضرت معاذؓ نے پوچھا کہ ”آپ قرآن کس طرح پڑھتے ہیں؟“ بولے کہ ”رات دن میں جب موقع مل جاتا ہے تھوڑا تھوڑا کر کے پڑھ لیتا ہوں“ پھر پوچھا کہ ”آپ کس طرح تلاوت کرتے ہیں؟“ بولے کہ میں رات کو ایک نیند سو کر اٹھ بیٹھتا ہوں اور اس وقت خدا کو جس قدر منظور ہوتا ہے پڑھ لیتا ہوں“

حجۃ الوداع میں شرکت..... میں آٹھ میں آنحضرت ﷺ نے آخری حج فرمایا، حضرت ابو موسیٰؓ یمن سے شرکت کے لئے آئے، آنحضرت ﷺ نے پوچھا ”عبداللہ بن قیس! کیا تم حج کے ارادے سے آئے ہو؟“ عرض کی ”ہاں! یا رسول اللہ!“ فرمایا نیت کیا تھی؟ بولے میں نے کہا تھا کہ جو رسول اللہ ﷺ کی نیت ہے وہی میری نیت ہے“ ارشاد ہوا کہ ”قربانی اپنے ساتھ لائے؟“ عرض کی ”نہیں“ حکم ہوا کہ ”تم طواف اور سعی کر کے احرام کھول دو“ یہ اس وجہ سے کہ حج قرآن کی صورت میں قربانی لانا ضروری تھا۔

یمن میں فتنہ و فساد..... حضرت ابو موسیٰؓ حج سے فارغ ہو کر پھر یمن واپس آئے، لیکن یہاں اسود غنسی کے ادعائے نبوت نے بہت جلد تمام ملک میں شورش و بغاوت پھیلادی، یہاں تک کہ حضرت معاذ بن جبلؓ حضرت ابو موسیٰؓ کے مرکز حکومت ”مارب“ چلے آنے پر مجبور ہوئے، لیکن یہ بھی زیادہ دنوں تک محفوظ نہ رہ سکا اور بالآخر ان دونوں کو حضرت موت میں پناہ لینی پڑی۔ گواہ بن مکتوح مرادی کی تلوار نے بہت جلد اسود غنسی کا قصہ تمام کر دیا، تاہم آنحضرت ﷺ کی وفات سے دفعہ پھر ارتداد و سرکشی کی آگ بھڑک اٹھی، لیکن خلیفہ اول حضرت ابو بکرؓ نے ایک زبردست مہم بھیج کر از سر نو تسلط قائم کر دیا، اور اس طرح یمن کے امراء اور حکام پھر اپنے اپنے عہدوں پر واپس آ گئے، حضرت ابو موسیٰؓ بھی حضرت موت سے اپنے دار الحکومت ”مارب“ واپس آئے اور خلیفہ دوم کی ابتدائے خلافت تک نہایت تدبیر و جانفشانی کے ساتھ گورنری کے فرائض انجام دیتے رہے۔

فتح نصیبین..... حضرت عمرؓ کے عہد خلافت میں جب بیرونی فتوحات کا زیادہ وسیع پیمانہ پر انتظام کیا گیا، اور حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کی زیر قیادت رزمگاہ عراق کی طرف ایک بہت بڑی مہم روانہ ہوئی تو حضرت ابو موسیٰؓ اشعری بھی شوق جہاد میں عہدہ امارت سے مستعفی ہو کر اس

بخاری باب بعث ابی موسیٰ و معاذؓ الی یمن

بخاری جلد ۲ ص ۶۲۴

تاریخ طبری ص ۱۸۵۴

فوج کشی میں شریک ہوئے۔

عراق کا اکثر حصہ فتح کر لینے کے بعد حضرت سعد بن ابی وقاصؓ نے ۷ھ میں دریائے دجلہ اور فرات کے درمیانی علاقہ یعنی الجزیرہ پر ایک عام فوج کشی کا اہتمام کیا، اور حضرت ابو موسیٰؓ کو نصیبین کی فتح پر مامور کیا، انہوں نے نہایت کامیابی کے ساتھ یہ مہم سرانجام دی۔ ولایت بصرہ..... اسی سال دربار خلافت نے حضرت مغیرہ بن شعبہؓ کو معزول کر کے حضرت موسیٰ اشعریؓ کو بصرہ کا والی مقرر کیا، اس موقع پر اہل بصرہ کے نام جو فرمان آیا تھا، اس کے الفاظ یہ تھے۔

اما بعد فانی قد بعثت ابا موسیٰ امیر اعلیکم لیاخذ لضعیفکم
من قویکم و لیقاتل بکم عدوکم و لیدفع عن ذمتکم و لیحصی لکم
فینکم ثم لیقسمہ بینکم و لینفی لکم طرقکم۔

”میں نے ابو موسیٰؓ کو تم پر امیر بنا کر بھیجا ہے تاکہ قوی سے کمزور کا حق دلائیں، تمہارے دشمنوں سے لڑیں، ذمیوں کی حفاظت کریں، تمہاری آمدنی کا تم کو حساب دیں، پھر اس کو تم میں تقسیم کریں اور تمہارے راستوں کو تمہارے لئے صاف رکھیں۔“

فتح خوزستان..... بصرہ کی سرحد خوزستان سے ملتی ہوئی تھی، اور وہ اب تک ایرانیوں کے قبضہ میں تھا، ۱۶ھ میں حضرت مغیرہ بن شعبہؓ نے اس کو فتح کرنے کے خیال سے اہواز پر فوج کشی کی تو یہاں کے رئیس نے ایک قلیل سی رقم دے کر صلح کر لی، اور حضرت مغیرہؓ وہیں رک گئے، ۷ھ میں ان کی جگہ پر حضرت ابو موسیٰؓ آئے، اس انقلاب میں اہواز کے رئیس نے سالانہ رقم بند کر دی، اور علانیہ بغاوت کا اظہار کیا، مجبوراً انہوں نے لشکر کشی کی، اور اہواز کو فتح کر کے منازرہ کا رخ کیا، یہ ایک نہایت مستحکم مقام تھا، حضرت مہاجر بن زیدؓ جو ایک معزز افسر تھے، یہاں ایک معرکہ میں شہید ہوئے اور قلعہ والوں نے ان کا سر کاٹ کر برج کے کنگرہ پر لٹکا دیا۔

حضرت ابو موسیٰؓ حضرت مہاجرؓ کے بھائی ربیع کو اس کے محاصرہ پر چھوڑ کر سوس کی طرف بڑھے، ربیع نے منازرہ کو سر کر لیا، اور حضرت ابو موسیٰؓ نے سوس کا محاصرہ کر کے ہر طرف سے رسد بند کر دی، قلعہ میں کھانے پینے کا سامان ختم ہو چکا تھا، مجبوراً رئیس شہر نے اس شرط پر صلح کی درخواست کی کہ اس کے خاندان کے سوا دی زندہ چھوڑ دیئے جائیں، حضرت ابو موسیٰؓ نے منظور کیا، رئیس نے ایک ایک کر کے سوا دیوں کو پیش کیا، اور وہ سب چھوڑ دیئے گئے، لیکن بد قسمتی سے اس نے شمار میں خود اپنا نام نہیں لیا، چنانچہ سوا دیوں کی تعداد پوری ہو گئی، تو انہوں نے رئیس کو جو شمار سے باہر تھا قتل کر دیا۔

سوس کے بعد رامہر مڑ کا محاصرہ ہوا، اور آٹھ لاکھ درہم سالانہ پر صلح ہو گئی، یزید گردنو جوان

شہنشاہ ایران اس وقت قم میں مقیم تھا، اس کو حضرت ابو موسیٰ کی فتوحات کی خبریں پہنچیں تو اس نے اپنے ماموں ہرمزان کو خوزستان کی حفاظت کے لئے بھیجا، ہرمزان نے شوستر پہنچ کر اس کو مستحکم کیا اور تمام ملک میں جوش پیدا کر کے اپنے گرد ایک بہت بڑی فوج جمع کر لی، حضرت ابو موسیٰ نے ان حالات سے دربار خلافت کو مطلع کیا، اور مدد کی درخواست کی، وہاں سے حضرت عمار بن یاسرؓ کے نام جو کوفہ کے گورنر تھے، حکم آیا کہ نعمان بن مقرن کو ایک ہزار سپاہیوں کے ساتھ مدد کو بھیجیں، لیکن غنیم کی کثرت اور سروسامان کے مقابلہ میں یہ جمعیت بیکار تھی، حضرت ابو موسیٰ نے دوبارہ لکھا جس کے جواب میں حضرت عمار بن یاسرؓ کوفہ سے ایک بڑی فوج لے کر آئے اور دوسری طرف جریر بجلی ایک جرار لشکر لے کر جلوہء پر حملہ آور ہوئے، غرض حضرت ابو موسیٰ نے اس سروسامان سے شوستر کا رخ کیا، اور شہر کے قریب پہنچ کر ڈیرے ڈالے، ہرمزان نے خود قلعہ سے باہر نکل کر مقابلہ کیا اور شکست کھا کر پھر قلعہ بند ہو گیا۔

شوستر نہایت مستحکم مقام تھا، اس کی تسخیر کے متعلق حضرت ابو موسیٰ کی تمام کوششیں بے نتیجہ رہیں، لیکن خدا نے غیب سے سامان پیدا کر دیا، ایک دن شہر کا ایک آدمی چھپ کر ان کے پاس آیا اور کہا کہ اگر میری جان و مال کو امن دیا جائے تو میں شہر پر قبضہ کر ادوں، حضرت ابو موسیٰ نے منظور کیا، اس نے ایک عرب کو جس کا نام اشرس تھا، ساتھ لیا، اور نہر و جیل سے گذر کر ایک تہ خانہ کی راہ لی خاص شہر میں داخل ہوا، اشرس کے منہ پر چادر ڈال دی، اور یہ کہا کہ نوکر کی طرح میرے پیچھے چلے آؤ، چنانچہ شہر کے گلی کو چوں سے گذرتا ہوا خاص ہرمزان کے محل میں آیا شہری نے ان کو تمام عمارات کی سیر کرائی اور موقع کے نشیب و فراز دکھا کر، حضرت ابو موسیٰ کی خدمت میں حاضر ہوا، اشرس نے تفصیل کے ساتھ تمام کیفیت بیان کی، اور کہا کہ دو سو جانباز میرے ساتھ ہوں تو شہر فوراً فتح ہو جائے، حضرت ابو موسیٰ نے فوج کی طرف دیکھا، دو سو بہادروں نے بڑھ کر کہا: خدا کی راہ میں ہماری جان حاضر ہے، اشرس ان کو لے کر اسی تہ خانہ کی راہ سے شہر میں داخل ہوئے اور پہرہ والوں کو تہ تیغ کر کے اندر کی طرف سے دروازے کھول دیئے ادھر حضرت ابو موسیٰ تمام فوج کے ساتھ موقع پر موجود تھے، دروازہ کھلنے کے ساتھ تمام لشکر ٹوٹ پڑا اور شہر میں ہلچل پڑ گئی، ہرمزان نے بھاگ کر قلعہ میں پناہ لی، مسلمان قلعہ کے نیچے پہنچے تو اس نے برج پر چڑھ کر کہا کہ میرے ترکش میں اب تک سوتیر ہیں، اور جب تک اتنی ہی لاسیں یہاں نہ ڈھیر ہو جائیں میں گرفتار نہیں ہو سکتا، تاہم میں اس شرط پر آتا ہوں کہ تم مجھ کو مدینہ پہنچا دو اور جو کچھ فیصلہ ہو عمر کے ہاتھ سے ہو، حضرت ابو موسیٰ نے منظور کیا اور اس کو حضرت انسؓ کے ساتھ مدینہ بھیج دیا۔

شوستر کے بعد جندی ساہور پر حملہ ہوا، اس کا کئی دن تک محاصرہ رہا، ایک دن شہر والوں نے خود شہر کے دروازے کھول دیئے، اور نہایت اطمینان کے ساتھ تمام لوگ اپنے کاروبار میں

مصروف ہوئے، مسلمانوں کو ان کے اطمینان پر تعجب ہوا، سبب دریافت کیا تو انہوں نے کہا کہ تم ہم کو جزیہ کی شرط پر امن دے چکے ہو، اب کیا جھگڑا رہا، سب کو حیرت ہوئی کہ امن کس نے دیا؟ تحقیق سے معلوم ہوا کہ ایک غلام نے لوگوں سے چھپا کر امن کا رقعہ لکھ دیا ہے، حضرت ابو موسیٰ نے فرمایا کہ ایک غلام کی خود رائی حجت نہیں ہو سکتی، شہر والے کہتے تھے کہ ہم آزاد اور غلام نہیں جانتے، بالآخر دربار خلافت سے استصواب کیا گیا تو حکم ہوا کہ مسلمانوں کا غلام بھی مسلمان ہے اور جس کو اس نے امان دے دی تمام مسلمان امان دے چکے۔ اس شہر کی فتح نے تمام خوزستان میں اسلام کا سکھ بٹھا دیا اور اس طرح نہ صرف فتوحات کی فہرست میں ایک نئے ملک کا اضافہ ہوا، بلکہ بصرہ (جہاں حضرت ابو موسیٰ امارت پر سرفراز ہوئے تھے، دشمنوں سے بالکل محفوظ ہو گیا)

معمر کہ نہاوند..... خوزستان کی شکست سے متاثر ہو کر ۲۱ھ میں ایرانیوں نے نہاوند میں ایک آخری اور فیصلہ کن جنگ کی تیاریاں کیں، حضرت عمرؓ نے نعمان بن مقرن کو ایک بڑی جمعیت کے ساتھ ان کا مقابلہ کے لئے روانہ فرمایا اور حضرت ابو موسیٰ اشعری کو لکھا کہ بصرہ سے ان کو مدد پہنچائیں، چنانچہ وہ ایک بڑی جماعت کے ساتھ خود کمک لے کر گئے اور نہاوند فتح کر کے واپس آئے۔

تباولہ..... بصرہ کی کثرت آبادی کے لحاظ سے اس صوبہ کا رقبہ نہایت مختصر تھا، اس بنا پر اہل بصرہ نے حضرت ابو موسیٰؓ کی وساطت سے دربار خلافت میں یہ درخواست پیش کی کہ خوزستان کے مفتوحہ علاقہ سے رامہرمز، ابذح اور ماہ یا ماسپندان کے اضلاع بصرہ سے ملحق کر دیئے جائیں، لیکن اہل کوفہ اس علاقہ کی فتح میں برابر کے شریک تھے، انہوں نے اس پر صدائے احتجاج بلند کی اور حضرت عمار بن یاسرؓ والی کوفہ سے درخواست کی، کہ وہ اس علاقہ کو کوفہ میں شامل کرنے کی کوشش کریں، لیکن حضرت عمارؓ نے اس معاملہ میں بالکل غیر جانب داری اختیار کر لی، اور فرمایا کہ ”مجھے ان جھگڑوں میں پڑنے کی کیا ضرورت ہے“۔

غرض حضرت ابو موسیٰؓ کی تحریک پر یہ اضلاع بصرہ سے ملحق کر دیئے گئے، اور اہل کوفہ نے حضرت عمار بن یاسرؓ سے ناخوش ہو کر مسلسل شکایتوں کے بعد ان کو معزول کر دیا، حضرت عمرؓ نے کوفہ والوں سے پوچھا کہ تم کس کو اپنا والی بنانا چاہتے ہو؟ حضرت ابو موسیٰؓ نے جس خوش اسلوبی کے ساتھ بصرہ والوں کی حمایت کی تھی، اس لحاظ سے انہوں نے حضرت ابو موسیٰؓ کا نام لیا، چنانچہ وہ ان کی درخواست پر ۲۲ھ میں بصرہ سے کوفہ تبدیل کر دیئے گئے۔ لیکن ایک ہی سال کے بعد یعنی ۲۳ھ میں پھر بصرہ منتقل کئے گئے۔ ۳

الزام..... اسی سال منبہ نامی ایک شخص نے حضرت ابو موسیٰؓ کے خلاف دربار خلافت میں

حسب زیل شکایتیں پیش کیں۔

۱۔ ابو موسیٰؓ نے اسیران جنگ میں سے ساٹھ رئیس زادے چھانٹ کر اپنے لئے رکھے تھے۔

۲۔ انہوں نے عدنان حکومت زیاد بن سمیہ کو سپرد کردی ہے، اور وہی سیاہ و سپید کا مالک ہے۔

۳۔ انہوں نے حطیہ شاعر کو ایک ہزار انعام دیا ہے۔

۴۔ عقیلہ نامی ان کی ایک لونڈی ہے جس کو دونوں وقت نہایت عمدہ غذائیں بہم پہنچائی جاتی ہیں، حالانکہ اس قسم کی غذا عام مسلمانوں کو میسر نہیں۔

حضرت عمرؓ نے ان شکایتوں کو اپنے ہاتھ سے قلمبند کیا، اور حضرت ابو موسیٰؓ کو دار الخلافہ طلب کر کے باضابطہ تحقیقات کی، چنانچہ پہلا الزام غلط ثابت ہوا، دوسرے الزام کا انہوں نے یہ جواب دیا کہ زیاد صاحب تدبیر و سیاست ہے، اس لئے میں نے اس کو اپنا مشیر کار بنایا ہے، حضرت عمرؓ نے زیاد کو بلا کر کے امتحان لیا تو حقیقت میں قابل آدمی تھا، اس لئے انہوں نے خود حکام بصرہ کو ہدایت کی کہ زیاد کو مشیر کار بنائیں، تیسرے الزام کے جواب میں حضرت ابو موسیٰؓ نے کہا کہ حطیہ کو میں نے اپنے جیب خاص سے انعام دیا ہے کہ وہ جو نہ کہے، لیکن چھوٹے الزام کا وہ کوئی جواب نہ دے سکے، حضرت عمرؓ نے معمولی فہمائش کے بعد ان کو رخصت کر دیا۔

فتح اصفہان..... حضرت ابو موسیٰؓ نے اسی سال یعنی ۲۳ھ میں اصفہان پر فوج کشی کی اور اس کو فتح کر کے اسلامی ممالک محروسہ میں داخل کرادیا۔

اصفہان فتح کر کے واپس آئے تو حضرت عمرؓ نے ان کو اسی سال بصرہ سے کوفہ کی گورنری پر منتقل کر دیا، لیکن کچھ دنوں کے بعد ہی وہ پھر بصرہ تبدیل ہو کر آ گئے۔

تعمیر نہر ابی موسیٰ..... بصرہ میں لوگوں کو پانی کی سخت تکلیف تھی، دربار خلافت میں اس کی شکایت پہنچی تو حکم آیا دریاے دجلہ سے نہر کاٹ کر لائی جائے، وہ شہر سے تقریباً دس میل دور تھا، لیکن اس کی ایک شاخ صرف چھ میل پر واقع تھی، حضرت ابو موسیٰؓ نے خود مستعد ہو کر اس شاخ سے شہر بصرہ تک ایک نہر بنوائی جواب ”نہر ابی موسیٰ“ کے نام سے مشہور ہے۔

اخیر ذی الحجہ ۲۳ھ میں خلیفہ دوم نے شہادت پائی اور حضرت عثمان ذوالنورینؓ نے مسند خلافت پر قدم رکھا، اس انقلاب میں عہد فاروقیؓ کے اکثر عمال و حکام ایک ہی سال کے بعد سبکدوش ہو گئے، لیکن حضرت ابو موسیٰؓ اشعریؓ ۲۹ھ تک بصرہ میں عہد امارت کے فرائض انجام دیتے رہے، بیان کیا جاتا ہے کہ خود حضرت عمرؓ نے ان کو چار سال تک برقرار رکھنے کی وصیت فرمائی تھی۔

معزولی ۲۹ھ میں کردوں نے بغاوت کر دی، حضرت ابو موسیٰؓ نے مسجد میں ان کے خلافت جہاد کا وعظ کیا، اور راہ خدا میں پیادہ پا چلنے کے فضائل بیان کیے، اس کا اثر یہ ہوا کہ بہت سے مجاہدین جن کے پاس گھوڑے موجود تھے، وہ بھی پیادہ پا چلنے پر تیار ہو گئے، لیکن حضرت ابو موسیٰؓ کے چند مخالفین نے کہا کہ ”ہم کو جلدی نہ کرنا چاہیے، دیکھیں، ہمارا والی کس شان سے چلتا ہے،“ غرض صبح کے وقت دارالامارت کے قریب مجاہدین کا مجمع ہوا، حضرت ابو موسیٰؓ گھوڑے پر سوار ہو کر برآمد ہوئے، لوگوں نے بڑھ کر گھوڑے کی باگ پکڑ لی، اور اس پر اعتراض کیا۔

ظاہر ہے کہ حضرت ابو موسیٰؓ کا مقصد یہ نہ تھا کہ جن کے پاس گھوڑے موجود ہوں وہ راہ خدا میں ان سے کام نہ لیں، لیکن درحقیقت خلیفہ سومؓ کے عہد خلافت کا نصف اخیر فتنہ اور سازش کا دور تھا، مفسدہ پردازوں نے اسی وقت دارالخلافہ کی راہ لی اور دربار خلافت سے ان کی معزولی کا مطالبہ کیا، چنانچہ حضرت عثمانؓ نے ان کو معزول کر کے ایک کمسن نوجوان عبداللہ بن عامر کو اس منصب پر مامور فرمایا۔

امارت کوفہ ۳۴ھ میں اہل کوفہ کی درخواست پر حضرت ابو موسیٰؓ اشعری پھر سعید بن العاصؓ کی جگہ کوفہ کے والی مقرر کیے گئے، لیکن یہ وہ زمانہ تھا کہ تمام دنیائے اسلام پر آشوب تھی، اور ملک میں ہر طرف سازش و فتنہ پردازی کا بازار گرم تھا، چونکہ حضرت ابو موسیٰؓ کو رسول اللہ ﷺ کی پیشین گوئی یاد تھی، اس لئے ان کو یقین تھا کہ عنقریب ہولناک خانہ جنگیوں کا سلسلہ شروع ہوگا وہ عموماً اپنے وعظ میں اہل کوفہ کو رسول اللہ ﷺ کی پیشین گوئی سناتے اور اس آنے والے دور فتنہ سے کنارہ کش رہنے کی ہدایت فرماتے تھے، چنانچہ ۳۵ھ میں حضرت عثمانؓ کی شہادت اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی مسند نشینی کے بعد وہ خطرہ بالکل سر پر آ گیا۔

خانہ جنگی سے اجتناب حضرت عائشہؓ، حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ نے خلیفہ ثالثؓ کے قصاص اور مطالبہ اصلاح کا علم بلند کر کے بصرہ کا رخ کیا، حضرت علیؓ ان کے مقابلہ کے لئے مدینہ سے چل کر مقام ذی قار میں آئے اور حضرت امام حسنؓ کو حضرت عمار بن یاسرؓ کے ساتھ کوفہ بھیجا کہ وہاں لوگوں کو خلافت کی اعانت پر آمادہ کریں، حضرت امام حسنؓ کوفہ پہنچے تو اس وقت حضرت ابو موسیٰؓ مسجد میں ایک عظیم الشان مجمع کے سامنے تقریر کر رہے تھے، سرور کائنات ﷺ نے جس فتنہ کا خوف دلا یا تھا وہ اب سر پر ہے اس لئے اسلحہ بیکار کر دو اور عزت نشین ہو کر بیٹھ جاؤ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ فتنہ و فساد کے زمانہ میں سونے والا بیٹھنے والے سے، اور بیٹھنے والا چلنے والے سے بہتر ہے۔ اسی اثناء میں حضرت امام حسنؓ داخل مسجد ہوئے اور حضرت ابو موسیٰؓ سے مخاطب ہو کر کہا ”آپ ابھی ہماری مسجد سے نکل جائیے، وہ نہایت سکون و خاموشی کے ساتھ منبر سے اتر آئے، اور ملک شام کے ایک غیر معروف گاؤں میں جا کر گوشہ نشین ہو گئے۔

حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ نے اہل کوفہ کو بار بار جس خطرہ سے آگاہ کیا تھا، اس کو انہوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا، جنگ جمل میں عرب کے ہزاروں گھربے چراغ ہو گئے، اور میدان صفین میں حضرت علیؓ اور امیر معاویہؓ کی باہمی آویزش نے بیچار مسلمانوں کا خون پانی کی طرح بہا دیا۔

حکم مقرر ہوتا..... معرکہ صفین میں جب امیر معاویہؓ کو حامیوں نے حریف کا پلہ بھاری دیکھا، تو اپنے نیزوں پر دمشق کا مصحف اعظم بلند کر کے عجیب و غریب طریقہ مصالحت کی دعوت دی، گو جناب امیرؓ اس پر راضی نہ تھے، تاہم قرآن کی دعوت کا رد کرنا آسان نہ تھا، خود آپ کی فوج میں پھوٹ پڑ گئی انجام کار تمام مابہ النزاع امور کا فیصلہ طرفین کے دور ثالث پر محول ہوا امیر معاویہؓ نے اپنی طرف سے حضرت عمرو بن العاصؓ کو حکم مانا اور حضرت علیؓ کی طرف سے حضرت ابو موسیٰؓ کا انتخاب ہوا، دومۃ الجندل مقام اجلاس قرار پایا، اور دونوں حکم ایک مقرر تاریخ پر مجتمع ہوئے، حضرت مغیرہ بن شعبہؓ ایک نہایت نکتہ رس اور معاملہ فہم بزرگ تھے، انہوں نے حضرت ابو موسیٰؓ اور عمرو بن العاصؓ سے علیحدہ علیحدہ گفتگو کر کے ان کی رائے کا اندازہ کیا، تو ان کو یقین ہو گیا کہ یہ دونوں کسی امر پر متفق نہیں ہو سکتے، کیونکہ اگر ایک طرف کمال غیر جانبداری و بے لوثی ہے تو وہ دوسری طرف شدید خود غرضی و پاسداری،

غرض دونوں حکم باہم مشورہ کے لئے گوشہ خلوت میں مجتمع ہوئے، حضرت ابو موسیٰؓ نے محض بے لوثی کے ساتھ صرف مسلمانوں کی فلاح و بہبود کے خیال سے اس عہدہ کو قبول کیا تھا، ان کی رائے تھی کہ عنان کسی غیر جانبداری کے ہاتھ میں دے دی جائے تو اس خانہ جنگی کا دروازہ خود بخود بند ہو جائے گا، چنانچہ دونوں میں حسب ذیل گفتگو ہوئی۔

ابو موسیٰؓ: عمرو! تم ایک ایسی رائے کے متعلق کیا خیال رکھتے ہو جس سے خدا کی خوشنودی اور قوم کی بہبودی دونوں میسر آئے؟

عمرو بن العاصؓ: وہ کیا ہے؟

ابو موسیٰؓ: عبداللہ بن عمر کو منصب خلافت پر متمکن کرنا چاہئے کیونکہ انہوں نے خانہ جنگیوں میں کسی طرح کا حصہ نہیں لیا۔

عمرو بن العاصؓ: معاویہؓ میں کیا خرابی ہے؟ آپ جانتے ہیں کہ عثمانؓ مظلوم شہید ہوئے، معاویہؓ ان کے قصاص کے دعویدار ہیں، ام المؤمنین ام حبیبہؓ ان کی بہن ہیں، اور خود ان کو رسول اللہؐ کی مصاحبت کا شرف حاصل ہے۔

ابو موسیٰؓ: معاویہؓ کے جن فضائل کا تم نے تذکرہ کیا، وہ استحقاق خلافت کے لئے کافی نہیں، اگر فضل و شرف ہی پر معیار ہو تو علیؓ سے بڑھ کر کون ہے؟ رہا قصاص کا دعویٰ تو اس کے لئے

انتخاری کتاب الفتن

معاویہؓ کو خلافت کے معاملہ میں مہاجرین اولین پر ترجیح نہیں دی جاسکتی ہے، ہاں اگر تم مجھ سے اتفاق کرو، تو فاروق اعظمؓ کا عہد لوٹ آئے، اور قاضی و عالم عبد اللہ اپنے باپ کی یاد پھر تازہ کر دے۔

عمر بن العاصؓ: میرے لڑکے عبد اللہ پر آپ کی نظر انتخاب کیوں نہیں پڑتی؟ فضل و منقبت میں تو وہ بھی کچھ کم نہیں۔

ابوموسیٰؓ: بیشک وہ صاحب فضل و منقبت ہیں، لیکن ان خانہ جنگیوں میں شریک کر کے تم نے ان کے دامن کو بھی داغدار کر دیا ہے، برخلاف اس کے طیب بن الطیب عمرؓ کے بیٹے عبد اللہ کا لباس تقویٰ تمام دھبوں سے محفوظ ہے،

عمر بن العاصؓ: ابوموسیٰ! اس منصب کی صلاحیت صرف اسی میں ہو سکتی ہے، جس کے دو داڑھ ہوں، ایک سے کھائے اور دوسرے سے کھلائے۔

ابوموسیٰؓ: عمرو! تمہارا برا ہو، شدید کشت و خون کے بعد مسلمانوں نے ہمارا دامن پکڑا ہے، ہم ان کو پھر فتنہ میں مبتلا نہیں کریں گے۔

عمر بن العاصؓ: پھر آپ کی کیا رائے ہے؟

ابوموسیٰؓ: ہمارا خیال ہے کہ علیؓ اور معاویہؓ دونوں برطرف کیے جائیں، اور مسلمانوں کی مجلس شوریٰ کو پھر نئے سرے سے اختیار دیا جائے کہ وہ جس کو چاہے منتخب کرے۔

عمر بن العاصؓ: مجھے بھی اس سے اتفاق ہے۔

اس قرارداد کے بعد دونوں ایک دوسرے سے جدا ہوئے، حضرت عبد اللہ بن عباسؓ نے حضرت ابوموسیٰؓ کے پاس آکر کہا، ”خدا کی قسم! مجھے یقین ہے کہ عمرؓ نے آپ کو دھوکہ دیا ہوگا، اگر کسی رائے پر اتفاق ہوا تو آپ ہرگز اعلان میں سبقت نہ سیکھتے گا، کیا عجب ہے کہ وہ آپ کی مخالفت کر بیٹھیں، حضرت ابوموسیٰؓ نہایت نیک طینت بزرگ تھے، انہیں دنیا کی فریب کاریوں کا کیا خبر تھی، بولے ”ہم دونوں ایک ایسی رائے پر متفق ہوئے ہیں کہ اس میں اختلاف کی گنجائش ہی نہیں“، غرض دوسرے روز مسجد میں مسلمانوں کا مجمع ہوا، حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ نے عمر بن العاصؓ سے فرمایا کہ ”منبر پر چڑھ کر فیصلہ سنا دو“ بولے میں آپ پر سبقت نہیں کر سکتا، آپ فضل و منقبت اور سن و سال میں مجھ سے افضل اور بڑے ہیں“ حضرت ابوموسیٰؓ پر ان کا یہ افسوس چل گیا، وہ بغیر سوچے سمجھے کھڑے ہو گئے اور حمد و ثناء کے بعد فرمایا۔

صاحبو! ہم نے علیؓ اور معاویہؓ دونوں کو معزول کیا اور پھر نئے سرے سے مجلس

شوریٰ کو انتخاب کا حق دیا، وہ جس کو چاہے اپنا امیر بنائے“

ابوموسیٰؓ اپنا فیصلہ سنا کر اتر آئے تو عمر بن العاصؓ نے کھڑے ہو کر کہا:

”صاحبو! علیؑ کو ابو موسیٰؓ کی طرح میں معزول کرتا ہوں، لیکن معاویہؓ کو اس منصب پر برقرار رکھتا ہوں، کیونکہ وہ امیر المؤمنین عثمانؓ کے ولی اور خلافت کے سب سے زیادہ مستحق ہیں۔“

حضرت ابو موسیٰؓ نہایت متقی، پرہیزگار اور نیک نفس بزرگ تھے، اس خلاف بیانی پر ششدر رہ گئے، چلا کر کہنے لگے، یہ کیا غداری ہے؟ یہ کیا بے ایمانی ہے؟ سچ یہ ہے کہ تمہاری حالت بالکل اس کتے کی طرح ہے جس پر بوجھ لا دو جب بھی ہانپتا ہے اور چھوڑ دو جب بھی ہانپتا ہے، (انسما مثلک کمثل الکلب، ان تحمل علیہ یلھث او تترکہ یلھث، الایۃ) عمرو بن العاصؓ نے جواب دیا، اور آپؐ پر ”چار پائے بروکتا بے چند کی مثل صادق آتی ہے (مثلک کمثل الحماد یحمل اسفارا)

وفات حضرت ابو موسیٰؓ کو اپنے فریب کھا جانے پر اس قدر ندامت ہوئی کہ وہ اسی وقت مکہ معظمہ روانہ ہو گئے اور پھر کسی چیز میں حصہ نہ لیا، وفات کے سنہ اور مقام میں مختلف روایتیں ہیں، بعض لوگ ان کی وفات کا مقام مکہ بتاتے ہیں اور بعض کوفہ، لیکن مرنج مکہ کی روایت ہے، بہر حال باختلاف روایت ۳۲ھ، ۳۳ھ، ۵۲ھ میں بیمار پڑے اور بروایت صحیح ذی الحجہ ۳۳ھ میں وفات پائی۔ آخر وقت تک احکام نبویؐ کا لحاظ رہا، جب حالت زیادہ نازک ہوئی اور عشی طاری ہو گئی، تو جس عورت کی گود میں سر تھا، اس نے گریہ وزاری شروع کر دی، اس وقت بولنے کی طاقت نہ تھی، ہوش آیا تو کہا جس چیز سے رسول ﷺ نے برأت کی ہے، اس سے میں بھی بری ہوں، جیب و گریبان پھاڑنے والی، نوحہ بکا کرنے والی اور کپڑے پھاڑنے والی عورتوں سے آپؐ نے برأت ظاہر کی ہے۔ ۲

اس کے بعد کفن و دفن وغیرہ کے متعلق ضروری وصیتیں کیں کہ جنازہ تیز چال سے لے چلنا جنازہ کے ساتھ انگلیٹھی نہ لے چلنا، لحد اور میری میت کے درمیان کوئی مٹی روکنے والی چیز نہ رکھنا، قبر پر کوئی عمارت نہ بنانا، اور میں نوحہ و بین کرنے والی، جیب و گریبان چاک کرنے والی اور سر نوجنے والی عورتوں سے بری ہوں۔ ۳ وصیت سے فراغت ہوئی تو طائر روح قفس غصری سے پرواز کر کے اپنے اصلی نشیمن میں پہنچ گیا، وفات کے وقت ۶۱ سال کی عمر تھی۔

حلیہ پستہ قد اور لاغر اندام تھے

اولاد وفات کے بعد متعدد نسلی یادگاریں چھوڑیں، نام یہ ہیں، ابراہیم، ابو بکر، ابو بردہ،

موسیٰ۔ ۴

۱ تذکرۃ الحفاظ جلد اول ص ۱۲۱

۲ مسلم کتاب الایمان باب تحریم ضرب الخدود و شق الجنب

۳ مسند احمد بن حنبل جلد ۴ ص ۳۹۷

۴ تہذیب التجارب جلد ۵ ص ۳۶۲

ذریعہ معاش..... ابتدا میں تنگدستی کی زندگی تھی، لیکن پھر فارغ البالی کا دور آیا، متعدد مہمیں ان کی افسری میں سر ہوئیں، مدتوں تک مختلف ممالک کے گورنر رہے، حضرت عمرؓ نے اپنے زمانہ میں دوسرے مہاجرین کے ساتھ ان کا وظیفہ بھی مقرر کیا، غرض اطمینان اور فارغ البالی کی زندگی بسر کرتے تھے

فضل و کمال

حضرت ابو موسیٰؓ ان مخصوص صحابہ میں تھے، جن کو بارگاہ رسالت میں خاص تقرب اور شرف پذیرائی حاصل تھا، اس لئے وہ نبوت کے چشمہ فیض سے پوری طرح سیراب تھے، وہ ان چھ آدمیوں میں سے ایک تھے، جن کو خود عہد رسالت میں مسائل کے جواب اور فتویٰ دینے کی اجازت تھی۔

حضرت اسود تابعی کا بیان ہے کہ میں نے کوفہ میں حضرت علیؓ اور حضرت ابو موسیٰؓ سے زیادہ کسی کو صاحب علم نہیں دیکھا، حضرت علیؓ فرماتے تھے کہ

”ابو موسیٰؓ سرتاپا علم کے رنگ میں رنگے ہوئے ہیں۔“

اہل علم سے اکثر ان کی علمی صحبتیں اور علمی بحثیں رہتی تھیں جس نے ان کے علم کو اور چمکادیا تھا، یوں تو ان کے علمی احباب کا حلقہ بہت وسیع تھا، مگر ان میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور معاذ بن جبلؓ سے خاص طور سے وہ علمی گفتگو کرتے تھے، اور کبھی کبھی یہ گفتگو نیک نیتی کے ساتھ بحث و مناظرہ تک پہنچ جاتی، اور جب تک مسئلہ کی پوری تنقیح نہ ہو جاتی برابر جاری رہتی۔

ایک مجلس میں تیمم کا مسئلہ چھڑا، حضرت ابو موسیٰؓ نے عبداللہ بن مسعودؓ سے پوچھا اگر کسی کو نہانے کی ضرورت پیش آجائے، اور اس کو ایک مہینہ تک پانی نہ ملے، تو کیا تیمم کر کے نماز پڑھ لے؟ حضرت عبداللہؓ نے کہا نہیں! خواہ ایک مہینہ تک پانی نہ ملے جب بھی تیمم نہ کرے، حضرت ابو موسیٰؓ نے کہا تو پھر سورہ ماندہ کی اس آیت کے متعلق کیا کہتے ہو؟

فلم تجدوا ماء فتيمموا صعيدا طيبا

”پانی نہ پاؤ تو پاک مٹی سے تیمم کرؤ۔“

حضرت عبداللہؓ نے کہا ”اگر لوگوں کو تیمم کی اجازت دے دی جائے تو سردیوں کے موسم میں جب پانی ٹھنڈا ملتا ہے لوگ تیمم ہی پر اکتفاء کرنے لگیں گے“ اس پر شقیق (راوی) بولے ”کیا صرف اس خطرہ سے آپ تیمم کو برا سمجھتے ہیں؟ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے کہا ہاں! حضرت ابو موسیٰؓ نے کہا ”تم نے عمار کا وہ واقعہ جس کو انہوں نے حضرت عمرؓ سے بیان کیا تھا، نہیں سنا کہ ان

کو آنحضرت ﷺ نے کسی کام کے لئے بھیجا تھا، اتفاق سے ان کو راہ میں غسل کی ضرورت پیش آئی، اور پانی نہ ملا تو انہوں نے جانور کی طرح زمین پر لوٹ کر تیمم کیا، اور واپس آ کر آنحضرت ﷺ سے یہ واقعہ بیان کیا، آپ نے ان کو تیمم کا طریقہ بتا کر فرمایا کہ اس قدر کافی تھا، اس پر عبد اللہ نے کہا مگر شاید آپ کو یہ نہیں معلوم کہ حضرت عمرؓ نے اس واقعہ کو کافی نہ سمجھا۔ ۱۔

ایک مرتبہ دونوں میں حدیث کا مذاکرہ ہو رہا تھا، حضرت ابو موسیٰؓ نے کہا ”آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ قیامت کے قریب علم اٹھ جائے گا، جہالت کا دور دورہ ہوگا، اور قتل و غارت کی گرم بازاری ہوگی۔“ ۲۔

اشاعت علم علم کی اشاعت اور اس سے دوسروں کو فائدہ پہنچانے کی وہ پوری کوشش کرتے تھے، ان کا اصول یہ تھا کہ جو کچھ کسی کو معلوم ہو اس سے دوسروں کو فائدہ پہنچانا اس کا فرض ہے ایک مرتبہ خطبہ میں لوگوں سے خطاب کر کے کہا کہ ”جس شخص کو خدا علم دے، اس کو چاہیے کہ اپنے دوسرے بھائیوں کو بھی اس کی تعلیم دے، اسی کے ساتھ جو اس کو معلوم نہ ہو، اس کے متعلق ہرگز ایک لفظ بھی وہ اپنی زبان سے نہ نکالے۔“ ۳۔

ان کے درس کے طریقے مختلف تھے، مستقل حلقہ، درس کے علاوہ کبھی کبھی وہ لوگوں کو جمع کر کے خطبہ دیتے، ایک مرتبہ خطبہ دیا۔

”لوگو! شرک سے بچنے کی کوشش کرو کہ یہ چیونٹی کی چال سے زیادہ غیر محسوس ہے۔“ ۴۔

جہاں کہیں چند آدمی ایک جگہ ان کو اکٹھا مل جاتے، ان کے کانوں تک وہ کوئی نہ کوئی حدیث ضرور پہنچا دیتے، ایک دفعہ بنو نعلبہ کے چند آدمی کہیں جا رہے تھے، ان کو راہ میں ایک حدیث سنا دی۔ ۵۔

اصفہان کی مہم سے واپس ہوتے وقت ایک جگہ پڑاؤ کیا، کافی مجمع تھا، کہا میں تم لوگوں کو ایک حدیث سنانا چاہتا ہوں، جو ہم لوگوں کو آنحضرت ﷺ نے سنائی تھی، لوگوں نے کہا خدا آپ پر رحم کرے، ضرور سنائیے، بولے، آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ:

قیامت کے قرب میں ”ہرج“ زیادہ ہوگا لوگوں نے پوچھا ”ہرج“ کیا؟ کہا قتل اور جھوٹ، لوگوں نے کہا کیا اس سے بھی زیادہ قتل ہوگا، جتنا ہم لوگ کرتے ہیں؟ فرمایا کہ اس سے مقصد کفار کا قتل نہیں ہے، بلکہ باہمی خونریزی ہے حتیٰ کہ پڑوسی پڑوسی کو، بھائی بھائی کو، بھتیجا چچا کو، اور چچا بھتیجے کو قتل کرے گا۔ لوگوں نے کہا سبحان اللہ عقل و ہوش رکھتے ہوئے؟ کہا عقل و ہوش کہاں عقل و ہوش تو اس زمانہ

۱ بخاری کتاب التیمم باب التیمم ضربۃ،

۲ ابن سعد جز ۲، قسم اول ص ۱۸

۳ مسند احمد بن حنبل جلد ۴ ص ۳۹۲

۴ مسند احمد بن حنبل جلد ۴ ص ۴۰۳

۵ مسند احمد بن حنبل جلد ۴ ص ۴۰۳

میں باقی نہ رہے گا، حتیٰ کہ آدمی خیال کرے گا کہ وہ کسی (حق) بات پر ہے، لیکن درحقیقت وہ کسی (حق) بات پر نہ ہوگا۔“

یہ حدیث سنا کر بوسلے کہ ہم میں سے تم میں سے کوئی بھی آنحضرت ﷺ کی اس پیشین گوئی سے نکل نہ سکے گا، اس سے نکلنے کی صرف یہ صورت ہے کہ ہم بلا کچھ کیے ہوئے اس طریقہ سے پاک و صاف نکل جائیں جس طرح اس میں شریک ہوئے تھے۔
حضرت ابو موسیٰؓ کے تعلیم دینے کا طریقہ نہایت نرم تھا، اگر کبھی کوئی شخص نادانی سے بھی کوئی اعتراض کرتا، تو خفا ہونے کے بجائے نہایت نرمی سے اس کو سمجھا دیتے، عبد اللہ الرقاشی روایت کرتے ہیں کہ

”میں ایک مرتبہ ابو موسیٰؓ کے ساتھ نماز پڑھ رہا تھا، وہ قعدہ میں تھے کہ کسی نے زور سے ایک فقرہ کہا جو مسنون دعاؤں سے نہ تھا، ابو موسیٰؓ نماز ختم کر چکے، تو پوچھا یہ کس نے کہا تھا؟ لوگ خاموش رہے، پھر پوچھا فلاں بات کس نے کہی تھی؟ لوگ پھر چپ رہے، تو بولے حطان شاید تم نے کہا ہوگا، انہوں نے کہا میں نے نہیں کہا، مجھ کو پہلے ہی خطرہ تھا کہ آپ مجھ ہی پر ڈانٹ ڈپٹ کریں گے، اتنے میں ایک شخص نے اقرار کیا کہ میں نے کہا اور اس سے میرا مقصد بد نیتی نہ تھی، بلکہ بھلائی تھی، ابو موسیٰؓ نے کسی قسم کی ترش روئی کے بغیر مسنون نماز کا پورا طریقہ بتا دیا۔“

قرآن پاک..... قرآن پاک اسلام کے تمام علوم و معارف کا سرچشمہ ہے، اس کے ساتھ حضرت ابو موسیٰؓ کو غیر معمولی شغف و انہماک تھا، فرصت کا سارا وقت قرآن پاک کی تلاوت اور اس کی تعلیم میں صرف ہوتا، یمن کی گورنری کے زمانہ میں معاذ بن جبلؓ اکثر ان سے ملنے آتے اور دیر تک علمی صحبت رہتی، ایک مرتبہ انہوں نے پوچھا، آپ قرآن پاک کی کس طرح تلاوت کرتے ہیں، بولے رات دن میں جب موقع مل جاتا ہے تھوڑا تھوڑا کر کے پڑھ لیتا ہوں۔
قرآن نہایت خوش الحانی سے پڑھتے تھے، یہ اس قدر خوش گلو اور شیریں آواز تھے کہ آنحضرت ﷺ فرماتے تھے کہ:

”ان کو لُحْنِ داؤدی سے حصہ ملا ہے۔“

آنحضرت ﷺ کو ان کا قرآن پڑھنا بہت پسند تھا، جہاں ان کو قرأت کرتے ہوئے سنتے کھڑے ہو جاتے، ایک مرتبہ حضرت عائشہؓ کے ساتھ کہیں تشریف لئے جا رہے تھے، ابو موسیٰؓ کو قرآن پڑھتے ہوئے سنا، وہیں کھڑے ہو گئے اور سکر آگے بڑھے، صبح کو جب ابو موسیٰؓ حاضر

۱۔ مسند احمد بن حنبل جلد ۳ ص ۴۰۶

۲۔ بخاری

۳۔ مسلم کتاب الصلوٰۃ باب التعمید فی الصلوٰۃ

۴۔ ابن سعد جزء ۲ قسم اول ص ۸۰

ہوئے، تو فرمایا کہ ابو موسیٰؓ کل تم قرآن پڑھ رہے تھے، ہم نے تمہاری قرأت سنی تھی، عرض کیا اے خدا کے رسول! مجھ کو حضور کی موجودگی کا علم ہوتا، تو میں آواز میں اور دلکشی پیدا کرتا۔
ایک مرتبہ مسجد نبویؐ میں بلند آواز سے عشاء کی نماز پڑھ رہے تھے، آواز سن کر ازواج مطہراتؓ اپنے اپنے حجروں میں پردوں کے پاس آکر کھڑے ہو کر سننے لگیں، صبح کو جب ان کو اطلاع ہوئی تو کہا اگر مجھ کو اس وقت معلوم ہو جاتا تو میں ان کو قرآن کا اس سے بھی زیادہ مشتاق بنا دیتا۔^۱

حضرت ابو عثمانؓ نہدی بیان کرتے تھے کہ حضرت ابو موسیٰؓ ہمارے ساتھ نماز پڑھتے تھے، ان کی آواز اتنی سریلی اور دلکش ہوتی تھی کہ چنگ و بربط میں بھی وہ دلکشی نہیں۔^۲
کبھی کبھی حضرت عمرؓ قرآن پڑھتے کہ ابو موسیٰؓ خدا کی یاد دلاؤ، یہ قرآن پڑھ کر سناتے ایک مرتبہ حضرت ابو موسیٰؓ نے انس بن مالکؓ کو حضرت عمرؓ کے پاس بھیجا، انہوں نے پوچھا، ابو موسیٰؓ کا کیا حال ہے، کہا لوگوں کو قرآن پڑھاتے ہیں، فرمایا کہ بلند مرتبہ آدمی ہیں، مگر اس کو ان کے سامنے نہ کہنا۔^۳

ان کی غیر معمولی قرأت دانی کی وجہ سے آنحضرت ﷺ نے مشہور عالم قرآن حضرت معاذ بن جبلؓ کے ساتھ ان کو بھی نو مسلموں کی تعلیم قرآن کے لئے یمن بھیجا تھا۔^۴
حدیث..... قرآن کے ساتھ ان کو حدیث کے علم سے بھی وافر حصہ ملا تھا، حفظ حدیث کے اعتبار سے وہ اپنے معاصروں میں امتیازی پایہ رکھتے تھے، کوفہ مستقل حلقہ درس تھا جس سے بڑے بڑے ارباب کمال پیدا ہوئے، ان کے نام آئندہ آئیں گے، ان کی تعداد مرویات ۳۶۰ تک پہنچتی ہے، ان میں ۵۰ متفق علیہ ہیں، ان کے علاوہ ۴ بخاری اور ۲۵ مسلم میں ہیں۔^۵
ان میں سے اکثر روایات خود صاحب حدیثؓ کی زبان مبارک سے سنی ہوئی ہیں، ان کے بعد پھر حضرت ابو بکرؓ، عمرؓ، علیؓ، ابن عباسؓ، ابی بن کعبؓ، عمار بن یاسرؓ، معاذ بن جبلؓ سے روایتیں کی ہیں، تلامذہ کی تعداد بھی کافی ہے، مختصر فہرست یہ ہے۔

ابو ہریرہؓ، ابو بکرؓ، ابو بردہؓ، موسیٰؓ، انس بن مالکؓ، ابو سعید خدریؓ، طارق بن شہابؓ، ابو عبد الرحمن سلمیؓ، زہر بن حبیشؓ، زید بن وہبؓ، عبید بن عمیرؓ، ابوالاحوصؓ، عوف بن مالکؓ، ابوالاسودؓ، سعید بن مسیبؓ، ابو عثمانؓ نہدیؓ، قیس بن ابی حازمؓ، ابورافع صانیؓ، ابو جہیدہ بن عبد اللہ بن مسعودؓ، سروق بن اوسؓ، حنظلؓ، ہزیرل بن شرییلؓ، مرہ بن شرییلؓ، اسود بن یزیدؓ، عبد الرحمن بن یزیدؓ، حطان بن عبد اللہ رقاشیؓ،

۱۔ مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۳۶۶،

۲۔ طبقات ابن سعد قسم اول ج ۴ ص ۸۰،

۳۔ مسند احمد بن حنبل جلد ۲ ص ۳۹۷،

۴۔ ایضاً،

۵۔ ایضاً،

۶۔ تہذیب التہمال

ربعی بن حراش، زہد بن مضرب، ابو وائل شقیق، ابن سلمہ صفوان بن محرز وغیرہم۔
اس فضل و کمال کے باوجود ان کو اپنی غلطی اور دوسروں کے کمال کے اعتراف میں بخل نہ تھا
ایک مرتبہ کسی نے لڑکی، پوتی اور بہن کی وراثت کے متعلق فتویٰ پوچھا، انہوں نے جواب دیا لڑکی
اور بہن کو نصف نصف ملے گا، مستفتی نے جا کر یہ جواب حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کو سنایا اور ان
سے بھی فتویٰ دریافت کیا، انہوں نے کہا، اگر میں اس کی تائید کروں تو گمراہ ہوں، میں اس مسئلہ
میں وہی فیصلہ کروں گا، جو آنحضرت ﷺ نے کیا ہے، لڑکی کو آدھا ملے گا پوتی کو دو تہائی پورا کرنے
کے لئے چھٹا حصہ ملے گا، باقی جو بچے گا وہ بہن کا حصہ ہے، مستفتی نے یہ جواب جا کر حضرت ابو موسیٰؓ
کو سنایا انہوں نے کہا جب تک یہ عالم تم میں موجود ہے، اس وقت تک مجھ سے پوچھنے کی
ضرورت نہیں ہے۔

اخلاق و عادات

خشیت الہی اور رقت قلب مذہب کی روح ہے، حضرت ابو موسیٰؓ میں یہ دونوں وصف
موجود تھے، خود بھی روتے اور دوسروں کو بھی رلاتے، بصرہ کے قیام کے زمانہ میں ایک مرتبہ خطبہ
دیا کہ:

”لوگو! خوب رو اگر نہ رو سکتے ہو تو کم از کم رونے کی صورت بناؤ کیونکہ دوزخی
(جنہوں نے دنیا ہنس کر گزاری) اس قدر روئیں گے کہ آنسو خشک ہو جائیں گے
پھر خون کے آنسو روئیں گے، آنسوؤں کی فراوانی کا یہ حال ہوگا کہ اگر اس میں
کشتیاں چلائی جائیں تو بہہ نکلیں۔“

اتباع سنت حضرت ابو موسیٰؓ کی پوری زندگی حیات نبویؐ کا آئینہ تھی، وہ کوشش کرتے
تھے کہ ان کی نقل و حرکت، قول و فعل بلکہ ہر ہر اذات نبویؐ کا نمونہ بن جائے، ایک موقع پر انہوں
نے اپنی حرص کا ان الفاظ میں ذکر کیا ہے

”ابو مجلز راوی ہیں کہ ایک مرتبہ ابو موسیٰؓ مکہ سے مدینہ آرہے تھے، راستہ میں
عشاء کی نماز کا وقت آیا تو دو رکعت نماز پڑھی، پھر کھڑے ہو کر سورہ نساء کی ۱۰۰
آیتیں ایک رکعت میں پڑھیں، لوگوں نے اس پر اعتراض کیا، انہوں نے کہا میری
ہمیشہ یہ کوشش رہتی ہے، کہ جہاں آنحضرت ﷺ نے قدم مبارک دکھائے وہیں

۱۔ اتھذیب الجذیب جلد ۵ ص ۳۶۳

۲۔ بخاری کتاب الفرائض باب میراث ابیہ ابن مع ابیہ

۳۔ ابن سعد قسم اول جز ۳ ص ۸۱

میں بھی قدم رکھوں، اور جو کام آپ نے کیا ہے، وہی میں بھی کروں۔^۱
 رمضان کے روزوں کے علاوہ نوافل کے روزے محض اس لئے رکھتے تھے کہ آنحضرت
 ﷺ رکھا کرتے تھے، عاشورہ کا روزہ آنحضرت ﷺ برابر رکھا کرتے تھے، یہ لوگوں کو ہدایت
 کرتے کہ عاشورہ کا روزہ رکھو۔

سنت سے لے کر مستحبات تک کی خود پابندی کرتے اور اپنے اہل و عیال سے پابندی
 کراتے قربانی کا جانور اپنے ہاتھ سے ذبح کرنا مسنون ہے، حضرت ابو موسیٰؓ کیوں تک کو حکم
 دیتے تھے، کہ وہ اپنے ہاتھ سے ذبح کریں،^۲

احکام نبویؐ کا لحاظ پر آن و ہر لمحہ رہتا تھا، کسی موقع پر فرو گذاشت نہ ہونے پاتی، آنحضرت
 ﷺ کا حکم تھا کہ جب کوئی شخص کسی کے یہاں جائے تو اجازت لے کر گھر میں داخل ہوا اگر تین
 مرتبہ اجازت مانگنے پر بھی اجازت نہ دے تو لوٹ جائے، حضرت ابو موسیٰؓ اس فرمان نبویؐ پر سختی
 سے عامل تھے کہ ایک مرتبہ حضرت عمرؓ کے پاس آئے، اور اندر آنے کی اجازت چاہی، آپ غالباً
 کسی کام میں مشغول تھے، اس لئے کوئی توجہ نہ کی، انہوں نے ۳ مرتبہ اجازت مانگی، پھر لوٹ
 آئے، دوسرے وقت حضرت عمرؓ نے کہا تم کیوں واپس ہو گئے تھے؟ کہا میں نے تین مرتبہ
 اجازت مانگی، جب نہ ملی، تو لوٹ گیا، کیونکہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ اگر تم کو ۳ مرتبہ
 اجازت مانگنے کے بعد اجازت نہ ملے تو لوٹ جانا چاہیے، حضرت عمرؓ نے فرمایا ”شاید لاؤ
 تمہارے علاوہ کسی دوسرے نے بھی اس حکم کو سنا ہے“ یہ گھبرائے ہوئے انصاری صحابہ کی مجلس
 میں آئے، حضرت ابی بن کعبؓ کو یہ حکم معلوم تھا، انہوں نے جا کر شہادت دی۔^۳
 یہی پاس و لحاظ زندگی کے آخر لمحہ تک رہا۔

مرض الموت میں اپنے گھر کی کسی عورت کی گود میں سر رکھے ہوئے تھے، اسی حالت میں
 غشی طاری ہو گئی، عورت نے گریہ و زاری شروع کر دی، اس وقت تو بولنے کی طاقت نہ تھی ہوش
 آیا تو کہا جس چیز سے آنحضرت ﷺ نے برأت ظاہر کی ہے، اس سے میں بھی بری ہوں، جیب
 و گریبان پھاڑنے والی، نوحوہ بکا کرنے والی، سرنوچنے والی اور کپڑے پھاڑنے والی عورتوں سے
 آپ نے برأت کی ہے۔^۴

موت سے پہلے کفن و دفن وغیرہ کی وصیتوں کے ساتھ ساتھ یہ بھی وصیت کی کہ کوئی میری
 موت پر نوحوہ اور بین نہ کرے جیب اور گریبان چاک نہ کرے، سر کو نہ نوچے، ان سب سے میں

۱۔ اسناد احمد بن حنبل جلد ۲ ص ۴۱۹

۲۔ بخاری کتاب الاضاحی باب من ذبح ذبیحہ

۳۔ بخاری کتاب الاستیذان باب التسلیم والاستیذان لثنا

۴۔ مسلم کتاب الایمان باب تحریم ضرب الخدود و شق الجیوب

بری ہوں۔۱

تقوی..... حضرت ابو موسیٰ کا دامن عفاف کبھی معصیت کی آلودگیوں سے داغدار نہ ہوا، وہ اس درجہ محتاط تھے کہ غیر عورتوں کی ہوا تک لگنا گوارا نہ کرتے تھے، کہا کرتے تھے کہ عورتوں کی لپٹ سے مجھ کو سترے ہوئے مردار کی عفت زیاہ خوش آئند ہے۔۲

طہارت اور صفائی کے خیال سے ہمیشہ شیشی میں پیشاب کرتے تھے کہ کوئی چھینٹ نہ پڑنے پائے، دوسرے صحابہؓ اس غیر ضروری شدت کو محسوس کرتے اور اس کا اظہار بھی کر دیتے تھے، حضرت حذیفہؓ نے لوگوں سے کہا کہ کاش تمہارے ساتھی اتنا تشدد نہ کرتے۔۳

توکل..... خدا کی ذات پر پورا اعتماد اور قضاء قدر پر پورا یقین تھا، چنانچہ وہ بانی مقامات سے الگ نہ ہوتے تھے، ایک مرتبہ طاعون کی وبا پھیلی ابو بردہؓ نے کہا یہاں سے ہٹ کر واپس چلے چلے کہا میں خدا کے پاس جاؤں گا، واپس نہ جاؤں گا۔۴

خدمت رسول..... خطرناک سے خطرناک موقعوں پر آنحضرت ﷺ کی خدمت اور آپ کی حفاظت حاصل کرتے تھے، کسی غزوہ میں آنحضرت ﷺ کے ہمراہ تھے راستہ میں رات گزارنے کے لئے مجاہدین نے قیام کیا، جنگ کا زمانہ تھا، دشمن ہر وقت تاک میں رہتے تھے، اس خطرہ سے یہ رات کو آنحضرت ﷺ کے خیمہ کے پاس پہنچے، اتفاق سے آپ موجود نہ تھے، یہ تلاش میں نکلے راستہ میں ایک اور صحابی جو اسی نیت سے نکلے تھے، مل گئے، دونوں آگے بڑھے، اتنے میں آنحضرت ﷺ آتے ہوئے دکھائی دیئے ان دونوں نے عرض کیا کہ اس وقت آپ دشمن کی زمین میں ہیں، آپ کے متعلق ہر وقت خطرہ ہے، اس لئے جب آپ کو ضرورت پیش آیا کرے تو کسی کو حکم دے دیا کیجئے، وہ ساتھ ہو جایا کرے۔۵

شرم و حیا..... الحیاء شعبۂ من الایمان حضرت ابو موسیٰؓ میں ایمان کا یہ عنصر بہت غالب تھا، رات کو سوتے وقت خاص قسم کا کپڑا پہن لیتے تھے کہ نیند کی غفلت میں ستر نہ کھل جائے، ایک مرتبہ کچھ اشخاص کو دیکھا وہ پانی کے اندر ننگے نہا رہے ہیں، تو بولے مجھ کو بار بار مر کر زندہ ہونا بہتر ہے مگر یہ فعل پسند نہیں ہے۔۶

سادگی..... حضرت ابو موسیٰؓ کی زندگی کے مختلف دور تھے، ابتدائی دور نہایت عسرت کا تھا، مگر جیسے جیسے اسلام کو فروغ ہوتا گیا، ان کی عسرت میں کمی آتی گئی، متعدد مہمیں ان کی ماتحتی میں سر

۱۔ مسند احمد بن حنبل جلد ۲ ص ۳۹۷

۲۔ ابن سعد جزء ۲، قسم اول ص ۸۴

۳۔ مسلم کتاب الطہارت باب المسح علی الخفین

۴۔ ابن سعد قسم اول جزء ۲ ص ۸۲ ۵۔ مسند احمد بن حنبل جلد ۲ ص ۳۱۵

۶۔ طبقات ابن سعد قسم اول جزء ۲ ص ۸۲

ہوئیں، برسوں تک مختلف صوبوں کے حاکم رہے، لیکن ان دونوں حالتوں میں ان کی ظاہری زندگی میں کوئی فرق نہ آیا نہ مال و دولت جمع کیا، نہ وفات و رعونت پیدا ہوئی، گورنری کے بعد ایک مرتبہ مشہور صحابی حضرت ابوذر غفاریؓ سے ملاقات ہوئی، ابوذرؓ فقیر منش آدمی تھے دنیا سے ان کو کوئی تعلق نہ تھا، حضرت ابو موسیٰؓ بھائی بھائی کہتے ہوئے دوڑ کر لیٹ گئے لیکن ابوذرؓ بار بار یہ کہہ کر ہٹاتے تھے، اب تم بھائی نہیں ہو اس منصب سے پہلے بھائی تھے، دوبارہ جب پھر ملاقات ہوئی تو پہلے کی طرح لکے، انہوں نے کہا بھی ہے رہو پہلے میرے سوالات کے جوابات دے دو پھر پوچھا تم نے لوگوں پر حکومت کی ہے؟ ابو موسیٰؓ نے کہا ہاں! کہا عمارتیں تو نہیں بنوائیں؟ زراعت تو نہیں کی، جانور تو نہیں پالے؟ انہوں نے سب کی نفی کی تو پھر ان سے دل کھول کر ملے۔

اسی خاکساری اور تواضع کی وجہ سے وہ اپنی مذہبی خدمات کا اظہار برا سمجھتے تھے، حضرت ابو بردہؓ روایت کرتے ہیں کہ ابو موسیٰؓ کہتے تھے کہ ایک مرتبہ ہم ۶ آدمی آنحضرت ﷺ کے ساتھ ایک غزوہ میں نکلے، ہمارے پاس میں صرف ایک اونٹ تھا، اسی پر سب باری باری سوار ہوتے تھے، پیادہ پا چلنے کی مشقت سے ہمارے پاؤں پھٹ پھٹ گئے اور ناخن گر گر گئے، تو ہم لوگوں نے چیتھڑے لپیٹ لئے، اسی لئے اس غزوہ کو ذات الرقاع ”چیتھڑے والا“ کہتے ہیں، راوی کا بیان ہے کہ ابو موسیٰؓ اس واقعہ کو بیان تو کر گئے مگر بعد میں اتنے واقعہ کا اظہار بھی برا سمجھا۔

امت مسلمہ کی خیر خواہی..... امت مسلمہ کی خیر خواہی اور اس کا مفاد ہر وقت پیش نظر رہتا تھا، اس کے مقابلہ میں بڑی سے بڑی منفعت کو ٹھکرا دیتے تھے، جب حضرت علیؓ اور امیر معاویہؓ کے درمیان کشمکش شروع ہوئی تو امیر معاویہؓ نے ان کے پاس لکھ بھیجا کہ عمرو بن العاصؓ نے میری بیعت کر لی ہے، اگر تم بھی بیعت کر لو، تو میں حلفیہ وعدہ کرتا ہوں کہ تمہارے ایک لڑکے کو بصرہ اور دوسرے کو کوفہ کی امارت پر سرفراز کروں گا، اور تمہاری ضروریات کے لئے میرا دروازہ ہر وقت کھلا رہے گا، میں اپنے خاص قلم سے یہ خط لکھ رہا ہوں، امید ہے کہ تم بھی اپنے دست و قلم سے اس کا جواب دو گے، اس خط کو پڑھ کر انہوں نے یہ جواب لکھا:

”تم نے امت محمدیؐ کے بہت اہم اور نازک معاملہ کی بابت لکھا ہے، جو چیز تم

نے میرے سامنے پیش کی ہے، اس کی مجھ کو حاجت نہیں ہے“۔

جنگ جمل اور جنگ صفین دونوں میں غیر جانبدار ہیں، اور دوسروں کو بھی اس کی شرکت سے روکتے تھے، جب حضرت علیؓ نے عمار بن یاسرؓ کو کوفہ بھیجا کہ وہ کوفہ والوں کو حضرت علیؓ کے ساتھ جنگ کی شرکت پر آمادہ کریں، تو ابو موسیٰؓ اور ابو سعودؓ نے ان سے جا کر کہا کہ:

۱۔ طبقات ابن سعد قسم اول جز ۴، ص ۱۶۹

۲۔ مسلم کتاب الجہاد والسیر باب غزوہ ذات الرقاع

۳۔ طبقات ابن سعد جلد ۲ قسم اول ۸۳

”جب سے تم اسلام لائے ہو آج تک ہمارے نزدیک اس جنگ کی شرکت

سے زیادہ تم نے کوئی ناپسندیدہ کام نہیں کیا۔“

ان کے بھائی ابورہم بہت ہنگامہ پسند تھے، اور شورشوں اور ہنگاموں میں نہایت ذوق و شوق سے شریک ہوتے تھے، اور ابو موسیٰ قتنہ و فساد سے سخت متنفر تھے، وہ ان کو برابر سمجھاتے تھے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا جب دو مسلمان ایک دوسرے کے خلاف تلوار اٹھائیں گے اور ایک دوسرے کو قتل کریں گے تو دونوں جہنم میں جائیں گے۔۲

ان کی اس بے لوثی اور غیر جانبداری کی بنا پر جنگ صفین میں حضرت علیؑ نے ان کو ثالث مقرر کیا، اس وقت رفع فساد کے خیال سے ان کو مجبوراً گوشہ عزلت سے نکلنا پڑا، اور نہایت نیک نیتی سے مصالح امت کا خیال رکھتے ہوئے حضرت علیؑ اور معاویہؓ دونوں کو معزول کر کے کسی تیسرے کو خلیفہ منتخب کرنے کا مشورہ دیا، مگر افسوس ہے کہ عمرو بن العاصؓ کی چالاکی نے نیک نیتی کے مشورہ کو بیکار کر دیا۔

امت کے اس تفرقہ کے خیال سے بسا اوقات وہ اپنا فتویٰ مسترد کر دیتے، وہ آنحضرت ﷺ کے ساتھ حج میں شریک ہو چکے تھے، آپ نے بیت اللہ کا طواف اور صفا اور مردہ کی سعی کے بعد احرام کھلوادیا تھا، آپ کے بعد بھی اسی پر عمل رہا، ابو موسیٰؓ بھی یہی فتویٰ دیتے تھے، حضرت عمرؓ اپنے زمانہ میں حج تمام ہونے کے بعد احرام کھلوانے لگے، ایک مرتبہ حج کے موقع پر لوگوں نے ابو موسیٰؓ سے کہا کہ آپ فتویٰ دینے میں اتنی عجلت نہ کیجئے، امیر المومنین نے اس میں ترمیم کر دی ہے، اگرچہ ابو موسیٰؓ اس فتویٰ میں حق بجانب تھے، مگر اختلاف کے خیال سے فوراً اعلان کر دیا، لوگوں جس جس کو میں نے فتویٰ دیا ہو اس کو ابھی ٹھہر جانا چاہیے، امیر المومنین آتے ہیں ان کی اقتدا کرنا چاہیے۔۳

مخصوص فضائل..... ان مذکورہ فضائل کے علاوہ بعض مخصوص فضائل ایسے تھے جو ان کے لئے طغرائے امتیاز ہیں، ایک بدوی نے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں آکر عرض کیا کہ محمد ﷺ نے جو کچھ دینے کا وعدہ کیا تھا، اس کو پورا کرو، آپ نے فرمایا بشیر یعنی بشارت ہو، اس نے کہا بشارت ہو چکی کچھ دلواؤ، اس جاہلانہ جواب سے چہرہ مبارک پر برہمی کے آثار نمایاں ہو گئے پھر حضرت بلالؓ اور ابو موسیٰؓ سے کہا کہ اس نے بشارت سے انکار کر دیا، تم دونوں قبول کرو، عرض کیا زہے نصیب، پھر ایک برتن میں پانی منگا کر اس میں ہاتھ منہ دھویا اور کلی کر کے ان دونوں کی طرف بڑھایا کہ اس کو پیو، اور سینہ اور چہرہ پر ملو، انہوں نے اس آب حیات کو پیا اور سینہ اور چہرہ پر ملا، حضرت ام سلمہؓ پردہ کی آڑ سے دیکھ رہی تھیں، آواز دی، تھوڑا میرے لئے بھی چنانچہ اس

۱۔ بخاری کتاب الفتن باب الفتنۃ امتی تموج کموج البحر

۲۔ ندائ احمد بن حنبل جلد ۳ ص ۴۰۳

۳۔ مسلم کتاب الحج باب فی نسخ التحمل الاحرام والا مر با تمام

شراب طہور کے چند جرے ان کو بھی ملے، اظہار یہ واقعہ نہایت معمولی ہے، مگر یہ بشارت کیا تھی؟ اور اس شراب طہور میں کیا نشہ تھا؟ اس کا جواب عشق و محبت کی زبان سے سننا چاہیے۔

غزوہ خنین کے بعد آنحضرت ﷺ نے ابو عامر کو ایک دستہ کے ساتھ اوطاس روانہ کیا؟ حضرت ابو موسیٰؓ کو بھی ان کی مشایعت کا حکم ملا، اوطاس میں مشرکین کا مقابلہ ہوا، ابو عامر سخت زخمی ہوئے، حضرت ابو موسیٰؓ نے قاتل کا تعاقب کر کے اس کو قتل کیا، پھر لوٹ کر ابو عامر کے گھٹنے سے تیر نکالا، زخم سے خون جاری ہو گیا، زخم کاری تھا، بچنے کی امید نہ تھی، ابو موسیٰؓ سے کہا میری طرف سے حضور انورؐ کی خدمت میں سلام کے بعد دعائے مغفرت کی درخواست کرنا یہ کہہ کر ابو عامر واصل بحق ہو گئے، حضرت ابو موسیٰؓ نے لوٹ کر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں ان کا پیام پہنچا دیا، آپ نے وضو کر کے ان کے لئے دعائے مغفرت فرمائی، حضرت ابو موسیٰؓ نے عرض کی، حضورؐ میرے لئے بھی دعا فرمائیں، آپ نے دعا فرمائی، خدایا عبداللہ بن قیس (ابو موسیٰؓ) کے گناہوں کو بخش دے اور قیامت کے دن ان کا معزز اور شریفانہ داخلہ فرما، ۲۔

حضرت عمار بن یاسرؓ

نام، نسب، خاندان..... عمار نام، ابوالیقظان کنیت، والد کا نام یاسرؓ اور والدہ کا نام سمیہ تھا، پورا سلسلہ نسب یہ ہے۔

عمار بن یاسر عامر بن مالک بن کنانہ بن قیس بن الحصین بن الودیم بن ثعلبہ بن عوف بن حارثہ بن عامر الاکبر بن یام بن غنم بن مالک الغنسی القحطانی۔

حضرت عمارؓ کے والد حضرت یاسرؓ قحطانی النسل تھے، یمن ان کا اصلی وطن تھا، اپنے ایک مفقود الخمر بھائی کی تلاش میں دوسرے دو بھائی حارث اور مالک کے ساتھ مکہ پہنچے، وہ دونوں واپس لوٹ گئے، لیکن انہوں نے یہیں طرح اقامت ڈال دی، اور بنو مخزوم سے حلیفانہ تعلق پیدا کر کے ابو حذیفہ بن المغیرہ مخزومی کی ایک لونڈی سمیہ سے شادی کر لی جس سے حضرت عمارؓ پیدا ہوئے، ابو حذیفہ نے حضرت عمارؓ کو ان کے بچپن ہی میں آزاد کر کے تاحیات دونوں باپ بیٹے کو لطف و محبت سے اپنے ساتھ رکھا۔

اسلام..... ابو حذیفہ کی وفات کے بعد ہی اسلام کا غلغلہ بلند ہوا، حضرت عمارؓ اور حضرت صہیب ابن سنانؓ ایک ساتھ ایمان لائے تھے، فرماتے ہیں کہ میں نے صہیب کو ارقم بن ابی ارقم کے دروازہ پر دیکھ کر پوچھا ”تم کس ارادہ سے آئے ہو؟“ بولے ”پہلے تم اپنا ارادہ بیان کرو“ میں نے کہا ”محمدؐ سے مل کر ان کی کچھ باتیں سننا چاہتا ہوں“ بولے میرا بھی مقصد یہی ہے، غرض دونوں ایک ساتھ داخل ہوئے، اور ساقی اسلام کے ایک ہی جام نے دونوں کو نشہ تو حید سے مخمور کر دیا، حضرت عمارؓ کے ساتھ یا کچھ آگے پیچھے ان کے والدین بھی مشرف بہ اسلام ہوئے۔

صحیح بخاری کی ایک روایت ہے کہ حضرت عمر بن یاسرؓ جس وقت ایمان لائے، تو انہوں نے حضرت ابوبکرؓ کے علاوہ صرف پانچ غلام اور دو عورتوں کو آنحضرت ﷺ کے ساتھ دیکھا، یہ وہ حضرات تھے، جنہوں نے اپنے اسلام کو ظاہر کر دیا تھا، ورنہ صحیح روایت کی بنا پر اس وقت تک میں اصحاب سے زیادہ اس دائرہ میں داخل ہو چکے تھے، جنہوں نے مشرکین کے خوف سے اعلان

۱۔ اسد الغابہ تذکرہ عمار بن یاسرؓ

۲۔ طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث ص ۱۷۷

۳۔ طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث ص ۱۷۷

۴۔ بخاری باب فضائل الصدیق

نہیں کیا تھا۔

حضرت عمارؓ کو ایک بے یار و مددگار غریب الوطن تھے، دنیاوی وجاہت و طاقت بھی حاصل نہ تھی، اور سب سے زیادہ ان کی والدہ ماجدہ حضرت سمیہؓ اس وقت تک بنی مخزوم کی غلامی سے آزاد نہیں ہوئی تھیں، تاہم جوش ایمان نے ایک دن سے زیادہ مخفی ہو کر رہنے نہ دیا، مشرکین نے ان کو اور ان کے خاندان کو لاچار و مجبور دیکھ کر سب سے زیادہ مشق ستم بنالیا، طرح طرح کی اذیتیں دیں، ٹھیک دوپہر کے وقت تپتی ہوئی ریت میں لٹایا، دھکتے ہوئے انگاروں سے جلایا، اور گھنٹوں پانی میں غوطے دیئے، لیکن جلوہ توحید نے کچھ ایسا وارفتہ کر دیا تھا کہ ان تمام سختیوں کے باوجود ان کو اسلام سے برگشتہ نہ کر سکے۔^۱

حضرت عمارؓ کی والدہ حضرت سمیہؓ کو ابو جہل نے نہایت وحشیانہ طریقے پر اپنے نیزہ سے شہید کیا، چنانچہ تاریخ اسلام کی یہ پہلی عبرتناک شہادت تھی، جو استقلال و استقامت کے ساتھ راہ خدا میں واقع ہوئی، ان کے والد حضرت یاسرؓ اور بھائی حضرت عبداللہؓ بھی اس گرداب اذیت میں جان بحق ہوئے۔^۲

ایک دفعہ مشرکین نے حضرت عمارؓ کو دھکتے ہوئے انگاروں پر لٹا دیا، آنحضرت ﷺ اس طرف سے گزرے تو ان کے سر پر دست مبارک پھیر کر فرمایا ”اے آگ تو ابراہیمؑ کی طرح عمارؓ پر ٹھنڈی ہو جا“ اسی طرح جب ان کے گھر کی طرف سے گزرتے خاندان یاسرؓ کو جتلائے مصیبت دیکھتے تو فرماتے، ”اے آل عمارؓ تمہیں بشارت ہو جنت تمہاری منتظر ہے۔“^۳

ایک دفعہ حضرت یاسرؓ نے آنحضرت ﷺ سے گردش زمانہ کی شکایت کی، ارشاد ہوا، ”صبر کرو! صبر کرو!“ پھر دعا فرمائی ”اے خدا! آل یاسرؓ کو بخش دے۔“^۴

ایک روز مشرکین نے ان کو پانی میں اس قدر غوطے دیئے کہ بالکل بدحواس ہو گئے، یہاں تک کہ اسی حالت میں ان جفا کاروں نے جو کچھ چاہا ان کی زبان سے اقرار کر لیا، اس کے بعد اس مصیبت سے گلو خلاصی ہو گئی، تاہم غیرت ملی نے عرق عرق (پسینہ پسینہ) کر دیا، دربار نبوت میں حاضر ہوئے تو آنکھوں سے آنسوؤں کا دریا جاری تھا، آنحضرت ﷺ نے پوچھا، ”عمارؓ کیا خبر ہے؟“ عرض کی ”یا رسول اللہ! نہایت ہی بری خبر ہے“ آج مجھے اس وقت تک مخلصی نہ ملی جب تک میں نے آپ کی شان میں برے الفاظ اور ان کے معبودوں کے حق میں کلمات خیر استعمال نہ کیے“ ارشاد ہوا ”تم اپنا دل کیسا پاتے ہو؟“ عرض کی ”میرا دل ایمان سے مطمئن ہے سرور کائنات ﷺ نے نہایت

۱ فتح الباری جلد ۷ ص ۱۷۱ و اسد الغابہ جلد ۴ ص ۴۴

۲ اصحابہ تذکرہ سمیہؓ عمارؓ

۳ ابن سعد قسم اول جزء ثالث ص ۱۷۷

۴ مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۳۸۸

۵ طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث ص ۱۷۸

شفقت کے ساتھ ان کی آنکھوں سے آنسو کے قطرے پونچھے، فرمایا ”کچھ مضائقہ نہیں اگرچہ پھر ایسا ہی کرو“ اس کے بعد ہی قرآن پاک میں یہ آیت نازل ہوئی۔

من كفر بالله من بعد ايمانه الا من اكره و قبله مطمئن بالايمان

(نحل ۱۰۶: ۱۶)

جو شخص ایمان لانے کے بعد خدا کا انکار کرے مگر وہ مجبور کیا گیا ہو اور اس کا دل

ایمان سے مطمئن ہے (اس سے کوئی مواخذہ نہیں)

ایک مرتبہ حضرت سعید بن جبیرؓ نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے پوچھا کہ ”کیا قریش مسلمانوں کو اس قدر اذیت پہنچاتے تھے کہ وہ اپنا مذہب چھوڑ دینے پر مجبور ہو جائیں؟ بولے ”خدا کی قسم ہاں! وہ ان کو مارتے تھے، بھوکا اور پیاسا رکھتے تھے، یہاں تک کہ ضعف اور کمزوری سے وہ اٹھنے بیٹھنے سے بھی مجبور ہو جاتے تھے، اسی حالت میں جو کچھ چاہتے تھے ضمیر کے خلاف ان سے اقرار کرا لیتے تھے، غرض حضرت عمارؓ بھی انہیں گرفتار ان مصائب میں تھے، جنہوں نے راہ خدا میں صبر و استقامت کے ساتھ ناگوں مصائب اور مظالم اور برداشت کیے، لیکن آئینہ دل سے توحید کا عکس زائل نہ ہوا، ضعیفی کے عالم میں جن لوگوں نے ان کی پیٹھ تنگی دیکھی تھی، وہ بیان کرتے ہیں کہ اس وقت تک کثرت کے ساتھ سیاہ لکیریں، تپتی ہوئی ریت اور دہکتے ہوئے انگاروں کے داغ ان کی پیٹھ میں موجود تھے۔“

ہجرت..... ان کے حبشہ کی ہجرت کے متعلق ارباب سیر میں اختلاف ہے، بعضوں کا خیال ہے کہ وہ دوسری، ہجرت میں شریک تھے، مدینہ کی ہجرت کا عام حکم ہوا تو حضرت عمارؓ نے بھی اس سرزمین امن کی راہ لی، اور حضرت مبشر بن عبدالمندھج کے مہمان ہوئے، آنحضرت ﷺ نے یہاں حضرت حذیفہ بن الیمان انصاری سے بھائی چارہ کرادیا، اور مستقل سکونت کیلئے ایک قطعہ زمین مرحمت فرمایا۔“

تعمیر مسجد..... مدینہ کی ہجرت کے چھ سات مہینوں کے بعد مسجد نبویؐ کی بنیاد ڈالی گئی، سرور کائناتؐ نے صحابہ کرامؓ کے جوش دلانے کے لئے خود کام میں حصہ لیا، حضرت عمارؓ اینٹ گارا لالا کر دیتے تھے اور زبان پر رجز جاری تھا۔

نحن المسلمون نبني المساجد

”ہم مسلمان ہیں، ہم مسجد بناتے ہیں“

حضرت ابوسعیدؓ فرماتے ہیں کہ لوگ ایک ایک اینٹ اٹھاتے تھے اور حضرت عمارؓ دو دو

۱۲ اسد الغابہ تذکرہ عمارؓ

۱۳ طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث ص ۱۷۹

۱۴ طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث ص ۱۷۸

۱۵ ابن سعد قسم اول جزء ثالث ص ۱۷۷

۱۶ طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث ص ۱۷۹

ایٹ اٹھاتے تھے، ایک دفعہ آنحضرت ﷺ کی طرف سے گزرے تو آپ نے نہایت شفقت سے سر سے غبار صاف کر کے فرمایا افسوس عمار تمہیں باغی گروہ قتل کرے گا، اتم اسے خدا کی طرف سے دعوت دو اور وہ تمہیں جہنم کی طرف بلائے گا۔

ایک دفعہ کسی نے ان کے سر پر اس قدر بوجھ لا دیا کہ لوگ چلا اٹھے ”آج عمار مرجائیں گے، آج عمار مرجائیں گے“ وہ اس سے پہلے بھی تکلیف مالا یطاق کی شکایت کر چکے تھے آنحضرت ﷺ نے سنا تو کچھ اینٹیں اتار کر پھینک دیں اور فرمایا ”افسوس! ابن سبیہ تمہیں گروہ باغی قتل کرے گا“۔

غزوات غزوہ بدر سے غزوہ تبوک تک جس قدر اہم معرکے پیش آئے، سب میں وہ جانبازی و شجاعت کے ساتھ امام خیر الانام ﷺ کے ہمراہ رہے، عہد صدیق کی اکثر خونریز جنگوں میں بھی داد شجاعت دی، حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ یمامہ کی جنگ میں ان کا ایک کان شہید ہو گیا، جو سامنے ہی زمین پر پھڑک رہا تھا، لیکن وہ بے پرواہی کے ساتھ حملے پر حملے کر رہے تھے، اور جس طرف رخ کرتے تھے صفیں کی صفیں تہ و بالا کر دیتے تھے، ایک دفعہ مسلمانوں کے پاؤں پیچھے پڑنے لگے، انہوں نے بلند چٹان پر کھڑے ہو کر لاکارا ”اے گروہ مسلمانان! کیا جنت سے بھاگ رہے ہو؟ میں عمارؓ ابن یاسرؓ ہوں، آؤ میرے پاس آؤ“ اس صدا نے سحر کا کام کیا، اور جنت کے شہدائی کا ایک سنبھل کر ٹوٹ پڑے۔

کوفہ کی حکومت خلیفہ دومؓ نے ۲۰ھ میں ان کو کوفہ کا والی بنایا، اور اہل کوفہ کے نام حسب ذیل فرمان جاری فرمایا۔

اما بعد فانی بعثت الیکم عمار بن یاسرؓ امیرا و ابن مسعود معلما
و وزیرا، قد جعلت ابن مسعود علی بیت مالکم و انهم النجباء من
اصحاب محمد من اهل بدر فاسمعوا لهما و اطيعوا و اقتدوا بهما و
قد اشرتکم با بن ام عبد علی نفسی و بعثت عثمان بن حنیف علی
السواد و رزقتهم کل يوم شاة فاجعل شطرها و بطنها لعمار و الشطر
البامی بین هو لاء الثلاثة

امابعد : میں عمار بن یاسرؓ کو امیر اور ابن مسعودؓ کو معلم اور وزیر مقرر کر کے بھیجتا ہوں، خزانہ کا اہتمام و انصرام بھی ابن مسعودؓ کے متعلق کیا ہے، یہ دونوں

حضرت محمدؐ کے ان شریف اصحاب میں سے ہیں جو غزوہ بدر میں شریک تھے، اس لئے ان دونوں کی فرمانبرداری اطاعت اور پیروی کرو، میں نے ام عبد کے بیٹے (عبداللہ بن سعود) کو اپنے سے الگ کر کے تمہارے پاس بھیج کر تم کو اپنے اوپر ترجیح دی ہے، عثمان بن حنیف کو عراق (کی پیدائش) پر مامور کر کے بھیجتا ہوں اور ان کے رسد کے لئے روزانہ ایک ایک بکری مقرر کرتا ہوں جس کا ایک حصہ اور شکم عمار کے لئے مخصوص رہے گا، اور باقی حصے ان تینوں میں منقسم ہوں گے۔

حضرت عمارؓ نے ایک سال ۹ ماہ تک نہایت خوش اسلوبی اور بیدار مغزی کے ساتھ فرائض منصبی انجام دیئے، لیکن اسی اثناء میں اہل بصرہ اور اہل کوفہ کی باہمی منافست اور حضرت عمارؓ کی غیر جانبداری نے کوفہ کے رئیسوں کو ان سے ناراض کر دیا، واقعہ کی تفصیلی کیفیت یہ ہے۔

بصرہ کی کثرت آبادی کے لحاظ سے اس صوبہ کا رقبہ نہایت مختصر تھا، اس بنا پر عمرو بن سراقہ نے بصرہ والوں کی طرف سے دربار خلافت میں درخواست کی کہ کوفہ کے وسیع علاقہ سے ماہ یا باسبند ان کا پرگنہ بصرہ میں شامل کر دیا جائے، کوفہ والوں کو خبر ہوئی تو وہ حضرت عمارؓ بن یاسروالی کو کوفہ سے خواستگار ہوئے، کہ وہ اس کی مخالفت کریں اور رامہرمز اور ایذج کے اضلاع پر بھی اپنا دعویٰ پیش کریں، کیونکہ ان دونوں کو اہل بصرہ کی اعانت و امداد کے بغیر ہم لوگوں نے فتح کیا تھا، لیکن حضرت عمارؓ نے سردمہری کے ساتھ اس کو ٹال دیا، اور فرمایا ”مجھے ان جھگڑوں کی کیا ضرورت ہے“ اس پر ایک کوئی رئیس عطار د نے غضبناک ہو کر کہا ”اے کن کٹے! پھر تو ہم سے خراج کس بنا پر طلب کرتا ہے؟“ حضرت عمارؓ صرف یہ کہہ کر خاموش رہے ”افسوس تم نے میرے سب سے زیادہ بہتر اور محبوب کان کو گالی دی۔“

غرض حضرت عمارؓ نے اس معاملہ میں بالکل غیر جانبداری اختیار کر لی، اور کوفہ والوں کے احتجاج کے باوجود رامہرمز، ایذج اور ماہ کا علاقہ بصرہ میں شامل کر دیا گیا، یہ نقصان ایسا نہ تھا جو والی کی طرف سے اہل کوفہ کے دلوں میں ناراضگی کی گرہ نہ ڈالتا، اس کے بعد ہی شکوہ شکایت اور سازش کا سلسلہ شروع ہوا، اور امیر المؤمنین کو باور کرایا گیا کہ وہ اس منصب کی اہلیت نہیں رکھتے، انجام کار دار الخلافہ بلا کر اس عہدہ سے معزول کئے گئے۔ حضرت عمرؓ نے معزولی کے بعد دوسرے روز بلا کر پوچھا کہ ”تم میرے اس طریق عمل سے کچھ ناراض تو نہ ہوئے؟“ بولے ”جب آپ پوچھتے ہیں تو حقیقت یہ ہے کہ میں نہ تو پہلے اپنی تقرری سے خوش ہوا تھا اور نہ اب اپنی معزولی سے ناراض ہوں۔“

۱ تاریخ طبری ص ۲۶۷ ۲ تاریخ طبری ص ۷۶۷

۳ بن سعد قسم اول جزء ثالث ص ۱۸۳

تحقیقات پر مامور ہونا..... خلیفہ ثالثؓ کے عہد حکومت میں تمام ملک شورش و فتنہ پردازی کا آماجگاہ ہوگا، ۳۵ھ میں خلیفہ وقت نے اس شورش کے اصلی اسباب کی تحقیق و تفتیش کے لئے ایک تحقیقاتی کمیشن مرتب کیا، حضرت عمارؓ بن یاسر بھی اس کے ایک رکن قرار پائے اور فتنہ پردازی کے اصلی مرکز صوبہ مصر کی طرف روانہ کئے گئے۔

خلیفہ ثالثؓ سے اختلاف..... تحقیقاتی کمیشن کے تمام ارکان نے بہت جلد اپنے متعلقہ مقامات سے واپس آکر قابل اطمینان رپورٹ پیش کر دی، لیکن حضرت عمارؓ کی واپسی میں غیر معمولی تاخیر ہو گئی، اور دار الخلافہ میں ان کی نسبت طرح طرح کے خیالات پیدا ہونے لگے، یہاں تک کہ عبداللہ بن ابی سرح والی مصر کے ایک خط نے توقف کی اصلی وجہ ظاہر کر دی، اس خط کے فقرے یہ ہیں

ان عمار اقد استماله قوم بمصر و قد انقطعوا اليه منهم عبداللہ

بن السوداء و خالد بن بلجم و سودان بن حمران و کنانة بن بشر

”عمار کو مصر کی ایک قوم نے اپنا طرفدار بنالیا ہے اور ان میں سے عبداللہ بن

السوداء اور خالد بن بلجم سودان بن حمران اور کنانہ بن بشر ان کی طرف جا ملے ہیں۔“

غرض وہ مصر سے واپس آئے تو انقلاب پسند جماعت کا اثر ان کے خیالات میں نمایاں تھا، اعام مجموعوں میں علانیہ حضرت عثمانؓ کے طرز حکومت اور اعمال کی بے اعتدالیوں پر نکتہ چینی کرتے تھے، یہاں تک کہ اسی حالت میں کبھی کبھی طرفداران خلافت سے جھڑپ بھی ہو گئی ایک دفعہ حضرت عثمانؓ کے غلاموں نے ان کو اس قدر مارا کہ تمام جسم ورم کر گیا، شکم میں خراش آ گئی اور پسلی کی ایک ہڈی کو سخت صدمہ پہنچا، بنی مخزوم نے جن سے جاہلیت میں حلف و موالات کا تعلق تھا یہ سن کر شانہ خلافت کو گھیر لیا اور دھمکی دی کہ اگر عمار بن یاسرؓ اس صدمہ سے جانبر نہ ہوں گے تو ہم ضرور انتقام لیں گے۔۲

اس قسم کے واقعات سے اختلاف کی خلیج روز بروز زیادہ وسیع ہوتی گئی، یہاں تک کہ جب مصری مفسدین مدینہ پہنچے اور حضرت عثمانؓ نے حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کی معرفت کہلا بھیجا کہ وہ اپنے اثر سے ان کو واپس کر دیں تو انہوں نے صاف انکار کر دیا، بعض روایات سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ محاصرہ کی کارروائی میں شریک تھے۔

سفارت کوفہ..... حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد خلافت کا بار گراں حضرت علیؓ کے سر ڈالا گیا، حضرت عمارؓ کو ان سے جو خاص انس و خلوص تھا اس کے لحاظ سے تمام مہمات امور میں وہ ان کے دست و بازو ثابت ہوئے، حضرت عائشہؓ، حضرت زبیرؓ، اور حضرت طلحہؓ وغیرہ نے جب

شہید خلیفہ کے قصاص کا مطالبہ کر کے جنگی تیاریوں کے لئے بصرہ کا رخ کیا تو خلیفہ چہارم کے حکم سے وہ حضرت امام حسنؑ کے ساتھ کوفہ کی طرف روانہ ہوئے کہ اہل کوفہ کو خلافت کے تحفظ و حمایت پر آمادہ کریں۔

حضرت عمارؓ کوفہ پہنچے تو حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ جامع مسجد میں ایک مجمع کے سامنے غیر جانب داری کا وعظ بیان فرما رہے تھے، حضرت امام حسنؑ نے ان سے فرمایا ”تم ابھی ہماری مسجد سے نکل جاؤ“ اور منبر پر کھڑے ہو کر ایک نہایت پر جوش تقریر کی، حضرت عمارؓ بھی ان کے ساتھ منبر پر چڑھ گئے اور تقریر کرتے ہوئے فرمایا ”صاحبو! بیشک میں جانتا ہوں کہ حضرت عائشہؓ دنیا اور آخرت میں حضرت سرور کائنات ﷺ کی حرم محترم ہیں، لیکن اس وقت خدا تمہاری آزمائش کر رہا ہے کہ تم اس کی فرمانبرداری کرتے ہو یا عائشہؓ کا ساتھ دیتے ہو، حجر بن عدی نے حضرت عمارؓ کی تائید کی، اور دوسرے روز صبح کے وقت تقریباً ساڑھے نو ہزار جانباز سپاہیوں کی ایک فوج گراں حضرت عمارؓ کے ساتھ ہو گئی۔ ۳

جنگِ جمل..... ماہ جمادی الاخریٰ ۳۶ھ میں دونوں طرف کی فوجیں مقام ذی قار میں مجتمع ہوئیں، حضرت زبیرؓ کو جب معلوم ہوا کہ حضرت عمارؓ بھی حضرت علیؓ کے ساتھ ہیں تو انہیں نظر آنے لگا کہ وہ غلطی پر ہیں کیونکہ رسول ﷺ نے فرمایا تھا کہ حق عمارؓ کے ساتھ ہے اور باغی گروہ ان کو قتل کرے گا، اس کے ساتھ ہی حضرت علیؓ نے ایک ایسی بات یاد دلائی کہ وہ اس وقت اس خانہ جنگی سے کنارہ کش ہو گئے۔

جمعرات کے روز جنگ شروع ہوئی، حضرت عمارؓ ہیسرہ پر متعین تھے، چونکہ انہیں یقین تھا کہ وہ حق کا ساتھ دے رہے ہیں، اس لئے غیر معمولی جوش سے لڑے، یہاں تک کہ حامیان خلافت کی فتح پر اس افسوس ناک جنگ کا خاتمہ ہوا۔ ۴

جنگ صفین..... جنگِ جمل کے بعد امیر معاویہؓ سے صفین کا معرکہ پیش آیا، حضرت عمارؓ اس جنگ میں بھی حضرت علیؓ کی طرف تھے، اس وقت ۹۱ برس کا ان کا سن تھا، لیکن حمایت حق کے جوش نے اکانوے (۹۱) برس کے بوڑھے کو شجاعت و جانبازی کا مجسم پتلا بنا دیا تھا، رعد کی طرح گرجتے ہوئے جس طرف گھس جاتے تھے، صفیں کی صفیں درہم برہم کر دیتے تھے، ایک دفعہ اثنائے جنگ میں حضرت امیر معاویہؓ کے علم بردار حضرت عمرو بن العاصؓ پر نظیر پڑی تو بولے ”میں اسی علمبردار سے تین دفعہ رسول اللہ ﷺ کی معیت میں لڑ چکا ہوں، اب یہ چوٹھی مرتبہ ہے، خدا کی قسم! اگر وہ ہم کو شکست دیتے ہوئے مقام ہجرت تک بھی پسپا کر دیں جب بھی میں یہی سمجھوں گا کہ ہم حق پر ہیں، اور

۱۔ اخبار الطوال ص ۱۴۶

۲۔ مسند احمد بن حنبل جلد ۴ ص ۲۶۵

۳۔ اخبار الطوال ص ۱۴۷ . ۴۔ اخبار الطوال ص ۳۹

وہ غلطی پڑے

شہادت ایک روز شام کے وقت جب آفتاب غروب ہو رہا تھا، اور جنگ پورے زور کے ساتھ جاری تھی، حضرت عمارؓ دودھ کے چند گھونٹ حلق سے فرو کر کے بولے ”رسول خدا ﷺ نے مجھ سے فرمایا ہے کہ دودھ کا یہ گھونٹ تیرے لئے دنیا کا آخری توشہ ہے“، اور کہتے ہوئے غنیم کی صف میں گھس گئے کہ ”آج میں اپنے دوستوں سے ملوں گا، آج میں محمد ﷺ اور ان کے گروہ سے ملوں گا“۔^۱ کچھ ایسے عزم و استقلال سے حملہ آور ہوئے تھے کہ جس طرف نکل گئے پرے کا پر صاف ہو گیا، اور جس پر وار کیا ڈھیر ہو کر رہ گیا، واقف کار مسلمان ان پر ہاتھ اٹھانے سے پہلو بچاتے تھے، اور لیکن اس حالت میں ابن الغاویہ کے نیزہ نے ان کو مجروح کر کے زمین پر گرادیا، اور دوسرے شامی نے بڑھ کر سرتن سے جدا کر دیا، یہ دونوں قاتل جھگڑتے ہوئے امیر معاویہؓ کے دربار میں پہنچے، کیونکہ ان میں ہر ایک اس کا رنامہ کو اپنی طرف منسوب کرتا ہے، حضرت عمرو بن العاصؓ حاضر دربار تھے، انہوں نے کہا ”تمہاری یہ کیا حالت ہے؟ جو لوگ ہمارے لئے اپنی جانیں قربان کر رہے ہیں، ان کو ایسا کہتے ہو“ بولے خدا کی قسم! ایسا ہی ہے، کاش آج سے بیس برس پہلے مجھے موت آگئی ہوتی“۔^۲

حضرت عمرو بن العاصؓ کو حضرت عمارؓ بن یاسرؓ کی شہادت سے سخت پریشانی لاحق ہوئی اور اس جنگ سے کنارہ کش ہونے کے لئے تیار ہو گئے، لیکن حضرت امیر معاویہؓ نے یہ کہہ کر تسلی دی کہ عمارؓ کے قاتل ہم نہیں ہیں بلکہ وہ جماعت ہے، جو ان کو میدان جنگ میں لائی۔^۳

حضرت عمارؓ کی شہادت سے درحقیقت حق و ناحق کا فیصلہ ہو گیا، حضرت خزیمہ بن ثابتؓ جنگ جمل اور معرکہ صفین میں شریک تھے، لیکن اس وقت تک کسی طرف سے اپنی تلوار بے نیام نہیں کی تھی، حضرت عمارؓ کی شہادت نے ثابت کر دیا کہ انہیں حیدر کرار کا ساتھ دینا چاہیے چنانچہ اس کے بعد تلوار کھینچ کر شامی فوج پر ٹوٹ پڑے اور شاید کشت و خون کے بعد شہادت حاصل کی، اسی طرح تمام دوسرے محتاط صحابہ بھی جو پس و پیش کر رہے تھے، اس صریح فیصلہ کے بعد حضرت علیؓ کے طرفدار ہو گئے۔

تجہیز و تکفین حضرت علیؓ نے جب اپنے مونس و جانثار کی شہادت کی خبر سنی تو آہ سرد کھینچ کر فرمایا ”خدا نے عمارؓ پر رحم کیا، جس دن اسلام لائے، خدا نے رحم کیا، جس دن شہید ہوئے، اور

۱ طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث ص ۱۸۵

۲ طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث ص ۱۸۴

۳ طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث ص ۱۸۵

۴ طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث ص ۱۸۰، اور مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۳۸۷

۵ طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث ص ۱۸۷

خدا ان پر رحم کرے گا، جس دن زندہ اٹھائے جائیں گے، میں نے ان کو اس وقت رسول اللہ ﷺ کے ساتھ دیکھا تھا جب کہ صرف چار یا پانچ صحابہؓ کو اعلان ایمان کی توفیق عطا ہوئی تھی، قدیم صحابہؓ میں سے کوئی بھی ان کی مغفرت میں شک نہیں کر سکتا، عمارؓ اور حق و لازم و ملزوم تھے، اس لئے ان کا قاتل یقیناً جہنمی ہوگا، اس کے بعد تجہیز و تکفین کا حکم دیا، خود جنازہ کی نماز پڑھائی اور خون آلود پیراہن کے ساتھ ۹۱ برس کی عمر میں اس حامی حق کو ریز میں نہا کر دیا۔ انا للہ و انا الیہ راجعون، کوفہ کی زمین کو صحابی رسولؐ کو اپنے دامن میں لینے کا یہ پہلا موقع تھا۔ ۲

اخلاق..... حضرت عمارؓ معدن اخلاق گراں مایہ جواہر سے لبریز تھا، جفاکشی، ہمتقامت، استقلال اور حقانیت کے واقعات پہلے گزر چکے ہیں، ورع و تقویٰ کے باعث سکوت و سخی ان کا خاص شعار تھا، فتنہ و فساد سے ہمیشہ پناہ مانگا کرتے تھے، لیکن خدا نے سب سے بڑے فتنہ میں ان کا امتحان لیا اور کامیابی کے ساتھ حق کا طرف دار بنا دیا۔ ۳

سادگی، تواضع اور خاکساری کا یہ حال تھا کہ فرش خاک ان کے لئے سب سے زیادہ راحت بخش بستر تھا غزوہ ذات العشیرہ کے موقع پر بنی مدجن کے چند آدمی ایک نخلستان سے نہر نکال رہے تھے، حضرت علیؓ نے ان سے فرمایا ”ابو الیقظان چلو دیکھیں یہ لوگ کیا کر رہے ہیں“ غرض وہاں پہنچ کر گھنٹوں تماشا دیکھتے رہے، یہاں تک کہ نیند کا غلبہ ہوا، اور دونوں اسی جگہ ایک درخت کے نیچے فرش خاک پر بے تکلفی کے ساتھ سو رہے۔ ۴

عہد فاروقی میں کوفہ کے والی تھے، لیکن ایک گورنر کی سادگی و بے تکلفی یہ تھی کہ خود بازار جا کر سودا سلف خریدتے، اور اپنی پیٹھ پر لا کر لے آتے تھے، اسی طرح اپنا تمام کام خود اپنے ہاتھ سے کر لیتے تھے، حضرت مطرفؓ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ کوفہ میں اپنے ایک دوست سے ملنے گیا، اثنائے گفتگو میں حضرت علیؓ کی بعض بے اعتدالیوں کا تذکرہ آیا تو ایک شخص نے جو وہاں بیٹھا ہوا، اپنے چرمی پیراہن میں پیوند ٹانگ رہا تھا، برہم ہو کر کہا ”اے فاسق کیا! تو امیر المومنین کی مذمت کر رہا ہے؟“ میرے دوست نے غصہ خواہی کر کے کہا ”ابو الیقظان! جانے دو یہ میرے مہمان ہیں“ اس وقت میں نے پہنچانا کہ عمارؓ بن یاسرؓ بھی ہیں، ۵

حضرت عمارؓ کا ہر ایک قدم صرف خدا پاک کی خوشنودی و رضا مندی کی راہ میں اٹھتا تھا، جنگ جمل اور غزوہ صفین میں بھی درحقیقت اسی مطمح نظر نے حضرت علیؓ کے زیر علم لا کر کھڑا کیا،

۱۔ طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث ص ۱۸۷،

۲۔ مستدرک جلد ۳ ص ۳۸۲

۳۔ طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث ص ۱۸۳

۴۔ مسند احمد بن حنبل جلد ۴ ص ۲۶۳

۵۔ طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث ص ۱۸۲

صفین کی فوج کشی میں ساحل فرات کی راہ سے میدان جنگ کی طرف بڑھ رہے تھے، اور بار بار کہتے جاتے تھے، ”اے خدا! اگر میں جانتا کہ پہاڑ سے کود کر آگ میں جل کر یا پانی میں ڈوب کر جان دینا تیری خوشنودی کا باعث ہوگا تو ضرور تجھے خوش کرتا، میں لڑنے جاتا ہوں، لیکن اس میں بھی تیری رضا جوئی مقصود ہے، امید ہے کہ اس مقصد میں تو مجھے ناکام نہ رکھے گا“ آپ کی اخلاقی عظمت اور قوت ایمانی کا ضامن خود آنحضرت ﷺ کا یہ قول کہ ”عمارؓ کے رگ و پے میں ایمان سراپت کیے ہوئے ہے،“ اور شیطان سے مامون رہنے کی دعا ہے،

مذہبی زندگی..... حضرت عمارؓ کو خدائے واحد کی عبادت و پرستش میں خاص لطف حاصل ہوتا تھا رات رات بھر نماز اور وظائف میں مشغول رہتے تھے، حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ یہ آیت

أَمْسَ هُوَ فَإِنَّ أُنَاءَ اللَّيْلِ سَاجِدًا وَقَدْ إِنَّمَا يَنْحَدِرُ الْآخِرَةُ وَيَرْجُوا رَحْمَةَ رَبِّهِ . (زمر: ۱)

”کیا وہ شخص جو رات و بندگی کرتا ہے سجدہ کر کے اور کھڑا ہو کر آخرت سے خوف کھاتا ہے اور اپنے خدا کی رحمت کا امیدوار رہتا ہے (کہیں نافرمان بندوں کے برابر ہو سکتا ہے)۔“

حضرت عمارؓ کی نسبت نازل ہوئی ہے، سچ خشوع و خضوع اور توجہ الی اللہ کو نماز کی اصل روح سمجھتے تھے، ایک دفعہ نماز پڑھنے کھڑے ہوئے تو جلدی جلدی دو گانہ ادا کر کے بیٹھ رہے، لوگوں نے پوچھا کہ آپ نے اس قدر عجلت کیوں کی؟ بولے اس وقت مجھے شیطان سے مسابقت کرنا پڑی، ”معدوری کی حالت میں بھی نماز قضا نہیں ہوتی تھی، ایک مرتبہ سفر کے موقع پر غسل کی حاجت پیش آئی اور باوجود سعی و کوشش کے پانی دستیاب نہ ہوا، چونکہ جانتے تھے کہ مٹی پانی کا نعم البدل ہے، اس لئے تمام جسم پر خاک میں مل کر نماز پڑھ لی، جب سفر سے واپس آئے اور آنحضرت ﷺ سے اس کا تذکرہ کیا تو ارشاد ہوا ”ایسی حالت میں بھی صرف تیمم کافی ہے“۔

جمعہ کے روز خطبہ سے پہلے منبر پر بیٹھ کر عموماً سورہ یسین تلاوت فرماتے تھے خطبہ نہایت فصیح و بلیغ ہوتا تھا اور اس میں ایجاز و اختصار خاص طور پر ملحوظ رکھتے تھے، ایک دفعہ کسی نے اس اختصار پر اعتراض کیا تو بولے کہ ”رسول ﷺ فرمایا کرتے تھے کہ نماز کو طول دینا اور خطبہ مختصر کرنا انسان کی سمجھ کی علامت ہے۔“

۱۔ طبقات ابن سعد قسم اول جزو ثالث ص ۱۸۴

۲۔ مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۳۹۳

۳۔ مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۳۹۳

۴۔ مسند احمد بن حنبل جلد ۴ ص ۲۶۳

۵۔ مسند احمد بن حنبل جلد ۴ ص ۲۶۳

۶۔ طبقات ابن سعد قسم اول جزو ثالث ص ۱۸۲

حلیہ حلیہ یہ تھا، قد بلند و بالا، نر کسی آنکھیں، سینہ چوڑا اور بدن خوب بھرا ہوا، شہادت کے وقت گوان کی عمر تو ۷۰، اکا نوے برس کی تھی تاہم بظاہر پیری کے آثار بہت کم طاری ہوئے تھے۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ

نام و نسب عبداللہ نام، ابو محمد اور ابو عبد الرحمان کنیت، والد کا نام، عمرو بن العاصؓ اور والدہ کا نام ریطہ بنت مہبہ تھا، شجرہ نسب یہ ہے۔

عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ بن وائل بن ہاشم بن معبد بن سہم بن عمرو بن ہصیص بن کعب بن لوی القرشی

اسلام حضرت عبداللہؓ اپنے والد حضرت عمرو ابن العاصؓ سے پہلے مشرف بہ اسلام ہوئے تھے۔

مصاحبت رسول وہ دربار نبوتؐ میں اکثر حاضر رہتے تھے، اور آنحضرت ﷺ کی زبان فیض ترجمان سے جو کچھ سنتے تھے اس کو لکھ لیتے تھے، ایک مرتبہ قریش کے چند بزرگوں نے ان کو اس سے منع کیا اور کہا کہ ”رسول اللہ ﷺ حالت غیظ و انبساط میں خدا جانے کیا کچھ فرماتے ہیں، آپ سب کو قلمبند نہ کیا کیجئے“۔

رسول اللہ ﷺ کی مصاحبت سے جو وقت بچتا تھا وہ تمام تر یاد حق میں صرف ہوتا تھا، دن عموماً روزوں میں بسر ہوتا، اور رات عبادت میں گزر جاتی تھی، رفتہ رفتہ یہ مشغلہ اس قدر بڑھا کہ اہل و عیال اور تمام دنیاوی تعلقات سے کنارہ کش ہو گئے، حضرت عمرو بن العاصؓ نے دربار نبوتؐ میں ان کی اس راہبانہ زندگی کی شکایت کی تو آپؐ نے ان کو بلا کر اپنے والد کی اطاعت کی تاکید کی اور فرمایا ”عبداللہ! روزے رکھو اور افطار کرو، نمازیں پڑھو اور آرام کرو، نیز بیوی بچوں کا حق ادا کرو، یہی میرا طریقہ ہے اور جو میرے طریقے سے اعراض کرے گا وہ میری امت سے نہیں ہے“۔

غزوات عہد نبوت کے بعض عزوات میں شریک تھے، جہاد و فوج کشی کے موقع پر عموماً سواری و بار برداری کا اہتمام ان کے سپرد ہوتا تھا، ایک مرتبہ عمرو بن حریش نے ان سے پوچھا ”ابو محمد! ہم لوگ ایسی جگہ رہتے ہیں جہاں درہم و دینار کا چلن نہیں، مویشی اور جانور ہمارے مال و اسباب ہیں، ہم آپس میں بکریوں کے عوض اونٹ گائے کے بدلے گھوڑے اور گھوڑوں کے عوض اونٹ ادھار خرید و فروخت کرتے ہیں، اس میں کوئی مضائقہ تو نہیں؟“ فرمایا

۱۔ اسد الغابہ جلد ۳ ص ۲۳۳

۲۔ مسند احمد جلد ۴ ص ۱۹۲

۳۔ مسند احمد بن حنبل جلد ۴ ص ۱۵۸

تم ایک واقف کار شخص کے پاس آئے ہو، ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ نے مجھ کو شتر سواروں کی ایک فوج مرتب کرنے کا حکم دیا، چنانچہ میرے اہتمام میں جس قدر اونٹ تھے ایک ایک کر کے سب پر لوگوں کو میں نے سوار کرایا، تاہم کچھ لوگ ایسے رہ گئے جن کے پاس کوئی سواری نہ تھی، میں نے بارگاہ نبوت میں عرض کی ”یا رسول! تمام سواریاں تقسیم ہو گئیں، لیکن پھر بھی ایک جماعت ایسی رہ گئی جس کو کوئی سواری نہ مل سکی“ ارشاد ہوا کہ ”ایک اونٹ کے عوض صدقہ کے دو دو تین تین اونٹوں کا وعدہ کر کے کچھ اونٹ خرید لو“ چنانچہ اس طرح میں نے حسب ضرورت اونٹ فراہم کر لئے۔

جنگ یرموک..... یرموک کی عظیم الشان جنگ میں ایک نہایت جانبازی کے ساتھ سرگرم پیکار تھے، حضرت عمرو بن العاصؓ نے اس جنگ میں اپنا علم قیادت ان کے ہاتھوں میں دے دیا تھا۔ واقعہ صفین..... حضرت عمرو بن العاصؓ حضرت امیر معاویہؓ کی طرفدار تھے، اس لئے جب واقعہ صفین پیش آیا، تو انہوں نے حضرت عبداللہؓ کو امیر معاویہؓ کی فوج میں شریک ہونے پر مجبور کیا لیکن، درحقیقت وہ اس خانہ جنگی سے سخت متنفر تھے، یہی وجہ ہے کہ انہوں نے جنگ میں عملاً کوئی حصہ نہیں لیا اور بار بار اپنے والد کو اس سے کنارہ کش ہونے کا مشورہ دیا۔

حضرت عمارؓ بن یاسر حضرت علیؓ کی طرف سرگرم پیکار تھے، وہ شہید ہوئے تو حضرت عبداللہؓ کو رسول اللہ ﷺ کی پیشین گوئی یاد آگئی اور اپنے والد سے مخاطب ہو کر کہا ”کیا آپ نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ افسوس! ابن سمیہ کو گروہ باغی قتل کرے گا؟“ حضرت عمر بن العاصؓ نے امیر معاویہؓ کو طرف دیکھ کر کہا ”آپ نہیں جانتے عبداللہ کیا کہہ رہے ہیں؟ امیر معاویہؓ نے تاویل کرتے ہوئے کہا ”یہ ہمیشہ ایک نیا طرفہ لے کر آتے ہیں کیا عمارؓ کو، ہم نے قتل کیا ہے؟ درحقیقت ان کے قتل کی ذمہ داری اس پر ہے جو ان کو اپنے ساتھ لایا۔“

حضرت عمار بن یاسرؓ پر دو آدمیوں نے ایک ساتھ حملہ کیا تھا، وہ دونوں جھگڑتے ہوئے امیر معاویہؓ کے دربار میں آئے کیونکہ ان میں سے ہر ایک اس کا رنامہ کوتاہ اپنی طرف منسوب کرتا تھا، حضرت عبداللہ بن عمروؓ حاضر دربار تھے، انہوں نے کہا ”تم میں سے کسی کو بخوشی اپنے کا دعویٰ تسلیم کر لینا چاہیے، کیونکہ میں نے رسالت پناہ ﷺ سے سنا ہے کہ عمارؓ کو گروہ باغی قتل کرے گا“ امیر معاویہؓ نے براہم ہو کر ان کے والد سے کہا! عمرو! تم اپنے اس مجنون کو مجھ سے الگ نہیں کرو گے؟ اور خود ان سے کہا ”اگر ایسا ہے تو تم کیوں میرے ساتھ ہو؟“ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے جواب دیا ”میں صرف اس لئے آپ کے ساتھ ہوں کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے ہدایت فرمائی کہ جب تک زندہ رہنا اپنے باپ کے مطیع فرمان بردار رہنا۔“

گو اس خانہ جنگی میں حضرت عبداللہ کا دامن قتل و خونریزی سے ملوث نہیں ہوا تھا تاہم وہ اس نام نہاد شرکت پر بھی سخت نادم و پشیمان ہوتے، نہایت حسرت و افسوس کے ساتھ فرمایا کرتے تھے ”میں اور صفین میں اور مسلمانوں کی خونریزی، کاش! اس سے بیس سال پہلے میں دنیا سے اٹھ گیا ہوتا۔“۱

اعتماد..... حضرت رجاء فرماتے ہیں کہ مسجد نبویؐ میں ایک مرتبہ ایک جماعت کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا عبداللہ بن عمروؓ اور ابوسعید خدریؓ بھی موجود تھے، عبداللہ بن عمروؓ نے (حضرت امام حسین بن علیؑ) کو آتے ہوئے دیکھا کر کہا ”کیا تمہیں اس شخص سے آگاہ نہ کروں جو آسمان والوں کے نزدیک دنیا میں سب سے زیادہ محبوب ہے؟“ لوگوں نے کہا ”کیوں نہیں؟ فرمایا ”وہ یہ ہے جو تمہارے سامنے ٹہل رہا ہے، واقعہ صفین کے بعد سے مجھ سے کوئی گفتگو نہیں ہوئی، حالانکہ اس کی خوشنودی میرے نزدیک تمام دنیا سے محبوب ہے، حضرت ابوسعید خدریؓ نے کہا ”کیا آپ ان سے مل کر عذر خواہی نہ کریں گے؟“ بولے کیوں نہیں؟ دوسرے روز ابوسعید خدریؓ کو ساتھ لے کر عذر خواہی کے لئے تشریف لے گئے، حضرت امام حسینؑ کو ان ملنے میں پس و پیش تھا، لیکن عبداللہ بن عمروؓ نے اصرار کے بعد اندرانے کی اجازت حاصل کر لی اور واقعہ صفین میں اپنی شرکت کی عذر خواہی کرتے ہوئے کہا ”رسول اللہ ﷺ کی ہدایت کے مطابق میں اپنے والد کی اطاعت پر مجبور تھا، لیکن خدا کی قسم! میں نے اس جنگ میں نہ تو اپنی تلوار برہنہ کی، نہ نیزہ سے کسی کو زخمی کیا اور نہ کوئی تیر چلایا۔“۲

وفات..... ۶۵ھ میں حضرت عبداللہ بن عمروؓ نے فسطاط میں وفات پائی، لوگوں نے ان کو گھر ہی میں دفن کر دیا، کیونکہ اس زمانہ میں مروان بن الحکم اور حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کی فوجوں میں نہایت شدید جنگ ہو رہی تھی، اور جنازہ کا عام قبرستان تک پہنچانا سخت دشوار تھا، ۳ حلیہ..... یہ تھا قد بلند بالا، پیٹ بھاری، رنگ سرخ، اخیر عمر میں سر اور داڑھی کے بال سفید ہو گئے تھے۔

علم و فضل..... حضرت عبداللہ بن عمروؓ اپنے علم و فضل کے لحاظ سے طبقہ صحابہ میں خاص امتیاز رکھتے تھے، انہوں نے اپنی مادری زبان کے علاوہ عبرانی میں بھی مخصوص دستگاہ حاصل کی تھی، اور توریت و انجیل کا نہایت غور سے مطالعہ کیا تھا، احادیث نبویؐ کا جس قدر کثیر ذخیران کے پاس تھا، اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ حضرت ابو ہریرہؓ تک کو اعتراف تھا کہ ”عبداللہ بن عمروؓ کو مجھ سے زیادہ حدیثیں یاد تھیں، کیونکہ وہ رسول اللہ ﷺ سے جو کچھ سنتے تھے لکھ لیتے تھے، اور میں لکھتا نہ تھا۔“۴

مجموعہ حدیث کے پہلے مدون..... انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے ارشادات و ملحوظات کا ایک مجموعہ جمع کیا تھا جس کا نام صادقہ رکھا تھا چنانچہ جب ان سے کوئی ایسا مسئلہ پوچھا جاتا جس کے متعلق انہیں زبانی کچھ یاد نہ ہوتا تو وہ اس میں دیکھ کر جواب دیتے تھے، ابو قبیل فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں نے پوچھا کہ ”قسطنطنیہ پہلے فتح کیا جائے گا یا رومیہ؟“ ان کو زبانی یاد نہ تھا، انہوں نے صندوق منگا کر ایک کتاب نکالی اور اس کو ایک نظر دیکھ کر فرمایا کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے پاس بیٹھے لکھ رہے تھے، کہ کسی نے یہی سوال کیا، ارشاد ہوا کہ ہر قل کا شہر (یعنی قسطنطنیہ) پہلے فتح کیا جائے گا۔“

حضرت عبداللہ اس مجموعہ کو نہایت عزیز رکھتے تھے، حضرت مجاہد بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ ان کی خدمت میں حاضر ہوا اور بستر کے نیچے سے ایک کتاب نکال کر دیکھنے لگا، انہوں نے منع کیا، میں نے کہا ”آپ تو مجھ کو کسی چیز سے منع نہ فرماتے تھے، یہ کیا ہے؟“ فرمایا ”یہ وہ صحیفہ حق ہے جس کو میں نے تمہارے رسول ﷺ سے سن کر جمع کیا تھا“ پھر فرمایا اگر یہ صحیفہ اور قرآن اور وعظ کی جاگیر مجھ کو دے دی جائے تو پھر مجھ کو دنیا کی کچھ پروا نہ ہو۔“

مرویات کی تعداد..... حضرت عبداللہ بن عمروؓ کی مرویات کی تعداد سات سو (۷۰۰) ہے جس میں ۷۰ بخاری اور مسلم دونوں میں ہیں، ان متفق علیہ حدیثوں کے علاوہ ۸ بخاری میں ہیں اور ۲۰ مسلم میں۔

حلقہ درس..... حضرت عبداللہ بن عمروؓ کا حلقہ درس نہایت وسیع تھا، لوگ دور دراز ممالک سے سفر کر کے تحصیل حدیث کے لئے ان کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے، اور جہاں پہنچ جاتے تھے، شائقین علم کا ایک مجمع ان کے گرد و پیش ہو جاتا تھا، ایک نخعی شیخ کا بیان ہے کہ ”ایک مرتبہ ایلیاء کی مسجد میں جماعت کے ساتھ نماز پڑھ رہا تھا کہ ایک شخص میرے پہلو میں آکر کھڑا ہوا، نماز کے بعد لوگ ہر طرف سے اس کے پاس سمٹ آئے، دریافت سے معلوم ہوا کہ عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ یہی ہیں۔“

وہ اپنے تلامذہ کے ساتھ نہایت محبت کے ساتھ پیش آتے تھے، ایک دفعہ ان کے گرد بہت بڑا مجمع تھا، ایک شخص اس کو چیرتا ہوا آگے بڑھا، لوگوں نے روکا تو فرمایا ”اس کو آنے دو“ غرض وہ ان کے پاس آکر بیٹھا اور بولا رسول اللہ ﷺ کا کوئی فرمان یاد ہو تو بیان کیجئے، فرمایا ”میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ ”مسلم وہ ہے کہ مسلمان اس کی زبان اور اس کے ہاتھ سے محفوظ رہیں، اور مہاجر وہ ہے جو خدا کی منع کی ہوئی باتوں کو چھوڑ دے۔“

۱۔ مسند احمد بن حنبل ۲ ص ۱۷۶ اسد الغابہ جلد ۳ ص ۲۳۳

۲۔ مسند احمد بن حنبل جلد ۲ ص ۱۹۸

۳۔ تہذیب ص ۲۰۸

۵۔ اہل ص ۱۹۲

حضرت عبداللہ بن عمروؓ کے خرمن علم سے اہل بصرہ نے زیادہ خوشہ چینی کی تھی کیونکہ ان کے حلقہٴ درس میں نسبتاً بصرہ والوں کا زیادہ ہجوم رہتا تھا۔

ارباب علم کی قدر شناسی..... وہ اپنے علم معاصرین کی نہایت عزت کرتے تھے، ایک مرتبہ ان کے سامنے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا تذکرہ کیا گیا تو بولے ”تم لوگوں نے ایک ایسے شخص کا تذکرہ کیا جس کو میں اس دن سے بہت دوست رکھتا ہوں جس دن رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ قرآن چار آدمیوں سے حاصل کرو اور سب سے پہلے عبداللہ بن مسعودؓ کا نام لیا۔“

اخلاق..... حضرت عبداللہ بن عمروؓ اپنے زہد و تقویٰ اور کثرت عبادت کے لحاظ سے خاص شہرت رکھتے تھے، طبیعت فطرۃً رہبانیت کی طرف مائل تھی، دن عموماً روزوں میں بسر ہوتا اور رات عبادت میں گزر جاتی تھی، آنحضرت ﷺ کو اطلاع ہوئی تو آپ نے بلا کر فرمایا ”عبداللہ! مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم نے عہد کیا ہے کہ تمام عمر دن کو روزے رکھو گے اور رات عبادت میں صرف کرو گے“ بولے ”ہاں! یا رسول اللہ! (بسی انت و امی)“ فرمایا کہ ”تم اس کی طاقت نہیں رکھتے، روزہ رکھو اور افطار کرو، نماز پڑھو اور آرام کرو، مہینہ میں صرف تین روزے رکھا کرو کیونکہ ہر نیکی کا معاوضہ دس گنا ہوتا ہے، لیکن اس کا ثواب تمام عمر روزہ رکھنے سے برابر ہے“ عرض کی ”یا رسول اللہ! میں اس سے زیادہ طاقت رکھتا ہوں“ ارشاد ہوا کہ ”ایک دن روزہ رکھو اور دو دن افطار کرو“ بولے ”میں اس سے بھی زیادہ رکھ سکتا ہوں“ حکم ہوا کہ ”ایک دن روزہ اور ایک دن افطار، داؤد علیہ السلام کا یہی طریقہ تھا اور یہ روزوں کی بہترین صورت ہے“ عرض کی ”میں اس سے بہتر روزے رکھ سکتا ہوں“ ارشاد ہوا کہ ”اس سے بہتر کوئی روزہ نہیں“۔

اسلام کا صحیح نظر رہبانیت نہیں، بلکہ انسان کے تمام فطری تعلقات کو خوشگوار بنانا ہے، اس بنا پر آنحضرت ﷺ بھی کبھی کبھی عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ کے پاس تشریف لے جاتے اور ان کو تاکید فرماتے کہ شوق عبادت میں حقوق عباد کو بھول نہ جائیں، فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے میرے گھر پر تشریف لا کر فرمایا کہ ”روزے رکھو اور افطار کرو، نماز پڑھو اور آرام کرو، کیونکہ تمہاری آنکھوں کا تمہارے اہل و عیال کا اور تمہارے دوستوں کا تم پر حق ہے“ میں نے عرض کی ”حضرت داؤد علیہ السلام کا روزہ کیا ہے؟“ ارشاد ہوا کہ ”نصف عمر“۔

غرض انہوں نے تمام عمر روزوں میں حضرت داؤد علیہ السلام کی پیروی کی اور رات کا اکثر حصہ عبادت میں بسر کیا، تلاوت کا اس قدر شوق تھا کہ ہر تیسرے روز قرآن ختم کر لیتے تھے، لیکن

۱۔ تذکرۃ الحفاظ ص ۳۶،

۲۔ مسلم باب مناقب عبداللہ بن مسعودؓ

۳۔ بخاری باب صوم الدھر،

۴۔ ایضاً باب حق الجسم فی الصوم

اخیر عمر میں جب کہ قوی مضحل ہو گئے تو اس قدر سخت ریاضت دشوار گزرنے لگی، فرمایا کرتے تھے، کاش! میں رسول اللہ ﷺ کی اجازت قبول کر لیتا!۔

ذریعہ معاش..... حضرت عبداللہ بن عمروؓ کو اپنے والد سے وراثت میں بہت بڑی دولت اور بہت خدم و حشم ملے تھے، طائف میں وہبظ کے نام سے ان کی ایک جاگیر تھی، جس کی قیمت کا سرسری تخمینہ دس لاکھ درہم تھا، ۲ حضرت عبداللہ بن عمروؓ کی طرف سے یہاں زراعت ہوتی تھی ۳ ایک مرتبہ عتبہ بن ابی سفیان سے اس کے متعلق کچھ جھگڑا پیدا ہو گیا تھا، یہاں تک کہ دونوں طرف سے کشت و خون کی تیاریاں ہو گئی تھیں، خالد بن العاصؓ حضرت عبداللہؓ کو سمجھانے کے لئے آئے تھے تو انہوں نے جواب دیا، ”کیا تمہیں معلوم نہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ جو اپنے مال کی حفاظت میں قتل کیا جائے گا وہ شہید ہے“ ۴

بخاری باب حق الجسم فی الصوم

۲ تذکرۃ الحفاظ ص ۳۶

۳ اسد الغابہ جلد ۳ ص ۲۳۲

۴ مسند احمد جلد ۱ ص ۲۰۶

حضرت صہیب بن سنانؓ

نام و نسب..... صہیب نام، ابو یحییٰ کنیت، والد کا نام سنان اور والدہ کا نام سلمیٰ بنت قعیدہ تھا، پورا سلسلہ نسب یہ ہے۔

صہیب بن سنان بن مالک بن عمرو بن عقیل بن عامر جندلہ بن جذیمہ بن کعب بن سعد بن ابی اسلم بن اوس مناة بن النمری بن قاسط، نسب بن افسی بن دغی بن جدیلہ بن اسد بن ربیعہ بن نزار الربیعی النمری۔

ابتدائی حالات..... حضرت صہیبؓ کا اصلی وطن ایک قریہ تھا، جو باختلاف روایت موصل کے قریب، لب و جلہ یا الجزیرہ میں واقع تھا، ان کے والد اور چچا کسری کی طرف سے ابلہ کے عامل تھے، انہوں نے ابھی دنیا کی صرف چند بہاریں دیکھی تھیں، کہ رومی فوجوں نے ابلہ پر چڑھائی کی، اور دوسرے مال و اسباب کے ساتھ اس نو نہال کو بھی ساتھ لے گئے، سنان کے چمن زار پر اس گل سرسید کے فقدان سے خزاں آگئی، ان کی بہن امیمہ اور چچا البید نے ان کی تلاش و جستجو میں دنیا کی خاک چھان ڈالی، تمام، مجامع، میلوں اور موسیقی بازاروں کا جائزہ لیا لیکن اس یوسف گم گشتہ کا کہیں سراغ نہ لگا۔

وہ رومیوں ہی میں پرورش پا کر جوان ہوئے، بنی کلب نے ان کو خرید کر مکہ پہنچایا اور اس عبد اللہ بن ابجد عان نے لے کر آزاد کر دیا۔^۳ لیکن ایک دوسری روایت ہے کہ وہ خود بھاگ کر آئے تھے، اور عبد اللہ سے صرف حلیفانہ تھا، غرض وہ مکہ میں اس کی زندگی تک اس کے ساتھ رہے۔

اسلام..... مکہ میں اسلام کا غلغلہ بلند ہوا تو تفتیش و تحقیق کے خیال سے آستانہ نبوتؐ پر حاضر ہوئے، اتفاق سے حضرت عمارؓ بھی اسی خیال سے آرہے تھے، انہوں نے ان کو دیکھ کر پوچھا ”تم کس ارادہ سے آئے ہو؟“ بولے ”پہلے تم اپنا مقصد ظاہر کرو، انہوں نے کہا ”میں محمدؐ سے مل کر ان کی گفتگو سنانا چاہتا ہوں“ بولے میرا بھی یہی مقصد ہے۔ غرض دونوں ایک ساتھ حاضر خدمت ہو کر مشرف باسلام ہوئے،^۵ حضرت صہیبؓ پہلے رومی تھے جنہوں نے صدائے توحید کو لبیک کہا،

۱۔ اسد الغابہ جلد ۳ ص ۳۰، ۲۔ اصحابہ جلد ۳ ص تذکرہ صہیب بن سنان،

۳۔ مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۳۹۷

۴۔ طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث ص ۱۶۱

۵۔ اسد الغابہ جلد ۳ ص تذکرہ عمار بن یاسر

رسول اللہ ﷺ فرمایا کرتے تھے کہ صہیبؓ روم کا پہلا پھل ہے، آپ اس وقت ارقم بن ابی ارقم کے مکان میں پناہ گزین تھے، اور میں سے زیادہ صحابہ کرامؓ اس دائرہ میں داخل ہو چکے تھے، جن میں سے اکثروں نے مشرکین کے خوف سے اس کو ظاہر نہیں کیا تھا۔

ابتلا و استقامت حضرت صہیبؓ کو غریب الوطن تھے اور اس سرزمین کفر میں ان کا کوئی حامی و معاون نہ تھا، تاہم غیرت ایمان نے چھپ کر رہنا پسند نہ کیا، انہوں نے ابتداء ہی میں اپنے تبدیل مذہب کا حال ظاہر کر دیا اور راہ خدا میں گونا گوں مصائب و مظالم برداشت کئے لیکن استقامت صبر اور تحمل کا دامن ہاتھ سے نہ چھوٹا۔

ہجرت حضرت صہیبؓ سب سے آخری مہاجر تھے، انہوں نے رخت سفر درست کر کے ہجرت کا قصد فرمایا، تو مشرکین قریش نہایت سختی کے ساتھ سد راہ ہوئے اور بولے، ”تم ہمارے یہاں مفلس محتاج آئے تھے، مکہ میں رہ کر دولت و ثروت جمع کی، اور اب یہ تمام سرمایہ اپنے ساتھ لئے جاتے ہو، خدا کی قسم! ایسا نہ ہوگا“۔ حضرت صہیبؓ نے اپنا ترکش دکھا کر کہا ”اے گروہ قریش! تم جانتے ہو کہ میں تم لوگوں میں سے سب سے زیادہ صحیح نشانہ باز ہوں، خدا کی قسم! جب تک اس میں ایک بھی تیر ہے تم میرے قریب نہیں آ سکتے، اس کے بعد پھر اپنی تلوار سے مقابلہ کروں گا، ہاں اگر مال و دولت چاہتے ہو تو کیا اس کو لے کر میرا راستہ چھوڑ دو گے؟ مشرکین نے اس پر رضامندی ظاہر کی، اور حضرت صہیبؓ اپنے مال و منال کے عوض متاع ایمان کا سودا خرید کر مدینہ پہنچے۔

حضرت خیر الانامؓ میں حضرت کلثوم بن ہدمؓ کے مہمان تھے، حضرت ابو بکرؓ، عمرؓ بھی حاضر خدمت تھے، کھجوروں کا نقل ہو رہا تھا، کہ حضرت صہیبؓ پہنچے اور بھوک کی شدت سے بیتاب ہو کر اس پر ٹوٹ پڑے، چونکہ سفر میں ان کی ایک آنکھ آشوب کرائی تھی، اس لئے حضرت عمرؓ نے تعجب سے کہا ”یا رسول اللہ! آپ صہیبؓ کو ملاحظہ نہیں فرماتے کہ آشوب چشم کے باوجود کھجوریں کھا رہے ہیں۔“

آپ نے فرمایا ”صہیبؓ! تمہاری آنکھ جوش کر آئی ہے اور تم کھجوریں کھاتے ہو؟“ مزاج نہایت بذلہ سنج تھا، بولے ”میں صرف اپنی ایک تندرست آنکھ سے کھاتا ہوں“ اس حاضر جوابی سے رسول اللہ ﷺ نے اختیار ہنس پڑے۔

جب بھوک کی شدت کسی قدر دفع ہوئی تو شکوہ و شکایت کا دفتر کھلا، حضرت ابو بکرؓ سے کہنے

۱ طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث ص ۱۶۲

۲ طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث ص ۱۶۲

۳ طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث ص ۱۶۲

۴ مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۳۹۹

لگے کہ آپ نے باوجود وعدہ مجھے شریک سفر نہ فرمایا، حضرت رسالت مآب ﷺ سے عرض کی یا رسول اللہ! آپ نے بھی خیال نہ فرمایا، قریش نے مجھے تنہا دیکھ کر روک رکھا، بالآخر تمام دولت و ثروت کے عوض اپنی جان خرید کر حاضر ہوا، ارشاد ہوا ”ابو یحییٰ! تمہاری تجارت پر منفعت رہی، اس کے بعد ہی قرآن پاک نے اس عظیم الشان قربانی کی ان لفاظ میں داد دی۔ ۱

و من الناس من یشری نفسه ابتغاء مرضات اللہ (بقرہ)

”لوگوں میں کچھ ایسے لوگ بھی ہیں جو خدا کی رضا جوئی کے لئے اپنی جانیں

بیچ دیتے ہیں۔“

حضرت صہیبؓ مدینہ میں حضرت سعد بن خیشمہؓ کے مہمان ہوئے حضرت حارثؓ بن الصمہ انصاریؓ سے مواخات ہوئی۔ ۲

غزوات تیر اندازی میں کمال رکھتے تھے، غزوہ بدر، احد، خندق اور تمام دوسرے معرکوں میں رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ رہے، عالم پیری میں وہ لوگوں کو جمع کر کے نہایت لطف کے ساتھ اپنے جنگی کارناموں کی دلچسپ داستان سنایا کرتے تھے۔

سہ روزہ خلافت حضرت عمرؓ ان سے نہایت حسن ظن رکھتے تھے اور خاص لطف و محبت کے ساتھ پیش آتے تھے، انہوں نے وفات کے وقت وصیت فرمائی کہ حضرت صہیبؓ ہی ان کے جنازہ کی نماز پڑھائیں اور اہل شوریٰ جب تک مسئلہ خلافت کا فیصلہ نہ کریں، وہ امامت کا فرض انجام دیں، چنانچہ انہوں نے تین دن تک نہایت خوش اسلوبی کے ساتھ اس فرض کو انجام دیا۔ ۳

وفات ۳۸ھ میں پیمانہ حیات لبریز ہو گیا، ۷۲ برس کی عمر میں وفات پائی اور بقیع کے گور غریباں میں مدفون ہوئے۔ ۵

اخلاق حضرت صہیبؓ سرچشمہ اخلاق سے بہت زیادہ مستفیض ہوئے تھے، فرماتے ہیں کہ نزول وحی سے پہلے ہی مجھے رسول ﷺ کی مصاحبت کا فخر حاصل تھا، اس بنا پر ان میں تمام اوصاف حسنہ مجتمع ہو گئے تھے، حسن خلق، فضل و کمال کے ساتھ حاضر جوابی، بذلہ سخا اور لطیفہ گوئی نے ان کی صحبت کو نہایت پر لطف بنا دیا تھا۔ ۷

مہمان نوازی، سخاوت، و غرباء پروری میں نہایت کشادہ دست تھے، یہاں تک کہ لوگوں کو اسراف کا دھوکا ہوتا تھا، ایک دفعہ حضرت عمرؓ نے ان سے فرمایا ”صہیبؓ! تمہاری باتیں مجھے

۱ طبقات ابن سعد قسم اول جزء ۳ ص ۱۶۳

۲ ایضاً مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۳۹۸

۳ طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث ص ۱۶۲

۴ اسد الغابہ جلد ۳ ص ۳۳

۵ اسد الغابہ جلد ۳ ص ۳۳

۶ اسد الغابہ جلد ۳ ص ۳۲

۷ استیعاب تذکرہ صہیبؓ

نا پسند ہیں، اول یہ کہ تم نے ابو یحییٰ اپنی کنیت قرار دی، جو ایک پیغمبر کا نام اور اس نام کی تمہاری کوئی اولاد نہیں، دوسرے اسراف کرتے ہو اور تیسرے یہ کہ اپنے آپ کو عرب کہتے ہو، بولے ”یہ کنیت میری نہیں بلکہ رسول اللہ ﷺ کی تجویز کردہ ہے، رہا اسراف تو اس میں میرا اساس عمل رسول ﷺ کا یہ فرمان ہے۔

خيار کم من اطعم الطعام و رد السلام

”یعنی تم لوگوں میں سب سے بہتر وہ ہے جو لوگوں کو کھانا کھلائے اور سلام کا

جواب دے۔“

امروم کا جواب یہ ہے کہ میں درحقیقت عرب ہوں چونکہ رومیوں نے بچپن ہی میں مجھے غلام بنا کر اہل و عیال سے جدا کر دیا اس لئے میں اپنے خاندان اور قوم کو بھول گیا۔
حلیہ حضرت صہیبؓ کا حلیہ یہ تھا۔

قد میانہ بلکہ ایک حد تک کوتاہ، چہرہ نہایت سرخ، سر کے بال گھنے، زمانہ پیری میں مہندی کا خضاب کرتے تھے، زبان میں لکنت تھی، ایک دفعہ وہ اپنے ایک باغ میں تحسن غلام کو نیاس، نیاس کہہ کر پکار رہے تھے، حضرت عمرؓ نے سنا تو تعجب سے پوچھا کہ ان کو کیا ہو گیا ہے جو لوگوں کو پکار رہے ہیں، حضرت ام سلمہؓ نے عرض کی ”وہ لوگوں کو نہیں پکارتے بلکہ غلام تحسن کو پکار رہے ہیں، لیکن لکنت کی وجہ سے اس نام کو ادا نہیں کر سکتے۔“

حضرت مصعب بن عمیرؓ

نام، نسب مصعب نام، ابو محمد کنیت، والد کا نام عمیر اور والدہ کا نام حنا بنت مالک تھا، پورا سلسلہ نسب یہ ہے۔

مصعب بن عمیر بن ہاشم بن عبد مناف بن عبد الدار بن قصی القرشیؓ۔

ابتدائی حالات حضرت مصعب مکہ کے ایک نہایت حسین نوجوان تھے، ان کے والدین ان سے نہایت شدید محبت کرتے تھے، خصوصاً ان کی والدہ حنا بنت مالک نے مالدار ہونے کی وجہ سے اپنے لخت جگر کو نہایت ناز و نعمت سے پالا تھا، چنانچہ وہ عمدہ سے عمدہ پوشاک اور لطیف سے لطیف خوشبو جو اس زمانہ میں میسر آ سکتی ہے استعمال فرماتے تھے، آنحضرت ﷺ کبھی ان کا تذکرہ کرتے تو فرماتے ”مکہ میں مصعبؓ سے زیادہ کوئی حسین، خوش پوشاک اور پروردہ نعمت نہیں ہے“۔

اسلام خدائے پاک نے حسن ظاہری، سلامت ذوق اور طبع لطیف کے ساتھ آئینہ دل کو بھی نہایت شفاف بنایا تھا، صرف ایک عکس کی دیر تھی، توحید کے دلربا خط و خال نے شرک سے متنفر کر دیا اور آستانہ نبوت پر حاضر ہو کر اس کے شیدا یوں میں داخل ہو گئے، یہ وہ زمانہ تھا کہ آنحضرت ﷺ ارقم بن ابی ارقم کے مکان میں پناہ گزین تھے اور مسلمانوں پر مکہ کی سرزمین تنگ ہو رہی تھی، اس بنا پر حضرت مصعبؓ نے ایک عرصہ تک اپنے اسلام کو پوشیدہ رکھا اور چھپ چھپ کر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتے رہے، لیکن ایک روز اتفاقاً عثمان بن طلحہؓ نے نماز پڑھتے دیکھ لیا اور ان کی ماں اور خاندان والوں کو خبر کر دی، انہوں نے سنا تو محبت نفرت سے مبدل ہو گئی اور مجرم توحید کے لئے شرک کی عدالت نے قید تنہائی کا فیصلہ سنایا۔

ہجرت حبشہ حضرت مصعبؓ ایک عرصہ تک قید کے مصائب برداشت کرتے رہے، لیکن زندان خانہ کی تلخ زندگی نے بالآخر ترک وطن پر مجبور کر دیا، اور متلاشیان امن و سکون کے ساتھ سرزمین حبش کی راہ لی، اس ناز پروردہ نوجوان کو اب نہ تو نرم و نازک کپڑوں کی حاجت تھی، نہ نشاط افزا عطریات کا شوق اور نہ دنیاوی عیش و تنعم کی فکر تھی، صرف جلوہ توحید کے ایک نظارہ نے

۱۔ اسد الغابہ تذکرہ مصعب بن عمیرؓ

۲۔ طبقات ابن سعد قسم اول جز ۱، ثالث ص ۸۲

۳۔ اسد الغابہ تذکرہ مصعب بن عمیرؓ

تمام فانی ساز و سامان سے بے نیاز کر دیا، غرض ایک مدت کے بعد حبش سے پھر مکہ واپس آئے ہجرت کے مصائب سے رنگ و روپ باقی نہ رہا تھا تو خود ان کی ماں کو اپنے نور نظر کی پریشان حالی پر رحم آگیا اور مظالم کے اعادہ سے باز آگئی۔

تعلیم دین و اشاعت اسلام..... اس اثناء میں خورشید اسلام کی ضیا پاش شعاعیں کوہ فاران کی چوٹیوں سے گذر کر وادی یثرب تک پہنچ چکی تھی، اور مدینہ منورہ کے ایک معزز طبقہ نے اسلام قبول کر لیا تھا انہوں نے دربار نبوت میں درخواست بھیجی کہ ہماری تعلیم و تلقین پر کسی کو مامور فرمایا جائے، حضرت سرور کائنات ﷺ کی نگاہ جو ہر شناس نے اس خدمت کے لئے حضرت مصعب بن عمیرؓ کو منتخب کیا اور چند زریں نصائح کے بعد مدینہ منورہ کی طرف روانہ فرمایا۔

حضرت مصعبؓ مدینہ پہنچ کر حضرت اسعد بن زرارہؓ کے مکان پر فروکش ہوئے اور گھر گھر پھر کر تعلیم قرآن و اشاعت اسلام کی خدمت انجام دینے لگے، اس طرح رفتہ رفتہ جب کلمہ گویوں کی ایک جماعت پیدا ہو گئی تو نماز و تلاوت کے لئے بھی حضرت اسعدؓ کے مکان پر اور سکھی بنی ظفر کے گھر پر سب کو جمع کیا کرتے تھے، ایک روز حضرت مصعبؓ حسب معمول بنی ظفر کے گھر میں چند مسلمانوں کو تعلیم دے رہے تھے، کہ قبیلہ عبدالاشہل کے سردار (حضرت) اسعد بن معاویہؓ اپنے رفیق (حضرت) اسید بن خنیسؓ سے کہا ”اس داعی اسلام کو اپنے محلہ سے نکال دو، جو یہاں آکر ہمارے ضعیف الاعتقاد اشخاص کو گمراہ کرتا ہے، اگر اسعد و میزبان حضرت مصعبؓ سے مجھ کو رشتہ داری کا تعلق نہ ہوتا تو میں تم کو اس کی تکلیف نہ دیتا۔“ یہ سن کر حضرت اسیدؓ نے نیزہ اٹھایا اور حضرت مصعبؓ اور اسعدؓ کے پاس آکر خشم آلود لہجہ میں کہا ”تمہیں یہاں کس نے بلایا ہے کہ ضعیف رائے والوں کو گمراہ کرو؟ اگر تم کو اپنی جانیں عزیز ہیں تو بہتر یہ ہے کہ ابھی یہاں سے چلے جاؤ،“ حضرت مصعبؓ نے نرمی سے جواب دیا ”بیٹھ کر ہماری باتیں سنو، اگر پسند آئے، قبول کرو ورنہ ہم خود چلے جائیں گے“ حضرت اسیدؓ نیزہ گاڑ کر بیٹھ گئے اور غور سے سننے لگے، حضرت مصعبؓ نے چند آیات کریمہ تلاوت کر کے اس خوبی کے ساتھ عقائد و محاسن اسلام بیان فرمائے کہ تھوڑی دیر میں حضرت اسیدؓ کا دل نور ایمان سے چمک اٹھا اور بیتاب ہو کر بولے ”کیسا اچھا مذہب ہے! کسی بہتر ہدایت ہے! اس مذہب میں داخلہ ہونے کا کیا طریقہ ہے؟“ حضرت مصعبؓ نے فرمایا پہلے نہادھو کر پاک کپڑے پہنو، پھر صدق دل سے ”لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ“ کا اقرار کرو، انہوں نے فوراً اس ہدایت کی تعمیل کی اور کلمہ پڑھ کر کہا ”میرے بعد ایک اور شخص ہے جس کو ایمان پر لانا ہوگا، اگر وہ اس دائرہ میں داخل ہو گیا تو تمام قبیلہ عبدالاشہل اس کی پیروی کرے گا، میں ابھی اس کو آپ کے پاس بھیجا ہوں۔“

حضرت اسیدؓ غیظ و غضب کے عوض عشق و محبت کا سودا خرید کر اپنے قبیلہ میں واپس آئے تو

حضرت سعد بن معاذؓ نے دور ہی سے دیکھ کر فرمایا ”خدا کی قسم! اس شخص کی حالت میں ضرور کچھ انقلاب ہو گیا ہے اور سب قریب آئے تو پوچھا کہ کیا کر آئے بولے خدا کی قسم وہ دونوں ذرا بھی خوفزدہ نہ ہوئے، میں نے ان کو منع کیا تو وہ بولے ہم وہی کریں گے جو تم پسند کرو گے، لیکن مجھ سے بیان کیا گیا ہے کہ بنی حارثہ اس وجہ سے اسعد بن رازہؓ کو قتل کرنے نکلے ہیں کہ وہ تمہارا خالہ زاد بھائی ہے تاکہ اس طرح تمہاری تذلیل ہو چونکہ بنی حارثہ اور عبد الاشہلؓ میں دیرینہ عداوت تھی اس لئے حضرت اسیدؓ کا افسوس کا رگر ہو گیا، حضرت سعد بن معاذؓ جوش غضب سے اٹھ کھڑے ہوئے اور مخالف مذہبی کے باوجود اسعدؓ کی مدد کے لئے دوڑے، لیکن جب یہاں پہنچ کر بالکل سکون و اطمینان دیکھا تو سمجھ گئے کہ اسیدؓ نے ان دونوں سے بالمشافہ گفتگو کرنے کے لئے مخض اشتعال دلایا ہے، غرض نسبی ترحم نوراً مذہبی تعصب سے مبدل ہو گیا اور ختم گین لہجہ میں بولے ”ابو امامہ، خدا کی قسم! اگر رشتہ داری کا پاس نہ ہوتا تو میں تمہارے ساتھ نہایت سختی سے پیش آتا، تمہیں کیونکر ہمارے محلہ میں علانیہ ایسے عقائد پھیلانے کی ہمت ہوئی جس کو ہم سخت ناپسند کرتے ہیں، حضرت مصعبؓ نے نرمی سے جواب دیا کہ پہلے ہماری باتیں سنو، اگر پسند آئیں تو قبول کرو ورنہ ہم خود تم سے کنارہ کش ہو جائیں گے، حضرت سعدؓ نے اس کو منظور کر لیا، تو انہوں نے ان کے سامنے بھی اس خوبی سے اسلام کا نقشہ پیش کیا کہ حضرت سعدؓ کا چہرہ نور ایمان سے چمک اٹھا، اسی وقت مسلمان ہوئے اور جوش میں بھرے ہوئے اپنے قبیلہ والوں کے پاس آئے اور بباغ بلند سوال کیا ”اے بنی اشہل! بتاؤ میں تمہارا کون ہوں؟“ انہوں نے کہا ”تم ہمارے سردار اور ہم سب سے زیادہ عاقل اور عالی نسب ہو“ بولے خدا کی قسم تمہارے مردوں اور تمہاری عورتوں سے گفتگو کرنا مجھ پر حرام ہے جب تک تم خدا اور اس کے رسول پر ایمان نہ لاؤ۔“

اس طرح عبد الاشہلؓ کا تمام قبیلہ حضرت سعد بن معاذؓ کے اثر سے اسلام کا حلقہ بگوش ہو گیا۔

حضرت مصعبؓ ایک عرصہ تک حضرت اسعد بن زرارہؓ کے مہمان رہے لیکن جب بنی نجار نے ان پر تشدد شروع کیا تو حضرت سعد بن معاذؓ کے مکان پر اٹھ آئے اور یہیں سے اسلام کی روشنی پھیلاتے رہے، یہاں تک کہ خطمہ، وائل اور واقف کے چند مکانات کے سوا عوالی اور مدینہ کے تمام گھر روشن ہو گئے۔

مدینہ میں جمعہ قائم..... مدینہ منورہ میں جب کلمہ گویوں کی ایک معتد بہ جماعت پیدا ہو گئی، تو حضرت مصعبؓ نے دربار نبوت سے اجازت حاصل کر کے حضرت سعد بن خثمہؓ کے مکان میں جماعت کے ساتھ نماز جمعہ کی بنیاد ڈالی، پہلے کھڑے ہو کر ایک نہایت مؤثر خطبہ دیا،

۱۔ سیرت ابن ہشام جلد ۱ ص ۲۳۹، و خلاصۃ الوفاء ص ۹۱

۲۔ سیرت ابن ہشام جلد ۱ ص ۲۳۹، و خلاصۃ الوفاء ص ۹۱

پھر خشوع خضوع کے ساتھ نماز پڑھائی اور بعد نماز حاضرین کی ضیافت کے لئے ایک بکری ذبح کی گئی، اس طرح وہ شعار اسلامی جو عبادت الہی کے علاوہ ہفتہ میں ایک دفعہ برادران اسلام کو باہم بغل گیر ہونے کا موقع دیتا ہے، خاص حضرت مصعب بن عمیرؓ کی تحریک سے قائم کیا گیا۔

بیعت عقبہ ثانیہ..... عقبہ کی پہلی بیعت میں صرف بارہ انصار شریک تھے، لیکن حضرت مصعبؓ نے ایک ہی سال میں تمام اہل یثرب کو اسلام کا فدائی بنا دیا، چنانچہ دوسرے سال تہتر اکابر و اعیان کی پر عظمت جماعت اپنی قوم کی طرف سے تجدید بیعت اور رسول اللہ ﷺ کو مدینہ میں مدعو کرنے کے لئے روانہ ہوئی، ان کے معلم دین حضرت مصعبؓ بن عمیر بھی ساتھ تھے، انہوں نے مکہ پہنچتے ہی سب سے پہلے آستانہ نبوت پر حاضر ہو کر اپنی حیرت انگیز کامیابی کی مفصل داستان عرض کی، آنحضرت ﷺ نے نہایت دلچسپی کے ساتھ واقعات سنے اور ان کی محنت و جانفشانی سے بے حد محفوظ ہوئے۔

حضرت مصعبؓ کی ماں نے بیٹے کے آنے کی خبر سنی تو کہلا بھیجا ”اے نافرمان فرزند کیا تو ایسے شہر میں آئے گا جس میں میں موجود ہوں اور تو پہلے مجھ سے ملنے نہ آئے؟“ انہوں نے جواب دیا ”میں رسول اللہ ﷺ سے پہلے کسی سے ملنے نہیں جاؤں گا“ حضرت مصعبؓ جب رسول خدا ﷺ سے ملاقات حاصل کر چکے تو ماں کے پاس آئے، اس نے کہا ”میں سمجھتی ہوں کہ تو اب تک ہمارے مذہب سے برگشتہ ہے“ بولے ”میں رسول اللہ ﷺ کے دین برحق اور اسلام کا پیرو ہوں جس کو خدا نے خود اپنے لئے اور اپنے میں رسول کے لئے پسند کیا ہے“ ماں نے کہا ”کیا تم اس مصیبت کو بھول گئے جو تم کو ایک دفعہ سرزمین حبش میں برداشت کرنا پڑی، اور اب یثرب میں سہنا پڑتی ہے؟ افسوس دونوں دفعہ تم نے عم خواری کا کچھ شکریہ ادا نہ کیا، حضرت مصعبؓ سمجھ گئے کہ شاید پھر مجھ کو قید کرنے کی فکر میں ہے، چلا کر بولے ”کیا تو جبراً کسی کو اس کے مذہب سے پھیر سکتی ہے؟ اگر تیرا منشاء ہے کہ پھر مجھ کو قید کر دے تو پہلا شخص جو میری طرف بڑھے گا اس کو یقیناً قتل کر ڈالوں گا“ ماں نے یہ تیور دیکھے تو کہا ”بس تو میرے سامنے سے چلا جا“ اور یہ کہہ کر رونے لگی، حضرت مصعبؓ اس کیفیت سے متاثر ہوئے اور کہنے لگے، اے میری ماں! میں تجھے خیر خواہی و محبت سے مشورہ دیتا ہوں کہ تو گواہی دے کہ خدا ایک ہے اور محمد ﷺ اس کے بندے اور رسول برحق ہیں“ اس نے کہا ”چمکتے ہوئے تاروں کی قسم! میں اس مذہب میں داخل ہو کر اپنے آپ کو احق نہ بناؤں گی، جا میں تجھ سے اور تیری باتوں سے ہاتھ دھوئی ہوں، اور اپنے مذہب سے وابستہ رہوں گی“

تجہیز و تکفین لڑائی کے خاتمہ پر آنحضرت ﷺ حضرت مصعبؓ بن عمیر کی لاش کے قریب کھڑے ہوئے اور یہ آیت تلاوت فرمائی۔

من المؤمنین رجال صدقوا ما عاهدوا اللہ علیہ (الایۃ)

”مؤمنین میں سے چند آدمی ایسے ہیں جنہوں نے خدا سے جو کچھ عہد کیا تھا

اس کو سچا کر دکھایا۔“

پھر لاش سے مخاطب ہو کر فرمایا ”میں نے تم کو مکہ میں دیکھا تھا جہاں تمہارے جیسا حسین و خوش پوشاک کوئی نہ تھا، لیکن آج دیکھتا ہوں کہ تمہارے بال الجھے ہوئے ہیں اور جسم پر صرف ایک چادر ہے، پھر ارشاد ہوا ”بیشک خدا کا رسول گواہی دیتا ہے کہ تم لوگ قیامت کے دن بارگاہ خداوندی میں حاضر ہو گے،“ اس کے بعد غازیانِ دین کو حکم ہوا کہ کشتگانِ راہ خدا کی آخری زیارت کر کے سلام بھیجیں اور فرمایا ”قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ روز قیامت تک جو کوئی ان پر سلام بھیجے گا وہ اس کا جواب دیں گے۔“

اس زمانہ میں غربت و افلاس کے باعث شہیدانِ ملت کو کفن تک نصیب نہ ہوا، حضرت مصعب بن عمیرؓ کی لاش پر صرف ایک چادر تھی کہ جس سے سر چھپایا جاتا تو پاؤں برہنہ ہو جاتے، اور پاؤں چھپائے جاتے تو سر کھل جاتا، بالآخر چادر سے چہرہ چھپایا گیا، پاؤں پر اذخر کی گھاس ڈالی گئی، پھر اور ان کے بھائی حضرت ابوالروم بن عمیرؓ نے حضرت عامر بن ربیعہؓ اور حضرت سوہب بن سعدؓ کی ہجرت مدینہ حضرت مصعبؓ نے مکہ آنے کے بعد ذی الحجہ محرم اور صفر کے مہینے آنحضرت ﷺ ہی کی خدمت میں بسر کیے، اور پہلی ربیع الاول کو سرور کائنات ﷺ سے بارہ دن پہلے مستقل طور پر ہجرت کر کے مدینہ کی راہ لی۔ ۳

غزوات ۲ھ سے حق و باطل میں خونریزی معرکوں کا سلسلہ شروع ہوا، حضرت مصعب بن عمیرؓ میدانِ فصاحت کی طرح عرصہ و عانی بھی نمایاں رہے، غزوہ بدر میں جماعتِ مہاجرین کا سب سے بڑا علم ان کے ہاتھ میں تھا، غزوہ احد میں بھی علمبرداری کا تمغائے شرف ان ہی کو ملا۔ شہادت اس جنگ میں ایک اتفاقی غلطی نے جب فتح و شکست کا پانسہ پلٹ دیا اور فاتحِ مسلمان ناگہانی طور سے مغلوب ہو کر منتشر ہو گئے تو اس وقت بھی علمبردار اسلام یکہ و تنہا مشرکین کے نرغہ میں ثابت قدم رہا، کیونکہ لوائے توحید کے پیچھے کی طرف جنبش دینا اس فدائی ملت کے لئے سخت عار تھا، غرض اسی حالت میں مشرکین کے شہ سوار ابنِ قمرہ نے بڑھ کر تلوار کا وار کیا جس سے داہنا ہاتھ شہید ہو گیا، لیکن بائیں ہاتھ نے فوراً علم کو پکڑ لیا، اس وقت ان کی زبان پر یہ

۱ طبقات ابن سعد، ج ۱، کتاب التاریخ، ص ۸۶

۲ تاریخ ابن عساکر، ج ۱، ص ۵۷۸

۳ طبقات ابن سعد، ج ۱، کتاب التاریخ، ص ۸۴

آیات جاری تھیں۔

و ما محمد الا رسول قد خلت من قبله الرسل (آل عمران ع ۱۵)

”اور محمد صرف رسول ہیں، ان سے پہلے بھی بہت سے رسول گزر چکے ہیں۔“

ابن قتیہ نے دوسرا دیا تو بایاں ہاتھ بھی قلم تھا، لیکن اس دفعہ دونوں بازوؤں نے حلقہ کر کے علم کو سینہ سے چمٹا لیا، اس نے جھنجھلا کر تلوار پھینک دی اور زور سے تیزہ تاک کر مارا، اس کی انی ٹوٹ کر سینہ میں رہ گئی اسلام کا سچا فدائی اسی آیت کا اعادہ کرتے ہوئے فرش خاک پر دائمی راحت کی نیند سو رہا تھا، لیکن اسلامی پھریرا سرنگوں ہونے کے لئے نہیں آیا تھا، ان کے بھائی ابوالروم بن عمیرؓ نے بڑھ کر اس کو سنبھالا اور آخر وقت تک شجاعانہ مدد سے پرد خاک کیا، انا لله وانا اليه

راجعونہ

فضل و کمال..... حضرت معصبؓ نہایت ذہین، طباع اور خوش بیان تھے، میثرب میں جس سرعت کے ساتھ اسلام پھیلا اس سے ان کے ان اوصاف کا اندازہ ہو سکتا ہے قرآن شریف جس قدر نازل ہو چکا تھا، اس کے حافظ تھے، مدینہ میں نماز جمعہ کی ابتداء ان ہی کی تحریک سے ہوئی اور یہی سب سے پہلے امام مقرر ہوئے۔

اخلاق..... اخلاقی پایہ نہایت بلند تھا، ظلم کے مکتب نے مزاج میں صرف متانت ہی پیدا نہ کی تھی بلکہ مصائب برداشت کرنے کا خوگر بنا دیا تھا، خصوصاً ملک حبش کی صحرانوردیوں نے جفاکشی، استقلال و استقامت کے نہایت زرین اسباق دیئے تھے، اور اچھی طرح سکھا دیا تھا کہ دشمنوں میں رہ کر کس طرح اپنا مقصد حاصل کیا جاسکتا ہے، یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے نو مسلموں کی تعلیم و تربیت اور اشاعت اسلام جیسے اہم خدمات پر ان کو مامور فرمایا تھا۔

مزاج قدرۃ نہایت لطافت پسند تھا، اسلام قبول کرنے سے پہلے عمدہ سے عمدہ پوشاک اور بہتر سے بہتر عطریات استعمال کرتے تھے، حضری جو تا جو اس زمانہ میں صرف امراء کے لئے مخصوص تھا وہ ان کے روزمرہ کے کام میں آتا تھا، ان کے وقت کا اکثر حصہ آرائش، زیبائش اور زلف مشکیں کے سنوارنے میں بسر ہوتا تھا، لیکن جب اسلام لائے تو شراب توحید نے کچھ ایسا مست کر دیا کہ تمام تکلفات بھول گئے، ایک روز دربار نبوت میں اس شان سے حاضر ہوئے کہ جسم پر ستر پوشی کے لئے صرف ایک کھال کا ٹکڑا تھا جس میں جا بجا پیوند لگے ہوئے تھے، صحابہ کرامؓ نے دیکھا تو سب سے عبرت سے گردنیں جھکا لیں، آنحضرت ﷺ نے فرمایا ”الحمد لله! اب دنیا اور تمام اہل دنیا کی حالت بدل جانا چاہیے، یہ وہ نوجوان ہے جس سے زیادہ مکہ میں کوئی

۱۔ طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث ص ۸۶

۲۔ طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث ص ۸۳

ناز پروردہ نہ تھا، لیکن نیکو کاری کی رغبت اور خدا اور رسول کی محبت نے اس کو تمام چیزوں سے بے نیاز کر دیا۔

حلیہ..... حلیہ یہ تھا، قد میانہ، چہرہ حسین نرم و نازک اور زلفیں نہایت خوبصورت تھیں۔
اہل و عیال..... حضرت مصعبؓ کی بیوی کا نام آمنہ بنت جحش تھا جس سے زینب نام ایک لڑکی یادگار چھوڑی۔

۱۔ طبقات ابن سعد، ج ۱، جز ۱، ص ۱۲
۲۔ طبقات ابن سعد، ج ۱، جز ۱، ص ۸۶
۳۔ طبقات ابن سعد، ج ۱، جز ۱، ص ۸۶

حضرت عثمان بن مظعونؓ

نام و نسب عثمان نام، ابوالسائب کنیت، والد کا نام مظعون اور والدہ کا نام خیلہ بنت العنس تھا، پورا سلسلہ نسب یہ ہے۔

عثمان بن مظعون بن حبیب بن وہب بن حذافہ بن جح بن عمرو بن ہصیص ابن کعب بن لوی بن غالب القرشی النحی۔

قبل اسلام حضرت عثمانؓ قطرۃ سلیم الطبع، نیک نفس و پاکباز تھے، ایام جاہلیت عرب کا ہر بچہ مست خرابات تھا، لیکن ان کی زبان اس وقت بھی بادۂ ارغوانی کے ذائقہ سے نا آشنا تھی، اور فرمایا کرتے تھے کہ ایسی چیز پینے سے کیا فائدہ جس سے انسان کی عقل و فتور آجائے ذلیل و کم رتبہ آدمی اس کو مضحکہ بنائیں اور نشہ کی حالت میں ماں بہن کی تمیز بھی جاتی رہے۔

اسلام اس فطری پاکبازی کے باعث ان کا لوح دل بالکل صاف تھا، رسول اللہ ﷺ کی تبلیغ و تلقین نے بہت جلد تو حید کا نقش ثبت کر دیا، ارباب سیر کا بیان ہے کہ اس وقت تک صرف تیرہ صحابہ کرام ایمان لائے تھے، ۳ ابن سعد کی ایک روایت ہے کہ حضرت عثمانؓ بن مظعون، حضرت ابو عبیدہ بن الحارثؓ حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ حضرت ابوسلمہؓ بن عبدالاسد اور حضرت ابو عبیدہ بن الجراحؓ آنحضرت ﷺ کے ارقم بن ابی ارقم کے مکان میں پناہ گزین ہوئے پہلے ایک ساتھ مشرف باسلام ہوئے تھے۔

ہجرت حبشہ و معاودت ۵ھ نبوی میں بلاکشان اسلام کی ایک جماعت نے رسول اللہ ﷺ کی اجازت سے ملک حبش کی راہ لی، حضرت عثمان بن مظعونؓ اس بے خانماں گروہ کے امیر تھے۔ ۵ ایک عرصہ تک وہاں مقیم رہنے کے بعد اس غلط افواہ کی بنا پر کہ تمام قریش نے اسلام قبول کر لیا ہے، پھر واپس تشریف لائے لیکن جب مکہ کے قریب پہنچ کر خبر بے بنیاد نکلی تو سخت پریشان ہوئے کیونکہ دوبارہ اتنی دور لوٹ جانا بھی دشوار تھا، اور دوسری طرف میں داخل ہونے سے مشرکین کا خوف دامن گیر ہوتا تھا۔ غرض اسی حیص بیص میں جہاں تک پہنچے تھے وہیں

۱۱۔ اسد الغابہ جلد ۳ ص ۳۸۵

۱۲۔ طبقات ابن سعد قسم اول جز ۱، ثالث ص ۳۸۶

۱۳۔ اسد الغابہ جلد ۳ ص ۳۸۵

۱۴۔ طبقات ابن سعد قسم اول جز ۱، ثالث ص ۲۸۲

۱۵۔ سیرت ابن ہشام جلد ۱ باب ہجرت الی الحبشہ

رک گئے اور جب ان کے تمام ساتھی ایک ایک کر کے اپنے مشرک اعزہ و احباب کی پناہ میں مکہ پہنچ گئے تو وہ بھی ولید بن مغیرہ کی حمایت حاصل کر کے مکہ میں داخل ہوئے۔

ولید بن مغیرہ کے اثر نے گو حضرت عثمانؓ کو اذیتوں سے محفوظ کر دیا تھا، تاہم وہ خود رسول اللہ ﷺ کی ذات اقدس اور دوسرے صحابہ کرامؓ کی مبتلائے مصیبت دیکھ کر اس ذاتی راحت و اطمینان کو گوارا نہ کر سکے اور ایک روز خود بخود اپنے نفس کو ان الفاظ میں ملامت فرمائی: "افسوس! میرے احباب اور خاندان والے راہ خدا میں طرح طرح کے مصائب برداشت کر رہے ہیں اور میں ایک مشرک کی حمایت میں اس چین اور اطمینان کے ساتھ زندگی بسر کر رہا ہوں! خدا کی قسم یہ میرے نفس کی بہت بڑی کمزوری ہے" اس خیال نے بیتاب کر دیا، اسی وقت ولید بن مغیرہ کے پاس پہنچے اور فرمایا: "اے ابو عبد شمس! تمہاری ذمہ داری پوری ہو چکی ہے، اس وقت تک میں تمہاری..... پناہ میں تھا، لیکن اب خدا اور اس کے رسول اللہ ﷺ کی حمایت میں رہنا پسند کرتا ہوں" میرے لئے رسول اللہ ﷺ اور ان کے اصحاب کا نمونہ بس ہے" ولید نے کہا "شاید تمہیں کسی نے اذیت پہنچائی؟" بولے "نہیں اصل یہ ہے کہ اب مجھے خدا کے سوا اور کسی کی حمایت درکار نہیں، تم ابھی میرے ساتھ خانہ کعبہ چلو جس طرح تم نے میری حمایت کا اعلان کیا تھا اسی طرح اس کو واپس لینے کا اعلان کر دو" غرض ولید نے اصرار سے مجبور ہو کر ان کی خواہش کو مجمع عام میں بیان کیا۔ حضرت عثمان بن مظعونؓ نے کھڑے ہو کر اس کی تصدیق کی، اور فرمایا "صاحبو! میں نے ولید کو نہایت ہی با وفا اور مہربان پایا، لیکن چونکہ اب مجھے خدا کے سوا اور کسی کی حمایت پسند نہیں ہے، اس لئے میں خود یہ اس بار احسان سے سبکدوش ہوتا ہوں۔

حضرت عثمان بن مظعونؓ اس اعلان کے بعد لبید بن ربیعہ کے ساتھ قریش کی ایک مجلس میں تشریف لائے، لبید چونکہ اس زمانہ کا مشہور شاعر تھا، اس لئے اس کے پہنچتے ہی شعر و شاعری شروع ہو گئی اس نے جب اپنا قصیدہ سناتے ہوئے یہ مصرعہ پڑھا

الاکل شی ما خلی اللہ باطل

یعنی خدا کے سوا تمام چیزیں باطل ہیں۔

تو حضرت عثمانؓ نے بے اختیار داد دی کہ "تم نے سچ کہا، لیکن جب اس نے دوسرا مصرعہ

پڑھا،

کل نعیم الا محالة زائل

"یعنی تمام نعمتیں یقیناً زائل ہو جائیں گی"

تو بول اٹھے کہ "جھوٹ کہتے ہو" اس پر ایک دفعہ تمام مجمع نے ان کی طرف نگاہ غضب

آلود ڈال کر لبید سے اس شعر کو مکرر پڑھنے کی فرمائش کی، اس نے اعادہ کیا، تو حضرت عثمانؓ نے پھر پہلے مصرعہ کی تصدیق کی اور دوسرے کی تکذیب کر کے فرمایا ”تم جھوٹ کہتے ہو، جنت کی نعمتیں کبھی زائل نہ ہوں گی“ لبید نے خفیف ہو کر کہا ”گروہ قریش! خدا کی قسم تمہاری مجلسوں کا حال یہ نہ تھا، اس اشتعال انگیز جملہ سے تمام مجمع میں برہمی پھیل گئی، اور ایک بدکردار نے حضرت عثمانؓ کی طرف بڑھ کر اس زور سے طمانچہ مارا کہ ایک آنکھ زرد پڑ گئی، لوگوں نے کہا ”عثمان! خدا کی قسم تم ولید کی حمایت میں نہایت معزز تھے اور تمہاری آنکھ اس صدمہ سے محفوظ تھی، بولے ”خدا کی حمایت سب سے زیادہ با امن و ذی عزت ہے اور جو میری آنکھ صحیح و تندرست ہے، وہ بھی اپنے رفیق کے صدمہ میں شریک ہونے کی متمنی ہے“ ولید نے کہا کیا اب بھی میری پناہ میں آنا قبول کرتے ہو؟ فرمایا ”میرے لئے صرف خدا کی پناہ بس ہے“

ہجرت مدینہ..... حضرت عثمانؓ ایک عرصہ تک مکہ میں صبر و سکون کے ساتھ مظالم برداشت کرتے رہے، یہاں تک کہ جب آنحضرت ﷺ نے عموماً تمام صحابہ کرامؓ کو مدینہ کی طرف ہجرت کرنے کا حکم دیا تو وہ اپنے خاندان کے ساتھ جس میں ان کے دھنوں بھائی حضرت قدامہ بن مظعونؓ، حضرت عبداللہ ابن مظعونؓ اور ان کے صاحبزادہ سائب بن عثمانؓ شامل تھے، اس سرزمین امن میں پہنچ کر حضرت عبداللہ بن مسلمہ عجلائیؓ کے مکان پر فروکش ہوئے حضرت عثمانؓ نے اپنے اعزہ سے اس طرح مکہ کو خالی کر دیا تھا کہ ان کے خاندان کا ایک ممبر بھی وہاں رہنے نہ پایا اور تمام مکانات بند کر دیئے گئے۔۲

مواخات..... آنحضرت ﷺ نے مدینہ پہنچ کر حضرت عثمانؓ اور ان کے بھائیوں کو مستقل سکونت کے لئے وسیع قطعات زمین مرحمت فرمائے اور حضرت ابوالثیم بن العیہان سے بھائی چارہ کرا دیا۔۳

غزوہ بدر اور وفات..... حق و باطل کی اول کشمکش یعنی معرکہ بدر میں شریک تھے، میدان جنگ سے واپس آکر اسی سال بیمار ہوئے، انصاری بھائی اور ان کی بیوی بچوں نے دسوزی کے ساتھ تیار داری کی، لیکن موت کا ازالہ ممکن نہ تھا، ہجرت کے ۳۰ ماہ بعد یعنی ۲ھ کے اخیر میں وفات پائی۔۴

حضرت ام العلاء انصاریہؓ (جن کے گھر میں انہوں نے وفات پائی) فرماتی ہیں کہ جب جہیز و تکفین کے بعد جنازہ تیار ہوا تو آنحضرت ﷺ شریف لائے میں نے کہا ”ابو السائب تم پر خدا

۱۔ اسد الغابہ جلد ۳ ص ۳۸۵، ۳۸۶

۲۔ طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث ص ۲۸۸

۳۔ طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث ص ۲۸۸

۴۔ طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث ص ۲۸۸

کی رحمت ہو میں گواہی دیتی ہوں کہ خدا نے تم کو معزز کیا ارشاد ہوا ”تمہیں کس طرح معلوم ہوا کہ خدا نے معزز کیا؟ میں نے عرض کی میرا باپ آپ پر فدا ہو یا رسول اللہ! پھر خدا کس کو معزز کرے گا؟“ فرمایا ”عثمانؓ کو درجہ یقین حاصل تھا اور میں اس کے لئے بہتری کی امید رکھتا ہوں لیکن خدا کی قسم! میں رسول خدا ہو کر بھی نہیں جانتا کہ میرا کیا انجام ہوگا“ ۱۔

رسول اللہ ﷺ کا حزن و ملال آنحضرت ﷺ کو حضرت عثمان بن مظعونؓ کی مفارقت کا شدید غم تھا، آپ نے تین دفعہ جھک کر ان کی پیشانی کو بوسہ دیا اور اس قدر چشم پر نم ہوئے کہ اشک مبارک سے حضرت عثمانؓ کے رخسارے تر ہو گئے ۲۔ پھر سر مبارک اٹھا کر بھرائی ہوئی آواز میں فرمایا ”ابو سائب! میں تم سے جدا ہوتا ہوں، تم دنیا سے اس طرح نکل گئے کہ تمہارا دامن ذرا بھی اس سے ملوث نہ ہوا“ ۳۔

قبر اس وقت تک مدینہ میں مسلمانوں کا کوئی خاص قبرستان نہ تھا حضرت عثمانؓ کی وفات کے بعد آنحضرت ﷺ نے مقام بقیع کو اس کے لئے منتخب فرمایا، چنانچہ وہ پہلے صحابی تھے جو اس گور غریباں میں مدفون ہوئے۔ ۴۔ آپ نے خود جنازہ کی نماز پڑھائی، قبر کے کنارے کھڑے ہو کر اپنے اہتمام سے دفن کرایا، قبر کے سرے پر کوئی چیز بطور علامت نصب کر کے فرمایا ”اب جو مرے گا وہ اسی کے آس پاس مدفون ہوگا“ ۵۔

اخلاق حضرت عثمانؓ کا اخلاقی پایہ نہایت ارفع تھا، شراب سے ایام جاہلیت ہی میں متنفر تھے، صبر و تحمل اور اسلامی حمیت کے لئے پہلے گزر چکے تھے، مزاج میں شرم و حیا کا عنصر غالب تھا، ایک روز بارگاہ نبوت میں عرض کی ”یا رسول اللہ میں اپنی بیوی کو بھی اپنا ستر عورت دکھانا پسند نہیں کرتا، ارشاد ہوا ”کیوں؟“ عرض کی حیا دامن گیر ہوئی ہے، فرمایا ”خدا نے اس کو تمہارے لئے اور تم کو اس کے لئے بے پردہ بنایا ہے“ وہ جب کچھ دیر کے بعد دربار سے چلے گئے تو آپ نے فرمایا ”عثمان بن مظعونؓ نہایت ہی با حیا و پردہ پوش تھے۔ ۶۔

رہبانیت کی طرف میلان طبع تہنل در رہبانیت کی طرف شدید میلان تھا، ایک دفعہ انہوں نے چاہا کہ قوائے شہوانیہ کو فنا کر کے صحرانوردی اختیار کریں، لیکن آنحضرت ﷺ نے باز رکھا اور فرمایا

”کیا میری ذات تمہارے لئے اسوۂ حسن نہیں ہے؟ میں اپنی بیویوں سے ملتا

۱۔ بخاری لماب الجنازہ جلد ۱ ص ۱۶۶،

۲۔ طبقات ابن سعد جلد اول جز ثلث ص ۲۸۸

۳۔ البدایہ جلد ۳ ص ۳۷۸

۴۔ طبقات ابن سعد جلد اول جز ثلث ص ۲۸۹

۵۔ طبقات ابن سعد جلد اول جز ثالث ص ۲۹۱

۶۔ طبقات ابن سعد جلد اول جز ثالث ص ۲۸۰

ہوں، گوشت کھاتا ہوں، روزے رکھتا ہوں اور افطار کرتا ہوں، بے شک میری امت کا خصی ہونا صرف روزے رکھنا ہے، اس لئے جو شخص خصی کرے گا یا خصی بنے گا وہ میری امت سے نہیں ہے۔“^۱

عبادت..... عبادت و شب زندہ داری حضرت عثمانؓ کا نہایت ہی پر لطف مشغلہ تھا، رات رات بھر نمازیں پڑھتے، دن کو عموماً روزے رکھتے، انہوں نے اپنے گھر میں عبادت کے لئے ایک حجرہ مخصوص کر دیا تھا، جس میں رات دن معکف رہتے تھے، ایک روز آنحضرت ﷺ اس حجرہ کے پاس تشریف لائے اور اس کی چوکھٹ پکڑ کر دو یا تین مرتبہ فرمایا۔

”عثمان! خدا نے مجھے رہبانیت کے لئے مبعوث نہیں کیا ہے، سہل اور آسان

دین حنفی خدا کے نزدیک تمام ادیان سے بہتر ہے۔“^۲

شوق عبادت نے بیوی بچوں سے بالکل بے نیاز کر دیا تھا، ایک روز ان کی زوجہ محترمہ حرم نبویؐ میں آئیں، امہات المؤمنینؓ نے ان کو خراب حالت میں دیکھ کر پوچھا، ”تم نے ایسی ہیئت کیوں بنا رکھی ہے؟ تمہارے شوہر سے زیادہ تو قریش میں کوئی دولت مند نہیں“ مجھے ان سے کیا سروکار؟“ وہ رات رات بھر نمازیں پڑھتے ہیں، دن کو روزے رکھتے ہیں“ امہات المؤمنینؓ نے آنحضرت ﷺ سے اس کا تذکرہ کیا تو آپ اسی وقت حضرت عثمان بن معظونؓ کے پاس تشریف لائے اور فرمایا ”عثمان بن معظونؓ کیا میری ذات تمہارے لئے نمونہ نہیں“ بولے ”میرے باپ ماں آپ پر فدا ہوں کیا بات ہوئی؟“

ارشاد ہوا ”تم رات بھر عبادت کرتے ہو دن کو ہمیشہ روزہ رکھتے ہو“ عرض کی ”ہاں ایسا کرتا ہوں“ حکم ہوا ”ایسا نہ کرو، تمہاری آنکھ کا، تمہارے جسم کا اور تمہارے اہل و عیال کا تم پر حق ہے، نمازیں بھی پڑھو اور آرام بھی کرو، روزے بھی رکھو اور افطار بھی کرو، غرض اس فہمائش کے بعد ان کی بیوی پھر امہات المؤمنینؓ کی خدمت میں حاضر ہوئیں، تو ایک دلہن کی طرح معطر تھیں

۳۔ اہل و عیال..... حضرت عثمانؓ نے اپنی زوجہ محترمہ حضرت خولہ بنت حکیم سے دوڑ کے عبدالرحمن اور سائب یادگار چھوڑے“^۳

۱۔ ایضاً صحیح بخاری کتاب الصوم و کتاب النکاح

۲۔ طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث ص ۲۸۷

۳۔ طبقات ابن سعد قسم اول جزء ۳ ص ۲۸۷

۲۔ طبقات ابن سعد قسم اول ص ۲۸۶

حضرت ارقم بن ابی الارقمؓ

نام و نسب..... ارقم نام، ابو عبد اللہ کنیت، والد کا نام عبد مناف ابو الارقم کنیت اور والدہ کا نام امیمہ تھا، شجرہ نسب یہ ہے:

ارقم بن ابی الارقم بن اسد بن عبد اللہ بن عمر بن مخزوم

حضرت ارقم کا خاندان ایام جاہلیت میں مخصوص عزت و اقتدار کا مالک تھا، ان کے دادا ابو جندب اسد بن عبد اللہ اپنے زمانہ میں مکہ کے ایک نہایت سربراہ اور دروہ رئیس تھے۔

اسلام..... حضرت ارقم گیارہ یا بارہ اصحاب کے بعد ایمان لائے، اس وقت آنحضرت ﷺ اور تمام کلمہ گو یوں کی زندگی نہایت خطرہ میں تھی، مشرکین قریش چاہتے تھے، کہ اس تحریک کو با اثر ہونے سے پہلے معدوم کر دیں، لیکن اسلام فنا ہونے کے لئے نہیں آیا تھا، حضرت ارقم نے مہبط وحی و الہام اور تمام مسلمانوں کو اپنے مکان میں چھپایا، حضرت عمر فاروقؓ اسی گھر میں اسلام لے آئے، ان کے اسلام لانے کے وقت کم و بیش چالیس آدمی شرف اسلام سے مشرف ہو چکے تھے، آپ کے اسلام لانے سے مسلمانوں میں قوت پیدا ہو گئی، اس وقت اس خطیرہ قدس کو چھوڑا۔

ہجرت..... بعثت کے تیرہویں سال ہجرت کا حکم ہوا، تو حضرت ارقم بھی دوسرے صحابہ کرام کے ساتھ مدینہ پہنچے، یہاں حضرت ابو طلحہؓ زید بن سہل سے مواخات ہوئی، اور آنحضرت ﷺ نے مستقل سکونت کے لئے بنی زریق کے محلہ میں ایک قطعہ زمین عطا فرمایا۔

غزوات..... حق و باطل کی اول کشمکش یعنی غزوہ بدر میں شریک کارزار تھے، اس جنگ میں حضرت سرور کائنات ﷺ نے ان کو ایک تلوار مرحمت فرمائی تھی، احد، خندق، خیبر اور تمام دوسرے اہم معرکوں میں بھی پامردی و شجاعت سے لڑے۔

عہدہ..... زمانہ رسالت میں تحصیل زکوٰۃ کی خدمت پر مامور تھے۔

وفات..... ۸۳ برس کی عمر پا کر ۸۳ھ رحلت گزین عالم جاوداں ہوئے، انہوں نے وصیت فرمائی تھی کہ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ ان کی جنازہ کی نماز پڑھائیں، لیکن وہ مدینہ سے کچھ

۱۔ اسد الغابہ جلد ۱ ص ۶۰ و اصحابہ تذکرہ ارقم

۲۔ طبقات ابن سعد قسم اول جزء ۳ ص ۱۷۷

۳۔ اسد الغابہ جلد ۱ ص ۶۰

۴۔ اسد الغابہ جلد ۱ ص ۶۰

فاصلہ پر مقام عقیق میں تھے، ان کے آنے میں دیر ہوئی تو مروان بن حکم والی مدینہ نے کہا کہ ایک شخص کے انتظار میں جنازہ کب تک پڑا رہے گا؟ اور چاہا کہ خود آگے بڑھ کر امامت کرے، لیکن عبید اللہ بن ارقم نے اجازت نہ دی، اور قبیلہ بنی مخزوم ان کی حمایت پر تیار ہو گئے، غرض بات بڑھ چلی تھی کہ اسی اثناء میں حضرت سعد بن ابی وقاص تشریف لائے اور انہوں نے نماز پڑھا کر بقیع کے گورستان میں دفن کیا۔

انا لله وانا اليه راجعون

اخلاق..... تقویٰ، تدین، زہد و استبازی حضرت ارقم کی نمایاں اوصاف تھے، عبادت و شب زندہ داری سے بے حد شوق تھا، ایک دفعہ انہوں نے بیت المقدس کا قصد کیا اور رخت سفر درست کر کے رسول اللہ ﷺ سے رخصت ہونے آئے، آپ نے پوچھا کہ تجارت کے خیال سے جاتے ہو یا کوئی خاص ضرورت ہے؟ بولے ”میرے باپ ماں آپ پر فدا ہوں یا رسول اللہ! کوئی ضرورت نہیں ہے صرف بیت المقدس میں نماز پڑھنا چاہتا ہوں“ ارشاد ہوا کہ میری اس مسجد کی ایک نماز مسجد حرام کے سوا تمام مساجد کی ہزار نمازوں سے بہتر ہے، حضرت ارقم یہ سنتے ہی بیٹھ گئے اور ارادہ فرما لیا۔

ذریعہ معاش..... ہجرت کے بعد مدینہ وطن ہو گیا تھا، اس لئے انہوں نے مکہ کے مکان کو جو اپنی تاریخی عظمت کے لحاظ سے مرجع زائرین تھا، وقف الاولاد کر دیا، تاکہ بیع و وراثت کے جھگڑوں سے محفوظ رہے۔

یہ مکان کوہ صفا کے نیچے ایسے موقع پر تھا کہ جو لوگ حج میں صفا و مروہ کے درمیان سعی کرتے تھے، وہ ٹھیک اس کے دروازے پر سے ہو کر گذرتے تھے، ۱۴۰ھ میں خلیفہ منصور عباسی کے عہد تک وہ بحسنہ اپنی حالت پر موجود تھا، لیکن اسی سال محمد بن عبد اللہ بن حسن نے مدینہ میں خروج کیا، چونکہ حضرت ارقم کے پوتے عبد اللہ بن عثمان ان کے معاونین میں تھے، اس سے منصور نے والی مدینہ کو لکھ کر ان کو گرفتار کرایا اور اپنے ایک خاص معتمد شہاب بن عبد رب کو بھیج کر اس مکان کو فروخت کرنے کی ترغیب دی، عبد اللہ بن عثمان نے پہلے انکار کر دیا، لیکن پھر قید سے مخلصی پانے کی بشارت اور گراں قدر معاوضہ کے طمع نے بیچنے پر راضی کر دیا، غرض منصور نے سترہ ہزار دینار پر ان کا حصہ خرید لیا رفتہ رفتہ، دوسرے شرکاء بھی راضی ہو گئے، لیکن ان کا زر معاوضہ اس کے علاوہ ہے۔

ابو جعفر منصور کے بعد خلیفہ مہدی نے اپنی جاریہ خیزران کو دے دیا جس نے منہدم کر کے

۱ طبقات ابن سعد قسم اول ج ۳ ص ۱۷۳

۲ مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۵۰۴

۳ مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۵۰۴

نئے سرے سے ایک محل تعمیر کرایا، پھر گردش ایام نے اس میں گونا گوں تغیرات پیدا کیے، اور اس طرح آغاز اسلام کی وہ پر عظمت یادگار جو عرصہ تک مطلع انور الہی و مہبط ملائکہ آسمانی رہی تھی، صفحہ ہستی سے معدوم ہو گئی۔
اولاد حضرت ارقمؓ نے دولڑکے عبید اللہ، عثمان اور تقین لڑکیاں، امیہ، مریم، اور صفیہ یادگار چھوڑیں۔

حضرت مقداد بن عمروؓ

نام و نسب مقداد نام، ابوالاسود کنیت، عمرو کندی کے لخت جگر تھے، پورا سلسلہ نسب یہ ہے:

مقداد بن عمرو بن ثعلبہ مالک بن ربیعہ بن ثمامہ بن مظرد و النہرانی
حضرت مقدادؓ دراصل بہراء کے رہنے والے تھے، چونکہ ان کے خاندان کے ایک ممبر نے کسی ہمسایہ قبیلہ میں خونریزی کی تھی، اس لئے انتقام کے خوف سے کندہ چلے آئے تھے، لیکن یہاں بھی یہی مصیبت پیش آئی، بالآخر مکہ آکر آباد ہوئے اور اسود بن عبد یغوث کے خاندان سے حلیفانہ تعلق پیدا کر لیا جس نے محبت سے ان کو اپنا متہنی کر لیا تھا، چنانچہ عمرو کے بجائے اسود ہی کے انتساب سے مشہور ہوئے۔

اسلام وہ مکہ میں ابھی اچھی طرح توطن گزین بھی نہ ہونے پائے تھے کہ صدائے توحید کانوں میں آئی اور رسالت کی دعوت و تبلیغ نے ان کو اسلام کا شیدائی بنا دیا، یہ وہ پر آشوب زمانہ تھا کہ علانیہ ایک کو ایک کہنا قلم و شرک میں شدید ترین جرم خیال کیا جاتا تھا، لیکن حضرت مقدادؓ نے اپنی بے بسی و غریب الوطنی کے باوجود اخفائے حق گوارا نہ کیا، چنانچہ وہ ان سات بزرگوں کی صف میں نظر آتے ہیں، جنہوں نے ابتداء ہی میں اپنے حلقہ بگوش اسلام ہونے کا اعلان کر دیا تھا۔^۱
ہجرت اس حق پسندی کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ وہ طرح طرح کے مصائب اور گونا گوں مظالم کا نشانہ بنائے گئے، یہاں تک کہ پیمانہ صبر و تحمل لبریز ہو گیا اور مکہ چھوڑ کر عازم حبش ہوئے۔^۲

کچھ دنوں کے بعد سرزمین حبش سے واپس آئے تو مدینہ کی طرف ہجرت کی تیاریاں ہو رہی تھیں، لیکن وہ ایک عرصہ تک اپنی بعض دشواریوں کے باعث مدینہ جانے سے مجبور رہے، یہاں تک کہ جب رسول اللہ ﷺ بھی تشریف لے گئے اور کفر و اسلام میں فوجی چھیڑ چھاڑ کا آغاز ہوا، تو یہ اور حضرت عتبہ بن غزوہ ان ایک قریشی متحسین دستہ فوج کے ہمراہ مدینہ کی طرف روانہ ہوئے، عکرمہ ابن ابی جہل اس کا امیر عسکر تھا، راہ میں مجاہدین اسلام کی ایک جماعت سے ٹکرائے ہوئی، حضرت عبید بن الحارثؓ اس کے افسر تھے، یہ دونوں موقع پا کر مسلمانوں سے مل گئے اور مدینہ پہنچ

۱۔ اسد الغابہ تذکرہ مقداد بن عمروؓ

۲۔ اسد الغابہ تذکرہ مقداد بن عمروؓ

۳۔ طبقات ابن سعد قسم اول جزء ۳ ص ۱۱۴

کر حضرت کلثوم بن ہدم کے مہمان ہوئے۔
 رسول اللہ ﷺ نے ان کو بنی عدیلہ کے محلہ میں مستقل سکونت کے لئے زمین مرحمت فرمائی،
 کیونکہ حضرت ابی بن کعبؓ کی دعوت پر انہوں نے اسی حصہ میں رہنا پسند کیا تھا۔
 غزوات..... ۲۷ سے شرک و توحید میں باقاعدہ معرکہ آرائیوں کا سلسلہ شروع ہوا اور
 مشرکین قریش کا ایک خوفناک سیلاب میدان بدر کی طرف امنڈ آیا چونکہ جان نثاران رسولؐ کے
 لئے یہ اولین آزمائش تھی، اس لئے رسول اللہ ﷺ نے پہلے مشورہ طلب کر کے اس قلیل لیکن اولوالعزم
 جماعت کا امتحان لینا چاہا، چنانچہ سب سے پہلے حضرت ابو بکر صدیقؓ نے اپنی صداقت شعاری کا
 جو ہر دکھایا، پھر ان کے بعد حضرت عمرؓ نے ایک تقریر میں اپنے خلوص و وفا شعاری کا اظہار کیا،
 لیکن مقدادؓ نے جس جوش و دھار کیساتھ اپنی فدویت و جان نثاری کا ثبوت دیا، اس نے یکا یک
 تمام فدائیوں کے جذبہ سرفروشی میں ہیجان پیدا کر دیا، انہوں نے عرض کی ہم قوم موسیٰ کی طرح یہ نہیں
 کہیں گے ”تو اور تیرا خدا جا کر لڑے“ بلکہ ہم آپ کے داہنے بائیں، آگے پیچھے اپنی جانبازی
 کے جو ہر دکھائیں گے۔ قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو دین حق کے ساتھ مبعوث فرمایا
 ہے، اگر آپ ہم کو برک غماد تک لے چلیں گے تو ہم آپ کے ساتھ جا کر لڑیں گے، اس سادہ
 لیکن پر جوش اظہار فدویت سے آنحضرت ﷺ اس قدر خوش ہوئے کہ فرط انبساط سے چہرہ
 مبارک چمک اٹھا۔ ۵

حضرت مقدادؓ تیر اندازی، نیزہ بازی اور شہسواری میں کمال رکھتے تھے، جنگ بدر میں
 صرف یہی یکہ و تنہا شہسوار تھے جو اپنے سبھ صبار فکار کو ہمہ گیر کر رہے تھے، محدثین و اصحاب سیر کا
 عام طور پر اتفاق ہے کہ اس جنگ میں ان کے سوا اور کسی کے پاس گھوڑا نہ تھا، غزوہ بدر کے علاوہ
 احد، خندق اور تمام دوسرے مشہور معرکوں میں پارسردی و جانبازی کے ساتھ شریک کارزار تھے۔ ۶
 فتح مصر..... ۲۸ میں جب مصر پر فوج کشی ہوئی، اور حضرت عمرو بن العاصؓ امیر عسکر نے
 دربار خلافت سے مزید کمک طلب کی تو حضرت عمرؓ نے دس ہزار سپاہی اور چار افسر جن میں سے
 ایک حضرت مقدادؓ بھی تھے ان کی مدد کے لئے روانہ فرمایا اور لکھا کہ ان افسروں میں سے ہر
 ایک دشمن کے ایک ہزار سپاہیوں کے برابر ہے، چنانچہ درحقیقت اس کمک کے پہنچتے ہی جنگ کی
 حالت بدل گئی اور نہایت قلیل عرصہ میں تمام سرزمین فراعنہ فرزند ان توحید کا ورثہ بن گئی۔ ۷

۱۔ اسد الغابہ تذکرہ مقداد بن عمرو

۲۔ طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث ص ۱۱۴

۳۔ بخاری کتاب المغازی باب غزوہ بدر

۴۔ سیرت ابن ہشام جلد اول ص ۳۵۲

۵۔ مسند رک خاتم جلد ۳ ص ۳۲۸

۶۔ بخاری باب غزوہ بدر

۷۔ مقررہ جلد ۱ ص ۶۵

وفات حضرت مقدادؓ عظیم البطن تھے، ایام پیری میں یہ مرض زیادہ تکلیف دہ ثابت ہوا تو ان کے ایک رومی غلام نے اس پر عمل جرحی کیا، جو غلطی سے ناکام رہا، بالآخر وہ خوف و ندامت کے باعث روپوش ہو گیا اور انہوں نے اسی حالت میں مدینہ سے تین میل کے فاصلہ پر مقام جرف میں داعی جنت کو لبیک کہا، یہ ۳۳ھ میں خلیفہ ثالث کا عہد تھا، خود امیر المومنینؓ نے جنازہ کی نماز پڑھائی، اور لاش مدینہ لا کر بقیع کے گور غریباں میں دفن کی گئی، انہوں نے کم و بیش ستر برس کی عمر پائی۔

اخلاق حضرت مقدادؓ گونا گوں محاسن اخلاق کے مظہر اتم تھے، انہوں نے غزوہ بدر کے موقع پر جس جوش فدویت کا اظہار کیا وہ تمام صحابہ کرامؓ رضوان اللہ علیہم کے لئے باعث رشک تھا، حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرمایا کرتے تھے، ”کاش! میں اس وقت جنگ میں شریک ہونے کے لائق ہوتا، اور جملے میری زبان سے ادا ہوتے“، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ میں جنگ بدر میں مقداد بن اسودؓ کے ساتھ تھا، حقیقت یہ ہے کہ مجھے اس جنگ میں ان کے ساتھ ہونا اس قدر محبوب ہے کہ تمام دنیا اس کے آگے چھ ہے۔

سپاہیانہ سادگی، صاف گوئی اور طنساری کے ساتھ زندہ دلی اور حاضر جوابی نے ان کی صحبت کو نہایت دلچسپ بنا دیا تھا، ایک دفعہ وہ کسی صراف کی دکان پر بیٹھے تھے کہ ایک شخص نے ان کے بلفخی تن و توش پر طعنہ زن ہو کر کہا ”ابوالاسود! خدا نے تم کو جہاد میں شریک ہونے سے پہلے معاف کر دیا ہے“ بر جستہ بولے ”نہیں! انفر و اخفا و لقا کا حکم اس سے منکر ہے“۔ وہ نہایت صاف گو اور سادہ مزاج تھے، ایک دفعہ حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ نے ان سے کہا کہ تم شادی کیوں نہیں کرتے؟ سادگی کے ساتھ بولے ”تم اپنی لڑکی سے بیاہ دو“ حضرت عبدالرحمنؓ اس بیباکی و صاف گوئی پر سخت برہم ہوئے اور برا بھلا کہنے لگے، حضرت مقدادؓ نے ان کی اس برہمی کی شکایت دربار نبوت میں پیش کی تو ارشاد ہوا، اگر کسی کو انکار ہے تو ہونے دو میں تم کو اپنی بنت عم سے بیاہ دوں گا، چنانچہ اس کے بعد ہی حضرت ضباعہ بنت زبیرؓ ابن عبدالمطلب ان کے عقد نکاح میں آئیں۔

آغاز اسلام کی عمرت و ناداری نے ان کو حد درجہ جفاکش و قانع بنا دیا تھا، فرماتے ہیں کہ جب میں ہجرت کر کے مدینہ آیا تو، یہاں میرے رہے سہے اور کھانے پینے کا کوئی سہارہ نہ تھا، بھوک سے حالت تباہ تھی، بالآخر رسول اللہ ﷺ نے مجھ کو اور میرے دونوں ساتھیوں کو اپنے میزبان کلثوم بن ہدمؓ کے گھر میں جگہ دی، آپ کے پاس اس وقت صرف چار بکریاں تھیں، جن کے

دودھ پر ہم لوگوں کا گذارا تھا، ایک دفعہ رات کے وقت آپؐ باہر تشریف لے گئے اور دیر تک تشریف نہ لائے، میں نے خیال کیا کہ آج کسی انصاری نے دعوت دی ہوگی، اور آپؐ آسودہ ہو کر شریف لائیں گے، اس خیال کے آتے ہی میں نے اٹھ کر آنحضرت ﷺ کے حصہ کا دودھ بھی پی لیا، لیکن پھر خیال آیا کہ اگر یہ قیاس غلط ثابت ہو تو بڑی ندامت ہوگی، غرض میں اسی شش و پنج میں تھا آنحضرت ﷺ تشریف لائے اور دودھ کی طرف بڑھے، دیکھا تو پیالہ خالی تھا، مجھے اپنی غلطی پر سخت ندامت ہوئی، خصوصاً جب کہ آپؐ نے کچھ کہنے کے لئے دونوں ہاتھ اٹھائے تو میرے خوف و ہراس کی کوئی انتہا نہ تھی اور اندیشہ ہوا کہ عنقریب آنحضرت ﷺ کی بددعا سے ہماری دنیا و آخرت تباہ ہو جائے گی لیکن آپؐ نے فرمایا:

اللهم اطعمه من اطعمنی و اسق من سقانی

یعنی خدایا جو مجھے کھلائے اس کو کھلا اور جو مجھے سیراب کرے اس کو سیراب کر

اس دعا سے کچھ ہمت بڑھی، اٹھ کر بکریوں کے پاس گیا کہ شاید کچھ دودھ نکل آئے، لیکن خدا کی قدرت جس تھن پر ہاتھ پڑا وہ دودھ سے لبریز نظر آیا، غرض کافی مقدار میں دودھ کو خدمت بابرکت میں پیش کیا، آپؐ نے پوچھا ”کیا تم لوگ پی چکے ہو؟“ عرض کی یا رسول اللہ! آپ پہلے نوش فرمائیں تو پھر مفصل واقعہ عرض کروں؟“ آنحضرت ﷺ نے خوب سیر ہو کر نوش فرمایا تو مجھے اپنی گزشتہ غلطی و ندامت پے بے اختیار ہنسی آگئی، آپؐ نے پوچھا ”ابوالاسود! یہ کیا ہے؟“ میں نے تمام واقعہ بیان کیا تو ارشاد ہوا:

”یہ خدا کی رحمت تھی، تم نے اپنے دونوں ساتھیوں کو کیوں بیدار نہ کر دیا کہ وہ

بھی اس سے مستفیض ہوتے“

خوشامدانہ مداحی سے سخت متنفرد تھے، ایک مرتبہ حضرت عثمانؓ کے دربار میں چند آدمیوں نے ان کے روبرو تعریف و توصیف شروع کی، حضرت مقدادؓ اس تملق اور چالپوسی پر اس قدر براہم ہوئے کہ ان کے منہ پر خاک ڈالنے لگے، حضرت عثمانؓ نے فرمایا ”مقداد! یہ کیا ہے؟“ بولے ”رسول اللہ ﷺ نے ہم کو حکم دیا ہے کہ خوشامدیوں کے منہ میں خاک بھر دو“

ایک دفعہ ایک تابعی نے ان کے پاس آ کر کہا ”مبارک ہیں آپ کی آنکھیں، جنہوں نے رسول اللہ ﷺ کی زیارت کی ہے، کاش! میں بھی اس زمانہ میں ہوتا“ حضرت مقدادؓ ان پر سخت براہم ہوئے، لوگوں نے تعجب سے پوچھا کہ یہ برہمی کی کیا بات تھی؟ بولے ”حاضر کو غائب کی تمنا عبث ہے، جن لوگوں نے رسول اللہ ﷺ کا زمانہ پایا ہے، ان میں بہت سے ایسے ہیں جن کو ایمان نہ لانے کے باعث خدا نے جہنم واصل کر دیا، اس کو کیا معلوم کہ وہ اس وقت کس گروہ میں ہوتا؟ تم لوگوں کو خدا کا شکر کرنا چاہیے کہ بغیر امتحان و آزمائش رسول اللہ ﷺ کی تعلیم سے مستفیض ہوئے“

کسی شخص کے متعلق اچھی یا بری رائے قائم کرنے میں نہایت محتاط تھے، فرمایا کرتے تھے، کہ میں صرف نتائج نظر رکھتا ہوں، خصوصاً جب سے رسول اللہ ﷺ نے یہ فرمایا ہے کہ انسان کا دل نہایت تغیر پذیر ہے۔

جاگیر و ذریعہ معاش..... تجارت اصلی ذریعہ معاش تھی، رسول اللہ ﷺ نے ان کو خیبر میں جاگیر بھی مرحمت فرمائی تھی، جس کو حضرت امیر معاویہؓ نے اپنے عہد حکومت میں ان کے ورثہ سے ایک لاکھ درہم میں خرید لیا تھا۔

حلیہ..... حضرت مقدادؓ طویل القامت، عظیم البطن و فر بہ اندام تھے سر کے بال گھنے، ابرو پیوستہ اور داڑھی نہایت موزوں و خوبصورت تھی۔

اولاد..... حضرت ضباعہ بنت زبیرؓ سے ایک لڑکی کریمہ نام یادگار چھوڑی۔

۱۔ مسند احمد بن حنبل جلد ۵۶

۲۔ طبقات ابن سعد قسم ۱ جزء ۳ ص ۱۱۵

۳۔ طبقات ابن سعد قسم ۱ جزء ۳ ص ۱۱۵

۴۔ طبقات ابن سعد قسم ۱ جزء ۳ ص ۱۱۵

حضرت عبدالرحمن بن ابی بکر الصدیقؓ

نام و نسب..... عبدالرحمن، نام، ابو عبداللہ کنیت، خلیفہ اول حضرت ابو بکر صدیقؓ کے صاحبزادہ تھے، والدہ کا نام ام رمان تھا، ام المومنین حضرت عائشہؓ اور یہ دونوں، حقیقی بھائی بہن تھے۔ ابتدائی حالات..... حضرت ابو بکر صدیقؓ کا تمام خاندان ابتدا ہی میں حلقہ بگوش اسلام ہوا، لیکن حضرت عبدالرحمن اس سے مستثنیٰ تھے، وہ عرصہ تک اپنے قدیم مذہب کے حامی رہے، غزوہ بدر میں مشرکین قریش کے ساتھ تھے، اثنائے جنگ میں انہوں نے آگے بڑھ کر ”ہل من مبارز“ کا نعرہ لگایا، تو حضرت ابو بکر صدیقؓ کی آنکھوں میں خون اتر آیا، انہوں نے خود بڑھ کر مقابلہ کرنا چاہا، لیکن آنحضرت ﷺ نے ان کو اجازت نہ دی۔ غزوہ احد میں بھی وہ مشرکین مکہ کے ساتھ تھے۔

اسلام..... حضرت عبدالرحمن صلح حدیبیہ کے موقع پر ایمان لائے اور مدینہ پہنچ کر اپنے والد کے ساتھ رہنے لگے، حضرت ابو بکر صدیقؓ کے نبی کے تمام کام اور ذاتی کاروبار زیادہ تر یہی انجام دیتے تھے، اور نہایت اطاعت شعاری کے ساتھ ان کے غیظ و غضب کو برداشت کرتے تھے، ایک مرتبہ شب کے وقت چند اصحاب صفہ حضرت ابو بکرؓ کے یہاں مہمان تھے، انہوں نے حضرت عبدالرحمنؓ کو ہدایت فرمائی کہ:

”میں آنحضرت ﷺ کی خدمت میں جاتا ہوں تم میرے واپس آنے سے

پہلے ان کی مہمان نوازی سے فارغ ہو جانا“

حضرت عبدالرحمنؓ نے حسب ہدایات وقت پر مہمان کے سامنے ماہر پیش کیا لیکن انہوں نے صاحب خانہ کی غیر موجودگی میں کھانے سے انکار کر دیا، اتفاق سے حضرت ابو بکر صدیقؓ بہت دیر کے بعد تشریف لائے اور یہ معلوم کر کے کہ مہمان اب تک بھوکے بیٹھے ہیں، حضرت عبدالرحمنؓ پر نہایت برہم ہوئے اور گالی دے کر کہا ”خدا کی قسم! اس کو کھانے میں شریک نہیں کروں گا“ حضرت عبدالرحمنؓ ڈر سے مکان کے ایک گوشہ میں چھپ رہے تھے، وہ کسی قدر جرات کر کے سامنے آئے اور بولے ”آپ مہمانوں سے پوچھ لیجئے کہ میں نے کھانے کے لئے اصرار کیا تھا“ انہوں نے تصدیق کی اور کہا ”واللہ! جب تک آپ عبدالرحمنؓ کو نہ کھلائیں گے ہم لوگ بھی نہ کھائیں گے، غرض اس طرح ان کا غصہ فرو ہوا، اور دسترخوان بچھایا گیا، حضرت عبدالرحمنؓ فرماتے ہیں کہ اس

روز کھانے میں اس قدر برکت ہوئی کہ ہم لوگ کھاتے جاتے تھے لیکن وہ کسی طرح ختم نہیں ہوتا تھا، یہاں تک کہ میں اس میں سے کچھ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں بھی لے کر حاضر ہوا جس کو آپ اور ان کے بہت سے اصحاب نے تناول فرمایا۔

غزوات..... حضرت عبدالرحمن نہایت شجاع و بہادر تھے، خصوصاً تیر اندازی میں کمال رکھتے تھے، واقعہ حدیبیہ کے بعد عہد نبوت میں جس قدر معرکے پیش آئے وہ ان میں سے اکثر میں جانبازی و پامردی کے ساتھ سرگرم کارزار تھے۔

جنگ یمامہ..... یمامہ کی خونریز جنگ میں حضرت عبدالرحمنؓ نے اپنی قادر اندازی کا غیر معمولی کمال دکھایا، انہوں نے اس جنگ میں غنیم کے سات بڑے جانباز افسروں کو نشانہ بنا کر واصل جہنم کیا۔

قلعہ یمامہ کی دیوار ایک جگہ سے شق ہو گئی تھی، مسلمان اس راستہ سے اندر گھسنا چاہتے تھے، لیکن دشمن کا ایک سردار محکم بن طفیل نہایت جانبازی کے ساتھ اس جگہ اڑا ہوا تھا حضرت عبدالرحمنؓ نے تاک کر اس کے سینہ پر ایک ایسا تیر مارا کہ وہیں تڑپ کر ڈھیر ہو گیا اور مسلمان اس کے ساتھیوں کو رپلتے ہوئے اندر گھس گئے۔

یزید کی بیعت سے انکار..... امیر معاویہؓ نے یزید کی جانشینی کے لئے اپنی زندگی ہی میں کوشش شروع کر دی ایک دفعہ ان کے ایماء سے مروان بن حکم والی مدینہ نے مسجد نبویؐ میں لوگوں کو جمع کر کے یزید کے لئے بیعت لینا چاہا، اس وقت جن لوگوں نے اس کی مخالفت میں صدا بلند کی ان میں ایک حضرت عبدالرحمنؓ بھی تھے، انہوں نے مروان سے غضب آلود لہجہ میں کہا ”کیا تم لوگ خلافت کو موروثی بادشاہت بنا دینا چاہتے تھے“ مروان نے براہم ہو کر کہا ”صاحبو! یہ وہی ہے جس کی نسبت قرآن میں آیا ہے ”والذی قال لوالدیہ اف لکما“ (یعنی والدین کی اطاعت نہ کرنے پر خدا نے ان کی مذمت کی ہے) ام المومنین حضرت عائشہؓ اپنے حجرہ میں یہ گفتگو سن رہی تھیں، وہ غضبناک ہو کر بے اختیار بول اٹھیں ”نہیں! واللہ نہیں!! عبدالرحمنؓ کے متعلق نہیں ہے، اگر چاہو تو میں اس کا نام لے سکتی ہوں جس کی نسبت یہ آیت نازل ہوئی تھی“۔

حضرت امیر معاویہؓ کو حضرت عبدالرحمنؓ کی مخالفت کا حال معلوم ہوا تو انہوں نے ان کو خوش کرنے کے لئے ان کے پس ایک لاکھ درہم کے توڑے بھیج دیئے، لیکن حضرت عبدالرحمنؓ نے غایت بے نیازی کے ساتھ واپس کر دیا اور فرمایا ”واللہ! میں دین کو دنیا کے عوض فروخت نہیں کر سکتا۔“

وفات..... حضرت عبدالرحمنؓ اس واقعہ کے بعد مدینہ چھوڑ کر مکہ چلے آئے اور شہر سے تقریباً

۱۰ میل کے فاصلہ پر ”جہشی“ نام ایک مکان میں اقامت پذیر ہوئے، یہاں تک کہ ۵۳ھ میں ایک روز ناگہانی طور پر اسی گوشہ عزلت میں واصل بحق ہوئے، بیان کیا جاتا ہے کہ پہلے سے ان کو اپنی صحت کے متعلق کسی قسم کی کوئی شکایت تھی، وفات کے دن حسب معمول سوئے مگر ایسی نیند سوئے پھر نہ اٹھ سکے، حضرت عائشہؓ کے دل میں اس ناگہانی حادثہ کے باعث شبہ ہوا کہ کسی نے زہر وغیرہ دیے کر مار ڈالا، لیکن کچھ دنوں کے بعد ایک عورت حضرت عائشہؓ کے گھر آئی، بظاہر تو اتنا تندرست تھی، ایک مرتبہ سجدہ کیا اور ایسا سجدہ کہ پھر اس سے سر نہ اٹھایا، اس واقعہ کے بعد اس ان کا شک جاتا رہا۔

ام المؤمنین حضرت عائشہؓ کو ان کے انتقال کی خبر ملی تو وہ حج کی نیت سے مکہ آئیں اور بھائی کی قبر پر کھڑی ہو کر بے اختیار روئیں، اس وقت ان کی زبان پر یہ اشعار تھے۔

و کنا لند مانی جذیمۃ حقبة

من الدهر حتی قیل لن يتصدعا

فلما تفرقنا کافی و مالکا

لطول اجتماع لم یست لیلۃ معا

پھر مرحوم بھائی کی روح سے مخاطب ہو کر بولیں ”بخدا! اگر میں تمہاری وفات کے وقت موجود ہوتی تو اس قدر نہ روتی اور تم کو اسی جگہ دفن کرتی جہاں تم نے وفات پائی تھی“ ۲

حضرت حاطب بن ابی بلتعہؓ

نام و نسب حاطب نام، ابو محمد یا ابو عبد اللہ کنیت اور والدہ کا نام ابو بلتعہ تھا، سلسلہ نسب میں اختلاف ہے، بعض قحطانی النسل قرار دیتے ہیں اور بعض بنو نجم بن عدی کا ایک ممبر بتاتے ہیں جو ایام جاہلیت میں قبیلہ بنو اسد کے حلیف تھے، تاہم اصحاب سیر کا عام رجحان یہ ہے کہ ان کا آبائی وطن ملک یمن تھا، مکہ میں غلامی یا حلیفانہ تعلق کے باعث سکونت پذیر تھے۔
قبل از اسلام ایام جاہلیت میں شاعری و شہسواری کے لحاظ سے مخصوص شہرت کے مالک تھے۔

اسلام قبل از ہجرت ایمان لائے اور جب مدینہ اسلام کا مرکز قرار پایا تو وہ بھی اپنے غلام حضرت سعدؓ کے ساتھ وارد یثرب ہوئے، یہاں حضرت منذر بن محمد انصاریؓ نے ان کو اپنا مہمان بنالیا، اور حضرت خالد بن زہلہؓ سے مواخات ہوئی۔
غزوات غزوہ بدر، احد، خندق اور تمام مشہور معرکوں میں رسول اللہ ﷺ کے ہمرکاب تھے۔

در بار مصر میں تبلیغ اسلام غزوہ حدیبیہ سے واپس آ کر ۶ھ میں رسول اللہ ﷺ نے ان کو مقوقس والی مصر کے پاس مبلغ اسلام بنا کر بھیجا، رقعہ دعوت کا مضمون یہ تھا،

اما بعد فانی ادعوك بدعاية الاسلام اسلم تسلم و اسلم يوتك
الله اجرک مرتين فان توليت فان عليك اسم اهل القبط يا اهل
الكتاب تولولي كلمة سواء بيننا وبينكم ان لا نعبد الا الله ولا
نشرک به شيئا ولا يتخذ بعضنا بعضا اربابا من دون الله

”میں تم کو دعوت اسلام کی طرف بلاتا ہوں اسلام قبول کرو گے تو تم محفوظ رہو گے اور خدا تم کو دونا اجر دے گا، اور اگر رد گردانی کرو گے تو تمام قبطیوں کا گناہ تم پر عائد ہوگا اے اہل کتاب! تم ایسے کلمہ کی طرف آؤ جو ہم میں اور تم میں باہم مساوی

۱۔ اسد الغابہ تذکرہ حاطب بن ابی بلتعہ

۲۔ اصحابہ جلد ۱ ص ۳۱۳

۳۔ طبقات ابن سعد قسم ۱ جز ۳ ص ۸۰

۴۔ طبقات ابن سعد قسم ۱ جز ۳ ص ۸۰

۵۔ زاد المعاد جلد ۲ ص ۵۰

ہے، یعنی ہم اب وہ ف ایک خدا کی پرستش کریں، کسی چیز کو اس کا شریک نہ بنائیں اور ہم میں سے بعض اپنے بعض کو خدا کے آگے پروردگار نہ بنائے۔

حضرت حاطب بن ابی بلتعہ نے مصر پہنچ کر مقوقس کے دربار میں نامہ مبارک پیش فرمایا اور حسب ذیل مکالمہ سے اس اسلام کی ترغیب دی

حضرت حاطب: تم سے پہلے یہاں ایک ایسا فرماں روا گذرا ہے جو بزمِ عم خود اپنے آپ کو خدائے برتر سمجھتا تھا، لیکن حق سبحانہ نے اسکو دنیا و آخرت کے عذاب میں گرفتار کر کے عبرتناک انتقام لیا، تم کو غیروں سے عبرت حاصل کرنا چاہیے ایسا نہ ہو کہ تم خود مرقعِ عبرت بن جاؤ۔

مقوقس: ہم ایک مذہب کے پابند ہیں جس کو اس وقت تک نہیں چھوڑ سکتے جب تک کوئی دوسرا مذہب اس سے بہتر ثابت نہ ہو جائے۔

حضرت حاطب: ہم تم کو دین اسلام کی دعوت دیتے ہیں جو تمام مذاہب میں سب سے زیادہ مکمل ہے، اس نبی نے جب لوگوں کو اس کی دعوت دی تو قریش نے سخت مخالفت کی، اس طرح یہودیوں نے سب سے زیادہ عداوت ظاہر کی، لیکن نصاریٰ نسبتاً قریب تر تھے، قسم ہے کہ موسیٰ نے جس طرح عیسیٰ کی بشارت دی، اسی طرح عیسیٰ نے محمد ﷺ کی بشارت دی ہے اور جس طرح تم یہودیوں کو ابجیل کی طرف بلا تے ہو اسی طرح ہم تم کو قرآن کی دعوت دیتے ہیں۔

انبیاء کے زمانہ بعثت میں جو قوم موجود ہوتی ہے وہ ان کی امت ہوتی ہے اور اس پر ان کی اطاعت فرض ہے، چونکہ تم نے ایک نبی کا زمانہ پایا ہے اس لئے اس پر ایمان لانا ضروری ہے ہم تم کو دینِ مسیح سے پھیرتے نہیں، بلکہ اسی راہ پر لے جانا چاہتے ہیں۔

مقوقس: کیا درحقیقت محمد نبی ہیں؟

حضرت حاطب: کیوں نہیں!

مقوقس: قریش نے جب ان کو اپنے شہر سے نکال دیا تو انہوں نے بددعا کیوں نہ کی؟

حضرت حاطب: کیا تم گواہی دیتے ہو کہ عیسیٰ بن مریم رسول خدا ہیں؟ اگر ایسا ہے تو انہوں نے صلیب پر کیوں نہیں دعا فرمائی اس دلنشین جواب پر مقوقس نے بے اختیار صدائے تحسین و آفرین بلند کی اور بولا بیشک تم حکیم کی طرف سے آئے ہو۔ میں نے جہاں تک غور کیا ہے، یہ نبی کسی لغو کام کا حکم نہیں دیتا، اور نہ پسندیدہ امور سے باز رکھتا ہے، میں نہ تو اس کو گمراہ جادوگر کہہ سکتا ہوں، اور نہ جھوٹا کاہن، اس نبوت کی بہت سی نشانیاں ہیں، میں عنقریب اس پر غور کروں گا۔ اس کے بعد اس نے آنحضرت ﷺ کا نامہ مبارک لے کر ہاتھی دانت کے ایک ڈبہ

میں بند کیا، اور مہر لگا کر اپنی پیش خدمت کنیر کی حفاظت میں دیا۔

مقبوس نے حضرت حاطبؓ کو نہایت عزت و احترام سے رخصت کیا، اور آنحضرت ﷺ کے لئے گراں قدر تحائف ساتھ کر دیئے، جن میں حضرت ماریہ و سیرین دو لونڈیاں و لدل نامی ایک خچر اور بہت سے قیمتی کپڑے تھے۔

غزوہ فتح مکہ..... ۸ھ میں فتح مکہ کی تیاریاں ہوئیں اور غنیم کو بے خبر رکھنے کے لئے تمام احتیاطی تدبیریں عمل میں لائی گئیں، حضرت حاطبؓ کو مکہ کے رہنے والے نہ تھے، تاہم ایام جاہلیت میں قریش سے جو تعلقات پیدا ہو گئے تھے اس نے ان کو احباب قدیم کی مواسات پر برا بیگختہ کیا، انہوں نے ان تیاریوں کے متعلق خط لکھ کر ایک عورت کی معرفت مکہ کی طرف روانہ فرمایا، لیکن کشف غیب نے قبل از وقت اس راز کو طشت از بام کر دیا، آنحضرت ﷺ نے حضرت علیؓ حضرت زبیرؓ اور حضرت مقدادؓ کو حکم دیا کہ روضہ خانہ کے پاس جا کر اس عورت سے خط چھین لائیں۔

غرض خط گرفتار ہو کر آیا اور پڑھایا تو آپ نے تعجب سے فرمایا ”حاطبؓ! یہ کیا ہے؟ عرض کی:

”یا رسول اللہ! میرے معاملہ میں غیبت نہ فرمائیے، میں قریشی نہیں ہوں تاہم ایام جاہلیت میں ان سے تعلقات پیدا ہو گئے تھے چونکہ تمام مہاجرین اپنے مکی اعزہ و اقارب کی حمایت و مساعدت کرتے رہتے ہیں، اس لئے میں نے بھی چاہا کہ اگر نسبى تعلق نہیں ہے تو کم سے کم اس احسان کا معاوضہ ادا کر دوں جو قریش میرے رشتہ داروں کے ساتھ مرعی رکھتے ہیں میں نے یہ کام مذہب سے مرتد ہو کر یا کفر کو اسلام پر ترجیح دے کر نہیں کیا۔“

رسول اللہ ﷺ نے حاضرین سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ جو کچھ سچی بات تھی اس نے ظاہر کر دی اس لئے اس کو کوئی برائہ کہے، حضرت عمرؓ نے عرض کی یا رسول اللہ! یہ خدا اور رسول اور مسلمانوں کی خیانت کا مرتکب ہوا ہے، اجازت دیجئے کہ اس منافق کی گردن اڑا دوں؟“ ارشاد ہوا ”کیا وہ معرکہ بدر میں شریک نہ تھے؟ خدا نے تمام اہل بدر کو اجازت دے دی ہے، کہ تم جو چاہو کرو تمہارے لئے جنت واجب ہو چکی ہے، رحمۃ للعالمین کی اس شان درگزر پر حضرت عمرؓ کی آنکھوں میں، آنسو جاری ہو گئے۔“

از او المعاد جلد ۲ ص ۷۵

۲ بخاری کتاب المغازی باب غزوہ فتح

۳ بخاری باب فضل من شہد بدر

اسی واقعہ کے بعد اعدائے اسلام سے الفت و مودت کی ممانعت کی گئی اور قرآن پاک میں یہ آیت نازل ہوئی۔

يا ايها الذين امنوا لاتتخذوا عدوى وعدوكم اولياء تلحقون
اليهم بالمودة وقد كفروا بما جاءكم من الحق
اے وہ لوگ جو کہ ایمان لائے ہو میرے دشمن اور اپنے دشمن کو دوست نہ بناؤ،
تم ان کی طرف محبت سے پیش آتے ہو حالانکہ تمہارے پاس جو (مذہب) حق آیا
ہے اس کا انہوں نے انکار کیا ہے۔

مصر کی سفارت..... آنحضرت ﷺ کے بعد خلیفہ اول نے انکو دوبارہ مقوقس کے دربار میں بھیج کر ان کی وساطت سے ایک معاہدہ ترتیب دیا جو حضرت عمرو بن العاصؓ کے حملہ مصر تک طرفین کا معمول بہ تھا۔

وفات..... ۶۵ برس کی عمر پا کر ۳۰ھ میں رہ گزین عالم جاوداں ہوئے، حضرت عثمانؓ نے جنازہ کی نماز پڑھائی اور مسلمانوں کے ایک بڑے مجمع نے سپرد خاک کیا۔

انا لله وانا اليه راجعون

اخلاق..... وفا شعار، احسان پذیری اور صاف گوئی ان کے مخصوص اوصاف ہیں، احباب اور رشتہ داروں کا بے حد خیال رکھتے تھے، فتح مکہ کے موقع میں انہوں نے مشرکین کو جو خط لکھا وہ درحقیقت ان ہی جذبات پر مبنی تھا، چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے بھی اسی نیت خیر و صاف گوئی کو ملحوظ رکھ کر ان سے درگزر فرمایا۔

مزاج میں ذرا سخت تھی، چنانچہ وہ اپنے غلاموں کے ساتھ نہایت سختی سے پیش آتے تھے، آنحضرت ﷺ اور خلفائے وقت ان کی اصلاح کر کے دباتے تھے، ایک دفعہ ان کے ایک غلام نے دربار نبوت میں تشدد کی شکایت پیش کر کے کہا ”یا رسول اللہ! حاطبؓ جہنم میں جائے گا“ ارشاد ہوا ”تو جھوٹ کہتا ہے، جو شخص بد روحدیبیہ میں شریک ہوا ہے وہ جہنم میں نہیں جاسکتا۔“

حضرت عمرؓ کے عہد خلافت میں بھی بارہا غلاموں کے ساتھ ان کے تشدد کی شکایتیں سنی گئیں، ایک دفعہ ان کے غلام نے قبیلہ مزنیہ کے ایک شخص کا اونٹ ذبح کر دیا تو انہوں نے اس کی پاداش میں نہایت سخت سزا مقرر کی، یہاں تک کہ خود خلیفہ وقت نے ان کو بلا کر کہا:

”معلوم ہوا ہے کہ تم اپنے غلاموں کو بھوکا رکھتے ہو“

بخاری کتاب الفیہ باب تفسیر سورۃ الممتحنہ

۱۳ استیعاب جلد ۱ ص ۱۳۵

۱۲ استیعاب جلد ۱ ص ۱۳۵

۱۴ استیعاب جلد ۱ ص ۱۳۵

اور تہینہ و تادب کے خیال سے ان کے معاوضہ میں دو چند قیمت پیش کی۔^۱
 ذریعہ معاش تجارت اصلی ذریعہ معاش تھی، انہوں نے کھانے کی ایک دکان
 (ریسٹورانٹ) سے نہایت کثیر نفع حاصل کیا، چنانچہ وفات کے وقت چار ہزار دینار نقد اور بہت
 سے مکانات چھوڑے۔^۲

حلیہ یہ تھا، موزوں اندم، چہرہ خوبصورت، انگلیاں موٹی اور قد کسی قدر چھوٹا۔^۳

۱۔ استیعاب جلد ۱ ص ۱۳۵

۲۔ طبقات ابن سعد قسم ۱ جز ۳ ص ۸۰

۳۔ طبقات ابن سعد قسم ۱ جز ۳ ص ۸۰

حضرت عبداللہ بن سہیلؓ

نام و نسب عبداللہ نام، ابو سہیل کنیت، والد کا نام سہیل اور والدہ کا نام فاختہ بنت عامر تھا شجرہ نسب یہ ہے:

عبداللہ بن سہیل بن عبد شمس بن عبد ود بن نصر بن مالک بن جبل ابن عامر بن لوی۔
اسلام مکہ میں ایمان لائے اور سرزمین حبش کی دوسری ہجرت میں شریک ہوئے۔
حبش سے واپس آئے تو ان کے والد نے پکڑ کر مقید کر لیا اور سخت اذیت پہنچائی بالآخر حضرت عبداللہؓ ان جفا کاریوں سے تنگ آ کر جمال تو حید کو شرک کے پردہ میں چھپانے پر مجبور ہو گئے، یہاں تک کہ ان کے والدین اور مشرکین قریش نے ان کی ظاہری حالت سے یقین کر لیا کہ وہ بندگان تو حید کے دائرہ سے باطل پرستوں کے حلقہ میں پھر واپس آ گئے اور غزوہ بدر میں شرک کی حمایت پر اپنے ساتھ لے گئے، لیکن انہیں کیا خبر تھی کہ جو دل نور ایمان سے ایک دفعہ روشن ہو چکا ہے، وہ کبھی تاریک نہیں ہو سکتا؟ غرض میدان بدر میں جب حق و باطل کے فدا کی ایک دوسرے کے مقابل صف آرا ہوئے تو حضرت عبداللہؓ شرک کا ظاہری جامہ چاک کر کے آغاز جنگ سے پہلے لوائے تو حید کے نیچے آ کھڑے ہوئے۔

غزوات اس واقعہ پر ان کے والد کو سخت غصہ آیا اور جنگ شروع ہونے پر غیظ و غضب کے ساتھ حملہ آور ہوئے، لیکن اب وہ آزاد تھے، اخوان ملت کی پشت پناہی اور ہادی دین کے سایہ عاطفت نے دل بڑھا دیا تھا، نہایت بہادری و شجاعت سے لڑے، یہاں تک کہ مسلمانوں کی فتح پر جنگ کا خاتمہ ہوا۔

غزوہ بدر کے علاوہ تمام مشہور و معروف معرکوں میں جانبازی و پامردی کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کے ہم رکاب تھے، مکہ فتح ہوا تو انہوں نے دربار نبوت میں اپنے والد کے لئے امان طلب کی، آپ نے امان دے کر حاضرین سے فرمایا:

”سہیل بن عمرو کو کوئی نگاہ حقارت سے نہ دیکھے، قسم ہے کہ نہایت ذی عزت و

دانشمند ہے، ایسا شخص محاسن اسلام سے ناواقف نہیں ہو سکتا، اور اب تو اس نے دیکھ

لیا ہے کہ وہ جس کا حامی تھا اس میں کوئی منفعت نہیں۔“

حضرت عبداللہؓ نے اپنے والد کے پاس آ کر رسول اللہ ﷺ کا فرمان سنایا اور امان کی بشارت دی تو ان کا دل اپنے صاحبزادہ کی سعادت مندی پر تشکر آمیز شفقت سے لبریز ہو گیا، بولے ”خدا کی قسم یہ بچپن ہی سے سعادت مند و نیکو کار ہے“۔^۱
 شہادت حضرت عبداللہؓ تقریباً ۳۸ برس کی عمر پا کر ۱۲ھ میں یمامہ کی جنگ میں شہید ہوئے۔^۲

انا لله وانا اليه راجعون

حضرت ابو بکرؓ حج کیلئے مکہ آئے تو ان کے والد سہیلؓ کے پاس تعزیت کے لئے گئے، صابروشا کر باپ نے کہا آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ شہید اپنے ۷۰ اہل خاندان کی شفاعت کرے گا، مجھ کو امید ہے کہ میرا لڑکا اس وقت مجھ کو فراموش نہ کرے گا“۔^۳

^۱ استیعاب جلد ۱ ص ۳۹۵،

^۲ ایضاً،

^۳ طبقات ابن سعد قسم اول ج ۳ ص ۲۹۶

حضرت عتبہ بن غزو انؓ

نام و نسب عتبہ نام، ابو عبد اللہ کنیت، غزو ان جابر کے لخت جگر تھے، پورا سلسلہ نسب یہ ہے۔

عتبہ بن غزو ان بن جابر بن وہب بن نسیب، بن زید بن مالک بن الحارث بن مازن بن منصور بن عکرمہ بن خصفہ بن قیس بن عیلان بن مضر، ایام جاہلیت میں ان کا خاندان بنی نوفل بن عبد مناف کا حلیف تھا۔

اسلام حضرت عتبہؓ ان بزرگوں میں ہیں جنہوں نے ابتداء ہی میں داعی توحید کو لبیک کہا تھا، چنانچہ ایک دفعہ انہوں نے اثنائے تقریر میں دعویٰ کیا تھا کہ سابقین اسلام میں ان کا ساتواں نمبر ہے، لیکن صحیح یہ ہے کہ اس وقت تک صحابہ کرامؓ کا حلقہ اس سے زیادہ وسیع ہو چکا تھا۔ ہجرت کفار مکہ کی ستم آرائیوں سے تنگ آ کر ملک حبش کی دوسری ہجرت میں شریک ہوئے، لیکن کچھ عرصہ کے بعد پھر واپس چلے آئے، آنحضرت ﷺ اس وقت تک مکہ میں موجود تھے۔

رسول اللہ ﷺ نے جب مدینہ کی طرف ہجرت فرمائی اور کفر و اسلام میں باہم فوجی چھیڑ چھاڑ کا آغاز ہوا تو یہ اور حضرت مقدادؓ ایک قریشی متحس دستہ فوج کے ہمراہ مدینہ کی طرف روانہ ہوئے، عکرمہ بن ابی جہل اس کا امیر عسکر تھا، راہ میں مجاہدین اسلام کی ایک جماعت سے ٹکرائے ہوئی، حضرت عبیدہ بن الحارثؓ اس کے افسر تھے، یہ دونوں موقع پا کر مسلمانوں سے مل گئے اور مدینہ پہنچ کر حضرت عبد اللہ بن سلمہؓ عجلانی کے مہمان ہوئے، یہاں حضرت عتبہؓ اور حضرت ابودجانہ انصاریؓ میں باہم مواخات ہوئی۔

غزوات تیر اندازی کے لحاظ سے ان کا شمار کاملین فن میں تھا، بے پیر، احد اور ان تمام معرکوں میں جن میں رسول اللہ ﷺ نے خود بنفس نفیس حصہ لیا، شجاعت و پامردی کے ساتھ سرگرم کارزار تھے۔

۲۔ مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۲۶۰

۳۔ اسد الغابہ جلد ۳ ص ۳۶۳

۶۔ طبقات ابن سعد قسم اول جز ثانی ص ۶۹

۸۔ اسد الغابہ جلد ۳ ص ۳۶۳

۱۔ اسد الغابہ جلد ۳ ص ۳۶۳

۳۔ اسد الغابہ جلد ۳ ص ۳۶۳

۵۔ اسد الغابہ جلد ۳ ص ۳۶۳

۷۔ مستدرک جلد ۳ ص ۳۶۰

۱۴ھ میں خلیفہ دومؓ نے ان کو بندر گاہ ابلہ حسان اور اس کے ملحقہ مقامات کی فتح پر مامور فرمایا، فرمان کے الفاظ یہ تھا۔

”خدا کی نوازش و برکت پر اعتماد کر کے عرب کے انتہائی حدود اور مملکت عجم کے قریب ترین حصہ کی طرف اپنے ساتھیوں کو لے کر روانہ ہو جاؤ، جہاں تک ممکن ہو تقویٰ کو اپنا شعار بناؤ، اور خیال رکھو کہ تم دشمن کی سر زمین میں جا رہے ہو، مجھے امید ہے کہ خدا تمہاری مدد فرمائے گا“

میں نے علاء بن الحضرمی کو لکھا ہے کہ عرقہ بن ہرثمہ کو بھیج کر تمہاری مدد کریں وہ دشمن کے مقابلہ میں ایک نہایت سرگرم مجاہد اور صاحب تدبیر شخص ہیں تم ان کو اپنا مشیر بناؤ اور اہل عجم کو خدا کی دعوت دو، جو قبول کرے اس کو پناہ دو جو اس سے انکار کرے وہ محکومانہ عاجزی کے ساتھ جزیہ دے، ورنہ تلوار سے فیصلہ کرو، راہ میں جن عربی قبائل سے گزرو ان کو جہاد اور دشمن سے لڑنے پر برا بھلا کہو، اور ہر حال میں خدا سے ڈرتے رہو“

حضرت عتبہؓ نے حسب فرمان اس مہم کو نہایت خوش اسلوبی سے انجام دیا، یعنی دریائے دجلہ تمام ساحلی علاقہ جو ابلہ، ابرقباذ اور حسان وغیرہ جیسے اہم مقامات پر مشتمل تھا، اسلام کا زیر نگیں کر دیا۔۲

تعمیر بصرہ اسی سال ان کا بندر گاہ ابلہ کے قریب جہاں خلیج فارس کے ذریعہ سے ہندوستان و فارس کے جہازات لنگر کرتے تھے، ایک شہر بسانے کا حکم دیا گیا، حضرت عتبہؓ آٹھ سو آدمیوں کے ساتھ اس کف دست میدان میں تشریف لائے اور شہر کی داغ بیل ڈالی، ہر قبیلہ کے لئے ایک ایک محلہ مخصوص کر دیا۔۳ اور حضرت حجن بن الادرزح کو جامع مسجد کی تعمیر پر مامور فرمایا، عمارتیں اولاً گھاس پھوس سے بنائی گئی تھیں، چنانچہ جامع مسجد کی عمارت بھی بالئس اور پھوس سے بنائی گئی تھی۔۴

ولایت حضرت عتبہؓ اس نئے شہر کے سب سے پہلے والی مقرر ہوئے اور چھ مہینے تک نہایت خوش اسلوبی کے ساتھ فرائض منصبی انجام دیتے رہے۔۵ لیکن زہد و بے نیازی نے اس سے کنارہ کش ہونے پر آمادہ کر دیا، ۱۵ھ میں حضرت مجاشع بن مسعود کو جانشین بنا کر فرات کی طرف فوج کشی کا حکم دے دیا اور حضرت مغیرہ بن شعبہؓ کو امارت کی خدمت سپرد کر کے حج کے خیال سے مکہ معظمہ تشریف لائے، یہاں امیر المومنین حضرت عمر فاروقؓ موجود تھے، ان کی

۲ یعقوبی جلد ۲ ص ۱۶۴

۳ اسد الغابہ جلد ۳ ص ۳۶۴

۴ اسد الغابہ جلد ۳ ص ۳۶۴

۵ فتوح البلدان بلاذری ذکر تعمیر البصرہ

۵ طبقات ابن سعد قسم اول جز ۳ ص ۶۹

خدمت میں اپنا استعفیٰ پیش کیا، لیکن انہوں نے اس کے قبول کرنے سے انکار کر دیا، اور بصرہ واپس جانے کی ہدایت کی۔

وفات حضرت عقبہؓ دل سے کنارہ کشی کے متمنی تھے، خلیفہ وقت کے حکم سے مجبور ہو کر بصرہ کی طرف روانہ ہوئے تو ہاتھ اٹھا کر دعا مانگی ”خدا یا مجھے بصرہ نہ پہنچا“ دعا مقبول ہوئی اتفاقاً راہ میں اونٹ سے گر کر واصل بحق ہوئے اور ۵۷ برس کی مفارقت کے بعد خاک کا پتلا خاک سے مل گیا۔ انا لله وانا الیہ راجعون

اخلاق ان کا چمن اخلاق گل ہائے رنگارنگ سے آراستہ تھا، تقویٰ، زہد، جفاکشی اور خاکساری اس باغ کے سب سے خوش آئند پھول ہیں، فرماتے ہیں کہ میں نے اس وقت رسول اللہ ﷺ کو لبیک کہا تھا جب کہ صرف چھ آدمیوں کو اس کی توفیق عطا ہوئی تھی، اور عسرت و ناداری کے باعث درخت کے پتوں پر گزارہ کرنا پڑتا تھا جس سے آنتوں میں زخم پڑ جاتے تھے۔ ۳۔ زہد و بے نیازی نے منصب امارت جیسے فخر اعزاز سے متنفر کر دیا تھا، تکبر و غرور سے قطعی نفرت تھی، فرمایا کرتے تھے ”میں خدا سے پناہ مانگتا ہوں کہ لوگوں کی نظر میں حقیر رہنے کے باوجود اپنے آپ کو بڑا سمجھوں“ ۴۔ انہوں نے بصرہ کی جامع مسجد میں ایک خطبہ دیا تھا، یہاں اس کے چند فقرے نقل کیے جاتے ہیں، ان سے ان کے خوف قیامت، زہد اور خاکساری کا اندازہ ہوگا،

”صاحبو! دنیا رفتی و گذشتنی ہے، اس کا بڑا حصہ گزر چکا ہے اور اب صرف ریزش باقی ہے، جس طرح کسی ظرف کا پانی پھینک دینے کے بعد آخر میں کچھ دیر تک تقاطر کا سلسلہ قائم رہتا ہے، ہاں تم یقیناً اس دنیا سے ایک جگہ منتقل ہونے والے ہو جس کو کبھی زوال نہیں تو پھر کیوں نہیں بہتر سے بہتر تحائف اپنے ساتھ لے جاتے ہو؟ مجھ سے بیان کیا گیا ہے کہ اگر پتھر کا کوئی ٹکڑا جہنم کے کنارہ سے لڑھکایا جائے تو ستر برس میں بھی وہ اس کی گہرائی کو طے نہیں کر سکتا، لیکن خدا کی قسم! تم اس کو بھر دو گے، کیا تم اس پر تعجب کرتے ہو؟ خدا کی قسم! مجھ سے بیان کیا گیا ہے کہ جنت کے دروازے اس قدر وسیع ہونگے کہ چالیس سال میں اس کی مسافت طے ہو سکتی ہے، لیکن ایک دن ایسا بھی آئے گا جب کہ ان پر سخت اثر دام ہوگا۔“

”میں جب ایمان لایا تو رسول اللہ ﷺ کے ساتھ صرف چھ آدمی تھے عسرت و ناداری کی یہ حالت تھی کہ درخت کے پتوں پر گزارہ تھا، جس سے آنتوں میں زخم پڑ جاتے

تھے، مجھے ایک دفعہ چادر مل گئی جس کو چاک کر کے میں نے اور سعد نے تہ بند بنایا
لیکن ایک دن وہ بھی آیا جب ہم میں سے ہر ایک کسی نہ کسی شہر کا امیر ہے، میں خدا
سے پناہ مانگتا ہوں کہ خدا کے نزدیک حقیر ہونے کے باوجود اپنے آپ کو بڑا سمجھوں
نبوت ختم ہو چکی ہے، انجام کار بادشاہت قائم ہوگی، اور تم عنقریب ہمارے بعد امیر
وں کو آڑاؤ گے“۔

حلیہ..... یہ تھا قد طویل، مجموعی حیثیت سے حسین و خوب رو۔

حضرت عامر بن فہیرؓ

نام و نسب..... عامر نام، ابو عمر کنیت، والد کا نام فہیرہ تھا، یہ طفیل بن عبد اللہ کے غلام تھے، جو حضرت عائشہؓ کے اخیانی بھائی اور قبیلہ ازد کے ایک ممبر تھے۔
اسلام..... حضرت عامرؓ نے ابتداء ہی میں دعوت تو حید کو آویزہ گوش ہوش بنایا تھا، آنحضرت ﷺ اس وقت تک ارقم بن ابی الارقمؓ کے مکان میں پناہ گزین نہیں ہوئے تھے، غلامانہ بے بسی کے ساتھ اس حق پسندی نے قدرۃ ان کو سخت سے سخت مصائب میں مبتلا کیا، طرح طرح کی اذیتیں پہنچائی گئیں، لیکن آخر وقت تک استقامت کا دامن ہاتھ سے نہ چھوٹا، یہاں تک کہ حضرت ابو بکرؓ کے دست کرم نے قید غلامی سے نجات دلائی۔

ہجرت..... ہجرت کے موقع پر جب آنحضرت ﷺ اور حضرت ابو بکرؓ غار ثور میں پوشیدہ ہوئے تو حضرت عامر بن فہیرہؓ کے متعلق یہ خدمت تھی کہ وہ دن پھر مکہ کی چراگاہ میں حضرت ابو بکرؓ کی بکریاں چراتے، شام کو غار کے پاس لے آتے یہاں ان کا دودھ دودھ کر استعمال کیا جاتا تھا، صبح کے وقت حضرت عبد اللہ بن ابی بکرؓ جو عموماً شب کے وقت حاضر ہو کر مکہ کی سرگذشت سنایا کرتے تھے، واپس جاتے تو بکریوں کو ان کے نشان قدم پر لے جاتے کہ مشرکین کو کچھ شبہ نہ ہو۔ غرض جب یہ قافلہ غار ثور سے آگے بڑھا تو حضرت ابو بکرؓ نے ان کو اپنے پیچھے بٹھایا، مدینہ پہنچ کر وہ حضرت سعد بن خثیمہؓ کے مہمان ہوئے اور حضرت حارث بن اوسؓ ان کے اسلامی بھائی بنائے گئے۔

ابتداء مدینہ کی آب و ہوا جن لوگوں کو اس نہ آئی ان میں سے ایک حضرت عامر بن فہیرہؓ بھی تھے، یہ اس قدر سخت بیمار ہوئے کہ زندگی سے یاس ہو گئی، شدت بحران کے وقت یہ اشعار ورد زبان ہوتے تھے۔

انسی و جدت الموت قبل ذوقہ

ان الجبان حنّفہ من فوقہ

میں نے موت سے پہلے اس کا مزہ چکھ لیا، بے شک بزدل کی موت اوپر ہی سے ہے

۱۔ کتاب المغازی باب غزوة الرجیع الخ، ۲۔ اسد الغابہ جلد ۳ ص ۹۱،

۳۔ بخاری کتاب المغازی باب غزوة الرجیع

۴۔ طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث ص ۱۶۴

۵۔ اسباب تذکرہ ابن فہیرہؓ

کل امرہ مجاہد بطوقہ
کالشوری حمی انفہ بروقہ
ہر شخص اپنی طاقت سے کوشش کرتا ہے جس طرح بیل اپنی ناک کو سینگ سے محفوظ رکھتا ہے۔

آنحضرت ﷺ کو جب مہاجرین کرام کی علالت کی خبر ملی تو آپ نے دعا فرمائی۔
”اے خدا! تو مدینہ کو مکہ کی طرح یا اس سے بھی زیادہ ہمارے لئے پسندیدہ بنا اور اس کو بیمار یوں سے پاک کر“

دعا مقبول ہوئی اور حضرت عامر بن فہرہؓ بستر علالت سے اٹھ کھڑے ہوئے۔
غزوہ بدر واحد میں شریک تھے، ۲۴ھ میں رسول اللہ ﷺ نے ستر قاریوں کی ایک جماعت کو مشرکین بیر معونہ کی تبلیغ و تلقین پر مامور فرمایا، حضرت عامر بن فہرہؓ بھی اس میں شامل تھے قبائل رعل و ذکوان وغیرہ نے غداری کے ساتھ اس تمام جماعت کو شہید کر دیا، صرف حضرت عمرو بن امیہ ضمریؓ زندہ گرفتار ہوئے عامر بن طفیل نے ان سے ایک لاش کی طرف اشارہ کر کے پوچھا کہ یہ کون ہے؟ بولے ”عامر بن فہرہؓ“ اس نے کہا میں نے ان کو مقتول ہونے کے بعد دیکھا کہ آسمان کی طرف اٹھائے گئے یہاں تک کہ آسمان و زمین کے درمیان بالکل معلق نظر آئے، پھر زمین پر رکھ دیئے گئے۔

تعجب انگیز شہادت..... حضرت عامر بن فہرہؓ کے سینہ سے جس وقت جبار بن سلمی کا نیزہ پار ہوا تو بے ساختہ ان کی زبان سے نکلا:

”خدا کی قسم میں کامیاب ہو گیا“

لاش ٹپ کر آسمان کی طرف بلند ہوئی، ملائکہ نے تجہیز و تکفین کی، اور روح اقدس کے لئے اعلیٰ علیین کے دروازے کھول دیئے گئے، جبار بن سلمی کو اس کرشمہ قدرت نے سخت متعجب کیا اور وہ متاثر ہو کر مشرف باسلام ہوئے۔

اخلاق..... حضرت عامر بن فہرہؓ صورت ظاہری کے لحاظ سے گویاہ قام حبشی تھے، ذاتی وجاہت کا یہ حال تھا کہ ۳۴ سالہ زندگی کا بڑا حصہ ستم پیشہ آقاؤں کی غلامی میں بسر ہوا، لیکن فطری جوہر اخلاق ان ظاہری فریب آرائشوں کا محتاج نہیں، وہ حلقہ شہی و خرقہ گدائی میں ہمیشہ یکساں اپنی چمک دکھاتا ہے، انہوں نے گونا گوں مصائب و مظالم کے مقابلہ میں جس طرح استقلال استقامت کا اظہار فرمایا وہ یقیناً ان کے دستار فضل کا ایک نہایت خوشنما طرہ ہے۔

۱ بخاری باب ہجرت النبی و اصحابہ الی المدینہ

۲ بخاری کتاب المغازی باب غزوۃ الرجز

۳ طبقات ابن سعد حصہ مغازی ص ۳۷

رازداری کا یہ حال ہے کہ خود رسول اللہ ﷺ نے نازک سے نازک موقع پر ان کو اپنا معتمد علیہ بنایا، شوق شہادت نے ان کو دنیا سے بے نیاز کر دیا تھا، چنانچہ غزوہ بدر میں جب برچھی جگر سے پار ہو گئی تو یہ کلمہ زبان پر تھا

فزت و اللہ

”یعنی خدا کی قسم کامیاب ہو گیا“

حضرت ابوسلمہ بن عبدالاسدؓ

نام و نسب عبداللہ نام، ابوسلمہ کنیت، والد کا نام عبدالاسد اور والدہ کا نام برہ بنت عبدالمطلب تھا پورا سلسلہ نسب یہ ہے۔

عبداللہ بن عبدالاسد بن ہلال بن عبداللہ بن عمر بن مخزوم القرشی المخزومیؓ اسلام آنحضرت ﷺ کے ارقم بن ابی ارقم کے مکان میں پناہ گزین ہونے سے پہلے حلقہ مومنین میں داخل ہوئے، ان کی بیوی حضرت ام سلمہؓ نے بھی ان کا ساتھ دیا، حضرت ابوسلمہؓ حضرت عبیدہ بن حارثؓ، حضرت ارقم بن ابی ارقم اور حضرت عثمان بن مظعونؓ ایک ساتھ ایمان لائے تھے۔

ہجرت حضرت ابوسلمہؓ سرزمین حبش کی دونوں ہجرتوں میں شرکت تھے، ان کی بیوی حضرت ام سلمہؓ بھی رفیق سفر تھیں، پھر حبش سے واپس آکر عازم مدینہ ہوئے، بخاری کی ایک روایت سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ سب سے پہلے مہاجر تھے، جو وارد یثرب ہوئے، لیکن دوسری روایت میں اولیت کا سہرا حضرت مصعبؓ بن عمیرؓ کے سر باندھا گیا، ہے علامہ ابن حجرؒ ان دونوں میں تطبیق دیتے ہوئے فرماتے ہیں۔

”حضرت ابوسلمہؓ جب حبش سے مکہ واپس آئے تو مشرکین نے پھر ان کو ہدف اذیت بنایا، اس بنا پر ان کا مدینہ آنا مشرکین کے خوف سے تھا، مستقل ہجرت کا ارادہ نہ تھا، برخلاف اس کے حضرت مصعبؓ بن عمیرؓ اس وقت پہنچے جب کہ مستقل ہجرت کا حکم ہو چکا تھا اس لئے ان دونوں روایتوں میں باہم تخالف نہیں ہے۔“

بہر حال حضرت ابوسلمہؓ سب سے پہلے مدینہ پہنچے، یہ محرم کی دسویں تاریخ تھی، خاندان عمرو بن عوف نے ان کو کامل دو ماہ یعنی آنحضرت ﷺ کی تشریف آوری تک اپنا مہمان رکھا۔

مواخات آنحضرت ﷺ نے حضرت سعد بن خثیمہ انصاری سے مواخات کرا دی اور مستقل سکونت کے لئے ایک قطعہ زمین مرحمت فرمایا۔

غزوات..... غزوہ بدر و احد میں سرگرم پیکار تھے، احد میں ابواسامہ جشمی کے ایک تیرنے ان کا بازو زخمی کر دیا، جو کامل ایک ماہ تک زیر علاج رہنے کے بعد بظاہر مندمل ہو گیا، لیکن غیر محسوس طریقہ پر اندر ہی اندر زہر پھیلاتا رہا، اسی اثناء میں وہ سریہ قطن پر مامور ہوئے جس کی تفصیل یہ ہے۔

سریہ قطن..... قید کے اطراف میں قطن ایک پہاڑ کا نام ہے جس کا دامن بنو اسد بن خزیمہ کا مسکن تھا، آنحضرت ﷺ کو خبر ملی کہ طلحہ اور اسد بن خوید یہاں اپنی قوم اور دوسرے زیر اثر قبائل کو جنگ کے لئے ابھار رہے ہیں، اس بنا پر اوائل محرم ۳ھ میں حضرت ابوسلمہؓ کے زیر سیادت تقریباً ڈیڑھ سو مجاہدین کی ایک جماعت جس میں مہاجرین و انصار دونوں شریک تھے، قبل از وقت اس فتنہ انگیز تحریک کو دبانے پر مامور ہوئے، آنحضرت ﷺ نے حضرت ابوسلمہؓ کو علم دے کر فرمایا:

”روانہ ہو جاؤ یہاں تک کہ بنو اسد کی سر زمین میں پہنچ کر ان کی جمعیت کے

فراہم ہونے سے پہلے انکا شیرازہ منتشر کر دو“

حضرت ابوسلمہؓ تغیر معروف راستہ سے یلغار کرتے ہوئے یکا یک بنو اسد پر جا پڑے، وہ اس ناگہانی حملہ سے بدحواس ہو کر بھاگ کھڑے ہوئے، تو انہوں نے اپنی جماعت کو تین دستوں سے پر منقسم کر کے ان کے تعاقب پر مامور فرمایا، چنانچہ وہ دشمن کو دور تک بھگا کر نہایت کثرت کے ساتھ اونٹ اور بھیڑ بکریاں چھین لائے جن کو حضرت ابوسلمہؓ نے مدینہ پہنچ کر بطور مال غنیمت دربار نبوت میں پیش کیا۔

وفات..... حضرت ابوسلمہؓ اس مہم سے واپس آنے تو زخم پھر عود کر آیا اور ایک عرصہ تک بیمار رہ کر ۳ جمادی الآخر ۳ھ میں واصل بحق ہوئے، اتفاق سے آنحضرت ﷺ عین حالت نزع میں عیادت کے لئے تشریف لائے تھے، روح دیدار جمال کی منتظر تھی، ادھر آپ تشریف لائے اور ادھر روح نے جسم کا ساتھ چھوڑا آپ نے دست مبارک سے ان کی دونوں آنکھیں بند کر کے فرمایا۔

”انسان کی روح جس وقت اٹھائی جاتی ہے تو اس کی آنکھیں اس کے دیکھنے

کے لئے کھلی رہ جاتی ہیں۔“

ایک طرف پردہ کے پیچھے لھر کی عورتیں مصروف ماتم تھیں، آنحضرت ﷺ نے ان کو اس سے روک کر فرمایا کہ یہ دعائے خیر کا وقت ہے کیونکہ ملائکہ آسمان جو میت کے پاس موجود ہوتے ہیں وہ دعا، گویوں کی دعا پر آمین کہتے ہیں، پھر خود اس طرح دست بدعا ہوئے۔

”خدا یا! اس کی قبر کو شادہ و روشن کر، اس کو پر نور بنا، اس کے گناہوں کے بخش

۱ طبقات ابن سعد قسم اول جزو ثالث ص ۱۷۱

۲ طبقات ابن سعد قسم اول حصہ فازی سریہ ابوسلمہ

۳ طبقات ابن سعد قسم اول جزو ثالث ص ۱۷۲

دے اور ہدایت یاب جماعت میں اس کا درجہ بلند فرما“^۱
تجہیز و تکفین..... حضرت ابو سلمہؓ نے مدینہ کے قریب مقام عالیہ میں وفات پائی کیونکہ وہ قبار سے منتقل ہوئے تو یہیں آکر سکونت پذیر ہوئے تھے، بنی امیہ بن زید کے کنوئیں یسیرہؓ کے پانی سے غسل دیا اور مدینہ کی خاک پاک نے اپنے دامن میں چھپایا۔^۲

انا لله وانا اليه راجعون

فضائل و محاسن..... حضرت ابو سلمہؓ کا پایہ فضل و کمال نہایت بلند تھا، وہ بیمار ہوئے تو آنحضرت ﷺ اکثر ان کی عیادت فرمایا کرتے تھے۔^۳

حضرت ام سلمہؓ فرماتی ہیں کہ ایک روز ابو سلمہؓ دربار نبوت میں خوش خوش گھر واپس آئے، اور کہنے لگے کہ آج مجھے رسول اللہ ﷺ کے ایک ارشاد نے بے حد محظوظ کیا، آپ نے فرمایا ہے کہ جو مصیبت زدہ مسلمان اپنی مصیبت میں خدا کے طرف رجوع کر کے کہتا ہے۔ ”اے خدا! اس مصیبت میں میری مدد کر اور بہتر نعم البدل عطا فرما“ تو خدا اس کی دعا قبول فرماتا ہے۔ چنانچہ ابو سلمہؓ کی وفات نے جب مجھے صدمہ پہنچایا تو میں نے خدا کی طرف رجوع کر کے کہا ”اے خدا! میری مدد کر اور تلانی بالخیر فرما“ لیکن پھر یہ خیال گذرا کہ میرے لئے ابو سلمہؓ کا نعم البدل کون ہو سکتا ہے؟ عدت گزرنے کے بعد جب رسول اللہ ﷺ نے نکاح کا پیام بھیجا تو مجھے معلوم ہوا کہ خدا نے تلانی بالخیر کی صورت پیدا کر دی ہے۔^۴

اولاد..... حضرت ابو سلمہؓ نے دو لڑکے سلمہ و عمر اور دو لڑکیاں زینب اور درہ یادگار چھوڑی ان کی تمام اولاد حضرت ام سلمہؓ ہند بنت ابی امیہ سے ہوئی تھی جو ان کے بعد امہات المومنین میں داخل کی گئیں۔^۵

۱ طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث ص ۱۷۲

۲ ایام جاہلیت میں یہ کنوئیں یسیرہ کے نام سے مشہور تھا، آنحضرت ﷺ نے اس کو بدل کر یسیرہ نام رکھا (ایضاً ص ۱۷۲)

۳ ایضاً ص ۱۷۱

۴ اصابت مذکرہ ابو سلمہؓ

۵ مسند احمد بن حنبل جلد ۴ ص ۱۲۷

۶ طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث ص ۱۷۰

حضرت عبداللہ بن جحشؓ

نام و نسب..... عبداللہ نام، ابو محمد کنیت والد کا نام جحش اور والدہ کا نام امیمہ تھا، پورا سلسلہ نسب یہ ہے۔

عبداللہ بن جحش بن رباب بن یحمر بن صبرہ بن کثیر بن غنم بن دودان بن اسد بن خزیمہ الاسدی

حضرت عبداللہؓ کی والدہ امیمہ عبدالمطلب کی صاحبزادی اور آنحضرت ﷺ کی پھوپھی تھیں، ایام جاہلیت میں وہ حرب بن امیہ کے حلیف تھے، بعضوں نے قبیلہ بنی عبد شمس کو ان کا حلیف لکھا ہے، لیکن ان دونوں روایتوں میں باہم کوئی تضاد نہیں ہے، کیونکہ حرب بن امیہ اسی قبیلہ کا ایک ممبر تھا۔

اسلام..... حضرت عبداللہ بن جحشؓ نے ابتدا ہی میں داعی اسلام کو لبیک کہا تھا، اس وقت آنحضرت ﷺ ارقم بن ابی ارقم کے مکان میں پناہ گزین نہیں ہوئے تھے۔

ہجرت..... مشرین قریش کے دستِ ظلم سے یہ خاندان بھی محفوظ نہ تھا، انہوں نے دودفعہ سرزمین جحش کی طرف ہجرت فرمائی، آخر سفر میں تمام خاندان یعنی دو بھائی ابواحمد، عبید اللہ اور تین بہنیں زینب، ام حبیبہ، حمہ بنت جحش نیز عبداللہ کی بیوی ام حبیبہ بنت ابی سفیان ساتھ تھیں۔

عبید اللہ نے جحش میں نصرانیت اختیار کر لی تھی وہیں پیوندِ خاک ہوا، حضرت عبداللہ ابن جحشؓ اپنے بقیہ خاندان کو پھر مکہ واپس لائے، اور یہاں سے اپنے قبیلہ یعنی بنی غنم بن دودان کے تمام ممبروں کو جو سب کے سب دائرہ اسلام میں داخل ہوئے تھے، ساتھ لے کر مدینہ پہنچے انہوں نے اپنے رشتہ داروں سے اس طرح مکہ کو خالی کر دیا تھا کہ محلہ کا محلہ بے رونق ہو گیا، اور بہت سے مکانات مقفل ہو گئے۔

مدینہ میں حضرت عاصم بن ثابت بن ابی افرح انصاری نے ان کے تمام قبیلہ کو اپنا مہمان بنایا، آنحضرت ﷺ نے ان دونوں میں بھائی چارہ کر دیا تھا۔

غزوات..... ماہِ رجب ۲ھ میں رسول اللہ ﷺ نے ان کو ایک جمعیت کی امارت سپرد کی اور

۲ طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث ص ۶۲

۱ اسد الغابہ جلد ۳ ص ۱۳۱

۳ طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث ص ۶۲

۳ طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث ص ۶۲، ۶۳

سر بہر فرمان دے کر حکم دیا کہ دو روز سفر کرنے کے بعد کھول کر پڑھیں اور اس کی ہدایتوں کو اپنا طرز عمل بنائیں، حضرت عبداللہؓ نے حسب ارشاد دو منزلوں کے بعد کھول کر پڑھا، اس میں حکم دیا گیا تھا کہ مکہ اور طائف کے درمیان جو نخلستان ہے وہاں پہنچ کر قریش کی نقل و حرکت اور دوسرے ضروری حالات کا پتہ چلائیں، انہوں نے نہایت ادب کے ساتھ اس حکم پر سمعاً و طاعتاً کہا اور اپنے ساتھیوں سے مخاطب ہو کر بولے:

”صاحبو میں رسول اللہ ﷺ کے اس فرمان کو پورا کر کے رہوں گا، تم لوگوں

میں سے جو شہادت کا آرزو مند ہو ساتھ چلے اور جو اس کو ناپسند کرتا ہو وہ لوٹ جائے

میں کسی کو مجبور نہیں کرتا“

اس تقریر پر سب نے جوش رفاقت و جان نثاری کی حامی بھری اور نخلستان پہنچ کر قریش کے تجسس میں مصروف ہوئے، اتفاقاً اس طرف سے ایک تجارتی قافلہ گذرا، گوماہ رجب میں مراسم جاہلیت کے مطابق قتل و خونریزی ناجائز تھی، تاہم مسلمانوں نے پھر حملہ آور ہونے کی رائے قائم کر لی، اور ایک ٹوٹ پڑے عمرو بن حضرمی جو اس قافلہ کا سرگروہ تھا مارا گیا حضرت عثمان بن عبداللہ اور حکیم بن کیسان گرفتار ہوئے، بہت سامان غنیمت ہاتھ آیا، حضرت عبداللہ بن جحشؓ نے اس میں سے ایک خمس نکال کر باقی بہ حصہ مساوی تمام شُرکائے جنگ میں تقسیم فرمادیا، اس وقت تک تقسیم غنیمت کے متعلق کوئی قانون وضع نہیں ہوا تھا، لیکن حضرت عبداللہ کا اجتہاد صحیح ثابت ہوا اور قرآن میں اسی کے مطابق خمس کی آیت نازل ہوئی۔

حضرت عبداللہؓ مال غنیمت کا خمس لے کر دربار نبوت میں حاضر ہوئے تو آپ نے اس کے لینے میں پس و پیش کیا اور فرمایا کہ میں نے تم کو ماہ حرام میں خونریزی کا حکم نہیں دیا تھا، مسلمانوں نے بھی اس جسارت پر ملامت کی، قریش نے اس واقعہ کو زیادہ شہرت دی، اور کہنے لگے کہ محمد (ﷺ) اور ان کے اصحاب نے ماہ محرم کو حلال کر لیا اور قتل و خونریزی کر کے اس کی بے حرمتی کی، لیکن وحی الہی نے ان کو اور ان کے ساتھیوں کو ان جگر دوز طعنوں سے بری کر دیا۔

يسئلونك عن الشهر الحرام قتال فيه قل قتال فيه كبير و صد

عن سبيل الله و كفر به و المسجد الحرام و اخراج اهله منه اكبر

عند الله و الفتنة اكبر من القتل. (بقرہ ۲۷۹)

لوگ تم سے ماہ حرام کی نسبت پوچھتے ہیں کہ اس میں لڑنا (جائز) ہے کہہ دو کہ اس

میں لڑنا بڑا گناہ ہے اور خدا کی راہ سے روکنا اور اس کا نہ ماننا اور مسجد حرام سے (باز رکھنا)

اور اس کے اہل کو اسے نکالنا خدا کے نزدیک اس سے (بھی) بڑھ کر ہے اور فساد کشت و

خون سے زیادہ برا ہے۔

حضرت عبداللہ بن جحشؓ غزوہ بدر و احد میں شریک تھے، حضرت سعد بن ابی وقاصؓ فرماتے ہیں کہ جنگ احد کے ایک روز پہلے میں نے ایک ساتھ دعا مانگی تھی میرے الفاظ یہ تھے۔

”اے خدا! کل جو دشمن میرے مقابل میں آئے وہ نہایت بہادر اور غضبناک ہوتا کہ میں تیری راہ میں اس کو قتل کروں“
عبداللہ نے آمین کہا، پھر دست بدعا ہوئے۔

”خدا یا، مجھے ایسا مقابل عطا کر جو نہایت شجاع اور سریع الغضب ہو، میں تیری راہ میں اس سے معرکہ آرا ہوں، یہاں تک کہ وہ مجھے قتل کر کے ناک کان کاٹ ڈالے، جب میں تجھ سے ملوں گا اور تو فرمائے گا اے عبداللہ! یہ تیرے کان، ناک کیوں کاٹنے گئے؟ تو عرض کروں گا تیرے لئے اور تیرے رسول کے لئے ان کو اپنی یہ تمنا اس قدر متوقع الحصول نظر آتی تھی کہ قسم کھا کر کہتے تھے ”خدا یا! میں تیری قسم کھاتا ہوں کہ میں دشمن سے لڑوں گا، یہاں تک کہ وہ مجھے قتل کر کے میرا مثلہ کر لے گا“

شہادت..... غرض ۷ شوال ۳ھ سنچر کے روز معرکہ کارزار گرم ہوا، حضرت عبداللہ بن جحشؓ اس جوش سے لڑے کے تلوار ٹکڑے ٹکڑے ہو گئی، آنحضرت ﷺ نے ان کو کھجور کی چھری مرحمت فرمائی جس نے ان کے ہاتھ میں تلوار کا کام دیا، دیر تک لڑتے رہے، بالآخر اسی حالت میں ابوالحکم ابن اخنس ثقفی کے وار نے شہادت کی تمنا پوری کر دی، مشرکین نے مثلہ کیا اور ان کے ناک کان کاٹ کر دھاگے میں پروئے، حضرت سعدؓ نے دیکھا تو بولے :

”خدا کی قسم عبداللہ کی دعا میری دعا سے بہتر تھی“ ۲

چالیس برس سے کچھ زیادہ عمر پاکی، اپنے ماموں سید الشہداء، حضرت امیر حمزہؓ کے ساتھ ایک ہی قبر میں مدفون ہوئے، ۳ انا للہ وانا الیہ راجعون
اخلاق..... گذشتہ واقعات سے ان کے مذہبی جوش وورافگی کا اندازہ ہوا ہوگا، جفاکشی ان کی فطرت میں داخل تھی، چنانچہ نخلستان کی مہم پر مامور کیے گئے تو آنحضرت ﷺ نے ان کے ساتھیوں سے فرمایا تھا۔

”گو عبداللہ بن جحش تم لوگوں میں سب سے بہتر نہیں ہے تاہم بھوک پیاس

کی سختیوں کو زیادہ برداشت کر سکتا ہے“ ۱۔
 خدا اور رسول اللہ ﷺ کی محبت نے ان کو تمام دنیا سے بے نیاز کر دیا تھا، انہیں اگر کوئی تمنا تھی تو صرف یہ کہ جان عزیز کسی طرح راہ خدا میں شمار ہو جائے، چنانچہ آرزو پوری ہوئی اور ”المجدع فی اللہ“ یعنی گوش بریدہ راہ خدا۔ ان کے نام کا فضل امتیازی ہو گیا۔ ۲۔
 حلیہ حلیہ یہ تھا قد میا نہ، سر کے بال نہایت گھنے۔ ۳۔
 اولاد حضرت عبد اللہؐ کے ازواج و اولاد کی تفصیل معلوم نہیں، غالباً ایک لڑکا تھا، آنحضرت ﷺ اس کے ولی تھے اور آپ نے اس کے لئے خیبر میں جائیداد بھی خرید فرمائی تھی۔ ۴۔

حضرت عکاشہ بن محسنؓ

نام و نسب..... عکاشہ نام، ابو محسن کنیت، محسن بن حریثان کے نور نظر تھے، پورا سلسلہ نسب یہ تھا، عکاشہ بن محسن بن حریثان بن قیس بن مرہ بن کبیر بن غنم بن دودان بن اسد بن خزیمہ الاسدی۔

ایام جاہلیت میں بنی عبد شمس کے حلیف تھے۔ ۱۔
اسلام و ہجرت..... مکہ میں قبل ہجرت بادۂ ایمان سے مخمور ہوئے ساقی اسلام نے جب یثرب کا رخ کیا تو یہ بھی قدح خوران توحید کے ساتھ مدینہ پہنچے۔ ۲۔
غزوات..... غزوہ بدر میں غیر معمولی جانبازی و شجاعت کے ساتھ سرگرم کارزار تھے، ان کی تیغ و دم ریز بے ریزے ہو کر اڑ گئی تو آنحضرت ﷺ نے ان کو کھجور کی ایک چھڑی مرحمت فرمائی جس نے خنجر خارا شکاف بن کر دشمن کا صفایا کر دیا، وہ آخر وقت تک اس سے لڑتے رہے، یہاں تک کہ حق نے فتح پائی اور باطل مغلوب ہوا۔ ۳۔

اس معرکہ کے علاوہ احد، خندق اور تمام دوسری مشہور جنگوں میں جوش و پامردی کے ساتھ نبرد آزما تھے، ماہ ربیع الاول ۶ھ میں چالیس آدمیوں کی ایک جمعیت کے ساتھ بنو اسد کی سرکوبی پر مامور ہوئے جو مدینہ کی راہ میں چشمہ غمر پر خیمہ افکن تھے، حضرت عکاشہ شہایت تیزی کے ساتھ یلغار کرتے ہوئے موقع پر جا پہنچے لیکن وہ خائف ہو کر پہلے ہی بھاگ گئے تھے، اس لئے کوئی جنگ پیش نہ آئی، صرف دو سوانٹ اور بھیڑ بکریاں گرفتار کر کے لے آئے۔ ۴۔

شہادت..... ۱۲ھ میں خلیفہ اول نے حضرت خالد بن ولیدؓ کو طلحہ کی تیغ کئی پر مامور فرمایا جس نے آنحضرت ﷺ کے بعد علم نبوت بلند کیا تھا، حضرت عکاشہؓ اپنے رہوار رزام اور حضرت ثابت بن اقرمؓ اپنے گھوڑے بحر پر سوار ہو کر اس فوج کے آگے آگے طلحہ کی خدمت انجام دے رہے تھے، اتفاقاً راہ میں غنیم کے سواروں سے ٹکرائے اور طلحہ اور اس کا بھائی سلمہ بن خویلد شامل تھے، طلحہ نے حضرت عکاشہؓ پر حملہ کیا اور سلمہ حضرت ثابت بن اقرمؓ پر جا پڑا، وہ شہید ہوئے تو طلحہ نے پکار کر کہا۔

”سلمہ! جلد میری مدد کر دو، مجھے یہ قتل کیے ڈالتا ہے“

وہ فارغ ہو چکا تھا، اس لئے یکا یک ٹوٹ پڑا اور دونوں نے اس شیر کوزغہ میں لے کر شہید

کر دیا۔

تجہیز و تکفین..... اسلامی فوج ظفر موح جب ان دونوں شہیدان ملت کے قریب پہنچی تو ایسے جواہر پاروں کے فقدان کا سب کو نہایت شدید قلق ہوا، حضرت عکاشہؓ کے جسم پر نہایت خوفناک زخم تھے اور تمام بدن چھلنی ہو گیا تھا، حضرت خالد بن ولید امیر عسکر گھوڑے سے اتر پڑے اور تمام فوج کو رک کر اسی خون آلودہ پیراہن کے ساتھ زیر زمین نہاں کیا۔

انا لله وانا اليه راجعون

فضل و کمال..... فضل و منقبت کے لحاظ سے اکابر و سادات صحابہؓ میں شمار تھے، صاحب اسد الغابہ لکھتے ہیں ”کمان معن سادات الصحابة و فضلائهم“ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ستر ہزار آدمی بغیر حساب کتاب بخش دیئے جائیں گے انہوں نے معصومانہ سادگی کے ساتھ عرض کی ”یا رسول اللہ! میں“ فرمایا ”تم بھی ان ہی میں ہو“ اس پر ایک دوسرے شخص نے اپنی نسبت پوچھا تو ارشاد ہوا ”عکاشہؓ تم پر سبقت لے گیا“ اس واقعہ کے بعد یہ جملہ ضرب المثل ہو گیا، اور جب کوئی کسی پر سبقت لے جاتا تو کہتے ”فلاں عکاشہؓ کی طرح سبقت لے گیا“۔

۱ طبقات ابن سعد حصہ مغازی ص ۶۲

۲ طبقات ابن سعد حصہ مغازی ص ۶۲

۳ اسد الغابہ جلد ۲ ص ۳

۴ بخاری

حضرت ابو حذیفہؓ

نام و نسب ہشیم نام، ابو حذیفہ کنیت، والد کا نام عتبہ اور والدہ کا نام ام صفوان تھا، پورا سلسلہ نسب یہ ہے۔

ابو حذیفہ بن عتبہ بن ربیعہ بن عبد شمس بن عبد مناف بن قصی القرشی۔

اسلام حضرت ابو حذیفہؓ کے والد عتبہ ان ذی اثر و سائے قریش میں تھے جنہوں نے اسلام کی مخالفت میں اپنی پوری طاقت صرف کر دی تھی، لیکن ارادہ خداوندی میں کون مانع ہو سکتا ہے؟ خود عتبہ کے لخت جگر حضرت ابو حذیفہؓ نے اسی وقت داعی اسلام کو لبیک کہا جب کہ بظاہر اس دعوت کے کامیاب ہونے کی کوئی صورت نہ تھی، اور فرزند ان تو حید کی ایک نہایت مختصر جماعت کسمپرسی کے ساتھ اسیر پنجہ ظلم و جفا تھی، آنحضرت ﷺ اس وقت تک ارقم بن ابی الارقم کے مکان میں پناہ گزین نہیں ہوئے تھے۔

ہجرت حضرت ابو حذیفہؓ سرزمین حبش کی دونوں ہجرتوں میں شریک تھے ان کی بیوی حضرت سہلہ بنت سہیل بھی رفیق سفر تھیں، چنانچہ محمد بن ابی حذیفہؓ حبش ہی میں پیدا ہوئے تھے۔

حبش سے مکہ واپس آئے یہاں ہجرت کی تیاریاں ہو رہی تھیں، اس بنا پر اپنے غلام حضرت سالمؓ کو ساتھ لے کر مدینہ پہنچے اور حضرت عباد بن بشرؓ کے مہمان ہوئے۔ آنحضرت ﷺ نے ان دونوں میں باہم مواخات کرادی۔

غزوات عہد نبویؐ کے تمام اہم مشہور معرکوں میں جوش و پامردی کے ساتھ سرگرم کارزار تھے، خصوصاً غزوہ بدر میں کیسا عبرت انگیز منظر تھا جب کہ ایک طرف سے ان کے والد اور دوسری طرف سے یہ جو ہر شجاعت دکھا رہے تھے، حقانیت کے جوش نے خویش و بیگانہ کی تمیز اٹھادی تھی انہوں نے اپنے والد کے مقابلہ کے لئے للکارا، اس پر ان کی بہن ہند بنت عتبہ نے اشعار ذیل میں ملامت کی۔

الاحول الاثفل المشئوم طائرہ

ابو حذیفہ شر الناس فی الدین

۲ طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث ص ۵۹

۱۱ اسد الغابہ جلد ۱۵ ص ۱۷۱

۴ طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث ص ۵۹

۱۲ اسد الغابہ جلد ۵ ص ۱۷۰

۱۷ طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث ص ۵۹

۱۵ استیعاب جلد تذکرہ ابو حذیفہ

احول بڑے دانت والا جس کا طائر بکت شوم ہے، یعنی ابو حذیفہ جو مذہب میں نہایت برا ہے۔

امسا شکرت ابا رباک من صغر

حتی شبت شابا غیر محجون

کیا تو اپنے باپ کا مشکور نہیں ہے جس نے بچپن سے تیری پرورش کی، یہاں تک کہ تو نے بے داغ جوانی پائی۔

معرکہ میں بدر میں عتبہ بن ربیعہ اور اکثر روسائے قریش تہ تیغ ہوئے اور ایک غار میں ڈال دیئے گئے، آنحضرت ﷺ نے فردا فردا نام لے کر فرمایا، اے عتبہ! اے شیبہ! اے امیہ بن خلف! اے ابو جہل! کیا تم نے وعدہ الہی کو حق پایا؟ مجھ سے تو جو کچھ وعدہ ہوا تھا وہ سچ ثابت ہوا، ابن اسحاق کی روایت ہے کہ اس وقت حضرت ابو حذیفہؓ کا چہرہ نہایت اداس تھا آپ نے غمگین دیکھ کر پوچھا ”ابو حذیفہؓ شاید تم کو اپنے باپ کا کچھ افسوس ہے“ عرض کی ”خدا کی قسم نہیں! مجھے اس کے مقتول ہونے کا صدمہ نہیں ہے لیکن میرا خیال تھا کہ وہ ایک ذی عقل پختہ کار و صاحب رائے شخص تھا، اس بنا پر امید تھی کہ وہ دولت ایمان سے متمتع ہوگا، لیکن جب کہ حضورؐ نے حالت کفر پر اس کے مرنے کا یقین دلایا تو مجھے اپنے غلط توقع پر افسوس ہوا“ ۲

شہادت آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد عہد صدیقیؓ میں مسلمانہ کذاب نے یمامہ میں علم نبوت بلند کیا، دار الخلافہ سے جو فوج اس کی سرکوبی کے لئے روانہ ہوئی اس میں شریک ہوئے اور داد شجاعت دے کر ۵۴ برس کی عمر میں واصل بحق ہوئے۔ ۳

اخلاق حضرت ابو حذیفہؓ اپنی اخلاقی بلندی کے لحاظ سے صحابہ کرامؓ رضوان اللہ علیہم کی صف میں نہایت ممتاز نظر آتے ہیں، حق پسندی جفاکشی و جوش ایمان کا اندازہ گذشتہ واقعات سے ہوا ہوگا، غلاموں کے ساتھ نہایت شفقت کے ساتھ پیش آتے تھے، حضرت سالمؓ کی بیوی حضرت حمینہ انصاریہؓ کے غلام تھے، انہوں نے ان کو آزاد کر دیا تھا، تو حضرت ابو حذیفہؓ نے اپنا متبنی بنالیا، چنانچہ وہ عموماً سالم بن ابی حذیفہؓ کے نام سے مشہور تھے۔ ۴

حضرت ابو حذیفہؓ نہایت غیور تھے، قرآن پاک نے جب اس کی تصریح کر دی کہ منہ بولا بیٹا محرم نہیں ہوتا تو ان کے حضرت سالمؓ کا زنان خانہ میں آنا جانا گوار کرنے لگا، چنانچہ ان کی زوجہ محترمہ حضرت سہلہ بنت سہیلؓ نے دربار نبوتؐ میں حاضر ہو کر عرض کی:

۱ بخاری جلد ۲ ص ۵۶۶

۲ سیرت ابن ہشام جلد ۱ ص ۳۶۹

۳ طبقات ابن سعد قسم اول جز ۳، ثالث ص ۶۰

۴ طبقات ابن سعد قسم اول جز ۳، ثالث ص ۶۰

”یا رسول اللہ! سالم اپنے لڑکے کی طرح گھر میں آتا جاتا تھا، لیکن ابو حذیفہ“

کو ناگوار گذرتا ہے“

ارشاد ہوا کہ اس کو دودھ پلا دو تو تمہارا محرم ہو جائے گا! غرض اس طرح متنبی ہونے کے ساتھ وہ رضاعی فرزند بھی ہو گئے۔

حلیہ..... یہ تھا قد بلند و بالا، چہرہ خوبصورت چشم احوال سامنے کی طرف ایک دانت زیادہ ازواج..... حضرت ابو حذیفہؓ نے متعدد شادیاں کیں، بیویوں کے نام یہ ہیں، سہلہ بنت سہیل، آمنہ بنت عمرو، شہیتہ بنت یعار انصاریہؓ

اولاد..... محمد بن بابی حذیفہؓ حضرت سہلہ کے لطن سے حبش میں پیدا ہوئے، حضرت عثمانؓ کی مخالفت میں پیش پیش تھا، طرفداران امیر معاویہؓ کے ہاتھ سے مصر میں مقتول ہوئے، عاصم بن ابی حذیفہؓ حضرت آمنہ بنت عمروؓ سے پیدا ہوئے، چونکہ یہ دونوں لا اولد فوت ہوئے اس لئے حضرت ابو حذیفہؓ کا سلسلہ نسل منقطع ہو گیا۔ ۳

۱۔ بخاری شریف

۲۔ طبقات ابن سعد ص ۵۹

۳۔ طبقات ابن سعد ص ۵۹

حضرت سالم مولیٰ ابی حذیفہؓ

نام و نسب سالم نام، ابو عبد اللہ کنیت، والد کے نام میں اختلاف ہے، بعض عبید بن ربیعہ اور بعض معقل لکھتے ہیں، یہ ایرانی الاصل ہیں، اصطران کا آبائی مسکن تھا، حضرت ثبیتہ بنت یعار انصاریہؓ کی غلامی میں مدینہ پہنچے انہوں نے آزاد کر دیا تو حضرت ابو حذیفہؓ نے ان کو اپنا متبنی کر لیا اس لحاظ سے ان میں انصار و مہاجر کی دونوں حیثیتیں مجتمع ہیں۔

وہ عموماً سالم بن حذیفہؓ کے نام سے مشہور تھے، حضرت ابو حذیفہؓ بھی ان کو اپنے لڑکے کی طرح سمجھتے تھے اور اپنی بیٹی فاطمہ بنت ولید سے بیاہ دیا تھا، لیکن جب قرآن میں یہ آیت نازل ہوئی ”ادعوہم لا بانہم“ یعنی لوگوں کو آپ نسبی آباء کے انتساب سے پکارا کرو تو حضرت سالمؓ بھی ابن کے بجائے مولیٰ ابی حذیفہؓ کے لقب سے مشہور ہوئے۔

حضرت سالمؓ جوان ہوئے اور قرآن نے خود ساختہ ابوت و بنوت کے تعلق کو کالعدم کر دیا تھا حضرت ابو حذیفہؓ کو ان کا زنان خانہ میں آنا جانا تھا ناگوار گزرنے لگا، چنانچہ ان کی بیوی حضرت سہلہ بنت سہیلؓ نے بارگاہ نبوت میں حاضر ہو کر غرض کی ”یا رسول اللہ! سالم کو ہم اپنا لڑکا سمجھتے تھے، اور وہ ہمیشہ گھر میں آتا جاتا تھا، اب ابو حذیفہؓ کو ناگوار گزرتا ہے ارشاد ہوا کہ اس کو دودھ پلا دو تو وہ تمہارا محرم ہو جائے گا، غرض اس طرح وہ ابو حذیفہؓ کے رضاعی فرزند ہو گئے، لیکن ام المومنین حضرت ام سلمہؓ فرماتی ہیں کہ یہ سالمؓ کے لئے مخصوص اجازت تھی ورنہ جوانی کی حالت میں رضاعت ثابت نہیں ہوتی۔“

اسلام و ہجرت حضرت سالمؓ غالباً مکہ میں حضرت ابو حذیفہؓ کے ساتھ مسکن گزین تھے، دعوت اسلام کا غلغلہ بلند ہوا تو انہوں نے ابتداء ہی میں لبیک کہا، آنحضرت ﷺ نے حضرت ابو عبیدہ بن الجراح سے مواخات کرا دی۔

ہجرت کے موقع پر حضرت ابو حذیفہؓ کے ہمراہ تھے، مدینہ پہنچ کر حضرت عباد بن بشرؓ کے مہمان ہوئے اور حضرت معاذ بن معض انصارؓ سے مواخات ہوئی۔

۱۔ اسد الغابہ جلد ۲ ص ۲۳۵

۲۔ ابوداؤد کتاب النکاح باب فی من حرم

۳۔ ابوداؤد کتاب النکاح باب فی من حرم

۴۔ طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث ص ۶۱

۵۔ طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث ص ۶۱

غزوات..... غزوہ بدر، احد، خندق اور عہد نبویؐ کی تمام جنگوں میں معرکہ آراء تھے، عہد صدیقی، میں یمامہ کی مہم پر بھیجے گئے، مہاجرین کا علم ان کے ہاتھ میں تھا، ایک شخص نے اس پر نکتہ چینی کی اور کہا ”ہم کو تمہاری طرف سے اندیشہ ہے، اس لئے ہم کسی دوسرے کو علمبردار بنائیں گے“ بولے ”اگر میں بزدلی دکھاؤں تو میں سب سے زیادہ بد بخت حامل قرآن ہوں“ یہ کہہ کر نہایت جوش کے ساتھ حملہ آور ہوئے اور درحقیقت انہوں نے اپنے کو بہترین حامل قرآن ثابت کیا، اثنائے جنگ میں داہنا ہاتھ قلم ہوا تو بائیں ہاتھ نے قائم مقامی کی، وہ بھی شہید ہوا تو دونوں بازوؤں نے حلقہ میں لے کر لوائے تو حید کو سینہ سے چمٹا دیا، زبان پر یہ فقرہ جاری تھا۔

و ما محمد الا رسول

”محمد صرف ایک رسول ہیں“

و کلین من نی قتل معہ ربیون کثیر

”اور کتنے انبیاء ایسے ہیں جن کے ساتھ بہت سے اللہ والوں نے جہاد کیا ہے۔“

شہادت..... زخموں سے چور ہو کر گرے تو پوچھا ”ابو حذیفہؓ نے کیا کیا؟“ لوگوں نے کہا ”شہید ہوئے“ بولے ”اس شخص نے کیا کیا جس نے مجھ سے اندیشہ ظاہر کیا تھا؟“ جواب دیا گیا کہ وہ بھی شہید ہوئے، فرمایا ”مجھے ان دونوں کے درمیان دفن کرنا“ ۲

ابن سعد کی روایت ہے کہ جنگ یمامہ کی موقع پر جب مسلمانوں کے پاؤں پیچھے پڑنے لگے تو حضرت سالمؓ نے کہا ”افسوس! رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تو ہمارا یہ حال نہ تھا“ وہ اپنے لئے ایک گڑھا کھود کر اس میں کھڑے ہو گئے اور علم سنبھالے ہوئے آخری لمحہ حیات تک جاننازانہ شجاعت کے جوہر دکھاتے رہے، اختتام جنگ کے بعد دیکھا گیا تو اس شہید ملت کا سراپہ منہ بولے باپ حضرت ابو حذیفہؓ کے پاؤں پر تھا۔ ۳

انا لله ونا الیہ راجعون

فضل و کمال..... حضرت سالمؓ ان بزرگوں میں تھے جو طبقہ صحابہؓ میں فن قرأت کے امام سمجھے جاتے تھے، آنحضرت ﷺ فرمایا کرتے تھے، کہ قرآن چار آدمیوں سے حاصل کرو یعنی ابن مسعودؓ، سالمؓ، ابی بن کعبؓ اور معاذ بن جبلؓ سے ۴ خدائے پاک نے خوش گلو اس قدر بنایا تھا جب آیات قرآنی تلاوت فرماتے تو لوگوں پر ایک عام محویت طاری ہو جاتی اور راہ گیر ٹھنک کر سننے لگتے ایک دفعہ ام المومنین حضرت عائشہؓ کو رسول اللہ ﷺ کے پاس حاضر ہونے میں دیر ہو گئی، آپ نے توقف کی وجہ پوچھی تو بولی کہ ایک قاری تلاوت کر رہا تھا اس کے سننے میں دیر ہو گئی

اور خوش الحانی کی اس قدر تعریف کی کہ آنحضرت ﷺ خود چادر سنبھالے ہوئے باہر تشریف لے آئے، دیکھا تو سالم مولیٰ ابی حذیفہؓ ہیں، آپ نے خوش ہو کر فرمایا خدا کا شکر ہے کہ اس نے تمہارے جیسے شخص کو میری امت میں بنایا۔“

حضرت سالمؓ اپنی خوش الحانی و حفظ قرآن کے باعث صحابہ کرامؓ میں نہایت عزت کی نظر سے دیکھے جاتے تھے، حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کی تشریف آوری سے پہلے جس قدر مہاجرین مدینہ پہنچے تھے، حضرت سالمؓ مسجد قبا میں ان کی امامت کرتے تھے۔
وہ مسجد قباء کے امام تھے، مہاجرین اوکین جن میں حضرت ابوبکرؓ و حضرت عمرؓ بھی شامل تھے اکثر ان کے پیچھے نمازیں پڑھتے تھے، عرض قرآن کریم کی برکت اور علم و فضل نے ان کو غیر معمولی عظمت و شرف کا مالک بنا دیا تھا،

حضرت عمر فاروقؓ ان کی بے حد تعریف فرمایا کرتے تھے، یہاں تک کہ جب دم واپس کے وقت انہوں نے منصب خلافت کے متعلق وصیت فرمائی تو کہا ”اگر سالم موجود ہوتے تو میں اس مسئلہ کو مجلس شوریٰ میں پیش ہونے نہ دیتا“ یعنی وہ ان کو اپنا جانشین بناتے۔
اخلاق..... حضرت سالمؓ کے قبائے فضل و محاسن اخلاق کا طغرا نہایت خوشنما تھا، گذشتہ واقعات سے ان کی استقامت، وفا شعاری و یارسائی کا اندازہ ہوا ہوگا، اہل حاجت کے لئے دست کرم کشادہ تھا چونکہ کوئی اولاد نہ تھی، اس لئے انہوں نے اپنے متروکہ مال اسباب میں سے ایک ایک ٹکٹ مختلف اسلامی ضروریات اور غلاموں کو گلو خلاصی کے لئے اور ایک ٹکٹ اپنے سابق آقاؤں کے لئے وصیت فرمائی تھی، حضرت ابوبکرؓ نے ان کو سابق مالکہ حضرت ثویبہ بنت یعارؓ کے پاس ان کا حصہ بھیجا تو انہوں نے لینے سے انکار کیا اور بولیں کہ میں نے بغیر امید صلہ آزاد کیا تھا، اس لئے حضرت عمرؓ نے اپنے عہد خلافت میں اس حصہ کو بیت المال میں داخل فرما دیا۔

۱۔ اصحابہ تذکرہ سالم

۲۔ بخاری کتاب الصلوٰۃ باب المدة العبد المولیٰ،

۳۔ بخاری کتاب الاحکام

۴۔ اسد الغابہ جلد ۲ ص ۲۴۶،

۵۔ استیعاب تذکرہ سالم مولیٰ ابی حذیفہؓ

حضرت عبیدہ بن الحارثؓ

نام و نسب عبیدہ نام، ابو الحارث، یا ابو معاویہ کنیت، والد کا نام حارث اور والدہ کا نام خلیلہ تھا، سلسلہ نسب یہ ہے۔

عبیدہ بن الحارث بن عبدالمطلب بن عبدمناف بن قصی القرشیؓ

اسلام حضرت عبیدہؓ حضرت ابوسلمہ بن اسدؓ حضرت عبداللہ بن ارقمؓ اور حضرت عثمانؓ ابن مظعونؓ ایک ساتھ ایمان لائے تھے، آنحضرت ﷺ اس وقت تک ارقم بن ابی الارقم کے مکان میں پناہ گزیں نہیں ہوئے تھے۔ مکہ میں حضرت بلالؓ ان کے اسلامی بھائی قرار پائے۔

ہجرت مدینہ کی طرف ہجرت کا حکم ہوا تو حضرت عبیدہؓ اور ان کے دونوں بھائی حضرت طفیلؓ حضرت حصینؓ اور حضرت مسطحؓ بن اثاثہؓ ایک ساتھ روانہ ہوئے، اتفاقاً راہ میں حضرت مسطحؓ کو کچھونے ڈنگ مارا، اس لئے وہ پیچھے چھوٹ گئے، لیکن دوسرے روز خبر ملی کہ وہ نقل و حرکت سے بالکل مجبور ہیں تو پھر واپس آئے اور ان کو اٹھا کر مدینہ لائے، یہاں حضرت عبدالرحمن بن سلمہؓ عجلانی نے خوش آمدید کہا اور لطف و محبت کے ساتھ میزبانی کا حق ادا کیا، آنحضرت ﷺ نے تشریف لانے کے بعد عمیر بن حمام انصاریؓ سے مواخات کرادی اور مستقل سکونت کے لئے ایک قطعہ زمین مرحمت فرمایا جس میں ان کا تمام خاندان آباد ہوا۔

غزوات ہجرت کے آٹھ مہینے بعد ماہ شوال میں ساٹھ مہاجرین کے ایک دستہ پر افسر مقرر ہو کر مشرکین قریش کی دیدبانی کے لئے وادی رابغ کی طرف بھیجے گئے، تاریخ اسلام میں یہ دوسرا لوائے امارت تھا جو حضرت عبیدہؓ کو عطا ہوا۔

وہ رابغ کے قریب پہنچے تو ابوسفیان کی زیر امارت دو مشرکین کی ایک جماعت سے بڑبھڑ ہوئی لیکن لئے جنگ و خونریزی کی نوبت نہ آئی، صرف معمولی طور سے چند تیروں کا تبادلہ ہوا۔ غزوہ بدر اس مہم کے بعد حق و باطل کی پہلی کشمکش یعنی غزوہ بدر میں شریک ہوئے، صف آرائی کے بعد مشرکین کی طرف سے عقبہ، شیبہ اور ولید نے نکل کر ”ہل من مبارز“ کا نعرہ بلند کیا۔ لشکر اسلام سے چند انصاری نو جوان مقابلہ کے لئے بڑھے تو انہوں نے پکار کر کہا کہ ”محمد ﷺ ہم ناجنسوں سے نہیں لڑ سکتے، ہمارے مقابل والوں کو بھیجو“ آنحضرت ﷺ نے حضرت علیؓ

حضرت حمزہؓ اور حضرت عبیدہؓ کو آگے بڑھنے کا حکم دیا جنبش لب کی دیر تھی کہ یہ تینوں نبرد آزما بہادر نیزے ہلاتے ہوئے اپنے اپنے حریف کے سامنے جا کھڑے ہوئے، حضرت عبیدہؓ اور ولیدؓ میں دیر تک کشمکش جاری رہی، یہاں تک کہ دونوں زخمی ہو گئے، چونکہ حضرت علیؓ اور حضرت حمزہؓ اپنے دشمنوں سے فارغ ہو چکے تھے، اس لئے وہ ایک ساتھ ولیدؓ پر ٹوٹ پڑے اور اس کو تہ تیغ کر کے حضرت عبیدہؓ کو میدان جنگ سے اٹھالائے۔

حضرت عبیدہؓ کا ایک پاؤں شہید ہو گیا تھا، اور تمام بدن زخموں سے چور تھا، آنحضرت ﷺ نے تسکین خاطر کے لئے ان کے زانو پر سر مبارک رکھ دیا، انہوں نے عرض کی: ”یا رسول اللہ“ اگر ابوطالب مجھے دیکھتے تو انہیں یقین ہو جاتا کہ میں ان سے زیادہ ان کے اس قول کا مستحق ہوں۔^۱

ونسلمہ حتی نصرع حوله

ونذهل عن انبائنا والحلائل

ہم محمدؐ کی حفاظت کریں گے یہاں تک کہ ان کے ارد گرد مارے جائیں گے اور

اپنے بچوں اور بیویوں سے غافل ہو جائیں گے۔

اختتام جنگ کے بعد آنحضرت ﷺ کے ساتھ بدر سے واپس آئے لیکن زخم ایسے کاری تھے کہ جانبر نہ ہو سکے، تریسٹھ برس کی عمر میں داعی جنت کو لبیک کہا اور مقام صفراء کی خاک پاک نے ان کو اپنے دامن میں چھپا لیا۔^۲

انا لله وانا اليه راجعون

فضل و کمال..... ان کو دربار نبوت میں غیر معمولی رفعت حاصل تھی، آنحضرت ﷺ کی نہایت قدر فرماتے تھے، ایک دفعہ آپ مقام صفراء میں خیمہ افگن ہوئے، صحابہ کرامؓ نے عرض کی ”یا رسول اللہ! یہاں مشک کی لپٹ آئی ہے“ فرمایا ”یہاں ابو معاویہ کی قبر موجود ہوتے ہوئے تمہیں اس پر تعجب کیوں ہے؟“^۳

حلیہ..... حلیہ یہ تھا قد میانہ، رنگ گندم گوں اور چہرہ خوبصورت۔^۴

اولاد..... حضرت عبیدہؓ نے متعدد بیویوں سے حسب ذیل لڑکے اور لڑکیاں یادگار چھوڑیں۔^۵
معاویہ، عون، منقذ، حارث، محمد، ابرہیم، ربط، خدیجہ، بخیلہ، صفیہ

۱۔ ابوداؤد کتاب الجہاد باب البارزہ

۲۔ اسد الغابہ جلد ۳ ص ۳۵۷

۳۔ استیعاب تذکرہ عبیدہ بن الحارث

۴۔ طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث ص ۳۴۵

۵۔ ایضاً

۶۔ ایضاً

حضرت شماس بن عثمانؓ

نام و نسب شماس نام، والد کا نام عثمانؓ اور والدہ کا نام صفیہؓ تھا پورا سلسلہ نسب یہ ہے شماس بن عثمان بن الشریذ بن ہری بن عامر بن مخزوم القرشی المخزومی ہشام کلبی کی روایت ہے کہ ان کا اصلی نام عثمانؓ تھا، شماس اس لئے نام پڑا کہ ایک دفعہ ایام جاہلیت میں ایک نہایت حسین و جمیل نصرانی جس کا چہرہ آفتاب کی طرح چمکتا تھا مکہ آیا، لوگ اس کے غیر معمولی حسن و جمال پر سخت متعجب تھے، عتبہ بن ربیعہ نے جو حضرت شماسؓ کا مامور تھا دعویٰ کیا کہا کہ اس کے پاس اس سے زیادہ بہتر شماس یعنی رخ تاباں موجودہ ہے، اور مقابلہ میں حضرت ابن عثمانؓ کو پیش کیا، چنانچہ اس دن سے ان کا نام ہی شماس ہو گیا۔
اسلام حضرت شماسؓ اور ان کی والدہ صفیہؓ بنت ربیعہؓ نے بھی ابتدائی میں دعوت تو حید پر صداء لبیک بلند کیا تھا۔۱

ہجرت مشرکین کے ظلم سے مجبور ہو کر راہی حبش ہوئے، حضرت صفیہؓ بھی ہمراہ تھیں، وہاں واپس آ کر پھر مدینہ کی راہ لی اور حضرت مبشر بن عبدالمندرؓ کے مہمان ہوئے، یہاں حضرت حظلہ ابن ابی عامر انصاریؓ سے مواخات ہوئی۔۲

غزوات غزوہ بدر و احد میں جانبازی و پامردی کے ساتھ سرگرم کارزار تھے، معرکہ احد میں اتفاقاً جنگ کا پانسہ پلٹ گیا، غازیان اسلامؓ کی فتح شکست سے مبدلی ہو گئی اور صرف چند جان نثار میدان رہ گئے تو حضرت شماسؓ بھی ان ہی پروانوں میں تھے جو شمع نبوت کے ارد گرد فداکاری کے جوہر دکھا رہے تھے، آنحضرت ﷺ فرمایا کرتے تھے، کہ میں شماسؓ کے لئے ”سپر“ کے سوا کوئی تشبیہ نہیں پاتا، آپؐ چپ و راست جس طرف دیکھتے حضرت شماسؓ ہی سر بکف نظر آتے، غرض انہوں نے اپنے آپ کو مہبط وحی والہام کے لئے سپر بنا دیا، یہاں تک کہ زخموں سے چور کر گر گئے، اختتام جنگ کے بعد دیکھا گیا تو دم واپس کے چند انفاس باقی تھے، آنحضرت ﷺ کے حکم سے مدینہ اٹھا کر لائے گئے، حضرت ام سلمہؓ ان کی تیمارداری پر مامور ہوئیں، لیکن اس فدائے ملت کا فرض پورا ہو چکا تھا، دربار خداوندی سے حصول انعام کی دعوت

۱۔ اسد الغابہ جلد ۳ ص ۳۷۵

۲۔ اتعیاب جلد ۲۴ کرہ شماس،

۳۔ طبقات ابن سعد قسم اول جز ۳ ص ۱۷۵

آچکی تھی، ایک شبانہ روز توقف کے بعد انہوں نے داعی حق کو لبیک کہا

انا للہ وانا الیہ راجعون

آنحضرت ﷺ نے ان کو اسی خونیں پیرا ہن کے ساتھ بغیر نماز جنازہ اُحد کے گور شہیدان میں دفن کرنے کا حکم دیا، غرض چونتیس برس کی عمر میں سپرد خاک ہوئے، انا للہ وانا الیہ راجعون
حلیہ حضرت شمسؓ نہایت حسین و خوب رو تھے، چنانچہ اس تابانی رخ نے ان کو شمس کے نام سے مشہور کیا۔۳

اولاد ایک لڑکا عبد اللہ اور ایک لڑکی ام حبیب یادگار چھوڑی، لیکن یہ دونوں لا ولد فوت ہوئے اس لئے سلسلہ نسل منقطع ہو گیا۔۴

۱۔ اسد الغابہ جلد ۳ ص ۴،

۲۔ طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث ص ۱۷۶،

۳۔ ایضاً ص ۱۷۵،

۴۔ ایضاً ص ۱۷۵

حضرت شجاع بن وہبؓ

نام و نسب..... شجاع، نام، ابو وہب کنیت والد کا نام وہب تھا، پورا سلسلہ نسب یہ ہے۔
شجاع ابن وہب بن ربیعہ بن اسد بن صہیب بن مالک بن کبیر بن غنم بن دودا بن خزیمہ
ایام جاہلیت میں ان کا خاندان بنو عبد شمس کا حلیف تھا۔۱
اسلام و ہجرت..... حضرت شجاعؓ ان بزرگوں میں ہیں جنہوں نے ابتداء ہی میں داعی
توحید کو لبیک کہا تھا، اور مشرکین کے دستِ ظلم سے مجبور ہو کر سرزمینِ حبش کی دوسری ہجرت
میں شریک ہوئے تھے۔۲

حبش میں جب یہ افواہ پھیلی کہ تمام قریش مکہ نے آنحضرت ﷺ کے سامنے گردن اطاعت
ختم کر دی ہے تو وطن کی محبت ان کو پھر مکہ کھینچ لائی، لیکن یہاں پہنچ کر افواہ غلط ثابت ہوئی اس لئے
چند روز قیام کے بعد متلاشیانِ امن کے ساتھ مدینہ پہنچے، یہاں حضرت اوس بن خولی سے
مواخات ہوئی۔۳

غزوات..... بدر، احد اور تمام دوسرے مشہور غزوات میں شریک تھے، ہجرتِ ہجری
الاولیٰ ۸ھ میں بنو ہوازن کی ایک جماعت کی سرکوبی پر مامور ہوئے جو مدینہ سے پانچ دن کی
مسافت پر مقامِ رسی میں خیمہ افگن تھی، حضرت شجاعؓ اپنے ساتھ چوبیس جانباز مجاہدین کی ایک
جمعیت لے کر دن کو چھپتے ہوئے اورات کو یلغار کرتے ہوئے یکا یک ان پر جا پڑے اور شکست
دے کر بہت سے اونٹ اور بھیڑ بکریاں چھین لائے، مالِ غنیمت کی کثرت کا اندازہ اس سے ہو
سکتا ہے کہ ہر ایک سپاہی کو پندرہ پندرہ اونٹ ملے تھے دیگر اسباب و سامان اس کے علاوہ تھا۔۴
سفارت..... غزوہ حدیبیہ سے واپس آنے کے بعد آنحضرت ﷺ نے اکثر سلاطینِ عالم
سے دعوتِ اسلام کے خطوط روانہ فرمائے، اسی سلسلہ میں حضرت شجاع بن وہبؓ بھی حارث
ابن ابی شمر غسانی کے پاس (جو دمشق کے قریب مقامِ غوطہ کا رئیس تھا) سفیر بنا کر بھیجے گئے، خط
کے ابتدائی فقرے یہ تھے۔۵

۱۲ اصحاب جلد ۳ ص ۱۳۸،

۱۱ اسد الغابہ جلد ۲ ص ۳۸۶،

۱۳ اقیاب تذکرہ شجاع

۱۴ استیاب تذکرہ شجاع

۱۵ طبقات ابن سعد حصہ مغازی ص ۹۲

۱۶ زاد المعاد جلد ۲ ص ۵۹

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

من محمد رسول اللہ الی الحارث ابن ابی شمر سلام علی من اتبع
الہدی و امن بہ و صدق و انی ادعوک الی ان تو من باللہ و حدہ
لا شریک لہ یقی لک ملکک

نام خدا کے ساتھ جو بڑا مہربان و رحیم ہے

محمد رسول خدا کی طرف سے حارث بن ابی شمر کو سلام ہے اس پر جو ہدایت کی
پیروی کرے ایمان لائے اور تصدیق کرے، بیشک میں تم کو اس خدا پر ایمان لانے
کی دعوت دیتا ہوں جو ایک ہے اور اس کا کوئی شریک نہیں (اسی صورت میں)
تمہاری سلطنت باقی رکھی جائے گی۔

حارث کو خدا نے اس دعوت پر لبیک کہنے کی توفیق نہ دی لیکن اس کے وزیر ”مری“ نے
اسلام قبول کیا اور حضرت شجاعؓ کی معرفت بارگاہ نبوت میں پیام و سلام بھیج کر پوشیدہ طور سے
دین حنیف پر قائم رہنے کی خبر دی۔

شہادت..... چالیس برس سے کچھ زیادہ عمر پا کر جنگ یمامہ میں شہید ہوئے

انا للہ و انا الیہ راجعون ۲

حلیہ..... حلیہ یہ تھا طویل القامت لاغر اندام اور بال نہایت گھنے۔ ۳

حضرت محرز بن نضلہؓ

نام و نسب محرز نام اور ابو نضلہ کنیت ہے لیکن عموماً آخرم اسدی کے لقب سے مشہور تھے، پورا سلسلہ یہ ہے۔

محرز بن نضلہ بن عبد اللہ بن مرہ بن کبیر بن غنم بن دودان بن اسد بن خزیمہ اسدی یہ ایام جاہلیت میں بنو عبد شمس کے حلیف تھے۔

اسلام و ہجرت قبول اسلام کا زمانہ متعین نہیں تاہم مومنین سابقین میں ہیں، مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ پہنچے تو الانصار کے قبیلہ عبد الاشہل نے ان کو اپنا حلیف بنا لیا اور حضرت عمار بن حزمؓ سے اسلامی بھائی چارہ ہوا۔

غزوات غزوہ بدر، احد اور خندق میں جانبازی و شجاعت کے ساتھ سرگرم کارزار تھے، غزوہ ذی قرد کی معرکہ آرائی ان کا سب سے شاندار اور آخری کارنامہ تھا، اس کی تفصیل یہ ہے۔

شہادت ۶۰ھ میں بنو فزارہ نے مدینہ کی چراگاہ میں آنحضرت ﷺ کے اونٹوں پر چھایہ مارا اور گلہ بان کو قتل کر کے اونٹوں کو اپنے ساتھ لے چلے، حضرت سلمہ بن الاکوہؓ موقع واردات کے قریب موجود تھے، انہوں نے آنحضرت ﷺ کے غلام حضرت ربیعؓ کو گھوڑے پر سوار کر کے اطلاع کے لئے مدینہ بھیجا اور خود پہاڑ پر چڑھ کر، یا صبا حاہ کا نعرہ بلند کیا اور دیر تک تنہا تیروں اور پتھروں سے ان غارت گروں کا مقابلہ کرتے رہے، اسی اثناء میں درختوں کے جھنڈ سے آنحضرت ﷺ کے سوار نکلتے ہوئے نظر آئے، سب سے آگے حضرت احرم اسدیؓ یعنی محرز بن نضلہ اور ان کے پیچھے حضرت ابو قتادہ انصاریؓ اور حضرت مقداد بن اسودؓ تھے، حضرت سلمہؓ نے حضرت احرمؓ کے گھوڑے کی باگ پکڑ کر کہا ”احرم! آگے نہ بڑھو، مجھے ڈر ہے کہ غنیم تم کو گھیر کر آنحضرت ﷺ اور ان کے اصحاب سے ملنے نہ دے گا“ بولے ”سلمہ! اگر تم خدا اور قیامت پر ایمان رکھتے ہو تو میری شہادت میں حائل نہ ہو“ یہ جملہ کچھ ایسے جوش میں ادا ہوا تھا کہ حضرت سلمہؓ نے باگ چھوڑ دی اور وہ گھوڑا اڑاتے ہوئے عبد الرحمن فزاری کے سامنے جا کھڑے ہوئے، انہوں نے ایک ایسا وار کیا کہ عبد الرحمن کا گھوڑا کٹ ڈھیر ہو گیا، لیکن اس کا نیزہ بھی خالی

۱۔ اسد الغابہ جلد ۳ ص ۳۰۷

۲۔ طبقات ابن سعد جلد ۳ ص ۶۷

۳۔ ایضاً

نہ گیا، حضرت محرزؓ شہید ہو کر فرش خاک پر آئے، اور وہ اچھل کر ان کے گھوڑے پر سوار ہو گیا، تاہم ابوقنادہ پیچھے موجود تھے، انہوں نے اس کو واصل جہنم کر کے ان کا انتقام لیا۔

شہادت کے وقت محرز بن نھلہ کی عمر تقریباً ۳۸ یا ۳۷ سال تھی۔

فضل و کمال..... گذشتہ واقعہ سے ان کے غیر متزلزل ایمان و شوق شہادت کا اندازہ ہوا ہو گا، شہادت سے چند دن پہلے انہوں نے خواب میں دیکھا تھا کہ آسمان کے دروازے ان کے لئے کھول دیئے گئے اور وہ عالم بالا کی سیر کرتے ہوئے ساتویں آسمان اور سدرۃ المنتہیٰ تک پہنچ گئے ہیں، یہاں سے کہا گیا کہ یہی تمہارا مسکن ہے۔

دوسرے روز انہوں نے حضرت ابوبکرؓ سے جو تعبیر روایا میں کمال رکھتے تھے، اس خواب کو بیان فرمایا، انہوں نے فرمایا ”احزم! تمہیں شہادت کی بشارت ہو“ چنانچہ چند ہی دنوں کے بعد بشارت نے واقعہ کی صورت اختیار کی اور غزوہ ذی قرد کی شہادت نے ان کو سدرۃ المنتہیٰ کے دائمی مسکن میں پہنچا دیا۔

حلیہ..... رنگ سپید اور مجموعی حیثیت سے حسین و خوبصورت تھے۔

۱۔ مسلم جلد ۲ باب غزوہ ذی قرد،

۲۔ اسد الغابہ جلد ۳ ص ۳۰۷،

۳۔ طبقات ابن سعد قسم ۳ جلد ۳ ص ۶۷،

۴۔ ایضاً

حضرت شقران صالحؓ

نام و نسب..... صالح نام، شقران لقب اور والد کا نام تھا، یہ حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ کے حبشی نثر اد غلام تھے، لیکن اس غلامی میں بھی سیادت مقدر تھی، رسول اللہ ﷺ نے ان کو اپنی خدمت گزاری کے لئے پسند فرمایا اور حضرت عبدالرحمنؓ کو قیمت دے کر خرید لیا، بعض روایتوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ انہوں نے بلا معاوضہ نذر کیا تھا۔

غزوات میں عموماً مال غنیمت اور قیدیوں کی حفاظت پر مامور ہوتے تھے، اور غنیمت میں حصہ پانے کے بجائے جن کے قیدیوں کی نگرانی کرتے تھے، وہ بطور خود معاوضہ دیتے تھے، چنانچہ وہ غزوہ بدر میں ان کو اس قدر معاوضہ ملا کہ مال غنیمت میں حصہ پانے والوں سے بھی زیادہ نفع میں رہے۔

غزوہ بدر میں انہوں نے اس احتیاط و مستعدی کے ساتھ اپنے فرائض انجام دیئے کہ آنحضرت ﷺ نے خوش ہو کر آزاد فرمادیا۔

غزوہ مریسہ میں شکست خوردہ غنیم کے مال و اسباب سامان جنگ بھیڑ بکریاں اور ان کے ذریعات کو جمع کرنے پر مامور ہوئے۔

آنحضرت ﷺ ان کی خدمات سے اس قدر خوش تھے کہ وفات کے وقت آپ نے مخصوص طور سے ان کے ساتھ حسن سلوک کی وصیت فرمائی، حضرت شقرانؓ حضرت خیر الانامؓ کی تجہیز و تکفین میں اہل بیت کے ساتھ شریک تھے، یہ آخری خدمت تھی جو اس غلام جانثار نے اپنے شفیق آقا کے لئے انجام دی۔

اس میں اختلاف ہے کہ آنحضرت ﷺ کے بعد شقرانؓ نے مدینہ میں سکونت اختیار کی یا بصرہ میں توطن گزین ہوئے، کیونکہ ان کا ایک مکان بصرہ میں بھی تھا، اسی طرح جائے وفات اور زمانہ بھی متعین نہیں۔

۱۱ اصابہ جلد ۲ ص ۱۵۳

۲ طبقات ابن سعد قسم اول جز ۳ ص ۳۴

۳ طبقات ابن سعد قسم اول جز ۳ ص ۳۴

۴ اسد الغابہ جلد ۳ ص ۱۱

۵ اصابہ جلد ۲ ص ۱۷۳

حضرت عمیر بن ابی وقاصؓ

نام ونسب..... عمیر نام، والد کا نام ابو وقاص اور والدہ کا نام حمنہ بنت سفیان تھا، یہ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ فاتح ایران کے حقیقی بھائی تھے، پورا سلسلہ نسب یہ ہے۔
عمیر بن ابی وقاص بن وہیب ابن سفیان بن امیہ بن عبد شمس بن عبد مناف بن قصی القرشی۔

اسلام..... حضرت عمیرؓ کے برادر اکبر حضرت سعد بن ابی وقاصؓ ان روشن ضمیر بزرگوں میں تھے جنہوں نے ابتدائی میں داعی اسلام کو لبیک کہا تھا، اس زمانہ میں حضرت عمیرؓ کو نہایت کمسن تھے، تاہم فطری سلامت طبع و خرد حق شناس عمر کی قید و بند سے آزاد ہوتی ہے، انہوں نے اس عہد طفولیت میں بھائی کا ساتھ دیا اور ساقی اسلام کے ایک ہی جام نے ان کو نشہ توحید سے مخمور کر دیا۔ ہجرت..... ۱۲ برس کا سن تھا کہ عام بلا کشان اسلام کے ساتھ ہجرت کر کے مدنیہ پہنچے، آنحضرتؐ نے ان کی دل بستگی کے لئے حضرت سعد بن معاذؓ رئیس قبیلہ عبد الاشہل کے چھوٹے بھائی حضرت عمرو بن معاذؓ سے بھائی چارہ کرادیا، یہ دونوں تقریباً ہم سن (عمر) تھے۔ ۳
غزوہ بدر..... ۲ھ میں مجاہدین اسلام غزوہ بدر کے خیال سے علم نبوی کے نیچے جمع ہوئے تو یہ بھی اس مجمع میں پہنچ گئے، ان کے بھائی حضرت سعد بن ابی وقاصؓ نے یہ دیکھ کر کہ وہ مضطرب و بے قرار ادھر ادھر چھپتے پھرتے ہیں پوچھا ”جان برادر یہ کیا ہے؟“ بولے ”بھائی جان! میں بھی اس جنگ میں شریک ہونا چاہتا ہوں، شاید خدا شہادت نصیب کرے، لیکن خوف ہے رسول اللہ ﷺ مجھے چھوٹا سمجھ کر واپس فرمادیں گے۔ ۴

آنحضرت ﷺ کے سامنے جب تمام جانثار یکے بعد دیگرے معائنہ کے لئے پیش ہوئے تو حضرت عمیرؓ کا خوف درحقیقت نہایت صحیح ثابت ہوا کیونکہ آپ نے ان کو صغیر سنی کا خیال کر کے فرمایا ”تم واپس جاؤ“ حضرت عمیرؓ یہ سن کر بے اختیار رونے لگے، اس طفلانہ گریہ و بکا کے ساتھ ان کے دُور جوش اور شوق شہادت نے حضور انور ﷺ کے ذل پر خاص اثر کیا اور جنگ میں شریک ہونے کی اجازت مل گئی، اور آنحضرت ﷺ نے خود اپنے دست مبارک سے

۱۔ اسد الغابہ تذکرہ عمیر بن ابی وقاصؓ

۲۔ اسد الغابہ تذکرہ عمیر بن ابی وقاصؓ

۳۔ طبقات ابن سعد قسم اول جز ۳، ص ۲۶

۴۔ طبقات ابن سعد قسم اول جز ۳، ثالث ص ۱۰۶

ان کے تلوار باندھی۔ ان کے شہادت حضرت عمیرؓ کی عمر اس وقت صرف ۱۶ سال کی تھی، اچھی طرح اسلحہ سے آراستہ ہونا بھی نہ جانتے تھے، بھائی نے میان میں تلوار باندھ دی، اور فوراً جوش نے کفار کے نرغہ میں گھسا دیا، دیر تک شجاعانہ لڑتے رہے، بالآخر اسی حالت میں خورشید تمنا جلوہ گر ہوا، یعنی عمرو بن عبدود کی تلوار نے شہادت کی آرزو پوری کر دی۔

انا لله وانا اليه راجعون . ۲

حضرت عامر بن ربیعہؓ

نام و نسب..... عامر نام، ابو عبد اللہ کنیت اور والد کا نام ربیعہ تھا، پورا سلسلہ نسب یہ ہے۔
عامر ابن ربیعہ بن کعب بن مالک بن ربیعہ بن عامر بن سعد بن عبد اللہ بن الحارث بن
رفیدہ بن عزی بن وائل

ان کے سلسلہ نسب میں سخت اختلاف ہے تاہم ارباب سیر عام طور پر ان کو عزی لکھتے ہیں
عزی وائل کے لڑکے اور بکر و تغلب کے بھائی تھے جن کی خونریز معرکہ آرائیاں اب تک زبان زد
خاص و عام ہیں۔

ان کا خاندان حضرت عمرؓ کے والد خطاب کا حلیف تھا، جنہوں نے فرط محبت سے حضرت
عامرؓ کو متبنی کر لیا تھا، یہی وجہ ہے کہ وہ پہلے عامر بن الخطاب کے نام سے مشہور تھے لیکن جب
قرآن شریف نے ہر ایک کو اپنے اصلی آباؤ اجداد کی طرف انتساب کا حکم دیا تو اس زمانہ سے
حضرت عامرؓ بھی خطاب کے بجائے اپنے نسب والی ربیعہ کی نسبت سے زبان زد ہوئے۔
اس حلیفانہ تعلق کے باعث حضرت عامرؓ اور حضرت عمر فاروقؓ میں بھی آخر وقت تک
نہایت دوستانہ تعلقات قائم رہے، حضرت عمرؓ نے بیت المقدس کا سفر کیا تو یہ ہمرکاب تھے اسی
طرح جس سال حضرت عثمانؓ کو اپنا جانشین کر کے حج کے لئے تشریف لے گئے تو اس سفر میں
بھی ان کو اپنا رفیق بنایا۔

اسلام..... حضرت عامر بن ربیعہؓ ان خوش نصیب بزرگوں میں ہیں جنہوں نے ابتدائی
میں داعی توحید کو لبیک کہا تھا، اس وقت تک آنحضرت ﷺ ارقم بن ابی الارقمؓ کے مکان میں پناہ
گزین نہیں ہوئے تھے۔

ہجرت..... شرک و توحید کی کشاکش اور کفار کے دستِ ظلم نے ان کو بھی مکہ میں چین سے
رہنے نہ دیا دو دفعہ اپنی زوجہ محترمہ حضرت لیلیٰ بنت ابی شممہؓ کو ساتھ لے کر امن و اطمینان کی
تلاش میں ملک حبش تشریف لے گئے، پھر وہاں سے واپس آ کر سرزمین یشرب کی راہ لی، ان کا

۱۔ اسد الغابہ جلد ۳ ص ۸۰

۲۔ طبقات ابن سعد قسم ۱ جز ۳ ص ۲۸۱

۳۔ اصابہ جلد ۲ ص ۳۲۶

۴۔ طبقات ابن سعد قسم اول جز ۳ ص ۲۸۱

بیان ہے کہ اس وقت تک صرف ابوسلمہ بن عبدالاسد مدینہ پہنچے تھے، لیکن صحیح یہ ہے کہ ان سے پہلے چند اور حضرات بھی پہنچ چکے تھے، البتہ ان کی بیوی حضرت لیلیٰ بنت شمسہ گوعورتوں میں اولیت کا شرف حاصل تھا۔

غزوات..... بدر، احد، خندق اور تمام دوسرے غزوات میں رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ تھے اس کے علاوہ چھوٹے چھوٹے مہمات میں بھی شریک ہوئے اور نہایت جفاکشی و جان کاہی سے اعلاء کلمۃ اللہ کا فرض انجام دیا، اپنے صاحبزادہ حضرت عبداللہ بن عامرؓ سے اکثر فخر و مباہات کے ساتھ شاندار کارناموں کا تذکرہ فرمایا کرتے تھے، ایک روز اثنائے گفتگو میں بولے کہ ”رسول اللہ ﷺ ہم لوگوں کو مہمات پر بھیجتے تھے اور عسرو ناداری کے باعث سامان رسد میں صرف تھوڑی سی کھجوریں ساتھ کر دیتے جو پہلے ایک ایک مٹھی سب کو ملتی ہے، اس کے بعد کم ہوتے ہوتے صرف ایک ایک کھجور کی نوبت آ جاتی تھی، حضرت عبداللہؓ نے متعجب ہو کر پوچھا، ایک ایک کھجور سے کس طرح کام چلتا ہوگا؟ فرمایا ”جان پدر! ایسا نہ کہو بسا اوقات جب کھجوریں ختم ہو جاتی تھیں تو ہم لوگ اس ایک کھجور کے لئے بھی ترس جاتے تھے۔“

شورش سے کنارہ کشی اور وفات..... حضرت عثمانؓ آخری عہد خلافت میں جب فتنہ و فساد کا بازار گرم ہوا تو حضرت عامر بن ربیعہؓ نے غایت تقویٰ کے باعث عزلت نشینی اختیار کر لی، دن رات روزہ نماز اور درود و وظائف میں مشغول رہتے ایک رات دیر تک مصروف عبادت رہے یہاں تک کہ اسی حالت میں آنکھ لگ گئی تو خواب میں بشارت ہوئی ”اٹھ! خدا سے دعا کرو وہ تجھے اس فتنے سے بچائے، جس سے اس نے اپنے دوسرے نیک بندوں کو محفوظ رکھا ہے“ حضرت عامرؓ اسی وقت اٹھ بیٹھے اور دو گانہ ادا کر کے نہایت خشوع اور خضوع سے بارگاہ رب الحاجات میں دست بدعا ہوئے، غرض اس بشارت غیبی نے ان کی گوشہ نشینی کو پہلے سے زیادہ سخت کر دیا اور اس کے بعد ان کو کسی نے گھر سے باہر نکلتے بھی نہ دیکھا یہاں تک کہ اسی حالت میں بیمار ہوئے، اور حضرت عثمانؓ کی شہادت کے چند دنوں بعد وفات پائی عزلت نشینی کے باعث لوگوں کو یہ بھی معلوم نہ ہو سکا کب بیمار ہوئے؟ اور کب وفات پائی یکا یک جنازہ پر نظر پڑی تو سب متحیر رہ گئے، ۳

اخلاق..... قدامت ایمان اور رسول اللہ ﷺ کے شرف صحبت نے ان کو اخلاق کریمانہ سے آراستہ کر دیا تھا، گذشتہ بالا مختصر واقعات سے ان کی جفاکشی تقویٰ اور زہد کا اندازہ ہوا ہوگا۔

۱ طبقات ابن سعد قسم اول جزء ۳ ص ۲۸۲

۲ مسند احمد بن حنبل جلد ۳ ص ۴۴۶

۳ طبقات ابن سعد قسم اول جزء ۳ ص ۲۸۲

رضی اللہ عنہم و رضوانہ (القرآن)
اللہ اُن سے راضی ہوا اور وہ اللہ سے راضی ہوئے

انبیاء کرام کے بعد دنیا کے مقدس ترین انسانوں کی سرگزشت حیات

سید الصحابة

مہاجرین

حصہ سوم

جس میں بقیہ اُن صحابہ کرام کے حالات، سوانح، اخلاق و فضائل اور اُن کے مذہبی، علمی، سیاسی و دینی مجاہدات اور کارناموں کی تفصیل ہے جو فتح مکہ سے پہلے اسلام لائے اور ہجرت کی

تحریر و ترتیب

الحاج مولانا شاہ معین الدین احمد ندوی مرحوم
سابق رفیق دارالمصنفین

اردو بازار ایم ایس جیل روڈ
کراچی پاکستان 2213788

دارالاشاعت

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

حضرت عبداللہ بن عمرؓ

نام و نسب..... عبداللہ نام، ابو عبدالرحمن کنیت، آبائی سلسلہ نسب یہ ہے، عبداللہ بن عمر بن خطاب ابن نفیل بن عبد العزی بن رباح بن قرط بن زراح بن عدی بن کعب بن لوی بن غالب بن فہر، مال کا نام نہ نب تھا، نانہالی نسب نامہ یہ ہے، نہ نب بنت مظعون بن حبیب بن وہب بن حذافہ بن یحییٰ بن عمرو بن حصین۔

ولادت..... یہ صحیح روایت سے ثابت ہے کہ حضرت ابن عمرؓ غزوہ احد میں جو ۳ھ میں پیش آیا، چودہ برس کے تھے، اس حساب سے ان کی پیدائش کا تخمینہ زمانہ بعثت کا دوسرا سال ہے اور ۱۰ھ نبوی میں جب حضرت عمرؓ مشرف بہ اسلام ہوئے تو ابن عمرؓ کا سن تقریباً پانچ برس کا ہوگا۔ اسلام..... حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے ہوش سنبھالا ہی تھا کہ اپنے گھر کے در و دیوار پر اسلام کو پر تو قلعن دیکھا اور اسلام ہی کے دامن میں ان کی نشوونما ہوئی بعض روایتوں میں ہے کہ وہ اپنے والد بزرگوار سے پہلے مشرف بہ اسلام ہوئے تھے مگر صحیح یہ ہے کہ انہوں نے اپنے والد بزرگوار کے ساتھ اس طرح اسلام قبول کیا تھا، جس طرح خاندان کے بڑے بزرگ کے تبدیل مذہب کے گھر کے کسے بچے بھی غیر شعوری طور سے اپنے مذہب کو بدل ڈالتے ہیں، جن غیر معتبر راویوں نے حضرت ابن عمرؓ کے اسلام کا واقعہ نقل کیا ہے درحقیقت ان کو بیعت رضوان کے واقعہ کے ساتھ التباس ہوا ہے، صحیح بخاری میں خود حضرت ابن عمرؓ کی زبانی منقول ہے کہ جب میرے باپ مسلمان ہوئے تو میں چھوٹا بچہ تھا۔ ظاہر ہے کہ ایک چھوٹا بچہ حق و باطل کی تمیز کی وہ وقت نگاہ نہیں رکھتا، جو اس زمانہ میں اس کو کسی مذہب کے بذات خود رد و قبول پر آمادہ کر سکے۔

ہجرت..... انوار اسلام کی چمک کے ساتھ ساتھ مشرکین کے ظلم و طغیان کی گرج بھی برابر بڑھتی گئی اور حضرت عمرؓ اور ان کا خاندان بھی ان کی ستم کیشیوں سے محفوظ نہ رہا، اس لئے حضرت

عمرؓ نے بھی اپنے اہل و عیال کے ساتھ ہجرت کی۔

بدر..... ہجرت کے بعد حق و باطل کی پہلی آویزش غزوہ بدر ہے، اس وقت ابن عمرؓ کی عمر کل ۱۳ سال کی تھی تاہم جانبازی کے شوق میں شرکت کی درخواست کی، صغیر السن ہونے کی وجہ سے آنحضرت ﷺ نے قبول نہ فرمائی۔

أحد..... اس کے ایک سال بعد، دوسرا معرکہ احد میں ہوا اس میں بھی انہوں نے اپنا نام پیش کیا مگر چونکہ چودہ ۱۴ سال سے متجاوز نہیں ہوئے تھے، اس لئے اس مرتبہ بھی ان کی درخواست مسترد ہو گئی۔

خندق..... أحد کے دو سال بعد ۵ھ غزوہ خندق میں ان کی عمر پندرہ سال پوری ہو چکی تھی چنانچہ یہی وہ سب سے پہلا معرکہ ہے جس میں ان کو سرکار رسالت سے شرکت کی اجازت ملی۔ بیعت رضوان..... ۶ھ میں صلح حدیبیہ کے موقع پر آنحضرت ﷺ کے ہم رکاب ہوئے اور بیعت رضوان کا بھی شرف حاصل کیا اور حسن اتفاق یہ کہ یہ شرف اپنے پدر عالی قدر سے پہلے حاصل کر لیا، اس کی صورت یہ پیش آئی کہ حدیبیہ کے دن حضرت عمرؓ نے حضرت عبداللہؓ کو ایک انصاری کے پاس گھوڑا لانے کے لئے بھیجا تھا کہ جہاد میں وہ اس پر سوار ہو سکیں حضرت عبداللہؓ باہر نکلے تو معلوم ہوا کہ آنحضرت ﷺ صحابہؓ سے بیعت لے رہے ہیں، چنانچہ انہوں نے پہنچ کر پہلے خود بیعت کی اور اس کے بعد گھوڑا لے کر گئے اور حضرت عمرؓ کو اسکی اطلاع دی، انہوں نے بھی جا کر بیعت کا شرف حاصل کیا۔

خیبر..... اس کے بعد غزوہ خیبر میں بھی وہ مجاہدانہ شریک ہوئے اور اس سفر میں آنحضرت ﷺ نے حلال و حرام کے جو بعض خاص احکام جاری فرمائے وہ ان کے راوی ہیں۔

فتح مکہ..... قریش اور اسلام کی فتح و شکست کا آخری معرکہ فتح مکہ تھا۔ اس وقت ابن عمرؓ کی عمر ۲۰ سال کی تھی، پورے جوان ہو چکے تھے اور ایک سرفروش مجاہد کی حیثیت سے دوسرے مجاہدین کے دوش بدوش تھے۔ سامان جنگ میں ایک تیز رفتار گھوڑا اور ایک بھاری نیزہ تھا جسم پر ایک چھوٹی سی چادر تھی اور خود اپنے ہاتھ سے گھوڑے کے لئے گھانس کاٹ رہے تھے اس حالت میں آنحضرت ﷺ کی نظر پڑی تو تعریف کے لہجہ میں فرمایا کہ ”عبداللہ ہے عبداللہ“ فتح کے بعد خانہ کعبہ میں آنحضرت ﷺ کے پیچھے پیچھے داخل ہوئے چنانچہ ان کا بیان ہے کہ آنحضرت ﷺ اونٹ

۱۔ ابن سعد ج ۳ ق اول تذکرہ ابن عمرؓ

۲۔ بخاری کتاب المغازی ج ۲ ص ۵۸۸

۳۔ ایضاً باب غزوہ خندق

۴۔ بخاری کتاب المغازی باب غزوہ حدیبیہ

۵۔ فتح بخاری جلد ۲، باب غزوہ خیبر ص ۶۰۶

پر سوار مکہ کے بالائی حصہ کی طرف سے داخل ہوئے تھے حضرت اسامہ بن زیدؓ کے ساتھ سوار تھے حضرت عثمان بن طلحہؓ اور بلالؓ جولو میں تھے، خانہ کعبہ کے صحن میں اونٹ بٹھا کر کنجیاں منگائیں اور کعبہ کھلوا کر تینوں ایک ساتھ داخل ہوئے، ان لوگوں کے بعد سب سے پہلا داخل ہونے والا میں تھا۔ غزوہ حنین..... فتح مکہ کے بعد غزوہ حنین میں بھی صف آرا تھے، چنانچہ حنین کی واپسی کے بعد کے واقعات کے سلسلہ میں کہتے ہیں کہ جب ہم غزوہ حنین سے لوٹے تو حضرت عمرؓ نے اعتکاف کی نذر کے متعلق پوچھا جو جاہلیت کے زمانہ میں مالی تھی۔ آنحضرت ﷺ نے اس کے پورا کرنے کا حکم دیا۔

محاصرہ طائف..... اس کے بعد طائف کا محاصرہ ہوا، اس محاصرہ میں بھی ابن عمرؓ پیش تھے، چنانچہ اس محاصرہ کے واقعات بیان کرتے تھے کہ جب محاصرہ میں مسلمانوں کو کامیابی نہ ہوئی تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ انشاء اللہ کل محاصرہ اٹھا کر واپس ہو جائیں گے، یہ ارشاد لوگوں پر گراں گذرا انہوں نے عرض کیا، کیا بغیر فتح کیے ہوئے لوٹ چلیں؟ آپ نے فرمایا اچھا کل پھر لڑو، چنانچہ دوسرے دن لڑے اور فتح کے بجائے لئے زخمی ہوئے، آپ نے پھر فرمایا کہ انشاء اللہ کل واپس جائیں گے، اس مرتبہ لوگوں نے بخوشی منظور کر لیا، اس پر آپ مسکرا دیئے۔ حجۃ الوداع..... حجۃ الوداع آنحضرت ﷺ کا آخری حج تھا، اس میں مسلمانوں کا جم غفیر آپ کے ہم رکاب تھا، حضرت ابن عمرؓ بھی اس شرف میں شریک تھے، چنانچہ حجۃ الوداع کے واقعات میں ان کا بیان ہے کہ حجۃ الوداع میں آنحضرت ﷺ اور بعض صحابہؓ نے بال منڈائے تھے اور بعضوں نے صرف ترشوانے پر اکتفا کی تھی۔

غزوہ تبوک..... ۹ھ میں غزوہ تبوک پیش آیا، اس میں آنحضرت ﷺ نے ۳۰ ہزار کی جمعیت کے ساتھ رومیوں کے مقابلہ کے لئے تبوک کا رخ کیا تھا، حضرت ابن عمرؓ اس میں بھی شریک تھے، چنانچہ فرماتے ہیں کہ جب آنحضرت ﷺ حجرہ کی طرف گذرے فرمایا ان لوگوں کے مسکن میں داخل نہ ہو جنہوں نے (خدا کی نافرمانی کر کے) اپنے اوپر ظلم کیا کہ مبادا تم بھی اس عذاب میں مبتلا نہ ہو جاؤ جس میں وہ مبتلا ہوئے، اگر گذرنا ہے تو حشیت الہی سے روتے ہوئے گذر جاؤ۔ غرض غزوہ خندق سے لے کر آخر تک آنحضرت ﷺ کی زندگی میں کوئی ایسی بڑی مہم نہ تھی جس میں انہوں نے شرکت کی عزت حاصل نہ کی ہو۔

عہد صدیقی..... ابن عمرؓ عہد صدیقی میں کہیں نہیں نظر آتے،

۱ بخاری کتاب المغازی باب فتح مکہ ۱۲

۲ بخاری کتاب المغازی باب غزوہ حنین

۳ بخاری کتاب المغازی غزوہ طائف۔ ۴ بخاری جلد ۲ باب حجۃ الوداع۔

۵ قدیم اقوام عادی و خود کی آبادیاں۔ ۶ بخاری کتاب المغازی غزوہ تبوک

عہد فاروقی..... البتہ عہد فاروقی کے بعض فتوحات میں شریک رہے، لیکن محض ایک سرفروش مجاہد کی حیثیت سے، نافع کا بیان ہے کہ جب ابن عمرؓ شہاوند کی جنگ میں شریک ہوئے اور بیمار پڑ گئے تو پیاز کو دھاگے میں پرو کر دوامیں پکاتے تھے، جب اس میں پیاز کا مزہ آ جاتا تھا تو اس کو نکال کر دوامی لیتے تھے، ایشام اور مصر کی فتوحات میں بھی شرکت کا پتہ چلتا ہے لیکن ان فتوحات میں ان کا کوئی نمایاں کارنامہ نہیں ہے اور اس زمانہ میں سلطنت کے انتظامی امور میں بھی انہوں نے کوئی حصہ نہیں لیا، غالباً اس کا سبب یہ ہے کہ حضرت عمرؓ اپنے عزیزوں کو اس میں پڑنے نہ دیتے تھے، تاہم جہاں امت کے نفع و نقصان کا کوئی سوال پیش آ جاتا تو حضرت ابن عمرؓ اپنے والد بزرگوار کی سخت گیری کے خطرہ کو برداشت بھی کر لیتے تھے، چنانچہ جب حضرت عمرؓ کا وقت آخر ہوا اور ابن عمرؓ کو اپنی بہن ام المومنین حضرت حفصہؓ کو زبانی معلوم ہوا کہ حضرت عمرؓ کسی کو اپنا جانشین نامزد کرنے کا خیال نہیں رکھتے، جس سے ان کے خیال میں آئندہ مشکلات پیش آنے کا خطرہ تھا تو ڈرتے ڈرتے باپ کی خدمت میں حاضر ہوئے ان کا بیان ہے کہ میں یہ جرات تو کر گیا مگر مارے خوف کے معلوم ہوتا تھا کہ پہاڑ اٹھا رہا ہوں، میں پہنچا تو پہلے حضرت عمرؓ لوگوں کے حالات پوچھتے رہے، پھر میں نے جرات کر کے عرض کی کہ میں لوگوں کی چہ میگوئیاں گوش گزار کرنے حاضر ہوا ہوں ان کا خیال ہے کہ آپ کسی کو اپنا جانشین منتخب نہ فرمائیں گے، فرض کیجئے کہ وہ چرواہا جو آپ کی بکریوں اور اونٹوں کو چراتا ہے، اگر گلہ کو چھوڑ کر آپ کے پاس چلا جائے تو شر کا کیا حشر ہوگا؟، ایسی حالت میں انسانوں کی گلہ بانی کا فرض تو اس سے کہیں بڑھ کر ہے! حضرت عمرؓ نے اس معقول استدلال کو پسند کیا، پھر کچھ سوچ کر بولے خدا خود اپنے گلہ کا نگہبان ہے، اگر میں کسی کو اپنا جانشین نامزد نہ کروں تو کوئی مضائقہ نہیں رسول اللہ ﷺ نے بھی نامزد نہیں فرمایا تھا اور اگر کر جاؤں تو بھی کوئی حرج نہیں کہ ابو بکرؓ نامزد کر گئے تھے، ابن عمرؓ کا بیان ہے کہ جب حضرت عمرؓ نے رسول اللہ ﷺ اور ابو بکرؓ کا نام لیا تو میں سمجھ گیا کہ وہ آنحضرت ﷺ کے اسوہ حسنہ پر کسی کو ترجیح نہ دیں گے اور کسی کو اپنا جانشین خود نہ بنا جائیں گے چنانچہ انہوں نے اپنے بعد اپنی جانشینی کا مسئلہ مسلمانوں کی ایک جماعت کے سپرد کر دیا، جس میں متعدد اکابر صحابہ شامل تھے، عہد عثمانی..... ابن عمرؓ اپنے والد بزرگوار کی وفات کے بعد سب سے پہلے انتخاب خلیفہ کی مجلس شوریٰ میں نظر آتے ہیں، کیونکہ حضرت عمرؓ نے وصیت فرمائی تھی کہ خلیفہ کے انتخاب میں عبد اللہ بحیثیت مشیر شریک ہوں، مگر صرف مشورہ دے سکتے ہیں خلیفہ نہیں نامزد کیے جاسکتے۔ ۳۔

حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں ان کو ملکی معاملات میں حصہ لینے کا موقع ملا، مگر انہوں نے اس

ابن سعد جز ۴، قسم اول ص ۱۱۸،

۲ صحیح مسلم جلد ۲ ص ۱۰۸

۳ طبری ص ۲۷۹

سے کوئی فائدہ نہیں اٹھایا، حضرت عثمان نے قضاء کا عہدہ پیش کیا، انہوں نے معذرت کر دی کہ ”میں نہ دو شخصوں کے درمیان فیصلہ کرتا ہوں، اور نہ دو شخصوں کی امامت کرتا ہوں کیونکہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ ”قاضی تین قسم کے ہوتے ہیں، ایک جاہل جس کا ٹھکانا دوزخ ہے، دوسرا عالم مائل الی الدنیا، اس کا مستقر بھی دوزخ ہے، تیسرا جوا جتہاد کرتا ہے اور صحیح رائے قائم کرتا ہے اس کے لئے نہ عذاب ہے نہ ثواب“ حضرت عثمانؓ نے فرمایا کہ تمہارے باپ تو فیصلے کرتے تھے، بولے یہ صحیح ہے، لیکن جب ان کو کسی پیچیدہ بات میں دشواری پیش آتی تھی تو آنحضرت ﷺ کی طرف رجوع کرتے تھے اور جب آنحضرت کو دشواری ہوتی تھی تو جبریل سے دریافت فرماتے تھے میں کس کی طرف رجوع کروں گا؟ کیا آپ نے آنحضرت ﷺ سے نہیں سنا کہ جس نے خدا کی پناہ مانگی اس نے پناہ کی جگہ پناہ مانگی، اس لئے خدا را مجھ کو کہیں عامل نہ بنائے ان کے انکار پر حضرت عثمانؓ نے زیادہ اصرار نہیں کیا، البتہ یہ عہد لے لیا کہ اس کا تذکرہ کسی سے نہ کرنا۔

مگر ملکی انتظام سے اس کنارہ کشی کے باوجود جہاد فی سبیل اللہ میں برابر شریک ہوتے رہے چنانچہ ۳۷ھ میں، افریقیہ (تونس، الجزائر، مراکش) کی مہم میں شریک ہوئے ۳۸ھ میں خراساں اور طبرستان کے معرکوں میں سعید بن عاصؓ کے ساتھ رہے ۳۹ھ میں فتنہ و فساد شروع ہوا تو بالکل کنارہ کش ہو گئے اور پھر کسی چیز میں حصہ نہیں لیا، اس احتیاط کی بنا پر خلافت کے اعزاز سے بھی انکار کر دیا، حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد لوگوں نے آپ سے درخواست کی کہ آپ امیر ابن امیر ہیں ہم سب آپ کے ہاتھ پر بیعت کرنے کو آمادہ ہیں فرمایا، جہاں تک میرے امکان میں ہے اپنے لئے ایک بچھنے کے برابر بھی خون نہ بہنے دوں گا، لوگوں نے دھمکی دی کہ اگر آپ اس بار گراں کو نہیں سنبھالتے تو ہم آپ کو قتل کر دیں گے لیکن انھوں نے اس دھمکی کی بھی مطلق پرواہ نہ کی اور خلافت جیسے رفیع اغزاز سے جو اس وقت فتنوں کا مرکز بن گیا تھا اپنے کو بچائے رکھا۔

البتہ اس بارے میں اختلاف ہے کہ ابن عمرؓ نے حضرت علیؓ اور امیر معاویہؓ سے کس کی خلافت تسلیم کی، ابن حجر کا بیان ہے کہ چونکہ حضرت علیؓ کی خلافت کے بارہ میں مسلمانوں کا اختلاف تھا اس لئے ابن عمرؓ نے ان کے ہاتھ پر بیعت نہیں کی، کیونکہ ان کی رائے تھی کہ جب تک کسی شخص پر لوگوں کا اجماع نہ ہو جائے اس وقت اس کے ہاتھ پر بیعت نہ کرنی چاہیے۔ لیکن مستدرک نے غسان بن عبد الحمید کی روایت نقل کی ہے کہ ابن عمرؓ نے اس شرط پر حضرت علیؓ کے ہاتھ پر بیعت کر لی تھی کہ وہ ان کے ساتھ خانہ جنگی میں نہ شریک ہوں گے اور

جناب امیر نے ان کو اس کی اجازت بھی دے دی تھی۔ ہمارے نزدیک مستدرک کی روایت زیادہ صحیح اور قرین قیاس ہے کیونکہ ابن حجر نے جس اصول کی بنا پر ابن عمرؓ کا حضرت علیؓ کی خلافت سے دست کش ہونا بتایا ہے، اس سے ہمارے خیال کی تائید ہوتی ہے، گو حضرت علیؓ کی خلافت پر تمام مسلمانوں کا اتفاق نہیں ہوا تھا تاہم اسلام کے ارباب حل و عقد یعنی مہاجرین و انصار کی اکثریت حضرت علیؓ کے ساتھ تھی اور ان کی نہایت ہی مختصر جماعت آپ سے الگ رہی، البتہ یہ مسلم ہے کہ انہوں نے جنگ جمل اور صفین میں کسی کا ساتھ نہیں دیا اور ان کے ہاتھ سے کسی مسلمان کا ایک قطرہ خون نہیں گرا لیکن ضمیر حق پرست تھا اس لئے جنگ میں حضرت علیؓ کے ساتھ نہ دینے پر آخر دم تک متاسف رہے، فرماتے تھے کہ گو میں نے اپنا ہاتھ آگے نہیں بڑھایا، لیکن حق پر مقابلہ افضل ہے۔

جنگ صفین کے بعد جب حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ اور حضرت عمرو بن العاصؓ کو حکم بنایا گیا تو ابو موسیٰؓ نے خلافت کے لئے ابن عمرؓ کا نام پیش کیا تھا، مگر عمرو بن العاصؓ نے اس سے اختلاف کیا۔ حکم کے فیصلہ سناتے وقت آپ بھی عام مسلمانوں کے ساتھ امت مسلمہ کی قسمت کا فیصلہ سننے کے لئے دومتہ الجند ل آئے تھے،

ان واقعات کے بعد مسلمانوں میں دو نئے فرقے پیدا ہو گئے تھے، ایک وہ جو حضرت علیؓ کو برا سمجھتا تھا، دوسرا وہ جو حضرت عثمانؓ کی برائیاں بیان کرتا تھا کہ وہ احد میں بھاگ کھڑے ہوئے تھے، اس بارہ میں حضرت ابن عمرؓ کی رائے پوچھی تو فرمایا کہ عثمانؓ کو اللہ نے معاف کیا (قرآن پاک میں اس کی آیت ہے) مگر تم معاف کرنا نہیں چاہتے اور علیؓ تو وہ رسول اللہ ﷺ کے چچیرے بھائی اور آپ کے داماد تھے اور دیکھو کہ وہ گھرانہ کا ہے جہاں تم دیکھ رہے ہو۔ حضرت علیؓ کے بعد پھر امیر معاویہؓ کی خلافت تسلیم کر لی اور اس عہد کے بعض معرکوں میں شریک ہوئے چنانچہ قسطنطنیہ مہم میں شریک تھے۔ ۵۔

خلافت یزید..... امیر معاویہؓ کے بعد جب یزید تخت حکومت پر بیٹھا تو حضرت ابن عمرؓ نے محض اختلاف امت کے فتنہ سے بچنے کے لئے اس کی بیعت کر لی اور فرمایا اگر یہ خیر ہے تو ہم اس سے راضی ہیں اور اگر شر ہے تو ہم نے صبر کیا۔ ۶۔

کچھ دنوں کے بعد جب مدینہ والوں نے بیعت کیا تو آپ نے اسی فتنہ سے بچنے کی خاطر اپنے اہل و عیال کو بلا کر فرمایا کہ میں نے اس شخص کے ہاتھ پر خدا اور رسول کی بیعت کی

۱۔ مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۵۵۸ طبع حیدرآباد

۲۔ ابن اثیر جلد ۳ ص ۲۷۷

۳۔ استیعاب جلد اول ص ۳۸۱

۴۔ صحیح بخاری کتاب التفسیر و تاملوہم حتی لا یكون فتنہ

۵۔ ابن اثیر جلد ۱ ص ۲۰۰ قسم اول تذکرہ ابن عمرؓ

۶۔ ابن اثیر جلد ۱ ص ۲۰۰ قسم اول تذکرہ ابن عمرؓ

ہے اور میں نے آنحضرت ﷺ کو فرماتے سنا ہے کہ قیامت کے دن ہر دھوکہ باز کا ایک ایک جھنڈا کھڑا کیا جائے گا کہ یہ فلاں کی فریب کاری ہے اور سب سے بڑا فریب یہ ہے کہ خدا کے ساتھ شرک کیا جائے کہ ایک شخص کسی کے ہاتھ پر خدا اور رسول کے لئے بیعت کر لے اور پھر اس کو فسخ کر دے، اس لئے تم میں سے کوئی شخص فسخ بیعت میں حصہ نہ لے اگر کسی نے حصہ لیا تو میرے اور اس کے درمیان تلوار فیصلہ کرے گی۔

یزید کی بیعت آپ نے کسی لالچ یا خوف کی بنا پر نہیں کی تھی، امیر معاویہؓ نے جب یزید کو ولی عہد بنانا چاہا تو عمرو بن العاصؓ کو ان کے پاس ان کا عندیہ لینے کے لئے بھیجا تھا انہوں نے جا کر دبی زبان سے اس کا اظہار کیا اور اس کے عوض ایک رقم خطیر پیش کرنا چاہی، رشوت کا نام سن کر وہ غصہ سے کانپ اٹھے اور اسی وقت عمرو بن العاصؓ کو کھڑے کھڑے نکال دیا۔ معاویہ بن زید، مروان بن حکم اور عبداللہ بن زبیرؓ کی خلافت یزید کے بعد اس کا بیٹا معاویہ خلیفہ ہوا، مگر اس کی خلافت صرف تین (۳) مہینہ رہی، اس کے بعد وہ خود خلافت سے دست بردار ہو گیا۔ اب اس کی وفات کے بعد ایک طرف مکہ میں عبداللہ بن زبیرؓ نے خلافت کا دعویٰ کیا اور عراق حجاز و یمن کے لوگوں نے ان کے ہاتھ پر بیعت کی، دوسری طرف شام میں مروان نے اپنی بیعت لی، گواکثر اسلامی ممالک ابن زبیرؓ کی طرف مائل تھے لیکن حضرت ابن عمرؓ ان کے دعوائے خلافت کو باز یچہ اطفال سے زیادہ وقعت نہ دیتے تھے چنانچہ انہی کے زمانہ میں جب فریقین میں جنگ برپا تھی تو ایک شخص نے ان سے آکر کہا کہ خدا فرماتا ہے کہ فتنہ کو روکنے کے لئے لڑو، انہوں نے جواب دیا تھا کہ جب فتنہ تھا تو ہم لڑے، فتنہ یہ تھا کہ مسلمانوں کو کفار اس کی اجازت نہیں دیتے تھے کہ وہ اپنے خدا کی عبادت کر سکیں، اب یہ خانہ جنگی جہاد نہیں بلکہ بادشاہی کے لئے لڑائی ہے مگر با ایں ہمہ جب عبدالملک کی طرف سے حجاج ابن زبیرؓ سے لڑنے کے لئے مکہ معظمہ گیا اور خانہ کعبہ کے ایک حصہ کو اپنے گولوں کا نشانہ بنایا تو وہ سخت برہم ہوئے اور اپنی برہمی کو قابو میں نہ رکھ سکے۔

خلافت عبدالملک مروان کے بعد جب عبدالملک کی خلافت پر بیعت ہوئی تو آپ نے بھی تحریری بیعت نامہ بھیج دیا جس کا مضمون یہ تھا کہ ”خدا اور رسول کی سنت پر میں اور میرے

۱۱ ایضاً ص ۳۴ تھوڑے تغیر کے ساتھ یہ واقعہ بخاری جلد ۲ ص ۱۰۵۳ میں بھی مذکور ہے

۱۲ ابن سعد قسم اول جز ۲ ص ۱۲۱

۱۳ ابوالفداء جلد ۱ ص ۹۳ مطبوعہ مصر

۱۴ ابن سعد قسم اول جز ۲ ص ۴۷ تذکرہ ابن عمر

۱۵ صحیح بخاری کتاب التفسیر، باب حتی الاکون فتنۃ

۱۶ مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۸۸۷ حیدر آباد

لڑکے امیر المؤمنین عبداللہ الملک کی سمع و طاعت کا بقدر استطاعت عہد کرتے ہیں، عبدالملک حضرت ابن عمرؓ کا بڑا احترام کرتا تھا اور مذہبی معاملات میں ان کی اقتدا کرتا تھا اور حج کے موقع پر ارکان میں آپ کی اقتداء کا فرمان جاری کرتا تھا۔

علاست اور وفات ۳۷۷ھ میں تراسی چوراسی برس کی عمر میں وفات پائی، وفات کا واقع یہ ہے کہ حج کے زمانہ میں ایک شخص کے نیزہ کی نوک جوڑ ہر میں بجھی ہوئی تھی ان کے پاؤں میں چبھ گئی یہ زہران کے جسم میں سرایت کر گیا اور یہی زخم ان کی موت کا باعث ہوا، عام طور سے خیال کیا جاتا ہے کہ یہ کوئی اتفاقی واقعہ نہ تھا، بلکہ حجاج کے اشارہ سے اس طرح زخمی کیے گئے تھے البتہ اس کی تفصیل میں اختلاف ہے، مستدرک کی روایت ہے کہ حجاج نے جب خانہ کعبہ میں منجنيق نصب کرائی اور ابن زبیرؓ کو شہید کرایا تو اس کا یہ فعل شنيع ابن عمرؓ کو بہت نا پسند ہوا، آپ نے اس کو بہت برا بھلا کہا، حجاج برا فروختہ ہو گیا اور اس کے اشارے سے شامیوں نے زخمی کر دیا۔ ۳۷۷ھ حافظ ابن حجر لکھتے ہیں کہ عبدالملک نے حجاج کو ہدایت کی تھی کہ ابن عمرؓ کی مخالفت نہ کرے، یہ حکم اس پر بہت شاق گذرا لیکن عدول حکمی بھی نہیں کر سکتا تھا، اس لئے دوسرا طریقہ اختیار کیا اور آپ کو زخمی کر دیا۔ ۳۷۷ھ

ابن سعد کی روایت ہے کہ ایک مرتبہ حجاج خطبہ دے رہا تھا، اس میں اس نے ابن زبیرؓ پر یہ اتہام لگایا کہ انہوں نے نعوذ باللہ کلام اللہ میں تحریف کی ہے، حضرت ابن عمرؓ نے اس کی تردید کی اور فرمایا تو جھوٹ بولتا ہے، نہ ابن زبیرؓ اتنی طاقت ہے نہ تجھ میں یہ مجال ہے۔ مجمع عام کے سامنے ان کی ڈانٹ اس کو بہت ناگوار ہوئی، لیکن حضرت ابن عمرؓ کے ساتھ علانیہ کوئی برا برتاؤ نہیں کر سکتا تھا اس لئے خفیہ انتقام لیا۔ ۵۷ھ

ابن خلکان اور اسد الغابہ میں اس کے علاوہ دو روایتیں نقل کی گئی ہیں، ایک یہ کہ ایک دن حجاج خطبہ دے رہا تھا، اس کو اس قدر طول دیا کہ عصر کا وقت تنگ ہو گیا آپ نے فرمایا کہ آفتاب تیرا انتظار نہیں کر سکتا، حجاج نے کہا جی میں آتا ہے کہ ”تمہاری آنکھیں پھوڑ دوں“ فرمایا تجھ کو تا بین سے یہ بھی کچھ بعید نہیں دوسری روایت یہ ہے کہ عبدالملک نے فرمان جاری کیا کہ تمام حجاج مناسک حج میں حضرت ابن عمرؓ کی اقتداء کریں، حضرت عمرؓ حجاج کے عرفات اور دوسرے مواقع سے بغیر حجاج کا انتظار کیے بڑھ جاتے تھے، حجاج کی فرعونیت کب اس کو گوارا کرتی

۱۔ بخاری جلد ۲ باب کیف یعالج الامام الناس

۲۔ بخاری جلد ۱ ص ۲۴۵

۳۔ مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۵۵۷

۴۔ تہذیب المعتمد جلد ۵ ص ۳۳۰ مطبوعہ دارۃ المعارف حیدرآباد،

۵۔ ابن سعد تذکرہ ابن عمرؓ

مگر عبد الملک کے حکم سے مجبور تھا، اس لئے آپ کی جان کا خواہاں ہو گیا۔
ابن عبد البر نے استیعاب میں بھی یہی دونوں روایتیں نقل کی ہیں، اگرچہ ان روایتوں کی صورت واقعہ میں اختلاف ہے۔ مگر تضاد نہیں اس لئے ان میں کسی کو غلط نہیں کہا جاسکتا ہو سکتا ہے کہ یہ تمام واقعات یکے بعد دیگرے آتے رہے، مگر حجاج ضبط کرتا رہا، لیکن جب اس نے دیکھا کہ ابن عمر کے سامنے اس کی پیش نہیں چلتی اور وہ اس کو مطلق دھیان میں نہیں لاتے، تو اخیر میں آپ کا قصہ ختم کر دینے کا فیصلہ کر لیا، لیکن علی الاعلان وہ آپ پر ہاتھ نہیں ڈال سکتا تھا اس لئے یہ صورت نکالی کہ اپنے آدمیوں میں سے کسی کو حکم دیا کہ وہ حج کے موقع پر جب لوگوں کا ازدحام ہوتا ہے مسموم نیزہ سے آپ کے پاؤں میں خراش دے دیں، اس ازدحام میں زخمی کرنے والا گرفتار بھی نہ ہو سکے گا، اور زہر کے اثر سے آپ کا کام بھی تمام ہو جائے گا اور یہی ہوا، جب آپ بیمار ہوئے تو حجاج عیادت کو آیا اور مزاج پر سی کے بعد کہا کہ کاش مجھ کو ملزم کا پتہ چل جاتا تو میں اس کی گردن اڑا دیتا، آپ نے فرمایا تم ہی نے یہ سب کچھ کیا اور پھر کہتے ہو کہ میں مجرم کو قتل کر دیتا، نہ تم حرم میں اسلحہ باندھنے کی اجازت دیتے نہ یہ واقعہ پیش آتا یہ سن کر وہ خاموش ہو گیا۔

حضرت ابن عمر کو مدینہ منورہ میں وفات پانے کی تمنا بہت تھی، چنانچہ جب آپ کی حالت نازک ہوئی تو دعا کرتے تھے کہ خدایا مجھ کو مکہ میں موت نہ دے ۳ اور اپنے صاحبزادہ سالم سے وصیت بھی کی کہ اگر میں مکہ ہی میں مر جاؤں تو حدود حرم کے باہر دفن کرنا کیونکہ جس زمین سے ہجرت کی پھر اسی میں پیوند خاک ہوتے اچھا نہیں معلوم ہوتا، وصیت کے چند دنوں بعد سفر آخرت کیا ۴ اور علم و عمل کا یہ آفتاب تاباں ہمیشہ کے لئے روپوش ہو گیا۔

تجہیز و تکفین وفات کے بعد وصیت کے مطابق لوگوں نے حرم کے باہر دفن کرنا چاہا، مگر حجاج نے مداخلت کی اور خود ہی نماز جنازہ پڑھالی، مجبوراً ”ف“ مہاجرین کے قبرستان میں سپرد خاک کیے گئے ۵

فضل و کمال حضرت ابن عمر کو آنحضرت ﷺ کی صحبت، آپ کی بارگاہ کی دائمی حاضر باشی، سفر و حضر کی ہمرکابی، فاروق اعظم کی تعلیم و تربیت اور خود ان کی تلاش و جستجو نے مذہبی علوم کا دریایا بنا دیا تھا، قرآن، تفسیر، حدیث، فقہ وغیرہ تمام مذہبی علوم کا بحر بے کران تھے، آپ کا شمار علمائے مدینہ کے اس زمرہ میں تھا، جب علم و عمل کے مجمع البحرین سمجھے جاتے تھے۔ ۶

۱۔ ابن خلکان جلد ۳ ص ۲۳۲ مطبوعہ مصر ۱۲۹۹ء واسد الغابہ جلد ۳ ص ۲۳۰،

۲۔ مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۵۵۷، ۳۔ ابن سعد قسم اول جز ۲ ص ۱۳۶،

۴۔ ابن سعد قسم اول جز ۲ ص ۱۳۸،

۵۔ تحفہ مستدرک جلد ۳ و ابن سعد تذکرہ ابن عمر

۶۔ تذکرہ اہل خانہ جلد ۳ ص ۳۵ مطبوعہ دائرۃ المعارف حیدرآباد

تلاوت و تفسیر قرآن..... تلاوت قرآن کے ساتھ آپ کو غیر معمولی شغف تھا، اس کی سورو آیات پر فکر و تدبر میں عمر عزیز کا بہت بڑا حصہ صرف کیا، اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ صرف سورہ بقرہ پر ۱۴ برس صرف کیے اس غیر معمولی شغف نے آپ میں قرآن کی تفسیر و تاویل کا غیر معمولی ملکہ پیدا کر دیا تھا، فہم قرآن کا ملکہ آپ میں عنفوان شباب ہی میں پیدا ہو گیا تھا، چنانچہ اکابر صحابہؓ کے ساتھ آنحضرت ﷺ کی علمی مجلسوں میں شریک ہوتے تھے، ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ کے گرد صحابہؓ کا مجمع تھا، ابن عمرؓ موجود تھے، آنحضرت ﷺ نے قرآن پاک کی اس مثال

السم تر كيف ضرب الله مثلا كلمة طيبة كشجرة طيبة اصلها

ثابت و فرعها في السماء توئی اكلها كل حين باذن ربها (ابراہیم)

تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے کلمہ طیبہ کی کیسی اچھی مثال دی ہے کہ وہ پاک

درخت کے مثل ہے جس کی جڑ مضبوط ہے اور شاخیں آسمان تک ہیں وہ اپنے خدا

کے حکم سے ہر وقت پھل لاتا ہے۔

کے متعلق صحابہ کرامؓ سے پوچھا کہ وہ درخت کون سا ہے، جو مرد مسلم کی طرح سدا بہار ہے اس کے پتے کبھی خزاں رسیدہ نہیں ہوتے اور ہر وقت پھل دیتا رہتا ہے، اس سوال کے جواب میں تمام صحابہؓ حتیٰ کہ حضرت ابو بکرؓ و عمرؓ تک خاموش رہے، تو آپؐ نے خود بتایا کہ یہ کھجور کا درخت ہے لیکن ابن عمرؓ پہلے ہی سمجھ چکے تھے لیکن اکابر صحابہؓ کی خاموشی کی وجہ سے چپ رہے، جب حضرت عمرؓ سے اس کا ذکر کیا تو انہوں نے کہا کہ تم نے جواب کیوں نہ دیا، تمہارا جواب دینا مجھے فلاں فلاں چیز سے زیادہ محبوب ہوتا ہے۔۲

قرآن کے الفاظ کے معنوں پر بہت غائر نظر تھی، وہ ان کے ایسے جامع معنی اختیار کرتے تھے جو مفہوم پر پورے طور سے عادی ہوتے تھے، چنانچہ اقم الصلوة لدلوک الشمس الی غسق الیل میں دلوک کے معنی ڈھلنے کے لیتے تھے،

”دلوک“ لغت میں ڈھلنے، زرد ہونے، غروب ہونے، تینوں معنوں کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ حضرت ابن عمرؓ اس کے معنی مطلق ڈھلنے کے لیتے ہیں، اس معنی سے ظہر، عصر، اور مغرب تینوں کے اوقات متعین ہو جاتے ہیں، اس لئے کہ میل یا زوال کی تین منزلیں ہیں ایک متعارف جس میں سمت الراس سے زوال ہوتا ہے، جو ظہر کا وقت ہے، دوسرا جس میں سمت نظر سے ڈھلتا ہے، یہ عصر کا وقت ہے، تیسرا وہ جس میں سمت افق سے ڈھل کر غروب ہو جاتا ہے، یہ مغرب کا وقت ہے، بعض اوقات آیات کے شان نزول اور ناسخ و منسوخ کی لاعلمی کی وجہ سے لوگوں کے

۱۔ موطا امام مالک مطبع احمدی دہلی۔

۲۔ بخاری و فتح الباری کتاب التفسیر سورۃ ابراہیم و کتاب العلم باب الہم
۳۔ موطا امام مالک مطبع احمدی دہلی باب ما جاء فی دلوک الشمس و غسق الیل

دلوں میں شبہات پیدا ہو جاتے ہیں، ابن عمرؓ اپنی فہم قرآنی سے اس قسم کے شکوک کا ازالہ کر دیتے ہیں، ایک شخص کو قرآن پاک کی اس آیت

وَالَّذِينَ يَكْنِزُونَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يَنْفِقُونَهَا فِي سَبِيلِ اللَّهِ

فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ أَلِيمٍ

جو لوگ سونا اور چاندی جمع کرتے ہیں اور اس کو خدا کی راہ میں صرف نہیں

کرتے، اسکو عذاب الیم کی بشارت دے دو۔

کے بارہ میں یہ شبہ پیدا ہوا کہ زکوٰۃ دینے کے بعد کیوں انفاق فی سبیل اللہ کا مطالبہ ہے اور عدم انفاق کی صورت میں عذاب الیم کی وعید کیوں ہے، اس نے ابن عمرؓ سے پوچھا، آپ نے بتایا کہ یہ وعید اس شخص کے لئے ہے، جو سونا چاندی جمع کر کے زکوٰۃ نہیں دیتا، وہ قابل افسوس ہے۔ اور یہ آیت زکوٰۃ کے نزول کے قبل کی ہے، زکوٰۃ تو خود ہی مال کو ظاہر کر دیتی ہے،

اسی آیت میں ایک شخص نے ”کنز“ کے معنی پوچھے، آپ نے ایسے لطیف معنی بتائے کہ اگر یہ آیت نزول زکوٰۃ کے بعد کی بھی ہوتی، تب بھی اس پر کوئی اعتراض نہ ہو سکتا، کنز کے لغوی معنی مال مدفونہ کے ہیں، حضرت ابن عمرؓ نے بتایا کہ کنز اس مال کو کہتے ہیں جس کی زکوٰۃ نہ ادا کی جائے اس معنی سے لاینفقون کا مفہوم صرف یکنزون سے ادا ہو جاتا ہے اور ینفقونہا سے مزید تاکید ہو جاتی ہے اور کنز کے لغوی معنی بھی نہیں جاتے، کیونکہ زکوٰۃ نہ دی جائے گی، تو خواہ مخواہ جمع ہی ہو گا، ورنہ پھر زکوٰۃ کا مطالبہ اور عذاب الیم کی وعید کیوں ہوتی اور جمع بمنزلہ دفن کے ہے، اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ قرآن پاک اصل مفہوم و منشا اور اس کے انداز بیان کو سمجھنے میں ابن عمرؓ کو کیسا ملکہ حاصل تھا،

ایک مرتبہ ایک شخص نے پوچھا کہ آپ فتنہ میں قتال کے بارے میں کیا فرماتے ہیں قرآن کا حکم ہے کہ

قَاتِلُوهُمْ حَتَّى لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ

ان لوگوں سے مقاتلہ کرو یہاں تک فتنہ نہ باقی رہے

یہ سوال مسلمانوں کی خانہ جنگی کے زمانہ میں کیا گیا تھا، انہوں نے فرمایا تم فتنہ کے معنی کیا سمجھتے ہو، یہاں قتال علی الفتنہ کا یہ مطلب نہیں ہے کہ تم بادشاہت کے لئے لڑو، بلکہ قتال سے وہ قتال مراد ہے جو آنحضرت ﷺ نے مشرکین کے ساتھ فرمایا تھا، کہ ان کے دین میں داخل ہونا مسلمانوں کے لئے فتنہ تھا،

صحیح بخاری میں اس واقعہ سے متعلق جو روایت ہے وہ اس سے زیادہ صحیح ہے کہ حضرت ابن زبیرؓ کے ہنگامہ کے زمانہ میں دو آدمی ان کے پاس آئے اور کہا سب لوگ ختم ہو چکے آپ عمرؓ کے بیٹے اور رسول اللہ ﷺ کے صحابی ہیں، آپ کیوں نہیں میدان میں آتے فرمایا خدا نے بھائی کا خون حرام کیا ہے، اس لئے میں نہیں نکلتا، دونوں نے کہا خدا تو خود فرماتا ہے،

و قاتلوہم حتی لا تکون فتنۃ و یکون الدین للہ

یعنی ان سے لڑو یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہے اور دین خالص خدا کے لئے

ہو جائے،

فرمایا بے شک ہم لڑے یہاں تک فتنہ باقی نہ رہا اور دین خدا کے لئے ہو گیا اور تم لوگ اس لئے لڑنا چاہتے ہو کہ فتنہ پیدا ہو دین غیر خدا کے لئے ہو جائے دوسری روایت میں ہے انہوں نے کہا یہ اس وقت کا حکم ہے جب مسلمان تعداد میں کم تھے اور وہ اپنے مذہب کا اعلان نہیں کر سکتے اور جب کرتے تھے تو کفار ان کو ستاتے تھے یہی فتنہ تھا جس کو روکنے کے لئے جہاد تھا اب مسلمانوں کی تعداد بہت بڑھ گئی، اس لئے اب اس فتنہ کا ذکر نہیں رہا،

حدیث تفسیر قرآن کے بعد حدیث نبویؐ کا درجہ ہے، ابن عمرؓ کا شمار اساطین حفاظ حدیث میں ہے، اگر ان کی مرویات کی تعداد حدیث کی کتابوں سے علیحدہ کر لی جائے تو ان کے بہت سے اوراق سادہ رہ جائیں گے ان کی مجموعی تعداد ۱۶۳۰ ہے، ان میں ۷۰ متفق علیہ ہیں اور ۸۱ میں بخاری اور ۳۱ میں مسلم منفرد ہیں۔

حدیث کی طلب و جستجو ابن عمرؓ کو حدیث نبویؐ کا اتنا شوق اور اس کی اس قدر جستجو تھی کہ اپنی غیر حاضری کے اقوال اور افعال نبویؐ، ان لوگوں سے جو آپ کی خدمت میں حاضر رہا کرتے تھے پوچھ لیا کرتے تھے، اور ان کو یاد رکھتے تھے، اگر کوئی ایسی حدیث یا ایسا مسئلہ سنتے، جو ان کے علم میں نہ ہوتا، تو فوراً خود آنحضرت ﷺ یا حدیث کے راوی کے پاس جا کر اس کی تصدیق کرتے، ایک مرتبہ کسی نے ایک مسئلہ بیان کیا، جو ان کے علم میں نہ تھا، فوراً خدمت نبویؐ میں حاضر ہو کر اس کی تصدیق کی، ایک مرتبہ ایک لیشی نے ابوسعید خدریؓ کے حوالہ سے بیان کیا کہ آنحضرت ﷺ نے سونا چاندی کی بیع صرف اس صورت میں جائز رکھی ہے کہ برابر ہو، انکو اس کا علم نہ تھا، اس لئے ابوسعید خدریؓ کے پاس جا کر اس کی تصدیق کی۔

۱۔ دونوں روایتیں صحیح بخاری جلد ۲ ص ۶۳۸ کتاب التفسیر باب قاتلوہم حتی لا تکون فتنۃ میں ہیں

۲۔ تہذیب الکمال ص ۲۰۷ مطبوعہ مصر

۳۔ اصحابہ جلد ۴ ص ۱۰۹

۴۔ صحیح مسلم کتاب صلوٰۃ المسافرین وقصر ہا جلد ۱ ص ۲۷۵ مطبوعہ مصر

۵۔ ایضاً ص ۶۳۰ باب الرباء

حدیث کی اشاعت و تعلیم..... اس تلاش و جستجو نے ابن عمرؓ کو حدیث کا ور یا بنادیا تھا، جس سے ہزاروں لاکھوں مسلمان سیراب ہوئے، ان کی ذات سے حدیث کا وافر حصہ اشاعت پذیر ہوا، حضرت ابن عمرؓ آنحضرت ﷺ کے بعد ساٹھ سال سے زیادہ زندہ رہے، اس میں آپ کا مشغلہ صرف علم کی اشاعت تھا۔ اسی لئے آپ نے کوئی عہدہ قبول نہیں کیا کہ اس سے یہ مبارک سلسلہ منقطع ہو جاتا، مدینہ مستقل حلقہ درس تھا، اسکے علاوہ اشاعت کے لئے سب سے بہترین موقع حج کا تھا، جس میں تمام اسلامی ملکوں کے مسلمان جمع ہوتے تھے، چنانچہ آپ اس موقع پر فتویٰ دیتے تھے، اس سے بہت جلد مشرق سے مغرب تک احادیث پھیل جاتی تھیں، لوگوں کے گھروں پر جا کر حدیث سناتے تھے، زید بن اسلم اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ وہ ابن عمرؓ کے ساتھ عبد اللہ بن مطیع کے یہاں گئے، عبد اللہ نے خوش آمدید کہا اور ان کے لئے فرش بچھایا، انہوں نے کہا میں اس وقت تمہارے پاس صرف ایک حدیث سنانے کی غرض سے آیا ہوں، رسول ﷺ فرماتے تھے کہ جس شخص نے (امیر کی) اطاعت سے دستبرداری کی، وہ قیامت کے دن ایسی حالت میں آئے گا کہ اس کے پاس کوئی دلیل نہ ہوگی اور جو شخص جماعت سے الگ ہو کر مراوہ جاہلیت کی موت مرا، ۳

ان کی تعلیم کا سلسلہ ہر وقت جاری رہتا تھا، علی بن عبد الرحمن کا بیان ہے کہ میں حالت نماز میں کنکریوں سے شغل کر رہا تھا، نماز تمام کر چکا تو ابن عمرؓ نے ٹوکا اور کہا جس طریقہ سے رسول ﷺ پڑھتے تھے، اس طریقہ سے پڑھا کرو، پھر خود ہی طریقہ بتایا، ۴

ایک مرتبہ سعید بن یسار، مکہ کے راستہ میں آپ کے ساتھ تھے صبح ہونے کے قریب ہوئی تو سعید نے سواری سے اتر کر وتر پڑھی اور پڑھ کر پھر ابن عمرؓ سے مل گئے، انہوں نے پوچھا کہاں تھے، کہا صبح ہو جانے کے خوف سے سواری سے اتر کر وتر ادا کی، ابن عمرؓ نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ کی ذات تمہارے لئے اسوہ حسنہ نہیں ہے؟ سعد نے کہا خدا کی قسم ضرور ہے، کہا رسول اللہ ﷺ اونٹ ہی پر بیٹھے بیٹھے وتر پڑھتے تھے۔ ۵

خود آپ کی ذات گرامی اوصاف نبویؐ کی ایسی زندہ تصویر اور ایسا جامع مرقع تھی جو سینکڑوں درس اور ہزاروں تلقینات سے زیادہ کارآمد تھی، جس کا صرف ایک نظر دیکھ لینا اور چند ساعتیں آپ کی صحبت اٹھا لینا برسوں کے درس و تدریس کے برابر ہوتا ہے، آپ کا صحیفہ زندگی میں تمام احادیث عملاً بعنوان جلی مرقوم تھیں وہ تمام صحابہ اور تابعین جنہوں نے ان کو دیکھا

۱۔ استیعاب جلد ۱ ص ۳۸۱

۲۔ اسد الغابہ جلد ۳ ص ۲۲۸

۳۔ مسند احمد بن حنبل جلد ۲ ص ۱۵۴

۴۔ مؤطا امام مالک العمل فی المجلس فی الصلوۃ ۳۰

۵۔ مؤطا امام مالک باب الامر بالدیہ ص ۴۳

تھا، بالاتفاق ان کی اس حیثیت کو تسلیم کرتے تھے، حضرت ابو حذیفہؓ کہتے تھے کہ آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد ہر شخص کچھ نہ کچھ بدل گیا، مگر عمرؓ اور ان کے بیٹے عبد اللہؓ نہیں بدلے، حضرت عائشہؓ فرمایا کرتی تھیں کہ عہد نبویؐ کی حالت و کیفیت کا عبد اللہ بن عمرؓ سے زیادہ کوئی پابند نہیں رہا، حضرت نافع جو عبد اللہ بن عمرؓ کے خادم اور شاگرد خاص تھے اور جوان کی خدمت میں بیس برس رہے تھے، وہ تابعین اور اپنے شاگردوں سے کہتے کہ اگر اس زمانہ میں ابن عمرؓ ہوتے تو ان آثار نبویؐ کو شدت سے اتباع کرتے ہوئے دیکھ کر تم یہی کہتے کہ یہ دیوانہ ہیں۔

آپ کی ذات دوسروں کے لئے نمونہ تھی، لوگ دعا کرتے تھے کہ ”خدا یا ہمارے زندگی میں ابن عمرؓ کو زندہ رکھ کہ ان کی اقتداء سے فیضیاب ہوتے رہیں، ان سے زیادہ عہد رسالت کا کوئی واقف کار نہیں۔“

اکابر علماء مشکلات میں ان کی طرف رجوع کرتے تھے، سعید بن جبیرؓ جو خود بھی بڑے تابعی تھے، بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ ایک شخص نے لعان کے متعلق مجھ سے سوال کیا مجھ کو معلوم نہ تھا، میں نے ابن عمرؓ سے جا کر دریافت کیا، ابن شہاب زہری جن سے بڑا کوئی محدث تابعین میں نہیں گذرا، کہا کرتے تھے کہ ابن عمرؓ جو رسول اللہ ﷺ کے بعد ساٹھ برس تک افادہ خلق میں مصروف رہے، ان سے رسول اللہ ﷺ کی کوئی بات چھپی نہ تھی،

چونکہ آپ ایک عالم کے مقتدا تھے، آپ کا ہر قول و فعل دوسروں کے لئے نمونہ بن جاتا تھا اس لئے اپنے ان امور و اعمال کی جن کو سنت سے تعلق نہ ہوتا، بلکہ طبعاً یا بدرجہ مجبوری سرزد ہوتے تصریح فرمادیتے تھے، آپ مروہ میں بال بنوارہ تھے، لوگ گرد و پیش جمع ہو کر دیکھنے لگے، فرمایا سنت نہیں ہے، بلکہ بال تکلیف دے رہے تھے، اس لئے بنوادئے،

ایک شخص آپ کے پہلو میں نماز پڑھ رہا تھا چوتھی رکعت میں پٹھنی مار کر بیٹھا، اور دونوں پاؤں موڑ لئے، آپ نے اس کو مذموم بتایا، اس نے کہا آپ ایسے بیٹھتے ہیں، فرمایا مجبوری سے کرتا ہوں، آپ کا بدن بھاری تھا اس لئے مسنوں طریقہ سے نہیں بیٹھ سکتے تھے۔

احتیاط فی الحدیث..... لیکن اس فضل و کمال، اس وسعت و علم اور اس دقت نظر کے باوجود حدیث بیان کرنے میں حد درجہ محتاط تھے، محمد بن علی راوی ہیں کہ صحابہ کی جماعت میں ابن عمرؓ سے زیادہ حدیث بیان کرنے میں کوئی محتاط نہ تھا، وہ حدیث میں کمی و بیشی سے بہت ڈرتے تھے،

۱۔ مستدرک جلد ۵، ۵۶۱۳، وابن سعد مکرہ ابن عمرؓ

۲۔ ابن سعد جز ۴، قسم اول ص ۱۰۶

۳۔ مسلم کتاب اللعان جلد اول ص ۵۹۲

۴۔ تذکرۃ الحفاظ جلد ۱ ص ۵۹۲

۵۔ ابن سعد جز ۴، قسم اول ص ۱۱۴

۶۔ موطا امام مالک العمل فی الجدل فی الصلوٰۃ ص ۳۰

۷۔ تذکرۃ الحفاظ جلد اول ص ۳۴

ابو جعفر کا بیان ہے کہ ابن عمرؓ رسول اللہ ﷺ کی حدیثوں میں کمی و زیادتی سے بہت زیادہ خائف رہتے تھے اسعد اپنے والد کی زبانی بیان کرتے ہیں کہ حدیث نبویؐ میں ابن عمرؓ سے زیادہ محتاط میری نظر سے کوئی نہیں گذرا اس لئے آپ عام طور پر حدیث بیان کرنے سے گریز کرتے تھے، مجاہد کا بیان ہے کہ مدینہ کے راستہ میں میرا اور ابن عمرؓ کا ساتھ ہوا، اس درمیان میں انہوں نے صرف ایک حدیث بیان کی ۳ امام شعبی کا بیان ہے کہ میں ایک سال تک عبد اللہ بن عمرؓ کے پاس بیٹھا لیکن انہوں نے کوئی حدیث نہیں بیان کی، اس کا یہ مقصد نہیں ہے کہ وہ روایت حدیث کو برا سمجھتے تھے یا کم بیان کرتے تھے بلکہ بلا ضرورت نہیں بیان کرتے تھے،

وہ احادیث کو آنحضرت ﷺ کے الفاظ میں روایت کرنا ضروری سمجھتے اور اس میں تغیر پسند نہ کرتے تھے، ایک مرتبہ عبید بن عمیرؓ حدیث سنا رہے تھے کہ ”قال رسول الله صلى الله عليه وسلم مثل المنافق كشاة من بين ربيضتين اذا امت هولاء نطحتها“ حضرت ابن عمرؓ نے فوراً ٹوک دیا کہ یہ حدیث اس طرح نہیں بلکہ یوں ہے ”مثل المنافق بين غنمين“ عبید عمرؓ میں آپ سے بڑے تھے، اس لئے ان کو غیرت آگئی بہت براہم ہوئے، ان کے اس بے جا غصہ کا یہ جواب دیا کہ اگر میں نے آنحضرت ﷺ سے اس طریقہ سے نہ سنا ہوتا تو نہ تردید کرتا۔

اس احتیاط کی بنا پر اکابر علماء آپ کی مرویات کو اتنی قابل اعتماد سمجھتے تھے کہ پھر کسی مزید توثیق کی ضرورت باقی نہیں رہتی، امام شعبیؒ فرماتے تھے کہ ابن عمرؓ کی روایت بہت درست ہوتی تھی، ابن شہاب زہریؒ ان کی رائے کے بعد پھر کسی دوسری رائے کی ضرورت نہیں سمجھتے تھے، موطا امام مالک جس کو امت نے کتاب اللہ کے بعد صداقت اور وثوق میں دوسرا درجہ دیا ہے زیادہ تر ان ہی کی روایت پر مشتمل ہے، خصوصاً وہ روایات جو حضرت ابن عمرؓ سے ان کے خادم و شاگرد نافع نے بیان کی ہیں اور ان سے امام مالک نے سنا ہے حضرت ابن عمرؓ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں تقریباً پندرہ برس رہے، پھر تیخین کا پورا زمانہ دیکھا اور حضرت عمرؓ کی خدمت میں گویا تیس برس رہے، پھر حضرت نافع ابن عمرؓ کی صحبت میں تیس برس رہے پھر امام مالک حضرت نافع کے حلقہ درس میں دس بارہ برس بیٹھے اسی طرح مالک عن نافع عن ابن عمرؓ کا سلسلہ محدثین کے نزدیک سلسلۃ الذہب کہا جاتا ہے اور بجا کہا جاتا ہے کہ

این سلسلہ از طلائے ناب است
این خانہ تمام آفتاب است

ذات نبوی کے علاوہ آپ کے شیوخ میں حضرت ابو بکرؓ، عمرؓ عثمانؓ، علیؓ، زید بن ثابتؓ، عبد اللہ بن مسعودؓ، بلالؓ، رافع بن خدیجؓ، عائشہؓ اور حفصہؓ جیسے اکابر امت ہیں۔

تلامذہ..... آپ کے علم کی کثرت اور فیضان نے آپ کے تلامذہ کا دائرہ بہت وسیع کر دیا تھا صاحبزادوں میں بلال، حمزہ، زید، سالم، عبد اللہ، عبید اللہ، عمر، پوتوں میں ابو بکر، محمد، عبد اللہ غلاموں میں نافع، اسلم، بھتیجوں میں حفص، عبد اللہ، عام لوگوں میں زید، خالد، عروہ، ابن زبیر موسیٰ ابن طلحہ، ابوسلمہ بن عبد الرحمن، عامر بن سعد، حمید بن عبد الرحمن، سعید ابن مسیب، عون بن عبد اللہ، قاسم محمد بن ابی بکر، مصعب بن سعد ابو بردہ بن ابی موسیٰ اشعریؓ، انس بن سیرین، بسر بن سعید، بکر بن عبد اللہ المزنی، ثابت البنانی، جلیہ بن حکیم، حرملہ، حکم بن مینا، حکیم بن ابی جریہ، حمید بن عبد الرحمن حمیری، ابوصالح الصمان زادان ابو عمر، زبیر بن عربی زید بن حبیب، ابو نعیل، زہرہ بن معبد، سالم بن ابی الجعد، زید بن جبیر، سہمی، سعد بن عبیدہ، سعید ابن حارث، سعید بن عمرو، صفوان بن محرز، طاؤس عطا، عکرمہ، مجاہد، سعید ابن جبیر، ابوالزبیر، عبد اللہ بن شقیق عقیلی، عبد اللہ بن ابی ملیکہ، عبد اللہ بن مرہ ہمدانی، عبد اللہ ابن کیسان، عبیدہ بن جریج، عبد اللہ بن مقسم، عکرمہ بن خالد مخزومی، علی بن عبد اللہ البارقی، علی بن عبد الرحمن وغیرہم۔

فقہ..... حدیث کے بعد فقہ کا درجہ ہے کہ اسی پر تشریح اسلامی کا دارومدار ہے، حضرت ابن عمرؓ کو تفقہ فی الدین میں درجہ کمال حاصل تھا، آپ کی ساری عمر علم و افتاء میں کٹی، مدینہ کے ان مشہور صاحب فتاویٰ صحابہؓ میں جن کے فتاویٰ کی تعداد زیادہ ہے، ایک ابن عمرؓ بھی تھے، فقہ مالکی جو ائمہ رابعہ میں سے ایک امام کی فقہ ہے، اس کا تمام تر دارومدار حضرت ابن عمرؓ کے فتاویٰ پر ہے۔ اس بنا پر امام مالک فرماتے تھے کہ ابن عمرؓ ائمہ دین میں تھے۔ ابن عمرؓ کے فتاویٰ جمع کیے جائیں تو ایک ضخیم جلد تیار ہو سکتی ہے، کبار کی رائے ہے کہ تنہا ابن عمرؓ کے اقوال، اسلامی مسائل کے استفتاء کے لئے کافی ہیں۔

احتیاط فی الفتاویٰ..... مگر اس تفقہ کے باوجود حدیث کی طرح فتاویٰ میں بھی محتاط تھے جب تک کسی مسئلہ کے متعلق پورا یقین نہ ہوتا، فتویٰ نہ دیتے، حافظ ابن عبد البر نے استیعاب میں لکھا ہے کہ وہ اپنے فتویٰ میں اور اعمال میں نہایت سخت محتاط تھے اور خوب سوچ سمجھ کر کہنے والے اور کرنے والے تھے۔

۱۔ تہذیب المعجم جلد ۵ ص ۲۲۸، دائرة المعارف حیدرآباد،

۲۔ تہذیب المعجم جلد ۵ ص ۲۲۸، دائرة المعارف حیدرآباد،

۳۔ مقدمہ مسوی شرح موطا شاہ ولی اللہ صاحب

۴۔ اعلام الموقعین ابن قیم جلد اول ص ۱۳،

۵۔ استیعاب جلد اول ص ۳۸۰،

اگر کوئی مسئلہ نہ معلوم ہوتا تو اپنی کسر شان کا لحاظ کیے بغیر نہایت صفائی کے ساتھ اپنی لاعلمی ظاہر کر دیتے، ایک مرتبہ کسی نے مسئلہ پوچھا، آپ کو علم نہ تھا، فرمایا ”مجھے نہیں معلوم“ اس کو ان کی صاف بیانی پر تعجب ہوا، کہنے لگا ”ابن عمرؓ بھی خوب آدمی ہیں جو چیز معلوم نہ تھی اس سے صاف لاعلمی ظاہر کر دی“، عقبہ بن مسلم کا بیان ہے کہ ایک شخص نے آپ سے کوئی مسئلہ دریافت کیا، فرمایا مجھ کو نہیں معلوم، تم میری پیٹھ کو جہنم کا پل بنانا چاہتے ہو کہ تم یہ کہہ سکو کہ ابن عمرؓ نے مجھ کو ایسا فتویٰ دیا تھا؟ ابن عباسؓ کو آپ کا یہ طرز عمل تعجب انگیز معلوم ہوتا تھا، فرمایا کرتے تھے کہ ”مجھ کو ابن عمرؓ پر تعجب آتا ہے کہ جس چیز میں ان کو ذرا بھی شک ہوتا ہے خاموش رہتے ہیں اور مستفتی کو لوٹا دیتے ہیں۔ اگر کبھی فتویٰ دینے کے غلطی معلوم ہوتی تو بلا پس و پیش پہلے فتویٰ سے رجوع کر لیتے اور مستفتی کو صحیح فتویٰ سے آگاہ کر دیتے، ایک مرتبہ عبدالرحمن بن ابی ہریرہؓ نے آبی مردار کے متعلق استفتاء کیا کہ اس کا کھانا جائز ہے یا نہیں، آپ نے ناجائز بتایا، بعد میں قرآن منکایا گیا تو دیکھا تو یہ حکم ملا، احل لکم صید البحر و طعامہ، چنانچہ انہوں نے عبدالرحمن کے پاس کہلا بھیجا کہ ”اس کے کھانے میں کوئی ہرج نہیں“، دوسرے عام مفتیوں کو بھی اپنی رائے و قیاس سے فتویٰ دینے سے منع فرماتے تھے، حضرت جابرؓ بصرہ کے مفتی تھے، ابن عمرؓ ان سے ملے تو پہلی ہدایت یہی فرمائی کہ ”تم بصرہ کے مفتی ہو، لوگ تم سے استفتاء کرتے ہیں، کتاب اللہ اور سنت رسول ﷺ کے بغیر فتویٰ نہ دیا کرو“ آپ کے نزدیک کتاب اللہ سنت رسول اللہ کے علاوہ کوئی تیسری قسم تھی ہی نہیں۔

قیاس و اجتہاد..... تاہم اس حقیاط کے باوجود بعض مسائل میں قیاس و اجتہاد ناگزیر ہے کیونکہ کتاب و سنت میں تمام مسائل کا استقضا نہیں ہے، در نہ فقہ کا دروازہ ہمیشہ کے لئے بند ہو جائے گا، ابن عمرؓ پہلے کتاب اللہ پھر سنت رسول ﷺ یعنی رسول ﷺ کے فیصلوں اور عملی مثالوں کی طرف رجوع کرتے تھے، جب مقصد حاصل نہ ہوتا تو اجتہاد کرتے بے لیکن مستفتی سے کہہ دیتے کہ یہ میرا قیاس ہے، طاؤس کا بیان ہے کہ جب ابن عمرؓ کے سامنے کوئی ایسا مسئلہ پیش ہوتا، جس کے بارہ میں کتاب اور سنت میں کوئی حکم نہ ہوتا، تو پوچھنے والوں سے کہتے کہ ”اگر کہو تو اپنے قیاس سے بتا دوں“۔

لیکن قیاس و اجتہاد میں بھی آپ کو ایسا خدا داد ملکہ حاصل تھا اور آپ کی رائے بھی اتنی

۱ ابن سعد ۳ ص ۱۲۵، ۲ اصحابہ جلد ۴ ص ۱۰۹

۳ تذکرہ الحفاظ جلد اول ص ۳۳،

۴ موطا امام مالک باب ما جاء فی صید البحر ص ۱۸۴،

۵ اعلام الموقعین جلد اول ص ۶۷ مصر ۶ ایضاً،

۶ تذکرہ الحفاظ ذہبی جلد اول ص ۳۳۔

۷ اعلام الموقعین جلد اول ص ۶۷

صائب اور فیصلہ کن بھی جاتی کہ بڑے بڑے ائمہ اس کے بعد کسی دوسرے کی رائے کی ضرورت نہ سمجھتے تھے، امام مالک کو ہدایت کی تھی کہ ابن عمرؓ کے مقابلہ میں کسی کی رائے کو ترجیح نہ دینا کہ وہ آنحضرت ﷺ کے بعد ساٹھ برس تک زندہ رہے، اس لئے آنحضرت ﷺ اور آپ کے صحابہؓ کی کوئی بات ان سے چھپی نہ تھی، امام زین العابدینؓ فرماتے تھے کہ ابن عمرؓ بڑے صائب الرائے تھے بڑے بڑے مشائخ کہا کرتے تھے کہ ”جس نے ابن عمرؓ کے قول کو اختیار کیا اس نے پھر تلاش و تفحص کے لئے کچھ نہیں چھوڑا“۔^۱

بعض فتادے..... ایک شخص نے حاملہ عورت کے روزہ کی نسبت پوچھا کہ اگر حاملہ کو روزہ سخت معلوم ہو، یا اس سے نقصان پہنچنے کا احتمال ہو، تو وہ روزہ رکھے یا افطار کر لے فرمایا افطار کر لے اور روزہ کے عوض روزانہ ایک مدگیہوں مسکین کو دے دیا کرے قرآن پاک کی آیت والذین یطیقونہ فدیۃ طعام مسکین کے متعلق صحابہؓ کی دو جماعتیں ہیں، ایک اس حکم کو منسوخ سمجھتی ہے اور دوسرے اس کو حاملہ، دودھ پلانے والی اور کبیر السن بوڑھوں کے لئے مخصوص کرتی ہے، حضرت ابن عمرؓ کا یہ فتویٰ دوسرے فریق کی تائید کرتا ہے،

عورتوں کے استعمالی زیوروں کی زکوٰۃ کے بارہ میں صحابہؓ اور مجتہدین کا اختلاف ہے، ایک گروہ اسکی بھی زکوٰۃ واجب ٹھہراتا ہے، جو حنفیہ کا مسلک ہے، دوسرا گروہ زیور میں زکوٰۃ کے وجوب کا قائل نہیں، حضرت ابن عمرؓ کا عمل دوسرے گروہ کا مؤید ہے چنانچہ اپنی لڑکیوں کو سونے کے زیورات پہناتے تھے اور ان کی زکوٰۃ نہیں دیتے تھے۔^۲ اس سے حضرت ابن عمرؓ کا یہ فیصلہ معلوم ہوتا ہے کہ استعمال زیورات میں زکوٰۃ نہیں ہے کہ وہ ایک طرح سے عملاً عورت کے ضروریات میں سے ہیں ہاں لبتہ اگر کوئی زیور کو سرمایہ کے طور پر یا تجارت کی غرض سے رکھے تو بے شبہ اس پر زکوٰۃ واجب ہوگی، صحابہؓ میں حضرت عائشہؓ کا بھی یہی مسلک ہے اور مجتہدین میں امام شافعی وغیرہ اس طرف گئے ہیں۔

سکھائے ہوئے کتے کے شکار کی حلت کا مسئلہ تو خود قرآن پاک میں مذکور ہے، مگر اسکی بعض تفصیلات میں لوگوں کا اختلاف ہے، حضرت ابن عمرؓ کا مسلک یہ تھا کہ اگر کتے نے شکار کا کوئی حصہ خود نہیں کھایا ہے تو خواہ وہ شکار مردہ ملے یا زندہ، دونوں صورتوں میں کھایا جاسکتا ہے۔^۳ اگرچہ غلام کے افعال عموماً آقا کی مرضی کے تابع ہیں، تاہم اس کے کچھ فطری حقوق ایسے

۱۔ مستدرک جلد ۵ ص ۵۶۰

۲۔ تذکرہ الحفاظ جلد اول ص ۳۳،

۳۔ تذکرہ الحفاظ ص ۳۳،

۴۔ موطا امام مالک ص ۹۶ جدیہ من افطرنی رمضان،

۵۔ ایضاً ص ۱۰۶ لا زکوٰۃ فیہ من الکلی والتمر والتمر،

۶۔ موطا امام مالک ما جاء فی صید المملات ص ۱۸۳،

ہیں جن میں اس کو مکمل اختیار ہے اور آقا کی مرضی اور منشا کو کوئی دخل نہیں، ابن عمر غلام کے ان حقوق کے بڑے محافظ تھے، فرماتے تھے کہ اگر غلام کو آقا نے شادی کی اجازت دے دی تو پھر طلاق دینے نہ دینے کا مکمل اختیار اسی غلام کو ہوگا، آقا کو اس میں کوئی دخل نہ ہوگا، یعنی اگر آقا طلاق دلانا چاہے تو غلام طلاق دینے پر مجبور نہیں ہے۔

اسی طرح آپ عورتوں کے حقوق کے بھی بڑے محافظ تھے کہ انکے شوہران کو باز بچہ اطفال نہ بنالیں کہ جب تک چاہا کھیلا اور جب چاہا بگاڑ دیا، ایک شخص نے آکر پوچھا کہ ابو عبد الرحمن میں نے اپنی بیوی کا معاملہ اس کے ہاتھ میں دیدیا تھا، یعنی طلاق اس کی مرضی پر محول کر دی تھی اس نے طلاق لے لی، آپ کا کیا فتویٰ ہے، فرمایا عورت نے جو کچھ کیا صحیح کیا (یعنی طلاق پڑ گئی) اس نے کہا ایسا نہ کیجئے فرمایا میں کرتا ہوں کہ تم نے خود کیا۔^۱

ربا (سود) کے معاملہ میں بہت سخت تھے، اگر ربا کا خفیف شائبہ بھی نکلتا، تو اس کو ناجائز سمجھتے تھے، ایک مرتبہ ایک سنار نے پوچھا کہ میں سونے کی چیزیں بنا کر اس سے زیادہ وزن کے سونے کے ساتھ بیچتا ہوں، اور یہ زیادتی میری محنت کا صلہ ہوتی ہے، آپ نے منع کیا، سونار بار بار پوچھتا تھا اور آپ منع کرتے تھے، آخر میں فرمایا کہ دینار سے دینار اور درہم سے درہم کے تبادلہ میں کسی قسم کی زیادتی نہ ہونی چاہیے، اس کا مجھ سے عہد لیا گیا ہے اور میں تم سے عہد لیتا ہوں۔^۲

اس تشدد کی بنا پر آپ قرض کے معاملہ میں کسی جانب سے بھی رعایت پسند نہ کرتے تھے چنانچہ یہ صورت بھی آپ کے نزدیک ناپسندیدہ تھی کہ ایک شخص مدت معینہ کے لئے قرض لے بھر قرض خواہ مدت معینہ سے پہلے روپیہ لینا چاہے اور اس کے عوض میں رقم کا کچھ حصہ چھوڑ دے، گوربا کا فائدہ قرض خواہ کو ملتا ہے، اس لئے عام معنی میں یہ شکل ربا کے تحت میں نہیں آتی، لیکن چونکہ قرض کے سلسلہ میں رعایت ہے اور اس سے ایک فریق کو فائدہ پہنچتا ہے، اس لئے اس میں ان کو ربا کا شائبہ نظر آیا۔

ابن عمرؓ کے فضل و کمال کی جستجو میں جہاں تک ہم اندازہ کر سکے ہیں، اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ مذہبی علوم کے علاوہ عرب کے دور سے مروجہ علوم شاعری، نسابی اور خطابت کو آپ کا بارگاہ علم میں بار نہ تھا، اس کا ایک کھلا ہوا سبب یہ ہے کہ آپ زہد و اتقا کے سبب سے مذہبی علوم کے علاوہ دوسرے علوم میں وقت صرف کرنا پسند نہ فرماتے تھے، اس لئے جو وقت بھی ملتا تھا، وہ اسی علمی جہاد میں صرف ہوتا تھا، دوسرے سبب یہ معلوم ہوتا ہے کہ عرب کے جاہلانہ جذبات سے آپ کا

۱۔ ایضاً ماجائی طلاق العبد ص ۲۰۹،

۲۔ ایضاً ماجائی الخلیفۃ والبریۃ والشاہ ذالک ص ۲۰۰،

۳۔ ایضاً الذہب والورق عیناً و تہماً ص ۲۶۰

۴۔ رزقانی شرح موطا ص ۱۴۱ مطبوعہ مصر

دامن اخلاق ہمیشہ پاک رہا، حسن و عشق، حسب و نسب، غلط تہور و شجاعت آپ کے نزدیک بے معنی الفاظ تھے، اس لئے آپ شاعر اور نساب نہ بن سکے کہ یہی چیزیں عرب کی شاعری کے عناصر اور اسکی مایہ خیر ہیں۔

سیاست کے خارزار سے ہمیشہ دامن کشان رہے، اس لئے تیغ زبان کے جوہر نہ کھلے چنانچہ انہوں نے خطیب کی حیثیت سے کوئی خاص شہرت نہیں حاصل کی، تاہم آپ کے مختصر کلمات اور حکیمانہ اقوال پر روز خطبوں سے زیادہ موقع، زیادہ پراثر اور زیادہ مفید تھے اہل علم کے بارے میں فرماتے تھے کہ ”آدمی اس وقت اہل علم کے زمرہ میں شمار ہونے کے قابل ہوگا جب وہ اپنے سے بلند آدمی پر حسد نہ کرے گا اور اپنے سے کمتر کو حقیر نہ سمجھے گا اور اپنے علم کی قیمت نہ لے گا“ ایمان کے متعلق فرماتے تھے کہ ”بندہ اس وقت تک ایمان کی حقیقت تک نہیں پہنچ سکتا، جب تک وہ مذہب کے اس بلند مقام پر نہ پہنچ جائے، جہاں سے عوام اس کے مذہب میں اس کو احمق نظر آئیں“ یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ ”کوئی بندہ خواہ وہ خدا کے نزدیک برگزیدہ ہی کیوں نہ ہو، مگر جب دنیا کا کچھ حصہ اس کو مل جاتا ہے تو خدا کے یہاں اس کا کوئی نہ کوئی درجہ ضرور گھٹ جاتا ہے“ ایسی کی کے بارے میں ارشاد تھا کہ نیکی بہت آسان شے ہے، خندہ جینی اور شیریں کلائی؟

فضائل اخلاق..... ابن عمرؓ نے اسلام کے سایہ میں نشوونما پائی، فاروق اعظمؓ کی تعلیم و تربیت اور آنحضرت ﷺ کی صحبت بابرکت نے اس پر اور جلا دے دی تھی، اس لئے وہ خلق نبوی کا مکمل نمونہ بن گئے تھے اگرچہ تمام صحابہ کرامؓ پر خلق نبوی کا پرتو پڑا تھا، لیکن ابن عمرؓ پر ایسا گہرا اثر تھا کہ ان کی ہر ادا سے شان نبوی آشکارہ تھی اور وہ ڈھونڈ ڈھونڈ کر وہ کام اسی طرح کرتے تھے، جس طرح سے آنحضرت ﷺ کو کرتے دیکھتے تھے اس کی مثالیں حدیث کی کتابوں میں بکثرت مذکور ہیں۔ خشیت الہی..... خشیت الہی تمام اعمال صالحہ کی بنیاد ہے، خشیت یہ ہے کہ خدا کے ذکر سے انسان کے قلب میں گداز پیدا ہو، قرآن پاک میں صحابہؓ کی تعریف میں ہے، اذا ذکر اللہ وجلت قلوبہم کہ جب خدا یاد آتا ہے تو ان کے دل اہل جاتے ہیں، حضرت ابن عمرؓ میں یہ کیفیت بڑی نمایاں تھی، چنانچہ وہ قرآن پاک کی یہ آیت،

الم یان للذین امنوا ان تخشع قلوبہم (آبہ)

کیا مسلمانوں کے لئے وہ وقت نہیں آیا کہ خدا کی یاد سے ان کے دل میں

خشوع پیدا ہو،

پڑھتے تھے تو ان پر بے انتہا رقت طاری ہوتی ۳۱ ایک مرتبہ حضرت عمرؓ نے فکیف اذا

۱ از لہ الخفا، شاہ ولی اللہ مقصد دوم ص ۱۹۱

۲ اسد الغابہ ترجمہ ابن عمر مطبوعہ مصر،

۳ اصحابہ جلد ۴، ۱۰۹ مطبع شریفہ مصر

جننا من کل امة بشہید تلاوت کی، تو آپ اس قدر روئے کہ داڑھی اور گریبان آنسوؤں سے تر ہو گئے اور پاس بیٹھنے والوں پر اس قدر اثر ہوا کہ وہ بہ مشکل برداشت کر سکی فتنہ کے زمانہ میں جب ہر حوصلہ منداپنی خلافت کا خواب دیکھتا تھا، ابن عمرؓ اپنے فضل و کمال، زہد و اتقا، لوگوں میں اپنی عام ہر دلعزیزی اور مقبولیت بلکہ اکثریوں کی خواہش کے باوجود خدم کے خوف سے محترز رہے، نافع کہتے ہیں کہ میں نے اپنے کانوں سے سنا، ایک دن ابن عمرؓ خانہ کعبہ میں سر بسجود ہو کر کہہ رہے تھے کہ خدایا تو خوب جانتا ہے کہ میں نے حصول دنیا میں قریش کی مزاحمت صرف تیرے خوف سے نہیں کی۔

عبادت و ریاضت آپ بڑے عبادت گزار و شب زندہ دار تھے، اوقات کا بیشتر حصہ عبادت الہی میں صرف ہوتا، نافع روایت کرتے ہیں کہ ابن عمرؓ رات بھر نمازیں پڑھتے تھے، صبح کے قریب مجھ سے پوچھتے کہ سپیدہ صبح نمودار ہوا، اگر میں ہاں کہتا تو پھر طلوع سحر تک استغفار میں مشغول ہو جاتے اور اگر نہیں کہتا تو بدستور نماز میں مشغول رہتے ۳ روزانہ کا معمول تھا کہ مسجد نبوی سے دن چڑھے نکلتے بازار کی ضروریات پوری کرتے ۴ پھر نماز پڑھ کر گھر جاتے، محمد بن زید اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ ابن عمرؓ رات بھر چار پانچ مرتبہ اٹھ کر نمازیں پڑھتے تھے، ۵ ابن سیرین کا بیان ہے کہ رات کو جتنی مرتبہ آنکھ کھلتی تھی اٹھ کر نماز پڑھتے تھے، ۵ تلاوت قرآن سے بڑا شغف تھا، ایک رات میں پورا قرآن ختم کر دیتے، حج کسی سال ناغہ نہیں ہوا حتیٰ کہ فتنہ کے زمانہ میں بھی جب مکہ بالکل غیر مامون حالت میں تھا، انہوں نے حج نہ چھوڑا، چنانچہ ابن زہیرؓ اور حجاج کی جنگ کے زمانہ میں جب انہوں نے حج کا قصد کیا تو لوگوں نے روکا کہ یہ حج کا موقع نہیں، فرمایا اگر کسی نے روک دیا تو اسی طرح رک جاؤں گا، جس طرح آنحضرت ﷺ کو دشمنوں نے روکا تھا صلح حدیبیہ کے زمانہ میں، تو آپ رک گئے تھے اور اگر نہ روکا تو سعی و طواف پورا کروں گا، چنانچہ صرف اس لئے کہ آنحضرت ﷺ نے صلح حدیبیہ کے موقع پر عمرہ کی نیت کی تھی، انہوں نے اس موقع پر عمرہ کی نیت کی کہ آنحضرت ﷺ کے اس واقعہ سے مشابہت ہو جائے۔ ۶ وہ یوں بھی تمام مسائل کے بڑے واقف کار تھے اور بکثرت حج کیے تھے، اس لئے صحابہؓ کی جماعت میں مناسک حج کے سب سے بڑے عالم مانے جاتے تھے بے معمولی سے معمولی عبادت بھی نہ چھوٹی تھی، چنانچہ ہر نماز کے لئے تازہ وضو کرتے تھے ۸ مسجد جاتے وقت نہایت آہستہ آہستہ چلتے کہ جتنے قدم زیادہ پڑیں گے اتنا ہی زیادہ اجر ملے گا۔ ۹

۱۲ اسد الغابہ جلد ۳ ص ۲۲۹،

۱۱ ابن سعد جز ۱، ۱۶۹،

۱۳ ابن سعد تذکرہ ابن عمرؓ

۱۳ اصابہ جلد ۲ ص ۱۰۹،

۱۴ صحیح بخاری کتاب المناسک باب الاضطرار

۱۵ اصابہ جلد ۲، ۱۰۹،

۱۶ ابوداؤد جلد اول

۱۷ ابن خلکان جلد اول ص ۴۴۱،

۱۸ ابن سعد قسم اول جز ۲، ص ۱۱۳

پابندی سنت حضرت ابن عمرؓ کی زندگی حیات نبوی کا عکس اور پرتو تھی، لوگ کہا کرتے تھے کہ ابن عمرؓ کو پابندی سنت کا والہانہ جنون تھا! صرف عبادات ہی میں نہیں بلکہ آنحضرت ﷺ کے اتفاقی اور بشری عادات کی بھی وہ پوری پیروی کرتے تھے، یہاں تک کہ جب وہ حج کے لئے سفر میں نکلتے تھے تو آنحضرت ﷺ اس سفر میں جن جن مقامات پر اترتے تھے وہاں وہ بھی منزل کرتے تھے، جن مقامات پر حضور ﷺ نے نمازیں پڑھی تھیں وہاں یہ بھی پڑھتے تھے حج کے سفر میں وہی راستہ اختیار کرتے تھے جن راستوں سے آنحضرت ﷺ گزرا کرتے تھے انتہا یہ ہے کہ جس مقام پر حضور نے کبھی طہارت کی تھی، اس پر پہنچ کر وہ بھی طہارت کر لیا کرتے تھے، حضرت ابن عمرؓ کا بھی یہی عمل تھا، آنحضرت ذوالحلیفہ میں اتر کر نماز پڑھتے، ابن عمرؓ بھی یہی کرتے تھے،

عام دعوت خصوصاً ولیمہ قبول کرنا مسنون ہے، حضرت ابن عمرؓ روزہ کی حالت میں بھی دعوت ولیمہ رد نہ کرتے تھے، اگرچہ اس حالت میں کھانے میں نہ شریک ہو سکتے تھے، مگر داعی کے یہاں حاضری ضرور دیتے تھے آنحضرت ﷺ مکہ میں داخل ہونے کے قبل بطحا میں تھوڑا سا سو لیتے تھے، حضرت ابن عمرؓ بھی ہمیشہ اس پر عامل رہے! عبادات کے علاوہ وضع قطع اور لباس وغیرہ میں بھی اسوہ نبوی کو پیش نظر رکھتے تھے، چنانچہ ارکان میں صرف رکن یمانی کو چھوڑتے تھے، ترویہ کے دن احرام کھولتے تھے، رنگوں میں زرد رنگ استعمال کرتے، چپل پہنتے تھے، لوگوں نے دریافت کیا کہ آپ ایسا کیوں کرتے ہیں، فرمایا آنحضرت ﷺ کیا کرتے تھے، بے غرض آنحضرت ﷺ کے وہ تمام حرکات و سکنات جو آپ نے بر سبیل سنت کیے یا طبعاً صادر ہوئے، ابن عمرؓ ان سب کی اقتداء کرنا ضروری سمجھتے تھے،

زہد و ورع حضرت ابن عمرؓ کی زندگی زہد و تقویٰ کا نمونہ تھی، لوگوں کا اس پر اتفاق تھا کہ حضرت عمرؓ کے وقت میں ان کے جیسے بہت سے لوگ تھے، لیکن ابن عمرؓ اپنے زمانہ میں بے نظیر تھے، عام طور پر لوگوں میں آخر عمر میں جب قویٰ کا انحطاط ہوتا ہے، تو زہد و تقویٰ کا میلان ہوتا ہے، لیکن حضرت ابن عمرؓ کی پیشانی پر عنقوان شباب ہی میں زہد و ورع کا نور چمکتا تھا اور جوانان قریش میں آپ کی ذات دنیا کی ہوا و ہوس اور نفس کی خواہشوں پر سب سے زیادہ قابو رکھنے والی

۱۔ مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۵۶۱

۲۔ سدا الغابہ جلد ۳ ص ۲۲۷

۳۔ اصابہ جلد ۴ ص ۱۰۹

۴۔ صحیح بخاری جلد اول ص ۱۰۶ مسلم جلد اول باب التہنئیں بذی الحلیفہ

۵۔ صحیح بخاری جلد ۲ ص ۷۸ باب اجابۃ الداعی فی العرس وغیرہ

۶۔ ابوداؤد جلد ۱ ص ۲۰۰

۷۔ صحیح بخاری جلد ۲ ص ۲۸ باب غسل الرجلین فی الجنائز والایسح علی الجنائز

۸۔ اصابہ جلد ۴ ص ۱۰۹ اسی مضمون کی حدیث مستدرک جلد ۳ صفحہ ۵۵۹ میں بھی ہے

ذات تھی! حضرت جابرؓ فرماتے تھے کہ ہم میں سوائے ابن عمرؓ کے کوئی ایسا نہ تھا جس کو دنیاوی دلفریبیوں نے اپنی طرف مائل نہ کیا ہو، البتہ ان کا دامن کبھی دنیا سے آلودہ نہیں ہوا۔ اس سے بڑھ کر انکے زہد و تقویٰ کی کیا سند ہو سکتی تھی، کہ خود زبان رسالت نے ان کو ”رجل صالح“ کی سند عطا کی، اس کا واقعہ یہ ہے کہ حضرت ابن عمرؓ عمری کے زمانہ میں اکثر مسجد میں سویا کرتے تھے، ایک دفعہ انہوں نے دوزخ کے فرشتوں کو خواب میں دیکھا، جا کر اپنی بہن امیر المؤمنین حضرت حفصہؓ سے بیان کیا، انہوں نے آنحضرت ﷺ سے اس کا تذکرہ کیا، آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ عبداللہ ”جوان صالح“ ہے، اس کے بعد وہ اکثر نمازوں میں مشغول رہے اور آخر عمر تک یہی زندگی قائم رہی، ایک مرتبہ حضرت جابرؓ نے لوگوں سے کہا کہ جو آنحضرت ﷺ کے ایسے اصحاب کو دیکھنا چاہتا ہوں، جن میں آپ کے بعد بھی کوئی تغیر نہیں ہوا، تو وہ ابن عمرؓ کو دیکھے، ان کے علاوہ ہم سے ہر شخص کو حوادث زمانہ نے کچھ نہ کچھ بدل دیا ہے، حضرت زین العابدینؓ فرماتے تھے کہ ابن عمرؓ زہد و تقویٰ اور اصابت رائے میں ہم سب پر فائق تھے۔ ان کی پوری زندگی بزرگوں کے بیانات کی لفظ بہ لفظ تصدیق کرتی ہے، ابن عمرؓ چھوٹی چھوٹی باتوں میں بھی تقویٰ اور پابندی و سنت کا خیال رکھتے تھے، ایک مرتبہ پانی مانگا، کسی نے شیشہ کے گلاس میں لا کر پیش کیا، انہوں نے انکار کر دیا، جب دوبارہ وہ لکڑی کے پیالے میں لایا تو پی لیا، پانی پی کر وضو کے لئے برتن مانگا، انہوں نے طشت و آفتابہ پیش کیا، آپ نے انکار کر دیا اور لوٹے سے وضو کیا۔

مال و دولت آپ کی نگاہ میں کوئی حقیقت نہیں تھی اور بڑی سے بڑی دولت کو ٹھکرا دیتے تھے، امیر معاویہؓ نے جب یزید کو ولی عہد بنانا چاہا تو عمرو بن العاصؓ کو حضرت ابن عمرؓ کا عندیہ کے لئے بھیجا، انہوں نے آکر کہا آپ صحابی اور امیر المؤمنین کے لڑکے ہیں، لوگ بھی آپ کی بیعت پر آمادہ ہیں، پھر کیوں نہ ہم لوگ آپ کے دست حق پرست پر بیعت کر لیں، انہوں نے پوچھا کیا سب آمادہ ہیں! کہا وہاں معدودے چند اشخاص کے سوا سب تیار ہیں، کہا اگر تین آدمی بھی میرے مخالف ہیں تو مجھے خلافت کی ضرورت نہیں ہے، جب عمرو بن العاصؓ کو یقین ہو گیا کہ وہ کشت و خون کو ناپسند کرتے ہیں تو دبے لفظوں میں کہا کہ ”پھر آپ ایسے شخص کے ہاتھ پر کیوں نہ بیعت کر لیں جس پر سب متفق ہو جائیں گے، اس کے عوض آپ کو اس قدر زمین اور نقد و مال دیا جائے گا کہ آپ کی پشت پاشت کے لئے کافی ہوگا، یہ سن کر آپ غصہ سے بیتاب ہو گئے اور کہا تمہاری یہ مجال، ابھی میرے یہاں سے نکل جاؤ اور پھر کبھی صورت نہ دکھانا، میرا دین تمہارے

۱۔ تہذیب التہذیب جلد ۵ ص ۳۳۰

۲۔ تہذیب التہذیب جلد ۵ ص ۳۳۰

۳۔ صحیح بخاری کتاب الروایا جلد ۲ ص ۱۰۴۰

۴۔ مستدرک جلد ۳ ص ۵۹۰

۵۔ ابن سعد جز ۴ ق اول ص ۱۱۴

درہم و دینار کے عوض فروخت نہیں ہو سکتا، مجھ کو امید ہے کہ جب دنیا سے جاؤں گا تو میرے ہاتھ ان آلائشوں سے پاک ہوں گے۔

زہد و تقویٰ کی اصل آزمائش کا وہ وقت ہوتا ہے، جب دنیا اپنے تمام ساز و سامان اور دلفریبیوں کے ساتھ دعوت دیتی ہے، مگر انسان اس کی طرف نظر اٹھا کر بھی نہیں دیکھتا حضرت ابن عمرؓ کو بار بار ایسے موقع ملے کہ اگر آپ چاہتے تو دنیاوی جاہ و جلال اور شان و شوکت کے بلند سے بلند مرتبہ پر فائز ہو سکتے تھے، مگر انہوں نے ان کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھا، چنانچہ حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد لوگوں نے خلافت قبول کرنے کی خواہش کی اور اس پر سخت اصرار کیا، مگر آپ نے صاف انکار کر دیا، اور ان فتنوں میں پڑنا گوارا نہ کیا، اس سلسلہ میں ایک عجیب واقعہ قابل ذکر ہے جس سے ان کی اصلی فطرت کا پتہ چلتا ہے، سفیان ثوریؒ امام نبی سے روایت کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ عبداللہ بن زبیرؒ، مصعب بن زبیرؒ، عبدالملک بن مروان اور ابن عمرؒ، چاروں آدمی خانہ کعبہ میں جمع تھے، سب کی رائے ہوئی کہ ہر شخص رکن یمانی پکڑ کر اپنی اپنی دلی تمناؤں کے لئے دعا مانگے، پہلے عبداللہ بن زبیرؒ اٹھے اور دعا مانگی کہ ”خدا یا تو بڑا ہے اور تجھ سے بڑی ہی چیزیں مانگی جاتی ہیں اس لئے میں تجھ کو تیرے عرش، تیرے حرم، تیرے نبی اور تیری ذات کی حرمت کا واسطہ دلا کر دعا کرتا ہوں کہ مجھے اس وقت زندہ رکھ جب تک کہ حجاز پر میری حکومت اور عام خلافت نہ تسلیم کر لی جائے“ اس کے بعد مصعب بن زبیرؒ اٹھے اور رکن یمانی پکڑ کر دعا مانگی کہ ”تو تمام چیزوں کا رب ہے، آخر میں سب کو تیری ہی طرف لوٹنا ہے، میں تیری اس قدرت کا واسطہ دے کر جس کے قبضہ میں تمام عالم ہے، دعا کرتا ہوں کہ مجھے اس وقت تک دنیا سے نہ اٹھا جب تک کہ میں عراق کا والی نہ ہو جاؤں اور سیکنہ میرے نکاح میں نہ آجائے“ اس کے بعد عبدالملک نے کھڑے ہو کر دعا کی کہ ”اے زمین و آسمان کے خدا! میں تجھ سے ایسی چیزیں مانگتا ہوں کہ جس کو تیرے اطاعت گزار بندوں نے تیرے حکم سے مانگا ہے، میں تجھ سے تیری ذات کی حرمت تیری مخلوقات و بیت الحرم کے رہنے والوں کے حق کا واسطہ دے کر دعا مانگتا ہوں کہ تو مجھے دنیا سے اس وقت تک نہ اٹھا، جب تک کہ مشرق و مغرب پر میری حکومت نہ ہو جائے اور اس میں جو شخص رخنہ اندازی کرے، اس کا سر نہ قلم کر دوں، جب یہ لوگ دعا مانگ چکے تو وہ بادہ حق کا سرشار اٹھا، جس کے نزدیک دنیاوی طمطراق کی حقیقت سراب سے زیادہ نہ تھی اور اس کی زبان سے یہ الفاظ نکلے کہ ”تو رحمن و رحیم ہے، میں تیری اس رحمت کا واسطہ دے کر دعا کرتا ہوں جو تیرے غضب پر غالب ہے کہ تو مجھے آخرت میں رسوا نہ کر، اور اس عالم میں مجھے جنت عطا فرما“۔

براء روایت کرتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ ابن عمرؓ کی لاعلمی میں ان کے پیچھے پیچھے جا رہا تھا وہ

چپکے چپکے کہتے جاتے تھے کہ لوگ کندھوں پر تلواریں رکھے، آپس میں کٹے مرتے ہیں اور مجھ سے کہتے ہیں کہ ابن عمرؓ ہاتھ لاؤ بیعت کریں۔

عموماً پیٹ بھر کھانا نہ کھاتے تھے، ایک شخص چورن لایا، آپ نے پوچھا، کیا ہے! اس نے کہا اگر کھانا ہضم نہ ہوا ہو تو اس سے ہضم ہو جاتا ہے، فرمایا، اس کی مجھ کو کیا ضرورت ہے میں نے تو مہینوں سے شکم سیر ہو کر کھانا ہی نہیں کھایا۔

مشتبہات سے اجتناب..... شدت ورع کی بنا پر ہمیشہ مشتبہ چیزوں سے پرہیز فرماتے تھے، مروان نے اپنے زمانہ میں میل کے نشان کے پتھر نصب کرائے تھے، ابن عمرؓ ادھر رخ کر کے نماز پڑھنا مکروہ سمجھتے تھے۔ کہ اس میں پتھر کی پرستش کا خیالی شائبہ ہے اس طرح حضرت ابن عمرؓ اور دوسرے صحابہؓ ہمیشہ عہد رسالت اور اس کے بعد خلفائے اربعہ کے وقت تک کھیتوں کا لگان لیا کرتے تھے، لیکن ایک مرتبہ رافع بن خدیجؓ نے بیان کیا کہ آنحضرت ﷺ نے کھیتوں کے کرایہ سے منع کیا ہے، حضرت ابن عمرؓ نے سنا تو جا کر ان سے تصدیق چاہی، رافع نے کہا کہ ہاں منع کیا ہے، تم کو معلوم ہے کہ عہد نبوی ﷺ میں زمین کا لگان لیا جاتا تھا، اگرچہ انکو اس کا یقین نہ تھا کہ آنحضرت ﷺ نے ایسا حکم دیا ہوگا، مگر محض اس احتمال کی بنا پر لگان لینا چھوڑ دیا کہ شاید بعد میں آنحضرت ﷺ نے ممانعت فرمادی ہو اور مجھے علم نہ ہوا ہو۔

گکڑی اور خر بوزہ صرف اس لئے نہ کھاتے تھے کہ اس میں گندی چیزوں کی کھاد دی جاتی

ہے،

ایک مرتبہ کسی نے کھجور کا سرکہ ہدیہ بھیجا، پوچھا کیا چیز ہے، معلوم ہوا کھجور کا سرکہ ہے، انہوں نے اس خیال سے پھکوا دیا کہ سکر نہ پیدا ہو گیا ہو،

اگرچہ غنا کا مسئلہ مختلف فیہ ہے، تاہم احتیاط کا اقتضا یہی ہے کہ اس سے احتراز کیا جائے چنانچہ جب اپنے صاحبزادے کو گنگنا تے ہوئے سنتے تو تنبیہ فرماتے یے

اگر کسی چیز میں صدقہ کے شائبہ کا بھی وہم ہوتا تو اس کا استعمال نہ کرتے، ایک دن بازار گئے وہاں ایک دودھاری بکری بک رہی تھی، اپنے غلام سے کہا لے لو، اس نے اپنے دام سے خرید لیا، آپ دودھ سے افطار کرنا پسند کرتے تھے، اس لیے افطار کے وقت اسی بکری کا دودھ پیش کیا گیا، فرمایا کہ یہ دودھ بکری کا ہے اور بکری غلام کی خریدی ہوئی ہے اور غلام صدقہ ہے اس لئے اس کو

۱ ابن سعد جزء ۴، ق ۱۱۱

۲ ایضاً ص ۱۱۰

۳ ازلة الخفا مقصد دوم ص ۱۹۰ بحوالہ مصنف ابن ابی بکر،

۴ بخاری جلد ۵، باب ۳۱۵ ما کان اصحاب النبی ﷺ یواسی بعضہم بعضاً فی الزرۃ واثمر

۵ ابن سعد جزء ۴، ق ۱۲۰

۶ ابن سعد جزء ۴، ق ۱۲۲

۷ ایضاً ص ۱۱۳

لے جاؤ، مجھ کو اس کی حاجت نہیں ہے۔

ایک مرتبہ کہیں دعوت میں تشریف لے گئے، وہاں پھولدار فرش بچھا ہوا تھا، کھانا چنا گیا تو پہلے ہاتھ بڑھایا، پھر کھینچ لیا اور فرمایا کہ دعوت قبول کرنا حق ہے، مگر میں روزہ سے ہوں، یہ عذر پھولدار فرش کی وجہ سے تھا،^{۱۲}

ایک مرتبہ احرام کی حالت میں سردی معلوم ہوئی، فرمایا مجھ کو اڑھا دو، آنکھ کھلی تو چادر کی سنجاف اور پھول بوٹوں پر نظر پڑی جو ابریشم سے کڑھے ہوئے تھے، فرمایا اگر اس میں یہ چیز نہ ہوتی تو استعمال میں کوئی مضائقہ نہ تھا۔^{۱۳}

صدقات و خیرات صدقہ و خیرات حضرت ابن عمرؓ کا نمایاں وصف تھا، ایک ایک نشست میں بیس بیس ہزار تقسیم کر دیتے تھے، دو دو تین تین ہزار کی رقمیں تو عموماً خیرات کیا کرتے تھے۔^{۱۴} ایسا اوقات یکمشت ۳۰ ہزار کی رقم خدا کی راہ میں لٹا دی ہے قرآن پاک میں نیکوکاری کے لئے محبوب چیز خدا کی راہ میں دینے کی شرط ہے، لن تنالوا البر حتی تنفقوا مما تحبون حضرت ابن عمرؓ اس آیت کی عملی تفسیر تھے، آپ ہمیشہ اپنی پسندیدہ چیزوں کو راہ خدا میں دے دیتے تھے، چنانچہ جو غلام آپ کو پسند ہوتا اس کو راہ خدا میں آزاد کر دیتے اور آپ کی نظر میں وہ غلام پسندیدہ ہوتا، جو عبادت گزار ہوتا، غلام اس راز کو سمجھ گئے تھے، اس لئے وہ مسجدوں کے ہورہتے، حضرت ابن عمرؓ ان کے ذوق عبادت کو دیکھ کر خوش ہوتے اور آزاد کر دیتے، آپ کے احباب مشورہ دیتے کہ آپ کے غلام آپ کو دھوکہ دیتے ہیں اور صرف آزادی کے لئے یہ دینداری دکھاتے ہیں، آپ فرماتے ”من خدعنا باللہ انخدعنا لہ“ ”جو شخص ہم کو خدا کے ذریعہ سے دیتا ہے، ہم اس کا دھوکہ کھا جاتے ہیں“۔^{۱۵} آپ کو ایک لونڈی بہت محبوب تھی، اس کو راہ خدا میں آزاد کر کے اپنے ایک غلام کے ساتھ بیاہ دیا، اس سے ایک لڑکا پیدا ہوا، لڑکے کو آپ چومتے اور فرماتے کہ اس سے کسی کی بو آتی ہے اسی طریقہ سے ایک دوسری چاہتی لونڈی کو آزاد کر دیا اور فرمایا ”لن تنالوا البر حتی تنفقوا مما تحبون“۔^{۱۶} آپ اس کثرت سے غلام آزاد کرتے تھے کہ آپکے آزاد کردہ غلاموں کی تعداد ایک ہزار سے متجاوز ہو گئی تھی۔^{۱۷} ایک مرتبہ انہوں نے نہایت عمدہ اونٹ خرید اور سوار ہو کر حج کو چلے، اتفاق سے اس کی چال بہت پسند آئی، فوراً اتر پڑے اور حکم دیا کہ سامان اتار لو اور اس کو قربانی کے جانوروں میں داخل کر دو،^{۱۸}

۱۱۔ ابن سعد قسم اول جز ۳ ص ۱۱۸

۱۲۔ اصابتہ ذکرہ ابن عمرؓ

۱۳۔ ابن سعد جز ۳ ص ۱۱۰

۱۴۔ اصابتہ جلد ۲ ص ۱۰۹

۱۵۔ تہذیب التہذیب جلد ۲ ص ۳۳۰

۱۶۔ ایضاً ص ۱۲۷

۱۷۔ اسد الغابہ جلد ۳ ص ۲۲۹

۱۸۔ ابن سعد جز ۳ ص ۱۲۳

۱۹۔ ایضاً ص ۱۰۸

۲۰۔ بخاری جلد ۲،

مسکین نوازی..... مسکین نوازی آپ کا نمایاں وصف تھا، خود بھوکے رہتے، لیکن مسکینوں کی شکم سیری کرتے عموماً بغیر مسکین کے کھانا نہ کھاتے تھے، آپ کی اہلیہ آپ کی غیر معمولی فیاضی سے بہت نالاں رہتی تھیں اور شکایت کیا کرتی تھیں، جو کھانا میں ان کے لئے پکائی ہوں، وہ کسی مسکین کو بلا کر کھلا دیتے ہیں، فقراء اس کو سمجھ گئے تھے اس لئے مسجد کے سامنے آپ کی گذرگاہ پر آکر بیٹھتے تھے، جب آپ مسجد سے نکلتے تو ان کو لیتے آتے تھے، بیوی نے عاجز ہو کر ایک مرتبہ کھانا فقراء کے گھروں پر بھجوا دیا اور کہلا بھیجا کہ راستہ میں نہ بیٹھا کریں، اور اگر وہ بلائیں تو بھی نہ آئیں ابن عمر مسجد سے واپس ہو کر حسب معمول گھر آئے اور غصہ میں حکم دیا کہ فلاں فلاں محتاجوں کو کھانا بھجوا دو، کیا تم چاہتی ہو کہ میں رات فاقہ میں بسر کروں چنانچہ بیوی کے اس طرز عمل پر رات کو کھانا نہ کھایا۔

اگر دسترخوان پر کسی فقیر کی صداکانوں میں پہنچ جاتی تو اپنے حصہ کا کھانا اس کو اٹھوا دیتے اور خود روزہ سے دن گزار دیتے، ایک مرتبہ مچھلی کھانے کی خواہش ہوئی، آپ کی بیوی صفیہ نے بڑے اہتمام سے لذیذ مچھلی تیار کی، ابھی دسترخوان چنا ہی گیا تھا کہ ایک فقیر نے صدا لگائی فرمایا فقیر کو دے دو، بیوی کو عذر ہوا، پھر دوبارہ فرمایا کہ نہیں دیدو مجھ کو یہی پسند ہے، لیکن چونکہ بیوی نے آپ کی فرمائش سے پکائی تھی، اس لئے اس کو نہ دیا، اور کھانے کے عوض نقدی فقیر کو دے کر واپس کیا، تب آپ نے تبادل فرمایا ۲ ایک مرتبہ بیمار پڑے کھانے کے لئے انگور کے چند دانے خریدے گئے، ایک سائل آیا حکم دیا انگور دیدو، لوگوں نے عرض کیا آپ اس کو کھا لیجیے اس کو دوسرے دیدیے جائیں گے، فرمایا نہیں اسے دے دو مجبور آدمی دینے پڑے اور دے کر پھر اس سے خریدے گئے ۳ آپ کا یہ سلوک ان ہی لوگوں کے ساتھ تھا جو درحقیقت اس کے مستحق ہوتے تھے، چنانچہ جب دسترخوان پر بیٹھتے اور کوئی خوش پوش اور مرفحہ الحال دکھائی پڑتا، تو نہ بلاتے، لیکن آپ کے بھائی اور لڑکے وغیرہ اس کو بٹھا لیتے اور اگر کوئی خستہ حال اور مسکین نظر آتا، تو اس کو فوراً بلاتے اور فرماتے یہ لوگ شکم سیر اشخاص کو بلاتے ہیں اور جو بھوکے اور کھانے کے حاجتمند ہوتے ہیں ان کو چھوڑ دیتے ہیں، ۴

فیاضی اور سیرچشمی..... فقراء و مساکین کے علاوہ آپ کے ہم چشم اور ہم رتبہ اشخاص پر بھی آپ کا ابر کرم برستا تھا، اگر کبھی بھولے سے کوئی چیز کسی کے پاس چلی جاتی تو پھر اس کو واپس نہ لیتے تھے، عطا کہتے ہیں کہ ایک دفعہ ابن عمرؓ نے مجھ سے دو ہزار درہم قرض لئے، جب ادا کیے تو دو سو زیادہ آگئے میں نے واپس کرنا چاہا تو کہا تمہیں لے لو، اسی طریقہ سے ایک مرتبہ ایک اور رقم

۱ ابن سعد جز ۲ قسم اول ۱۳۲ ۲ ابن سعد جز ۲ ق ۱ ص ۱۲۲

۳ ایضاً ص ۱۱۶

۴ ایضاً ص ۱۰۹

۵ ایضاً ص ۱۲۲

کسی سے قرض لی جب واپس کی تو مقروضہ درہم سے زیادہ کھرے درہم ادا کیے، قرض خواہ نے کہا یہ درہم میرے درہموں سے زیادہ کھرے ہیں، فرمایا عہداً ایسا کیا تھا! آپ کے غلام نافع کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ بیس ہزار درہم ایک وقت تقسیم کر دیتے، تقسیم ہو جانے کے بعد جو لوگ آئے ان کو ان لوگوں سے قرض لے کر دیتے، جن کو پہلے دے چکے تھے، اقامت کی حالت میں بھی اکثر روزہ رکھتے تھے، لیکن اگر کوئی مہمان آجاتا تو افطار کرتے کہ مہمان کی موجودگی میں روزہ رکھنا فیاضی سے بعید ہے ۳ جہاں مہمان جاتے ۳ دن کی مسنون مہمانی کے بعد اپنا سامان خود کرتے، جب مکہ جاتے تو عبداللہ بن خالد کے گھرانے میں اترتے تھے، لیکن ۳ دن کے بعد اپنی جملہ ضروریات بازار سے پوری کرتے تھے۔ ۴

ایک مرتبہ کہیں جا رہے تھے، راستہ میں ایک اعرابی ملا، حضرت ابن عمرؓ نے سلام کیا اور سواری کا گدھا اور سر کا عمامہ اتار کر اس کو دیدیا، ابن دینار ہاتھ تھے، یہ فیاضی دیکھ کر بولے، خدا آپ کو صلاحیت دے یہ اعرابی تو معمولی چیزوں سے خوش ہو جاتے ہیں یعنی اتنی فیاضی کی ضرورت نہ تھی، فرمایا ان کے والد میرے والد کے دوست تھے، میں نے آنحضرت ﷺ سے سنا ہے کہ سب سے بڑی نیکی اپنے باپ کے احباب کے ساتھ صلہ رحمی ہے۔ ۵

استغناء..... اس فیاضی کے ساتھ حد درجہ مستغنی المزاج واقعہ ہوئے تھے، کبھی کسی کے سامنے دست و سوال دراز نہیں کیا، لوگ خدمت بھی کرنا چاہتے تو آپ قبول نہ کرتے، عبدالعزیز بن ہارون نے ایک مرتبہ لکھ بھیجا کہ آپ اپنی ضروریات کی اطلاع مجھ کو دیا کیجئے، ان کو جواب میں لکھ بھیجا کہ ”جن کی پرورش تمہارے ذمہ ہے ان کی امداد کرو اور اوپر کا ہاتھ نیچے کے ہاتھ سے بہتر ہے“ اوپر کے ہاتھ سے مراد دینے والا اور نیچے کے ہاتھ سے مراد لینے والا، ۶

مگر اسی کے ساتھ کسی کا ہدیہ بھی واپس نہیں کرتے تھے، چنانچہ مختار اکثر مال و متاع بھیجا کرتا تھا آپ قبول کر لیتے اور فرماتے کہ میں کسی سے مانگتا نہیں، لیکن جو خدا دیتا ہے اس کو رد بھی نہیں کرتا ہے آپ کی پھوپھی رملہ نے دوسو دینار بھیجے، انہوں نے شکریہ کے ساتھ قبول کر لئے، امیر معاویہؓ نے آپ کے سامنے ایک لاکھ کی رقم اس خیال سے پیش کرنی چاہی کہ آپ یزید کی خلافت پر راضی ہو جائیں، آپ نے فرمایا میرا ایمان اتنا ارزاں نہیں ہے، ۷

محبت نبوی..... آنحضرت ﷺ سے محبت ان کا سرمایہ حیات اور جان حزین کی تسکین کا باعث تھی، آپ کی وفات کے بعد ایسے شکستہ دل ہوئے کہ اس کے بعد نہ کوئی مکان بنایا اور نہ

۴ ابن سعد جز ۴ ق ۱ ص ۱۰۹

۵ ایضاً،

۶ ایضاً

۷ ایضاً ص ۱۳۴،

۸ ایضاً

۹ ابن سعد تذکرہ ابن عمرؓ

۱۰ ایضاً

۱۱ ابن سعد جز ۱ ق ۱ ص ۱۱۰

باغ لگایا، وفات نبوی کے بعد جب آپ کا ذکر آتا تو بے اختیار رو پڑتے، جب سفر سے لوٹتے تو روضہ نبوی پر حاضر ہو کر سلام کہتے ۳ ذات نبوی کے ساتھ اس شیفتگی کا قدرتی نتیجہ یہ تھا کہ آل اطہار سے بھی وہی تعلق تھا، ایک مرتبہ ایک اعرابی نے مجھ کے خون کا کفارہ پوچھا، آپ نے پوچھا تم کون ہو اس نے کہا عراقی، فرمایا لوگو! ذرا اس کو دیکھنا، یہ شخص مجھ سے مجھ کے خون کا کفارہ پوچھتا ہے، حالانکہ ان لوگوں نے نبی کے جگر گوشہ کو شہید کیا ہے، جن کے متعلق آنحضرت ﷺ فرماتے تھے کہ یہ دونوں میرے باغ دینا کے دو پھول ہیں ۴

یہ محبت آل اطہار کے ساتھ مخصوص نہ تھی، بلکہ جس چیز کو بھی آنحضرت ﷺ کے ساتھ کسی قسم کی نسبت ہوتی، اس سے آپ کو وہی شغف تھا، آنحضرت ﷺ کبھی ایک درخت کے نیچے اترتے تھے، ابن عمرؓ ہمیشہ اس کو پانی دیتے تھے کہ خشک نہ ہو جائے ۵ مدینہ الرسول ﷺ سے اس درجہ محبت تھی کہ تنگی کی حالت میں بھی وہاں سے نکلنا گوارا نہ تھا، ایک مرتبہ آپ کے ایک غلام نے تنگی کی شکایت کی اور مدینہ سے جانے کی اجازت چاہی کہا کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ جو شخص مدینہ کے مصائب پر صبر کریگا، قیامت میں اس کا شفع ہوگا، ۶

اختلاف امت کا لحاظ..... حضرت ابن عمرؓ اس کام سے جس میں امت مسلمہ کے اختلاف و افتراق کا ادنیٰ خطرہ بھی نکلتا ہے، احتراز فرماتے تھے، ان کی حق پرستی مسلم ہے، لیکن امت کے ضرر کے خیال سے بعض مواقع پر خاموش ہو جاتے تھے فرماتے تھے کہ ایک مرتبہ امیر معاویہؓ نے دعویٰ سے کہا کہ خلافت کا ہم سے زیادہ حقدار کون ہے، میرے دل میں خیال آیا کہ جواب دوں کہ تم سے زیادہ وہ حقدار ہے جس نے تم کو اور تمہارے باپ کو اس پر مارا تھا، مگر فساد کے خیال سے خاموش رہا یہ اختلاف امت سے بچنے کا ادنیٰ ادنیٰ باتوں میں خیال رکھتے تھے، منی میں آنحضرت ﷺ عصر کی نماز میں قصر کرتے تھے، آپ کے بعد حضرت ابو بکرؓ کا بھی یہی طریقہ رہا، حضرت عثمانؓ بھی ابتدا میں دو ہی رکعت پڑھتے تھے، مگر کچھ دنوں کے بعد پوری چار پڑھنے لگے، حضرت ابن عمرؓ بھی تفریق کے خیال سے امام کے پیچھے چار پڑھتے، لیکن اکیلے ہوتے تو قصر کرتے اور فرماتے کہ ”الخلافا الممکن“ ۸ اختلاف ناپسندیدہ ہے فرمایا کرتے تھے کہ اگر میری خلافت پر دو شخص کے علاوہ پوری امت محمدی متفق ہو جائے تو بھی میں ان سے نہ لڑوں گا، لوگوں

۱۔ ازالۃ الخلاف مقصد دوم ص ۱۱۸۹ بحوالہ مصنف ابن ابی بکر

۲۔ ابن سعدؒ تذکرہ ابن عمر، ۳ ایضاً

۳۔ بخاری جلد ۲ ص ۸۸۶ باب رحمۃ الولد و تقبیلہ و معانقہ

۴۔ اسد الغابہ جلد ۳ ص ۲۲۷، ۵۔ مسند احمد بن حنبل جلد ۲ ص ۱۱۳،

۶۔ طبقات ابن سعد ج ۲ ص ۱۳۳ و بخاری

۸۔ ابوداؤد جلد ۱ ص ۹۶ و مسلم جلد ۱ باب قصر بصلوۃ بمنی

کو نصیحت کرتے کہ ہم دوسروں سے اس لئے لڑتے تھے، کہ دین فساد کا ذریعہ نہ بنے اور خالص خدا کے لئے ہو جائے اور تم لوگ اس لئے لڑتے ہو جبکہ دین غیر خدا کا ہو کر فتنہ و فساد کی بنیاد بن جائے، ایک شخص نے کہا کہ آپ سے زیادہ فتنہ پر دراز امت محمدیؐ میں کوئی نہیں فرمایا یہ کیسے، خدا کی قسم نہ میں نے ان کا خون بہایا، نہ انکی جماعت میں اختلاف ڈالا، نہ ان کی مجتمع قوت منتشر کی، اس نے برسبیل مبالغہ کہا کہ اگر آپ چاہتے تو دو شخص بھی آپکی خلافت میں اختلاف نہ کرتے، آپ نے فرمایا میں اس کو ناپسند کرتا ہوں کہ ایک شخص کہے کہ میں تمہاری خلافت سے راضی ہوں، دوسرا کہے کہ میں راضی نہیں ہوں براء روایت کرتے ہیں کہ میں ایک دن عبداللہ بن عمرؓ کی لاعلمی میں انکے پیچھے پیچھے جا رہا تھا، وہ فرماتے جاتے تھے کہ لوگ تلواریں لئے آپس میں کئے مرتے ہیں، پھر کہتے ہیں کہ ابن عمرؓ بیعت کے لئے ہاتھ بڑھاؤ!

اسی اختلاف امت سے بچنے کے لیے ہر خلیفہ کے ہاتھ پر بیعت کر لیتے تھے کہ مبادا انکار کسی نے فتنہ کی بنیاد نہ بن جائے چنانچہ فتنہ کے زمانہ میں ہر امیر کے پیچھے نماز پڑھ لیتے اور زکوٰۃ ادا کر دیتے خود فرماتے تھے کہ میں دور فتن میں جنگ و جدل سے الگ رہتا ہوں اور ہر غالب کے پیچھے نماز پڑھ لیتا ہوں مگر یہ اطاعت اسی حد تک تھی جہاں تک مذہب اجازت دیتا اور اگر اس سے مذہبی پابندی میں کوئی خلل پڑتا تو اطاعت ضروری نہیں سمجھتے تھے چنانچہ ابتداء حجاج کے پیچھے نماز پڑھا کرتے تھے، لیکن جب اس نے نماز میں تاخیر شروع کی تو اس کے پیچھے نماز پڑھنی چھوڑ دی بلکہ مکہ چھوڑ کر مدینہ چلے آئے۔ ۳

اس احتیاط کی بنا پر حضرت عثمانؓ کے عہد خلافت میں فتنہ و فساد اور افتراق انشقاق کا جو طوفان اٹھا، جس میں بہت کم ایسے مسلمان تھے، جن کا ہاتھ ایک دوسرے کے خون سے رنگین نہ ہوا ہو، ابن عمرؓ اپنے کمال احتیاط کے باعث اس ہنگامہ عام میں بھی بچے رہے، چنانچہ محمدؐ کہتے ہیں کہ ”اگر ہم میں سے کوئی شخص مستثنیٰ کیا جاسکتا ہے تو وہ عبداللہ بن عمرؓ ہیں“

اظہار حق میں جرات و بے باکی..... اس مصالحانہ اور مرنج و مرنجان زندگی کے باوجود دینی اور مذہبی معاملات میں ان کی حق گوئی مصالح امت کے خیال پر غالب آ جاتی تھی، چنانچہ بنی امیہ کے جابرانہ طرز عمل پر نہایت سختی سے نکتہ چینی کرتے تھے، حجاج کے مظالم سے دنیائے اسلام تنگ آ گئی تھی مگر کسی کو دم مارنے کی مجال نہ تھی لیکن حضرت ابن عمرؓ بے خوف و خطر اس کے منہ پر کھد دیتے، ایک مرتبہ حجاج خطبہ دے رہا تھا، حضرت ابن عمرؓ بھی تھے، آپ نے فرمایا یہ خدا کا دشمن ہے اس نے حرم الہی کو رسوا کیا بیت اللہ کو تباہ کیا، اولیاء اللہ کو قتل کیا، ایک مرتبہ حجاج نے دوران خطبہ میں کہا کہ عبداللہ بن زبیرؓ نے کلام اللہ میں تغیر و تبدل کیا ہے، حضرت ابن عمرؓ نے جھلا

کر فرمایا کہ ”جھوٹ بکتا ہے نہ ابن زبیرؓ میں اتنی طاقت ہے اور نہ تری یہ مجال ہے، مرض الموت میں جب حجاج عیادت کو آیا اور انجان بن کر کہا کاش زخمی کرنے والے کا مجھ کو علم ہو جاتا تو بگڑ کر کہا کہ وہ تمہارا نیزہ تھا، حجاج نے پوچھا یہ کیسے؟ کہا تم نے ایام حج میں لوگوں کو مسلح کیا اور حرم محترم میں ہتھیاروں کو داخل کیا، پھر پوچھتے ہو، کس نے زخمی کیا؟“ ایک مرتبہ حجاج مسجد میں خطبہ دے رہا تھا، اس کو اس قدر طول دی کہ عصر کا وقت آخر ہو گیا آپ نے آواز دی کہ نماز کا وقت جا رہا ہے، تقریر ختم کرو اس نے نہ سنا، دوبارہ پھر کہا اس مرتبہ بھی اس نے خیال نہ کیا، تیسری مرتبہ پھر کہا تین مرتبہ کہنے کے بعد حاضرین سے فرمایا، اگر میں اٹھ جاؤں تو تم بھی اٹھ جاؤ گے لوگوں نے کہا ہاں چنانچہ یہ کہہ کر کہ معلوم ہوتا ہے کہ تم کو نماز کی ضرورت نہیں ہے اٹھ گئے اس کے بعد حجاج منبر سے اتر آیا اور نماز پڑھی اور ابن عمرؓ سے پوچھا کہ تم نے ایسا کیوں کیا، کہا کہ ہم لوگ نماز کے لئے مسجد میں آتے ہیں، اس لئے جس وقت نماز کا وقت آجائے، اس وقت فوراً تم کو نماز پڑھنی چاہیے، نماز کے بعد جس قدر تمہارا دل چاہے، بکا کرو ۱۳۱ وجہ سے خلفائے بنو امیہ اپنی رعوت کے باوجود ان کا بہت لحاظ کرتے تھے، آنحضرت ﷺ کے وقت سے خط لکھنے کا یہ طریقہ تھا کہ لکھنے والا بسم اللہ کے بعد اپنا نام لکھتا، پھر مکتوب الیہ کا نام لکھتا کہ منجانب فلاں ابی فلاں لیکن خلفائے امیہ نے جہاں اور بدعات رائج کیں، وہاں اس طریقہ کو بھی بدل دیا اور اظہار ترفع کے لئے یہ طریقہ رائج کیا کہ خط میں پہلے خلیفہ کا نام لکھا جائے، پھر بھیجنے والا اپنا نام تحریر کرے، ابن عمرؓ کی خودداری اس کو گوارا نہیں کر سکتی تھی، اس لئے انہوں نے جو بیعت نامہ لکھا، اس میں اس سابق طریقہ ”پر من عبد اللہ بن عمر“ کے بجائے ”مراد بن مروان لکھا“ اس تحریر کو دیکھ کر درباریوں نے کہا کہ ابن عمرؓ نے حضرت سے پہلے اپنا نام لکھا ہے، عبد الملک نے کہا کہ ابو عبد الرحمن کی ذات سے اتنا بھی بہت غنیمت ہے، ۱۳۲

مساوات..... اسلام نے ان تمام امتیازات کو جن سے ایک انسان کی تحقیر اور دوسرے کی بیجا عظمت ظاہر ہو مٹا دیا، ابن عمرؓ اس مساوات کا عملی نمونہ تھے، وہ ان تمام امتیازات کو جن سے مساوات میں فرق آتا ہوتا پسند فرماتے تھے، چنانچہ جہاں لوگ آپ کی تعظیم کے لئے کھڑے ہوتے وہاں نہ بیٹھتے، ۱۳۳ اپنے غلاموں کو بھی مساوات کا درجہ دے دیا تھا اور ان کو عزت نفس کی تعلیم دیتے تھے، دستور تھا کہ غلام تحریر میں پہلے آقا کا نام لکھتا تھا، پھر اپنا، انہوں نے اپنے غلاموں کو ہدایت کر دی کہ جب مجھ کو خط لکھو تو پہلے اپنا نام لکھو ۱۳۴ غلاموں کو دسترخوان پر ساتھ

۱۳۱ بخاری جلد اول ص ۱۳۲

۱۳۲ ابن سعد ج ۴، قسم اول ص ۱۳۵

۱۳۳ ابن سعد قسم اول ص ۱۱۴

۱۳۴ ابن سعد ج ۴ ص ۱۱۷

۱۳۵ اسد الغابہ جلد ۳ ص ۱۲۸

۱۳۶ ابن سعد ج ۴ ص ۱۲۰

بٹھاتے ایک مرتبہ دسترخوان بچھا ہوا تھا، ادھر سے کسی کا غلام گذرنا تو اس کو بھی بلا کر ساتھ بٹھایا، غلاموں کے کھانے پینے کا خیال بال بچوں کی طرح رکھتے تھے، ایک مرتبہ ان لوگوں کے کھانے میں تاخیر ہو گئی، خانساں سے پوچھا غلاموں کو کھانا کھلا دیا، اس نے نفی میں جواب دیا، برہم ہو کر فرمایا جاؤ ابھی کھلا دو، انسان کے لئے یہ سب سے بڑا گناہ ہے کہ اپنے غلاموں کے خورد و نوش کا خیال نہ رکھے، غلاموں کو نہ کبھی برا بھلا کہتے تھے اور نہ کبھی ان کو مار پیٹ کرتے تھے، اگر کبھی غصہ کی حالت میں ایسا کوئی فعل سرزد ہو جاتا تو اس کو کفارہ کے طور پر آزاد کر دیتے، سالم کہتے ہیں کہ ابن عمرؓ نے ایک مرتبہ کے علاوہ کبھی کسی غلام کو لعنت ملامت نہیں کی، ایک مرتبہ غصہ میں الح کہنے پائے تھے کہ زبان روک لی اور فرمایا ”میں ایسی بات زبان سے نکال رہا ہوں، جو نہ نکالنی چاہیے“ ایک مرتبہ ایک غلام کو کسی بات پر مار بیٹھے، مارنے کے بعد اس قدر متاثر ہوئے کہ اس کو آزاد کر دیا، ۳

تواضع و انکسار..... اس مساوات کا دوسرا پہلو انکسار و تواضع ہے، جب تک یہ صفت نہ ہوگی اس وقت تک مساوات کا جذبہ نہیں پیدا ہو سکتا، ابن عمرؓ میں یہ صفات بھی بدرجہ اتم موجود تھیں اپنی تعریف سننا خود پرستی کا پہلا زینہ ہے، ابن عمرؓ اپنی تعریف سننا سخت ناپسند کرتے تھے، ایک شخص ان کی تعریف کر رہا تھا، انہوں نے اس کے منہ میں مٹی جھونک دی اور کہا آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ مداحوں کے منہ میں خاک ڈالا کرو، ۴ اپنے لئے معمولی انسانوں سے زیادہ شرف گوارا نہ کرتے تھے، ایک مرتبہ کسی نے آپ سے کہا تم سبط ہو تم وسط ہو فرمایا سبحان اللہ سبط نبی اسرائیل تھے اور امت وسط پوری امت محمدی ہے، ہم تو مضر کے درمیانی لوگ ہیں، اس سے زیادہ اگر کوئی رتبہ دیتا ہے تو جھوٹا ہے، بلا امتیاز ہر کس و نا کس کو سلام کرتے، بلکہ اسی ارادہ سے گھر سے نکلتے تھے، طفیل بن کعب جو روزانہ صبح و شام ان کے ساتھ بازار جایا کرتے تھے، بیان کرتے تھے کہ ابن عمرؓ بلا امتیاز تاجر مسکین اور خستہ حال سب کو سلام کرتے تھے، ایک دن میں نے ان سے پوچھا آپ بازار کیوں جاتے ہیں، حالانکہ نہ خرید و فروخت کرتے ہیں، نہ کسی جگہ بیٹھتے ہیں، فرمایا صرف لوگوں کو سلام کرنے کے غرض سے ۵، اتفاق سے اگر کسی کو سلام کرنا بھول جاتے تو پلٹ کر سلام کرتے، ۶ تواضع کا ایک مظہر حلم بھی ہے، ابن عمرؓ تلخ سے تلخ باتیں سن کر پی جاتے تھے، ایک مرتبہ ایک شخص نے آپ کو گالیاں دینی شروع کیں، آپ نے صرف اس قدر جواب دیا کہ میں اور میرے بھائی عالی نسب ہیں، پھر خاموش ہو گئے۔ ۷

۱۔ مسلم جلد ۱ ص ۳۶۹ باب فضل الفقہ علی العیال والملتوک الخ،

۲۔ مسلم جلد ۴ ص ۱۲۵

۳۔ اصابہ جلد ۴ ص ۱۰۸،

۴۔ مسند ابن جنبل جلد ۲ ص ۹۴

۵۔ موطا امام مالک ص ۳۸۰ باب جامع السلام

۶۔ اصابہ جلد ۴ ص ۱۰۸

۷۔ ابن سعد جز ۴ ق ۱ ص ۱۳۲،

ہر دلعزیزی..... اس مساوات، تواضع علم کا یہ نتیجہ تھا کہ عام طور پر لوگوں میں آپ کو محبوبیت حاصل تھی، مجاہد کہتے ہیں کہ ایک دن میں ابن عمرؓ کے ساتھ نکلا، لوگ بکثرت ان کو سلام کر رہے تھے، انہوں نے مجھ سے مخاطب ہو کر کہا کہ لوگ مجھ سے اس قدر محبت کرتے ہیں کہ اگر چاندی سونے کے عوض بھی محبت خریدنا چاہوں تو اس سے زیادہ نہیں مل سکتی،!

سادگی..... ابن عمرؓ کی تصویر حیات تکلفات کے آب و رنگ سے یکسر پاک تھی، گو آپ بہت فارغ البال تھے اور پرگزر چکا ہے کہ ۲۰، ۲۰ ہزار ایک ایک نشست میں لوگوں کو دے ڈالتے تھے لیکن خود ان کی زندگی یہ تھی کہ کل اثاث البیت ۱۰۰ درہم سے زیادہ کا نہ تھا، مہران کا بیان ہے کہ میں نے ابن عمرؓ کے اثاث البیت کا جائزہ لیا تو فرش اور بستر ملا کر بھی اس کی قیمت سو درہم (یعنی تقریباً بیس روپے) تک نہیں پہنچی تھی ۲ فاروق اعظمؓ کا بیٹا اور یہ مسکنت اللہ اکبر، ہر وہ چیز ناپسند تھی جس میں تنعم کی بو ہوتی، چنانچہ جمعہ کے علاوہ اور دنوں میں خوشبو کا استعمال بھی پسند خاطر نہ تھا، ایک مرتبہ کپڑے بخورات میں بسائے گئے، ان کو جمعہ کے دن استعمال کیا، پھر اتار کر رکھ دیا، اتفاق سے دوسرے دن سفر پیش آیا، منزل کے قریب پہنچ کر کپڑے مانگے تو وہی جوڑا پیش کیا گیا، لیکن اس میں خوشبو کا اثر تھا اس لئے واپس کر دیا ۳ طریقہ طعام بھی نہایت سادہ تھا اگر دسترخوان نہ بچھ پاتا تو بڑے برتن پر رکھ دیا جاتا، سب مع اہل و عیال اسی کے گرد بیٹھ کر کھا لیتے، اس کش مکش میں کھانے والوں کو کبھی گھڑے ہو کر کھانا پڑتا ۴

دعوت وغیرہ میں عام طور پر معمول سے زیادہ اہتمام کیا جاتا ہے، لیکن ابن عمرؓ کا دسترخوان اس دن میں تکلفات سے خالی ہوتا تھا، آپ کے غلام نافع کا بیان ہے کہ ایک دن ایک اونٹنی ذبح کی اور مجھ سے کہا مدینہ والوں کو مدعو کر آؤ میں نے عرض کیا، ”کس چیز کی دعوت دیتے ہیں، روٹی تک تو ہے نہیں“ فرمایا بس خدا تم کو بخشے، گوشت موجود ہے، شوربہ موجود ہے، جس کا دل چاہے گا، کھائے گا، جس کا دل نہ چاہے گا نہ کھائے گا، ۵

اسی سادگی کی بناء پر تمام کام اپنے ہاتھ سے انجام دیتے تھے، مجاہد کا بیان ہے کہ ابن عمرؓ جو کام خود کر سکتے تھے، وہ دوسروں سے نہ کراتے تھے، حتیٰ کہ اونٹنی وغیرہ بٹھانے میں بھی دوسروں سے نہ مدد لیتے تھے ۶ گھر بھی اپنے ہاتھ سے بناتے تھے، خود فرماتے تھے کہ میں نے بلا کسی اعانت کے آنحضرت ﷺ کے ساتھ اپنے ہاتھوں سے ایک گھر بنایا تھا۔

ذریعہ معاش..... حضرت عمرؓ کے زمانہ میں جب صحابہ کے وظیفے مقرر کیے گئے تو ڈھائی ہزار ان کا وظیفہ بھی مقرر ہوا اور اسامہ بن زیدؓ کا ۳ ہزار مقرر ہوا، انہوں نے اعتراض کیا کہ جب

۱۔ ابن سعد جز ۴، ق ۱ ص ۱۲۳ ۲۔ ایضاً ص ۱۲۱،

۳۔ ایضاً ص ۱۰۹،

۶۔ بخاری جلد ۲ ص ۹۲۱

۴۔ ایضاً ص ۱۰۸،

۵۔ ایضاً ص ۱۲۱،

میں کسی چیز میں ان سے اور آپ ان کے والد سے پیچھے نہ رہے تو پھر اس تفریق کا کیا سبب ہے حضرت عمرؓ نے فرمایا یہ سچ کہتے ہو، مگر آنحضرت ﷺ ان کے والد کو تمہارے والد سے اور ان کو تم سے زیادہ محبوب رکھتے تھے، یہ جواب سن کر وہ خاموش ہو گئے۔ اس کے علاوہ لگانی زمینیں بھی تھیں۔ ۲۔

لباس..... لباس بہت معمولی پہنتے تھے، عموماً قمیص، ازار، اور سیاہ عمامہ استعمال کرتے تھے، چیل پہنتے تھے، ازار نصف ساق تک ہوتا تھا، رنگوں میں زرد رنگ استعمال کرتے تھے کہ خود حضور ﷺ کو بھی یہ رنگ پسند تھا، کبھی کبھی بیش قیمت لباس بھی پہن لیتے تھے، نافع کہتے ہیں کہ میں نے انکو پانسو تک کی چادر اوڑھے دیکھا ہے، انگوٹھی بھی رکھتے تھے، جس پر عبداللہ بن عمرؓ گندہ تھا، مگر وہ صرف مہر وغیرہ کے وقت کام آتی تھی پہنتے تھے، ۳۔

حلیہ..... شکل و صورت میں وہ اپنے والد بزرگوار سے بہت مشابہ تھے، دراز قامت اور بھاری بھر کم تھے، رنگ گندمی تھا، ہر کندھو تک کا کلین تھیں، کبھی کبھی مانگ بھی نکالا کرتے تھے ۵ داڑھی بقدر ایک مشت رکھتے تھے، موچھیں اس قدر گہری کترواتے تھے کہ لبوں کی سپیدی نمایاں ہو جاتی تھی، زرد خضاب کرتے تھے۔ ۶۔

ازواج و اولاد..... ابن عمرؓ کے متعدد بیویاں تھیں، جن سے بارہ لڑکے اور چار لڑکیاں تھیں، ابو بکر ابو عبیدہ، واقد، عبداللہ، عمر حفصہ اور سودہ صفیہ بنت ابی عبیدہ کے بطن سے تھے، عبدالرحمن ام علقمہ بن علقمہ بنت علقمہ کے بطن سے تھے، سالم، عبید اللہ، ابوسلمہ اور قلابہ مختلف لونڈیوں کے بطن سے تھے۔

۱۔ مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۵۵۹،

۲۔ بخاری جلد ۲ باب کراء المزارع،

۳۔ ابن سعد جزء ۴ ق اتذکرہ ابن عمرؓ

۴۔ اصحابہ جلد ۲ ص ۱۰۹،

۵۔ ابن سعد قسم اول جزء ۴ ص ۱۳۳

۶۔ ایضاً تذکرہ ابن عمرؓ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ

نام و نسب عمیر نام، ابو ہریرہ کنیت، سلسلہ نسب یہ ہے، عمیر بن عامر بن عبد ذی الشری بن طریف بن غیاث بن لہدیہ بن سعد بن ثعلبہ بن سلیم بن قہم بن غنم بن دوس، اصل خاندانی نام عبد شمس تھا، اسلام کے بعد آنحضرت ﷺ نے عمیر رکھا، کنیت کی وجہ خود بیان کرتے ہیں کہ میں ایک ”ہرہ“ بلی پالے تھا، شب میں اس کو ایک درخت میں رکھتا تھا، اور صبح کو جب بکریاں چرانے جاتا تو ساتھ لے لیتا اور اس کے ساتھ کھیلتا، لوگوں نے یہ غیر معمولی دلچسپی دیکھ کر مجھ کو ابو ہریرہ کہنا شروع کیا، ۲ دوس کا قبیلہ یمن میں آباد تھا،

قبل از اسلام بچپن میں باپ کا سایہ سر سے اٹھ گیا تھا، اس لئے فخر و افلاس بچپن کے سا بھی بن گئے تھے، بسرہ بنت غزو ان کے پاس شخص روٹی کپڑوں پر ملازم تھے اور خدمت یہ سپرد تھی کہ جب وہ کہیں جانے لگتے تو یہ پیادہ ننگے پاؤں دوڑتے ہوئے اس کی سواری کے ساتھ چلیں اتفاق سے بعد میں یہی عورت ان کے نکاح میں آ گئی۔ ۳

اسلام و ہجرت ابو ہریرہ کے ایک ہم قبیلہ طفیل بن عمرو سی ہجرت عظمیٰ کے قبل مکہ ہی میں قرآن کے معجزانہ سحر سے مسحور ہو چکے تھے اور قبول اسلام کے بعد اس کی تبلیغ کے لئے یمن لوٹ آئے ان ہی کی کوششوں سے دوس میں اسلام پھیلا اور غزوہ خیبر کے زمانہ میں یہ یمن کے اسی خانوادوں کو لے کر آنحضرت ﷺ کی خدمت بابرکت میں مدینہ حاضر ہوئے، لیکن آپ اس وقت خیبر میں تشریف رکھتے تھے، اس لئے یہ لوگ مدینہ سے خیبر پہنچے ۴ اسی قبیلہ کے ساتھ ابو ہریرہ بھی تھے اور راستہ میں بڑے شوق و ولولہ کے ساتھ شعر

باليلة من طولها وعنائها

على انها من دار الكفر نجست

پڑھتے جاتے تھے، اسی ذوق و شوق کے ساتھ خیبر پہنچ کر آنحضرت ﷺ کے دست مبارک پر مشرف باسلام ہوئے ان کا ایک غلام راستہ میں گم ہو گیا تھا، اتفاق سے اسی وقت وہ دکھائی دیا، آنحضرت ﷺ نے فرمایا ابو ہریرہ تمہارا غلام آگیا، عرض کیا خدا کی راہ میں آزاد ہے، ۵ بیعت

۲ ترمذی مناقب ابو ہریرہ

۱ ابن سعد جز ۴ ق ۲ ص ۵۲

۳ ابن سعد جز ۴ ق ۱ ص ۱۷۵

۴ ابن سعد ترجمہ ابو ہریرہ

۵ بخاری ج ۱ کتاب الشرح باب اذا قال لعبدہ ہو معہ نوئی الحق خیبر جانے کا واقعہ ابن سعد سے ماخوذ ہے

اسلام کے بعد دامن نبوی سے وابستہ ہوئے کہ مرتے دم تک ساتھ نہ چھوڑا، غزوات..... غزوات میں ان کی شرکت کی تصریح نہیں ملتی، مگر اجمالاً اتنا معلوم ہے کہ اسلام کے بعد متعدد غزوات میں شریک ہوئے، چنانچہ ان کا بیان ہے کہ میں جن جن لڑائیوں میں شریک رہا غزوہ خیبر کے علاوہ ان سب میں مال غنیمت ملا، کیونکہ اس کا مال حدیبیہ والوں کے لئے مخصوص تھا۔

ماں کا اسلام..... دولت اسلام سے بہرہ ور ہونے کے بعد فکر ہوئی کہ بوڑھی ماں کو بھی جو زندہ تھیں اس سعادت میں شریک کریں، مگر وہ برابر انکار کرتی رہیں، ایک دن حسب معمول ان کو اسلام کی دعوت دی، انہوں نے شان نبوت میں کچھ ناروا الفاظ استعمال کیے، ابو ہریرہؓ روتے ہوئے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور یہ واقعہ بیان کر کے ماں کے اسلام کے لئے طالب دعا ہوئے رحمت عالم نے دعا فرمائی واپس ہوئے تو دعا قبول ہو چکی تھی، والدہ اسلام کے لئے نہادھو کر تیار ہو رہی تھیں، ابو ہریرہؓ گھر پہنچے تو ان کو اندر بلایا اور اشہد ان لا الہ الا اللہ و اشہد ان محمدا عبده و رسوله کے سامعہ نواز ترانہ کے ساتھ ان کا استقبال کیا، یہ فوراً اٹے پاؤں فرت مسرت سے روتے ہوئے کاشانہ نبویؐ پر حاضر ہو کر عرض گزار ہوئے ”یا رسول اللہ! بشارت ہو آپ کی دعا قبول ہوئی، خدا نے میری ماں کو اسلام کی ہدایت بخشی“۔

عہد خلفاء..... حضرت ابو بکرؓ کے عہد خلافت میں ملکی معاملات میں کوئی حصہ نہیں لیا، اس لئے کہیں نمایاں طور پر نظر نہیں آتے، اس مدت میں اپنے محبوب مشغلے میں حدیث کی اشاعت میں جس کی تفصیل آئندہ آئے گی خاموشی کے ساتھ مصروف رہے۔ حضرت عمرؓ کے زمانہ سے زندگی کا دوسرا دور شروع ہوا، انہوں نے ان کو بحرین کا عامل مقرر کیا، اس دن سے ان کا فقر و افلاس ختم ہوا، چنانچہ وہاں سے واپس ہوئے تو دس ہزار روپیہ پاس تھا، حضرت عمرؓ نے باز پرس کی کہ اتنی رقم کہاں سے ملی؟ عرض کی گھوڑیوں کے بچوں، عطیوں اور غلاموں کے ٹیکس سے تحقیقات سے ان کا بیان صحیح نکلا تو حضرت عمرؓ نے دوبارہ ان کے عہدہ پر واپس کرنا چاہا، مگر انہوں نے انکار کر دیا، حضرت عمرؓ نے پوچھا تم کو امارت قبول کرنے میں کیوں عذر ہے، اس کی خواہش تو حضرت یوسفؑ نے کی جو تم سے افضل تھے، عرض کی وہ نبی اور نبی زادہ تھے، میں بیچارہ ابو ہریرہ امیمہ کا بیٹا ہوں، میں تین باتوں سے ڈرتا ہوں، ایک یہ کہ بغیر علم کے کچھ کہوں، دوسرے یہ کہ بغیر حجت شرعی کے فیصلہ کروں، تیسرے یہ کہ مارا جاؤں میری آبروریزی کی جائے اور میرا مال چھینا جائے،

حضرت عثمانؓ کا عہد خلافت خاموشی میں بسر کیا، البتہ آخر میں حضرت عثمانؓ کے محصور

۱۔ اسد الغابہ جلد ۵ ص ۳۱۶، طبقات ابن سعد جز ۴، ق ۱ ص ۵۴

۲۔ اصحابہ جلد ۷ ص ۲۰۶

۳۔ مسلم جلد ۲ فضائل ابی ہریرہؓ

ہونے کے بعد لوگوں کو ان کی امداد و اعانت پر آمادہ کرتے تھے، اور محاصرہ کی حالت میں حضرت عثمانؓ کے گھر میں موجود تھے، کچھ اور لوگ بھی تھے، ان سب کو خطاب کر کے کہا میں نے آنحضرت ﷺ سے سنا ہے کہ ”تم لوگ میرے بعد فتنہ اور اختلاف میں مبتلا ہو گے“، لوگوں نے پوچھا یا رسول اللہ اس وقت ہمارا کیا طرز عمل ہونا چاہیے فرمایا ”تم کو امین اور اس کے حامیوں کے ساتھ ہونا چاہیے“ اس سے حضرت عثمان غنیؓ کی طرف اشارہ تھا۔

حضرت عثمانؓ کے محاصرہ تک حضرت ابو ہریرہؓ کا پتہ چلتا ہے، اس کے بعد آپ کی شہادت جنگ جمل اور جنگ صفین وغیرہ میں کہیں نہیں نظر آتے، اس کا سبب یہ ہے کہ اس فتنہ عام کے زمانہ میں اکثر محتاط صحابہؓ گوشہ نشین ہو گئے تھے، بہتوں نے نوآبادی چھوڑ کر بادہ نشینی اختیار کر لی تھی، حضرت ابو ہریرہؓ بھی فتنہ میں مبتلا ہونے کے خوف سے کہیں روپوش ہو گئے تھے، ان فتنوں کے بعد امیر معاویہؓ کے عہد حکومت میں مروان کبھی کبھی ان کو مدینہ پر اپنا قائم مقام بناتا تھا۔^۲

علالت ۵۵ھ میں مدینہ میں بیمار ہوئے، بڑے بڑے لوگ عیادت کو آتے تھے، خود مروان بن حکم بھی آتا تھا، بیماری کی حالت میں زندگی کی کوئی آرزو باقی نہ رہی تھی، اگر کوئی تمنا تھی تو صرف یہ کہ جلد سے جلد یہ دار لا تبلا، چھوڑ کر دار البقا میں داخل ہو جائیں، ابوسلمہ بن عبد الرحمن عیادت کو آئے، رواج کے مطابق ان کی صحت کے لئے دعا کی، انہوں نے کہا خدا یا اب دنیا میں نہ لوٹا پھر ابوسلمہ کو مخاطب کر کے بولے ”وہ زمانہ بہت جلد آنے والا ہے، جب انسان موت کو سونے کے ذخیرہ سے زیادہ پسند کرے گا“ اگر تم زندہ رہے تو دیکھو گے کہ جب آدمی کسی قبر پر گذرے گا تو تمنا کرے گا کہ کاش بجائے اس کے وہ اس میں دفن ہوتا،^۳

بستر مرگ پر پیش آنے والی منزل کے خطرات کو یاد کر کے بہت روتے تھے، لوگ رونے کا سبب پوچھتے تو فرماتے کہ میں اس دنیا کی دلفریبیوں پر نہیں روتا بلکہ سفر کی طوالت اور زائرہ کی قلت پر آنسو بہاتا ہوں، اس وقت میں دوزخ جنت کے نشیب و فراز کے درمیان ہوں معلوم نہیں ان سے کس راستہ پر جانا ہوگا،^۴

وصیت آخر وقت میں تجہیز و تکفین کے متعلق ہدایتیں دیں کہ آنحضرت ﷺ کی طرح مجھ کو عمامہ اور قمیض پہنانا اور عرب کے پرانے دستور کے مطابق میری قبر پر نہ خیمہ نصب کرنا اور نہ جنازہ کے پیچھے آگ لے چلنا اور جنازہ لیجانے میں جلدی کرنا اگر میں صالح ہوں گا جلد اپنے

۱۔ مسند ابن ضبل جلد ۲ ص ۳۴۵

۲۔ مسلم جلد ۵ ص ۱۵۴ باب انبات النکیر فی کل خفض فی الصلوۃ الخ

۳۔ ابن سعد جز ۴ ق ۱ ص ۱۶۲

۴۔ ایضاً ص ۶۲، ۶۳

رب سے ملوں گا اور اگر بد قسمت ہوں گا تو ایک بوجھ تمہاری گردن سے دور ہوگا۔
وفات اور تجہیز و تکفین..... انتقال کے بعد اس وصیت کی پوری تعمیل کی گئی، ولید نے نماز جنازہ پڑھائی، اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم حضرت ابن عمرؓ، ابوسعید خدریؓ موجود تھے، نماز کے بعد حضرت عثمانؓ کے صاحبزادوں نے کندھادے کر جنت البقیع پہنچایا اور مہاجرین کے گورغریباں میں اس مخزن علم کو سپرد خاک کیا، انا لله وانا اليه راجعون، ۲۱ انتقال کے وقت ۷۸ سال کی عمر تھی۔ ۳۱
ترکہ..... انتقال کے بعد ولید حاکم مدینہ نے امیر معاویہؓ کو آپ کی وفات کی خبر دی تو انہوں نے ترکہ کے علاوہ بیت المال سے دس ہزار درہم آپ کے ورثہ کو دلوائے اور ولید کو ان کے ساتھ حسن سلوک کی تاکید کی۔ ۳۲

حلیہ..... رنگ گندم گون، شانے کشادہ، دانت آبدار تھے اور آگے دو دانتوں کے درمیان جگہ خالی تھی، زلفین رکھاتے تھے اور بالوں میں زرد خضاب کرتے تھے۔
لباس..... عموماً سادہ ہوتا تھا، یعنی صرف دو رنگین کپڑے استعمال کرتے تھے، کبھی کبھی کتان وغیرہ کے بیش قیمت لباس بھی استعمال کر لیتے تھے۔

فضل و کمال..... حضرت ابو ہریرہؓ ان صحابہ میں ہیں جو علم حدیث کے اساطین سمجھے جاتے ہیں آپ بالاتفاق صحابہ کرامؓ کی جماعت میں سب سے بڑے حافظ حدیث تھے، اگرچہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور انس بن مالکؓ بھی حفاظ میں ممتاز درجہ رکھتے تھے، لیکن حضرت ابو ہریرہؓ کو کثرت روایت میں ان پر بھی تفوق حاصل تھا، آنحضرت ﷺ فرماتے تھے کہ ابو ہریرہؓ علم کا ظرف ہیں۔ ۵

ذوق علم..... حضرت ابو ہریرہؓ کو علم کی بڑی جستجو تھی، ۱۰۱ کا ذوق علم حرص کے درجہ تک پہنچ گیا تھا، ان کی علمی حرص کا اعتراف خود آنحضرت ﷺ نے فرمایا، ایک مرتبہ انہوں نے آنحضرت ﷺ سے سوال کیا کہ ”قیامت کے دن کون خوش قسمت آپ کی شفاعت کا زیادہ مستحق ہوگا“ فرمایا کہ ”تمہاری حرص علی الحدیث کو دیکھ کر میرا پہلے سے خیال تھا کہ یہ سوال تم سے پہلے کوئی نہ کرے گا۔ ۶

عام طور پر لوگ آنحضرت ﷺ سے زیادہ سوالات کرتے ہوئے جھجکتے تھے لیکن حضرت ابو ہریرہؓ نہایت دلیری سے پوچھتے تھے، عبداللہ بن عمرؓ سے ایک شخص نے کہا کہ ابو ہریرہؓ آنحضرت ﷺ سے کثرت سے روایت کرتے ہیں انہوں نے جواب دیا ”پناہ بخدا“ ان کی روایات میں کسی

قسم کا شک و شبہ نہ کرنا، اس کی وجہ محض یہ ہے کہ وہ آنحضرت ﷺ سے پوچھنے میں بہت جری تھے، اس لئے وہ ایسے ایسے سوالات کرتے تھے جن کو ہم لوگ نہیں کر سکتے تھے۔

وہ خود جیسے علم کے شائق تھے، چاہتے تھے کہ ہر مسلمان کے دل میں طلب علم کا یہی جذبہ پیدا ہو جائے، ایک دن بازار جا کر لوگوں کو پکارا کہ تم کو کس چیز نے مجبور کر رکھا ہے؟ لوگوں نے پوچھا کس شے سے؟ کہا وہاں رسول ﷺ کی میراث تقسیم ہو رہی ہے اور تم لوگ یہاں بیٹھے ہو، لوگوں نے پوچھا کہاں؟ کہا مسجد میں، چنانچہ سب دوڑ کر مسجد آئے، لیکن یہاں کوئی مادی میراث نہ تھی، اس لئے لوٹ گئے اور کہا وہاں کچھ بھی تقسیم نہیں ہوتا، البتہ کچھ لوگ نمازیں پڑھ رہے تھے، کچھ لوگ قرآن پاک کی تلاوت میں مصروف تھے، کچھ حلال و حرام پر گفتگو کر رہے تھے، بولے تم لوگوں پر افسوس ہے، یہی تمہارے نبی کی میراث ہے۔

حدیث میں ان کا پایا..... اس تلاش و جستجو نے انکو حدیث کا بحر بے کران بنا دیا تھا، حضرت عبداللہ بن عمرؓ جو خود بھی بڑے حافظ حدیث تھے فرماتے تھے کہ ”ابو ہریرہؓ ہم سب سے زیادہ حدیث جانتے“، امام شافعیؒ کا خیال ہے کہ ”ابو ہریرہؓ اپنے ہم عصر حفاظ میں سب سے بڑے حافظ تھے“، امام غزالیؒ سے روایت کرتے ہیں کہ ابو ہریرہؓ اصحاب رسول ﷺ میں سب سے بڑے حافظ حدیث تھے، علامہ ذہبیؒ اپنے تذکرہ میں لکھتے ہیں کہ ”ابو ہریرہؓ علم کا ظرف تھے اور صاحب فتویٰ ائمہ کی جماعت میں بلند پایہ رکھتے تھے“، حافظ ابن حجر عسقلانیؒ لکھتے ہیں، کہ ”ابو ہریرہؓ اپنے ہم عصر رواۃ میں سب سے بڑے حافظ تھے اور تمام صحابہ میں کسی نے حدیث کا اتنا ذخیرہ نہیں فراہم کیا۔“

کمال کی آخری حد یہ تھی کہ آپ کو خود اپنی ہمہ دانی کا یقین واثق تھا، چنانچہ ایک موقع پر اپنی زبان سے کہا کہ میں آنحضرت ﷺ کے صحابہ میں کسی ایسے شخص کو نہیں جانتا جس کو مجھ سے زیادہ احادیث یاد ہوں، بے ترمذی کی روایت میں صرف عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ کا استثناء ہے۔

کثرت روایت کا سبب..... بہت سے اکابر اور علمائے صحابہؓ کے مقابلہ میں حضرت ابو ہریرہؓ کے کثرت علم اور وسعت معلومات کا سبب یہ تھا کہ ان کو اس قسم کے مواقع حاصل تھے جو دوسرے صحابہ کو حاصل نہ تھے یہ خود اپنی کثرت روایت کے وجہ و اسباب بیان کرتے تھے کہ

۱۔ مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۵۱۰

۲۔ جمع الفوائد کتاب العلم بحوالہ طبرانی الاوسط ج ۱ ص ۲۲۱

۳۔ مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۵۱۰

۴۔ تذکرۃ الحفاظ جلد ۱ ص ۳۱ ۵۔ ایضاً ص ۲۸

۶۔ تہذیب التہذیب جلد ۲ ص ۲۶۶

۷۔ مستدرک حاکم جلد ۳ تذکرہ ابو ہریرہؓ بے ترمذی مناقب ابو ہریرہؓ

۸۔ ترمذی مناقب ابو ہریرہؓ

”لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ ابو ہریرہ بہت حدیثیں بیان کرتا ہے، حالانکہ مہاجر و انصار ان حدیثوں کو نہیں بیان کرتے مگر معترضین اس پر غور نہیں کرتے، کہ ہمارے مہاجر بھائی بازاروں میں اپنے کاروبار میں لگے رہتے تھے، اور انصار اپنی زراعت کی دیکھ بھال میں سرگردان رہتے تھے، میں محتاج آدمی تھا، میرا سارا وقت آنحضرت ﷺ کی صحبت میں گزرتا تھا اور جن اوقات میں وہ لوگ موجود نہ ہوتے تھے، اس وقت بھی میں موجود رہتا تھا، دوسرے جن چیزوں کو وہ بھلا دیتے تھے، میں ان کو یاد رکھتا تھا، حضرت ابو ہریرہؓ کی اس توجیہ کی تصدیق کبار صحابہؓ کرتے تھے، چنانچہ ابو عامر روایت کرتے ہیں کہ میں حضرت طلحہؓ کے پاس بیٹھا تھا کہ اتنے میں ایک شخص نے آکر کہا ”ابو محمد آج تک ہم کو نہ معلوم ہوسکا کہ یہ یمنی (ابو ہریرہؓ) اقوال نبوی کا بڑا حافظ ہے، یا تم لوگ“ انہوں نے جواب دیا کہ ”بلاشبہ انہوں نے بہت سی ایسی حدیثیں سنیں جو ہم لوگوں نے نہیں سنیں اور بہت سی ایسی باتیں جانتے ہیں جو ہمارے علم سے باہر ہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ ہم لوگ دولت و جائداد والے تھے، ہمارے گھربار اور اہل و عیال تھے، ہم ان میں پھنسے رہتے تھے، صرف صبح و شام آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضری دے کر لوٹ جاتے تھے، اور ابو ہریرہؓ مسکین اور مال و متاع کی رحمتوں اور بال بچوں کی ذمہ داری سے سبکدوش تھے، اس لئے آنحضرت ﷺ کے ہاتھ میں ہاتھ دیئے آپ کے ساتھ ساتھ رہتے تھے، ہم سب کو یہ یقین ہے کہ انہوں نے ہم سب سے زیادہ احادیث نبویؐ سنیں اور ہم میں سے کسی نے ان پر یہ اتہام نہیں لگایا کہ وہ بغیر آنحضرت ﷺ سے سنے ہوئے ان کو بیان کرتے ہیں، حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے تھے کہ ”ابو ہریرہؓ ہم سب سے زیادہ آنحضرت ﷺ کی خدمت کے حاضر باش تھے، ۳ ایک مرتبہ حضرت عائشہؓ نے ان کو بلا کر پوچھا ”تم یہ کیسی حدیثیں بیان کرتے ہو، حالانکہ جو کچھ میں نے (فعل نبوی) دیکھا اور (قول نبوی)؛ سنا وہی تم نے بھی سنا اور دیکھا، عرض کی ”آپ آنحضرت ﷺ کے خاطر زیب و زینت میں مصروف رہتی تھیں اور خدا کی قسم میری توجہ آنحضرت ﷺ کی طرف سے کوئی چیز نہیں ہٹاتی تھی۔“

ایک مرتبہ مروان کو ان کی کوئی بات ناگوار ہوئی، اس نے غصہ میں کہا کہ لوگ کہتے ہیں کہ ابو ہریرہؓ بہت حدیثیں روایت کرتے ہیں، حالانکہ آنحضرت ﷺ کی وفات کے کچھ ہی دنوں پہلے آئے تھے، بولے ”جب میں مدینہ آیا، تو آنحضرت ﷺ خیر میں تھے، اس وقت میری عمر میں سال سے کچھ اوپر تھی اور آپ کی وفات تک سایہ کی طرح آپ کے ساتھ رہا، آپ کی ازواج

۱۔ ابن سعد جز ۲، قسم ۲، ص ۵۶ مسلم جلد ۲ فضائل ابو ہریرہؓ

۲۔ مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۵۱۲ و ترمذی مناقب ابو ہریرہؓ

۳۔ مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۵۱۱

۴۔ مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۵۰۹

مطہرات کے گھروں میں جاتا تھا، آپ کی خدمت کرتا تھا، آپ کے ساتھ لڑائیوں میں شریک رہتا تھا، آپ کی معیت میں حج کرتا تھا، اس لئے میں دوسرے لوگوں سے زیادہ حدیثیں جانتا ہوں خدا کی قسم وہ جماعت جو مجھ سے قبل آپ کی صحبت میں تھی، وہ میری حاضر باشی کی معترف تھی اور مجھ سے حدیثیں پوچھا کرتی تھی، ان پوچھنے والوں میں عمر، عثمان، طلحہ، زبیر خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

آپ دعا بھی از دیا علم ہی کی مانتے تھے، زید بن ثابتؓ کا بیان ہے کہ ایک دن میں ابو ہریرہؓ اور ایک دوسرا شخص مسجد میں بیٹھے دعا اور ذکر خدا میں مشغول تھے، اس درمیان میں آنحضرت ﷺ بھی تشریف لائے، ہم لوگ خاموش ہو گئے، آپ نے فرمایا، اپنا کام جاری رکھو اس ارشاد پر میں اور دوسرا شخص ابو ہریرہؓ کے قبل دعا کرنے لگے اور آنحضرت ﷺ آمین کہتے جاتے، اس کے بعد ابو ہریرہؓ نے دعا کی کہ خدایا جو کچھ میرے ساتھی مجھ سے قبل مانگ چکے ہیں وہ بھی مجھے دے، اس کے بعد ہم دونوں شخصوں نے عرض کی ”یا رسول ﷺ ہم کو بھی ایسا علم عطا ہو جو فراموشی کی دستبرد سے محفوظ رہے“ فرمایا وہ دوسری نوجوان کے حصہ میں آچکا، اسی طرح ایک مرتبہ انہوں نے آنحضرت ﷺ سے نسیان حدیث کی شکایت کی آپ نے فرمایا چادر پھیلاؤ، انہوں نے چادر پھیلا دی، آپ نے اس میں دست مبارک ڈالے، پھر فرمایا کہ اس کو سینہ سے لگا لو، کہتے ہیں کہ اس کے بعد سے میں پھر بھی نہ بھولا۔

حدیث کی تحریر و کتابت..... حضرت ابو ہریرہؓ حدیثوں کے بارہ میں بہت احتیاط سے کام لیتے تھے، چنانچہ بھولنے یا الفاظ کے رد و بدل کے ڈر سے جو کچھ سنتے تھے اس کو قلمبند کر لیتے تھے، فضل بن حسن اپنے والد حسن بن عمروؓ کا ایک واقعہ خود ان کی زبان سے سنا ہوا بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے ابو ہریرہؓ کو ایک حدیث سنائی، ابو ہریرہؓ نے اس سے لاعلمی ظاہر کی، حسن نے کہا میں نے یہ حدیث آپ ہی سے سنی ہے، فرمایا کہ اگر مجھ سے سنی ہے تو میرے پاس ضرور لکھی ہو گی، چنانچہ ان کو اپنے ساتھ گھر لے گئے اور ایک کتاب دکھائی جس میں تمام حدیثیں درج تھیں اسی میں وہ حدیث بھی تھی، حضرت ابو ہریرہؓ نے فرمایا کہ میں نے تم سے کہا تھا کہ اگر تم نے مجھ سے سنی ہے تو وہ ضرور لکھی ہو گی۔

لیکن صحاح کی ایک اور روایت میں ہے جو خود ان ہی سے مروی ہے کہ ”عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ مجھ سے زیادہ حدیث اس لئے جانتے تھے کہ وہ آپ کی باتوں کو لکھ لیا کرتے تھے، اور میں نہیں لکھتا تھا“ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کی زندگی میں گو نہیں لکھ لیتے تھے، مگر

بعد کو ان کو بھی لکھنا ضروری معلوم ہوا۔

امتحان ابو ہریرہؓ کی کثرت روایت کی وجہ سے بعض اشخاص کے دل میں ان کی روایات کی جانب سے شکوک و شبہات پیدا ہوئے، چنانچہ ایک مرتبہ مروان نے امتحان کی غرض سے ان کو بلوایا اور اپنے کاتب کو تخت کے نیچے بٹھا کر ان سے حدیثیں پوچھنی شروع کیں، یہ بیان کرتے جاتے تھے اور کاتب چھپا ہوا، ان کی لاعلمی میں لکھتا جاتا تھا، دوسرے سال پھر اسی طریقہ سے امتحان لیا، اس مرتبہ بھی انہوں نے بلا کم و کاست وہی جوابات دیئے جو ایک سال قبل دے چکے تھے، حتیٰ کہ ترتیب بھی وہی تھی اس میں بھی کوئی فرق نہ آیا۔

اشاعت حدیث حضرت ابو ہریرہؓ کا یہ حاض امتیاز ہے کہ خدا نے آپ کو جس فیاضی سے علم کی دولت عطا کی، اسی فیاضی سے آپ نے اس کو مسلمانوں کے لئے وقف عام کیا، چلتے پھرتے، اٹھتے، بیٹھتے، جہاں بھی کچھ مسلمان مل جاتے ان کے کانوں تک اقوال نبوی ﷺ پہنچا دیتے، جمعہ کے دن، نماز کے قبل کا وقت حدیث کے لئے مخصوص تھا، چنانچہ ہر جمعہ کو نماز سے پہلے لوگوں کے سامنے حدیثیں بیان کرتے اور یہ سلسلہ اس وقت تک قائم رہتا جب تک مقصورہ کا دروازہ نہ کھلتا اور امام برآمد نہ ہوتا۔

حضرت ابو ہریرہؓ کے علم و عرفان کی بارش سے عورتیں بھی سیراب ہوتی تھیں، گو اس طبقہ کو وہ باقاعدہ تعلیم نہیں دیتے تھے، لیکن اگر کسی عورت سے کوئی فعل خلاف احکام نبوی سرزد ہو جاتا تو فوراً ٹوک دیتے اور اس بارے میں رسول ﷺ کا حکم اس کو بتا دیتے، ایک مرتبہ ایک عورت سے ملے، اس کے پیراہن سے خوشبو کی لپٹ آتی تھی، پوچھا تو مسجد سے آئی ہے اس نے کہا ہاں پھر پوچھا مخصوص مسجد جانے کے لئے خوشبو لگائی تھی؟ اس نے کہا ہاں، فرمایا، میں نے رسول ﷺ سے سنا ہے کہ اس عورت کی نماز جو مخصوص مسجد جانے کے لئے خوشبو لگاتی ہے اس وقت تک قبول نہ ہوگی، جب تک کہ وہ غسل نہ کر ڈالے، یعنی اس کی خوشبو ڈھل نہ جائے، کیونکہ وہ فتنہ بن جاتی ہے، غرض اس عہد مبارک کی خواتین بھی ان کے خرمن علم کی خوشہ چھین تھیں، چنانچہ آپ کے زمرہ روایت میں حضرت عائشہؓ کا نام بھی نظر آتا ہے۔

آپ کے دامن کمال میں جس قدر علمی جواہر تھے، سب عام مسلمانوں میں تقسیم کر دیے، لیکن وہ احادیث جو فتنہ سے متعلق تھیں اور جن کو آنحضرت ﷺ نے پیشین گوئی کے طور پر فرمایا زبان سے نہ نکالیں کہ یہ خود فتنہ کی بنیاد بن جاتیں، فرماتے تھے کہ ”میں نے احادیث نبوی دو ظرف میں محفوظ کی ہیں“ ایک ظرف کی پھیلائیں، اگر دوسرے کو پھیلا دوں تو زرخرہ کاٹ ڈالا جائے، صوفیہ کہتے ہیں کہ یہ اسرار توحید کی امانت تھے، متکلمین کہتے ہیں کہ وہ اسرار دین تھے،

لیکن محدثین کا فتویٰ یہی ہے کہ وہ فتنہ کی حدیشیں تھیں۔

اشاعت علم فریضہ مذہبی اور عمل خیر ہے، لیکن اگر اس میں مذہبی خدمت کے جذبہ کے بجائے نمود و نمائش کا شائبہ شامل ہو جائے تو یہی عمل شر بن جائے گا، ابو ہریرہؓ جس جذبہ کے تحت اس فرض کو انجام دیتے تھے، اس کے متعلق خود ان کا بیان ہے کہ اگر سورۃ بقرہ کی یہ آیت

ان الذین یکتُمون ما انزل لنا من البینات من بعد ما بینا ہ للناس فی

الکتاب اولئک یلعنہم اللہ و یلعنہم اللاعنون

ان لوگوں پر جو ہمارے نازل کئے ہوئے، کھلے ہوئے احکام اور ہدایت کی

باتوں میں جن کو ہم نے لوگوں کے لئے کتاب میں کھول کر بیان کر دیا ہے چھپاتے

ہیں، خدا بھی لعنت بھیجتا ہے اور لعنت بھیجنے والے بھی لعنت بھیجتے ہیں۔

نہ ہوتی تو میں کبھی کوئی حدیث نہ بیان کرتا۔

حضرت ابو ہریرہؓ کی مرویات کی مجموعی تعداد ۵۳۷۷ ہے، ان میں ۳۲۵ متفق علیہ ہیں اور

۷۹ میں بخاری اور ۹۳ میں مسلم منفرد ہیں، ۱۲ احادیث نبوی ﷺ کے عظیم الشان ذخیرہ کی مناسبت

سے آپ کے رواۃ و تلامذہ کا دائرہ بھی وسیع تھا، اکابر صحابہؓ میں زید بن ثابتؓ، ابویوب انصاریؓ،

عبداللہ بن زبیرؓ، عبداللہ بن عباسؓ، عبداللہ بن عمرؓ، ابی بن کعبؓ، انس بن مالکؓ، ابو موسیٰ اشعریؓ

جابر بن عبداللہؓ، ام المؤمنین عائشہ صدیقہؓ، اور عام صحابہ و تابعین میں ابورافعؓ، واثلہؓ، جابرؓ،

مروان بن حکمؓ، قبیصہ بن ذویبؓ، سعید بن مسیبؓ، سلیمان الاغرؓ، قیس بن ابی حازمؓ، مالک بن ابی

عامر اصحیؓ، ابواسامہ بن بھل بن حنیفؓ، ابوادریس خولانیؓ، ابو عثمان نہدیؓ، ابورافع صالحؓ، ابوزرہؓ

بن عمروؓ، ابو مسلمؓ، ابن فارضؓ، بسر بن سعیدؓ، بشیر بن نہیکؓ، ہجہ جہنیؓ، ثابت بن عیاضؓ، حفص بن

عاصم بن عمر الخطابؓ، حمید و ابوسلمہ ابنا عبدالرحمن بن عوفؓ، حمید بن عبدالرحمن حمیریؓ، حظلہ بن علیؓ

اسلمیؓ، جناب صاحب مقصورہؓ، خلاص بن عمروؓ، حکم بن میناءؓ، خالد بن غلاقؓ، ابوقیسؓ، زیاد بن

رباحؓ، سالم بن عبداللہ زرارہ بن ابی اونیؓ، سالم ابوالغیثؓ، سالم مولیٰ شدادؓ، سعید بن ابی سعیدؓ، ابو

سعید مقبریؓ، حسن بصریؓ، محمد بن سیرینؓ و سعید بن عمرو بن سعید بن العاصؓ، سلیمان بن یسارؓ، ابو

الحبابؓ، سعید بن یسارؓ، سنان بن ابی سنانؓ، عامر بن سعید بن ابی وقاصؓ، شریح ابن ہانیؓ، شفی بن

ماتعؓ، طاوسؓ، عکرمہؓ، مجاہدؓ، عطاءؓ، عامر شععیؓ، عبداللہ بن رباع انصاریؓ، عبداللہ بن شقیقؓ، عبداللہ بن

نعلبہؓ، ابوالولید عبداللہ بن حارثؓ، سعید بن حارثؓ، سعید بن سمعانؓ، سعید بن مرجانہؓ، عبداللہ بن

عبدالرحمنؓ، عبدالرحمن بن سعد المقعدؓ، عبدالرحمن بن ابی عمرہ انصاریؓ، عبدالرحمن بن یعقوبؓ،

عبدالرحمن بن ابی نعیم الجبلیؓ، عبدالرحمن بن مہرانؓ، اعرجؓ، عبید اللہ بن عبداللہؓ، عبید اللہ بن سفیانؓ

صحیح بخاری کتاب الفتن و ابن سعد جلد ۴ ق ۲ ص ۵۷

تہذیب الکمال ص ۴۵۲

حضری، عطاء بن یناء، عطاء بن یزید لثی، ابوسعید مولیٰ بن کریم، عجلان بن مولیٰ فاطمہ، عراق بن مالک، عبید بن حنین، عبید اللہ بن ابی رافع، عطاء بن یسار، عمرو بن ابی سفیان، عتبہ بن سعید بن العاص، محمد بن قیس بن مخزومہ، موسیٰ عیسیٰ انباطلمہ بن عبید اللہ، عروہ بن زبیر، محمد بن عباد، جعفر، محمد بن ابی عاتشہ، محمد بن زیاد بن محمد بن بعد الرحمن موسیٰ بن یسار، نافع بن جبر بن مطعم، نافع مولیٰ ابن عمر، نافع مولیٰ ابی قتادہ، یوسف ابن مالک، متیم بن ابی سنان، زید بن ہرمز، ابو حازم الجمعی، ابو بکر بن عبد الرحمن، ابو تیمیہ جمی، یزید بن اصم، موسیٰ بن دردان، ابو الشعثاء، الحارثی ابو صالح السمان، ابو عطفان بن طریف المری، یہ حضرت ابو ہریرہؓ کے روادے کی نہایت مختصر فہرست ہے، صحابہؓ اور تابعینؒ ملا کر ان کے روادے کی تعداد ۸۰۰ سے متجاوز ہو جاتی ہے۔

ایک اعتراض اور اس کا جواب..... بعض روایتوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ بعض صحابہؓ ان کی مرویات پر اعتراض کرتے تھے، اس کا سبب یہ نہیں تھا کہ وہ ان کی روایتوں پر شک کرتے تھے بلکہ ان کی تفقہ پر انہیں، اعتراض تھا، ان کا کہنا یہ تھا کہ آنحضرت ﷺ نے مختلف حالات و واقعات کے لحاظ سے بعض باتیں ارشاد فرمائی ہیں، اور حضرت ابو ہریرہؓ موقع و محل کا لحاظ کیے بغیر ان حدیثوں کو بیان کر دیتے ہیں، جن سے ان احادیث کا اصل منشا فوت ہو جاتا ہے اور اس حیثیت سے ان کا اعتراض صحیح تھا کہ حضرت ابو ہریرہؓ فقہ الحدیث کا لحاظ نہیں کرتے تھے، فقہ میں ان کا کوئی امتیازی درجہ نہیں تھا، تاہم آنحضرت ﷺ کے بعد مدینہ میں جو جماعت منصب افتاء پر فائز تھی اس میں ایک ابو ہریرہؓ بھی تھے۔

عام تعلیم..... عام تعلیمی لحاظ سے وہ صحابہؓ کی جماعت میں بہت نمایاں تھے، عربی مادری زبان تھی اس کے علاوہ فارسی بھی جانتے تھے، ایک مرتبہ ایک ایرانی عورت استغاثہ لے کر آئی کہ شوہر نے مجھ کو طلاق دیدی ہے اور لڑکا لینا چاہتا ہے، یہ عورت فارسی میں گفتگو کرتی تھی اور ابو ہریرہؓ اسی زبان میں جواب دیتے تھے، اسلام کے علاوہ دوسرے مذاہب سے بھی واقفیت رکھتے تھے، چنانچہ تورات کے مسائل سے کافی واقفیت تھی، یہ لکھنے میں بھی پوری مہارت رکھتے تھے، چنانچہ احادیث کا ایک مجموعہ مرتب کیا تھا۔

اخلاق و عادات..... حضرت ابو ہریرہؓ غزوہ خیبر میں دارالاسلام آئے اس حساب سے ان کو کل چار سال صحبت نبوی ﷺ سے فیضیاب ہونے کا موقع ملا، اگرچہ بظاہر یہ مدت کم معلوم ہوتی ہے، لیکن اس حیثیت سے کہ اس مدت میں سفر و حضر، خلوت و جلوت میں ایک لمحہ کے لئے بھی خدمت اقدس سے جدا نہ ہوئے اور اس قلیل مدت میں جو لمحات بھی میسر آئے ان سے پورا فائدہ اٹھایا، یہ چھوٹی مدت کیفیت کے اعتبار سے بڑی طویل مدت کے برابر ہو جاتی ہے اس ملازمت

رسول کا یہ نتیجہ تھا کہ آپ پر تعلیمات نبوی کا بہت گہرا رنگ چڑھا تھا اور آپ اسلامی تعلیمات کا مکمل ترین نمونہ بن گئے تھے۔

خوف قیامت..... خشیت الہی اور خوف قیامت صحابہ اکرامؓ کا خاص وصف تھا، ابو ہریرہؓ اس سے لرزہ بر اندام رہتے تھے، خوف خدا اور قیامت کے احتساب کے ذکر سے چیخ کر بیہوش ہو جاتے تھے، ایک بار شقیانہؓ مدینہ آئے، دیکھا کہ ایک شخص کے گرد بھیر لگی ہوئی ہے، پوچھا یہ کون ہیں، لوگوں نے کہا، ابو ہریرہؓ چنانچہ یہ ان کے پاس جا کر بیٹھ گئے، اس وقت ابو ہریرہؓ لوگوں سے حدیث بیان کر رہے تھے، جب حدیث سنا چکے اور مجمع چھٹا تو انہوں نے ان سے کہا، کہ رسول اللہؐ کی کوئی حدیث سنائیے، جس کو آپ نے ان سے سنا ہو، سمجھا ہو، جانا ہو، ابو ہریرہؓ نے کہا ایسی ہی حدیث بیان کروں گا، یہ کہا اور چیخ مار کر بے ہوش ہو گئے، تھوڑی دیر کے بعد ہوش آیا تو کہا میں تم سے ایک ایسی حدیث بیان کروں گا، جو آپ نے اس گھر میں بیان فرمائی تھی اور اس وقت میرے اور آپ کے سوا کوئی تیسرا شخص نہ تھا، اتنا کہہ کر پھر زور سے چلائے اور بیہوش ہو گئے، افاقہ ہوا، تو منہ پر ہاتھ پھیر کر کہا میں تم سے ایسی حدیث بیان کروں گا جو آنحضرت ﷺ نے اس گھر میں بیان فرمائی تھی، اور وہاں میرے اور آپ کے سوا کوئی نہ تھا یہ کہا اور چیخ مار کر، غش کھا کر منہ کے بل گر پڑے، اشقیانہؓ نے تھام لیا اور دیر تک سنبھالے رہے، ہوش آیا تو کہا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا کہ قیامت کے دن جب خدا بندوں کے فیصلہ کے لئے اترے گا تو سب سے پہلے تین آدمی طلب کیے جائیں گے عالم قرآن، راہ خدا مقتول اور دولت مند، پھر خدا عالم سے پوچھے گا کیا میں نے تجھ کو قرآن کی تعلیم نہیں دی، وہ کہے گا، ہاں خدا یا خدا تعالیٰ فرمائے گا تو نے اس پر کیا عمل کیا؟ وہ کہے گا ”رات دن اس کی تلاوت کرتا تھا“ خدا فرمائے گا تو جھوٹا ہے تو اس لئے تلاوت کرتا تھا کہ لوگ تجھ کو قاری کا خطاب دیں چنانچہ خطاب دیا، پھر دولت مند سے سوال کرے گا ”کیا میں نے تجھ کو صاحب مقدرت کر کے لوگوں کی احتیاج سے بے نیاز نہیں کر دیا؟ وہ کہے گا، ہاں خدا یا خدا فرمائے گا تو نے کیا کیا، وہ کہے گا میں صلہ رحمی کرتا تھا، صدقہ دیتا تھا، خدا فرمائے گا ”تو جھوٹ بولتا ہے بلکہ اس سے تیز مقصد یہ تھا کہ تو فیاض اور بخشنے کہلائے اور لوگوں نے کہا“، پھر وہ جس کو راہ خدا میں اپنی جان دینے کا دعویٰ تھا پیش کیا جائے گا، اس سے سوال کیا جائے گا تو کیوں مار ڈالا گیا وہ کہے گا ”تو نے اپنی راہ میں جہاد کا حکم دیا، تیری راہ میں لڑا اور مارا گیا“، خدا فرمائے گا ”تو جھوٹ بولتا ہے، بلکہ تو چاہتا تھا کہ تو دنیا میں جری اور بہادر کہلائے تو یہ کہا جا چکا ہے“، یہ حدیث بیان کر کے رسول اللہ ﷺ نے میرے زانو پر ہاتھ مار کر فرمایا ابو ہریرہؓ سب سے پہلے ان ہی تینوں سے جہنم کی آگ بھڑکائی جائے گی۔

عبادت و ریاضت حضرت ابو ہریرہؓ کو عبادت سے خاص ذوق تھا، شب بیداری آپ کا محبوب مشغلہ تھا، خود بھی شب بیداری کرتے تھے اور گھر والوں سے بھی شب بیداری کراتے تھے، آپ کا کنبہ تین آدمیوں پر مشتمل تھا، ایک خود، دوسری بیوی اور تیسرا خادم، یہ تینوں بالالتزام باری باری سے اٹھ کر ایک ایک تہائی شب میں نماز پڑھتے تھے، ایک ختم کر کے دوسرے کو جگاتا اور دوسرا تیسرے کو اسی طریقہ سے تینوں مل کر پوری رات نماز میں گزار دیتے۔ ہر مہینہ کے شروع میں تین روزے التزام کے ساتھ رکھتے تھے، اگر کسی سبب سے شروع میں نہ رکھ سکتے تو آخر میں پورے کرتے، ۲ ارکان عبادت کو پورے شرائط کے ساتھ ادا کرتے تھے، بلکہ شدت احتیاط کے باعث اس میں مبالغہ سے کام لیتے تھے، نعیم بن عبد اللہ بیان کرتے ہیں کہ ابو ہریرہؓ مسجد کی چھت پر وضو کرتے تھے، میں نے دیکھا کہ ہاتھ اٹھا کر شانوں تک دھوتے اور مجھ سے مخاطب ہو کر بولے آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ قیامت کے دن میری امت کے وہ اعضاء جو وضو میں دھوئے جاتے ہیں چمکیں گے اس لئے تم لوگوں سے جہاں تک ہو سکے اس کی چمک کو بڑھاؤ، ۳ عکرمہ راوی ہے کہ ابو ہریرہؓ بارہ ہزار سببیں روزانہ پڑھتے تھے اور کہتے تھے بقدر گناہ تسبیح کرتا ہوں، مضارب بن جزیء بیان کرتے ہیں کہ رات کو میں نکلا کرتا تھا، ایک دن نکلا تو تکبیر کی آواز سنی، قریب جا کر دیکھا تو ابو ہریرہؓ تھے، پوچھا یہ کیا کر رہے ہو، کہا خدا کا شکر ادا کرتا ہوں کہ ایک دن وہ تھا کہ میں برہ بنت غزدان کے پاس پیٹ کی روٹی پر ملازم تھا، اس کے بعد خدا نے یہ دن دکھایا کہ وہ میرے عقد میں آگئی، ۴ آپ تسبیح و تہلیل میں مصروف رہتے تھے، ایک تھیلی میں کنکریاں اور گٹھلیاں بھری رہتی تھیں جن پر وہ تسبیح پڑھتے تھے، جب تھیلی ختم ہو جاتی تو لونڈی کو حکم دیتے وہ بھر لاتی۔ ۵

محبت رسول آنحضرت ﷺ کے ساتھ حضرت ابو ہریرہؓ کی محبت شیفتگی کے درجہ تک تھی، ایک لمحہ کے لئے بھی آپ سے جدا نہ ہوتے تھے، تمام مہاجرین و انصار اپنے اپنے کاروبار میں لگے رہتے، لیکن ان کا کام صرف یہ تھا کہ جمال نبوی کے دیدار سے شوق کی آگ بجھائیں، ایک موقع پر اس کا اظہار بھی کیا یا رسول ﷺ حضور کا مشاہد و جمال میری جان کا سرمایہ راحت اور میرا آنکھوں کی ٹھنڈک ہے۔ ۶

آنحضرت ﷺ کے بعد لطیف غذا کھانے سے محض اس لئے پرہیز کرتے تھے کہ حضور نے کبھی پیٹ بھر کھانا نہیں کھایا، ایک مرتبہ لوگوں نے ان کو بھنی ہوئی بکری کی دعوت دی، انہوں نے

۱۔ مسند احمد بن حنبل جلد ۲ ص ۳۵۳،

۲۔ ایضاً

۳۔ ایضاً ص ۲۳۳

۴۔ اصابہ جلد ۷ ص ۲۰۶

۵۔ ابوداؤد کتاب الزکات باب ما یکرہ من اذکار الرطل ما یكون من اصاۃ اہلہ

۶۔ مسند احمد بن حنبل جلد ۲ ص ۴۹۳۔

گھص اس لئے قبول کرنے سے انکار کیا کہ آنحضرت ﷺ دنیا سے اس حال میں سدھارے کہ کبھی جو کی روٹی بھی آسودہ ہو کر نہیں کھائی۔

محبت آل رسول ذات نبوی کے ساتھ اس والہانہ تعلق کا فطری اقتضاء یہ تھا کہ آل اطہار کے ساتھ بھی یہی شیفتگی تھی، ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ نے ان کے سامنے حضرت حسن کو بلا کر گود میں بٹھایا اور ان کے منہ میں منہ ملا کر تین مرتبہ فرمایا کہ ”اے خدا! میں اس کو محبوب رکھتا ہوں، اس لئے تو بھی محبوب رکھ اس کے محبوب رکھنے والے کو بھی محبوب رکھ“ اس کے بعد سے جب یہ حضرت حسن کو دیکھتے تھے تو ان کی آنکھیں پر نم ہو جاتی تھیں۔ عمیر بن اسحق راوی ہیں کہ ایک مرتبہ ابو ہریرہؓ حضرت حسنؓ سے ملے تو کہا کہ ”اپنے شکم مبارک کا وہ حصہ کھولے جو آنحضرت ﷺ کا بوسہ گاہ تھا، آپ نے کپڑا ہٹا دیا اور ابو ہریرہؓ نے اسی مقام پر بوسہ عقیدت ثبت کر دیا۔

والدہ کی خدمت گزاری حق العباد میں ایک بڑا حق یہ ہے کہ انسان تا بمقدور ان ضعیف اور سب سے بڑے محسن والدین کی خدمت گزاری کو باعث فخر اور ذریعہ نجات سمجھے، جنہوں نے اس کو بچہ سے جوان بنایا، اسلام نے خاص طور پر ان کے اعزاز و احترام اور خدمت گزاری کی تعلیم دی ہے، حضرت ابو ہریرہؓ نے اس فریضہ کا یہاں تک لحاظ رکھا کہ ماں کی تنہائی کے خیال سے ان کی زندگی بھرج نہیں کیا۔

اظہار حق میں بے باکی حق گوئی اور راست بازی حضرت ابو ہریرہؓ کا خاص جوہر تھا، اعلان میں وہ اس قدر جری اور دلیر تھے کہ بڑے بڑے شخص کو اس کی لغزش پر فوراً ٹوک دیتے تھے، آپ کا قیام مدینہ میں تھا، مروان یہاں کا حاکم تھا، اس لئے اکثر اس سے سابقہ پڑتا تھا ایک مرتبہ اس کے یہاں گئے، تو تصویریں آویزاں دیکھیں، فرمایا میں نے آنحضرت ﷺ سے سنا ہے کہ اس شخص سے زیادہ کون ظالم ہے، جو میری مخلوق کی طرح مخلوق بناتا ہے! اگر دعوائے تخلیق ہے تو کوئی ذرہ، غلہ یا جو پیدا کر کے دکھائے،

مروان کے زمانہ امارت میں مدینہ میں چک (ہنڈی) کا رواج ہو چلا تھا، حضرت ابو ہریرہؓ کو معلوم ہوا تو مدینہ جا کر مروان سے کہا تم نے ربا حلال کر دیا؟ مروان نے اس سے برأت ظاہر کی، فرمایا تم نے چکوں کو رائج کیا، حالانکہ آنحضرت ﷺ نے اشیاء خوردنی کی بیع کی اس وقت تک ممانعت فرمائی ہے جب تک پہلا بائع اس کو ناپ نہ لے، حضرت ابو ہریرہؓ کی اس تنبیہ سے

بخاری جلد ۲ کتاب الاطعمہ باب ما کان النبی ﷺ و اصحابہ یاکلون

۳۸۸ ایضاً ص ۳۸۸

مسند احمد بن حنبل ج ۲ ص ۵۳۲

مسلم جلد ۲ باب ثواب العبد و اجرہ اذا نصح لسيده و احسن و ابن سعد تذکرہ ابو ہریرہؓ

مسند احمد بن حنبل ج ۱۲ حدیث ابو ہریرہؓ

مردان نے یہ طریقہ منسوخ کر دیا۔۱

ایک مرتبہ حضرت ابو ہریرہؓ مسجد نبویؐ میں کچھ لوگوں کے ساتھ بیٹھے تھے، مردان بھی موجود تھا، آپ نے لوگوں کو مخاطب کر کے سنایا کہ میں نے صادق مصدوقؓ سے سنا ہے کہ میری امت کی ہلاکت قریش کے لونڈوں کے ہاتھوں ہوگی۔۲

فقر و غنا..... حضرت ابو ہریرہؓ کی زندگی کے دو دور تھے، پہلا افلاس، تنگدستی اور فقر و فاقہ میں بسر ہوا دوسرے میں جاہ و ثروت اور فارغ البالی نصیب ہوئی، فقر و فاقہ کا دور نہایت درد انگیز تھا مسلسل فاقوں سے غش پر غش آتے تھے، لیکن رحمۃ اللعالمین کے سوا کوئی پوچھنے والا نہ تھا اس زمانہ میں آپ نے سخت تکلیفیں برداشت کیں، لیکن زبان کبھی سوال سے آلودہ نہ ہوئی ایک مرتبہ بھوک کی شدت سے بہت بے قرار ہوئے تو راستہ میں بیٹھ گئے، حضرت ابو بکرؓ کا گذر ہوا ان سے ایک آیت پوچھی، وہ بتا کر گذر گئے اور کچھ توجہ نہ کی، اس کے بعد حضرت عمرؓ کے ساتھ یہی معاملہ پیش آیا، اس کے بعد رسول اللہؐ کا گذر ہوا، تو آپ اس حسن طلب کو سمجھ گئے اور ساتھ لیجا کر ان کو اور تمام اصحاب صفہ کو کھانا کھلایا۔۳

جب فقر و فاقہ کا دور ختم ہوا اور خدا نے فارغ البالی کیا، اس وقت فقیرانہ سادگی کو قائم رکھتے ہوئے کبھی کبھی فارغ البالی کا بھی اظہار کیا، چنانچہ ایک مرتبہ کتان کے دورنگے ہوئے کپڑے پہنے اور ایک سے ناک صاف کر کے کہا واہ واہ، ابو ہریرہؓ آج تم کتان سے ناک صاف کرتے ہو، حالانکہ کل منبر نبویؐ اور حضرت عائشہ کے حجرہ کے درمیان غش کھا کر گرتے تھے اور گذرنے والے تمہاری گردن پر پیر رکھ کر کہتے تھے کہ ابو ہریرہؓ کو جنون ہوگا ہے، حالانکہ تمہاری یہ حالت صرف بھوک کی وجہ سے ہوتی تھی۔۴

سادگی..... لیکن امارت کی حالت میں بھی زندگی میں کوئی خاص تبدیلی نہیں کی جب شہر سے نکلتے تو سواری میں گدھا ہوتا، جس پر معمولی عمدہ کسا ہوتا، چھال کی رسی کی لگام ہوتی، غرض اس سادگی سے نکلتے کہ کسی کو امارت کا اندازہ بھی نہ ہوتا، جب کوئی سواری کے سامنے آ جاتا تو (مذاق سے) خود کہتے کہ راستہ چھوڑ دو، امیر کی سواری آرہی ہے۔۵

فیاضی..... فقر و غنا دونوں حالتوں میں بلند حوصلہ اور فیاض رہے، لوگوں کو کھلانے پلانے میں بڑی سیرچشمی سے کام لیتے تھے، عبد اللہ بن ربیع راوی ہیں کہ ایک مرتبہ چند آدمیوں کا وفد

۱۔ مسلم کتاب البیوع باب بیع المبیع قبل القبض مطبوعہ مصر، مسند احمد ج ۲ ص ۳۳۹،

۲۔ بخاری ج ۲ کتاب الفتن باب قول النبی ﷺ ہلاک امتی علی ایدی اغلیتہم مغنا

۳۔ ترمذی ابواب الزہد باب جاء فی معیشتہ اصحاب النبی ﷺ

۴۔ بخاری کتاب لا اعتصام باب ما ذکر النبی ﷺ و حص علی اتفاق

۵۔ ابن سعد جز ۲ ق ۲ ص ۶۰

امیر معاویہؓ کے پاس گیا جس میں ہم اور ابو ہریرہؓ بھی تھے، رمضان کا زمانہ تھا، ہم لوگوں کا معمول تھا کہ کھانے پر ایک دوسرے کو بلایا کرتے تھے، ان سب میں سب سے زیادہ ابو ہریرہؓ دعوت کرتے تھے۔

گو مہمان نوازی صحابہ کرامؓ کا عام وصف تھا، تاہم لوگوں کا خیال تھا کہ حضرت ابو ہریرہؓ سے زیادہ مہمان نواز کم صحابی تھے۔

حضرت ابوذر غفاریؓ

نام و نسب..... جندب نام، ابوذر کنیت ”سیح الاسلام“ لقب، سلسلہ نسب یہ ہے، جندب بن جنادہ ابن قیس بن عمرو بن ملیل بن صعیر بن حزام بن غفار بن ملیل بن حمزہ بن بکر بن عبدمناتہ بن کنانہ بن خزیمہ بن مدرکہ غفاری، ماں کا نام رملہ تھا اور قبیلہ بنی غفار سے تعلق رکھتی تھیں۔

قبل از اسلام..... حضرت ابوذرؓ کا قبیلہ بنو غفار رہزنی کیا کرتا تھا، جاہلیت میں حضرت ابوذرؓ کا بھی یہی پیشہ تھا اور وہ نہایت مشہور رہزن تھے، تنہا نہایت جرأت اور دلیری سے قبائل کو لوٹتے تھے، لیکن کچھ دنوں کے بعد ان کی زندگی میں دفعۃً انقلاب ہوا اور ایسا سخت ہوا کہ رہزنی یکجہت ترک کر کے ہمہ تن خدا پرستی کی طرف مائل ہو گئے، چنانچہ ظہور اسلام کے پہلے جب سارا عرب ضلالت میں مبتلا تھا وہ خدا کی پرستش کرتے تھے، ابو معشر راوی ہیں ابوذرؓ جاہلیت ہی سے موحد تھے، خدا کے سوا کسی کو معبود نہیں سمجھتے تھے اور بتوں کی پوجا نہیں کرتے تھے، ان کی خدا پرستی عام طور پر لوگوں میں مشہور تھی، چنانچہ جس شخص نے ان کو سب سے پہلے آنحضرت ﷺ کے ظہور کی اطلاع دی، اس کے الفاظ یہ تھے کہ ”ابوذر مکہ میں تمہاری طرح ایک شخص لا الہ الا اللہ کہتا ہے، حضرت ابوذرؓ کی خدا پرستی صرف اعتراف تو حید تک محدود نہ تھی بلکہ جس طرح بن پڑتا تھا نماز بھی پڑھتے تھے، وہ خود کہتے تھے کہ میں آنحضرت ﷺ سے ملنے کے تین سال قبل سے نماز پڑھتا تھا، لوگوں نے پوچھا کس کی نماز پڑھتے تھے؟“ ”کہا خدا کی“، پھر پوچھا کس طرف رخ کرتے تھے، جواب دیا ”جس طرف خدا پھیر دیتا“، ۲۱ اینما تولوا فثم وجہ اللہ

ما جانیم مجدہاں آستان رسید

اسلام کی تلاش..... پہلی آزمائش..... چونکہ ابوذرؓ جاہلیت ہی سے راہ حق کے متلاشی تھے، ان کے دل پکار سنتے ہی لبیک کہا اور اس وقت دعوت حق کا جواب دیا، جب چار آدمیوں کے سوا ساری دنیا کی زبانیں، اس اعلان حق سے خاموش تھیں، اس اعتبار سے اسلام لانے والوں میں ان کا پانچواں نمبر ہے، ان کے اسلام کا واقعہ خاص اہمیت رکھتا ہے، یہ دلچسپ داستان خود کی زبان سے مروی ہے، ان کا بیان ہے کہ جب میں قبیلہ غفار میں تھا تو مجھ کو معلوم ہوا کہ مکہ میں کسی شخص نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے، میں نے اپنے بھائی کو واقعہ کی تحقیق کے لئے بھیجا، وہ

واپس آئے تو میں نے پوچھا، کہو کیا خبر لائے، انہوں نے کہا ”خدا کی قسم! یہ شخص نیکیوں کی تعلیم دیتا ہے اور برائیوں سے روکتا ہے، اس قدر مجمل بیان سے میری تشفی نہیں ہوئی، اس لئے میں خود سفر کا مختصر سامان لے کر مکہ چل کھڑا ہوا، وہاں پہنچا تو یہ وقت پیش آئی کہ میں رسول اکرم کو پہچانتا نہ تھا اور کسی سے پوچھنا بھی مصلحت نہ تھی، اس لئے خانہ کعبہ جا کر ٹھہر گیا اور زمزم کے پانی پر ہسر کرنے لگا اتفاق سے ایک دن علیؓ گذرے، انہوں نے پوچھا تم مسافر معلوم ہوتے ہو؟ میں نے کہا، ہاں! وہ مجھ کو اپنے گھر لے گئے، لیکن مجھ سے ان کی کوئی گفتگو نہیں ہوئی، صبح اٹھ کر میں پھر کعبہ گیا کہ لوگوں سے اپنے مقصود کا پتہ دریافت کروں کیوں کہ ابھی تک آنحضرت ﷺ کے حالات سے بے خبر تھا، اتفاق سے پھر علیؓ گذرے اور پوچھا کہ ”اب تم کو اپنا ٹھکانہ نہیں معلوم ہوا؟“ میں نے کہا نہیں، وہ پھر دوبارہ مجھ کو اپنے ساتھ لے چلے، اس مرتبہ انہوں نے پوچھا، کیسے آتا ہوا؟ میں نے کہا اگر آپ اس کوراز میں رکھیں تو عرض کروں، فرمایا مطمئن رہو میں نے کہا، میں نے سنا تھا کہ یہاں کسی نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے، پہلے اس خبر کی تصدیق اور اس شخص کے حالات دریافت کرنے کے لئے میں نے اپنے بھائی کو بھیجا مگر وہ کوئی تشفی بخش خبر نہ لایا، اس لیے اب میں خود اس سے ملنے آیا ہوں، حضرت علیؓ نے فرمایا تم نے نیکی کا راستہ پالیا، سیدھے میرے ساتھ چلے آؤ جس مکان میں میں جاؤں تم بھی میرے ساتھ چلے آنا، راستہ میں اگر کوئی خطرہ پیش آئے گا، تو میں جو تا درست کرنے کے بہانے سے دیوار کی طرف ہٹ جاؤں گا اور تم بڑھے چلے جانا، چنانچہ میں حسب ہدایت ان کے ساتھ ہولیا اور آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا، یا رسول اللہ میرے سامنے اسلام پیش کیجئے، آپ نے اسلام پیش کیا اور میں اسلام کے عقیدت مندوں میں شامل ہو گیا، قبول اسلام کے بعد آپ نے فرمایا: ابو ذر ابھی تم اس کو پوشیدہ رکھو اور اپنے گھر لوٹ جاؤ، میرے ظہور کے بعد واپس آنا، میں نے قسم کھا کر کہا کہ میں اسلام کو چھپا نہیں سکتا، ابھی لوگوں کے سامنے پکار کر اعلان کروں گا، یہ کہہ کر مسجد میں آیا، یہاں قریش کا مجمع تھا، میں نے سب کو مخاطب کر کے کہا کہ قریشیو! میں شہادت دیتا ہوں کہ خدا کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد اس کے بندہ اور رسول ہیں، یہ سن کر ان لوگوں نے لکڑا لکڑا کر اس بے دین کو لینا، اس آواز کے ساتھ ہی چاروں طرف سے لوگ مجھ پر ٹوٹ پڑے اور مارتے مارتے بے دم کر دیا، دردناک منظر دیکھ کر حضرت عباسؓ سے ضبط نہ ہو سکا، وہ مجھ کو بچانے کے لئے میرے اوپر گر پڑے اور ان لوگوں سے کہا کہ تم لوگ ایک غفاری کی جان لینا چاہتے ہو حالانکہ یہ قبیلہ تمہاری تجارت کا گذرگاہ ہے، یہ سن کر سب ہٹ گئے، لیکن اسلام کا وہ نشہ تھا جس کا خمرا قریش کے غیظ و غضب کی ترشی سے اتر جاتا، دوسرے دن پھر اس حق گو کی زبان پر یہ نعرہ مستانہ تھا

در عجا بہائے طور عشق حکمتہا کم است عشق را با مصلحت

اندیشی مجنوں چہ کار

اور پھر وہی مسجد تھی، وہی ضناید قریش کا مجمع تھا اور وہی ان کی ستم آرائی تھی۔
مسلم فضائل ابی ذرؓ میں ان کے اسلام کے بارہ میں دو روایتیں ہیں۔ ایک یہی مذکورہ بالا روایت، اس روایت کے راوی حضرت ابن عباسؓ ہیں، دوسری روایت خود ان سے مروی ہے، لیکن دونوں روایتوں کے واقعات باہم مختلف ہیں، ان کی زبانی جو روایت منقول ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ اپنے وطن سے اپنے بھائی انیس اور امنا کو لے کر اپنے ماموں کے یہاں گئے، کچھ دنوں کے بعد ان سے خفا ہو کر چلے گئے، اتفاق سے ایک مرتبہ انیس کسی ضرورت سے مکہ گئے، وہاں سے لوٹ کر ابو ذرؓ سے آنحضرت ﷺ کے واقعات بیان کیے، آپ کے اوصاف سن کر وہ خود تحقیقات کے لئے مکہ پہنچے اور ایک شخص سے آپ کا پتہ پوچھا، پوچھتے ہی ہر طرف سے مشرکین ان پر ٹوٹ پڑے اور مارتے مارتے بیدم کر دیا، لیکن یہ نہ ہٹے، تیسرے دن آنحضرت ﷺ سے ملاقات ہوئی، ان کو اپنے ساتھ لے گئے اور یہ مشرف باسلام ہوئے، ہم نے جو صورت واقعہ نقل کی ہے وہ چونکہ بخاری، مسلم اور مستدرک تینوں میں ہے اس لئے اس کو ترجیح دی۔

مراجعت وطن..... کچھ دن مکہ میں قیام کے بعد آنحضرت ﷺ نے ان کو ان کے گھر واپس کر دیا، اور فرمایا کہ میں عنقریب یشرب ہجرت کرنے والا ہوں اس لئے بہتر یہ ہے۔ کہ تم اپنی قوم میں جا کر اسلام کی تبلیغ کرو، شاید خدا ان کو فائدہ بخشے اور اس صلہ میں تمہیں بھی اجر ملے انہوں نے آپ کے حسب ارشاد روانگی کی تیاری شروع کر دی اور وطن کا سفر کرنے کے قبل اپنے بھائی انیس سے ملے، انہوں نے پوچھا کیا کر کے آئے؟ جواب دیا: اعتراف صداقت کر کے اسلام کا حلقہ بگوش ہو گیا ہوں، یہ سن کر وہ بھی دائرہ اسلام میں داخل ہو گئے، یہاں سے دونوں تیسرے بھائی امنا کے پاس پہنچے، وہ بھی مشرف باسلام ہوئے اس کے بعد تینوں وطن پہنچے اور دعوت حق میں اپنا وقت صرف کرنے لگے، آدھا قبیلہ تو اسی وقت مسلمان ہو گیا اور آدھا ہجرت کے بعد مسلمان ہوا۔ ۲
ہجرت و مواخاۃ..... آنحضرت ﷺ کی مدینہ کی تشریف آوری کے بعد بھی عرصہ تک ابو ذرؓ بنی غفار میں رہے اور بدر، احد، خندق، وغیرہ کے غزوات ہونے کے بعد ہجرت کر کے مدینہ آئے، اسی بناء پر مواخاۃ میں اختلاف ہے، محمد بن اسحق راوی ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے ابو ذرؓ اور منذر بن عمرو کے درمیان مواخاۃ کرائی تھی، لیکن واقدی کا قول ہے کہ ابو ذرؓ آیت میراث کے نزول کے بعد مدینہ آئے اور اس آیت کے بعد مواخاۃ کا طریقہ باقی نہ رہا تھا۔ ۳

مدینہ کا قیام..... مدینہ کے قیام میں ان کا سارا وقت آنحضرت ﷺ کی خدمت میں گذرتا تھا اور ان کا محبوب مشغلہ آنحضرت ﷺ کی خدمت تھی، خود کہتے ہیں کہ میں پہلے آنحضرت ﷺ کی

۱۔ مستدرک حاشیہ ۳۳۸، ۳۳۹، بخاری باب بیان النجۃ و مسلم ج ۲ فضائل ابی ذرؓ

۲۔ صحیح مسلم فضائل ابی ذرؓ و مستدرک حاشیہ ۱۷۴

۳۔ ابن سعد جز ۴ ق ۱ ص ۱۶۶

خدمت کرتا تھا، اس سے فراغت کے بعد پھر آکر مسجد میں آرام کرتا تھا۔ چونکہ ہجرت کے بعد غزوات کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا، اس لئے مہاجرین زیادہ تر اسی میں مشغول رہتے تھے، حضرت ابوذرؓ کی غزوات میں شرکت کی تفصیل نہیں ملی، صرف غزوہ تبوک کی شرکت کا پتہ چلتا ہے، عبد اللہ بن مسعودؓ روایت کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ تبوک کے لئے نکلے تو بہت سے لوگ پچھڑنے لگے (کیونکہ یہ قحط سالی کا زمانہ تھا) جب کوئی شخص پچھڑتا تو لوگ آنحضرت ﷺ کو بتاتے کہ یا رسول اللہ: فلاں شخص نہیں آیا آپ فرماتے جانے دو، اگر اس کی نیت اچھی ہو تو عنقریب خدا اس کو تم سے ملا دے گا، ورنہ خدا نے اس کو تم سے چھڑا کر اس کی طرف سے راحت دیدی، یہاں تک کہ ابوذرؓ کا نام لیا گیا کہ وہ بھی پچھڑ گئے، واقعہ یہ تھا کہ ان کا اونٹ بست ہو گیا تھا، اس کو پہلے چلانے کی کوشش کی جب نہ چلا تو اس پر سے ساز و سامان اتار کر پیٹ پر لا دا اور پا پیادہ آنحضرت ﷺ کے عقب سے روانہ ہو گئے اور اگلی منزل پر جا کر مل گئے، ایک شخص نے دور سے آتا دیکھ کر کہا یا رسول اللہ: وہ راستہ پر کوئی شخص آ رہا ہے، آپ نے فرمایا، ابوذرؓ ہوں گے لوگوں نے بغور دیکھ کر پہچانا اور عرض کیا، یا رسول اللہ: خدا کی قسم ابوذرؓ ہیں آپ نے فرمایا، خدا ابوذرؓ پر رحم کرے، وہ تنہا چلتے ہیں، تنہا مریں گے اور قیامت کے دن تنہا اٹھیں گے۔ آنحضرت ﷺ کی دوسری پیشن گوئی لفظ بہ لفظ پوری ہوئی، آئندہ واقعات میں اس کی تفصیل آئے گی، اس واقعہ سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ وہ قحط کے زمانہ میں بھی جب بہتوں کے ارادے متزلزل ہو گئے پیچھے نہ ہٹے اور اپنا سامان پیٹ پر لا کر پا پیادہ میدان جہاد میں پہنچے تو ان غزوات میں جن میں اس قسم کی دشواریاں نہ تھیں، یقیناً شریک ہوئے ہونگے پھر وہ آنحضرت ﷺ کے خدام میں تھے، اس لئے ان لڑائیوں میں جن میں آپ نے بہ نفس نفیس شرکت فرمائی ہو گی، ان میں ابوذرؓ بھی یقیناً ہر کام پر رہے ہوں گے خصوصاً جب کہ یہ معلوم ہے کہ ان کو جہاد کے ساتھ غیر معمولی شغف تھا، اس لئے یہ ممکن نہیں ہے کہ جب تمام مسلمانوں کی تلواریں اپنے جوہر دکھا رہی ہوں اس وقت ان کی تلوار نیام میں رہی ہو فتح مکہ کے بعد جب اسلامی افواج کا مظاہرہ ہو رہا تھا، تو سب سے آگے ان ہی کے قبیلہ کا پرچم تھا۔

عہدِ شخیں..... حضرت ابوذرؓ قطرۃ فقیر منش، زہد پیشہ، تارک الدنیا اور عزالت پسند تھے، اسی لئے آنحضرت ﷺ نے ان کو ”مسح الاسلام“ کا لقب دیا تھا، آنحضرت ﷺ کے بعد انہوں نے دنیا سے ہی قطع تعلق کر لیا، لیکن قیام دیا محبوب ہی میں رہا، وفات نبوی سے دل ٹوٹ چکا تھا، اس لئے عہد صدیقی میں کسی چیز میں کوئی حصہ نہیں لیا، حضرت ابو بکرؓ کی وفات نے اور بھی شکستہ خاطر

۱۔ مسند احمد بن حنبل جلد ۱۷

۲۔ مستدرک حاکم جلد ۳ تذکرہ ابوذر غفاری

۳۔ تذکرۃ اہل بیت جلد ۱۵

کر دیا، گلشن مدینہ ویرانہ نظر آنے لگا، اس لیے مدینہ چھوڑ کر شام کی غربت اختیار کر لی۔ عہد عثمانی اسلام کی اصل سادگی متینین کے عہد تک قائم رہی، پھر جب فتوحات کی کثرت کے ساتھ مال و دولت کی فراوانی ہوئی تو قدرۃ سادگی کی جگہ تمدنی تکلفات شروع ہو گئے، چنانچہ عہد عثمانی میں ہی امراء میں شاہانہ شان و شوکت کی ابتداء ہو چکی تھی، ان کا اثر عام مسلمانوں پر بھی پڑا اور ان میں عہد نبوت کی سادگی کے بجائے عیش و تمعم کے تکلفات پیدا ہونے لگے، شام میں رومیوں کے اثر نے اس کو اور زیادہ فروغ دیا، دولت و ثروت نے خزانوں کی صورت اختیار کی جگہ جگہ قصر و ایوان بننے لگے، زرق برق پوشاکیں پہنی جانے لگیں، حضرت ابوذرؓ لوگوں میں وہی عہد نبوت کی سادگی چاہتے تھے اور اپنی طرح سب کے دلوں کو مال و دولت کی محبت سے خالی دیکھنا چاہتے تھے، ان کے متوکلانہ مذہب میں کل کے لئے آج اٹھا رکھنا جائز نہ تھا، ان کا عقیدہ یہ تھا کہ کسی مسلمان کو اس کا حق نہیں کہ وہ دوسروں کو بھوکا اور ننگا دیکھ کر اپنے لئے دولت کا خزانہ جمع کرے، حضرت امیر معاویہؓ وغیرہ امراء شام یہ سمجھتے تھے کہ خدا نے اہل دولت پر زکوٰۃ کا جو فرض عائد کیا ہے، اس کو ادا کرنے کے بعد دولت جمع کرنے کا مسلمانوں کو اختیار ہے، اس اختلاف رائے نے بڑھتے بڑھتے نزاع کی صورت اختیار کر لی، حضرت ابوذرؓ نہایت بے باکی کے ساتھ ان امراء پر اعتراض کرتے تھے اور ان کے طمطراق، دولت و حشمت اور ساز و سامان پر نکتہ چیں کرتے تھے اور ان کے زائد از ضرورت دولت جمع کر لینے پر ان کو قرآن پاک کی اس آیت کا مورد ٹھہراتے تھے۔

وَالَّذِينَ يَكْنِزُونَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يَنْفِقُونَهَا فِي سَبِيلِ اللَّهِ

فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ أَلِيمٍ (توبہ)

جو لوگ سونا چاندی جمع کرتے ہیں اور اس کو خدا کی راہ میں صرف نہیں کرتے

ان کو دردناک عذاب کی خوشخبری سنا دو

اس آیت پاک سے پہلے یہود و نصاریٰ کا ذکر ہے، امیر معاویہؓ کہتے تھے کہ اس آیت کا تعلق بھی ان ہی لوگوں سے ہے، حضرت ابوذرؓ مسلمانوں اور غیر مسلم دونوں سے متعلق سمجھتے تھے، دوسرا اختلاف یہ تھا کہ حضرت ابوذرؓ خدا کی راہ میں نہ دینے کا مطلب یہ سمجھتے تھے کہ وہ اپنا کل مال راہ خدا میں نہیں دیتے اور امیر معاویہؓ وغیرہ کا خیال تھا کہ یہ حکم صرف زکوٰۃ کے متعلق ہے بہر حال حضرت ابوذرؓ نے اپنے خیال کے مطابق بڑی سختی سے طعن و تشنیع شروع کر دی، امیر معاویہؓ کو خیال پیدا ہوا کہ اگر یہ جذبہ یوں ہی بڑھتا رہا تو عجب نہیں کہ شام میں کوئی فتنہ اٹھ کھڑا ہو اس لئے انہوں نے حضرت عثمانؓ کو اس صورت حال کی اطلاع دی اور کہلا بھیجا کہ ان کو مدینہ بلا لیا جائے، حضرت عثمانؓ نے ان کو مدینہ بلا لیا اور ایک دن ان کے سامنے حضرت کعبؓ

سے پوچھا کہ اس شخص کے بارہ میں آپ کا کیا خیال ہے جو مال جمع کرتا ہے لیکن اس کی زکوٰۃ بھی دیتا ہے، اس کو خدا کی راہ میں بھی خرچ کرتا ہے، کعبؓ نے کہا ایسے شخص کے بارہ میں مجھ کو بھلائی کی امید ہے، یہ سن کر ابوذرؓ بگڑ گئے اور کعبؓ پر ڈنڈا اٹھا کر بولے یہودی عورت کے بچے تو اس کو کیا سمجھ سکتا ہے، قیامت کے دن ایسے شخص کے قلب تک کو پھوڑ دیں گے، اس لئے حضرت عثمانؓ نے آخر میں مجبور ہو کر آپ سے کہا آپ میرے پاس رہیے، دودھ والی اونٹنیاں صبح شام دروازہ پر حاضر کی جائیں گی، لیکن اس بے نیاز نے جواب دیا کہ مجھ کو تمہاری دنیا کی مطلق ضرورت نہیں، یہ کہہ کر واپس چلے آئے

ربذہ کا قیام..... لیکن اب مدینہ بھی پہلا مدینہ باقی نہیں رہ گیا تھا، لوگ آ کر حضرت ابوذرؓ کو تعجب سے دیکھتے تھے، جہاں وہ جاتے ہر جگہ ہجوم ہو جاتا، اس سے حضرت ابوذرؓ کو تکلیف ہوتی مکہ کے قریب ربذہ نامی ایک چھوٹا سا گاؤں تھا، حضرت عثمانؓ نے ان سے کہا، یا انہوں نے خود ربذہ میں قیام کرنے کی خواہش کی، بہر حال اپنی بیوی کو لے کر ربذہ چلے گئے، یہاں کے لوگوں نے ہاتھوں ہاتھ لیا، اور بنو نعلبہ کے شیخ اور اس کی بیوی نے آپ کو اپنے ہاتھوں سے نہلایا، عراقیوں کو خبر ہوئی تو انہوں نے آ کر عرض کیا کہ اس شخص (عثمانؓ) نے آپ کے ساتھ ناروا سلوک کیا ہے، اگر آپ اس کے خلاف علم بلند کریں تو ہم لوگ آپ کی حمایت پر تیار ہیں، آپ نے فرمایا کہ مسلمانو! اس معاملہ میں تم دخل نہ دو، اپنے حاکم کو ذلیل نہ کرو، کیونکہ جس نے اپنے حاکم کو ذلیل کیا اس کی توبہ قبول نہیں ہو سکتی، اگر عثمانؓ مجھ کو سولی پر بھی چڑھا دیتے تو مجھ کو عذر نہ ہوتا، اور میں اپنے میں اپنی بھلائی سمجھتا، اگر وہ ربذہ کے بجائے ایک افق سے دوسرے افق یا مشرق سے مغرب بھیج دیتے تب بھی میں سر تسلیم خم کر دیتا اور اسی میں اپنی اچھائی سمجھتا اور اگر وہ کہیں نہ بھیجتے اور مجھ کو میری قیام گاہ ہی میں لوٹا دیتے تو بھی مجھ کو کوئی عذر نہ ہوتا اور اس میں بھی میں اپنی سعادت سمجھتا۔ ۳

وفات..... حضرت ابوذرؓ کی وفات کا واقعہ بھی نہایت حیرت انگیز ہے، ۳۱ھ میں ربذہ کے ویرانہ میں وفات پائی ان کی حرم محترم وفات کے حالات بیان کرتی ہیں کہ جب ابوذرؓ کی حالت زیادہ خراب ہوئی تو میں رونے لگی پوچھا کیوں روتی ہو؟ میں نے کہا کہ تم ایک صحرا میں سفر آخرت کر رہے ہو، یہاں میرے اور تمہارے استال کے کپڑوں کے علاوہ کوئی ایسا کپڑا نہیں ہے جو تمہارے کفن کے کام آئے، فرمایا رونا موقوف کرو، میں تم کو ایک خوشخبری سناتا ہوں، میں نے آنحضرت ﷺ سے سنا ہے کہ جس مسلمان کے دو یا تین لڑکے مر چکے ہو وہ آگ سے بچانے کے لئے کافی ہیں، آپ نے چند آدمیوں کے سامنے جن میں ایک میں تجھی تھا، یہ فرمایا کہ تم میں

سے ایک شخص صحرا میں مرے گا اور اس کی موت کے وقت وہاں مسلمانوں کی ایک جماعت پہنچ جائے گی، میرے علاوہ ان میں سب آبادی میں مر چکے ہیں، اب صرف میں باقی رہ گیا ہوں، اس لئے وہ شخص یقیناً میں ہی ہوں اور میں بخلف کہتا ہوں کہ میں نے تم سے جھوٹ بیان نہیں کیا ہے اور نہ کہنے والے نے جھوٹ کہا ہے، اس لئے گذرگاہ پر جا کر دیکھو یہ بھی امداد ضرور آتی ہوگی، میں نے کہا اب تو حجاج بھی واپس جا چکے اور راستہ بند ہو چکا فرمایا نہیں جا کر دیکھو، چنانچہ میں ایک طرف دوڑ کر نیلے پر چڑھ کر دیکھنے جاتی تھی اور دوسری طرف بھاگ کر ان کی تیمارداری کرتی تھی، اسی دوڑ دھوپ اور تلاش و انتظار کا سلسلہ جاری تھا کہ دور سے کچھ سوار آتے دکھائی دیئے، میں نے اشارہ کیا وہ لوگ نہایت تیزی سے آ کر میرے پاس ٹھہر گئے اور ابوذرؓ کے متعلق دریافت کیا کہ یہ کون شخص ہے؟ میں نے کہا ابوذرؓ پوچھا آنحضرت ﷺ کے صحابی، میں نے کہا ہاں، وہ لوگ فدیۃ بابی و امی کہہ کر ابوذرؓ کے پاس گئے، پہلے ابوذرؓ نے آنحضرت ﷺ کی پیشگوئی سنائی پھر وصیت کی کہ اگر میری بیوی یا میرے پاس کفن بھر کا کپڑا نکلے تو اسی کپڑے میں مجھ کو کفنانا اور قسم دلائی کہ تم میں سے جو شخص حکومت کا ادنیٰ عہدہ دار بھی ہو، وہ مجھ کو نہ کفنائے، اتفاق سے ایک انصاری نو جوان کے علاوہ ان میں سے ہر شخص کسی نہ کسی خدمت پر مامور رہ چکا تھا چنانچہ انصاری نے کہا کہ چچا میرے پاس ایک چادر ہے، اس کے علاوہ دو کپڑے اور ہیں جو خاص میری والدہ کے ہاتھ کے کتے ہوئے ہیں، انہیں میں آپ کو کفناؤں گا، فرمایا ہاں تم ہی کفنانا۔ اس وصیت کے بعد وفات پائی، متعدد روایتوں کے باہم ملانے سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ لوگ یمنی تھے اور کوفہ سے آرہے تھے ان ہی کے ساتھ مشہور صحابی عبداللہ بن مسعود بھی تھے، جو عراق جا رہے تھے، بہر حال اس انصاری نو جوان نے ان کو کفنا یا اور عبداللہ بن مسعود نے نماز جنازہ پڑھائی، ۲ اور پھر سکھوں نے مل کر اسی صحرا کے ایک گوشہ میں ان کو پیوند خاک کیا۔

حلیہ قد دراز، رنگ سیاہی مائل، داڑھی بھی، سر اور داڑھی دونوں کے بال سفید۔ ۳ ترکہ فقیروں کے کلیہ احزان میں کیا تھا، صرف تین گدھے، دو مادہ ایک زر، چند بکریاں، کچھ سواریاں، یہ ساری کائنات تھی۔

فضل و کمال حضرت ابوذرؓ خدمت نبویؐ کے بڑے حاضر باش تھے، ہر وقت آپ کی خدمت میں رہتے اور آپ سے استفادہ اور تحصیل علم میں بڑے حریص تھے اور ہر چیز کے متعلق سوالات کیا کرتے تھے، چنانچہ تمام اصول و فروع، ایمان اور احسان، رویت باری، خدا کے نزدیک پسندیدہ کلمات، لیلۃ القدر وغیرہ ہر چیز، حتیٰ کہ نماز میں کنکری چھونے تک کے بارہ

۱۔ تدرک حاتم جلد ۳ ص ۳۴۵ مسند احمد بن حنبل جلد ۵ ص ۱۶۶۔

۲۔ تدرک حاتم جلد ۳ ص ۳۴۶۔

۳۔ ابن سعد جزء ۲، قسم اول ص ۱۶۹۔

میں پوچھا، اسی ذوق و شوق اور تلاش و جستجو نے آپ کو علم کا دریا بنا دیا تھا، حضرت علی جو علم و عمل کے مجمع البحرین تھے، فرماتے تھے کہ ”ابو ذرؓ نے اتنا علم محفوظ کر لیا ہے کہ لوگ اس کے حاصل کرنے سے عاجز تھے، اور اس تھیلی کو اس طرح سے بند کر دیا کہ اس میں کچھ بھی کم نہ ہوا، حضرت عمرؓ جیسے صاحب کمال آپ کو علم میں عبد اللہ بن مسعودؓ کے برابر سمجھتے تھے، جو اپنی وسعت علم کے لحاظ سے حبر الامۃ کہلاتے تھے

حدیث کلام حبیب ہونے کی حیثیت سے قدرۃ آپ کو حدیث سے خاص ذوق تھا، آپ کی مرویات کی تعداد ۲۸۱ ہے، ان میں ۱۲ متفق علیہ ہیں اور ۲ میں بخاری اور ۱ میں مسلم منفرد ہیں یہ تعداد حضرت ابو ہریرہؓ وغیرہ کی مرویات کے مقابلہ میں بہت کم ہے، اس کا بڑا سبب تھا کہ حضرت ابو ذرؓ خاموش تنہائی پسند اور کم آمیز تھے، اس لئے ان کے علم کی اشاعت نہ ہو سکی، ورنہ صحابہ میں انس بن مالکؓ اور عبد اللہ بن عباسؓ جیسے بزرگ ان سے استفادہ کرتے تھے، عبد اللہ بن صامت، زید بن ذبیان، عبد اللہ بن شقیق، عمرو بن میمون، عبد اللہ بن غنم، قیس بن عباد، مرثد بن مالک بن زید وغیرہم نے ان سے روایتیں کی ہیں۔ ۵

افقا میں صداقت آنحضرت ﷺ کے بعد مدینہ میں جو جماعت صاحب علم و افتا تھی، اس میں ان کا نام نامی بھی تھا، مگر ان کے فتاویٰ کی تعداد بہت کم ہے فتویٰ میں وہ کسی کے مطلق رورعایت نہ کرتے تھے اور بلا کسی خوف و ہراس کے جو سچی بات ہوتی وہ کہتے تھے، عہد عثمانی میں بعض محصلین صدقہ وصول کرنے میں زیادتی کرتے تھے، ایک شخص نے آکر کہا ان سے فتویٰ پوچھا کہ ”عثمان کے محصلوں نے صدقہ میں اضافہ کر دیا ہے ایسی حالت میں کیا ہم بقدر زیادتی مال چھپا سکتے ہیں؟“ فرمایا نہیں ان سے کہو کہ جو واجبی ہو اس کو لے لیں اور جو ناجائز ہو، اسکو واپس کر دیں، اگر اس کے بعد بھی وہ زیادہ لیں تو قیامت کے دن وہ زیادتی تمہاری میزان میں کام آئے گی، ان کا یہ فتویٰ ایک قریشی نوجوان کھڑا سن رہا تھا، وہ بولا آپ کیوں فتویٰ دیتے ہیں؟ کیا آپ کو امیر المؤمنین نے فتویٰ دینے سے منع نہیں کیا ہے؟ فرمایا کیا تم میرے نگہبان ہو، اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، اگر تم میری گردن پر تلوار بھی رکھ دو اور مجھ کو یقین ہو جائے کہ گردن کلنے کے قبل جو کچھ آنحضرت ﷺ سے سنا ہے سنا سکوں گا تو یقیناً سنا دوں گا۔ ۶ اخلاق و عادات حضرت ابو ذرؓ ان محرمان خاص میں تھے، جن کو بارگاہ نبوت میں

۱۔ احلیۃ الاولیاء، البوعین ص ۱۶۹

۲۔ استیعاب جلد ۲ ص ۶۲۵ و تذکرۃ الحفاظ ترجمہ ابو ذرؓ

۳۔ تذکرۃ الحفاظ جلد ۱ ص ۱۵ ۴۔ انتہایب الکمال ص ۴۳۹

۵۔ تفصیل کے لئے دیکھو انتہایب انتہایب جلد ۲ ص ۹۰

۶۔ اعلام الموقعین جلد ۱ ص ۱۳ ۷۔ تذکرۃ الحفاظ جلد ۱ ص ۱۶

خاص تقرب حاصل تھا، اس لئے آپ کے ہر فعل و عمل پر خلق نبویؐ بہت گہرا پرتو پڑا تھا، صحابہ کرام میں دو قسم کے لوگ تھے، ایک وہ جنہوں نے دین و دنیا دونوں کو پوری طرح حاصل کیا، دوسرے وہ جنہوں نے دنیا کو ٹھکرا دیا، اور محض آخرت کی نعمتوں پر قناعت کی، حضرت ابوذرؓ اسی دوسری صنف میں تھے، وہ زہد و ورع، حق گوئی و حق پرستی، توکل و قناعت، استغنا، و بے نیازی میں تمام صحابہ سے ممتاز تھے، یہ وقت تھا جب قیصر و کسری کے خزانے درار الخلافہ میں لدے چلے آ رہے تھے، جگہ جگہ قصر و ایوان بن رہے تھے، عیش و تنعم کے سامان ہو رہے تھے مگر ان میں سے کوئی چیز بھی رضوان الہی کے اس طالب کو اپنی طرف متوجہ نہ کر سکی، زرو جو اہر کے ڈھیران کی نگاہ میں حریف ریزوں سے زیادہ وقعت نہ رکھتے تھے، زرقند کبھی جمع نہیں کیا، ضرورت سے جو فاضل بچتا، اس کو اسی وقت خرچ کر دیتے تھے، چار ہزار وظیفہ مقرر تھا، جب وہ ملتا تو خادم کو بلا تے اور ایک سال کے اخراجات کا اندازہ لگا کر چیزیں خرید لیتے اس سے جتنی رقم فاضل بچتی اس کو لوگوں میں تقسیم کر دیتے اور فرماتے کہ جو شخص سونا چاندی تھیلوں میں محفوظ رکھتا ہے، وہ گویا انگارے رکھتا ہے، ایہ بھی فرماتے تھے کہ میرے دوست ﷺ نے مجھ سے وعدہ کیا ہے کہ جو شخص بھی سونا چاندی تھیلوں میں محفوظ کرتا ہے وہ جب تک اس کو خدا کی راہ میں نہ خرچ کر دے، اس کے لئے آگ کا انگارہ رہے گا، اس پر نہ صرف خود عامل تھے، بلکہ چاہتے تھے کہ دنیا اسی رنگ میں رنگ جائے اور اس عقیدے میں یہاں تک متشدد تھے کہ بڑے لوگوں سے ملنا تک گوارا نہ کرتے، ابو موسیٰ اشعریؓ جو بڑے رتبہ کے صحابی اور مرتبہ میں آپ سے کم نہ تھے، جب عراق کی گورنری کے زمانہ میں ان سے ملے تو قدیم تعلقات کی بناء پر ان سے چمٹ گئے، انہوں نے کہا ”دور رہو۔“ وہ بھائی بھائی کہہ کر لپکتے تھے، اور وہ ہمیشہ کہہ کر ہٹاتے تھے کہ تم اس عہدہ کے بعد میرے بھائی نہیں رہے، اس کے بعد پھر ابو موسیٰؓ ملے تو پھر محبت کے جذبہ سے مجبور ہو کر بھائی بھائی کہہ کر دوڑے، حضرت ابوذرؓ کا پھر وہی جواب تھا، ”ابھی دور رہو۔“ اس کے بعد سوالات شروع کیے کہ تم لوگوں کے عامل بنائے گئے ہو؟ انہوں نے کہا ہاں: پوچھا تم نے بڑی عمارت تو نہیں بنائی؟ زراعت تو نہیں کرتے؟ گلے تو نہیں رکھتے؟ انہوں نے کہا نہیں: بولے ہاں اب تم میرے بھائی ہو۔ ۳

ایک مرتبہ ابوذرؓ حضرت ابودرداء انصاریؓ کے پاس سے گزرے تو دیکھا کہ ابودرداء گھر بنا رہے ہیں، یہ دیکھ کر کہا، ابودرداء تم لوگوں کی گردنوں پر پتھر اٹھواتے ہو؟ ابودرداء نے جواب دیا کہ نہیں، گھر بنوا رہا ہوں، ابوذرؓ نے پھر وہی فقرہ دہرایا، حضرت ابودرداء نے کہا برادر م شاید اس سے آپ کو کچھ ناگواری پیدا ہو گئی ہے، حضرت ابوذرؓ نے فرمایا، اگر میں تم کو اس کے بجائے تمہارے گھر کے پاخانہ میں بھی دیکھتا تو اس کے مقابلہ میں زیادہ پسند کرتا۔ ۴

سادگی..... اس فقیرانہ زندگی کے باعث ان کی زندگی بالکل سادہ تھی اور ان چند چیزوں کے علاوہ ایک چانداری کی زندگی کے لئے ناگزیر ہیں، کبھی کوئی ساز و سامان نہیں رکھا، ابی مروان نے ان کو ایک پشمینہ کی چادر باندھے نماز پڑھتے دیکھا تو پوچھا ابو ذرؓ کیا اس چادر کے علاوہ تمہارے پاس اور کوئی کپڑا نہیں ہے؟ فرمایا اگر اور کوئی کپڑا ہوتا تو میرے پاس دیکھتے انہوں نے کہا کچھ دن ہوئے تمہارے پاس دو کپڑے تھے، فرمایا ہاں، مگر وہ دونوں اپنے سے زیادہ حاجتمند کو دیدے، انہوں نے کہا تم کو خود اس کی حاجت تھی، فرمایا خدا تم کو معاف کرے، تم دنیا کو بڑھانا چاہتے ہو، تم کو نظر نہیں آتا کہ ایک چادر میں باندھے ہوئے ہوں دوسری مسجد کے لئے ہے، میری پاس کچھ بکریاں ہیں جن کا دودھ پیتا ہوں، کچھ خچر ہیں جو بار برداری کے کام آتے ہیں، ایک خادم کھانا پکا کر کھلا دیتا ہے، اس سے زیادہ اور کیا نعمتیں درکار ہیں؟

عبداللہ بن خراش کا بیان ہے کہ میں نے زبذہ ابو ذرؓ کو دیکھا وہ سایہ میں ایک صوف کے نمدے پر بیٹھے تھے، ان کی بیوی بڑی سیاہ قام تھیں، ان سے ایک شخص نے کہا کہ آپ کی کوئی اولاد زندہ نہیں رہی، انہوں نے جواب دیا کہ خدا کا شکر ہے کہ اس نے اس دار الفنا میں اولاد کو لے کر دار البقا میں اس کو ذخیرہ آخرت بنایا، لوگوں نے کہا کہ کاش آپ کوئی دوسری بیوی کر لیتے، انہوں نے جواب دیا کہ اسی عورت سے شادی کرنا مجھے زیادہ پسند ہے جو مجھ میں تواضع پیدا کرے، یہ نسبت اسکے جو مجھ میں ترفع پیدا کرے۔

حضرت جعفر بن زبرقان کہتے ہیں کہ مجھ سے غالب بن عبد الرحمن بیان کرتے ہیں کہ میں ایک شخص سے ملا جو ابو ذرؓ کے ساتھ بیت المقدس میں نماز پڑھتا تھا، وہ کہتا تھا کہ اگر حضرت ابو ذرؓ کا پورا اثاثہ البیت جمع کیا جاتا تو بھی اس شخص (ایک شخص کی طرف اشارہ کر کے) کی چادر کی قیمت کے برابر نہ نکلتا، جعفر نے اس کو مہران بن میمون سے بیان کیا، انہوں نے کہا کہ میرے خیال میں ان کا کل اثاثہ دو درہم سے زیادہ کا نہ تھا۔

لوگ ان کی خدمت کرنا چاہتے تھے، مگر وہ اس کو قبول نہ کرتے تھے، ایک مرتبہ حبیب ابن مسلمہ فہیر والی شام نے ان کی خدمت میں تین سواشرفیاں بھیجیں کہ وہ ان کو اپنی ضروریات میں صرف کریں، انہوں نے اسی وقت واپس کر دیا اور کہا کہ کیا ان کو میرے علاوہ کوئی دوسرا شخص خدا کے معا ملہ میں دھوکہ کھانے والا نہیں ملا، ہم کو صرف چھپانے کے لئے سایہ دودھ پینے کے لئے بکریاں اور خدمت کے لئے ایک لونڈی چاہیے، اس کے ماسوا جو کچھ ہو گا وہ زائد از ضرورت ہے۔

آپ فرماتے تھے کہ لوگ موت کے لئے پیدا ہوتے ہیں، ویران ہونے کے لئے آبادیاں بساتے ہیں، فنا ہونے والی چیزوں کی حرص و طمع کرتے ہیں اور باقی اور پائندہ چیزوں کو چھوڑ

دیتے ہیں، دونوں پسندیدہ چیزیں موت اور فقر میرے لئے کس قدر خوش آئند ہیں۔^۱
 زہد و تقویٰ..... ان کی زندگی شروع سے آخر تک سرتاپا زہد و تقویٰ تھی، جس پہلو پر نظر ڈالی جائے زہد و تقویٰ کا عجیب و غریب نمونہ نظر آئے گا، اس فقیرانہ زندگی کو دیکھ کر آنحضرت ﷺ فرماتے تھے کہ ”میری امت میں سے ابوذر میں عیسیٰ بن مریم جیسا زہد ہے“^۲ یہی زہد کی زندگی آخر دم تک قائم رہی، آنحضرت ﷺ کے بعد عہد نبوت کے بعد سے لوگوں میں بہت کچھ تبدیلی پیدا ہو گئی تھی، لیکن حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ شروع سے آخر تک ایک رنگ پر قائم رہے۔^۳

جب عہد رسالت کا مقدس دور ختم ہوا اور لوگ دنیا سے ملوث ہونے لگے تو تنہا نشینی اختیار کر لی، عمران بن حطان راوی ہیں کہ میں ایک مرتبہ ابوذرؓ کے پاس گیا، وہ مسجد میں تنہا بیٹھے ہوئے تھے، میں نے کہا ابوذرؓ تنہائی کیوں اختیار کر لی؟ فرمایا میں نے آنحضرت ﷺ سے سنا ہے کہ تنہائی برے ہمنشین سے بہتر ہے،^۴ اسی وجہ سے وہ دنیا سے بہت دور بھاگتے تھے، ابی اسماء راجی راوی ہیں کہ میں ابوذرؓ کے پاس ربذہ گیا ان کی بیوی کو سخت خستہ حال دیکھ کر فرمانے لگے کہ یہ عورت مجھ سے کہتی ہے کہ عراق جاؤ، اگر میں عراق جاؤں تو عراق والے میرے سامنے دنیا پیش کریں گے اور میرے دوست آنحضرت ﷺ نے مجھ سے فرمایا ہے کہ ”جہنم کے پل کے سامنے پیر پھسلانے والا راستہ ہے، اور تم لوگوں کو اس پر سے گذرنا ہے“ اس لئے بوجھ کی گرانباری سے ہلکار رہنا چاہیے۔^۵ فرمان رسول ﷺ کا پاس..... حضرت ابوذرؓ را رشاد نبوی کو ہر لمحہ پیش نظر رکھتے تھے اور اس سے سرمو تجاوز نہ کرتے تھے، بات بات میں فرماتے تھے کہ عہد لی خلیلی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، میرے دوست رسول ﷺ نے مجھ سے یہ وعدہ لیا ہے یا میں نے اپنے دوست ﷺ کو یہ کہتے سنا، ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ سے امارت کی خواہش ظاہر کی، آپ نے فرمایا، تم نا تو اں ہو اور امارت ایسا بار امانت ہے کہ اگر اس کے حقوق کی پوری نگہداشت نہ کی جائے تو آخرت میں اس کے لئے رسوائی کے سوا کچھ نہیں ہے،^۶ اس فرمان کے بعد پھر انہوں نے کبھی امارت کی خواہش نہیں کی، ان کی خدمت میں کسی نے دو چادریں پیش کیں، انہوں نے ایک کا ازار بنایا اور ایک چھوٹی کملی اوڑھ لی اور دوسری چادر غلام کو دیدی، گھر سے نکلے تو لوگوں نے کہا کہ اگر آپ دونوں چادریں خود استعمال کرتے تو زیادہ بہتر ہوتا، فرمایا یہ صحیح ہے، لیکن میں نے آنحضرت ﷺ سے سنا ہے کہ ”جو تم کھاتے پہنتے ہو وہی اپنے غلاموں کو بھی کھلاؤ پہناؤ“،

۱۔ ایضاً ص ۱۶۳ اسد الغابہ ج ۵ ص ۱۸۷ استیعاب تذکرہ ابوذرؓ

۲۔ مستدرک ج ۳ ص ۳۴۳

۳۔ ایضاً ص ۱۰

۴۔ ابن سعد جز ۳ ق ۱ ص ۱۷۱

۵۔ ایضاً ص ۱۷۰

ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ نے ان سے فرمایا کہ جب تمہارے اوپر ایسے امراء حکمران ہوں گے جو اپنا حصہ زیادہ لیں گے، اس وقت تم کیا کرو گے؟ ”عرض کی تلوار سے کام لوں گا“، فرمایا ”میں تم کو اس سے بہتر مشورہ دیتا ہوں، اس وقت صبر کرنا، یہاں تک کہ مجھ سے مل جاؤ“۔ اس مشورہ پر انہوں نے ایسی سختی سے عمل کیا کہ جب وہ زمانہ آیا تو گوشہ نشینی اختیار کر لی، اور کسی چیز میں کوئی حصہ نہیں لیا۔ ایک مرتبہ وہ مسجد میں لیٹے تھے کہ آنحضرت ﷺ تشریف لائے اور فرمایا ابوذرؓ: جب تم اس سے نکالے جاؤ گے تو کیا کرو گے؟ ”عرض کی مسجد نبویؐ یا اپنے گھر چلا جاؤں گا“۔ اگر اس سے بھی نکالے گئے تو کیا طریقہ کرو گے؟ عرض کی ”تلوار نکالوں گا“، آنحضرت ﷺ نے ان کے کندھوں پر ہاتھ رکھ کر تین مرتبہ فرمایا کہ ابوذرؓ! خدا تمہاری مغفرت کرے، تلوار نہ نکالنا بلکہ جہاں وہ لے جانا چاہیں چلے جانا چنانچہ جب ربذہ میں رہنے کا حکم ملا تو اسی فرمان کے مطابق بلا کسی عذر کے چلے گئے اور وہاں حبشی غلام کے پیچھے نماز پڑھی، ہر چند اس نے آپ کو بڑھانا چاہا مگر آپ نے جواب دیا کہ میں آنحضرت ﷺ کے حکم کی تعمیل کر رہا ہوں۔

حب رسول ﷺ حضرت ابوذرؓ کو ذات نبویؐ کے ساتھ جو شیفگی تھی، اس کا اظہار لفظوں میں نہیں ہو سکتا، ایک مرتبہ آپ نے آنحضرت ﷺ سے عرض کیا، یا رسول اللہ! آدمی کسی ایک جماعت سے محبت کرتا ہے، لیکن اس کے جیسے اعمال کی طاقت نہیں رکھتا، آپؐ نے فرمایا ”ابوذرؓ تم جس شخص سے محبت کرتے ہو اسی کے ساتھ ہو، عرض کیا میں خدا اور اس کے رسول سے محبت رکھتا ہوں، فرمایا کہ تم یقیناً اسی کے ساتھ ہو، جس سے محبت کرتے ہو۔

آنحضرت ﷺ کے بعد جب آپ کا نام زبان پر آ جاتا تو آنسوؤں کا دریا امنڈ آتا، حضرت احنف بن قیس روایت کرتے ہیں کہ میں نے بیت المقدس میں ایک شخص کو دیکھا کہ وہ مسلسل سجدے کر رہا ہے، جس سے میرے دل پر ایک خاص اثر ہوا، جب میں دوبارہ لوٹ کر گیا تو پوچھا کہ آپ بتا سکتے ہیں کہ میں نے جفت نماز پڑھی یا طاق، اس نے کہا اگر میں لا علم ہوں تو خدا ضرور جانتا ہے، اس کے بعد کہا کہ ”میرے دوست ابو القاسمؓ نے مجھ کو خبر دی ہے،“ صرف اس قدر زبان سے نکلا تھا کہ رونے لگے، پھر کہا کہ میرے دوست ابو القاسمؓ نے مجھ کو خبر دی ہے۔ ابھی بات پوری نہ ہوئی تھی کہ پھر آنسو امنڈ آئے، آخر میں سنبھل کر کہا کہ ”میرے دوست ابو القاسمؓ نے فرمایا ہے کہ جو بندہ خدا کو سجدہ کرتا ہے، خدا اس کا ایک درجہ بلند کر کے اس کی بدی کو مٹا کر نیکی لکھتا ہے“، میں نے پوچھا آپ کون ہیں؟ فرمایا ”ابوذرؓ رسول اللہ ﷺ کا صحابی، یہ سن کر میں اپنی قصیر پر بہت نادام ہوا۔

بارگاہ نبویؐ میں پذیرائی حریم نبوت میں ان کی یہ نیاز مندیاں بہت مقبول تھیں، جب

یہ مجلس میں موجود ہوتے تو سب سے پہلے ان ہی کو مخاطب کا شرف حاصل ہوتا اور اگر موجود نہ ہوتے تو تلاش ہوتی، جب ملاقات ہوتی تو آنحضرت ﷺ مصافحہ فرماتے۔

یہ محبت و یگانگت اس حد تک پہنچ گئی تھی کہ آنحضرت ﷺ اپنے اسرار تک ان سے نہ چھپاتے تھے اور رازداری کا پوری طرح فرض ادا کرتے تھے ایک مرتبہ ان سے کسی نے کہا کہ میں آنحضرت ﷺ کی بعض باتیں آپ سے پوچھنا چاہتا ہوں، فرمایا، ”اگر آپ کا کوئی راز ہوگا تو نہ بتاؤں گا“۔ یہی یگانگت آنحضرت ﷺ کے آخری لمحہ حیات تک قائم رہی، چنانچہ مرض الموت میں آپ نے ان کو بلوا بھیجا، یہ جب حاضر خدمت ہوئے، اس وقت آنحضرت ﷺ لیٹے ہوئے تھے، حضرت ابوذرؓ آپ کے اوپر جھک گئے اور محبوب عالم نے ہاتھ بڑھا کر چمٹا لیا، سنا نہ معلوم یہ نگاہ واپس کیا کام کر گئی کہ آخر دم تک وارثی کا عالم طاری رہا۔

آنحضرت ﷺ جو چیز اپنے لئے پسند فرماتے تھے وہی حضرت ابوذرؓ کے لئے بھی پسند فرماتے کہ یہی آئین محبت ہے، ایک مرتبہ انہوں نے امارت کی خواہش کی آپ نے فرمایا کہ ”ابوذرؓ تم ناتواں ہو اور میں تمہارے لئے وہی چیز پسند کرتا ہوں جو اپنے لئے پسند کرتا ہوں“۔ یہ خلیفہ کی اطاعت..... اگرچہ حضرت ابوذرؓ حق پسند طبیعت رکھتے تھے، پھر بھی اختلاف امت کے خیال سے کسی چیز میں خلیفہ وقت کے حکم سے سرتابی نہ کرتے تھے اور گزر چکا ہے کہ ربذہ کے قیام کے زمانہ میں عراقیوں کی خواہش کے باوجود حضرت عثمانؓ کی مخالفت پر آمادہ نہ ہوئے اور فرمایا کہ اگر مجھ پر جہشی بھی امیر بنایا جائے تو بھی اس کی اطاعت کروں گا اور اس کو عملاً کر کے دکھایا، چنانچہ جب وہ ربذہ جا کر مقیم ہوئے تو اتفاق سے اس وقت یہاں کا امیر ایک جہشی تھا جب ابوذرؓ پہنچے اور نماز کے وقت جماعت کھڑی ہوئی تو وہاں کے ادب کے خیال سے پیچھے ہٹ گیا، انہوں نے فرمایا ”تم ہی نماز پڑھاؤ، تم جہشی غلام ہو، لیکن مجھ کو حکم ملا ہے کہ خواہ جہشی ہی امیر کیوں نہ ہو مگر اس کی اطاعت کرنا“، خلیفہ وقت کا عمل خواہ ان کے نزدیک غلط ہی کیوں نہ ہوتا، اس کی مخالفت نہ کرتے تھے، بلکہ خود بھی وہی کرتے، حضرت عثمانؓ خلافت میں حج کو گئے، کسی نے آکر اطلاع دی کہ منی میں حضرت عثمانؓ نے چار رکعتیں نماز پڑھیں، آپ کو بہت ناگوار ہوا اور درشت الفاظ استعمال کر کے فرمایا کہ میں نے رسول ﷺ، ابو بکرؓ اور عمرؓ کے ساتھ نماز پڑھی ہے، یہ سب دو رکعت پڑھتے تھے، اس کے بعد انہوں نے امامت کی، مگر خود بھی چار رکعتیں پڑھائیں، لوگوں نے کہا آپ نے تو امیر المؤمنین پر اعتراض کیا، لیکن خود بھی چار رکعتیں پڑھائیں فرمایا کہ اختلاف بری چیز ہے، آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ میرے بعد امراء ہوں گے، ان کی تذلیل نہ کرنا اور جو شخص ان

کی تذلیل کا ارادہ کرے گا، اس نے گویا اسلام کی جبل متین اپنی گردن سے نکال دی اور توبہ کا دروازہ اپنے لئے بند کر لیا، لیکن اس سے یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ آپ امراء و خلفاء کی تمام جا بجا باتوں کو مان لیتے تھے، امیر معاویہ کی لغزشوں پر نہایت سختی سے نکتہ چینی کرتے تھے، بلکہ برا بھلا تک کہتے تھے۔

حق گوئی..... خدا کے معاملہ میں لومۃ الائم کی مطلق پروا نہ کرتے تھے، حضرت عمرؓ فرماتے تھے کہ آج میرے اور ابوذرؓ کے علاوہ کوئی ایسا شخص باقی نہیں ہے جو خدا کے معاملہ میں لومۃ الائم کا خوف نہ کرتا ہو، ان کی حق گوئی کی شہادت خود زبان الہام نے دی ہے، چنانچہ آنحضرت ﷺ نے ایک موقع پر ارشاد فرمایا کہ آسمان کے نیچے اور زمین کے اوپر ابوذرؓ سے زیادہ سچا کوئی نہیں ہے۔ ۳

فیاضی و سیر چشمی..... اس حقیر دنیا کا لازمی نتیجہ سیر چشمی اور فیاضی تھا، ان کو سالانہ وظیفہ کافی ملتا تھا، لیکن ان محدود و ضروریات کے علاوہ جس قدر بچتا تھا لوگوں میں تقسیم کر دیتے تھے، اگر کوئی کہتا کہ اس کو رکھ لیجئے، آپ کے اور آپ کے مہمانوں کے کام آئے گا تو فرماتے تھے کہ رسول ﷺ نے فرمایا ہے کہ جو شخص سونا چاندی جمع کرتا ہے، وہ گویا انگارے جمع کرتا ہے، جب تک اس کو راستہ خدا میں صرف نہ کر دے۔ ۴

مہمان نوازی اور حق جوار..... آپ کی غذا زیادہ تر بکریوں کا دودھ تھا، لیکن اس میں بھی مہمانوں اور پڑوسیوں کو شریک کرتے تھے، عمیلہ فزاری روایت کرتے ہیں کہ مجھ سے ایک شخص اپنا چشم دید واقعہ بیان کرتا تھا کہ ابوذرؓ دودھ دھو کر پہلے مہمانوں اور پڑوسیوں کو پلاتے تھے ایک مرتبہ دودھ اور کھجوریں لے کر پڑوسیوں اور مہمانوں کے سامنے پیش کر کے معذرت کرنے لگے کہ اس کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے، اگر ہوتا تو پیش کرتا، چنانچہ جو کچھ تھا سب دوسروں کو کھلا دیا، اور خود بھوکے رہے۔ ۵

خوش اخلاقی..... عموماً زیادہ اور متفہمین کے مزاج میں ایک طرح کی خشکی ہوتی ہے لیکن مسیح الامہ کی ذات اس سے مستثنیٰ تھی، ان کا اخلاق بدویوں تک کو مسحور کر لیتا تھا، ایک بدوی کا بیان ہے کہ میں ابوذرؓ کے ساتھ رہا ہوں، ان کی تمام اخلاقی خوبیاں تعجب انگیز تھیں۔ ۶ وہ جن اخلاقی اصول پر عمل پیرا تھے ان کو خود سناتے تھے کہ ”میرے دوست نے مجھے سات وصیتیں کی ہیں، مسکین کی محبت اور اس سے ملنا جلنا، اپنے سے کمتر کو دیکھنا اور بلند تر کو نہ دیکھنا، کسی سے سوال نہ کرنا، صلہ رحمی کرنا، حق بولنا، خواہ مخواہ ہی کیوں نہ ہو، خدا کے معاملہ میں کسی کی ملامت کا خوف نہ کرنا، لاحول ولا قوۃ کا اور دکثرت سے کرنا۔ ۷

۲ تذکرۃ الکفاۃ تذکرہ ابوذرؓ

۱ احمد بن حنبل ج ۵ ص ۱۶۵

۳ مسند احمد بن حنبل ج ۵ ص ۱۵۶

۴ ترمذی میں مناقب ابی ذرؓ

۵ ابن سعد ج ۴ قسم ۱ ص ۱۶۸

۶ ایضاً ص ۱۷۴

۷ ابن سعد ج ۱ ص ۱۷۴

حضرت سلمان فارسیؓ

نام و نسب نسبی تعلق اصفہان کے آب الملک کے خاندان سے تھا، مجوسی نام ماہ تھا، اسلام کے بعد سلمان رکھا گیا اور بارگاہ نبوت سے سلمان الخیر لقب ملا، ابو عبد اللہ کنیت ہے سلسلہ نسب یہ ہے، ماہ ابن بوذخشان بن مورسلان بن بیہودان بن فروز بن سہرک۔

قبل اسلام آپ کے والد اصفہان کے ”جی“ نامی قریہ کے باشندہ اور وہاں کے زمیندار و کاشت کار تھے، ان کو حضرت سلمانؓ سے اس قدر محبت تھی کہ ان کو لڑکیوں کی طرح گھر کی چار دیواری سے نکلنے نہ دیتے تھے، آتشکدہ کی دیکھ بھال انہی کے متعلق کر رکھی تھی، چوں کہ مذہبی جذبہ ان میں ابتداء سے تھا، اس لئے جب تک آتش پرست رہے اس وقت تک آتش پرستی میں سخت غلو رہا، اور نہایت سخت مجاہدات کئے، شب و روز آگ کی نگرانی میں مشغول رہتے تھے، حتیٰ کہ ان کا شمار ان پجاریوں میں ہو گیا تھا، جو کسی وقت آگ کو بجھنے نہیں دیتے ہیں۔

مجوسیت سے نفرت اور عیسائیت کا میلان ان کے والد کا ذریعہ معاش زمین تھی، اس لئے زراعت کی نگرانی وہ بذات خود کرتے تھے، ایک دن وہ گھر کی مرمت میں مشغولیت کی وجہ سے کھیت خود نہ جاسکا اور اس کی دیکھ بھال کے لئے حضرت سلمانؓ کو بھیج دیا، انکو راستہ میں ایک گر جا ملا، اس وقت اس میں عبادت ہو رہی تھی، نماز کی آواز سن کر دیکھنے کے لئے گر جے میں چلے گئے نماز کے نظارہ سے ان کے دل پر خاص اثر ہوا، اور مزید حالات کی جستجو ہوئی اور عیسائیوں کا طریقہ عبادت اس قدر بھایا کہ بیساختہ زبان سے نکل گیا کہ ”یہ مذہب ہمارے مذہب سے بہتر ہے“ چنانچہ کھیتوں کا خیال چھوڑ کر اسی میں محو ہو گئے، عبادت ختم ہونے کے بعد عیسائیوں سے پوچھا کہ اس مذہب کا سرچشمہ کہاں ہے، انہوں نے کہا شام میں پتہ پوچھ کر گھر واپس آئے باپ نے پوچھا اب تک کہاں رہے، جواب دیا ”کچھ لوگ گر جے میں عبادت کر رہے تھے مجھ کو ان کا طریقہ ایسا بھلا معلوم ہوا کہ غروب آفتاب تک وہیں رہا“، باپ نے کہا وہ مذہب تمہارے مذہب کا پاسنگ بھی نہیں“ جواب دیا ”بخدا وہ مذہب ہمارے مذہب سے کہیں برتر ہے۔“ اس جواب سے ان کے باپ کو خطرہ پیدا ہو گیا کہ کہیں یہ خیال تبدیل مذہب کی صورت میں نہ ظاہر ہو، اس لئے بیڑیاں پہنا کر مقید کر دیا، مگر ان کے دل میں تلاش حق کی تڑپ تھی، اس لئے عیسائیوں کے پاس کہلا بھیجا کہ جب شام کے تاجر آئیں تو مجھ کو اطلاع دینا، چنانچہ جب وہ آئے تو ان کو خبر کر دی، انہوں نے کہا جب واپس ہوں تو مجھ کو بتانا، چنانچہ جب

کاروان تجارت لوٹنے لگا تو ان کو خبر کی گئی، یہ بیڑیوں کی قید سے نکل کر ان کے ساتھ ہو گئے، شام پہنچ کر دریافت کیا کہ یہاں سب سے بڑا مذہبی شخص کون ہے؟ لوگوں نے بشارت کا پتہ دیا، اس سے جا کر کہا ”مجھ کو تمہارا مذہب بہت پسند ہے، اس لئے میں چاہتا ہوں کہ تمہارے پاس رہ کر مذہبی تعلیم حاصل کروں، اور مجھ کو اس مذہب میں داخل کر لو۔“

تبدیل مذہب چنانچہ مجوسیت کے آتشکدہ سے نکل کر ”آسمانی بادشاہت“ کی پناہ میں آ گئے، مگر یہ بشارت بڑا بد اعمال اور بد اخلاق تھا، لوگوں کو صدقہ کرنے کی تلقین کرتا، جب وہ دیتے تو اس کو فقراء اور مساکین میں تقسیم کرنے کے بجائے خود لے لیتا، اس طریقہ سے اس کے پاس سونے اور چاندی کے سات منگے جمع ہو گئے، حضرت سلمانؓ اس کی حرص و آز کو دیکھ دیکھ کر چیخ و تاب کھاتے تھے، مگر زبان سے کچھ نہ کہہ سکتے تھے، اتفاق سے وہ مر گیا، عیسائی شان و شوکت کے ساتھ اس کو تجہیز و تکفین کرنے کو جمع ہوئے، اس وقت انہوں نے اس کا سارا اعمال نامہ ان لوگوں کے سامنے کھول کر رکھ دیا، لوگوں نے پوچھا، تم کو کیسے معلوم ہوا؟ انہوں نے ان کو لے جا کر اس اندوختہ خزانہ کے پاس کھڑا کر دیا، تلاشی لی گئی تو واقعی سات منگے سونے چاندی سے بھرے ہوئے برآمد ہوئے، عیسائیوں نے اسکی سزا میں لعش دفن کرنے کے بجائے صلیب پر لٹکا کر سنگسار کی، اس کی جگہ دوسرا بشارت مقرر ہوا، یہ بڑا عابد و زاہد اور تبارک الدنیا تھا، شب و روز عبادت الہی میں مشغول رہتا اس لئے حضرت سلمانؓ اس سے بہت مانوس ہو گئے اور دلی محبت کرنے لگے، اور آخر تک اس کی صحبت سے فیض یاب ہوتے رہے، جب اس کی موت کا وقت قریب آیا تو اس سے کہا میں آپ کے پاس عرصہ تک نہایت لطف و محبت کے ساتھ رہا، اب آپ کا وقت آخر ہے اس لئے آئندہ کے لئے مجھ کو کیا ہدایت ہوتی ہے؟ اس نے کہا، میرے علم میں کوئی ایسا عیسائی نہیں ہے جو مذہب عیسوی کا سچا پیرو ہو، سچے لوگ مر کھپ گئے اور موجودہ عیسائیوں نے مذہب کو بہت کچھ بدل دیا ہے اور بہتیرے اصول تو سرے سے چھوڑ ہی دیئے ہیں، ہاں موصل میں فلاں شخص دین حق کا سچا پیرو ہے، تم جا کر اس سے ملاقات کرو۔

موصل کا سفر چنانچہ اس بشارت کی موت کے بعد حق کی جستجو میں وہ موصل پہنچے اور تلاش کر کے اس سے ملے اور پورا واقعہ بیان کیا کہ فلاں پادری نے مجھ کو ہدایت کی تھی کہ آپ کے یہاں ابھی تک حق کا سرچشمہ ابلتا ہے اور میں آپ سے مل کر اپنی تشنگی فرو کروں، اس نے ان کو ٹھہرایا، پہلے پادری کے بیان کے مطابق یہ پادری درحقیقت بڑا متقی اور پاکیزہ تھا، اس لئے حضرت سلمانؓ نے آئندہ کے متعلق اس سے بھی وصیت کی خواہش کی، اس نے نصیبین میں ایک شخص کا پتہ بتایا۔ نصیبین کا سفر چنانچہ اس کی موت کے بعد وہ نصیبین پہنچے اور پادری سے مل کر دوسرے پادری کی وصیت بتائی، یہ اسقف بھی پہلے دونوں اسقفوں کی طرح بڑا عابد و زاہد تھا حضرت سلمانؓ یہاں مقیم ہو کر اس سے روحانی تسکین حاصل کرنے لگے، ابھی کچھ ہی دن اس کی صحبت

سے فیص اٹھایا تھا کہ اس کا وقت بھی آپہنچا، حضرت سلمانؓ نے گزشتہ اسقفوں کی طرح اس سے بھی آئندہ کے متعلق مشورہ طلب کیا، اس نے عموریہ میں گوہر مقصود کا پتہ بتایا،

عموریہ کا سفر چنانچہ اس کی موت کے بعد انہوں نے عموریہ کا سفر کیا اور وہاں کے اسقف سے مل کر پیام سنایا اور اسکے پاس مقیم ہو گئے کچھ بکریاں خرید لیں، ان سے مادی غذا حاصل کرتے تھے، اور صبر و شکر کے ساتھ روحانی غذا اسقف سے حاصل کرنے لگے، جب اس کا پیمانہ حیات بھی لبریز ہو گیا، تو حضرت سلمانؓ نے اس کو اپنی پوری سرگذشت سنائی کہ اتنے مراتب طے کرتا ہوا آپ کے پاس پہنچا تھا، آپ بھی آخرت کا سفر کرنے کو آمادہ ہیں، اس لئے میرا کوئی سامان کرتے جائیے، اس نے کہا بیٹا! تمہارے لئے کیا سامان کروں، آج دنیا میں کوئی شخص ایسا باقی نہیں، جس سے ملنے کا تم کو مشورہ دوں، البتہ اب اس نبیؐ کے ظہور کا زمانہ قریب ہے، جو ریگستان عرب سے اٹھ کر دین ابراہیم کو زندہ کرے گا اور کھجوروں والی زمین کی طرف ہجرت کرے گا، اس کی علامات یہ ہیں کہ وہ مدینہ قبول کرے گا اور صدقہ اپنے لئے حرام سمجھے گا، اس کے دونوں شانوں کے درمیان مہر نبوت ہوگی، اگر تم اس سے مل سکو تو ضرور ملنا۔

اسقف کی بشارت اور عرب کا سفر اس اسقف کے مرنے کے بعد حضرت سلمانؓ عرصہ تک عموریہ میں رہے، کچھ دنوں بعد بنو کلب کے تاجر ادھر سے گزرے، حضرت سلمانؓ نے ان سے کہا کہ اگر تم مجھ کو عرب پہنچا دو تو میں اپنی گائیں اور بکریاں تمہاری نذر کر دوں گا، وہ لوگ تیار ہو گئے، اور زبان حال سے یہ شعر

چلتا ہوں تھوڑی دور ہر اک رہو کیساتھ

پہچانتا نہیں ہوں ابھی راہبر کو میں

غلامی لیکن ان عربوں نے وادی القریٰ میں پہنچ کر دھوکا دیا، اور ان کو ایک یہودی کے ہاتھ غلام بنا کر فروخت کر ڈالا مگر یہاں کھجور کے درخت نظر آئے، جس سے تو آس بندھی کہ شاید یہی وہ منزل مقصود ہو، جس کا اسقف نے پتہ دیا تھا، تھوڑے دن ہی قیام کیا تھا کہ یہ امید بھی منقطع ہو گئی، آقا کا چچا زاد بھائی مدینہ سے ملنے آیا اس نے حضرت سلمانؓ کو اس کے ہاتھ بچ دیا۔ غلامی اور مدینہ کا سفر وہ اپنے ساتھ مدینہ لے چلا اور سلمانؓ غلامی در غلامی سہتے ہوئے مدینہ پہنچے، ہاتھ غیب تسکین دے رہا تھا کہ یہ غلامی نہیں ہے۔

اسی سے ہو گی ترے غم کدہ کی آبادی

تری غلامی کے صدقے ہزار آزادی

در حقیقت اس غلامی پر جو کسی کے آستان ناز تک پہنچانے کا ذریعہ بن جائے ہزاروں آزادیاں قربان ہیں، جوں جوں محبوب کی منزل قریب ہوتی جاتی تھی، کشش بڑھتی جاتی

تھی، اور آثار و علامات بتاتے تھے کہ شاید مقصود کی جلوہ گاہ یہی ہے، اب ان کو پورا یقین ہو گیا اور دیدار جمال کی آرزو میں یہاں دن کاٹنے لگے۔

اس وقت آفتاب رسالت مکہ پر پر تو افکن ہو چکا تھا، لیکن جو رستم کے بادلوں میں چھپا تھا، حضرت سلمانؓ کو آقا کی خدمت سے اتنا وقت نہ ملتا تھا کہ خود اس کا پیہ لگاتے، آخر انتظار کرتے کرتے وہ یوم مسعود بھی آ گیا کہ مکہ کا آفتاب عالمتاب مدینہ کے افق پر طلوع ہوا، حرمان نصیب سلمانؓ کی شب ہجر تمام ہوئی اور صبح امید کا اجالا پھیلا، یعنی سرور دو عالم ﷺ ہجرت کر کے مدینہ تشریف لائے، حضرت سلمانؓ کھجور کے درخت پر چڑھے، کچھ درست کر رہے تھے، آقا نیچے بیٹھا ہوا تھا کہ اس کے چچا زاد بھائی نے آکر کہا خدا بنی قیلہ کو غارت کرے سب کے سب قبائل ایک شخص کے پاس جمع ہیں جو مکہ سے آیا ہے، یہ لوگ اس کو نبی سمجھتے ہیں، حضرت سلمانؓ کے کانوں تک اس خبر کا پہنچنا تھا کہ یارائے ضبط باقی نہ رہا، صبر و شکیب کا دامن چھوٹ گیا، بدن میں سنناہٹ پیدا ہو گئی اور قریب تھا کہ کھجور کے درخت سے فرش زمین پر آ جائیں، اسی مدہوشی میں جلد از جلد درخت سے نیچے اترے اور بدحواسی میں بے تحاشا پوچھنے لگے، تم کیا کہتے ہو؟ آقا نے اس سوال پر گھونسا مار کر ڈانٹا کہ تم کو اس سے کیا غرض، تم اپنا کام کرو، اس وقت سلمانؓ خاموش ہو گئے۔

اسلام..... لیکن اب صبر کے تھا کھانے کی چیزیں پاس تھیں ان کو لے کر دربار رسالت میں حاضر ہوا اور عرض کیا، میں نے سنا ہے کہ آپ خدا کے برگزیدہ بندے ہیں اور کچھ غریب الدینار اور اہل حاجت آپ کے ساتھ ہیں، میرے پاس چیزیں صدقہ کے لئے رکھی تھیں، آپ لوگوں سے زیادہ اس کا کون مستحق ہو سکتا ہے، اس کو قبول فرمائیے، آنحضرت ﷺ نے دوسرے لوگوں کو کھانے کا حکم دیا، مگر خود نوش نہ فرمایا، اس طریقہ سے سلمانؓ کو نبوت کی ایک علامت کا مشاہدہ ہو گیا کہ وہ صدقہ نہیں قبول کرتا، دوسرے دن پھر یہی لے کر حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ کل آپ نے صدقہ کی چیزیں نہیں نوش فرمائی تھیں، آج یہ بدیہ قبول فرمائیے، آپ نے قبول کیا، خود بھی نوش فرمایا اور دوسروں کو بھی دیا، اس طریقہ سے دوسری نشانی یعنی مہر نبوت کی بھی زیارت کی اور با چشم پر خم آپ کی طرف بوسہ دینے کو جھکے، آنحضرت ﷺ نے فرمایا سامنے آؤ، سلمانؓ نے سامنے آکر ساری سرگذشت سنائی، آنحضرت ﷺ کو یہ دلچسپ داستان اتنی پسند آئی کہ اپنے تمام اصحاب کو سنوائی۔

اسلام..... حضرت سلمانؓ اتنے مرحلوں کے بعد دین حق سے ہم آغوش ہوئے اور گوہر مقصود سے دامن بھر کر آقا کے گھر واپس آئے۔

آزادی..... غلامی کی مشغولیت کے باعث فرائض مذہبی ادا نہ کر سکتے تھے، جس کی بنا پر غزوہ بدر و احد میں شریک نہ ہو سکے، آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ آقا کو معاوضہ دے کر آزادی حاصل کر لو، تین سو کھجور کے درختوں اور چالیس اوقیہ سونے پر معاملہ طے ہوا، آنحضرت ﷺ نے

عام مسلمانوں سے سفارش فرمائی کہ اپنے بھائی کی مدد کرو، سب نے حسب حیثیت کھجور کے درخت دیئے، اس طریقہ سے تین سو درخت ان کو مل گئے اور آنحضرت ﷺ کی مدد سے انہوں نے ان کو بٹھایا اور زمین وغیرہ ہموار کر کے ایک شرط پوری کر دی، سونے کی ادائیگی کا سامان خدا نے اس طرح کر دیا آنحضرت ﷺ کو کسی غزوہ میں مرغی کے انڈے کے برابر سونا مل گیا، آپ سے سلمانؓ کو دیدیا، یہ وزن میں ٹھیک چالیس اوقیہ تھا، اس سے گلو خلاصی کی اور آنحضرت ﷺ کی خدمت میں رہنے لگے۔

مواخاة..... غلامی سے آزادی کے بعد مسلمانوں کے ساتھ رہنے لگے، اس وقت بالکل غریب الدیارتھے، کوئی شناسا نہ تھا، آنحضرت ﷺ نے مکی مہاجرین کی طرح ان سے اور ابودرداءؓ سے مواخاة کرادی۔

غزوات..... بدر و احد کی لڑائیاں ان کی غلامی کے زمانہ میں ختم ہو چکی تھیں، آزادی کے بعد پہلا غزوہ خندق پیش آیا، اس میں انہوں نے اپنے حسن تدبیر سے پہلی دونوں لڑائیوں کی عدم شرکت کی تلافی کر دی، غزوہ خندق میں تمام عرب کا صدف دل اس ارادہ سے امنڈ آیا تھا کہ مسلمانوں کا کامل استیصال کر دے اور حملہ خود مدینہ پر تھا، جس کی کسی سمت نہ قلعہ تھا، نہ فصیل تھی، مقابلہ بڑا سخت تھا، ایک طرف قبائل عرب کا عظیم الشان متحدہ لشکر تھا، دوسری طرف مٹھی بھر مسلمان تھے، آنحضرت ﷺ نے عام مسلمانوں سے مشورہ کیا، سلمانؓ فارسی چونکہ ایران کی صف آرائیاں دیکھے ہوئے تھے، اس لئے جنگی اصولوں سے اچھی طرح واقف تھے، انہوں نے مشورہ دیا کہ اس انبوہ کا کھلے میدان میں مقابلہ کرنا مناسب نہیں ہے، مدینہ کے چاروں طرف خندقیں کھود کر شہر کو محفوظ کر دینا چاہیے، یہ تدبیر مسلمانوں کو بہت پسند آئی، اور اسی پر عمل کیا گیا، خندق کی کھدائی میں آنحضرت ﷺ بہ نفس نفیس شریک تھے اور مٹی ڈھوتے ڈھوتے شکم مبارک مٹی سے اٹ گیا تھا، اور رجز یہ اشعار زبان پر جاری تھے، ۴۵ ذیقعدہ ۵ھ میں طرفین میں جنگ شروع ہوئی، عربوں کو اس طریقہ جنگ سے واقفیت نہ تھی، وہ اس ارادے سے آئے تھے کہ مدینہ کی اینٹ سے اینٹ بجادیں گے، مگر یہاں آ کر دیکھا کہ ان کے اور مدینہ کے بیچ میں خندق کی فصیل ہے، ۲۱، ۲۲ دن تک مسلسل محاصرہ قائم رہا، مگر شہر تک پہنچنا ان کو نصیب نہ ہوا اور آخر کار نا کام لوٹ گئے، خندق کے علاوہ حضرت سلمانؓ تمام لڑائیوں میں شریک رہے، ۵۱ امور غزوہ خندق کے بعد سے کوئی غزوہ ایسا نہیں ہوا، جس میں شریک ہو کر داد شجاعت نہ دی ہو۔

قبل از اسلام سے آزادی تک کے کل حالات مسند احمد بن حنبل ج ۵ ص ۴۳۱ کی مختلف روایات سے ماخوذ ہیں اور ان کو لکھ دیا گیا ہے۔

۱۔ ابن سعد جز ۲، قسم ۱ ص ۴۷
۲۔ مسند احمد بن حنبل ج ۵ ص ۴۳

۳۔ بخاری ج ۲ ص ۸۹۸
۴۔ کتاب المغازی غزوہ خندق
۵۔ اسد الغابہ ج ۲ ص ۳۳۰

عہد صدیقی اور عراق آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد عرصہ تک حضرت سلمانؓ مدینہ میں رہے اور غالباً عہد صدیقی کے آخر یا عہد فاروقی کی ابتدا میں انہوں نے عراق کی اور ان کے اسلامی بھائی ابو درداءؓ نے شام کی سکونت اختیار کر لی، یہاں اقامت کے بعد ابو درداءؓ کو خدا نے مال و اولاد سے بہت نوازا، انہوں نے سلمانؓ کو خط لکھا کہ ”تم سے چھٹنے کے بعد خدا نے مجھ کو مال و دولت اور اہل و عیال سے سرفراز کیا، اور ارض مقدس کی سکونت کا شرف حاصل ہوا“، انہوں نے جواب دیا کہ ”یادر کھو مال و اولاد کی کثرت میں کوئی بھلائی نہیں ہے، بھلائی اس میں ہے کہ تمہارا علم زیادہ ہو اور علم تم کو نفع پہنچائے، محض ارض مقدس کا قیام کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتا، جب تک تمہارا عمل اس قابل نہ ہو اور عمل بھی اس طرح ہو کہ گویا خدا تم کو دیکھ رہا ہے اور تم اپنے کو مردہ سمجھو“۔

عہد فاروقی حضرت سلمانؓ ایران کی فوج کشی میں مجاہدانہ شریک ہوئے اور چونکہ خود ایرانی تھے اس لئے فتوحات میں بہت قیمتی امداد پہنچائی، مگر اصول اسلام کو ہمیشہ پیش نظر رکھا، ایک ایرانی قصر کے محاصرہ کے وقت حملے سے پیشتر محصورین کو سمجھا دیا کہ میں بھی تمہارا ہم قوم تھا، لیکن خدا نے مجھ کو اسلام سے نوازا تم لوگ عربوں کی اطاعت گزاری سے کسی طرح نہیں بچ سکتے میں تم کو سمجھائے دیتا ہوں کہ تم لوگ اسلام لا کر ہجرت کر کے ہم میں مل جاؤ تو تم کو اہل عرب کے حقوق دیئے جائیں گے، اور جو قانون ان کے لئے ہے وہی تم پر جاری کیا جائے گا اور اگر اسلام نہیں قبول کرتے اور صرف جذبہ منظور کرتے ہو تو ذمیوں کے حقوق تم کو ملیں گے اور ان کا قانون تم پر نافذ کیا جائے گا، تین دن برابر تبلیغ کا فرض ادا کرتے رہے، جب اس کا کوئی اثر نہ ہوا تو حملہ کا حکم دیا اور مسلمانوں نے قصر مذکور بزرگ شمشیر فتح کر لیا۔^۱

فتح جلولا میں بھی شریک تھے اور وہاں مشک کی ایک ٹھیلی ہاتھ آئی تھی، جو وفات کے وقت کام میں لائے۔^۲

گورنری حضرت عمرؓ کے عہد خلافت میں مدائن کی حکومت پر سرفراز تھے، اس کی تفصیل آئندہ عادت و اخلاق کے تذکرہ میں آئے گی۔

حضرت سلمانؓ مقربین بارگاہ نبویؐ میں تھے، اس لئے حضرت عمرؓ ان کا بہت احترام کرتے تھے، ایک دفعہ حضرت سلمانؓ حضرت عمرؓ کے پاس گئے اس وقت وہ ایک گدے پر ٹیک لگائے بیٹھے تھے، سلمانؓ گود کچھ کر گدا ان کی طرف بڑھا دیا۔^۳

علالت حضرت عثمانؓ کے عہد خلافت میں بیمار پڑے، حضرت سعد بن ابی وقاص عیادت کو گئے، سلمانؓ رونے لگے، سعدؓ نے کہا، ابو عبد اللہؓ رونے کا کونسا مقام ہے، آنحضرت

ﷺ تم سے خوش دنیا سے گئے، تم ان سے حوض کوثر پر ملو گے، پچھڑے ہوئے ساتھیوں سے ملاقات ہوگی، ہاں خدا کی قسم میں موت سے نہیں گھبراتا اور نہ دنیا کی حرص باقی ہے، رونا یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے عہد کیا تھا کہ ہمارا دنیاوی ساز و سامان ایک مسافر کے زادراہ سے زیادہ نہ ہونا چاہیے، حالانکہ میرے گرد اس قدر سانپ (اسباب) جمع ہیں، سعد کہتے ہیں کہ کل سامان جس کو سانپ سے تعبیر کیا تھا، ایک بڑے پیالے، ایک لگن اور ایک تسلیہ سے زیادہ نہ تھا، اس کے بعد سعد نے خواہش کی کہ مجھ کو کوئی نصیحت کیجئے، فرمایا کہ کسی کام کا قصد کرتے وقت، فیصلہ کرتے وقت، تقسیم کرتے وقت خدا کو یاد رکھا کرو۔ اسی بیماری کے دوران میں اور احباب نے بھی نصیحت و وصیت کی خواہش کی، فرمایا، ”تم میں سے جس سے ہو سکے اس کی کوشش کرے کہ وہ حج، عمرہ، جہاد یا قرآن پڑھتے ہوئے جان دے اور فسق و فجور اور خیانت کی حالت میں نہ مرے“۔ یہ وقت آخر ہوا تو اپنی بیوی سے وہی مشک کی تسلی مزگائی اور اپنے ہاتھ سے پانی گھول کر اپنے چاروں طرف چھڑکوا دیا، اور سب کو اپنے پاس سے ہٹا دیا، جب لوگ تھوڑی دیر کے بعد گئے تو دیکھا کہ مرغ روح نفس خاکی سے چھوٹ کر شاخ طوبی پر پہنچ چکا تھا۔ ۳

فضل و کمال..... حضرت سلمانؓ کے وقت کا بڑا حصہ آنحضرت ﷺ کی صحبت میں گذرتا تھا، اس لئے آپ علوم و معارف سے کافی بہرہ ور ہوئے، حضرت علیؓ سے آپ کے مبلغ علم کے متعلق پوچھا گیا تو فرمایا کہ ان کو علم اول اور علم آخر سب کا علم تھا اور وہ ایسا دریا تھے جو پایابی سے نا آشنا رہا، وہ ہمارے اہل بیت میں تھے، دوسری روایت میں ہے، کہ آپ نے فرمایا کہ ”وہ علم و حکمت میں لقمان حکیم کے برابر تھے“، ہم علم اول سے مراد کتب سابقہ کا علم اور علم آخر سے مقصود آخری سے کتاب الہی یعنی قرآن کا علم ہے اور اہل بیت میں اس طرح ان کا شمار ہے کہ آنحضرت ﷺ نے قربت اختصاص کی بناء پر اور اس لئے کہ عربوں میں ان کا کوئی خاندان نہ تھا، ان کو اعزاز اپنے اہل بیت میں داخل کر لیا تھا۔

حضرت معاذ بن جبلؓ جو خود بہت بڑے عالم اور صاحب کمال صحابی تھے، ان کے کمال علم کے معترف تھے، چنانچہ ایک مرتبہ اپنے شاگرد سے کہا کہ چار آدمی سے علم حاصل کرنا، ان چاروں میں ایک سلمان کا نام بھی تھا، ۵ ایک موقع پر خود زبان نبوت نے ان کے علم و فضیلت کی ان الفاظ میں تصدیق کی ہے کہ سلمانؓ علم سے لہریز ہیں۔ ۶ صاحب اسد الغابہ لکھتے ہیں کہ سلمانؓ فضلاء صحابہؓ میں تھے، بے آپ کی کوششوں سے حدیث کا کافی حصہ اشاعت پذیر ہوا، آپ

۱۔ ابن سعد جز ۲، قسم ۲، ص ۶۵

۲۔ ابن سعد جز ۲، قسم ۲، ص ۶۵

۳۔ استیعاب ج ۲، ص ۷۳

۴۔ ابن سعد جز ۲، قسم ۲، ص ۶۶

۵۔ اینا

۶۔ ابن سعد جز ۲، قسم ۲، ص ۶۶

۷۔ اسد الغابہ ج ۲، ص ۳۳۳

کے مرویات کی تعداد ۶۰ ہے ان میں سے تین حدیثیں متفق علیہ ہیں، ان کے علاوہ ایک میں مسلم اور تین میں بخاری منفرد ہیں۔

حضرت ابوسعید خدریؓ، ابوالطفیلؓ، ابن عباسؓ، اوس بن مالک اور ابن عجزہ وغیرہ آپ کے زمرہ تلامذہ میں ہیں۔

گو حضرت سلمانؓ کا علم بہت وسیع تھا تاہم حدیث بیان کرنے میں بہت محتاط تھے اس لئے ان کی مرویات کی تعداد ۶۰ سے متجاوز نہ ہو سکی، حضرت حذیفہؓ مدائن میں لوگوں سے بعض ایسی باتیں بیان کرتے تھے جو آنحضرت ﷺ نے غصہ کی حالت میں کسی کے متعلق فرمائی تھیں، لوگ ان کی تصدیق کے لئے حضرت سلمانؓ کے پاس آئے، آپ نے صرف اس قدر جواب دیا کہ حذیفہؓ زیادہ بہتر جانتے ہیں۔ لوگوں نے حضرت حذیفہؓ سے آکر کہا ہم نے آپ کی بیان کردہ حدیث سلمانؓ کو سنائی، وہ نہ اسکی تصدیق کرتے ہیں اور نہ تردید، حضرت ابو حذیفہؓ نے حضرت سلمانؓ سے کہا کہ جو کچھ آپ نے آنحضرت ﷺ سے سنا ہے اس کی تصدیق کیوں نہیں فرماتے، فرمایا بعض اوقات آنحضرت ﷺ لوگوں کو کچھ غصہ میں کہہ دیتے تھے، اور بعض اوقات خوش ہو کر کچھ فرمادیتے تھے، معلوم ہوتا ہے کہ تم ان باتوں کو بیان کر کے کسی کو کسی کا دوست اور کسی کو کسی کا دشمن بنا دو گے، کیا تم کو معلوم نہیں کہ آنحضرت ﷺ فرمایا کرتے تھے کہ خداوند! غصہ کی حالت میں اگر کسی کے متعلق کوئی برا کلمہ نکل جائے تو اس کو اس کے حق میں خیر کر دینا، پھر ان سے کہا، تم اس قسم کی باتوں سے باز آؤ، نہیں تو میں عمرؓ کو آگاہ کر دوں گا۔

چونکہ وہ اسلام سے قبل عرصہ تک نصرانی رہ چکے تھے، اس لئے عیسائی مذہب کے متعلق کافی معلومات رکھتے تھے، حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے تھے کہ ”سلمان دو کتابوں کا علم رکھتے ہیں، کلام اللہ اور انجیل، مذہب عیسوی کے مسائل محض پادریوں کی زبانی نہیں سنے تھے، بلکہ خود انجیل کا مطالعہ کیا تھا، چنانچہ ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ سے عرض کیا کہ میں نے توراۃ میں دیکھا ہے کہ کھانے کے بعد وضو کرنے سے برکت ہوتی ہے۔“

عام حالات، تقرب بارگاہ نبوی..... حضرت سلمانؓ صحابہ کرام کے اس خاص زمرہ میں تھے جن کو بارگاہ نبوی میں مخصوص تقرب حاصل تھا، چنانچہ صحابہ کرام کے علاوہ کم لوگ ایسے تھے جو بارگاہ نبوت کی پذیرائی میں حضرت سلمانؓ کی ہمسری کر سکتے ہوں، غزوہ خندق کے موقع پر جب مہاجرین و انصار علیحدہ علیحدہ جمع ہوئے تو مہاجرین کہتے تھے کہ سلمان ہمارے زمرہ میں ہیں انصار کہتے تھے کہ ہماری جماعت میں ہیں، آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ سلمانؓ ہمارے اہل بیت میں ہیں، ام المؤمنین عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ سلمانؓ کی شب کی تنہائی کی صحبت آنحضرت ﷺ

ﷺ کے پاس اتنی لمبی ہوتی تھی کہ ہم لوگوں کو (ازواج) خطرہ پیدا ہو گیا تھا کہ کہیں ہمارے حصوں کی رات بھی اس نشست میں نہ گزر جائے، حضرت انس بن مالک روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ فرماتے تھے کہ ”جنت تین آدمیوں کو مشتاق ہے، علی، عمار اور سلمان کی“ آپ کے تقرب کی آخری مثال یہ ہے کہ ایک موقع پر آنحضرت ﷺ حضرت صدیق اکبرؓ جیسے فدائی اسلام اور جلیل القدر صحابی سے حضرت سلمانؓ اور ان کے بعض رفقاء کے بارہ میں رنجیدہ ہو گئے، اس کا واقعہ یہ ہے کہ ایک مرتبہ ابوسفیان چند آدمیوں کے ساتھ حضرت صہیبؓ، بلالؓ، اور سلمانؓ کے پاس سے گزرے، ان تینوں بزرگوں نے کہا کہ خدا کی کوئی تلواری خدا کے دشمن (ابوسفیان) کی گردن پر نہیں پڑی، حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا کہ تم لوگ سردار قریش کی شان میں ایسا کلمہ زبان سے نکالتے ہو اور آنحضرت ﷺ سے آکر بیان کیا، آپ نے فرمایا کہ شاید تم نے ان لوگوں کو ناراض کر دیا، اگر تم نے ان لوگوں کو ناراض کیا تو گویا خدا کو ناراض کیا، حضرت ابوبکر بہت نادام ہوئے اور آکر ان بزرگوں سے معذرت کی۔

اخلاق و عادات..... حضرت سلمان فارسیؓ میں مذہبی جذبہ کی شدت فطری تھی، جس طرح آتش پرستی کے زمانہ میں سخت آتش پرست اور نصرانیت کے زمانہ میں عابد و زہد نصرانی تھے، اسی طرح مشرف بالسلام ہونے کے بعد اسلام کا مکمل نمونہ بن گئے، ان کے اصل فضل و کمال کا میدان یہی ہے۔

زہد و تقوی..... ان کا زہد و ورع اس حد تک پہنچ گیا تھا، جس کے بعد رہبانیت کی حد شروع ہو جاتی ہے، اس کی ادنی مثال یہ ہے کہ عمر بھر گھر نہیں بنایا، جہاں کہیں دیوار یا درخت کا سایہ مل جاتا، پڑے رہتے، ایک شخص نے اجازت چاہی کہ میں آپ کے لئے مکان بنا دوں؟ فرمایا، مجھ کو اس کی حاجت نہیں، وہ پیہم اصرار کرتا تھا، یہ برابر انکار کرتے جاتے تھے، آخر میں اس نے کہا کہ آپ کی مرضی کے مطابق بناؤں گا، فرمایا وہ کیسا، عرض کیا اتنا مختصر کہ اگر کھڑے ہوں تو سر چھت سے مل جائے اور اگر لیٹیں تو پیر دیوار سے لگیں، فرمایا خیر اس میں کوئی مضائقہ نہیں چنانچہ اس نے ایک جھونپڑی بنادی۔

اس زہد کا اثر زندگی کے ہر شعبہ میں نمایاں تھا، مزخرفات دنیا کو کبھی پاس نہ آنے دیتے تھے، وفات کے وقت گھر کا پورا اثاثہ بیس بائیس درہم سے زیادہ نہ تھا، بستر معمولی سا بچھونا اور دو اینٹیں تھیں جن کا تکیہ بناتے تھے، اس پر بھی روتے تھے، اور فرماتے تھے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ انسان کا ساز و سامان ایک مسافر سے زیادہ نہ ہونا چاہیے اور میرا یہ حال ہے۔ یہ حالت زندگی کے دور میں قائم رہی، جب امارت کے عہدہ پر ممتاز تھے، اس وقت بھی کوئی فرق نہ

آیا، حضرت حسن بیان کرتے ہیں کہ سلمانؓ جب پانچ ہزار تنخواہ پاتے تھے، اور تیس ہزار نفوس پر حکومت کرتے تھے، اس وقت بھی ان کے پاس صرف ایک عبا بھی، جس میں لکڑیاں جمع کرتے تھے اور اس کا آدھا حصہ اوڑھتے اور آدھا بچھاتے تھے۔

رہبانیت سے اجتناب..... مگر اسلام کی تعلیمات کے خلاف ان کی زندگی راہبانہ نہ تھی، مذہبی تشدد کے ساتھ ساتھ دنیاوی حقوق کا بھی پورا لحاظ رکھتے تھے، اور دوسروں کو بھی اس کی تلقین کرتے تھے، ان کے اسلامی بھائی حضرت ابو درداءؓ بڑے عابد و زاہد بزرگ تھے، رات بھر نماز پڑھتے اور دن بھر روزہ رکھتے تھے، ساری ساری رات عبادت میں گزار دیتے، حضرت سلمانؓ ان سے ملنے کے لئے ان کے گھر جایا کرتے تھے، ایک مرتبہ ابو درداءؓ کی بیوی کو بہت خراب حالت میں دیکھا، پوچھا تم نے یہ کیا صورت بنا رکھی ہے؟ انہوں نے کہا کس کے لئے بناؤ سنگار کروں، تمہارے بھائی کو دنیا کی ضرورت باقی نہیں رہی، حضرت ابو درداءؓ جب گھر آئے تو ملنے ملانے کے بعد کھانا منگایا، مگر خود معذرت کی کہ میں روزہ سے ہوں، فرمایا جب تک تم نہ کھاؤ گے میں بھی نہ کھاؤں گا، پھر رات کو حضرت سلمانؓ ان کے پاس ہی لیٹے اور ان کو دیکھتے رہے، جب وہ عبادت کو اٹھے تو روک کر فرمایا کہ تم پر تمہارے رب، تمہاری آنکھ اور تمہاری بیوی سب کا حق ہے، روزوں کے ساتھ افطار اور شب بیداری کے ساتھ سونا بھی ضروری ہے، اس کے بعد دونوں نے یہ معاملہ آنحضرت ﷺ کے سامنے پیش کیا، آپ نے ابو درداءؓ کو مخاطب کر کے فرمایا کہ سلمانؓ تم سے زیادہ مذہب کے واقف کار ہیں۔

سادگی..... حضرت سلمانؓ کی تصویر حیات میں سادگی بہت غالب تھی، جو ہر زمانہ میں یکساں قائم رہی، مدائن کی امارت کے زمانہ میں جب کہ شان و شوکت اور خدم و حشم کے تمام لوازم ان کے لئے مہیا ہو سکتے تھے، اس وقت بھی انکی سادگی میں کوئی فرق نہ آیا، لباس میں ایک عبا اور ایک اونچا پانجامہ ہوتا تھا، ایرانی اس ہیئت کو دیکھ کر ”گرگ آمد، گرگ آمد“ کہتے، ایک مرتبہ اسی امارت کے زمانہ میں اس شان سے نکلے کہ سواری میں بلا زین کا گدھا تھا، لباس میں ایک تنگ اور چھوٹی قمیض تھی، جس سے گھٹنے بھی نہ چھپتے تھے، ٹانگیں کھلی ہوئی تھیں، بڑے اس ہیئت کدائی میں دیکھ کر پیچھے لپک گئے، لوگوں نے یہ طوفان بے تمیزی دیکھا، تو ڈانٹ کر ہٹایا کہ امیر کا پیچھا کیوں کرتے ہو؟ ایک مرتبہ ایک دستہ فوج کی سرداری سپرد ہوئی، فوجی امارت کی شان و شوکت کا کیا ذکر، یہاں معمولی سپاہی کی بھی وضع نہ تھی، چنانچہ فوجی نو جوان دیکھ کر ہنستے اور کہتے کہ یہی امیر ہیں۔ ابو فلانہ رلوی ہیں کہ ایک شخص سلمانؓ کے یہاں گیا، دیکھا کہ وہ بیٹھے، آٹا گوندھ رہے ہیں، پوچھا خادم کہاں ہے، کہا کام سے بھیجا ہے، مجھ کو یہ اچھا نہیں معلوم ہوتا کہ دودھ کا موں کا بار اس پر ڈالوں۔

اس غیر معمولی سادگی کی وجہ سے لوگوں کو اکثر مزدور کا دھوکہ ہو جاتا تھا، ایک مرتبہ ایک عیسیٰ نے جانور کے لئے چارہ خریدا، حضرت سلمانؓ کھڑے تھے، ان سے کہا، اس کو گھر تک پہنچا دو، وہ اٹھا کر لے چلے، راستہ میں لوگوں نے دیکھا تو کہنے لگے لائیے، ہم پہنچا دیں یہ حال دیکھ کر عیسیٰ نے پوچھا یہ کون ہیں؟ لوگوں نے کہا آنحضرت ﷺ کے صحابی ہیں وہ سن کر بہت نادام ہوا اور کہا آپ تکلیف نہ کیجئے، لیکن انہوں نے فرمایا ”اس میں مجھے نیت کا ثواب مقصود ہے، اب میں اس بوجھ کو بغیر پہنچائے ہوئے نیچے نہیں رکھ سکتا۔“

فیاضی..... فیاضی اور انفاق فی سبیل اللہ بھی آپ کا نمایاں وصف تھا، آپ کو جس قدر وظیفہ ملتا تھا اس کو کل مستحقین میں تقسیم کر دیتے تھے، ماور خود چٹائی بن کر معاش پیدا کرتے تھے اور چٹائی کی آمدنی کا بھی ایک تہائی اصل سرمایہ کے لئے رکھ لیتے، ایک تہائی بال بچوں پر خرچ کرتے اور ایک تہائی خیرات کرتے تھے، ارباب علم کے بڑے قدردان تھے، جب کوئی رقم ہاتھ آ جاتی تو حدیث نبوی کے شائقین کو بلا کر کھلا دیتے تھے۔

صدقات سے اجتناب..... صدقات سے بہت سخت پرہیز کرتے تھے، اگر کسی چیز میں صدقہ کا ادنیٰ شائبہ بھی ہوتا تو اس سے بھی احتراز کرتے، ایک غلام نے خواہش کی کہ مجھ کو مرکا تب بناد دیجئے فرمایا تمہارے پاس کچھ ہے؟ کہاں میں لوگوں سے مانگ کر ادا کر دوں گا، فرمایا تم مجھ کو لوگوں کے ہاتھ دھوؤں کھلانا چاہتے ہو، (حالانکہ اس کا مانگا ان کے لئے صدقہ نہ رہ جاتا) حلیہ..... بال گھنے، کان لمبے اور دراز قامت تھے۔

حضرت اسامہ بن زیدؓ

نام ونسب..... اسامہ نام، ابو محمد کنیت، ”حب رسول ﷺ یعنی محبوب رسول لقب، والد کا نام زید تھا، اسامہ بن زید بن حارثہ بن شریل بن کعب عبد العزی بن زید امرؤ القیس بن عامر بن نعمان بن عامر بن عبدود بن عوف بن کنانہ بن بکر بن عوف بن عذرہ بن زید الملات بن رفیدہ بن ثور بن کلب بن وبرہ کلبی۔

پیدائش اسلام اور ہجرت..... ۷؎ بعثت میں مکہ میں پیدا ہوئے، ان کے والد زید آنحضرت ﷺ کے محبوب غلام اور منہ بولے بیٹے تھے اور ان کی ماں برکہ آنحضرت ﷺ کی کھلائی تھیں، اس لئے ان کو ماں اور باپ دونوں کی طرف سے رسول ﷺ کی محبوبیت کا شرف ورثہ میں ملا تھا انھوں نے آنکھ کھولتے ہی اسلام کے گہوارہ میں پرورش پائی تھی، اس لئے ان کی زندگی کا کوئی حصہ کفر و شرک کی آلودگیوں سے ملوث نہ ہوا، ہجرت کا شرف آنحضرت ﷺ کے ساتھ حاصل کیا۔ غزوات..... ہجرت عظمیٰ کے بعد مغازی اور سرایا کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا، لیکن ابتدائی لڑائیوں میں کسی کے باعث شریک نہ ہو سکے، سریہ حرقہ سے میدان جنگ میں آنے کی ابتداء معلوم ہوتی ہے، صحیح بخاری اور حدیث کی دوسری کتابوں میں اس سریہ کا نام سریہ حرکات لکھا ہے۔ اہل سیر کہتے ہیں کہ یہ وہی سریہ ہے جس کے امیر غالب لیشی تھے، اور جو ۷؎ میں واقع ہوا تھا، لیکن حاکم نے اکیل میں لکھا ہے کہ یہ دوسرا سریہ تھا، جو ۸؎ میں ہوا، ان دونوں سریوں کے الگ الگ ہونے کی اس امر سے بھی شہادت ملتی ہے کہ سریہ غالب کے امیر حضرت غالبؓ تھے، اور اس سریہ حرقہ میں امارت و قیادت خود حضرت اسامہؓ کے ہاتھ معلوم ہوتی ہے جیسا کہ صحیح بخاری کی روایت سے اشارۃً ظاہر ہوتا ہے اور حاکم نے اکیل میں اس کی تصریح کی ہے، یہ سریہ ۷؎ یا ۸؎ کا واقعہ ہے، اس وقت ان کی عمر زیادہ سے زیادہ ۱۴، ۱۵ سال کی تھی، مگر ان کی فطری استعداد و صلاحیت نے آنحضرت ﷺ سے اس سریہ کی سرداری کا شرف حاصل کیا، مگرنا آزمودہ کار تھے، اس لئے بعض فاش غلطیاں ہو گئیں، جن کو وہ خود اپنی زبان سے بیان کرتے تھے، کہ آنحضرت ﷺ نے ہم لوگوں کو حرقہ کی طرف بھیجا تھا، صبح کو دشمنوں سے مقابلہ ہوا، دشمن ہزیمت

۱۔ ابن سعد جز ۲، قسم اول

۲۔ کو اس کی تفصیل نہیں ملتی لیکن قیاس یہی چاہتا ہے

۳۔ مزید تفصیل کے لئے دیکھو زرقانی ج ۳ ص ۲۸۸، ۲۸۹

کھا کر بھاگ گئے، میں نے اور ایک انصاری نے ایک شخص کا تعاقب کیا، جب وہ زد میں آ گیا تو لا الہ الا اللہ پکارا تھا، اس کے اس اعلان پر انصاری نے ہاتھ روک لیا، مگر میں نے نیزوں سے کام تمام کر دیا، واپسی کے بعد آنحضرت ﷺ کو واقعہ معلوم ہوا تو فرمایا کہ اسامہ! تم نے ایک شخص کو کلہ طیبہ پڑھنے کے بعد بھی قتل کر دیا؟ میں نے عرض کیا، اس نے اپنے بچاؤ کے لئے ایسا کیا تھا، آپ نے یہ عذر ناقابل قبول سمجھا اور بار بار اس جملہ کو دہراتے رہے، یہاں تک کہ مجھ کو اتنی ندامت ہوئی کہ دل میں کہنے لگا کاش! آج کے پہلے اسلام نہ لایا ہوتا۔

دوسری روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ ”اے اسامہ! تم نے اس کا دل چیر کر کیوں نہ دیکھا“ یعنی ظاہری اسلام کے لئے زبان کا اقرار کافی ہے، اس سریہ کے متعلق ایک یمنی کی روایت ہے کہ یہ حضرت اسامہؓ کے میدان جنگ میں قدم رکھنے کا پہلا موقع تھا، اس سے معلوم ہوا کہ اس کے قبل کسی غزوہ میں نہیں شریک ہوئے اور اسی سے ان کی جنگ آزمائی کی ابتدا ہوئی۔

فتح مکہ..... فتح مکہ اسلام کی فتح و شکست کا آخری معرکہ تھا، اسامہ اس میں شریک تھے، اور فتح مکہ کے بعد بیت اللہ میں اس شان سے داخل ہوئے کہ آنحضرتؐ کی سواری پر آپ کے ساتھ سوار تھے، اور حضرت بلالؓ و عثمانؓ بن طلحہ جلو میں تھے، خانہ کعبہ کھلنے کے بعد چاروں آدمی ساتھ داخل ہوئے ان کے داخلہ کے بعد دروازہ بند کر لیا گیا۔

امارت سریہ..... آنحضرت ﷺ نے ایک سے زائد سریہ حضرت اسامہؓ کی سرکردگی میں بھیجے، ان میں نسب سے اہم وہ سریہ تھا، جس میں ان کو اجلہ صحابہ پر شرف امارت عطا ہوا، اس کا واقعہ یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کے سفیر حضرت حارث بن عمیرؓ آزدی شاہ بصری کے دربار سے سفارت کی خدمت انجام دے کر واپس آ رہے تھے، کہ مقام موتہ میں شرحیل بن عمرو غسانی نے ان کو شہید کر دیا، آنحضرت ﷺ نے اس کے انتقام میں حضرت زیدؓ کی زیر قیادت ایک سریہ روانہ کیا، لیکن یہ بھی شہید ہوئے، اور ان کے ساتھ اکابر صحابہ میں حضرت جعفر طیارؓ اور حضرت عبداللہ بن رواحہؓ نے بھی جام شہادت پیا، آنحضرت ﷺ کو ان بزرگوں کی شہادت کا بڑا قلق ہوا، چنانچہ اپنی وفات کے کچھ دنوں پہلے شہداء کے انتقام کے لئے ایک اور سریہ روانہ کیا اور چونکہ حضرت اسامہؓ کے والد حضرت زیدؓ شہید ہوئے تھے، اس لئے اس سریہ کا امیر اسامہؓ کو بنایا، اس میں ان کی دلدہی بھی مد نظر تھی، اور والد کی شہادت کی وجہ سے انتقام کا جو جذبہ ان میں ہو سکتا تھا وہ دوسرے میں ممکن نہ تھا۔

چنانچہ صفر ۱ھ میں آنحضرت ﷺ نے سریہ کی تیاری کا حکم دیا، اور اسامہؓ کو بلا کر اس کے متعلق ضروری ہدایات فرمائیں، لیکن ابھی یہ سریہ روانہ نہ ہوا تھا کہ آنحضرتؐ کو بیماری کی علامات شروع ہو گئیں، مگر آپ پر حضرت زیدؓ اور جعفرؓ کی شہادت کا اتنا اثر تھا، کہ اس کی روانگی ملتوی نہ

فرمائی اور اسی بیماری کی حالت میں اپنے دست مبارک سے علم مرحمت فرمایا اور سریہ روانہ ہو گیا، پہلی منزل مقام جرف میں کی، اس سریہ میں حضرت عمر ابو عبیدہ بن جرح، ابن سعد بن ابی وقاص، سعید بن زید اور قتادہ بن نعمان رضوان اللہ علیہم اجمعین جیسے کبار صحابہ سب اسامہؓ کی ماتحتی میں تھے، بعض لوگوں کو یہ ناگوار ہوا اور انہوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک لڑکے کو مہاجرین اولین پر امیر بنایا ہے، آپ کو اس کی خبر ہوئی تو اس سے بہت تکلیف پہنچی اور اسی بیماری کی حالت میں سر میں پٹی باندھے ہوئے نکلے اور منبر پر چڑھ کر ایک مختصر تقریر فرمائی کہ ”اسامہ بن زید کو امیر بنانے میں بعض لوگوں نے جو نکتہ چیریاں کی ہیں اس کی اطلاع مجھ کو ملی ہے اسامہ کی امارت پر یہ کوئی نیا واقعہ نہیں ہے، تم لوگ اس کے پہلے اس کے باپ کی امارت پر بھی اعتراض کر چکے ہو، خدا کی قسم! وہ افسری کا سزاوار تھا اور اس کے بعد اس کا لڑکا افسری کا سزاوار ہے، وہ مجھ کو بہت محبوب تھا، اور یہ بھی ہر حسن ظن کے لائق ہے اس لئے تم لوگ اس کے ساتھ بھلائی سے پیش آؤ وہ تمہارے بہتر لوگوں میں ہے، اس تقریر کے بعد آپ کا شانہ اقدس میں تشریف لے گئے۔

اس سریہ کی پہلی منزل گاہ جرف مدینہ کے قریب ہی تھی، اس لئے جانے والوں کا سلسلہ برابر جاری تھا، لوگ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں آتے تھے، اور رخصت ہو کر جاتے تھے، حضرت اسامہؓ آنحضرت ﷺ کو بیمار چھوڑ کر گئے تھے، اس لئے وہ بھی دیکھنے آ جاتے تھے، اتوار کے دن آنحضرت ﷺ کا مرض زیادہ بڑھ گیا، حضرت اسامہؓ منزل گاہ سے مزاجہری کے لئے آئے، اس وقت آپ پر غفلت طاری تھی، اسامہؓ نے آکر بوسہ دیا، آپ بالکل خاموش تھے، تاہم اسامہؓ کی دعا کے لئے دست مبارک آسمان کی طرف اٹھاتے تھے اور حضرت اسامہؓ پر رکھتے تھے، اسامہؓ دیکھ کر واپس گئے اور دوسرے دن صبح کو پھر دیکھنے آئے، اس دن افاقہ تھا، آپ نے اسامہؓ کو روائگی کا حکم دیا، چنانچہ انہوں نے فوج کو کوچ کا حکم دے دیا لیکن قبل اس کے کہ حضرت اسامہؓ جرف سے روانہ ہوں، ان کی ماں ام ایمن کا آدمی ملا کہا کہ ”رسول ﷺ کا وقت آخر ہے، فوراً مدینہ چلے آؤ“ چنانچہ اسامہؓ، عمرؓ اور ابو عبیدہؓ اسی وقت مدینہ پہنچے، اس وقت آنحضرت ﷺ اس دنیا سے فانی ہو چکے تھے، آپ کی وفات کے بعد پوری فوج جرف سے مدینہ آگئی اور یہ مہم اس وقت ملتوی ہو گئی اور اسامہ بن زیدؓ آنحضرت ﷺ کی تجہیز و تکفین میں مشغول ہو گئے اور جسم مبارک کو قبر انور میں اتارنے کا شرف بھی حاصل ہوا۔

چونکہ آنحضرت ﷺ آخر وقت تک برابر اسامہؓ کو روائگی کی تاکید فرماتے رہے تھے اس لئے حضرت ابو بکرؓ نے مسند خلافت پر قدم رکھتے ہی اسامہؓ کی روائگی کا حکم دیا اور بریدہ حصیب علم کو

بخاری ج کتاب المغازی باب فتح مکہ

طبقات ابن سعد حصہ مغازی ص ۱۳۶، ۱۳۷، جسم مطہر کو قبر میں اتارنے کا واقعہ طبقات ج ۲ ق ۲ ص ۶۷ میں ہے، مختصر اس سریہ کا ذکر بخاری کتاب المغازی باب غزوہ ید بن حارثہ باب بعثت النبی صلعم اسامہ بن زید میں بھی ہے

لے کر جرف پہنچ گئے، لیکن اسی درمیان میں ارتداد کا فتنہ اٹھ کھڑا ہوا، لوگوں نے حضرت ابو بکرؓ سے کہا کہ فی الحال اس مہم کو روک دیجئے خود حضرت اسامہؓ نے عرض کیا کہ آنحضرت ﷺ نے مجھ کو سکون کی حالت میں بھیجا تھا مگر اب حالات دوسرے ہیں اس لئے فی الحال یہ مہم ملتوی کر دیجئے، لیکن آپ نے جواب دیا کہ خواہ مجھ کو پرندے نوچ کھائیں، لیکن میں رسول ﷺ کے حکم کو پورا کیے بغیر نہیں رہ سکتا، ابہر حال آپ اس مہم کو روکنے پر آمادہ نہ ہوئے اور فوج کو روانگی کا حکم دیا۔ پہلی مرتبہ گو آنحضرت ﷺ کی فہمائش سے لوگوں نے اسامہؓ کی امارت منظور کر لی تھی، لیکن دل سے سب ناپسند کرتے تھے، اس لئے دوبارہ جب حضرت ابو بکرؓ نے اسامہؓ کی روانگی کا حکم دیا تو انصار کی جماعت نے آپ کے پاس حضرت عمرؓ کو بھیجا کہ اسامہؓ کو بجائے کسی مسن اور معمر شخص کو انارت کا عہدہ دیا جائے، یہ پیام سن کر آپ بہت برہم ہوئے اور فرمایا، ابن خطاب! جس شخص کو رسول اللہ ﷺ نے امیر بنایا ہے تم مجھ سے اس کے معزول کرنے کی خواہش کرتے ہو! اور بلا کسی قسم کی تبدیلی کے بعینہ وہی فوج روانہ کی اور تھوڑی دور خود پیادہ پارخصت کرنے کے لئے گئے، اسامہؓ نے عرض کیا یا خلیفہ رسول اللہ! آپ سوار ہو کر چلیں، ورنہ ہم لوگ سوار یوں سے اتر پڑیں گے، فرمایا نہ مجھ کو سوار ہونے کی ضرورت ہے، نہ تم کو اترنے کی، میرے پیروں کو خدا کی راہ میں غبار آلود ہونے دو، غرض حضرت ابو بکرؓ اس شان سے حضرت اسامہؓ کو رخصت کیا، اور حضرت اسامہؓ نے منزل مقصود پر پہنچ کر دشمنوں سے نہایت کامیاب مقابلہ کیا اور اپنے والد بزرگوار کے قاتل کو واصل جہنم کیا اور حضرت ابو بکرؓ کی خدمت میں فتح کا مرثدہ بھیجا، آپ اس فتح سے اس قدر مسرور ہوئے کہ اسامہؓ کی واپسی تک مہاجرین و انصار کو لے کر مدینہ سے باہر ان کے استقبال کو نکلے، اسامہؓ نہایت شاندار طریقہ سے مدینہ میں داخل ہوئے آگے آگے بریدہ بن حصیب پر چم لہرا رہے تھے اور اس کے پیچھے اسامہؓ اپنے والد کے سبھ نامی گھوڑے پر سوار تھے، مدینہ آتے ہی انہوں نے مسجد میں دو رکعت نماز پڑھی اور نماز پڑھ کر گھر گئے۔

عہد فاروقی..... حضرت اسامہؓ آنحضرت ﷺ کو محبوب تھے، اس لئے آپ کے جانشین بھی ان کا بہت لحاظ رکھتے تھے، حضرت عمرؓ نے اپنے زمانہ خلافت میں ہمیشہ ان کا خیال رکھا، چنانچہ جب آپ نے تمام صحابہؓ کے وظائف مقرر کیے تو اپنے صاحبزادہ عبداللہ کا ڈھائی ہزار اور اسامہؓ کا تین ہزار مقرر کیا، عبداللہ نے عرض کی اس تفریق کا کیا سبب ہے، جب کہ میں تمام غزوات میں اسامہؓ کے دوش بدوش رہا، اور آپ ان کے والد زید سے کبھی پیچھے نہ رہے؟ فرمایا سچ ہے، لیکن آنحضرت ﷺ ان کو تم سے اور ان کے والد کو تمہارے باپ سے زیادہ عزیز رکھتے تھے۔ عہد عثمانی..... حضرت عثمانؓ کے عہد خلافت میں فتنہ و فساد کے خیال سے ملکی معاملات میں

علانیہ کوئی حصہ نہیں لیا، لیکن ایک خیر خواہ مسلمان کی حیثیت سے قیام نظم اور انسداد مفسد پر حضرت عثمانؓ سے خفیہ طور پر گفتگو کرتے تھے، لوگوں نے خواہش ظاہر کی کہ آپ عثمانؓ سے فتنوں کے فرو کرنے کے متعلق گفتگو کیجئے جواب دیا، تم لوگ علانیہ مجھ کو درمیان میں ڈالنا چاہتے ہو، اور میں ان سے خفیہ گفتگو کرتا ہوں کہ مبادا میری علانیہ گفتگو سے نیا فتنہ نہ اٹھ کھڑا ہو اور اس کی ساری ذمہ داری مجھ پر عائد ہو جائے۔

عہد معاویہؓ حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد جب زیادہ شورش برپا ہوئی تو اسامہ بالکل علیحدہ ہو گئے۔ حضرت علیؓ اور امیر معاویہؓ کی معرکہ آرائیوں میں بالکل کنارہ کش رہے، اور حضرت علیؓ کے پاس کہلا بھیجا کہ اگر آپ شیر کی داڑھ میں گھستے تو میں بھی بخوشی گھس جاتا لیکن اس معاملہ میں حصہ لینا پسند نہیں کرتا۔ سو گو وہ مسلمانوں کی خونریزی کے خوف سے ان لڑائیوں میں غیر جانبدار تھے، تاہم حضرت علیؓ کو حق پر جانتے تھے، اور آخر دم تک اس غیر جانبداری پر کف افسوس ملتے تھے، ابرہیم کی روایت ہے کہ اسامہؓ حضرت علیؓ کو امداد نہ کرنے پر اس درجہ نادام رہے کہ آخر میں توبہ کی۔

وفات امیر معاویہؓ کے آخر زمانہ امارت ۵۲ھ میں مدینہ میں وفات پائی، اس وقت ساٹھ سال کی عمر تھی۔

اہل و عیال حضرت اسامہؓ نے متعدد شادیاں کیں اور کثرت سے اولادیں ہوئیں، پہلی شادی ۱۴ سال کی عمر میں خود آنحضرت ﷺ نے زینب بنت حظلہ کے ساتھ کر دی تھی، مگر حضرت اسامہؓ نے ان کو طلاق دے دی، دوسری شادی نعیم بن عبد اللہ الحام نے آنحضرت ﷺ کے ایما سے اپنے یہاں کر دی، ان کے لطن سے ابرہیم بن اسامہؓ تھے، اس کے علاوہ خود حضرت اسامہؓ نے مختلف اوقات میں متعدد شادیاں کیں، ان سے حسب ذیل اولادیں ہوئیں:-

نام بیوی	نام اولاد
ہند بنت فاکہہ	محمد، ہندہ
درہ بنت عدی	جبیر، زید، عائشہ
فاطمہ بنت قیس	،
ام حکم بنت عتبہ	،
بنت ابی ہمدان سہمی	،
برزہ بنت ربیع	حسن، حسین

ذریعہ معاش..... دربار خلافت سے ۳ ہزار وظیفہ ملتا تھا، اس کے علاوہ وادی القری میں کچھ جائیداد تھی، جس کے انتظام کے لئے اکثر جایا کرتے تھے۔

فضائل اخلاق..... بہت سے فضائل بیشتر صحابہ نہیں مشترک ہیں، لیکن اکابر صحابہ میں منفرد طور پر بعض مخصوص فضائل ایسے ہیں جو ان کی خصوصیات کا شمار کیے جاتے ہیں، مثلاً: ابن عمرؓ اور ابوذر غفاریؓ کی اکثر صفات میں اشتراک ہے، لیکن عبد اللہ بن عمر کا علم و فضل اور ابوذر غفاریؓ کا زہد و تقویٰ، ایک کو دوسرے سے ممتاز کرتا تھا اور یہی صفات ان کی زندگی کے روشن ابواب کہے جاسکتے ہیں، اسی طرح اسامہ بن زیدؓ کی بارگاہ نبوت میں پذیرائی اور ان کی محبوبیت ان کا مخصوص طغرائے امتیازی تھا، جو بلا استثنا کسی صحابی کو حاصل نہ تھا۔

آنحضرت ﷺ نے بارہا اپنی زبان مبارک سے اس کا اظہار فرمایا ہے، اور اسامہؓ کے ساتھ آپ کا طرز عمل بھی اس کا شاہد ہے، آنحضرت ﷺ کو اپنے متعلقین میں حضرت حسنینؓ سے زیادہ کسی سے محبت نہ تھی، لیکن اسامہؓ بن زید وہ شخص ہیں جو اس محبت میں بھی شریک و شہیم تھے، آنحضرت ﷺ ایک زانو پر اسامہؓ کو بٹھاتے اور ایک پر حسنؓ کو اور دونوں کو ملا کر فرماتے کہ خدایا میں ان دونوں پر رحم کرتا ہوں اس لئے تو بھی رحم فرما، دوسری روایت میں ہے کہ میں ان دونوں سے محبت کرتا ہوں اس لئے تو بھی محبت فرما، حضرت ابن عباسؓ روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اسامہؓ مجھ کو سب لوگوں میں محبوب تر ہے،

ایک موقع پر آپ نے فرمایا کہ اس کا باپ مجھ کو سب سے زیادہ محبوب تھا، اب یہ سب سے عزیز ہے۔ ۵

ایک مرتبہ حضرت اسامہؓ چوکھٹ پر گر پڑے اور پیشانی پر زخم آگیا، آنحضرت ﷺ نے حضرت عائشہؓ سے فرمایا کہ اس کا خون صاف کر دو، آپ کو کراہت معلوم ہوئی تو خود اٹھ کر صاف کر کے لعاب دہن لگایا۔ ۶

کبھی کبھی وفور محبت میں مزاج بھی فرماتے تھے، ایک مرتبہ حضرت اسامہؓ کا شانہ نبویؐ میں بیٹھے تھے، حضرت عائشہؓ بھی تشریف فرما تھیں، آپ اسامہؓ کی طرف دیکھ کر مسکرائے اور فرمایا کہ اگر یہ میری بیٹی ہوتی تو میں ان کو خوب زیور پہناتا اور بناؤ سنگھار کرتا، تا کہ ان کا چہرہ چاہوتا اور ہر جگہ سے پیام آتے۔ ۷

بارگاہ نبوت میں حضرت اسامہؓ کے رسوخ کا اس سے اندازہ ہوگا کہ جب کوئی ایسی

۱۱ ابن سعد جز ۴ ق ۱ ص ۵۰ ج ۲ مسند احمد بن حنبل جلد ۵ ص ۲۰۵

۱۲ بخاری جلد ۲ کتاب المناقب اسامہ بن زید

۱۳ مستدرک جلد ۳ ص ۵۹۶ ۱۴ بخاری کتاب المغازی باب بعث اسامہ

۱۵ ابن سعد جز ۴ ق ۱ ص ۴۳ ۱۶ ابن سعد جز ۴ ق ۱ ص ۴۳

سفارش آنحضرت ﷺ سے کرنی ہوتی، جس میں ام المؤمنین حضرت عائشہ جھکتیں تو وہ اسامہ کے سپرد کی جاتی، حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ بنی مخزوم کی ایک عورت نے چوری کی لوگوں نے کہا اس کے بارے میں کون شخص آنحضرت ﷺ سے سفارش پر آمادہ ہوتا ہے، اسامہ کے علاوہ کسی کی ہمت نہ پڑی، انہوں نے جا کر آپ سے گفتگو کی لیکن حدود اللہ کا معاملہ تھا، اس لئے آنحضرت ﷺ نے نہ سنی، بلکہ آپ کو ناگوار ہوا، اور فرمایا اگر بنی اسرائیل میں کوئی شریف آدمی چوری کرتا تھا، تو اس کو چھوڑ دیتے تھے اور اگر معمولی آدمی اس کا مرتکب ہوتا تھا تو اس کے ہاتھ کاٹتے تھے، خدا کی قسم اگر محمد کی بیٹی فاطمہ بھی ہوتی تو میں اس کا بھی ہاتھ کاٹتا۔

اسامہ آنحضرت ﷺ کے محرم راز اور معتمد علیہ تھے اور ان کی حیثیت اہل بیت میں ممبر خاندان کی تھی آپ اہم سے اہم اور نازک سے نازک خانگی امور تک میں بھی ان سے مشورہ لیتے تھے، افک جیسے نازک اور اہم معاملہ میں جس میں منافقین نے ناموس نبوت پر حرف لانا چاہا تھا اور جس کی صفائی خود زبان وحی والہام نے دی، اسامہ بھی حضرت علیؑ کے ساتھ شریک مشورہ تھے، چنانچہ حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ جب افک والوں نے اتہام لگایا تو آنحضرت ﷺ نے علیؑ اور اسامہ بن زید سے اپنی اہل خانہ کی علیحدگی کے بارہ میں مشورہ کیا اور ان سے حالات دریافت کئے، چونکہ آنحضرت ﷺ اسامہ کو محبوب رکھتے تھے، اس لئے صحابہ کرام بھی ان کو بہت مانتے تھے، حضرت عمرؓ کا واقعہ اوپر گزر چکا ہے، صحابہ کرام نہ صرف اسامہ بلکہ ان کی اولاد تک کا احترام کرتے تھے، ایک دن ابن عمرؓ نے ایک شخص کو مسجد کے گوشہ میں دیکھا، لوگوں سے کہا، دیکھو کون شخص ہے، کسی نے کہا ابو عبد الرحمن! تم اس کو نہیں پہچانتے یہ اسامہؓ کے بیٹے محمد ہیں، آپ نے یہ سن کر سر جھکا لیا اور زمین کرید کر کہنے لگے کہ آنحضرت ﷺ ان کو دیکھتے تو محبوب رکھتے۔ ۳

اس غیر معمولی محبت کی وجہ سے قدرۃ کچھ منافق اسامہ کے حاسد بھی پیدا ہو گئے تھے یہ لوگ اسامہؓ کو ذلیل اور آنحضرت ﷺ کے کبیدہ خاطر کرنے کے لئے کہتے کہ اسامہؓ زیدؓ کے نطفہ سے نہیں ہیں، آنحضرت ﷺ کو اس سے تکلیف پہنچتی۔

لیکن ان کے خاموش کرنے کا کوئی طریقہ نہ تھا، عربوں میں قیافہ شناسی کا ملکہ بہت تھا قائف کی بات عام طور پر ہم پایہ وحی بھی جاتی تھی، اتفاق سے ایک دن مجرزد لہجی جس کو قیافہ شناسی میں خاص مہارت تھی، آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، اس وقت زیدؓ اور اسامہؓ دونوں سر سے پیر تک ایک چادر اوڑھے ہوئے لیٹے تھے، صرف پاؤں کھلے ہوئے تھے اس نے یہ

۱۔ بخاری ج ۲ کتاب المناقب ذکر اسامہ و طبقات ابن سعد

۲۔ بخاری جلد ۱ کتاب الشهادات و ج ۲ کتاب الاعتصام باب قوله تعالى و امرهم شوری بینہم

۳۔ بخاری ج ۲ کتاب المناقب ذکر اسامہ

دیکھ کر کہا کہ یہ قدم ایک دوسرے سے پیدا ہیں، یہ سن کر آنحضرت ﷺ کو بہت مسرت ہوئی، آپ حضرت عائشہؓ کے پاس ہنستے ہوئے تشریف لائے اور فرمایا تم کو کچھ معلوم ہے، مجر نے ابھی اسامہؓ کے پاؤں دیکھ کر کہا کہ یہ قدم ایک دوسرے سے پیدا ہیں، اس واقعہ میں یہ بات لحاظ رکھنے کے قابل ہے کہ آنحضرت ﷺ کو قائف کے کہنے پر محض اس وجہ سے مسرت ہوئی کہ اس سے دشمنوں کی زبان بند ہوگئی ورنہ شان نبوت اس سے بہت بلند ہے کہ وہ کانہوں بجموں اور قائفوں کی بات کا یقین کرے۔

آنحضرت ﷺ کے پاس جو چیز اچھی اور بیش قیمت ہوتی اس کو اسامہؓ کو دیتے، ذی یزن نے حالت شرک میں حکیم بن حرام کے ذریعہ سے آپ کی خدمت میں ہدیہ ایک بیش قیمت حلہ پیش کیا، آپ نے فرمایا میں مشرک کا ہدیہ نہیں قبول کرتا، لیکن اب تم لاچکے ہو اس لئے قیمتاً لے لوں گا، چنانچہ پچاس دینار میں خرید لیا اور ایک مرتبہ پہن کر اسامہؓ کو دے دیا۔

وحیہ کلبی نے کتان کا کپڑا آنحضرت ﷺ کو ہدیہ دیا تھا، آپ نے اسامہؓ کو پہنا دیا، انہوں نے اپنی بیوی کو دے دیا، ایک دن آپ نے پوچھا، کتان کیوں نہیں پہنتے؟ عرض کیا یا رسول اللہ! بیوی کو دے دیا فرمایا، اچھا اس سے کہہ دو کہ نیچے سینہ بند پہن لے ورنہ بدن دکھائی دے گا، غرض آپ اپنے اہل و عیال اور اسامہؓ میں کوئی تفریق نہیں کرتے تھے۔

فضل و کمال..... اس لحاظ سے کہ حضرت اسامہؓ نے آنحضرت ﷺ کے دامن تربیت میں پرورش پائی تھی، آپ سرِ اہل علم ہونا چاہیے تھا، لیکن آنحضرت ﷺ کی وفات کے وقت آپ کی عمر صرف اٹھارہ سال یا زیادہ سے زیادہ بیس سال کی تھی، اس لئے سن شعور کو پہنچنے کے بعد صحبت نبوی سے فیضیاب ہونے کا زیادہ موقع نہ ملتا، ہم اس مدت میں جو کچھ بھی آپ نے حاصل کر لیا، اس کو کم نہیں کہا جاسکتا، اقوال نبوی ﷺ کا کافی ذخیرہ ان کے سینہ میں محفوظ تھا، بعض مرتبہ کبار صحابہ کو جس چیز کا علم نہ ہوتا، اس میں وہ ان کی طرف رجوع کرتے، حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کو جب طاعون کے متعلق کوئی حکم نہ ملا تو آپ نے حضرت اسامہؓ سے دریافت کیا کہ تم نے آنحضرت سے طاعون کے بارے میں کیا سنا ہے؟ انہوں نے بتایا کہ آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں کہ طاعون ایک قسم کا عذاب ہے جو بنی اسرائیل کے ایک خاص طبقہ پر بھیجا گیا تھا، اس لئے جب تم سنو کہ فلاں جگہ طاعون پھیلا ہے تو وہاں نہ جاؤ اور خود تمہارے یہاں یہ وبا پھیلے وہاں سے بھاگنے کی نیت سے نہ نکلو۔

آپ کے عمل سے دوسرے لوگ سند لاتے تھے، حضرت میمونہؓ نے اپنے ایک عزیز کا ازار بہت نیچا دیکھا تو اس کو ملامت کی، انہوں نے کہا میں نے اسامہ بن زید کو نیچا ازار پہنے دیکھا ہے،

بخاری جلد ۲ کتاب الفرائض باب القائف،

۳ ابن سعد جز ۴ ص ۴۵ ق ۴۵

۴ ابن سعد جز ۴ ص ۴۵ ق ۴۵

۵ ابن سعد جز ۴ ص ۴۵ ق ۴۵

۶ ابن سعد جز ۴ ص ۴۵ ق ۴۵

حضرت میمونہ نے کہا تم جھوٹ کہتے ہو، یہ ممکن ہے کہ ان کا پیٹ بھاری تھا، اس لئے اس پر نہ ٹھہرنا رہا ہو اور نیچے کھسک جاتا ہو۔

آپ کی ذات سے حدیث کا معتد بہ حصہ اشاعت پذیر ہوا، ان کی مرویات کی تعداد ۱۲۸ ہے، جن میں سے ۱۵ متفق علیہ ہیں، ان کے علاوہ مزید دو بخاری اور مسلم میں ہیں، حسن، محمد ابن عباسؓ، ابو ہریرہؓ، ابوعثمان نہدی، عمرو بن عثمان بن عفان، ابو وائل، عامر بن سعد حسن بصری وغیرہم نے آپ سے روایتیں کی ہیں۔

اخلاق و عادات..... چونکہ اسامہؓ نے آنحضرت ﷺ کے دامن تربیت میں پرورش پائی تھی، اس لیے ان پر قدرۃ تعلیمات نبویؐ کا خاص اثر پڑا تھا۔

خدمت رسول..... کا شانہ نبویؐ میں کثرت سے آتے جاتے تھے، اور اکثر سفر میں بھی ہر کابی کا شرف حاصل ہوا تھا، اس لئے خدمت نبویؐ کا زیادہ موقع ملتا تھا، اکثر وضو وغیرہ کے وقت پانی ڈالنے کی خدمت انجام دیتے تھے۔

پابندی سنت..... سنت کی پابندی شدت سے کرتے تھے، آخر عمر میں جب کہ قوی ریاضت جسمانی کے متحمل نہ تھے، اس وقت بھی مسنون روزے التزام کے ساتھ رکھتے تھے، ایک مرتبہ ایک غلام نے کہا اب آپ کی عمر ضعف و ناتوانی کی ہے، آپ کیوں دو شنبہ اور پنجشنبہ کے روزہ کا التزام کرتے ہیں؟ کہا آنحضرت ﷺ ان دنوں میں روزہ رکھا کرتے تھے۔

اطاعت والدین..... والدین کی خوشنودی کا بہت زیادہ لحاظ رکھتے تھے، اور اس میں بڑی بڑی مالی قربانی سے دریغ نہیں کرتے تھے، محمد بن سیر بن روایت کرتے ہیں کہ حضرت عثمانؓ کے عہد خلافت میں کھجور کے درختوں کی قیمت ایک ہزار تک پہنچ گئی تھی، اس زمانہ میں حضرت اسامہؓ نے ایک درخت کی پیڑی کھوکھلی کر کے اس کا مغز نکالا، لوگوں نے پوچھا یہ کیا کر رہے ہیں؟ آج کل درختوں کی قیمت اس قدر بڑھی ہوئی ہے اور تم اس کو ضائع کرتے ہو، کہا میری ماں نے فرمائش کی تھی اور وہ جس چیز کی فرمائش کرتی ہیں، اگر اس کا حصول میرے امکان میں ہوتا ہے تو اس کو میں ضرور پوزی کرتا ہوں۔

۱۔ ابن سعد جز ۲ ص ۳۹ ق ۱ ص ۳۹

۲۔ تہذیب الکمال ص ۲۶

۳۔ تہذیب التہذیب ج ۱ ص ۲۰۸

۴۔ بخاری ج ۱ کتاب الوضو باب الرجل یوضی صا حہ،

۵۔ مسند احمد بن حنبل ج ۵ ص ۲۰۰

۶۔ ابن سعد جز ۲ ص ۳۹ ق ۱ ص ۳۹

حضرت عمرو بن العاصؓ

نام و نسب عمرو نام، ابو عبد اللہ اور ابو محمد کنیت، والد کا نام عاص اور والدہ کا نام نابغہ تھا، جدی سلسلہ نسب یہ ہے، عمرو بن العاص بن وائل بن ہاشم بن سعید بن سلیم بن عمرو بن صیص ابن کعب بن لوی بن غالب قرشی سہمی، نانہالی نسب یہ ہے، نابغہ بنت حرمہ بن حارث بن کلثوم بن جوشن بن عمرو بن عبد اللہ بن خزیمہ غزہ بن اسد بن ربیعہ بن نزار۔

قبل از اسلام عمرو بن العاص کا خاندان ”بنو سہم“ زمانہ جاہلیت سے معزز چلا آتا تھا، قریش کے سیاسی نظام میں مقدمات کا عہدہ اسی خاندان میں تھا، عمرو بن العاص جب تک اسلام نہیں لائے تھے، اسلام کی دشمنی اور مسلمانوں کی ایذا رسانی میں عمائد قریش کی طرح یہ بھی پیش پیش تھے، چنانچہ مسلمانوں کا پہلا قافلہ جب ہجرت کر کے حبشہ گیا تو قریش کا جو وفد ان لوگوں کو حبشہ سے نکلوانے کے لئے نجاشی کے پاس گیا تھا، اس کے سب سے سرگرم رکن عمرو بن العاص ہی تھے۔ چنانچہ حبشہ پہنچ کر مسلمانوں کے اخراج میں ہر قسم کی کوششیں کیں، پہلے بطریقوں سے مل کر ان کو مسلمانوں کے خلاف ابھارا کہ یہ لوگ بھی مسلمانوں کے نکالنے میں وفد قریش کی تائید کریں، اس کے بعد شاہ حبش کی خدمت میں ہدایا پیش کر کے ساری امکانات کوششیں صرف کیں کہ وہ کسی طرح مسلمانوں کو پناہ نہ دیں، لیکن ان کی تمام مساعی ناکام رہیں۔

غزوہ خندق میں جس میں سارا عرب مسلمانوں کے خلاف امنڈ آیا تھا، حضرت عمرو بن العاص شترکین کے ساتھ تھے اور مسلمانوں کی بیخ کنی میں پورا زور صرف کر رہے تھے۔

اسلام کی طرف میلان حضرت عمرو بن العاص اگرچہ اسلام اور پیغمبر اسلام علیہ السلام کے سخت ترین دشمن تھے لیکن غزوہ خندق کے بعد سے وہ اسلام سے متاثر ہونے لگے وہ اکثر دنیا اور اس کے انجام اور اسلام کی تعلیمات پر غور کیا کرتے تھے، ان کا بیان ہے کہ اس غور و فکر سے اسلام کی حقیقت مجھ پر ظاہر ہونے لگی، اور اس سے میرا دل متاثر ہونے لگا، اور میں نے مسلمانوں کی مخالفت سے رفتہ رفتہ کنارہ کشی اختیار کرنا شروع کی، قریش نے اس کو محسوس کیا اور اس کی حقیقت دریافت کرنے کے لئے ایک شخص کو بھیجا، اس نے مجھ سے بحث کرنا شروع کی، میں نے اس سے کہا ”بتاؤ ہم حق پر ہیں یا فارس و روم والے؟ اس نے کہا ہم ہیں، پھر میں

افصیال کے لئے دیکھئے مقدمہ سیر المہاجرین،

۱۲ ابن سعد حصہ غازی حالات غزوہ خندق

نے پوچھا کہ انکو عیش و تنعم میسر ہے یا ہم کو؟ اس نے کہا ان کو میں نے کہا کہ اگر اس عالم کے بعد دوسرا عالم نہیں ہے تو ہماری حق پرستی کس کام آئے گی، جب کہ ہم دنیا میں بھی باطل پرستوں کے مقابلہ میں تنگ حال رہے اور دوسرے عالم میں بھی بدلہ کی کوئی امید نہ ہو، اس لئے محمد ﷺ کی یہ تعلیم کہ مرنے کے بعد ایک دوسرا عالم ہوگا جہاں ہر شخص کو اس کے اعمال کے مطابق جزا و سزا ملے گی کس قدر صحیح اور دلنشین ہے، غزوہ خندق کے بعد ان کو آنحضرت ﷺ کی کامیابی کا پورا یقین تھا، اور یہی یقین ان کے اسلام کا ذریعہ بنا، اس کی تفصیل مسند احمد بن حنبل میں خود ان کی زبانی مذکور ہے۔

اسلام..... ان کا بیان ہے کہ جب ہم لوگ غزوہ احزاب سے واپس ہوئے تو میں نے قریش کے ان اشخاص کو جو مجھے مانتے تھے اور میری بات سنتے تھے، جمع کر کے کہا کہ خدا کی قسم تم لوگ یقین جان لو کہ محمد ﷺ کی بات تمام باتوں پر سر بلند ہوگی، اس میں کسی انکار کی گنجائش نہیں، میری ایک رائے ہے، تم اس کو کیسی سمجھتے ہو، لوگوں نے پوچھا کیا رائے ہے؟ انہوں نے کہا، ہم لوگ نجاشی کے پاس چل کر قیام کریں، اگر محمد ہماری قوم پر غالب آگئے تو ہم لوگ نجاشی کے پاس ٹھہر جائیں گے، کیوں کہ نجاشی کی ماتحتی میں رہنا محمد کی ماتحتی سے کہیں زیادہ پسندیدہ ہے، اور اگر ہماری قوم محمد ﷺ پر غالب ہوئی تو ہم ممتاز لوگ ہیں، ہمارے ساتھ ان کا طرز عمل بہتر ہی ہوگا، اس رائے پر سب نے اتفاق کیا، میں نے کہا پھر اس کو تحفہ دینے کے لئے کوئی چیز مہیا کرو، نجاشی کے لئے ہمارے یہاں سب سے بہتر تحفہ چمڑہ تھا چنانچہ بہت سا چمڑا لیکر ہم لوگ حبشہ پہنچے، ہم لوگ نجاشی کے دربار میں جا رہے تھے کہ عمرو بن امیہ ضمری بھی پہنچ گئے ان کو رسول اللہ ﷺ نے جعفر اور ان کے ساتھیوں کی کسی ضرورت سے نجاشی کے پاس بھیجا تھا، جب وہ آکر چلے گئے تو میں نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ نجاشی سے درخواست کریں کہ وہ عمرو بن امیہ ضمری کو ہمارے حوالہ کر دے، اگر وہ دیدے تو اس کی گردن مار دیں تاکہ قریش کو معلوم ہو جائے کہ ہم نے محمد ﷺ کے سفیر کا سر قلم کر کے ان کا بدلہ لے لیا، یہ کہہ کر نجاشی کے دربار میں گیا اور حسب معمول سجدہ کیا، اس نے خوش آمدید کہا اور پوچھا میرے لیے اپنے ملک کا کوئی تحفہ لائے؟ میں نے عرض کیا حضور بہت سا چمڑہ تحفہ لایا ہوں اور جو چمڑہ لے گیا تھا اس کو پیش کر دیا، اس نے بہت پسند کیا، پھر میں نے عرض کیا عالیجاہ! ابھی میں نے ایک آدمی حضور کے پاس سے نکلتے ہوئے دیکھا ہے، یہ ہمارے دشمن کا بھیجا ہوا ہے، حضور قتل کرنے کے لئے اس کو ہمارے حوالہ کر دیں، اس نے ہمارے شرفاء اور معززین کو ٹکٹیفیس پہنچائی ہیں، نجاشی یہ درخواست سن کر بہت غضبناک ہوا اور ہاتھ کھینچ کر اس نے زور سے اپنی ناک پر مارا کہ میں سمجھا ٹوٹ جائے گی، اس کی اس حرکت سے میں اس قدر نادام و شرمسار ہوا کہ اگر زمین شق ہوتی تو میں اس میں سما جاتا، پھر میں نے عرض کی،

شاہا! اگر میں سمجھتا کہ حضور کو یہ درخواست ناگوار ہوگی تو میں نہ کرتا، وہ بولا تم چاہتے ہو کہ میں ایسے شخص کا قاصد جس کے پاس وہ ناموس اکبر آتا ہے جو موسیٰ کے پاس آیا کرتا تھا، قتل کے لئے تمہارے حوالہ کر دوں۔ میں نے عرض کی، عالی جا! کیا واقعی وہ ایسا ہے؟ وہ بولا عمرو! تمہاری حالت قابل افسوس ہے، میرا کہنا مانو اور اس کی پیروی کر لو، خدا کی قسم! وہ حق پر ہے، وہ اپنے تمام مخالفوں پر غالب آئے گا، جس طرح موسیٰ فرعون اور اسکے لشکر پر غالب ہوئے تھے، میں نے کہا پھر اس کی طرف سے آپ مجھ سے اسلام کی بیعت لے لیجئے! چنانچہ اس نے ہاتھ پھیلا یا اور میں نے اسلام کی بیعت کی، یہاں سے جب میں ساتھیوں کے پاس لوٹ کر گیا، تو میرے تمام خیالات پلٹ چکے تھے، لیکن میں نے اپنے ساتھیوں پر ظاہر نہیں کیا اور رسول اللہ ﷺ کے دست مبارک حق پرست پر اسلام لانے کے لئے روانہ ہو گیا، راستہ میں خالد بن ولید مکہ سے آتے ہوئے ملے، یہ فتح مکہ کے پہلے کا واقعہ ہے میں نے کہا ابا سلیمان! کہاں کا قصد ہے؟ وہ بولے خدا کی قسم! خوب پانسہ پڑا، خدا کی قسم یہ شخص یقیناً نبی ہے، اب جلد اسلام قبول کر لینا چاہیے، یہ لیت وعل کب تک، میں نے کہا خدا کی قسم میں بھی اسی قصد سے چلا ہوں، چنانچہ ہم دونوں ایک ساتھ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا پہلے خالد ابن ولید نے بیعت کی، پھر میں نے قریب ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ میں بیعت کروں گا، لیکن آپ میرے اگلے پچھلے گناہوں کو معاف کر دیجئے، آپ نے فرمایا، عمرو بیعت کر لو، اسلام اپنے ماقبل کے گناہوں کو معاف کر دیتا ہے اور ہجرت بھی اپنے ماقبل کے گناہوں کو ختم کر دیتی ہے، چنانچہ میں نے بیعت کی اور بیعت کر کے لوٹ گیا۔

ہجرت..... قبول اسلام کے بعد مکہ لوٹ گئے، پھر کچھ ہی دنوں کے بعد ہجرت کر کے مدینہ چلے آئے،

غزوات و سرایا..... حضرت عمرو بن العاصؓ جس طرف رہے، انہما پسند رہے، اسلام کے قبل اس کی بیخ کنی میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا اور اسلام کے بعد کفر و شرک کے استیصال میں اسی شد و مد سے کمر بستہ ہو گئے، قبول اسلام کے بعد گذشتہ مخالفتوں کو یاد کر کے پشیمان ہوتے تھے، چنانچہ کہا کرتے تھے، جب میں حالت کفر میں تھا تو آنحضرت ﷺ کا سب سے بڑا دشمن تھا، اگر اسی حالت میں مرجاتا تو میرے لئے دوزخ کے علاوہ کوئی ٹھکانا نہ تھا، اور جب بیعت کر کے حلقہ بگوش اسلام ہوا تو ابھی آنحضرت ﷺ سے آنکھیں نہ چار کر سکا۔

سریہ ذات السلاسل..... فتح مکہ کے بعد آنحضرت ﷺ نے عرب کے مختلف حصوں میں دعوت اسلام کے لئے تبلیغی دستے روانہ فرمائے تھے، اسی سلسلہ کا ایک سریہ ذات السلاسل بھی ہے، ابن سعد نے اس سریہ کو سرے سے مدافعا نہ لکھا ہے، چنانچہ ان کی روایت کے مطابق

صورت واقعہ یہ ہے کہ بنو قضاہ کے کچھ اشخاص نے ایک جماعت فراہم کر کے مسلمانوں پر حملہ کا ارادہ کیا، آنحضرت کو اطلاع ہوئی تو آپ نے حضرت عمرو بن العاصؓ کو تین سو مہاجرین و انصار کی جمعیت کے ساتھ روانہ کیا۔ لیکن صحیح یہ ہے کہ پہلے سریہ مدافعت کی غرض سے نہیں بھیجا تھا، بلکہ اس کا مقصد اشاعت اسلام تھا علامہ ابن اثیرؒ نے تصریح کر دی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے عمرو بن العاصؓ کو قبیلہ بلی اور عذری کی طرف راغب کریں، لیکن جب قریب پہنچے تو معلوم ہوا کہ وہ لوگ لڑنے پر آمادہ ہیں، عمرو بن العاصؓ نے آنحضرت ﷺ سے امداد طلب کی آپ نے دو سو آدمیوں کی ایک جمعیت ابو عبیدہؓ کے ساتھ روانہ کی، جس میں حضرت ابو بکرؓ اور عمرؓ بھی شامل تھے اور تاکید فرمادی کہ کسی بارہ میں باہم اختلاف نہ کرنا، ابو عبیدہؓ امدادی دستہ لے کر پہنچے تو ان میں اور عمرو بن العاصؓ میں امارت کے بارہ میں اختلاف ہو گیا، عمرو بن العاصؓ کہتے تھے کہ امامت میرا حق ہے، کیونکہ میں فوج کا امیر ہوں، اور میری امداد کے لئے آئے ہو، اس لئے میرے ماتحت ہو، اب عبیدہؓ نے آنحضرت ﷺ کی ہدایت کے مطابق گریز کیا اور ان کی امامت قبول کر لی اس کے بعد دونوں بلی، عذری، اور یلقین کی آبادیوں کو پامال کرتے ہوئے اس کے آخری حد تک بڑھتے چلے گئے، راستہ میں صرف ایک جماعت سے مقابلہ ہوا، مگر وہ بھی ہزیمت کھا کر بھاگی۔

سریہ سواع..... فتح مکہ کے بعد جب کہ عرب کے اکثر قبائل مشرف بہ اسلام ہو چکے تھے، بعض ایسے قبائل باقی رہ گئے تھے، جو صدیوں کے اعتقاد کی بنا پر بتکدوں کو ڈھاتے ہوئے ڈرتے تھے، اس لئے آنحضرت ﷺ نے چند دستے صرف ان کے گرانے کے لئے بھیجے، تاکہ عرب کے دلوں سے ان کا خوف و ہراس اور ان کی عظمت جاتی رہے سواع بنو مذیل کا صنم کدہ تھا، آنحضرت نے عمرو بن العاصؓ کو اس کے ڈھانے پر متعین کیا، جب یہ وہاں پہنچے تو اس کے مجاور نے پوچھا کس نیت سے آئے ہو؟ عمرو بن العاصؓ نے کہا اس کو ڈھانے کے لئے، اس جواب پر اس نے مدافعت کرنے کے بجائے جواب دیا کہ تم اس کو نہ گراسکو گے، وہ خود اپنی حفاظت کرے گا انہوں نے کہا تم اب اسی وہم اور باطل پرستی میں مبتلا ہو، جس میں سننے اور دیکھنے تک کی طاقت نہیں، وہ روک کیا سکتا ہے، یہ کہا اس کو مسمار کر کے مجاور سے بولے، اس کی طاقت دیکھ لی، وہ یہ واقعہ اپنی آنکھوں کے سامنے دیکھ کر مشرف باسلام ہو گیا۔

سفارت..... فتح مکہ کے بعد جب آنحضرت ﷺ نے آس پاس کے حکمرانوں کے نام دعوت اسلام کے خطوط بھیجے تو عمان کے حاکموں عبید و جیضر کے پاس خط لے جانے کی خدمت حضرت عمرو بن العاصؓ کے سپرد ہوئی، اس خط پر وہ دونوں مشرف بہ اسلام ہوئے اور آنحضرت ﷺ نے حضرت عمرو بن العاصؓ کو یہاں کا عامل کر دیا، ۳۱ اس لئے وہ وفات نبوی تک وہیں مقیم رہے۔

۱۲. ابن سعد حصہ مغازی ص ۱۰۵

۱۳. فتوح البلدان بلاذری ص ۸۳

۱. اسد الغابہ ج ۳ ص ۱۶۱

۲. اسد الغابہ ج ۳ ص ۱۱۷

فتنہ ارتداد..... حضرت ابو بکرؓ کے استخلاف کے بعد جب ارتداد اور مدعیان نبوت کا فتنہ اٹھا اس وقت حضرت عمرو بن العاصؓ عمان ہی میں تھے حضرت ابو بکرؓ نے آنحضرت ﷺ کی وفات اور موجودہ حالات کی اطلاع دے کر ان فتنوں کو دبانے کے لئے بھیجا، چنانچہ یہ بحرین کے راستہ سے آگے بڑھے، راستہ میں قبیلہ بنی عامر میں قرہ بن ہبیرہ کے یہاں مہمان ہوئے اس نے بڑی خاطر و مدارات کی، چلتے وقت تنہائی میں لے جا کر کہا کہ اگر عربوں سے زکوٰۃ لی گئی تو وہ کسی کی امارت نہ قبول کریں گے، ہاں اگر زکوٰۃ کا طریقہ بند کر دیا گیا تو البتہ مطیع و فرمانبردار رہیں گے، اس لئے زکوٰۃ کا قانون اٹھا دینا چاہیے، انہوں نے کہا قرہ! کیا تم کافر ہو گئے؟ مجھ کو عربوں سے ڈراتے ہو، خدا کی قسم! میں ایسے لوگوں کو گھوڑے کی ٹاپ سے مسل ڈالوں گا، یہ شخص بعد میں جب مانعین زکوٰۃ کے سلسلہ میں گرفتار ہوا تو عمرو بن العاصؓ کی شہادت پر چھوڑ دیا گیا، امدینہ پہنچ کر بنو قضاعہ کے مرتدین کی سرکوبی ان کے سپرد ہوئی، اور انہوں نے اپنے حسن تدبیر سے اس کو دوبارہ اسلام پر قائم کیا اور اس مہم کو سر کرنے کے بعد عمان لوٹ گئے۔

فتوحات شام..... فتنہ ارتداد فرو ہونے کے بعد حضرت ابو بکر صدیقؓ نے عراق و شام کی طرف توجہ کی اور ۳ھ میں شام کے مختلف حصوں میں علیحدہ علیحدہ فوجیں روانہ کیں تو عمرو بن العاصؓ کو جو اس وقت عمان میں تھے، لکھ بھیجا کہ تم کو آنحضرت ﷺ نے عمان کا والی مقرر کیا تھا، اس لئے میں نے تم کو دوبارہ واپس کر دیا تھا، لیکن اب میں تم کو ایسے کام میں لگانا چاہتا ہوں جو تمہاری دنیا و آخرت دونوں کے لئے مفید ہے، انہوں نے جواب دیا کہ میں خدا کا ایک تیر ہوں اور آپ اس کے بعد اس کے تیر انداز ہیں، اس لئے آپ کو اختیار ہے جدھر چاہیے پھینکنے، چنانچہ عمان سے واپس بلا کر فلسطین کی مہم پر مامور کیا،

اجنادین..... ہر قل کو جب خبر ہوئی کہ اسلامی فوجیں شام کے چاروں طرف منڈلا رہی ہیں، تو اس نے ان سب کے مقابلہ کے لئے علیحدہ علیحدہ فوجیں روانہ کیں اسلامی فوجیں باہم ملنے نہ پائیں، رومیوں کے مشہور سپہ سالار تزارق اور قبظلا رتھے، اجنادین میں اپنی فوجیں اتاریں، عمرو بن العاصؓ اس وقت فلسطین کے علاقہ عربات میں تھے یہ رومیوں کے اجتماع کی خبر پا کر اجنادین کی طرف بڑھے، اس درمیان خالدؓ اور عبیدہؓ بھی بصری کی مہم سر کر کے ان کی مدد کو روانہ ہو گئے، اور اجنادین میں یہ تینوں مل گئے، رومی سپہ سالار نے ایک عرب کو سراغ رسانی کے لئے بھیجا، وہ دیکھ بھال کر جب واپس گیا تو سپہ سالار نے پوچھا کیا خبر لائے؟ اس نے کہا یہ لوگ رات کو عابد شب زندہ دار اور دن میدان جنگ کے شہسوار ہیں، اگر ان کا شہزادہ بھی کسی جرم کا مرتکب ہوتا ہے تو اس پر شرعی حد جاری کرتے ہیں، اس نے کہا اگر واقعی ان میں یہ صفات ہیں تو زمین

میں دفن ہو جانا، ان کے مقابلہ سے زیادہ بہتر ہے، غرض جمادی الثانی ۱۳ھ میں دونوں کا مقابلہ ہوا، رومی سپہ سالار مارا گیا اور رومیوں نے سخت ہزیمت اٹھائی۔

اجنادین کے معرکہ کے بعد عمرو بن العاصؓ بھی خالدؓ اور ابو عبیدہؓ کے ساتھ ہو گئے اور ایک حصہ فوج کے سردار تھے۔

دمشق..... اجنادین کے بعد اسلامی لشکر دمشق کی طرف بڑھا کہ شام کا صدر مقام تھا، اس لئے مسلمانوں نے اس کا بڑے اہتمام سے محاصرہ کیا، شہر پناہ کے تمام صدر دروازوں پر الگ الگ افسر متعین کیے، چنانچہ عمرو بن العاصؓ باب تو ما پر مامور تھے، عرصہ تک محاصرہ قائم رہا، اور آخر میں خالد بن ولیدؓ کی خوش تدبیری سے فتح ہوئی۔

فحل..... دمشق کی فتح کے بعد محل کا رخ کیا، لیکن رومی میں پہلے سے دریا کا بند توڑ کر بے سیان چلے گئے تھے، جس سے دونوں کے درمیان دنیا ئے آب رواں ہو گئی تھی اس لئے مسلمانوں نے یہیں فوجیں ٹھہرا دیں، اس معرکہ میں حضرت عمرو بن العاصؓ فوج کے ایک حصہ کے افسر تھے، مسلمان یہاں مقیم تھے کہ ایک دن اچانک اسی ہزار رومیوں نے عقب سے حملہ کر دیا اور ایک شبہ نہ روز سخت کشت و خون کے بعد شکست کھائی اور جدھر راستہ ملا بھاگے، مگر مسلمانوں نے تعاقب کر کے جہاں تک مل سکے قتل کیا، اس سے فارغ ہو کر بے سیان کا محاصرہ کیا، ایک دن رومیوں نے قلعہ سے نکل کر مقابلہ کیا، مگر سب کے سب مارے گئے، باقی ماندہ آبادی نے صلح کر لی۔

یرموک..... ان مسلسل اور پیہم شکستوں سے سارے روم میں کہرام مچ گیا اور رومیوں نے قیصر سے فریاد کی کہ مسلمانوں نے سارا شام ویران و تباہ کر ڈالا، وہ بھی ان کی تاخت و تاراج سے تنگ آچکا تھا، اس لئے سارے ممالک محروسہ میں فرمان جاری کر دیا کہ ساری فوجیں ایک جگہ جمع ہو جائیں اور جہاں تک آدمی مل سکیں بھرتی کیے جائیں، چنانچہ دولاکھ انسانوں کا دل اس حکم پر امنڈ آیا۔

حضرت عمرو بن العاصؓ نے مشورہ دیا کہ مسلمانوں کو ایک مرکز پر جمع ہو کر متحد قوت سے مقابلہ کرنا چاہیے، اور دربار خلافت سے بھی اسی مشورہ کی تائید ہوئی، چنانچہ اسلامی فوجیں ہر چہار طرف سے سمٹ کر یرموک میں جمع ہوئیں، چونکہ اس معرکہ میں سارا شام امنڈ آیا تھا اور مسلمانوں کی تعداد ان کی چوتھائی حصہ سے بھی کم تھی، اس لئے خالدؓ نے غیر معمولی توجہ سے کام لیا اور جدید طرز پر فوج، کو چھبیس ۲۶ حصوں پر تقسیم کیا، میمنہ کے بھی کئی ٹکڑے کر کے اس پر عمرو بن العاصؓ اور شریل بن حسنہ کو مقرر کیا۔ ۶ اور دونوں فوجیں پوری تیاری کے ساتھ میدان میں

۱۲ فوج البلدان ص ۱۲۷

۱۳ ایضاً

۱۴ طبری ص ۲۱۹۳

۱۵ ابن اثیر ج ۲ ص ۳۲۰

۱۶ طبری ص ۲۱۵۶

۱۷ فوج البلدان بلاذری ص ۱۴۱

اتریں، عرصہ تک لڑائی کا سلسلہ جاری رہا اور متعدد ہولناک لڑائیاں ہوئیں، حضرت عمرو بن العاصؓ بڑے جوش و خروش سے لڑتے تھے اور اپنی پر جوش تقریروں سے آگ لگا دیتے تھے ابتداء میں مسلمانوں کے پیرا کھڑ گئے تھے، بلکہ بہت سے میدان چھوڑ کر بھاگ نکلے تھے لیکن پھر سنبھل کر اس زور کا حملہ کیا کہ رومی پوری کوشش کے باوجود نہ ٹھہر سکے اور میدان بھی مسلمانوں کے ہاتھ رہا،

بقیہ فلسطین..... فلسطین کا کچھ حصہ عمرو بن العاصؓ دمشق کے قبل لے چکے تھے، لیکن درمیان میں دمشق، خل، یرموک وغیرہ کی مہموں کی وجہ سے پہلی مہم ناتمام رہ گئی تھی، اس لئے یرموک وغیرہ سے فراغت کے بعد عمرو بن العاصؓ پھر ادھر متوجہ ہوئے، اور غزہ، سبسطین، نابلس، لذ، یمنی، بیت، جبیریں، اور عمواس وغیرہ آسانی سے فتح کر کے یہ سلسلہ مکمل کر دیا۔

بیت المقدس..... لیکن ابھی فلسطین کا سب سے بڑا شہر ایلیا (بیت المقدس) باقی رہ گیا تھا اس لئے چھوٹے چھوٹے مقامات لینے کے بعد حضرت عمرو بن العاصؓ رومی سپہ سالار رطبون کو خط لکھا، اس نے جواب دیا کہ اجنادین کے علاوہ اب فلسطین کا ایک چپہ زمین بھی نہیں لے سکتے، اس جواب کے بعد انہوں نے بیت المقدس کا محاصرہ کر لیا، حضرت ابو عبیدہؓ بھی قسریں کی مہم سر کر کے پہنچ گئے، لیکن جنگ کی نوبت نہیں آئی، ایلیا والوں نے اس شرط پر شہر حوالہ کر دینے کا وعدہ کیا کہ خود امیر المؤمنین آ کر اپنے ہاتھ سے معاہدہ لکھیں چنانچہ ان خواہش کے مطابق حضرت عمرؓ نے شام کا سفر کیا اور صلح نامہ لکھ کر ان کے حوالہ کر دیا، اور شام کا یہ تبرک شہر جس کو انبیاء و رسل علیہم السلام کے آرام گاہ ہونے کا شرف حاصل تھا مسلمانوں کے قبضہ میں آ گیا، اور شام پر مکمل قبضہ ہو گیا۔

طاعون عمواس..... اسی سال شام، عراق اور مصر میں سخت طاعون پھیلا، ہزاروں جانیں ضائع ہو گئیں، عمرو بن العاصؓ نے مشورہ دیا کہ یہاں وبا کا زور ہے، اس لئے فوجیں ہٹا کر کسی محفوظ مقام پر بھیج دینی چاہیے، لیکن اسلامی فوج کے امیر حضرت ابو عبیدہؓ بڑے متوکل تھے، انہوں نے کہا یہ خدا کی رحمت ہے، اس میں بڑے بڑے صلحاء نے وفات پائی ہے اس سے فرار کے کیا معنی، چنانچہ انہوں نے عمواس کو نہیں چھوڑا اور خود بھی اس میں مبتلا ہو گئے، آخر میں انہوں نے حضرت عمرو بن العاصؓ کو اپنا جانشین مقرر کیا اور خود اسی رحمت کے دامن میں آ گئے، ان کی وفات کے بعد عمرو بن العاصؓ نے پیش قدمی روک کر طاعون زدہ مقامات سے فوجیں ہٹالیں۔

فتوحات مصر..... شام کا فیصلہ ہونے کے بعد بھی عمرو بن العاصؓ کے بلند حوصلے پورے نہ ہوئے، کیونکہ شام کی فتوحات میں خالدؓ اور عبیدہؓ کی قوتوں کو زیادہ دخل تھا اس لئے ان کو ایسے

میدان میں تلاش ہوئی جہاں تنہا اپنی تلوار کے جوہر دکھائیں اور چونکہ شام کے قریب مصر بہت زیادہ زرخیز اور شاداب مقام تھا اور عمرو بن العاصؓ زمانہ جاہلیت سے اس کی شادابی سے واقف تھے، اس لئے حضرت عمرؓ سے پیش قدمی کی اجازت چاہی، لیکن حضرت عمرؓ کو اجازت دینے میں دو وجوہوں سے پس و پیش ہوا، اول یہ کہ شام کی مہم سر کرنے کے بعد ابھی اسلامی فوجوں نے دم نہ لیا تھا، دوسرے مقوقس شاہ مصر کی قوت کا تھوڑی فوج سے مقابلہ کرنا دشوار تھا، لیکن آخر میں عمرو بن العاصؓ کے اصرار اور حوصلہ مندی سے مجبور ہو کر اجازت دے دی، اور ان کے جانے کے بعد زیر بن عوام کو ایک جمعیت کے ساتھ امداد کے لیے روانہ کر دیا، عمرو بن العاصؓ نے شام سے نکل کر پہلا مقام باب الیوان میں کیا۔

باب الیوان عمرو بن العاصؓ کے پہنچنے کے قبل آپ کی آمد کی اطلاع پا کر مصری فوجیں باب الیوان پہنچ گئی تھیں، ابو مریم مصر کا اسقف ان کی قیادت کر رہا تھا، اس لیے عمرو بن العاصؓ کے پہنچنے کے ساتھ ہی دونوں میں جھڑپ ہوئی، مگر عمرو بن العاصؓ نے لڑائی روک دی اور ابو مریم سے تخلیہ میں گفتگو کی خواہش کی، چنانچہ وہ دونوں آئے، انہوں نے اسلام پیش کیا اور آنحضرت ﷺ کی وصیت سنائی اور اسلام قبول کرنے کی صورت میں جزیہ کی شرط پیش کی، یہ دونوں چند دن کی مہلت لے کر استصواب کے لیے مقوقس کے پاس گئے، لیکن اربطون سپہ سالار مصر نے انکار کر دیا اور اہل مصر کو اطمینان دلایا کہ تم لوگ مطمئن رہو، میں مسلمانوں کو ہٹا دوں گا، حضرت عمرو بن العاصؓ کئی دن تک جواب کا انتظار کرتے رہے، مگر اس درمیان میں اربطون مقابلہ میں آگیا، مگر فاش شکست کھائی۔ ۳

عریش حضرت عمرؓ نے حضرت عمرو بن العاصؓ کو مصر پر فوج کشی کی اجازت تو دے دی تھی، مگر دل مطمئن نہ تھا، اس لیے وہ عریش تک پہنچے تھے کہ فرمان خلافت پہنچا کہ اگر مصر کے حدود میں داخل نہ ہوئے ہو تو واپس چلے آؤ اور پہنچ چکے ہو تو پیش قدمی جاری رکھو، یہ خط چونکہ عریش میں ملا، اس لیے واپس نہ ہوئے اور عریش لینے کے بعد فرما کی طرف بڑھے، اس کو جالینوس کا مدفن ہونے کی وجہ سے خاص اہمیت حاصل تھی، اور یہاں کے لوگ مقابلہ کے لیے پورے طور پر تیار تھے، اس لیے جیسے ہی اسلامی فوج پہنچی ان لوگوں نے نکل کر مقابلہ کیا مگر شکست کھائی۔ ۵

۱۔ کیونکہ یہ تجارت کے سلسلہ میں مصر آیا کرتے تھے،

۲۔ حضرت ہاجرہ حضرت ابراہیمؑ کی بیوی مصری تھیں، اس تعلق سے آپ نے مسلمانوں کو نصیحت فرمائی تھی کہ مصر والوں کے ساتھ اچھا سلوک کرتا

۳۔ طبری ۲۵۸۶ تا ۲۵۸۳، طبری کے بیان کے مطابق اربطون بھی اس میں مارا گیا، لیکن یہ غلط ہے کیوں کہ آئندہ متعدد محرکوں میں وہ شریک رہا،

۴۔ عریش شام کا مصر کی سرحد پر حکومت مصر کا ایک قریہ تھا،

۵۔ فتوح البلدان باب ۱۱ ذری ص ۲۲۰

عین شمس یا فسطاط..... فرما کی تسخیر کے بعد عمرو بن العاصؓ بلیس اور ام وین وغیرہ فتح کرتے ہوئے عین شمس پہنچے، عین شمس زمانہ قدیم میں بڑا عظیم الشان اور گنجان شہر تھا، یہاں آفتاب کا ہیکل تھا، جس کی تیرتھ کو ہزاروں آدمی آتے تھے، لیکن جس زمانہ میں مسلمانوں کا حملہ ہوا اس وقت تباہ ہو چکا تھا، بعد میں یہی مقام آباد ہو کر فسطاط کے نام سے مشہور ہوا۔

عمرو بن العاصؓ کے حملہ کے وقت اگرچہ یہاں کوئی آبادی نہ تھی، بلکہ چراگاہیں تھیں تاہم قصر شمس یہاں ایک قلعہ تھا، جس میں مقوقس کی فوج رہتی تھی، مصر کی تسخیر کے لیے اسکا لینا ضروری تھا، اس لیے عمرو بن العاصؓ نے بڑے اہتمام سے محاصرہ کی تیاریاں شروع کیں، اسی دوران میں زبیر بن عوامؓ بھی دس ہزار کی جمعیت لے کر پہنچ گئے اور دونوں نے دوستوں سے حملے شروع کر دیئے مگر قلعہ اس قدر مستحکم تھا کہ مہینے لگ گئے، آخر میں حضرت زبیر بن عوامؓ نے تنگ آ کرنگلی تلوار ہاتھ میں لی اور قلعہ کی فصیل پر چڑھ گئے آپ کو دیکھ کر بہت سے جانثار بیڑھی لگا کر پہنچ گئے اور سب لوگوں نے اس زور سے تکبیر کا نعرہ لگایا کہ قلعہ والے بدحواس ہو گئے اور سمجھے کہ مسلمان قلعہ میں آ گئے، اس لیے انہوں نے خود اس کے دروازے کھول دیئے اب ان کے لیے سوائے مصالحت کے کوئی چارہ کار نہ تھا، اس لیے صلح کی درخواست کی مسلمانوں نے منظور کر لی اور اتنی رعایت کی کہ فاتحانہ داخلہ کے باوجود شرائط بہت نرم رکھے، یہی مقام بعد میں آباد ہو کر فسطاط کے نام سے موسوم ہوا،

فتح اسکندریہ..... عین شمس کی فتح کے بعد عمرو بن العاصؓ نے حضرت عمرؓ سے اسکندریہ کی طرف پیش قدمی کی اجازت مانگی، وہاں سے اجازت ملنے کے بعد خارجہ بن حذافہ کو مفتوحہ مقامات کا حاکم مقرر کر کے اسکندریہ روانہ ہو گئے رومیوں اور قبطیوں کو پہلے سے اطلاع ہو چکی تھی، اس لیے انہوں نے آگے بڑھ کر روکنا چاہا اور اسکندریہ اور فسطاط کے درمیان مقام کر یوں میں دونوں کا سخت مقابلہ ہوا، رومی شکست کھا کر بھاگ گئے، عمرو بن العاصؓ بڑھتے ہوئے اسکندریہ پہنچے، یہاں کے باشندے مقابلہ کے لیے ہمہ تن تیار تھے، مگر مقوقس خود صلح کا خواہش مند تھا، اس لیے اس نے مفاہمت کی درخواست کی لیکن عمرو بن العاصؓ نے انکار کر دیا، اب مقوقس کے لیے سوائے اس کے کوئی چارہ نہیں رہ گیا کہ وہ رومیوں کی خواہش کے مطابق جنگ کے لیے آمادہ ہو جائے چنانچہ قلعہ کی فصیل پر فوجوں کی صف بندی کی اور مسلمانوں کو مرعوب کرنے کے لیے عورتوں کو بھی شامل کر لیا اور ان کے چہرے شہر کی طرف کر دیئے تاکہ مسلمان پہچان نہ سکیں، عمرو بن العاصؓ نے کہلا بھیجا کہ ہم یہ اہتمام سمجھتے ہیں، لیکن یاد رکھو ہم نے

۱۔ تقریری جلد ۱ ص ۳۷۱

۲۔ فتوح البلدان بلاذری ص ۲۲۰

۳۔ فتوح البلدان بلاذری ص ۲۲۰ دروازہ کھولنے کا واقعہ طبری میں ہے

۴۔ فتوح البلدان بلاذری ص ۲۲۷، ۲۲۸

فوج کی کثرت کے بل پر میدان نہیں سر کیے ہیں، تمہارے بادشاہ ہرقل کا جو زور و قوت میں تم سے کہیں بڑھ کر ہے، کیا انجام ہوا؟ مقوقس نے جو ہر موقع پر صلح کا پہلو ڈھونڈتا تھا، اسکندریہ والوں سے مخاطب ہو کر کہا کہ واقعی ہمارے شہنشاہ ہرقل کو ان لوگوں نے اس کے دارالسلطنت سے بھگا کر قسطنطنیہ پہنچا دیا، تو ہم لوگ کس شمار میں ہیں، اس کے جواب میں اسکندریہ والوں نے اس کو بہت برا بھلا کہا اور لڑائی کی تیاریاں ہونے لگیں۔

مقوقس ابتدا سے جنگ کا مخالف تھا، مگر ہرقل کے خوف سے جس کا وہ باج گزار تھا، علی الاعلان لڑائی سے کنارہ کش نہیں ہو سکتا تھا، لیکن درپردہ وہ برابر مسلمانوں سے صلح کی کوشش کرتا رہا، ہرقل کو اس کی اطلاع ہو گئی، وہ بہت برہم ہوا، اور اسی وقت اسکندریہ فوجیں روانہ کر دیں، لیکن مقوقس نے عمرو بن العاصؓ سے پہلے ہی خفیہ معاہدہ کر لیا تھا کہ یہ جنگ ہماری مرضی کے خلاف ہو رہی ہے اور ہم بوجہ مجبوری اس میں شریک ہیں اس لیے قبطیوں اور رومیوں میں امتیاز رکھنا اور قبطیوں کے ساتھ وہ سلوک نہ کرنا جس کے رومی مستحق ہیں، اس معاہدہ کے بعد قبطی ہر طرح سے مسلمانوں کے مددگار رہے اور ان کے لیے راستہ صاف کراتے اور گذرگا ہوں کے پلوں کی مرمت کرتے تھے۔

عرض اسکندریہ والوں کی تیاری کے بعد مسلمانوں نے اسکندریہ کا محاصرہ کر لیا لیکن قلعے اس قدر مضبوط اور مستحکم تھے کہ دو مہینہ تک کوئی نتیجہ نہ نکلا، اس درمیان میں صرف یہ واقعہ قابل ذکر پیش آیا کہ ایک دن قلعہ کے آڑ سے کچھ سوار برآمد ہوئے ان میں اور مسلمانوں میں ٹڈ بھڑ ہو گئی جس میں بارہ مسلمان شہید ہوئے، رومیوں کے لیے یہ معرکہ بہت اہم تھا کیونکہ اسکندریہ میں ان کا سب سے بڑا کنیسہ تھا اس کے نکل جانے کے بعد ان کی مرکزیت بالکل فنا ہو چکی تھی، اس لیے خود قیصر روم نے جنگ میں شرکت کی تیاریاں شروع کیں، مگر بد قسمتی سے ساز و سامان مکمل کرنے کے بعد خود چل بسا، اس کی موت سے رومیوں کی ہمت پست ہو گئی اور بہتوں نے جو اس کے ساتھ تیاریاں کر رہے تھے ارادہ فسخ کر دیا کہ بغیر بادشاہ کے لڑنا بے سود ہے، البتہ اسکندریہ کی فوجیں برابر مدافعت میں مشغول رہیں اور کبھی کبھی باشندگان اسکندریہ مسلمانوں سے دو چار ہاتھ کا تبادلہ بھی ہو جاتا تھا لیکن رومی برابر قلعہ میں رہتے تھے، ایک دن کچھ لوگ قلعہ سے نکلے اور ایک مسلمان کا سر کاٹ کر اس کو ساتھ لیتے گئے، مقتول کے قبیلہ کے لوگ بہت غضبناک ہوئے اور بغیر سر کی نعش دفنانے پر تیار نہ ہوئے، عمرو بن العاصؓ نے کہا اس عظیم و غضب سے کیا فائدہ اگر سر واپس لینا چاہتے ہو تو تم بھی کسی رومی کا سر کاٹ کر اس کو رومیوں کی طرف پھینک دو، چنانچہ ایک پادری ہاتھ آ گیا اس کا سر قلم کر کے کسی طرح رومیوں تک پہنچا دیا، اسکے جواب میں انہوں نے مقتول مسلمان کا سر پھینک دیا، چونکہ لڑائی طول پکڑتی جاتی تھی، اس

لئے ایک مسلمان نے مشورہ دیا کہ مجھنق نصب کر کے قلعہ پر سنگباری کی جائے لیکن عمرو بن العاصؓ نے کہا ایسی نازک حالت میں صف بندی توڑنا مناسب نہیں، ابھی تک جم کر دست بدست لڑائی کی نوبت نہیں آئی تھی، البتہ کبھی کبھی قلعہ والے نکل آتے تھے اور دو چار ہاتھ رو بدل کے بعد قلعہ بند ہو جاتے تھے، ایک دن قلعہ سے نکل کر لڑ رہے تھے کہ رومیوں کی صف سے آواز آئی کہ کون مسلمان میرے مقابلہ میں آتا ہے؟ حضرت مسلمہ بن مخلدؓ بڑھے، مگر بھاری بھر کم آدمی تھے اس لیے حملہ کرتے وقت گھوڑے پر سنبھل نہ سکے اور رومی نے بچھاڑ دیا مگر مسلمانوں نے بڑھ کر بچا لیا، عمرو بن العاصؓ کو غصہ آگیا، انہوں نے کہا ایسے نامردوں کو میدان میں آنے کی کیا ضرورت تھی، مسلمہؓ کو بہت ناگوار ہوا، مگر مصلحت وقت کے خیال سے خاموش رہے اور لڑائی کا بازار گرم ہو گیا، مسلمان رومیوں کو جوش میں دباتے ہوئے قلعہ کے اندر تک چلے گئے اور دیر تک قلعہ کے اندر لڑتے رہے، لیکن پھر رومیوں نے سنبھل کر مسلمانوں کو قلعہ کے باہر کر دیا، ان کے نکلنے کے بعد رومیوں نے قلعہ کا دروازہ بند کر لیا، اتفاق سے چار آدمی جن میں ایک عمرو بن العاصؓ اور دوسرے مسلمہؓ تھے قلعہ ہی میں رہ گئے رومیوں کی نظر پڑی تو کہا کہ اب تم ہمارے بس میں ہو، اس لیے بہتر یہی ہے کہ اپنے کو ہمارے حوالہ کر دو، بیکار جان دینے سے کیا فائدہ عمرو بن العاصؓ نے کہا کہ یہ نہیں ہو سکتا، البتہ اگر تم ہم کو چھوڑ دو تو تمہارے قیدی واپس کر دیئے جائیں گے، رومی اس پر آمادہ نہ ہوئے اور رہائی کی یہ شرط ٹھہری کہ چار محصورین میں سے کوئی ایک کسی رومی کا مقابلہ کرے اگر مسلمان فتیاب ہو جائے تو سب چھوڑ دیئے جائیں گے ورنہ انہیں حوالہ کر دینا ہو گا، عمرو بن العاصؓ راضی ہو گئے، اور خود مقابلہ میں آنا چاہا، مگر مسلمہؓ نے سمجھایا کہ آپ امیر ہیں، اگر آپ کو کوئی صدمہ پہنچا تو فوج کا کیا حشر ہو گا، اس لیے مجھ کو نکلنے دیجئے ان کی سمجھ میں یہ بات آگئی اور مسلمہؓ مقابلہ میں آئے، خوش قسمتی سے وہی ایک ہاتھ میں رومی کو گرا دیا اور اس طرح سے ان لوگوں کی جان بچ گئی، ان کے چھوٹنے کے بعد رومیوں کو معلوم ہوا کہ ان میں اسلامی لشکر کے سپہ سالار عمرو بن العاصؓ بھی تھے مگر اب سوائے پشیمانی کے کیا ہو سکتا تھا اس لئے ہاتھ مل کر رہ گئے مسلمہؓ گوڈاٹھنے پر بہت نادم تھے، اس لیے رہائی کے بعد سب سے پہلے ان سے معافی مانگی، مسلمہؓ نے نہایت خوش دلی سے معاف کر دیا اور پھر بدستور محاصرہ میں مشغول ہو گئے اسکندر یہ کے محاصرہ کو قریب قریب دو سال ہو چکے تھے، لیکن ہنور روز اوّل تھا، حضرت عمرؓ اس تاخیر سے بہت پریشان تھے، چنانچہ انہوں نے لکھ بھیجا کہ تم لوگ دو سال سے جے ہوئے ہو، لیکن ابھی تک کوئی نتیجہ نہ نکلا معلوم ہوتا ہے، رومیوں کی طرح تم بھی عیش و عشرت میں اور ہوا و ہوس میں پڑ کر اپنے فرائض اور خلوص نیت کو بھول گئے جس وقت تم کو میرا خط ملے، لوگوں کے سامنے جہاد پر تقریر کرو، اور جن چار آدمیوں کو میں نے بھیجا تھا ان کو فوج کے آگے کر کے جمعہ کے دن حملہ کر دو عمرو بن العاصؓ نے فوج کو یہ خط سنا دیا اس سے ان لوگوں میں نیا جوش پیدا ہو گیا اور فوج کو مرتب

کر کے حضرت عبادہ بن صامتؓ کے نیزے پر جو بڑے رتبہ کے صحابی تھے، اپنا عمامہ لٹکا کر ان کے حوالہ کیا کہ یہ علم لیجئے اور آپ اس فوج کے سردار ہیں، حضرت عبادہؓ نے اس جوش و خروش سے حملہ کیا کہ پہلے ہی حملہ میں رومیوں کے پاؤں اکھڑ گئے، اور ان کو خشکی و تری جس راستہ سے جدھر راہ ملی بھاگ نکلے، عمرو بن العاصؓ نے ایک ہزار آدمی متعین کر کے خشکی کی سمت رومیوں کا تعاقب کیا، ادھر وہ تعاقب میں مصروف تھے، رومیوں نے بحری راستہ سے پلٹ کر حملہ کر دیا، اور جس قدر مسلمان ملے بے دریغ قتل کر دیئے، عمرو بن العاصؓ کو معلوم ہوا تو تعاقب چھوڑ کر لوٹ پڑے، رومیوں کا یہ حملہ صرف اتفاقی تھا، ان کی قوت ٹوٹ چکی تھی، اس لئے عمرو بن العاصؓ کو دوبارہ کوئی زحمت پیش نہیں آئی، اور آسانی سے زیر کر لیا، اور معاویہ بن خدیج کو فتح کا مژدہ سنانے کے لئے دار الخلافہ روانہ کیا، وہ بجلت منزلیں طے کرتے ہوئے ٹھیک دو پہر کے وقت مدینہ پہنچے اور سیدھے مسجد نبویؐ میں چلے گئے اتفاق سے اس وقت حضرت عمرؓ کی لونڈی اس طرف سے گذری، اس نے انہیں مسافرانہ شکل میں دیکھ کر پوچھا تم کون ہو؟ کہا معاویہ بن خدیج، عمرو بن العاصؓ کا قاصد اس نے حضرت عمرؓ کو اطلاع دی، آپ نے فوراً طلب کیا، ان کے پہنچتے پہنچتے وہ خود آنے کو تیار ہو رہے تھے۔ دیکھنے کے ساتھ ہی پوچھا کیا خبر لائے، عرض کیا خدا نے کامیاب کیا، یہ مژدہ سن کر حضرت عمرؓ نے اسی وقت منادی کرانی اور مسجد نبویؐ میں تمام مسلمانوں کے سامنے خود معاویہؓ کی زبان سے فتح کے حالات سنوائے پھر پوچھا کہ تم سیدھے مسجد میں کیوں چلے گئے، عرض کیا دو پہر کا وقت تھا، میں نے خیال کیا کہ آپ آرام فرماتے ہوں گے، جواب دیا کیا میں دن کو سو کر عایا کو تباہ کرتا ہوں اگرچہ اسکندر یہ کو مسلمانوں نے بزور شمشیر فتح کیا تھا، لیکن شہر کے امن و امان میں کوئی فرق نہیں آنے پایا اور عام آبادی میں سے کسی کو قتل یا قید نہیں کیا گیا۔ بلکہ جزیہ اور خراج تشخیص کرنے کے بعد کامل امن و امان ہو گیا۔

مصر کی تسخیر کے بعد اگرچہ وہاں رومیوں کی قوت بالکل ٹوٹ چکی تھی، تاہم منتشر طور پر جا بجا ابھی ان کی آبادیاں باقی رہ گئی تھیں، اس لئے عمرو بن العاصؓ نے ہر طرف تھوڑی تھوڑی فوجیں روانہ کر دیں، تاکہ آئندہ بغاوت کا خطرہ باقی نہ رہے، چنانچہ خارجہ بن حذافہؓ نے فیوم اشمونین، بشروات، اشمیم اور صعید، مصر کے تمام مواضعات لئے اور عمیر بن وہب نے تملیس، ومیاط، تونہ دیمیرہ شطا، وقہلا، بوسیر وغیرہ پر قبضہ کر لیا اور یہاں کی کل آبادی نے فسطاط کے شرائط پر صلح کر لی، ۳۱ اور عقبہ بن عامر یا دردان نے مصر کی آبادیوں پر قبضہ کیا اور مصر و اسکندریہ پر پورا

۱۔ یہ تمام تفصیلات مقریزی ج ۱ ص ۲۶۳، سے ماخوذ ہیں اور بعض واقعات طبری سے لئے گئے ہیں،

۲۔ فتوح البلدان ص ۲۲۸،

۳۔ ایضاً ص ۲۲۲

تسلط ہو گیا۔

فتوحات مغرب برقہ عمرو بن العاصؓ کی فتوحات کا سیلاب اسکندریہ پہنچنے کے بعد برقہ کی طرف مزا، برقہ فسطاط سے بیس پچیس منزل کی مسافت پر اسکندریہ اور طرابلس کے درمیان ایک زرخیر، سیر حاصل اور آباد رقبہ زمین تھا، یہاں کی آبادی بہت مرفہ الحال تھی، یہ قطعہ متعدد شہریوں پر مشتمل تھا، انطا بلس یہاں کا بڑا شہر تھا، یہ لوگ حکومت مصر کے باجگذار تھے، عمرو بن العاصؓ نے انطا بلس پہنچ کر اس کا محاصرہ کر لیا، برقہ والے بہت نرم خو اور اطاعت شعار تھے، اسے لئے بلا کسی مزاحمت کے جزیہ قبول کر لیا، اور تیرہ ہزار دینار سالانہ پر صلح ہو گئی۔

زوہیلہ برقہ سے فارغ ہو کر عقبہ بن نافعؓ کو زوہیلہ روانہ کیا، سوڈان کی سرحد پر ایک آباد شہر تھا، برقہ اور زوہیلہ کی درمیانی آبادیوں نے بلا کسی جنگ کے خود سے اطاعت قبول کر لی، زوہیلہ والوں نے بھی بخوشی جزیہ دینا منظور کر لیا۔

طرابلس الغرب زوہیلہ کے بعد طرابلس کا رخ کیا، طرابلس بحر روم کے ساحل پر آباد ہے، یہ مقام اس زمانہ میں افریقہ کے ممتاز ترین مقامات میں تھا، عمرو بن العاصؓ نے طرابلس کے مشرق میں فوجیں اتار دیں اور نہایت اہتمام سے اس کا محاصرہ کیا، دو مہینہ تک برابر محاصرہ جاری رہا، لیکن کہیں سے اندر جانے کا راستہ نہ ملتا تھا، ایک دن کچھ مسلمان شکار کو نکلے، واپسی میں دھوپ سخت تھی، اس لئے یہ لوگ دریا کے کنارہ کنارہ واپس ہوئے، شہر کے قریب پہنچ کر دیکھا کہ شہر اور دریا کے درمیان کوئی فصیل یا شہر پناہ وغیرہ نہیں ہے، اور دریا کے گھٹاؤ کی وجہ سے درمیان میں خشک راستہ بھی چھوٹا ہوا ہے، انہوں نے آ کر فوراً عمرو بن العاصؓ کو اطلاع دی چنانچہ مسلمان اسی وقت حملہ کے لئے تیار ہو گئے اور اسی راستہ سے فوراً حملہ کر دیا اس ناگہانی حملہ سے شہر والے بالکل بدحواس ہو گئے، دریائی راستہ سے بھاگنا آسان نہ تھا کیونکہ درمیان میں مسلمان حائل تھے، اس لئے شہر ہی میں کشت و خون ہوا، چونکہ مسلمانوں کا حملہ بالکل اچانک تھا، طرابلس والے پہلے سے تیار نہ تھے، اس لئے تسخیر میں زیادہ دشواری نہ ہوئی، اور آسانی سے زیر کر لیا

سبرہ طرابلس سے آگے بڑھ کر سبرہ ایک شہر پڑتا تھا، طرابلس کی تسخیر کے بعد عمرو بن العاصؓ خود وہیں رہے اور تھوڑی فوج سبرہ بھیج دی، یہ لوگ علی الصباح سبرہ پہنچ گئے، اہل شہر طرابلس کے واقعہ سے لاعلم تھے، اس لئے حسب معمول صبح سویرے شہر کا پھاٹک کھول کر اپنے

۱۔ معجم البلدان "برقہ"

۲۔ اذری ص ۲۳۱

۳۔ ایضاً ص ۲۳۲

۴۔ معجم البلدان ج ۶ ص ۳۵، ابن اثیر

اپنے کاروبار میں لگ گئے، مسلمانوں نے یلغار کر کے زبردستی شہر میں داخل ہو کر قبضہ کر لیا اور کشت و خون کی نوبت نہیں آئی۔

ان مہموں کے بعد عمرو بن العاصؓ نے حضرت عمرؓ کو لکھا کہ طرابلس فتح ہو چکا ہے افریقہ (تونس، مراکش اور الجزائر وغیرہ) یہاں سے صرف نو دن کی مسافت پر ہے، اگر امیر المومنین مناسب سمجھیں تو آگے پیش قدمی کی جائے، وہاں سے حکم آگیا کہ افریقہ کے باشندے شورش پسند ہیں، اپنے حکمرانوں سے ہمیشہ بغاوت کرتے ہیں، اس لئے آگے بڑھنے کی ضرورت نہیں چنانچہ عمرو بن العاصؓ نے آگے پیش قدمی روک دی۔

مصر کی گورنری اور اسکندریہ کی بغاوت..... ان فتوحات کے بعد حضرت عمرؓ نے عمرو بن العاصؓ کو مصر کی حکومت پر سرفراز کیا، کچھ دنوں کے بعد ان کا انتقال ہو گیا اور حضرت عثمانؓ سریر آرائے خلافت ہوئے، اسی زمانہ میں اسکندریہ والوں نے بغاوت کر دی، اس کا سبب یہ ہوا کہ رومی اسکندریہ پر مسلمانوں کے قبضے کے وقت سے ہمیشہ اس کے واپس لینے کی فکر میں رہتے تھے، اسکندریہ بحر روم میں ان کی نہایت اہم بندرگاہ تھی، اس کے نکل جانے کے بعد ان کے تمام افریقی مقبوضات خطرہ میں پڑ گئے تھے، چنانچہ انہوں نے اسکندریہ کی رومی آبادی سے خط و کتابت کر کے اس کو بغاوت پر آمادہ کر لیا اور ان کی مدد کے لئے قسطنطنیہ سے عظیم الشان لشکر بھیجا، لیکن قبلی آبادی میں اس میں کوئی حصہ نہیں لیا اور مقوقس صلح پر قائم رہا، عمرو بن العاصؓ کو معلوم ہوا تو وہ مقابلہ کو نکلے، دونوں میں سخت معرکہ ہوا، رومی شکست کھا کر اسکندریہ کے اندر داخل ہو گئے، مسلمانوں نے شہر کے اندر داخل ہو کر جہاں تک ہو سکا مارا، منویل خضی رومی سپہ سالار مارا گیا، جب یہاں بھی پناہ نہ ملی تو اسکندریہ سے نکل کر بھاگے۔

اور چونکہ قبطیوں نے ان کا ساتھ نہیں دیا تھا، اس لئے جذبہ انتقام میں ان آبادیوں کو لوٹتے ہوئے نکل گئے، بدحواسی میں اپنے حامیوں کو بھی تاخت و تاراج کر دیا، جب مسلمانوں کا کامل تسلط ہو گیا تو قبلی عمرو بن العاصؓ کے پاس فریاد لے کر آئے کہ رومیوں نے ہمارا سارا مال و متاع لوٹ لیا، ہم نے مسلمانوں سے بغاوت نہیں کی تھی، اس لئے ہم کو واپس دلایا جائے، انہوں نے شناخت کرا کے جن جن لوگوں کا مال تھا واپس کر دیا اور آئندہ بغاوت کے خطرہ سے بچنے کے لئے اسکندریہ کی شہر پناہ تڑوا دی۔

معزولی..... ۲۶ھ میں حضرت عثمانؓ نے عمرو بن العاصؓ کو مصر کی گورنری سے علیحدہ کر دیا، حضرت عثمانؓ پر ان کے مخالفین کی جانب سے جو اعتراضات کیے جاتے ہیں ان میں سے ایک یہ

۱ ابن اثیر ج ۳ ص ۲۰

۲ فتوح البلدان بلاذری ص ۲۳۳

۳ طبری ج ۵ ص ۸۱۳

بھی ہے کہ انہوں نے اتنے بڑے فاتح اور سپہ سالار کو معزول کر کے دانشمندی کا ثبوت نہیں دیا، جس نے مصر، اسکندریہ، اور طرابلس کا تختہ الٹ دیا تھا، لیکن درحقیقت حضرت عثمانؓ ان کی معزولی پر مجبور ہو گئے تھے وہ بلا وجہ معزول نہیں کرتے تھے، طبری کے یہ الفاظ ہیں، "وكان لا يعزل احدا عن شكاة او استغاثة يعني حضرت عثمانؓ کسی کو بغیر شکایت یا استغاثہ کے معزول نہیں کرتے تھے، واقعہ یہ ہے کہ پیہم اس قسم کے حالات پیش آتے گئے کہ حضرت عثمانؓ ان کی معزولی کے سوا اور کوئی چارہ کار نظر نہ آیا مصر کی فتح کے بعد سے برابر عمرو بن العاصؓ ہی یہاں کے حکمران رہے، البتہ حضرت عمرؓ نے اپنے عہد خلافت میں مصر کے ایک چھوٹے حصہ کا جو سعید مصر کے نام سے موسوم ہے، عبد اللہ بن سعد بن ابی سرح کو والی بنایا تھا، لیکن یہ تقرر بھی عمرو بن العاصؓ پر بار تھا اور وہ مصر میں کسی کو بھی اپنے سوانہ دیکھنا چاہتے تھے، لیکن حضرت عمرؓ کی زندگی میں ان کی ہیبت سے عبد اللہؓ کے خلاف کوئی کارروائی نہ کر سکے، آپ کی وفات کے بعد ہی حضرت عثمانؓ سے عبد اللہؓ کی معزولی کی درخواست کی، لیکن آپ نے قبول نہ کی۔

مصر نہایت زرخیر ملک ہے، لیکن عمرو بن العاصؓ کے زمانہ میں اس کی زرخیزی کے تناسب سے خراج نہ ملتا تھا، اور حضرت عمرؓ ہی کے زمانہ سے اس کی شکایت چلی آئی تھی، حضرت عمرؓ نے اس بارہ میں ان کی ایک سخت خط بھی لکھا تھا، یہ خط اور اس کا جواب مقریزی میں موجود ہے، حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں بھی یہ شکایت برقرار قائم رہی، انہوں نے بھی ان کو لکھا، مگر عمرو بن العاصؓ نے صاف جواب دیا کہ "گائے اس سے زیادہ دودھ نہیں دے سکتی"، اس جواب پر حضرت عثمانؓ نے خراج کا عہدہ ان سے نکال کر عبد اللہ بن سعد کے متعلق کر دیا، عمرو بن العاصؓ، عبد اللہ بن سعدؓ کا تعلق سعید مصر ہی سے بمشکل برداشت کیے ہوئے تھے، اس انتظامی تغیر نے دونوں کے تعلقات اور زیادہ کشیدہ کر دیئے اور دونوں ایک دوسرے کے خلاف دربار خلافت میں شکایات بھیجنے لگے، عبد اللہ بن سعد لکھتے تھے کہ عمرو بن العاصؓ خراج کی وصولی میں رخنہ انداز ہوتے ہیں اور عمرو بن العاصؓ لکھتے کہ عبد اللہؓ جنگی تدبیروں میں رکاوٹ پیدا کرتے ہیں، اس لئے یہ دو عملی عرصہ تک نہ چل سکی، اور حضرت عثمانؓ نے عمرو بن العاصؓ کو مصر سے معزول کر کے عبد اللہ بن سعد بن ابی سرح کو مستقل والی بنادیا، یہ طبری اور ابن اثیر کی روایت ہے، لیکن کتاب الولاۃ اور حسن المحاضرہ کی روایت کے مطابق عمرو بن العاصؓ اسکندریہ کی بغاوت سے پہلے ہی معزول ہو چکے تھے، اور ان ہی کی معزولی سے اسکندریہ والوں میں بغاوت کا حوصلہ پیدا ہوا تھا اور بغاوت برپا ہونے کے بعد پھر حضرت عثمانؓ کو مجبور ہو کر ان کو اس کے فرو کرنے پر مامور کرنا

۱۔ کتاب الولاۃ کندی ص ۱۰

۲۔ مقریزی ج ۱ ص ۱۲۵

۳۔ ابن اثیر ج ۳ ص ۲۵۳

بڑا، جب وہ بغاوت کا خاتمہ کر چکے تو حضرت عثمانؓ نے ان کو امارت جنگ کے عہدہ بحال کرنا چاہا لیکن انہوں نے قبول نہ کیا اور جواب دیا کہ یہ نہیں ہو سکتا کہ ”سینگ میں پکڑوں اور دودھ دوسرا دوڑھے“، اس روایت کے مطابق عمرو بن العاصؓ کی معزولی کا واقعہ ۲۵ھ میں پیش آیا عمرو بن العاصؓ اپنی معزولی پر حضرت عثمانؓ سے اس درجہ برہم ہوئے کہ جب معزولی کے بعد مصر سے مدینہ آئے اور حضرت عثمانؓ سے ملاقات ہوئی تو وہ ان کی باتوں کا ٹھیک جواب بھی نہ دیتے تھے، جس وقت ان کی حضرت عثمانؓ سے پہلی مرتبہ ملاقات ہوئی، اس وقت یہ لبادہ پہنے ہوئے تھے، حضرت عثمانؓ نے پوچھا اس لبادہ میں کیا بھرا ہے، جواب دیا، عمرو بن العاصؓ، حضرت عثمانؓ نے کہا یہ تو میں بھی جانتا ہوں، امیرا مطلب یہ ہے کہ روئی ہے یا اور کوئی چیز؟ پھر پوچھا تم نے عبداللہ بن سعد کو مصر میں کس حالت میں چھوڑا، کہا جس حال میں آپ چاہتے تھے، پوچھا اس کا کیا مطلب، کہا اپنے نفس کے لئے قوی اور خدا کے لئے ضعیف، فرمایا میں نے ان کو تمہارے نقش قدم پر چلنے کی ہدایت کی تھی، جواب دیا آپ نے ان کی طاقت سے زیادہ ان پر بار ڈالا، اس وقت عبداللہ بن سعد کا بھیجا ہوا خراج پہنچ چکا، اور اس کی تعداد عمرو بن العاصؓ کے زمانہ کے خراج سے بہت زیادہ تھی، حضرت عثمانؓ نے ان سے کہا ”دیکھو اونٹنی نے دودھ دیا“۔ انہوں نے کہا ”ہاں لیکن بچے بھوکے رہ جائیں گے، مگر عمرو بن العاصؓ معزولی کے بعد بھی حضرت عثمانؓ کے اسی طرح خیر خواہ رہے، جس طرح معزولی کے قبل تھے، چنانچہ جب مصر سے باغیوں کا گروہ چلا اور حضرت عثمانؓ کو اس کی اطلاع ہوئی تو آپ نے عمرو بن العاصؓ کو سمجھانے کے لئے بھیجا، انہوں نے اپنے سابق اثر سے کام لے کر ان کو واپس کیا، اور شہر کے لوگوں کو جمع کر کے حضرت عثمانؓ کی طرف سے صفائی پیش کی۔

حضرت عثمانؓ کو جب بھی مشکلات پیش آتی تھیں تو عمرو بن العاصؓ سے مشورہ کرتے تھے، یہ نہایت خیر خواہی سے مشورہ دیتے تھے، سازش کے زمانہ میں جب باغیوں نے اپنے مطالبات پیش کیے تو آپ نے ایک مجلس شوریٰ منعقد کی، اس کے ایک رکن عمرو بن العاصؓ بھی تھے، تمام اراکین سے مشورہ کرنے کے بعد عمرو بن العاصؓ سے خاص طور پر ان کی رائے پوچھی، انہوں نے کہا آپ ضرورت سے زیادہ نرمی کرتے ہیں، گرفت کے موقعوں پر چشم پوشی کر جاتے ہیں، عمرؓ سے زیادہ آپ نے لوگوں کو آزادی دے رکھی ہے، میرا مشورہ یہ ہے کہ ملکی انتظام میں اپنے پیشرو ابو بکرؓ و عمرؓ کے نقش قدم پر چلئے، اور نرمی کے موقع پر نرمی اور سختی کے موقع پر سختی سے کام لیجئے۔

۱۔ ابن اثیر ج ۳ ص ۶۸،

۲۔ یعقوبی ج ۱ ص ۱۸۹۲،

۳۔ ایضاً،

۴۔ ایضاً ص ۲۰۲، ۲۰۳،

۵۔ طبری ص ۹۳۵

عہد علیؑ و معاویہؓ..... معزولی کے بعد عمرو بن العاصؓ نے سیاسی زندگی سے کنارہ کش ہو کر فلسطین میں اقامت اختیار کر لی تھی اور کبھی مدینہ آ جاتے تھے، حضرت عثمانؓ کے محصور ہونے کے وقت مدینہ میں موجود تھے، لیکن جب دیکھا کہ فتنہ و فساد کے شعلے قابو سے باہر ہو گئے یہ کہہ کر کہ عثمانؓ کے قتل میں جس کا ہاتھ ہوگا، اس کو خدا ذلیل کرے گا، جو شخص ان کی مدد نہ کر سکتا ہوا اس کو مدینہ چھوڑ دینا چاہیے اور خود شام چلے گئے، مگر دل برابر ان میں لگا رہا ہر آنے جانے والے سے حالات پوچھ لیا کرتے تھے، اس کے بعد حضرت عثمانؓ کی شہادت کا واقعہ کبریٰ پیش آیا، پھر جنگ جمل کا ہنگامہ ہوا، مگر انہوں نے دائرہ عزالت سے باہر قدم نہیں نکالا۔

پھر جب حضرت علیؑ اور امیر معاویہؓ میں اختلاف شروع ہوا اور حضرت علیؑ نے جریر ابن عبد اللہ بجلي کو بیعت کے لئے امیر معاویہؓ کے پاس بھیجا اور یہ مطالبہ کیا کہ بیعت کرو، ورنہ جنگ کے لئے تیار ہو جاؤ تو معاویہؓ نے اپنے خاندان والوں سے مشورہ کیا، عتبہ بن ابی سفیان نے رائے دی کہ عمرو بن العاصؓ کو بلا کر ان سے مشورہ لو، عمرو بن العاصؓ اس وقت فلسطین میں تھے، بلا کر آئے، معاویہؓ نے کہا اس وقت کئی مہینے درپیش ہیں، محمد بن حنفیہ قید خانہ توڑ کر اپنے ساتھیوں سمیت فرار ہو گئے ہیں، قیصر روم علیحدہ چڑھائی پر آمادہ ہے تیسرا اور سب سے اہم معاملہ یہ ہے کہ علیؑ نے بیعت کا مطالبہ کیا ہے اور انکار کی صورت میں جنگ پر آمادہ ہیں، قیصر روم کے قیدی چھوڑ کر اس سے مصالحت کر لو، علیؑ کا معاملہ ایسے بہت اہم ہے، مسلمان کبھی بھی تم کو ان کے برابر نہ سمجھیں گے، معاویہؓ نے کہا وہ عثمانؓ کے قتل میں معاون تھے، امت اسلامیہ میں پھوٹ ڈال کر فتنہ پیدا کیا، عمرو بن العاصؓ نے کہا لیکن تم کو سبقت اسلام اور قرابت نبویؐ کا شرف حاصل نہیں ہے اور میں تمہارے مقصد کے حصول کے لئے خواہ مخواہ کیوں تمہاری مدد کروں، امیر معاویہؓ نے کہا آخر کیا چاہتے ہو، عمرو بن العاصؓ نے کہا ”مصر“، معاویہؓ نے کہا تم مصر چاہتے ہو اور مصر کی طرح عراق سے کم نہیں ہے، عمرؓ نے کہا ہاں، لیکن مصر کا مطالبہ اس وقت ہے، جب علیؑ کو تم مغلوب کر چکے ہو گئے اور دنیا تمہارے زیر نگیں ہوگی، اس گفتگو کے بعد عمرو بن العاصؓ اپنی قیام گاہ پر چلے گئے، عتبہ نے معاویہؓ سے پھر اصرار کیا کہ مصر دے کر کیوں نہیں فائدہ اٹھاتے، ان کے اصرار پر معاویہؓ راضی ہو گئے، اور دوسرے دن صبح کو عمرو بن العاصؓ سے مصر دینے کا تحریری وعدہ کر لیا۔ ۳

عمرو بن العاصؓ نے مشورہ دیا کہ پہلے عمائد شام کے دلوں میں یہ بٹھادو کہ حضرت عثمانؓ کی

شہادت میں علیؑ کا ہاتھ تھا، پھر ان کو ان کی مخالفت پر آمادہ کرو، ورنہ کامیابی ناممکن ہے، اور سب سے پہلے شریح بن سمطہ کنڈی کو جو شام کے با اثر آدمی ہیں، یقین دلا کر اپنا ہم خیال بناؤ، غرض امیر معاویہؓ نے ان کی بتائی ہوئی تدبیروں سے عمائد شام کو یقین دلایا کہ عثمانؓ کے خون بے گناہی سے علیؑ کا ہاتھ بھی رنگین ہے، شریح بن سمطہ کو پورا یقین ہو گیا اور انہوں نے شام کا دورہ کر کے لوگوں کو حضرت علیؑ کے خلاف ابھارنا شروع کیا، اور معاویہؓ نے خلیفہ مظلوم کے خون آلود پیراہن اور حضرت عائشہؓ کی کٹی ہوئی انگلیوں کی نمائش کر کے سارے شام میں آگ لگا دی، لوگ آتے تھے، اور یہ المناک نظارہ دیکھ دیکھ کر روتے تھے، یہاں تک کہ انہوں نے قسم کھالی کہ جب تک قاتلین عثمانؓ کو قتل نہ کریں گے اس وقت تک نہ بستر پر لیٹیں گے نہ عورتوں کو چھویں گے۔

اس کے بعد طرفین نے جنگی تیاریاں شروع کر دیں اور عمرو بن العاصؓ شام کی فوج کے امیر العسکر مقرر ہوئے اور وہ المناک جنگ شروع ہوئی جو تاریخ اسلام میں جنگ صفین کے نام سے مشہور ہے، اس جنگ کا سلسلہ مدتوں رہا، آخری فیصلہ کن معرکہ کے بعد جب عمرو بن العاصؓ کو یقین ہو گیا کہ اب شامی ہیں زیادہ دیر تک میدان میں نہیں ٹھہر سکتے تو یہ تدبیر کہ نیزوں پر قرآن آویزاں کر کے اعلان کرادیا کہ کتاب اللہ سے جو فیصلہ ہو جائے اس پر ہم راضی ہیں قرآن پاک کے اٹھتے ہی کوفیوں نے جنگ سے ہاتھ روک لیا، حضرت علیؑ لاکھ سمجھاتے رہے کہ یہ محض فریب ہے لیکن کسی نے نہ سنا، جب اختلاف کا خطرہ بڑھا تو آپؐ بھی چارونا چار آمادہ ہو گئے۔ دوسرے دن امیر معاویہؓ کے پاس آدمی بھیجا کہ تحکیم کا طریقہ کیا ہوگا، انہوں نے کہا ایک حکم تمہارا ہوا اور ایک ہمارا، دونوں کتاب اللہ کی رو سے جو فیصلہ کر دیں وہ دونوں کے لئے واجب التسلیم ہوگا، غرض عمرو بن العاصؓ شامیوں کی جانب سے اور ابو موسیٰ کوفیوں کی جانب سے حکم مقرر ہوئے اور ثالثی نامہ تحریر ہوا، ”حکمین اختلاف امت کا خیال رکھتے ہوئے کتاب اللہ اور سنت رسول ﷺ کی رو سے عدل و انصاف کے ساتھ جو فیصلہ کر دیں گے، وہ طرفین کے لئے واجب التسلیم ہوگا اور جو فریق اس کو نہ مانے گا اس کے خلاف دونوں حکم مدد دیں گے اگر درمیان میں کوئی مر گیا تو اس فریق کو دوسرا حکم مقرر کرنے کا اختیار ہوگا“ اس ثالثی کے بعد دونوں نے اپنی اپنی فوجیں ہٹالیں اور عمرو بن العاصؓ اور ابو موسیٰ اشعرئؓ سے تبادلہ خیالات شروع ہوا جس کا خلاصہ یہ ہے۔

عمرو بن العاصؓ: آپ کو معلوم ہے کہ عثمانؓ مظلوم شہید کیے گئے۔

ابو موسیٰؓ: بیشک۔

عمرو بن العاصؓ: آپ کو یہ بھی معلوم ہے کہ معاویہؓ ان کے طرفدار ہیں۔

ابو موسیٰؓ: یہ بھی صحیح ہے۔

عمرو بن العاصؓ: ایسی صورت میں قرآن کا یہ حکم ہے، ”ومن قتل مظلوماً فقد جعلنا لولہ

سلطاناً فلا یسرف فی القتل انه کان منصوراً“ اس کے علاوہ نسباً بھی وہ قریشی ہیں، ہاں سابقین اولین میں نہیں ہیں، یہ کوئی ایسا مانع نہیں ہے۔ اسکے علاوہ ان میں اور بہت سے اوصاف موجود ہیں، انہوں نے خلیفہ مظلوم کی حمایت کی حسن تدبیر اور حسن سیاست میں یگانہ ہیں، ام المؤمنین ام حبیبہؓ کے بھائی اور آنحضرت ﷺ کے صحابی ہیں۔

ابوموسیٰؓ: عمرو بن العاصؓ! خدا کا خوف کرو، تم نے معاویہ کے جو فضائل بیان کیے، ان میں سے کوئی بھی ایسے نہیں ہیں، جو ان کو خلافت کا مستحق بناتے ہوں اگر محض شرافت پر استحقاق خلافت کا انحصار ہوتا تو آل ابرہہ ان سے زیادہ مستحق ہوتے خلافت محض اہل دین اور صاحب فضل افراد کا حق ہے، اگر شرف کی بنیاد پر میں کسی کو خلافت دیتا تو سب سے زیادہ علیؓ مستحق تھے اور تمہاری یہ دلیل کہ انہوں نے عثمانؓ کے خون کے بدلہ کا بار اٹھایا ہے، ایسی نہیں ہے جس سے ان کو مہاجرین اولین پر فضیلت حاصل ہو سکے، تم مانتے ہو تو مانو، لیکن میں کسی حالت میں اس کو نہیں مانتا، رہی یہ طمع کہ معاویہؓ کے نزدیک میری قدر و منزلت بڑھ جائے گی یا ان سے مجھ کو مالی فائدہ ہوگا تو یہ مجھ کو کوئی اثر نہیں ڈال سکتی، خدا کے معاملہ میں رشوت ستانی گوارا نہیں کر سکتا ہاں اگر تم چاہو تو عمر بن الخطابؓ کا نام زندہ کر دیں۔

عمرو بن العاصؓ: اگر آپ ابن عمرؓ پر راضی ہیں تو میرے لڑکے میں کیا خرابی ہے، اس کے فضائل سے آپ اچھی طرح واقف ہیں۔

ابوموسیٰؓ: تمہارا لڑکا یقیناً بہت سچا ہے، مگر تم نے اس کو اس فتنہ میں مبتلا کر کے محفوظ نہ چھوڑا۔ عمرو بن العاصؓ! خلیفہ ایسے شخص کو ہونا چاہیے، جس کے دو داڑھ ہوں، ایک سے خود کھائے دوسرے سے لوگوں کو کھلائے۔

ابوموسیٰؓ: مسلمانوں نے بڑی جنگ و جدل کے بعد یہ کام ہمارے سپرد کیا ہے، خدا، اب دوبارہ ان کو فتنہ میں نہ ڈالو۔

غرض دونوں باہمی تبادلہ خیالات کے بعد اس نتیجے پر پہنچے کہ حضرت عمرؓ اور معاویہؓ دونوں کو معزول کر کے نئے سرے سے خلیفہ کا انتخاب کیا جائے کہ یہ کشت و خون کی طرح بند ہو، چنانچہ مقررہ تاریخ پر دومۃ الجندل میں فریقین جمع ہوئے، جب فیصلہ سنانے کا وقت آیا تو عمرو بن العاصؓ نے ابوموسیٰؓ سے کہا کہ آپ میرے بزرگ اور آنحضرت ﷺ کے مقرب صحابی ہیں، اس لئے پہلے آپ فیصلہ سنائیے، ابوموسیٰؓ کھڑے ہوئے اور لوگوں کو مخاطب کر کے کہا کہ صاحبو! بہت غور و فکر کے بعد ہم دونوں اس نتیجے پر پہنچے ہیں، کہ علیؓ اور معاویہؓ دونوں کو معزول کیے بغیر امت کی اصلاح نہیں ہو سکتی، اس لئے میں نے ان دونوں کو معزول کیا، اب آپ لوگوں کو اختیار ہے جس کو خلافت کا اہل سمجھیں اس کو اپنا خلیفہ بنالیں، ابوموسیٰؓ کے فیصلہ سنانے کے بعد عمرو بن العاصؓ نے کھڑے ہو کر کہا۔

”آپ لوگوں نے ابو موسیٰؓ کا فیصلہ سن لیا، انہوں نے علیؓ اور معاویہؓ دونوں کو معزول کیا، میں بھی علیؓ کو معزول کرتا ہوں، لیکن معاویہؓ کو برقرار رکھتا ہوں۔“

عمر بن العاصؓ کے اس فیصلہ سے مجمع میں سناٹا چھا گیا، ابو موسیٰؓ نے ان کو برا بھلا کہنا شروع کیا اور قریب تھا کہ تلواریں میان سے نکل آئیں، لیکن شامیوں نے فوراً حضرت ابو موسیٰؓ کو اونٹ پر بٹھا کر مکہ روانہ کر دیا اور عمرو بن العاصؓ بھی ہٹ گئے۔

مصر پر حملہ اس فیصلہ کے بعد عمرو بن العاصؓ نے مصر لینے کے لئے مسلمہ بن مخلد انصاری اور معاویہ بن خدیج کندی سے خط و کتابت شروع کی، یہ دونوں حضرت عثمانؓ کی شہادت سے بہت متاثر اور حضرت علیؓ کے مخالف تھے، اس لئے دونوں ساتھ دینے پر آمادہ ہو گئے، اسکے بعد عمرو بن العاصؓ چھ ہزار فوج لے کر روانہ ہو گئے، اس وقت محمد بن ابی بکر حضرت علیؓ کی طرف سے مصر کے گورنر تھے، عمرو بن العاصؓ نے ان کو خط لکھا کہ مصر والے تمہارے مخالف ہیں، لڑائی میں ایک شخص بھی تمہارا ساتھ نہ دے گا، لہذا تم مصر چھوڑ دو، میں خواہ مخواہ تمہارے خون سے اپنا ہاتھ نہیں رنگنا چاہتا، محمد نے یہ خط حضرت علیؓ کے پاس بھیج دیا، وہاں سے مقابلہ کرنے کا حکم آیا محمد بن ابی بکر نے عمرو بن العاصؓ کو مقابلہ کی اطلاع دے دی، عمرو بن العاصؓ دو ہزار آدمی لے کر بڑھے، محمد بھی میدان میں آئے اور ایک خوزیز مقابلہ کے بعد مصری فوج قوت بازو کٹنا نہ مارے گئے، ان کا گرنا تھا کہ مصریوں کے پاؤں اکھڑ گئے، عمرو بن العاصؓ محمد بن ابی بکر کی طرف بڑھے، مگر وہ شکست کے آثار دیکھ کر پہلے نکل گئے تھے، عمرو بن العاصؓ نے ہر طرف آدمی دوڑائے اور وہ گرفتار کر کے لائے گئے، اس وقت بہت پیاسے تھے لیکن شامیوں نے پانی تک نہ دیا اور وہ تشنہ لب قتل کر دیئے گئے، اور مصر پر عمرو بن العاصؓ کا قبضہ ہو گیا۔

عمرو بن العاصؓ پر قاتلانہ حملہ نہروان میں خارجیوں کی شکست اور قتل عام سے ان کے بقیہ افراد میں انتقام کا جذبہ بہت ترقی کر گیا تھا، اس لئے ابن جهم، برک بن عبد اللہ اور عمرو بن بکر سمیعی نے مشورہ کیا کہ سارا فساد علیؓ، معاویہؓ اور عمرو بن العاصؓ کی وجہ سے ہے اس لئے ان کا قصہ پاک کر دینا چاہیے، چنانچہ ایک مقررہ شب کو تینوں نے تینوں اشخاص پر خفیہ حملہ کیا، ابن جهم نے حضرت علیؓ کو شہید کیا، برک بن عبد اللہ نے معاویہؓ پر حملہ کیا، مگر زخم اوچھا لگا، اس لئے بچ گئے، عمرو بن بکر، عمرو بن العاصؓ پر متعین تھا، مگر اتفاق سے اس دن عمرو بن العاصؓ کی طبیعت کچھ ناساز تھی، اس لئے ان کے بجائے خارجہ بن حذافہ نماز پڑھانے نکلے، عمرو نے ان ہی کو عمرو بن العاصؓ سمجھ کر قتل کر دیا۔

مصر کی گورنری مصر اور شام پر امیر معاویہؓ کے مستقل قبضہ کے بعد ان میں عمرو بن العاصؓ میں مصر کے معاملہ میں شکر رنجی ہو گئی، مگر معاویہؓ نے درمیان میں پڑ کر صلح

کرا دی، اور معاویہؓ نے عمرو بن العاصؓ کو چند شرائط کے ساتھ مصر کا والی بنا دیا، ان شرائط میں ایک شرط یہ بھی تھی کہ وہ ہمیشہ معاویہ کے اطاعت گزار رہیں گے، مزید توثیق کے لئے عہد نامہ لکھا گیا اور اس پر شاہدوں سے دستخط لئے گئے۔

وفات..... عمرو بن العاصؓ بہ اختلاف روایت ۴۳ھ یا ۴۴ھ یا ۴۵ھ میں مصر ہی میں اپنے عہد حکومت میں بیمار ہوئے، عمر کافی پا چکے تھے، زندگی کی زیادہ امید نہ تھی اس لئے مرض الموت میں اپنی گذشتہ لغزشوں پر بہت نادم تھے۔

ابن عباسؓ عیادت کو آئے، سلام کے بعد پوچھا ابو عبد اللہ! کیا حال ہے؟ جواب دیا ”کیا پوچھتے ہو، دنیا بنائی مگر دین زیادہ بگاڑا، اگر اس کو بگاڑا ہوتا جس کو بنایا ہے اور اسے بنایا ہوتا جس کو بگاڑا ہے تو یقیناً کامیاب ہوتا، مگر اب منجیق کی طرح زمین و آسمان کے درمیان معلق ہوں، نہ ہاتھوں کے سہارے اوپر چڑھ سکتا ہوں، نہ پاؤں کے سہارے نیچے اتر سکتا ہوں اے بھتیجے مجھ کو کوئی ایسی نصیحت کر کہ اس سے فائدہ اٹھاؤں“، ابن عباسؓ نے کہا افسوس اب وہ وقت کہاں، اب وہ بھتیجا بوڑھا ہو کر آپکا بھائی ہو گیا ہے اگر آپ رونے کے لئے کہیں تو میں رونے کے لئے تیار ہوں، مقیم سفر کا کیسے یقین کر سکتا ہے عمرو بن العاصؓ نے کہا اس وقت ۸۰ برس سے کچھ اوپر میری عمر ہے، اور تو مجھ کو پروردگار کی رحمت سے ناامید کرتا ہے، خدایا یہ ابن عباسؓ مجھ کو تیری رحمت سے ناامید کر رہا ہے ابھی تو مجھے یہاں تک تکلیف دے کے راضی ہو جا، ابن عباسؓ نے کہا ابو عبد اللہ جو چیز لی تھی وہ تو نئی تھی اور جو دے رہے ہو وہ پرانی ہے، عمرو بن العاصؓ نے کہا ابن عباسؓ تم کو کیا ہو گیا ہے، جو بات میں کہتا ہوں تم اس کا الٹا کہتے ہو؟

ابن شامہ مہری کہتے ہیں کہ عمرو بن العاصؓ کے مرض الموت میں ہم انکی عیادت کو گئے وہ دیوار کی طرف منہ کر کے رونے لگے، ان کے بیٹے عبد اللہ نے دلاسا دیا کہ ابا کیا آپ کو آنحضرت ﷺ نے فلاں فلاں بشارتیں نہیں دی ہیں؟ جواب دیا ”میرے پاس افضل ترین دولت ”لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ“ کی شہادت ہے، مجھ پر زندگی کے تین دور گزرے ہیں، ایک وہ دور تھا جس میں آنحضرت ﷺ کا سخت ترین دشمن تھا اور میری سب سے بڑی تمنا یہ تھی کہ کسی طرح قابو پا کر آپ کو قتل کر دوں، اگر اس حالت میں مرجاتا تو میرے لئے دوزخ یقینی تھی، پھر اللہ عزوجل نے میرے دل میں اسلام ڈالا میں نے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ! ہاتھ پھیلائیے میں بیعت کروں گا، آپ نے ہاتھ بڑھایا تو میں نے سمیٹ لیا“ فرمایا عمرو بن العاصؓ! تم کو کیا ہو گیا، میں نے عرض کی ”میں ایک شرط چاہتا ہوں“ فرمایا وہ کوسی شرط ہے، میں نے عرض کیا ”میری مغفرت ہو جائے، فرمایا عمرو بن العاصؓ! کیا تم کو معلوم نہیں کہ اسلام اپنے پہلے تمام گناہوں کو کالعدم کر دیتا ہے، ہجرت اپنے پہلے کے گناہوں کو

مثادیتی ہے، حج اپنے پہلے کے گناہوں کو گرا دیتا ہے، اس کے بعد یہ حالت ہو گئی کہ رسول اللہ ﷺ سے زیادہ نہ میرا کوئی محبوب رہا اور نہ ان سے زیادہ میری نگاہ میں کوئی بزرگ باقی رہا، آپ کی انتہائی عظمت و ہیبت کی وجہ سے آپ کو نظر بھر نہیں دیکھ سکتا تھا، اگر کوئی مجھ سے آپ کا حلیہ پوچھے تو نہیں بتا سکتا کہ میں نے نظر بھر کبھی دیکھا ہی نہیں اگر اس حالت میں مرجاتا تو جنت کی کیا امید تھی، پھر تیسرا دور آیا جس میں میں نے مختلف قسم کے اعمال کیے، اب میں نہیں جانتا کہ میرا کیا حال ہوگا جب میں مرجاؤں تو نوحہ کر نیوالیاں میرے ساتھ نہ جائیں، نہ جنازہ کے پیچھے آگ جائے، دفن کرتے وقت مٹی آہستہ آہستہ ڈالی جائے، دفن کرنے کے بعد اتنی دیر قبر کے پاس رہنا جب تک جانور ذبح کر کے اس کا گوشت تقسیم ہو جائے، تاکہ میں تمہاری وجہ سے مانوس ہو جاؤں اور یہ غور کر لوں کہ اپنے رب کے قاصدوں کو کیا جواب دوں؟

موت کے وقت اپنے محافظ دستے کو بلا بھیجا اور پوچھا کہ میں تمہارا کیسا ساتھی تھا؟ جواب ملا کہ آپ ہمارے سچے ساتھی تھے، ہماری عزت کرتے تھے ہم کو دل کھول کر لیتے دیتے تھے یہ سلوک کرتے تھے وہ کرتے تھے، کہا میں یہ سلوک اس لئے کرتا تھا کہ تم مجھ کو موت سے بچاؤ گے، یہ موت سامنے کھڑی ہوئی کام تمام کرنا چاہتی ہے، اس کو کسی طرح سے میرے سامنے سے دور کرو، یہ عجب فرمائش سن کر ایک دوسرے کو حیرت سے دیکھنے لگے، کچھ دیر کے بعد بولے، ابا عبد اللہ! خدا کی قسم ہم کو آپ سے ایسی فضول بات سننے کی امید نہ تھی آپ جانتے ہیں کہ موت کے مقابلہ میں ہم آپ کے کچھ کام نہیں آسکتے، عمرو بن العاصؓ نے کہا میں نے یہ جانتے ہوئے تم سے ایسی فرمائش کی تھی کہ تم موت کے مقابلہ میں میری کوئی مدد نہیں کر سکتے، کاش میں نے تم میں سے کسی کو اپنی حفاظت کے لئے نہ رکھا ہوتا، افسوس ابن ابی طالب سچ کہتے تھے کہ، ”انسان کی محافظ خود اس کی موت ہے“، خدایا میں بری نہیں ہوں کہ معذرت کروں طاقتور نہیں ہوں، کہ غالب آ جاؤں، اگر تیری رحمت نے دستگیری نہ کی تو میں ہلاک ہو جاؤں گا۔

اس کے بعد اپنے صاحبزادہ سے وصیت کی کہ جب میں مرجاؤں تو پہلے معمولی پانی سے نہلا کر کپڑے سے خشک کرنا، پھر تازہ اور صاف پانی سے نہلانا، تیسری مرتبہ کا فوراً میز پانی سے غسل دینا اور کپڑے سے خشک کرنا، کفنا تے وقت ازار کس کر باندھنا کہ میں مخاصم ہوؤں گا، جنازہ درمیانی چال سے لے چلنا، لوگوں کو جنازہ کے پیچھے رکھنا کہ اس کے آگے ملائکہ چلتے ہیں، اور پچھلا حصہ بنی آدم کے چلنے کے لئے ہے، قبر میں رکھنے کے بعد مٹی آہستہ آہستہ ڈالنا، پھر دعا میں مصروف ہو گئے کہ الہا تو نے حکم دیا، میں نے عدول حکمی کی تو نے ممانعت کی، میں نے نافرمانی کی، میں بری نہیں ہوں کہ معذرت کروں طاقتور نہیں ہوں کہ غالب آ جاؤں، ہاں لا الہ الا اللہ لا الہ الا اللہ یہی کہتے کہتے جان، جان آفریں کے سپرد کردی، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

کلمہ سوال ۴۳: بعد نماز عید الفطر آپ کے صاحبزادہ نے نماز جنازہ پڑھائی اور مقطم میں سپرد خاک کیے گئے۔

اولاد..... دولہ کے تھے، عبداللہ اور محمد، دونوں خولہ بنت حمزہ کے لطف سے تھے۔
فضل و کمال..... اسلام کے بعد عمرو بن العاصؓ کی عمر کا زیادہ حصہ میدان جنگ میں گزرا، اس لئے سرچشمہ علم و عرفان سے فائدہ اٹھانے کا موقع کم ملا، پھر کبھی علم کی دولت سے بالکل تہی دامن نہ تھے۔

قرآن قرآن..... قرآن مجید بہت سے فنون کا مجموعہ، اس کی قرأت بھی مستقل فن ہے، عمرو بن العاصؓ کو قرآن سے خاص ذوق تھا، اور قرآن بہت صاف و واضح پڑھتے تھے۔
علم حدیث اور اس کی اشاعت..... اگرچہ عمرو بن العاصؓ کو لڑائیوں کی شرکت کی وجہ آنحضرتؐ کے ساتھ رہنے کا موقع کم ملا، تاہم جو لحاظ بھی میسر آئے ان میں خوشہ چینی سے غافل نہ رہے، اور اقوال نبویؐ کی خاصی تعداد ان کے حصے میں آئی، ان کی مرویات کی تعداد ۳۹ ہے، ان میں تین متفق علیہ ہیں اور ایک میں بخاری اور تین میں مسلم منفرد ہیں، حدیث کے اس سرمایہ کو تنہا اپنی ذات تک محدود نہ رکھا، بلکہ دوسرے مسلمانوں تک پہنچایا، آپ کے مستفیدین کی تعداد بھی کافی ہے، ان میں آپ کے صاحبزادہ، عبداللہ، غلام البوقیس اور قیس بن ابی حازم، ابو عثمان نہدی، علی بن رباح نخعی، عبدالرحمن بن شامہ، عروہ بن زبیر، محمد بن کعب، غمارہ بن حزمہ وغیرہ قابل ذکر ہیں۔

تعلیم و تلقین..... عمرو بن العاصؓ جنگی مصروفیتوں کے ساتھ ساتھ تعلیم و تلقین کا فرض بھی انجام دیتے تھے، چنانچہ سریہ ذات السلاسل میں کامیابی کے بعد وہیں مقیم ہو کر نو مسلموں کو تعلیم دیتے تھے، آنحضرتؐ کے بعد جب دنیا طلی کی ہوس زیادہ ہو گئی تھی، اس وقت لوگوں کے سامنے تقریر کرتے اور ان کو اسوہ نبویؐ کی پیروی کی ہدایت کرتے تھے، علی بن رباح روایت کرتے ہیں کہ ایک دن عمرو بن العاصؓ صمبر پر تقریر کر رہے تھے کہ ”آج تم لوگوں کا حال یہ ہو رہا ہے کہ آنحضرتؐ جن چیزوں سے احتراز فرماتے تھے، تم ایک طرف راغب ہو رہے ہو، اور دنیا کی تمنا کرتے ہو، حالانکہ رسول اللہؐ اس سے کنارہ کشی اختیار فرماتے تھے۔“

علم اجتہاد..... تمام مسائل میں علی الترتیب قرآن و حدیث سے کام لیتے تھے، لیکن ان دونوں سے رہنمائی نہ ہوتی اور ان کے حل کرنے کا کوئی تیسرا ذریعہ نہ ہوتا تو اجتہاد سے کام لیتے، سریہ ذات السلاسل میں ایک شب نہانے کی ضرورت پیش آ گئی، جاڑا سخت تھا، نہانے میں بیماری کا

۱۔ اسد الغابہ جلد ۲ ص ۱۱۷ و مستدرک جلد ۳ ص ۴۵۴،

۲۔ تہذیب الکمال ۲۹۰،

۳۔ اصابہ جلد ۵ ص ۲،

۴۔ مسند احمد بن حنبل جلد ۴ ص ۲۰۴،

۵۔ تہذیب العبد جلد ۸ ص ۵۶،

خطرہ تھا، اور نہ نہانے کی صورت میں نماز جاتی تھی، چنانچہ اس موقع پر انہوں نے غسل کی حالت کو وضو پر قیاس کر لیا کہ پانی نہ ملنے یا بیماری کے خطرہ کی صورت میں تیمم جائز ہو جاتا ہے اور تیمم کر کے نماز پڑھ لی، واپس آ کر آنحضرت ﷺ سے بیان کیا، آپ نے فرمایا کہ عمرو بن العاص! تم نے خوابت کی حالت میں نماز پڑھ لی، عرض کی یا رسول رات بہت ٹھنڈی تھی، نہانے کی صورت میں ہلاکت کا خوف تھا، اس موقع پر مجھ کو قرآن کی یہ آیت یاد آ گئی کہ لَا تَغْتَلُوا أَنْفُسَكُمْ إِنَّ اللَّهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيمًا، اس لئے میں نے تیمم کر لیا، آنحضرت ﷺ ہنس کر خاموش ہو گئے۔

ادب و انشا..... ادب و انشا میں ذوق سلیم پایا تھا، اپنے عہد کے بہترین انشا پردازوں میں تھے، اختصار، جامعیت اور بدیع تشبیہات ان کی انشا پردازی کی خصوصیات تھیں، تاریخ کی کتابوں میں ان کی ادبیت کی بہت سی مثالیں ہیں، بعض نمونے یہ ہیں، مشہور عام الرمادہ میں یعنی جس سال عرب میں قحط پڑا تھا، عمرو بن العاصؓ کو مصر سے غلہ بھیجنے میں تاخیر ہوئی تو حضرت عمرؓ نے ان کو لکھا کہ

جب تم اور تمہارے ساتھی شکم سیر ہوں تو تم اس کی پرواہ نہیں کرتے کہ میں اور میرے ساتھ ہلاک ہو جائیں، المدد، المدد!، انہوں نے فوراً جواب دیا۔

لبیک، لبیک، میں اتنا بڑا اونٹوں کا قافلہ بھیجتا ہوں کہ اس کا اگلا سرا آپ کے پاس ہے، اور پچھلا سرا میرے پاس۔

حضرت عثمانؓ کے عہد میں ان کی معزولی کا واقعہ اور گزر چکا ہے، معزولی کے اسباب میں ایک سبب یہ بھی تھا کہ مصر کے خراج کی رقم کم وصول ہوئی تھی، جب ان کی جگہ عبداللہ بن ابی سرح کا تقرر ہوا تو کمی کی شکایت جاتی رہی، چنانچہ مصر سے واپسی کے بعد اس بارہ میں ان سے اور حضرت عثمانؓ سے حسب ذیل گفتگو ہوئی۔

عثمانؓ: تم عبداللہ بن ابی سرح کو کس حال میں چھوڑ آئے۔

عمروؓ: جیسا آپ چاہتے تھے۔

عثمانؓ: وہ کیا

عمروؓ: اپنے نفس کے لئے قوی اور خدا کے لئے کمزور۔

عثمانؓ: میں نے تو ان کو تمہارے نقش قدم پر چلنے کی ہدایت کی تھی۔

عمروؓ: تو آپ نے ان پر ان کی طاقت سے زیادہ بوجھ ڈالا۔

عثمانؓ: دیکھو اونٹنی نے دودھ دیا (یعنی خراج زیادہ وصول ہوا)

عمروؓ: لیکن بچے بھوکے رہ گئے۔

اسی طریقہ سے جب امیر معاویہؓ نے حضرت عمرؓ سے قبرس پر حملہ کی اجازت مانگی، تو حضرت عمرؓ نے عمرو بن العاصؓ سے سمندر کے حالات پوچھ بھیجے، انہوں نے جواب لکھا

انسی رایت خلقتا عظیما یرکبہ خلق صغیر کدود علی عود، ان

مال غرق و ان بخا برق!

میں نے ایک بڑی مخلوق (سمندر) دیکھی جس پر چھوٹی مخلوق اس طرح سوار ہوتی ہے جیسے لکڑی پر کیڑا اگر لکڑی ذرا بھی پلٹا کھائے تو کیڑا ڈوب جائے، اور اگر صحیح سلامت نکل جائے تو خوفزدہ اور ہراساں رہ جائے۔

حلیہ پستہ قد، فر بہ اندام، بالوں میں سیاہ خضاب کرتے تھے، ایک مرتبہ اس قدر گہرا خضاب کیا کہ بال کوڑے کے پر کی طرح کالے ہو گئے، حضرت عمرؓ نے دیکھا تو پوچھا، ابا عبد الرحمن! یہ کیا؟ عرض کی امیر المومنین! میں چاہتا ہوں کہ مجھ کو آپ کسی قابل شمار کریں، اس کے بعد پھر انہوں نے کوئی اعتراض نہیں کیا،^۱

اخلاق و عادات عمرو بن العاصؓ کو ابتلا و آزمائش کے مختلف دوروں سے گزرنا پڑا اور ان میں وہ ایک صحابی رسول کی حیثیت سے اپنا دامن نہ بچا سکے اور اس قسم کی بعض لغزشیں سرزد ہو گئیں جو ایک صحابی کے مرتبہ سے فرود تر ہیں، تاہم وہ بارگاہ نبویؐ کے جلیس اور آپؐ کی صحبت یافتہ تھے، اس لئے ان لغزشوں کے باوجود آپ کے وہ فضائل نظر انداز نہیں کیے جاسکتے جو فیضان نبوت نے تمام صحابہ کرام میں پیدا کر دیئے تھے، اسی لئے ایک دقیقہ رس نگاہ ان کے دامن عفاف میں خفیف بد نما دھبوں کے ساتھ وہ خلاقی نقوش بھی دیکھتی ہے، جن سے ہر صحابی گل بدامن تھا۔

قوت ایمان قوت ایمان تمام فضائل کا سرچشمہ ہے، اسی سے تمام فضائل کا ظہور ہوتا ہے، عمرو بن العاصؓ کی ایمانی قوت کا خود زبان رسالت ﷺ نے اعتراف کیا کہ اسلم الناس و امن عمرو بن العاص،^۲ ایک دوسرے موقع پر فرمایا کہ ابنا العاص مومنان یعنی هشام و عمرو و آنحضرت ﷺ کے اس ارشاد کی واقعات سے بھی پوری تصدیق ہے، ایک مرتبہ عمرو بن العاصؓ کو آنحضرت ﷺ نے بلا بھیجا کہ وہ لباس بدل کر اور ہتھیار لگا کر آئیں، یہ حسب الحکم حاضر ہوئے، آنحضرت ﷺ وضو فرما رہے تھے نظر اٹھا کر دیکھا پھر نظر نیچی کر کے فرمایا کہ میں تم کو امیر بنا کر بھیجنا چاہتا ہوں، انشاء اللہ تم محفوظ رہو گے اور مال غنیمت بھی ہاتھ آئے گا، اس سے تم کو بھی وافر حصہ ملے گا، عرض کیا یا رسول میں مال کی طمع میں اسلام نہیں لایا، بلکہ اس کو دلی رغبت کے ساتھ قبول کیا، فرمایا مال صالح مرد صالح کے لیے بہتر ہے،^۳ ایک موقع پر آپؐ نے فرمایا، عمرو بن العاصؓ

۱ ایضاً

۲ ایضاً ۳۵۳،

۳ مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۴۵۴،

۴ مسند احمد بن حنبل جلد ۴ ص ۱۵۵،

۵ ایضاً ص ۱۹۷،

قریش کے صالح افراد میں ہیں، عبداللہ اور ابو عبداللہ (عمرو بن العاصؓ) کیا اچھے گھرانے کے لوگ ہیں۔

حق پسندی..... اگرچہ بعض سیاسی امور میں عمرو بن العاصؓ اپنا دامن لغزش سے نہ بچا سکے لیکن وہ حق پرست تھے، ایک دن خانہ کعبہ کے سایہ دیوار کے تلے بیٹھے لوگوں کو حدیث سنارہے تھے، کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ جس نے خلوص دل سے کسی امام کے ہاتھ پر بیعت کر لی، اس مقدور بھر اس کی حمایت کرنی چاہیے اور اگر کوئی دوسرا شخص اس کے مقابلہ کے لئے کھڑا ہوا تو اس کی گردن از ادینی چاہیے، عبدالرحمن بن عبد رب کعب (اس حدیث کے راوی) نے کہا کہ خدا آپ کو خوش رکھے، کیا یہ حدیث آپ نے آنحضرت ﷺ سے سنی ہے، عمرو بن العاصؓ نے اپنے کانوں اور قلب کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ میرے دونوں کانوں نے سنی اور قلب نے محفوظ رکھی، اس پر عبدالرحمن نے کہا کہ تمہارے ابن عم معاویہ ہم لوگوں کو ناجائز طور پر ایک دوسرے کے مال کھانے اور جانیں ضائع کرنے کا حکم دیتے ہیں، حالانکہ خدا فرماتا ہے کہ یا ایہا الذین امنوا لا تأکلوا اموالکم بینکم بالباطل الا ان تكون تجارة عن تراض منکم و لا تقتلوا انفسکم انا اللہ کان بکم رحیماً، یہ سن کر عمرو بن العاصؓ چپ ہو گئے، اور کہا کہ جس میں خدا کی نافرمانی نہ ہوتی ہو، اس کو مانوا اور جس میں ہوتی ہو، اس کو نہ مانو۔

خود آنحضرت ﷺ نے ان کے متعلق بارہا تحسین کے کلمات ارشاد فرمائے، ایک موقع پر فرمایا کہ عمرو بن العاصؓ قریش کے صالح لوگوں میں ہیں، ۳ اور ان کی خدمات کی بنا پر ان سے محبت فرماتے تھے، حسن روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے عمرو بن العاصؓ سے کہا کہ کیا وہ شخص نیک خصلت نہیں ہے جس کو آنحضرت ﷺ نے آخر دم تک محبوب رکھا ہو، یہ بولے اس کی سعادت میں کس کو شک ہو سکتا ہے، کہا، آنحضرت ﷺ نے آخر دم تک تم سے محبت کرتے رہے۔

مدیر سیاست..... عقل و دانش اور تدبیر و سیاست کے لحاظ سے عمرو بن العاصؓ کا شمار ان مخصوص اشخاص میں تھا جو سارے عرب میں مدبر مانتے جاتے تھے، ۵ ان کی اصابت رائے کا خود آنحضرت ﷺ نے ان الفاظ میں اعتراف فرمایا کہ تم اسلام میں صائب رائے کے آدمی ہو، لا فاروق انظمت جیسا مدبر کہتا تھا کہ عمرو بن العاصؓ حکومت کے لئے موزوں ہیں اور جب کسی خام کا راور ضعیف رائے کو دیکھتے تو تعجب سے فرماتے کہ اس شخص اور عمرو بن العاصؓ کا خالق ایک

۱ کنز العمال جلد ۶ فضائل عمرو بن العاصؓ

۲ مسلم جلد ۲ ص ۱۱۸ مطبوعہ مصر،

۳ اصابع جلد ۵ ص ۳،

۴ مسند احمد بن حنبل جلد ۴ ص ۲۰۳،

۵ تہذیب التہذیب ج ۸ ص ۵۷۷ واستیعاب واسد الغابہ وغیرہ

۶ کنز العمال جلد ۶ ص ۱۸۶

ہے، اسی تدبیر و شجاعت کی بنا پر آنحضرت ﷺ اکثر بڑی مہمیں ان ہی کے سپرد فرماتے تھے، اور بعض مرتبہ ابو بکرؓ و عمرؓ جیسے جلیل القدر صحابہ پر امیر بناتے تھے، جنگ صفین میں امیر معاویہؓ حضرت علیؓ کے مقابلہ میں سپرد النہا چاہتے تھے، لیکن محض عمرو بن العاصؓ کی تدبیر نے دفعۃً ہوا کا رخ بدل دیا، اور اس کے بعد جو کچھ ہوا، وہ ان کی سیاست کا کرشمہ تھا، ان کی زندگی کا ہر صفحہ تدبیر و سیاست سے لبریز ہے، مغیرہ بن شعبہ تدبیر و سیاست میں ان کا جواب تھے، اس لئیک بھی کبھی دونوں میں چشمک ہو جایا کرتی تھی، امیر معاویہؓ نے ان کو مصر کی حکومت پر مامور کرنے کے بعد ان کے بیٹے عبداللہ کو کوفہ کا والی مقرر کیا، مغیرہ کو معلوم ہوا تو انہوں نے امیر معاویہؓ سے کہا کہ ان دونوں باپ بیٹوں کو مصر اور کوفہ کا والی بنا کر تم نے اپنے کوشیروں کے جڑے کے درمیان دے دیا، امیر معاویہؓ نے یہ بھی خطرہ محسوس کیا، چنانچہ عبداللہ کو معزول کر کے ان کی جگہ مغیرہ کو مقرر کیا، عمرو بن العاصؓ کو اس کی خبر ہوئی تو انہوں نے امیر معاویہؓ سے کہا کہ تم نے ایسے شخص کو کوفہ کی حکومت سپرد کی ہے کہ اگر وہ خراج کھا جائے تو تم وصول بھی نہیں کر سکتے، مغیرہ واقعی تنگ دست رہا کرتے تھے، اس لئے امیر معاویہؓ کی سمجھ میں آ گیا، چنانچہ انہوں نے ان سے خراج کا عہدہ نکال کر صرف امامت کے فرائض باقی رکھے، مغیرہؓ نے عمرو بن العاصؓ سے کہا کہ یہ تمہاری شکایت کا نتیجہ ہے، انہوں نے کہا نہیں بلکہ تمہاری شکایت کا جواب ہے۔

جہاد فی سبیل اللہ..... عمرو بن العاصؓ کے صحیفہ حیات میں جہاد فی سبیل اللہ کا عنوان بہت نمایاں ہے، تمام مغازی میں مشہور مجاہد خالد بن ولید کے دوش بدوش رہے، ان کا خود بیان ہے کہ ”ابتدائے اسلام سے آنحضرت ﷺ نے کسی کو مغازی میں میرے اور خالد کے برابر نہیں کیا، ہم شام اور مصر اور طرابلس وغیرہ کے فتوحات کی تفصیل اور پرگزر چکی ہے مدینہ میں ذرا بھی کوئی خطرہ پیدا ہوتا، فوراً ان کی تلوار میان سے نکل آتی تھی، ایک مرتبہ کسی سبب سے ایک بیک لوگوں میں کچھ انتشار پیدا ہو گیا اور عام بھگدڑ مچ گئی، صرف حضرت ابو حذیفہؓ کے غلام سالم مسجد میں تلوار چھپائے کھڑے رہے، عمرو بن العاصؓ نے دیکھا تو یہ بھی تلوار لگا کر ان کے پاس کھڑے ہو گئے، یہ عام سراپیمگی دیکھ کر آنحضرت ﷺ نے خطبہ دیا اور فرمایا کہ تم لوگ خدا اور رسول کی پناہ میں کیوں نہیں آئے اور عمرو بن العاصؓ اور سالم کو کیوں نہ نمونہ بنایا۔“

صدقات و خیرات..... خدا کی راہ میں بہت فراخ دلی کے ساتھ صدقہ دیتے تھے، جس کا اعتراف خود آنحضرت ﷺ کی زبان مبارک نے بار بار کہا ہے کہ علقمہ بن رمثہ بلوی بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے ایک سریہ میں عمرو بن العاصؓ کو بحرین بھیجا اور خود ایک دوسرے سریہ میں نکلے، ہم لوگ بھی ہر کاب تھے، آپ پر کچھ غنودگی طاری ہو گئی، بیدار ہوئے تو فرمایا کہ خدا

عمر و پر رحم کرے، یہ دعاسن کر ہم میں سے ہر شخص اس نام کے اشخاص کا ذکر کرنے لگے، دوبارہ پھر آنکھ جھپک گئی، پھر ہوشیار ہو کر فرمایا خدا عمرو پر رحم کرے، جب تیسری مرتبہ آپ نے فقرہ کو دہرایا تو ہم لوگوں سے ضبط نہ ہو سکا اور پوچھا آپ کا ارشاد کس عمرو کے متعلق ہے، فرمایا عمرو بن العاصؓ ہم لوگوں نے سبب پوچھا، فرمایا کہ مجھ کو وہ وقت یاد آ گیا، جب میں لوگوں سے صدقہ منگواتا تھا، تو وہ بہت دافر صدقہ لاتے تھے، اور جب پوچھتا کہاں سے لاتے ہو تو کہتے خدا نے دیا، ایک موقع پر آپ نے تین مرتبہ فرمایا خدا یا عمرو بن العاصؓ کی مغفرت فرما، میں نے جب ان کو صدقہ کے لیے بلایا تھا تو وہ صدقہ لائے تھے۔

حضرت خالد بن ولیدؓ

نام و نسب خالد نام، ابوسلیمان کنیت، سیف اللہ، لقب، سلسلہ نسب یہ ہے، خالد بن ولید ابن مغیرہ بن عبد اللہ بن عمرو بن مخزوم مخزومی، ماں کا نام لبانہ تھا، یہ ام المؤمنین حضرت میمونہؓ کے قریبی عزیز تھے۔

خاندانی حالات خالد کا خاندان زمانہ جاہلیت سے معزز چلا آتا تھا، قبہ اور اعنہ یعنی فوج کی سپہ سالاری اور فوجی کمپ کے انتظام کا عہدہ ان ہی کے خاندان میں تھا، اور ظہور اسلام کے وقت خالد اس عہدہ پر ممتاز تھے، چنانچہ صلح حدیبیہ کے موقع پر قریش کا جو دستہ مسلمانوں کی نقل و حرکت کا پتہ لگانے آیا تھا، اس کے سردار خالد ہی تھے، غزوہ احد میں مسلمانوں کے خلاف بڑی شجاعت سے لڑے اور مشرکین مکہ کے اکھڑے ہوئے پاؤں ان ہی کی ہمت افزائی سے دوبارہ جنے۔ اسلام ان کے اسلام کے بارہ میں مختلف روایتیں ہیں، سب میں مستند روایت مسند احمد بن حنبل کی ہے، جو عمرو بن العاصؓ کے اسلام کے سلسلہ میں اوپر لکھی جا چکی ہے، اس کی رو سے ان کے اسلام کا زمانہ ۶ھ اور ۸ھ کے درمیان ہے، عمرو بن العاصؓ جب اسلام لانے کے قصد سے حبشہ سے چل کر عرب آگئے اور اس کے لئے مدینہ کا رخ کیا تو راستہ میں قریش کا ایک اور خوش قسمت ہیرا اسی غرض سے مدینہ کا رخ کر رہا نظر آیا، یہ خالد بن ولید تھے، وہ بھی اسلام ہی لانے کی نیت سے مدینہ جا رہے تھے، عمرو بن العاصؓ نے ان کو راستہ میں دیکھ کر پوچھا کہاں کا قصد ہے، بولے خدا کی قسم خوب پانسہ پڑا، یہ شخص آنحضرت ﷺ یقیناً نبی ہے، چلو اسلام کا شرف حاصل کریں، آخر کب تک؟

چنانچہ یہ دونوں ساتھ خدمت نبویؐ میں حاضر ہوئے، اور پہلے خالد بن ولیدؓ اور پھر عمرو بن العاصؓ مشرف باسلام ہوئے۔ ۳
ہجرت قبول اسلام کے بعد عمرو بن العاصؓ مکہ لوٹ آئے، مگر خالد بن ولیدؓ نے مدینہ میں ہی مستقل قیام اختیار کر لیا۔

۱۔ عقد الفرید جلد ۲، ۲۔ استیعاب جلد اول ص ۱۵۱،

۳۔ بخاری کتاب المغازی باب الشروط فی الجہاد والمصافحہ مع اہل العرب

مع تفصیل کے لیے دیکھو مسند احمد بن حنبل جلد ۴ ص ۱۹۸

غزوات..... جیسا کہ اوپر لکھا گیا ہے کہ ظہور اسلام کے وقت خالدؓ اپنے خاندانی عہدہ پر ممتاز تھے، اسلام کے بعد بھی آنحضرت ﷺ نے ان کا یہ اعزاز قائم رکھا، اس سے فتوحات اسلام میں بڑی مدد ملی، جس طرح قبول اسلام سے پہلے مسلمانوں کے سخت دشمن تھے، اسی طرح اسلام کے بعد مشرکوں کے لئے سخت ترین خطرہ بن گئے، چنانچہ اکثر غزوات میں ان کی تلوار مشرکین کا شیرازہ بکھرتی رہی۔

غزوہ موتہ..... اسلام لانے کے بعد سب سے پہلے غزوہ موتہ میں شریک ہوئے، اس کا واقعہ یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے دعوت اسلام، کے سلسلہ میں حارث بن عمیر ازدی کے ہاتھ ایک خط شاہ بصری کے پاس بھیجا تھا، یہ بزرگ خط لے کر مقام موتہ تک پہنچے تھے کہ شرحیل ابن عمرو غسانی نے شہید کر دیا، آنحضرت ﷺ اور عام مسلمانوں پر اس کا سخت اثر ہوا، چنانچہ آپ نے اس کے انتقام کے لئے ۲ ہزار کی جمیعت زید بن حارثہؓ کی سرکردگی میں روانہ کی، ۲ اور ہدایت فرمائی کہ اگر زید شہید ہوں تو جعفران کی جگہ لیں، اگر یہ بھی شہید ہوں تو عبد اللہ بن رواحہ قائم مقامی کریں، چنانچہ اسی ترتیب سے تینوں بزرگوں نے میدان جنگ میں جام شہادت پیا، آخر میں خالدؓ نے علم سنبھالا، مگر مسلسل تین افسروں کی شہادت سے مسلمانوں کے دل ٹوٹ چکے تھے، اس لئے دوبارہ شکست تو نہ دے سکے، مگر خالدؓ اپنی جنگی قابلیت سے باقی ماندہ فوج کو بچا لائے، اسی جنگ میں خالدؓ کے ہاتھ سے ۹ تلواریں ٹوٹی تھیں جس کے صلہ میں آنحضرت ﷺ نے ان کو ”سیف اللہ“ کا معزز لقب عطا فرمایا تھا۔ ۱۱

فتح مکہ..... فتح مکہ میں مینہ کے افسر تھے، لیکن جنگ کی نوبت نہیں آئی، روسائے قریش نے بلا مزاحمت ہتھیار ڈال دیئے، صرف چند مشرک خالد بن ولیدؓ کے ہاتھوں مارے گئے اس کی تفصیل یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے خالد بن ولید کو حکم دیا تھا کہ وہ اپنا دستہ مکہ کے بالائی حصہ کدا کی جانب سے لیکر آئیں، چنانچہ یہ آ رہے تھے کہ راستہ میں مشرکوں کو ایک جتھا مزاحم ہوا اور پیہم تیر باری شروع کر دی، خالدؓ نے بھی جوابی حملہ کیا، اس میں چند مشرک مارے گئے آنحضرت ﷺ کو خبر ہوئی، تو آپ نے باز پرس کی، انہوں نے کہا کہ ابتدا ان ہی کی جانب سے ہوئی تھی، آپ نے فرمایا خیر مرضی الہی بہتر ہے۔ ۱۲

غزوہ حنین..... فتح مکہ کے بعد بنو ثقیف و ہوازن، اوطاس کے میدان میں جمع ہوئے آنحضرت ﷺ کو خبر آئی تو آپ بارہ ہزار فوج کے ساتھ مقابلہ کو نکلے، قبیلوں کے لحاظ سے فوج کے

۱۱ ابن سعد حصہ مغازی ص ۹۲

۱۲ اسد الغابہ جلد ۲ ص ۱۰۱

۱۳ ایضاً

۱۴ بخاری کتاب المغازی باب غزوہ موتہ،

۱۵ مسلم جلد ۲ ص ۸۶ طبع مصر،

۱۶ ابن سعد حصہ مغازی ص ۹۸ بخاری باب فتح مکہ

مختلف حصے تھے، بنو سلیم کا قبیلہ مقدمہ انجیش تھا، اس کی کمان خالدؓ کے ہاتھ تھی، اپنا نچہ اس جنگ میں وہ نہایت شجاعت و شہامت سے لڑے اور بہت سے وارجسم پر کھائے، آنحضرت ﷺ عیادت کے لئے تشریف لائے، زحموں کو دم کیا اور خالدؓ جلد شفا یاب ہو گئے۔ ۲۔ طائف..... حنین کے مشرکوں کی شکست خوردہ فوج بڑھ کر طائف کے قلعہ میں قلعہ بند ہو گئی اور جیسے ہی مسلمان ادھر سے گذرے اسنے قلعہ کے اندر سے تیر برسانا شروع کر دیئے، بہت سے مسلمان شہید ہو گئے، مسلمانوں نے بھی مدافعا نہ حملہ کیا، اس فوج کا مقدمہ انجیش بھی خالد کی ماتحتی میں تھا۔ ۳۔

تبوک..... ۹ھ میں آنحضرت ﷺ کو خبر ملی کہ رومیوں نے مسلمانوں کے خلاف شام میں فوج جمع کی ہے، اور اس کا مقدمہ انجیش بلقا، تک پہنچ چکا ہے، چنانچہ آپ ۳۰ ہزار فوج لے کر مقابلہ کو نکلے، لیکن خبر غلط نکلے اور جنگ کی نوبت نہیں آئی، تاہم احتیاطاً دو دن مقام تبوک میں آپ نے قیام فرمایا، اس نواح کے عربی النسل عیسائی روماقیصر روم کے ماتحت تھے، ان ہی کے ذریعہ سے رومی ریشہ دوانیاں کیا کرتے تھے، اس لئے ان کا مطیع کرنا ضروری تھا، چنانچہ ایلہ اور اذرح کے رئیسوں نے اطاعت قبول کر لی، یہ صرف دو متہ الجندل کارئیس اکیدر بن عبد الملک باقی رہ گیا، آنحضرت ﷺ نے خالدؓ کو چار سو آدمیوں کے ساتھ اس کو مطیع بنانے پر مامور فرمایا، اس کے بھائی حسان نے مقابلہ کیا، مگر مارا گیا اور اس کے بقیہ ساتھی بھاگ کر قلعہ میں پناہ گزین ہو گئے، خالدؓ نے ایک کو گرفتار کر کے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر کیا، یہاں آکر اس نے بھی جزیہ دے کر اطاعت قبول کر لی، اور آپ نے اس کو جان و مال کا امان نامہ عطا فرمایا۔ ۴۔

سریہ بنو جذیمہ..... اسی سنہ میں دعوت اسلام کے سلسلہ میں آنحضرتؐ نے خالدؓ کو تین سو مہاجرین و انصار کے ساتھ بنو جذیمہ کی طرف بھیجا، انہوں نے آپ کی ہدایت کے مطابق ان کو اسلام کی دعوت دی، انہوں نے قبول کر لی، مگر ناواقفیت کی وجہ سے صحیح الفاظ میں اسلام کا اظہار نہ کر سکے اور بجائے ”اسلمنا“ کے یعنی ہم اسلام لائے ”صبا نا“ کہا یعنی ہم بے دین ہو گئے، مشرکین سے وہ مسلمانوں کو ”صابی“ بے دین کہتے ہوئے سنتے تھے، اس لئے انہوں نے بھی ان ہی الفاظ میں اسلام کا اظہار کیا، حضرت خالدؓ اسکو نہ سمجھ سکے، اور سب کی گردنیں اڑانے کا حکم

۱۔ ابن سعد حصہ مغازی ص ۱۰۸،

۲۔ اسد الغابہ جلد ۲ ص ۱۰۳،

۳۔ ابن سعد حصہ ۱ مغازی ص ۱۱۴،

۴۔ ابن سعد حصہ ۲ مغازی ص ۱۱۴،

۵۔ زرقانی ج ۳ ص ۸۶،

۶۔ ابن سعد حصہ ۲ مغازی ص ۱۲۰۔

دے دیا، بہت سے مہاجرین و انصار نے اس حکم کی تعمیل سے انکار کر دیا، پھر بھی بہت سے لوگ مارے گئے، آنحضرت ﷺ نے یہ واقعہ سنا تو بہت متاسف ہوئے اور ہاتھ اٹھا کر اس سے طبری ظاہر کر دی کہ خدایا! میں خالدؓ کے اس فعل سے بری ہوں، پھر حضرت علیؓ کو ان سب کی دیت دے کر بھیجا، انہوں نے سب کو جان و مال کا پورا معاوضہ دیا، ۲ اور کتوں تک کا خون بہا ادا کیا اور اس کے بعد جتنا مال بچا سب ان ہی لوگوں میں تقسیم کر دیا۔ ۳

سریہ نجران اس سلسلہ کا ایک اور سریہ ۱۰ھ میں حضرت خالدؓ کی سرکردگی میں بنو عبد المدان نجرانی کی طرف بھیجا گیا، چونکہ ایک مرتبہ خالدؓ کی جلد بازی کا تلخ تجربہ ہو چکا تھا، اس مرتبہ آنحضرت ﷺ نے خاص طور سے ہدایت فرمادی کہ محض اسلام کی دعوت دینا تلوار نہ اٹھانا، حضرت خالدؓ نے اس کی پوری پابندی کی، اور میدان جنگ کے سپاہی دفعہ مبلغ اسلام کے قالب میں آ گئے اور ان کی کوشش سے بنو عبد المدان نے اسلام قبول کر لیا، اور سیف اللہ نے ان کی مذہبی تعلیم و تربیت کے بعد جب یہ لوگ اسلامی مسائل سے واقف ہو گئے، تو آنحضرت ﷺ کو اطلاع دی، آپ نے سب کو طلب فرمایا، چنانچہ یہ لوگ حاضر ہوئے اور دیدار جمال نبویؐ سے فیضیاب ہو کر واپس گئے، ۱۱

سریہ یمن اسی سن میں آنحضرت ﷺ نے حضرت علیؓ کی امارت میں ایک سریہ یمن روانہ کیا، اسی سریہ میں دوسری جانب سے حضرت خالدؓ گوروانہ فرمایا، اور حکم دیا کہ جب دونوں ملیں تو امارت علیؓ کے متعلق رہے گی، ۱۲ اور چلتے چلتے یہ ہدایت فرمادی کہ جنگ کا آغاز تمہاری جانب سے نہ ہو، البتہ اگر یمن والے پیش قدمی کریں تو تم مدافعت کر سکتے ہو، چنانچہ ان لوگوں نے یمن پہنچ کر اسلام پیش کیا، لیکن اس کا جواب تیر اور پتھر سے ملا، اس وقت مسلمانوں نے جوابی حملہ کیا اور یمنی پسپا ہوئے، مگر ان کے ساتھ کسی قسم کی زیادتی نہیں کی گئی، بلکہ دوبارہ پھر اسلام پیش کیا گیا، اور انہوں نے بلا جبر و اکراہ اس کو قبول کر لیا۔

سریہ عزی عزی قریش و کنانہ کا صنم کدہ تھا، جس کی یہ لوگ بڑی عظمت کرتے تھے، آنحضرت ﷺ نے خالدؓ کو اس کے گرانے پر مامور فرمایا، انہوں نے اس کی تعمیل کی، آپ نے پوچھا تم نے وہاں کچھ دیکھا بھی تھا، عرض کی نہیں، فرمایا پھر جاؤ، اس گرانے کا اعتبار نہیں، چنانچہ وہ دوبارہ واپس گئے، اس مرتبہ یہاں ایک بھیا تک شغل کی عورت نکلی، ۱۳ خالدؓ نے اس کا کام تمام

۱ بخاری کتاب المغازی باب سریہ بنو جذیمہ،

۲ ابن سعد حصہ مغازی ص ۱۰۷،

۳ مد القابہ ج ۲ ص ۱۰۶،

۵ ابن سعد حصہ مغازی ص ۱۲۲،

۶ زرقاتی ج ۳ ص ۱۱۶،

۷ یہی عورتیں صنم کدوں میں بد اخلاقیوں کی بنیاد بنی تھیں۔

کر کے آنحضرت ﷺ کو اطلاع دی، فرمایا ہاں جاؤ، اب تم نے کام پورا کیا، مدعیان نبوت کا استیصال..... عہد صدیقی میں جب مدعیان نبوت کا فتنہ اٹھا اور اس کے استیصال کے لئے فوجیں روانہ کیں گیں تو خالدِ طلحہ کی سرکوبی پر مامور ہوئے، انہوں نے اس کا بہت کامیاب مقابلہ کیا اور اس کے اعوان و انصار کو قتل اور اس کے قوت و بازو عینیہ بن حصین کو ۳۰ آدمیوں کے ساتھ گرفتار کر کے یاجولان دربار خلافت میں حاضر کیا، ۲

یمامہ میں شریل بن حسنہ مشہور کذاب مسلمہ سے برسرِ پیکار تھے، خالدِ طلحہ سے فارغ ہو کر ان کی مدد کو بڑھے، راستہ میں مجاہد ملا، اس کے ساتھیوں سے مقابلہ ہوا ان کو شکست دے کر مجاہد کو گرفتار کر کے یمامہ پہنچے اور مسلمہ حضرت حمزہؓ کے مشہور قاتل وحشی کے ہاتھ سے مارا گیا۔ ۳ مرتدین کی سرکوبی..... مدعیان نبوت کی مہم سے فارغ ہو کر منکرین زکوٰۃ اور مرتدین کی طرف بڑھے اور سب سے پہلے اسد و غطفلی سے نبرد آزما ہوئے، ان میں کچھ جان سے مارے گئے اور کچھ گرفتار ہوئے، جو باقی بچے وہ تائب ہو گئے، ۴ ان معرکوں کے علاوہ ارتداد کے سلسلہ میں جس قدر لڑائیاں ہوئیں، ان سب میں خالد پیش پیش تھے، طبری کے یہ الفاظ ہیں

ان الفتوح فی اہل الرادة کلھا کانت لخالد بن ولید وغیرہ ۵

یعنی ارتداد میں جنتی حسین بن ولید وغیرہ کا کارنامہ ہے

عراق پر فوج کشی اور اس کے اسباب..... جزیرۃ العرب اس عہد کی دو عظیم الشان سلطنتوں کے درمیان گھرا ہوا تھا، ایک طرف شام میں رومی چھائے ہوئے تھے، دوسری طرف عراق پر کیانی خاندان قابض تھا، یہ دو سلطنتیں ہمیشہ عربوں کی آزادی سلب کرنے کی فکر میں رہتی تھیں، عرب پر تسلط جمانے کی کوشش کی، یمن کے حمیری خاندان کا خاتمہ ایرانیوں کے ہاتھوں ہوا گو حمیری برائے نام حکمران رہے، مگر اس کا سیاہ سپید تمام تر ایرانیوں کے ہاتھ میں تھا، بحرین اور عمان بھی ان کے زیر اثر تھے، ان کے علاوہ مختلف اوقات میں عرب کے سولہ مقامات ایرانی مرزبانوں کے قبضہ میں رہ چکے تھے، ۶ عراقی نحی خاندان کو بھی ایرانیوں ہی نے مٹایا ایرانیوں کا یہ اقتدار ظہور اسلام کے وقت تک باقی تھا، چنانچہ جنگ ذی قار میں جب ایرانیوں نے عربوں سے شکست کھائی تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا، آج عرب نے عجم سے اپنا منصفانہ بدلہ لیا، ۷

یہی حال قیصری حکومت کا تھا، جب جب اس کو موقع ملتا تھا، شام کی جانب سرزمین عرب

۱ ابن سعد حصہ ۲ فارسی ص ۱۰۵

۲ یعقوبی جلد ۲ ص ۱۴۵

۳ ایضاً ص ۱۴۶

۴ تاریخ الخلفاء، سیوطی ص ۷۲

۵ طبری، الفتوح ص ۱۱۹

۶ تاریخ الملوک، مسعودی ص ۹۰، مطبوعہ برلن

۷ اسد الغابہ ج ۵ ص ۱۰۴

میں قدم بڑھائی رہی، شام میں جو عرب خاندان آباد تھے، ان پر آل ہفہ قیصر کی جانب سے حکومت کرتے تھے، گو آل ہفہ عربی النسل تھے، لیکن ان کا تقرر قیصری حکومت کرتی تھی، پابشہ کے عیسائیوں نے رومیوں کے اشارے سے عرب کی مرکزیت توڑنے کے لئے یمن کو فتح کر کے صنعاء میں ایک کعبہ بنایا کہ خانہ کعبہ کے پجاری تقسیم ہو جائیں۔^۲

ظہور اسلام کے بعد جب عرب متحد ہو کر ایک مرکز پر جمع ہو گئے، تو ان دونوں سلطنتوں کے لئے عرب کا سوال اور زیادہ اہم ہو گیا، اگر پہلے ملک گیری کی ہوس تھی تو اب عربوں سے سیاسی خطرہ نظر آ رہا تھا، چنانچہ جب آنحضرت ﷺ نے خسرو پرویز کو دعوت اسلام کا خط لکھا تو اس نے چاک کر ڈالا اور بولا ”میرا غلام مجھ کو یوں لکھتا ہے“ اور فوراً آپ کی گرفتاری کا فرمان جاری کیا، اس طرح شریہیل بن عمرو نے جو قیصر کی جانب سے بصری کا حاکم تھا، آنحضرت ﷺ کے قاصد کو قتل کر دیا، غرض ان حالات میں عرب کی خود مختاری کو باقی رکھنے کے لیے ضروری تھا کہ ان دونوں پر یہ حقیقت ظاہر ہو جائے کہ اب عربوں سے کھیلنا آسان کام نہیں ہے، تاہم حضرت ابو بکرؓ نے اس وقت تک کوئی پیش قدمی نہیں کی۔ لیکن وہ قبائل جو ہمیشہ سے ایرانی حکومت کا تختہ مشق بننے چلے آ رہے تھے انتقام کے جذبات سے لبریز تھے، چنانچہ عہد صدیقی میں جب ایران میں بد نظمی پیدا ہوئی اور ایرانیوں نے کسری بن ہرمز کی لڑکی کو ایران کے تخت پر بٹھایا تو ان قبائل کے جذبات انتقام دفعہ بھڑک گئے، اور ثنی ابن حارث شیبانی نے اپنا جتھہ لے کر عراق عجم کی سرحد پر تاخت و تاراج شروع کر دی، لیکن بغیر خلیفہ وقت کی سرپرستی کے کامیابی مشکل تھی، اس لئے حضرت ابو بکرؓ سے باضابطہ اجازت حاصل کی، آپ نے خالد بن ولید کو ان کی مدد پر مامور کیا اور شرف امارت بھی عطا کیا۔^۳

عراق کی فوج کشی..... چنانچہ حضرت خالدؓ فتنہ ارتداد کی مہموں سے فارغ ہو کر عراق کی طرف بڑھے اور مقام نباج میں ٹہنی سے مل گئے اور بانقیا اور بارسوما کے حاکموں کو مطیع کرتے ہوئے ایلہ کی طرف بڑھے، یہ مقام جنگی نقطہ نظر سے بہت اہم تھا، یہاں عرب و ہندوستان کے بری و بحری خطوط آکر ملتے تھے، چنانچہ یہاں کا حاکم ہرمزان ہی راستوں سے دونوں مقام پر حملے کیا کرتا تھا، ہرمز کو مسلمانوں کی پیش قدمی کی خبر ہوئی تو فوراً اردشیر کو دربار ایران اطلاع بھیجی اور خود مقابلہ کے لئے بڑھا، کاظمہ میں دونوں کا مقابلہ ہوا، ایرانیوں نے اپنے کوزنجیروں میں جکڑ لیا تھا، کہ پاؤں نہ اکھڑنے پائیں، لیکن قعقاع بن عمر کی شجاعت نے زنجیر آہن کے ٹکڑے کر ڈالے، اور ایرانیوں نے بری طرح شکست کھائی۔

^۲ سیرۃ ابن ہشام جلد ۱ ص ۶۹

^۳ فتوح البلدان، فتوح عراق

۱ تاریخ الملوک ص ۷۶

۳ طبری ص ۱۸۷

۵ ابن خلدون ج ۲ ص ۷۹

جنگ مزار..... ابھی یہ معرکہ ختم ہوا تھا کہ ایرانیوں کی امدادی فوج کو جو قارن بن قریاس کی ماتحتی میں ہرمز کی مدد کو آرہی تھی، مزار میں ہرمز کے قتل اور ایرانیوں کی شکست کی خبر ملی، اس لئے قارن نے اسی جگہ اپنی فوج کی تنظیم کی اور شکست خوردہ فوج کے سردار قباز اور انوشجان کو امیر العسکر بنا کر نہر کے قریب پڑاؤ ڈالا، خالد کو اطلاع ہوئی، تو وہ فوج لے کر مزار کی طرف بڑھے، لب دریادونوں کا مقابلہ ہوا، معقل نے قارن کو اور عاصم نے انوشجان کو اور عدی نے قباز کو ختم کیا، اور اس شدت کی جنگ ہوئی کہ تیس ہزار ایرانی کام آئے، یہ تعداد اس کے علاوہ ہے جو نہر میں ڈوب کر مرے۔

جنگ کسکر..... جنگ مزار کے انجام کی خبر ایران پہنچی تو اردشیر نے اندرزغر اور بہمن کو یکے بعد دیگرے مسلمانوں کے مقابلہ کے لئے روانہ کیا، اندرزغر مدائن اور کسکر ہوتا ہوا ولبہ پہنچا، حیرہ اور کسکر کے تمام دہقانی اور آس پاس کے عرب بھی ایرانیوں کی حمایت میں اپنی اپنی فوجیں لے کر اندرزغر کے قریب آ کر خیمہ زن ہوئے، اس درمیان میں بہمن بھی پہنچ گیا، خالد کو خبر ملی تو سوید بن مقرن کو ایک دستہ پر مامور کر کے ضروری ہدایات دے کر چھپے چھوڑا اور خود بڑھ کر مورچہ بندی میں مصروف ہو گئے اور ساحل کی قربت سے فائدہ اٹھا کر نیبی زمین میں تھوڑی فوج چھپا دی، کہ جنگ چھڑنے کے بعد وہ نکل کر حملہ آور ہو جائے اس انتظام سے فراغت کے بعد جنگ چھڑ گئی، دیر تک گھسان کارن پڑتا رہا، جب فریقین تھکنے لگے، تو مسلمان کمین گاہوں سے نکل کر ٹوٹ پڑے اس اچانک حملے نے ایرانیوں کے پاؤں اکھاڑ دیئے، مگر وہ جدھر بھاگتے تھے، مسلمان سامنے تھے اس لئے جو سپاہی جہاں تھا وہیں ختم ہو گیا، اندرزغر نکل بھاگا، لیکن پیاس کی شدت سے وہ مر گیا، جنگ کے بعد مسلمانوں نے عام آبادی سے کوئی تعرض نہیں کیا اور ان کو پوری آزادی دے دی۔

جنگ الیس..... گذشتہ جنگ میں عربی النسل عیسائی قبائل بھی ایرانیوں کی حمایت میں مارے گئے تھے، اس لئے جنگ کسکر کے بعد یہ لوگ پورے طور سے ایرانیوں کے ساتھ ہو گئے اردشیر نے بہمن کو عربی قبائل سے مل جانے کا حکم دیا، چنانچہ بہمن الیس کی طرف بڑھا اور یہاں کے حاکم جاپان کو یہ ہدایت دے کر کہ میری واپسی تک جنگ شروع نہ کرنا، الیس روانہ کر دیا، اور خود اردشیر کے پاس مشورہ کے لئے چلا گیا، وہاں سے لوٹا تو باقی عربی قبائل اور عربی چھاؤنی کی ایرانی سپاہ اکٹھا ہو چکی تھی، اس درمیان میں خالد بھی پہنچ گئے ان کے پہنچتے ہی جنگ شروع ہو گئی، دیر تک کشت و خون کا سلسلہ جاری رہا، خالد نے مہادی کرادی کہ لڑائی روک کر لوگوں کو صرف گرفتار کرو، چنانچہ مسلمان دارو گیر میں مصروف ہو گئے، اور لڑنے والوں کو زندہ گرفتار کر کے نہر

کے کنارے فل کرنا شروع کر دیا، اور ایرانی بری طرح مفتوح ہوئے۔
 ایسے فراغت کے بعد خالدؓ مغیشیا کی طرف بڑھے، یہاں کے باشندے
 مسلمانوں کا رخ دیکھ کر پہلے ہی شہر خالی کر چکے تھے، اس لئے جنگ کی نوبت نہیں آئی۔
 مغیشیا..... مغیشیا کے قریب ہی حیرہ تھا، یہاں کے حاکم آزاد بہ کو خطرہ پیدا ہوا کہ مسلمان
 مغیشیا کی طرف بڑھیں گے، اس لئے اس نے حفظہ ما تقدم کے طور پر اپنے لڑکے خالدؓ کو روکنے
 کے لئے آگے بھیج دیا، اور پیچھے سے خود مدد کے لیے پہنچا، مغیشیا اور حیرہ کے درمیان نہر فرات
 تھی، آزاد بہ کے لڑکے نے اس کا بند باندھ دیا، اس سے مسلمانوں کی کشتیاں رک گئیں اور
 ملاحوں نے جواب دیا کہ ایرانیوں نے نہر کا رخ پھیر دیا ہے اس لئے کشتیاں نہیں چل سکتیں،
 مسلمان کشتیوں سے اتر پڑے اور گھوڑوں پر ابن آزاد بہ کی طرف بڑھے، فرات کے دہانہ پر
 دونوں کا مقابلہ ہوا، ابن آزاد بہ مارا گیا اور فوج بھی تباہ ہوئی۔

حیرہ کی صلح..... اس کے بعد دریا کا بند کھول کر مسلمان حیرہ کی طرف بڑھے، لیکن ان کے
 پہنچنے کے قبل آزاد بہ حیرہ چھوڑ چکا تھا، مسلمان مقام غرینین میں ٹھہر گئے، حیرہ میں جو لوگ باقی رہ
 گئے تھے، وہ اس عرصہ میں قلعہ بند ہو گئے، خالدؓ نے ان کا محاصرہ کر لیا، پہلے صلح کی گفت و شنید
 ہوتی رہی، لیکن بے نتیجہ رہی، ایرانیوں نے قلعہ کے اوپر سے سنگباری شروع کر دی، مسلمانوں
 نے پیچھے ہٹ کے تیروں سے جواب دیا اور قلعہ اور محلات کی دیواریں چھلنی کر دیں، جب شہری
 آبادی محاصرہ سے گھبرا گئی، تو قسیمیون اور راہبوں نے قلعہ والوں سے فریاد کی کہ اس خونریزی کی
 ساری ذمہ داری تم پر ہے، اس کو بند کرو، آخر میں جب قلعہ والوں نے بھی عاجز ہو کر خالدؓ سے صلح
 کی گفتگو کر کے ایک لاکھ نوے ہزار سالانہ خراج پر صلح کر لی اور خالدؓ نے ایک مفصل صلح نامہ لکھ کر
 حوالہ کیا،

ملکحات حیرہ..... حیرہ کی صلح کے بعد اطراف کے کاشتکاروں اور دیہی آبادیوں نے بھی
 جو حیرہ کے شرائط کی منتظر تھیں، ۲۰ لاکھ سالانہ پر صلح کر لی، حیرہ اور ملکحات حیرہ کی کامل تسخیر کے
 بعد خالدؓ نے محافظین سرحد میں سے ضرار بن آذر، ضرار بن خطاب، قعقاع ابن عمرو، ثنی بن حارثہ
 اور عتبہ بن شماس افسران سرحد کو دجلہ کی ترائی میں بڑھنے کا حکم دیا، یہ لوگ ساحل تک بڑھتے
 ہوئے چلے گئے۔

ابنار کی تسخیر..... اس وقت گوادوشیر مرچکا تھا، اور ایرانیوں میں اندرونی اختلافات کا طوفان

۱۱. ابن خلدون جلد ۲ ص ۸۰ و طبری ج ۳ ص ۲۰۳ تا ۲۰۴،

۱۲. ابن اثیر جلد ۲ ص ۲۹۸

۱۳. طبری جلد ۵ ص ۲۰۳ تا ۲۰۴

۱۴. ابن خلدون جلد ۲ ص ۱۸۱

برپا تھا، لیکن مسلمانوں کے مقابلہ میں سب متحد تھے، طبری کے یہ الفاظ ہیں، وکان اهل فارس بموت اردشیر مختلفین فی الملک مجتمعین علی قتال خالد متساندین، یعنی اردشیر کی موت کی وجہ سے بادشاہت کے بارے میں ایرانیوں میں اختلاف تھا، لیکن خالدؓ سے جنگ کے بارے میں سب متحد اور ایک دوسرے کے معاون تھے، چنانچہ انہوں نے اپنی مرکزیت قائم کرنے کے لئے فرخزاد کو عنان حکومت سپرد کر دی تھی، اور ان کی فوجیں عین التمر، ابنار اور فراض تک پھیلی ہوئی تھیں، اس لئے خالدؓ حیرہ کے بعد انبار کی طرف بڑھے، لیکن ان کے پہنچتے پہنچتے یہاں کے باشندے قلعہ بند ہو چکے تھے، چنانچہ ان کے پہنچتے ہی جنگ شروع ہو گئی، ایرانی قلعہ کے اندر سے تیر باری کر رہے تھے، اس لئے مسلمانوں کا جوابی حملہ کامیاب نہ ہوتا تھا، خالدؓ نے قلعہ کے چاروں طرف چکر لگا کر اس کے استحکامات کا اندازہ لگا کر حکم دیا کہ آنکھوں پر تاک تاک کر تیر مارو، اس تدبیر سے دن بھر میں ایک ہزار آنکھیں بیکار کر دیں، اس مصیبت نے انبار کے باشندوں کو گھبرا دیا اور فوج بدحواس ہو گئی، شیرزاد ایرانی سپہ سالار نے یہ صورت دیکھ کر صلح کا پیام دیا، لیکن شرائط ایسے پیش کیے کہ خالدؓ ان کو منظور نہ کر سکے، اور خندق کا جو حصہ زیادہ تنگ تھا اسے بیکار اونٹوں کو ذبح کر کے پاٹ دیا، اور مسلمان اس پر سے اتر کے قلعہ تک پہنچ گئے اور ایرانی سست کر قلعہ کے اندر ہو گئے، مگر وہ آنکھوں کی نشانہ بازی سے پہلے ہی گھبرا گئے تھے، مسلمانوں کی اس غیر متوقع آمد سے اور ہمت چھوٹ گئی اور شیرزاد نے بہمن کو فوج کی حالت جتا کر صلح پر آمادہ کر لیا، اس نے مجبور ہو کر صلح کر لی، اس کے بعد انبار کے باشندوں نے صلح کی خواہش کی، چنانچہ پہلے بواذیح والوں پھر اہل کلوازی نے صلح کر لی۔

عین التمر خالدؓ انبار کی مہم میں مصروف تھے، کہ بہرام چوہین کا لڑکا مہران مسلمانوں کے مقابلہ کے لئے عین التمر پہنچ گیا، عربی قبائل میں نمر، تغلب اور ایاد، عتقہ بن عتقہ کے ساتھ علیحدہ مقابلہ پر آمادہ تھے، ۲۱ اس لئے خالدؓ نے انبار کے بعد عین التمر کی طرف بڑھے، ایرانیوں نے ایرانی سپاہ قلعوں میں محفوظ کر دی اور عربی قبائل کو مسلمانوں کے مقابلہ کے لئے بڑھا کر ان پر جاسوس متعین کر دیئے۔ کہ اگر ان میں تو میں عصیت نظر آئے تو فوراً تدارک ہو سکے، بعض انصاف پسند ایرانی اس پر معترض ہوئے، ان کو جواب دیا کہ ان ہی کی قوم نے ہمارا ملک تباہ کیا ہے اس لئے انہیں آپس میں کٹانا چاہیے، عتقہ مقام کرخ میں اپنی فوج مرتب کر رہا تھا کہ خالدؓ پہنچ گئے، اور اس کو گرفتار کر لیا، اس کی فوج نے سردار کی گرفتاری سے گھبرا کر میدان جنگ چھوڑ دیا، جو بچ گئے وہ گرفتار ہوئے، خالدؓ ان کی قوم فروشی پر بہت مشتعل تھے، اس لئے پہلے عتقہ کا کام تمام کر دیا، پھر سب کی گردنیں اڑا دیں، مہران کو عربوں کی حالت کی خبر ملی، تو وہ قلعہ چھوڑ کر بھاگ

طبری ص ۲۵۹ ۲۶۱ وفتوح البلدان بلاذری ص ۲۵۵،

۲ ابن اثیر جلد ۲ ص ۲۹،

گیا، لیکن جب شکست خوردہ عرب پہنچتے تو پھر اس کی ہمت بندھی اور ایرانی قلعہ بند ہو گئے، خالد سیدھے قلعہ تک بڑھتے چلے گئے، ایرانیوں نے نکل کر مقابلہ کیا اور تھوڑے مقابلہ کے بعد قلعہ میں داخل ہو گئے، مسلمانوں نے محاصرہ کر لیا، بالآخر ایرانیوں نے صلح کی درخواست کی لیکن خالد نے انکار کر دیا، اور بزور شمشیر قلعہ فتح کیا، لیکن فتح کے بعد پھر کوئی سختی نہیں کی اور معمول خراج کے سوا زمین پر کوئی ٹیکس نہیں لگایا۔ ۳

دومۃ الجندل میں ہمیشہ سے مسلمانوں کے خلاف سازشیں ہوا کرتی تھیں، چنانچہ عہد رسالت میں بھی اسی قسم کی ایک سازش ہوئی تھی، اس لئے غزوہ دومۃ الجندل ہوا تھا، عہد صدیقی میں پھر اس کا ظہور ہوا، حضرت ابو بکرؓ نے اس کے تدارک کے لئے عیاض بن غنم کو روانہ کیا، لیکن کلب، غسان اور تنوخ کی قبائل متحد تھے، اس لئے عیاض کے لئے تنہا ان سب کا مقابلہ کرنا دشوار تھا، انہوں نے خالدؓ کو مدد کے لئے بلا بھیجا، وہ عراق کی مہم چھوڑ کر عیاض کی مدد کو چلے آئے اس وقت یہاں دو حکمران تھے، اکیدر اور جودی، اکیدر کو خالد عہد رسالت میں مطیع کر چکے تھے، اس لئے خالدؓ کی آمد کی خبر سن کر وہ خوف سے جودی کی حمایت سے کنارہ کش ہو گیا، اور جب جودی جنگ کے لیے بالکل آمادہ ہو گیا تو اکیدر دومۃ الجندل چھوڑ کر ہٹ گیا، مگر چونکہ پہلے اس کا شریک رہ چکا تھا، اس لئے گرفتار کر کے قتل کر دیا گیا، خالدؓ اور عیاض نے دوستوں سے دومۃ الجندل کا محاصرہ کر لیا، جودی کی فوج میں متعدد افسر تھے، خود جودی، ولیدہ کلبی، ابن رومانس، ابن اسہم اور ابن حدو و جان ان سب نے متحدہ حملہ کیا، جودی اور ولیدہ گرفتار ہوئے، باقی فوج قلعہ میں گھس گئی، مگر قلعہ میں زیادہ گنجائش نہیں تھی، اس فوج کا ایک حصہ باہر رہ گیا، اگر مسلمان چاہتے تو ان میں سے ایک بھی نہ بچ سکتا، لیکن حضرت عاصمؓ نے بنو کلب کو امان دے دی، ۵ اور خالدؓ نے جودی کو قتل کر دیا، اور قلعہ کا پھاٹک اکھاڑ کے اندر گھس گئے اور قلعہ پر قبضہ ہو گیا۔

جنگ حصید و خنافس حضرت خالدؓ نے عراق چھوڑ کر شام چلے آنے کے بعد جزیرہ کے عربوں نے ایرانیوں کو عراق کی واپسی پر توجہ دلائی، وہ ان کا اشارہ پاتے ہی آمادہ ہو گئے اور زرمہر اور وزبہ نے خنافس اور حصید کی طرف فوجیں بڑھا دیں، زبرقان بن بدر حاکم ابنار نے قعقاع حاکم حیرہ کو اطلاع دی، انہوں نے ایرانیوں کو آگے بڑھنے سے روکنے کے لئے اسی وقت الگ الگ فوجیں اعب بن قذ، اور عروہ بن جعد کی قیادت میں دونوں مقاموں پر روانہ کر دیں، ان دونوں نے بڑھ کر ریف میں ان کو روک دیا، روز بہ روز زرمہر یہاں عربوں کا انتظار کر رہے تھے، کہ خالدؓ دومۃ الجندل سے حیرہ واپس آ گئے اور امرؤ القیس بن کلبی نے اطلاع بھیجی کہ ہذیل

۲ فتوح البلدان بلاذری ص ۲۵۵

۱ طبری جلد ۲ ص ۲۰۶۳

۳ ابن خلدون جلد ۲ ص ۳۹

۴ ایضاً ص ۲۵۷

۵ طبری جلد ۲ ص ۲۰۶۶ و ابن اثیر جلد ۶ ص ۳۰۳

بن عمران مسیح میں اور ربیعہ بن بکیر ثنی اور بشر میں، روز بہ روز زرمہر کی امداد کے لئے فوجیں لئے پڑے ہیں یہ خبر سن کر خالدؓ نے عیاض کو حیرہ میں چھوڑا اور خود قعقاع اور ابولیلی کی مدد کو خنافس روانہ ہو گئے، یہ دونوں عین الثمر میں تھے، خالدؓ یہیں آ کر ان سے ملے، اور قعقاع خود بڑھے، روز بہ روز زرمہر سے مدد طلب کی، وہ مدد لے کر پہنچا، حصید میں دونوں کا مقابلہ ہوا، زرمہر اور روز بہ دونوں مارے گئے اور ان کی فوج ہٹ کر خنافس میں جمع ہو گئی، ابولیلی تعاقب کرتے ہوئے خنافس پہنچے، تو ایرانی خنافس چھوڑ کر مسیح چلے گئے، خالدؓ کو اس کی اطلاع دی گئی، انہوں نے قعقاع، ابولیلی اور عروہ کو ایک خاص مقام پر شب میں جمع ہونے کا حکم دیا اور خود بھی معینہ شب میں وہاں پہنچ گئے اور سب نے مل کر متحدہ شب خون مارا، ایرانی بالکل بے خبر تھے، اس لئے مدافعت بھی نہ کر سکے اور سب کے سب مارے گئے۔

جنگ ثنی و بشر..... ربیعہ بن بکیر ثنی اور بشر میں بدستور فوجیں لئے پڑا تھا، صبح کے بعد خالدؓ نے قعقاع اور ابولیلی کو ثنی پر شیخون مارنے کا حکم دیا، چنانچہ ایک مقرر شب کو تینوں نے مل کر تین سمتوں سے حملہ کیا، صرف ہذیل امیر العسکر باقی بچا اور کل فوج کھیت رہی، ہذیل ثنی سے بھاگ کر بشر پہنچا یہاں بھی عربوں کا ایک جتھا موجود تھا، خالدؓ اس کو صاف کرتے ہوئے رضاب پہنچے، یہاں عتقہ کا لڑکا بلال مسلمانوں کا منتظر تھا، مگر خالدؓ کے آتے دیکھ کر یہ بھاگ نکلا۔

جنگ فرائض..... اور خالدؓ رضاب ہوتے ہوئے فرائض کی طرف بڑھے، یہ مقام جنگی نقطہ نظر سے بہت اہم تھا، یہاں شام، عراق اور جزیرہ کی سرحدیں ملتی تھیں، شام کی سرحد کی وجہ سے رومی بھی ایک فریق بن گئے اور انہوں نے ایرانیوں کی چھاوٹی اور تغلب وایاد (غرب) سے مدد مانگ بھیجی، ان کو اس میں کیا عذر ہو سکتا تھا، فوراً آمادہ ہو گئے، اور اب مسلمانوں کا مقابلہ ایرانیوں اور رومیوں دونوں سے ہو گیا، اس لئے خالدؓ نے بھی نہایت اہتمام سے اسلامی فوج کو از سر نو منظم کیا، فرات کے ایک جانب مسلمان تھے، اور دوسری جانب اتحادی اتحادیوں نے پیام دیا کہ یا تم دریا عبور کر کے بڑھو یا ہمیں بڑھنے دو، خالدؓ نے ان کو بڑھنے کا موقع دیا، اور فرات کے اس پار لب دریا دونوں کا مقابلہ ہوا، مسلمان نہایت پامردی سے لڑے اور اتحادیوں کی فوجیں پسپا ہونے لگیں، خالدؓ کی للکار پر مسلمان شہ سواروں نے گھیر گھیر کر مارنا شروع کیا، اتحادی دو طرف سے گھرے ہوئے تھے پیچھے ہٹتے تھے تو فرات کا لقمہ بنتے تھے، اور آگے بڑھتے تھے، تو تلوار سامنے تھی، اسی کشمکش میں سب کے سب کام آ گئے، فتح کے دس دن بعد تک مسلمان یہاں مقیم رہے، اس کے بعد حیرہ لوٹ گئے، اس معرکہ کے بعد عراق کی پیش قدمی رک گئی، اور خالدؓ خفیہ حج کو چلے گئے۔

فتوحات شام..... اوپر ان حالات کی تفصیل بیان کی جا چکی ہے، جن کی بنا پر مسلمانوں کا

ایرانیوں اور رومیوں سے نبرد آزما ہونا ناگزیر امر تھا، اس لئے عراق کے ساتھ ساتھ شام پر بھی فوج کشی ہوئی تھی، اور ہر صوبہ پر علیحدہ علیحدہ فوجیں بھیجی گئی تھیں، خالد عراق کی مہم سر کر چکے تھے، کہ دربار خلافت سے حکم پہنچا کہ عراق چھوڑ کر شام میں اسلامی فوجوں سے مل جائیں، اس حکم کے مطابق حج سے واپس ہونے کے بعد عراق کا انتظام شنی کے سپرد کر کے، شام روانہ ہو گئے اور راستہ میں حدردار، ارک، سوی، حوارین، قسصم، مرج، ربط وغیرہ سے نہلتے ہوئے شام پہنچے اور پہلے بصری کی طرف بڑھے۔

بصری..... یہاں اسلامی فوجیں پہلے سے ان کا منظر تھیں، اس لئے خالد نے آتے ہی بصری کے بطریق پر حملہ کر کے پسپا کر دیا اور اس شرط پر صلح ہو گئی کہ مسلمان رومیوں کی جان و مال کی حفاظت کریں گے اور وہ اس کے عوض میں جزیہ دیں گے۔

اجنادین..... اس وقت مسلمان شام کے مختلف حصوں میں پھیلے ہوئے تھے اور ہر قلعہ نے ان کے مقابلہ کے لئے الگ الگ دستے بھیجے تھے، تاکہ ایک مرکز پر جمع نہ ہوں لیکن فلسطین کی مہم عمرو بن العاصؓ کے متعلق تھی بصری کے بعد تدارق اور قبتلاء نے اجنادین (فلسطین) میں اپنی فوجیں ٹھہرائیں، خالدؓ اور ابو عبیدہ بصری سے فارغ ہو کر عمرو بن العاصؓ کی مدد کو پہنچے، ۱۳ھ میں مقام اجنادین میں دونوں کا مقابلہ ہوا، تدارق اور قبتلاء دونوں مارے گئے۔

دمشق..... اجنادین کے بعد دمشق کی طرف بڑھے، امیر فوج ابو عبیدہؓ نے تین سبتوں سے اس کا محاصرہ کیا، ایک سبت پر خالدؓ مامور ہوئے تین مہینے تک کامل محاصرہ قائم رہا، لیکن کوئی نتیجہ نہ نکلا، اس درمیان میں ایک دن دمشق کے پادری کے گھر لڑکا پیدا ہوا، اس کے جشن میں دمشق کے بے فکرے شراہیں پی کر ایسے بدست ہو کر سوئے کہ دنیا و مافیہا کی خبر نہ رہی، خالدؓ دوران جنگ میں اکثر راتوں کو سوتے نہ تھے، بلکہ فوجی انتظامات اور دشمنوں کی سراغ رسانی میں لگے رہتے تھے، ۱۳ھ کو اس واقعہ کی اطلاع ہو گئی، چنانچہ فوج کی یہ ہدایت دے کر تکبیر کی آواز سنتے ہی شہر پناہ کے پھاٹک پر حملہ کر دینا، چند آدمیوں کے ساتھ کمند ڈال کر شہر پناہ کی دیوار کے اس پار اتر گئے اور پھاٹک کے چوکیدار کو قتل اور اس کا قتل توڑ کر تکبیر کا نعرہ لگایا تکبیر کی آواز سنتے ہی فوج ریلا کر کے اندر داخل ہو گئی، دمشق والے ابھی تک غافل سو رہے تھے اس ناگہانی حملہ سے گھبرا گئے اور ابو عبیدہؓ سے صلح کی درخواست کر کے شہر پناہ کے تمام دروازے کھول دیئے، ایک طرف سے خالدؓ فاتحانہ داخل ہوئے، اور دوسری طرف سے ابو عبیدہؓ مصالحانہ وسط شہر میں دونوں سے ملاقات ہوئی، ۱۴ھ کو نصف حصہ بزور شمشیر فتح ہوا، لیکن شرائط سب مصالحانہ رکھے گئے۔ ۱۵ھ

۲ فتوح البلدان بلاذری ۱۱۹

۱ ابن اثیر ج ۲ ص ۳۱۴

۳ ابن اثیر جلد ۶ ص ۳۲۹

۴ طبری جلد ۳ ص ۲۱۵۲

۵ فتوح البلدان بلاذری ص ۱۳۰

فحل..... دمشق کی فتح نے رومیوں کو بہت برہم کر دیا، اور وہ بڑے جوش و خروش کے ساتھ مقابلہ کے لئے آمادہ ہو گئے، سقلا رومی فحل میں فوجیں لے کر خیمہ زن ہوا، اس لئے مسلمان دمشق کے بعد ادھر بڑھے، مقدمہ الجیش خالد کی کمان میں تھا، اس معرکہ میں بھی رومیوں نے بری طرح شکست کھائی۔

دمشق کا دوسرا معرکہ..... فحل کے بعد ابو عبیدہؓ اور خالدؓ حمص کی طرف بڑھے، یوحنا کے کینسہ کی وجہ سے یہ مقام بھی رومیوں کا ایک اہم مرکز تھا، ہرقل کو خبر ہوئی تو اس نے توذر بطریق کو فوج دے کر مقابلہ کے لیے بھیجا، اس نے دمشق کے مغربی سمت مرج روم میں پڑاؤ ڈال دیا، مسلمان بھی آگے بڑھ کر مرج روم کی دوسری سمت ٹھہرے، اس درمیان میں رومیوں کی ایک فوج شنس کی سرکردگی میں پہنچ گئی، اس لئے خالدؓ توذر کے مقابلہ کو بڑھے اور ابو عبیدہؓ شنس کے، توذر نے مقابلہ نہیں کیا، بلکہ دمشق واپس لینے کے ارادہ سے آگے بڑھا، خالدؓ بھی عقب سے اس کے ساتھ ہو گئے، دمشق میں یزید بن ابوسفیان موجود تھے، وہ شنس کی آمد کی خبر سن کر اس کے روکنے کو نکلے دمشق کے باہر دونوں میں سخت معرکہ ہوا، ابھی جنگ کا سلسلہ جاری تھا کہ پیچھے سے خالدؓ پہنچ گئے، اور ایک طرف سے انہوں نے اور دوسری طرف سے یزید نے مل کر رومیوں کو پامال کر دیا، اور معدودے چند کے علاوہ کوئی رومی باقی نہ بچا۔

حمص..... ابو عبیدہؓ نے شیرز، معرہ حمص، اور لاذقیہ وغیرہ کو لے کر بعلبک اور حمص فتح کیا۔ یرموک..... ان پیہم شکستوں نے رومیوں میں آگ لگا دی اور دولاکھ کاٹھی دل مسلمانوں کے مقابلہ کے لئے امنڈ آیا، ۲۲ رومی سپہ سالار ماہان اس کو لے کر یرموک کے میدان میں اتر اس وقت مسلمان شام کے مختلف حصوں میں منتشر تھے، یہ سب ایک مرکز پر جمع ہو گئے اور طرفین میں جنگ کی تیاریاں ہونے لگیں، رومیوں کے جوش و خروش کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ گوشہ نشین راہب و فسیسین اپنی اپنی خانقاہوں سے نکل کر مذہب کا واسطہ دلا کر رومیوں میں جوش پیدا کر رہے تھے، خالدؓ نے جنگ میں کارہائے نمایاں انجام دیئے فوج کو جدید طرز سے ۳۶ حصوں میں تقسیم کر کے سب پر الگ الگ افسر مقرر کیے اور جہاد پر نہایت ولولہ انگیز تقریر کی، اتفاق سے ایک مسلمان کے منہ سے نکل گیا کہ رومیوں کے مقابلہ میں ہماری تعداد بہت کم ہے، خالدؓ غضب ناک ہو کر بولے فتح و شکست تعداد کی قلت و کثرت پر نہیں بلکہ تائید ایزدی پر ہے، اگر میرے گھوڑے کے سم درست ہوتے تو میں اس سے دوئی تعداد کی پرواہ نہ کرتا۔ ۳

ضروری انتظامات کے بعد عکرمہ بن ابی جہل اور قسٹاح بن عمرو کو حملہ کا حکم دیدیا اور یرموک کے میدان میں ہنگامہ کارزار گرم ہو گیا، عین اس حالت میں عیسائی رومی فوج سے نکل کر اسلامی

لشکر میں آگیا اور خالدؓ سے مذہب اسلام پر گفتگو شروع کر دی کہ اگر میں تمہارے مذہب میں داخل ہو جاؤں تو کیا میرے لئے آخرت کا دروازہ کھل جائے گا، خالدؓ نے کہا یقیناً چنانچہ وہ میدان جنگ میں مشرف باسلام ہو گیا۔

اس جنگ کا سلسلہ مدتوں جاری رہا، مسلمان افسروں نے غیر معمولی شجاعت و بہادری کا ثبوت دیا، آخر رومیوں نے شکست کھائی کہ پھر ان کی اتنی بڑی تعداد نہ فراہم ہو سکی۔ حاضر..... یہ موک کی فتح کے بعد ابو عبیدہؓ نے خالدؓ کو قسریں کی طرف بھیجا اور خود حمص واپس ہو گئے، مقام حاضر میں خالدؓ کو میناس رومی ایک بڑی جماعت کے ساتھ ملا، خالدؓ نے اس کو شکست دی، اہل حاضر نے امان کی درخواست کی اور کہا ہم کو اس جنگ سے کوئی تعلق نہ تھا ہماری رائے بھی اس میں شریک نہ تھی، اسلئے ہم کو امان دی جائے، خالدؓ نے ان لوگوں کی درخواست قبول کر لی۔

قسریں..... حاضر سے قسریں پہنچے، اہل قسریں پہلے جنگ کے ارادہ سے قلعہ بند ہو گئے پھر اہل حمص کے انجام پر غور کر کے صلح کی درخواست کی، خالدؓ نے اس شرط پر منظور کر لی کہ شہر کے استحکامات توڑ دیئے جائیں، قسریں کے بعد ہر قل بالکل مایوس ہو گیا، اور شام پر آخری نگاہ ڈال کر قسطنطنیہ چلا گیا، چلتے وقت یہ حسرت انگیز الفاظ اس کی زبان پر تھے ”اے شام! تجھ کو آخری سلام ہے، اب میں تجھ سے جدا ہوتا ہوں، افسوس اس سرزمین میں جس پر میں نے حکمرانی کی ہے، اطمینان خاطر کے ساتھ نہ آسکوں گا۔“

بیت المقدس..... قسریں کے بعد بیت المقدس کا محاصرہ ہوا، عیسائی اس شرط سے بلا جنگ حوالہ کرنے کو آمادہ ہو گئے کہ خود امیر المؤمنین اپنے ہاتھ سے معاہدہ لکھیں، چنانچہ حضرت عمرؓ نے صلح نامہ لکھنے کے لئے شام کا سفر کیا اور تمام افسران فوج کو جابیہ میں طلب کیا خالدؓ بھی آئے، ان کا دستہ دیبا و حریر میں ملبوس تھا، حضرت عمرؓ کی نظر پڑی تو گھوڑے سے اتر پڑے اور کنکریاں مار کر فرمایا، تم لوگوں نے اتنی جلدی اپنی عادتیں بدل دیں، ”ان لوگوں نے اسلحہ دکھا کر کہا کہ لیکن سپہ گری کا جو ہر نہیں گیا ہے،“ فرمایا تب کوئی مضائقہ نہیں۔

حمص کی بغاوت..... کچھ عرصے میں حمص کے باشندے باغی ہو گئے، لیکن ابو عبیدہؓ اور خالدؓ کی بروقت توجہ سے بہت جلد بغاوت فرو ہو گئی اور شام کے پورے علاقہ پر مسلمانوں کا کامل تسلط ہو گیا۔ معزولی..... اسی عرصے میں حضرت عمرؓ نے خالدؓ کو معزول کر دیا، معزولی کے سنہ میں مورخین کا بیان مختلف ہے، عام شہرت یہ ہے کہ حضرت عمرؓ نے تخت خلافت پر بیٹھتے ہی معزول کیا تھا، لیکن یہ بیان صحیح نہیں ہے، صحیح روایت یہ ہے کہ کچھ عرصے میں یعنی خلافت فاروقی کے ۵ سال بعد

معزول ہوئے، ابن اشیر کی بھی یہی تحقیق ہے، وہ لکھتے ہیں، فی هذه السنة وهي سنة سبعة عشر عزل خالد بن وليد یعنی ۷ھ میں خالد بن ولیدؓ معزول کیے گئے، ان کی معزولی کا سبب یہ ہے کہ خالدؓ فوجی آدمی تھے، ان کا مزاج تند تھا، اس لئے ہر معاملہ میں خود رائی سے کام لیتے تھے، اور بارگاہ خلافت سے استصواب ضروری نہیں سمجھتے تھے، فوجی اخراجات کا حساب و کتاب بھی نہیں بھیجتے تھے، عراق کی پیش قدمی میں روکنے کے بعد حضرت ابوبکرؓ کی مرضی کے خلاف بغیر ان کی اجازت کے خفیہ حج کو چلے گئے، ان کا یہ طرز عمل حضرت ابوبکرؓ کو ناگوار ہوا، اور آپ نے تنبیہ کی انہوں نے بارہا لکھا کہ بغیر میرے حکم کے کوئی کام نہ کیا کرو اور نہ کسی کو کچھ دیا لیا کرو، انہوں نے جواب دیا کہ اگر آپ مجھ کو میری موجودہ حالت پر چھوڑ دیجئے تو کام کر سکتا ہوں، ورنہ اپنی ذمہ داری سے سبکدوش ہوتا ہوں، اسی زمانہ سے حضرت عمرؓ ان سے براہم رہتے تھے، اور بار بار حضرت ابوبکرؓ کو ان کے معزول کرنے کا مشورہ دیتے تھے، لیکن وہ ہمیشہ جواب دیتے کہ میں اس تکوار کو نیام میں نہیں کر سکتا، جس کو خدا نے بے نیام کیا ہے، حضرت عمرؓ کے عہد خلافت میں بھی خالدؓ نے یہ روش نہ چھوڑی، لیکن انہوں نے بھی فوراً معزول نہیں کیا، بلکہ عرصہ تک سمجھاتے رہے، چنانچہ پھر ایک مرتبہ لکھا کہ بغیر میری اجازت کے کسی کو ایک بکری بھی نہ دیا کرو، مگر خالدؓ نے کوئی اثر نہیں لیا اور حضرت عمرؓ کو بھی وہی جواب دیا جو حضرت ابوبکرؓ کو دے چکے تھے۔ ۳

دوسری وجہ یہ تھی کہ عام مسلمانوں کو خیال پیدا ہو گیا تھا کہ اسلامی فتوحات کا دار و مدار خالدؓ کے قوت بازو پر ہے، ۵ھ جس کو حضرت عمرؓ پسند نہیں کرتے تھے۔

تیسری وجہ یہ تھی کہ حضرت خالدؓ کے اخراجات اسراف کی حد تک پہنچ جاتے تھے جو دوسرے افسروں کے لئے نمونہ نہ بن سکتے تھے چنانچہ شعراء کو بڑی بڑی رقمیں دے ڈالتے تھے، اشعث بن قیس کو دس ہزار انعام یکمشت دیا، حضرت عمرؓ کو اطلاع ہوئی تو ابو عبیدہؓ بن جراح کے پاس حکم بھیجا کہ خالدؓ سے دریافت کریں کہ انہوں نے یہ روپیہ کس مد سے دیا ہے، اگر مسلمانوں کے مال سے دیا ہے تو خیانت کی اور اگر اپنی جیب سے دیا ہے تو اسراف کیا ہے، اس لئے دونوں حالت میں وہ معزولی کے قابل ہیں، یہ فرمان عین میدان جنگ میں ابو عبیدہؓ کو ملا، انہوں نے حضرت خالدؓ سے پوچھا، تم نے یہ روپیہ کہاں سے دیا، کہا اپنے مال سے، اس کے بعد حضرت عمرؓ کا فرمان سنا کہ معزولی کی علامت کے طور پر ان کے سر سے ٹوپی اتار لی اور عمامہ گردن میں ڈال دیا، خالدؓ نے صرف اس قدر جواب دیا کہ میں نے فرمان سنا اور مانا، اور ابھی میں اپنے افسروں کے

احکام ماننے اور خدمات بجالانے کو تیار ہوں۔

اس واقعہ سے حضرت عمرؓ کے دبدبہ اور خالدؓ کی حق پرستی، دونوں کا اندازہ ہوتا ہے، معزولی کے بعد دربار خلافت سے طلبی ہوئی، چنانچہ خالدؓ حمص سے ہوتے ہوئے حضرت عمرؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور ان سے شکایت کی کہ آپ نے میرے معاملہ میں زیادتی سے کام لیا ہے، حضرت عمرؓ نے سوال کیا ”تمہارے پاس اتنی دولت کہاں سے آئی“ جواب دیا، مال غنیمت کے حصوں سے، اگر میرے پاس ساٹھ ہزار سے زیادہ نکلے تو آپ لے لیجئے، حضرت عمرؓ نے فوراً حساب کرایا، کل ۲۰ ہزار زیادہ نکلے، وہ بیت المال میں جمع کرادیے اور فرمایا کہ ”خالدؓ اب بھی میرے دل میں تمہاری وہی عزت و محبت ہے“ اور تمام ممالک محروسہ میں فرمان جاری کرادیا کہ میں نے خالدؓ کو خیانت کے جرم یا غصہ وغیرہ کی وجہ سے معزول نہیں کیا ہے بلکہ محض اس لئے معزول کیا کہ مسلمانوں کو یہ معلوم ہو جائے کہ اسلامی فتوحات کا دار و مدار خالدؓ کے قوت بازو پر نہیں ہے۔

مذکورہ بالا فتوحات کے علاوہ خالدؓ دوسری مہموں میں بھی شریک ہو کر داد شجاعت دیتے رہے، لیکن ان میں آپ کی حیثیت معمولی مجاہد کی تھی، اس لئے ان کی تفصیل قلم انداز کی جاتی ہے۔

گورنری..... حضرت عمرؓ نے بمصالح خالدؓ کو معزول کر دیا تھا، لیکن معزول کرنے کے بعد ان سے ان کے رتبہ کے مطابق کام لئے اور ان کے جوہر اور ان کی فطری صلاحیتوں سے سپہ سالاری کے بجائے دوسرے شعبوں میں فائدہ اٹھایا، چنانچہ معزولی کے بعد رہا، حران، آمد، اور لرتہ کا گورنر مقرر کر دیا، لیکن ایک سال کے بعد وہ خود مستعفی ہو گئے۔

وفات..... گورنری سے استعفا دینے کے بعد مدینہ میں مقیم ہو گئے اور کچھ دن بیمار رہ کر ۲۲ھ میں وفات پائی، بعض لوگ آپ کی وفات حمص میں بتاتے ہیں، مگر یہ صحیح نہیں ہے کیونکہ حضرت عمرؓ آپ کے جنازہ میں شریک تھے، ۴۲ھ اور ۲۲ھ میں انہوں نے شام کا کوئی سفر نہیں کیا، آپ کی وفات سے مدینہ کی عورتوں خصوصاً بنی عذرہ میں کھرام برپا تھا۔

اولاد..... اودا کی تعداد کی تفصیل نہیں ملتی، صرف دو لڑکوں، مہاجر اور عبدالرحمن کا نام ملتا ہے دونوں میں باپ کی شجاعت کا اثر تھا، چنانچہ مہاجر بن خالدؓ نے جنگ صفین میں حضرت علیؓ کی حمایت میں سرگرمی سے حصہ لیا، ۵۱ھ اور حضرت معاویہؓ کے عہد میں قسطنطنیہ کے مشہور معرکہ میں

۱۔ ابن اثیر ص ۳۱۸، ۲۔ ابن اثیر ج ۳ ص ۴۱۹،

۳۔ تدرک حاکم جلد ۳ ص ۲۹۷،

۴۔ اصحابہ جلد ۲ ص ۱۰۰ اور متدرک حاکم ج ۳ ص ۲۹۷،

۵۔ استیعاب جلد ۱ ص ۲۷۶

فوج کے ایک کمانڈر عبدالرحمن بن خالد بن ولید تھے، حضرت خالدؓ کی کنیت ابو سلیمان تھی، اس سے قیاس ہوتا ہے کہ اس نام کا بھی لڑکار ہوا ہوگا مگر تصریح نہیں ملتی۔

فضل و کمال..... چونکہ ابتدا سے لے کر آخر تک خالدؓ کی پوری زندگی میدان جنگ میں گزری اس لئے ذات نبویؐ سے خوشہ چینی کا موقع کم ملا، وہ خود کہتے تھے کہ جہاد کی مشغولیت نے مجھ کو تعلیم قرآن کے بڑے حصہ سے محروم رکھا، تاہم وہ صحبت نبویؐ کے فیض سے دولت علم سے بالکل بے بہرہ نہ تھے، اور آنحضرت ﷺ کے بعد مدینہ میں جو جماعت صاحب علم و افتا تھی، ان میں ایک ان کا نام بھی تھا، لیکن فطرۃ سپاہی تھے اس لئے مسند افتا پر نہ بیٹھے اور ان کی فتاویٰ کی تعداد دو چار سے زیادہ نہیں ہے، ۱۳ ابن عباسؓ، جابر بن عبد اللہ، مقدم بن معدی کرب، قیس بن ابی حازم اشتر نخعی، علقمہ، ابن قیس، جبیر بن نصیر وغیرہ نے ان سے حدیثیں روایت کی ہیں، ۱۴ ان کی مرویات کی تعداد کل اٹھارہ ہے جن میں سے دو متفق علیہ ہیں اور ایک میں بخاری منفرد ہیں۔

(فضائل اخلاق) رضائے نبوی..... صحابہ کرام کے لئے سب سے بڑی دولت آنحضرت ﷺ کی رضا جوئی اور خوشنودی تھی، اس کے لئے وہ اپنے جذبات کو بھی آنحضرت ﷺ کے تابع فرمان کر دیتے تھے، خالدؓ کو تند مزاج تھے، لیکن فرمان نبویؐ کے مقابلہ میں ان کی تند مزاجی حلم و عفو سے بدل جاتی تھی، ایک مرتبہ ان میں اور عمار بن یاسرؓ میں کسی معاملہ میں بحث ہو گئی اور سخت کلامی تک نوبت پہنچ گئی، عمارؓ نے آنحضرت ﷺ سے شکایت کی، اتفاق سے اسی وقت حضرت خالدؓ بھی آگئے اور شکایت سن کر بہت برہم ہوئے اور عمار کو برا بھلا کہنا شروع کیا، آنحضرت ﷺ خاموش تھے، عمارؓ نے آبدیدہ ہو کر عرض کی، حضور ان کی زیادتیوں کو ملاحظہ فرما رہے ہیں، آنحضرت ﷺ نے سر اٹھا کر فرمایا کہ ”جو شخص عمارؓ سے بغض و عداوت رکھتا ہے وہ خدا سے بغض و عناد رکھتا ہے“ خالدؓ پر اس ارشاد کا یہ اثر ہوا کہ ان کا بیان ہے کہ جب میں آنحضرت ﷺ کے پاس اٹھا تو عمارؓ کی رضا جوئی سے زیادہ کوئی چیز میرے لئے محبوب نہ تھی، اور ان سے مل کر ان کو منایا۔ ۱۵

احترام نبوی..... خالدؓ کے دل میں آنحضرت ﷺ کا اتنا احترام تھا کہ وہ کسی کی زبلیں سے آپ کی شان میں کوئی ناروا کلمہ برداشت نہیں کر سکتے تھے، ایک مرتبہ آپ کے پاس کچھ سونا آیا، آپ نے اسے اہل نجد میں تقسیم کر دیا، قریش انصار کو شکایت ہوئی، انہوں نے شکایت کی کہ آپ نے

۱۱ ابوداؤد جلد ۱ کتاب الجہاد باب قوله تعالى ولا تلقوا بايديكم الى التهلكة

۱۲ اصحابہ جلد ۲ ص ۹۹

۱۳ اعلام المتقين جلد ۱ فصل اصحاب الفتوى من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم

۱۴ تہذیب التہذیب جلد ۲ ص ۱۲۳

۱۵ مسند احمد بن حنبل ج ۳ ص ۸۹

سونا نجدی سرداروں کو دے دیا، اور ہم لوگوں کو بالکل نظر انداز فرما دیا، آپ نے فرمایا کہ ان کو تالیف قلب کے خیال سے دیتا ہوں، یہ سن کر نجدیوں کے گروہ سے ایک شخص نے کہا کہ محمد خدا سے ڈر! آپ نے فرمایا، اگر میں خدا کی نافرمانی کرتا ہوں تو پھر خدا کی اطاعت کون کرتا ہے؟ خالد کو اس گستاخی پر غصہ آگیا اور اس کی گردن اڑانے کی اجازت چاہی لیکن آپ نے روک دیا۔

آثار نبوی سے تبریک..... وہ ہر اس چیز کے ساتھ جس کو آنحضرت ﷺ کے ساتھ شرف انتساب حاصل ہوتا والہانہ عقیدت سمجھتے، چنانچہ آنحضرت ﷺ کے موئے مبارک ایک ٹوپی میں سلوائے تھے، جس کو پہن کر میدان جنگ میں جاتے تھے، یہ موک کے معرکہ میں یہ ٹوپی گر گئی تھی، حضرت خالدؓ بہت پریشان ہوئے اور آخر بڑی تلاش و جستجو کے بعد ملی۔

جہاد فی سبیل اللہ..... حضرت خالدؓ کی کتاب زندگی کا سب سے جلی عنوان اور سب سے روشن باب جہاد فی سبیل اللہ ہے، ان کی زندگی کا بیشتر حصہ اسی میں گزرا، غزوات نبویؐ اور عراق و شام کی فتوحات کے حالات میں اس کی تفصیل گزر چکی ہے، ان کے اسی ذوق جہاد اور شجاعانہ کارناموں کے صلہ میں ان کو دربار نبویؐ سے سیف اللہ کا لقب ملا تقریباً سو سو لڑائیوں میں اپنی تلوار کے جوہر دکھائے جسم میں ایک بالشت حصہ بھی ایسا نہ تھا جو تیروں اور تلواروں کے زخم سے زخمی نہ ہوا ہو، ذوق جہاد میں کہا کرتے تھے کہ مجھے میدان جنگ کی وہ سخت رات جس میں اپنے دشمنوں سے لڑوں، اس شب عروسی سے زیادہ مرغوب ہے، جس میں میری محبوبہ مجھ سے ہمکنار ہو، آخر وقت جب اپنی زندگی سے مایوس ہو گئے تو بڑی حسرت اور افسوس کے ساتھ کہتے تھے کہ میری ساری زندگی میدان جنگ میں گزری اور آج میں بستر مرگ پر چانور کی طرح ایڑیاں رگڑ کے جان دے رہا ہوں، خدا نے آپ کے قدموں میں وہ برکت دی تھی جدھر رخ کیا تبھی ناکام واپس نہ لوئے، خود کہتے تھے کہ میں نے جس طرف کا رخ کیا فتحیاب ہوا، اس قول کی صداقت پر ان کے کارنامے شاہد ہیں، آنحضرت ﷺ کو ان کی شجاعت پر اس قدر اعتماد تھا کہ جب انکے ہاتھ میں علم آجاتا تو آپ مطمئن ہو جاتے چنانچہ غزوہ موتہ میں جب حضرت خالدؓ نے علم سنبھالا تو آنحضرت ﷺ نے غائبانہ فرمایا کہ اب لڑائی کا تنور گرمایا، بے چونکہ سپہ گری ان کا آبائی پیشہ تھا، اس لئے ان کے پاس سامان حرب کافی تھا، جسکو انہوں نے اسلام لانے کے بعد راہ خدا میں وقف کر دیا تھا۔

۱ بخاری جلد ۲ ص ۱۰۵

۲ اسد الغابہ جلد ۲ ص ۹۹

۳ اسد الغابہ جلد ۲ ص ۹۹

۴ اسد الغابہ جلد ۲ ص ۹۹

۵ استیعاب جلد ۱ ص ۱۵۸

۶ ابن سعد جلد ۲ ص ۴۰۰

۷ بخاری جلد ۲ ص ۱۰۴

آنحضرت ﷺ کا مدح کرنا..... آنحضرت ﷺ حضرت خالدؓ کی ان جان فروشیوں اور قربانیوں کی بہت قدر فرماتے تھے، اور متعدد موقعوں پر مدحیہ لہجہ میں ان کا اعتراف فرمایا کرتے، فتح مکہ کے موقع پر جب کہ مسلمان مختلف سمتوں سے مکہ میں داخل ہو رہے تھے ایک گھائی کی طرف خالدؓ بھی نمودار ہوئے، آنحضرت ﷺ نے ابو ہریرہؓ سے فرمایا، دیکھو کون ہے، انہوں نے عرض کی خالد بن ولیدؓ فرمایا کہ یہ خدا کا بندہ بھی کیا خوب ہے، خود بھی قدر دانی فرماتے تھے، اور لوگوں کو بھی ان کا لحاظ رکھنے کی ہدایت فرماتے تھے ایک موقع پر لوگوں سے فرمایا کہ خالدؓ کو تم لوگ کسی قسم کی تکلیف نہ دو، کیونکہ وہ خدا کی تلوار ہے، جس کو اس نے کفار پر کھینچا ہے۔ ۲۔

ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ نے حضرت عمرؓ کو زکوٰۃ وصول کرنے کے لئے بھیجا تو ابن جمیل، خالدؓ اور عباسؓ نے دینے سے انکار کیا، آنحضرت ﷺ کو معلوم ہوا، تو فرمایا کہ ”ابن جمیل فقیر تھا، خدا نے اس کو دولت مند کیا، یہ اس کا بدلہ ہے“، لیکن خالدؓ ابن ولیدؓ پر تم لوگ زیادتی کرتے ہو، انہوں نے اپنا تمام سامان حرب خدا کی راہ میں وقف کر دیا ہے پھر ان پر زکوٰۃ کیسی، رہا عباسؓ کا معاملہ تو ان کا میں ذمہ دار ہوں، کیا تم کو معلوم نہیں ہے کہ چچا باپ کی جگہ ہے۔ ۳۔

مزاج..... ان کی پوری زندگی سپاہیانہ تھی، اس لئے مزاج میں حرارت اور تیزی تھی، ذرا سی خلاف مزاج بات پر بگڑ جاتے تھے، عمار بن یاسرؓ کے ساتھ سخت کلامی کا واقعہ اوپر گزر چکا وہ اسی طرح بنو جذیمہ کے معاملہ میں (جن پر آپ نے مشرک سمجھ کر حملہ کر دیا) جب عبدالرحمن بن عوفؓ نے اعتراض کیا تو بہت برہم ہوئے۔ ۴۔

حق پرستی..... لیکن اس تند مزاجی کے باوجود ہٹ دھرمی نہ تھی اور حق بات کو قبول کرنے اور دوسروں کے فضائل کے اعتراف میں عار نہ کرتے تھے، معزولی کا واقعہ اوپر گزر چکا ہے کہ مجمع نام میں اس طرح معزول کیا جاتا ہے کہ سر سے ٹوپی اتار لی جاتی ہے، عمامہ گردن میں باندھ دیا جاتا ہے، اور آپ دم نہیں مارتے اور جب ان کی وجہ پر ابو عبیدہؓ سپہ سالار مقرر ہوتے ہیں تو یہ لوگوں سے مخاطب ہو کر کہتے ہیں کہ اب اس امت کا امین تم پر امیر مقرر کیا گیا ہے۔ ۵۔

اشاعت اسلام..... اشاعت اسلام ہر مسلمان کا مذہبی فریضہ ہے خالدؓ آنحضرت ﷺ کی زندگی میں اور آپ کے بعد برابر اس فریضہ کو ادا کرتے رہے، فتح مکہ کے بعد آنحضرت ﷺ نے اشاعت اسلام کی غرض سے جو سرا یا بھیجے ان میں سے متعدد سرے ان کی سرکردگی میں کیے گئے،

۱۔ سند احمد بن حنبل جلد ۲ ص ۳۶۰،

۲۔ تصانیف جلد ۲ ص ۹۹،

۳۔ ابوداؤد جلد ۱ ص ۶۳، مسلم جلد ۱ ص ۳۶۲، مصنف،

۴۔ تاریخ الخلفاء جلد ۳ ص ۱۰۳،

۵۔ تصانیف جلد ۲ ص ۹۹،

اور بنو جذیمہ، بنو عبد المدا ان نجرانی ان ہی کوششوں سے مشرف باسلام ہوئے، اور اہل یمن کیا سلام میں حضرت علیؓ کے ساتھ ان کی کوششیں بھی شامل تھیں فتنہ رومہ میں طلحہ کی جماعت بنو ہوازن، بنو سلیم اور بنو عامر وغیرہ دوبارہ ان ہی کی کوششوں سے اسلام لائے، ان جماعتوں کے علاوہ منفرد طور پر بھی بعض مشہور لوگ آپ کے ہاتھ مشرف باسلام ہوئے جنگ یرموک میں قیصر روم کے سفیر جارج کے قبول اسلام کا واقعہ اوپر گزر چکا ہے۔

حضرت مغیرہ بن شعبہؓ

نام و نسب مغیرہ نام، ابو عبد اللہ کنیت، نسب نامہ یہ ہے، مغیرہ بن شعبہ بن ابی عامر بن مسعود بن مقب بن مالک بن کعب بن عمرو بن عوف بن قیس۔
اسلام غزوہ خندق کے سال ۵ھ میں مشرف باسلام ہوئے، اور اسی زمانہ میں ہجرت کر کے مدینہ آ گئے۔

غزوات اور آنحضرت ﷺ کے ساتھ قیام کیا، غزوہ حدیبیہ میں آپ کے ساتھ نکلے، قریش اس میں مزاحم ہوئے اور ان کی طرف سے عروہ بن مسعود ثقفی گفتگو کے لئے آیا، اور عرب کے عام قاعدہ کے مطابق دوران گفتگو میں بار بار آنحضرت ﷺ کی ریش مبارک کی طرف ہاتھ بڑھاتا تھا، مسلمان اس گستاخانہ طریقہ مخاطب کے عادی نہ تھے، مغیرہؓ جو اس وقت ہتھیار لگائے، آنحضرت ﷺ کی پشت کی جانب کھڑے تھے، یہ انداز گفتگو ناگوار ہوا، وہ ہر مرتبہ تلوار کے قبضہ پر ہاتھ لے جاتے تھے، آخر میں ضبط نہ ہو سکا، ڈانٹ کر کہا، خبردار ہاتھ قابو میں رکھو عروہ نے پہچان کر کہا او دغا باز میں نے تیری دغا بازی کے معاملہ میں تیری طرف سے کوشش نہیں کی تھی،

حدیبیہ کے بعد متعدد غزوات میں شرکت کا شرف حاصل کیا، آنحضرت ﷺ نے ایک خاص سر یہ میں ان کو اور ابوسفیان کو طائف بھیجا تھا، اس میں انہوں نے نہایت بہادری سے دشمنوں کو شکست دی تھی۔

آخری سعادت آنحضرت ﷺ کی تجہیز و تکفین کے وقت موجود تھے، جب لوگ جسد مبارک کو قبر انور میں رکھ کر نکلے تو انہوں نے عداً قبر میں اپنی انگوٹھی گرا دی، حضرت علیؓ نے کہا نکال لو، انہوں نے قبر میں اتر کر قدم مبارک کو ہاتھ سے مس کیا اور جب مٹی گرائی جانے لگی اس وقت قبر سے نکلے، انہوں نے قصداً اس لئے انگوٹھی گرائی تاکہ یہ شرف ان کے ساتھ مخصوص ہو جائے کہ وہ ذات نبوی سے سب سے آخری جدا ہونے والے ہیں، چنانچہ ہمیشہ لوگوں سے فخر یہ کہا کرتے کہ میں تم سب میں آنحضرت ﷺ سے آخری جدا ہونے والا ہوں۔

۱۲ استیعاب جلد اول ص ۲۵۸

۱۱ اسد الغابہ جلد ۳ ص ۴۰۶

۱۲ زمانہ جاہلیت میں مغیرہؓ نے چند آدمیوں کو قتل کر دیا تھا، مسعود ثقفی نے ان کی دیت ادا کی تھی، یہ واقعہ بخاری کتاب الشر و طائی الجہاد و المصالح مع اہل الحرب میں مفصل مذکور ہے، ہم نے صرف اسی قدر ہی لیا ہے جتنا فیہ کی ذات سے متعلق ہے،

۱۵ ابن سعد جلد ۲ ص ۷۷، ۷۸

۱۴ مستدرک جلد ۳ ص ۴۴

عہد صدیقی..... آنحضرت ﷺ کے بعد یسوعیہ کے عہد کی اکثر معرکہ آرائیوں میں شریک رہے اور بڑے بڑے کار نمایاں کیے، سب سے پہلے حضرت ابوبکرؓ کے حکم سے اہل بحیرہ کی طرف گئے، پھر یمامہ کے مرتدوں کی سرکوبی میں پیش پیش رہے۔

عہد فاروقی..... فتنہ ارتداد کے فروغ ہونے کے بعد عراق کی فتوحات میں شریک ہوئے، یویب کی تسخیر کے بعد جب مسلمان قادیسیہ کی طرف بڑھے اور رستم نے مصالحت کے لئے مسلمان سفراء بلائے تو کئی سفراء بھیجے گئے، آخر میں یہ خدمت مغیرہؓ کے سپرد ہوئی۔

سفارت..... ایرانیوں نے اسلامی سفیر پر رعب ڈالنے کے لئے بڑی شان و شوکت سے دربار سجایا تھا، تمام افسران فوج دیبا و حریر کے بیش قیمت ملبوسات زیب تن کیے تھے رستم زرنگار تاج سر پر رکھے تخت پر بیٹھا تھا، دربار میں کار چوبی کا فرش تھا، مغیرہؓ پہنچے تو بلا کسی جھجک کے سیدھے رستم کے تخت پر جا کر بیٹھے، ان کا اس دلیری سے رستم کے پہلو بہ پہلو بیٹھ جانا درباریوں کو ناگوار گذرا، انہوں نے ہاتھ پکڑ کے نیچے بٹھا دیا، مغیرہؓ نے کہا ”ہم عرب ہیں، ہمارے یہاں یہ دستور نہیں ہے کہ ایک شخص خدا بنے اور دوسرے لوگ اس کی پرستش کریں، ہم سب ایک دوسرے کے برابر ہیں، تم نے ہم کو خود بلایا ہے، ہم اپنی غرض سے نہیں آئے ہیں، پھر تمہارا یہ سلوک کہاں مناسب ہے، اگر تم لوگوں کا یہی حال رہا تو بہت جلد نیست و نابود ہو جاؤ گے، بقائے سلطنت کی یہ شکل نہیں ہے“ ایرانی اس مساوات سے نا آشنا تھے، یہ خیالات سن کر دنگ رہ گئے، رستم بھی نادم ہوا، بولا کہ یہ نوکروں کی غلطی ہے اور حسن تلافی کے طور پر ان کے ترکش سے تیر نکال کر مذاق کے لہجہ میں کہا کہ ان تکلوں سے کیا ہوگا، کہا چنگاری کی لوگو چھوٹی ہو مگر پھر بھی آگ ہے، پھر اس نے تلوار کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ تمہاری تلوار کس قدر بوسیدہ ہے، کہا نیام بوسیدہ ہے لیکن دھار تیز ہے اس کے بعد اٹل معاملہ پر گفتگو شروع ہوئی، رستم نے اپنی قوت کی شوکت و عظمت سطوت و جبروت اور عربوں کی حقارت کم مائیگی کا تذکرہ کر کے کہا کہ گو تمہاری جیسی نام چیز قوم ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکتی، تاہم اگر تم لوٹ جاؤ تو تمہاری فوج اور سردار فوج کو ان کے مرتبہ کے موافق انعام دیا جائے گا، مغیرہؓ نے نہایت جوش سے جوابی تقریر کی اور آخر میں کہا کہ اگر تم کو جزیہ نہیں منظور ہے تو تلوار تمہارا فیصلہ کرے گی، رستم یہ سخت جواب سن کر آگ بگولا ہو گیا، بولا کہ آفتاب سے پہلے تمہاری فوج کو تہ بالا کر دوں گا، اس گفتگو کے بعد مغیرہؓ واپس چلے آئے، ۲ اور قادیسیہ کی مشہور جنگ میں بھی یہ شریک تھے۔ ۳

عراق پر فوج کشی..... ۱۹ھ میں، قوس اور اصفہان والوں نے یزدگرد سے خط و کتابت کر کے مسلمانوں کے خلاف ساٹھ ہزار فوج جمع کی اور مروان شاہ درفش کا دیانی لہراتا ہوا نکلا

حضرت عمار بن یاسرؓ نے دربار خلافت میں اطلاع دی، حضرت عمرؓ نے خود نکلنے کا قصد کیا، لیکن پھر نظام خلافت کے اختلال کے خیال سے ارادہ سح کر دیا اور امرائے کوفہ و بصرہ کے نام فرمان جاری کیے کہ وہ اپنی اپنی فوج لے کر نہاوند کی طرف بڑھیں اور نعمان بن مقرن کو سپہ سالار مقرر کر کے ہدایت کر دی کہ اگر تم شہید ہو تو حذیفہ بن یمان تمہاری قائم مقامی کریں اگر وہ بھی شہید ہوں تو جریر بن عبد اللہ بکلی جگہ لیں اور اگر وہ بھی شہید ہو جائیں تو مغیرہؓ علم سنبھالیں۔

دوسری سفارت..... جب اسلامی لشکر نہاوند کے قریب پہنچا تو ایرانیوں نے دوبارہ مصالحت کی گفتگو کے لئے ایک سفیر طلب کیا، مغیرہؓ اس خدمت کو ایک مرتبہ حسن و خوبی کے ساتھ انجام دے چکے تھے، اس لئے دوبارہ ان ہی کا انتخاب ہوا، یہ سفیر بن کے گئے تو دربار کا وہی رنگ دیکھا، مروان شاہ سر پر تاج زرنگار رکھے طلائی تخت پر بیٹھا تھا، درباری چپ دراست چمکدار تلواریں لگائے، جن پر آنکھ نہیں ٹھہرتی تھی، کھڑے تھے، مغیرہؓ نے کوئی توجہ نہ کی اور سیدھے گھٹتے ہوئے چلے گئے، راستہ میں درباریوں نے روکنا چاہا، کہا سفر کے ساتھ ایسا برتاؤ نہیں کیا جاتا اور مترجم کے ذریعہ گفتگو شروع ہوئی، مروان شاہ نے کہا کہ تم عرب ہو اور عربوں سے زیادہ بد بخت، فاقہ مست اور نجس قوم دنیا میں نہیں ہے، میری سپاہ کب کا تمہارا فیصلہ کر چکی ہوتی لیکن تم اس قدر ذلیل ہو کہ ہم ان کے تیر بھی تمہارے ناپاک خون سے آلودہ کرنا نہیں چاہتے، اب بھی اگر تم واپس چلے جاؤ تو معاف کر دیا جائے گا، ورنہ تمہاری لاشیں میدان میں تڑپتی نظر آئیں گی، انہوں نے حمد و نعت کے بعد جواب دیا کہ بیشک جیسا تمہارا خیال ہے، ایک زمانہ میں ہم ویسے ہی تھے، لیکن ہمارے رسولؐ نے ہماری کایا پلٹ دی اب ہر طرف ہمارے لئے میدان صاف ہے اور بغیر تمہارا تاج و تخت چھینے اس وقت تک نہیں لوٹ سکتے جب تک ”میدان جنگ میں ہماری لاشیں نہ تڑپیں“، غرض یہ سفارت بے نتیجہ رہی اور طرفین میں لڑائی کی تیاریاں شروع ہو گئیں، مغیرہؓ میسرہ کے افسر مقرر ہوئے، نہاوند کے معرکہ میں اسلامی فوج کے سپہ سالار نعمان بن مقرن ایسے سخت زخمی ہوئے کہ پھر جان بر نہ ہو سکے، لیکن مسلمانوں کے ثبات و استقلال میں کوئی فرق نہ آیا اور بالآخر ایرانیوں کو شکست ہوئی، اختتام جنگ کے بعد معقل، نعمان کی خبر لینے گئے، سانس کی آمد و شد باقی تھی، لیکن نگاہ جواب دے چکی تھی، پوچھا کون، معقل نے بتایا، پوچھا جنگ کا کیا نتیجہ رہا، عرض کی خدا نے کامیاب کیا، فرمایا الحمد للہ، عمرؓ کو اطلاع دو، اور یہ مژدہ سننے کے بعد طائر روح پرواز کر گیا۔

نہاوند کے بعد ایران پر عام فوج کشی ہوئی، ہر حصہ پر الگ الگ فوجیں بھیجی گئیں، ہمدان

۱۔ فتوح البلدان باذنی ص ۳۱۱،

۲۔ طبری ج ۲ ص ۲۶۰، ۲۶۱، ۲۶۲،

۳۔ فتوح البلدان باذنی ص ۳۱۴، ۳۱۵،

کی مہم مغیرہ کے سپرد ہوئی، انہوں نے نہایت بہادری سے اس کو سر کیا، پھر اہل ایران کی درخواست پر صلح کر لی۔

بصرہ آباد ہونے کے بعد حضرت عمرؓ نے ان کو یہاں کا گورنر مقرر کیا، انہوں نے اپنے عہد حکومت میں بہت سے نئے انتظامات کیے، باقاعدہ ایک دفتر کھولا، جہاں سے سپاہیوں کی تنخواہیں اور وظیفہ خواروں اور وثیقہ پانے والوں کے وظیفے اور وثیقے ملتے تھے اس سے پہلے کوئی دفتر نہ تھا اس کی ایجاد کا سہرا مغیرہ کے سر ہے، کچھ دنوں کے بعد ایک جرم کے الزام میں، ماخوذ ہوئے، لیکن شہادت سے یہ الزام ثابت نہ ہو سکا، حضرت عمرؓ بہت خوش ہوئے کہ ایک صحابی کا دامن معصیت کی آلودگی سے پاک نکلا، تاہم سیاسی مصالح کے لحاظ سے بصرہ سے تبادلہ کر کے عمار بن یاسرؓ کی جگہ کوفہ کا گورنر بنایا، حضرت عمرؓ کی وفات تک یہاں کے گورنر رہے اور جدید عثمانی انتظامات میں معزول کر دیئے گئے۔

عہد معاویہ..... اس کے بعد امیر معاویہؓ اور جناب امیر میں اختلافات ہوئے تو ابتدا میں مغیرہؓ جناب امیرؓ کے حامی و طرفدار تھے، چنانچہ آپؓ کی خدمت میں حاضر ہو کر مخلصانہ مشورہ دیا کہ اگر آپؓ اپنی خلافت کو مستحکم کرنا چاہتے ہیں تو طلحہؓ وزیرؓ کو کوفہ اور بصرہ کا والی بنائیے اور امیر معاویہؓ کو ان کے قدیم عہدہ پر واپس کیجئے، پورا تسلط ہو جانے کے بعد پھر جو خیال میں آئے وہ کیجئے گا، لیکن جناب امیرؓ نے جواب دیا کہ طلحہؓ وزیرؓ کے بارے میں غور کروں گا، لیکن معاویہؓ جب تک اپنی حرکتوں سے باز نہ آئیں گے اس وقت تک نہ ان کو کہیں کا امیر بناؤں گا اور نہ ان سے کسی قسم کی مددوں کا، مغیرہؓ اس جواب سے بدظن ہو گئے، ۳۱ امیر معاویہؓ کو خبر ہوئی تو انہوں نے اس موقع سے فائدہ اٹھایا اور ان کو اپنی طرف مائل کر کے ان سے بیعت لے لی، ۳۲ اب مغیرہؓ معاویہؓ کے ساتھ تھے، اور علیؓ الا اعلان جناب امیرؓ کی مخالفت شروع کر دی، مجمع عام میں آپؓ کے خلاف تقریر کرتے اور لوگوں کو آپؓ کی مخالفت پر ابھارتے تھے۔ ۳۵

مغیرہؓ کی حمایت نے امیر معاویہؓ کو بڑی قیمتی مدد پہنچائی بڑی بڑی اہم گتھیاں انہوں نے اپنے ناخن تدبیر سے حل کر دیں، امیر معاویہؓ کے دعویٰ خلافت کے سلسلہ میں بعض مواقع ایسے نازک آ گئے تھے کہ اگر مغیرہؓ کا تدبر نہ ہوتا تو امیر معاویہؓ کو سخت ترین دشواریوں کا سامنا کرنا پڑتا، زیادہ دہاقہ عرب میں تھا اور حضرت علیؓ کی طرف سے فارس کا والی تھا، یہ امیر معاویہؓ کا سخت ترین

۱۱ ایضاً ص ۳۱۷، مستدرک جلد ۳ ص ۴۴۸،

۱۲ فتوح البلدان باذری ص ۴۴۸، ۴۴۹،

۱۳ اصحاب جلد ۶ ص ۱۳۲،

۱۴ استیعاب جلد ۱ ص ۲۵۹،

۱۵ مستدرک جلد ۵ ص ۴۵۰،

دشمن تھا، حضرت حسنؑ کی دست برداری کے بعد گوا میر معاویہؓ سارے عالم اسلامی کے خلیفہ ہو گئے، لیکن زیاد ان کی خلافت نہیں تسلیم کرتا تھا، امیر معاویہؓ نے مشہور جفا کار بسر بن اوطاط کو اس کے مطیع کرنے پر مامور کیا، لیکن اس کی سختیاں بے کار ثابت ہوئیں، اور مغیرہ بن شعبہ نے اپنے تدبیر سے زیاد کو امیر معاویہؓ کا مطیع بنا کر ایک بڑے خطرہ سے بچا لیا۔

کوفہ کی گورنری..... ۴۱ھ میں امیر معاویہؓ نے مغیرہؓ کو ان کے حسن خدمات کے صلہ میں کوفہ کا عامل بنایا، ۴۲ھ میں خارجیوں نے بڑا سخت فتنہ برپا کیا، مغیرہؓ نے نہایت ہوشیاری اور سرعت سے اس کو فرو کیا اور خارجیوں کا ایک سرغنہ مستور دمارا گیا، غرض مغیرہؓ نے امیر معاویہؓ کی خلافت استوار کرنے میں پورا زور صرف کیا۔

وفات..... ۵۰ھ میں کوفہ میں طاعون کی وبا پھیلی، اسی میں انتقال کیا، وفات کے وقت ۷۰ سال کی عمر تھی۔

حلیہ..... سر بڑا، بال بھورے، لب پیوستہ، بازو فراخ اور شانہ کشادہ تھے۔

اولاد..... وفات کے وقت ۳ اولادیں چھوڑیں، عروہ، حمزہ، عقیار۔

فضل و کمال..... مغیرہؓ بن شعبہؓ گوا ایک مدبر اور فوجی شخص تھے، تاہم ان کو مذہبی علوم سے بھی وافر حصہ ملا تھا، اور اپنے زمرہ میں علمی حیثیت سے ممتاز شخصیت رکھتے تھے، ان کی ۳۳ روایتیں حدیث کی کتابوں میں موجود ہیں، ان میں سے ۹ متفق علیہ ہیں اور ایک میں امام بخاری اور ۲ میں مسلم منفرد ہیں، ۵ تلامذہ کا دائرہ بھی خاصہ وسیع تھا، ان میں ان کے تینوں لڑکے عروہ، حمزہ، عقیار اور عام لوگوں میں جبیرہ بن دحیہ، مسور بن مخرمہ، قیس بن ابی حازم، مسروق بن احدث، نافع بن جبیرہ بن مطعم، عروہ بن زبیر اور عمر بن وہب قابل ذکر ہیں۔

گوا مغیرہؓ مذہبی علوم سے بے بہرہ نہ تھے، لیکن ان کی عظمت و وقار کا علم وافتا کی مسند کے بجائے سیاست کی خارزار وادیوں میں گڑا تھا اور یہی ان کے کمال کا حقیقی مظہر تھا، عقل و دانش اور تدبیر و سیاست کے لحاظ سے وہ عرب کے ممتاز مدبرین میں تھے، ان کا شمار ”دبابة عرب“ میں تھا، اور اپنے غیر معمولی دل و دماغ کے سبب سے ”مغیرۃ الرائے“ کہلاتے تھے، اسی وصف کی بناء پر حضرت عمرؓ کے عہد میں بڑے بڑے ذمہ دار عہدوں پر ممتاز رہے۔

قبیصہ بن جابر کا بیان ہے کہ میں غرضہ تک مغیرہؓ کے ساتھ رہا، وہ اس تدبیر و سیاست کے آدمی تھے کہ اگر کسی شہر کے آٹھ دروازے ہوں اور ان میں ایک میں سے بھی بغیر ہوشیاری اور

[۱] ابن اثیر جلد ۳ ص ۱۶۸

[۲] ابن اثیر جلد ۳ ص ۱۸۲

[۳] اسامہ جلد ۶ ص ۱۳۲

[۴] تہذیب التہذیب جلد ۲ ص ۱۰۰

[۵] تہذیب الکمال ص ۳۸۵

[۶] تہذیب التہذیب جلد ۲ ص ۱۰۰

[۷] اصحابہ و استیباب تذاکرہ مغیرہ بن شعبہ

چالاکی کے گزند و شواہد ہو تو مغیرہؓ اٹھوں دروازوں سے نکل جاتے، اہم امور کی کتھلیاں سلجھانے میں ان کو خاص ملکہ حاصل تھا، جب کسی معاملہ میں رائے قائم کرتے تو اسی میں مفر کی صورت نکلتی۔

ان کی تدبیر و سیاست کے بعض واقعات نہایت دلچسپ ہیں، عموماً اس قسم کے حکام کو رعایا پسند نہیں کرتی، مغیرہؓ بھی ان ہی میں تھے، حضرت عمرؓ نے اپنے عہد خلافت میں ان کو بحرین کا گورنر بنایا تھا، یہاں کی رعایا نے ان کی شکایت کی، حضرت عمرؓ نے ان کو معزول کر دیا، معزولی کے بعد چلتے چلتے رعایا نے ایک بڑی چوٹ یہ لگائی کہ ان کی آئندہ واپسی کے خطرہ روکنے کے لئے یہاں کے زمینداروں نے ایک لاکھ کی رقم جمع کر کے دربار خلافت میں پیش کی اور کہا کہ مغیرہؓ نے سرکاری محاصل سے خیانت کر کے ہمارے پاس جمع کرائی تھی، حضرت عمرؓ نے نہایت سختی سے باز پرس کی، معاملہ بہت نازک تھا، رقم موجود تھی سینکڑوں شاہد تھے، کسی مزید ثبوت کی ضرورت نہ تھی، لیکن انہوں نے دماغی توازن قائم رکھا، اور نہایت اطمینان کے ساتھ کہا میں نے دو لاکھ جمع کیے تھے ایک لاکھ اس نے دبا لیا یہ سن کر زمیندار بہت گھبرایا اور حلف لے کر اپنی صفائی پیش کی، ورنہ ان کو دو لاکھ بیت المال میں داخل کرنا پڑتے تھے، مگر یہ واقعہ مغیرہؓ کو بدنام کرنے کے لئے بنایا گیا تھا اس تحقیقات سے غلط ثابت ہوا، حضرت عمرؓ نے ان سے پوچھا، تم نے دو لاکھ کا کیوں اقرار کیا، بولے انہوں نے تہمت لگائی تھی، اور اس کے سوا بدلہ لینے کی کوئی صورت نہ تھی۔

حضرت خالد بن سعید بن العاص

نام و نسب خالد نام، ابو سعید کنیت، سلسلہ نسب یہ ہے، خالد بن سعید بن العاص بن امیہ ابن عبد شمس بن عبد مناف بن قصی قرشی اموی، نانہالی تعلق ثقیف سے تھا۔

اسلام حضرت خالد ان خوش نصیب بزرگوں میں ہیں جو اس وقت مشرف باسلام ہوئے، جب چند بندگان خدا کے سوا ساری دنیا توحید کی آواز سے نا آشنا تھی، ان ہی کے اسلام سے ان کے گھر میں اسلام کی روشنی پھیلی، ان کے اسلام کا واقعہ یہ ہے کہ دعوت اسلام کے ابتدائی زمانہ میں انہوں نے خواب دیکھا کہ یہ ایک آتشیں غار کے کنارے کھڑے ہیں اور ان کے والد ان کو اس میں ڈھکیل رہے ہیں، اور رسول اللہ ﷺ گلا پکڑے ہوئے روک رہے ہیں، اس خواب پریشان نے آنکھ کھول دی، گھبرا کر اٹھ بیٹھے اور بے ساختہ زبان سے نکل گیا کہ ”خدا کی قسم یہ خواب حقیقت ہے، اور اس کو حضرت ابو بکرؓ سے بیان کیا، انہوں نے کہا کہ تم ایک نہ ایک دن ضرور مشرف باسلام ہو گے، اس لئے میں تم کو دوستانہ مشورہ دیتا ہوں کہ تم فوراً حلقہ بگوش اسلام ہو جاؤ اور تمہارے والد اس آتشیں غار میں گریں گے، لیکن تم کو اسلام اس میں گرنے سے بچا لے گا، چنانچہ خالد نے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر پوچھا، آپ کس چیز کی دعوت دیتے ہیں، آپ نے فرمایا بلا شرکت غیر خدائے واحد کی پرستش کرو، مجھ کو اس کا بندہ اور رسول مانو اور ان پتھروں کی پوجا چھوڑ دو، جو تمہارے نفع اور نقصان کسی چیز پر قدرت نہیں رکھتے، حتیٰ کہ اس سے بھی لاعلم ہیں، کہ ان کی پرستش کے دعویداروں میں کون ان کی پرستش کرتا ہے اور کون نہیں کرتا، یہ تعلیمات سن کر دل کے ساتھ زبان نے بھی خدا کی وحدانیت اور آپ کی رسالت کی تصدیق کر دی۔ ۳

آزمائش اور استقامت اسلام لانے کے بعد گھروالوں سے چھپ کر آنحضرت ﷺ کے ساتھ دعوت اسلام میں مصروف ہو گئے، والد کو خبر ہوئی تو انہوں نے ان کے بھائیوں کو پکڑنے کے لئے بھیجا، اور ان کو گرفتار کر کے لے گئے، پہلے اسلام چھوڑنے کا مطالبہ ہوا، یہاں جواب صاف تھا کہ جان جائے لیکن محمد ﷺ کا مذہب نہیں چھوٹ سکتا، اس جواب پر پہلے زجر و توبیخ شروع ہوئی، جب یہ بے اثر ثابت ہوئی تو زد و کوب کی نوبت آئی اور اس بے دردی سے

مارے گئے کہ سر پر پڑتے پڑتے لکڑی ٹکڑے ٹکڑے ہو گئی، جب مارتے مارتے تھک گئے تو پھر باز پرس شروع ہوئی تم نے محمد ﷺ کی حرکتوں کو جانتے ہوئے ان کا ساتھ کیوں دیا؟ تم آنکھوں سے دیکھتے ہو کہ وہ پوری قوم کی مخالفت کرتے ہیں، ان کے معبودوں اور ان کے آباؤ اجداد کو برا بھلا کہتے ہیں اور اس میں تم بھی ان کی ہمنوائی کرتے ہو، مگر اس مار کے بعد بھی اس بادہ حق کے سرشار کی زبان سے نکلا کہ ”خدا کی قسم! جو کچھ کہتے ہیں سچ کہتے ہی اور اس میں میں ان کے ساتھ ہوں“ جب سنگدل باپ ہر طرح سے تھک چکا تو، عاجز ہو کر قید کر کے کھانا پینا بند کر دیا، اور لوگوں کو منع کر دیا کہ کوئی شخص ان سے گفتگو نہ کرے چنانچہ یہ کئی دن تک بے آب و دانہ تنہائی کی قید جھیلے رہے، چوتھے دن موقع پا کر بھاگ نکلے اور اطراف مکہ میں روپوش ہو گئے۔

ہجرت حبشہ جب مسلمانوں کا دوسرا قافلہ حبشہ جانے لگا تو یہ بھی اپنی بیوی امیمہ یا ہمینہ اور بھائی عمرو کو ساتھ لے کر حبشہ چلے گئے یہیں ان کا صاحبزادہ سعید اور صاحبزادی ام خالد پیدا ہوئیں۔

ہجرت مدینہ اور غزوات غزوہ خیبر کے زمانہ میں حبشہ سے مدینہ آئے، گو یہ اس میں شریک نہیں ہوئے تھے، لیکن آنحضرت ﷺ نے مال غنیمت میں ان کا حصہ بھی لگایا، اس کے بعد عمرۃ القضاء فتح مکہ، حنین، طائف، تبوک وغیرہ سب میں آنحضرت ﷺ کے ہمراہ رہے۔

ابتدائی غزوات بدر واحد وغیرہ میں شریک نہیں ہو سکے تھے، اس محرومی پر ہمیشہ متاسف رہے، آنحضرت ﷺ سے عرض کی یا رسول اللہ! ہم لوگ بدر کے شرف سے محروم رہے، آپ نے جواب دیا کہ کیا تم کو یہ پسند نہیں ہے کہ لوگوں کو ایک ہجرت کا شرف حاصل ہو اور تم کو دو کا۔

مدینہ کا قیام مدینہ آنے کے بعد سے آنحضرت ﷺ نے مراسلات کا عہدہ ان کے متعلق کر دیا تھا، اور وہ تحریری نامہ و پیام کی خدمت انجام دیتے تھے، ۹ھ میں نبوت ثقیف کا جو وفد آیا تھا، اس کے اور آنحضرت ﷺ کے درمیان گفتگو کی خدمت ان ہی نے انجام دی تھی، اور وفد کے مشرف باسلام ہونے کے بعد معاہدہ بھی ان ہی نے تحریر کیا تھا۔

یمن کی گورنری حضرت خالدؓ کے کنبہ بھر میں حکومت کی صلاحیت تھی، اس لئے آنحضرت ﷺ نے تینوں بھائیوں کو حکومت کے عہدوں پر ممتاز کیا تھا، ابان کو بحرین پر، عمرو کو تیماء پر اور خالد کو یمن پر مامور کیا، یہ تینوں تاحیات نبوی خوش اسلوبی کے ساتھ اپنے فرائض انجام دیتے رہے، آپ کی وفات کی خبر سن کر وہاں سے واپس ہوئے، حضرت ابو بکرؓ نے دوبارہ بھیجنا چاہا اور فرمایا کہ تم لوگ آنحضرت ﷺ کے مقرر کردہ عامل ہو، تم سے زیادہ کون اس عہدہ کا مستحق

۱۔ طبقات ابن سعد جز ۴، قسم ۱ ص ۶۸، استیعاب ج ۱ ص ۱۵۵،

۲۔ استیعاب ج ۱ ص ۱۵۴،

۳۔ ذر قالی ج ۲ ص ۹

۴۔ اسد الغابہ جلد ۲ ص ۹۱،

۵۔ ابن سعد جز ۴، ق ۲ ص ۷۲،

ہو سکتا ہے، لیکن انہوں نے انکار کر دیا اور کہا ہم ابی احمہ کی اولاد ہیں، آنحضرت ﷺ کے بعد کسی کے عامل نہ بنیں گے۔

حضرت ابو بکرؓ کی بیعت میں تاخیر خالدؓ کو ابتدا میں حضرت ابو بکرؓ کی خلافت سے اختلاف تھا، چنانچہ دو مہینہ تک بیعت نہ کی اور حضرت علیؓ اور عثمانؓ سے جا کر کہا کہ آپ لوگوں نے غیروں کی خلافت کس طرح ٹھنڈے دل سے قبول کر لی، حضرت ابو بکرؓ نے تو کوئی باز پرس نہیں کی، لیکن حضرت عمرؓ بہت برہم ہوئے، مگر پھر خالدؓ نے دو مہینے کے بعد حضرت ابو بکرؓ کے حسن اخلاق سے متاثر ہو کر بیعت کر لی۔

حضرت ابو بکرؓ کے عہد خلافت میں فتنہ ارتداد کی روک تھام میں بڑی سرگرمی سے حصہ لیا، مشہور رمرتہ عمرو بن معدی کرب زبیدی کو جو اسود غسی کے حلقہ میں تھا، زخمی کیا، اور اس کی تلوار اور گھوڑا چھین لیا، مگر وہ بچ کر بھاگ گیا، ۳۱ فتنہ ارتداد فرو ہونے کے بعد شام کی فوج کشی کے سلسلہ میں حضرت ابو بکرؓ نے ان کو فوج کے ایک حصہ کا سپہ سالار بنایا لیکن حضرت عمرؓ نے اختلاف کیا کہ جس شخص نے بیعت میں لیت دھل کی ہو وہ ہرگز اعتماد کے لائق نہیں، پھر وہ کوئی ایسے نبرد آزما بھی نہیں کہ فوجی ذمہ داری ان کے سپرد کی جائے، حضرت ابو بکرؓ پہلے مترود ہوئے لیکن آخر میں حضرت عمرؓ کے اصرار سے مجبور ہو گئے، تاہم معزول نہیں کیا، لیکن سپہ سالاری کے عہدہ سے تنزل کر کے تیماء کی امدادی فوج کے دستہ کا امیر بنا دیا اور ان کی جگہ پر یزید بن ابی سفیان کا تقرر کیا اور خالدؓ کو یہ ہدایتیں دے کر تیماء روانہ کیا کہ ”راستہ میں ان مسلمانوں کو جو پہلے ارتداد کی شورش میں نہ شریک ہوئے ہوں ساتھ لے لینا، اور بغیر میرا حکم ملے ہوئے خود حملہ کی ابتداء نہ کرنا،“ رومیوں کو خبر ہوئی تو انہوں نے بہت عربی قبائل کو لے کر مختلف اطراف میں چھاپے مارنا شروع کر دیئے، خالدؓ نے دربار خلافت میں اطلاع بھیجی، وہاں سے مقابلہ کا حکم آیا، لیکن خالدؓ کے بڑھتے بڑھتے رومی منتشر ہو گئے اور عربی قبائل جو ان کے ساتھ ہو گئے تھے، پھر اسلام لے آئے، خالدؓ نے دوبارہ اطلاع بھیجی آپ نے حکم دیا کہ ابھی پیش قدمی جاری رکھو، مگر اس طرح کے دشمن عقب سے حملہ نہ کر سکیں اس حکم کے مطابق یہ آگے بڑھے، باہان رومی مقابلہ کو نکلا، لیکن شکست کھائی، انہوں نے اس کی اطلاع دربار خلافت میں بھیجی، نیز مزید امدادی فوج طلب کی۔

اسی دوران میں عام لشکر کشی ہوئی، عکرمہ ذوالکلاع اور ولید خالدؓ کی مدد کے لئے بھیجے گئے ان کے پہنچتے ہی خالدؓ رومیوں کے مقابلہ میں نکلے، باہان بطریق رومی اپنی فوج کو دمشق کی طرف ہٹا لے گیا، لیکن یہ برابر بڑھتے ہوئے چلے گئے اور دمشق دو اقصہ کے درمیان خیمہ زن ہوئے

باہان کا مسلح دستہ تاک میں لگا ہوا تھا اس نے ہر چہار طرف سے نا کہ بندی کر دی اور خود حملہ کرنے کے لئے بڑھا، راستہ میں خالدؓ کے صاحبزادے سعیدؓ ملے ان کو گھیر کر شہید کر دیا، خالدؓ کو خبر ہوئی تو وہ ایسے سرا سیمہ ہوئے کہ پیش قدمی روک کر پیچھے ہٹ آئے، اور عکرمہؓ نے ہوشیاری کے ساتھ باہان کو ان کے تعاقب سے روک دیا اور خالدؓ ذوالمرہ میں آ کر مقیم ہو گئے، پھر کچھ دنوں کے بعد مدینہ گئے، حضرت ابو بکرؓ نے ان کی کمزوری پر مناسب تنبیہ کی اور فرمایا واقعی عمرؓ اور علیؓ ان کا زیادہ تجربہ رکھتے تھے، کاش میں نے ان کے مشورہ پر عمل کیا ہوتا، اس کے بعد برابر لڑائیوں میں شریک ہوتے رہے اور گزشتہ کمزوری کی تلافی میں بڑے جوش سے لڑتے تھے، چنانچہ خل، دمشق وغیرہ میں بڑی جانبازی دکھائی۔

شہادت..... خل کی مہم کے بعد اسلامی فوج نے مرج صفر کا رخ کیا، اسی درمیان میں خالدؓ نے ام حکیم سے عقد کر لیا اور مرج صفر پہنچ کر بیوی سے ملنے کا قصد کیا، بیوی نے کہا اس معرکہ کے بعد اطمینان سے ملنا زیادہ بہتر ہے، انہوں نے جواب دیا میرا دل کہتا ہے کہ اس لڑائی میں جام شہادت پیوں گا، غرض مرج صفر ہی میں بیوی سے ملاقات کی اور صبح کو احباب کی دعوت کی، ابھی لوگ کھانے سے فارغ بھی نہ ہوئے تھے کہ رومی میدان میں آ گئے، ایک رومی نے مبارز طلبی کی، خالدؓ مقابلہ کے لئے نکلے اور نکلتے ہی شہید ہو گئے، ان کی عروس کا یہ سبق آموز واقعہ قابل ذکر ہے کہ جرح فزع اور سوگ نشینی کے بجائے شوہر کے خون کے انتقام کیلئے اٹھ کھڑی ہوئی اور مردوں کے دوش بدوش لڑ کر سات رومیوں کو اپنے ہاتھ سے قتل کیا۔

اولاد..... خالد کے امیمہ یا ہمینہ بنت خلف کے بطن سے دو اولادیں ہوئیں، سعید اور امہ یا ام خالد، سعید خالد کی زندگی میں شہید ہو گئے تھے، امہ حضرت زبیرؓ بن عوام سے بیاہی تھیں۔ خاتم نبوی..... خالدؓ کی انگوٹھی کا نقش بھی محمد رسول اللہ ﷺ تھا یہ انگوٹھی آنحضرت ﷺ نے ان سے لے لی تھی، جو ہمیشہ آپ کے ہاتھ میں رہی۔

فضل و کمال..... عرب کے عام دستور کے خلاف ان کو لکھنے پڑھنے میں مہارت حاصل تھی چنانچہ یمن والوں کو جو امان نامہ آنحضرت ﷺ نے دیا تھا، اس کی کتابت ان ہی نے کی تھی۔

۱ طبری ص ۲۰۸۳، ۲۰۸۶، ۲۰۸۷

۲ فتوح البلدان بلاذری ص ۲۵ تفصیل ابن سعد سے ماخوذ ہے،

۳ استیعاب جلد ۱ ص ۱۵۵،

۴ ابوداؤد جلد ۲ ص ۲۵

حضرت شرییلؓ بن حسنہ

نام و نسب..... شرییل نام، ابو عبد اللہ، کنیت، والد کا نام عبد اللہ تھا، لیکن یہ شرییل کے بچپن میں فوت ہو گئے تھے، اور ان کی ماں حسنہ نے سفیان انصاری سے شادی کر لی تھی اس لئے شرییل باپ کے بجائے ماں کی نسبت سے شرییل بن حسنہ مشہور ہوئے، نسب نامہ یہ ہے، شرییل بن عبد اللہ بن مطاع بن عبد اللہ بن غطریف بن عبد العزیٰ بن جثمہ ابن مالک بن ملازم بن مالک بن رہم سعد بن یشکر بن مبشر بن غوث بن مرفیلہ، ان کے اعتساب میں اختلاف ہے، بعض کندی بتاتے ہیں اور بعض تیمی۔

اسلام و ہجرت..... شرییلؓ دعوت اسلام کے آغاز میں اسلام کے شرف سے مشرف ہوئے، اور پہلے حبشہ کی ہجرت کی، وہاں سے مدینہ آئے اور ماں کے تعلق سے بنی زریق میں قیام پذیر ہوئے، ہجرت سے لے کر آنحضرت ﷺ کی وفات تک کوئی واقعہ قابل ذکر نہیں ہے، کیونکہ بڑا زمانہ حبشہ کے قیام میں صرف ہو چکا تھا، ان کے کارناموں کا آغاز عہد صدیقی سے ہوتا ہے، شام کی فوج کشی میں صوبہ اردن پر مامور تھے۔

بصری کا معرکہ..... چنانچہ اس سلسلہ کے سب سے پہلے معرکہ بصری میں افسر تھے، آغاز جنگ کے قبل میں اور بصری کے حاکم رومانس میں گفت و شنید بھی ہوئی، لیکن اس کا کوئی نتیجہ نہیں نکلا تھا، اور یہ فوج مرتب کر کے آگے بڑھ رہے تھے، کہ خالدؓ پہنچ گئے ان کے آنے کے بعد یہ سپہ سالار اعظم ہوئے، اور ان ہی کی سپہ سالاری میں اہل بصری نے جزیہ قبول کیا۔

اجنادین..... بصری کے بعد رومی اجنادین میں جمع ہوئے، خالدؓ مقابلہ کو بڑھے، شرییلؓ بھی کچھ دور جا کر ان سے مل گئے اور دونوں مل کر رومیوں سے معرکہ آرا ہوئے، اور ایک خونریز جنگ کے بعد مسلمان کامیاب ہوئے۔

دمشق..... دمشق کی پیدل فوج کے کمان دار تھے، اور اس کے محاصرہ میں یہ باب قرادیش پر متعین تھے، اور فتح تک اپنے فرائض ادا کرتے رہے۔

فحل..... دمشق کے بعد جب مسلمان فحل ہوتے ہوئے بیسان کی طرف بڑھنے والے تھے،

۱۲۔ ابن سعد تذکرہ شرییل بن حسنہ،

۳۔ طبری ص ۲۱۵۱۔

۱۱۔ البدایہ ج ۲ ص ۱۹۳،

۱۲۔ فتوح البلدان ص ۱۱۹،

۱۳۔ فتوح البلدان ص ۱۲۰

لیکن درمیان میں پانی کی وجہ سے فحل میں رک گئے تھے، اس وقت بھی شرحبیلؓ ساتھ تھے، اور انہی کے احتیاط کی بنا پر مسلمان ایک خطرناک صورت حال سے بچ گئے، رومیوں نے دریا کا بند قلعہ لادیا تھا، اس لئے فحل اور بیسان کے درمیان پانی پانی ہو گیا تھا، مسلمان فحل سے آگے نہ بڑھ سکے اور وہیں مقیم ہو گئے، شرحبیلؓ اس نازک موقع پر رات بھر جاگتے رہے، کہ مبادا رومی عقبہ سے حملہ آور نہ ہو جائیں، ان کی یہ پیش بینی اور احتیاط بہت کام آئی، رومی واقعی ایک دن اچانک پشت سے آگئے، لیکن شرحبیلؓ ہوشیار تھے، اس لئے رومیوں کو شکست ہوئی۔

بیسان..... فحل کے بعد شرحبیلؓ اور عمرو بن العاصؓ بیسان کی طرف بڑھے، بیسان والے فحل کا انجام دیکھ چکے تھے، اس لئے پہلے سے قلعہ بند تھے، شرحبیلؓ نے پہنچتے ہی محاصرہ کر لیا، عرصہ تک محاصرہ قائم رہا، ایک دن دو چار آدمی نکلے وہ مارے گئے آخر میں مجبور ہو کر دمشق کے شرائط پر صلح کر لی، طبریہ والوں نے بیسان کا حال دیکھ کر ابوالاعور سے خواہش ظاہر کی کہ اس کو شرحبیلؓ سے ملنے کی اجازت دی جائے، انہوں نے اجازت دے دی چنانچہ اس نے ان سے مل کر بیسان کے شرائط پر صلح کر لی۔

صوبہ اردن اور اس کی آبادیاں..... اس کے بعد شرحبیلؓ بن حسنہ نے صوبہ اردن کے تمام شہر نہایت آسانی سے فتح کر لئے اور ان کو لینے میں کوئی زیادہ خونریزی نہیں ہوئی، تقریباً تمام مفتوحہ علاقہ میں دمشق کے شرائط پر صلح ہوئی، اردن کے شہروں میں سویبہ، ایف، جرش بیت راس، قدس، جولان وغیرہ قابل ذکر ہیں۔

یرموک..... یرموک کی مہم میں جب مسلمان شام کے مختلف حصوں سے سمٹ کر یرموک میں جمع ہوئے تو شرحبیلؓ بھی آئے اور یزید بن ابی سفیان ایک جگہ ٹھہرے خالدؓ سپہ سالار تھے انہوں نے جدید طریقہ پر فوج کو چھتیس حصوں پر تقسیم کر کے ہر حصہ پر الگ الگ افسر مقرر کیے، چنانچہ میمنہ اور میسرہ کے حصہ پر عمرو بن العاصؓ اور شرحبیلؓ متعین تھے، میدان جنگ رومیوں کے ابتدائی حملہ میں جب مسلمانوں کے پاؤں اکھڑ گئے اور بہت سے مسلمان میدان جنگ سے باہر نکل آئے اس وقت بھی شرحبیلؓ کے پائے ثبات میں لغزش نہ آئی اور نہایت جانفروشی سے لڑے اور اخیر تک داد شجاعت دیتے رہے۔

وفات..... ۱۸ھ میں ابھی اسلامی فوجیں شام میں برسرِ پیکار تھیں کہ عراق، شام اور مصر میں طاعون کی وبا پھیلی، عمرو بن العاصؓ نے مشورہ دیا کہ فوجیں واپس مقامات سے ہٹا کر

۱ اس واقعہ میں روایات مختلف ہیں،

۲ طبری ص ۲۱۵۸،

۳ فتوح البلدان بلاذری ص ۱۲۳،

۴ طبری ج ۳ ص ۲۰۱۹،

محفوظ علاقوں میں بھیج دی جائیں، لیکن شرجیلؓ بڑے متوکل شخص تھے، انہوں نے کہا کہ عمرو بن العاصؓ نادان ہیں، میں نے آنحضرت ﷺ سے سنا ہے کہ طاعون خدا کی رحمت اور انبیاء کی دعا ہے، اس کے قبل صالحین نے اسی میں وفات پائی ت اس لئے ہرگز نہ ہٹنا چاہیے، اچنانچہ یہ کسی طرح نہ ہٹے اور اسی نامراد و با میں ۶۷ سال کی عمر میں وفات پائی اور گذشتہ صلیحائے امت بے جا ملے۔ ۲

فضل و کمال گوان کی ساری زندگی جہاد کے میدان میں گزری، تاہم احادیث نبوی سے تہی دامن نہ تھے، جعفر بن ربیعہ اور عبدالرحمن الاشعری نے ان سے روایت کی ہے۔ ۳

۱۔ سند احمد بن حنبل جلد ۴ ص ۱۹۶

۲۔ التیغاب جلد ۲ ص ۲۰۵

۳۔ تہذیب الکمال ص ۱۶۵

حضرت خبابؓ بن ارت

نام و نسب..... خباب نام، ابو عبد اللہ کنیت، نسب نامہ یہ ہے، خباب بن ارت بن جندلہ ابن سعد بن حزمہ بن کعب بن سعد بن زید مناۃ بن تمیم، زمانہ جاہلیت میں غلام بنا کر مکہ میں فروخت کیے گئے۔

اسلام..... حضرت خبابؓ ان خوش نصیب بزرگوں میں ہیں جو دعوت اسلام کے بالکل ابتدائی زمانہ میں یعنی زید بن ارقم کے گھر میں آنحضرت ﷺ کے پناہ گزین ہونے کے قبل مشرف باسلام ہوئے، اسلام لانے والوں میں ان کا چھٹا نمبر تھا، اسی لئے ”سادس الاسلام“ کہلاتے ہیں۔

ابتلا و آزمائش..... ان کے اسلام قبول کرنے کے زمانہ میں اسلام کا اظہار تعزیرات مکہ میں ایسا شدید جرم تھا، جس کی سزا میں مال و دولت، تنگ و ناموس ہر چیز سے ہاتھ دھونا پڑتا تھا، لیکن حضرت خبابؓ نے اس کے متعلق پرواہ نہ کی اور بے باک دہل اپنے اسلام کا اظہار کیا، یہ غلام تھے ان کا کوئی بھی حامی و مددگار نہ تھا، اس لئے کفار نے ان کو مشق ستم بنالیا، اور ان کو بڑی دردناک سزائیں دیتے تھے، تنگی پیٹھ دہکتے ہوئے انگاروں پر لٹا کر سینہ پر ایک بھاری پتھر رکھ کر ایک آدمی اوپر سے مسلما اور وہ اس وقت تک ان انگاروں پر کباب ہوتے رہتے جب تک خود زخموں کی رطوبت آگ کو نہ بجھاتی، لیکن اس سختی کے باوجود زبان کلمہ حق سے نہ پھرتی، رحمۃ للعالمین اس کسمپرسی کی حالت میں تالیف قلب فرماتے تھے، لیکن ان کا آقا اتنا سنگدل تھا کہ وہ ان کے لئے اتنا سہارا بھی نہ برداشت کر سکا، اور اس کی سزا میں لوہا آگ میں تپا کر اس سے ان کا سرداغا، انہوں نے آنحضرت ﷺ سے کہا کہ میرے لئے بارگاہ ایزدی میں دعا فرمائیے کہ وہ مجھ کو اس عذاب سے نجات دے، آپ نے دعا فرمائی کہ ”خدا یا! خباب کی مدد کرو“۔

جب اس جسمانی سزا سے بھی آتش انتقام سرد نہ پڑی تو مالی نقصان پہنچانے کی کوشش کی، عاص بن وائل کے ذمہ ان کا قرض تھا، یہ جب تقاضا کرتے تو جواب دیتا کہ جب تک محمد ﷺ کا ساتھ نہ چھوڑو گے، اس وقت تک نہیں مل سکتا، یہ جواب دیتے کہ جب تک تم مر کر دوبارہ زندہ

۱۲۔ ابن سعد جلد ۳، قسم ۱ ص ۱۱۶

۱۳۔ ابن سعد جلد ۳، قسم ۱ ص ۱۱۷

۱۱۔ مد الغابہ جلد ۲ ص ۱۰۶

۱۳۔ مد الغابہ جلد ۲ ص ۱۱۶

۱۵۔ مد الغابہ جلد ۲ ص ۱۰۶

ہو گئے، میں محمد ﷺ سے الگ نہیں ہو سکتا وہ کہتا اچھا میں مر کر پھر زندہ ہوں گا، اور مجھ کو مال اور اولاد ملے گی، اس وقت تمہارا قرض دوں گا، (اس سے مسلمانوں کے اس عقیدے پر تعریض تھی کہ مرنے کے بعد دوبارہ زندگی ملے گی) اس واقعہ پر کلام اللہ کی یہ آیت نازل ہوئی۔ ۳۱

افرايت الذی کفر بايتنا و قال لاوتین مالا و ولدا، اطلع الغیب ام اتخذ عند الرحمن عهدا، کلا سنکذب ما یقول و نمذله من العذاب مداء و نوثه ما یقول و باتینا فردا (مربعہ ۷۷-۷۹)

اے محمد! کیا تم نے اس شخص کے حال پر نظر کی جس نے ہماری آیات سے کفر کیا اور کہا کہ (قیامت میں بھی) مجھ کو مال اور اولاد ملے گی، کیا اس کو غیب کی خبر ہو گئی، یا اس خدائے رحمن سے عہد لیا ہے، ہرگز نہیں یہ جو کچھ کہتا ہے ہم اس کو لکھ لیتے ہیں اور اس کے عذاب میں ڈھیل دیتے چلے جائیں گے اور جو کچھ وہ کہتا ہے اس کے ہم وارث ہوں اور یہ تنہا ہمارے سامنے لایا جائے گا۔

ہجرت و مواخات..... خواب مدتوں نہایت صبر و استقلال کے ساتھ یہ تمام مصیبتیں جھیلے رہے، پھر جب ہجرت کی اجازت ملی تو ہجرت کر کے مدینہ آ گئے، ہجرت بھی تکلیف و مصائب کے خوف سے نہ کی تھی، بلکہ خاصۃً لوجہ اللہ ہجرت کی تھی، چنانچہ کہا کرتے تھے کہ میں آنحضرت ﷺ کے ساتھ خالصتاً لوجہ اللہ مدینہ آنے کے بعد آنحضرت ﷺ نے ان میں اور خراش بن صمد غلام تمیم کے درمیان مواخات کرادی۔ ۳۲

غزوات..... مدینہ آنے کے بعد شروع سے آخر تک تمام غزوات میں شریک رہے۔ ۳۳ خلافت فاروقی..... حضرت عمرؓ ان کے فضائل کی وجہ سے ان کا بہت احترام کرتے تھے ایک دن یہ ان سے ملنے گئے تو حضرت عمرؓ نے ان کو اپنے گدھے پر بٹھایا اور لوگوں کو مخاطب کر کے فرمایا کہ ان کے علاوہ صرف ایک شخص اور ہے جو اس پر بیٹھنے کا مستحق ہے، خیابؓ نے پوچھا امیر المومنین! وہ کون؟ فرمایا بلالؓ! آپ نے عرض کیا، وہ میرے برابر کیوں کر مستحق ہو سکتے ہیں، مشرکین میں ان کے بہت سے مددگار تھے، لیکن میرا پوچھنے والا، سوائے خدا کے کوئی نہ تھا، اس کے بعد اپنا استحقاق بتاتے ہوئے اپنے مصائب کی داستان سنائی۔ ۳۴

علالت و وفات..... ۳۵ھ میں کوفہ میں بیمار پڑے، علاج سے افاقہ ہونے کے بجائے مرض اور بڑھ گیا، اس کی طوالت اور تکلیف سے گھبرا کر کہنے لگے کہ اگر خدا نے رسول اللہ ﷺ سے موت کی دعا کرنے کی ممانعت نہ کی ہوتی تو میں دعا کرتا جب حالت زیادہ نازک ہوئی اور

۳۱ مسند ابن حنبل جلد ۵ ص ۱۰۹

۳۲ ابن سعد جز ۳ ق ۱ ص ۱۷۱

۳۳ بخاری کتاب التفسیر باب قولہ و نرثہ ما یقول

۳۴ اسد الغابہ ج ۲ ص ۱۰۷

۳۵ مستدرک حاکم ج ۳ تذکرہ خیاب بن ادرت

کفن لایا گیا تو اسے دیکھ کر آنکھوں سے بے اختیار آنسو جاری ہو گئے فرمانے لگے،، آہ! حمزہ کو پورا کفن بھی میسر نہ ہوا تھا، ایک معمولی چھوٹی سی چادر میں کفنائے گئے کہ اگر پیر ڈھنکا جاتا تو سر کھل جاتا اور سر ڈھانکا جاتا تھا تو پاؤں کھل جاتے تھے، آخر میں سر ڈھانک کر اذخر (ایک قسم کی گھاس) سے پاؤں چھپائے گئے۔

کچھ لوگ عیادت کرنے کو آئے اور کہا ابو عبد اللہ تم کو خوش ہونا چاہیے، کل تک اپنے ساتھیوں سے مل جاؤ گے، یہ سن کر رقت طاری ہو گئی، فرمایا کہ میں موت سے نہیں گھبراتا تم لوگوں نے ایسے لوگوں کو یاد دلایا جو اس دنیا سے اجر کے مستحق اٹھے، مجھ کو خوف ہے کہ کہیں ثواب آخرت کے بدلہ میں مجھ کو یہ دنیا نہ ملی ہو۔

وصیت اور وفات کوفہ والے عموماً اپنے مردوں کو شہر کے اندر دفن کرتے تھے لیکن انہوں نے وصیت کر دی تھی کہ بیرون شہر دفن کرنا، اس وصیت کے مطابق ان کو شہر کے باہر دفن کیا گیا، آپ پہلے صحابی ہیں جن کی قبر سے کوفہ کے باہر ویرانہ کی آبادی ہوئی وفات کے وقت بہتر ۷۲ سال کی عمر تھی، حضرت علیؓ جنگ صفین سے واپس ہو رہے تھے، خواب کی وفات کی اطلاع ملی چنانچہ آپ نے نماز جنازہ پڑھائی، ۲ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ۳ھ میں وفات پائی، ایک روایت یہ بھی ہے کہ ۱۹ھ میں مدینہ میں پیوند خاک ہوئے اور حضرت عمرؓ نے جنازہ کی نماز پڑھائی۔

ذریعہ معاش زمانہ جاہلیت میں اور اس کے بعد عرصہ تک کمواریں بنا کر کسب معاش کرتے رہے، اسلام کا ابتدائی زمانہ بہت عسرت میں بسر ہوا، لیکن کچھ دنوں کے بعد خدا نے فارغ البال کیا اور اتنی دولت ملی کہ پھر کسی پیشہ وغیرہ کی احتیاج باقی نہیں رہی، وفات کے وقت چالیس ہزار درہم پس انداز تھے۔ ۳

فضل و کمال خواب کو آنحضرت ﷺ کے اقوال و اعمال کی بڑی جستجو رہتی تھی اور وہ کبھی کبھی آنحضرت ﷺ کی لاعلمی میں رات رات بھر آپ کے طریقہ عبادت کو دیکھتے اور صبح کو اس کے متعلق استفسار کرتے، ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ نے ساری رات نماز پڑھی، یہ پوری رات دیکھتے رہے اور صبح کو آکر پوچھا، فدیت بسابی و امی یا رسول اللہ، رات کو آپ نے ایسی نماز پڑھی کہ اس کے قبل کبھی نہ پڑھی تھی، فرمایا وہ بیم ورجا کی نماز تھی، میں نے بارگاہ ایزدی میں تین چیزوں کی دعا کی تھی، دو مقبول ہوئیں اور ایک نامقبول ایک دعائے تھی کہ خدا مسلمانوں کو اس

۱۱ ابن سعد جز ۳ ق ۱ ص ۱۱۸ حضرت حمزہؓ کی تکفین کا واقعہ بخاری کتاب المغازی اور مسند ابن ضہل ج ۵ ص ۱۰۹، میں

ہے،

۲ مستدرک حاکم ج ۳ ص ۳۸۲۳،

۳ ابن سعد ج ۳ ق ۱ تذکرہ خواب

عذاب سے نہ ہلاک کرے جس سے گزشتہ امتیں ہلاک ہوئیں اور میرے دشمنوں کو مجھ پر غالب نہ کرے، یہ دونوں دعائیں تو قبول ہو گئیں لیکن تیسری قبول نہیں ہوئی۔

ان کی مرویات کی مجموعی تعداد ۳۳ ہے، ان میں سے ۳ متفق علیہ ہیں اور ۲ میں امام بخاری اور ایک میں مسلم منفرد ہیں، ۲ صحابہؓ اور تابعینؒ میں جن بزرگوں نے ان سے حدیثیں سنی ہیں، ان کے نام حسب ذیل ہیں۔

آپ کے صاحبزادے عبداللہ اور ابوامامہ باہلی، ابو معمر، عبداللہ بن ثخیر، قیس ابن ابی حازم، مسروق بن اجدع اور علقمہ بن قیسؒ وغیرہ۔

۱۔ مسند احمد بن حنبل ج ۱۰۸،

۲۔ تہذیب الکمال تذکرہ خیاب بن ارت،

۳۔ تہذیب التہذیب ج ۳ ص ۱۳۲،

حضرت سلمہ بن اکوعؓ

نام و نسب..... سنان نام، ابویاس کنیت، سلسلہ نسب یہ ہے، سنان بن عبد اللہ بن عبد اللہ بن قشیر بن خزیمہ بن مالک بن سلمان بن اسلم اقصی۔

اسلام و ہجرت..... ارباب سیران کے زمانہ اسلام کے بارے میں خاموش ہیں، مگر اس قدر مسلم ہے کہ ۶ سے پہلے مشرف باسلام ہوئے، اسلام کے بعد ہجرت کا شرف حاصل کیا اکثر مہاجرین نے مع بال بچوں کے ہجرت کی تھی، لیکن سلمہ نے راہ خدا میں بال بچوں کو بھی چھوڑ کر مدینہ کی غربت اختیار کی۔ غزوات..... مدینہ آنے کے بعد قریب قریب تمام غزوات میں شریک رہے، سب سے پہلے غزوہ حدیبیہ میں شریک ہوئے اور خلعت امتیاز حاصل کیا، صلح حدیبیہ کے سلسلہ میں بیعت رضوان کو تاریخ اسلام میں خاص اہمیت حاصل ہے، جب آنحضرت ﷺ نے حضرت عثمان کی شہادت کی خبر سن کر مسلمانوں سے موت پر بیعت لینا شروع کی تو سلمہ نے تین مرتبہ بیعت کی، پہلی مرتبہ سب سے اول جماعت کے ساتھ بیعت کر چکے تھے، دوبارہ آنحضرت ﷺ کی نظر پڑی تو فرمایا سلمہ! بیعت کرو، عرض کیا یا رسول اللہ! جاں نثار پہلے ہی بیعت کر چکا ہے، فرمایا کیا ہرج ہے دوبارہ سہی، اس وقت سلمہ نہتے تھے، آنحضرت ﷺ نے ایک ڈھال عنایت فرمائی، تیسری مرتبہ آنحضرت ﷺ کی نظر پڑی تو فرمایا کہ سلمہ! بیعت نہ کرو گے؟ عرض کی یا رسول اللہ! دو مرتبہ بیعت کر چکا ہوں، فرمایا تیسری مرتبہ سہی، چنانچہ انہوں نے سہ بارہ بیعت کی، آنحضرت ﷺ نے پوچھا سلمہ! ڈھال کیا کی؟ عرض کی کہ میرے چچا بالکل خالی ہاتھ تھے، ان کو دے دی، آپ نے ہنس کر فرمایا، تمہاری مثال اس شخص کی سی ہے کہ اس نے دعا کی کہ خدایا! مجھ کو ایسا دوست دے جو مجھ کو اپنی جان سے زیادہ عزیز ہو، ابھی بیعت کا سلسلہ جاری تھا کہ اہل مکہ اور مسلمانوں کے درمیان صلح ہو گئی اور لوگ مطمئن ہو کر ایک دوسرے سے ملنے جلنے لگے، سلمہ بھی ایک درخت کے نیچے لیٹ رہے، اتنے میں چار مشرکین آئے اور ان کے قریب بیٹھ کر آنحضرت ﷺ کے بارے میں ایسی باتیں کرنے لگے، جب ان کو ناگوار ہوئیں، یہ اٹھ کر دوسرے درخت کے نیچے چلے گئے، ان کے جانے کے بعد چاروں ہتھیار اتار کر اطمینان سے یہ لیٹ گئے، ابھی لیٹے ہی تھے کہ کسی نے نعرہ لگایا، مہاجرین دوڑنا ابن زینم قتل کر دیئے گئے آواز سن کر سلمہ نے ہتھیار سنبھال لئے اور مشرکوں کی

طرف لپکے، یہ سب سو رہے تھے، سلمہؓ نے ان کے اسلحہ پر قبضہ کر کے ان سے کہا خیر اسی میں ہے کہ سیدھے میرے ساتھ چلے چلو، خدا کی قسم! جس نے سر اٹھایا، اس کی آنکھیں پھوڑ دوں گا، چنانچہ ان سب کو کشاں کشاں لا کر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں پیش کیا، ان کے چچا عامر بھی ستر (۷۰) اکہتر (۷۱) مشرک گرفتار کر کے لائے تھے، لیکن رحمت عالم نے سب کو چھوڑ دیا، اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

و هو الذی کف ایذیہم عنکم و ایذیکم عنہم بطن مکة من بعد

ان اظفرکم علیہم (فتح ۳۰)

اور وہ خدا ہی تھا، جس نے عین مکہ میں تم کو کافروں پر فتیاب کرنے کے بعد ان

کے ہاتھوں کو تم سے اور تمہارے ہاتھوں کو ان سے روک دیا۔

مسلمانوں کا قافلہ مدینہ سے واپسی میں ایک پہاڑ کے قریب خیمہ زن ہوا، مشرکین کی نیت کچھ بد تھی، آنحضرت ﷺ کو اس کی اطلاع ہو گئی اور پڑاؤ کی نگرانی کی ضرورت محسوس ہوئی، چنانچہ آپ نے اس شخص کے لئے دعائے مغفرت کی جو پہاڑ پر چڑھ کر نگرانی کرے، سلمہؓ نے یہ سعادت حاصل کی اور رات بھر میں کئی مرتبہ پہاڑی پر چڑھ کر آہٹ لیتے رہے۔

غزوہ ذی قردہ..... آنحضرت ﷺ کے کچھ اونٹ ذی قردہ کی چراگاہ میں چرتے تھے، ان کو بنو غطفان ہنکا لے گئے، سلمہؓ بن اکوع طلوع فجر کے قبل گھر سے نکلے، تو حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ کے غلام نے ان سے کہا کہ آنحضرت ﷺ کے اونٹ لٹ گئے پوچھا کس نے لوٹا، کہا بنو غطفان نے یہ سن کر آپ نے اس زور کا نعرہ لگایا کہ مدینہ کے اس سرے سے اس سرے تک آواز گونج گئی اور تن تنہا ڈاکوؤں کے تعاقب میں نکل کھڑے ہوئے، وہ پانی کی تلاش کر رہے تھے کہ سلمہؓ پہنچ گئے، یہ بڑے قادر انداز تھے، تاک تاک کر تیر برسانا شروع کر دیئے، تیر برساتے جاتے تھے اور یہ رجز پڑھتے جاتے تھے۔

انما ابن الاکوع

الیوم یوم الرضع

میں اکوع کا بیٹا ہوں آج کا دن سخت جنگ کا دن ہے

اور اس قدر تیر باری کی کہ ڈاکوؤں کو اونٹ چھوڑ کر بھاگ جانا پڑا، اور بدحواسی میں اپنی چادریں بھی چھوڑ گئے، اس درمیان میں آنحضرت ﷺ بھی لوگوں کو لے کر پہنچ گئے، سلمہؓ نے عرض کیا، یا رسول! میں نے ان لوگوں کو پانی نہیں پینے دیا ہے، اگر ابھی ان کا تعاقب کیا جائے تو مل جائیں گے، لیکن رحمت عالم نے فرمایا کہ قابو پانے کے بعد درگزر کرو۔

۱۔ مسلم ج ۲ ص ۹۸، ۹۹ مطبوعہ مصر،

۲۔ بخاری جلد ۲ کتاب المغازی باب غزوہ ذی قردہ اور مسلم جلد ۲ حوالہ مذکور

خیبر..... اس بعد ہی خیبر کی مہم میں داد شجاعت دی، فتح خیبر کے بعد اس شان سے لوٹے کہ آنحضرت ﷺ کے دست مبارک میں ہاتھ دیئے ہوئے تھے۔

غزوہ ثقیف و ہوازن..... خیبر کے بعد غزوہ ثقیف و ہوازن میں شریک ہوئے اس غزوہ کے دوران میں ایک شخص مسلمانوں کے لشکر گاہ میں اونٹ پر سوار ہو کر آیا اور اس کو باندھ کر مسلمان کے ساتھ ناشتہ میں شریک ہو گیا، اس کے بعد چاروں طرف نظر ڈال کر مسلمانوں کی طاقت کا جائزہ لیا اور سوار ہو کر تیزی سے نکل گیا، اس طرح اچانک آنے اور فوراً چلے جانے سے مسلمانوں کو جاسوسی کا شبہ ہوا، ایک شخص نے اس کا تعاقب کیا، سلمہؓ نے بھی پیچھا کیا، اور آگے بڑھ کر اس کو پکڑ لیا، اور تلوار کا ایسا کاری وار کیا کہ ایک ہی وار میں وہ ڈھیر ہو گیا اور ایک سواری پر قبضہ کر کے واپس ہوئے، آنحضرت ﷺ نے دیکھا تو پوچھا، اس شخص کو کس نے قتل کیا، لوگوں نے عرض کیا سلمہؓ نے، فرمایا تو مقتول کا سب سامان ان کا ہے۔

سریہ بنی کلاب..... ۷ھ میں آنحضرت ﷺ نے ایک دستہ حضرت ابو بکرؓ کی امارت میں بنوفزارہ کی طرف بھیجا، اس میں سلمہؓ بھی تھے، انہوں نے تنہا سات خانوادوں کو تہ تیغ کیا، جو لوگ بھاگ کھڑے ہوئے تھے، ان کی عورتوں کو گرفتار کر لیا، ان میں ایک لڑکی نہایت حسین تھی، اسے حضرت ابو بکرؓ نے حضرت سلمہؓ کو دے دیا، وہ جب اسے لے کر مدینہ آئے تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا، سلمہ! یہ لڑکی میرے حوالہ کر دو، عرض کی یا رسول اللہ! میں نے ابھی تک اس کو ہاتھ نہیں لگایا ہے اور لڑکی لا کر حاضر کر دی، آنحضرت ﷺ نے اس کو مکہ بھیج کر اس کے بدلہ میں ان چند مسلمانوں کو آزاد کرایا جو کفار کے ہاتھوں گرفتار ہو گئے تھے۔

غزوات کی مجموعی تعداد..... اسلام کے بعد بیشتر غزوات میں شرکت کا شرف حاصل کیا، بعض روایتوں میں ہے کہ ۱۴ غزوات میں انہوں نے شرکت کی، ان میں سے سات میں آنحضرت ﷺ کی ہمرکابی کا شرف حاصل ہوا اور سات وہ تھے جو آنحضرت ﷺ نے مختلف اطراف میں بھیجے، اور مستدرک کی روایت کے مطابق ان غزوات کی تعداد سولہ تک پہنچ جاتی ہے۔

وفات..... آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد سے برابر مدینہ میں رہے، حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد مدینہ چھوڑ کر ربذہ میں سکونت اختیار کر لی، وہاں شادی کی اور اولادیں ہوئیں بروایت بخاری ۴۷ھ میں پھر مدینہ واپس ہوئے، واپسی کے دو ہی چار دن کے بعد وفات پائی اور گھوم پھر کر بالآخر دیا ر حبیب کی خاک کا پیوند ہوئے۔

۲ مسند احمد بن حنبل جلد ۴ ص ۵۱

۱۱ ایضاً باب غزوہ خیبر،

۱۳ ابن سعد حصہ مفازی سریہ ابی بکر صدیقؓ سات خانوادوں کے قتل کا ذکر مسند احمد بن حنبل جلد ۴ ص ۴۶ میں بھی ہے،

۵ مستدرک جلد ۳ ص ۵۶۲،

۱۴ استیعاب جلد ۲ ص ۵۸۴،

۱۶ صابہ جلد ۳ ص ۱۱۸،

فضل و کمال..... حضرت سلمہ شرف محبت سے بھی فیضیاب تھے، اور غزوات میں آنحضرت ﷺ کے ہم رکاب رہنے کا زیادہ موقع ملا تھا اور حاشیہ نشینان بارگاہ نبوت سے بھی استفادہ کرتے تھے، چنانچہ رسول ﷺ کے علاوہ حضرت عمرؓ، عثمانؓ اور سلمہؓ سے بھی روایتیں کی ہیں، اس لئے ان کی مرویات کی تعداد ۷۷ تک پہنچ جاتی ہے جن میں سے ۱۶ متفق علیہ ہیں، اور ۵ میں بخاری اور ۹ میں امام مسلم منفرد ہیں، ان کے رواد میں ایاس بن سلمہ، یزید بن عبیدہ، عبدالرحمن بن عبداللہ اور محمد بن حنفیہ قابل ذکر ہیں۔ ۲۔

انفاق فی سبیل اللہ..... خدا کی راہ میں خرچ کرنے میں بہت فیاض تھے، جو شخص خدا کا واسطہ دے کر سوال کرتا اس کو کبھی ناکام نہ واپس کرتے اور فرماتے کہ جو شخص راہ خدا میں نہیں دے گا، پھر کس میں دے گا، لیکن خدا کا واسطہ دے کر مانگنے کو برا سمجھتے تھے اس میں الحاف ہے۔ ۳۔ صدقات سے اجتناب..... مگر اپنی ذات کے لئے صدقہ کا مال حرام سمجھتے تھے، اگر کسی چیز میں صدقہ کا شائبہ بھی ہوتا تو اس کو استعمال نہ کرتے، چنانچہ اپنی صدقہ کی کوئی چیز دوبارہ بقیعت خریدنا بھی پسند نہ کرتے تھے۔ ۴۔

شدت احتیاط..... تمام اوامرو نواہی میں احتیاط کا یہی حال تھا، چنانچہ بعض ایسے کھیل جن میں جوئے کی مشابہت کا شائبہ نکلتا تھا اپنے بچوں کو نہ کھیلنے دیتے تھے۔ ۱۔ شجاعت..... شجاعت و بہادری خصوصاً پیدل تیز دوڑنے میں تمام صحابہ میں ممتاز تھے صاحب اصابہ لکھتے ہیں کان من الشجعان و بسبق الفرس عدو، یعنی وہ بہادروں میں سے ایک تھے، اور دوڑ میں گھوڑوں سے مقابلہ کرتے تھے اور ان سے آگے بڑھ جاتے تھے صلح حدیبیہ کے موقع پر آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ بہتر سواروں میں ابوقحافہؓ اور بہتر پیادوں میں سلمہ بن اکوعؓ ہیں، اس تعریف کے بعد آپ کو دو حصے دیئے، سوار کا الگ اور پیدل کا الگ۔ ۵۔

۱۔ تہذیب الکمال ص ۱۴۸،

۲۔ ایضاً، ۳۔ ایضاً،

۴۔ ایضاً جلد ۳ ص ۱۱۸۔

۱۔ تہذیب الکمال ص ۱۴۸،

۲۔ ابن سعد جز ۴ ص ۴۰،

۳۔ ایضاً جلد ۳ ص ۱۱۸،

۴۔ ابن سعد جز ۴ ص ۳۹،

حضرت ابن ام مکتومؓ

نام و نسب..... حضرت ابن ام مکتوم کی کنیت اتنی مشہور ہوئی کہ ان کا اصلی نام بالکل چھپ گیا چنانچہ ارباب سیر نے ان کے مختلف نام لکھے ہیں، بعض عبد اللہ کہتے ہیں اور بعض عمرو بتاتے ہیں، باپ کا نام قیس تھا، لیکن ماں کی نسبت سے ابن ام مکتوم مشہور ہوئے، سلسلہ نسب یہ ہے، عمر بن قیس بن زائد بن اضم بن ہرم بن رواحہ بن حجر بن عدی ابن معیص بن عامر بن لوئی القرشی، ماں کا نام عاتکہ تھا، نانہالی شجرہ عاتکہ بنت عبد اللہ ابن عنکبہ بن عامر بن مخزوم ہے۔

اسلام..... ابتدائے بعثت میں سرزمین مکہ میں مشرف باسلام ہوئے، ابن ام مکتوم کو ظاہری آنکھوں کی روشنی سے محروم تھے، مگر چشم دل وا تھی، اس لئے مکہ میں جیسے ہی اسلام کا نور چمکا وہ کفر کی تاریکی سے باہر نکل آئے اور ذات نبویؐ سے ایک خاص قرب و اختصاص حاصل ہو گیا، چنانچہ اکثر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا کرتے تھے مکہ کے مغرور امراء اور روساء بھی مجلس نبویؐ میں آیا کرتے تھے اور آنحضرت ﷺ سے کہتے تھے کہ ہماری مجلس میں ایسے لوگ برابر نہ بیٹھا کریں، آنحضرت ﷺ کے دل میں یہ لگن تھی کہ کسی طرح قریش کے روساء دعوت قبول کر لیں، اس لئے آپ ان کی خاطر داری کرتے تھے، ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ روسائے قریش میں تبلیغ فرما رہے تھے کہ اس درمیان میں حضرت ابن ام مکتوم آ گئے، اور کچھ مذہبی مسائل پوچھنا شروع کر دیئے آنحضرت ﷺ کو ان کی یہ بے موقع گفتگو اس لئے ناگوار ہوئی کہ اس سے روسائے قریش کی تبلیغ میں رکاوٹ پیدا ہوئی اور ان کے دلوں میں تاثر کے بجائے تکدر پیدا ہوتا، اس لئے ابن مکتومؓ کی طرف التفات نہ فرمایا اور بدستور سلسلہ گفتگو جاری رکھا، آنحضرت ﷺ کا طرز عمل گو تبلیغ حق اور دعوت اسلام کی سچی خواہش پر مبنی تھا تاہم خدا کے دربار میں ناپسندیدہ ہوا اور اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

عبس و تولی، ان جاءہ الاعمی، وما یدریک لعلہ یزکی، او
 یدکر فتنفعه الذکری اما من استغنی فانت له تصدی و ما علیک الا
 یزکی و اما من جائک یسعی و هو بخشی فانت عنه تلہی (۱۰۱)
 محمد جب تمہارے پاس تاہینا آیا تو تم ترش رو ہوئے اور منہ موڑ لیا اور تم کیا جانو
 کہ عجب نہیں وہ تمہاری تعلیم سے پاک ہو جائے یا نصیحت سنے اور اسکو وہ نصیحت

فائدہ بخشے، لیکن جو شخص بے توجہی کرتا ہے اس کی طرف تم خوب توجہ کرتے ہو، حالانکہ اگر وہ درست نہ ہو تو تم پر کوئی الزام نہیں اور جو تمہارے پاس خدا کے ڈر سے دوڑتا ہوا آتا ہے تو تم اس سے بے اعتنائی کرتے ہو۔

اس آیت کے نزول کے بعد رسول ﷺ خاص طور پر ابن ام مکتومؓ کا لحاظ رکھتے تھے، اور کاشانہ نبوی میں ان کی بڑی خاطر مدارات ہوتی تھی، حضرت عائشہ صدیقہؓ آپ کو لیموں اور شہد کھلایا کرتی تھیں کہ نزول آیت کے بعد یہ ابن ام مکتومؓ کا روزینہ تھا۔

ہجرت..... اذن ہجرت کے بعد حضرت ابن ام مکتومؓ بھی ہجرت کر کے مدینہ چلے گئے اس وقت تک آنحضرت ﷺ نے ہجرت نہیں فرمائی تھی، آپ کی ہجرت کے بعد موزنی کے جلیل القدر منصب پر مامور ہوئے، رمضان میں ان کی اذان اختتامِ ححر کا اعلان ہوتی تھی، اس کے بعد لوگ کھانا پینا بند کر دیتے تھے۔ ۳

غزوات..... ہجرت مدینہ کے بعد غزوات کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا، لیکن ابن ام مکتومؓ اپنی مجبوری کے باعث جہاد کی شرکت سے معذور رہا کرتے تھے، جب یہ آیت نازل ہوئی۔

لَا يَسْتَوِي الْقَاعِدُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ
(نسا. ۹۵)

یعنی وہ مسلمان جو گھروں میں بیٹھے رہتے تھے وہ رتبہ میں مجاہدین فی سبیل اللہ کے برابر نہیں ہیں۔

اور آنحضرت ﷺ کا تب وحی حضرت زید بن ثابتؓ سے اس کو لکھانے لگے تو ابن ام مکتومؓ بھی پہنچ گئے اور عرض گزار ہوئے یا رسول اگر مجھ کو جہاد کرنے کی قدرت ہوتی اور اس کے لائق ہوتا تو میں بھی شرف جہاد حاصل کرتا ان کی یہ پر حسرت آرزو بارگاہ خداوندی میں اتنی پسند ہوئی کہ وحی الہی نے ان کو اور ان کے جیسے تمام مجبور اشخاص کو حکم کے ذریعہ سے

لَا يَسْتَوِي الْقَاعِدُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ غَيْرِ أُولَى الضَّرَرِ وَالْمُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ (نسا. ۹۵)

یعنی ضرر رسیدہ لوگوں کے علاوہ مسلمان جو گھروں میں بیٹھے رہتے ہیں وہ مرتبہ میں ان مجاہدین فی سبیل اللہ کے برابر نہیں ہیں جو اپنے جان و مال سے جہاد کرتے ہیں۔

مستثنیٰ کر دیا، ۴ اور تمام مجبور اشخاص پر سے شرکت جہاد کا فرض ساقط ہو گیا، لیکن اس حکم

۱۔ مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۶۳۳

۲۔ ابن سعد جز ۴ ص ۱۵۰

۳۔ بخاری کتاب الاذان باب اذان قبل الفجر

۴۔ بخاری کتاب التفسیر باب لا يستوى القاعدون

سے ان کا ولولہ جہاد کم ہونے کے بجائے اور بڑھ گیا، چنانچہ نابینا ہونے کے باوجود کبھی کبھی جنگ میں شریک ہوتے تھے اور لوگوں سے کہتے تھے کہ مجھ کو علم دے کر دونوں صفوں کے درمیان کھڑا کر دو، میں نابینا ہوں، اس لئے بھاگنے کا کوئی خطرہ نہیں ہے، اللہ اللہ یہ جوش فدویت و جاں نثاری کہ ظاہری آنکھیں بے نور ہیں، ایک قدم چلنا مشکل ہے، لیکن جہاد فی سبیل اللہ میں کٹنے کے لئے رگ جاں تڑپ رہی ہے، درحقیقت یہی وہ کمال اخلاص تھا، جس نے ذات خداوندی کو متوجہ کر لیا تھا، اور یہی ولولہ تھا جس نے اسلام کی قوت کا لوہا ساری دنیا سے منوالیا تھا۔

گو حضرت ابن ام مکتومؓ اپنی معذوری کے باعث اکثر جہاد کے شرف سے محروم رہتے تھے، لیکن اس سے بڑھ کر شرف یہ حاصل ہوتا تھا کہ جب آنحضرت ﷺ نے نفس نفیس اکابر مہاجرین و انصار کے ساتھ کہیں باہر تشریف لے جاتے تو ابن ام مکتومؓ کو جو معذوری کی وجہ سے مدینہ ہی میں رہتے تھے، امامت کی نیابت کا شرف عطا فرماتے تھے، چنانچہ غزوہ ابوار، ابواط، ذوالعسیر جبینہ، سولق، غطفان، حمراء الاسد، نجران، ذات الرقاع وغیرہ میں ان کو یہ جلیل القدر منصب عطا ہوا، بدر میں بھی کچھ دنوں اس منصب کے حامل رہے لیکن چند روز کے بعد یہ شرف ابولبابہؓ کی جانب منتقل ہو گیا، ۲۔ مجموعی حیثیت سے ان کو ۱۳ مرتبہ آنحضرت ﷺ کی نیابت کا شرف حاصل ہوا۔ ۳۔ وفات آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد سے خلافت فاروقی کے اختتام تک ان کے حالات پردہ خفا میں ہیں، صرف اس قدر پتہ چلتا ہے کہ جنگ قادسیہ میں علم بلند کیے، زرہ بکتر لگائے میدان کارزار میں کھڑے تھے، واقدی کے بیان کے مطابق ان کی وفات مدینہ میں ہوئی، لیکن زبیر بن بکار کی روایت کی رو سے قادسیہ میں شہادت پائی، ۴۔ اکثر ارباب سیر اس روایت کو صحیح سمجھتے ہیں۔

جماعت کی حاضری نابینا تھے، مسجد نبوی سے گھر دور تھا، راستہ میں جھاڑیاں پڑتی تھیں کوئی راہ نما بھی نہ تھا، ان تمام دشواریوں کے باوجود ابن ام مکتومؓ ہمیشہ مسجد نبوی میں نماز پڑتے تھے ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ سے گھر پر نماز پڑھنے کی اجازت چاہی، لیکن اذان اور اقامت کی آواز ان کے گھر تک جاتی تھی، اس لئے آپ نے اجازت نہ دی، چنانچہ اسی حالت میں چھڑی سے ٹٹولتے ٹٹولتے مسجد آتے تھے، حضرت عمرؓ نے اپنے زمانے میں ان کو رہنما دیا تھا۔

فضل و کمال حضرت ابن ام مکتومؓ کا سب سے بڑا طغرائے امتیاز تو یہی ہے کہ ان کو

۱۔ اصحابہ و استیغاب ترجمہ ابن ام مکتوم

۲۔ اسد الغابہ جلد ۴ ص ۱۳۷

۳۔ تہذیب الکمال ص ۲۸۹

۴۔ ابن سعد جز ۴ ص ۵۶۱ و اصحابہ جلد ۴ ص ۱۸۴

۵۔ ابن سعد حوالہ مذکور،

۱۳ مرتبہ رسول اللہ کی نیابت کا اعزاز ملا، جس میں وہ مسجد نبوی کی امامت کرتے تھے، اس کے علاوہ قرآن مجید کے حافظ تھے اور مدینہ آنے کے بعد لوگوں کو قرأت سکھاتے تھے، آنحضرت ﷺ کے فیض صحبت سے احادیث سے بھی ان کا دامن خالی نہ تھا، چنانچہ ان سے انس اور زربن ہمیش نے احادیث روایت کی ہیں۔

حضرت بریدہ بن حصیبؓ

نام و نسب..... بریدہ نام، ابو عبد اللہ کنیت، نسب نامہ یہ ہے کہ بریدہ بن حصیب بن عبد اللہ بن حارث بن اعرج بن سعد بن زراح بن عدی بن سہم بن مازن بن حارث بن سلمان بن اسلم اسلمی۔

اسلام..... بریدہؓ عین زمانہ ہجرت میں مشرف باسلام ہوئے، اسلام کا واقعہ یہ ہے کہ جب مرکز نبوت مکہ کے ستم کدہ سے مدینہ کے بیت الامن میں مدینہ میں منتقل ہونے لگا اور کوکہ نبویؐ غمیم پہنچا تو یہ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، آپ نے اسلام پیش کیا بریدہؓ نے بلا پس و پیش قبول کر لیا، ان کے ساتھ بنو اسلم کے ۸۰ خانوادے حلقہ بگوش اسلام ہوئے، پھر کچھ دنوں قرآن کی تعلیم حاصل کر کے گھر لوٹ گئے۔

ہجرت اور غزوات..... بدر واحد کے معر کے ان کے وطن کے قیام کے زمانہ میں ختم ہو چکے تھے، غالباً ۶ھ یا اس سے کچھ پہلے ہجرت کا شرف حاصل کیا، ۲ھ اور سب سے پہلے صلح حدیبیہ میں شریک ہوئے اور بیعت رضوان کا شرف حاصل کیا، ۳ھ میں غزوہ خیبر پیش آیا، اس میں یہ پیش پیش تھے، چنانچہ بیان کرتے ہیں کہ ہم لوگوں نے خیبر کا محاصرہ کیا پہلے دن ابو بکرؓ نے علم لیا، لیکن فتح نہ کر سکے، دوسرے دن پھر یہی ہوا، لوگ بہت تھک چکے تھے، آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ کل میں ایسے شخص کو علم دوں گا، جس کو خدا اور اس کا رسول محبوب رکھتا ہے اور وہ بھی خدا اور اس کے رسول سے محبت کرتا ہے وہ فتح کر کے لوٹے گا، لوگ بہت خوش ہوئے کہ کل یہ مہم سر ہوگی، دوسرے دن صبح کو آنحضرت ﷺ نے فجر کی نماز پڑھ کر علم منگوایا، لوگ اپنی اپنی صفوں میں تھے، پھر علیؓ کو طلب فرمایا، ان کو آشوب چشم کی شکایت تھی، آنحضرت ﷺ نے لعاب دہن لگا کر علم مرحمت فرمایا اور ان ہی کے ہاتھوں خیبر فتح ہوا۔

۸ھ میں آنحضرت ﷺ نے مکہ پر چڑھائی کی، اس میں بھی یہ ہمرکاب تھے چنانچہ بیان کرتے تھے کہ فتح کے دن آنحضرت ﷺ نے کئی نمازیں ایک ہی وضو سے پڑھیں۔ ۵ھ فتح مکہ کے بعد آنحضرت ﷺ نے حضرت خالدؓ کی ماتحتی میں جو سریہ یمن بھیجا تھا، بریدہؓ بھی

اس میں ساتھ تھے، بعد کو پھر اسی مقام پر حضرت علیؓ کی ماتحتی میں مسلمانوں کی ایک جماعت بھیجی گئی اور پوری فوج کی امارت حضرت علیؓ کو تفویض ہوئی جنگ کے بعد آپ نے مال غنیمت میں سے ایک لونڈی خمس میں اپنے لئے مخصوص کر لی، حضرت بریدہؓ کو یہ بات پسند نہ آئی، انہوں نے لوٹ کر یہ واقعہ آنحضرت ﷺ سے بیان کیا، آپ نے سن کر فرمایا بریدہؓ کیا تم کو علیؓ سے کینہ ہے، انہوں نے صفائی سے اس کا اقرار کیا، فرمایا، ان سے کینہ نہ رکھو، ان کو خمس میں اس سے زیادہ کا حق ہے، دوسری روایت میں ہے کہ آنحضرت ﷺ کے چہرہ مبارک کا رنگ بدل گیا اور فرمایا بریدہؓ! کیا مومنین پر میرا حق خود ان کی ذات سے مقدم نہیں ہے، عرض کی ہاں یا رسول اللہ! فرمایا! جس کا میں مولیٰ ہوں علیؓ بھی اس کا مولیٰ ہے، حضرت بریدہؓ کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کی زبان مبارک سے یہ لفظ سن کر میری ساری شکایت حضرت علیؓ سے جانی رہی اور ان سے اتنی محبت ہو گئی جو کسی دوسرے سے نہیں تھی۔ ۳۔

آنحضرت ﷺ کی زندگی میں جس قدر غزوات بھی ہوئے، بریدہؓ تقریباً سب میں شریک تھے، ان کے غزوات کی مجموعی تعداد سولہ ہے، ۴۔ آنحضرت ﷺ نے اپنے مرض الموت میں اسامہ کی زیر سرکردگی جو سریہ شام بھیجا تھا، اس میں بھی یہ شریک اور سریہ کے علمبردار تھے۔ ۵۔

آنحضرت ﷺ کی زندگی بھر دیا ر حبیب میں رہے، آپ کی وفات کے بعد جب حضرت عمرؓ کے زمانہ میں بصرہ آباد ہوا تو دوسرے صحابہ کے ساتھ یہاں منتقل ہو گئے اور یہیں مستقل گھر بنا لیا۔ ۶۔

ان کی رگ رگ میں جہاد کا خون دوڑتا تھا، لوگوں سے کہا کرتے تھے کہ زندگی کا مزہ گھوڑے کدانے میں ہے، اسی جذبہ و ولولہ کی بنا پر خلفاء کے زمانہ میں بھی مجاہدانہ شریک ہوتے تھے، حضرت عثمانؓ کے عہد خلافت میں خراسان پر فوج کشی ہوئی، اس میں آپ کی تلوار نے اپنے جوہر دکھائے۔

مگر مسلمانوں کے مقابلہ میں ان کی تلوار ہمیشہ نیام میں رہی، چنانچہ شیخین کے بعد جس قدر خانہ جنگیاں ہوئیں ان میں سے کسی میں شریک نہیں ہوئے، بلکہ شدت احتیاط کی بنا پر ان لوگوں کے بارے میں جو اس میں شریک تھے کوئی رائے بھی نہ قائم کرتے تھے، ایک شخص نے حضرت علیؓ، عثمانؓ، طلحہؓ اور زبیرؓ کے بارے میں ان کی رائے معلوم کرنے کے لئے ان کے سامنے

۱۔ صحیح بخاری جلد ۲ باب بعث علی ابی الیسن و مسند احمد بن حنبل ج ۵ ص ۳۵۰۔

۲۔ مسند احمد بن حنبل ج ۵ ص ۳۳۵، ج ایضاً ص ۳۵۰۔

۳۔ بخاری کتاب المغازی باب کم غزا النبی صلی اللہ علیہ وسلم

۴۔ طبقات ابن سعد حصہ مغازی ص ۱۳۶۔

۵۔ ابن سعد ج ۳ ق ۱ تذکرہ بریدہ بن حبیب ج ۱ ایضاً ص ۹۱۔

ان بزرگوں کا تذکرہ کیا، بریدہؓ فوراً قبلہ رو ہو کر دست بدعا ہو گئے کہ خدایا! علیؓ کی مغفرت فرما، عثمانؓ کی مغفرت فرما اور زبیرؓ کی مغفرت فرما پھر اس شخص سے مخاطب ہو کر کہا کہ تو مجھ کو میرا قاتل معلوم ہوتا ہے، اس نے کہا حاشا میں قاتل کیوں ہونے لگا، اس استفسار سے میرا یہ مقصد تھا، فرمایا ان لوگوں کا معاملہ خدا کے ہاتھ میں ہے، اگر وہ چاہے گا تو ان کی نیکیوں کے بدلہ میں بخش دے گا اور اگر چاہے گا تو ان کی غلطیوں کی سزا میں عذاب دے گا۔

وفات..... یزید کے عہد حکومت میں ۶۳ھ میں وفات پائی، دولہ کے یادگار چھوڑے، عبداللہ اور سلیمان۔

فضل و کمال..... فضل و کمال کے اعتبار سے بھی عام صحابہ کی جماعت میں ممتاز ہیں، احادیث نبویؐ کی کافی تعداد ان کے حافظہ میں محفوظ تھی، ان کی مرویات کا شمار ۱۶۴ حدیثوں تک پہنچتا ہے، اس میں ایک متفق علیہ ہے اور ۲ میں بخاری اور ایک میں مسلم منفرد ہیں، ۳ ان کی مرویات تمام تر براہ راست زبان نبوت سے منقول ہیں، ان کے تلامذہ میں ان کے صاحبزادے عبداللہ اور سلیمان اور دوسرے لوگوں میں عبداللہ بن عوس خزاعی، شععی اور یحییٰ بن اسامہ قابل ذکر ہیں۔

عام حالات..... حضرت بریدہؓ کو بارگاہ نبویؐ میں پذیرائی حاصل تھی، حضورؐ انورؐ سے بے تکلفانہ ملتے تھے، کبھی کبھی آنحضرت ﷺ ان کے ہاتھ میں ہاتھ دیئے ہوئے نکلتے تھے، ایک مرتبہ یہ کسی ضرورت سے کہیں جا رہے تھے، راستہ میں آنحضرت ﷺ سے ملاقات ہوئی آپ نے ان کا ہاتھ پکڑ لیا اور آگے بڑھے۔

حق گوئی..... حق گوئی ان کا خاص وصف تھا، اور وہ بڑی سے بڑی شخصیت کے مقابلہ میں بھی کلمہ حق کے اظہار سے باز نہ رہتے تھے، ایک مرتبہ امیر معاویہؓ کے پاس گئے، ایک شخص بیٹھا ہوا ان سے باتیں کر رہا تھا، بریدہؓ نے کہا میں بھی کچھ کہہ سکتا ہوں، حضرت معاویہؓ سمجھے یہ بھی پہلے شخص کی طرح مجھے سراہیں گے، کہا شوق سے فرمایا میں نے آنحضرت ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ مجھ کو امید ہے کہ قیامت کے دن میں روئے زمین کے کنکر، پتھر اور درختوں کی تعداد کے برابر لوگوں کی شفاعت کروں گا، معاویہؓ! کیا اس عام شفاعت کے تم مستحق ہو اور علیؓ نہیں ہیں؟ (غالباً پہلا شخص حضرت علیؓ کی مذمت کر رہا تھا، اور معاویہؓ بریدہؓ کی زبان سے بھی یہی سننا چاہتے تھے)

فرمان نبویؐ پر عمل..... آنحضرت ﷺ کی زبان مبارک سے ایک مرتبہ جو سن لیا، وہ حرز جان بن گیا، ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ کے پاس بیٹھے تھے، آپ نے فرمایا کہ میری امت کو ڈھال

۱۔ ابن سعد جز ۳ ق ۱ ص ۱۷۶

۲۔ تہذیب الکمال ص ۴۷

۳۔ مسند احمد بن حنبل ج ۵ ص ۳۵۰

۴۔ ایضاً ص ۳۲۷

۵۔ تہذیب التہذیب ج ۱ ص ۴۳۳

کی طرح چوڑے چوڑے اور چھوٹی آنکھ والی قوم تین مرتبہ ہنکائے گی یہاں تک کہ اس کو ہنکاتے ہنکاتے جزیرۃ العرب کے اندر محدود کر دے گی، اس کے پہلے ہلہ میں جو لوگ بھاگ جائیں گے، وہ بچ جائیں گے، دوسرے ہلہ میں بعض بچیں گے اور بعض ہلاک ہو جائیں گے، تیسرے ہلہ میں سب کے سب اس آگ میں پڑ جائیں گے لوگوں نے پوچھا یا نبی اللہ! وہ کون ہیں؟ فرمایا ترک، پھر فرمایا اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، وہ لوگ اپنے گھوڑوں کو مسلمانوں کی مسجدوں کے ستونوں سے باندھیں گے، اس ہولناک پیشگوئی کے بعد بریدہ ہمیشہ دو تین اونٹ زاد سفر اور پانی پینے کا برتن ساتھ رکھتے تھے کہ جیسے ہی یہ وقت آئے فوراً اس عذاب سے بھاگ نکلیں۔

حضرت طفیل بن عمرو دوسی

نام و نسب طفیل نام، ذوالنور لقب، سلسلہ نسب یہ ہے، طفیل بن عمرو بن طریف بن العاص بن ثعلبہ بن سلیم بن فہم بن غنم بن دوس بن عدنان بن عبد اللہ بن زہران بن کعب ابن حارث بن نصر بن اذ ذاد بن سہیل۔

دوس کے قبیلے سے تھے، اس لئے دوسی کہلاتے تھے، یہ قبیلہ یمن کے ایک گوشہ میں آباد اور خاصہ طاقتور تھا، ایک قلعہ بھی اس کے پاس تھا، حضرت طفیلؓ اس قبیلہ کے رئیس اور غالباً تجارت پیشہ تھے اور اسی تعلق سے مکہ معظمہ آتے رہتے تھے۔

مکہ کا سفر جس زمانہ میں آنحضرت ﷺ مکہ میں دعوت اسلام فرما رہے تھے، اس زمانہ میں طفیل کا مکہ آنا ہوا، قریش کے وہ اشخاص جو لوگوں کو آنحضرت ﷺ کے پاس آنے سے روکتے تھے، ان کے پاس بھی پہنچے اور کہا تم ہمارے شہر میں مہمان آئے ہو، اس لئے ازراہ خیر خواہی تم کو آگاہ کیے دیتے ہیں کہ اس شخص (آنحضرت ﷺ) نے ہماری جماعت میں پھوٹ ڈال کر ہمارا شیرازہ بکھیر دیا ہے اور ہم لوگوں کو بہت تنگ کر رکھا ہے، نہیں معلوم اس کی زبان میں کیا سحر ہے، جس کے زور سے بیٹے کو باپ سے بھائی کو بھائی سے، بیوی کو شوہر سے چھڑا دیتا ہے، ہم کو خوف ہے کہ کہیں تم اور تمہاری قوم بھی ہم لوگوں کی طرح اس کے دام میں نہ آجائے، اس لئے ہمارا دوستانہ مشورہ ہے کہ تم اس سے نہ ملو اور نہ اس کی بات سنو، غرض ان لوگوں نے طفیل کو سب نشیب و فراز سمجھا کر آنحضرت ﷺ کی ملاقات سے روک دیا طفیل نے اس خیال سے کہ مبادہ آنحضرت ﷺ کی آواز کانوں میں نہ پڑ جائے، دونوں کانوں میں روٹی ٹھونس لی۔

اسلام اتفاق سے اسی حالت میں ایک دن مسجد کی طرف سے گذرے، اس وقت آنحضرت ﷺ خانہ کعبہ میں نماز پڑھ رہے تھے، اسلام کا شرف ان کی قسمت میں مقدر ہو چکا تھا، اس لئے تمام احتیاطیں بے کار ثابت ہوئیں اور کچھ آیتیں ان کے کان تک پہنچ گئی یہ کھڑے ہو کر سننے لگے، تو اس میں بڑی دلاوری معلوم ہوئی، دل ہی دل میں کہنے لگے کہ میں بھی کیا وہی ہوں، میں خود اچھا شاعر ہوں، کلام کے محاسن و معائب کو سمجھ سکتا ہوں، پھر اس شخص کا کلام کیوں نہ سنوں، اگر اس میں کوئی خوبی ہے تو اس کے اعتراف میں بخل نہ کرنا چاہیے اور اگر ناقابل توجہ ہے تو التفات کی ضرورت نہیں، غرض اس طرح دل کی تسلی دے کر پورے غور سے آیات قرآنی سنی، یہ کیا معلوم تھا کہ کلام کے حسن و جہ کا فیصلہ ان کی قسمت کا فیصلہ کر دیا جب تک آنحضرت

ﷺ نماز پڑھتے رہے، طفیل گوش ہوش سے سنتے رہے، ادھر آپ نے نماز ختم کی، ادھر طفیل کی قسمت کا فیصلہ ہو گیا اور وہ بے اختیارانہ آپ کے پیچھے پیچھے چلے، کاشانہ اقدس پر پہنچ کر قریش کی پوری گفتگو سنا کر عرض کیا اس خوف سے میں نے کانوں میں روئی رکھ لی تھی کہ آپ کا معجزانہ کلام نہ سن سکوں، لیکن خدا کو سنانا منظور تھا، اس لئے یہ احتیاط بے کار ثابت ہوئی، اب آپ اپنی تعلیمات سنائیے، آنحضرت ﷺ نے اسلام کی تعلیمات بتا کر قرآن کی کچھ اور آیات تلاوت فرمائیں، طفیل سن کر متحیر ہو گئے اور بے اختیار زبان سے نکل گیا، خدا کی قسم آج تک اس سے بہتر کلام نہ میرے کانوں نے سنا اور نہ اس سے زیادہ عادلانہ کوئی مذہب دیکھا، میں بطیب خاطر اس مذہب حق کو قبول کرتا ہوں۔

وطن کی واپسی اسلام لانے کے بعد عرض کیا، یا رسول اللہ! میں اپنی قوم کا سربراہ اور وہ شخص ہوں، اس لئے چاہتا ہوں کہ وہاں جا کر اہل وطن کو بھی دعوت اسلام دوں، آپ فرمائیے کہ خدا اس کا رخیہ میں میری مدد کرے، آنحضرت ﷺ نے اجازت دی اور دعا فرمائی گھر پہنچے تو والد ملنے آگئے، کہا قبلہ! آپ مجھ سے الگ رہیے، اب آپ کا مجھ سے کوئی تعلق نہیں، انہوں نے کہا کیوں! کہا میں دین اسلام قبول کر کے محمد ﷺ کا طوق غلامی گردن میں ڈال چکا ہوں، اس لئے آپ سے کوئی واسطہ باقی نہیں رہا، باپ کی قسمت میں بھی یہ سعادت لکھی تھی، بولے بیٹا! جو دین تمہارا وہی دین میرا، چنانچہ اسی وقت جواب دیا، جو پہلے والد کو دے چکے تھے، بیوی نے کہا میں تمہارے مذہب کے خلاف کیسے رہ سکتی ہوں، مجھے بھی اس نعمت میں شریک کرو، چنانچہ ان کو بھی مشرف باسلام کیا، گھر روشن کرنے کے بعد قبیلہ کی طرف متوجہ ہوئے، لیکن اس میں آواز بے اثر رہی تو مکہ واپس آئے اور آنحضرت ﷺ سے عرض کیا کہ میری قوم میرا کہنا نہیں مانتی، آپ اس کی ہدایت کے لئے دعا فرمائیے، آپ نے دعا فرمائی کہ ”خدا یا! دوس کو ہدایت دے اور اس پر ابر رحمت کا نزول فرما“ دعا کے بعد ہدایت فرمائی کہ نرمی اور آستنی کے ساتھ جا کر اسلام کی طرف مائل کرو، چنانچہ وہ حسب ارشاد نبوی دوبارہ گھر لوٹ کر تبلیغ و ہدایت میں مشغول ہو گئے، اور آنحضرت ﷺ کی دعا برکت سے کچھ دنوں کے بعد دوس کی معتد بہ تعداد اسلام کے حلقہ اثر میں آ گئی۔

آنحضرت کو اپنے قلعہ میں چلنے کی دعوت دینا دائرہ اسلام کی وسعت کے ساتھ ساتھ مشرکین کا مکہ کا جو رستم بھی بڑھتا جاتا تھا، اور ذات نبوی کے ساتھ بھی گستاخیاں کرنے میں ان کو باک نہ تھا اور انہوں نے آنحضرت ﷺ اور مسلمانوں کی ایذا رسانی کو اپنا مستقل شعار بنا لیا تھا، دوس میں ایک نہایت مضبوط قلعہ تھا، طفیل نے آنحضرت ﷺ کو اپنے اس قلعہ میں داخل ہو جانے کی دعوت دی اور آپ کی حفاظت کی ذمہ داری لی، لیکن یہ فخر انصار کے لئے مقدر ہو چکا

تھا، اس لئے آپ نے ان کی دعوت قبول نہ فرمائی۔

ہجرت..... اس درمیان میں آنحضرت ﷺ ہجرت کر کے مدینہ آ گئے، بدر، احد اور خندق کی لڑائیاں بھی ختم ہو گئیں، اور خیبر کی تیاریاں شروع ہوئی تھیں کہ حضرت طفیل تقریباً سی (۸۰) گھرانوں کے ساتھ مدینہ تشریف لائے، لیکن آنحضرت ﷺ خیبر میں تھے اس لئے یہ پورا قافلہ بھی وہیں روانہ ہو گیا۔

غزوات..... اور یہ سب کے سب غزوہ خیبر میں شریک ہوئے اور طفیل کی خواہش پر آنحضرت ﷺ نے دوسیوں کو خیبر شکن فوج کے میسنہ پر مقرر کیا، اس کے بعد سے پھر فتح مکہ تک آنحضرت ﷺ کے ہمراہ رہے۔

سریہ ذوالکفین..... اگرچہ دوس کے اکثر خانوادے مشرف باسلام ہو چکے تھے، تاہم مدتوں کے بعد عقائد دفعہ نہیں بدل سکتے تھے، چنانچہ ذوالکفین نامی بت کا صنم کدہ باقی تھا اور بہت سے لوگ اس کی پوجا کرتے تھے، لیکن طفیل کا موحّد دل دوس کے دامن پر شرک کا ایک دھبہ بھی نہیں گوارا کر سکتا تھا، اس لئے آنحضرت ﷺ سے درخواست کی کہ مجھ کو ذوالکفین گرانے کی اجازت مرحمت ہو، آپ نے اجازت دے دی۔ چنانچہ وہ کچھ دوسیوں کو لے کر گئے اور جگہ کو ڈھا کر بت میں آگ لگا دی اور یہ شعر پڑھتے جاتے تھے

یا ذالکفین لست من عباد کا

میلادنا اقدم من میلادکما

انی حششت لنالسی فواد کا

اے دوہاتھوں والے بت! اب میں تیرے پرستاروں میں نہیں ہوں، میری

پیدائش سے قدیم ہے، میں نے تیرے قلب میں آگ بھردی۔

غزوہ طائف..... یہاں سے لوٹتے وقت دوس کے اور چار سو آدمی مع ساز و سامان کے ساتھ ہو گئے اور سب طائف میں آنحضرت ﷺ کے ساتھ غزوہ طائف میں شریک ہوئے ان کا دستہ الگ تھا، آنحضرت ﷺ نے پوچھا تمہارا علم کون اٹھائے گا، طفیل نے عرض کی، نعمان بن باریہ مدتوں سے اس قبیلہ کے علمبردار ہیں، اس موقع پر بھی وہی اٹھائیں گے آنحضرت ﷺ نے بھی یہ رائے پسند فرمائی۔

طائف کی واپسی کے بعد وہ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں مستقل طور سے رہنے لگے اور

۱۔ مسلم جلد ۵۸ باب الدلیل علی ان قاتل نفسہ لا یکفر،

۲۔ ابن سعد جزء ۴ ق ۱ ص ۱۷۶ واستیعاب ج ۱ ص ۲۱۸،

۳۔ ابن سعد جلد ۴ ق ۱ ص ۱۷۶

۴۔ ابن سعد حصہ مغازی ص ۱۱۳

تا وفات نبوی آپ کے قدموں سے جدا نہ ہوئے۔
 فتنہ ارتداد میں نہایت سرگرمی سے حصہ لیا اور طلحہ و نجد کے فتنوں سے فراغت کے بعد
 یمامہ میں شریک ہوئے، اور اسی میں جام شہادت پیا۔
 اولاد..... اولاد میں صرف ایک لڑکے عمرو کا نام معلوم ہے، یہ بھی یمامہ کی جنگ میں شریک
 تھے اور یرموک کے معرکہ میں شہادت حاصل کی۔
 فضل و کمال..... حضرت طفیلؓ مذہبی علوم میں کوئی مرتبہ حاصل نہ کر سکے، اس کا سبب یہ تھا
 کہ وہ ابتدا میں مدینہ میں رہنے کے بجائے اپنے وطن میں اسلام کی دعوت کا فرض ادا کرتے رہے
 لیکن فضل و کمال کا یہ باب بھی کچھ کم نہیں کہ آپ کی کوششوں سے قبیلہ دوس مشرف باسلام ہوا،
 البتہ شاعر کی حیثیت سے ممتاز تھے۔

حضرت عقبہ بن عامر جہنیؓ

نام و نسب عقبہ نام، ابو عمر و کنیت، سلسلہ نسب یہ ہے، عقبہ بن عامر بن عبس بن عمرو بن عدی بن عمرو بن رفاعہ بن مودعہ بن عدی بن غنم بن ربیعہ بن رشدان بن قیس بن جہینہ جہنیؓ۔ حضرت عقبہؓ آنحضرت ﷺ کے مدینہ تشریف لانے کے بعد مشرف باسلام ہوئے، اسلام کا واقعہ یہ ہے کہ جب کوکہؓ نبویؐ منتقل ہوا تو عقبہؓ بکریاں چارہ ہے تھے آپؐ کی تشریف آوری کی خبر سن کر بکریاں چھوڑ کر خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور عرض کی مجھ سے بیعت لیجئے، آنحضرت ﷺ نے پوچھا بیعت عربیہ کرنا چاہتے ہو یا بیعت ہجرت کہا بیعت ہجرت، چنانچہ بیعت کر کے مدینہ میں مقیم ہو گئے۔ ۱۔

عہد خلفاء غزوات میں شرکت کا پتہ نہیں چلتا، عہد فاروقیؓ میں شام کی فتوحات میں مجاہدانہ شریک ہوئے، دمشق کی فتح کا معرکہ حضرت عمرؓ کے پاس یہی لائے تھے، ۳۱ جنگ صفین میں حضرت امیر معاویہؓ کے طرفدار تھے اور انہی کی حمایت میں لڑے، مصرف پر تسلط کے بعد انہوں نے ان کو وہاں کا امیر الخراج بنایا اور نماز کی امامت کا منصب بھی عطا کیا۔ ۲۔

۳۲ھ میں امیر معاویہؓ کی ایما سے روڈس پر حملہ کیا، لیکن جنگ کے دوران میں معزول کر دیئے گئے اور ان کی جگہ مسلمہ کا تقرر ہوا، معزولی کے بعد جنگ سے بھی کنارہ کشی اختیار کر لی۔ ۵۔ وفات زمانہ وفات کے بارہ میں مختلف روایتیں ہیں، بہ روایت صحیح ۵۸ھ میں وفات پائی۔ فضل و کمال علم و فضل کے اعتبار سے حضرت عقبہؓ ممتاز شخصیت رکھتے تھے، قرآن حدیث فقہ، فرائض اور شاعری سب میں امتیازی پایہ تھا، علامہ ذہبیؒ لکھتے ہیں عقبہؓ فقیہ، کتاب اللہ کے قاری، فرائض کے ماہر، فصیح اللسان، شاعر اور بلند مرتبہ شخص تھے۔ ۶۔

قرآن کی تلاوت سے خاصا ذوق تھا اور بڑے ذوق و شوق سے اس کی تعلیم حاصل کرتے تھے، بعض سورتیں خود زبان وحی والہام سے سیکھی تھیں، ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ کے قدموں سے چمٹ گئے کہ یا رسول اللہ ﷺ مجھ کو سورہ ہود و یوسف پڑھائیے، اس ذوق و شوق نے ان کو قرآن کا قاری بنادیا تھا، ایک قرآن انہوں نے خود مرتب کیا تھا، اس کی ترتیب عثمانی مصحف سے مختلف

۱۔ اسد الغابہ جلد ۳ ص ۴۲۳،

۲۔ ابن سعد جز ۲، قسم ۲ ص ۶۶، واصابہ بہ تذکرہ ابن عامر،

۳۔ کتاب الولاۃ کنذی ص ۳۷،

۴۔ اصابہ جلد ۲ ص ۴۸۹،

۵۔ تذکرۃ الحفاظ جلد اول ص ۳۶،

۶۔ ابن سعد جز ۲، قسم ۲ تذکرہ ابن عامر،

تھی، یہ نسخہ نویں صدی ہجری تک مصر میں موجود تھا، اور اس کے اخیر میں عقبہ کے دست و قلم کی لکھی ہوئی تحریر موجود تھی، ”قرآن عقبہ بن عامر نے اپنے ہاتھوں سے لکھا“۔

حدیث..... احادیث نبوی سے بھی تہی دامن نہ تھے، ان کی مرویات کی مجموعی تعداد ۵۵ ہے ان میں سے ۷ متفق علیہ ہیں اور ایک میں بخاری اور ۷ میں مسلم منفرد ہیں، ۲ گوان کے علم کے مقابلہ میں یہ تعداد بہت کم ہے، لیکن اکابر صحابہ تک بڑی بڑی مسافت طے کر کے ان سے استفادہ کے لئے آتے تھے، حضرت ابو ایوب صرف ایک حدیث سننے کے لئے خاص طور پر مدینہ سے مصر آئے اور سن کر فوراً واپس گئے، حضرت ابن عباس جو جبر الامہ تھے، عقبہ سے خوشی چینی کرتے تھے، ان کے تلامذہ کی تعداد کافی تھی، ان میں امامہ، قیس بن ابی حازم، جبیر بن نصیر، بھہ بن عبد اللہ، جہنی، دھین بن عامر، ربیع بن خراش، عبد الرحمن ابن شماسہ، علی بن ربیع قابل ذکر ہیں، فقہ میں بھی آپ کو ید طولی حاصل تھا۔

شاعری..... مذہبی علوم کے علاوہ عرب کے دوسرے مروجہ علوم خطابت و شاعری میں بھی دخل تھا، خود بھی خوش گو شاعر تھے۔

اخلاق..... عقبہ کو بلند پایہ صحابی تھے، لیکن مذہبی ذمہ داری سے بہت گھبراتے تھے، وہ اگرچہ ایک زمانہ میں مصر میں امامت کے عہدہ پر رہ چکے تھے، لیکن پھر اس میں احتیاط کرنے لگے تھے، ابو علی ہمدانی کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ سفر میں لوگوں نے درخواست کی کہ آپ آنحضرت ﷺ کے صحابی ہیں، اس لئے آپ نماز پڑھائیے، فرمایا نہیں! میں نے آنحضرت ﷺ سے سنا ہے کہ جس نے امامت کی اور صحیح وقت پر پورے شرائط کے ساتھ نماز پڑھائی تو امام اور مقتدی دونوں کے لئے باعث اجر ہے اور اگر اس میں کوئی فروگزاشت ہوئی تو امام مآخوذ ہوگا اور مقتدی بری الذمہ ہوں گے۔

حرمت رسول..... آقائے نامدار ﷺ کی خدمت گزاری ان کا خاص مشغلہ تھا چنانچہ سفر میں آنحضرت ﷺ کی سواری کھینچنے کی خدمت ان ہی کے متعلق ہوتی تھی، کسان صاحب بغلۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الشہباء۔

اس خدمت و رفاقت کے طفیل میں ان کو بڑے قیمتی دینی فوائد حاصل ہوتے تھے، ان کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ سفر میں آنحضرت ﷺ کی رفاقت کا شرف حاصل ہوا میں سواری اقدس کھینچ رہا تھا، آپ نے فرمایا، عقبہ! میں تم کو دو بہترین سورتیں پڑھنے کے قابل بتاتا ہوں، میں

۱۔ تہذیب الکمال ص ۶۲۹

۲۔ تہذیب الکمال ص ۶۲۹

۳۔ کتاب الولاۃ کندی ص ۴۷

۱۔ تہذیب الہذب جلد ۷ ص ۲۳۳

۲۔ مسند احمد بن حنبل جلد ۴ ص ۱۵۹

۳۔ مسند احمد بن حنبل جلد ۴ ص ۱۳۵

۴۔ مسند ابن حنبل جلد ۳ ص ۱۵۳

نے عرض کی ارشاد ہو، فرمایا، قل اعوذ ب اللہ اور قل اعوذ ب الناس۔
احترام نبوی..... ذات نبوی کا اتنا احترام ملحوظ تھا کہ آنحضرت ﷺ کی سواری پر بیٹھنا بھی
سوء ادب سمجھتے تھے، ایک مرتبہ سفر میں موقوفہ خدمت انجام دے رہے تھے، کہ آنحضرت ﷺ
نے سواری بٹھادی اور خود اتر کر فرمایا عقبہ! اب تم سوار ہو لو عرض کی سبحان اللہ یا رسول اللہ! میں
اور آپ کی سواری پر سوار ہوں! دوبارہ پھر آپ نے حکم دیا، انہوں نے وہی عرض کی، جب زیادہ
اصرار بڑھا تو الامرو فوق الادب کے خیال سے بیٹھ گئے اور سرکارِ دو عالم ان کی جگہ سواری کھینچنے کی
خدمت انجام دینے لگے۔

عیب پوشی..... عیب پوشی عقبہ کا شیوہ تھا، کسی کی برائی کا اعلان کرنا بہت برا سمجھتے تھے ایک
مرتبہ غلام نے آکر عرض کی کہ ہمارے ہمسائے شراب پیتے ہیں، فرمایا جانے دو، کسی پر ظاہر نہ
کرنا، اس نے کہا میں محتسب کو خبر کر دوں گا، فرمایا بڑے افسوس کا مقام ہے، جانے بھی دو میں
نے آنحضرت ﷺ سے سنا ہے کہ جس نے کسی کی عیب پوشی کی، اس نے گویا مردہ کو زندہ کیا۔
سپاہیانہ فنون سے ذوق..... سپاہیانہ فنون سے بڑی دلچسپی تھی، تیراندازی کا بڑا ذوق تھا،
اور دوسروں کو بھی اس کی ترغیب دیتے تھے، ایک مرتبہ خالد بن ولیدؓ کو بلا کر یہ حدیث سنائی کہ
میں نے رسول ﷺ سے سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ ایک تیر کے بدلہ میں تین اشخاص کو جنت میں داخل کر
تا ہے، اس کے بنانے والے کو، خدا کی راہ میں اس کے لے جانے والے کو اور چلانے والے کو،
حضور نے یہ بھی فرمایا کہ تمام کھیلوں میں صرف تین کھیل جائز ہیں، تیراندازی، گھوڑے کی تا
دیہ اور اپنی بیوی سے ہنسی دل لگی کرنا، جس نے تیراندازی سیکھ کر بھلا دی اس نے بڑی نعمت کھو
دی۔

اس دلچسپی کی بنا پر ان کے پاس اسلحہ کا بڑا ذخیرہ تھا، چنانچہ وفات کے وقت ان کے پاس
ستر کمائیں تھیں، دوسرے لوازم اس کے علاوہ تھے، یہ سارا ذخیرہ خدا کی راہ میں وقف کر گئے۔
سادگی..... عقبہ کو فارغ البال تھے، غلام بھی پاس تھے، لیکن غایت سادگی کی بنا پر اپنا کام
آپ کرتے تھے۔

حضرت عمیر بن وہبؓ

نام و نسب عمیر نام، ابو امیہ کنیت، سلسلہ نسب یہ ہے، عمیر بن وہب بن خلف ابن وہب بن حذافہ بن نجح، ماں کا نام ام خلیلہ تھا، نانہالی نسب نامہ یہ ہے ام خلیلہ بنت ہاشم بن سعید بن سہم قرشی۔

قبل اسلام عمیر قریش کے سربراہ اور بہادر لوگوں میں تھے، قبول اسلام کے پہلے اسلام اور پیغمبر اسلام کے سخت دشمن تھے، بدر میں مشرکین کے ساتھ تھے اور مسلمانوں کی قوت کا اندازہ لگانے کے لئے یہی نکلے تھے، مگر اس غزوہ میں انہوں نے جنگ کو ٹالنے کی بڑی کوشش کی، ابن سعد کا بیان ہے ”و قد کان حریضاً علی رد قریش عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ببدر“۔ لیکن جب اس میں ناکامی ہوئی تو دوسرا طریقہ یہ اختیار کیا کہ قریش سے انصار کی تذلیل کے لئے کہا کہ ان کے چہرے سانپوں کی طرح ہیں، جو پیاس سے بھی نہیں مرتے، ان کی یہ مجال کہ ہمارے مقابلہ میں آکر بدلہ لیں، اس لئے ان روشن دتا ہاں چہرہ والوں (قریش) کو ان سے تعارض نہ کرنا چاہیے، انصار نے جواب دیا، یہ خیال چھوڑ دو، اور اپنے قبیلہ کو جنگ پر آمادہ کرو۔ جب یہ تدبیر بھی ناکام رہی تو مجبوراً لڑنا پڑا۔ جس کا نتیجہ قریش کی شکست کی صورت میں ظاہر ہوا اور ان کا لڑکا وہب مسلمانوں کے ہاتھوں میں گرفتار ہو گیا۔

آنحضرت ﷺ کے قتل کا ارادہ بدر کی شکست سے مشرکین کی آتش انتقام اور تیز ہو گئی اور وہ مسلمانوں سے بدلہ لینے کے لئے طرح طرح کے منصوبے سوچنے لگے ایک دن عمیر اور سرخیل مشرکین صفوان بن امیہ آپس میں بیٹھے باتیں کر رہے تھے، صفوان نے کہا بدر کے مقتولین کے بعد زندگی بے مزہ ہو گئی، عمیر نے کہا بالکل سچ ہے، واللہ! لطف زندگی جاتا رہا، اگر مجھ پر قرض اور اہل و عیال کی پرورش کا بار نہ ہوتا تو میں محمدؐ کے قتل کی کوشش کرتا صفوان یہ سن کر پھولا نہ سمایا، بولا یہ کوئی بڑی بات ہے، تمہارے قرض کی ادائیگی کا میں ذمہ لیتا ہوں اور جس طریقہ سے میں اپنے اہل و عیال کی پرورش کرتا ہوں اسی طرح تمہارے اہل و عیال کی پرورش بھی کروں گا اور عمیر کے لیے ضروری سامان سفر مہیا کر دیا، اس میں ایک سم آلود تلواریں بھی تھیں اور عمیر یہ ہدایت کر کے کہ ابھی کچھ دنوں میرے حالات پوشیدہ رکھنا مدینہ پہنچے اور مسجد نبویؐ کے دروازہ پر سواری کھڑی کر کے تلوار لئے ہوئے سیدھے آنحضرت ﷺ کی طرف چلے، حضرت عمرؓ دیکھ رہے تھے،

وہ گھبرائے ہوئے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں پہنچے اور عرض کی یا رسول اللہ! عمیر کو کسی قیمت پر امان نہ دیجئے گا، فرمایا اچھا ان کو لے آؤ، حضرت عمرؓ چند اشخاص کو آنحضرت کی حفاظت کے لئے متعین کر کے خود عمیر کو لانے چلے گئے، وہ تلواریں لئے ہوئے داخل ہوئے اس وقت آنحضرت ﷺ نے عمرؓ کو ہٹا دیا، عمیرؓ نے سلام و علیک کی جگہ ”انعموا صبا حا“ جاہلیت کا سلام کیا، آنحضرت ﷺ نے فرمایا، اللہ عزوجل نے تمہارے طریقہ تہیہ سے ہم کو مستغنی کر دیا اور ہمارا طریقہ تہیہ سلام متعین کیا ہے، پھر پوچھا کیسے آنا ہوا عمیرؓ نے کہا اپنے قیدیوں کو چھڑانے کے لئے آخر تم بھی تو ہمارے ہی ہم قبیلہ اور ہم خاندان ہو، آنحضرت ﷺ نے پوچھا، یہ تلواریں کیسی گلے میں آویزاں ہے، کہا ان تلواروں کا براہو، یہ ہمارے کس کام آئیں، اترتے وقت گلے سے نکالنا بھول گیا تھا، اس لئے لٹکی رہ گئی، پھر آنحضرت ﷺ نے پوچھا، سچ بتاؤ تم کس ارادہ سے آگئے ہو کہا صرف قیدیوں کو چھڑانے کے لئے، فرمایا تم نے صفوان سے کیا شرط کی تھی، اس سوال پر عمیرؓ بہت گھبرائے اور کہا میں نے کیا شرط کی تھی فرمایا ان شرائط کے ساتھ تم نے قتل کا وعدہ کیا تھا۔ اسلام..... یہ سنتے ہی حالت بدل گئی، جس زبان سے آنحضرت ﷺ کے قتل کا عہد کر کے آئے تھے، اسی زبان سے بے اختیار اشہد انک رسول اللہ و اشہدان لا الہ الا اللہ نکل گیا۔ قبول اسلام کے بعد آنحضرت ﷺ نے مسلمانوں سے فرمایا کہ اپنے بھائی کو آرام پہنچاؤ، اور ان کے قیدی چھوڑ دو، چنانچہ وہب کو بغیر فدیہ کے رہا کر دیا گیا۔ ۲

مکہ کی واپسی اور اشاعت اسلام..... مکہ میں صفوان نہایت بے چینی سے ان کے کام کا انتظار کر رہا تھا، اور قریش سے کہتا پھرتا تھا، کہ میں تم کو ایسی کامیابی کی خوشخبری سناتا ہوں جس کے بعد بدر کی شکست کا غم بھول جائے گا اور ہر آنے جانے والے سے پوچھتا کہ مدینہ میں کوئی نیا واقعہ تو نہیں پیش آیا (یعنی آنحضرت ﷺ کا کام تمام تو نہیں ہوا) ایک دن بالکل خلاف توقع خبر سنی کہ جو شکار کرنے نکلا تھا، وہ خود شکار ہو گیا، یعنی عمیر مسلمان ہو گئے، اس خبر سے بہت ہیچ و تاب کھایا اور عہد کر لیا کہ اب کبھی عمیر سے نہ بولوں گا، اور نہ اس کی کسی قسم کی مدد کروں گا، تمام مشرکین نے عمیرؓ کے اسلام پر اظہار ملامت کیا، اس درمیان میں عمیرؓ نے قرآن کی کچھ تعلیم حاصل کر لی اور آنحضرت ﷺ سے عرض کیا، اگر اجازت ہو تو میں مکہ میں جا کر اشاعت اسلام کا فرض انجام دوں، شاید خدا ان لوگوں کو ہدایت دے آپ نے منظور فرمایا اور عمیرؓ نے مکہ میں آکر بڑی سرگرمی سے تبلیغ شروع کر دی اور ان کی کوششوں سے بڑی تعداد اسلام کے شرف سے بہرہ ور ہوئی۔ ۳

ہجرت وغزوات..... مکہ میں عرصہ تک تعلیم و ارشاد کا فرض انجام دیتے تھے، پھر احد کے قبل ہجرت کر کے مدینہ آگئے اور احد، تبوک، فتح مکہ وغیرہ تمام معرکوں میں آنحضرت ﷺ کے

ہم رکاب رہے اور اپنی تلوار کے جوہر دکھائے۔
 عہد خلفاء..... آنحضرت ﷺ کے بعد حضرت ابو بکرؓ کے عہد خلافت میں مہمات امور میں برابر شریک رہے، حضرت عمرؓ کے عہد خلافت میں جب عمرو بن العاصؓ نے مصر پر چڑھائی کی اور ابتدائی فتوحات کے بعد اسکندریہ کی تسخیر میں زیادہ دیر لگی، تو حضرت عمرؓ نے دس ہزار امدادی فوج چار امراء کی سرکردگی میں بھیجی، ان میں ایک عمیرؓ بھی تھے، ۲ اور یہ ہدایت کر دی تھی کہ حملہ کے وقت ان چاروں کو آگے آگے رکھنا، چنانچہ ان ہی چاروں کی کوششوں سے اسکندریہ کی مہم سر ہوئی، اسکندریہ کی فتح کے بعد عمرو بن العاصؓ نے متفرق چھوٹے چھوٹے مقامات کی تسخیر کے لئے علیحدہ علیحدہ افسر متعین کیے تھے، اس سلسلہ میں عمیرؓ نے بہت سے مقامات فتح کیے، ہینس، ومیاط، تونہ، دمیرہ، شطا، دقہلہ، بنا اور بوسیر وغیرہ خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔
 وفات..... حضرت عمرؓ کے عہد کے آخر عہد خلافت میں وفات پائی۔

۱ ابن سعد ص ۱۳۷، واصابہ جلد ۵ ص ۳۷،

۲ فتوح البلدان بلاذری ص ۲۲۰

۳ ایضاً ص ۲۲۳

حضرت زید بن خطابؓ

نام و نسب..... زید نام، ابو عبد الرحمن کنیت، سلسلہ نسب یہ ہے، زید بن خطاب بن نفیل بن عبد العزیٰ بن رباح بن عبد اللہ بن قرط بن زراح بن عدی بن کعب بن لوی بن غالب ابن فہر بن مالک بن نضر بن کنانہ قرشی عدوی۔

ماں کا نام اسماء تھا، نانہالی سلسلہ نسب یہ ہے، اسماء بنت وہب بن حبیب اسدی، آپ حضرت عمرؓ کے سوتیلے بھائی اور عمرؓ میں ان سے بڑے تھے۔

اسلام و ہجرت..... گو ابتداء میں خطابؓ کا گھر حضرت عمرؓ کو سختیوں کے باعث اسلام کی دشمنی سے تیر و تار ہو رہا تھا، لیکن حضرت زیدؓ حضرت عمرؓ سے بہت پہلے مشرف باسلام ہو چکے تھے، اور مہاجرین کے پہلے قافلہ کے ساتھ ہجرت کی تھی، اور آنحضرت ﷺ کے مدینہ تشریف لانے کے بعد ان میں اور معن بن عدی عجلانی میں مواخاۃ کرا دی۔

غزوات..... مدینہ آنے کے بعد سب سے پہلے بدر میں شرکت کا شرف حاصل کیا، پھر احد میں شریک ہوئے، غایت شجاعت نے زرہ سے بے نیاز کر دیا تھا، میدان جنگ میں ننگے بدن گئے، حضرت عمرؓ کو ان سے بڑی محبت تھی، انہوں نے قسم دلا کر اپنی زرہ پہنا دی لیکن طالب شہادت کے لئے زرہ عار تھی، تھوڑی دیر پہن کر اتار دی اب عریاں سینہ دشمنوں کا ہدف تھا، حضرت عمرؓ نے سبب پوچھا، فرمایا تمہاری طرح مجھ کو بھی جام شہادت پینے کی تمنا ہے۔

احد کے بعد صلح حدیبیہ کے موقع پر جب آنحضرت ﷺ نے موت پر بیعت لینا شروع کی تو فداکارانہ جانباڑوں کی فہرست میں نام لکھایا۔ اس کے علاوہ، خندق خنین اور اوطاس وغیرہ میں بھی برابر شریک رہے۔

حجۃ الوداع میں بھی آنحضرت ﷺ کے ہمراہ تھے، اسی موقع پر آپ نے ان سے یہ حدیث بیان فرمائی تھی، کہ جو تم کھاتے پیتے ہو، وہی اپنے غلاموں کو بھی کھلاؤ پہناؤ، اور اگر وہ کسی جرم کے مرتکب ہوں اور تم نہ معاف کر سکو تو فروخت کر ڈالو۔

فتنہ ردہ اور شہادت..... عہد صدیقی میں فتنہ ارتداد کے استیصال کے لئے مسلمانوں کے

ساتھ نکلے اور متعدد سرکش بے دینوں کو داصل جہنم کیا۔
مشہور مرتد نہاد بن عنفوہ جس کے متعلق اس کے زمانہ اسلام میں آنحضرت ﷺ نے
پیشگوئی فرمائی تھی، ان ہی کے ہاتھ سے مارا گیا۔ ۱۔

جنگ یمامہ میں اسلامی فوج کی علمبرداری کا منصب سپرد ہوا، بنو حنیفہ نے ایک مرتبہ اس
زور کا حملہ کیا کہ مسلمانوں کے پاؤں اکھڑ گئے، کچھ لوگ میدان جنگ سے بھاگ نکلے اس سے
زید کا جوش اور بڑھ گیا، انہوں نے قسم کھالی کہ میں اس وقت تک نہ بولوں گا جب تک دشمنوں کا
منہ نہ پھیر دوں یا خود لڑتے لڑتے شہید ہو جاؤں اور مسلمانوں کو لکارا کہ آنکھیں بند کر کے،
داڑھیں داب کر دشمنوں کے قلب میں گھس جاؤ، ایک طرف لوگوں کو ابھارتے تھے، دوسری
طرف زبان بارگاہ ایزدی میں معذرت میں مصروف تھی، کہ ”خدا یا میں اپنے ساتھیوں کی پسپائی
پر تیری بارگاہ میں معذرت خواہ ہوں“، اسی حالت میں علم ہلایا، اور دشمنوں کی گھنٹیں چیرتے ہوئے
گھستے چلے گئے اور لڑتے لڑتے شہید ہو گئے، ۳۔ آپ کی شہادت کے بعد حضرت سالمؓ نے علم
سنجالا، لوگوں نے کہا سالم! تمہاری علمبرداری سے شکست کا خطرہ ہے، کہا اگر میرے سبب سے
شکست ہو تو مجھ سے بدتر حامل قرآن کون ہوگا۔ ۴۔

حضرت عمرؓ کا غم..... حضرت عمرؓ ان کو بہت محبوب رکھتے تھے، ان کی شہادت سے
بہت غم زدہ ہوئے اور جب کبھی کوئی مصیبت پیش آتی تو فرماتے کہ سب سے بڑا داغ زیدؓ کا تھا
، اس کو اٹھایا اور صبر کیا۔ ۵۔ اکثر فرمایا کرتے کہ باد صبا سے زیدؓ کی خوشبو آتی ہے اس سے ان کی یاد آتا
زہ ہو جاتی ہے۔ ۶۔

اسی زمانہ میں مشہور شاعر متمم بن نویرہ کا بھائی ایک معرکہ میں خالد بن ولیدؓ کے ہاتھ سے
مارا گیا، متمم اپنے بھائی کا عاشق و شیفہ تھا، اس حادثہ نے اس کو ایسا وارفتہ کر دیا کہ دیکھنے والوں کو
ترس آتا تھا، اسی عالم میں اپنے بھائی کا ایسا رقت انگیز مرثیہ لکھا کہ سننے والے بیقرار ہو جاتے
اتفاق سے حضرت عمرؓ سے ملاقات ہو گئی، آپ نے فرمایا تم کو اپنے بھائی کا کس قدر قلق ہے، کہا
ایک مرض کی وجہ سے ایک آنکھ کے آنسو خشک ہو گئے تھے، لیکن بھائی کے غم میں جب سے اشکبار
ہوئی ہے، آج تک نہ رکی، حضرت عمرؓ نے فرمایا، یہ رنج و الم کی آخری حد ہے، کوئی جانے والے کا

۱۔ استیعاب ج ۱ ص ۱۹۰،

۲۔ ابن اثیر جلد ۲ ص ۲۷۷،

۳۔ ایضاً ص ۲۷۷

۴۔ ابن سعد جز ۳ ق ۱ ص ۲۵۲، مستدرک حاکم ج ۳ ص ۲۲۷،

۵۔ مستدرک حاکم ج ۳ ص ۲۲۷

۶۔ اسد الغابہ ج ۲ ص ۲۲۷

اتنا غم نہیں کرتا، اس کے بعد فرمایا خدا زیدؓ کی مغفرت کرے، اگر میں شاعر ہوتا تو میں بھی ان کا مرثیہ کہتا، متمم نے کہا، امیر المومنین، اگر آپ کے بھائی کی طرح میرا بھائی شہید ہوا ہوتا تو میں بھی اشکباری نہ کرتا، حضرت عمرؓ کو ایک گونہ تسلی ہو گئی، فرمایا کہ اس سے بہتر تعزیت کسی نے نہیں کی، یسین بھائی کے ساتھ شدید تعلق قلب کے باوجود صبر کا دامن ہاتھ سے نہ چھوٹا، جس وقت حضرت زیدؓ کی شہادت کی دلخراش خبر ملی، اس وقت بجائے نالہ و شیون کرنے کے فرمایا کہ میرے بھائی دونیکوں میں مجھ سے سبقت لے گئے، مجھ سے پہلے اسلام لائے اور مجھ سے پہلے جام شہادت پیا۔

حلیہ حلیہ یہ تھا، قد بلند و بالا، رنگ گندم گوں۔
ازواج و اولاد آپ کی دو بیویاں تھیں، لبابہ اور جمیلہ، لبابہ سے عبدالرحمن تھے اور جمیلہ سے اسماء تھیں۔
فضل و کمال آپ سے متعدد اشخاص نے حدیث روایت کی ہے۔

۱ ابن سعد جز ۳ ق ۱ ص ۲۷۵،

۲ استیعاب جلد ۱ ص ۱۹۱،

۳ استیعاب ج ۱ ص ۱۹۱،

۴ ابن سعد جز ۳ ق ۱ ص ۲۷۵

حضرت ابورافعؓ

نام و نسب..... نام میں بہت اختلاف ہے، زیادہ مشہور اسلام اور ابورافع کنیت ہے نسب شرف کے لئے یہ سند کافی ہے کہ آقائے دو عالمؐ کی غلامی کا شرف رکھتے تھے اور حضورؐ نے یہ کہہ کر اپنے خاندان میں شامل کر لیا تھا کہ مولیٰ القوم من انفسہم، اس مرتبہ کے بعد خاندانی اور نسبی عظمت کا کون سا درجہ باقی رہ جاتا ہے۔

غلامی اور آزادی..... ابتدا میں ابورافع حضرت عباسؓ کے غلام تھے انہوں نے آنحضرت ﷺ کو دے دیا تھا، آنحضرت ﷺ نے حضرت عباسؓ کے اسلام کی مسرت پر آزاد کر دیا۔
اسلام..... حضرت ابورافع ان لوگوں میں ہیں جن کے دل پر نبوت کا پر جلال چہرہ ہی دیکھ کر اسلام کا نقش بیٹھ گیا، ان کے اسلام کے متعلق ان کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ مجھے پر قریش نے آنحضرت ﷺ کے پاس کسی کام سے بھیجا، آپ کو دیکھتے ہی میرا دل اسلام کی طرف ہو گیا میں نے عرض کی یا رسول اللہ! اب میں واپس نہ جاؤں گا، آپ نے فرمایا میں قاصد کو نہیں روکتا اور عہد شکنی نہیں کرتا، اس وقت تم لوٹ جاؤ، اگر کچھ دنوں تک بدستور تمہارے دل میں اسلام کا جذبہ باقی رہا تو پھر چلے آنا، چنانچہ اس وقت تو یہ واپس چلے گئے اور پھر دوبارہ حاضر ہو کر مشرف باسلام ہوئے۔^۱

ابتلا و آزمائش..... لیکن بدر تک جبارہ قریش کے خوف سے اسلام کا اعلان نہیں کیا ایک دن چاہ زمزم کی چہار دیواری میں بیٹھے تیر درست کر رہے تھے، حضرت عباسؓ کی اہلیہ بھی پاس ہی بیٹھی ہوئی تھیں کہ اتنے میں ابولہب آگیا اور حجرہ کی طناب کے پاس بیٹھا، اس کے بعد ابوسفیان آئے، ابولہب ان سے بدر کے حالات دریافت کرنے لگا اس نے کہا کیا پوچھتے ہو مسلمانوں نے ہماری ساری قوت تباہ کر دی، بہتوں کو تہ تیغ کر ڈالا، کچھ لوگوں کو گرفتار کیا، اس سلسلہ میں ایک واقعہ عجیب و غریب بیان کیا جاتا ہے کہ میدان جنگ میں آسمان سے زمین تک سفید پوش سوار بھرے ہوئے تھے، اس پر ابورافعؓ نے کہا کہ وہ فرشتے تھے، یہ سن کر ابولہب نے ان کے منہ پر زور سے ایک طمانچہ مارا، یہ غنجل کر لپٹ گئے، مگر زور تھے، اس لئے ابولہب نے پیچ دیا اور

^۱ ابوداؤد جلد ۱ ص ۱۶۶،

^۲ ابن سعد جز ۴ ص ۵۱،

^۳ ابوداؤد جلد ۱ ص ۲۷۳ و مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۵۹۸

سینہ پر چڑھ کر جہاں تک مار سکا مارا، حضرت عباسؓ کی بیوی سے یہ ظلم نہ دیکھا گیا، انہوں نے ایک ستون اٹھا کر اس زور سے مارا کہ اس کا سر کھل گیا اور بولیں اس کا آقا موجود نہیں اس لئے کمزور سمجھ کر مارتا ہے۔

ہجرت..... بدر کے بعد ہجرت کر کے مدینہ گئے اور آنحضرت ﷺ کے ساتھ مقیم ہوئے۔
غزوات..... بدر کے علاوہ احد، خندق وغیرہ تمام غزوات میں شریک ہوئے، آنحضرت ﷺ نے حضرت علیؓ کی امارت میں یمن کی طرف جو سر یہ بھیجا تھا، اس میں یہ بھی تھے، چنانچہ حضرت علیؓ نے اپنی عدم موجودگی میں سر یہ کی نگرانی ان کے سپرد کی تھی۔

وفات..... حضرت علیؓ کے ابتدائی زمانہ خلافت میں وفات پائی۔
اولاد..... وفات کے وقت ۶ اولادیں تھیں، حسن، رافع، عبید اللہ، معتمر، مغیرہ اور سللی۔
فضل و کمال..... اسلام نے غلاموں کو ہر قسم کی ترقی کے جو مواقع عطا کیے ہیں، ابورافعؓ اس کی بہترین مثال تھے، گو یہ غلام تھے، لیکن فضل و کمال میں آزادوں کے ہمسرے تھے، ان کی ۶۸ روایتیں حدیث کی کتابوں میں موجود ہیں، ان میں سے ایک میں بخاری اور ۳ میں مسلم منفرد ہیں۔

آزادی کے بعد بھی آستانہ نبویؐ کی خدمت گزاری کا فخر نہ چھوٹا اس لئے ان کو معمولات نبویؐ کے متعلق بہت معلومات تھے، اور ان کے بارے میں اکابر صحابہ ان سے استفادہ کرتے تھے، ابن عباسؓ ان کے پاس ایک کاتب لے کر آتے تھے اور سوال کرتے تھے، رسول ﷺ نے فلاں فلاں دن کیا کیا یہ بیان کرتے جاتے تھے، اور کاتب قلم بند کرتا جاتا۔
تلامذہ..... ان کے سرچشمہ فضل و کمال سے سیراب ہونے والوں کا دائرہ خاصہ وسیع تھا چنانچہ ان کے لڑکوں میں حسن، رافع، معتمر، عبید اللہ، پوتوں میں حسن، صالح اور عام لوگوں میں عطاء بن یسار، ابو غطفان بن طریف، ابوسعید مقبری اور سلیمان بن یسار ان کے خوشہ چینیوں میں تھے۔

عام حالات..... آنحضرت ﷺ نے اگرچہ ابورافعؓ کو آزاد کر دیا تھا، مگر وہ بدستور آپ کی غلامی میں گرفتار رہے، آزادی کے وقت آنکھیں بے اختیار اشکبار ہو گئیں، لوگوں نے کہا آزادی میں رونے کا کیا موقع ہے، کہا آج سے ایک اجر جاتا رہا، ۹ اس کے بعد اگرچہ قانوناً آزاد ہو گئے

۱۲ ایضاً ص ۵۲،

۱۳ اسد الغابہ جلد ۵ ص ۱۹۱

۱۴ تہذیب الکمال ص ۳۳۹،

۱۵ تہذیب العہد ص ۲۹ حوالہ مذکور

۱۱ ابن سعد جز ۴ ق ۱ ص ۵۱،

۱۲ مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۵۹۸،

۱۳ تہذیب العہد ص ۱۲ ص ۹۲،

۱۴ اصابہ جلد ۳ ص ۲۹

۱۵ مسند احمد بن حنبل ج ۲ ص ۳۳۳

تھے، لیکن خدمت گزاری کا شرف نہیں چھوڑا، چنانچہ سفر و غیرہ میں خیمہ یہی نصب کرتے تھے، ا
 آقائے دو عالم کے ساتھ غلامی کی نسبت بہت محبوب تھی، ہمیشہ اپنے کو آنحضرت ﷺ کا غلام کہتے
 تھے، عمرو بن سعید بن عاص نے مدینہ کی امارت کے زمانہ میں اپنا غلام کہلانا چاہا، لیکن یہ برابر
 انکار کرتے رہے، تا آنکہ سعید نے ۵۰۰ کوڑے لگا کر زبردستی اپنا غلام کہلایا۔ ۲

حضرت سعید بن عامر بن خدیجؓ

نام و نسب سعید نام، سلسلہ نسب یہ ہے، سعید بن عامر بن خدیج بن سلمان بن ربیعہ بن سعد ابن نجح بن عمرو بن ہبصیص بن کعب، ماں کا نام اروی تھا، نانہالی سلسلہ نسب یہ ہے اروی بنت ابی محیط بن ابی عمرو بن امیہ بن عبد شمس بن عبد مناف۔
اسلام و ہجرت غزوہ خیبر سے قبل مشرف باسلام ہوئے، اسلام لانے کے بعد ہجرت کر کے مدینہ آگئے۔۱

غزوات مدینہ آنے کے بعد سب سے اول غزوہ خیبر میں شریک ہوئے، پھر تمام لڑائیوں میں آنحضرت ﷺ کے ہمراہ رہے۔۲
جنگ یرموک حضرت عمرؓ کے عہد خلافت میں جب حضرت ابو عبیدہؓ نے یرموک کی مہم کے لئے مزید امدادی فوج طلب کی تو حضرت عمرؓ نے ان کو ایک جمعیت کے ساتھ روانہ کیا اس مہم میں انہوں نے بڑے نمایاں کارنامے دکھائے۔

حمص کی گورنری عباس بن غنم کی وفات کے بعد حضرت عمرؓ نے ان کی جگہ ابن عامر کو حمص کی گورنری پر مامور کیا، ان کے عہد حکومت میں کسی نے حضرت عمرؓ کو اطلاع دی کہ سعید پر جنون کا اثر رہتا ہے، آپ نے ان کو تحقیق کے لئے طلب کیا، اس طلبی پر حمص کا والی اس سرو سامان سے آیا کہ ہاتھ میں ایک عصا تھا، اور کھانے کے لئے ایک پیالہ حضرت عمرؓ نے پوچھا بس اس قدر سامان ہے عرض کی اس سے زیادہ اور کس چیز کی ضرورت ہے پیالہ میں کھاتا ہوں اور عصا پزیر اور راہ لٹکاتا ہوں پوچھا میں نے سنا ہے تم پر جنون کا اثر ہے ابن عامر نے اس سے انکار کیا، حضرت عمرؓ نے فرمایا، پھر مجھ کو کیسے اطلاع ملی کہ تم پر غشی کے دورے ہوتے ہیں، کہا ہاں سچ ہے، اسکا سبب یہ ہے کہ حبیب بن عدی کے مصلوب ہوتے وقت میں بھی موجود تھا اور وہ اس حالت میں قریش کے لئے بددعا کرتے تھے اور چونکہ میں بھی قریشی ہوں، اس لئے جب یہ منظر سامنے آتا ہے تو غشی کی سی کیفیت طاری ہو جاتی ہے، اس تحقیق کے بعد حضرت عمرؓ نے واپس کرنا چاہا، ابن عامر نے جانے سے انکار کیا، مگر حضرت عمرؓ نے مجبور کر کے واپس کیا۔۳
وفات سن وفات میں اختلاف ہے، بعض ۱۹ اور بعض ۲۱ بتاتے ہیں، وفات کے وقت چالیس سال کی عمر تھی۔۴

۱۔ ابن سعد جز ۲، قسم ۲ ص ۱۳

۲۔ اصحابہ جلد ۳ ص ۹۹

۳۔ استیعاب ج ۲ ص ۵۷۶

۴۔ ایضاً

۵۔ اسد الغابہ جلد ۲ ص ۳۱۱

فقر و درویشی..... ابن عامر کا زہد و تقویٰ درجہ کمال کو پہنچا ہوا تھا، حمص کی گورنری کے زمانہ میں اس فقیرانہ شان سے رہتے تھے، کہ ان میں اور عام مساکین میں کوئی امتیاز باقی نہ رہا تھا، حضرت عمرؓ جب حمص گئے تو وہاں کے فقراء کے معاش کا انتظام کرنے کے لئے ان کی فہرست طلب کی، فہرست تیار ہو کر آئی تو منجملہ اور ناموں کے ایک نام سعید بن عامر بھی تھا، حضرت عمرؓ نے پوچھا، یہ سعید بن عامر کون ہیں؟ لوگوں نے عرض کیا امیر المومنین ہمارے اور آپ کے امیر آپ نے حیرت سے پوچھا کہ تمہارا امیر اور فقیر! وظیفہ کیا کرتا ہے؟ لوگوں نے کہا، اس کو وہ ہاتھ نہیں لگاتے، حضرت عمرؓ یہ زہد و ورع سن کر رونے لگے اور فوراً ایک ہزار دینار کی تھیلی ابن عامر کے پاس بھیجی کہ اس کو اپنی ضروریات میں صرف کریں، سعید نے اس کو دیکھتے ہی انسا لٹھ و انسا الیہ راجعون پڑھا بیوی نے پوچھا خیریت ہے، کیا امیر المومنین کو خدا نخواستہ کوئی گزند پہنچا فرمایا اس سے زیادہ اہم حادثہ ہے، بیوی نے کہا کیا قیامت آگئی، فرمایا قیامت سے بھی زیادہ خطرناک، انہوں نے کہا آخر معاملہ کیا ہے، فرمایا دنیا فتنوں کو لے کر میرے پاس آئی ہے وہ بولیں پھر کوئی تدارک کرو، انہوں نے یہ تدارک کیا کہ پوری رقم ایک تو بڑے میں ڈال دی اور ساری رات نماز پڑھتے رہے، صبح کو جب اسلامی لشکر ادھر سے گذرا تو کل روپیہ اٹھا کر اس کی ضروریات کے لئے دے دیا۔

محکوم کی ہمدردی..... محکوموں کی ہمدردی و غمخواری آپ کا نمایاں وصف تھا، جہاں حاکم رہے وہاں کی رعایا آپ کی ہمدردی کی گرویدہ رہی شام کی رعایا آپ سے بہت خوش رہتی تھی، ایک مرتبہ حضرت عمرؓ نے دریافت کیا کہ شام والے تم سے اس قدر محبت کیوں کرتے ہیں کہا میں ان کی گلہ بانی کے ساتھ ان کے غمخواری بھی کرتا ہوں، آپ نے خوش ہو کر دس ہزار کی گراں قدر رقم ان کو دینا چاہی، انہوں نے یہ کہہ کر لینے سے انکار کر دیا کہ میرے گھوڑوں اور غلاموں کی آمدنی میرے لئے کافی ہے، میں چاہتا ہوں کہ مسلمانوں کا کام فی سبیل اللہ کروں، حضرت عمرؓ نے اصرار کیا کہ اس کو لے لو، واپس نہ کرو، ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ نے مجھ کو کچھ مال دیا تھا، میں نے بھی تمہاری طرح یہی جواب دے کر واپس کرنا چاہا تھا، تو آپ نے فرمایا کہ اگر بغیر سوال کے خدادے تو اس کو لے لیا کرو کہ وہ اس کا عطیہ ہے۔

حضرت عقیل بن ابی طالبؓ

نام و نسب عقیل نام، ابو یزید کنیت، سلسلہ نسب یہ ہے، عقیل بن ابی طالب بن عبدالمطلب ابن ہاشم بن عبدمناف القرشی الہاشمی، ماں کا نام فاطمہ تھا، آپ حضرت علیؓ کے سوتیلے بھائی اور عمر میں ان سے بیس سال بڑے تھے۔

بدر میں گرفتاری عقیل کا دل ابتدا سے اسلام کی طرف مائل تھا، لیکن مشرکین مکہ کے خوف سے علیؓ الاعلان اسلام نہیں قبول کر سکتے تھے، چنانچہ بدر میں بادل نا خواستہ مشرکین کے ساتھ شریک ہوئے ان کو شکست ہوئی تو دوسرے مشرکین کے ساتھ یہ بھی گرفتار ہوئے آنحضرت ﷺ نے حضرت علیؓ کو بھیجا کہ دیکھو میرے گھرانے والوں میں کون کون لوگ گرفتار ہوئے، آپ نے تحقیقات کر کے عرض کیا کہ نوفل، عباس اور عقیل گرفتار ہوئے ہیں یہ سن کر آنحضرت ﷺ خود بہ نفس نفیس تشریف لائے اور عقیل کے پاس کھڑے ہو کر فرمایا کہ ابو جہل قتل ہو گیا، عقیل بولے اب تہامہ میں مسلمانوں کا کوئی مزاحم باقی نہیں رہا عقیل کے ہاتھ مال و دولت سے خالی تھے، اس لئے حضرت عباسؓ نے اپنی جیب سے ان کا فدیہ دے کر ان کو آزاد کرایا۔ ۲

اسلام و ہجرت اور غزوات آزاد ہونے کے بعد مکہ واپس گئے اور ۸ھ میں باقاعدہ اسلام لاکر ہجرت کا شرف حاصل کیا اور غزوہ موتہ میں شریک ہو کر پھر مکہ واپس گئے، وہاں جا کر بیمار پڑ گئے، اس لئے فتح مکہ، طائف اور حنین میں شرکت سے معذور رہے، لیکن بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حنین میں شریک ہوئے، بلکہ جب مسلمانوں کو ابتدا میں شکست ہوئی اور مہاجرین و انصار کے پاؤں اکھڑ گئے تو اس وقت بھی یہ ثابت قدم رہے۔ ۳

عہد مرتضوی خلفائے ثلاثہ کے زمانہ میں کہیں پتہ نہیں چلتا، حنین کے بعد امیر معاویہؓ اور جناب امیرؓ کے اختلافات کے زمانہ میں نظر آتے ہیں، یہ گو حضرت علیؓ کے بھائی تھے، لیکن اپنی ضروریات کی بنا پر حضرت امیر معاویہؓ سے تعلقات رکھتے تھے، اور مدینہ چھوڑ کر شام چلے گئے تھے، اس کا سبب یہ تھا کہ عقیل مفلس، مقروض اور روپیہ کے حاجت مند تھے اور جناب امیرؓ کے یہاں یہ شے عنقا تھی، اور امیر معاویہؓ کا خزانہ ہر شخص کے لئے کھلا ہوا تھا ماس لئے افلاس و ناداری نے امیر معاویہؓ کا ساتھ دینے پر مجبور کر دیا تھا، امیر معاویہؓ کے پاس جانے سے پہلے

۲ ابن سعد جز ۲، ق ۱ ص ۲۹

۱۱ اسد الغابہ جلد ۳ ص ۳۳۲

۳ اصابہ جلد ۲ ص ۲۵۵

۱۲ اسد الغابہ جلد ۳ ص ۳۳۲

ایک مرتبہ قرض کی ادائیگی کی فکر میں حضرت علیؑ کے پاس بھی گئے تھے، انہوں نے بڑی پذیرائی کی، حسنؑ کو حکم دیا، انہوں نے لا کر کپڑے بدلائے، شام کو دسترخوان بچھا تو صرف روٹی، نمک اور ترکاری آئی، عقیلؑ نے کہا بس یہی سامان ہے حضرت علیؑ نے فرمایا، ہاں! عقیلؑ نے مطلب بیان کیا کہ میرا قرض ادا کر دو، حضرت علیؑ نے پوچھا کس قدر ہے، کہا ۴۰ ہزار آپ نے جواب دیا، میرے پاس اتنا روپیہ کہاں؟ تھوڑا صبر کیجئے جب چار ہزار میرا وظیفہ ملے گا تو آپ کو دے دوں گا، عقیلؑ نے کہا تم کو کیا دشواری! بیت المال تمہارے ہاتھ میں ہے، مجھ کو وظیفہ کے انتظار میں کب تک رکھو گے، حضرت علیؑ نے فرمایا میں مسلمانوں کا امین ہوں، آپ چاہتے ہیں کہ خیانت کر کے ان کا مال آپ کے حوالہ کر دوں یہ جواب سن کر عقیلؑ چلے گئے اور امیر معاویہؓ کے پاس پہنچے، امیر معاویہؓ نے پوچھا تم نے علیؑ اور ان کے ساتھیوں کو کیسا پایا، جواب دیا، وہ لوگ رسول کے صحیح صحابی ہیں، بس صرف اس قدر کمی ہے کہ آنحضرت ﷺ ان میں نہیں ہیں، اور تم اور تمہارے ساتھی ٹھیک ابوسفیان کے حواریوں کی طرح ہو، مگر اس موزانہ کے بعد بھی دوسرے دن امیر معاویہؓ نے دربار میں انہیں بلوا کر پچاس ہزار درہم دلوائے۔

عقیلؑ کے شام جانے کے بعد امیر معاویہؓ لوگوں کے سامنے ان کو مثال میں پیش کر کے ان کو اپنی حمایت پر آمادہ کرتے تھے اور کہتے تھے کہ اگر میں حق پر نہ ہوتا تو علیؑ کے بھائی ان کو چھوڑ کر میرا ساتھ کیوں دیتے، ایک مرتبہ لوگوں کے سامنے یہی دلیل پیش کر رہے تھے، عقیلؑ بھی موجود تھے، انہوں نے جواب دیا کہ میرا بھائی دین کے لئے بہتر ہے اور تم دنیا کے لئے، یہ دوسری بات ہے کہ میں نے دنیا کو دین پر ترجیح دی، رہا آخرت کا معاملہ تو اس کے لئے اس کے لئے خدا سے حسن خاتمہ کی دعا کرتا ہوں۔

وفات..... امیر معاویہؓ کے اخیر عہد یا یزید کے ابتدائی زمانہ میں وفات پائی۔
اہل و عیال..... عقیلؑ نے مختلف اوقات میں متعدد شادیاں کیں، ان کی بیوی اور اولادوں کے نام یہ ہیں۔

بیوی	اولاد
ام سعید	یزید، سعید
خلیلہ	علی، محمد، رملہ
ام بنین	جعفر، اکبر، ابوسعید، احوں
ام ولد	
اسماء بنت سفیان	مسلم، عبداللہ، عبدالرحمن، عبداللہ، الاضر

ان کے علاوہ جعفر، اصغر، حمزہ، عثمان، ام ہانی، اسماء، فاطمہ، ام قاسم، زینب اور ام نعمان وغیرہ مختلف لونڈیوں کے بطن سے تھیں۔

ذریعہ معاش آنحضرت ﷺ نے خیبر کی پیداوار سے ڈیڑھ سو سوئق سالانہ مقرر فرمایا تھا۔

استعداد علمی ہجرت کے بعد پھر مکہ لوٹ گئے تھے اور عرصہ تک وہاں مقیم رہے، اس لئے صحبت نبوی سے فیضیاب ہونے کا بہت کم موقع ملا، اسی لئے رسول کے عزیز ہونے کی حیثیت سے علم میں ان کا جو پایہ ہونا چاہیے تھا، وہ نہ پیدا ہو سکا، تاہم حدیث کی کتابوں میں ان کی دو چار روایتیں موجود ہیں، محمد حسن بصری اور عطا آلکے زمرہ رواۃ میں ہیں۔

مذہبی علوم کے علاوہ جاہلی میں ممتاز حیثیت رکھتے تھے، چنانچہ علم الانساب کے جو عربوں کا خاص علم تھا، بڑے ماہر تھے، ایام عرب کی داستانیں بھی ان کو از بر تھیں اور ان علوم میں لوگ ان سے استفادہ کرتے تھے، چنانچہ مسجد نبوی میں نماز کے بعد بیٹھتے تھے اور لوگ ان سے استفادہ ہوتے تھے۔

آنحضرت ﷺ کی محبت آنحضرت ﷺ ان سے بہت محبت کرتے تھے، فرمایا کرتے تھے کہ ابو زید مجھ کو تمہارے ساتھ دوہری محبت ہے، اسی قرابت کے سبب سے، دوسری اس وجہ سے کہ میرے چچا تم کو محبوب رکھتے تھے۔

پابندی سنت عقیل شادی و مسرت کے موقعوں پر بھی جبکہ لوگ عموماً کچھ نہ کچھ بے اعتدالی کر جاتے ہیں مسنون طریقوں کا لحاظ رکھتے تھے، ایک مرتبہ نئی شادی کی، صبح کو احباب مبارک باد دینے آئے اور عرب کے قدیم دستور کے مطابق ان الفاظ میں تہنیت پیش کی کہ "بالرفاء والبنین" اگرچہ ان الفاظ میں کوئی خاص قباحت نہیں تھی، لیکن چونکہ مسنون طریقہ تہنیت موجود تھا، اس لئے کہا کہ یہ نہ کہو بلکہ، "بارک اللہ لک و بارک اللہ علیک" کہو کہ ہم کو اسی کا حکم ملا ہے۔

حضرت نوفل بن حارثؓ

نام و نسب نوفل نام، ابو حارث کنیت، نسب نامہ یہ ہے، نوفل بن حارث بن عبد المطلب ابن ہاشم بن عبد مناف بن قصی قرشی ہاشمی، ماں کا نام غزیہ تھا، نانہالی شجرہ یہ ہے، غزیہ بنت قیس بن طریف بن عبد العزیٰ بن عامرہ بن عمیرہ بن ودیعہ بن حارث بن فہر، نوفل، آنحضرت ﷺ کے چچا زاد بھائی تھے۔

بدر دعوت اسلام کے زمانہ میں آنحضرت ﷺ کے عزیز قریب بھی آپ کے دشمن ہو گئے تھے، لیکن نوفل کے خون میں ہمیشہ یکساں برادرانہ محبت قائم رہی، چنانچہ حالت شرک میں بھی آپ سے مقابلہ کرنا پسند نہ کرتے تھے، بدر میں جب طوعاً و کرہاً مشرکین کے ساتھ مسلمانوں کے مقابلہ کو نکلے، اس وقت یہ پر خلوص اشعار و رد زبان تھے۔

حرام علی حرب احمد انسی

اری احمد انسی قریبا و اصرہ

مجھ پر احمد سے جنگ کرنا حرام ہے وہ میرے قریبی عزیز ہیں

اسلام بدر میں جب مشرکین کو شکست ہوئی تو دوسرے قیدیوں کے ساتھ یہ بھی گرفتار ہوئے، آنحضرت ﷺ نے فرمایا، نوفل فدیہ دے کر رہا ہو جاؤ، عرض کی یا رسول اللہ! میرے پاس فدیہ کے لائق کوئی چیز نہیں، فرمایا جِدہ والے نیزے فدیہ میں دو، اس کے جواب میں انہوں نے آپ کی رسالت کا اعتراف کیا اور ہزار نیزے فدیہ میں پیش کیے اور ذیل کے اشعار میں اپنے خیالات کا اظہار کیا۔

الیکم الیکم انسی لست منکم

تبرأت من دین الشیوخ الا کابر

اور ہو، دور ہو، میں تمہاری جماعت میں نہیں ہوں، میں قریش کے بڑے

بزرگوں کے دین سے بیزار ہوں۔

شہدت علی ان السیسی محمد

اتی بالہدی من ربہ و البصائر

میں نے شہادت دی ہے کہ محمد نبی ہیں اور خدا کی جانب سے وہ ہدایت اور بصیرت لائے ہیں۔

و ان رسول اللہ یدعوا الی التقی
و ان رسول اللہ لیس لشاعر
اور رسول اللہ تقویٰ کی طرف بلاتے ہیں اور رسول اللہ شاعر نہیں ہیں۔

علی ذلک احی ثم لیث موقفا
وائوی علیہ میتافی المقابر

میں اسی پر زندہ رہوں گا اور اسی پر میں قبر میں موت کی حالت میں سوؤں گا اور
پھر اسی پر قیامت کے دن اٹھوں گا۔

اسلام کے بعد پھر مکہ واپس چلے گئے، غزوہ خندق یا فتح مکہ کے زمانہ میں حضرت عباسؓ
کے ساتھ مدینہ کے قصد سے روانہ ہوئے، ابواء پہنچ کر ربیعہ بن حارث بن عبدالمطلب نے
لوٹنے کا ارادہ کیا، نوفلؓ نے کہا، اس شرک کدہ میں کہاں جاتے ہو، جہاں کے آدمی رسول اللہ
سے لڑتے اور ان کی تکذیب کرتے ہیں، اب خدا نے رسول ﷺ کو عزت دی ہے، اور ان کے
ساتھی بھی زیادہ ہو گئے ہیں، ہمارے ساتھ چلے چلو، چنانچہ یہ قافلہ ہجرت کر کے مدینہ پہنچا۔
نوفل اور عباسؓ سے قدیم تعلقات تھے، اس لیے آنحضرت ﷺ نے ان دونوں میں
مواخات کرادی اور قیام کے لیے دو مکان مرحمت فرمائے، ایک مکان رحۃ القضا میں مسجد نبویؐ
کے متصل تھا اور دوسرا بازار میں تیدۃ الوداع کے راستہ پر۔۲

غزوات..... مدینہ آنے کے بعد سب سے پہلے فتح مکہ میں شریک ہوئے، پھر طائف و حنین
وغیرہ میں داد شجاعت دی، خصوصاً حنین میں نہایت شجاعت و پامردی سے مقابلہ کیا اور اس وقت
بھی جب مسلمانوں کی صفیں درہم برہم ہو گئیں اور وہ بے ترتیب ہو گئے ان کے پائے ثبات میں
لغزش نہ آئی، ۳ اس غزوہ میں انہوں نے مسلمانوں کی بڑی گراں قدر مدد کی تھی، ۳ ہزار نیزے
آنحضرت ﷺ کی خدمت میں پیش کیے، آپ نے مدحیہ فرمایا ”میں دیکھ رہا ہوں کہ تمہارے
نیزے مشرکوں کی پیٹھ توڑ رہے ہیں۔“

وفات..... حضرت عمرؓ کے خلیفہ ہونے کے ایک سال ۳ ماہ بعد مدینہ میں وفات پائی حضرت
عمرؓ نے نماز جنازہ پڑھائی اور جنت البقیع میں سپرد خاک کیا۔۴

اولاد..... وفات کے بعد متعدد اولادیں چھوڑیں، عبد اللہ، عبد الرحمن ربیعہ، سعید، مغیرہ، نوفل
کی اولاد مدینہ، بصرہ اور بغداد میں بکثرت پھیلی، عبد اللہ، امیر معاویہؓ کے زمانہ میں مدینہ کے

۱ ابن سعد جز ۲، ق ۳۰ ص ۳۰

۲ اسد الغابہ جلد ۵ ص ۴۶

۳ مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۲۴۶

۴ ابن سعد جز ۲، ق ۳۱ ص ۳۱

قاضی اور سعید فقیہ تھے۔۱

عام حالات:

آنحضرت ﷺ وقتاً فوقتاً ان کی خبر گیری فرمایا کرتے تھے، ان کو شادی کی ضرورت ہوئی تو آنحضرت ﷺ نے ایک عورت سے شادی کرا دی، ان کے پاس کھانے پینے کا کوئی سامان نہ تھا، آنحضرت ﷺ نے ابورافع اور ابویوب کے ہاتھ اپنی زرہ ایک یہودی کے پاس رہن رکھی اور اسکے بدلے میں صاع جو لے کر عطا کی۔۲

حضرت فضل بن عباسؓ

نام و نسب..... فضل نام، ابو محمد کنیت، ”ہم رکاب رسول“ لقب، سلسلہ نسب یہ ہے، فضل ابن عباس بن عبد المطلب بن ہاشم بن عبد مناف بن قصی، ماں کا نام لبابہ تھا، آنحضرت ﷺ کے چچا زاد بھائی تھے۔

اسلام..... بدر کے قبل مشرف باسلام ہوئے، اس زمانہ میں ان کا پورا گھر اسلام سے منور ہو چکا تھا، لیکن مشرکین کے خوف سے اعلان نہیں کیا تھا۔^۱
ہجرت..... فتح مکہ کے کچھ دنوں پہلے اپنے والد بزرگوار حضرت عباس کے ساتھ ہجرت کی۔ غزوہٴ اُت..... ہجرت کے بعد غزوہٴ فتح ہوا، سب سے پہلے اسی غزوہ میں فضل شریک ہوئے۔ اس کے بعد حنین کا معرکہ پیش آیا، اس میں غیر معمولی جان فروشی دکھائی، اور مسلمانوں کی ابتدائی شکست میں جب فوج کا بڑا حصہ منتشر ہو گیا، ان کے پاسے استقلال میں لغزش نہ آئی اور بدستور پیکر اقدس کے ساتھ جبرے رہے۔^۲

پھر حجۃ الوداع میں آنحضرت ﷺ کے ساتھ اس شان سے نکلے کہ آپ کی سواری پر سوار تھے، اسی دن سے ”ردف رسول“ یعنی ہم رکاب رسول لقب ہو گیا، اسی درمیان میں قبیلہ خثعم کی ایک نوجوان اور خوبصورت عورت حج کے متعلق ایک مسئلہ پوچھنے آئی، حج میں منہ چھپانا عورتوں کے لیے درست نہیں، اس لیے اس کا چہرہ کھلا ہوا تھا، فضل بھی نہایت خوش رو تھے، وہ ان کی طرف گھورنے لگی اور یہ بھی اس کو دیکھنے لگے آنحضرت ﷺ بار بار ان کا چہرہ دوسری طرف پھیر دیتے تھے، مگر یہ پھر اس کی طرف رخ کر دیتے آخر میں آپ نے فرمایا، ”برادر عزیز! آج کے دن جو شخص آنکھ، کان اور زبان پر قابو رکھے گا اس کے تمام گناہ معاف کر دیئے جائیں گے“ یہی جہار کے وقت آنحضرت ﷺ کی پشت پر چادر آڑ کیے ہوئے سایہ کیے کھڑے تھے۔^۳

آخری سعادت..... فضلؓ نے آنحضرت ﷺ کی آخری خدمت کی سعادت بھی حاصل کی، آپ نے مرض الموت میں جو آخری خطبہ دیا تھا، اس کے لیے دو سعادت مندوں کے

۱۔ ابن سعد جز ۴ ق ۳ ص ۳۷،

۲۔ مسند احمد بن حنبل بروایت ابو رافع،

۳۔ ابن سعد جز ۴ ق ۳ ص ۳۷،

۴۔ ابن سعد جز ۴ ق ۳ ص ۳۷ تھوڑے تغیر کے ساتھ یہ واقعہ بخاری کتاب العمرہ باب حج المرأة میں بھی مذکور ہے،

۵۔ ابوداؤد ج ۱ ص ۹۶

سہارے زنا خانہ سے باہر تشریف لائے تھے، ان میں سے ایک حضرت فضل تھے، اور ان ہی کے ذریعہ سے مسلمانوں میں خطبہ دینے کا اعلان کرایا تھا، اسب سے آخری سعادت جسدا طہر کے غسل کی حاصل ہوئی، چنانچہ جن لوگوں نے آپؐ کو غسل دیا تھا، ان میں ایک فضل بھی تھے، وہ پانی ڈالتے تھے اور حضرت علیؑ نہلاتے تھے۔۲

وفات آپ کی وفات کے بارہ میں مختلف روایتیں ہیں، بعض کہتے ہیں کہ شام میں طاعون عمواس میں وفات پائی، بعض کا خیال ہے کہ اجنادین کے معرکہ میں شہید ہوئے، دوسری روایت زیادہ مستند ہے، امام بخاری نے بھی اس پر اعتماد کیا ہے۔۳

حلیہ نہایت حسین و جمیل تھے۔۴

اہل و عیال اولاد میں صرف ام مکتوم تھیں، جن کے ساتھ بعد میں حضرت حسنؑ نے شادی کی اور ان کی طلاق کے بعد ابو موسیٰ اشعرؓ کے عقد میں آئیں۔۵

فضل و کمال فضل بن عباسؓ سے ۲۴ حدیثیں مروی ہیں، ان میں ۳ متفق علیہ ہیں، ۶ اکابر صحابہ میں ابن عباسؓ، اور ابو ہریرہؓ اور عام لوگوں میں کریم بن عباس بن عبید اللہ ربیعہ بن حارث، عمیر، ابوسعید، سلیمان بن یاسر، شععی، عطاء بن ربیع، وغیرہ نے روایتیں کی ہیں۔۶

۲ استیعاب جلد ۲ ص ۵۳۵،

۳ ایضاً،

۴ تہذیب الکمال ص ۳۰۹،

۱۱ ص ۵ ج ۲، ۲۱۲،

۱۲ ص ۵ ج ۲، ۲۱۲،

۱۵ استیعاب جلد ۲ ص ۵۳۵،

۱۶ تہذیب الکمال ج ۳ ص ۲۸۰،

حضرت طلیب بن عمیرؓ

نام و نسب..... طلیب نام، ابوعدی کنیت، سلسلہ نسب یہ ہے، طلیب بن عمیر بن وہب بن عبد بن قصی بن کلاب بن مرہ قرشی عبدری، آپ کی ماں اروی عبدالمطلب کی لڑکی اور آنحضرت ﷺ کی پھوپھی تھیں۔

اسلام..... آنحضرت ﷺ کے ارقم کے گھر میں پناہ گزین ہونے کے بعد دولت اسلام سے بہرہ ور ہوئے، قبول اسلام کے بعد گھر اور ماں سے کہا ”میں خلوص دل سے اسلام لا کر محمدؐ کا پیرو ہو گیا ہوں“، ان نیک خاتون نے جواب دیا کہ تمہارے بھائی غیروں سے زیادہ تمہاری مدد کے مستحق ہیں، اگر مجھ میں مردوں جیسی قوت ہوتی تو ان کو کفار کی دراز دستیوں سے بچاتی، ماں کے اس شریفانہ جذبات کو سن کر کہا کہ پھر آپ کو اسلام لانے سے کیا چیز روکتی ہے، آپ کے بھائی حمزہ بھی اسلام لا چکے تھے، بولیں مجھ کو اپنی بہنوں کا انتظار ہے کہ وہ کیا کرتی ہیں، ان کے بعد میں بھی ان ہی کی پیروی کروں گی، طلیب نے اصرار کیا کہ میں آپ کو خدا کا واسطہ دلاتا ہوں، آپ محمدؐ کے پاس چلیے اور ان کی رسالت اور خدا کی توحید کا قرار کیجئے۔

ماں کا اسلام..... ان خاتون کا دل شروع سے آنحضرت ﷺ کی جانب مائل تھا، اس لیے اس اصرار پر انکار کی ہمت نہ ہوئی اور اسی وقت کلمہ توحید زبان پر جاری ہو گیا۔

اروی عورت تھیں مگر اسلام کے بعد مردانہ ہمت و استقلال کے ساتھ آنحضرت ﷺ کی امکانی مدد کرتی رہیں، نسائیت کی وجہ سے عملی امداد سے تو مجبور تھیں، مگر زبان سے جو کچھ بن پڑتا تھا، کہتی تھیں اور اپنے فرزند کو آنحضرت ﷺ کی امداد و اعانت پر آمادہ کرتی تھیں۔

آنحضرت ﷺ کی مدد..... ابتدائے اسلام میں جب آنحضرت ﷺ پر ظلم و ستم کی بجلیاں گرج گرج کر برستی تھیں، طلیبؓ آنحضرت ﷺ کی حمایت کرتے تھے، مشرکین نے حضور انورؐ کی ایذا رسانی کو اپنا مستقل شیوہ بنالیا تھا، ایک مرتبہ عوف بن صبرہ سہمی آپ کی شان میں ناروا الفاظ استعمال کر رہا تھا، طلیبؓ نے اس کو اونٹ کی ہڈی سے مار کر زخمی کر دیا تھا، لوگوں نے ان کی ماں سے شکایت کی، ان نیک خاتون نے جواب دیا۔

ان طلیبانصر ابن خالہ

واساہ فی دمہ و مالہ

طلیب نے اپنے ماموں کے بیٹے کی مدد کی اور اس کے خون اور اس کے مال کی غمخواری کی۔

ایک مرتبہ ابواہاب بن عزیز داری کو قریش نے آنحضرت ﷺ کے مارنے پر آمادہ کیا، مگر قبل اس کے کہ وہ یہ ناپاک ارادہ پورا کرتا، حضرت تلیبؓ سے ملاقات ہو گئی، آپ نے اس کے ارادہ فاسد کو اسی کے ساتھ پورا کر دکھایا۔

مشرکین کا سرغنہ ابولہب جو مسلمانوں کی ایذا رسانی میں سب سے آگے رہتا تھا، ان کا حقیقی ماموں تھا، جب اس نے مسلمانوں کو قید کیا تو تلیبؓ نے اس کو مارنے میں بھی دریغ نہ کیا، اس جرأت پر مشرکین نے ان کو باندھ دیا، لیکن ابولہب کے بھانجے تھے، اس لیے اس نے خود چھوڑ دیا اور اپنی بہن سے شکایت کی، انہوں نے جواب دیا کہ تلیب کی زندگی کا بہترین دن وہی ہے، جس میں وہ محمدؐ کی مدد کریں۔

ہجرت و مواخات..... کفار مکہ کے ظلم و ستم کا مقابلہ کرنا آسان نہ تھا، اس لیے ہجرت ثانیہ میں حبشہ چلے گئے، وہاں سے مدینہ آئے عبداللہ بن سلمہ عجلانی کے مہمان ہوئے۔^۱
بدر..... جس شخص نے ظلم و ستم کی گھٹاؤں میں رسول ﷺ کی علانیہ مدد کی وہ آزادی ملنے کے بعد کب خاموش رہ سکتا تھا، اس لیے مدینہ آنے کے بعد سب سے پہلے معرکہ بدر عظمیٰ میں شریک ہو کر حق شجاعت ادا کیا۔^۲

وفات..... بدر کے بعد سے وفات تک کے حالات پردہ میں ہیں، لیکن قرآن سے معلوم ہوتا ہے کہ زندگی بھر جہاد میں شریک ہوتے رہے، چنانچہ اسی سلسلہ میں اجنادین کی جنگ میں جمادی الاولیٰ ۱۳ھ میں شہادت پائی، وفات کے وقت کل ۵۳ سال کی عمر تھی، اولاد کوئی نہ تھی۔^۳

۱۔ اصحاب جلد ۳ ص ۲۹۵۔

۲۔ ابن سعد جز ۴ ق ۸ ص ۸۷۔

۳۔ استیعاب جلد ۱ ص ۲۱۶۔

۴۔ ابن سعد جلد ۳ ص ۸۷ ق اول۔

حضرت ثوبانؓ

نام و نسب..... ثوبان نام، ابو عبد اللہ کنیت، خاندانی تعلق یمن کے مشہور حمیری خاندان سے تھا، غلام تھے، آنحضرت ﷺ نے خرید کر آزاد کر دیا، اور فرمایا دل چاہے اپنے خاندان کے پاس چلے جاؤ اور دل چاہے میرے ساتھ رہو، میرے ساتھ رہو گے تو اہل بیت میں شمار ہوگا، انہوں نے خدمت نبویؐ کی حاضری کو اہل خاندان پر ترجیح دی اور زندگی بھر خلوت جلوت میں آپ کے ساتھ رہے۔

آپ کی وفات کے کچھ دنوں بعد تک مدینہ ہی میں مقیم رہے، لیکن آقا کے سانحہ رحلت نے گلشن مدینہ کو خار بنا دیا، اس لئے یہاں کا قیام چھوڑ کر رملہ (شام) میں اقامت اختیار کر لی اور مصر کے فتوحات میں شریک ہوتے رہے، پھر رملہ سے منتقل ہو کر حمص میں گھر بنا لیا، اور یہیں ۵۳ھ میں وفات پائی۔

فضل و کمال..... ثوبان رسول اللہ ﷺ کے خادم خاص تھے اور ان کو خلوت و جلوت ہر وقت ساتھ رہنے کا موقع ملتا تھا، اس لئے قدرۃ وہ علوم نبوی سے زیادہ بہرہ ور ہوئے، چنانچہ ان سے ۱۲۷ حدیثیں مروی ہیں، وہ حفظ حدیث کے ساتھ اس کی اشاعت کا فرض بھی ادا کرتے تھے، علامہ ابن عبد البر لکھتے ہیں کہ ثوبان ان لوگوں میں تھے جنہوں نے حدیثیں حفظ کیں اور اسی کے ساتھ ان کی اشاعت بھی کی۔

آپ کے حفظ حدیث کی بنا پر لوگ آپ سے حدیثیں سنتے تھے، ایک مرتبہ لوگوں نے حدیث سننے کی خواہش کی، آپ نے فرمایا جو مسلمان خدا کے لئے ایک سجدہ کرتا ہے، خدا اس کا ایک درجہ بلند کرتا ہے اور اس کی خطاؤں سے درگزر کرتا ہے۔

محدثین دوسروں سے سنی ہوئی حدیثوں کی تصدیق ان سے چاہتے تھے، معدان بن طلحہ نے جو بلند پایہ محدث تھے، حضرت ابو درداءؓ سے ایک حدیث سنی تو ثوبان سے اس کی تصدیق کی، آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد جو جماعت صاحب علم و افتاء تھی، اس کے ایک رکن یہ بھی تھے۔ ان کے تلامذہ کا دائرہ بھی وسیع تھا، معدان بن طلحہ، راشد بن سعد، جبیر بن نفیر، عبد الرحمن

۱۔ اسد الغابہ جلد ۱ ص ۲۳۹، و مستدرک حاکم جلد ۵ ص ۴۸۱،

۲۔ استیعاب جلد اول ص ۸۱ وفات کا ذکر مستدرک میں ہے،

۳۔ مسند احمد بن حنبل ج ۵ ص ۲۷۶،

۴۔ ایضاً،

۵۔ اعلام الموقعین ج ۱ ص ۹۵،

۶۔ ابوداؤد ج اول ص ۳۷،

بن عتیم، ابودریس خولانی، آپ کے خوشہ چینوں میں تھے۔
اخلاق و عادات..... ان کو احترام نبویؐ میں اتنا غلو تھا کہ غیر مسلموں سے بھی کوئی لفظ ایسا نہیں سن سکتے تھے، جس سے ذرا بھی نبوت کے احترام کو صدمہ پہنچتا ہو، ایک مرتبہ ایک یہودی عالم نے آکر السلام علیک یا محمدؐ! کہا تو بانؑ بگڑ گئے اور اس زور سے اس کو دھکا دیا کہ وہ گرتے گرتے بچا، اس نے سنبھل کر اس برہمی کا سبب پوچھا بولے تو نے یا رسول اللہ! کیوں نہ کہا وہ بولا، اس میں کیا گناہ تھا کہ میں نے ان کا خاندانی نام لیا، آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہاں میرا خاندانی نام محمدؐ ہے۔

نبوت کا احترام تو بڑی چیز ہے، ثوبانؓ آپ کے ساتھ اپنی غلامی کی نسبت کا بھی احترام کرتے تھے، اگر کوئی شخص اس میں ذرا کمی کرتا تو متنبہ کرتے تھے، حمص کے قیام کے زمانہ میں بیمار ہوئے، یہاں کا والی عبداللہ بن قرط از دی عیادت کرنے نہیں آیا، آپ نے اس کو ایک رقعہ لکھوایا کہ اگر موسیٰ اور عیسیٰ کا غلام تمہارے یہاں ہوتا، تو تم اس کی عیادت کرتے، والی کو یہ رقعہ ملا تو اس بدحواسی کے ساتھ گھر سے نکلا کہ لوگ سمجھے کوئی غیر معمولی واقعہ پیش آگیا۔ اسی حالت میں آپ کے گھر پہنچا اور دیر تک بیٹھا رہا۔

پاس فرمان رسول..... آنحضرت ﷺ کے فرمان کا اس قدر لحاظ کرتے تھے، کہ جو حکم آپ نے دے دیا وہ ہمیشہ جان کے ساتھ رہا اور ہر اس کام سے احتراز کرتے رہے جس میں آپ کی عدول حکمی کا کوئی خفیف سا بھی پہلو نکلتا ہو ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ نے ان سے فرمایا تھا کہ کبھی کسی سے سوال نہ کرنا، اس حکم کے بعد عمر بھر کبھی کسی کے سامنے دست سوال نہ دراز کیا، حتیٰ کہ اگر سواری کی حالت میں کوڑا ہاتھ سے چھوٹ جاتا تو خود اتر کے اٹھاتے مگر کسی کو اٹھانے کو نہ کہتے۔

۲ مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۴۸۱،

۱ تہذیب التہذیب جلد ۲ ص ۳۱،

۳ مسند احمد بن حنبل جلد ۵ ص ۴۸۰،

۵ ایضاً ص ۲۷،

۴ مسند احمد بن حنبل جلد ۵ ص ۴۸۰،

حضرت عمرو بن عبسہؓ

نام و نسب عمرو نام ابوخیج کنیت، سلسلہ نسب یہ ہے، عمرو بن عبسہ بن عامر بن خالد بن غاضرہ ابن عتاب ابن امراؤ القیس، ماں کا نام رملہ بنت وقیعہ تھا، یہ خاتون قبیلہ بنی حزام سے تھیں، عمرو مشہور صحابی حضرت ابوذر عفراریؓ کے ماں جائے بھائی تھے۔

اسلام عمرو ابتدا ہی سے سلیم الفطرت تھے، چنانچہ زمانہ جاہلیت میں جب کہ سارا عرب بت پرستی میں مبتلا تھا، ان کو اس سے نفرت تھی اور بت پرستوں کو گمراہ سمجھتے تھے، بعثت نبویؐ کی خبر پا کر مکہ آئے، اس وقت آنحضرت ﷺ مشرکین کے معاندانہ روش کے باعث علی الاعلان دعوت اسلام نہیں کرتے تھے، اس لئے عمرو بن عبسہؓ نے خفیہ طور پر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر سوال کیا، آپ کون ہیں؟ آنحضرت ﷺ نے فرمایا نبی ہوں، پوچھنا نبی کیا چیز ہے؟ فرمایا مجھ کو خدا نے بھیجا ہے، پوچھا کن تعلیمات کے ساتھ؟ فرمایا صلہ رحمی، بت شکنی اور توحید کے ساتھ پوچھا کسی اور نے بھی اس دعوت کو قبول کیا؟ فرمایا ایک غلام اور ایک آزاد نے اس وقت صدیق اکبرؓ اور سرخیل عشاق بلالؓ آپ کے ساتھ تھے، اس سوال و جواب کے بعد عرض کی، مجھ کو بھی خدا پرستوں کے زمرہ میں داخل کیجئے، میں آپ کے ساتھ ہی رہوں گا، فرمایا ایسی حالت میں جب کہ ہر چہار جانب سے میری مخالفت کے طوفان اٹھ رہے ہیں، میرے ساتھ کیسے رہ سکتے ہو اس وقت تم وطن واپس جاؤ، میرے ظہور کے بعد پھر چلے آنا۔

وطن کی واپسی غرض مشرف باسلام ہونے کے بعد حسب ارشاد نبویؐ وطن لوٹ گئے، اور آنے جانے والوں سے برابر حالات کا پتہ چلاتے رہے، اتفاق سے یثرب کے کچھ اشخاص آپ کے یہاں آ گئے، ان سے پوچھا کہ جو شخص مدینہ آیا ہے، اس کا کیا حال ہے انہوں نے کہا کہ لوگ جوق در جوق اس کی طرف لوٹ رہے ہیں، اس کی قوم نے تو اس کے قتل کر دینے کا تہیہ کر لیا تھا، مگر قتل نہ کر سکی، اب وہ مدینہ آ گیا ہے۔

ہجرت اس خبر کے بعد مدینہ روانہ ہو گئے اور آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنا تعارف کرایا، آپ نے فرمایا، میں نے تم کو پہچان لیا، تم مکہ میں مجھ سے ملے تھے، پھر کچھ صوم و صلوٰۃ کے مسائل وغیرہ دریافت کر کے وہیں مقیم ہو گئے۔

غزوات بدر، احد، خدیبیہ اور خیبر وغیرہ کے معرکے وطن کے زمانہ قیام میں ختم ہو چکے

تھے، سب سے پہلا غزوہ جس میں ابورہم شریک ہوئے فتح مکہ ہے، طائف میں بھی شرکت کا ایک روایت سے پتہ چلتا ہے، ان کا بیان ہے کہ طائف کے محاصرہ میں آنحضرت ﷺ نے فرمایا جو شخص خدا کے راستہ میں ایک تیر چلائے گا، اس کے لئے جنت میں ایک دروازہ کھل جائے گا، یہ بشارت سن کر میں نے ۱۶ تیر چلائے، طائف کے علاوہ اور کسی غزوہ کی شرکت کی تصریح نہیں ملتی، لیکن اس قدر معلوم ہوتا ہے کہ اس کے بعد بھی بعض غزوات میں شرکت کا شرف حاصل کیا۔ وفات زمانہ وفات صحت کے ساتھ نہیں بتایا جاسکتا، ارباب سیر قیاساً آخر عہد عثمانی بتاتے ہیں، چنانچہ صاحب اصابہ نے محض اس قیاس پر کہ یہ عہد عثمانی کے فتنوں اور معاویہ کے زمانہ میں کہیں نظر نہیں آتے، ان کا زمانہ وفات آخر عہد عثمانی لکھا ہے، لیکن مسند احمد بن حنبل میں سلیم بن عامر سے روایت ہے کہ امیر معاویہ اور رومیوں کے درمیان ایک معاہدہ ہوا تھا، جس کی رو سے امیر معاویہ ایک مدت معینہ تک ان پر حملہ نہیں کر سکتے تھے، چنانچہ یہ اس حساب سے حملہ کی تیاریاں کر کے چلے کہ رومیوں کی سرحد تک پہنچتے پہنچتے میعاد ختم ہو جانے کے ساتھ ہی فوراً حملہ کر دیا جائے، اس وقت حضرت عمرو بن عبسہؓ پکارتے پھرتے تھے، کہ وعدہ وفا کرو، دھوکہ نہ دو۔

اس روایت سے یہ احتمال ہوتا ہے کہ امیر معاویہ کے زمانہ تک زندہ تھے، لیکن اگر صاحب اصابہ کا قیاس صحیح مانا جائے تو یہ واقعہ اس عہد کا ہوگا، جب معاویہ عہد عثمانی میں شام کے گورنر تھے، کیوں کہ اس زمانہ میں بھی ان کے اور رومیوں کے درمیان نبرد آزمائیاں ہوتی رہتی تھیں۔ فضل و کمال عمرو بن عبسہؓ کو گو صحبت نبویؐ سے فیضیاب ہونے کا کم موقع ملا، تاہم جو لمحات بھی میسر آئے ان میں خوشہ چینی سے غافل نہ رہے، چنانچہ مدینہ آنے اور اپنا تعارف کرانے کے بعد سب سے پہلا سوال آنحضرت ﷺ سے یہی کیا کہ علمنی ما علمک اللہ آپ کو جو خدا نے سکھایا ہے، وہ تھوڑا مجھے بھی سکھائیے، اسی لئے اس قلیل مدت کے باوجود آپ کی ۲۸ روایتیں کتب حدیث میں موجود ہیں، اور آپ کے روات کے نام حسب ذیل ہیں، عبد اللہ بن مسعود، سہیل بن سعد، ابوامامہ باہلی، معدان بن ابی طلحہ، ابو عبد اللہ صابجی، شریل بن خط وغیرہ۔

حضرت ولید بن ولیدؓ

نام و نسب ولید نام، سلسلہ نسب یہ ہے، ولید بن ولید بن مغیرہ بن عبد اللہ بن عمر بن مخزوم القرظی، مشہور صحابی خالد بن ولیدؓ اور آپ ایک ہی ماں کے بطن سے تھے۔
 بدر کی شرکت اور گرفتاری بدر میں مسلمانوں کے خلاف مشرکین کے ساتھ لڑنے نکلے اور شکست کھا کر عبد اللہ بن جحش کے ہاتھوں گرفتار ہوئے، دونوں بھائی خالد بن ولیدؓ اور ہشام بن ولید چھڑانے کے لئے آئے، حضرت عبد اللہ بن جحش نے چار ہزار فدیہ طلب کیا، خالدؓ کو اتنی بڑی رقم دینے میں تردد ہوا، ہشام نے کہا تم کو کیا لاگ ہوگی، تم تو ان کے بھائی ہو نہیں، اگر عبد اللہ اس سے بھی زیادہ مانگیں تو بھی چھڑانا ہے، دوسری روایت یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے رہائی کے معاوضہ میں نقد کے بجائے ان کے والد کی زرہ، تلوار اور خود طلب کی، مجبوراً یہ قیمت بھی ادا کی، اور گلو خلاصی کے بعد بھائیوں کے ساتھ گھر روانہ ہو گئے، ذوالحلیفہ پہنچ کر بھاگ آئے، اور آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر مشرف باسلام ہو گئے، دوبارہ جب بھائی سے ملاقات ہوئی تو انہوں نے کہا، جب تم کو اسلام ہی لانا تھا تو پھر فدیہ کے قبل کیوں نہ مسلمان ہو گئے، خواہ مخواہ والد کی نشانیاں بھی ضائع ہوئیں اور کوئی نتیجہ نہ نکلا، کہا اس وقت اس لئے اسلام نہیں لایا کہ میں بھی اپنے قبیلہ کے لوگوں کی طرح فدیہ دے کر آزاد ہونا چاہتا تھا، تاکہ قریش کو یہ طعنہ دینے کا موقع نہ ملے کہ ولید فدیہ کے ڈر سے مسلمان ہو گیا۔

قید محن اسلام لانے کے بعد مکہ لوٹ گئے، راستہ میں بھائیوں نے تو کوئی تعرض نہ کیا مگر مکہ پہنچ کر دور سے بلا کشان اسلام کی طرح ان کو بھی قید کر دیا، اور عیاش بن ابی ربیعہؓ اور سلمہ بن ہشامؓ کے ساتھ طوق و سلاسل کی نگرانی میں دن کاٹنے لگے، بدر کے قبل آنحضرت ﷺ عیاش اور سلمہ کے لئے دعا فرماتے تھے، بدر کے بعد جب ولید قید ہوئے تو ان کے لئے بھی دعا فرمانے لگے۔

قید سے فرار عرصہ تک قید محن کی مصیبتیں جھیلتے رہے، ایک دن موقع پا کر نکل بھاگے اور سیدھے مدینہ پہنچے، آنحضرت ﷺ نے عیاش اور سلمہ کا حال پوچھا، عرض کیا ان پر بہت سختیاں ہو رہی ہیں، ایک بیڑی میں دونوں کے پیڑ ڈال دیئے گئے ہیں، فرمایا تم واپس جاؤ، وہاں کالو ہار اسلام قبول کر چکا ہے، اس کے یہاں ٹھہرو اور قریش سے آنکھ بچا کر خفیہ عیاش اور سلمہ کے پاس پہنچو اور ان سے کہو کہ میں رسول اللہ ﷺ کا فرستادہ ہوں میرے ساتھ نکل چلو،

ایک کارنامہ..... اس فرمان کے مطابق یہ مکہ پہنچے اور عیاش و سلمہ سے مل کر ان کو آنحضرت ﷺ کا پیام سنا دیا، یہ دونوں نکل کر ساتھ ہو گئے، قریش کو خبر ہوئی تو خالد بن ولید نے کچھ لوگوں کو لے کر تعاقب کیا، مگر ناکام رہے اور یہ مختصر قافلہ بخیر و خوبی مدینہ پہنچ گیا۔

عمرة القضاء اور خالد کا اسلام..... عمرة القضاء میں آنحضرت ﷺ کے ہمراہ تھے خالد اس وقت تک اسلام نہیں لائے تھے، اس لئے کہیں روپوش ہو گئے تھے، کہ آنحضرت ﷺ اور صحابہؓ کا سامنا نہ ہو، آپ نے ولیدؓ سے فرمایا اگر خالد میرے پاس آئے تو میں ان کا اعزاز و اکرام کرتا، مجھ کو سخت تعجب ہے کہ ان جیسے زریک و دانا شخص کے دل میں ابھی تک اسلام کا اثر نہیں ہوا، چنانچہ ولید نے خالدؓ کو خط لکھا، اس خط سے انکا دل اسلام کی طرف مائل ہو گیا، اور یہ میلان آئندہ چل کر اسلام کی شکل میں ظاہر ہوا۔

وفات..... وفات کے متعلق دو روایتیں ہیں، ایک یہ کہ جب مسلمہ اور ہشام کو چھڑا کر واپس ہو رہے تھے، تو مدینہ سے کچھ فاصلہ پر اس قسم کے صدمات پہنچے کہ مدینہ آتے آتے انتقال کر گئے لیکن اس باب سیر کا اس پر اتفاق ہے کہ آپ عمرة القضاء میں موجود تھے، علامہ ابن عبد البر لکھتے ہیں۔ و الصحیح انه شهد مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عمرة القضاء، اور عمرة القضاء کے آخر میں ہوا، اور اس روایت کی رو سے ان کا انتقال عمرة القضاء سے دو سال پہلے ۵ھ میں ماننا پڑے گا، کیونکہ ۲ھ کے آخر میں ایمان لائے اور اسلام کے بعد ہی بھائیوں نے قید کر دیا، جس کی مدت زیادہ سے زیادہ دو سال ہوگی، رہائی کے بعد فوراً حضرت سلمہ اور ہشام کو چھڑانے گئے، یہ کل مدت ۵ھ سے آگے نہیں بڑھتی دو سال حالت کفر کے، ڈیڑھ سال قید کے اور زیادہ سے زیادہ دو چار مہینہ سلمہ اور ہشام کے چھڑانے وغیرہ میں صرف ہوئے ہوں گے، ان کی مجموعی مدت ۵ھ سے آگے نہیں بڑھتی، اس لئے یہ روایت قطعاً غلط ہے، البتہ عمرة القضاء کے بعد زیادہ دنوں تک زندہ نہیں رہے اور یہ مسلم ہے کہ ۸ھ کے اندر ہی آپ کا انتقال ہو گیا تھا۔

ماں کی بیقراری..... آپ کے انتقال کے وقت آپ کی ماں زندہ تھیں، ان کے دل پر قیامت گذر گئی، یہ دل دور صدمہ ان کے لئے ناقابل برداشت تھا، اس لئے آنحضرت ﷺ نے ان کو ماتم کرنے کی مخصوص اجازت دے دی تھی، اور وہ نہایت دل دوز لہجہ میں یہ مرثیہ پڑھتی تھیں جس کا ایک شعر یہ ہے۔

۱ ابن سعد جز ۴ ق ۱ ص ۹۷، ۹۸، واستیعاب ترجمہ ولید بن ولید۔

۲ اسد الغابہ جلد ۵ ص ۹۳،

۳ استیعاب جلد ۲ ص ۶۲۰،

۴ ابن سعد جز ۴ ق ۱ ص ۹۸

۵ ابن سعد جز ۴ ق ۱ ص ۹۸

یا عین فابکی للولید بن الولید بن المغیرہ
 کان الولید بن الولید فسی العشیرة
 اے آنکھو! اس ولید کی یاد پر اشکبار ہو، جو شجاعت اور بہادری میں اپنے باپ
 کی مثل خاندان کا ہیرو تھا۔
 آنحضرت ﷺ نے سنا تو فرمایا یہ نہ کہو بلکہ قرآن کی یہ آیت تلاوت کرو
 وجئت سكرة الموت بالحق ذلك ما كنت منه تحيد (ق. ۲)
 اور موت کی بے ہوشی ضرور آکر رہے گی اس وقت کہا جائے گا کہ یہ وہ ہے جس
 سے تو بھاگتا تھا۔

حضرت سلمہؓ بن ہشام

نام و نسب..... سلمہ نام، سلسلہ نسب یہ ہے، سلمہ بن ہشام بن مغیرہ بن عبد اللہ بن عمر المحزوم القرشی، ماں کا نام ضباعہ تھا، سلمہؓ مشہور دشمن اسلام ابو جہل کے بھائی تھے۔
اسلام، ہجرت اور شہدائے..... دعوت اسلام کے ابتدائی زمانہ میں مشرف باسلام ہوئے اور ہجرت کر کے حبشہ گئے، لیکن کچھ دنوں کے بعد اہل مکہ کے اسلام کی غلط خبر سن کر دوسرے مہاجرین کے ساتھ واپس آ گئے، اس خبر کی تردید کے بعد اور لوگ تو واپس چلے گئے، لیکن ان کو ابو جہل نے نہ جانے دیا اور طرح طرح کی تکلیفیں پہنچانا شروع کیں، کھانا پینا بالکل بند کر دیا، مار پیٹ بھی کرتا تھا، لیکن یہ وہ نشہ نہ تھا جس کو سختی کی نئی اتار دیتی، اس لئے اس کی تمام کوششیں ناکام ہوئیں، ابھی اسلام بھی اتنا قوی نہیں ہوا تھا کہ آنحضرت ﷺ کچھ مدد فرماتے لیکن نماز کے بعد سلمہ اور ان کے ساتھیوں کے لئے دعا فرماتے تھے، کہ خدایا ولید بن ولید، سلمہ بن ہشام اور عیاش بن ربیعہ کو مشرکین مکہ کی سختیوں سے نجات دلا۔

رہائی اور ہجرت..... ولید کے حالات میں ان کے ذریعہ سلمہؓ کی رہائی اور ان کے مدینہ آنے کا واقعہ گزر چکا ہے۔

مغازی..... بدر کا معرکہ ان کی قید کے زمانہ میں ختم ہو چکا تھا، رہائی کے بعد اور تمام لڑائیوں میں برابر شریک ہوتے رہے، غزوہ موتہ میں جن صحابہ کرام کے پیر اکھڑ گئے تھے، ان میں ایک سلمہؓ بھی تھے، اس ندامت میں انہوں نے باہر نکلتا چھوڑ دیا، جب باہر نکلتے تو لوگ ”فرار“ بھگڑا کہہ کر طعنہ زنی کرتے تھے، لیکن رحمۃ للعالمین ”کرار“ حملہ آور کہہ کر حوصلہ افزائی فرماتے تھے۔

وفات..... عہد صدیقی میں شام کی فوج کشی میں شریک ہوئے، اسی سلسلہ میں حضرت عمرؓ کے عہد خلافت میں ۱۴ھ میں مرج روم کے معرکہ میں شہید ہو گئے۔

۱۱۔ اسد الغابہ جلد ۲ ص ۳۳۱، ۱۲۔ ابن سعد جز ۲ ق ۱ ص ۹۶،

۱۳۔ مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۲۵۲ و ابن سعد ص ۹۶،

۱۴۔ اسد الغابہ جلد ۲ ص ۳۲۰، ۱۵۔ اصحابہ جلد ۳ ص ۱۲۰،

۱۶۔ مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۲۵۲

حضرت عبداللہ بن سہیلؓ

نام و نسب عبداللہ نام، ابو سہیل کنیت، سلسلہ نسب یہ ہے، عبداللہ بن سہیل بن عمرو ابن عبدمنس بن عبدود بن نصر بن مالک بن حسل بن عامر بن لوی، ماں کا نام فاختہ تھا، نانہالی سلسلہ نسب یہ ہے، فاختہ بنت عامر بن نوفل بن عبد مناف بن قصی۔

اسلام و ہجرت دعوت اسلام کے ابتدائی زمانہ میں مشرف باسلام ہوئے ہجرت ثانیہ میں مہاجرین کے قافلہ کے ساتھ ہجرت کر کے حبشہ گئے۔

مکہ کی واپسی حبشہ سے مکہ واپس آئے، ان کے باپ تبدیل مذہب پر بہت غضبناک تھے، اس لئے قابو پانے کے بعد قید کر کے ارتداد پر مجبور کرنا شروع کر دیا، انہوں نے مصلحت وقت کے خیال سے بظاہر ان کا کہنا مان لیا، لیکن دل میں بدستور اسلام کی محبت قائم رہی۔

غزوات ہجرت عظمیٰ کے بعد مشرکین مکہ بڑے اہتمام سے مسلمانوں کا استیصال کرنے نکلے عبداللہؓ بھی اپنے والد کے ساتھ مشرکین کے گروہ میں تھے، والد مطمئن تھے کہ اطاعت شعار بیٹا کہنے میں آگیا، یہ نہ معلوم تھا کہ مذہب کی چنگاریاں اندر ہی اندر سلگ رہی ہیں جو موقع پاتے ہی بھڑک اٹھیں گی، چنانچہ جب جنگ کی تیاریاں شروع ہوئی تو عبداللہؓ موقع پا کر نکل گئے اور اسلامی فوج میں آکر شامل ہو گئے، اس وقت والد پر حقیقت حال واضح ہوئی، لیکن اب تیرکمان سے نکل چکا تھا، اس لئے خاموش رہے اور عبداللہؓ باطمینان مشرکین کے مقابلہ میں نبرد آزما ہوئے۔

اس کے بعد احد، خندق اور صلح حدیبیہ وغیرہ میں برابر شریک رہے، فتح مکہ میں جب کفار کی قوتیں ٹوٹ چکیں اور ہمتیں پست ہو گئیں اور ان کے لئے سوائے دامن رحمت کے کئی جائے پناہ باقی نہ رہی، عبداللہؓ کے والد کا نام بھی مجرموں کی فہرست میں تھا، اب ان کے لئے بجز روپوشی کے کوئی چارہ نہ تھا، اس لئے گھر میں گھس کر اندر سے کواڑے بند کر لئے اور عبداللہؓ سے کہلا بھیجا کہ آنحضرت ﷺ سے میری جان بخشی کراؤ، ورنہ میں قتل کر دیا جاؤں گا، سعادت مند لڑکا خدمت نبوی ﷺ میں حاضر ہو کر عرض گزار ہوا، یا رسول اللہ! میرے والد کو امان دے دیجئے رحمت عالم

نے فرمایا وہ خدا کی امان میں ہیں اطمینان سے گھومیں پھر میں اور حاضرین سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ تم میں جو شخص ان سے ملے تو سختی سے نہ پیش آئے، خدا کی قسم، وہ صاحب عقل و شرف ہیں، ان کے جیسا زریک آدمی اسلام سے ناواقف نہیں رہ سکتا ہے۔

جنگ یمامہ اور شہادت خلافت صدیقی ۱۲ھ میں جنگ یمامہ میں شریک ہوئے، اور جواث کے معرکہ میں شہید ہوئے، اس وقت ان کی عمر کل ۳۸ سال کی تھی، اور ان کے والد سہیل زندہ تھے، حضرت ابو بکرؓ نے عبداللہ کی شہادت پر تعزیت فرمائی اس پر انہوں نے کہا ”میں نے سنا ہے شہید اپنے گھرانے کے ستر آدمیوں کی سفارش کر سکتا ہے، مجھ کو امید ہے کہ میرا شہید لخت جگر پہلے میری سفارش کرے گا“۔ ۲

حضرت معقیبؓ بن ابی فاطمہ دوسی

نام و نسب..... معقیبؓ نام، نسبی تعلق قبیلہ ازو سے تھا اور بنی عبد شمس کے حلیف تھے۔ ۱
اسلام و ہجرت..... دعوت اسلام کے ابتدائی زمانہ میں مشرف باسلام ہوئے اور ہجرت
ثانیہ میں ہجرت کر کے حبشہ گئے، وہاں سے خیبر کے زمانہ میں مدینہ آئے۔ ۲
غزوات..... مدینہ آنے کے بعد تمام لڑائیوں میں شریک ہوتے رہے، بعض روایتوں سے
بدر اور بیعت رضوان کی شرکت کا شرف بھی ثابت ہوتا ہے، اس اعتبار سے وہ خیبر سے بھی پہلے
مدینہ آچکے تھے، لیکن صحیح روایت یہی ہے کہ خیبر کے بعد مدینہ آئے اور بدر و خیبر میں شریک نہیں
ہوئے، ابن سعد نے بھی ان کو صحابہ کرام کے اسی زمرہ میں لکھا ہے، جو قدیم الاسلام تو تھے، لیکن
بدر میں شریک نہیں رہے۔

عہدِ شیعین..... آنحضرت ﷺ کی زندگی میں خاتم رسالت ان ہی کے پاس رہتی تھی،
آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد حضرت ابوبکرؓ عمرؓ خاتم بردار کی حیثیت سے ان کا خاص لحاظ
کرتے تھے، چنانچہ دونوں بزرگوں کے عہد میں مالیات کا صیغہ ان کے متعلق رہا، اور بیت المال
میں خازن کے عہدہ پر ممتاز تھے۔ ۳

حضرت عمرؓ کو ان سے بہت محبت تھی، ان کو جذام کی شکایت ہو گئی تھی حضرت عمرؓ نے علاج
میں کوئی دقیقہ نہیں اٹھا رکھا، جہاں مشہور اطباء کا پتا چلتا تھا، بلا کر علاج کراتے تھے، لیکن کوئی فائدہ
نہ ہوتا تھا، آخر میں دو یمنی طبیعوں سے علاج کرایا جس سے مرض تو زائل نہیں ہوا، البتہ آئندہ
بڑھنے کا خطرہ باقی نہ رہا، عموماً لوگ جذامی آدمیوں کے ساتھ کھانے پینے سے پرہیز کرتے ہیں،
لیکن حضرت عمرؓ ان کو اپنے ساتھ دسترخوان پر بٹھاتے اور فرماتے کہ یہ طرز عمل تمہارے ساتھ
مخصوص ہے۔ ۴

عہد عثمانی اور وفات..... حضرت عمرؓ کے بعد حضرت عثمانؓ کا بھی وہی طرز عمل رہا اور غالباً
خاتم برداری کا قدیم منصب بھی ان ہی کے سپرد تھا، کیونکہ آنحضرت ﷺ کی انگوٹھی ان ہی کے
ہاتھ سے پیر معونہ میں گری تھی، ۵ اسی عہد کے آخر میں وفات پائی۔ ۶

۱۔ استیعاب ج ۱ ص ۲۹۰،

۲۔ ابن سعد جز ۴ ق ۱ ص ۷۸،

۳۔ اسد الغابہ ج ۲ ص ۴۰۳،

۴۔ ایضاً جز ۴ ق ۱ ص ۸۶،

۵۔ استیعاب ج ۱ ص ۲۹۰،

۶۔ مسلم ج ۲ ص ۲۱۴ مطبوعہ مصر،

اولاد..... آپ کی اولادوں میں صرف محمد بن معقیب کا پتہ چلتا ہے، انہوں نے آپ سے روایت بھی کی ہے۔

علمی حالت..... علمی حیثیت سے کوئی ممتاز شخصیت نہ تھی، تاہم نوشت و خواند میں پوری مہارت رکھتے تھے، چنانچہ حضرت عمرؓ نے جب اپنی املاک وقف کی تو اس وقف نامہ کی کتابت ان ہی نے کی تھی، ۱۲ احادیث نبوی کے خوشہ چین بھی تھے، چنانچہ ان کی متعدد روایات احادیث کی کتابوں میں موجود ہیں، ان میں دو متفق علیہ ہیں، اور ایک میں امام مسلم منفرد ہیں۔ ۳۱

حضرت عبداللہ بن حذافہ سہمی

نام و نسب عبداللہ نام، ابو حذیفہ کنیت، سلسلہ نسب یہ ہے، عبداللہ بن حذافہ بن قیس بن عدی بن سعد بن سہم بن عمرو بن حصیص بن کعب بن لوی قرشی سہمی۔
اسلام و ہجرت عبداللہ دعوت اسلام کی ابتدائی زمانہ میں مشرف باسلام ہوئے، اسلام لانے کے بعد عرصہ تک آنحضرت ﷺ کے ساتھ رہے، پھر مہاجرین کے دوسرے قافلہ کے ساتھ ہجرت کر کے حبشہ گئے۔ ۲

سفارت ۶ھ میں جب آنحضرت ﷺ نے قرب و جوار کے سلاطین کے پاس دعوت اسلام کے خطوط بھیجے تو شہنشاہ ایران کے پاس دعوت نامہ لے جانے کی خدمت ان کے سپرد ہوئی کہ اس کو ایرانی گورنر متعینہ بحرین تک پہنچادیں اور وہ اس کو دربار ایران بھیج دیں، انہوں نے اسکو امیر البحرین کے پاس بحفاظت پہنچا دیا۔ ۳

مغازی بدر کے علاوہ تمام غزوات میں شریک ہوئے، حضرت ابوسعید خدریؓ بدری بتاتے ہیں، لیکن موسیٰ بن عقبہ اور ابن سحیح وغیرہ تمام اسکے مخالف ہیں۔

امارت سر یہ آنحضرت ﷺ نے ان کو ایک سریہ کا امیر بنا کر بھیجا اور ماتحتوں کو ہدایت فرمادی کہ کسی بات میں ان کی عدول حکمی نہ کرنا، منزل مقصود پر پہنچ کر عبداللہ کو کسی بات پر غصہ آگیا اور مجاہدین سے کہا کیا تم لوگوں کو آنحضرت ﷺ نے میری اطاعت کا حکم نہیں دیا ہے، سب نے کہا ہاں دیا ہے، کہا اچھا! لکڑیاں جمع کر کے اس میں آگ دے دو اور پھاند پڑو، سب نے لکڑیاں جلائیں اور پھاند نے کو تھے کہ دفعۃً کسی خیال سے ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے، اور بعض لوگوں نے کہا ہم نے آگ سے بچنے کے لئے رسول ﷺ کی پیروی کی ہے، اور پھر خود وہی آگ میں کودیں، یہ مباحثہ یہاں تک جاری رہا کہ آگ ٹھنڈی ہو گئی اور اس درمیان میں ان کی آتش غضب بھی سرد پڑ گئی، واپس آ کر سب نے آنحضرت ﷺ سے یہ واقعہ بیان کیا، آپ نے فرمایا، اگر تم لوگ آگ میں گھس گئے ہوتے تو پھر کبھی نہ نکلتے، اطاعت صرف ان ہی چیزوں میں واجب ہے جس کی خدا نے اجازت دی ہے۔ ۴

۲ ایضاً،

۱۱۴۲ھ الغابہ ج ۳ ص ۱۳۲،

۳ بخاری ج ۲ کتاب المغازی باب النبی صلی اللہ علیہ وسلم الی کسری دقیر،

۴ بخاری کتاب ۱۱ حکام باب التمتع والظاہلہ امام مالک مکن معصیت

خلفاء کا عہد..... عہد فاروقی میں فتوحات شام میں شریک تھے، سوء اتفاق سے ایک معرکہ میں رومیوں نے گرفتار کر لیا، رومیوں کا قاعدہ تھا کہ جب وہ کسی کے سامنے اپنا مذہب پیش کرتے ہیں اور وہ انکار کرتا تو اس کو ایک عظیم الجثہ تانبے کی گائے کے جوف میں جس میں زیتون کا تیل کھولتا ہوتا تھا، ڈال لیتے، چنانچہ انہوں نے ان کے سامنے اپنا مذہب پیش کر کے کہا، اگر تم اس کو نہیں قبول کرو گے تو تم کو گائے پر قربان کر دیا جائے گا، مگر اس سے مطلق خوفزدہ نہ ہوئے، اور قبول مذہب سے انکار کر دیا، ان جلا دوں نے ان کی عبرت پذیری کے لئے ایک دوسرے مسلمان قیدی کو بلا کر عیسویت کی دعوت دی، اس نے بھی انکار کیا تو اس کو زیتون کے کھولتے ہوئے تیل میں ڈال دیا وہ کشتہ حق جل بھن کر کباب ہو گیا، یہ منظر دکھا کر بولے، اگر نہیں قبول کرتے تو تمہارا بھی یہی حشر ہوگا، لیکن جذبہ حق اس سے زیادہ آزمائش کے لئے تیار تھا، پھر انکار کر دیا، حکم ہوا ڈال دو، آپ کی آنکھوں سے آنسو رواں ہو گئے، رومیوں نے کہا آخر ڈر کر رونے لگے، فرمایا میں اپنے انجام پر نہیں روتا بلکہ اپنی کم مانگی پر آنکھیں اشکبار ہیں کہ صرف ایک جان خدا کی راہ میں کام آئے گی، کاش ایک جان کے بجائے میرے ہر موئے بدن میں ایک مستقل جان ہوتی تو یہ سب راہ خدا میں نثار ہوتیں، یہ قوت ایمانی دیکھ کر وہ لوگ دنگ رہ گئے اور اس شرط پر رہا کر دینے کے لئے تیار ہو گئے کہ شاہ روم کی پیشانی کو بوسہ دیں، لیکن اس پرستار حق کا لب ایک صلیب پرست کی بہتانی سے آلودہ نہیں ہو سکتا تھا اس سے انکار کیا اس انکار پر انہوں نے مال و دولت اور حسن و رعنائی کے سبز باغ دکھائے، آپ نے ان دل فریبیوں کو بھی نہایت حقارت سے ٹھکرا دیا، آخر میں ان سے کہا، اگر میری پیشانی کو چوم لو تو تمام مسلمان قیدی چھوڑ دیئے جائیں گے، مسلمانوں کی جان سب سے زیادہ عزیز تھی، اسلئے اس پر آمادہ ہو گئے اور ایک بوسہ کے صلیب میں اسی مسلمانوں کی گراں بہا جانیں بچ گئیں، جب واپس آئے تو حضرت عمرؓ نے فرط مسرت سے ان کی پیشانی چوم لی، بعض صحابہؓ آپ سے مزاحاً کہتے کہ تم نے ایک بے دین کی پیشانی کا بوسہ دیا، جواب دیتے ہاں چوما، لیکن اس کے بدلہ میں اتنی ۸۰ مسلمانوں کی جانیں بچ گئیں۔

وفات..... حضرت عثمانؓ کے عہد خلافت میں مصر میں وفات پائی۔
نسب کی تحقیق..... ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ نے جلال کی حالت میں فرمایا کہ تم لوگوں کو جو پوچھنا ہو پوچھو، اس وقت جو بات پوچھو گے بتاؤں گا، آپ نے اٹھ کر پوچھا میرا باپ کون ہے، فرمایا، ابوحنیفہ! آپ کی ماں نے سنا تو کہا کہ تم نے رسولؐ سے کتنا خطرناک سوال کیا تھا، اگر خدا نخواستہ وہ کچھ اور بتاتے تو میں سب کے سامنے رسوا ہوتی، جواب دیا کہ میں نسب کی تحقیق

۱۔ اسد الغابہ جلد ۳ ص ۱۳۳۔

۲۔ استیعاب جلد ۱ ص ۳۵۷۔

۳۔ بخاری کتاب الفتن و ابن سعد جز ۲ ص ۱۳۹۔

کرنا چاہتا تھا۔

فضل و کمال..... آپ سے متعدد حدیثیں مروی ہیں، ان میں سے ایک بخاری میں بھی ہے
آپ سے روایت کرنے والوں میں ابو وائل، سلیمان اور ابن یسار قابل ذکر ہیں۔

حضرت حجاج بن علاطؓ

نام و نسب حجاج نام، ابو محمد کنیت، سلسلہ نسب یہ ہے، حجاج بن علاط بن خالد بن نویرہ ابن خضر بن ہلال بن عبید بن ظفر بن سعد بن عمرو بن بہز بن عمرو القیس بن بہشہ بن سلیم بن منصور سلیمی۔

اسلام حجاج خیبر کے قبل مشرف باسلام ہوئے، اسلام کا محرک یہ واقعہ ہے کہ ایک مرتبہ چند ساتھیوں کے ساتھ مکہ جا رہے تھے، راستہ میں ایک بھیانک وادی میں رات ہو گئی اس لئے سب لوگ وہیں شب باش ہو گئے، حجاج سب کی پاسبانی کرنے لگے، اتنے میں کوئی شخص تلاوت کرتا سنا لی دیا۔

یا معشر الجن و الانس ان استطعتم ان تنفذوا من اقطار السموت و الارض فانفذوا لا تنفذون الا بسلطان (رحمن)
اے جن و انس کے گروہ، اگر تم آسمانوں اور زمین کے کناروں سے نکل سکتے ہو تو نکل جاؤ اور تم بغیر سلطان کے نہ نکل سکو گے۔

مکہ پہنچے تو یہ واقعہ قریش سے بیان کیا، انہوں نے کہا معلوم ہوتا ہے تم بھی بے دین ہو گئے، یہ تو وہی کلام ہے، جو محمدؐ کے زعم میں ان کے اوپر نازل ہوتا ہے، حجاج نے اس واقعہ کی تصدیق اپنے ہمراہیوں سے کرائی اور مدینہ آ کر مشرف باسلام ہو گئے۔
ہجرت ان کی بیوی مکہ میں رہتی تھیں اور کل مال و متاع بھی وہی تھا، اسلام لانے کے بعد کل اثاثہ مدینہ منتقل کرنے کی ضرورت ہوئی، ورنہ مشرکین کا دست تظادل دراز ہو جاتا، لیکن وہ لوگ مشتبہ ہو چکے تھے، آسانی سے لانا بھی ممکن نہ تھا، اس لئے انہوں نے آنحضرت ﷺ سے ایک تدبیر کی اجازت مانگی، آپ نے مصلحت دے دی، یہ اجازت لے کر مکہ گئے قریش نے آنحضرت ﷺ کے حالات دریافت کرنا شروع کیے، انہوں نے کہا محمد ﷺ نے بہت سخت شکست کھائی، ان کے تمام ساتھی مارے گئے وہ خود گرفتار کر دیئے گئے ہیں اور عنقریب تم لوگوں کے سامنے لا کر قتل کیے جائیں گے، قریش کے لئے اس سے بڑھ کر مژدہ کیا ہو سکتا تھا، ان کی آن میں یہ خبر تمام شہر میں پھیل گئی اس طرح مشرکین کو خوش کر کے کہا محمد ﷺ کا ساز و سامان فروخت ہو رہا ہے، اگر تم لوگ کوشش کرو تو آسانی سے وصول ہو سکتا ہے، سب اس ”کار خیر“ کے لئے تیار ہو گئے اور کوشش کر کے کل بقایا وصول کر دیا، اس کے بعد گھر کا کل اندوختہ لیا، حضرت عباسؓ کے

کانوں تک یہ خبر پہنچی تو ان کو اس قدر صدمہ ہوا کہ خود واقعہ کی تحقیق کے لئے بھی نہ آ سکے اور ایک لڑکے کی زبانی بلا بھیجا، حجاج ان کے پاس گئے، اور ان کو تخیلہ میں لے جا کر اصل واقعہ سنایا کہ میں نے روپیہ وصول ہو جانے کے لئے یہ خبر مشہور کی تھی، میں خود مشرف باسلام ہو چکا ہوں، اگر اہل مکہ کو اس کی خبر ہو جاتی تو ایک حبہ بھی نہ دیتے آنحضرت ﷺ خدا کے فضل سے بالکل محفوظ ہیں، خیبر کا میدان بھی مسلمانوں کے ہاتھ رہا اور آنحضرت ﷺ حبشی بن اخطب رئیس خیبر کی لڑکی کے ساتھ ایام عروسی بسر کر رہے ہیں، لیکن جب تک میں ان کی زد سے نہ نکل جاؤں اس وقت تک اس راز کو کسی پر ظاہر نہ کرنا، چنانچہ تین دن تک حضرت عباسؓ بالکل خاموش رہے، چوتھے دن جب اطمینان ہو گیا کہ حجاج اہل مکہ کی دسترس سے باہر ہو گئے تو کپڑے بدل کر حجاج کے مکان پر گئے، اور ان کی بیوی سے واقعہ بیان کیا، پھر مسجد میں آئے، یہاں بھی وہی تذکرہ تھا، آپ نے لوگوں کو مخاطب کر کے فرمایا کہ آنحضرت ﷺ نے خیبر فتح کر لیا، حبشی بن اخطب کی لڑکی ان کی زوجیت میں آئی، بنی ابی حقیق سردار ان یثرب کی گردنیں اڑا دی گئیں اور حجاج اپنا مال و متاع لے کر روانہ ہو گئے، لوگوں نے پوچھا تم نے کس سے سنا، فرمایا حجاج سے ان لوگوں نے ان کی بیوی سے تحقیق کیا تو واقعہ سچ نکلا، اس کے پانچویں دن مدینہ سے بھی خبریں آ گئیں، لیکن اب کیا ہو سکتا تھا، حجاج قابو سے نکل چکے تھے، اس لئے خاموش ہو گئے۔

غزوات..... خیبر کے کچھ ہی دنوں پہلے مشرف باسلام ہوئے، اس لئے سب سے پہلے اسی غزوہ میں شریک ہوئے، فتح مکہ کے زمانہ میں مدینہ سے باہر تھے، آنحضرت ﷺ نے حملہ کا ارادہ کیا تو ان کو بلوا بھیجا۔

تعمیر مکان و مسجد..... حجاج جو دولت مند تھے، اور اپنا کل اثاثہ مکہ سے لے آئے تھے چنانچہ مدینہ میں اپنا ذاتی مکان بنوایا اور ایک مسجد تعمیر کرائی۔

وفات..... وفات کے بارے میں دو روایتیں ہیں، ایک یہ کہ عہد فاروقی کی ابتدا میں وفات پائی اور دوسری یہ کہ جنگ جمل میں کام آئے، لیکن پہلی روایت زیادہ مستند ہے، جنگ جمل میں یہ خود نہیں بلکہ ان کے لڑکے معرض قتل ہوئے تھے۔

تمول..... حجاج تمام صحابہ میں مال و دولت سے ممتاز تھے، اور بنو سلیم کی کانیں ان ہی کی ملکیت میں تھیں۔

اولاد..... حجاج کے متعدد اولادیں تھیں، ایک معرض جو جنگ جمل میں کام آئے اور دوسرے غصہ، یہ اس قدر حسین تھے، کہ اکثر عورتیں ان پر شیفہ ہو جاتی تھیں، اسی خطرہ سے حضرت عمرؓ نے ان کو مدینہ سے بصرہ منتقل کر دیا تھا۔

- | | |
|-------------------------------------|----------------------|
| ۱۱ ابن سعد جز ۲، قسم ۲ ص ۱۳، ۱۵، ۱۵ | ۱۲ ایضاً ص ۱۵ |
| ۱۳ اصابہ جلد ۱ ص ۳۲۷ | ۱۴ ایضاً ص ۳۲۷ |
| ۱۵ استیعاب جلد ۱ ص ۴۳۲ | ۱۶ اصابہ جلد ۶ ص ۲۶۰ |

حضرت ابو برزہ سلمیٰؓ

نام و نسب فضلہ نام، ابو برزہ کنیت، سلسلہ نسب یہ ہے، فضلہ بن عبد اللہ بن حارث ابن جہال بن ربیعہ بن وعل بن اس بن خزیمہ بن مالک بن سلمان بن اسلم بن اقصیٰ سلمی۔
اسلام و غزوات دعوت اسلام کے ابتدائی زمانہ میں اسلام لائے اسلام کے بعد جس قدر غزوات ہوئے سب میں آنحضرت ﷺ کے ہمراہ رہے، فتح مکہ میں خون کا ایک قطرہ نہیں گرا تھا، اور رحمت عالم نے تمام دشمنان اسلام کے لئے عفو و درگزر کا اعلان فرما دیا تھا، چند معاندین جن کا عناد اور جن کی سرکشی حد سے بڑھی ہوئی تھی البتہ اس سے مستثنیٰ تھے اور ان کا خون ہر کر دیا گیا تھا، ان میں ایک عبد اللہ بن نضل تھا، یہ پہلے اسلام لا چکا تھا، مگر اپنے ایک مسلمان خادم کو قتل کر دیا، اور اسلامی عدالت کے قانون قصاص سے ڈر کر پھر مرتد ہو کر مکہ بھاگ گیا، (زر قانی فتح مکہ) اس کی دو طوائفیں تھیں جو بازاروں میں آنحضرت ﷺ کی ہجو گاتی پھرتی تھیں، اس لئے جب مکہ فتح ہوا تو امان کے لئے خانہ کعبہ کا غلاف پکڑ کر لٹک گیا، آنحضرت ﷺ سے لوگوں نے کہا کہ وہ کعبہ کے غلاف کی پناہ میں ہے، آپ نے فرمایا اس کو قتل کر دو، آقا کا اشارہ پاتے ہی ابو برزہؓ نے قتل کر دیا، ۳

ابو برزہؓ آنحضرت ﷺ کی زندگی بھر مدینہ میں رہے، حضرت عمرؓ کے زمانہ میں مصر میں رہنے لگے، جنگ صفین میں حضرت علیؓ کے ساتھ تھے، نہروان میں خارجیوں کا مقابلہ کیا، پھر خراسان کی فتوحات میں مجاہد نہ شریک ہوئے۔ ۴

وفات زمانہ وفات میں اختلاف ہے، بعض ۲۰ھ اور بعض ۶۵ھ بتاتے ہیں، دوسری روایت زیادہ صحیح ہے، کیونکہ مروان اور ابن زبیر کے ہنگاموں تک زندہ تھے، اور کہتے پھرتے تھے، کہ یہ سب دنیا کے لیے جھگڑتے ہیں، ۵ وفات کے بعد ایک لڑکا مغیرہ یادگار چھوڑا۔
فضل و کمال ابو برزہؓ کو آنحضرت ﷺ کی صحبت سے فیض یاب ہونے کا کافی موقع ملا، اس لئے احادیث نبویؐ کی معتد بہ تعداد ان کے حافظ میں محفوظ تھی، انکی مرویات کی مجموعی تعداد ۶۳ ہے، ان میں ۲۷ متفق علیہ ہیں، ان کے علاوہ ۲ بخاری میں اور ۴ مسلم میں منفرد ہیں۔ ۶

۱ ابن سعد جلد ۱ ص ۴۰

۲ ابوداؤد کتاب الجہاد باب فی قتل الامیر صبرا، ۳ ایضاً،

۴ اصحابہ جلد ۶ تذکرہ فضلاء، ۵ ایضاً، ۶ تہذیب الکمال ص ۴۰۶

ان کے تلامذہ کی تعداد بھی کافی ہے، ذیل کے نام قابل ذکر ہیں۔

مغیرہ، ابو منہال ریاحی، ارزق بن قیس، ابو عثمان نہدی، ابو العالیہ ریاحی، کنانہ ابن نعیم ابو الزاع، رابی، ابو الوضی، سعید بن عبداللہ، ابوالسوار عدوی، ابوطالب، عبدالسلام وغیرہ۔
زہد و عفاف..... حضرت ابو ہریرہؓ میں زہد و عفاف کا رنگ بہت نمایاں تھا، نہ بھی بیش قیمت کپڑا پہنا اور نہ گھوڑے پر سوار ہوئے، گیسوے رنگ کے دو کپڑوں سے ستر پوشی کرتے تھے، ان کے ایک معاصر عائد بن عمر بیش قیمت کپڑا بھی پہنتے اور گھوڑے پر بھی سوار ہوتے تھے، ایک شخص نے ان دونوں کے درمیان پھوٹ ڈلوانے کے خیال سے عائد سے آکر کہا، ابو ہریرہؓ کو دیکھئے، وہ لباس اور وضع قطع میں بھی آپکی مخالفت کرتے ہیں، آپ خنز (ایک بیش قیمت کپڑا) استعمال کرتے ہیں، اور گھوڑے پر سوار ہوتے ہیں اور وہ ان دونوں چیزوں سے احتراز کرتے ہیں، لیکن صحابہ کی اخوت لباس اور طرز معاشرت کے اختلاف سے بلند تھی، جواب دیا، خدا ابو ہریرہؓ پر رحم کرے، آج ہم میں ان کے رتبہ کا کون ہے، یہاں سے مایوس ہو کر یہ شخص ابو ہریرہؓ کے پاس پہنچا اور ان سے کہا عائد کو دیکھئے، آپ کی وضع تک ان کو ناپسند ہے، گھوڑ سواری میں ہے، خنز کا لباس زیب تن ہے، مگر یہاں بھی وہی جواب ملا کہ خدا عائد پر رحم کرے، ہم میں ان کا ہر رتبہ کون ہے؟

مسکین نوازی..... مسکین نوازی ان کا خاص شعار تھا، صبح و شام معمولاً فقراء اور مساکین کو کھانا کھلاتے تھے، حسن بن حکیم اپنی ماں کی زبانی بیان کرتے ہیں کہ ابو ہریرہؓ ایک کاسہ ثرید (ایک قسم کا عربوں کا مرغوب کھانا) صبح اور ایک کاسہ شام بیواؤں، یتیموں اور مساکین کو کھلاتے ہیں۔
احترام نبوت..... ذات نبویؐ کے ساتھ کسی قسم کا طنز و تمسخر برداشت نہیں کر سکتے تھے، عبداللہ ابن زید کو حوض کوثر کے متعلق کچھ پوچھنا تھا، اس نے لوگوں سے پوچھا، حوض کوثر کے متعلق کون بتا سکتا ہے، انہوں نے ابو ہریرہؓ کا نام لیا، عبید اللہ نے ان کو بلا بھیجا یہ گئے، اس نے آتے دیکھا تو بہ سبیل استہزاء کہا کہ تمہارے یہ محمدی ہیں ابو ہریرہؓ نے برہمی سے جواب دیا، خدا کا شکر ہے کہ میں ایسے زمانہ تک زندہ رہا جس میں شرف صحبت پر عار دلایا جاتا ہے، اور اس برہمی کی حالت میں تخت پر بیٹھ گئے، عبید اللہ نے اپنا سوال پیش کیا، انہوں نے جواب دیا کہ جو شخص اس (حوض کوثر) کو جھٹلائے گا، وہ نہ اس کے پاس جانے پائے گا اور نہ خدا اس کو اس سے سیراب کرے گا یہ کہا اور اٹھ کے چلے آئے۔

حضرت ہشام بن عاص

نام و نسب..... ہشام نام، ابو معیط کنیت، سلسلہ نسب یہ ہے، ہشام بن عاص بن وائل ابن ہاشم بن سعید بن سہم قرشی، اموی، مشہور صحابی عمرو بن عاص فاح کے چھوٹے بھائی تھے۔ اسلام و ہجرت..... خوش بختی اور بد بختی عمر کے تفاوت پر منحصر نہیں، گو ہشام عمرو بن العاص سے عمر میں چھوٹے تھے، لیکن ان کی قسمت ان سے زیادہ اور ان کا بخت ان سے زیادہ بیدار تھا، چنانچہ عمرو بن العاص جب کفر کی ضلالت میں گھرے ہوئے تھے، اس وقت ہشام کی پیشانی پر اسلام کا نور چمک رہا تھا، اسلام کے بعد مہاجر قافلہ کے ساتھ حبشہ گئے، کچھ دنوں رہ کر آنحضرت ﷺ کی ہجرت کی خبر سن کر مکہ واپس آئے، یہاں سے پھر مدینہ کا قصد کیا، لیکن باپ اور اہل خاندان نے قید کر دیا، عرصہ تک محصور رہے، غزوہ خندق کے بعد موقع ملا تو مدینہ آئے۔ غزوات..... بدر، احد اور خندق وغیرہ کی لڑائیاں ان کے ایام اسیری میں ختم ہو چکی تھیں، البتہ خندق کے بعد جتنے معرکے پیش آئے سب میں داد شجاعت دی۔

عہد خلافت..... ہشام اس خاندان کے ممبر تھے، جو سپہ سالاری کے عہدہ جلیل کا حامل اور اپنی شجاعت و شہامت میں ممتاز تھا، اس لئے تلواروں کی چھاؤں میں ان کی نشوونما ہوئی تھی، آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد حضرت ابوبکرؓ کے عہد خلافت میں ان کی تلوار کے جوہر چمکے، پھر عہد فاروقی میں شام کی مہم میں شریک ہوئے، ایک ہی دو معرکوں کے بعد اجنادین کا معرکہ پیش آیا، اس قبلائے اور تذاریق رومی میں سپہ سالار ایک لشکر جرار کے ساتھ اجنادین میں مسلمانوں کے مقابلہ میں آئے، جمادی الاولیٰ ۳ھ میں دونوں کا سخت مقابلہ ہوا، مسلمانوں میں کچھ کمزوری پیدا ہو چلی تھی، ہشام نے دیکھا تو جوش میں آ کر سر سے خود اتار کر پھینک دی اور لکار کر بولے مسلمانو! یہ غیر مختون تلوار کے سامنے نہیں ٹھہر سکتے، جو میں کرتا ہوں وہی تم کرو، یہ کہہ کر رومیوں کی صفیں چیرتے ہوئے قلب لشکر میں گھستے چلے گئے اور مسلمانوں کو غیرت دلاتے جاتے تھے کہ

۱۔ استیعاب جلد ۲ ص ۶۱۱ کنیت اصحابہ میں ہے،

۲۔ مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۲۴۰،

۳۔ ایضاً،

۴۔ ابن اثیر جلد ۲ ص ۲۳۰،

مسلمانو! میں عاص بن وائل کا بیٹا ہشام ہوں، میرے ساتھ آؤ تم لوگ جنت میں بھاگتے ہو، اسی طرح لٹکارتے شجاعت اور بہادری سے لڑتے مارتے شہید ہو گئے، حضرت عمرؓ کا علم ہوا تو فرمایا خدا ن پر اپنی رحمت نازل کرے، اسلام کے بہترین مددگار تھے۔ ۲

ہشام کی شہادت کے بعد ایک مرتبہ چند قریشی خانہ کعبہ کے عقب میں بیٹھے ہوئے تھے، کہ عمرو بن العاصؓ طواف کرتے ہوئے گزرے، ان کو دیکھ کر لوگوں نے آپس میں سوال کیا کہ ہشامؓ افضل تھے، یا عمرو بن العاصؓ عمرو بن العاصؓ نے اس کو سن لیا، طواف ختم کرنے کے بعد آکر پوچھا، تم لوگ کیا باتیں کرتے تھے، انہوں نے کہا ”تمہارا اور تمہارے بھائی کا مقابلہ کر رہے تھے، کہ دونوں میں کون افضل ہے“ کیا میں تم کو ایک واقعہ سنا تا ہوں اس سے فضیلت کا اندازہ ہو جائے گا، ہم اور وہ دونوں یرموک کی جنگ میں شریک ہوئے اور رات بھر شہادت کے لئے دست بدعا رہے، صبح ہوئی تو ان کی دعا کا ثمرہ مل گیا اور میری دعا نامقبول ہوئی، اس سے تم فضیلت کا اندازہ کر لو۔ ۳

فضائل..... اسلام کی پختگی کا آخری درجہ ایمان ہے، ہشامؓ کا اسلام اسی درجہ میں تھا، خود زبان نبوتؐ نے اس کا اعتراف کیا ہے کہ ابن العاص مومنان یعنی ہشامؓ و عمرؓ۔ ۴

۱۔ مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۲۴۰، شہادت کا ذکر ابن اثیر جلد ۲ فتوح البلدان بلاذری ص ۱۲۰ میں بھی ہے،

۲۔ ابن سعد جز ۴ ق ۱ ص ۱۳۳،

۳۔ ابن سعد جز ۴ ق ۱ ص ۱۴۱، اس روایت میں اجنادین کے بجائے یرموک کا نام ہے، غالباً راوی سے سہو ہو گیا ہے، یا ان دونوں لڑائیوں کی قربت کی وجہ سے خود عمرو بن العاصؓ کو التباس ہو گیا، ورنہ اجنادین میں ان کی شہادت طے شدہ ہے،

۴۔ مسند احمد بن حنبل جلد ۲ ص ۳۵۳

حضرت قدامہ بن مظعون

نام و نسب..... قدامہ نام، ابو عمر کنیت، سلسلہ نسب یہ ہے، قدامہ بن مظعون بن حبیب بن وہب بن حذافہ بن جمح القرشی الجمحی، قدامہ حضرت عمرؓ کے بہنوئی تھے۔
اسلام و ہجرت..... دعوت اسلام کے آغاز میں دولت اسلام سے بہرور ہوئے اور اپنے بھائی عثمان اور عبداللہ کے ساتھ ہجرت کر کے حبشہ گئے۔ ۲

مغازی..... پھر حبشہ سے مدینہ آئے، اور سب سے پہلے غزوہ بدر میں شرکت کا شرف حاصل کیا اور احد، خندق وغیرہ میں شریک ہوتے رہے۔ ۳

بحرین کی گورنری..... حضرت عمرؓ نے اپنے عہد خلافت میں قدامہؓ کو بحرین کا گورنر مقرر کیا، اسی زمانہ میں ان پر شراب نوشی کی حد جاری ہوئی، گو حضرت عمرؓ کے سامنے انہوں نے اس جرم کا اقرار نہیں کیا، اور بدری صحابی ہونے کی حیثیت سے ان کا بیان لائق اعتماد تھا، لیکن حضرت عمرؓ کے نزدیک شہادت جرم ثابت ہو گیا تھا، اس لئے آپ نے حد جاری کی اس کا واقعہ یہ ہے کہ ایک مرتبہ جارود بنو عبد قیس کا سردار حضرت عمرؓ کے پاس قدامہ کی شراب نوشی کی شکایت لے کر آیا، حضرت عمرؓ نے فرمایا، تمہارے علاوہ اور کون شاہد ہے، عرض کیا! ابو ہریرہؓ، ان کو بولا کر پوچھا انہوں نے شراب پیتے ہوئے تو نہیں دیکھا البتہ نشے میں تے کرتے ہوئے دیکھا حضرت عمرؓ نے فرمایا، صرف اتنی شہادت سے جرم نہیں ثابت ہوتا، مزید تحقیقات کے لئے قدامہؓ کو بحرین سے طلب کیا، جب وہ آئے تو جارود نے حضرت عمرؓ سے ان پر حد جاری کرنے کا مطالبہ کیا، حضرت عمرؓ نے فرمایا، تم شاہد ہو یا فریق! کہا شاہد، فرمایا بس شہادت کا فرض ادا کر چکے، اب تم خاموش رہو، تیسری مرتبہ پھر جارود نے قسم دلا کر حد کا مطالبہ کیا، اس اصرار پر حضرت عمرؓ کو شبہ ہوا، آپ نے فرمایا تم اپنی زبان قابو میں رکھو، ورنہ مجھ کو تنبیہ کرنی پڑے گی، جارود نے کہا عمر! یہ انصاف سے بعید ہے، کہ تمہارا ابن عمر شراب پیئے، اور تم اٹھے میری تنبیہ کرو، ابو ہریرہؓ نے حضرت عمرؓ سے کہا کہ اگر آپ کو شک ہو تو قدامہ کی بیوی کو بلا کر پوچھ لیجئے، آپ نے ان کی بیوی ہندہ کو بلا کر شہادت طلب کی، انہوں نے ابو ہریرہؓ کی تصدیق کی، اس پر عدل فاروقی جوش میں

آگیا، اور فرمایا قدامہ! حد کے لئے تیار ہو جاؤ، قدامہ نے کہا، اگر بالفرض میں نے ان لوگوں کی شہادت کے بموجب شراب پی بھی تو آپ کو اجرائے حد کا حق نہیں ہے، فرمایا کیوں! عرض کیا خدا فرماتا ہے۔

لیس علی الذین امنوا و عملوا الصلحت جناح فیما طعموا اذا

ما اتقوا و امنوا و عملوا الصلحت (مائدہ ۱۱)

جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کیے تو جو کچھ انہوں نے (تحریم کے قبل) کھا

یا اس پر کوئی گناہ نہیں ہے، جبکہ پرہیز کیا اور ایمان لائے اور نیک کام کیے۔

فرمایا تم تادیل میں غلطی کر رہے ہو، اگر تم خدا سے ڈرتے تو قطعی حرام چیزوں سے احتراز کرتے، اس وقت حضرت قدامہ بیمار تھے، اس لئے حضرت عمرؓ نے لوگوں کو مشورہ سے کچھ دنوں کے لئے حد کا اجراء ملتوی کر دیا، لیکن اثبات جرم کے بعد اجرائے حد میں تاخیر آپ کے لئے بار تھی، اس لئے لوگوں سے دوبارہ مشورہ کیا، اس مرتبہ بھی سب نے التوا کا مشورہ دیا، فرمایا مجھ کو یہ زیادہ پسند ہے کہ وہ کوڑوں کے نیچے خدا سے ملیں، بہ نسبت اس کے کہ میں خدا سے ملوں اور ان کا بار میری گردن پر ہو، غرض اسی بیماری کی حالت میں حد جاری کی، اور قدامہؓ سے تعلقات منقطع کر لئے، کچھ دنوں کے بعد دونوں نے ساتھ حج کیا، لوٹتے وقت ایک مقام پر حضرت عمرؓ کی آنکھ کھل گئی، خواب میں آپ کو قدامہؓ سے صفائی کرنے کی ہدایت ہوئی، بیدار ہوتے ہی قدامہؓ کو بلوایا، مگر انہوں نے ملنے سے انکار کر دیا دوسری مرتبہ پھر آدمی بھیجا کہ اگر آسانی سے نہ آویں تو زبردستی لایا جائے، چنانچہ وہ آئے اور آپ نے خود گفتگو کی ابتدا کی اور پھر بدستور تعلقات قائم ہو گئے۔

وفات عمر کے ۶۸ مرحلہ طے کرنے کے بعد حضرت علیؓ کے عہد خلافت ۳۶ھ میں وفات پائی۔
اہل و عیال آپ کے تین بیویاں اور ایک لونڈی تھی، جن سے سب ذیل اولادیں ہوئیں۔

نام بیوی	نام اولاد
ہند بنت ولید	عمر، فاطمہ
فاطمہ بنت ابی سفیان	عائشہ
صفیہ بنت خطاب	رملہ
ام ولد	حفصہ

حضرت ابواحمدؓ بن جحش

نام و نسب عبدالنام، ابواحمد کنیت، سلسلہ نسب یہ ہے، عبد بن جحش بن رباب بن یحمر بن جبیر ابن مرہ بن کثیر بن غنم بن دودان بن اسد بن حزیمہ بن مدرکہ بن الیاس بن مضر، ان کی والدہ امیمہ عبدالمطلب کی بیٹی تھیں، اور ام المؤمنین حضرت زینب کے حقیقی اور آنحضرت ﷺ کے پھوپھی زاد بھائی تھے۔

اسلام و ہجرت وہ اپنے بھائی عبداللہ اور عبیدہ اللہ کے ساتھ دعوت اسلام کے آغاز یعنی آنحضرت ﷺ کے ارقم کے گھر میں پناہ گزین ہونے کے قبل مشرف باسلام ہوئے، اور بھائیوں ہی کے ساتھ ہجرت کر کے مدینہ آ گئے، اور مبشر بن عبدالمنذر کے گھر مہمان ہوئے۔

ابوسفیان کی شرارت مکہ میں ایک جماعت تھی، جس کا مقصد صرف اسلام کو نقصان پہنچانا اور مسلمانوں کو اذیت دینا تھا، ابوسفیان اور ابو جہل اس کے سرغنہ تھے، ابواحمد ہجرت کے بعد ان کے قابو سے باہر ہو چکے تھے، اس لئے براہ راست ان پر کسی قسم کا ظلم نہیں کر سکتے تھے، چنانچہ انہوں نے ان کا گھر ابن علقمہ عامری کے ہاتھ بیچ ڈالا، فتح مکہ میں جب مسلمان فاتحانہ مکہ میں داخل ہوئے، اور دشمنان اسلام کی قوتیں ٹوٹ گئیں اس وقت ابواحمدؓ نے سب کے سامنے مکان کا مطالبہ کیا، لیکن آنحضرت ﷺ نے حضرت عثمانؓ کے ذریعہ سے چپکے سے کچھ کہلا دیا، انہوں نے ابواحمدؓ کے کان میں جا کر کہہ دیا، اس کے بعد پھر آخر دم تک انہوں نے مکان کے متعلق ایک لفظ بھی نہیں کہا۔ بعد کو ان کی اولاد سے معلوم ہوا کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت عثمانؓ کے ذریعہ سے کہلایا تھا، کہ تم اس سے مکان کو جانے دو، اس کے عوض میں تم کو خلد بریں قصر ملے گا۔^۲

وفات سن وفات صحیح طور پر متعین نہیں کیا جاسکتا، لیکن ۳۰ھ کے قبل وفات پا چکے تھے، کیونکہ ان کی بہن حضرت زینبؓ کا انتقال ۲۰ھ میں ہوا اور یہ ان کی زندگی میں وفات پا چکے تھے۔^۳

ازواج و اولاد اولاد کوئی نہ تھی، گھر میں تنہا بیوی تھیں، ایک مرتبہ عتبہ بن ربیعہ، عباس

۱۔ ابن سعد ج ۳ ق ۱ ص ۷۶،

۲۔ ابن سعد ج ۳ ق ۱ ص ۷۶،

۳۔ استیعاب ج ۲ ص ۲۴۱

بن مطلب اور ابو جہل ادھر سے گزرے، رفاعہ کو تنہا دیکھ کر عقبہ نے ٹھنڈی سانس لی کہ ”افسوس آج بنی جحش کے گھر میں کوئی رہنے والا تک نہیں“ ابو جہل جو اپنی کینہ پروری کا ہر جگہ ثبوت دیتا تھا، بولا ان پر روتے کیا ہو، یہ سب ہمارے بھتیجے کا کیا دھرا ہے، ان ہی نے ہمارا شیرازہ درہم برہم کیا۔

فضل و کمال..... شاعری قریش کا طغرائے کمال تھا، حضرت ابواحمدؓ بھی شاعر تھے، چنانچہ ابوسفیان نے ان کو گھر بھیجا تو انہوں نے ایک منظوم شکایت لکھی، جس کے دو شعر یہ ہیں۔

اقطعت عقدک بیننا
والجاریات الی ندامہ
دار ابن عمک بعثھا
تشری بھا عنک الندامہ

حضرت عمرو بن سعید بن العاص الاکبر

نام و نسب عمرو نام، ابو عقبہ کنیت، سلسلہ نسب یہ ہے، عمرو بن سعید العاص بن امیہ بن عبد شمس القرشی الاموی، ماں کا نام صفیہ تھا، قبیلہ بنو مخزوم سے تعلق رکھتی تھیں، حضرت عمرو خالد بن ولیدؓ کے چھوٹے زاد بھائی تھے۔

اسلام و ہجرت ان کے گھر میں سب سے پہلے ان کے بھائی خالد بن سعید مشرف باسلام ہوئے۔ ان کے کچھ دنوں کے بعد عمرو دائرہ اسلام میں داخل ہوئے، تیسرے بھائی ابان نے جو ابھی تک اسلام نہیں لائے تھے، دونوں بھائیوں کے اسلام پر اشعار میں ناپسندیدگی کا اظہار کیا اس کا ایک شعر یہ ہے

الا لیت میتا بانظریۃ شاہد

لما یفتری فی الدین عمرو خالد

ان تینوں کے والد مقام ظریبہ میں دفن تھے، ان کی طرف اشارہ کر کے کہتا ہے کہ
”کاش ظریبہ کا مرنے والا دیکھتا کہ عمرو اور خالد نے دین میں کیا افتراء پر دازی کی ہے۔“

حضرت عمروؓ نے بھی اس کا جواب نظم میں دیا جس کا آخری شعر یہ ہے

فدع عنک میتا قدمی بسیلہ

واقبل علی الحق الذی هو اظہر

”اب اس مرنے والے کا تذکرہ چھوڑ دو جو اپنا راستہ لے چکا اور اس حق کی

طرف آؤ جس کا حق ہونا باطل عیاں ہے۔“

عمرو بن سعید نے اپنے بھائی خالد کی ہجرت کے دو سال بعد ہجرت ثانیہ میں مع اپنی بیوی فاطمہ کے حبشہ کی طرف ہجرت کی اور وہاں سے مسلمانوں کے قافلہ کے ساتھ کشتی کے ذریعہ غزوہ خیبر کے دوران میں مدینہ آئے۔

غزوات مدینہ آنے کے بعد فتح مکہ، حنین، طائف اور تبوک وغیرہ تمام غزوات میں آنحضرت ﷺ کے ہمراہ رہے۔

امارت..... آنحضرت ﷺ نے ان کو مدینہ کے مغربی مقامات تبوک، خیبر اور فدک وغیرہ کا عامل مقرر کیا، اچھاں وہ حیات نبوی تک اپنی خدمات نہایت جانفشانی سے انجام دیتے رہے، آنحضرت ﷺ کی خبر وفات سن کر وہاں سے واپس ہوئے واپسی کے بعد حضرت ابو بکرؓ نے فرمایا تم سے زیادہ امارت کا کون مستحق ہو سکتا ہے، ۲ اور دوبارہ واپس جانے کی خواہش کی، لیکن آپ نے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے بعد کسی کے عامل نہ بنیں گے۔ ۳

فتوحات شام اور وفات..... امارت سے واپسی کے کچھ ہی دنوں بعد شام پر فوج کشی کی تیاریاں شروع ہوئیں، عمر و بھی اس میں مجاہدانہ شریک ہوئے اور ۳ھ میں اجنادین کے معرکہ میں نہایت جوش و خروش سے لڑے، جب مسلمانوں کے پیروں میں زرا بھی لغزش ہوتی تو یہ للکار کر ثبات و استقلال پر آمادہ کرتے، ایک مرتبہ جوش میں آکر کہا کہ میں اپنے ساتھیوں کا میدان جنگ میں پلہ کمزور نہیں دیکھ سکتا، اب میں خود گھستا ہوں یہ کہہ کر دشمنوں کے قلب میں گھستے ہوئے گئے اور بڑی بے جگری سے لڑتے لڑتے شہید ہو گئے، شہادت کے بعد دیکھا گیا تو سارا بدن زخموں سے چھلنی ہو گیا تھا شمار کرنے پر تمیں سے زیادہ زخم جسم پر نکلے۔ ۴

۲ اصحابہ جلد ۴ ص ۳۰۱

۱ ایہا ص ۳۲۲

۳ استیعاب جلد ۴ ص ۱۵۵

۴ واقعہ کی تفصیل اصحابہ جلد ۴ ص ۳۰۱ سے ماخوذ ہے لیکن شہادت کا تذکرہ فتوح البلدان بلاذری فتح اجنادین میں

حضرت مسطحؓ بن اثاثہ

نام و نسب عوف نام، ابو عباد کنیت، سلسلہ نسب یہ ہے، مسطح بن اثاثہ بن عباد بن مطلب ابن عبد مناف بن قصی قرشی مطلبی، عوف حضرت ابو بکرؓ کے خالہ زاد بھائی تھے۔ اسلام و غزوات مسطح بہت ابتدا میں مشرف باسلام ہوئے، البتہ ہجرت کا وقت متعین نہیں ہے، لیکن بدر کے قبل ہجرت کر کے مدینہ آچکے تھے، اور بدر میں شریک تھے، بدر کے بعد اور غزوات میں بھی ان کی شرکت کا پتہ چلتا ہے، چنانچہ وہ غزوہ بنو مصطلق جس میں افک کا واقعہ پیش آیا، یہ شریک تھے اور اس فتنہ میں ان کا دامن بھی محفوظ نہ رہ سکا، جب منافقین نے یہ واقعہ مشہور کیا تو بعض صحابہؓ بھی ان کے دام فریب میں آ گئے، ان میں ایک مسطح بھی تھے جنک سے واپسی کے بعد انہوں نے یہ واقعہ اپنی ماں سے بیان کیا، وہ حضرت عائشہ کے پاس گئیں اور کسی بات پر مسطح کو بددعا دی، حضرت عائشہؓ نے کہا تم بدری صحابی کو بددعا دیتی ہو، انہوں نے کہا تم کو نہیں معلوم، ان لوگوں نے کیا افتراء پردازیاں کی ہیں اور کل واقعہ حضرت عائشہ کو سنایا، حضرت عائشہؓ کو اس افتراء پردازی کا سب سے پہلے ان ہی کے ذریعہ سے علم ہوا، مسطح حضرت ابو بکرؓ کے خالہ زاد بھائی تھے، اس لئے وہ ان سے مسلوک ہوتے رہتے تھے، جب انہوں نے افک کے واقعہ میں شرکت کی اور قرآن پاک نے اس کو افتراء قرار دیا تو حضرت ابو بکرؓ نے ان کو امداد کرنا بند کر دی اور فرمایا کہ اب مسطح پر ایک حبہ نہیں خرچ کروں گا اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

و لا یاتل اولوا الفضل منکم و السعة ان یوتوا اولی القربی و
المسکین و المهاجرین فی سبیل اللہ و لیعفوا و لیصفحوا الا
تحبون ان یغفر اللہ لکم و اللہ غفور رحیم (نور: ۲)

تم میں سے جو لوگ صاحب فضیلت اور صاحب قدرت ہیں، وہ قرابت والوں محتاجوں اور مہاجرین فی سبیل اللہ کو امداد دینے کی قسم نہ کھائیں اور چاہیے کہ معاف کر دیں، اور درگزر کریں، مسلمانو! کیا تم نہیں چاہتے کہ اللہ تمہاری مدد کرے اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

اس آیت کے نزول کے بعد پھر حضرت ابو بکرؓ صدیق بدستور ان کی خبر گیری کرنے لگے، لیکن چونکہ ایک مجبضہ پر تہمت لگائی تھی اور اس کی سزا قرآن نے یہ تجویز کی تھی۔

و الذین یرمون المحصنات ثم لم یاتوا بأربعة شهداء
فاجلدوهم ثمانین جلدة (نور: ۲)
یعنی جو لوگ پاک دامن عورتوں پر تہمت لگائیں اور چار گواہ نہ لائیں تو ان کو
اسی کوڑے لگاؤ۔

اس لئے دوسرے لوگوں کے ساتھ ان پر بھی حد جاری ہوئی۔
وفات..... زمانہ وفات میں اختلاف ہے، بعض روایتوں سے ۳۴ھ عہد عثمانی میں وفات
ثابت ہوتی ہے اور بعض سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علیؓ کے عہد تک زندہ تھے، اور جنگ صفین
میں ان کی حمایت میں لڑے اور اسی سال ۳۵ھ میں انتقال فرمایا، وفات کے وقت ۵۶ سال کی
عمر تھی، آخری روایت زیادہ مستند ہے۔

حضرت مرشد بن ابی مرشد غنویؓ

نام و نسب مرشد نام، سلسلہ نسب یہ ہے، مرشد بن کناز بن حصین بن یربوع بن جہینہ بن سعد بن طریف بن خرشہ بن عبید بن سعد بن عوف بن کعب بن جلاں بن غنم بن تکی ابن یعصر بن سعد ابن قیس عیلان بن مضر۔

اسلام و ہجرت مرشد بہت ابتدا میں مکہ میں مشرف باسلام ہوئے اور بدر کے قبل ہجرت کر کے مدینہ گئے، آنحضرت ﷺ نے اوس بن صامت سے مواعات کرادی۔^۱
بدر سلسلہ غزوات کے سب سے پہلے غزوہ بدر میں شریک ہوئے، میدان جنگ میں آنحضرت ﷺ کے پہلو بہ پہلو بل نامی گھوڑے پر سوار داذ شجاعت دے رہے تھے۔^۲
نزول آیتہ زمانہ جاہلیت میں مکہ کی عناق نامی ایک طوائف سے تعلقات تھے، تحریم زنا کے بعد قطع تعلق کر لیا، مرشد نہایت قوی اور بہادر آدمی تھے، اس لئے قیدیوں کو مکہ سے مدینہ لے جانے کی خدمت ان ہی کے سپرد تھی، اس سلسلہ میں ایک مرتبہ مکہ جانے کا اتفاق ہوا، چاندنی رات میں ایک گلی سے گزر رہے تھے، اتفاق سے عناق کی نظر پڑ گئی اس نے آواز دی، یہ رک گئے، اس نے اپنے مخصوص دلربائی کے انداز میں بڑی خندہ پیشانی سے خوش آمدید کہا، اور شب باشی کی خواہش کی، فرمایا عناق، اب خدا نے زنا حرام کر دیا ہے، اس کو اس خشک جواب پر غصہ آگیا اور لوگوں سے کہہ دیا کہ مرشد یہاں کے قیدی مدینہ لے جاتے ہیں، چنانچہ آٹھ آدمیوں نے ان کا تعاقب کیا، مگر یہ ایک محفوظ مقام پر چھپ گئے اور جب وہ لوگ تلاش کر کے واپس ہو گئے تو مدینہ کا راستہ لیا اور آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ یا رسول اللہ! عناق سے میرا نکاح کر دیجئے، آپ نے کوئی جواب نہیں دیا، اور اس کے بعد یہ حکم نازل ہوا۔^۳

الزانی لا ینکح الا زانیۃ او مشرکۃ و الزنیۃ لا ینکحھا الا زان

او مشرک و حرم ذلک علی المؤمنین (نور ۱)

^۱ ابن سعد جز ۳، قسم ۳، ص ۳۲۔

^۲ استیعاب جلد ۳، ص ۲۷۴۔

^۳ مستدرک حاکم جلد ۳، ص ۲۲۱۔

^۴ یہ واقعہ استیعاب جلد ۳، ص ۲۷۴ میں مفصل اور ایوداد جلد ۳، ص ۲۰۳ میں مجمل مذکور ہے، ابن جریر نے اس آیت کے نزول کے سلسلہ میں مجملہ اور واقعات کے یہ واقعہ بھی نقل کیا ہے۔

بدکردار مرد بدکار عورت یا مشرک سے نکاح کر لیا اور بدکردار عورت کو بدکار مرد

یا مشرک کے سوا کوئی نکاح میں نہ لائے گا اور ایمان والوں پر یہ حرام ہے۔

شہادت..... بنو عضل وقارہ نے اسلام لانے کے بعد آنحضرت ﷺ سے مذہبی تعلیم کے لئے چند معلم بھیجنے کی درخواست کی تھی، آپ نے ان کی درخواست پر باختلاف روایت حضرت مرثد یا عاصم بن ثابت کی زیرامارت ایک جماعت بھیجی، یہ لوگ مقام رجع تک پہنچے تھے کہ بنو ہذیل اچانک ننگی تلواریں لئے ہوئے آگئے اور کہا ہمارا مقصد تمہارا خون بہانا نہیں ہے بلکہ تمہارے بدلہ میں اہل مکہ سے روپیہ حاصل کرنا چاہتے ہیں اور تمہاری حفاظت جان کا عہد کرتے ہیں، حضرت مرثد، خالد اور عاصم نے کہا کہ ہم مشرکین سے کسی قسم کا عہد کرنا نہیں چاہتے اور تینوں نے لڑکر جان دی۔

فضل و کمال..... فضل و کمال کے ثبوت کے لئے یہ واقعہ کافی ہے کہ مذہبی تعلیم کے لئے آنحضرت ﷺ نے ان کا انتخاب فرمایا تھا، چونکہ آنحضرت ﷺ کی حیات میں انتقال کر گئے، اس لئے ان کے علمی جوہر کھلنے نہ پائے تاہم ان کی روایت سے حدیث کی کتابیں یکسر خالی نہیں ہیں۔

حضرت ابورہم غفاری

نام و نسب..... کلثوم نام، ابورہم کنیت، ”منخور“ لقب، سلسلہ نسب یہ ہے، کلثوم بن حصین بن خالد عسفی بن زید بن عثمیں بن احمس بن غفار۔

اسلام..... آنحضرت ﷺ کے مدینہ تشریف لانے کے بعد مشرف باسلام ہوئے۔

غزوہ احد..... سب سے پہلے احد میں شریک ہوئے اور ایک تیر سینہ پر کھا کر نشان امتیاز حاصل کیا، آنحضرت ﷺ نے زخم پر لعاب دہن لگایا، چونکہ سینہ پر آنحضرت ﷺ نے لعاب دہن لگایا تھا، اور سینہ کو ”نحر“ کہتے ہیں اس مناسبت سے لوگ ان کو ”منخور“ کہنے لگے۔

صلح حدیبیہ میں بھی آنحضرت ﷺ کے ہمراہ تھے، اور بیعت رضوان میں شرف بیعت حاصل کیا۔

اس کے بعد غزوہ خیبر میں شریک ہوئے، اور مال غنیمت میں سے آنحضرت ﷺ نے ان کو دو ہر احصہ دیا۔

فتح مکہ میں شریک نہ ہو سکے تھے، لیکن اس میں اس سے بھی بڑا یہ شرف حاصل ہوا کہ جب آنحضرت ﷺ فتح مکہ کے لئے نکلے تو مدینہ میں ان کو اپنا قائم مقام بنا گئے اس کے علاوہ عمرہ القضاء میں بھی یہ شرف حاصل ہوا تھا۔

طائف کے محاصرہ میں بھی شریک تھے، واپسی کے وقت یہ واقعہ قابل ذکر ہے کہ جب آنحضرت ﷺ طائف سے واپسی کے بعد جعرانہ کی طرف چلے تو ابورہم کی اونٹنی آپ کی اونٹنی سے بھڑگئی اور ان کے جوتے کا کنارہ ران مبارک سے رگڑ کھا گیا، آنحضرت ﷺ کو اس کی خراش سے تکلیف ہوئی، آپ نے ان کے پاؤں کو کوڑے سے کوچ کر فرمایا پاؤں ہٹاؤ، میری ران میں خراش آگئی، ابورہم بہت خوفزدہ ہوئے کہ مبادا وحی کے ذریعہ اس گستاخی کی تنبیہ نہ ہو، صبح کو جب قافلہ جعرانہ پہنچ کر خیمہ زن ہوا تو ابورہم حسب معمول اونٹ چرانے نکل گئے، مگر دل میں یہ خطرہ لگا رہا، اس لئے واپس آتے ہی لوگوں سے دریافت کیا تو بظاہر اس خطرہ کی صحت کے آثار نظر آئے، معلوم ہوا کہ آنحضرت ﷺ نے یاد فرمایا تھا، چنانچہ یہ ڈرتے ڈرتے حاضر خدمت ہوئے

۱۲ ابن سعد جز ۴، ق ۱، ص ۱۸۰

۱۱ اصحابہ جلد ۷ ص ۶۸

۱۳ اسد الغالبہ جلد ۵ ص ۱۹۶

۱۴ اسد الغالبہ جلد ۵ ص ۱۹

۱۵ اتعیاب جلد ۲ ص ۲۶۸

لیکن یہ قصیر و کسریٰ کی شہنشاہی نہ تھی، جس میں ادنیٰ گستاخی بھی سخت ترین پاداش کا مستحق بنادیتی ہے، بلکہ رحمۃ للعالمین کے لطف و کرم کا دربار تھا، جس میں آقا غلام، مالک اور مملوک کا کوئی امتیاز نہیں اور جس کی تعزیرات میں غیظ و غضب، سزا اور انتقام سے زیادہ لطف و رحم کی دفعات ہیں، چنانچہ جب یہ پہنچے تو آپ نے فرمایا کہ تم نے مجھ کو تکلیف پہنچائی تھی، اس کے بدلہ میں نے تمہارے پیر کو کوڑے سے ہٹایا تھا، اب اس کے عوض یہ بکریاں انعام میں لو، حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کی اس وقت کی رضامندی میرے لئے دنیا و مافیہا سے بہتر تھی۔ ۱

غزوہ تبوک میں بھی شریک ہوئے اور اپنے ساتھ اپنے اور بہت سے قبیلہ والوں کو شریک کیا، اس غزوہ میں عرب میں ایسا قحط اور ایسی شدت کی گرمی تھی کہ لوگوں کا گھروں سے نکلنا دشوار تھا، اور منافقین مسلمانوں کو شرکت جنگ سے منع کرتے تھے، اس لئے آنحضرت ﷺ کو اس کے لئے خاص اہتمام کی ضرورت پیش آئی، چنانچہ جب ابوہریرہؓ نے حسب معمول دوسرے غزوات کی طرح اس میں بھی شرکت کے لئے تیاریاں شروع کیں تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا، تم جا کر اپنے قبیلہ والوں کو جنگ پر آمادہ کرو، اس ارشاد کی تعمیل میں انہوں نے قبیلہ غفار کے بہت سے لوگوں کو شرکت پر آمادہ کر دیا، اور ان کی معتد بہ تعداد اس غزوہ میں شریک ہوئی۔ ۲

اتفاق سے اس مرتبہ بھی واپسی میں ان کی سواری آنحضرت ﷺ کی سواری کے پہلو میں تھی، رات کا وقت تھا، بار بار غنودگی طاری ہو جاتی تھی، اس لئے آنحضرت ﷺ کی سواری سے بھڑ جانے کا خطرہ پیدا ہو جاتا تھا، اس لئے جہاں ایسا موقع آتا وہ فوراً اپنی سواری ہٹا لیتے۔ ۳

وفات..... وفات کے بارہ میں ارباب سیر خاموش ہیں۔

فضل و کمال..... آپ سے دو حدیثیں مروی ہیں۔ ۴

حضرت عمرو بن امیہ

نام و نسب عمرو نام، ابو امیہ کنیت، سلسلہ نسب یہ ہے، عمرو بن امیہ بن خویلد بن عبد اللہ ابن یاس بن عبید بن ناثرہ بن کعب بن جدی بن حمزہ بن بکر بن عبد مناتہ بن کنانہ کنانی۔ ۱۔
اسلام بدر اور احد کی لڑائیوں میں مشرکین کے ساتھ تھے، اور مسلمانوں کے خلاف نہایت شجاعت اور پامردی سے لڑے، لیکن بدر و احد کے معرکوں میں جو شخص مسلمانوں کے خون سے پیاس بجھانے آیا تھا، وہ احد کے بعد اسلام کے سرچشمہ ایمان سے سیراب ہو گیا۔ ۲۔
بیر معونہ اسلام لانے کے بعد سب سے پہلے بیر معونہ میں شریک ہوئے، اس کا واقعہ یہ ہے کہ ۴ھ میں ابو براء قبیلہ کلاب کے رئیس نے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر درخواست کی کہ کچھ مسلمان ہمارے قبیلہ میں دعوت اسلام کے لئے بھیجے آپ نے فرمایا مجھ کو نجد والوں کی طرف سے خطرہ ہے، لیکن اس کی ضمانت کے بعد ستر آدمیوں کی جماعت منذر بن عمرو کی ماتحتی میں بھیج دی، ان لوگوں نے بیر معونہ پہنچ کر قیام کیا اور حرام بن ملحان کے ہاتھ آنحضرت ﷺ کا دعوت نامہ عامر بن طفیل کے پاس بھجوا دیا، اس نے ان کو قتل کر دیا، اور عصیہ، رعل اور ذکوان وغیرہ کے قبائل میں منادی کرادی، یہ سب جمع ہو گئے، یہاں جب حرام کی واپسی میں دیر ہوئی تو مسلمان ان کی تلاش میں نکلے لیکن آگے بڑھ کر رعل و ذکوان وغیرہ کا سامنا ہو گیا ان سب نے مل کر مسلمانوں پر حملہ کر کے ان کی پوری جماعت تہ تیغ کر دی، صرف حضرت عمرو بن امیہ کو عامر بن طفیل نے یہ کہہ کر کہ ”میری ماں نے ایک غلام آزاد کرنے کی نذر مانی تھی“ چھوڑ دیا، اور نشانِ ذلت کے طور پر پیشانی کے بال تراش لئے، یہ واپس ہو رہے تھے، کے راستہ میں دو کلابی شخص ملے، ان دونوں کو آنحضرت ﷺ نے امان دے دی تھی، لیکن عمرو کو معلوم نہ تھا، اس لئے دونوں کو قصاص میں قتل کر دیا آنحضرت ﷺ کو خبر ہوئی تو آپ کو بہت صدمہ ہوا، اور دونوں کی دیت ادا کی۔ ۳۔

حضرت عمروؓ کی سفارت اور نجاشی کا اسلام ۶ھ میں آنحضرت ﷺ نے ان کو نجاشی کے پاس دعوت اسلام کا خط لے جانے پر مامور کیا، اس خط میں دعوت اسلام کے علاوہ مہاجرین کی مین میزبانی کی سفارش اور حضرت ام حبیبہؓ (جو اس وقت مہاجرین حبش کے ساتھ حبشہ میں موجود تھیں) کے ساتھ نکاح کا قیام بھی تھا، اس دعوت نامہ کے اثر سے نجاشی حضرت جعفر کے ہاتھ پر مشرف باسلام ہوا اور آنحضرت ﷺ کے نامہ مبارک کے جواب میں ایک عریضہ لکھا،

جس میں اسلام کا اقرار، قدم بوسی کی تمنا اور مہاجرین کی میزبانی وغیرہ کا ذکر تھا، اس کے بعد نجاشی نے حضرت ام حبیبہؓ کو آنحضرت ﷺ کی طرف سے نکاح کا پیام دیا، اور خود آنحضرت ﷺ کی طرف سے وکیل بنا اور نکاح کے بعد آپ کی طرف سے چار سو دینار مہر منجمل ادا کیا۔

ایک سریہ اس سفارت کے بعد ابوسفیان کی ایک شرارت کا بدلہ لینے کی خدمت سپرد ہوئی، اس کا واقعہ یہ ہے کہ ابوسفیان قریش کے کچھ لوگوں کو آنحضرت ﷺ کے قتل پر آمادہ کر رہا تھا، ایک اعرابی نے اس کا بیڑا اٹھایا اور ابوسفیان نے ضروری سامان مہیا کر دیا، وہ مدینہ پہنچا، آنحضرت ﷺ مسجد میں تشریف رکھتے تھے یہ بھی وہیں پہنچا، لیکن آنحضرت ﷺ اس کی نیت تاڑ گئے، فرمایا کہ یہ کوئی فریب کرنا چاہتا ہے، اعرابی حملہ کرنے ہی والا تھا کہ حضرت اسید بن حضیرؓ نے جھپٹ کر دبوچ لیا، اعرابی کے ازار سے خنجر گرا، جرم کھلا ہوا تھا، کسی شاہد کی ضرورت نہ تھی، لیکن رحمۃ للعالمین نے معاف کر دیا، اس نے پورا پورا واقعہ سنایا، چونکہ اس جرم کا اصل بانی ابو سفیان تھا اور اس کی بدولت اہل مدینہ اور قریش کی باہمی جنگ کی سی حالت قائم تھی، اس لئے آنحضرت ﷺ نے عمرو بن امیہ اور سلمہ بن اسلم کو اس غرض سے بھیجا کہ اگر موقع ملے تو اس فتنہ کے بانی کو ہمیشہ کے لئے خاموش کر دیا جائے، یہ دونوں بزرگ مکہ پہنچے، لیکن معاویہ نے خانہ کعبہ کا طواف کرتے ہوئے ان کو دیکھ لیا اور قریش کو خبر کر دی، ان لوگوں نے کہا، ان کا آنا بے سبب نہیں ہے اور یہ کوئی نہ کوئی حرکت ضرور کریں گے ان لوگوں نے جب دیکھا کہ راز فاش ہو گیا تو مکہ سے نکل گئے راستہ میں عبید اللہ بن مالک اور بنو ہذیل کا ایک آدمی ملا، عمروؓ نے عبید اللہ کا اور سلمہ نے دوسرے شخص کا کام تمام کر دیا، اس کے بعد قریش کے دو جاسوس ملے جو ان ہی کی تلاش میں پھر رہے تھے، ان دونوں بزرگوں نے ان میں سے بھی ایک کو قتل کر دیا اور ایک کو پکڑ کر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں لائے۔

وفات امیر معاویہؓ کے آخری عہد امارت ۶۰ھ کے قبل مدینہ میں وفات پائی۔

اولاد جعفر، عبد اللہ اور فضل تین لڑکے یادگار تھے۔

فضل و کمال فضل و کمال میں گو کوئی ممتاز حیثیت نہ تھی، تاہم ان کی ۲۰ روایات حدیث کی کتابوں میں موجود ہیں، تلامذہ میں ذیل کے نام ہیں، عبد اللہ، جعفر، فضل، زبیر قان، شععی، ابوسلمہ بن عبد الرحمن، ابو قلابہ، جرمی اور ابوالمہاجر۔

عام حالات شجاعت و شہامت اور جرأت و دلیری میں عرب کے ممتاز لوگوں میں تھے، ۶۰ھ کے لئے آنحضرت ﷺ اہم امور کی تکمیل ان کے سپرد فرماتے تھے۔

۲ ابن سعد جز ۲ ق ۱ ص ۶۸،

۱ طبری ص ۱۵۶۹، ۱۵۷۰،

۳ تہذیب التہذیب ج ۸ ص ۶،

۳ تہذیب الکمال ص ۲۸۷،

۱ تہذیب التہذیب ج ۸ ص ۶،

۵ تہذیب الکمال ص ۲۸۷،

۱۸۶ ص ۳ ج ۱۸۶

حضرت ابان بن سعید بن العاص

نام و نسب..... ابان نام، سلسلہ نسب یہ ہے، ابان بن سعید بن العاص بن امیہ بن عبد شمس بن عبد مناف بن قصی بن کلاب بن مرہ بن کعب بن لوی القریشی الاموی، ماں کا نام ہند بنت مغیرہ تھا، ان کا سلسلہ نسب پانچویں پشت پر عبد مناف پر آنحضرت ﷺ سے مل جاتا ہے۔ زمانہ جاہلیت..... اسلام لانے کے قبل ابان بھی دوسرے اہل خاندان کی طرح آنحضرت ﷺ اور مسلمانوں کے سخت خلاف تھے، چنانچہ جب ان کے بھائی خالدؓ اور عمرو مشرف باسلام ہوئے تو انہوں نے اشعار میں اظہار ناراضگی کیا، جس کا ایک شعر یہ ہے

الا لیت میتا بالظریہ شاہد

لما یفتری فی الدین عمرو و خالد

کاش ظریہ میں موت کی نیند سونے والا دیکھتا کہ عمرو اور خالد نے دین میں کیا

افتراء کیا ہے۔

غزوہ بدر میں مسلمانوں کے خلاف مشرکین کی حمایت میں اپنے بھائی عبیدہ اور عاص کے ساتھ لڑنے نکلے، عبیدہ اور عاص مسلمانوں کے ہاتھ سے مارے گئے، لیکن ابان بچ کر نکل گئے، ۳

صلح حدیبیہ کے موقع پر جب آنحضرت ﷺ نے حضرت عثمانؓ کو قریش کے پاس صلح کی گفت و شنید کے لئے بھیجا تو وہ ابان ہی کے یہیں مہمان ہوئے تھے، کیوں کہ یہ حضرت عثمانؓ کے عزیز تھے، اور ان ہی نے ان کی حفاظت کی ذمہ داری لی تھی۔ ۴

ایک راہب سے گفتگو..... گو وہ اسلام اور پیغمبر اسلام ﷺ کے خلاف تھے تاہم اصل حقیقت کی جستجو رہتی تھی، اور آنحضرت ﷺ کی نبوت کے بارہ میں واقف کاروں سے پوچھا کرتے تھے، اس وقت شام اصحاب علم و خبر کا مرکز تھا، یہ تجارت کے سلسلہ میں وہاں جایا کرتے تھے، ایک مرتبہ ایک راہب سے کہا میں قبیلہ قریش سے تعلق رکھتا ہوں اسی قبیلہ کا ایک شخص اپنے کو خدا کا فرستادہ ظاہر کرتا ہے اور کہتا کہ مجھ کو بھی خدا نے عیسیٰ اور موسیٰ کی طرح نبی بنا کر بھیجا ہے، راہب نے نام پوچھا، انہوں نے کہا محمدؐ راہب نے صحف آسمانی کی رو سے بنی مبعوث کا

۲ ایضاً،

۱ اسد الغابہ جلد ۱ ص ۳۵،

۲ استیعاب جلد ۱ ص ۳۵

۳ اصحابہ جلد ۱ ص ۱۰،

نسب وغیرہ بتایا، ابان نے کہا یہ تمام باتیں تو اس شخص میں موجود ہیں، راہب نے کہا تو خدا کی قسم وہ شخص عرب پر اقتدار حاصل کرنے کے بعد تمام دنیا پر چھا جائے گا، تم واپس جانا تو خدا کے اس نیک بندے تک میرا سلام پہنچا دینا، چنانچہ ابان جب واپس ہوئے تو رنگ بدل چکا تھا اور اسلام اور مسلمانوں کے ساتھ وہ پر خاش باقی نہ رہی۔

اسلام و ہجرت کچھ دنوں تک آبائی مذہب کی لاج اور ہم چشموں کی طعنہ زنی کے خیال سے خاموش رہے لیکن زیادہ دنوں تک جذبہ حق نہ دب سکا اور خیر کے قبل مشرف باسلام ہو گئے، ۲ اور غالباً اسلام کے بعد ہی ہجرت کی سعادت بھی حاصل کی۔

غزوات اسلام لانے کے بعد ہی آنحضرت ﷺ نے ایک سریہ کا امیر بنا کر نجد روانہ کیا، وہاں سے کامیاب ہو کر واپس ہوئے تو خیر فتح ہو چکا تھا، اسی وقت حضرت ابو ہریرہؓ بھی مہاجرین حبش کے ساتھ واپس ہوئے تھے، دونوں نے عرض کی یا رسول اللہ خیر کے مال غنیمت سے کچھ ہم لوگوں کو بھی مرحمت ہو، ان میں اور حضرت ابو ہریرہؓ میں پہلے سے کچھ چشمک تھی، انہوں نے کہا یا رسول اللہ! ان لوگوں کو نہ دیجئے، ابان کو غصہ آ گیا بولے پہاڑ کی بھیڑی اتری وہ بھی بولی! آنحضرت ﷺ نے دونوں کو خاموش کیا، ۳

نجد کی مہم کے علاوہ ان کو دوسرے سریوں کی امارت بھی عطا کی گئی۔

بحرین کی امارت علاء بن حضرمی کو معزول کرنے کے بعد آنحضرت ﷺ نے ان کو بحرین کے بری اور بحری دونوں حصوں کا عامل مقرر کیا، آپؐ کی وفات تک یہ اپنے فرائض ذمہ داری سے انجام دیتے رہے، وفات کی خبر سن کر وہاں سے واپس ہوئے۔ ۴

خلافت صدیقی حضرت ابو بکرؓ کی بیعت عام کے بعد قریش کے جو چند افراد کچھ دنوں تک ان کی بیعت سے دست کش رہے تھے، ان میں ایک ابان بھی تھے، لیکن جب بنو ہاشم نے بیعت کر لی، تو ان کو بھی کوئی عذر نہ ہوا، صدیق اکبرؓ نے آنحضرت ﷺ کے کسی عامل کو معزول نہیں کیا تھا، ابان بھی آپؐ کے مقرر کردہ عامل تھے، اس لیے ان سے دوبارہ واپس جانے کی خواہش کی، لیکن انہوں نے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ میں آنحضرت ﷺ کے بعد کسی کا پیش کردہ عہدہ قبول نہیں کر سکتا، بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ زیادہ دنوں تک اس عہدہ پر قائم نہیں رہے اور خلیفہ اول کے اصرار پر یمن کی گورنری قبول کر لی۔ ۵

وفات زمانہ وفات میں بہت اختلاف ہے، بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت

۱۲ استیعاب جلد ۱ ص ۳۵

۱۱ اسد الغابہ جلد ۱ ص ۳۶

۱۳ بخاری جلد ۲ کتاب المغازی غزوہ خیبر میں دو مختلف قسم کی روایتیں ہیں ہم نے دونوں کی تطبیق کی کوشش کی ہے،

۱۵ اسد الغابہ جلد ۱ ص ۳۷

۱۴ استیعاب جلد ۱ ص ۳۵

ابوبکرؓ کے آخر عہد خلافت میں جنگ اجنادین میں شہادت پائی، ابن اسحق کی روایت ہے کہ جنگ یرموک میں شہید ہوئے، ایک روایت کے مطابق پتہ چلتا ہے کہ حضرت عثمانؓ کے عہد خلافت تک زندہ تھے، اور مصحف عثمانی ان ہی کی نگرانی میں حضرت زید بن ثابتؓ کا تب وحی نے لکھا تھا، لیکن ان سب میں مستند تراجم اجدادین کی شہادت کی روایت ہے چنانچہ مصعب، زبیر اور دوسرے نسابوں کا بھی یہی خیال ہے۔

حضرت نعیم بن مسعودؓ

نام و نسب نعیم نام، ابوسلمہ کنیت نسب نامہ یہ ہے، نعیم بن مسعود بن عامر بن انیف بن ثعلبہ ابن قنفذ بن حلاوہ بن سبیح بن بکر بن النجج بن ریث بن عطفان غطفانی انجعی۔

قبل اسلام غزوہ احزاب ۵ھ میں اپنے قبیلہ کے ساتھ مسلمانوں کے مقابلہ کو نکلے تو نعیم اس وقت آبائی مذہب پر تھے، لیکن آنحضرت ﷺ سے قدیم شناسائی کی بنا پر ان کا دل اسلام سے متاثر تھا، غزوہ احزاب میں یہ اثر پورے طور پر نمایاں ہو گیا، چنانچہ ایک دن کسی کو اطلاع دیئے بغیر مغرب و عشاء کے درمیان آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، اس وقت آپ نماز میں مشغول تھے اس سے فارغ ہونے کے بعد ان کو دیکھا، پوچھا کیسے آئے ہو عرض کیا حلقہ بگوش ہونے آیا ہوں، جو خدمت میرے قابل ہو اس کے لیے حاضر ہوں، فرمایا اگر ان قبائل (احزاب کا اجتماع) کو کسی طرح ہٹا سکتے ہو تو ہٹانے کی کوشش کرو، گو عرب کے ٹڈی دل قبائل کا منتشر کرنا آسان نہ تھا، اس لیے نعیم نے ان میں پھوٹ ڈلوادی، پہلے بنو قریظہ کے پاس گئے اور کہا قریش اور غطفان کا کوئی اعتبار نہیں، اگر موقع ملا تو وہ مسلمانوں سے لڑیں گے ورنہ واپس جائیں گے، تم لوگوں کو ہمیشہ مسلمانوں کے ساتھ رہنا ہے، اس لیے تم درمیان میں پڑ کر خواہ مخواہ کیوں جھگڑا خریدتے ہو، اگر تم کو قریش کا ساتھ ہی دینا ہے تو ان کے کچھ آدمی امانت کے طور پر اپنے یہاں رکھ لو کہ وہ کسی قسم کی بد عہدی نہ کر سکیں، ان لوگوں نے یہ مشورہ قبول کیا، اس کے بعد ابوسفیان کے پاس گئے، اور کہا قریظہ مسلمانوں کے ساتھ کشیدگی پر بہت نادم ہیں اور ان سے از سر نو تعلقات خوشگوار بنانا چاہتے ہیں، چنانچہ انہوں نے محمدؐ کے پاس کہلا بھیجا کہ ہم قریش اور غطفان کے ۷۰ ستر آدمی عنقریب تمہارے پاس بھیجیں گے، تم ان کی گردن اڑا کر اپنا بدلہ لینا، اور ان دونوں کے ہٹانے میں بھی ہم تمہارے معاون و مددگار رہیں گے، اس لئے میرا دوستانہ مشورہ ہے کہ تم ان کے دام فریب میں نہ آؤ، اگر وہ ضمانت وغیرہ میں کچھ آدمی مانگیں تو ہرگز نہ دو، اس کے بعد قبیلہ غطفان کو بھی یہی مشورہ دیا، یہ خود اس قبیلہ کے آدمی تھے، اس لیے سب نے متفقہ ان کی تائید کی۔

اس کے بعد بنو قریظہ نے ابوسفیان کے پاس آدمی بھیجا کہ ہم کو خطرہ ہے کہ تم لوگ ہم کو چھوڑ کر محمدؐ کا ساتھ دو گے، اس لئے ہم اس وقت محمدؐ سے لڑنے میں تمہارا ساتھ نہیں دے سکتے جب تک ہمارے اطمینان کے لیے ستر آدمی ضمانت کے طور پر ہمارے یہاں نہ بھیج دو، ابوسفیان

نے کہا نعیم کا کہنا سچ تھا، اس کے بعد غطفان کے پاس بھی یہی پیغام بھیجا، لیکن سب نے آدمی دینے سے انکار کر دیا اور کہا ہم آدمی تو نہیں دے سکتے اگر تم کو یقین نہیں ہے تو ہم سے الگ ہو کر تم خود مسلمانوں سے مقابلہ کرو، یہودیوں نے کہا تو راقہ کی قسم نعیم کا کہنا بالکل سچ تھا، غرض اس کے بعد کسی کو ایک دوسرے پر اعتبار نہیں رہا، اور آپس میں پھوٹ پڑ گئی۔

اتفاق سے اسی دوران میں ہوا کا ایسا طوفان آیا کہ خیموں کی طنائیں اکھڑ گئیں اور چوڑھوں پر سے ہانڈیاں الٹ گئیں، غرض کچھ نا اتفاقی اور کچھ موسم کی خرابی کی وجہ سے سب نے اپنی اپنی راہ لی اور نعیم کی کارکردگی سے کفار کے بادل ہوا بن کر اڑ گئے۔

ہجرت..... اس غزوہ کے بعد ہجرت کر کے مدینہ چلے گئے۔ ۲

غزوات..... غزوہ احزاب کے بعد دوسرے غزوات میں بھی شریک ہوتے رہے غزوہ تبوک میں اپنے قبیلہ کو ابھار کر لائے، پھر فتح مکہ کے لیے بنو النجج کو آمادہ کرنے کے لئے گئے۔ ۳

وفات..... وفات کے بارے میں دو روایتیں ہیں، ایک یہ کہ جنگ جمل میں کام آئے دوسری یہ کہ اسی عہد میں وفات پائی۔ ۴

فضل و کمال..... کے اعتبار سے کوئی قابل ذکر مرتبہ نہ تھا، تاہم ان کے صاحبزادے سلمہ نے ان سے روایتیں کی ہیں۔ ۵

۱۔ ابن سعد جز ۴ ق ۲ ص ۲۰،

۲۔ ایضاً،

۳۔ ایضاً،

۴۔ استیعاب ج اول ص ۳۱۲ تذکرہ نعیم بن مسعود،

۵۔ تہذیب الکمال ص ۴۰۳

حضرت واقد بن عبد اللہؓ

نام و نسب واقد نام، والد کا نام عبد اللہ تھا، سلسلہ نسب یہ ہے۔ واقد بن عبد اللہ بن عبد مناف بن عرین بن ثعلبہ بن ربیع بن حنظلہ بن مالک بن زید مناة بن قسیم تميمی حنظلی۔ اسلام و ہجرت دعوت کے آغاز یعنی آنحضرت ﷺ کے ارقم کے گھر میں پناہ گزین ہونے کے قبل مشرف باسلام ہوئے اور اذن ہجرت کے بعد وطن چھوڑ کر مدینہ کی غربت اختیار کی اور رفاعہ بن عبد المذہر کے مہمان ہوئے، آنحضرت ﷺ نے غربت کی اجنبیت دور کرنے کے لئے ان میں اور بشر بن براء بن معرور میں مواخاۃ کرا دی۔

غزوات ہجرت عظمیٰ کے بعد آنحضرت ﷺ نے سب سے پہلے سریہ مقام نخلہ میں عبد اللہ ابن جحش کی زیر امارت قریش کی نقل و حرکت کا پتہ چلانے کے لئے بھیجا، اس میں حضرت واقد بھی تھے، ان لوگوں نے منزل مقصود پر پہنچ کر قیام کیا، ابھی یہ لوگ پہنچے ہی تھے کہ قریش کا قافلہ ادھر سے گذرا، مسلمانوں نے حملہ کرنے کا مشورہ کیا، لیکن رجب کا مہینہ تھا جس میں عرب میں خوزیزی حرام تھی، اس لیے سب ابتدا کرتے ہوئے جھجک محسوس کر رہے تھے، لیکن حضرت واقد نے ہمت کر کے عمرو بن حفص کو تیر کا نشانہ بنا دیا، مکہ والوں نے آنحضرت ﷺ کے پاس شکایت کہلا بھیجی کہ تم لوگ بھی شہر حرام کی حرمت کرتے ہو اور اس میں خوزیزی کرنا برا سمجھتے ہو، پھر تمہارے آدمی نے ہمارے ایک آدمی کا خون کیوں بہایا؟ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

يسئلونك عن الشهر الحرام قتال فيه قل قتال فيه كبير و صد
عن سبيل الله و كفر به و المسجد الحرام و اخراج اهله منه اكبر
عند الله و الفتنة اكبر من القتل (بقرہ ۲۶)

اے محمد! مشرکین تم سے شہر حرام میں لڑائی کے متعلق پوچھتے ہیں، ان سے کہہ دو کہ اس میں لڑنا بڑا گناہ ہے لیکن خدا کی راہ سے رد کرنا اور لوگوں کو مسجد حرام میں نہ جانے دینا اور اس مسجد میں عبادت کرنے والوں کو نکالنا اللہ کے نزدیک اس سے بھی بڑا گناہ ہے، اور فساد برپا کرنا قتل سے بھی بڑھ کر ہے۔

سریہ نخلہ میں ایک مشرک کا سب سے پہلا خون تھا جو حضرت واقدؓ کے ہاتھ سے بہا اس
 سریہ کے بعد بدر، احد، خندق وغیرہ کی تمام معرکہ آرائیوں میں برابر شریک ہوتے رہے۔
 وفات..... حضرت عمرؓ کے عہد خلافت میں وفات پائی۔
 فضل و کمال..... فضل و کمال کے لحاظ سے گو کوئی لائق ذکر مرتبہ نہ پاسکے، تاہم ان کی ایک
 آدھ روایت کتب احادیث میں موجود ہے۔

حضرت عیاش بن ابی ربیعہؓ

نام و نسب عیاش نام، ابو عبد الرحمن کنیت، نسب نامہ یہ ہے، عیاش بن ابی ربیعہ بن عبد اللہ بن عمرو بن مخزوم مخزومی، عیاش مشہور دشمن اسلام ابو جہل کے ماں جائے بھائی تھے۔ اسلام و ہجرت گو عیاش ابو جہل جیسے کینہ پرور کے بھائی اور اس کے ہم صحبت تھے تاہم ان کا آئینہ قلب کدورتوں سے پاک اور پرتو حق قبول کرنے کے لیے آمادہ تھا چنانچہ دعوت اسلام کی ابتدائی ایام میں یعنی آنحضرت ﷺ کے ارقم کے گھر میں تشریف لانے کے قبل دولت، اسلام سے بہرہ ور ہوئے، اور ہجرت ثانیہ میں مع اپنی بیوی اسماء کے ہجرت کر کے حبشہ چلے گئے، یہاں ایک صاحبزادہ عبد اللہ پیدا ہوئے، پھر حبشہ سے مکہ آئے، اور مکہ سے حضرت عمرؓ کے ساتھ ہجرت مدینہ کا شرف حاصل کیا۔

اہتلا و آزمائش ابو جہل جو دوسروں کو اسلام اور مسلمانوں کے خلاف برا بیچتے کرتا تھا، اور اس جرم میں اپنے زیر دستوں کو سخت سے سخت سزائیں دیتا تھا، اپنے بھائی کا اسلام کس طرح ٹھنڈے دل سے گوارا کر لیتا، چنانچہ انکی تلاش میں مکہ سے مدینہ آ گیا، اور عیاش سے کہا کہ والدہ تمہاری جدائی سے سخت بے قرار ہیں، اور انہوں نے قسم کھالی ہے کہ جب تک وہ تم کو دوبارہ نہ دیکھ لیں گی اس وقت تک نہ سر میں تیل ڈالیں گی اور نہ سایہ میں بیٹھیں گی، عیاشؓ ماں کی یہ حالت سن کر ان کی محبت میں ابو جہل کے ساتھ مکہ واپس آ گئے، یہاں پہنچ کر ابو جہل نے ان کو قید کر دیا، اور عرصہ تک اس قید میں گرفتار رہے، آنحضرت ﷺ دوسرے مسلمان قیدیوں کے ساتھ ان کے لیے بھی دعا فرماتے تھے، کہ خدایا ان کو مشرکین کے ظلم سے نجات دلا۔

عیاشؓ کے ساتھ ایک اور بزرگ ولید بھی اسی جرم میں قید تھے، وہ کسی طرح چھوٹ کر نکل گئے اور آنحضرت ﷺ سے ان کی مصیبت بیان کی، آنحضرت ﷺ نے انہیں دوبارہ عیاشؓ اور سلمہؓ کو چھڑانے کے لیے واپس کیا چنانچہ یہ مکہ گئے اور ان دونوں بزرگوں کو قید سے نکال لائے۔

وقات حضرت ابو بکرؓ کے عہد میں فتوحات شام میں مجاہدانہ شریک ہوئے اور ایک روایت کی رو سے اسی سلسلہ میں یرموک یا یمامہ کے معرکہ میں شہید ہوئے، اور دوسری روایت کی

رو سے شام میں وفات پائی، لیکن طبری کے بیان کے مطابق شام سے واپس ہو کر مکہ میں پیوند خاک ہوئے۔

فضل و کمال..... ان کی روایات احادیث کی کتابوں میں موجود ہیں، ان سے روایت کرنے والوں کی تعداد میں انس اور عبدالرحمن قابل ذکر ہیں۔

حضرت ابو فکیہہؓ

نام و نسب یسار نام، ابو فکیہہ کنیت، نسبی تعلق قبیلہ ازد سے تھا، ابتدا میں بنو عبددار کے غلام تھے۔

اسلام و شہداء دعوت اسلام کے ابتدائی زمانہ میں مشرف باسلام ہوئے، آغاز دعوت میں آزاد مسلمان بھی مشرکین مکہ کے ظلم و ستم سے محفوظ نہ تھے، ابو فکیہہؓ تو بے یار و مددگار غلام تھے اور سنگدل آقا خود آمادہ ستم تھے، اس لیے اسلام لانے کے بعد ظلم و ستم کا نشانہ بن گئے اور بنو عبددار ان کو طرح طرح کی درد انگیز سزائیں دیتے تھے، ٹھیک دو پہر کو پتی ہوئی ریت پر منہ کے بل لٹا کر پیٹھ پر ایک بھاری پتھر رکھ دیتے تاکہ جنبش نہ کر سکیں اور اس عبرت انگیز سزا کا سلسلہ اس وقت تک قائم رہتا جب تک ابو فکیہہؓ بے ہوش نہ ہو جاتے، ایک مرتبہ امیہ نے پاؤں میں بیڑیاں ڈال کر گھسیٹ کے جلتی ہوئی ریت میں ڈال دیا، ادھر سے ان کا بیٹا صفوان گذرایہ بھی ”گرگ زادہ“ تھا، ابو فکیہہؓ سے پوچھا کیا یہ (امیہ) تیرے رب نہیں ہیں؟ اس حالت میں انہوں نے جواب دیا کہ میرا رب خدا ہے، اس جواب پر صفوان نے غضب ناک ہو کر ابو فکیہہؓ کا گلا گھونٹنا شروع کیا اس کے دوسرے بھائی نے للکارا کہ ذرا اور زور سے صفوان نے شکنجہ اور کس دیا اور اس وقت چھوڑا جب موت کا خطرہ پیدا ہو گیا، حسن اتفاق سے اسی وقت ستم زدہ غلاموں کے مولیٰ (ابو بکر صدیق) ادھر سے گذرے، انہوں نے اس حال میں دیکھا تو خرید کر آزاد کر دیا۔^۱

ہجرت و وفات آزادی کے بعد ہجرت ثانیہ میں حبشہ چلے گئے، لیکن طرح طرح کے المناک عذاب سہتے سہتے قویٰ ضعیف اور اعضاء کمزور ہو چکے تھے اس لیے ہجرت کے بعد زیادہ دنوں تک زندہ نہ رہ سکے، اور غزوہ بدر کے قبل انتقال کر کے کشتگان خنجر تسلیم میں جا ملے۔^۲

۱۔ اصحابہ جلد ۲ ص ۷۶

۲۔ اسد الغابہ جلد ۵

۳۔ ابن سعد جلد ۱ ص ۹۱

حضرت عبداللہ بن مخرمہؓ

نام و نسب عبداللہ نام، ابو محمد کنیت، سلسلہ نسب یہ ہے، عبداللہ بن مخرمہ بن عبد العزیٰ بن ابی قیس بن عبد ود بن نصر بن مالک بن حسل بن عامر بن لوئی قرشی، عامری، ماں کا نام بہنانہ تھا اور قبیلہ بنو کنانہ سے تعلق رکھتی تھیں۔

اسلام و ہجرت آغاز دعوت میں مشرف باسلام ہوئے، اسلام کے بعد ہجرت حبشہ کا شرف حاصل کیا، پھر وہاں سے مدینہ آئے پھر وہاں سے مدینہ آئے اور کلثوم بن ہدم کے یہاں اترے، آنحضرت ﷺ نے ان میں اور فردہ بن عمرو بیاضی میں مواخاۃ کرا دی۔

غزوات مدینہ آنے کے بعد سب سے پہلے بدر عظمیٰ میں شریک ہوئے اور بدری ہونے کا امتیاز حاصل کیا، اس وقت ان کی عمر تیس سال تھی، بدر کے بعد احد اور خندق وغیرہ تمام معرکوں میں آنحضرت ﷺ کے ساتھ رہے۔

شہادت حضرت عبداللہ کا جذبہ شہادت اتنا بڑھا ہوا تھا کہ ہر موئے بدن خوننا بہ فشانی کے لیے بے قرار رہتا تھا، چنانچہ وہ دعا کیا کرتے تھے، کہ ”خدا یا تو مجھے اس وقت تک دنیا سے نہ اٹھا جب تک میرے جسم کا جوڑ جوڑ تیری راہ میں زخموں سے چور چور نہ ہو جائے“ یہ دعا قبول ہوئی اور بہت جلد اس کا موقع مل گیا، حضرت ابو بکرؓ کے عہد خلافت میں فتنہ ارتداد کی مہم میں مجاہدانہ شریک ہو گئے اور مردوں کے مقابلہ میں اس بے جگری سے لڑے کہ جسم کے تمام جوڑ بند زخموں سے چور ہو گئے، رمضان کا مبارک مہینہ تھا، روزہ رکھے ہوئے تھے، عبداللہ بن عمرؓ غروب آفتاب کے وقت جب کہ ابن مخرمہؓ کا آفتاب عمر لب بام آپکا تھا، ان کی خبر لینے آئے انہوں نے پوچھا ابن عمرؓ تم افطار کر چکے؟ انہوں نے کہا ہاں، فرمایا میرے لیے بھی پانی لاؤ، لیکن پانی آتے آتے ابن مخرمہؓ تشنہ لب حوض کوثر پر پہنچ گئے اس وقت ان کا اکتالیسواں سال تھا۔

اہل و عیال اولاد میں صرف ایک صاحبزادہ مساحق کا پتہ چلتا ہے، یہ نہ نب بنت سراقہ کے لطن سے تھے۔

فضل و کمال ابن مخرمہؓ علم و عمل اور زہد و ورع کے لحاظ سے ممتاز شخصیت کے مالک تھے، صاحب اسد الغابہ لکھتے ہیں: کان فاضلاً عابداً یعنی ابن فکیہہ فاضل اور عبادت گزار تھے۔

حضرت نعیم النحامؓ

نام ونسب..... نعیم نام، نحام لقب، نسب نامہ یہ ہے، نعیم بن عبد اللہ بن اسید بن عوف بن عبید بن عوتج بن عدی بن کعب عدوی قرشی، نحام کے لقب کی وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ایک مرتبہ فرمایا کہ میں نے جنت میں نعیم کی ”نحمہ“ یعنی آواز سنی اسی وقت سے نحام ان کا لقب ہو گیا۔

اسلام..... نعیم نے اس وقت توحید کی دعوت پر لبیک کہا جب کل ۹ یا ۱۰ ابندگان خدا نے اس دعوت حق کا جواب دیا تھا، حتیٰ کہ حضرت عمرؓ بھی اس وقت تک کفر کی تاریکی میں محصور تھے، لیکن اس زمانہ میں اسلام کا اظہار تعزیرات مکہ میں شدید ترین جرم تھا، اس لیے عرصہ تک اسلام کا اعلان نہ کر سکے، ہجرت کے اذن کے بعد جب مسلمانوں کے لیے بیت الامن مدینہ کا دروازہ کھلا تو انہوں نے بھی ہجرت کا ارادہ کیا، مگر بنی عدی کی جن بیواؤں اور یتیموں کی پرورش اور خبر گیری کرتے تھے، انہوں نے التجا کی کہ ہم کو چھوڑ کر نہ جائیے، جس مذہب میں دل چاہے رہیے مگر جانے کا قصد نہ کیجئے آپ سے کوئی شخص تعرض نہیں کر سکتا، پہلے ہم سب کی جائیں قربان ہو جائیں گی، اس وقت آپ کو کوئی گزند پہنچ سکے گا، اس مجبوری کی بنا پر ابتدا میں ہجرت کا شرف حاصل نہ ہو سکا، لیکن یتیموں اور بیواؤں کی پرورش خود ایسی فضیلت ہے، جس کے مقابلہ میں ہجرت کی تاخیر چنداں اہمیت نہیں رکھتی۔

ہجرت..... ۶ھ میں اپنے چالیس اہل خاندان کے ساتھ ہجرت کر کے مدینہ گئے، آنحضرت ﷺ نے گلے لگا کر بوسہ دیا ۴ اور فرمایا نعیم تمہارا قبیلہ تمہارے حق میں میرے قبیلہ سے بہتر تھا، انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ کا قبیلہ بہتر تھا، فرمایا یہ کیسے؟ میرے قبیلہ نے تو مجھ کو نکال دیا، مگر تمہارے قبیلہ نے تم کو ٹھہرائے رکھا، عرض کیا یا رسول اللہ آپ کی قوم نے آپ کو ہجرت پر آمادہ کیا، اور میری قوم نے مجھ کو اس شرف سے محروم رکھا۔ ۵

۱، مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۲۵۹،

۲، استیعاب جلد اول ص ۳۱۱

۳، اسد الغابہ جلد ۵ ص ۳۲ حاکم نے مستدرک میں روایت کیا ہے کہ حبش کی ہجرت میں شریک تھے، لیکن اور تمام ارباب سیر اسکے مخالف ہیں۔

۴، ابن سعد جلد ۴ ق ۱ ص ۱۰۶

۵، اصابع جلد ۶ ص ۲۲۸

غزوات..... مدینہ آنے کے بعد تمام غزوات میں آنحضرت ﷺ کے ہمراہ رہے۔
وفات..... بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابو بکر صدیقؓ کے عہد خلافت میں
اجنادین کے معرکہ میں شہادت پائی اور بعض سے معلوم ہوتا ہے کہ ۱۵ھ میں یرموک میں شہید
ہوئے۔

اولاد..... وفات کے بعد اولاد ذکور میں ابراہیم اور اثاث میں امہ چھوڑیں، اول الذکر زینب
بنت حنظلہ کے لطن سے تھے اور ثانی الذکر عاتکہ بنت حذیفہ کے لطن سے تھیں۔ ۲
عام حالات..... نہایت فیاض، رحم دل، یتیموں کا بچا، بیواؤں کا ماویٰ اور غریبوں کے مددگار
تھے، بنی عدی میں یتیموں اور بیواؤں کے علاوہ اور جس قدر فقراء تھے، ان سب کو مہینہ مہینہ کر کے
کھانا کھلاتے تھے۔ ۳

حضرت معمر بن عبد اللہ

نام و نسب معمر نام، باپ کا نام عبد اللہ، سلسلہ نسب یہ ہے۔ معمر بن عبد اللہ بن نعلہ بن عبد العزیٰ بن حرثان بن عوف بن عبید بن عویج بن عدی بن کعب القرشی العدوی۔

اسلام و ہجرت معمر ابتدائے دعوت اسلام میں اسلام لائے، اور ہجرت ثانیہ میں حبشہ گئے، پھر وہاں سے مکہ واپس آئے اور عرصہ تک یہاں مقیم رہے، اس لئے مدینہ کی ہجرت میں تاخیر ہوئی اور بالکل آخر میں یہ شرف حاصل ہو سکا۔

حجۃ الوداع اسلام کے بعد کا زمانہ زیادہ تر حبشہ اور مکہ میں گزارا تھا، اس لئے غزوات میں شرکت کا موقع نہ مل سکا اور مدینہ آنے کے بعد سب سے پہلے آنحضرت ﷺ کے ساتھ حجۃ الوداع میں شریک ہوئے، اس سفر میں سواری مبارک کا اہتمام انہی کے سپرد تھا اور کجاوہ وغیرہ یہی کہتے تھے، ایک دن کسی حاسد نے اس کو ڈھیلا کر دیا جس سے وہ چلنے میں ہلنے لگا، صبح کو آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ”رات تک ڈھیلا معلوم ہوتا تھا“، عرض کی میں نے حسب معمول کس کر باندھا تھا، اس شرف پر کسی حاسد نے ڈھیلا کر دیا ہوگا، تا کہ میری جگہ کسی دوسرے کو یہ خدمت سپرد کر دی جائے، آپ نے فرمایا ”تم مطمئن رہو، میں تمہارے علاوہ کسی دوسرے کو نہ مقرر کروں گا“ اسی حج میں ان کو موئے مبارک تراشنے کا شرف حاصل ہوا، جب یہ استرا لے کر تیار ہوئے تو آنحضرت ﷺ نے حرا فرمایا ”معمر تم کو رسول اللہ ﷺ نے اپنے کان کی لو پر قابو دے دیا ہے اور تمہارے ہاتھ میں استرہ ہے“ عرض کی خدا کی قسم یا رسول اللہ! یہ خدا کی کتنی بڑی نعمت اور اس کا کتنا بڑا احسان ہے کہ مجھ کو حضور کے بال تراشنے کا شرف حاصل ہو رہا ہے۔
فضل و کمال معمر کو آنحضرت ﷺ کی محبت کا زیادہ موقع نہیں ملا تھا اس لیے صرف دو

حدیثیں مروی ہیں۔ ۳

احتیاط تاہم عملی زندگی میں ادنیٰ ادنیٰ باتوں میں بڑی احتیاط کرتے تھے، ایک مرتبہ غلام کو گتہوں دیا کہ اس کو بیچ کر اس کی قیمت سے جو خرید لائے، غلام نے بیچنے کے بجائے بھڑ سے بدل لیا اور بھڑ کی مقدار زیادہ تھی، ان کو معلوم ہوا تو باز پرس کی کہ تم نے ایسا کیوں کیا، تبادلہ میں مساوات کا لحاظ رکھا کرو، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ کھانے کی چیزوں کا تبادلہ کھانے کی چیزوں کے ساتھ برابر برابر ہونا چاہیے، اور اسی وقت غلام کو بیچ کر واپس کر دیا۔ ۴

۳۔ مسند احمد بن حنبل جلد ۶ ص ۴۰۰

۴۔ مسلم جلد ۱ ص ۶۳۳ طبع مصر

۱۔ ابن سعد جز ۲ ق ۱ ص ۱۰۲ ترجمہ معمر

۲۔ تہذیب الکمال ص ۳۸۴

حضرت عمرو بن عوفؓ

نام و نسب..... عمرو نام، ابو عبد اللہ کنیت، سلسلہ نسب یہ ہے، عمرو بن عوف بن زید بن ملیحہ ابن عمرو بن بکر بن افرک بن عثمان بن عمرو بن او بن طابخہ بن ایسا بن مضر۔

اسلام و ہجرت..... عمرو بن عوفؓ ابتدائے دعوت اسلام میں مشرف باسلام ہوئے اور آنحضرت ﷺ کے ساتھ ہجرت کر کے مدینہ آئے۔

غزوات..... ابن سعد کی روایت کے مطابق سب سے پہلے غزوہ ابواء میں شریک ہوئے لیکن بعض خندق بتاتے ہیں۔

غزوہ تبوک..... غزوہ تبوک کے زمانہ میں عرب میں ایسا سخت قحط تھا کہ ذی حیثیت صحابہ کے لیے اس میں شریک ہونے کا انتظام مشکل تھا تاہم صحابہ کا تو ذکر ہی نہیں، چنانچہ جب آنحضرت ﷺ نے غزوہ تبوک کے لیے تیاریاں شروع کیں اور دو تہذیبیہ صحابہ اپنا ساز و سامان درست کیا تو وہ صحابہ جو ایمان کی لازوال دولت کے سوا مادی دولت سے کبھی دامن تھے، خدمت نبوی میں حاضر ہوئے، ان میں حضرت عمرؓ بھی تھے، ان سب نے مل کر درخواست کی کہ ”ہم بالکل بے مایہ ہیں، اگر ہمارے لئے کچھ انتظام فرمایا جائے، تو ہم بھی شرف جہاد سے محروم نہ رہیں“، یہاں فقر و فاقہ کے سوا کیا تھا، جواب ملا، میرے پاس کیا ہے یہ لوگ جہاد کی محرومی پر غمگین و طول روتے ہوئے واپس ہوئے، مگر ان آنسوؤں نے دامن رحمت کو غم کر دیا اور اس حکم نے ان کو جہاد سے مستثنیٰ کر دیا۔

ولا علی الذین اذا ما اتوک لتحملهم قلت لا اجد ما احملکم

علیہ تولوا و اعینہم تفیض من الدمع حزنا لا یجدوا ما ینفقون۔

(توبہ ۱۲۰)

اور نہ ان لوگوں پر (الزام) ہے جو تمہارے پاس آئے کہ ان کو سواری بہم پہنچا دو تو تم نے جواب دیا کہ میرے پاس کوئی ایسی چیز نہیں ہے جس پر تم کو سوار کروں (یہ سن کر) وہ لوٹ گئے، خرچ نہ میسر آنے کے غم میں ان کی آنکھیں اشکبار تھیں۔

وفات..... امیر معاویہؓ کے عہد خلافت میں مدینہ میں وفات پائی۔

حضرت عثمان بن طلحہؓ

نام و نسب عثمان نام، والد کا نام طلحہ تھا، نسب نامہ یہ ہے، عثمان بن طلحہ بن عبد اللہ بن عبد العزیٰ بن عثمان بن عبد دار بن قصی بن کلاب بن مرہ قرشی العبدری ماں کا نام سنامہ تھا، یہ قبیلہ بنی عمرو سے تھیں، عثمانؓ کے والد طلحہ احد میں مشرکین کے ساتھ صف آرا تھے اور حضرت علیؓ کے مقابلہ میں آئے لیکن ذوالفقار حیدری سے نہ بچ سکے، زمانہ جاہلیت میں خانہ کعبہ کی کلید برداری کا منصب طلحہ کے متعلق تھا، اور زمانہ اسلام میں یہ وراثت عثمان کو ملی۔

اسلام و ہجرت فتح مکہ کے پہلے خالد بن ولیدؓ اور عمرو بن العاصؓ کے ساتھ اسلام قبول کیا، اور ۸ھ میں ہجرت کر کے مدینہ کا قیام اختیار کیا۔

غزوہ فتح ہجرت کے بعد سب سے پہلے غزوہ فتح میں شریک ہوئے اور خانہ کعبہ میں آنحضرت ﷺ کے جلو میں داخل ہوئے، اس وقت کلید برداری کے منصب پر یہی فائز تھے، آنحضرت ﷺ نے ان سے کنجی طلب کی، انہوں نے گھر جا کر ماں سے مانگی، ماں نے دینے سے انکار کر دیا، (غالباً یہ اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئی تھیں) بولے ابھی حوالہ کر دو ورنہ خدا کی قسم یہ تلوار پیٹھ میں اتار دوں گا اور کنجی لے کر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں پیش کی، آپ دروازہ کھول کر اندر داخل ہوئے، یہ بھی ساتھ ساتھ تھے دونوں کے اندر جانے کے بعد دروازہ اندر سے بند کر لیا گیا، پھر ظہیر کعبہ کے بعد جب آنحضرت ﷺ برآمد ہوئے تو کنجی عثمان کے حوالہ کر کے فرمایا، جو شخص اس کو تم سے چھینے گا وہ ظالم ہوگا۔

وفات تاحیات نبوی مدینہ میں رہے، آپ کی وفات کے بعد کلید برداری کے فرائض کی وجہ سے پھر مکہ گئے اور یہیں ۴۲ھ میں وفات پائی۔

۲۔ مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۴۲۹،

۳۔ استیعاب جلد ۲ ص ۴۴۷،

۱۔ اسد الغابہ جلد ۳ ص ۴۷۲،

۲۔ مسلم جلد ۱ ص ۵۰۸ طبع مصر

۵۔ ایضاً

حضرت سہل بن بیضاءؓ

نام و نسب..... سہل نام، والد کا نام وہب، نسب نامہ یہ ہے، سہل بن وہب بن ربیعہ ابن ہلال بن مالک بن ضبہ بن حارث بن فہر بن مالک، ماں کا نام بیضاء تھا، نانہالی شجرہ یہ ہے۔ بیضاء بنت جحدم بن عمرو بن عائش بن ظرب بن حارث بن فہر، سہل باپ کے بجائے ماں کی نسبت سے مشہور ہوئے، چنانچہ عام طور پر سہل بن بیضاء کہلاتے تھے۔

قبل از اسلام..... اسلام لانے سے پہلے بھی منصف مزاج اور رقیق القلب تھے، چنانچہ دعوت اسلام کے آغاز میں جب قریش نے آپس میں معاہدہ کر کے آنحضرت ﷺ اور آپ کے ساتھ آپ کے خاندان والوں کو شعب ابی طالب میں محصور کر دیا اور بنی ہاشم کئی برس تک مضیبتیں جھیلتے رہے تو آخر میں بعض خدا ترس اور منصف مزاج آدمیوں نے اس معاہدہ کے خلاف صدائے احتجاج بلند کیا اور ان کی کوششوں سے یہ معاہدہ ٹوٹا، ان عدل پرور لوگوں میں سہل بھی تھے۔

اسلام..... اس واقعہ کے کچھ دنوں کے بعد سہل مشرف باسلام ہوئے لیکن مشرکین مکہ کے خوف سے اپنے اسلام لانے کا اعلان نہیں کیا اور مذہبی فرائض خفیہ ادا کرتے رہے۔

بدر..... غزوہ بدر تک انہوں نے اسلام کا اعلان نہیں کیا تھا اور مشرکین مکہ ان کو آبائی مذہب پر سمجھتے تھے، چنانچہ اپنے ساتھ بدر میں لے گئے، جب مشرکین کو شکست ہوئی تو سہل بھی گرفتار ہوئے، عبداللہ بن مسعودؓ ان کے اسلام سے واقف تھے اور مکہ میں ان کو نماز بھی پڑھتے دیکھ چکے تھے، چنانچہ ان کی شہادت پر سہل کی رہائی ہوئی۔

ہجرت اور غزوات..... رہائی کے بعد مستقلاً مدینہ میں رہنے لگے اور بعض غزوات میں بھی شریک ہوئے۔

وفات..... زمانہ وفات کی تعیین نہیں کی جاسکتی مگر اس قدر مسلم ہے کہ آنحضرت ﷺ کے بعد وفات پائی۔

۱۔ استیعاب جلد ۲ ص ۵۸۵

۲۔ ابن سعد جلد ۳ ق ۱ ص ۱۵۶

۳۔ ایضاً

حضرت سہیل بن بیضاءؓ

نام و نسب سہیل نام، ابو موسیٰ کنیت، باپ کا نام وہب تھا، حضرت سہیل مذکور الصدر بزرگ حضرت سہل کے حقیقی بھائی تھے۔

اسلام و ہجرت دعوت اسلام کے ابتدائی زمانہ میں مشرف باسلام ہوئے، اسلام کے بعد ہجرت کر کے حبشہ گئے، وہاں عرصہ تک مقیم رہے اور جب اسلام کے علانیہ تبلیغ ہونے لگی تو مکہ واپس آئے، پھر آنحضرت ﷺ کے ساتھ مدینہ گئے۔

غزوات مدینہ آنے کے بعد سب سے پہلے بدر میں شریک ہوئے، اس وقت ان کی عمر ۳۰ سال کی تھی اس کے بعد احد اور خندق وغیرہ کے تمام معرکوں میں آنحضرت ﷺ کے ساتھ رہے، ۳ غزوہ تبوک میں آپ کے ساتھ آپ کی سواری پر سوار تھے، راستہ میں آپ نے ان کو تین بلند آواز سے پکارا، یہ برابر جواب دیتے رہے اور لوگ بھی اس پکار کا مقصد سمجھ گئے، اور سب آپ کے گرد جمع ہو گئے، آپ نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص نے خدا کی توحید کی شہادت دی اس پر خدا آتش دوزخ حرام کر دے گا اور جنت یقینی ہو جائے گی۔

وفات تبوک سے واپسی کے بعد ۹ھ میں وفات پائی، آنحضرت نے مسجد میں نماز جنازہ پڑھائی، ۱۵ موت کے بعد ان کی کوئی اولاد یادگار نہ تھی۔

۱۔ بعض ارباب یہ لکھتے ہیں کہ انہوں نے بھی اپنا اسلام چھپایا تھا، لیکن یہ صحیح نہیں ہے، یہ عبداللہ بن مسعود سے بھی پہلے اسلام لائے تھے، اور حبشہ کی جانب ہجرت کی تھی، پھر مدینہ جانے کے بعد غزوات میں برابر شریک ہوتے رہے، اسلام چھپانے والے ان کے بھائی حضرت سہل تھے، جو بدر میں شہید ہوئے اور عبداللہ بن مسعود کی شہادت پر چھوڑے گئے، ابن سعد کا بھی یہی خیال ہے، دیکھو ابن سعد جلد ۳ ق ۱ ص ۱۵۶۔

۲۔ استیعاب جلد ۲ ص ۵۶۱، ۳۔ ابن سعد جلد ۳ ق ۱ ص ۳۰۲

۴۔ تہذیب نام جلد ۳ ص ۶۳۰ مستدرک میں تبوک کا ذکر نہیں ہے لیکن ابن سعد نے تصریح کر دی ہے۔

۵۔ تہذیب نام جلد ۳ ص ۲۶۹

حضرت ابو قیس بن حارثؓ

نام و نسب نام اور کنیت دونوں ابو قیس ہے، والد کا نام حارث تھا، نسب نامہ یہ ہے ابو قیس بن حارث بن قیس بن عدی بن سعد بن سہم قرشی السہمی، ان کے دادا قیس بن عدی سرداران قریش میں سے تھے، اور باپ حارث اس کینہ پرور گروہ میں تھا، جو قرآن کا معطلہ اڑایا کرتا تھا، اور جس کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی تھی۔

الذین جعلوا القرآن عضین فو ربک لنسئلنہم اجمعین عما
کانوا یعلمون فاصدع بما تؤمر و اعرض عن المشرکین انا
کفیناک المستہزئین (حجر: ۵)

جن لوگوں نے قرآن کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالے، تمہارے رب کی قسم ہم ان
کے اعمال کی ضرور باز پرس کریں گے پس تم کو ختم دیا گیا ہے اس کو کھول کر سناؤ اور
مشرکین کی پروا نہ کرو، جو لوگ تم پر ہنستے ہیں ہم ان کے لیے کافی ہیں۔

اسلام و ہجرت لیکن اسی آؤر کے گھر میں ابو قیس جیسا بت شکن پیدا ہوا، جن نے
دعوت حق کی آواز سنتے ہی لبیک کہا اور سبقت فی الاسلام کا شرف حاصل کیا، اسلام کے بعد پھر
ہجرت حبشہ کا شرف حاصل کیا۔

غزوات احد اور خندق وغیرہ سب میں شریک ہوئے۔
شہادت حضرت ابو بکرؓ کے عہد خلافت میں ارتداد کے سلسلہ کی مشہور جنگ یمامہ میں
شہادت پائی۔

حضرت ابو کبشہؓ

نام و نسب سلیم نام، ابو کبشہ کنیت، وطن اور نسب کے بارہ میں مختلف روایات ہیں، بعض فارسی، بعض دوسی اور بعض کی بتاتے ہیں، ابو کبشہ غلام تھے آنحضرت ﷺ نے خرید کر آزاد کیا۔

اسلام ان کے اسلام کا زمانہ متعین طور پر نہیں بتایا جاسکتا، شرف غلامی سے قیاس ہوتا ہے کہ عورت اسلام کے قریب تر زمانہ میں اس شرف سے مشرف ہوئے ہوں گے۔

ہجرت مکہ کے ارباب ثروت اور صاحب وجاہت مسلمانوں کی عزت و آبرو تک مشرکین کے ہاتھ محفوظ نہ تھی، ابو کبشہؓ غلام تھے، ان کا پشت پناہ کون تھا، اس لیے اذن ہجرت کے بعد مدینہ چلے آئے اور کلثوم بن ہدم کے یہاں مقیم ہوئے۔

غزوات مدینہ آنے کے بعد سب سے پہلے بدری ہونے کا شرف حاصل کیا، پھر احد اور دوسرے غزوات میں بھی شریک ہوئے تھے۔

مشرکین کی سفاہت کفار قریش آنحضرت ﷺ کی شان اقدس میں طرح طرح کی گستاخیاں کرتے تھے، چنانچہ ایک سفاہت یہ بھی تھی، کہ آپ کو نعوذ باللہ ابو کبشہ کا بیٹا کہتے تھے، ارباب سیر اس کی مختلف توجیہیں کرتے ہیں، ان میں سب سے زیادہ قرین قیاس یہ ہے کہ ابو کبشہؓ کے نانہالی اجداد میں کوئی شخص ابو کبشہ گذرا تھا، جو تمام عرب کے خلاف ”شعری“ کی کوشش کرتا تھا، آنحضرت ﷺ نے سرے سے بت پرستی کے خلاف آواز بلند کی تھی، اس لیے عربوں کی مخالفت کے اس اشتراک کی بناء پر لوگ کہنے لگے کہ یہ دوسرا اس کا بیٹا پیدا ہوا اور یہ ابو کبشہؓ صاحب کرام میں تھے، اس لیے ادھر ڈال دیا کہ محمد ابو کبشہ کے بیٹے ہیں۔

وفات ۲۲ جمادی الثانی ۱۳ھ یوم سہ شنبہ کو جس دن حضرت عمرؓ خلیفہ ہوئے وفات پائی۔

حضرت سلیط بن عمروؓ

نام و نسب..... سلیط نام، والد کا نام عمرو تھا، نسب نامہ یہ ہے، سلیط بن عمرو بن عبد شمس بن عبد ود بن نصر بن مالک بن حسل بن عامر بن لوی قرشی، ماں کا نام خولہ تھا، نانہالی شجرہ نسب یہ ہے، خولہ بنت عمرو بن حارث بن عمرو بن عبس۔

اسلام..... دعوت اسلام کے آغاز میں مکہ میں مشرف باسلام ہوئے، اور حبشہ کی ہجرت کا شرف حاصل کیا، پھر مدینہ آئے۔

غزوات..... مدینہ آنے کے بعد بدر احد، خندق وغیرہ تمام معرکوں میں آنحضرت ﷺ کے ہمراہ رہے۔

سفارت..... ۶ھ میں جب آپ نے آس پاس کے امراء اور سلاطین کے نام دعوت اسلام کے خطوط بھیجے تو ہوزہ بن علی حنفی کے پاس خط لے جانے کی خدمت سلیط کے سپرد ہوئی، ہوزہ نے بڑی خاطر و مدارت کی اور انعام و اکرام اور خلعت سے نوازا اور جواب میں لکھا کہ تم جس چیز کی دعوت دیتے ہو بہت بہتر ہے، لیکن میں بھی عرب کا ایک معزز و مقتدر شخص ہوں، اس لیے اگر بعض امور میں مجھے بھی شریک کر لو تو میں تمہاری پیروی کے لیے تیار ہوں، آنحضرت ﷺ نے یہ جواب سنا تو فرمایا کہ اگر وہ زمین کا ایک چھوٹا سا ٹکڑا بھی مانگے تو میں نہیں دے سکتا۔

شہادت..... حضرت ابو بکر صدیقؓ کے عہد خلافت میں فتنہ ارتداد کی مشہور جنگ یمامہ میں شہید ہوئے، اولاد میں تنہا ایک لڑکے سلیط بن سلیط تھے۔

۱۔ اصحابہ جہد اس ۳۱۵،

۲۔ ابن سعد جز ۴ ق ۱ اس ۴۹۱ بدر بن شریک کا قریب یہ ہے

۳۔ ریحانی جہد ۳ ص ۶۰-۶۱

۴۔ ابن سعد جز ۴ ق ۱ اس ۱۶۹

حضرت ابو مرثد غنویؓ

نام و نسب کنناز نام، ابو مرثد کنیت، باپ کا نام حصین تھا، نسب نامہ یہ ہے، کنناز بن حصین ابن یربوع بن جہینہ بن سعد بن طریف بن خرشہ بن عبید بن سعد بن عوف بن کعب بن جلال ابن غنم بن سحکی ابن یعصر بن سعد بن قیس بن عیلان بن مضر۔

اسلام و ہجرت ابو مرثد نے آغاز دعوت میں اسلام قبول کیا اور اذن ہجرت کے بعد مدینہ گئے، آنحضرت ﷺ نے ان میں اور عبادہ بن صامتؓ میں مواخاۃ کرادی۔

غزوات بدر، احد، خندق اور دوسری معرکہ آرائیوں میں آنحضرت ﷺ کے ساتھ رہے، مشہور صحابی حضرت حاطبؓ بن ابی بلتعہ ہجرت کر کے مدینہ آ گئے تھے، لیکن ان کے اہل و عیال مکہ میں ان کے حلیف کے نگرانی میں تھے، جب آنحضرت ﷺ نے فتح مکہ کا ارادہ کیا تو حضرت حاطبؓ بن ابی بلتعہ نے اپنے بال بچوں کی حفاظت کے خیال سے اپنے حلیف کو اس کی خفیہ تحریری اطلاع دے دی، آنحضرت ﷺ کو اس کی خبر ہوئی، تو آپ نے چند سوار حضرت علیؓ کی سرکردگی میں اس تحریر کی تلاش میں دوڑائے ان میں ایک ابو مرثد بھی تھے، ان لوگوں نے خانہ کے باغ میں خط لے جانے والی عورت کو گرفتار کر لیا اور جامہ تلاشی لے کر خط برآمد کیا۔

وفات حضرت ابو بکر صدیقؓ کے عہد خلافت ۱۲ھ میں چھیانوہ سال کی عمر میں وفات پائی۔

حضرت ذوالشمالینؓ

نام و نسب عمیر نام، ابو محمد کنیت، ذوالشمالین لقب، نسب نامہ یہ ہے، عمیر بن عبد عمرو بن نھلہ بن عمرو بن غبشان بن سلیم بن مالک بن عیسیٰ بن حارث بن عمرو بن عامر۔
اسلام و ہجرت ان کا زمانہ اسلام متعین نہیں قبول اسلام کے بعد مدینہ ہجرت کی، اور سعد بن خثیمہ کے مہمان ہوئے، آنحضرت ﷺ نے ان میں اور یزید بن حارث میں مواخاۃ کرا دی۔
شہادت حضرت ذوالشمالینؓ ان خوش نصیب بزرگوں میں تھے، جن کا دامن زیادہ عرصہ تک دنیا سے ملوث نہ ہونے پایا، مدینہ آنے کے بعد بدر عظمیٰ میں شریک ہوئے ان کا اول و آخر غزوہ یہی تھا، اس میں جام شہادت پی کر پاک و صاف دنیا سے اٹھ گئے، غربت کے غمگسار بھائی یزید نے بھی جو زندگی میں رفیق تھے، سفر آخرت میں ساتھ نہ چھوڑا اور انہوں نے بھی اسی غزوہ میں مرتبہ شہادت حاصل کیا۔

۱۔ بعض ارباب سیر ذوالشمالین اور ذوالیدین ایک ہی شخص کو قرار دیتے ہیں جو محض التباس ہے، یہ دونوں دو شخص ہیں، احادیث سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے ذوالیدین کا یہ واقعہ بہت مشہور ہے، ”جس کو صحیحین نے حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کیا ہے کہ ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ نے ۴ رکعتوں کے بجائے دو ہی رکعتیں نماز پڑھ کر سلام پھیر دیا، تمام صحابہ متحیر تھے، لیکن کسی کو پوچھنے کی ہمت نہ پڑتی تھی، ذوالیدین جری آدمی تھے، انہوں نے بڑھ کر پوچھا، یا رسول اللہ نماز کم کر دی گئی یا آپ بھول گئے، آنحضرت ﷺ نے صحابہؓ سے تصدیق چاہی سبھوں نے تائید کی کہ ہاں آپ نے دو ہی رکعتیں پڑھیں، تصدیق کے بعد آپ نے بقیہ دو رکعتیں پوری کر کے عجبہ سہو کیا (بخاری کتاب الاذن باب مل یاخذ الامام اذا شک بقول الناس اس روایت کے راوی ابو ہریرہؓ میں جو غزوہ خیبر کے ہیں اور ذوالشمالین اس کے پانچ سال قبل بدر ۲ھ میں شہید ہو چکے تھے، اس لیے ذوالیدین اور ذوالشمالین، دونوں ایک شخص نہیں ہو سکتے، دونوں کے نام میں بھی فرق ہے، ذوالیدین کا نام خرباق ہے اور ذوالشمالین کا عمیر تھا۔

۱۲۔ ابن سعد جز ۳ ق ۱ ص ۱۱۸،

۱۳۔ اسد الغابہ جلد ۲ ص ۱۴۱

۱۴۔ ابن سعد جز ۳ ق ۱ ص ۱۱۹

حضرت ابوسبرہ بن ابی رہمؓ

نام و نسب..... ابوسبرہ کنیت ہے، مگر اس کی شہرت نے اصل م چھپا دیا، نسب نامہ یہ ہے۔
ابوسبرہ بن ابی رہم بن عبد العزی بن ابی قیس بن عبدود بن نصر بن مالک بن حسل بن عامر بن لوئی
قرشی عامری، ان کی والدہ برہ عبدالمطلب کی بیٹی تھیں اور رشتہ سے آنحضرت ﷺ کے پھوپھی زاد
بھائی ہوئے۔

اسلام و ہجرت..... حضرت ابوسبرہؓ سابقین اسلام میں تھے، اور حبشہ کی دونوں ہجرتوں کا
شرف حاصل کیا، دوسری ہجرت میں ان کی بیوی کلثوم بھی ساتھ تھیں، ہجرت مدینہ کے بعد
دوسرے مہاجرین کے ساتھ حبشہ سے مدینہ آئے اور منذر بن محمد کے یہاں اترے آنحضرت
ﷺ نے ان میں اور سلمہ بن سلامہ میں مواخاۃ کرا دی۔

غزوات..... مدینہ آنے کے بعد بدر، احد اور خندق وغیرہ جس قدر غزوات ہوئے سب
میں شریک رہے، تا حیات نبوی ﷺ مدینہ میں قیام رہا، آپ کی وفات کے بعد مکہ چلے آئے
بدری صحابیوں میں تنہا یہی ہیں جنہوں نے مدینہ کا قیام ترک کر کے دوبارہ مکہ کی سکونت اختیار
کی۔

وفات..... اور یہیں حضرت عثمانؓ کے عہد خلافت میں وفات پائی۔

حضرت حمیس بن حذافہؓ

نام و نسب حمیس نام، ابو حذیفہ کنیت، نسب نامہ یہ ہے، حمیس بن حذافہ بن قیس بن عدی بن سعد بن سہم بن عمرو بن مہصیص بن کعب بن لوئی قرظی، ام المومنین حضرت حفصہ پہلے ان ہی کی زوجیت میں تھیں، ان کے انتقال کے بعد ام المومنین کے زمرہ میں شامل ہوئیں۔ ۱۔ اسلام و ہجرت آنحضرت ﷺ کے ارقم کے گھر میں پناہ گزین ہونے سے پہلے آپ کے دست حق پرست پر مشرف باسلام ہوئے اور ہجرت ثانیہ میں حبشہ گئے اور پھر وہاں سے مدینہ آئے اور رفاعہ بن عبدالمندر کے مہمان ہوئے، آنحضرت ﷺ ان میں اور ابی بھس بن جبیر میں مواخاۃ کرا دی۔ ۲۔

غزوات و شہادت سب سے پہلے بدر عظمیٰ میں تلوار کے جوہر دکھائے پھر احد میں شریک ہوئے اور میدان جنگ میں زخم کھایا، زخم کاری تھا، اس سے جان بر نہ ہو سکے اور اسی صدمہ سے ۳ھ میں مدینہ میں وفات پائی، آنحضرت ﷺ نے نماز جنازہ پڑھائی اور مشہور صحابی حضرت عثمان بن مظعونؓ کے پہلو میں دفن کیے گئے، وفات کے وقت کوئی اولاد نہ تھی۔ ۳۔

۱۔ مد الغابہ جلد ۲ ص ۱۲۵،

۲۔ ابن سعد جزو ۳ ص ۵۸۶،

۳۔ ابن سعد جزو ۳ ص ۲۸۶، زخمی ہونے کا واقعہ استیعاب سے ماخوذ ہے

حضرت عتبہ بن مسعودؓ

نام و نسب..... عتبہ نام، والد کا نام مسعود تھا، نسب نامہ یہ ہے، عتبہ بن مسعود بن غافل بن حبیب ابن مخزوم بن فار بن مخزوم بن صاہلہ بن کابل بن حارث بن تمیم بن سعد بن بذیل بن مدرکہ حضرت عتبہؓ مشہور صحابی حضرت عبداللہ بن مسعود کے حقیقی بھائی تھے۔۱

اسلام و ہجرت..... دعوت اسلام کے آغاز میں مشرف باسلام ہوئے، ہجرت ثانیہ میں حبشہ پھر وہاں سے مدینہ گئے۔۲

غزوات..... مدینہ آنے کے بعد سب سے اول احد میں شریک ہوئے اور اس کے بعد کے تمام غزوات میں آنحضرت ﷺ کی ہم رکابی کا فخر حاصل کرتے رہے۔۳

وفات..... حضرت عمرؓ کے عہد خلافت میں وفات پائی، ان ہی نے نماز جنازہ پڑھائی، ہم حضرت عبداللہ بن مسعود اس وقت زندہ تھے، ان کو بھائی کی موت کا سخت قلق ہوا، ضبط و تحمل کے باوجود بے اختیار آنسو جاری ہو گئے، لوگوں نے تعجب کے لہجہ میں پوچھا آپ بھی روتے ہیں؟ جواب دیا میرا بھائی آنحضرت ﷺ کی صحبت کا میرا ساٹھی تھا اور عمرؓ بن الخطاب کے علاوہ مجھے دنیا میں سب سے زیادہ محبوب تھا۔۴

فضل و کمال..... عبداللہ بن مسعودؓ اپنے فضل و کمال کے لحاظ سے حمزہ الامۃ کہلاتے تھے عتبہ بھی اپنی صلاحیتوں کے اعتبار سے ان سے کم نہ تھے، لیکن دنیا سے کم سن گئے اس لیے ان کے جوہر نہ چمکنے پائے۔۵

۱ ایضاً

۱ ابن سعد جلد ۳ ق ۱ ص ۹۳،

۲ مستدرک حاکم ج ۳ ص ۲۵۸

۳ شیعہ استیعاب جلد ۲ ص ۵۰۸

۴ مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۲۵۸

۵ ابن سعد جلد ۲ ص ۹۳،

۶ مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۲۵۸

حضرت صفوان بن بیضاءؓ

نام و نسب..... صفوان نام، ابو عمر و کنیت نسب نامہ یہ ہے۔ صفوان بن وہب بن ربیعہ بن ہلال بن مالک بن ضبہ بن حارث بن فہر فہری، حضرت صفوانؓ حضرت سہلؓ اور سہیلؓ کے بھائی تھے۔ اسلام و ہجرت..... حضرت سہلؓ ارض مکہ میں مشرف باسلام ہوئے اور اذن ہجرت کے بعد مدینہ آئے اور کلثوم بن ہدم کے یہاں اترے، آنحضرت ﷺ نے ان میں اور رافع بن معلیٰ میں مواخاۃ کرا دی۔

غزوات..... ہجرت کے بعد سب سے اول عبداللہ بن جحش کے ساتھ ایک سریہ میں بھی شریک ہوئے، پھر بدر عظمیٰ میں شرکت کا شرف حاصل کیا، ابن اسحق کی روایت کی رو سے اسی غزوہ میں طعیمہ ابن عدی کے ہاتھ سے جام شہادت پیا، لیکن ایک دوسری روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں طاعون عمواس میں وفات پائی اور بعض روایتوں سے ۳۸ھ میں وفات کا پتہ چلتا ہے۔

حضرت سنان بن ابی سنانؓ

نام و نسب..... سنان نام سلسلہ نسب یہ ہے، سنان بن ابی سنان بن محسن بن حرثان بن قیس بن لبد بن غنم بن دودان بن اسد بن خزیمہ۔ اسلام و ہجرت..... زمانہ اسلام و ہجرت متعین نہیں، غالباً اپنے والد حضرت ابی سنانؓ کے ساتھ اسلام لائے ہوں گے اور ان ہی کے ساتھ ہجرت کی ہوگی۔

غزوات..... بدر واحد و خندق وغیرہ تمام لڑائیوں میں آنحضرت ﷺ کے ہمراہ رہے، ۳ھ میں غزوہ تبوک میں شریک ہوئے اور بیعت رضوان میں جب آنحضرت ﷺ نے موت کی بیعت لینی شروع کی تو سنانؓ نے بھی ہاتھ بڑھایا، آنحضرت ﷺ نے پوچھا کس چیز پر بیعت

۱۔ ابن سعد ج ۳ ق ۱ ص ۳۰۳،

۲۔ اصحابہ جلد ۳ ص ۲۵۱ و اسد الغابہ جلد ۳ ص ۲۷

۳۔ ابن سعد جلد ۳ ق ۱ ص ۶۶

کرتے ہو عرض کی کہ جو آپ کے دل میں ہے۔
وفات..... ۳۲ھ میں وفات پائی۔

حضرت آنسہؓ

نام و نسب..... آنسہ نام، ابوسروح کنیت، سراقہ میں پیدا ہوئے، نسب کے لیے یہ شرف کافی ہے کہ سرور عالم کی غلامی کا طوق ان کی گردن میں تھا۔
اسلام و ہجرت..... اس شرف کی بنا پر آنسہ دعوت اسلام کے آغاز ہی میں مشرف باسلام ہوئے۔ اور ہجرت کے زمانہ میں مدینہ گئے اور سعد بن خثیمہ کے مہمان ہوئے، ۳۱ھ اور جب تک زندہ رہے، آنحضرت ﷺ کی خدمت گزاری محبوب مشغلہ رہا۔
غزوات..... ہجرت کے بعد بدر عظمیٰ میں شریک ہوئے اور روایت سے معلوم ہوتا کہ اسی میں جام شہادت پیا۔
وفات..... لیکن زیادہ روایتیں حضرت ابوبکرؓ کے عہد میں وفات کی ہیں۔

حضرت طفیل بن حارثؓ

نام و نسب..... طفیل نام، والد کا نام حارث، نسب نامہ یہ ہے، طفیل بن حارث بن مطلب ابن عبد مناف قرشی مطلبی، ماں کا نام حیلہ تھا، یہ ثقفی قبیلہ سے تھے۔
اسلام و ہجرت..... بدر کے قبل مشرف باسلام ہوئے اور ہجرت کر کے مدینہ گئے، آنحضرت ﷺ نے ان میں اور سفیان بن نسر میں مواخاۃ کرا دیا۔
غزوات..... مدینہ آنے کے بعد تمام غزوات میں آنحضرت ﷺ کے ہمراہ رہے بدر، احد اور خندق وغیرہ میں کوئی غزوہ نہ چھوٹا۔

۱۔ ایضاً استیعاب جلد ۲ ص ۷۰۷، ابن عبد البر نے یہ واقعہ حضرت ابی سان کی طرف منسوب کیا ہے جو صحیح نہیں ہے، کیوں کہ ابی سان بیعت رضوان کے قبل بنو قریظہ میں وفات پا چکے تھے،

۳۔ ابن سعد ج ۳ ق ۱ ص ۳۳

۲۔ اسد الغابہ ج ۱ ص ۱۳۲

۵۔ ابن سعد ج ۳ ق ۱ ص ۳۵

۴۔ ایضاً اصحابہ تذکرہ آنسہ

۶۔ استیعاب جلد ۱ ص ۲۱۶

وفات..... عمر کے ستر مر طے طے کرنے کے بعد ۳۲ھ میں وفات پائی۔
اولاد..... اولاد میں صرف عامر بن طفیل کا پتہ چلتا ہے۔

حضرت سائب بن عثمان

نام و نسب..... سائب نام، باپ کا نام عثمان تھا، نسب نامہ یہ ہے، سائب بن عثمان بن مظعون ابن حبیب بن وہب بن حدافہ بن مخ بن عمرو بن مصیص بن کعب بن لوی بن غالب قرشی انجی ماں کا نام خولہ تھا، نانہالی سلسلہ نسب یہ ہے، خولہ بنت حکیم بن امیہ بن حارثہ بن اوقص۔

ہجرت حبشہ اور واپسی..... دعوت اسلام کے آغاز میں مشرف باسلام ہوئے، ۳ اور ۵ھ میں اپنے والد بزرگوار کے ساتھ ہجرت ثانیہ میں حبشہ گئے، ۴ وہاں سے اہل مکہ کے اسلام کی افواہ سن کر واپس آئے قریب پہنچے تو یہ خبر غلط نکلے اس وقت واپس جانا بھی دشوار تھا سخت کشمکش میں مبتلا ہوئے، بالآخر حضرت عثمان بن مظعون اور ولید بن مغیرہ کی حمایت حاصل کر کے مکہ میں مقیم ہو گئے۔ ۵
ہجرت مدینہ..... بدر سے پہلے اپنے پورے کنبہ کے ساتھ مکہ کی سرزمین چھوڑ کر یثرب کی غریب الوطنی اختیار کی، ۶ مدینہ آنے کے بعد آنحضرت ﷺ نے ان میں اور حارثہ بن سراقہ انصاری میں مواخاۃ کرا دی۔ ۷

نیابت رسول..... بدر سے پہلے آنحضرت ﷺ چھوٹے چھوٹے دستے قریش کے کاروان تجارت کا پتہ لگانے کے لئے بھیجتے تھے، اور بعض میں یہ نفس نفیس شرکت فرماتے تھے، اسی سلسلہ کے ایک سریہ لواط میں جب نکلے تو سائب کو مدینہ میں اپنی قائم مقامی کا شرف عطا فرمایا۔ ۸
غزوات..... سائب مشہور تیر انداز تھے، اس لیے غزوات میں بڑے جوش و ولولہ کے ساتھ شریک ہوتے تھے، چنانچہ بدر، احد، خندق اور ان کے علاوہ تمام معرکوں میں داد شجاعت دی۔ ۹
وفات..... حضرت ابو بکرؓ کے عہد خلافت ۱۲ھ میں جنگ یمامہ میں شریک ہوئے اور جنگ میں ایسا کاری زخم کھایا کہ اس کے صدمہ سے کچھ دنوں بعد وفات پا گئے، وفات کے وقت ۳۰ سال سے کچھ اوپر عمر تھی۔ ۱۰

۱۲ ابن سعد جلد ۳ ق ۱ ص ۳۵

۱۱ ایضاً

۱۳ ابن سعد جزو ۳ ق ۱ ص ۲۹۲

۱۳ اصحابہ جلد ۳ ص ۶۰

۱۴ ابن سعد ج ۳ ق ۱ ص ۲۸۸

۱۵ اسد الغابہ جلد ۳ ص ۳۸۵

۱۵ سیرۃ ابن ہشام ج ۲ ص ۳۳۱

۱۶ ایضاً ص ۲۹۲

۱۷ ابن سعد جزو ۳ ق ۱ ص ۲۹۲

۱۹ استیعاب ج ۲ ص ۵۸۸

حضرت عامر بن ابی وقاصؓ

نام و نسب..... عامر نام، والد کا نام ابی وقاص تھا، سلسلہ نسب یہ ہے، عامر بن ابی وقاص بن وہیب بن عبد مناف بن زہرہ بن کلاب، ماں کا نام حمزہ تھا، نانہالی تاجر یہ ہے، حمزہ بنت سفیان بن امیہ بن عبد شمس امویہ، عامر مشہور صحابی حضرت سعد بن ابی وقاصؓ فاتح ایران کے حقیقی بھائی اور امیر معاویہؓ کے بھانجے تھے۔

اسلام..... حضرت عامرؓ کے نانا ابوسفیان اسلام اور پیغمبر اسلام کے سخت دشمن تھے، لیکن حضرت عامرؓ نے اس ماحول میں اور اس وقت دعوت اسلام کو لبیک کہا، جب مسلمانوں کی تعداد انگلیوں پر گنی جاسکتی تھی، چنانچہ اسلام لانے والوں میں انکا دسواں نمبر ہے۔

اس وقت انکی والدہ زندہ تھیں، ان کو لڑکے کی اس ”بے راہ روی“ کا سخت صدمہ ہوا، انہوں نے قسم کھالی کہ جب تک عمر اسلام سے تائب نہ ہوں گے اس وقت تک وہ نہ سایہ میں بیٹھیں گی اور نہ کھانا کھائیں گی، حضرت سعد بھی اس وقت دولت اسلام سے بہرہ ور ہو چکے تھے، ماں کی اس بے جا ضد پر بولے، اماں آپ عامر کے لیے عہد کیوں کرتی ہیں، میرے لئے کیجئے، انہوں نے کہا کیوں؟ کہا تا کہ اس وقت تک آپ نہ سایہ میں بیٹھ سکیں اور نہ کھا سکیں، جب تک اپنے جائے قیام دوزخ کو نہ دیکھ لیں، انہوں نے جواب دیا میں تیرے لیے کیوں عہد کروں، میں اپنے سعادت مند بیٹے کے لیے عہد کرتی ہوں، اس پر آیت نازل ہوئی۔

و ان جاهدک علی ان تشرک بی ما لیس لک بہ علم

فلا تطعہما و صاحبہما فی الدنیا معروف (لقمان)

اگر تیرے ماں باپ تجھ کو اس بات پر مجبور کریں کہ تو کسی کو میرا شریک بنا جس کا تجھ کو

کوئی علم نہیں تو اس میں ان کی اطاعت نہ کر ہاں دنیا میں بھلائی کے ساتھ ان کی رفاقت کر۔

ہجرت اور غزوات..... بالآخر ماں کی اس بیجا ضد سے تنگ آ کر ہجرت ثانیہ میں حبشہ چلے گئے، اور وہاں سے حضرت جعفرؓ کے ساتھ مدینہ آ کر احدؓ میں شریک ہوئے، وفات..... حضرت عمرؓ کے عہد خلافت میں شام میں وفات پائی۔

۱۱ ابن سعد ج ۳ ق ۱ ص ۹۱، ۱۲ استیعاب ج ۲ ص ۶۱

۱۳ اسد الغابہ ج ۳ ص ۷۹ بعض ارباب میر اس کا نزول حضرت سعد کے متعلق کرتے ہیں

۱۴ اصباہ ج ۶ ص ۱۶ ۱۵ ابن سعد جز ۳ ق ۱ ص ۹۱ ۱۶ اصباہ ج ۴ ص ۱۶

حضرت وہب بن سعدؓ

نام ونسب..... وہب نام، والد کا نام سعد تھا، نسب نامہ یہ ہے، وہب بن سعد بن ابی سرح بن حارث بن حبیب بن جذیمہ بن مالک بن حسل بن عامر بن لوی۔
 اسلام و ہجرت..... زمانہ اسلام متعین طور پر نہیں بتایا جاسکتا، لیکن سرزمین مکہ ہی میں اسلام لائے، اسلام کے بعد مدینہ ہجرت کی اور کلثوم بن ہدم کے یہاں اترے، آنحضرت ﷺ نے ان کو اور سوید بن عمرو کو رشتہ اخوت میں منسلک کر دیا۔
 غزوات..... مدینہ آنے کے بعد احد، خندق اور حدیبیہ وغیرہ تمام معرکوں میں آنحضرت ﷺ کے ہمراہ رہے۔
 شہادت..... غزوہ موتہؓ میں حق مذہب ادا کرتے ہوئے، شہید ہوئے، ان کے اسلامی بھائی سوید جنہوں نے زندگی میں رفاقت کی تھی، موت میں بھی ساتھ دیا، چنانچہ وہ بھی اس جنگ میں شہید ہوئے، شہادت کے وقت ان کی عمر ۴۰ سال تھی۔

حضرت عبداللہ بن حارثؓ

نام ونسب..... عبداللہ نام، والد کا نام حارث تھا، سلسلہ نسب یہ ہے، عبداللہ بن حارث بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبدمناف بن قصی، ماں کا نام غزیہ تھا، نانہالی شجرہ یہ ہے غزیہ بنت قیس، بن طریف بن عبدالعزی بن عامرہ بن عمیرہ بن ودیعہ بن حارث بن فہر، آبائی نام عبدشمس تھا، اسلام کے بعد آنحضرت ﷺ نے عبداللہ رکھا تھا۔
 اسلام و ہجرت..... فتح مکہ سے پہلے اسلام قبول کر کے مدینہ آئے۔
 غزوات..... گوان کی شرکت غزوات کی تصریح و تفصیل نہیں ملتی، لیکن اس قدر مسلم ہے کہ اس شرف سے محروم نہ تھے۔
 وفات..... چنانچہ کسی غزوہ میں آنحضرت ﷺ کے ساتھ نکلے، وادی صفرا میں پہنچ کر وفات پا

گئے، آنحضرت ﷺ نے اپنے پیراہن مبارک میں کفن کر دین کیا، اور فرمایا کہ ان کو سعادت مل گئی۔

حضرت عمرو بن سراقہؓ

نام و نسب..... عمرو نام، والد کا نام سراقہ تھا، شجرہ نسب یہ ہے، عمرو بن سراقہ بن معتمر بن انس اوادہ بن زراح بن عدی بن کعب بن لوئی قرشی عدوی۔

اسلام و ہجرت..... دعوت اسلام کے ابتدائی زمانہ میں مشرف باسلام ہوئے اور بلاکشان اسلام کے ساتھ ہجرت کر کے مدینہ آئے اور رفاعہ بن عبدالمندر کے یہاں مہمان ہوئے۔

غزوات..... مدینہ آنے کے بعد تمام غزوات میں آنحضرت ﷺ کے ہمراہ رہے بدر، احد، اور خندق سب میں شرف جہاد حاصل کیا، ۳ بڑے معرکوں کے علاوہ چھوٹے چھوٹے سرایا بھی شریک ہوتے رہے، بعض سریوں میں فاقہ پر فاقہ ہوتے، لیکن ابرو پر شکن تک نہ پڑتی، عامر بن ربیعہ روایت کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ ایک سریہ میں عمرو بن سراقہ ہمارے ہمراہ تھے، راستہ میں فاقہ کی نوبت آگئی، عمرو چھریں بدن کے نازک اندام اور لمبے آدمی تھے، اس لیے ان کی حالت زیادہ نازک ہو گئی، اور پتھر باندھ کر چلنے کے لائق ہوئے۔

وفات..... حضرت عثمانؓ کے عہد خلافت میں وفات پائی اولاد کوئی نہ تھی۔

حضرت عبداللہ بن سراقہؓ

نام و نسب..... عبداللہ نام، نسب نامہ یہ ہے، عبداللہ بن سراقہ بن معتمر بن انس بن اوادہ بن زراح بن عدی بن کعب بن لوئی قرشی عدوی۔

حضرت عبداللہ مذکور الصدر صحابی حضرت عمروؓ کے بھائی تھے۔

اسلام و ہجرت..... بدر کے قبل مشرف باسلام ہوئے اور مکہ سے براہ راست مدینہ آئے اور

۱۔ اصحاب ج ۳ و ابن سعد حوالہ مذکور

۲۔ اصحاب ج ۳ ص ۲۹۹

۵۔ ایضاً

۳۔ ابن سعد جز ۳ ق ۱ ص ۲۸۱

۴۔ ابن سعد جز ۳ ق ۱ ص ۲۸۱

رفاعہ بن عبد المذہر کے یہاں اترے۔۱

غزوات..... مدینہ آنے کے بعد بدر، احد وغیرہ تمام معرکوں میں شریک ہوتے رہے۔۲
وفات..... حضرت عمرؓ کے عہد خلافت میں وفات پائی، وفات کے بعد ان کی نسل نہ چلی۔۳

حضرت اسود بن نوفلؓ

نام و نسب..... اسود نام، والد کا نام نوفل تھا، شجرہ نسب یہ ہے، اسود بن نوفل بن خویلد بن اسد بن عبد العزی بن قصی بن کلاب بن مرہ قرشی اسدی ماں کا نام فریجہ تھا، نانہالی نسب نامہ یہ ہے، فریجہ بنت عدی بن نوفل بن عبد مناف بن قصی، حضرت اسود ام المومنین خدیجہؓ صدیقہ کے بھتیجے اور ورقہ بن نوفل کے بھائی تھے، ان کے والد نوفل سخت کینہ پرور مشرک اور مسلمانوں کے بڑے دشمن تھے۔۴

اسلام..... لیکن جس گھر میں خدا کا نام لینا سخت ترین جرم تھا، اسی میں اسود نے توحید کی صدا بلند کی۔۵

ہجرت..... سبقت اسلام کے ساتھ اسود نے ہجرت حبشہ کا شرف بھی حاصل کیا اور وہاں سے آنحضرت ﷺ کے مدینہ آنے کے بعد مدینہ گئے۔۶

حضرت ثمامہ بن عدیؓ

نام و نسب..... ثمامہ نام باپ کا نام عدی تھا، نسبی تعلق قریش سے تھا، لیکن اس کی تصریح نہیں ملتی کہ اس کی کس شاخ سے تعلق تھا۔۷

اسلام..... زمانہ اسلام کی تعیین بھی نہیں کی جاسکتی مگر اتنا معلوم ہے کہ یہ شرف ابتدائی ایام

۱- ابن سعد جز ۲ ص ۱۰۲

۲- استیعاب ص ۳۹۳ واصحابہ ترمذیہ عبد اللہ بن عبد القہ

۳- البدایہ ص ۸۸

۴- تہذیب النعمان ص ۱۹۹

۵- البدایہ ص ۸۸

۶- ایضاً

۷- البدایہ ج ۲ ص ۲۴۸

میں حاصل ہوا، چنانچہ ارباب سیر نے آپ کو مہاجرین اولین کے زمرہ میں شامل کیا۔ ۱۔
 غزوات..... ہجرت کے بعد بدر عظمیٰ میں شریک ہو کر امتیاز خاص حاصل کیا۔ ۲۔
 حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں صنعا کی مسند حکومت پر سرفراز ہوئے، آپ کی شہادت کے
 وقت یہیں تھے، یہ المناک خبر سن کر آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے، اسی حالت میں خطبہ دیا، ضبط
 گر یہ گلو گیر تھا، بمشکل چند جملے کہہ سکے کہ امت محمدیہؐ میں آج خلافت سلطنت سے بدل گئی،
 اب جو شخص جس چیز پر قابض ہوگا اس کو کھائے گا۔ ۳۔

حضرت سعد بن خولہؓ

نام و نسب..... سعد نام، والد کا نام خولہ تھا، یہ عجمی نژاد یمنی مسکن اور بنو عامر بن لوئی کے
 حلیف تھے۔
 اسلام و ہجرت..... حضرت سعد سابقین اسلام میں تھے، حضرت جعفرؓ کے ساتھ حبشہ کی
 ہجرت کی، وہاں سے مدینہ آئے اور کلثوم بن ہدم کے یہیں قیام پذیر ہوئے۔ ۱۔
 غزوات..... بدر، احد، خندق اور حدیبیہ میں آنحضرت ﷺ کے ساتھ تھے اور بدر میں پچیس
 سال کی عمر تھی۔ ۵۔
 وفات..... حجۃ الوداع میں آنحضرت ﷺ کے ساتھ مکہ گئے، یہیں بیمار پڑے اور وفات
 پا گئے، ۶۔ مہاجرین کے لیے مکہ میں مرنا آنحضرت ﷺ پسند نہ فرماتے تھے، اس لیے سعد کی وفات
 سے بہت محزون ہوئے۔ ۷۔
 اولاد..... آپ کی وفات کے دو ہی دن بعد آپ کی بیوی سبیحہ بنت حارث کے لطن سے
 ایک اولاد ہوئی، لیکن کچھ ہی دنوں کے بعد فوت ہو گئی۔

۱۔ اسد الغابہ جلد اول ص ۲۴۹،

۲۔ ابن سعد ج ۳ ق ۱ ص ۲۹۷،

۳۔ مسلم ج اول ص ۵۸۷ طبع مصر،

۴۔ اصحاب ج ۱ ص ۲۱۲،

۵۔ استیعاب ج اول ص ۷۹،

۶۔ ایضاً

۷۔ ابن سعد ج ۳ ق ۱ ص ۲۹۷،

حضرت معمر بن ابی سرحؓ

نام و نسب ابوسعید کنیت، نسب نامہ یہ ہے، معمر بن ابی سرح بن ربیعہ بن ہلال بن مالک بن ضبہ بن حارث بن فہر فہری، ماں کا نام زہنب تھا، نانہالی شجرہ یہ ہے، زہنب بنت ربیعہ بن ہلال بن ضباب بن جحیر بن عبد بن معیض بن عامر بن لوی۔

اسلام و ہجرت دعوت اسلام کے ابتدائی زمانہ میں اسلام لائے، دوسری ہجرت میں حبشہ گئے، وہاں سے مدینہ ہجرت کی اور کلثوم بن ہدم کے مہمان ہوئے۔

غزوات بدر، احد اور خندق تمام مشہور لڑائیوں میں آنحضرت ﷺ کے ساتھ رہے۔

وفات حضرت عثمانؓ کے عہد خلافت میں وفات پائی۔

ازواج و اولاد حضرت معمرؓ کے دو بیویاں تھیں، امامہ بنت عامر اور حضرت ابوعبیدہؓ کی بہن، پہلی کے بطن سے عبداللہ تھے اور دوسری سے عمیر۔

حضرت حمیہ بن جزءؓ

نام و نسب حمیہ نام، والد کا نام جزء تھا، نسب نامہ یہ ہے حمیہ بن جزء بن عبد یغوث ابن عویج بن عمرو بن زبید الاصغر، بنو نجج کے حلیف تھے، حضرت عباسؓ کے چھوٹے صاحبزادے فضل کے ساتھ ان کی صاحبزادی بیابی تھیں۔

اسلام و ہجرت دعوت اسلام کے ابتدائی ایام میں اسلام لائے، اور ہجرت ثانیہ میں حبشہ گئے۔

غزوات غزوہ مرسیع (بنو مصطلق) کے زمانہ میں ہجرت کی، اسی غزوہ سے شرکت کی ابتدا ہوئی۔

آنحضرت ﷺ نے ان کو فہس کا عامل بنایا، غزوہ مرسیع میں بھی یہ خدمت انہی کے سپرد

۱۔ ایضاً

۲۔ ابن سعد والہ نور

۳۔ تعجب بن اس ۲۹۵

۱۔ ابن سعد جلد ۳ ص ۳۰۳

۲۔ شیعہ بن اول ص ۸۲

۳۔ ابن سعد جلد ۳ ص ۱۵۵

تھی۔!

آنحضرت ﷺ ان سے بہت خوش رہا کرتے تھے، ایک مرتبہ اظہار خوشنودی کے طور پر نہایت خوبصورت لونڈی عطا فرمائی تھی۔۲

حضرت عدی بن نضلہؓ

نام و نسب..... عدی نام، والد کا نام نضلہ تھا، شجرہ نسب یہ ہے، عدی بن نضلہ بن عبد العزیٰ ابن حرثان بن عوف عوج بن عدی بن کعب۔

اسلام و ہجرت..... دعوت اسلام کے آغاز میں مکہ میں مشرف باسلام ہوئے اور ہجرت کر کے حبشہ گئے۔۳

وفات..... وقت پورا ہو چکا تھا، اس لیے مدینہ جانے کی نوبت نہیں آئی اور اسی غربت کدہ میں پیوند خاک ہو گئے، مہاجرین میں عدی پہلے شخص ہیں، جنہوں نے ارض حبشہ کو آرام گاہ بنایا۔۴
اولاد..... وفات کے بعد متعدد اولادیں یادگار چھوڑیں، صاحبزادوں میں نعمان اور نعیم اور صاحبزادیوں میں آمنہ تھیں، حضرت عمرؓ نے اپنے زمانہ خلافت میں نعمان کو بیسان کا عامل بنایا تھا، یہ شاعر آدمی تھے، ایک غزل میں ایک عورت کی تشبیہ کر ڈالی حضرت عمرؓ کو معلوم ہوا تو انہوں نے فوراً معزول کر دیا، نعمان نے بڑی صفائی پیش کی کہ اس کا مقصد شاعری تھا واقعہ سے اس کو کوئی تعلق نہیں، لیکن آپ نے کوئی عذر معقول نہ سمجھا اور فرمایا، ان اشعار کے بعد تم میرے عامل نہیں رہ سکتے۔۵

حضرت یزید بن زمعہؓ

نام و نسب..... یزید نام، والد کا نام زمعہ تھا، نسب نامہ یہ ہے، یزید بن زمعہ بن اسود بن مطلب ابن اسد بن عبد العزیٰ قریشی اسدی، ماں کا نام قریبہ تھا، نانہالی شجرہ یہ ہے، قریبہ بنت

۲ اسحاق بن ۶ ص ۶۹

۱ اسحاق بن ۶ ص ۶۹ ابن سعد حوالہ مذکور

۳ ابن سعد جز ۲ ص ۴۲۳

۴ ابن سعد جز ۲ ص ۱۰۳

۵ ابن سعد جز ۲ ص ۱۰۳

ابی امیہ بن مغیرہ بن عبد اللہ بن عمر بن مخزوم، قریبہ ام المومنین حضرت ام سلمہؓ کی بہن تھیں، یزید کا خاندان زمانہ جاہلیت سے مشورہ کے عہدہ جلیل کا حامل چلا آتا تھا، اور ظہور اسلام کے وقت یہ اس پر فائز تھے۔

اسلام و ہجرت دعوت اسلام کے ابتدائی زمانہ میں مشرف باسلام ہوئے اور ہجرت ثانیہ میں حبشہ گئے۔

غزوات و شہادت مدینہ آنے کے بعد آنحضرت ﷺ کے ساتھ برابر جہاد میں شریک ہوتے رہے، غزوہ طائف میں بھی آپ کے ساتھ تھے، اتفاق سے میدان جنگ میں ان کا گھوڑا بھڑک کر بھاگا، انہوں نے پکڑ کر شہید کر دیا، کوئی اولاد نہ تھی۔

حضرت سکران بن عمروؓ

نام و نسب سکران نام، والد کا نام عمرو تھا، نسب نامہ یہ ہے، سکران بن عمرو بن عبد شمس ابن عبد ود بن مالک بن حسل بن عامر بن لوی قرشی عامری، ماں کا نام جہی تھا، نانہالی شجرہ یہ ہے، جہی بنت قیس بن ضمیس بن ثعلبہ بن حبان بن غنم بن ملیح بن عمرو خزاعی۔

اسلام و ہجرت دعوت اسلام کے آغاز میں اسلام قبول کیا اور ہجرت ثانیہ میں مع اپنی اہلیہ کے حبشہ گئے۔

وفات موسیٰ بن عقبہ کی روایت کے مطابق حبشہ میں وفات پائی، اور ابن اسحاق کی روایت کے رو سے حبشہ سے مکہ آئے اور مدینہ جانے کی نوبت نہ آسکی یہیں وفات پا گئے، ۵۱ھ ان کی وفات کے بعد ان کی بیوی سودہ ام المومنین کے زمرہ میں شامل ہوئیں۔

حضرت ابوسنان بن محسنؓ

نام و نسب وہب نام، ابوسنان کنیت، والد کا نام محسن تھا، نسب نامہ یہ ہے، وہب ابن

۱۱ اصحاب ج ۶ ص ۳۴۰، ۱۲ ابن سعد ج ۴ ق ۱ ص ۸۹،

۱۳ ایضاً و استیعاب ج ۲ ص ۶۲۶ و اتوکی تفصیل ابن سعد میں ہے

۱۴ ابن سعد جز ۴ ق ۱ ص ۵۱۰، ۱۵ استیعاب ج ۲ ص ۵۹۹، ۱۶ ابن سعد خوال مذکور

محسن بن حریث بن قیس بن لبہ بن غنم بن دودان بن اسد بن خزیمہ، وہب مشہور صحابی، حضرت عکاشہ بن محسن کے بھائی اور قبیلہ بنو عبد شمس کے حلیف تھے۔
اسلام و ہجرت زمانہ اسلام کی صحیح تعیین نہیں کی جاسکتی مگر اتنا مسلم ہے کہ اذن ہجرت کے پہلے اسلام لا چکے تھے، اور بدر سے پہلے مدینہ آ گئے تھے۔
بدر مدینہ آنے کے بعد ہی بدر کا معرکہ پیش آیا، چنانچہ اول اول اسی میں شریک ہوئے پھر احد اور خندق میں جان بازیاں دکھائیں۔
وفات ۵ھ میں بنو قریظہ کی مہم میں نکلے اور دوران محاصرہ میں انتقال کر گئے، اور بنو قریظہ کے قبرستان میں سپرد خاک ہوئے۔
بعض ارباب سیر کا بیان ہے، کہ ابوسنان صلیح حدیبیہ میں موجود تھے اور بیعت رضوان میں سب سے پہلے انہوں نے بیعت کی تھی، لیکن یہ محض التباس ہے، غزوہ بنو قریظہ میں ان کی وفات مسلم ہے اور بیعت اس سے ایک سال بعد ۶ھ میں ہوئی، بیعت کرنے والے یہ نہیں بلکہ ان کے لڑکے کسان بن ابوسنان تھے۔

حضرت فراس بن نصرؓ

نام و نسب فراس نام، والد کا نام نصر تھا، نسب نامہ یہ ہے فراس بن نصر بن حارث ابن علقمہ بن کلدہ بن عبد مناف بن عبد دار بن قصی، ماں کا نام زینب تھا، نہالی شجرہ یہ ہے زینب بنت یناش بن زرارہ بن اسد بن عمرو بن تمیم تیمی۔
اسلام و ہجرت مکہ میں ابتداء میں مشرف باسلام ہوئے، اور ہجرت ثانیہ میں حبشہ گئے۔
شہادت ان کی مدنی زندگی کے حالات کچھ نہیں معلوم، حضرت عمرؓ کے زمانہ میں شام کی لڑائیوں میں شریک ہوئے، اور اس سلسلہ کے مشہور معرکہ یرموک میں جام شہادت پیا۔

۱ ابن سعد ج ۳ ق ۱ ص ۶۵،

۲ اصحاب ج ۸ ص ۹۲

۳ ابن سعد ج ۴ ق ۱ ص ۹۰،

۴ اصحاب و استیعاب ترجمہ فراس

حضرت حاطب بن حارثؓ

نام و نسب حاطب نام، والد کا نام حارث تھا، نسب نامہ یہ ہے، حاطب بن حارث بن معمر بن حبیب ابن وہب بن حذافہ بن نجح، ماں کا نام قلیلہ تھا، نانہالی سلسلہ نسب یہ ہے قلیلہ بنت مظعون ابن حبیب بن وہب بن حذافہ بن نجح۔

اسلام و ہجرت دعوت اسلام کے آغاز میں مشرف باسلام ہوئے اور ہجرت ثانیہ میں مع اہل و عیال حبشہ گئے۔

وفات پیمانہ عمر لبریز ہو چکا تھا، اس لئے مدینہ جانے کی نوبت نہ آسکی اور اسی سرزمین کو آرام گاہ بنایا، ۲۷ھ میں آپ کے اہل و عیال مدینہ واپس ہوئے، بچوں میں محمد اور حارث یادگار تھے۔ ۳

حضرت معمر بن حارثؓ

نام و نسب معمر نام والد کا نام حارث تھا، سلسلہ نسب یہ ہے، معمر بن حارث بن معمر ابن حبیب بن وہب بن حذافہ بن نجح، ماں کا نام قلیلہ تھا، حضرت معمر مشہور صحابی حضرت عثمانؓ ابن مظعون کے بھانجے تھے۔

اسلام و ہجرت آنحضرت کے ارقم کے گھر میں تشریف لانے کے قبل مشرف باسلام ہوئے اور ہجرت کے زمانہ میں مکہ سے مدینہ گئے، آنحضرت ﷺ نے ان میں اور معاذ بن عفراء میں مواخاۃ کرا دی۔ ۴

غزوات مدینہ آنے کے بعد بدر واحد و خندق وغیرہ تمام غزوات میں آنحضرت ﷺ کے ساتھ تھے۔ ۵

وفات حضرت عمر کے عہد خلافت میں وفات پائی۔

۲ اصحاب حق ص ۳۱۵

۳ ابن سعد جز ۳ ص ۲۹۳

۱ ابن سعد ج ۳ ص ۱۵۷

۲ ابن سعد حوالہ مذکور

۵ استیعاب ج ۱ ص ۲۷۸

حضرت ابو رہم اشعریؓ

نام و نسب..... مجدی نام، ابو رہم کنیت، سلسلہ نسب یہ ہے، مجد بن قیس بن حضار بن جرب بن عامر بن بکر بن عامر بن عذر بن وائل بن ناجیہ بن جماہر بن اشعر، حضرت ابو رہم مشہور صحابی حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کے چھوٹے بھائی تھے۔

اسلام و ہجرت..... بڑے بھائی کے ساتھ مشرف باسلام ہوئے، اور ان ہی کے ساتھ حبشہ گئے اور حضرت جعفرؓ کے ساتھ مدینہ آئے یہ جنگ خیبر کا زمانہ تھا، مگر ابو رہم اس میں شریک نہ ہو سکے تھے تاہم آنحضرت ﷺ نے خیبر کے مال غنیمت میں ان کا حصہ بھی لگایا اور فرمایا تم لوگ دوہرے مہاجر ہو، ایک مکہ سے حبشہ کی ہجرت دوسری حبشہ سے مدینہ کی۔

مدینہ آنے کے بعد سے ان کے حالات کا پتہ نہیں چلتا، پھر دور فتن میں نظر آتے ہیں، یہ طبعاً ہنگامہ پسند تھے، فتنہ کے زمانہ میں بھی بہت نکلتے تھے، اور حضرت ابو موسیٰ ان کو روکتے تھے۔

حضرت ابو بردہؓ

نام و نسب..... عامر نام، ابو بردہ کنیت، یہ بھی حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کے بھائی تھے۔ اسلام..... بھائی کے ساتھ اسلام لائے اور ان ہی کے ساتھ حبشہ گئے، پھر وہاں سے حضرت جعفرؓ کے ساتھ مدینہ آئے۔

مدینہ آنے کے بعد کے حالات کا کچھ پتہ نہیں چلتا۔

حضرت حارث بن خالدؓ

نام و نسب..... حارث نام، والد کا نام خالد، نسب نامہ یہ ہے، حارث بن خالد بن صخر بن

عامر بن کعب بن سعد بن تیم بن مرہ
اسلام و ہجرت دعوت کے ابتدائی زمانہ میں اسلام لائے اور دوسری ہجرت میں مع اپنی
اہلیہ ریطہ کے حبشہ گئے۔ ۱۔
وفات حبشہ میں ان کے چار اولادیں ہوئیں، موسیٰ، عائشہ، زینب اور فاطمہ، حبشہ سے
مدینہ کی واپسی میں ایک مقام پر پانی پیا، اس میں سمیت تھی، اس کے اثر سے گھر کا گھر صاف ہو
گیا، البتہ خود بیچ گئے، اور راہ خدا میں پورے گھر کو دفنا کر یکہ و تنہا مدینہ آئے، آنحضرت ﷺ نے
ان کی دُجھمی کے لیے یزید بن ہاشم کے غلام کی لڑکی سے شادی کر دی۔ ۲۔

حضرت عیاض بن زبیرؓ

نام و نسب عیاض نام، ابوسعید کنیت، سلسلہ نسب یہ ہے، عیاض بن زبیر بن ابی شداد
ابن ربیعہ بن ہلال بن مالک بن ضبہ بن حارث بن فہر قرشی، ماں کا نام سلمیٰ تھا، نانہالی شجرہ یہ
ہے سلمیٰ بنت عامر بن ربیعہ بن ہلال بن مال بن ضبہ بن حارث۔ ۳۔
اسلام و ہجرت زمانہ اسلام کی تعیین نہیں کی جاسکتی، ہجرت ثانیہ میں حبشہ گئے وہاں سے
مدینہ آئے اور کلثوم بن ہدم کے یہاں اترے۔ ۴۔
غزوات بدر واحد اور خندق وغیرہ تمام غزوات میں آنحضرت ﷺ کے ہمراہ رہے۔ ۵۔
وفات ۳۰ھ میں وفات پائی۔ ۶۔

۲۔ ابن سعد جز ۱ ص ۲۹۰

۱۔ ابن سعد جز ۱ ص ۵۵

۳۔ باب ۱۰ میں عیاض بن زبیر اور عیاض بن غنم فاتح جزیرہ کے بارہ میں تحت اختلاف سے بعض ان دونوں کو
وہ شخص بتاتے ہیں اور عیاض بن غنم کو عیاض بن زبیر کا چچنا کہتے ہیں اور بعض دونوں کو ایک ہی شخص لکھتے ہیں اور نسبت
فی التواریخ یہ کہتے ہیں کہ عیاض بن زبیر اپنے والد زبیر کی طرف منسوب ہوئے مرنے والے کے بیٹے نہیں بلکہ
پوتے اور اصل سادہ اس طرح ہے عیاض بن غنم بن زبیر، یہ حال بن لوہی نے نزدیک یہ شخص ہیں انہوں نے ان
دونوں کے حالات ایک ایک ملتے ہیں لیکن عیاض بن غنم کا نام مہاجرین ہے زمرہ میں انہیں نہیں ملتا اس لیے وہ ہمارے
موضوع سے خارج ہیں۔

۴۔ یسنا

۵۔ ابن سعد جز ۱ ص ۳۰۵

۶۔ مناقب ص ۱۶۰

حضرت خبابؓ

نام و نسب خباب نام، ابو یحییٰ کنیت، خباب بن نوفل بن عبد مناف کے حلیف اور مشہور صحابی حضرت عتبہؓ بن غزوہ ان کے غلام تھے۔

اسلام و ہجرت ان کے اسلام کا زمانہ متعین نہیں، لیکن قیاس ہے کہ اپنے آقا حضرت عتبہؓ کے ساتھ مشرف باسلام ہوئے ہوں گے، حضرت عتبہؓ قدیم الاسلام تھے، ان ہی کے ساتھ انہوں نے ہجرت کی، آنحضرت ﷺ نے ان میں اور تمیم کے غلام خراش بن صمدہ میں مواخاۃ کرا دی۔

غزوات مدینہ آنے کے بعد سب سے پہلے بدر عظمیٰ میں شریک ہوئے، پھر احد اور خندق وغیرہ میں داد شجاعت دی۔

وفات حضرت عمرؓ کے عہد خلافت ۱۹ھ میں مدینہ میں وفات پائی، وفات کے وقت پچاس سال کی عمر تھی۔

حضرت مسعود بن ربیعؓ

نام و نسب مسعود نام، ابو عمیر کنیت، نسب نامہ یہ ہے، مسعود بن ربیع بن عمرو بن سعد بن عبد العزی۔

اسلام و ہجرت دعوت اسلام کے آغاز یعنی آنحضرت ﷺ کے ارقم کے گھر میں تشریف لانے سے پہلے مشرف باسلام ہوئے پھر ہجرت کے زمانہ میں مکہ سے مدینہ گئے آنحضرت ﷺ نے غربت کی اجنبیت دور کرنے کے لیے ان میں اور ابو عبیدہ بن تیہاں میں مواخاۃ کرا دی۔

غزوات مدینہ آنے کے بعد بدر، احد اور خندق وغیرہ تمام غزوات میں شریک ہوتے رہے۔

وفات ۳۰ھ میں وفات پائی، وفات کے وقت ساٹھ سال سے اوپر کی عمر تھی۔

حضرت ربیعہ بن اکثمؓ

نام و نسب ربیعہ نام، ابو زید کنیت، نسب نامہ یہ ہے ربیعہ بن اکثم بن سجرہ بن عمرو بن بکیر ابن عامر بن غنم بن دودان بن اسد بن خذیمہ اسدی
اسلام و ہجرت بدر کے قبل مشرف باسلام ہوئے، اسلام کے بعد ہجرت کر کے مدینہ گئے۔
شہادت اور سب سے پہلے بدر عظمیٰ میں شرکت کا امتیاز حاصل کیا، پھر اس کے بعد تمام مہموں، احد، خندق اور حدیبیہ وغیرہ میں آنحضرت ﷺ کے ہمراہ رہے اور غزوہ خیبر میں حارث یہودی کے ہاتھ سے جام شہادت پیا۔

حضرت عمیر بن ربابؓ

نام و نسب عمیر نام، والد کا نام رباب تھا، سجرہ نسب یہ ہے عمیر بن رباب بن حذیفہ بن جہشم ابن سعد بن سلہم، ماں کا نام ام وائل تھا، نانہالی نسب نامہ یہ ہے، ام وائل بنت معمر بن حبیب بن وہب بن حذافہ بن جحج۔
اسلام و ہجرت اذن ہجرت کے قبل اسلام لائے اور ہجرت ثانیہ میں حبشہ گئے۔
شہادت عراق کی مہم میں خالد بن ولیدؓ کے ساتھ تھے اور عین التمر کے معرکہ میں شہید ہوئے۔

۱۔ یناس ۱۸۵

۲۔ ابن سعد جز ۳ ق اول ص ۶۷،

۳۔ ابن سعد جز ۴ ق اول ص ۱۳۵،

۴۔ ابن سعد جلد ۲ ص ۴۳۸

حضرت عمرو بن عثمانؓ

نام و نسب عمرو نام، والد کا نام عثمان تھا، سلسلہ نسب یہ ہے، عمرو بن عثمان بن عمرو بن کعب بن سعد بن تیم بن مرہ۔
اسلام و ہجرت مکہ میں دعوت اسلام کے آغاز میں اسلام لائے اور ہجرت ثانیہ میں حبشہ گئے۔
وفات حضرت عمرؓ کے زمانہ میں ایران کی فوج کشی میں شریک ہوئے اور اس سلسلہ کے مشہور معرکہ قادسیہ میں شہادت پائی، شہادت کے وقت کوئی اولاد نہ تھی۔

حضرت خطاب بن حارثؓ

نام و نسب خطاب نام والد کا نام حارث تھا، سلسلہ نسب یہ ہے، خطاب بن معمر بن حبیب ابن وہب بن حذافہ بن یحییٰ۔
اسلام دعوت اسلام کے ابتدائی زمانہ میں اسلام لائے، اور ہجرت ثانیہ میں مع اپنے بچوں کے حبشہ گئے۔
وفات حضرت عمرؓ کے عہد خلافت میں وفات پائی۔

حضرت عاقل بن ابی بکرؓ

نام و نسب حضرت عاقل چار بھائی تھے، عاقل، ایاس، خالد اور عامر، ان کے والد کا نام ابی بکر تھا، ان سب کا نسب نامہ یہ ہے، ابی بکر بن عبد یاسیل بن ناشب بن غیرہ ابن سعد بن لیث بن بکر بن عبد مناة بن کنانہ کنانی کنی۔

۱۲ اصابت ذہن ۷،

۱۱ ابن سعد جز ۴ ق ۱ ص ۹۲

۱۳ اصابت جلد ۳ ص ۱۸

۱۴ ابن سعد جز ۴ ق ۱ ص ۱۸

اسلام و ہجرت..... ارقم کے گھر میں قبول اسلام کا آغاز ان ہی چاروں بھائیوں سے ہوا تھا چنانچہ آنحضرت ﷺ کے ارقم کے گھر میں تشریف لانے کے بعد سب سے پہلے یہی چاروں مشرف باسلام ہوئے اور سب نے مع بال بچوں کے لیے ایک ساتھ مدینہ کی ہجرت کی اور مکہ میں گھر کا دروازہ بالکل بند ہو گیا، مدینہ آنے کے بعد چاروں رفاعہ بن عبدالمندر کے یہاں اترے، اور آنحضرت ﷺ نے ایاس اور حارث بن خزیمہ میں خالد اور یزید بن دھنہ میں، عاقل اور مجذوب بن زیاد میں، اور عامر اور ثابت بن قیس بن شماس میں مواخاۃ کرا دی۔

غزوات..... مدینہ آنے کے بعد چاروں غزوات میں شریک ہوتے رہے، عاقل ان سب میں زیادہ خوش نصیب تھے، انہوں نے بدر میں مالک بن زہیر کے ہاتھوں حیات جاوید حاصل کی، اس کے بعد خالد نے بدر اور احد کے معرکوں میں شرکت کے بعد سریہ رجیع میں ۲ھ میں جام شہادت پیا، ۳ھ عامر، بدر، احد اور خندق میں آنحضرت ﷺ کے ہم رکاب رہے اور ۱۳ھ میں مرتدوں کی سرکوبی پر مامور ہوئے اور اس سلسلہ کی مشہور جنگ یمامہ میں شہادت حاصل کی، ۱۴ھ سب سے آخر میں ایاس، بدر، احد، خندق، خیبر اور دوسری معرکہ آرائیوں میں شریک ہوتے رہے، ۱۵ھ ۳۳ھ میں راہی ملک بقا ہوئے، ۱۶ھ

اس طرح آخر الذکر بزرگ کے سوا ۱۳ سال کی مدت میں تین بھائی خدا کی راہ میں کام آئے۔

حضرت عبداللہ الاصفغرؓ

نام و نسب..... عبداللہ نام، والد کا نام شہاب تھا، سلسلہ نسب یہ ہے، عبداللہ بن شہاب ابن عبداللہ بن حارث بن زہرہ بن کلاب، عبداللہ مشہور صحابی حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے بھائی اور امام شعبی کے نانا تھے۔

ہجرت..... دعوت اسلام کے ابتدائی ایام میں اسلام قبول کیا اور اذن ہجرت کے بعد حبشہ گئے۔ ۱۱ھ وفات..... پیمانہ عمر لبریز ہو چکا تھا، اس لیے مدینہ آنے کی نوبت نہ آسکی، اور اسی غربت کدہ میں پیوند خاک ہوئے۔ ۸ھ

۱۲ھ ایضا

۱۱ھ ابن سعد جز ۳ ق ۱ ص ۲۸۳

۱۳ھ استیعاب ج ۲ ص ۵۶۱

۱۳ھ استیعاب ج ۱ ص ۱۵۶

۱۴ھ استیعاب ج ۲ ص ۱۵۳

۱۴ھ استیعاب ج ۱ ص ۱۳۸

۱۵ھ ایضا

۱۵ھ ابن سعد جز ۴ ق ۱ ص ۹۲ و السابق ج ۲ ص ۱۸۵

حضرت قیس بن عبد اللہؓ

نام و نسب..... قیس نام، والد کا نام عبد اللہ تھا، نسب تعلق قبیلہ بنو اسد بن خزیمہ سے تھا، ان کی لڑکی آمنہ ام المؤمنین حضرت ام حبیبہؓ کی دایہ تھیں، اور یہ خود ان کے پہلے شوہر عبید اللہ بن حبشہ کی زوجہ تھی۔

اسلام و ہجرت..... دعوت اسلام کے ابتدائی زمانہ میں مشرف باسلام ہوئے اور اپنے آقا عبید اللہ بن حبش کے ساتھ مع اپنی بیوی برکہ بنت یسار کے حبشہ گئے، عبید اللہ نے یہاں مذہب عیسوی قبول کر لیا، لیکن قیس نے اس میں آقا کی پیروی نہ کی اور اپنے مذہب پر قائم رہے۔

حضرت مالک بن زمعہؓ

نام و نسب..... مالک نام، والد کا نام زمعہ تھا، نسب نامہ یہ ہے، مالک بن زمعہ بن قیس ابن عبد شمس بن عبد ود بن نصر بن مالک بن حسل بن عامر بن لوئی، مالک ام المؤمنین حضرت سودا کے حقیقی بھائی تھے۔

اسلام و ہجرت..... دعوت اسلام کے آغاز میں مشرف باسلام ہوئے اور ہجرت ثانیہ میں مع اپنی بیوی عمیرہ کے حبشہ گئے، اس سے زیادہ ان کے حالات معلوم نہیں۔

۱۔ اسد الغابہ جلد ۴ ص ۲۲۱، واصابہ جلد ۵ ص ۶۲۔

۲۔ ابن سعد جز ۴ ق ۱ ص ۷۷۔

۳۔ ابن سعد جز ۴ ق ۱ ص ۱۵۰۔

۴۔ ایضاً

حضرت حاطب بن عمروؓ

نام و نسب..... حاطب نام، والد کا نام عمرو تھا، نسب نامہ یہ ہے، حاطب بن عمرو بن عبد شمس بن عبد ود بن نصر بن مالک بن حسل بن عامر بن لوئی، ماں کا نام اسماء تھا۔
اسلام و ہجرت..... آنحضرت ﷺ کے ارقم کے گھر میں تشریف لانے کے قبل مشرف باسلام ہوئے، اسلام کے بعد حبشہ کی ہجرت کی، دونوں ہجرتوں کا شرف حاصل کیا، پھر وہاں سے مدینہ گئے اور رفاعہ بن عبد المندر کے مہمان ہوئے۔ ۲۔
غزوات..... مدینہ آنے کے بعد بدر عظیمی میں شریک ہوئے، بدر کے بعد احد میں بھی شرکت کا پتہ چلتا ہے، مگر اس کے بعد کے حالات معلوم نہیں۔

حضرت اربد بن حمیرؓ

نام و نسب..... اربد نام، ابو فحشی کنیت، نسب قبیلہ بنو اسد بن خزیمہ سے تھے۔
اسلام و ہجرت..... مکہ میں مشرف باسلام ہوئے، پھر ہجرت کر کے حبشہ چلے گئے، وہاں سے ہجرت کے زمانہ میں مدینہ آئے۔ ۵۔
غزوات..... اور بدر عظیمی میں شریک ہوئے، بدر کے بعد کے حالات کا پتہ نہیں چلتا۔ ۶۔

۱۔ استیعاب ج ۱ ص ۱۳۳۔

۲۔ ابن سعد جز ۳ ق ۱ ص ۲۹۵۔

۳۔ ابن سعد جز ۱ ص ۳۱۵۔

۴۔ ابن سعد حوالہ مذکور۔

۵۔ ابن سعد الغابہ جز ۱ ص ۵۸۔

۶۔ ابن سعد جز ۳ ق ۱ ص ۶۸۔

حضرت جہم بن قیسؓ

نام و نسب..... جہم نام، ابو خزیمہ کنیت، نسب نامہ یہ ہے، جہم بن قیس بن عبد اللہ ابن شریحیل بن ہاشم بن عبد مناف بن عبد دار بن قصی، ماں کا نام رہیمہ تھا۔
اسلام و ہجرت..... دعوت اسلام کے آغاز میں مشرف باسلام ہوئے اور ہجرت ثانیہ میں مع بیوی بچوں کے حبشہ گئے، یہیں ان کی بیوی حریمہ نے وفات پائی۔ ۲۔ ان کی وفات کے حالات نہیں معلوم۔

حضرت ہاشم بن ابو حذیفہؓ

نام و نسب..... ہاشم نام، والد کا نام ابو حذیفہ تھا، نسب نامہ یہ ہے، ہاشم بن ابو حذیفہ ابن مغیرہ بن عبد اللہ بن عمرو بن مخزوم مخزومی۔
ہجرت..... حضرت ہاشمؓ قدیم الاسلام تھے، ہجرت ثانیہ میں حبشہ گئے۔ ۳۔
وفات..... وفات کے متعلق صرف اس قدر معلوم ہے کہ اس وقت کوئی اولاد نہ تھی۔

ت

دعوت و تبلیغ اور مطالعہ کے لیے مستند کتب

حیۃ الصحابہ	۳ جلد اردو ترجمہ	مولانا محمد یوسف کاندھلوی
حیۃ الصحابہ	۳ جلد انگریزی	مولانا محمد احسان صاحب
فضائل اعمال	اردو	شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا
فضائل اعمال	انگریزی	شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا
فضائل صدقات مع فضائل حج	اردو	شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا
فضائل صدقات	انگریزی	شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا
فضائل نماز		شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا
فضائل قرآن		شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا
فضائل رمضان		شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا
فضائل حج		شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا
فضائل تبلیغ		شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا
فضائل ذکر		شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا
حکایات صحابہ		شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا
شمال ترمذی		شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا
منتخب احادیث	اردو	مولانا محمد یوسف کاندھلوی
منتخب احادیث	انگریزی	مترجم مولانا محمد سعد مدظلہ
		مولانا محمد یوسف کاندھلوی
		مترجم مولانا محمد سعد مدظلہ

ناشر: دارالاشاعت اردو بازار ایم اے جناح روڈ لاہور
 ڈپٹی ڈائریکٹر، پاکستان فوٹو ویکس (۲۱) ۲۲۸۸۸۸
 دیگر لواؤں کی کتب دستیاب ہیں، ان کے لیے درخواستیں ارسال کی جائیں گی۔

انبیاء علیہم السلام کے بعد دنیا کے ممتاز ترین انسانوں کی سرگزشت حیات

سید الصحابة رضی اللہ عنہم

خلفائے راشدین

۳

www.KitaboSunnat.com

دارالاشاعت کراچی

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

معزز قارئین توجہ فرمائیں!

کتاب وسنت ڈاٹ کام پر دستیاب تمام الیکٹرانک کتب

← عام قاری کے مطالعے کے لیے ہیں۔

← مجلس التحقیق الاسلامی کے علمائے کرام کی باقاعدہ تصدیق و اجازت کے بعد آپ لوڈ (Upload)

کی جاتی ہیں۔

← دعوتی مقاصد کی خاطر ڈاؤن لوڈ، پرنٹ، فوٹوکاپی اور الیکٹرانک ذرائع سے محض مندرجات نشر و اشاعت کی مکمل اجازت ہے۔

☆ تنبیہ ☆

← کسی بھی کتاب کو تجارتی یا مادی نفع کے حصول کی خاطر استعمال کرنے کی ممانعت ہے۔

← ان کتب کو تجارتی یا دیگر مادی مقاصد کے لیے استعمال کرنا اخلاقی، قانونی و شرعی جرم ہے۔

﴿اسلامی تعلیمات پر مشتمل کتب متعلقہ ناشرین سے خرید کر تبلیغ دین کی کاوشوں میں بھرپور شرکت اختیار کریں﴾

← نشر و اشاعت، کتب کی خرید و فروخت اور کتب کے استعمال سے متعلقہ کسی بھی قسم کی معلومات کے لیے رابطہ فرمائیں۔

kitabosunnat@gmail.com

www.KitaboSunnat.com

رضی اللہ عنہم و رضوانہ (القرآن)
اللہ اُن سے راضی ہوا اور وہ اللہ سے راضی ہوئے

انبیاء کرام کے بعد دنیا کے مقدس ترین انسانوں کی سرگزشت حیات

سیر الصحابہ رضی اللہ عنہم

سیر انصار حصہ کامل

جلد سوم

حصہ چہارم و پنجم

اُن جلیل القدر انصار اور حلفائے انصار صحابہ کرام کے مفصل سوانح زندگی جنہوں نے تن من وھن کی بازی لگا کر رسول اللہ ﷺ کی نصرت و حمایت کا فرض انجام دیا

تحریر و ترتیب

جناب مولانا سعید انصاری صاحب مرحوم

سابق رفیق دارالعلوم اعظم گڑھ

آرڈو بازار ایم ایس جیلج روڈ
کراچی پاکستان 2213768

دارالاشاعت

کمپوزنگ کے جملہ حقوق ملکیت بحق دارالاشاعت کراچی محفوظ ہیں

باہتمام : خلیل اشرف عثمانی
طباعت : ۲۰۰۴ء علمی گرافکس کراچی
ضخامت : 600 صفحات

قارئین سے گزارش

اپنی حتی الوسع کوشش کی جاتی ہے کہ پروف ریڈنگ معیاری ہو۔ الحمد للہ اس بات کی نگرانی کے لئے ادارہ میں مستقل ایک عالم موجود رہتے ہیں۔ پھر بھی کوئی غلطی نظر آئے تو ازراہ کرم مطلع فرما کر ممنون فرمائیں تاکہ آئندہ اشاعت میں درست ہو سکے۔ جزاک اللہ

.....ملنے کے پتے.....

ادارۃ المعارف جامعہ دارالعلوم کراچی	ادارہ اسلامیات ۱۹۰۔ انارکلی لاہور
بیت القرآن اردو بازار کراچی	بیت العلوم 20 تا بھر روڈ لاہور
ادارۃ اسلامیات موہن چوک اردو بازار کراچی	مکتبہ سید احمد شہید اردو بازار لاہور
ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ B-437 ویب روڈ بسیلہ کراچی	مکتبہ امدادیہ فی بی ہسپتال روڈ ملتان
بیت الکتب بالقابل اشرف المدارس گلشن اقبال کراچی	یونیورسٹی بک انجمن خیبر بازار پشاور
بیت القلم مقابل اشرف المدارس گلشن اقبال بلاک ۲ کراچی	کتب خانہ رشیدیہ۔ مدینہ مارکیٹ راجہ بازار راولپنڈی
مکتبہ اسلامیہ امین پور بازار۔ فیصل آباد	مکتبہ اسلامیہ گامی اڈا۔ ایبٹ آباد

مکتبۃ المعارف محلہ جنگلی۔ پشاور

انگلینڈ میں ملنے کے پتے

Islamic Books Centre
119-121, Halli Well Road
Bolton BL 3NE, U.K.

Azhar Academy Ltd.
At Continenta (London) Ltd.
Cooks Road, London E15 2PW

فہرست مضامین

سیر الانصار (حصہ اول)

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
	انصار بعد از اسلام	۵۰	جنگِ فجار اول	۹	دیباچہ
		۵۰	جنگِ معبس اور مفرس		انصار قبل از اسلام
۸۱	انصار میں اسلام کی ابتداء	۵۱	جنگِ فجار ثانی		
۸۴	بیعت عقبہ اولیٰ	۵۲	جنگِ بعاث	۱۱	انصار کا نسب نامہ
۸۶	بیعت عقبہ ثانی	۵۳	بعض غیر معروف جنگیں	۲۵	انصار کی تاریخ
	سعد بن معاذ اور اسید	۵۷	انصار کا مذہب	۲۵	مورخین عرب کا بیان
۸۷	بن حنیفہؓ کا اسلام	۶۳	انصار کا تمدن	۲۷	ہمارا خیال
۹۱	بیعت عقبہ کبیرہ	۶۳	نظام اجتماعی	۳۷	انصار کی شاخیں
۹۷	مدینہ میں اس کا اثر	۶۵	نظام عسکری	۳۵	ایام الانصار
۹۹	مہاجرین مکہ	۶۷	انصار کے قلعے	۳۶	جنگِ سمیر
۱۰۰	ہجرت نبوی ﷺ	۷۱	نظام مذہبی	۳۶	جنگِ کعب بن عمرو
۱۰۳	مسجد نبوی کی تعمیر	۷۲	نظارت نافذہ	۳۷	جنگِ سرارہ
۱۰۴	ایہود سے معاہدہ	۷۲	متفرقات	۳۷	جنگِ حصین بن اسلت
۱۰۴	مواخاۃ	۷۴	زراعت	۳۷	جنگِ ریح
	حضرت عبداللہ بن زید	۷۶	تجارت	۳۸	جنگِ فارغ
۱۰۵	بن عبد ربہ کا خواب	۷۹	صنعت و حرفت	۳۸	جنگِ حاطب
۱۰۶	حکم اذان	۷۹	تعلیم	۳۹	جنگِ ریح
				۳۹	جنگِ بقیع

اسمائے انصار کرام

صفحہ	نام	صفحہ	نام	صفحہ	نام
۲۷۳	حضرت جبار بن صخر	۲۲۳	حضرت ابوقیس صرمہؓ		الف
۲۷۵	حضرت جلیبؓ	۲۲۷	حضرت ابو حمید ساعدیؓ		حضرت ابویوب
	ح	۲۲۹	حضرت امیرمؓ	۱۰۹	انصاری
۲۷۷	حضرت حباب بن منذر		حضرت ابوزید عمروؓ	۱۱۹	حضرت انس بن نضرؓ
۲۷۹	حضرت حرام بن ملکان	۲۳۱	بن اخطب	۱۲۱	حضرت انس بن مالک
۲۸۱	حضرت حسان بن ثابت	۲۳۳	حضرت ابو عمرہؓ	۱۳۱	حضرت ابی بن کعب
۲۹۹	حضرت حارث بن سراقہ	۲۳۵	حضرت اوس بن خولی	۱۶۱	حضرت ابو طلحہ انصاری
۳۰۱	حضرت حارث بن صمد	۲۳۷	حضرت ابوبہس بن جبر	۱۷۱	حضرت ابودرداءؓ
	حضرت حظلہ بن	۲۳۹	حضرت ابوزیدؓ	۱۸۵	حضرت ابوسعید خدریؓ
۳۰۳	ابی عامر	۲۴۱	حضرت ابواسید ساعدی	۱۹۳	حضرت ابوسعود بدری
	خ		ب	۱۹۵	حضرت ابوقادہؓ
۳۰۷	حضرت خنیب بن عدی	۲۴۳	حضرت براء بن مالک	۲۰۱	حضرت اسید بن خفیر
	حضرت خارجہ بن زید	۲۴۷	حضرت براء بن عازب	۲۰۷	حضرت ابودجانہؓ
۳۱۱	بن ابی زہیر	۲۵۳	حضرت براء بن معرور		حضرت ابوالسرکعبؓ
۳۱۳	حضرت خزیمہ بن ثاقب		ث	۲۰۹	بن عمرو
۳۱۵	حضرت خوات بن جبر	۲۵۵	حضرت ثابت بن قیس	۲۱۱	حضرت ابولبابہؓ
۳۱۷	حضرت غلاذ بن سوید	۲۵۹	حضرت ثابت بن ضحاک		حضرت ابوالہشیمؓ
	د		ج	۲۱۵	بن التیمان
۳۱۹	حضرت رافع بن مالک	۲۶۱	حضرت جابر بن عبد اللہ	۲۱۹	حضرت اسعد بن زراہ

صفحہ	نام	صفحہ	نام	صفحہ	نام
۳۳۳	حضرت زید بن ثاقب		حضرت ردیفؓ		حضرت رفاعہ بن
۳۵۵	حضرت زیاد بن لبید	۳۲۷	بن ثابت	۳۲۱	رافع زرقی
۳۵۷	حضرت زید بن وثنہ		ز		حضرت رافع بن
		۳۲۹	حضرت زید بن ارقم	۳۲۳	خدیج



اسمائے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سیر الانصار (حصہ دوم) (بہ ترتیب حروف تہجی)

صفحہ	نام	صفحہ	نام	صفحہ	نام
۴۴۱	بن زید بن عاصم	۴۰۹	حضرت عبداللہؓ	۳۶۱	س
۴۴۳	حضرت عبد اللہؓ	۴۱۷	بن رواد	۳۶۵	حضرت سعد بن ربیع
	بن زید عظمیٰ		حضرت عاصمؓ بن	۳۶۷	حضرت بہل بن سعد
	حضرت عبدالرحمنؓ		ثابت	۳۶۹	حضرت بہل بن حنیف
۴۴۵	بن شبل		حضرت عبداللہؓ	۳۷۵	حضرت سعد بن معاذ
	حضرت عثمانؓ	۴۱۹	بن عمرو	۳۸۷	حضرت سعد بن عبادہ
۴۴۷	بن حنیف		حضرت عبداللہؓ		حضرت سعد بن خیشمہ
۴۵۵	حضرت عمارہ بن حزم	۴۲۳	بن عبداللہ		حضرت سعد بن
۴۵۷	حضرت عمرو بن جموح		حضرت عتبانؓ	۳۸۹	زید اشہلی
۴۶۱	حضرت عمرو بن حزم	۴۲۷	بن مالک	۳۹۱	حضرت سلمہ بن سلامہ
۴۶۵	حضرت نمیر بن سعد	۴۲۹	حضرت عبادہ بن بشر	۳۹۳	حضرت بہل بن حنظلہ
۴۶۷	حضرت عویم بن ساعدہ		حضرت عبداللہؓ		حضرت سائبؓ
	ف	۴۳۳	بن عتیک	۳۹۵	بن خلاد
۴۶۹	حضرت فصالہ بن عبید		حضرت عباسؓ		ش
	ق	۴۳۵	بن عبادہ	۳۹۷	حضرت شداؤ بن اوس
۴۷۳	حضرت قتادہ بن نعمان		حضرت عبداللہؓ		ع
۴۷۵	حضرت قیس بن سعد	۴۳۷	بن زید		حضرت عبادہ بن
۴۸۳	حضرت قرظہ بن کعب		حضرت عبداللہؓ	۴۰۱	صامت

صفحہ	نام	صفحہ	نام	صفحہ	نام
۵۳۹	حضرت نعمان بن بشیر	۵۲۵	حضرت محمد بن مسلمہ	۴۸۷	حضرت قطبہ بن عامر
		۵۳۱	حضرت معاذ بن عفراء	۴۸۹	حضرت کعب بن مالک
۵۳۷	عجلان	۵۳۳	حضرت مجمع بن جاریہ	۴۹۵	حضرت کلثوم بن الہدم
	۵	۵۳۵	حضرت خبیصہ بن مسعود	۴۹۷	حضرت معاذ بن جبل
	حضرت ہلال بن امیہ	۵۳۷	حضرت منذر بن عمرو	۵۲۰	حضرت مسلمہ بن مخلد
۵۳۹	غزوات اور عام حالات کے والہ کی تفصیل		ن		

حلفائے انصار رضی اللہ عنہم

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۵۸۵	حضرت عبداللہؓ	۵۷۱	س	۵۵۱	الف
۵۸۹	بن سلام	۵۷۳	حضرت سعدؓ بن حبشہ	۵۵۳	حضرت ابو بردہؓ
۵۹۱	حضرت عبداللہؓ	۵۷۷	حضرت سمرہؓ بن جندب	۵۵۵	بن نیار
۵۹۳	بن طارق	۵۷۹	ط	۵۵۷	ث
۵۹۵	حضرت عدیؓ بن ابی الزغباء	۵۸۱	حضرت طلحہؓ بن البراء	۵۵۹	حضرت ثابتؓ بن دصاح
۵۹۷	حضرت عقبہؓ بن وہب	۵۸۳	ع	۵۶۱	ح
۵۹۹	ک	۵۸۵	حضرت عاصمؓ بن عدی	۵۶۳	حضرت حذیفہؓ بن الیمان
	حضرت کعبؓ بن عجرہ	۵۸۷	حضرت عبداللہؓ بن انیس جہنی	۵۶۵	ز
	م	۵۸۹	حضرت عبداللہؓ	۵۶۷	حضرت زیدؓ بن سعد
	حضرت مجذرؓ بن زیاد	۵۹۱	بن سلمہ	۵۶۹	حالات
	حضرت معنؓ بن عدی	۵۹۳			



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِهِ
وَآلِهِ وَاصْحَابِهِ اَجْمَعِیْنَ ط

دیباچہ

سیر الصحابہ کے نام سے دارالمصنفین کے زیر اہتمام جو سلسلہ تیار ہو رہا ہے، پیش نظر کتاب اس کی ایک جلد ہے۔ اس میں انصار کرام کے حالات و سوانح، اور ان کے علمی، مذہبی، اخلاقی اور سیاسی کارناموں کی پوری تفصیل کی گئی ہے صحابہؓ کی مقدس صف میں انصار کو ایک خاص امتیاز حاصل ہے اور سیر الصحابہ کا یہ حصہ اس حیثیت سے ایک خاص اہمیت رکھتا ہے کہ اس میں انہی مقدس بزرگوں کے اکابر اور مشاہیر کے سوانح و حالات مذکور ہیں۔ یہ واقعات کتب احادیث اور سیر و رجال کی مستند کتابوں سینکڑوں، ہزاروں صفحات کی ورق گردانی کر کے فراہم کئے گئے ہیں۔

ان حالات و خدمات کی تفصیل سے پہلے ایک بسیط مقدمہ میں انصار کی قبل اسلام کی مفصل تاریخ، ان کے نسب نامے، آداب و تمدن اور معاشرت و اخلاق کو نمایاں کیا گیا ہے۔ اس طرح یہ حصہ انصار کی تاریخ قبل اسلام اور بعد اسلام کا ایک بہترین مجموعہ بن گیا ہے۔

اس سے پہلے سیر الصحابیات کی جو جلد شائع ہوئی تھی ملک کے بعض مشہور اہل قلم نے اس ”لف و نشر مرتب“ کو ”غیر مرتب“ کر کے اپنی طرف منسوب کر لیا ہے۔ اب اسی سلسلہ کی ایک اور نئی جلد ان کے سامنے پیش کی جاتی ہے۔

لگا رہا ہوں مضامین نو کے پھر انبار

خبر کرو مرے خرمن کے خوشہ چینوں کو

”دارالمصنفین“

بسم الله الرحمن الرحيم

انصار کا نسب نامہ

اہل عرب تین بڑے قبیلوں میں منقسم ہیں۔ باندہ، عاربہ، مستعربہ، باندہ میں وہ قبائل شامل ہیں جنہوں نے طوفانِ نوحؑ کے بعد عرب میں حکومت کی اور ناپید ہو گئے۔ عاد، ثمود، عمالقہ، طسم، جدیس وغیرہ انہی میں داخل ہیں۔ عاربہ سے وہ قبائل مراد ہیں جو باندہ کے ہمعصر تھے اور ان کے بعد عرب کے مالک ہوئے۔ قحطان، سبا، حمیر، معین وغیرہ ان کی شاخیں ہیں۔ مستعربہ سے وہ خاندان مراد ہیں جو حضرت اسمعیلؑ کی اولاد تھے اور عرب کے شمالی حصہ میں بود و باش رکھتے تھے۔

انصار کے متعلق عام خیال یہ ہے کہ وہ عرب عاربہ کی اولاد ہیں۔ اس بناء پر عرب کے تمام نساب ان کے نسب نامے قحطان بن عابر تک پہنچاتے ہیں جو عرب عاربہ کا مورث تھا لیکن قحطان پر پہنچ کر اختلاف شروع ہوتا ہے اور نسابہ عرب دو گروہ میں منقسم ہو جاتے ہیں۔

(۱) ایک گروہ کہتا ہے کہ قحطان خود ایک مستقل خاندان کا بانی تھا اور اس کا سلسلہ نسب یہ ہے۔ قحطان بن عابر بن شاخ بن ارثمد بن سام بن نوح علیہ السلام اس کے نزدیک قحطان اور یقطن جس کا ذکر بائبل میں آیا ہے ایک ہے۔

(۲) دوسرا گروہ قحطان کو کوئی علیحدہ شاخ نہیں مانتا۔ بلکہ ثابت بن اسمعیل کی

اولاد بتاتا ہے۔ چنانچہ کلبی نے اپنے باپ سے یہی روایت کی ہے کہ

”انه امرک اهل العلم النسب ینسبون کذا لک“^۱

”انہوں نے اہل علم اور نسابین کو قحطان کی نسبت یہی فیصلہ کرتے پایا ہے۔“

کلبی کے علاوہ بعض اہل یمن بھی اس کے مدعی ہیں۔^۲

لیکن ہمارے نزدیک یہ رائے حد درجہ کمزور ہے اور اس کی تردید میں صرف یہ کہنا کافی ہے کہ تمام اہل یمن اس کے مخالف ہیں۔ چنانچہ مورخ مسعودی لکھتا ہے کہ

”واسائر الیمانیۃ تابی ذالک و تذهب الیٰ انہ قحطان بن عابر“^۱

یعنی ”تمام اہل یمن اس کے منکر ہیں، اور قحطان کو عابر کا بیٹا سمجھتے ہیں۔“

دوسری جگہ ہے : (س ۸۲)

”والقوم اعرف بانسابہم ینقلہ الباقی عن الماضی قولا وعملا موزونا

انہم من ولد قحطان بن عابر لا یعرفون غیر ذالک“

”اہل یمن اپنے نسب کو زیادہ جانتے ہیں اور سلسلہ بہ سلسلہ نقل کرتے آئے ہیں کہ وہ قحطان بن

عابر کی نسل سے ہیں۔ ان کے سوا ان کا کوئی خیال نہیں۔“

البتہ پہلے خیال سے ہم کو اتفاق ہے، قحطان ایک مستقل قوم اور ایک مستقل سلطنت کا بانی

تھا۔ یمن میں اس کی اولاد موجود تھی اور سکینروں برس تک برسر حکومت رہی، لیکن یہ کہنا کہ انصار بھی قحطان کی اولاد ہیں ہمارے نزدیک صحیح نہیں، اور یہ وہ خیال ہے جس کی تردید نہایت مشکل ہے۔

نسبہ عرب میں جو لوگ انصار کو قحطان کی اولاد مانتے ہیں۔ ان کے دلائل اگرچہ کسی تاریخ

میں مذکور نہیں تاہم ایسے مواقع پر وہ اشعار عرب سے استناد کرتے ہیں، اس بناء پر ہم اس دعویٰ کی تقویت کے لئے چند اشعار بھی درج کرتے ہیں۔ حضرت حسانؓ کا شعر ہے۔^۲

تعلمتموا من منطق الشیخ یعرب

اہینا فصورتم معربین ذوی نفور

اس میں اگرچہ قحطان کا نام مذکور نہیں تاہم چونکہ یہ عدنانیوں (اسمعیلیوں) کے مقابلہ میں

کہا گیا ہے۔ اس لئے ضروری ہے کہ یعرب، قحطان کی اولاد سے ہو اور تھا، عبدالرحمن بن حسان یا نعمان بن بشیر کا شعر ہے۔^۳

لنا من بنی قحطان سبعون تبعا

اقرت لها بالخروج منها لا عاجم

لیکن یہ دونوں شعر رحمت کے لحاظ سے بالکل مشکوک ہیں۔ پہلا شعر جو حضرت حسانؓ کی

طرف منسوب ہے۔ ان کے دیوان میں موجود نہیں۔ اور حسانؓ کے اشعار کی نسبت عام فیصلہ ہے کہ

”تنسب الیہ اشیاء لا تصح عنہ“^۴

”ان کی طرف بہت سے ایسے اشعار منسوب ہیں جو ان سے ثابت نہیں۔“

۱ کتاب التبیہ والاشراف۔ ص ۸۱۔ ۲ العرب واطوارہم۔ ص ۳۱۔ ۳ التبیہ والاشراف۔ ص ۸۵

۴ استیعاب۔ جلد ۱۔ ص ۱۳۵ محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

دوسرے شعر کی یہ کیفیت ہے کہ خود کہنے والے کا پتہ نہیں، پھر مضمون ایسا ہے کہ اس کو دیکھ کر ہنسی آ جاتی ہے۔ عبدالرحمان ہوں یا نعمان کوئی بھی اتنا صریح جھوٹ گوارا نہیں کر سکتا تھا۔

ہمارا خیال یہ ہے کہ انصار قحطانی نہیں بلکہ بانت بن اسمعیل کی اولاد ہیں۔ یعنی وہ عرب عار بہ نہیں بلکہ مستعربہ ہیں۔ یہ خیال مورخین اور نسابین کے خیال سے بالکل جدا ہے اور ہم اس کو کسی قدر پھیلا کر لکھنا چاہتے ہیں۔ لیکن قبل اس کے کہ ہم اصل مقصد کی طرف متوجہ ہوں۔ یہ بتانا ضروری ہے کہ اس باب میں ہمارا طریقہ استدلال کیا ہوگا؟

مورخین عرب کسی قبیلہ کے نسب ثابت کرنے میں عموماً دو چیزوں سے مدد لیتے ہیں۔

(۱) نسابین کی روایت (۲) شعرائے قبیلہ کے اشعار۔ اور یہ دونوں چیزیں تنہا قابل اتنا نہیں۔ نسابین کی روایتیں اس درجہ لغو اور مہمل ہوتی ہیں کہ ان پر مشکل سے یقین آ سکتا ہے پرانے نسب نامے اٹھا کر دیکھو تو معلوم ہوگا کہ تمام عالم آبائے تورات کے اندر سمٹ آیا ہے، مثلاً منوچہر حضرت اسحقؑ کا پر پوتا ہے۔^۱ صنہاجہ، کتامہ سبا کی اولاد ہیں، ہند، یونان، ترک جو خود نہایت قدیم قومیں ہیں۔ سام، حام اور یافث کی اولاد ہیں۔ قحطان بن عابر (یہودیوں کے نزدیک) حام کی اولاد ہے۔ وغیرہ لک، یمن کے تبع، الحارث، الرایش کے نسب نامہ میں اس درجہ اختلاف ہے کہ دو مورخ بھی ایک رائے سے متفق نہیں۔ یہاں تک کہ طبری نے ایک جگہ اس کو سباء اصفری کی اولاد بتایا ہے لیکن دوسری جگہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ خود اس پر قائم نہیں ہیں۔ وقس علیٰ هذا

اشعار پر عرب پر بیشک اعتماد ہو سکتا تھا، لیکن مشکل یہ ہے کہ ان کے بھی صحیح ہونے کی کوئی صورت نہیں ہے۔ یہ ظاہر ہے کہ عرب بالکل اُمی تھے اور ان میں لکھنے پڑھنے کا بہت کم رواج تھا۔ اس بناء پر ان کے پاس قدماء کا ذخیرہ کیونکر محفوظ رہ سکتا تھا؟ یہی وجہ ہے کہ جاہلیت کا جو کچھ کلام ہم تک پہنچا ہے بہت کم ہے اور وہ بھی اسلام سے صدی دو صدی آگے کا نہیں۔

اس کے علاوہ عرب میں بہت سے ایسے خاندان بھی تھے، جن کے نسب نامے گڈمڈ ہو گئے۔ چنانچہ نعمان بن منذر شاہ حیو کے متعلق مشہور ہے کہ وہ قبیلہ لُحْم سے تھا لیکن جبیرؒ نے حضرت عمرؓ کے سامنے اس کو عجم بن قیس کی اولاد بتایا ہے۔^۲ قضاعہ، انمار، بحیلہ، اسمعیلی اور زاری تھے اور مکہ ہی سے یمن گئے تھے۔ لیکن امتداد زمانہ اور جہالت کے باعث قحطانیوں میں ضم ہو گئے اور جدید نسب نامے تیار کر لئے۔^۳ اوروں کا بھی یہی حشر ہوا۔ جن میں غسان، خزاعہ اور انصار بھی داخل ہیں۔

۱۔ ابن اثیر۔ جلد ۱۔ ص ۱۱۵ و ۱۱۶ ۲۔ طبری۔ جلد ۵۔ ص ۲۳۵۵ ۳۔ سیرت ابن ہشام۔ جلد ۱۔ ص ۸، ۱۱، ۱۲

ایسی صورت میں ان قبائل کے شعراء اگر اپنے نسب نامے کسی غیر نسل تک پہنچائیں اور اس کو اشعار میں ظاہر کریں تو ان کا کہاں تک اعتبار کیا جاسکتا ہے؟

اصل یہ ہے کہ انصار کے نسب نامہ میں سخت دقتیں واقع ہو گئی ہیں۔ جن کا علاج اس کے سوا کچھ نہیں کہ ہم قدیم طرز استدلال کو چھوڑ کر تحقیق و تفتیش کی ایک نئی راہ نکالیں جو نہایت صاف واضح اور مستقیم ہو۔ چنانچہ اس کے لئے ہم نے حسب ذیل ماخذ قرار دیئے ہیں۔

۱۔ قرآن مجید

۲۔ احادیث صحیحہ

۳۔ اشعار عرب جو روایت اور درایت کے اصول سے صحیح ہوں

۴۔ اکتشافات اثریہ

(۱) قرآن مجید سے اگر کوئی چیز ثابت ہو جائے تو اس کی صحت میں کوئی مسلمان شک نہیں کر سکتا۔ لیکن دقت یہ ہے کہ قرآن مجید میں صرف ان قوموں کے نام آئے ہیں جن کے حالات نہایت مؤثر اور عبرت خیز ہیں۔ اور چونکہ انصار اور تمام اسمعیلیوں نے جاہلیت میں کوئی ایسا کام نہیں کیا ہے۔ اس لئے قرآن مجید میں ان کا ذکر کیونکر آ سکتا ہے۔

(۲) حدیث میں البتہ انصار کے متعلق کچھ اشارے اور تصریحیں موجود ہیں۔ مثلاً

حضرت سلمہ بن اکوعؓ سے روایت ہے کہ

”مر النبی صلعم علی نضر من اسلم ینتضلون فقال النبی صلعم ار مواہبی

اسمعیل فان اباکم کان رامیا“۔

”آنحضرت ﷺ بنوا سلم کے پاس سے گزرے جو تیر اندازی میں مصروف تھے اور فرمایا آل

اسمعیل! تیر پھینکو، کیونکہ تمہارا باپ بدر انداز تھا۔“

اسلم کا قبیلہ عرب میں خزاعہ کی اولاد مشہور تھا، اور خزاعہ، حارثہ بن مزہب، قبیاء کا بیٹا ہے جو بقول نسائین قحطانی عرب تھا۔ چنانچہ امام بخاری نے بھی اسلم کا نسب نامہ اسی طرح نقل کیا ہے۔ اور وہ یہ ہے، اسلم بن افسی بن حارثہ بن عمرو بن عامرؓ۔ اور اس کے بعد لکھا ہے من خزاعۃ ہم کو اس وقت اس نسب نامہ کی صحت اور سقم سے بحث نہیں ہے۔ مقصود یہ ہے کہ ایک مسلم الثبوت قحطانی خاندان کو آنحضرت ﷺ نے اسمعیلی فرمایا اور تمام مجمع نے اس کو قبول کیا۔

۱۔ صحیح بخاری۔ ۱۔ ص ۴۰۶ باب آخر فی علی الرمی الخ ۲۔ ایضاً ص ۴۹۷ باب نزل القرآن بلسان قریش

دوسری حدیث حضرت ابو ہریرہؓ کی ہے۔ وہ حضرت ہاجرہؓ کے حالات بیان کرنے کے بعد انصار سے مخاطب ہو کر کہتے ہیںؓ۔

”فتلک امکم یا بنی ماء السماء“

”اے ماء السماء کے بیٹو! یہ تمہاری ماں تھیں۔“

ماء السماء عامر کا لقب ہے جو مزنیقیا کا باپ تھا۔ ظاہر ہے کہ اگر یہ واقعہ نہ ہوتا تو نہ صرف ابو ہریرہؓ اس کو بیان کر سکتے، اور نہ انصار میں اس کو کوئی سن سکتا، اس حدیث کے ساتھ اگر وہ حدیث بھی ملاؤ جس میں غیر کے نسب داخل ہونے والے کو جہنم میں جانے کی خبر دی گئی ہے تو یہ مسئلہ اور بھی زیادہ صاف ہو جاتا ہے۔

مذکورہ بالا حدیثیں بخاری میں متعدد جگہ آئی ہیں اور صحت کے لحاظ سے اس درجہ کی ہے کہ ان میں شک نہیں کیا جاسکتا۔ اس بنا پر ان سے زیادہ انصار کے اسمعیلی ہونے پر اور کوئی شہادت نہیں پیش کی جاسکتی۔ انہی وجوہ سے خطابی نے اہل یمن کو اسمعیلی کہا ہے۔ بخاری نے جامع صحیح میں ایک مستقل باب باندھا ہے جس کا نام ”باب نسبة الیمن الی اسمعیل“ ہے۔ ابن حجر تحقیق و کاوش کے بعد اسی نتیجہ پر پہنچے ہیں، هذا هو الذی حجج فی نقدیؓ۔ قاضی عیاض بھی اس کی طرف مائل ہیںؓ، اور سعید سمودی نے بھی اسی کو ترجیح دی ہے۔^۱

لیکن ان بزرگوں کی رایوں میں کچھ مبالغہ ہے، مذکورہ بالا حدیثوں میں صرف دو قبیلوں کی نسبت تصریح آئی ہے۔ اس لئے ہم کو یہیں توقف کرنا چاہئے، اصل یہ ہے کہ یمن میں کچھ قبیلے یقیناً اسمعیلی تھے جو قحطانی مشہور ہو گئے تھے۔ لیکن اس سے تمام یمن اور خود قحطان کا اسمعیلی ہونا لازم نہیں آتا۔

(۳) اشعار عرب میں سے دو شعر ہمارے پاس نہایت مستند ذریعہ سے پہنچے ہیں جو حضرت حسانؓ کے ادا و منذر بن عمرو کے ہیں۔ وہ کہتا ہے۔^۲

۱۔ فتح الباری۔ جلد ۳۔ ص ۳۹۱ باب نسبة الیمن الی اسمعیل۔

۲۔ صحیح بخاری۔ جلد ۲۔ ص ۷۱ باب اتخاذ السراری ومن اعتق جاریہ ثم تزوجھا۔

۳۔ فتح الباری۔ جلد ۶۔ ص ۳۹۱ عمدة القاری عرف یمنی۔ جلد ۱۔ ص ۲۵۵ مطبوعہ مصر

۴۔ خلاصۃ الوفا۔ ص ۸۱۔ ۱۔ فتح الباری۔ جلد ۶۔ ص ۳۹۳

ورثنا من البهلول عمرو بن عامر
و حارثة الغطريف مجداء موثلا
موارث من آل ابن نبت بن مالک
ونبت بن اسمعيل ما ان تحولا

اس میں شاعر نے اپنے تمام سربراہ اور بزرگوں کے اس ترتیب سے نام لئے ہیں۔
عمرو بن عامر، حارثہ الغطریف، نابت بن مالک اور پھر نابت بن اسمعيل۔
اسی شاعر کی ابو طاہر مقدسی نے جو نہایت قدیم مصنف ہے۔ ایک روایت بھی نقل کی ہے اور
وہ یہ ہے۔^۱

”وقال المنذر بن بن حرام جد حسان بن ثابت بن المنذر في الجاهلية
العمياء يذك نسبهم الى غسان ثم الى نابت بن مالک ثم الى
نابت بن اسمعيل بن ابراهيم“

”حسان بن ثابت دادا منذر بن حرام جو خالص زمانہ جاہلیت میں تھا۔ اُن کا (اوس و خزرج کا)
نسب غسان تک اور غسان سے ثابت بن مالک تک اور نابت بن مالک سے نابت بن اسمعيل
بن ابراهيم تک پہنچاتا ہے۔“

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ منذر اپنے کو غسان کا، ہم نسب سمجھتا تھا اور ان کا سلسلہ قحطان کے
بجائے نابت بن اسمعيل تک پہنچاتا تھا۔ اب اگر اس کے ساتھ اتنا اور بڑھا دیا جائے کہ یہ شاعر شاہان
غسان کا معاصر تھا اور یہ اشعار انہی کے زمانہ میں لکھے گئے اور آل غسان کے نسب کے متعلق اس سے
موثوق تر شہادت کوئی نہیں مل سکتی۔

(۴) اکتشافات اثریہ میں ہمیں حسب ذیل چیزوں سے بحث کرنا ہے۔

(۱) نظام اجتماعی یا طرز بود و ماند

(۲) زبان

(۳) مذہب

(۴) نام

(۵) قرابت

(۶) شکل و صورت

۱۔ کتاب البدء والتاریخ (ابی طاہر المقدسی) المنسوب الی ابی زید اللخثی۔ جلد ۴۔ ص ۱۲۲-۱۲۳

شہام ، اقیان ، مصانع ، تنخی :

”حمیریہ محضہ۔۔۔۔۔“۔۔۔۔۔”ان کی زبان غافل حمیری ہے۔“

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ حمیری عربی زبان سے بالکل جداگانہ چیز ہے۔ اب اگر تم خود اس عربی زبان کو لو جو یمن میں رائج تھی، تو تم کو یمن اور حجاز کی زبانوں کا فرق صاف معلوم ہوگا۔ یہ سچ ہے کہ دونوں زبانوں کی اصل ایک ہے۔ لیکن ان میں اعراب، ضمیریں، اشتقاق اور تصریف میں جس قسم کا اختلاف موجود ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے بولنے والوں میں اخلاق و عادات کے لحاظ سے کتنا فرق تھا۔

جیسا کہ اوپر معلوم ہوا یمن کی عربی حمیری زبان سے مخلوط تھی اور اکثر مقامات میں غیر فصیح بھی تھی۔ اس کے تم جس قدر شمال کی طرف بڑھو گے زبان زیادہ صاف اور شستہ ملے گی۔ یہاں تک کہ جاز پنچ کر نظر آئے گا۔

”كذلك الحجاز فنجد السفلى فالى الشام والى ديار مصر و ديار ربيعة فيها الفصاحة“ -

”حجاز، نجد، اسفل، حدودِ شام، دیارِ مضر اور دیارِ بعیہ فصاحت کے معدن ہیں۔“۔

یمن اور حجاز کی عربی میں جس قسم کے اختلافات تھے، ان کو مختصر طور پر علامہ ہمدانی نے ”صفة جزيرة العرب“^۱ میں بیان کیا ہے اور ہم طوالت کے خیال سے اس کو قلم انداز کرتے ہیں۔

زبان کے اختلافات کے ساتھ حجاز و یمن کے رسم الخط میں بھی اختلاف ہے۔ اہل یمن کا خط مسند تھا، بخلاف اس کے اہل حجاز کا خط طبری اور ان دونوں میں بڑا فرق ہے۔

(۳) مذہب :

حجاز و یمن کے باشندوں میں بڑا فرق طرق عبادات اور بتوں کے ناموں کا ہے۔ اہل یمن یا بنو قحطان کے بُت اہل بابل کے بتوں سے مشابہ تھے۔ مثلاً ان کے نام یہ تھے : عشتار، ایل، بعل وغیرہ۔ بخلاف اس کے اسمعیلیوں کے بُت ان سے بالکل علیحدہ تھے۔ چنانچہ ان کے نام یہ ہیں : لات۔ مناة، عزیٰ، ہبل وغیرہ۔ بطیوں کے جن بتوں کا کتبات میں ذکر آیا ہے وہ یہ ہیں : ذوالشرا، خراشہ، لات، عمدہ، منوعات یا منوتو (منات) قیس یا قیشہ۔^۱

اب انصار اور قریش کے بتوں کا ان بتوں سے مقابلہ کرو تو صاف معلوم ہوگا کہ ان کے اور تبطیوں کے بت بالکل ایک تھے۔ چنانچہ ہم نے اوپر جو نام لکھے ہیں، ان میں ذوالثریٰ۔ قبیلہ دوس کا^۱، ملات ثقیف کا^۲، اور مناة انصار اور غسان کا بت تھا^۳۔

ہم اس سے بے خبر نہیں ہیں کہ اسمعیلیوں میں بھی بعض قبیلے بابلیوں کے بت پوجتے تھے۔ مثلاً قبیلہ ہذیل اور کلب بن دبرہ (قضاء) سواع اور ودی پرستش کرتے تھے^۴۔ لیکن یہ بالکل جزئی واقعات ہیں۔ جن سے ہمارے کلیہ پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔

اہل حجاز اور اہل یمن کے ہاں عبادت کے طریقے اس قدر مختلف تھے کہ اسمعیلیوں میں رواج بت پرستی کے بعد بھی مذہب حنیف کی کچھ نہ کچھ یادگاریں باقی تھیں۔ مثلاً حج کعبہ، چنانچہ انصار کے متعلق محققانہ طور پر یہ کہ وہ حج کرتے تھے^۵، بخلاف اس کے اہل یمن کی نسبت اس کے مخالف شہادتیں ملتی ہیں، چنانچہ ابرہہ الاشرم نے حج روکنے کے لئے کعبہ پر حملہ کیا ہے۔ تو ان کے ساتھ یمنیوں کی ایک جماعت تھی جس کا سرغنہ حناطہ حمیری تھا^۶ اور خود بادشاہ حمیر بھی اس کے ساتھ آیا تھا^۷۔

اب اگر انصار یمانی النسل تھے تو ان کو قدرۃ ابرہہ کے حملہ سے خوش ہونا چاہئے تھا۔ کیونکہ کعبہ کے بجائے یمن میں ایک دوسرا کعبہ بنایا گیا تھا اور ابرہہ اس کی طرف تمام عرب کو بھجرا کرنا چاہتا تھا۔ لیکن واقعات شاہد ہیں کہ انصار کو مسرت نہیں بلکہ حد درجہ غم ہوا۔ اور جس طرح قریش نے اس حملہ کی نسبت نہایت پردرد اشعار لکھے انصار نے بھی لکھے چنانچہ ان کے ایک شاعر ابو قیس صفی بن اسلت نے متعدد قصیدوں میں اس واقعہ کا تذکرہ کیا ہے^۸۔

ابراہیمی مذہب کی ایک یادگار ختنہ ہے۔ چنانچہ صحیح بخاری میں ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خود اپنے ہاتھ سے ختنہ کیا تھا^۹۔ انصار کے مورثوں میں ایک شخص کا نام ملات ہے۔ اس کی نسبت ایک روایت ہے کہ اس نے بھی اپنے ہاتھ سے ختنہ کیا تھا اور اسی وجہ سے بخار مشہور ہوا^{۱۰}۔

۱۔ قاموس، جلد ۲، ص ۹۳۹ ۲۔ سیرۃ ابن ہشام۔ جلد ۱، ص ۵۰ ۳۔ صحیح بخاری۔ جلد ۱، ص ۲۲۲
باب وجوب اللہ فاوالہراۃ الخ وطبقات ابن سعد جلد ۱، قسم ۱، ص ۱۰۶
۴۔ سیرۃ ابن ہشام۔ جلد ۱، ص ۳۸ ۵۔ صحیح بخاری۔ جلد ۱، ص ۲۳۲ باب قول اللہ تعالیٰ واتوا البیوت من ابوابھا۔
۶۔ سیرۃ ابن ہشام۔ جلد ۱، ص ۳۲ بے طبری۔ جلد ۲، ص ۵۴۳ ۷۔ سیرۃ ابن ہشام۔ جلد ۱، ص ۳۸
۹۔ صحیح بخاری۔ جلد ۱، باب قول اللہ عزوجل واتخذ اللہ ابراہیم ظلماً الخ
۱۰۔ مدۃ القاری عرفینی۔ جلد ۸، ص ۹

اس کے ماسوا انصار نے مسلمان ہونے کے بعد اسلام کے تمام اور امر و نواہی پر عمل کیا ہے۔
لیکن یہ کہیں مذکور نہیں کہ ان لوگوں نے مسلمان ہو کر ختنہ بھی کیا تھا۔

(۴) نام :

ہر قوم کے ناموں میں کچھ نہ کچھ خصوصیت اور امتیاز پایا جاتا ہے۔ قحطانی اور اسمعیلی قوموں کے ناموں میں بھی صریح تفاوت موجود ہے۔ قحطانیوں کے نام حمورابیوں یا بابلیوں سے ملتے جلتے تھے۔ جیسے یذع، الیفع، ثیع، یل، معدی کرب، ابو کرب، علہان، ایشرح، کرب ایل، ذمر علی، وہب، یاسر، نعم، شمیر و عیش۔

بخلاف اس کے اسماعیلیوں کے نام ان سے بالکل الگ ہوتے تھے۔ مثلاً اسد، تمر، ثعلبہ، کلب، بکر، صخر، ثعبان، حیل وغیرہ۔

اس اختلاف کی ایک وجہ یہ تھی کہ قحطانی مدت سے صاحب حکومت تھے اور انہوں نے مال و دولت کی آغوش میں پرورش پائی تھی۔ اس لئے ان کے ناموں میں تمدن کی جھلک نظر آتی تھی۔ بخلاف اس کے اسماعیلی ازل سے بدو تھے۔ اس نے حالاتِ گردش و پیش کے اثر سے کتا، بھیڑیا، شیر، چیتا، پہاڑ، پتھر وغیرہ نام رکھتے تھے۔ کیونکہ یہی چیزیں ہر وقت ان کی نگاہ کے سامنے رہتی تھیں۔ انصار قریش اور بنیویں کے ناموں میں یہ فرق صاف معلوم ہوگا۔ مثلاً

قریش کے نام یہ ہیں :

فہر، کنانہ، نزار، اسد، زہرہ، عدی، کعب، سعد، عمرو، عثمان، حرب، خالد وغیرہ۔

بنیویں کے نام یہ ہیں :

حارث، عبادہ، مالک، جمیلہ وغیرہ۔

انصار کے نام یہ ہیں :

غضب، خزرج، اوس، خالد، زید، کلیب، ثعلبہ، غنم، عبادہ، عمرو، عامر، حارثہ وغیرہ۔

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ انصار اور قریش کے نام قحطانیوں کی بہ نسبت بنیویں سے

زیا دتے ہیں۔

(۵) قرابت :

یہ مسلم ہے کہ عرب میں خاندان اور کفو کا بڑا لحاظ کیا جاتا تھا۔ انصار کے اسمعیلی ہونے کا یہ بھی ایک ثبوت ہے کہ ان کی قرابتیں مکہ میں اور خاص قریش میں ہوتی تھیں۔ چنانچہ اس کو ہم کسی قدر تفصیل سے لکھنا چاہتے ہیں۔ انصار کے مورثین میں ایک شخص کا نام ازد ہے۔ جس کی نسبت حضرت حسانؓ کہتے ہیں^۱۔

اما سنا لت فانا معشر نجب

الا زد نسبتنا ولما غسان

قریش کی اس کی اولاد سے قرابتیں نہایت قدیم زمانہ سے چلی آتی ہیں۔ چنانچہ کنانہ بن خزیمہ کی شادی ہالہ بنت سوید سے ہوئی تھی جو حارثہ الغطفریف کی حقیقی پوتی تھی۔^۲

کنانہ کے بعد غالب بن فہر نے قبیلہ خزاعہ میں شادی کی^۳ اور خزاعہ کی نسبت مشہور ہے کہ وہ عمرو مزینقیا کی اولاد تھا۔^۴

مرہ بن کعب نے جو غالب کی نسل سے تھا، ام تیم بنت سریر سے نکاح کیا جو بارق کے خاندان سے تھی اور بارق حنفقا مزینقیا کی نسل تسلیم کیا جاتا تھا۔^۵

قصی بن کلاب نے بھی خزاعہ میں نکاح کیا تھا۔ جن سے عبد مناف پیدا ہوئے۔^۶

ہاشم بن عبد مناف نے سلمیٰ بنت عمرو سے شادی کی جو خاندان بنو نجار سے تھیں۔ عبدالمطلب جو آنحضرت ﷺ کے جد بزرگوار تھے، انہی کے لطن سے پیدا ہوئے تھے۔

حرفت شیبۃ والنجار قد جعلت

ابناء ہا حولہ بالنبل تنتصل

ہاشم نے ثعلبہ بن خزرج میں بھی ایک شادی کی تھی ورا بو صنیٰ انہی سے پیدا ہوئے تھے۔^۷

عبدالمطلب نے قبیلہ خزاعہ میں دو شادیاں کی تھیں، جن سے ابولہب اور جہل پیدا ہوئے تھے۔^۸

۱۔ سیرۃ ابن ہشام۔ جلد ۱ ص ۲۳۰
 ۲۔ تاریخ یعقوبی۔ جلد ۱ ص ۴۶
 ۳۔ سیرۃ ابن ہشام۔ جلد ۱ ص ۲۳۰
 ۴۔ سیرۃ ابن ہشام۔ جلد ۱ ص ۲۳۰
 ۵۔ سیرۃ ابن ہشام۔ جلد ۱ ص ۲۳۰
 ۶۔ طبری۔ جلد ۲ ص ۱۰۹
 ۷۔ سیرۃ ابن ہشام۔ جلد ۱ ص ۲۳۰
 ۸۔ تاریخ یعقوبی۔ جلد ۱ ص ۲۹۱

عبدال مطلب کے بیٹوں میں مقوم اور حضرت حمزہؓ کا نکاح مدینہ میں ہوا۔ چنانچہ مقوم کی بیوی مالک بن نجار کے خاندان سے تھیں۔ حضرت حمزہؓ کی دو شادیاں ہوئیں اور دونوں انصار میں ہوئیں۔ ایک بیوی بنو نجار سے تھیں اور دوسری قبیلہ اوس سے^۱۔ جو بنو نجار سے تھیں ان کا نام خولہ بنت قیس تھا^۲۔

ان لوگوں کے علاوہ انصار کے متعدد اشخاص نے بھی قریش میں نکاح کئے تھے۔ چنانچہ ان میں سے بعض کے نام یہ ہیں :

انیس بن قنادہ، عمرو بن عوف کے خاندان سے تھے۔ ان کی شادی جثامہ بنت وہب سے ہوئی، جو بنو اسد (خرزیمہ بن مدرکہ کی اولاد) سے تھیں^۳۔

ابو قیس بن اسلت قبیلہ اوس سے تھے۔ ارنب بنت اسد سے جو قصی بن کلاب کے خاندان سے تھیں، شادی کی۔ ارنب حضرت خدیجہؓ کی پھوپھی اور حضرت زبیرؓ بن عوام کی دادی ہوتی تھیں^۴۔

خیر یہ تو زمانہ جاہلیت کا زمانہ تھا۔ اسلام کے زمانہ میں مہاجرین سے مدینہ آ کر جو قرابتیں کیں، وہ ان سے الگ ہیں۔ مہاجرین مکہ سے عموماً یکہ وتہا آئے تھے۔ کیونکہ ان سے بہتوں کی بیویاں یا تو علانیہ اسلام سے منحرف تھیں اور یا ہجرت کرنے میں ان کے خاندان مزاحم تھے۔ اس بناء پر مدینہ آ کر مہاجرین نے انصار میں شادیاں شروع کیں۔ چنانچہ مسند احمد میں ہے^۵۔

”لما قدم المهاجرون المدينة على الانصار تزوجوا من نساہم“

”یعنی جب مہاجرین مدینہ آئے تو انصار کی عورتوں سے شادیاں کیں۔“

چونکہ مہاجرین عموماً قریش تھے اور قریش سے انصار کی قدیم قرابتیں چلی آتی تھیں۔ اس لئے انصار کو ان سے قرابت کرنے میں کیا تامل ہو سکتا تھا؟

چنانچہ حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ اور حضرت طلحہؓ نے انصار کے مختلف خاندانوں میں شادیاں کیں۔ حضرت عبدالرحمن بن عوف نے دو نکاح کئے۔ جن میں سے ایک کا ذکر صحیح بخاری میں آیا ہے^۶۔

البتہ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے انصار میں کوئی شادی نہیں کی۔ لیکن اس

۱۔ زرقانی۔ جلد ۳۔ ص ۳۱۵، مسند۔ جلد ۶۔ ص ۴۱۰ ۲۔ اسد الغابہ۔ جلد ۵۔ ص ۴۱۴

۳۔ اسد الغابہ۔ جلد ۵۔ ص ۴۱۴ ۴۔ سیرۃ ابن ہشام۔ جلد ۳۔ ص ۱۴۸ ۵۔ مسند۔ جلد ۶۔ ص ۴۱۸

۶۔ صحیح بخاری۔ جلد ۲۔ ص ۵۹ باب قول الرجل اذہیہ، نظرائی زوجتی خمت۔ الخ

شرف سے نہ صرف انصار بلکہ خود بنو ہاشم بھی محروم رہے۔ چنانچہ علامہ ابن اثیر نے تصریح کی ہے کہ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ام حبیب (حضرت عباسؓ کی صاحبزادی) کو دیکھا تو فرمایا کہ اگر یہ میری زندگی میں جوان ہو گئی تو اس سے نکاح کروں گا۔ لیکن پھر آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) خود ہی انتقال فرما گئے۔

انصار کے متعلق بھی اسی قسم کی ایک روایت ہے کہ حبیبہ بنت بہل سے آپ نکاح کرنا چاہتے تھے۔ لیکن جب انصار کی غیرت کا خیال آیا تو یہ خیال چھوڑ دیا۔

(۶) شکل و صورت :

انصار شکل و شباهت میں بھی اسمعیلیوں سے مشابہ تھے۔ ان کا عام حلیہ یہ تھا کہ وہ خوب صورت، سڈول، گورے یا گندمی، میانہ قد اور صاف ستھرے ہوتے تھے۔ چنانچہ قرآن مجید میں منافقین کے متعلق ہے۔

”وَإِذَا رَأَيْتَهُمْ تُعْجِبُكَ أَجْسَامُهُمْ“ (منافقون)

”اور تم جب ان کو دیکھتے ہو تو ان کے جسم تم کو بھلے معلوم ہوتے ہیں۔“

اس آیت کی تفسیر میں صحیح بخاری میں لکھا ہے۔

”كانوا رجالا أجمل شيء“

یعنی ”وہ نہایت خوبصورت لوگ تھے۔“

یہ ظاہر ہے کہ منافقین انصار ہی کے قبیلوں سے تھے۔ چنانچہ عبد اللہ ابن ابی جہر اس منافقین تھا اور جس کی نسبت یہ آیت نازل ہوئی تھی، خود انصار کے ایک قبیلہ کا سردار تھا۔ اس کے ماسوا انصار میں بہت سے بزرگوں کے حلقے ہم ان کے حالات میں لکھیں گے۔ ان کو پڑھ کر ایک مرتبہ قریش کے حلیوں پر نظر ڈالو تو صاف معلوم ہوگا کہ دونوں قوموں کی شکل و شباهت میں کچھ فرق نہیں۔ بخلاف اس کے قحطانی چونکہ یمن میں رہتے تھے۔ اس لئے ان کا رنگ سیاہ اور قد نہایت دراز ہوتا تھا۔ چنانچہ عاد کے قد و قامت کی درازی کا خود قرآن مجید میں ذکر آیا ہے۔

بہر حال انصار کے نسب نامہ کے متعلق ہماری جورا نے تھی۔ اس کو ہم نے نہایت تفصیل

کے ساتھ لکھ دیا ہے۔ متقدمین کے اقوال بھی نقل کر دیئے ہیں۔ اور اب ناظرین کو موقع ہے کہ ان رانیوں میں سے کسی ایک کو ترجیح



انصار کی تاریخ

مؤرخین عرب کا بیان

چونکہ عرب کے مؤرخین انصار کو قحطان کی اولاد سمجھتے ہیں۔ اس لئے وہ ان کی تاریخ قحطان کے عہد سے شروع کرتے ہیں۔ قحطان کی اولاد میں عبد شمس نامی ایک شخص تھا۔ جو سبا کے لقب سے مشہور ہے اور یمن کی سبائی سلطنت کا بانی سمجھا جاتا ہے۔ اس کے دو بیٹے تھے حمیر اور کھلان۔ اس نے اپنی وفات کے وقت دونوں بیٹوں، خاندان شاہی اور عمائد سلطنت کو طلب کیا اور وصیت کی کہ ”حمیر کو جو میرا بڑا لڑکا ہے سلطنت کا دایاں قطعہ، اور کھلان کو بائیاں قطعہ دینا۔“

چونکہ داہنے ہاتھ کے لئے تلوار، کوڑے اور قلم کی ضرورت ہوتی ہے اور بائیں کے لئے عنان، ڈھال اور کمان کی، اس لئے سب نے طے کیا کہ بادشاہ حمیر کو بنانا چاہئے اور کھلان صرف سلطنت کا محافظ رہے گا۔ چنانچہ حمیر یمن کا بادشاہ بنادیا گیا اور اس کے بعد اس کی اولاد نسلاً بعد نسل مسند حکومت پر متمکن ہوتی رہی۔ کھلان اور اس کی اولاد سلطنت کے استحکام حفاظت اور مدافعت کے کام انجام دیتی تھی۔

الحارث الراش کے زمانہ میں عامر بن حارث جو ماء السماء کے لقب سے مشہور ہے اور اس کے بعد اس کا بیٹا عمر مزریقا بھی یہی خدمت انجام دیتے رہے۔ عمرو کی بیوی نے جس کا نام طریفہ بنت جہر تھا اور کاہنہ تھی۔ ایک روز یہ خواب دیکھا کہ یمن کو ایک سیاہ بادل محیط ہو گیا ہے۔ بجلی نے چمک چمک کر تمام یمن میں زلزلہ ڈال دیا ہے اور جہاں گرتی ہے وہ مقام ایک تودہ خاکستر ہو جاتا ہے۔ گھبرا کر اٹھی تو عمرو سے یہ خواب بیان کیا اور کہا کہ اب خیر نہیں۔ عمرو نے کہا پھر کیا کرنا چاہئے؟ بولی کہ یمن کو جلدی چھوڑ کر کسی طرف نکل جانا چاہئے، ورنہ دیوار (عرم) ٹوٹنے والی ہے۔ جس سے تمام یمن غرقاب ہو جائے گا۔

عمرو کے پاس ساز و سامان، مال و دولت اور خیل و حشم کی وہ فراوانی تھی کہ دفعۃً کوچ نہیں کر سکتا تھا۔ اس کے علاوہ لوگوں سے کیا کہتا؟ اس لئے اس نے ایک تدبیر سوچی اور اپنے بڑے لڑکے ثعلبہ سے کہا کہ ”میں تم کو ازدیوں کے سامنے کوئی حکم دوں گا۔ تم اس کی تعمیل سے انکار کرنا اور جب تنبیہ کروں تو ایک تھپڑ مارنا۔“ ثعلبہ نے کہا یہ گستاخی کیونکر ممکن ہے۔ بولا کہ مصلحت اسی میں ہے۔

غرض تمام سرداروں کو ایک پر تکلف دعوت دی، جب سب جمع ہو گئے تو ثعلبہ کو کسی کام کا حکم دیا۔ اس نے انکار کیا تو عمرو نے نیزہ اٹھایا، ثعلبہ نے فوراً ایک تھپڑ کھینچ مارا۔

عمرو بولا ہائے افسوس! یہ ذلت! اتنا سننا تھا کہ ثعلبہ کے بھائی اس کے قتل پر کمر بستہ ہو گئے۔ عمرو نے روکا اور کہا اس کو چھوڑ دو۔ میں اپنی جائیداد فروخت کر کے کہیں نکل جاتا ہوں۔ اور اس کو اس گستاخی کے عوض ایک سبہ بھی نہ دوں گا۔ غرض اس بہانہ سے عمرو نے اپنی تمام جائیداد نہایت اچھے داموں فروخت کی اور اپنے بیٹوں، پوتوں اور کنبہ والوں کو لے کر یمن سے نکل کھڑا ہوا۔ اس کے بعد یمن میں عام تباہی آئی اور سد عرم ٹوٹ گیا۔

عمرو نے مارب سے نکل کر بلاد عک میں پناہ لی اور اپنے تین بیٹوں یعنی حارث، مالک اور حارثہ کو آگے روانہ کیا۔ یہ لوگ ابھی واپس بھی نہ ہوئے تھے کہ عمرو نے وفات پائی۔ اور ثعلبہ العنقاء اس کا بڑا بیٹا جانشین ہوا۔^۱

اس کے بعد ان لوگوں نے عک سے بھی کوچ کیا اور عرب کے مختلف حصوں میں پھیل گئے۔ چنانچہ خزاعہ، حجاز (مکہ) میں، غسان شام میں اور اوس و خزرج، یثرب میں مقیم ہوئے۔^۲ اور اس طرح سب سے اولیٰ کا خاتمہ ہو گیا۔ عرب میں یہ مثل ”تفرقوا ایدی سبا“ اسی وقت سے مستعمل ہوئی۔

یہ روایت اگرچہ تمام تر خرافات کا مجموعہ ہے۔ لیکن اس میں اصولی حیثیت سے جو غلطیاں ہیں۔ ان کا ظاہر کرنا نہایت ضروری ہے۔

(۱) مزریقیا نے محض ایک کاہنہ کے کہنے سے یمن کو خیر باد کہا۔ اور چاروں طرف مارا مارا پھرا، نہایت لغو ہے، اور اگر ہمارے مورخین کی یہ روایت صحیح ہے کہ عمران بن عامر اور اس کا بھائی عمرو (مزریقیا) یمن کے بادشاہ تھے اور عمران کے زمانہ میں سلطنت حمیر سے کہلان میں منتقل ہو گئی تھی۔^۳ تو اس لغویت کی کیا انتہا رہ جاتی ہے۔

(۲) بند، مارب میں تھا، اس لئے اس کے ٹوٹنے سے تمام یمن تباہ نہیں ہو سکتا تھا، اور نہ ہوا۔ اس لئے مزریقیا کو مارب چھوڑنے کی ضرورت تھی نہ کہ تمام یمن کی۔

(۳) یہ بند، مزریقیا کے بعد بھی کئی بار ٹوٹا ہے۔ چنانچہ ابرہہ کے زمانہ میں بھی ۵۴۲ھ

(۶۵۷ھ حمیری) میں ٹوٹ گیا تھا۔ لیکن اس کی مرمت کرا دی گئی، اور جیسا کہ ابرہہ نے کتبہ میں ظاہر کیا ہے۔ اس کی تعمیر میں ۱۱ ماہ لگے۔ اور عمرو مزریقیا جو یمن کا بادشاہ گذرا ہے کیا اس کی تعمیر سے عاجز تھا؟

(۴) سب سے اخیر یہ کہ سباء اولیٰ کی تباہی سیلاب کی وجہ سے نہیں ہوئی۔ اس کی وجہ سے مارب کے صرف وہ باغ ویران ہوئے جو اس کے دائیں اور بائیں واقع تھے، اور جن کو قرآن مجید نے ”جنتین“ کے نام سے یاد کیا ہے۔ سبا کی بربادی کا اصلی راز حبش پر اسومی خاندان کا تسلط شمالی عرب میں اسمعیلیوں کا خروج، اور یمن میں حمیر کا ظہور تھا۔ جس کی وجہ سے ان کی نوآبادیاں نکل گئیں۔ تجارت مسدود ہو گئی اور قوت و شوکت کا شیرازہ بکھر گیا۔

ہمارا خیال

ہم انصار کو نابط کی اولاد بتا چکے ہیں۔ اس لئے ہم کو ان کی تاریخ نابط کے عہد سے شروع کرنا چاہئے۔

نابط : نابط (نابت) یا نبت، عبرانی میں نبایوت ہے۔ توراۃ میں ان کا نام حضرت اسمعیل کے بیٹوں کے سلسلہ میں آیا ہے اور لکھا ہے کہ یہ ان کے سب سے بڑے بیٹے تھے۔^۱

مورخین عرب نے بھی ان کا نہایت اختصار کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ علامہ ابن جریر طبری لکھتے ہیں۔^۲

”من نابت وقیدار نشر الله الغوب“

”یعنی خدا نے عرب کو نابت اور قیدار سے پھیلایا۔“

ابن ہشام نے اپنی سیرت میں لکھا ہے۔^۳

”ولی البیت بعد اسمعیل ابنہ نابت“

”یعنی حضرت اسمعیل کے بعد کعبہ کی تولد ان کے بیٹے نابت کو پہنچی۔“

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ نابت مکہ میں رہتے تھے اور خانہ کعبہ جس کو

^۱ تاریخ ابولفداء۔ جلد ۱۔ ص ۶۷

^۲ سفر تکوین۔ ۲۵-۱۳

^۳ تاریخ ابن ہشام۔ جلد ۱۔ ص ۶۳

حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسمعیلؑ نے تعمیر کیا تھا ان کی تولیت میں تھا۔ اس کے علاوہ ان کے حالات کچھ معلوم نہیں، اور معلوم بھی کیونکر ہوں۔ اس زمانہ تک اسمعیلی عربوں نے کوئی تمدن پیدا نہیں کیا تھا۔ بلکہ محض بدویانہ حیثیت سے رہتے تھے۔

نابت کی اولاد :

چونکہ مکہ کی سرزمین بالکل بے آب و گیاہ تھی۔ اس لئے نابت کی وفات کے بعد ان کی اور ان کے بھائیوں کی اولاد عرب کے مختلف حصوں میں جا کر آباد ہو گئی۔ چنانچہ دو ماہ دومۃ الجندل میں، تہام نجد میں، نافیش، وادی القرئی میں مساحد (حدود) قید ماہ یمن میں اور نابت کی اولاد عرب کے شمالی مغربی حصہ میں مقیم ہوئی۔ لیکن قیدار بن اسمعیل اب تک مکہ ہی میں تھے۔ لیکن جب مضاف جزمی نے خانہ کعبہ پر قبضہ کر لیا۔ تو انہوں نے بھی مکہ کی سکونت ترک کر دی، اور کاظمہ، غمر ذی کندہ اور شعثمین وغیرہ میں جا بے۔ اور اس طرح حضرت موسیٰؑ کے اس بیان کی تصدیق کی۔ جس میں انہوں نے آل اسمعیلؑ کی آبادی کی نسبت فرمایا ہے کہ وہ حویلاہ (یمن) سے شور (شام) تک آباد ہوئے۔

انباط :

اوپر گزر چکا ہے کہ نابت کی اولاد حجاز کے شمالی حصہ میں مقیم ہوئی تھی۔ چنانچہ یہاں انہوں نے ایک زمانہ کے بعد حضرت مسیحؑ سے چار سو برس پہلے ایک حکومت قائم کی جو تاریخ میں دولۃ الانباط کے نام سے مشہور ہے۔ اس حکومت کا پایہ تخت حجر (پڑا) تھا۔ جس کو یہودی "سلاح" کہتے ہیں۔

سکندر اعظم کے زمانہ میں یہ حکومت اس درجہ قوی تھی کہ جب اس نے ایران و مصر پر فوج کشی کی تو اس کی فوجیں بھی رومی فوجوں کے پہلو بہ پہلوڑ رہی تھیں۔ انٹینگون (Antigon) جانشین سکندر نے ۳۱۲ ق م میں اس پر حملہ کیا۔ لیکن شکست کھائی۔ اس کے بعد ڈی متریوس نے پٹرا کا محاصرہ کیا اور ناکام واپس ہوا۔

۲۰۰ ق م میں نبطی حکومت نہایت پر زور ہو گئی اور سبا کا اثر شمال سے اکھاڑ دیا۔

۱۔ یعقوبی۔ جلد ۱۔ ص ۲۵۳ ۲۔ اخبار الطوال۔ ص ۱۱ ۳۔ طبری۔ جلد ۳۔ ص ۱۱۳ ۴۔ تلوین۔ ص ۲۵۔ ۱۸

۶۲۔ ق م میں حارث تخت نشین ہوا۔ جو اس حکومت کا سب سے بڑا بادشاہ گزرا ہے اس کے عہد میں اس حکومت کے حدود جنوب میں وادی القریٰ تک۔ مشرق میں حدود عراق تک۔ اور مغرب میں جزیرہ نمائے سینا تک تھے۔ اسطرابواس (Strabo) نے نبطیوں کا ملک اس سے بھی وسیع بتایا ہے اور بابل سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہ قوم اپنے زمانہ میں نہایت مشہور اور زبردست تھی۔

غرض دوسری صدی عیسوی کے اوائل تک نبطیوں نے نہایت زور قوت کے ساتھ حکومت کی۔ یہاں تک کہ ۱۰۶ء میں ٹراگان شہنشاہ روم نے ایک کثیر لشکر بھیج کر ان کو بالکل برباد کر دیا۔

وَشَجَانٌ مِّنْ يُّرُثُ الْأَرْضَ وَمِنْ عَلَيْهَا
ازد : انباط کی طرح آل نابت کی ایک شاخ اور بھی ہے۔ جو کسی نامعلوم زمانہ میں یمن جا کر آباد ہوئی۔ ہماری مراد اس سے قبیلہ ازد یا اسد ہے۔ جو نبت بن مالک کی اولاد میں تھا۔ چنانچہ حضرت حسانؓ کہتے ہیں۔

اما سالت فاننا معشر نجب
الازد نسبنا والماء غسان
ونحن بنو الغوث بن نبت بن مالک
ابن زید بن كهلان واهل المقار
من تک عنا معشر الاسد سائلا
فنحن بنو الغوث بن زید بن مالک

اوپر گزر چکا ہے کہ اسمعیلیوں کے چند خاندان یمن میں مقیم ہوئے تھے۔ غالباً اسی زمانہ میں یا اس کے بعد یہ لوگ بھی یمن گئے ہوں گے۔ چنانچہ ان کی اقامت کا سب سے پہلے مارب میں پتہ چلتا ہے۔ جب یہ خاندان وسیع ہوا تو قحط سالی یا دوسرے اسباب کی بنا پر مارب کو چھوڑنے کی ضرورت لاحق ہوئی۔ اس زمانہ میں اس خاندان کا رئیس عمرو بن عامر تھا جو تاریخ عرب میں مزریقیا کے لقب سے مشہور ہے اور جو تمام انصار و غسان کا مورث اعلیٰ ہے۔ چنانچہ اس بن حارثہ پدر قبیلہ اوس کہتا ہے۔

تقربهم من آل عمرو بن عامر

۱۔ اشعیاء۔ ص ۶۔ ۷
۲۔ السیرت ابن ہشام، جلد ۱۔ ص ۸
۳۔ التنبیہ والاشراف۔ ص ۳۲
۴۔ یعقوبی۔ جلد ۱۔ ص ۲۳۰
۵۔ الثاب سماعی۔ ص ۱۰۶
۶۔ دیوان حسان۔ ص ۷۷
۷۔ خلاصۃ الوفاء۔ ص ۸۳

عیون لدى الداعی الی طلب الوتر
حضرت حسانؓ فرماتے ہیں۔

اردنی سعودا کاسعودالتی سمیت
بمکة من اولاد عمرو بن عامرؑ
الم ترنا اولاد عمرو بن عامر
لنا شرف یعلو علی کل مرتقؑ
کجفنة والقمقام عمرو بن عامر
واولاد ماء المزن وابنی محرق

حضرت اوسؓ بن صامت کا شعر ہے۔

انا ابن مزیقیا عمرو وجدی
ابو عامر ماء السماء

انصار کی تاریخ اسی زمانہ سے روشنی میں آئی ہے۔ چنانچہ اس کے اور اس کی اولاد کے مقامات سفر نہایت تفصیل سے کتابوں میں قلم بند ہیں اور ہم ان ہی کی مدد سے انصار کی تاریخ مرتب کرنا چاہتے ہیں۔

عمرو نے اولاً مالک بن یمان اور قبیلہ ازد کو لے کر مارب^(۱) سے کوچ کیا۔ نواح خولان^(۲) سرزمین غنس^(۳) اور کشت زار صنعا^(۴) میں قیام کرتے ہوئے ازال^(۵) اور ہمدان^(۶) میں مقیم ہوئے۔ چونکہ آدمیوں کا ایک جم غفیر ساتھ تھا۔ اور اونٹ، گھوڑے، گائے، بکریاں بھی بافراط تھیں۔ اس لئے ان کو شاداب مقاموں کی تلاش رہتی تھی۔ اور ان کے آدمی اس مقصد کے لئے عرب کے مختلف حصوں میں گشت لگاتے تھے۔ جب پانی اور سبزی کا ذخیرہ ختم ہو جاتا اور کسی دوسرے مقام کی اطلاع ملتی تو وہاں روانہ ہو جاتے اور اس جگہ کو چھوڑ دیتے تھے۔ ہمدانی لکھتے ہیں۔

”فاقبلوا لایمرون بماء الا انزفوه ولا بکلاً الا اسحقوه.....“

”یہ لوگ جہاں جاتے تھے پانی کو صاف کر دیتے تھے اور گھاس کو چرا دیتے تھے۔“

غرض کچھ زمانہ تک ازال اور ہمدان میں ٹھہرنے کے بعد جب پہاڑوں پر چڑھنے کی قوت

۱۔ اصابع۔ جلد ۲۔ ص ۷۶ ۲۔ دیوان حسان۔ ص ۷۴-۷۵ ۳۔ استیعاب۔ جلد ۱۔ ص ۳۷

۴۔ صفت جزیرۃ العرب۔ ص ۲۰۷

پیدا ہو گئی تو سہام^(۷) اور مع^(۸) کی سمت سے پہاڑوں پر چڑھ کر وادی ذوال^(۹) میں اترے۔ اور قبیلہ غافق کو شکست دی۔ اس کے بعد یہاں سے نکل کر تہامہ یا غور کے اس حصہ میں قیام کیا جہاں قبیلہ عک کی آبادی تھی۔ یہ ایک تالاب تھا۔ جس کا نام غسان تھا۔ قبیلہ عک جو ایک اسمعیلی قبیلہ تھا یمن آکر آباد ہوا تھا۔ چنانچہ عباس بن مروان لے عدنانی کہتا ہے۔

وعک بن عدنان الذین تلعبوا

بغسان حتی طردوا کل مطرد

عمر بن ہامر کے غسان پر مقیم ہونے کی شہادت حضرت حسانؓ کے ایک شعر سے بھی ملتی ہے۔ فرماتے ہیں۔

اما سالت فاناہ معشر نجب

الارد نسبتنا والما ع غسان

لیکن اس کے قیام کا زمانہ مورخین عرب متعین نہیں کرتے۔ البتہ یونانی مورخین نے متعین کیا ہے۔ چنانچہ بطلمیوس نے ۲۰۰ء کے اواسط میں قبیلہ غسان کا تذکرہ کیا ہے۔ اور یہ معلوم ہے کہ غسان اور مزریقہ کوئی جدا گانہ چیز نہیں۔

معارف ابن قتیبہ سے معلوم ہوتا ہے کہ عمرو نے اولاد عک سے کسی قدر دور سکونت اختیار کی تھی۔ لیکن جب وباء پھیلی اور عمرو نے انتقال کیا تو ثعلبہ بن عمرو نے جو عنقا کے لقب سے مشہور ہے۔ عک کے رئیس شملقہ بن الجباب کے پاس کہلا بھیجا کہ ہمارے ہاں کی آب و ہوا خراب ہو گئی ہے۔ اس لئے ہم تمہارے پاس آنا چاہتے ہیں اور چند روز ٹھہر کر کہیں اور چلے جائیں گے۔ لیکن عک نے اس کو نا منظور کیا اور دونوں قبیلوں میں ایک خونریز جنگ چھڑ گئی۔ جس میں عک نے شکست کھائی اور شملقہ مارا گیا۔ اب ثعلبہ کو غسان میں رہنے کا موقع تھا، لیکن جیسا کہ ملامہ ہمدانی نے لکھا کہ عک کا تمام خاندان ان لوگوں کا دشمن ہو گیا تھا۔ اس کے علاوہ جذع بن سنا جو خود ثعلبہ کا سپہ سالار تھا سخت چالاک اور مکار واقع ہوا تھا۔ اس کی چال بازیوں نے ثعلبہ کو اور بھی تکلیفیں پہنچائیں جن کی وجہ سے وہ غسان سے کوچ کرنے پر بالکل آمادہ ہو گیا۔

ثعلبہ المعنقا، عمرو مزریقہ کا سب سے بڑا لڑکا اور اس و خزر ج کا جد اعلیٰ ہے۔ حضرت حسانؓ

۱۔ صفحہ جزیرۃ العرب۔ ص ۲۰۹ ۲۔ تقدیر فیہ۔ جلد ۲۔ ص ۵۲ ۳۔ یہ قایم ہشام۔ جلد ۱۔ ص ۷۰
۴۔ خلاصۃ الوفاء۔ ص ۸۲ ۵۔ اپرنگر ۵۲، ۴۲ ۶۔ خلاصۃ الوفاء۔ ص ۸۲ ۷۔ صفحہ جزیرۃ العرب۔ ص ۲۰۹

اس کی نسبت فرماتے ہیں: ^۱

ولدنا بنی العنقاء وابنی محرق

فاکرم بنا خالوا بذاکرم ابن ما

اس نے بلاد مکہ سے نکل کے نجران میں اقامت کی اور یہاں قبیلہ مذحج سے جنگ ہوئی۔ اس کے بعد حجاز کا قصد کیا اور چلتے پھرتے مکہ کے قریب آ کر فروکش ہوا۔ مکہ میں قبیلہ جرہم آباد تھا۔ اس لئے ثعلبہ نے اس سے سکونت کی اجازت طلب کی اور کہلا بھیجا کہ ہم جہاں گئے وہاں ہمارا نہایت تپاک سے خیر مقدم ہوا ہے ^۲۔ اس بنا پر ہم تم سے بھی اسی کے آرزو مند ہیں۔ ہم کو چند روز مکہ میں قیام کرنے دو، جس وقت کوئی عمدہ اور رُفصا مقام مل جائے گا یہاں سے چلے جائیں گے۔ ہمارے آدمی شام اور مشرق میں اس غرض سے گئے ہوئے ہیں۔ لیکن جرہم پر ان باتوں کا کچھ اثر نہ ہوا اور اس کو ٹھہرانے سے صاف انکار کر دیا۔ ثعلبہ نے کہا،

”اب ہم ضرور ٹھہریں گے خواہ تم خوش ہو یا ناخوش“۔ غرض تین دن تک لڑائی ہوئی جس میں جرہم نے شکست ^۳ کھائی اور ثعلبہ نے مکہ، طویا، سِراة (عرفہ کا پہاڑ) سروم اور حدود طائف تک تمام مقامات پر قبضہ کر لیا ^۴۔

چونکہ یہاں کی آب و ہوا ان لوگوں کے ناموافق تھی۔ اس لئے ایک ہی سال قیام کے بعد بخار میں مبتلا ہو گئے ^۵۔ اور ثعلبہ مکہ میں وفات پا گیا، اب ان قبائل کو دوسرے مقامات تلاش کرنے کی ضرورت ہوئی۔ چنانچہ ثعلبہ کی اولاد مکہ سے نکل کر ثعلبیہ اور ذی قار تک مقیم ہوئی اور وہاں کے تالاب پر قبضہ کر لیا ^۶۔ خزاعہ نے مکہ ہی میں رہنا پسند کیا اور تمام وادی (مرالظہر ان) پر اپنا تسلط جمالیا۔ عوف بن ایوب انصاری سلمی کہتے ہیں ^۷۔

فلما هبطنا بطن مرتخز عت خزاعة منافی حلول كذاكد

اسلمعیل بن رافع انصاری کا شعر ہے ^۸۔

فلما هبطنا بطن مكة احمدت خزاعة دارا لا كل المتحامل

نضر بن ازد نے عمان اور بحرین میں اقامت کی۔ مالک بن فہم نے عراق کا راستہ لیا اور

۱۔ دیوان حسان۔ ص ۹۷ ۲۔ تاریخ یعقوبی۔ ص ۲۳۲ ۳۔ خلاصۃ الوفا۔ ص ۸۲ ۴۔ صفحہ جزیرۃ العرب۔ ص ۲۱۰

۵۔ خلاصۃ الوفا۔ ص ۸۲ ۶۔ معجم البدان۔ جلد ۷۔ ص ۲۵۷ ۷۔ ابوالفداء۔ جلد ۱۔ ص ۱۰۱

۸۔ سیرت ابن ہشام۔ جلد ۱۔ ص ۵۳

جعفر بن عمرو نے شام کی سکونت اختیار کی۔ غرض اس طرح یہ تمام قبائل نجد، یمامہ، بحرین، عمان، عراق، حجاز اور شام تک پھیل گئے۔^۱

اوس و خزرج :

ثعلبہ میں ان قبائل کی جو شاخ قیام پذیر تھی، جب اس کی تعداد میں اضافہ ہو گیا تو وہ اس مقام سے کوچ کر کے یثرب کی سمت روانہ ہوئی اور قرظہ، نصیر، خیبر، تیماء، وادی القرئی کے درمیان اقامت کی اور ان کا بیشتر حصہ یثرب میں اُتر آیا اور صرار میں مقیم ہوا۔^۲

یثرب میں اس وقت یہودیوں کی آبادی تھی، جو بقول بعض حضرت سلیمانؑ کے زمانہ یا ایک خیال کے مطابق بنو خذ نصر (بخت نصر) کی تباہی بیت المقدس کے بعد سے عرب میں آباد ہوئے اور یثرب اس کے نواح پر قابض تھے۔

اوس و خزرج نے یہاں قلعے اور مکانات بنا کر رہنا شروع کیا اور یہود سے جان و مال کی محافظت کا عہد و پیمان کر لیا، اور عرصہ تک کچھ خراج دیتے رہے۔^۳ لیکن جب ان کی اولاد اور مال و دولت میں ترقی ہونے لگی تو یہودی خائف ہوئے کہ مبادا کہیں ہم پر غالب نہ آجائیں۔ اوس و خزرج کو بھی یہ خیال دامن گیر ہوا کہ یہودی ان کو جلا وطن نہ کر دیں۔ اس بنا پر سخت کشمکش پیدا ہوئی اور دونوں قبیلے جنگ و جدل پر بالکل آمادہ ہو گئے۔

مالک بن عجلان کے زمانہ میں جو اوس و خزرج کا سردار تھا^۴ اور سالم بن عوف ابن خزرج کے خاندان سے تھا۔ فیطون یہودیوں کا سردار مقرر ہوا۔ چونکہ وہ نہایت جابر اور بد باطن شخص تھا۔ اس لئے مالک نے اس کے ظلم و استبداد کی غسان کے ایک رئیس سے فریاد کی۔

غسانی رئیس جس کا نام ابو جیلہ تھا۔ ایک کثیر لشکر لے کر شام سے یثرب آیا۔ اور ذی حرض نامی ایک مقام میں یہود کے تمام سرداروں کو جمع کر کے قتل کرادیا۔ اس وقت سے یہودی قوت بالکل ٹوٹ گئی اور اوس و خزرج کا تمام یثرب پر تسلط ہو گیا۔ رقی بن زید خذرجی ابو جیلہ کی تعریف میں کہتا ہے۔^۵

وا ابو جبیلۃ خیر من یمشی واوفاہ یمینا

وا برہمہ براداعلمہم بہدی الصالحینا

۱۔ صفۃ جزیرۃ العرب۔ ص ۲۱۰ ۲۔ معجم البلدان۔ جلد ۱۔ ص ۳۵۷ ۳۔ آغانی۔ جلد ۱۹۔ ص ۹۵

۴۔ ابن اثیر۔ جلد ۱۔ ص ۴۹۳-۴۹۴ ۵۔ خلاصۃ الوفاء۔ ص ۸۳

وا برہمہ براداعلمہم بھدی الصا لحینا

ابقت لنا الا یام لحرب المهمة تعترینا

کبشالہ قرن بعض حسامہ الذکر السنینا

اس کے بعد یمن کا ایک تیج جس کا نام مسعودی نے ابن حسان بن کلکربؑ اور طبری نے تیان اسعد ابو کرب بتایا ہے، یثرب سے گزرا۔ چونکہ یہاں اس کا ایک لڑکا مارا گیا تھا۔ اس لئے اس نے یثرب کے بالکل تباہ کردینے کا فیصلہ کیا۔

اوس و خزرج کے رئیس عمران بن طلحة بخاری کو خبر ہوئی۔ تو مدافعت کے لئے آمادہ ہوا اور تیج سے چند لڑائیاں ہوئیں۔ لیکن ان ایام میں اوس و خزرج نے اس کے ساتھ نہایت شریفانہ برتاؤ کیا تھا، یعنی باہمنمہ کہ برسر پیکار تھے۔ رات کو اس کی ضیافت کرتے تھے۔ وہ ان کریمانہ اخلاق پر سخت متعجب تھا۔ اور ان کی دل سے عزت کرتا تھا۔

اسی اثنا میں یہود کے دو عالم اس کے پاس گئے اور اس نے یہودی مذہب قبول کیا اور محاصرہ اٹھا کر یمن چلا گیا۔ انصار سے ایک شاعر خالد بن عبد العزیٰ نجاری نے اس واقعہ کو نظم کیا ہے۔ وہ کہتا ہے ۔

اصحا ام انتھی ذکرہ	ام قضی من لذۃ وطرہ
ام تذکرت الشاب وما	ذکرک الشاب او عصرہ
انہا حرب رباعیۃ	مثلہا اتی الفتی عبرۃ
فسلا عمران او فسلا	اسدا اذ یغدو مع الزھرہ
فیلق فیہا ابو کرب	سابغا ابدانہا ذفرہ
ثم قالو امن یام بها	أبنی عوف ام النجرۃ
یا بنی النجار ان لنا	فیہم قبل الا وان تبرہ
فتلسقتہم عشنقہ	مدھا کانعۃ البنشرۃ
سید سامی الملوک ومن	یغز عمرالا یجد قدرہ

دوسرا انصاری کہتا ہے^۱۔

تکلفنی من تکالیفہا نخیل الا ساویف والمنصعة
نخیلا حمتہا بنو مالک خیول ابی کرب المقطعة

یہ واقعہ ہجرت سے تقریباً ۲۴۰ برس قبل کا ہے^۲۔



انصار کی شاخیں

گزشتہ بیانات سے معلوم ہوا ہوگا کہ انصار کے تمام خاندان دو شخصوں پر جا کر مل جاتے ہیں۔ جن کے نام اوس اور خزرج ہیں۔ یہ دونوں اگرچہ حارثہ (مزیقیا کے پوتے) کے بیٹے تھے، لیکن قبیلہ کے بیٹے مشہور ہیں جو ان کی ماں تھی ابن حزم اور ابن کلبی کے نزدیک وہ عمرو بن جفنه کی بیٹی تھی۔^۱ لیکن قبیلہ قضاہ کے لوگ اس کو اپنے قبیلہ سے بتلاتے ہیں۔^۲

بہر حال وہ دونوں صورتوں میں اسماعیلی تھی۔ پہلی صورت میں وہ جفنه کی پوتی تھی جو عمرو مزیقیا کا بیٹا^۳ اور شاہان غسان کا پدر اعلیٰ تھا۔ اور عمرو کو ہم اسماعیلی ثابت کر چکے ہیں۔ دوسری صورت میں توصاف ظاہر ہے کہ قبیلہ شاعہ حضرت اسماعیل^۴ اور معد بن عدنان کی اولاد تھا۔^۵

اوس و خزرج جہاں تک ہمیں معلوم ہے تین بھائی تھے اور تیسرے کا نام عدی تھا۔ اس کی اولاد بھی مدینہ میں موجود تھی چنانچہ ابوزید عمرو بن الخطب کو بعض لوگوں نے اسی کی نسل بتایا ہے۔^۶

خزرج۔۔۔ لات کچھ معلوم نہیں۔ البتہ اوس کے کسی قدر معلوم ہیں۔ وہ خطیب اور شاعر تھا۔ اس کے چند جملے محفوظ ہیں، جو اس نے اپنی وفات کے وقت کہے تھے۔ وہ کہتا ہے۔

لن يهلك هالك ترك مثل مالك

إن الذي يخرج النار من الزندة

قادر على أن يجعل لمالك نسلا ورجالا بسلا^۱

المنية ولألمينة والنار ولا عار^۲

۱۔ خلاصۃ الوفاء۔ ص ۸۲ ۲۔ التبیۃ والاشراف۔ ص ۲۰۴ ۳۔ حمزہ۔ ص ۱۰۱

۴۔ ابن ہشام۔ جلد ۱۔ ص ۵۸ اسد الغابہ۔ جلد ۵۔ ص ۲۰۴ ۵۔ خلاصۃ الوفاء۔ ص ۸۳

۶۔ کتاب الشعر والشعراء لابن قتیبہ۔ ص ۷۴

اس کے اشعار یہ ہیں :^۱

فضل الذی اودی ثموداً وجرهما
سيعقب لی نسلاً علی آخر الدهر
تقربهم من ال عمرو بن عامر
عیون لدى الداعی الی طلب الوتر

اس میں کچھ اشعار الحاقی معلوم ہوتے ہیں۔ مثلاً

اذا بعث المبعوث من ال غالب
بمكة فیما بین زمزم والحجر
هنا لك فابغوا نصره ببلا دكم
بنی عامر ان السعادة فی النصر

فارٹر صاحب نے حصن غراب (حضرموت) کے کتبوں میں سے ایک کتبہ میں لفظ ”عبر“ III کو اوس اور عوس (AWS) پڑھا ہے اور لکھا ہے کہ یہ عرب کے خانہ بدوش خاندانوں کا نام ہے۔^۲ چونکہ اس نام کے عرب میں دو قبیلے ہیں۔ ”عوس“ (عاد)۔ ”اوس“ (یثرب)۔ اس بناء پر یہ شبہ ہوتا ہے کہ اس سے کہیں وہ اوس تو مراد نہیں جو انصار مدینہ کا پدر اعلیٰ تھا۔

اگر فارٹر صاحب نے یہی سمجھا ہے تو ہم کو کہنا پڑتا ہے کہ اس میں انہوں نے سخت غلطی کی ہے۔ اولاً تو یہ کہ انصار کے مورثین میں عمرو بن عامر نے یمن سے ہجرت کی تھی اور اس وقت اوس و خزرج کا پتہ تک نہ تھا۔ دوسرے ان قبائل نے اپنا خانہ بدوشی۔ زمانہ میں کبھی حضرموت میں سکونت نہیں کی۔ اور سب سے آخر یہ کہ یہ نام عوس بن ارم بن سام (پدر عاد) کا ہے اور اس کے متعلق مسلم ہے کہ وہ یمن اور حضرموت میں آباد تھا۔^۳

غرض اوس و خزرج اور عدی کی اولادیں یثرب میں رہ کر پھلی پھولیں اور متعدد خاندانوں میں تقسیم ہو گئیں۔ جن کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

عدی : اس کے نام سے کوئی جداگانہ شاخ نہیں۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ اس کی اولاد بھی اوس و خزرج میں ضم ہو کر انصار کہلاتی تھی اور اس کی وجہ یہ بیان کرتے ہیں کہ عرب میں بھتیجا اپنے چچا کی شہرت کی وجہ سے اسی کا بیٹا مشہور ہو جاتا تھا۔^۴

۱۔ خلاصۃ الوفا۔ ص ۸۳ ۲۔ جغرافیہ، عرب فارٹر۔ جلد ۲۔ ۳۳۹ ۳۔ ابوالفتح ۱۔ جلد ۱۱۔ ص ۹۷

۴۔ اشد الغاب۔ جلد ۵۔ ص ۲۰۴

اوس کے صرف ایک بیٹا تھا۔ جس کا نام مالک تھا۔ مالک کے پانچ بیٹے پیدا ہوئے جو مختلف شاخوں کے مورث ہو گئے۔

عمرو بن مالک : میں ابتداء دو شاخیں ہوئیں۔ خزرج اصغر اور عامر۔ عامر عمان میں رہتے تھے۔ اور چونکہ مدینہ میں ان کا ایک تنفس بھی نہ تھا، اس لئے وہ انصار میں داخل نہیں!۔ خزرج میں کعب (ظفر) اور حارث میں جشم اور حارثہ۔ اور جشم میں زعور (اہل رائج) اور عبدالاشہل داخل ہیں۔ انہی چاروں بطون یعنی کعب (ظفر) حارثہ، زعور اور عبدالاشہل کو نبیت کہا جاتا ہے۔

عوف بن مالک : میں عمرو اور زید ابن مالک بن عوف عمرو میں جو قبائل میں رہتے تھے، بہت سے بطون تھے۔ جن میں مشہور یہ ہیں :

لوذان و بنو سمیعہ، عبیدہ بن زید، صبیحہ، معاویہ (بن مالک بن عوف) نجبا ابن کلفہ بن عوف، حبیب، بنو لوزان میں جو بنو سمیعہ کے نام سے مشہور ہیں۔ لوزان عوف (پدر معاویہ و نجبا) اور ثعلبہ (بن عمرو) داخل سمجھے جاتے ہیں۔

مرہ بن مالک : میں سعد (اہل رائج) اور عامر۔ امر میں امیہ، وائل اور عطیہ، مالک بن اوس کے یہ تینوں خاندان (عمرو۔ عوف۔ مرہ) جعادرہ اور اوس اللہ کے نام سے مشہور ہیں۔ امرء القیس بن مالک میں واقف اور سلم۔ جشم بن مالک میں خطمہ (عبداللہ)۔

خزرج : کے پانچ بیٹے تھے۔ عمرو، عوف، جشم، کعب، حارث۔ ان کی اولاد حسب ذیل ہے :

عمرو بن خزرج : اس میں بنو نجار کی تمام شاخیں شامل ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا عبدالمطلب کا نانہال یہیں تھا۔ نجار سے دینار، عدی، مازن، مالک، مالک سے عمرو، غنم، عامر (مبذول) عمرو سے عدی (بنو معاویہ)، اور معاویہ (بنو جدیلہ)۔

عوف بن خزرج : سے سالم، عمرو، قطن، قطن سے سائب، یہ لوگ عمان میں رہتے تھے۔ عمرو سے عوف اور غنم (توفل) عوف سے جبلی (مالک بنو سالم) قبیلہ عبداللہ بن ابی، اور عجلان۔

جشم بن خزرج : سے زید اور غضب، زید میں سلمہ، اور سلمہ میں مر اور غنم، اور غنم میں عبیدہ (بن عدی)۔

سواد اور حرام : غضب سے عبد حارثہ، کعب (بنو غدارہ) ، معاویہ (بنو اجدع) ، عبد حارثہ سے زریق اور حبیب، زریق سے بیاضہ اور زریق۔

کعب بن خزرج : سے ساعد، ساعدہ سے طریف، قتبہ، عمرو، ثعلبہ، طریف سے وقش، غسان، ابو خزیمہ (خاندان سعد بن عبادہ)۔

حارث بن خزرج : سے جشم، زید، عوف، عوف سے حذرہ اور خدارہ^۱۔
چونکہ اوس، خزرج اور عدی میں تعداد اور غلبہ کے لحاظ سے خزرج کا نمبر سب سے بڑھا ہوا تھا، اس لئے ان قبائل کو عرب تغلیباً خزرج کہا کرتے تھے^۲۔

انصار کی آبادی

اوس و خزرج پہلے ایک ہی جگہ آباد تھے۔ لیکن جب ابو جہیلہ کی وجہ سے یہود کا زور ٹوٹ گیا تو وہ یثرب کے تمام نشیبی اور بالائی حصوں میں منتشر ہو گئے، اور اپنی علیحدہ علیحدہ آبادیاں قائم کر لیں۔ چنانچہ قبیلہ اوس میں سے عبدالاشہل اور حارثہ کا خاندان یثرب کے شرقی سنکستان میں آباد ہوا اور وہاں کئی قلعے تعمیر کئے۔ جن میں سے ایک کا نام واقم تھا۔ اور ان کا محلہ بھی اسی نام سے مشہور تھا، انصار کا ایک شاعر کہتا ہے۔

نحن بیننا واق بالحرۃ

بلازب الطین وبالاصرہ

یہ تینہ حضیر بن ساک کے قبضہ میں تھا۔ اس کے بعد بنو حارثہ، عبدالاشہل کے پاس سے ہٹ کر ان سے شمال کی طرف رہنے لگے۔

بنو ظفر (کعب بن خزرج اصغر) یثرب سے پورب کی طرف عبدالاشہل کے پاس مقیم تھے۔ وہاں انہوں نے اسلام لانے کے بعد ایک مسجد بنائی تھی۔ جس کا نام مسجد بغلہ تھا۔ بنو زعور ابن جشم بھی یہیں سکونت کرتے تھے۔ یہ چاروں خاندان نبیت کہلاتے تھے۔ جو ان کا مورث اعلیٰ تھا۔ اور عمرو بن مالک بن اوس کی اولاد میں تھا۔

۱۔ اس تمام تفصیل کے لئے دیکھئے خلاصۃ الوفاء۔ جلد ۲۔ ص ۸۵۸ تا ۸۵۸۹ و معارف بن قتبہ۔ ص ۳۶۔ ۳۷

۲۔ سیرۃ النبی بشام۔ جلد ۲۔ ص ۲۳۲

عوف بن مالک بن اوس، اس کے خاندان میں بہت سی شاخیں ہیں جو سب کی سب قبائیں آباد تھیں۔ ان میں سے بنو ضبیصہ شقیف نامی ایک قلعہ میں رہتے تھے۔ جو احجار المرء اور مجلس بنی الموالی کے درمیان واقع تھا۔ کلثوم بن الہدم کا قلعہ عبد اللہ بن ابی احمد کے احاطہ میں تھا۔ اور احجہ ابن الجدارخ نجی کا بھی ایک قلعہ تھا۔

زید بن مالک بن عوف میں ۱۴ قلعے تھے۔ اور صیاصی کے نام سے مشہور تھے، ان کا ایک قلعہ مسجد قباء سے مشرقی جانب مسکہ میں بھی تھا۔ دوسرا جس کا نام مستطل تھا۔ چاہ غرس کے پاس تھا اور احجہ کا تھا۔

بنو نجبا کچھ دنوں بنو ضبیصہ کے ساتھ رہ کر، مسجد قباء کے مغرب عصبہ میں چلے گئے۔ یہاں احجہ نے سفید پتھروں کا ایک قلعہ بنایا۔ لیکن وہ گر گیا تو ایک مربع سیاہ قلعہ تیار کرایا، بنو مجدعہ اور نجبا نے ہجیم نامی ایک قلعہ تعمیر کیا تھا جو اس مسجد کے قریب واقع تھا۔ جہاں آنحضرت ﷺ نے ایک بار نماز پڑھی تھی۔

معاویہ بن مالک پہلے قبائیں رہتے تھے۔ پھر بقیع الغرقہ کے باہر رہے۔ وہاں ان کی مسجد اجابتہ یادگار ہے۔

بنو سمیعہ (لوزان بن عمرو بن لوف) ریح کے کوچہ کے پاس آباد تھے۔ اور سعدان نامی ایک قلعہ بنایا تھا۔

واقف اور سلم (مالک بن اوس) مسجد فضیح کے پاس رہتے تھے۔ بعد میں سلم، عمرو بن عوف میں چلے گئے اور تقریباً ۱۹۹ برس وہیں مقیم رہے۔ ان کی آبادی نے اتنی ترقی کی کہ زمانہ جاہلیت ہی میں ایک ہزار جوان ان میں موجود تھے۔

جعادرہ میں سے بنو وائل بن زید اپنے نام کی مسجد کے پاس جو مسجد قباء کے پورب ایک بلند مقام پر واقع تھی، سکونت کرتے تھے۔

امیہ بن زید عہن کے مشرقی سمت جہاں مذغیب کا پانی بھرتا ہے اور کھیت سینچے جاتے ہیں بودو باش رکھتے تھے۔

عطیہ بن زید بنو جبلی کے قریب رہتے تھے۔ اور شاش نامی ایک قلعہ بنایا تھا۔ مسجد قباء میں قبلہ رخ کھڑے ہونے پر یہ قلعہ بائیں ہاتھ کی طرف پڑتا تھا۔ سعد بن مرة ریح میں رہتے تھے۔

حطمہ بن جشم، ماشونیہ اور غرس کے پاس بودو باش رکھتے تھے اور دور تک قلعے بنائے تھے۔ چونکہ یہ مقام شہر کے باہر اور نسبتاً کم آباد تھا۔ اس لئے جب اسلام کے زمانہ میں ان لوگوں نے مسجد بنائی، اور ایک شخص کو اس کی حفاظت کے لئے مقرر کیا تو روزانہ صبح اٹھ کر اس کی خیریت دریافت کرتے تھے کہ کوئی درندہ تو نہیں اٹھا لے گیا۔ اس کے بعد پھر ان کی اتنی کثرت ہوئی کہ اس بستی کا نام ہی غزہ پڑ گیا۔ جو شام کا ایک نہایت آباد شہر ہے۔

قبیلہ خزرج میں سے بنو حارث وادی بطحان اور تربہ صعیب کے مشرق جانب آباد ہوئے۔ ان کا محلہ حارث کہلاتا تھا۔ حارث کے لڑکوں جشم اور زید نے اپنے قلعہ سخی میں اقامت کی، جو مسجد نبوی سے ایک میل کے فاصلہ پر اور مدینہ۔ بالائی حصہ کی منزل اول ہے۔

حد رہ بن عوف بن حارث کا خاندان بازار مدینہ کے شمالی جانب جرار سعد میں مقیم ہوا۔ حد رہ ابن عوف نے چاہ بصرہ کے پاس اجر و نامی ایک قلعہ میں سکونت اختیار کی۔ یہ قلعہ ابو سعید خدری کے دادا کا تھا۔

سالم اور غنم (عوف بن عمرو بن خزرج) مغربی سلستان میں مسجد جمعہ کے پاس اترے۔ قوافل کا قلعہ انہی کا تھا۔ بنو حنبلی (مالک بن سالم بن غنم) بنو نجار اور ساعدہ کے درمیان ٹھہرے۔ ان کی آبادی کی پشت پر ایک قلعہ تھا۔ جس کا نام مزاحم تھا اور وہ عبد اللہ بن ابی بن سلول کی ملکیت تھا۔

بنو سلمہ (جشم بن خزرج) میں بنو حرام مسجد قبلتین سے مزاد تک آباد ہوئے۔ ایک قلعہ بھی تعمیر کیا۔ جابر بن عتیک کی زمین میں بھی ان کا ایک قلعہ تھا۔ ان کی وادی میں ایک چشمہ تھا۔ جو حضرت جابرؓ کے دادا عمرو کے قبضہ میں تھا۔ امیر معاویہؓ نے اپنی خلافت کے زمانہ میں اس کی مرمت کرائی تھی۔

بنو سلمہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں مسجد نبوی کے قریب رہنا چاہا تھا۔ لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ کی ویرانی کے خیال سے منع کیا اور فرمایا: ”تم کو وہاں سے نماز کے لئے آنے میں زیادہ ثواب ملتا ہے“۔

حضرت عمرؓ نے اپنے ایام خلافت میں بنو حرام کو سلع میں منتقل کر لیا اور یہاں انہوں نے ایک عالیشان مسجد بنائی۔

بنو سواد (سلمہ) کی آبادی مسجد قبلتین سے ابن صبیہ و نیاری کی زمین تک تھی (مسجد قبلتین انہی کی تھی)۔ بنو عبید مسجد خربہ سے کوہ دو تخیل تک رہتے تھے۔ مسجد خربہ اور دو قلعے ان کی ملکیت میں تھے۔

بنو بیاضہ، زریق، حبیب، غدارہ، اجدع (معاویہ بن مالک) مغربی سنگستان سے بطحان تک بنو سالم کے شمالی جانب رہتے تھے۔ اس کے پاس بیس قلعے تھے۔
بعض کے نام یہ ہیں :

۱۔ عقرب ،

۲۔ سدید ،

۳۔ لوی ،

۴۔ سرارہ ۔

بنو ساعدہ (کعب بن خزرج) نے چار جگہ سکونت کی۔ بنو عمرو اور بنو ثعلبہ، بازار مدینہ کے مشرقی اور شمالی حد تک آباد ہوئے۔ ان کے دو قلعے تھے۔ ایک ابو دجانہ کے مکان کے پاس اور دوسرا مسجد بنو ساعدہ کے سامنے۔ مدینہ میں سب سے آخر یہی قلعہ تعمیر ہوا۔

بنو قبشہ ان لوگوں سے پورب کی جانب بنو جدیلہ کے قریب مقیم ہوئے۔

بنو ابی خزیمہ (سعد بن عبادہ کے خاندان) نے جرار سعد میں جو بازار مدینہ کی انتہائی حد پر واقع تھا، سکونت کی اور بنو قش اور غسان مسجد الراہیہ کے پاس (جرار سعد کے قریب) اترے۔

بنو مالک بن نجار میں سے بنو غنم، مسجد نبوی کے پورب کی طرف رہتے تھے، اور ایک قلعہ بنایا تھا، جس کا نام قوریع تھا۔ مسجد نبوی انہی کی تھی۔

بنو مغالہ (عدی بن عمرو) مسجد سے مغربی جانب باب الرحمہ کے پاس مقیم تھے۔ ان کے قلعے کا نام فارع اور جاکم ادکا بیر حاتھا۔ فارع حسان بن ثابت کے قبضہ میں تھا۔

بنو جدیلہ (معاویہ بن عمرو) مسجد کے شمالی اور شرقی جانب بقیع اور بیرحہ کے قریب آباد تھے۔ ان کے قلعے کا نام مشعط تھا، جو مسجد ابی بن کعب کے پاس واقع تھا۔

بنو مبذول (عامر بن مالک) بنو غنم سے پورب طرف رہتے تھے۔

بنو عدی بن نجار مسجد سے مغرب کی طرف آباد تھے۔ لیکن حضرت انسؓ کا مکان بابائہ بنہمہ کے بنو عدی سے تھے۔ مسجد سے شمال اور مشرق کی طرف تھا۔ ان کے قلعے کا نام زاہریہ تھا۔ بنو مازن بن نجار، بنو زریق سے پورب کی طرف سکونت کرتے تھے۔ ان کا محلہ بنو مازن کہلاتا تھا۔

بنو دینار بن نجار بطحان کی پشت پر رہتے تھے۔

(یہ پورا مضمون ”خلاصۃ الوفاء بانخبار دارالمصطفیٰ“ ص ۸۵-۸۹ سے ماخوذ ہے)



ایام الانصار

یعنی

انصار کی خانہ جنگیاں

قیام کے بعد اوس و خزرج عرصے تک متحد رہے۔ لیکن پھر خانہ جنگیوں کا ایسا خطرناک سلسلہ شروع ہوا کہ اسلام نہ آتا تو یہ قوم صفحہ ہستی سے یقیناً نیست و نابود ہو جاتی۔ سید سمودی خلاصۃ الوفاء میں لکھتے ہیں:-

”ثم وقعت بينهم حروب كثيرة لم يسمع قوم اكثر منها ولا اطول“۔
”پھر ان میں اس قدر لڑائیاں ہوئیں کہ کسی قوم میں ان سے زیادہ اور دیر پا جنگیں نہیں سنی گئیں“

لڑائیوں کی ابتداء جنگ سمیر سے ہوئی اور تقریباً ایک سو بیس برس تک جاری رہ کر جنگ بعثت پر اختتام ہوا۔ جو ہجرت سے ۵ سال قبل واقع ہوئی تھی اس طویل زمانہ میں خدا معلوم کتنے معرکے پیش آئے ہوں گے۔ لیکن ان میں سے جو زیادہ مشہور ہیں، تاریخوں میں انہی کا ذکر آتا ہے۔ علامہ ابن اثیر ”ایک مقام پر فرماتے ہیں:-

”بينها وبين حرب سمير نحو مائة سنة و كان بينهما ايام ذكرنا المشهور منها و تركنا مالم يس بمشهور و حرب حاطب اخر و قعة كانت بينهم الا يوم بعثت“۔

”حرب حاطب اور حرب سمیر میں تقریباً سو برس کا فرق ہے اور ان دونوں کے درمیان بہت سی لڑائیاں ہوئی تھیں۔ جن میں سے ہم نے مشہور لڑائیوں کو درج کیا ہے۔ اور غیر مشہور جو چھوڑ دیا ہے اور حرب حاطب بعثت کے ماسوا سب سے اخیر لڑائی تھی“۔

جس جنگ کو علامہ نے سب سے اخیر جنگ قرار دیا ہے۔ اس کی یہ حالت ہے کہ وہ بھی متعدد جنگوں کا مجموعہ ہے۔ پھر ان تمام مشہور لڑائیوں کی نسبت کیا کہا جاسکتا ہے، جن کے ضمن میں

بہت سی چھوٹی چھوٹی لڑائیاں پیش آئی ہوں گی اور جن کو ہمارے مورخین نے قلم انداز کر دیا۔
جنگِ سمیر :

انصار کی سب سے پہلی جنگ، جنگِ سمیر ہے۔ اس کا سبب یہ ہوا کہ مالک بن عجلان سالمی کا کعب ذبیانی حلیف بنا تھا۔ ایک روز وہ بازار قیقاع میں پھر رہا تھا کہ ایک غطفانی کی آواز سنی کہ میرا گھوڑا وہ لے سکتا ہے جو یثرب کا سب سے بڑا شخص ہو۔ کعب نے اپنے حلیف کی سفارش کی۔ کسی نے اجمہ بن الحلاح اسی کا نام پیش کیا اور بعضوں نے ایک یہودی کی نسبت کہا۔ کہ وہ مدینہ کا سب سے بڑا شخص ہے۔ اس بنا پر گھوڑے کا مستحق وہی ہے۔ غطفانی نے گھوڑا مالک بن عجلان کو دیدیا۔ اس پر کعب نے فخر اکہا۔ ”کیوں میں نہ کہتا تھا کہ مدینہ میں مالک سے بڑھ کر کوئی نہیں۔“

عمرو بن عوف کا ایک شخص جس کا نام سمیر تھا۔ یہ گفتگو سن رہا تھا۔ غصہ سے لال پیلا ہو گیا اور گالیاں دیتا ہوا چلا گیا۔ کعب دوسرے بازار میں جو قبائلیں لگتا تھا۔ ایک مرتبہ گیا تو چونکہ یہ عمرو بن عوف کا محلہ تھا۔ سمیر نے موقع پا کر اس کو قتل کیا۔ مالک بن عجلان کو خبر ہوئی تو اس نے عمرو بن عوف کے پاس کہلا بھیجا کہ قاتل ہمارے حوالہ کر دو۔ عمرو بن عوف نے انکار کیا، اور کہا تم دیت لے سکتے ہو۔، مالک نے اس شرط پر منظور کیا کہ دیت پوری دینا ہوگی۔

چونکہ انصار میں حلیف کی دیت نصف دی جاتی تھی۔ عمرو بن عوف نے نہایت شدت سے انکار کیا۔ مالک کو اصرار تھا اس بنا پر لڑائی کی تیاریاں ہوئیں، جس میں انصار کے تمام قبیلے شریک ہو گئے۔ دو مرتبہ نہایت معرکہ کارن پڑا۔ اخیر میں اوس نے فتح پائی اور مالک کو کہلا بھیجا کہ اس جھگڑے کا فیصلہ منذر بن حرام بخاری (حضرت حسان کے دادا) پر چھوڑ دینا چاہئے۔

منذر نے کہا کہ ”اس مرتبہ تم مالک کو پوری دیت ادا کر دو، آئندہ پھر اپنے قدیم دستور کے مطابق دینا۔“ دونوں فریق نے اس رائے کو پسند کیا، اور دیت ادا دی گئی۔ لیکن دلوں میں جو غبار اور کدورت پیدا ہو گئی تھی وہ کسی طرح دفع نہیں ہو سکتی تھی۔ اس لئے چند ہی روز کے بعد دوسری لڑائی کا افتتاح ہوا۔

جنگِ کعب بن عمرو :

کعب بن عمرو مازنی نے جو بنو نجار سے تھا۔ بنی سالم میں شادی کی تھی اور اپنی سسرال اکثر آیا جایا کرتا تھا۔ اجمہ بن الحلاح سردار نجحی (اوس) نے چند آدمیوں کو اس کے قتل پر آمادہ کیا اور کامیابی

جاصل کی۔ کعب کے بھائی عاصم کو اطلاع ہوئی تو اس ججبا کو اعلان جنگ دیدیا۔ اور رحایہ میں نہایت سخت لڑائی ہوئی۔ جس میں ججبا نے شکست کھائی۔ اجمہ بھاگ گیا۔ عاصم نے تعاقب کر کے اس پر تیر چلایا۔ اجمہ قلعہ کے اندر جا چکا تھا۔ وہ اس کے بھائی کے لگا اور مر گیا۔ عاصم کو اب بھی چین نہ تھا۔ اس لئے اجمہ کی گھات میں لگا رہا۔

اجمہ نے شیخون مارنے کی تجویز سوچی۔ سلمیٰ بنت عمرو اس کی بیوی خاندان نجار سے تھی۔ اس نے ایک رات موقع پا کر اپنی قوم کو مطلع کر دیا اور بنو نجار ہتھیاروں سے آراستہ ہو گئے۔ صبح اٹھ کر اجمہ اور بنو نجار میں مذہبھڑ ہو گئی اور لڑائی رہی۔ اجمہ کو سلمیٰ کی نسبت پتہ لگ چکا تھا۔ اس لئے اس کو زد و کوب کر کے اپنے نکاح سے علیحدہ کر دیا۔

جنگ سرارة :

اس کے بعد عمرو بن عوف اور حارث بن خزرج میں نہایت معرکے کی ایک لڑائی ہوئی۔ بنی حارث کے ایک شخص نے بنی عمرو کے ایک شخص کو قتل کیا تھا۔ بنی عمرو اس کی فکر میں تھے۔ ایک روز موقع پا کر اس کو مار ڈالا۔ بنو حارث نے جنگ کا اعلان کیا اور سرارة میں دونوں فوجیں جمع ہوئی۔ اوس پر حفیر بن سماک (حضرت اسیدؓ کے والد) اور خزرج پر عبد اللہ بن ابی بن سلول افسر تھا۔ چار دن تک جنگ جاری رہی جس میں اوس ہزیمت اٹھا کر واپس گئے۔

جنگ حصین بن اسلت :

حصین بن اسلت واکلی (اوس) اور قبیلہ مازن بن نجار کے ایک آدمی میں کچھ جھگڑا ہوا اور حصین نے اس کو قتل کر دیا۔ بنو مازن کو خبر ہوئی تو وہ اس کے پیچھے دوڑے اور گھیر کر مار ڈالا۔ حصین کے بھائی ابو قیس بن اسلت نے بنو وائل کو ابھارا۔ تمام اوس اس کی حمایت پر کمر بستہ ہو گیا۔ ادھر مازن کی طرف سے خزرج نے ساتھ دیا اور دونوں قبیلے نہایت جوش سے لڑے اور بہت آدمی کام آئے۔ اخیر میں اوس نے شکست کھائی۔

جنگ ربیع :

ربیع ظفیری (اوس) مالک بن نجار کے کسی آدمی کی زمین پر سے گزر رہا تھا۔ اس نے منع کیا۔ لیکن ربیع نہ مانا اور اس کو مار ڈالا۔ اس پر دونوں قبیلے جمع ہو گئے۔ اور ایسا کشت و خون ہوا کہ کبھی نہ ہوا تھا۔ اس میں بنو نجار نے شکست کھائی۔

جنگ فارغ :

بنو نجار کے ایک شخص نے قبیلہ قضاہ (ملی) کا ایک غلام پایا تھا۔ جس کا چچا معاذ بن نعمان اوسی (والد حضرت سعدؓ) پڑوس میں رہتا تھا۔ ایک دن وہ اپنے بھتیجے کو دیکھنے آیا تو نجاری نے اس کو قتل کر دیا۔ معاذ نے کہا کہ بنو نجار دیت دیں یا قاتل کو میرے حوالہ کریں۔ بنو نجار نے انکار کیا۔ اس لئے حضرت حسانؓ کے قلعہ فارغ کے سامنے دونوں میں لڑائی ہوئی۔ چونکہ عبدالاشہل کا خیال تھا کہ دیت نہ ملنے کی صورت میں عامر بن اظناہ کو قتل کریں گے اور عامر خزرج کے ممتاز اشخاص میں تھا اس لئے عامر نے دیت خود ادا کی اور دونوں قبیلوں میں مصالحت ہو گئی۔ عامر نے اس کے متعلق کچھ اشعار بھی لکھے ہیں جو نہایت بہتر ہیں۔

جنگ حاطب :

اس کو جنگ حمر بھی کہتے ہیں۔ جنگ سمیر کے تقریباً سو برس بعد ہوئی۔ اس کا سبب یہ ہوا کہ حاطب بن قیس اوسی کے ہاں قبیلہ ثعلبہ (ذبیان) کا ایک شخص مہمان اُترا تھا۔ ایک روز وہ بازار قبیقاع میں گھوم رہا تھا کہ ابن فحیم (یزید بن حارث خزرجی) نے ایک یہودی سے کہا ”میں تم کو اپنی چادر دوں گا ہم اس ثعلبی کو یہاں سے نکال دو“۔

یہودی نے چادر لے کر اس کو اس بُری طرح نکالا کہ بازار کے تمام لوگوں نے اس کی آواز سُنی۔ ثعلبی نے اپنے میزبان کو پکارا کہ حاطب تمہارے مہمان کی بڑی ذلت ہوئی ہے۔ حاطب نے جوش غضب میں اس یہودی کا سر اڑا دیا۔

ابن فحیم کو معلوم ہوا تو حاطب کا تعاقب کیا۔ حاطب اپنے قبیلہ کے کسی شخص کے ہاں چھپ گیا۔ لیکن ابن فحیم کو تسلی نہیں ہوئی۔ بنی معاویہ (اوس) کا ایک شخص چلا آ رہا تھا، اس کو قتل کر دیا۔ اس پر اوس و خزرج میں بنو حارث بن خزرج کے پُل پر ایک جنگ عظیم برپا ہوئی۔ خزرج کا لشکر عمرو بن نعمان بیاضی کے تحت میں تھا، اور اوس کی زمام حذیر بن سماک اشہلی کے ہاتھ میں تھی۔

چونکہ ان لڑائیوں کا چرچا مدینہ کی آس پاس کی تمام آبادیوں میں پھیل چکا تھا، اس لئے عیینہ بن حصن اور خیبار بن مالک فزاری مدینہ میں آئے ہوئے تھے کہ کسی صورت سے ان دونوں قبیلوں میں صلح ہو جائے۔ انہی ایام میں یہ لڑائی پیش آ گئی۔ عیینہ اور خیبار دونوں میدان جنگ میں موجود تھے۔

جس جوش و خروش سے دونوں قبیلے معرکہ آراء ہوئے، اس سے معلوم ہوا کہ صلح ناممکن ہے۔ اس لڑائی میں میدان خزر جہ کے ہاتھ رہا۔ اس کے بعد چند اور لڑائیاں ہوئیں، جو درحقیقت اسی کا ضمیر تھیں۔

جنگ ربیع :

سُح کے ایک گوشہ میں دیوار ربیع کے پاس اوس و خزر جہ میں ایک نہایت شدت کا معرکہ ہوا۔ علامہ ابن اثیرؒ لکھتے ہیں :

”فاقتلوا قتالا شديدا حتى كا ديفنى بعضهم بعضا“۔

”یہ لوگ نہایت سخت لڑائی لڑے۔ یہاں تک کہ ایک دوسرے کو فنا کر دینے پر بالکل تل گئے تھے۔“

جوش کا یہ عالم تھا کہ جب اوس شکست کھا کر بھاگے تو دستور کے خلاف خزر جہ نے ان کے گھر تک ان کا پیچھا کیا۔ اس پر اوس نے امان چاہی۔ لیکن بنو نجار نے امان دینے سے انکار کیا۔ اس کے بعد اوس قلعہ بند ہو گئے۔ اس وقت خزر جہ نے مصالحت منظور کی۔

اس معرکہ میں قبیلہ خزر جہ میں سے سوید بن صامت اور اوس میں سے ابن اسلت اور صخر بن سلمان بیاضی زیادہ نمایاں تھے۔

جنگ بقیع :

یہ لڑائی بقیع الغرقہ میں ہوئی۔ ابوقیس بن اسلت وائلی اوس کی فوجوں کا سردار تھا۔ اس میں اس نے فتح پائی۔ اس کے بعد ابوقیس نے قبیلہ اوس کو جمع کر کے کہا کہ ”میں جس قوم کا سردار ہوتا ہوں۔ وہ شکست کھاتی ہے۔ اس لئے تم کسی اور شخص کو سردار منتخب کر لو۔“

چنانچہ سب نے بالاتفاق حفیر الکتاب شہلی کو سردار لشکر بنایا۔ حفیر نے اپنے فرائض نہایت خوش اسلوبی اور ہوشیاری سے ادا کئے۔ چنانچہ جب قبا میں عرس کے پاس دونوں قبیلوں میں جنگ ہوئی تو محض حفیر کی تدبیر و سیاست کی بدولت اوس نے فتح حاصل کی اور اس شرط پر صلح ہوئی کہ ”مقتولین کا شمار کیا جائے جس کے زیادہ نکلیں وہ منہا کرنے کے بعد باقی کی دیت لے لے۔“ چنانچہ اوس کے ۳ آدمی زیادہ تھے۔ قبیلہ خزر جہ نے دیت کے عوض رہن کے طور پر اوس کو ۳ غلام دیئے۔ اوس نے غلاموں کو قتل کر ڈالا اور معاہدہ سابق ٹوٹ گیا۔

جنگِ فجارِ اول :

خزرج کو اوس کی یہ پیمان شکنی حد درجہ ناگوار ہوئی اور مدینہ کے باغات میں نہایت شدت کا رن پڑا۔ خزرج کا سپہ سالار عبداللہ بن ابی ابن سلول اور اوس کا ابو قیس بن اسلت تھا۔ اس معرکہ میں قیس بن خطیم نے بڑی جانبازی دکھائی تھی۔ یہاں پر یہ بتلادینا ضروری معلوم ہوتا ہے۔ کہ یہ جنگ فجارِ اس کے علاوہ ہے۔ جو کنانہ اور قیس میں برپا ہوئی تھی اور جو تمام عرب میں مشہور ہے۔

جنگِ معبس اور مضرس :

معبس اور مضرس دو دیواریں ہیں۔ جن کی آڑ میں بالترتیب اوس اور خزرج نے چند دنوں تک جنگیں کیں۔ اس میں اوس نے ایسی شکست کھائی کہ اس سے پہلے کبھی نہ کھائی تھی۔ یہاں تک کہ ان کے لئے گھروں اور قلعوں میں چھپنے کے سوا اور کوئی چارہ کار نہ رہ گیا۔

عمر و بن عوف اور اوس مناة نے جداگانہ صلح کرنی چاہی۔ لیکن عبدالاشہل اور ظفر نے انکار کیا اور کہا کہ ”ہم کو خزرج سے پورا بدلہ لے کر مصالحت کرنا چاہئے“۔ خزرج کو معلوم ہوا۔ تو انھوں نے اشہل اور ظفر کو قتل و غارت کی دھمکی دی۔ جس کی وجہ سے اوس کا اکثر حصہ مدینہ چھوڑنے پر آمادہ ہو گیا۔

ادھر بنو سلمہ نے عبدالاشہل کی ایک زمین کو جس کا نام رعل تھا لوٹ لیا۔ اور دونوں قبیلوں میں لڑائی شروع ہوئی۔ سعد بن معاذ رئیس قبیلہ اوس کے سخت چوٹ آئی۔ وہ عمرو بن جموح خزرجی کے ہاں اٹھا کر لائے گئے۔ عمرو نے ان کو پناہ دی اور خزرج کو رعل کے جلانے اور درختوں کے کاٹنے سے منع کیا۔ چونکہ اوس لڑتے لڑتے بہت کمزور ہو گئے تھے۔ اس لئے وہ عمرہ کے بہانہ سے مکہ گئے اور قریش سے حلف کا سلسلہ قائم کیا۔

ابو جہل موجود نہ تھا۔ اس کو معلوم ہوا تو قریش کے اس فعل کو برا کہا اور بولا تم نے اگلے لوگوں کا قول نہیں سنا۔ ”باہر کے آنے والے گھروالوں پر بتائی لاتے ہیں اور جو دوسروں کو اپنے ہاں بلا کر ٹھہراتا ہے وہ اپنا ملک کھو بیٹھتا ہے۔ یہ لوگ طاقتور اور کثیر التعداد ہیں“۔ قریش نے کہا، پھر اب حلف منقطع کرنے کی کیا صورت ہے؟ ابو جہل نے کہا یہ کام میں کئے دیتا ہوں۔ چنانچہ وہاں سے اٹھ کر اوس کے آدمیوں کے پاس گیا اور کہا :

”میں نے سنا ہے کہ تم قریش کے حلیف بنے ہو اور میں اس کو پسند کرتا ہوں۔ لیکن مشکل یہ ہے کہ ہماری لونڈیاں بازار میں پھرتی ہیں اور جو چاہتا ہے ان کو بازار میں مار پیٹ لیتا ہے۔ تم یہاں آ کر رہو گے تو جو حشر ہماری عورتوں کا ہوتا ہے وہی تمہاری عورتوں کا بھی ہوگا۔ اگر تم یہ ذلت گوارا کر سکتے ہو تو خوشی سے آؤ۔ ورنہ حلف منقطع کر دو۔“ چونکہ انصار میں حد درجہ غیرت تھی۔ اس لئے سب نے انکار کیا اور حلف کو رد کر کے واپس چلے گئے۔

جنگِ ثار ثانی :

قریش کی طرف سے مایوسی ہوئی تو اس نے قرظہ اور نضیر سے حلیف بننے کی درخواست کی۔ خزرج کو معلوم ہوا تو انہوں نے یہود کو اعلانِ جنگ دے دیا۔ یہود نے کہلا بھیجا کہ ہم کو یہ منظور نہیں اور ضمانت کے لئے خزرج کے پاس ۴۰ غلام دیئے اور معاملہ دب گیا۔

ایک دن زید بن فہم خزرجی نے نشہ کی حالت میں چند اشعار پڑھے۔ جن میں اس واقعہ کا نہایت ذلت آمیز طریقہ سے ذکر کیا۔ یہود کو خبر ہوئی تو سخت غضبناک ہوئے اور کہا ”ہم اتنے بے غیرت نہیں ہیں۔“ یہ کہہ کر اس کو اپنا حلیف بنالیا۔ خزرج نے سنا تو چند غلاموں کے علاوہ باقی سب کو قتل کر ڈالا اور اس، یہود اور خزرج کے مابین ایک سخت لڑائی ہوئی۔

بعض لوگوں نے اس کا اور سبب بیان کیا ہے، جو بظاہر زیادہ قرین قیاس معلوم ہوتا ہے کہ بنو بیاضہ کو رہنے کے لئے کوئی عمدہ جگہ نہ ملی تھی۔ عمرو بن نعمان بیاضی نے ان سے قسم کھائی کہ میں تم کو رہنے کے لئے قرظہ اور نضیر کے مقامات دلاؤں گا اور یا پھر ان کے غلاموں کو قتل کر ڈالوں گا۔ چونکہ ان لوگوں کی سکونت مدینہ کے بہترین حصہ میں تھی۔ اس لئے عمرو نے کہلا بھیجا کہ تم ان مقامات کو ہمارے لئے خالی کر دو۔ یہود نے اس کو عملاً تسلیم کر لینا چاہا، لیکن کعب بن اسد قرظی نے کہا، تم اپنے گھروں کی حفاظت کرو اور غلاموں کو قتل کرنے دو۔

اس پر تمام یہود متفق ہو گئے اور عمرو کو جواب دیا کہ ہم اپنے گھروں کو نہیں چھوڑ سکتے۔ عمرو نے یہ دیکھ کر غلاموں کے قتل کا فیصلہ کر لیا۔ عبد اللہ بن ابی بن سلول نے منع کیا اور کہا کہ یہ گناہ اور ظلم ہے اور تم کو میں دیکھتا ہوں کہ مقتول ہو کر چار آدمیوں پر لدے چلے آ رہے ہو۔ لیکن عمرو نے نہ مانا اور اس کے قبضہ میں جتنے غلام تھے سب کو قتل کر دیا۔ ابن ابی اور اس کے طرفداروں کے پاس جو غلام تھے رہا کئے گئے۔ چنانچہ محمد بن کعب قرظی کا دادا سلیم بن اسد انہی لوگوں میں تھا۔

جنگِ بعاث :

اب قرظہ اور نصیر خزر ج کی مخالفت پر بالکل ٹل گئے اور اوس کے ساتھ نہایت مستحکم عہد و پیمان کر کے لڑائی کا بندوبست کرنا شروع کیا۔ آس پاس کے یہودیوں کو جنگ پر ابھارا۔ اوس نے اپنے حلیف مزینہ سے مدد طلب کی اور ۴۰ روز تک جنگ کا سامان مہیا کیا۔ خزر ج کو معلوم ہوا تو انہوں نے بھی لڑائی کی تیاریاں کیں اور اپنے حلفاء اشجع اور جہینہ کو مدد پر آمادہ کیا۔

غرض سروسامان سے بعاث کے مقام میں جو بنو قرظہ کے علاقہ میں شامل تھا۔ ایک نہایت خونریز جنگ ہوئی۔ جس میں اولاً تو اوس و خزر ج نہایت پامردی سے لڑے، لیکن پھر اوس نے ہمت ہار کر بھاگنا شروع کیا۔ یہ دیکھ کر حفیر الکتاب جو اوس کا سپہ سالار تھا، گھٹنے ٹیک کر کھڑا ہو گیا۔ نیزہ کی نوک پیر میں چھید لی اور پکارا :

”ہائے اونٹ کی طرح ہاتھ پیر کٹ گئے۔ گروہ اوس ! اگر تم مجھ کو بچا سکتے ہو تو بچاؤ خدا کی قسم ! میں بغیر قتل ہوئے یہاں سے نہ جاؤں گا۔“

اس آواز کا کان میں پڑنا تھا کہ عبدالاشہل کے دو لڑکے محمود اور یزید مدد کو پہنچ گئے اور لڑکر قتل ہوئے۔

ایک تیر عمر و بن نعمان بیاضی سردار خزر ج کے لگا اور وہ مر گیا۔ عبداللہ بن ابی اس جنگ میں بالکل ناظر فدا تھا۔ وہ لڑائی کی خبریں لینے گیا تو دیکھا تو عمر و بن نعمان کی لاش چار آدمی اٹھائے ہوئے چلے آ رہے ہیں۔ بولا :

ذوق و بال البغی ! یعنی اب اپنے ظلم کا مزہ چکھ ! عمرو کے قتل ہونے سے خزر ج کے قدم ڈگمگائے اور وہ فرار ہونے لگے۔ اوس نے یہ سراسیمگی دیکھ کر تمام خزر ج کو تلوار کے گھاٹ اُتارنا شروع کر دیا۔ اتنے میں ایک آواز آئی کہ ”گروہ اوس ! اپنے بھائیوں کے قتل سے باز آؤ۔ کیونکہ ان کا رہنا لومڑیوں کے رہنے سے بہتر ہے۔“

اوسیوں نے یہ سن کر ہاتھ کھینچ لئے۔ لیکن اوس حفیر کو میدان سے زخمی اٹھالے گئے، اور خزر ج کے مکانات اور باغات میں آگ لگادی۔ اس موقع پر بنو سلمہ کے مکانات اور جائدادیں سعد بن معاذ کی وجہ سے تمام آفتوں سے محفوظ رہیں۔

جنگ بعاث، انصار کی مشہور جنگوں میں سب سے آخری جنگ تھی اور ہجرت سے ۵ سال قبل واقع ہوئی تھی۔ ان لڑائیوں کی بدولت انصار کے دونوں قبیلے جس درجہ کمزور ہو گئے تھے، اس کو حضرت عائشہؓ نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے۔^۱

”کان یوم بعاث یوم قدمہ اللہ عز و جل رسولہ فقدم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وقد افرق ملوہم وقتلک سروا تہم وجر حوا قدمہ اللہ رسولہ فی دخولہم فی الاسلام۔“

”جنگ بعاث کو خدا نے اپنے رسول کے لئے کرایا تھا۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم آئے تو معززین اور رؤساء قتل ہو چکے تھے اور انصار بہت خستہ اور زار ہو گئے تھے۔ اس لئے یہ دن خدا نے اپنے رسول پر انصار کے ایمان لانے کے لئے بھیجا تھا۔“

حضرت انسؓ عیسان بن جریر اور دوسرے ازدیوں کو یہ واقعات سنایا کرتے تھے اور کہا کرتے تھے کہ تمہاری قوم نے فلاں فلاں جنگ میں فلاں فلاں کام کئے۔^۲

انصار کی مشہور لڑائیوں کے بعد ہم ان کی چند غیر مشہور لڑائیوں کا تذکرہ کرتے ہیں، اور چونکہ ان کا سنہ معلوم نہیں، اس لئے ان کو کسی خاص ترتیب کے ساتھ نہیں لکھ سکتے۔

سید سمودی نے انصار کی مشہور جنگوں کے سلسلہ میں جنگ سرارہ کے بعد جنگ ”دریک“^۳ کا نام لیا ہے۔ اور دریک کے متعلق لکھا ہے کہ انصار کی ایک جگہ کا نام تھا۔ غالباً یہ ”دیک“ نہیں ”در دیک“ ہے۔ جس کے متعلق یہ ثابت ہے کہ وہاں اوس و خزرج میں ایک لڑائی ہوئی تھی۔^۴ اور اگر ہمارا یہ خیال صحیح ہے تو یہ جنگ بنو ظلمہ میں ہوئی ہوگی۔ کیونکہ ان لوگوں کی سکونت گاہ یہیں واقع تھی اور اس میں ایک قلعہ بھی تھا۔^۵

تاہم علامہ ابن اثیرؒ نے یوم الدریک کے عنوان سے کسی معرکہ کا ذکر نہیں کیا اور نہ کسی معرکہ کی نسبت یہ تصریح کی کہ وہ مقام دریک میں برپا ہوا تھا۔ اس بناء پر ہم ”یوم الدریک“ کو انصار کی غیر معروف جنگوں میں شمار کرتے ہیں۔

۱۔ صحیح بخاری۔ جلد ۱۔ ص ۵۴۳ باب القسامۃ فی الجاہلیۃ

۲۔ صحیح بخاری۔ جلد ۱۔ ص ۴۳۳ باب مناقب الانصار

۳۔ خلاصۃ الوفاء۔ ص ۸۹ ۴۔ وفاء الوفاء۔ جلد ۲۔ ص ۲۰۶ ۵۔ وفاء الوفاء۔ جلد ۱۔ ص ۲۵۲

یوم الدریک کے بعد انصار کا چند خانہ جنگیوں کا جستہ جستہ ذکر کیا گیا ہے۔ چنانچہ بنو حارثہ (اوس) عبد الاشہل میں ایک لڑائی چھڑی تھی۔ جس میں حارثہ نے بنو ظفر کے ساتھ مل کر عبد الاشہل کو شکست دی اور سماک بن رافع (حضرت اسید بن حضیر کے دادا) کو قتل کر کے عبد الاشہل کو بنی سلیم کے علاقہ میں جلا وطن کر دیا۔ حضیر بن سماک نے بنی سلیم میں رہ کر زور و قوت پیدا کر لی تھی۔ چنانچہ ان کو لے کر بنو حارثہ پر حملہ کیا اور فتح پانے کے بعد خیبر کی طرف بھیج دیا۔ بنو حارثہ تقریباً سال بھر تک خیبر میں رہے۔ پھر حضیر کو خود رحم آیا اور ان کو مدینہ بلا لیا اور صلح ہو گئی۔ یہ غالباً یوم السراہ سے قبل کا واقعہ ہے۔

ایچہ اور بنی عبد المذر میں بھی ایک خفیف سی جنگ ہوئی تھی۔ جس میں ان کا دادا مارا گیا تھا۔ اور ایچہ کو اپنا قلعہ جس کا نام واقم تھا۔ اس کی دیت میں دینا پڑا تھا۔ بنو نجبہ نے رفاعہ اور غنم کو بھی قتل کیا تھا اور اس کی وجہ سے ان کو قبائلی سکونت ترک کرنا پڑی۔^۱
واقف اور سلم میں بھی کسی قدر رنجش پیدا ہو گئی تھی۔^۲

بنو سلم ایک زمانہ تک متحد ہو کر رہے اور لمتہ بن حرام کو اپنا سردار بنایا۔ لیکن پھر اس میں اور (بنی عبید) میں جائداد کی بابت نزاع پیدا ہوئی۔ صحر تلوار لے کر مارنے اٹھا تو بنو عبید اور سواد درمیان میں پڑے اور لمتہ کو بچا لیا۔ لمتہ نے نذر مانی کہ اس کو قتل کروں گا۔ لوگوں کو خبر ہوئی تو صحر کو لوالانے اور لمتہ نے جائداد لے کر اس کا قصور معاف کر دیا۔^۳

بنو حبیب اور بنو زریق میں حبیب کے قتل سے مخالفت پیدا ہو گئی تھی۔ جس سے بنو زریق اپنے قدیم مکانات چھوڑ کر چلے آئے۔^۴

بنو عذارہ، مالک بن غضب کے قبیلہ میں تعداد کے لحاظ سے بہت کم تھے اور بایں ہمہ نہایت حریص واقع ہوئے تھے۔ اس بنا پر بنو لیمین یا بنو اجدع میں ایک شخص کو مار ڈالا اور جب بات زیادہ بڑھی اور ورثاء دیت پر راضی نہ ہوئے تو ان لوگوں نے اپنے مکانات چھوڑ کر عمرو بن عوف میں سکونت اختیار کی۔^۵

۱۔ خلاصۃ الوفاء، ص ۸۵ ۲۔ خلاصۃ الوفاء، ص ۸۶ ۳۔ ایضاً ۴۔ ایضاً ۵۔ ایضاً ۸۸

انہی بنی مالک کی دو شاخوں میں میراث کے متعلق ایک جھگڑا ہوا تھا۔ جس کا یہ حشر ہوا کہ دونوں قبیلے بنو بیاضہ کے باغ میں گھس کر اس قدر لڑے کہ کشتوں کے پشتے لگا دیئے اور سب اسی جگہ کٹ کر رہ گئے۔ اس باغ کا نام اسی وجہ سے حدیقۃ الموت مشہور ہو گیا۔^۱

- ۱۔ ابن واضح کاتب عباسی نے بعض نام اور بھی لئے ہیں اور وہ یہ ہیں:
یوم الصفینہ، اس کے متعلق لکھا ہے کہ یہ سب سے پہلی جنگ تھی۔ ممکن ہے کہ صفینہ کسی مقام کا نام ہو اور جنگِ سمیر جو انصار کی سب سے پہلی لڑائی شمار ہوتی ہے وہیں ہوئی ہو۔
- ۲۔ یوم وفاق بنی خطمہ۔
- ۳۔ یوم اطم بنی سالم۔
- ۴۔ یوم ابتر وہ، ممکن ہے کہ اس سے حدیقۃ الموت کی لڑائی مراد ہو۔
- ۵۔ یوم الدار۔
- ۶۔ یوم بعاث ثانی، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جنگِ بعاث دو مرتبہ ہوئی۔



انصار کا مذہب

ہمارے نزدیک چونکہ انصار، نابت بن اسماعیل علیہ السلام کی اولاد ہیں۔ اس لئے ابتداً ان کا مذہب بھی وہی رہا ہوگا، جو حضرت اسماعیل علیہ السلام اور ان کی اولاد کا تھا۔ پھر جب عمرو بن لُحی کے ذریعہ سے بُت پرستی پھیلی تو اور اسماعیلیوں کی طرح انہوں نے بھی اس کو اختیار کیا ہوگا۔ چنانچہ واقعات حرف بحرف اس کی شہادت دیتے ہیں۔ انصار کے یمن کے زمانہ سکونت میں تو کچھ پتہ نہیں چلتا۔ البتہ جب سے انہوں نے یثرب میں اقامت اختیار کی، اس کا حال کسی قدر معلوم ہے۔

خزرج اکبر سے چوتھی پشت میں نجار گزرا ہے، جو بنو نجار کا مورث اعلیٰ تھا۔ اس کا نام جیسا کہ تاریخوں میں مذکور ہے۔ تیم الملات تھا^۱۔ لیکن بعد میں تیم اللہ ہو گیا۔ چنانچہ ابن ہشام نے اپنی سیرت میں یہی اخیر نام لکھا ہے، جو ممکن ہے۔ انصار کے مسلمان ہونے کے بعد بدلا گیا ہو اور اس قسم کی بہت سی نظیریں موجود ہیں۔ بنو سمیعہ جاہلیت میں بنو ضاء کہلاتے تھے۔ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ان کا نام سمیعہ رکھ دیا^۲۔ قبیلے کے نام بدلنے کے ساتھ بہت سے اشخاص کے نام بھی تبدیل کئے تھے۔

غرض تیم الملات کے نام سے معلوم ہوتا ہے کہ انصار میں لات کی پوجا ہوتی تھی۔ انصار میں بعض قبائل اوس اللہ کہلاتے تھے۔ عجب نہیں کہ اوس اللہ بھی پہلے اوس الملات رہا ہو، اور اگر یہ صحیح ہے تو انصار میں بُت پرستی کی مدت چار پشت اور آگے بڑھ جاتی ہے، اور اس کی ابتداء متعین ہو جاتی ہے۔ کیونکہ اوس، عمرو بن لُحی کا بھتیجا ہوتا تھا^۳۔

مورخین عرب انصار کے بُت کا نام مناة بتاتے ہیں۔ جو بنیویوں کا بُت تھا، اور جس کا ذکر قرآن میں بھی آیا ہے۔

”وَمَنَاةُ الثَّلَاثَةِ الْآخِرَى“ (سورہ نجم) ”اور سب سے اخیر تیسرا مناة“۔

یہ بُت بنو اسماعیل میں سب سے پرانا تھا^۴۔ اس کے بعد لات پوجا گیا ہے^۵۔ مناة قدید میں سمندر کے ساحل سے متصل^۶۔ مثل نام ایک پہاڑ پر نصب تھا^۷، جو مدینہ سے سات میل ہے^۸۔

۱۔ طبری۔ جلد ۳۔ ص ۱۰۸۵	۲۔ اسد الغابہ۔ جلد ۵۔ ص ۱۷۹	۳۔ یعقوبی۔ جلد ۱۔ ص ۲۹۵
۴۔ معجم البلدان۔ جلد ۸۔ ص ۱۶۷	۵۔ ایضاً۔ جلد ۷۔ ص ۳۱۰	۶۔ یعقوبی۔ جلد ۱۔ ص ۲۹۶
۷۔ معجم البلدان۔ جلد ۸۔ ص ۶۷	۸۔ ایضاً۔ ص ۱۶۷	

اوس و خزرج اور غسان اس کی پوجا کرتے تھے^۱۔ ان کے علاوہ اور قبائل بھی اس کو پوجتے تھے۔ مثلاً ہذیل، خزاعہ، ازد شنوہ^۲ (اہل عمان)، بنی کعب^۳۔ اس بناء پر یہ کہنا صحیح نہیں کہ اس کو صرف انصار پوجتے تھے یا انصار میں صرف اسی کی پوجا ہوتی تھی اور دوسرے بتوں کی نہیں ہوتی تھی۔ بلکہ جہاں تک قرآن سے پتہ چلتا ہے، مدینہ میں اور بھی بہت سے پوجے جاتے تھے۔ چنانچہ یاقوت نے لات کے تذکرہ میں لکھا ہے :

”وكانت قريش و جميع العرب يعظمونها“ (جلد ۷۔ ص ۳۱۰)

منات کے متعلق بھی بعینہ یہی عبارت لکھی ہے۔ (جلد ۸۔ ص ۱۶۸) اور عزی کے حالات میں تو اس مسئلہ کو بالکل صاف کر دیا ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں :

”ولم تكن قريش بمكة ومن اقام بها من العرب يعظون شينا من

الاصنام اعظام مهم العزى ثم اللات ثم مناة“۔ (جلد ۶۔ ص ۱۸۶)

اس سے معلوم ہوا کہ ان بتوں کی پرستش کسی خاص قوم یا قبیلہ میں محدود نہ تھی۔ انصار کے بتوں کی نسبت مورخ طبری نے ہجرت نبوی ﷺ کے ضمن میں ایک مقام پر لکھا ہے کہ حضرت علیؑ ایک مسلمان عورت کے ہاں جس کا شوہر نہ تھا اور قبا میں رہتی تھی، ایک دورات مقیم ہوئے تھے۔ اثنائے قیام میں روزانہ رات کو دروازہ کھلتا اور وہ عورت باہر سے کچھ لا کر رکھتی، چونکہ اس کا شوہر نہ تھا۔ حضرت علیؑ نے پوچھا رات کو دروازہ کیوں کھلتا ہے؟ بولی بات یہ ہے کہ میں بالکل لاوارث ہوں، اس لئے سہل بن حنیف رات کو اپنی قوم کے بت توڑتے ہیں اور خفیہ لا کر مجھ کو دے جاتے ہیں کہ ان کا ایندھن بنانا^۴۔

حضرت علیؑ پر سہل بن حنیف کے اس فعل کا بڑا اثر پڑا۔ اس روایت سے معلوم ہوا کہ انصار کے گھروں میں لکڑی کے بت کثرت سے تھے۔

بنو سلمہ میں عمرو بن جموح ایک نہایت ممتاز شخص تھا۔ جب حضرت معاذ بن جبلؓ وغیرہ مسلمان ہوئے تو اس کے بت کو جس کا نام منات تھا اور لکڑی کا تھا اٹھا کر پھینک آتے تھے۔ عمرو کے ماموا تمام سربرآوردہ لوگوں کے گھروں میں بت موجود تھے^۵۔ اور مندروں میں جو بت موجود تھے ان کا شمار ان کے علاوہ تھا۔ چنانچہ غنم بن مالک بن نجار کا ایک بت خانہ تھا، جس میں بہت سے بت تھے اور

۱ طبقات ابن سعد، جلد ۲۔ قسم ۱۔ ص ۱۰۶ ۲ معجم البلدان۔ جلد ۸۔ ص ۱۶۸ ۳ زرقاتی۔ جلد ۲۔ ص ۴۰۲

۴ طبری، جلد ۳۔ ص ۱۲۴ ۵ سیرۃ ابن ہشام۔ جلد ۱۔ ص ۲۳۸

عمرو بن قیس ان کا متولی تھا۔ مذکورہ بالا قرائن کے باوجود کیا ان تمام بتوں کو مناتہ کی صورتیں فرض کیا جاسکتا ہے۔ علاوہ بریں انصار میں مختلف بتوں کے انتساب سے نام رکھے جاتے تھے اور یہ خود ان کی متعدد بتوں کی پرستش پر دلالت کرتا ہے۔ تیم الملات کا ذکر اوپر گزر چکا ہے۔

نوجویدیلہ (نجم) کے مورثوں میں ایک شخص کا نام زید الملات تھا۔ جس کو ابن ہشام نے اپنی عادت کے مطابق زید اللہ لکھا ہے۔ حضرت ابو طلحہؓ کے بزرگوں میں ایک شخص کا نام زید مناتہ تھا۔ نبی ساعدہ میں جو خزرج اکبر کی اولاد تھے، ایک آدمی کا نام عبدود تھا۔ حارث بن خزرج کے ایک شخص مسمیٰ نہ سفیان بن بشر کا نام ابن ہشام نے سفیان بن نسر بتایا ہے۔ ابو عقیل عبدالرحمن کا نام عبدالعزیٰ تھا۔

ان تمام تصریحات سے معلوم ہوا کہ انصار میں مناتہ کے علاوہ اور بتوں کی پوجا یا کم از کم تعظیم کا خیال ضرور موجود تھا۔ ہمارے مورخین نے مناتہ کی جو تخصیص کی، اس کے یہ معنی ہیں کہ اس بت کی انصار کے دلوں میں زیادہ عظمت تھی۔ چنانچہ یاقوت نے لکھا ہے۔

”ولم یکن احدا شد عظاماً له من الاوس والخزرج“

”اوس و خزرج سے زیادہ کوئی قبیلہ مناتہ کی عزت نہیں کرتا تھا۔“

تعظیم کی وجہ ظاہر ہے اور یہ خود مناتہ کے مادہ میں موجود ہے۔ مناتہ، منا سے نکلا ہے۔ جس کے معنی قدر یعنی اندازہ کرنے کے ہیں۔ چونکہ انصار اس کو قضا و قدر کا حاکم سمجھتے تھے، اس لئے اس کی حد درجہ تعظیم کرتے تھے اور اس کی رضا جوئی کے لئے طرح طرح کی رسمیں ایجاد کر لی تھیں۔ مثلاً وہیں سے احرام باندھتے تھے، وہیں ہدی بھیجتے تھے۔ حج سے واپس آ کر وہیں سر منڈواتے اور قربانی کرتے تھے۔

غرض انصار کا مذہب عام اہل مغرب کی طرح بت پرستی تھا۔ تاہم بعض لوگ خدا پرستی کی طرف بھی مائل تھے اور اس کی مختلف صورتیں اختیار کی تھیں۔ چنانچہ بعض لوگ یہودی ہو گئے تھے، اور یہ خیبر کے یہود اور قرظہ کے میل جول کا نتیجہ تھا۔

یہودی مذہب نے انصار میں جو مقبولیت حاصل کی تھی، اس کا یہ اثر تھا کہ جب کسی عورت کے لڑکا زندہ نہ رہتا تو منت مانتی تھی کہ اگر اولاد پیدا ہوئی اور زندہ بچی تو اس کو یہودی بناؤں گی۔ اس طرح انصار یہودی مذہب اختیار کرنے والوں میں ایک خاص تعداد ہو گئی تھی۔ جس میں قبائل عوف،

۱۔ ایضاً۔ جلد ۱۔ ص ۲۹۵ ۲۔ سیرت ابن ہشام۔ جلد ۱۔ ص ۲۵۱ ۳۔ تہذیب المتہذیب۔ جلد ۳۔ ص ۴۱۴

۴۔ اسباب۔ جلد ۶۔ ص ۱۳۹ ۵۔ سیرت ابن ہشام۔ جلد ۱۔ ص ۴۰۴ ۶۔ اسد الغابہ۔ جلد ۶۔ ص ۲۵۷

۷۔ معجم البلدان۔ جلد ۸۔ ص ۱۶۷ ۸۔ یعقوبی۔ جلد ۱۔ ص ۲۹۸ ۹۔ ابوداؤد۔ جلد ۳۔ ص ۹ باب الاسیر مکرمہ علی الاسلام

نجار، حارث، ساعدہ، جشم، اوس، ثعلبہ داخل تھے^۱۔ صرمہ ابو قیس^۲ سلسلہ بن برہام (بنو نجار میں لبید بن عاصم، بنوزریق میں، کنانہ بن صوریہ (بنو حارثہ میں)، اور قروم بن عمرو^۳ (بنو عمرو بن عوف میں)۔ ان قبائل کے مشہور اور سربراہان اور وہ یہودی ہیں۔

بعض لوگوں نے صغفی مذہب اختیار کر لیا تھا۔ چنانچہ ابو قیس صرمہ کے متعلق مذکور ہے کہ انہوں نے یہودی مذہب اختیار کر کے چھوڑ دیا اور عیسائی بننا چاہا۔ لیکن پھر اپنے گھر کو عبادت گاہ بنا کر گوشہ نشین ہو گئے اور کہنے لگے ”اعبد رب ابراہیم“! میں ابراہیم کے خدا کی عبادت کرتا ہوں۔ ابو قیس صغفی بن اسلت بھی اسی مذہب میں داخل تھا^۴۔

بعض توحید کے قائل تھے۔ چنانچہ اسعد بن زرارہ اور ابوالہثم بن۔ تھا کا اسی میں شمار تھا^۵۔ بعض عیسائی ہو گئے۔ ابوالخصین کے بیٹے انہی میں شامل تھے^۶۔ بعض ان کے علاوہ کسی اور مذہب کے پیرو تھے۔ مثلاً سوید بن صامت لقمان کی حکمتوں پر عمل کرتا تھا^۷۔

بایں ہمہ انصار کا ہر فرد مذہب ابراہیمی کے کچھ نہ کچھ احکام کا پابند تھا۔ حج بیت اللہ، قربانی، مہمان نوازی، اشہر حرم کی عزت، فواحش کو برا سمجھنا اور جرائم پر سزا دینا۔ یہ تمام باتیں دین ابراہیمی کا جزو تھیں اور انصار ان پر کاربند تھے۔

نماز کی ایک بگڑی ہوئی صورت انصار میں باقی تھی۔ چنانچہ ان کا ایک شاعر ابو قیس ابن اسلت حبشیوں کی مکہ میں شکست پر فرط مسرت سے کہتا ہے۔

فقو موافصلو اربکم و تمحسوا بارکان هذا الیبت بیت الا خاشب^۸

حج کرتے تھے اور اس کا یہ طریقہ تھا کہ گھر سے چلتے وقت شناخت کے طور پر کھجور کی جڑیں کاٹ کر دروازہ پر لٹکا دیتے تھے^۹۔ اس کے بعد قدید جاتے اور مناة کے سامنے نماز پڑھتے، پھر تلبیہ کہتے ہوئے مکہ آتے^{۱۰}۔ تلبیہ یہ تھی: ”لبیک رب غسان راجلہا والفرسان“^{۱۱}۔ مکہ میں منیٰ کی گھاٹی کے قریب ٹھہرتے۔ صفا^{۱۲} اور مروہ کا طواف کرتے^{۱۳}۔ پھر حج کے تمام رسوم ادا کر کے واپس ہوتے اور قدید پہنچ کر مناة کے سامنے سرمنڈاتے۔ (مکہ میں سر نہیں منڈواتے تھے) اور وہاں

۱۔ سیرت ابن ہشام۔ جلد ۱۔ ص ۲۷۹-۲۸۰ ۲۔ اسد الغابہ۔ جلد ۵۔ ص ۲۷۸ ۳۔ سیرت ابن ہشام۔ جلد ۱۔ ص ۲۸۷

۴۔ اسد الغابہ۔ جلد ۵۔ ص ۲۷۸ ۵۔ طبقات ابن سعد۔ جلد ۱۔ قسم ۱۔ ص ۱۳۶ ۶۔ اسد الغابہ۔ جلد ۵۔ ص ۱۷۲

۷۔ طبری۔ جلد ۵۔ ص ۱۲۰۸ ۸۔ سیرت ابن ہشام۔ جلد ۱۔ ص ۳۸ ۹۔ ابن اثیر۔ جلد ۱۔ ص ۵۰۸

۱۰۔ یعقوبی۔ جلد ۱۔ ص ۲۹۶ ۱۱۔ ایضاً۔ جلد ۱۔ ص ۲۹۷ ۱۲۔ طبقات ابن سعد۔ جلد ۱۔ قسم ۱۔ ص ۱۳۹

۱۳۔ صحیح بخاری۔ جلد ۱۔ ص ۲۲۳

چند روز قیام کرتے تھے۔ اس کے بغیر حج کو ناتمام سمجھتے تھے۔ ہدی بھی یہیں بھیجتے اور یہیں قربانی کرتے تھے۔ اس کے بعد گھر آتے اور مکانات میں دروازہ کے بجائے پشت کی کھڑکیوں سے داخل ہوتے۔ اور جب تک محرم رہتے اسی پر عمل کرتے تھے۔^۴

حج کے ایام میں شکار کھیلتے، لڑائیوں کو موقوف کرتے اور دشمنوں سے تعرض نہیں کرتے تھے۔^۵

مکرو زور سے نفرت کرتے۔ چنانچہ ثعلبہ العنقا کے متعلق اوپر گزر چکا ہے کہ محض جذع ابن سنان کی مکاری کی وجہ سے غسان کی حکومت چھوڑ دی تھی۔ مہمان نواز تھے اور دشمنوں تک کی ضیافت کرتے تھے۔ چنانچہ علامہ طبری نے لکھا ہے کہ جس زمانہ میں انصار اور تبع سے جنگ ہو رہی تھی۔ انصار دن کو لڑتے اور شب کو اس کی ضیافت کرتے تھے۔ عہد کو پورا کرتے اور اس کے لئے جان لڑا دیتے تھے۔ جنگ سمیر جو انصار کی پہلی لڑائی تھی اسی کا نتیجہ تھی اور قبیلہ ذبیان کے ایک شخص کی بدولت برپا ہوئی تھی۔^۶ دشمنی اور مخالفت کی وجہ سے ان کو دوسرے کا غلام بننا پڑتا تھا۔^۷ لیکن وہ بد عہدی کے مقابلہ میں اس جنگ کو گوارا کرتے تھے۔ میدان جنگ سے اگر ایک گروہ شکست کھا کر فرار ہوتا اور اپنے گھر چلا آتا تو دوسرا گروہ تعاقب سے احتراز کرتا تھا۔^۸

ان عمدہ باتوں کے ساتھ ساتھ ان میں بعض انتہا درجہ کی بد اخلاقیات موجود تھیں۔ مثلاً وہ سوتیلی ماں سے شادی کرتے تھے اور یہ رسم آغاز اسلام تک جاری تھی۔ چنانچہ جب ابو قیس بن اسلت کا انتقال ہوا تو اس کے بیٹے نے اپنی سوتیلی ماں کو نکاح کا پیغام دیا اور وہ آنحضرت ﷺ کے پاس آئی تو آپ ﷺ خاموش ہو گئے اور یہ آیت نازل ہوئی۔

”وَلَا تَنْكِحُوا مَا نَكَحَ آبَاؤُكُمْ مِنَ النِّسَاءِ“

اس قصہ کے راوی کا بیان ہے کہ یہ سب سے پہلی عورت ہے۔ جو اپنے شوہر کی اولاد پر حرام ہوئی۔ اس کا نام کبشہ بنت معن بن عاصم تھا۔^۹

آبائی جائیداد میں بیٹیوں کا کچھ حق نہ تھا۔ اولاد مذکور بھی جب تک نابالغ رہتی میراث کی مستحق نہیں ہوتی تھی۔^{۱۰}

- | | | |
|-------------------------------|-----------------------------|-----------------------------|
| ۱۔ معجم البلدان۔ جلد ۸۔ ص ۱۶۵ | ۲۔ صحیح بخاری۔ جلد ۲۔ ص ۵۰۸ | ۳۔ یعقوبی۔ جلد ۱۔ ص ۵۴۷ |
| ۴۔ صحیح بخاری۔ جلد ۸ ص ۲۳۵ | ۵۔ ابن اثیر۔ جلد ۱۔ ص ۳۹۴ | ۶۔ معارف ابن قتیبہ |
| ۷۔ طبری۔ جلد ۲۔ ص ۹۰۱ | ۸۔ ابن اثیر۔ جلد ۱۔ ص ۱۵۹ | ۹۔ اسد الغابہ۔ جلد ۵۔ ص ۹۶ |
| ۱۰۔ ابن اثیر۔ جلد ۱۔ ص ۵۰۴ | | ۱۱۔ اسد الغابہ۔ جلد ۷۔ ص ۹۶ |

ان باتوں کے علاوہ ان کے عقائد میں چند اور باتیں بھی داخل تھیں۔ جن میں ایک جھاڑ پھونک بھی ہے۔ آنحضرت ﷺ کے زمانہ تک ان کے جاننے والے موجود تھے۔ چنانچہ طبرانی نے اپنی مسند میں لکھا ہے کہ جب آنحضرت ﷺ نے جھاڑ پھونک سے ممانعت فرمائی تو عمرو بن جبہ نے جو سانپ کے کانے کو جھاڑتا تھا آکر کہا کہ آپ اس سے منع فرماتے ہیں۔ حالانکہ میں اس کا منتر جانتا ہوں اور جھاڑتا ہوں (یعنی اس ممانعت کی تعمیل کے باوجود نفس منتر کے جاننے اور اس کام کے کرنے کا کیا کفارہ ہو سکتا ہے)۔ آنحضرت ﷺ نے اس سے منتر سنا تو فرمایا اس میں کچھ حرج نہیں۔ اس کے بعد ایک دوسرا انصاری آیا اور کہا میں بچھو کو جھاڑتا ہوں، آپ نے کہا کہ تم میں سے جو اپنے بھائی کو نفع پہنچا سکتا ہو، پہنچائے۔^۱

اسلام لانے کے بعد بھی انصار میں جھاڑ پھونک کا رواج باقی تھا۔ چنانچہ صحیح بخاری میں حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت آئی ہے کہ ان لوگوں نے ایک سفر میں کسی قبیلے کے رئیس کو جسے بچھو نے ڈسا تھا، جھاڑا تھا اور اس کے معاوضہ میں تیس بکریاں لی تھیں۔^۲

طہارت کا خیال حد درجہ تھا۔ تمام عرب طہارت میں ڈھیلے استعمال کرتے تھے۔ لیکن انصار ڈھیلوں کے ساتھ پانی بھی لیتے تھے۔ اسلام کے زمانہ میں ان کا یہ فعل نہایت مستحسن سمجھا گیا اور قرآن میں ان کی تعریف نازل ہوئی۔^۳

مردوں کو دفن کرتے تھے اور بقیع الغرقہ کو قبرستان بنایا تھا۔^۴

ابن ہشام میں ایک موقع پر انصار کے عقائد کا ضمنت ذکر ہوا گیا ہے۔ چنانچہ وہ کہتے ہیں۔

”الاولس والخزرج اهل شرک یبعدون الاوثان لا یعرفون جنۃ

ولاناراً لا یبعثون لایامۃ ولا کتاباً ولا حللاً ولا حراماً“۔

”اولس و خزرج مشرک تھے، بت پوجتے تھے، جنت و دوزخ، بعث و نشر، قیامت، کتاب،

حلال اور حرام کو نہیں جانتے تھے۔“

اس کے بعد آگے چل کر لکھتے ہیں کہ یہ لوگ قیدیوں کا فدیہ توراۃ کے بموجب دیتے تھے اور

یہ یہودی صحبت کا اثر تھا۔^۵



۱۔ المد الغابہ۔ جلد ۴۔ ص ۱۵ ۲۔ صحیح بخاری۔ جلد ۲ باب فضل فاتح الکتاب۔ ص ۷۴۵ ۳۔ سنن ابن ماجہ۔ ص ۳۰

۴۔ خلاصۃ الوفاء۔ ص ۳۶۲ ۵۔ تاریخ ابن ہشام۔ جلد ۱۔ ص ۳۰۴

انصار کا تمدن

اوپر گزر چکا ہے کہ نبیؐ، بنو اسماعیل میں سب سے زیادہ متمدن تھے۔ انصار کو چونکہ ہم نبیؐ الاصل سمجھتے ہیں۔ اس لئے ہم کو دکھانا چاہئے کہ ان میں تمدن کا کہاں تک اثر تھا؟ ذیل کی سطور میں اسی کو پیش کرتا ہے۔

نظام اجتماعی :

انسان چونکہ بالطبع مدنییت کا دلدادہ واقع ہوا ہے۔ اسی لئے وحشی قبائل بھی ایک نظام بنا کر اپنی زندگی بسر کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان قبائل میں بھی ایک شخص سردار ضرور ہوتا ہے۔ پھر جب تمدن پھیلتا ہے اور وحشت کم ہوتی ہے تو یہ نظام بھی وسیع ہوتا ہے اور اس میں متعدد شاخیں پیدا ہو جاتی ہیں۔

انصار میں مازن بن ازد سے حارثہ الغطریف کے زمانہ تک صرف سرداروں کے نام نظر آتے ہیں۔ عمرو بن عامر عرف مزہقیہ کے وقت میں سردار قبیلہ کے ساتھ ایک اور نام بھی معلوم ہوتا ہے (مالک بن یمان)۔ لیکن یہ نہیں پتہ چلتا کہ اس کی حیثیت کیا تھی؟ عمرو کے بیٹے ثعلبہ العنقا کے عہد میں جب وہ غسان میں مقیم تھا۔ مکہ سے نہایت خوزیز جنگ ہوتی ہے، تو اس موقع پر ثعلبہ کی قوم ایک باقاعدہ فوج نظر آتی ہے۔ جو جذع بن سنان کے اشاروں پر حرکت کرتی تھی۔ چونکہ جذع نے فوج کا تمام نظم و نسق اپنے ہاتھ میں لے لیا تھا اس لئے مورخین اس کو سپہ سالار لکھتے ہیں۔

غرض ثعلبہ کے وقت سے انصار میں دو عہدے قائم ہوئے۔ رئیس اور سپہ سالار۔ اور یہ دونوں ایک زمانہ تک برقرار رہے۔ بلکہ بسا اوقات ایسا ہوا کہ رئیس ہی نے سپہ سالاری کی خدمت بھی انجام دی۔ چنانچہ مالک بن عجلان خزرجی اور عمرو بن طلحہ بخاری کے متعلق اسی قسم کے واقعات ملتے ہیں۔

اس وقت تک چونکہ انصار کے قبائل باہم متحد تھے۔ اسلئے ان میں رئیس ایک شخص ہوتا اور وہ عموماً قبیلہ خزرج سے ہوتا تھا۔ چنانچہ مدینہ کی سکونت کے زمانہ میں ہم کو ورسائے انصار میں سے جس شخص کا نام سب سے قدیم ملا ہے وہ مالک بن عجلان ہے۔ جو سالم بن عوف بن خزرج کی اولاد تھا۔ سید سمہودی اس کی نسبت لکھتے ہیں۔

”وسوده الحیان الاوس والخزرج“

”اس کو اوس اور خزرج دونوں نے سردار بنایا تھا۔“

مالک کے بعد ریاست خاندان سالم سے نکل کر خاندان نجار میں چلی گئی۔ چنانچہ تبع اور انصار سے جو جنگ ہوئی اس میں عمرو بن طلحہ نجاری سپہ سالار افواج تھا۔ جس کے متعلق علامہ طبری نے تصریح کی ہے کہ وہی اس زمانہ میں انصار کا رئیس بھی تھا^۱۔ ان دونوں روایتوں سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ انصار کی ریاست جمہوری اصولوں پر قائم تھی۔ ورنہ شخصی ہونے کی صورت میں رئیس صرف ایک خاندان سے ہوتا اور دوسرے خاندان میں انتقال ریاست کے وقت خانہ جنگیاں پیش آتیں۔ حالانکہ ایسا کبھی نہیں ہوا۔

لیکن جب انصار میں نزاع پیدا ہوئی تو ریاست دو حصوں میں منقسم ہو گئی۔ اوس اور خزرج۔ اوس میں عبدالاشہل اور خزرج میں ساعدہ کا خاندان اپنے اپنے قبائل پر حکومت کرتا تھا۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں اوس کے سعد بن معاذ اور خزرج کے سعد بن عبادہ رئیس تھے۔

یہ تقسیم کچھ یہیں تک محدود نہیں رہی، بلکہ ان دونوں قبیلوں میں جتنے خاندان تھے سب نے اپنے لئے علیحدہ علیحدہ رئیس تجویز کر لئے۔ چنانچہ قبیلہ اوس میں جحبانہ نے اجمہ بن جراح کو سردار بنایا^۲۔ خزرج میں بھی اسی طرح تفریق ہوئی۔ بنو مازن بن نجار کی سیادت عاصم کو ملی^۳۔ بنو سلمہ نے لمتہ بن حرام کو سردار بنایا^۴۔ لمتہ کے بعد بنو سلمہ باہمی خونریزیوں کی بدولت متفرق ہو گئے تھے لیکن پھر جد بن قیس نے سب کو مجتمع کیا اور خود سردار بن بیٹھا^۵۔ آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں بنو سلمہ کا یہی سردار تھا۔

جنگِ بعاث کے بعد جب دونوں قبیلوں نے زچ ہو کر ہمت ہار دی تو پھر قدیم نظام پر عمل کرنے کا خیال پیدا ہوا۔ چنانچہ قبیلہ خزرج میں سے ایک شخص عبد اللہ بن ابی پر سب نے اتفاق کی اور اس کو اثرب کارئیس بنانے کی تجویز پیش کی۔ صحیح بخاری میں حضرت سعد بن عبادہ سردار خزرج کی زبانی منقول ہے^۶۔

۱۔ طبری۔ جلد ۲۔ ص ۹۰۱ ۲۔ صحیح بخاری۔ جلد ۲۔ ص ۵۹۵ باب حدیث الاکلف ۳۔ ابن اثیر۔ جلد ۱۔ ص ۴۹۵
۴۔ ایضاً ۵۔ خلاصۃ الوفاء۔ ص ۸۷ ۶۔ اسد الغابہ۔ جلد ۱۔ ص ۲۷۴ ۷۔ صحیح بخاری۔ جلد ۲۔ ص ۶۵۱ باب ولستم من الذین اتوا الکتب

”لقد اصطلح اهل هذه البحيرة على ان يتوجوه فيعصبونه بالعصابه“
 ”اس شہر کے باشندوں نے اس (ابن ابی) کو تاج پہنانے اور بادشاہ بنانے کا فیصلہ کر لیا تھا۔“

ابن ابی پر اتفاق کی وجہ یہ تھی کہ وہ زمانہ جاہلیت میں بھی جنگ و جدال سے حتی الامکان گریز کرتا تھا۔ چنانچہ جنگِ فجار کے ضمن میں گزر چکا ہے کہ اس نے عمر بن نعمان کو یہودی غلاموں کے قتل سے منع کیا تھا۔ اسی طرح وہ جنگِ بعاث میں بھی بالکل الگ تھا۔ ایک موقع پر اس نے انصار اور قریش کی جنگ کو بھی ٹالا تھا۔ لیکن ابھی تخت نشینی کی نوبت نہ آئی تھی کہ انصار نے اسلام قبول کر کے آنحضرت کو دین دنیا کی حکمرانی کے لئے مدینہ بلایا اور ابن ابی کی ساری امیدیں خاک میں مل گئیں۔

ریاست کے ساتھ سپہ سالاری کا بھی یہی حشر ہوا۔ جب دونوں قبائل میں جنگ کا آغاز ہوا تو ہر قبیلے کا سپہ سالار علیحدہ علیحدہ تھا۔ چنانچہ حفص بن سہم، ابو قیس بن اسلت اور عمرو بن نعمان بیاضی، مختلف جنگوں میں دونوں قبیلوں کی طرف سے اس منصب پر فائز ہوئے ہیں۔ اسلام سے پہلے قبیلہ اوس کا یہ عہدہ حفص کے بیٹے اسید کو تفویض ہوا تھا۔
 امیر اور سالار لشکر کے عہدوں کے ساتھ انصار میں ایک اور اعزاز بھی تھا، یعنی بت خانہ کی تولیت، اسلام کے ابتدائی زمانہ میں اس عہدہ پر عمرو بن قیس نجاری، بنو نجار کی طرف سے مامور تھا۔ اور قبائل میں بھی کچھ لوگ رہے ہوں گے۔ لیکن ہم کو ان کے نام معلوم نہیں۔

نظامِ عسکری :

انصار نے چونکہ باقاعدہ ایک چھوٹی سی ریاست کی بنیاد قائم کی تھی، اس لئے ان کو ریاست کے تمام لوازمات رکھنے پڑتے تھے۔ مثلاً فوج، قلعے، فصیلیں، قبرستان، فوج کے متعلق یہ تصریح نہیں کہ تعداد میں کتنی تھی۔ جہاں تک قرائن سے پتہ چلتا ہے کوئی مخصوص فوج نہ تھی۔ بلکہ قبیلہ کا ہر شخص سپاہی ہوتا تھا۔ جو وقت پر اپنے قبیلہ اور وطن کی طرف سے جان نثاری کے لئے بڑھتا تھا۔ چنانچہ بنو سلم (اوس) میں ایک زمانہ میں ہزار جوان موجود تھے۔ بنو مالک بن غضب کی (بنی زریق کے علاوہ) بھی یہی تعداد تھی۔

۱۔ ابن اثیر۔ جلد ۱۔ ص ۵۱

۲۔ طبقات ابن سعد۔ جلد ۱۔ قس ۱۔ ص ۱۵۰

۳۔ اسد الغابہ۔ جلد ۱۔ ص ۹۲

۴۔ سیرت ابن ہشام۔ ص ۲۳۸

۵۔ ایضاً۔ جلد ۱۔ ص ۵۰۶-۵۱۰

۶۔ ایضاً۔ ص ۸۸

۷۔ خلاصۃ الوفاء۔ ص ۸۶

لڑائی کے وقت صف بندی کا طریقہ نہ تھا۔ چنانچہ حضرت ابو ایوبؓ نے جنگ بدر میں صف آرائی کی نسبت بیان کیا ہے کہ ہم لوگ جس وقت تیار ہوئے تو کچھ لوگ صف سے باہر نکل کر کھڑے ہوئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”میرے ساتھ رہو“۔^۱

انصار کی لڑائیوں کے حالات پڑھنے سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہ نہایت بے ترتیبی کے ساتھ گتہ جاتے تھے۔ البتہ ہزیمت کے وقت یہ قاعدہ تھا کہ جب ایک فریق بھاگ کر اپنے محلہ میں چلا جاتا، تو دوسرا فریق تعاقب چھوڑ دیتا تھا۔ لیکن کبھی یہ قانون ٹوٹ بھی جاتا اور گھروں میں بھی پناہ نہ ملتی۔ اس وقت دوسرا فریق قلعہ بند ہو جاتا تھا۔^۲

جب آتش منافرت زیادہ بھڑکتی تو نہایت بے دردی کے ساتھ قتل عام شروع ہوتا۔ مالک ابن غضب کے دو قبیلے اسی طرح لڑ کر فنا ہوئے^۳ کہ ایک رونے والا بھی ان میں باقی نہ رہا۔ جنگِ بعاث میں اوس نے خزرج کی گردنوں پر تلوار رکھی۔ لیکن پھر باز آ گئے۔^۴

فوج میں جو لوگ صرف حالات معلوم کرنے اور لڑائی دیکھنے کے لئے آتے، ان سے کوئی تعرض نہیں کرتا تھا۔ جنگِ جسر میں عیینہ اور خیبار لڑائی کا نظارہ کر رہے تھے^۵۔ جنگِ بعاث میں عبداللہ ابی گھوڑے پر چڑھ کر میدان کے گرد پھر رہا تھا اور حالات پوچھ رہا تھا۔^۶

لڑائی کے لئے کوئی ایک میدان مقرر نہ تھا۔ بلکہ ہر قبیلے کی سکونت گاہ میدانِ جنگ کا کام دیتی تھی۔ کیونکہ قلعے ہر قبیلے اور ہر محلہ میں تھے۔ کبھی کبھی قلعوں کو چھوڑ کر باغوں میں بھی لڑائی ہوتی تھی۔

قلعہ نہایت کثرت سے تھے اور ایک ایک قبیلے کے پاس متعدد تھے۔ مثلاً زید بن مالک کے پاس ۱۴ قلعے تھے۔ عبدالاشہل کے پاس بھی چند تھے اور بنو اجدع نے ۲۰ قلعے تعمیر کئے تھے۔^۷



۱۔ مسند ابن ضبل۔ جلد ۵۔ ص ۴۲۰ ۲۔ ابن اثیر۔ جلد ۱۔ ص ۵۰۴ ۳۔ خلاصۃ الوفاء۔ ص ۸۸

۴۔ ابن اثیر۔ جلد ۱۔ ص ۵۱۱ ۵۔ ایضاً۔ ص ۵۰۴ ۶۔ ایضاً۔ ص ۵۱۱ ۷۔ خلاصۃ الوفاء۔ ص ۸۶

۸۔ ایضاً۔ ص ۸۸

ان قلعوں کی مختصر فہرست یہ ہے

نام قلعہ	مقام وقوع	کیفیت	نام قلعہ	مقام وقوع	کیفیت
۱۔ آل ساعدہ			۵۔ عبید		
۱۔ اہم	ذباب		۱۵۔ اطول	مسجد خربہ	
۲۔ تیس	عنان کا تھا		۱۶۔ اعماد	مداد اوڈیہ محل میں	۳۔ قلعے
۳۔ معرض			۱۷۔ جیس		
۴۔ واسطہ	ابو خزیمہ کا تھا		۶۔ حرام		
۲۔ عبداللہ شہل			۱۸۔ اعماد		دیکھو عبید
۵۔ رعل			۱۹۔ جاعس	مسجد فتح	
۶۔ عاصم	فقارہ		۲۰۔ نداد	مسجد فتح	
۷۔ میر			۷۔ واقف		
۸۔ واقم			۲۱۔	مسجد فضیح	
۳۔ خذرہ			۲۲۔ ریدان	مسجد فضیح	
۹۔ اجرو	لہہ		۸۔ اوس		
۱۰۔ واسطہ			۲۳۔	جذمان	
۴۔ ایضف			۲۴۔	سلم	۹۔
۱۱۔ ہش	قبا		۲۵۔ خفی	مسجد قبا	
۱۲۔	قبا		۱۰۔ حارثہ		
۱۳۔			۲۵۔ خفی		
۱۴۔ نواحا	۲۔ قلعے تھے		۲۶۔ دیان		

نام قلعہ	مقام وقوع	کیفیت	نام قلعہ	مقام وقوع	کیفیت
۲۷ مربع			۱۷۔ بیاضہ		
۲۸ نیار	نیار		۲۲ سوید	جماضہ	یہ قلعہ سیاہ تھا
			۲۳ سرارہ		
۲۹ خیط	مسجد قبلتین		۲۴ عقرب	روحا	
۳۰ منیع	مسجد قبلتین		۲۵ عقبان	سجہ	
			۲۶ لوی	سجہ	
۳۱ رائج	رائج		۱۸۔ عطیہ		
			۲۷ شاش	مسجد قبا	
۳۲ ریان			۱۹۔ سالم		
			۲۸ شامخ		
۳۳ زاہریہ			۲۹ قواقل	عصہ	
۳۴ عرباں	نضر		۲۰۔ ضبیعہ		
۳۵ فارع	مغالہ		۵۰ شیف	قبا	
۳۶ قویرع	غنم		۲۱۔ زید بن مالک		
۳۷ مشعط	مسجد ابی	جدیلہ	۵۱ صاصی	قبا	۱۳ قلعہ
۳۸ میف	مسجد بنو دینار	دینار	۲۲۔ ججبا		
۳۹ واسط	مازن		۵۲ ضحیان	عصبہ	
			۵۳ مستطل	چاہ غرس	
			۵۴ بجیم	عصبہ	
۴۰ خ	خ		۲۳۔ خطمہ		
			۵۵ ضع ذرع	چاہ ذرع	
۴۱ سعدان	ریح		۵۶ نفاع	چاہ عمارہ	

نام قلعہ	مقام وقوع	کیفیت	نام قلعہ	مقام وقوع	کیفیت
۲۴۔ امیہ بن زید	۶۶ بعیج	قبا			
۵۷ غزق	۶۷ بلجان	شجرہ			
۲۵۔ غنم	۶۸ شبعان	شمع			
۵۸ قواقل	۶۹ صرار	حرہ شرقیہ			
۲۶۔ حبلی	۷۰ صیصہ	قبا			
۵۹ مزاحم	۷۱ عامم	قبا			
۲۷۔ مالک بن عجلان	۷۲ عدنیہ	عصبہ			
۶۰ مزدلفہ	۷۳ عزہ	قبا	مسجد قبا کا مینار اس جگہ پر تھا		
۲۸۔ وائل بن زید	۷۴ قباب				
۶۱ موجا	۷۵ کلب				
۲۹۔ مجدعہ	۷۶ کنس حصین	مہراس (قبا)			
۶۲ بحیم	۷۷ کومتہ المدر	شمع			
۳۰۔ نامعلوم قلعے	۷۸ مرادح	قبا	دو قلعے تھے		
۶۳ اشف	۷۹ واقم	قبا			
۶۴ برالجیم	۸۰ شیخان	دالح	دو قلعے تھے		
۶۵ نخرج	۸۱ ازرق	قناۃ			

قلعوں کے علاوہ انصار نے جا بجا دیواریں بنا رکھی تھیں۔ جو سیلاب کے ساتھ دشمنوں کے لئے بھی مزاحم ہوتی تھیں۔ مدینہ کی سب سے بڑی دیوار وہ تھی جو شہر کے چاروں طرف کھینچی ہوئی تھی۔ اور جس کو سور مدینہ کہا جاتا ہے^۱۔ بنو بیاضیہ کے حملہ میں ایک دیوار تھی۔ اس کا نام حماضہ تھا^۲۔ بنی رونق نے بھی ایک دیوار بنائی تھی^۳۔ ایک دیوار وہ تھی جو حرہ کی آتشزدگی میں جلی تھی^۴۔ ایک دیوار کا نام ربیع تھا۔

۱۔ خلاصۃ الوفاء۔ ص ۳۰۰

۲۔ ایضاً۔ ص ۸۸

۳۔ ایضاً۔ ص ۲۷۱

۴۔ ایضاً۔ ص ۲۶۸

اور انصار کا ایک معرکہ یہیں ہوا تھا^۱۔ معبس اور مغرس نامی بھی دیواریں تھیں۔ جن کی آڑ میں چند دنوں انصار نے جنگ کی تھی^۲۔ ان دیواروں قلعوں اور گنجان آبادی کی وجہ سے مدینہ نہایت مستحکم اور ناقابل تسخیر شہر بن گیا تھا۔

طبقات میں ہے^۳۔

”کان سائر المدینہ مشبکاً بالبنیان فہی کا الحصن“
”مدینہ اپنی گنجان عمارتوں کی وجہ سے گویا ایک قلعہ معلوم ہوتا تھا۔“

عبداللہ بن ابی کا قول ہے۔ ”فواللہ ما خر جنا منها الی علولنا قط الا اصاب منها ولادخلها۔ علینا الا اصبنا منهم“^۴۔ یعنی ہم نے جب مدینہ سے نکل کر مقابلہ کیا تو شکست کھائی اور جب یہیں رہ کر لڑے تو ہمیشہ فتح ہوئی۔

آنحضرت ﷺ نے اسی استحکام کی وجہ سے مدینہ کو ”ورع حصینہ“ مضبوط زرہ کہا^۵۔

چونکہ انصار میں ہمیشہ خانہ جنگی رہا کرتی تھی۔ اس کے سوا مردوں کے دفن کرنے کا عرب میں قدیم دستور تھا۔ اس لئے انصار نے مدینہ میں مختلف قبرستان بنائے تھے، ایک بنو ساعدہ کا قبرستان تھا۔ جس پر بعد کو مدینہ کا بڑا بازار آباد ہوا^۶۔ عبدالاشہل کا قبرستان مغیرہ کے نام سے مشہور تھا^۷۔ بقیع الغرقہ جو آج بھی نہایت مشہور قبرستان ہے۔ پہلے زرخیز خطہ تھا۔ جس کے درختوں کو کاٹ کر قبرستان بنایا گیا۔ عمرو بن نعمان بیاضی اپنی قوم کے مرثیے میں کہتا ہے^۸۔

خلت الدیار فسدت غیر مسود ومن العناء لقر دی باللسود

این الذین عہد تہمہ فی غبطۃ بین العقیق الی بقیع الغرقہ

بنو سلمہ کا بھی ایک جداگانہ قبرستان تھا^۹۔ بنو خطمہ نے بھی ایک قبرستان بنایا تھا۔ جو غرش کی طرف واقع تھا^{۱۰}۔ اور بنو نجار کا قبرستان مسجد نبوی ﷺ کی جگہ پر تھا۔ چنانچہ جب آنحضرت ﷺ مدینہ تشریف لائے تو قبروں کو اکھڑا کر مسجد کی بنیاد ڈالی^{۱۱}۔

۱۔ ابن اثیر۔ جلد ۱۔ ص ۵۰۳ ۲۔ ایضاً۔ ص ۵۰۷ ۳۔ طبقات ابن سعد۔ جلد ۲۔ قسم ۱۔ ص ۳۸

۴۔ زر قانی۔ جلد ۲۔ ص ۲۶ ۵۔ طبقات ابن سعد۔ جلد ۲۔ قسم ۱۔ ص ۲۶ ۶۔ خلاصۃ الوفا۔ ص ۲۰۷

۷۔ ایضاً۔ ص ۲۹۳ ۸۔ ایضاً۔ ص ۲۶۳ ۹۔ مستدین جبل۔ جلد ۳۔ ص ۳۹۶

۱۰۔ طبقات ابن سعد۔ جلد ۲۔ قسم ۱۔ ص ۴۰ ۱۱۔ صحیح بخاری۔ جلد ۱۔ ص ۵۶۰

سب سے اخیر ہم کو یہ دکھانا چاہئے کہ انصار میں ہتھیاروں کا کیا بندوبست تھا۔ اس کے متعلق زیادہ تفصیل معلوم نہیں۔ صرف اس قدر معلوم ہے کہ مدینہ میں رقم نامی ایک جگہ تھی۔ وہاں تیر بنتے تھے۔ یا قوت رقم کے تحت میں لکھتے ہیں۔

”موضع بالمدينة تنست اليه الرقميات“۔

یعنی ”رقم مدینہ میں ایک جگہ ہے جہاں کے تیر مشہور ہیں“۔

مدینہ میں یہود کے پاس بھی ہتھیار سازی کے آلات تھے اور وہ ہتھیار بنایا کرتے تھے۔^۱ ممکن ہے کہ ضرورت کے وقت ان سے بھی قیمتا لے لیتے ہوں۔

نظام مذہبی :

انصار چونکہ صاحب مذہب تھے اور بتوں کی پوجا کرتے تھے۔ اس لئے انہوں نے اپنی مذہبی عبادت گاہیں بالکل جدا گانہ بنائی تھیں اور قرآن سے معلوم ہوتا ہے کہ ان مندروں میں بہت سے بت موجود رہتے تھے۔ جن میں سب سے قوی ہیکل مناة کا بت ہوتا تھا۔ ان مندروں کی نگرانی اور اہتمام ہر قبیلے کا کوئی ممتاز اور مذہبی شخص کرتا تھا۔ چنانچہ بنو غنم ابن مالک بن نجار کے مندر کا عمرو بن قیس بخاری متولی تھا۔^۲ ایک عہدہ کاہن کا تھا۔ اور ہر قبیلے میں ایک کاہن رہتا تھا۔ جس کو حبشی زبان میں طاعوت کہتے تھے۔ حضرت جابرؓ کا بیان ہے کہ عرب کے ہر قبیلہ میں کاہن تھا۔ اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ غالباً انصار میں بھی یہ عہدہ تھا۔^۳

ابن ہشام میں ہے کہ جلاس بن سويد بن صامت وغیرہ اور بعض مسلمانوں میں کچھ نزاع ہوئی۔ مسلمانوں نے آنحضرت ﷺ کا حکم مانا۔ تو ان لوگوں نے کہا ہم حکام (حکام جاہلیت) سے فیصلہ کرائیں گے۔^۴ اور حکام جیسا کہ صاف تصریح آئی ہے۔ یہی کاہن ہوا کرتے تھے۔

انصار کے کاہنوں کے نام ہم کو معلوم نہیں۔ منافقین کے ذکر میں ایک شخص کا زدی ابن حارث نام آیا ہے۔ یہ قبیلہ عمرو بن عوف سے تھا۔ اس کو جب اس کے مسلمان بھائی نے مسجد سے نکالا۔ تو یہ فقرہ کہا تھا : ”غلب عليك الشيطان“ یعنی تجھ پر شیطان غالب آگیا۔ اور چونکہ شیطان کاہنوں کے پاس آیا کرتا تھا۔^۵ اس لئے یہ قیاس کچھ بے جا نہیں کہ زدی انصار کا کاہن تھا۔

۳ سیرت ابن ہشام۔ جلد ۱۔ ص ۲۹۵

۵ سیرۃ ابن ہشام۔ جلد ۱۔ ص ۲۹۳۔

۸ بخاری۔ جلد ۲۔ ص ۶۵۹

۲ طبری۔ ص ۱۲۶۱

۳ صحیح بخاری۔ جلد ۲۔ ص ۶۵۹ باب قولہ ان کقم مرضی اور علی سرائح

۱ بخاری حوالہ مذکورہ ۷ سیرۃ ابن ہشام۔ جلد ۲۔ ص ۲۹۶

انصار میں بت پرستوں کے علاوہ دیگر مذاہب کے لوگ بھی موجود تھے۔ لیکن چونکہ ان کی تعداد بہت کم تھی۔ اس لئے ان کی کسی عبادت گاہ اور ان کے مذہبی نظام کا کچھ پتہ نہیں۔ قیاساً معلوم ہوتا ہے کہ وہ لوگ اپنے ہم مذہبوں کے عبادت خانوں میں جا کر عبادت کر لیتے ہوں گے۔ مثلاً جو انصاری، مذہب یہود کے پیرو تھے۔ وہ یہودیوں کے گرجا میں جایا کرتے ہوں گے۔ جو عیسائی ہو گئے تھے۔ عیسائیوں کے چرچ میں (وہلم جزا)۔

نظارت نافعہ :

مدینہ کے قرب و جوار میں چونکہ بہت چشمے، وادی اور نہریں بہتی تھیں۔ اس لئے انصار نے مدنیہ میں جا بجا بہت سے پل بنائے تھے۔ چنانچہ ایک پل بنو حارث ابن خزرج کا تھا۔ اور یہاں اوس و خزرج میں جنگ بھی ہوئی تھی^۱۔ ایک پل ذی ریش کے پاس تھا، اور ایک حمر بطحان کے نام سے مشہور تھا^۲۔

انصار پانی کی سبیلیں بھی رکھتے تھے اور اس کو نہایت ثواب کا کام سمجھتے تھے۔ چنانچہ بنو دینار میں ایک سبیل تھی۔ اس کا نام بقیع تھا^۳۔ اسلام لا کر حضرت سعد بن عبادہ سردار خزرج نے بھی ایک سبیل اپنی ماں کے ایصال ثواب کے لئے رکھی تھی^۴۔

متفرقات :

انصار اپنے نام پر اپنی آبادی کا نام رکھتے تھے۔ مثلاً ثعلبۃ العنقانی جس جگہ قیام کیا تھا۔ اس کا نام ثعلبۃ تھا^۵۔ مدینہ کے نواح میں ایک بستی کا نام روضۃ الخزرج تھا۔ چنانچہ حفص اموس کا شعر ہے۔

فالملح بطرفک هل تر اطعام

بالباقیہ اوبروض الخزرج

مدینہ کے محلوں میں بھی بعض محلے اپنے باشندوں کے نام سے مشہور تھے۔

انصار میں تاج پوشی کا رواج تھا اور رئیس تاج کے ساتھ کچھ پٹیاں بھی استعمال کرتا تھا۔ حضرت سعد بن عبادہ نے ان دونوں باتوں کی طرف ایک حدیث میں اشارہ کیا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں^۶۔

۱ ابن اثیر۔ جلد ۱۔ ص ۵۰۳ ۲ ایضاً۔ ص ۲۸۱ ۳ خلاصۃ الوفاء۔ ص ۲۶۳ ۴ مسند۔ جلد ۵۔ ص ۲۸۵
۵ ہجم البلدان۔ ص ۶۱ صحیح بخاری۔ جلد ۲۔ ص ۶۵۶ باب قوله ولتسمعن اوتوا الكتاب

”لقد اصطلح اهل هذه البحيرة على ان يتوجوه فيعصبونه بالعصابة“۔

یعنی ”اس شہر کے باشندوں نے یہ فیصلہ کر لیا تھا کہ اس (ابن ابی) کو تاج پہنا دیں اور اس کی سلطنت کی پٹی باندھیں“۔

امام ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں:۔

”اولا نهم يعصبون رؤسهم بعصابة لا تنبغى لغيرهم بمنازون بها“۔

یعنی رئیس کو معصب کہنے کی دوسری وجہ یہ ہے کہ اس کے سر پر ایک پٹی علامت کے طور پر ہوتی تھی، جو دوسرے نہیں باندھ سکتے تھے۔

علامہ غنی تحریر فرماتے ہیں:۔

”ای فی مملوئہ کعمامة الملکوت“

یعنی ”پٹی باندھنے کا یہ مطلب ہے کہ اس کے بادشاہوں کا ساعمامہ باندھا جائے“۔

مہمات سلطنت میں مشورہ کے لئے انصار نے ایک جداگانہ مکان تعمیر کیا تھا، جو سقیفہ بنی ساعدہ کے نام سے مشہور تھا^۱۔ یہ عمارت سعد بن عبادہ سر دار خزرج کے مکان سے متصل تھی اور انہی کی ملکیت سمجھی جاتی تھی۔ انصار میں گویا ہم نہایت خوزریز جنگیں واقع ہوئی تھیں اور آپس میں سخت مخالفت تھی، تاہم یہ کہیں نہیں پتہ چلتا کہ کسی زمانہ میں ان کے دو دارالشوریٰ قائم ہو گئے تھے۔ یعنی اوس و خزرج نے اپنے مشوروں کے لئے کبھی علیحدہ علیحدہ عمارتیں بنائی تھیں۔ آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد خلافت کی بحث اسی ثقیفہ میں پیدا ہوئی تھی اور انصار کا اجتماع اسی جگہ ہوا تھا۔

یہ عجیب بات ہے کہ انصار میں اس قدر تمدن موجود ہونے کے باوجود عورتوں اور مردوں کی طہارت کا کوئی بندوبست نہ تھا۔ ہجرت نبوی کے زمانہ میں اس کے بعد جو کچھ حالت تھی۔ اس کو حضرت عائشہؓ نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے:۔

فخروجت معی ام مسطح قبل المناصع وهو متبرزنا... و ذالک قبل ان

نتخذ الکنف قریا من بیوتنا و امرنا العرب الا ول فی التبرز قبل

الغائط فکنا نذی بالکنف ان نتخذها عند بیوتنا۔

”میں ام مسطح کے ہمراہ مناصع چلی جو قضاے حاجت کی جگہ تھی۔۔۔ اور یہ اس زمانہ کا

واقعہ ہے جب طہارت خانے ہمارے مکانوں کے قریب نہیں بنے تھے اور ہماری

۱۔ فتح الباری ص ۱۷۲ ج ۸۔ ۲۔ عمدۃ القاری۔ جلد ۸۔ ص ۵۳۲ ۳۔ صحیح بخاری۔ جلد ۱۔ ص ۳۳۲
باب ماجاء فی القائف۔ ۴۔ صحیح بخاری۔ جلد ۲۔ ص ۶۹۷ باب قولہ عز وجل ان الذین جاؤا بالالک الخ۔

حالت اس معاملہ میں بالکل عرب قدیم جیسی تھی۔ اور ہم اپنے گھروں میں طہارت خانے کا بنانا پسند کرتے تھے۔“

علامہ عینیؒ، مناصح کے تحت میں لکھتے ہیںؒ۔

مواضع خارج المدینة کا نو ایتر زون فیہا

”مدینہ کے باہر چند مقامات ہیں۔ جہاں لوگ قضائے حاجت کے لئے جاتے تھے۔“

تاہم عرب میں جس قسم کا پردہ رائج تھا۔ اور مردان کا پورا پورا الحاظ رکھتے تھے۔ اسی لئے عورتیں رفع ضرورت کے لئے جاتیں تو رات کو جاتی تھیں۔ عائشہؓ فرماتی ہیں۔

و کنا لا نخرج الا لیلالی لیل

”اور ہم صرف رات کو رفع ضرورت کیلئے نکلتے تھے۔“

زراعت :

انصار زراعت پیشہ تھے اور یہ ان کے نبطی ہونے کا اثر تھا۔ عرب کی آبادی دو حصوں میں منقسم تھی۔ عرب حضر اور عرب بدو، بنو اسمعیل میں دونوں قسم کے قبائل موجود تھے۔ نبطی اور قریش مکہ حضری عرب تھے۔ بخلاف اس کے عرب کے دیہاتوں اور جنگلوں میں جو خاندان آباد تھے۔ وہ بدویانہ زندگی بسر کرتے تھے۔ انصار چونکہ نبطی الاصل تھے۔ اس لئے ابتدا ہی سے حضارت کی طرف راغب تھے۔ چنانچہ یمن جا کر انھوں نے اس قدر باغات اور اراضی پیدا کی کہ اولاد قحطان میں یمن کے حاکم ہونے کے باوجود کسی کے پاس نہ تھی۔

وہاں سے نکل کر جہاں جہاں سکونت اختیار کی وہ تمام پر فضا اور زرخیز مقامات تھے۔^۱ یثرب آکر بھی انھوں نے اسی طریقہ پر بود و باش کی، یعنی کاشتکاری کرتے تھے و تقریباً شمالی عرب کی تمام آبادی کا واحد ذریعہ معاش تھا۔ چنانچہ خیبر وغیرہ کے متعلق صحاح میں اس قسم کی بہت سی تصریحیں ملتی ہیں۔

ہم نے ابھی کہا ہے کہ انصار میں زراعت کا خیال نبطی الاصل ہونے کے سبب سے تھا اس کے ثبوت میں کہ نبطی زراعت پیشہ تھے، ہم ذیل کی روایات پیش کرتے ہیں۔

عرب مورخین کو چونکہ نبطیوں کا زیادہ علم نہیں، نیز وہ ان کو اختلاف معاشرت اور لہجہ و زبان کے لحاظ سے غیر عرب سمجھتے ہیں۔ اس لئے اپنی تاریخوں میں ان کا ذکر بہت کم کرتے ہیں۔

۱۔ عمدۃ القاری۔ جلد ۸۔ ص ۴۷۳ ۲۔ معجم البلدان۔ ص ۳۵۵ ۳۔ صفۃ جزيرة العرب ص ۲۰۷

تاہم نبط کا لفظ ان کے ہاں بھی بالکل نامانوس نہیں۔ یا قوت کا بیان ہے۔^۱

”اما لنبط فكل لم يكن راعيا او جندا عند العرب“

”یعنی نبط عرب کے نزدیک ہر وہ شخص ہے جو چرواہا یا سپاہی نہ ہو۔“

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عرب کے نزدیک نبط کے مفہوم ہی میں متمدن زندگی داخل تھی۔ البتہ مورخین یونان نے سیاسی تعلقات کی بناء پر نبطیوں کے حالات زیادہ تفصیل سے بیان کئے ہیں۔ ایک مورخ ان کے مختلف حالات لکھتا ہے۔^۲ کہ

ملک کا بڑا حصہ سرسبز ہے۔ اور یہ ظاہر ہے کہ ملک کی سرسبز زراعت کے بغیر ناممکن ہے۔

نبطیوں کی زراعت کے ثبوت کے بعد اب انصار کی کاشتکاری کا حال سنو۔

حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں۔^۳

”وان اخواننا من الانصار كان يشغلهم العمل في اموالهم“

”اور ہمارے انصار کی بھائیوں کو ان کی زمینوں کا کام طلب علم سے باز رکھتا تھا۔“

حضرت رافع بن خدیجؓ کہتے ہیں۔^۴

”كنا اكثر اهل المدينة مزراعا“

”ہم مدینہ میں سب سے بڑے کاشتکار تھے۔“

حضرت انسؓ، حضرت ابو طلحہؓ کے متعلق بیان کرتے ہیں۔^۵

”ابو طلحہ اکثر انصاری بالمدينة نخلا“

”انصار میں ابو طلحہ سب سے زیادہ نخلتانوں کے مالک تھے۔“

اسی طرح اور بھی بہت سی جزئیات ہیں۔ جن سے معلوم ہوتا ہے کہ انصار کلیتہً زراعت پیشہ تھے۔ اور چونکہ مدینہ طبعی طور سے سیر حاصل مقام تھا۔ اس لئے وہاں کی آبادی کے لئے کاشتکاری اور بھی ضروری ہو گئی تھی۔ چنانچہ زراعت کی کثرت اور پیداوار کی صلاحیت کی وجہ سے مدینہ کے ہر چہار طرف جھنڈ کے جھنڈ سیکڑوں کھجور کے درخت نظر آتے تھے۔^۶

۱۔ معجم البلدان۔ حوالہ مذکور ۲۔ Gold Minest P. 228 ۳۔ صحیح بخاری۔ جلد ۱۔ ص ۲۲ باب حفظ العلم

۴۔ ایضاً۔ جلد ۱۔ ص ۳۱۲ باب قطع الشجر والنخل ۵۔ ایضاً۔ جلد ۲۔ ص ۶۵۲ باب قوله لن تناولوا البر

حتى تنفقوا مما نحبون ۶۔ خلاصۃ الوفاء۔ ص ۲۷۳

چونکہ انصار بالکل بدوی اور وحشی نہ تھے۔ بلکہ ان میں کسی قدر تمدن بھی تھا۔ اس لئے ان میں زمین کی کاشت کے متعلق کچھ اصول و آئین رائج تھے۔ مثلاً وہ جب تک یہود کے زیر اثر رہے ان کو باقاعدہ خراج ادا کرتے تھے۔ اسی طرح جب خود مدینہ کے مالک ہوئے تو ہر خاندان کے حصہ میں کم و بیش زمین آئی۔ جن لوگوں کے پاس زمین کم تھی وہ بڑے زمینداروں سے جوتنے، بونے کے لئے کھیت لیتے تھے۔

اسی زمانہ میں چونکہ مدینہ میں کوئی سکہ نہ تھا۔ اس لئے کاشتکار کو زمین دیتے وقت یہ بتلادیا جاتا تھا کہ کھیت میں اتنا حصہ تمہارا اور اتنا زمیندار کا حق ہوگا۔ اس میں بسا اوقات کاشتکار کا نقصان ہوتا تھا۔ کیونکہ کبھی ایسا ہوتا کہ کھیت کے ایک حصہ میں پیداوار ہوتی اور دوسرا حصہ بالکل خالی رہتا۔ آنحضرت ﷺ نے یہ دیکھ کر اس بے رحمانہ رسم کو بالکل اٹھا دیا۔

مدینہ کی پیداوار میں کھجور سب سے زیادہ مشہور ہیں اور حقیقت یہ ہے کہ وہ جس افراط اور تنوع کے ساتھ پیدا ہوتی تھی۔ ان کی نظیر عرب کے دوسرے خطوں میں مشکل سے مل سکے گی۔ چنانچہ بعض لوگوں نے یہ تصریح کی ہے کہ وہاں کھجور کی ایک سو بیس قسمیں پیدا ہوتی تھیں۔^۱ قسموں کی یہ تعداد خواہ صحیح نہ ہو۔ لیکن اس میں شبہ نہیں کہ کثیر یقیناً تھی۔

تجارت :

انصار کی سیرت میں یہ عنوان ترتیباً سب سے اخیر درجہ پر ہے۔ اس لئے ہم بھی اس کو اخیر میں لکھتے ہیں۔ انصار تجارت بھی کرتے تھے اور اس کے لئے خود مدینہ میں تمام سامان مہیا تھا۔ یعنی بازار موجود تھے۔ مدینہ میں یہودیوں کے کئی بازار تھے۔ جن میں قینقار سب سے زیادہ مشہور ہے۔ انصار اس میں جاتے تھے، یہ بازار سال میں کئی مرتبہ لگتا تھا۔ اور یہاں عرب کے مشہور بازاروں کی طرح شعراء جمع ہو کر اپنے اپنے اشعار سناتے تھے۔ چنانچہ حضرت حسانؓ اور نابغہ سے یہیں ملاقات ہوئی تھی۔^۵

لیکن انصار نے صرف اسی حد تک قناعت نہیں کی۔ بلکہ انہوں نے اپنے لئے یہودیوں سے علیحدہ چند بازار قائم کئے۔ چنانچہ مدینہ کا سب سے بڑا بازار وہ تھا جو مہروز میں لگتا تھا۔

۱۔ معجم البلدان۔ جلد ۷۔ ص ۴۲۶ ۲۔ صحیح مسلم۔ جلد ۱۔ ص ۶۱۷ ۳۔ صحیح مسلم بخاری۔ جلد ۱۔ ص ۳۱۳ باب مایکوه من الشروط فی المزارعة ۴۔ زرقانی۔ جلد ۲۔ ص ۹۵ ۵۔ خلاصۃ الوفاء۔ ص ۲۸۱ ۶۔ خلاصۃ الوفاء۔ ص ۲۰۰

اور جس کے قریب بنو ساعدہ کی آبادی تھی^۱۔ ایک بازار قبا میں تھا۔ اور غالباً عمرو بن عوف کا تھا۔ یہ بازار قینقاع کے بعد لگا کرتا تھا^۲۔ ایک بازار ام العیال نامی ایک چشمہ کے کنارے لگتا تھا^۳۔ ایک بازار مسجد الراہیہ کے قریب تھا۔ یہ مدینہ کا قدیم بازار تھا اور اس کی پشت پر ثنیۃ الوداع کی پہاڑیاں واقع تھیں^۴۔ ایک بازار کا نام مزاحم تھا اور یہ اوائل اسلام تک لگتا تھا^۵۔ ایک بازار بقیع میں تھا^۶۔

چونکہ مدینہ میں کوئی سکھ نہ تھا، اس لئے تجارت میں غالباً ایک چیز سے دوسری چیز کا تبادلہ کرتے ہوں گے۔ چنانچہ کھجور کے متعلق بہت سی حدیثوں میں اس کی تصریح ملتی ہے حضرت ابوسعید خدری فرماتے ہیں^۷۔

”کنان رزق تمر الجمع و هو الخلط من التمر و کنا نبيع صاعین بصاع فقال النبی ﷺ لا صاعین بصاع ولا درہمین بدرہم۔“

”ہم کو اچھے بڑے ہر قسم کے چھوہارے ملتے تھے اور ہم بڑے چھوہاروں کے دو صاع کو اچھوں کے ایک صاع کے عوض فروخت کر ڈالتے تھے۔ لیکن نبی کریم ﷺ نے منع فرمایا کہ دو صاع کے معاوضہ میں نہیں دیئے جاسکتے۔“

خرید و فروخت کے مختلف طریقے رائج تھے۔ ایک طریقہ یہ تھا کہ پھلوں کو ۲-۳ سال کے لئے بلا وزن اور مقدار متعین کئے بیچ ڈالتے تھے۔ آنحضرت ﷺ نے اس کو اس شرط پر جائز رکھا کہ وزن اور مقدار معلوم رہنا چاہئے^۸۔

دوسرا طریقہ یہ تھا کہ خریدار چیز کے مالک کا دن یا رات کو کپڑا چھولیتا تھا۔ اور یہی بیع سمجھی جاتی تھی۔ تیسری صورت یہ تھی کہ بائع و مشتری دونوں ایک دوسرے کی طرف اپنے کپڑے پھینک دیتے تھے۔ اور پھر گفتگو کی ضرورت نہ باقی رہتی تھی^۹۔

ایک صورت یہ تھی کہ کھجور درختوں پر ہی ہوتے تھے اور ان کا اندازہ کر کے اس کے عوض دوسرے پھل خریدے جاتے تھے۔ انگور بھی اسی طرح بیچتے تھے اور اس کے معاوضہ میں کشمش لیتے تھے۔ اس کو مزانہ کہتے ہیں^{۱۰}۔

۱۔ ایضاً ص ۸۸ ۲۔ ابن اثیر۔ جلد ۱۔ ص ۲۹۴ ۳۔ خلاصۃ الوفاء۔ ص ۲۶۰ ۴۔ ایضاً۔ ص ۲۶۶
۵۔ ایضاً۔ ص ۲۹۸ ۶۔ صحیح بخاری۔ جلد ۱۔ ص ۲۸۵ ۷۔ ایضاً۔ جلد ۱۔ ص ۲۷۹
۸۔ صحیح بخاری۔ جلد ۱۔ ص ۲۹۵ باب اسلام فی کیل معلوم ۹۔ صحیح مسلم۔ جلد ۱۔ ص ۶۰۱
۱۰۔ صحیح بخاری۔ جلد ۱۔ ص ۲۹۱ باب بیع المزانۃ وہی بیع التمر

ایک طریقہ یہ تھا کہ کھیت کرایہ پر اٹھائے جاتے تھے اور مالک شرط کر لیتا تھا کہ نہروں اور نالیوں کے آس پاس کی زمین ہماری اور باقی تمہاری ہوگی۔^۱

ایک صورت یہ تھی کہ خریدار موجود نہ ہوتا۔ اور چیز اس کے لئے رکھ لی جاتی۔ اور اس کی ملک سمجھی جاتی تھی۔^۲

ایک طریقہ یہ تھا کہ مال خرید کر مشتری اسی جگہ فروخت کر ڈالتا، اور اس سے جو دام ملتے وہ بائع کو دیتا۔ (ہدایہ۔ جلد ۳ ص ۳۸)

ایک صورت روپے پیسے کے لین دین کی تھی اور یہ امراء انصار کرتے۔ مثلاً زید ابن ارقمؓ کعب بن مالکؓ ابو قتادہؓ وغیرہ۔ اس کا طریقہ یہ ہوتا تھا۔ کہ لوگ ایک مقررہ میعاد کے لئے درہم لیتے تھے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔ یہ ہاتھوں ہاتھ ہونا چاہئے، ادھار نہیں۔^۳

بعض انصار شراب کی تجارت کرتے تھے۔ چنانچہ حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے۔ کہ آنحضرت ﷺ نے ایک دن خطبہ میں فرمایا کہ

”خدا نے شراب کا ذکر کیا ہے اور امید ہے کہ اس کے متعلق کچھ نازل ہو کر رہے گا۔ اس لئے تم میں سے جس کے پاس شراب ہو۔ اس کو فروخت کر کے نفع حاصل کر لے۔“

حضرت ابوسعیدؓ فرماتے ہیں کہ چند روز بھی نہ گذرے تھے کہ شراب کی حرمت نازل ہوئی اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ”اب اس کے پینے اور فروخت کرنے کی قطعی ممانعت ہے۔“ چنانچہ لوگوں نے شراب کو مدینہ کی گلیوں میں بہا دیا۔^۴

ان باتوں کے بعد اب اس ضمن میں کچھ حالات اور سن لینے چاہیں۔ وہ خرید و فروخت میں کثرت سے قسمیں کھاتے تھے۔ حضرت ابو قتادہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اس کو منع فرمایا۔^۵ بعض لوگ دھوکا دیتے تھے۔ چنانچہ حبان بن منقذ کے متعلق ہے کہ وہ اکثر دھوکا کھاتے تھے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ”جب کچھ بیچو تو کہہ دیا کرو۔ کہ اس میں دھوکا نہ چلے گا اور میں چاہوں گا تو ۳ دن میں اپنی چیز واپس لے لوں گا۔“^۶

یہ روایت صحیح بخاری، مسلم اور ابوداؤد میں بھی ہے۔ لیکن اس میں حبان کا نام نہیں آیا ہے۔

- | | |
|---|---------------------------------------|
| ۱۔ صحیح مسلم۔ جلد ۱۔ ص ۶۱۷ باب کراء الارض بالذهب والورق | ۲۔ ایضاً۔ ص ۶۰۳ باب تحریم بیع الحاضرہ |
| ۳۔ صحیح بخاری۔ جلد ۱۔ ص ۵۶۱ | ۴۔ صحیح مسلم۔ جلد ۱۔ ص ۶۲۲ |
| ۵۔ صحیح بخاری۔ جلد ۱۔ ص ۵۶۱ باب کیف اخذ النبی ﷺ من اصحابہ | ۶۔ ایضاً۔ ص ۶۲۲ |
| ۷۔ صحیح مسلم۔ جلد ۱۔ ص ۶۲۱ باب النبی ﷺ عن الخلف فی البیع | ۸۔ صحیح مسلم۔ جلد ۱۔ ص ۶۲۸ |
| ۹۔ ہدایہ۔ جلد ۱۔ ص ۲۲ | |

صنعت و حرفت :

جہاں تک قرآن سے پتہ چلتا ہے۔ انصار میں صنعت و حرفت کا بالکل رواج نہ تھا یا تھا تو شاذ و نادر تھا۔ چنانچہ ابو شعیب انصاری کے متعلق مذکور ہے کہ ان کا غلام قصاب تھا^۱۔ ایک انصاریہ کے غلام کو نجاری آتی تھی۔ چنانچہ انھوں نے آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کے لئے اس سے ایک منبر بنوایا تھا۔ جو مسجد نبوی میں رکھا گیا۔ اس سے پہلے مسجد نبوی میں منبر نہ تھا^۲۔ قر وہ بن عمرو بیاضی کا غلام ابو ہند حجام تھا^۳۔

تعلیم :

انصار میں جہالت کی عمومیت کے ساتھ کچھ تعلیم یافتہ لوگ بھی موجود تھے۔ جو عربی میں لکھ پڑھ لیتے تھے۔ چنانچہ اسلام کے اوائل میں حسب ذیل حضرات لکھنا جانتے تھے :

سعد بن عبادہ منذر بن عمرو، ابی بن کعب، زید بن ثابت، رافع بن مالک، اسید بن حفیر، معن بن عدی البلوی، بشیر بن سعد، سعد بن ربیع، اوس بن خولی، عبد اللہ بن ابی منافق، ان میں زید بن ثابت عربی کے ساتھ عبرانی میں بھی خط و کتابت کرتے تھے۔ جو شخص کتابت کے ساتھ تیر اندازی اور تیراکی بھی سیکھتا۔ اس کو کلمہ اور کامل کا خطاب دیا جاتا تھا۔ چنانچہ جاہلیت قدیم میں دو شخص ان کمالات کے جامع ہوئے تھے۔ سوید بن صامت اور حفیر کتابت کے اسلام کے زمانہ میں بھی رافع بن مالک، سعد بن عبادہ، اسید بن حفیر، عبد اللہ بن ابی، اوس بن خولی، انہی خطابات سے مخاطب تھے۔



۱۔ صحیح بخاری۔ جلد ۱۔ ص ۳۷۹ ۲۔ صحیح بخاری۔ ص ۲۸۱ باب النجار ۳۔ سیرت ابن ہشام۔ جلد ۱۔ ص ۳۷۱
۴۔ فتوح البلدان۔ ص ۳۷۹

زمانہ اسلام

انصار میں اسلام کی ابتداء

یہ بار بار لکھا جا چکا ہے کہ انصار ایام جاہلیت میں حج کرتے تھے اور سالانہ مکہ آتے تھے۔ اس کے علاوہ باہمی خانہ جنگیوں کے باعث ان میں کمزوری پیدا ہو گئی تھی۔ اس کا یہ اثر تھا کہ یہود ان کو دبانے چاہتے تھے اور مدینہ کو ان کے قبضہ سے نکال لینے کی فکر کرتے تھے۔ پھر خود اوس و خزرج میں اس قدر عناد پیدا ہو گیا تھا کہ اوس قریش کے حلیف بننے کے لئے مکہ آئے تھے۔ لیکن ابو جہل کی وجہ سے یہ تعلقات قائم نہ ہو سکے اور ان کو ناکام واپس ہونا پڑا۔ یہ وجوہات تھیں جن کی وجہ سے انصار کو مکہ آنا پڑتا تھا۔

نبوت کے ابتدائی زمانہ میں انصار کی آمد و رفت مکہ میں برابر جاری تھی۔ چنانچہ سب سے پہلے اہل مدینہ میں سے جس کو حاملہ وحی کی زبان سے دعوت اور قرآن مجید کی آیات سننے کا اتفاق ہوا۔ وہ سوید بن صامت تھا۔ سوید قبیلہ عمرو بن عوف میں ایک ممتاز آدمی تھا۔ اور چونکہ صحت جسمانی، شرافت نسب اور شاعری کا جامع تھا۔ اس لئے اس کے قبیلے والے اس کو عام عرب کی عادت کے مطابق کامل کے لقب سے پکارتے تھے۔ وہ حج یا عمرہ کی غرض سے مکہ آیا۔ تو آنحضرت ﷺ سے ملاقات ہوئی۔ اسلام کی تبلیغ سن کر بولا کہ ”جو تمہارے پاس ہے۔ وہی میرے پاس بھی ہے۔“ آنحضرت ﷺ نے فرمایا : ”تمہارے پاس کیا ہے؟“ کہا صحیفہ لقمان ، ارشاد ہوا۔ ”مجھ کو سناؤ۔“ اس نے کچھ سنایا تو آنحضرت ﷺ نے خوشنودی ظاہر کی اور فرمایا :

”میرے پاس اس سے بھی بہتر چیز ہے اور وہ قرآن ہے۔“ اس نے قرآن سنا تو بہت پسند لیا۔ لیکن نتیجہ سرف اس نہ نکلا۔ کہ ابن ہشام کے قول کے مطابق ،

”فلم یبعد منه۔“ یعنی ”وہ اسلام سے دور نہیں رہا۔“

مکہ سے مدینہ واپس ہوا اور وہاں خزرج نے اس کو قتل کر دیا۔ عمرو بن عوف کا گمان ہے کہ وہ مسلمان مرا۔ یہ بعثت سے قبل کا واقعہ ہے۔

اس کے بعد ابوالمیسر انس بن رافع، عبدالاشہل کے چند آدمیوں کو لے کر جن میں ایاس بن معاذ بھی تھے، قریش سے حلف قائم کرنے کے لئے مکہ آئے۔ آنحضرت ﷺ کو خبر ہوئی تو اس مجمع کے پاس تشریف لے گئے۔ اور اسلام کی دعوت دی۔ قرآن مجید کو سن کر ایاس جو ابھی کلمن تھے بول اٹھے کہ

”تم جس کام کے لئے آئے ہو یہ اس سے بہتر ہے۔“ ابوالمیسر نے یہ سکر ایاس کے کچھ کنکریاں پھینک ماریں۔ وہ خاموش رہے اور مدینہ پہنچ کر وفات پائی۔

آنحضرت ﷺ کی اتنی دیر کی صحبت میں ایاس نے اسلام کو جو کچھ سمجھا تھا وہ اس سے ظاہر ہے کہ مرتے وقت وہ برابر تکبیر کہتے اور خدا کی حمد لوگوں کو سناتے رہے۔ اسی وجہ سے ان کے قبیلے کے لوگ ان کو مسلمان سمجھتے تھے۔ اور بے شک وہ مسلمان بھی تھے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

ابن واضح کاتب عباسی نے لکھا ہے کہ ایاس ”اوسیوں کے ساتھ آئے تھے اور ان کے ہمراہ اسعد بن زرارہ بھی تھے۔ لیکن ہمارے خیال میں یہ ان کی غلطی ہے اویس جس مقصد سے آئے تھے وہ یہ تھا کہ خزرج سے مقابلہ کرنے کے لئے قریش کے حلیف بنیں۔ اس بناء پر وہ خزرج کے کسی آدمی کو اپنے ساتھ نہیں لا سکتے تھے۔ اور چونکہ اسعد بن زرارہ بنونجار سے تھے جو خزرج کا ایک خاندان تھا۔ اس لئے ان کا ساتھ آنا کیونکر ممکن تھا؟ یہ صرف ہمارا قیاس نہیں ہے۔ بلکہ واقعات بھی اس کی تائید کرتے ہیں۔ جنگ معبس اور مضر میں جب اوس نے شکست کھائی تو قریش سے حلف کا تعلق قائم کرنے مکہ گئے تھے۔ لیکن کس طرح گئے تھے؟ اس کا جواب ابن اشیر کی زبان سے سننا چاہئے۔“

”واظہر وانہم یریدون العمرة وکانت عادتہم انہ اذا راوا احدا ہم العمرة او الحج لم یعرض الیہ خصمہ ویعلق المعتمر علی علی بیتہ کراہیف النخل ففعلوا اذلک۔“

”اور انہوں (اوس) نے (حلف کے لئے باتے وقت) ظاہر لیا کہ وہ عمرہ کی غرض سے جا رہے ہیں اور یہ ان کی عادت تھی کہ جب کوئی حج یا عمرہ کی غرض سے جاتا تو دشمن اس سے تعرض نہ کرتا تھا اور عمرہ کرنے والا اپنے دروازہ پر کھجور کی جڑیں کاٹ کر لٹکا دیتا تھا۔ چنانچہ ان لوگوں نے بھی جڑیں لٹکائی تھیں۔“

جب اوس و خزرج کی باہمی عداوتوں کا یہ حال تھا تو پھر وہ ایسے اہم معاملہ میں دوسرے خاندان کے آدمی کو کیونکر ساتھ لا سکتے تھے؟

اصل یہ ہے کہ ہمارے مورخ نے دو جدا گانہ واقعات کو ایک واقعہ سمجھ لیا ہے اور اسی وجہ سے خلط مبحث ہو گیا ہے۔ چنانچہ انہوں نے آگے چل کر لکھا ہے کہ ”یہ تمام لوگ مسلمان ہو گئے تھے۔“ حالانکہ جس جماعت میں ایاس تھے۔ اس میں سے ایک شخص بھی مسلمان نہیں ہوا۔ اور خود ایاس نے

بھی علانیہ اسلام کا اظہار نہیں کیا۔ بلکہ کنکریاں کھا کر چپ ہو رہے۔ اور سب کے ساتھ مدینہ واپس گئے۔ ہمارے مورخ نے اس واقعہ اور عقبہ اولیٰ کی بیعت کو ایک سمجھ لیا۔ حالانکہ ان دونوں میں کم از کم ایک سال کا فاصلہ ہے عقبہ اولیٰ میں اسعد بن زرارہ بے شک موجود تھے۔ لیکن اس وقت ایاس بن معاذ کا پتہ تک نہ تھا۔ کیونکہ وہ جنگ بعاث میں فوت ہو چکے تھے۔

اس غلطی کی ایک وجہ اور بھی ہے۔ اس امر میں اختلاف ہے کہ انصار میں سے پہلے کون صہ حب مسلمان ہوئے؟ بعض لوگوں نے رافع بن مالک زرقی اور معاذ بن عفراء کا نام لیا ہے۔ بعض اسعد بن زرارہ اور ذکوان کو پہلا مسلمان سمجھتے ہیں اور بعض جابر بن عبد اللہ بن رباب کو اولیت کا مستحق جانتے ہیں۔ ابن واضح نے غالباً دوسری جماعت کا ساتھ دیا ہے لیکن اس سے اولاً تو ان کا مقصد حاصل نہیں ہوا یعنی یہ نہ لکھ سکے کہ اسعد بن زرارہ نے سب سے پہلے اسلام قبول کیا۔ دوسرے اس غلط بحث کی وجہ سے کچھ ایسی پیچیدگیاں پیدا ہو گئیں جو قدیم مورخین کی تشویش و اضطراب سے بدرجہا زیادہ خطرناک ہیں۔

بیعت عقبہ اولیٰ :

یہ بیعت درحقیقت انصار میں اشاعت اسلام کا دیباچہ تھی۔ آنحضرت ﷺ، ابتداء اسلام کی نہایت مخفی طور پر اشاعت کرتے تھے۔ لیکن جب اس پر بھی مشرکین کا بغض و عناد بڑھتا گیا اور اسلام کی ترقی کی راہ میں رکاوٹیں پیدا ہونے لگیں۔ تو آنحضرت ﷺ نے تو حید کا وعظ علی الاعلان شروع کر دیا۔ اور مجنہ، عکاذ اور ذی المجاز وغیرہ میں جا کر عرب کے دیگر قبائل کے سامنے دین الہی کی منادی شروع کی اور اپنے کو ان کے وطن چلنے کے لئے پیش کیا۔ لیکن بار بار کی تکرار کے باوجود کچھ نتیجہ نہ نکلا چنانچہ آپ اس عرصہ میں جن قبائل کے پاس تشریف لے گئے ان کے نام یہ ہیں :

عامر بن صعصعہ، محارب، فزارہ، غسان، مرہ، حنیفہ، سلیم، بحس، نصرانکا، کندہ، کلب، حارث بن کعب، عذرہ، حضارمہ۔

لیکن جب خدا کو اپنے دین کو غالب آنحضرت ﷺ کی مدد اور آپ سے جو کچھ وعدے کئے تھے۔ ان کے پورا کرنے کی ضرورت محسوس ہوئی تو اس نے آنحضرت ﷺ کو انصار کے خیموں میں پہنچا دیا۔ جو ایام حج میں بمقام منیٰ نصب تھے۔ انصار کا یہ گروہ جس کی تعداد ۶ یا ۸ بیان کی جاتی

۱۔ یہ قاضی ہشام۔ جلد ۱۔ ص ۲۳۳ ۲۔ ابن سعد۔ جلد ۱۔ قسم ۱۔ ص ۱۳۶ ۳۔ زرقانی۔ جلد ۱۔ ص ۳۶۱

۴۔ زالمعاد ابن قیم۔ جلد ۱۔ ص ۳۰۵

ہے۔ قبیلہ خزرج سے تھا۔ آپ نے ان کو دین الہی کی دعوت دی اور قرآن مجید کی چند آیتیں سنائیں تو سب کے سب مسلمان ہو گئے اور آپ سے مدد اور نصرت کا وعدہ کیا اور یہ کہا کہ ہمارے درمیان باہمی لڑائیوں کی وجہ سے سخت عداوت پھیلی ہوئی ہے۔ اس لئے پہلے ہم کو ان نزاعوں کا فیصلہ کرنا ہے۔ پھر آپ کو اپنے ہاں بلائیں گے۔ اور اگر موجودہ حالت میں آپ تشریف لے گئے تو کامیابی کی کچھ زیادہ امید نہیں اور ہم آئندہ سال آپ کے پاس پھر آئیں گے۔

یہ مختصر جماعت حسب ذیل اصحاب پر مشتمل تھی :

اسعد بن زرارہ، عوف بن حارث بن عفراء، رافع بن مالک، قطبہ بن عامر بن حدیدہ، عقبہ بن عامر بن نابی، جابر بن عبد اللہ بن رباب۔^۱

اس امر میں اختلاف ہے کہ اس جماعت میں سب سے پہلے کن بزرگ نے اسلام کی دعوت کو لبیک کہا تھا؟ ابن کلبی اور ابو نعیم نے رافع بن مالک کو پہلا مسلمان سمجھا ہے۔^۲ اور طبقات میں اس کی وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ مسجد بنی زریق میں سب سے پہلے قرآن پڑھا گیا۔^۳ قاضی ابن عبد البر نے جابر بن عبد اللہ بن رباب کی نسبت گمان کیا ہے۔^۴

مغلطائی نے اسعد بن زرارہ اور ذکوان ابن عبد قیس کو سب پر مقدم رکھا ہے۔^۵ اور ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ سب سے پہلے معاذ ابن عفراء نے بیعت کی تھی۔^۶ لیکن اصل یہ ہے کہ اس کا فیصلہ بہت مشکل ہے اس لئے ہم بھی صاحب طبقات کے ساتھ مل کر صرف اس قدر کہتے ہیں کہ لم یکن قبلہم احد یعنی ان لوگوں سے قبل اور کوئی مسلمان نہیں ہوا تھا۔

بعض لوگوں نے اس تعداد میں دو آدمیوں کا اور اضافہ کیا ہے۔ وہ دو بزرگ یہ ہیں :

ابو البیثم بن التیہان اور عویم بن ساعدہ، لیکن یہ دونوں خزرج کے قبیلہ سے نہ تھے۔ بلکہ اس سے تھے اور یہ یقیناً معلوم ہے کہ اس جماعت میں قبیلہ اوس کا ایک آدمی بھی موجود نہ تھا۔ علامہ ابن قیم لکھتے ہیں۔^۷

”لقی عند العقبة فی الموسم ستة نفر من الانصار کلہم من الخزرج۔“

”آنحضرت ﷺ حج کذا منہ میں انصار کے ۶ آدمیوں سے ملے جو کل کے کل خزرج سے تھے۔“

ابن ہشام اپنی سیرت میں لکھتے ہیں۔

۱۔ زرقانی۔ جلد ۱۔ ص ۳۶۰ ۲۔ طبقات ابن سعد۔ جلد ۱۔ ص ۱۳۶-۱۳۷

۳۔ اسد الغابہ۔ جلد ۲۔ ص ۳۲۶ ۴۔ طبقات۔ ص ۱۳۶ ۵۔ استیعاب۔ جلد ۱۔ ص ۸۷۶

۶۔ زرقانی۔ جلد ۱۔ ص ۳۶۱ ۷۔ اسد الغابہ۔ جلد ۲۔ ص ۳۷۹ ۸۔ زاد المعاد۔ جلد ۱۔ ص ۳۰۶

”قال ابن اسحاق وهم فيما ذكر لي ستة نفر من الخزرج“^۱۔

”ابن اسحاق کا قول ہے کہ جہاں تک مجھے علم ہے۔ خزرج کے ۶ آدمی تھے۔“

علامہ قسطلانی فرماتے ہیں :

”فاسلم منهم ستة نفر و كلهم من الخزرج“۔ (زرقانی۔ جلد ۱۔ ص ۳۶۰)

”پس ان میں سے ۶ آدمی مسلمان ہوئے جو سب کے سب خزرجی تھے۔“

بعض لوگوں نے عبادہ بن صامت کا جابر بن عبد اللہ بن رباب کے بجائے نام لیا ہے۔

لیکن یہ وہ خیال ہے جس کی خود حضرت عبادہؓ نے تردید کر دی ہے، چنانچہ فرماتے ہیں^۲۔

”كنت فيمن حضر العقبة الاولى و كنا اثني عشر رجلا“۔

”میں ان لوگوں میں ہوں جو عقبہ اولیٰ میں موجود تھے اور ہم بارہ آدمی تھے۔“

صحیح بخاری میں حضرت عبادہؓ سے منقول ہے^۳۔

”انا من النقباء الذين بايعوا رسول الله ﷺ“۔

”میں ان نقباء میں ہوں جنہوں نے آنحضرت ﷺ سے بیعت کی تھی۔“

اور یہ ظاہر ہے کہ ۱۲ آدمیوں کی تعداد دہمارے موجودہ عنوان کے ایک سال بعد پوری

ہوئی ہے، علامہ ابن اثیر، حضرت عبادہؓ کے حالات میں لکھتے ہیں^۴۔

”شهد العقبة الاولى والثانية“۔ ”انہوں نے عقبہ اولیٰ اور ثانیہ میں شرکت کی۔“

اس مقام پر یہ بات لحاظ کے قابل ہے کہ مذکورہ بالا روایتوں میں جس عقبہ اولیٰ اور ثانیہ کا ذکر

آیا ہے وہ ہمارے نزدیک ثانیہ اور ثالثہ ہے، پہلی بیعت ہمارے نزدیک وہ ہے جس کا ہم موجودہ عنوان

میں تذکرہ کر رہے ہیں اور اس کا ہمارے مصنفین رجال اور مورخین کے ہاں کوئی نام نہیں اصل یہ ہے کہ

عقبہ میں انصار نے ۳ مرتبہ بیعت کی ہے، پہلے سال ۶ آدمی تھے۔ دوسرے سال ۱۲، اور تیسرے سال

۵۷، مورخین ۱۲ اشخاص کی بیعت کو عقبہ اولیٰ اور ۷۰ کی بیعت کو عقبہ ثانیہ کہتے ہیں۔ ولا مشاحة فی

الاصطلاح لیکن ہم نے جو تقسیم کی ہے، وہ زیادہ صاف اور واضح ہے اور علامہ ابن حجر عسقلانی بھی

ہماری تائید سے موجود ہیں وہ فرماتے ہیں۔

”ان الانصار اجتمعوا بالنبي ﷺ ثلاث مرات بعقبه منى“۔

۱۔ تاریخ ابن ہشام۔ جلد ۱۔ ۲۲۵ ۲۔ مستد ابن ضبیل۔ جلد ۵۔ ص ۳۲۳ ۳۔ صحیح بخاری۔ جلد ۱۔ ص ۵۵۰

۴۔ باب وقول الانصار بالنبي ﷺ۔ جلد ۱۔ ص ۱۰۶ ۵۔ اسد الغابہ۔ جلد ۳۔ ص ۱۰۶

”انصار آنحضرت ﷺ سے منیٰ کی گھاٹی میں ۳ مرتبہ ملے۔“

علامہ ابن اشیر نے بھی ہماری تقسیم سے موافقت ظاہر کی ہے اور لکھا ہے کہ بعض لوگ اس بیعت کو جس میں ۶ آدمی شامل تھے عقبہ نہیں کہتے ہیں، بلکہ صرف ۲ بیعتوں کا نام عقبہ رکھتے ہیں۔
بیعت عقبہ ثانیہ :

یہ ہمارے مورخین کی اصطلاح میں عقبہ اولیٰ ہے۔ یاد ہوگا کہ گزشتہ بیعت میں انصار نے آنحضرت ﷺ سے دوسرے سال آنے کا وعدہ کیا تھا۔ چنانچہ ان لوگوں نے مدینہ پہنچ کر اسلام کی دعوت دی تو اس کا یہ اثر ہوا کہ کچھ لوگ مسلمان ہوئے اور اکثر گھروں میں آنحضرت ﷺ کا چرچا ہونے لگا۔

دوسرے سال ان ۶ آدمیوں کے ساتھ ۶ مسلمان اور ساتھ ہو گئے اور ۱۲ اصحاب کا مقدس قافلہ حامل وحی و رسالت کی زیارت کے لئے مکہ روانہ ہوا۔

یہاں آنحضرت ﷺ سے عقبہ میں ملاقات ہوئی اور ان شرائط پر بیعت لی گئی :

- (۱) شرک نہ کریں گے۔ (۲) چوری نہ کریں گے۔ (۳) زنا نہ کریں گے۔
- (۴) اولاد کو قتل نہ کریں گے۔ (۵) کسی پر بہتان نہ باندھیں گے۔ (۶) آنحضرت ﷺ کی اچھی باتوں میں نافرمانی نہ کریں گے۔

چونکہ اس وقت تک جہاد فرض نہیں ہوا تھا۔ اس لئے ان شرائط میں اس کا تذکرہ نہیں۔ آنحضرت ﷺ نے بیعت لینے کے بعد فرمایا : ”اگر تم اس عہد کو پورا کر دو گے تو تم کو جنت ملے گی، ورنہ خدا کو اختیار ہوگا، خواہ مغفرت کرے خواہ عذاب دے۔“

بیعت کر کے یہ لوگ واپس ہوئے تو اب مدینہ میں نہایت شریعت سے اسلام ترقی کرنے لگا۔ حضرت سعدؓ نے باجماعت نماز کا انتظام کیا۔ اور قبیلہ نبیت کی نشیبی زمین میں گویا ایک مسجد کی بنیاد پڑی۔ بنو زریق میں بھی ایک مسجد بن چکی تھی، ان کوششوں کے ساتھ آنحضرت ﷺ کو ایک خط لکھا اور اس میں درخواست کی کہ ہماری تعلیم کے لئے ایک قاری بھیج دیجئے۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ نے حضرت مصعب بن عمیرؓ کو اس اہم کام کے لئے روانہ فرمایا۔ حضرت مصعبؓ

سعد بن زرارہ کے مکان میں اترے اور قرآن مجید کی تعلیم شروع کی^۱۔ اہل مدینہ ان کو مقرر کیا کرتے تھے^۲۔

اس کے ساتھ ہی نماز کی امامت بھی انہی کے سپرد ہوئی اور اس کی وجہ یہ تھی کہ انصار اپنی دیرینہ باہمی عداوتوں کے باعث ایک دوسرے کے پیچھے نماز پڑھنا پسند نہیں کرتے تھے^۳۔ غرض حضرت مصعبؓ کے مدینہ پہنچ جانے سے اشاعت اسلام میں نہایت نمایاں ترقی ہوئی اور سب سے بڑی کامیابی یہ ہوئی کہ حضرت سعد بن معاذؓ اور اسید بن حضیرؓ نے دین اسلام اختیار کیا، یہ دونوں بزرگ قبیلہ عبد الاشہل کے سردار تھے۔

سعد بن معاذ اور اسید بن حضیرؓ کا اسلام :

مصعب بن عمیرؓ نے اسلام کی منادی کا یہ طرز اختیار کیا تھا کہ اسعد بن زرارہؓ کے ہمراہ ہر قبیلے میں جاتے اور وہاں جو لوگ مسلمان ہوتے ان سے باتیں کرتے اور اسلام کی تبلیغ کرتے تھے۔ ایک روز عبد الاشہل اور ظفر ایک محلہ میں گئے تو چونکہ سعد بن معاذ ابھی تک مشرک تھے۔ ان کو سخت ناگوار ہوا، لیکن سعد بن زرارہ کی وجہ سے کچھ بول نہ سکے۔ سعد بن معاذؓ، اسعد بن زرارہ کے خالہ زاد بھائی تھے۔ تاہم اسید بن حضیرؓ سے کہا کہ ”تم جا کر مصعب کو منع کرو کہ وہ آئندہ سے ہمارے کمزور لوگوں کو بیوقوف بنانے نہ آئیں۔“

اسید نے نیزہ اٹھایا اور اس باغ میں آپہنچے جہاں مصعبؓ چند مسلمانوں کے ساتھ بیٹھے تھے۔ اسعد بن زرارہؓ نے کہا : ”دیکھنا ! جانے نہ پائیں ! یہ اپنی قوم کے سردار ہیں۔“ مصعبؓ نے جواب دیا ”اگر وہ بیٹھیں گے تو میں گفتگو کروں گا۔“ اسید بن حضیرؓ نے آتے ہی نہایت سخت گفتگو کی جس کو حضرت مصعبؓ نے نہایت متانت سے سنا اور کہا ”آپ بیٹھ کر میری کچھ باتیں سن سکتے ہیں؟ اگر پسند ہوں تو قبول فرمائیے گا۔ ورنہ آپ کو اختیار ہے۔“ اسید نے کہا

”تم نے انصاف کی بات کہی۔“ اس کے بعد نیزہ گاڑ کر بیٹھ گئے۔ حضرت مصعبؓ نے ان کے سامنے اسلام کی حقیقت بیان کی اور قرآن کی کچھ آیتیں سنائیں۔ اثنائے تقریر ہی میں اسید پر جادو چل چکا تھا، قرآن ختم ہوا تو بولے۔ ”کتنا اچھا کلام ہے۔“ پھر پوچھا۔ ”اس دین میں داخل ہونے کا کیا طریقہ ہے؟“ فرمایا :

”غسل کیجئے، کپڑے دھویئے، پھر کلمہ پڑھ کر نماز پڑھئے۔“ اسید نے اُنھ کو غسل کیا، اور کپڑے پاک کر کے دو رکعت نماز پڑھی، مسلمان ہونے کے بعد بولے۔ ”ابھی ایک آدمی باقی ہے، اگر وہ مسلمان ہو گیا تو تمام قوم مسلمان ہو جائے گی۔“ یہ کہہ کر نیزہ لیا اور سعد بن معاذ کے گھر پہنچے۔ وہ چند آدمیوں کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے۔ اسید کے چہرے پر اسلام کا جو نور چمک رہا تھا، اس کو دیکھ کر بولے کہ ”واللہ! اب وہ چہرہ نہیں۔“

اسید ان کے سامنے جا کر کھڑے ہو گئے۔ سعد نے کہا ”کیا ہوا؟“ جواب دیا، ”میں نے ان سے گفتگو کی، اور ان کے مذہب میں کچھ مضائقہ نہیں پایا اور مجھے یہ معلوم ہوا ہے کہ بنو حارثہ، اسعد بن زرارہ کو قتل کرنے جا رہے ہیں جن سے ان کا غشا، تمہاری توہین ہے۔ کیونکہ اسعد تمہارے خالہ زاد بھائی ہیں۔ سعد بن معاذ نے سنا تو غصہ سے بے تاب ہو گئے اور نیزہ لے کر نہایت تیزی سے باغ میں پہنچے، وہاں کچھ بھی نہ تھا۔ حضرت مصعبؓ اور اسعدؓ بن زرارہ نہایت امن و سکون سے بیٹھے ہوئے تھے۔ سعد نے بھی وہی گفتگو شروع کی جو اسید کر چکے تھے، حضرت مصعبؓ نے ان کے وہی جوابات دیئے اور قرآن سنایا جس کو سنتے ہی سعد بن معاذؓ کلمہ شہادت پکارا اٹھے۔

وہاں سے مکان واپس ہوئے تو عبداللہ اشہلؓ نے کہا ”اب وہ چہرہ نہیں“، کھڑے ہو کر لوگوں سے پوچھا۔ ”تم میرے بارے میں کیا جانتے ہو؟“ سب نے کہا ”ہمارے سردار ہم میں سب سے زیادہ مناسب الرائے ہمارے معتمد علیہ نہیں۔“ کہا ”تو پھر مجھے تمہاری عورتوں اور مردوں سے گفتگو حرام ہے تا وقتیکہ تم بھی نہ اور اس کے رسول پر ایمان نہ لاؤ۔“

حضرت سعدؓ کا عبداللہ اشہلؓ میں جو اثر تھا اس کا یہ نتیجہ ہوا کہ تمام مرد و زن شام ہوتے ہوئے مسلمان ہو گئے، اور حضرت سعدؓ اور مصعبؓ، اسعد بن زرارہؓ کے مکان میں منتقل ہوئے اور سب ساتھ مل کر اشاعت اسلام کی خدمت انجام دینے لگے۔

اس کا یہ اثر ہوا کہ انصار کے تمام خاندانوں میں اسلام نہایت سرعت سے پھیلنے لگا۔ ابن سعدؓ لکھتے ہیں۔^۱

”کان مصعبؓ یأتی الانصار فی دورہم وقبائلہم فیدعوہم الی الاسلام ویقرء علیہم القرآن فیسلم الرجل والرجلان حتی ظہر الاسلام وفسافی دور انصار کلہا والعوالی۔“

”مصعب“ انصار کے گھروں اور خاندانوں میں جا کر ان کو اسلام کی دعوت دیتے تھے، اور قرآن سناتے تھے۔ چنانچہ ان میں ایک دو آدمی مسلمان ہو جایا کرتے تھے، یہاں تک کہ اسلام بالکل ظاہر ہو گیا اور انصار کے تمام گھروں اور بالائی حصوں میں پھیل گیا۔

قبیلہ خزرج میں تو پہلے ہی سے اسلام اشاعت پا چکا تھا، سعد بن عبادہ ”سردار خزرج کے ایمان نے اور بھی لوگوں کو متوجہ کر دیا، اور اب ان کی تعداد روز بروز بڑھنے لگی۔ البتہ امیہ بن زید، حنظلہ، وائل اور واقف (اوس اللہ) ابو قیس بن اسلت کی وجہ سے بدر اور احد تک رکے رہے۔“



بیعت عقبہ کبیر

آخر وہ وقت آگیا کہ اسلام کا خدائے قدوس اپنے پورے جاہ جلال اور اس کی آتشیں شریعت اپنی پوری آب و تاب سے نمایاں ہو۔ مدینہ میں حضرت مصعبؓ بن عمیر نے اپنے چند روزہ قیام میں جو کامیابی حاصل کی وہ درحقیقت اسلام کی سب سے نمایاں فتح تھی۔

چنانچہ حج کے زمانہ میں جب وہ مکہ کے ارادے سے روانہ ہوئے تو ان کے ساتھ اس و خزرج کا وہ مقدس قافلہ بھی تیار ہوا جو گو تعداد کے لحاظ سے تو صرف چند نفوس سے عبارت تھا۔ تاہم ان کے جوش و ولولے نے وہ منظر پیش کیا کہ روم و فارس کی سلطنتیں بھی زیروزبر ہو گئیں۔

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ انصار کا قافلہ جس میں کافر اور مسلم دونوں شریک تھے اور جس کی تعداد ۵۰۰ تھی! ذوالحجہ کے مہینہ میں مکہ آیا! اور منیٰ میں عقبہ کے قریب مقیم ہوا۔ اس اثنا میں براء بن معرور رئیس خزرج کو آنحضرت ﷺ سے ملنے کی ضرورت پیش آئی۔ براء مصعبؓ کے ہاتھ پر ایمان لائے تھے اور تمام مسلمانوں کے خلاف کعبہ کی سمت نماز پڑھتے تھے۔ (اور مسلمان اور خود آنحضرت ﷺ بھی اس وقت تک شام کی طرف رخ کر کے نماز پڑھا کرتے تھے)۔

لوگ ٹوکتے اور عام جماعت کی مخالفت پر ان کو برا کہتے تھے۔ لیکن وہ اپنی رائے پر نہایت شدت سے عمل پیرا تھے۔ لیکن مکہ پہنچ کر یہ خیال پیدا ہوا کہ شاید اس عمل میں غلطی ہوئی ہو۔ چنانچہ کعب بن مالک سے کہا کہ ہم کو آنحضرت ﷺ کے پاس چلنا چاہئے۔

براء اور کعب دونوں رسول اللہ ﷺ سے ناواقف تھے۔ البتہ حضرت عباسؓ سے شناسائی تھی۔ لوگوں نے پتہ بتلایا کہ آپ ﷺ حضرت عباسؓ کے پاس بیٹھے ہیں، گئے تو آنحضرت ﷺ نے حضرت عباسؓ سے ان کے متعلق استفسار کیا۔ حضرت عباسؓ نے دونوں بزرگوں کا تعارف کرایا۔ کعب بن مالک کا نام آنحضرت ﷺ نے سنا تو فرمایا شاعر؟ حضرت عباسؓ نے جواب دیا کہ جی ہاں۔

اس قدر گفتگو کے بعد اصل مسئلہ پیش ہوا۔ براءؓ نے کہا یا نبی اللہ! میں اس سفر میں مسلمان نہ ہوں لہذا ہوں اور میرا خیال ہے کعبہ کی طرف پشت کرنے کے بجائے میں اس کی طرف رخ کر کے نماز

پڑھوں اور میں ایسا کرتا ہوں۔ لیکن میرے ساتھی مخالفت کرتے ہیں۔ اب آپ جو کچھ ارشاد فرمائیں۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ”تم ایک قبلہ پر ضرور رہو، لیکن ابھی صبر کرنا چاہئے۔“ چنانچہ براء اس کے بعد سے شام کی طرف رخ کر کے نماز پڑھنے لگے۔ عون بن ایوب انصاری نے اس واقعہ کو ایک شعر میں نظم کیا ہے۔

کہتے ہیں :

ومنا المصلیٰ اول الناس مقبلا
على كعبة الرحمن بين المشاعر

حضرت براءؓ کے ساتھ انصار کے ایک اور رئیس عبداللہ بن عمرو بن حرام بھی اس جماعت کے ساتھ آئے تھے اور اب تک مشرک تھے۔ انصار نے خفیہ طور سے ان کو اسلام کی تبلیغ کی اور وہ بھی مسلمان ہو گئے۔

حج سے فارغ ہونے کے بعد آنحضرت ﷺ نے ایک رات مقرر کی اور تنہائی رات کو یہ ۳ مسلمان عقبہ کی گھاٹی میں ایک رات درخت کے نیچے جمع ہوئے آپ حضرت عباسؓ کے ہمراہ تشریف لائے اور حسب ذیل گفتگو ہوئی۔

حضرت عباسؓ نے کہا اگر وہ خزر ج! محمد ﷺ ہم میں جس درجہ کے آدمی ہیں اس سے تم بھی واقف ہو اور ہم نے ان کی حفاظت میں کوشش کا کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا ہے۔ اگر تم اپنے وعدوں کو پورا کر سکتے ہو اور ان کو دشمنوں سے بچا سکتے ہو تو بہتر، اور اگر ان کو چھوڑ دینے کا ارادہ ہے تو صاف صاف اسی وقت کہہ دو۔ کیونکہ یہاں وہ اپنی قوم میں نہایت مامون اور مصنون ہیں۔

انصار نے کہا ہم نے تمہاری گفتگو سنی۔ اب یا رسول اللہ ﷺ آپ فرمائیے اور جو کچھ اپنے لئے اور اپنے خدا کے لئے پسند ہو اس کو لیجئے۔ اس درخواست پر آنحضرت ﷺ نے اکلم کا آغاز فرمایا اور قرآن مجید سنا کر اسلام کی دعوت دی اور فرمایا کہ ”میں تم سے اس شرط پر بیعت لیتا ہوں کہ میری حفاظت اپنی جانوں کے برابر کرو گے۔“

حضرت براءؓ بن معرور رئیس خزر ج نے آپ کا ہاتھ پکڑ کر کہا، بے شک ہم آپ کی اسی طرح حفاظت کریں گے۔ آپ ہم سے بیعت لیں گے۔ ہم نسلا بعد نسل سپہ گروں اور جنگجو واقع ہوئے ہیں۔ براءؓ ابھی گفتگو کر رہے تھے کہ ابوالہیثمؓ بن امتیہ ان بولے۔ یا رسول اللہ! ہم یہودیوں کے ہم عہد ہیں

اور اب ہم اس کو قطع کر دیں گے۔ اس بنا پر اگر آپ کبھی غلبہ پائیں تو کیا ہم کو چھوڑ کر اپنے قوم میں جا لیں گے۔ آنحضرت ﷺ یہ سن کر مسکرائے اور فرمایا :

”بل الدم الدم ! والهدم الهدم ! انا منکم وانتم منی ! ا حارب من حاربتم واسالم من سالمتم۔“

”بلکہ میرا خون تمہارا خون اور میرا ذمہ تمہارا ذمہ ہے ! میں تم سے ہوں اور تم مجھ سے ہو ! تم جس سے لڑو گے میں بھی لڑوں گا اور جس سے تم صلح کرو گے میں بھی صلح کروں گا۔“

حضرت عباسؓ بن عبادہ بن نضله انصاری نے کہا، گروہ خزرج ! تمہیں خبر ہے کہ تم ان سے کس چیز پر بیعت کر رہے ہو؟ تم ان سے عرب و عجم کی جنگ پر بیعت کر رہے ہو ! خوب سمجھ لو کہ اس میں تمہاری جائیدادیں ضائع ہوں گی اور شرفاقتل ہوں گے۔ اگر ایسی حالت میں تم نے ان کو چھوڑا تو خدا کی قسم اس میں دین و دنیا دونوں میں رسوائی ہے۔ اگر تم اپنے عہد پر قائم رہے اور وعدہ کو پورا کیا۔ تو دین و دنیا دونوں میں یہ سب سے بہتر ہے اور اس کو تم حاصل کر سکتے ہو۔

یہ باتیں نہایت جوش میں ہو رہی تھیں اور لوگوں کی آوازیں کسی قدر بلند ہو گئی تھیں۔ حضرت عباسؓ نے کہا ”آواز پست کرو، کیونکہ مشرکین کے جاسوس ادھر ادھر پھر رہے ہوں گے اور تم میں سے ایک شخص نہایت اختصار کے ساتھ گفتگو کرے۔“

حضرت اسعدؓ بن زرارہ اس مقصد کے لئے سنا منے آئے اور کہا، محمد ! تم اپنے رب کے لئے جو چاہو مانگو، پھر اپنے لئے اور اپنے اصحاب کے لئے مانگو، پھر ہم کو بتاؤ کہ ہم کو تم سے اس کا اجر کیا ملے گا۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا :

”تم سے خدا کے متعلق یہ کہتا ہوں کہ تم اس کی عبادت کرو اور اس کا شریک کسی کو نہ ٹھہراؤ، اور اپنے اور اپنے اصحاب کے لئے یہ چاہتا ہوں کہ ہم کو پناہ دو، مدد کرو، اور جس طرح جانوں کی حفاظت کرتے ہو، ہماری بھی کرو۔“

انصار نے کہا اگر یہ تمام باتیں کریں تو ہم کو کیا ملے گا؟ ارشاد ہوا ”جنت“۔ بولے، ”تو جو کچھ آپ چاہتے ہیں، ہم اس کے لئے راضی ہیں۔“

شععی کہا کرتے تھے کہ اتنا مختصر اور بلیغ خطبہ آج تک نہیں سنا گیا۔

خطبہ ختم ہونے کے بعد لوگ بیعت کے لئے بڑھے۔ کہتے ہیں کہ سب سے پہلے براء بن معرور نے بیعت کی، بعض کا خیال ابوالہشتمؓ اور اسعد بن زرارہ کی طرف بھی ہے۔ ان لوگوں کے بعد باقی جماعت نے بیعت کی۔ آنحضرت ﷺ نے بیعت لے کر فرمایا کہ ”موسیٰ نے بنو اسرائیل کے ۱۲ نقیب منتخب کئے تھے، تم بھی اپنی جماعت میں سے ۱۲ آدمی منتخب کرو۔“ چنانچہ جو لوگ منتخب ہوئے ان کے اسمائے گرامی یہ ہیں :

- ۱۔ ابوامامہ اسعدؓ بن زرارہ، ۲۔ سعدؓ بن ربیع، ۳۔ عبداللہؓ بن رواحہ، ۴۔ رافعؓ بن مالک بن عجلان، ۵۔ براءؓ بن معرور، ۶۔ عبداللہؓ بن عمرو بن حرام، ۷۔ عبادہؓ بن صامت، ۸۔ سعدؓ بن عبادہ، ۹۔ منذرؓ بن عمرو بن حمیس (یہ ۹۔ اصحاب خزرج سے تھے)۔ ۱۰۔ اسیدؓ بن حنظل، ۱۱۔ سعدؓ بن ابوالہشتم بن المہتہبانؓ۔ (یہ تین صاحب اوس سے تھے)۔

بعض لوگوں نے ابوالہشتم کے بجائے رفاعہ بن عبدالمند رک کا نام لیا ہے۔ لیکن یہ کچھ زیادہ قابل لحاظ نہیں۔ حضرت کعب بن مالک نے جو انصار کے مشہور شاعر تھے اور اس بیعت میں شریک تھے نقباء کے نام اپنی ایک نظم میں بیان کئے ہیں۔ لیکن اس میں رفاعہؓ کا نام نہیں، بلکہ ان کے بجائے ابوالہشتم کا ہے۔^۱

غرض نقباء کا انتخاب ہو چکا تو آنحضرت ﷺ نے ان کو مخاطب کر کے فرمایا: ”تم اپنی آبادی کے اسی طرح ذمہ دار ہو جس طرح کہ حواری عیسیٰ بن مریم کے ذمہ دار تھے اور میں اپنی قوم کا ذمہ دار ہوں۔“ سب نے کہا ”بے شک“۔^۲

یہ تمام مراحل طے ہو چکے تو حضرت عباسؓ کا وہ خیال صحیح ثابت ہوا یعنی ایک شیطان (جاسوس) نے زور سے آواز دی کہ ”یا اہل منازل! تمہیں کچھ مذمم۔ (یہ مشرکین نے آنحضرت ﷺ کا نام محمد ﷺ) کے بجائے رکھا تھا) اور ان بدینوں کی خبر ہے؟ یہ سب تم سے لڑنے کے لئے تیار ہوئے ہیں۔“

آنحضرت ﷺ نے یہ سن کر انصار سے کہا کہ ”تم اپنی فرود گاہ پر واپس جاؤ۔“ حضرت عباسؓ بن عبادہ بن نسلہ سے نہ رہا گیا۔ بولے، خدا کی قسم اگر آپ چاہیں تو ہم کل اہل منیٰ پر تلوار لے کر نوٹ پڑیں! فرمایا ”ابھی ہمیں اس کا علم نہیں۔“^۳

۱۔ الطبقات ابن سعد، جلد ۱۔ قسم۔ ص ۱۵۰ ۲۔ اسد الغابہ۔ جلد ۱۔ ص ۱۷ ۳۔ سیرت ابن ہشام۔ جلد ۱۔ ص ۲۴۴

۴۔ طبقات ابن سعد۔ جلد ۱۔ قسم۔ ص ۱۵۰ ۵۔ سیرت ابن ہشام۔ جلد ۱۔ ص ۲۴۵

غرض انصار اپنے خیموں میں آکر سو رہے۔ صبح کو ان کے قیام میں رؤسائے قریش کی ایک جماعت پہنچی اور کہا کہ ہم کو معلوم ہے کہ رات تم نے ہم سے لڑنے کے لئے محمد ﷺ سے بیعت کی، حالانکہ تمام عرب میں ہم تم سے لڑنا سب سے بُرا سمجھتے ہیں۔ مشرکین انصار کو چونکہ اس بیعت کا بالکل علم نہ تھا اس لئے سب نے قسم کھا کر انکار کیا، اور عبد اللہ بن ابی ریمس خزرج نے کہا ”یہ بالکل جھوٹ ہے، اگر یہ واقعہ پیش آتا تو مجھ سے ضرور مشورہ لیا جاتا“۔ قریش یہ سن کر واپس گئے، لیکن ان کے آدمی ہر طرف موجود تھے اور انصار کے ان آدمیوں کی ہر جگہ تلاش تھی۔ چونکہ ان لوگوں کو اب اپنی جانوں کا خوف پیدا ہو گیا تھا، اس لئے سب کے سب خفیہ مدینہ روانہ ہوئے، قریش کو کچھ پتہ نہ چل سکا، لیکن سعد بن عبادہ سردار خزرج اتفاقاً ہاتھ آ گئے، قریش کے آدمیوں نے ان کو سخت تکلیف دی اور مارتے پیٹتے مکہ لائے، یہاں مطعم بن عدی اور حارث بن امیہ نے ان کو چھڑایا۔

اب انصار کو سعدؓ بن عبادہؓ کی فکر لاحق ہوئی اور سب نے بالاتفاق مکہ چلنے کی نسبت طے کر لیا۔ اتنے میں حضرت سعدؓ آتے دکھائی دیئے اور ان کو لے کر سب خوش خوش مدینہ روانہ ہو گئے۔ جیسا کہ اوپر معلوم ہوا یہ بیعت عرب و عجم کی جنگ پر بیعت تھی، اس لئے ہم کو اب ان جانبازوں کے نام بتانے چاہئیں، جنہوں نے اسلام اور آنحضرت ﷺ کو اس وقت پناہ دی جبکہ ان کے لئے اور کوئی جائے پناہ نہ تھی اور اس وقت اپنے کو جان شاری کے لئے پیش کیا، جبکہ عرب کا کوئی قبیلہ اس میدان میں اترنے کی ہمت نہیں کرتا تھا ان بزرگوں کی مجموعی تعداد ۷۵ ہے، ۷۳ مرد اور ۲ عورتیں، تفصیل حسب ذیل ہے۔

قبیلہ اوس

- | | | | |
|----------------|--------------------|-------------------------|--------------------------|
| عبدالاشہل | : ۱۔ اسید بن حفیر | ۲۔ ابوالہشیم بن التیہان | ۳۔ سلمہ بن سامتہ بن وقش۔ |
| حارثہ | : ۴۔ ظہیر بن رافع | ۵۔ ابو بردہ بن نیار | ۶۔ نبیر بن الہشیم۔ |
| عمرو بن عوف | : ۷۔ سعد بن خثیمہ | ۸۔ رفاعہ بن عبدالمذہر | ۹۔ عبد اللہ بن جبیر |
| ۱۰۔ معن بن عدی | ۱۱۔ عویم بن ساعدہ۔ | | |

قبیلہ اوس سے کل گیارہ اصحاب اس بیعت میں شریک تھے۔

قبیلہ خزرج

نجار : ۱۔ ابویوب خالد بن زید ۲۔ معاذ بن حارث بن رفاعہ ۳۔ عوف بن حارث
 ۴۔ عمارہ ابن حزم ۵۔ اسعد بن زرارہ ۶۔ رفاعہ بن حارث ۷۔ سہل بن عتیک ۸۔ اوس بن
 ثابت بن منذر ۹۔ ابوطلحہ زید بن سہل ۱۰۔ قیس بن ابوصعصہ ۱۱۔ عمرو بن غزیہ
 حارث بن خزرج : ۱۲۔ سعد بن ربیع ۱۳۔ خارجہ بن زید بن ابی زہیر ۱۴۔ عبداللہ بن رواحہ
 ۱۵۔ بشیر بن سعد ۱۶۔ عبداللہ بن زید بن ثعلبہ ۱۷۔ ابو مسعود عقبہ بن عمرو ۱۸۔ خلاؤ بن سويد بن ثعلبہ۔
 بیاضہ : ۱۹۔ زیاد بن لبید ۲۰۔ فروہ بن عمرو ۲۱۔ خالد بن قیس بن مالک۔
 زریق : ۲۲۔ رافع بن مالک بن عجلان ۲۳۔ ذکوان بن عبد قیس ۲۴۔ عباد بن قیس بن عامر
 ۲۵۔ حارث بن قیس۔

سلمہ : ۲۶۔ براء بن معرور ۲۷۔ شان بن صفی ۲۸۔ طفیل بن نعمان ۲۹۔ معقل بن منذر
 ۳۰۔ یزید بن منذر ۳۱۔ سعود بن یزید ۳۲۔ ضحاک بن حارث ۳۳۔ یزید بن خدام
 ۳۴۔ جبار بن صخر ۳۵۔ طفیل بن مالک ۳۶۔ بشر بن براء ۳۷۔ کعب بن مالک
 ۳۸۔ سلیم بن عمرو ۳۹۔ قطبہ بن عامر ۴۰۔ یزید بن عامر ۴۱۔ ابوالیسر کعب بن عمرو
 ۴۲۔ صفی بن سواد ۴۳۔ ثعلبہ بن غنمہ ۴۴۔ عمرو بن غنمہ ۴۵۔ عیس بن عامر ۴۶۔ عبداللہ
 بن انیس ۴۷۔ خالد بن عمرو بن عدی ۴۸۔ عبداللہ بن عمرو بن حرام ۴۹۔ جابر بن عبداللہ
 ۵۰۔ معاذ بن عمرو بن جموح ۵۱۔ ثابت بن الجذع ۵۲۔ عمیر بن حارث ۵۳۔ خدیج
 بن سلامہ ۵۴۔ معاذ بن جبل۔

عوف بن خزرج : ۵۵۔ عبادہ بن صامت ۵۶۔ عباس بن عبادہ بن نضلہ ۵۷۔ ابو عبد الرحمن
 بن یزید ۵۸۔ عمرو بن حارث ۵۹۔ رفاعہ بن عمرو ۶۰۔ عقبہ بن وہب۔
 ساعدہ : ۶۱۔ سعد بن عبادہ سردار خزرج ۶۲۔ منذر بن عمرو بن حمیس۔
 یہ عورتیں بھی اس بیعت میں شریک تھیں۔

۶۳۔ نسیمہ بنت کعب اور ۶۴۔ ام منیع۔ اول الذکر بنو نجار اور دوسری بنو سلمہ سے تھیں۔
 قبیلہ خزرج کے بیعت کرنے والوں کی تعداد ۶۴ ہے اور اگر اس کے ساتھ قبیلہ اوس کے
 بیعت کرنے والے بھی شامل کر لئے جائیں تو یہ تعداد عورتوں کو ملا کر ۷۷ ہو جاتی ہے۔

(سیرت ابن ہشام۔ جلد ۱۔ ۲۵۵ تا ۲۳۹)

ان بزرگوں میں بعض ایسے بھی تھے جو بیعت کے بعد مدینہ واپس آئے۔ لیکن پھر آنحضرت ﷺ کے پاس مکہ چلے گئے اور کچھ دن اقامت کر کے مہاجرین کے ساتھ ہجرت کی۔ ایسے لوگوں کو مہاجری انصاری کہا جاتا ہے۔ ان بزرگوں کی تعداد ۴ ہے۔ اور ان کے اسمائے گرامی یہ ہیں :

- ۱۔ ذکوان بن قیس
- ۲۔ عقبہ بن وہب
- ۳۔ عباس بن عبادہ بن نضلہ
- ۴۔ زیاد بن لبید^۱۔

مدینہ میں بیعت عقبہ کا اثر :

اس بیعت کا یہ اثر ہوا کہ انصار نے نہایت سرگرمی سے بت پرستی کی بیخ کنی شروع کر دی اور مذہب اسلام کو نہایت آزادانہ طور سے اہل شہر کے سامنے پیش کیا۔ بنو سلمہ کی نسبت لکھا ہے کہ جب معاذ بن جبل اور معاذ بن عمرو غیرہ مسلمان ہو گئے تو انہوں نے عمرو بن جموح رئیس سلمہ کے مسلمان کرنے کی عجیب تدبیر نکالی۔

حضرت عمرو نے عام رؤسا کی طرح اپنے گھر میں پوجا کرنے کی ایک جگہ علیحدہ بنالی تھی اور وہاں منات کی لکڑی کی ایک مورت رکھی تھی۔ جب عمرو کے بیٹے معاذ اور خاندان سلمہ کے چند نوجوان مسلمان ہو گئے، تو وہ روزانہ رات کو منات کو چھپ کر اٹھالے جاتے اور کسی گڑھے میں پھینک دیتے۔ صبح کو عمرو ڈھونڈ کر اٹھالاتا۔ اور اسے دھوکا اور خوشبو لگا کر اس کی جگہ پر رکھ دیتا۔

جب کئی دن تک برابر یہ واردات ہوتی رہی اور لے جانے والوں کا پتہ نہ چلا تو ایک دن عمرو نے جھنجھلا کر بت کی گردن میں تلوار باندھ دی، اور کہا مجھے تو پتہ چلتا نہیں، اگر تم خود کر سکتے ہو تو یہ تلوار حاضر ہے۔

حسب معمول جب رات کو لڑکے آئے تو تلوار اس کے گلے سے اتار لی اور سی کے ایک سرے میں مرا ہوا کتا اور دوسرے میں اس بت کو باندھ کر کنوئیں میں لٹکا دیا۔ صبح کو لوگ آتے اور یہ تماشا دیکھتے تھے۔ عمرو جب بت ڈھونڈنے نکلا اور اس کو اس حالت میں پایا تو چشم بصیرت وا ہو گئی۔ مسلمانوں کو اس واقعہ کی اطلاع ملی تو انہوں نے اس کے سامنے اسلام پیش کیا اور وہ مسلمان ہو گیا۔

حضرت عمرو بن جموح نے اپنے اس واقعہ کو خود نظم کیا ہے اور اس میں اپنے مسلمان ہونے پر خدا کا بڑا شکر ادا کیا ہے^۲۔

حضرت سہل بن خنیفؓ کے متعلق بھی تصریح ہے کہ وہ رات کو اپنی قوم کے بت خانوں اور پوجا کی جگہوں میں گھس جاتے اور لکڑی کے بتوں کو توڑ ڈالتے اور ایک مسلمان بیوہ کو لا کر دیتے کہ وہ اس کو جلا ڈالے۔ حضرت علیؓ کو یہ واقعہ اس عورت سے معلوم ہوا تھا۔ چنانچہ جب سہلؓ کا انتقال ہوا تو حضرت علیؓ نے ان لوگوں سے ان کی اس خدمتِ جلیلہ کا تذکرہ فرمایا۔

ان واقعات سے یہ معلوم ہوا کہ بیعت عقبہ کے بعد مشرکین انصار میں مدافعت کی قوت بھی باقی نہ تھی۔ یہی وجہ ہے کہ عبداللہ بن ابی اور دیگر منافقین کو حقیقتہً مسلمان نہ تھے، لیکن چار و ناچار ان کو بھی مسلمان ہونا پڑا تھا، ورنہ ان کے لئے مدینہ میں زندگی بسر کرنے کی کوئی صورت باقی نہ رہ گئی تھی۔



ہجرتِ مہاجرین

قریش نے انصار کے اسلام کو نہایت خوف اور دہشت کی نگاہ سے دیکھا تھا اور چونکہ وہ جانتے تھے کہ انصار ایک جنگجو قوم ہے اور وہ آنحضرت ﷺ اور صحابہؓ کی پوری طرح حفاظت کرے گی اور مسلمان ضرور مدینہ ہجرت کریں گے۔ اس لئے بیعت عقبہ کے بعد انہوں نے مسلمانوں پر پہلے سے زیادہ ظلم و ستم شروع کیا۔ یہاں تک کہ ایک وقت وہ بھی آگیا کہ سرزمینِ بطنخا اپنی کشادگی کے باوجود مسلمانوں پر تنگ ہو گئی۔

صحابہؓ نے قریش کے اس ظلم و تعدی کی بارگاہِ رسالت ﷺ میں فریاد کی، ارشاد ہوا ”میں نے تمہاری ہجرت گاہ خواب میں دیکھی ہے وہاں کھجور کے درخت کثرت سے ہیں اور وہ دو سنگستانوں کے درمیان واقع ہے۔“ چونکہ یہ صفت مدینہ کے ساتھ سراقہ میں بھی پائی جاتی تھی اس لئے آپ ﷺ کا ذہن سراقہ کی طرف منتقل ہوا، چند روز کے بعد آپ ﷺ ایک دن بہت مسرور تشریف لائے اور فرمایا کہ تمہارا دارالہجرت متعین ہو گیا۔ اب جس کا جی چاہے یثرب چلا جائے۔ اجازت پاتے ہی صحابہؓ نے ہجرت کی خفیہ طور پر تیاریاں شروع کیں۔

حضرت ابوسلمہؓ بن الاسد نے سب سے پہلے ہجرت کی، ابن ہشام نے لکھا ہے کہ انہوں نے بیعت عقبہ سے بھی ایک سال قبل ہجرت کی تھی۔ ابوسلمہؓ کے بعد عامرؓ بن ربیعہ اپنی بیوی لیلیٰ بنت ابی خثمہ کے ہمراہ مدینہ گئے۔ پھر عبداللہ بن جحشؓ، عبداللہ بن جحش ابو احمد مدینہ آئے پھر مہاجرین متواتر پہنچنے لگے۔

چنانچہ عکاشہؓ بن محسن، شجاعؓ، عقبہؓ (پسران وہب) ارد بن حمیرہ، منقذ بن بناتہ، سعید بن رقیشؓ، محرز بن نضله، یزید بن رقیش، قیس بن جابرؓ، عمرو بن مھسن، مالک بن عمرو، ثقیف بن عمروؓ، ربیعہ بن اکثم، زبیر بن عبیدہؓ، تمامؓ بنجرہ، محمد بن عبداللہؓ، جحشؓ، زینب بنت جحشؓ، ام حبیبؓ، جذامہؓ بنت جندل، ام قیس بنت مھسن، ام حبیب بنت ثمامہ، آمنہ بنت رقیش، بنجرہ بنت تمیم، حمزہ بنت جحشؓ نے ہجرت کی۔ ان کے بعد حضرت عمرؓ اور عیاش بن ابی ربیعہؓ آئے۔ ان کے بعد زید بن خطابؓ، عمروؓ، عبداللہ (پسران سراقہ بن معتمر) حنیسؓ بن حذافہ، سعید بن زیدؓ، واقد بن عبداللہؓ، خولیؓ، مالکؓ (پسران ابی خولہ) ایاسؓ، عاقلؓ،

عامرؓ، خالدؓ، (پسران بکیر) اور ان کے بعد خلفاء آئے اور رفاعہ بن عبدالمندر کے گھر میں قبا میں قیام کیا۔ پھر باقی اصحاب آئے اور مدینہ میں مختلف جگہوں میں قیام کیا۔ چنانچہ اس کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

اسمائے مہاجرین	اسمائے انصار	نام قبیلہ یا محلہ
۱۔ حضرت طلحہؓ ۲۔ صہیبؓ ۳۔ حضرت حمزہؓ ۴۔ زید بن حارثہؓ ۵۔ ابو مرثدہؓ ۶۔ ابو مرثدہؓ ۷۔ آنسہؓ ۸۔ ابوکبشہؓ	ضہیب بن اسافؓ کلثوم بن الہدمؓ	سخ، حارث بن خزرج قبا
۹۔ عبیدہ بن حارثؓ ۱۰۔ طفیلؓ ۱۱۔ حصینؓ ۱۲۔ مطح بن اثاثہؓ ۱۳۔ سوہب بن سعدؓ ۱۴۔ طلح بن عمیرؓ ۱۵۔ خباب بن الارتؓ	عبداللہؓ	حارث بن خزرج
۱۶۔ حضرت زبیرؓ ۱۷۔ ابوسبرہؓ	منذر بن محمد جحیؓ	عصبہ
۱۸۔ مصعب بن عمیرؓ ۱۹۔ ابو حذیفہؓ ۲۰۔ سالمؓ	سعد بن معاذؓ شعیبہ بنت یعارؓ	عبدالاشہل قبا
۲۱۔ عتبہ بن غزو انؓ	عباد بن بشرؓ	عبدالاشہل
۲۲۔ حضرت عثمانؓ	اوس بن ثابتؓ	نجار
۲۳۔ غراب مہاجرینؓ	سعد بن خیشمہؓ	قبا

ان لوگوں کے ہجرت کرنے کے بعد مکہ میں آنحضرت ﷺ، حضرت ابوبکرؓ اور حضرت علیؓ کے سوا کوئی نہ رہ گیا تھا۔ البتہ وہ لوگ مستثنیٰ تھے جو یا تو قید تھے یا بیمار اور یا ہجرت سے معذور۔

ہجرت نبوی ﷺ

بیعت عقبہ سے تقریباً ڈھائی مہینہ کے بعد وہ زمانہ آیا کہ جب خود آنحضرت ﷺ نے ہجرت کا عزم فرمایا، صحابہؓ کے مکہ چھوڑ کر مدینہ چلے جانے سے گواہی حد تک قریش کو سکون نصیب ہو گیا تھا لیکن آپ ﷺ کی موجودگی اب بھی ان کے دل میں کھٹک پیدا کرتی تھی۔ اور آپ ﷺ کی

ہجرت کو اور بھی آتش زیر پا بنارہا تھا۔ چنانچہ اس مقصد کے لئے انہوں نے دارالندوہ میں ایک مجلس شوریٰ طلب کی اور نجد کے ایک بوڑھے شیطان کے مشورہ سے آپ ﷺ کے قتل کا فتویٰ صادر کیا، لیکن آپ ﷺ حضرت ابوبکرؓ کے ہمراہ مکہ سے نکل کر ایک غار میں پناہ گزین ہو گئے اور وہاں سے خفیہ مدینہ کا رخ فرمایا۔

مدینہ میں آپ ﷺ کا نہایت بے تابی سے انتظار ہو رہا تھا۔ انصار اور مہاجرین روزانہ صبح اٹھ کر عقبہ کے سنگستان تک جاتے اور جب دھوپ سے زمین تپ اٹھتی اس وقت واپس آتے تھے۔ ایک روز اسی طرح انتظار کے بعد واپس ہو رہے تھے کہ یہودی نے ٹیلہ پر سے آواز دی ”بنو قیلہ! (انصار کی وادی کا نام ہے) لو تمہارے صاحب آ گئے۔“ انصار یہ سن کر پلٹے اور آنحضرت ﷺ کی زیارت سے مشرف ہوئے۔ اس وقت صحابہؓ کے جوش کی عجیب حالت تھی۔ تمام مسلمان ہتھیاروں سے آراستہ تھے اور عمرو بن عوف کے محلہ میں تکبیر کا اس قدر شور تھا کہ زمین لرز اٹھتی تھی۔

آنحضرت ﷺ پہلے قبائیں اترے اور کلثومؓ بن الہدم کے مکان میں قیام فرمایا۔ لوگوں سے ملنے جلنے کے لئے سعد بن خثیمہؓ کے مکان میں نشست رہتی تھی اس لئے بعض کو شبہ ہوا اور انہوں نے آنحضرت ﷺ کا مسکن سعد کے مکان کو سمجھا۔ یہاں آپ ﷺ ابن اسحاق کی روایت کے مطابق ۴ روز اور صحیح بخاری کے رُوسے ۴ روز مقیم رہے اور ایک مسجد کی بنیاد قائم کی۔

جمعہ کے روز مدینہ تشریف لے جانے کا خیال ہوا، اور بنونجار کو اطلاع کرائی۔ بنونجار ہتھیار سج سج کر خیر مقدم کے لئے قبائیں پہنچے اور عرض کیا۔ ”بسم اللہ تشریف لے چلے“، موکب رسالت قبا سے روانہ ہوا تو شہر یثرب کے درود یوار طلعت اقدس سے جگمگا اٹھے، اللہ اکبر! مدینہ منورہ کی تاریخ میں یہ کتنا مبارک دن تھا۔

انصار کے تمام قبیلے شہنشاہ رسالت ﷺ کے انتظار میں ہتھیاروں سے آراستہ دورویہ صف بستہ تھے۔ رؤسا اپنے اپنے محلوں میں قرینہ سے ایستادہ تھے۔ پردہ نشین خواتین گھروں سے باہر نکل آئیں تھیں۔ مدینہ کے غلام جوش مسرت میں اپنے اپنے فوجی کرتب دکھا رہے تھے، اور خاندانِ نجار کی لڑکیاں دف بجابجا کر ”طلع البدر“ کا ترانہ خیر مقدم گارہی تھیں۔ غرض اس شان و شکوہ سے آنحضرت ﷺ کا داخلہ ہوا کہ وداع کی گھائیاں ہسرت کے ترانوں سے گونج اٹھیں، اور مدینہ کے روز نہائے دیوار نے اپنی آنکھوں سے وہ دیکھا جو کبھی نہ دیکھا تھا!

اب ہر شخص منتظر تھا کہ دیکھئے میزبانِ دو عالم ﷺ کی مہمانی کا شرف کس کو حاصل ہو، چنانچہ جب آپ ﷺ رانونا کی مسجد سے نماز پڑھ کر باہر آئے اور بنو سالم میں پہنچے تو عتبہ بن مالک "اور عباس" بن عبادہ بن نھلہ نے اھلا و سھلا کہا اور قیام کے لئے اپنا مکان پیش کیا۔

پھر بالترتیب بیانہ میں زیاد بن لبید"، اور فروہ بن عمرو، ساعدہ میں سعد بن عبادہ، سردار قبیلہ خزرج اور منذر بن عمرو، حارث بن خزرج میں سعد بن ربیع"، خارجہ" بن زید اور عبد اللہ ابن رواحہ، عدی بن نجار میں سلیط" بن قیس اور ابو سلیط اسیرہ بن ابی خارجہ نے آپ ﷺ کا خیر مقدم کیا اور اپنے اپنے گھروں میں قیام کی خواہش ظاہر کی۔

لیکن کارکنانِ قضا و قدر نے اس شرف کے لئے جس گھر کو چنا تھا وہ حضرت ابو ایوب" کا کاشانہ تھا۔ اس لئے جس شخص نے آپ ﷺ سے اس کی خواہش کی جواب ملا "خلوا سبیلھا فانھا مامورۃ" اس کو چھوڑ دو۔ یہ حکم کی پابندی ہے آخر ندائے حق نے ستر کی منزل متعین کی اور ناقہ قصوانے خانہ ایوب" کے سامنے دم لیا، اب بنو نجار میں قیام کا مسئلہ پیش ہوا، اور امیدوار ہر طرف سے ہجوم کر آئے لیکن اسی اثنا میں حضرت ابو ایوب انصاری" نے آکر کہا "میرا مکان یہ ہے اور یہ اس کا دروازہ ہے۔"

آپ ﷺ نے اجازت دی تو انہوں نے مہبطِ وحی و رسالت کو اپنے گھر میں اتار لیا۔

مبارک منز لے کا خانہ راما ہے چنیں باشد

بہایوں کشورے کا عرصہ اشا ہے چنیں باشد

یہاں پہنچتے ہی اشاعتِ اسلام کا کام نہایت تیزی سے شروع ہو گیا جس وقت آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) شہر آ رہے تھے، ایک گھر کی بیوی آپ ﷺ کی منتظر تھیں مکان کے سامنے سے گزر ہو تو انہوں نے اپنے تمام گھر والوں کے ساتھ اسلام قبول کیا۔

حضرت عبد اللہ بن سلام" یہود کے ایک بڑے عالم تھے وہ بھی اب تک اسلام سے محروم تھے۔ غات ایوب" میں جب آنحضرت ﷺ مقیم ہو گئے تو انہوں نے بھی آکر کلمہ شہادت پڑھا۔

تعمیر مسجد نبوی :

چونکہ بنو نجار میں اب تک مستقل طور سے کوئی مسجد نہیں بنی تھی اس لئے آنحضرت ﷺ جہاں موجود ہوتے وہیں نماز ادا فرما لیتے تھے۔ چند روز کے بعد ایک مسجد کی تعمیر کا خیال پیدا ہوا، جس جگہ اس وقت مسجد نبوی ﷺ ہے۔ یہ انصار کے چھوہارے پھیلانے کی جگہ تھی اور حضرت اسعد بن زرارہ نے مسلمان ہو کر نماز باجماعت کا یہیں انتظام کیا تھا۔ اس لئے آپ ﷺ کو مسجد کا خیال پیدا ہوا اور اسی مقام کو منتخب فرمایا، جہاں کہ آپ ﷺ کی تشریف آوری سے قبل ہی چند مقدس نفوس کے ہاتھوں گویا ایک مسجد کی بنیاد پڑ چکی تھی۔

یہ زمین سہل اور سہیل نامی دو قبیلوں کی ملک تھی۔ جو حضرت اسعد بن زرارہؓ کی آغوش تربیت میں پرورش پاتے تھے۔ آپ ﷺ نے ان سے قیمت پوچھی تو بولے کہ ہم یہ زمین آپ ﷺ کے لئے ہبہ کرتے ہیں۔ لیکن آپ نے اسے ناپسند کیا اور اس کی قیمت ادا فرمائی۔

اس امر میں اختلاف ہے کہ زمین کا روپیہ کس نے ادا کیا تھا؟ صحیح بخاری میں کوئی تصریح نہیں، واقدی نے زہری کے سلسلہ سے لکھا ہے کہ اس کے دام حضرت ابوبکرؓ کے روپے سے دیئے گئے تھے، ایک روایت میں ہے کہ حضرت اسعد بن زرارہؓ نے اس زمین کے معاوضہ میں ان کو بنویاضہ میں ایک باغ دیا تھا^۱۔ اور عجب نہیں کہ صحیح بھی ہو، کیونکہ صحیح بخاری میں یہ بال تصریح مذکور ہے کہ وہ لڑکے انہی کے زیر تربیت تھے، زبیر اور ابو معشر کے نزدیک اس کی قیمت حضرت ایوبؓ نے ادا کی تھی^۲۔

غرض زمین کا معاملہ طے ہونے پر اس کی تعمیر کا سلسلہ شروع ہوا، لیکن جانتے ہو کہ اس مقدس مسجد کے کون لوگ معمار تھے؟ یہ مسجد خدا کی تھی، اس لئے اس کے مزدور وہ تھے جو خدا کے محبوب اور اس کے محبوب کے پیارے تھے، یعنی انصار کرام اور مہاجرین اول (رضوان اللہ علیہم) اور پھر اس کا سب سے بڑا معمار وہ تھا جس نے قصر نبوت ﷺ میں آخری اینٹ لگائی تھی اور جس کی غلامی پر جبریل امینؑ بھی ناز کیا کرتے تھے وہ اپنے باپ (حضرت ابرہیمؑ) کی طرح خدائے قدوس کی عبادت کے لئے عرب کے ظلمت کدہ میں ایک گھرتیار گر رہا تھا، اور عبد اللہؓ بن رواحہ انصاری کا یہ شعر پڑھ رہا تھا۔

اللّٰهُمَّ اِنِّ الْاَجْرَ اَجْرَ الْاٰخِرَةِ فَارْحَمِ الْاَنْصَارَ وَالْمُهَاجِرَةَ^۱
 خدایا! اجر تو بس آخرت کا اجر ہے پس تو انصار اور مہاجرین پر رحم فرما

مسجد نبویؐ کے ساتھ آپؐ کی سکونت کے لئے چند مکانات بھی بنائے گئے اور جب یہ عمارتیں تیار ہو گئیں، تو آپؐ حضرت ابویوبؓ انصاری کے مکان سے اپنے مکان میں منتقل ہو گئے۔^۲

یہود سے معاہدہ :

اس کے بعد یہود اور مسلمان میں ایک معاہدہ لکھا گیا جس میں یہود کو ان کے مذہب پر قائم رہنے اور ان کے مال و جان کی حفاظت کرنے کی اجازت دی گئی اور یہ شرط کی گئی کہ اگر مسلمان کسی قبیلہ سے جنگ کریں تو یہود پر ان کی اعانت لازمی ہوگی۔ یہود کے ساتھ خود انصار و مہاجرین کے باہمی تعلقات کا بھی اس میں تذکرہ کیا گیا تھا۔^۳

مواخاۃ :

ہجرت مقدسہ کے وجود پر آسمانی برکتیں موقوف تھیں۔ ان میں سے ایک نعمت عظمیٰ مواخاۃ بھی ہے۔ مواخات مذہب اسلام اور آنحضرت ﷺ کی زندگی کا وہ عظیم الشان واقعہ ہے جس کی نظیر سے اخلاق اور تمدن دونوں کی تاریخ یکسر خالی ہے۔

اہل عرب عموماً اور اہل یثرب خصوصاً باہمی معرکہ آرائیوں کی بدولت، حسد، دشمنی بغض اور کینہ توزی کے اس درجہ عادی ہو گئے تھے کہ غیر تو غیر اپنوں پر بھی کسی کو اعتماد نہ ہوتا تھا۔

اوس و خزرج بھائی بھائی تھے۔ لیکن پیہم خانہ جنگیوں نے وہ دن دکھایا تھا کہ ایک دوسرے کی صورت سے ہی نفرت کرتے تھے۔ واقعات شاہد ہیں کہ جب حضرت مصعب بن عمیرؓ راہی اسلام بن کر مدینہ آئے تو انصار نے ان کو صرف اس وجہ سے امام بنایا تھا کہ وہ اپنے کسی ہم قبیلہ کے پیچھے نماز نہیں پڑھنا چاہتے تھے۔ لیکن اسلام کی برکات اور آنحضرت ﷺ کے فیض صحبت سے یہ حالت بہت جلد بدل گئی اور وہ دن آگیا کہ انصار باہمی بغض و عناد کو چھوڑ کر مہاجرین اور انجمنی مسلمانوں کے ساتھ وہ کریں جو دنیا خود اپنے بڑے سے بڑے عزیز کے ساتھ نہیں کر سکتی۔

۱۔ صحیح بخاری - جلد ۱ - ص ۵۵۵ باب ہجرت النبی ﷺ واصحابہ الی المدینہ۔

۲۔ ہجرت ابن ہشام - جلد ۱ - ص ۷۵ - ۳۔ ایضاً - ص ۷۸ - ۴۔ اسد الغابہ - جلد ۳ - ص ۶۹۔

ہجرت کے ۵ ماہ بعد آنحضرت ﷺ نے حضرت انسؓ کے مکان میں انصار و مہاجرین کا ایک مجمع طلب کیا اور ان میں برادری قائم کی کہتے ہیں کہ ان بزرگوں کی تعداد ۹۰ تھی جن میں نصف مہاجرین اور نصف انصار تھے ابن سعد نے واقعہ کی سے یہی روایت کی ہے، بعض کا خیال ہے کہ دونوں فریق ۵۰-۵۰ تھے، اس لحاظ سے یہ تعداد ۹۰ کے بجائے ۱۰۰ ہو جاتی ہے ان بزرگوں میں سے بعض کے نام جو ہم کو معلوم ہو سکے وہ یہ ہیں :

انصار	مہاجرین
حضرت علیؓ	۱۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
حضرت زید بن حارثہؓ (یہ دونوں مہاجر تھے)	۲۔ حضرت حمزہؓ
حضرت معاذ بن جبلؓ	۳۔ حضرت جعفر طیارؓ
حضرت خارجہ بن زبیرؓ	۴۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ
حضرت سہان بن مالکؓ	۵۔ حضرت عمر بن الخطابؓ
حضرت سعد بن معاذؓ	۶۔ حضرت ابو عبیدہؓ
حضرت سعد بن ربیعؓ	۷۔ حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ
حضرت سلمہ بن سلامہ بن قشؓ	۸۔ حضرت زبیر بن عوامؓ
حضرت اوس بن ثابت بن منذرؓ	۹۔ حضرت عثمان بن عفانؓ
حضرت کعب بن مالکؓ	۱۰۔ حضرت طلحہ بن عبید اللہؓ
حضرت ابی بن کعبؓ	۱۱۔ حضرت سعید بن زیدؓ
حضرت ابوالیوب خالد بن زیدؓ	۱۲۔ مصعب بن عمیرؓ
حضرت عباد بن بشر بن قشؓ	۱۳۔ حضرت حذیفہ بن عتبہؓ
حضرت منذر بن عمروؓ	۱۴۔ حضرت ابوذر غفاریؓ
حضرت حذیفہ بن یمانؓ	۱۵۔ حضرت عمار بن یاسرؓ
حضرت عویم بن ساعدہؓ	۱۶۔ حاطب بن ابی بلتعہؓ
حضرت ابوالدرداءؓ	۱۷۔ حضرت سلمان فارسیؓ
حضرت ابوردیحہ خثعمیؓ	۱۸۔ حضرت بلال حبشیؓ

اس مواخاۃ کا کیا اثر ہوا؟ اس کا جواب ذیل کے واقعات میں ملتا ہے۔

مہاجرین جس وقت مکہ سے مدینہ آئے ہیں تو ان کے پاس کچھ نہ تھا۔ انصار نے اپنی جائیدادیں ان کے لئے علیحدہ کر دیں۔ لیکن آنحضرت ﷺ نے انکار کیا تو انصار نے کہا کہ مہاجرین ان کی زمین جو تھیں، بوئیں اور اس محنت کے معاوضہ میں نصف پھل لے لیا کریں! آنحضرت نے اس رائے کو پسند کیا۔

انصار کی وراثت بجائے ان کے اعزہ کے مہاجرین کو ملتی تھی۔ جب یہ آیت ”وَلِكُلِّ جَعَلْنَا مَوَالِيَّ“ نازل ہوئی تو وراثت کا یہ طریقہ منسوخ ہو گیا۔

عام انصار کے ساتھ حضرت سعد بن ربیعؓ نے مواخاۃ کا عجیب و غریب منظر پیش کیا۔ حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ ان کے اسلامی بھائی بنائے گئے تو انہوں نے درخواست کی کہ میرا آدھا مال لے لیں اور میری دو بیویوں میں سے ایک منتخب کر لیں، (حضرت سعدؓ کی دو بیویاں تھیں)۔ حضرت عبدالرحمنؓ نے یہ الفاظ سنے تو ان کے لئے خیر و برکت کی دعا کی۔

آنحضرت ﷺ نے انصار کو بحرین میں زمین دینا چاہی تو انہوں نے صرف اس بناء پر لینے سے انکار کیا کہ قریش کو بھی اسی قدر ملنا چاہئے۔

غزوہ موتہ میں امراء لشکر کی شہادت کے بعد کوئی امیر نہ تھا۔ ایک انصار نے جھنڈا لے جا کر حضرت خالدؓ کو دیا۔ انہوں نے ہر چند چاہا کہ انصاری امیر بن جائیں، لیکن وہ برابر انکار کرتے رہے اور بولے کہ میں اس کو صرف تمہارے لئے لایا ہوں۔

ان واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ مواخاۃ کی بدولت انصار میں ایثار کا عجیب و غریب مادہ پیدا ہو گیا تھا۔ نفسانیت بالکل فنا ہو گئی تھی اور جاہلیت کی تمام ادعائی آوازیں پست ہو گئی تھیں۔

اذان : آنحضرت ﷺ کی مکی زندگی کچھ ایسی پُر پیچ مشکلات میں گھری ہوئی گزری تھی کہ نماز کے علاوہ اور کوئی شے مسلمانوں پر فرض نہیں ہو سکتی تھی۔ مدینہ آ کر جب کسی قدر امن و سکون میسر ہوا تو فرائض کی حد بندی اور احکامات میں اضافہ شروع ہوا۔ چنانچہ زکوٰۃ اور روزے فرض ہوئے، حدود مقرر کئے گئے اور حلال و حرام کی تشریح کی گئی۔ اس وقت تک آنحضرت ﷺ نے نماز کے لئے جو

۱۔ صحیح مسلم۔ جلد ۲۔ ص ۷۸ ۲۔ صحیح بخاری۔ جلد ۱۔ ص ۶۰۳ ۳۔ ایضاً۔ ص ۵۶۱ ۴۔ ایضاً۔ ص ۴۴۸
۵۔ طبقات ابن سعد۔ جلد ۲۔ قسم ۱۔ ص ۹۴

جماعت قائم کی تھی، اس کی صرف یہ صورت ہوتی تھی کہ لوگ نماز کے اوقات میں جمع ہو جاتے تھے اور نماز ہو جاتی تھی۔ لیکن اس کی اطلاع کا مسلمانوں کے پاس کوئی ذریعہ نہ تھا۔

اس کے لئے آنحضرت نے یہ تجویز پیش فرمائی کہ نماز کے وقت یہود کی طرح بوق بجایا جائے۔ پھر ناقوس کا خیال ہوا، اسی اثنا میں انصار کے ایک شخص حضرت عبداللہ بن زید بن عبد ربہؓ نے خواب دیکھا اور اس میں اذان کے کلمات سُنے۔

بیدار ہو کر آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) سے بیان کیا۔ ارشاد ہوا کہ تمہارا خواب سچا ہے اور حضرت بلالؓ کو اذان سکھانے کا حکم دیا۔ وہ اذان دے ہی رہے تھے کہ حضرت عمرؓ نے اپنا خواب آکر بیان کیا اور کہا کہ میں نے بھی یہی کلمات خواب میں سُنے ہیں۔ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) یہ سن کر بہت خوش ہوئے اور دو مسلمانوں کے اس اتفاق پر خدا کا شکر ادا کیا۔

اس مقام پر یہ بات لحاظ کے قابل ہے کہ اذان جو درحقیقت نماز کا دیباچہ اور اسلام کا شعار اعظم ہے، انصاری کی رائے سے قائم ہوئی اور یہ وہ شرف ہے جو انصار کے ناصیہ کمال پر ہمیشہ غرہ عظمت بن کر نمایاں رہے گا۔



” الف “

حضرت ابویوب رضی اللہ عنہ انصاری

نام نسب اور ابتدائی حالات :

خالد نام، ابویوب کنیت۔ قبیلہ خزرج کے خاندان نجار سے تھے۔ سلسلہ نسب یہ ہے :
خالد بن زید، بن کلیب، بن ثعلبہ، بن عوف خزرجی۔ خاندان نجار کو قبائل مدینہ میں خود
بھی ممتاز تھا۔ تاہم اس شرف نے حامل نبوت ﷺ کی وہاں انھیالی قرابت تھی، اس کو مدینہ کے اور
قبائل سے ممتاز کر دیا تھا۔ ابویوبؓ اس خاندان کے رئیس تھے۔

اسلام : حضرت ابویوبؓ انصاری بھی ان منتخب بزرگان مدینہ میں ہیں، جنہوں نے عقبہ کی
گھائی میں جا کر آنحضرت ﷺ کے دست مبارک پر اسلام کی بیعت کی تھی۔

حضرت ابویوبؓ مکہ سے دولت ایمان لے کر پلٹے تو ان کی فیاض طبعی نے گوارہ نہ کیا
کہ اس نعمت کو صرف اپنی ذات تک محدود رکھیں۔ چنانچہ اپنے اہل و عیال، اعزہ و اقرباء اور
دوست و احباب کو ایمان کی تلقین کی اور اپنی بیوی کو حلقہ توحید میں داخل کیا۔

حاصل نبوت کی میزبانی :

خدا نے اہل مدینہ کے قبول دعوت سے اسلام کو ایک امن عطا کر دیا اور مسلمان
مہاجرین مکہ اور اطراف سے آ کر مدینہ میں پناہ گزیں ہوئے۔ لیکن جو دہود مقدس قریش کی
ستم کاریوں کا حقیقی نشانہ تھا وہ اب تک ستمگاریوں کے حلقہ میں تھا۔ آخر ماہ ربیع الاول میں نبوت
کے تیرہویں سال وہ بھی عازم مدینہ ہوا۔ اہل مدینہ بڑی بیتابی سے آنحضرت ﷺ کی آمد آمد کا
انتظار کر رہے تھے۔

انصار کا ایک گروہ جس میں حضرت ابویوبؓ بھی تھے، روزانہ حرہ تک جو مدینہ سے ۴،۳
میل ہے صبح اٹھ کر جاتا تھا اور دوپہر تک حضور کا انتظار کر کے نامراد واپس آتا تھا۔ اسی طرح یہ لوگ ایک
روز بے نیل مرام واپس ہو رہے تھے کہ ایک یہودی نے دور سے آنحضرت ﷺ وقرینہ سے پہچان کر
انصار کو تشریف آوری کا مشرہ سنایا۔ انصار جن میں بنو نجار سب سے پیش پیش تھے ہتھیار سج سج کر خیر
مقدم کے لئے آگے بڑھے۔

مدینہ سے متصل قباء نام کی ایک آبادی تھی۔ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کچھ دنوں قباء میں رونق افروز رہے، اس کے بعد مدینہ کا عزم فرمایا۔ اللہ اکبر! مدینہ کی تاریخ میں یہ عجیب مبارک دن تھا۔ بنونجار اور تمام انصار ہتھیاروں سے آراستہ دورویہ صف بستہ تھے۔ رؤساء اپنے اپنے محلوں میں قرینے سے ایستادہ تھے۔ پردہ نشین خواتین گھر سے باہر نکل آئی تھیں۔

مدینہ کے حبشی غلام جوش مسرت میں اپنے اپنے فوجی کرتب دکھا رہے تھے اور خاندان نجار کی لڑکیاں دف بجا بجا کر ”طلع البدر علینا“ کا ترانہ خیر مقدم گارہی تھیں۔ غرض اس شان و شکوہ سے آنحضرت ﷺ کا شہر میں داخلہ ہوا کہ وداغ کی گھاٹیاں مسرت کے ترانوں سے گونج اٹھیں اور مدینہ کے روز نہائے دیوار نے اپنی آنکھوں سے وہ منظر دیکھا جو اس نے کبھی نہ دیکھا تھا۔

اب ہر شخص منتظر تھا کہ دیکھئے میزبان دو عالم کی مہمانی کا شرف کس کو حاصل ہو۔ جدھر سے آپ کا گذر ہوتا لوگ اہلاً و سہلاً کہتے ہوئے آگے بڑھتے اور عرض کرتے کہ حضور یہ گھر حاضر ہے۔ لیکن کارکنان قضا و قدر نے اس شرف کے لئے جس گھر کو تاکا تھا وہ ابویوبؓ کا کاشانہ تھا۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ”خلوا سبیلھا فانھا مامورۃ“ یعنی انٹنی کو آزاد چھوڑ دو، وہ خدا کی جانب سے خود منزل تلاش کر لے گی۔

امام مالک کا قول ہے کہ اس وقت آنحضرت ﷺ پر وحی کی حالت طاری تھی اور آپ اپنے قیام گاہ کی تجویز میں حکم الہی کے منتظر تھے۔ آخر ندائے وحی نے تسکین کا سرمایہ بہم پہنچایا اور نائق قصوانہ نے خانہ ابویوبؓ کے سامنے سفر کی منزل ختم کی۔ حضرت ابویوبؓ سامنے آئے اور درخواست کی کہ میرا گھر قریب ہے، اجازت دیجئے اسباب اتار لوں۔ امیدواروں کا ہجوم اب بھی باقی تھا اور لوگوں کا اصرار اجازت سے مانع تھا۔ آخر لوگوں نے قرعہ ڈالا۔ ابویوبؓ کو اس فخر لازوال کے حصول سے جو مسرت ہوئی ہوگی اس کا کون اندازہ کر سکتا ہے۔

آنحضرت ﷺ حضرت ابویوبؓ کے گھر میں تقریباً ۶ مہینے تک فروکش رہے۔ اس عرصہ میں حضرت ابویوبؓ نے نہایت عقیدت مندانہ جوش کے ساتھ آپ ﷺ کی میزبانی کی۔ ان کے مکان کے اوپر نیچے دو حصے تھے۔ انہوں نے اوپر کا حصہ آنحضرت ﷺ کے لئے مخصوص کیا، لیکن آپ ﷺ نے اپنی اور زائرین کی آسانی کی خاطر نیچے کا حصہ پسند فرمایا۔

ایک دفعہ اتفاق سے کوٹھے پر پانی کا جو گھڑا تھا وہ ٹوٹ گیا۔ چھت معمولی تھی، ڈرتھا کہ پانی نیچے ٹپکے گا اور آنحضرت ﷺ کو تکلیف ہوگی۔ گھر میں میاں بیوی کے اوڑھنے کے لئے صرف ایک ہی لحاف تھا۔ دونوں نے لحاف پانی پر ڈال دیا کہ پانی جذب ہو جائے۔ بایں ہمہ یہ تکلیف ان میزبانوں کے لئے کوئی بڑی زحمت نہ تھی کہ اسلام کی خاطر اس سے بڑی بڑی اور شدید اور تکلیفوں کے تحمل کا وہ عزم کر چکے تھے۔ تاہم یہ خیال کہ وہ اوپر اور خود حامل وحی نیچے ہے۔ ایسا سوہان روح تھا، جس نے حضرت ابوایوبؓ اور اُم ایوبؓ کو ایک دفعہ شب بھر بیدار رکھا اور دونوں میاں بیوی نے اس سوءادب کے خوف سے چھت کے کونوں میں بیٹھ کر رات بسر کی۔

صبح حضرت ابوایوبؓ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور رات کا واقعہ عرض کیا اور درخواست کی کہ حضور (ﷺ) اوپر اقامت فرمائیں، جان نثار نیچے رہیں گے۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ نے درخواست قبول فرمائی اور بالا خانہ پر تشریف لے گئے۔

آنحضرت ﷺ جب تک ان کے مکان میں تشریف فرما رہے، عموماً انصار یا خود حضرت ابوایوبؓ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں روزانہ کھانا بھیجا کرتے تھے۔ کھانے سے جو کچھ بچ جاتا، آپ ﷺ حضرت ابوایوبؓ کے پاس بھیج دیتے تھے۔ حضرت ابوایوبؓ آنحضرت ﷺ کی انگلیوں کے نشان دیکھتے اور جس طرف سے آنحضرت ﷺ نے نوش فرمایا ہوتا، وہیں انگلی رکھتے اور کھاتے۔

ایک دفعہ کھانا واپس آیا تو معلوم ہوا کہ حضور ﷺ نے تناول نہیں فرمایا۔ مضطربانہ خدمت اقدس میں پہنچے اور نہ کھانے کا سبب دریافت کیا۔ ارشاد ہوا کھانے میں لہسن تھا اور میں لہسن پسند نہیں کرتا۔ حضرت ابوایوبؓ نے کہا انی اک ما تک جو آپ کو نا پسند ہو یا رسول اللہ ﷺ میں بھی اس کو نا پسند کروں گا۔

مواخات : ہجرت کے بعد آنحضرت ﷺ نے مہاجرین و انصار کو باہم بھائی بھائی بنادیا۔ آپ ﷺ نے حضرت انسؓ کے مکان میں مہاجرین و انصار کو جمع کیا اور اتحاد مذاق، رُتبہ اور درجہ کے لحاظ سے ایک ایک مہاجر کو ایک ایک انصار کا بھائی بنایا۔

اس موقع پر حضرت ابوایوب انصاریؓ کو جس مہاجر کا بھائی قرار دیا وہ یثرب کے اولین داعی اسلام حضرت مصعب بن عمیر قریشیؓ تھے۔ حضرت مصعب بن عمیرؓ وہ بزرگ جوش سحابی ہیں، جنہوں نے اسلام کی خاطر بڑی بڑی سختیاں جھیلی تھیں اور ہجرت نبوی سے پہلے اسلام کے سب سے اول

داعی بنا کر آنحضرت ﷺ : ان کو مدینہ بھیجا تھا۔ حضرت ابویوبؓ کی ان سے مواخاۃ یہ معنی رکھتی ہے کہ یہ اپنے اندر اسی قسم کا جوش اور ولولہ رکھتے ہیں اور آخر ان کی زندگی کے واقعات نے اس کو سچ کر دیا۔

غزوات اور عام حالات :

حضرت ابویوبؓ آنحضرت ﷺ کے ساتھ تمام غزوات میں دیگر اکابر صحابہؓ کی طرح برابر شریک رہے اور اس التزام سے کہ ایک غزوہ کے شرف شرکت سے بھی محروم نہیں رہے۔ آنحضرت ﷺ کے ساتھ تمام غزوات میں پہلا غزوہ بدر ہے، حضرت ابویوبؓ اس میں شریک تھے، بدر کے بعد وہ احد، خندق، بیعت الرضوان وغیرہ اور تمام غزوات میں بھی آنحضرت ﷺ کے ہمراہ رہے۔

آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد بھی ان کی زندگی کا بیشتر حصہ جہاد میں صرف ہوا، حضرت علیؓ کے عہد خلافت میں جو لڑائیاں پیش آئیں، ان میں سے جنگ خوارج میں وہ شریک تھے، اور جناب امیرؓ کی معیت میں مدائن تشریف لے گئے۔

جناب امیرؓ کو آپؐ کی ذات پر جو اعتماد اور آپؐ کی قابلیت و حسن تدبیر کا جس قدر اعتراف تھا وہ اس سے ظاہر ہوگا کہ جب انہوں نے کوفہ کو دار الخلافہ قرار دیا تو مدینہ میں حضرت ابویوبؓ کو اپنا جانشین چھوڑ گئے، اور وہ اس عہد میں امیر مدینہ رہے۔

آنحضرت ﷺ کے بعد صحابہ کرامؓ کو ان کی سابقہ حسن خدمت کی بنا پر بارگاہ خلافت سے حسب ترتیب ماہانہ وظائف ملتے تھے، حضرت ابویوبؓ کا وظیفہ پہلے ۴ ہزار درہم تھا، حضرت علیؓ نے اپنے زمانہ خلافت میں بیس ہزار کر دیا۔ پہلے ۸ غلام ان کی زمین کی کاشت کے لئے مقرر تھے۔ جناب امیرؓ نے ۴۰ غلام مرحمت فرمائے۔

آل اولاد : حضرت ابویوبؓ کی زوجہ کا نام حضرت ام حسن بنت زید انصاریہؓ ہے۔ وہ مشہور صحابیہ تھیں، ابن سعد کا بیان ہے کہ ان کے بطن سے صرف ایک لڑکا عبد الرحمن تھا۔

اس حسن خدمت اور محبت کی یادگار میں جو آپؐ کو آنحضرت ﷺ کی ذات سے تھی۔ تمام اصحابؓ اور اہل بیت آپؐ سے محبت و عظمت کے ساتھ پیش آتے تھے۔ حضرت ابن عباسؓ، حضرت علیؓ کی طرف سے ہمدردی کے گورنر تھے۔ اسی زمانہ میں آپؐ حضرت ابن عباسؓ کی ملاقات و

بصرہ تشریف لے گئے۔ ابن عباسؓ نے کہا کہ میں چاہتا ہوں کہ جس طرح آپؐ نے آنحضرت ﷺ کی اقامت کے لئے اپنا گھر خالی کر دیا تھا، میں بھی آپ کے لئے اپنا گھر خالی کر دوں اور تمام اہل وعیال کو دوسرے مکان میں منتقل کر دیا اور مکان مع اس تمام ساز و سامان کے جو گھر میں موجود تھا آپ کی نذر کر دیا۔

مصر کا سفر: حضرت علیؓ کے بعد امیر معاویہؓ کی حکومت کا زمانہ آیا۔ عقبہ بن عامر چبئی ان کی طرف سے مصر کے گورنر تھے۔ حضرت عقبہؓ کے عہد امارت میں حضرت ابو ایوبؓ کو دو مرتبہ سفر مصر کا اتفاق ہوا۔ پہلا سفر طلب حدیث کے لئے تھا۔ انہیں معلوم ہوا تھا کہ حضرت عقبہؓ کسی خاص حدیث کی روایت کرتے ہیں۔ صرف ایک حدیث کے لئے حضرت ابو ایوبؓ نے عالم پیری میں سفر مصر کی زحمت گوارا کی۔

مصر پہنچ کر پہلے مسلمہؓ بن مخلد کے مکان پر گئے۔ حضرت مسلمہؓ نے خبر پائی تو جلدی سے گھر سے باہر نکل آئے اور معافقہ کے بعد پوچھا کیسے تشریف لانا ہوا۔ حضرت ابو ایوبؓ نے فرمایا کہ مجھ کو عقبہؓ کا مکان بتا دیجئے۔ حضرت مسلمہؓ سے رخصت ہو کر عقبہ کے مکان پر پہنچے۔ ان سے ”ستر المسلم“ کی حدیث دریافت فرمائی اور کہا کہ اس وقت آپ کے سوا اس حدیث کا جاننے والا کوئی نہیں۔ حدیث سن کر اُونٹ پر سوار ہوئے اور سیدھے مدینہ منورہ واپس آ گئے۔

غزوہ روم کی شرکت :

دوسری بار غزوہ روم کی شرکت کے ارادے سے مصر تشریف لے گئے۔ فتح قسطنطنیہ کی آنحضرت ﷺ بشارت دے گئے تھے۔ امراء اسلام منتظر تھے کہ دیکھئے یہ پیشگوئی کس جانباز کے ہاتھوں پوری ہوتی ہے۔

شام کے دار الحکومت ہونے کے سبب حضرت معاویہؓ کو اس کا سب سے زیادہ موقع حاصل تھا۔ چنانچہ ۵۲ھ میں انہوں نے روم پر فوج کشی کی یزید بن معاویہ اس لشکر کا سپہ سالار تھا۔ دیگر اصحاب کبار کی طرح حضرت ابو ایوبؓ بھی اس پر جوش فوج کے سپاہی تھے۔ مصر و شام وغیرہ ممالک کے الگ الگ دستے تھے۔ مصری فوج کے سر عسکری گورنر مصر مشہور صحابی حضرت عقبہ بن عامرؓ تھے۔ ایک دستہ فضالہ بن عبید کے ماتحت تھا۔ ایک جماعت عبدالرحمن بن خالد بن ولید کے زیر قیادت تھی۔

رومی بڑے سرو سامان سے لڑائی کے لئے تیار ہوئے اور ایک فوج گراں مسلمانوں کے مقابلے کے لئے بھیجی۔ مسلمانوں نے بھی مقابلہ کی تیاریاں کیں۔ ان کی تعداد بھی دشمنوں سے کم نہ تھی۔ جوش کا یہ عالم تھا کہ ایک مسلمان رومیوں کی پوری پوری صف سے معرکہ آرا تھا۔ ایک صاحب کے جوش کی یہ کیفیت تھی کہ رومیوں کی صفوں کو چیر کر تنہا اندر گھس گئے۔ اس تیور کو دیکھ کر عام مسلمانوں نے بیک آواز صریح آیت قرآنی ”لا تعلقوا بایديکم الی التہلکة“ (اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو) کے خلاف ہے۔

حضرت ابو ایوب انصاریؓ آگے بڑھے اور فوج کو مخاطب کر کے فرمایا ”لوگو تم نے اس آیت شریفہ کے یہ معنی سمجھے؟ حالانکہ اس کا تعلق انصار کے ارادہ تجارت سے ہے، اسلام کے امن و فراخی کے بعد انصار نے یہ ارادہ کیا تھا کہ گذشتہ سالوں میں جہاد کی مشغولیت کی وجہ سے ان کو جو نقصان اٹھانے پڑے ہیں ان کی تلافی کی جائے، اس پر یہ آیت نازل ہوئی، پس ہلاکت جہاد میں نہیں، بلکہ ترک جہاد اور فراہمی مال میں ہے۔“

وفات : اسی سفر جہاد میں عام وبا پھیلی اور مجاہدین کی بڑی تعداد اس کی نذر ہو گئی۔ حضرت ابو ایوبؓ بھی اس وبا میں بیمار ہوئے۔ یزید عیادت کے لئے گیا اور پوچھا کہ کوئی وصیت کرنی ہو تو فرمائیے تعمیل کی جائے گی۔ آپ نے فرمایا ”تم دشمن کی سر زمین میں جہاں تک جاسکو، میرا جنازہ لے جا کر دفن کرنا۔“

چنانچہ وفات کے بعد اس کی تعمیل کی گئی۔ تمام فوج نے ہتھیار سجا کر رات کو لاش قسطنطنیہ کی دیواروں کے نیچے دفن کی، نماز میں جس قدر مسلمان فوجی تھے شامل تھے۔ دفن کرنے کے بعد یزید نے مزار کے ساتھ کفار کی بے ادبی کے خوف سے اس کو زمین کر برابر کرادیا۔

صبح کو رومیوں نے مسلمانوں سے پوچھا کہ رات آپ لوگ کچھ مصروف نظر آتے تھے، کیا بات تھی؟ مسلمانوں نے کہا کہ ہمارے پیغمبر کے ایک بڑے جلیل القدر دوست نے وفات پائی، ان کے دفن میں مشغول تھے۔ لیکن جہاں ہم نے دفن کیا ہے تمہیں معلوم ہے۔ اگر مزار اقدس کے ساتھ کوئی گستاخی تمہاری طرف سے روارکھی گئی تو یاد رکھو اسلام کی وسیع الحدود حکومت میں کہیں ناقوس نہ بج سکے گا۔^۱

۱۔ ابن سعد۔ جلد ۳۔ قسم اول۔ ص ۵۰ و اسد الغابہ تذکرہ حضرت ابو ایوبؓ

حضرت ابو ایوبؓ کا مزار دیوار قسطنطنیہ کے قریب ہے اور اب تک زیارت گاہ خلّاق ہے۔ رومی قحط کے زمانہ میں مزار اقدس پر جمع ہوتے تھے۔ اس کے وسیلہ سے بارانِ رحمت مانگتے تھے اور خدا کے لطف و کرم کا تماشا دیکھتے تھے۔^۱

فضل و کمال :

حضرت ابو ایوبؓ کا فضل و کمال اس قدر مسلم تھا کہ خود صحابہ ان سے مسائل دریافت کرتے تھے۔ حضرت ابن عباسؓ، ابن عمرؓ، براء بن عازبؓ، انس بن مالکؓ، ابوامامہؓ، زید بن خالد جہنیؓ، مقدم بن معدی کربؓ، جابر بن سمرہؓ، عبداللہ بن یزیدؓ، عظمیٰ وغیرہ جو آنحضرت ﷺ کے تربیت یافتہ تھے۔ حضرت ابو ایوبؓ کے فیض سے بے نیاز نہیں تھے۔ تابعین میں سعید بن مسیب، عروہ بن زبیر، سالم بن عبداللہ، عطاء بن یسار، عطاء بن یزید لیشی، ابوسلمہ، وعبدالرحمن بن ابی لیلیٰ، بڑے پایہ کے لوگ ہیں۔ تاہم وہ حضرت ابو ایوبؓ کے عام ارادت مندوں میں داخل تھے۔

حضرت ابو ایوبؓ کو فضل و کمال میں مرجعیت عامہ حاصل تھی۔ صحابہ کرام جب کسی مسئلہ میں اختلاف کرتے تو ان کی طرف رجوع کرتے تھے۔ ابن عباسؓ اور مسور بن مخرمہ میں اختلاف ہوا کہ محرم حالت جنابت میں غسل کرتے وقت سر ہاتھ سے مل سکتا ہے یا نہیں۔ ابن عباسؓ کا خیال تھا کہ سر دھوسکتا ہے، مگر مسورؓ کہتے تھے کہ سر دھونا جائز نہیں۔ دونوں بزرگوں نے عبداللہ بن حسین کو حضرت ابو ایوبؓ کی خدمت میں بھیجا۔ حسن اتفاق یہ کہ وہ اس وقت غسل ہی کر رہے تھے۔ عبداللہ نے اپنا مسئلہ پوچھا تو انہوں نے اپنا سر باہر نکال کر ملنا شروع کیا اور فرمایا کہ دیکھو آنحضرت ﷺ اسی طرح غسل کرتے تھے۔^۲

حضرت عاصم بن سفیان ثقفی غزوہٴ سلاسل میں شرکت کی غرض سے گھر سے نکلے تھے۔ ابھی منزل مقصود سے دور تھے کہ اختتام جنگ کی خبر آئی، انہیں نہایت افسوس ہوا، اور وہ حضرت امیر معاویہؓ کے دربار میں گئے۔ اس وقت ابو ایوبؓ اور عقبہ بن عامرؓ موجود تھے۔ ان کی موجودگی میں عاصم نے حضرت ابو ایوبؓ سے مسئلہ دریافت کیا، ان دونوں بزرگوں سے نہیں پوچھا۔ حضرت ابو ایوبؓ کو یہ گوارا نہ ہوا، اس لئے انہوں نے مسئلہ کا جواب دے کر حضرت عقبہؓ سے تصدیق کرائی کہ ان کو کسی قسم کا خیال پیدا نہ ہو۔^۳

۱۔ ابن سعد۔ جلد ۳۔ قسم ۲ ص ۵۰ ۲۔ صحیح بخاری۔ جلد ۱۔ ص ۲۲۸ ۳۔ مسند احمد۔ جلد ۵۔ ص ۲۲۳ و نسائی باب فضل الوضوء

ابن اسحاق (مولیٰ بنی ہاشم) اور بعض دوسرے بزرگوں میں یہ بحث تھی کہ نبیؐ کس کس برتن میں بنا سکتے ہیں؟ اور قرع مابہ التزاع تھا۔ حضرت ابویوب انصاریؓ کا ادھر سے گزر ہوا تو لوگوں نے ان کے پاس ایک آدمی کو تحقیق مسئلہ کے لئے روانہ کیا۔ حضرت ابویوبؓ نے فرمایا کہ آنحضرت ﷺ نے مزفت میں نبیؐ بنانے کی ممانعت فرمائی ہے۔ اس شخص نے قرع کا لفظ دہرایا مگر حضرت نے ابویوبؓ نے پھر یہی جواب دیا۔^۱

حضرت ابویوب کے دُت علم اور نشر معارف کی انتہا یہ ہے کہ بستر مرگ پر بھی ان کی زبان اشاعت حدیث کا مقدس فرض ادا کر رہی تھی۔ وفات سے قبل انہوں نے آنحضرت ﷺ سے دو حدیثیں روایت کیں، پہلے کبھی انہوں نے بیان نہیں کی تھیں۔ ان کی رحلت کے بعد عام اعلان کے ذریعہ سے وہ لوگوں تک پہنچائی گئیں۔^۲

اخلاق : حضرت ابویوبؓ کے مجموعہ اخلاق میں تین چیزیں سب سے زیادہ نمایاں تھیں۔ حُب رسولؐ، جوش ایمان اور حق گوئی۔ آنحضرت ﷺ کے ساتھ حضرت ابویوبؓ کو جو محبت تھی۔^۳ اور حضرت رسالت پناہ ﷺ کے ساتھ جو آداب وہ ملحوظ رکھتے تھے، میزبانی کے ذکر میں وہ واقعات گزر چکے ہیں۔

وفات نبوی ﷺ کے بعد جان نثاروں کے لئے روضہ اقدس کے سوا اور کیا شے مایہ تسلی ہو سکتی تھی؟ ایک دفعہ حضرت ابویوبؓ آنحضرت ﷺ کے روضہ اطہر کے پاس تشریف رکھتے تھے اور اپنا چہرہ ضریح اقدس سے مس کر رہے تھے۔ اس زمانہ میں مروان مدینہ کا گورنر تھا، وہ آگیا۔ اس کو بظاہر یہ فعل خلاف سنت نظر آیا، لیکن حضرت ابویوبؓ سے زیادہ مروان واقف رموز نہ تھا۔ اصل اعتراض کو سمجھ کر آپ نے فرمایا، میں آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں، اینٹ اور پتھر کے پاس نہیں آیا۔^۴

جوش ایمان کا تماشا تم اوپر دیکھ چکے ہو۔ غزوات نبوی میں سے کسی غزوہ کی شرکت سے وہ محروم نہ تھے۔ اسی برس کی عمر میں بھی وہ مصر کی راہ سے بحر روم کو عبور کر کے قسطنطنیہ کی دیواروں کے نیچے اعلائے کلمۃ اللہ میں مصروف تھے۔

حق گوئی کا یہ عالم تھا کہ حکومت اور امارت کا دبدبہ و شان بھی اس سے باز نہیں رکھ سکتا تھا۔ ایک دفعہ مصر کے گورنر عقبہؓ بن عامر جہنی نے جو خود صحابی تھے کسی سبب سے مغرب کی نماز میں دیر کر دی۔ حضرت ابویوبؓ نے اُٹھ کر پوچھا ”ما هذا الصلوة يا عقبه!“ عقبہ یہ کیسی نماز ہے؟

۱۔ مسند احمد۔ جلد ۵۔ ص ۲۱۴ ۲۔ مسند احمد۔ جلد ۵۔ ص ۲۱۴ ۳۔ ایضاً۔ ص ۲۲۳ ۴۔ ایضاً۔ ص ۲۱۴

حضرت عقبہؓ نے کہا، ایک کام کی وجہ سے دیر ہو گئی۔ آپ نے کہا تم صاحب رسول اللہ ﷺ ہو، تمہارے اس فعل سے لوگوں کو گمان ہوگا کہ شاید آنحضرت ﷺ اسی وقت نماز پڑھتے تھے۔ حالانکہ آنحضرت ﷺ نے مغرب کے وقت بتجیل کی تاکید فرمائی ہے۔

حضرت خالد بن ولیدؓ کے صاحبزادے عبدالرحمن نے کسی جنگ میں چار قیدیوں کو ہاتھ پاؤں بندھوا کر قتل کرادیا، حضرت ابویوبؓ انصاری کو خبر ہوئی تو انہوں نے فرمایا کہ اس قسم کے وحشیانہ قتل سے آنحضرت ﷺ نے ممانعت فرمائی ہے اور میں تو اس طرح مرغی کا مارنا بھی پسند نہیں کرتا۔

غزوہ روم کے زمانہ میں جہاز میں بہت سے قیدی افسر تقسیمات کی نگرانی میں تھے۔ حضرت ابویوبؓ ادھر سے گزرے تو دیکھا قیدیوں میں ایک عورت بھی ہے۔ جو رازدار روبری ہے۔ حضرت ابویوبؓ نے سبب پوچھا، لوگوں نے کہا کہ اس کا بچہ اس سے چھین کر الگ کر دیا گیا ہے۔ حضرت ابویوبؓ نے لڑکے کا ہاتھ پکڑ کر عورت کے ہاتھ میں دے دیا۔ افسر نے امیر سے اس کی شکایت کی، امیر نے باز پرس کی تو بولے رسول اللہ ﷺ نے اس طریقہ ستم کی ممانعت کی ہے، اور بس۔

حضرت ابویوبؓ کی حرکت ضمیر کا یہ فطری تقاضا تھا کہ جو بات اسلام کے خلاف دیکھیں اس پر لوگوں کو متنبہ کریں۔ چنانچہ جب وہ شام اور مصر تشریف لے گئے اور وہاں پاخانے قبلہ رخ بنے ہوئے دیکھے تو بار بار کہا، کیا کہوں؟ یہاں پاخانے قبلہ رخ بنے ہیں۔ حالانکہ آنحضرت ﷺ نے اس کی ممانعت فرمائی ہے۔

حضرت ابویوبؓ کی حیا کا یہ حال تھا کہ کنوئیں پر نہاتے تھے تو چاروں طرف سے کپڑا

تان لیتے تھے۔



حضرت انسؓ بن نصر

نام و نسب و خاندان :

انس نام، خاندان نجار سے ہیں۔ سلسلہ نسب یہ ہے انس بن نصر بن ضمضم بن زید بن حرام۔ حضرت انس بن مالکؓ کے چچا ہیں۔ سلمیٰ بنت عمرو جو عبدالمطلب (جدر رسول ﷺ) کی والدہ تھیں اسی خاندان سے تھیں اور رشتہ میں حضرت انسؓ بن نصیر کی پھوپھی بھی ہوتی تھیں۔ حضرت انسؓ اپنے خاندان کے رئیس تھے۔

اسلام : عقبہ ثانیہ میں مشرف باسلام ہوئے۔

غزوات اور وفات :

غزوہ بدر میں کسی سبب سے شریک نہ ہو سکے تھے۔ آنحضرت ﷺ سے معذرت کی کہ یا رسول اللہ (ﷺ) ! افسوس ہے کہ آپ ﷺ کے پہلے غزوہ میں موجود نہ تھا، لیکن اگر زندگی باقی ہے تو لوگ آئندہ دیکھ لیں گے کہ میں کیا کرتا ہوں !

شوال ۳ھ میں غزوہ احد ہوا، لڑائی کی شدت کا یہ عالم تھا کہ بڑے بڑے جانبازوں کے قدم اکھڑ گئے تھے، صرف چند آدمی آنحضرت ﷺ کے - باقی رہ گئے تھے۔ حضرت انسؓ نے میدان خالی دیکھا تو خود بڑھے۔ سعد بن معاذؓ سے ملاقات ہوئی تو ان سے کہا، کہاں جاتے ہو؟ جنت وہ ہے ! خدا کی قسم میں احد کی طرف جنت کی خوشبو محسوس کرتا ہوں ! یہ کہہ کر نہات جوش میں میدان کا قصد کیا، اور بڑے پامردی سے لڑ کر جان دی۔ انا لله وانا اليه راجعون۔

حضرت انسؓ کا بدن زخموں سے بالکل چھلنی تھا۔ شمار کیا گیا تو اتنی سے اوپر زخم نکلے۔ کفار نے لاش کو مثلہ کر دیا تھا، اس لئے شناخت نہ ہو سکی۔ آپ کی بہن ربيع بنت نصر نے انگلی سے بھائی کی لاش کو پہچانا۔

اخلاق : جوش ایمان کا شاہد خود ان کا شہادت کا واقعہ ہے۔ غزوہ احد کے متعلق جو آیتیں نازل ہوئیں ان میں حضرت انسؓ جیسے بزرگوں کی نہایت مدح کی گئی ہے۔ حضرت انسؓ بن مالکؓ فرماتے ہیں کہ یہ آیت میرے چچا (انسؓ بن نصر) کے متعلق نازل ہوئی۔

”من المؤمنین رجال صدقوا ما عاهدوا الله عليه فمنهم من قضى نحبه

ومنهم من ينتظر“ الآية

یعنی ”مسلمانوں میں بہت سے ایسے لوگ ہیں جو اپنے وعدہ میں بالکل سچے ہیں ان میں سے بعض اپنی قرارداد کو انجام تک پہنچا چکے ہیں، اور بعض وقت کا انتظار کر رہے ہیں۔“

ان کی بہن ربیع بنت نضر نے انصار کی ایک لڑکی کا دانت توڑ دیا تھا، اس کی قوم قصاص کی طالب ہوئی۔ آنحضرت ﷺ نے قصاص کا فیصلہ کیا تو انسؓ بن نضر نے آکر کہا یا رسول اللہ ﷺ! خدا کی قسم ربیع کا دانت نہ توڑا جائے گا! ارشاد ہوا خدا کا یہی حکم ہے۔

حضرت انسؓ نے جس ذات پر اعتماد کر کے قسم کھائی تھی۔ اس نے یہ صورت نکالی کہ لڑکی کے ورثہ دیت لینے پر راضی ہو گئے۔ اب ربیع قصاص سے بچ گئیں۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ خدا کے بعض بندے ایسے بھی ہیں کہ جب قسم کھاتے ہیں تو خدا ان کی قسم پوری کرتا ہے۔



حضرت انس بن مالکؓ

نام نسب اور ابتدائی حالات :

انس نام، ابو حمزہ کنیت، خادم رسول اللہ لقب، قبیلہ نجار سے ہیں۔ جو انصار مدینہ کا معزز ترین خاندان تھا۔ نسب نامہ یہ ہے، انس بن مالک بن نضر، ابن مضم، بن زید، بن حرام، بن جب، بن عامر، بن غنم، بن عدی، بن نجار۔ والدہ ماجدہ کا نام حضرت ام سلیم سہلہ بنت ملحان انصاریہ ہے۔ جن کا سلسلہ نسب تین واسطوں سے حضرت انسؓ کے آبائی سلسلہ میں مل جاتا ہے اور رشتہ میں وہ آنحضرتؐ کی خالہ ہوتی تھیں۔

حضرت انسؓ، ہجرت نبویؐ سے دس سال پیشتر شہر یشرب میں پیدا ہوئے۔ ۹،۸ سال کا سن تھا کہ ان کی ماں نے اسلام قبول کر لیا۔ ان کے والد بیوی سے ناراض ہو کر شام چلے گئے اور وہیں انتقال کیا۔ ماں نے دوسرا نکاح ابو طلحہ سے کر لیا۔ جن کا شمار قبیلہ خزرج کے متمول اشخاص میں تھا اور اپنے ساتھ حضرت انسؓ کو ابو طلحہ کے گھر لے گئیں۔ حضرت انسؓ نے انہی کے گھر میں پرورش پائی۔

قبل اسلام عربوں کی جہالت کا یہ نقشہ تھا کہ باپ (ابو طلحہ) کی صحبت میں جب بادہ و جام کا دور چلتا تو بیٹا (انسؓ) ساقی گری کرتا۔ وہ پہلے دوسروں کو پلاتے اور بعد میں خود پیتے تھے اور اس دس سالہ بچے کو روکنے والا کوئی نہ تھا۔

حضرت انسؓ کا نام ان کے چچا انس بن نضر کے نام پر رکھا گیا تھا۔ لیکن کنیت نہ تھی وہ آنحضرتؐ نے تجویز فرمائی۔ انسؓ ایک خاص قسم کی سبزی جس کا نام حمزہ تھا، چنا کرتے تھے۔ آنحضرتؐ نے اسی مناسبت سے ان کی کنیت ابو حمزہ پسند فرمائی۔

اسلام : حضرت انسؓ کا سن ۹،۸ سال کا تھا کہ مدینہ میں اسلام کی صدا بلند ہوئی۔ بنو نجار نے قبول اسلام میں جو پیش دستی کی تھی اس کا اثر یہ تھا کہ اس قبیلہ کے اکثر افراد آنحضرتؐ کے یشرب تشریف لانے سے قبل توحید و رسالت کے علمبردار ہو چکے تھے۔ حضرت انسؓ کی والدہ (ام سلیم) نے بھی عقبہ ثانیہ سے پیشتر دین اسلام اختیار کر لیا تھا اور جیسا کہ ابھی اوپر گزر چکا ہے کہ ان کے والد بت پرست تھے۔ وہ بیوی کے اسلام پر برہم ہو کر شام چلے گئے تھے۔ ادھر ام سلیم نے ابو طلحہ سے اس

شرط پر نکاح کر لیا کہ وہ بھی مذہب اسلام قبول کریں۔ چنانچہ وہ مسلمان ہو چکے تھے اور عقبہ ثانیہ میں آنحضرت ﷺ کے دست حق پرست پر مکہ جا کر بیعت کی تھی۔ اس طرح حضرت انسؓ کا پورا گھر نور ایمان سے منور تھا۔ ان کی جنتی ماں (اتم سلیمؓ) شمع اسلام کی پروانہ تھیں اور ان کے محترم باپ (حضرت ابو طلحہؓ) دین حنیف کے ایک پر جوش فدائی تھے۔ بیٹے نے انہیں والدین کی آغوش محبت میں تربیت پائی اور مسلمان ہوا۔

خدمتِ رسول ﷺ:

۱۰ سال کی عمر ہوئی کہ وہ یوم مسعود آیا جس کے انتظار میں اہل یثرب نے مہینوں راتیں کاٹیں تھیں۔ یعنی رسول اللہ ﷺ یثرب تشریف لائے اور شہر یثرب کو مدینہ النبی ہونے کا شرف عطا فرمایا۔ حضرت انسؓ کو اس وقت صغیر السن تھے لیکن پر جوش تھے۔ جس ساعت سعید میں مدینہ طیبہ کا افق آفتاب نبوت کی نورانی شعاعوں سے منور ہو رہا تھا۔

حضرت انسؓ اور بہت سے کم سن لڑکے ”جاء رسول اللہ جاء رسول اللہ“ کا مژدہ جاں بخش اہل عرب کو سنار ہے تھے، اور نہایت جوش میں خوشی خوشی شہر کا گشت لگا رہے تھے۔ ”جاء محمد ﷺ“ کی آواز کان میں آتی، مڑ کر دیکھتے کہ شاید کاروانِ قدس منزل مقصود پر خیمہ زن ہوا ہے لیکن گردِ کارواں کے سوا کچھ نظر نہ آتا، اتنے میں گردِ بٹی اور نہایت ہی شوکت و شان سے کوکبِ نبوت نمودار ہوا، حضرت انسؓ کی عقیدت مند نگاہ رخِ انور ﷺ پر پڑی اور تصدیقِ قلبی اور اقرارِ لسانی نے صحابیت کا ممتاز شرف بارگاہِ نبوت سے حاصل کیا۔

آنحضرت ﷺ نے مدینہ میں اقامت فرمائی تو حضرت ابو طلحہؓ، حضرت انسؓ کو لے کر خدمتِ اقدس ﷺ میں حاضر ہوئے اور درخواست کی کہ انسؓ کو اپنی غلامی میں لے لیجئے۔ آنحضرت ﷺ نے منظور فرمایا اور حضرت انسؓ خادمانِ خاص کے زمرہ میں داخل ہو گئے۔

حضرت انسؓ نے آنحضرت ﷺ کی وفات تک اپنے فرض کو نہایت خوبی سے انجام دیا، وہ کم و بیش دس برس حاملِ نبوت ﷺ کی خدمت کرتے رہے اور ہمیشہ اس شرف پر ان کو ناز رہا، معمول تھا کہ فجر کی نماز سے پیشتر درِ اقدس پر حاضر ہو جاتے اور دو پہر کو اپنے گھر واپس آتے دوسرے وقت پھر حاضر ہوتے اور عصر تک رہتے، نمازِ عصر پڑھ کر اپنے گھر کا رخ کرتے تھے۔ محلہ میں ایک مسجد تھی وہاں لوگ ان کا انتظار کرتے جب یہ پہنچتے اس وقت وہاں نماز ہوتی تھی۔

ان اوقات کے ماسوا بھی وہ آنحضرت ﷺ کے احکام کی تعمیل کے لئے حاضر رہتے تھے، ایک مرتبہ حضرت انسؓ آپ ﷺ کے کاموں سے فارغ ہو کر گھر روانہ ہوئے دوپہر کا وقت تھا، لڑکے کھیل رہے تھے حضرت انسؓ بھی کھڑے ہو کر تماشہ دیکھنے لگاتے میں آنحضرت ﷺ تشریف لائے لڑکوں نے دور سے دیکھ کر حضرت انسؓ سے کہا کہ رسول اللہ ﷺ آرہے ہیں، آنحضرت ﷺ نے حضرت انسؓ کا ہاتھ پکڑ کر کسی کام کے لئے بھیج دیا اور خود ایک دیوار کے سایہ تشریف فرما رہے، حضرت انسؓ کو دیر ہو گئی تھی گھر گئے تو امّ سلیم نے پوچھا آج دیر کہاں لگائی انہوں نے کہا ایک کام سے گیا تھا وہ بہانہ سمجھیں اور پوچھا کام کیا تھا؟ انہوں نے کہا کہ ایک پوشیدہ بات تھی، حضرت امّ سلیم نے کہا اس کو کسی سے نہ کہنا، چنانچہ حضرت انسؓ نے کسی پر ظاہر نہیں کیا۔

ایک مرتبہ حضرت ثابتؓ سے جو ان کے تلامذہ خاص تھے، فرمایا اگر میں کسی شخص کو اس راز سے آگاہ کرنا تو وہ تم تھے، لیکن میں بیان نہیں کروں گا۔

حضرت انسؓ ہمیشہ آنحضرت ﷺ کے ساتھ رہتے تھے سفر و حضر اور خلوت و جلوت کی ان کے لئے کوئی تخصیص نہ تھی اور نزولِ حجاب سے پہلے وہ آنحضرت ﷺ کے گھر میں آزادی کے ساتھ آتے جاتے تھے۔ ایک دن نماز فجر سے قبل آنحضرت ﷺ نے فرمایا، آج روزہ کا ارادہ ہے مجھے کچھ کھلا دو، حضرت انسؓ جلدی سے اٹھے اور کچھ خرے اور پانی لے کر حاضر ہوئے، آنحضرت ﷺ نے سحری کھائی اور پھر نماز فجر کے لئے تیار ہوئے۔

داخلہ خیبر کے وقت جبکہ نبوت کا جاہ و جلال فاتح کی شان و شوکت رکھتا تھا۔ حضرت انسؓ کے قدم آنحضرت ﷺ کے قدم کو چھو گئے۔ جس سے ازار مبارک کھسک گیا اور آنحضرت ﷺ کے زانوئے مقدس کی سفیدی لوگوں کو نظر آگئی حضور ﷺ نے کچھ خیال نہ فرمایا اور حضرت انسؓ کی اس خطا سے درگزر کی۔

حضرت انسؓ، آنحضرت ﷺ کے تمام کام نہایت مستعدی اور تندہی سے بجا لاتے، اور اپنی فرماں برداری سے حضور ﷺ کو خوش رکھتے تھے۔ فرماتے ہیں کہ میں نے دس برس آنحضرت ﷺ کی خدمت کی، لیکن اس مدت میں آپ ﷺ کبھی خفا نہ ہوئے اور نہ کبھی کسی کام کی نسبت یہ فرمایا کہ اب تک کیوں نہ ہوا، آنحضرت ﷺ کو ان سے خاص محبت ہو گئی تھی ان کو بیٹا اور کبھی کبھی پیار میں ”انیس“ کہہ کر مخاطب فرماتے تھے اکثر ان کے گھر تشریف لے جاتے، چھوہارے نوش فرماتے کھانا

موجود ہوتا تو کھانا تناول فرماتے، دو پہر کا وقت ہوتا تو آرام کرتے، نماز پڑھتے اور حضرت انسؓ کے لئے دعا فرماتے۔

پہلے گزر چکا ہے۔ حضرت انسؓ کی ماں حضرت ام سلیمؓ آنحضرتؐ کی رشتہ میں خالہ ہوتی تھیں۔ وہ آنحضرتؐ سے بہت محبت کرتی تھیں اور آنحضرتؐ کو بھی ان کا حد درجہ خیال تھا۔ غزوہ خیبر میں صفیہؓ اسیر ہو کر آئیں اور آنحضرتؐ نے نکاح کا خیال ظاہر فرمایا، تو حضرت ام سلیمؓ کے پاس بھیج دیا، ام سلیمؓ نے شادی کا سامان کیا اور حضرت صفیہؓ کو دلہن بنا کر شب کو آنحضرتؐ کے خیمہ اطہر میں پہنچایا۔

اسی طرح جب آنحضرتؐ نے آنحضرت زینبؓ سے عقد کیا، تو ام سلیمؓ نے ایک لگن میں مالیدہ بنا کر آنحضرتؐ کی خدمت میں بھیجا، آپؐ نے صحابہ کو طلب فرمایا، اور ایک مختصر سا جلسہ دعوت ترتیب دیا۔

غرض ان مختلف خصوصیتوں نے حضرت انسؓ کو خاندان نبوت کا ایک ممبر بنا دیا تھا، آنحضرتؐ کبھی کبھی خوش آہنی میں ان سے مزاح فرماتے تھے، ابو حمزہ ان کی کنیت اسی مزاح کا نتیجہ تھی، ایک مرتبہ میں ارشاد فرمایا: یا ذا الازنین یعنی اے دوکان والے !

عام حالات :

بارگاہ اقدس میں حضرت انسؓ کو جو قرب و اختصاص تھا، وہ تم اوپر پڑھا۔ ہک ہو تم نے دیکھا ہوگا کہ سفر و حضر اور خلوت و جلوت میں وہ کس استقلال سے آنحضرتؐ کے شریک صحبت رہتے تھے، یہی جوش محبت تھا جس نے میدان جنگ میں بھی آقا سے علیحدہ نہ ہونے دیا، غزوہ بدر میں ان کی عمر پانچ نہ تھی ۱۲ برس کا سن تھا، لیکن مجاہدین اسلام کے پہلو بہ پہلو میدان جنگ میں موجود تھے اور آنحضرتؐ کی خدمت میں خدمت گزاری کا فرض بجا رہے تھے ان کی اس کمسنی سے لوگوں کو شرکت بدر میں اشتباہ ہوتا تھا، چنانچہ ایک شخص نے پوچھا کہ آپ بدر میں موجود تھے، حضرت انسؓ نے فرمایا بدر سے کہاں غائب ہو سکتا تھا؟

واقعہ بدر سے ایک سال بعد غزوہ احد واقعہ ہوا۔ اس میں بھی حضرت انسؓ بہت کم عمر تھے۔ ذیقعدہ ۶ھ میں حدیبیہ اور بیت رضوان پیش آئی۔ اس وقت حضرت انسؓ کا عتفوان شباب تھا۔ ۱۶ برس کا سن تھا اب وہ میدان جنگ میں نبرد آزمائی کے قابل ہو گئے تھے۔ ۷ھ میں آنحضرتؐ

نے عمرۃ القضا کیا اس میں حضرت انسؓ تمام جاٹاروں کی طرح آنحضرت ﷺ کے ہمراہ تھے اسی سنہ میں خیبر پر فوج کشی ہوئی اس غزوہ میں حضرت انسؓ، ابو طلحہؓ کے ساتھ اونٹ پر سوار تھے اور آنحضرت ﷺ کے اس قدر قریب تھے کہ ان کا قدم آنحضرت ﷺ کے قدم سے مس کر رہا تھا، ۸ھ میں مکہ اور طائف میں معرکوں کا بازار گرم ہوا اور ۱۰ھ میں آنحضرت ﷺ نے حجۃ الوداع یعنی آخری حج کیا، ان سب واقعات میں حضرت انسؓ نے شرکت کی اور سعادت نبوی اور اخروی سے بہرہ اندوز ہوئے۔

آنحضرت ﷺ کے غزوات کی تعداد اگرچہ ۲۶-۲۷ تک پہنچی ہے، لیکن جن مقابلوں میں جنگ و قتال کی نوبت آئی ہے وہ صرف ۹ ہیں، بدر، احد، خندق، قریظہ، مصطلق، خیبر، مکہ، حنین، طائف، حضرت انسؓ ان سب میں موجود تھے، موسیٰ بن انسؓ سے ایک شخص نے سوال کیا کہ آپ کے پدر بزرگوار آنحضرت ﷺ کے کتنے معرکوں میں شریک تھے، انہوں نے کہا آٹھ میں غالباً انہوں نے بدر کو شامل نہیں کیا، جس کا سبب یہ ہے کہ بدر میں حضرت انسؓ اس عمر تک نہیں پہنچے تھے جو جہاد کی شرکت کے لئے ضروری قرار دی گئی ہے۔

آنحضرت ﷺ کے بعد حضرت ابوبکرؓ خلیفہ ہوئے انہوں نے حضرت انسؓ کو بحرین میں صدقات کا افسر بنانا چاہا پہلے حضرت عمرؓ سے مشورہ کیا، انہوں نے کہ انسؓ بہت ہوشیار شخص ہیں آپ نے جو خدمت ان کے لئے تجویز کی ہے میں اس کی تائید کرتا ہوں، چنانچہ حضرت انسؓ کو بارگاہ خلافت میں طلب کیا اور بحرینؓ کا عامل بنا کر بھیجا۔

حضرت عمرؓ نے اپنے عہد خلافت میں حضرت انسؓ کو تعلیم فقہ کے لئے ایک جماعت کے ساتھ بصرہ روانہ کیا۔ اس جماعت میں تقریباً دس اشخاص تھے۔ حضرت انسؓ نے مستقل طور سے بصرہ میں سکونت اختیار کی اور زندگی کا بقیہ حصہ یہیں بسر کیا۔

ان مشاغل کے ماسوا اس عہد کی تمام لڑائیوں میں حضرت انسؓ نے خصوصیت سے حصہ لیا ہے، فتوح عجم میں واقعہ تستر خاص اہمیت رکھتا ہے۔ حضرت انسؓ اس معرکہ میں پیدل فوج کے افسر اعلیٰ تھے۔ شہر فتح ہونے کے بعد سپہ سالار عساکر عجم جس کا نام ہرمزان تھا اور ایران کے شاہی خاندان سے تعلق رکھتا تھا مع اپنے اہل و عیال کے قید ہو کر اسلامی سپہ سالار اعظم حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کے روبرو حاضر کیا گیا۔ حضرت ابوموسیٰ نے ہرمزان کو حضرت انسؓ کے ہمراہ بارگاہ خلافت میں روانہ کیا اور ۳۰۰ سپاہیوں کا ایک دستہ ہرمزان کی حفاظت کے لئے حضرت انسؓ کی ماتحتی میں دیا۔ حضرت انسؓ مدینہ

منورہ پہنچے اور اپنے مقدس وطن کی زیارت سے محبت کی آنکھیں روشن کیں۔

کچھ دنوں مدینہ منورہ میں ٹھہر کر بصرہ واپس ہوئے، ذوالحجہ ۲۳ھ میں حضرت عمرؓ نے شہادت حاصل کی اور حضرت عثمانؓ مسند آرائے خلافت ہوئے ان کی خلافت کا ابتدائی زمانہ نہایت پر امن تھا، لیکن کچھ دنوں کے بعد حالات نے نہایت خوفناک صورت اختیار کر لی اور فتنوں کا دروازہ دفعۃً کھل گیا آفاق عالم سے مفسدین اُٹھ کھڑے ہوئے جا بجا باغیانہ تحریکیں نشوونما پانے لگیں ملک کے ہر گوشہ میں فتنہ و فساد کی آگ مشتعل ہوئی اور شورہ پشتوں کے سیلاب نے دار الخلافہ مدینہ منورہ کا رخ کیا۔

لیکن اس وقت اسلامی مملکت کے مختلف حصوں میں بہت سی ایسی شخصیتیں موجود تھیں جن کو تعدی و جور مرعوب نہیں کر سکتے تھے، چنانچہ جب امام مظلوم کی صدائے حق دار الخلافہ کے ایک مقدس گوشہ سے بلند ہوئی تو سب سے پہلے ان حاملان صداقت نے اسے سنا اور حمایت حق پر کمر ہمت باندھ کر اُٹھ کھڑے ہوئے۔

سلطنت اسلامیہ کے ہر حصہ میں ان بزرگوں کا وجود تھا۔ بصرہ بھی جو عراق عرب کا صدر مقام تھا، ان بزرگوں سے خالی نہ تھا، چنانچہ جب بصرہ میں ان ہولناک واقعات کی خبر پہنچی، تو حضرت انسؓ بن مالک، حضرت عمران بن حصینؓ اور دوسرے بزرگوار نصرت دین اور تائید اسلام کے لئے مستعد ہو گئے اور اپنی پر جوش تقریروں سے تمام شہر میں آگ لگادی لیکن یہ امداد پہنچنے بھی نہ پائی تھی کہ خلیفہ اسلام شہید ہو چکا تھا !

حضرت عثمانؓ کے بعد حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے مسند خلافت کو اپنے جلوس سے زینت بخشی، خلافت کو چھ ماہ بھی نہ گزرے تھے کہ ایک عظیم الشان فتنہ نے بصرہ سے سراٹھایا، جس کی پلیٹ میں صحابہ بھی آ گئے، بصرہ حضرت انسؓ کا مستقل قراگاہ تھا، اور وہاں ان کا خاص اثر تھا، لیکن انہوں نے اس فتنہ سے اپنا دامن بالکل محفوظ رکھا وہ دوسرے صحابہ کرام کی طرح گوشہ نشین رہے، اور اس وقت تک نہ نکلے جب تک آتش فساد سرد نہ ہو گئی۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے بعد وہ عرصہ تک زندہ رہے اور انقلاب زمانہ کے عجیب و غریب مناظر دیکھتے رہے، لیکن انہوں نے گوشہ خلوت کو مقدم جانا، اور شہرت کی گونا گوں دلفریبیوں پر اپنے نفس کو مائل نہ کیا۔

بایں ہمہ وہ عمال حکومت کے دست ستم سے محفوظ نہ رہ سکے، عبدالملک بن مروان کے زمانہ خلافت میں جنان بن یوسف ثقفی جو سلطنت امویہ کے مشرقی ممالک کا گورنر تھا، اور ظلم و جور میں اپنا نظیر

نہیں رکھتا تھا، جب بصرہ آیا تو حضرت انسؓ کو بلا کر نہایت سخت تنبیہ کی اور لوگوں میں ذلیل کرنے کی خاطر گردن پر مہر لگوا دی۔

حجاج کا خیال تھا کہ حضرت انسؓ ہوا کے رخ پر چلتے ہیں۔ چنانچہ ان کو دیکھ کر کہا، انسؓ یہ چال بازی! کبھی مختار کا ساتھ دیتے ہو اور کبھی ابن اشعث کا۔ میں نے تمہارے لئے بڑی سخت سزا تجویز کی ہے، حضرت انسؓ نے نہایت تحمل سے کام لے کر پوچھا! خدا امیر کو صلاحیت دے کس کے لئے سزا تجویز ہوئی ہے۔ حجاج نے کہا تمہارے لئے۔

حضرت انسؓ خاموش ہو کر اپنے مکان واپس تشریف لائے اور خلیفہ عبد الملک کے پاس ایک خط جس میں حجاج کی شکایت لکھی تھی روانہ کیا۔ عبد الملک نے خط پڑھا تو غصہ سے بیتاب ہو گیا، اور حجاج کو ایک تہدید آمیز خط لکھا کہ حضرت انسؓ سے فوراً ان کے مکان پر جا کر معافی گلو ورنہ تمہارے ساتھ بہت سخت برتاؤ کیا جائے گا۔ حجاج مع اپنے درباریوں کے خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور معافی مانگی اور درخواست کی کہ خوشنودی کا ایک خط خلیفہ کے پاس بھیج دیجئے۔ چنانچہ حضرت انسؓ نے اس کی عرضداشت منظور کی اور دمشق ایک خط روانہ کیا۔

وفات : عمر شریف اس وقت سو سے متجاوز ہو چکی تھی ۹۳ھ میں پیمانہٴ عمر بہ رز ہو گیا چند مہینوں تک بیمار رہے، شاگردوں اور عقیدت مندوں کا ہجوم رہتا تھا، اور دور دور سے لوگ عیادت کو آتے تھے، جب وفات کا وقت قریب ہوا تو ثابت بنانی سے کہ تلامذہٴ خاص میں تھے، فرمایا کہ میری زبان کے نیچے آنحضرت ﷺ کا موئے مبارک رکھ دو، ثابت نے یہ کی، اسی حالت میں روح مطہر نے داعی اجل کو لبیک کہا۔ اِنَّ لِلّٰہِ وَاَنَا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ۔

وفات کے وقت حضرت انسؓ عمر کے ۱۰۳ امر حلقے طے کر چکے تھے بصرہ میں سوائے ان کے اور کوئی صحابی زندہ نہ تھا اور عموماً عالم اسلامی (بجز ابوالطفیل) صحابہ کرام کے وجود سے خالی ہو چکا تھا۔ نماز جنازہ میں اہل و عیال، تلامذہ اور احباب خاص کی معتد بہ تعداد موجود تھی، فسطون بن مدرک کلابی نے نماز جنازہ پڑھائی اور اپنے محل کے قریب موضع طف میں دفن کئے گئے۔

حضرت انسؓ کی وفات سے لوگوں کو سخت صدمہ ہوا، اور واقعی رنجہ لم کا مقام تھا، تربیت یافتگان نبوت ایک ایک کر کے اٹھ گئے تھے صرف دو شخص باقی تھے جن کی آنکھیں مع نبوت کے دیدار سے روشن ہوئی تھیں اب ان میں سے بھی ایک نے دنیاۓ فانی سے قطع تعلق کر لیا۔

حضرت انسؓ کا انتقال ہوا تو مورق بولے افسوس! آج نصف عالم جاتا رہا لوگوں نے کہا یہ کیونکر؟ کہا میرے پاس ایک بدعتی آیا کرتا تھا وہ جب حدیث کی مخالفت کرتا میں اسے حضرت انسؓ کے پاس حاضر کرتا تھا؟ حضرت انسؓ حدیث سنا کر اس کی تفسیح کرتے تھے اب کون سحابی ہے جس کے پاس جاؤں گا۔

آل واولاد اور خانگی حالات :

حضرت انسؓ کثرت اولاد میں تمام انصار پر فوقیت رکھتے تھے اور یہ آنحضرت ﷺ کی دعا کا اثر تھا۔ ایک مرتبہ آپ ان کے مکان پر تشریف لے گئے۔ ام سلیمؓ نے عرض کی انسؓ کے لئے دعا فرمائیے۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ نے دریک دعا کی اور اخیر میں یہ فقرہ زبان مبارک سے ارشاد فرمایا :

”اللهم اکثر ماله وولده وادخله الجنة“ حضرت انسؓ کا بیان ہے کہ دو باتیں پوری ہوئیں اور تیسری کا منظر ہوں۔ مال کی یہ حالت تھی کہ انصار میں کوئی شخص ان کے برابر متمول نہ تھا، اولاد کی اتنی زیادتی تھی کہ خاص حضرت انسؓ کے ۸۰ لڑکے اور دو لڑکیاں (لڑکیوں کے نام حفصہ اور ام عمرو تھا، تولد ہوئیں اور پوتوں کی تعداد اس پر متزاہت تھی، مختصر یہ کہ وفات کے وقت بیٹوں اور پوتوں کا ایک پورا کنبہ چھوڑا تھا جن کا شمار ۱۰۰ سے اوپر تھا۔ حضرت انسؓ کے مشہور بیٹوں اور بیٹیوں کے نام یہ ہیں :

۱۔ عبداللہ، ۲۔ عبید اللہ، ۳۔ زید، ۴۔ یحییٰ، ۵۔ خالد، ۶۔ موسیٰ، ۷۔ نصر، ۸۔ ابوبکر، ۹۔ براء، ۱۰۔ عطاء، ۱۱۔ عمر، ۱۲۔ رملہ، ۱۳۔ امیہ، ۱۴۔ ام حرام، (نزہۃ البرار فی الاسامی و مناقب الانبیاء) وجہ الدین ابو الفصائل عمر بن عبد الحسن بن ابی بکر قاسمی حضرت انسؓ کو اپنی اولاد سے بہت محبت تھی، وہ اکثر اپنے مکان پر رہتے تھے، از دیاد الفت کا ایک بڑا سبب یہ بھی تھا کہ اپنے لڑکوں کو خود تعلیم دیتے تھے، لڑکیوں کو بھی حلقہ درس میں بیٹھنے کی اجازت تھی، ان کے کئی لڑکے فن حدیث میں شیخ اور امام کا منصب رکھتے تھے اور طبقہ تابعین میں خاص عظمت کی نظر سے دیکھے جاتے تھے جو حضرت انسؓ کی تعلیم کا اثر تھا۔

تعلیم کے ماسواہد حضرت انسؓ بہت بڑے تیر انداز تھے، اپنے لڑکوں کو تیر اندازی کی بھی مشق کراتے تھے، پہلے لڑکے نشانہ لگاتے، جس میں بسا اوقات غلطی ہو جاتی، تو خود حضرت انسؓ ایسا تیر جوڑ کر مارتے کہ نشانہ خالی نہ جاتا تھا لڑکوں کو تیر اندازی کی مشق کرانا انصار میں ایام جاہلیت سے رائج تھا، مورخ طبری نے تاریخ کبیرہ میں اس کی تصریح کی ہے۔

عام حالات، حلیہ اور لباس :

حضرت انسؓ کا مفصل حلیہ معلوم نہیں، اس قدر معلوم ہے کہ خوبصورت اور موزوں اندام تھے، مہندی کا خضاب لگاتے تھے ہاتھوں میں خُلق (ایک قسم کی خوشبو تھی) ملتے تھے، جس کی زردی سے چمک پیدا ہوتی تھی، انگلیں پہنتے تھے، صاحب اسد الغابہ نے روایت کی ہے کہ انگلیوں کے نگینہ پر شیر کی صورت کندہ تھی، ایام پیری میں دانت ہلنے لگے تو سونے کے تاروں سے کسوائے تھے، بچپن میں ان کے گیسو تھے، آنحضرت ﷺ ان کے سر پر ہاتھ پھیرتے تھے تو ان بالوں کو بھی ہاتھ سے مس فرمایا تھا، ایک دفعہ حضرت انسؓ نے گیسو کٹوانا چاہا تو ام سلیمؓ نے کہا کہ آنحضرت ﷺ : ان بالوں کو چھوا ہے، ان کو نہ کٹاؤ حضرت انسؓ کے مزاج میں نفاست اور پاکیزگی تھی اور چونکہ دنیا نے بھی ساتھ دیا تھا، اس لئے زندگی امیرانہ بسر کرتے تھے، کپڑے قیمتی پہنتے تھے، خز کا لباس اس زمانہ میں اکثر امراء پہنا کرتے تھے، حضرت انسؓ بھی خز کے کپڑے زیب تن کرتے اور اسی کا عمامہ باندھتے تھے، خوشبودار چیزوں کو پسند کرتے مزاج میں تکلف تھا، ایک باغ نہایت اہتمام سے لگایا تھا جو سال میں دو مرتبہ پھلتا تھا اس میں ایک پھول تھا جو مشک کی طرح مہکتا تھا۔

حضرت انسؓ نے بصرہ سے دو فرسخ باہر مقام طف میں ایک محل بنوایا تھا، اور وہیں اقامت پذیر تھے، اس سے معلوم ہوتا تھا کہ وہ شہر کے اندر رہنے سے باہر بود و باش رکھنا زیادہ پسند کرتے تھے، کھانا اچھا کھاتے تھے، دسترخوان پر اکثر چپاتی اور شوربہ ہوتا تھا کبھی کبھی ترکاری بھی ڈالی جاتی تھی، لوکی کی فصل میں اکثر لوکی پڑتی تھی جو ان کو محبت رسول (ﷺ) کی وجہ سے بہت مرغوب تھی، طبیعت فیاض اور سیر چشم واقع ہوئی تھی، کھانے کے وقت شاگرد موجود ہوتے تو ان کو بھی شریک کر لیتے تھے۔

صبح کو ناشتہ کرتے اور ۳ یا ۵ یا اس سے زیادہ چھوہارے نوش فرماتے پانی پیتے تو تین مرتبہ میں ختم کرتے۔

گفتگو بہت صاف کرتے اور ہر فقرہ کا تین مرتبہ بولتے، کسی کے مکان پر تشریف لے جاتے تو تین مرتبہ اندر جانے کی اجازت طلب کرتے تھے^۱۔

بایں ہمہ علو مرتبت طبیعت میں انکسار و تواضع تھی لوگوں سے نہایت بے تکلفانہ ملتے تھے، شاگردوں سے بھی چنداں تکلف نہ تھا، اکثر فرماتے کہ آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں ہم لوگ بیٹھے ہوتے اور حضور ﷺ تشریف لاتے، لیکن ہم میں سے کوئی تعظیم کے لئے نہ اٹھتا، حالانکہ رسول اللہ ﷺ

۱۔ مسند احمد - جلد ۳ ص ۱۲۸، ۱۸۰، ۲۲۱، ۲۲۲۔

سے زیادہ ہم کو کون محبوب ہو سکتا تھا؟ اور اس کا سبب یہ تھا کہ آنحضرت ﷺ ان تکلفات کو ناپسند فرماتے تھے۔

تخل اور بردباری بھی ان میں انتہا درجہ کی تھی، وہ جس رتبہ کے شخص تھے اسلام میں ان کا جو اعزاز تھا، آنحضرت ﷺ نے ان کے جو مناقب بیان فرمائے تھے، حامل نبوت کی بارگاہ میں ان کو جو تقرب حاصل تھا ان باتوں کا یہ اثر تھا کہ ہر شخص ان کو محبت اور عظمت کی نگاہ سے دیکھتا تھا، لیکن حکومت امویہ کے چند حکام و عمال ایسے متکبر اور بانحوت تھے کہ اپنے جبروت اور سطوت کے سامنے کسی کی عظمت و بزرگی کو خاطر میں نہ لاتے تھے، حجاج بن یوسف ان تمام متمرّدوں کا سرگروہ تھا، اس نے حضرت انسؓ کو ان الفاظ میں مخاطب کیا تھا، اور حضرت انسؓ نے جس حلم سے کام لیا تھا اس کا ذکر اوپر گزر چکا ہے، اگر حضرت انسؓ کے بجائے کسی دوسرے شخص کے ساتھ یہ واقعہ پیش آتا تو بصرہ میں ایک قیامت برپا ہو جاتی۔

اس تخل کے ساتھ عظمت و جلال کا یہ عالم تھا کہ ان کے صرف ایک خط پر خلیفہ عبد الملک اموی نے حجاج بن یوسف ثقفی جیسے باختیار امیر کو جو محض سلطنت کا رعب و دبدبہ قائم کرنے کے لئے بھیجا گیا تھا، ایسا عتاب آمیز خط لکھا کہ خواص تو گجا ایک عام آدمی بھی اپنے لئے وہ الفاظ سننا گوارا نہ کرے گا اور جس کا یہ انجام ہوا کہ حجاج کو حضرت انسؓ سے معذرت کرنی پڑی۔

شجاعت و بسالت کا کافی حصہ پایا تھا، بچپن میں اس قدر تیز دوڑتے تھے کہ ایک مرتبہ مرا نظہر ان میں خرگوش کو دوڑ کر پکڑ لیا تھا، حالانکہ ان کے تمام ہم عمر ناکام واپس آئے تھے، بڑے ہوئے تو فنون سپہ گری میں کمال حاصل کیا، وہ بہت بڑے شہسوار تھے تیر اندازی میں ان کو خاص ملکہ تھا اور گھوڑ دوڑ میں بہت دلچسپی لیتے تھے۔

صحابہ میں ارباب روایت تو سینکڑوں ہیں، لیکن ان میں ایک مخصوص جماعت ان لوگوں کی ہے جو روایات میں صاحب اصول تھے، حضرت انسؓ بھی انہی لوگوں میں تھے چنانچہ ان کے روایات کے استقصا سے حسب ذیل اصول مستنبط ہوتے ہیں۔

۱۔ روایات کے بیان کرنے میں نہایت احتیاط کی مسند احمد بن حنبل میں ہے، ”کان انس بن مالک اذا حدث عن رسول اللہ ﷺ حدیثا ففزع منه قال او کما قال رسول اللہ ﷺ“ یعنی حضرت انسؓ حدیث بیان کرتے وقت گھبرا جاتے تھے، اور انیر میں کہتے تھے کہ اس طرح یا جیسا آنحضرت ﷺ نے فرمایا تھا۔

۲۔ جن حدیثوں کے سمجھنے میں غلطی ہو سکتی تھی ان کو نہیں بیان کیا۔

۳۔ جو حدیث صحابہ سے سنی تھی اور وہ جو آنحضرت ﷺ سے بلا واسطہ سنی تھی اس میں امتیاز قائم کیا۔

حضرت انسؓ نے علم حدیث کی کیا خدمت کی، کیونکر تعلیم حاصل کی؟ شاگردوں تک کس طرح اس فن شریف کو پہنچایا، اور ان کی مجموعی روایات کی تعداد کیا ہے؟ اس کا جواب آئندہ طور میں ملے گا۔

کسی علم کی سب سے بڑی خدمت اس کی اشاعت اور تعمیر ہوتی ہے، حضرت انسؓ اس باب میں آخر صحابہ میں پیش پیش ہیں، انہوں نے اس مستعدی اور اہتمام سے نشر حدیث کی خدمت ادا کی ہے جس سے زیادہ مشکل ہے اور انہوں نے تمام عمر اس دائرہ (تعلیم حدیث) سے باہر قدم نہ نکالا جس زمانہ میں تمام صحابہ میدان جنگ میں مصروف جہاد تھے رسول اللہ ﷺ کا خاص خادم جامع بصرہ میں دنیا سے الگ قال رسول اللہ کا نغمہ خلائق کو سنار ہاتھا۔

توسیع علم کا حال شاگردوں کی تعداد سے معلوم ہوتا ہے، حضرت انسؓ کے حلقہ درس میں مکہ معظمہ، مدینہ منورہ، کوفہ، بصرہ اور شام کے طلبا شامل تھے جس طرح ظاہری اور صلیبی اولاد کی کثرت کے لحاظ سے وہ خوش قسمت تھے اسی طرح معنوی اولاد کی بہتات ہیں ان کا پلہ بہت بھاری تھا۔

حضرت انسؓ نے ابتداً خود حامل وحی سے اکتساب کیا آپ کے بعد جن صحابہ کرامؓ کے واسن فیض سے وابستہ رہے ان کے نام نامی یہ ہیں حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت فاطمہ زہراؓ، حضرت ابی بن کعبؓ، حضرت عبدالرحمنؓ بن عوفؓ، حضرت ابن مسعودؓ، حضرت ابوذرؓ، حضرت ابوطحہؓ، حضرت معاذ بن جبلؓ، حضرت عبادہ بن صامتؓ، حضرت عبداللہ ابن رواحہؓ، حضرت ثابت بن قیسؓ بن شماسؓ، حضرت مالک بن صعصعہؓ، حضرت ام سلیمؓ، (والدہ حضرت انسؓ) حضرت ام حرامؓ (خالہ حضرت انسؓ) حضرت ام الفضلؓ (زوجہ حضرت عباس رضی اللہ عنہم اجمعین)۔

حضرت انسؓ کے دائرہ تلمذ میں اگرچہ ایک جہاں داخل تھا، لیکن وہ بزرگ جو امام فن ہو کر نکلے اور آسمان حدیث کے مہر و ماہ ثابت ہوئے ان کے نام نامی درج ذیل ہیں:

حسن بصری، سلیمان تیمی، ابو قلابہ، اسحاق بن ابی طلحہ، ابوبکر بن عبداللہ مزنی، قتادہ، ثابت نبائی، حمید الطویل، ثمامہ بن عبد اللہ (حضرت انسؓ کے پوتے ہیں) جعدار، ابو عثمان۔ محمد بن سیرین انصاری، انس بن سیرین ازہری، یحییٰ بن سعید انصاری، ربیعۃ الراعی، سعید بن جبیر، اور سلمہ بن دردان۔ (رحمہم اللہ تعالیٰ)

فقہ : علم حدیث کی طرح علم فقہ میں بھی حضرت انسؓ کو کمال حاصل تھا، فقہائے صحابہؓ کے تین طبقے ہیں، حضرت انسؓ کا شمار دوسرے طبقہ میں ہے جن کے اجتہادات و فتاویٰ اگر ترتیب دیئے جائیں تو ایک مستقل رسالہ تیار ہو سکتا ہے۔

ہم اوپر لکھ آئے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے حضرت انسؓ کو ایک جماعت کے ساتھ فقہ سکھانے کے لئے بصرہ روانہ کیا تھا۔ اس سے زیادہ ان کی فقہ دانی کی اور کیا دلیل ہو سکتی ہے۔

صحابہؓ کے زمانہ میں تعلیم کا طریقہ عموماً حلقہ درس تک محدود تھا، حضرت انسؓ بھی باقاعدہ تعلیم دیتے تھے اثنائے درس میں کوئی شخص سوال کرتا اس کو جواب سے سرفراز فرماتے تھے اس قسم کے سوال و جواب کا ایک مجموعہ ہے جس کا استقصاء طوالت سے خالی نہیں، یہاں چند مسائل درج کئے جاتے ہیں جن سے حضرت انسؓ کے طرز اجتہاد جو دقت فہم دقت نظر اور اصابت رائے کا اندازہ ہوگا۔

باب الاشرہ، یہ مسئلہ کہ نبیذ مخصوص برتنوں میں پینا مکروہ ہے صحابہؓ میں عموماً متفق علیہ تھا، حضرت انسؓ نے اس کو جس قدر وضاحت و صفائی سے بیان کیا ہے وہ انہی کا حصہ ہے اس میں انہوں نے ان وجوہ و اسباب کی طرف اشارہ کیا ہے جن کے سبب سے ان برتنوں میں نبیذ پینے کی مخالفت آئی ہے۔ حضرت قتادہؓ نے دریافت کیا کہ گھڑے میں نبیذ بنا سکتے ہیں؟ حضرت انسؓ نے کہا اگرچہ آنحضرت ﷺ نے اس کے متعلق کوئی رائے ظاہر نہیں فرمائی تاہم میں مکروہ سمجھتا ہوں، یہ استدلال اس بنا پر ہے کہ جس چیز کی حلت و حرمت میں اشتباہ ہو، اس میں حرمت کا پہلو غالب ہوگا۔

ایک مرتبہ مختار بن قفل نے پوچھا کن ظروف میں نبیذ نہ پینا چاہئے؟ فرمایا مرفقہ میں، کیونکہ ہر مسکر چیز حرام ہے، مختار نے کہا، شیشہ یا رنگے برتنوں میں پی سکتے ہیں؟ فرمایا ہاں، پھر پوچھا لوگ تو مکروہ سمجھتے ہیں، فرمایا جس چیز میں شک ہو اسے چھوڑ دو، پھر استفسار کیا کہ نشہ لانے والی چیز تو حرام ہے۔ لیکن ایک دو گھونٹ پینے میں کیا حرج ہے؟ حضرت انسؓ نے کہا جس کا زیادہ حصہ موجب مسکر ہو اس کا قلیل حصہ بھی حرام ہے، دیکھو! انگور، خرے، گیہوں، بک و غیرہ سے شراب تیار ہوتی ہے، ان میں سے جس چیز میں نشہ پیدا ہو جائے وہ شراب ہو جاتی ہے۔

حضرت انسؓ نے اس مسئلہ کو اگرچہ نہایت خوبی سے بیان کیا ہے لیکن اس کی مزید تشریح کی ضرورت ہے، شارع علیہ السلام نے کتاب الاشرہ کے متعلق جو احکام ارشاد فرمائے ہیں، اور جو اس باب کے قواعد و اصول کہے جاسکتے ہیں یہ ہیں :

- (۱) کل شراب اسکر فہو حرام - (صحیحین عن عائشہ)
 (۲) کل مسکر خمرو کل خمر حرام - (صحیح مسلم عن ابن عمر)
 (۳) ما اسکر کثیرہ و فقلیلہ حرام - (سنن عن ابن عمر)

ان میں سے پہلے کا مفہوم یہ ہے کہ جس پینے والی چیز میں نشہ آجائے حرام ہے، دوسرے میں یہ بیان ہے کہ ہر نشی چیز شراب ہوتی ہے اور ہر قسم کی شراب حرام ہے، جس کا نتیجہ یہ متفرع ہوتا ہے کہ ہر نشی چیز حرام ہے۔ تیسرے کلیہ کا یہ منشاء ہے کہ جو زیادہ پینے کی صورت میں نشہ پیدا کرے اس کا خفیف حصہ بھی پینا حرام، حضرت انسؓ نے انہی باتوں کا اپنے جواب میں ذکر کیا ہے یہ اور بات ہے کہ سوالات کی بے ترتیبی سے جواب غیر مرتب ہو گیا ہے۔

اب رہا یہ سوال کہ چند مخصوص برتنوں میں نمبید پینے کی ممانعت کیوں آئی ہے۔ اس کی حقیقت یہ ہے کہ عرب میں شراب پیکر رکھنے یا پینے کے لئے وہ نفیس اور خوبصورت شیشہ کے برتن جو آج یورپ نے ایجاد کئے ہیں موجود نہ تھے، وہاں عام طور پر کدو کی تہنی صراحی و سبو کا کام دیتی تھی یا اور اسی نوع کے چند برتن تھے جو قدرتی پھلوں کو خشک اور صاف کر کے بادہ نوشی کے لئے مخصوص کر لئے جاتے تھے۔ ظاہر ہے کہ ان چیزوں میں شراب رکھنے سے اس کا اثر برتن میں پہنچتا ہوگا اور دھونے کے بعد بھی زائل نہ ہوتا ہوگا، یہی راز ہے کہ اوائل اسلام میں جب شراب حرام ہوئی تو ان برتنوں کا استعمال بھی ناجائز کر دیا گیا، اور گو بعد میں اس قسم کے برتنوں کا جن میں شراب نہ رکھی گئی ہو استعمال جائز قرار دیا جاسکتا تھا، لیکن پہلی صدی ہجری کا پرجوش مسلمان یہ گوارا نہیں کر سکتا تھا کہ ان برتنوں کے استعمال سے شراب نوشی کی یاد کو عہد اسلام میں از سر نو تازہ کرے۔

ایک شخص نے سوال کیا کہ آنحضرت (ﷺ) جوتے پہن کر نماز پڑھتے تھے؟ فرمایا ہاں! جوتا پہن کر نماز پڑھنا جائز ہے، لیکن شرط یہ ہے کہ پاک ہو اور نجاست آلودہ نہ ہو، اگر کوئی شخص نیا جوتا پہن کر نماز پڑھے تو کوئی حرج نہیں۔

یحییٰ بن یزید ہنائی نے دریافت کیا کہ نماز میں قصر کب کرنا چاہئے؟ فرمایا کہ جب میں کوفہ جاتا تھا، قصر کرتا تھا اور آنحضرت (ﷺ) نے ۳ میل یا ۳ فرسخ کا راستہ طے کر کے قصر کیا تھا (اس کا یہ مطلب نہیں کہ ۳ میل سفر کرنے سے قصر واجب ہو جاتا ہے، بلکہ واقعہ یہ ہے کہ آنحضرت (ﷺ) مکہ معظمہ کے ارادہ سے تشریف لے گئے تھے، راستہ میں جس مقام پر سب سے پہلے نزول اجلال ہوا وہ ذوالحلیفہ تھا

جو صحیح روایات کی بنا پر مدینہ سے ۳ میل کے فاصلہ پر واقع ہے اور چونکہ حدودِ سفر میں داخل تھا، اس لئے آنحضرت ﷺ نے قصر پڑھی۔

مختار بن فلفل نے پوچھا کہ مریض کس طرح نماز پڑھے۔ حضرت انسؓ نے کہا بیٹھ کر پڑھے، عبدالرحمن بن دردانؓ معہ دیگر اہالیان (مدینہ) حضرت انسؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضرت انسؓ نے پوچھا نماز عصر پڑھ چکے ہو کہا جی ہاں، پھر لوگوں نے استفسار کیا کہ آنحضرت ﷺ عصر کی نماز کس وقت پڑھتے تھے؟ فرمایا آفتاب خوب روشن اور بلند رہتا تھا۔

حضرت انسؓ نے ایک جنازہ کی نماز پڑھائی جنازہ مرد کا تھا، اس لئے میت کے سر ہانے کھڑے ہوئے اس کے بعد دوسرا جنازہ عورت کا لایا گیا، حضرت انسؓ نے کمر کی سیدھ پر کھڑے ہو کر اس کی نماز پڑھائی، علاء بن زیاد عدوی بھی نماز میں شریک تھے اس اختلافِ قیام کا سبب پوچھا، حضرت انسؓ نے فرمایا کہ آنحضرت ﷺ ایسا ہی کیا کرتے تھے، علاء جمع کی جانب مخاطب ہوئے اور کہا کہ اس کو یاد رکھنا۔

ایک شخص نے کہا کہ حضرت عمرؓ نے رکوع کرنے کے بعد قنوت پڑھا ہے؟ فرمایا، ہاں اور خود رسول اللہ ﷺ نے پڑھا ہے۔ (لیکن یہ حضرت انسؓ کا ذاتی اجتہاد ہے، ورنہ صحیح حدیثوں سے ثابت ہے کہ آنحضرت ﷺ اور عموماً صحابہ کرامؓ وتر میں رکوع کرنے کے قبل قنوت پڑھا کرتے تھے)، امام شافعیؒ اس مسئلہ میں حضرت انسؓ کے پیرو ہیں اور انہوں نے اس کے ثبوت میں ایک حدیث نقل کی ہے کہ حضرت علیؓ بھی رکوع کے بعد قنوت پڑھتے تھے، لیکن یہ حدیث قطع نظر اس کے کہ منقطع ہے، یعنی امام شافعیؒ نے حکایۃ بیان کی ہے اور اپنی سند ہشیم تک چھوڑ دی ہے سند ابھی ضعیف ہے، اس کے راویوں میں ہشیم اور عطاء کا نام بھی شامل ہے اور ان دونوں کی ائمہٴ فہم حدیث نے تضعیف کی ہے۔

اس کے علاوہ ابن منذر نے الاشراف میں لکھا ہے کہ حضرت انسؓ اور فلاں فلاں صحابہؓ سے مجھ کو جو روایتیں پہنچی ہیں، سب میں رکوع سے قبل قنوت پڑھنے کا تذکرہ ہے اور یہی صحیح بھی ہے، کیونکہ صحیح مسلم میں حضرت انسؓ سے جو روایات آتی ہیں، اس میں اس کی صاف تصریح ہے، عاصم نے حضرت انسؓ سے پوچھا کہ قنوت قبل رکوع پڑھنا چاہئے یا بعد رکوع؟ انہوں نے کہا قبل رکوع۔ عاصم نے کہا لوگوں کا تو یہ خیال ہے کہ آنحضرت ﷺ بعد رکوع پڑھتے تھے۔ حضرت انسؓ نے کہا وہ ایک وقت واقعہ تھا چند قبائل نے مرتد ہو کر بہت سے صحابہؓ کو قتل کر دیا تھا، اس لئے آنحضرت ﷺ نے ایک

مہینہ تک رکوع کے بعد قنوت پڑھ کر ان کے لئے بددعا کی تھی۔

تم نے دیکھا کہ ان مسائل میں حضرت انسؓ کس قدر صائب الرائے ہیں، ان کے اجتہادی مسائل کی بڑی خوبی یہ ہے کہ اکثر صحابہؓ کے اجتہاد کے موافق ہیں اور اس لئے قطعاً صحیح ہیں۔

اخلاق : حضرت انسؓ کے گلدستہ اخلاق میں چار پھول ایسے نازک، لطیف اور شگفتہ ہیں جن پر گلدستہ کی خوبصورتی کا تمام تر انحصار ہے، حب رسول ﷺ، اتباع سنت امر بالمعروف، حق گوئی یہ حضرت انسؓ کے خاص اوصاف ہیں۔ حب رسول ﷺ کا نقشہ تم اوپر دیکھ چکے ہو، جس زمانہ میں وہ دس برس کے نابالغ اور نا سمجھ بچے تھے۔ جوشِ محبت کا یہ عالم تھا کہ صبح اٹھ کر کاشانہ نبوت کی زیارت سے آنکھوں کو مشرف کرتے تھے، صبح کاذب کی تاریکی میں ام سلیمؓ کا کسن بچہ بسترِ راحت سے اٹھتا تھا اور آنحضرت ﷺ کا سامان وضو مہیا کرنے کے لئے مسجد نبویؐ کا راستہ لیتا تھا۔ ایام شباب میں ان کی محبت کی کوئی حد نہ تھی۔ وہ شمع نبوت پر پروانہ وار شیفہ تھے۔

آنحضرت ﷺ کی ایک نگاہ کرم حضرت انسؓ کے لئے باعثِ صد طمانیت تھی اور آقائے نامدار ﷺ کی ایک آواز ان کے قالبِ عقیدت میں نئی روح پھونکنے کا سبب بن جاتی تھی۔ رسول اللہ ﷺ کے وصال کے بعد اگرچہ ظاہری آنکھیں دیدار، محبوب کو ترس گئی تھیں لیکن محبت کی معنوی آنکھوں پر بابِ فیض اب تک بند نہ ہوا تھا۔ چنانچہ کشتہٴ عشقِ نبوت اکثر خواب میں رسول اللہ ﷺ کی زیارت سے مشرف تھا اور صبح کو واقعاتِ شبینہ کی یاد تازہ کر کے گریہ زاری کا ایک طوفان بپا کرتا تھا۔ عاشقِ صادق کے تڑپانے اور تلملانی کے لئے محبوب کی ایک ایک چیز نشتر کا کام کرتی ہے۔ حضرت انسؓ بن مالک کا بعینہ یہی حال تھا، وہ محبوبِ دو عالم کا ذکر کرتے تھے اور فرطِ محبت سے بے قرار ہو جاتے تھے۔

ایک دن آنحضرت ﷺ کا حلیہ مبارک بیان کر رہے تھے، آپ کا ایک ایک خال و خط زبانِ مدح میں نباتِ محبت گھول رہا تھا، الفاظِ جواد اہور ہے تھے اسی عالم میں شوقِ زیارت کا زبردست جذبہ ظہور پذیر ہوا، حرماںِ نصیبی اور برگشتہٴ بختی نے وہ ایام سعید یاد دلانے جب ہادیٰ برحق ﷺ عالمِ مادی کے گل کوچے میں پھرا کرتے، اور حضرت انسؓ ان کے شرفِ غلامی پر ناز کیا کرتے تھے، دفعۃً حالت میں ایک تغیر پیدا ہوا اور زبان سے بے اختیارانہ یہ جملہ نکلا کہ ”قیامت میں رسول اللہ ﷺ کا سامنا ہو گا تو عرض کروں گا کہ حضور ﷺ کا ادنیٰ غلام انسؓ حاضر ہے۔“

۱۔ ان مسائل کے لئے دیکھو مسند احمد - جلد ۳ - ص ۱۰۰، ۱۱۸، ۱۲۶، ۱۲۹، ۲۰۳، ۲۰۹، ۲۷۷۔ و عمدة القاری شرح صحیح بخاری - جلد ۳ - ص ۴۱۹، ۵۳۶۔ و جوہر الہی فی الرد علی البیہقی - جلد اول - ص ۲۱۳

حضرت انسؓ کی ہر مجلس آنحضرت ﷺ کے ذکرِ خیر سے لبریز ہوتی تھی، وہ عہدِ نبوت کے واقعات اپنے تلامذہ کے گوش گزار کیا کرتے تھے۔ اثنائے ذکر میں دل میں ایک ٹیس اٹھتی جس سے حضرت انسؓ بے چین ہو جاتے تھے لیکن یہ وہ درد تھا جس کا علاج طبیبوں کے اختیار سے باہر تھا، ناچارہ ہو کر گھر تشریف لے جاتے اور حضرت ﷺ کے تبرکات نکال لاتے ان ظاہری یادگاروں کو دیکھ کر دل کو تسکین دیتے اور جمعیتِ خاطر کا سامان بہم پہنچاتے۔

حضرت انسؓ کو جوشِ محبت اس درجہ بڑھا ہوا تھا کہ اس سے تمام مجلس متاثر تھی ان کے تلامذہ کو رسول اللہ ﷺ سے جو خاص محبت پیدا ہو گئی تھی، وہ حضرت انسؓ ہی کے ولولہٴ محبت کا کرشمہ تھا، ثابت حضرت انسؓ کے شاگردِ رشید تھے وہ بالکل اپنے استاد کے رنگ میں رنگے ہوئے تھے، ہمیشہ عہدِ نبوت کی نسبت سوال کرتے ایک روز حضرت انسؓ سے پوچھا آپ نے کبھی آنحضرت ﷺ کا دستِ مبارک چھوا تھا؟ حضرت انسؓ نے کہا ہاں، ثابت کے دل میں سوزِ محبت نے بیقراری پیدا کر دی حضرت انسؓ سے کہا کہ اپنا ہاتھ بڑھائیے میں چوموں گا۔

حبِ رسول ﷺ کے بعد اتباعِ سنت کا درجہ ہے، محبتِ صادق کی یہ شناخت ہے جو چیز اس کے محبوب کے مرغوبِ خاطر ہو کر خود بھی اس کو پسند کرے، حضرت انسؓ کو آنحضرت ﷺ کی ذاتِ ستودہ صفات سے جو عشق تھا اس کا یہ لازمی نتیجہ تھا کہ وہ آپ کے قول و افعال کی پورے طور سے تقلید کریں، چنانچہ حضرت انسؓ کی زندگی مطہر کے متعدد واقعات اس پر روشنی ڈالتے ہیں۔

اسلام کا سب سے بڑا رکن کلمہٴ توحید کے بعد نماز ہے، آنحضرت ﷺ جس خضوع و خشوع اور جس آداب کے ساتھ نماز ادا کرتے تھے، صحابہؓ کو شش کرتے تھے کہ خود بھی اسی طریقہ پر کار بند ہوں، چنانچہ متعدد صحابہؓ آنحضرت ﷺ کی نماز سے ملتی جلتی نماز پڑھتے تھے، لیکن حضرت انسؓ نے آپ ﷺ کے طرز و طریقہ سے جو مشابہت اختیار کی تھی وہ ایک چراغِ ہدایت تھا، جو نبوت کے قلبِ مبارک سے حضرت انسؓ کے قلبِ مصفاء میں روشن ہوا تھا، حضرت ابو ہریرہؓ نے حضرت انسؓ کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا تو کہا کہ میں نے ابنِ امّ سلیمؓ (انسؓ) سے بڑھ کر کسی کو آنحضرت ﷺ کے مشابہ نماز پڑھتے ہوئے نہیں دیکھا۔

نماز کے ماسوا آنحضرت ﷺ کا ہر قول اور ہر فعل صحابہؓ کی نگاہ میں تھا۔ حضرت انسؓ نے دس سال آنحضرت ﷺ کی خدمت انجام دی تھی اور ہمیشہ ہی ساتھ رہے تھے ایسی حالت میں رسول اللہ ﷺ کا کوئی عمل ایسا نہ تھا جو حضرت انسؓ سے مخفی رہ سکتا، آنحضرت ﷺ جو کچھ ارشاد فرماتے یا

اپنے طریق عمل سے کسی امر کو ثابت کرتے تو حضرت انسؓ اس کو اپنے حافظہ کے سپرد کر دیتے تھے، جب اس قسم کی کوئی صورت پیش آتی تو قوتِ حافظہ سے اپنی امانت طلب کرتے اور اس پر اس کو منطبق کرتے تھے۔ خلیفہ دمشق نے حضرت انسؓ کو شام میں طلب کیا تھا، وہاں سے واپسی کے وقت عین اتمر میں قیام کرنا چاہا۔ شاگردوں اور جان نچاروں کو آمد آمد کی خبر پہلے سے معلوم ہو چکی تھی اور وہ لوگو عین اتمر میں موجود تھے آبادی سے باہر ایک میدان پڑتا ہے، حضرت انسؓ کا اونٹ اسی طرف سے آرہا تھا، نماز کا وقت تھا اور حضرت انسؓ چوپایہ کے پیٹھ پر خاق دو جہاں کی حمد و ستائش کر رہے تھے، لیکن اونٹ قبلہ رخ نہ تھا، تلامذہ نے تو استعجاب کے لہجہ میں پوچھا کہ آپ کس طرح نماز پڑھ رہے ہیں، حضرت انسؓ نے فرمایا ”اگر میں نے آنحضرت ﷺ کو اس طرح نماز پڑھتے ہوئے دیکھا نہ ہوتا تو میں کبھی نہ پڑھتا۔“

حضرت ابراہیم بن ربیعہؓ حضرت انسؓ کے حضور میں آئے، نماز کا وقت تھا، حضرت انسؓ ایک کپڑا باندھے اور اسی کو اوڑھے یاد الہی میں مصروف تھے اور ایک چادر پاس رکھی ہوئی تھی، نماز سے فارغ ہوئے تو ابراہیم نے پوچھا آپ ایک کپڑے میں نماز پڑھتے ہیں؟ حضرت انسؓ نے فرمایا ہاں! میں نے اس طرح آنحضرت ﷺ کو نماز پڑھتے دیکھا تھا (آنحضرت ﷺ نے اپنی حیات اقدس میں سب سے اخیر نماز جو حضرت ابو بکرؓ کے پیچھے پڑھی تھی ایک کپڑے میں ادا فرمائی تھی۔

(دیکھو سند احمد۔ جلد ۳۔ ص ۱۵۹)

آنحضرت ﷺ کی حیات طیبہ کا ہر نقش حضرت انسؓ کے لئے چراغِ ہدایت تھا وہ اسی کی روشنی میں شاہراہِ عمل پر قدم رکھتے تھے، فرائض سے اتر کر واجبات و سنن تک میں بھی آپ کا اسوہ پیش نظر رہتا تھا، قربانی ہر صاحب استطاعت پر ضروری ہے، حضرت انسؓ رئیسِ اعظم تھے جس قدر جانور چاہتے ذبح کر سکتے تھے، لیکن خیر القردن میں متابعتِ رسول ﷺ کا درجہ، نام و نمود سے بالاتر تھا، وہاں قربانی شہرت کے لئے نہیں بلکہ ثواب کے لئے ہوتی تھی، آنحضرت ﷺ نے دو جانور قربانی کئے تھے اس لئے حضرت انسؓ بھی دو ہی کرتے تھے،

حضرت انسؓ کے بچپن میں آنحضرت ﷺ کا گزر لڑکوں کی طرف ہوا تھا تو آپ ﷺ نے ان سے السلام علیکم فرمایا تھا، اس لئے حضرت انسؓ ”ضعیف پیری میں بھی بچوں سے سلام میں سبقت کرتے تھے،

اظہارِ حق گوئی اور حق پسندی حضرت انسؓ کے نمایاں اوصاف ہیں، خلافتِ شیعین کے بعد ایسے نوجوان جو اسلامی تعلیم سے بیگانہ تھے حکومت کے ذمہ دار عہدوں پر مقرر ہوئے اس لئے بیشتر

اوقات ان سے ایسے افعال سرزد ہو جاتے تھے جو قرآن و حدیث کے بالکل خلاف تھے، اصحاب رسول ﷺ نے جنہوں نے اپنی جان بچ کر اسلام کا سودا کیا تھا اس طرز کو گوارا نہ کر سکتے تھے اور ان کے جوش ایمانی میں ایک ہیجان پیدا ہوتا تھا اور وہ بالومۃ لائم اظہار حق پر آمادہ ہو جاتے تھے حضرت انسؓ آنحضرت ﷺ کے بعد زمانہ دراز تک بقید حیات رہے، بڑے بڑے جبار اور امراء سے ان کو سابقہ پڑا جو بالا اعلان احکام شریعت کی خلاف ورزی کرتے تھے، حضرت انسؓ سنت نبوی ﷺ کو پامال دیکھ کر آپ سے باہر ہو جاتے تھے اور مجمع عام میں ایسے امراء کو تنبیہ کرتے تھے،

عبید اللہ بن زیاد یزید کی طرف سے عراق کا گورنر تھا۔ حضرت امام حسینؓ کے سر مبارک کو طشت میں رکھوا کر اپنے سامنے منگایا، اس کے ہاتھ میں چھڑی تھی اس کو آنکھ پر مار کر آپ کے حسن کی نسبت ناملائم الفاظ استعمال کئے حضرت انسؓ سے نہ دیکھا گیا۔ بے تاب ہو کر فرمایا یہ چہرہ آنحضرت ﷺ کے چہرہ سے مشابہ ہے۔

مشہور جفا کار حجاج بن یوسف ثقفی اپنے بیٹے کو بسرہ کا قاضی بنانا چاہتا تھا، حدیث شریف میں قضایا امارت کی خواہش کرنے کی ممانعت آئی ہے، حضرت انسؓ کو خبر ہوئی تو فرمایا آنحضرت ﷺ نے اس کو منع کیا ہے۔

حکم بن ایوب، حکومت امویہ کا ایک امیر تھا، اس کی سفاکی انسانوں سے متجاوز کر کے حیوانوں تک پہنچی تھی، ایک دفعہ حضرت انسؓ اس کے مکان پر تشریف لے گئے تو دیکھا کہ ایک مرغی کے پاؤں باندھ کر لوگ نشانہ لگا رہے ہیں جب تیر لگتا تو بے اختیار پھڑ پھڑاتی یہ دیکھ کر حضرت انسؓ برہم ہوئے اور لوگوں کو اس حرکت پر تنبیہ کی۔^۱

حضرت عمر بنؓ عبدالعزیز ایام شہزادگی میں دولت امیہ کی طرف سے مدینہ منورہ کے گورنر تھے اور چونکہ خاندان شاہی میں پرورش پائی تھی اس لئے رموز ملت میں دخل نہ تھا لیکن رواج زمانہ کے موافق نماز خود پڑھاتے تھے اور اس میں بعض غلطیاں ہو جاتی تھیں، حضرت انسؓ ان کو ہمیشہ ٹوکتے تھے، بار بار نوکنے پہنہوں نے حضرت انسؓ سے کہا کہ آپ میری کیوں مخالفت کرتے ہیں؟ حضرت انسؓ نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو جس طرح نماز پڑھتے دیکھا ہے اگر آپ اسی طرح پڑھائیں تو میری عین خوشی ہے ورنہ آپ کے ساتھ نماز نہ پڑھوں گا، عمر بن عبدالعزیزؓ کی طبیعت صلاحیت پذیر واقع ہوئی تھی ان جملوں نے خاص اثر کیا، اور اسرار دین سکھنے کی طرف توجہ صرف کی حضرت انسؓ سے زیادہ اس کام کے لئے اور کون

موزوں ہو سکتا تھا چنانچہ کچھ دنوں ان کی صحبت و تعلیم کے اثر سے ایسی معتدل نماز پڑھانے لگے کہ ان کے قعدہ و قیام کی موزونیت دیکھ کر حضرت انسؓ کو بھی اعتراف کرنا پڑا کہ اس لڑکے سے زیادہ کسی شخص کی نماز آنحضرت ﷺ کی نماز سے مشابہ نہیں ہے۔

وہ کسی موقع پر بھی تعلیم دین و تبلیغ سنت سے غافل نہ رہتے تھے، ایک مرتبہ خلیفہ عبدالملک اموی نے حضرت انسؓ اور بعض انصار کو جن کی تعداد ۴۰ کے قریب تھی دمشق بلایا، وہاں سے واپسی کے وقت فوج الناقہ پہنچ کر عصر کا وقت آیا، چونکہ سفر ابھی ختم نہ ہوا تھا، اس لئے حضرت انسؓ نے دو رکعت نماز پڑھائی اور اپنے خیمہ میں تشریف لے گئے باقی تمام آدمیوں نے دو اور بڑھا کر چار رکعتیں پوری کیں حضرت انسؓ کو معلوم ہوا تو نہایت براہم ہوئے اور فرمایا کہ جب خدا نے اس کی اجازت دی ہے تو لوگ اس رعایت سے کیوں فائدہ نہیں اٹھاتے، میں نے آنحضرت ﷺ سے سنا ہے کہ ایک زمانہ میں لوگ دین میں بال کی کھال نکالیں گے اور تعمیق سے کام لیں گے لیکن حقیقت میں وہ بالکل کورے رہیں گے۔

ایک مرتبہ کچھ لوگ نماز ظہر پڑھ کر حضرت انسؓ کی ملاقات کو آئے انہوں نے کینر سے وضو کے لئے پانی مانگا، لوگوں نے کہا کس وقت کی نماز کی تیاری ہے؟ فرمایا عصر کی حاضرین میں سے ایک شخص بولا کہ ہم تو ابھی ظہر پڑھ کر آ رہے ہیں، امراء کی سہل انگاری اور عوام کی غفلت دینی دیکھ کر حضرت انسؓ کو سخت غصہ آیا، اور ان سے خطاب کر کے فرمایا، وہ منافق کی نماز ہوتی ہے کہ آدمی بیکار بیٹھا رہتا ہے نماز کے لئے نہیں اٹھتا، جب آفتاب غروب ہونے کے قریب آتا ہے جلدی سے اٹھ کر مرغ کی طرح چار چونچیں مار لیتا ہے جس میں یاد الہی کا بہت تھوڑا حصہ ہوتا ہے۔

حق گوئی کے بعد مگر اس سے متصل امر بالمعروف کا رتبہ ہے قرآن مجید میں جہاں پیروان دین حنیف کی مدح سرائی کی گئی ہے؟ امر بالمعروف کو امت اسلامیہ کے خیر الامم ہونے پر سب سے پہلے بطور استشہاد پیش کیا ہے حضرت انسؓ میں یہ وصف خاص طور پر پایا جاتا تھا،

عبید اللہ بن زیاد کی مجلس میں ایک مرتبہ حوض کوثر کا ذکر آیا، اس نے اس کے وجود کی نسبت شک ظاہر کیا، حضرت انسؓ کو اس کی خبر ہوئی تو لوگوں سے فرمایا کہ اسے میں جا کر سمجھاؤں گا اور عبید اللہ کے ایوان امارت میں جا کر فرمایا، تمہارے ہاں حوض کوثر کا ذکر ہوا تھا؟ اس نے کہا جی ہاں، کیا آنحضرت ﷺ نے اس کے متعلق کچھ فرمایا ہے حضرت انسؓ نے حوض کوثر کے متعلق حدیث پڑھی اور مکان واپس تشریف لائے۔

۱۔ امر بالمعروف ۔

ایک انصاری سردار کے متعلق مصعب بن زبیرؓ کو کچھ اطلاع ملی (غالباً سازش کی خبر) اس نے انصار کو اس جرم میں مایوس کرنا چاہا، لوگوں نے حضرت انسؓ کو خبر کی وہ سیدھے دارالامارت پہنچے، امیر تخت پر بیٹھا تھا، حضرت انسؓ نے اس کے سامنے جا کر یہ حدیث سنائی کہ آنحضرت ﷺ نے انصار کے امراء کو یہ وصیت کی ہے کہ ان کے ساتھ خاص رعایت کی جائے ان کے اچھوں سے سلوک کا برتاؤ اور بروں سے درگزر کا برتاؤ کرنا چاہئے، اس حدیث کا مصعب پر اس قدر اثر ہوا کہ تخت سے اتر گیا اور فرش پر اپنا رخسار رکھ کر کہا آنحضرت ﷺ کا فرمان سر آنکھوں پر ! میں ان کو چھوڑتا ہوں۔

حضرت اُبی بن کعبؓ

نام و نسب اور ابتدائی حالات :

ابی نام، ابوالمزہر و ابو الطفیل کنیت، سید القراء، سید الانصار اور سید المسلمین القاب ہیں۔ قبیلہ نجار (خزرج) کے خاندان معاویہ سے تھے، جو بنی حدیلہ کے نام سے مشہور تھا (حدیلہ، معاویہ کی ماں کا نام تھا جو حشم بن خزرج کی اولاد میں تھی)۔ سلسلہ نسب یہ ہے :

ابی بن کعب بن قیس بن عبید بن زیادہ بن معاویہ بن عمر بن مالک بن نجارؓ، والدہ کا نام صہیلہ تھا، جو عدی بن۔۔۔ کے سلسلہ سے تعلق رکھتی تھیں، اور حضرت ابو طلحہؓ انصاری کی حقیقی پھوپھی تھیں اسی بناء پر حضرت ابو طلحہؓ اور حضرت ابیؓ پھوپھی زاد بھائی تھے۔

حضرت ابیؓ کی دو کنیتیں تھیں، ابوالمزہر اور ابو الطفیل، پہلی کنیت آنحضرتؐ نے رکھی تھی اور دوسری حضرت عمرؓ نے ان کے بیٹے طفیل کے نام کی مناسبت سے پسند فرمائی۔

حضرت ابیؓ کے ابتدائی حالات بہت کم معلوم ہیں، حضرت انس بن مالکؓ کی زبانی اتنا معلوم ہوتا ہے کہ اسلام سے پہلے مے نوشی ابی بن کعبؓ کی فطرت ثانیہ بن گئی تھی اور حضرت ابو طلحہؓ نے ندیموں کا جو حلقہ قائم کیا تھا، حضرت ابی بن کعبؓ اس کے ایک ضروری رکن تھے۔

اسلام : مدینہ میں یہود کا کافی مذہبی اقتدار تھا، غالباً وہ اسلام سے پہلے توراۃ پڑھ چکے تھے، اسی مذہبی واقفیت نے ان کو اسلام کی آواز کی طرف متوجہ کیا ہوگا، چنانچہ مدینہ کے جن انصار نے دوسری دفعہ جا کر آنحضرت ﷺ کے دست مبارک پر عقبہ میں بیعت کی تھی، ان میں حضرت ابیؓ بھی تھے اور یہی ان کے اسلام کی تاریخ ہے۔

مواخات : ہجرت کے بعد مہاجرین اور انصار میں برادری و مواخات قائم ہوئی تھی، اس میں سعید ابن زید بن عمرو بن نفیل سے جو عشرہ مبشرہ میں تھے ان کی مواخات ہوئی۔

غزوات اور عام حالات :

حضرت ابیؓ عہد نبوت کے غزوات میں بدر سے لے کر طائف تک کے تمام معرکوں میں شریک رہے، غزوہ احد میں ایک تیز رفت اندام میں لگا تھا آنحضرت ﷺ نے ایک طبیب بھیجا، جس نے

رگ کاٹ دی۔ پھر اس رگ کو اپنے ہاتھ سے داغ دیا۔ حضرت ابیؓ نے عہد رسالت سے لے کر خلافت عثمانی تک اہم مذہبی اور ملکی خدمات انجام دیں۔ ۹ھ میں جب زکوٰۃ فرض ہوئی اور آنحضرت ﷺ نے تحصیل صدقات کے لئے عرب کے صوبہ جات میں عمال روانہ فرمائے تو حضرت ابیؓ بھی خاندان ہائے بلی، عذر اور بنی سعد میں عامل صدقہ مقرر ہو کر رہ گئے، اور نہایت تدین کے ساتھ یہ خدمت انجام دی۔

ایک دفعہ ایک گاؤں میں گئے تو ایک شخص نے حسب معمولی تمام جانور سامنے لا کر کھڑے کر دیئے کہ ان میں سے جس کو چاہیں انتخاب کر لیں۔ حضرت ابیؓ نے اونٹ سے ایک دو برس کے بچہ کو چھاننا صدقہ دینے والے نے کہا اس کے لینے سے کیا فائدہ؟ نہ دودھ دیتی ہے اور نہ سواری کے قابل ہے۔ اگر آپ کو لینا ہے تو یہ اونٹنی حاضر ہے، موٹی تازی بھی ہے اور جوان بھی۔ حضرت ابیؓ نے کہا، یہ کبھی نہ ہوگا، رسول اللہ ﷺ کی ہدایت کے خلاف میں نہیں کر سکتا، اس سے یہ بہتر ہے کہ تم میرے ساتھ چلو، مدینہ یہاں سے کچھ دور نہیں۔ آنحضرت ﷺ جوار شاد فرمائیں اس کی تعمیل کرنا، وہ اس پر راضی ہو گیا اور حضرت ابیؓ کے ساتھ اس اونٹنی کو لے کر مدینہ آیا اور آنحضرت ﷺ کے سامنے تمام قصہ دہرایا آپ نے فرمایا کہ ”اگر تمہاری مرضی یہی ہے تو اونٹنی دے دو، قبول کر لی جائے گی، اور خدا تم کو اس کا اجر دے گا۔“ اس نے منظور کیا اور اونٹنی آپ کے حوالے کر کے اپنے مکان واپس آیا۔

۱۱ھ میں آنحضرت ﷺ نے انتقال فرمایا، اور حضرت ابو بکرؓ خلافت کی مسند پر متمکن ہوئے، ان کے عہد میں قرآن مجید کی ترتیب و تدفین کا اہم کام شروع ہوا، صحابہؓ کی جو جماعت اس خدمت پر مامور کی گئی تھی، حضرت ابیؓ اس کے سرگرم تھے وہ قرآن کے الفاظ بولتے تھے، اور لوگ ان کو لکھتے جاتے تھے، یہ جماعت چونکہ ارباب علم پر مشتمل تھی اس لئے کسی کسی آیت پر مذاکرہ و مباحثہ بھی رہتا تھا۔ چنانچہ جب سورہ برآۃ کی یہ آیت ”ثم انصرفوا صرف الله قلوبهم بانهم قوم لا يفقهون“ لکھی گئی۔ تو لوگوں نے کہا کہ یہ سب سے اخیر میں نازل ہوئی تھی۔ حضرت ابیؓ نے کہا نہیں اس کے بعد دو آیتیں مجھ کو رسول ﷺ نے اور پڑھائی تھیں، سب سے آخر آیت : لقد جاءكم رسول من انفسكم ہے۔

حضرت ابو بکرؓ کے بعد حضرت عمرؓ اُن کے جانشین ہوئے حضرت عمرؓ نے اپنے عہد خلافت میں سینکڑوں مفید باتوں کا اضافہ فرمایا جس میں ایک مجلس شوریٰ کا قیام بھی ہے۔ یہ مجلس انصار

ومہاجرین کے مقتدر اصحاب پر مشتمل تھی، جن میں قبیلہ خزرج کی طرف سے 'حضرت ابی بن کعب' بھی ممبر تھے۔

خلافت فاروقی میں حضرت ابی "مدینہ منورہ میں بالاستقلال مقیم رہے، زیادہ تر درس و تدریس سے کام رہتا تھا، جب مجلس شوریٰ منعقد ہوتی یا کوئی مہم آپڑتی تو حضرت عمرؓ ان سے استصواب فرماتے تھے، حضرت ابیؓ کے پورے عہد حکومت میں مسند افتاء پر متمکن رہے اور اس کے سوا حکومت کا کوئی منصب ان کو نہیں ملا، ایک مرتبہ انہوں نے حضرت عمرؓ سے پوچھا کہ آپ مجھے کسی جگہ کا عامل کیوں نہیں مقرر فرماتے، بولے کہ میں آپ کے دین کو دنیا میں ملوث نہیں دیکھنا چاہتا۔

حضرت عمرؓ نے جب اپنے زمانہ خلافت میں نماز تراویح کو باجماعت کیا تو حضرت ابی بن کعبؓ کو امامت کے لئے منتخب فرمایا۔

حضرت عمرؓ کے بعد حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں قرآن مجید میں لب و لہجہ کا اختلاف تمام ملک میں عام ہو چکا تھا، اس بنا پر آپ نے اس اختلاف کو مٹانا چاہا اور خود اصحاب قرأت کو طلب فرما کر ہر شخص سے جدا جدا قرأت سنی، حضرت ابی بن کعبؓ، حضرت عبداللہ بن عباسؓ، اور معاذ بن جبلؓ، سب کے لہجہ (تلفظ) میں اختلاف نظر آیا، یہ دیکھ کر حضرت عثمانؓ نے فرمایا کہ تمام مسلمانوں کو ایک تلفظ کے قرآن پر جمع کرنا چاہتا ہوں۔

قریش اور انصار میں ۱۲ شخص تھے، جن کو قرآن پر پورا عبور تھا، حضرت عثمانؓ نے ان لوگوں کو یہ اہم کام تفویض فرمایا اور حضرت ابی بن کعبؓ کو اس مجلس کا رئیس مقرر کیا، وہ قرآن کے الفاظ بولتے تھے اور زید لکھتے، آج قرآن مجید کے جس قدر نسخے ہیں، وہ حضرت ابیؓ کی قرأت کے مطابق ہیں۔

وفات : ۳۹ھ میں عمر طبعی کو پہنچ کر حضرت عثمانؓ کے زمانہ خلافت میں جمعہ کے دن وفات پائی، حضرت عثمانؓ نے نماز جنازہ پڑھائی، اور مدینہ منورہ میں دفن کئے گئے۔

آل و اولاد : حضرت ابیؓ کی اولاد کی صحیح تعداد اگرچہ نامعلوم ہے، لیکن جن کے نام معلوم ہیں وہ یہ ہیں۔ ۱۔ طفیل، ۲۔ محمد بن ۳۔ عبداللہ، ۴۔ ربیع، ۵۔ ام عمرؓ۔ ان میں سے اول الذکر دو بزرگ عہد رسالت میں پیدا ہوئے تھے۔

حضرت ابیؓ کی زوجہ کا نام ام الطفیل ہے، وہ صحابیہ ہیں اور روایات حدیث کی فہرست میں ان کا نام ملغل ہے۔

حلیہ : حضرت ابیؓ کا حلیہ یہ تھا، قد میانہ، رنگ گورا مائل بہ سرخی، بدن دبلا۔

اخلاق و عادات :

مزاج میں تکلف تھا، مکان میں گدوں پر نشست رکھتے تھے غالباً دیوار میں آئینہ لگایا تھا اور کنگھی کرتے تھے، اسی طرف بیٹھتے تھے، ایام پیری میں جب سر اور ڈاڑھی کے بال سفید ہو گئے تھے۔ کنیز سر کے بال بناتی تھی۔

حضرت ابیؓ نے ایک شخص کو ایک آیت پڑھائی تھی، حضرت عمرؓ نے سنا تو پوچھا، تم نے یہ کس سے سیکھی؟ اس نے حضرت ابیؓ کا نام لیا، حضرت عمرؓ اس کو ساتھ لے کر ان کے مکان پر تشریف لے گئے اور استفسار کیا انہوں نے کہا میں نے رسول اللہ ﷺ کے منہ سے ایسا ہی سیکھا تھا۔ حضرت عمرؓ نے مزید تحقیق کے لئے پوچھا کیا رسول اللہ ﷺ کے منہ سے تم نے سیکھا ہے۔ جواب دیا، جی ہاں۔ حضرت عمرؓ نے اس جملہ کو پھر دہرایا۔ تیسری مرتبہ حضرت ابیؓ کو غصہ آ گیا، بولے واللہ یہ آیت خدا نے جبریل پر نازل کی تھی اور جبریل نے قلب محمد ﷺ پر نازل کی، اس میں خطاب اور اس کے بیٹے سے مشورہ نہیں لیا تھا۔ حضرت عمرؓ کانوں پر ہاتھ رکھ کر ان کے گھر سے تکبیر کہتے ہوئے نکل گئے۔^۱

اسی طرح ایک مرتبہ ایک آیت کے متعلق اختلاف ہوا حضرت عمرؓ نے حضرت ابیؓ کو بلا کر ان سے وہ آیت پڑھوائی انہوں نے پڑھ کر حضرت عمرؓ کی ناک کی طرف انگلی سے اشارہ کیا، حضرت عمرؓ نے اس کو دوسری طرح پڑھا۔ اور حضرت ابیؓ کی ناک کی طرف اشارہ کیا حضرت ابیؓ نے کہا واللہ مجھ کو رسول اللہ ﷺ نے اسی طرح پڑھایا تھا، حضرت عمرؓ نے کہا اب ہم آپ کی متابعت کرتے ہیں۔^۲

حضرت ابو دردراؓ شامیوں کی ایک بڑی جماعت کو تعلیم قرآن کے لئے مدینہ لائے۔ ان لوگوں نے حضرت ابیؓ سے قرآن پڑھا۔ ایک دن ان میں سے ایک شخص نے حضرت عمرؓ کے سامنے کوئی آیت پڑھی، انہوں نے ٹوکا، اس نے کہا مجھ کو ابی بن کعبؓ نے پڑھایا ہے۔ حضرت عمرؓ نے اس لیسا تھ ایک آدمی کر دیا کہ ابیؓ کو بلا لاؤ، اس وقت حضرت ابیؓ اپنے اونٹ کو چارہ دے رہے تھے۔ آدمی نے پہنچ کر کہا آپ کو امیر المؤمنین بلاتے ہیں۔ انہوں نے پوچھا کیا کام ہے۔ انہوں نے واقعہ بیان کیا۔

۱۔ طبقات۔ ص ۵۵۔ ۲۔ کنز العمال۔ ج ۱۔ ص ۲۸۷۔ ۳۔ کنز العمال۔ ج ۱۔ ص ۲۸۵۔

حضرت ابیؓ دونوں پر بگڑے اور کہا تم لوگ باز نہیں آتے اور غصہ میں اسی طرح دامن چڑھائے ہاتھ میں چارہ لئے ہوئے حضرت عمرؓ کے پاس پہنچے۔ انہوں نے ان سے اور زید بن ثابتؓ سے آیت پڑھوائی۔ دونوں کی قرأت میں اختلاف تھا۔ حضرت عمرؓ نے زید کی تائید کی، حضرت ابیؓ برہم ہوئے اور کہا خدا کی قسم عمرؓ! تم خوب جانتے ہو کہ میں رسول اللہ ﷺ کے پاس اندر ہوتا تھا، اور تم لوگ باہر کھڑے رہتے تھے۔ اب آج میرے ساتھ یہ برتاؤ کیا جاتا ہے، واللہ اگر تم کہو تو میں گھر میں بیٹھا ہوں نہ کسی سے بولوں اور نہ درس قرآن دوں یہاں تک کہ موت میرا خاتمہ کر دے، حضرت عمرؓ نے فرمایا نہیں، جب خدا نے آپ کو علم دیا ہے تو آپ شوق سے پڑھائیے۔^۱

طبعاً نہایت آزاد اور خوددار تھے، ایک مرتبہ حضرت ابن عباسؓ مدینہ منورہ کے کسی کوچہ میں ایک آیت پڑھتے ہوئے جا رہے تھے، پیچھے سے آواز آئی، ابن عباسؓ ”کھڑے رہو، مڑ کر دیکھا تو حضرت عمرؓ تھے، فرمایا کہ میرے غلام کو لیتے جاؤ، ابی بن کعبؓ سے پوچھنا کہ فلاں آیت انہوں نے اس طرح پڑھی ہے؟ حضرت ابن عباسؓ حضرت ابیؓ کے مکان پر پہنچے تھے کہ خود حضرت ابیؓ بھی تشریف لے آئے اور اجازت لے کر سب اندر پہنچے حضرت ابیؓ ”بال بنوار ہے تھے، دیوار کی طرف رخ تھا، حضرت عمرؓ کو گدے پر بٹھایا گیا۔ حضرت ابیؓ کی پشت حضرت عمرؓ کی طرف تھی، وہ اسی حالات میں بیٹھے رہے اور ان کی طرف متوجہ نہ ہوئے، تھوڑی دیر کے بعد پھر حضرت عمرؓ سے مخاطب ہو کر کہا مرحبا یا امیر المؤمنین میری ملاقات کے لئے تشریف لانا ہوا یا کوئی اور غرض ہے، حضرت عمرؓ نے فرمایا کام سے آیا ہوں اور ایک آیت پڑھ کر کہا یہ تو بہت سخت ہے (یعنی تلفظ میں) حضرت ابیؓ نے کہا میں نے قرآن اس سے سیکھا جس نے جبریل سے سیکھا تھا، وہ تو نہایت نرم اور تر ہے، حضرت عمرؓ نے فرمایا آپ تو احسان جتنا چاہتے ہیں مگر مجھے جواب سے تشفی نہیں ہوئی۔

ایک مرتبہ حضرت عمرؓ کی خلافت کے زمانہ میں دونوں میں ایک باغ کی بابت جھگڑا ہو گیا حضرت ابیؓ رونے لگے اور کہا آپ کے عہد میں یہ باتیں؟ حضرت عمرؓ نے کہا نہیں میری یہ نیت نہ تھی، آپ کا جس مسلمان سے جی چاہے فیصلہ کرا لیجئے، میں راضی ہوں انہوں نے زید بن ثابتؓ کا نام لیا، حضرت عمرؓ راضی ہوئے اور حضرت زیدؓ کے سامنے مقدمہ پیش ہوا گو حضرت عمرؓ خلیفہ اسلام تھے تاہم ایک فریق کی حیثیت سے حضرت زید بن ثابتؓ کے اجلاس میں حاضر ہوئے حضرت عمرؓ کو ابیؓ کے دعویٰ سے انکار تھا۔ انہوں نے ان سے کہا آپ بھولتے ہیں سوچ کر یاد کیجئے۔ حضرت ابیؓ کچھ دیر سوچتے رہے

پھر کہا کہ مجھے کچھ یاد نہیں آتا، تو خود حضرت عمرؓ نے واقعہ کی صورت بیان کی۔ حضرت زیدؓ نے حضرت ابی سے پوچھا آپ کے پاس ثبوت کیا ہے، انہوں نے کہا کچھ نہیں بولے تو آپ امیر المومنین سے قسم نہ لیجئے، حضرت عمرؓ نے فرمایا اگر مجھ پر قسم ضروری ہے تو مجھے اس میں تامل نہیں ہے۔

طبیعت غیور پائی تھی، ایک شخص آحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا فلاں آدمی اپنے باپ کی عورت (سوتیلی ماں) سے ہمبستر ہوتا ہے۔ حضرت ابیؓ موجود تھے بولے کہ میں تو ایسے شخص کی گردن مار دیتا، آنحضرت ﷺ نے تبسم فرمایا اور کہا ابیؓ "کس قدر غیرت مند ہیں، لیکن میں ان سے زیادہ غیور ہوں اور خدا مجھ سے زیادہ غیرت والا ہے۔"

بڑے مہمان نواز تھے، لیکن تکلف نہ تھا۔ ایک بار براء بن مالکؓ ملاقات کو آئے۔ پوچھا کیا کھاؤ گے؟ انہوں نے کہا ستو اور چھوہارے۔ اندر جا کر ستو لے آئے اور شکم سیر ہو کر کھلایا۔ براء بن مالکؓ آنحضرت ﷺ کے پاس گئے اور اس واقعہ کا ذکر آپ ﷺ سے کیا آپ ﷺ نے فرمایا تو بڑی عمدہ بات ہے۔

علم و فضل: حضرت ابیؓ بن کعب کی حیات سعید کا ایک لمحہ علم کے لئے وقف تھا، عین اس وقت جب مدینہ میں مہاجرین اور انصار سے تجارت اور زراعت کا بازار گرم رہتا تھا حضرت ابیؓ "مسجد نبوی میں نبوت کے علمی جواہر سے اپنے علوم و فنون کی دوکان سجاتے تھے انصار میں ان سے بڑا کوئی عالم نہ تھا، اور قرآن کے سمجھنے اور حفظ و قرأت میں مہاجرین و انصار دونوں میں ان کی فوقیت مسلم تھی، یہاں تک کہ خود رسول اللہ ﷺ ان سے قرآن مجید پڑھوا کر سنتے تھے۔

علوم اسلامیہ کے علاوہ کتب قدیمہ سے بھی پوری واقفیت رکھتے تھے، تورات، انجیل کے عالم تھے، آنحضرت ﷺ کے متعلق ان کتابوں میں جو بشارتیں مذکور ہیں، وہ ان کو خاص طور پر معلوم تھیں، اس علمی جلالت شان کی بنا پر حضرت فاروق اعظمؓ ان کی تعظیم اور ان کا لحاظ کرتے تھے اور خود ان کے گھر پر جا کر مسائل پوچھتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ جو اسلام کی تاریخ میں جر کے لقب سے مشہور ہیں، حضرت ابیؓ بن کعبؓ کی درس گاہ میں حاضری کو اپنا فخر سمجھتے تھے۔

حضرت ابیؓ کا فضل و کمال صرف خرمن نبوت کا خوشہ چین تھا، انہوں نے حامل وحی ﷺ سے اس قدر سیکھ لیا تھا کہ پھر کسی کی طرف رجوع کرنے کی ضرورت باقی نہ رہی، صحابہ کرامؓ میں حضرت ابوبکرؓ کے سوا کوئی شخص ایسا نہ تھا جو آنحضرت ﷺ کے بعد کسب علم سے بے نیاز رہا ہو، صرف ابیؓ بن کعب کی شخصیت تھی جو اس سے مستغنی تھی۔

حضرت ابی بن کعبؓ اگرچہ مختلف علوم کے جامع تھے لیکن وہ خاص فن جن میں اُن کو امامت و اجتہاد کا منصب حاصل تھا، قرآن تفسیر، شان نزول، نسخ و منسوخ، حدیث و فقہ تھے، اور ہم انہی علوم میں اپنی بساط کے مطابق ان کے کمالات دکھائیں گے۔

قرآن مجید : سب سے پہلے ہمیں قرآن مجید کا ذکر کرنا ہے، اور یہ دکھانا ہے کہ حضرت ابیؓ اس کو کس نظر سے دیکھتے تھے۔ حضرت ابیؓ مجتہد تھے۔ وہ قرآن مجید پر مجتہدانہ انداز سے غور کرتے تھے۔ ایک دن رسول اللہ ﷺ نے ان سے دریافت فرمایا کہ قرآن میں کون سی نہایت معظم آیت ہے۔ حضرت ابیؓ نے کہا آیتہ الکرسی۔ آنحضرت ﷺ نہایت مسرور ہوئے اور فرمایا ! ”ابی تمہیں یہ علم مسرور کرے۔“

اس واقعہ سے اندازہ ہو سکتا ہے وہ قرآن کی آیتوں میں کیسا غور و خوض کرتے تھے۔ اب خود ان کی زبان سے قرآن کی حقیقت سنو۔ ایک شخص نے اُن سے درخواست کی کہ مجھے نصیحت کیجئے۔ فرمایا، ”قرآن کو دلیل راہ نہ بناؤ، اس کے فیصلوں اور حکموں پر راضی رہو، رسول اللہ ﷺ نے یہی چیز تمہارے لئے چھوڑی ہے۔ اس میں تمہارا تمہارے قبل والوں اور جو کچھ زمانہ بعد میں ہوگا سب حال درج ہے۔“

حضرت ابیؓ نے اس رائے میں حسب ذیل خیالات کا اظہار کیا ہے۔

(۱) قرآن مجید اسلام کا مکمل قانون ہے۔

(۲) مسلمانوں کا بہترین دستور العمل ہے۔

(۳) اس کے قصص و حکایات نتیجہ خیز ہیں جو عمل اور عبرت کے لئے ہیں۔ گرمی محفل

کے لئے نہیں۔

(۴) اس میں تمام قوموں کا نہایت کافی تذکرہ ہے۔

غور کرو ! جو شخص ان حیثیتوں سے قرآن کریم دیکھتا ہوگا۔ اس کی وسعت معلومات اور

دقت نظر میں کیا کلام ہو سکتا ہے۔

حضرت ابیؓ نے ابتداء ہی سے قرآن مجید کے ساتھ غیر معمولی شغف ظاہر کیا تھا۔ چنانچہ رسول

ﷺ مدینہ میں وارد فرما ہوئے تو سب سے پہلے جس نے وحی لکھنے کا شرف حاصل کیا وہ حضرت ابیؓ تھے۔

قرآن مجید حفظ کرنے کا خیال بھی اسی زمانہ سے پیدا ہوا۔ جس قدر آیتیں نازل ہوتیں وہ

حفظ کر لیتے تھے۔ یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں پورا قرآن یاد کر لیا۔ صحابہؓ میں پانچ بزرگ

تھے، جنہوں نے آنحضرت ﷺ کے عہد مقدس میں پورا قرآن یاد کیا تھا۔ لیکن ابیؓ اُن سب میں ممتاز

تھے۔ خود آنحضرت ﷺ اس باب میں ان کی مدح فرماتے تھے۔

حضرت ابیؓ نے قرآن کا ایک ایک حرف رسول اللہ ﷺ کے دہن مبارک سے سن کر یاد کر لیا تھا۔ آنحضرت ﷺ بھی ان کے شوق کو دیکھ کر ان کی تعلیم کی طرف توجہ مبذول فرماتے تھے۔ نبوت کا رعب بڑے بڑے صحابہ کو سوال کرنے سے مانع ہوتا تھا۔ لیکن حضرت ابیؓ بے جھجک جو چاہتے تھے، سوال کرتے تھے۔ ان کے شوق کو دیکھ کر بعض اوقات آنحضرت ﷺ خود ابتدا فرماتے تھے، اور بغیر پوچھے بتاتے تھے۔ ایک مرتبہ حضرت ابیؓ سے فرمایا کہ ”میں تمہیں ایک ایسی سورہ بتاتا ہوں جس کی نظیر نہ تورات و انجیل میں ہے اور نہ قرآن میں“۔ یہ کہہ کر باتوں میں مصروف ہو گئے، حضرت ابیؓ کہتے ہیں میرا خیال تھا کہ رسول اللہ ﷺ بیان فرمائیں گے، اس لئے جب آپ گھر جانے کے لئے اٹھے تو میں بھی ساتھ ہولیا۔ آپ نے میرا ہاتھ پکڑ کر باتیں شروع کر دیں، اور گھر کے دروازہ تک اسی طرح چلے آئے۔ میں نے عرض کی وہ سورۃ بتا دیجئے آپ نے بتادی۔

ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ نے نماز فجر پڑھائی اس میں ایک آیت پڑھنا بھول گئے، حضرت ابیؓ نماز میں شروع سے شریک نہ تھے بیچ میں شریک ہوئے تھے نماز ختم کر کے آنحضرت ﷺ نے لوگوں سے پوچھا کہ ”کسی نے میری قرأت پر خیال کیا تھا؟“ تمام لوگ خاموش رہے پھر پوچھا ”ابیؓ بن کعب ہیں؟“ حضرت ابیؓ ”نماز ختم کر چکے تھے بولے کہ آپ نے فلاں آیت نہیں پڑھی، کیا منسوخ ہو گئی یا آپ پڑھنا بھول گئے؟“ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ”نہیں میں پڑھنا بھول گیا“، اس کے بعد فرمایا ”میں جانتا تھا کہ تمہارے سوا اور کسی کو ادھر خیال نہیں ہوا ہوگا“۔

ان باتوں کا یہ اثر تھا کہ جب کوئی مسئلہ حضرت ابیؓ کی سمجھ میں نہ آتا تو وہ اور صحابہؓ کی طرح خاموش نہیں رہتے تھے، بلکہ آنحضرت ﷺ سے دیر تک مذاکرہ جاری رکھتے اور جب سمجھ میں آ جاتا تب اُٹھتے۔ مسجد نبوی ﷺ میں عبداللہ بن مسعودؓ نے ایک آیت پڑھی۔ چونکہ وہ قبیلہ ہذیل سے تھے، ان کی قرأت علیحدہ تھی۔ حضرت ابیؓ بن کعبؓ نے سنا تو کہا، آپ نے یہ آیت کس طرح پڑھی؟ میں نے رسول اللہ ﷺ سے اس طرح پڑھی ہے۔ انہوں نے کہا مجھ کو بھی رسول اللہ ﷺ نے پڑھایا ہے۔

حضرت ابیؓ کہتے ہیں، اس وقت میرے دل میں خیالات فاسدہ کا غلبہ ہوا اور عجیب و غریب باتیں ذہن میں آئیں۔ میں ابن مسعودؓ کو لے کر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں آیا اور کہا، میرے اور ان کے درمیان قرأت کا اختلاف ہو گیا ہے، آنحضرت ﷺ نے مجھ سے یہ آیت پڑھوائی اور فرمایا تم ٹھیک پڑھتے ہو۔ پھر حضرت ابن مسعودؓ سے پڑھوائی اور فرمایا تم بھی ٹھیک پڑھتے ہو۔ پھر میں نے

ہاتھ کے اشارے سے کہا یا رسول اللہ (ﷺ) دونوں ٹھیک ٹھاک پڑھتے ہیں، یہ کیونکر؟ اس قدر کہ دو کاوش پر حضرت ابیؓ پسمند ہو گئے تھے۔ آنحضرت ﷺ نے ان کی گھبراہٹ دیکھی تو ان کے سینہ پر دست مبارک رکھ کر فرمایا ”الہی اُبی کا شک دُور کر!“ دست مبارک کی تاثیر تسلی بن کر قلب میں اتر گئی اور ان کو کامل تشفی ہو گئی۔

حضرت ابیؓ کا خاص فن قرأت ہے۔ اس میں ان کو اتنا کمال تھا کہ خود آنحضرت ﷺ نے اُن کی تعریف و توصیف فرمائی تھی۔ صحابہ میں چند بزرگ تھے، جن کی کمالات کی حامل وحی نے تعین کر دی تھی ان میں حضرت ابی بن کعبؓ کی نسبت آنحضرت ﷺ نے یہ جملہ ارشاد فرمایا تھا ”واقرأہم ابی بن کعب“ یعنی صحابہ میں سب سے بڑے قاری ابیؓ ہیں۔

رسول اللہ ﷺ کے بعد حضرت عمر فاروقؓ نے اس جملہ کی یاد کو کئی مرتبہ تازہ کیا۔ ایک مرتبہ مسجد نبوی کے منبر پر کہا کہ سب سے بڑے قاری ابیؓ ہیں۔ شام کے مشہور سفر میں مقام جابیہ کے خطبہ میں فرمایا ”من اراد القرآن فلیات ابیا“ یعنی جس کو قرآن کا ذوق ہو وہ ابیؓ کے پاس آئے۔

فن قرأت میں حضرت ابیؓ کو جو دخل تھا، اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ خود حامل نبوت ﷺ ان سے قرآن کو دورہ فرماتے تھے۔ چنانچہ جس سال آپؐ نے وفات پائی حضرت ابیؓ کو قرآن سُنایا اور فرمایا ”مجھ سے جبریلؑ نے کہا تھا کہ ابیؓ کو قرآن سُنا دیجئے۔“

جو سورۃ نازل ہوتی، اس کو آنحضرت ﷺ حضرت ابیؓ کو سُناتے اور یاد کراتے تھے۔ ”سورۃ لم یکن“ نازل ہوئی تو فرمایا خدا نے تم کو قرآن سنانے کا حکم مجھے کیا ہے انہوں نے عرض کیا خدا نے میرا نام لیا ہے؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ”ہاں“ حضرت ابیؓ یہ سن کر فرط مسرت میں بے اختیار رو پڑے۔

عبدالرحمن بن ابی ایزی حضرت ابی بن کعبؓ کے شاگرد تھے۔ ان کو استاد کا یہ واقعہ معلوم ہوا تو پوچھا: یا ابا المنذر (حضرت ابیؓ کی کنیت) اس وقت آپ کو خاص مسرت ہوئی ہوگی۔ فرمایا ”کیوں نہیں؟“ خداوند تعالیٰ خود فرماتا ہے ”قل بفضل اللہ وبرحمۃ فیذا لک فلیفرحوا“ خیر مما یجمعون“۔

اسی قرأت دانی کا نتیجہ تھا کہ ایک قرأت خاص طور پر ان کی جانب منسوب ہوئی، جس کا نام قرأت ابی بن کعبؓ تھا۔ اہل دمشق اسی قرأت میں قرآن مجید پڑھتے تھے۔

حضرت ابیؓ کی قرأت کو ان کے رتبہ سے عالمگیر ہونا چاہئے تھا، لیکن اس وقت تک زیادہ رواج نہ پاسکی۔ اس کا بڑا سبب یہ تھا کہ بہت سی آیتیں جو منسوخ ہو چکی تھیں اس میں موجود تھیں۔ حضرت عمر فاروقؓ نے بار بار کہا کہ ابیؓ ہم میں سب سے زیادہ قرآن کے جاننے والے ہیں، لیکن ہم کو بعض مواقع پر ان سے اختلاف کرنا پڑتا ہے۔ ان کو اصرار ہے کہ انہوں نے جو کچھ سیکھا ہے رسول اللہ ﷺ سے سیکھا ہے۔ یہ سچ ہے، لیکن جب بہت سی آیتیں منسوخ ہو چکی ہیں اور ان کو اس کا علم نہیں ہوا تو پھر ہم ان کی قرأت پر کیونکر قائم رہ سکتے ہیں!

لیکن بعد میں اس کی اصلاح ہو گئی۔ حضرت عثمان غنیؓ کے عہد مبارک میں جب قرآن مجید کو جمع کیا گیا تو اس میں منسوخ شدہ آیتوں کا خاص خیال رکھا گیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بہت جلد ان کی قرأت نے قبول عام کی سند حاصل کر لی اور تمام ممالک اسلامیہ جن کی وسعت مغرب سے مشرق تک تھی ابیؓ کی قرأت پر مجتمع ہو گئے۔

حضرت ابیؓ نے انتقال کے بعد اس فن میں اپنے دو جانشین چھوڑے جو اپنے عہد میں مرجع انام تھے۔ حضرت ابو ہریرہؓ اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ۔

قراء سبعہ میں سے نافع بن عبد الرحمنؓ، ابو رومیم مدنیؓ، حضرت ابو ہریرہؓ کے سلسلے سے اور عبداللہ بن کثیر مکیؓ، حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے واسطے سے حضرت ابی بن کعبؓ کے سلسلہ میں داخل ہوتے ہیں۔

درس و تدریس :

حضرت ابی بن کعبؓ کا مدرسہ قرأت اُس وقت ایک مرکزی حیثیت رکھتا تھا۔ عرب و عجم، روم و شام اور دیگر صوبہ جات اسلامیہ سے طلبہ مدینہ منورہ کا رخ کرتے اور ان کی درس گاہ قرأت سے فیضیاب ہوتے تھے۔

طلبہ کے علاوہ بعض اکابر صحابہؓ دور دراز مقامات سے شائقین کو لے کر مدینہ منورہ تشریف لاتے اور حضرت ابیؓ سے استفادہ کرتے تھے۔ حضرت عمر فاروقؓ کے عہد خلافت میں حضرت ابو درداؓ انصاری شام میں تعلیم کے لئے بھیجے گئے تھے۔ وہ اس درجہ کے تھے کہ آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں جن ۵ بزرگوں نے پورا قرآن حفظ کیا تھا ان میں ایک وہ بھی تھے۔ لیکن باہمہ وہ حضرت ابیؓ کی قرأت سے مستغنی نہ تھے۔ حضرت عمر فاروقؓ کے عہد مقدس میں شامیوں کا ایک مجمع ساتھ لے کر حضرت ابیؓ

کی خدمت میں آئے۔ خود قرآن پڑھا اور دوسرے لوگوں کو بھی پڑھوایا۔

حضرت ابیؓ اگرچہ تلامذہ کی تعلیم سے خاص دلچسپی لیتے تھے۔ لیکن مزاج تیز تھا، اس لئے بہت جلد ان کا حلم و تحمل غیظ و غضب میں بدل جاتا تھا۔ اس لئے تلامذہ خاص کوئی سوال کرتے تو خوف لگا رہتا کہ کہیں غصہ میں جھنجھلا نہ اٹھیں۔ زرین حبش جو حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے شاگرد رشید تھے اور جن کو حضرت ابیؓ کے تلمذ کا بھی شرف حاصل تھا۔ کوئی بات پوچھنا چاہتے تھے، مگر ہمت نہ پڑتی تھی۔ ایک دن ایک سوال کیا کہ تمہید سے مجھ پر نظر عنایت فرمائیے، میں آپ سے علم سیکھنا چاہتا ہوں۔ حضرت ابیؓ نے کہا، ہاں شاید یہ ارادہ ہوگا کہ قرآن مجید کی کوئی آیت پوچھنے سے باقی نہ رہ جائے۔

اسی وجہ سے ان کی مجلس لایعنی سوالات سے پاک ہوتی تھی۔ وہ قبل از وقت باتوں کا جواب نہیں دیتے تھے۔ بلکہ ناراض ہوتے تھے۔ مسروق نے ایک دن ایک سوال کیا، حضرت ابیؓ نے کہا کہ ایسا بھی ہے؟ انہوں نے کہا نہیں۔ فرمایا ابھی ٹھہریئے، جب ایسا واقعہ پیش آئے گا تو آپ کے لئے اجتہاد کی تکلیف کی جائے گی۔

لیکن معقول سوالات سے خوش ہوتے تھے اور جواب مرحمت فرماتے تھے۔ زیاد انصاری نے پوچھا، آنحضرت ﷺ کی تمام بیویاں قضا کر جاتیں تو آپ نکاح کر سکتے تھے یا نہیں؟ انہوں نے کہا کر سکتے تھے۔ زیاد نے کہا پھر آیت کے کیا معنی ”لا یحل لک النساء من بعد“۔ حضرت ابیؓ نے کہا کہ آنحضرت ﷺ کے لئے عورتوں کی ایک قسم حلال تھی۔ (مسند احمد۔ جلد ۵۔ ص ۱۳۲)

حضرت ابیؓ کی زندگی بڑی پر تکلف اور باوقار تھی۔ اس کا اثر ان کے حلقہ درس میں نظر آتا تھا۔ گھر اور مجلس دونوں جگہوں میں ان کی نشست گدے پر ہوتی تھی اور وہ تلامذہ عام صف میں بیٹھتے تھے۔ نشست و برخاست میں تلامذہ ان کی تعظیم کے لئے سر و قد کھڑے ہوتے تھے۔ اس زمانہ میں یہ دستور بالکل نیا تھا۔ ایک مرتبہ سلیم بن حظلہ حضرت ابیؓ کی خدمت میں مسئلہ پوچھنے آئے۔ جب وہ اٹھے تو شاگردوں کا پورا مجمع پیچھے پیچھے ساتھ ہو گیا۔ حضرت عمر فاروقؓ نے دیکھا تو یہ روش ناپسند ہوئی۔ حضرت ابیؓ سے فرمایا کہ یہ آپ کے لئے فتنہ اور ان لوگوں کے لئے ذلت ہے۔

تلامذہ سے تحائف و ہدایا قبول کر لیتے تھے اور اس میں کچھ مضائقہ نہ جانتے تھے۔ آنحضرت ﷺ کے عہد مقدس میں انہوں نے طفیل بن عمرو دوسی کو قرآن پڑھایا تھا۔ انہوں نے ایک کمان ہدیہ پیش کیا۔ حضرت ابیؓ اس کو لگا کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ ﷺ نے پوچھا، ”یہ کہاں سے لائے؟“ انہوں نے کہا ایک شاگرد کا ہدیہ ہے۔

آپ نے فرمایا ”اس کو واپس کر دو“ آئندہ ایسے ہدیہ سے پرہیز کرنا۔

اسی طرح ایک شاگرد نے کپڑا ہدیہ میں پیش کیا، اس میں بھی یہی صورت پیش آئی اس لئے بعد میں ان باتوں سے اجتناب کلی کر لیا تھا، چنانچہ ملک شام کے لوگ جب آپ سے قرآن مجید پڑھنے مدینہ کے کاتبوں سے اس کو لکھواتے بھی تھے اور کتابت کا معاوضہ اس طرح ادا ہوتا تھا کہ شامی اپنے ساتھ کاتبوں کو کھانے میں شریک کر لیتے تھے، لیکن حضرت ابیؓ ایک وقت بھی ان کی دعوت منظور نہ کرتے تھے، حضرت عمرؓ نے ایک دن ان سے دریافت کیا، ملک شام کا کھانا کیسا ہوتا ہے؟ حضرت ابیؓ نے کہا میں ان کے ہاں کھانا نہیں کھاتا،

قرأت پڑھاتے وقت حرف مخارج سے ادا کرنے کی کوشش کرتے تھے، مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کے باشندوں کے ساتھ تو چنداں دشواری پیش نہ آتی تھی، لیکن اعراب اور بدووں یا دیگر ملکوں کے باشندوں کو جن سے حرف صاف صاف ادا نہ ہو سکتے تھے ان کا پڑھانا نہایت مشکل کام تھا، لیکن حضرت ابیؓ اس مشکل کو آسان کر لیتے تھے،

آنحضرت ﷺ کے زمانہ مبارک میں حضرت ابیؓ ایک ایرانی کو قرآن پڑھاتے تھے، جب اس کو یہ آیت پڑھائی (ان شجرة الزقوم طعام الاثیم) تو اس سے اٹیم نکلتا نہ تھا، وہ یتیم کہتا تھا، حضرت ابیؓ نہایت پریشان تھے، آنحضرت ﷺ وہاں سے گذرے اور ان کی حیرانی دیکھ کر خود ان کے شریک ہو گئے اور ایرانی میں فرمایا کہو ”طعام الظائم“ اس نے اس کو صاف طور سے ادا کر دیا، آپ نے حضرت ابیؓ سے فرمایا کہ اس کی زبان درست کرو، اور اس سے حرف نکلاؤ، خدا تمہیں اس کا اجر دے گا۔
مصحف ابی بن کعبؓ :

حضرت ابیؓ آنحضرت ﷺ سے جس قدر قرأت پڑھتے تھے گھر پر اس کو قلمبند کرتے جاتے تھے، یہی قرآن ہے جو فن تاریخ قرأت میں ”مصحف ابیؓ“ کے نام سے مشہور ہے، یہ مصحف حضرت عثمانؓ کے عہد تک موجود تھا،

اس مصحف کی شہرت دور تک تھی، حضرت ابیؓ کی وفات کے بعد ان کے بیٹے کے پاس جن کا نام محمد تھا اور مدینہ ہی میں رہتے تھے۔ عراق سے کچھ لوگ آئے اور کہا کہ ہم لوگ مصحف کی زیارت کو آئے ہیں۔ انہوں نے کہا وہ تو حضرت عثمانؓ نے لے لیا تھا۔

تفسیر : حضرت ابیؓ مفسرین صحابہ میں ہیں اور ان سے اس فن میں ایک بڑا نسخہ روایت کیا گیا ہے، جس کے راوی امام ابو جعفر رازی ہیں، تین واسطوں سے حضرت ابیؓ تک یہ سلسلہ منتہی ہوتا ہے۔

فن تفسیر میں حضرت ابیؓ کے اگرچہ متعدد شاگرد تھے، جن کی روایتیں عموماً تفسیر کی کتابوں میں مندرج ہیں، لیکن اس کا بڑا حصہ ابو العالیہ کے ذریعہ سے ہم تک پہنچا ہے، ابو العالیہ کے تلمیذ ربیع بن انسؓ تھے، جن پر امام رازی کے سلسلہ روایات کا اختتام ہوتا ہے۔

اس تفسیر کی روایتیں ابن جریر اور ابی حاتم نے کثرت سے نقل کی ہیں، حاکم نے مستدرک میں اور امام احمد نے اپنی مسند میں بھی بعض روایتوں کو درج کیا ہے، حضرت ابیؓ سے اس فن میں دو قسم کی روایتیں ہیں، پہلی قسم میں وہ سوالات داخل ہیں جو انہوں نے حضور ﷺ سے کئے تھے، اور آنحضرت ﷺ نے ان کے جواباً عنایت فرمائے تھے دوسری قسم میں وہ تفسیریں ہیں جو خود حضرت ابیؓ کی طرف منسوب ہیں۔

حضرت ابیؓ کی تفسیر کا پہلا حصہ جو آنحضرت ﷺ سے روایت کیا گیا ہے ظن و قیاس کے دتبہ سے بلند ہو کر یقین کے وجہ تک پہنچتا ہے، کیونکہ حال وحی سے زیادہ قرآن کا مطلب کون سمجھ سکتا ہے۔

دوسرا حصہ حضرت ابیؓ کی رائے کا مجموعہ ہے، اس میں مختلف حیثیتیں پیش نظر رکھی گئی ہیں، بعض آیتوں میں تفسیر القرآن بالقرآن کا اصول مد نظر ہے، بعض میں خیالات عصریہ کی جھلک ہے، کسی میں اسرائیلیات کا رنگ ہے، اور کہیں کہیں ان سب سے الگ ہو کر مجتہدانہ روش اختیار کی ہے، اور یہی ان کا علم تفسیر میں سب سے بڑا کارنامہ ہے۔

شان نزول : حضرت ابیؓ سے شان نزول کی متعدد روایتیں ہیں؟ جو تفسیر کی کتابوں میں مندرج ہیں۔

حدیث : صحابہ کرامؓ میں جو بزرگ علم حدیث کے ماہر خیال کئے جاتے تھے۔ ان میں ایک حضرت ابیؓ بن کعب بھی تھے، محدث ذہبی تذکرۃ الحفاظ میں لکھتے ہیں :

وکان احده من سمع الکثیر یعنی حضرت ابیؓ ان بزرگوں میں ہیں جنہوں نے آنحضرت ﷺ سے احادیث کا بہت بڑا حصہ سنا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ بہت سے علمائے صحابہ جو اپنے مجالس درس میں مندر روایت پر متمکن تھے۔ حضرت ابیؓ کے حلقہ تعلیم میں شاگردی کا زانوئے ادب طے کرتے ہیں۔

چنانچہ ان کے حلقہ میں تابعین سے زیادہ صحابہؓ کا مجمع ہوتا تھا۔ حضرت عمر بن الخطابؓ، حضرت ابو ایوب انصاریؓ، عبادہ بن صامتؓ، ابو ہریرہؓ، ابو موسیٰ اشعریؓ، انس بن مالکؓ، عبد اللہ بن عباسؓ، ہبل بن سعدؓ، سلیمان بن صردؓ (رضوان اللہ علیہم اجمعین) کہ تمام صحابہؓ میں انتخاب تھے۔ حضرت ابیؓ سے علم حدیث میں استفادہ کرتے تھے۔

حضرت ابیؓ کے اوقات درس اگرچہ متعین تھے۔ تاہم ان وقتوں کے علاوہ بھی باب فیض مسدود نہ ہوتا تھا۔ چنانچہ جب مسجد نبویؐ میں نماز کو تشریف لاتے اور اس وقت بھی کسی تعلیم کی حاجت ہوتی تو اس کی تشریف فرماتے تھے۔

قیس بن عبادہ مدینہ میں صحابہ کے دیدار سے مشرف ہونے آئے تھے۔ ان کا بیان ہے کہ میں نے حضرت ابیؓ بن کعب سے بڑھ کر کسی کو نہ پایا۔ نماز کا وقت تھا، لوگ جمع تھے اور حضرت عمرؓ بھی تشریف رکھتے تھے۔ کسی چیز کے تعلیم دینے کی ضرورت تھی۔ نماز ختم ہوئی تو محدث جلیل اٹھا اور رسول اللہ ﷺ کی حدیث لوگوں تک پہنچائی۔ ذوق و شوق کا یہ عالم تھا کہ تمام لوگ ہمہ تن گوش تھے۔ قیس پر حضرت ابیؓ کی اس شان عظمت کا بڑا اثر پڑا۔ (مسند احمد۔ جلد ۵۔ ص ۱۴۰)

روایت حدیث میں حضرت ابیؓ حزم و احتیاط سے کام لیتے تھے۔ باوجود اس کے وہ حامل نبوت کے مقرب بارگاہ تھے اور زندگی کا بیشتر وقت رسول اللہ ﷺ کے حضور میں صرف کیا تھا بائیں ہمہ روایت حدیث میں یہ شدت تھی کہ روایت کی مجموعی تعداد ۱۶۴۱ سے متجاوز نہیں ہے۔

فقہ : صحابہ میں کئی بزرگ تھے جو اجتہاد کا منصب رکھتے تھے اور استنباط مسائل کرتے تھے۔ حضرت ابیؓ کا ان میں شمار ہوتا تھا اور وہ حامل قرآن کی مقدس زندگی ہی میں مسند افتاء پر جلوہ افروز ہو چکے تھے۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ کے زمانہ خلافت میں بھی اہل الرائے اور اہل فقہ میں شامل رہے اور لوگ انہی سے استفتاء کیا کرتے تھے۔ حضرت عمر فاروقؓ اور حضرت عثمان غنیؓ کے دور خلافت میں بھی یہ منصب عظیم ان کو حاصل رہا۔

آفاق عالم سے فتوے آتے تھے۔ جن کے مستفتیوں میں صحابہ کا نام بھی داخل ہوتا تھا۔ سمرہ بن جندبؓ بڑے رتبہ کے صحابی تھے۔ وہ نماز میں تکبیر کہنے اور سورہ پڑھنے کے بعد ذرا توقف کرتے تھے۔ لوگوں نے ان پر اعتراض کیا۔ انہوں نے حضرت ابیؓ کے پاس فتویٰ لکھ کر بھیجا کہ مجھ پر حقیقت مجہول ہو گئی ہے، اس کے متعلق تحریر فرمائیے، واقعیت کیا ہے؟ حضرت ابیؓ نے نہایت مختصر جواب تحریر کیا اور لکھا کہ آپ کا طریق عمل شرع شریف کے مطابق ہے اور مقررین غلطی پر ہیں۔

استنباط مسائل کا یہ طریقہ تھا کہ بیشتر قرآن مجید میں غور و خوض کرتے تھے، پھر احادیث کی تلاش ہوتی تھی اور جب ان دونوں میں کوئی صورت نہ ملتی تھی تو قیاس کرتے تھے۔

حضرت عمر فاروقؓ کے پاس ایک عورت آئی کہا کہ میرا شوہر مر گیا، میں حاملہ تھی۔ اب حمل وضع ہوا ہے۔ لیکن عدت کے ایام ابھی پورے نہیں ہوئے۔ اس صورت میں آپ کیا فرماتے ہیں؟ حضرت عمر فاروقؓ نے کہا کہ میعاد معین تک رُکی رہو۔ وہ حضرت عمر فاروقؓ کے پاس سے حضرت ابیؓ کے پاس آئی اور حضرت عمر فاروقؓ سے فتویٰ پوچھنے کا حال اور ان کا جواب ان کے گوش گزار کیا۔ حضرت ابیؓ نے کہا جاؤ اور عمرؓ سے کہنا کہ ابیؓ کہتے کہ عورت حلال ہو گئی۔ اگر وہ مجھے پوچھیں تو میں یہیں بیٹھا ہوں، آکر بلا لینا۔

عورت حضرت عمر فاروقؓ کے پاس آ گئی۔ انہوں نے کہا کہ بٹلا لاؤ۔ حضرت ابیؓ آئے۔ حضرت عمرؓ نے پوچھا آپ نے یہ کہاں سے کہا۔ انہوں نے جواب دیا کہ قرآن سے اور یہ آیت پڑھی : ”واولات الاحمال اجلھن ان یضعن حملھن“ اس کے بعد کہا جو حاملہ بیوہ ہو گئی ہو وہ بھی اس میں داخل ہے اور میں نے رسول اللہ ﷺ سے اس کے متعلق حدیث سنی ہے۔ حضرت عمر فاروقؓ نے عورت سے کہا کہ جو یہ کہہ رہے ہیں اس کو سٹو۔

حضرت عباسؓ عم رسول اللہ ﷺ کا گھر مسجد نبوی کے متصل تھا۔ حضرت عمر فاروقؓ نے جب مسجد کو وسیع کرنا چاہا تو ان سے کہا کہ اپنا مکان فروخت کر دیجئے۔ میں اس کو مسجد میں شامل کروں گا۔ حضرت عباسؓ نے کہا یہ نہ ہوگا۔ حضرت عمر فاروقؓ نے فرمایا اچھا تو بہہ کر دیجئے، انہوں نے اس سے بھی انکار کیا۔ حضرت عمر فاروقؓ نے فرمایا تو آپ خود مسجد کو وسیع کر دیں اور اپنا مکان اس میں داخل کر دیں۔ وہ اس پر بھی راضی نہ ہوئے۔ حضرت عمر فاروقؓ نے کہا ان تین باتوں میں سے کوئی ایک بات آپ کو ماننا ہوگی۔ حضرت عباسؓ نے کہا میں ایک بھی نہ مانوں گا۔ آخر دونوں شخصوں نے حضرت ابی بن کعبؓ کو حکم بنایا۔

انہوں نے حضرت عمر فاروقؓ سے کہا، بلا رضامندی آپ کو ان کی چیز لینے کا کیا حق ہے؟ حضرت عمر فاروقؓ نے پوچھا اس کے متعلق قرآن مجید کی رُو سے حکم نکالا ہے یا حدیث سے؟ حضرت ابیؓ نے کہا حدیث سے۔ وہ یہ ہے کہ حضرت سلیمانؑ نے جب بیت المقدس کی عمارت بنوائی تو اس کی ایک دیوار جو کسی دوسرے کی زمین پر بنوائی تھی گر پڑی۔ حضرت سلیمانؑ کے پاس وحی آئی کہ اس سے اجازت لے کر بنائیں۔ حضرت عمر فاروقؓ خاموش ہو گئے۔ لیکن حضرت عباسؓ کی غیرت اس کو کب گوارہ کر سکتی تھی۔ انہوں نے حضرت عمر فاروقؓ سے کہا کہ میں اس کو مسجد میں شامل کرتا ہوں۔

حضرت سوید بن غفلہ، زید بن صوحان اور سلیمان بن ربیعہ کے ہمراہ کسی غزوہ میں گئے تھے مقام غزیب میں ایک کوڑا پڑا ہوا تھا۔ سوید نے اٹھا لیا۔ ان لوگوں نے کہا کہ اسے پھینک دو، شاید کسی مسلمان کا ہو۔ انہوں نے کہا کہ میں ہرگز نہ پھینکوں گا۔ پڑا رہے گا تو بھیڑیے کی غذا بنے گا، اس سے بہتر ہے کہ میں اسے کام میں لاؤں۔ اس کے کچھ دنوں بعد سوید حج کے ارادہ سے روانہ ہوئے، راستہ میں مدینہ طیبہ پڑتا تھا۔ حضرت ابیؓ کے پاس گئے اور کوڑے والا واقعہ بیان کیا۔ حضرت ابیؓ نے کہا کہ اس قسم کا واقعہ مجھ کو بھی پیش آچکا ہے۔ میں نے آنحضرت ﷺ کے عہد میں ۱۰۰ دینار (۵۰۰) روپے پائے تھے۔ آنحضرت ﷺ نے حکم دیا تھا کہ سال بھر تک لوگوں کو خبر کرتے رہو۔ سال گزرنے کے بعد فرمایا روپے کی تعداد کا نشان وغیرہ یاد رکھنا اور ایک سال اور انتظار کرنا، اگر کوئی نشان کے موافق طلب کرے تو اس کے حوالے کرنا ورنہ وہ تمہارا ہو چکا۔

حضرت عمر فاروقؓ نے ایک مرتبہ ارادہ کیا کہ حج تمتع سے لوگوں کو روک دیں۔ حضرت ابیؓ نے کہا آپ کو اس کا کوئی اختیار نہیں پھر ارادہ کیا کہ حیرہ کے حلقے پہننے سے منع کریں، کیونکہ اس رنگ میں پیشاب کی آمیزش ہوتی تھی۔ حضرت ابیؓ نے کہا اس کے آپ مجاز نہیں۔ خود رسول اللہ ﷺ نے اس کو پہنا ہے اور ہم لوگوں نے بھی پہنا ہے۔ (یہ فتویٰ عموم بلوی کی بناء پر تھا)

طرز استنباط معلوم کرنے کے بعد فقہ ابیؓ کے چند مسائل بھی سن لینا چاہئیں :

کتاب الصلوٰۃ :

حضرت ابیؓ قرأت خلف الامام کے قائل تھے۔ مگر اس کی یہ صورت تھی کہ ظہر اور عصر کی فرض نماز میں امام کے پیچھے قرأت کرتے تھے۔ عبد اللہ ابن ابی ہذیل نے پوچھا کہ آپ قرأت کرتے ہیں؟ فرمایا ”ہاں“۔

حضرت ابیؓ کا یہ استدلال قرآن مجید کے ظاہری الفاظ کی بنا پر تھا۔ قرآن میں ہے : ”وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنْصِتُوا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ“ یعنی جب قرآن پڑھا جائے تو اس کو کان لگا کر سنو اور یہ ظاہر ہے کہ قرأت سری میں جو ظہر و عصر میں ہوتی ہے، قرآن کس طرح سنا جاسکتا ہے۔ اس لئے یہ بالکل قرین قیاس ہے کہ قرأت سری میں مقتدی قرأت کرے اور جہری میں خاموش کھڑا رہے۔

ایک شخص مسجد میں کسی گم شدہ چیز پر شور کر رہا تھا۔ حضرت ابیؓ نے دیکھا تو غصہ ہوئے۔ اس نے کہا میں فحش نہیں بکتا۔ انہوں نے کہا یہ ٹھیک ہے۔ مگر مسجد کے ادب کے یہ بات منافی ہے۔
ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ جمعہ کے دن خطبہ دے رہے تھے اور سورہ برأت تلاوت فرمائی تھی۔ یہ سورہ حضرت ابوذرؓ اور ابوذرؓ کو معلوم نہ تھی۔ اثنائے خطبہ میں حضرت ابیؓ سے اشارہ سے پوچھا کہ یہ سورہ کب نازل ہوئی۔ میں نے تو اب تک نہیں سنی تھی۔ حضرت ابیؓ نے اشارہ سے کہا خاموش رہو۔ نماز کے بعد جب اپنے گھر جانے کے لئے اٹھے تو دونوں بزرگوں نے حضرت ابیؓ سے کہا کہ تم نے ہمارے سوال کا جواب کیوں نہیں دیا؟ جواب میں انہوں نے کہا ”آج تمہاری نماز بیکار ہو گئی اور وہ بھی محض ایک لغو حرکت کی وجہ سے۔“ یہ سن کر لوگ آنحضرت کے پاس پہنچے اور بیان کیا کہ ابیؓ ایسا کہتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا ”سچ کہتے ہیں۔“

کتاب الحدید :

حضرت ابیؓ زنا کی سزا کے متعلق کہا کرتے تھے کہ تین قسم کے لوگوں کے تین قسم کے حکم ہیں۔ کچھ لوگ سزائے تازیانہ اور سنگسار دونوں کے مستحق ہیں، کچھ فقط سنگساری کے اور کچھ صرف تازیانہ کے۔ بیوی والے بوڑھے کو زنا کرنے کی صورت میں تازیانہ اور رجم دونوں، بیوی والے جوان کو محض رجم اور بے بیوی والے جوان کو فقط کوڑے لگائے جائیں۔

شہیب کے متعلق حضرت ابیؓ کا خیال تھا کہ قرآن مجید کو زور سے اس کو کوڑے مارے جائیں اور سنت کے لحاظ سے سنگسار کیا جائے۔ حضرت علیؓ بھی اسی خیال کے موید تھے۔

باب الاشرار :

نبیز (چھوہاروں کا شربت) کی حلت پر عموماً علمائے اسلام متفق ہیں۔ لیکن ابیؓ سے اس کے متعلق ایک خاص اثر مروی ہے۔ ایک شخص نے نبیز نوشی کے متعلق استفسار کیا۔ حضرت ابیؓ نے کہا نبیز میں کیا رکھا ہے۔ پانی پیو، ستوپیو، دودھ پیو، سائل نے کہا شاید آپ نبیز نوشی کے موافق نہیں۔ انہوں نے کہا شراب نوشی کی کیسے موافقت کر سکتا ہوں۔

ان مسائل کو غور سے پڑھو تو معلوم ہوگا کہ فقہائے صحابہ میں اجتہاد و مسائل اور استنباط احکام کی حیثیت سے۔ حضرت ابیؓ کا رتبہ بھی نہایت بلند تھا۔

۱۔ ایضاً۔ جلد ۴۔ ص ۲۶۰ ۲۔ کنز العمال۔ جلد ۵۔ ص ۲۵۵ و منہاج احمد۔ جلد ۳۔ ص ۱۳۳ ۳۔ کنز العمال۔ جلد ۳۔ ص ۹۱ ۴۔ ایضاً۔ ص ۱۶

لکھنا جانتے تھے :

حضرت ابیؓ لکھنا بھی جانتے تھے۔ اور یہ اس زمانہ میں نعمت غیر مترقبہ تھی۔ چنانچہ وحی کی اکثر آیتیں وہی لکھتے تھے۔ مدینہ منورہ میں جب آنحضرت ﷺ تشریف لائے وحی لکھنے کا سب سے پہلے انہی کو شرف حاصل ہوا۔

اس زمانہ تک کتاب یا قرآن کے اخیر میں کاتب کا نام لکھنے کا دستور نہ تھا۔ سب سے اول حضرت ابیؓ نے اس کی ابتداء کی بعد میں اور بزرگوں نے بھی اس کی تقلید کی۔

حُب رسول :

بدعات سے اجتناب، جرأت اظہار حق، یہ اوصاف حضرت ابیؓ میں خاص طور پر موجود تھے۔ عبادات الہی کا ذوق و شوق ایک مرتبہ اس درجہ ترقی کر گیا کہ حضرت ابیؓ تمام علاقہ ظاہری سے قطع تعلق کے زاویہ روحانیت میں معتکف ہو گئے تھے۔

رات کی ہولناک تاریکی میں جب کہ تمام کائنات بستر راحت پر سرسبز نشہ خواب ہوتی تھی، وہ اپنے گھر کے ایک گوشہ میں معبود برحق کی عظمت و جلال کے تصور سے سر تا پا بجز و نیاز ہوتے تھے۔ زبان پر کلام الہی رواں ہوتا تھا اور آنکھوں کی اشک باری ان کے کشت عبادت کو سیر کرتی تھی۔ قرآن مجید تین راتوں میں ختم کرتے تھے۔ عبادت کے ایک حصہ میں درود و سلام کا ورد کرتے تھے۔ محبت رسول کا یہ عالم تھا کہ اس تن حنائی کو اپنے گھر میں بطور تبرک رکھ لیا تھا۔ اور جب تک دیمک نے چاٹ کر اس کو راکھ نہ کر دیا، حضرت ابیؓ نے اس کو علیحدہ نہ کیا۔

بدعات سے اس قدر اجتناب تھا کہ جو باتیں رسول اللہ ﷺ کے مقدس عہد میں نہ ہوئی تھیں، ان کا ارتکاب نہایت قبیح سمجھتے تھے۔ حضرت عمر فاروقؓ اپنی خلافت کے زمانہ مسجد میں آئے۔ تراویح کا وقت تھا۔ لوگ الگ الگ نماز پڑھ رہے تھے۔ حضرت عمر فاروقؓ نے چاہا کہ اس کو باجماعت کر دیں۔ حضرت ابیؓ سے کہا آپ کو امام بنانا ہوں، آپ تراویح پڑھایا کریں۔ حضرت ابیؓ نے کہا جو بات پہلے نہیں کی ہے اس کو کیسے کر سکتا ہوں؟ حضرت عمر فاروقؓ نے کہا میں یہ جانتا ہوں۔ لیکن یہ کوئی بڑی بات نہیں ہے۔

ان کا دل مز کا صغائر کی خفیف سی گرد کا بھی متحمل نہ تھا۔ رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں ایک شخص نے سوال کیا یا رسول اللہ! ہم لوگ بیمار ہوتے ہیں یا تکلیفیں اٹھاتے ہیں، اس میں کچھ ثواب ہے؟

آپ نے فرمایا ”گناہوں کا کفارہ ہوتا ہے۔ حضرت ابیؓ موجود تھے، پوچھا چھوٹی تکلیف بھی گناہ کا کفارہ ہو جاتی ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا ”ایک کائنات تک کفارہ ہے۔“

حضرت ابیؓ کا جوش ایمان اب اندازے سے باہر تھا۔ عذاب و ثواب کا تصور آتش زیر پاہنا چکا تھا۔ خدا کی قہاریت و جباریت کی تصویر آنکھوں میں پھر رہی تھی۔ اسی بے اختیاری کے عالم میں زبان سے نکلا! کاش مجھے ہمیشہ تپ چڑھتی رہتی۔ لیکن حج، عمرہ، جہاد اور نماز باجماعت ادا کرنے کے قابل رہتا۔ دعا قلب صمیم سے نکلی تھی، حریم اجابت تک پہنچی۔ حرارت کی ایک خفیف مقدار رگ و پے میں سرایت کر گئی۔ چنانچہ جب حسدِ اطہر پر ہاتھ رکھا جاتا تھا۔ حرارت معلوم ہوتی تھی۔



حضرت ابو طلحہ انصاریؓ

نام و نسب اور ابتدائی حالات :

زید نام، ابو طلحہ کنیت، خاندان نجار کی شاخ عمرو بن مالک سے ہیں۔ جن کے افراد شہر یثرب میں معزز حیثیت رکھتے تھے۔ نسب نامہ یہ ہے، زید بن سہل ابن اسود بن حرام بن عمرو بن زید مناة بن عدی بن مالک بن النجار، والدہ کا نام عبادہ ہے اور وہ مالک بن عدی بن زید بن مناة کی بڑی بیٹی تھیں جو حضرت ابو طلحہؓ کے جدی رشتے میں تھے، قبیلہ عمرو بن مالک مسجد نبوی ﷺ سے عربی جانب باب الرحمۃ کی طرف سکونت پذیر تھا اور حضرت ابو طلحہؓ اپنے زمانہ میں اس قبیلہ کے رئیس تھے۔

قبل از اسلام ابو طلحہؓ عام اہل عرب کی طرح بت پرست تھے اور بڑے اہتمام سے شراب پیتے تھے اور اس کے لئے ان کے ندیموں کی ایک مجلس تھی !

اسلام : ابھی زمانہ شباب کا آغاز تھا۔ بہ مشکل بیس سال کی عمر ہوئی کہ آفتاب نبوت ﷺ طلوع ہوا، حضرت ابو طلحہؓ نے ام سلیمؓ (حضرت انسؓ کی والدہ ماجدہ) کو نکاح کا پیغام دیا اور انہوں نے اسلام کی شرط کے ساتھ نکاح کو وابستہ کر دیا، جس کا آخری اثر یہ مرتب ہوا کہ ابو طلحہؓ دین حنیف قبول کرنے پر آمادہ ہو گئے۔

یہ وہ وقت تھا جب مصعب بن عمیرؓ اسلام کے پر جوش شیدائی شہر یثرب میں دین اسلام کی تبلیغ کر رہے تھے۔ مدینہ کا جو مختصر قافلہ بیعت کے لئے روانہ ہوا تھا اس میں حضرت ابو طلحہؓ بھی شامل تھے۔ اس بیعت میں حضرت ابو طلحہؓ کو یہ شرف مزید حاصل ہوا کہ آنحضرت ﷺ نے ان کو انصار کا نقیب تجویز فرمایا۔

مواخاۃ : بیعت کے چند مہینے کے بعد خود حامل وحی ﷺ نے مدینہ کا ارادہ فرمایا اور یہاں پر مہاجرین و انصار میں اسلامی برادری قائم کی، مہاجرین نے سے حضرت ابو طلحہؓ انصاریؓ کا جس کو بھائی بنایا گیا وہ حضرت ابو عبیدہ بن جراح قریشی تھے، جن کو ایمان کی پختگی کی بدولت دربار رسالت سے امین الامۃ کا خطاب عطا ہوا تھا اور جناب رسول اللہ ﷺ نے ان کو جنت کی بشارت دی تھی۔

غزوات : غزوہ بدر اسلام کی تاریخ میں پہلا غزوہ ہے، حضرت ابو طلحہؓ نے اس میں کافی حصہ لیا تھا بدر کے بعد غزوہ احد واقع ہوا وہ حضرت ابو طلحہؓ کی جانبازی کی خاص یادگار ہے۔ معرکہ اس شدت کا تھا کہ بڑے بڑے بہادروں کے قدم اکھڑ گئے تھے، لیکن حضرت ابو طلحہؓ آنحضرت ﷺ کے آگے ڈھال آڑ کئے سینہ تانے کھڑے تھے کہ آپ کی طرف جو تیر آئے اس کا آماجگاہ خود نہیں^۱ اور نہایت جوش میں یہ شعر پڑھ رہے تھے :

نفسی لنفسک الفداء ووجهی لوجهک الوفاء

میری جان آپ کی جان پر قربان اور میرا چہرہ آپ کے چہرے کی سپر ہو

اور تیردان میں سے تیر نکال کر ایسا جوڑ کر مارتے کہ شترکوں کے جسم میں پیوست ہو جاتا۔ جب آنحضرت ﷺ یہ تماشا دیکھنے کیلئے سر اٹھاتے تو حضرت ابو طلحہؓ "حفاظت کے لئے سامنے آ جاتے اور کہتے "نحری دون نحروک"۔ آپ کے گلے کے پہلے آنحضرت ﷺ اس جاں نثاری اور سر فروشی سے خوش ہو کر فرماتے فون میں ابو طلحہؓ کی آواز سوا آدمی سے بہتر ہے۔

حضرت ابو طلحہؓ نے احد میں نہایت پامردی سے مشرکین کا مقابلہ کیا، وہ بڑے تیر انداز تھے اس دن دو تین کمائیں ان کے ہاتھ سے نونیں، اس وقت ان کے سامنے دو قسم کے خطرے تھے ایک مسلمانوں کی شکست کا خیال، دوسرے رسول اللہ ﷺ کی حفاظت کا مسئلہ، کیونکہ رسول اللہ ﷺ کی حفاظت کی کہ جس ہاتھ سے بچاؤ کرتے تھے وہ شل ہو گیا مگر انہوں نے اُف نہ کی۔

غزوہ خیبر میں حضرت ابو طلحہؓ کا اونٹ آنحضرت ﷺ کے اونٹ کے بالکل برابر تھا، اس غزوہ میں بھی وہ اس حیثیت سے نمایاں ہیں کہ جب آنحضرت ﷺ نے گدھے کے گوشت کھانے کی ممانعت کرنا چاہی تو منادی کرنے کے لئے ان ہی کو مخصوص فرمایا۔

غزوہ حنین میں حضرت ابو طلحہؓ نے شجاعت کے خوب جوہر دکھائے۔ ۲۱، ۲۰ کافروں کو قتل کیا، آنحضرت ﷺ نے فرمایا تھا جو شخص جس آدمی کو مارے اس کے سارے اسباب کا مالک سمجھا جائے گا۔ چنانچہ حضرت ابو طلحہؓ نے بیس ایکس آدمیوں کا سامان حصہ میں حاصل کیا تھا۔ آنحضرت ﷺ کے غزوات میں یہ اخیر غزوہ تھا اور ۸ھ میں واقع ہوا تھا۔

۱۔ مسند حضرت انس بن مالک بخاری۔ ص ۲۷۹ ۲۔ مسند۔ جلد ۳۔ ص ۶ و بخاری کتاب المغازی

۳۔ مسند احمد۔ جلد ۳۔ ص ۱۲۱

عام حالات :

رسول اللہ ﷺ کے وصال کے وقت حضرت ابو طلحہؓ اپنے مکان میں تھے، ادھر مسجد نبوی ﷺ میں صحابہؓ میں گفتگو ہوئی کہ آنحضرت ﷺ کی قبر کون تیار کرے، مدینہ میں بغلی اور مکہ میں صندوق قبروں کا رواج تھا لیکن آنحضرت ﷺ بغلی قبر پسند فرماتے تھے۔ مسلمانوں میں دو شخص قبریں کھودتے تھے۔ مہاجرین میں ابو عبیدہؓ اور انصار میں حضرت ابو طلحہؓ۔ حضرت ابو عبیدہؓ "صندوقی" اور حضرت ابو طلحہؓ "بغلی" بناتے تھے اس لئے دونوں کے پاس آدمی بھیجا گیا اور یہ رائے قرار پائی کہ جو بیشتر پہنچے اس شرف کو حاصل کرے اور چونکہ آنحضرت ﷺ کی مرضی بغلی کی تھی بہت سے مسلمان دست بدعا تھے کہ مہاجرین کے آنے میں دیر ہو اور ابو طلحہؓ "جلد آجائیں، یہ گفتگو ہو رہی تھی کہ حضرت ابو طلحہؓ "پہنچ گئے اور اپنے ہاتھ سے بغلی قبر کھودی۔

رسول اللہ ﷺ کے وصال کے بعد بہت سے صحابہؓ نے مدینہ کی سکونت ترک کر دی تھی اور شام چلے گئے تھے۔ حضرت ابو طلحہؓ بھی ان ہی غمزدوں میں داخل تھے لیکن جب زیادہ پریشانی بڑھتی تو آستانہ نبوت ﷺ کا رخ کرتے اور مہینوں کا سفر طے کر کے رسول اللہ ﷺ کے مزار پر حاضر ہوتے اور تسلی کا سرمایہ حاصل کرتے۔

حضرت ابوبکرؓ کا عہد خلافت، حضرت ابو طلحہؓ نے شام میں گزارا۔ حضرت فاروقؓ کے زمانہ خلافت کا بیشتر حصہ بھی وہیں بسر ہوا، البتہ حضرت فاروقؓ کی وفات کے قریب وہ مدینہ میں تشریف فرما تھے۔ حضرت فاروقؓ اعظمؓ کو ان کی ذات پر جو اعتماد اور ان کی منزلت کا جو خیال تھا وہ اس سے ظاہر ہے کہ جب انہوں نے ۶ آدمیوں کو خلافت کے لئے نامزد فرمایا تو حضرت ابو طلحہؓ کو بلا کر کہا آپ لوگوں کے سبب سے خدا نے اسلام کو عزت دی آپ انصار کے ۵ آدمی لیکر ان لوگوں پر متعین رہیے، اگر چار آدمی ایک طرف ہوں اور دو مخالفت کریں تو دو کی گردن مار دیجئے۔ اور اگر پہلے برابر ہو تو اس فریق کو قتل کیجئے جس میں عبدالرحمن بن عوفؓ نہ ہوں، اور اگر تین دن گزر جائیں اور کوئی فیصلہ نہ ہو تو سب کے سر اڑا دیجئے۔

غرض مسور بن مخرمہ کے گھر میں ان چھ آدمیوں کی مجلس شوری قائم ہوئی اور حضرت ابو طلحہؓ دروازہ پر حفاظت کے لئے کھڑے ہوئے، بنو ہاشم شروع سے اس مشورہ کے خلاف تھے، وہ حضرت علیؓ کرم اللہ وجہہ کو چاہتے تھے، اس لئے حضرت عباسؓ نے حضرت علیؓ کرم اللہ وجہہ سے آہستہ سے کہا کہ آپ اپنا معاملہ ان لوگوں کے ہاتھ میں نہ دیجئے اپنا خود فیصلہ کیجئے حضرت علیؓ نے اس کا کچھ جواب دیا۔

حضرت ابو طلحہؓ پاس کھڑے یہ باتیں سن رہے تھے۔ حضرت علیؓ کی ان پر نظر پڑی تو کچھ خیال پیدا ہوا۔ حضرت ابو طلحہؓ نے کہا ”لم ترع ابالحسن!“ ”اے ابوالحسن خوف نہ کیجئے۔“

اسی طرح ایک دن جلسہ کے وقت عمرو بن العاصؓ اور مغیرہ بن شعبہؓ بھی پہنچے اور دروازہ پر بیٹھ گئے، حضرت ابو طلحہؓ نے کچھ نہ کہا، حضرت سعد بن ابی وقاصؓ جھلا آدمی تھے، ان سے رہانہ گیا کنکری مار کر بولے یہ لوگ اس لئے آئے ہیں کہ مدینہ میں مشہور کریں گے کہ ہم بھی اصحابِ شوریٰ میں تھے۔ کنکری مارنے پر عمروؓ اور مغیرہؓ بھی براہم ہوئے اور بات بڑھنے لگی۔ حضرت ابو طلحہؓ نے کہا ”مجھے خوف ہے کہ آپ لوگ ان جھگڑوں میں الجھ کر اصل مسئلہ کو چھوڑ بیٹھیں! اس ذات کی قسم جس نے عمرؓ کو وفات دی۔ میں تین دن سے زیادہ کبھی مہلت نہ دوں گا، پھر گھر میں بیٹھ کر تماشا دیکھوں گا کہ آپ لوگ کیا کرتے ہیں۔“

اس کے بعد حضرت ابو طلحہؓ کے خانگی حالات میں دو چیزیں بہت نمایاں ہیں، نکاح اور اولاد۔ ان کا نکاح حضرت امّ سلیمؓ سے ہوا تھا۔ اس کا واقعہ یہ ہے کہ مالک بن نضر (حضرت انس کے والد) ہجرتِ نبوی ﷺ سے قبل اپنی بیوی امّ سلیم سے ان کے اسلام قبول کرنے پر ناراض ہو کر شام چلے گئے تھے وہاں انہوں نے انتقال کیا۔ حضرت ابو طلحہؓ نے امّ سلیم کو پیامِ نکاح دیا انہوں نے کہا کہ میں تمہارا پیام رد نہیں کرتی لیکن تم کافر ہو اور میں مسلمان۔ میرا نکاح تمہارے ساتھ جائز نہیں اگر تم اسلام قبول کر لو تو مجھے نکاح میں عذر نہ ہوگا اور وہی میرا مہر ہوگا۔ حضرت ابو طلحہؓ مسلمان ہو گئے اور اسلام مہر قرار پایا۔ ثابت کہتے ہیں کہ میں نے کسی عورت کا مہر امّ سلیمؓ سے افضل نہیں سنا۔

حضرت امّ سلیم سے حضرت ابو طلحہؓ کی کئی اولادیں ہوئیں لیکن سوائے عبداللہ کے کوئی زندہ نہ رہا۔ حضرت ابو طلحہؓ کے ایک بیٹے کا نام ابو عمیر تھا۔ اس نے بچپن میں ایک لال پایا تھا اتفاق سے لال مر گیا اس کو نہایت غم ہوا۔ رسول اللہ ﷺ ان کے گھر تشریف لائے تو اس کو غمگین پا کر لوگوں سے پوچھا آج یہ سست کیوں ہے؟ لوگوں نے واقعہ بیان کیا، آنحضرت ﷺ نے اس کو ہنسانے کے لئے فرمایا ”یا ابا عمیر مافعل النغیر“ یعنی ”اے عمر لال کہاں گیا؟“

ایک اور لڑکا تھا جو کچھ دنوں بیمار رہ کر مر گیا، اس کی وفات کا واقعہ نہایت پر اثر ہے، ایک دن اس کی بیماری کے زمانہ میں حضرت ابو طلحہؓ مسجدِ نبوی ﷺ آ گئے اور ادھر وہ فوت ہو گیا۔ امّ سلیم نے اس کو دفن کر دیا اور گھر والوں سے تاکید کی کہ ابو طلحہؓ سے اس واقعہ کا ذکر نہ کرنا۔ ابو طلحہؓ مسجد سے آئے تو کچھ صحابہؓ ساتھ تھے پوچھا لڑکا کیسا ہے؟ امّ سلیم نے کہا پہلے سے اچھا ہے! ابو طلحہؓ صحابہؓ سے باتیں

کرتے رہے کہ کھانا آیا سب نے کھایا، جب صحابہ چلے گئے تو ابو طلحہؓ اندر آئے اور رات کو میاں بیوی نے ایک بستر پر آرام کیا آخر رات میں امّ سلیم نے لڑکے کی وفات کا ذکر کیا اور کہا کہ خدا کی امانت تھی اس نے لے لی اس میں کسی کا کیا اجارہ ہے۔ ابو طلحہؓ نے انا للہ پڑھی اور صبر کیا۔

(یہ واقعہ بخاری اور مسلم میں دو ٹر اور مختلف طور پر مذکور ہے)

اس لڑکے کے بعد عبد اللہ پیدا ہوئے اور آنحضرت ﷺ نے ان کو گھنٹی دی۔ یہ اپنے زمانہ میں تمام لوگوں پر فضیلت رکھتے تھے۔ ان ہی سے حضرت ابو طلحہؓ کی نسل چلی، ان کے دو بیٹے تھے۔ اسحاق اور عبد اللہ اور اسحاق کے صاحبزادے یحییٰ تھے، اور یہ سب اپنے عہد میں مرجع انام اور علم حدیث کے امام تھے۔

حلیہ : حضرت ابو طلحہؓ کا حلیہ یہ تھا، رنگ گندم گوں، قد متوسط، سر اور داڑھی سفید (خضاب نہیں کرتے تھے)، چہرہ نورانی۔

وفات : عمر شریف ۷۰ سال کی ہوئی تو پیغام اجل آیا۔ حضرت ابو طلحہؓ کی وفات کا قصہ بھی عجیب ہے۔ ایک دن سورہ برأت تلاوت فرما رہے تھے۔ جب اس آیت ”انفر و اخفافا و ثقلا“ پر پہنچے ولولہ جہاد تازہ ہوا۔ گھر والوں سے کہا کہ خدا نے بوڑھے اور جوان سب پر جہاد فرض کیا ہے، میں جہاد میں جانا چاہتا ہوں۔ سفر کا انتظام کر دو (دو مرتبہ کہا)۔ بڑھاپے کے علاوہ روزے رکھتے رکھتے نہایت نحیف اور لاغر ہو گئے تھے۔۔۔۔۔ گھر والوں نے کہا، خدا آپ پر رحم فرمائے۔ عہد نبوی ﷺ میں تمام غزوات میں شریک ہو چکے، ابو بکرؓ و عمرؓ کے زمانہ خلافت میں برابر جہاد کیا، اب بھی جہاد کی حرص باقی ہے۔ آپ گھر بیٹھے، ہم لوگ آپ کی طرف سے غزوہ میں جائیں گے۔

حضرت ابو طلحہؓ بھلا کب رک سکتے تھے۔ شہادت کا شوق ان واپنی طرف کھینچ رہا تھا۔ بولے، جو میں کہتا ہوں، اس کی تعمیل کرو۔ گھر والوں نے چارونا چار سامان سفر درست کیا اور یہ ستر برس کا بوڑھا مجاہد خدا کا نام لے کر چل پڑا۔ غزوہ بحری تھا اور اسلامی بیڑہ روانہ ہونے والا تھا۔ حضرت ابو طلحہؓ جہاز پر سوار ہوئے اور غزوہ کے منتظر تھے کہ ساعت مقررہ آپہنچی اور ان کی روح عالم قدس کو پرواز کر گئی۔ بحری سفر تھا۔ زمین کہیں نظر نہ آتی تھی۔ ہوا کے جھونکے جہاز کو غیر معلوم سمت میں لئے جا رہے تھے۔ اس مجاہد فی سبیل اللہ کی لاش غربت کی حالت میں جہاز کے تختہ پر بے گور و کفن پڑی رہی، آخر ساتویں روز جہاز خشکی پر پہنچا۔ اس وقت لوگوں نے لاش کو ایک جزیرہ میں اتر کر دفن کیا، لاش بعینہ صحیح و سالم تھی۔

سنہ وفات میں اختلاف ہے۔ بعض کے نزدیک ۳۱ھ اور بعض کے قول کے مطابق ۳۲ھ سال وفات ہے۔ لیکن اس میں زیادہ صحیح روایت حضرت انسؓ کی ہے۔ اس کے زو سے ۵۱ھ میں حضرت ابو طلحہؓ نے انتقال فرمایا۔

فضل و کمال :

فضل و کمال میں حضرت ابو طلحہؓ کو خاص رتبہ حاصل ہے۔ علامہ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے جو بڑے پایہ کے محدث تھے، اصحاب میں حضرت ابو طلحہؓ کے فضل و کمال کی طرف اس طرح اشارہ کیا ہے کہ فضلاء صحابہ میں تھے۔

روایت میں نہایت احتیاط کرتے تھے۔ ان کی احادیث مرویہ میں مسائل یا غزوات کا ذکر ہے۔ فضائل اعمال کا بیان نہیں۔ باوجودیکہ وہ مدت دراز تک رسول اللہ ﷺ کے شرف صحبت سے ممتاز رہے اور رسول اللہ ﷺ کے بعد بھی ایک عرصہ تک زندہ رہے۔ لیکن روایتوں کی مجموعی تعداد (۹۲) سے زیادہ نہ ہو سکی۔ اس کا اصلی باعث بیان حدیث میں احتیاط تھی۔

حسب ذیل روایات ان کے علمی پایہ کو نمایاں کرتی ہیں۔

حدیث شریف میں وارد ہے :

”لا تدخل الملكة بيتا فيه صورة“

”یعنی جس گھر میں تصویر ہو وہاں فرشتے نہیں آتے۔“

حضرت ابو طلحہؓ کی بیماری میں عقیدت مندوں کا ایک گروہ عیادت کو آیا تو دیکھا کہ دروازے پر ایک پردہ پڑا ہے، جس میں تصویر بنی ہوئی ہے۔ آپس میں گفتگو شروع ہوئی۔ زید بن خالد بولے، کل تو تصویر کی ممانعت پر حدیث بیان کی تھی۔ عبید اللہ خولانی سے کہا کہ ہاں یہ بھی تو کہا تھا کہ کپڑے پر جو تصویر ہو وہ اس میں داخل نہیں ہے۔

ایک دن حضرت ابو طلحہؓ کھانا نوش فرما رہے تھے۔ دسترخوان پر حضرت ابی بن کعبؓ اور حضرت انس بن مالکؓ بھی تھے۔ کھانا کھا کر حضرت انسؓ نے وضو کے لئے پانی مانگا۔ دونوں بزرگوں نے کہا، شاید گوشت کھانے کی وجہ سے وضو کا خیال پیدا ہوا ہے؟ حضرت انسؓ نے کہا جی ہاں۔ اس پر فرمایا کہ تم طہیبات کھا کر وضو کی ضرورت سمجھتے ہو، حالانکہ خود رسول اللہ ﷺ وضو کی حاجت نہیں سمجھتے تھے۔

ایک دن حضرت ابوطلمحہؓ نے نفل کا روزہ رکھا تھا۔ اتفاق سے اسی دن برف پڑی۔ وہ اٹھے اور اولے چُن کر کھانے لگے۔ لوگوں نے کہا روزے میں آپ اولے کھا رہے ہیں۔ انہوں نے جواب دیا کہ یہ برکت ہے، جس کا حاصل کرنا ضروری ہے۔

حضرت ابوطلمحہؓ کو شعر و سخن کا بھی ذوق تھا۔ میدان جنگ میں تم نے ان کو رجز پڑھتے سنا ہوگا، یہ شعر انہی کا ہے۔

انا ابو طلحہ و اسمی زید و کل یوم فی سلاحی صید

اخلاق : حضرت ابوطلمحہؓ کا سب سے بڑا اخلاقی جوہر حب رسول ہے۔ ایسی حالت میں تمام مسلمان جنگ کی شدت سے مجبور ہو کر میدان میں منتشر ہو گئے تھے اور رسول اللہ ﷺ کے پاس معدودے چند صحابہ رہ گئے تھے۔ حضرت ابوطلمحہؓ کا اپنے کو رسول ﷺ پر قربان کرنے کے لئے بڑھنا، اور آپ کے سامنے کھڑے ہو کر کفار کے وار سہنا، حامل نبوت پر جو تیر آئے ان کو اپنے سینے پر روکنا اور آخر اسی حالت میں اپنا ہاتھ بیکار کر دینا، حب رسول ﷺ کا وہ لازوال نشان ہے جو اب تک نہیں مٹ سکتا۔

اسی محبت کا اثر تھا کہ حضرت ابوطلمحہؓ کو آنحضرت ﷺ سے خاص خصوصیت تھی وہ عموماً تمام معرکوں میں رسول ﷺ کے ساتھ رہتے تھے اور ان کا اونٹ رسول ﷺ کے اونٹ کے برابر چلتا تھا، غزوہ خیبر سے واپسی کے وقت، حضرت صفیہؓ آنحضرت ﷺ کے اونٹ پر سوار تھیں، مدینہ کے قریب پہنچ کر ناقہ ٹھوکر لے کر گری اور رسول ﷺ اور صفیہؓ زمین پر آ رہے۔ حضرت ابوطلمحہؓ سواری سے فوراً کود پڑے اور رسول ﷺ کے پاس پہنچ کر پوچھا یا رسول اللہ جعلنی اللہ فداک چوٹ تو نہیں آئی؟ حضور نے فرمایا نہیں عورت کی خبر لو، حضرت ابوطلمحہؓ منہ پر رومال ڈال کر حضرت صفیہؓ کے پاس پہنچے اور ان کو کجاوا درست کر کے بٹھایا۔

اسی طرح ایک مرتبہ مدینہ میں دشمنوں کا کچھ خوف معلوم ہوا، رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابوطلمحہؓ کا گھوڑا جس کا نام مندوب تھا مستعار نوید اور سوار ہو کر جس طرف اندیشہ تھا، روانہ ہوئے، حضرت ابوطلمحہؓ پیچھے پیچھے چلے، لیکن ابھی پہنچنے نہ پائے تھے کہ آنحضرت ﷺ تشریف لائے راستہ میں ملاقات ہوئی فرمایا وہاں کچھ نہیں اور تمہارا گھوڑا بہت تیز رفتار ہے۔

حضرت ابوطلمحہؓ کو آنحضرت ﷺ سے جو محبت تھی اس کا اثر چھوٹی چھوٹی چیز میں بھی ظاہر ہوتا تھا۔ جب ان کے گھر میں کوئی چیز آتی تو خود رسول اللہ ﷺ کے حضور میں بھیج دیتے تھے ایک مرتبہ

حضرت انسؓ ایک خرگوش پکڑ کر لائے۔ حضرت ابو طلحہؓ نے اس کو ذبح کیا اور ایک ران آنحضرت ﷺ کی خدمت میں بھیج دی۔ آپ نے یہ حقیر لیکن پر خلوص نذر قبول کر لی۔ اسی طرح اُم سلیم نے ایک طباق میں خرے بھیجے، حضور ﷺ نے قبول فرما کر ازواج مطہرات اور صحابہ میں تقسیم کئے۔^۱

رسول اللہ ﷺ بھی اس محبت کی نہایت قدر کرتے تھے، چنانچہ جب آپ حج کے لئے مکہ تشریف لے گئے اور منی میں حلق کرایا تو سر مبارک کے داہنے طرف کے بال تو اور لوگوں میں تقسیم ہو گئے اور بائیں طرف کے کل موئے مبارک حضرت ابو طلحہؓ کو مرحمت فرمائے، حضرت ابو طلحہؓ اس قدر خوش ہوئے کہ گویا دونوں جہاں کا خزانہ ہاتھ آ گیا۔

اسی طرح جب عبد اللہ بن ابی طلحہؓ پیدا ہوئے تو حضرت ابو طلحہؓ نے ان کو آنحضرت ﷺ کی خدمت میں بھیجا، آپ نے کچھ چھوہارے چبا کر اس سے لڑکے کو گھٹی دی۔ لڑکے نے مزے سے اس آب حیوان کی گھٹی لی اور چھوہارے کو مسوڑھے سے دا بنے لگا۔ حضور نے فرمایا، دیکھو انصار کو چھوہاروں سے فطری محبت ہے، اس لڑکے کا نام آنحضرت ﷺ نے عبد اللہ رکھا، رسول اللہ ﷺ کے لعاب مبارک کا یہ اثر تھا کہ حضرت عبد اللہؓ تمام نوجوانان انصار پر فوقیت رکھتے تھے۔^۲

جوش ایمان کا یہ عالم تھا کہ شراب حرام ہونے سے قبل ایک روز فصیح جو چھوہارے کی بنتی ہے پی رہے تھے کہ اسی حالت میں ایک شخص نے آ کر خبر دی کہ شراب حرام ہو گئی۔ یہ سن کر حضرت انسؓ سے کہا کہ تم اس گھڑے کو توڑ دو۔ انہوں نے توڑ دیا۔^۳

جب یہ آیت نازل ہوئی :

”لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتَّى تُنْفِقُوا مِمَّا تَحِبُّونَ“ (آل عمران - ۸۱)

”جب تک اس میں سے خرچ نہ کرو جو تم کو محبوب ہے نیکی نہیں پاسکتے۔“

تو امراء انصار نے کیسوں کی مہریں توڑ دیں اور جس کے پاس جو قیمتی چیزیں تھیں آنحضرت ﷺ کے حضور میں پیش کیں۔ حضرت ابو طلحہؓ نے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں آئے اور بیرحاکو خدا کی راہ میں وقف کیا۔

بیرحان کی نہایت قیمتی جائیداد تھی۔ اس میں ایک کنواں تھا، اس کا پانی نہایت شیریں اور خوشبودار تھا، اور آنحضرت ﷺ بہت شوق سے اس کو پیتے تھے۔ یہ اراضی حضرت ابو طلحہؓ کے (محلہ) میں اور مسجد نبوی کے سامنے واقع تھی۔ (بعد میں اس مقام پر قصر بنی عدیلہ بنایا تھا)۔

۱۔ مسند احمد - جلد ۳ - ص ۱۷۱ (مسند ابن انسؓ) - ج ۲ ایضاً - ص ۱۲۵ - ج ۳ ایضاً - ص ۲۵۷ (مسند انسؓ)

۲۔ مسند احمد - جلد ۳ - ص ۱۲۱ (بخاری انسؓ)

حضرت ابو طلحہؓ کے اس وقف سے آنحضرت ﷺ نہایت محظوظ ہوئے اور فرمایا! بخ بخ ذالک مال رابع! ذالک مال رابع" اور حکم دیا کہ اپنے اعزہ میں اس کے تقسیم کر دو۔ چنانچہ حضرت ابو طلحہؓ نے اپنے بنی اعمام اور اقارب میں جن میں حسان بن ثابتؓ اور ابی بن کعبؓ تھے، تقسیم کر دیا۔

ایک مرتبہ ایک شخص آیا، اس کے قیام کا کوئی سامان نہ تھا۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا اس کو جو اپنے ہاں مہمان رکھے، اس پر خدا رحم کرے گا۔ حضرت ابو طلحہؓ نے اٹھ کر کہا میں لئے جاتا ہوں۔ گھر میں کھانے کو نہ تھا۔ صرف بچوں کے لئے کھانا پکا تھا۔ حضرت ابو طلحہؓ نے بیوی سے کہا کہ بچوں کو سلا دو اور مہمان کے پاس بیٹھ کر چراغ گل کر دو، اس طور پر وہ کھانا کھالے گا، اور ہم بھی فرضی طور پر منہ چلاتے رہیں گے۔ غرض اس طرح اس کو کھلا کر تمام گھر فاقہ سے پڑ رہا۔ صبح کے وقت آنحضرت ﷺ کے پاس آئے تو آپ ﷺ نے ان کی شان میں یہ آیت پڑھی جو اس موقع پر نازل ہوئی تھی: "و یو ثرون علی انفسہم ولو کان بہم خصاصہ" اور حضرت ابو طلحہؓ سے کہارات تمہارے کام سے خدا کو بہت تعجب ہوا۔

حضرت ابو طلحہؓ کا ایک خاص وصف خلوص تھا۔ وہ شہرت پسندی، ریا اور نمود و نمائش سے دور رہتے تھے، پیر حاکم کو وقف کرتے وقت رسول اللہ سے قسم کھا کر کہا کہ یہ بات اگر چھپ سکتی تو کبھی میں ظاہر نہ کرتا۔ انہوں نے رسول اللہ کے بعد ۴۰ سال کی زندگی پائی یہ تمام عمر روزوں میں بسر کی، عید اور بقر عید کے سوا ۳۶۵ دنوں میں کوئی دن ایسا نہ تھا (بجز بیماری کے ایام کے) جس میں وہ صائم نہ رہے ہوں۔



حضرت ابو درداءؓ

نام و نسب اور ابتدائی حالات :

عویمیر نام ہے۔ ابو درداء کنیت۔ قبیلہ خزرج کے خاندان عدی بن کعب سے ہیں۔

نسب نامہ یہ ہے :

عویمیر بن زید بن قیس بن اُمیہ بن مالک بن عامر بن عدی کعب بن خزرج بن حارث بن خزرج اکبر۔ والدہ کا نام محبہ تھا، جو ثعلبہ بن کعب کے سلسلے سے وابستہ تھیں۔

بعثت نبوی کے زمانہ میں تجارت کسب معاش کا ذریعہ تھا، لیکن جب یہ شغل عبادت میں خلل انداز ہوا تو اس کو ہمیشہ کے لئے خیر باد کہا اور رزاق کون و مکان کے سفوہ عام پر آ بیٹھے۔ بعد میں تجارت سے ایسے دل برداشتہ ہوئے کہ فرماتے تھے، مجھے اب ایسی دوکان بھی پسند نہیں جس میں ۴۰ دینار یومیہ نفع ہو، جس کو روزانہ صدقہ کرتا رہوں، اور نماز بھی نہ قضا ہوتی ہو۔ لوگوں نے کہا اس کا سبب؟ فرمایا قیامت کے حساب کا خوف ہے۔

اسلام : یہ عجیب بات ہے کہ حضرت ابو درداءؓ بایں ہمہ کمال عقل دوسرے اکابر انصار کے ایک سال بعد ۲ھ میں مشرف باسلام ہوئے، اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کا اسلام تقلیدی نہ تھا، اجتہادی تھا، ممکن ہے کہ یہ ایک سال مزید غور و فکر اور کاوش و تحقیق میں صرف ہوا ہو۔

لیکن قبول اسلام میں یہ ایک سالہ تاخیر تمام عمران کے لئے تکلیف دہ رہی، فرمایا کرتے تھے۔ ”ایک گھڑی کی خواہش نفس، دیر پا غم پیدا کرتی ہے۔“

غزوات اور عام حالات :

غزوہ بدر میں وہ مسلمان نہ تھے۔ اس لئے اس میں شریک نہ تھے، غزوہ احد حالت ایمان میں پیش آیا اس میں نہایت سرگرمی سے حصہ لیا، گھوڑے پر سوار ہو کر میدان میں آئے، آنحضرت ﷺ نے ان کی شجاعت و بسالت کو دیکھ کر نعم الفارس عویمیر یعنی عویمیر کس قدر اچھے سوار ہیں۔

احد کے علاوہ دیگر غزوات اور مشاہد میں آنحضرت ﷺ کے ساتھ شرکت کی۔ حضرت سلمان فارسیؓ نے اسلام قبول کیا تو آنحضرت ﷺ نے ان کو ابو درداءؓ کا اسلامی بھائی تجویز فرمایا۔

آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد حضرت ابودرداءؓ نے مدینہ کی سکونت ترک کر دی کہ یہاں ہر وقت آپ ﷺ کی یاد تازہ رہتی تھی۔ نیز ملک بملک علم اسلام کی اشاعت و ارثانِ نبوت کا فرض تھا۔ آنحضرت ﷺ سے انہوں نے یہ بھی سنا تھا کہ فتنہ کی آندھی میں ایمان کا چراغ شام میں محفوظ رہے گا۔ اس بنا پر شام کے در الحکومت دمشق کی سکونت اختیار کی۔

ان کے ترک وطن کے سلسلے میں یہ واقعہ لائق ذکر ہے کہ سفر کی تیاری کے بعد انہوں نے حضرت عمر فاروقؓ کی ترک وطن کی اجازت چاہی۔ انہوں نے کہا اجازت تو نہیں دیتا، ہاں ہاں اگر حکومت کی کوئی خدمت قبول کیجئے تو منظور کر سکتا ہوں۔ حضرت ابودرداءؓ نے کہا حاکم بننا پسند کرتا ہوں۔ حضرت عمر فاروقؓ نے فرمایا، پھر اجازت کی امید فضول ہے۔ حضرت ابودرداءؓ نے درخواست کی کہ حکومت کے بجائے لوگوں کو قرآن و حدیث سکھاؤں گا اور نماز پڑھاؤں گا۔ فرمایا یہ البتہ قبول ہے۔ چنانچہ اداۓ فرض کی نیت سے شام کا سفر اختیار کیا۔

دمشق میں ان کا وقت زیادہ تر درس و تدریس، شریعت کی تلقین اور عبادت و ریاضت میں گذرتا تھا۔ شام کے متوطن صحابہ کرام میں اکثر ایسے تھے جن کی زاہدانہ اور سادہ زندگی پر شام کی خصوصیت و تکلفات کا رنگ و روغن چڑھ گیا تھا۔ لیکن حضرت ابودرداءؓ برابر اپنی اصلی بے تکلفی و سادگی پر قائم رہے۔ حضرت عمر فاروقؓ نے شام کا سفر کیا اور یزید بن ابن سفیانؓ، عمرو بن عاصؓ اور ابو موسیٰؓ کے مکانوں پر جا کر ملاقات کی۔ تو سب کے شاہانہ ٹائٹھ دیکھے۔

حضرت ابودرداءؓ کے گھر پہنچے تو خدم و چاشم نقیب و چاؤش، تزک و احتشام، زینت و آرائش ایک طرف مکان میں چراغ تک نہ تھا۔ کشور دین و ملت کا تاجدار تاریک مکان میں ایک کمبل اوڑھے پڑا تھا۔ حضرت عمر فاروقؓ نے یہ حالت دیکھی تو آنکھوں میں پانی آ گیا۔ پوچھا اس قدر عسرت سے زندگی گزارنے کا سبب کیا ہے؟ حضرت ابودرداءؓ نے فرمایا: رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ دنیا ”میں ہم کو اتنا سامان رکھنا چاہئے، جتنا ایک مسافر کے درکار ہے۔“ (آنحضرت ﷺ کے بعد ہم لوگ کیا سے کیا ہو گئے)۔ اس پر اثر فقرہ کا یہ اثر ہوا کہ دونوں بزرگوں نے روتے روتے صبح کر دی۔

حضرت عمر فاروقؓ نے عہد خلافت میں تمام اکابر صحابہ کے نقد و وظائف مقرر کر دیئے تھے۔ مجاہدین بدر کی سب سے بڑی تنخواہ تھی۔ حضرت ابودرداءؓ مجاہدین بدر میں داخل نہ تھے۔ لیکن حضرت عمر فاروقؓ نے ان کا وظیفہ بدریوں کے برابر مقرر کیا۔

حضرت عثمان غنیؓ کے عہد خلافت میں حضرت امیر معاویہؓ نے حضرت عثمان غنیؓ کی منظوری ان کو دمشق کا قاضی مقرر کیا۔ کبھی کبھی جب حضرت امیر معاویہؓ کو باہر جانے کی ضرورت پڑتی تو وہ ان کو اپنا قائم مقام بنا جاتے۔ دمشق میں قضا کا یہ پہلا عہدہ تھا۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ یہ واقعہ عہد فاروقی کا ہے۔ لیکن یہ صحیح نہیں۔ حافظ ابن عبدالبر نے پہلی روایت کو ترجیح دی ہے۔

اہل و عیال :

حضرت ابودرداءؓ کے ابواب فضائل میں یہ بات بھی قابل لحاظ ہے کہ ان کے حبلہ نکاح میں دو بیویاں آئیں اور دونوں فضل و کمال میں ممتاز تھیں۔ پہلی کا نام ام درداء کبریٰ خیرۃ بنت ابی حدرداسلمی ہے، اور دوسری کا نام درداء صغریٰ جیمہ بنت جی وصابیہ تھا۔

ام درداء کبریٰؓ مشہور صحابیہ اور بڑی فقیہ، عقل مند اور عبادت گذار بی بی تھیں۔ ان سے حدیث کی کتابوں میں بہت سی روایتیں مروی ہیں۔

ام درداءؓ صغریٰ صحابیہ نہ تھیں۔ شوہر کے بعد بہت دنوں تک زندہ رہیں۔ امیر معاویہؓ نے نکاح ثانی کا پیام دیا تھا۔ لیکن قبول نہ کیا۔ اولاد کے نام حسب ذیل ہیں :

۱۔ بلال ۲۔ یزید ۳۔ درداء ۴۔ نسیمہ

حضرت بلال ابو محمد دمشقی، یزید اور خلفائے مابعد کے عہد میں دمشق کے قاضی تھے۔ عبدالملک نے اپنے زمانہ میں معزول کیا۔ ۹۲ھ میں وفات پائی۔

حضرت درداء صفوان بن عبداللہ بن صفوان بن امیہ بن حلف قرشی سے منسوب تھیں۔ جو معزز تابعی اور مکہ کے ایک جلیل القدر خاندان کی یادگار تھے۔

حلیہ : حلیہ یہ تھا، جسم خوبصورت، ناک اٹھی ہوئی، آنکھیں شریقی، ڈاڑھی اور سر میں خضاب لگاتے تھے۔ جس کا رنگ سنہرا ہوتا تھا۔ لباس عربی تھا، قلنسوہ ایک قسم کی ٹوپی پہنتے تھے، عمامہ باندھتے تو اس کا شملہ پیچھے لٹکاتے تھے۔

وفات : اوپر گزر چکا ہے کہ حضرت ابودرداءؓ مسافرانہ زندگی بسر کرتے تھے۔ ہجرت کا بتسیواں ۳۲ھ سال تھا کہ یہ مسافر کاروانِ سرائے عالم سے وطن مالوف کو سدھارا۔

وفات کا واقعہ عجیب حسرتناک تھا۔ حضرت ابودرداءؓ گریہ وزاری میں مصروف تھے۔ ام درداءؓ (بیوی کا نام ہے) نے کہا آپ صحابی ہو کر روتے ہیں؟ حضرت ابودرداءؓ نے فرمایا، کیوں نہ روؤں،

خدا معلوم گناہوں سے کیونکر چھٹکارا ہو۔ اسی حالت میں بلال کو بلا یا اور فرمایا دیکھو! ایک دن تم کو بھی یہ واقعہ پیش آتا ہے، اس دن کے لئے کچھ کر رکھنا۔ موت کا وقت قریب آیا، جزع و فزع کی کوئی انتہا نہ تھی۔ ایمان کے متعلق کہا گیا ہے کہ خوف ورجاء کے درمیان ہوتا ہے۔

حضرت ابودرداءؓ پر خوف الہی کا نہایت غلبہ تھا۔ بیوی کے جو پاس بیٹھی تسکین دے رہی تھیں کہا، تم موت کو محبوب رکھتے ہو، پھر اس وقت پریشانی کیوں ہے؟ فرمایا یہ سچ ہے، لیکن جس وقت موت کا یقین ہوا سخت پریشانی ہے، یہ کہہ کر روئے۔ پھر فرمایا یہ میرا اخیر وقت ہے، کلمہ پڑھاؤ۔ چنانچہ لوگ کلمہ کی تلقین کرتے رہے اور حضرت ابودرداءؓ اُس کو دہراتے رہے، یہاں تک کہ رُوح مطہر نے آخری سانس لی۔

وفات سے کچھ دن پیشتر حضرت یوسفؓ بن عبد اللہ بن سلام ان کے پاس علم حاصل کرنے کے لئے آئے تھے۔ لیکن اس وقت حضرت ابودرداءؓ بستر مرگ پر تھے۔ پوچھا کیسے آئے؟ عرض کیا، میرے والد اور آپؐ میں جو ارتباط تھا اس کی وجہ سے زیارت کو حاضر ہوا۔ فرمایا جھوٹ بھی کیا بُری شے ہے، لیکن جو شخص استغفار کر لے تو معاف ہو جاتا ہے۔

حضرت یوسفؓ ان کی وفات تک مقیم رہے۔ انتقال سے پہلے یوسفؓ کو بلا کر کہا کہ لوگوں کو میری موت کی خبر کر دو۔ اس خبر کا مشتہر ہونا تھا کہ آدمیوں کا طوفان اُمنڈ آیا۔ گھر سے باہر تک آدمی ہی آدمی تھے۔ اندر اطلاع ہوئی تو فرمایا، مجھ کو یہاں سے باہر لے چلو۔ باہر آ کر اُٹھ کے بیٹھے اور تمام مجمع کو مخاطب کر کے ایک حدیث بیان کی۔ اللہ اکبر! اشاعت حدیث کا جوش اس وقت بھی قائم تھا۔

فضل و کمال :

حضرت ابودرداءؓ کا شمار علمائے اصحاب میں ہے۔ صحابہ کرام ان کو نگاہِ عظمت سے دیکھتے تھے۔ حضرت عبد اللہ بن عمرؓ کہا کرتے تھے کہ دونوں باعمل عالموں کا کچھ ذکر کرو (معاذ اور ابودرداءؓ)۔ یزید بن معاویہ کا قول تھا کہ ابودرداءؓ کا علم و تفقہ بہت سے امراض (جہل) کو شفا بخشتا ہے۔ معاذ بن جبل نے وفات کے وقت وصیت کی تھی کہ ابودرداءؓ سے علم سیکھنا۔ کیونکہ ان کے پاس علم ہے۔ حضرت ابوذر غفاریؓ نے ابودرداءؓ سے خطاب کر کے کہا تھا کہ ”ما حملت ورقاء ولا اظلت خضراء! علم منک یا ابا الدرداء“ یعنی زمین کے اوپر اور آسمان کے نیچے تم سے کوئی بڑا عالم نہیں۔

مسروق جو بڑے جلیل القدر تابعی اور اپنے زمانہ کے امام تھے، کہتے ہیں کہ میں نے تمام صحابہ کا علم چھ شخصوں میں مجتمع پایا۔ جس میں ایک ابو درداءؓ ہیں۔ یہی سبب ہے کہ گوجاز میں بڑے بڑے صحابہ مسند امامت پر ممکن تھے۔ تاہم وہاں بھی طالبین جوق در جوق ان کے آستانہ کو رخ کرتے تھے۔

درس کے وقت تشنگان علم کا بڑا ہجوم رہتا تھا۔ مکان سے نکلتے تو طلبہ کا مجمع رکاب میں ساتھ ہوتا۔ ایک روز مسجد جارہے تھے، پیچھے لوگوں کا اتنا اثر دھام تھا کہ موکب شاہی کا دھوکہ ہوتا تھا۔ اس مجمع کا ہر فرد کسی نہ کسی مسئلہ کا سائل ہو کر آیا تھا۔

حضرت ابو درداءؓ کی تعلیم کا یہ طرز تھا کہ فجر کی نماز پڑھ کر جامع مسجد میں درس کے لئے بیٹھ جاتے تھے۔ شاگردان کے گرد ہوتے اور مسائل پوچھتے۔ وہ جواب عنایت فرماتے تھے۔

درس قرآن :

حضرت ابو درداءؓ اگرچہ فقہ و حدیث میں بھی ممتاز تھے، لیکن ان کا اصل سرمایہ قرآن مجید کا درس و تعلیم تھا۔ وہ ان لوگوں میں تھے جو خود آنحضرت ﷺ کی زندگی میں پورے قرآن کے حافظ تھے۔ اسی بنا پر حضرت عمر فاروقؓ نے شام میں قرآن مجید کی تعلیم اشاعت کے لئے نامزد فرمایا۔ دمشق کے جامع عمری میں یہ قرآن۔۔۔۔۔ کا درس دیتے تھے اور گویا یہ قرآن کا ایک مدرسہ اعظم بن گیا تھا۔ حضرت ابو درداءؓ کے ماتحت اور مدرسین بھی تھے۔ طلبا کی تعداد سینکڑوں سے متجاوز تھی۔ دور دور سے لوگ آ کر شریک درس ہوتے تھے۔

نماز صبح کے بعد دس دس آدمیوں کی علیحدہ علیحدہ جماعت کر دیتے تھے اور ہر جماعت ایک قاری کے زیر نگرانی ہوتی تھی۔ قاری قرآن پڑھاتے اور خود ٹہلتے جاتے اور پڑھنے والوں کی طرف کان لگائے رہتے تھے۔ جب کسی طالب علم کو پورا قرآن یاد ہو جاتا تو اس کو خود اپنی شاگردی میں لے لیتے۔ یہ مدرسین جب طلبہ کے کسی سوال کا جواب نہ دے سکتے تو وہ مرکز درس کی طرف رجوع کرتے۔

طلبہ کا درس میں اتنا ہجوم رہتا کہ ایک روز شمار کرایا تو سولہ سو طالب العلم حلقہ درس میں نکلے۔

دارالقرآن کے ممتاز اصحاب میں ۱۔ ابن عامر تھکلی، ۲۔ ام درداء صغریٰ، ۳۔ خلیفہ بن سعد،

۴۔ راشد ابن سعد، ۵۔ خالد بن سعدان تھے۔

ان میں سے اول الذکر بزرگ ولید بن عبد الملک کے زمانہ میں اہل مسجد کے رئیس تھے۔

ام درداء، حضرت ابو درداءؓ کی زوجہ قرأت میں یگانہ روزگار تھیں۔ قرأت کا فن اپنے شوہر سے سیکھا تھا۔

عطیہ بن قیس کلابی کو انہی نے قرأت سکھائی تھی۔ خلیفہ بن سعد کو یہ خصوصیت حاصل تھی کہ صاحب ابی الدرداءؓ کہتے تھے اور شام کے مشہور قاریوں میں ان کا شمار ہوتا تھا۔ باقی بزرگوں کو یہ شرف حاصل تھا کہ انہوں نے خود حضرت ابودرداءؓ کو قرآن سنایا تھا اور ان کے خاص تلامذہ میں داخل تھے۔

تفسیر : علم تفسیر کا سرمایہ جن صحابہ سے جمع ہوا، اگرچہ حضرت ابودرداءؓ کا نام ان میں شامل نہیں۔ تاہم ان میں سے متعدد آیتوں کی تفسیریں مروی ہیں۔ ان کا قول تھا : ”لا یفقه الرجل کل الفقه حتی یجعل للقرآن وجوها“ یعنی انسان تا وقتیکہ قرآن میں مختلف پہلو پیدا نہ کرے فقیہ نہیں ہو سکتا۔

مشکل آیتوں کے مطالب خود آنحضرت سے دریافت فرماتے تھے۔ ایک روز دریافت کیا یا رسول اللہ (ﷺ) ! ”الذین امنوا وکانوا یتقون لہم البشرا فی الحیوة الدنیا“ سے کیا مراد ہے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا : ”رویائے صالحہ خواہ خود دیکھے یا کوئی دوسرا شخص اس کے متعلق دیکھے!“

خود ابودرداءؓ سے جب کسی آیت کی تفسیر کے متعلق سوال کیا جاتا تو وہ نہایت شافی جواب دیتے تھے۔ ایک شخص نے سوال کیا کہ ”ولمن خاف مقام ربہ جنتان“ میں زانی اور سارق بھی داخل ہیں؟ فرمایا کہ اپنے رب کا خوف ہوتا تو زنا اور چوری کیوں کرتا۔

سورہ قلم میں ایک کافر کے متعلق ہے : ”عتل بعد ذالک زنیماً“ عتل کے معنی مختلف مفسروں نے مختلف بیان کئے ہیں۔ حضرت ابودرداءؓ نے یہ جامع معنی بیان فرمائے ہیں :

”کل رحبیب الجوف وثیق الحلق اکول شروب جموع للمال منوع لہ“ ۱۔
(بڑے پیٹ اور مضبوط حلق والا کثیر غذا، کثیر شراب، مال جمع کرنے والا نہایت بخیل)

سورہ طارق میں ہے : ”یوم تبلی السرائر“ زبان کے لحاظ سے سرائر کے معنی مطلقاً پوشیدہ شے کے ہیں۔ جن میں عقائد، نیات یا جوارح کے اعمال کی کوئی قید نہیں حضرت ابودرداءؓ نے موقع محل کے لحاظ سے اس تعلیم میں کسی قدر تخصیص کر دی۔ چنانچہ فرمایا :

خدا نے چار چیزوں کا بندوں کو ضامن قرار دیا ہے : ۱۔ نماز ۲۔ زکوٰۃ ۳۔ روزہ ۴۔ طہارت۔ سرائر انہی چیزوں کو کہتے ہیں ۲۔

۱۔ مسند ابوداؤد طیالسی۔ ص ۱۳۱ ۲۔ کنز العمال۔ بحوالہ ابن عساکر۔ ص ۲۶۷ ۳۔ کنز العمال۔ بحوالہ ابن مردویہ۔ جلد ۱۔ ص ۱۵۶ ۴۔ کنز العمال۔ بحوالہ بیہقی۔ جلد ۱۔ ص ۱۵۷

حدیث : کلام الہی کی تعلیم و خدمت کے بعد صحابہؓ کا سب سے مقدم فرض حدیث نبوی کی نشر و اشاعت تھا۔ حضرت ابودرداءؓ نے اس فرض کو بھی پوری طرح انجام دیا۔

ایک دفعہ انہوں نے سعدان بن طلحہؓ سے ایک حدیث بیان کی۔ مسجد دمشق میں حضرت ثوبانؓ جو آنحضرت ﷺ کے آزاد کردہ غلام تھے۔ تشریف لائے تو سعدانؓ نے توثیق مزید کی غرض سے ان سے اس حدیث کے متعلق استفسار کیا۔ حضرت ثوبانؓ نے فرمایا کہ ابودرداءؓ نے بالکل صحیح کہا۔ میں خود اس واقعہ کے وقت رسول اللہ ﷺ کے پاس موجود تھا۔

حضرت معاذؓ نے اپنی وفات کے وقت ایک حدیث بیان کی تھی اور فرمایا تھا کہ شہادت کی ضرورت ہو تو عویمیر بن زید (ابودرداءؓ) موجود ہیں۔ ان سے دریافت کرنا۔ لوگ حضرت ابودرداءؓ کے پاس پہنچے۔ انہوں نے حدیث سن کر فرمایا، میرے بھائی (معاذؓ) نے سچ کہا۔

صحابہؓ جب مل کر بیٹھتے تو آپس میں احادیث نبوی ﷺ کا مذاکرہ فرماتے۔ حضرت ابودرداءؓ بھی مجلسوں میں شریک رہتے تھے۔ کبھی کبھی خود بھی مذاکرہ کی ابتدا فرماتے تھے۔

ایک مجمع میں حضرت ابودرداءؓ بھی عبادہ بن صامتؓ، حرث بن مغویہؓ، کنذہؓ اور مقدم ام بن معدی کربؓ تشریف فرما تھے۔ حدیثوں کا ذکر آیا۔ حضرت ابودرداءؓ نے حضرت عبادہؓ سے کہا کہ فلاں غزوہ میں آنحضرت ﷺ نے خمس کے متعلق کچھ ارشاد فرمایا تھا؟ آپ کو یاد ہے؟ حضرت عبادہؓ نے پورا واقعہ بیان کیا۔

حضرت ابودرداءؓ کی پوری زندگی کلام الہی اور حدیث نبوی ﷺ کی تعلیم و اشاعت میں صرف ہوئی۔ جس وقت روح مطہر عالم فنا سے عالم بقا کو پرواز کر رہی تھی، اس وقت آپ نے اہل شہر کو جمع کر کے نماز کے متعلق آخری وصیت سنائی۔

حضرت ابودرداءؓ نے حدیث کا اکتساب زیادہ تو خود ذات اقدس نبوی سے کیا تھا۔ آپ کی وفات کے بعد بعض روایتیں حضرت زید بن ثابتؓ اور حضرت عائشہؓ سے بھی سنی تھیں۔

تلامذہ اور راویان حدیث کا دائرہ مختصر تھا۔ حاشیہ نشینان نبوت میں سے متعدد بزرگ ان کے حلقہ سے بھی مستفید ہوئے جن کے نام نامی یہ ہیں : ۱۔ حضرت انس بن مالکؓ ۲۔ فضالہ بن عبیدہؓ ۳۔ ابوامامہؓ ۴۔ عبداللہ بن عمرؓ ۵۔ عبداللہ عباسؓ ۶۔ ام درداءؓ۔

تابعین میں سے اکثر اعیان واجلائے علم ان کے شرف تلمذی سے بہرہ یاب تھے۔ بعض کے نام یہ ہیں : ۱۔ سعید بن مسیب ۲۔ بلال بن ابودرداء ۳۔ علقمہ بن قیس ۴۔ ابومرہ مولیٰ ام ہانی ۵۔ ابودریس خولی ۶۔ جبیر بن نفیر ۷۔ سوید ابن غفلہ ۸۔ زید بن وہب ۹۔ معدان بن ابی طلحہ ۱۰۔ ابو حبیہ طائی ۱۱۔ ابوالسفر ہمدانی ۱۲۔ ابوسلمہ ابن عبدالرحمن ۱۳۔ صفوان بن عبد اللہ ۱۴۔ کثیر بن قیس ۱۵۔ ابو بکر عبداللہ بن قیس ۱۶۔ کثیر بن مرہ ۱۷۔ محمد بن سیرین ۱۸۔ محمد بن ابی وقاص ۱۹۔ محمد بن کعب ۲۰۔ بلال بن سیاف وغیرہم۔

حضرت ابودرداءؓ کے سلسلے سے جو روایات احادیث میں مدون ہیں، ان کی تعداد ۱۷۹ ہے۔ جن میں سے بخاری میں ۱۳ اور مسلم میں ۸ مندرج ہیں۔

فقہ : مسائل فقہ میں بھی ان کا ایک خاص درجہ ہے۔ لوگ دور دراز مسافت طے کر کے ان سے مسائل پوچھنے آتے تھے۔ چنانچہ ایک بزرگ کوفہ سے دمشق صرف ایک مسئلہ دریافت کرنے آئے۔ مسئلہ یہ تھا کہ شخص مذکور شادی پر رضامند نہ تھا۔ اس کی والدہ نے جبراً شادی کر دی۔ شادی کے بعد میاں بیوی میں محبت زیادہ بڑھ گئی۔ اس وقت ماں نے کہا کہ اس کو طلاق دے دو۔ اب وہ طلاق کے لئے آمادہ نہ ہوا۔

حضرت ابودرداءؓ نے فرمایا کہ میں کسی شق کا تعین نہیں کرتا، نہ طلاق دینے کا حکم دیتا ہوں اور نہ والدہ کی نافرمانی جائز سمجھتا ہوں۔ تمہارا دل چاہے تو طلاق دے دو یا موجودہ حالت پر قائم رہو۔ لیکن یہ یاد رہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ماں کو جنت کا دروازہ کہا ہے۔

حضرت ابو حبیہ طائیؓ نے استفسار کیا کہ میرے بھائی نے چند دینار فی سبیل اللہ دیئے تھے اور مرتے وقت وصیت کی تھی کہ میں ان کو کسی مصرف میں صرف کر دوں۔ اب فرمائیے کہ سب سے بہتر مصرف کونسا ہے؟ حضرت ابودرداءؓ نے جواب دیا کہ میرے نزدیک مجاہدین سب سے بہتر ہیں۔

اخلاق و عادات :

حضرت ابودرداءؓ فطرۃ نہایت نیک مزاج اور صالح تھے۔ اسلام کی تعلیم نے اس طلائے کو اور خالص بنادیا تھا۔ حضرت ابوذر غفاریؓ تمام صحابہ میں سب سے زیادہ حق گو اور حریت مجسم تھے اور ابتدا شام میں رہتے تھے۔ یہاں بہت کم لوگ ان کی سخت گیری سے محفوظ تھے۔ امیر معاویہ وغیرہ کو برسر دربار نوک دیتے تھے۔ ابودرداءؓ کی نسبت خود ان سے انہوں نے کہا کہ اگر آپ رسول اللہ ﷺ کا زمانہ بھی

پاتے اور آنحضرت ﷺ کے بعد اسلام لاتے تب بھی صالحین اسلام میں آپ کا شمار ہوتا۔ اس سے زیادہ حضرت ابو درداءؓ کی طہارت کا کیا ثبوت ہو سکتا ہے۔

بائیں ہمہ کہ وہ بساط نبوت کے حاشیہ نشین تھے۔ خالق کون و مکان کے جلال و جبروت کا تخیل ان کے جسم میں ریشہ پیدا کر دیتا تھا۔ ایک روز منبر پر کھڑے ہو کر خطبہ دیا تو فرمایا کہ میں اس روز سے بہت خائف ہوں، جب خدا مجھ سے پوچھے گا کہ تم نے اپنے علم کے مطابق کیا عمل کیا؟ قرآن کی ہر آیت پیکر امروز جبر بن کر نمودار ہوگی اور مجھ سے پوچھا جائے گا کہ تم نے اوامر کی کیا پابندی کی۔ آیت آمرہ کہے گی کہ اس نے کچھ نہیں کیا۔ پھر سوال ہوگا کہ نواہی سے کہاں تک پرہیز کیا۔ آیت زاجرہ بولے گی بالکل نہیں۔ لوگو! کیا میں اس وقت چھوٹ جاؤں گا۔

عبادات میں قیام لیل اور نماز پنجگانہ کے علاوہ ۳ چیزوں کے نہایت سختی سے پابند تھے۔ ہر ماہ میں ۳ دن روزہ رکھتے، وتر پڑھتے اور حضر و سفر میں چاشت کی نماز ادا کرتے ان چیزوں کے متعلق آنحضرت ﷺ نے ان کو وصیت فرمائی تھی۔

ہر فرض نماز کے بعد تسبیح پڑھتے تھے۔ تسبیح ۳۳ مرتبہ، تحمید ۳۳ مرتبہ، تکبیر ۳۲ مرتبہ۔

حضرت ابو درداءؓ کی زندگی زاہدانہ بسر ہوتی تھی۔ وہ دنیاۓ دوں کی دلفریبیوں اور عالم فانی کے تکلفات سے ملوث نہ تھے۔ فرمایا کرتے تھے کہ انسان کو دنیا میں ایک مسافر کی حیثیت سے رہنا چاہئے۔

ایک دفعہ حضرت سلمان فارسیؓ ان سے ملنے ان کے گھر آئے۔ یہ دونوں مواخاۃ کے قاعدے سے بھائی بھائی تھے۔ بھوج کو دیکھا تو نہایت معمولی وضع پایا۔ سبب پوچھا، تو نیک بی بی نے جواب دیا کہ تمہارے بھائی (ابو الدرداءؓ) دنیا سے بے نیاز ہو گئے ہیں۔ ان کو اب ان چیزوں کی کچھ پروا نہیں۔

حضرت ابو درداءؓ آئے۔ حضرت سلمان فارسیؓ کو مر حبا کہا اور کھانا پیش کیا۔ حضرت سلمان فارسیؓ نے کہا آپ بھی آئیے۔ حضرت ابو درداءؓ نے کہا میں تو روزہ سے ہوں۔ حضرت سلمان فارسیؓ نے قسم کھا کر کہا کہ میرے ساتھ کھانا ہوگا، ورنہ میں بھی نہ کھاؤں گا۔ رات کو حضرت سلمان فارسیؓ نے انہی کے مکان میں قیام کیا تھا۔ حضرت ابو درداءؓ نماز کے لئے اٹھے۔

۱۔ مسند عبادہ۔ جلد ۵۔ ص ۱۴۷ ۲۔ کنز العمال۔ جلد ۷۔ بحوالہ ابن عساکر ۳۔ مسند، جلد ۶۔ ص ۴۴۰

۴۔ ایضاً۔ جلد ۵۔ ص ۱۸۶

حضرت سلمان فارسیؓ نے روک لیا اور فرمایا: ”بھائی آپ پر خدا کا بھی حق ہے۔ بیوی کا بھی اور اپنے بدن کا بھی۔ آپ کو ان سب کا حق ادا کرنا چاہئے۔“

صبح کا تڑکا ہوا تو حضرت سلمان فارسیؓ نے ابو درداءؓ کو جگایا اور کہا اب اٹھو۔ دونوں بزرگوں نے نماز پڑھی۔ اس کے بعد دو گانہ کے لئے مسجد نبوی ﷺ گئے۔ حضرت ابو درداءؓ نے آنحضرت ﷺ سے سلمان فارسیؓ کا واقعہ بیان کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ سلمانؓ نے ٹھیک کہا۔ وہ تم سے زیادہ سمجھدار ہیں۔

امر بالمعروف تمام تربیت یافتگان نبوت کا فرض ہے۔ حضرت ابو درداءؓ بھی اس فرض سے غافل نہ تھے۔ امیر معاویہؓ نے کوئی چاندی کا برتن خریدا، جس کی قیمت میں چاندی کے وزن سے کم و بیش روپے مالک کو دیئے۔ اسلام میں یہ ناجائز ہے۔ حضرت ابو درداءؓ نے فوراً ٹوکا۔ معاویہؓ یہ درست نہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے چاندی سونے میں برابر برابر کا حکم دیا ہے۔

حضرت یوسف بن عبد اللہ بن سلام ان کے پاس شام گئے۔ سفر کا مقصد تحصیل علم تھا۔ یہ وہ ساعت تھی جب حضرت ابو درداءؓ مرض الموت میں گرفتار تھے۔ یوسف سے پوچھا کیسے آئے؟ انہوں نے کہا، آپ کی زیارت کو۔ یوسف نے یہ بات چونکہ واقعہ کے خلاف کہی تھی۔ حضرت ابو درداءؓ نے فرمایا: جھوٹ بولنا بڑی بُری بات ہے۔

امیر معاویہؓ نے حضرت ابوذرؓ کو شام سے جلا وطن کر دیا۔ حضرت ابو درداءؓ کو راستہ میں خبر ملی تو دس مرتبہ انا للہ پڑھا اور کہا کہ اب ان لوگوں کا بھی انتظار کرو، جیسا کہ اصحابِ ناقہ کے بارے میں کہا گیا تھا۔ اس کے بعد نہایت جوش میں فرمایا:

”خدا یا! ان لوگوں نے ابوذرؓ کو جھٹلایا، لیکن میں نہیں جھٹلاتا ہوں۔ لوگوں نے ان کو متہم کیا، لیکن میں نہیں کرتا اور ان لوگوں نے ان کو خارج البلد کیا، لیکن میں اس رائے میں شریک نہیں ہوں۔ کیونکہ میں جانتا ہوں کہ رسول اللہ ﷺ ان کے برابر کسی کو زمین پر نہیں سمیٹتے تھے۔ ان کے برابر کسی سے راز نہ کہتے تھے۔ اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں ابو درداءؓ کی جان ہے، اگر ابوذرؓ میرا ہاتھ بھی کاٹ ڈالیں تو بھی میں ان سے بغض نہ رکھوں۔“

آنحضرت ﷺ نے فرمایا اور میں نے سنا تھا کہ

”ما ظلت الخضراء ولا اقلت الغبراء من ذی الحجة اصلق من ابی ذر“

”آسمان کے نیچے اور زمین کے اوپر ابو ذرؓ سے زیادہ سچا کوئی نہیں۔“

آنحضرت ﷺ نے ایک دن فرمایا کہ جو شخص توحید کا قائل ہو وہ جنتی ہے۔ حضرت ابو ذرؓ نے عرض کی، خواہ زانی اور چور کیوں نہ ہو؟ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ”ہاں“ یہ ایک خوشخبری تھی جو سب مسلمانوں کو سنانی چاہئے تھی۔ ابو ذرؓ ”تین مرتبہ پوچھ کر مسلمانوں کو یہ مژدہ نجات سنانے چلے۔ راستہ میں حضرت عمر فاروقؓ سے ملاقات ہوئی۔ انہوں نے کہا کہ اس اعلان سے لوگ عمل چھوڑ بیٹھیں گے۔ حضرت ابو ذرؓ نے آنحضرت ﷺ سے عرض کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ عمرؓ نے صحیح کہا۔

ایک روز مکان میں تشریف لائے۔ چہرہ سے غیظ و غضب عیاں تھا۔ بیوی نے پوچھا کیا حال ہے؟ فرمایا، خدا کی قسم رسول اللہ ﷺ کی ایک بات بھی باقی نہیں رہی۔ لوگوں نے سب چھوڑ دیا۔ صرف نماز باجماعت پڑھتے ہیں۔

ایک مرتبہ سعدان بن ابی طلحہ العمریؓ کو دیکھا۔ پوچھا کہ آپ کا مکان کہاں ہے؟ انہوں نے کہا گاؤں میں، مگر گاؤں شہر کے قریب ہے۔ فرمایا، تو تم شہر میں نماز پڑھا کرو، کیونکہ جس مقام پر اذان یا نماز نہیں ہوتی وہاں شیطان کا دخل ہو جاتا ہے۔ دیکھو بھئی یا اس بکری کو پکڑتا ہے جو گلہ سے دور رہتی ہے۔

تمام مسلمانوں کا نہایت ادب کرتے تھے۔ غیظ و غضب کے عالم میں بھی جو کچھ کہہ دیتے تھے لوگ دل سے لگا لیتے تھے۔ ایک دفعہ ایک قریشی نے ایک انصار کا دانت توڑ دیا۔ امیر معاویہؓ کے سامنے مقدمہ پیش ہوا۔ امیر معاویہؓ نے قریشی کو مجرم ٹھہرایا۔ اس نے کہا کہ پہلے انصار نے میرے دانت کو صدمہ پہنچایا۔ امیر معاویہؓ نے کہا ٹھہرو، میں انصاری کو رضامند کروں گا۔ لیکن انصاری طالب قصاص تھا وہ راضی نہ ہوا۔ امیر معاویہؓ نے کہا یہ ابو ذرؓ بیٹھے ہیں جو فیصلہ کر دیں، اس کو مان لیتا۔

حضرت ابو ذرؓ نے ایک حدیث پڑھی کہ جو شخص کسی جسمانی تکلیف پہنچنے پر ایذا دہندہ کو معاف کر دے تو اس کے مراتب بلند اور اس کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ اس حدیث کے سنتے ہی انصار جو مجسمہ قہر و غضب تھا، پیکر تسلیم و رضا بن گیا۔ حضرت ابو ذرؓ سے پوچھا کہ آپ نے رسول اللہ ﷺ سے یہ سنا تھا؟ انہوں نے کہا، ہاں۔ انصاری نے کہا تو میں معاف کرتا ہوں۔

فساد و شر سے دور بھاگتے تھے۔ شام کا ملک حجاز سے کسی حال میں بہتر نہ تھا۔ لیکن فتنوں کے زمانہ میں شام ایک حکومت کے ماتحت بہر حال قائم رہا اور حجاز میں ہر سال نئی فوج کشی کا سامنا تھا۔ حضرت ابو درداءؓ کی سکونت شام کا یہی سبب تھا۔ فرماتے تھے کہ جس مقام پر دو آدمی ایک بالشت زمین کے لئے منازعت کریں، میں اس کو بھی چھوڑ دینا زیادہ پسند کرتا ہوں۔^۱

نہایت ہشاش بشاش رہتے تھے۔ لوگوں سے خندہ پیشانی سے ملتے تھے۔ گفتگو کے وقت لب مبارک پر تبسم ظاہر ہوتا تھا۔ ام درداءؓ تبسم کو خلاف وقار سمجھتی تھیں۔ ایک دن کہا کہ تم ہر بات پر مسکراتے ہو، کہیں لوگ بیوقوف نہ بنائیں۔ حضرت ابو درداءؓ نے فرمایا کہ خود رسول اللہ ﷺ بات کرتے وقت تبسم فرماتے تھے۔^۲

مزاج فطرۃً سادہ تھا۔ مسجد دمشق میں خود اپنے ہاتھ سے درخت لگاتے تھے۔ لوگ دیکھتے تو تعجب کرتے کہ آغوش پروردہ نبوت اور امام حلقہ مسجد ہو کر اپنے ہاتھ سے ایسے چھوٹے چھوٹے کام کرتے ہیں، لیکن ان کو اس کی کچھ پرواہ نہ تھی۔ ایک شخص نے ان کو اس حالت میں دیکھا تو بڑے تعجب سے پوچھا کہ آپ خود یہ کام کرتے ہیں؟ حضرت ابو درداءؓ نے اس کے تعجب کو ان الفاظ سے زائل کیا کہ اس میں بڑا ثواب ہے۔^۳

بڑے فیاض اور مہمان نواز تھے۔ تنگدستی کے باوجود مہمانوں کی خدمت گزاری میں کوئی دقیقہ فرو گذاشت نہیں کرتے تھے۔ اکثر ان کے ہاں لوگ ٹھہرا کرتے تھے۔ جب کوئی مہمان آتا حضرت ابو درداءؓ دریافت کراتے کہ قیام کرنے کا ارادہ ہے یا جانے کا۔ جانے کا قصد ہوتا تو مناسب زاد راہ بھی ساتھ کر دیتے تھے۔^۴

بعض لوگ ہفتوں قیام کرتے تھے۔ حضرت سلمان فارسیؓ جب شام آتے انہی کے ہاں قیام فرماتے۔

دل کے نرم تھے۔ ایک دن کسی طرف جا رہے تھے کہ دیکھا ایک شخص کو لوگ گالی دے رہے ہیں۔ پوچھا تو معلوم ہوا کہ اس نے کوئی گناہ کیا تھا۔ حضرت ابو درداءؓ نے کہا کہ ایک شخص کنوئیں میں گرے تو اس کو نکالنا چاہئے۔ گالی دینے سے کیا فائدہ؟ اسی کو غنیمت سمجھو کہ تم اس سے محفوظ رہے۔

۱۔ ایضاً۔ ص ۴۴۸ ۲۔ مسند۔ ابو داؤد و طیالسی۔ ص ۱۳۱ ۳۔ مسند۔ جلد ۶۔ ص ۴۴۸ ۴۔ ایضاً۔ ص ۴۴۴

۵۔ ایضاً۔ جلد ۵۔ ص ۱۹۱ ۶۔ ایضاً۔ ص ۱۹

لوگوں نے عرض کی کہ آپ اس شخص کو برا نہیں جانتے؟ فرمایا، اس شخص میں طبعاً تو کوئی بُرائی نہیں، البتہ اس کا یہ عمل بُرا ہے۔ جب چھوڑ دے گا تو پھر میرا بھائی ہے۔

طبیعت میں استغنا اور بے نیازی بھی تھی۔ عبداللہ بن عامر شام آیا تو بہت سے صحابہ اپنے وظائف لینے گئے۔ لیکن حضرت ابو درداءؓ اپنی جگہ سے بھی نہ ہلے۔ عبداللہ خود ان کا وظیفہ لے کر ان کے مکان پر آیا اور کہا کہ آپ تشریف نہیں لائے، اس لئے میں خود وظیفہ لے کر حاضر ہوا ہوں۔ انہوں نے جواب دیا کہ تم سے زیادہ خدا کے نزدیک کوئی ذلیل نہ تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے ہم سے فرمایا تھا کہ جب امراء اپنی حالت بدل لیں تو تم بھی اپنے کو بدل لو۔



حضرت ابوسعید خدریؓ

نام و نسب :

سعد نام ہے۔ ابوسعید کنیت، خاندان خدرہ سے ہیں۔ سلسلہ نسب یہ ہے : سعد بن مالک، بن سنان، بن عبید، بن ثعلبہ، بن الجبر (خدرہ)، ابن عوف بن حارث، بن خزرج۔ والدہ کا نام انیسہ بنت ابی حارثہ تھا۔ وہ قبیلہ عدی بن نجار سے تھیں۔
دادا (سنان) شہید کے لقب سے مشہور اور رئیس محلہ تھے۔ چاہ بصرہ کے قریب اجر و نام قلعہ ان کی ملکیت تھا۔ اسلام سے پیشتر قضا کی۔

باپ نے ہجرت سے چند سال قبل عدی بن نجار میں ایک بیوہ سے نکاح کیا تھا، جو پہلے عمان اوسی کی زوجیت میں تھیں۔ حضرت ابوسعیدؓ انہی کے لطن سے تولد ہوئے۔ یہ ہجرت سے ایک برس پیشتر کا واقعہ ہے۔

اسلام : مدینہ میں تبلیغ اسلام کا سلسلہ بیت عقبہ سے جاری تھا۔ خود انصار داعی اسلام بن کر توحید کا پیغام اپنے قبیلوں کو پہنچاتے تھے۔

سعد بن مالک بن سنان نے اسی زمانہ میں اسلام قبول کیا۔ شوہر کے ساتھ بیوی بھی اسلام لائیں۔ اس لئے حضرت ابوسعیدؓ نے مسلمان ماں باپ کے دامن میں تربیت پائی۔

غزوات اور دیگر حالات :

ہجرت کے پہلے برس مسجد نبوی کی تعمیر شروع ہوئی۔ حضرت ابوسعیدؓ نے اس کے کاموں میں شرکت کی۔ غزوہ احد میں باپ کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کے حضور میں گئے۔ اس وقت ۱۳ برس کا سن تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے سر سے پاؤں تک دیکھا۔ کس خیال کر کے واپس کیا۔ مالک نے ہاتھ پکڑ کر دکھایا کہ ہاتھ تو پورے مرد کے ہیں، تاہم آپ ﷺ نے اجازت نہ دی۔

اس معرکہ میں رسول اللہ ﷺ کا چہرہ مبارک زخمی ہوا تو مالک نے بڑھ کر خون پونچھا اور ادب کے خیال سے زمین پر پھینکنے کے بجائے پی گئے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ”اگر کسی شخص کو ایسے شخص کے دیکھنے کی خواہش ہو جس کا خون میرے خون سے آمیز ہوا ہو تو مالک بن سنان کو دیکھئے۔“ اس کے بعد نہایت جانبازانہ لڑکر شہادت حاصل کی۔

باپ نے کوئی جائیداد نہیں چھوڑی تھی۔ اس سے ان کی شہادت سے بیٹے پر کوہ الم ٹوٹ پڑا۔
 فاقہ نشی کی نوبت آگئی، پیٹ پر پتھر باندھا۔ ماں نے کہا رسول اللہ ﷺ کے پاس جاؤ، آج انہوں نے
 فلاں شخص کو دیا ہے، تم کو بھی کچھ دیں گے۔ پوچھا گھر میں ہے، وہاں کیا دھرا تھا۔ اس لئے خدمت
 اقدس میں پہنچے۔ اس وقت آپ ﷺ خطبہ دے رہے تھے کہ ”جو شخص ایسی حالت میں صبر کرے خدا اس
 کو غنی کر دے گا۔“ یہ سن کر دل میں کہا میری یا قوتہ (اُنٹنی کا نام تھا) موجود ہے پھر مانگنے کی کیا ضرورت
 ہے؟ یہ سوچ کر چلے آئے۔ لیکن رسول اللہ ﷺ کی زبان سے جو کچھ نکلا تھا پورا ہو کر رہا۔ رازق عالم نے
 باب رزق کھول دیا۔ یہاں تک تمام انصار سے دولت و ثروت میں بڑھ گئے۔

احد کے بعد مصطلق کا غزوہ پیش آیا۔ اس میں شریک ہوئے۔ اس کے بعد غزوہ خندق ہوا،
 اس وقت وہ پانزدہ سالہ تھے۔ عمر کی طرح ایمان کا بھی شباب تھا۔ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ میدان میں
 داد شجاعت دی۔

صفر ۸ھ میں عبداللہ بن غالب لیشی لشکر لے کر فداک روانہ ہوئے یہ بھی ساتھ تھے عبداللہ
 نے تمام لشکر کو تاکید کی خبردار متفرق نہ ہونا اور اس کی مصلحت کے لئے برادری قائم کرنے کی ضرورت
 ہوئی۔ حویصہ جو بڑے رتبہ کے صحابی تھے، ان کے بھائی بنائے گئے۔ برادری کا نتیجہ عمدہ صورت میں
 نمودار ہوا۔^۱

ربیع الثانی ۹ھ میں علقمہ بن مخررا یک سریہ کے ساتھ بھیجے گئے، یہ بھی فوج میں تھے۔ عبداللہ
 بن خدافہ نے اسی غزوہ میں صحابہ ”کو آگ میں کودنے کا حکم دیا تھا۔ لیکن دراصل ان کا منشا نہ تھا۔ وہ
 نہایت خوش مزاج آدمی تھے۔ طبیعت مذاق کی عادی تھی۔ لوگوں نے اس کو صحیح سمجھ کر کودنا چاہا تو خود روکا
 کہ میں تم سے مذاق کر رہا تھا۔“

اسی سلسلہ میں سریہ جس میں ۳۰ آدمی شامل تھے اور دارقطنی کی روایت کے بموجب ابو
 سعیدؓ اس کے امیر تھے، کسی مقام کی طرف روانہ ہوا، ایک جگہ پڑاؤ تھا۔ گاؤں والوں سے کہلا بھیجا
 کہ ہم تمہارے مہمان ہیں۔ انہوں نے ضیافت کرنے سے انکار کیا۔ اتفاق سے سردار قبیلہ کو بچھو نے
 ڈنک مارا۔ لوگوں نے بہت علاج کیا لیکن کچھ فائدہ نہ ہوا۔ بعض نے مشورہ دیا کہ صحابہ کے پاس جاؤ،
 ان کو شاید کچھ علاج معلوم ہو۔ چنانچہ وہ لوگ آئے اور واقعہ بیان کیا۔ بعض روایتوں میں تصریح

۱۔ مسند۔ جلد ۳۔ ص ۴۴۹ باب غزوہ بنی المصطلق و طبقات ابن سعد۔ ص ۹۱ حصہ مخازی ۲۔ مسند۔ ص ۶۷۔ وابن سعد

ہے کہ حضرت ابوسعیدؓ نے فرمایا، میں جھاڑ سکتا ہوں۔ لیکن ۳۰ بکری اجرت ہوگی۔ انہوں نے منظور کر لیا۔

آپؐ نے جا کر سورۃ الحمد پڑھی اور زخم پر تھوک دیا۔ وہ شخص اچھا ہو گیا اور بے تکلف چلنے پھرنے لگا اور ان لوگوں نے بکریاں لے کر مدینہ کا رخ کیا۔ سب کو تر د تھا کہ ان کا لینا جائز ہے کہ نہیں۔ آخر یہ رائے ٹھہری کہ خود آنحضرت ﷺ سے پوچھا جائے۔ آپ ﷺ نے پورا واقعہ سن کر قسم کیا اور فرمایا ”تم کو یہ کیسے معلوم ہوا کہ یہ رقیہ کا کام دیتی ہے؟ پھر کہا تم نے ٹھیک کیا۔ اس کو تقسیم کر لو، اور میرا بھی حصہ لگانا۔“

ان غزوات کے علاوہ حدیبیہ، خیبر، فتح مکہ، حنین، تبوک اور طائوس میں بھی ان کی شرکت کا پتہ چلتا ہے۔ لیکن چونکہ ان میں ان کا کوئی قابل ذکر کام نہیں ہے۔ صحیح بخاری کی روایت کے مطابق عہد نبوت کے ۱۲ غزوات میں ان کو شرف شرکت حاصل تھا۔

عہد نبوت کے بعد مدینہ ہی میں قیام رہا۔ عہد فاروقی و عثمانی میں فتویٰ دیتے تھے۔

حضرت علیؓ کے زمانے میں جنگ نہروان پیش آئی۔ اس میں نہایت جوش سے حصہ لیا۔ فرماتے ہیں کہ ترکوں کی بہ نسبت خوارج سے لڑنا زیادہ ضروری جانتا ہوں۔^۱

یزید کے مطالبہ بیعت کے وقت جب حضرت امام حسینؓ نے مدینہ چھوڑنے کا ارادہ فرمایا تو اور صحابہؓ کی طرح ابوسعید خدریؓ نے بھی یہ خیر خواہانہ مشورہ دیا تھا کہ آپؐ یہیں تشریف رکھیں۔^۲ مگر حضرت امام حسینؓ نے نہیں مانا۔

۶۱ھ میں یزید کی بد اعمالیوں کی وجہ سے اہل حجاز نے حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کے ہاتھوں پر، جو رسول اللہ ﷺ کے پھوپھی زاد بھائی کے بیٹے تھے، بیعت کی۔ حضرت ابوسعیدؓ بھی ان میں تھے۔

۶۳ھ میں اہل یمن حرم رسول اللہ ﷺ نے علانیہ یزید سے فسخ بیعت کر کے حضرت عبداللہ ابن حنظلہ الغسیل انصاری کے ہاتھ پر بیعت کی۔ لشکر شام سے مقابلہ پیش آیا۔ جس میں اہل مدینہ کو ہزیمت ہوئی اور حضرت عبداللہؓ نہایت جانبازی سے لڑ کر مارے گئے۔ اس وقت عجیب تشویش اور اضطراب کا عالم تھا۔ مدینہ کا گلی کوچہ خون سے لالہ زار تھا۔ مکان لوٹے جا رہے تھے۔ عورتیں بے ناموس

۱۔ صحیح بخاری، کتاب الاجارہ ۲۔ صحیح بخاری۔ جلد ۱۔ ص ۲۵۱ ۳۔ مسند۔ جلد ۳۔ ص ۵۶ ۴۔ ایضاً۔ ص ۳۳ ۵۔ تاریخ الخلفاء سیوطی

کی جارہی تھیں اور وہ مقام جس کو رسول اللہ ﷺ نے مکہ کی طرح حرام کیا تھا۔ اہل شام کے ہاتھوں قتل و غارت گری کا مرکز بنا ہوا تھا۔

صحابہؓ سے یہ بے حرمتی دیکھی نہیں جاتی تھی۔ اس لئے حضرت ابوسعید خدریؓ پہاڑ کی ایک کھوہ میں چلے گئے تھے۔ لیکن یہاں بھی پناہ نہ تھی۔ ایک شامی بلائے بے درماں کی طرح پہنچ گیا اور اندر اتر کر تلوار اٹھائی۔ انہوں نے بھی دھمکانے کی خاطر تلوار کھینچ لی، وہ آگے بڑھا، حضرت ابوسعید خدریؓ نے یہ دیکھ کر تلوار رکھ دی اور یہ آیت پڑھی :

”لَنْ بَسُطَ اِلَى يَدِكَ لِتَقْتُلَنِي مَا اَنَا بِبَاسِطٍ يَدِيَ اِلَيْكَ لَا قَتْلُكَ اَنِي

اخاف الله رب العلمين“

”اگر تم مجھے مارنے کا ہاتھ بڑھاؤ گے تو میں تمہارے مارنے کو تیار نہ ہوں گا۔ کیوں کہ میں

خدا سے رب العالمین کا خوف کرتا ہوں۔“

شامی یہ سن کر پیچھے ہٹا اور کہا خدا کے لئے بتائیے، آپ کون ہیں؟ ابوسعید خدریؓ ! بولا، رسول اللہ ﷺ کے صحابی۔ کہا، ہاں۔ یہ سن کر غار سے نکل کر چلا گیا۔

غار سے مکان آئے تو یہاں عام دارو گیر تھی۔ شامی ابن دبحہ کے پاس پکڑے گئے، اس نے یزید کی خلافت پر بیعت لی۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کو معلوم تھا۔ انہوں نے جا کر کہا، میں نے سنا ہے آپ نے دو امیروں کی بیعت کی ہے؟ فرمایا! ہاں، بیشتر ابن زبیرؓ سے کی تھی، پھر شامی پکڑ کر لے گئے اور یزید کی بیعت کی۔ ابن عمرؓ نے کہا اسی کا خوف تھا۔ کہا، بھائی! کیا کرتا، رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ انسان کے شب و روز اسی امیر کی بیعت میں گزرنے چاہئیں۔ ابن عمرؓ نے کہا، لیکن میں دو امیروں کی بیعت پسند نہیں کرتا۔

وفات : ۳۷ھ میں جمعہ کے دن وفات پائی۔ بقیع میں دفن کئے گئے۔ اس وقت بہت سن تھے، ہاتھوں میں ریشہ تھا۔ لوگوں نے عمر کا تخمینہ ۷۴ سال کیا ہے۔ لیکن علامہ ذہبی نے لکھا ہے کہ ۸۶ برس کی عمر تھی۔ اور یہی صحیح ہے۔

اولاد : دو بیویاں تھیں۔ ایک کا نام زینب بنت کعب بن عجرہ تھا، جو بعض کے نزدیک صحابیہ تھیں۔ دوسری ام عبداللہ بنت عبداللہ مشہور تھیں اور قبیلہ اوس کے خاندان معاویہ سے تھیں۔ اولاد کے نام یہ ہیں : ۱۔ عبدالرحمن ۲۔ حمزہ ۳۔ سعید

حلیہ : حلیہ یہ تھا۔ مونچھیں باریک کٹی ہوئی۔ ڈاڑھی میں زرد خضاب
حضرت ابوسعید خدریؓ اپنے عہد کے سب سے بڑے فقیہ تھے۔

علم و فضل :

قرآن مجید ایک قاری سے پڑھا تھا۔ انصار کے کئی حلقہ درس قائم تھے جن میں علمائے
انصار درس دیتے تھے۔ حضرت ابوسعیدؓ کی طالب علمی کا ابتدائی زمانہ تھا۔ لوگوں کے پاس بدن کے
کپڑے تک نہ تھے۔ ایک دوسرے کی آڑ میں چھپ چھپ کر بیٹھتے تھے۔ ایک روز رسول اللہ ﷺ
تشریف لائے۔ اس وقت قاری قرأت کر رہا تھا۔ آپ ﷺ کو دیکھ کر خاموش ہو گیا۔ آپ ﷺ سب
کے پاس بیٹھ گئے اور اشارہ کیا کہ لوگ دائرہ کی شکل میں بیٹھیں۔ چنانچہ سب حلقہ باندھ کر بیٹھ گئے۔
اس تمام جماعت میں صرف حضرت ابوسعیدؓ کو آنحضرت ﷺ پہچانتے تھے۔

حدیث وفقہ رسول اللہ ﷺ اور صحابہ سے سیکھی تھی۔ خلفائے اربعہ اور حضرت زید بن ثابتؓ
سے روایتیں کیں۔

کثرت سے حدیثیں یاد تھیں۔ ان کی مرویات کی تعداد ۷۱۱ ہے۔ ان صحابہ اور ممتاز تابعین
کے نام نامی جنہوں نے ان سے سماع حدیث کیا تھا یہ ہیں :

زید بن ثابتؓ، عبد اللہ بن عباسؓ، انس بن مالکؓ، ابن عمرؓ، ابن زبیرؓ، جابرؓ، ابو قتادہؓ،
محمود بن لبیہؓ، ابو الطفیلؓ، ابو امامہ بن سہلؓ، سعید بن مسیبؓ، طارق بن شہابؓ، عطاءؓ، مجاہدؓ،
ابو عثمانؓ، مہذیؓ، عبید بن عمیرؓ، عیاض بن ابی سرحؓ، بشر بن سعیدؓ، ابو نصرہؓ، سعید بن سیرینؓ،
عبد اللہ بن محرزؓ، ابوالمتوکل ناجی وغیرہ۔

آپ کا حلقہ درس آدمیوں سے ہر وقت معمور رہتا تھا۔ جو لوگ کوئی خاص سوال کرنا چاہتے تو
بہت دیر سے موقع ملتا۔

اوقات درس کے علاوہ بھی اگر کوئی شخص کچھ دریافت کرنا چاہتا تو جواب سے مشرف فرماتے۔
ایک مرتبہ حضرت ابن عباسؓ نے اپنے بیٹے علیؓ اور غلام عکرمہ کو بھیجا کہ ابوسعیدؓ سے حدیث سن کر
آؤ۔ اس وقت وہ باغ میں تھے۔ ان لوگوں کو دیکھ کر ان کے پاس آ کر بیٹھے اور حدیث بیان کی۔

روایت حدیث کے ساتھ سماع کی نوعیت بھی ظاہر فرمادیتے تھے۔

۱۔ اصحابہ، جلد ۳، تذکرہ ابوسعید خدریؓ ۲۔ مسند۔ جلد ۳ ص ۶۳ ۳۔ مسند۔ جلد ۳، ص ۳۵ ۴۔ ایضاً۔ ۹۰، ۹۱

عبداللہ بن عمرؓ نے کسی سے ایک حدیث سُنی تھی۔ وہ ابوسعیدؓ سے روای تھا۔ ابن عمرؓ اس کو لے کر ان کے پاس گئے اور پوچھا، اس شخص نے فلاں حدیث آپ سے سُنی ہے۔ کیا آپ نے رسول اللہ ﷺ سے یہ حدیث سُنی تھی؟ فرمایا: ”بصر عینی وسمع اذنی“ یعنی میری آنکھوں نے دیکھا اور کانوں نے سنا۔

ایک راوی قزعة کو ایک حدیث بہت پسند آئی۔ انہوں نے بڑھ کر پوچھا کیا آپ نے رسول اللہ ﷺ سے اس کو سنا تھا۔ اس سوال پر حضرت ابوسعیدؓ کو غصہ آگیا۔ فرمایا: ”تو کیا میں بے سُنے بیان کر رہا ہوں۔ ہاں میں نے سنا تھا۔

جس حدیث کے الفاظ پر اعتماد نہ ہوتا، اس کے بیان میں احتیاط کرتے تھے۔ ایک مرتبہ ایک حدیث روایت کی، لیکن رسول اللہ ﷺ کا نام نہیں لیا۔ ایک شخص نے پوچھا یہ رسول اللہ ﷺ سے روایت ہے؟ فرمایا میں بھی جانتا ہوں۔“

اخلاق و عادات :

نہایت حق گو تھے۔ فرمایا کرتے تھے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو حق گوئی کی تاکید کرتے سنا تھا۔ لیکن کاش ایسا نہ ہوتا۔ ایک مرتبہ اس حدیث کا جس میں حق گوئی کی تاکید تھی، ذکر چھیڑا تو رو کر کہا کہ حدیث تو ضرور سُنی، لیکن عمل بالکل نہ ہو سکا۔“

امیر معاویہؓ کے عہد میں بہت سی نئی باتیں پیدا ہو گئی تھیں۔ حضرت ابوسعیدؓ سفر کر کے ان کے پاس گئے اور تمام خرابیاں گوش گزار کیں۔“

ایک مرتبہ انہی سے انصار کے متعلق گفتگو آئی تو کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے ہم کو تکلیفوں پر صبر کا علم دیا، امیر نے کہا تو صبر کیجئے۔“

ایک مرتبہ مروان سے فضیلت صحابہؓ کی حدیث بیان کی۔ وہ بولا جھوٹ بکتے ہو۔ زید بن ثابتؓ اور رافع بن خدیجؓ بھی اس کے تحت پر بیٹھے تھے۔ ابوسعیدؓ نے کہا ان سے پوچھو۔ لیکن یہ کیوں بتائیں گے۔ ایک صدقہ کی افسری سے معزول ہونے کا خوف ہوگا، دوسرے کو ڈر ہوگا کہ جنبش لب سے ریاست قوم چھنتی ہے۔ یہ سُن کر مروان نے مارنے کو درہ اٹھایا۔ اس وقت دونوں بزرگوں نے ان کی تصدیق کی۔“

۱۔ ایضاً۔ ص ۴، مسند جلد ۳ ص ۹۱ ۲۔ ایضاً ص ۲۹ ۳۔ ایضاً ص ۵ ۴۔ ایضاً ص ۶۱ و ص ۷۱ ۵۔ ایضاً ص ۸۴
۶۔ ایضاً ص ۸۹ ۷۔ ایضاً ص ۲۳

اسی طرح مروان نے عید کے دن منبر نکلویا اور نماز سے قبل خطبہ پڑھا۔ ایک شخص نے اُٹھ کر ٹوکا کہ دونوں باتیں خلاف سنت ہیں۔ بولا کہ اگلا طریقہ متروک ہو چکا ہے۔ حضرت ابوسعیدؓ نے فرمایا چاہے کچھ بھی ہو، مگر اس نے اپنا فرض ادا کر دیا۔ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ جو شخص امر منکر دیکھے تو اس کو ہاتھ سے دفع کرنا چاہئے۔ اگر اس پر قدرت نہ ہو تو زبان سے اور یہ بھی نہیں تو کم از کم دل سے ضرور بُرا سمجھے۔

امر بالمعروف کے ولولہ کا یہ حال تھا کہ یہی مروان ایک مرتبہ حضرت ابو ہریرہؓ کے ساتھ بیٹھا تھا کہ ایک جنازہ سامنے سے گذرا، اس میں ابوسعیدؓ بھی شریک تھے۔ دیکھا تو دونوں جنازے کے لئے نہیں اُٹھے۔ فرمایا: اے امیر! جنازہ کے لئے اُٹھ، کیونکہ رسول اللہ ﷺ اُٹھا کرتے تھے۔ یہ سن کر مروان کھڑا ہو گیا۔

جب مصعب بن زبیرؓ مدینہ کے حاکم مقرر ہوئے تو عید الفطر میں دریافت فرمایا کہ نماز اور خطبہ میں آنحضرت ﷺ کا عمل کیا تھا؟ فرمایا، خطبہ سے قبل نماز پڑھاتے تھے۔ چنانچہ مصعبؓ نے اس دن اسی قول پر عمل کیا۔

ایک مرتبہ شہر بن حوشب کو سفر طور کا خیال دامن گیر ہوا۔ وہ ملاقات کو آئے۔ ابوسعیدؓ نے ان سے کہا، تین مسجدوں کے علاوہ (اور کسی مقدس مقام کے لئے) کھنڈر حال کی ممانعت ہے۔ حضرت ابن ابی صعصہ نازنی کو جنگل پسند تھا۔ ان کو ہدایت کی کہ وہاں زور سے اذان دیا کریں کہ تمام جنگل نعرہ تکبیر سے گونج اُٹھے۔

نبی عن المنکر کی یہ کیفیت تھی کہ ان کی بہن متواتر بغیر کچھ کھائے پئے روزے رکھتی تھیں۔ آنحضرت ﷺ نے ایسے روزوں کی ممانعت فرمائی ہے۔ حضرت ابوسعیدؓ ان کو ہمیشہ منع کرتے تھے۔ سنت کے پورے قبیح تھے۔ حضرت ابو ہریرہؓ ایک مسجد میں نماز پڑھایا کرتے تھے۔ وہ ایک مرتبہ بیمار ہو گئے یا کسی سبب سے نہ آ سکے تو ابوسعید خدریؓ نے امامت کی۔ ان کے طریقہ نماز سے لوگوں نے اختلاف کیا۔ انہوں نے منبر کے پاس کھڑے ہو کر کہا ”میں نے جس طرح رسول اللہ ﷺ کو نماز پڑھتے دیکھا ہے، اسی طرح پڑھائی ہے۔ باقی تمہارے طریقہ کی مخالفت تو اس کی مجھے بالکل پرواہ نہیں ہے۔“

مزاج میں بردباری اور تحمل تھا۔ ایک مرتبہ پاؤں میں درد ہوا، پیر پر پیر رکھے لیٹے تھے کہ آپ کے بھائی نے آکر اسی پاؤں پر ہاتھ مارا، جس سے درد بڑھ گیا۔ انہوں نے نہایت نرم لہجے میں کہا، تم نے مجھے تکلیف پہنچائی، جانتے تھے کہ درد ہے؟ جواب ملا، ہاں۔ لیکن رسول اللہ ﷺ نے اس طرح لیٹنے سے ممانعت فرمائی ہے۔^۱

مگر ناحق باتوں پر غصہ آ جاتا تھا۔ ایک مرتبہ حج پر جا رہے تھے، ایک درخت کے نیچے قیام ہوا۔ ابن صیاد بھی جس کے دجال ہونے میں خود آنحضرت ﷺ کو شبہہ تھا۔ اسی درخت کے نیچے ٹھہرا تھا۔ ان کو بڑا معلوم ہوا۔ لیکن خاموش رہے۔ اس نے خود چھیڑ کر اپنی مظلومیت کی داستان سنائی۔ ان کو رحم آ گیا۔ مگر جب اس نے ایک خلاف واقعہ دعویٰ کیا تو بگڑ کر فرمایا: تَبَالُکَ سَاوِرِ الْیَوْمِ^۲۔

سادگی اور بے تکلفی فطرتِ ثانیہ تھی۔ ایک جنازہ میں بلائے گئے، سب سے اخیر میں پہنچے۔ لوگ بیٹھ چکے تھے، ان کو دیکھ کر اٹھے اور جگہ خالی کر دی۔ فرمایا یہ مناسب نہیں، انسان کو کشادہ جگہ میں بیٹھنا چاہئے۔ چنانچہ سب سے الگ کھلی جگہ پر جا کر بیٹھے۔^۳

حضرت ابو سلمہؓ سے یارانہ تھا۔ ایک مرتبہ انہوں نے آواز دی۔ یہ چادر اوڑھے نکل آئے۔ ابو سلمہؓ نے کہا ذرا باغ تک چلے، آپ سے کچھ باتیں کرنی ہیں۔ چنانچہ یہ ساتھ ہو لئے۔^۴ اس واقع میں یہ بات لحاظ کے قابل ہے کہ ابو سلمہؓ تابعی اور وہ صحابی ہیں۔ اس کے ماسوا ابو سلمہؓ کو تلمذی بھی حاصل ہے۔

قیموں کی پرورش کرتے تھے۔ لیث اور سلیمان بن عمرو بن عبد العتواری انہیں کے تربیت یافتہ تھے۔^۵

ہاتھ میں چھڑی لیتے تھے۔ پتلی چھڑیاں زیادہ پسند تھیں۔ کھجور کی شاخیں لاتے اور ان کو سیدھا کر کے چھڑی بناتے۔ یہ بھی رسول اللہ ﷺ کا اتباع تھا۔^۶



حضرت ابو مسعود بدریؓ

نام و نسب :

عقبہ نام، ابو مسعود کنیت۔ سلسلہ نسب یہ ہے : عقبہ بن عمر بن ثعلبہ بن اسیرہ بن عمیرہ ابن عطیہ بن خورارہ بن عوف بن حارث بن خزرج۔

اسلام : عقبہ ثانیہ میں اسلام قبول کیا اور دین حنبلی کے پُر جوش داعی ثابت ہوئے۔

غزوات اور عام حالات :

تمام غزوات میں شرکت کی۔ عام خیال یہ ہے کہ بدر میں شریک نہ تھے۔ صرف بدر کی سکونت سے بدری مشہور ہو گئے۔ لیکن یہ صحیح نہیں۔ امام شعبہ بخاری، مسلم ان کی شرکت بدر کا اعتراف کرتے ہیں۔ امام بخاری نے جامع صحیح میں اس کی طرف صاف طور پر اشارہ کیا ہے۔

اس کے سوا بیعت عقبہ کی شرکت پر تمام ائمہ فہم متفق ہیں۔ پھر بدر سے غائب ہونے کی کیا وجہ ہو سکتی ہے؟

عہد نبوت اور خلفاء ثلاثہ کے زمانہ تک مدینہ میں اقامت پذیر رہے۔ کچھ دنوں بدر میں سکونت رکھی۔ حضرت علیؓ کے دور خلافت میں کوفہ میں منتقل ہو گئے۔ اور یہاں مکان بنوایا تھا۔

جناب امیرؓ کے احباب خاص میں تھے۔ جب آپ جنگ صفین کے لئے روانہ ہوئے تو ان کو کوفہ میں اپنا جانشین بنا کر گئے اور آپ کی واپسی تک کوفہ انہی کی ذات سے مرکز امارت رہا۔ جنگ صفین کے بعد (مدینہ) کی محبت نے اپنی طرف کھینچا اور آپ مدینہ لوٹ آئے۔

وفات : ۴۰ھ میں انتقال ہوا۔ بعض کا خیال ہے کہ امیر معاویہؓ کے اخیر زمانہ خلافت تک موجود تھے۔ لیکن یہ غلطی سے خالی نہیں۔ تاہم اس قدر یقینی ہے کہ مغیرہ بن شعبہ کی ولایت کوفہ کے وقت زندہ تھے۔ جس کا زمانہ قطعاً ۴۰ھ کے بعد تھا۔

اولاد : لڑکے کا نام بشیر تھا۔ ایک صاحبزادی تھیں۔ جو امام حسینؓ کو منسوب تھیں۔ زید انہی کے لڑکے سے تولد ہوئے تھے۔ بشیر آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں یا کچھ بعد پیدا ہوئے تھے۔

فضل و کمال :

حضرت ابو مسعودؓ نے حدیث نبوی کی نشر و اشاعت کا فرض بھی انجام دیا۔ راویان حدیث کے تیسرے طبقہ میں ان کا شمار ہے اور کتب حدیث میں ۱۰۲ روایتیں ان کی موجود ہیں۔ رواقہ میں تابعین کے کئی طبقے داخل ہیں۔ جن میں مشہور لوگوں کے نام یہ ہیں :

بشیر، عبداللہ بن یزید خطمی، ابو وائل، علقمہ، قیس بن ابی حازم، عبدالرحمن بن یزید نخعی، یزید بن شریک تمیمی، محمد بن عبداللہ بن زید بن عبد ربہ انصاری۔

اخلاق : پابند احکام رسول اور امر بالمعروف آپ کے خاص اوصاف تھے۔ حکم نبوی کی متابعت کا یہ واقعہ ہے کہ وہ ایک مرتبہ اپنے غلام کو مار رہے تھے۔ پیچھے سے آواز آئی، ”ابو مسعودؓ را سوچ کر ایسا کرو! جس خدا نے اس پر تم کو قادر کیا ہے اس کو تم پر بھی قدرت دے سکتا ہے۔“ یہ آنحضرت ﷺ کی آواز تھی۔ دل پر خاص اثر پڑا۔ قسم کھائی کہ عرض کی کہ آئندہ کسی غلام کو نہ ماروں گا اور اس کو آزاد کرتا ہوں۔

امر بالمعروف کے فرض سے بھی غافل نہ رہتے تھے۔ ایک مرتبہ مغیرہ بن شعبہؓ نے امارت کوفہ کے زمانہ میں نماز عصر دیر میں پڑھائی۔ اسی وقت ان کو ٹوکا کہ آپ کو معلوم ہے کہ آنحضرت ﷺ نماز پنجگانہ حضرت جبریلؑ کے بتانے کے مطابق پڑھتے تھے اور فرماتے تھے کہ ”ہلکذا امرت“۔

سنت کی پوری اتباع کرتے تھے۔ ایک روز لوگوں سے کہا کہ جانتے ہو؟ رسول اللہ ﷺ کس طرح نماز پڑھتے تھے، پھر خود نماز پڑھا کر بتائی۔

نماز میں مل کر کھڑے ہونا، رسول اللہ ﷺ کی سنت ہے۔ لوگوں نے اس کو چھوڑا تو فرمایا، اس کا فائدہ یہ تھا کہ باہم اتفاق تھا۔ اب تم لوگ دور دور کھڑے ہوتے ہو، اسی وجہ سے تو اختلاف پیدا ہو گیا ہے۔



حضرت ابوقنادہؓ

نام و نسب :

حارث نام، ابوقنادہ کنیت، فارس رسول اللہ لقب، قبیلہ خزرج کے خاندان سلمہ سے ہیں۔ نسب نامہ یہ ہے : حارث بن ربیع بن بلدہ بن خناس ابن سنان بن عبید بن عدی بن غنم بن کعب بن سلمہ بن زید بن حشم بن خزرج۔ والدہ کا نام کبشہ بنت مظہر بن حرام تھا۔ اور بنو سلمہ میں سواد بن غنم کے خاندان سے تھیں۔ ہجرت سے تقریباً ۱۰ سال پیشتر مدینہ میں پیدا ہوئے۔ اسلام : عقبہ ثانیہ کے بعد اسلام قبول کیا۔

غزوات : غزوہ بدر میں شریک نہ تھے۔ احد، خندق اور تمام غزوات میں شرکت کی۔

ربیع الاول ۶ھ میں غزوہ ذی قرد یا غابہ پیش آیا۔ اس میں ان کی شرکت نمایاں تھی۔ آنحضرت ﷺ کی اُونٹنیاں ذی قرد نامی ایک گاؤں میں چرا کرتی تھیں۔ آپ کے غلام جن کا نام رباح تھا۔ ان کے نگران تھے۔ چند غطفانی چرواہوں کو قتل کر کے اُونٹنیوں کو ہانک لے گئے۔ سلمہ بن اکوع ایک مشہور صحابی تھے۔ انہوں نے سنا تو عرب کے عام قاعدہ کے موافق مدینہ کی سمت رخ کر کے ”یا صباحا“ کے تین نعرے لگائے اور رباح کو آنحضرت ﷺ کے پاس دوڑایا اور خود غطفانیوں کے تعاقب میں رہے۔

آنحضرت ﷺ نے مدد کے لئے ۳ سوار بھیجے اور پیچھے خود بھی روانہ ہوئے۔ سلمہ منتظر تھے، نظر اٹھی تو احرم اسدی، ان کے پیچھے ابوقنادہؓ، انصاری، اور ان کے پیچھے مقداد کندی گھوڑا اڑاتے چلے آ رہے تھے۔ غطفانی سواروں کو دیکھ کر فرار ہو گئے۔

لیکن احرم کو شوق شہادت دامن گیر تھا۔ غطفانیوں کے پیچھے ہو لئے۔ آگے بڑھ کر ان میں اور عبدالرحمن غطفانی میں مقابلہ ہو گیا اور احرم شہید ہو گئے۔ عبدالرحمن ان کا گھوڑا لے جانا چاہتا تھا کہ ابوقنادہؓ پہنچ گئے اور بڑھ کر نیزہ کا وار کیا اور عبدالرحمن کا قصہ بھی پاک ہو گیا۔ یہاں سے لوٹے تو رسول اللہ ﷺ سے ملاقات ہوئی۔ آپ نے قصہ سن کر فرمایا : ”کسان خیر فرساننا الیوم ابوقنادہ“ یعنی آج ابو قنادہ بہترین سوار تھے۔

شعبان ۸ھ میں آنحضرت ﷺ نے نجد کے ایک مقام خضرہ کی جانب ۱۵ آدمیوں کو روانہ فرمایا۔ حضرت ابوققادہؓ ان کے امیر تھے۔ چھاپہ مارنا مقصود تھا، اس لئے رات بھر چلتے اور دن کو کہیں چھپ رہتے تھے۔ مقام خضرہ میں قبیلہ غطفان آباد تھا، جو غارت گر، امن وامان اور مسلمانوں کا قدیم دشمن تھا۔ حضرت ابوققادہؓ موقع پا کر اچانک پہنچ گئے۔ قبیلہ طاقتور تھا، بہت سے آدمی جمع ہو گئے اور میدان کارزار گرم ہو گیا۔ لیکن ابوققادہؓ نے لوگوں سے کہہ دیا کہ جو تم سے لڑے اس کو مارنا۔ ہر شخص سے تعرض کی ضرورت نہیں۔

اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جنگ کا جلد خاتمہ ہو گیا اور ۱۵ دن کے بعد مال غنیمت لے کر صحیح و سالم مدینہ واپس آئے۔ مال غنیمت میں ۲۰۰ اونٹ، ۲۰۰۰ بکریاں اور بہت سے قیدی تھے۔

اس کا خمس نکال کر باقی وہیں تقسیم کر لیا گیا۔ حضرت ابوققادہؓ کے حصہ میں ایک حسین لڑکی بھی آئی تھی۔ آنحضرت ﷺ نے اسے اپنے لئے مانگ کر حمیہ بن ضرہ کو دیدی۔

اس کے کچھ ہی دنوں کے بعد رمضان کے مہینہ میں ۸ آدمیوں کا ایک سر یطین اخم کی طرف بھیجا۔ حضرت ققادہؓ اس کے بھی سرگروہ تھے۔ یطین اخم ذی شب اور ذی مردہ کے درمیان مدینہ سے ۳ منزل کے فاصلہ پر مکہ کی جانب واقع ہے۔ آنحضرت ﷺ مکہ پر فوج کشی کا ارادہ کر چکے تھے۔ ان لوگوں کے بھیجنے کا مدعا یہ تھا کہ لوگوں کو مکہ کا خیال نہ آئے اور لڑائی سے پہلے یہ راز کسی طرح فاش نہ ہو۔ ذی شب پہنچ کر معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ مکہ روانہ ہو گئے۔ اس لئے یہ لوگ وہاں سے چل کر سقیہ میں آنحضرت ﷺ کے لشکر کے ساتھ شریک ہو گئے۔

فتح مکہ کے بعد غزوہ حنین واقع ہوا۔ لڑائی سخت تھی کہ بڑے بڑے جانبازوں کے قدم اکھڑ گئے تھے، لیکن ابوققادہؓ نے اس میں نہایت شجاعت دکھائی۔ ایک مسلمان اور مشرک میں لڑائی ہو رہی تھی۔ دوسرا مشرک پیچھے سے حملہ کی فکر میں تھا۔ حضرت ققادہؓ نے مسلمان کو تنہا دیکھ کر اس مشرک پر پیچھے سے حملہ کیا، تلوار کندھے پر پڑی جو زہ کاٹتی ہوئی اچٹ کر ہاتھ تک پہنچی اور ہاتھ صاف ہو گیا۔ وہ دوسرے ہاتھ سے دست و گریباں ہو گیا۔ آدمی تو مند تھا، اس زور سے دبایا کہ حضرت ابوققادہؓ گھبرا گئے۔ لیکن خون زیادہ نکل چکا تھا، اس لئے ابوققادہؓ نے موقع پا کر قتل کر دیا۔ خود کہتے ہیں کہ مجھے جان کے لالے پڑ گئے تھے، لیکن قضا اس کی آئی تھی۔

مکہ کا ایک آدمی اھر سے گزر رہا تھا، اس نے مقتول کا سارا سامان اتار لیا۔ اس وقت لشکر اسلام میں عجیب سراسیمگی طاری تھی۔ لوگ میدان سے ہٹ رہے تھے۔ یہ بھی اسی طرف چلے۔ ایک مقام پر حضرت عمر فاروقؓ کچھ آدمیوں کے ساتھ کھڑے تھے۔ ان سے پوچھا کیا بات ہے۔ حضرت عمر فاروقؓ نے کہا جو خدا کی مرضی۔ اتنے میں لوگ پلٹ پڑے اور میدان مسلمانوں کے ہاتھ رہا۔

لڑائی کے بعد آنحضرت ﷺ نے اعلان کیا کہ جس نے جس کافر کو مارا ہو، اس کا مال متاع ثبوت کے بعد اس کو دلایا جائے گا۔ حضرت قتادہؓ نے اٹھ کر کہا میری نسبت کون شہادت دیتا ہے۔ کسی طرف سے آواز نہ آئی۔ ۳ مرتبہ ایسا ہی ہوا تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا، ابوقتادہ! کیا معاملہ ہے؟ انہوں نے سارا قصہ گوش گزار کیا، ایک شخص بولا سچ کہتے ہیں، ان کا سامان میرے پاس ہے، لیکن ان کو راضی کر کے مجھے دلواد دیجئے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے کہا یہ بے انصافی ہے کہ خدا کا شیرامارت اور مال سے محروم رہے اور قریش کی ایک چڑیا مفت میں مزے اڑائے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا، حقیقت یہی ہے، بہتر ہے کہ ان کا مال انہی کو دیدو۔

حضرت ابوقتادہؓ نے اس کو فروخت کر کے بنو سلمہ میں ایک باغ خریدا۔ قبول اسلام کے بعد جائیداد خریدنے کی یہ پہلی بسم اللہ تھی۔

عام حالات :

عہد نبوت کے بعد حضرت علیؓ کے زمانہ مبارک میں امارت مکہ پر نامزد ہوئے تھے۔ لیکن پھر کسی وجہ سے قسم بن عباسؓ امیر بنائے گئے۔ یہ ۳۶ھ کا واقعہ ہے۔ اسی سنہ میں جنگ جمل اور دوسرے سال صفین کا معرکہ ہوا۔ حضرت ابوقتادہؓ دونوں میں شریک ہوئے۔ ۳۸ھ میں خوارج نے علم بغاوت بلند کیا۔ جناب امیرؓ نے جس فوج کے ساتھ فوج کشی کی تھی، حضرت قتادہؓ اس کے پیادوں کے افسر تھے۔

وفات : سنہ وفات میں سخت اختلاف ہے۔ بعض کے نزدیک ۴۰ھ ہے، ان لوگوں کے نزدیک کوفہ میں انتقال کیا تھا اور جناب امیرؓ نے نماز جنازہ پڑھائی تھی۔ جس میں ۶ یا ۷ تکبیریں کہیں۔ لیکن صحیح یہ ہے کہ ۵۰ھ اور ۶۰ھ کے درمیان انتقال کیا۔ امام بخاری نے اوسط میں یہی لکھا ہے اور اس پر دلائل قائم کئے ہیں۔

خلیہ : خلیہ مفصل مذکور نہیں۔ اتنا معلوم ہے کہ گردن تک بال رکھتے تھے، جس کو جہ کہتے ہیں۔ کبھی کبھی کنگھی کرتے۔ آنحضرت ﷺ نے ایک مرتبہ پراگندہ منہ دیکھا تو فرمایا ”ذرا ان کو تودرست کرو، آدمی بال

رکھے تو ان کی خبر گیری بھی کرے، ورنہ کہنے سے کیا فائدہ۔ اس سے تو گھٹا ہوا سراچھا ہے۔

اولاد : چار بیٹے تھے۔ عبد اللہ، معبد، عبد الرحمن، ثابت۔ موخر الذکر اُم ولد سے تولد ہوئے تھے۔ بیوی کا نام سلافہ بنت براء بن صخر تھا۔ خاندان سلمہ کے نہایت ممتاز گھرانے سے تھیں، جو خود صحابیہ اور جلیل القدر صحابی کی لڑکی تھیں۔

فضل و کمال :

گو حضرت قتادہؓ قرآن مجید اور احادیث نبوی کی اشاعت کے فرض سے غافل نہ رہے۔ لیکن روایت حدیث میں نہایت محتاط تھے۔ ایک مرتبہ انہوں نے آنحضرت ﷺ سے کذب علی الرسول کی حدیث سنی تھی۔ اس وقت سے وہ حدیث کے باب میں نہایت محتاط ہو گئے تھے۔

تابعین کی ایک مجلس میں حدیث کا چرچا تھا۔ ہر شخص قال اللہ کذا، قال اللہ کذا کہہ رہا تھا۔ حضرت قتادہؓ نے سن کر فرمایا : ”بد بختو! منہ سے کیا نکال رہے ہو؟ آنحضرت ﷺ نے جھوٹی حدیث بیان کرنے والوں کو جہنم کی وعید سنائی ہے۔“

لیکن اس احتیاط کے باوجود ان کی مرویات کی تعداد ۷۰۰ ہے۔ راویوں میں صحابہ کبار اور تابعین عظام داخل ہیں۔ حضرت انس بن مالکؓ، حضرت جابر بن عبد اللہؓ، ابو محمد نافع بن الاقرع (ان کے آزاد کردہ غلام تھے)، سعید بن کعب بن مالک (بہو کے بھائی تھے)، کبشہ بنت کعب بن مالک (بہو تھیں)، عبد اللہ بن رباح، عطاء بن یسار، ابو سلمہ بن عبد الرحمن بن عوف، عمر بن سلیم زرقی، عبد اللہ بن معبد زمانی، محمد بن سیرین، یزید بن ابی اسامہ، سعید بن مسیب، ابن منذر کہ سپر حدیث کے آفتاب و ماہتاب ہیں۔ ان کے لمعات فضل سے مستغنی نہیں۔

اخلاق و عادات :

اخوت اسلامی کا یہ حال تھا کہ ایک انصاری کا جنازہ آنحضرت ﷺ کے پاس لایا گیا۔ آپ ﷺ نے پوچھا، اس پر قرض تو نہیں؟ لوگوں نے کہا دو دینار (ایک روپیہ) فرمایا کچھ چھوڑا بھی ہے؟ جواب ملا کچھ نہیں۔ ارشاد ہوا کہ تم لوگ نماز پڑھ لو۔ حضرت ابو قتادہؓ نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ اگر میں قرض ادا کروں تو آپ نماز پڑھا دیں گے۔ فرمایا ”ہاں“۔ چنانچہ انہوں نے قرض ادا کر کے آنحضرت ﷺ کو خبر کی۔ اس وقت آپ ﷺ نے جنازہ منگا کر نماز پڑھی۔

ایک مسلمان پران کا کچھ قرض تھا۔ جب یہ تقاضہ کرنے جاتے تو وہ چھپ جاتا۔ ایک روز گئے تو اس شخص کے لڑکے سے معلوم ہوا کہ گھر میں بیٹھے کھانا کھا رہے ہیں۔ پکار کر کہا، نکلو مجھے معلوم ہو گیا ہے، اب چھپنا بے کار ہے۔ جب وہ آیا تو چھپنے کی وجہ پوچھی، اس نے کہا بات یہ ہے کہ میں تنگدست ہوں، میرے پاس کچھ نہیں ہے، اس کے ساتھ عیال دار بھی ہوں۔ پوچھا واقعی تمہارا حال خدا کی قسم ایسا ہی ہے۔ بولا، ہاں۔ حضرت ابوقادہؓ "آبدیدہ ہو گئے اور اس کا قرض معاف کر دیا۔"

حضرت ابو بکر صدیقؓ نے جب مرتدین کے مقابلہ کے لئے لشکر بھیجا تھا تو حضرت خالد کو لکھا کہ وہ مالک بن نویرہ بوعلی کی طرف جائیں۔ انہوں نے کسی وجہ سے مالک کو جس نے اسلام قبول کر لیا تھا، قتل کر ڈالا۔ حضرت قتادہؓ "کو اتنی ناگواری ہوئی کہ انہوں نے بارگاہ خلافت میں عرض کی کہ میں ان کی ماتحتی میں نہ رہوں گا۔ انہوں نے ایک مسلمان کا خون کیا ہے۔"

وہ چھوٹی چھوٹی باتوں میں امر بالمعروف کا خیال رکھتے تھے۔

ایک مرتبہ چھت پر کھڑے تھے کہ ستارہ ٹوٹا۔ لوگ دیکھنے لگے۔ فرمایا : اس کا زیادہ دیکھنا منع ہے۔"

اکثر خدمت رسول اللہ ﷺ کی سعادت بھی حاصل ہوتی تھی۔ ایک سفر میں آنحضرت ﷺ کے ساتھ تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ پانی کی خبر لو، ورنہ سویرے پیاسے اٹھو گے۔ لوگ پانی ڈھونڈنے نکل گئے، لیکن حضرت قتادہؓ "مرکب نبوی کے ساتھ ہے۔ آنحضرت ﷺ اونٹ پر سو رہے تھے، جب آپ ﷺ اونٹ میں کسی طرف جھکتے تو یہ بڑھ کر ٹیک لگا دیتے۔ ایک دفعہ گرنے کے قریب تھے، انہوں نے ٹیک لگائی۔ آپ ﷺ کی آنکھ کھل گئی۔ فرمایا کون ہے؟ عرض کیا، ابوقادہ۔ فرمایا، کب سے میرے ساتھ ہو۔ کہا شام سے۔ آنحضرت ﷺ نے دعادی "حفظک اللہ کما حفظت رسولہ" جس طرح تم نے میری نگہبانی کی، خدا تمہارا نگہبان رہے۔"

فطرۃ نہایت رحیم تھے۔ جانوروں تک پر رحم کرتے تھے۔ ایک مرتبہ اپنے بیٹے کے گھر گئے۔ بہو نے وضو کے لئے پانی رکھا، پتی آئی اور منہ ڈال کر پانی پینے لگی۔ حضرت ابوقادہؓ نے بھگانے کے بجائے برتن اس کی طرف جھکا دیا کہ خوب اچھی طرح پی لے۔ بہو کھڑی ہوئی یہ تماشا دیکھ رہی تھیں۔ کہا بیٹی! اس میں تعجب کی کیا بات ہے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ وہ نجس نہیں، وہ تو گھروں میں آنے جانے والی ہے۔"

شکار کا بے حد شوق تھا۔ ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ کے ہمراہ مکہ جا رہے تھے۔ راستہ سے کچھ ساتھیوں کو لے کر نکل گئے۔ علاقہ پہاڑی تھا، ان کو پہاڑ پر تیزی سے چڑھنے کی مشق تھی، دوستوں کو لے کر پہاڑ پر تفریحاً چڑھے کہ ایک جانور نظر آیا۔ انہوں نے بڑھ کر دیکھا اور پوچھا کہ بتاؤ کون جانور ہے؟ لوگوں نے کہا، ہم ٹھیک سے نہیں بتا سکتے۔ بولے گور خر ہے۔ پہاڑ چڑھتے وقت کوڑا بھول آئے تھے۔ ساتھیوں کے کہا میرا کوڑا لاؤ۔ یہ لوگ احرام باندھ چکے تھے، اس بنا پر شکار میں شریک نہیں ہو سکتے تھے۔ اس لئے خود نیزہ لے کر گور خر کے تعاقب میں روانہ ہوئے اور اس کو شکار کر کے ساتھیوں کو آواز دی کہ اس کے اٹھانے میں ہاتھ بناؤ۔ لیکن اس میں بھی کسی نے مدد نہ کی۔ آخر خود اٹھا کر لائے اور گوشت پکایا لوگوں کو کھانے میں بھی شامل ہوا۔

بعضوں نے کھایا اور بعض محتر ز رہے۔ حضرت قتادہؓ نے کہا اچھا! تھوڑی دیر میں بتاؤں گا۔ رسول اللہ ﷺ سے چل کر پوچھتا ہوں۔ چنانچہ جب آپ ﷺ سے ملاقات ہوئی تو اس واقعہ کا تذکرہ کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا، اس کے کھانے میں کیا مضائقہ ہے، خدا نے تمہارے ہی لئے بھیجا تھا۔ اگر کچھ باقی ہو تو میرے لئے لاؤ۔ لوگوں نے پیش کیا۔ آپ نے صحابہ سے فرمایا اس کو کھاؤ۔^۱

نہایت ملنسار تھے۔ اس لئے احباب کا ایک حلقہ تھا۔ حدیبیہ میں جب آنحضرت ﷺ کے ساتھ مکہ جا رہے تھے تو راستہ میں دوست، احباب ہنستے اور مذاق کرتے جاتے تھے۔^۲ ابو محمد بھی ان کی مجلس کے ایک رکن تھے۔^۳



حضرت اسیدؓ بن حفیر

نام و نسب :

اسید نام ہے۔ ابو یحییٰ و ابو عتیک کنیت۔ قبیلہ اوس کے خاندان اشہل سے ہیں۔ نسب نامہ یہ ہے : اسید بن حفیر، بن سماک، بن عتیک بن رافع بن امراء القیس بن زید بن عبد الاشہل بن جشم بن حارث بن خزرج بن عمرو بن مالک بن اوس۔ ماں کا نام اُم اسید بنت اسکن تھا۔

حضرت اسیدؓ کے والد (حفیر) قبیلہ اوس کے سردار تھے۔ ایام جاہلیت میں اوس و خزرج میں جو لڑائیاں ہوئیں وہ حفیر ہی کے زیر قیادت ہوئیں۔ جنگ بعاث میں جو لڑائیوں کا نچوڑ تھی سپہ سالاری کا علم انہی کے ہاتھ میں تھا۔

اس میں انہوں نے نہایت ہوشیاری سے اپنا کام انجام دیا۔ خزرج کی ریاست عمرو ابن نعمان رجبیلہ کے سپرد تھی۔ وہ نہایت تدبیر سے فوجوں کو لڑا رہا تھا اور اوسی شکست کھا رہے تھے۔ یہ دیکھ کر حفیر خود مقابلہ کو آگے بڑھے اور عمرو مارا گیا اور اوس کو کامیابی نصیب ہوئی۔ یہ ہجرت سے ۵ سال قبل کا واقعہ ہے۔

اسلام : اس کے تین سال بعد بیعت عقبہ ہوئی اور حضرت مصعب بن عمیر اشاعت اسلام کے لئے مدینہ تشریف لائے۔ حضرت اسیدؓ ابھی تک مسلمان نہ ہوئے تھے۔

حضرت مصعبؓ نے اسعد بن زرارہ کے مکان میں قیام کیا تھا اور بنو ظفر کے قبیلہ میں بیٹھ کر تعلیم قرآن دیا کرتے تھے۔ بنو ظفر کے مکانات عبد الاشہل سے متصل واقع تھے۔ ایک روز باغ میں مسلمانوں کو تعلیم دے رہے تھے کہ سعد بن معاذؓ اور اسید بن حفیرؓ کو خبر ہو گئی۔ سعد نے اسید سے کہا کہ ان کو جا کر منع کرو، ہمارے محلہ میں آئندہ نہ آئیں۔ اگر سعد بن زرارہ بیچ میں نہ ہوتے تو میں خود چلتا۔ ان کے کہنے پر اسیدؓ نیزہ اٹھا کر باغ کی طرف اسلام قلع قمع کرنے روانہ ہوئے۔ کارکنانِ قضا نے کہا :

”آمد آں یارے کہ نامی خواستیم“

حضرت اسعد بن زرارہؓ نے ان کو آتا دیکھ کر داعی اسلام سے کہا کہ یہ اپنی قوم کے سردار ہیں اور آپ کے پاس آرہے ہیں، ان کو مسلمان بنا کر چھوڑیے گا۔ اسید نے قریب پہنچ کر پوچھا، تم ہمارے کمزور لوگوں کو بیوقوف کیوں بناتے ہو۔ اگر اپنی خیریت چاہتے ہو ابھی یہاں سے چلے جاؤ۔ معصوبؓ پر اس کا کیا اثر ہو سکتا تھا۔ فرمایا، آپ بیٹھ کر پہلے میری بات سن لیں۔ اگر پسند ہو تو خیر ورنہ جو مزان میں آئے کیجئے گا۔

حضرت اسید بیٹھ گئے اور مصعبؓ نے اسلام کی حقیقت بیان کی۔ کلام پاک کی چند آیتیں پڑھیں، جن کو سن کر ان پر خاص اثر طاری ہوا، اور بے اختیار منہ سے نکلا ”اس دین میں کیوں کر داخل ہو سکتا ہوں؟“ جواب دیا پہلے نہانا ضروری ہے، پھر کپڑے پاک کرنا، کلمہ پڑھنا اور نماز پڑھنا، اسید اٹھے اور نہا کر مسلمان ہو گئے۔

چلتے وقت کہا میں جاتا ہوں اور دوسرے سردار کو بھیجتا ہوں ان کو بھی مسلمان کرنا، اور وہاں سے لوٹ کر حضرت سعد بن معاذؓ کو روانہ کیا یہ عقبہ ثانیہ سے پہلے کا واقعہ ہے، بیعت عقبہ میں خود شریک ہوئے، آنحضرت ﷺ نے ان کو عبدالاشہل کا نقیب تجویز کیا۔

غزوات اور دیگر حالات :

آنحضرت ﷺ نے زید بن حارثہؓ کو جو مہاجر اور بڑے رتبہ کے صحابی تھے ان کا اسلامی بھائی بنایا، غزوات میں سے بدر کی شرکت میں اختلاف ہے احد میں شریک تھے اور ے زخم کھائے تھے لڑائی کی شدت کے وقت جب تمام مجمع رسول اللہ ﷺ کے پاس سے ہٹ گیا اس وقت بھی یہ ثابت قدم رہے تھے۔

غزوہ خندق میں لڑائی ختم ہونے کے بعد بھی مسلمان ۱۰ روز تک محصور رہے اور مشرکین شبنجون کے ارادہ سے راتوں کو گشت لگاتے تھے اس وقت حضرت اسیدؓ نے ۲۰۰ آدمی لے کر خندق کی حفاظت کی۔

جب غطفانیوں نے لوٹ مار میں زیادہ سرگرمی دکھائی تو آنحضرت ﷺ نے ان کے سرداروں (عامر بن طفیل اور زید) کو بلا بھیجا۔ ان دونوں نے باتفاق کہا کہ مدینہ کے پھلوں میں حصہ دلوائیے تو اس کی تدبیر کی جاسکتی ہے۔ اسیدؓ بن حنظلہؓ تھے، نیزہ سے دونوں کے سر کو ٹھونکا دے کر کہا لومڑی جا بھاگ۔

عامر کو یہ الفاظ ناگوار گزرے، پوچھا تم کون ہو؟ کہا اسید بن حفیر۔ سوال کیا، حفیر کتاب کے بیٹے۔ کہا ہاں، بولا کہ تمہارے باپ تم سے اچھے تھے۔ جواب دیا کبھی نہیں میں تم سے اور اپنے باپ دونوں سے اچھا ہوں، کیونکہ وہ کافر تھے۔

اس کے ایک سال بعد اور غزوہ حدیبیہ سے ایک سال قبل، ابوسفیان نے آنحضرت ﷺ کو قتل کرنے کو ایک آدمی بھیجا تھا۔ اس نے چھوٹا سا خنجر کمر میں رکھا اور آنحضرت ﷺ کو پوچھتا ہوا عبداللہ شہل کی مسجد میں پہنچا۔ آپ ﷺ نے صورت دیکھتے ہی فرمایا یہ دھوکہ دینے آیا ہے۔ وہ قتل کے ارادہ سے آپ ﷺ کی طرف بڑھا، حضرت اسید نے اس کی لنگی پکڑ کر کھینچ لی اور اس کا خنجر نیچے گر پڑا، وہ سمجھا کہ اب جان کی خیر نہیں۔ انہوں نے اس کا گریبان مضبوطی سے پکڑ لیا تھا کہ بھاگنے کا قصد نہ کرے۔

خیبر میں سلمہ بن اکوع کے چچا عامر نے ایک یہودی پر حملہ کیا تھا، مگر ان کی تلوار اچٹ کر خود ان کو لگ گئی، جس سے وہ جاں بحق تسلیم ہو گئے۔ حضرت اسید اور بعض بزرگوں کو خیال ہوا کہ چونکہ اپنے ہاتھ سے قتل ہوئے ہیں جو ایک طرح کی خودکشی ہے، اس لئے ان کے اعمال رائیگاں گئے۔ سلمہ نے آنحضرت ﷺ سے کہا۔ ارشاد ہوا کہنے والوں نے غلط کہا ان کو دو ہر اثواب ہے۔

فتح مکہ میں رسول اللہ ﷺ مہاجرین اور انصار کے ساتھ تھے۔ جن کا دستہ تمام لشکر کے پیچھے تھا۔ اس میں حضرت اسید کو یہ خصوصیت حاصل تھی کہ آنحضرت ﷺ ان کے اور حضرت ابوبکرؓ کے درمیان تھے۔ غزوہ حنین میں قبیلہ اوس کا جھنڈا ان کے پاس تھا۔

آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد بیعت سقیفہ میں نمایاں حصہ لیا۔ قبیلہ اوس سے کہا کہ خزرج سعد بن عبادہ کو خلیفہ بنا کر سیادت حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ اگر وہ اس میں کامیاب ہو گئے تو تم پر ہمیشہ کے لئے تفوق حاصل کر لیں گے اور تم کو خلافت میں کبھی حصہ نہ دیں گے۔ میرے خیال میں ابوبکرؓ سے بیعت کر لینا بہتر ہے اور مشورہ دے کر سب کو حکم دیا کہ حضرت ابوبکرؓ سے بیعت کر لیں۔ اوس کی آمادگی کے بعد حضرت سعد بن عبادہ کی قوت ٹوٹ گئی۔

فتح بیت المقدس میں کہ ۱۶ھ کا واقعہ ہے حضرت عمر فاروقؓ کے ساتھ مدینہ سے شام گئے۔

وفات : حضرت عمر فاروقؓ سے وصیت کی تھی کہ وہ جائیداد اپنے ہاتھ میں لے کر قرض ادا کریں۔ آسان صورت یہی تھی کہ جائیداد فروخت کر کے قرض ادا کر دیا جاتا۔ لیکن حضرت عمر فاروقؓ نے

ایسا نہیں کیا۔ قرض خواہوں کو بلا کر ایک ہزار درہم سالانہ پر راضی کیا۔ اس طرح ۳ برس پھل فروخت کر کے ان کا کل قرضہ ادا کر دیا اور جائیداد سالم بچ گئی۔ فرماتے تھے کہ میں اپنے بھائی کے بچوں کو محتاج نہیں دیکھنا چاہتا۔

اہل و عیال :

بیوی نے عہد نبوت میں انتقال کیا تھا۔ چنانچہ حضرت عائشہؓ سے منقول ہے کہ حج یا عمرہ سے لوگ واپس ہو رہے تھے کہ ذوالحلیفہ میں چند انصار لڑکوں نے اسیدؓ ابن حفیر کو ان کی بیوی کے مرنے کی خبر سنائی۔ انہوں نے منہ پر کپڑا ڈال کر رونا شروع کیا۔

حضرت عائشہؓ نے کہا خدا آپ کی مغفرت کرے، آپ ایک جلیل القدر صحابی ہو کر ایک عورت کے لئے روتے ہیں۔ انہوں نے کپڑا ہٹا لیا اور کہا آپ سچ کہتی ہیں، ہم کو صرف سعد بن معاذؓ پر رونا چاہیے۔ آنحضرت ﷺ ان باتوں کو سنتے رہے۔

لڑکا غالباً وہی تھا اور اس کا نام یحییٰ تھا۔ صحیح بخاری باب نزول السکینہ و الملكة عند قراءة القرآن میں ان کا تذکرہ آیا ہے۔

فضل و کمال :

دوسرے اکابر صحابہ کی طرح قرآن و حدیث کی نشر و اشاعت میں ان کا حصہ بھی ہے۔ انہوں نے براہ راست آنحضرت ﷺ سے روایت کی ہے، حضرت عائشہؓ، حضرت ابوسعید خدریؓ، حضرت انس بن مالکؓ، حضرت ابولیل انصاریؓ، حضرت کعب بن مالکؓ جیسے جلیل المنزلت صحابہ ان کے راویان حدیث کے سلسلہ میں داخل ہیں۔

اخلاق و عادات :

تزکیہ باطن نے تمام حجابات اٹھا دیئے تھے۔ ایک روز رات کو کلام پاک کی تلاوت کر رہے تھے، گھوڑا قریب بندھا تھا۔ وہید کا انہوں نے پڑھنا بند کیا تو تھم گیا۔ دوبارہ پڑھنا شروع کیا تو پھر بدکا۔ ان کو ڈر ہوا کہ بچہ پاس لیٹا ہے کہیں کچل نہ جائے۔ تیسری مرتبہ باہر نکل کر دیکھا تو ایک سایہ بان نظر آیا، جس میں چراغ کی طرح روشنی تھی۔ قرأت ختم ہو چکی تھی۔ اس لئے وہ اوپر چڑھتا ہوا نظر سے غائب ہو گیا۔ صبح اٹھ کر آنحضرت ﷺ سے عرض کیا۔ ارشاد ہوا کہ فرشتے قرأت سننے آتے ہیں۔ اگر تم صبح تک پڑھتے رہتے تو لوگ ان کو روزِ روشن میں دیکھ سکتے تھے۔

ایک رات آنحضرت ﷺ کے پاس سے اُٹھے تو سخت اندھیرا تھا۔ چھڑی ہاتھ میں تھی۔ ایک صحابی اور ہمراہ تھے۔ آگے ایک روشنی ساتھ چلتی تھی۔ راستہ میں الگ الگ ہوئے تو روشنی بھی دونوں کے ساتھ جدا جدا ہو گئی۔ اس واقعہ کو لوگوں نے کرامات صحابہ میں داخل کیا ہے۔

نہایت صاف گو تھے اور اس لئے سینہ کینہ سے پاک تھا۔ جو بات ہو منہ پر کہہ دیتے تھے۔ حضرت عمر فاروقؓ اس فضیلت کی وجہ سے ان کو تمام انصار پر فضیلت دیتے تھے۔ نہایت معزز اور ذی اثر بزرگ تھے۔

حضرت سعد بن معاذؓ کے بعد قبیلہ اوس تمام تر ان کا تابع فرمان تھا۔ ان کے اثر و اقتدار کا واقعہ اوپر گزر چکا ہے کہ سقیفہ بنی ساعدہ میں جہاں بیشتر سے تمام انصار حضرت سعد بن عبادہؓ کے خلیفہ بنانے پر اتفاق کر کے آئے تھے۔ ان کی ایک جنبش لب نے انصار کی تمام سوچی سمجھی اسکیم درہم برہم کر دی تھی۔

انہیں عظیم الشان خدمات کے سبب آنحضرت ﷺ نے فرمایا تھا ”نعم الرجل اسید“

بن حضیر۔“

حضرت عائشہؓ فرمایا کرتی تھیں کہ وہ صحابہ کے بہترین اور برگزیدہ افراد میں داخل ہیں۔



حضرت ابودجانہؓ

نام و نسب :

اسماک نام ہے۔ ابودجانہ کنیت۔ قبیلہ ساعدہ سے ہیں اور سعد بن عبادہ سردار خزرج کے بن عم ہیں۔ سلسلہ نسب یہ ہے : اسماک بن لؤذان بن عبدود بن ثعلبہ ابن طریف بن خزرج بن ساعدہ بن کعب بن خزرج اکبر۔
اسلام : ہجرت سے قبل مسلمان ہوئے۔

غزوات اور دیگر حالات :

آنحضرت ﷺ مدینہ تشریف لائے تو عتبہ بن غزوہ ان سے ان کی برادری قائم ہوئی۔ تمام غزوات میں شریک ہوئے۔

غزوہ احد میں آنحضرت ﷺ نے ایک تلوار ہاتھ میں لے کر کہا اس کا حق کون ادا کرتا ہے؟ ابودجانہؓ بولے میں ادا کروں گا۔ آنحضرت ﷺ نے ان کو تلوار عنایت فرمائی۔ بعض روایتوں میں ہے کہ انہوں نے دریافت کیا، اس کا حق کیا ہے؟ فرمایا : ”مسلمان کو نہ مارنا اور کافر سے نہ بھاگنا۔“

حضرت ابودجانہؓ نے حسب معمول سر پر سرخ پٹی باندھی اور تینتے اکڑتے صفوں کے درمیان آکر کھڑے ہوئے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا : ”یہ چال اگرچہ خدا کو ناپسند ہے، لیکن ایسے موقع پر کچھ حرج نہیں۔“

معبرکہ کارزار میں نہایت پامردی سے مقابلہ کیا اور بہت سے کافر قتل کئے اور رسول اللہ ﷺ کی حفاظت میں بہت سے زخم کھائے، لیکن میدان سے نہ ہٹے تھے۔

آنحضرت ﷺ ان کی جانبازی سے نہایت خوش ہوئے۔ مکان تشریف لائے تو حضرت فاطمہؓ سے فرمایا : میری تلوار دھو ڈالو۔ حضرت علیؓ نے بھی آکر یہی خواہش کی اور کہا آج میں خوب لڑا۔

آنحضرت ﷺ نے فرمایا : اگر تم خوب لڑے تو اہل بن حنیف اور ابودجانہؓ بھی خوب لڑے۔ (اسد الغابہ جلد ۲ ص ۳۵۲)

غزوہ بنو نضیر کا کل مال اور اسباب رسول اللہ ﷺ کا حصہ تھا، تاہم آپ نے چند مہاجرین اور انصار کو اس میں سے حصہ منایت فرمایا تھا۔ ابو دجانہؓ کو بھی زمین دی تھی جو انہی کے نام سے مال ابن خریشہ مشہور تھی۔^۱

غرض تمام مہکوں میں ان کی شرکت نمایاں تھی۔ مصنف استیعاب لکھتے ہیں۔^۲
 ”لہ مقامات محمودۃ فی مغازی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔“
 ”غزوات نبوی ﷺ میں ان کو ممتاز درجہ حاصل ہے۔“

حضرت ابو بکر صدیقؓ کے عہد میں جنگ یمامہ میں نہایت جانبازی دکھائی۔ مسلمانوں کو کذاب سے جو مدعی نبوت تھا، مقابلہ تھا۔ وہ اپنے باغ کے اندر سے لڑ رہا تھا۔ مسلمان گھسنا چاہتے تھے، لیکن دیوار حائل تھی۔ ابو دجانہؓ تھوڑی دیر تک دیکھتے رہے۔ اس کے بعد کہا: مسلمانو! مجھ کو ادھر پھینک دو! اس ترکیب سے اگرچہ دیوار پھاند گئے، لیکن پاؤں ٹوٹ گیا۔ تاہم وہ مشرکین سے دروازہ روکے کھڑے رہے اور جب تک مسلمان باغ میں داخل نہ ہو گئے اپنی جگہ سے نہ ہلے۔^۳
 شہادت: مسلمان اندر پہنچ کر جوش و خروش سے لڑنے لگے۔ گو ابو دجانہؓ کا پاؤں ٹوٹ چکا تھا، تاہم وہ مسلمانوں کو مارنے کے لئے بڑھے اور آخر خود بھی شہید ہو گئے۔^۴

فضل و کمال:

اگرچہ حضرت ابو دجانہؓ سے حدیثیں منقول نہیں، تاہم صاحب اسد الغابہ لکھتے ہیں:
 ”وہو من فضلاء الصحابہ و اکابرہم۔“ یعنی وہ فضلاء صحابہ میں تھے اور بڑے درجہ کے شخص تھے۔^۵
 اخلاق و عادات:

جوش ایمان کا نظارہ جنگ یمامہ کی جانبازی میں ہو چکا ہے۔ نب رسول ﷺ احد میں ظاہر ہوتی ہے۔ جس وقت تمام مجمع آنحضرت ﷺ کے پاس سے منتشر ہو گیا اور صرف چند آدمی آپ کے ساتھ رہ گئے تھے، ان میں دو آدمی آپ کے سپر بنے ہوئے تھے، مصعب بن عمیر اور ابو دجانہؓ۔ اول الذکر جان دے کر ہٹے اور ابو دجانہؓ نے کاری زخم کھا کر فدائیت کا ثبوت دیا۔^۶

شجاعت کا اندازہ بھی انہی واقعات سے کرنا چاہئے۔ صاحب استیعاب لکھتے ہیں:
 ”کان بہمة من الیہم الابطال۔“

”یعنی ان کا شمار مشہور اور دلیر بہادروں میں تھا۔“^۷

اسد الغابہ میں ہے کہ وہ لڑائی کے وقت سر پر سرخ پٹی باندھتے تھے اور ناز و تجتر سے چلتے تھے۔^۸

۱۔ طبقات ابن سعد حصہ مغازی۔ ص ۱۲۲ ۲۔ ایضاً۔ ۵۸۲ ۳۔ اسد الغابہ۔ جلد ۲۔ ص ۳۵۳ ۴۔ ایضاً، جلد ۵، ص ۱۸۳

۵۔ اسد الغابہ، جلد ۲، ص ۳۵۳ ۶۔ استیعاب، جلد ۲، ص ۶۰۴ ۷۔ اسد الغابہ، جلد ۵، ص ۱۸۳

حضرت ابوالیسر کعب بن عمرو

نام و نسب :

کعب نام ہے۔ ابوالیسر کنیت۔ بنو سلمہ سے ہیں نسب یہ ہے : کعب بن عمر ابن عبادہ بن عمرو بن سواد بن غنم بن کعب بن سلمہ بن علی بن اسد بن ساروہ۔ بن یزید بن جشم بن خزرج۔ ماں کا نام نسیم بنت ازہر بن مرثی تھا اور بنو سلمہ سے تھیں۔

اسلام : عقبہ ثانیہ میں بیعت کی۔

غزوات : تمام غزوات میں شریک رہے۔ غزوہ بدر میں نہایت جوش سے لڑے۔ مشرکین کا علم ابو عزیز بن عمیر کے ہاتھ میں تھا۔ انہوں نے بڑھ کر چھین لیا۔ ایک مشرک منبہ بن حجاج سہمی کو قتل کیا اور حضرت عباسؓ کو اسیر کر کے آنحضرت ﷺ کے سامنے لائے۔ آپ ﷺ ان کے چھوٹے قد اور حضرت عباسؓ کے ذیل ڈول کو دیکھ کر نہایت متعجب ہوئے اور فرمایا کہ عباسؓ کو گرفتار کرنے میں ان کی کسی فرشتہ نے اعانت کی۔ اس وقت ان کا سن کل ۲۰ سال کا تھا۔ امام بخاریؒ نے اپنی تاریخ میں بھی ان کی شرکت بدر تسلیم کی ہے۔

معرکہ خیبر میں جب کہ صحابہ قلعوں کا محاصرہ کئے ہوئے تھے، ایک رات کسی یہودی کی بکری قلعہ میں جا رہی تھی۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا : ”مجھ کو اس کا گوشت کون کھلائے گا؟“ ابوالیسرؓ نے کہا میں اور اٹھ کر نہایت تیز دوڑتے ہوئے پہنچے۔ بہت بکریں اندر جا رہی تھیں۔ انہوں نے دو بکریاں پکڑ لیں اور بغل میں دبا کر لے آئے۔ لوگوں نے ان کو ذبح کر کے گوشت پکایا۔ صفین اور دوسری لڑائیوں میں جناب امیرؓ کے ہمراہ تھے۔

وفات : ۵۵ھ میں مدینہ میں انتقال ہوا۔ اصحاب بدر میں یہ سب سے بعد میں فوت ہوئے۔ خیبر والی حدیث بیان کر کے رویا کرتے تھے اور کہتے تھے کہ مجھ سے فائدہ اٹھا لو۔ صحابہ میں سرف میں باقی رہ گیا ہوں۔ وفات کے وقت سن ستر سے اوپر تھا۔ بعض لوگوں نے ۱۲۰ سال لکھا ہے۔ لیکن یہ بدایۃ غلط ہے۔

اولاد : ایک لڑکا یادگار چھوڑا۔ جس کا نام عمار تھا۔

حُلّیہ : حُلّیہ یہ تھا : قد کوتاہ، پیٹ بڑا۔
فضل و کمال :

حدیث کم اور نہایت احتیاط سے بیان کرتے تھے۔ ایک مرتبہ عبادہ بن ولیدؓ سے دو حدیثیں بیان کیں اور حالت یہ تھی کہ آنکھ اور کان پر انگلی رکھ کر کہتے تھے کہ ان آنکھوں نے یہ واقعہ دیکھا ہے اور ان کانوں نے آنحضرت ﷺ کو بیان فرماتے سنا۔

تلامذہ میں عبادہ بن ولید، موسیٰ بن طلحہ، عمر بن حکم بن رافع، حنظلہ بن قیس زرقی، صفی مولا ابویوب انصاری اور ربیع بن حراش کا نام داخل ہے۔

اخلاق و عادات :

نہایت رحیم اور نرم دل تھے۔ بنو حرام کے ایک شخص پر قرض آتا تھا۔ اس کے مکان پر جا کر آواز دی، معلوم ہوا موجود نہیں۔ اتنے میں اس کا چھوٹا لڑکا باہر آیا، پوچھا تمہارے باپ کہاں ہیں۔ بولا اماں کی چار پائی کے نیچے چھپے ہیں۔ انہوں نے پکارا اب نکل آؤ، تم جہاں پر ہو مجھے معلوم ہے۔ وہ باہر آیا اور اپنی فقر کی داستان سنائی۔ ابوالیسرؓ کا دل بھر آیا اور کاغذ مٹکا کر تمام حروف کو مٹا دیا اور کہا اگر مقدرت ہو تو ادا کرنا ورنہ میں معاف کرتا ہوں۔^۱

غلاموں کے ساتھ برابری کا برتاؤ رکھتے تھے۔ ایک مرتبہ عبادہ بن ولید ان سے حدیث سننے کے لئے آئے۔ دیکھا تو ان کے غلام کے پاس کتابوں کا ایک پشتارہ ہے خود ایک چادر اور معاف کی بنی ہوئی لنگی پہنے ہیں۔ غلام کا بھی یہی لباس ہے۔ عبادہؓ نے کہا، عم محترم بہتر ہو کہ مکمل کر لیجئے، یا تو آپ ان کی معافری لے لیجئے اور اپنی چادر ان کو دیدیجئے یا اپنی معافری دیدیجئے اور ان سے چادر لیجئے۔ ابوالیسرؓ نے ان کے سر پر ہاتھ پھیرا اور دعا دی اور فرمایا کہ آنحضرت ﷺ کا حکم یہ ہے کہ جو تم پہنو غلاموں کو پہناؤ اور جو تم کھاؤ ان کو کھلاؤ۔^۲



حضرت ابولبابہؓ

نام نسب :

رفاعہ نام ہے۔ ابولبابہ کنیت۔ قبیلہ اوس سے ہیں۔ سلسلہ نسب یہ ہے : رفاعہ ابن عبد المنذر بن زبیر بن زید بن اُمیہ بن زید بن مالک بن عوف بن عمرو بن عوف بن مالک بن اوس۔

اسلام : عقبہ ثانیہ میں اسلام لائے اور نقیب بنائے گئے۔

غزوات : اکثر غزوات میں شرکت کی۔ غزوہ بدر میں خاص امتیاز حاصل ہوا، ہراونٹ پر ۳، ۳ آدمی سوار تھے، ابولبابہؓ جس اونٹ پر تھے وہ شہنشاہِ زماں کا مرکب ہمایوں تھا، جناب امیرِ علیہ السلام بھی اسی پر تھے، وہ لوگ باری باری چڑھتے اترتے تھے، جب آنحضرت ﷺ کے اترنے کی باری آتی تو جانِ نثار عرض کرتے کہ آپ سوار رہیں ہم پیدل چلیں گے، لیکن آنحضرت ﷺ فرماتے کہ تم مجھ سے زیادہ پیدل چلنے پر قادر نہیں، اور نہ میں تم سے زیادہ ثواب سے مستغنی ہوں۔^۱

مدینہ سے دودن کی مسافت پر روم ایک مقام ہے، وہاں پہنچ کر آنحضرت ﷺ نے ابولبابہؓ کو مدینہ پر اپنا نائب مقرر کر کے واپس کر دیا اور غنیمت میں جس طرح مجاہدین کا حصہ لگایا تھا، ان کا بھی لگایا۔

غزوہ قینقاع اور غزوہ سولق میں بھی وہی مدینہ پر آنحضرت ﷺ کے جانشین تھے۔^۲ ۵ھ میں آنحضرت ﷺ نے اہل قرظہ کا جو یہود تھے اور اسلام کے سخت دشمن تھے، محاصرہ کیا۔ یہ لوگ قبیلہ اوس کے حلیف تھے۔ اس بنا پر انہوں نے ابولبابہؓ کو مشورہ کے لئے بلایا۔ یہ وہاں پہنچے تو یہود نے بڑی تعظیم کی اور ان کے سامنے اصل مسئلہ پیش کیا۔ یہودیوں کی عورتیں اور بچے روتے ہوئے سامنے نکل آئے، یہ عجیب دردناک سماں تھا۔

اس کو دیکھ کر دل بھر آیا، اور کہا کہ میرے خیال میں تم کو آنحضرت ﷺ کا حکم مان لینا چاہئے۔ گلے کی طرف اشارہ کر کے بتایا کہ نہ ماننے کی صورت میں قتل کر دینے جاؤ گے۔ کرنے کو تو اشارہ کر گئے، لیکن جب یہ خیال آیا کہ خدا اور رسول کی خیانت ہوئی تو پیروں کے نیچے کی زمین نکل گئی۔ وہاں سے

اُنھ کو مسجد نبوی میں آئے اور ایک موٹی وزن دار زنجیر سے اپنے کو ایک ستون میں باندھا کہ جب تک خدا توبہ قبول نہ کرے، اسی طرح بندھا رہوں گا۔

زیادہ عرصہ گزرا تو آنحضرت ﷺ نے لوگوں سے دریافت کیا۔ قصہ معلوم ہونے پر فرمایا، خیر جو کچھ ہوا اچھا ہوا۔ اگر وہ میرے پاس آجاتے تو میں خود استغفار کرتا۔ غرض ۷، ۸ روز اسی طرح گذر گئے۔ نماز اور حوائج ضروریہ کے لئے زنجیر کھول لیتے تھے۔ اس فراغت کے بعد ان کی لڑکی پھر باندھ دی۔ کھانا پینا بالکل ترک تھا۔ کانوں سے بہرے ہو گئے، آنکھیں بھی معرض خطر میں پڑ گئیں اور ناطقتی سے بے حوش ہو کر زمین پر گر گئے۔ اس وقت رحمتِ الہی کے نزول کا وقت آیا۔

آنحضرت ﷺ حضرت ام سلمہؓ کے مکان میں تھے کہ طلوع فجر سے پیشتر آیت توبہ اتری۔ آپ فرط مسرت سے مسکرا اٹھے۔ حضرت ام سلمہؓ نے کہا یا رسول اللہ! خدا آپ کو ہمیشہ ہنسائے، بات کیا ہے؟ فرمایا: ”ابولبابہؓ کی توبہ قبول ہوگئی۔“ اتنا کہنا تھا کہ یہ خبر تمام شہر میں مشہور ہوگئی۔ لوگ ابولبابہؓ کو کھولنے آئے۔ انہوں نے کہا جب آنحضرت ﷺ خود آکر کھولیں گے اس وقت یہاں سے ہٹوں گا۔ چنانچہ نماز صبح کے لئے جب آنحضرت ﷺ مسجد تشریف لائے تو خود اپنے دستِ مقدس سے حضرت ابولبابہؓ کو کھولا۔

حضرت ابولبابہؓ پر مسرت طاری تھی۔ درخواست کی کہ اپنا گھریا چھوڑ کر آپ کے پاس رہوں گا اور اپنا کل مال صدقہ کرتا ہوں۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ایک مثلث صدقہ کرو! توبہ میں یہ آیتیں نازل ہوئی تھیں:

”يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَخُونُوا اللَّهَ وَالرَّسُولَ وَتَخُونُوا أَمْنَكُمْ وَاتِّمِمْ تَعْلَمُونَ ۝ وَاعْلَمُوا أَنَّمَا آمَنَ لَكُمْ وَأُولَاؤُكُمْ فِتْنَةٌ ۖ وَأَنَّ اللَّهَ عِنْدَ أَجْرٍ عَظِيمٍ ۝ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن تَتَّقُوا اللَّهَ يَجْعَلْ لَكُمْ فُرْقَانًا وَيُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّئَاتِكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ۖ وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ“

”مسلمانو! تم اللہ و رسول اور اپنی امانتوں میں خیانت نہ کرو۔ حالانکہ تم اس بوجہ سے ہو، اور خوب سمجھ لو کہ تمہارا مال اور اولاد آزمائش ہیں، اور خدا کے پاس بڑا اجر ہے۔ مسلمانو! تم بلکہ خدا سے ڈرو گے تو تم کو ممتاز کرے گا۔ اور تمہاری بُرائیاں دور کرے گا۔ اور خدا بڑا فضل کرنے والا ہے۔“

۸۔ میں غزوہ فتح ہوا۔ اس غزوہ میں عمرو بن عوف کا جھنڈا ان کے پاس تھا۔ غزوہ تبوک میں شریک تھے۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ اس غزوہ میں شامل نہیں ہوئے، اور اسی وجہ سے اپنے کو مسجد کے ستون سے باندھا تھا۔ لیکن ہمارے نزدیک یہ صحیح نہیں۔ غزوہ تبوک میں جو مسلمان بلا عذر رہ گئے تھے، وہ صرف ۳ تھے۔ مرارہ بن ربیع، ہلال بن امیہ، کعب بن مالک۔ چنانچہ قرآن مجید میں بھی تین ہی کا لفظ موجود ہے، ”و علی الثلاثة الذین خلفوا“۔

وفات : سند وفات میں سخت اختلاف ہے۔ لیکن اس قدر مسلم ہے کہ جناب امیرؓ کے عہد مبارک میں وفات پائی۔

اولاد : دو لڑکے چھوڑے۔ سائب اور عبدالرحمن۔

فضل و کمال :

حضرت ابولبابہؓ جلیل القدر صحابی تھے۔ رسول آنحضرت ﷺ کی صحبت سے شرف رہے تھے۔ اس اثناء میں بہت حدیثیں سننے کا اتفاق ہوا ہوگا۔ لیکن ان کی مرویات کی تعداد نہایت قلیل ہے۔

راویان حدیث کے زمرہ میں بعض اکابر صحابہ داخل ہیں۔ مثلاً عبداللہ بن عمرو، تابعین کا تمام اعلیٰ طبقہ ان کی مسند فیض کا حاشیہ نشین ہے۔ جن میں مخصوص لوگوں کے نام یہ ہیں :

عبدالرحمن بن یزید بن جابر، ابو بکر بن عمرو بن حزم، سعید بن مسیب، سلمان اغر، سعید الرحمن بن کعب بن مالک، سالم بن عبداللہ، ابن عمر، عبید اللہ بن ابی یزید، نافع مولیٰ ابن عمر، سائب عبدالرحمن۔

اخلاق : معمولی معمولی باتوں میں بھی حدیث نبویؐ پر عمل کا لحاظ رکھتے تھے۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے رسول اللہ ﷺ سے سانپ مارنے کی حدیث سنی تھی، اس کی بنا پر جہاں سانپ دیکھتے مار ڈالتے تھے۔ لیکن گھر میں نکلنے والے سانپ اس سے متشنی تھے۔ ابولبابہؓ کا مکان ان کے مکان سے بالکل متصل واقع تھا۔ ایک روز کہا کہ اپنے گھر کی کھڑکی کھولو۔ میں اسی طرف سے مسجد جاؤں گا۔ ابن عمرؓ اٹھے۔ ادھر سے وہ بھی کھول رہے تھے۔ پٹ کھلا تو ایک سانپ نظر آیا، دوڑ کر مارنا چاہا۔ انہوں نے روکا کہ آنحضرت ﷺ نے سانپوں کے مارنے کی ممانعت فرمائی ہے۔



حضرت ابوالہشیمؓ بن التیہان

نام و نسب :

مالک نام ہے۔ ابوالہشیم کنیت قبیلہ اوس سے ہیں۔ نسب نامہ یہ ہے : مالک بن التیہان بن مالک بن عثیک بن عمرو بن عبد اللہ بن عامر بن زعور ابن خثیم بن حارث بن خزرج بن مالک بن اوس۔

زعور، عبدالاشہل کا بھائی تھا۔ اس بنا پر ابوالہشیم اسید بن حفیر کے ابن عم ہیں۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ عبدالاشہل سے محض حلیفانہ تعلق تھا۔ دراصل وہ خاندان بلی کے ایک فرد تھے۔ ابن سعد کی یہی رائے ہے۔ لیکن کثرت رائے پہلی روایت کی جانب ہے۔

اسلام : وہ جاہلیت ہی میں توحید کے قائل تھے۔ ابن سعد میں ہے :

”وكان اسعد بن زرارۃ وابو الہشیم بن التیہان متکلمان با تو حید
بیشرب“۔

”یعنی مدینہ میں اسعد بن زرارہ اور ابوالہشیم بن تیہان، توحید کا خیال ظاہر کرتے تھے“۔

اسعد بن زرارہ ۶ آدمیوں کے ساتھ مکہ سے مسلمان ہو کر آئے، تو ابوالہشیم سے اپنا مسلمان ہونا بیان کیا اور اسلام کی تعلیم پیش کی۔ ابوالہشیم پہلے ہی دین الفطرت کے متلاشی تھے۔ فوراً اس صدا کو لبیک کہا۔

اس کے بعد ۱۲ آدمیوں کا جو وفد مکہ گیا، ابوالہشیم اس میں شامل تھے۔ آنحضرت ﷺ کے دست مقدس پر بیعت کی۔ دوسرے سال ۷۰ آدمیوں کے ساتھ گئے اور بیعت حرب میں شریک ہوئے۔ کہتے ہیں کہ اس میں سب سے پہلے بیعت کے لئے جس شخص نے ہاتھ بڑھایا وہ ابوالہشیم تھے۔ بنو عبدالاشہل کا یہی بیان ہے اور موسیٰ بن عقبہ نے امام زہری سے یہی نقل کیا ہے۔

اس بارہ میں بیانات مختلف ہیں۔ بنو نجار، اسعد بن زرارہ کے تاج عظمت پر طرہ لگاتے ہیں۔ بنو سلمہ کعب بن مالک کو پیش کرتے ہیں اور بعض لوگ ان سب کے علاوہ براء ابن معرور کا نام لیتے ہیں۔

بیعت کے بعد انبیہوں کا انتخاب ہوا۔ بنو عبد الاشہل میں اسید بن حفیر اور ابوالہشیم اس منصب کے لئے پیش کئے گئے۔

غزوات : عثمان بن مظعون سے کہ بڑے پائے کے مہاجر تھے، رشتہ اخوت قائم ہوا۔ غزوات عہد نبوت میں کسی غزوہ کی شرکت سے محروم نہیں رہے۔

وفات : حضرت عمر فاروقؓ کے زمانہ خلافت ۲۰ھ میں وفات پائی۔ بعض لوگوں کا قول ہے کہ جناب امیرؓ کے عہد خلافت تک زندہ تھے اور صفین میں ان کی طرف سے لڑ کر شہید ہوئے۔ لیکن یہ صحیح نہیں۔ واقعی نے صاف تصریح کی ہے کہ صفین میں ان کی شرکت کی خبر بے بنیاد ہے، اس کے ماسوا۔ ۲۰ھ میں فوت ہونے پر زہری، صالح بن کیسان اور حاکم جیسے جلیل القدر محدثین کی روایتیں موجود ہیں۔ ان کے مقابلہ میں ایک مشکوک اور بے سند روایت کہاں تک قابل اعتبار ٹھہر سکتی ہے۔

فضل و کمال :

حدیث کی بعض کتابوں میں چند روایتیں مذکور ہیں۔ لیکن ان کی سحت پر مشکل سے یقین کیا جاسکتا ہے۔ امام ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں :

”و الروایات عن ابی الہشیم کلھا فیہا نظر ولیست تاتی من وجہ یثبت و ذلک لتقدم موتہ“۔

”یعنی ابوالہشیم سے جتنی روایتیں ہیں مشکوک ہیں۔ ایک بھی پایہ ثبوت تک نہیں پہنچتی۔ اور اس کا سبب یہ ہے کہ وہ بہت پہلے انتقال کر چکے تھے۔“

اخلاق : حب رسول ﷺ پر ذیل کا واقعہ شاہد عدل ہے :

ایک روز آنحضرت ﷺ خلاف معمول باہر تشریف لائے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ بھی پہنچے۔ پوچھا ابوبکر اس وقت کیسے آئے؟ عرض کی حضور کی زیارت کو۔ تھوڑی دیر میں حضرت عمر فاروقؓ بھی آگئے۔ ان سے بھی یہی سوال ہوا۔ انہوں نے کہا یا رسول اللہ (ﷺ) اس وقت بھوک یہاں لائی۔ ارشاد ہوا میں بھی بھوکا ہوں۔ تینوں بزرگ ابوالہشیمؓ کے یہاں چلے۔

ابوالہشیمؓ کے پاس تھجور کے باغات اور بکریوں کے ریوڑ تھے، لیکن کوئی نوکر نہ تھا۔ تمام کام خود انجام دیتے تھے۔ اس وقت وہ گھر میں موجود نہ تھے۔ مکان پہنچ کر آواز دی۔ ان کی بیوی نے کہا پانی بھرنے گئے ہیں۔ تھوڑی دیر میں مشک لئے ہوئے آتے دکھائی دیئے۔

آنحضرت ﷺ کو دیکھ کر مشک رکھ دی اور آپ ﷺ سے لپٹ کر نہایت ذوق و شوق سے کہنے لگے۔ میرے ماں باپ آپ پر خدا۔ اس کے بعد اپنے باغ میں لے گئے۔ بیٹھنے کے کوئی چیز بچھا دی اور خود چھوہاروں کی ایک شاخ کاٹ کر لائے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا : پکے چھوہارے لائے ہوتے۔ عرض کی، اس میں پکے گدر ہر قسم کے ہیں، جو مرغوب خاطر ہوں آپ اس کو نوش فرمائیں چھوہارے کھانے کے بعد پانی پلایا۔ پانی نہایت صاف اور شیریں تھا۔ آنحضرت ﷺ نے کھانے کے بعد فرمایا، دیکھو کتنی نعمتیں ہیں۔ سایہ، عمدہ چھوہارے، ٹھنڈا پانی۔ خدا کی قسم ان کا قیامت کے دن سوال ہوگا ! ابو الہشیم اپنے معزز مہمانوں کو باغ میں چھوڑ کر مکان میں آئے اور کھانے کا سامان کیا۔

آنحضرت ﷺ نے فرمایا تھا دودھ دینے والی بکری ذبح نہ کرنا، انہوں نے ایک بچہ ذبح کر لیا اور اس کو بریاں کر کے حضور کی خدمت میں لائے۔ آنحضرت ﷺ نے کھانے کے بعد پوچھا، تمہارے پاس نوکر ہے؟ عرض کیا نہیں۔ فرمایا، جب میرے پاس قیدی آئیں تو آنا۔ ان شاء میں دو قیدی آئے۔ ابو الہشیم سے ارشاد ہوا کہ ایک کو پسند کر لو۔ انہوں نے آنحضرت ﷺ کی پسند پر چھوڑا۔ آپ ﷺ نے ایک کو اس بناء پر منتخب کیا کہ وہ نماز پڑھتا تھا۔ ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ اس سے اچھا برتاؤ کرنا۔ غلام کو لے کر گھر آئے اور بیوی سے یہ قول نقل کیا۔

بیوی بھی نہایت سمجھ دار ملی تھیں۔ بولیں فرمانِ بنوی کی تعمیل منظور ہے تو ان کو آزاد کر دو۔ انہوں نے ایسا ہی کیا۔ آنحضرت ﷺ کو خبر ملی تو نہایت مسرور ہوئے اور میاں بیوی دونوں کی مدح فرمائی۔



حضرت اسعدؓ بن زرارہ

نام و نسب :

اسعد نام ہے۔ ابو امامہ کنیت۔ خیر لقب، قبیلہ خزرج سے تھے اور نجار کے خاندان سے وابستہ تھے۔ نسب نامہ یہ ہے : اسعد بن زرارہ بن عبید بن ثعلبہ بن غنم بن مالک ابن اُجار بن ثعلبہ بن عمرو بن خزرج۔

بعثت نبوی ﷺ سے قبل اگرچہ جزیرہ عرب پورا خطہ کفر و ظلمت کا شیعین تھا، تاہم چند نفوس اپنی فطرت سلیمہ کے اقتضاء سے توحید کے قائل ہو گئے تھے۔ حضرت اسعد بن زرارہؓ بھی انہی لوگوں میں تھے۔

اسلام : اسی زمانہ میں مکہ سے اسلام کی صدا بلند ہوئی۔ اسعد بن زرارہؓ اور ذکوان بن قیس نے جو عقبہ بن ربیعہ کے پاس مکہ آئے تھے۔ ان سے آنحضرت ﷺ کے حالات بیان کئے۔

انہیں سن کر ذکوان نے اسعدؓ سے کہا 'دونک ! ہذا دینک' یعنی تم کو جس چیز کی تلاش تھی وہ موجود ہے، اب اس کو اختیار کرلو۔ چنانچہ حضرت اسعدؓ انھ کو بارگاہ نبوت ﷺ میں حاضر ہوئے اور توحید کے ساتھ رسالت کا بھی اقرار کیا۔

مکہ سے ایمان و اسلام کا جو جذبہ ساتھ لائے تھے، وہ مدینہ آ کر ظاہر ہوا۔ چنانچہ اسلام کی تبلیغ شروع کر دی۔

سب سے پہلے ابو الہیثم سے ملے اور اپنے ایمان لانے کا تذکرہ کیا۔ ابو الہیثم بولے کہ تمہارے ساتھ میں بھی آنحضرت ﷺ کی رسالت کا اقرار کرتا ہوں۔

اس بناء پر انصار میں جو شخص سب سے پہلے اسلام سے مشرف ہوئے وہ اسعد بن زرارہؓ ہیں۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ وہ عقبہ اولیٰ میں ۶ آدمیوں کے ساتھ مسلمان ہوئے تھے۔ بہر حال عقبہ اولیٰ کے دوسرے سال ۱۲ آدمی کے ساتھ مکہ آئے اور تیسرے سال عقبہ کبیرہ کی بیعت میں شرکت کی۔ کہتے ہیں کہ اسعدؓ نے سب سے پہلے بیعت کے لئے ہاتھ بڑھایا تھا۔ اس بیعت میں آنحضرت ﷺ نے ان کو بنو نجار کا نقیب تجویز فرمایا۔ حضرت اسعدؓ نقیبوں میں سن و سال کے لحاظ سے سب سے

”چھوٹے تھے۔ لیکن اس صغرتی کے باوجود ایمان شباب پر تھا۔ حرہ بنی بياضہ میں جس موقع انحضرت بھی کتبے میں۔ باجماعت نماز کا انتظام کیا اور چالیس آدمیوں کے ساتھ جمعہ ادا فرمایا۔“

حضرت کعب بن مالک جو اصحاب عقبہ میں تھے، جمعہ کی اذان سنتے تو حضرت اسعدؓ کے لئے دعائے مغفرت کیا کرتے تھے کہ اس کا بر خیر کی بنیاد اسی خیر قسم کے مبارک ہاتھوں پر بنی تھی۔
”من سن سنة حسنة فله اجرها واجر من عمل بها الى يوم القيامة“

اسی زمانہ میں انصار سے آنحضرت ﷺ نے حضرت مصعب ابن عمیرؓ کو داعی اسلام بنانا مدینہ روانہ کیا تو اسعد بن زرارہ نے ان کو اپنے گھر میں مہمان اتارا۔

ہجرت نبوی ﷺ کے بعد اگرچہ وحی اسلام کا ما من حضرت ابویوب انصاریؓ کا کاشانہ تھا، لیکن آنحضرت ﷺ کی اونی اعد بن زرارہ لی مہمان تھی۔

مسجد نبوی ﷺ کی تعمیر کے لئے جو جگہ تجویز ہوئی تھی، وہ زمین سہل اور سہیل نامی دو تھیموں کی ملکیت تھی، جو اسعد بن زرارہ کی نگرانی میں تربیت پاتے تھے۔ آنحضرت ﷺ نے ان کے مربی سے زمین کی قیمت دریافت کی تو تھیموں نے عرض کیا کہ ہم صرف خدا سے اس کی قیمت چاہتے ہیں۔ لیکن چونکہ آنحضرت ﷺ بلا قیمت لینا منظور نہ تھا، اس لئے حضرت ابوبکر صدیقؓ سے اس کے دام دلوائے۔

بعض روایتوں میں ہے کہ اسعد بن زرارہ نے ان تھیموں کو اپنا ایک باغ جو بنی بياضہ میں تھا، اس زمین کے معاوضہ میں دیا تھا۔

وفات : ابھی مسجد نبوی کی ممرات تیار ہو رہی تھی کہ شوال ۱ھ میں پیغام اجل آگیا۔ حلق میں ایک درد اٹھا جس کو ذبح کہتے ہیں۔ آنحضرت ﷺ عیادت کو تشریف لے گئے اور دست مبارک سے سر کو داغا۔ لیکن یہ درد پیغام اجل تھا۔ اس لئے روح جسم سے پرواز کر گئی۔ آنحضرت ﷺ کو سخت رنج ہوا۔ فرمایا کیا کہوں؟ یہ کیسی بڑی موت ہوئی ہے۔ اب یہودیوں کو یہ کہنے کا موقع ہے کہ پیغمبر تھے تو اپنے دوست کو اچھا نہ کر دیا۔ حالانکہ ظاہر ہے کہ میں قضا کا ایسا علاج کر سکتا ہوں۔ یہ واقعہ غزوہ بدر سے قبل کا ہے۔

جنازہ کی نماز آنحضرت ﷺ نے پڑھائی اور بقیع میں لے جا کر دفن کیا۔ کہتے ہیں کہ ہجرت کے بعد یہ پہلی موت تھی۔ یہ بھی خیال ہے کہ آنحضرت ﷺ نے سب سے پہلی نماز جنازہ انہی کی پڑھی تھی

۱۔ الفہام جلد ۱ ص ۷۱ ۲۔ اصحابہ جلد ۱ ص ۳۲ ۳۔ طبقات جلد ۳ ص ۲۸۳ ۴۔ طبقات جلد ۱ قسم ۱

اور انصار کے خیال کے مطابق بقیع میں سب سے پیشتر دفن ہونے والے مسلمان یہی تھے^۱۔
 چونکہ اسعد بنونجار کے نقیب تھے۔ اس لئے ان کی وفات پر اس خاندان کے چند ارکان
 آنحضرت ﷺ کی خدمت میں آئے اور درخواست کی کہ ان کی جگہ پر کسی کو نقیب تجویز فرمایا جائے۔
 ارشاد ہوا کہ تم لوگ میزے ماموں ہو۔ اس لئے میں خود تمہارا نقیب ہوں۔ آنحضرت ﷺ کا نقیب بننا
 بنونجار کے لئے ایسا لازوال شرف تھا جس پر وہ ہمیشہ فخر و ناز کیا کرتے تھے^۲۔
 اولاد : حضرت اسعدؓ نے دو لڑکیاں چھوڑیں اور آنحضرت ﷺ سے ان کے منعلق وصیت کی۔
 چنانچہ آپ ﷺ نے ان کا ہمیشہ خیال رکھا اور دونوں کو سونے کی بالیاں جن میں موتی جڑے ہوئے تھے
 پہنائیں^۳۔



۱۔ اسد الغابہ جلد ۲، ص ۷۰۔

۲۔ مسند ابن فضال جلد ۲، ص ۱۳۸ و اسد الغابہ جلد ۲، ص ۷۱۔

۳۔ اسد الغابہ جلد ۱، ص ۳۳۔

حضرت ابو قیس صرمہؓ

نام و نسب :

صرمہ نام ہے۔ ابو قیس کنیت، سلسلہ نسب یہ ہے : صرمہ بن ابی انس قیس بن مالک بن عدی بن عامر بن غنم بن عدی بن نجار۔

اسلام سے پہلے حضرت صرمہؓ میں چند ایسی باتیں تھیں جنہوں نے ان کو پوری قوم میں معزز بنا دیا تھا۔ دنیا ترک کی، راہب بنے، ناٹ پہنا، بُت پرستی چھوڑی اور جنابت سے غسل کیا۔ ان شریف خصلتوں کے بعد نصرانیت کا خیال ہوا تھا۔ لیکن فطرت نے خلیل بُت شکن کے آستانے پر پہنچایا اور دینِ حنیفی میں داخل ہو گئے۔ اسلام سے قبل ایک عبادت گاہ بھی بنائی اور فرماتے تھے، ”اعبد رب ابراہیم! میں ابراہیم کے خدا کی پرستش کرتا ہوں۔“

اس معبد میں ناپاک مرد اور عورت کو جانے کی اجازت نہ تھی۔ حضرت صرمہؓ خود بھی ایسے گھروں میں جہاں جب اور حائضہ عورت ہو نہیں جاتے تھے۔

اسلام : عالم پیری تھا کہ سر زمینِ یثرب میں اسلام کا غلغلہ بلند ہوا اور آنحضرت ﷺ تشریف لائے۔ انہوں نے نہایت جوش سے خیر مقدم کیا اور اسلام کے شرف سے مشرف ہوئے۔ اس محبت و انبساط کے موقع پر انہوں نے جو اشعار لکھے وہ درج ذیل ہیں۔

ثوی فی قریش بضع عشرة حجة یذکر لو یلقى صدیقا موایتا
ولعرض فی اہل المواسم نفسه فلم یلق من یومن ولم یردا عیا
فما اتانا واطمانت بہ النوی واصبح مسرور ابیطیبة راضیا
واصبح لا یخشی عداوة واحدٍ قریا ولا یخشی من الناس باغیا
بذلنا لہ الا موال من جل مالنا وانفسنا غدا لو غی والتاسیا
اقول اذ اصلیت فی کل بیعة خانیک لا تظہر علی الا عادیاء
غزوات کی شرکت سے ضعف پیری مانع رہا۔

وفات : ۲۰ سال کے سن میں وفات پائی۔ ان کے اشعار سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔

بدالی انی عشت تسعين حجة
و عشر اول وما بعدها ثمانيا
فلم الفها لما صفت وعدوتها
بحسبها في الدهر الا ليا ليا

فضل و کمال :

حضرت سرمہ دور جاہلیت کے سعدی تھے۔ ان کا موضوع اخلاق تھا۔ صاحب اسد الغابہ

لکھتے ہیں :

”لہ اشعار کثیرہ حسان فیہا حکم و صایا“

”یعنی ان کے اشعار حکمت و نصیحت سے لبریز ہیں۔“

چند شعریہ ہیں :

سبحو اللہ شرف کل صباح	طلعت شمسہ و کل ہلال
عالم السر و البیان لدینا	لیس ما قال ربنا بضلال
یا بنی الارحام لا تقطعوہا	وصلوہا قصیرۃ من اطوال
واتقوا اللہ فی ضعف الیتامی	ربما یستحل غیر الحلال
واعلموا ان للیتیم ولیا	عالمما یہتدی بغير السوال
ثم مال الیتیم لا تا کلولا	ان مال الیتیم یدعاه وال
یا بنی النجوم لا تخذ لوہا	ان خذل النجوم ذو عقال
یا بنی الايام لا تا منوہا	واحدرو امکرہا مکر اللیل
واجمعوا امرکم علی البر و التقوی و ترک الحنا و اخذ الحلال !	

حضرت عباسؓ ان کے ہاں جاتے اور ان کے شعر لاتے تھے۔

اخلاق : گذشتہ واقعات میں ترک بت پرستی، اخلاق حسنہ کی طرف سبقت اور رذائل سے اجتناب و تنفر کا تذکرہ ہو چکا ہے۔ اس سے حضرت سرمہؓ کی فطری صلاحیت معلوم ہوئی ہوگی۔

ایام جاہلیت میں حق کا قائل ہونا اور خدا کی تعظیم و تقدیس بالکل غیر معمولی بات تھی وہ اپنے اشعار میں اکثر خدا کا تذکرہ کرتے تھے اور عظمت کے ساتھ کرتے تھے۔ محمد بن الحنفیہ صاحب سیرت کو پسند اشعار ملے تھے جن کو ہم بھی اس مقام پر نقل کرتے ہیں :

يقول ابو قيس واصبح ناصحا الا ما استطعتم من وصاتي فافعلوا
 اوصيكم بالله والبر والتقوى واعراضكم والبر بالله اول
 وان قومكم سادوا فلا تحسبنهم وان كنتم اهل الرياسة فاعدادوا
 وان نزلت احدى الدواهي بقومكم فانفسكم دون الشعيره فاجعلوا
 وان يات عزم قاذح فارفقوهم وما حملوكم في الملمات فاحملوا
 وان انتم املقتم فتعصفوا وان كان فضل الخير فيكم فافضلوا

قبول اسلام کے بعد ضعف پیری کے باوجود روزہ رکھتے تھے اور دن بھر کھیت میں کام کرتے تھے۔ ایک روز شام کو مکان پر آئے اور افطار کے لئے کھانا مانگا۔ اس کے آنے میں کچھ دیر ہوئی، یہ محنت سے ہو رہے تھے۔ آنکھ لگ گئی۔ ابتدائے اسلام میں قاعدہ تھا کہ افطار کے وقت کوئی سو جائے تو تمام رات تو تمام رات اور دوسرے دن تک روزہ رکھے۔ بیوی نے سوتا دیکھا تو کہا ”خبیۃ لک“ تم پر افسوس ہے۔ صبح اٹھے تو سخت نڈھال تھے۔ دن چڑھے غش آگیا۔ آنحضرت ﷺ کے پاس آئے، پوچھا اوس کیسے ہو؟ انہوں نے واقعہ بیان کیا۔ اس وقت یہ آیت نازل ہوئی :

”كُلُوا وَاشْرَبُوا حَتَّى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْأَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْأَسْوَدِ“^۱

”یعنی تم لوگ طلوع فجر تک کھانا کھا سکتے تھے۔“

اس سہولت کو سن کر تمام لوگ باغ باغ ہو گئے۔



حضرت ابو حمیدؓ ساعدی

نام و نسب :

عبدالرحمن نام ہے۔ ابو حمید کنیت۔ قبیلہ خزرج کے خاندان ساعدہ سے ہیں۔ سلسلہ نسب یہ ہے : عبدالرحمن بن سعد بن منذر بن سعد بن خالد بن ثعلبہ بن حارثہ بن عمرو بن خزرج ابن ساعدہ۔ والدہ بھی اسی قبیلہ سے تھیں۔ ان کا پورا نام یہ ہے : امامہ بنت ثعلبہ بن حارثہ بن عمرو بن عمرو بن حارثہ بن عمرو بن خزرج۔

اسلام : ہجرت کے بعد اسلام قبول کیا۔

غزوات : احد اور مابعد تمام غزوات میں شریک ہوئے۔ وادی القریٰ اور تبوک کی شرکت خود ان کی روایت سے ثابت ہوتی ہے۔^۱

وفات : امیر معاویہؓ کے آخر عہد خلافت یا یزید کے ابتدائی دور حکومت میں وفات پائی۔

اولاد : ایک لڑکا چھوڑا۔ منذر نام تھا۔

فضل و کمال :

ان کے سلسلہ سے ۲۶ حدیثیں مروی ہیں۔ حضرت جابرؓ بن عبد اللہ عروہ ابن زبیر، عباس بن ہبل، محمد بن عمرو بن عطاء، خارجہ، بن ثابت، عبد الملک بن سعید بن سوید، عمرو بن سلیم زرقی، اسحاق بن عبد اللہ بنؓ، سعید بن منذر (پوتے تھے) عبدالرحمن بن سعید جیسے اکابر ان سے حدیث روایت کرتے ہیں۔

روایت حدیث میں سخت محتاط تھے۔ ایک مرتبہ ایک حدیث بیان کی تو فرمایا ”سمع اذنی بصر عینی و سلوا زید بن ثابت“۔^۲ اس واقعہ کو میرے کانوں نے سنا اور آنکھوں نے دیکھا، اس کو زید بن ثابت سے پوچھ سکتے ہو۔

اس کا سبب جیسا کہ ابو حمیدؓ کی حدیث سے ثابت ہے۔ آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد ہے^۳ :

”ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال اذا سمعتم الحدیث عنی تعرفہ

قلوبکم و تلین لہ اشعار کم و ابشار کم و ترون انہ منکم قریب فانا

اولا کم به و اذا سمعتم الحديث عنى تنكروا قلوبكم و تنفروا منه
اشعار کم و ابشار کم و ترون انه منكم بعيد فانما بعد کم منه۔“

آنحضرت ﷺ نے فرمایا :

”جب تم کسی سے میری کوئی حدیث سنو تو یہ دیکھو تمہارا دل کیا گواہی دیتا ہے۔ اگر دل بول
اٹھے، نفس نرم ہو جائے اور عقل صحیح سمجھے تو میرا کلام ہونے میں کچھ شک نہیں، اور اگر دل
کراہیت کرے، طبیعت تنفر ہو اور بعد از قیاس معلوم ہو تو میرا قول ہرگز نہیں ہو سکتا۔“

یہ حدیث درحقیقت احادیث کے پرکھنے کی اور جانچنے کی کسوٹی ہے۔ شارع علیہ السلام کا ہر
ہر لفظ احکام، اسرار شریعت، مصالح عامہ تزکیہ باطن اور اثر و تاثیر میں ڈوبا ہوا ہوتا ہے۔ اس بنا پر جو
حدیث ان اوصاف سے خالی ہو، اس کے جعلی اور موضوع ہونے میں کیا کلام ہو سکتا ہے۔ صحابہ میں فن
درایت اس کی بدولت پیدا ہوا تھا۔

اخلاق : ان کے تمام اوصاف میں خدمت رسول اللہ ﷺ زیادہ نمایاں ہے۔ ایک مرتبہ آنحضرت
کی خدمت میں خالص دودھ جس کو خوب سرد کیا تھا، پیالہ میں لے آئے۔ لیکن کھلانے تھے۔ ارشاد
ہوا، اس کو ڈھانپ کے لاتے خواہ لکڑی ہی رکھ کر!۔

آنحضرت ﷺ کی نماز اچھی طرح محفوظ رکھی تھی۔ ایک مرتبہ صحابہ کے مجمع میں (جن کی
تعداد مسند میں دس ہے، اور ابو قتادہ کے بھی وہاں موجود ہونے کا تذکرہ ہے) انہوں نے کہا ”انسا
احفظکم بصلاة رسول اللہ“ یعنی مجھے رسول اللہ ﷺ کی نماز تم سب سے زیادہ یاد ہے۔



حضرت اُصیر مؓ

نام و نسب :

عمر و نام ہے۔ اُصیر م لقب ہے۔ قبیلہ اوس سے ہیں۔ سلسلہ نسب یہ ہے۔ عمرو بن ثابت، بن قش بن زغبہ بن زعور بن عبد اللہ۔ والدہ کا نام لیلیٰ بنت یمان تھا۔ حضرت حذیفہؓ مشہور صحابی کی ہمشیرہ تھیں۔

اسلام : اسلام سے برگشتہ تھے۔ ان کے قبیلے کے تمام زن و مرد حضرت سعد بن معاذ کے اشارے سے مسلمان ہو گئے تھے، لیکن یہ اپنے اسی قدیم مذہب پر قائم تھے۔

لیکن غزوہ احد میں آنحضرت ﷺ نے میدان کی تیاریاں کیں، تو ان کے دل میں یکا یک حق و صداقت کا جوش پیدا ہوا۔ سنن ابوداؤد میں ہے کہ ایام جاہلیت میں ان کا سودی لین دین تھا اور قرضداروں کے ذمہ قرض بہت باقی تھا۔ یہ اپنا روپیہ وصول کر کے مسلمان ہونا چاہتے تھے، کیونکہ اسلام میں سود کی ممانعت تھی۔ احد کے موقع پر غالباً روپیہ وصول ہو چکا تھا، اس لئے مسلمان ہونے کا عزم بالجزم کر لیا۔

احد کی روانگی کے وقت تمام صحابہؓ آنحضرت ﷺ کے ساتھ تھے۔ جن میں اُصیر م کے خاندان عبدالاشہل کے لوگ بھی تھے۔ اُصیر م اپنے محلہ میں ہر طرف سناٹا دیکھ کر گھر آئے۔ پوچھا، میرے خاندان کے لوگ کہاں گئے؟ جواب ملا، احد۔ گو اس وقت تک انہوں نے اسلام قبول نہیں کیا تھا۔ تاہم زرہ اور خود پہنی اور گھوڑے پر سوار ہو کر احد کی طرف روانہ ہو گئے۔

آنحضرت ﷺ کے پاس پہنچ کر پوچھا، لڑوں یا مسلمان ہوں؟ ارشاد ہوا، دونوں کام کرو۔ پہلے مسلمان ہو، پھر لڑائی میں شرکت کرو۔ عرض کیا یا رسول اللہ (ﷺ) میں نے ایک رکعت نماز بھی نہیں پڑھی، ایسی صورت میں اگر مارا گیا تو کیا میرے لئے بہتر ہوگا۔ فرمایا : ”ہاں“ ! چنانچہ کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو گئے۔

احد کی شرکت اور شہادت :

تکوار لے کر میدان کی طرف روانہ ہوئے۔ مسلمانوں کو اس کا بالکل علم نہ تھا۔ ان کو دیکھ کر کہا تم یہاں سے واپس جاؤ۔ جواب دیا کہ میں بھی مسلمان ہوں۔

لڑائی شروع ہوئی تو نہایت بہادری سے مقابلہ کیا اور کفار کی صف میں کھڑے بہت سے زخم کھائے۔ زخم اتنے کاری تھے کہ اٹھنے کی بھی تاب نہ تھی۔ قبیلہ عبدالاشہل کے لوگ شہداء کی تلاش میں نکلے تو دیکھا کہ اصیرمؓ بھی مردوں میں پڑے ہیں۔ ابھی تک کچھ کچھ سانس آرہی تھی۔ پوچھا تم کہاں؟ شاید قومی حمیت یہاں کھینچ لائی۔ بولے نہیں۔ میں مسلمان ہو کر خدا اور رسول کی طرف سے شریک ہوا ہوں۔

میدان سے اٹھا کر گھر لائے گئے۔ تمام خاندان میں یہ خبر مشہور ہو گئی۔ قبیلہ شہل کے سردار حضرت سعد بن معاذؓ نے سنا تو ان کے گھر تشریف لائے اور ان کی بہن سے واقعہ دریافت کیا۔ ابھی یہ جمع منتشر نہ ہوا تھا کہ روح مطہر جسم سے پرواز کر گئی۔

آنحضرت ﷺ کو خبر ہوئی تو فرمایا: ”عَمَلًا قَلِيلًا وَاَجْرًا كَثِيرًا“ بعض روایتوں میں ہے کہ ”انہ لمن اهل الجنة“ یعنی اس نے عمل تھوڑا کیا لیکن اجر بہت پایا، وہ یقیناً جنتی ہے۔ چونکہ واقعہ اپنی نوعیت کے لحاظ سے عجیب تھا۔ اس لئے لوگوں نے اس کے یاد رکھنے میں خاص اہتمام کیا۔ حضرت ابو ہریرہؓ اپنے شاگردوں سے دریافت فرماتے کہ کوئی ایسا شخص بتاؤ، جس نے ایک وقت کی بھی نماز نہ پڑھی ہو اور سیدھا جنت میں داخل ہو گیا ہو۔ جب لوگ جواب نہ دیتے تو فرماتے اصیرمؓ عبد الاشہلؓ۔



۱۔ دیکھو صحیح بخاری و کتب رجال۔ یہ واقعہ ابو داؤد، مسلم، نسائی، حاکم سب میں منقول ہے۔

حضرت ابوزید عمرو بن الخطابؓ

نام و نسب :

عمرو نام ہے۔ ابوزید کنیت۔ سلسلہ نسب یہ ہے : عمرو بن الخطاب بن رفاعہ بن محمود ابن یسیر بن عبد اللہ بن صیف بن العیر بن عدی بن ثعلبہ بن عامر بن عامر ماء السماء۔ اگرچہ عدی ابن ثعلبہ کی اولاد تھے مگر اس کے برادر خزرج کی نسل سے مشہور ہوئے اور عرب میں یہ کوئی نئی بات نہیں۔ صاحب اسد الغابہ لکھتے ہیں^۱ :

”کثیر اما تفعل العرب هذا تنسب ولد الاخ الى عمهم لشهرته“۔

”عرب میں بسا اوقات چچا کے مشہور ہونے کی وجہ سے بھتیجا اسی کا بیٹا مشہور ہو جاتا ہے“۔

اسلام : ہجرت کے بعد مسلمان ہوئے۔

غزوات : ۱۳ غزوات میں شرکت کی^۲۔

اولاد : حسب ذیل اولاد چھوڑی : بشیر اور عزہ بن ثابت محدث کی والدہ۔

حلیہ : حلیہ یہ تھا : خوبصورت اور میانہ رو تھے لنگڑا کر چلتے تھے۔

فضل و کمال :

چند حدیثیں روایت کیں، جو صحیح مسلم اور سنن میں موجود ہیں۔ راویوں میں حسب ذیل اصحاب ہیں : علی بن احمد لشکری، حسن بن ابی الحسن البصری، ابونہیک ازدی، انس بن سیرین، ابوالخلیل، تمیم بن حویس، سعید بن قطن، ابو قلابہ، عمرو بن بجدان، حسن بن محمد عبدس، تمیم بن مریض۔

اخلاق : حب رسول علانیہ نمایاں تھی۔ آنحضرت ﷺ بھی اُن سے محبت کرتے تھے۔ ایک

مرتبہ جسد اطہر سے گزرتا اٹھا کر فرمایا، یہاں آؤ اور میری پیٹھ چھوؤ۔ ہاتھ پیٹھ سے نبوت پر پہنچا اور اس کو اچھی طرح دیکھا^۳۔

ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ نے پانی مانگا، پیالہ میں بال پڑا تھا۔ انہوں نے جلدی سے نکالا، آنحضرت ﷺ نہایت خوش ہوئے۔ سر اور چہرہ پر ہاتھ پھیرا اور فرمایا خدایا اس کو صاحب جمال کر۔ جن لوگوں نے ان کو ۹۳-۹۴ سال کے سن میں دیکھا، بیان کرتے ہیں کہ سر اور داڑھی میں ایک بال بھی سفید نہ ہوا تھا۔ وفات کے وقت جب ۱۲۰ سال کی عمر تھی، سر کے بال سفید ہو گئے تھے۔^۲



حضرت ابو عمرہؓ

نام و نسب :

بشیر نام ہے۔ ابو عمرہ کنیت۔ قبیلہ خزرج کے خاندان نجار سے ہیں۔ سلسلہ نسب یہ ہے :
بشیر بن عمرو بن مھسن بن عمرو بن عتیک بن عمرو بن مہذول (عامر) بن مالک بن نجار۔ والدہ کا نام کبشہ بنت ثابت تھا۔ قبیلہ نجار سے تھیں اور حضرت حسان بن ثابتؓ کی ہمشیرہ تھیں۔
اسلام : بیعت عقبہ میں مشرف باسلام ہوئے۔

غزوات : بدر، احد اور تمام غزوات میں آنحضرت ﷺ کے ساتھ شرکت کی۔ بدر یا احد میں اپنے بھائیوں کے ہمراہ آنحضرت ﷺ کے پاس حاضر ہوئے تو آپ نے فی کس ایک حصہ اور گھوڑے کو دو حصے مرحمت فرمائے۔

معرکہ صفین میں حضرت علیؓ کے ساتھ تھے۔ ایک روایت ہے کہ اس جنگ میں ایک لاکھ درہم سے اعانت بھی کی تھی۔

وفات : میدان میں پہنچے تو بائیں ہمہ پیرانہ سالی ۳۳ تیر چلائے اور پھر خود روزہ کی حالت میں جام شہادت نوش فرمایا۔

اولاد : دو لڑکے چھوڑے۔ بیوی کا نام معلوم نہیں۔ مقوم بن عبدالمطلب کہ آنحضرت ﷺ کے چچا تھے، ان کی بیٹی تھیں۔



حضرت اوس بن خولیؓ

نام و نسب :

اوس نام ہے۔ ابو یلی کنیت۔ قبیلہ خزرج سے ہیں۔ نسب نامہ یہ ہے : اوس بن خولی ابن عبد اللہ بن حارث بن مالک بن سالم بن خنم بن عوف بن خزرج بن الحارث ابن الخزرج۔ اسلام : ہجرت کے بعد مسلمان ہوئے۔

غزوات : شجاع بن وہب اسدی سے مواخاۃ ہوئی۔ بدر، احد اور تمام غزوات میں شریک ہوئے۔ ابن ابی الحقیق یہودی کے قتل کو جو سریہ گیا تھا، اس میں بعض کے خیال کے مطابق یہ بھی شامل تھے۔^۱ عمرۃ القضا میں آنحضرت ﷺ کے ہمراہ تھے۔ چونکہ آپ کو قریش سے قریب کا خوف تھا، اس لئے مرانظہر ان میں ٹھہر کر، اوس کو دو سو آدمیوں کے ساتھ بطن یانج کی طرف روانہ کیا۔ اوس ذی طوی پہنچ کر مقیم ہوئے۔^۲

آنحضرت ﷺ نے جب انتقال فرمایا تو گھر کے اندر حضرت عباسؓ، حضرت علیؓ، فضلؓ، قثمؓ اور سقران کے سوا کوئی نہ تھا۔ صحابہ میں ہر شخص اندر جانے کا متمنی تھا۔ لیکن ان بزرگوں نے ہجوم کے خوف سے دروازے بند کر لئے تھے۔ انصار نے حلقاً آواز دی کہ ہم آنحضرت ﷺ کے نانہالی اعزہ ہیں اور ہمارا اسلام میں جو رتبہ ہے، وہ سب کو معلوم ہے۔ ادھر اوس بن خولیؓ نے حضرت علیؓ کو اپنے بلانے کے لئے قسم دی۔ آپ نے فرمایا، ایک شخص جس کو سب منتخب کر لیں، اندر آ سکتا ہے۔ سب نے اس پر اتفاق کیا۔ اس وقت دروازہ کھلا اور اندر جا کر بیٹھ گئے۔ لیکن اس کے بعد اٹھے اور پانی پہنچانے کی خدمت انجام دی۔ قوی آدمی تھے، ایک ہاتھ سے گھڑا اٹھا کر لاتے تھے۔^۳

فن کے وقت اہل بیعت کے ساتھ اوس بن خولیؓ بھی لحد میں اترے۔^۴

وفات : حضرت عثمان غنیؓ کے زمانہ خلافت میں انتقال کیا۔ یہ ان کے محاصرہ سے قبل کا واقعہ ہے۔^۵
فضل و کمال : شہسواری، کتابت اور تیرنا خوب جانتے تھے۔ جو شخص عرب میں ان چیزوں کا ماہر ہوتا تھا، اس کو کامل کہتے تھے۔ صاحب اسد الغابہ ان کے متعلق لکھتے ہیں، ”کان من الکملۃ“ کا ملین میں تھے۔

۱۔ اصحابہ جلد ۱۔ ص ۸۵ ۲۔ ایضاً طبقات ابن سعد جلد ۲۔ قسم ۱۔ ص ۸۸ ۳۔ طبقات جلد ۲۔ قسم ۲۔ ص ۶۱، ۶۲، ۶۳ ۴۔ ایضاً۔ ص ۶ ۵۔ اسد الغابہ جلد ۱۔ ص ۱۴۵

حضرت ابو عبسؓ بن حبیر

نام و نسب :

عبدالرحمن نام ہے۔ ابو عبس کنیت۔ قبیلہ اوس کے خاندان حارثہ سے ہیں۔ سلسلہ نسب یہ ہے۔ عبدالرحمن بن حبیر بن عمرو بن زید بن جشم بن مجد بن حارثہ بن حارث بن خزرج بن عمرو بن مالک بن اوس۔ (جاہلیت میں عبدالعزی نام تھا، آنحضرت ﷺ نے بدل کر عبدالرحمن رکھا)۔

اسلام : ہجرت سے قبل مسلمان ہوئے اور ابو بردہؓ کو ہمراہ لے کر بنو حارثہ کے بت توڑے۔
خنیس بن حذافہ سے برادری قائم ہوئی۔

غزوات : تمام غزوات میں شریک ہوئے غزوہ بدر میں ۲۸ سال کا سن تھا۔

بنو نضیر میں کعب بن اشرف ایک یہودی تھا۔ رسول اللہ ﷺ اور مسلمان سب اس سے پریشان تھے۔ اس لئے انصار کی ایک جماعت اس کے قتل کے لئے آمادہ ہوئی۔ حضرت ابو عبسؓ بھی ان میں شامل تھے۔

وفات : ۳۳ھ میں انتقال ہوا۔ بیماری میں حضرت عثمان غنیؓ عیادت کو تشریف لائے۔ لیکن مرض اور پیری نے جانبر نہ ہونے دیا۔ حضرت عثمان غنیؓ نے نماز جنازہ پڑھی اور بقیع میں لے جا کر دفن کیا۔ ابو بردہ بن نیار، محمد بن مسلمہ، قتادہ بن نعمان، سلمہ بن سلامہ بن قش جیسے اکابر قبر میں اترے۔ وفات کے وقت عام روایت کے مطابق ہفتاد سالہ تھے۔ لیکن یہ صحیح نہیں۔ اوپر گزر چکا ہے کہ بدر میں ۲۸ برس کا سن تھا۔ اس لئے اُن کی عمر ۸۰ سال قرار پائی ہے۔ استیعاب کے ایک نسخہ میں ۷۰ کے بجائے ۹۰ مذکور ہے۔

اولاد : محمد اور زید، دو لڑکے چھوڑے۔

حلیہ : آنحضرت ﷺ کی زندگی ہی میں آنکھ جاتی رہی تھی۔ آپ نے ان کو ایک عصا دیا تھا کہ اس کو لے چلنے میں روشنی معلوم ہوگی۔ ضعیفی میں جب بال سفید ہو گئے تو مہندی کا خضاب لگاتے تھے۔

فضل و کمال :

ایام جاہلیت ہی میں علم کا شوق تھا۔ صاحب اسد الغابہ لکھتے ہیں: ”کان یکتب بالعربی قبل الاسلام“۔ اسلام سے قبل وہ عربی لکھ لیتے تھے۔

مسلمان ہو کر قرآن و حدیث سیکھی۔ ۵۰ حدیثیں ان کے سلسلے سے ہم تک پہنچی ہیں۔ جن کے روایت کرنے والے رافع بن خدیجؓ کے پوتے عبایہ ہیں۔



حضرت ابو زیدؓ

نام و نسب :

قیس نام ہے۔ ابو زید کنیت۔ قاری لقب، قبیلہ خزرج سے ہیں۔ نسب نامہ یہ ہے :
قیس بن السکن بن قیس بن زعورا بن حرام بن جندب بن عامر بن غنم بن عدی
بن نجار۔ حضرت انسؓ بن مالک مشہور صحابی کے چچا ہوتے تھے۔

غزوات : غزوہ بدر میں شریک تھے۔

وفات : خلافت فاروقی میں جسرا ابو عبیدہ کے معرکہ میں شہادت پائی۔ یہ ۱۵ھ کی اخیر تاریخوں
کا واقعہ ہے۔

اولاد : کوئی صلیبی یادگار نہ تھی۔ اس لئے حضرت انسؓ کو ترکہ پہنچا۔

فضل و کمال :

معنوی یادگاریں بہت ہیں اور لائقوں سے متجاوز ہیں۔ حضرت ابو زیدؓ انصار کے اُن چار
حفاظ میں ہیں، جنہوں نے آنحضرت ﷺ کی زندگی میں پورا قرآن یاد کر لیا تھا۔ اس بنا پر آج جس قدر
حافظ موجود ہیں، ان کا سلسلہ روایت ان بزرگوار تک منتہی ہوتا ہے۔



حضرت ابواسیدؓ ساعدی

نام و نسب :

مالک نام ہے۔ ابواسید کنیت، قبیلہ خزرج سے ہیں۔ نسب نامہ یہ ہے : مالک بن ربیعہ ابن بدن عامر بن عوف بن حارثہ بن عمرو بن خزرج بن ساعدہ بن کعب بن خزرج اکبر۔ اسلام : ہجرت سے قبل اسلام لائے۔

غزوات : تمام غزوات میں شرکت کی۔ غزوہ بدر کی شرکت صحیح بخاری میں مذکور ہے۔ فتح مکہ میں بنو ساعدہ کا جھنڈا ان کے پاس تھا۔

وفات : ۶۰ھ میں بمقام مدینہ انتقال فرمایا۔ بدرین میں وہ سب سے اخیر میں فوت ہوئے۔ اس وقت عمر شریف ۷۸ سال تھی۔

اولاد : حسب ذیل اولاد چھوڑی : حمید، زبیر، منذر، حمزہ۔ ان کی اولاد مدینہ اور بغداد میں سکونت رکھتی تھی۔

حلیہ : حلیہ یہ تھا : قد کوتاہ، بال گھنے، سر اور داڑھی سفید، کبھی خضاب بھی لگاتے تھے۔ حضرت عثمان غنیؓ کے دور خلافت میں آنکھ جاتی رہی تھی۔

فضل و کمال :

آنحضرت ﷺ سے چند حدیثیں روایت کیں۔ راویوں میں اصحاب ذیل داخل ہیں : حضرت انس بن مالکؓ، حضرت سہل بن سعدؓ، عباس بن سہل، علی بن عبید، ابوسعید، ابوسلمہ، عبد الملک بن سعید، ابن سوید، ابراہیم بن سلمہ بن طلحہ، قرہ بن ابی قرہ، یزید بن زیاد۔



حضرت براء بن مالکؓ

نام و نسب :

براء نام ہے۔ حضرت انسؓ بن مالک مشہور صحابی کے علاقائی بھائی ہیں۔ ماں کا نام سمحاء تھا۔ بعض لوگوں نے ان کو حضرت انسؓ کا حقیقی بھائی قرار دیا ہے، جو صحیح نہیں۔ حضرت اُم سلیمؓ کی جس قدر اولادیں پیدا ہوئیں، رجال کی کتابوں میں بالتفصیل مذکور ہیں۔ اس میں براءؓ کا کہیں نام نہیں۔

اسلام : انصارِ مدینہ کے سربراہ آوردہ اشخاص تو مکہ جا جا کر مسلمان ہو چکے تھے۔ عام طبقہ ہجرت نبویؐ سے پیشتر اور بعد تک حلقہ اسلام میں داخل ہوتا رہا۔ حضرت براءؓ بھی اسی زمانہ میں مسلمان ہوئے ہوں گے۔

غزوات : غزوہ بدر میں شریک نہ تھے۔ احد اور اس کے بعد کے تمام غزوات میں شرکت کی۔ جنگ یمامہ میں جو مسلمانہ کذاب (مدعی نبوت) سے ہوئی تھی۔ نہایت نمایاں حصہ لیا۔ حضرت خالدؓ سردار لشکر تھے۔ براءؓ نے کہا کہ تم اٹھو۔ وہ گھوڑے پر سوار ہوئے اور حمد و ثناء کے بعد مسلمانوں سے کہا :

”مدینہ والو! آج مدینہ کا خیال دل سے نکال دو، آج تم کو صرف خدا اور جنت کا خیال رکھنا چاہئے۔ اس تقریر سے تمام لشکر میں جوش کی ایک لہر پیدا ہو گئی اور لوگ گھوڑوں پر چڑھ چڑھ کر ان کے ساتھ ہو گئے۔

ایک سردار سے براءؓ کا مقابلہ ہوا۔ وہ بڑے ڈیل ڈول کا آدمی تھا۔ انہوں نے اس کے پاؤں پر تلوار ماری۔ وار اگرچہ خالی گیا تھا، لیکن وہ ڈمگا کر چپٹ گرا۔ انہوں نے اپنی تلوار میان میں رکھی اور لپک کر اس کی تلوار چھین لی اور ایسا صاف ہاتھ مارا کہ وہ دو ٹکڑے ہو گیا۔

اس کے بعد برق و باد کی طرح مرتدین پر ٹوٹ پڑے اور ان کو دھکیل کر باغ کی دیوار تک ہٹا دیا۔ باغ میں مسلمانہ موجود تھا۔ اہل یمامہ اپنے پیغمبر کے لئے ایک آخری لڑائی لڑے، لیکن حقیقی جوش مصنوعی جوش پر غالب رہا۔ حضرت براءؓ نے مسلمانوں سے کہا، ”لوگو! مجھ کو دشمن کے لشکر میں پھینک دو۔“ وہاں پہنچ کر ایک فیصلہ کن جنگ کی اور باغ کی دیوار پر چڑھ کر دوسری طرف کود گئے۔ حامیان مسلمانہ آمادہ کار زار ہوئے۔ انہوں نے موقع پا کر جلدی سے دروازہ کھول دیا، اور اسلامی لشکر فاتحانہ باغ میں داخل ہو گیا اور مسلمانہ کذاب کی جماعت کو شکست فاش ہوئی۔

اس جانبازی سے بدن چھلنی ہو گیا تھا۔ ۸۰۰ سے زائد تیر اور نیزے کے زخم لگے تھے۔ سواری پر خیمہ میں لائے گئے۔ ایک مہینہ تک علاج ہوتا رہا، اس کے بعد شفا پائی۔ حضرت خالدؓ علالت کے پورے زمانہ تک ان کے ہمراہ رہے۔

حریق کے معرکہ میں جو عراق میں ہوا تھا۔ نہایت جانبازی دکھائی۔ شہر کے ایک قلعہ پر حملہ کرنا تھا۔ دشمنوں نے آگ میں تپتی ہوئی کانٹے دار زنجیر دیوار پر ڈال رکھی تھیں۔ جب کوئی مسلمان دیوار کے قریب پہنچتا تو اس زنجیر کے ذریعہ اوپر اٹھا لیتے تھے۔

حضرت انسؓ دیوار پر چڑھنے کے لئے پہنچے، تو قلعہ والوں نے ان کو بھی زنجیر سے اٹھانا چاہا، وہ اوپر کھینچ رہے تھے کہ براءؓ کی نظر پڑ گئی، فوراً دیوار کے پاس آئے اور زنجیر کو اس زور سے جھٹکا دیا کہ اوپر کی رسی ٹوٹ گئی اور حضرت انسؓ نیچے گرے۔ زنجیر پکڑنے سے حضرت براءؓ کے ہاتھ کا تمام گوشت نچ گیا تھا اور ہڈیاں نکل آئی تھیں۔

تستر (فارس) کے معرکہ میں وہ میمنہ کے افسر تھے۔ انہوں نے تنہا ۱۰۰ آدمی قتل کئے اور جو شرکت میں مارے گئے ان کا عدد شمار نہیں۔

وفات : ہنوز یہ معرکہ جاری تھا اور قلعہ فتح نہ ہوا تھا کہ ایک دن حضرت انسؓ ان کے پاس گئے۔ وہ گا۔ نے میں مشغول تھے، کہا کہ خدا نے آپ کو اس سے اچھی چیز عطا فرمائی ہے، (یعنی قرآن)۔ اس کو لٹن سے پڑھئے۔ فرمایا شاید آپ کو یہ خوف ہے کہ کہیں بستر پر میرا دم نہ نکل جائے، لیکن خدا کی قسم ایسا نہ ہوگا۔ میں جب مروں گا تو میدان جنگ میں مروں گا۔

آنحضرت ﷺ نے ان کے متعلق ایک حدیث میں فرمایا تھا کہ ”بہت سے پرگندہ مو، غبار آلود، جن کی لوگوں میں کوئی وقت نہیں ہوتی، جب خدا سے قسم کھا بیٹھتے ہیں تو وہ ان کی قسم کو پورا کر دیتا ہے۔ اور براءؓ بھی انہی لوگوں میں ہیں۔“ اس بنا پر مسلمانوں کو تستر میں جب ہزیمت ہوئی تو ان کے پاس آئے کہ آج سے قسم کھائیے۔ فرمایا ”اے خدا میں تجھ کو قسم دیتا ہوں کہ مسلمانوں کو فتح دے اور مجھ کو رسول اللہ ﷺ کی زیارت سے مشرف فرما۔“

اس کے بعد فوج لے کر خود حملہ کیا۔ زرارہ کا مرزبان کہ سلطنت فارس کے چیدہ امراء میں تھا، مقابلہ پر آیا۔ انہوں نے اس کو قتل کر کے سامان پر قبضہ کر لیا اور نہایت جوش سے مارتے دھاڑتے پھاٹک تک پہنچے۔ عین پھاٹک پر ہ مزان کا سامنا ہوا، دونوں میں پُر زور مقابلہ ہوا۔ اور حضرت براءؓ شہید ہوئے، لیکن میدان مسلمانوں کے ہاتھ رہا۔ یہ ۲۰ھ کا واقعہ ہے۔

فضل و کمال :

حضرت براءؓ آنحضرت ﷺ کے مخصوص صحابہ میں تھے۔ وہ برسوں بساط نبوت کے حاشیہ نشین رہے۔ سینکڑوں ہزاروں حدیثیں سنیں ہوں گی۔ لیکن تعجب یہ ہے کہ ان کی روایت کا سلسلہ آگے نہ بڑھ سکا۔ مصنف استیعاب لکھتے ہیں :

”کان البراء بن مالک احد الفضلاء“۔ براءؓ فصلاً صحابہ میں تھے۔

(استیعاب ص ۵۷)

شاید جہاد کی مصروفیت بیان کرنے سے مانع رہی ہو۔

اخلاق و عادات :

انتہا درجہ کے جری اور بہادر تھے۔ حضرت عمر فاروقؓ اسی وجہ سے ان کو کسی فوج کا افسر نہیں بناتے تھے۔ اور افسران کو لکھتے کہ خبردار! براءؓ کو امیر نہ بنانا، وہ آدمی نہیں بلا ہیں، سامنے ہی جائیں گے۔

گانے کا بہت شوق تھا اور آواز اچھی پائی تھی۔ ایک سفر میں رجز پڑھ رہے تھے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا، ذرا عورتوں کا خیال کرو۔ اس پر انہوں نے سکوت اختیار کر لیا۔



حضرت براءؓ بن عازب

نام و نسب :

براء نام ہے۔ ابوعمارہ کنیت، خاندان حارثہ سے ہیں۔ نسب یہ ہے : براء بن عازب ابن حارث بن عدی بن جشم بن مجدعہ بن حارثہ بن حارث بن خزرج بن عمرو بن مالک اوس۔ ننھیال کی طرف سے حضرت ابو بردہؓ بن نیار جو غزوہ بدر میں آنحضرت ﷺ کے ہمراہ تھے اور قبیلہ بلی سے تھے۔ ان کے ماموں تھے۔ پیشتر وہ اپنی سسرال کے حلیف بھی بن چکے تھے۔

حضرت براءؓ کے والد (عازب) صحابی تھے۔ صحیحین میں ان کا یہ واقعہ مروی ہے کہ حضرت ابو بکر صدیقؓ نے ان سے اونٹ کا پالان خریدا، اور کہا اس کو اپنے بیٹے سے اٹھوا کر میرے ساتھ بھیجئے۔ جواب دیا، پہلے ہجرت کا قصہ سنائیےؓ، پھر آپ جاسکتے ہیں۔

اسلام : مدینہ میں دعوت اسلام عام ہو چکی تھی۔ ماموں عقبہ میں بیت کر چکے تھے باپ نے بھی توحید و رسالت کا اقرار کر لیا تھا، بیٹے نے ان ہی دونوں خاندانوں میں تربیت پائی تھی۔

غزوات و دیگر حالات :

قبول اسلام کے بعد احکام و مسائل کے سیکھنے میں مصروف ہوئے، مصعب بن عمیرؓ اور ابن مکتوب کی درس گاہ کتاب و سنت کا مرکز بنی ہوئی تھی، انہوں نے وہیں تعلیم پائی، پہلے قرآن مجید پڑھنا شروع کیا، آنحضرت ﷺ مدینہ تشریف لائے تو سبح اسم ربک الاعلیٰ کی سورۃ زیر درس تھی۔ غزوہ بدر میں اگر کمسن تھے تاہم جوش ایمان عین شباب پر تھا، رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، آپ نے لڑائی کے ناقابل سمجھ کر واپس کر دیا۔

غزوہ احد میں پندرہ سال کی عمر میں لڑائی میں شریک ہوئے۔ خندق، حدیبیہ، خیبر، میں بھی شرف شرکت حاصل تھی۔

غزوہ حنین میں نہایت پامردی سے مقابلہ کیا، ایک شخص نے پوچھا حنین میں تم بھاگے تھے؟

۱۔ اصحابہ حالات ابو بردہ	۲۔ مسند۔ جلد ۴۔ ص ۲۸۲	۳۔ صحیح بخاری جلد ۱۔ ص ۵۵۷
۴۔ ایضاً۔ جلد ۱۔ ص ۵۵۸	۵۔ صحیح بخاری جلد ۱۔ ص ۵۶۴	۶۔ ایضاً۔ ص ۵۷۹
۷۔ ایضاً۔ ص ۵۸۹	۸۔ ایضاً۔ ص ۲۱۰	۹۔ ایضاً۔ ص ۶۰۷

فرمایا بہر حال میں یہ شہادت دیتا ہوں کہ رسول اللہ ﷺ نے پیٹھ نہیں پھیری۔ جلد باز لوگ البتہ دور تک پھیل گئے تھے۔^۱

اس روایت سے لوگوں نے براءؓ کے عدم فرار پر استدلال کیا ہے کہ بھاگنے کی صورت میں وہ ان واقعات کو دیکھ نہ سکتے تھے، جن کے نچشم خود دیکھنے کے مدعی ہیں۔

غزوہ طائف کے بعد اور حجۃ الوداع سے قبل آنحضرت ﷺ نے حضرت خالدؓ کو کچھ لوگوں کے ہمراہ یمن روانہ کیا۔ حضرت براءؓ بھی ساتھ تھے۔ ان کے پیچھے حضرت علیؓ کو بھیجا اور فرما دیا کہ اصحاب خالدؓ میں جو لوگ وہاں رہنا چاہیں، تمہارے ساتھ رہ سکتے ہیں اور جو آنا چاہتے ہوں وہ مدینہ چلے آئیں۔ حضرت براءؓ یمن میں ٹھہر گئے اور وہاں سے بہت سا مال غنیمت حاصل کیا۔^۲

غرض عہد نبوت کے وہ غزوات جن میں آنحضرت ﷺ کی بہ نفس نفیس شرکت تھی، ان میں سے ۱۵ میں شرف شمولیت حاصل کیا۔^۳ غزوات کے ساتھ اگر دیگر واقعات بھی ملا دیئے جائیں تو آنحضرت ﷺ کے ہمراہ سفر کی تعداد ۱۸ ہو جاتی ہے۔^۴

۳۳ھ (خلافت فاروقی) میں رے فتح کیا۔ غزوہ تستر میں حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کے ہمراہ تھے اور جناب امیرؓ کے عہد خلافت میں جوڑائیاں ہوئیں۔ سب میں حضرت علیؓ کی طرف سے شریک ہوئے۔ کوفہ میں ایک مکان بنایا اور وہیں سکونت اختیار کی۔

وفات : ۷۷ھ میں مصعب بن زبیر امیر کوفہ تھے۔ کوفہ میں انتقال فرمایا۔

اولاد : حسب ذیل چھوڑی : ۱۔ عبید ۲۔ ربیع ۳۔ لوط ۴۔ سوید ۵۔ یزید۔ ان میں سے موخر الذکر عمان کے امیر تھے۔ سوید کے حالات میں صاحب طبقات نے لکھا ہے عمان کے بہترین امیر ثابت ہوئے تھے۔^۵ ممکن ہے کہ یزید اور سوید دونوں عمان کے امیر مقرر ہوئے ہوں۔

سونے کی انگٹھی پہنتے تھے۔ سونا مردوں کے لئے شرعاً حرام ہے۔ لوگوں نے اعتراض کیا۔ فرمایا، پہلے واقعہ سن لو۔ ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ نے مال غنیمت تقسیم کیا، صرف یہ انگٹھی رہ گئی، ادھر ادھر دیکھا، پھر مجھ کو بلا کر فرمایا ”تو“ اس کو پہنو ”خدا اور رسول نے تم کو پہنائی ہے“۔ اب تم ہی بتاؤ، جو چیز اللہ اور رسول نے مجھے پہنائی ہو، اس کو کیونکر اتار کر پھینکوں گے۔

۱۔ ایضاً ص ۶۱۔ ۲۔ ص ۶۲۳۔ ۳۔ مسند جلد ۴۔ ص ۲۹۲۔ ۴۔ ایضاً ص ۲۹۲۔

۵۔ مسند جلد ۴۔ ص ۲۸۸۔ ۶۔ ابن سعد جلد ۶۔ ص ۲۰۷۔ ۷۔ ایضاً ص ۲۹۲۔

فصل و کمالات :

فضلاء صحابہ میں تھے۔ حدیث کے نشر و اشاعت میں خاص اہتمام تھا۔ ان کے سلسلہ سے جو حدیثیں روایت کی گئی ہیں، ان کی تعداد ۳۰۵۰ ہے۔ ان میں سے ۲۲ پر بخاری اور مسلم کا اتفاق ہے۔ روایت حدیث میں خاص احتیاط رکھتے تھے اور اس کی تعلیم خود آنحضرت ﷺ سے پائی تھی۔ آنحضرت ﷺ نے ان کو ایک دعائی اور خود سنا کر ان سے پڑھوایا انہوں نے ”برسولک“ پڑھا۔ آنحضرت ﷺ نے ”بنبیک“ بتایا تھا۔ فرمایا نہیں ”بنبیک“۔^۱

اس کا یہ اثر تھا کہ حدیث بیان کرتے وقت ان نزاکتوں کا پورا خیال رکھتے تھے۔ ایک مرتبہ اپنی روایتوں کی نوعیت بیان کی۔ فرمایا :

”ما كل الحديث سمعناه من رسول الله كان يحدثنا أصحابنا عنه كانت شغلنا عند رعية الابل“۔^۲

”یعنی جتنی حدیثیں میں بیان کروں، ضروری نہیں کہ سب رسول اللہ ﷺ سے سنی بھی ہوں۔ ہم اونٹ چرایا کرتے تھے، اس بنا پر آنحضرت ﷺ کے پاس ہر وقت حاضر نہ رہ سکتے تھے۔ بہت حدیثیں میں صحابہ سے روایت کرتا ہوں۔

جن صحابہ سے حدیث کی وہ اپنے طبقہ کے سربراہ آ رہے تھے۔ مثلاً حضرت ابو بکر صدیقؓ، حضرت عمر فاروقؓ، حضرت علیؓ، حضرت ابویوبؓ، حضرت بلالؓ، حضرت عازبؓ۔ جن لوگوں کو تلمذ کا فخر حاصل تھا، وہ اکابر تابعین سے تھے۔ ابن ابی لیلیٰ، عدی بن ثابت، ابو اسحاق، معاویہ بن سوید بن مقرن، ابو بردہ، ابو بکر پسران، ابو موسیٰ اشعری وغیرہ۔

بسا اوقات حدیث کی مجلس میں صحابہ بھی شریک ہوتے تھے۔ ابو جحیفہ اور عبد اللہ ابن زید خطمی تو راویوں کے زمرہ میں داخل ہو چکے تھے۔ ان کے علاوہ اور بھی صحابہ آتے تھے۔ ایک روز کعب بن جبرہ چند صحابہ کے ساتھ ان کی مجلس میں تشریف لائے تھے۔^۳

مجلس میں مختلف قسم کے شکوک پیش ہوتے تھے۔ بعض آیات قرآنی پر شبہ وارد کرتے تھے۔ بعض مسائل فقہ دریافت کرتے تھے۔

ایک شخص نے پوچھا کہ ”لا تلقوا بایدیکم الی التهلكة“ (اپنے ہاتھوں ہلاکت میں نہ پڑو) مشرکین پر حملہ کرنا داخل ہے یا نہیں؟ فرمایا کیسے ہو سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے خود آنحضرت ﷺ کو

جہاد کرنے کا حکم دیا اور فرمایا تھا : ” فبقاتل فی سبیل اللہ لا تکلف الا نفسک “ (خدا کی راہ میں لڑائی کرو تم صرف اپنے نفس کے مکلف ہو) تم نے جو آیت پیش کی خرچ کے بارے میں ہے۔^۱ یعنی یہ نہ سمجھو کہ راہ خدا میں صرف کرنے سے ہم تباہ ہو جائیں گے۔ ایسا سمجھنا ہلاکت ہے۔

ایک مرتبہ عبدالرحمن بن مطعم (ابو منہال) کے ساتھی نے بازار میں کچھ درہم ایک مدت معینہ تک کے لئے فروخت کئے، عبدالرحمن نے کہا یہ جائز بھی ہے؟ بولا ہاں میں نے اس سے پہلے بھی نیچے ہیں لیکن کسی نے برا نہ کہا یہ براء بن عازب کے پاس گئے اور واقعہ بیان کیا۔ فرمایا آنحضرت ﷺ جب مدینہ تشریف لائے تو ہم لوگ اسی طرح خرید و فروخت کرتے تھے، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو ہاتھوں ہاتھ ہو اس میں مضائقہ نہیں لیکن ادھار ناجائز ہے۔ مزید اطمینان کے لئے زید بن ارقم سے جا کر پوچھو وہ ہم سب میں بڑے تاجر تھے۔ عبدالرحمن زید بن ارقم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس گئے انہوں نے براءؓ کی تائید کی۔^۲

اخلاق و عادات : اخلاق و عادات میں اتباع سنت۔ حب رسول ﷺ، انکسار و تواضع نمایاں ہیں اتباع سنت کا یہ حال تھا کہ نماز کیا ایک ایک چیز رسول اللہ ﷺ سے مشابہ تھی، ایک روز گھروالوں کو جمع کر کے کہا کہ جس طرح رسول اللہ ﷺ وضو کرتے اور نماز پڑھتے تھے، آج تم کو دکھا دوں، خدا معلوم میری زندگی کب تک رہے اور وضو کر کے ظہر کی نماز باجماعت پڑھی، پھر عصر، مغرب، عشاء سب اسی طرح پڑھا میں۔^۳

ایک روز آنحضرت ﷺ کے سجدہ کی نقل کر کے بتائی۔^۴

ایک مرتبہ ابو داؤد ملاقات کو آئے تو انہوں نے خود سلام کیا، اور ان کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر خوب ہنسے، پھر فرمایا جانتے ہو میں نے ایسا کیوں کیا؟ آنحضرت ﷺ نے میرے ساتھ ایک مرتبہ ایسا ہی کیا تھا، اور فرمایا تھا کہ جب وہ مسلمان اس طرح ملیں اور کوئی ذاتی غرض درمیان میں نہ ہو تو دونوں کی مغفرت کی جاتی ہے۔^۵

صف نماز میں داینی طرف کھڑے ہونے کی بڑی فضیلت وارد ہوئی ہے، اس لئے حضرت براءؓ داینی طرف کھڑا ہونا پسند کرتے تھے۔^۶

رسول اللہ ﷺ کی محبت جان و مال سے زیادہ تھی اور اس کا اثر ہر ہر بات پر نمایاں تھا،

۱۔ مسند جلد ۴۔ ص ۲۸۱۔

۲۔ مسند جلد ۴۔ ص ۲۸۔

۳۔ مسند جلد ۴۔ ص ۲۸۱۔

۴۔ مسند جلد ۴۔ ص ۲۸۹۔

۵۔ مسند جلد ۴۔ ص ۲۸۹۔

آنحضرت ﷺ کا حلیہ بیان کرتے تو ہر لفظ محبت کے آب حیات میں ڈوبا ہوا نکلتا، فرماتے کہ آنحضرت ﷺ سب آدمیوں سے خوبصورت تھے میں نے سرخ چادر اوڑھے دیکھا تھا۔ جتنی آپ پر کھلتی تھی کسی پر نہ کھلتی تھی۔

ایک مرتبہ کسی نے دریافت کیا کہ آنحضرت ﷺ کا چہرہ (چمک میں) تلوار کے مانند تھا؟ فرمایا نہیں بلکہ چاند کے مانند تھا۔

انکسار تو اضع کا یہ حال تھا کہ گو آپ جلیل القدر صحابی تھے، لیکن اپنے کونہایت ناچیز سمجھتے تھے۔ ایک شخص نے آکر کہا کہ خوش بختی مبارک ہو! آپ رسول اللہ ﷺ کے صحابی ہیں اور بیعت الرضوان میں بھی شریک ہو چکے ہیں۔ فرمایا، برادر زادے! تم کو معلوم نہیں کہ آنحضرت ﷺ کے بعد ہم نے کیا کیا۔



حضرت براء بن معرورؓ

نام و نسب :

براء نام ہے۔ ابو بشر کنیت، قبیلہ خزرج کے خاندان سلمہ سے ہیں۔ سلسلہ نسب یہ ہے :
 براء بن معرور بن صخر بن سابق بن سنان بن عبید بن عدی بن غنم بن کعب بن سلمہ بن سعد
 ابن علی بن اسد بن سارہ بن ضبل بن خزرج۔

والدہ کا نام رباب تھا اور حضرت سعد بن معاذ سردار اوس کی حقیقی پھوپھی ہیں۔ حضرت براءؓ
 اپنے قبیلہ کے رئیس اور سردار تھے۔ جبل و نخل، مسجد خربہ اور چند قلعے ان کی ملکیت تھے۔
 اسلام : عقبہ کبیرہ سے قبل مشرف بہ اسلام ہوئے۔ بعض کا خیال ہے کہ عقبہ اولیٰ میں بیعت کی
 تھی۔ لیکن اس کا کوئی ثبوت نہیں۔ اس روایت کے نقل کرنے والے صرف محمد بن اسحاق ہیں۔ باقی
 اصحاب سیرت اس کے ذکر سے خاموش ہیں۔

جس زمانہ میں انہوں نے اسلام قبول کیا تھا۔ اس وقت بیت المقدس قبلہ تھا اور مسلمان اسی
 کی سمت رخ کر کے نماز پڑھتے تھے۔ لیکن براءؓ کعبہ کی طرف نماز پڑھتے تھے کہ میں اس کی طرف
 پشت نہیں کرنا چاہتا۔ اس بنا پر جب عقبہ ثانیہ کی شرکت کے لئے مکہ روانہ ہوئے تو آنحضرت ﷺ سے
 استفسار کیا کہ یا بنی اللہ نے مجھ کو اسلام کی ہدایت دی اور میں سفر کر کے یہاں آیا ہوں، میری خواہش
 ہے کہ نماز میں کعبہ کی طرف پشت کر کے نہ پڑھوں۔ میرے ساتھی اس کے خلاف ہیں۔ اب آپ کیا
 فرماتے ہیں؟ ارشاد ہوا، ”اگر کچھ دنوں صبر کرو تو امید ہے یہی قبلہ قرار پا جائے۔“ اس وقت حضرت
 براءؓ نے فرمان نبوی کے مطابق بیت المقدس کی طرف رخ کر کے نماز ادا کی۔

ایام تشریق میں بیعت کا وعدہ ہوا۔ آنحضرت ﷺ حضرت عباسؓ کے ہمراہ تشریف لائے
 اور فرمایا تم سے اس شرط پر بیعت لیتا ہوں کہ میری اس طرح حفاظت کرو گے جس طرح اپنی عورتوں اور
 بچوں کی حفاظت کرتے ہو۔

حضرت براءؓ نے آنحضرت ﷺ کا ہاتھ پکڑا اور کہا، اس ذات کی قسم جس نے آپؐ کو حق و
 صداقت کے ساتھ معبود کیا، ہم اپنی جانوں کی طرح آپؐ کی حفاظت کریں گے۔ یا رسول اللہ !
 آپ ہم سے بیعت لے لیجئے۔ خدا کی قسم ہم ایک مسلح جماعت ہیں اور ہم نے ہتھیار باطن و راہت

میں پائے ہیں۔ یہ کہہ کر آنحضرت ﷺ سے بیعت کی، پھر تمام مجمع بیعت کے لئے بڑھا۔
بیعت کے بعد نقباء کا انتخاب ہوا۔ حضرت براء بنو سلمہ کے نقیب بنائے گئے۔

وفات : ذی الحجہ میں بیعت کی تھی۔ اس کے دو مہینے بعد صفر میں انتقال کیا۔ وفات کے وقت وصیت کی کہ مجھ کو قبر میں قبلہ رخ رکھنا اور میرا ثلث مال رسول اللہ ﷺ کی رائے پر ہے۔ جس مصرف میں چاہیں صرف کریں۔ یہ ہجرت سے ایک مہینہ قبل کا واقعہ ہے۔

جب آنحضرت ﷺ مدینہ تشریف لائے تو صحابہ کو لے کر حضرت براء کی قبر پر آئے اور چار تکبیروں سے نماز جنازہ پڑھی اور جس مال کے متعلق براء نے وصیت کی تھی اسے قبول فرما کر پھر ان کے لڑکے کو واپس دیدیا۔

اولاد : اولاد کی تفصیل معلوم نہیں۔ حضرت بشرؓ ایک صاحبزادے تھے جو بیعت عقبہ میں اپنے والد کے ساتھ شریک تھے۔ براء کے بعد آنحضرت ﷺ نے ان کو بنو سلمہ کا سردار بنایا تھا۔ غزوہ خیبر میں جب آنحضرت ﷺ کو بکری کے گوشت میں زہر دیا گیا تھا تو حضرت بشرؓ نے بھی گوشت کھایا تھا۔ اسی کے اثر سے انتقال ہوا۔



حضرت ثابت بن قیسؓ

نام و نسب : ثابت نام ہے۔ ابو محمد کنیت، خطیب رسول اللہ لقب، قبیلہ خزرج سے ہیں۔ سلسلہ نسب یہ ہے : ثابت بن قیس بن شماس بن زبیر بن مالک ابن امراء القیس بن مالک اغر بن ثعلبہ بن کعب بن خزرج۔ والدہ کا نام معلوم نہیں، اتنا معلوم ہے کہ خاندان طے سے تھیں۔ اسلام : ہجرت سے قبل مسلمان ہوئے۔

غزوات اور دیگر حالات :

آنحضرت ﷺ مدینہ تشریف لائے تو خیر مقدم کے لئے تمام شہر امنڈ آیا تھا۔ اس موقع پر حضرت ثابتؓ نے جو خطبہ دیا اس کا ایک فقرہ یہ تھا :

”نمنعک مما منع منه انفسنا و اولادنا ! فما لنا ؟ قال الجنة ! قالو ارضينا“۔

یعنی ”ہم آپ کی ہر اس چیز کی حفاظت کریں گے جس سے اپنی جان اور اولاد کی حفاظت کرتے ہیں۔ لیکن ہم کو اس کا معاوضہ کیا ملے گا؟“ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ”جنت“ تو تمام مجمع پکار اٹھا کہ ”سب راضی ہیں“۔

غزوہ بدر میں شریک تھے۔ اصحاب مغازی نے اگرچہ ان کو اصحاب بدر کے زمرہ میں شامل نہیں کیا ہے۔ لیکن علامہ ابن حجر نے تہذیب التہذیب میں یہی رائے ظاہر کی ہے۔^۱ باقی غزوات کی شرکت پر تمام ائمہ فہن کا اتفاق ہے۔

غزوہ مرتسیع ۵ھ میں حضرت جویریہ نام المؤمنین اسیر ہو کر حضرت ثابتؓ اور ان کے ابن عم کے حصہ میں آئی تھیں۔ انہوں نے ۹ اوقیہ سونے پر مکاتب بنایا۔ حضرت جویریہؓ نے آنحضرت ﷺ سے مدد طلب کی۔ آپ نے رقم مذکور ادا کر کے ان کو ہمیشہ کے لئے غلامی سے نجات دی اور اپنے حبالہ عقد میں لے لیا۔

۹ھ میں بنو تمیم کا وفد آیا اور بدویانہ طریقہ پر آنحضرت ﷺ کے دروازے پر آ کر آواز دی کہ باہر نکلو۔ آپ باہر تشریف لائے تو بات چیت کے بعد عطار بن حاسب کو کھڑا کیا کہ تمیم کے رتبہ سے آنحضرت ﷺ کو آگاہ کرے۔ عطار اس قبیلہ کا مشہور خطیب تھا۔ اس کو تقریر ختم ہوئی تو آنحضرت ﷺ

نے حضرت ثابت کو حکم دیا کہ تم اس کا جواب دو۔ حضرت ثابتؓ نے اس فصاحت و بلاغت سے جواب دیا کہ اقرع بن حابس بول اٹھا کہ اپنے باپ کی قسم ان کا خطیب ہمارے خطیب سے بہتر ہے۔

اسی سال مسلمانہ کذاب، بنو خنیفہ کی ایک بڑی جماعت کے ساتھ مدینہ آیا۔ آنحضرت ﷺ ثابت بن قیسؓ کو لے کر اس کے پاس گئے۔ ہاتھ میں ایک چھڑی تھی۔ مسلمانہ نے کہا کہ اگر اپنے بعد مجھ کو خلیفہ بنانے کا وعدہ کرو تو ابھی تمہاری اتباع کرتا ہوں۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا، خلافت تو بڑی چیز ہے میں تجھ کو یہ چھڑی دینا بھی گوارا نہیں کر سکتا۔ خدا نے تیری نسبت جو فیصلہ کیا ہے وہ ہو کر رہے گا۔ میں تیرے انجام کو خواب میں دیکھ چکا ہوں اور زیادہ گفتگو کی ضرورت ہو تو ثابتؓ موجود ہیں ان سے پوچھ، اب میں جاتا ہوں۔

۱۱ھ میں آنحضرت ﷺ نے انتقال فرمایا تو انصار سعد بن عبادہ کو خلیفہ بنانے کے لئے سقبغہ بنی ساعدہ میں جمع ہوئے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ کو خبر ہوئی تو حضرت عمر فاروقؓ وغیرہ کو لے کر پہنچے۔ اس موقع پر حضرت ثابتؓ نے جو خطبہ دیا وہ حسب ذیل تھا :

”اما بعد ! فحن انصار اللہ و کتیبۃ الاسلام و انتم معاشر المهاجرین رھط
وقد طرقت دافۃ من قومکم فاذا هم یريدون ان یختزلونا من اصلنا وان
یحضنونا من الار“۔

”ہم خدا کے مددگار اور اسلام کی فوج ہیں اور مهاجرین معدودے چند ہیں۔ تعجب ہے کہ اس پر بھی لوگ ہم کو خلافت سے محروم کرنا چاہتے ہیں۔“

حضرت ابوبکر صدیقؓ نے جواب دیا کہ ”تم نے جو کچھ کہا بالکل صحیح ہے، لیکن قریش کے سوا دوسرا خلیفہ نہیں ہو سکتا۔“

اسی سنہ میں طحیہ پر فوج کشی ہوئی۔ حضرت خالدؓ اس مہم کے افسر تھے۔ انصار حضرت ثابتؓ کی ماتحتی میں تھے۔

وفات : ۱۲ھ میں مسلمانہ کذاب سے مقابلہ ہوا۔ حضرت ثابتؓ اس میں شریک تھے۔ مسلمانوں کو شکست ہوئی تو حضرت انسؓ نے آکر کہا چچا ! آپ نے دیکھا وہ خوشبو مل رہے تھے۔ بولے کہ یہ لڑنے کا طریقہ نہیں ہے، لوگ آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں اس طرح نہیں لڑتے تھے۔ اس کے بعد اٹھے اور خندق کھود کر نہایت پامردی سے لڑے اور آخر شہادت حاصل کی۔

بدن پر زرہ نہایت عمدہ تھی، ایک مسلمان نے اُتار لی، ایک دوسرے مسلمان نے خواب میں دیکھا کہ حضرت ثابتؓ ان سے کہہ رہے ہیں ”فلاں مسلمان نے میری زرہ اُتار لی ہے تم خالد سے کہو کہ اس سے وصول کر لیں اور مدینہ پہنچ کر حضرت ابو بکر صدیقؓ سے کہنا کہ ثابتؓ پر اتنا قرض تھا وہ اس زرہ سے ادا کریں اور میرا فلاں غلام آزاد کر دیں۔“ حضرت خالدؓ نے زرہ لے لی اور حضرت ابو بکرؓ نے اس وصیت پر عمل کیا۔ یہ واقعہ صحیح بخاری میں بھی مذکور ہے۔ لیکن مختصر ہے۔ طبرانی نے نہایت تفصیل سے اس کو حضرت انسؓ سے روایت کیا ہے۔

اہل و عیال: ایک لڑکی تھی مگر اس کا نام معلوم نہیں۔ لڑکوں کے نام یہ ہیں: محمد، یحییٰ، عبد اللہ، اسمعیل۔ بیوی کا نام جمیلہ تھا جو عبد اللہ بن ابی بن سلول سردار خزرج کی بیٹی تھیں۔

فضل و کمال: صحیح بخاری میں ان سے ایک روایت منقول ہے اور بھی چند حدیثیں ہیں، جن کو حضرت انسؓ بن مالک، عبد الرحمن بن ابی لیلیٰ، محمد بن قیس نے روایت کیا ہے۔

حضرت ثابتؓ نہایت فصیح البیان اور زبان آور تھے۔ انصار نے اسی بنا پر ان کو اپنا خطیب بنایا تھا۔ آنحضرت ﷺ نے بھی دربار نبوت کا ان ہی کو خطیب تجویز فرمایا۔

اخلاق: احترام نبوت ان کی سیرت کا جلی عنوان ہے۔ ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ نے ان کو موجود پا کر فرمایا، کوئی ثابتؓ کی خبر لاتا۔ ایک شخص نے کہا، میں جانتا ہوں۔ گھر جا کر دیکھا تو سر نیچے کئے بیٹھے تھے۔ پوچھا کیا بات ہے؟ کہا کیا بتاؤں بہت بُرا حال ہے۔ میری آواز تیز ہے، آنحضرت ﷺ کے سامنے چلا کر بولتا تھا۔ اب میرا سارا عمل باطل ہو گیا اور جہنمی ہو گیا ہوں۔ (یہ اس آیت کی طرف اشارہ تھا جس میں آنحضرت ﷺ کے روبرو آہستہ بولنے کی ہدایت نازل ہوئی تھی)۔ اس شخص نے آنحضرت ﷺ کو خبر کی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”ان سے جا کر کہو تم جہنمی نہیں، میں تم کو جنت کی بشارت دیتا ہوں۔“

آنحضرت ﷺ کو ان سے جو محبت اور انس تھا، اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ ایک بار جب وہ بیمار پڑے تو آپ عیادت کو تشریف لے گئے اور ان کی ان الفاظ میں دعا کی۔

” اذهب الباس رب الناس عن ثابت بن قیس بن شماس “



حضرت ثابت بن ضحاکؓ

نام و نسب :

ثابت نام ہے۔ ابو زید کنیت، قبیلہ اشہل سے ہیں۔ سلسلہ نسب یہ ہے : ثابت بن ضحاک بن ثعلبہ بن عدی بن کعب بن عبد الاشہل۔ بعثت نبوی کے تیسرے سال تولد ہوئے۔ بعض لوگ نے ۳ھ سال ولادت قرار دیا ہے۔ لیکن یہ قطعاً غلط ہے۔

غزوات : غزوہ احمر الاسد میں شریک تھے۔ خندق میں آنحضرت ﷺ کے ساتھ سوار تھے۔ اور صحیح مسلم کی روایت کے بموجب بیعت رضوان میں شرکت کی تھی۔

ابن مندہ نے لکھا ہے کہ امام بخاری نے ان کی شرکت بدر تسلیم کی ہے۔ عجب نہیں یہ خیال صحیح ہو۔ ترمذی نے بھی بدر میں شریک ہونے کا تذکرہ کیا ہے۔

ابن سعد کی روایت کے بموجب غزوہ احد میں شرکت بھی ثابت ہوتی ہے، کیونکہ انہوں نے حمراء الاسد کے ذکر میں ضمنیاً یہ بھی بیان کیا ہے کہ اس غزوہ میں صرف وہی لوگ شریک تھے جنہوں نے غزوہ احد میں شرکت کی تھی۔

لیکن ہمارے نزدیک یہ تمام روایتیں ناقابل اعتبار ہیں، کیونکہ جہاد کی شرکت کے لئے ۱۵ سال کا سن ضروری تھا اور جیسا کہ اوپر معلوم ہوا، حضرت ثابتؓ کا سال ولادت ۳ھ نبوی ہے۔ اس بنا پر ہجرت کے وقت ان کی عمر کم و بیش ۱۰ سال تھی۔

غزوہ بدر ۲ھ اور غزوہ احد ۳ھ میں ہوا۔ اس لئے اس وقت ان کا سن ۱۲-۱۳ سال کا تھا۔ جو جہاد کے لئے نا کافی ہے۔ صحیح بخاری میں عبد اللہ بن عمر سے روایت آئی ہے کہ ۲

”ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم عرضہ یوم احد و ہوا بن اربع عشرة سنة

فلم یجزہ و عرضہ یوم الخندق و ہوا بن خمسة عشرة سنة فاجازہ“۔

”وہ احد میں چار دہ سالہ تھے۔ آنحضرت ﷺ کے سامنے پیش ہوئے تو جنگ میں شرکت

کی اجازت نہیں ملی، لیکن دوسرے سال خندق میں پانزدہ سالہ تھے۔ اس بنا پر آنحضرت ﷺ

نے اجازت دیدی۔“

حضرت براء بن مازبؓ کے متعلق بھی اسی قسم کی روایت ہے۔ ان روایتوں کی موجودگی میں جو صحیح سند سے ثابت ہیں، دوسری روایتوں پر کسی طرح اعتماد نہیں کیا جاسکتا۔

اس بنا پر ہمارے نزدیک بدر واحد کے بجائے ان کا پہلا غزوہ خندق تھا اور حمراء الاسد میں لڑنے کے بجائے دوسرے کاموں کے لئے منتخب ہوئے تھے۔ چنانچہ مصنف اصحابہ لکھتے ہیں :

”وكان وليله الى حمراء الاسد“۔

یعنی ”وہ آنحضرت ﷺ کو حمراء الاسد کا راستہ بتاتے تھے“۔

وفات : عہد نبوی ﷺ کے بعد شام کی سکونت اختیار کی۔ پھر وہاں سے بصرہ چلے گئے۔ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کے عہد خلافت میں انتقال فرمایا۔ بعضوں نے ۶۴ھ کی تصریح کی ہے۔

اولاد : ایک بیٹا چھوڑا، زید نام تھا۔ اسی بنا پر بعض نے ان کو حضرت زید بن ثابتؓ صاحبی مشہور کا والد سمجھا ہے، لیکن یہ غلطی ہے۔ زید بن ثابتؓ کے والد دور جاہلیت میں فوت ہوئے اور کفر کی حالت میں مارے گئے۔ اس کے ماسواہ زید خود ان کے ہمسن تھے اور اس بنا پر یہ ان کے باپ کیونکر ہو سکتے ہیں۔

یہ خیال اس لحاظ سے بھی ناقابل التفات ہے کہ ابو قلابہؓ نے ان سے روایتیں کی ہیں اور ابو قلابہؓ ۶۴ھ سے پیشتر کسی طرح روایت کے قابل نہیں ہو سکتے تھے، کیونکہ انہوں نے ۶۹ھ کے بعد تحصیل میں قدم رکھا تھا اور حضرت زید بن ثابتؓ کے متعلق عام خیال یہ ہے کہ ۴۵ھ میں فوت ہو چکے تھے۔

فضل و کمال :

حضرت ثابتؓ کے سلسلہ سے جو روایتیں مروی ہیں، ان کی تعداد ۱۴ ہے۔ راویوں کے زمرہ میں ابو قلابہ اور عبدالرحمن بن معقل داخل ہیں۔



حضرت جابر بن عبد اللہؓ

نام و نسب اور ابتدائی حالات :

جابر نام ہے۔ ابو عبد اللہ کنیت، قبیلہ خزرج سے ہیں۔ نسب نامہ یہ ہے، جابر بن عبد اللہ بن عمرو بن حرام بن کعب بن غنم بن سلمہ، والدہ کا نام نسیبہ تھا، جن کا سلسلہ نسب حضرت جابرؓ کے آبائی سلسلہ میں زید بن حرام سے مل جاتا ہے۔ سلمہ کی اولاد اگرچہ حرہ اور مسجد قبلتین تک پھیلی ہوئی ہے۔ لیکن خاص بنو حرام قبرستان اور ایک چھوٹی مسجد کے درمیان آباد تھے۔

حضرت جابرؓ کے دادا (عمرو) اپنے خاندان کے رئیس تھے۔ عین الارزق (ایک چشمہ ہے) جس کو مروان بن حکم نے حضرت امیر معاویہؓ کے عہد میں درست کرایا تھا۔ انہی کی ملکیت تھا۔ بنو سلمہ کے بعض حصے، قلعے اور جابر بن عتیک کے قریب کے قلعے ان کے تحت و تصرف میں تھے۔

عمرو کے بعد یہ چیزیں عبد اللہ کے قبضہ میں آئیں۔ حضرت جابرؓ انہی عبد اللہ کے فرزند ہیں جو تقریباً ۶۱۱ھ (مطابق ۳۳ عام الفیل) میں ہجرت سے ۲۰ سال قبل تولد ہوئے تھے۔

اسلام : عقبہ ثانیہ میں اپنے والد کے ساتھ اسلام لائے اور ان کے والد کو یہ شرف حاصل ہوا کہ بنو حرام کے نقیب تجویز کئے گئے۔ اس بیعت میں ان کا سن ۱۸-۱۹ سال کا تھا۔

غزوات اور عام حالات :

ان کے والد نے غزوہ احد میں شہادت حاصل کی، کافروں نے مثلہ کر دیا تھا، اس لئے جنازہ کپڑوں میں اڑھا کر لایا گیا۔ حضرت جابرؓ نے کپڑا اٹھا دیا اور دیکھنا چاہا، لوگوں نے منع کر دیا۔ آنحضرت ﷺ نے یہ دیکھ کر کپڑا اٹھا دیا۔ بہن پاس کھڑی تھیں، بھائی کی یہ حالت دیکھ کر ایک چیخ ماری، آنحضرت ﷺ نے پوچھا کون ہے؟ لوگوں نے کہا ان کی بہن۔ فرمایا تو روویا نہ روؤ، جب تک جنازہ رکھا رہا، فرشتے پروں سے سایہ کئے ہوئے تھے۔

حضرت عبد اللہؓ نے دس خرد سال لڑکیاں چھوڑیں، جو گھر میں بلک رہی تھیں۔ انہوں نے اپنے بھائی جابرؓ کے پاس ایک اونٹ بھیجا کہ ابا جان کی لاش گھر لے آئیں اور مقبرہ بنی سلمہ میں دفن کر دیں، وہ تیار ہو گئے۔ آنحضرت ﷺ کو خبر ہوئی، فرمایا کہ جہاں ان کے دوسرے بھائی (شہداء) دفن

کئے جائیں گے، وہیں وہ بھی دفن ہوں گے۔ چنانچہ احد کے گنج شہیداں میں دفن کئے گئے۔

ان پر قرض بہت تھا۔ حضرت جابرؓ کو اس کے ادا کرنے کی فکر ہوئی، لیکن ادا کہاں سے کرتے؟ کل دو باغ تھے، جن کی پوری پیداوار قرض کو نہ کافی تھی۔ رسول اللہ ﷺ کے پاس گھبرائے ہوئے آئے اور کہا یہودیوں کو بٹلا کر قرض کچھ کم کرا دیجئے۔ آپؐ نے ان لوگوں کو طلب فرما کر جابرؓ کا مدعا بیان کیا۔ انہوں نے قرض چھوڑنے سے انکار کیا۔ پھر آپؐ نے فرمایا کہ اچھا دو مرتبہ میں اپنا قرض وصول کر لو، نصف اس سال اور نصف دوسرے سال۔ وہ لوگ اس پر رضا مند نہ ہوئے۔ آپؐ نے یہ دیکھ کر کہا حضرت جابرؓ کو تسکین دی اور فرمایا کہ سینچر کے دن تمہارے ہاں آؤں گا۔

چنانچہ سینچر کو صبح کے وقت تشریف لے گئے۔ پانی کے پاس بیٹھ کر وضو کیا، مسجد میں جا کر دو رکعت نماز پڑھی، پھر خیمہ میں آ کر متمکن ہوئے۔ اس کے بعد حضرت ابو بکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ بھی پہنچ گئے۔ تقسیم کا وقت آیا تو ارشاد ہوا کہ چھوہاروں کو قسم دار الگ کر کے خبر کرنا۔ چنانچہ آپؐ کو خبر کی گئی۔ آپ تشریف لائے اور ایک ڈھیر پر بیٹھ گئے۔

حضرت جابرؓ نے بائنا شروع کیا اور آپؐ دعا کرتے رہے۔ خدا کی قدرت کہ قرض ادا ہونے کے بعد بھی کچھ بچ گیا۔ حضرت جابرؓ خوشی خوشی آپؐ کے پاس آئے اور بیان کیا کہ قرض ادا ہو گیا اور اتنا فاضل ہے۔ آپؐ نے خدا کا شکر ادا کیا۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ و حضرت عمر فاروقؓ کو بھی بہت مسرت ہوئی۔

اس کے بعد آنحضرت ﷺ کو مکان لے گئے اور گوشت، خرما اور پانی پیش کیا۔ آپؐ نے فرمایا، شاید تم کو معلوم ہے کہ میں گوشت رغبت سے کھاتا ہوں۔ چلنے کا وقت آیا تو اندر سے آواز آئی کہ مجھ پر اور میرے شوہر پر درود پڑھئے۔ فرمایا ”اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلَیْهِمْ“۔

والد کی موجودگی تک انہوں نے کسی غزوہ میں حصہ نہیں لیا۔

صحیح مسلم میں ہے کہ انہوں نے بدر میں میدان کا عزم کیا۔ لیکن باپ مانع ہوئے۔ احد میں بھی ایسا ہی اتفاق پیش آیا۔ لیکن باپ احد میں شہید ہو گئے، تو باقی غزوات میں نہایت گرم جوشی سے شرکت کی اور آنحضرت ﷺ کے ساتھ ان کو ۱۹ غزوات میں شرف شرکت حاصل ہوا۔

۱۔ مسند جلد ۳۔ ص ۲۹۶ ۲۔ بخاری جلد ۲۔ ص ۵۸۰ یہ واقعہ مسند صفحات ۲۹۷، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۲۰، ۳۲۱، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۲، ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۶۹، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵، ۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۶، ۴۹۷، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۲، ۵۴۳، ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۵۲، ۵۵۳، ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹، ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۵، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰، ۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۰۰، ۷۰۱، ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷، ۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱، ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵، ۱۲۰۶، ۱۲۰۷، ۱۲۰۸، ۱۲۰۹، ۱۲۱۰، ۱۲۱۱، ۱۲۱۲، ۱۲۱۳، ۱۲۱۴، ۱۲۱۵، ۱۲۱۶، ۱۲۱۷، ۱۲۱۸، ۱۲۱۹، ۱۲۲۰، ۱۲۲۱، ۱۲۲۲، ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۲۶، ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، ۱۲۳۰، ۱۲۳۱، ۱۲۳۲، ۱۲۳۳، ۱۲۳۴، ۱۲۳۵، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، ۱۲۳۸، ۱۲۳۹، ۱۲۴۰، ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۱۲۴۳، ۱۲۴۴، ۱۲۴۵، ۱۲۴۶، ۱۲۴۷، ۱۲۴۸، ۱۲۴۹، ۱۲۵۰، ۱۲۵۱، ۱۲۵۲، ۱۲۵۳، ۱۲۵۴، ۱۲۵۵، ۱۲۵۶، ۱۲۵۷، ۱۲۵۸، ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ۱۲۶۱، ۱۲۶۲، ۱۲۶۳، ۱۲۶۴، ۱۲۶۵، ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۲۶۹، ۱۲۷۰، ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، ۱۲۷۳، ۱۲۷۴، ۱۲۷۵، ۱۲۷۶، ۱۲۷۷، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۱۲۸۲، ۱۲۸۳، ۱۲۸۴، ۱۲۸۵، ۱۲۸۶، ۱۲۸۷، ۱۲۸۸، ۱۲۸۹، ۱۲۹۰، ۱۲۹۱، ۱۲۹۲، ۱۲۹۳، ۱۲۹۴، ۱۲۹۵، ۱۲۹۶، ۱۲۹۷، ۱۲۹۸، ۱۲۹۹، ۱۳۰۰، ۱۳۰۱، ۱۳۰۲، ۱۳۰۳، ۱۳۰۴، ۱۳۰۵، ۱۳۰۶، ۱۳۰۷، ۱۳۰۸، ۱۳۰۹، ۱۳۱۰، ۱۳۱۱، ۱۳۱۲، ۱۳۱۳، ۱۳۱۴، ۱۳۱۵، ۱۳۱۶، ۱۳۱۷، ۱۳۱۸، ۱۳۱۹، ۱۳۲۰، ۱۳۲۱، ۱۳۲۲، ۱۳۲۳، ۱۳۲۴، ۱۳۲۵، ۱۳۲۶، ۱۳۲۷، ۱۳۲۸، ۱۳۲۹، ۱۳۳۰، ۱۳۳۱، ۱۳۳۲، ۱۳۳۳، ۱۳۳۴، ۱۳۳۵، ۱۳۳۶، ۱۳۳۷، ۱۳۳۸، ۱۳۳۹، ۱۳۴۰، ۱۳۴۱، ۱۳۴۲، ۱۳۴۳، ۱۳۴۴، ۱۳۴۵، ۱۳۴۶، ۱۳۴۷، ۱۳۴۸، ۱۳۴۹، ۱۳۵۰، ۱۳۵۱، ۱۳۵۲، ۱۳۵۳، ۱۳۵۴، ۱۳۵۵، ۱۳۵۶، ۱۳۵۷، ۱۳۵۸، ۱۳۵۹، ۱۳۶۰، ۱۳۶۱، ۱۳۶۲، ۱۳۶۳، ۱۳۶۴، ۱۳۶۵، ۱۳۶۶، ۱۳۶۷، ۱۳۶۸، ۱۳۶۹، ۱۳۷۰، ۱۳۷۱، ۱۳۷۲، ۱۳۷۳، ۱۳۷۴، ۱۳۷۵، ۱۳۷۶، ۱۳۷۷، ۱۳۷۸، ۱۳۷۹، ۱۳۸۰، ۱۳۸۱، ۱۳۸۲، ۱۳۸۳، ۱۳۸۴، ۱۳۸۵، ۱۳۸۶، ۱۳۸۷، ۱۳۸۸، ۱۳۸۹، ۱۳۹۰، ۱۳۹۱، ۱۳۹۲، ۱۳۹۳، ۱۳۹۴، ۱۳۹۵، ۱۳۹۶، ۱۳۹۷، ۱۳۹۸، ۱۳۹۹، ۱۴۰۰، ۱۴۰۱، ۱۴۰۲، ۱۴۰۳، ۱۴۰۴، ۱۴۰۵، ۱۴۰۶، ۱۴۰۷، ۱۴۰۸، ۱۴۰۹، ۱۴۱۰، ۱۴۱۱، ۱۴۱۲، ۱۴۱۳، ۱۴۱۴، ۱۴۱۵، ۱۴۱۶، ۱۴۱۷، ۱۴۱۸، ۱۴۱۹، ۱۴۲۰، ۱۴۲۱، ۱۴۲۲، ۱۴۲۳، ۱۴۲۴، ۱۴۲۵، ۱۴۲۶، ۱۴۲۷، ۱۴۲۸، ۱۴۲۹، ۱۴۳۰، ۱۴۳۱، ۱۴۳۲، ۱۴۳۳، ۱۴۳۴، ۱۴۳۵، ۱۴۳۶، ۱۴۳۷، ۱۴۳۸، ۱۴۳۹، ۱۴۴۰، ۱۴۴۱، ۱۴۴۲، ۱۴۴۳، ۱۴۴۴، ۱۴۴۵، ۱۴۴۶، ۱۴۴۷، ۱۴۴۸، ۱۴۴۹، ۱۴۵۰، ۱۴۵۱، ۱۴۵۲، ۱۴۵۳، ۱۴۵۴، ۱۴۵۵، ۱۴۵۶، ۱۴۵۷، ۱۴۵۸، ۱۴۵۹، ۱۴۶۰، ۱۴۶۱، ۱۴۶۲، ۱۴۶۳، ۱۴۶۴، ۱۴۶۵، ۱۴۶۶، ۱۴۶۷، ۱۴۶۸، ۱۴۶۹، ۱۴۷۰، ۱۴۷۱، ۱۴۷۲، ۱۴۷۳، ۱۴۷۴، ۱۴۷۵، ۱۴۷۶، ۱۴۷۷، ۱۴۷۸، ۱۴۷۹، ۱۴۸۰، ۱۴۸۱، ۱۴۸۲، ۱۴۸۳، ۱۴۸۴، ۱۴۸۵، ۱۴۸۶، ۱۴۸۷، ۱۴۸۸، ۱۴۸۹، ۱۴۹۰، ۱۴۹۱، ۱۴۹۲، ۱۴۹۳، ۱۴۹۴، ۱۴۹۵، ۱۴۹۶، ۱۴۹۷، ۱۴۹۸، ۱۴۹۹، ۱۵۰۰، ۱۵۰۱، ۱۵۰۲، ۱۵۰۳، ۱۵۰۴، ۱۵۰۵، ۱۵۰۶، ۱۵۰۷، ۱۵۰۸، ۱۵۰۹، ۱۵۱۰، ۱۵۱۱، ۱۵۱۲، ۱۵۱۳، ۱۵۱۴، ۱۵۱۵، ۱۵۱۶، ۱۵۱۷، ۱۵۱۸، ۱۵۱۹، ۱۵۲۰، ۱۵۲۱، ۱۵۲۲، ۱۵۲۳، ۱۵۲۴، ۱۵۲۵، ۱۵۲۶، ۱۵۲۷، ۱۵۲۸، ۱۵۲۹، ۱۵۳۰، ۱۵۳۱، ۱۵۳۲، ۱۵۳۳، ۱۵۳۴، ۱۵۳۵، ۱۵۳۶، ۱۵۳۷، ۱۵۳۸، ۱۵۳۹، ۱۵۴۰، ۱۵۴۱، ۱۵۴۲، ۱۵۴۳، ۱۵۴۴، ۱۵۴۵، ۱۵۴۶، ۱۵۴۷، ۱۵۴۸، ۱۵۴۹، ۱۵۵۰، ۱۵۵۱، ۱۵۵۲، ۱۵۵۳، ۱۵۵۴، ۱۵۵۵، ۱۵۵۶، ۱۵۵۷، ۱۵۵۸، ۱۵۵۹، ۱۵۶۰، ۱۵۶۱،

ابتدائی غزووں میں والد کے روکنے کی وجہ یہ تھی کہ وہ خود میدان میں جانا چاہتے تھے اور گھر میں لڑکیاں تھیں۔ دونوں کے چلے جانے کے بعد گھر بالکل خالی ہو جاتا۔

تاہم بعض ابتدائی غزوات میں بھی ان کے شریک ہونے کی شہادت ملتی ہے۔ چنانچہ امام بخاریؒ نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے کہ بدر کے دن وہ لوگوں کو پانی پلاتے تھے۔ غزوہ ذات الرقاع میں جو ۵ھ میں ہوا تھا شامل تھے۔ واپسی کے وقت ان کا اونٹ بھاگ گیا تھا۔ آنحضرت ﷺ نے دیکھا تو پوچھا کیا بات ہے؟ انہوں نے واقعہ بیان کیا۔ آپ نے ایک لکڑی سے مار کر دعا کی، اس کا یہ اثر ہو گیا کہ وہ تیز رو ہو گیا۔

اسی سن میں خندق کا معرکہ پیش آیا۔ حضرت جابرؓ خندق کھود رہے تھے، اسی اثنا میں رسول اللہ ﷺ خود کدال لے کر ایک سخت پتھر کو کھودنے کے لئے تشریف لائے، دیکھا تو شکم مبارک پر بھوک کی وجہ سے پتھر بندھا ہوا ہے۔ یہ دیکھ کر آنحضرت ﷺ سے اجازت لے کر گھر پہنچے اور بیوی سے کہا کہ آج ایسی بات دیکھی جس پر صبر نہیں ہو سکتا، کچھ ہو تو پکاؤ اور خود ہی ایک بکری کا بچہ ذبح کر کے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی کہ میرے ہاں چل کر ماہی حضرت تناول فرمائیے۔ سرور دو عالم ﷺ کے کاشانہ میں تین دن سے فاقہ تھا۔

دعوت قبول ہوئی اور عام منادی کرا دی کہ جابرؓ نے سب لوگوں کی دعوت کی ہے۔ حضرت جابرؓ نے انتظام آپ ﷺ کے اور دو تین آدمیوں کے لئے کیا تھا، اس لئے نہایت تنگ دل ہوئے۔ مگر ادب سے خاموش رہے۔ آنحضرت ﷺ تمام مجمع لے کر ان کے مکان تشریف لے گئے۔ خود بھی کھانا نوش فرمایا اور لوگوں نے بھی کھایا پھر بھی بچ رہا۔ آپ ﷺ نے ان کی بیوی سے فرمایا کہ یہ تم کھاؤ اور لوگوں کے ہاں بھیجو، کیونکہ لوگ بھوک میں مبتلا ہیں۔

۶ھ میں بنو مطلق کا غزوہ ہوا۔ آنحضرت ﷺ جب روانگی کے قصد سے اونٹ پر سوار ہوئے اور نماز پڑھنے لگے تو ان کو کسی کام سے بھیجا تھا۔ جب یہ واپس آئے، اس وقت کوچ کا حکم دیا۔ اس غزوہ کے بعد غزوہ انمار واقع ہوا۔ اس میں بھی حضرت جابرؓ موجود تھے۔

اسی سنہ میں آنحضرت ﷺ عمرہ کی غرض کے مکہ روانہ ہوئے۔ ۱۵۰۰ جاٹا ہرکاب تھے۔ بیعت الرضوان کا مشہور واقعہ اسی میں پیش آیا۔ اور حضرت جابرؓ مشرف بہ بیعت ہوئے۔ اس میں

۱۔ یہ صحیح بخاری کی روایت ہے، چھ لڑکیاں چھوٹی تھیں ۲۔ اصحابہ جلد ۱۔ ۲۲۳ ۳۔ مسند جلد ۳۔ ص ۷۵ ۴۔ ایضاً ص ۳۰۰ ۵۔ بخاری جلد ۲۔ ص ۵۸۸ و ۵۸۹ ۶۔ بخاری غزوہ انمار ۷۔ بخاری غزوہ حدیبیہ ۸۔ مسند۔ جلد ۳۔ ص ۳۵۵

حضرت عمر فاروقؓ کا اور حضرت جابرؓ حضرت عمر فاروقؓ کا بیعت کے وقت ہاتھ پکڑے ہوئے تھے! آنحضرتؐ نے فرمایا کہ تم لوگ ساری دنیا سے بہتر ہو!

رجب ۸ھ میں ساعل کی طرف ایک لشکر روانہ فرمایا۔ حضرت ابوسبیدؓ اس کے امیر تھے۔ اسلام کی تاریخ میں یہ عجیب ابتلاء کا وقت تھا۔ لیکن مسلمان اس میں پورے اترے۔ زاوراہ ختم ہو گیا، پتے جھاڑ جھاڑ کر کھانا شروع کیا۔ آخر سمندر سے ایک بڑی مچھلی کنارہ پر آئی اور لوگوں نے عطیہ نبویؐ سمجھ کر نوش جان کیا!

مچھلی اتنی بڑی تھی کہ سردار لشکر نے اس کی ایک پسلی کھڑی کرائی اور سب سے اونچا اونٹ انتخاب کر کے لایا گیا اور وہ اس کے نیچے سے نکل گیا۔ حضرت جابرؓ پانچ آدمیوں کے ساتھ اس کی آنکھ کی ہڈی کے حلقہ میں بیٹھ گئے تو کسی کو پتہ بھی نہ لگا۔ اس مچھلی کا نام عنبر تھا۔ ۱۵ روز تک کھائی گئی۔ کھانے والے ۳۰۰ تھے۔

اس کے بعد اور بھی غزوات پیش آئے، جن میں ان کی شرکت رہی۔ حنین اور تبوک میں ان کا نام صراحت سے آیا ہے۔ حجۃ الوداع میں بھی جو ۱۰ھ میں ہوا وہ بھی شامل تھے!

۳۷ھ میں حضرت علیؓ اور امیر معاویہؓ کی جنگ میں حضرت جابرؓ، حضرت علیؓ کی طرف سے صفین میں جا کر لڑے۔

۴۰ھ میں امیر معاویہؓ کا عامل بسر بن ابی ارطاة حجاز و یمن پر قبضہ حاصل کرنے کے لئے آیا اور مدینہ میں ایک خطبہ دیا۔ اس میں اس نے کہا کہ بنو سلمہ کو اس وقت تک امان نہیں مل سکتی، جب تک جابر میرے پاس نہ حاضر ہوں۔ حضرت جابرؓ کو جان کا خوف تھا۔ حضرت ام سلمہؓ (ام المؤمنین) کے پاس جا کر مشورہ کیا۔ انہوں نے کہا میں نے اپنے لڑکوں کو بھی بیعت کی رائے دی ہے، تم بھی بیعت کر لو۔ عرض کی یہ تو گمراہی پر بیعت ہے۔ فرمایا، مجبوری ہے۔ لیکن میری رائے یہی ہے۔ ان کے مشورے کے مطابق بسر کے پاس آگئے اور امیر معاویہؓ کی خلافت پر بحث کی۔

۴۲ھ میں حجاج مدینہ کا امیر تھا۔ اس کے جور و ظلم سے صحابہ بھی محفوظ نہ رہے۔ چنانچہ اس نے متعدد صحابہ پر یہ عنایت کی گردنوں پر اور حضرت جابرؓ کے ہاتھ پر مہر لگوائی۔

وفات : یہ سن ان کی زندگی کا اخیر سال تھا۔ بالکل ضعیف اور ناتواں ہو گئے تھے۔ آنکھوں نے الگ جواب دیدیا تھا۔ ۹۴ سال تک پہنچ چکی تھی۔ اس پر حکومت کا جبر و تشدد اور بھی وبال جان ہو رہا تھا۔

۱۔ مسند جلد ۳۔ ص ۳۹۶ ۲۔ بخاری غزوہ حدیبیہ ۳۔ مسند جلد ۳۔ ص ۳۰۸ ۴۔ ایضاً۔ ۵۔ مسند جلد ۳۔ ص ۳۰۸

۶۔ ایضاً ص ۳۳۹، ۳۴۱، ۲۹۲ کے اسد الغابہ جلد ۱۔ ص ۲۵۷ ۷۔ اسد الغابہ جلد ۲۔ حالات قبل بن سعد۔ ص ۳۶۶

عقبہ کبیر کا نورانی منظر جن آنکھوں دیکھا تھا، ان میں صرف یہی ایک بزرگ باقی رہ گئے تھے۔ اس وقت صحابہ کرام کے طبقہ میں بھی بہت کم لوگ بقید حیات تھے۔ اس بنا پر ان کا وجود عالم اسلامی میں بسا غنیمت تھا۔

حجاج کے ظلم و ستم نے جس سال ان کا زور توڑا، طائر روح نے اسی سال قفسِ عنصری کی تیلیاں توڑیں۔ انتقال کے وقت وصیت کی تھی کہ حجاج جنازہ نہ پڑھائے۔ اس لئے حضرت عثمان غنیؓ کے بیٹے امام نے نماز پڑھائی اور بقیع میں دفن کیا۔

تاریخ بخاری میں ہے کہ حجاج جنازہ میں آیا تھا۔ اور تہذیب التہذیب میں لکھا ہے کہ نماز بھی پڑھائی تھی۔

اہل و عیال : حضرت جابرؓ نے اپنے والد کی شہادت کے بعد ایک بیوہ عورت سے نکاح کر لیا تھا۔ آنحضرت ﷺ کو معلوم ہوا تو فرمایا، کسی کنواری سے کیا ہوتا کہ وہ تم سے کھیلتی، اور تم اس سے کھیلتے۔ غرض کیا کہ بہنیں خرد سال تھیں۔ اس لئے ہوشیار عورت کی ضرورت تھی، جو ان کے کنگھی کرتی، جوئیں دیکھتی، کپڑے سی کر پہناتی۔ فرمایا، ”اصبت“^۱ (تم نے ٹھیک کیا)۔

دوسری شادی بنو سلمہ میں کی۔ اسلام میں عورت کو دیکھ کر شادی کرنے کی اجازت ہے۔ اس لئے پیام کے بعد لڑکی کو چھپ کر دیکھ لیا، پھر شادی کی^۲۔ پہلی بیوی کا نام سہیلہ بنت مسعود تھا^۳۔ صحابیہ تھیں اور انصار کے قبیلہ ظفر کی لڑکی تھیں۔ دوسری کا نام ام حارث تھا۔ وہ محمد بن مسلمہ بن سلمہ کی جو قبیلہ اوس سے تھے اور معزز صحابی تھے، بیٹی تھیں^۴۔

اولاد : اولاد کے نام یہ ہیں : عبدالرحمنؓ، عقیلؓ، محمد، حمید، میمونہ، ام حبیبہؓ۔
حلیہ : حلیہ یہ تھا : مونچھ خوب کٹی ہوئی، سر اور ڈاڑھی میں زرد خضاب لگاتے تھے۔ آنکھیں اخیر عمر میں جاتی رہی تھیں۔

مکان : مسجد نبوی سے ایک میل دور تھا۔ اس لئے ایک مسجد بھی بنوائی تھی^۵۔

علم و فضل : تحصیل کی ابتداء سرچشمہ وحی سے ہوئی۔ لیکن تربیت یافتگان نبوت میں جو لوگ علوم و فنون کے مرکز تھے، ان کے حلقوں سے بھی استفادہ کیا۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ، حضرت عمر فاروقؓ،

۱۔ مسند جلد ۳۔ ص ۳۰۸ ۲۔ بخاری، جلد ۲، ص ۵۸۰ ۳۔ فتح الباری، جلد ۷۔ ص ۳۰۵ ۴۔ طبقات۔ ص ۲۰۲

۵۔ مسند جلد ۳۔ ص ۲۳۱ ۶۔ ایضاً۔ جلد ۳۔ ص ۳۳۳ ۷۔ نزہۃ الارباب فی ۸۔ مسند۔ ص ۳۰۳

حضرت علیؓ، حضرت ابوبعیدہؓ، حضرت طلحہؓ، حضرت معاذ بن جبلؓ، حضرت ثمارؓ، حضرت خالد بن ولیدؓ، حضرت ابو بردہ بن نیارؓ، ابوقنادہؓ، ابو ہریرہؓ، ابوسعید خدریؓ، ابو حمید ساعدیؓ، عبداللہ بن انیسؓ، ام شریکؓ، ام مالکؓ، ام ہشیرؓ، ام کلثومؓ بنت ابوبکر صدیقؓ، (تابعین) سب کے سب ان کے اساتذہ میں داخل ہیں۔

حدیث کا یہ شوق تھا کہ ایک ایک حدیث سننے کے لئے مہینوں کی مسافت کا سفر کرتے تھے۔ عبداللہ بن انیسؓ کے پاس ایک حدیث تھی، وہ شام میں رہتے تھے۔ حضرت جابرؓ کو معلوم ہوا تو ایک اونٹ خریدا اور ان کے پاس جا کر کہا کہ وہ حدیث بیان کیجئے۔ میں نے اس لئے ثلث کی کہ شاید میرا خاتمہ ہو جاتا اور حدیث سننے سے رہ جاتی۔

اسی طریقہ سے مسلمہ بن مخلد امیر مصر سے حدیث سننے کے لئے مصر کا سفر کیا اور حدیث کی اجازت لی۔ اس سفر کا تذکرہ طبرانی میں موجود ہے۔

تحصیل علم سے فراغت کے بعد مسند درس پر جلوہ فرما ہوئے۔ حلقہ درس مسجد نبویؐ میں قائم تھا۔ شائقین مقامات بعیدہ سے آتے تھے۔ مکہ معظمہ، مدینہ منورہ، یمن، کوفہ، بصرہ، مصر میں ان کا دریائے فیض رواں تھا۔

کلمات کے مظہر تفسیر و حدیث وفقہ کے فن تھے۔ تفسیر میں اگرچہ روایتیں زیادہ نہیں، تاہم معتد بہ ہیں۔ لوگوں میں ورود کے معنی میں اختلاف تھا۔ بعض کہتے تھے کہ مسلمان جہنم میں داخل نہ ہوگا۔ بعض کا خیال تھا کہ سب جائیں گے مگر مسلمان کو نجات مل جائے گی۔ حضرت جابرؓ سے پوچھا، فرمایا: ”ہر وہ فاجر“ نیک و بد سب جہنم میں داخل ہوں گے۔ لیکن اچھوں پر آگ کا کوئی اثر نہ ہوگا۔ پھر متقیوں کو نجات ملے گی اور ظالم اس میں رہ جائیں گے۔

حضرت طلق بن حبیب کو شفاعت کا انکار تھا۔ انہوں نے حضرت جابرؓ سے مناظرہ کیا اور خلود فی النار کے متعلق جتنی آیتیں قرآن میں ہیں، سب پڑھیں۔ حضرت جابرؓ نے فرمایا، شاید تم اپنے کو مجھ سے زیادہ قرآن و حدیث کا عالم جانتے ہو! انہوں نے کہا، استغفر اللہ میرا خیال بھی نہیں ہو سکتا، ارشاد ہوا تو سنو! یہ آیتیں مشرکین کے متعلق ہیں۔ جو لوگ عذاب دینے کے بعد نکال لئے گئے، ان کا اس میں ذکر نہیں۔ لیکن رسول اللہ ﷺ نے حدیث میں اس کو بیان فرمایا ہے۔

حدیث ان کی تمام کوششوں کا جولا نگاہ ہے۔ اشاعت حدیث ان کی زندگی کا اہم مقصد رہا۔
 بائیں ہمہ کہ کثیر الروایات تھے اور ان کی مرویات ۵۴۰ تک پہنچتی ہیں۔ بیان حدیث میں نہایت احتیاط و
 حزم سے کام لیتے تھے۔ ایک حدیث بیان کی مَسْمَعْتُ کا لفظ بولنا چاہتے تھے، کہ رُک گئے اور اپنے
 اوپر موقوف کر دی۔ اس کا سبب یہ تھا کہ ان کو الفاظ پر اطمینان نہ ہو سکا۔

تلامذہ حدیث کا شمار طوالت سے خالی نہیں۔ تابعین کا ہر طبقہ ان کے خرمن فیض کا خوشہ چیں
 ہے۔ لیکن خاص شاگردوں کے نام حسب ذیل ہیں :

امام باقرؑ، محمد بن منکدر، سعد بن مینا، سعید ابی بلال، عاصم بن عمر بن قتادہ انصاری، محمد عمرو
 بن حسینؑ، حسن بن محمد حنفیہ وغیرہم۔

فقہ بھی ان کی علمی مویش گافیوں کا مظہر ہے۔ وہ مسائل و فتاویٰ جو وقتاً فوقتاً پوچھے گئے اور
 انہوں نے جو جوابات دیئے، اگر وہ جمع کئے جائیں تو ایک مختصر رسالہ تیار ہو سکتا ہے

اخلاق و عادات : اقلۃ حدود اللہ، جوش ایمان اور جرأت اطہار حق، امر بالمعروف، مودت
 رسول اللہ ﷺ، اتباع سنت و رفیق بین المسلمین، اخلاق کی نیخ و بنیاد ہیں۔ اور قدرت نے حضرت
 جابرؓ کو نہایت فیاضی سے ان تمام چیزوں سے حصہ دیا تھا۔

اقامت حدود اللہ، ہر مسلمان کا فرض ہے۔ حضرت جابرؓ کو اس میں یگانہ و بیگانہ کا فرق و
 امتیاز روک نہ سکتا تھا۔ حضرت معاذ بن اسلمیؓ جو مدینہ کے باشندے اور اصحاب پاک میں داخل تھے۔
 ان کی حد رجم کے موقع پر خود جا کر اپنے ہاتھ سے ان کو پتھر مارے تھے۔
 اطہار حق میں کسی کی وجاہت خلل انداز نہ ہو سکتی تھی۔

حضرت سعد بن معاذؓ انصاری، قبیلہ اوس کے سردار اور بڑے رتبہ کے صحابی تھے۔ ان کا
 انتقال ہوا تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا : ”آج عرش اعظم جنبش میں آ گیا ہے۔“ حضرت براء بن
 عازبؓ کو یہ حدیث معلوم تھی۔ لیکن وہ عرش رُحمن کے بجائے صرف ”سریر“ کہتے تھے، جس سے جنازہ
 کا ہلنا مراد ہے۔ حضرت جابرؓ سے لوگوں نے براءؓ کا قول نقل کیا۔ فرمایا کہ حدیث تو یہی ہے جو میں
 نے بیان کی، باقی براءؓ کا قول، تو وہ باہمی بغض و عداوت و کینہ تو زری کا نتیجہ اور اثر ہے۔ اوس اور خزرج
 اسلام سے پہلے سخت مخالفت تھی۔

اس واقعہ کا یہ پہلو بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ حضرت جابرؓ قبیلہ خزرج سے تھے، اس بنا
 پر ان کو خزرجیوں کا ہم آہنگ و ہموا ہونا چاہئے تھا۔

حجّاج بن یوسف جب مدینہ کا امیر ہو کر آیا تو اس نے اوقات نماز میں کچھ تقدیم و تاخیر کی۔ ان کے پاس دوڑے ہوئے آئے۔ فرمایا، آنحضرت ﷺ ظہر کی نماز دوپہر کے بعد، عصر کی آفتاب کے صاف روشن ہونے تک۔ مغرب کی وقت غروب، فجر کی تاریکی میں پڑھتے تھے اور عشاء کے وقت لوگوں کا انتظار ہوتا تھا۔ اگر جلد جمع ہو گیا تو جلد پڑھتے تھے ورنہ دیر میں!۔

ایک مرتبہ حضرت عبداللہ بن جابرؓ نے تین برس کے لئے اپنی زمین کا پھل فروخت کر دیا۔ ان کو خبر ہوئی تو کچھ لوگوں کو لے کر مسجد آئے اور سب کے سامنے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے اس کی ممانعت فرمائی ہے جب تک پھل کھانے کے قابل نہ ہو جائیں، ان کا فروخت کرنا جائز نہیں!۔ (پھر نکلنے سے قبل کیونکر جائز ہو سکتا ہے)۔

ایک مرتبہ ایک سرگرد و فساد مدینہ آیا۔ لوگوں نے حضرت جابرؓ کو گھیرا کہ اس کو شر سے باز رکھیے۔ اس زمانہ میں وہ بینائی سے محروم ہو چکے تھے۔ اپنے دو بیٹوں کو بلایا اور ان کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر نکلے اور کہا کہ خدا اس کو ہلاک کرے جس نے رسول اللہ ﷺ کو خوف میں ڈال رکھا ہے۔ بیٹوں نے عرض کی، رسول اللہ ﷺ تو فوت ہو چکے ہیں۔ اب ان کو خوف کیسا؟ فرمایا، آنحضرت ﷺ کا ارشاد مبارک ہے جس نے اہل مدینہ کو ڈرایا، گویا خود مجھے ڈرایا!۔

آپ اتباع رسول ﷺ کے ولولہ میں ان امور میں بھی آپ کی اقتداء کرتے تھے، جن میں آپ کی تقلید ضروری نہیں ہے۔ آنحضرت ﷺ کو ایک مرتبہ صرف ایک کپڑا اوڑھے نماز پڑھتے دیکھا تھا اس لئے خود بھی اسی طرح نماز پڑھی۔ شاگردوں نے کہا کہ آپ کے پاس چادر رکھی تھی، اس کو کیوں نہ اوڑھ لیا کہ ازار اور چادر دو کپڑے ہو جاتے۔ فرمایا، اس لئے کہ تم جیسے بے وقوف رسول اللہ ﷺ کی اس رخصت کو دیکھیں اور اعتراض کریں!۔

آنحضرت ﷺ نے مسجد فتح میں تین روز (پیر، منگل، بدھ) دعا مانگی تھی۔ تیسرے دن نماز کے اندر قبول ہوئی تو چہرہ مبارک پر بشارت کی موجیں نور بن کر دوڑ گئیں۔ حضرت جابرؓ نے یہ واقعہ دیکھا تھا۔ چنانچہ جب کوئی مشکل آپڑتی تو اس خاص وقت میں وہاں جا کر دعا کرتے اور قبولیت و اجابت کا مژدہ ساتھ لاتے تھے!۔

غزوات نبوی ﷺ میں انہوں نے شرفروشی اور فداکاری کا اعلانیہ ثبوت دیا اور غزوہ حدیبیہ یا مشہد بیعت الرضوان میں جس قوت نے کام کیا تھا، اس کا اقرار خود مصحف ناطق میں کیا گیا ہے۔

خُب رسول ﷺ کے مناظر یہ ہیں :

غزوہ خندق میں تمام لشکر بے آب و دانہ تھا اور سید کونین ﷺ تین دن فاقہ سے رہے اور پیٹ پر پتھر باندھ کر مہمات جنگ میں مصروف تھے۔ آقا کو اس حالت میں دیکھا تو کام چھوڑ کر مکان گئے اور دعوت کا انتظام کیا۔^۱

ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں اعلیٰ قسم کے چھوہارے جن میں گٹھلی نہ تھی پیش کئے آپ ﷺ نے دیکھ کر فرمایا تھا کہ میں گوشت سمجھا تھا، اسی وقت گھر جا کر بیوی سے کہا، انہوں نے بکری ذبح کر کے گوشت پکا دیا۔^۲

ایک روز آنحضرت ﷺ ان کے مکان پر تشریف لے گئے آپ ﷺ کی عادت معلوم تھی، اٹھے اور ایک فربہ بکری کا بچہ ذبح کیا، وہ چلایا تو آپ ﷺ نے فرمایا نسل اور دودھ کیوں قطع کرتے ہو؟ عرض کی ابھی بچہ ہے چھوہارے کھا کر اتنی موٹی ہو گئی ہے۔^۳

ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ سامنے سے گذرے، یہ ڈھال میں چھوہارے لئے تھے شرکت کی دعوت دی، آپ ﷺ نے قبول فرمائی۔^۴

حدیبیہ سے آنحضرت ﷺ کے ساتھ چلے، سقیّا میں قیام ہوا، پانی موجود نہ تھا، حضرت معاذ بن جبلؓ کی زبان سے نکلا کہ کوئی پانی پلاتا، حضرت جابرؓ چند انصار کو لے کر پانی کی تلاش میں روانہ ہوئے ۲۳ میل چل کر اٹانیہ میں پانی ملا وہاں سے مشکوں میں بھر کر لائے، عشاء کے بعد دیکھا تو ایک شخص اونٹ پر سوار حوض کی طرف جا رہا ہے، یہ آنحضرت ﷺ تھے، بڑھ کر مہار تھام لی اونٹ کو بٹھایا، آنحضرت ﷺ نے اتر کر نماز پڑھی خود بھی پہلو میں کھڑے ہو کر نماز میں شریک ہوئے۔^۵

ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ گھوڑے سے گر پڑے تھے وہ عیادت کو آئے رسول اللہ ﷺ کو کبھی قرض کی ضرورت ہوتی تو ان سے لیتے تھے۔ چنانچہ ایک مرتبہ قرض تھا، اور ادائیگی کے وقت بطور اظہار خوشنودی کچھ زیادہ دیا۔^۶

رسول اللہ ﷺ کو بھی ان سے بہت محبت تھی، ایک خاص واقعہ میں ان کے لئے ۲۵ مرتبہ استغفار فرمایا تھا۔^۷ ایک مرتبہ بیمار پڑے تو خود عیادت کے لئے تشریف لائے حضرت جابرؓ بے ہوش

۱ ایضاً ص ۲۷

۲ ایضاً ص ۳۹۶

۳ ایضاً ص ۳۳۴

۴ ایضاً ص ۲۷

۵ ایضاً ص ۳۰۲ اسبابہ تذکرہ جابرؓ

۶ ایضاً ص ۳۰۰

۷ ایضاً ص ۳۸۰

تھے۔ آپ ﷺ نے وضو کر کے پانی کے چھینٹے دیئے تو ہوش آیا اس وقت تک ان کے کوئی اولاد نہ تھی۔ باپ بھی فوت ہو چکے تھے۔ شریعت میں ایسے شخص کے وارث کو کلالہ کہتے ہیں۔ چونکہ زندگی سے ناامید ہو چکے تھے۔ عرض کیا کہ میں مر گیا تو کلالہ وارث ہوگا۔ فرمایے میراث کیونکر تقسیم کروں؟ کیا دولت بہنوں کو دیدوں۔ فرمایا، اچھا ہے دیدو۔ عرض کیا خواہ نصف؟ فرمایا، ”ہاں“۔ یہ کہہ کر باہر تشریف لائے، پھر واپس ہوئے اور آکر فرمایا، جابر! تم اس مرض میں نہ مرو گے، تمہارے متعلق یہ آیت نازل ہوئی ہے:

”يَسْتَفْتُونَكَ قُلِ اللَّهُ يَفْتِيكُمْ فِي الْكَلَالَةِ“

”تم سے (اپنے پیغمبر) لوگ کلالہ کے بارے میں استفسار کرتے ہیں، کہو کہ خدا کا اس کے متعلق یہ فتویٰ ہے“۔ تم بہنوں کو دولت دے سکتے ہو۔

کہیں دعوت ہوتی تو ساتھ لے جاتے۔ کبھی خود اپنے ساتھ مکان پر لاتے اور کھانا کھلاتے۔ ایک روز وہ اپنے گھر کی دیوار کے سایہ میں بیٹھے تھے۔ رسول اللہ ﷺ سامنے سے گزرے، یہ دوڑ کر ساتھ ہوئے۔ ادب کے خیال سے پیچھے چل رہے تھے۔ فرمایا پاس آ جاؤ۔ ان کا ہاتھ پکڑ کر کا شانہ اقدس پر لائے اور پردہ گرا کر اندر نکال دیا، اندر سے ۳ ٹکیاں اور سرکہ ایک صاف کپڑے پر رکھ کر آیا۔ آپ نے ڈیڑھ ڈیڑھ روٹی تقسیم کی اور فرمایا سرکہ بہت عمدہ سالن ہے۔ جابر کہتے ہیں کہ اس دن سے سرکہ کو میں نہایت محبوب رکھتا ہوں۔

کچھ اس واقعہ پر موقوف نہیں، نوازشات خاص ہر صورت میں ہوتی رہتی تھیں۔ غزوہ ذات الرقاع میں حضرت جابرؓ نہایت عمدہ اونٹ پر سوار تھے، جو اپنی تیز رفتاری میں تمام اونٹوں سے آگے تھا۔ چلتے چلتے یکا یک رک گیا۔ پیچھے سے آواز آئی، کیا ہوا؟ یہ آنحضرت ﷺ تھے۔ تشریف لائے اور ایک کوڑا مارا اونٹ پھر تیز ہو گیا، اور ان کو لے اُڑا۔

آنحضرت ﷺ نے فرمایا، اس کو میرے ہاتھ فروخت کر دو۔ عرض کی حاضر ہے، لیکن قیمت کی ضرورت نہیں۔ فرمایا، نہیں قیمت دی جائے گی۔ درخواست کی کہ مدینہ تک میں اس پر چلوں گا جو منظور ہوئی۔ شہر پہنچ کر اونٹ کو لے کر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ ﷺ اس کو گھوم گھوم کر دیکھتے تھے اور فرماتے تھے، کیسا اچھا ہے۔ اس کے بعد حضرت بلالؓ کو حکم دیا کہ اتنے

۱۔ مسند۔ جلد ۳۔ ص ۲۹۸ و ۳۷۲ ۲۔ ایضاً۔ ۳۸۷ ۳۔ ایضاً۔ ص ۳۷۹ و ۴۰۰

۴۔ مسند۔ جلد ۳۔ ص ۳۱۲

۵۔ ایضاً، ۳۷۲

اوقیہ سونا تول دو۔ اصل کے بعد کچھ اور بھی عطا فرمایا اور پوچھا دام پا چکے؟ کہا جی ہاں۔ فرمایا دام اور اونٹ دونوں لے جاؤ، سب تمہارا ہے۔ ایک یہودی نے اس واقعہ کو سنا تو تعجب کیا۔^۱

قیمت سے زیادہ دام چونکہ آنحضرت ﷺ کی بخشش تھی۔ اس لئے اس کو ایک تھیلی میں علیحدہ حفاظت سے رکھ دیا۔ حرہ کے دن اہل شام نے ان کے گھر پر چھاپا مارا۔ اس میں دوسری چیزوں کے ساتھ اس کو بھی لوٹ کر لے گئے۔^۲

ایک مرتبہ بحرین سے مال آنے والا تھا۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ تم کو ۳۰ آنہ خرہ بھر کر دوں گا۔ لیکن جب مال آیا تو آپ ﷺ کا انتقال ہو چکا تھا۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ نے منادی کرادی کہ اگر رسول اللہ ﷺ نے کسی سے وعدہ کیا ہو یا آپ پر کسی کا قرض ہو تو وہ مجھ سے لے سکتا ہے۔ حضرت جابرؓ نے کہا کہ مجھ سے وعدہ فرمایا تھا۔ فرمایا لے لو، ۳۰ آنہ خرہ میں ۱۵۰۰ آئے۔

رسول اللہ ﷺ کا ادب و احترام خاص طور پر ملحوظ رہتا تھا۔ اعمال و عقائد میں تو آنحضرت ﷺ کا ہر قول و فعل فرض و واجب کا درجہ رکھتا تھا اور اس میں کسی کو مجال انکار نہ تھی۔ لیکن امور باہمی میں بھی ان کو اس کا لحاظ رہتا تھا کہ جس بات کو آنحضرت ﷺ ۳ مرتبہ ارشاد فرماتے، بے چوں چرا تسلیم کر لیتے۔ ایک دو مرتبہ میں قیل و قال کی گنجائش رہتی تھی۔ مسلمانوں سے محبت کرتے اور ”رَحِمَاءُ بَيْنَهُمْ“ کی مجسم تصویر تھے۔

ایک مرتبہ ان کا پڑوسی کہیں سفر میں گیا تھا۔ واپس آیا تو بایں جلالت قدر ملاقات کو تشریف لے گئے۔ اس نے لوگوں کے اختلاف جماعت بندی کی داستان سنائی، بدعات کا رائج ہونا بیان کیا۔ صحابہ نے نکست اسلام اپنے بدن کے خون سے سینچی تھی۔ ان واقعات کے کب کان متحمل ہو سکتے تھے؟ بے اختیار آبدیدہ ہو گئے اور فرمایا، رسول اللہ نے سچ کہا تھا کہ لوگ جس طرح گروہ درگروہ خدائی دین میں داخل ہوں گے اسی طرح خارج بھی ہو جائیں گے۔^۳

ان اوصاف کے ساتھ مذہبی جوش اور حرارت بھی نہایت نمایاں تھی۔ ایک میل^۴ سے بچ وقت نماز پڑھنے آتے تھے۔ ظہر کے وقت گرمی کی یہ شدت ہوتے تھی کہ زمین پر سجدہ کرنا دشوار تھا۔ ہاتھ میں کنکریاں ٹھنڈی کرتے اور سجدہ کرتے تھے۔^۵ لیکن آنا ترک نہ ہوتا تھا۔

ایک مرتبہ مسجد نبوی ﷺ کے قریب میں مکان خالی ہوئے۔ حضرت جابرؓ اور بنو سلمہ کا ارادہ ہوا کہ یہاں اٹھ آئیں کہ نماز کا آرام ہوگا۔ آنحضرت ﷺ سے درخواست کی، آپ ﷺ نے فرمایا کہ

۱۔ مسند۔ جلد ۳۔ ص ۳۷۲ ۲۔ ایضاً۔ ص ۳۰۳ ۳۔ ایضاً۔ ص ۳۰۸ ۴۔ مسند۔ جلد ۳۔ ص ۲۵۸-۲۵۹

۵۔ ایضاً۔ ص ۳۳۳ ۶۔ ایضاً۔ ص ۳۰۳ ۷۔ ایضاً۔ ص ۳۲۷

تمہیں وہاں سے آنے میں ہر قدم پر ثواب ملتا ہے۔ سو چوتو کتنا ثواب ہوا۔ سب نے کہا کہ حضور ﷺ کا ارشاد بدل و جان منظور ہے۔

حج متعدد کئے تھے۔ دو کا تذکرہ حدیثوں میں آیا ہے۔ پہلا حجة الوداع، دوسرا ایک اور جس میں محمد بن عباد بن جعفر ایک مسئلہ پوچھا تھا۔

سادگی مسلمانوں کی ترقی کا اصل راز ہے۔ حضرت جابرؓ نہایت سادہ تھے۔ صحابہ کا ایک گروہ مکان پر ملنے آیا۔ اندر سے سر کہلائے اور کہا: بسم اللہ اس کو نوش فرمائیے، سر کہ کی بڑی فضیلت آئی ہے۔ پھر فرمایا، آدمی کے پاس اگر اعزہ و احباب آئیں تو جو کچھ حاضر ہو پیش کر دے، اس میں کوتاہی نہ کرے۔ اسی طرح ان لوگوں کا فرض ہے کہ پیش کردہ چیز کو خوشی خوشی کھائیں اور اس کو حقیر نہ سمجھیں، کیونکہ تکلف میں دونوں کی ہلاکت کا سامان ہے۔

ایک مرتبہ مقنعؓ بیمار ہوئے تو حضرت جابرؓ دیکھنے کو گئے تو فرمایا، میرے خیال میں تم پکھنہ لگاؤ، کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ اس میں شفاء ہے۔

مزارع میں بے تکلفی تھی۔ ملنے جلنے کا انداز بہت سادہ تھا۔ آنحضرت ﷺ سے زیادہ کون معزز و محترم ہو سکتا تھا۔ لیکن جب آپ ﷺ چلتے تو لوگ آپ ﷺ کے برابر آگے چلتے تھے۔ حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ اس کا سبب یہ تھا کہ آپ ﷺ کے پیچھے فرشتے چلتے تھے۔

آنحضرت ﷺ کی ایک ایک چیز دل و دماغ میں جاگزیں تھی۔ بیعت الرضوان کی بیعت ایک درخت کے نیچے لی گئی تھی۔ لوگ اس جگہ کو تبرک سمجھ کر نماز پڑھنے لگے۔ حضرت عمر فاروقؓ نے اس کو کٹوا دیا۔ مسیب بن حزن کا بیان ہے کہ ہم اس درخت کو دوسرے ہی سال بھول گئے تھے۔ لیکن حضرت جابرؓ کو برسوں کے بعد بھی یاد تھا۔ اخیر عمر میں نابینا ہو گئے تھے۔ حدیبیہ کا قصہ بیان کیا تو فرمایا آج آنکھیں ہوتیں تو وہ موقع دکھلا دیتا۔



حضرت جبار بن صخرؓ

نام و نسب :

جبار نام ہے۔ ابو عبد اللہ کنیت، قبیلہ خزرج کے خاندان سلمہ سے ہیں۔ نسب نامہ یہ ہے : جبار بن صخر بن امیہ بن حمیس بن سنان بن عبید بن عدی بن غنم بن کعب بن سلمہ۔ والدہ کا نام سعاد بنت سلمہ تھا اور جسم بن خزرج کے قبیلہ سے تھیں۔ اسلام : بیعت عقبہ ثانیہ میں شریک تھے۔

غزوات اور دیگر حالات :

مقداد اسود کندی سے یہ کہ بڑے رتبہ کی صحابی تھے۔ مواخاۃ ہوئی۔ تمام غزوات میں شرف شرکت حاصل کیا۔ غزوہ بدر میں ۳۲ سالہ تھے۔

خیبر فتح ہونے کے بعد آنحضرت ﷺ نے عبد اللہ بن رواحہؓ کو ایک سال خالص بنا کر بھیجا تھا۔ غزوہ موتہ میں ان کی شہادت ہو گئی تو جبار بن صخرؓ کا اس منصب کے لئے انتخاب کیا۔ جبار ہر سال خیبر کے پھلوں کا تخمینہ کرنے کے لئے بھیجے جاتے تھے۔

حضرت ابو بکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ کے عہد خلافت میں بھی اسی منصب پر مامور رہے اور حضرت عمر فاروقؓ نے جب یہود کو خیبر سے جلا وطن کیا تو مہاجرین و انصار کو لے کر خیبر گئے تھے۔ اس سفر میں جبار بن صخرؓ بھی ان کے ہمراہ تھے۔

وفات : ۳۰ھ میں حضرت عثمان غنیؓ کے عہد خلافت میں انتقال کیا۔ اس وقت ان کی عمر ۶۲ سال کی تھی۔

فضل و کمال : مسند میں چند حدیثیں ان کے سلسلہ میں مروی ہیں۔ حساب میں کمال حاصل تھا۔ اس لئے دار الخلافہ میں حساب اور خالص کا عہدہ ان کو تفویض تھا۔

حب رسول اللہ ﷺ پر ذیل کا واقعہ شاہد ہے۔

اخلاق : مکہ معظمہ کے سفر میں آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اثابہ میں کوئی جا کر پانی کا انتظام کرتا۔ حضرت جبارؓ نے اٹھ کر کہا، میں جاتا ہوں۔ وہاں پہنچ کر حوض کے ارد گرد پھیلے رکھے اور اس میں پانی بھر دیا۔ محنت کی وجہ سے تھک گئے تھے، آنکھ لگ گئی۔ آنحضرت ﷺ پہنچے اور فرمایا، ”مالک حوض! میں اپنے اونٹ کو پانی پلا سکتا ہوں۔“

انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی آواز پہچان کر اجازت دیدی۔
 آپ ﷺ اُٹھ کر اترے اور وضو کے لئے پانی مانگا۔ انہوں نے آپ ﷺ کو وضو
 کرا کے خود بھی وضو کیا اور پھر آنحضرت ﷺ کے ساتھ نماز میں کھڑے ہو گئے۔ چونکہ بائیں جانب
 کھڑے تھے، آنحضرت ﷺ نے ان کا ہاتھ پکڑ کر داہنے جانب کر دیا۔ تھوڑی دیر میں تمام لوگ آپ ﷺ
 اور تنہائی کا لطف صحبت مفقود ہو گیا۔



حضرت جلیب رضی اللہ عنہ

نام و نسب :

جلیب نام تھا۔ انصار کے کسی قبیلہ سے تھے۔ سلسلہ نسب معلوم نہیں۔ آنحضرت ﷺ نے انصار کی ایک لڑکی سے ان کی نسبت ٹھہرائی۔ چونکہ نہایت کم رو اور پستہ قد تھے۔ اس لئے لڑکی کے والدین نے انکار کرنا چاہا۔ لیکن لڑکی نہایت سمجھ دار تھی۔ اس کو معلوم ہوا تو یہ آیت پڑھی :

”مَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَلَا مُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَى اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَمْرًا أَنْ يَكُونَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ أَمْرِهِمْ“۔

یعنی ”جب اللہ اور رسول کسی بات کا فیصلہ کر دیں تو کسی مسلمان کو اس میں چوں و چرا کی گنجائش نہیں۔“

اور میں بالکل رضامند ہوں، جو رسول اللہ ﷺ کی مرضی ہے وہی میری بھی ہے۔ آنحضرت کو خبر ہوئی تو آپ نہایت مسرور ہوئے اور فرمایا :

”اللَّهُمَّ اصْبِبْ عَلَيْهَا الْخَيْرَ وَلَا تَجْعَلْ عَيْشَهَا كَدًا“۔
”خداوند اس پر خیر کا دریا بہا دے اور اس کی زندگی کو تلخ نہ کر۔“

دعائے نبوی ﷺ کا یہ اثر ہوا کہ تمام انصار میں اس سے زیادہ کوئی عورت تو نگر اور خراج نہ تھی۔ عورت کی رضامندی پا کر آنحضرت ﷺ نے جلیب سے کہا کہ فلاں لڑکی سے تمہارا نکاح کرتا ہوں۔ بولے، یا رسول اللہ (ﷺ)! آپ مجھے کھوٹا پائیں گے۔ فرمایا ”لکنک عند اللہ لست بکاسد“ یعنی تم اللہ کے نزدیک کھولے نہیں ہو۔ (اس واقعہ کی تفصیل اور بھی ہے)۔ شہادت : آنحضرت ﷺ کے ساتھ کسی غزوہ میں تھے کہ مال غنیمت آیا۔ ارشاد ہوا دیکھو کون کون لاپتہ ہیں۔ لوگوں نے چند آدمیوں کے نام گنائے۔ آپ ﷺ نے ۳ مرتبہ پوچھا اور وہی جواب ملا تو فرمایا ”لکنی افقد جلیباً“! لیکن میں جلیب کو گم پاتا ہوں۔

مسلمان حضرت جلیبؓ کی تلاش میں نکلے تو دیکھا کہ سات آدمیوں کے پہلو میں مقتول پڑے ہیں۔ آنحضرت ﷺ کو خبر ہوئی، آپ خود شریف لائے اور لاش کے پاس کھڑے ہو کر فرمایا :

! استیعاب۔ جند۱۔ ص ۱۰۰ ودیگر کتب رجال و مسند احمد بن حنبل۔

”قتل سبعة ثم قتلوه هذا مني انا منه ! هذا مني وانا منه“۔

”سات کو قتل کر کے قتل ہوا، یہ مجھ سے ہے اور میں اس سے ہوں، یہ، مجھ سے ہے اور میں

اس سے ہوں۔“

اور جلیب کی لاش کو اپنے ہاتھ سے اٹھا کر لائے اور قبر کھدوا کر دفن کیا اور غسل نہیں دیا۔

حضرت جلیب ”واقعی خدا کے نزدیک کھوٹے نہ تھے۔ شہادت عظمیٰ کے ساتھ ساتھ یہ

شرف کتنا عظیم الشان تھا کہ رسول اللہ ﷺ خود اپنے ہاتھوں سے ان کی لاش اٹھا کر لائے۔ تمام لوگوں کو

تابوت لکڑی کے تختوں سے تیار ہوتا ہے، لیکن جلیب کا تابوت مہبط وحی والہام کا دست مبارک تھا۔

بچہ ناز رفتہ باشد ز جہاں نیاز مندی

کہ بوقت جاں سپردن بسرش رسیدہ باشی



حضرت حبابؓ بن منذر بن جموع

نام و نسب :

نام حباب ہے۔ ابو عمر کنیت، قبیلہ خزرج سے ہیں۔ نسب یہ ہے : حباب بن منذر بن جموع بن زید بن حرام بن کعب بن غنم بن کعب بن سلمہ۔
اسلام : ہجرت سے قبل مسلمان ہوئے۔
غزوات اور دیگر حالات :

تمام غزوات میں شرکت کی، غزوہ بدر میں قبیلہ خزرج کا علم ان کے پاس تھا^۱۔ بدر کے قریب پہنچ کر آنحضرت ﷺ نے ڈیرا ڈالا تو حباب نے عرض کیا، یا رسول اللہ ﷺ! اس مقام پر اترنے کے لئے حکم خداوندی ہے یا آپ کی ذاتی رائے ہے؟ فرمایا، میری رائے ہے۔ عرض کی تو موقع ٹھیک نہیں ہے، ہم کو پانی کے پاس اترنا چاہئے اور تمام کنوؤں پر قبضہ کر کے ایک حوض تیار کرنا چاہئے تاکہ ہمارے لشکر میں پانی کی قلت نہ ہو۔ اور دشمن تشنگی سے پریشان ہو جائے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا، حباب صحیح کہتے ہیں۔ چنانچہ تمام لشکر کو لے کر چاہ بدر پر نزول اجلال ہوا^۲۔

غزوہ احد میں قریش اس سروسامان سے نکلے تھے کہ مدینہ ہل گیا تھا۔ ذوالحلیفہ پہنچے تو آنحضرت ﷺ نے دو جاسوس بھیجے اور ان کے بعد حبابؓ کو روانہ فرمایا۔ انہوں نے تمام لشکر میں گھوم کر مختلف خبریں بہم پہنچائیں اور دشمن کی تعداد کا صحیح اندازہ کر کے آنحضرت ﷺ کو خبر دی^۳۔

اس غزوہ میں بھی خزرج کا علم ان کے پاس تھا۔ بعض کا خیال ہے کہ سعد بن عبادہ علمبردار تھے^۴۔ غزوہ خیبر میں ایک حصہ کا اور حنین میں تمام خزرج کا علم انہی کو تفویض ہوا تھا^۵۔ سقیفہ ساعدہ میں وہ سعد بن عبادہ کے سرگرم حامی تھے اور ان کے خلیفہ بنانے پر مصر تھے۔ اثنائے خطبہ میں ایک یہ فقرہ کہا تھا۔

”أَنَا جُذُيْلُهَا الْمَحْكُوكُ وَغَذِيْقُهَا الْمُرْحَبُ“۔

یعنی ”میں قوم کا معتمد ہوں اور لوگ میری رائے سے فائدہ اٹھاتے ہیں“۔

اس کے بعد یہ رائے پیش کی کہ دو امیر ہوں، ایک انصاری اور ایک مہاجر، حضرت عمرؓ نے برجستہ کہا یہ ناممکن ہے، دو بادشاہ در اقلیمے نہ گنجد!

۱۔ طبقات ابن سعد ص ۸ ایضاً۔ ص ۹

۲۔ اسد الغابہ جلد ۱۔ ص ۳۶۰

۳۔ اسد الغابہ۔ ص ۷۷ و ۱۰۸

۴۔ اسد الغابہ۔ جلد ۱۔ ص ۲۷

وفات : حضرت عمرؓ کے زمانہ خلافت میں فوت ہوئے۔ عمر ۵۰ سال سے متجاوز تھی۔ غزوہ بدر میں ۳۳ برس کا سن تھا۔

فضل و کمال : حدیث میں ابوالطفیلی عامر بن وائلہ ان کے شاگرد ہیں۔ شاعری عرب کا فطری جوہر ہے۔ حضرت حبابؓ ”بھی شعر کہتے تھے، یہ شعر انہی کی طرف منسوب ہیں۔

الم تعلموا الله د را بیکما وما الناس الا کمه و بصیر
کیا تمہیں خبر نہیں تمہارے باپ کی بھلائی خدا کے لئے ہو کہ لوگ طرح کے ہوتے ہیں قدرتی نابینا اور ارباب بصر
بانا و اعدا البی محمد ﷺ اسود لہانی العالمین زئیر
چنانچہ ہم اور آنحضرت ﷺ کے دشمن دونوں شیر ہیں جن کی گرج سے تمام عالم گونج اٹھا ہے
نصرنا و آویناء النبی و ما له سوانا من اهل الملتین نصیر
لیکن ہم کو یہ شرف ہے کہ ہم نے پیغمبر کو پناہ دی اور مدد کی اور ہمارے سوا آپ کا کوئی مددگار نہیں ہے
خطبہ اچھا دیتے تھے، اور اس میں فصاحت و بلاغت کے پورے جوہر دکھاتے تھے سقیفہ بنی
ساعده میں انہوں نے دو خطبے دیئے تھے جن سے قوت تقریر اور زور بیان کا صحیح اندازہ ہو سکتا ہے۔ اس
مفہوم کو کہ انصار چاہیں تو خلافت کو نقصان پہنچا سکتے ہیں کس مبلغ پیرایہ میں ادا کیا ہے۔

”اما والله لئن شتمت لنعید نہا جذعة“

خلافت کو اونٹ سے تعبیر کر کے کہتے ہیں کہ تم چاہو تو میں اس کو پانچ برس کا ایک بچہ بنا سکتا ہوں۔ اسی طرح اپنی حیثیت اور ذاتی وجاہت کو اس طرح بیان کرتے ہیں۔

”انا جزیلہا المحک و عذیقہا المر جب“ یعنی ”میں انصار کے خارشٹی اونٹ کے بدن رگڑنے کا ستون اور ان کے تناور درخت کا سدروئین ہوں۔“

عرب میں جس اونٹ کے خارش نکلتی تھی صحت یابی کے لئے اس ایک لکڑی یا ستون سے باندھ دیتے تھے جس سے وہ اپنا بدن رگڑ رگڑ کر اچھا ہو جاتا تھا۔ اسی طرح کھجور کے بہت بڑے درخت کے نیچے جس کے جھکنے کا خوف ہوتا تھا، ایک دیوار بنادیتے یا لکڑی گاڑ دیتے تھے تو درخت سیدھا رہتا تھا۔
حضرت حبابؓ نے اپنی ذمہ داری کو اسی لکڑی اور دیوار سے تشبیہ دی ہے۔



حضرت حرام بن ملحان^{رض}

نام و نسب :

حرام نام، قاری لقب، سلسلہ نسب یہ ہے۔ حرام بن مالک (ملحان) بن خالد بن زید بن حرام بن جندب بن عامر بن غنم بن عدی بن نجار بن ثعلبہ بن عمرو بن خزرج۔ حضرت ام سلیمؓ کے بھائی تھے جو آنحضرت ﷺ کی خالہ اور حضرت انس بن مالکؓ مشہور صحابی کی والدہ ماجدہ تھیں۔ اسلام : بنو نجار، صدائے اسلام پر لبیک کہنے میں تمام انصار پیش پیش رہے تھے، حضرت ام سلیمؓ کی وجہ سے خاندان عدی اسلام کے نام سے گوش آشنا ہو چکا تھا اس لئے بھائی نے بھی قبول اسلام میں سبقت کی۔

غزوات اور وفات :

بدر اور احد کے معرکوں میں ان کی شرکت کا پتہ نہیں چلتا، سر یہ بیر معونہ^۱ میں جو احد کے بعد ہوا تھا ان کے موجود ہونے کی شہادت ملتی ہے۔

ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ کے پاس کچھ لوگ یہ درخواست لے کر آئے کہ ہمارے ملک میں اشاعت اسلام کے لئے کچھ آدمی بھیج دیجئے جو قرآن و سنت کی اچھی طرح تعلیم دے سکیں، آپ ﷺ نے ۷۰ آدمیوں کو جو قراء کے لقب سے مشہور تھے ان کے ساتھ کر دیا۔ حرام بھی اسی جماعت میں تھے وہاں پہنچ کر ایک مقام پر قیام کیا حرام دو آدمیوں کے ساتھ جن میں سے ایک کے پاؤں میں لنگ تھا قبیلہ میں اشاعت اسلام کے لئے گئے اور یہ کہہ کر ان کو قریب چھوڑ دیا کہ تم یہیں ٹھہرو، پہلے میں جاتا ہوں اگر زندہ بچ گیا تو خیر ورنہ تم دوڑ کر ہمارے ساتھیوں کو خبر کر دینا، اور قبیلہ میں جا کر کہ میں آنحضرت ﷺ کی رسالت پر کچھ کہنا چاہتا ہوں تم مجھے امان دیتے ہو۔

ادھر تقریر شروع ہوئی تھی کہ ادھر قبیلہ والوں نے ایک شخص کو اشارہ کر دیا جس نے پیچھے سے نیزہ کا وار کیا جو ایک پہلو کو توڑ کر دوسرے پہلو سے نکل گیا۔ حضرت حرامؓ نے زخم کا خون لے کر چہرہ اور سر پر چھڑکا اور فرمایا ”اللہ اکبر! فزت ورب الکعبہ“، ”رب کعبہ کی قسم میں کامیاب ہوا۔“

دونوں ساتھیوں میں سے جن کے پاؤں میں لنگ تھا، پہاڑ میں چھپ رہے۔ دوسرے نے مسلمانوں کو خبر کی واقعہ سن کر سب موقع پر پہنچ گئے اور اسی جگہ لڑ کر جامِ شہادت نوش کیا۔

بنا کر دند خوش رہے بخون و خاک غلطیدن خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را
آنحضرت ﷺ کو اس کی خبر ہوئی تو آپ نے ایک مہینہ تک قاتلین کے حق میں دعائے بد کی۔

فضل و کمال :

قرآن و حدیث میں اس قدر عبور تھا کہ نجد میں ان کی اشاعت کے لئے مقرر کئے گئے۔ صحیح مسلم میں ہے کہ قرآن پڑھا کرتے اور رات کے وقت اس کا درس دیتے تھے۔ اسی وجہ سے قاری لقب پڑ گیا تھا۔

اخلاق :

رات نماز پڑھتے، دن کو مختلف نیک کام کرتے، مسجد نبوی ﷺ میں پانی بھر کر رکھتے، لکڑی کاٹ کر فروخت کرتے اور اس سے اصحابِ صفہ اور دوسرے محتاج مسلمانوں کی غذا مہیا کرتے تھے۔ ان کے کریمانہ اخلاق میں جوش ملی جس کا نظارہ اوپر ہو چکا ہے ایسا دیدہ زیب مرقع پیش کرتا ہے جس کے بعد دوسرے مرقع کی حاجت نہیں رہتی۔



۱۔ صحیح بخاری۔ ص ۵۸۶، ۸۱۰
۲۔ صحیح مسلم۔ جلد ۲۔ ص ۱۰۸
۳۔ ایضاً
۴۔ ایضاً
۵۔ ایضاً

حضرت حسان بن ثابتؓ

نام و نسب :

حسان نام ہے۔ ابوالولید کنیت، شاعر رسول اللہ ﷺ لقب ہے۔ سلسلہ نسب یہ ہے :

حسان ابن ثابت منذر بن حرام بن عمرو بن زید مناة بن عدی بن عمرو بن مالک بن نجار ابن ثعلبہ بن خزرج۔ والدہ کا نام فریجہ بنت خالد بن خنیس بن اوزان بن عبد ود ابن زید بن ثعلبہ بن خزرج بن کعب بن ساعدہ تھا۔ قبیلہ خزرج سے تھیں اور سعد ابن عبادہ سردار خزرج کی بنت عم ہوتی تھیں^۱۔ حسان نے ایک شعر میں ان کا نام ظاہر کیا ہے۔

امسى الجلابيب قد غروا وقلد كثرُوا وابن الفريضة امسى بيضة البلد^۲

وہ اسلام اور بیعت کے شرف سے مشرف ہوئیں۔ حضرت حسانؓ کے اجداد اپنے قبیلہ کے رئیس تھے۔ فارغ کا قلعہ جو مسجد نبوی ﷺ سے جانب غرب باب الرحمة کے مقابل واقع تھا انہی کا سکونت گاہ تھا۔ حسانؓ کہتے ہیں۔

ارقت لتوما من البروق اللوامع ونحن نشاوي بين سلع وفار ع^۳

سلسلہ اجداد کی چار پشتیں نہایت معمر گذریں۔ عرب میں کسی خاندان کی چار پشتیں مسلسل اتنی طویل العمر نہیں مل سکتیں۔ حرام کی عمر جو حضرت حسانؓ کے پردادا تھے ۱۲۰ سال کی تھی، ان کے بیٹے منذر اور ثابت بن منذر اور حسان بن ثابت سب نے یہی عمر پائی۔

اسلام : حضرت حسانؓ حالت ضعیفی میں ایمان لائے۔ ہجرت کے وقت ۶۰ برس کا سن تھا۔

غزوات : دل کے کمزور تھے اس لئے کسی غزوہ میں شریک نہ ہو سکے^۴۔ حضرت ابن عباسؓ کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ غزوات میں شرکت کی تھی، حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں۔

”قیل لا بن عباس قدم حسان اللعين فقال ابن عباس ما هر بلعين قد جاهد

”مع رسول الله ﷺ بنفسه ولسا نه“۔

۱۔ صحیح بخاری۔ جلد ۲۔ ص ۵۹۵ ۲۔ اصابہ۔ جلد ۸۔ ص ۱۶۶ ۳۔ خلاصۃ الوفا، ۲۹ ۴۔ اسد الغابہ جلد ۲۔ ص ۷۵ ۵۔ تہذیب المعذیب۔ جلد ۱۔ ص ۲۳۸ ۱۔ الفک۔ یعنی حضرت عائشہؓ پر تہمت تراشی کے واقعہ میں حضرت حسانؓ بھی منافقین کے فریب میں آکر شریک ہو گئے تھے، اس لئے بعض اصحاب حب رسول ﷺ میں ان کے متعلق سخت الفاظ استعمال کر جاتے ہیں۔ اس واقعہ میں بھی غالباً ملعون کہنے کا سبب یہی ہے۔

”ابن عباسؓ سے کہا گیا کہ حسان ملعون آیا ہے فرمایا ملعون کیونکر ہو سکتے ہیں انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ رہ کر اپنے نفس اور زبان سے جہاد کیا ہے۔“

لیکن عام تذکرے اس کے خلاف ہیں، غزوہ خندق میں عورتوں کے ساتھ قلعہ میں تھے آنحضرت ﷺ کی پھوپھی بھی حضرت صفیہؓ بنت عبدالمطلب بھی اس قلعہ میں تھیں۔ ایک یہودی نے قلعہ کے گرد چکر لگایا، حضرت صفیہؓ کو اندیشہ ہوا کہ اگر یہودیوں کو اطلاع ہوگئی تو بڑی مشکل پیش آئی گی۔ کیونکہ آنحضرت ﷺ جہاد میں مشغول تھے، انہوں نے حسان سے کہا کہ اس کو مارو، ورنہ یہود سے جا کر خبر کر دے گا۔ انہوں نے جواب دیا تمہیں معلوم ہے کہ میرے پاس اس کا کوئی علاج نہیں۔ حضرت صفیہؓ نے یہ جواب سن کر خود خیمہ کی چوب اٹھائی اور مردانہ وار نکل کر مقابلہ کیا اور یہودی کو قتل کر کے حسان سے کہا اب جا کر اس کا سامان اتار لاؤ، بولے کہ مجھے اس کی ضرورت نہیں۔^۱

حضرت حسانؓ جان کے بجائے زبان سے جہاد کرتے تھے، چنانچہ غزوہ بنونضیر میں جب آنحضرت ﷺ نے بنونضیر کے درخت جلانے تو انہوں نے یہ شعر کہا۔

فہان علی سراۃ بنی لونی حریق بالبویرۃ مستطیر

بنونضیر اور قریش میں باہم نصرت و مدد کا معاہدہ تھا اس بنا پر قریش کو غیرت دلاتے ہیں کہ تم بنونضیر کی جس وقت کہ مسلمان ان کے باغ جلا رہے تھے کچھ مدد نہ کر سکے۔ یہ شعر مکہ پہنچا تو ابوسفیان بن حارث نے جواب دیا۔

اذا م اللہ ذالک من صنیع و حرق فی نواحیہا السعیر

ستعلم اینا منها بنزہ و تعلم ای ارضینا نصیر

یعنی خدا تم کو ہمیشہ اس کی توفیق دے، یہاں تک کہ آس پاس کے شعلوں سے خود مدینہ خاکستر ہو جائے اور ہم دور سے بیٹھے بیٹھے تمہارا دیکھیں۔^۲

۵ھ میں غزوہ مرتسیع سے واپسی کے وقت منافقین نے حضرت عائشہؓ پر اتہام لگایا، عبد اللہ بن ابی ان سب میں پیش پیش تھا۔ مسلمانوں میں بھی چند آدمی اس کے فریب میں آ گئے جن میں حسانؓ، مطح بن اثاثہ اور حمزہ بنت جحش بھی شامل تھیں جب حضرت عائشہؓ کی برأت کی آیتیں اتریں تو آنحضرت ﷺ نے اتہام لگانے والوں پر، عقیقہ عورتوں پر تہمت لگانے کی قرآن کی مقرر کردہ حد جاری رکھی۔^۳

گو حضرت حسانؓ حضرت عائشہؓ پر تہمت لگانے والوں میں سے تھے لیکن اس کے باوجود جب ان کے سامنے حسانؓ کو کوئی برا کہتا تو منع کرتیں اور فرماتیں کہ وہ آنحضرت ﷺ کی طرف سے کفار کو جواب دیا کرتے تھے اور آپ ﷺ کی مدافعت کرتے تھے۔

ایک مرتبہ حضرت حسانؓ حضرت عائشہؓ کو شعر سنار ہے تھے کہ مسروق بھی آگئے اور کہا آپ ان کو کیوں آنے دیتی ہیں، حالانکہ خدا نے فرمایا ہے کہ افک میں جس نے زیادہ حصہ لیا اس کے لئے بڑا عذاب ہے۔ فرمایا: یہ اندھے ہو گئے اس سے زیادہ اور کیا عذاب ہوگا۔ پھر فرمایا، بات یہ ہے کہ یہ رسول اللہ ﷺ کے لئے مشرکین کی جھوکتے تھے۔

۹ھ میں بنو تمیم کا وفد آیا جس میں زبرقان بن بدر نے اپنی قوم کی فضیلت میں چند اشعار پڑھے۔ آنحضرت ﷺ نے حسان کو حکم دیا کہ تم اٹھ کر اس کا جواب دو، انہوں نے اسی ردیف وقافیہ میں برجستہ جواب دیا۔

ان الذوائب من نهر و اخوتهم	قد بینوا سنة للناس تتبع
یرضی بھا کل من کانت سریره	تقوی الا لد و بالا مر الذی شرعو
قوم اذا حاربوا ضرروا عدوهم	او حاولوا النفع فی اشیاعهم نفعو
سجیة تلک منهم غیر محدثہ	ان الخلائق فاعلم شرھا البدع
لو کان فی الناس سباقون بعدہم	فکل سبق لا دنی سبقہم تبع
لا یرفع الناس ما اوھت اکفھو	عند الرقاع ولا یوھون مارفعو
ولا یضنون عن جار بفضلہم	ولا یمسہم فی مطمع طمع
خذ منهم ما اتوا عفو اذا عطفوا	ولا یکن ہمک الامر الذی منعوا
فان فی حربہم فانزل عداوتہم	شراب حاض الیہ الصاب والسلع
اکرم بقوم رسول اللہ شیہتہم	اذا تفوقت الاھواح والشیح

۱۱ھ میں آنحضرت ﷺ نے انتقال فرمایا۔ مسلمانوں کے لئے اس سے بڑھ کر کوئی غم نہیں ہو سکتا تھا، چنانچہ حضرت حسانؓ نے کئی پر درد مرثیے لکھے جو ابن سعد نے طبقات میں نقل کئے ہیں۔ ہم ان کے صرف مطلعوں پر اکتفا کرتے ہیں، پہلے مرثیہ کا مطلع ہے۔

الیت حلفہ بر غیر ذی دخل	منی الیۃ غیر افتاد
باللہ ما حملت انشی ولا وضعت	مثل النبی بنی الرحمة الھاد

آگے چل کر لکھتے ہیں۔

امسى نساء ك عطلن البيوت فما يضربن خلف فقا ستر يادتا
مثل الرواهب يلبس المسوح وقد ايقن باليؤس بعد النعمة البادى
دوسرے مرثیے میں جس کا مطلع

ما بال عينك لا تنام کا نما كحلت مافيها ما بك حل الارمد
ہے اپنی مصیبت اور رنج و غم کو ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں۔

جنبي يقيت النربلهفى ليتنى ككت المغيب فى الصريح الملحد
پھر کہتے ہیں۔

اقيم بعدك بالمدينة بينهم بالهف نفسى ليتنى لم اولد
تیسرا مرثیہ اس مطلع سے شروع ہوتا ہے۔
يا عين جودى بدمع منك اسبال ولا تملن من سح و احوال
چوتھے مرثیے کا پہلا شعر ہے۔

نب المساكين ان الخير فاقهم مع الرسول تولى عنهم سحر
آنحضرت ﷺ کے بعد عرصہ تک زندہ رہے۔

وفات : امیر معاویہؓ کے زمانہ میں وفات پائی، ۱۲۰ برس کا سن تھا۔ بعض لوگوں نے لکھا ہے کہ ۱۲۰ھ سے پیشتر انتقال کیا لیکن یہ صحیح نہیں۔

اہل و عیال : بیوی کا نام سیرین تھا جو ماریہ قبطیہ حرم رسول اللہ ﷺ کی، مشیر تھیں ان سے عبدالرحمن نام کا ایک لڑکا پیدا ہوا۔ اس بناء پر عبدالرحمن اور حضرت ابراہیم بن رسول اللہ ﷺ حقیقی خالہ زاد بھائی تھے۔

جیسا کہ ہم اوپر لکھ چکے ہیں ان کا آبائی مسکن فارع کا قلعہ تھا، لیکن جب ابو طلحہؓ نے بیرحہ کو صدقہ کر کے اپنے اعزہ پر تقسیم کر دیا اور ان کے حصہ میں بھی ایک باغ آیا تو یہاں سکونت اختیار کر لی۔ یہ مقام بقیع سے قریب تھا۔ امیر معاویہؓ نے ان سے خرید کر یہاں ایک قصر بنوایا تھا جو قصر بنی حدیلہ کے نام سے مشہور تھا۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ ان کو یہ زمین آنحضرت ﷺ نے اس صلہ میں دی تھی کہ انہوں نے صفوان بن معطل کا وار برداشت کیا تھا لیکن یہ صحیح نہیں۔ کیونکہ

اول تو وہ کبھی میدان جنگ میں شریک نہیں ہوئے دوسرے خود اس روایت کی سند مشتبہ ہے، ہم نے جو کچھ لکھا ہے اس کی تائید صحیح بخاری سے ہوتی ہے۔

فضل و کمال :

آنحضرت ﷺ سے چند حدیثیں روایت کی ہیں۔ روایوں میں حضرت براء بن عازبؓ، سعید بن مسیبؓ، ابوسلمہ بن عبد الرحمنؓ، عروہ بن زبیرؓ، ابوالحسن مولیٰ بن نوفلؓ، خارجہ بن زید بن ثابتؓ، یحییٰ بن عبد الرحمن بن حاطب اور دیگر حضرات ہیں۔

شاعری : حضرت حسانؓ کی سیرت میں شاعری ایک مستقل عنوان ہے۔ شروخ عرب کا مذاق تھا اور چند قبائل خصوصیت کے ساتھ شاعروں کے معدن تھے۔ مثلاً قیس، ربیعہ، نمیم، مضرب، یمن، موخر الذکر قبیلہ میں اوس و خزرج کا شمار تھا جن سے حضرت حسانؓ کا آبائی سلسلہ نسب ملتا ہے۔

ان قبائل میں بھی چند مخصوص خاندان تھے جن کے ہاں شاعری ابا عن جد وراثت کے طور پر چلی آتی تھی۔ حضرت حسانؓ بھی ان ہی میں سے تھے ان کے باپ، دادا اور وہ خود اور ان کے بیٹے عبد الرحمنؓ اور پوتے سعید بن عبد الرحمنؓ سب شاعر گذرے ہیں۔ ان شاعروں میں کچھ لوگ ”اصحاب مذہبات“ کے نام سے مشہور ہیں۔ مذہبات ذہب سے مشتق ہے جس کے معنی سونا ہیں۔ چونکہ بعض شاعروں کے منتخب اشعار سونے کے پانی سے لکھے گئے تھے اس لئے مذہبہ کہلاتے ہیں۔ بعد میں ہر شاعر کے سب سے بہتر شعر کو مذہبہ کہا جانے لگا، حضرت حسانؓ کے مذہبہ کا مطلع یہ ہے۔

لعمري ايک الخیر حقاً لما نبا علی لسانی فی الخطوب ولا یدی

حضرت حسانؓ شاعری کے لحاظ سے جاہلیت کے بہترین شاعر تھے۔ اصمعی کہتا ہے :

”شعر حسان فی الجاہلیت من اجود الشعر“

ایک مرتبہ کعب بن زبیر نے فخر یہ کہا :

فمن للقوا فی شانہا من یجولہا اذا ما مضی کعب وفوز جردل

تو مرزد (برادر شاخ شاعر مشہور) نے فوراً ٹوکا کہ

”فلست کحسان الحسام بن ثابت“

آبادی کے لحاظ سے عرب کے باشندے دو حصوں پر منقسم ہیں۔ اہل و بر (دیہات والے)

اور اہل مدر (شہر والے)۔ اہل مدر میں مکہ، مدینہ، طائف کے باشندے شامل تھے۔ باقی تمام ملک

قصبات اور دیہات سے بھرا پڑا تھا۔ شعراء عموماً انہی دیہاتوں کے باشندے تھے لیکن چند شاعر شہروں میں بھی پیدا ہوئے ان سب میں حضرت حسانؓ کو بالا جماع فوقیت حاصل ہے۔

خصوصیات شاعری :

شعر کے اگرچہ مختلف اصناف اور قسمیں ہیں لیکن ان میں اصولی حیثیت صرف چار کو حاصل ہے۔ رغبت، رہبت، طرب، غضب۔ چنانچہ رغبت میں مدح، شکر، رہبت میں معذرت، طلب رافت، طرب میں شوق، تغزل اور غضب میں ہجو، عتاب و حشم داخل ہیں۔ حضرت حسانؓ کا کلام ان میں سے ہر رنگ میں موجود ہے۔ اگرچہ ہجو کا رنگ ان سب سے زیادہ ہے تند و تیز ہے۔ خصوصیات شاعری حسب ذیل ہیں۔

۱۔ جدت استعارات : اگرچہ عربوں کی شاعری تمدن کی پروردہ نہیں تھی تاہم اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ تمدن سے متاثر ضرور تھی۔ تمدن عرب کی حقیقی صبح صادق قرآن مجید اور آنحضرت ﷺ کی ذات بابرکات سے طلوع ہوئی قرآن مجید فصاحت و بلاغت کا سب سے بڑا معجزہ ہے اس نے بڑے بڑے زبان آوروں کو اپنے سامنے خاموش کر دیا تھا اس بناء پر جو شاعر مذہب اسلام میں داخل ہوئے ان میں فصاحت و بلاغت کی ایک نئی روح پیدا ہوئی۔ حضرت حسانؓ ان میں سے سب سے زیادہ تھے۔

قرآن مجید میں سنا۔ ”کی تعریف میں لکھا ہے کہ ”سیماهم فی وجوہم من اثر السجود“ حسانؓ اس کو استعارہ بنا کر حضرت عثمانؓ کے قاتلین کا ذکر کرتے ہیں۔

ضحوا باشمط عنوان السجود بہ یقطع الليل تسبیحا وقرنا

لوگوں نے اس کے کچے کچے بالوں والے کی قربانی کر دی جس کی پیشانی میں سجدہ کا نشان تھا اور تمام رات تسبیح و قرآن خوانی میں گذرتا تھا۔ دیکھو اس شعر میں چہرہ کو ”عنوان السجود“ کے لفظ سے تعبیر کیا ہے جو بالکل جدید استعارہ ہے۔

۲۔ اشارہ کی لطافت : اشارہ کی ایک قسم تتبع یا تجاوز ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ شاعر کسی چیز کا ذکر کرنا چاہتا ہے لیکن پھر اس سے مدام گریز کرتا ہے اور ایک ایسی صفت بیان کرتا ہے جس میں وہ چیز بھی صاف طور پر جھلکتی نظر آتی ہے۔

۱۔ کتاب الامد۔ ص ۵۶ اور اند الغاب۔ جلد ۲۔ ص ۶ ۲۔ کتاب العمد و جلد ۱۔ ص ۷۷، ۷۸

۳۔ کتاب العمد و جلد ۱۔ ص ۱۸۶

عرب میں سینکڑوں قبیلے صحراؤں اور بیابانوں میں اقامت گزین تھے جو ہمیشہ خانہ بدوش پھرا کرتے تھے جہاں کہیں پانی مل جاتا طرح اقامت ڈال دیتے اور جب ختم ہو جاتا تو کسی اور طرف رخ کر لیتے۔ شاعروں نے اس مضمون کو مختلف طور سے باندھا ہے لیکن حسانؓ نے جس طرز سے ادا کیا ہے وہ بالکل اچھوتا اور نہایت ہی لطیف ہے۔

اولاد رجفنة حول تبرا بينهم تبرا بن ماریته الکریم المفصل

جفنہ کی اولاد اپنے باپ ابن ماریہ کی قبر کے گرد گھومتی ہے جو نہایت نجی اور فیاض تھا۔

مدوح چونکہ عرب نسل تھا، اس بنا پر اس کی تعریف کے ساتھ ایک ملیح اشارہ کر دیا کہ یہ لوگ خانہ بدوش نہیں بلکہ بادشاہ ہیں اور بے خوف و خطر اپنے باپ کی قبر کے ارد گرد رہتے ہیں۔ ان کا مقام سکونت سرسبز و شاداب ہے۔ اس بنا پر ان کو مارے مارے پھرنے کی ضرورت نہیں ہوتی۔

۳۔ کنایہ کی بداعت : عرب شاعر بعض صفات کو کنایہ اور تعریض کی شکل میں پیش کرتا ہے۔ مثلاً اگر کہنا ہو کہ مدوح نہایت ذی رتبہ اور فیاض ہے تو ہو کہے گا : ”المجدبین ثوبیہ ولکرام فی بردیہ“ یعنی یہ اوصاف اس کے کپڑوں کے اندر ہیں۔ حسان اس کو بالکل نئے انداز سے ادا کرتے ہیں :

بنی المجدبیتا فاستقرت عمارہ علینا ناعی الناس ان تبحو لا

مقصود یہ ہے کہ ہم نہایت بلند رتبہ ہیں۔ اس کو اس طرح بیان کرتے ہیں کہ مجد بزرگی نے ہمارے ہاں ایک گھر بنایا ہے اور اس کے ستون اس قدر مضبوط گاڑے ہیں کہ لوگ ہٹانا چاہیں تو نہیں ہٹا سکتے۔ اس مجد کا ایک گھر بنانا، پھر اس کے ستون اپنے یہاں قائم کرنا اور لوگوں کا ان کو ہٹانا نہ سکنا، یہ بالکل جدید انداز بیان ہے۔

۴۔ وزن کی خوبی : اس کا مدعا یہ ہے کہ وزن کے لحاظ سے ہلکا ہو، ذیل کے اشعار کس درجہ سبک اور ڈھلے ہوئے نکلے ہیں۔

ماہاج حسان رسوم المقام ومظعن الحی ومبني الخيام
والنوی قد هدم اعضارہ تقادم العهد بوار نہام
قد ادرك الشرن ما املوا والجبل من شعناء رث الرمام
کان فاها نغب بارد فی رصف تحت ظلال الغمام

۵۔ قافیہ کی خوبی : اس میں الفاظ کی نشست، جملوں کی ترکیب اور کلام کی سلامتی و روانی کے ساتھ ساتھ یہ صفت ہوتی ہے کہ بیت اول کے پہلے مصرع کا مقطع قصیدہ کا قافیہ بن سکتا ہے۔

اس میدان کا مرد صرف امراء القیس ہے۔ تاہم اور شاعروں نے بھی کوشش کی ہے۔
حضرت حسان نے ایک قصیدہ لکھا ہے، جس کا مطلع یہ ہے :

الم تسال الربع الجديد التكلمما بمدقع اشداخ فرقة اكلمما
اس کے بعد کا یہ شعر ہے :

ابی رسم دار الحی ان يتكلمما انیطق بالمعروف من كان ابكما^۱

۶۔ الفاظ کا حاوی اور جامع ہونا : اس کے معنی یہ ہیں کہ شاعر ایک مفہوم ادا کرتا ہے۔ جس میں وہ تمام چیزیں بیان کر دیتا ہے، جس میں اس مفہوم کے پورے طور پر ادا ہونے کو دخل ہے۔ مثلاً یہ شعر :

لم تفتها شمس النهار بشی غیر ان الشباب لیس یدوم^۲

۷۔ قلت مبالغہ : حضرت حسانؓ کی عہد اسلام کی شاعری مبالغہ سے بالکل خالی ہے ظاہر ہے کہ جو شعر مبالغہ سے خالی ہوا، وہ بالکل پھیکا اور بے مزہ ہوگا۔ وہ خود کہتے ہیں کہ اسلام جھوٹ سے منع کرتا ہے۔ اس بنا پر میں نے افراط کو کہ جھوٹ کی ایک قسم ہے بالکل چھوڑ دیا ہے^۳۔

جاہلیت کی شاعری میں بھی مبالغہ کا کم عنصر شامل تھا۔ نابغہ نے ان کے حسب ذیل شعر^۴۔

سنا الجفات الغربلین بالضحیٰ و اسیافنا یقطرن من نجدة دما

میں اسی نقطہ خیال سے نکتہ چینی کی ہے۔ اس کے نزدیک ”غر“ کے بجائے ”ضحیٰ“ کے جگہ وحی اور ”یقطرن“ کے مقام پر ”بحرین“ کہنا چاہئے تھا۔ لیکن دراصل یہ خیال صحیح نہیں۔ کیونکہ حضرت حسانؓ کو شعر میں پیالوں کی سفیدی بیان کرنا مقصود نہیں، بلکہ صرف شہرت اور نباہت کا اظہار مد نظر ہے اور غر سے مشہور چیز کا نام لینا تمام عرب میں عام تھا۔ مثلاً یوم اغرا اور یدغراء وغیرہ۔

اسی طرح ”ضحیٰ“ کے بجائے ”وحی“ صحیح نہیں۔ کیونکہ دن میں وہی چیزیں زیادہ چمکتی ہیں جن کی روشنی نہایت تیز اور شدید ہے، اور رات کو ہر چھوٹی اور دھندلی چیز نمایاں ہو جاتی ہے۔ مثلاً ستارے دن کو بھی موجود رہتے ہیں۔ لیکن ان کی روشنی آفتاب کی وجہ سے ماند رہتی ہے یا چراغ تاریکی میں درندوں کی آنکھیں تک چمک اُٹھتی ہیں اور ایک قسم کی مکھی جس کو عربی میں براغ اور فارسی میں کمخہ کہتے ہیں، بالکل آگ کا شعلہ معلوم ہوتی ہے۔ اسی طرح یقطرن کی جگہ بحرین، محاورۃ عرب کے خلاف ہے۔ عرب میں جب کسی بہادر اور جانباز کی تعریف کی جاتی ہے تو کہتے ہیں ”سیفہ یقطر دما“۔ یہ کوئی نہیں کہتا کہ سیفہ دما بجری ۔

دفاعی نظمیں : حضرت حسانؓ کی اسلامی شاعری کا موضوع مدافعت عن الدین یا ہجو کفار ہے۔ انہوں نے بہت کفار کی ہجو لکھی ہے، لیکن اس کے باوجود ان کا کلام فحاشی سے بالکل پاک تھا۔ عربوں کے نزدیک ہجو کی غرض محض اپنے قبیلہ کی مدافعت ہوتی تھی۔ اس بنا پر وہ اپنے اشعار صحیح و اقعات میں نہایت موزوں اور مناسب پیرایہ میں نظم کرتے ہیں۔ چنانچہ زیر نے تجاہل کے طور پر یہ اشعار لکھے۔

دما اوری رسوف اخال ادری اقوم آل حصین ام نساء
”مجھے معلوم نہیں اور عنقریب معلوم ہو جائے گا کہ آل حصین مرد ہیں یا عورت“
فان تکن النساء نحبات فحق لكل محضیۃ هداء
”اگر عورتیں ہیں تو ان کو ہدیہ کرنا چاہئے“

لوگوں کو نہایت گراں گزرا کہ عرب میں سب سے سخت ہجو لکھی گئی تھی۔ حضرت حسانؓ کی ہجو سب و شتم پر مشتمل نہ تھی۔ بلکہ مدافعت تھی اور وہ بھی بطریق احسن و پیرایہ مناسب۔ صاحب اسد الغابہ لکھتے ہیں :

”کان حسان و کعب یعارضانہم مثل قولہم فی الوقائع والایام
والماثر وید کرون مثالبہم“
یعنی ”حسان و کعب مشرکین کی رزمیہ اور فخریہ نظموں کا جواب دیتے تھے اور ان کے شائبہ کا تذکرہ کرتے تھے۔“

حضرت حسانؓ کی ہجو کی شان نزول یہ ہے کہ مشرکین میں ابوسفیان بن حارث ابن عبدالمطلب، عبد اللہ بن زبیری، عمرو بن خاص، ضراء بن خطاب، آنحضرت ﷺ کی ہجو کرتے تھے۔ لوگوں نے جناب امیرؓ سے درخواست کی کہ آپ ان کے جواب میں ہجو لکھیں۔ فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہو تو آمادہ ہوں۔ آپ ﷺ کو خبر ہوئی تو فرمایا : ”علی اس کام کے لئے موزوں نہیں، اس کام کو انصار کریں گے، جنہوں نے تلوار سے میری مدد کی ہے۔“ حسانؓ نے زبان پکڑ کر کہا، میں اس کام کے لئے بخوشی آمادہ ہوں۔ ارشاد ہوا کہ ”قریش کی ہجو کس طرح کرو گے، حالانکہ میں بھی انہی میں سے ہوں۔“ عرض کی :

”لا سلنک منہم کما تسئل الشعرة من العجین“
”میں آپ ﷺ کو اس طرح نکالوں گا جیسے آٹے سے بال نکالا جائے۔“

فرمایا : تو تم نسب ناموں میں ابو بکر صدیقؓ سے مدد لینا، ان کو قریش کے نسب میں اچھی واقفیت ہے۔^۱

حضرت حسانؓ، حضرت ابو بکرؓ کے پاس جاتے اور ان سے دریافت کرتے تھے۔ حضرت ابو بکرؓ بتاتے کہ فلاں فلاں عورتوں کو چھوڑ دینا، یہ رسول اللہ ﷺ کی دادیاں ہیں۔ باقی فلاں فلاں عورتوں کا تذکرہ کرنا۔ ابوسفیان بن حارث کی ہجو میں یہ اشعار لکھے :

وان سنام الجد من آل ہاشم بنو بنت مخذوم والدت ابعد
ومن ولدت ابنا زهرة منهم کرام ولم لقرب عجائزک المجد
ولست کعباس ولا کابن امه ولكن لنیم ، لا تقام له زند
دان ارع اکانت سمية أمه و سمراء مغمو ، اذا بلغ الجعد
وانت بین نیط فی آل ہاشم کما نیط خلت الراكب القدح الفرد
تو بولا کہ ان شعروں میں ابو بکرؓ کا حصہ ضرور ہے۔ اس میں انہوں نے حضرت عبداللہ
اوحاب، زبیر، حضرت حمزہ، حضرت صفیہؓ، حضرت عباسؓ، اور ضراء بن عبدالمطلب کو مستثنیٰ کر کے
ابوسفیان کی ماں سمية اور اس کے باپ حارث کی ماں سمراء پر طنز کیا ہے۔^۲
اسی ابوسفیان کی ہجو میں کہتے ہیں :

هجوت محمد افاجیت عنه وعند الله فی ذاک الجداء
هجرت مطهرا ابراحنیفا امین الله شمیة الوقاء
اتهجوه ولست له بند فشر کما لخیر لما افداء
نان ابی ووالده وعرضی لعرض محمد منکم وقاء

آنحضرت ﷺ اس مدافعت سے نہایت خوش ہوتے تھے ایک مرتبہ فرمایا :

”حسان اجب عن رسول الله صلى الله عليه وسلم اللهم ایده بروح القدس۔“
”اے حسان میری طرف سے جواب دے، خداوند روح القدس کے ذریعہ اس کی تائید کر۔“
ایک مرتبہ ارشاد ہوا :

”اهجهم و جبریل معک“^۳

یعنی ”تو مشرکین کی ہجو کر جبریل تیرے ساتھ ہیں۔“

۱۔ صحیح بخاری۔ جلد ۲۔ ص ۹۰۹ واسد الغابہ۔ جلد ۲۔ ص ۴ ۲۔ اسد الغابہ۔ جلد ۲۔ ص ۵ ۳۔ صحیح بخاری۔ جلد ۲۔ ص ۹۰۹

مشرکین پر ان شعروں کا جو اثر پڑتا تھا اس کو آنحضرت ﷺ نے ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے :

”ان قوله فيهم اشد من وقع النبل“^۱

”حسان کا شعر ان میں تیر و نشتر کا کام کرتا ہے۔“

اب ہم جو کے چیدہ اشعار لکھتے ہیں :

اتھجوه ولست له بنيد فسر كما لخير كما الفداء

”تو بایں ہمہ کہ آنحضرت ﷺ کا کفو نہیں، ان کی جو کرتا ہے، تم میں کا بڑا اچھے پر قربان ہے۔“

اس شعر کا اخیر مصرع اس قدر مقبول ہوا کہ ضرب المثل کے طور پر مستعمل ہوتا ہے۔

واشهد ان لك من قریش كال السقب من ولد النعام

”میں جانتا ہوں کہ تیری قرابت قریش ہے، لیکن اس طرح جیسے اونٹ کے بچہ کی شتر مرغ کے بچے سے ہوتی ہے۔“

ابن مضر غ نے انہی کا پہلا مصرع ازا کر امیر معاویہؓ کی جو لکھی تھی۔

واشهد ان لك من زياد^۲

وامك سوداء مردونة كان انا ملها الخنطب^۳

”تیری ماں کالی جثن ہے اور بے انتہا پسندیدہ ہے اور پور گویا خنطب (ایک چھوٹا جانور ہے) ہیں۔“

مدح : مدح اچھی لکھتے تھے۔ آل عنان کی تعریف میں جو اشعار لکھے ہیں، ان میں بعض ہم اس مقام پر نقل کرتے ہیں :

يسقون من ورد البريض عليهم بردى يصفق بالرحيق السلسل

”جوان کے ہاں جاتا ہے، وہ اس کو بردی (نہر کا نام ہے) کا پانی صاف شراب میں ملا کر پلاتے ہیں۔“

مصعب بن زبیر کی مدح میں ابن قیس نے ایک شعر اسی کے قریب قریب کہا ہے، لیکن

جو مضمون اس میں ادا ہوا ہے اس میں نہیں ادا ہوا^۴۔

اسی طرح یہ شعر :

يغشون حتى ماتهم كلا بهم لايسئلون عن السواد المقبل

اس بات میں اختلاف ہے کہ مدح کا سب سے بہتر شعر کونسا ہے۔ تین شاعروں کے تین

شعر اس باب میں سب سے بہتر ہیں۔ لیکن ان میں بھی ترجیح کس کو ہے یہ امر ناقابل انفصال ہے۔

حطیہ حضرت حسانؓ کے شعر کو ترجیح دیتا ہے اور ابوالطعمان اور نابغہ کے شعروں کو بہتر بتاتے ہیں^۵۔

عبدالملک بن مروان کہ اہل زبان اور زبان کا حاکم تھا، اس کا فیصلہ یہ ہے کہ

۳ دیوان حسان - ص ۲۰

۲ طبقات الشعراء - ص ۲۱۲

۱ استیعاب - جلد ۱ - ص ۱۲۹

۵ ایضا - جلد ۲ - ص ۱۱۰

۴ کتاب العمدة - جلد ۲ - ص ۱۰۴

”ان امدح بیت قالته العرب بیت حسان هذا“^۱

”عرب نے جتنے مدح میں اشعار، ان میں سب سے بہتر حسان کا شعر ہے۔“

اگر مضمون کے لحاظ سے دیکھا جائے تو واقعی عجیب جدت ہے۔ شاہان غسان کے جو دو سنا کو اس پیرایہ میں بیان کرتے ہیں کہ ان کے یہاں مہمانوں کی اتنی کثرت رہتی ہے کہ کتے تک مانوس ہو گئے ہیں اور ان کو دیکھ کر نہیں بھونکتے۔

یہ جاہلیت کے اشعار تھے۔ آنحضرت ﷺ کی مدح میں جو شعر لکھے ہیں، اب ان کو بھی سُننا چاہئے۔

مستی مبد فی الدجی الیہم جبینہ یلح مثل مصباح الدجی المتوقد
”جب آنحضرت ﷺ کی پیشانی اندھیری رات میں نظر آتی ہے تو اس کی چمک نہایت روشن چراغ کی طرح ہوتی ہے۔“

فمن کان او من تدیکون کا حمد نظام لحق او لکان لملحد
”پس آنحضرت ﷺ کا مثل کہ حق کا نظام اور لمحہ کو عذاب جان ہیں۔ کون پیدا ہوا اور کون آئندہ ہو سکتا ہے۔“

حضرت عائشہؓ نے ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ کا ذکر کیا تو فرمایا کہ آپ ﷺ ایسے ہی تھے جیسا کہ حسانؓ نے کہا ہے۔^۲

آنحضرت ﷺ مسجد نبوی میں منبر رکھوا دیتے تھے۔ حضرت حسانؓ اس پر کھڑے ہو کر رسول اللہ ﷺ کی مدح کرتے تھے اور آپ نہایت سرور ہوتے تھے۔^۳

جب بنو تمیم کا وفد آیا اور حسانؓ نے قریش کی مدح میں شعر پڑھے تو سب کے سب بول اُٹھے کہ محمد ﷺ کا خطیب ہمارے خطیب اور ان کا شاعر ہمارے شاعر سے بہتر ہے۔^۴

حسان رذان ماتر بربیۃ وتصبیح عروثی من لحولم الغوافل
حضرت عائشہؓ کی مدح میں حسانؓ کو سُنایا تو بولیں، خیر میں تو ایسی ہوں لیکن تم ایسے نہیں۔^۵
حسب ذیل اشعار فخر میں ہیں :

افتخار :

اھدی لھم مدحا قلب موازرہ فیما احب لسان حائک صنع^۱

”میں ممدوح کی ایسی مدح کرتا ہوں، جس میں قلب کی اعانت شامل ہوتی ہے اور جس کو شعر کی

درست کرنے والی اور ماہر زبان پسند کرتی ہے“

۱۔ استیعاب جلد ۱۔ ص ۱۳۰ ۲۔ استیعاب جلد ۱۔ ص ۱۲۰ ۳۔ ایضاً۔ ۴۔ استیعاب جلد ۱۔ ص ۱۳۱ ۵۔ صحیح بخاری جلد ۲۔ ص ۵۹۷ ۶۔ دلائل الاثبات ص ۳۹۵

اس میں انہوں نے زبان کو صنعت کلام کا ماہر قرار دیا ہے۔

الیک ارضا عازب الشعر بعد ما تمهل فی روض المعانی العجائب
”مدوح کے پاس وہ شعر بھیجے ہیں جو نہایت بعید المعنی ہیں اور جو معانی کے گلشن میں قیام کر چکے تھے۔“

غرائب لاقت فی فنائک انسها من المجد فہی الان خیر غرائب
”جو نوادر تھے، تمہارے ہاں عزت سے ایسے مانوس ہوئے کہ اب اجنبی نہیں رہے۔“

مقصد یہ ہے کہ میرے اشعار بلند معنی رکھتے ہیں اور ان کو اکابر شعراء کے علاوہ دوسرا شخص نہیں باندھ سکتا ہے۔ یہ مدوح کی قدردانی ہے جو اس کی مدح میں شعر نکلتے ہیں۔ ورنہ وہ گلستان معانی میں تقسیم ہو گئے ہیں کیونکہ کسی کو اپنا اہل نہیں پاتے۔

وقافیہ مثل انسان رز تھا تناولت من جو السماء نزولھا

”اور ایک قافیہ ہو تیر کی طرح ہے۔ کیا خوب ہے، آسمان سے اس کو اُڑا لیا ہوں۔“

مرثیہ : حضرت حسانؓ نے مرثیے لکھے ہیں۔ جن کا ہر شعر یکسر سوز و گداز ہے۔ آنحضرت ﷺ کے مرثیے ہم اوپر نقل کر چکے ہیں۔ یہاں ان کے اعادہ کی ضرورت نہیں۔

اخلاقی نظمیں : ایک تجربہ کار شاعر۔ ایک سن رسیدہ بزرگ اور سب سے بڑھ کر ایک مقدس صحابی ہونے کی حیثیت سے حضرت حسانؓ کا موضوع شاعری، وعظ و پند اور اعلیٰ اخلاق کی طرف قوم کو رغبت دلاتا ہے۔ چنانچہ ادب کے متعلق فرماتے ہیں۔

اصون عرضی بمال الا ادنسہ لا بارک اللہ بعد العرض فی المال

”میں اپنی آبرو مال کے ذریعہ سے بچاتا ہوں۔ جس مال سے آبرو حاصل نہ ہو وہ اچھا نہیں۔“

احتال للمال ان اودی فاکسبہ ولست للعرض ان اودی ممجتال

”مال اگر نہ رہے تو پھر حاصل کیا جاسکتا ہے، لیکن آبرو بار بار حاصل نہیں ہو سکتی۔“

نرم و گرم ہونے کے متعلق کہتے ہیں :

وانی لحلو تعترینی مرارة وانی لتراک لما لم اعود

”میں شیریں ہوں، لیکن مجھے تلخی پیش آ جاتی ہے اور میں جس چیز کا عادی نہیں اس کو تھوڑ دیتا ہوں۔“

ظلم کا انجام بُرا ہوتا ہے :

فدع السؤال عن الامور و بحثھا ولرب حافر حضرة ھریصرع

”ہم کسی بات کو کھود کر یہ کر نہیں پڑھتے، کیونکہ گڑھا کھودنے والا بسا اوقات اسی میں پچھاڑا جاتا ہے۔“

آدمی کو ہمیشہ ایک سار ہونا چاہئے۔ امیر ہو کر آپے سے باہر اور غریب ہو کر غمگین نہ ہونا چاہئے۔

فلا المال یسینی حیاتی و حفظی ولا وقعت الدھر لغل مبردی^۱

”مال ہوتا ہے تو حیا اور حفاظت کو ہاتھ سے نہیں دیتا اور مصیبت آتی ہے تو آرام میں خلل نہیں ڈالتا ہے۔“

اپنی موت کا ٹلانا :

فلا تک کا لشاہ الی کان حنفھا بحفر ذرا عیھا تھیرو تحفر^۲

”تم اس بکری کی طرح نہ ہو جاؤ، جس نے اپنے کھر سے زمین کھود کر موت بلائی تھی۔“

بڑے لوگوں کے کینے اور بغض کی حالت :

وقوم من البغضاء زور کانما باجو افھم معا تجن لنا الحجر^۳

”بہت سے آدمیوں کے پیٹ میں انگارے بھرے رہتے ہیں۔“

یجیش بما فیھا لنا الغلی مثل ما تجیش بما فیھا من اللھب القدر

”ان کے اندر کینے اس طرح جوش مارتے ہیں، جس طرح انگارے پردیگ کا کھانا۔“

تصد اذا مارا جھتھی خدور ہم لدی محفل حتی کا نھم صعر

”جب تم محفلوں میں ان کے متکبرانہ چہرے دیکھتے ہو تو ٹھٹھک کر رہ جاتے ہو۔“

بات کا پورا کرنا :

وانی اذا ما قلت قولا فعلته واعرض همالیس قلبی بفاعل^۴

”میں جب کوئی بات کہتا ہوں تو کرگزرتا ہوں اور جس کام کو دل نہیں چاہتا ہے اس سے اعراض کرتا ہوں۔“

ومن مکرھی ان اشنت الاقواله ومنع خلیل مذهب غیر طائل

”اگر میں نہ کہوں تو کوئی بھی زبردستی کرنے والا نہیں اور دوست کا کسی بات سے روکنا بے کار نہیں ہوتا۔“

عذر اور خیانت کی برائی :

یا جار ! من یغدر بدمہ جارہ منکم فان محمد الم یغدر^۵

”اے پڑوسی! تم میں جو ہمسایہ سے دھوکا کرتا ہے، سن لے محمد دھوکہ نہیں کرتے۔“

ان تغدر وانا لغدر منکم شمیة والغدرینبت فی اصول السنجر

”اگر تم دھوکا کرتے ہو تو وہ تمہارا شیوہ ہے، دھوکا سنجر کی جڑوں سے نکلتا ہے۔“

وامانہ المری حیث لقیته مثل الزجاجة صدعها لم یجبر
”مری کی امانت تم جہاں پاؤ، اس شیشے کی طرح ہوگی، جس کا شگاف درست نہیں ہو سکتا۔“

برّی باتوں سے درگزر :

اعرض عن العوراء حیث سمعتها واصفح کانک غافل لا تسمع^۱
”برّی بات سن کر اعراض کیا کرو، اس طرح کہ تم نے اس کو سنا ہی نہیں۔“
ذلت کی زندگی بسر کرنا :

کرهوا الموت فاتسبح حمائم واقاموا فعل اللئیم الذلیل^۲
”انہوں نے موت کو ناپسند کیا اس بنا پر ان کی آبروریزی ہوئی۔“

امن الموت تهریون فان الموت موت الهزال غیر جمیل
”اگر تم موت سے بھاگتے ہو تو کمزوری کی موت اچھی نہیں ہوتی۔“

متفرق چیدہ کلام :

حضرت حسانؓ کے متفرق چیدہ اشعار حسب ذیل ہیں۔

قوم اذا حاد بواضرو اعدوهم او حاولو النفع فی اشیاءهم نفع
سجیة تلک منهم غیر محرّثة ان الخلاق فاعلم شرها البدع

علم معانی میں بدیع کی ایک قسم نہایت لطیف ہے جو بالکل وجدانی ہے وہ یہ کہ کلام کے تمام اجزاء متحد اور ایک دوسرے میں داخل ہوں، ہر لفظ کا ربط نہایت شدید ہو یہاں تک کہ پورا جملہ موتی کی ایک لڑی معلوم ہو۔ مذکورہ بالا شعر اسی صفت کا ہے اور اس میں تقسیم نے اور بھی لطف زیادہ کر دیا ہے۔^۳

وان شام المجد من آل هاشم بنو بنت نعزوم ووالدک العبد

مقصود یہ ہے کہ جس کی بجو کی ہے اس کو غلام ثابت کریں اور یہ بیان کر کہ اس کا غلام ہونا سب پر روشن ہے اس کو ”العبد“ کے الف لام نے ظاہر کر دیا ہے اگر والدک عبد کہتے تو صرف خبر معلوم ہوتی، غلامی کا آشکارا ہویدا ہونا سمجھ میں نہ آ سکتا۔^۴

اهوی حدیث النلمان فی فلق الصبح وصوت المغرد المغرد

یہ شعر اس درجہ موثر ہے کہ بعض اہل مدینہ کا بیان ہے کہ میں جب پڑھتا ہوں جذبات، شجاعت برا بیخود ہو جاتے ہیں۔^۵

۱۔ حماسہ تجری ص ۱۷۲ ۲۔ ایضاً ص ۲۶ ۳۔ دلائل الاعجاز ص ۴۷ ۴۔ دلائل الاعجاز ص ۱۳۶ ۵۔ طبقات شعرا شعراء ص ۱۷۲

دیوان :

حضرت حسانؓ کے اشعار عرصہ تک لوگوں کی زبانوں اور سینوں میں محفوظ رہے لیکن بعد میں زینت وہ سفینہ بھی ہو گئے ابوسعید سمری نے ان کو جمع کر کے ان کی تشریح کی۔ اصالبہ میں اس کے حوالے جابجا موجود ہیں۔ بعد میں کسی دوسرے شخص نے اس کی شرح لکھی ان کا دیوان ہندوستان اور تونس میں طبع ہوا، ۱۹۱۰ء میں انگلستان کے مشہور ادارے گپ میموریل سیرز نے لندن، برلن، پیرس اور سینٹ پزبرگ کے متعدد قلمی نسخوں و نیز مطبوعہ نسخوں سے مقابلہ کر کے بڑے اہتمام سے اس کو چھاپا، لیکن بائیں ہمہ اس کی صحت کے متعلق قطعی رائے نہیں دی جاسکتی۔ احادیث، لغت اور ادب کی کتابوں میں جو اشعار منقول ہیں وہ بے شبہ صحیح ہیں باقی احادیث کے متعلق اطمینان مشکل ہے۔

حضرت علیؓ کے دیوان میں پہلا شعر ہے :

الناس فی صورة الشہ افکاء ابوہم آدم والام خواء

لیکن عبدالقادر جرجانی جو ادب کے امام اور علمِ معانی و بیان کے موجد تھے اسرار البلاغۃ میں لکھتے ہیں کہ یہ اشعار محمد بن ربیع موصلی کے ہیں۔

دیوان حسانؓ کو بھی اسی پر قیاس کیجئے صاحب استیعاب لکھتے ہیں :

”قال الاصمعی حسان احد فحول الشعراء فقال له ابو حاتم یاتی له

اشعار لینة فقال الاصمعی تنسب الیہ اشیاء لا تصح عنه“

”اصمعی نے کہا کہ حسان نہایت زبردست شاعر تھے، ابو حاتم بولے بعض اشعار تو بہت کمزور کہتے تھے۔ اصمعی نے کہا کہ بہت سے شعرا ان کے نہیں بلکہ لوگوں نے ان سے منسوب کر دیئے۔“

اصمعی دوسری صدی ہجری میں تھا اور تیسری صدی میں انتقال کیا جب تیسری صدی میں اس قدر آمیزش ہو گئی تھی تو ۱۳ صدیاں گزرنے پر خدا جانے کتنے انقلاب ہوئے ہوں گے۔

اخلاق و عادات :

ان کا سب سے بڑا امتیاز یہ ہے کہ وہ دربارِ نبوی ﷺ کے شاعر تھے اور آنحضرت ﷺ کی جانب سے کفار کی مدافعت میں اشعار کہتے تھے اور آنحضرت ﷺ نے ان کے لئے دعا فرمائی کہ خدایا روح القدس سے ان کی مدد کر، اس بناء پر بارگاہ رسالت ﷺ میں ان کو خاص تقرب حاصل تھا۔

طبیعت کی کمزوری کے باوجود اخلاقی جرأت موجود تھی ایک مرتبہ مسجد نبوی ﷺ میں شعر پڑھ رہے تھے حضرت عمرؓ نے منع کیا تو جواب دیا کہ میں تم سے بہتر شخص کے سامنے پڑھا کرتا تھا۔^۱

جاہلیت میں شراب پیتے تھے، لیکن جب سے مسلمان ہوئے قطعی پرہیز کیا ایک مرتبہ ان کے قبیلہ کے چند نوجوان مے نوشی میں مصروف تھے حسانؓ نے دیکھا تو بہت لعنت ملامت کی۔ جواب ملا یہ سب آپ ہی کا فیض ہے آپ کا شعر ہے :

ونشر بھا تمبر کنا ملو کاً واسدا ما ینھنھا اللقاء

ہم اسی کے بموجب پیتے ہیں۔ فرمایا، یہ جاہلیت کا شعر ہے۔ خدا کی قسم جب سے مسلمان ہوا شراب منہ نہیں لگائی۔^۲



حضرت حارثہ بن سراقہؓ

نام و نسب :

حارثہ نام ہے۔ قبیلہ خزرج کے خاندان نجار سے ہیں سلسلہ نسب یہ ہے : حارثہ ابن سراقہ بن حارث بن عدی بن مالک بن عدی بن عامر بن غنم بن عدی بن النجار۔ والدہ کا نام ربیع بنت نصر تھا۔ وہ جلیل القدر صحابیہ اور حضرت انس بن مالکؓ کی حقیقی پھوپھی تھیں۔

اسلام : والد ہجرت سے قبل فوت ہو گئے تھے، والدہ زندہ تھیں اور اسلام کے شرف سے مشرف ہوئیں۔ ماں کے ساتھ بیٹے نے بھی دائرہ اسلام میں شمولیت اختیار کی۔

غزوہ بدر کی شرکت اور شہادت :

غزوہ بدر میں شریک تھے۔ جس روز کوچ کا حکم ہوا، سب سے پہلے گھوڑے پر سوار ہو کر نکلے۔ آنحضرت ﷺ نے ان کو ناظر بنا کر ساتھ لیا۔ ایک حوض پر پانی پی رہے تھے کہ حبان بن عرفہ نے تیر مارا، اس نے تشنہ دہن کو شربت شہادت سے سیراب کیا۔ کہتے ہیں کہ انصار میں سب سے پہلے انہی کو شرف شہادت حاصل ہوا۔

بدر سے واپسی کے وقت حارثہ کی ماں آنحضرت ﷺ کے خدمت میں آئیں اور عرض کیا، یا رسول اللہ! حارثہ سے مجھے جس قدر محبت تھی آپ کو معلوم ہے۔ اگر وہ جنت میں گئے ہوں تو خیر صبر کر لوں گی ورنہ آپ دیکھیں گے میں کیا کرتی ہوں۔ ارشاد ہوا، کیا کہہ رہی ہو! جنت ایک نہیں بلکہ کثرت سے ہیں اور حارثہ تو جنت الفردوس میں ہیں۔

حضرت ربیع اس بشارت کو سن کر باغ باغ ہو گئیں۔ مسکراتی ہوئی انھیں اور کہنے لگیں، بخ یا حارثہ! یعنی واہ واہ اے حارثہ۔

اخلاق : حضرت حارثہؓ اپنی ماں کے نہایت اطاعت گزار اور فرمانبردار تھے۔ مصنف اسد الغابہ لکھتے ہیں :

”کان عظیم البربامہ“ ۵ ”ماں کے معاملہ میں نہایت نیکو کار تھے۔“

۱۔ اسد الغابہ جلد ۱۔ ص ۲۸۶ ۲۔ صحیح بخاری جلد ۲۔ ص ۵۷۴ ۳۔ ایضاً۔ ص ۵۶۷

۴۔ اسد الغابہ۔ جلد ۱۔ ص ۳۵۶ ۵۔ اسد الغابہ۔ ص ۳۵۵

جوش ایمانی کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ کسی طرف جا رہے تھے کہ حارثؓ سامنے آگئے۔ فرمایا : حارث ! صبح کیسی کی؟ بولے اس طرح کہ سچا مسلمان ہوں۔ فرمایا ذرا سوچ کر کہو، ہر قول کی ایک حقیقت ہوتی ہے۔ عرض کیا، یا رسول اللہ! دنیا سے منہ پھیر لیا ہے، رات کو رواں اور دن کو تشنہ دہن رہتا ہوں، اس وقت یہ حال ہے کہ اپنے کو عرش کی طرف جاتے ہوئے دیکھ رہا ہوں، جنتی جنت اور جہنمی دوزخ میں جاتے ہوئے دیکھ رہا ہوں۔ ارشاد ہوا : جس بندے کا قلب خدا منور کر دے، وہ پھر خدا سے جدا نہیں ہوتا۔ حارثؓ نے درخواست کی کہ میرے لئے شہادت کی دعا کیجئے۔ آپ ﷺ نے دعا کی، جس کی قبولیت غزوہ بدر میں ظاہر ہوئی۔



حضرت حارث بن صمہؓ

نام و نسب :

حارث نام ہے۔ ابوسعید کنیت، قبیلہ خزرج کے خاندان سے ہیں۔ سلسلہ نسب یہ ہے :
حارث بن صمہ بن عمرو بن عتیک بن عمرو بن عامر (مبذول) بن مالک بن نجار۔
اسلام : ہجرت سے قبل اسلام لائے۔

غزوات اور دیگر حالات :

حضرت صہیب رضی اللہ عنہ سے جو راہِ خدا میں سخت سے سخت مصیبتوں کا مقابلہ کر چکے،
اخوت قائم ہوئی۔

غزوہ بدر میں شریک تھے۔ آنحضرت ﷺ کے ساتھ روجاء نام ایک مقام پر پہنچے تھے کہ
چوٹ آگئی۔ اس میں آپ ﷺ نے ان کو مدینہ واپس کر دیا اور غنیمت و اجر میں شامل فرمایا۔
غزوہ احد میں جبکہ تمام لوگ منتشر ہو گئے تھے۔ حارث نے نہایت پامردی سے داد
شجاعت دی اور عثمان بن عبداللہ بن مغیرہ کو قتل کیا۔ آنحضرت ﷺ نے اس کا تمام سامان ان کو دیدیا۔
ان کے علاوہ اس غزوہ میں اور کسی مسلمان کو کسی کافر کا سامان نہیں دیا۔

اسی معرکہ میں آنحضرت ﷺ نے حارث سے پوچھا کہ تم نے عبدالرحمن بن عوفؓ
کو دیکھا ہے؟ بولے پہاڑ کی طرف مشرکین کے زغے میں تھے۔ میں نے جانا چاہا لیکن
حضور ﷺ پر نظر پڑ گئی تو اس طرف چلا آیا۔ ارشاد ہوا، ان کو فرشتے بچارہے ہیں۔ حارث
حضرت عبدالرحمن عوف کے پاس گئے۔ دیکھا تو ان کے سامنے سات آدمی کچھڑے پڑے
ہوئے ہیں۔ پوچھا، یہ سب تم ہی نے مارے ہیں؟ بولے ارطاط اور فلاں فلاں کو تو میں نے
قتل کیا ہے۔ باقی ان لوگوں کے قاتل مجھ کو نظر نہیں آئے۔ حارث نے کہا، رسول اللہ ﷺ نے
بالکل صحیح فرمایا تھا۔

وفات : بیر معونہ کے معرکہ میں عمرو بن امیہ کے ساتھ کسی درخت کے نیچے بیٹھے تھے کہ چیلیں
اور دوسرے پرندے نظر آئے۔ یہ عمرو کو ساتھ لے کر اسی سمت چلے۔ دیکھا تو مسلمانوں کی لاشیں
خاک و خون میں غلطاں ہیں۔ عمرو سے کہا بولو! کیا ارادہ ہے؟ انہوں نے جواب دیا۔

یہ تو ظاہر ہے کہ آنحضرت ﷺ حق پر ہیں، کہا۔ تو پھر کیا دیکھتے ہیں جہاں منذر مارے جائیں، میں کس طرح ہٹ سکتا ہوں اور عمروؓ کو ساتھ لے کر کفار کی طرف بڑھے۔ انہوں نے تیروں کی بوچھاڑ کر دی جو بدن میں ہر جگہ پیوست ہو گئے اور حارثؓ کی روح مطہر نے داعی اجل کو لبیک کہا۔ دوسرے ساتھی اسیر ہو گئے۔

اولاد : دو بیٹے یادگار چھوڑے۔ سعد اور ابو جہم، یہ دونوں صحابی تھے۔

فضل و کمال : اشعار ذیل حضرت حارثؓ کے طبعزاد ہیں :

یارب ان الحارث بن صمہ اقبل فی مہامہ مہمہ

یسوق بالبنی ہادی الامہ



حضرت حنظلہؓ بن ابی عامر

نام و نسب :

حنظلہ نام ہے۔ غسیل الملائکہ، تقی القاب، قبیلہ اوس کے خاندان عمرو بن عوف سے ہیں۔ سلسلہ نسب یہ ہے : حنظلہ بن ابی عامر عمرو بن صفی بن مالک بن امیہ بن ضبیعہ ابن زید بن عوف بن عمرو بن عوف بن مالک بن اوس۔ والدہ کا نام معلوم نہیں۔ اتنا معلوم ہے کہ عبد اللہ بن ابی ریمس خزر ج کی ہمشیرہ تھیں۔

ابو عامر (حنظلہ کا باپ) قبیلہ اوس میں نہایت شریف اور با اثر شخص تھا۔ بعثت نبوی کا قائل تھا۔ اسی جذبہ مذہبی نے رہبانیت کی طرف مائل کیا۔ ریاست دنیاوی سے دست کش ہو کر مذہبی سیادت حاصل کی اور پلاس پہن کر گوشہ عزلت اختیار کیا۔ راہب اسی وجہ سے لقب پڑا۔

لیکن جب آنحضرت ﷺ مبعوث ہوئے اور مدینہ میں خلافت الہی کی بنیاد ڈالی گئی تو ابو عامر اور ابن ابی دونوں کی سیادت میں رخسہ پڑا تو ابن ابی نے منافقانہ طرز عمل اختیار کیا اور مدینہ میں مقیم رہا۔ ابو عامر کا پیاناہ صبر زیادہ لبریز تھا۔ وہ مدینہ میں نہ ٹھہر سکا اور مکہ کی سکونت اختیار کی۔ غزوہ احد میں قریش مکہ نہایت سروسامان سے اٹھے تو ابو عامر جوش حسد میں ان کے ساتھ آیا۔ آنحضرت ﷺ نے اس کے لئے فاسق کا لقب تجویز کیا۔ جس سے تاریخ اسلام میں وہ اب تک مشہور ہے۔

احد کے بعد پھر مکہ کو مراجعت کی اور وہیں مقیم رہا۔ ۸ھ میں جب فضائے بطحا پر تو حید کا علم لہرایا تو اس پر یہ زمین بھی تنگ ہو گئی۔ مکہ سے نکل کر روم پہنچا اور ہر قل کے دامن میں پناہ لی اور اسی جگہ ۹ھ یا ۱۰ھ میں مر گیا۔

ابو عامر کی شدت کفر کا تو یہ عالم تھا۔ اُس کے بیٹے (حنظلہ) کی حرارت ایمانی کا یہ حال تھا کہ انہوں نے اسلام قبول کیا اور آنحضرت ﷺ سے عرض کیا کہ حکم ہو تو اپنے باپ کا خاتمہ کر دوں۔ لیکن آنحضرت ﷺ نے منظور نہیں لیا۔ عبد اللہ بن ابی کے فرزند حضرت عبد اللہ نے بھی یہی درخواست کی تھی۔ ان کو بھی یہی جواب عنایت ہوا۔^۱

غزوہ بدر میں کسی سبب سے شریک نہ تھے۔ احد میں شرکت کی جوانی کے لئے پہلا اور آخری غزوہ ثابت ہوا۔

شہادت : بیوی سے ہم بستر تھے کہ نصیر عام سنی۔ اسی وقت اٹھ کھڑے ہوئے۔ نہانا تک یاد نہ رہا تھا۔ شمشیر بکف میدان میں پہنچے۔ ابوسفیان بن حرب رئیس کفر سے مقابلہ ہوا۔ اس کو اٹھا کر دے مارنا چاہتے تھے کہ کام تمام کر دیں کہ شداد بن اسودلیثی (ابن شعوب) نے دیکھ لیا جھپٹ کر بڑھا اور ایسا وار کیا کہ حنظلہؓ کا سر دھڑ سے الگ ہو گیا۔ ابوسفیان کہتا ہے :

ولو شئت بختی کمیت طمرة

ولم احمل النعماء بن شعوب

بعض کا خیال ہے کہ ابوسفیان نے ابن شعوب کے ساتھ مل کر مارا تھا، مار کر بولا ،
حنظلہ حنظلہ یعنی حنظلہ حنظلہ کے مقابلہ میں ہے۔

بدر میں ابوسفیان کا ایک لڑکا حنظلہ حنظلہ کے مقابلہ میں ہے۔

بدر میں ابوسفیان کا ایک لڑکا حنظلہ مسلمانوں کے ہاتھ سے مارا گیا تھا۔ یہ اسی کی طرف اشارہ تھا۔

چونکہ حالت جنابت میں شہید ہوئے تھے۔ ملائکہ نے ان کو غسل دیا۔ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ان کی بیوی سے دریافت کرو، بات کیا تھی؟
بیوی نے واقعہ بیان کیا۔

فرمایا : ”اسی وجہ سے فرشتے غسل دے رہے تھے“۔ غسل ملائکہ کا لقب اسی وجہ سے ان کو حاصل ہوا۔

اولاد : حضرت عبداللہؓ ایک فرزند تھے۔ جن کی آنحضرت ﷺ کی وفات کے وقت سات سال کی عمر تھی۔ سن شعور کو پہنچ کر باپ کی خلف الرشید ثابت ہوئے۔

یزید بن معاویہ کی شرمناک حرکتوں سے بیزار ہو کر نقض بیعت کی اور حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کے آستانہ خلافت پر سر نیا زخم کیا۔ شام سے فوجیں آئیں، جنہوں نے مدینہ الرسول میں حرہ کا خونین منظر رونما کیا۔

حضرت عبداللہؓ نے جرأت کر کے تمام مدینہ کو ابھارا اور خود سپہ سالار بن کر میدان میں نکلے۔ انصار کثرت سے شہید ہوئے۔ حضرت عبداللہؓ نے یکے بعد دیگرے اپنے آٹھ بیٹوں کو

آگے بڑھایا۔ سب قتل ہوئے اور وہ اپنی آنکھوں سے یہ درد انگیز منظر دیکھتے رہے۔ آخر میں خود بھی مقابلہ کے لئے بڑھے۔ جس میں وہ ردائے خونی ملبوس بدن تھی۔ جس کو ان کے پدر بزرگوار جنگ احد میں اوڑھ چکے تھے۔ یہ واقعہ روح فرسازي الحجہ ۶۳ھ میں پیش آیا۔

اخلاق : اخلاق و عادات کی عظمت و بلندی اس سے ظاہر ہے کہ ”پدر فاسق“ کا فرزند ”تقی“ اپنی قوم کے نام ناصیہ کمال پر غرہ عظمت بن کر چمکا۔ قبیلہ اوس ہمیشہ ان کے وجود باجود پر فخر کرتا تھا۔

ایک مرتبہ انصار کے دونوں قبیلے اپنے فضائل فخریہ بیان کر رہے تھے فریقین نے اس موقع پر اپنے اپنے عظیم المرتبت اصحاب کو پیش کیا تھا جن میں سب سے پہلے حضرت حظلہؓ کا نام نامی تھا۔



”خ“

حضرت خبیبؓ بن عدی

نام و نسب :

نام نامی خبیب تھا اور قبیلہ اوس سے تھے۔ سلسلہ نسب یہ ہے : خبیب بن عدی ابن مالک بن عامر بن مہد بن نجی بن عوف بن کلفہ بن عوف بن عمرو بن عوف بن مالک ابن اوس۔ اسلام : ہجرت سے قبل مسلمان ہوئے۔

غزوات : غزوہ بدر میں شریک تھے اور مجاہدین کے اسباب کی نگرانی سپرد تھی۔ اس غزوہ میں انہوں نے حارث بن عامر بن نوفل کو قتل کیا۔

۳ھ میں غزوہ رجع ہوا۔ آنحضرت ﷺ نے عاصم بن ثابتؓ انصاری کو دس آدمیوں پر امیر بنا کر جاسوسی کے لئے روانہ فرمایا۔ عسفان اور مکہ کے درمیان میں ہذیل کا ایک قبیلہ لحيان رہتا تھا، اس کو خبر ہو گئی۔ اس کے سوتیر اندازوں نے اس مختصر جماعت کو گھیر لیا۔ سات آدمی اسی جگہ لڑ کر شہید ہو گئے۔ تین شخص جس میں ایک حضرت خبیبؓ بھی تھے، زندہ بچے۔ یہ تینوں جاں بخشی کے عہد و پیمان پر پہاڑی سے نیچے اترے۔ تیر اندازوں نے کمانوں کے تار کھول کر ان کے ہاتھ باندھے، ایک غیرت مند اس بے عزتی کو گوارہ نہ کر سکا اور مردانہ وار لڑ کر جان دی۔ اب صرف دو شخص باقی رہ گئے۔ ان کو لے جا کر مکہ کے بازار میں فروخت کیا۔ اسلام کے اس یوسف کو حارث بن عامر کے بیٹوں نے خریدا۔ جسے غزوہ بدر میں انہوں نے قتل کیا تھا۔

عقبہ بن حارث نے اپنے گھر میں لا کر قید کیا۔ ہاتھ میں جھکڑیاں پہنائیں اور موہب کو نگرانی پر مقرر کیا۔ عقبہ کی بیوی کھانا کھلاتے وقت ہاتھ کھول دیا کرتی تھی۔ کئی مہینہ قید رہے۔ اشہر حرم گزر گئے تو قتل کی تیاریاں ہوئیں۔ حضرت خبیبؓ نے موہب سے تین باتوں کی درخواست کی تھی۔

۱۔ صحیح بخاری جلد ۲۔ ص ۵۷۴

۲۔ ایضاً ص ۵۶۸

۳۔ صحیح بخاری جلد ۲۔ ص ۵۷۴

۴۔ طبقات ابن سعد

۵۔ صحیح بخاری جلد ۲، ص ۵۸۵

۶۔ استیعاب جلد ۱۔ ص ۱۶۸

۷۔ ایضاً

۸۔ طبقات ابن سعد ص ۴۰

۹۔ استیعاب جلد ۱۔ ص ۱۶۸

۱۔ آب شیریں پلانا۔ ۲۔ بتوں کا ذبیحہ نہ کھلانا۔ ۳۔ قتل سے پہلے خبر کر دینا۔

یہ اخیر درخواست عقبہ کی بیوی سے بھی کی تھی۔ قتل کا ارادہ ہوا تو اس نے ان کو آگاہ کر دیا تھا۔ انہوں نے طہارت کے لئے اس سے اُسترہ مانگا، اس نے لا کر دیدیا۔ اس کا بچہ کھیلتا ہوا ان کے پاس چلا آیا۔ انہوں نے اس کو اپنی ران پر بٹھالیا۔ ماں کی نظر پڑی تو دیکھانگا اُسترہ ان کے ہاتھ میں ہے اور بچہ ان کے زانوں پر ہے۔ یہ منظر دیکھ کر کانپ اٹھی۔ حضرت خبیبؓ نے فرمایا: کیا تمہارا خیال ہے کہ میں اپنے خون کا اس بچہ سے انتقام لوں گا، حاشا یہ ہماری شان نہیں۔ پھر مزاح میں فرمایا کہ اب اللہ نے تم کو مجھ پر قادر کر دیا، بولی کہ تم سے تو یہ امید نہ تھی، انہوں نے اُسترہ اس کے آگے ڈال دیا، اور کہا کہ میں مذاق کر رہا تھا۔

حضرت خبیبؓ کی باتوں کا اثر ہوا، کہتی تھی کہ میں نے خبیبؓ سے بہتر کسی قیدی کو نہ دیکھا، میں نے بارہا ان کے ہاتھ میں انگور کا خوشہ دیکھا، حالانکہ اس زمانہ میں انگور کی فصل بھی نہ تھی، اس کے علاوہ وہ بندھے ہوئے تھے، اس لئے یقیناً وہ خدا کا دیا ہوا رزق تھا، جو خزانہ غیب سے ان کو ملتا تھا۔

شہادت: حضرت خبیبؓ کے قتل میں مشرکین نے بڑا اہتمام کیا، حرم سے باہر تنعیم میں ایک درخت پر سولی کا پھندا لٹکایا گیا۔ آدمی جمع کئے گئے۔ مرد، عورت، بوڑھے، امیر و غریب و ضعیف و شریف۔ غرض ساری خلقت تماشائی تھی۔ جب لوگ عقبہ کے گھر سے ان کو لینے کے لئے آئے تو فرمایا، ذرا ٹھہر جاؤ، دو رکعت نماز پڑھ لو، زیادہ پڑھوں گا تو کہو گے موت سے گھبرا کر بہانہ ڈھونڈ رہا ہے۔ نماز سے فارغ ہو کر قتل کی طرف روانہ ہوئے، راستہ میں یہ دعا زبان پر تھی:

”اللّٰهُمَّ احْصِہُمْ عِدَدًا وَاَقْتُلْہُمْ بِدَدَاوْ لَا تَبْقَ مِنْہُمْ اَحَدٌ“

پھر یہ شعر پڑھتے ہوئے ایک بڑے درخت کے نیچے پہنچے:

وَذَالِکَ فِی ذَاتِ الْاِلٰہِ وَاَنْ یَّشَأْ یَّبَارِکَ عَلٰی اَوْ صَالِ شَلُوْ مَمْرَعِ

یہ جو کچھ ہو رہا ہے خدا کی محبت میں اگر وہ چاہے۔ تو ان کے ٹکڑوں پر برکت نازل کرے گا۔

وَلَسْتُ اَبَالِیْ حِیْنَ اَقْتُلُ مُسْلِمًا عَلٰی اٰیْ جَنْبِ کَانَ اللّٰهُ مَصْرَعِ

اگر مسلمان رہ کر میں مارا جاؤں تو مجھے غم نہیں کہ کس پہلو پر خدا کی رلا میں پچھاڑا جاتا ہوں

عقبہ بن حارث اور میرہ عبدیری نے گلے میں پھندا ڈالا۔ چند منٹ کے بعد سر اقدس دار پر تھا۔

۱۔ استیعاب۔ جلد ۱۔ ص ۱۶۸ ۲۔ بخاری جلد ۲۔ ص ۱۸۵ ۳۔ استیعاب جلد ۱۔ ص ۱۶۸

۴۔ بخاری۔ جلد ۲۔ ص ۵۸۵ ۵۔ استیعاب جلد ۱۔ ص ۱۶۸ ۶۔ بخاری جلد ۲۔ ص ۵۶۹ ۷۔ استیعاب جلد ۱۔ ص ۱۶۸

یہ کیسا عجیب منظر تھا۔ اسلام کے ایک غریب الوطن فرزند پر کیسے ظلم و ستم ہو رہے تھے۔ بطحائے کفر کا خونی قاتل، توحید کو کس طرح ذبح کر رہا تھا۔ یہ سب کچھ تھا لیکن مجسمہ اسلام اب بھی پیکر صبر و رضا بنا ہوا تھا اور بغیر کسی اضطراب کے نہایت سکون کے ساتھ جان دی۔

آنحضرت ﷺ کو اس فاجعہ عظمیٰ کی خبر وحی کے ذریعہ سے ہوئی تو فرمایا: اے حبیب! تجھ پر سلام! اور عمرو بن امیہ ضمری کو اس شہید وفا کی لاش کا پتہ لگانے کے لئے مکہ بھیجا۔ عمرو رات کو سولی کے پاس ڈرتے ڈرتے گئے۔ درخت پر چڑھ کر رسی کاٹی، جسد اطہر زمین پر گرا، چاہا کہ اتر کر اٹھالیں، لیکن یہ جسم زمین کے قابل نہ تھا۔ فرشتوں نے اٹھا کر اس مقام پر پہنچایا، جہاں شہیدان و فaraہ خدا کی رُو میں رہتی ہیں! عمرو بن امیہ کو سخت حیرت ہوئی۔ بولے کہ کیا انہیں زمین تو نہیں نگل گئی؟ قتل کرتے وقت مشرکین نے قبلہ زخ نہیں رکھا تھا، لیکن جو چہرہ قبلہ کی طرف پھر چکا تھا، وہ کسی دوسری طرف کیونکر پھر سکتا تھا۔ مشرکین نے بار بار پھیرنے کی کوشش کی مگر ناکامی ہوئی تھی۔ حضرت خبیبؓ نے جو دعا کی تھی، اس کا اثر ایک سال کے اندر ظاہر ہو گیا۔ جو لوگ ان کے قتل میں شریک تھے۔ نہایت بے کسی کی حالت میں مارے گئے تھے۔

دید ی کہ خون ناحق پروا نہ شمع را
چنداں امان نہ داد کہ شب را سحر کند



حضرت خارجہؓ بن زید ابی زہیر

نام و نسب :

خارجہ نام ہے۔ خزرج کے خاندان اغر سے ہیں۔ نسب نامہ یہ ہے : خارجہ بن زید ابی زہیر بن مالک بن امراء اقیس بن مالک اغر بن ثعلبہ بن کعب بن خزرج بن حارث بن خزرج اکبر۔ رئیس قبیلہ اور کبار صحابہ میں تھے۔

اسلام : عقبہ میں بیعت کی۔

غزوات اور عام حالات :

ہجرت کے وقت حضرت ابو بکر صدیقؓ نے مدینہ آ کر انہی کے ہاں قیام کیا تھا۔ اور انہی سے مواخاۃ ہوئی۔

بدر میں شریک تھے اور امیہ بن خلف کو کئی آدمیوں کے ساتھ مل کر مارا تھا۔ امیہ کے بیٹے صفوان نے اپنے باپ کے قاتلوں کو تار لیا تھا۔ چنانچہ دوسرے سال جب غزوہ احد واقع ہوا تو اس کو ان لوگوں کے قتل کی فکر ہوئی۔

شہادت : حضرت خارجہؓ نہایت بہادری سے لڑے اور دس سے اوپر نیزوں کے زخم کھا کے زمین پر گر گئے۔ صفوان نے ان کو شناخت کر کے ناک، کان اور دیگر اعضاء کاٹے اور کہا کہ اب میرا کلیجہ ٹھنڈا ہوا۔ میرے باپ کے عوض محمد (ﷺ) کے بڑے بڑے بہادر کام آئے۔

ان کے بھتیجے سعد بن ربیعؓ بھی اس معرکہ میں دوشجاعت دے کر شہید ہوئے تھے۔ چچا بھتیجے دونوں ایک قبر میں دفن کئے گئے۔

اولاد : دو اولادیں چھوڑیں۔ ایک زید جنہوں نے حضرت عثمان غنیؓ کے زمانہ خلافت میں انتقال کیا۔ دوسری حبیبہؓ جو ابو بکر صدیقؓ سے منسوب تھیں۔ اُم کلثوم بنت ابی بکر ان ہی کے بطن سے تولد ہوئیں۔ اس بنا پر حضرت خارجہؓ حضرت ابو بکر صدیقؓ کے اسلامی بھائی ہونے کے ساتھ خسر بھی تھے۔



۱۔ بعض کا خیال ہے کہ خبیث بن اساف کے پاس ٹھہرے تھے۔

۲۔ اسد الغابہ جلد ۲۔ ص ۸۰ و اصحابہ جلد ۲۔ ص ۸۴ و استیعاب جلد ۱۔ ص ۱۶۲-۱۶۳
محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

حضرت خزیمہؓ بن ثابت

نام و نسب :

خزیمہ نام ہے۔ ابوعمارہ کنیت، ذوالشہادتین لقب ہے۔ سلسلہ نسب یہ ہے : خزیمہ بن ثابت بن فاکہ بن ثعلبہ بن ساعدہ بن عامر بن عیاں بن عامر بن خطمہ (عبداللہ) بن جشم بن مالک بن اوس۔ والدہ کا نام کبشہ بنت اوس تھا اور قبیلہ خزرج کے خاندان ساعدہ سے تھیں۔ اسلام : ہجرت سے پیشتر مشرف باسلام ہوئے اور عمیر بن عدی بن خرشہؓ کو لے کر اپنے قبیلہ (خطمہ) کے بت توڑے۔

غزوات اور شہادت :

بدر اور تمام غزوات میں شریک تھے۔ فتح مکہ میں بنو خطمہ کا علم ان کے پاس تھا۔ جناب امیرؐ کی دونوں لڑائیوں میں ان کے ساتھ تھے۔ جنگ جمل میں محض رفاقت کی۔ صفیں میں اولاً خاموش رہے، لیکن جب حضرت عمار بن یاسرؓ افواج شام کے ہاتھ سے شہید ہوئے تو حضرت خزیمہؓ نے تلوار نیام سے نکالی اور حسب ذیل رجز پڑھتے ہوئے میدان میں آئے۔

اذا نحن بايعنا عليا فحسبنا

ابو حسن ممانخاف من نعمتين

”جب ہم نے علی سے بیعت کر لی تو یہ بالکل کافی ہے اور اب ہم کو کسی چیز کا خوف نہیں۔“

وفيه الذي فيهم من الخير كله

وما فيهم بعض الذي فيه من حسن

”علی میں اہل شام کی تمام بھلائیاں جمع ہیں، لیکن شامیوں میں علی کی بعض خوبیاں نہیں۔“

اور فرماتے جاتے تھے کہ اب گمراہی آشکارا ہو گئی۔ میں نے آنحضرت ﷺ سے سنا تھا کہ

عمارؓ کو باغی گروہ قتل کرے گا، چنانچہ اس معرکہ میں لڑ کر شہادت حاصل کی۔ یہ ۳۷ھ کا واقعہ ہے۔

اولاد : حسب ذیل اولاد چھوڑی۔ عمارہ، عمرو، عمرة۔

فضل و کمال : احادیث مرویہ کی تعداد ۳۸ ہے۔ حضرت جابرؓ بن عبداللہ، عمارہ بن عثمان، ابن حنیف، عمرو بن میمون ادوی، ابراہیم بن سعدؓ، ابی وقاصؓ، ابو عبداللہ جدلی، عبدالرحمن بن ابی لیلیٰ، عطاء بن یسار، راویان حدیث کے زمرہ میں ہیں۔

جوش ایمان اور خب رسول بیاض اسلام کے چمکتے ہوئے حروف ہیں۔ جوش ایمان کا اندازہ ذیل کے واقعہ سے ہو سکتا ہے۔

آنحضرت ﷺ نے ایک بدو سے گھوڑا خریدا اور دام طے کر کے چلے آئے۔ لوگوں کو اس کی خبر نہ تھی۔ اس لئے خریداری کے لئے اس کی قیمت بڑھا کر دی۔ اس شخص نے آنحضرت ﷺ کو دی کہ لینا ہو تو لو، ورنہ میں دوسرے سے سودا کر چکا۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا تم تو میرے ہاتھ فروخت کر چکے ہو۔ بولا واللہ میں نے نہیں بیچا اور اگر بیچا ہو تو کوئی گواہ لاؤ۔ مسلمان اس گفتگو کو سن کر جمع ہو گئے اور کہا رسول اللہ ﷺ سچ کہتے ہیں۔ حضرت خزیمہؓ ”بھی پہنچ گئے اور کہا میں گواہ ہوں۔ تم نے آنحضرت ﷺ کے ہاتھ فروخت کیا تھا۔ اس جرات پر خود آنحضرت ﷺ کو حیرت ہوئی۔ فرمایا ”بسم تشہد“؟ تم کس طرح گواہی دیتے ہو۔ عرض کی بتصدیقاً تک یا رسول اللہ! آپ کی بات کی تصدیق کر رہا ہوں۔

آنحضرت ﷺ نے اسی روز سے خزیمہؓ کی شہادت دو آدمیوں کی شہادت کے برابر کر دی اور ذوالشہادۃین ان کا لقب پڑ گیا۔

صحیح بخاری میں بھی ضمناً اس واقعہ کا ذکر ہے۔ حضرت زید بن ثابتؓ سے روایت ہے کہ جب ہم نے مصاحف نقل کئے تو سورہ احزاب کی ایک آیت جس کو ہم آنحضرت ﷺ سے سنتے تھے، نہیں پائی۔ یہ آیت خزیمہؓ ”انصاری کے پاس تھی۔ جن کی شہادت رسول اللہ ﷺ نے دو آدمیوں کے برابر کی تھی۔ وہ آیت یہ ہے :

”من المومنین رجال صدقوا ما عاہدوا اللہ علیہ“^۱

اوس و خزرج میں جب باہم مفاخرت ہوئی تو اوسیوں نے حضرت خزیمہؓ کا نام بھی فخر کے طور پر پیش کیا تھا۔^۲

ان کے فخر و فضیلت کے لئے یہ واقعہ ہے کہ ایک مرتبہ خواب دیکھا کہ میں رسول اللہ ﷺ کی جبین مبارک کا بوسہ لے رہا ہوں۔ اس کو انہوں نے آپ ﷺ سے بیان کیا تو فرمایا کہ آپ اپنے خواب کی تصدیق کر سکتے ہو۔ چنانچہ حضرت خزیمہؓ نے اٹھ کر پیشانی اطہر کا بوسہ لیا۔^۳

بعض روایتوں میں ہے کہ سجدہ کرتے دیکھا تھا اور آنحضرت ﷺ نے اپنی جبین مقدس سے ان کی پیشانی مس کی۔^۴ اس طرح اس خواب کی تعبیر پوری ہوئی۔



حضرت خواتؓ بن جبیر

نام و نسب :

خوات نام ہے۔ ابو عبد اللہ ابو صالح کنیت، قبیلہ اوس سے ہیں۔ نسب نامہ یہ ہے : خوات بن جبیر بن نعمان بن امیہ بن امرء القیس (برک) بن ثعلبہ بن عمرو بن عوف بن مالک بن اوس۔ اسلام : ہجرت سے قبل اسلام لائے۔ بدر میں شریک تھے۔ صفراء پہنچ کر پیر میں پتھر لگا۔ آنحضرت ﷺ نے مدینہ واپس کیا اور مجاہدین کے ساتھ غنیمت میں حصہ لگایا۔ احد اور باقی غزوات میں شرکت کی۔ جناب امیرؓ کی خانہ جنگیوں میں سے صفین میں شریک تھے۔

وفات : ۴۰ھ میں بمقام مدینہ انتقال ہوا۔ اس وقت ۷۲ سال کا سن تھا۔

حلیہ : حلیہ یہ تھا : قدمیانہ۔ منہدی کا خضاب لگاتے تھے۔ آنکھیں جاتی رہی تھیں۔

اولاد : ایک بیٹا یادگار چھوڑا۔ صالح نام تھا۔

فضل و کمال : عبد الرحمن بن ابی لیلیٰ بسر بن سعد، صالح وغیرہ نے ان سے چند حدیثیں روایت کی ہیں۔ امام بخاری نے ان کا یہ حکیمانہ مقولہ نقل کیا ہے :

”نوم اول النهار خرق و اوسطه خلق و آخره حمق“

”دن کے پہلے حصہ میں سونا بے تمیزی، درمیانی حصہ میں مناسب اور آخری حصہ میں بے وقوفی ہے۔“

نہایت شجاع و بہادر تھے۔ آنحضرت ﷺ نے ان کو اپنا سوار بنایا تھا۔

زندہ دلی کا یہ حال تھا کہ ایک مرتبہ حضرت عمر فاروقؓ کے ساتھ حج کو جا رہے تھے۔ حضرت

ابو عبیدہؓ اور عبد الرحمن بن عوفؓ بھی ساتھ تھے۔ لوگوں نے فرمائش کی کہ ضرار کے اشعار گادو۔ حضرت عمر

فاروقؓ نے کہا، نہیں اپنے شعر سنائیں۔ چنانچہ تمام رات گاتے رہے۔ سپیدہ نمودار ہوا تو حضرت عمر

فاروقؓ نے فرمایا، خوات بس کرو، اب صبح ہو گئی۔



حضرت خلاد بن سویدؓ

نام و نسب :

خلاد نام ہے۔ قبیلہ خزرج سے ہیں۔ نسب نامہ یہ ہے : خلاد بن سوید بن ثعلبہ بن عمرو بن حارث بن امراء القیس بن مالک اغرب بن کعب بن الخزرج بن الحارث ابن الخزرج الاکبر۔ اسلام : عقبہ ثانیہ سے قبل مسلمان ہوئے اور بیعت کی۔

غزوات اور شہادت :

بدر، احد، خندق میں آنحضرت ﷺ کے ہمرکاب تھے۔ قریظہ کی جنگ میں غزوہ کی نیت سے نکلے۔ ایک قلعہ کے نیچے کھڑے تھے، بتانہ نام ایک یہودی عورت نے دیکھ لیا اور اس زور سے پتھر مارا کہ سر پھٹ گیا۔ اسی کے صدمہ سے انتقال ہو گیا۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا، ان کو دو شہیدوں کا ثواب ملے گا۔ لڑائی ختم ہونے کے بعد جب قبیلہ قریظہ اسیر ہو کر سامنے آیا آنحضرت ﷺ نے اس عورت کو ڈھونڈ کر قتل کروادیا۔ اس واقعہ میں عورتیں قتل سے محفوظ رہی تھیں۔

اولاد : دو لڑکے چھوڑے اور دونوں صحابی تھے۔ ان کے اسمائے گرامی یہ ہیں۔ ابراہیم، سائب۔



” د “

حضرت رافع بن مالکؓ بن عجلان

نام و نسب :

رافع نام ہے۔ ابورفاعہ کنیت، قبیلہ خزرج سے ہیں۔ نسب نامہ یہ ہے : رافع بن مالک بن العجلان بن عمرو بن عامر بن زریق بن عامر بن عبد حارثہ بن مالک ابن غضب بن جشم بن خزرج۔

اسلام : انصار مدینہ میں اگرچہ خوش نصیبوں کی ایک جماعت ہے۔ جس کا شمار ۷ تک ہے۔ لیکن ان میں بھی الاقدم فالاقدم کے لحاظ سے ترتیب اور اختلاف مدارج ہے۔ انصار میں بنو نجار اور قبیلہ خزرج سبقت ایمانی میں سب سے پیش پیش تھا۔ لیکن اس کا یہ تمام تقدس یہ تمام شرف اور یہ تمام فضیلت صرف دو ہستیوں کے شرف و عظمت پر منحصر ہے اور یہ دونوں بزرگ حضرت معاذ بن عفراءؓ اور حضرت رافع بن مالکؓ ہیں۔

قبیلہ خزرج کے ۶ آدمی جن میں یہ دونوں آدمی بھی تھے، عمرہ کی غرض سے مکہ گئے تھے۔ آنحضرت ﷺ ان کی قیام گاہ تشریف لائے اور اسلام کی تبلیغ کی تو سب سے پہلے اس دعوت کو انہی دونوں نے لبیک کہا۔

یہ اسد الغابہ کی روایت ہے۔ طبقات میں ہے کہ صرف دو شخص گئے تھے۔ ان کو آنحضرت ﷺ کی خبر ملی تو خدمت میں حاضر ہو کر مذہب اسلام اختیار کرنے کا شرف حاصل کیا۔ ان دونوں بزرگوں میں بھی جیسا کہ سعد بن عبد الحمید کا قول ہے، حضرت رافعؓ نے پہلے بیعت کی تھی۔

اسلام قبول کر کے پلٹے تو مدینہ میں نہایت سرگرمی سے اشاعت اسلام کی خدمت انجام دی۔ مصنف اسد الغابہ لکھتے ہیں :

” فلما قدموا المدينة ذكروا القومهم الاسلام ودعواهم اليه نفشا فيهم فلم تبق دار من دور الانصار الا وفيها ذكر من رسول الله صلى الله عليه وسلم “

”یعنی جب یہ لوگ مدینہ آئے اور اپنی قوم میں اسلام کا چرچا کیا تو اس کی دعوت دی تو

اسلام تمام انصار میں پھیل گیا۔ اب کوئی گھر نہ تھا، جہاں رسول اللہ کا ذکر خیر نہ ہوتا ہو“

دوسرے سال حضرت رافعؓ ۱۲ آدمیوں کے ساتھ اور تیسرے سال ۷۰ آدمیوں کے ساتھ مکہ گئے اور اس اخیر بیعت میں بنو زریق کے نقیب منتخب ہوئے۔

صحیح بخاری میں رافعؓ کے کے عقبہ میں شریک ہونے کا ذکر آیا ہے۔ چنانچہ ان کا قول ہے :
”ما یسرنی انی شہدت بدر بالعقبہ“^۱

”یعنی مجھے یہ خوش نہیں آتا کہ عقبہ کے مقابلہ میں بدر میں شریک ہوتا۔“

غزوات : حضرت رافعؓ کی اسلامی زندگی کے دوران میں صرف دو لڑائیاں پیش آئیں، بدر اور احد۔ بدر میں ان کی شرکت مشکوک ہے۔ ابن اسحاقؒ نے ان کو اصحاب بدر میں شمار نہیں کیا اور موسیٰ بن عقبہ نے امام ابن شہاب زہری سے نقل کیا کہ وہ شریک تھے۔ اس باب میں بہترین حکم خود ان کا قول ہو سکتا ہے۔ ابھی بخاری کی جو عبارت اوپر گزری ہے کہ ”مجھے یہ خوش نہیں آتا کہ عقبہ کے مقابلہ میں بدر میں شریک ہوتا۔“ اس قول سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ شریک بدر نہ تھے۔

شہادت : شوال ۳ھ میں غزوہ احد میں شہادت پائی۔

خدمات مذہبی : اشاعت اسلام کے علاوہ اور بھی متعدد مذہبی خدمتیں انجام دیں۔ سورہ یوسف مدینہ میں سب سے پیشتر انہی نے پہنچائی۔ مسجد بنی زریق میں مدینہ کی تمام مسجدوں سے قبل قرآن مجید پڑھا گیا۔ اس کے پڑھنے والے یہی بزرگ تھے۔ بیعت سے واپسی کے وقت آنحضرت ﷺ پر مکہ میں جس قدر قرآن نازل ہوا تھا، لکھ کر ساتھ لیتے آئے تھے اور اپنی قوم کو جمع کر کے سنایا تھا۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ مکہ میں مقیم ہو گئے تھے۔ جب سورہ طہ نازل ہوئی، تو لکھ کر مدینہ لائے۔ غرض یہ عظیم الشان کارنامے انصار کے اس جلیل المنزلت بزرگ کے تھے۔ جس نے دولت ایمان کے لازوال خزانے کو سب سے پہلے اپنی آغوش میں جگہ دی۔

”فنصر اللہ عبد انصر الاسلام بنفسہ و مالہ و دمه“



حضرت رفاعہؓ بن رافع زرقی

نام و نسب :

رفاعہ نام ہے۔ ابو معاذ کنیت۔ سلسلہ نسب یہ ہے : رفاعہ بن رافع بن مالک بن العجلان بن عمرو بن عامر بن زریق بن عبد حارثہ بن غضب بن جشم بن خزرج۔ والدہ کا نام اُم مالک بنت ابی بن سلول تھا۔ بنو جلی سے تھیں اور عبد اللہ بن ابی راس المنافقین کی ہمشیرہ تھیں۔ اسلام : حضرت رفاعہؓ کے پدر بزرگوار حضرت رافعؓ قبیلہ خزرج کے سب سے پہلے مسلمان تھے۔ بیعت عقبہ سے دو سال پیشتر ۶،۵ آدمیوں کے ہمراہ مکہ جا کر آنحضرت ﷺ سے بیعت کی تھی۔ ماں بھی مسلمان ہو چکی تھیں۔ ان کا اخیانی بھائی عبد اللہ بن ابی مرجم کفر و نفاق تھا۔ لیکن بہن دودمان صداقت و راستی کا سراج منیر بنی ہوئی تھیں۔ حضرت رفاعہؓ اسی مبارک خاندان میں پلے تھے۔ عقبہ ثانیہ میں اپنے باپ کے ساتھ جا کر آنحضرت ﷺ کے دست مبارک پر بیعت کی اور دولت ایمان سے بہرہ یاب ہو کر مدینہ واپس ہوئے۔

غزوات : تمام غزوات میں شرکت کی۔ بدر کی شمولیت صحیح بخاری سے ثابت ہے۔ غزوہ احد، خندق، بیعت الرضوان اور تمام اہم واقعات میں آنحضرت ﷺ کے ساتھ شرکت کی۔ دیگر حالات : جنگ جمل اور صفین میں جناب امیر کرم اللہ وجہہ کے ہمراہ تھے۔ جنگ جمل میں حضرت عائشہؓ، حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ کی باہمی شرکت نے معاملہ کو نازک تر بنا دیا تھا۔ اُم الفضل بنت حارث (حضرت عباسؓ کی بیوی) کا مکہ سے خط پہنچا کہ حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ بصرہ گئے ہیں۔ تو حضرت علیؓ نہایت غمزدہ ہوئے اور فرمایا کہ ان سے تعجب ہے۔ آنحضرت ﷺ کا انتقال ہوا تو ہم اہل بیعت نبوت ہونے کی وجہ سے خلافت کا سب سے زیادہ اپنے کو مستحق سمجھتے تھے۔ ہماری قوم کے لوگوں نے دوسروں کو خلیفہ بنایا۔ ہم فتنہ و فساد کے خوف سے چپ ہو رہے اور صبر کیا۔ خدا کا شکر ہے کہ اس کا نتیجہ نہایت اچھا رہا ہے۔ اس کے بعد لوگوں نے عثمانؓ پر خروج کر کے ان کو قتل کیا اور مجھ سے بلا جبر و اکراہ بیعت کی۔ جس میں طلحہؓ اور زبیرؓ بھی شریک تھے۔ ابھی ایک مہینہ نہیں گزرا کہ ان کے بصرہ لشکر لے جانے کی خبر پہنچ رہی ہے۔ اے خدا! تو اس فتنہ و فساد کو دیکھ۔

رفاعہ بن رافعؓ اس تقریر کو سن کر بولے یا امیر المؤمنین! جب رسول اللہ ﷺ نے وفات پائی تو ہم اپنے مرتبہ و نصرت دین کے لحاظ سے اپنے کو خلافت کے لئے سب سے زیادہ موزوں جانتے تھے آپ لوگوں نے رسول اللہ ﷺ سے اپنے تعلقات اور سبقت ایمانی اور ہجرت جیسی فضیلتیں بیان کر کے ہم سے اس حق کو منوایا۔

ہم نے یہ خیال کر کے کہ حق پر عمل ہو رہا ہے، کتاب و سنت قائم ہیں۔ آپ لوگوں کے دعویٰ کو تسلیم کر لیا اور خلافت قریش کے سپرد کر دی اور ہمیں یہی کرنا چاہئے تھا۔ اب آپ کی بیعت کے بعد کچھ لوگ مقابلہ میں کھڑے ہو گئے ہیں۔ جن سے یقیناً آپ افضل اور ہماری نگاہ میں پسندیدہ تر ہیں۔ اب فرمائیے! آپ کا کیا ارشاد ہے؟ ہم لوگ صرف حکم کے منتظر ہیں۔

حضرت رفاعہؓ کی تقریر ختم ہوئی تو حجاج بن غریہ انصاری نے بڑھ کر کہا، یا امیر المؤمنین! اس کا ابھی فیصلہ کر لیجئے۔ میں اس راہ میں جان تک دینے کے لئے تیار ہوں۔ اس کے بعد انصار کو مخاطب کر کے کہا کہ جس طرح پہلے رسول اللہ ﷺ کی مدد کر چکے ہو، اب امیر المؤمنین کی مدد کرو۔ یہ اخیر اس پہلے سے بالکل مشابہ ہے۔ اگرچہ پہلا اشرف و افضل تھا۔

جناب امیرؓ ان تقریریں کے بعد ایک لشکر لے کر عراق روانہ ہو گئے۔ رفاعہؓ بھی ہمرکاب ہوئے۔

۴۱ھ یا ۴۲ھ میں وفات پائی۔ یہ امیر معاویہؓ کی حکومت کا ابتدائی زمانہ تھا۔

اولاد : دوڑ کے چھوڑے۔ معاذ اور عبید۔

فضل و کمال : حضرت رفاعہؓ سے بہت سی حدیثیں مروی ہیں۔ صحیحین میں چند احادیث ہیں، جن میں سے ۳ میں امام بخاریؒ منفرد ہیں۔

حضرت رفاعہؓ نے آنحضرت ﷺ کے ماسوا حضرت ابو بکر صدیقؓ اور عبادہ بن صامتؓ سے حدیث سنی تھی۔ راویوں میں یحییٰ ابن خالد برادر زادہ علی بن یحییٰ معاذ اور عبید (بیٹے) ہیں۔



حضرت رافعؓ بن خدیج

نام و نسب :

رافع نام ہے۔ ابو عبد اللہ کنیت، قبیلہ اوس سے ہیں۔ سلسلہ نسب یہ ہے : رافع ابن خدیج بن رافع بن عدی بن زید بن جشم بن حارثہ بن حارث بن خزرج بن عمرو بن مالک ابن اوس۔ والدہ کا نام حلیمہ بنت عروہ بن مسعود بن سنان بن عامر بن عدی بن امیہ بیاضہ ہے۔

قبیلہ اوس میں عبدالاشہل اور حارثہ دو برابر طاقتیں تھیں۔ ان میں جنگ و جدل کا بازار گرم رہتا تھا۔ اسد بن حضیر کے دادا سماک بن رافع کو انہی لوگوں نے ایک معرکہ میں قتل کیا تھا اور ان کے خاندان کو شہر بدر کر دیا تھا۔ حضیر بن سماک نے بنو حارثہ کا محاصرہ کر کے اپنے باپ کا انتقام لیا اور ان کو شکست دے کر خیبر میں جلاوطن کر دیا۔ بنو حارثہ ایک سال تک خیبر میں سکونت پذیر رہے۔ اس کے بعد حضیر کو رحم آیا اور مدینہ میں بود و باش کرنے کی اجازت دی۔

حضرت رافعؓ کے آبا و اجداد بنو حارثہ کے رئیس اور سردار تھے۔ باپ اور چچا کے بعد یہ مسند حضرت رافعؓ کے حصہ میں آئی اور وہ تمام عمر اس پر متمکن رہے۔

اسلام : ہجرت کے وقت صغیر السن تھے۔ تاہم اسلام کا نغمہ دل میں گھر کر چکا تھا۔ اس کے علاوہ ان کے دو چچا ظہیر اور مظہر بھی شرف اسلام حاصل کر چکے تھے۔

غزوات : غزوہ بدر میں ۱۲ سال کا سن تھا۔ آنحضرت ﷺ کے سامنے لڑائی میں شریک ہونے کے ارادہ سے حاضر ہوئے۔ آپ ﷺ نے کمن خیال کر کے واپس کیا۔

آنحضرت ﷺ کے سامنے انصار کے لڑکے ہر سال پیش ہوتے تھے۔ چنانچہ دوسرے سال رافع بھی پیش ہوئے۔ اس وقت وہ پانزدہ سالہ تھے۔ اس لئے شرکت کی اجازت مل گئی تو ایک دلچسپ واقعہ پیش آیا۔

ایک اور صحابی سمرہ بن جندبؓ بھی لڑکوں کی جماعت میں تھے۔ ان کو آنحضرت ﷺ نے صغیر کی وجہ سے شامل نہیں فرمایا تھا۔ بولے کہ آپ نے رافع کو اجازت دیدی اور مجھ کو چھوڑ دیا، حالانکہ میں کشتی میں ان کو پچھاڑ دوں گا۔ آنحضرت ﷺ نے مقابلہ کرایا۔ سمرہ دیکھنے میں چھوٹے تھے، لیکن طاقتور تھے۔ رافع کو پچھاڑ دیا۔ اس لئے آنحضرت ﷺ نے ان کو بھی اجازت دیدی۔

ہم نے یہ روایت طبری سے لی ہے۔ اسماء الرجال کی کتابوں میں بھی یہ واقعہ موجود ہے۔ لیکن ان میں رافع کے نام کی تصریح نہیں ہے۔

اس غزوہ میں ان کے سینہ پر ایک تیر لگا جو ہڈیوں کو توڑ کر اندر گھس گیا۔ لوگوں نے کھینچا تو نوک اندر رہ گئی۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ میں تمہاری نسبت قیامت میں شہادت دوں گا۔

غزوہ خندق اور اکثر معرکوں میں شامل رہے۔ معرکہ صفین میں جناب امیرؓ کے ساتھ تھے۔ وفات : تیر کی نوک جو اندر رہ گئی تھی، ایک عرصہ بعد زخم پیدا کر دیا اور اسی صدمہ سے جان بحق تسلیم ہوئے۔ نہلاتے ہوئے عصر کا وقت آ گیا۔ حضرت ابن عمرؓ نے کہا کہ مغرب سے پیشتر نماز جنازہ پڑھ لینی چاہئے۔ جنازہ کفنا کر باہر لایا گیا اور اس پر سرخ چادر ڈالی گئی۔ حضرت ابن عمرؓ نے نماز جنازہ پڑھائی۔ جنازہ کے ساتھ آدمیوں کی بڑی کثرت تھی۔ عورتیں بین کرتی اور چیختی ہوئی نکلیں تو ابن عمرؓ نے کہا خدا کے لئے ان کے حال پر رحم کرو یہ پیر مرد عذاب الہی برداشت نہ کر سکیں گے۔

وفات کے وقت ۸۶ برس کا سن تھا۔ سنہ وفات میں اختلاف ہے۔ امام بخاری نے تاریخ اوسط میں لکھا ہے کہ امیر معاویہؓ کے زمانہ میں انتقال کیا۔ باقی مورخین کی رائے ہے کہ ۴۷ھ ابتداء تھی اور عبدالمالک بن مروان سریر خلافت پر تھا۔ ترکہ میں حسب ذیل چیزیں چھوڑیں : لونڈی، غلام، اونٹ، زمین۔

حلیہ : مفصل حالات معلوم نہیں۔ اتنا علم ہے کہ مونچھ باریک رکھتے تھے اور زرد خضاب لگاتے تھے۔ اہل و عیال : حسب ذیل اولاد چھوڑی۔ عبداللہ، رفاعہ، عبدالرحمن، عبید اللہ، سہل، عبید۔ ان میں اول الذکر اپنی مسجد کے امام تھے۔ عبید اُم ولد سے تولد ہوئے تھے۔ باقی لڑکے دو بیویوں سے پیدا ہوئے۔ جن کے نام یہ ہیں۔ لبنی بنت قرۃ بن علقمہ بن علاشہ، اسماء بنت زیاد بن طرفة بن معاذ بن حارث بن مالک بن نمر بن قاسط بن ربیعہ۔ ان لوگوں کی اولاد مدینہ اور بغداد میں سکونت پذیر تھی۔

فضل و کمال : حدیث کی کتابوں میں ان کے سلسلہ سے ۸۷ روایتیں منقول ہیں۔ راویوں میں صحابہ اور تابعین اور تابعین دونوں گروہ کے لوگ شامل ہیں۔ جن کے نام یہ ہیں :

ابن عمرؓ، محمود بن لبیدؓ، سائب بن یزیدؓ، اسید بن ظہیرؓ، مجاہدؓ، عطارؓ، شعبیؓ، عبایہ بن رفاعہ، عمرہ بنت عبدالرحمنؓ، سعید بن مسیبؓ، نافع بن جبیر ابوسلمہ بن عبدالرحمنؓ، ابوالجاشیؓ، سلیمان ابن یسارؓ، عیسیٰؓ، عثمان بن سہلؓ، ہریر بن عبدالرحمنؓ، یحییٰ بن اسحاقؓ، ثابت بن انس بن ظہیرؓ،

حظہ بن قیس، نافع، واسع بن حبان، محمد بن یحییٰ بن حبان، عبید اللہ بن عمرو بن عثمان۔

اخلاق : امر بالمعروف اور اطاعت رسول، معدن اخلاق کے تابناک جواہر پارے ہیں۔

ایک مرتبہ نعمان انصاری کے غلام نے چھوہارے کا ایک چھوٹا سا درخت کسی کے باغ سے اُکھیر دیا۔ مروان کی عدالت میں مقدمہ پیش ہوا۔ اس نے چوری کا جرم عائد کر کے ہاتھ کاٹنے کا فیصلہ کر لیا، تو رافعؓ نے کہا کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ پھل میں قطع ید نہیں!۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ اپنی زمین کرایہ پر اٹھاتے تھے اور آنحضرت ﷺ، حضرت ابو بکر صدیقؓ، حضرت عمر فاروقؓ، حضرت عثمان غنیؓ اور امیر معاویہؓ کے ابتدائی زمانہ خلافت تک اسی پران کا عمل رہا بعد میں خبر ملی کہ آنحضرت ﷺ نے اس کی ممانعت فرمائی ہے اور رافعؓ کے پاس اس کی حدیث ہے۔ چنانچہ نافعؓ کو لے کر حضرت رافعؓ کے پاس گئے اور حدیث سنی۔ اس کے بعد کرایہ لینا چھوڑ دیا۔ یہ مسلم کی روایت ہے۔ مسند میں ہے کہ خود رافعؓ نے ان کو یہ حدیث سنائی تھی!۔

حضرت مروان نے ایک مرتبہ خطبہ دیا۔ جس میں کہا کہ مکہ حرم ہے۔ رافعؓ موجود تھے، پکار کر کہا اگر مکہ حرم ہے تو مدینہ بھی حرم ہے اور اس کو رسول اللہ نے حرم قرار دیا ہے، میرے پاس حدیث لکھی ہوئی ہے۔ اگر چاہو تو دکھا سکتا ہوں۔ مروان نے جواب دیا، ہاں وہ حدیث میں نے سنی ہے!۔

اطاعت رسول کے لئے واقعات ذیل کافی ہیں۔

ایک مرتبہ ان کے چچا ظہیرؓ نے آکر بیان کیا کہ آج آنحضرت ﷺ نے ایک چیز کی ممانعت فرمائی ہے۔ حالانکہ ہم لوگوں کو اس سے کچھ آسانی تھی۔ رافعؓ نے جواب دیا، عم محترم جو کچھ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا وہی حق ہے!۔

ایک روز بیوی سے ہم بستر تھے۔ عین اسی حالت میں رسول اللہ ﷺ نے آواز دی، فوراً اٹھ کھڑے ہوئے اور غسل کر کے باہر نکل آئے!۔



حضرت روفیع بن ثابتؓ

نام و نسب :

روفیع نام ہے۔ قبیلہ خزرج نجار سے ہیں۔ سلسلہ نسب یہ ہے : روفیع بن ثابت بن سلکن بن عدی بن حارثہ۔

غزوہ حنین میں شریک تھے۔

آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد مصر کی سکونت اختیار کی اور وہاں ایک مکان بنالیا۔

صدارت طرابلس :

۳۶ھ میں امیر معاویہؓ نے ان کو طرابلس کا حاکم بنا کر مغرب بھیجا۔ برقہ صدر مقام تھا۔ اسی میں قیام پذیر ہوئے۔

ایک سال بعد ۴۷ھ حضرت مسلمہ بن مخلدؓ والی مصر طرابلس نے افریقہ (تونس والجزائر و مراکش) پر فوج کشی کی۔ روفیع کو اس مہم پر مامور کیا۔ انہوں نے بہت سی فتوحات کیں اور موجودہ جغرافیہ کی رو سے حدود تیونس کے اندر پہنچ کر قابس کے قریب جربہ نام، ایک مقام فتح کیا اور تقریر کی۔ جس میں لونڈیاں، مال غنیمت، سواری اور دیگر ضروری باتوں کے متعلق ہدایت تھی۔ اسی سال کے اندر سالما و غانما دار الحکومت میں واپس آئے۔

حضرت مسلمہؓ نے خراج کا حکم ان کے سپرد کرنا چاہا، لیکن انہوں نے اس بناء پر انکار کیا کہ آنحضرت ﷺ فرما چکے تھے کہ حاکم خراج جنت میں داخل نہ ہوگا۔ تقریباً ۱۰ برس تک اپنا فرض منصبی انجام دیتے رہے۔

وفات : ۵۶ھ میں پیغام اجل پہنچا، برقہ میں وفات پائی اور وہیں مدفون ہوئے۔

فضل و کمال :

ان کے سلسلہ سے ۸ روایتیں مروی ہیں۔ بیان حدیث میں محتاط تھے۔ ایک مرتبہ مجمع عام میں ایک حدیث بیان کی تو فرمایا :

”ایہا الناس ! انی لا اقول فیکم الا ما سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول“

”لوگو ! تم کو میں وہ باتیں سناتا ہوں، جن کو آنحضرت ﷺ نے ہم کو سنایا تھا۔“

راویوں میں حنشل صفانے وفاء بن شریح، شیم بن بٹیاں، شیبان قتابی، ابوالخیر مرثد، بشیر بن عبید اللہ حضرمی، ابو مرزوق وغیرہ تھے۔ جو ان کے ساتھ بڑھ اور جنگ افریقیہ میں شریک رہے تھے۔

اخلاق : صحبت رسول ﷺ کا اثر ہر جگہ نمایاں رہتا تھا۔ غزوہ مغرب میں متعدد مقامات پر خطبے دینے کا اتفاق ہوا۔ ان میں کتاب و سنت کی تمام لوگوں کو دعوت دی۔

او امر و نواہی کے امتثال و اجتناب کا خاص اہتمام رہتا تھا کہ حاکم اسلام کے لئے یہ سب ضروری فریضہ ہے۔ اجتناب عن المنہیات کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ محض تہدید حدیث کی بدولت صاحب خراج کی خدمت قبول نہ فرمائی۔



” ز “

حضرت زید بن ارقمؓ

نام و نسب :

زید نام ہے۔ ابو عمر کنیت، قبیلہ خزرج سے ہیں۔ نسب نامہ یہ ہے : زید بن ارقم ابن زید بن قیس بن نعمان بن مالک اغرب بن ثعلبہ بن کعب بن خزرج بن حارث بن خزرج اکبر۔ والد نے صغر سنی میں ہی انتقال کیا تھا۔ حضرت عبداللہ بن رواحہؓ نے جو بڑے رتبہ کے صحابی تھے اور ان کے رشتہ میں چچا ہوتے تھے۔ اپنی عاطفت میں لیا اور ان کی پرورش و پرداخت کی۔ اسلام : ابن رواحہؓ عقبہ میں بیعت کر چکے تھے۔ زید کے ایمان لانے کا وہی سبب بنے۔ غزوات اور دیگر حالات :

احد میں صغیر اسن تھے۔ اس لئے آنحضرت ﷺ نے غزوہ کے قصد سے باز رکھا۔ خندق کے معرکہ میں شریک ہوئے اور پھر تمام غزوات میں شرکت کی۔ صحیح بخاری میں ان سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ۱۹ غزوے کئے، جن میں سے ۷ میں شریک تھے۔ غزوہ موتہ میں اپنے چچا کے ساتھ گئے تھے۔ انہوں نے چند اشعار کہے، جن میں شہادت کی تمنا کی۔ دونوں ایک ہی اونٹ پر سوار تھے، زید نے اشعار سن کر رونا شروع کیا۔ ابن رواحہؓ نے درہ اٹھایا کہ تمہارا کیا حرج ہے؟ مجھے شہادت نصیب ہوگی۔ خلفائے راشدین میں حضرت امیر کرم اللہ وجہہ سے دوستانہ مراسم تھے۔ جنگ صفین میں جناب امیرؓ کی حمایت میں شریک ہوئے۔

کوفہ میں سکونت اختیار کر لی تھی اور بنو کندہ کے محلہ میں مکان بنایا تھا۔ وفات : ۶۸ھ میں کوفہ میں انتقال فرمایا۔ یہ مختار بن ابی عبید ثقفی کا دور امارت تھا۔ فضل و کمال :

حضرت زید اپنے زمانہ میں مرجع علم و فضل تھے۔ لوگ دور دور سے استفادہ کے لئے آتے تھے۔ ایک شخص اقصائے قسطنطین سے مسئلہ پوچھنے آیا تھا۔

جہاں کہیں جاتے شائقین حدیث آپ کی جانب رجوع کرتے۔ ایک مرتبہ بصرہ یا مکہ گئے تو حضرت عباسؓ نے درخواست کی کہ فلاں حدیث جس کو آپ نے روایت کیا تھا، اس کے سننے کا پھر مشتاق ہوں۔^۱

ایک مرتبہ عطیہ عونی نے آکر کہا کہ آپ نے میرے داماد سے فلاں حدیث بیان کی تھی، میں اس ارادہ سے حاضر ہوا کہ خود آکر آپ سے سنوں۔ انہوں نے حدیث بیان کی تو عطیہ بولے یہ بھی فقرہ تھا۔ فرمایا :

”انما انا اخبرک کما سمعت“^۲

”بھائی میں نے جو کچھ سنا تھا تم سے بیان کر دیا۔“

حدیثوں کے علاوہ جو دعائیں آنحضرت ﷺ سے سنی تھیں اور یاد تھیں، وہ لوگوں کو بتلاتے تھے۔ ایک مرتبہ کہا :

”کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم يعلمنا ہن ونحن نعلمکم وہن“^۳

”یعنی آنحضرت ﷺ ہم کو سکھاتے تھے ہم تم کو سکھلاتے ہیں۔“

لیکن آپ روایت حدیث میں بہت محتاط تھے۔ عبدالرحمن بن ابی لیلیٰ کہتے ہیں :

”کنا اذا اجئناہ قلنا حدثنا عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال

انما قد کبرنا ونسینا والحديث عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

شدید“^۴

”یعنی ہم حدیث کی درخواست کرتے تو جواب ملتا، میں بوڑھا ہو گیا اور بھول گیا۔

رسول اللہ ﷺ کی حدیث بیان کرنا بڑا کام ہے۔“

ایک مرتبہ چند آدمی سماع کے لئے حاضر خدمت ہوئے۔ پہلے ان کی تعریف و توصیف کی کہ اللہ نے آپ کو بڑی فضیلت عطا فرمائی ہے۔ آپ نے آنحضرت ﷺ کا جمال باکمال دیکھا، حدیث سنی، غزوات میں شریک ہوئے، نمازیں پڑھیں۔ اس سے بڑھ کر اور کیا شرف ہو سکتا ہے۔ فرمایا برادر زادے ! میں بوڑھا ہو گیا ہوں، وہ زمانہ گزر چکا، بہت سی باتیں خواب و خیال ہو گئیں۔ حدیثوں کا بڑا سرمایہ نسیان و سہو کی نذر ہو گیا۔ اس لئے جو حدیث خود بیان کر دوں وہ سن لیا کرو۔ باقی روایت کی تکلیف دینا تو یہ مناسب نہیں^۵۔

اس لئے روایتوں کی کل تعداد (۹۰) ہے۔ آنحضرت ﷺ اور حضرت علیؓ سے حدیثیں سنیں۔ ان سے روایت کرنے والوں میں حضرت انسؓ بن مالک (کتاب سے روایت کرتے تھے)، عبد اللہ بن عباسؓ، ابو الطفیلؓ، ابو عثمان مہندیؓ، عبد الرحمن بن ابی لیلیٰؓ، عبد خیر ہمدانیؓ، طاؤسؓ، نضر بن انسؓ، ابو شیبہؓ، ابو المنہالؓ، عبد الرحمن بن مطعمؓ، ابو اسحاق سمیعیؓ، محمد بن کعبؓ، ابو حمزہ طلحہؓ، ابن یزیدؓ، عبد اللہ بن حارث بصریؓ، قاسم بن عوفؓ، یزید بن جان زیادہ مشہور ہیں۔

اخلاق و عادات :

اسلامی روحانی تربیت کا اثر زندگی مظہر کے تمام شعبوں سے نمایاں ہے۔ سورہ منافقین کی بعض آیات ان کے جوش ملی کی شاہد ہیں۔

ایک غزوہ میں جو نہایت عسرت و تنگی کے زمانہ میں پیش آیا تھا۔ اپنے چچا کے ساتھ تھے۔ عبد اللہ بن ابی سرگروہ منافقین اپنی جماعت سے کہہ رہا تھا کہ مہاجرین کی مدد بالکل بند کر دو تو وہ تنگ آ کر خود بخود مدینہ سے واپس چلے جائیں گے اور یہ کہ میں یہاں سے چل کر ذلیل لوگوں کو شہر بدر کر دوں گا۔ ان کو نہایت ناگوار گذرا۔ گو کہ ابن ابی ان کا ہم قبیلہ اور رئیس خزر ج تھا۔ مگر انہوں نے اپنے چچا سے شکایت کی ان کی غیرت ایمانی نے واقعہ کو رسول اللہ ﷺ تک پہنچایا۔ آپ ﷺ نے زید اور ابن ابی کو بلا کر دریافت کیا۔ وہ اپنی جماعت کے ساتھ آیا اور قسم کھائی کہ میں نے کچھ نہیں کہا۔ ابن ارقم جھوٹ بولتے ہیں۔ اس پر تمام انصار ابن ارقم کو ملامت کرنے لگے کہ تم نے رسول اللہ ﷺ سے جھوٹ بیان کیا۔ ان کے چچا بھی انصار کے ہم نوا ہو گئے کہ مفت میں رسول ﷺ کو ناراض کر لیا۔

حضرت زیدؓ کو سخت افسوس ہوا۔ گھر میں جا کر بیٹھ رہے۔ اسی حالت میں نیند آگئی۔ ابھی بیدار نہ ہوئے تھے کہ رسول اللہ ﷺ پر سورہ منافقین کی آیتیں نازل ہوئیں۔ جن میں ان کی تصدیق اور منافقین کا سارا حال مذکور تھا۔ آپ ﷺ نے آدمی بھیجا کہ زید کو بلا لاؤ۔

خدمت میں پہنچے تو آیتیں سنا کر ارشاد ہوا کہ :

”ان الله صدقک یا زید“ ۱۔ ”اے زید خدا نے تمہاری تصدیق فرمائی۔“

امر بالمعروف فرائض میں داخل تھا۔ مسجد قبا میں کچھ لوگ چاشت کی نماز پڑھ رہے تھے۔ ادھر سے گزرے تو فرمایا کہ شاید ان کو معلوم نہیں کہ اوامین کا اس سے بہتر ایک وقت ہے اور وہ جب ہے کہ گرمی کی شدت سے تلوے جلنے لگیں ۲۔

ایک مرتبہ مغیرہ بن شعبہؓ نے جناب امیرؓ کی شان میں ناملائم الفاظ استعمال کئے تو انہوں نے کہا آنحضرت ﷺ مر دوں کو برا کہنے سے منع کیا کرتے تھے۔ حضرت علیؓ کا انتقال ہو چکا، اب ان کو برا کیوں کہتے ہوئے۔

سنت نبوی ﷺ کے قبیح تھے۔ جنازہ پر عموماً چار تکبیریں کہا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ ۵ کہیں۔ ایک شخص نے ہاتھ پکڑ کر پوچھا کہ سہو تو نہیں ہو گیا۔ فرمایا یہ بھی آنحضرت ﷺ کی سنت ہے۔ اس کو میں کیونکر چھوڑ دیتا۔

بارگاہ نبوی میں تقرب حاصل تھا۔ جب کبھی یہ بیمار پڑتے، آنحضرت ﷺ ان کی عیادت کے لئے تشریف لے جاتے۔

ایک مرتبہ آنکھ میں درد اٹھا۔ آپ ﷺ عیادت کو تشریف لائے، صحت یابی کے بعد پوچھا کیوں ابن ارقم! اگر یہ رہ جاتا تو کیا کرتے؟ عرض کی صبر کرتا اور اجر کا امیدوار رہتا۔ فرمایا اگر ایسا کرتے تو خدا کے سامنے بے گناہ جاتے۔

مصیبت میں لوگوں کی ہمدردی و غمگساری کرتے تھے۔

حرہ کے واقعہ میں حضرت انسؓ کا ایک لڑکا اور بعض اعزہ مارے گئے تو ان کو تعزیت کا ایک خط لکھا کہ میں تم کو خدا کی ایک بشارت سناتا ہوں۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ خدایا! ان کی اولاد، اولاد در اولاد، ان کی عورتیں اور ان کی تمام اولاد کی مغفرت فرما۔

معاصرین کے کمال کا اعتراف نہایت کشادہ دلی سے کرتے تھے اور سوال کرنے والوں کو ان کے پاس بھیج دیتے تھے۔

ایک مرتبہ ابوالمنہالؓ بیع صرف کے متعلق ان سے مسئلہ دریافت کرنے آئے۔ انہوں نے کہا، براءؓ سے پوچھو۔ وہ مجھ سے بہتر اور زیادہ عالم ہیں۔ جب وہ حضرت براءؓ بن عازب کے پاس گئے تو انہوں نے مسئلہ بتا کر کہا کہ اس کی تصدیق زیدؓ سے کرالینا۔ وہ مجھ سے بہتر اور زیادہ جاننے والے ہیں۔

امراء اور حکام سے ملتے رہتے تھے۔

عہد نبوت میں تجارت پر بسر اوقات تھی۔



حضرت زیدؓ بن ثابت

نام و نسب اور ابتدائی حالات :

زید نام ہے۔ ابوسعید، ابو خارجہ، ابو عبد الرحمن کنیت۔ مقری، فرضی کاتب الوحی، جبرالامت القاب ہیں۔ قبیلہ خزرج کے خاندان نجار سے ہیں۔ نسب نامہ یہ ہے : زید بن ثابت بن ضحاک بن زید بن لؤذان بن عمرو بن عبد بن عوف بن غنم بن مالک بن نجار۔ والدہ کا نام نوار بنت مالک بن معاویہ بن عدی تھا، جو حضرت انس بن مالکؓ کے خاندان سے تھیں۔

انصار میں اسلام سے پہلے جو لڑائیاں ہوئی تھیں، ان میں یوم بعاث سب سے زیادہ مشہور ہے۔ حضرت زیدؓ کے والد اسی لڑائی میں قتل ہوئے۔ یہ واقعہ ہجرت سے ۵ سال قبل ہے۔ اس وقت ان کی عمر کل ۶ برس کی تھی۔

حضرت زیدؓ والدہ کے ظل عاطفت میں پرورش پاتے رہے۔ ۱۱ برس کے ہوئے تو اسلام کی آواز کان میں پڑی۔

اسلام : اس زمانہ میں اسلام مدینہ میں مسافر کی حیثیت سے مقیم تھا۔ حضرت مصعب بن عمیرؓ مبلغ اسلام، توحید و رسالت کا وعظ کہہ رہے تھے۔ حضرت زیدؓ نے اسی صغریٰ میں اسلام قبول کیا۔ کسی انسان کا اگر بلوغ سے قبل ایمان لانا باعث فخر و مباہات ہو سکتا ہے تو حضرت زیدؓ نے گیارہ سال کی عمر میں یہ فخر حاصل کیا اور ابتداء ہی سے ان کا دامن شرک کے داغ سے پاک رہا۔

غزوات اور عام حالات :

حضرت زیدؓ نے مسلمان ہوتے ہی قرآن پاک پڑھنا شروع کیا۔ اس بنا پر لوگ ان کو نہایت عزت کی نظر سے دیکھتے تھے۔ جب آنحضرت ﷺ مدینہ تشریف لائے تو یہ ۷۱ سورتوں کے حافظ ہو چکے تھے۔ لوگ ان کو آپ کی خدمت میں لے گئے اور کہا کہ یہ بنی نجار سے اور ۷۱ سورتیں پڑھ چکے ہیں۔ آنحضرت ﷺ سن کر بہت خوش ہوئے۔ زیدؓ نے قرآن پاک سنایا تو آپ ﷺ کو بڑا تعجب ہوا۔

ابھی حضرت زیدؓ کا سن ۱۳ سال کا تھا کہ غزوہ بدر پیش آیا۔ انصار و مہاجرین کا مجمع جب میدان جنگ کو روانہ ہوا تو ۱۳ برس کے اس بچہ نے بھی لڑائی کا عزم بالجزم کیا اور رسول اللہ ﷺ کے روبرو بچوں کی ایک جماعت کے ساتھ پیش ہوئے۔ آپ ﷺ نے ان کی کم سنی پر نظر فرما کر واپس کر دیا۔ غزوہ

احد کی شرکت کے متعلق بھی اختلاف ہے۔ بعض کا خیال ہے کہ غزوہ خندق جو ۵ھ میں واقع ہوا تھا، حضرت زیدؓ کا پہلا غزوہ تھا۔ اس وقت ان کا سن ۱۶ سال کا تھا اور وہ شرکت جہاد کی عمر کے مطابق ہو چکے تھے۔

غزوہ خندق میں وہ آنحضرت ﷺ کے ہمراہ معرکہ کارزار میں موجود تھے اور خندق کھودنے والی جماعت میں شامل تھے اور مٹی نکال کر باہر لاتے تھے۔ آنحضرت ﷺ کی نظر پڑی تو فرمایا، کیسا اچھا لڑکا ہے؟ اتفاق سے ان کو نیند آگئی۔ عمارہ ابن حزمؓ نے دیکھا تو مذاق سے اُن کے ہتھیار اتار لئے۔ زیدؓ کو خبر نہ ہوئی۔ آنحضرت ﷺ پاس تھے، مزاحاً فرمایا! ”یا ابا رقاد“ یعنی اے نیند کے باپ اٹھ اور لوگوں کو منع فرمایا کہ اس قسم کا مذاق نہ کیا کریں۔

غزوہ تبوک میں ان کے قبیلہ مالک بن نجار کا علم عمارہ بن حزمؓ کے ہاتھ میں تھا۔ بعد میں آنحضرت ﷺ نے ان سے لے کر زیدؓ کو عطا فرمایا۔ عمارہ نے کہا یا رسول اللہ (ﷺ) مجھ سے کون سی خطا ہوئی۔ فرمایا، کچھ نہیں، مجھے قرآن کا لحاظ مد نظر ہے۔ زید تم سے زیادہ قرآن پڑھ چکے ہیں۔

جنگ یمامہ میں جو حضرت ابو بکر صدیقؓ کے عہد مبارک میں مسلمانہ کذاب سے ہوئی تھی، حضرت زیدؓ شامل تھے۔ اس میں ان کو ایک تیر لگا۔ لیکن جہم کو کوئی صدمہ نہیں پہنچا۔

اعمال عظیمہ : حضرت زیدؓ بن ارقم کی عظیم الشان زندگی، اعمال صالحہ کا ایک مجموعہ ہے۔ جن کی تفصیل حسب ذیل ہے :

قرآن مجید اسلام کا اصل الاصول ہے۔ اس کے جمع کرنے کا فخر جس مقدس انسان کو حاصل ہوا، وہ حضرت زید بن ثابتؓ انصاری کا تب الوحی ہیں۔

آنحضرت ﷺ کے زمانہ تک قرآن مجید ہڈی، کھال، کھجور کی شاخ اور مسلمانوں کے دلوں میں محفوظ تھا۔ صحابہؓ میں بہت بزرگ تھے، جن کو حفظ قرآن کا شوق پیدا ہو گیا تھا۔ وہ قرآن کے حافظ ہو چکے تھے۔ حضرت زیدؓ بھی انہی حفاظ میں تھے۔

آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد عرب کا ایک گروہ مرتد ہو کر مسلمانہ کذاب سے مل گیا، جس نے یمامہ میں نبوت کا دعویٰ کیا تھا۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ نے اس پر فوج کشی کی اور مسلمانہ شکست کھا کر مارا گیا۔ لیکن اس غزوہ میں ۷۰ حفاظ نے جام شہادت پیا۔ اس بنا پر حضرت عمر فاروقؓ کو قرآن جمع کرنے کا خیال پیدا ہوا۔ انہوں نے حضرت ابو بکر صدیقؓ سے کہا کہ اگر حفاظ کی شہادت کی یہی حالت رہی تو قرآن کا بڑا حصہ ضائع ہو جائے گا۔ اس لئے قرآن مجید کو جمع کر لیجئے۔

حضرت ابو بکر صدیقؓ نے منظور کیا اور حضرت زیدؓ کو بلا کر کہا کہ تم عقل مند اور جوان آدمی ہو، تمہاری طرف سے سب کو اطمینان ہے۔ تم نے رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں وحی لکھی تھی، اس لئے تم ہی اس کام کو انجام دو۔ حضرت زیدؓ فرماتے ہیں کہ یہ کام مجھ پر ایک پہاڑ سے بھی زیادہ گراں تھا۔

چنانچہ حضرت ابو بکر صدیقؓ سے کہا کہ آپ وہ کام کرنا چاہتے ہیں، جس کو رسول اللہ ﷺ نے نہیں کیا تھا۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ نے فرمایا، یہ سچ ہے۔ لیکن کار خیر میں کیا مضائقہ ہے؟ حضرت زیدؓ کو پھر بھی اس کام کا انجام دینے میں تامل ہوا، لیکن جب حضرت ابو بکر صدیقؓ نے مختلف پہلوؤں سے سمجھایا تو وہ آمادہ ہو گئے۔

حضرت ابو بکر صدیقؓ نے اس کام کے لئے ان کے ساتھ صحابہؓ کی ایک جماعت مامور کی، جن کی تعداد ۷۰ تک بیان کی جاتی ہے۔ ان میں حضرت ابی بن کعبؓ اور سعید بن عاصؓ بھی تھے۔ حضرت زیدؓ نے قرآن مجید کو جو کھجور کی شاخوں اور پتلے پتلے پتھروں پر لکھا ہوا تھا، جمع کیا۔ حفاظ سے قرآن سنا۔ اس کے ماسوا، وہ خود بھی حافظ قرآن تھے اور رسول اللہ ﷺ کے عہد میں قرآن جمع کر چکے تھے۔

آیات کی صحت کے لئے بعض بعض موقعوں پر مباحثہ کی بھی نوبت آ جاتی تھی۔ ایک مقام پر پہنچ کر زیدؓ نے کہا کہ اس کے بعد یہ آیت (آیت رجم) میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنی تھی، حضرت عمر فاروقؓ نے فرمایا، لیکن رسول اللہ ﷺ نے اس کے لکھنے کا حکم نہیں دیا تھا۔

غرض اس کدو کاوش کے ساتھ حضرت زیدؓ نے یہ اہم کام انجام دیا اور پورا قرآن لکھ لیا گیا۔ مگر ایک آیت کے متعلق ثبوت نہ ملتا تھا، (ثبوت کا یہ طریقہ تھا کہ دو آدمی گواہی دیتے تھے۔ وہ آیت ابو خزیمہ انصاری کے پاس تھی۔ آنحضرت ﷺ نے ان کی شہادت دو آدمیوں کے برابر قرار دی تھی۔ اس لئے حضرت زیدؓ نے گواہی کی ضرورت نہ سمجھی۔ اس کے ماسوا حضرت زیدؓ کو وہ آیت خود بھی معلوم تھی۔

قرآن مجید کا یہ نسخہ حضرت ابو بکر صدیقؓ نے اپنے پاس رکھا۔ ان کے بعد حضرت عمر فاروقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ کے بعد حضرت حفصہؓ بنت عمرؓ اُم المؤمنینؓ کے مکان میں موجود رہا۔

۱۔ مسند جلد ۵۔ ص ۱۸۸ بخاری۔ جلد ۲۔ ص ۴۵ ۲۔ بخاری جلد ۲۔ ص ۴۸ باب القرآن و مسند جلد ۵۔ ص ۱۸۵

اصل الفاظ یہ ہیں : بینا نحن عن رسول اللہ ﷺ نولف القرآن من الرع - ۳ مسند جلد ۵۔ ص ۱۸۳

۴۔ فتح الباری جلد ۹۔ ص ۱۲ ۵۔ بخاری ص ۴۶۶ باب جمع القرآن ۶۔ بخاری باب جمع القرآن۔ ص ۴۶۶

عہد عثمانی میں جب اختلاف قرأت رونما ہوا تو حضرت حذیفہؓ بن یمان نے حضرت عثمان غنیؓ سے کہا کہ قبل اس کے کہ اسلام میں یہود و نصاریٰ جیسا اختلاف پیدا ہو، آپ اس کا جلد تدارک کیجئے۔ انہوں نے بھی اس ضرورت کو محسوس کیا اور حضرت زیدؓ کا لکھا ہوا مصحف حضرت حفصہؓ سے طلب کیا اور چار بزرگوں کو جن میں ایک زیدؓ بھی تھے کتابت قرآن پر مامور کیا۔ ان بزرگوں نے مصحف صدیقی کی پانچ نقلیں لیں۔ حضرت عثمان غنیؓ نے ان کو ممالک اسلامیہ میں بھجوا دیا اور مصحف صدیقی کو حضرت حفصہؓ کے پاس با احتیاط واپس کیا۔

آنحضرت ﷺ امی نے وحی لکھنے کا کام مختلف صحابہ کرام کے متعلق کیا تھا۔ متعدد صحابہ اس شرف سے بہرہ اندوز ہوتے تھے۔ ان میں حضرت زیدؓ بن ثابت کا نام نامی نہایت ممتاز تھا۔ حضرت زیدؓ قلم دوات، کاغذ، چوڑی ہڈی یا پتلے پتلے پتھر لے کر رسول اللہ ﷺ کے پاس بیٹھ جاتے تھے۔ جب وحی آتی، آپ بولتے جاتے اور وہ لکھتے جاتے تھے۔ جہاں کہیں تحریر کے متعلق کوئی خاص ہدایت دینا ہوتی تو آپ فرمادیتے اور زیدؓ اس کی تعمیل کرتے۔ چنانچہ ایک آیت میں غیر اولی الضرر کے بڑھانے کی ضرورت ہوئی تو اس ہڈی کے شکاف کے پاس لکھا۔ (ہڈی ایک جگہ سے شق تھی)۔

اصلاح اُمت : رسول اللہ ﷺ کے انتقال کے ساتھ ہی انصار میں خلافت کا مسئلہ پیش ہو گیا۔ سقیفہ نبی ساعدہ میں تمام انصار جمع تھے اور رئیس انصار سعد بن عبادہ مجلس کے صدر نشین تھے۔ انہی کے انتخاب پر لوگوں کی تقریریں ہو رہی تھیں۔ انصار کی بڑی جماعت ان کی تائید میں تھی۔ حضرت زید بن ثابتؓ بھی جلسہ میں موجود تھے۔ مگر رجحان عام کے خلاف آواز بلند کرنا اس وقت کوئی آسان کام نہ تھا، اس لئے خاموش تھے۔

اس کے بعد جب حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت ابوعبیدہؓ سقیفہ میں پہنچے اور مہاجرین کی طرف سے حضرت عمرؓ نے خلافت کی بحث شروع کی تو سب سے پہلے جس انصاری نے ان کی تائید کی وہ حضرت زید بن ثابتؓ تھے۔ انصار کی تقریر ختم ہونے کے بعد انہوں نے ایک مختصر مگر پر معنی تقریر کی جس کا ایک فقرہ یہ تھا :

”ان رسول اللہ ﷺ کان من المهاجرین وانما الامام یكون من المهاجرین ونحن انصارہ کما کنا انصار رسول اللہ ﷺ“ ۔

”یعنی رسول اللہ ﷺ مہاجرین میں سے تھے۔ اس لئے امام کا بھی مہاجرین میں سے انتخاب ہونا چاہئے اور ہم اس کے انصار رہیں گے جس طرح رسول اللہ ﷺ کے انصار تھے۔“

ان کی یہ صدا ان کی قوم کے خلاف تھی، تاہم کوئی اس کو دبانہ سکتا تھا۔ حضرت زیدؓ کی تقریر ختم ہوئی تو حضرت ابو بکر صدیقؓ نے کھڑے ہو کر تحسین کی اور کہا ”خدا تم کو جزائے خیر دے، اگر اس کے علاوہ کوئی بات پیش کی جاتی تو غالباً ہم لوگ ماننے کے لئے تیار نہ ہوتے“۔
حضرت زیدؓ نے حضرت ابو بکر صدیقؓ کا ہاتھ پکڑا اور انصار سے کہا کہ ان کے ہاتھ پر بیعت کی۔

آنحضرت ﷺ کے مدینہ تشریف لانے کے بعد سلاطین و والیان ملک کے خطوط وقتاً فوقتاً موصول ہوتے تھے، جو اکثر سریانی میں ہوتے تھے۔ مدینہ میں سریانی جاننے والے صرف یہودی تھے۔ جن کو اسلام سے شدید بغض و عناد تھا۔ اس بنا پر مصلحت اور دور اندیشی کا تقاضا تھا کہ خود مسلمان اس زبان کو سیکھیں۔

حضرت زید بن ثابتؓ نہایت ذکی اور فطین تھے۔ ۵ھ میں آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ میرے پاس لوگوں کے خطوط آتے ہیں جن کو میں کسی پر ظاہر نہیں کرنا چاہتا۔ اس کے سوا مجھے یہودی پر اطمینان بھی نہیں۔ اس لئے بہتر ہے کہ تم عبرانی سیکھ لو۔ چنانچہ حضرت زیدؓ نے ۱۵ دن میں عبرانی اور سریانی میں اس قدر مہارت حاصل کر لی کہ خطوط پڑھ لیتے اور جواب لکھ دیتے تھے۔

ان کی اسی ذہانت اور علم کی بناء پر آنحضرت ﷺ نے ان کو کتابت کے عہدہ پر سرفراز فرمایا تھا۔ جس پر وہ آنحضرت ﷺ کی وفات تک فائز رہے۔

حضرت ابو بکر صدیقؓ و حضرت عمر فاروقؓ کے عہد خلافت میں بھی ان کا یہ منصب بحال رہا۔ لیکن اب کام کی کثرت ہو گئی تھی۔ اس لئے معیقیب دوسی ان کے مددگار مقرر کئے گئے۔
قضاء : حکومت اسلامیہ کا ایک جلیل القدر منصب قضا ہے، جو حضرت فاروقؓ کے عہد میں قائم ہوا۔
آنحضرت ﷺ اور حضرت ابو بکر صدیقؓ کے زمانہ تک اس محکمہ کا مستقل وجود نہ تھا۔ حضرت عمر فاروقؓ نے اس کی بنیاد قائم کی اور حضرت زیدؓ کو مدینہ کا قاضی مقرر کیا طبقات ابن سعد اور اخبار القضاۃ میں ہے :

۱۔ ایضاً۔ جلد ۵۔ ص ۱۸۶ ۲۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ قضاء حضرت عثمان غنیؓ کی ایجاد ہے۔ لیکن یہ صحیح نہیں۔ حضرت عمر فاروقؓ نے اپنی خلافت کے درمیانی عہد میں محکمہ قضاء کو وجود کا لباس پہنا دیا تھا۔ چنانچہ یزید بن اخت انحر کو حکمہ قضاء کے چند چھوٹے چھوٹے کام سپرد کئے تھے (۷۵) کنز العمال (بحوالہ طبقات ابن سعد جلد ۳) اس کے ماسوا بعض روایتوں کے بموجب حضرت علیؓ کو بھی قضاء کا روبرو سونپا گیا تھا۔ کنز بحوالہ جامع عبد الرزاق۔ جلد ۳۔ ص ۱۷۵

”ان عمر استعمال زیذا علی القضاء وفرض له رزقا“

”یعنی حضرت عمر فاروقؓ نے زیدؓ کو قاضی بنایا اور ان کی تنخواہ مقرر کی۔“

اس وقت تک قاضی کے لئے عدالت کی عمارت تعمیر نہیں ہوئی تھی۔ اس لئے حضرت زیدؓ کا گھر دارالقضاء کا کام دیتا تھا۔ مکان فرش سے آراستہ تھا۔ اس کے صدر میں حضرت زیدؓ فیصلہ کے وقت متمکن ہوتے تھے۔ دار الخلافت اور تمام قرب وجوار کے مقدمات حضرت زیدؓ کے پاس آتے تھے۔ یہاں تک کہ خود خلیفہ وقت (حضرت عمرؓ) پر بھی یہاں دعویٰ داخل کئے جاتے تھے اور اس کا فیصلہ بھی یہیں ہوتا تھا۔

ایک مرتبہ حضرت عمر فاروقؓ اور حضرت ابی بن کعبؓ میں کچھ نزاع ہوئی حضرت زیدؓ کی عدالت میں مقدمہ دائر ہوا۔ حضرت عمر فاروقؓ مدعا علیہ کی حیثیت سے حاضر ہوئے۔ حضرت زیدؓ نے جیسا کہ آج بھی امراء و روساء کو کرسی دینے کا دستور ہے، حضرت عمرؓ کے لئے اپنی جگہ خالی کر دی۔ لیکن مساوات کا جو اصول اسلام نے قائم کیا تھا۔ صحابہؓ اس پر نہایت شدت سے عمل پیرا تھے۔ خصوصاً حضرت عمرؓ نے اس کو نہایت عام کر دیا تھا۔ اس بناء پر حضرت عمرؓ نے زیدؓ سے فرمایا کہ یہ آپ کی پہلی ناانصافی ہے، مجھ کو اپنے فریق کے ساتھ بیٹھنا ہے۔ چنانچہ دونوں بزرگ عدالت کے سامنے بیٹھے، مقدمہ پیش ہوا۔ حضرت ابیؓ مدعی تھے اور حضرت عمرؓ کو انکار تھا۔ شرعاً منکر پر قسم واجب ہوتی ہے، لیکن حضرت زیدؓ نے خلافت کے ادب و احترام کی بناء پر مدعی سے درخواست کی کہ اگرچہ یہ قاعدہ نہیں، تاہم آپ امیر المومنین کو قسم سے معاف کر دیجئے۔

حضرت عمرؓ نے کہا اس رعایت کی ضرورت نہیں۔ فیصلہ میں عمر اور ایک عام مسلمان آپ کے نزدیک برابر ہونے چاہئیں۔

بیت المال کی افسری :

ممالک اسلامیہ میں اگرچہ بہت سے مقامی بیت المال قائم تھے، لیکن سب سے بڑا خزانہ دار الخلافہ مدینہ منورہ میں رہتا تھا۔ حضرت زیدؓ اس کے افسر تھے۔ ۳۱ھ میں حضرت عثمانؓ نے یہ عہدہ ان کو تفویض فرمایا تھا۔ بیت المال کے عملہ میں زیدؓ کا ایک غلام وہیب بھی تھا۔ وہ نہایت ہوشیار تھا اور بیت المال کے کاموں میں مدد دیتا تھا۔ ایک دن وہ بیت المال میں گنگنا رہا تھا کہ حضرت عثمانؓ آگئے۔ پوچھا یہ کون ہے؟ زیدؓ نے کہا میرا مملوک ہے۔ حضرت عثمانؓ نے فرمایا، اس کا ہم پر حق ہے۔

۱۔ کنز العمال۔ جلد ۳۔ ص ۱۷۲ بحوالہ بخاری و مسلم

کیونکہ یہ مسلمانوں کی مدد کرتا ہے۔ (بیت المال کے کام کی طرف اشارہ تھا) چنانچہ دو ہزار اس کا وظیفہ مقرر کرنے کا ارادہ ظاہر فرمایا۔ لیکن حضرت زیدؓ کے مزاج میں عصبيت تھی۔ وہ حرو عبد کو ایک نگاہ سے دیکھ نہ سکتے تھے۔ حضرت عثمانؓ سے کہا دو ہزار نہیں بلکہ ایک ہزار مقرر کیجئے۔ حضرت عثمانؓ نے ان کی درخواست منظور کر لی اور اس کا وظیفہ ایک ہزار مقرر کر دیا۔

مجلس شوریٰ کی رکنیت :

حضرت ابو بکر صدیقؓ کے عہد میں انصار و مہاجرین کے ممتاز اصحاب کی جو مجلس شوریٰ تھی، حضرت زیدؓ بھی اس کے ایک رکن تھے۔ حضرت عمر فاروقؓ نے اپنے عہد خلافت میں اسی جماعت کو باضابطہ کونسل قرار دیا تھا۔ حضرت زیدؓ اس کے بھی ممبر تھے۔

امارت مدینہ منورہ :

حضرت زیدؓ میں علمی و دینی کمالات کے ساتھ انتظامی قابلیت بھی تھی اور ان پر اتنا اعتماد تھا کہ حضرت عمرؓ نے جب مدینہ سے سفر کیا تو اپنا جانشین انہی کو مقرر کیا۔ حضرت عثمانؓ کا بھی یہی طرز عمل رہا۔ وہ جب حج کو مکہ روانہ ہوتے تو حضرت زیدؓ کو کاروبار خلافت سپرد کر جاتے تھے۔

خلافت فاروقی میں حضرت زیدؓ کو تین مرتبہ حضرت عمرؓ کی ہم نشینی کا فخر حاصل ہوا۔

۱۶ھ اور ۱۷ھ میں دو مرتبہ حضرت عمرؓ کے حج کے موقع پر، تیسری مرتبہ ان کے شام کے سفر کے زمانہ میں۔ شام پہنچ کر حضرت زیدؓ کو آپؐ نے جب خط لکھا تو اس میں حضرت زیدؓ کا نام پہلے تحریر کیا۔ یعنی الیٰ زید بن ثابت من عمر بن الخطاب ہر دفعہ حضرت زیدؓ نے خلافت کی ذمہ داریوں کو نہایت ہوشیاری اور مستعدی سے انجام دیا۔ حضرت عمرؓ ان کے انتظام سے بہت خوش ہوتے اور واپس آ کر ان کو کچھ جاگیر دیدیتے تھے۔

تقسیم مال غنیمت :

ایمان کے ۷۰ سے اوپر شعبے اور شاخیں ہیں۔ امانت ایمان کا ایک ضروری جزو ہے۔ یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا :

“لا ایمان لمن لا امانة له“

”جس میں امانت نہیں اس میں ایمان بھی نہیں۔“

آنحضرت ﷺ کے عہد مبارک میں جو مالی غنیمت آتا تھا، اکثر آپ ﷺ خود تقسیم فرماتے تھے۔ اس سے کام کی اہمیت پر بخوبی روشنی پڑتی ہے۔

حضرت عمر فاروقؓ کے عہد میں یرموک کا واقعہ نہایت اہم اور مشہور ہے۔ اس میں مال غنیمت کی تقسیم حضرت زیدؓ کے سپرد تھی۔ اس کے ماسوا حضرت عمرؓ نے جب صحابہؓ کے وظائف مقرر کئے تو انصار کے وظائف کی تقسیم بھی انہی کے سپرد کی۔ انہوں نے عوالی سے تقسیم شروع کی۔ اس کے بعد عبدالاشہل کا نمبر رکھا۔ اس کے بعد اوس کے محلہ کا۔ پھر قبائل خزرج کا۔ اور سب سے اخیر میں اپنا حصہ لیا۔^۱

سیاسی خدمت : حضرت زید بن ثابتؓ بارگاہ خلافت کے مقررین خاص میں تھے۔ حضرت عمرؓ کے احباب میں ان کا ممتاز درجہ تھا۔ حضرت عثمانؓ کے بھی وہ خاص معتمد تھے۔ خلافت عثمانی میں جب آتش فتنہ فساد مشتعل ہوئی تو وہ خلیفہ وقت کے طرف دار تھے اور اس شورش و انقلاب کے زمانہ میں انہوں نے ایک دن انصار کو مخاطب کر کے ایک تقریر کی جس کا ایک بلیغ فقرہ یہ تھا :

”یا معشر الانصار کونوا انصار اللہ مرتین“

”یعنی اے انصار خدا کے دو مرتبہ انصار بنو“

بدقسمتی سے بعض صحابہ کرام حضرت عثمانؓ سے بدظن تھے۔ ان میں حضرت ابوایوب انصاریؓ بھی تھے۔ انہوں نے کہا کہ تم عثمانؓ کی مدد پر صرف اس وجہ سے لوگوں کو آمادہ کرتے ہو کہ انہوں نے تم کو بہت سے غلام دیئے ہیں۔ حضرت ابوایوبؓ بھی بہت بااثر بزرگ تھے، اس لئے حضرت زیدؓ کو خاموش ہو جانا پڑا۔

خانگی حالات اور اہل و عیال :

حضرت زیدؓ کی خانگی زندگی نہایت پر لطف تھی۔ ان کی بیوی کا نام جمیلہ اور کنیت ام سعد اور ام العلاء تھی۔ سعد بن ربیع انصاریؓ مشہور صحابی کی بیٹی تھیں اور خود بھی صحابیہ تھیں۔

حضرت زیدؓ کی اولاد میں خارجہ جو سب سے زیادہ مشہور اور فقہائے سبعہ میں تھے جمیلہ کے لطن ہی سے تھے۔

حضرت زیدؓ کے دوسرے بیٹے اور پوتے بھی اپنے زمانہ میں مشہور اور علم حدیث میں مرجع انعام رہے تھے، ان کا مختصر شجرہ یہ ہے :

زید	خارجہ	یحییٰ	سلیمان	عمارہ	سعد اسماعیل	اسماعیل	سلیط	عبدالرحمن	عبداللہ
سلیمان	سعید	قیس	یعقوب	اسماعیل	زکریا				

قرآن مجید کے ساتھ حضرت زیدؓ کو جو شغف تھا اس کا ظہور ان کے قبول اسلام کے وقت ہو چکا تھا۔ صرف ۱۱ برس کے سن میں وہ ۷۱ سورتوں کے حافظ ہو چکے تھے۔ باقی زندگی کتابت وحی میں گذاری تھی۔ مبلغ وحی پر قرآن کا جتنا حصہ اترتا، ان کو معلوم ہو جاتا تھا اور وہ اس کو یاد کر لیتے تھے۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ کے عہد میں ان کو پورا قرآن حفظ ہو گیا تھا۔

اس بناء پر جب حضرت ابو بکر صدیقؓ نے قرآن پاک لکھوایا تو اس خدمت کے لئے حضرت زیدؓ ہی کو منتخب فرمایا اور حضرت عثمان غنیؓ نے اپنے عہد خلافت میں جب اس کی نقلیں کرائیں تو اس میں حضرت زیدؓ کی شرکت بھی ضروری سمجھی۔

حضرت عمر فاروقؓ ابی بن کعب کے مقابلہ میں جو قاریوں کے سردار تھے، حضرت زیدؓ کی قرأت کو ترجیح دیتے تھے۔

حضرت زیدؓ کا سلسلہ قرأت دور دور تک پھیلا ہوا تھا اور چونکہ قرأت قریش کے مطابق پڑھتے تھے، اس لئے لوگوں کا رجحان انہی کی قرأت کی طرف تھا۔ حضرت ابی بن کعبؓ کی زندگی تک اگرچہ وہ مرجع انام نہ ہو سکے، لیکن ان کی وفات کے بعد تمام عالم اسلام ان ہی کی طرف رجوع کرتا تھا۔ مدینہ منورہ میں حضرت زیدؓ کی ذات اقدس تمام اکناف و اطراف کی قبلہ حاجات بنی ہوئی تھی۔

حضرت زیدؓ سے جو قرأت قائم ہوئی تھی، ۱۴۰۰ سو برس گزرنے پر بھی باقی ہے۔ ابن عباسؓ، ابو عبد الرحمن سلمی، ابو العالیہ ریاحی، ابو جعفر، یہ سب ان کے شاگرد تھے اور آج تک روئے زمین کی ۴۰ کروڑ مسلم آبادی معنوی طور سے ان کے آستانہ پرزانوئے تلمذی تہ کرتی ہے۔

حدیث : قرآن کے بعد حدیث نبوی کا درجہ ہے۔ حضرت زیدؓ اگرچہ اور بزرگوں کی طرح کثیر الروایہ نہ تھے، تاہم فن حدیث میں ان کا امتیاز یہ ہے کہ درایت سے کام لیتے تھے۔ حضرت رافع بن خدیجؓ نے لوگوں سے بیان کیا تھا کہ رسول اللہ ﷺ نے کھیت کرایہ پر اٹھانے کی ممانعت کی ہے۔ زید ابن ثابتؓ نے سنا تو کہا، خدا رافع کی مغفرت کرے۔ مجھ کو ان سے زیادہ روایت کی حقیقت معلوم ہے۔ واقعہ یہ تھا کہ دو شخص آپس میں جھگڑ رہے تھے، آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اگر یہی حالت ہے تو کھیتوں کو کرایہ پر نہ اٹھانا چاہئے۔ رافع نے صرف اخیر کا ٹکڑا سن لیا۔

حضرت عائشہؓ نے حضرت زبیرؓ کی اولاد سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے ان کے یہاں عصر کے بعد دو رکعت نماز پڑھی تھی۔ ان لوگوں نے انہیں سنت سمجھ کر پڑھنا شروع کر دیا۔

حضرت زیدؓ کو معلوم ہوا تو فرمایا، خدا عاقبتہ کی مغفرت کرے، ہم کو ان سے زیادہ حدیث کا علم ہے۔ عصر کے بعد نماز پڑھنے کا سبب یہ تھا کہ دوپہر کے وقت رسول اللہ ﷺ سے ملنے کچھ اعراب آگئے تھے۔ وہ سوال کرتے تھے، آپ ﷺ جواب دیتے تھے۔ یہاں تک کہ ظہر کا وقت آگیا۔ آنحضرت ﷺ نے ظہر پڑھی اور صرف فرض پڑھ کر مسائل بتانے کو ان کے پاس بیٹھ گئے۔ جب عصر کا وقت آیا تو ان سے فارغ ہوئے اور مکان جا کر یاد آیا کہ ظہر کے فرض کے بعد سنت نہیں پڑھی تھی، اس لئے ان کو عصر کے بعد تمام کیا۔ خدا عاقبتہ کی مغفرت کرے، مجھے ان سے زیادہ معلوم ہے کہ آنحضرت ﷺ نے عصر کے بعد نماز پڑھنے کی ممانعت فرمائی ہے۔

جو احادیث صحیح ہوئیں، اگر ان کی نسبت کوئی سوال کرتا تو تصدیق فرماتے تھے۔ حضرت ابو سعید خدریؓ نے مروان کے سامنے فضیلت صحابہ پر حدیث پڑھی۔ مروان نے کہا تم جھوٹ کہتے ہو۔ حضرت زیدؓ اور رافع بن خدیجؓ مروان کے برابر تخت پر بیٹھے ہوئے تھے۔ ابوسعیدؓ نے کہا تم ان سے پوچھ سکتے ہو۔ مروان کو یہ معلوم ہوا۔ ان کو مارنے کے لئے دُڑہ اٹھایا، دونوں بزرگوں نے ابوسعیدؓ کی تصدیق کی۔

حضرت زیدؓ کی زیادہ روایات آنحضرت ﷺ سے ہیں۔ آپ کے حضرت ابو بکر صدیقؓ، حضرت عمر فاروقؓ اور حضرت عثمان غنیؓ سے بھی روایت کی ہے۔

ان کے رواد حدیث اور تلامذہ کا بڑا گروہ ہے، جن میں مخصوص حضرات کے نام نامی یہ ہیں: حضرت انسؓ، بن مالکؓ، حضرت ابو ہریرہؓ، حضرت ابوسعید خدریؓ، حضرت سہل بن صلیفؓ، حضرت ابن عمرؓ، حضرت سہل بن سعدؓ، حضرت عبد اللہ بن یزیدؓ خطمی۔ (یہ لوگ صحابہ ہیں)۔ سعید بن مسیبؓ، قاسم بن محمد بن ابی بکرؓ، ابان بن عثمانؓ، خارجہ بن زیدؓ (حضرت زیدؓ کے بیٹے اور مدینہ کے فقہائے سبعہ میں تھے)۔ سہل بن ابی حمزہؓ، ابو عمروؓ، مروان بن حکمؓ، عبید بن سباؓ، عطاء بن یسارؓ، بسر بن سعیدؓ، حجر مدریؓ، طاؤسؓ، عروہؓ، سلمان بن زیدؓ، ثابت بن عبیدؓ، أم سعدؓ (زوجہ تھیں)۔

حضرت زیدؓ کی احادیث مرویہ کی تعداد قلیل ہے، یعنی صرف ۹۲۔ جن میں ۵ متفق علیہ ہیں اور یہ روایت میں سخت احتیاط کا سبب ہے۔ ورنہ وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں اکثر حاضر رہتے تھے۔ آپ سے ہزاروں حدیثیں سنی ہوں گی۔ سینکڑوں قسم کے واقعات کا بچشم خود مشاہدہ کیا ہوگا۔ اس قلت روایت کا سبب ایک حدیث نبویؐ تھی جو حضرت زیدؓ جیسے ثقہ راویان حدیث کو روایت کے وقت محتاط کر دیتی تھی۔

فرائض : اگرچہ فقہ میں حضرت زیدؓ کو یہ کمال حاصل تھا اور وہ رسول اللہ ﷺ کے عہد مقدس میں وہ منصب افتاء پر سرفراز تھے۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ کے عہد میں بھی وہ دار الخلافہ کے مفتی رہے، لیکن فقہ کے تمام ابواب فرائض کا باب حضرت زیدؓ کا خاص فن تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے ایک حدیث میں فرمایا ہے : ”افرض امتی زید بن ثابتؓ یعنی میری امت کے سب سے بڑے فرائض دان زید بن ثابتؓ ہیں۔ حامل نبوت ﷺ کی زبان کا یہ فقرہ حضرت زیدؓ کی فرائض دانی کا سب سے بڑا ثبوت ہے۔“

حضرت زیدؓ کے عالم فرائض ہونے کا تمام صحابہؓ کو اعتراف تھا۔ حضرت عمر فاروقؓ نے خطبہ جاہلیہ میں ہزاروں آدمیوں کے سامنے حضرت زیدؓ کا نام اس حیثیت سے پیش کیا تھا کہ

”من کان یزید ان یسال من الفرائض فلیات زید ابن ثابت“

”یعنی جس کو فرائض کے سوالات کرنا ہوں، زید بن ثابت کے پاس جائے۔“

ان کے کمالات کے اعتراف حضرت عمر فاروقؓ کو حضرت زیدؓ کی علمی قابلیت کا اس درجہ پاس تھا کہ مدینہ سے باہر ان کو کہیں نہ جانے دیتے تھے۔ مختلف مقاموں میں بڑے بڑے عہدے خالی ہوتے، امور مہمہ کی انجام دہی کی ضرورت ہوتی اور ان کے لئے لوگوں کے نام پیش کئے جاتے تو حضرت عمر فاروقؓ ان میں سے کسی کا انتخاب فرما دیتے۔ مگر جب زیدؓ کا نام پیش ہوتا تو حضرت عمر فاروقؓ فرماتے کہ زیدؓ میری نظروں سے گرنہیں گئے۔ لیکن کیا کروں؟ شہر والے ان کے محتاج ہیں، کیونکہ جو چیز ان کے پاس ہے کسی کے پاس نہیں!۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کہا کرتے تھے کہ زیدؓ خلافت فاروقی کے عالم اور صہر تھے۔ تمام لوگوں کو حضرت عمرؓ نے شہروں اور ملکوں میں پھیلا دیا تھا اور فتویٰ یا رائے دینے سے منع کر دیا تھا۔ لیکن حضرت زیدؓ مدینہ میں بیٹھ کر اہل مدینہ اور تمام آنے جانے والوں کو فتویٰ دیتے تھے۔^۱

سعید بن مسیبؓ مجتہد ہونے کے باوجود فتویٰ اور فیصلوں میں حضرت زیدؓ کے پیرو تھے۔ جب کوئی مشکل مسئلہ آ جاتا اور لوگ دوسرے صحابہؓ کے اجتہادات بیان کرتے تو سعدان سے پوچھتے کہ زیدؓ نے کیا کہا ہے؟ زید بن ثابتؓ فیصلوں کے سب سے زیادہ جاننے والے تھے اور جن مسائل کے متعلق حدیث وارد نہیں ہے اس کے بتاتے وقت سب سے زیادہ بصیرت رکھنے والے تھے۔ ان کا کوئی قول ہو تو پیش کرو۔^۲

امام مالکؒ جو اپنے زمانہ میں دارالہجرۃ مدینہ کے امام تھے اور آج بھی فقہ و حدیث میں لاکھوں آدمیوں کے لئے امام مطلق ہیں، کہا کرتے تھے کہ حضرت عمر فاروقؓ کے بعد زید بن ثابتؓ مدینہ منورہ کے امام تھے اور امام شافعیؒ نے فرائض کے تمام مسائل میں حضرت زیدؓ کی تقلید کی ہے۔
علم فرائض کی تدوین :

فرائض کا فن نہایت مشکل ہے۔ قرآن مجید میں اگرچہ مجملاً فرائض کے تمام مہمات مسائل بیان کر دیئے گئے ہیں، لیکن تفصیل رسول اللہ ﷺ کے اقوال و افعال و صحابہؓ کے قضایا اور فتاویٰ سے ہوتی ہے۔ قرآن مجید میں میراث و وصیت کے متعلق جو کچھ مذکور ہے وہ نہایت مختصر ہے۔ میراث زوج، میراث زوجہ، اولاد ذکور، اولاد اناث، ماں، باپ، بھائی، بہن، کلالہ اور دیگر چند قسم کے ورثا کا تذکرہ آیا ہے اور ان کے حصول کی مقدار کا تعین کر کے کہہ دیا گیا کہ جو شخص خدا کی ان حدود سے متجاوز ہوگا اپنے نفس پر ظلم کرے گا۔

رسول اللہ ﷺ نے اپنے فیصلوں میں اس اجمال کی تفصیل بتائی ہے۔ آپ ﷺ کے بعد زید ابن ثابتؓ نے اس فن کو اتنی ترقی دی کہ آگے چل کے اس پر کتابیں لکھی گئیں اور فرائض ایک مستقل فن بن گیا۔

حضرت زیدؓ سے فرائض میں جلیل القدر صحابہؓ فتویٰ پوچھتے تھے۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ جن کا فضل و کمال تمام صحابہؓ کو تسلیم تھا، حضرت زیدؓ سے استفسار کرتے تھے۔

حضرت عمر فاروقؓ کے ایک غلام نے وفات پائی تو ابن عمرؓ نے پوچھا کہ متروکہ میں عمر کی لڑکیاں بھی حصہ پائیں گی؟ حضرت زیدؓ نے کہا کہ میرے نزدیک تو نہ دینا چاہئے، لیکن تم چاہو تو دے سکتے ہو۔ ابن عمرؓ نے اس پر یہاں تک عمل کیا کہ حضرت عمر فاروقؓ کے جتنے غلام مرے کسی کے مال میں لڑکیوں کا حصہ نہیں لگایا۔

اہل یمامہ کے قتل میں حضرت ابو بکر صدیقؓ نے زیدؓ کے فتویٰ کے مطابق فیصلہ کیا تھا، یعنی جو لوگ زندہ بچ گئے تھے ان کو مردوں کا وارث ٹھہرایا تھا، یہ نہیں کیا کہ مردوں کو باہم وارث بنادیتے۔ طاعون عمواس میں جب خاندان کے خاندان صاف ہو گئے، اس وقت حضرت عمر فاروقؓ نے بھی حضرت زیدؓ کی اسی رائے پر فیصلہ کیا تھا۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ جو صحابہؓ میں حبر اور بحر کہلاتے تھے، حضرت زیدؓ کے جوابات سے تسکین پاتے تھے۔

ایک روز اپنے شاگرد عکرمہؓ کو بھیجا کہ زید سے پوچھو کہ ایک شخص منہ مر گیا ہے اور زوجہ اور والدین چھوڑے ہیں، ان میں ورثہ کیونکر تقسیم ہوگا۔ حضرت زیدؓ نے کہا، بیوی کو نصف، باقی نصف میں ماں کو ثلث اور باپ کو بقیہ۔ ابن عباسؓ کا خیال اس کے خلاف تھا۔ وہ ماں کو کل مال میں سے ثلث دلاتے تھے۔ چنانچہ کہلا بھیجا، یہ قرآن میں ہے یا آپ کی رائے ہے۔ حضرت زیدؓ نے کہا میری ذاتی رائے ہے یعنی استنباط ہے میں ماں کو باپ پر فضیلت نہیں دے سکتا۔

دور دراز ممالک سے فتویٰ آتے تھے اور حضرت زیدؓ ان کا جواب لکھ کر بھیجتے تھے۔ امیر معاویہؓ نے اپنے زمانہ خلافت میں ایک خط کے ذریعہ سے دادا کے متعلق استفتاء کیا تھا، حضرت زیدؓ نے اس کے جواب میں تحریر فرمایا :

بسم الله الرحمن الرحيم

لعبد الله معاوية امير المؤمنين من زيد بن ثابت اني رأيت من نحو قسم
امير المؤمنين عمر بين الجد والاخوة واحدة قسم لها الثلث فان كانتا
اختين مع الجد قسم لها الشطر وللجد الشطر ، فان كان للجد اخوات
فانه يقسم للجد الثلث ، فان كانوا اكثر من ذلك فاني لم اره حسب
ينقص الجد من الثلث شيئا . ثم ما خلص للاخوة من ميراث اخيهم بعد
الجد فان بنى الاب والام هم اولي بعضهم من بعض بما فرض الله لهم
دون نبي العلة فلذلك حسبت نحو من الذي كان امير المؤمنين عمر
يقسم بين الجد والاخوة من الاب ولم يكن يورث الاخوة من الام الذي
ليس من الاب مع الجد مع الجد شيئا ثم حسبت امير المؤمنين عثمان
بن عفان رضى الله عنه كان يقسم بين الجد والاخوة نحو الذي كتبت به
اليك في هذا الصحيفة .^۱

حضرت زیدؓ نے فرائض کے مسائل حضرت عمرؓ کے زمانہ میں ترتیب دیئے^۲ اور متعدد مسائل کا استنباط کیا۔ قرآن مجید نے وراثت کے متعلق جو کچھ بیان کیا وہ ہم اوپر لکھ چکے ہیں۔ حضرت زیدؓ کی فہم و عقل نے نئے نئے خیالات پیدا کئے، جو علم الفرائض کا جزو بن گئے۔ میراث موالی،

۱۔ ایضاً ص ۱۱۱ ۲۔ کنز العمال جلد ۶ ص ۱۵ ۳۔ اصل عبارت یہ ہے : فلما وضع زيد بن

ثابت الفرائض (کنز العمال)۔ جلد ۶ ص ۱۵

میراث ولد الابن، میراث ولد ملائعہ، میراث الولد من ایہہ وامہ، میراث الجدة من لا میراث لہ، مانعین وراثت اور اس قبیل کے دوسرے مسائل حضرت زیدؓ کی فکر رسا اور دماغ نکتہ سنج کی پیدا کردہ ہیں۔

حضرت زیدؓ نے دادا کی میراث کی نسبت جو فیصلہ کیا تھا صحابہؓ میں اس کے بہت سے مخالف موجود تھے، لیکن صحت اور اتفاق عام کا دامن حضرت زیدؓ ہی کے ہاتھ میں تھا۔

دادا کی میراث، علم فرائض کا نہایت معرکہ آلا راسلہ ہے اور خود حضرت زیدؓ نے اس کی نسبت مختلف خیالات ظاہر کئے ہیں۔ مگر جس رائے پر وہ اخیر وقت تک قائم تھے، حضرت فاروق اعظمؓ اور حضرت عثمان غنیؓ نے بھی اسی کو قابل عمل تصور کیا۔

اسلام میں دادا کا حصہ سب سے پہلے حضرت عمر فاروقؓ نے لیا۔ ان کا ایک پوتا فوت ہوا تو کل جائداد کا اپنے کو مستحق سمجھتے تھے۔ لوگوں نے اس کے خلاف رائے دی۔ حضرت عمرؓ حضرت زیدؓ کے گھر پہنچے اس وقت وہ کنگھی کر رہے تھے اور کنیر بال درست کرتی جاتی تھی۔ پوچھا آپ نے کیوں تکلیف کی، مجھ کو بلا لیا ہوتا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا یہ تو جی نہ تھی کہ جس میں گھٹنے بڑھنے کا احتمال ہوتا، ایک مسئلہ کے متعلق مشورہ کرنے آیا ہوں۔ اگر تمہاری رائے میرے موافق ہوگی تو عمل کروں گا ورنہ تم پر کوئی الزام نہیں۔ حضرت زیدؓ نے ایسی صورت میں رائے دینے سے انکار کیا۔ حضرت عمرؓ آزرده چلے گئے۔

ایک روز پھر گئے۔ حضرت زیدؓ نے کہا کہ میں اس کو لکھ کر پیش کروں گا۔ چنانچہ اس کو شجرہ کی شکل میں مرتب کر کے دیا۔ حضرت عمر فاروقؓ نے مجمع عام میں خطبہ دیا اور کہا کہ زید بن ثابتؓ نے یہ لکھ کر میرے پاس بھیجا ہے، میں اس کو نافذ کرتا ہوں۔

اگرچہ حضرت زیدؓ نے علم فرائض کی تدوین کی۔ اس کے مختلف جزئیات کا استخراج کیا، متعدد نئے مسائل پیدا کئے، لیکن ان کے لئے ان میں سب سے اہم اور اشرف مسئلہ عول کی ایجاد ہے۔

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ عول کے موجد حضرت عباسؓ ہیں، جو روایت اور درایت دونوں کے خلاف ہے۔ اول تو اس واقعہ کی کوئی سند نہیں، اور ہم نے جو واقعہ بیان کیا ہے، وہ سند صحیح سے مروی ہے۔ یعنی عبدالرحمن ابی زناد نے خارجہ سے روایت کیا ہے، جو خود حضرت زیدؓ سے روایت کرتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ حضرت عباسؓ کو فرائض اور حساب میں دخل نہ تھا۔ اس لئے اس قسم کی ایجاد ان کی طرف منسوب کرنا بدھتہ عقل کے خلاف ہے۔

حضرت زیدؓ نے علم فرائض کی جو کچھ خدمت کی وہ مذکورہ بالا واقعات سے واضح ہو گئی اور حامل نبوت کا یہ ارشاد کہ ”میری امت کے سب سے بڑے فرائض داں زید ہیں“ حرف بحرف پورا اُترتا ہے۔ حضرت زیدؓ کی اس غیر معمولی ذہانت و ذکاوت، جودت و فکر اور دماغ و دل پر اس دور کے علماء کو تعجب ہوتا تھا۔

فقہ : فرائض کی طرح وہ فقہ میں بھی مجتہدین صحابہؓ میں تھے اور خود رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں فتویٰ دیتے تھے۔ حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ اور امیر معاویہؓ کی خلافتوں میں بھی وہ مدینہ منورہ کے مفتی اعظم تھے۔ فقہائے صحابہؓ کے تین طبقے ہیں۔ حضرت زیدؓ کا پہلے طبقہ میں شمار تھا۔ انہوں نے اپنی زندگی میں جس قدر فتویٰ دیئے ان کی تعداد نہایت کثیر ہے۔ اگر سب کو ایک جگہ جمع کر دیا جائے تو کئی ضخیم جلدیں تیار ہو سکتی ہیں۔

حضرت زیدؓ کی فقہ انہی کے زمانہ میں قبول عام کی سند حاصل کر چکی تھی۔ حضرت سعید ابن مسیبؓ کہا کرتے تھے کہ زید بن ثابتؓ کا کوئی قول ایسا نہیں، جس پر لوگوں نے بالا جماع عمل نہ کیا ہو، صحابہؓ میں سینکڑوں ایسے تھے جن کے قول پر کسی نے عمل نہیں کیا۔ لیکن حضرت زیدؓ کے فتوؤں پر ان کی زندگی ہی میں مشرق و مغرب عمل پیرا تھے۔

لوگوں کا خیال ہے کہ علم فقہ کی شہرت و وسعت کا باعث صحابہ کرامؓ میں چار بزرگوں کی ذات تھی۔ زید بن ثابتؓ، عبداللہ بن مسعودؓ، عبداللہ بن عمرؓ، عبداللہ ابن عباسؓ۔ چنانچہ انہی کے تلامذہ سے آفاق عالم میں دین کی اشاعت ہوئی۔ لیکن مدینہ منورہ جو اسلام کا سرچشمہ اصلی اور نبوت کا دارالقرار تھا۔ حضرت زیدؓ کے اصحاب کی بدولت علوم فنون کا مرکز بنا تھا۔

فقہائے صحابہؓ کی دو مجلسیں تھیں۔ ایک کے رئیس حضرت عمر فاروقؓ تھے اور دوسری کے حضرت علیؓ۔ حضرت زیدؓ حضرت عمرؓ کی مجلس میں شریک تھے۔ یہاں مسائل علمیہ پر بحث ہوتی تھی اور اہم اور مشکل مسائل طے کئے جاتے تھے۔

یوں تو حضرت زیدؓ کا فیض ہر وقت جاری رہتا تھا۔ تاہم اس کے لئے ایک وقت بھی مخصوص تھا۔ مسجد نبویؐ میں جو زیارت گاہ عام تھی اور حضرت زیدؓ کے مکان سے ملحق تھی فتویٰ دینے کے لئے بیٹھتے تھے۔^۵

۱۔ طبقات ابن سعد ص ۱۱۰ ۲۔ اعلام الموقعین جلد ۲۔ قسم ۲، ابن قیم جوزی ص ۳

حضرت زیدؓ کے مسائل، فقہ کے اکثر ابواب پر حاوی تھے۔ ان کی تفصیل کے لئے ایک الگ مستقل تصنیف کی ضرورت ہے۔ یہاں نمونہ کے طور پر ہم چند مسائل پر اکتفا کرتے ہیں :

کتاب الصلوٰۃ :

فرض نماز کے علاوہ باقی نمازیں گھر میں پڑھنا افضل ہے۔

ایک شخص نے پوچھا کہ ظہر و عصر میں قرأت ہے؟ فرمایا، ہاں۔ رسول اللہ ﷺ دیر تک قیام فرماتے تھے اور آپ کے لب ہلتے رہتے تھے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ امام کے پیچھے مقتدی کو قرأت کرنا چاہئے۔ سوال کا تعلق امام سے ہے، جماعت سے نہیں۔

مسائل کا منشاء یہ تھا کہ ظہر و عصر میں کچھ پڑھا جاتا ہے؟ حضرت زیدؓ نے اسی کا جواب دیا ہے، ورنہ ظاہر ہے کہ جماعت میں امام کا پڑھنا، تمام مقتدیوں کی طرف سے کافی ہوتا ہے۔ صحیح بخاری میں حباب بن ارتؓ، زید بن ثابتؓ، ابو قتادہؓ، سعد بن ابی وقاصؓ سے جو روایتیں مذکور ہیں کسی سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ صحابہؓ آنحضرت ﷺ کے پیچھے قرأت کرتے تھے۔

کتاب الذبائح :

ایک بھیڑیے نے ایک بکری پر دانت مارا۔ لوگوں نے اس کو فوراً ذبح کر دیا۔ آنحضرت ﷺ نے اس کے کھانے کی اجازت دیدی۔ (ذبیحہ کے حلال ہونے کے لئے شرط یہ ہے کہ اس کا گلا کاٹ دیا جائے۔ قرآن مجید میں ہے ”الاما ذکیتم“ چنانچہ جب یہ شرط (ذبح) پائی گئی، آنحضرت ﷺ نے اس کا کھانا حلال کر دیا۔)

کتاب الہبہ :

ایک شخص نے اپنا مکان اپنی زندگی تک کسی کو رہنے کے لئے دیا، تو اس کی وفات پر اس کی اولاد مالک سمجھی جائے گی۔ حضرت زیدؓ کی روایت میں اسی کا بیان ہے کہ ”العمری للوارث“۔ عمری کی اجازت کے ساتھ قہری کی ممانعت وارد ہوئی ہے۔ قہری کی یہ صورت ہے کہ ایک شخص اپنی کوئی چیز دوسرے آدمی کو اس شرط پر دے کہ اگر میں پہلے فوت ہوں تو تم مالک ہو اور تم پہلے فوت ہو تو میری ملکیت پھر عود کر آئے گی۔ چونکہ ہبہ کے لئے تمسلیک ضروری ہے اور یہاں وہ شرط فاسد کے ساتھ وابستہ ہے۔ اس بناء پر یہ ہبہ ناجائز قرار دیا گیا ہے۔

کتاب المزارعہ :

نصف، ثلث اور ربع منافع پر کسی سے زراعت کرنا منع ہے۔^۱

جب تک باغ میں پھل اچھی طرح نہ آئے ہوں یا درخت پر رطب چھو ہارے ہوں، ان کو انکل سے بیچنے کی ممانعت ہے۔^۲ (مدینہ میں اسلام سے قبل پھل تیار ہونے سے پہلے فروخت کر دیا جاتا تھا اور نقصان ہونے کی صورت میں فریقین میں جھگڑے تک کی نوبت آ جاتی تھی۔ جب آنحضرت ﷺ مدینہ تشریف لائے اور یہ حالت ملاحظہ فرمائی تو اس کو منع کر دیا۔ البتہ عربہ والوں کو جو مسکین تھے اور صرف صدقات کے چھوہاروں پر ان کی گذراوقات تھی، ٹاپ کر فروخت کرنے کی اجازت دیدی تھی)۔

ان مسائل کے بعد علوم شرعیہ کا حصہ ہم ختم کرتے ہیں۔ حضرت زیدؓ نے دنیا کے دوسرے علوم میں جو ترقی کی تھی، اس کا بیان کرنا بھی ضروری ہے۔

فارسی، رومی، عبرانی، سریانی، قبطنی، حبشی زبانیں :

حضرت زیدؓ نے رسول اللہ ﷺ کے ارشاد کے مطابق عبرانی اور سریانی زبانیں سیکھیں تھیں۔ ذہانت کا یہ حال تھا کہ پندرہ روز کی کوشش میں بلا تکلف خط لکھنے لگے تھے۔ بعد میں اس کو اور ترقی دی، یہاں تک کہ توراۃ وانجیل کی زبانوں کے عالم بن گئے۔ یہ عام روایت ہے۔ لیکن مسعودی نے یہاں تک لکھا ہے کہ ان کو فارسی، رومی، قبطنی اور حبشی زبانیں بھی آتی تھیں، جن کو انہوں نے مدینہ میں ان زبانوں کے جاننے والوں سے سیکھا تھا۔^۳

حساب : عرب میں حساب کا مطلق رواج نہ تھا۔ اس لئے اسلام کے ابتدائی زمانہ میں خراج کا حساب رومی یا ایرانی کرتے تھے۔ عربوں کو ہزار سے اوپر گنتی بھی معلوم نہ تھی۔ عربی میں ہزار سے اوپر کے عدد کے لئے کوئی لفظ نہیں ہے۔

لیکن حضرت زیدؓ کو حساب میں اس قدر دخل تھا کہ فرائض کے پیچیدہ سے پیچیدہ مسائل اس کے ذریعہ حل کر لیتے تھے۔ اس کے ماسوا مال کی تقسیم کر سکتے تھے۔ چنانچہ غزوہ حنین میں جو ۸۰۰۰ میں ہوا تھا اور جس میں تقریباً ۱۲ ہزار آدمی شریک تھے، انہی کی مردم شماری اور لگائے ہوئے حصوں کے بموجب آنحضرت ﷺ نے مال تقسیم فرمایا تھا۔ انہوں نے پہلے لوگوں کی تعداد معلوم کی، پھر مال غنیمت کو اس عدد پر پھیلا دیا۔ چند سرداروں کو مستثنیٰ کر کے بڑی رقمیں دی گئی تھیں۔ فی کس ۴۰، اونٹ اور

چالیس بکری حصہ میں پڑیں۔ سواروں کو اس کا تنکا، یعنی ۱۲، اُونٹ اور ۱۲۰ بکریاں عطا کی گئیں۔ جنگ یرموک کا مال غنیمت بھی جب مدینہ آیا حضرت زیدؓ ہی نے تقسیم کیا تھا۔

خط و کتابت : عرب میں اسلام سے قبل تحریر کا رواج کم تھا۔ قدیم روایتیں قوتِ حافظہ کی بناء پر مشہور ہوئی تھیں۔ حضرت زیدؓ لکھنا جانتے تھے اور اپنے زمانہ کے مشہور خطاط تھے۔ فرامین۔ عہد نامے اور خطوط کے سوا نقشے عمدہ بناتے تھے۔

حضرت عمر فاروقؓ کے عہد میں عرب کا مشہور قحط عام الرماہ رونما ہوا تو اس کے انتظام کے لئے عمرو بن العاصؓ گورنر مصر کو فرمان لکھا کہ وہ مصر سے غلہ روانہ کریں۔ عمروؓ نے ۲۵ جہاز غلہ سے بھرے ہوئے دار الخلافہ روانہ کئے۔ حضرت عمرؓ کو جہازوں کی آمد کا سخت انتظار تھا۔ خود چند صحابہؓ کو لے کر جن میں حضرت زیدؓ بھی تھے ”جار“ نامی ایک بندر گاہ پر جو مدینہ سے قریب واقع تھی، تشریف لے گئے۔

غلہ آیا تو جار میں دو گودام بنوا کر اس میں غلہ بھر دیا اور زید بن ثابتؓ کو ہدایت کی کہ ایک نقشہ قحط زدوں کا تیار کریں، جس میں ان کا نام اور غلہ کی مقدار لکھی ہو۔ اس حکم پر حضرت زیدؓ نے رجسٹر بنا کر ہر شخص کو کاغذ کی چکیں تقسیم کیں، جن کے نیچے حضرت عمرؓ کی مہر ثبت تھی۔ اسلام میں چک اور اس میں مہر لگانے کا یہ پہلا واقعہ تھا، جو حضرت زیدؓ کی بدولت وقوع پذیر ہوا۔

اخلاق و عادات : اسلام کی غرض اصلی مکارم اخلاق کی تقسیم و تکمیل ہے۔ حضرت زیدؓ کا اخلاق جن محاسن و فضائل کو مجموعہ تھا۔ اس کے نمایاں اجزاء حبِ رسول، اتباعِ رسول، امر بالمعروف، نصیح امر اور حمیت ملی تھے۔

رسول اللہ ﷺ کی محبت کی بنا پر حضرت زیدؓ دربار نبوت میں اکثر حاضر رہتے تھے۔ صبح کو بستر سے اٹھ کر سیدھے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں آجاتے۔ بعض وقت اتنا سویرا ہوتا کہ سحری آنحضرت ﷺ کے ساتھ کھاتے۔ آپ ﷺ ان کو اپنے حجرہ شریف میں بلا لیتے تھے۔

ایک روز آنحضرت ﷺ کے پاس گئے، تو آپ سحری میں چھوہارے نوش فرما رہے تھے۔ ان سے شرکت کے لئے ارشاد ہوا، انہوں نے کہا میں روزہ کا ارادہ کر چکا ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا میرا بھی یہی ارادہ ہے۔ غرض حضرت زیدؓ نے آنحضرت ﷺ کے ساتھ سحری کھائی۔ تھوڑی دیر بعد جب نماز کا وقت آیا تو وہ آنحضرت ﷺ کے ساتھ مسجد گئے اور آپ ﷺ کے ساتھ نماز پڑھی۔

حضرت زیدؓ اکثر رسول اللہ ﷺ کے پہلو میں بیٹھ جاتے تھے۔ آپ غایت بے تکلفی کی بناء پر ان کی ران پر اپنا زانوئے مبارک رکھ دیتے۔ ایک روز اسی حالت میں وحی نازل ہوئی۔ حضرت زیدؓ کا بیان ہے کہ زانوئے مقدس اتنا گراں ہو گیا کہ میرے لئے اس کا تحمل دشوار ہو گیا۔ معلوم ہوتا تھا کہ میری ران چور چور ہو جائے گی، لیکن ادب کا یہ حال تھا کہ زبان سے اُف تک نہ کی اور خاموش بیٹھ رہے۔^۱

ارشاد نبوی کی تعمیل کا یہ حال تھا کہ ایک بار وہ امیر معاویہؓ کے پاس شام گئے اور ایک حدیث روایت کرنے کی نوبت آئی۔ امیر معاویہؓ نے ایک شخص سے کہا کہ اس کو لکھ لو۔ حضرت زیدؓ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے حدیث قلم بند کرنے کی ممانعت فرمائی ہے، یہ کہہ کر اس کو مٹا دیا۔^۲

امرا کے مقابلہ میں بھی سنت نبوی کی تبلیغ سے غافل نہ رہتے تھے۔ مروان بن حکم اموی مدینہ کا امیر تھا۔ وہ مغرب کی نماز میں چھوٹی چھوٹی سورتیں پڑھتا تھا۔ حضرت زیدؓ نے فرمایا، ایسا کیوں کرتے ہو۔ آنحضرت ﷺ تو طویل سورتیں پڑھا کرتے تھے۔^۳

صحابہؓ اور تابعین سے بھی اگر ناواقفیت کی بنا پر خلاف سنت کوئی فعل سرزد ہو جاتا تو زیدؓ کو تنبیہ فرماتے تھے۔ ایک مرتبہ شرجیل بن سعدؓ نے بازار میں ایک چڑیا پکڑی تھی۔ حضرت زیدؓ نے دیکھ لیا، پاس جا کر ایک تھپڑ مارا اور چڑیا چھین کر اڑادی اور کہا کہ ”اوپلے“ کے دشمن تجھ کو معلوم نہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مدینہ کو حرم قرار دیا ہے۔^۴

انہی شرجیل کو ایک مرتبہ باغ میں جال لگاتے دیکھا، تو زور سے چلائے کہ یہاں شکار کھیلنے کی ممانعت ہے۔^۵

شام سے ایک شخص زیتون کا تیل فروخت کرنے مدینہ لایا۔ بہت سے تاجروں نے معاملہ کیا۔ عبداللہ بن عمرؓ نے بھی بات چیت کی اور اس سے خرید لیا۔ مال ابھی وہیں رکھا تھا کہ دوسرا خریدار پیدا ہو گیا۔ اس نے ابن عمرؓ سے کہا کہ اتنا نفع دیتا ہوں، مجھ سے سودا کر لیجئے۔ بات کے پختہ کرنے کے لئے ابن عمرؓ نے اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ مارنا چاہتے تھے کہ پیچھے سے کسی نے ہاتھ پکڑ لیا۔ دیکھا تو زید بن ثابتؓ تھے۔ ابن عمرؓ سے کہا، ابھی نہ بیچو۔ پہلے مال یہاں سے اٹھالو۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے اس کی ممانعت فرمائی ہے۔^۶

۱۔ مسند۔ ص ۱۹۰ ۲۔ ایضاً۔ ۱۸۴ ۳۔ ایضاً۔ ۱۵۲ ۴۔ بخاری جلد ۱۔ ص ۱۰۵ باب القراءت فی المغرب
۵۔ مسند جلد ۵۔ ص ۱۸۱-۱۹۲ ۶۔ ایضاً۔ ۱۹۰ ۷۔ ایضاً۔ ص ۱۹۱

ایک مرتبہ دوپہر کے وقت جناب زیدؓ مروان کے محل سے نکلے، شاگردوں نے دیکھ لیا۔ خیال ہوا کہ اس وقت کسی وجہ سے گئے ہوں گے۔ بڑھ کر پوچھا، حضرت زیدؓ نے کہا کہ اس وقت اس نے چند حدیثیں پوچھی تھیں۔ میں نے اس سے کہا کہ تین خصلتوں سے مسلمان کے قلب کو کبھی انکار نہ ہوگا۔ ۱۔ خدا کے لئے عمل کرنا۔ ۲۔ ولایۃ الامر کو نصیحت کرنا۔ ۳۔ جماعت کے ساتھ رہنا۔

حضرت زیدؓ اگرچہ غیر مسلم اقوام سے نفرت نہ کرتے تھے، تاہم ان میں حمیت ملی اور قومی پورے جوش کے ساتھ موجود تھی۔

ایک مرتبہ حضرت عبادہؓ بن صامت انصاری کہ بڑے رتبے کے صحابی تھے۔ بیت المقدس گئے اور عمارت مقدس کے اندر جانا چاہا۔ ایک غلطی سے کہا، میرا گھوڑا پکڑ لو، اس نے انکار کیا۔ حضرت عبادہؓ نے اس کو ڈانٹا اور خوب مارا۔ حضرت عمر فاروقؓ کو اطلاع ہوئی تو انہوں نے کہا کہ تم نے یہ کیا کیا؟ عبادہؓ نے جواب دیا کہ میں نے اس سے گھوڑا پکڑنے کے لئے کہا تھا، اس نے انکار کیا۔ میرا مزاج تیز ہے، اس کو مار بیٹھا۔ حضرت عمر فاروقؓ نے کہا تم سے قصاص لیا جائے گا۔ زید بن ثابتؓ موجود تھے۔ ان سے ایک صحابی کی ذلت نہ دیکھی گئی۔ حضرت عمرؓ سے کہا کہ آپ ایک غلام کے بدلے اپنے بھائی کو ماریں گے۔ ان کے کہنے پر حضرت عمرؓ نے جرمانہ پراکتفا کیا اور حضرت عبادہؓ کو دیت دینا پڑی۔

اسی طرح جب حضرت عمر فاروقؓ شام میں تھے تو خبر ملی کہ ایک مسلمان نے ایک ذمی کو قتل کر دیا۔ حضرت عمرؓ نے حکم دیا کہ مسلمان کو قتل کر دیا جائے۔ حضرت زیدؓ نے بڑی مشکل سے سمجھا کر قتل کی بجائے دیت پر راضی کیا۔

حضرت زیدؓ کی یہ عصیت کچھ ذمیوں ہی کے ساتھ مخصوص نہ تھی، بلکہ مسلمانوں کے ساتھ بھی بعض صورتوں میں ظاہر ہوتی تھی۔ حضرت عثمان غنیؓ نے اُن کے غلام کا وظیفہ ۲ ہزار مقرر کیا تھا انہوں نے کہا غلام اور آزاد میں کیا فرق رہ جاتا ہے؟ اور حضرت عثمانؓ کو ایک ہزار پر راضی کیا۔

طبعاً خاموش و سکوت کو پسند کرتے تھے۔ مجلس میں بیٹھتے تو مجسمہ تسکین و وقار معلوم ہوتے تھے۔

خلفاء سے دوستانہ تعلقات رکھتے تھے۔ حضرت عمر فاروقؓ کے اصحاب صحبت میں تھے۔ حضرت عثمان غنیؓ سے اتنے وسیع تعلقات تھے کہ عثمانی کہلاتے تھے۔ حضرت عثمانؓ ان کو نہایت

محبوب رکھتے تھے۔ حضرت علیؓ کو بھی محبوب رکھتے تھے، اور ان کی فضیلت کے قائل تھے۔ امیر معاویہؓ سے بھی مراسم تھے۔ شام جانا ہوا تو ان کے مکان پر تشریف لے گئے۔ اور جب مروان بن حکم مدینہ کا امیر ہو کر آیا تو اس سے بھی ربط ضبط رہا۔

مروان اپنی سیاست میں شہرہ آفاق ہے۔ حضرت زیدؓ سے اس کے دوستانہ تعلقات تھے۔ لیکن وہ موقع پر سیاست سے باز نہ آیا تھا۔ زید بن ثابتؓ کو بلا کر ایک دن کچھ پولیٹیکل سوالات کئے۔ حضرت زیدؓ جواب دے رہے تھے کہ یکا یک نظر پڑی کہ پردے کے پیچھے کچھ لوگ لکھ رہے ہیں۔ حضرت زیدؓ نے فوراً کہا کہ میرا عذر قبول کیجئے۔ میں نے جو کچھ کہا تھا، وہ میری ذاتی رائے تھی۔

حضرت زیدؓ اگرچہ نہایت منکسر المزاج تھے، لیکن چونکہ بڑے جلیل القدر عالم تھے۔ اس لئے کبھی کبھی زبان سے حرف ادا بھی نکل جاتا تھا۔ ایک مرتبہ حضرت رافع بن خدیجؓ نے ایک حدیث میں غلطی کی، تو حضرت زیدؓ نے کہا کہ خدا ان کی مغفرت کرے۔ مجھ کو ان سے زیادہ حدیث معلوم ہے۔ اسی طرح حضرت عائشہؓ کے ساتھ بھی اسی قسم کا واقعہ پیش آیا۔ ان کے علم و وقار کی بناء پر صحابہؓ اور علماء سے لے کر امراء و حکام تک ان کی عزت و تعظیم کرتے تھے۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ زید بن ثابتؓ کی اس قدر تکریم کرتے تھے کہ ایک مرتبہ وہ گھوڑے پر سوار ہونے کو چلے تو ابن عباسؓ نے رکاب تھام لی۔ حضرت زیدؓ نے کہا، آپ رسول اللہ ﷺ کے چچیرے بھائی ہیں، ایسا نہ کیجئے! ابن عباسؓ نے کہا کیا خوب؟ علماء اور اکابر کے ساتھ ایسا ہی کرنا چاہئے۔

مروان بن حکم اموی جو حضرت ابوسعید خدریؓ جیسے جلیل القدر صحابی کو کوڑے سے مارنے اٹھاتا تھا۔ حضرت زیدؓ کی اتنی عظمت کرتا تھا کہ ان کو اپنے برابر تخت پر جگہ دیتا تھا۔



حضرت زیاد بن لبیدؓ

نام و نسب :

زیاد نام ہے۔ ابو عبد اللہ کنیت قبیلہ خزرج کے خاندان بیاضہ سے ہیں۔ سلسلہ نسب یہ ہے :
 زیاد بن لبید بن ثعلبہ بن سنان بن عامر بن عدی بن امیہ بن بیاضہ بن عامر بن زریق بن عبد حارثہ بن
 مالک بن غضب بن حشم بن خزرج۔

اسلام : بیعت عقبہ میں شریک تھے۔ جب مدینہ میں مہاجرین کی آمد شروع ہوئی تو انصار کی ایک
 جماعت کہ چار آدمیوں سے مرکب تھی۔ مکہ پہنچی، جس میں ایک حضرت زیادؓ تھے۔ وہاں سے بہت سے
 صحابہؓ کے ساتھ مدینہ واپس آئے۔ اس بناء پر یہ لوگ انصاری بھی تھے اور مہاجر بھی۔
 غزوات : بدر، احد، خندق اور تمام غزوات میں شریک تھے۔

۹ھ میں آنحضرت ﷺ نے یمن کا حاکم بنایا۔ یہ ملک ۵ حصوں پر تقسیم تھا۔

حضرت زیادؓ حضرموت کے عامل تھے۔ صدقات کا محکمہ بھی ان کے زیر ریاست تھا۔

آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد جب اہل یمن مرتد ہو گئے اور زکوٰۃ بند کر دی تو حضرت
 ابو بکر صدیقؓ نے زیادؓ کو اس بارے میں لکھا۔ انہوں نے شاہان کندہ پر شیخون مار کر فتح حاصل
 کی۔ اشعث بن قیس کا محاصرہ کر کے شکست دی، اور اس کو دار الخلافت روانہ کیا۔ حافظ ابن حجر
 عسقلانیؒ لکھتے ہیں :

”وكان له بلاء حسن في قتال اهل الردة“ ۱

”یعنی انہوں نے مرتدین کی جنگ میں بڑی جانبازی دکھائی۔“

خلافت صدیقیؓ اور فاروقیؓ میں بھی اسی خدمت پر ممتاز رہے۔ ۲۔ اس فرض سے سبکدوشی
 کے بعد کوفہ کی سکونت اختیار کی۔ بعض کا خیال ہے کہ شام میں قیام کیا تھا۔

وفات : ۳۱ھ میں انتقال ہوا۔ یہ امیر معاویہؓ کی حکومت کا پہلا سال تھا۔ زیادؓ فقہائے صحابہؓ
 میں تھے صحیح ترمذی میں ہے کہ ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اب علم کے اٹھنے کا وقت آپہنچا۔

۱ طبقات ابن سعد جلد ۱۔ قسم ۱۔ ص ۱۵۲ ۲ استیعاب جلد ۱۔ ص ۲۳۶ حالات معاذ بن جبل ۳ یعقوبی جلد ۲۔ ص ۸۱
 ۴ تہذیب المعجز جلد ۳۔ ص ۳۸۳ ۵ طبری جلد ۳۔ ص ۱۲۳۶ ۶ یعقوبی جلد ۲۔ ص ۱۸۶
 ۷ تہذیب المعجز جلد ۳۔ ص ۳۸۳

حضرت زیادؓ نے عرض کی، یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ اب تو علم لوگوں کے رگ و پے میں سرایت کر چکا ہے۔
ارشاد ہوا :

”ثكلتك امك يا زياد ! ان كنت لا راك من افقه رجل بالمدينة

اوليس اليهود والنصارى يقرؤن التوراة والانجيل ولا ينتفعون بشئ“

”یعنی اے زیاد تیری ماں تجھ کو روئے ! میں تجھ کو نہایت سمجھ دار شخص خیال کرتا تھا، کیا

دیکھتے نہیں کہ یہود و نصاریٰ تورات و انجیل پڑھتے ہیں، لیکن ان سے نفع نہیں اٹھاتے۔“

حضرت عبادہؓ نے اس حدیث کو سنا تو فرمایا، سچ ہے۔ سب سے پہلے خشوع اُٹھ رہا ہے۔

آنحضرت ﷺ سے چند حدیثیں روایت کیں۔ حلقہ روایت میں عوف بن مالک، جبیر بن

نقییر، سالم بن ابی الجعد ان کی مسند فضل و کمال کے حاشیہ نشین ہیں۔



حضرت زید بن دثنہؓ

نام و نسب :

نام نامی حضرت زیدؓ ہے۔ قبیلہ خزرج کے خاندان بیاضہ سے ہیں۔ سلسلہ نسب یہ ہے :
زید بن دثنہ بن معاویہ بن عبید بن عامر بن بیاضہ بن عامر بن زریق، بن عبد حارثہ بن مالک ابن
غضب بن جشم بن خزرج۔

بدر اور احد میں شریک تھے۔ غزوہ احد کے بعد قبیلہ عنصل اور قارہ کے کچھ لوگوں نے
آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر درخواست کی کہ چند صحابہ جو قرآن اور فقہ کی تعلیم دے سکیں،
ہمارے یہاں بھیجے۔ ان اطراف میں اسلام پھیل رہا ہے۔ ان کی درخواست پر آنحضرت ﷺ نے
خبیبؓ اور زیدؓ بعض اور لوگوں کو روانہ فرمایا۔ راستہ میں بیر معونہ پر معرکہ پیش آیا۔ حضرت خبیبؓ اور زیدؓ
مشرکین کے ہاتھوں اسیر ہو گئے۔ وہ لوگ ان بزرگوں کو ہاتھ باندھ کر مکہ لائے اور صفوان بن امیہ کے
ہاتھ فروخت کیا۔ صفوان نہایت خوش تھا کہ اپنے باپ کے عوض ان کو قتل کروں گا۔

شہادت : رائے مشورہ کے بعد متعمم قتل قرار پایا۔ صفوان نے اپنے غلام کا جس کا نام نسطاس تھا،
حکم دیا کہ ان کو متعمم لے چلو۔ قتل گاہ پہنچے تو عجیب آزمائش کا وقت تھا۔ ابوسفیان نے پوچھا، زید تمہیں خدا
کی قسم سچ سچ بتانا، اگر تمہارے بجائے محمد (ﷺ) ہوں اور ہم ان کی گردن ماریں اور تم اپنے گھر محفوظ رہو تو
تم اس بات کو پسند کرتے ہو۔

حضرت زیدؓ نے فرمایا ”واللہ مجھے یہ بھی منظور نہیں کہ محمد (ﷺ) کے کانٹا مجھے اور میں اپنے گھر
میں بیٹھا رہوں۔ ابوسفیان اس فقرہ کو سن کر دنگ رہ گیا اور اسی عالم میں زبان سے نکلا کہ محمد کے اصحاب
ان سے جس قدر محبت کرتے ہیں دنیا میں کسی کے دوست ایسے گرویدہ نہیں۔ اس کے بعد ان کو قتل کر دیا
گیا۔ یہ ۳ھ کا افسوسناک واقعہ ہے۔



رضی اللہ عنہم و رضوانہ (القرآن)
اللہ اُن سے راضی ہوا اور وہ اللہ سے راضی ہوئے

انبیاء کرام کے بعد دنیا کے مقدس ترین انسانوں کی سرگزشت حیات

سیر الصحابة

سیر النصار

حصہ پنجم

جس میں بہ ترتیب حروف حبی مستند حوالوں سے ۶۳ انصار کرام و حلفائے انصار کے سوانح و حالات اور اُن کے سوانح و حالات اور اُن کے فضائل و کمالات کی تفصیل مذکور ہے

تحریر و ترتیب

جناب مولانا سعید انصاری صاحب مرحوم

سابق ریش دار المصلین اعظم مدظلہ

اردو بازار ایم ایس جیل روڈ

کراچی پاکستان 2213768

دارالاشاعت

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

”س“

حضرت سعد بن ربيع

نام و نسب :

سعد نام، قبیلہ خزرج سے ہیں، سلسلہ نسب یہ ہے۔ سعد بن ربيع بن عمرو بن ابی زہیر بن مالک بن امراء القیس بن مالک اغرب بن ثعلبہ بن کعب بن خزرج بن حارث بن خزرج اکبر۔ اسلام : عقبہ اولیٰ میں مسلمان ہوئے اور عقبہ ثانیہ میں شرکت کی، دوسری بیعت میں اپنے قبیلہ کے نقیب بنائے گئے، حضرت عبداللہ بن رواحہ بھی اس قبیلہ کے نقیب تھے۔

غزوات اور دیگر حالات :

حضرت عبدالرحمن بن عوف سے کہ عشرہ مبشرہ میں تھے، برادری قائم ہوئی، حضرت سعد نے اپنے مہاجر بھائی کے ساتھ جو غیر معمولی جوش و خروش اور خلوص ظاہر کیا اس کی نظیر تاریخ عالم کے کسی باب میں نہیں مل سکتی۔ تمام انصار نے مال و متاع و جائداد اور زمین آدھی آدھی مہاجرین کو دے دی تھی۔ لیکن حضرت سعد نے ان چیزوں کے علاوہ اپنی ایک بیوی بھی پیش کی، حضرت عبدالرحمن اگرچہ اس وقت مفلوک الحال تھے تاہم دل کے غمی تھے بولے ”خدا تمہارے بال بچوں اور مال و دولت میں برکت دے، مجھے اس کی ضرورت نہیں، تم مجھ کو بازار دکھلا دو۔“

وفات : غزوہ بدر کی شرکت سے تذکرے خاموش ہیں۔ غزوہ اُحد میں شریک تھے اور اسی میں نہایت جانبازی سے لڑ کر شہادت حاصل کی۔ جسم پر نیزہ کے بارہ زخم تھے۔ موطا میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کوئی سعد بن ربيع کی خبر لاتا۔ ایک شخص نے کہا میں جاتا ہوں۔

زرقانی میں ہے کہ انہوں نے جا کر لاشوں کا گشت لگایا اور ان کا نام لے کر آواز دی، شہر خاموشاں میں ہر طرف سناٹا تھا کوئی جواب نہ آیا۔ لیکن جب یہ آواز دی کہ مجھ کو رسول اللہ ﷺ نے تمہارے پاس بھیجا ہے تو ایک ضعیف آواز کان میں پہنچی کہ میں ر دوں میں ہوں۔ یہ حضرت سعد کا اخیر وقت تھا۔ توڑ رہے تھے مذاہن قابو میں نہ تھی۔

تاہم ان سے کہا کہ رسول اللہ ﷺ سے میرا سلام کہنا اور انصار سے کہنا کہ اگر خدا نخواستہ رسول اللہ ﷺ قتل ہوئے اور تم میں سے ایک بھی زندہ بچ گیا تو خدا کو منہ دکھانے کے قابل نہ رہو گے!۔ کیونکہ تم نے لیلۃ المعقبہ میں رسول اللہ ﷺ پر فدا ہونے کی بیعت کی تھی۔ یہ شخص جس کا نام بعض روایتوں میں ابی بن کعب آیا ہے۔ وہیں کھڑے رہے اور حضرت سعدؓ کی روح مبارک جسید غصری سے پرواز کر گئی۔

بنا کر دند خوش رہے بخون و خاک غلطید ن

خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طلیت را

حضرت ابیؓ نے وصیت کے یہ آخری کلمات آنحضرت ﷺ کو پہنچائے تو فرمایا ”خدا ان پر رحم کرے، زندگی اور موت دونوں میں خدا اور رسول کی ہی خواہی مد نظر رہی۔“

دفن کے وقت دو دو آدمی ایک قبر میں رکھے گئے تھے، خارجہؓ بن زید بن ابی زہیر جو حضرت سعدؓ کے چچا ہوتے تھے، ان کے ساتھ دفن کئے گئے کہ جس طرح دنیا میں ساتھ دیا تھا قبر میں بھی ساتھ دیں۔“

اہل و عیال : دو لڑکیاں چھوڑیں، ایک کا نام ام سعید تھا، آنحضرت ﷺ نے جائیداد میں دو ٹکٹ ان کو عطا فرمائے۔ قرآن مجید کی آیت میراث

”فان کن نساء فوق الثنتين فلهن الثلثاترک“

”اگر دو عورتوں سے زیادہ ہوں تو دو ٹکٹ ان کا حصہ ہوگا۔“

اسی موقع پر نازل ہوئی اور اسی تقسیم سے یہ معلوم ہوا کہ دو عورتوں کا بھی وہی حصہ ہے جو تین یا چار کا ہے۔ دو بیویاں تھیں جن میں ایک کا نام عمرہ بنت حزم تھا۔“

فضل و کمال :

آنحضرت ﷺ سے حدیث سننے کے علاوہ لکھنا جانتے تھے اور چونکہ رئیس کے بیٹے تھے تعلیم کا خاص اہتمام ہوا تھا۔ کتابت اسی زمانہ میں سیکھی تھی۔“

اخلاق : جوش ایمان اور حب رسول ﷺ، عقبہ اور احد کے کارناموں سے ظاہر ہوتی ہے، غزوہ احد میں جو وصیت کی وہ اس کا بالکل بین ثبوت ہے۔

۱۔ اسد الغابہ ص ۲۷۸ ۲۔ صحیح بخاری جلد ۱ ص ۵۶۰ ۳۔ اسد الغابہ جلد ۲ ص ۲۷۸

۴۔ اصحابہ جلد ۲ ص ۷۷ ۵۔ اسد الغابہ جلد ۲ ص ۲۷۷

مشرکین مکہ کی تیاریوں کی خبر جب آنحضرت ﷺ کے پاس اُحد میں آئی تھی تو آنحضرت ﷺ نے سعدؓ کو آگاہ کیا تھا ۱۔

انہی باتوں کی وجہ سے حضرت سعدؓ کا اثر تمام صحابہ پر تھا۔ ان کی صاحبزادی ام سعید حضرت ابوبکرؓ کی خدمت میں آئیں تو انہوں نے اپنا کپڑا بچھا دیا، حضرت عمرؓ نے کہا ”یہ کون ہیں؟“ فرمایا ”یہ اس شخص کی بیٹی ہے جو مجھ سے اور تم سے بہتر تھا“۔ پوچھا ”یا خلیفہ رسول اللہ (ﷺ)!“ وہ کیوں؟“ ارشاد ہوا کہ ”اس نے آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں جنت کا راستہ لیا، اور ہم تم یہیں باقی رہ گئے ۲۔“



حضرت سہلؓ بن سعد

نام و نسب :

سہل نام، ابو العباس، ابو مالک، ابو یحییٰ کنیت سلسلہ نسب یہ ہے، سہل بن سعد بن مالک بن خالد بن ثعلبہ حارثہ بن عمرو بن خزرج بن سعدہ بن کعب بن خزرج اکبر، ہجرت نبوی سے ۵ سال قبل پیدا ہوئے، باپ نے حزن نام رکھا، لیکن آنحضرت ﷺ جب مدینہ تشریف لائے تو بدل کر سہل کر دیا۔

اسلام : ہجرت سے پیشتر حضرت سہلؓ کے والد سعد بن مالک نے مذہب اسلام قبول کر لیا تھا، بیٹے نے اسی باپ کے سایہ عاطفت میں پرورش پائی تھی۔

غزوات اور دیگر حالات :

آنحضرت ﷺ کی تشریف آوری مدینہ کے وقت ان کا سن ۵ سال کا تھا، دو برس کے بعد غزوہ بدر پیش آیا، اس وقت یہ ہفت سالہ تھے، لڑائی سے قبل ان کے والد نے انتقال کیا اور حضرت سہلؓ کو یتیم چھوڑ گئے، آنحضرت ﷺ نے لڑائی ختم ہونے کے بعد اور مجاہدین کی طرح ان کے باپ کا بھی حصہ لگایا، کیونکہ وہ جنگ کا عزم کر چکے تھے۔

غزوہ احد میں وہ اور لڑکوں کی طرح شہر کی حفاظت کر رہے تھے، آنحضرت ﷺ کو جب چشم زخم پہنچا اور دھویا گیا، اس وقت آپ کے پاس آگئے تھے۔^۱

۵ھ میں غزوہ خندق ہوا، باہر نہمہ صفر سی جوش کا یہ عالم تھا کہ خندق کھودتے اور مٹی اٹھا اٹھا کے کندھے پر لے جاتے تھے۔^۲

غزوات مابعد میں بھی میدان جنگ کے قابل نہ ہو سکے، ۱۵ برس کا سن ہوا اور تیغ زنی کے قابل ہوئے تو خود سرورِ عالم ﷺ نے سفر آخرت اختیار فرمایا۔^۳ یہ ۱۱ھ کا واقعہ ہے۔

۴ھ میں حجاج بن یوسف ثقفی کا دست سیاست دراز ہوا تو ان کو بلا کر پوچھا کہ ”تم نے حضرت عثمانؓ کی مدد کیوں نہ کی؟“ جواب دیا کی تھی“ بولا ”جھوٹ کہتے ہو“ اس کے بعد حکم دیا کہ ان کی

گردن پر مہر لگادی جائے۔ یہ عتاب ان بزرگوں کے ذلیل کرنے اور اثر زائل کرنے کے لئے کیا گیا تھا، حضرت انسؓ اور حضرت جابر بن عبد اللہؓ بھی اسی جرم میں ماخوذ تھے۔

وفات : سن مبارک ۹۶ سال تک پہنچ چکا تھا، آنحضرت ﷺ کے جمال باکمال کے دیکھنے والوں سے مدینہ خالی تھا، دیگر صوبے بھی صحابہؓ کے سایہ سے عموماً محروم ہو چکے تھے، وہ خود فرمایا کرتے تھے، کہ ”مر جاؤں گا کوئی قال رسول اللہ کہنے والا باقی نہ رہے گا۔“ آخر ۹۱ھ میں بزم قدس نبوی کی یہ ٹٹماتی ہوئی شمع بھی بجھ گئی۔

فضل و کمال : حضرت سہلؓ مشاہیر صحابہؓ میں ہیں اکابر صحابہؓ کے فوت ہونے کے بعد ان کی ذات مرجع انام بن گئی تھی لوگ نہایت ذوق و شوق سے حدیث سننے آتے تھے۔

آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں اگرچہ صغیر السن تھے، تاہم آپ سے حدیث سنی تھی، بعد میں حضرت ابی بن کعبؓ، عاصم بن عدیؓ، عمرو بن عبسہؓ سے اس فن کی تکمیل کی، مروان سے بھی چند روایتیں لیں، اگرچہ وہ صحابی نہ تھا، راویان حدیث اور تلامذہ خاص کی ایک جماعت تھی جن میں بعض کے نام یہ ہیں۔ حضرت ابو ہریرہؓ، حضرت ابن عباسؓ، حضرت سعید بن مسیبؓ، ابو خازم بن دینار زہریؓ، ابو سہیل صبحیؓ، عباس بن سہلؓ (لڑکے تھے) وفاء بن شریحؓ، یحییٰ بن میمونؓ حضریؓ، عبد اللہ بن عبد الرحمن بن ابی ذبابؓ، عمرو بن جابرؓ حضریؓ۔ روایات کی تعداد ۱۸۸ ہے جن میں سے ۲۸ متفق علیہ ہیں۔

اخلاق : حب رسول ﷺ کے نشہ میں چور تھے، آنحضرت ﷺ ایک ستون کے سہارے کھڑے ہو کر خطبہ دیا کرتے تھے ایک روز منبر کا خیال ظاہر فرمایا، حضرت سہلؓ اٹھے اور جنگل سے منبر کے لئے لکڑی کاٹ کر لائے۔^۱

ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ کو بیر بضاعہ سے پانی پلایا تھا۔^۲

حق گوئی خاص شعار تھی، آل مروان میں سے ایک شخص مدینہ کا امیر ہو کر آیا حضرت سہلؓ کو بلا کر کہا کہ علیؓ کو برا کہو، انہوں نے انکار کیا تو کہا کہ اچھا اتنا ہی کہہ دو کہ ”خدا (نعوذ باللہ) ابو تراب پر لعنت کرے۔“ حضرت سہلؓ نے جواب دیا کہ یہ علیؓ کا محبوب ترین نام تھا اور آپ ﷺ اس نام پر بہت خوش ہوتے تھے، اس کے بعد ابو تراب کی وجہ تسمیہ بتلائی تو اس کو بھی خاموش ہونا پڑا۔^۳



حضرت سہلؓ بن حنیف

نام و نسب :

سہل نام، ابوسعید کنیت، سلسلہ نسب یہ ہے۔ سہل بن حنیف بن واہب بن عکیم بن ثعلبہ بن حارث بن مجدعہ بن عمرو بن جشم بن عوف بن عمرو بن عوف بن مالک بن اوس۔ اسلام : ہجرت سے قبل مشرف باسلام ہوئے۔

غزوات و عام حالات :

ابن سعد کی روایت کے مطابق جناب امیر علیہ السلام سے مواخاۃ ہوئی۔ تمام غزوات میں شریک تھے، غزوہ احد میں جب آنحضرت ﷺ چند صحابہ کے ساتھ میدان میں رہ گئے تھے، یہ بھی ثابت قدم رہے، اسی دن موت پر بیعت کی بھی، رسول اللہ ﷺ کی طرف جو تیر آتے یہ ان کا جواب دیتے تھے۔ آنحضرت ﷺ لوگوں سے فرماتے کہ ان کو تیر دو، یہ سہل ہیں حضرت عمرؓ تفاول کے طور پر کہتے کہ سہل ہے حزن نہیں۔

خلافت راشدہ میں سے جناب امیرؓ کے عہد مبارک میں مدینہ کے امیر تھے کوفہ سے امیر المومنین کا فرمان پہنچا کہ یہاں آ جاؤ، چنانچہ مدینہ سے کوفہ چلے گئے۔

جنگ جمل کے بعد بصرہ کے والی بنائے گئے جنگ صفین میں حضرت علیؓ کی طرف سے شرکت کی۔ اور لڑائی کے بعد کوفہ واپس چلے آئے۔

اسی زمانہ میں فارس کے امیر بنائے گئے اہل فارس نے سرتابی کر کے خارج البلد کر دیا۔ حضرت علیؓ نے ان کی بجائے زیاد بن ابیہ کو وہاں کا حاکم مقرر کر دیا۔

وفات : ۳۸ھ میں بمقام کوفہ انتقال فرمایا حضرت علیؓ نے نماز جنازہ پڑھائی چھ تکبیریں کہیں اور فرمایا کہ یہ اصحاب بدر میں تھے۔

اولاد : دو بیٹے یادگار چھوڑے، ابو امامہ اسعد اور عبداللہ اول الذکر آنحضرت ﷺ کے عہد مقدس میں پیدا ہوئے۔

حلیہ : نہایت خوبصورت اور پاکیزہ منظر تھے۔ بدن نہایت سڈول تھا، ایک غزوہ میں آنحضرت ﷺ کے ہمرکاب تھے وہاں نہر جارہی تھی نہانے کے لئے گئے، کسی انصاری نے جسم دیکھ کر کہا کیسا بدن پایا ہے؟ میں نے ایسا بدن کبھی نہیں دیکھا تھا۔ حضرت سہلؓ کو غش آگیا۔ اٹھا کر لائے گئے، بخار چڑھا تھا، آنحضرت ﷺ نے پوچھا کیا معاملہ ہے لوگوں نے قصہ بیان کیا فرمایا ”عجب ہے لوگ اپنے بھائی کا جسم یا مال دیکھتے ہیں اور برکت کی دعا نہیں کرتے اس لئے نظر لگتی ہے۔“

فضل و کمال :

راویان حدیث میں ہیں، آنحضرت ﷺ اور حضرت زید بن ثابتؓ سے روایت کرتے ہیں ان سے متعدد تابعین نے روایت کی ہے جن میں سے چند نام یہ ہیں۔

ابو وائل، عبید بن سبا، عبد الرحمن بن ابی لیلیٰ، عبید اللہ بن عبد اللہ بن عتبہ، سیر بن عمرو، رباب (عثمان بن حکم بن عباد بن حنیف کی دادی تھیں)۔^۱

اخلاق و عادات :

اختلاف سے دور رہتے تھے، صفین سے واپس آئے تو اب وائل نے کہا کہ کچھ خبر بیان کیجئے فرمایا کیا بتاؤں؟ سخت مشکل ہے ایک سوراخ بند کرتے ہیں تو دوسرا کھل جاتا ہے۔^۲

نہایت شجاع اور جری تھے، لیکن لوگوں میں اس کے خلاف جڑ چا تھا، فرمایا یہ ان کی رائے کا قصور ہے، میں بزدل نہیں ہم نے جس کام کے لئے تلوار اٹھائی اس کو ہمیشہ آسان کر لیا۔ یوم ابی جندل (حدیبیہ) میں لڑنا اگر رسول اللہ ﷺ کی مرضی کے خلاف نہ ہوتا تو میں اس دن بھی آمادہ پیکار ہو جاتا۔^۳



۱۔ از طبقات۔ جلد ۶۔ ص ۸۔ و تہذیب التہذیب۔ جلد ۳ و اصابہ جلد ۳۔ حالات آن

۲۔ صحیح بخاری جلد ۲۔ ص ۶۰۲۔ ۳۔ صحیح بخاری جلد ۲۔ ص ۶۰۲

حضرت سعدؓ بن معاذ

نام و نسب :

سعد نام ہے۔ ابو عمرو کنیت، سید الاوس لقب، قبیلہ عبدالاشہل سے ہیں۔ سلسلہ نسب یہ ہے: سعد بن معاذ بن نعمان بن امراء القیس بن زید بن عبدالاشہل بن جشم بن حارث بن خزرج بن بنت (عمرو) بن مالک بن اوس۔ والدہ کا نام کبشہ بنت رافع تھا۔ جو حضرت ابوسعیدؓ خدری کی چچا زاد بہن تھیں۔ قبیلہ اشہل، میں شریف ترین قبیلہ تھا، سیادت عامہ اس میں وراثت چلی آتی تھی، چنانچہ حضرت سعدؓ کے تمام مورث اپنے اپنے زمانہ میں تاج سیادت زیب سر کئے تھے۔

والد نے ایام جاہلیت ہی میں وفات پائی، والدہ موجود تھیں ہجرت سے پیشتر ایمان لائیں اور حضرت سعدؓ کے انتقال کے بعد بہت دنوں تک زندہ رہیں۔

اسلام : اگرچہ عقبہ اولیٰ میں یشرب کی سر زمین پر خورشید اسلام کا پرتو پڑ چکا تھا لیکن حقیقی ضیا گستری حضرت مصعبؓ بن عمیر کی ذات سے وابستہ تھی، چنانچہ جب وہ داعی اسلام بن کر مدینہ پہنچے تو جو کان اس صدا سے نا آشنا تھے ان کو بھی چارونا چار اس کے سننے کے لئے تیار ہونا پڑا۔

سعد بن معاذ ابھی حالت کفر میں تھے۔ ان کو مصعب کی کامیابی پر سخت حیرت اور اپنی قوم کی بے وقوفی پر انتہا درجہ کا حزن و ملال تھا۔

لیکن تابہ کے؟ آخر ایک دن ان پر بھی حضرت مصعب بن عمیرؓ کا اثر پڑ گیا۔ اسعد ابن زرارہؓ نے جن کے مکان میں حضرت مصعبؓ ٹھہر کرش تھے ان سے کہا تھا کہ سعد بن معاذ مسلمان ہو جائیں گے تو دو آدمی بھی کافر نہ رہ سکیں گے اس لئے آپ کو ان کے مسلمان کرنے کی فکر کرنی چاہئے، سعد بن معاذؓ حضرت مصعبؓ کے پاس آئے تو انہوں نے کہا کہ میں ایک بات کہنا چاہتا ہوں، آپ بیٹھ کر سن لیجئے، ماننے نہ ماننے کا آپ کو اختیار ہے سعد نے منظور کیا تو حضرت مصعبؓ نے اسلام کی حقیقت بیان کی اور قرآن مجید کی ندامتیں پڑھیں جن کو سن کر سعد بن معاذؓ کلمہ شہادت پکارا ٹھٹھے اور مسلمان ہو گئے۔

قبیلہ عبدالاشہل میں یہ خبر فوراً پھیل گئی۔ سعدؓ گھر گئے تو خاندان والوں نے کہا کہ اب وہ چہرہ نہیں! حضرت سعدؓ نے کھڑے ہو کر پوچھا میں تم میں کس درجہ کا آدمی ہوں؟ سب نے کہا سردار اور

اہل فضیلت، فرمایا ”تم جب تک مسلمان نہ ہو گے میں تم سے بات چیت نہ کروں گا“۔ حضرت سعدؓ کو اپنی قوم میں جو عزت حاصل تھی اس کا یہ اثر ہوا کہ شام ہونے سے قبل تمام قبیلہ مسلمان ہو گیا۔ اور مدینہ کے درود یوار تکبیر کے نعروں سے گونج اٹھے۔

اشاعت اسلام میں یہ حضرت سعدؓ کا نہایت عظیم الشان کارنامہ ہے صحابہ میں کوئی شخص اس فخر میں ان کا حریف نہیں، آنحضرت ﷺ نے اسی بناء پر فرمایا ہے ”خیر دور الانصار بنو النجار ثم بنو عبد الاشہل“ یعنی انصار کے بہترین گھرانے بنو نجار کے ہیں اور ان کے بعد عبد الاشہل کا درجہ ہے، حضرت سعدؓ اور ان کے قبیلہ کا اسلام عقبہ اولیٰ اور عقبہ ثانیہ کے درمیان کا واقعہ ہے۔

مسلمان ہو کر حضرت سعدؓ نے حضرت مصعبؓ کو اسعد بن زرارہ کے مکان سے اپنے

ہاں منتقل کر لیا۔

غزوات اور دیگر حالات :

کچھ دنوں بعد عمرہ کی غرض سے مکہ روانہ ہوئے اور امیہ بن خلف کے مکان پر کہ مکہ کا مشہور رئیس اور ان کا دوست تھا، قیام کیا (امیہ مدینہ آتا تھا تو ان کے ہاں ٹھہرا کرتا تھا) اور کہا کہ جس وقت حرم خالی ہو مجھے خبر کرنا چنانچہ دوپہر کے قریب اس کے ساتھ طواف کے لئے نکلے۔ راستہ میں ابو جہل سے ملاقات ہوئی پوچھا یہ کون ہیں؟ امیر نے کہا ”سعدؓ ابو جہل نے کہا تعجب ہے کہ تم صحابیوں (بہ دین، آنحضرت ﷺ اور صحابہؓ مراد ہیں) کو پناہ دے کر اور ان کے انصار بن کر مکہ میں نہایت الطمینان سے پھر رہے ہو، اگر تم ان کے ساتھ نہ ہوتے تو تمہارا گھر پہنچنا دشوار ہو جاتا“ حضرت سعدؓ نے غضب آواہ لہجہ میں جواب دیا۔ تم مجھ کو پھر دیکھنا کیا ہوتا ہے؟ میں تمہارا مدینہ کا راستہ روک لوں گا۔ امیہ نے کہا ”سعدؓ ابو جہل (ابو جہل) مکہ کا سردار ہے، اس کے سامنے آواز پست کرو“۔ حضرت سعدؓ نے فرمایا، چلو، تو میں نے آنحضرت ﷺ سے سنا ہے کہ مسلمان تم کو قتل کریں گے، بولا کیا مکہ میں آکر ماریں گے؟ جواب دیا اس کی خبر نہیں!۔

اس پیشین گوئی کے پورا ہونے کا وقت غزوہ بدر تھا، کفار قریش نے مدینہ پر حملہ کرنے کے لئے نہایت ساز و سامان سے تیاریاں کی تھیں، آنحضرت ﷺ کو خبر ہوئی تو صحابہؓ سے مشورہ کیا حضرت سعدؓ نے اٹھ کر کہا یا رسول اللہ ﷺ ہم آپؐ پر ایمان لائے رسالت کی تصدیق کی، اس بات کا اقرار کیا کہ جو کچھ آپؐ لائے ہیں حق اور درست ہے مع اور طاعت پر آپؐ سے بیعت کی، پس

جو ارادہ ہو سکتے۔ اس ذات کی قسم جس نے آپ کو نبی بنا کر بھیجا آپ سمندر میں کودنے کو کہیں تو ہم حاضر ہیں ہمارا ایک آدمی بھی گھر میں نہ بیٹھے گا ہم کو لڑائی سے بالکل خوف نہیں اور انشاء اللہ میدان میں ہم صادق القول ثابت ہو گئے، خدا ہماری طرف سے آپ کی آنکھیں ٹھنڈی کرے۔

آنحضرت ﷺ اس تقریر سے خوش ہوئے فوجوں کی ترتیب کا وقت آیا تو قبیلہ اوس کا جھنڈا آنحضرت ﷺ نے ان کے حوالے کیا۔ غزوہ احد میں انہوں نے آنحضرت ﷺ کے آستانہ پر پہرہ دیا تھا۔ کفار سے مقابلہ کے لئے رسول اللہ ﷺ کی رائے تھی کہ مدینہ میں رہ کر کیا جائے، عبد اللہ بن ابی ابن سلول کا بھی یہی خیال تھا، لیکن بعض نوجوان جن کو شوق شہادت دامن گیر تھا، باہر نکل کر لڑنے پر مصر تھے، چونکہ کثرت رائے انہی کو حاصل تھی اس بنا پر آنحضرت ﷺ نے انہی کی تائید کی اور زرہ پہننے کے لئے اندر تشریف لے گئے۔ سعد بن معاذ اور اسید بن حضیر نے کہا کہ ”تم لوگوں نے آنحضرت ﷺ کو باہر چلنے کے لئے مجبور کیا ہے، حالانکہ آپ پر آسمان سے وحی آتی ہے، اس لئے مناسب یہ ہے کہ اپنی رائے واپس لے لو اور معاملہ کو بالکل آنحضرت ﷺ پر چھوڑ دو۔“

آنحضرت ﷺ تلوار، ڈھال اور زرہ لگا کر نکلے تو تمام لوگوں کو ندامت ہوئی، عرض کیا کہ ہم کو حضور ﷺ کی مخالفت منظور نہیں، جو حکم ہو ہم بجالانے پر آمادہ ہیں۔ ارشاد ہوا کہ ”اب کیا ہوتا ہے؟“ نبی جب ہتھیار باندھ لیتا ہے تو جنگ کا فیصلہ کر کے اٹارتا ہے۔“

غرض کوہ احد کے دامن میں لڑائی شروع ہوئی، اسلامی لشکر پہلے فتح یاب تھا، لیکن پھر تاب مقاومت نہ لا کر پیچھے ہٹا اس وقت آنحضرت ﷺ سب سے زیادہ ثابت قدم تھے اور آپ کے ساتھ دو اصحاب واد شجاعت دے رہے تھے، انہی میں حضرت سعد بن معاذ بھی تھے۔ اس غزوہ میں ان کے بھائی عمرو شہید ہو گئے۔

غزوہ خندق میں جو ۵ھ میں ہوا۔ آنحضرت ﷺ نے انصار سے مدینہ کے تہائی پھل عیمینہ بن حصن بن سید کو دینے کا مشورہ کیا تھا، اس مشورہ میں سعد بن عبادہ کے ساتھ حضرت سعد بن معاذ بھی شریک تھے۔ لڑائی کا وقت آیا تو زرہ پہنے اور ہاتھ میں حربہ لئے میدان کو روانہ ہوئے۔ بنو حارثہ کے قلعہ میں ان کی ماں موجود تھیں اور حضرت عائشہؓ کے پاس بیٹھی تھیں، شعر پڑھتے ہوئے گذرے تو ماں نے کہا بیٹا تم پیچھے رہ گئے، جلدی جاؤ۔

۱۔ زرقانی جلد ۱۔ ص ۴۷۹ ۲۔ طبقات ابن سعد جلد ۲۔ قسم ۱۔ ص ۲۶ ۳۔ زرقانی جلد ۲۔ ص ۴۰
۴۔ طبقات جلد ۲۔ قسم ۱۔ ص ۳۰ ۵۔ طبقات سعد جلد ۱۔ قسم ۱۔ ص ۵۲

جس ہاتھ میں حربہ تھا وہ باہر نکلا ہوا تھا حضرت عائشہؓ نے کہا ”سعد کی ماں! دیکھو زہرہ بہت چھوٹی ہے، میدان میں پہنچے تو حبان بن عبد مناف نے کہا کہ عرقہ کا بیٹا تھا، ہاتھ پر ایک تیر مارا جس سے ہفت اندام کٹ گئی، اور نہایت جوش میں کہا لو، میں عرقہ کا بیٹا ہوں آنحضرت ﷺ نے سنا تو فرمایا ”خدا اس کا چہرہ دوزخ میں عرق آلود کرے۔“

اس کے بعد مسجد نبوی ﷺ میں ایک خیمہ لگایا اور رفیدہ اسلمیہ کو ان کی خدمت پر مامور کیا۔ حضرت سعدؓ اسی خیمہ میں رہتے تھے اور حضرت ﷺ روزانہ ان کی عیادت کو تشریف لاتے تھے۔ چونکہ زندگی سے مایوس ہو چکے تھے، خدا سے دعا کی کہ قریش کی لڑائیاں باقی ہوں تو مجھے زندہ رکھ، ان سے مجھے لڑنے کی بڑی تمنا ہے کیونکہ انہوں نے تیرے رسول کو اذیت دی، تکذیب کی اور مکہ سے نکال دیا اور اگر لڑائی بند ہونے کا وقت آ گیا ہے تو اس زخم سے مجھے شہادت دے اور بنی قریظہ کے معاملہ میں میری آنکھیں ٹھنڈی کر، اس دعا کا دوسرا ٹکڑا مقبول ہوا۔ چنانچہ جب بنو قریظہ کو آنحضرت ﷺ نے بلا وطن کرنا چاہا تو چونکہ وہ قبیلہ اوس کے حلیف تھے کہلا بھیجا کہ ہم سعد کا حکم مانیں گے، آنحضرت ﷺ نے حضرت سعد کو اطلاع کی، وہ گدھے پر سوار ہو کر آئے، مسجد کے قریب پہنچے تو آنحضرت ﷺ نے انصار سے کہا کہ ”اپنے سردار کی تعظیم کے لئے اٹھو۔“

پھر سعدؓ سے فرمایا کہ ”یہ لوگ تمہارے حکم کے منتظر ہیں۔“ عرض کی ”تو میں حکم دیتا ہوں کہ جو لوگ لڑنے والے ہیں قتل کئے جائیں گے، اولاد غلام بنائی جائے اور مال تقسیم کر دیا جائے۔“ آنحضرت ﷺ نے یہ فیصلہ سن کر کہا کہ ”تم نے آسمانی حکم کی پیروی کی،“ چنانچہ اس کے بموجب اپنے سامنے ۴۰۰ آدمی قتل کرائے۔

وفات : اس واقعہ کے بعد کچھ دنوں تک زندہ رہے، آنحضرت ﷺ نے خود زخم کو داغا جس سے خون رک گیا، لیکن اس کے عوض ہاتھ پھول گیا تھا، ایک دن زخم پھٹا اور اس زور سے خون جاری ہوا کہ مسجد سے گذر کر بنی غفار کے خیمہ تک پہنچا، لوگوں کو بڑی تشویش ہوئی پوچھا کیا معاملہ ہے؟ جواب ملا کہ سعدؓ کا زخم پھٹ گیا۔

آنحضرت ﷺ کو اطلاع ہوئی تو گھبرا اٹھے اور کپڑا گھسیٹتے ہوئے مسجد میں آئے دیکھا تو حضرت سعدؓ کا انتقال ہو چکا تھا۔ نعش کو اپنی آغوش میں لے کر بیٹھے، خون برابر بہہ رہا تھا۔ لوگ آ کر جمع ہونا شروع ہوئے، حضرت ابو بکرؓ آئے اور نعش کو دیکھ کر ایک چیخ ماری کہ ہائے ان کی کمر ٹوٹ گئی،

آنحضرت ﷺ نے فرمایا ”ایسا نہ کہو“۔ حضرت عمرؓ نے رو کر کہا ”اَنَا لِلّٰهِ وَاَنَا اِلَيْهِ رَاجِعُونَ“، خیمہ میں کھرام پڑا تھا۔ دکھیا ماں رو رہی تھی۔

ویل ام سعدا سعدا بزاعة نجدا

ویل ام سعدا سعدا صرامة وجدا

آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اور رونے والیاں جھوٹ بولتی ہیں لیکن یہ سچ کہتی ہیں۔ جنازہ روانہ ہوا تو خود آنحضرت ﷺ ساتھ ساتھ تھے، فرمایا کہ ان کے جنازہ میں ستر ہزار فرشتے شریک ہیں، اش بالکل بلکی ہو گئی تھی، منافقین نے مضحکہ کیا تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ”ان کا جنازہ فرشتے اٹھائے ہوئے تھے“۔ دفن کر کے واپس ہوئے تو سرورِ کائنات ﷺ نہایت مغموم تھے، ریش مبارک ہاتھ میں تھی اور اس پر مسلسل آنسو گر رہے تھے۔

حضرت سعدؓ کی وفات تاریخ اسلام کا غیر معمولی واقعہ ہے انہوں نے اسلام کی جو خدمات انجام دی تھیں جو مذہبی جوش ان میں موجود تھا۔ اس کی بدولت وہ انصار میں صدیق اکبر سمجھے جاتے تھے۔ حضرت عائشہؓ کے معاملہ میں جب آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ”اس دشمن خدا (ابن ابی) نے مجھے سخت تکلیف دی ہے تم میں کوئی اس کا تذکرہ کر سکتا ہے؟“ تو سب سے پہلے انہوں نے اٹھ کر کہا تھا کہ ”قبیلہ اوس کا آدمی ہو تو مجھ کو بتائیے میں ابھی گردن مارنے کا حکم دیتا ہوں“

اس وقت اسی محب صادق اور عاشق جاں نثار نے وفات پائی تھی۔ اس واقعہ کی اہمیت اس سے اور بڑھ جاتی ہے کہ فرشتے جنازہ میں موجود تھے، آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ”ان کی موت سے عرش مجید جنبش میں آ گیا ہے“۔

ایک انصاری فخریہ کہتا ہے۔

وما اهتز عرش الله من موت هالك سمعنا به الا لسعد ابی عمرو و

کسی مرنے والے کی موت پر خدا کا عرش نہیں ہلا مگر سعد ابی عمرو کی موت پر حلیہ : حلیہ یہ تھا کہ قد دراز، بدن دوہرا۔

اولاد : دو بیٹے تھے، عمر و اور عبد اللہ، دونوں صحابی تھے۔ اور بیعت رضوان میں شریک تھے۔

فضل و کمال : جیسا کہ اوپر معلوم ہوا حضرت سعدؓ کا انتقال اوائل اسلام میں ہوا تھا۔ آنحضرت ﷺ کے فیض صحبت سے انہوں نے ۵ برس فائدہ اٹھایا۔ اس عرصہ میں بہت سی حدیثیں سنی ہوں گی، لیکن

چونکہ روایات کا سلسلہ آنحضرت ﷺ کے بعد قائم ہوا، اس لئے ان کی روایتیں اشاعت نہ پاسکیں۔
صحیح بخاری میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی ایک روایت مذکور ہے جس میں ان کے
عمر کا ذکر آیا ہے۔ حضرت انسؓ کی ایک حدیث ہے جس میں سعد بن ربیعؓ کے اُحد میں قتل ہونے
کا تذکرہ ہے۔

مناقب و اخلاق :

اخلاقی حیثیت سے حضرت سعدؓ بڑے درجہ کے انسان تھے، حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں
”رسول اللہ ﷺ کے بعد سب سے بڑھ کر عبدالاشہل کے تین آدمی تھے، سعدؓ، بن معاذؓ، اسید بن حضیرؓ
اور عبادہؓ بن بشر“۔ وہ خود کہتے ہیں کہ یوں تو میں ایک معمولی آدمی ہوں لیکن تین چیزوں میں جس رتبہ
تک پہنچنا چاہئے، پہنچ چکا ہوں۔ پہلی بات یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے جو حدیث سنتا ہوں اس کے
منجانب اللہ ہونے کا یقین رکھتا ہوں، دوسرے نماز میں کسی طرف خیال نہیں کرتا، تیسرے جنازہ کے
ساتھ رہتا ہوں تو منکر نکیر کے سوال کی فکر دامن گیر رہتی ہے۔

حضرت سعید بن مسیبؓ کہتے ہیں کہ یہ خصلتیں پیغمبروں میں ہوتی ہیں۔

آنحضرت ﷺ کو ان کے اعمال پر جو اعتماد تھا وہ اس حدیث سے معلوم ہو سکتا ہے۔ جس مردہ
کو قبر کے دبائے کا ذکر آیا ہے، اس کا ایک فقرہ یہ بھی ہے کہ اگر قبر کی تنگی سے کوئی نجات پاسکتا تو سعدؓ
بن معاذ نجات پاتے۔

ایک مرتبہ کسی نے آنحضرت ﷺ کے پاس حریرہ کا جبہ بھیجا تھا، صحابہؓ اس کو چھوتے اور اس
کی نرمی پر تعجب کرتے تھے، آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ”تم کو اس کی نرمی پر تعجب ہے، حالانکہ جنت
میں سعد بن معاذؓ کے رومال اس سے بھی زیادہ نرم ہیں۔“



حضرت سعد بن عبادہؓ

نام و نسب اور ابتدائی حالات :

سعد نام، ابو ثابت و ابو قیس کنیت، سید الخزرج لقب، قبیلہ خزرج کے خاندان ساعدہ سے ہیں، سلسلہ نسب یہ ہے، سعد بن عبادہ بن ولیم بن حارثہ ابن حزام بن خزیمہ بن ثعلبہ بن طریف بن خزرج بن ساعدہ بن کعب بن خزرج اکبر۔ والدہ کا نام عمرہ بنت مسعود تھا اور صحابیہ تھیں، ۵ھ میں فوت ہوئیں۔

حضرت سعدؓ کے دادا ولیم، قبیلہ خزرج کے سردار انضمام تھے اور مدینہ کے مشہور خیر تھے۔ خاندان ساعدہ کی عظمت و جلالت کا سکہ انہی نے بٹھایا، مذہبایت پرست تھے اور منات کی پوجا کرتے تھے، جو مکہ میں مقام مثل پر نصب تھا ہر سال دس اونٹ اس کو نذر چڑھاتے تھے۔ حضرت سعدؓ کے والد عبادہ، باپ کے خلف الرشید تھے اسی شان سے اپنی زندگی بسر کی اور اپنے بیٹے کے لئے مسند امارت ریاست چھوڑ گئے۔

تعلیم و تربیت :

عرب کے قاعدہ کے مطابق تیر اندازی اور تیراکی سکھائی گئی، اگرچہ انصار میں ایک آدمی بھی لکھنا نہیں جانتا تھا!۔ لیکن حضرت سعدؓ کی تعلیم میں جو اہتمام ہوا اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ وہ جاہلیت میں ہی نہایت عمدہ عربی لکھ لیتے تھے۔

ان تینوں چیزوں میں اس درجہ کمال بہم پہنچایا کہ استاد ہو گئے اسی بنا پر لوگوں نے ”کامل“ کا لقب دیا۔

اسلام : عقبہ ثانیہ میں اسلام قبول کیا اور ان کا شمار بلند پایہ صحابہ میں کیا گیا، چنانچہ بخاری میں ہے ”و کان ذا قدم فی الاسلام“ یعنی بڑے پایہ کے مسلمان تھے۔

بیعت عقبہ جس شان سے ہوئی، انصار کے جس قدر آدمی اس میں شامل ہوئے جن اہم شرائط پر بیعت کا انعقاد ہوا یہ کام اگرچہ خفیہ اور نہایت خفیہ تھا لیکن پوشیدہ نہیں رہ سکتا تھا، قریش کو ہر وقت آنحضرت ﷺ کی فکر لاحق رہتی تھی، چنانچہ جس وقت آپ رات کے وقت مکہ سے باہر انصار سے

بیعت لے رہے تھے جبل ابوقیس پر کوئی شخص چیخ چیخ کر کہہ رہا تھا کہ ”دیکھنا ! سعد مسلمان ہوئے تو محمد (ﷺ) بالکل نذر ہو جائے گا۔“

قریش کے کان میں اگرچہ یہ آواز پہنچ گئی، تاہم ان کا خیال ادھر منتقل نہ ہوا۔ وہ قضاہ اور تمیم کے سعد نامی اشخاص کو سمجھے، اس وجہ سے بیعت میں مزاحمت نہ کی۔^۱

دوسری رات کو پھر اسی پہاڑ سے چند شعر سنے گئے، جن میں صاف صاف ان کا نام و نشان موجود تھا۔ قریش کو سخت حیرت ہوئی اور تحقیق واقعہ کے لئے انصار کے فرود گاہ میں آئے عبداللہ ابن ابی بن سلول سے کہ قبیلہ خزرج کا رئیس تھا گفتگو ہوئی۔

اس نے اس واقعہ سے بالکل لاعلمی ظاہر کی۔ یہ لوگ چلے گئے تو مسلمانوں نے یا حج کا راستہ لیا۔ قریش نے ہر طرف ناکہ بندی کرادی تھی۔ سعدؓ بن عبادہ اتفاق سے ہاتھ لگ گئے، کافروں نے ان کو پکڑ کر ہاتھ گردن سے باندھ دیئے اور بال کھینچ کھینچ کر زد و کوب کرتے ہوئے مکہ لائے۔ مکہ میں مطعم بن عدی نہایت شریف انسان تھا ابتدائے اسلام میں اس نے آنحضرت ﷺ کی بڑی خدمت کی تھی، اس نے حارث بن امیہ بن عبدالمشمس کو ساتھ لیا اور ان کو پہچان کر قریش کے بچہ ظلم و ستم سے نجات دلائی۔^۲

ادھر انصار میں بڑی کمینہ پڑی تھی، مجلس شوریٰ قائم ہوئی جس میں طے پایا کہ چاہے جانیں خطرہ میں کیوں نہ پڑ جائیں مگر مکہ واپس چل کر سعد کا پتہ لگانا چاہئے۔ ان کا یہ ارادہ ابھی قوت سے فعل میں نہ آیا تھا کہ سعد آتے ہوئے نظر آئے اور وہ ان کو لے کر سیدھے مدینہ روانہ ہو گئے۔^۳

غزوات اور عام حالات :

چند مہینوں کے بعد جناب رسول اللہ ﷺ بھی مدینہ تشریف لائے۔ اس وقت یرب کا ہرگلی کوچہ، شادمانی اور مسرت کا تماشا گاہ تھا، دارابی ایوبؓ میں پہنچتے ہی تحفوں اور ہدیوں کا سلسلہ شروع ہو گیا، حضرت سعدؓ کے مکان سے ایک بڑا پیالہ شرید اور عراق سے بھرا پہنچا۔^۴

ہجرت سے کچھ مہینوں کے بعد اسلام کی تحریک نشوونما پانے لگی، صفر ۲ھ میں آنحضرت ﷺ ابواء ایک بستی میں جو مکہ کی طرف واقع تھی، قریش کی فکر میں تشریف لے گئے اس لشکر میں کوئی انصاری نہ تھا، حضرت سعدؓ کو مدینہ میں اپنا جانشین چھوڑ گئے۔^۵

۱۔ استیعاب۔ جلد ۲۔ ص ۵۲۳ ۲۔ طبقات ابن سعد۔ جلد ۱۔ ق ۱۔ ص ۱۵۰ ۳۔ طبقات ابن سعد۔ جلد ۱۔ ق ۱۔ ص ۱۵۰
۴۔ طبقات ابن سعد۔ جلد ۱۔ ق ۱۔ ص ۱۶۱ ۵۔ ایضاً۔ ق ۱۔ ص ۱۶۱ ۶۔ طبقات ابن سعد۔ جلد ۱۔ ق ۱۔ ص ۱۵۰

اسی سنہ میں بدر کا معرکہ پیش آیا۔ حضرت سعدؓ کی شرکت میں لوگوں نے اختلاف کیا ہے۔ بخاری اور مسلم ان کی شرکت ثابت کرتے ہیں لیکن صاحب طبقات کو انکار ہے لیکن صحیح یہ ہے کہ وہ بدر میں شریک نہ تھے۔ علامہ ابن حجر عسقلانی نے بھی اس خیال کی تائید کی ہے اور مسلم کے الفاظ سے اپنے دعویٰ پر نہایت لطیف استشہاد کیا ہے۔^۱

ابن سعد نے طبقات میں ان کا ذکر اس جماعت کے طبقہ اولیٰ میں کیا ہے، جو بدر میں شریک نہ تھے اور اس کے ذیل میں لکھا ہے کہ سعدؓ نے غزوہ کا سامان کیا تھا لیکن کتے نے کاٹ کھایا اور وہ اپنے ارادے سے باز آئے، آنحضرت ﷺ نے سنا تو فرمایا کہ افسوس ان کو شرکت کی بڑی حرص تھی، تاہم مالِ غنیمت میں حصہ لگایا اور اصحاب بدر میں شامل کیا۔^۲

غزوہ بدر عہد نبوت کے غزوات میں سب سے پہلا مشہور غزوہ ہے، آنحضرت ﷺ کو اب تک اگرچہ چار غزوے اور چار سرایا پیش آچکے تھے لیکن انصار کی ان میں سے ایک میں بھی شرکت نہ تھی اس کا سبب جیسا کہ ظاہر ہے، یہ تھا کہ انصار کی طرف سے بیعت میں صرف اس قدر مدد کیا گیا تھا کہ جو مدینہ پر چڑھ کر آئے گا۔ اس کو وہ روکیں گے مدینہ کے باہر جو مہر کے بول ان کا اس میں کوئی تذکرہ نہ تھا۔

اس بناء پر آنحضرت ﷺ نے اس مہمِ اعظم کا ارادہ کیا تو انصار کو شریک کرنے کے لئے رائے مشورہ ضروری سمجھا۔ ایک مجمع میں جنگ کا مسئلہ پیش ہوا، حضرت ابو بکرؓ نے اٹھ کر رائے دی۔ پھر حضرت عمرؓ اٹھے لیکن آنحضرت ﷺ نے التفات نہ کیا، حضرت سعدؓ سمجھ گئے، اٹھ کر کہا کہ شاید ہم لوگ سردار ہیں؟ تو اے رسول (ﷺ) ! اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اگر آپ سمندر کا حکم دیں تو اسے پامال کر ڈالیں اور خشکی کا حکم ہو تو برک غماد (یمن کے ایک موضع کا نام ہے) تک اونٹوں کے کلیجے پگھلا دیں گے۔ آنحضرت ﷺ یہ سن کر بہت خوش ہوئے اور تیاری کا حکم دے دیا۔

تذکرہ نویسوں نے اسی روایت سے شرکت بدر پر استدلال کیا ہے۔ حالانکہ اس میں مذکور ہے کہ جب ابوسفیان کے آنے کی خبر معلوم ہوئی تو آنحضرت ﷺ نے مشورہ کیا، اور یہ بالکل مطابق واقعہ ہے لیکن اس کے بعد کا واقعہ وہ ہے جس کو ابن سعد روایت کرتے ہیں۔ اس بناء پر طبقات کی روایت صحیح مسلم کے منافی نہیں، بلکہ اس کے اجمال کی تفصیل اور ابہام کی توضیح ہے۔

۱۔ فتح الباری جلد ۷۔ ص ۲۲۲
۲۔ اصحابہ جلد ۳۔ ص ۸۰
۳۔ فتح الباری جلد ۷۔ ص ۲۲۲
۴۔ اصل الفاظ یہ ہیں۔ ان رسول اللہ شاد رحین بلغہ اقبال ابی سفیان۔
۵۔ صحیح مسلم جلد ۲۔ ص ۸۴
۶۔ صحیح مسلم جلد ۲۔ ص ۸۴

بدر کے بعد غزوہ اُحد واقع ہوا، مشرکین اس سر و سامان سے آئے تھے کہ مدینہ والوں پر خوف طاری ہو گیا تھا۔ شہر میں تمام رات، جمعہ کی شب کو پہرہ رہا، اس موقع پر حضرت سعدؓ چندا کا برانصار کے ساتھ مسجد نبویؐ میں ہتھیار لگائے۔ رسول اللہؐ کے مکان کی حفاظت کر رہے تھے۔

جمعہ کے دن شوال کی ۶ تاریخ کو لڑائی کی تیاریاں ہوئیں، آنحضرتؐ نے نیزے منگا کر تین پھریں لگائے اور خزر ج کا علم حضرت سعدؓ بن عبادہ کے سپرد کیا یہ انتظامات مکمل ہوئے تو آنحضرتؐ گھوڑے پر سوار ہو کر نکلے۔ حضرت سعدؓ بن عبادہ اور حضرت سعدؓ بن معاذ اوس خزر ج کے سردار زر ہیں پہنے اور جھنڈے لئے آگے آگے دوڑ رہے تھے، بیچ میں آنحضرتؐ اور دائیں بائیں مہاجرین و انصار کا لشکر تھا کو کب نبوت اس شان سے نمایاں ہوا تو چشم کفر خیرہ ہو گئی اور منافقین کے دل دہل اٹھے۔

سنیچر کے دن اُحد کے دامن میں معرکہ قتال برپا ہوا، لڑائی اس شدت کی تھی کہ مسلمانوں کے پیرا کھڑ گئے تھے لیکن میدان میں رسول اللہؐ سب کے آگے تھے، مہاجرین اور انصار میں صرف ۴ آدمی آپؐ کے ساتھ تھے، حضرت سعدؓ کو بھی بعض لوگوں نے انہی میں شامل کیا ہے، غزوہ مرسیع (مصطلق) میں جو ۵ھ میں ہوا تھا، ان کو یہ اعزاز عطا ہوا کہ اوس خزر ج دونوں جماعتوں کا علم ان کو تفویض کیا۔

غزوہ خندق میں جو اسی سنہ میں ہوا تھا۔ آنحضرتؐ نے ان کو اور حضرت سعدؓ بن معاذ کو بلا کر مشورہ کیا کہ ”عیینہ بن حصن کو میں مدینہ کی پیداوار کا ایک ثلث اس شرط پر دینا چاہتا ہوں کہ قریش کو چھوڑ کر واپس جائے، وہ نصف مانگتا ہے اب تمہاری کیا رائے ہے؟“ انہوں نے کہا ”یا رسول اللہ (ﷺ)! اگر یہ وحی ہے تو انکار کی مجال نہیں ورنہ اس کی بات کا جواب تو صرف تلوار ہے، خدا کی قسم! ہم اس کو پھل کی بجائے تلوار کا پھل دیں گے“، آنحضرتؐ نے فرمایا کہ ”وحی نہیں، اور وحی آتی تو تم سے پوچھنے کی کیا حاجت تھی“، عرض کیا ”تو پھر تلوار ہے، ہم نے جاہلیت میں بھی ایسی ذلت کبھی گوارا نہیں کی اور اب تو آپؐ کی وجہ سے اللہ نے ہم کو ہدایت دی، معزز اور مکرم کیا پھر دینے کی کیا وجہ ہے؟“ آنحضرتؐ اس گفتگو سے بہت مسرور ہوئے اور دونوں کے لئے دعائے خیر فرمائی۔

خندق کے معرکہ میں بھی انصار کا علم حضرت سعدؓ بن عبادہ کے پاس تھا۔

۱۔ طبقات ابن سعد حصہ مغازی۔ ص ۲۶ ۲۔ ایضاً ص ۲۷ ۳۔ زرقانی جلد ۲۔ ص ۴۰
۴۔ طبقات حصہ مغازی۔ ص ۴۵ ۵۔ استیعاب جلد ۲۔ ص ۵۶۳ ۶۔ طبقات۔ حصہ مغازی۔ ص ۴۸

۶ھ میں آنحضرت ﷺ نے غابہ پر حملہ کیا اور سعد کو ۳۰۰ آدمیوں کا افسر مقرر کر کے، مدینہ کی حفاظت کے لئے چھوڑ گئے۔^۱

وہاں امداد کی ضرورت ہوئی، مدینہ میں خبر پہنچی تو حضرت سعدؓ نے ۱۰ اونٹ اور چھوہاروں کے بہت سے گھٹے روانہ کئے، جو رسول اللہ ﷺ کو ذی قرد میں مل گئے۔^۲ ۶ھ میں غزوہ حدیبیہ اور بیعت رضوان پیش آئی وہ دونوں میں موجود تھے۔ غزوہ خیبر (۶ھ) میں اسلامی لشکر میں تین جھنڈے تھے، جن میں سے ایک حضرت سعدؓ کے پاس تھا۔^۳

فتح مکہ میں خود رسول اللہ ﷺ کا رایتؓ (جھنڈا) حضرت سعدؓ کے پاس تھا، فوج اسلام کا ایک ایک راستہ شہر میں جارہا تھا اور ابوسفیان، حضرت عباسؓ کے ساتھ کھڑے یہ تماشا دیکھ رہے تھے۔ انصار جن کے آگے آگے حضرت سعدؓ تھے اس شان سے گزرے کہ ابوسفیان کی آنکھیں خیرہ ہو گئیں،^۴ پوچھا یہ کون لوگ ہیں؟ حضرت عباسؓ نے جواب دیا کہ یہ انصار ہیں، ان پر سعد بن عبادہؓ افسر ہیں اور جھنڈا ابھی ان ہی کے ہاتھ میں ہے۔ قریب پہنچے تو ابوسفیان کو پکارا دیکھنا! آج کیسی سخت لڑائی ہوگی، آج کعبہ حلال ہو جائے گا، ابوسفیان کا دل اپنی سابق حرکتوں کے سبب سے یونہی تھوڑا تھوڑا تھا، حضرت عباسؓ سے کہا آج تو خوب لڑائی ہوگی۔ حضرت سعدؓ کے بعد خود رسول اللہ ﷺ کا دستہ سامنے سے گذرا تو ابوسفیان نے پکارا، ”یا رسول اللہ (ﷺ)! اپنی قوم پر رحم کیجئے، آپ کو خدا نے رحم اور نیکو کار بنایا ہے، سعد مجھ کو دھمکا گئے ہیں کہ مجھے عظمیٰ آج ہی ہے، آج قریش کا خاتمہ ہو جائے گا۔“ ابوسفیان کی آواز پر کئی آوازیں اٹھیں، حضرت عثمانؓ اور حضرت عبدالرحمنؓ ابن عوف نے کہا ”ہمیں خوف ہے کہ حضرت سعدؓ کا جوش انتقام تازہ نہ ہو جائے۔“ ضرار بن خطاب فہری نے چند شعر کہے تھے، ایک شخص کو کہا کہ رسول اللہ ﷺ کے سامنے جا اور ان کو پڑھ کر فریاد کر :

”یا نبی الہدی الیک لجاحی قریش ولات حین لجاحین ضاقت علیہم
سعة الار ضر وعادہم الہ السماء ان سعدا یرید قاصمة الظہر باہل
الحجون والبطحاء“

”یا رسول اللہ (ﷺ)! آپ کے دامن میں قریش نے اس وقت پناہ لی ہے جبکہ ان کے لئے کوئی جائے پناہ نہیں جب کہ ان پر فراخی کے باوجود زمین تنگ ہے اور آسمان کا خدا ان کا دشمن ہو گیا۔ سعد اہل مکہ کی پیٹھ توڑنا چاہتا ہے۔“

۱۔ طبقات۔ ص ۵۸ ۲۔ ایضاً۔ ص ۵۸ ۳۔ طبقات۔ حصہ مغازی۔ ص ۷۷
۴۔ فتح الباری جلد ۸۔ ص ۷۸۔ طبقات۔ ص ۹۸۔ واستیعاب جلد ۲۔ ص ۵۶۳ ۵۔ فتح بخاری۔ جلد ۲۔ ص ۶۱۳

اسی طرح کے اور بہت سے شعر تھے آنحضرت ﷺ نے اشعار سنے تو دریائے رحمت موجزن ہو گیا۔ ارشاد ہوا کہ ”سعد نے جھوٹ کہا آج کعبہ کی عظمت دو بالا ہوگی، آج کعبہ کو غلاف پہنایا جائے گا۔“ اس کے بعد حضرت علیؓ کو بھیجا کہ سعد سے جھنڈا لے کر ان کے بیٹے قیس کو دے دو، حضرت سعدؓ نے انکار کیا اور کہا کہ اس کا کیا ثبوت ہے کہ تم کو رسول اللہ ﷺ نے بھیجا ہے آنحضرت ﷺ نے اپنا امامہ بھیجا۔ تو انہوں نے بیٹے کے ہاتھ میں جھنڈا دیدیا، لیکن جو خطرہ رسول اللہ ﷺ کو سعدؓ سے تھا ان کو اپنے بیٹے سے ہوا درخواست کی کہ قیس کے سوا کسی اور شخص کے سپرد کیجئے، آنحضرت ﷺ نے حضرت زبیرؓ بن عوام کے سپرد کیا، صحیح بخاری میں جو آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا علم حضرت زبیرؓ کے پاس تھا اس کا یہی مطلب ہے۔^۱

فتح مکہ کے بعد حنین کا معرکہ ہوا اس میں قبیلہ خزرج کا علم حضرت سعدؓ کے پاس تھا۔ ان غزوات کے علاوہ بھی جو غزوات یا مشاہد عہد نبوی ﷺ میں پیش آئے۔ ان میں حضرت سعدؓ کی نمایاں شرکت رہی، میدان جنگ میں انصار کے وہی علمبردار ہوتے تھے۔

سقیفہ نبی ساعده :

اللہ میں آنحضرت ﷺ نے انتقال فرمایا، مدینہ کا علاقہ انصار کی قدیم ملکیت تھا۔ اس کے ماسوا آغاز اسلام میں رسول اللہ ﷺ کی سب سے بڑی مدد انصار نے کی تھی، جس زمانہ میں کہ اسلام بے خانماں تھا، رسول اللہ ﷺ تمام قبائل عرب پر اپنے کو پیش کرتے تھے کہ مجھ کو مکہ سے اپنے وطن لے چلو لیکن قریش کے دبدبہ رعب کی وجہ سے کوئی حامی نہیں بھرتا تھا۔ انصار کے ایک مختصر قافلہ نے جو صرف ۷۰ اشخاص پر مشتمل تھا، ”عرب و عجم“ کی جنگ پر آنحضرت ﷺ سے مکہ آ کر بیعت کی اور آپ کو اپنے وطن مدینہ میں مدعو کیا۔

عہد نبوت میں جو غزوات پیش آئے، ان میں تعداد، جاں بازی، فدائیت سب سے زیادہ انہی لوگوں سے ظاہر ہوئی۔ حضرت قتادہؓ فرمایا کرتے تھے کہ قبائل عرب میں کوئی قبیلہ انصار سے زیادہ شہداء نہ لاسکے گا۔ میں نے حضرت انسؓ سے سنا کہ اُحد میں ۷۰، بیر معونہ میں ۷۰ اور یمامہ میں ۷۰ انصاری شہید ہوئے تھے۔^۲

ان باتوں کے ساتھ قرآن مجید اور حدیث میں ان کے فضائل و مناقب کثرت سے بیان کئے گئے ہیں۔ اس بناء پر انصار کے دل میں خلافت کا خیال پیدا ہونا ایک فطری امر تھا۔

۱۔ صحیح بخاری جلد ۲۔ ص ۶۱۳ و فتح الباری۔ جلد ۸۔ ص ۷۔ و استیعاب جلد ۲۔ ص ۵۶۳، ۵۶۴ سے یہ واقعات لے گئے ہیں۔

۲۔ طبقات ابن سعد۔ حصہ مخازی ص ۱۰۸۔ ۳۔ صحیح بخاری جلد ۲۔ ص ۵۸۴

انصار میں دو بزرگ تمام قوم کے پیشوا اور سردار تسلیم کئے جاتے تھے۔ حضرت سعدؓ بن عبادہ اور حضرت سعدؓ بن معاذ۔ حضرت سعدؓ بن معاذ آنحضرت ﷺ کے عہد میں انتقال کر چکے تھے صرف حضرت سعدؓ بن عبادہ باقی تھے۔ جن کا اوس و خزرج میں وجاہت و امارت کے لحاظ سے کوئی حریف مقابل نہ تھا۔

آنحضرت ﷺ نے وفات پائی تو سقیفہ بنی ساعدہ میں جو انصار کا دارالندوہ اور حضرت سعد بن عبادہؓ کی ملکیت تھا لوگ جمع ہوئے سعدؓ بیمار تھے۔ لوگ ان کو بلوالائے وہ کپڑا اوڑھے ہوئے مسند پر آکر بیٹھ گئے اور تکیہ سے ٹیک لگالی اور اپنے اعزہ سے کہا کہ میری آواز دور تک نہ پہنچے گی جو میں کہوں اس کو با آواز بلند لوگوں تک پہنچاؤ۔ تقریر کا ماحصل یہ تھا کہ انصار کو جو شرف اور سبقت فی الدین حاصل ہے، عرب کے کسی قبیلہ کو حاصل نہیں، آنحضرت ﷺ اب اس سے زیادہ اپنی قوم میں رہے۔ لیکن ان کی کسی نے نہ سنی جو لوگ ان پر ایمان لائے وہ تعداد میں بہت کم تھے ان میں نہ تو رسول اللہ ﷺ کی حفاظت کی طاقت تھی نہ دین کے بلند کرنے کی قوت، وہ تو خود اپنی حفاظت سے عاجز تھے۔

خدا نے جب تم کو فضیلت دینا چاہی تو یہ سامان بہم پہنچایا کہ تم ایمان لائے، رسول اور اصحاب کو پناہ دی، اپنے سے رسول اللہ ﷺ کو عزیز سمجھا ان کے اعداء سے جہاد کیا یہاں تک کہ تمام عرب طوعاً و کرہاً خلافت الہی میں شامل ہو گیا اور بعید و قریب سب نے گردنیں ڈال دیں، پس یہ تمام مفتوحہ علاقہ تمہاری تلوار کا مرہون منت ہے، رسول اللہ ﷺ زندگی بھر تم سے خوش رہے اور وفات کے وقت بھی خوش گئے اس بنا پر تم سے زیادہ خلافت کا کوئی مستحق نہیں۔

تقریر ختم ہوئی تو تمام مجمع نے یک زبان ہو کر کہا کہ رائے نہایت معقول اور صائب ہے ہمارے نزدیک اس منصب کے لئے آپ سے زیادہ کوئی موزوں نہیں، ہم آپ ہی کو خلیفہ بنائیں گے۔ اس کے بعد آپس میں گفتگو شروع ہوئی کہ مہاجرین کے دعوائے خلافت کا کیا جواب ہوگا۔ بعضوں نے کہا یہ کہ دو امیر ہوں، ایک ہمارا اور ایک ان کا۔ سعد کے کان میں آواز پڑی تو بولے کہ یہ پہلی کمزوری ہے۔

ادھر حضرت عمرؓ کو خبر پہنچ گئی تھی وہ حضرت ابو بکرؓ کو لے کر آ پہنچے، حضرت عمرؓ کی مشتعل طبیعت نے تمام مجمع میں آگ لگا دی انصار کے خطباء بار بار تقریر کرتے تھے حضرت عمرؓ اور ان میں سخت کلامی کی نوبت آئی اور اخیر میں تلواریں کھینچ گئیں، حضرت ابو بکرؓ نے رنگ بدلتا دیکھ کر حضرت عمرؓ کو روکا اور خود نہایت معرکہ آرا خطبہ دیا، اس کے بعد حضرت عمرؓ نے حضرت ابو بکرؓ کی فضیلت بیان کی تو

تمام انصار پکار اٹھے کہ ”نعوذ باللہ ان نتقدم ابا بکر“^۱ یعنی ”ہم خدا سے پناہ مانگتے ہیں کہ ابو بکر“ سے آگے بڑھیں۔“

تمام مجمع بیعت کے لئے اٹھا تو لوگوں نے شور مچایا کہ دیکھنا! سعد کچل نہ جائیں، حضرت عمرؓ نے کہا اس کو خدا کچلے، سعد اپنی ناکامی پر پہلے سے متاسف تھے سخت براہم ہوئے اور لوگوں سے کہا کہ مجھے یہاں سے لے چلو۔^۲

حضرت ابو بکرؓ نے کچھ دنوں بالکل تعرض نہ کیا، بعد میں آدمی کو بھیجا کہ یہاں آ کر بیعت کریں۔ انہوں نے بیعت سے قطعاً انکار کیا۔ حضرت عمرؓ نے کہا کہ ان سے ضرور بیعت لیجئے۔ بشیر بن سعد انصاریؓ بیٹھے تھے بولے کہ اب وہ انکار کر چکے ہیں کسی طرح بیعت نہ کریں گے، مجبور کیجئے گا تو کشت و خون کی نوبت آئے گی۔ وہ اٹھیں گے تو ان کا گھر اور کنبہ بھی حمایت کرے گا، جس سے ممکن ہے کہ تمام خزر ج اٹھ کھڑے ہوں۔ اس لئے ایک سوتے فتنے کو جگانا مناسب نہیں ہے۔ میرے خیال میں ان کو یوں ہی چھوڑ دیجئے۔ ایک آدمی ہیں کیا کریں گے؟

اس رائے کو سب نے پسند کیا، حضرت سعدؓ، حضرت ابو بکرؓ کی خلافت تک مدینہ میں مقیم رہے بعد میں ترک وطن کر کے شام کی سکونت اختیار کی اور دمشق کے قریب حوازن کا علاقہ نہایت سرسبز تھا اسی کو اپنے رہنے کے لئے پسند کیا۔

وفات : ۱۵ھ میں وفات پائی۔ کسی نے مار کر غسل خانہ میں ڈال دیا تھا گھر کے لوگوں نے دیکھا تو بالکل جان نہ تھی تمام جسم نیلا پڑ گیا تھا۔ قاتل کی بہت تلاش ہوئی لیکن کچھ پتہ نہ چلا، ایک غیر معلوم سمت سے آواز آئی۔

”قتلنا سید الخزرج سعد بن عبادہ رمیناہ بسہم فلم یخط فوادہ“

”ہم نے خزر ج کے سردار سعد بن عبادہ کو قتل کیا ایک تیر مارا جو خالی نہیں گیا۔“

چونکہ قاتل نہیں ملا، اور آواز سنی گئی بعضوں کا خیال ہو کہ کسی جن نے قتل کیا ہے۔

اولاد : تین اولادیں چھوڑیں۔ قیس (بہت بڑے صحابی ہیں)، سعید، اسحاق۔ بیوی کا نام فلیبہ تھا صحابیہ تھیں اور چچا زاد بہن ہوتی تھیں۔^۳

مکان اور جائیداد : جائیداد بہت تھی جب مدینہ چھو، تو بیٹوں پر تقسیم کر دی ایک لڑکا پیٹ میں تھا جس کا حضرت سعدؓ نے حصہ نہیں لگایا تھا جب پیدا ہوا تو حضرت ابو بکرؓ و عمرؓ نے قیسؓ سے کہا کہ

۱۔ مسند جلد ۱ ص ۲۱ ۲۔ بخاری جلد ۲ ص ۱۰۱۰ او طبری۔ ص ۸۴۳ واقعات ۱۱ھ

۳۔ استیعاب۔ جلد ۲ ص ۵۳۸

اپنے باپ کی تقسیم فسخ کر دو۔ کیونکہ ان کے فوت ہونے کے بعد لڑکا پیدا ہوا ہے۔ قیس نے کہا باپ نے جو کچھ کیا ٹھیک کیا اس کو بدستور قائم رکھوں گا۔ میرا حصہ موجود ہے اس کو وہ لے سکتا ہے۔

حضرت سعدؓ کا مکان بازار مدینہ کی انتہا پر واقع تھا اور جرار سعد کہا اٹا تھا۔ ایک مسجد اور چند قلعے بھی تھے۔ ایک مکان بنو حارث میں بھی ان کی ملکیت تھا۔

فضل و کمال : حدیث کے ساتھ غیر معمولی اعتنا کیا۔ صحابہؓ کے زمانہ میں کتابت اگرچہ عام ہوئی تھی۔ اور قرآن مجید لکھا جا چکا تھا۔ تاہم حدیث لکھنے کا رواج نہ تھا حضرت سعدؓ نے حدیث لکھی تھی۔ مسند ابن فضال میں ہے۔

”عن اسمعيل بن عمرو بن قيس بن سعد ابن عبادہ عن ابيه انهم وجدوا

فی کتب اوفی کتاب سعد بن عبادہ“۔

”یعنی انہوں نے حضرت سعدؓ کی کتابوں یا کتاب میں پایا ہے۔“

حدیث لکھنے کے ساتھ اس کی تعلیم کے ذریعہ سے اشاعت بھی کی۔ چنانچہ ان کے بیٹے حضرت عبداللہ بن عباسؓ، امامہ بن سہل، سعید بن مسیبؓ وغیرہ ان سے حدیثیں روایت کرتے ہیں۔

اخلاق و عادات :

حضرت سعدؓ کے مرقع اخلاق میں جو دو سخا کے خال و خط نہایت نمایاں ہیں۔ ا۔ امانہ الرجال کے مصنف جب ان کا تذکرہ کرتے ہیں تو لکھتے ہیں، وکان کثیر الصدقات جدا۔

حضرت سعدؓ مشہور فیاض آدمی تھے اور تمام عرب میں یہ بات صرف انہی کو حاصل تھی کہ ان کی چار پشتیں جو دو سخا میں نام آور ہوئیں۔ ان کے دادا ولیم، باپ (عبادہ) خود، بیٹا (قیس) اپنے زمانہ کے مشہور خیر تھے۔

ولیم کے زمانہ میں خوان کرم اس قدر وسیع تھا کہ معمولاً قلعہ پر تے ایف شخص پکارتا کہ اس کو گوشت اور روغن اور اچھا کھانا مطلوب ہو ہمارے ہاں قیام کرے۔ اس سخاوت عام نے آل ساعدہ و مدینہ کا حاتم بنا رکھا تھا۔ ولیم کے بعد حضرت سعدؓ تک یہی رسم قائم رہی اور ان کے بعد قیس نے اس کو اسی طرح باقی رکھا۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ ایک دفعہ حضرت سعدؓ کے مکان کی طرف سے گذرے۔ قلعہ نظر آیا تو نافعؓ سے کہا دیکھو یہ سعد کے دادا کا قلعہ ہے، جن کے سخاوت و جود کی تمام مدینہ میں دھوم تھی۔

حضرت سعدؓ کی فیاضی افسانہ بزم وانجمن ہے۔ بہت سے قصے مشہور ہیں، ہم چند صحیح واقعات اس مقام پر درج کرتے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ مدینہ تشریف لائے تو حضرت سعدؓ کے ہاں سے برابر کھانا آتا تھا۔ اصابہ میں ہے، ”کانت جفنة سعد تلدور مع النبی فی بیوت ازواجه“۔

صحابہؓ میں اصحاب صفہ کی ایک جماعت تھی، جو در دراز ملکوں سے ہجرت کر کے مدینہ آئی تھی، یہاں اس کا منشا صرف تحصیل علم اور تکمیل مذہب ہوتا تھا، رسول اللہ ﷺ ان لوگوں کو ذی قدرت صحابہ کے متعلق کر دیتے تھے، چنانچہ اور لوگ ایک دو آدمی اپنے ہاں لے جاتے تھے لیکن حضرت سعدؓ ۸۰ آدمیوں کو برابر شام کے کھانے میں مدعو کرتے تھے۔

فطری سخاوت برجہ نمایاں ہوتی تھی ماں نے انتقال کیا تو رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے کہ میں صدقہ کرنا چاہتا ہوں، مگر کیا صورت ہو؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ پانی پلاؤ، سقایہ آل سعد جو مدینہ میں ہے اس صدقہ کا نتیجہ ہے!۔

حمیت قومی انتہائی درجہ تک پہنچی ہوئی تھی۔ قضیہ افاک میں آنحضرت ﷺ نے منبر پر فرمایا کہ ”ابن ابی نے میرے گھر والوں (حضرت عائشہؓ) کو تہمت لگائی، جس سے مجھے سخت تکلیف پہنچی کوئی ہے جو اس کا تدارک کرنے پر آمادہ ہو؟“ سعد بن معاذؓ اوس کے سردار تھے۔ بولے کہ ”میں حاضر ہوں جو حکم ہو، بجالاؤں، اگر قبیلہ اوس کا آدمی ہے تو ابھی گردن مار دی جائے اور خزرج کا ہے تو جو فرمائیے، بجالانے کو تیار ہوں۔“ (خزرج اور اوس میں دیرینہ عداوت تھی، جاہلیت میں بڑے معرکے کی لڑائیاں ہو چکی تھیں۔ اسلام نے صلح کرائی تاہم دلوں میں کدورت باقی تھی۔ اس بنا پر حضرت سعدؓ بن معاذ کی یہ درخواست کہ خزرج کے معاملہ میں ہم آپ کے حکم کے منتظر ہیں، یہ معنی رکھتی تھی کہ اس پر غلبہ پانے کی ایک صورت نکل آئے جو یقیناً خزرج کے لئے ناقابل برداشت تھی)۔ سعدؓ بن عبادہ سردار خزرج نے اٹھ کر کہا کہ ”تم جھوٹ کہتے ہو تم خزرج کو کبھی قتل نہیں کر سکتے، اور نہ اس پر قادر ہو۔ اگر تمہارا خاندان (اشہل) کا معاملہ ہوتا تو زبان سے ایسی بات نہ نکالتے۔“ اسید بن حضیرؓ نے جو حضرت سعد بن معاذؓ کے ابن عم تھے، جواب دیا کہ ”تم یہ کیا کہتے ہو، رسول اللہ ﷺ حکم دیں تو ہم ضرور ماریں گے تم منافق ہو اور منافق کی طرف سے لڑ رہے ہو،“ اتنا کہنا تھا کہ دونوں قبیلے جوش میں اٹھ کھڑے ہوئے، آنحضرت ﷺ منبر پر تھے آہستہ آہستہ دھیمہ کیا، یہاں تک کہ حمیت کا غلغلہ پست ہو گیا!۔

حب رسول کا یہ حال تھا کہ اپنے قبیلے کی پوشیدہ باتیں جو رسول اللہ ﷺ سے متعلق ہوتیں پہنچا دیتے تھے، غزوہ ہوازن میں آنحضرت ﷺ نے قریش اور سرداران قریش کو غنیمت کی بڑی بڑی رقمیں دی تھیں اور انصار کو کچھ نہ دیا تھا۔ بعض نو جوانوں کو اس ترجیح پر رنج ہوا، اور کہا کہ رسول اللہ ﷺ اپنے ہم قوموں کو دیتے ہیں اور ہم کو محروم کرتے ہیں حالانکہ قریش کا خون ہماری تلواروں سے اب تک ٹپک رہا ہے۔ حضرت سعد بن عبادہ نے جا کر رسول اللہ ﷺ سے کہہ دیا کہ یہ خیالات ہیں، فرمایا کہ تم کیا کہتے ہو؟ عرض کیا گو میں انصاری ہوں لیکن یہ خیال نہیں، ارشاد ہوا کہ جاؤ اور لوگوں کو فلاں خیمہ میں جمع کرو اعلان ہوا تو مہاجرین اور انصار دونوں آئے، حضرت سعدؓ نے مہاجرین کو چھانٹ دیا، آنحضرت ﷺ نے آ کے خطبہ دیا جس کا ایک فقرہ یہ تھا کہ ”کیا تم لوگ راضی نہیں کہ تمام لوگ مال و دولت لے کر جائیں اور تم خود مجھ کو اپنے ہاں لے لو، تمام لوگ رو پڑے اور باتفاق کہا کہ آپ کے مقابلہ میں ساری دنیا کی دولت ہیچ ہے۔“

غزوہ احد میں تمام مدینہ خطرہ میں پڑ گیا تھا۔ لوگ شہر میں پہرہ دے رہے تھے۔ اس وقت حضرت سعدؓ نے اپنا مکان چھوڑ کر رسول اللہ ﷺ کے مکان کا پہرہ دیا تھا۔ آنحضرت ﷺ کو ان سے جو محبت تھی اس کا یہ اثر تھا کہ ان کے مکان پر تشریف لے جاتے تھے ایک مرتبہ ان کے لئے دعا کی فرمائی، ”اللہم اجعل صلواتک ورحمتک علی آل سعد بن عبادہ“۔

ایک مرتبہ فرمایا ”خدا انصار کو جزائے خیر دے، خصوصاً عبداللہ بن عمرو بن حرام اور سعد بن عبادہ کو۔“

صدقات کے افسروں کی ضرورت ہوئی تو ان کو بھی منتخب کیا لیکن جب امارت کی ذمہ داریوں سے واقف ہوئے تو عرض کیا کہ میں اس خدمت سے معذور ہوں آنحضرت ﷺ نے عذر قبول فرمایا۔^۱

ایک مرتبہ بیمار پڑے تو آنحضرت ﷺ صحابہؓ کو لے کر عبادت کے لئے تشریف لائے درد سے بے ہوش تھے کسی نے کہہ دیا کہ ختم ہو گئے۔ بعض بولے ابھی دم باقی ہے اتنا سنا تھا کہ آنحضرت ﷺ رو پڑے اور ساتھ ہی تمام مجلس میں ماتم پڑ گیا۔^۲

نرمی طبع اور امن پسندی ذیل کے واقع سے معلوم ہو سکتی ہے۔

۱ صحیح بخاری جلد ۲ ص ۶۲۰۔ مسند۔ جلد ۳ ص ۷۶۔ ۲ مسند جلد ۵ ص ۲۸۵

۳ صحیح بخاری جلد ۲ ص ۱۷۴

ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ ان کی عیادت کو تشریف لارہے تھے۔ راستہ میں ابن ابی بیٹھا تھا اس نے آنحضرت ﷺ سے سخت کلامی کی، صحابہؓ کو طیش آگیا اور فریقین لڑنے پر آمادہ ہو گئے۔ آنحضرت ﷺ نے سب کو اس ارادہ سے باز رکھا اور حضرت سعدؓ کے مکان پر چلے آئے۔ فرمایا ”عدا! تم نے کچھ سنا آج ابو حباب (ابن ابی) نے مجھے ایسا کہا“، عرض کی ”یا سول اللہ (ﷺ) اس کا قصور معاف کیجئے، بات یہ ہے کہ اسلام سے قبل لوگوں کا خیال تھا کہ اس کو مدینہ کا بادشاہ بنائیں لیکن جب اللہ نے آپ ﷺ کو حق و صداقت کے ساتھ مبعوث کیا تو وہ خیال بدل گیا یہ اسی غم و غصہ کا بخار ہے۔“ آپ ﷺ نے یہ سن کر معاف کر دیا۔



حضرت سعد بن خیشمہ

نام و نسب :

سعد نام، ابو خیشمہ کنیت، خیر لقب۔ سلسلہ نسب یہ ہے، سعد بن خیشمہ بن حارث بن مالک بن کعب بن نخط بن کعب بن حارث بن غنم بن سلم بن امراء القیس بن مالک بن اوس۔ والد بزرگوار جن کا نام خیشمہ تھا، صحابی تھے۔ غزوہ اُحد میں شہادت پائی۔ اسلام : عقبہ میں شریک تھے۔ بنی عمرو بن عوف کے نقیب بنائے گئے۔

غزوات اور عام حالات :

آنحضرت ﷺ ہجرت کر کے مدینہ تشریف لائے تو اولاً قبیلہ عمرو بن عوف میں قیام کیا اور حضرت کلثومؓ بن الہدم کے گھر پر ٹھہرے، اس دوران میں ملاقات کے لئے حضرت سعدؓ کا مکان تجویز فرمایا۔ آنحضرت ﷺ مہاجرین و انصار سے انہی کے مکان میں ملتے تھے، اسی بناء پر بعض لوگوں نے لکھا ہے کہ سعد بن خیشمہؓ کے ہاں آپ ﷺ نے قیام فرمایا تھا، حضرت سعدؓ کا گھر ”منزل العزاب“ (العزاب) کے نام سے مشہور تھا۔

غزوہ بدر میں شرکت کا قصد کیا، تو عجیب واقعہ پیش آیا، باپ نے کہا کہ ہم میں سے ایک آدمی کو گھر رہنا چاہئے اس بنا پر تم یہیں رہو، میں جہاد پر جاتا ہوں، بیٹے نے جواب دیا کہ اگر جنت کے علاوہ کوئی اور معاملہ ہوتا تو آپ کو ترجیح دیتا میں خود جاؤں گا اور امید ہے کہ اللہ شہادت عطا فرمائے گا۔ شہادت : تاہم شفقت پداری نے مجبور کیا اور حضرت خیشمہؓ نے قرعہ ڈالا جس دماغ میں شہادت کا خیال موجزن تھا قرعہ فال اسی کے نام نکلا مجبور ہو کر اجازت دی چنانچہ حضرت سعدؓ رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ بدر پہنچے اور طعیمہ بن عدی ایک مشرک کے ہاتھ مارے گئے، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

اولاد : ایک صاحبزادے تھے جن کا نام عبد اللہ تھا، اگرچہ نہایت کم عمر تھے، تاہم عقبہ اور بدر میں باپ کے ساتھ شریک تھے بعض لوگوں کا خیال ہے کہ حضرت سعدؓ نے کوئی اولاد نہیں چھوڑی۔



حضرت سعدؓ بن زید اشہلی

نام و نسب :

سعد نام ہے۔ قبیلہ اوس کے خاندان اشہل سے ہیں۔ سلسلہ نسب یہ ہے : سعد بن زید ابن مالک بن عبد بن کعب بن عبد الاشہل۔

واقدی کے قول کے مطابق عقبہ میں شریک تھے، جمہور نے بدر کی شرکت پر اتفاق کیا ہے، عیینہ بن حصن نے مدینہ کے اونٹوں پر لوٹ ڈالی اور حضرت حسانؓ نے کہا۔

هل سرا ولا واللقیطة اننا سلم غداة فوارس المقداد

تو حضرت سعدؓ نہایت برہم ہوئے کہ میرے ہوتے ہوئے فوارس مقداد کا کیوں ذکر کیا، حضرت سعدؓ اس زمانہ میں رئیس قبیلہ تھے۔ حضرت حسانؓ نے معذرت کی کہ قافیہ سے مجبوری تھی۔

غزوہ قرظہ میں آنحضرت ﷺ نے ان کو قیدیوں کے ہمراہ نجد بھیجا، انہوں نے ان کے معاوضہ میں کھجور اور ہتھیار خریدے اور مدینہ لے کر آئے۔ رمضان ۸ھ میں فتح مکہ کے بعد آنحضرت ﷺ نے ان کو انصار کے بت ”مناء“ کے توڑنے کے لئے جو مکہ میں مشکل نام ایک مقام پر نصب تھا، بیس سواروں کے ساتھ روانہ فرمایا۔ پجاری نے پوچھا ”کیا ارادہ ہے؟“ بولے ”ہم مناء کہاتم جانو!“ حضرت سعدؓ نے بت گرایا تو ایک برہنہ اور سیاہ فام عورت چھاتی پٹیتی اور شور مچاتی ہوئی نکلی۔ حضرت سعدؓ نے یہ ہیئت کدائی دیکھ کر اس کو قتل کر دیا، پجاری نہایت خائف تھا۔ عورت کی آواز سن کر بولا، ”مناء! دونک بعض غضبناک“، خزانہ میں کچھ نہیں تھا، تلاشی لے کر چلے آئے واپسی کے وقت رمضان کی اخیر تاریخیں تھیں۔

وفات : وفات کا سنہ اور تاریخ بالکل نامعلوم ہے۔



حضرت سلمہ بن سلامہؓ

نام و نسب :

سلمہ نام، ابو عوف کنیت، قبیلہ اوس سے ہیں۔ نسب نامہ یہ ہے، سلمہ بن سلامہ بن قش بن زعور بن عبدالاشہل اماں کا نام سلمیٰ بنت سلمہ بن خالد بن عدی تھا اور قبیلہ بنی حارثہ سے تھیں۔ اسلام : آنحضرت ﷺ کی نبوت کی خبر مدینہ پہنچی تو سلمہ نے فوراً البیک کہا اور عقبہ اولیٰ کی بیعت میں شریک ہوئے۔ دوسرے سال عقبہ ثانیہ میں بھی شرکت کی۔

غزوات : بدر اور تمام غزوات میں آنحضرت ﷺ کے ہمراہ رہے۔

غزوہ مرتسع میں عبداللہ ابن ابی نے آنحضرت ﷺ اور مہاجرین کی شان میں نازیبا الفاظ استعمال کئے تو حضرت عمرؓ نے آنحضرت ﷺ سے عرض کی کہ سلمہ کو بھیجئے کہ اس کا سر کاٹ لائیں۔ حضرت عمرؓ نے اپنے عہد خلافت میں ان کو یمامہ کا والی بنایا تھا۔

وفات : ۴۵ھ میں بمقام مدینہ وفات پائی اس وقت ۷۴ برس کا سن تھا۔

فضل و کمال :

حدیث میں ان کے سلسلہ سے چند روایتیں ہیں محمود بن لبید اور جسترہ راویوں میں ہیں۔ حدیث میں حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے، ”توضو امامت النار“۔ یعنی ”جس چیز کو آگ نے متغیر کر دیا ہو اس کے استعمال سے وضو لازم آتا ہے“۔ حضرت سلمہؓ کا بھی یہی مذہب تھا۔

ایک مرتبہ محمود بن جبیرہؓ کے ساتھ ولیمہ میں گئے تو کھانا کھا کر وضو کیا لوگوں نے کہا ”آپ تو با وضو تھے“، فرمایا ”ہاں لیکن آنحضرت ﷺ کو بھی ایسا اتفاق پیش آیا تھا اور آپ ﷺ نے بھی یہی کیا تھا“۔



حضرت سہلؒ بن خنظلہ

نام و نسب :

سہل نام قبیلہ اوس سے ہیں۔ سلسلہ نسب یہ ہے، سہل بن ربیع بن عمرو ابن عدی بن زید بن حشم بن حارثہ بن حارث بن خزرج بن عمرو بن مالک بن اوس۔

خنظلہ کے متعلق اختلاف ہے بعض کا خیال ہے کہ سہل کی ماں تھیں لیکن ابن سعد نے تصریح کی ہے کہ عمرو بن عدی (سہل کے دادا) کی والدہ تھیں۔ نام ام ایاس بنت ابان ابن دارم تھا اور قبیلہ تمیم سے تھیں، اسی بناء پر عمرو کی تمام اولاد ابن خنظلہ کے نام سے مشہور ہوئی۔ حضرت سہلؒ غالباً ہجرت کے بعد مسلمان ہوئے۔

غزوات : غزوہ اُحد اور مابعد کے تمام غزوات میں شرکت کی اور بیعت رضوان میں شمولیت کا شرف حاصل کیا۔ عہد نبوت کے بعد شام چلے گئے اور دمشق کی سکونت اختیار کی۔

وفات : اور وہیں حضرت امیر معاویہؓ کی خلافت میں انتقال فرمایا۔

اولاد : کوئی اولاد نہیں چھوڑی، امام بخاری نے لکھا ہے۔ ”کان عقیما“! یعنی ”وہ لا ولد تھے“ اکثر فرماتے تھے، ”لا یكون لی سقط فی الاسلام احب الی مما طلعت علیہ الشمس“ یعنی ”اولاد نہیں ہے نہ سہی، اسلام میں کاش ایک حمل ہی ساقط ہو جاتا۔“

حلیہ : مفصل حلیہ معلوم نہیں، اتنا معلوم ہے کہ ڈاڑھی میں زرد خضاب لگاتے تھے۔

فضل و کمال :

صاحب استیعاب اور صاحب اسد الغابہ لکھتے ہیں۔ ”کان فاضلاً عالماً“ یعنی ”وہ عالم اور فاضل تھے۔“

اس سے بڑھ کر شرف کیا ہو سکتا ہے کہ خود صحابہؓ ان سے حدیثیں پوچھتے تھے ایک مرتبہ حضرت ابو درداءؓ کی طرف سے گزرے انہوں نے حدیث کی خواہش کی، حضرت سہلؓ نے ایک حدیث بیان کی، اسی طرح حضرت امیر معاویہؓ کے معائنہ کو گھوڑے پیش ہوئے تو انہوں نے ان سے حدیث دریافت کی، جس میں گھوڑوں کی پرورش پر داخت کی فضیلت بیان کی گئی ہے۔

اتفاقات کے علاوہ بھی روایت حدیث کا سلسلہ برابر جاری تھا، حضرت امیر معاویہؓ کے غلام قاسم جمعہ کے دن جامع دمشق میں آئے تو دیکھا کہ ایک بزرگ حدیثیں بیان کر رہے ہیں بڑھ کر پوچھا کون شخص ہیں؟ جواب ملا سہل بن حنظلہؓ صحابیؓ۔

راویان حدیث کے زمرہ میں متعدد حضرات ہیں۔ بعض کے نام یہ ہیں۔ ابو کبشہ سلولی قاسم بن عبدالرحمان، یزید بن ابی مریم شامی۔

اخلاق : وقت کو نہایت عزیز سمجھتے ہوئے لوگوں سے تعلقات رکھتے اور عبادت میں عموماً مصروف رہتے تھے۔ جب تک مسجد میں رہتے نماز پڑھتے، اٹھتے تو تسبیح و تحلیل میں ہوتے اور اسی حالت میں کاشانہ اطہر کا رخ کرتے تھے۔



حضرت سائبؓ بن خلد

نام و نسب :

سائب نام، ابو سہلہ کنیت، قبیلہ خزرج سے ہیں۔ سلسلہ نسب یہ ہے، سائب ابن خلد بن سوید بن ثعلبہ بن عمرو بن حارثہ بن امراء القیس بن مالک اغر بن ثعلبہ بن کعب ابن خزرج بن حارث بن خزرج اکبر۔

ماں کا نام لیلیٰ بنت عبادہ تھا اور قبیلہ ساعدہ سے تھیں۔

غزوات :

حضرت ابو عبیدہ کے خیال میں بدر میں شریک تھے لیکن ابو نعیم کا انکار ہے۔ امیر معاویہؓ کے زمانہ خلافت میں یمن کے حاکم تھے۔

وفات :

۱۷ھ میں وفات ہوئی۔

اولاد :

خلد نامی ایک لڑکا یادگار چھوڑا۔

فضل و کمال :

ان کی سند سے ۵ حدیثیں مروی ہیں۔ بعض صحاح میں بھی ہیں۔ راویوں میں خلد، صالح بن خیوان، عطاء بن یسار، محمد بن کعب قرظی، عبدالرحمان بن ابی صعصعہ عبدالملک، ابن ابی بکر بن عبدالرحمان وغیرہ ہیں۔



”ش“

حضرت شداد بن اوسؓ

نام و نسب :

شداد نام، ابو لیلیٰ و ابو عبد الرحمن کنیت، قبیلہ خزرج کے خاندان نجار سے ہیں اور حضرت حسان بن ثابتؓ مشہور شاعر کے بھتیجے ہیں۔ سلسلہ نسب یہ ہے۔ شداد بن اوس بن ثابت بن منذر بن حرام بن عمرو بن زید مناة بن عدی بن عمرو بن مالک بن نجار بن ثعلبہ بن عمرو بن خزرج۔ اوس بن ثابت کہ شداد کے پدر گرامی تھے۔ عقبہ ثانیہ اور بدر کی شرکت کا فخر حاصل کر چکے تھے۔ غزوہ اُحد میں شہادت پائی۔ والدہ کا نام صریمہ تھا اور بنو نجار کے خاندان عدی سے تھیں۔ اسلام : باپ، چچا اور تقریباً تمام خاندان مشرف بہ اسلام ہو چکا تھا۔ شدادؓ بھی انہی لوگوں کے ساتھ ایمان لائے۔

غزوات اور عام حالات :

چونکہ کمسن تھے غزوات میں شاذ و نادر حصہ لیا، امام بخاریؒ نے لکھا ہے کہ غزوہ بدر میں شریک تھے، لیکن یہ صحیح نہیں۔ عہد نبوت کے بعد شام میں سکونت اختیار کی، فلسطین، بیت المقدس اور حمص میں قیام پذیر رہے۔

وفات : ۵۸ھ میں عمر ۷۵ سال انتقال فرمایا اور بیت المقدس میں دفن ہوئے۔

اولاد : حسب ذیل اولاد چھوڑی۔ لیلیٰ، محمد۔

فضل و کمال :

فضلاء صحابہ میں تھے۔ حضرت عبادہؓ بن صامت کہ اساطین امت میں تھے اور صحابہؓ کے عہد میں علوم و فنون کا مرجع تھے۔ فرمایا کرتے تھے، لوگ دو طرح کے ہوتے ہیں بعض عالم ہوتے ہیں لیکن غصہ و راور مغلوب، الغضب، بعض حلیم اور بردبار ہوتے ہیں لیکن جاہل اور علوم و فنون سے بے بہرہ حضرت شدادؓ ان چند لوگوں میں ہیں جو علم و حلم کے مجمع البحرین تھے۔

مسجد جابیہ میں ابن غنم، حضرت ابودرداءؓ اور حضرت عبادہ بن صامتؓ ٹہل ٹہل کر باتیں کر رہے تھے۔ حضرت شدادؓ بھی آپہنچے اور کہا ”لوگو! مجھ کو تم سے جو کچھ ڈر ہے، یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا تھا کہ میری امت پیروی نفس اور شرک میں مبتلا ہو جائے گی۔“

اخیر کا فقرہ چونکہ تعجب انگیز تھا، حضرت ابودرداءؓ اور حضرت عبادہؓ نے اعتراض کیا اور اس کی سند میں ایک حدیث پیش کی کہ ”شیطان جزیرہ عرب میں اپنی پرستش سے بالکل ناامید ہو چکا ہے۔ پھر ہمارے مشرک ہونے کے کیا معنی؟“ حضرت شدادؓ نے فرمایا، ایک شخص نماز، روزہ، زکوٰۃ، ریاء ادا کرتا ہے، آپ لوگ اس کو کیا سمجھتے ہیں۔“ سب نے جواب دیا ”مشرک“۔ فرمایا ”میں نے اس کے متعلق خود آنحضرت ﷺ سے حدیث سنی ہے کہ ”ان چیزوں کو ریاء ادا کرنے والے مشرک ہوتا ہے۔“

حضرت عوف بن مالکؓ بھی ساتھ تھے، بولے کہ ”جتنا عمل خالص ہوگا، اس کے قبول ہونے کی امید ہے، باقی جس میں شرک کی آمیزش ہے، وہ مردود ہوگا اس بنا پر ہم کو اپنے عمل پر اعتماد کرنا چاہئے،“ حضرت شدادؓ نے جواب دیا کہ حدیث قدسی میں لکھا ہے کہ ”مشرک کا تمام عمل اس کے معبود کو دیا جائے گا، خدا اس کا محتاج نہیں“۔ (یہ قرآن مجید کے بالکل مطابق ہے، ارشادِ ربانی ہے۔ ”ان الله لا يغفر ان يشرك به“ (الح))

حدیث میں فہم و بصیرت حاصل تھی اور اصول روایت اور نقد سے کام لیتے تھے۔ حضرت ابوذر غفاریؓ جن کے زہد و قناعت اور ترک دنیا کی حدیثوں نے تمام شام میں کھلبلی ڈال دی تھی ان کے متعلق رائے دیتے ہیں۔

”کان ابو ذر یسمع الحدیث من رسول اللہ فیہ الشدة ثم یخرج الی قومہ یسلم لعلہ یشدد علیہم ثم ان رسول اللہ یرخص فیہ بعد فلم یسمعه ابو ذر فیتعلق ابو ذر بالا مر الشدید“۔^۱

”وہ آنحضرت ﷺ سے کوئی حدیث جس میں شدت اور سختی ہوتی تھی، سنتے تھے پھر اپنی قوم میں جا کر اس کی اشاعت کرتے تھے۔ بعد کو آنحضرت ﷺ اس سخت حکم میں رخصت عطا فرما دیتے تھے لیکن ابوذرؓ کو خبر تک نہ ہوئی اس بنا پر وہ اپنی اس شدت پر قائم رہے۔“

حضرت شدادؓ کے سلسلہ سے جو حدیثیں مروی ہیں ان کی تعداد ۵۰ ہے، انہوں نے اکثر آنحضرت ﷺ سے اور کچھ کعب احبار سے حدیثیں سنی تھیں۔

ان سے روایت کرنے والوں میں بہت سے اہل شام ہیں۔ منتخب حضرات کے نام یہ ہیں۔
محمود بن لبید، یعلیٰ، ابوالاشعث صفانی، ضمرۃ بن حبیب، ابو ادریس خولانی، محمود بن ربیع، عبدالرحمان بن غنم، بشیر بن کعب، جبیر بن نصیر، ابواسماء، رجبی، حسان بن عطیہ، عبادہ بن بسنی حنظلی۔

اخلاق : اخلاق و عادات یہ تھے کہ نہایت عابد اور پرہیزگار تھے، خدا سے ہر وقت خوف کھاتے تھے، بسا اوقات رات کو آرام فرمانے کے لئے لیٹتے پھر اٹھ بیٹھتے اور تمام رات نماز پڑھتے کبھی کبھی منہ سے نکلتا،

”اللهم ان النار قد حالت بيني وبين النوم“

”خدا یا آتش جہنم میرے اور نیند کے درمیان حائل ہو گئی ہے۔“

حضرت اسد بن وداعہ کا یہ فقرہ بھی اس مقام پر قابل لحاظ ہے، کہتے ہیں۔

”كان شداد بن اوس اذا اخذ مضجعه من الليل كان كالحبة على المقلی“^۱

”شداد جب رات کو لیٹتے تو خوف سے اس قدر بے چین اور متاثر ہوتے جیسے بھاڑ میں چنا۔“

نہایت حلیم اور کم سخن تھے، تاہم جب گفتگو کرتے تو دل آویز اور شیریں ہوتی، حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ شداد دو خصلتوں میں ہم سے بڑھ گئے،

بیان اذا نطق وبكظم اذا غضب

”بولنے کے وقت وضاحت بیان میں اور غصہ کے وقت علم، عفو اور درگزر میں۔“

حفظ لسان اور کم سخن کا یہ عالم تھا کہ ایک مرتبہ سفر میں تھے غلام سے کہا، چھری لاؤ، اس سے کھیلیں! ایک شخص نے ٹوکا تو فرمایا۔

”ما تكلمت بكلمة مذاسلمت وانا اخطمها وازمها الا كلمتي هذه“

”فلا تحفظوها عني“

”جب سے مسلمان ہوا، میرے منہ میں لگام رہی، آج یہ کلمہ منہ سے نکل گیا، تو تم اس کو بھول جاؤ۔“

مسلمانوں کے انقلاب اور تغیر کو نہایت سختی سے محسوس کرتے تھے ایک مرتبہ رونے لگے تو وجہ دریافت کی تو ارشاد ہوا کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا تھا کہ مجھے اپنی امت کے خواہش نفس اور شرک میں مبتلا ہونے کا خوف ہے، میں نے عرض کیا آپ کی امت مشرک ہو جائے گی؟ فرمایا ہاں لیکن اس طرح کہ سورج، چاند، بت، پتھر کو نہ پوجے گی، البتہ ریاء اور مخفی خواہشوں کا غلبہ ہوگا، صبح کو آدمی روزہ دار

اٹھے گا لیکن جب خواہش تقاضا کرے گی تو وہ روزہ بے خوف و خطر توڑ دے گا^۱۔

مریضوں کی عیادت کرتے تھے، ابو اشعث صفانی شام کے قریب مسجد دمشق میں تھے کہ حضرت شداڈ اور صناعی سے ملاقات ہوئی، پوچھا کہاں کا ارادہ ہے؟ جواب دیا ایک بھائی بیمار ہے، اس کی عیادت کو جاتے ہیں، یہ بھی ساتھ ہو گئے، اندر جا کر مریض سے پوچھا کیا حال ہے، بولا اچھا ہوں، حضرت شداڈ نے کہا، ابشر بکفارات السنیات و حط الخطایا، یعنی میں تم کو مرض کے کفارہ گناہ ہونے کی بشارت سناتا ہوں، حدیث شریف میں وارد ہے کہ جو شخص خدا کے ابتلا میں اس کی حمد کرے اور راضی برضا ہے تو وہ اس طرح پاک و صاف اٹھتا ہے، جیسا کہ ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا تھا^۲۔

بارگاہ رسالت میں خصوصیت اور حب رسول اللہ ﷺ کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے، کہ فتح مکہ کے دوران میں آنحضرت ﷺ ایک روز بقیع تشریف لے گئے، تو حضرت شداڈؓ ہمراہ تھے اور آپ ان کا ہاتھ پکڑے ہوئے تھے^۳۔

ایک مرتبہ خدمت اقدس میں حاضر تھے چہرہ پر اداسی چھائی ہوئی تھی ارشاد ہوا کیا ہے؟ بولے یا رسول اللہ! مجھ پر دنیا تنگ ہے، فرمایا تم پر تنگ نہ ہوگی، شام اور بیت المقدس فتح ہوگا اور وہاں تم اور تمہاری اولاد امام ہوگی، یہ پیشن گوئی حرف بحرف پوری اتری وہ اپنی اولاد کے ساتھ بیت المقدس میں اقامت گزریں ہوئے اور تمام شام کے علم و فضل میں مرجع بن گئے۔



“ع”

حضرت عبادہؓ بن صامت

نام و نسب :

عبادہ نام، ابوالولید کنیت قبیلہ خزرج کے خاندان سالم سے ہیں، نسب نامہ یہ ہے : عبادہ بن صامت بن قیس بن اصرم بن فہر بن قیس بن ثعلبہ بن غنم (توقل) بن سالم ابن عوف بن عمرو بن عوف بن خزرج، والدہ کا نام قرۃ العین تھا، جو عبادہ بن نضله بن مالک بن عجلان کی بیٹی تھیں، قرۃ العین کے جگر گوشہ کا نام اپنے نانا کے نام پر رکھا گیا۔

بنو سالم کے مکانات مدینہ کے غربی سنگستان کے کنارہ قباء سے متصل واقع تھے، یہاں ان کے کئی قلعے بھی تھے، جو اطم قوافل کے نام سے مشہور ہیں، اس بنا پر حضرت عبادہؓ کا مکان مدینہ سے باہر تھا۔ اسلام : ابھی عقوان شباب تھا، کہ مکہ سے اسلام کی صدا بلند ہوئی، جن خوش نصیب لوگوں نے اس کی پہلی آواز کو رغبت کے کانوں سے سنا، حضرت عبادہؓ انہی میں سے ہیں، انصار کے وفد ۳ سال تک مدینہ سے مکہ آئے تھے، وہ سب میں شامل تھے پہلا وفد جو دس آدمیوں پر مشتمل تھا، وہ اس میں داخل تھے اور چھ شخصوں کے ساتھ آنحضرت ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کی تھی ارباب علم کی ایک جماعت کا یہی خیال^۱ ہے اگرچہ کثرت رائے ان کے اسلام کو دوسری بیعت تک موقوف سمجھتی ہے، جس میں بارہ آدمیوں^۲ نے مذہب اسلام قبول کیا تھا، تیسری بیعت تک جس میں ۷۲ اشخاص شامل تھے حضرت عبادہؓ کی اس میں بھی شرکت تھی۔ (مسند جلد ۵ ص ۳۱۶)

اخیر بیعت میں ان کو یہ شرف حاصل ہوا کہ آنحضرت ﷺ نے ان کو خاندان قوافل کا نقیب

تجویز فرمایا۔

غزوات و دیگر حالات :

حضرت عبادہؓ کی زندگی ابتدائی سے ولولہ انگیز ہے، مکہ سے مسلمان ہو کر پلٹے تو مکان پہنچتے ہیں والدہ کو مشرف باسلام کیا^۳۔ کعب بن عجرہ ایک دوست تھے اور ہنوز مسلمان نہ ہوئے تھے ان کے گھر میں

۱۔ فتح الباری جلد ۷ ص ۱۷۲، اور زرقانی جلد ۱ ص ۳۶۱ ۲۔ مسند احمد جلد ۵ ص ۳۲۳ بخاری جلد ۱ ص ۵۵۰

۳۔ زرقانی جلد ۱ ص ۲۶۱

ایک بڑا سائت رکھا تھا۔ حضرت عبادہؓ کو فکر تھی کہ کسی صورت سے یہ گھر بھی شرک سے پاک ہو، موقع پا کر اندر گئے اور بت کو بسولے سے توڑ ڈالا، کعب کو ہدایت نہیں ہوئی اور وہ جمعیت اسلام میں آ ملے۔

آنحضرت ﷺ نے مدینہ پہنچ کر انصار و مہاجرین میں برادری قائم کی تو حضرت ابو مرثد غنویؓ کو ان کا بھائی تجویز فرمایا۔ حضرت ابو مرثدؓ نہایت قدیم الاسلام صحابی اور حضرت حمزہؓ رسول اللہ ﷺ کے حلیف تھے اس بناء پر ان کا تعلق خود خاندان رسالت سے تھے۔

۲ھ میں غزوہ بدر واقع ہوا، حضرت عبادہؓ نے اس میں شرکت کی اسی سنہ میں بنو قینقاع عبد اللہ بن ابی کے اشارے سے رسول اللہ ﷺ سے بغاوت پر آمادہ ہوئے۔ دربار نبوت ﷺ سے جلا وطنی کا فرمان صادر ہوا۔ حضرت عبادہؓ نے حلف کا دیرینہ تعلق ان لوگوں سے قطع کر دیا تھا۔ اخراج البلد کا کام بھی انہی کے متعلق ہوا۔ قرآن کی یہ آیت ”یا ایہا الذین آمنوا لا تتخذوا الیہود والنصارى“ اسی واقعہ کے متعلق نازل ہوئی تھی۔

مشاہد عہد نبوت میں بیعت الرضوان کو غیر معمولی اہمیت حاصل ہے وہ اس بیعت میں بھی شریک تھے۔ خلافت صدیقی میں شام کی بعض لڑائیوں میں شریک تھے، خلافت فاروقی میں مصر کے فتح ہونے میں دیر ہوئی تو عمرو بن عاصؓ نے حضرت عمرؓ کو مزید کمک کے لئے خط لکھا، حضرت عمرؓ نے ۴ ہزار فوج روانہ کی جس میں ایک ہزار فوج کے حضرت عبادہ افسر تھے، اور جواب میں لکھا کہ ان افسروں میں ہر شخص ایک ہزار آدمیوں کے برابر ہے۔ یہ کمک مصر پہنچی تو عمرو بن عاصؓ نے تمام فوج کو یکجا کر کے ایک پُر اثر تقریر کی اور حضرت عبادہؓ کو بلا کر کہا کہ اپنا نیزہ مجھے دیجئے، خود سر سے امامہ اتارا اور نیزہ پر لگا کر ان کے حوالہ کیا کہ یہ سپہ سالار کا علم ہے اور آج آپ سپہ سالار ہیں خدا کی شان کہ پہلے ہی حملہ میں شہر فتح ہو گیا۔

ملکی خدمات : خدمات ملکی کے سلسلہ میں تین چیزیں قابل ذکر ہیں۔ صدقات کی افسری، فلسطین کی قضاات اور حمص کی امارت۔

آنحضرت ﷺ نے اپنے اخیر عہد میں صدقہ کے عمال تمام اضلاع عرب میں روانہ کئے تھے۔ حضرت عبادہؓ کو بھی کسی مقام کا عامل بنایا تھا۔ وصیت کے طور پر فرمایا کہ خدا سے ڈرنا ایسا نہ ہو کہ

۱۔ نزہۃ الابرار فی الاسامی و مناقب الاخیار قلمی ورق۔ ص ۱۶۳

۲۔ طبقات ص ۳۰۔ قسم اول۔ جز ۲، حصہ مغازی ۳۔ مسند۔ جلد ۵۔ ص ۳۱۹

۳۔ کنز العمال۔ جلد ۲۔ ص ۱۵۱۔ بحوالہ ابن عبد الحکم

قیامت کے دن چوپائے تک فریادی ہو کر آئیں، انہوں نے کہا کہ خدا کی قسم میں دو آدمیوں پر بھی عامل بننے کا خواہشمند نہیں۔

حضرت عمرؓ نے اپنے زمانہ خلافت میں فلسطین کا قاضی بنایا تھا، اس زمانہ میں یہ صوبہ حضرت امیر معاویہؓ کی ماتحتی میں تھا کسی بات پر دونوں میں اختلاف ہو گیا جس میں حضرت امیر معاویہؓ نے سخت کلامی کی تو انہوں نے کہا کہ آئندہ تم جہاں ہو گے میں نہ رہوں گا، ناراض ہو کر فلسطین سے مدینہ چلے آئے، حضرت عمرؓ نے دیکھا تو پوچھا کیوں؟ انہوں نے سارا قصہ دہرایا، فرمایا کہ آپ اپنی جگہ پر جائیے، دنیا آپ ہی جیسے لوگوں سے قائم ہے جہاں آپ لوگ نہ ہوں گے خدا اس زمین کو خراب کر دے گا۔ اس کے بعد امیر معاویہؓ کو ایک خط لکھا کہ عبادہؓ کو تمہاری ماتحتی سے الگ کرنا ہوں۔ قضات فلسطین کا یہ پہلا عہد تھا جو حضرت عبادہؓ کو تفویض ہوا۔ اسی زمانہ میں حضرت ابو عبیدہؓ نے جو شام کے امیر تھے ان کو حمص کا نائب بنایا، حمص کے زمانہ قیام میں انہوں نے لازقیہ فتح کیا اور اس میں ایک خاص فوجی ایجاد کی یعنی بڑے بڑے گڑھے کھدوائے جن میں ایک شخص مع اپنے گھوڑے کے چھپ سکتا تھا یہ طریقہ آج بھی یورپ میں رائج ہے۔ (بلاذری فتوح البلدان ص ۱۳۹)

وفات : حضرت عبادہؓ تا دم مرگ شام میں سکونت پذیر رہے۔ ۳۳ھ میں پیغام اجل آیا اس وقت ان کا سن ۷۲ سال کا تھا۔ وفات سے پہلے بیمار رہے، لوگ عیادت کو آتے تھے شہداد بن اوس کچھ آدمیوں کے ساتھ ان کے مکان پر آئے پوچھا کیسا مزاج ہے، فرمایا خدا کے فضل سے اچھا ہوں۔

وفات کے قریب بیٹا آیا اور درخواست کی کہ وصیت کیجئے، فرمایا مجھے اٹھا کے بٹھاؤ اس کے بعد کہا بیٹا! تقدیر پر یقین رکھنا، ورنہ ایمان کی خیر نہیں۔

اسی حالت میں صناعی پہنچے، دیکھا تو استاد جاں بلب تھا۔ آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور بیتاب ہو کر زار و قطار رونے لگے۔ استاد شفیق نے رونے سے منع کیا اور کہا کہ ہر طرح سے راضی ہوں، شفاعت کی ضرورت ہوگی تو شفاعت کروں گا، شہادت کے لئے چاہو گے تو شہادت دوں گا۔ غرض حتی الوسع تم کو نفع پہنچاؤں گا۔ اس کے بعد فرمایا کہ جتنی حدیثیں ضروری تھیں تم لوگوں تک پہنچا چکا، البتہ ایک حدیث باقی تھی، اس کو اب بیان کئے دیتا ہوں۔ حدیث بیان کر چکے تو روح جسم کو وداع کہہ کر جوار رحمت میں پرواز کر گئی، یہ حضرت عثمانؓ کے عہد خلافت کا واقعہ ہے۔

مدفن کے متعلق اختلاف ہے، ابن سعد نے رملہ لکھا ہے، دوسری روایتوں میں بیت المقدس کا نام آیا ہے اور لکھا ہے کہ ان کی قبر وہاں اب تک مشہور ہے۔ امام بخاری نے فلسطین کو مدفن قرار دیا ہے لیکن اصل یہ ہے کہ فلسطین ایک صوبہ تھا جس کے رملہ اور بیت المقدس اضلاع تھے۔

حلیہ : حلیہ یہ تھا۔ قد دراز (۱۰ ابا لش طول تھا)، بدن دو ہرا، رنگ ملیح، نہایت جمیل تھا۔
اولاد : اولاد کے نام یہ ہیں۔ ولید، عبد اللہ، داؤد۔ ان میں سے ولید کے دو بیٹے، عبادہ اور یحییٰ اور موخر الذکر کے لڑے اسحاق، حدیث کے مشہور راویوں میں ہیں۔

فضل و کمال :

حضرت عبادہؓ ”فضلائے صحابہ میں تھے۔ قرأت ان کا خاص فن تھا۔ انہوں نے آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں پورا قرآن حفظ کر لیا تھا۔ اسلام کا پہلا مدرسہ قرأت جو عہد نبوی ﷺ میں اصحاب صفہ کیلئے قائم ہوا تھا انہی کے زیر ریاست تھا اہل صفہ جو صحابہ کبار تھے ان سے تعلیم پاتے تھے۔ یہاں قرآن کے ساتھ لکھنا بھی سکھایا جاتا تھا۔ چنانچہ بہت سے لوگ قرأت اور کتابت سیکھ کر یہاں سے نکلے تھے۔“

بعض تلامذہ کے رہنے سہنے اور کھانے پینے کا انتظام بھی استاد کے متعلق ہوتا تھا اس قسم کے بہت سے لوگ آتے تھے۔ ایک شخص کی نسبت مذکور ہے کہ ان کے گھر میں رہتا تھا اور شام کا کھانا بھی ان کے ساتھ کھاتا تھا، مکان جانے کا قصد کیا تھا تو ایک عمدہ کمان استاد کی نذر کی، انہوں نے آنحضرت ﷺ سے ذکر کیا، آپ ﷺ نے اس کے قبول کرنے سے منع فرمایا۔“

عہد نبوی ﷺ کے بعد جب شام کے مسلمانوں کو تعلیم قرآن کی ضرورت ہوئی تو حضرت عمرؓ نے ان کو شام روانہ کیا۔ وہ پہلے حمص گئے لیکن کچھ زمانہ کے بعد فلسطین کو اپنا مستقر بنایا۔ حدیث میں حضرت عبادہؓ ”بعض اولیات کے موجد ہوئے۔ صحابہؓ کے زمانے میں رسول اللہ ﷺ تک سلسلہ حدیث پہچانے کا یہ طرز تھا کہ صحابی کہتا تھا کہ میں نے اس کو رسول اللہ ﷺ سے سنا، لیکن بعض بزرگ ایسے بھی تھے جنہوں نے الفاظ روایت میں وہ مدارج قائم کئے جو بعد میں روایت حدیث کا جزء قرار پا گئے، حضرت عبادہؓ نے بھی ان الفاظ میں ایک اضافہ کیا ایک شخص سے حدیث بیان کی تو فرمایا :

”قال رسول الله ﷺ من في الى في لا اقول حدثني فلاں ولا فلاں“

”یعنی رسول اللہ ﷺ نے میرے درود فرمایا میں یہ نہیں کہتا کہ مجھ سے فلاں فلاں لوگوں نے

حدیث بیان کی“۔

اسی طرح ایک مجمع میں خطبہ دیا اور حضرت امیر معاویہؓ نے ایک حدیث سنا ان کا رطاہر کیا تو فرمایا :

”اشھد انی سمعت رسول اللہ ﷺ“

”میں گواہ ہوں کہ میں نے آنحضرت ﷺ سے سنا۔“

اشاعت حدیث کا خاص اہتمام تھا۔ مجامع وعظ، مجالس علم، حج کی صحبتیں ہر جگہ اس کا چر چار ہوتا تھا۔ کبھی گرجے میں جاتے تو وہاں بھی رسول اللہ کا کلام مسلمانوں اور عیسائیوں کے گوش گزار کرتے تھے۔

مرویات کی تعداد ۸۱ تک پہنچتی ہے جس کے روایت کرنے والے اکابر صحابہ اور نبلاء تابعین ہیں چنانچہ وابستگان نبوت میں حضرت انسؓ بن مالک، حضرت جابرؓ بن عبد اللہ، حضرت ابو امام، حضرت سلمہؓ بن محقق محمود، بن ربیع، حضرت مقدم بن معدیکرب، حضرت رفاعہؓ بن رافع، حضرت اوسؓ بن عبد اللہ ثقفی، شریک، بن حسنہ اور تابعین باحسان میں عبدالرحمن بن عسیلہ، صناعی، حطان بن عبد اللہ رقاشی، ابوالاشعث صفانی، جیسر بن نصیر جنادہ بن ابی مہیہ، اسود ثعلبہ، عبد اللہ بن محیریز ربیعہ بن ناجد، عطاء بن یسار، قبیصہ بن ذویب، نافع بن محمد بن ربیع یعلیٰ بن شداد بن اوس، ابو مسلم خولانی، ابودریس خولانی اس مخزن علم سے فیض یاب ہوئے ہیں۔

فقہ میں کمال علمی مسلم تھا اور تمام صحابہؓ اس کا اعتراف کرتے تھے، شام کے مسلمانوں کو قرآن اور فقہ کی تعلیم کی ضرورت ہوئی تو حضرت عمرؓ نے اس کام کے لئے انہی کا انتخاب کیا، حضرت امیر معاویہؓ نے طاعون عمواس کا خطبہ میں ذکر کیا، تو کہا مجھ سے اور عبادہؓ سے اس مسئلہ میں گفتگو ہو چکی ہے، لیکن بات وہی ٹھیک تھی، جو انہوں نے کہی تھی۔ تم لوگ ان سے فائدہ اٹھاؤ کیونکہ وہ مجھ سے زیادہ فقیہ ہیں۔

حضرت جنادہ حضرت عبادہؓ سے ملاقات کو گئے تو بیان کرتے ہیں کہ

”وکان قد تفقہ فی دین اللہ“ یعنی ”وہ دین الہی میں فقیہ تھے۔“

اخلاق عادات :

امراء کے مقابلہ میں حق گوئی حضرت عبادہؓ کے تاج فضیلت کا طرہ رہی ہے وہ نہایت ہوش سے اس فرض کو ادا کرتے تھے، شام گئے اور وہاں بیع و شراء میں شرعی خرابیاں دیکھیں تو ایک خطبہ دیا جس سے تمام مجمع میں ہلچل پڑ گئی، حضرت امیر معاویہؓ بھی موجود تھے، بولے کہ عبادہؓ سے آنحضرت ﷺ

سے یہ نہیں فرمایا تھا، اب ان کے طیش کو کون روک سکتا تھا، فرمایا کہ مجھے معاویہ کے ساتھ رہنے کی بالکل پرواہ نہیں میں گواہی دیتا ہوں کہ آنحضرت ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا تھا۔^۱

یہ حضرت عمرؓ کے عہد خلافت کا واقعہ تھا لیکن عہد عثمانی میں حضرت امیر معاویہؓ نے دربار خلافت میں شکایت لکھی کہ عبادہ نے تمام شام کو بگاڑ رکھا ہے، یا تو ان کو مدینہ بلائیے یا میں شام چھوڑ دوں گا، امیر المومنین نے جواب میں لکھا کہ ان کو یہاں روانہ کر دو، مدینہ پہنچ کر سیدھے حضرت عثمانؓ کے کاشنہ میں پہنچے جہاں صرف ایک شخص تھا جو مہاجر اور تابعی تھا، لیکن باہر بہت سے لوگ جمع تھے، اندر جا کر ایک گوشہ میں بیٹھ گئے حضرت عثمانؓ کی نظر اٹھی تو حضرت عبادہؓ سامنے تھے، پوچھا کیا معاملہ ہے پیکر حق اب بھی راست گوئی کا وہی جذبہ رکھتا تھا کھڑے ہو کر مجمع سے مخاطب ہوا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ میرے بعد امراء منکر کو معروف اور معروف کو منکر سے بدل دیں گے، لیکن معصیت میں طاعت جائز نہیں، تم لوگ بدی میں ہرگز آلودہ نہ ہونا۔^۲

حضرت ابو ہریرہؓ نے کسی بات میں دخل دیا تو فرمایا کہ جب ہم نے آنحضرت سے بیعت لی تھی تو تم اس وقت موجود نہ تھے (پھر تم ناحق بیعت میں پڑتے ہو) ہم نے آنحضرت ﷺ سے ان شرائط پر بیعت کی تھی کہ چستی اور کاہلی میں آپ کا کیا کہنا مانیں گے فراغی اور تنگی میں مالی امداد دیں گے، اچھی باتیں پہنچائیں گے، بری باتوں سے روکیں گے سچ کہنے میں کسی سے نہ دہیں گے، آنحضرت ﷺ یثرب تشریف لائیں گے تو مدد کریں گے اور جان و مال اور اولاد کی طرح آپ کی نگہبانی کریں گے ان سب باتوں کا صلہ جنت کی صورت میں دیا جائے گا، پس ہم کو ان باتوں پر پورے طور سے عمل کرنا چاہئے اور جو نہ کرے وہ اپنا آپ ذمہ دار ہے۔^۳

اس فرض امر معروف کو وہ راستہ چلتے چلتے بھی ادا کرتے تھے، ایک دفعہ کسی سمت جا رہے تھے (عبداللہ بن عباد زرقی کو دیکھا کہ چڑیا پکڑ رہے ہیں چڑیاں ہاتھ سے چھین کر اڑادی اور کہا بیٹا یہ حرم میں داخل ہے یہاں شکار جائز نہیں۔^۴

حب رسول کا یہ عالم تھا کہ بیعت کرنے کے بعد ۲ مرتبہ مکہ جا کر رسول اللہ ﷺ کی زیارت کی آنحضرت ﷺ مدینہ تشریف لائے تو کوئی غزوہ اور واقعہ ایسا نہ تھا جس کی شرکت کا شرف انہیں حاصل نہ ہوا ہوا نہ ہی وجوہ سے آنحضرت ﷺ کو ان سے خاص محبت تھی، ایک مرتبہ وہ بیمار پڑے تو خود سردار دو عالم ﷺ عیادت کو آئے انصار کے کچھ لوگ ہرکاب تھے فرمایا جانتے ہو شہید کون ہے؟ لوگ خاموش

رہے۔ حضرت عبادہؓ نے اپنی بیوی سے کہا کہ ذرا مجھے تکیہ سے لگا کر بٹھاؤ بیٹھ کر رسول اللہ ﷺ کے سوال کا جواب دیا کہ جو مسلمان ہو، ہجرت کرے اور عمر کے میں قتل ہو، آپ نے فرمایا نہیں اس صورت میں تو شہیدوں کی تعداد بہت کم ہوگی قتل ہونا ہیضہ میں مرنا، غرق آب ہونا اور عورت کا زچگی میں مرجانا، یہ سب شہادت میں داخل ہے۔

رسول اللہ ﷺ علیل ہوئے تو صبح و شام دیکھنے جاتے تھے، آپ نے اسی حالت میں ان کو ایک دعا بتائی اور فرمایا کہ مجھ کو جبرئیلؑ نے تلقین کی تھی۔



حضرت عبداللہ بن رواحہؓ

نام و نسب :

عبداللہ نام، ابو محمد کنیت شاعر رسول اللہ ﷺ لقب، سلسلہ نسب یہ ہے، عبداللہ بن رواحہ بن ثعلبہ بن امراء القیس بن عمرو بن امراء القیس الاکبر بن مالک الاغرا بن ثعلبہ بن کعب بن خزرج بن حارث بن خزرج اکبر، والدہ کا نام کبشہ بنت واقد ابن عمرو بن اطنابہ تھا، اور خاندان حارث بن خزرج سے تھیں بنو حضرت عبداللہ کا پدر اعلیٰ تھا۔

حضرت عبداللہ بڑے رتبہ کے شخص تھے ان کے تذکرے میں ہے :

”کان عظیم القدر فی الجاہلیت والاسلام“

یعنی ”وہ جاہلیت اور اسلام دونوں میں کبیر المیزلت ہے۔“

اسلام : لیلۃ المعقبہ میں مشرف بہ اسلام ہوئے اور بنو حارثہ کے نقیب بنائے گئے،

غزوات اور دیگر حالات :

حضرت مقدادؓ بن اسود کندی سے رشتہ اخوت قائم ہوا۔ بدر میں شریک تھے، اور غزوہ ختم ہونے کے بعد اہل مدینہ کو فتح کی بشارت انہیں نے سنائی تھی، غزوہ خندق میں آنحضرت ﷺ ان کے رجز کے اشعار پڑھ رہے تھے :

اللهم لولا انت ما اهتدينا ولا تصدقنا ولا صلينا

خداوند! اگر تیری مدد نہ ہوتی تو ہم ہدایت نہ پاتے اور نہ زکوٰۃ دیتے اور نہ نماز پڑھتے

فانزلن سكينه علينا وثبت الاعدام ان لاقينا

تو تو ہم پر اپنی تسکین نازل فرما اور معرکہ میں ہم کو ثابت قدم رکھ

ان الاولیٰ قد بغوا علينا اذا ارادوا فتنه ابينا

جن لوگوں نے ہم پر ظلم کیا ہے جب وہ فتنہ کا ارادہ کریں گے تو ہم اس کا انکار کریں گے

حدیبیہ اور بیعت رضوان میں بھی موجود تھے۔

اسیر بن زارم یہودی ابورافع کے بعد خیبر کا حاکم بنایا گیا تھا، اور اسلام کی عداوت میں اس کا پورا جانشین تھا، چنانچہ اس نے غطفان میں دورہ کر کے تمام قبائل کو آمادہ کیا آنحضرت ﷺ کو ان واقعات کی خبر ہوئی تو رمضان ۶ھ میں عبداللہ بن رواحہ کو ۳۰ آدمیوں کے ساتھ خیبر روانہ فرمایا، عبداللہ نے خفیہ طور سے اسیر کے تمام حالات معلوم کئے اور آنحضرت ﷺ کو آ کر خبر کر دی، آپ ﷺ نے اس کے قتل کے لئے حضرت عبداللہ بن رواحہ کو مقرر فرمایا اور ۳۰ آدمی ان کی ماتحتی میں دیئے۔

حضرت عبداللہؓ اسیر سے ملے تو کہا کہ ہم کو امان دو، تم سے ایک بات کہنے آئے ہیں بولا کہو، حضرت عبداللہؓ نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے ہم کو تمہارے پاس بھیجا ہے اور آپ کا ارادہ ہے کہ تم کو خیبر کا رئیس بنادیں، لیکن اس کے لئے خود تمہارا مدینہ چلنا ضروری ہے، وہ باتوں میں آ گیا اور ۳۰ یہودیوں کو لے کر ان کے ساتھ ہولیا، راستہ میں انہوں نے ہر یہودی پر ایک مسلمان کو متعین کیا، اسیر کو کچھ شک ہوا اور اس نے پلٹنے کا ارادہ ظاہر کیا، مسلمان نے دھوکہ بازی کے جرم میں سب کی گردنیں اڑا دیں اور یہ اٹھتا ہوا طوفان دہیں دب کر رہ گیا۔

خیبر فتح ہونے کے بعد آنحضرت ﷺ مکہ تشریف لے گئے تو وہ اونٹ کی مہار پکڑے ہوئے تھے اور یہ پڑھ رہے تھے۔

خلوا بنی الکفار عن سبیلہ

ان کے راستہ سے ہٹ جاؤ

نحن ضربنا کم علی تاویلہ

ہم نے تم کو قرآن کی تاویل اور تنزیل پر مارا ہے

ضربا یزیل الہام عن مقبلہ

اور دوست دوستی بھول گئے ہیں خدایا

حضرت عمرؓ نے کہا، ہنہ! خدا کے حرم اور رسول اللہ ﷺ کے روبرو شعر پڑھتے ہو، آنحضرت

ﷺ بولے عمر! میں سن رہا ہوں خدا کی قسم ان کا کلام کفار پر تیر و نشتر کا کام کرتا ہے، اس کے بعد ان سے

فرمایا کہ تم کہو، لا الہ الا اللہ وحدہ، نصر عبدہ واعز جندہ وھزم الاحزاب وحدہ، ابن

رواحہؓ نے اس کو کہا تم تمام صحابہؓ نے آواز ملا کر اس کو ادا کیا، جس سے مکہ کی پہاڑیاں گونج اٹھیں۔

غزوہ موتہ اور شہادت :

جمادی الاولیٰ ۸ھ میں غزوہ موتہ ہوا۔ آنحضرت ﷺ نے بصری کے رئیس کے پاس ایک نامہ بھیجا تھا، راستہ میں موتہ ایک مقام ہے وہاں ایک غسانی نے نامہ بر (سفیر) کو قتل کر دیا، سفیر کا قتل اعلان جنگ کا پیش خیمہ ہوتا ہے، اس بناء پر آنحضرت ﷺ کو خبر ہوئی تو تین ہزار آدمی زید بن حارثہ کی زیر امارت موتہ روانہ کئے اور یہ فرمایا کہ زید قتل ہو جائیں تو جعفر امیر لشکر ہیں اور ان کے بعد ابن رواحہ سردار ہیں اور اگر وہ بھی قتل ہو جائیں تو جس کو مسلمان مناسب سمجھیں امیر بنالیں۔

لشکر تیار ہوا تو ثنیۃ الوداع تک آنحضرت ﷺ نے خود مشایعت کی رخصت کے وقت اہل مدینہ نے یک زبان ہو کر کہا کہ خدا آپ لوگوں کو صحیح سالم اور کامیاب واپس لائے، حضرت ابن رواحہؓ کی یہ آخری ملاقات تھی رونے لگے لوگوں نے کہا رونے کی کیا بات ہے؟ کہا مجھے دنیا کی محبت نہیں لیکن رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ ”ان منکم الا وارثھا، کان علی ربک حتماً مقضیاً“۔ (یعنی ہر شخص کو جہنم میں جانا ہے) اس بنا پر یہ فکر ہے کہ میں جہنم میں داخل ہو کر نکل بھی سکوں گا؟ سب نے تسکین دی اور کہا کہ خدا آپ سے پھر ملا دے گا، اس وقت حضرت ابن رواحہؓ نے فرمایا۔

لکنی اسئل الرحمن مغفرة و ضربة ذات فرغ تقذف الزبداء

لیکن میں خدا سے مغفرت اور ایک وار کا طالب ہوں جو کاڑی لگے

او طعنة بیدی حران بحهزة بحرہ تنقذ الاحشاء والکبداء

یا ایک نیزہ جو جگر تک چبھ جائے

حتی یقولوا اذا مروا علی جلدتی یا ارشد الله من غازو وقد رشنا

یہاں تک کہ قبر پر گزرنے والے پکاراٹھیں کہ کیسا اچھا غازی تھا

اس کے بعد آنحضرت ﷺ سے ملنے آئے، آپ نے الوداع کہا ادھر مدینہ سے مسلمان روانہ ہوئے ادھر دشمن کو خبر ہو گئی، اس نے ہر قل کو خبر کر کے ۲ لاکھ آدمی جمع کر لئے مسلمانوں نے شام پہنچ کر معان میں دورات قیام کیا اور یہ رائے قرار پائی کہ رسول اللہ ﷺ کو اس کی اطلاع دینی چاہئے عبداللہ بن رواحہؓ نے نہایت دلیری سے کہا کہ کچھ پرواہ نہیں ہم کو لڑنا چاہئے، چنانچہ معان سے چل کر موتہ میں پڑاؤ ڈالا اور یہاں مشرکین سے مقابلہ ہو گیا، مسلمان صرف ۳ ہزار تھے اور مشرکین کی طرف آدمیوں کا جنگل نظر آتا تھا میدان کا راز گرم ہوا، پہلے زید بن حارثہؓ نے گھوڑے سے اتر کر آتش جنگ مشتعل کی اور

نہایت جانبازی سے مارے گئے پھر جعفر نے علم اٹھایا اور نہایت بہادری سے شہادت حاصل کی اس کے بعد عبداللہ بن رواحہؓ رجز پڑھتے ہوئے بڑھے۔

یا نفس ان لم تقتلی تموتی ان تسلمی الیوم فلن تفوتی
اے نفس اگر قتل نہ ہوا تو بھی مرے گا اگر آج باقی ہے تو آئندہ فوت ہوگا

او تبتلی فطال ما عوفت

یاعافیت کی درازی میں تیری آزمائش ہوگی

ہذہ حیاض الموت فقد خلت وما تمنیت فقد اعطیت

اس لئے موت کے حوض خالی ہو رہے ہیں اور جو تیری تمنا تھی مل رہی ہے

پھر کہا اے نفس! بیوی بچے اور مکان کا خیال فضول ہے، وہ سب آزاد ہیں، مکان اللہ اور

رسول کا ہدل کو سمجھا کر جھنڈا اٹھایا اور حسب ذیل رجز پڑھتے ہوئے میدان میں آئے۔

یا نفس مالک تکرہین الجنة

ا قسم با اللہ لتنزلنہ

اے نفس جنت میں جانے سے کراہیت کیوں ہے

خدا کی قسم تو ضرور اس میں داخل ہوگا

طاعة اولک و لتک ہنہ

فطا لما قد کنت مطمئنہ

خواہ برضا و رغبت خواہ جبر سے

تو نہایت مطمئن تھا، حالانکہ

ہل انت الا نطفة فی شہہ

قد جلب الناس و شدوا الہ نہ

تو مشک کا صاف پانی ہے (جو لوگوں کی پیاس بجھانے کیلئے ہے)

اب لوگ پیاسے ہیں اور چیخ چیخ کر فریاد کر رہے ہیں

نیزہ لیکر حملہ کیا اسی اثنا میں ایک کافر نے اس زور سے نیزہ مارا کہ دونوں لشکروں کے درمیان

پھٹ گئے، خون چہرہ پر ملا اور پکارے ”مسلمانو! اپنے بھائی کے گوشت کو بچاؤ“۔ یہ سن کر تمام مسلمان

ان کو گھیرے میں لے کر مشرکین پر ٹوٹ پڑے اور روح مطہر ملا، اعلیٰ کو پرواز کر گئی۔ انا للہ وانا الیہ

راجعون۔

شہادت سے قبل موتہ میں ایک شب یہ اشعار پڑھ رہے تھے :

اذا اولتني وحملت رحلي مسيرة اربع بعد الحاء
فشانك فانعمي وخلاك ذم ولا ارجع الى اهلي ورائي
وجاء المومنون و خلفوني بارض الشام مشهور الشراء
وردك كل ذي نسب قريب الى الرحمن منقطع الاخاء
هنالك لا ابالي طلع بعل ولا نخل اسفلها رواء

حضرت زید بن ارقم نے سنا تو انہوں نے درہ اٹھایا اور کہا اس میں تمہارا کیا نقصان؟ خدا مجھ کو شہادت نصیب کرے گا، تو تم آرام سے گھر جانا۔

آنحضرت ﷺ کو وحی کے ذریعے دم دم کی خبریں مل رہی تھیں اور آپ مجمع کے سامنے بیان کر رہے تھے، حضرت جعفرؓ کی خبر بیان کر کے خاموش ہو گئے انصار آپ کی خاموشی سے سمجھ گئے کہ شاید حضرت ابن رواحہ شہید ہوئے، تھوڑی دیر سکوت کے بعد بادیدہؓ پر غم فرمایا کہ ابن رواحہؓ نے شہادت پائی، انصار اس خبر کے کب متحمل ہو سکتے تھے، تاہم آہ وزاری اور نالہ و فریاد کے بجائے صرف حقیقی حزن و ملال پر اکتفا کیا گیا کہ یہ بھی اس شہید ملت کی ایک وصیت تھی۔

ایک مرتبہ بے ہوش ہو گئے تھے، بہن نے جن کا نام عمرہ تھا نوہ کیا کہ ہائے میرا پہاڑ ہائے ایسا، ہائے ویسا افاقہ ہوا تو فرمایا کہ جو کچھ تم کہہ رہی تھیں مجھ سے اس کی تصدیق کرائی جاتی تھی کہ کیا تم ویسے تھے؟ اس بنا پر وفات کے وقت سب نے صبر کیا، صحیح بخاری میں ہے، فلمعات لم تبک علیہ، یعنی جب انہوں نے شہادت پائی تو نوہ اور بین نہیں کیا گیا۔

اولاد : جیسا کہ اوپر گذر چکا، موتہ روانہ ہوتے وقت بیوی بچے موجود تھے، لیکن صاحب اسد الغابہ لکھتے ہیں فقتل ولم یعقب یعنی ان سے نسل نہیں چلی۔

ان کی بیوی کے متعلق استیعاب میں عجیب قصہ منقول ہے انہوں نے ایک خاص بات پر ان سے کہا کہ تم اگر پاک ہو تو قرآن پڑھو اس وقت ابن رواحہؓ کو عجیب چال سوجھی اور بروقت چند اشعار پڑھے، جن کا ترجمہ یہ ہے۔

”میں گواہی دیتا ہوں کہ خدا کا وعدہ سچا ہے اور کافروں کا ٹھکانا دوزخ ہے اور عرش پانی کے اوپر تھا اور عرش پر جہاں کا پروردگار اور اس عرش کو خدا کے مضبوط فرشتے اٹھاتے ہیں۔“

۱۔ دیکھو صحیح بخاری ص ۶۱۱، ۶۱۲۔ واسد الغابہ جلد ۳۔ ص ۱۵۷، ۱۵۸، ۱۵۹۔ وطبقات ابن سعد ص ۹۲، ۹۳۔

۲۔ اسد الغابہ جلد ۳۔ ص ۱۵۹

چونکہ وہ قرآن نہیں پڑھی تھیں سمجھیں کہ آیتیں پڑھ رہے ہیں بولیں کہ خدا سچا ہے اور میری نظر نے غلطی کی تھی میں نے ناحق تم کو تہمت لگائی زن و شوئی کے تعلقات بھی کیسے عجیب ہوتے ہیں، لونڈی سے ہم بستری کرنے پر بیوی کے غیظ و غضب سے بچنے کا حضرت عبداللہؓ نے یہ طرز اختیار کیا۔

فضل و کمال : اس عنوان میں دو چیزیں قابل ذکر ہیں، کتابت اور شاعری۔

آنحضرت ﷺ کے کاتب تھے لیکن یہ معلوم نہیں کہ لکھنا کب سیکھا تھا؟ شاعری میں مشہور تھے، اور دربار رسالت ﷺ کے شاعر تھے کفر پر مشرکین کو عار دلانا ان کا موضوع تھا صاحب اسد الغابہ لکھتے ہیں۔

”در بار نبوی ﷺ کے شعراء حسان بن ثابتؓ، کعب بن مالکؓ اور عبداللہ بن رواحہؓ تھے، تو حضرت کعب بن مالکؓ کافروں کو لڑائی سے ڈراتے تھے، اور حسانؓ حسب نسب پر چوٹ کرتے تھے، اور حضرت عبداللہ بن رواحہؓ ان کو کفر کا عار دلایا کرتے تھے۔“

یعنی آنحضرت ﷺ کے تین شاعر تھے، حضرت حسانؓ، حضرت کعبؓ، حضرت ابن رواحہؓ، اول الذکر نسب پر طعن کرتے تھے دوسرے لڑائی سے دھمکاتے اور تیسرے کفر پر غیرت دلاتے تھے۔ شعر فی البدیہہ کہہ سکتے تھے، ایک روز مسجد نبویؐ کی طرف نکلے، آنحضرت ﷺ صحابہؓ کی جماعت کے ساتھ تشریف فرما تھے، ان کو بلایا اور فرمایا مشرکین پر کچھ کہو انہوں نے اس مجمع میں کچھ اشعار کہے۔ آنحضرت ﷺ نے سنا تو مسکرائے اور فرمایا خدا تم کو ثابت قدم رکھے۔“

حدیث میں چند روایتیں ہیں جو حضرت ابن عباسؓ، حضرت اسامہ بن زیدؓ حضرت انس بن مالکؓ، حضرت نعمان بن بشیرؓ اور حضرت ابو ہریرہؓ کے واسطے سے مروی ہیں، خود آنحضرت ﷺ اور حضرت بلالؓ سے روایتیں ہیں۔

اخلاق و عادات :

نہایت زاہد، عابد، اور مرتاض تھے، آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں، کہ ”خدا عبداللہ بن رواحہؓ پر رحم کرے وہ انہی مجلسوں کو پسند کرتے تھے جن پر فرشتے فخر کرتے ہیں۔“ یعنی خدا کی رحمت ہو ان راوحہؓ پر وہ ایسی مجلسیں پسند کرتا ہے، جس پر فرشتے بھی فخر کرتے ہیں۔“

۱۔ استیعاب جلد ۱۔ ص ۳۶۲ ۲۔ اسد الغابہ جلد ۳۔ ص ۲۳۸۔ حالات حضرت کعب بن مالکؓ

۳۔ استیعاب جلد ۱۔ ص ۳۶۲ ۴۔ اصابہ جلد ۳۔ ص ۶۶

حضرت ابو درداؓ کہتے ہیں کہ کوئی دن ایسا نہیں ہوتا، جس میں ان رواحہؓ کو یاد نہ کرتا ہوں وہ مجھ سے ملے تو کہتے کہ آؤ تھوڑی دیر کے لئے مسلمان بن جائیں پھر بیٹھ کر ذکر کرتے اور کہتے یہ ایمان کی مجلس تھی۔

ان کی بیوی کا بیان ہے کہ جب گھر سے نکلتے دو رکعت نماز پڑھتے اور واپس آتے اس وقت بھی ایسا ہی کرتے تھے اس میں کبھی کوتاہی نہیں کی۔ ایک سفر میں اتنی شدید گرمی تھی کہ آفتاب کی تمازت سے لوگ سروں پر ہاتھ رکھے ہوئے تھے۔ ایسی حالت میں روزہ کون رکھ سکتا ہے؟ لیکن آنحضرت ﷺ اور حضرت ابن رواحہؓ اس حالت میں بھی صائم تھے۔

جہاد کا نہایت شوق تھا بدر سے لے کر موتہ تک ایک غزوہ بھی ترک نہ ہوا تھا، اسما، الرجال کے مصنفین اس ذوق و شوق کا ان الفاظ میں تذکرہ کرتے ہیں۔ یعنی عبد اللہؓ غزوہ میں سب سے پیشتر جاتے اور سب سے پیچھے واپس ہوتے تھے۔ احکام رسول ﷺ کی اطاعت پر ذیل کا واقعہ شاہد ہے۔

آنحضرت ﷺ خطبہ دے رہے تھے۔ حضرت ابن رواحہؓ پہنچے تو یہ ارشاد زبان پر تھا کہ ”اپنی اپنی جگہ پر بیٹھ جاؤ“۔ مسجد کے باہر تھے اسی مقام پر بیٹھ گئے۔ آنحضرت ﷺ خطبہ سے فارغ ہوئے تو کسی نے یہ خبر پہنچادی۔ فرمایا : ”خدا اور رسول کی اطاعت میں خدا ان کی حرص اور زیادہ کرے۔“

آنحضرت ﷺ سے نہایت محبت تھی اور آپ کو بھی ان سے انس تھا۔ بیمار پڑے اور ایک دن بے ہوش ہو گئے تو سرور عالم ﷺ عیادت کو تشریف لائے اور فرمایا ”خدایا! اگر ان کی موت آئی ہو تو آسانی کرو نہ شفاعطافرما“۔

آنحضرت ﷺ کی نعت میں شعر کہا کرتے تھے اور یہ بھی حب رسول ﷺ کا کرشمہ تھا ایک شعر بہت ہی اچھا کہا ہے اور وہ یہ ہے۔

”اگر آپ میں کھلی ہوئی نشانیاں نہ بھی ہوں، جب بھی آپ کی صورت خبر (رسالت) دینے کے لئے کافی تھی۔“

۱۔ اسد الغابہ جلد ۳۔ ص ۱۵۷

۲۔ صحیح بخاری جلد ۱۔ ص ۲۶۱

۳۔ ایضاً ص ۶۷

۴۔ اسد الغابہ جلد ۳۔ ص ۲۶۶

جوشِ ایمان کا یہ عالم تھا کہ ایک مرتبہ عبداللہ ابن ابی کی مجلس میں بیٹھے تھے، آنحضرت ﷺ ادھر سے گذرے تو سواری کی گرداڑ کراہل مجلس پر پڑی۔ ابن ابی نے کہا کہ گردناڑاؤ۔ آپ ﷺ وہیں اتر پڑے اور توحید پر ایک مختصر تقریر کی۔ ابن ابی اب تک مشرک تھا، بولا ”یہ بات تو ٹھیک نہیں جو کچھ آپ ﷺ کہتے ہیں اگر حق ہے تو یہاں آکر ہم کو پریشان کرنے کی ضرورت نہیں۔ البتہ جو آپ کے پاس جائے اس کو خوشی سے ایمان کی دعوت دے سکتے ہیں“۔ حضرت عبداللہ بن رواحہؓ کو جوش آگیا، بولے ”یا رسول اللہ (ﷺ!) آپ ضرور فرمائیں، ہم اس بات کو پسند کرتے ہیں“۔^۱



حضرت عاصمؓ بن ثابت بن ابی اقلح

نام و نسب :

عاصم نام، ابوسلمان کنیت، قبیلہ اوس سے ہیں، نسب نامہ یہ ہے۔ عاصم ابن ثابت بن قیس ابی الاقلح بن عصمہ بن نعمان بن مالک بن لعلہ بن ضبیعہ بن زید بن مالک ابن عوف بن عمرو بن عوف بن مالک۔ بن اوس۔

اسلام : ہجرت سے قبل اسلام لائے۔

غزوات : بدر میں شریک تھے۔ آنحضرت ﷺ نے پوچھا ”کیونکر لڑو گے؟“ تیر و کمان لے کر اٹھے اور کہا کہ ”جب ۲۰۰ ہاتھ کا فاصلہ ہوگا تو تیر ماروں گا، اس سے قریب ہوں گے تو نیزہ اور نزدیک تر ہوں گے تو تلوار کا وار کروں گا۔“ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ”لڑائی کا یہی قاعدہ ہے تم لوگ اسی طرح لڑنا۔“

اس غزوہ میں انہوں نے عقبہ بن معیط کو قتل کیا، جو قریش میں نہایت ذی رتبہ سمجھا جاتا تھا، غزوہ احد میں مسافع بن طلحہ اور حارث بن طلحہ کو تیر مار کر قتل کیا اور کہا لو میں ابن ابی اقلح ہوں، ابو عزرہ جمحی گرفتار ہو کر آیا تو آنحضرت ﷺ نے حیلہ و فریب کی پاداش میں ان کے حوالے کیا، انہوں نے اس کی گردن اڑا دی۔

صفر ۳ھ میں آنحضرت ﷺ نے ان کی ماتحتی میں دس آدمی دے کر جاسوسی کے لئے روانہ کیا، عسفان اور مکہ کے درمیان ہدہ ایک مقام ہے وہاں پہنچے تو بنو لحيان کو خبر ہو گئی اس نے سوتیر انداز بھیجے کہ مسلمانوں کو آگے بڑھنے سے روک دیں۔ صحابہؓ کے پاس مدینہ کے خرے تھے ان کی گھٹلیاں راستہ میں پڑی تھیں، تیر اندازوں نے کہا یہ ضرور یثرب کے چھوہارے ہیں عاصمؓ کو ان کی آمد کا پتہ چلا تو اپنے ساتھیوں کو لے کر ایک پہاڑی پر چڑھ گئے ان لوگوں نے آکر محاصرہ کر لیا اور کہا کہ نیچے اتر آؤ تو جان بخشی کی جائے گی۔ عاصمؓ نے کہا مسلمانو! میں کسی کافر کے ذمہ نہ رہوں گا۔ پھر فرمایا ”خدایا! رسول اللہ ﷺ کو ہماری خبر کر دے۔“

شہادت : کفار نے یہ دیکھ کر تیر برس سنا شروع کئے جس سے حضرت عاصمؓ نے سات آدمیوں کے ساتھ شہادت پائی^۱۔

قریش کو ان کے قتل ہونے کی خبر معلوم ہوئی تو نہایت خوش ہوئے کہ عقبہ بن ابی معیط کا قاتل دنیا سے اٹھ گیا۔ آدمی بھیجے کہ ان کے جسم کا کوئی حصہ لا کر دکھائیں، مصنف استیعاب کا بیان ہے کہ ان کے جسم کو جلا کر قریش آتش انتقام کو سرد کرنا چاہتے تھے^۲۔

عقبہ کے ساتھ طلحہ کے دو بیٹوں کو بھی انہوں نے قتل کیا تھا ان کی ماں نے جس کا نام سلافہ تھا منت مانی تھی کہ حضرت عاصمؓ کا سر ملے گا تو کھوپڑی میں شراب پیوں گی! قریش کو تجارت کا موقع ملا کہ اس کے ہاتھ عاصمؓ کا سر فروخت کریں^۳۔

عاصمؓ نے خدا سے دعا کی تھی کہ ”مجھے کوئی مشرک نہ چھوئے اور نہ میں ان سے کسی کو مس کروں گا“۔ یہ لوگ وہاں پہنچے تو کثرت سے شہد کی کھیاں دیکھیں، لاش کے اٹھانے میں کامیابی نہ ہوئی تو مشورہ کیا کہ رات کو جب کھیاں نہ ہوں گی اس وقت سر کاٹیں گے۔ اتفاق یہ کہ خوب بارش ہوئی اور اس نے سیلاب کی شکل اختیار کر لی اور حضرت عاصمؓ کا جسد اطہر اسی میں بہہ گیا^۴۔

اولاد : لڑکے کا نام محمد تھا، عرب کا مشہور شاعر احوں انہی کا بیٹا تھا۔

اخلاق : جوش ایمان، حب رسول ﷺ، پاکبازی اور بہادری کے عظیم الشان اوصاف حضرت عاصمؓ کی سیرت کے جلی عنوانات ہیں، ان تمام باتوں کی تفصیل اوپر گزر چکی ہے۔



۱۔ صحیح بخاری جلد ۲۔ ص ۵۸۵، ۵۶۸ ۲۔ کتاب مذکور جلد ۲۔ ص ۵۱۳ ۳۔ اسد الغابہ جلد ۳۔ ص ۳
۴۔ ایضاً ص ۷۴، ۷۵

حضرت عبداللہؓ بن عمرو بن حرام

نام و نسب :

عبداللہ نام، ابو جابر کنیت، بنی سلمہ سے ہیں، سلسلہ نسب یہ ہے۔ عبداللہ ابن عمرو بن حرام بن ثعلبہ بن حرام بن کعب بن غنم بن سلمہ بن سعد بن علی بن اسد بن ساروہ بن یزید بن جشم بن خزرج۔ قبیلہ سلمہ میں نہایت ممتاز شخص تھے۔ بعثت نبوی ﷺ کے تیرہویں سال ایام حج میں اہل مدینہ کا ایک قافلہ جو تعداد میں ۵۰۰ آدمیوں پر مشتمل تھا، مکہ چلا عبداللہؓ بھی اس میں شامل تھے اور اوس و خزرج کے وہ افراد جنہوں نے حضرت مصعب بن عمیرؓ کے ہاتھ پر بیعت کی تھی اور خفیہ مسلمان تھے وہ بھی ساتھ تھے۔ کسی نے حضرت عبداللہؓ سے کہا کہ ہم لوگ رسول اللہ ﷺ سے بیعت کریں گے، آپ ہمارے سردار ہیں اور ہم میں نہایت معزز آدمی ہیں بہتر ہے کہ آپ ہمارا ساتھ دیجئے، اور قدیم مذہب کو چھوڑ دیجئے کیونکہ ہم نہیں چاہتے کہ آپ جیسا ذی رتبہ شخص جہنم کا ایندھن بنے۔ حضرت عبداللہؓ پر ان باتوں کو خاص اثر پڑا اور صدق دل سے اسلام لانے پر آمادہ ہو گئے۔

اسلام : انہی ایام میں بیعت عقبہ ہوئی۔ حضرت عبداللہؓ بھی شریک ہوئے اور آنحضرت ﷺ کے دست مبارک پر بیعت کرنے کا فخر حاصل کیا، آنحضرت ﷺ نے ان کو بنو سلمہ کا نقیب بنایا۔ غزوات : غزوہ بدر میں شریک تھے۔ اور غزوہ احد میں جو ۳۰ھ میں ہوا تھا شرف شرکت کے ساتھ شہادت کے لازوال فخر سے بھی بہرہ اندوز ہوئے۔

وفات : غزوہ کا وقت آیا تو ایک رات حضرت جابرؓ کو بلایا اور کہا بیٹا! میرا دل کہہ رہا ہے کہ اس غزوہ میں سب سے پہلے میں شہید ہوں گا، میرے نزدیک رسول اللہ ﷺ کے بعد سب سے زیادہ عزیز تم ہو، تم کو میں..... گھر پر چھوڑتا ہوں اپنی بہنوں سے اچھا برتاؤ کرنا اور میرے اوپر جو کچھ قرض ہے اس کو ادا کر دینا۔

دن کو معرکہ کارزار گرم ہوا، اور حضرت عبداللہؓ نے داد شجاعت دیتے ہوئے شہادت حاصل کی۔ صحابہ میں سب سے پہلے وہی شہید ہوئے۔ اسامہ بن اُمّیہؓ نے قتل کیا۔ اور پھر مشرکین نے نعش مبارک کا مثلہ کیا، لاش کپڑا اڑال کر لائی گئی اور آنحضرت ﷺ کے سامنے رکھ دی گئی۔ حضرت جابرؓ کپڑا ہٹا کر منہ کھولتے اور زار و قطار روتے تھے۔ خاندان سلمہ کے بہت سے آدمی جمع تھے

اور جابرؓ کو منع کرتے تھے۔ آنحضرت ﷺ نے یہ دیکھ کر پڑا ہٹوا دیا، بہن نے جو پاس کھڑی تھیں ایک چیخ ماری پوچھا کس کی آواز ہے؟ لوگوں نے کہا عبداللہؓ کی بہن کی۔

فن کرنے کو لے چلے تو بہن نے جس کا نام فاطمہ تھا، رونا شروع کیا، آنحضرت نے فرمایا ”تم روؤ یا نہ روؤ جب تک جنازہ رکھا رہا، فرشتے پروں سے سایہ کئے تھے“۔ قبر میں دو آدمی ساتھ فن کئے گئے۔ صحیح بخاری میں حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہ میرے باپ اور چچا کو ایک چادر میں کفن دیا گیا۔ لیکن دوسری کتابوں میں عمرو بن جموح کا نام مذکور ہے جو حضرت عبداللہؓ کے بھائی نہیں بلکہ بہنوئی تھے۔

۶ مہینہ کے بعد حضرت جابرؓ نے ان کو اس قبر سے نکال کر دوسری قبر میں فن کیا۔ کان کے سوا تمام جسم سالم تھا ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا ابھی فن ہوئے ہیں۔

اس واقعہ کے ۴۶ برس کے بعد ایک سیلاب آیا جس نے قبر کھول دی۔ لاش بحسبہ باقی تھی۔

یہ روایت موطا میں مذکور ہے۔

اولاد : حضرت جابرؓ کے علاوہ نو لڑکیاں چھوڑیں جن میں ۶ نہایت خورد سال تھیں۔

قرض : قرض بہت زیادہ تھا۔ صحیح بخاری میں اس کا تذکرہ موجود ہے۔ حضرت جابرؓ نے ادا کیا اس کی تفصیل ہم حضرت جابرؓ کے حالات میں لکھ آئے ہیں۔

فضائل : مکارم و محاسن کے لحاظ سے حضرت عبداللہؓ ”جلیل القدر صحابہ“ میں داخل ہیں۔ بنو سلمہ میں اشاعت اسلام کے لئے انہوں نے جو کوشش اور سرگرمی ظاہر کی اور پھر خدا کی راہ میں جس طرح اپنے کو قربان کیا اس کا اعتراف خود آنحضرت ﷺ کو تھا۔

سنن نسائی میں ہے :

”جزی اللہ الانصار عنا خیر الاسبیما آل عمرو بن حرام وسعد بن

عبادہ۔“

یعنی ”خدا تمام انصار کو ہماری طرف سے جزائے خیر دے، خصوصاً عبداللہ اور سعد بن

عبادہ کو۔“

جامع ترمذی میں روایت آئی ہے کہ واقعہ احد کے بعد آنحضرت ﷺ نے حضرت جابرؓ کو زار و خستہ دیکھ کر پوچھا ”کیا بات ہے؟“ عرض کی ”باپ قتل ہوئے اور بہت سے بچے چھوڑ گئے۔“

۱۔ صحیح بخاری جلد ۱۔ ص ۱۷۲ ۲۔ مسلم جلد ۲۔ ص ۲۳۷۔ صحیح بخاری جلد ۱۔ ص ۱۶۶ ۳۔ بخاری جلد ۱۔ ص ۱۷۹

۴۔ اسد الغابہ جلد ۳۔ ص ۲۳۲ ۵۔ بخاری جلد ۱۔ ص ۱۸۰ ۶۔ ایضاً جلد ۱۔ ص ۱۸۰

انہی کی فکر دامن گیر ہے۔ فرمایا ”ایک خوشخبری سنو، خدا کسی سے بے پردہ گفتگو نہیں کرتا، لیکن تمہارے باپ سے بالمشافہ گفتگو کی اور فرمایا جو مانگو دیا جائے گا۔ انہوں نے کہا میری تمنا ہے کہ ایک مرتبہ دنیا میں جا کر پھر شہید ہوں، ارشاد ہوا کہ یہ کہاں ہو سکتا ہے؟ جو دنیا سے آتا ہے وہ واپس نہیں جاسکتا، عرض کی تو میری نسبت کچھ وحی بھیج دیجئے، اس وقت آنحضرت پر یہ آیت نازل ہوئی :

”وَلَا تَحْسِبَنَّ الَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتًا بَلْ أَحْيَاءُ“ الخ

یعنی ”جو لوگ خدا کی راہ میں قتل ہوئے ان کو مردہ نہ سمجھو، بلکہ وہ زندہ ہیں۔“

حضرت عبداللہؓ کے لئے اس سے زیادہ کیا چیز قابل فخر ہو سکتی ہے کہ ان کی وفات کو ۱۳۰۰

سال کی مدت گزر چکی ہے، تاہم ان کا نام آج بھی زندہ ہے اور تا ابد زندہ رہے گا۔

کشتگانِ حنجر تسلیم را

ہر زماں از غیب جانے دیگرست



حضرت عبداللہؓ بن عبداللہ بن ابی

نام و نسب :

عبداللہ نام ہے اور قبیلہ حبلی سے ہیں۔ جو خزرج کا نہایت معزز خاندان تھا۔ سلسلہ نسب یہ ہے : عبداللہ بن عبداللہ بن ابی بن حارث بن عبید بن مالک بن سالم ابن غنم بن عوف بن خزرج۔

حبلی سالم کا لقب ہے، جو اس خاندان کا مورث اعلیٰ تھا۔ وجہ تسمیہ یہ ہے کہ اس کا پیٹ بہت بڑا تھا۔

مالک نے کہ حضرت عبداللہؓ کا پردادا تھا۔ قبیلہ خزاعہ کی ایک عورت سلول نامی سے شادی کی تھی۔ اس سے ابی پیدا ہوا، جو عبداللہ ابو حباب کا باپ ہے۔

عبداللہ ابو حباب (جو ابن ابی ابن سلول کے نام سے مشہور ہے، قبیلہ خزرج کے ممتاز ترین افراد میں تھا، اس کے اثر اور زور و قوت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ اسلام سے قبل مدینہ کا تخت و تاج اسی کے سپرد کرنے کی تجویز تھی، اوس و خزرج دیرینہ عداوتوں کے سبب سے باہم سخت مختلف تھے، تاہم اس کے تحت نشین کرنے پر سب کا اتفاق تھا، حضرت عبداللہؓ اسی عبداللہ کے فرزند ارجمند ہیں۔

یہ عجیب بات ہے کہ ابن ابی علقمہ دور اندیش اور صاحب تدبیر ہونے کے باوجود شرف ایمان سے محروم رہا، آنحضرت ﷺ مدینہ تشریف لائے اور خلافت الہی کی بنیاد قائم کی، تو رشک و منافست کا عجیب منظر درپیش تھا، ابن ابی اور اس کے چند ہم خیال اسلام کی اس ترقی کو حسد کی نگاہ سے دیکھتے تھے، جوں جوں رسول اللہ ﷺ کا اقتدار بڑھتا تھا، یہ گروہ اس کو صدمہ پہنچانے کی کوشش کرتا تھا۔ آخر مسلمانوں کے غلبہ اور زور کی وجہ سے ابن ابی کو سرطاعت خم کرنا پڑا اور اپنی جماعت کے ساتھ منافقانہ مسلمانوں کے زمرے میں داخل ہو گیا اور منافقین کا سرغنہ بنا۔

اسلام : لیکن ابن ابی کا اثر ان کے بیٹے پر بالکل نہیں پڑا وہ ہجرت سے قبل مسلمان ہو چکے تھے۔ غزوات : غزوہ بدر میں شریک ہوئے، احد میں آگے کے دو دانت جنہیں ثنیہ کہا جاتا ہے نوٹ گئے تھے، آنحضرت ﷺ نے فرمایا تم سونے کا دانت بنو! بعض لوگوں کا خیال ہے کہ ناک اڑ گئی تھی تو سونے کی بنوائی تھی، لیکن یہ صحیح نہیں مصنف اسد الغابہ نے اس کی تصریح کر دی ہے۔

غزوہ تبوک میں کہ ۹ھ میں ہوا ایک انصاری اور مہاجر کے جھگڑے میں ابن ابی نے کہا تھا، ”لننرجعنا الى المدينة ليخرجنا الا عزمنا الاذل“۔ یعنی ”مدینہ پہنچ کر بلند پایہ لوگ، ذلیل لوگوں کو نکال دیں گے“، آنحضرت ﷺ کو خبر ہوئی تو حضرت عمرؓ نے اٹھ کر کہا، ”اگر اجازت ہو تو اس منافق کا سراڑ اداوں“۔ آنحضرت ﷺ نے ممانعت فرمائی۔

حضرت عبداللہؓ آئے اور کہا کہ میرے باپ نے آپ کو ذلیل کہا، خدا کی قسم وہ خود ذلیل ہے۔ اس کے بعد کہا کہ اگرچہ تمام خزانج میں مجھ سے زیادہ اپنے باپ کا کوئی مطیع نہیں تاہم اگر آپ انہیں قتل کرنا چاہتے ہیں تو مجھے حکم دیجئے، میں قتل کئے دیتا ہوں، لیکن اگر کسی دوسرے مسلمان نے ان کو قتل کیا تو اپنے باپ کے قاتل کو میں دیکھ نہیں سکتا، لامحالہ اس کو قتل کرونگا اور ایک مسلمان کے مارنے سے جہنم کا مستوجب ہوں گا۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ”میرا قتل کرانے کا بالکل ارادہ نہیں، لوگ کہیں گے کہ محمد ﷺ اپنے اصحاب کو قتل کراتے ہیں۔“

حضرت عبداللہؓ آنحضرت ﷺ سے گفتگو کر کے سڑک پر آ کر کھڑے ہو گئے، ابن ابی نکلا تو اونٹ سے اتر پڑے اور کہا ”تم اقرار کرو کہ میں ذلیل اور محمد ﷺ عزیز ہیں ورنہ میں آگے نہ بڑھنے دوں گا۔“ پیچھے آنحضرت ﷺ تشریف لارہے تھے، باپ بیٹے کی گفتگو سن کر فرمایا ان کو چھوڑ دو، خدا کی قسم یہ جب تک ہم میں موجود ہیں ہم ان سے اچھا برتاؤ کریں گے۔

غزوہ تبوک کے بعد ابن ابی نے وفات پائی، حضرت عبداللہؓ آئے اور عرض کی کہ اپنی قمیص اتار دیجئے میں اس میں ان کو کفن دوں گا، اور ان کے لئے استغفار کیجئے۔ آنحضرت ﷺ نے دو کرتے زیب تن کئے ہوئے تھے، حضرت عبداللہؓ نے نیچے کا کرت پسند کیا کہ آنحضرت ﷺ کا پسینہ اسی میں جذب ہوتا تھا۔ ارشاد ہوا کہ جنازہ تیار ہو تو مجھے خبر کرنا میں نماز پڑھاؤں گا۔

قبر میں اتارے جانے کے بعد رسول اللہ ﷺ تشریف لائے قبر سے نکلوا یا اور اپنے کھٹنوں پر رکھ کر قمیص پہنایا، اور اعاب دہن ملا اس کے بعد نماز کے لئے کھڑے ہوئے۔ حضرت عمرؓ نے کہا ”یا رسول اللہ ﷺ!“ آپ اس پر نماز پڑھیں گے، حالانکہ فلاں روز اس نے یہ الفاظ کہے تھے۔“ آنحضرت ﷺ نے مسکرا کر فرمایا ”جاؤ اپنی جگہ پر کھڑے رہو“، جب زیادہ اصرار کیا تو ارشاد ہوا کہ ”خدا نے مجھے اختیار دیا ہے اگر ۷ مرتبہ سے زیادہ استغفار کرنے میں اس کی مغفرت ہو جائے تو میں اس کیلئے تیار ہوں۔“

نماز سے فارغ ہوئے تو تھوڑی دیر میں چند آیتیں نازل ہوئیں جن میں ایک یہ تھی :

”ولا تصل علی احد منہم مات ابدا“

یعنی ”ان لوگوں کے جنازہ کی ہرگز نماز نہ پڑھو“۔ وحی الہی نے حضرت عمرؓ کی تائید کی تو ان کو اپنی جسارت پر نہایت تعجب ہوا۔

وفات : حضرت عبداللہؓ نے جنگ یمامہ میں شہادت پائی۔ یہ ۱۲ھ کا واقعہ ہے۔

فضل و کمال :

فضلاء صحابہؓ میں تھے۔ حضرت عائشہؓ ان سے حدیث روایت کرتی ہیں، لکھنا جانتے تھے اور کبھی کبھی وحی بھی لکھتے تھے۔



حضرت عتبان بن مالکؓ

نام و نسب :

عتبان نام، قبیلہ سالم سے ہیں، سلسلہ نسب یہ ہے۔ عتبان بن مالک بن عمرو بن عجلان بن زید بن غنم بن سالم بن عمرو بن عوف بن خزرج۔
قبا کے قریب مکان تھا اور اپنے قبیلہ کے سردار تھے۔

اسلام : ہجرت سے قبل مسلمان ہوئے۔

غزوات اور دیگر حالات :

صاحب طبقات کے قول کے مطابق حضرت عمرؓ سے اخوت تھی۔ غزوہ بدر میں شریک تھے^۱۔ جب نابینا ہو گئے تو باقی غزوات میں شرکت نہ کر سکے۔

مسجد بنی سالم کے امام تھے۔ مسجد اور مکان کے درمیان ایک وادی پڑتی تھی بارش ہوتی تو تمام پانی وہاں جمع ہو جاتا تھا، نظر کمزور تھی پانی میں سے ہو کر مسجد تک جانا نہایت دشوار تھا۔ آنحضرت ﷺ سے عرض کی کہ ایسی حالت میں گھر میں نماز پڑھتا ہوں آپ کسی روز میرے ہاں تشریف لا کر نماز پڑھ دیں تو اسی جگہ کو سجدہ گاہ بنالوں، فرمایا بہتر ہے میں آؤں گا۔ دوسرے دن حضرت ابو بکرؓ کے ہمراہ تشریف لائے اور اجازت لے کر اندر داخل ہوئے پوچھا تم کہاں نماز پڑھنا چاہتے ہو، انہوں نے وہ مقام جہاں ہمیشہ نماز پڑھتے تھے بتا دیا، آنحضرت ﷺ نے وہیں دو رکعتیں ادا کیں، اس کے بعد تھوڑی دیر توقف فرمایا اور گوشت تناول فرما کر واپس تشریف لے گئے^۲۔

نابینا ہونے پر آنحضرت ﷺ سے درخواست کی کہ اب مکان میں نماز پڑھ سکتا ہوں، ارشاد ہوا کہ اذان کی آواز پہنچتی ہے؟ چونکہ اذان سنتے تھے اس لئے آنحضرت ﷺ نے اجازت نہیں دی^۳۔ منصب امامت پر آخری عمر تک فائز رہے، حضرت امیر معاویہؓ کے زمانہ میں ۵۲ھ میں قسطنطنیہ پر حملہ ہوا تھا۔ محمود بن ربیع اس غزوہ سے واپس ہو کر مدینہ آئے تو ملاقات ہوئی ان کا بیان ہے کہ اس وقت بہت بوڑھے ہو گئے تھے، نابینا تھے اور اپنی مسجد کی امامت کرتے تھے^۴۔

وفات : اسی زمانہ میں اس سرائے فانی سے رحلت فرمائی۔

۱۔ صحیح بخاری جلد ۲۔ ص ۵۷۲ ۲۔ ایضاً جلد ۱۔ ص ۱۵۸ ۳۔ مسند ابن جنبل جلد ۲۔ ص ۴۳ ۴۔ صحیح بخاری جلد ۱۔ ص ۱۵۸

فضل و کمال :

صحیحین، مسند ابن جنبل اور مسند ابو داؤد طیالسی میں ان کی حدیثیں ہیں۔ آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں قرآن اور حدیث سننے کے لئے خاص اہتمام کیا تھا۔ قبا میں رہنے کی وجہ سے مدینہ ۲-۳ میل دور جاتا ہے اور اس بناء حضرت عمرؓ تک پہنچاتے تھے دوسرے دن حضرت عمرؓ آتے اور واپس جا کر ان کو تمام واقعات بتاتے تھے۔

ان کے مکان کا قصہ جو تمام حدیثوں میں مذکور ہے۔ حضرت انسؓ اس کو ”کنوز حدیث“ میں شمار کرتے تھے اور اپنے بیٹے ابوبکرؓ کو اس کے یاد رکھنے کی تاکید کرتے تھے۔
راویان حدیث میں حضرت انس بن مالکؓ، محمود بن ربیعؓ، ابوبکر بن انسؓ، حمین محمد سالمیؓ ہیں۔

اخلاق : تقدس اور حب رسول ﷺ، مصحف اخلاق کے آیات بینات ہیں۔ آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں کسی قوم کی امامت کرنا کوئی معمولی واقعہ نہیں، معاذؓ بن جبل اور سالم مولیٰ ابی حذیفہ جیسے اساطین امت مسجدوں کی امامت پر سرفراز ہوتے تھے۔ حضرت عتبہؓ کے لئے یہ شرف کیا کم ہے کہ عہد نبوت میں ان کو امامت کا لازوال فخر حاصل تھا۔

حب رسول ﷺ میں یہ واقعہ کس درجہ حیرت انگیز ہے کہ نابینا اور معذور ہونے کے باوجود صرف فرمان نبوت ﷺ کی وجہ سے مسجد میں جا کر پنجگانہ نماز ادا کرتے تھے اور نابینا ہو کر جماعت کے پابند تھے۔



حضرت عبادؓ بن بشر

نام و نسب :

عباد نام، ابو بشر، ابو رافع کنیت، قبیلہ عبدالاشہل سے ہیں، سلسلہ نسب یہ ہے۔ عباد بن بشر بن قش بن زغبہ بن زعور ابن عبدالاشہل بن جشم بن حارث بن خزرج ابن عمرو (بنت) بن مالک بن اوس۔

اسلام : مصعب بن عمیرؓ کے ہاتھ پر ایمان لائے۔

غزوات و حالات :

حضرت ابو حذیفہؓ بن عتبہ سے برادری ہوئی، بدر میں شریک تھے۔ غزوہ اُحد اور تمام غزوات و مشاہد میں نمایاں حصہ لیا۔

کعب بن اشرف کے قتل میں محمد بن مسلمہ کے ساتھ شریک تھے اور بھی چند اشخاص تھے جن میں بعض کے نام یہ ہیں، ابو عبس بن جبر، ابو نائلہ سلکان بن سلامہ، حارث ابن اوس، ابن معاذ اس واقعہ میں چونکہ غیر معمولی کامیابی نصیب ہوئی تھی اور اسلام کے ایک بڑے دشمن کا خاتمہ ہوا تھا اس لئے فرط مسرت میں چند اشعار کہے ہیں، جن کو صاحب استیعاب نے نقل کیا ہے^۱۔

اصل واقعہ ہم محمد بن مسلمہ کے حالات میں آئندہ دیکھیں گے ان اشعار سے اس کی کسی قدر تفصیل معلوم ہوتی ہے اور وہ یہ ہے کہ عبادؓ بن بشر نے اس کو دو مرتبہ آواز دی اور کہاؤرار بن رکھنے آئے ہیں، وہ جلدی سے باہر آیا محمد بن مسلمہ نے گردن پکڑ کر تلوار کا وار کیا اور ابو عبس نے مار کر کونہ میں ڈال دیا اس جماعت کی کل تعداد تھی۔

۸۔ میں خندق کا معرکہ پیش آیا، اس میں وہ آنحضرت ﷺ کے خیمہ کا چند انصار کے ساتھ ہر رات پہرہ دیتے تھے^۲۔

خدیجہ میں ۶۔ میں قریش نے آنحضرت ﷺ کی آمد کی خبر سن کر خالد بن ولیدؓ کو ۲۰۰ سواروں کے ساتھ آگے بھیجا تھا۔ اس موقع پر عباد بن بشرؓ ۲۰ سواروں کے ساتھ خالد کے سامنے پڑے تھے^۳۔

۱۔ استیعاب جلد ۲۔ ص ۲۲۶ ۲۔ طبقات ابن سعد۔ ص ۲۸ ۳۔ ایضاً۔ ص ۶۹

غزوہ طائف کے بعد مہرم ۹ھ میں آنحضرت ﷺ نے سلیم اور مزنیہ میں صدقات کا عامل بنا کر بھیجا۔

اسی سنہ میں بنی مصطلق میں بھی عامل صدقات ہو کر گئے اور دس روز رہ کر واپس آئے۔ یہاں صدقات وصول کرنے کے علاوہ اسلام کی تبلیغ بھی کرتے تھے، یعنی قرآن پڑھاتے تھے اور احکام شریعت کی تعلیم دیتے تھے، یہ تمام کام انہوں نے نہایت خوبی سے انجام دیئے۔ ابن سعد لکھتے ہیں

”فلم يعد ما امره رسول الله ولم يضيع حقاً“^۱

یعنی ”آنحضرت ﷺ نے جو کچھ حکم دیا تھا اس سے سرمو تجاوز نہیں کیا اور کسی حق کو ضائع نہیں کیا۔“

غزوہ تبوک میں جو ۹ھ میں ہوارات کو تمام لشکر کے گرد گشت لگاتے تھے۔ پہرہ دینے والوں کی ایک خاص تعداد تھی اور یہ ان پر افسر بنائے گئے تھے۔

وفات : جنگ یمامہ میں جو ۱۱ھ میں ہوئی، نہایت بہادری سے لڑ کر مارے گئے۔ اس وقت ۴۵ برس کا سن تھا۔ کوئی اولاد نہیں چھوڑی۔

فضل و کمال :

حضرت عبادہؓ اکابر صحابہؓ میں تھے۔ اس بنا پر ان کی حدیثوں کا ہمارے پاس بڑا مجموعہ ہونا چاہیے تھا لیکن اس کے خلاف ان سے صرف دو حدیثیں مروی ہیں۔ جن میں ایک ابو داؤد میں مندرج ہے لیکن اصل یہ ہے کہ اس وقت تک اشاعت حدیث کا وقت نہیں آیا تھا۔ صحابہؓ کثرت سے ہر جگہ موجود تھے جو خود آغوش نبوت ﷺ کے پروردہ تھے اس بناء پر بیان روایت اور ترویج حدیث کی ضرورت ہی مفقود تھی۔

اس کے ماسوا آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد تمام عرب میدان جنگ بن گیا تھا، ہر طرف فتنہ اٹھ رہے تھے مدعیان نبوت کی الگ سازشیں تھیں۔ ایسے وقت میں ظاہر ہے کہ خام و قرطاس کی جگہ تیغ و دم زیادہ ضروری تھے۔ ان فرائض کے بعد جب کبھی سکون و اطمینان نصیب ہوتا، دوسرا فرض بھی ادا کرتے تھے۔ چنانچہ بنو مصطلق میں ۱۰ روزہ کر قرآن مجید پڑھایا اور شریعت کے تمام ضروری مسائل تلقین کئے۔

اخلاق : جوشِ ایمان کا نظارہ، غزوات میں معلوم ہوتا تھا، جانبازی اور سرفروشی کے ساتھ آنحضرت ﷺ اور مسلمانوں کی حفاظت میں رات بھر پہرہ دینا اور پھر دن کو شریکِ جہاد ہونا وہ لازوال سعادت ہے جو بہت کم لوگوں کو میسر آتی ہے۔

یہ شب بیداری میدانِ جنگ تک محدود نہ تھی یوں بھی عبادتِ الہی میں رات کا بہت سا وقت صرف ہوتا تھا۔ ایک مرتبہ حضرت عائشہؓ کے مکان میں آنحضرت ﷺ تہجد پڑھنے اٹھے اور حضرت عبادؓ کی آواز سنی تو فرمایا ”خدا ان کی مغفرت کرے“۔ امام بخاری نے تاریخ میں اور ابویعلیٰ نے مسند میں حضرت عائشہؓ نے نقل کیا ہے کہ ”انصار میں تین شخص سب سے بہتر تھے۔ حضرت سعدؓ بن معاذؓ، حضرت اسید بن حضیرؓ، حضرت عبادؓ بن بشرؓ۔“



حضرت عبداللہؓ بن عتیک

نام و نسب :

عبداللہ نام، خاندان سلمہ سے ہیں، سلسلہ نسب یہ ہے۔ عبداللہ بن عتیک بن قیس بن اسود ابن مری بن کعب بن غنم بن سلمہ۔
ہجرت : ہجرت سے قبل مسلمان ہوئے۔

غزوات : غزوہ بدر کی شرکت میں اختلاف ہے، اُحد اور باقی غزوات میں شریک تھے۔
رمضان ۶ھ میں آنحضرت ﷺ نے ان کو چار آدمیوں پر امیر بنا کر ابورافع کے قتل کرنے کے لئے خیبر بھیجا تھا۔ ابورافع نے آنحضرت ﷺ کے خلاف غطفان وغیرہ کو بھڑکا کر بڑا جھٹکا اکھٹا کر لیا تھا۔ یہ لوگ شام کے قریب قلعہ کے پاس پہنچے، عبداللہؓ نے کہا کہ تم لوگ یہیں ٹھہرو میں اندر جا کر دیکھتا ہوں۔ پھانک کے قریب پہنچ کر چادر اوڑھ لی اور حاجت مندوں کی طرح دبک کر بیٹھ گئے۔ زبان نے کہا میں دروازہ بند کرتا ہوں اندر آنا ہو تو آ جاؤ۔ اندر جا کر اصطلیل نظر آیا اسی میں چھپ رہے۔ ارباب قلعہ کچھ رات تک ابورافع سے باتیں کرتے رہے اس کے بعد سب اپنے اپنے گھروں میں جا جا کر سو رہے۔

سناٹا ہوا تو حضرت عبداللہؓ نے دربان کو غافل پا کر پھانک کھولا اور ابورافع کی طرف چلے وہ بالا خانہ کی طرف رہتا تھا اور بیچ میں بہت سے دروازے پڑتے تھے۔ یہ جس دروازے سے جاتے اس کو اندر سے بند کر لیتے تاکہ شور ہونے پر کوئی ابورافع تک نہ پہنچ سکے۔ ان مراحل کے طے کرنے کے بعد ابورافع کا بالا خانہ نظر آیا۔ وہ اپنے اہل و عیال کے ساتھ اندھیرے کمرے میں سو رہا تھا۔ انہوں نے پکارا ابورافع! بولا کون؟ جس طرف سے آواز آئی تھی بڑھ کر اسی سمت تلوار ماری لیکن کچھ نتیجہ نہ نکلا۔

وہ چلایا یہ فوراً باہر نکل آئے، تھوڑی دیر کے بعد پھر اندر گئے اور آواز بدل کر کہا ابورافع کیا ہوا۔ بولا، ابھی ایک شخص نے تلوار ماری، انہوں نے دوسرا وار کیا۔ لیکن وہ بھی خالی گیا۔ اس مرتبہ اس کے شور سے تمام گھر جاگ اُٹھا۔ انہوں نے باہر نکل کر پھر آواز بدلی اور ایک فریادرس کی طرح اندر جا کر کہا،

میں آگیا گھبرانے کی کوئی بات نہیں۔ وہ چپ لیٹا ہوا تھا انہوں نے دیکھ لیا اور اس کے پیٹ میں اس زور سے تلواریں کی گونجی ہوئی ہڈیوں تک جا پہنچی۔ اس کا فیصلہ کر کے جلد سے باہر بھاگے۔ عورت نے آواز دی کہ لینا جانے نہ پائے۔ چاندنی رات تھی اور آنکھوں سے کم نظر آتا تھا۔ زینہ کے پاس پہنچ کر پیر پھسلا اور لڑھکتے ہوئے نیچے آ رہے۔ پیر میں زیادہ چوٹ لگی تھی تاہم اٹھ کر عمامہ سے پنڈلی باندھی اور اپنے ساتھیوں کو لے کر کوڑے کے ڈھیر میں چھپ رہے۔

ادھر تمام قلعہ میں ہلچل پڑی ہوئی تھی۔ ہر طرف روشنی کی گئی اور حارث ۳ ہزار آدمی لے کر ڈھونڈنے کے لئے نکلا لیکن ناکام واپس آ گیا۔ حضرت عبداللہؓ نے ساتھیوں سے کہا کہ اب تم جا کر رسول اللہؐ کو بشارت سناؤ میں اپنے کانوں سے اس کے مرنے کی خبر سن کر آتا ہوں۔

صبح کے وقت ایک شخص نے قلعہ کی دیوار پر چڑھ کر با آواز بلند پکارا کہ ابورافع تاجر اہل حجاز کا انتقال ہو گیا۔ عبداللہؓ یہ سن کر نکلے اور بڑھ کر ساتھیوں سے جا ملے اور مدینہ پہنچ کر رسول اللہؐ کو خوشخبری سنائی، آپ نے ان کا پیر دست مبارک سے مس فرمایا اور وہ بالکل اچھے ہو گئے۔

حضرت عبداللہؓ کے ساتھ چار آدمی اور بھی تھے۔ ان کے نام یہ ہیں۔ عبداللہ ابن انیس، ابوقتاہ، اسود بن خزاعی، مسعود بن سنان۔

۹ھ میں آنحضرت ﷺ نے حضرت علیؓ کو ۱۵۰ انصار پر افسر مقرر کر کے بنو طے کا بت توڑنے کے لئے بھیجا تھا اس میں جو کچھ پرانا اسباب اور گائیں ہاتھ لگی تھیں ان کے نگر ان حضرت عبداللہؓ تھے۔

وفات : جنگ یمامہ ۱۲ھ میں شہید ہوئے۔ یہ حضرت ابوبکرؓ کی خلافت کا دور تھا۔
اولاد : ایک بیٹے تھے جن کا نام محمد تھا۔ مسند میں ان کی ایک حدیث موجود ہے۔



حضرت عباسؓ بن عبادہ بن نضلہ

نام و نسب :

عباس نام، قبیلہ خزرج سے ہیں، نسب نامہ یہ ہے۔ عباس بن عبادہ ابن نضلہ بن مالک بن عجلان بن زید بن غنم بن سالم بن عوف بن عمرو بن عوف ابن خزرج۔

اسلام : بیعت عقبہ میں شریک تھے انصار بیعت کے لئے مجتمع ہوئے تو انہوں نے کہا بھائیو جانتے ہو! تم رسول اللہ ﷺ سے کس چیز پر بیعت کر رہے ہو؟ یہ عرب و عجم سے اعلان جنگ ہے اس میں تم کو بہت سے خطروں کا سامنا ہوگا۔ ذی اثر لوگ مارے جائیں گے، مال تلف ہوگا، پس اگر ان مشکلات کا مقابلہ کر سکو تو بسم اللہ بیعت کر لو ورنہ بیکار دین و دنیا کی ندامت سر پر لینے سے کیا فائدہ۔

انصار نے پوچھا یا رسول اللہ (ﷺ) بیعت کر کے اگر ہم وعدہ وفا کریں گے تو کیا اجر ملے گا؟ ارشاد: واکہ جنت! سب نے کہا تو پھر ہاتھ پھیلائیے، بیعت ختم ہوئی تو حضرت عباس ابن عبادہؓ نے کہا آپ ﷺ پسند فرمائیں تو ہم یہیں میدان کارزار گرم کر دیں، فرمایا ابھی اس کی اجازت نہیں۔

حضرت عباسؓ بیعت کر کے مکہ میں مقیم ہو گئے لیکن جب ہجرت کا حکم ہوا تو مہاجرین مکہ کے ہمراہ مدینہ آنے اس بناء پر وہ مہاجرین انصاری ہیں۔ مصنف اصحابہ کے نزدیک وہ رسول اللہ ﷺ کے مہمان یعنی اصحاب صفہ میں داخل تھے۔

غزوات و دیگر حالات :

مدینہ آ کر حضرت عثمانؓ بن مظعون سے کہ اکابر مہاجرین میں سے تھے، رشتہ اخوت قائم ہوا۔ بدر میں شریک نہ تھے۔

وفات : غزوہ احد میں شریک ہوئے اور لڑکر شہادت پائی۔

اخلاق : جوش ایمان اور حب رسول ﷺ کا نظارہ بیعت عقبہ میں بخوبی ہو چکا ہے۔



حضرت عبداللہؓ بن زید

نام و نسب :

عبداللہ نام، ابو محمد کنیت، صاحب الاذان لقب، قبیلہ خزرج سے ہیں، سلسلہ نسب یہ ہے۔
عبداللہ بن زید بن ثعلبہ بن عبد ربیعہ بن ثعلبہ بن زید بن حارثہ ابن خزرج۔
ان کے والد جن کا نام زید بن ثعلبہ تھا، صحابی تھے۔

اسلام : بیعت عقبہ میں شامل تھے۔

غزوات اور دیگر حالات :

اسھ میں تعمیر مسجد نبوی ﷺ کے بعد آنحضرت ﷺ نے نماز کے طریقہ اعلان کے متعلق صحابہؓ سے مشورہ کیا۔ لوگوں نے مختلف رائے دیں کسی نے کہا نماز کے وقت مسجد پر علم بلند کر دیا جائے، کسی نے تجویز پیش کی کہ ناقوس بجایا جائے لیکن اس میں نصاریٰ کی مشابہت تھی، اس لئے آنحضرت ﷺ نے اس کو ناپسند فرمایا۔ تاہم اس وقت اسی پر اتفاق ہوا اور آپ نے اجازت دے دی۔

رات کو حضرت عبداللہؓ نے خواب دیکھا کہ ایک شخص ناقوس لئے کھڑا ہے۔ پوچھا پتو گے؟ بولا کیا کرو گے؟ کہا نماز کے وقت بجائیں گے، اس نے کہا اس سے بہتر ترکیب بتاتا ہوں اور اذان بتائی۔ صبح اٹھ کر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں پہنچے، اور اس بشارت غیبی کا ذکر کیا۔ فرمایا، یہ خواب بالکل سچا ہے تم اٹھ کر بلال کو بتاؤ، وہ اذان پکاریں۔

حضرت بلالؓ نے اذان دی تو حضرت عمرؓ گھر سے چادر گھسیٹتے ہوئے نکلے اور آنحضرت ﷺ سے کہا کہ خدا کی قسم میں نے بھی خواب میں یہی الفاظ سنے تھے۔ آنحضرت ﷺ نے دو مسلمانوں کے اس حسن اتفاق پر خدا کا شکر ادا کیا۔

(جامع ترمذی۔ ص ۳۷، مسند جلد ۱۔ ص ۴۳)

اذان کے بعد جماعت کھڑی ہوئی۔ بلالؓ اقامت کہنا چاہتے تھے کہ حضرت عبداللہؓ نے کہا اقامت میں کہوں گا۔

اذان کے لئے حضرت بلالؓ کے انتخاب کی وجہ یہ تھی کہ وہ حضرت عبداللہؓ سے زیادہ بلند آواز تھے، چنانچہ صحیح ترمذی میں ہے کہ جب آنحضرت ﷺ نے حضرت عبداللہؓ سے فرمایا کہ تم بلالؓ کو اذان کے وہ الفاظ بتاؤ تو اس کے ساتھ یہ بھی کہا:

”فانہ اندی و امد صوتا منک“ یعنی ”وہ تم سے زیادہ بلند آواز ہیں۔“

اس مقام پر یہ بات لحاظ کے قابل ہے کہ اذان جو درحقیقت نماز کا دیباچہ اور اسلام کا شعار اعظم ہے، حضرت عبداللہؓ کی رائے سے قائم ہوئی، ہاتھ غیب کا رویہ حق، آنحضرت ﷺ کا اس کو صحیح سمجھنا اور پھر مسلمانوں میں بالاجماع اس پر عملدرآمد ہونا یہ وہ فضیلت و شرف ہے جس سے حضرت عبداللہؓ قابل رشک ٹھہرتے ہیں۔

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ حضرت عمرؓ نے آنحضرت ﷺ کو یہ مشورہ دیا تھا۔ چنانچہ صحیح بخاری سے ایسا ہی معلوم ہوتا ہے لیکن اصل یہ ہے کہ اس میں اذان کے الفاظ کا ذکر تک نہیں۔ ابوداؤد میں ہے کہ حضرت عمرؓ نے اپنے خواب کو بیس دن تک چھپایا، جب حضرت بلالؓ نے اذان دی تو اس وقت آنحضرت ﷺ سے بیان کیا۔ ارشاد ہوا تم نے پہلے خبر کیوں نہ دی؟ عرض کی عبداللہؓ سبقت کر چکے تھے، اس لئے مجھے شرم معلوم ہوئی۔

یہ روایت قطع نظر اس کے کہ حضرت عمرؓ کی فطرت کے بالکل مخالف ہے، فحوائے حدیث کے بھی موافق نہیں، اذان کے متعلق جس قدر روایتیں مذکور ہیں اس میں قدر مشترک یہ ہیکہ آنحضرت ﷺ نے دن کو جلسہ میں مشورہ کیا اور اسی میں ایک بات طے پا گئی۔ حضرت عبداللہؓ بن زید کی حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ناقوس بجنا طے پا گیا تھا کہ رات کو انہوں نے خواب دیکھا اور فجر کے وقت اذان پکاری گئی اس بناء پر حضرت عبداللہؓ بن زید کی حدیث حضرت ابن عمرؓ کی حدیث مندرجہ بخاری کی گویا تفسیر و تشریح ہے۔ امام بخاری کو بھی یہ حدیث معلوم تھی لیکن چونکہ ان کی شرائط کے لحاظ سے کم مرتبہ تھی اس لئے انہوں نے صحیح میں درج نہ کی۔

حقیقت یہ ہے کہ ان روایات سے کسی کے تقدم و تاخر کا فیصلہ نہیں کیا جاسکتا یہی وجہ ہے کہ امام بخاری نے عمد اس بحث سے گریز کیا ہے۔ ورنہ طبرانی کی روایت کے مطابق تو حضرت ابوبکرؓ نے بھی اذان کا خواب دیکھا تھا۔ امام غزالی نے وسط میں لکھا ہے، دس شخصوں سے زیادہ اس میں شریک تھے، جبلی نے شرح تنبیہ میں ۱۱۴ اشخاص کی تعیین کی ہے۔ مغلطائی نے بالکل صحیح لکھا کہ یہ تمام روایتیں

نا قابل استناد ہیں، صرف حضرت عبداللہؓ بن زید اور بعض طرق سے حضرت عمرؓ کا قصہ پایہ ثبوت تک پہنچتا ہے^۱، لیکن ان دونوں صاحبوں میں بھی حضرت عبداللہ بن زیدؓ کی روایت متعدد طرق سے ثابت ہے اور صحابہؓ کی ایک جماعت نے ان سے اس قصہ کو نقل کیا ہے^۲۔

تمام روایتوں سے ثابت ہو گیا کہ اذان کا خواب جس کسی نے بھی پہلے دیکھا ہو لیکن وہ اور اس کی تعبیر جس ذات گرامی سے منسوب ہوئی وہ حضرت عبداللہؓ بن زید بن عبد ربہؓ ہیں اور اسی وجہ سے وہ ”صاحب اذان“ کے لقب سے مشہور ہوئے۔

اس عظیم الشان فخر سے مفتخر ہونے کے بعد سعادت ابدی کی اور بہت سی راہوں سے بھی بہرہ یاب ہوئے، چنانچہ ۲ھ میں غزوہ بدر پیش آیا، انہوں نے اس میں شرکت کا شرف حاصل کیا، اس کے علاوہ تمام غزوات میں شریک ہوئے۔

غزوہ مکہ کی شاندار فتح میں بنو حارث بن خزرج کا علم انہی کے ہاتھ میں تھا^۳۔

حجۃ الوداع کے موقع پر جب آپؐ نے بکریاں تقسیم فرمائیں تو یہ پاس ہی کھڑے تھے ان کو کچھ نہ دیا، لیکن قسمت میں ایک لازوال دولت لکھی تھی، آپؐ نے بال بنوائے تھے، کچھ ان کو عنایت کئے باقی اور لوگوں میں تقسیم ہوئے، یہ بال جو مہندی سے رنگے ہوئے تھے، ان کے خاندان میں تبرکاً محفوظ رہے^۴۔

وفات : ۲۲ھ میں عمر ۶۴ سال انتقال فرمایا، حضرت عثمانؓ نے نماز جنازہ پڑھائی بعض لوگوں کا خیال ہے کہ احد میں شہید ہوئے تھے، اور ثبوت میں یہ واقعہ پیش کرتے ہیں کہ عبداللہؓ کی صاحبزادی جب حضرت عمرؓ کے ہاں گئیں تو کہا کہ میرے باپ بدر میں شریک تھے اور احد میں شہید ہوئے، حضرت عمرؓ نے کہا تو پھر جو مانگنا ہو مانگو، انہوں نے کچھ مانگا اور کامیاب واپس آئیں^۵۔

یہ حلیہ کی روایت ہے، لیکن مسند اور تمام کتب رجال میں اس کے خلاف روایتیں ہیں، اس لئے یہ کیونکر قابل قبول ہو سکتی ہے، اس کے ماسوا یہ خیال حاکم کا ہے اور انہوں نے مستدرک میں خود اس کے خلاف رائے ظاہر کی ہے۔

اولاد : ایک صاحبزادی تھیں جن کا ابھی اوپر ذکر ہوا، ایک بیٹے تھے جن کا نام محمد تھا آنحضرت ﷺ کے عہد میں پیدا ہوئے تھے۔

۱۔ ایضاً ۲۔ ص ۶۶ ۳۔ استیعاب جلد ۱۔ ص ۳۶۸ ۴۔ سند جلد ۲۔ ص ۴۲

۵۔ اصحابہ جلد ۳۔ ص ۷۲

فضل و کمال :

امام بخاریؒ نے لکھا ہے کہ ان سے صرف ایک حدیث اذان کے متعلق مروی ہے امام ترمذی بھی اس کی تائید کرتے ہیں لیکن حافظ ابن حجر کو ۶۷ حدیثیں ملی تھیں، جن کو انہوں نے علیحدہ ایک جزء میں جمع کر دیا ہے۔

ان کے راویان حدیث کے زمرہ میں حسب ذیل نام ہیں، محمد، عبداللہ بن محمد، سعید بن مسیب، عبدالرحمن بن ابی لیلیٰ۔

اخلاق : عسرت و تنگی میں خدا کی راہ میں ایثار نفس، اخلاق کا اعلیٰ ترین مرتبہ ہے، حضرت عبداللہؓ کے پاس بہت قلیل جائیداد تھی، جس سے وہ اپنے بال بچوں کی پرورش کرتے تھے، لیکن انہوں نے کل کی کل صدقہ کر دی ان کے باپ نے آنحضرت ﷺ سے آکر واقعہ بیان کیا۔ آپ نے ان کو بلا کر فرمایا کہ خدا نے تمہارا صدقہ قبول کیا۔ لیکن اب باپ کی میراث کے نام سے تم کو واپس دیتا ہے۔ تم اس کو قبول کر لو۔



حضرت عبداللہؓ بن زید بن عاصم

نام و نسب :

عبداللہ نام ہے۔ ابو محمد کنیت، قبیلہ خزرج سے ہیں۔ نسب نامہ یہ ہے : عبداللہ بن زید، بن عاصم بن کعب بن عمرو بن عوف بن مبذول بن عمرو بن غنم بن مازن ابن نجار بن ثعلبہ بن عمرو بن خزرج۔ ماں کا نام ام عمارہ تھا۔

اسلام : ہجرت کے بعد مسلمان ہوئے۔

غزوات : بدر کے علاوہ تمام غزوات میں شرکت کی۔ مشہد بیعت رضوان میں موجود تھے۔ جنگ یمامہ میں نہایت نمایاں حصہ لیا۔ مسلمانہ کذاب مدعی نبوت نے ان کے بھائی حبیب ابن زید کو قتل کرادیا تھا۔ حضرت عبداللہ وقت کے منتظر تھے۔ جنگ یمامہ میں خوش قسمتی سے موقع مل گیا۔ حضرت وحشیؓ نے مسلمانہ کو تیر مارا، پھر حضرت عبداللہ نے بڑھ کر تلوار کا وار کیا اور قتل کر دیا۔

وفات : ۶۳ھ میں خود قتل ہوئے۔ یزید بن معاویہ کی خلافت سے تمام مدینہ بیزار تھا۔ اس بنا پر اس کی بیعت توڑ کر حضرت عبداللہ بن حنظلہؓ انصاری سے بیعت کی۔ یزید نے ایک لشکر بھیجا۔ حضرت ابن حنظلہؓ نے تمام شہر سے جہاد پر بیعت لینا شروع کی۔ حضرت عبداللہؓ کو خبر ہوئی، تو پوچھا بیعت کی شرط کیا ہے؟ جواب ملا موت! بولے کہ میں رسول ﷺ کے بعد کسی سے اس شرط پر بیعت نہیں کر سکتا۔

لیکن چونکہ یہ حق و باطل کا معرکہ تھا۔ اپنے دو بیٹوں کے ساتھ میدان میں پہنچے اور وہیں شہادت حاصل کی۔ یہ ماہ ذی الحجہ کی اخیر تاریخوں کا واقعہ ہے۔

اس وقت بقول واقدی وہ ۷۰ برس کے تھے لیکن ہمارے نزدیک یہ صحیح نہیں غزوہ احد میں ان کی شرکت مسند میں بالتصریح مذکور ہے۔ اور اسماء الرجال کے تمام مصنفین کا بھی اس پر اتفاق ہے، بلکہ بعض نے تو بدر کی شرکت بھی تسلیم کی ہے غزوہ کی شرکت کے لئے ۱۵ سال کی عمر شرط ہے، اس بنا پر وہ احد میں کم از کم پندرہ برس کے ضرور تھے اور اس لئے وفات کے وقت ان کی عمر ۷۵ سال ٹھہرتی ہے۔
اولاد : دوڑ کے تھے، خلا اور علی، حرہ میں قتل ہوئے۔

فضل و کمال :

چند حدیثیں روایت کیں، راویوں کے نام یہ ہیں، عباد بن تمیم (بھیجتے تھے) سعید بن مسیب، یحییٰ بن عمارہ، واسع بن حیان، عبادہ بن حبیب، ابوسفیان مولیٰ ابن ابی احمد۔

اخلاق : جب رسول کا منظر یہ ہے کہ ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ ان کے مکان پر تشریف لے گئے، وہ پانی لائے اور آپ نے وضو کیا^۱، آپ نے جس طرح وضو کیا تھا انہوں نے یاد کر لیا، چنانچہ ایک زمانہ کے بعد جب لوگوں نے آنحضرت ﷺ کے وضو کی کیفیت پوچھی تو خود اسی طرح وضو کر کے بتلایا^۲۔



حضرت عبداللہؓ بن یزید خطمی

نام و نسب :

عبداللہ نام، ابو موسیٰ کنیت، قبیلہ اوس سے ہیں، سلسلہ نسب یہ ہے، عبداللہ ابن یزید بن زید بن حصن بن عمرو بن حارث بن خطمہ بن خثیم بن مالک بن اوس۔

والد جن کا نام یزید تھا، صحابیت کے شرف سے ممتاز تھے، احد اور مابعد کے غزوات میں شریک ہوئے اور فتح مکہ کے قبل وفات پائی۔

اسلام : عبداللہؓ اپنے والد کے ساتھ ایمان لائے۔

غزوات : بیعت رضوان میں شرکت کی، اس وقت ۷ برس کا سن تھا، بعد میں جو غزوات ہوئے ان میں بالالتزام حصہ لیا۔

جسرا بنی عبید کے واقعہ میں جو شعبان ۳ھ میں تھا شکست کی خبر مدینہ لے کر یہی گئے تھے^۱۔ جناب امیرؓ کے عہد خلافت میں جو معرکے ہوئے سب میں ان کے ساتھ شریک رہے۔ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کے عہد میں کچھ دنوں مکہ معظمہ کے امیر تھے لیکن چونکہ مکہ خود حضرت عبداللہؓ کا مستقر خلافت تھا، اس لئے نائب کی ضرورت نہ تھی، اس بنا پر وہ اس عہدہ سے سبکدوش کر دیئے گئے اور وہیں ٹھہر گئے^۲۔

یزید کی وفات کے ۳ ماہ بعد ۶۵ھ میں حضرت ابن زبیرؓ نے ان کو کوفہ کا امیر بنایا اس زمانہ میں شعی ان کے کاتب (میر منس) تھے۔ اس کے بعد کوفہ کی سکونت اختیار کی اور مکان بنوایا۔

وفات : اسی عہد میں وفات پائی۔

اولاد : ایک لڑکا سمی بہ موسیٰ اور ایک لڑکی (عدی بن ثابت کی ماں) یادگار چھوڑی۔

فضل و کمال :

فضلائے صحابہؓ میں تھے^۳، اور امیر معاویہؓ کے زمانہ خلافت میں فقہ و فتاویٰ میں مرجع عام بن گئے تھے^۴۔

۱۔ اصابعہ جلد ۲۔ ص ۱۴۳۔ ۲۔ ایضاً۔ ۳۔ اسد الغابہ جلد ۳۔ ص ۲۷۴۔ ۴۔ یعقوبی جلد ۲۔ ۴۸۶

بایں ہمہ فضل و کمال ان کے سلسلہ سے صرف ۲۷ روایتیں ہیں، جن میں بعض جناب رسول اللہ ﷺ سے سنی تھیں، اور بعض حضرت ابویوب انصاریؓ، ابن مسعودؓ، قیس بن سعدؓ، ابن مہاذوؓ، حذیفہ بن الیمانؓ، زید بن ثابتؓ، براء بن عازبؓ اور حضرت عمرؓ کی کتاب سے روایت کی تھیں۔

راویان حدیث کے سلسلہ میں حسب ذیل حضرات کا نام لیا جاسکتا ہے، موسیٰ (بیٹے تھے) عدی بن ثابت (نواسے تھے) محارب بن وثار، شععی، ابواسحاق سہمی، محمد بن کعب قرظی ابن سیرین، ابو بردہ بن ابی موسیٰ، ابو جعفر فراء۔

اخلاق : مصنف اصابہ لکھتے ہیں۔ ”کان من اکثر الناس صلاة و کان لا یصوم الا یوم عاشوراء“۔ نمازوں کی کثرت میں اپنے اقربان سے عموماً ممتاز تھے البتہ روزہ (رمضان کے علاوہ) صرف عاشوراء کے دن رکھتے تھے۔



حضرت عبدالرحمنؓ بن شبل

نام و نسب :

عبدالرحمن نام ہے۔ قبیلہ اوس سے ہیں۔ عبدالرحمن بن شبل بن عمرو بن زید بن نجدہ ابن مالک بن اوزان بن عمرو بن عوف بن عبدعوف بن مالک بن اوس۔ جاہلیت میں مالک بن لوزان کی اولاد بنو صماء کہلاتی تھی۔ صماء قبیلہ مزینہ کی ایک عورت کا نام تھا جو مالک کی بیوی تھی۔ آنحضرت نے مکروہ سمجھ کر بنو سمیعہ نام رکھا۔

عام حالات :

انصار کے نقیبوں^۱ میں ان کا بھی شمار تھا (غالباً بیعت عقبہ کے نقیب مراد نہیں)۔ عہد نبوت کے بعد شام کی سکونت اختیار کی اور حمص میں قیام کیا۔ وفات : امیر معاویہؓ کے عہد حکومت میں فوت ہوئے۔

اولاد : حسب روایت ابن سعد ۳ بیٹے اور ایک بیٹی یادگار چھوڑی۔ ان کے نام یہ ہیں، عزیر، مسعود، موسیٰ، جلیلہ۔

فضل و کمال :

علمائے صحابہ میں تھے^۲۔ امیر معاویہؓ نے ان کے پاس خط لکھا کہ آپ نے جو حدیثیں سنی ہوں لوگوں کو اس سے آگاہ کر دیجئے۔ حضرت عبدالرحمنؓ نے مجمع کر کے چند حدیثیں بیان کیں^۳۔

بعض روایتوں میں ہے :

”بعث معاویہ الی عبدالرحمن بن شبل انک من فقہاء اصحابہ رسول

اللہ وقد مائهم فقم فی الناس وعظهم“۔

”امیر معاویہؓ نے کہلا بھیجا کہ آپ فقہاء اور قدامت صحابہ میں سے ہیں، اس لئے لازم ہے کہ

وعظ کہا کریں“۔

امیر معاویہؓ سے ملے تو انہوں نے کہا کہ جب آپ میرے ہاں آئیں تو کوئی حدیث روایت کریں۔ استقصاء سے ۱۴ حدیثیں دستیاب ہوئیں لیکن مشہور صرف تین ہیں۔ یہ حدیثیں ادب المفرد، ابوداؤد، نسائی اور ابن ماجہ میں مذکور ہیں۔

راویان حدیث کے نام یہ ہیں۔ تمیم بن محمود، ابوراشد حرافی، یزید بن خمیر، ابو سلام اسود۔



حضرت عثمانؓ بن حنیف

نام و نسب :

عثمان نام، ابو عمر و کنیت، قبیلہ اوس سے ہیں، نسب نامہ یہ ہے عثمان ابن حنیف بن واہب بن العکیم بن ثعلبہ بن حارث بن مجدعہ بن عمرو بن حنش بن عوف ابن عمرو بن عوف بن مالک بن اوس۔ اسلام : اپنے برادر اکبر حضرت سہل بن حنیفؓ کے ساتھ مسلمان ہوئے۔ غزوات : احد اور مابعد کے غزوات میں شرکت کی امام ترمذی کے نزدیک بدر میں بھی شریک تھے، لیکن یہ رائے جمہور محدثین کے خلاف ہے۔

دیگر حالات :

عراق اور کوفہ فتح ہو گئے تو ۱۶ھ میں حضرت عمرؓ نے خراج کے نظم و نسق کی طرف توجہ کی ان کا یہ عام اصول تھا کہ ہر ملک کا انتظام وہاں کے قدیم رسم و رواج کے موافق کسی قدر اصلاح کے ساتھ بحال رکھتے، لیکن عراق میں اس وقت جو مالکذاری کا طریقہ رائج تھا، اس میں قدیم دستور کے خلاف مختلف تبدیلیاں ہو چکی تھیں، اس بناء پر حضرت عمرؓ نے مزید تحقیقات کے لئے عراق کی پیمائش کا فیصلہ کیا۔ چونکہ اس کام کے لئے دیانت و امانت کے علاوہ پیمائش اور حساب کا جاننا نہایت ضروری تھا اور اس زمانہ میں عرب عموماً ان چیزوں سے نا آشنا تھے، اس لئے حضرت عمرؓ کو انتخاب میں سخت دقت پیش آئی۔ مجلس شوریٰ قائم کر کے اس کے سامنے انتخاب کا مسئلہ پیش کیا تمام صحابہؓ نے عثمانؓ بن حنیف کے لئے بالاتفاق رائے دی اور کہا کہ اس سے بھی زیادہ اہم کام انجام دینے کی قابلیت رکھتے ہیں۔ حضرت عمرؓ نے صحابہؓ کے اجماع سے عثمانؓ بن حنیف کو بندوبست کی تولیت کے لئے نامزد فرمایا۔ چلتے وقت پیمانہ بنا کر دیا۔ حضرت عثمانؓ نے اسی کے بموجب پیمائش کی اس موقع پر جو احتیاط ان کی جانب سے وقوع میں آئی اس کو قاضی ابو یوسف صاحب کتاب الخراج میں اس طرح بیان کرتے ہیں :
”کان عثمان عالماً بالخراج فمسحها مساحة الديباج“۔
”عثمان کو خراج میں پوری واقفیت تھی اس بناء پر زمین کو اس اہتمام کے ساتھ پیمائش کیا جس طرح قیمتی کپڑا پانا جاتا ہے۔“

یہ کام کئی مہینے تک جاری رہا، پہاڑ، صحرا، اور دریا کو چھوڑ کر قابل زراعت زمین تین کروڑ ۶۰ لاکھ جریب ٹھہری۔^۱ پہاڑ وغیرہ کی پیمائش کو خود حضرت عمرؓ نے منع کر دیا تھا۔^۲
بندوبست ختم ہوا تو کوفہ کے صاحب الخراج (کلکو) مقرر ہوئے، مصنف استیعاب لکھتے ہیں۔^۳

ولاه عمر مساحة الارضين وجبايتها وضرب الخراج والجزية على اهلها.
”حضرت عمرؓ نے ان کو زمین کی پیمائش مالگذاری کی وصولی اور خراج کی وجزیہ کی تشخیص پر مامور کیا تھا۔“

اس عہدہ پر مامور ہونے کے بعد انہوں نے مالگذاری کی تشخیص کی اور حسب ذیل شرح پر لگان مقرر کی۔^۴

انگور	فی جریب یعنی پون بیگہ پختہ	۱۰ درہم سال
نخلستان	"	" " ۸
نیشکر	"	" " ۶
گیہوں	"	" " ۴
جو	"	" " ۲

جزیہ کی شرح ذیل تھی :

امراء سے	۴۸ درہم سال
متوسطین سے	" " ۲۴
غربا سے	" " ۱۲

عورتیں اور بچے جزیہ سے مستثنیٰ تھے۔^۵

جزیہ کے وصول کرنے کا طریقہ یہ تھا کہ ذمیوں کے روساء جن کو دہقان کہتے تھے ان کو لے کر عدالت میں حاضر ہوتے تھے۔ حضرت عثمانؓ ان سے روپے لیتے اور مہر لگاتے، چنانچہ ۵ لاکھ ذمیوں کے مہر لگائیں، اس کے بعد ان کو سرداروں کے سپرد کیا اور انکو ٹھیاں توڑ ڈالی گئیں۔^۶
بندوبست جس اہتمام اور خوبی سے ہوا اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ دوسرے ہی سال خراج کی مقدار ۸ کروڑ سے ۱۰ کروڑ بیس ہزار درہم تک پہنچ گئی۔^۷ اس کے بعد برابر اضافہ ہوتا چلا گیا۔

۱۔ یعقوبی جلد ۲۔ ص ۱۷۴۔ ۲۔ استیعاب جلد ۲۔ ص ۹۴۵۔ ۳۔ کتاب الخراج۔ ص ۲۰۔ ۴۔ کتاب الخراج۔ ص ۱۷۴۔ ۵۔ ایضاً۔ ص ۷۳۔ ۶۔ یعقوبی جلد ۲۔ ص ۱۷۴۔ ۷۔ ۲۰، ۲۱، ۲۲، ۲۳، ۲۴، ۲۵، ۲۶، ۲۷، ۲۸، ۲۹، ۳۰، ۳۱، ۳۲، ۳۳، ۳۴، ۳۵، ۳۶، ۳۷، ۳۸، ۳۹، ۴۰، ۴۱، ۴۲، ۴۳، ۴۴، ۴۵، ۴۶، ۴۷، ۴۸، ۴۹، ۵۰، ۵۱، ۵۲، ۵۳، ۵۴، ۵۵، ۵۶، ۵۷، ۵۸، ۵۹، ۶۰، ۶۱، ۶۲، ۶۳، ۶۴، ۶۵، ۶۶، ۶۷، ۶۸، ۶۹، ۷۰، ۷۱، ۷۲، ۷۳، ۷۴، ۷۵، ۷۶، ۷۷، ۷۸، ۷۹، ۸۰، ۸۱، ۸۲، ۸۳، ۸۴، ۸۵، ۸۶، ۸۷، ۸۸، ۸۹، ۹۰، ۹۱، ۹۲، ۹۳، ۹۴، ۹۵، ۹۶، ۹۷، ۹۸، ۹۹، ۱۰۰، ۱۰۱، ۱۰۲، ۱۰۳، ۱۰۴، ۱۰۵، ۱۰۶، ۱۰۷، ۱۰۸، ۱۰۹، ۱۱۰، ۱۱۱، ۱۱۲، ۱۱۳، ۱۱۴، ۱۱۵، ۱۱۶، ۱۱۷، ۱۱۸، ۱۱۹، ۱۲۰، ۱۲۱، ۱۲۲، ۱۲۳، ۱۲۴، ۱۲۵، ۱۲۶، ۱۲۷، ۱۲۸، ۱۲۹، ۱۳۰، ۱۳۱، ۱۳۲، ۱۳۳، ۱۳۴، ۱۳۵، ۱۳۶، ۱۳۷، ۱۳۸، ۱۳۹، ۱۴۰، ۱۴۱، ۱۴۲، ۱۴۳، ۱۴۴، ۱۴۵، ۱۴۶، ۱۴۷، ۱۴۸، ۱۴۹، ۱۵۰، ۱۵۱، ۱۵۲، ۱۵۳، ۱۵۴، ۱۵۵، ۱۵۶، ۱۵۷، ۱۵۸، ۱۵۹، ۱۶۰، ۱۶۱، ۱۶۲، ۱۶۳، ۱۶۴، ۱۶۵، ۱۶۶، ۱۶۷، ۱۶۸، ۱۶۹، ۱۷۰، ۱۷۱، ۱۷۲، ۱۷۳، ۱۷۴، ۱۷۵، ۱۷۶، ۱۷۷، ۱۷۸، ۱۷۹، ۱۸۰، ۱۸۱، ۱۸۲، ۱۸۳، ۱۸۴، ۱۸۵، ۱۸۶، ۱۸۷، ۱۸۸، ۱۸۹، ۱۹۰، ۱۹۱، ۱۹۲، ۱۹۳، ۱۹۴، ۱۹۵، ۱۹۶، ۱۹۷، ۱۹۸، ۱۹۹، ۲۰۰، ۲۰۱، ۲۰۲، ۲۰۳، ۲۰۴، ۲۰۵، ۲۰۶، ۲۰۷، ۲۰۸، ۲۰۹، ۲۱۰، ۲۱۱، ۲۱۲، ۲۱۳، ۲۱۴، ۲۱۵، ۲۱۶، ۲۱۷، ۲۱۸، ۲۱۹، ۲۲۰، ۲۲۱، ۲۲۲، ۲۲۳، ۲۲۴، ۲۲۵، ۲۲۶، ۲۲۷، ۲۲۸، ۲۲۹، ۲۳۰، ۲۳۱، ۲۳۲، ۲۳۳، ۲۳۴، ۲۳۵، ۲۳۶، ۲۳۷، ۲۳۸، ۲۳۹، ۲۴۰، ۲۴۱، ۲۴۲، ۲۴۳، ۲۴۴، ۲۴۵، ۲۴۶، ۲۴۷، ۲۴۸، ۲۴۹، ۲۵۰، ۲۵۱، ۲۵۲، ۲۵۳، ۲۵۴، ۲۵۵، ۲۵۶، ۲۵۷، ۲۵۸، ۲۵۹، ۲۶۰، ۲۶۱، ۲۶۲، ۲۶۳، ۲۶۴، ۲۶۵، ۲۶۶، ۲۶۷، ۲۶۸، ۲۶۹، ۲۷۰، ۲۷۱، ۲۷۲، ۲۷۳، ۲۷۴، ۲۷۵، ۲۷۶، ۲۷۷، ۲۷۸، ۲۷۹، ۲۸۰، ۲۸۱، ۲۸۲، ۲۸۳، ۲۸۴، ۲۸۵، ۲۸۶، ۲۸۷، ۲۸۸، ۲۸۹، ۲۹۰، ۲۹۱، ۲۹۲، ۲۹۳، ۲۹۴، ۲۹۵، ۲۹۶، ۲۹۷، ۲۹۸، ۲۹۹، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۲۰، ۳۲۱، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۲، ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۶۹، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵، ۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۶، ۴۹۷، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۲، ۵۴۳، ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۵۲، ۵۵۳، ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹، ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۵، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰، ۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۰۰، ۷۰۱، ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷، ۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱، ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵، ۱۲۰۶، ۱۲۰۷، ۱۲۰۸، ۱۲۰۹، ۱۲۱۰، ۱۲۱۱، ۱۲۱۲، ۱۲۱۳، ۱۲۱۴، ۱۲۱۵، ۱۲۱۶، ۱۲۱۷، ۱۲۱۸، ۱۲۱۹، ۱۲۲۰، ۱۲۲۱، ۱۲۲۲، ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۲۶، ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، ۱۲۳۰، ۱۲۳۱، ۱۲۳۲، ۱۲۳۳، ۱۲۳۴، ۱۲۳۵، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، ۱۲۳۸، ۱۲۳۹، ۱۲۴۰، ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۱۲۴۳، ۱۲۴۴، ۱۲۴۵، ۱۲۴۶، ۱۲۴۷، ۱۲۴۸، ۱۲۴۹، ۱۲۵۰، ۱۲۵۱، ۱۲۵۲، ۱۲۵۳، ۱۲۵۴، ۱۲۵۵، ۱۲۵۶، ۱۲۵۷، ۱۲۵۸، ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ۱۲۶۱، ۱۲۶۲، ۱۲۶۳، ۱۲۶۴، ۱۲۶۵، ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۲۶۹، ۱۲۷۰، ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، ۱۲۷۳، ۱۲۷۴، ۱۲۷۵، ۱۲۷۶، ۱۲۷۷، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۱۲۸۲، ۱۲۸۳، ۱۲۸۴، ۱۲۸۵، ۱۲۸۶، ۱۲۸۷، ۱۲۸۸، ۱۲۸۹، ۱۲۹۰، ۱۲۹۱، ۱۲۹۲، ۱۲۹۳، ۱۲۹۴، ۱۲۹۵، ۱۲۹۶، ۱۲۹۷، ۱۲۹۸، ۱۲۹۹، ۱۳۰۰، ۱۳۰۱، ۱۳۰۲، ۱۳۰۳، ۱۳۰۴، ۱۳۰۵، ۱۳۰۶، ۱۳۰۷، ۱۳۰۸، ۱۳۰۹، ۱۳۱۰، ۱۳۱۱، ۱۳۱۲، ۱۳۱۳، ۱۳۱۴، ۱۳۱۵، ۱۳۱۶، ۱۳۱۷، ۱۳۱۸، ۱۳۱۹، ۱۳۲۰، ۱۳۲۱، ۱۳۲۲، ۱۳۲۳، ۱۳۲۴، ۱۳۲۵، ۱۳۲۶، ۱۳۲۷، ۱۳۲۸، ۱۳۲۹، ۱۳۳۰، ۱۳۳۱، ۱۳۳۲، ۱۳۳۳، ۱۳۳۴، ۱۳۳۵، ۱۳۳۶، ۱۳۳۷، ۱۳۳۸، ۱۳۳۹، ۱

خاص کوفہ جو خود ان کا دارالامارہ تھا، اس کی آمدنی میں حیرت انگیز ترقی ہوئی چنانچہ حضرت عمرؓ کی وفات کے ایک سال قبل کا خراج ایک کروڑ تک پہنچ گیا تھا۔ (استیعاب۔ جلد ۲۔ ص ۴۹۶)

تشخیص میں جس قدر رزمی اور آسانی کی گئی تھی، اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ حضرت عمرؓ کی وفات سے ۳-۴ سال قبل عثمانؓ اور حذیفہؓ مدینہ آئے تو انہوں نے فرمایا، ”شاید تم نے زمین پر اس کی طاقت سے زیادہ بوجھ لاد دیا ہے“ اس موقع پر حضرت عثمانؓ نے جو جواب دیا یہ تھا۔

”لقد ترکت النصف ولو الشنت لا خلتہ۔“

”میں نے آدھا چھوڑ دیا ہے آپ چاہیں تو وہ بھی مل سکتا ہے۔“

بائیں ہمہ جب خراج روانہ ہوتا تو کوفہ اور بصرہ کے دس دس آدمی مدینہ جاتے اور حضرت عمرؓ کے سامنے شرعی قسم کھا کر کہتے کہ اس میں کسی مسلمان یا ذمی سے ایک حبہ بھی جبراً وصول نہیں کیا گیا ہے۔^۱

حضرت عثمانؓ نے جس قابلیت سے خراج اور جزیہ کی تشخیص کی تھی اس کا مقتضایہ تھا کہ سلطنت کے دوسرے صوبوں میں بھی اس کو نافذ کیا جائے چنانچہ حضرت عمرؓ نے حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ حاکم بصرہ کو حکم بھیجا کہ تم بصرہ میں کوفہ کے مطابق خراج مقرر کرو۔^۲

کوفہ کی آمدنی وہاں کے خزانہ میں جمع رہتی تھی دار الخلافہ کو ۲ کروڑ سے ۳ کروڑ تک بھیجا جاتا تھا۔^۳

ملک کی اس کثیر آمدنی میں سے حضرت عثمانؓ کو جو کچھ ملتا تھا وہ قابل ذکر ہے ابن واضح کاتب عباسی لکھتے ہیں^۴۔

”واجری علی عثمان بن حنیف خمسة درهم فی کل یوم وجوابا من دقیق“

”عثمان کو ۵ درہم یومیہ اور ایک تھلی آنا ملتا تھا۔“

قاضی ابو یوسف صاحب نے گوشت کے متعلق بھی تصریح کی ہے یعنی ایک بکری کے تین حصے ہوتے تھے، ایک حصہ والی کو، ایک قاضی کو، اور ایک عثمانؓ کو ملتا تھا۔ حضرت عمرؓ نے ان لوگوں سے فرمایا تھا کہ ”میں اور تم اس مال سے اس قدر لے سکتے ہیں جتنا ایک یتیم کا کفیل یتیم کی جائداد سے لیتا ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جو غنی ہوا یا ثار کرے اور جو محتاج ہو وہ مناسب رقم لے، کیونکہ جو زمین ایک بکری روزانہ دے گی، خدا کی قسم بہت جلد تباہ ہو جائے گی۔“^۵

۱ کتاب الخراج۔ ص ۲۱۔ ۲ ایضاً ص ۶۵۔ ۳ یعقوبی جلد ۲۔ ص ۱۷۵، ۱۷۶۔ ۴ ایضاً ص ۱۷۵۔

۵ ایضاً ص ۱۷۴۔ ۶ کتاب الخراج۔ ص ۲۰۔

خلافت فاروقی کے بعد خلافت عثمانی میں مدینہ آئے، اور حضرت علیؑ کے عہد مبارک میں بصرہ کے حاکم مقرر ہوئے، ابھی چند ماہ گزرے تھے، کہ حجاز سے ایک طوفان اٹھا جس نے بصرہ کے قصر امن و امان کی اینٹ سے اینٹ بجا دی، حضرت طلحہؓ، حضرت زبیرؓ اور حضرت عائشہؓ نے حضرت علیؑ کے مقابلہ میں خروج کے لئے اسی مقام کو تاکا تھا، یہاں پہلے سے ان بزرگوں کا اثر قائم تھا، اس بناء پر حضرت عثمانؓ بن حنیف کو رفع شور و شر اور قیام امن میں طرح طرح کی دقتیں پیش آئیں۔ یہ سیلاب بصرہ پہنچا تو امن و سکون کی دیواریں ہل گئیں، لوگوں نے حضرت عثمانؓ کو خبر کی۔ انہوں نے دو آدمیوں کو اس لشکر کے سرگروہوں کے پاس روانہ کیا، لیکن جواب نہایت مایوس کن ملا، حضرت عثمانؓ نے سن کر کہا، ”ان الله وانا اليه راجعون دارته حى لا سلام ورب الكعبة“ :

افسوس! مسلمانوں میں خانہ جنگی شروع ہو گئی لوگوں سے مشورہ کر کے مدافعت کے لئے تیار ہوئے، حجازی گروہ شہر کے قریب پہنچا تو حکومت کی فوج مزاحم ہوئی جس میں لڑائی تک نوبت پہنچی، اس موقع پر حضرت عائشہؓ کی پُر اثر آواز نے افواج حکومت پر سحر و افسوس کا کام کیا اور دو فرقتے پیدا ہو گئے، جن میں سے ایک ٹوٹ کر حجازیوں سے جا ملا نتیجہ یہ ہوا کہ افواج حکومت نے شکست کھائی اور ایک صلح نامہ مرتب کیا گیا جو کتبہ درج ذیل ہے :

بسم الله الرحمن الرحيم

هذا ما اصطلح عليه طلحة والزبير ومن معهما من المؤمنين والمسلمين
وعثمان بن حنيف ومن معه من المؤمنين والمسلمين ان عثمان يقيم حيث
ادركه الصلح على ما في يده وان طلحة والزبير يقيمان حيث ادركهما
الصلح على ما في ايديهما حتى يرجع امين الفريقين كعب بن سور من
المدينة ولا يضر واحد من الفريقين الاخر في مسجد لا سوق ولا طريق
ولا فرضة بينهم عية مفتوحة حتى يرجع كعب بالخير فان رجع بان القوم
اكرهوا طلحة والزبير فلا مرار هما وان شاء عثمان خرج حتى يلحق
بطيئة وان شاء دخل معهما وان رجع بانهما لم يكرها فلا مرار عثمان فان
شاء طلحة والزبير اقاما على طاعة على وان شاء اخرجا حتى يلحقا
بطيئتهما والمؤمنون اعوان الفالح منهما .

صلح نامہ کے بموجب کعب بن سور از دی مدینہ گئے اور جمعہ کے دن مسجد نبوی میں مجمع عام سے سوال کیا کہ کیا طلحہؓ وزیرؓ نے جبراً بیعت کی! تمام مجمع خاموش تھا، لیکن اسامہ ابن زیدؓ بول اٹھے کہ خدا کی قسم انہوں نے جبراً بیعت کی! اس پر مجمع کے کچھ لوگ اسامہ کے رتبہ کا بھی پاس نہ کر کے ان کی طرف بڑھے، حضرت ایوبؓ، محمد بن مسلمہؓ اور دیگر اکابر صحابہؓ نے حضرت اسامہؓ کو خطرہ میں دیکھ کر بیک زبان کہا ہاں انہوں نے جبراً بیعت کی اسامہؓ کو چھوڑ دو، اس آواز پر مجمع منتشر ہو گیا، اور حضرت اسامہؓ کی جان بچ گئی، کعب کے لئے اس سے زیادہ اور کیا ثبوت ہو سکتا تھا۔ مدینہ سے روانہ ہوئے۔

حضرت علیؓ نے عثمانؓ بن حنیف کو ایک خط لکھا کہ طلحہؓ اور زبیرؓ کو اگر مجبور بھی کیا گیا تو عام مسلمانوں کے اتفاق اور اجماع پر نہ کہ تفریق و اختلاف پر اس لئے وہ بیعت توڑتے ہیں تو مجھے کیا جواب دیں گے اور اگر اس کے سوا کوئی اور ارادہ ہے تو ان کو اور ہم کو اس پر غور کرنا چاہئے۔ یہ خط اگرچہ سرتاپا حق و صداقت تھا تاہم مخالف کے مفید مطلب تھا کعب نے بصرہ پہنچ کر سارا حال بیان کیا تو صلح نامہ کا عدم ہو گیا۔ اور حضرت طلحہؓ وزیرؓ کی طرف سے شہر خالی کرنے کا مطالبہ پیش ہوا، حضرت عثمانؓ نے جواب دیا کہ اب بحث دوسری پیدا ہو گئی، چونکہ امنگ و جوش کا فیصلہ دلیل و بحث کے بجائے تیغ و خنجر کی زبان کرتی ہے۔

حضرت طلحہؓ وزیرؓ نے رات کے وقت اپنی جماعت کے آدمیوں کو جامع مسجد بھیجا، عشاء کا وقت تھا، اندھیری رات اور سردی کا موسم حضرت عثمانؓ کے براہد ہونے میں دیر ہو گئی، ان لوگوں نے اپنی جماعت کے ایک شخص عتاب بن اسید کو امام بنا کر آگے بڑھا دیا، چونکہ امامت اس زمانہ میں لازماً حکومت تھی، اور بڑی اہمیت رکھتی تھی، اس لئے زط اور سیاچہ نے جو شہر کے انتظام کے لئے مقرر تھے، عتاب کو امامت سے روکا جس میں تلوار تک نوبت پہنچی۔

ان لوگوں نے سپاہیوں کو ایک طرف مصروف کر کے قصر امارت کا رخ کیا چونکہ نماز عشاء بہت دیر میں پڑھی جاتی تھی۔ اس لئے پہرہ دار جو تعداد میں ۴۰ تھے سو گئے۔ یہ لوگ موقع پا کر اندر گھسے، اور حضرت عثمانؓ کو پکڑ کر حضرت طلحہؓ وزیرؓ کے سامنے لائے، انہوں نے حضرت عائشہؓ سے پوچھا، حکم ہوا اس کو قتل کر دو، لیکن اس سے انصار کے برہم ہونے کا خوف تھا۔ اس لئے قتل کی بجائے قید کرنے کی تجویز ٹھہری۔ چنانچہ اسی مقام پر پیروں سے روندے گئے۔ ۴۰ کوڑے پڑے، اور ڈانڈھی، سر، ابرو، اور پلکوں کے بال انتہائی بے رحمی سے نوچ لئے گئے۔

اللہ اکبر! یہ کیسا عجیب نظارہ تھا، حاکم عراق، خلافت عظمیٰ کا دست و بازو، عہد قاروقی کا ایک مدبر اور معزز افسر اور سب سے بڑھ کر یہ کہ مسند نبوت کا ایک حاشیہ نشین کس بے رحمی سے ذلیل و رسوا کیا جاتا ہے۔ جو شخص کل تک جاہ و جلال خیل و سپاہ اور تیغ و سناں کا مالک تھا، آج اس کی بے کسی کا یہ عالم ہے کہ اس کے لئے خود اپنا سر بھی وبال جان ہو گیا ہے۔ لیکن یہ ابتلا، یہ صبر اور تحمل بے کار نہیں جاسکتا تھا، حکیم بن جبلة کو خبر ہوئی تو صبح کے وقت عبدالقیس اور بکر بن وائل کو لے کر ابن زبیرؓ کے پاس پہنچا اور چند شرطیں پیش کیں، جن میں ایک عثمانؓ کی قید سے سبکدوشی بھی تھی۔

حضرت ابن زبیرؓ نے صاف انکار کیا اور ابن جبلة کے ساتھیوں اور ابن زبیرؓ کی جماعت میں کشت و خون کا بازار گرم ہو گیا، جس میں ابن جبلة مع کثیر رفقا کے کام آیا۔ حضرت طلحہؓ وزیرؓ کو خبر پہنچی، انہوں نے حضرت عائشہؓ کے پاس آدمی بھیج کر حضرت عثمانؓ کا قید کاٹ دیا، اور وہ ربذہ روانہ ہو گئے۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ مدینہ سے کوچ کر کے یہیں مقیم تھے عثمانؓ سامنے آئے تو لوگوں سے فرمایا، دیکھو میں نے ان کو بوڑھا بھیجا تھا، اب جوان واپس آئے ہیں عثمانؓ نے کہا، امیر المومنین، آپ نے مجھے ڈاڑھی مونچھوں کے ساتھ بھیجا تھا، لیکن آج آپ کے سامنے ایک بے ریش و بروت امرد کی صورت میں ہوں فرمایا اسیت اجر او خیر اتم کو اس کا اجر ملے گا۔^۱

اس کے بعد غزوہ جمل پیش آیا اور بصرہ فتح ہو کر عبداللہ بن عباس والی مقرر ہوئے، حضرت عثمانؓ نے کوفہ کو جس کو دار الخلافہ ہونے کا شرف حاصل ہوا تھا، اقامت اختیار کی۔

وفات : امیر معاویہؓ کے زمانہ خلافت میں انتقال کیا۔

اولاد : عبدالرحمان نامی ایک لڑکا یادگار چھوڑا۔

فضل و کمال :

حضرت عثمانؓ عرب میں غیر معمولی قابلیت کے انسان تھے، حساب دانی اور مساحت کا کام جس خوبی سے انہوں نے انجام دیا، اس کو آپ اوپر پڑھ چکے ہیں حساب کتاب کے علاوہ حدیث و فقہ کی واقفیت اور مسائل پر عبور کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ حضرت علیؓ نے ان کو بصرہ کا والی مقرر کیا تھا، افسوس ہے کہ ان کی عدالت عالیہ کا کوئی فیصلہ ہمارے پیش نظر نہیں، ورنہ اس سے قوت فیصلہ کا بخوبی اندازہ ہو سکتا۔

۱۔ ان تمام واقعات کیلئے دیکھو طبری کبیر جلد ۶۔ ص ۳۱۱، ۳۲، ۳۳ و اسد الغابہ جلد ۳۔ ص ۲۷۱

چند احادیث بھی روایت کیں۔ ابو امامہ بن سہل بن حنیف (برادر زادہ)، ہانی بن معاویہ صدیقی، عمارہ بن خزیمہ بن ثابت، عبید اللہ بن عبد اللہ، بن عتبہ، نوفل بن مساحق ان کے سلسلہ روایت میں داخل ہیں۔

اخلاق :

دیانت، حق پرستی، صبر و شکر، اظہار حق ان کے صحیفہ اخلاق کے نمایاں ابواب ہیں، جس کا مفصل تذکرہ اوپر گزر چکا ہے، یہاں اس کے اعادہ کی چنداں ضرورت نہیں۔



حضرت عمارہؓ بن حزم

نام و نسب :

عمارہ نام، سلسلہ نسب یہ ہے۔ عمارہ بن حزم بن زید بن لؤذان بن عمرو بن عبدعوف بن غنم بن مالک بن نجار۔ والدہ کا نام خالدہ تھا اور انس بن سنان بن وہب ابن لؤذان کی بیٹی تھیں۔ اسلام : لیلۃ العقبہ میں ۷۰ انصار کے ساتھ بیعت کی۔

غزوات اور دیگر حالات :

حضرت محرز بن لفضلہ سے اخوت ہوئی۔ بدر، أحد، خندق اور تمام غزوات میں شریک ہوئے۔ فتح مکہ میں بنو مالک بن نجار کا علم انہی کے پاس تھا۔

وفات : مرتدین کے جہاد میں حضرت خالدؓ کے ہمراہ تھے۔ مسلمانوں کی جنگ میں جسے یوم یمامہ کہتے ہیں، شہادت حاصل کی۔

اولاد : مالک نام ایک لڑکا چھوڑا، جس پر نسل منقطع ہو گئی۔

فضل و کمال :

حضرت زیاد بن نعیم نے ان سے چند حدیثیں روایت کی ہیں، جہاڑ پھونک کا منتر جانتے تھے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ذرا مجھ کو تو سناؤ، چونکہ شرک کے الفاظ سے خالی تھا، اس لئے آپ ﷺ نے اجازت دے دی۔ چنانچہ ان کے خاندان میں عرصہ تک وہ منتر منتقل ہوتا رہا اور لوگ اس سے فائدہ اٹھاتے رہے۔



حضرت عمرو بن جموح

نام و نسب :

عمرو نام قبیلہ خزرج کے خاندان سلمہ سے ہیں، سلسلہ نسب یہ ہے۔ عمرو بن جموح بن زید بن حرام بن کعب بن غنم بن کعب بن سلمہ۔

بنو سلمہ کے رئیس تھے اس کے علاوہ مذہبی عزت بھی حاصل تھی یعنی بُت خانے کے متولی تھے۔ لکڑی کا ایک بُت بنا کر گھر میں رکھ لیا تھا جس کا نام مناف تھا وہ اس کی بے حد تعظیم کرتے تھے۔ اسی زمانہ میں سرزمین مکہ سے اسلام کا غلغلہ بلند ہوا تو مدینہ کے چھ لوگ اس کو بلید کہنے کے لئے مکہ پہنچے اور عقبہ ثانیہ میں مسلمان ہو کر واپس آئے اس جماعت میں عمروؓ کے ایک لڑکے معاذ بھی شامل تھے۔

یہ لوگ مکہ سے واپس آئے تو شہر یثرب کا ہر گوشہ تکبیر کے نعروں سے گونج اٹھا۔ بنو سلمہ کے چند نوجوانوں نے جو مسلمان ہو چکے تھے باہم مشورہ سے یہ طے کیا کہ کسی صورت سے عمروؓ کو بھی مسلمان بنایا جائے۔ ان کے بیٹے نے اس میں خاص کوشش کی، چنانچہ کچھ دنوں تک ان کا یہ مشغلہ رہا کہ شب کو معاذ بن جبلؓ وغیرہ کو ہمراہ لے کر مکان آتے اور گھروالوں کو سوتا پا کر بُت کو اٹھالاتے اور باہر کسی گڑھے میں پھینک دیتے تھے، صبح کو اٹھ کر عمروؓ کو سخت براہم ہوتے اور اپنے خدا کو اٹھا کر اندر لے جاتے، نہلاتے اور خوشبو مل کر پھر وہیں رکھ دیتے۔ آخر عاجز آ کر ایک دن بُت کی گردن میں تلوار لٹکائی اور کہا کہ مجھے تو پتہ نہیں ورنہ ان لوگوں کی خود خبر لیتا اگر تم کچھ کر سکتے ہو تو کرو یہ تلوار موجود ہے ان لڑکوں کو اب ایک اور چال سوچھی رات کو آ کر بُت اٹھایا گردن سے تلوار علیحدہ کی اور اس میں ایک مرے ہوئے کتے کو باندھ کر کنویں پر لٹکا دیا۔ عمروؓ نے یہ کیفیت دیکھی تو بجائے اس کے کہ اپنے معبود کی توہین پر غصہ ہوتے راہ راست پر آ گئے، چشم ہدایت روشن ہو گئی اور اسی وقت اسلام قبول کر لیا۔

قدیم جہالت بُت کا قصہ اور دفعۃً اسلام کی توفیق ان واقعات کو انہوں نے خود نظم کر دیا ہے

فرماتے ہیں :

قالہ لو كنت الها لم تكن	انت وکلب وسط نبر فی قرن
ان لمصر عک الها يستدن	الان فلنشناک عن سوء الغبن
فالحمد لله العلی ذی المنن	الواهب الرزق و دیان الدین
هو اللذی انقلذنی من قبل ان	اکون فی ظلمة فبر مرتھن

یہ اشعار بھی اسی تقریب سے ہیں۔

اتوب الى الله سبحانه واستغفر الله من نارہ

وانشی علیہ بالانہ باعلان قلبی واسرارہ

غزوات : غزوہ بدر کی شرکت میں اختلاف ہے لیکن صحیح یہ ہے کہ شریک نہ تھے چونکہ پیر میں چوٹ آگئی تھی اور لنگڑا کر چلتے تھے اس لئے جب غزوہ کے لئے جانا چاہا تو لڑکوں نے آنحضرت ﷺ کے حکم سے منع کیا کہ ایسی صورت میں جہاد فرض نہیں۔

غزوہ اُحد میں بھی یہی واقعہ پیش آیا۔ بولے کہ تم لوگوں نے مجھ کو بدر جانے سے روکا اب پھر روک رہے ہو، آنحضرت ﷺ نے بلا کر سمجھایا کہ تم معذور ہو اس لئے سرے سے مکلف ہی نہیں لیکن وہاں شہادت کا سودا سوار تھا، عرض کی یا رسول اللہ (ﷺ)! یہ لڑکے مجھ کو آپ کے ساتھ چلنے سے روک رہے ہیں لیکن خدا کی قسم مجھے یہ امید ہے کہ میں اسی لنگڑے پیر سے جنت میں گھسیٹا ہوا پہنچوں گا۔ آنحضرت ﷺ نے یہ سن کر زیادہ زور دینا پسند نہیں کیا اور لڑکوں کو سمجھایا کہ اب اصرار نہ کرو، شاید ان کی قسمت میں شہادت ہی لکھی ہو۔

شہادت : حضرت عمروؓ نے ہتھیار لے کر میدان جنگ کا رخ کیا اور کہا الہی مجھے شہادت نصیب کر! اور اب زندہ گھر واپس نہ لا، دعا نہایت خلوص سے کی تھی، مقبول ہوئی۔ لڑائی کی شدت کے وقت جب مسلمان منتشر ہونے لگے، حضرت عمروؓ نے اپنے بیٹے خلا کو لے کر مشرکین پر حملہ کیا اور اس قدر پامردی سے لڑے کہ دونوں باپ بیٹوں نے شہادت پائی اور حضرت عمروؓ اپنے لنگڑے پیر کے ساتھ جنت میں لنگڑاتے ہوئے پہنچ گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ آنحضرت ﷺ ان کی طرف سے گذرے تو دیکھا کہ شہید پڑے ہوئے ہیں۔ فرمایا خدا اپنے بعض بندوں کی قسم پوری کرتا ہے۔ عمروؓ بھی انہی میں ہیں۔ اور میں ان کو جنت میں اسی لنگڑے پاؤں کے ساتھ چلتے ہوئے دیکھ رہا ہوں۔

بعض روایتوں میں آیا ہے کہ اس کے بدلے ان کو وہاں صحیح و سالم پیر دیا گیا ہے۔ حضرت عمروؓ کی بیوی کو ان کی شہادت کی خبر پہنچی تو ایک اونٹ لے کر آئیں اور اپنے شوہر اور بھائی عبد اللہ بن عمروؓ (حضرت جابرؓ کے والد ماجد) کو اس پر لا کر گھر لے گئیں لیکن بعد میں اُحد کا دامن گنج شہیداں قرار پایا۔ اسی بنا پر آنحضرت ﷺ نے لاش منگوا کر یہیں تمام شہداء کے ساتھ دفن کی۔ چنانچہ عبد اللہ بن عمروؓ اور عمروؓ بن جموح ایک قبر میں دفن کئے گئے۔

اولاد : چار لڑکے تھے اور چاروں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ غزوات میں شریک تھے دو کے نام معلوم ہیں اور وہ یہ ہیں، معاذ (عقبہ ثانیہ میں شریک تھے) خلا داُحد میں شہید ہوئے۔

بیوی کا نام ہند بنت عمرو تھا۔ بنو سلمہ کے سردار عبداللہ بن عمرو بن حرام کی بہن اور حضرت جابرؓ صحابی مشہور کی حقیقی پھوپھی تھیں۔

حلیہ : گورارنگ، گھونگھروالے بال، پیر میں لنگ تھا۔

اخلاق : جو دو سخا عرب کی ایک قدیم میراث ہے حضرت عمروؓ میں جس درجہ تک یہ صفت موجود تھی اس کا اندازہ اس بات سے ہو سکتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اسی کی وجہ سے ان کو بنو سلمہ کا سردار بنایا تھا۔ چنانچہ خاندان سلمہ کے کچھ لوگ آنحضرت ﷺ کے پاس آئے اور آپ ﷺ نے دریافت کیا کہ تمہارا سردار کون ہے؟ انہوں نے کہا جد بن قیس ایک بخیل شخص ہمارا سردار ہے، آنحضرت ﷺ نے فرمایا بخل سے بدتر کوئی چیز نہیں اس لئے تمہارا سردار عمرو بن جموح کو بنانا ہوں۔ اس واقعہ کو انصار کا شاعر ان الفاظ میں بیان کرتا ہے :

وقال رسول الله والحق قوله لمن قال منا من تسمون سيدا

فقالوا له جد بن قيس على التي بنخله فيها وان كان اسودا

فتى ماتخطى خطوة الدنيا ولا مدفى يوم الى سواة يدا

فسود عمرو بن الجموع لجوده وحق لعمرو بالندى ان يسودا

اذا جاءه السئول اذهب ماله وقال خذوه انه مائد غدا

آنحضرت ﷺ جب نکاح کرتے تو عمروؓ دعوتِ ولیمہ کرتے تھے۔ رضی اللہ تعالیٰ

عنه بهذه السبحينه المرضاة۔



حضرت عمرو بن حزم

نام و نسب :

عمرو نام۔ ابو الضحاک کنیت، خاندان نجار سے ہیں، نسب نامہ یہ ہے :

عمرو بن حزم بن زید بن لوزان بن عمرو بن عبد مناف بن غنم بن مالک بن نجار۔ حضرت عمارہ بن حزم جو بیعت عقبہ میں شریک تھے ان کے برادر علاتی ہیں۔ ان کی ماں خاندان ساعدہ سے تھیں۔

اسلام : ابتدائے اسلام اور ہجرت کے زمانہ تک کم سن تھے اس بناء پر زمانہ اسلام کی صحیح تعیین نہیں ہو سکتی، غالباً اپنے گھر والوں کے ساتھ مسلمان ہوئے ہوں گے۔

غزوات : کم عمری کی وجہ سے بدر اور احد میں شرکت کے قابل نہ تھے جب غزوہ خندق واقع ہوا تو پانزدہ سالہ تھے اس لئے غزوہ میں شریک ہوئے اس کے بعد اور بھی غزوات میں شرکت کی۔

۱۰ھ میں آنحضرت نے خالد بن ولید کو نجران بھیجا تھا، وہاں کے لوگ مسلمان ہوئے تو حضرت عمروؓ کو حاکم بنا کر روانہ فرمایا اور ایک یادداشت لکھوا کر حوالہ کی جس میں فرائض سنن، صدقات، دیات اور بہت سے احکام درج تھے۔ چنانچہ کاروبار حکومت کے ساتھ ساتھ محکمہ مذہبی بھی انہی کی زیر نگرانی تھا یعنی تعلیم اور تبلیغ کا مذہبی فرض بھی انجام دیتے تھے۔ صاحب استیعاب لکھتے ہیں:

”استعمله رسول الله ﷺ على نجران ليفقههم في الدين ويعلم القرآن
وياخذ صدقاتهم۔“

یعنی ”رسول اللہ ﷺ نے ان کو فقہ قرآن کی تعلیم اور صدقات کی تحصیل پر مامور فرمایا تھا۔“

اس وقت ان کا سن عام روایت کے لحاظ سے ۷۱ سال کا تھا، لیکن ہمارے نزدیک یہ صحیح نہیں کیونکہ غزوہ خندق ۵ھ میں واقع ہوا، اور اس وقت وہ پانزدہ سالہ تھے۔ اس بناء پر ۱۰ھ میں ان کا سن کسی حال میں ۲۰ سال سے کم نہیں ہو سکتا۔

مدینہ سے روانگی کے وقت بیوی کو جن کا نام عمرہ تھا ہمراہ لے گئے تھے، چنانچہ بخران پہنچ کر اسی سال ایک لڑکا پیدا ہوا، جس کا نام انہوں نے محمد اور ابوسلیمان کنیت رکھی، لیکن پھر آنحضرت ﷺ کو

مطلع کیا، تو آنحضرت ﷺ نے لکھا کہ محمد نام اور ابو عبد الملک کنیت رکھو! آنحضرت ﷺ کے بعد غالباً مدینہ ہی میں مقیم رہے۔

وفات : اور یہیں ۱۱ھ میں وفات پائی، مؤرخین نے سز وفات میں سخت اختلاف کیا ہے لیکن صحیح یہی ہے کہ سنہ پچاس کے بعد انتقال کیا۔

اہل و عیال :

دو بیویاں تھیں۔ پہلی کا نام عمرہ تھا اور عبد اللہ بن حارث غسانی کی بیٹی تھیں جو قبلہ ساعدہ کے جلیف تھے۔ دوسری کا نام سودہ بنت حارثہ تھا۔ اور یہ ان کے اخیر وقت تک زندہ تھیں۔

اولاد کی صحیح تعداد معلوم نہیں، محمد البتہ مشہور ہیں، جو عہد نبوت میں پیدا ہوئے، حضرت عمرؓ وغیرہ سے حدیث سن، ۶۳ھ یوم حرہ میں لشکر شام سے مقابلہ ہوا۔ اور اسی میں شہادت حاصل کی، اس موقع پر قبیلہ خزرج کا علم انہی کے ہاتھ میں تھا، قاضی ابو بکر فقیہہ جو روایت واجتہاد دونوں کے مالک تھے، انہی کے بیٹے ہیں۔

فضل و کمال :

علمی قابلیت، اصابت رائے، قوت فیصلہ، احکام شریعت پر عبور کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان کو بخران کا حاکم مقرر کیا تھا۔ ۲۰ سال کی عمر میں حکومت کے ایک عہدہ جلیلہ کی انجام دہی اور پھر قرآن و فقہ کی تعلیم ان کی غیر معمولی قابلیت کا بین ثبوت ہے۔

احادیث نبوی ﷺ بھی ان سے روایت کی گئی ہیں۔ جن میں وہ کتاب بھی ہے جو آنحضرت ﷺ نے ان کو لکھوا کر دی تھی، اس کو ابو داؤد، نسائی، ابن حبان داری اور دیگر محدثین نے بھی نقل کیا ہے۔

راویان حدیث کے زمرہ میں ان کی بیوی اور بیٹے کے علاوہ پوتے ابو بکر، اور نضر بن عبد اللہ سلمیٰ اور زیاد بن نعیم حضرمی بھی داخل ہیں۔

اخلاق : حضرت عمروؓ کے معدن اخلاق میں حق گوئی سب سے نمایاں جوہر ہے۔ حضرت عمار بن یاسرؓ کے متعلق آنحضرت ﷺ نے فرمایا تھا کہ ان کو باغی گروہ قتل کرے گا! اس بناء پر جب جنگ صفین میں وہ جناب امیر رضی اللہ عنہ کی طرف سے شہید ہوئے تو انہوں نے حضرت امیر معاویہؓ اور حضرت عمرو بن عاصؓ کو یہ حدیث یاد دلائی۔

ایک مرتبہ امیر معاویہؓ کے پاس گئے تو کہا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ بادشاہ سے رعیت کے متعلق قیامت میں سوال ہوگا۔
 امیر معاویہؓ نے جب یزید کی خلافت کے لئے تمام ملک سے بیعت لی تو انہوں نے امیر معاویہؓ سے نہایت سخت گفتگو کی۔



حضرت عمیرؓ بن سعد

نام و نسب :

عمیر نام۔ نیچ و حدہ لقب، سلسلہ نسب یہ ہے :

عمیر بن سعد بن عبید بن نعمان ابن قیس بن عمرو بن عوف۔

باپ نے جن کا نام سعد بن عبید تھا۔ حضرت عمیرؓ کی صغر سنی میں انتقال کیا، ماں نے جلاس بن سوید سے نکاح کر لیا۔ عمیرؓ بھی اپنی ماں کے ساتھ جلاس کی زیر تربیت رہے۔ جلاس نے نہایت ناز و نعمت کے ساتھ حقیقی اولاد کی طرح پرورش کی۔

سعد بن عبید کے نام سے مورخین نے دھوکا کھایا حضرت ابوزیدؓ جو انصار کے اُن چار قاریوں میں جن کا ذکر صحیح بخاری میں آیا ہے، ان کا نام بھی سعد ابن عبید تھا، اس بنا پر لوگوں نے حضرت عمرؓ کو ان کا فرزند تصور کر لیا۔ لیکن یہ سخت غلطی ہے زمانہ اور سنیں وفات کے فرق کے علاوہ صاف بات یہ ہے کہ عمیرؓ کے والد قبیلہ اوس سے تھے اور حضرت ابوزیدؓ جیسا کہ حضرت انسؓ نے تصریح کی ہے، ان کے رشتہ کے چچا ہوتے تھے، ظاہر ہے کہ حضرت انسؓ قبیلہ خزرج سے تھے، اس لئے حضرت ابوزیدؓ قبیلہ اوس سے کیونکر ہو سکتے ہیں۔

اسلام : جلاس مسلمان ہو گئے تھے۔ یہ بھی غالباً اسی زمانہ میں اسلام لائے۔

غزوات : اگرچہ کم سن تھے، تاہم جلاس کے ہمراہ جہاد میں جاتے تھے، غزوہ تبوک کی ہمراہی کا واضح طور پر ذکر آیا ہے۔ لیکن باہمہ وہ کسی غزوہ میں شرکت کا شرف نہ حاصل کر سکے اور درحقیقت وہ کم عمری کی وجہ سے اس قابل بھی نہ تھے۔

فتوحات شام میں البتہ حصہ لیا اور حضرت عمرؓ نے ان کو شام کے ایک لشکر کا افسر بنایا کچھ دنوں کے بعد حمص کے حاکم مقرر ہوئے اور حضرت عمرؓ کی وفات تک اسی منصب پر سرفراز رہے۔

وفات : حمص میں انہوں نے مستقل اقامت اختیار کر لی تھی، چنانچہ ابن سعد کے خیال کے مطابق حضرت امیر معاویہؓ کے عہد حکومت میں یہیں فوت بھی ہوئے۔

اولاد : حسب ذیل اولاد چھوڑی۔ عبدالرحمن، محمد۔

فضل و کمال :

صحابہؓ میں فضل و کمال کے لحاظ سے ممتاز سمجھے جاتے تھے، حضرت عمرؓ کہا کرتے تھے، ”کاش! مجھ کو عمیرؓ جیسے چند آدمی مل جاتے تو امور خلافت میں بڑی مدد ملتی۔“ حضرت عمرؓ ان کی قابلیت پر تعجب کرتے تھے، سچ و حدہ (یکتا و یگانہ) کا لقب اسی حیرت انگیز لیاقت کی وجہ سے دیا تھا۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کہتے تھے کہ عمیرؓ سے بہتر شام میں ایک شخص بھی نہ تھا۔

سلسلہ روایت میں ان سے چند حدیثیں مروی ہیں، جن کے راوی حسب ذیل حضرات ہیں :

ابو طلحہ خولانی، راشد بن سعد، حبیب بن عبید، ابودریس خولانی، زبیر بن سالم وغیرہ۔

اخلاق : اخلاقی حیثیت سے حضرت عمیرؓ نہایت بلند پایہ تھے، زہد و تقویٰ میں ان کا مثل بمشکل مل سکتا تھا، جوش ایمان اور حب رسولؐ کی دولت صغریٰ ہی سے ملی تھی، چنانچہ غزوہ تبوک میں جبکہ نہایت خورہ سال تھے اور جہاد میں محض تماشائی کی حیثیت رکھتے تھے جلاس نے ایک موقع پر کہا کہ ”اگر محمدؐ اپنے دعوے میں سچے ہیں تو ہم گدھوں سے بھی بدتر ہیں۔“ تو عمیرؓ نے بلا کسی خیال کے فوراً جواب دیا کہ ”وہ ضرور سچے ہیں اور تم یقیناً گدھوں سے بدتر ہو۔“ جلاس کو سخت ناگوار گذرا اور انہوں نے عہد کر لیا کہ اب عمیرؓ کی کفالت سے قطع تعلق کر لیں گے۔

حضرت عمیرؓ نے جلاس کو جواب دے کر آنحضرت ﷺ کو بھی خبر کر دی کہ اس کے چھپانے میں حبط اموال اور قرآن نازل ہونے کا خوف تھا، آنحضرت ﷺ نے عمیرؓ اور جلاس کو بلا کر واقعہ پوچھا۔ جلاس نے قطعی انکار کیا، لیکن وہی والہام کی دسترس سے کب کوئی چیز باہر رہ سکتی تھی، چنانچہ حضرت عمیرؓ کی اس سے تائید ہوئی، آنحضرت ﷺ نے سراٹھا کر یہ آیت پڑھی :

”يَخْلِفُونَ بِاللّٰهِ مَا قَالُوا وَلَقَدْ قَالُوا كَلِمَةَ الْكُفْرِ“

یعنی ”وہ قسم کھا کر کہتے ہیں کہ ہم نے کچھ نہیں کہا حالانکہ انہوں نے کفر کا کلمہ منہ سے نکالا تھا۔“

اور جب : ”فَإِنْ يَتُوبَا إِلَىٰ خَيْرٍ“ لَھُمْ ”یعنی ”اگر وہ توبہ کر لیں تو بہتر ہے۔“

پر پہنچے تو جلاس نے بے ساختہ کہا کہ میں توبہ کرتا ہوں اس کے بعد جلاس حقیقی طور پر مسلمان ہو گئے، اور پھر کوئی ناگوار طرز عمل اختیار نہیں کیا، توبہ قبول ہونے کی خوشی میں حضرت عمیرؓ کی کفالت کرنے کی جو قسم کھائی تھی تو زدی اور پھر ہمیشہ ان کی کفالت کرتے رہے۔

آیت اترنے پر آنحضرت ﷺ نے عمیرؓ کا کان پکڑا اور فرمایا لڑکے! تیرے کان نے

ٹھیک سنا تھا۔

حضرت عویم بن ساعدہؓ

نام و نسب :

عویم نام۔ ابو عبد الرحمن کنیت، قبیلہ اوس سے ہیں، نسب نامہ یہ ہے :

عویم ابن ساعدہ بن عائش بن قیس بن نعمان بن زید بن مالک بن عوف بن عمرو بن عوف

ابن مالک بن اوس۔

اسلام : عقبہ ثانیہ میں شریک تھے۔

غزوات اور عام حالات :

حضرت حاطبؓ بن ابی بلتعہ سے مواخاۃ ہوئی، بدر، احد، خندق اور تمام غزوات میں

آنحضرت ﷺ کے ہمراہ رہے۔

حضرت ابو بکرؓ کی بیعت میں نمایاں حصہ لیا، چنانچہ صحیح بخاری میں حضرت عمرؓ کی زبانی

منقول ہے کہ جب ہم لوگ انصار کے اجتماع عام کی خبر سن کر سقیفہ نبی ساعدہ کی طرف چلے تو راستہ میں

انصار کے دو صالح شخصوں سے ملاقات ہوئی۔ انہوں نے انصار کے اتفاق رائے کا تذکرہ کیا اور پوچھا

کہ ہر کارادہ ہے؟ جواب ملا سقیفہ کا، بولے کہ :

”لا علیکم الا تقربواہم اقضوا امرکم“ یعنی ”وہاں جا کر کیا کرو گے؟ تم اپنا کام کرو۔“

حضرت عمرؓ نے کہا ہم ضرور جائیں گے۔^۱

یہ دونوں بزرگ جیسا کہ دوسری روایتوں میں تصریح ہے حضرت عویمؓ اور حضرت معن

بن عدیؓ تھے۔^۲

اس روایت سے صاف ظاہر ہے کہ ان کو انصار کی خلافت منظور نہ تھی، اسی وجہ سے وہ مجمع کو

چھوڑ کر کسی اور طرف جا رہے تھے۔

وفات : خلافت فاروقی میں ۶۵-۶۶ برس کے سن میں انتقال فرمایا، حضرت عمرؓ جنازہ کے ساتھ

تھے، فرمایا ”دنیا میں اس وقت ایک شخص بھی ان سے بہتر ہونے کا دعویٰ نہیں کر سکتا، رسول اللہ ﷺ نے

جب کوئی نشان کھڑا کیا، عویمؓ ہمیشہ اس کے سایہ میں رہے۔“

۱ صحیح بخاری جلد ۲۔ ص ۱۰۰۹ و ۱۰۱۰۔ ۲ فتح الباری جلد ۱۲۔ ص ۱۳۳۔

اولاد : حسب ذیل اولاد چھوڑی، عتبہ، عبیدہ۔

فضل و کمال :

ایک حدیث روایت کی جو شریح بن سعد اور سلام بن عتبہ کے ذریعہ سے مروی ہے۔
اخلاق : صفائی و پاکیزگی، طہارت و نظافت کا سخت اہتمام رکھتے تھے۔ وہ مسلمانوں میں پہلے شخص تھے جنہوں نے استنجا میں پانی استعمال کیا۔ ان کو دیکھ کر اور مسلمان بھی اس پر عمل کرنے لگے۔
قرآن مجید نے اس کو بنظر استحسان دیکھا، چنانچہ مسجد قبا کے متعلق جو آیتیں نازل ہوئیں ان میں ایک آیت یہ بھی ہے۔

”فیه رجال یحبون ان یتطهروا واللہ یحب المطہرین“

”اس میں چند لوگ طہارت کو سخت دوست رکھتے ہیں اور اللہ بھی ایسے پاک رہنے والوں کو محبت رکھتا ہے۔“

آنحضرت ﷺ نے ان لوگوں سے دریافت کیا کہ طہارت کی وہ کیا صورت ہے جس کی وجہ سے خدا نے تم لوگوں کی مدح فرمائی؟ جواب ملا :

”نغتسل من الجنابة ونستنجی بالماء“

”ہم جنابت سے غسل کرتے ہیں اور پانی سے استنجا کرتے ہیں۔“

ارشاد ہوا کہ یہ طرز عمل نہایت پسندیدہ ہے تم کو اس کا پابند ہونا چاہئے۔

آنحضرت ﷺ سے ایک مرتبہ کسی نے پوچھا کہ اللہ تعالیٰ نے آیت میں جن لوگوں کی تعریف کی ہے وہ کون لوگ ہیں؟ فرمایا ”انہی میں ایک نیک مرد عویمؓ بھی ہے۔“
بعض روایتوں میں ہے۔

”نعم العبد من عباد اللہ الرجل الصالح“

یعنی ”عویمؓ، خدا کا نیک بندہ اور جنتی شخص ہے۔“



” ف “

حضرت فضالہ بن عبیدؓ

نام و نسب :

فضالہ نام۔ ابو محمد کنیت، سلسلہ نسب یہ ہے :

فضالہ بن عبید بن نافذ بن قیس ابن صہیب بن جحی بن کلفہ بن عوف بن عمرو بن عوف بن مالک بن اوس، والدہ کا نام عقبہ بنت محمد بن الجلاح النزاریہ ہے۔

عبید بن نافذ (حضرت فضالہ کے والد) اپنے قبیلہ کے سربراہ اور وہ شخص تھے، اوس و خزرج کی لڑائی میں نمایاں رہے، نہایت شجاع و بہادر تھے، گھوڑ دوڑ کراتے اور اس میں سب سے بازی لے جاتے، زور و قوت کا یہ حال تھا کہ ایک پتھر دوسرے پردے مارتے! تو آگ نکلتی لگتی سپہ لڑی کے ساتھ فن میں اور شاعری کا بھی کافی ذوق رکھتے تھے۔

اسلام : حضرت فضالہ مدینہ میں اسلام کے قدم آتے ہی مسلمان ہو گئے تھے۔

غزوات : لیکن کسی وجہ سے بدر میں شریک نہ ہوئے، غزوہ احد اور باقی تمام غزوات میں آنحضرت ﷺ کے ہم رکاب رہے اور بیعت الرضوان میں بھی شرکت کا شرف حاصل کیا^۱۔

عہد نبوت کے بعد شام گئے اور وہاں کی فتوحات میں حصہ لیا، اس کے بعد فتح مصر میں شامل ہوئے، پھر شام آ کر مستقل سکونت اختیار کی اور دمشق میں اپنے رہنے کے لئے مکان بنایا بعض روایتوں میں ہے کہ حضرت معاویہؓ نے بنوایا تھا^۲۔

حضرت عثمانؓ کے عہد خلافت میں قاضی دمشق حضرت ابو درداءؓ تھے، انہوں نے انتقال فرمایا تو حضرت امیر معاویہؓ نے وفات سے قبل ان سے پوچھا کہ آپ کے بعد قاضی کس کو بنایا جائے؟ فرمایا فضالہ بن عبیدؓ کو، حضرت ابو درداءؓ فوت ہوئے تو حضرت امیر معاویہؓ نے حضرت فضالہؓ کو بلا کر دار الامارۃ کا محکمہ قضا سپرد کیا۔

صفین ۳۷ھ میں امیر معاویہؓ جناب امیرؓ کے مقابلہ کو نکلے تو دمشق میں اپنا جانشین انہی کو

بنایا اس موقع پر انہوں نے جو الفاظ کہے وہ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

”لم احبک بھاو لک استترت بک من النار“^۱۔

”میں نے تم کو اپنا جانشین نہیں بلکہ جہنم کے مقابلہ میں سپر بنایا ہے۔“

۴۹ھ میں سلطنت روم پر لشکر کشی کی تو تمام لشکر انہی کی ماتحتی میں دیا^۲ انہوں نے بہت سے قیدی پکڑے، اسی ضمن میں جزیرہ قبرص پر بھی حملہ کیا^۳۔

امیر معاویہؓ کی طرف سے درب (طرسوس) اور بلاد روم کے درمیانی علاقہ کا نام ہے۔ کے بھی عامل مقرر ہوئے^۴۔

وفات : ۵۳ھ میں وفات پائی امیر معاویہؓ مسند حکومت پر تھے، خود جنازہ اٹھایا اور ان کے بیٹے عبداللہ سے کہا، میری مدد کرو، کیونکہ اب ایسے شخص کے جنازہ کے اٹھانے کا موقع نہ ملے گا، دمشق میں دفن ہوئے مزار مبارک موجود ہے اور اب تک زیارت گاہ خلائق ہے۔

اولاد : بیٹے کا نام عبداللہ تھا۔

فضل و کمال :

ایوان حکومت کے ساتھ مجلس علم میں بھی مرجع انام تھے، لوگ دور دراز سے حدیث سننے آتے تھے۔ ایک شخص اسی غرض سے ان کے پاس مصر پہنچا تھا^۵۔

جو شخص رسول اللہ ﷺ کے شرف صحبت سے مشرف اور حضرت عمرؓ اور حضرت ابودرداءؓ جیسے اساطین امت سے مستفیض ہوا ہو، اس کے فضل و کمال کا کیا اندازہ ہو سکتا ہے۔ دار السلطنت دمشق کی مسند قضا کے لئے اور پھر حضرت ابودرداءؓ جیسے بزرگ کی رائے سے منتخب ہونا، ان کی قابلیت کی سب سے بڑی سند ہے، لیکن باہمہ فضل و کمال صرف ۵۰ حدیثیں ان کے سلسلہ سے ثابت ہیں، راویوں کے نام حسب ذیل ہیں۔

حنش صنعانی، عمرو بن مالک الجنبی، عبداللہ الرحمن بن جبیر، عبدالرحمن بن محیرز، ابوعلی ثمامہ بن شفی، علی بن رباح، محمد بن کعب القرظی، عبداللہ بن عامر، مکھی سلیمان بن بنجر، عبداللہ بن محیرز، میسرۃ، ابویزید خولانی۔

۱۔ ایضاً ص ۲۰۔

۲۔ مسند جلد ۶۔ ص ۱۸۔

۳۔ استیعاب جلد ۲۔ ص ۵۳۱۔

۴۔ ایضاً ص ۲۲۔

۵۔ ایضاً ص ۱۸۔

اخلاق : احکام رسول کی تعمیل اور پابندی سنت کا ہر کام میں خیال رکھتے تھے۔

غزوہ روم میں ایک مسلمان کا انتقال ہوا، تو حضرت فضالہؓ نے حکم دیا کہ ان کی قبر زمین کے برابر بنائی جائے کیونکہ آنحضرت ﷺ ہم کو اسی کا حکم دیتے تھے^۱۔ ان کے علاوہ بھی جو مسلمان روم میں شہید ہوئے سب کی قبریں اسی طرح بنوائیں^۲۔

ایک شخص مصر آیا اور حدیث سننے کے لئے ملاقات کی تو دیکھا کہ پراگندہ سہرا اور برہنہ پاؤں، بڑا تعجب ہوا، اور بولا کہ امیر شہر ہو کر یہ حالت؟ فرمایا ہم کو آنحضرت ﷺ نے زیادہ تن آسانی اور بناؤ سنگار کی ممانعت کی ہے اور کبھی کبھی ننگے پیر رہنے کو بھی فرمایا ہے^۳۔



” ق ”

حضرت قتادہؓ بن نعمان

نام و نسب :

قتادہ نام ہے۔ ابو عمر کنیت، قبیلہ اوس کے خاندان ظفرت سے ہیں۔ نسب نامہ یہ ہے :
قتادہ بن نعمان بن زید بن عامر بن سواد بن ظفر (کعب) بن خزرج بن عمرو بن مالک بن
اوس ماں کا نام ایسہ بنت قیس تھا جو قبیلہ نجار سے تھیں اور حضرت ابوسعید خدریؓ کی والدہ ہوتی تھیں
اس بناء پر قتادہ اور ابوسعید اخیا فی بھائی تھے۔

اسلام : عقبہ ثانیہ میں بیعت کی^۱۔

غزوات : بدر میں شریک تھے^۲، غزوہٴ احد میں حیرت انگیز صبر و استقلال کا اظہار کیا، میدان میں
و اد شجاعت دے رہے تھے کہ کسی مشرک نے آنکھ پر حملہ کیا آنکھ باہر نکل کر رخسار پر لٹک آئی۔ لوگوں
نے کہا اس کا کاٹ دینا بہتر ہے، بولے رسول اللہ ﷺ سے مشورہ کر لو، آپ ﷺ نے فرمایا نہیں۔ اور خود
دست مبارک سے آنکھ کو اس کی جگہ پر لگا دیا اور دعا کی ”اللھم اکسھا جمالا“۔ خدا کی شان! کہ
یہ آنکھ نہایت خوبصورت اور تیز تھی ان کی اولاد میں سے کسی شخص نے اس واقعہ کو دو شعروں
میں نظم کر دیا ہے^۳۔

انا ابن الذی سالت علی الخدعینہ فردت بکف المصطفیٰ احسن الرد

فعارت کما کانت لا ول امرھا فیا حسن ماعین وبا حسن مارد

بعض لوگوں نے اس کو جنگِ بدر کا واقعہ قرار دیا ہے لیکن صحیح یہ ہے کہ احد کا واقعہ تھا۔ امام
مالک دارقطنی بیہقی اور حافظ ابن عبد البر نے اسی رائے کو ترجیح دی ہے۔ فتح مکہ میں بنو ظفر کا علم ان کے
پاس تھا^۴۔ غزوہٴ خنین میں ثابت قدم رہے تھے۔

۲ صحیح بخاری جلد ۲۔ ص ۵۷۴

۱ اسد الغابہ جلد ۳۔ ص ۱۹۵

۳ اسد الغابہ جلد ۳۔ ص ۱۹۶

۴ اسد الغابہ جلد ۳۔ ص ۱۹۶

۱۱ھ میں آنحضرت ﷺ نے اسامہؓ بن زید کی ماتحتی میں ایک لشکر روانہ کیا تھا، تمام اکابر مہاجرین اور انصار اس میں شریک تھے۔ حضرت قتادہؓ بھی اس میں شامل تھے۔

وفات : ۲۳ھ میں انتقال کیا حضرت عمرؓ اس وقت مسند خلافت پر متمکن تھے انہوں نے نماز جنازہ پڑھائی۔ حضرت عمرؓ، حضرت ابوسعیدؓ خدری اور محمد بن مسلمہؓ قبر میں اترے۔ وفات کی وقت ۶۵ سال کا سن تھا۔

اہل و عیال : اولاد کے نام یہ ہیں۔ عمر، عبید۔ بیوی کا نام معلوم نہیں اتنا معلوم ہے کہ ان سے نہایت محبت کرتے تھے۔ غزوہ احد سے قبل شادی کی تھی۔

فضل و کمال : فضلاء صحابہؓ میں تھے ان سے خود صحابہؓ استفادہ کرتے تھے۔ حضرت قتادہؓ اور حضرت ابوسعیدؓ خدریؓ کے استفتیے کتب حدیث میں منقول ہیں۔ مرویات کی تعداد ۱۰۰ ہے ان میں سے ایک میں بخاری منفرد ہیں۔ راویوں میں حضرت ابوسعیدؓ خدریؓ، حضرت حذیفہؓ اور حضرت محمودؓ بن لبید جیسے اکابر صحابہؓ کا نام داخل ہے۔

اخلاق : بیاض اخلاق میں زہد کا عنوان نہایت جلی ہے۔ ایک مرتبہ قل ہو اللہ پڑھنے میں تمام رات ختم کر دی۔ ایک روز آسمان پر ابر محیط تھا اور رات نہایت تیرہ تاریک تھی۔ آنحضرت ﷺ مسجد میں نماز عشاء کے لئے تشریف لائے، حضرت قتادہؓ بھی آئے، بجلی چمکی تو فرمایا قتادہ! کیا ہے؟ عرض کی کہ آج لوگ کم آئیں گے، اس لئے قصد کر کے حاضر ہوا ہوں۔ اس روایت کو امام احمد نے بھی درج کیا ہے۔



۱۔ طبقات ابن سعد ص ۱۳۶	۲۔ استیعاب جلد ۲۔ ص ۵۴۵	۳۔ الضا
۴۔ اسد الغابہ جلد ۴۔ ص ۱۹۶	۵۔ مسند جلد ۴۔ ص ۱۵	۶۔ صحیح بخاری جلد ۲۔ ص ۵۷۰
۷۔ مسند ابوسعید خدری جلد ۳۔ ص ۱۵	۸۔ اصابہ جلد ۵۔ ص ۲۳۰	

حضرت قیسؓ بن سعد بن عبادہ

نام و نسب :

قیس نام۔ ابو الفضل کنیت، خاندان ساعدہ (قبیلہ خزرج) کے معزز رکن اور حضرت سعد بن عبادہؓ سردار خزرج کے فرزند ارجمند ہیں۔ سلسلہ نسب پدر گرامی کے حالات میں بیان ہو چکا ہے۔ والدہ ماجدہ کا نام فلیحہ بنت عبید بن ولیم تھا اور ان کے والد بزرگوار کی بنت عم تھیں۔

اجداد گرامی، مدینہ کے مشہور مخیر اور رئیس اعظم تھے۔ والد ماجد قبیلہ خزرج کے سردار اور صحابیت کے شرف سے ممتاز تھے۔ آل ساعدہ کا یہ نامور اسی سپہر بریں کا آفتاب عالم تھا۔ اسلام : ہجرت نبوی سے قبل مذہب اسلام سے مشرف ہوئے۔

غزوات : تمام غزوات میں شرکت کی۔ حبشہ اخیط میں جو جب ۸ھ میں ہوا تھا، شریک تھے۔ یہ غزوہ مسلمانوں کے لئے یکسر امتحان و آزمائش تھا۔ ۳۰۰ آدمیوں کو لے کر جن میں حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ بھی تھے، حضرت ابوعبیدہؓ ساحل کی طرف بڑھے وہاں ۱۵ روز قیام رہا اور راہ ختم ہو چکا تھا لوگ پتے جہاز جھاڑ کر کھاتے تھے، حضرت قیسؓ نے یہ دیکھ کر ۳ اونٹ قرض لئے اور ان کو ذبح کر لیا اس طرح تین مرتبہ میں ۹ اونٹ قرض لئے کر ذبح کئے اور تمام لشکر کے قوت کا سامان کیا۔ حضرت ابوعبیدہؓ نے یہ دیکھ کر کہ زیادہ زیر بار ہو رہے ہیں اس سے منع کر دیا۔

حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ نے کہا کہ ان لوگوں کا جائے ورنہ اپنے باپ کا مال اسی طرح صرف کر دیں گے۔ غزوہ سے واپس ہو کر لوگوں نے آنحضرت ﷺ سے ذکر کیا تو فرمایا کہ سخاوت اور فیاضی اسی گھرانے کا خاصہ ہے۔

غزوہ فتح میں رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ تھے۔ یاد ہوگا سعد بن عبادہؓ سے جب آنحضرت ﷺ نے جھنڈا لے لیا تو انہی کو عطا کیا تھا۔ غزوات کی علمبرداری کے علاوہ وہ خلافت الہی کے ایک ضروری رکن تھے۔ خلافت کا نظام جن ارکان سے قائم تھا ان میں ایک حضرت قیسؓ بھی تھے۔ حضرت انسؓ بن مالک فرماتے ہیں :

۱۔ صحیح بخاری جلد ۲۔ ص ۶۲۶، ۶۲۵ ۲۔ اسد الغابہ جلد ۳۔ ص ۲۱۵

۳۔ استیعاب جلد ۲۔ ص ۵۳۹ ۴۔ ایضاً

ان قیس بن سعد کان یكون بین ید النبی صلی اللہ علیہ وسلم بمنزلہ صاحب الشرط من الامیرؑ

”یعنی قیس کا دربار رسالت ﷺ میں وہ درجہ تھا جو کسی بادشاہ کے یہاں پولیس افسر اعلیٰ کا ہوتا ہے۔“

جناب امیرؑ کی بارگاہ میں ان کو خاص خصوصیت حاصل تھی، مسند خلافت پر جلوس فرما ہوئے تو ان کو مصر کا والی مقرر کیا۔ امیر معاویہؓ نے ان کے خلاف ہر چند کوشش کی لیکن ناکام رہے اور مصر میں کسی قسم کی شورش نہ ہو سکی، آخر کو فیوں کو اٹھا کر حضرت علیؓ سے قیسؑ کی معزولی کا فرمان بھیجوا یا اور ان کی جگہ پر محمد بن ابی بکر والی ہو کر مبصر گئے لیکن مصر کی ولایت ان کے بس کی نہ تھی، امیر معاویہؓ اور عمرو بن عاصؓ کی حکمت عملی نے ان کے خلاف بد امنی کا ایک طوفان کھڑا کر دیا۔ جس سے سد خلافت ٹکرا کر پاش پاش ہو گئی۔

حضرت قیسؑ، مصر سے مدینہ چلے آئے، یہاں مروان موجود تھا اس نے دھمکی دی تو مجبور ہو کر کوفہ چلے گئے اور وہیں جناب امیرؑ کے ساتھ بود و باش اختیار کر لی۔ اسی زمانہ میں صفین کا واقعہ پیش آیا، حضرت قیسؑ اس میں شریک ہوئے اور یہ اشعار پڑھے :

هذا اللواع الذی کنانحف به مع النبی وجبریل لنا مدد
حاضر من کانت الانصار عیتہ ان لایکون له من غیر ہم احد
قوم اذا حاربوا طالت اکفہم بالمشرقیۃ حق یفتح البلد
اس سے قبل جنگ جمل میں بھی حصہ لے چکے تھے۔

جنگ نہروان میں اپنی تمام قوم کے ساتھ شریک تھے، ابتداً تمام جت کے لئے جناب امیرؑ نے حضرت ابویوب انصاریؓ اور حضرت قیسؑ نے خوارج کے لشکر میں بھیجا عبد اللہ بن سبیر خارجی سے گفتگو ہوئی اس نے کہا کہ آپ کی اتباع ہمیں منظور نہیں، ہاں عمر بن خطابؓ جیسا کوئی ہو تو اس کو خلیفہ بنا سکتے ہیں، حضرت قیسؑ نے جواب دیا کہ ہم میں علی بن ابی طالبؓ ہیں، تم میں کوئی اس مرتبہ کا ہو تو پیش کرو، بولا ہم میں کوئی نہیں، فرمایا تو پھر اپنی جلد خبر لو، میں دیکھتا ہوں فتنہ تمہارے دلوں میں گھر کر رہا جا رہا ہے۔

لڑائی کے بعد بھی جناب امیرؑ کے وفادار دوست رہے، ۴۰ھ میں جناب امیرؑ شہید

ہوئے اور عنان خلافت امام حسنؑ کو تفویض ہوئی تو قیسؑ ان کے بھی دست باز رہے۔ امیر معاویہؓ نے جناب امیرؑ نے خبر شہادت سن کر ایک لشکر بھیجا تھا، قیسؑ ۵۰ ہزار آدمیوں کو لے کر جن کے سر منڈے ہوئے تھے اور موت پر بیعت کر چکے تھے شامی لشکر کو روکنے کے لئے ابنار پہنچے، امیر معاویہؓ نے ابنار کا محاصرہ کیا، اسی درمیان میں فریقین میں صلح ہو گئی اور امام حسنؑ نے قیسؑ کو خط لکھا کہ ”شہر معاویہؓ کے سپرد کر کے میرے پاس مدائن چلے آؤ“۔ خط پہنچا تو نہایت برہم ہوئے اور امام حسنؑ کو سخت وست کہا، پھر سب کو جمع کر کے ایک خطبہ دیا اور کہا کہ ”دونوں باتوں میں سے ایک اختیار کرو، قتال بلا امام یا اطاعت معاویہؓ سب نے باتفاق کہا کہ جنگ کے بجائے امن اچھا ہے ہم سب امیر معاویہؓ کی بیعت میں داخل ہوتے ہیں قیسؑ نے ان لوگوں کے لئے امیر سے امان طلب کی اور سب کو لے کر مدائن چلے آئے۔ یہاں سے قیسؑ نے مدینہ کا رخ کیا۔ ساتھیوں کے لئے خود اپنے اونٹ ذبح کرائے، مدینہ پہنچنے تک ایک اونٹ روزانہ ذبح کراتے تھے۔

مدینہ آ کر گوشہ تنہائی اختیار کیا۔ اور عبادت الہی میں مصروف ہوئے، یہاں تک کہ ان کا مقررہ وقت آ گیا۔

وفات : ۶۰ھ میں انتقال کیا، یہ امیر معاویہؓ کی حکومت کا اخیر زمانہ تھا کچھ دنوں بیمار رہے اہل مدینہ کثرت سے ان کے قرضدار تھے، اس لئے عیادت کو آتے ہوئے شرماتے تھے انہوں نے اعلان کر دیا کہ جس پر جتنا قرض ہے میں معاف کرتا ہوں اس خبر کے مشہور ہوتے ہی عیادت کے لئے تمام شہر امنڈ آیا، حضرت قیسؑ بالا خانہ پر تھے، لوگوں کی یہ کثرت ہوئی کہ آمد و رفت میں کوٹھنے کا زینہ ٹوٹ گیا۔

اہل و عیال : لڑکے کا نام عامر تھا^۱۔ اپنے والد سے حدیث روایت کی ہے۔

حلیہ : حلیہ یہ تھا، قد لمبا بدن دوہرا، خوبصورت اور شکیل تھے، چہرہ پر ایک بال نہ تھا، اس لئے انصار ظرافت میں کہا کرتے تھے، کہ کاش ان کے لئے ایک داڑھی خریدی جاتی قدا تالمبا تھا کہ کدھے پر سوار ہوتے تو پیر زمین پر لٹکتے تھے۔

فضل و کمال :

فضائلِ سخا بہمیں تھے، اشاعت حدیث، خاص نصب العین تھا، مصر میں جب امیر ہو گئے تو بعض حدیثیں منبر پر بیان کیں^۲۔ مسائل میں غور و فکر اور تحری سے کام لیتے تھے۔

ایک شخص نے صدقہ فطر کی بابت سوال کیا، فرمایا زکوٰۃ سے پیشتر آنحضرت ﷺ نے اس کا حکم دیا تھا، جب زکوٰۃ مقرر ہو گئی تو نہ حکم دیا اور نہ منع فرمایا، اسی بنا پر ہم لوگ اب تک ادا کرتے ہیں۔
راویان حدیث اور تلامذہ خاص میں اصحاب ذیل کا نام لیا جاسکتا ہے۔

حضرت انس بن مالکؓ، ثعلبہ بن ابی مالک، ابو میسرہ، عبدالرحمن بن ابی السلیٰ ابو عمار غریب بن حمید ہمدانی، شعبی، عمرو بن شریل وغیرہ۔

اخلاق و عادات :

گلستان سیرت نسیم اخلاق سے شگفتہ ہے خدمت رسول ﷺ، زہد و اتقا و ادب نبوت، جو دوستی، رائے و تدبیر، شجاعت و بسالت، ہر دلعزیزی اور بے تعصبی اس نو بادۂ ساعدہ کے گلہائے شگفتہ ہیں۔
رسول اللہ ﷺ کی خدمت دین و دنیا کی سعادت ہے، تمام صحابہؓ اس شرف عظیم کے لئے جدوجہد کرتے تھے۔ لیکن

ایں سعادت بزور بازو نیست

حضرت قیسؓ کو یہ شرف بھی حاصل تھا۔ مسند ابن فضال میں ہے،

ان اباه دفعه الى النبی ﷺ یخلمہ ۱، ”یعنی ان کے باپ حضرت سعدؓ نے ان کو آنحضرت ﷺ کے حوالہ کیا کہ ان سے کام لیا کریں۔

زہد کا یہ حال تھا کہ امام حسنؓ کے زمانہ خلافت کے بعد بالکل عزت نشین ہو گئے تھے، اکثر عبادت کیا کرتے تھے۔ فرائض سے گذر کر نوافل تک نہایت پابندی سے ادا کرتے تھے، یوم عاشورہ کا روزہ نفل ہے اور رمضان کے روزوں سے قبل تمام صحابہؓ رکھتے تھے۔ روزہ رمضان فرض ہونے کے بعد اس کی ضرورت باقی نہ رہی تاہم حضرت قیسؓ ہمیشہ عاشورے کے دن روزہ رکھتے تھے۔ ۲

حائل رسالت کے ادب و احترام کا یہ حال تھا کہ ایک بار آنحضرت ﷺ حضرت سعد بن عبادہؓ کے مکان تشریف لے گئے، واپسی کے وقت حضرت سعدؓ نے اپنا گدھا منگایا اور اس پر چادر بچھوائی اور قیسؓ سے کہا کہ آپ ساتھ جاؤ، قیسؓ چلے تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ سوار ہو جاؤ ان کو تامل ہوا تو ارشاد ہوا کہ سوار ہو جاؤ یا واپس جاؤ، حضرت قیسؓ ”آنحضرت ﷺ کے برابر بیٹھنا خلاف ادب سمجھتے تھے اس لئے واپس آئے۔ ۳

جو دوستی، فیاضی و نرمی ان کی زندگی کا روشن تر وصف ہے، اسما، الرجال کے مستفین لہتے ہیں۔

”کان من کرام اصحاب النبی و اسخیا نھم“ یعنی ”وہ عابہ“ میں نہایت کریم اور سخی تھے۔

سخاوت ایک حد تک تو فطری تھی یعنی طبعاً فیاض پیدا ہوئے تھے لیکن اس میں ملک کی آب و ہوا، والدین کی طرز بود و ماند اور خاندان کی قدیم خصوصیات کو بھی بڑی حد تک دخل تھا۔ جیش الخطب کے معرکے میں جب مدینہ آ کر اپنے والد سے لوگوں کی فاقہ مستی کا حال بیان کیا تو انہوں نے فرمایا کہ اونٹ ذبح کراتے، جواب دیا کہ میں نے ایسا ہی کیا۔ دوسرے فاقہ کا حال کہا تو بولے پھر ذبح کراتے، عرض کیا یہی حال تھا اسی طرح تیسری بار کی بھوک اور اس کی شدت کا حال سنا تو فرمایا کہ پھر ذبح کراتے بولے کہ مجھے روک دیا گیا۔

اسی غزوہ میں حضرت ابوبکرؓ ”عمر“ نے جو جملہ ان کے متعلق استعمال کیا تھا اس کی خبر سعد بن عبادہؓ کو پہنچ گئی وہ رسول اللہ ﷺ کے پیچھے آ کر کھڑے ہوئے اور کہا کہ ابن ابوقحافہؓ اور ابن خطابؓ کی طرف سے کوئی جواب دے وہ میرے بیٹے کو بخیل کیوں بنانا چاہتے تھے۔ جس شخص کا باپ اتنا دریا دل ہو اس کی فیاضی کی کیا انتہا ہو سکتی ہے۔ مصنف اسد الغابہ لکھتے ہیں۔

”واما جودہ فلہ فیہ اخبار کثیرۃ لانطول بذکرھا“

یعنی ”ان کی سخاوت کے قصے کثرت سے مشہور ہیں ہم ان کا ذکر طوالت کے خوف سے قلم انداز کرتے ہیں۔“

کثیر بن صلت، امیر معاویہؓ کے قرض دار تھے انہوں نے مروان کو لکھا کہ کثیر کا مکان تم خرید لو اگر نندیں تو روپیوں کا مطالبہ کرنا، روپیہ دیں تو خیر ورنہ مکان فروخت کر ڈالنا۔ مروان نے کثیر کو بلا کر اس واقعہ سے آگاہ کیا اور ۳ دن کی مہلت دی کثیر کو مکان بیچنا منظور نہ تھا۔ روپیوں کی فکر کی لیکن ۳۰ ہزار کی کمی تھی سخت پریشان تھے کہ کہاں سے پوری ہو! اتنے میں قیسؓ کا خیال آیا ان کے مکان پر پہنچے اور ۳۰ ہزار قرض مانگا۔ انہوں نے فوراً دے دیا چنانچہ مروان کے پاس روپیہ لے کر آئے اس کو رحم آ گیا اور مکان اور روپے دونوں ان کے حوالے کر دیئے۔ وہاں سے اٹھ کر قیسؓ کے پاس پہنچے اور ۳۰ ہزار کی رقم واپس کی۔ انہوں نے قبول کرنے سے انکار کیا اور کہا کہ جو چیز ہم دے دیتے ہیں اس کو پھر واپس نہیں لیتے۔

ایک ضعیف اپنی مفلوک الحال اور فقر کی شکایت لے کر آئی اور کہا کہ میرے گھر میں چوہے نہیں ہیں (یعنی انا ج نہیں جس کی وجہ سے چوہے آئیں)۔ فرمایا سوال نہایت عمدہ ہے اچھا جاؤ اب تمہارے گھر میں چوہے ہی چوہے نظر آئیں گے چنانچہ اس کا گھر غلہ اور روغن اور دوسری کھانے کی چیزوں سے بھر دیا۔^۱

آبائی جانداد میں نہایت استغناء اور سیر چشمی ظاہر کی۔ حضرت - بعد روانہ ہوتے وقت اپنی تمام جانداد اولاد پر تقسیم کر گئے تھے۔ ایک لڑکا ان کی وفات کے بعد پیدا ہوا اس کا حصہ انہوں نے نہیں لگایا تھا۔ حضرت ابو بکرؓ و عمرؓ نے قیس کو مشورہ دیا کہ اس تقسیم کو فتح کر کے از سر نو حصے لگائیں انہوں نے کہا کہ میرے باپ جس طرح حصے لگائے گئے ہیں بدستور باقی رہیں گے، باقی میرا حصہ موجود ہے وہ میں اس کو دیئے دیتا ہوں۔ رائے و تدبیر میں تمام عرب میں انتخاب تھے۔ مصنف اسد الغابہ لکھتے ہیں:-

”کانوا یعدون وهالة العرب حين ثارت الفتنه خمسة رهط یقال لهم

ذو واری العرب ومیکیدتهم معاویہ وعمر وبن العاص وقیس بن سعد

والمغیره بن شعبه وعبدالله بن بدیل بن ورقاء“^۲

یعنی ”ایام فتنہ میں عرب میں چال اور حکمت عملی والے پانچ شخص تھے، معاویہ

عمر و بن العاص، قیس، مغیرہ، عبد اللہ بن بدیل۔“

ہوشیاری اور چالاکی کا یہ عالم تھا کہ جب تک وہ مصر کے والی رہے۔ امیر معاویہؓ اور عمروؓ کی کوئی حکمت علمی کارگر نہ ہوئی۔ وہ کہتے ہیں۔ ”لولا الاسلام لمکرت مکرا لا تطیقه العرب“۔ یعنی ”اگر اسلام نہ ہوتا تو میں ایسا مکر کرتا جس سے تمام عرب عاجز آجاتا۔“

اپنی قوم میں نہایت ہر و عزیز اور تمام انصار پر حاوی تھے۔ حبیب بن مسلمہ، فتنہ اولیٰ (قتل حضرت عثمانؓ) کے زمانہ میں گھوڑے پر سوار ہو کر ان کے پاس آئے اور کہا کہ انی گھوڑے پر سوار ہو جائیے اور خود زین سے ہٹ گئے۔ قیسؓ نے اس بنا پر آگے بیٹھنے سے انکار کیا کہ آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے کہ آگے خود جانور کے مالک کو بیٹھنا چاہئے حبیب نے کہا یہ میں بھی جانتا ہوں لیکن آپ کے پیچھے بیٹھنے میں مجھ کو اطمینان نہیں۔^۳

نہایت درجہ بے تعصب تھے۔ قادیسیہ میں ہل بن حنیف کے ساتھ بیٹھے تھے کہ ایک جنازہ گذرا کہ جیسا کہ مسلمانوں کا عام قاعدہ تھا کھڑے ہو گئے۔ لوگوں نے کہا آپ ناحق کھڑے

ہوئے وہ ایک آدمی کا جنازہ تھا۔ حضرت قیسؓ نے فرمایا کہ آنحضرت ﷺ بھی ایک یہودی کے جنازہ کے لئے اٹھے تھے، جب واقعہ معلوم ہوا تو ارشاد فرمایا کیا مضائقہ، آخر وہ بھی تو ایک جان ہے۔^۱

شجاعت و بسالت کا تذکرہ غزوات میں آچکا ہے۔ اس بناء پر اس کا اعادہ چنداں ضروری نہیں۔



حضرت قرظہ بن کعبؓ

نام و نسب :

قرظہ نام۔ ابو عمرو کنیت، قبیلہ حارث بن خزرج سے ہیں سلسلہ نسب یہ ہے :

قرظہ بن کعب بن کعب بن ثعلبہ بن عمرو کعب بن الاطنابہ بعض لوگوں نے اس طرح لکھا ہے، قرظہ بن عمرو بن کعب بن عمرو بن عائد بن زید مناة بن مالک بن ثعلبہ کعب بن الخزرج بن الحارث بن الخزرج۔

ماں کا نام خلیدہ بنت ثابت بن سنان تھا۔

اسلام : ہجرت کے بعد مسلمان ہوئے۔

غزوات اور عام حالات :

غزوہ اُحد، غزوہ خندق اور تمام غزوات میں شرکت کی عہد صدیقی مدینہ میں گذرا، حضرت عمرؓ کے زمانہ خلافت میں حضرت عمار بن یاسرؓ کے ساتھ کوفہ آئے اور یہیں مقیم ہو گئے، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے زمانہ امارت میں مسیلہ کذاب مدعی نبوت کے ایک دوست کو جو ابن النواحہ کے نام سے مشہور تھا کوفہ میں قتل کیا۔

۲۳ھ (عہد فاروقی) میں رے کی مہم سر کی جناب امیرؓ جنگ جمل کے لئے روانہ ہوئے تو ان کو کوفہ میں اپنا جانشین بنایا اور جب صفین کے لئے نکلے تو ان کے ہمراہ لے گئے اور ابو مسعود بدریؓ کو جانشینی کے لئے کوفہ میں چھوڑا۔

اس زمانہ میں ان کے علاقہ کا ایک واقعہ تاریخوں میں مذکور ہے، ذمیوں کی ایک نہر خشک ہو کر مٹ رہی تھی اور ذمی پانی نہ ہونے کی وجہ سے اس مقام کو چھوڑ دینا چاہتے تھے، جناب امیرؓ کے پاس ایک وفد بھیجا اور حالات گوش گزار کئے، آپ نے قرظہؓ کو ایک خط لکھا جو کجفسہ تاریخ یعقوبی میں درج ہے، ہم اس کے بعض فقرے اس مقام پر نقل کرتے ہیں۔

فانظر انت وهم ثم اعمر واصلح النهر فلعمري لان يعمر و احب

الينا من ان يخرجو او ان يعجزوا او يقصرو في واجب من صلاح

البلاد۔ (۲۴۰-جلد ۲)

تم اور وہ (ذی) مل کر اس معاملہ پر غور کرو، ان کے آباد رہنے کی فکر رکھو اور نہر درست کرادو
خدا کی قسم میں ان کا آباد رہنا زیادہ پسند کرتا ہوں ان کا عاجز آ کر بھاگ جانا یا زمین اور
آبادی کی سعی فلاح میں ناکام رہنا مجھے منظور نہیں۔

وفات : حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے عہد خلافت میں انتقال فرمایا جناب امیرؓ نے نماز
جنازہ پڑھائی، اہل کوفہ کو ان کی وفات کا سخت صدمہ ہوا، چنانچہ بزم ماتم قائم ہوئی اور ہر طرف
کھرام مچ گیا، کوفہ میں یہ بالکل نئی بات تھی، ابو حاتم رازی، ابن سعد ابن حبان اور قاضی ابن عبد البر
کا یہی خیال ہے۔

لیکن صحیح مسلم میں اس کے خلاف روایت آئی ہے۔ اس بناء پر بعض لوگوں نے کہا ہے
کہ ان کی وفات حضرت علیؓ کے زمانہ خلافت کے بجائے عہد معاویہؓ میں ہوئی ہے، صحیح مسلم
میں ہے کہ قرظہ بن کعب پر کوفہ میں نوحہ کیا گیا تو مغیرہ بن شعبہؓ نے کہا، آنحضرت ﷺ نے فرمایا
ہے کہ ”جس پر نوحہ کیا جائے اس کو قیامت کے دن عذاب دیا جائے گا، اس روایت میں چند
باتیں قابل لحاظ ہیں۔

۱۔ مغیرہؓ بن شعبہ کے کوفہ میں موجود ہونے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ امیر معاویہؓ کا عہد خلافت
تھا، اور مغیرہؓ کوفہ کے والی تھے، کیونکہ جناب امیرؓ اور امیر معاویہؓ کی باہمی جنگ میں مغیرہؓ طائف میں
گوشہ نشین تھے، حضرت علیؓ کے انتقال کے بعد کوفہ آئے اور امام حسن سے صلح ہو جانے کے بعد
امیر معاویہؓ نے ان کو کوفہ کا حاکم مقرر کیا۔

۲۔ صحیح مسلم کی ایک روایت میں تصریح ہے کہ مغیرہؓ اس زمانہ میں امیر کوفہ تھے۔

۳۔ ترمذی میں ہے کہ مغیرہؓ نے منبر پر چڑھ کر خطبہ دیا، اور رونے کی ممانعت پر حدیث پڑھی۔

۴۔ صحیح بخاری کتاب العلم میں ہے کہ مغیرہؓ نے بحالت امارت حضرت معاویہؓ کے زمانہ
خلافت میں انتقال کیا۔

۵۔ مغیرہؓ کی امارت کوفہ میں تھی۔

ان تمام روایتوں کے ملانے سے معلوم ہوتا ہے کہ امیر معاویہؓ کے عہد میں ان کا انتقال
ہوا یہی وجہ سے کہ ابن سعدؓ نے طبقات الکوفیہ میں پہلی روایت کو لیا ہے۔ دوسری جگہ اس سے
ذرا ہٹ کر لکھتے ہیں۔ مات بالکوفہ والمغیرۃ والعلیہا۔

حافظ ابن حجر نے تہذیب میں ایک احتمال پیدا کیا ہے، یعنی یہ کہ صحیح مسلم کی روایت میں

جو واقعہ ہے، ضروری نہیں کہ امارت مغیرہ کے زمانہ کا ہو، ممکن ہے کہ مغیرہ امیر نہ ہوں اور یہ جملہ عہد امیر میں کہا ہو لیکن یہ کسی طرح صحیح نہیں مسلم کی دوسری روایت میں اس کی تصریح موجود ہے، اس کے علاوہ جیسا کہ ہم نے اوپر لکھا ہے جناب امیر کے زمانہ خلافت میں مغیرہ سرے سے کوفہ میں موجود ہی نہ تھے۔

فضل و کمال :

فضلائے صحابہؓ میں تھے، حضرت عمرؓ بن یاسر والی کوفہ کے ہمراہ انصار کے دس بزرگوں کو تعلیم فقہ کے لئے بھیجا تھا، حضرت قرظہؓ بھی انہی میں تھے۔
آنحضرت ﷺ اور حضرت عمرؓ سے چند روایتیں کیں عامر بن سعدؓ بکلی اور امام شیعہ ان کے مسند فیض کے حاشیہ نشین ہیں۔

اخلاق : مقدس اور عالی مرتبہ ہونے کے باوجود زندہ دل تھے، ان کے ہاں شادی کی تقریب تھی، لڑکیاں گارہی تھیں۔ اور یہ ابو مسعود اور ثابت بن زید کے ساتھ بیٹھے گانا سن رہے تھے، عامر بن سعد نے کہا آپ لوگ صحابی ہو کر گانا سنتے ہیں، فرمایا آنحضرت ﷺ نے ہم کو شادی میں گانے اور موت میں نوحہ کے بغیر رونے کی اجازت دے دی ہے^۱۔



حضرت قطبہؓ بن عامر

نام و نسب :

قطبہ نام۔ ابوزید کنیت، قبیلہ خزرج سے ہیں نسب نامہ یہ ہے :

قطبہ بن عامر حدیدہ بن عمرو بن سواد بن غنم بن کعب بن سلمہ۔

اسلام : عقبہ اولیٰ میں مسلمان اور عقبہ ثانیہ میں شریک ہوئے۔

غزوات : بدر، احد اور تمام غزوات میں آنحضرت ﷺ کے ہمرکاب تھے۔ غزوہ بدر میں نہایت پامردی اور جانبازی سے لڑے، مسلمانوں اور کفار کی صفوں کے درمیان ایک پتھر پھینکا اور کہا کہ ”جب تک یہ نہ بھاگے گا میں بھی نہ بھاگوں گا“ ! غزوہ احد میں ۹ زخم کھائے اور فتح مکہ میں بنو سلمہ کی علمبرداری کا فخر حاصل کیا۔

وفات : حضرت عثمانؓ کے عہد خلافت میں وفات پائی۔

اخلاق : سنت نبویؐ پر چلنے کی سخت کوشش کرتے تھے زمانہ جاہلیت میں انصار احرام دبانہ کر دروازوں سے گھر کے اندر نہ آتے تھے، قریش میں بھی یہی دستور تھا، لیکن چند قبائل مستثنیٰ تھے، ایک روز احرام کی حالت میں آنحضرت ﷺ کسی باغ میں داخل ہوئے صحابہؓ بھی ساتھ تھے، قطبہ بھی دروازہ سے اندر چلے گئے، لوگوں نے کہا یا رسول اللہ (ﷺ) یہ فاجر آدمی ہے آنحضرت ﷺ نے فرمایا تم کو یہ فاجر کہتے ہیں جب احرام باندھے تھے تو پھر اندر کیوں آئے؟ جواب دیا آپ کے ساتھ چلا آیا فرمایا میں تو اُمّی ہوں۔ عرض کی دینی دینک جو آپ کا دین ہے وہی میرا بھی ہے، کلام مجید نے اس خیال کی تائید کی اور یہ آیت اتری۔

”لیس البربان تاتوا البیوت من ظہورھا“

یہ کوئی نیکی نہیں کہ تم گھروں میں پیچھے سے آتے ہو۔

اس آیت کے بموجب انصار کی ایک قدیم رسم جو بالکل حماقت پر مبنی تھی، متروک ہو گئی لیکن جس شخص نے سب سے پہلے اس کو ترک کیا وہ حضرت قطبہؓ تھے اور اس لئے من سن سنة ان کے وہ مصداق کہے جاسکتے ہیں۔



”ک“

حضرت کعب بن مالک

نام و نسب :

کعب نام۔ ابو عبد اللہ کنیت، بنو سلمہ سے ہیں نسب نامہ یہ ہے :

کعب بن مالک بن ابی کعب عمرو بن قیس بن سواد بن نعم بن کعب بن سلمہ بن سعد بن علی بن اسد ابن سارودہ بن یزید بن جشم بن خزرج، والدہ کا نام لیلیٰ بنت زید بن ثعلبہ تھا اور بنو سلمہ سے تھیں۔ جاہلیت میں ابو شیر کنیت کرتے تھے، آنحضرت ﷺ نے بدل کر ابو عبد اللہ کر دی، مالک کے یہی ایک چشم و چراغ تھے۔

اسلام : عقبہ ثانیہ میں ۷۰ آدمیوں کے ساتھ مکہ آ کر بیعت کی ۱۔

غزوات : آنحضرت ﷺ مدینہ تشریف لائے اور انصار و مہاجرین میں برادری قائم کی تو حضرت طلحہ بن عبد اللہ کو کہ عشرہ مبشرہ میں تھے ان کا بھائی بنایا۔

غزوہ بدر میں جلدی کی وجہ سے نہ جاسکے ان کے علاوہ اور بھی بہت سے لوگ رہ گئے تھے، لیکن آنحضرت ﷺ نے کسی کو کچھ نہ کہا۔

اس غزوہ سے محروم رہنے کا ان کو کچھ افسوس بھی نہ تھا۔ خود فرماتے تھے کہ لیلۃ العقبہ کے مقابلہ میں جو اسلام کی آئندہ کامیابیوں کا دیباچہ تھی، میں بدر کو ترجیع نہیں دیتا گو لوگوں میں بدر کا زیادہ چرچا ہے ۲۔

غزوہ احد میں اپنے مہاجر بھائی کی طرح داد شجاعت دی، آنحضرت ﷺ کی زبردست پیمہ کر میدان میں آئے، آنحضرت ﷺ ان کی زرہ زیب تن کئے تھے۔ اس لڑائی میں اازخم کھائے۔

آنحضرت ﷺ کے متعلق خبر اڑ گئی تھی کہ شہید ہو گئے صحابہؓ کو سخت تشویش پیدا ہو گئی سب سے پہلے انہوں نے پہچانا اور باواز بلند پکارا اٹھے کہ رسول اللہ ﷺ یہ ہیں۔ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ”خاموش رہو“ ۳۔

احد کے بعد جو غزوات پیش آئے، ان میں انہوں نے نہایت مستعدی سے شرکت کی، یہ عجیب بات ہے کہ عہد نبوت کے پہلے غزوہ کی طرح پچھلے غزوہ کی شرکت کے شرف سے بھی محروم رہے۔ غزوہ تبوک آنحضرت ﷺ کا اخیر غزوہ ہے اور غزوہ عسرت کہلاتا ہے، آنحضرت ﷺ کی عادت یہ تھی کہ کسی غزوہ کا ارادہ کرتے تو صاف صاف نہ بتاتے۔ لیکن اس دفعہ خلاف معمول ظاہر کر دیا تھا، تاکہ مسلمان اس طویل اور مشکل سفر کے لئے تیار ہو جائیں۔ خود حضرت کعب نے اس کے لئے دو اونٹ مہیا کئے تھے، ان کا بیان ہے کہ میں کسی غزوہ میں اتنا قوی تیار اور خوشحال نہ تھا جتنا اس دفعہ تھا۔

اہتمام کی اصل وجہ یہ تھی کہ رومیوں سے مقابلہ تھا جو ساز و سامان، تعداد جمعیت و کثرت کے لحاظ سے دنیا کی سب سے بڑی قوت شمار ہوتے تھے آنحضرت ﷺ نے مسلمانوں کی بہت بڑی جمعیت فراہم کی، اور شدید گرمی کے زمانہ میں تیاری کا حکم دے دیا۔

حضرت کعب روزانہ تہیہ کرتے لیکن کوئی فیصلہ نہ کر پاتے اسی حیض و بیض میں وقت گزر گیا، اور آنحضرت ﷺ صحابہؓ کو لے کر تبوک روانہ ہو گئے۔

یہاں ابھی تک سامان بھی درست نہ ہوا تھا دل میں کہتے تھے کہ میں جاسکتا ہوں لیکن پھر نیت بدل جاتی اور رک جاتے، اسی طرح روزانہ سفر کا ارادہ کرتے اور فسخ کرتے یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ کے تبوک پہنچنے کی خبر آگئی۔ شہر میں نکلتے تو منافقین اور ضعفاء کے علاوہ کوئی نظر نہ آتا، سخت شرمندگی ہوتی کہ نومند قوی، اور صحیح سالم ہونے کے باوجود کیوں پیچھے رہ گیا۔

آنحضرت ﷺ کو ان کے رہ جانے کا کوئی خیال بھی نہ تھا۔ نہ فوج کا کوئی رجسٹر تھا۔ جس سے غیر حاضر رہنے والوں کا پتہ چلتا۔ اس بناء پر آنحضرت ﷺ کو معلوم ہونے کا صرف ایک ذریعہ تھا اور وہ وحی الہی تھی۔

تبوک پہنچ کر ان کے متعلق دریافت کیا تو بنو سلمہ کے ایک شخص نے کہا یا رسول اللہ (ﷺ) ان کو اپنے کپڑے دیکھنے سے کب فرصت تھی جو یہاں آتے، حضرت معاذ بن جبلؓ نے کہا یہ غلط ہے ہم نے ان میں کوئی بری بات نہیں پائی۔ آنحضرت ﷺ یہ سن کر خاموش ہو گئے۔ غزوہ ختم ہو گیا اور رسول اللہ ﷺ کی واپسی کی خبر ان کو ملی تو ان کے دل میں مختلف خیالات موجزن ہوئے گھر کے لوگوں سے مشورہ کیا کہ رسول اللہ ﷺ کی ناراضی سے بچنے کی کیا تدبیر ہے۔ کبھی یہ خیال آتا کہ باتیں بنا کر آنحضرت ﷺ کے غصے سے نجات حاصل کریں، لیکن جب رسول اللہ ﷺ مدینہ کے قریب پہنچے تو یہ تمام وسوسے

دور ہو گئے اور انہوں نے تہہ کر لیا کہ چاہے کچھ ہو سچ سچ سارا ماجرا حضور نے عرض کر دیں گے۔

آنحضرت ﷺ مدینہ تشریف لائے تو ۸۰ سے اوپر آدمیوں کی ایک جماعت معذرت کے لئے حاضر ہوئی، اور قسم کھا کر ایک ایک نے اپنا مدعا بیان کیا، آپ نے سب کا مذہب قبول کیا، بیعت لی اور سب کے لئے استغفار کیا۔ اس کے بعد حضرت کعبؓ سامنے آئے آنحضرت ﷺ ان کو دیکھ کر مسکرائے اور فرمایا۔ آؤ وہ سامنے آ کر بیٹھے تو پوچھا کہ غزوہ میں کیوں نہ گئے؟ عرض کی حضور (ﷺ) سے کیا چھپاؤں، کوئی دنیاوی حاکم ہوتا تو سو طرح کی باتیں بنا کر ان کو راضی کر لیتا، کیونکہ میں مقرر اور مباحث واقع ہوا ہوں لیکن آپ کے سامنے سچ بولوں گا۔ شاید خدا معاف کر دے۔ جھوٹ بولنے سے اس وقت آپ خوش تو ہو جائیں گے۔ لیکن پھر خدا آپ کو میری طرف سے ناراض کر دے گا۔ اور مجھے یہ گوارہ نہیں ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ مجھے کوئی عذر نہ تھا۔ میں نہایت قوی، باسروسامان اور مالدار تھا، لیکن بد قسمتی کہ جانہ سکا، آنحضرت ﷺ نے فرمایا انہوں نے سچی بات کہی اچھا جاؤ تمہارے لئے خدا جو فیصلہ کرے۔

یہ وہاں سے اٹھے بنو سلمہ کے کچھ لوگوں نے کہا کہ اس سے پہلے تم نے کسی گناہ کا ارتکاب نہ کیا تھا، اور تعجب ہے کہ اس کے لئے تم کوئی عذر بھی نہ پیش کر سکے، کیا اچھا ہوتا اگر لوگوں کی طرح تم نے بھی کوئی عذر کر دیا ہوتا۔ رسول اللہ ﷺ نے استغفار کیا تھا۔ تمہارا گناہ بھی معاف ہو جاتا۔ یہ سن کر پھر ان کے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کے سامنے جا کر اگلے بیان کی تردید کر دیں پھر کچھ سوچ کر پوچھا کہ میرے جیسے کچھ اور لوگ بھی ہیں؟ معلوم ہوا ہاں دو آدمی اور ہیں۔ مرارہ بن ربیع اور ہلال بن امیہ دونوں بزرگ نہایت صالح اور غزوہ بدر میں رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ تھے ان کے نام سن کر تسکین ہوئی اور جھوٹ کے ارادہ سے باز آئے۔

آنحضرت ﷺ نے ان تینوں سے مسلمانوں کو بات چیت کرنے کی ممانعت کر دی تھی۔ ۵۰ دن یہی حالت رہی، لوگ ان کو گھور گھور کر دیکھتے تھے لیکن بولتے نہ تھے، مرارہ اور ہلال تو گھر میں بیٹھ گئے تھے، اور رات دن رویا کرتے تھے، کعبؓ جو ان آدمی تھے گھر میں کہاں بیٹھ سکتے تھے۔ پانچویں وقت مسجد میں نماز کے لئے آتے اور بازاروں میں پھرا کرتے لیکن کوئی مسلمان بات تک کار وادار نہ ہوتا۔

مسجد میں آتے اور رسول اللہ ﷺ کو نماز کے بعد سلام کرتے آنحضرت ﷺ مصلے پر بیٹھے رہتے، یہ دیکھتے کہ جواب میں لب مبارک ہلے یا نہیں پھر قریب ہی نماز پڑھتے اور گوشہ چشم سے آنحضرت ﷺ کی طرف تکتے، آنحضرت ﷺ ان کو دیکھتے رہتے جب نماز سے فارغ ہو کر آپ کی طرف متوجہ ہوتے تو آپ منہ پھیر لیتے تھے۔

ان کے ساتھ یہی برتاؤ ان کے گھروالوں کا بھی تھا حضرت ابو قتادہؓ عم زاد بھائی تھے۔ ایک مرتبہ ان کے مکان کے دیوار پر چڑھے اور سلام کیا، انہوں نے جواب تک نہ دیا۔ انہوں نے تین مرتبہ قسم دے کر پوچھا کہ تم یہ جانتے ہو کہ ”میں اللہ اور رسول ﷺ کو محبوب رکھتا ہوں“۔ انہوں نے اخیر مرتبہ جواب دیا کہ خدا اور رسول ﷺ کو خبر ہوگی اس جواب سے ان کو سخت مایوسی ہوئی اور دل میں کہا کہ اب میرے ایمان کی بھی کوئی گواہی دینے والا نہیں، بے اختیار آنکھوں سے آنسو نکل آئے اور بازار کی طرف نکل گئے وہاں ایک نبطی جو شام کا باشندہ تھا ان کو ڈھونڈ رہا تھا مسلمانوں نے ان کی طرف اشارہ کیا کہ دیکھو وہ آرہے ہیں وہ بادشاہ غسان کا ان کے پاس خط لایا تھا کھول کر پڑھا تو یہ تحریر تھا کہ تمہارے صاحب آنحضرت ﷺ نے تم پر بڑی زیادتی کی لیکن خدا نے تم کو کسی ذلیل گھر میں نہیں پیدا کیا ہے تم میرے پاس آ جاؤ، مضمون پڑھ کر کہانی بھی ایک آزمائش ہے اور خط کو ایک تنور میں ڈال دیا۔

چالیس دن گذر گئے تو آنحضرت ﷺ کا آدمی پہنچا کہ رسول اللہ ﷺ کا حکم ہے کہ اپنی بیوی سے علیحدہ ہو جاؤ، پوچھا طلاق دے دوں؟ بولا نہیں صرف الگ رہو اپنی بیوی سے جا کر کہا کہ تم اپنے میکے چلی جاؤ اور جب تک میری نسبت خدا کوئی فیصلہ نہ کر دے، وہیں رہو۔ ہلال اور مرارہ کو بھی یہی حکم ہوا تھا لیکن ہلال بہت بوڑھے تھے ان کی بیوی بارگاہ رسالت ﷺ میں گئیں اور خدمت کی اجازت لے آئیں، بولے میں نہ جاؤں گا معلوم نہیں آپ کیا فرمائیں۔

پچاسویں دن فجر کی نماز پڑھ کر ایک چھت پر بیٹھے ہوئے تھے اور دل میں کہہ رہے تھے کہ اب تو زندگی سے بیزار ہوں، زمین و آسمان سب مجھے پر تنگ ہیں کہ اتنے میں پہاڑ پر سے آواز آئی کہ اے کعب! بشارت ہو سمجھ گئے کہ در قبول واہوا۔ اور اللہ نے توبہ قبول کر لی، فوراً سجدہ میں گرے، خداوند تعالیٰ کا شکر ادا کیا اور اپنی مغفرت چاہی دو آدمیوں نے جس میں ایک گھوڑے پر سوار تھا آ کر خوشخبری سنائی انہوں نے اپنے کپڑے اتار کر دونوں کو دے دیئے۔ مزید کپڑے موجود نہ تھے اس لئے مانگ کر پہنے اور رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہونے کے لئے چلے۔

راستہ میں لوگ جوق در جوق چلے آرہے تھے۔ سب نے مبارک باد دی، مسجد میں پہنچے تو رسول اللہ ﷺ صحابہ کے درمیان بیٹھے تھے۔ حضرت طلحہؓ نے دوڑ کر مصافحہ کیا لیکن وہ لوگ بیٹھے رہے۔ آنحضرت ﷺ کو سلام کیا چہرہ مبارک مسرت سے چاند کی طرح چمک رہا تھا، فرمایا تم کو بشارت ہو جب سے تم پیدا ہوئے آج سے بہتر کوئی دن نہ گذرا ہوگا، پوچھا یا رسول اللہ (ﷺ) آپ نے معاف کیا؟ فرمایا میں نے نہیں خدا نے معاف کیا۔ جوش مسرت میں عرض کیا کہ اپنا مال صدقہ کرتا ہوں۔

فرمایا کہ کچھ صدقہ کرو۔ انہوں نے خیر کا حصہ صدقہ کر دیا اس کے بعد کہا کہ خدا نے مجھ کو صرف سچ کی وجہ سے نجات دی اب یہ عہد کرتا ہوں کہ ہمیشہ سچ بولوں گا۔

سچ بولنے میں حضرت کعبؓ کو جس ابتلا کا سامنا ہوا اس کی نظیر سے تاریخ اسلام خالی ہے ایسے بڑے بڑے مصائب پر بھی ان کا قدم جادۂ استقلال سے نہ ہٹا۔ قرآن مجید کی یہ آیتیں ان کے متعلق نازل ہوئیں :

”وَعَلَى الثَّلَاثَةِ الذِّبْنَ خَلَفُوا حَتَّىٰ إِذَا ضَاقَتْ عَلَيْهِمُ الْأَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ وَضَاقَتْ عَلَيْهِمْ أَنْفُسُهُمْ وَظَنُّوا أَنْ لَا مَلْجَأَ مِنَ اللَّهِ إِلَّا إِلَيْهِ ۖ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ لِيَتُوبُوا إِنَّ اللَّهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ ۚ“

”یعنی خدا نے ان تین آدمیوں کی توبہ قبول کی جو پیچھے چھوڑے گئے تھے یہاں تک کہ جب ان پر زمین اپنی کشادگی کے باوجود تنگ ہو گئی اور خود اپنی زندگی سے بھی تنگ آ گئے اور انہوں نے سمجھ لیا کہ صرف خدا ہی سے پناہ لینا چاہیے تو خدا ان کی طرف رجوع ہوا تا کہ وہ اس کی طرف رجوع ہوں۔ بے شک خدا توبہ قبول کرنے والا اور مہربان ہے۔“ (سورۃ توبہ۔ رکوع ۱۳۔ پ ۱۱)

اس آیت میں خَلَفُوا کا لفظ ہے جس کے معنی غزوہ سے پیچھے رہنا نہیں بلکہ رسول اللہ ﷺ کا ان کے معاملہ میں امر الہی کا منتظر رہنا اور ان کو چھوڑ رکھنا ہے۔ عہد نبوی ﷺ کے بعد حضرت عثمانؓ کی شہادت کے روح فرسا واقعہ میں انہوں نے مرثیہ لکھا تھا، حضرت علی رضی اللہ عنہ اور امیر معاویہؓ کی لڑائیوں میں وہ دونوں سے الگ رہے۔

وفات : امیر معاویہؓ کے عہد میں وفات پائی۔ سنہ میں اختلاف ہے بعض کا خیال ہے کہ ۵۰ھ تھا، عمر ۷۷ سال تھی۔

اولاد : عبداللہ، عبید اللہ، عبدالرحمن، معبد، محمد، قصر کعب کے ارکان خمسہ تھے ان میں سے اول الذکر کو یہ شرف حاصل تھا کہ جب ان کے والد نابینا ہو گئے تو یہ ان کے قائد اور راہ نمائے بنتے تھے۔

فضل و کمال : حدیث کی کتابوں میں ۸۰ روایتیں ہیں اور خود آنحضرت ﷺ اور اسید بن حضیرؓ سے روایت کی ہے۔ راویوں میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ، حضرت جابرؓ، حضرت ابوامامہ باہلیؓ، امام باقر رضی اللہ عنہ، عمرو بن حکم بن ثوبان، علی بن ابی طلحہ، عمر بن کثیر بن افلح، عمر بن حکیم بن راجع جیسے اکابر شامل ہیں۔

مشہور شاعر تھے، طبیعت اچھی پائی اور اشعار میں جدت تھی جاہلیت میں شاعری کے انتساب سے مشہور تھے ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ سے دریافت کیا کہ شعر کہنا کیسا ہے؟ فرمایا کہ کچھ مضائقہ نہیں، مسلمان اس کی وجہ سے تلواریں اور زبان دونوں سے جہاد کرتا ہے، جب یہ شعر کہا:

ز عمت سخينة ان ستغلب ربها
تخينه كالماتان ہے کہ اس کا معبود اس کو غالب کرے گا
فليغلبن مغالب الغلاب

بہتر ہے وہ تمام غالب ہونے والوں کے غالب (خدا) پر غلبہ حاصل کریں
تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اس سے تم نے خدا کو مشکور بنایا۔ ان کی شاعری کا موضوع
کفار کو لڑائی سے ڈرانا اور مسلمانوں کا ان کے قلوب میں سکھ جمانا تھا۔ دربار رسالت ﷺ میں تین شاعر
تھے اور تینوں کے موضوع جدا گانہ تھے انہی میں سے ایک حضرت کعبؓ بھی تھے۔ کلام کے اثر کا اندازہ
اس سے ہو سکتا ہے کہ صرف دو بیت کہے اور تمام قبیلہ دوس مسلمان ہو گیا وہ شعر یہ تھے۔

قضينا من تهامة كل وتر وخير ثم اغمدنا ايسونا
تهامة اور خیر ہم نے کینہ کو دور کر کے تلواریں نیام میں کر لیں
يخرها ولو نطق لقال قوا طعنه دوسا او ثقيفا
اب تم پھر ان کو اٹھاتے ہیں اور اگر بول سکیں تو کہیں کہ اب دوس یا ثقیف کا نمبر ہے
دوسیوں نے سنا تو کہا کہ مسلمان ہو جانا بہتر ہے ورنہ ثقیف کی طرح ہمارا بھی حشر ہوگا۔

اخلاق : صدق و راستی ان کا خاص وصف تھا اور اس کو انہوں نے جس طرح بنایا، اس سے زیادہ ہونا
ناممکن ہے دعا قبول ہونے کے بعد کبھی جھوٹ نہ بولے۔ خود فرماتے ہیں۔ ”والله ما تعمدت
كذبة منذ قلت ذلك لرسول الله ﷺ الى يومى هذا واني لا رجوان يحفظنى الله فيما
بقى“۔

غزوہ تبوک سے پیشتر کی زندگی نہایت پاک اور صاف گذری تھی۔ چنانچہ جب یہ واقعہ پیش
آیا تو بنو سلمہ نے برکت کہا:

والله ما علمناك كنت اذنت ذبنا قيل هذا، یعنی خدا کی قسم تم نے اس سے پہلے
تو کوئی گناہ نہ کیا تھا۔



حضرت کلثوم بن الہدمؓ

نام و نسب :

کلثوم نام۔ صاحب رحل رسول اللہ ﷺ لقب، سلسلہ نسب یہ ہے :
کلثوم ابن الہدم بن امراء القیس بن حارث بن زید بن عبید بن زید بن مالک بن عوف
بن عمرو بن عوف ابن مالک بن اوس۔

السفی کا عالم تھا کہ اسلام کی صداکانوں میں پہنچی اور انہوں نے اس کو لبیک کہا۔
ہجرت نبوی ﷺ :

تھوڑے دنوں کے بعد آنحضرت ﷺ نے ہجرت فرمائی، ابتداء قبیلہ عمرو بن عوف میں
نزول اجلال ہوا اور حضرت کلثومؓ کے مکان میں قیام فرمایا گھر پہنچے حضرت کلثومؓ نے اپنے نوکر کو
آزادی، یا کج، عرب شگون اور فال کے عادی ہوتے تھے، ارشاد ہوا، انجحت یا ابابکر!
آنحضرت ﷺ یہاں چار روز مقیم رہے، اس کے بعد حضرت ابوایوب انصاریؓ کے مسکن کو نوازا۔

وفات :

مسجد نبوی اور ازواج مطہرات کے حجروں کی تعمیر شروع تھی، اور بدر کو بہت کم عرصہ باقی
تھا، کہ پیغام اجل آپہنچا، اس بنا پر حضرت کلثومؓ کسی غزوہ میں شریک نہ ہو سکے
ہجرت کے بعد صحابہؓ میں یہ پہلی موت تھی، اس کے بعد چند دنوں کے بعد اسلام کے
پر جوش داعی حضرت ابوامامہؓ نے بھی داعی اجل کو لبیک کہا۔



”م“

حضرت معاذ بن جبلؓ

نام و نسب اور ابتدائی حالات :

معاذ نام - ابو عبد الرحمن کنیت ، امام الفقہاء کنز العلماء اور عالم ربانی القاب ، قبیلہ خزرج کے خاندان ادی بن سعد سے تھے ، نسب نامہ یہ ہے :

معاذ بن جبل بن عمرو بن اوس بن عائد بن عدی بن کعب بن عمرو بن ادی بن سعد بن علی بن اسد بن سارۃ بن یزید بن جشم بن خزرج اکبر۔

سعد بن علی کے دو بیٹے تھے ، سلمہ اور ادی ، سلمہ کی نسل سے بنو سلمہ ہیں جن میں حضرت ابو قتادہؓ ، جابر بن عبد اللہؓ ، کعب بن مالکؓ ، عبد اللہ بن عمرو بن حرام مشہور صحابہؓ گذرے ہیں۔ ان لوگوں کے ماسوا اور بھی بہت سے بزرگوں کو اس خاندان سے انتساب تھا۔ لیکن سلمہ کے دوسرے بھائی ادی کے گھر میں رسول اللہ ﷺ کی ہجرت کے وقت صرف ایک فرزند تھا ، جس کی وفات پر خاندان ادی کا چراغ ہمیشہ کے لئے گل ہو گیا۔

امام سمعانی نے کتاب الانساب میں حسین بن محمد بن طاہر کو اسی ادی کی طرف منسوب کیا ہے ، لیکن یہ صحیح نہیں ، تمام موثق روایتوں سے ثابت ہے کہ اسلام کے زمانہ میں اس خاندان میں صرف دو شخص باقی تھے ، ایک حضرت معاذؓ اور دوسرے ان کے صاحبزادے عبد الرحمنؓ۔

بنو ادی کے مکانات ان کے بنو اعمام (بنو سلمہ) کے پڑوس میں واقع تھے ، مسجد قبلتین جہاں تحویل قبلہ ہوا تھا ، یہیں واقع تھی ، حضرت معاذؓ کا گھر بھی یہیں تھا۔

اسلام : طبیعت فطرۃ اثر پذیر واقع ہوئی تھی ، چنانچہ نبوت کے بارہویں سال جب مدینہ میں اسلام کی دعوت شروع ہوئی تو حضرت معاذؓ نے اس کے قبول کرنے میں ذرہ بھی پس و پیش نہ کیا۔ حضرت مصعب بن عمیرؓ داعی السلام ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور صدق دل سے توحید کا اقرار کیا ، اس وقت ان کا سن ۱۸ سال کا تھا۔

حج کا موسم قریب آیا تو حضرت مصعبؓ مکہ روانہ ہوئے، اہل مدینہ کی ایک جماعت جس میں مسلم اور مشرک دونوں شامل تھے، ان کے ہمراہ ہوئی۔ حضرت معاذؓ بھی ساتھ تھے، مکہ پہنچ کر عقبہ میں وہ نورانی منظر سامنے آیا۔ جو حضرت معاذؓ کی آنکھوں نے کبھی نہ دیکھا تھا، یعنی رسول اللہ ﷺ رات کے وقت تشریف لائے اور اس جماعت سے بیعت لی۔

یہ جماعت مکہ سے مدینہ واپس ہوئی، تو آفتاب اسلام کی روشنی گھر گھر پھیل گئی
یثرب تمام مطلع انوار ہو گیا

حضرت معاذؓ کمن تھے مگر جوش ایمان کا یہ عالم تھا کہ بنو سلمہ کے بت توڑے جانے لگے، تو بت شکنوں کی جماعت میں وہ سب کے پیش پیش تھے، بت کا کسی کے گھر میں موجود ہونا، اب ان کے لئے سخت تکلیف دہ تھا، بنو سلمہ کے اکثر گھر ایمان کی روشنی سے منور ہو چکے تھے، لیکن اب بھی کچھ لوگ ایسے باقی تھے، جن کا نفس آبائی مذہب چھوڑنے سے ابا کرتا تھا، عمرو بن جوح بھی انہی لوگوں میں تھے، جو اپنے قبیلے کے سردار اور نہایت معزز شخص تھے، انہوں نے لکڑی کا ایک بت بنا رکھا تھا جس کا نام مناة تھا، حضرت معاذؓ اور کچھ دوسرے نو جوان رات کو ان کے گھر پہنچے، وہ بے خبر سو رہے تھے ان لوگوں نے بت کو اٹھا کر محلہ کے ایک گڑھے میں بھنیک دیا، کہ آنے جانے والے اس کو دیکھ کر عبرت حاصل کریں۔ صبح کو بت کی تلاش کے لئے نکلے تو اپنے معبود کو ایک گڑھے میں اوندھا پڑا دیکھ کر عمرو کا غیظ و غضب اختیار سے باہر ہو گیا۔ بہر حال اس کو اٹھا کر گھر لائے نہلایا، خوشبو لگائی، اور اس کی اصل جگہ پر رکھ دیا۔ اور نہایت طیش میں کہا کہ جس شخص نے یہ حرکت کی ہے اگر مجھے اس کا نام معلوم ہو جائے تو بری طرح خبر لوں، لیکن جب پھر یہی واقعہ کئی مرتبہ لگا تو پیش آیا تو کفر سے بیزار ہو کر اسلام کے حلقہ میں داخل ہو گئے۔
تعلیم و تربیت :

حضرت معاذؓ ابتدا ہی سے ہونہار تھے، آنحضرت ﷺ مدینہ تشریف لائے تو وہ آپ کے دامن سے وابستہ ہو گئے اور چند ہی دنوں میں فیض نبوت کے اثر سے اسلام کی تعلیم کا اعلیٰ نمونہ بن گئے اور ان کا شمار صحابہ کے برگزیدہ افراد میں ہونے لگا۔

رسول اللہ ﷺ کو ان سے اس قدر محبت تھی کہ بسا اوقات ان کو اپنے ساتھ اونٹ پر بٹھاتے تھے، اور اسرار و حکم کی تلقین کرتے تھے۔ ایک مرتبہ وہ آنحضرت ﷺ کے ردیف تھے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا : ”یا معاذ بن جبل انہوں نے کہا۔ لیک یا رسول اللہ وسعدیک۔ آپ نے

پھر ان کا نام پکارا انہوں نے پھر اسی ادب اور محبت بھرے الفاظ سے جواب دیا اسی طرح تین مرتبہ آپ نے ان کا نام لیا۔ اور وہ اسی طرح برابر لبیک کہتے رہے۔ پھر ارشاد فرمایا کہ ”جو شخص صدق دل سے کلمہ توحید پڑھ لے اس پر دوزخ حرام ہو جاتی ہے۔“ حضرت معاذؓ نے کہا یا رسول اللہ ﷺ کیا میں لوگوں کو یہ بشارت سنا دوں؟ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ”نہیں ورنہ لوگ عمل کرنا چھوڑ دیں گے۔“^۱

حضرت معاذؓ پر شفقت نبوی کا یہ حال تھا کہ وہ خود کوئی سوال نہ کرتے تو آنحضرت ﷺ سے، کوڑے یا عصا سے ان کی پشت پر آہستہ سے ٹھوکر دی۔ اور فرمایا: ”جانتے ہو بندوں پر خدا کا کیا حق ہے؟“ عرض کیا اللہ اور رسول کو زیادہ معلوم ہے۔ فرمایا ”یہ کہ بندے اس کی عبادت کریں اور شرک سے اجتناب کریں۔“ تھوڑی دور چل کر پھر پوچھا کہ ”خدا پر بندوں کا کیا حق ہے؟“ پھر عرض کیا کہ خدا اور رسول کو معلوم ہے۔ آپ نے فرمایا ”یہ کہ وہ ان کو جنت میں داخل کرے۔“^۲

حضرت معاذؓ ہمیشہ شفقت نبوی سے سرفراز رہتے تھے، ان کو اٹھتے بیٹھتے، حامل نبوت سے تعلیم ملتی تھی، ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ نے ان کو دروازہ پر کھڑا دیکھا تو ایک چیز کی تعلیم دی ایک اور مرتبہ لطف و کرم سے فرمایا کہ ”میں تمہیں جنت کا ایک دروازہ بتاؤں؟“ گذارش کی ارشاد ہو، فرمایا لا حول ولا قوۃ الا باللہ^۳ پڑھ لیا کرو۔

تعلیم زندگی کے ہر شعبہ پر حاوی تھی، مذہبی، اخلاقی علمی، عملی ہر قسم کی تعلیم سے وہ بہرہ ور ہوئے، جس کی تفصیل درج ذیل ہے۔

حضرت معاذؓ رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ ایک سفر میں تھے ایک روز صبح کے وقت جب لشکر اسلام منزل مقصود کی طرف روانہ ہو رہا تھا، حضرت معاذؓ رسول اللہ ﷺ کے قریب تھے، پوچھا ایسا عمل بتائیے جو مجھ کو جنت میں داخل کرے اور دوزخ سے بچائے، فرمایا تم نے بہت بڑی بات پوچھی لیکن جس کو خدا توفیق دے اس پر آسان بھی ہے، شرک نہ کرو، عبادت کرو، نماز پڑھو، زکوٰۃ دو، رمضان میں روزے رکھو، حج کرو، پھر فرمایا خیر کے کچھ دروازے ہیں میں تم کو بتاتا ہوں، روزہ جو سپر کا حکم رہتا ہے، صدقہ جو آتش معصیت کو پانی کی طرح بجھا دیتا ہے، اور نماز جو رات کے

۱۔ بخاری جلد ۱۔ ص ۲۴۔ باب من ترک بعض الاختیار مختلفہ ان۔ یقصر فہم بعض الناس ۲۔ مسند احمد جلد ۵۔ ص ۲۳۸

۳۔ مسند احمد جلد ۵۔ ص ۲۳۸

حصوں میں پڑھی جاتی ہے، پھر یہ آیت تلاوت فرمائی، تسجافی جنوبہم عن المضاجع (یعلمون تک) پھر فرمایا کہ ”اسلام کے سر اور عمود اور چوٹی کی خبر دیتا ہوں، سر اور پاؤں تو نماز ہے اور کوہان کی چوٹی جہاد“۔

پھر ارشاد ہوا کہ ان تمام باتوں کی بیخ دین صرف ایک چیز ہے، زبان، اس کو روکو (آنحضرت ﷺ نے اپنی زبان کو پکڑ کر فرمایا) حضرت معاذؓ نے سوال کیا کہ کیا جو کچھ ہم بولتے ہیں، اس پر موجدہ ہوگا۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا شکلتک امک یا معاذ! بہت سے لوگ صرف اسی کی وجہ سے جہنم میں جائیں گے“۔^۱

حضرت معاذؓ کو آنحضرت ﷺ نے دس باتوں کی وصیت کی تھی، (۱) شرک نہ کرنا، خواہ تم کو کوئی اس کے عوض قتل کر دے یا جلادے۔ (۲) والدین کو گزند نہ پہنچانا۔ خواہ تم کو وہ تمہارے بال بچوں اور مال سے علیحدہ کر دیں۔ (۳) فرض نماز قصداً کبھی نہ ترک کرنا، کیونکہ جو شخص قصداً نماز چھوڑتا ہے خدا اس کی ذمہ داری سے بری ہو جاتا ہے۔ (۴) شراب نہ پینا، کیونکہ یہ تمام فواحش کی بنیاد ہے۔ (۵) معصیت میں مبتلا نہ ہونا، کیونکہ مبتلائے معصیت پر خدا کا غصہ حلال ہو جاتا ہے۔ (۶) لڑائی سے نہ بھاگنا اگرچہ تمام لشکر خاک و خون میں لوٹ چکا ہو، موت عام ہو (۷) بیماری آئے تو ثابت قدم رہنا۔ (۸) اپنی اولاد کے ساتھ سلوک کرنا (۹) ان کو ہمیشہ ادب دینا اور (۱۰) خدا سے خوف دلانا۔^۲

رسول اللہ ﷺ نے پانچ چیزوں کی حضرت معاذؓ کو تاکید کی تھی اور فرمایا تھا کہ جو ان کو عمل میں لائے، خدا اس کا ضامن ہوتا ہے، (۱) مریض کی عیادت۔ (۲) جنازہ کے ساتھ جانا۔ (۳) غزوہ کے لئے نکلنا۔ (۴) حاکم کی تعزیر یا توقیر کے لئے جانا، (۵) گھر میں بیٹھ رہنا جس میں وہ تمام لوگوں سے محفوظ ہو جائے، اور دنیا اس سے سلامت رہے۔^۳

اخلاقی تعلیم ان الفاظ میں دی، معاذ! ہر برائی کے پیچھے نیکی کر لیا کرو، نیکی اس کو منادے گی اور لوگوں کے سامنے اچھے اخلاق ظاہر کرو۔^۴

یہ بھی ارشاد فرمایا کہ اتق دعوة المظلوم فان لیس بینہا و بین اللہ حجاب! یعنی مظلوم کی بددعا سے ڈرتے رہو، کیونکہ اس کے اور خدا کے درمیان کوئی پردہ نہیں (بخاری)۔

(۶) یمن کا حاکم مقرر کر کے بھیجا تو فرمایا ”معاذ! خبردار عیش و تنعم سے علیحدہ رہنا کیونکہ خدا کے بندے عیش پرست اور تنعم پسند نہیں ہوتے“۔^۱

اجتماعی زندگی کے تلقین اس طرح کی ”انسان کا بھیڑیا شیطان ہے جس طرح بھیڑیا اس بکری کو پکڑتا ہے جو گلہ سے دور ہوتی ہے، اسی طرح شیطان اس انسان پر قابو پالیتا ہے جو جماعت سے الگ ہوتا ہے، خبردار! خبردار! متفرق نہ ہونا، بلکہ جماعت کے ساتھ رہنا“۔^۲

اشاعت اسلام کے متعلق فرمایا، معاذ! اگر تم ایک مشرک کو بھی مسلمان کر لو، تو تمہارے لئے دنیا کی تمام نعمتوں سے بڑھ کر ہے۔^۳

غرض یہ پاکیزہ خیالات اور اعلیٰ تعلیمات جس بزرگ کے رگ و پے میں سرایت کر گئی تھیں، وہ جماعت انصار کا وہ ”نوجوان“ تھا، جس کو حضرت ابن مسعودؓ فرمادیں بلکہ ایک امت کہا کرتے تھے۔

غزوات اور عام حالات :

آنحضرت ﷺ نے مدینہ تشریف لا کر مواخاۃ کی تو حضرت معاذؓ کا مہاجری بھائی، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کو تجویز فرمایا۔

۲ھ میں غزوہ بدر پیش آیا، حضرت معاذؓ اس میں شریک تھے اور اس وقت ان کا سن ۲۱ سال کا تھا۔ بدر کے علاوہ تمام غزوات میں حضرت معاذؓ نے شرف شرکت حاصل کیا۔ ان فضائل کے ماسوا حضرت معاذؓ نے آنحضرت ﷺ کے عہد مبارک میں قرآن حفظ کیا تھا۔

امامت مسجد :

بنو سلمہ نے اپنے محلے میں ایک مسجد بنالی تھی جس کے امام حضرت معاذؓ تھے ایک دن عشاء کی نماز میں انہوں نے سورہ بقرہ پڑھی پیچھے صفوں میں ایک شخص تھا جو دن بھر کھیت میں کام کرنے کی وجہ سے بالکل تھکا ہوا تھا، حضرت معاذؓ کی نماز ابھی ختم نہ ہوئی تھی کہ وہ نیت توڑ کر چل دیا، حضرت معاذؓ کو اطلاع ہوئی تو کہا کہ وہ منافق ہے، اس کو یہ نہایت ناگوار گذرا اور رسول اللہ ﷺ سے آکر شکایت کی آنحضرت ﷺ نے معاذؓ سے فرمایا افسان انت؟ کیا لوگوں کو فتنہ میں مبتلا کرو گے؟ اس کے بعد فرمایا کہ ”چھوٹی سورتیں پڑھا کرو، کیونکہ تمہارے پیچھے صفوں میں بوڑھے ضیف اور ارباب حاجت بھی قسم کے لوگ ہوتے ہیں تم ان سب کا خیال کرنا چاہیے۔ (بخاری جلد ۱ ص ۹۸)۔

امامت یمن اور اشاعت اسلام :

۹ھ میں آنحضرت ﷺ غزوہ تبوک سے تشریف لائے تھے کہ رمضان میں ملوک تعمیر (یمن) کا قاصداہل یمن کے قبول اسلام کی خبر لے کر مدینہ پہنچا، اب آنحضرت ﷺ نے یمن کی امانت کے لئے حضرت معاذؓ کو تجویز فرمایا۔

اس سے پیشتر حضرت معاذؓ کی جائداد قرض میں بیع ہو چکی تھی، حضرت معاذؓ بہت فیاض تھے، اور خوب خرچ کرتے تھے، اور لازماً اس کا بار جائداد پر پڑ رہا تھا، قرض خواہوں نے زیادہ تنگ کیا تو کچھ دنوں گھر میں چھپ رہے وہ لوگ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا کہ معاذؓ کو بلوایئے آپ نے آدمی بھیج کر حضرت معاذؓ کو بلوایا قرض خواہوں نے شور مچایا کہ ہمارا بھی فیصلہ ہونا چاہئے، لیکن جائداد سے قرض بہت زیادہ ہو چکا تھا، اس لئے آنحضرت ﷺ نے فرمایا جو شخص اپنا حصہ نہ لے گا اس پر خدا رحم کرے گا، چنانچہ کچھ لوگوں نے اپنے حصہ چھوڑ دیا لیکن کچھ لوگ بضد رہے آنحضرت ﷺ نے حضرت معاذؓ کی کل جائداد ان لوگوں پر تقسیم کر دی لیکن قرض اب بھی ادا نہ ہوا، تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ زیادہ نہیں مل سکتا اسی کو لے جاؤ حضرت معاذؓ اب بالکل مفلس تھے، آنحضرت ﷺ کو ان کا بہت خیال تھا فرمایا کہ گھبرانا نہیں خدا اس کی جلد تلافی کر دے گا۔

فتح مکہ کے بعد آنحضرت ﷺ نے ان کو امارت یمن کے لئے منتخب فرمایا اگرچہ ان کی قابلیت پر آپ کو ہر طرح کا اطمینان تھا تاہم امتحان لے لینا مناسب تھا، پوچھا ”فیصلہ کس طرح کرو گے؟“ حضرت معاذؓ نے کہا کہ قرآن مجید سے فیصلہ کروں گا، فرمایا ”اگر اس میں نہ ملے“ کہا کہ سنت رسول اللہ ﷺ کے مطابق فیصلہ کروں گا، فرمایا ”اور اس میں بھی نہ ہو“۔ کہنا میں خود اجتہاد کروں گا، آنحضرت ﷺ نہایت مسرور ہوئے، اور فرمایا کہ خدا کا شکر ہے کہ اس نے رسول اللہ ﷺ کے رسول کو اس چیز کی توفیق دی جس کو اس کا رسول پسند کرتا ہے۔

امتحان ہو چکا تو اہل یمن کو ایک فرمان لکھوایا جس میں حضرت معاذؓ کے رتبہ کی طرف ان الفاظ میں اشارہ تھا۔

انی بعثت لکم خیر اہلی !

میں اپنے لوگوں میں سے بہترین کو تمہارے لئے بھیجتا ہوں۔

اس میں یہ بھی تحریر تھا کہ معاذ بن جبلؓ اور دوسرے آدمیوں کے ساتھ حسن سلوک کرنا اور صدقہ اور جزیہ کی رقمیں وصول کر کے ان کے پاس جمع کرنا اور معاذ بن جبلؓ کو سب پر امیر بنانا ہوں، ان کو راضی رکھنا ایسا نہ ہو کہ وہ تم سے ناخوش ہو جائیں۔

یہ تمام مراحل طے ہو گئے تو حضرت معاذؓ نے یمن کے سفر کی تیاری کی اور سوار ہو کر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور لوگ بھی ساتھ ساتھ تھے، روانگی کا وقت آیا تو کچھ دور تک خود سردار دو عالم ﷺ نے مشایعت کی، حضرت معاذ بن جبلؓ اونٹ پر سوار تھے اور شہنشاہ مدینہ اونٹ کے ساتھ پیادہ چل رہا تھا، اور باہم گفتگو کا سلسلہ جاری تھا، جس کے ایک ایک فقرہ سے شفقت و محبت کا اظہار ہو رہا تھا، فرمایا ”معاذ! تم پر قرض بہت ہے اگر کوئی ہدیہ لائے تو قبول کر لینا، میں تم کو اجازت دیتا ہوں۔“ وداع کا وقت آیا تو حضرت سردار کائنات ﷺ نے حضرت معاذؓ سے فرمایا شاید اب تم سے ملاقات نہ ہو، اب مدینہ واپس آؤ تو میرے بجائے میری قبر ملے گی، یہ سننا تھا کہ حضرت معاذؓ کی آنکھیں ابل پڑیں اور زار و قطار رونے لگے، آنحضرت ﷺ نے فرمایا نہ رو، رونا شیطانی حرکت ہے، رخصت ہونے لگے تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا ”حفظک اللہ من بین یدیک ومن خلفک وعن عینیک وعن شمالک ومن فوفک ومن تحتک ووراء عنک وشرور الانس والجن“، یعنی جاؤ، خدا تم کو ہر قسم کے آفات سے محفوظ رکھے حضرت معاذؓ نے مدینہ کی طرف نہایت حسرت سے دیکھا اور کہا کہ میں متقیوں کو اچھا سمجھتا ہوں، خواہ کوئی ہوں (یہ غالباً خلفاء کی طرف اشارہ تھا)

رسول اللہ ﷺ سے رخصت ہو کر یمن روانہ ہو گئے، جب یمن پہنچے تو سپیدہ صبح نمودار تھا۔ رسول اللہ ﷺ کا رسول کسی دنیاوی فرمانروا کا نائب نہ تھا، ظاہری شان و شوکت سے اس کا جلوس بالکل خالی تھا، خدم و حشم، نقیب و چاؤش، خیل سپاہ میں سے ایک چیز بھی اس کے ساتھ نہ تھی تاہم اسلام و ایمان کا نور چہرہ مبارک پر چمک رہا تھا اور زبان و لب نعرہ تکبیر بلند کر رہے تھے جس کو ہوا کی موجیں اڑا اڑا کر اہل یمن کے کانوں تک پہنچا رہی تھیں غرض اس شان و شوکت سے رسول اللہ ﷺ کا رسول پہنچا تو قصر کفر کی بنیادیں ہل گئیں اور کفستان یمن نعرہ توحید گونج اٹھا۔

حضرت معاذؓ ملک یمن کے صرف امیر ہی نہ تھے بلکہ محکمہ مذہبی کے بھی انچارج تھے ایک طرف اگر وہ صوبہ یمن کے والی و گورنر تھے تو دوسری طرف دین اسلام کے مبلغ و معلم بھی، اس

لئے حضرت معاذؓ عدالت و قضاء کے فرائض کے علاوہ مذہبی خدمات بھی انجام دیتے تھے، مثلاً لوگوں کو قرآن مجید پڑھانا اور اسلام کے احکام کی تعلیم و تلقین کرنا۔

قبیلہ حولان کی ایک عورت ان کے پاس آئی اس کے ۱۲ بیٹے تھے، جن میں سب سے چھوٹا بھی بے داڑھی مونچھ کے نہ تھا، شوہر کو گھر میں تنہا چھوڑ کر ان سب کو اپنے ساتھ لائی تھی، ضعف کا یہ حال تھا کہ دو بیٹے اس کے بازو پکڑے ہوئے تھے، آکر پوچھا آپ کو یہاں کس نے بھیجا ہے؟ حضرت معاذؓ نے کہا مجھ کو رسول اللہ ﷺ نے بھیجا ہے اس نے کہا تو رسول اللہ ﷺ کے فرستادہ ہیں؟ میں آپ سے کچھ پوچھنا چاہتی ہوں کیا آپ بتائیں گے؟ حضرت معاذؓ نے کہا ہاں جو جی چاہے پوچھو اس نے کہا یہ بتائیے کہ شوہر کا بیوی پر کیا حق ہے، حضرت معاذؓ نے کہا حتی الامکان خدا سے ڈرے اور اس کی اطاعت و فرمانبرداری کرے، اس نے کہا آپ کو خدا کی قسم ٹھیک ٹھیک بتائیے، حضرت معاذؓ نے کہا ”کیا اتنے پر تم راضی نہیں، وہ بولی کہ لڑکوں کا باپ بہت بوڑھا ہے میں اس کا حق کس طرح ادا کروں؟ حضرت معاذؓ نے کہا ”جب یہ بات ہے تو تم ان کے حق سے کبھی سبکدوش نہیں ہو سکتیں، اگر جذام نے ان کا گوشت پھاڑ دیا ہو اور اس میں سے خون اور پیپ بہ رہا ہو، اور تم اپنا منہ اس میں لگا دو تب بھی حق ادا نہ ہوگا“۔

یمن کا ملک آنحضرت ﷺ نے پانچ حصوں پر تقسیم کر دیا تھا، (۱) صنعاء۔ (۲) کندہ۔ (۳) حضرموت۔ (۴) جند۔ (۵) زبید۔ (رمعہ، عدن اور ساحل تک اس میں شامل تھا) یمن کا صدر مقام جند تھا اور حضرت معاذؓ یہیں رہتے تھے، باقی چار حصوں میں حسب ذیل حضرات حاکم تھے۔

حضرت خالد بن عید صنعاء

حضرت مہاجر بن ابی امیہ کندہ

حضرت زیاد بن لبید حضرموت

حضرت ابو موسیٰ اشعری زبید اور ساحل

یہ چاروں بزرگ اپنے اپنے علاقوں سے صدقہ اور جزیہ وغیرہ کی رقمیں وصول کر کے حضرت معاذؓ کے پاس بھیج دیتے تھے، خزانہ حضرت معاذؓ کے پاس تھا۔

حضرت معاذؓ اپنے ماتحت عمال کے علاقوں میں دورہ کرتے تھے ان کے فیصلوں کی دیکھ بھال کرتے تھے اور ضرورت کے وقت خود مقدمہ کی سماعت کرتے تھے چنانچہ حضرت ابو موسیٰ

اشعریؒ کے علاقہ میں جا کر ایک مقدمہ کا فیصلہ کیا تھا، دورہ میں خیموں میں قیام فرماتے تھے، چنانچہ یہاں بھی آپ کے لئے خیمہ ہی نصب کیا گیا اور آپ اس میں فروکش ہوئے، اور اس کے قریب یہ حضرت ابو موسیٰؓ بھی ایک خیمہ میں مقیم ہوئے۔

حضرت معاذؓ "صدقات کی تحصیل اس فرمان کے مطابق کرتے تھے جو رسول اللہ ﷺ نے ان کو لکھوا کر خطا فرمایا تھا۔ یہ فرمان تاریخ کی کتابوں میں بتما مہاً مذکور ہے اس میں غنیمت، خمس، صدقات، جزیہ اور بہت سے مذہبی احکام کی تفصیل ہے۔ حضرت معاذؓ نے ہمیشہ اس پر عمل کیا۔ ایک مرتبہ گایوں کا ایک گلہ ایک شخص لے کر آیا، گائیں تعداد میں ۳۰ سے کم تھیں۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کو حکم دیا تھا کہ ۳۰ پر ایک بچہ لینا، اس لئے حضرت معاذؓ نے کہا کہ میں تا وقتیکہ رسول اللہ ﷺ سے پوچھ نہ لوں اس پر کچھ نہ لوں گا کیونکہ آنحضرت ﷺ نے اس کے متعلق مجھ سے کچھ نہیں فرمایا۔ اس واقعہ سے یہ معلوم ہوا کہ عہد نبوت کے عمال دنیاوی حکومتوں کے امراء و عمال کی طرح جبار اور ظالم نہیں ہوتے تھے۔ راعی اور رعایا کے جو تعلقات اسلام نے بیان کئے ہیں ان کی ہمیشہ نگہداشت کرتے تھے اور راعی پر شریعت کی طرف سے جو ذمہ داریاں عائد کی گئی ہیں وہ ان پر نہایت شدت سے عمل درآمد کرتے تھے۔

فیصلوں میں بھی اس کی رعایت لکھی جاتی تھی کہ رعایا کی حق تلفی نہ ہو، عمال کی عدالتوں میں حق و صداقت کو غلبہ ہوتا تھا۔ ایک یہودی مرگیا ورثہ میں صرف ایک بھائی تھا جو مسلمان ہو چکا تھا، حضرت معاذؓ کی عدالت میں مرافعہ (اپیل) ہوا تو انہوں نے بھائی کو ترکہ دلوا دیا۔ حضرت معاذؓ کی حکومت یمن میں ۲ برس رہی۔ ۹ھ میں وہ عامل بنا کر یمن بھیجے گئے تھے اور ۱۱ھ میں خود ہی اپنی مرضی سے واپس آ گئے۔

حضرت معاذؓ نے یمن میں بیت المال کے روپیہ سے تجارت کی تھی اس سے جو منافع تھا اس سے اپنا قرض پورا کیا۔ اس کے ماسواہد یہی کی رقم بھی رسول اللہ ﷺ کے حکم سے قبول کی تھی۔ چنانچہ جب یمن سے روانہ ہوئے تو ۳۰ اس ان کے ساتھ تھیں یہ سب گواہ طرح سے خود امیر وقت کے اشارے کے مطابق ہوا تھا لیکن چونکہ کوئی تصریح حکم نہ تھا اس لئے بیت المال کے سرمایہ سے اتنا فائدہ اٹھانا بھی کھٹکتا تھا۔

یمن سے واپسی :

گورنری کی میعاد ختم کر کے مدینہ منورہ واپس آئے تو رسول اللہ ﷺ کا وصال ہو چکا تھا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا عہد خلافت تھا۔ حضرت معاذؓ مال و متاع کے ساتھ آئے تو حضرت عمرؓ نے حضرت ابوبکرؓ کو مشورہ دیا کہ ان کے گزراوقات کے بقدر علیحدہ کر کے بقیہ سارا سامان ان سے وصول کر لیا جائے۔ حضرت ابوبکرؓ نے کہا کہ ان کو رسول اللہ ﷺ نے حاکم بنا کر بھیجا تھا اگر ان کی مرضی ہوگی اور میرے پاس لائیں گے تو لے لوں گا ورنہ ایک حبہ نہ لوں گا۔ حضرت ابوبکرؓ سے یہ صاف جواب ملا تو حضرت عمرؓ خود حضرت معاذؓ کے پاس پہنچے اور ان سے اپنا خیال ظاہر کیا انہوں نے کہا کہ مجھ کو رسول اللہ ﷺ نے صرف اس لئے بھیجا تھا کہ وہاں رہ کر اپنے نقصان کو پورا کر لوں، میں کچھ بھی نہ دوں گا۔ حضرت عمرؓ خاموش ہو کر واپس چلے آئے تاہم وہ اپنے خیال پر قائم تھے۔ حضرت معاذؓ نے گو اس وقت حضرت عمرؓ سے انکار کر دیا لیکن آخر تائید غیبی نے حضرت عمرؓ کی موافقت کی۔ حضرت معاذؓ نے خواب میں دیکھا کہ وہ وپانی میں غرق ہو رہے ہیں، حضرت عمرؓ نے آکر نکالا اور اس مصیبت سے نجات دی۔ سو کر اٹھے تو سیدھے حضرت عمرؓ کے پاس پہنچے اور خواب بیان کر کے کہا کہ جو آپ نے کہا تھا مجھے منظور ہے۔ وہاں سے حضرت ابوبکرؓ کی خدمت میں آئے اور خواب کا پورا واقعہ سنا کر قسم کھائی کہ جو کچھ ہے سب لا کر دوں گا، حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا میں تم سے کچھ نہ لوں گا میں نے تم کو حبہ کر دیا۔ حضرت عمرؓ نے حضرت معاذؓ سے کہا اب اپنے پاس رکھو اب تمہیں اجازت مل گئی۔

شام کی روانگی :

یہ مراحل طے ہو گئے تو حضرت معاذؓ نے شام کا قصد کیا اور اپنے اہل و عیال کو لے کر وہیں سکونت پذیر ہو گئے۔ حضرت ابوبکرؓ نے انتقال کیا تو حضرت عمرؓ خلیفہ ہوئے فتوحات اسلامی کا سیاہ باد شام سے گزر رہا تھا۔ حضرت معاذؓ بھی فوج میں شامل تھے اور میدانوں میں داد شجاعت دیتے تھے۔

سفارت :

رسول اللہ ﷺ کی تعلیم کی خوبی دیکھتے کہ صحابہؓ میں بیک وقت مختلف کاموں اور گونا گوں فرائض کے انجام دینے کی قابلیت پیدا ہو گئی تھی یہی حضرت معاذؓ مفتی شرح بھی تھے۔ مجلس ملکی کے ممبر بھی جامع حمص میں قرآن وحدیث کے معلم بھی تھے اور صوبہ یمن کے جو رسول اللہ ﷺ کے عہد میں

سلطنت کا سب سے بڑا صوبہ تھا حاکم وقت بھی اسلام کے سفیر بھی تھے اور میدان جنگ میں غازی و شجاع و مجاہد بھی۔

سفارت کا منصب تفویض ہوا تو نہایت خوش اسلوبی سے متعلقہ فرائض انجام دیئے۔ شام کے ایک شہر خل میں ۱۴ھ میں معرکہ کی تیاریاں ہوئیں تو رومی صلح پر آمادہ ہوئے اور حضرت ابو عبیدہؓ سپہ سالار لشکر اسلام کی خدمت میں پیغام بھیجا کہ کسی شخص کو سفیر بنا کر ہمارے پاس بھیجئے۔ حضرت ابو عبیدہؓ نے حضرت معاذؓ کو تجویز کیا حضرت معاذؓ رومی لشکر میں پہنچے تو وہاں نہایت ساز و سامان سے دربار آراستہ کیا گیا تھا۔ ایک خیمہ نصب تھا جس میں دیبائے زرّیں کا فرش بچھا ہوا تھا معاذؓ نے یہ تکلفات دیکھے تو باہر کھڑے ہو گئے ایک عیسائی نے آگے بڑھ کر عرض کیا کہ گھوڑا میں تھام لیتا ہوں آپ اندر تشریف لے جائیں۔ حضرت معاذؓ جن کی بزرگی اور تقدس کا عیسائیوں تک میں چرچا تھا، فرمایا کہ میں اس فرش پر جو غریبوں کا حق چھین کر تیار کیا گیا ہے بیٹھنا پسند نہیں کرتا، یہ کہہ کر زمین پر بیٹھ گئے۔ عیسائیوں نے افسوس کیا کہ ہم آپ کی عزت کرنا چاہتے تھے لیکن آپ کو خود اس کا خیال نہیں۔ یہ سننا تھا کہ حضرت معاذؓ کو غصہ آگیا، گھٹنوں کے بل کھڑے ہو گئے اور فرمایا کہ ”جس کو تم عزت سمجھتے ہو، اس کی مجھے حاجت نہیں، اگر زمین پر بیٹھنا غلاموں کا شیوہ ہے تو مجھ سے بڑھ کر خدا کا کون غلام ہو سکتا ہے؟“۔ رومی حضرت معاذؓ کی اس آزادی اور بے پروائی پر سخت متحیر تھے یہاں تک کہ ایک شخص نے ان سے پوچھا کہ مسلمانوں میں تم سے بڑھ کر بھی کوئی ہے، انہوں نے کہا، ”معاذ اللہ یہی بہت ہے کہ میں سب سے بدتر ہوں“، رومی خاموش ہو گئے۔ حضرت معاذؓ نے کچھ دیر انتظار کر کے ترجمان سے فرمایا کہ رومیوں سے کہو کہ اگر وہ کوئی معاملہ کی گفتگو کرنا چاہتے ہیں تو ٹھہروں ورنہ جاتا ہوں۔ رومیوں نے کہا، ہمارا آپ سے یہ سوال ہے کہ ہمارے ملک پر کیوں حملہ کیا گیا؟ حبشہ کا ملک عرب سے قریب ہے، فارس کا بادشاہ فوت ہو چکا ہے اور سلطنت کی باگ ایک عورت کے ہاتھ میں ہے ان ملکوں کو چھوڑ کر تم نے ہماری ہی طرف کیوں رخ کیا حالانکہ ہمارا بادشاہ، تاجدار ان روئے زمین کا شہنشاہ ہے اور تعداد میں ہم آسمان کے ستاروں اور زمین کے ذروں کے برابر ہیں۔ حضرت معاذؓ نے کہا، ہمیں تم سے جو کچھ کہنا ہے اس کا ما حاصل یہ ہے کہ مسلمان ہو جاؤ، ہمارے قبلہ کی طرف نماز پڑھو، شراب چھوڑ دو، سو رکا گوشت چھوڑ دو، اگر تم ایسا کرو گے تو ہم تمہارے بھائی ہیں اور اگر اسلام منظور نہیں تو جزیہ دو اور اس سے بھی انکار ہے تو اعلان جنگ کرتا ہوں اگر تم آسمان کے ستاروں اور روئے زمین کے ذروں کے برابر ہو تو ہم کو قلت و کثرت کی قطعی پرواہ نہیں۔

اور ہاں تم کو اس پر ناز ہے کہ تمہارا شہنشاہ تمہاری جان اور مال کا مالک ہے لیکن ہم نے جس کو بادشاہ بنایا ہے وہ اپنے آپ کو ہم پر ترجیح نہیں دے سکتا اگر وہ زنا کا مرتکب ہو تو اسے درے لگائے جائیں اور چوری کرے تو اس کے ہاتھ کاٹے جائیں، وہ پردے میں نہیں بیٹھتا اپنے آپ کو ہم سے بڑا نہیں سمجھتا، مال و دولت میں بھی اس کو ہم پر کوئی ترجیح نہیں، رومیوں نے ان باتوں کو بڑے غور سے سنا اور اسلام کی تعلیم پر پیروان دین حنیف کے طور و طریق پر نہایت حیرت زدہ ہوئے۔ حضرت معاذؓ سے کہا ”ہم آپ کو بلقاء، کا ضلع اور دون کا وہ حصہ جو آپ کے علاقہ سے متصل ہے دیتے ہیں اب آپ لوگ اس ملک کو چھوڑ کر فارس جائیے۔“ چونکہ یہ کوئی خرید و فروخت کا معاملہ نہ تھا، حضرت معاذؓ نے اس کا جواب نفی میں دیا اور اٹھ کر وہاں سے چلے آئے۔

فوجی خدمات :

حضرت معاذؓ اگرچہ اپنے عہد کے تمام غزوات میں بڑے بڑے عہدوں پر مامور ہوئے تاہم دو موقعوں پر ان کو نہایت ممتاز فوجی عہدے تفویض ہوئے۔ ایک مرتبہ سفارت سے واپس آئے تو لڑائی کی تیاریاں شروع ہوئیں اس موقع پر ان کو جو امتیاز حاصل ہوا وہ یہ تھا کہ حضرت ابو عبیدہؓ نے ان کو میمنہ کا افسر بنایا۔

جنگ یرموک میں بھی جو ۱۵ھ میں ہوئی تھی اور نہایت معرکہ کی تھی، حضرت معاذؓ کو میمنہ کے ایک حصہ کا افسر بنایا گیا۔ عیسائیوں کا حملہ اس زور و شور کا تھا کہ مسلمانوں کا میمنہ ٹوٹ کر فوج سے علیحدہ ہو گیا تھا۔ حضرت معاذؓ نے یہ حالت دیکھی تو نہایت استقلال اور ثابت قدمی کا ثبوت دیا۔ گھوڑے سے کود پڑے اور کہا میں پیدل لڑوں گا اگر کوئی بہادر اس گھوڑے کا حق ادا کر سکے تو گھوڑا حاضر ہے۔ ان کے بیٹے بھی میدان میں موجود تھے، بولے یہ حق میں ادا کروں گا کیونکہ میں سوار ہو کر اچھا لڑ سکتا ہوں۔ غرض دونوں باپ بیٹے رومی فوج کو چیر کر اندر گھس گئے اور اس دلیری سے لڑے کہ مسلمانوں کے اکھڑے ہوئے پاؤں پھر سنبھل گئے۔

مجلس شوریٰ کی رکنیت :

مجلس شوریٰ کی باضابطہ شکل اگرچہ عہد فاروقی میں عالم وجود میں آئی لیکن اس کا خاکہ عہد صدیقی میں تیار ہو چکا تھا۔ چنانچہ ابن سعد کی روایت کے مطابق حضرت ابو بکرؓ جن لوگوں سے سلطنت کے مہمات امور میں مشورہ لیتے تھے ان میں حضرت معاذؓ کا نام نامی بھی داخل تھا۔ حضرت ابو بکرؓ کے بعد حضرت عمرؓ نے اپنے زمانہ خلافت میں مجلس شوریٰ کا باقاعدہ

انعقاد کیا تو حضرت معاذؓ اس زمانہ میں بھی اس کے رکن تھے۔

افواجِ شام کی سپہ سالاری :

عہدِ فاروقی میں ملکِ شام کی تمام فوج حضرت ابو عبیدہؓ کے ماتحت تھی۔ ۱۸ھ میں نہایت زور شور سے شام میں طاعون نمودار ہوا، جو طاعونِ عمواس کے نام سے مشہور ہے۔ حضرت ابو عبیدہؓ نے اس میں وفات پائی، انتقال کے قریب حضرت معاذؓ کو اپنا جانشین بنایا اور چونکہ نماز کا وقت آچکا تھا، حکم دیا کہ وہی نماز پڑھا ئیں ادھر نماز ختم ہوئی ادھر انہوں نے داعی اجل کو لبیک کہا اور حضرت معاذؓ کچھ دنوں سپہ سالاری کے منصب پر فائز رہے۔

وہ اسی طرح زوروں پر تھی اور لوگ سخت پریشان تھے، حضرت عمرو بن عاصؓ نے کہا کہ یہاں سے ہٹ چلو، یہ بیماری نہیں بلکہ آگ ہے۔ حضرت معاذؓ نے سنا تو نہایت براہم ہوئے۔ کھڑے ہو کر ایک خطبہ دیا، جس میں عمروؓ کو سخت دست کہا۔ اس کے بعد فرمایا کہ یہ وہاں نہیں خدا کی رحمت ہے، نبی کی دعوت ہے اور صالحین کے اٹھنے کی ساعت ہے۔ میں نے آنحضرت ﷺ سے سنا تھا کہ مسلمان شام میں ہجرت اختیار کریں گے، شام اسلام کے علم کے نیچے آجائے گا پھر ایک بیماری پیدا ہوگی جو پھوڑے کی طرح جسم کو زخمی کرے گی جو اس میں مرے گا شہید ہوگا اور اس کے اعمال پاک ہو جائیں گے، الہی اگر میں نے یہ حدیث رسول اللہ ﷺ سے سنی ہے تو رحمت میرے گھر میں بھیج اور مجھ کو اس میں کافی حصہ دے۔

تقریر ختم کر کے اپنے بیٹے کے پاس آئے جن کا نام عبدالرحمن تھا، دعا قبول ہو چکی تھی۔ دیکھا تو بیٹا اسی بیماری میں مبتلا تھا، باپ کو دیکھ کر کہا، ”الحق من ربک فلا تکنون من الممترین“، ”یہ موت جو حق ہے خدا کی طرف سے ہے، شک کرنے والوں میں نہ ہو جانا“۔ حضرت معاذؓ نے جواب دیا، ”ستجلینی ان شاء اللہ من الصابورین“، ”توانشاء اللہ مجھے صابروں میں پائے گا“۔ حضرت عبدالرحمن نے انتقال کیا بیٹے کے فوت ہونے سے پہلے دو بیویاں اسی بیماری میں مر چکی تھیں، اب حضرت معاذؓ ”تہارہ گئے تھے، ساعتِ مقررہ آئی تو خدا کا بندہ خاص بھی دائرہ رحمت میں شامل ہوا۔ دائیں ہاتھ کی کلمہ والی انگلی میں پھوڑا نکلا۔ حضرت معاذؓ نہایت خوش تھے فرماتے تھے کہ تمام دنیا کی دولت اس کے سامنے بیچ ہے، تکلیف اس قدر تھی کہ بے ہوش ہو جاتے تھے، بائیں ہمد جب ہوش آتا تو کہتے ”خدا یا مجھ کو اپنے غم میں غمگین کر، کیونکہ میں تجھ سے نہایت محبت رکھتا ہوں اور اس کو تو خوب جانتا

ہے۔ پھر بے ہوش ہو جاتے جب افاقہ ہوا تو پھر یہی فرماتے۔ وفات کی رات بھی عجیب رات تھی، حضرت معاذؓ نہایت بے چین تھے، بار بار پوچھتے تھے، ”دیکھو صبح ہوئی“، لوگ کہتے تھے کہ ابھی نہیں صبح ہوئی اور خبر کی گئی تو فرمایا اس رات سے خدا کی پناہ جس کی صبح جہنم میں داخل کرتی ہو، مرحبا اے موت! مرحبا! تو اس دوست کے پاس آئی جو فاقہ کی حالت میں ہے۔ الہی میں تجھ سے جس قدر خوف کرتا ہوں تجھ کو خوب معلوم ہے آج میں تجھ سے بڑی امیدیں رکھتا ہوں میں نے کبھی دنیا اور درازی عمر کو اس لئے پسند نہیں کیا کہ درخت بونے اور نہر کھودنے میں وقت صرف کرتا، بلکہ اس لئے چاہتا تھا کہ فضاخ و فواحش سے دور رہوں، کرم و جود کو فروغ دوں اور ذکر کے حلقوں میں علماء کے پاس بیٹھوں۔ وفات کا وقت قریب پہنچا تو حضرت معاذؓ گریہ و بکا میں مشغول تھے، لوگوں نے تسلی دی کہ آپ رسول اللہ ﷺ کے صحابی ہیں اس کے ماسوا فضائل و مناقب سے ممتاز ہیں آپ کو رونے کی کیا ضرورت؟ حضرت معاذؓ نے فرمایا، مجھے نہ موت کی گھبراہٹ ہے اور نہ دنیا چھوڑنے کا غم، مجھے عذاب و ثواب کا خیال ہے۔ اسی حالت میں روح مطہر جسم سے پرواز کر گئی اور خالق کون و مکان کا پیارا اپنے محبوب آقا کے جوار رحمت میں پہنچ گیا۔

وفات کے وقت حضرت معاذؓ کی عمر شریف ۳۶ سال کی تھی اور ۱۸ھ تھا۔ وفات بھی نہایت مبارک خطہ میں واقع ہوئی۔ بیت المقدس اور دمشق کے درمیان غورنامی ایک صوبہ تھا جس میں بیسان ایک مشہور شہر تھا جو نہر اردن کے قریب واقع تھا اسی میں حضرت معاذؓ نے وفات پائی۔ شہر کے مشرقی طرف وہ مقدس مقام واقع تھا جہاں سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان پر اٹھائے گئے تھے۔ مدفن کے لئے وہی مقام تجویز ہوا اور نعش مبارک وہیں سپرد خاک کی گئی۔

حلیہ : حضرت معاذؓ کا حلیہ یہ تھا، رنگ سپید، چہرہ روشن، قد دراز، آنکھیں سرگیں، اور بڑی بڑی ابرو پیوستہ، بال سخت گھونٹھ والے، آگے کے دانت صاف اور چمکدار، بات کرنے میں دانت کی چمک ظاہر ہو جاتی تھی، جس کو ان کا ایک عقیدت کیش ”نور“ اور ”موتی“ سے تعبیر کرتا ہے، آواز بہت پیاری اور گفتگو نہایت شیریں تھی، حسن ظاہر کے لحاظ سے وہ تمام صحابہؓ میں ممتاز تھے۔

اولاد : حضرت معاذؓ کا سن ہی کیا تھا، وفات کے وقت وہ شباب کی دوسری منزل پر تھے، تاہم صاحب اولاد تھے، اگرچہ بعض بزرگوں نے یہ بھی کہا ہے کہ لم یولد له قط، یعنی حضرت معاذؓ کے سرے سے اولاد نہیں ہوئی، لیکن مستند ذرائع سے ان کے ایک بیٹے کا پتہ چلتا ہے جن کا نام عبد الرحمن تھا، صاحب استیعاب کا بیان ہے کہ یہ حضرت معاذؓ کے ساتھ یرموک میں شریک تھے اور

۱۸ھ میں طاعون عمواس میں حضرت معاذؓ سے پیشتر وفات پائی۔

ازواج کی تفصیل اگرچہ نامعلوم ہے لیکن اتنا پتہ چلتا ہے کہ طاعون عمواس میں اولیٰ دو بیویوں نے وفات پائی۔

علم و فضل : حضرت معاذؓ کو جن علوم میں کمال تھا، وہ (۱) قرآن، (۲) حدیث اور (۳) فقہ ہیں، قرآن دانی کا ثبوت اس سے بڑھ کر اور کیا ہو سکتا ہے کہ خود حامل قرآن نے ان کی مدح فرمائی ہے، چنانچہ ایک حدیث جو حضرت عبداللہ بن عمروؓ بن عاص کے ذریعہ سے مروی ہے، ہمارے اس قول کی تصدیق کرتی ہے، اس حدیث میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے صحابہؓ میں چار بزرگوں سے قرآن پڑھنے کی تاکید فرمائی تھی، اس میں سے ایک حضرت معاذؓ بھی تھے اس کی وجہ یہ تھی کہ آنحضرت ﷺ کے عہد مبارک میں وہ قرآن کے حافظ ہو چکے تھے۔

حدیث : رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں اگر صحابہؓ کو روایت حدیث کی بہت کم ضرورت پڑھتی تھی کہ خود حامل نبوت سامنے تھا، تاہم اس زمانہ میں بھی متعدد صحابہؓ نے ان سے حدیثیں روایت کی ہیں، چنانچہ حضرت انسؓ کا واقعہ اسد الغابہ میں مذکور ہے، لیکن چونکہ وہ احادیث کی روایت میں بہت محتاط تھے اور نیز اس لئے بھی کہ آنحضرت ﷺ کے اخیر زمانہ سے لے کر اپنی وفات تک بڑے بڑے کاموں کے انجام دینے کے لئے برابر مدینہ سے باہر رہے اس لئے جیسا کہ شاہ ولی اللہ صاحب نے لکھا ہے ”حدیث اوچند اہل باقی نماند“ حضرت عمرؓ نے اپنے زمانہ خلافت میں ان کو تعلیم و روایت حدیث کے لئے شام بھیجا تھا، اور وہیں ان کا ۱۸ھ میں عین عالم شباب میں انتقال ہو گیا۔

تاہم روایت حدیث کا سلسلہ زندگی کی اخیر سانس تک جاری تھا، عمواس کے طاعون میں جب انگلی کی سوزش ان کو بستر مرگ پر تڑپا رہی تھی، زبان مبارک اس فرض کی ادائیگی میں مصروف تھی کہ چنانچہ وفات کے وقت حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ اور کچھ اور لوگ پاس بیٹھے تھے، وفات کا وقت قریب آیا تو فرمایا ”پردہ اٹھاؤ میں حدیث بیان کروں گا جس کراب تک میں نے اس لئے مخفی رکھا تھا کہ لوگ تکیہ لگا کر بیٹھیں گے اس کے بعد ایک حدیث بیان کی گئی۔“

حضرت معاذؓ کی روایتیں اگرچہ اور صحابہؓ سے کم ہیں تاہم ان کا شمار راویان حدیث کے تیسرے طبقہ میں ہے ان کی احادیث کی مجموعی تعداد (۱۵۷) ہے جس میں دو حدیثوں پر بخاری اور مسلم کا اتفاق ہے۔

تلامذہ حدیث کی تعداد کثیر تھی اکابر صحابہؓ کا ایک بڑا طبقہ ان سے حدیث کی روایت کرتا ہے، حضرت ابو قتادہ انصاری، ابو موسیٰ اشعری، جابر بن عبد اللہ، عبد اللہ بن عباسؓ، عبد اللہ بن عمروؓ، عبد اللہ بن عمرو بن عاصؓ، انس بن مالکؓ، ابو امامہؓ، ابی بنی نصرؓ، ابو الطفیلؓ۔

تلامذہ خاص میں حسب ذیل شامل ہیں، ابن عدی، ابن ابی اوفی اشعری عبد الرحمن بن سمرہ بعلثی، جابر بن انسؓ، ابو ثعلبہ خثنی، جابر سمرۃ السوائی، مالک بن نجمر، عبد الرحمن ابن غنم، ابو مسلم خولانی، ابو عبد اللہ صنّاحی، ابو داؤد، مسروق، جنادہ بن ابی امیہ، ابو داؤد ریس خولانی، جبیر بن نفیر، اسلم مولیٰ حضرت عمرؓ، اسود بن ہلال، اسود بن یزید وغیرہم۔

فقہ : خود عہد نبوی میں حضرت معاذؓ کا شمار اکابر فقہاء میں تھا، اس سے بڑھ کر شرف اور کیا ہو سکتا ہے کہ خود رسول اللہ ﷺ نے ان کے فقیہ ہونے کی شہادت دی اور فرمایا :

اعلمهم بالحلال والحرام معاذ ابن جبل۔

ہمارے صحابہ میں حلال و حرام کے سب سے بڑے عالم معاذ بن جبلؓ ہیں۔

حضرت عمرؓ نے ایک موقع پر ان کے متعلق کہا لو لا معاذ لہلک عمر یعنی اگر معاذؓ نہ ہوں تو عمر ہلاک ہو جائے، اس سے حضرت معاذؓ کے رتبہ اجتہاد و درجہ استنباط پر کافی روشنی پڑتی ہے، حضرت عمرؓ نے اس کے علاوہ اور بھی متعدد مرتبہ حضرت معاذؓ کے فقیہ ہونے کا اعلان کیا چنانچہ جب جابیہ میں خطبہ دیا تو فرمایا۔

من ارافقه فلیات معاذاً

یعنی جسے فقہ سیکھنا ہو وہ معاذؓ کے پاس جائے۔

طلب علم اور شوق تحصیل :

ان اوراق کو پڑھ کر تم کو تعجب ہو گا ان کو یہ فضل و کمال کا منصب کیونکر ہاتھ آیا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ایک ان کا فطری شوق اور طبعی ذکاوت و ذہانت جس کا ہر موقع پر اظہار ہوتا تھا۔ دوسرے خود معلم نبوت ﷺ کا ایسے جو ہر قابل اور مستند طالب علم کی طرف جوش التفات و عنایت خاص حضرت معاذؓ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں اکثر حاضر رہتے تھے، اس کے علاوہ آنحضرت ﷺ کی ہر مجلس تعلیم و تربیت کی ایک درستگاہ ہوتی تھی، اس لئے ان کو اکثر اوقات اس سے استفادہ کا موقع حاصل ہوتا تھا۔

حضرت معاذؓ بسا اوقات آنحضرت ﷺ کے ساتھ تنہا ہوتے تھے۔ آنحضرت ﷺ ایسے اوقات خاص میں ان کو مختلف مسائل تعلیم کیا کرتے تھے، کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا تھا کہ حضرت معاذؓ کو

کوئی مسئلہ پوچھنے کی ضرورت ہوتی تو آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو جاتے اور اگر آنحضرت ﷺ تشریف نہ رکھتے تو وہ آپ کی تلاش میں دور تک نکل جاتے، چنانچہ ایک مرتبہ کا شانہ نبوی ﷺ پر پہنچے تو معلوم ہوا کہ آپ کہیں تشریف لے گئے ہیں، تلاش کے لئے نکلے تو راستہ میں لوگوں سے پوچھتے جاتے تھے کہ حضور کدھر تشریف لے گئے ہیں، آخر ایک جگہ آپ کو پالیا، آنحضرت ﷺ کھڑے نماز پڑھ رہے تھے وہ بھی پیچھے کھڑے ہو گئے اور نماز کی نیت باندھ لی، اس دن آپ نے دیر تک نماز ادا فرمائی فارغ ہوئے تو معاذؓ نے پوچھا کہ ”حضور نے بڑی لمبی نماز پڑھی؟“ فرمایا ”یہ ترغیب و ترہیب کی نماز تھی میں نے خدا سے تین باتوں کی درخواست کی تھی، جس میں دو کے متعلق رضامندی ظاہر ہوئی اور ایک کی نسبت میں روک دیا گیا۔ میں نے یہ چاہا تھا کہ میری امت غرق ہونے سے محفوظ رہے، تو یہ درخواست منظور کر لی گئی، ایک یہ خواہش تھی کہ غیر مسلم دشمن اسلام پر غالب نہ آسکے تو وہ بھی پوری کی گئی، ایک تمنا یہ تھی کہ مسلمانوں میں اختلاف و تفریق نہ پڑنے پائے تو اس کو مسترد کر دیا گیا۔“

غزوہ تبوک سے مراجعت کے وقت رسول اللہ ﷺ کو تنہا اور خالی پا کر حضرت معاذؓ نے پوچھا کہ مجھ کو وہ عمل بتائیے جو میرے دخول جنت کا سبب بنے۔ آنحضرت ﷺ سوال سے نہایت مسرور ہوئے اور فرمایا: بخ! لقد سنالت عن عظیم، یعنی تم نے بہت بڑی بات پوچھی۔^۱

اس کے ساتھ ہی یہ بھی خوف لگا رہتا تھا کہ کہیں اور لوگ خلل انداز نہ ہوں، کیونکہ شمع نبوت کے گرد ہر وقت پروانوں کا ہجوم رہتا تھا چنانچہ اسی روایت میں حضرت معاذؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ ابھی فرمائی رہے تھے کہ کچھ لوگ آتے دکھائی دیئے مجھ کو ڈر لگا کہ رسول اللہ ﷺ کی توجہ میری طرف سے منعطف نہ ہو جائے میں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کی کہ فلاں بات جو آپ نے فرمائی تھی اس کے متعلق کیا ارشاد ہے؟ چنانچہ آنحضرت ﷺ نے اس کو بیان فرمایا۔^۲

حضرت معاذؓ کو ایسے موقع کی ہر وقت تلاش رہتی تھی، موقع ملنے پر آنحضرت ﷺ سے فوراً سوال کرتے تھے، لیکن پاس نبوت ضروری تھا، رسول اللہ ﷺ کا مزاج پہچان کر سوال کی جرأت کرتے تھے، غزوہ تبوک سے قبل لوگ طلوع آفتاب کے وقت سوار یوں پر سوار ہوتے تھے، اور اونٹ ادھر ادھر راستہ میں چر رہے تھے حضرت معاذؓ نے اس موقع سے فائدہ اٹھایا، اور آنحضرت ﷺ کی خدمت میں پہنچے، آنحضرت ﷺ بھی مصروف خواب تھے اور ناقہ مبارک چرنے اور کھانے میں مشغول، حضرت معاذؓ کے اونٹ نے ٹھوکر کھائی انہوں نے اس کی مہار کھینچی تو اور متوحش ہوا، اس کے بدکنے سے رسول اللہ ﷺ

کا اونٹ بھی بدکا، آنحضرت ﷺ خواب سے بیدار ہوئے مڑ کر پیچھے دیکھا تو معاذؓ سے زیادہ کوئی قریب نہ تھا، آپ نے پکارا معاذؓ! انہوں نے کہا ”حضور“ آپ نے فرمایا میرے قریب آ جاؤ، حضرت معاذؓ اس قدر قریب آ گئے کہ آنحضرت ﷺ اور حضرت معاذؓ کے اونٹ بالکل برابر ہو گئے، آنحضرت ﷺ نے فرمایا دیکھو لوگ کس قدر دور ہیں حضرت معاذؓ نے کہا سب لوگ سو رہے ہیں اور جانور چر رہے ہیں آپ نے فرمایا میں بھی سو رہا تھا آپ ﷺ کا رخ اور التفات دیکھا تو کہا یا رسول اللہ ﷺ! آپ اجازت دیں تو ایسے امر کی نسبت سوال کروں جس نے مجھ کو غمگین مریض اور سقیم بنا دیا ہے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا جو چاہو پوچھ سکتے ہو ۱۔

ایک اور سفر میں جیسا کہ آپ کہیں اوپر پڑھ چکے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے ان کو تین دفعہ پکارا اور ہر دفعہ انہوں نے ادب سے جواب دیا، چنانچہ تیسری دفعہ ان کو پکارا تو فرمایا کہ کلمہ لا الہ الا اللہ کا قائل جنت میں داخل ہوگا، اگرچہ وہ گنہگار ہو، حضرت معاذؓ نے اس کا اعلان کرنا چاہا تو فرمایا، ایسا نہ کرو لوگ عمل چھوڑ بیٹھیں گے۔

طبیعت تلاش اور کرید کی عادی تھی ایک شخص نے آنحضرت ﷺ سے ایک خاص مسئلہ دریافت کیا تھا، آپ نے اس کا جواب مرحمت فرمایا ایک ظاہر بین کے لئے وہ جواب بالکل کافی تھا، لیکن حضرت معاذؓ نے اسی پر اکتفا نہیں کیا۔ پوچھا یا رسول اللہ ﷺ یہ حکم اس شخص کے لئے خاص ہے یا تمام مسلمانوں کے لئے ہے، آپ نے فرمایا نہیں عام ہے ۱۔

منصب تعلیم :

تخلیل علم میں جدوجہد اور مسائل میں غور و خوض کا مرحلہ دشوار گزار طے ہوا، تو منزل مقصود سامنے تھی، یعنی یہ کہ فیض تربیت سے وہ فقیہ، امام مجتہد اور معلم سب بن گئے رسول اللہ ﷺ کے زمانہ مبارک ہی میں حضرت معاذؓ ”مسند ارشاد پر متمکن ہو چکے تھے، ۸ھ میں مکہ فتح ہوا تو آنحضرت ﷺ ان کو مکہ میں چھوڑ گئے کہ یہیں رہ کر لوگوں کو فقہ و سنت کی تعلیم دیں ۲۔

۹ھ میں والی یمن بنا کر بھیجا، تو فصل قضایا کے علاوہ اہل یمن کی تعلیم بھی انہی کے ذمہ کی، حضرت ابو بکرؓ کے عہد میں بھی منصب افتاء پر سرفراز تھے، حضرت عمرؓ کے زمانہ خلافت میں اہل شام کو تعلیم کی ضرورت تھی، یزید بن ابی سفیان والی شام نے حضرت عمرؓ کو لکھا کہ کچھ لوگوں کو اس غرض کے لئے یہاں بھیجئے۔ حضرت عمرؓ نے حضرت معاذؓ وغیرہ کو بلایا اور شام جانے کی ہدایت کی، حضرت معاذؓ

نے فلسطین میں سکونت اختیار کی اور تعلیم میں مشغول ہوئے۔ تمام ملک شام میں صرف دو صحابی تھے، جن کی ذات علوم و فنون کا مرکز بنی ہوئی تھی، حضرت معاذؓ ان میں سے ایک تھے۔

حضرت معاذؓ کی سکونت اگرچہ علاقہ فلسطین میں محدود تھی لیکن اشاعت علوم کا دائرہ غیر محدود تھا، فلسطین سے متجاوز ہو کر دمشق اور حمص تک میں ان کے حلقہ درس قائم تھے اور خود حضرت معاذؓ نے ان مقامات میں جا کر درس دیا تھا، طریقہ یہ تھا کہ مجلس میں چند صحابہؓ کسی مسئلہ پر مباحثہ کرتے، حضرت معاذؓ خاموش بیٹھے رہتے، جب معاملہ طے نہ ہوتا تو حضرت معاذؓ اس کا فیصلہ کرتے تھے، حضرت معاذؓ خاموش بیٹھے رہتے۔

ابو ادریس خولانی اک مرتبہ جامع دمشق میں گئے تو دیکھا کہ ایک خوبصورت نوجوان بیٹھا ہے اور اس کے گرد لوگ جمع ہیں جب کسی چیز میں اختلاف ہوتا تو اس کی طرف رجوع کرتے ہیں، اور وہ ان کو تسلی بخش جواب دیتا ہے، پوچھا کون ہے؟ لوگوں نے کہا، حضرت معاذؓ بن جبل ہیں۔

ابو مسلم خولانی جامع حمص میں آئے تو دیکھا کہ ایک حلقہ قائم ہے، جس میں ۳۲ صحابہؓ بیٹھے ہیں، اور سب سن کہولت کو پہنچ چکے ہیں، ان میں ایک نوجوان بھی ہے، جب کسی مسئلہ میں اختلاف رائے ہوتا ہے، تو نوجوان سے فیصلہ کراتے ہیں معلوم ہوا کہ یہ نوجوان معاذؓ بن جبل ہیں۔

غرض حضرت معاذؓ کے درس و افادہ کا سلسلہ حمص تک وسیع تھا، شہروں کی جامع مسجدیں درسگاہ کا کام دیتی تھیں، وہ مختلف شہروں میں دورہ کرتے تھے، اور جہاں جاتے تھے فیض و برکت کا سرچشمہ جاری ہو جاتا تھا۔

حضرت ابن مسعودؓ فرمایا کرتے تھے کہ دنیا میں صرف تین عالم ہیں، جن میں ایک شام میں اقامت پذیر ہے، یہ حضرت معاذؓ کی طرف اشارہ تھا، حضرت عبداللہ بن عمرؓ لوگوں سے پوچھتے تھے کہ جانتے ہو عقلاً کون ہیں؟ لوگ لاعلمی ظاہر کرتے تو فرماتے معاذؓ بن جبل اور ابو درداءؓ عقلاً سے مقصود ظاہر ہے کہ علمائے شریعت ہیں۔

مجتہد کے لئے سب سے زیادہ ضروری اصابت رائے ہے، حضرت معاذؓ اس درجہ صائب الرائے تھے کہ خود رسول اللہ ﷺ نے بعض موقعوں پر ان کی رائے کو پسند فرمایا۔

پڑھ چکے ہیں کہ یمن روانہ کرتے وقت آنحضرت ﷺ نے معاذؓ سے پوچھا تھا کہ ”مقدمہ آئے گا تو کیونکر فیصلہ کرو گے؟“ حضرت معاذؓ نے جواب دیا کتاب اللہ سے، آپ نے فرمایا

”اگر اس میں نہ پاؤ“، تو عرض کی سنت رسول اللہ (ﷺ) سے، پھر فرمایا ”اگر اس میں بھی نہ پاؤ“، تو عرض کی کہ اجتہاد کروں گا۔ یہ سن کر آنحضرت ﷺ اس قدر خوش ہوئے کہ ان کے سینہ پر اپنا دست مقدس پھیرا اور فرمایا خدا کا شکر ہے جس نے تم کو اس بات کی توفیق دی جس کو میں پسند کرتا ہوں۔“

حضرت معاذؓ کے جواب سے گویا اصول فقہ کا یہ پہلا اصول مرتب ہوا کہ احکام اسلامی کے یہ تین بہ ترتیب ماخذ ہیں اول کتاب الہی پھر حدیث نبوی اور اس کے بعد قیاس۔

شروع زمانہ میں جو لوگ دیر میں پہنچتے، اور کچھ رکعتیں چھوٹ جاتیں تو وہ نمازیوں سے اشارہ سے پوچھ لیتے کہ کتنی رکعتیں ہوئیں، اور وہ اشارہ سے جواب دے دیتے، اس طرح لوگ فوت شدہ رکعتیں پوری کر کے صف نماز میں مل جاتے تھے، ایک دن جماعت ہو رہی تھی، اور لوگ قعدہ میں تھے کہ حضرت معاذؓ آئے اور دستور کے خلاف قبل اس کے کہ رکعتیں پوری کرتے جماعت کے ساتھ قعدہ میں شریک ہو گئے، آنحضرت ﷺ نے سلام پھیرا تو حضرت معاذؓ نے اٹھ کر بقیہ رکعتیں پوری کیں، آنحضرت ﷺ نے دیکھا تو فرمایا قدس لکم فہکذا فامنعوا۔ یعنی معاذؓ نے تمہارے لئے ایک طریقہ نکالا ہے۔ تم بھی ایسا ہی کیا کرو^۱۔ یہ حضرت معاذؓ کے لئے کتنی قابل فخر عزیت ہے کہ ان کی سنت تمام مسلمانوں کے لئے واجب العمل قرار پائی اور آج تک اسی پر عمل درآمد ہے اور دنیا کے سارے مسلمان اسی کے مطابق اپنی فوت شدہ رکعتیں ادا کرتے ہیں۔

نماز اور روزہ کے تین دور انہوں نے جس طرح سے قائم کئے تھے^۲۔ وہ بھی ان کے فقہ پر شاہد عدل ہے، اسی بناء پر ان کے اجتہادات جہاں دوسرے صحابہؓ سے مختلف تھے، وہاں صحت اور یقین بھی انہی کو حاصل تھا۔

جماع کی ایک صورت خاص میں صحابہ کرامؓ میں اختلاف تھا، حضرت عمرؓ بھی نہایت متردد تھے، مگر عام صحابہؓ کی تردید نہ کر سکتے تھے، لیکن حضرت معاذؓ اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کو سب سے اختلاف تھا، آخر حضرت عائشہؓ نے حضرت معاذؓ کی رائے سے اتفاق کیا، اور اسی پر حضرت عمرؓ اور تمام صحابہؓ کا اجماع ہو گیا^۳۔

اسی طرح ایک مرتبہ ایک اور پیچیدہ صورت ہوئی ایک حاملہ عورت کا شوہر دو برس سے غائب تھا، لوگوں کو شبہ ہوا، حضرت عمرؓ سے ذکر کیا، حضرت عمرؓ نے اس کو سنگسار کرنے کا حکم دیا، حضرت معاذؓ موجود تھے، بولے کہ عورت کے رحم کا آپ کو بیشک حق ہے لیکن بچہ کے رحم کرنے کے کیا معنی ہیں،

حضرت عمرؓ نے اس وقت چھوڑ دیا اور فرمایا وضع حمل کے بعد سنگسار کیا جائے، لڑکا پیدا ہوا تو خوبی قسمت سے اپنے باپ کے بالکل مشابہ نکلا، باپ نے دیکھا تو قسم کھا کر کہا کہ یہ تو میرا بیٹا ہے، حضرت عمرؓ کو خبر ملی تو فرمایا کہ ”معاذؓ کا مثل عورتیں نہ پیدا کریں گی، اگر معاذؓ نہ ہوتے تو عمر ہلاک ہو جاتا۔“

قدرت نے جس فیاضی سے حضرت معاذؓ کو کمالات عطا فرمائے تھے، اس کا اعتراف طبقہ صحابہ میں ہر کہ و مد کو تھا، حضرت عمرؓ فرمایا کرتے تھے۔ عجزت النساء ان یلدن مثل معاذؓ۔ یعنی معاذؓ جیسا شخص پیدا کرنے سے عورتیں عاجز ہیں۔“

وہ خلافت کے مستحق تھے :

حضرت عمرؓ کے انتقال کا وقت قریب آیا تو لوگوں نے عرض کیا کہ آپ کے بعد کس کو خلیفہ بنایا جائے، حضرت عمرؓ نے ایک مختصر تقریر فرمائی، جس کا ایک فقرہ یہ تھا کہ اگر معاذؓ بن جہل زندہ ہوتے تو ان کو خلیفہ بنانا، خدا پوچھتا تو کہتا کہ اس شخص کو خلیفہ بنا کر آیا ہوں جس کے متعلق رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ”یاتی معاذؓ بین العلماء برتوہ۔“

اخلاق و عادات :

حضرت معاذؓ کے مناقب و محامد کا ایک ایک باب پڑھ چکے، اس سے ان کی اخلاقی خصوصیات معلوم ہو گئی ہوں گی، ایک مسلمان کا سب سے بڑا وصف خالق کائنات کے ساتھ والہانہ لگاؤ اور اس کی اطاعت و عبادت ہے، چنانچہ حضرت معاذؓ دوسرے تربیت یافتگان نبوت کی طرح کچھلی پہر رات سے اٹھ کر اس کاروبار میں مصروف ہو جاتے تھے، یہ اسی عشق الہی و محبت خداوندی کا اثر تھا کہ جب عمواس میں طاعون کی وبا پھیلی اور حضرت عمروؓ بن العاص نے آبادی چھوڑ کر میدان میں نکل جانے کی صلاح دی تو ان کو اس تجویز سے سخت تکلیف ہوئی اور فرمایا کہ یہ رحمت الہی ہے اے خدا اپنی اس رحمت کو تو میرے گھر بھیج دے۔

حب رسول ﷺ :

حب الہی کے بعد حب رسول کا درجہ ہے۔ سن چکے ہیں کہ وہ جب کبھی آپ ﷺ کو نہ پاتے تو کس طرح بے تابانہ آپ ﷺ کی تلاش میں نکل جاتے، حضور ﷺ کا قاعدہ تھا کہ سفر میں آپ ﷺ جب کہیں اترتے تھے تو مہاجرین کو اپنے قریب اتارتے تھے۔ چنانچہ ایک بار رسول اللہ ﷺ کسی سفر میں تشریف لے گئے صحابہؓ بھی ہمراہ تھے، ایک جگہ ان کے ساتھ منزل کی تو آنحضرت ﷺ صحابہؓ

۱۔ کنز العمال جلد ۷۔ ص ۸۶۔ بحوالہ صحیح بخاری و مسلم

کے مجمع سے جن میں معاذ بن جبلؓ بھی تھے، اٹھ کر کہیں چلے گئے معاذؓ کو بڑی پریشانی ہوئی، شام تک انتظار کرتے رہے جب آپ ﷺ آئے تو حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کو لے کر آپ ﷺ کی تلاش میں نکل گئے۔ راستہ میں آواز معلوم ہوئی۔ دیکھا تو آنحضرت ﷺ ہیں، معاذؓ کو دیکھ کر حضور ﷺ نے پوچھا تمہارا کیا حال ہے؟ ان لوگوں نے کہا آج آپ ﷺ ہم میں تشریف نہ رکھتے تھے، ہم کو خوف ہوا کہ خدا نخواستہ کوئی ضرر نہ پہنچا ہو اس لئے اس وقت آپ کو ڈھونڈنے نکلے ہیں۔

ادب رسول ﷺ :

آنحضرت ﷺ کا بے حد ادب کرتے تھے۔ ایک بار یمن سے آئے تو آنحضرت ﷺ سے درخواست کی کہ یمن میں میں نے کچھ لوگوں کو دیکھا کہ وہ ایک دوسرے کو سجدہ کرتے ہیں کیا ہم آپ کو سجدہ نہ کریں؟ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اگر میں کسی انسان کے لئے سجدہ جائز کرتا تو عورت سے کہتا کہ وہ اپنے شوہر کو سجدہ کرے۔

جناب رسالت پناہ ﷺ بھی اس محبت و جاں نثاری کی بناء پر ان سے نہایت محبت کرتے تھے۔ ایک بار حضرت معاذؓ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے، آنحضرت ﷺ نے ان کا ہاتھ پکڑا اور فرمایا کہ مجھ کو تم سے بہت محبت ہے، حضرت معاذؓ نے کہا میرے ماں باپ آپ پر خدا! میں بھی آپ ﷺ کو نہایت محبوب رکھتا ہوں، آنحضرت ﷺ نے فرمایا میں ایک وصیت کرتا ہوں اس کو کبھی ترک نہ کرنا۔ یہ کہہ کر ایک دعا بتائی، جو حضرت معاذؓ ہر نماز کے بعد ہمیشہ پڑھتے رہے۔

رسول اللہ ﷺ کی وصیت کا اس قدر خیال تھا کہ اپنے تلمیذ خاص صناعی کو حضرت معاذؓ نے وصیت کی، صناعی پر یہ اثر تھا کہ انہوں نے اپنے شاگرد ابو عبد الرحمن حبلی کو اور حبلی نے عقبہ بن مسلم نخسیتی کو اس کے پڑھنے کی وصیت کی تھی۔

مذکورہ بالا واقعات تمام تر عہد نبوت ﷺ سے تعلق رکھتے ہیں اور اس عہد میں حضرت معاذؓ کی محبت جو حال تھا وہ اوپر گزر چکا۔ لیکن رسول اللہ ﷺ کے بعد ان میں کیا کیفیت تھی، اس کا بیان اب سننا چاہئے۔ رسول اللہ ﷺ کی رحلت کے بعد حضرت معاذؓ کا اضطراب قابل دید تھا۔ یمن سے واپس ہو کر آئے تو مدینہ منورہ رسول اللہ ﷺ کے جمال جہاں آرا سے محروم ہو چکا تھا اس لئے انہوں نے مدینہ منورہ کو چھوڑ کر شام میں سکونت اختیار کی۔

۱۔ مسند جلد ۵۔ ص ۲۳۲ ۲۔ ایضاً ۳۔ مسند جلد ۵۔ ص ۲۳۵۔ وادب المفرد۔ ص ۱۳۶

۴۔ مسند جلد ۵۔ ص ۲۳۵

شام میں بھی محبوب کا فراق چھین نہ لینے دیتا تھا۔ ۱۶ھ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ بیت المقدس تشریف لے گئے، حضرت بلالؓ بھی وہاں موجود تھے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے درخواست کی آج اذان دیجئے۔ حضرت بلالؓ نے کہا میں تو ارادہ کر چکا تھا کہ رسول اللہ ﷺ کے بعد کسی کے لئے اذان نہ دوں گا، لیکن آج آپ کا ارشاد بجالاتا ہوں۔ اذان شروع کی تو صحابہؓ کو رسول اللہ ﷺ کا عہد مبارک یاد آگیا اور ان پر رقت طاری ہوگئی اور حضرت معاذ بن جبلؓ تو روتے روتے بے تاب ہو گئے۔

امر بالمعروف : حضرت معاذؓ نے امر بالمعروف میں کبھی لومۃ الائم کی پروانہ کی، شام گئے تو دیکھا کہ شامی وتر نہیں پڑھتے۔ امیر معاویہؓ حاکم شام تھے ان سے پوچھا کہ ان کے وتر نہ پڑھنے کا کیا سبب ہے؟ امیر کو معلوم نہ تھا، پوچھا کیا وجہ ہے؟ حضرت معاذؓ نے کہا ہاں!۔

جود : نہایت فیاض تھے، چنانچہ اسی سخاوت کی بدولت ان کی تمام جائداد بیع ہوگئی اسلام کو ان کی سخاوت سے بڑا فائدہ پہنچا۔

صدق : راست گفتگو ان کی مسلم تھی اور خود رسول اللہ ﷺ نے ان کی صداقت کی تصدیق فرمائی تھی۔ حضرت انسؓ نے رسول اللہ ﷺ سے جا کر پوچھا کہ آپ نے معاذؓ سے یہ فرمایا تھا؟ آنحضرت ﷺ نے فرمایا^۱ ”صدق معاذ اصدق معاذ! صدق معاذ!“۔

کینہ و حسد سے مبرا تھے۔ قرآن اور معصرا کثر حس کرنے پر مجبور ہوتے ہیں، چند با کمال ایک زمانہ میں موجود ہوں تو کبھی ایک دوسرے کو اچھا نہ کہے گا لیکن رسول اللہ ﷺ نے صحابہؓ کو اس قسم کے رکیک و باطل خیالات سے پاک کر دیا تھا وہ معصروں اور ہمسروں کی قابلیت کا اعتراف کرتے تھے اور وقت پر اس کو ظاہر بھی کر دیتے تھے۔

حضرت معاذؓ کی وفات کا وقت آیا تو تمام لوگ رو رہے تھے کہ علم اٹھایا جا رہا ہے۔ حضرت معاذؓ سے کہا فرمائیے آپ کے بعد کس سے پڑھیں انہوں نے کہا، ذرا مجھے اٹھا کے بٹھا دو، بیٹھ گئے تو فرمایا، ”سنو علم و ایمان اٹھ نہیں سکتے وہ بدستور رہیں گے جو جستجو کرے گا، پائے گا“ (تین مرتبہ فرمایا)۔ علم چار آدمیوں سے سیکھو یعنی ابو درداءؓ، سلمان فارسیؓ، ابن مسعودؓ، عبد اللہ ابن سلامؓ سے^۲ رضی اللہ عنہم۔



حضرت مسلمہؓ بن مخلد

مسلمہ نام۔ ابوسعید اور ابو معن کنیت، قبیلہ خزرج سے ہیں، سلسلہ نسب یہ ہے :
مسلمہ بن مخلد بن الصامت بن نیار بن لوذان بن عبدوہ بن زید بن ثعلبہ بن الخزرج ابن
ساعده بن کعب بن الخزرج الاکبر۔

اسھ میں مدینہ میں پیدا ہوئے آنحضرت ﷺ کی وفات کے وقت دو سالہ تھے، صغریٰ کی
وجہ سے کسی غزوہ میں شریک نہ ہو سکے۔

حضرت عمرؓ کے عہد میں جب مصر پر فوج کشی ہوئی اور عمرو بن العاص کو فتح میں دیر لگی تو مدینہ
سے چار ہزار آدمی، بطور کمک روانہ کئے گئے ان پر چار شخص افسر تھے، جو فن سپہ گری میں تمام عرب میں
انتخاب تھے، یعنی زبیر بن العوام، مقداد بن اسود، کندی، عبادہ بن صامت "مسلمہ بن مخلد، حضرت عمرؓ
نے عمرو بن العاص کو خط لکھا کہ ان افسروں میں ہر شخص ایک ہزار آدمیوں کے برابر ہے، اس بنا کر فوج
۴ ہزار نہیں بلکہ ۸ ہزار ہے۔^۱

مصر فتح ہوا تو مسلمہؓ نے وہیں اقامت اختیار کی، پھر مدینہ آئے ور صفین میں امیر معاویہؓ
کی طرف سے شریک ہوئے، یہ عجیب بات ہے کہ انصار کا ہر فرد جناب امیر رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھا،
لیکن یہ بزرگ اور نعمان بن بشیر امیر معاویہؓ کے طرفدار تھے۔^۲

جنگ صفین کے بعد جس میں جنگ کا نتیجہ امیر معاویہؓ کے خاطر خواہ نکلا تھا، ۳۸ھ میں محمد
بن ابی بکر قتل ہوئے کہتے ہیں کہ اس میں سلمہ کا بھی حصہ تھا، اور عجب نہیں کہ یہ صحیح ہو محمد بن ابی بکرؓ جب
حاکم ہو کر مصر گئے تو قیس نے ان کو سمجھا دیا تھا کہ مسلمہ معاویہ بن خدیج وغیرہ کے ساتھ غفودر گذر کا برتاؤ
کرنا، لیکن انہوں نے اس کے بالکل خلاف کیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مصر میں ایک شورش نمودار ہوئی جو محمد
بن ابی بکرؓ کے قتل پر منتج ہوئی۔

محمد بن ابی بکرؓ کے قتل کے بعد امیر معاویہؓ نے عمرو بن العاصؓ کو مصر کا والی بنایا ان کے بعد
اور لوگ بھی ان کی طرف سے والی ہو کر آئے جن میں سب سے آخر والی اور سب سے پہلے نائب
السلطنت مسلمہ بن مخلد تھے۔

امارت مصر و افریقہ :

حضرت مسلمہؓ، امیر معاویہ کے پاس شام میں تھے کہ امیر معاویہؓ نے عقبہ بن عامر جہنمی کے بجائے انکو مصر کا حاکم مقرر کیا اور تاکید کی کہ عقبہ سے امارت مخفی رکھی جائے دوسری طرف عقبہ کے نام فرمان بھیجا کہ آپ امیر البحر ہیں، جزیرہ روڈس پر حملہ کیجئے چنانچہ مسلمہؓ مصر پہنچے اور عقبہ کے ساتھ اسکندریہ روانہ ہوئے، ادھر عقبہ کے جہاز نے جزیرہ روڈس پر حملہ کے لئے لنگر اٹھایا اور ادھر مسلمہؓ تخت امارت پر متمکن ہو گئے، عقبہ کو خبر ہوئی تو بڑا افسوس کیا۔ یہ ۲۰ ربیع الاول ۴۷ھ کا واقعہ ہے بعض لوگوں نے ۵۰ھ لکھا ہے لیکن صحیح نہیں۔

مصر اور افریقہ اب تک دو جداگانہ صوبے تھے اور ان پر دو والی حکومت کرتے تھے، حضرت مسلمہؓ دونوں صوبوں کے امیر بنائے گئے اور اسی کے ساتھ ساتھ محکمہ مذہبی و خراج بھی انہی کی نگرانی و اہتمام میں دے دیا گیا۔

حضرت مسلمہؓ نے نظام حکومت از سر نو ترتیب دیا، سائب بن ہشام بن کنانہ عامری کو پولیس کا افسر اعلیٰ بنایا، وہ ۴۹ھ تک اس منصب پر فائز رہے اس کے بعد عابس بن سعد مرادی کو کہ ان سے زیادہ انتظامی قابلیت رکھتے تھے اس عہدہ پر مامور کیا۔

معاویہ بن خدیج کو مغرب کی سرحد پر غزوہ کے لئے مامور کیا۔ اور بری و بحری لڑائیوں کے لئے بعض مقامات پر لشکر بھیجے۔

حضرت مسلمہؓ نے اپنے فرائض منصبی نہایت بیدار مغزی، ہوشیاری اور مستعدی سے انجام دیئے، ایک بحری لڑائی کے لئے آدمی کثرت سے بھرتی کئے تو فوج میں عام ناراضگی پھیل گئی، اس موقع پر حضرت مسلمہؓ نے فوجی جو کم کرنے کے لئے ایک خطبہ دیا جو بحسنہ درج ذیل ہے ۱۔

یا اهل مصر ما نقم منی والله لقد زرت فی مددکم و وعدکم و قویتکم علی عدوکم والذی نفسی بیده لایا تینکم زمان الا الآخر فلا خسر فممن استطاع منکم ان یتخذ نفقا فی الارض فلیفعل !

لوگو! تم کو مجھ سے ناخوش نہ ہونا چاہئے میں نے تمہاری تعداد اور کمک میں اضافہ کر کے دشمنوں کے مقابلہ میں تم کو مضبوط بنایا ہے خد کی قسم! (مجھ کو غنیمت سمجھو) آئندہ زمانہ میں

سخت و جابر عمال آئیں گے اس وقت کے لئے البتہ تم کو زمین میں کوئی سوراخ تلاش کر لینا چاہئے۔

۵۳ھ میں رومی لشکر برنس پر چڑھا آیا۔ تو حضرت مسلمہؓ نے فوج بھیج کر اس کا سخت مقابلہ کیا، اگرچہ اس میں مسلمان کثرت سے کام آئے تاہم فیصلہ مسلمانوں کے موافق ہوا، اس میں عائد بن ثعلبہ بلوی، ابورقیہ عمرو بن قیس نخعی وغیرہ۔

غالباً اسی سنہ میں حضرت مسلمہؓ نے عابس بن سعید کو پولیس کے محکمہ سے ہٹا کر امیر البحر بنایا، اور انہی کی ماتحتی میں اسطازنہ (غالباً قسطنطنیہ کی تصحیف ہے کیونکہ اس قدر ثابت ہے کہ مسلمہؓ کے عہد میں مصر سے قسطنطنیہ پر ایک حملہ ہوا تھا۔) پر لشکر کشی کے لئے ایک مہم بھیجی، مہم سے واپس ہونے تک سائب بن ہشام عابس کے بجائے پولیس کے افسر رہے، ۵۵ھ میں جب وہ روم سے واپس آئے تو اپنے سابق منصب پر بحال ہو گئے۔

۶۰ھ میں حضرت مسلمہؓ کوئی ضرورت سے اسکندریہ گئے تو فسطاط میں عابس بن سعیدؓ کو اپنا جانشین بنایا۔

اسی سنہ میں رجب کے مہینہ میں امیر معاویہؓ نے انتقال کیا اور یزید ان کا جانشین ہوا، مسلمہؓ اسکندریہ میں تھے، یزید کی خبر ملی تو عابس کو خط لکھا کہ رعایا سے یزید کی بیعت لے لو، چنانچہ تمام لشکر نے بیعت کی، لیکن عبداللہ بن عمرو بن العاص منکر تھے، عابس نے آگ منگوا کر دھمکی دی کہ ”انکار کرو گے تو اس میں جھونک دوں گا“۔ حضرت عبداللہ نے یہ دیکھ کر جبراً قہراً بیعت کی اور دنیا میں آگ کے عذاب سے محفوظ رہے۔

کچھ دنوں کے بعد حضرت مسلمہؓ اسکندریہ سے واپس آئے، اب عابس کو پولیس کے محکمہ کے ساتھ قضا کا محکمہ بھی تفویض کیا۔ یہ اوائل ۶۱ھ کا واقعہ ہے۔

محکمہ مذہبی کا انتظام :

مسلمہؓ نے محکمہ مذہبی کے افسر اعلیٰ ہونے کی حیثیت سے بہت سی مذہبی خدمات بھی انجام دیں ۵۳ھ میں جامع مسجد کی توسیع کی اور حضرت عمرو بن عاصؓ نے جو جامع مسجد تعمیر کی تھی اس کو منہدم کیا۔

مسجدوں میں روشنی کے منارے بنوائے، اور خولان اور نجیب وغیرہ کے ذمہ روشنی کا جو انتظام تھا، اس کو موقوف کر دیا، مسجدوں میں یہ حکم بھیجا کہ رات کے وقت سب جگہ ایک اذان ہو، فجر کے وقت

یہ انتظام کیا کہ پہلے جامع مسجد میں کئی مؤذن اذان پکاریں جب وہاں اذان ختم ہو تو فسطاط کی ہر ہر مسجد میں اذان کہی جائے، چونکہ یہ طریقہ نہایت پسندیدہ مستحسن اور اسلام کی شان و شوکت کو دوبالا کرتا تھا، نہایت مقبول ہوا اور مسودہ کے زمانہ تک متواتر رائج رہا، ان لوگوں کے زمانہ میں کسی وجہ سے یہ رسم موقوف ہو گئی اور پھر افسوس کہ کبھی زندہ نہ ہو سکی۔

وفات : ۲۵ / رجب ۶۲ھ میں حضرت مسلمؓ نے انتقال فرمایا، ۶۲ سال کا سن تھا، ۱۵ برس چار ماہ حکومت کی، وفات کے وقت کاروبار حکومت عابس بن سعید کے سپرد کیا۔

اولاد : کوئی صلیبی یادگار نہیں چھوڑی۔

فضل و کمال :

حضرت مسلمؓ حافظ قرآن تھے اور وہ ایسا صحیح یاد تھا کہ لوگ تعجب کرتے تھے، حضرت مجاہدؒ تفسیر قرأت کے امام ہیں اور اپنے زمانہ میں اس فن میں بے مظہر تسلیم کئے جاتے تھے ان کا بیان ہے کہ میں دنیا میں اپنے کو قرآن کا سب سے بڑا حافظ سمجھتا تھا، لیکن مسلمؓ کے پیچھے ایک روز نماز فجر پڑھی تو یہ خیال غلط ثابت ہوا، انہوں نے سورہ بقرہ پڑھی تھی، اتنی بڑی سورت میں کہیں داؤ اور الف کی بھی غلطی نہیں کی۔

حدیث میں بھی مرجعیت عامہ حاصل تھی، اور خود صحابہؓ حدیث سننے کے لئے ان کے پاس مصر جاتے تھے حضرت ابویوب انصاریؓ صرف ایک حدیث سننے کے لئے مصر گئے تھے، عقبہ بن عامر جہنی بھی اسی غرض سے گئے تھے اور حدیث سنی تھی۔^۱

تلامذہ خاص اور راویان حدیث میں حسب ذیل حضرات ہیں، اسلم ابو عمران، شیبان بن امیہ، عبدالرحمن بن شامہ، علی بن رباح، مجمع بن کعب، مجاہد بن جبر، ہشام بن ابی رقیہ۔



حضرت محمد بن مسلمہؓ

نام و نسب :

محمد نام۔ ابو عبد الرحمن کنیت، قبیلہ اوس سے ہیں، سلسلہ نسب یہ ہے :

محمد بن مسلمہ بن سلمہ بن خالد بن عدی بن مجدعہ بن حارثہ بن حارث بن خزرج بن عمرو ابن

مالک بن اوس۔

بعثت نبوی سے ۲۲ سال قبل پیدا ہوئے، محمد نام رکھا گیا، سن شعور کو پہنچ کر عبد الاشہل کے

حلیف بن گئے۔

اسلام : سعد بن معاذ سے قبل حضرت مصعب بن جبیرؓ کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا۔

غزوات اور دیگر حالات :

امین الامت حضرت ابو عبیدہؓ بن جراح سے کہ عشرہ مبشرہ میں تھے رشتہ اخوت قائم ہوا، غزوہ بدر میں شریک تھے، اور غزوہ قینقاع میں یہود کا مال انہی نے وصول کیا تھا۔ کعب بن اشرف یہودی، مدینہ میں ایک شاعر تھا، آنحضرت ﷺ کی جو کرنا اور مسلمان کے خلاف آتش غیظ و غضب مشتعل کرنا اس کا کام تھا، بدر میں مسلمانوں کو فتح اور قریش کو ہزیمت ہوئی تو بولا کہ ”اب زمین کا پیٹ اس کی پیٹھ سے اچھا ہے“۔ اسی جوش میں مکہ پہنچا اور اشعار کے ذریعہ سے تمام قریش میں انتقام کی آگ بھڑکادی مدینہ واپس آیا تو آنحضرت ﷺ کو اس کی فکر پیدا ہوئی، فرمایا، ”الھم اکفنی ابن الاشرف! بما شئت فی اعلائه المروقہ الاشعار“، پھر مسلمانوں کے بھرے مجمع میں فرمایا ”من اللکعب ابن الاشرف فانه قد اذی الله ورسوله“، کعب کے لئے کون ہے؟ اس نے خدا اور رسول کو بہت اذیت پہنچائی، محمد بن مسلمہؓ نے اٹھ کر کہا یا رسول اللہ ﷺ کیا آپ کی مرضی ہے کہ وہ قتل کر دیا جائے، فرمایا ہاں، عرض کی تو اس کام کے لیے میں حاضر ہوں، لیکن کچھ کروں تو کوئی مضائقہ تو نہ ہوگا، ارشاد ہوا نہیں، بارگاہ رسالت ﷺ سے اٹھ کر کعب کے پاس آئے اور کہا کہ ”اس شخص (آنحضرت ﷺ) نے ہم کو مصیبت میں ڈال رکھا ہے، اب صدقہ مانگتا ہے۔ ہم تمہارے پاس اس لئے آئے ہیں کہ ایک یا دو سق چھوہارے اور کھانا ہم کو پیشگی دے دو، کیا کہیں اس سے بیعت کر چکے

ہیں، اب چھوڑتے بھی نہیں بنتا، تاہم انجام کا انتظار ہے، کعب نے کہا مجھے منظور ہے لیکن کوئی چیز گرو رکھ دو۔ ساتھیوں نے کہا کیا رہن رکھیں؟ بولا عورتیں کہا نہیں تم خوبصورت آدمی ہو، بولا تو بچے، کہا یہ بھی ٹھیک نہیں لوگ انگلیاں اٹھائیں گے۔ کہ ایک دو سق کے لئے اولاد رہن رکھ دی یہ بڑے شرم کی بات ہے کیا یہ بہتر نہ ہوگا کہ ہتھیار گرو رکھ دیں اس نے کہا اچھا میرے پاس پھر آنا، رات کے وقت محمد ابن مسلمہؓ ابونا مکہ کو کہ کعب کے رضاعی بھائی تھے، اور مسلمان ہو چکے تھے۔ لے کر پہنچے کعب نے قلعہ میں بلا لیا اور ملنے کے لئے گھر سے نکل رہا تھا کہ بیوی نے کہا ایسے وقت کہاں جاتے ہو؟ جواب دیا وہ میرے دو بھائی آئے ہیں۔ ان سے ملنے جا رہا ہوں بولی کہ ”ان کی آواز سے تو خون ٹپکتا ہے، کہا خیر اگر یہی ہے تب بھی مجھے چاہئے کیونکہ شریف آدمی رات کو بھی نیزہ کی دعوت قبول کرتا ہے۔ غرض نہایت عمدہ عطر لگا کر اور چادر اوڑھ کر گھر سے نکلا، محمد بن مسلمہؓ نے پہلے سے ساتھیوں کو کہہ رکھا تھا کہ میں اُس پر قابو پانے کی کوشش کروں گا۔ جس وقت اشارہ کروں فوراً قتل کر دینا۔ چنانچہ اس سے کہا، نہایت عمدہ خوشبو ہے، کیا میں تمہارا سر سونگھ سکتا ہوں، اُس نے اجازت دی تو انہوں نے سر پکڑ کر سونگھا اور کہا کہ ان لوگوں کو بھی اجازت دو، سب اٹھے اور سر سونگھا، اتنی دیر میں وہ بخوبی قبضہ میں آ گیا تھا، ساتھیوں سے کہا لو اس کو قتل کرو، اتنی دیر میں تلواریں برس پڑیں لیکن جان پھر بھی باقی رہ گئی، خدا کا دشمن اتنی زور سے چلایا کہ تمام یہود نے آوز سن لی اور ہر قلعہ پر روشنی ہو گئی محمد بن مسلمہؓ نے جرات کر کے پیش قبضہ پیٹ میں بھونک دی جو ناف کے نیچے اتر گئی اور وہ ٹھنڈا ہو گیا۔

ان لوگوں نے اس کا سر کاٹ کر ساتھ لے لیا اور وہاں سے روانہ ہو گئے، بقیع پہنچ کر تکبیر کہی، آنحضرت ﷺ نے اس وقت تک آرام نہ فرمایا تھا، برابر نماز پڑھ رہے تھے، تکبیر کی آواز گوش مبارک تک پہنچی، سمجھے کہ مقصد میں کامیابی ہوئی، سامنے آئے تو فرمایا کہ، کامیاب پھرے ہیں، لوگوں نے کعب کا سر سامنے رکھ دیا تو نہایت خوش ہوئے اور خدا کا شکر ادا کیا، غزوہ اُحد میں لشکر اسلام کی حفاظت پر متعین تھے۔ پچاس آدمیوں کے ساتھ تمام رات گشت لگایا تھا۔

واقعہ بنضیر میں جو ۱۲ھ میں پیش آیا تھا، آنحضرت ﷺ نے ان کو بنضیر کے پاس بھیجا کہ یہ اعلان کر دو کہ ہمارے شہر سے نکل کر کسی جگہ چلے جاؤ، تم لوگوں نے آنحضرت ﷺ سے جو قریب اور دغا کی ہے، وہ ہم کو خوب معلوم ہے تم کو دس روز کی مہلت ہے، اس کے بعد اگر یہاں دیکھے گئے تو قتل کر دیئے جاؤ گے، بنضیر نے عبداللہ بن ابی کے اغوا سے اس حکم کی پرواہ نہ کی، اور مقابلہ پر تیار

ہو گئے، آنحضرت ﷺ نے مجبور ہو کر محاصرہ کر لیا اور شکست دی، محمد بن مسلمہؓ کے ذمہ ان کے جلا وطن کرنے کا معاملہ سپرد ہوا^۱ جس کو انہوں نے بخوبی انجام دیا۔

غزوہ خندق کے بعد ۵ھ میں غزوہ قریظہ ہوا۔ ۱۵ روز کے محاصرہ کے بعد یہودی بنی قریظہ نے زچ ہو کر سپر ڈال دی اور آنحضرت ﷺ کے حکم پر راضی ہو گئے، محمد بن مسلمہؓ نے عورتوں اور بچوں کو جدا کر کے باغیوں کے ہاتھ باندھ دیئے اور ایک طرف لا کر کھڑا کر دیا۔

اس واقعہ کے بعد ۳۰ سواروں کے ساتھ آنحضرت ﷺ نے بکرات روانہ کیا، جو مدینہ سے ۷ دن کی مسافت پر واقع تھا، مقصود قرطاء پر غارت گری تھی، محمد بن مسلمہؓ رات کو چلتے اور دن کو کہیں چھپ رہے، گاؤں پہنچ کر اچانک ان کو جالیا کچھ قتل ہوئے باقی فرار ہو گئے، بہت سے اونٹ اور بکریاں غنیمت میں ہاتھ آئیں۔ جن کی تفصیل یہ ہے۔ اونٹ ۱۵۰، بکریاں ۳۰۰۰۔ ۱۹ روز کے بعد مدینہ واپس آئے۔

ربیع الثانی ۶ھ میں ۱۰ آدمیوں کے ساتھ ذی القصد بھیجے گئے، یہ مقام مدینہ سے ۲۳ میل پر ہے، اور ریزہ کی سڑک پر واقع ہے رات کو وہاں پہنچے تو قبیلہ والوں نے سو ۱۰۰ آدمی جمع کر کے تیر اندازی کی، پھر نیزے لے کر ٹوٹ پڑے، محمد بن مسلمہؓ کے علاوہ ادھر کے سب آدمی مارے گئے، گو محمد بن مسلمہؓ شہید نہیں ہوئے لیکن ان کے ٹخنے پر چوٹ آگئی تھی جس سے ہلنا بھی مشکل تھا ان لوگوں نے سب کے کپڑے اتار لئے اور برہنہ چھوڑ کر چلے گئے، اتفاق سے ایک مسلمان ادھر سے گزر رہا تھا۔ محمد بن مسلمہؓ کو اس حال میں دیکھا تو اٹھا کر مدینہ لایا، آنحضرت ﷺ نے اس کے انتقام کے لئے حضرت ابو عبیدہؓ کو روانہ فرمایا۔

۷ھ میں عمرہ القضاء ہوا۔ آنحضرت ﷺ نے ذوالحلیفہ پہنچ کر گھوڑے محمد بن مسلمہؓ کے سپرد کر دیئے اور فرمایا کہ تم آگے بڑھو یہ مر ظہر ان پہنچے تو قریش سے ملاقات ہوئی پوچھا کیا ماجرا ہے؟ کہا آنحضرت ﷺ تشریف لا رہے ہیں اور انشاء اللہ کل یہاں پہنچ جائیں گے۔ غزوہ تبوک میں جو ۹ھ میں واقع ہوا تھا۔ آنحضرت ﷺ نے مدینہ میں ان کو کاروبار خلافت سپرد کیا تھا۔

حضرت عمرؓ کے عہد خلافت میں قبیلہ جہینہ کے صدقات وہی وصول کرتے تھے حضرت عمرؓ نے گورنروں اور عاملوں کی نگرانی کا ایک عہد قائم کیا تھا۔ دربار خلافت میں وقتاً فوقتاً اعمال کی جو شکایتیں

موصول ہوئیں ان کی تحقیق و تفتیش کے لئے حضرت عمرؓ نے انہی کو انتخاب کیا۔ صاحب اسد الغابہ لکھتے ہیں :

”وہو کان صاحب العمال ایام عمرؓ کان عمر اذا شکی الیہ عامل
ررسل محمد ایکشف الحال وهو الذی ارسلہ عمر الی عمالہ لیاخذ
شطر اموالہم“

”یہ حضرت عمرؓ کے زمانہ خلافت میں عمال کے نگران تھے۔ جب کسی عامل کی حضرت عمرؓ سے شکایت کی جاتی تو تحقیق حال کے لئے محمد بن مسلمہؓ بھیجے جاتے، انہی کو حضرت عمرؓ نے عمال کے پاس بھیجا تھا کہ ان کے مال کا چوتھا حصہ وصول کریں۔“

۲۱ھ میں حضرت سعد بن ابی وقاصؓ جو کوفہ کے گورنر اور عشرہ مبشرہ میں تھے ان کی نسبت لوگوں نے جا کر حضرت عمرؓ سے شکایت کی۔ حضرت محمد بن مسلمہؓ تحقیقات کے لئے کوفہ بھیجے گئے انہوں نے کوفہ کی ایک مسجد میں جا کر لوگوں کا اظہار کیا اور حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کو ساتھ لے کر مدینہ آئے یہاں حضرت عمرؓ نے خود انکار اظہار لیا۔^۱

حضرت عمرؓ کو خبر ملی کہ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ نے محل بنایا اور اس میں ڈیوڑھی رکھی ہے۔ فرمایا کہ اب کسی مظلوم اور فریادی کی آواز ان تک نہیں پہنچے گی۔ محمد بن مسلمہؓ کو بھیجا کہ جا کر ڈیوڑھی میں آگ لگا دیں۔ انہوں نے اس حکم کی تعمیل کی حضرت سعد باہر نکلے اور پوچھا کیا معاملہ ہے، انہوں نے واقعہ بیان کیا۔^۲ تو خاموش ہو گئے۔

ایک مرتبہ حضرت عمرؓ بازار میں پھر رہے تھے ایک شخص نے آواز دی، عمر! کیا چند شرطیں تم کو خدا سے نجات دلا دیں گی؟ تمہارا عامل عیاض بن غنم جو مصر کا حاکم ہے باریک کپڑے پہنتا ہے اور دروازہ پر دربان مقرر کر رکھا ہے۔ حضرت عمرؓ نے محمد بن مسلمہؓ کو بلا کر مصر بھیجا کہ وہ جس جس حال میں ہوں ان کو بلوالاؤ۔ محمد بن مسلمہؓ نے وہاں پہنچ کر دیکھا تو واقعی دروازہ پر دربان تھا، اندر گئے تو عیاض باریک کرتہ پہنے تھے کہا چلو امیر المؤمنین نے طلب کیا ہے، درخواست کی کہ قبا تو پہن لوں۔ جواب ملا نہیں اسی وضع سے چلو، غرض اسی حالت میں مدینہ آئے۔ حضرت عمرؓ نے وہ کرتہ اتروا کر بالوں کا کرتہ پہنایا اور بکریوں کا گلہ منگوا کر حکم دیا کہ جنگل میں لے جا کر چراؤ۔^۳

حضرت عمرو بن العاصؓ کے متعلق معلوم ہوا کہ ان کے مال و دولت میں بہت اضافہ ہو گیا

۱۔ اسد الغابہ جلد ۴۔ ص ۳۳۰ ۲۔ صحیح بخاری جلد ۱۔ ص ۱۰۴ اطبرانی ص ۲۶۰۶

۳۔ کتاب الخراج ص ۶۶

۴۔ اصابعہ جلد ۶۔ ص ۶۴

ہے۔ محمد بن مسلمہؒ کو ان کے نام فرمان دے کر روانہ کیا جس میں لکھا تھا کہ سارا مال ان کے سامنے رکھ دیا جائے۔ یہ جس قدر مناسب سمجھیں گے، لے لیں گے۔ محمد بن مسلمہؒ ”مصر پہنچے تو عمروؓ نے ہدیہ بھیجا۔ انہوں نے واپس کر دیا حضرت عمروؓ کو اس کا بڑا ملال ہوا اور کہا کہ تم نے میرا ہدیہ واپس کر دیا حالانکہ رسول اللہ ﷺ نے قبول فرمایا تھا۔ جواب دیا کہ آنحضرت ﷺ کے ہدیہ اور اس میں فرق ہے اس میں برائی پوشیدہ ہے۔ عمروؓ نے کہا خدا اس دن کا برا کرے جب میں عمرؓ بن خطاب کا والی بنا، میں نے عاص بن وائل (عمروؓ کے باپ کا نام ہے) کو دیکھا ہے وہ جب کجواب کی قبازیب بدن کرتے تھے تو خطاب (حضرت عمرؓ کے باپ) لکڑیوں کا گھڑہ گدھے پر لادے پھرتا تھا۔ آج اسی خطاب کا بیٹا مجھ پر حکومت جتا رہا ہے۔ محمد بن مسلمہؒ نے کہا کہ آپ کے اور ان کے باپ دونوں جہنم کے کندھے ہیں لیکن عمرؓ آپ سے بہتر ہیں اس کے بعد کچھ سخت گفتگو ہوئی عمروؓ نے کل مال لا کر سامنے رکھ دیا انہوں نے کسی قدر لے کر باقی واپس کر دیا اور مدینہ چلے آئے۔^۱

محمد بن ربیع نے صحابہؓ مصر کے حال میں اس واقعہ کو درج کیا ہے۔ ایک حدیث بھی سنداً پیش کی ہے۔^۲ حضرت عمرؓ کے زمانہ خلافت تک مدینہ میں رہے پھر ربذہ کی سکونت اختیار کی۔ حضرت عثمانؓ کے قتل کے اندوہ ناک واقعہ میں بالکل الگ تھے۔ حضرت حذیفہؓ کہتے ہیں کہ میں ایک ایسے شخص کو جانتا ہوں جس کو فتنہ نے کچھ ضرر نہیں پہنچایا اور وہ محمد بن مسلمہؓ ہیں۔ چند آدمی ربذہ آئے دیکھا کہ ایک خیمہ نصب ہے اندر گئے تو محمد بن مسلمہؓ سے ملاقات ہوئی۔ عزالت نشینی کا سبب دریافت کیا تو فرمایا جب تک معاملہ صاف نہ ہو جائے ہم کو دخل دینے کی ضرورت نہیں۔^۳

جناب امیر رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوئے تو ان کو طلب فرمایا اور پوچھا میرے ساتھ کیوں نہ شریک ہوئے۔ عرض کی آپ کے بھائی (آنحضرت ﷺ) نے مجھے تلوار دی تھی اور فرمایا تھا کہ مشرکین سے لڑنا اور جب مسلمان سرگرم پیکار ہوں تو اسے اُحد پر مار کر پاش پاش کر دینا اور گھر میں بیٹھ رہنا، چنانچہ میں نے یہی کیا۔

جمل اور صفین وغیرہ میں کسی فریق کے ساتھ نہ تھے۔ اس زمانہ میں ایک لکڑی کی تلوار بنائی تھی اور کہتے تھے کہ مجھے رسول اللہ ﷺ نے یہی حکم دیا ہے۔^۴

۱۔ کنز العمال جلد ۳۔ ص ۱۸۴ ۲۔ اصحاب جلد ۶۔ ص ۶۴ ۳۔ اسد الغابہ جلد ۴۔ ص ۳۳۱

۴۔ مسند جلد ۴۔ ص ۲۲۵ ۵۔ اسد الغابہ

وفات : امیر معاویہؓ کے عہد میں ۳۶ھ میں وفات پائی صفر کا مہینہ تھا کہ ایک شامی جو صوبہ اردن کا رہنے والا تھا ان کی فکر میں مدینہ آیا یہ مکان کے اندر تھے یہ درانا ہوا ندر چلا گیا اور ان کا کام تمام کر دیا، قصور یہ تھا کہ انہوں نے امیر معاویہؓ کی طرف سے تلوار کیوں نہ اٹھائی۔ اسی زمانہ میں مروان، مدینہ منورہ کا امیر تھا۔ اس نے نماز جنازہ پڑھائی اور مدینہ کے قبرستان میں دفن ہوئے۔ وفات کے وقت سن مبارک ۷۷ سال کا تھا۔

اہل و عیال : دس لڑکے اور چھ لڑکیاں یادگار چھوڑیں۔ مشہور لڑکوں کے نام حسب ذیل ہیں۔
جعفر، عبداللہ، سعد، عبدالرحمن، عمروؓ (یہ سب صحابی تھے) محمود۔

حلیہ : قد دراز، بدن دہرا، رنگ گندم گوں، ہر کے بال آگے سے اڑ گئے تھے۔

فضل و کمال : فضلاء صحابہؓ میں تھے۔ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ برسوں رہے تھے۔ سینکڑوں حدیثیں سنی تھیں لیکن صرف ۶ روایتیں حدیث کی کتابوں میں ملتی ہیں۔^۵ راویوں میں مشاہیر تابعین ہیں، جن کے نام یہ ہیں :

ذویب، مسور بن مخرمہ، سہل بن ابی حمزہ، ابو بردہ بن ابی موسیٰ، عروہ، اعرن، قبیصہ بن حصن۔

اخلاق : اخلاق میں دو چیزیں نہایت نمایاں ہیں۔ حب رسول ﷺ اور فتنہ سے کنارہ کشی اور دونوں کے مناظر اوپر گزر چکے ہیں۔



۱۔ تہذیب المجتہب جلد ۱ ص ۲۳۹ ۲۔ استیعاب جلد ۱ ص ۲۳۹ ۳۔ اسد الغابہ جلد ۲ ص ۳۱۰

۴۔ تہذیب المجتہب جلد ۱ ص ۲۳۹ ۵۔ تہذیب المجتہب جلد ۱ ص ۲۳۹ ۶۔ تہذیب المجتہب جلد ۱ ص ۲۳۹

حضرت معاذؓ بن عفرأ

نام و نسب :

معاذ نام ہے۔ سلسلہ نسب یہ ہے :

معاذ بن حارث بن رفاعہ بن حارث بن سواد بن مالک بن غنم بن مالک بن نجار بن ثعلبہ بن عمرو بن خزرج۔ والدہ کا نام عفرأ بنت خویلد بن ثعلبہ بن عبید بن ثعلبہ بن غنم بن مالک بن نجار تھا۔

اسلام : بیعت عقبہ سے قبل مکہ جا کر مسلمان ہوئے۔ ۵ آدمی اس سفر میں ان کے ہمراہ تھے۔ ان چھ آدمیوں کے ناموں میں اختلاف ہے، ہم نے موسیٰ بن عقبہ اور ابوالاسودؓ کی روایت پر اعتبار کیا ہے جو بالترتیب زہری اور عروہ سے اس واقعہ کی روایت کرتے ہیں۔

مواخاۃ : ہجرت کے بعد معمر بن حارث ان کے اسلامی بھائی بنائے گئے۔

غزوات : بدر میں شریک تھے جب شیبہ، عقبہ اور ولید بن عقبہ نے مبارزہ طلبی کی تو سب سے پہلے ہی تینوں بھائی (معاذ، معوذ، عوف) تیغ بکف میدان میں نکلے تھے لیکن آنحضرت ﷺ نے ان کو واپس بلا لیا اور حضرت حمزہ وغیرہ کو مقابلہ کے لئے بھیجا۔ لیکن ولولہ جہاد کب دب سکتا تھا۔ حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ ایک صف میں کھڑے تھے ان کے داہنے بائیں دونوں بھائی آ کر کھڑے ہو گئے وہ ان کو پہنچانتے نہ تھے اس بناء پر اپنے گرد دونوں جوانوں کو دیکھ کر خوف زدہ ہوئے۔ اتنے میں ایک نے آہستہ سے کہا چچا! ابو جہل کہاں ہے؟ انہوں نے کہا برا در زادے! کیا کرو گے؟ کہا میں نے سنا ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کو گالی دیتا ہے، اس بناء پر خدا سے عہد کر چکا ہوں کہ اس کو ضرور ماروں گا، پھر اسی دھن میں اپنی جان بھی قربان کر دوں گا، دوسرے نے بھی اسی قسم کی گفتگو کی۔ حضرت عبدالرحمن نہایت متعجب ہوئے اور اشارہ سے بتایا کہ دیکھو ابو جہل وہ گشت لگا رہا ہے۔ اتنا سن کر وہ دونوں باز کی طرح جھپٹے اور ابو جہل کو قتل کر ڈالا۔ پھر آنحضرت ﷺ کو خوشخبری سنائی، پوچھا کس نے قتل کیا، دونوں نے جواب دیا ہم نے، فرمایا تلوار دکھاؤ چنانچہ دونوں کی تلواروں میں خون کا اثر موجود تھا۔

صحیح مسلم میں ان دونوں کا نام معاذ بن عمرو بن جموح اور معاذ بن عفراء مذکور ہے لیکن صحیح بخاری میں ابنائے عفراء ہے جس سے صرف معاذ اور ان کے بھائی کا مارنا ثابت ہوتا ہے۔ ابو جہل پر حملہ کرتے وقت ابن ماعض نے جو قبیلہ زریق سے تھا، ان پر حملہ کیا۔ چنانچہ زخمی ہو کر مدینہ آئے تھے۔

وفات : بعضوں کے نزدیک تو اسی زخم کی وجہ سے فوت ہو گئے۔ بعض روایتوں میں ہے کہ حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں وفات پائی اور ایک جماعت کی یہ رائے ہے کہ ۳۷ھ میں انتقال کیا۔ اس زمانہ میں جناب امیر رضی اللہ عنہ اور امیر معاویہؓ ”میں لڑائی چھڑی ہوئی تھی۔“

اخلاق : حب رسول ﷺ کا بہترین ثبوت بدر میں ابو جہل کا قتل ہے اس میں انہوں نے جانبازی کی جو اعلیٰ مثال پیش کی وہ اپنی نوعیت کے لحاظ سے نہایت حیرت انگیز ہے۔ فرائض کی بجا آوری میں اہتمام تھا۔ آنحضرت ﷺ کے ہمراہ حج کرنے کے علاوہ اور بھی حج کئے جن میں سے ایک کا تذکرہ سنن نسائی میں آیا ہے۔



حضرت مجمع بن جاریہؓ

نام و نسب :

مجمع نام قبیلہ اوس کے خاندان عمرو بن عوف سے ہیں، سلسلہ نسب یہ ہے :
مجمع بن جاریہ بن عمار بن مجمع بن عطف بن ضبیحہ بن زید بن مالک بن عوف بن عمرو بن
عوف بن مالک بن اوس۔

اسلام : ہجرت کے وقت کم سن تھے اور اسی زمانہ میں اسلام لائے۔
غزوات : غزوہ حدیبیہ میں شرکت کی۔^۱

وفات : امیر معاویہؓ کے آخر زمانہ خلافت میں انتقال کیا۔^۲

اولاد : حسب ذیل اولاد چھوڑی، یعقوب، یحییٰ، عبید اللہ بیوی کا نام سلمہ بنت ثابت ابن و حدانہ
بن نعیم بن غنم بن ایاس تھا اور قبیلہ قضاہ کے خاندان بلی سے تھیں۔^۳
صاحب طبقات کا بیان ہے کہ ان کی نسل باقی نہیں رہی۔^۴

فضل و کمال :

عہد رسالت میں جن صحابہؓ نے قرآن جمع کرنا شروع کر دیا تھا ان میں حضرت مجمع بن
جاریہؓ انصاری بھی تھے، لیکن ایک یا دو سورتیں باقی ہی تھیں کہ آنحضرت ﷺ کا وصال ہو گیا۔ اور وہ
اس کام کو مکمل نہ کر سکے۔

مسند ابن خنبل میں ہے :

كان احد القراء الذين قرئوا القرآن۔^۵

یعنی وہ ان قاریوں میں تھے جنہوں نے قرآن پڑھا تھا۔

حضرت عمرؓ نے اپنے عہد خلافت میں ان کو قرآن کی تعلیم کے لئے کوفہ بھیجا تھا۔ حضرت

عبداللہ بن مسعودؓ بھی وہیں تھے، انہوں نے بھی ان سے قرآن پڑھا تھا۔

حدیثیں بہت کم روایت کیں، صحیح ترمذی میں ۳ حدیثیں ہیں جن میں بعض صحیح سند

سے ثابت ہیں۔

۱۔ مسند ابن خنبل جلد ۳ ص ۳۳۰ ۲۔ استیعاب جلد ۱ ص ۲۶۸ ۳۔ طبقات جلد ۵ ص ۱۹۲

۴۔ ایضاً جلد ۳ ص ۳۴۲ ۵۔ اسد الغابہ جلد ۱ ص ۳۰۳ ۶۔ مسند جلد ۳ ص ۲۲۰ ۷۔ اصابہ جلد ۶ ص ۳۶

راویوں میں یعقوب، عبدالرحمن بن یزید بن جاریہ اور عکرمہ بن سلمہ ہیں۔

اخلاق : زہد و تقدس کی وجہ سے اپنی قوم کے امام تھے، اور یہ منصب صغریٰ ہی میں حاصل ہو گیا تھا، باپ نے مسجد ضرار بنائی تھی، معصوم بیٹا اس میں نماز پڑھتا تھا، لیکن یہ معلوم نہ تھا اس سے آنحضرت ﷺ اور اسلام کی بیخ کنی مقصود ہے، آنحضرت ﷺ نے مسجد کو جلوادیا۔

حضرت عمرؓ کے زمانہ میں لوگوں نے درخواست کی کہ ”جمع“ کو امام بنایا جائے بولے یہ کبھی نہ ہوگا وہ مسجد ضرار میں منافقین کی امامت کرتا تھا، ”جمع“ کو خبر ہوئی تو قسم کھا کر کہا کہ مجھے منافقین سے کوئی سروکار نہ تھا، جب ان کی طرف سے پورا اطمینان ہو گیا تو حضرت عمرؓ نے ان کو امامت کی اجازت دی۔



حضرت محیصہؓ بن مسعود

نام و نسب :

محیصہ نام۔ ابوسید کنیت، قبیلہ اوس سے ہیں، سلسلہ نسب یہ ہے :

محیصہ ابن مسعود بن کعب بن عامر بن عدی بن مجدعہ بن حارثہ بن حارث بن خزرج بن عمرو ابن مالک بن اوس۔

اسلام : مسعودؓ بن کعب کے دو بیٹے تھے، حویصہ اور محیصہ۔ حویصہ بڑے تھے ان کا ذکر صحیحین میں موجود ہے۔ محیصہ ”چھوٹے تھے لیکن ان سے زیادہ عقلمند، ہوشیار اور وقت شناس تھے۔ ہجرت سے قبل مشرف بہ اسلام ہوئے اور اس مقولہ کے مصداق بنے، بزرگی بعقل ست نہ بسال۔

غزوات :

أحد، خندق اور تمام غزوات میں شرکت کی۔ غزوہٴ احد سے قبل کعب بن اشرف یہودی کا قلعہ قمع ہو چکا تھا چونکہ اس کو اور اس کی تمام جماعت کو اسلام سے خاص عداوت تھی۔ آنحضرت ﷺ نے عام حکم دے دیا تھا کہ جس یہودی پر قابو پاؤ اس کو فوراً قتل کر دو۔ ابن سینہ ایک یہودی تاجر تھا، حویصہ کے اور اس کے خاص تعلقات تھے۔ محیصہؓ نے اس کو موقع پا کر قتل کر دیا چونکہ وہ ابھی مسلمان نہیں ہوئے تھے نہایت براہم ہوئے، مارتے جاتے تھے اور کہتے جاتے تھے، خدا کے دشمن! تیرے پیٹ میں بہت سی چربی اسی کے مال کی ہے۔ محیصہؓ نے ان کے غصہ اور مار کا صرف ایک جواب دیا کہ ”جس شخص نے مجھ کو اس کے قتل کا حکم دیا، اگر تمہارے قتل کا حکم دے تو تم کو بھی قتل کر دوں۔“ یہ سن کر سخت متعجب ہوئے اور حیرت سے پوچھا کہ واقعی اگر وہ میرے مارنے کا حکم دیں تو تم مجھ کو مار ڈالو گے؟ انہوں نے کہا، ”خدا کی قسم ضرور ماروں گا۔“ حویصہ پر اب غصہ کی بجائے حقانیت طاری ہوئی، بولے جس نے تجھ کو ایسا حکم دیا وہ کوئی عجیب مذہب ہے اور پھر انہی کے ہاتھ پر مسلمان ہوئے۔ محیصہؓ نے اپنے بھائی کے اس مکالمہ کو نظم کر دیا جس کو ہم بھی نقل کرتے ہیں۔

یلوم ابن امی لوامرت بقتله لطبقت ذفراہ بابیض قاضب
حسام کلون الملع اخلص عقله متی ما اصبوبہ فلیس بکاذب

و ما سرنی انی قتلک طانعا وان لنا مابین بصری و مارب
آنحضرت ﷺ نے تاسیس حکومت کے بعد جب اشاعتِ اسلام کا محکمہ قائم کیا تو ان کو
مبلغ بنا کر فدک روانہ فرمایا۔

وفات : سند وفات معلوم نہیں لیکن قرآن سے معلوم ہوتا ہے کہ امیر معاویہؓ کے عہدِ خلافت میں
وفات پائی کیونکہ ان کے پوتے نے ان کو اچھی طرح دیکھا تھا اور حدیث سنی تھی اور یہ ثابت ہے کہ ان
کے پوتے ۳۳ھ میں پیدا ہوئے تھے۔

اولاد : حدیثوں سے ایک لڑکے کا پتہ چلتا ہے لیکن نام میں اختلاف ہے۔ مسند میں ساعدہ اور
سعدو نام آئے ہیں، طبقات میں سعد لکھا ہے، کتب رجال میں ہے کہ بعض لوگ ان کے صحابی ہونے
کے قائل ہیں، اصل نام حرام تھا۔

فضل و کمال : عہدِ نبوت ﷺ میں اشاعتِ اسلام جیسے اہم کام پر متعین ہونا ان کے فضل و کمال
کی بین دلیل ہے۔ اس کے علاوہ چند حدیثیں بھی روایت کی ہیں جو محمد بن سہل بن ابی شہمہ اور حرام بن
سعد کے سلسلہ سے مروی ہیں۔

اخلاق : رسول اللہ ﷺ سے ان کو جو محبت تھی اور اطاعت کا جو جذبہ وہ اپنے دل میں رکھتے تھے اس
کی تفصیل اوپر گزر چکی۔ بارگاہِ نبوی ﷺ میں ان کو بڑا تقرب حاصل تھا انہوں نے ایک مرتبہ
آنحضرت ﷺ سے ایک مسئلہ دریافت فرمایا جواب خلافِ مزاج ملا تو جب تک ان کو اطمینان نہ ہو گیا
اس کو بار بار پوچھتے رہے۔



حضرت منذرؓ بن عمرو

نام و نسب :

منذر نام۔ اعنق لیموت لقب، قبیلہ خزرج کے خاندان ساعدہ سے ہیں۔ سلسلہ نسب

یہ ہے :

منذر بن عمرو بن حنیس بن حارثہ بن لؤذان بن عبدود بن زید بن زید بن ثعلبہ بن خزرج بن

ساعدہ بن کعب بن الخزرج الکبیر۔

اسلام : عقبہ ثانیہ میں بیعت کی اور اپنے قبیلہ کے نقیب مقرر ہوئے۔ حضرت سعدؓ بن عبادہ بھی اسی قبیلہ کے نقیب تھے۔

غزوات، عام حالات اور وفات :

طلیب بن عمیر سے مواخاۃ ہوئی۔ بدر اور احد میں شریک ہوئے۔ موخر الذکر غزوہ میں میسرہ

کے افسر تھے۔

غزوہ احد کے ۴ ماہ بعد صفر کے مہینہ میں انصار کے ستر نو جوان جو قراء کے نام سے مشہور تھے،

اشاعت اسلام کی غرض سے نجد بھیجے گئے۔ حضرت منذرؓ اس جماعت کے امیر تھے بیر معونہ پہنچے تھے

کہ رعل اور ذکوان کے سواروں نے گھیر لیا ان لوگوں نے ہر چند کہا کہ ہم کو تم سے کوئی سروکار نہیں،

رسول اللہ ﷺ کے کام سے کسی طرف جارہے ہیں لیکن ظالموں نے ایک نہ سنی اور سب کو قتل کر ڈالا

صرف منذرؓ باقی رہ گئے ان سے کہا کہ درخواست کرو تو تم کو امان دی جائے لیکن ان کی حیثیت یہ

بے غیرتی گوارا نہیں کر سکتی تھی صاف انکار کر دیا اور جس مقام پر حضرت حرامؓ شہید ہو گئے تھے وہیں

پہنچ کر لڑے اور قتل ہوئے۔ آنحضرت ﷺ کو خبر ہوئی تو فرمایا ”اعنق لیموت“ یعنی ”انہوں نے

دانستہ موت کی طرف سبقت کی“۔ اس وقت سے ان کا یہ لقب خاص و عام کے زبان زد ہو گیا۔ یہ

اوائل ۴ھ کا واقعہ ہے۔

اولاد : کوئی اولاد نہیں چھوڑی۔

فضل و کمال : جاہلیت میں عربی لکھتے تھے۔ اسلام میں قرآن و حدیث کی جو واقفیت بہم پہنچائی تھی اسی بناء پر اشاعت اسلام کے لئے وہ منتخب ہوئے اور مبلغین کے امیر بنائے گئے۔

اخلاق : زہد و تقویٰ، عبادت و قیام لیل، یہ تمام قراء کا شیوہ تھا۔ حضرت منذرؓ بھی انہی اوصاف سے متصف تھے۔



حضرت نعمانؓ بن بشیر

نام و نسب :

نعمان نام۔ ابو عبد اللہ کنیت، قبیلہ خزرج سے ہیں، سلسلہ نسب یہ ہے :

نعمان ابن بشیر بن سعد بن ثعلبہ بن خلاص بن زید بن مالک اغر بن ثعلبہ بن کعب بن خزرج بن حارث بن الخزرج الاکبر۔ والدہ کا نام عمرۃ بنت رواحہ تھا۔ جن کا سلسلہ نسب مالک اغر پر حضرت نعمانؓ کے آباء سے مل جاتا ہے۔

حضرت نعمانؓ کے والد بشیرؓ بن سعد بڑے رتبہ کے صحابی تھے۔ عقبہ ثانیہ میں ۷۰ھ انصار کے ہمراہ مکہ جا کر بیعت کی تھی۔ بدر، احد اور تمام غزوات میں آنحضرت ﷺ کے ہمراہ تھے، سقیۃ بنی ساعدہ میں سب سے پہلے انہی نے حضرت ابو بکرؓ سے بیعت کی تھی۔ ۱۲ھ میں حضرت خالد بن ولیدؓ کے ہمراہ مسیلمہ کذاب کے مقابلہ کو نکلے اور واپسی کے وقت عین التمر کے معرکہ میں شہید ہوئے۔ والدہ بھی جو حضرت عبد اللہ بن رواحہؓ مشہور صحابی کی ہمیشہ تھیں، آنحضرت ﷺ سے بیعت کا شرف حاصل کر چکی تھیں۔ حضرت نعمانؓ ہجرت کے چودھویں مہینے ربیع الثانی ۲ھ میں اس مقدس گھر میں پیدا ہوئے۔ ہجرت کے بعد انصار میں یہ سب سے پہلے بچے تھے ان کی ولادت کے چھ ماہ بعد حضرت عبد اللہؓ بن زبیر پیدا ہوئے۔

اسلام کی تاریخ میں ۲ھ کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ آغاز سال ہی سے قریش اور دیگر ہمسایہ قبائل سے چھیڑ چھاڑ شروع ہو گئی تھی جس کا نتیجہ چند ماہ کے بعد غزوہ بدر کی صورت میں رونما ہوا۔ اس سال جوڑ کے پیدا ہوئے سب میں اس انقلاب انگیز زمانہ کا اثر موجود تھا۔ چنانچہ نعمانؓ جو بدر کے وقت ۳، ۴ مہینے کے تھے اور حضرت عبد اللہؓ بن زبیرؓ جو اسی سال پیدا ہوئے، اپنے اپنے وقت میں بڑے بڑے انقلابات کے بانی ہوئے۔

عام حالات :

باپ، ماں کو ان سے بڑی محبت تھی۔ باپ ان کو آنحضرت ﷺ کے پاس لاتے اور دعا کراتے تھے۔ ماں کو اس قدر محبت تھی کہ اپنی باقی تمام اولاد کو محروم کر کے جائداد و املاک انہی کے نام منتقل کر دینا چاہتی تھیں۔ ایک روز شوہر کو مجبور کر کے اس پر آمادہ کر لیا اور گواہی کے لئے رسول اللہ ﷺ کو

منتخب کیا، حضرت بشیرؓ ان کو آنحضرت ﷺ کی خدمت میں لے آئے اور عرض کی کہ آپ گواہ رہیں میں فلاں زمین اپنے اس لڑکے کو دیتا ہوں، فرمایا اس کے دوسرے بھائیوں کو بھی حصہ دیا ہے؟ بولے نہیں۔ ارشاد ہوا تو پھر میں ظلم پر گواہی نہیں دیتا۔ یہ سن کر بشیرؓ اپنے ارادہ سے باز آئے۔^۱

چلنے پھرنے کے قابل ہوئے تو آنحضرت ﷺ کے پاس پہنچتے، ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ کے پاس طائف سے انگور آئے، آپ نے ان کو دو خوشے عنایت کئے اور فرمایا کہ ایک تمہارا ہے اور ایک تمہاری والدہ کا نعمانؓ راستہ میں دونوں خوشے چٹ کر گئے اور ماں کو خبر تک نہ کی چند دنوں کے بعد آنحضرت ﷺ نے پوچھا کہ اپنی ماں کو انگور دے دیئے تھے؟ انہوں نے کہا نہیں۔ آپ نے ان کی گوشمالی کی اور کہا یا عذر! کیوں مکار تے۔

اسی زمانہ سے نماز وغیرہ کی طرف توجہ کی، آنحضرت ﷺ کے واقعات دیکھتے تو ان کو یاد رکھنے کی کوشش کرتے منبر کے قریب بیٹھ کر وعظ سنتے تے۔ ایک مرتبہ انہوں نے دعوے سے کہا کہ آنحضرت ﷺ کی رات کی نماز کے متعلق میں اکثر صحابہؓ سے زیادہ واقف ہوں۔^۲

شب قدر کی راتوں میں آنحضرت ﷺ کے ہمراہ جا گئے تھے، اور نمازیں پڑھیں تھیں۔^۳

ربیع الاول ۱ھ میں آنحضرت ﷺ نے انتقال فرمایا۔ اس وقت حضرت نعمانؓ کا سن ۸ سال ۷ ماہ کا تھا۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے عہد خلافت میں امیر معاویہؓ سے جنگ چھڑی تو نعمانؓ نے ان ہی کا ساتھ دیا، اور یہ عجیب بات تھی کہ انصار میں یہی ایک دو صاحب امیر معاویہؓ کے طرفدار تھے، چنانچہ نعمانؓ کے متعلق صاف طور پر مذکور ہے کہ وہ حضرت معاویہؓ کو دوست رکھتے تھے چنانچہ صاحب اسد الغابہ لکھتے ہیں۔^۴

و کان ہوا مع معاویۃ و صیلہ الیہ والی ابنہ یزید

یعنی وہ معاویہ اور یزید دونوں کی طرف مائل تھے۔

امیر معاویہؓ نے اس کے سلسلے میں ان کو جلیل القدر عہدے دیئے عین التمر میں جناب امیرؓ کی طرف سے مالک بن کعب ارجسی حاکم تھے، امیر معاویہؓ نے ان کو بھیج کر وہاں اسلحہ خانہ پر

۱۔ مسند جلد ۴۔ ص ۲۶۸

۲۔ استیعاب جلد ۱۔ ص ۳۱۰

۳۔ مسند جلد ۴۔ ص ۲۶۹

۴۔ مسند جلد ۴۔ ص ۲۷۲

۵۔ اسد الغابہ جلد ۵۔ ص ۲۳

حملہ کر دیا۔ فجالہ بن عبید کے بعد دمشق کا قاضی مقرر کیا۔ اور جب یمن پر تسلط ہوا، تو عثمان ابن ثقفی کے بعد وہاں کا والی بنایا۔ اس بنا پر یہ یمن کے (سلطنت بنی امیہ) تیسرے امیر تھے۔

۵۹ھ میں امیر معاویہؓ نے ان کو کوفہ کا حاکم بنایا اور تقریباً ۹ ماہ تک اس منصب پر مامور ہے، امیر معاویہؓ کے بعد یزید تخت خلافت پر متمکن ہوا، اس نے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ، حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کو بیعت کے لئے مجبور کیا، حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے بیعت سے صاف انکار کیا، ادھر کوفہ سے شیعیان علی کے خطوط پہنچنے لگے، جن میں ان کی خلافت تسلیم کرنے پر بڑی آمادگی کا اظہار تھا۔ چنانچہ حضرت امام حسینؓ نے حضرت مسلم بن عقیل کو تفقیش حالات کے لئے کوفہ روانہ فرمایا، مسلمؓ کوفہ پہنچے تو شہر کا بڑا حصہ ان کے ساتھ تھا، ۱۲ ہزار آدمیوں نے ان کے ہاتھ پر بیعت کی، حضرت نعمان کو یہ تمام خبریں پہنچ رہی تھیں، لیکن انہوں نے جگر گوشہ بتول کے معاملہ میں خاموشی ہی کو ترجیح دی۔

لیکن جب مختار ابن ابی عبید کے مکان پر شیعہوں کا اجتماع ہوا اور نقض بیعت کی تیاریاں ہوئیں تو نعمانؓ نے منبر پر ایک پر زور خطبہ دیا، جو درج ذیل ہے۔

اما بعد! فاتقوا الله عباد الله ولا تسارعوا الى الفتنة والفرقة فان فيها يهلك الرجال وتسفك الدماء وتغصب الاموال اني لم اقاتل من لم يقاتلني ولا ائب على من يشب على ولا ااثمكم ولا اتحرش بكم ولا اخذ بالقذف ولا الظننه ولا التهمة ولكنكم ان ابديتهم صفحتكم لي ونكتهم بيعتكم وخالفتهم امامكم فوالله الذي لا اله غيره لا ضربنكم بسيفي ماثبت قائمه في يدي ولولم يكن لي منكم ناصر امانني ارجو ان يكون من يعرف الحق منكم اكثر ممن يرديه الباطل.

لوگوں! خدا سے ڈرو اور فتنہ اور اخلاف پیدا کرنے میں جلدی نہ کرو، کیونکہ اس میں آدمی ضائع ہوتے ہیں خونریزیاں ہوتی ہیں اور مال غصب کئے جاتے ہیں جو شخص مجھ سے نہ لڑے گا میں بھی اس سے نہ لڑوں گا نہ تم کو برا کہوں گا، نہ آپس میں جنگ و جدل برپا کروں گا نہ سوء ظن اور تہمت میں ماخوذ کروں گا، لیکن اگر تم نے علانیہ میری نافرمانی کی بیعت توڑی اور بادشاہ سے مخالفت شروع کی تو خدا کی قسم جب تک میرے ہاتھ میں

تکوار رہے گی تم کو ماروں گا، خواہ تم میں کا ایک شخص بھی میری مدد نہ کرے ہاں مجھے امید ہے کہ تم میں باطل کے بہ نسبت حق کے پہنچانے والے زیادہ موجود ہیں۔

عبداللہ بن مسلم حلیف بنی امیہ بھی مجمع میں موجود تھا، والی حکومت کا یہ تساہل دیکھ کر جوش میں اٹھا اور کہا کہ ”آپ کی رائے اس معاملہ میں نہایت کمزور ہے، یہ نرمی کا وقت نہیں اس وقت آپ کو دشمن کے مقابلہ میں سخت ہونا چاہئے۔“ حضرت نعمانؓ نے فرمایا میں خدا کی معصیت میں قوی ہونے سے اس کی اطاعت میں کمزور رہنا زیادہ پسند کرتا ہوں، اور جس پردہ کو خدا نے لٹکا دیا ہے، میں اس کو چاک کرنا مناسب نہیں سمجھتا، عبداللہ نے وہاں سے واپس آ کر یزید کو خط لکھا کہ ”مسلم نے کوفہ آ کر تسلط کر لیا ہے اگر آپ کو یہاں حکومت کی ضرورت ہے تو کسی قوی شخص کو بھیجئے کہ آپ کے احکام نافذ کر سکے نعمان بالکل بودے شخص ہیں یا عدا کمزور بن رہے ہیں۔“ عبداللہ کے ساتھ عمارہ بن عقبہ، عمر بن سعد بن ابی وقاص نے بھی اسی مضمون کے خطوط روانہ کئے، یزید نے نعمانؓ کے بجائے عبید اللہ بن زیادہ کو کوفہ کا حاکم بنایا اور وہ شام چلے گئے^۱۔ یہ سن ۶۰ھ کا واقعہ ہے۔

اس کے بعد حمص کے امیر مقرر ہوئے اور یزید کی وفات تک اسی عہد پر قائم رہے۔ ۶۴ھ میں جب معاویہ بن یزید کا انتقال ہو گیا تو حضرت عبداللہ بن زبیر کی بیعت کی اہل شام کو دعوت دی، اور ان کی طرف سے حمص کے حاکم مقرر ہوئے۔ بعض روایتوں میں ہے کہ انہوں نے پہلے تو ابن زبیرؓ کی بیعت لی اس کے بعد خود اپنی بیعت لینا شروع کر دی^۲۔ لیکن یہ روایت قرین قیاس نہیں، اگر یہ واقعہ ہوتا تو تاریخ اور رجال میں اس کا تذکرہ ہوتا لیکن اکثر تذکرے اس ذکر سے بالکل سکت ہیں۔

نعمانؓ کی طرف اور لوگ بھی شام میں ابن زبیر کے طرفدار ہو گئے تھے، مروان نے یہ دیکھ کر شام کا سفر کیا، اور ایک لشکر فراہم کر کے ضحاک بن قیس کے مقابلہ کو بھیجا ضحاک ابن زبیر کی طرف سے بعض اضلاع شام کے حاکم تھے، نعمان کو خبر ہوئی تو شرجیل بن ذوالکلاع کے ماتحت کچھ فوج ضحاک کی مدد کے لئے روانہ کی مرج رہط ایک مقام پر لڑائی پیش آئی جس میں ضحاک کو شکست ہوئی، نعمانؓ کو معلوم ہوا تو خوف کی وجہ سے رات کو حمص سے کوچ کیا، مروان نے خالد بن عدی الکافؓ کو چند سوار دے کر تعاقب کے لئے بھیجا۔

وفات : حمص کے نواح میں بیران ایک گاؤں ہے وہاں سامنا ہوا، خالد نے نعمانؓ کو قتل کر کے سر کاٹ لیا اور ان کے اہل و عیال کو گرفتار کر کے مروان کے پاس حاضر ہوا بیوی اپنے شوہر کے پر عبرت

انجام کا تماشہ دیکھ چکی تھی۔ درخواست کی کہ ان کا سر میری گود میں دے دو، کیونکہ میں اس کی سب سے زیادہ مستحق ہوں، لوگوں نے سران کی گود میں ڈال دیا، یہ اوائل ۶۵ھ کا واقعہ ہے اس وقت حضرت نعمانؓ کی عمر ۶۴ سال کی تھی۔

اہل و عیال : ان کی بیوی جن کا ابھی ذکر ہوا، خاندان کلب سے تھیں، ان کا عجیب قصہ مشہور ہے۔ وہ امیر معاویہؓ کے محل میں تھیں کہ انہوں نے ایک روز یزید کی ماں مبسون سے کہا کہ تم اس عورت کو جا کر دیکھو، مبسون نے دیکھ کر بیان کیا کہ حسن جمال کے لحاظ سے اپنا نظیر نہیں رکھتی، لیکن اس کی ناف کے نیچے ایک تل ہے، اس لئے یہ اپنے شوہر کا سراپنی گود میں لے گی۔ چنانچہ حبیب بن مسلمہ نے ان سے نکاح کیا اور پھر طلاق دے دی۔ پھر حضرت نعمان نے نکاح کیا اور قتل ہونے کے بعد جیسا کہ مبسون نے پیشین گوئی کی تھی، ان کا سران کی گود میں رکھا گیا۔

اولاد میں تین لڑکے مشہور ہیں اور وہ یہ ہیں۔ محمد، بشیر، یزید۔

فضل و کمال :

حضرت نعمانؓ کو حدیث وفقہ سے کامل واقفیت تھی، اور اگرچہ نظم و نسق ملک و اقامت امن اور دوسری ذمہ داریوں اور مصروفیتوں میں ان علوم کا موقع نہ ملتا تاہم دایم الامارت وفقہ و حدیث کا مخزن بن گیا تھا۔ ہزاروں مقدمات فیصلہ کے لئے پیش ہوتے تھے۔ جن کو انہی علوم کی وساطت سے وہ فیصلہ کرتے تھے۔

حضرت نعمانؓ اگرچہ عہد نبوت میں ہشت سالہ تھے تاہم بہت سی حدیثیں یاد ہو گئی تھیں، بعد میں حضرت عمرؓ اور حضرت عائشہؓ کے فیض صحبت سے مستفیض ہوئے اپنے ماموں ابن رواحہؓ سے بھی حدیث سنی تھی۔

اس معاملہ میں اگرچہ نہایت محتاط تھے تاہم ان کی سند سے ۱۲۴ روایتیں منقول ہیں، فیصلے کے وقت حدیث کا حوالہ دیتے تھے، ایک مرتبہ ایک مقدمہ پیش ہوا، تو فرمایا کہ میں تیرا فیصلہ اسی طرح کروں گا جس طرح آنحضرت ﷺ نے ایک شخص کا فیصلہ کیا تھا۔

بعض وقت مسائل بھی بتلاتے تھے اور اس کا زیادہ تر خطبوں میں اتفاق ہوتا تھا، خطبے مذہبی اور سیاسی دونوں قسم کے ہوتے تھے اور نہایت فصیح و بلیغ ہوتے تھے، طرز اور انداز تعبیر پر قدرت تھی، اس

۱۔ یہ واقعات یعقوبی جلد ۲۔ ص ۳۰۵۔ واستیعاب جلد ۱۔ ص ۳۱۰ سے لئے گئے ہیں

۲۔ مسند ابن فضال جلد ۲۔ ص ۲۷۲

کو سہاک بن حرب نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے۔ ”میں نے جن لوگوں کے خطبے سنے ان میں نعمانؓ کو سب سے بڑھ کر پایا۔ خطبہ میں محل و مقام کے مناسب اعضاء کو حرکت دیتے تھے، ایک مرتبہ کہا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے تو اس لفظ پر انگلی سے کانوں کی طرف اشارہ کیا۔“

آنحضرت ﷺ اور اپنے زمان کی معاشرت کا نقشہ ان الفاظ میں کھینچا۔

ماکان نبیکم یشبع منه الدقل وما ترصنون دون الوان التمر والزبد۔

تم مختلف اقسام کے چھو ہاروں اور مکھن پر بھی راضی نہیں حالانکہ پیغمبر صاحب ردی چھو ہاروں سے بھی سیر نہ ہوئے۔

ایک مرتبہ منبر پر خطبہ دیا اور اس میں جماعت کو رحمت اور تفریق کو عذاب بنا کر پیش کیا تو یہ اثر ہوا کہ ابو امام باہلی اٹھے اور مجمع کو مخاطب کر کے کہا علیکم بالسواد الاعظم ۲۔ تم پر سواد اعظم کا اتباع فرض ہے۔

ان مواقع پر جن لوگوں کو حدیثیں سننے کا اتفاق ہوا، ان کی تعداد ہزاروں سے متجاوز ہے لیکن وہ لوگ جو تلاذمہ خاص کا درجہ رکھتے ہیں حسب ذیل ہیں۔

شعی، حمید بن عبد الرحمن، خثیمہ، سہاک بن حرب، سالم بن ابی الجعد، ابواسحق، سمیع بن عبد اللہ بن عقبہ، عروہ بن زبیر، ابو قلابہ الجرمی، ابوسلام الاسود، غیر از بن حرث، مفصل بن مہلب بن ابی صفرہ، ازہر بن عبد اللہ خزازی۔

نثر کے ساتھ نظم میں بھی دخل تھا، یہ اشعار انہی کی طرف منسوب ہیں

وانی لاعطی المال من لیس سانلا وادرک المولیٰ المعاند بالظلم

وانی متی ما یلقنی صار مالہ فما بیننا عند الشدند من حرم

فلاتعدد المولیٰ شریکک فی الغنی ولکنما الولیٰ شریک فی العدم

اذا مت ذوالقربی الیک برحمة وغشک واستغنی فلیس بذی رحم

ومن ذالک للمولیٰ الذی یتحققہ اذاک ومن یرمی المدو الذی توم

اخلاق : حضرت نعمانؓ شورش و فتنہ و فساد اور دیگر انقلابات میں گھر رہنے کے باوجود جبر و ظلم

روا نہیں رکھتے تھے، وہ نہایت نرم دل اور رحیم تھے اور شورش کے مواقع پر سختی کے بجائے لطف و کرم سے

کام لیتے تھے، مورخ طبری لکھتے ہیں :

کان حلیمًا ناسکا یحب العافیت وہ بردبار، عابد، اور عافیت پسند تھے
مسلم بن عقیل کا واقعہ اور اس کے متعلق حضرت نعمان کا خطبہ اوپر نقل ہو چکا قیس بن الہشیم
کو ایک خط لکھا تو اس میں تحریر فرمایا ”تم نہایت بد بخت بھائی ہو ہم نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا اور آپ
سے حدیث سنی تم نے نہ دیکھا نہ حدیث سنی۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ قیامت کے قریب بہت سے
تیرہ و تار فتنے اٹھیں گے جن میں آدمی صبح کو مسلمان ہوگا تو شام تک کافر ہو جائے گا اور لوگ دنیا کی تھوڑی
منفعت کے لئے اپنا مذہب بیچ ڈالیں گے۔ لیکن یہ نرمی طبع، جہن و بزدلی کی نتیجہ نہ تھی وہ حلم و تحمل
میں جس طرح یکتا تھے شجاعت و بسالت میں بھی نظیر نہیں رکھتے تھے۔

سخاوت کا بھی یہی حال تھا۔ حمص کے والی ہوئے تو آغشی ہمدانی پہنچا اور کہا کہ میں نے
یزید سے مدد کی درخواست کی لیکن اس نے نہ سنی اب تمہارے پاس آیا ہوں کہ کچھ قرابت کا پاس
کرو اور میرا قرض ادا کرو۔ نعمانؓ کے پاس کچھ نہ تھا، قسم کھا کر کہا میرے پاس کچھ نہیں پھر کچھ
سوچ کر کہا، ”ہنہ“ اور منبر پر کھڑے ہو کر ۲۰ ہزار کے مجمع میں ایک خطبہ دیا جس کا مضمون
حسب ذیل ہے :

”لوگو! آغشی ہمدانی تمہارے ابن عم ہیں۔ مسلمان اور عالی خاندان ہیں۔ ان کو روپیہ
کی ضرورت ہے اور تمہارے پاس اسی غرض سے وارد ہوئے ہیں۔ اب تمہاری کیا رائے
ہے؟ تمام مجمع نے یک زبان ہو کر کہا ”جو آپ کا حکم ہو“، فرمایا : ”میں میں کچھ حکم نہیں
دیتا، کہا تو فی کس ایک دینار (۵ روپے)۔“ فرمایا ”میں دو شخصوں میں ایک دینار“۔ سب
نے منظور کیا تو کہا کہ سر دست میں ان کو بیت المال سے دینے دیتا ہوں جب تنخواہ فارو پیہ
برآمد ہوگا تو وضع کر لیا جائے گا۔ حضرت نعمانؓ نے ۱۰ ہزار دینار (۵۰ ہزار روپیہ)
دئے، تو آغشی سراپا شکر و امتنان تھا۔“

چنانچہ حسب ذیل اشعار مدح میں کہے۔

فلم ارل للحاجات عند انکما شہا

کنعمان اعنی ذالنندی ابن بشیر

حاجتوں کے پیش آنے کے وقت میں نے نخی نعمان بن بشیر کی طرح کسی کو نہیں دیکھا

اذا قال اورنی بالمقال ولم یکن
کمدل الی الا قوال حیل غروے

جب وہ چھ کہتے ہیں تو اپنے قول کو ایسا کرتے ہیں اس شخص کی طرح نہیں جو لوگوں کی طرف ہونے کی دہری اٹھاتے ہیں

فلو لا اخو الانصار کنت کنازل

ثوی لم ینقلب بنقیر

اگر یہ انصاری نہ ہوتے تو میں اس شخص کی طرح ہوتا جو نہیں اتر کر ٹھہرے اور پیچھے لڑنے لگے

متی اکفر النعمان لم اک شاکرا

ولا خیر فیمن لم یکن بشکور

جب میں نعمان کا کفر ان کے ہونے میں اسان مندی کا مادہ نہیں کہ جو شکر گزار نہیں اس میں کوئی بھلائی نہیں



حضرت نعمان بن عجلانؓ

نام و نسب :

نعمان نام۔ خاندان زریق سے ہیں، سلسلہ نسب یہ ہے :

نعمان بن عجلان بن نعمان ابن عامر بن زریق اپنی قوم کے سردار تھے اور انصار کی عمومی سیادت کی وجہ سے گویا ان کی زبان بن گئے تھے۔

حالات : ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ کے زمانہ مبارک میں بیمار ہوئے تو آپ ﷺ خود میادت لوتشریف لائے اور صحت کی دعا فرمائی ۔

جناب امیر کرم اللہ وجہہ کے مہدِ خلافت میں بحرین کے عامل تھے۔ حضرت سعد بن عبادؓ اور حضرت ابن عباسؓ کی طرح شاید وہ بھی خلافت کو اپنا حق سمجھتے تھے چنانچہ ان کے خاندان کا جو شخص بھی ان کے پاس پہنچتا اس کو انعام و اکرام سے مالا مال کر دیتے ایک شاعر نے اس واقعہ کو نظم کر دیا ہے۔

وفات : حضرت علیؓ یا امیر معاویہؓ کے زمانہ خلافت میں وفات پائی۔

اہل و عیال :

اہل و عیال کی تفصیل معلوم نہیں۔ اتنا معلوم ہے کہ بیوی کا نام خولہ بنت قیس تھا جو انصار سے تھیں۔ پہلے حضرت حمزہؓ عم رسول اللہ ﷺ کو منسوب تھیں ان کی شہادت کے بعد ان کے نکاح میں آئیں۔

حلیہ : عذیہ یہ تھا۔ پست قد، سرخ رنگ، لوگ ان کو کمر و بچھتے تھے۔

فضل و کمال : شاعر تھے اور شعر اچھے کہتے تھے۔ مہدِ خلافت راشدہ اور انصار کے نمایاں کارناموں کو نظم کا جامہ پہنایا ہے جو اور کتابوں میں منقول ہے۔



حضرت ہلال بن اُمیہؓ

نام و نسب :

قبیلہ اوس کے خاندان سے ہیں، سلسلہ نسب یہ ہے :

ہلال بن امیہ بن عامر بن قیس بن عبدالاعلم بن عامر بن کعب بن واقف (مالک) بن امراء

القیس بن مالک بن اوس۔

والد کا نام ایسہ تھا، اور حضرت کلثوم بن الہدم جن کے مکان میں آنحضرت ﷺ نے ہجرت

کے بعد قیام کیا تھا، ان کی یہ ہم شیر تھیں۔

اسلام : عقبہ ثانیہ کے بعد مسلمان ہوئے، اور خاندان واقف کے بت توڑنے کی سعادت حاصل کی۔

غزوات اور عام حالات :

بدر اور احد میں شرکت کی، فتح مکہ میں واقف کے علمدار تھے غزوہ تبوک میں شریک

ہوئے، آنحضرت ﷺ واپس تشریف لائے تو خود ہی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ مجھے

کوئی عذر نہ تھا، یونہی بیٹھا رہ گیا، اور شریک نہ ہو سکا، آنحضرت ﷺ نے جب لوگوں کو ان سے بات

چیت کرنے کی ممانعت فرمادی تو یہ گھر میں بیٹھ رہے، اور شب و روز گریہ و زاری میں لگ گئے، ۴۰

دن گذر گئے تو آنحضرت ﷺ کا حکم پہنچا کہ اپنی بیوی سے علیحدہ ہو جاؤ، ان کی بیوی حاضر خدمت

ہوئیں اور عرض کی کہ ہلال بہت بوڑھے ہیں اور ان کے پاس خدمت کے لئے کوئی آدمی نہیں، کیا

میں ان کی خدمت کر سکتی ہوں۔ فرمایا ہاں لیکن وہ تمہارے پاس نہ آنے پائیں، بولیں وہ تو حرکت

کرنے کے بھی قابل نہیں ۱۰ روز کے بعد جب ۵۰ دن پورے ہوئے تو یہ قبول ہوئی اور یہ آیت

اتری، ”و علی الثلاثة الذین خلفوا“۔

غالباً اس واقعہ کے بعد ہی لعان کا واقعہ پیش آیا، شریک بن حنظلہ، ایک شخص تھے ہلال نے

اپنی بیوی کو ان کے ساتھ متہم کیا اور جا کر آنحضرت ﷺ سے بیان کیا ارشاد ہوا کہ ”دو صورتیں ہیں، یا تو

ثبوت پیش کرو یا اپنی پیٹھ پر درے کھاؤ، ہلال نے کہا یا رسول اللہ (ﷺ) جب ہم میں سے کوئی شخص اپنی

بیوی کے پاس دوسرے کو دیکھے تو کیا اس کے لئے اس کا ثبوت بھی ہم پہنچانا ضروری ہے آنحضرت ﷺ

نے فرمایا کہ ثبوت پیش کرو ورنہ سزا ہوگی۔ تو ہلالؒ بولے اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق و صداقت کے ساتھ مبعوث کیا ہے میں سچا ہوں اور امید ہے کہ خدا میری برأت میں قرآن نازل کرے گا جس سے میری پیٹھ حد سے بچ جائے گی“ اس کے بعد آیت لعان (والذین یرمون ازواجہنم الخ سورہ نور) اتری، تو آنحضرت ﷺ نے عورت کو بلا بھیجا اور ہلالؒ بھی آگئے اور انہوں نے شہادت دی تو آپ نے فرمایا کہ اللہ جانتا ہے کہ تم دونوں میں ایک یقیناً جھوٹا ہے تو کیا تم سے کوئی توبہ کر رہا ہے، پھر عورت اٹھی اور اس نے بھی شہادت دی پانچویں مرتبہ لوگوں نے اس کو روکا اور کہا کہ اس قسم کا نتیجہ قطعی برآمد ہوگا، تو حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ وہ عورت یہ سن کر ہچکچائی اور پیچھے ہٹ گئی، اور ہم نے یہ سمجھا کہ وہ اعتراف کر لے گی، لیکن اس نے کہا کہ میں اپنی قوم کو کبھی رسوا نہیں کر سکتی اور اس نے اپنی شہادت پوری کر دی، ارشاد ہوا، خیال رکھنا اگر سرگیں چشم پر گوشت سرین اور موٹی پنڈلیوں والا لڑکا ہو تو شریک کا سمجھا جائے گا چنانچہ شریک کا مصورت لڑکا پیدا ہوا آنحضرت ﷺ کو معلوم ہوا تو فرمایا کہ اگر اللہ کا حکم نہ آیا ہوتا تو میرا اس کے ساتھ کچھ اور سلوک ہوتا۔

اوپر گزر چکا ہے کہ یہی عورت جب آنحضرت ﷺ سے اپنے شوہر کی خدمت گزاری کی اجازت لینے والی تھی، تو آپ کے استفسار پر کہا تھا۔

”واللہ ما بہ حرکۃ الی شئ“

”میرا شوہر کسی قسم کی حرکت کے قابل نہیں۔“

اس سے قیاس ہوتا ہے کہ حضرت ہلالؒ کا خیال بالکل صحیح تھا، چنانچہ ایسا ہی واقعہ بھی ہوا۔

وفات : سنہ وفات صحیح طور پر متعین نہیں۔ لیکن ابن شاہین نے لعان کے قصہ کو جس سلسلہ سے روایت کیا ہے اس میں اخیر نام عکرمہ کا ہے جنہوں نے ہلالؒ سے بلا واسطہ اس قصہ کو سنا تھا، اگر یہ صحیح ہے تو ہلالؒ نے امیر معاویہؓ کے زمانہ میں وفات پائی۔

اخلاق : صحیح بخاری میں کعب بن مالکؓ سے روایت ہے کہ ہلالؒ اور فلاں دونوں نہایت صالح تھے۔ اور درحقیقت بنو سلمہ کے بت توڑنا، تیوک میں اور لوگوں کے برخلاف جھوٹا وہبانہ سے گریز کرنا اپنی بیوی کے واقعہ میں صاف گوئی سے کام لینا، ان کے جوش ایمان زہد و تقویٰ اور راست بازی و صداقت کی نہایت روشن علامات ہیں۔



حلفائے انصار
یعنی
وہ لوگ جو قبائل انصار کے ہم معاہدہ تھے
حضرت ابو بردہؓ بن نیار

نام و نسب :

ہانی نام۔ ابو بردہ کنیت قبیلہ بلی سے ہیں، سلسلہ نسب یہ ہے :
ہانی بن نیار بن عمرو بن حبید بن کلاب بن وہمان بن غنم بن ذبیان بن ہمیم بن کابل بن
ذیل بن بلے۔

اسلام : عقبہ ثانیہ میں مسلمان ہوئے۔

غزوات : بدر، احد، خندق اور تمام غزوات میں شرکت کی۔ غزوہ احد میں مسلمانوں کے پاس
صرف دو گھوڑے تھے جن میں ایک ابو بردہؓ کا تھا۔ فتح مکہ میں بنو عارضہ کا علم انہی کے پاس تھا
مہذبوت کے بعد حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی تمام لڑائیوں میں شریک رہے۔
وفات : امیر معاویہؓ کے زمانہ خلافت میں ۳۱ھ میں وفات پائی۔
اولاد : کوئی اولاد نہیں چھوڑی۔

فضل و کمال : البتہ معنوی اولاد بہت سی ہیں اور ان میں سے بعض کے نام یہ ہیں، براء بن عازبؓ
(بھانجے تھے)، جابر بن عبد اللہؓ، عبد الرحمن بن جابرؓ، کعب بن عمیر بن عقبہ بن نیار، نصر بن نیار، بشیر
بن یسار۔ روایتوں کی تعداد (۲۰) ہے۔



نام و نسب :

ثابت نام۔ ابولہ حداح کنیت، قبیلہ بلی کے خاندان انیف یا بھلان سے تھے اور عمرو بن نفوف کے حلیف تھے۔ سلسلہ نسب یہ ہے :

ثابت بن وحداح بن نعیم ابن غنم بن آپاس۔

اسلام : ہجرت کے بعد مسلمان ہوئے۔

غزوات :

غزوہ احد میں نمایاں شرکت کی جنگ کی شدت سے جب مسلمانوں کے پاؤں اکھڑے تو انہوں نے آگے بڑھ کر انصار کو آواز دی، ”ادھر! ادھر!“ ثابت بن وداحؓ میں ہوں! اگر محمد ﷺ قتل ہوئے تو خدا موجود ہے تم کو اپنے دین کے لئے لڑنا چاہیے، خدایٰ فتح و نصرت عطا فرمائے گا۔“ انصار کے چند جانبا ز اس دعوتِ حق کے خیر مقدم کے لئے بڑھے۔ قریش مکہ کی ایک زبردست جماعت جس میں خالد، عمرو ابن عاص، عکرمہ بن ابو جہل، ضرار بن خطاب اور دیگر روسائے قریش تھے ۔۔۔۔۔۔۔۔۔

قریب کھڑی تھی انہوں نے گروہ انصار کے ان جانبا زوں کے ساتھ اس جماعت پر حملہ کیا۔ خالدؒ نے بڑھ کر نیزہ مارا جس سے حضرت ابودحادؓ زخمی ہو کر زمین پر گر پڑے لوگ اٹھا کر لائے اور علاج شروع کیا اس وقت تو خون بند ہو گیا اور وہ اچھے ہو گئے لیکن غزوہ حدیبیہ کے بعد یکا یک زخم پھر پھٹ گیا اور اس کے صدمہ سے انہوں نے وفات پائی۔

وفات : آنحضرت ﷺ صحابہؓ کے ہمراہ جنازہ کی شرکت کے لئے تشریف لائے اور دفن کرنے کے بعد گھوڑا مزگا کر سوار ہوئے۔ اس موقع پر آپؐ نے فرمایا، جنت میں چھوہارے کی کتنی شاخیں ہیں جو ابن دعداحؓ کے واسطے لٹکانی گئی ہیں!۔

اس کے بعد عاصم بن ہدی کو طلب فرمایا اور پوچھا تم لوگوں سے ان کی پہچان قریب تھی؟
 بولے نہیں، ابولہبابہ بن عبدالمزہر ان کے بھانجے تھے آنحضرت ﷺ نے ترکہ ان کے حوالہ کیا۔
 اہل و عیال : کوئی اولاد نہ تھی۔ بیوی کا نام دحداح تھا۔ مسند کی ایک حدیث میں ان کا ذکر ہے۔

اخلاق : جوش ایمان کا یہ عالم تھا کہ جب آیت ”مَنْ ذَا الَّذِي يُقْرِضُ اللَّهَ قَرْضًا حَسَنًا فَيُضَاعِفُهُ لَهُ“ نازل ہوئی تو آنحضرت ﷺ سے کہا، خدا ہم سے قرض مانگتا ہے؟ فرمایا ہاں، حضرت ابوہریرہؓ نے اپنا مال صدقہ کر دیا۔

ایک شخص اپنے باغ کی دیوار اٹھانا چاہتا تھا۔ بیچ میں دوسرے کا درخت پڑتا تھا آنحضرت ﷺ سے کہا کہ وہ درخت مجھ کو دلوادیتے۔ آپ نے درخت والے کو بلا کر فہمائش کی اس نے انکار لیا تو فرمایا اس کے عوض جنت میں ایک درخت لودہ اس پر بھی راضی نہ ہوا۔ حضرت ابوہریرہؓ نے سنا تو اس کے پاس گئے اور کہا کہ مجھ سے دیوار لے لو اور اپنا درخت میرے ہاتھ فروخت کر دو۔ اس نے منظور کیا تو آنحضرت ﷺ کے پاس پہنچے اور اس واقعہ سے آگاہ کیا آپ نہایت خوش ہوئے اور فرمایا ابوہریرہؓ کے لئے جنت میں کتنے درخت ہیں۔

حضرت ابوہریرہؓ ”آنحضرت ﷺ کے پاس سے اٹھ کر باغ میں آئے اور بیوی سے کہا کہ یہاں سے نکل جاؤ۔ میں نے یہ باغ جنت کے ایک درخت کے معاوضہ میں بیچ ڈالا شوہر کی طرح بیوی بھی نہایت سعادت مند تھیں خوشی سے اس واقعہ کو سنا اور بولیں کہ یہ نہایت نفع کا سودا ہے۔“



حضرت حذیفہ بن الیمانؓ

نام و نسب :

حذیفہ نام۔ ابو عبد اللہ کنیت، صاحب السر لقب، قبیلہ عطفان کے خاندان عبس سے ہیں۔ نسب نامہ یہ ہے :

حذیفہ بن حیل بن جابر بن عمرو بن ربیعہ بن فرودہ ابن حارث بن مازن بن قطیعہ بن عبس بن بغیض بن ریث بن غطفان العبسی۔ والدہ کا نام رباب بنت کعب بن عدی بن عبد الاشہل تھا۔

حضرت حذیفہؓ کے والد اپنی قوم کے کسی شخص کو قتل کر کے مدینہ گئے تھے اور یہیں سکونت اختیار کر لی تھی عبد الاشہل کے خاندان سے حلف کا تعلق ہوا پھر بعد میں باہم قرابت بھی کر لی۔ کہتے ہیں کہ اوس و خزرج کا تعلق چونکہ یمن سے تھا اس لئے ان کی قوم نے ان کا نام یمان رکھ دیا۔ عبد الاشہل میں جو نکاح کیا تھا، اس سے حسب ذیل اولاد پیدا ہوئی، حذیفہ، عبد صفوان، مدح، لیث۔ یہ لوگ اولاد یمان کے نام سے مشہور ہوئے۔

اسلام : والدین نے اسلام کا زمانہ پایا اور مشرف باسلام ہوئے، بھائی بہنوں میں صرف حذیفہ اور صفوان کو یہ سعادت حاصل ہوئی، اس وقت آنحضرت ﷺ مکہ میں اقامت گزین تھے، حضرت حذیفہؓ ہجرت کر کے مکہ پہنچے اور آنحضرت ﷺ سے ہجرت اور نصرت کے متعلق رائے طلب کی تو آپ نے ہجرت کے بجائے نصرت کو ان کے لئے تجویز فرمایا۔

غزوات : اگرچہ غزوہ بدر میں شریک نہ ہو سکے، تاہم اپنے باپ کے ساتھ غزوہ کے ارادہ سے نکلے تھے لیکن راستہ میں کفار قریش نے روکا کہ محمد ﷺ کے پاس جانے کی اجازت نہیں، بولے کہ محمد کے پاس نہیں بلکہ مدینہ جاتے ہیں، چنانچہ ان لوگوں نے اس شرط پر پھوڑا کہ لڑائی میں محمد ﷺ کی طرف سے شریک نہ ہوں، انہوں نے خدمت اقدس میں پہنچ کر ساری داستان سنائی ارشاد ہوا کہ اپنے مہم پر قائم رہو اور مکان واپس جاؤ، باقی فتح و نصرت تو وہ خدا کے ہاتھ ہے، ہم اسی سے طلب بھی کریں گے۔

غزوہ احد میں شریک ہوئے والد بھی موجود تھے، اور ثابت بن قش کے ساتھ عورتوں کی حفاظت پر متعین تھے۔ جب مشرکین نے شکست کھا کر راہ فرار اختیار کی تو کسی شیطان نے آواز دی۔ دیکھنا مسلمان پہنچ گئے، چنانچہ مشرکین کا ایک دستہ پلٹ پڑا۔ جس سے مسلمانوں کی ایک جماعت سے مڈبھیڑ ہو گئی، حضرت حذیفہؓ کے والد درمیان میں تھے، یہ دیکھ کر کہ ان کی خیر نہیں حضرت حذیفہؓ نے آواز دی خدا کے بندو! یہ میرے باپ ہیں، لیکن نقار خانہ میں طوطی کی آواز کون سن سکتا تھا۔ ایک مسلمان نے نادانستہ قتل کر دیا۔ حضرت حذیفہؓ کو معلوم ہوا تو انتہائی حلم و غفوت کام لے کر کہا یَغْفِرُ اللّٰهُ لَکُمْ! خدا تم لوگوں کی مغفرت کرے۔ آنحضرت ﷺ کو خبر ہوئی تو اپنی بیب خاص سے حضرت حذیفہؓ کو دیت عطا کی اور اس فعل کو بہ نظر استحسان دیکھا۔

غزوہ خندق میں نمایاں حصہ لیا قریش مکہ جس سر و سامان سے اٹھے تھے اس کا یہ اثر تھا کہ مدینہ منورہ کی بنیادیں ہل گئیں، مدینہ کے چاروں طرف کوسوں تک آدمیوں کا ٹڈی دل پھیلا ہوا تھا۔ آنحضرت ﷺ نے جناب باری میں دعا کی اور مدینہ کی حفاظت کے لئے کھدوائی ایک رات عجیب واقعہ پیش آیا جو مسلمانوں کے حق میں تائید غیبی سے کم نہ تھا۔ قریش کا لشکر جنگل میں خیمہ زن تھا کہ یکا یک نہایت تیز و تند ہوا چلی جس سے خیموں کی طنابیں اکھڑ گئیں، ہانڈیاں الٹ گئیں، اور سردی نہایت تیزی سے چمک اٹھی ابوسفیان نے کہا اب خیر نہیں یہاں سے فوراً کوچ کرنا چاہئے۔ آنحضرت ﷺ کو ان لوگوں کی بڑی فکر تھی ارشاد ہوا ”کوئی جا کر مشرکین کی خبر لائے تو اس کو قیامت میں اپنی معیت کی بشارت سنا تا ہوں۔“ سردی اور پھر ہوا کی شدت کوئی شخص حای نہ بھرتا تھا، آپ نے ۳ مرتبہ یہی جملہ دہرایا لیکن کسی طرف سے جواب میں کوئی صدا نہ اٹھی چوتھی بار آپ نے حذیفہؓ کا نام لیا کہ ”تم جا کر خبر لاؤ۔“ چونکہ نام لے کر پکارا تھا، اس لئے تعمیل ارشاد میں اب کیا چارہ تھا اپنی جگہ سے اٹھ کر خدمت اقدس میں آئے ارشاد ہوا دیکھو، ”مشرکین کو میری طرف سے خوف نہ دلانا“ یعنی موقع پا کر کسی پر حملہ نہ کر دینا حضرت حذیفہؓ بہت تیز چلے مشرکین کے پڑاؤ پر پہنچے تو دیکھا کہ ابوسفیان پیٹھ سینک رہا ہے چاہا کہ تیر و کمان سے اس کا خاتمہ کر دیں لیکن پھر آنحضرت ﷺ کا قول یاد آیا اور اپنے ارادے سے باز آ گئے۔ واپس ہوئے تو دیکھا آنحضرت ﷺ اب تک نماز میں مصروف ہیں، نماز سے فارغ ہوئے تو خبر سنی اس کے بعد آپ نے حضرت حذیفہؓ کو کھیل اڑھایا وہ

۲۔ صحیح بخاری جلد ۲۔ ص ۵۸۱

۳۔ اصحاب جلد ۲۔ ص ۱۲

۱۔ اصحاب جلد ۲۔ صفحہ جلد ۲۔ ص ۱۳

۲۔ طبقات جلد ۲۔ ص ۵۰۔ قسم ۱

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

بہیں شب باش ہوئے، صبح ہوئی تو فرمایا، قم یا نو مان لے۔ اے سونے والے اب اٹھ۔
خندق کے بعد دیگر غزوات اور واقعات میں بھی شرکت کی۔

عام حالات :

عہد نبوت کے بعد عراق کی سکونت اختیار کی اور کوفہ نصیبین اور مدائن میں اقامت گزین ہوئے، نصیبین میں کہ الجزیرہ کا ایک شہر تھا شادی بھی کی۔^۱

عراق کے اضلاع فتح ہونے پر حضرت عمرؓ نے وہاں بندوبست کا ارادہ کیا تو دو مہتمم مقرر کئے علاقہ فرات کے حضرت عثمان بن حنیفؓ اور نواحِ دجلہ کے حضرت حذیفہؓ افسر مقرر ہوئے۔^۲ نواحِ دجلہ کی رعایا نہایت بے ایمان اور شریر تھی، اس نے اپنے مہتمم بندوبست حضرت حذیفہؓ کو اس کام میں کوئی مدد نہ دی بلکہ اٹنے مسخرہ پن کیا۔

با ایں ہمہ حضرت حذیفہؓ نے بندوبست کیا اور تشخص ایسی معقول کی کہ حکومت کی آمدنی بڑھ گئی چنانچہ جب حضرت عمرؓ سے مدینہ میں ملاقات ہوئی اور انہوں نے کہا کہ ”شاید زمین پر زیادہ بوجھ ڈالا گیا ہے“۔ حضرت حذیفہؓ نے جواب دیا ”لقد ترکت فضلاً“۔^۳ میں نے بہت زیادہ چھوڑ دیا ہے۔

۱۸ھ^۴ میں نہاوند پر فوج کشی کی تیاریاں ہوئیں اس وقت حضرت حذیفہؓ کوفہ میں مقیم تھے حضرت عمرؓ کا خط ملا کہ کوفہ کی فوج کو لے کر نکلو، اور نعمان بن مقرنؓ کے لشکر سے مل جاؤ، حضرت نعمانؓ نے نہاوند کے قریب پڑاؤ ڈالا اور فوج کی ترتیب قائم کی حذیفہؓ کو میمنہ سپرد کیا، لڑائی شروع ہوئی۔ اور سخت کشت و خون کے بعد مسلمانوں کو فتح حاصل ہوئی اسی میں حضرت نعمانؓ نے شہادت حاصل کی، حضرت عمرؓ نے سائب بن اقرح سے فرمایا تھا کہ نعمانؓ قتل ہوں تو حذیفہؓ امیر ہوں گے۔^۵ نعمانؓ نے بھی وفات سے قبل ان کی امارت کی وصیت کی تھی، چنانچہ ان کی شہادت کے بعد جب لوگوں کو امیر کی تلاش ہوئی تو معقل نے حذیفہؓ کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ تمہارے امیر یہ ہیں اور امید ہے کہ خدا ان کی آنکھیں فتح و ظفر کے ذریعہ سے ٹھنڈی کرے گا، تمام لشکر نے حضرت حذیفہؓ سے امارت پر بیعت کی اور وہ فوج لے کر نہاوند کی طرف بڑھے۔^۶

۳ کتاب الخراج ص ۲۱

۲ اسد الغابہ جلد ۱ ص ۳۹۱

۱ صحیح مسلم جلد ۲ ص ۸۹

۶ ایضاً جلد ۵ ص ۲۶۰۱

۵ طبری جلد ۵ ص ۲۶۳۲

۴ ایضاً ص ۲۱

۸ طبری جلد ۵ ص ۲۶۰۳، ۲۶۰۵

۵ اخبار الطوال ص ۱۳۶

نہاوند میں ایک آتش کدہ تھا اس کا موبد خدمت میں حاضر ہوا اور درخواست کی کہ مجھے امان ملے تو ایک متاع بے بہا کا پتہ دوں حضرت حذیفہؓ نے امان دی اور اس نے کس کی کے نہایت بیش بہا جواہرات الکر پیش کئے۔ حضرت حذیفہؓ نے مال غنیمت تقسیم کر کے پانچواں حصہ مع جواہرات کے حضرت مڑکی خدمت میں بھیج دیا۔ حضرت عمرؓ جواہرات دیکھ کر خفسہ ہوئے اور ابن ملکہ سے فرمایا فوراً واپس لے جاؤ اور حذیفہؓ سے کہو کہ ان کو بیچ کر فوج میں تقسیم کر دیں، حضرت حذیفہؓ اس وقت ماہ (نہاوند) میں مقیم تھے انہوں نے ۴ کروڑ درہم پر جواہرات فروخت کئے۔^۱

اس موقع پر حضرت حذیفہؓ نے اہل شہر کے نام جو فرمان جاری کیا وہ تمامہ درج کیا جاتا ہے۔

هذا ما اعطى حذيفة بن اليمان اهل ماہ دينار اعطاهم الامان على انفسهم واموالهم وارضيتهم لا يغيرون عن ملة ولا يحال بينهم وبين شرائعهم ولهم المنعة ما ادوا الجزية في كل سنة الى من وليهم من المسلمين على كل حلم في ماله ونفسه على قدر طاقته وما ارشدوا ابن السبيل واصلحوا الطرق وقروا جنود المسلمين من مربهم فاوى اليهم يوما وليلة ونصحوا فان غشوا وبدلوا فذمتنا منهم برئية. حذيفة بن يمان نے اہل ماہ کو ان کے جان و مال اور جائداد کے متعلق امان دی کہ ان کے مذہب سے بالکل تعرض نہ ہوگا اور نہ مذہب بدلنے پر مجبور کئے جائیں گے، اور ان میں ہر بالغ شخص جب تک سالانہ جزیہ ادا کرے گا، مسافروں کو راستہ بتائے گا، راستوں کو درست رکھے گا اسلامی لشکر کی جو یہاں ٹھہرے گا ایک شبانہ روز ضیافت کرے گا اور سلطنت کا خیر خواہ رہے گا ان صورتوں میں ان کی جان و مال اور زمین محفوظ رہے گی اور اگر انہوں نے اس عہد میں خیانت کی اور ان کی روش میں تغیر واقع ہو تو پھر مسلمان بری الذمہ ہیں۔

یہ عہد نامہ محرم ۱۹ھ میں لکھا گیا۔ اور اس پر قعقاع، نعیم بن مقرن، سوید بن مقرن کی گواہی ثبت کی گئی، آج مہذب ممالک کر میں اپنے دشمنوں کے ساتھ جو عہد نامے کئے جاتے ہیں ان کا

اس عہد نامہ سے مقابلہ کرو، کیا اس عفو و رحم، اور اس درگزر و حلم و رواداری کے باوجود بھی مسلمان متعصب، ظالم، جابر اور سخت گیر کے القاب کے سزاوار ہو سکتے ہیں۔

نہاوند فتح کرنے کے بعد حضرت حذیفہؓ اپنے سابق عہدہ یعنی بندوبست کی افسری پر واپس آ گئے۔

۲۲ھ میں حسب روایت بلاذری حملہ آذربائیجان میں فوج کا علم ملا چنانچہ نہاوند سے چل کر اردنیل پہنچے جو آذربائیجان کا دارالسلطنت تھا، یہاں کے رئیس نے ماجروان میمند سراقہ، ہنرمیان وغیرہ سے ایک لشکر فراہم کر کے مقابلہ کیا اور شکست کھائی، پھر ۸ لاکھ درہم سالانہ پر صلح ہوئی، حضرت حذیفہؓ وہاں سے موقان اور جیلانی کی طرف بڑھے اور فتح حاصل کی، اسی اثنا میں دوبار خلافت سے ان کی معزول کافرمان پہنچا اور عقبہ بن فرقد ان کی جگہ پر مقرر ہوئے۔

اس کے بعد غالباً مدائن کے والی بنائے گئے، حضرت عمرؓ کا قاعدہ تھا، کہ عاملوں کے فرمان تقرری میں اپنے احکام اور ان کے فرائض درج کرتے تھے لیکن حضرت حذیفہؓ کے نام جو فرمان تھا، اس میں صرف یہ لکھا کہ تم لوگ ان کی اطاعت کرنا اور جو طلب کر دیں دے دینا۔ حضرت حذیفہؓ مدائن پہنچے تو معززین شہر نے استقبال کیا، اور جب فرمان امارت پڑھا تو ہر طرف سے صدا بلند ہوئی کہ جو مانگنا ہو مانگئے، ہم لوگ ہر طرح حاضر ہیں حضرت حذیفہؓ نے کہ آنحضرت ﷺ اور خلفائے راشدین کے قدم بقدم چلتے تھے فرمایا کہ مجھے صرف اپنے پیٹ کا کھانا اور گدھے کے چارہ کی ضرورت ہے، جب تک یہاں رہوں گا تم سے اسی کا طلب گار رہوں۔ کچھ زمان کے بعد حضرت عمرؓ نے دار الخلافہ میں طلب فرمایا اور خود راستہ میں کسی مقام پر چھپ رہے، حذیفہؓ اپنی اسی قدیم شان سے نکلے تو حضرت عمرؓ سامنے آ کر لپٹ گئے اور فرمایا تم میرے بھائی ہو اور میں تمہارا بھائی ہوں۔ اس کے بعد اسی عہدہ پر قائم رکھا۔

حضرت عثمانؓ کے عہد خلافت میں حضرت علیؓ کے ابتدائے زمانہ خلافت تک اسی منصب پر فائز رہے۔ ۳۰ھ عہد حضرت عثمانؓ میں سعید بن عاص کے ہمراہ کوفہ سے غزوہ خراسان کے لئے نکلے طمیسہ نام ایک بندرگاہ پر لڑائی ہوئی، یہاں سعید بن عاص نے صلوة الخوف پڑھائی تو ان سے پوچھا کہ اس کا طریقہ کیا ہے۔ فتح حاصل کر کے رہے کی مہم پر روانہ ہوئے۔

۱۔ طبری جلد ۵۔ ص ۲۶۳۸ ۲۔ یہ تفصیل بلاذری میں ہے، طبری میں حملہ آذربائیجان اور ۹ درہم پر صلح کرنے کا

۳۔ اسد الغابہ جلد ۱۔ ص ۳۹۲

ایک موقع پر ضمناً ذکر آیا ہے، دیکھو جلد ۵۔ ص ۲۸۰۶۔ طبری

۴۔ اسباب جلد ۱۔ ص ۳۳۲

پھر وہاں سے سلمان بن ربیعہ اور حبیب بن مسلمہ کے ہمراہ آرمینیا کا رخ کیا اس وقت وہ کوفہ کی تمام فوج کے افسر اعلیٰ تھے^۱۔

۳۱ھ میں خاقان خزر سے ایک عظیم جنگ پیش آئی، جس میں سلمان اور ۴ ہزار مسلمانوں نے شہادت حاصل کی، حضرت حذیفہؓ "سلمان کے بجائے لشکر کے امیر ہوئے^۲۔ لیکن پھر دوسری مہم میں چلے گئے اور مغیرہ بن شعبہؓ کا ان کی جگہ پر تقرر ہوا۔

حضرت حذیفہؓ نے باب پر تین مرتبہ حملہ کیا^۳۔ تیسرا حملہ ۳۴ھ میں ہوا تھا^۴۔ یہ حضرت عثمانؓ کا اخیر عہد خلافت تھا، غزوہ ختم کر کے مدائن آئے اور زمام حکومت ہاتھ میں لی۔

وفات : یہاں پہنچ کر حضرت عثمانؓ کی شہادت کا واقعہ سنا^۵۔ اور اس کے ۴۰ روز کے بعد خود بھی وفات پائی، یہ ۳۶ھ کا واقعہ ہے۔

وفات سے پہلے ان کی عجیب کیفیت تھی نہایت سراسیمہ، خوف زدہ اور شدید گریہ و بکا میں مصروف تھے۔ لوگوں نے رونے کا سبب پوچھا تو بولے کہ دنیا چھوڑنے کا غم نہیں موت مجھ کو محبوب ہے، لیکن اس لئے رورہا ہوں کہ معلوم نہیں وہاں کیا پیش آئے گا، اور میرا حشر کیا ہوگا۔ جس وقت انہوں نے آخر سانس لی تو فرمایا "خدا یا اپنی ملاقات میرے لئے مبارک کرنا کیونکہ تو جانتا ہے کہ تجھے میں نہایت محبوب رکھتا ہوں^۶۔

جنازہ کے ساتھ کثیر مجمع تھا، ایک شخص نے اشارہ کر کے کہا کہ میں نے ان سے سنا تھا کہ آنحضرت ﷺ نے جو کچھ فرمایا ہے کہ اس کے بیان کرنے میں ہم کو کوئی مضائقہ نہیں اور اگر تم لوگ آمادہ قتال ہو تو میں اپنے گھر بیٹھ رہوں گا، اس پر بھی کوئی وہاں پہنچے گا تو کہوں گا کہ آ اور میرے اور اپنے گناہ اپنے سر لے کے۔

وفات کے وقت اپنے دو بیٹوں کو وصیت کی کہ علیؓ سے بیعت کرنا، چنانچہ ان دونوں نے حضرت علیؓ سے بیعت کی اور صفین میں قتل ہوئے^۷۔ حضرت حذیفہؓ نے خود بھی حضرت علیؓ سے بیعت کی تھی۔

اولاد : حسب ذیل اولاد چھوڑی، ابو عبیدہؓ، بلالؓ، صفوان سعید، صاحب طبقات کے زمانہ میں ان کی اولاد مدائن میں موجود تھی^۸۔ بیویاں غالباً دو تھیں۔

۱۔ ایضاً۔ ص ۲۸۹۳۔ ۲۔ یعقوبی۔ جلد ۲۔ ص ۱۹۳۔ ۳۔ طبری۔ ص ۲۸۹۳۔ ۴۔ ایضاً۔ جلد

۶۔ ص ۲۹۳۶۔ ۵۔ طبقات۔ جلد ۶۔ ص ۸۔ ۶۔ اسد الغابہ۔ جلد ۱۔ ص ۳۹۲۔

۷۔ سند۔ جلد ۵۔ ص ۸۹۹۔ ۸۔ متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ۔ طبقات۔ جلد ۶۔

حلیہ : صورت سے حجازی معلوم ہوتے تھے حلیہ یہ تھا، قد متوسط، بدن اکہرا آگے کے دانت خوبصورت^۱۔ نظر اس قدر تیز تھی کہ صبح کے اندھیرے میں تیر کا نشانہ دیکھ لیتے تھے۔
فضل و کمال :

حضرت حذیفہؓ علمائے کبار میں تھے فقہ و حدیث کے علاوہ اسلام پر قیامت تک جو انقلابات ہونے والے ہیں، ان کے بہت بڑے عالم تھے، منافقین اسلام کے متعلق جو واقفیت تھی، اس کے لحاظ سے وہ آنحضرت ﷺ کے محرم راز تسلیم کئے جاتے تھے۔
ایک مرتبہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے پاس بیٹھے تھے اور لوگ بھی تھے، دجال کا ذکر آیا تو فرمایا کہ میں اس کے متعلق ان سے زیادہ معلومات رکھتا ہوں^۲۔

آنحضرت ﷺ نے ایک دن ایک خطبہ میں قیامت تک کے تمام واقعات صحابہؓ کے سامنے بیان فرمائے تھے حضرت حذیفہؓ کو وہ خطبہ یاد تھا بعض باتیں فراموش ہو گئی تھیں لیکن جب کوئی واقعہ پیش آتا تو یاد آ جاتی تھیں، بعینہ اس طرح کہ آدمی کسی شخص کو ایک مرتبہ دیکھتا ہے اور پھر اس کو بھول جاتا ہے لیکن پھر جب کبھی سامنا ہوتا ہے تو اس کی پہلی صورت آنکھوں میں پھر جاتی ہے^۳۔

ان کا خود بیان ہے کہ آنحضرت ﷺ نے انہیں تمام واقعات کی خبر دے دی تھی، صرف ایک بات باقی رہ گئی تھی، اور وہ یہ کہ مدینہ والوں کے مدینہ سے نکلنے کا سبب کیا ہوگا^۴۔

صحابہؓ عام طور پر آنحضرت ﷺ سے فضائل اعمال نماز روزہ اور اسی قسم کی باتیں دریافت کرتے تھے، لیکن حضرت حذیفہؓ یہ نہیں پوچھتے تھے ان کا قول ہے کہ
كنت اسأله عن الشر فخافة ان يدر كنى^۵۔

میں آنحضرت ﷺ سے برائیاں پوچھتا تھا، کہ ان میں مبتلا نہ ہو جاؤں۔
صحابہؓ میں ان کا لقب ”محرم راز نبوت“ تھا حضرت ابو درداء کہتے تھے۔

اليس فيكم صاحب السر

کیا تم میں اسرار کا سب سے بڑا عالم موجود نہیں۔

ایک مرتبہ حضرت عمرؓ کے پاس بہت سے صحابہؓ جمع تھے، حضرت عمرؓ نے فرمایا فتنہ کے متعلق کسی کو کچھ معلوم ہوتا ہے حضرت حذیفہؓ نے کہا، مال و دولت اہل و عیال اور ہمسایہ کے متعلق آدمی سے

۱۔ مسند جلد ۵۔ ص ۴۰۰ و ۴۰۳
۲۔ صحیح مسلم جلد ۲۔ ص ۵۱۴
۳۔ صحیح مسلم جلد ۵۔ ص ۴۹
۴۔ ایضاً
۵۔ صحیح بخاری جلد ۲۔ ص ۱۰۴۹

جو کچھ سرزد ہوتا ہے اس کا نماز، صدقہ، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر سے کفارہ ہو جاتا ہے۔ حضرت عمرؓ نے کہا پوچھنے کا یہ مقصد نہیں، وہ فتنے بتاؤ جو سمندر کی طرح جوش ماریں گے حذیفہؓ نے جواب دیا کہ ”آپ کے اور ان کے درمیان ایک دروازہ حائل ہے اس لئے آپ کو تردد کی ضرورت نہیں“ فرمایا ”دروازہ کھولا جائے گا یا توڑا جائے گا۔“ بولے ”توڑا جائے گا فرمایا تو پھر کبھی بند نہ ہوگا کہا جی ہاں۔“

حضرت حذیفہؓ نے جب ایک مجلس میں یہ حدیث بیان کی وہاں شقیق بھی تھے، انہوں نے کہا کہ کیا عمرؓ کو دروازہ کی خبر تھی؟ فرمایا ہاں جس طرح تم یہ جانتے ہو کہ دن کے بعد رات ہوتی ہے لوگوں نے پوچھا تو دروازہ سے کیا مراد ہے؟ فرمایا خود عمرؓ^۱۔

حضرت حذیفہؓ سے اس قسم کی بہت سی روایتیں ثابت ہیں اور اس قسم کے اسرار ان کو بہت معلوم تھے جو زیادہ تر اسلام کی سیاست سے تعلق رکھتے تھے صحابہؓ میں حضرت حذیفہؓ کے علاوہ اور بھی ماہرین اسرار تھے جن کا وجود ہم کو حضرت حذیفہؓ ہی کے ذریعہ سے معلوم ہوا ہے۔ صحیح مسلم میں ان سے روایت ہے کہ^۲۔

”میں اس وقت سے قیامت تک کے تمام فتنوں کو جانتا ہوں لیکن اس سے یہ نہ سمجھا جائے کہ میرے سوا اور کسی کو ان باتوں کی خبر نہ تھی۔ آنحضرت ﷺ نے ہم کو ایک مجلس میں ایک دن یہ باتیں بتلائی تھیں۔ اور چھوٹے بڑے تمام واقعات کی خبر دی تھی۔ چنانچہ ان میں سے میرے سوا اب کوئی باقی نہیں۔“

حضرت حذیفہؓ اپنے علم سے وقفاً وقفاً کام لیتے اور مسلمانوں کو ان کے مستقبل کی نسبت مطلع کرتے رہتے تھے، ایک مرتبہ عامر بن حنظلہ کے گھر میں خطبہ دیا تو فرمایا۔

ان هذا الحى من مضر لا تدع الله فى الارض عبدا صالحا الا افنته
واهلكته حتى يدركها الله بجنود من عبادہ فبذلها حتى لا تمتنع ذنب تعلقه.
قریش ایک زمانہ میں دنیا کے کسی نیک بندہ کو نہ جھوڑیں گے اور اس کو فتنہ سے آلودہ
کر کے ہلاک کریں گے اس وقت خدا ان کو اپنے بندوں کی ایک فوج سے بالکل
پامال کر دے گا۔

لوگوں نے کہا آپ کیا کہتے ہیں، آپ خود بھی تو قریشی ہیں، فرمایا اس کو کیا کروں میں نے
آنحضرت ﷺ سے اسی طرح سنا ہے۔^۳

۱ صحیح بخاری جلد ۳۔ ص ۱۰۵۱ ۲ صحیح مسلم جلد ۲۔ ص ۴۹۷ ۳ مسند جلد ۵۔ ص ۳۹۰، ۳۹۵، ۴۰۴

ایک مرتبہ فرمایا کہ آنحضرت ﷺ نے ہم سے دو باتیں بیان کی تھیں جن میں ایک کو میں دیکھ چکا ہوں دوسری کا انتظار ہے۔ اس کے بعد خود کہتے ہیں کہ مجھ پر ایک وقت تھا کہ جس امیر سے بیعت کرتا اس کی نسبت مجھ کو کچھ تردد نہ ہوتا تھا، اگر وہ مسلمان ہوتا تو اسلام کے ذریعہ اور نصرانی ہوتا مسلمان عمال کے ذریعہ سے ہم پر حکومت کرتا تھا لیکن اب میں بیعت میں تامل کرتا ہوں، میری نگاہ میں اسکے اہل صرف چند اشخاص ہیں میں انہی کے ہاتھ پر بیعت کر سکوں گا^۱۔

حضرت حذیفہؓ نے اسلام کے مستقبل کی نسبت ایک پیشنگوئی فرمائی ہے، جو آج ہماری حالت پر بالکل صادق آتی ہے اور وہ یہ ہے۔

لَا تَقُومُ السَّاعَةُ حَتَّى يَسُودَ كُلَّ قَبِيلَتِهَانَا فَقُوهَا^۲۔

قیامت اس وقت آئے گی جب قبیلوں کے سردار منافق ہو جائیں گے۔

حضرت حذیفہؓ سے بہت سی حدیثیں مروی ہیں جن کو صاحب خلاصہ نے ۱۰۰ سے اوپر شمار کیا ہے یہ ذخیرہ حضرت حذیفہؓ نے آنحضرت ﷺ اور حضرت عمرؓ سے فراہم کیا تھا۔

ان کے راویان حدیث میں متعدد صحابہ ہیں جن کے نام نامی یہ ہیں جابرؓ، جندب بن عبد اللہ بجلي، عبد اللہ بن یزید خطمیؓ، ابو الطفیلؓ، تابعین میں کثیر جماعت سے بعض کے نام یہ ہیں، قیس بن ابی حازم ابو وائل، زید بن وہب، ربیع بن خراش، زبر بن جیش، ابو ظبیان، حصین بن جندب، صلہ بن زفر، ابو اوریس خولانی عبد اللہ بن عکیم، اسود بن یزید نخعی، عبد الرحمن بن یزید، عبد الرحمن بن ابی لیلیٰ، ہمام بن الحارث، یزید بن شریک التیمی۔

مہمات سلطنت کی وجہ سے اگرچہ بہت کم فرصت رہتی تھی تاہم جب کبھی فرصت ملتی تو حدیث کا درس دیتے تھے کوفہ کی مسجد میں حلقہ قائم ہوتا اور حضرت حذیفہؓ حدیث بیان فرماتے^۳۔

شاگردان کا نہایت ادب کرتے تھے اور ان سے ڈرتے تھے بشکری ایک مرتبہ مسجد میں آئے تو دیکھا کہ تمام مجمع خاموش اور ایک شخص کی طرف ہمہ تن متوجہ ہے، ان کے الفاظ یہ ہیں۔

كَانَمَا قَطَعْتَ رِئُوسَهُمْ^۴۔

گویا مجمع کے سر کاٹ لئے گئے ہیں۔

شاگردوں کے خوف کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ جب انہوں نے حضرت عمرؓ سے متعلق فتنہ والی حدیث بیان کی تو باوجود اس کے کہ پوری رموز و اشارات کا مجموعہ تھی کھاکو پوچھنے کی ہمت نہ

۱ بخاری۔ جلد ۲۔ ص ۱۰۳۹ و ۱۰۵۰۔

۲ استیعاب۔ جلد ۱۔ ص ۱۰۶۔

۳ مسند۔ جلد ۵۔ ص ۳۰۳۔

۴ ایضاً۔ جلد ۵۔ ص ۳۸۶۔

پڑی چنانچہ انہوں نے سرورق کو جو عبد اللہ بن مسعودؓ کے ارشد تلامذہ میں تھے^۱۔ اس کے پوچھنے پر آمادہ کیا اور انہوں نے پوچھا۔

ایک مرتبہ حضرت حذیفہؓ "معراج کی حدیث بیان کر رہے تھے کہ زربن جیش آئے حضرت حذیفہؓ نے کہا کہ آنحضرت ﷺ بیت المقدس میں داخل نہیں ہوئے زربو لے آنحضرت ﷺ اندر گئے تھے اور نماز پڑھی تھی، فرمایا گنجے تیرا کیا نام ہے میں تجھے پہچانتا ہوں لیکن نام نہیں جانتا۔ انہوں نے نام بتایا تو فرمایا کہ تمہیں یہ کیونکر معلوم ہوا کہ آنحضرت ﷺ نے نماز پڑھی تھی کہا قرآن سے، فرمایا آیت پیش کرو، انہوں نے وہ آیت پڑھی جس میں معراج کا تذکرہ ہے، سبطن الذی اسری بعبدہ الخ (وہ پاک ذات ہے جو اپنے بندہ کو شب کے وقت لے گیا) حضرت حذیفہؓ نے کہا، اس میں نماز کا کہاں تذکرہ ہے زرب نے لا جواب ہو کر اپنی غلطی کا اعتراف کیا^۲۔

روایت حدیث میں سخت محتاط تھے، عبدالرحمن بن ابی لیلیٰ کہتے ہیں۔

وانا ان سالناہ لم یحدثنا^۳۔

ہم ان سے حدیث کی خواہش کرتے تو نہ بیان کرتے۔

اسی وجہ سے لوگ موقع کے منتظر رہتے تھے۔ جب کوئی واقعہ پیش آتا اور وہ حدیث بیان کرتے تو تمام مجمع کو نہایت اہتمام سے خاموش کیا جاتا تھا، دہقان کے واقعہ میں جب حدیث بیان کی تو لوگوں نے کہا اسکتوا اسکتوا^۴ چپ رہو چپ رہو۔

ایک مرتبہ وہ اور حضرت ابو مسعودؓ ساتھ تھے ایک نے دوسرے سے حدیث کی درخواست کی تو ہر شخص دوسرے پر ٹالتا تھا کہ بل حدث انت^۵ تم ہی بیان کرو۔

اخلاق و عادات :

زہد کا یہ عالم تھا کہ مدائن کے زمانہ کمارت میں بھی طرز معاشرت میں کوئی تعمیر نہ پیدا ہوا عجم کی آب و ہوا میں رہنے اور منصب امارت پر فائز ہونے کے باوجود کوئی ساز و سامان نہیں رکھتے تھے، سواری کے لئے ہمیشہ گدھا استعمال کرتے تھے، استغناء کا یہ عالم تھا کہ قوت لایموت سے زیادہ اپنے پاس کچھ نہیں رکھتے تھے ایک مرتبہ حضرت عمرؓ نے کچھ مال بھیجا تو سب اٹھا کر تقسیم کر دیا^۶۔

۱۔ مسند جلد ۵۔ ص ۳۹۷

۲۔ مسند جلد ۵۔ ص ۳۸۷

۳۔ صحیح بخاری جلد ۲۔ ص ۱۰۵۱

۴۔ اسد الغابہ جلد ۱۔ ص ۳۹۲

۵۔ ایضاً ص ۴۰۷

۶۔ ایضاً ص ۳۹۷

اس استغناء کے ساتھ عبادت اور ذکر الہی میں جواں بہا تھا، اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ کے ساتھ تمام رات نماز پڑھتے رہ گئے اور اف تک نہ کی صبح کے وقت جب حضرت بلالؓ نے اذان پکاری تو اس وقت تک ان بزرگوں کی صرف دو رکعتیں ہوئی تھیں۔^۱

امر بالمعروف کا یہ حال تھا کہ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ نے کہ نہایت جلیل القدر صحابی تھے غایت احتیاط کی بناء پر شیشی میں پیشاب کرنا شروع کیا کہ چھینٹ نہ پڑنے پائے ان کو معلوم ہوا تو کہا کہ یہ شدت ٹھیک نہیں، آنحضرت ﷺ نے ایک مرتبہ ایک گھوڑے پر کھڑے ہو کر پیشاب کیا تھا، میں آپ کے ساتھ تھا، ہلنا چاہا تو ارشاد ہوا کہ قریب رہو چنانچہ میں بالکل آپ کی پشت کے قریب ہی کھڑا رہا۔^۲

ایک مرتبہ کچھ لوگ بیٹھے باتیں کر رہے تھے حدیفہؓ آئے اور فرمایا کہ یہ باتیں آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں نفاق میں شمار کی جاتی تھیں۔^۳

ایک شخص مسجد میں نہایت غلٹ سے نماز پڑھ رہا تھا حضرت حدیفہؓ آئے تو فرمایا تم کتنے زمانہ سے اس طرح نماز پڑھتے ہو؟ بولا ۴۰ برس سے، فرمایا تمہاری ۴۰ سال کی نماز بالکل رائگاں گئی اور اگر اسی طرح نماز پڑھتے ہوئے تم مر گئے تو دین محمدی پر نہ مرو گے اس کے بعد اس کو نماز کا طریقہ بتلایا اور کہا چھوٹی رکعت پڑھو لیکن رکوع و سجود میں اعتدال کا خیال رکھو۔^۴

حضرت عثمانؓ کے ایام محاصرہ میں ربیعہ زیارت کے لئے مدائن آئے تو پوچھا کہ عثمانؓ پر خروج کن لوگوں نے کیا ہے ربیعہ نے نام گنائے تو فرمایا کہ میں نے آنحضرت ﷺ سے سنا ہے کہ جس نے جماعت کو چھوڑا اور امارت کو ذلیل کیا وہ خدا کے نزدیک بالکل بے وقعت ہے۔^۵

ایک شخص مجلس کے وسط میں بیٹھا تو فرمایا آنحضرت ﷺ نے ایسے شخص پر لعنت کی ہے۔^۶ عرب میں وفات کی خبر نہایت اہتمام سے مشتہر کی جاتی تھی، آنحضرت ﷺ نے اس کی ممانعت فرمائی ہے، حضرت حدیفہؓ اس پر اس شدت سے عامل تھے کہ جب کوئی مرتا تو اس کی خبر تک نہ کراتے کہ شاید اس میں بھی وہ صورت پیدا ہو جائے۔^۷

۱۔ مسند۔ جلد ۵۔ ص ۴
۲۔ ایضاً۔ جلد ۵۔ ص ۳۸۲
۳۔ ایضاً۔ ص ۳۸۲
۴۔ ایضاً۔ جلد ۵۔ ص ۳۷۶

۵۔ ایضاً۔ ص ۳۸۷
۶۔ ایضاً۔ ص ۳۹۸
۷۔ ایضاً۔ جلد ۵۔ ص ۳۷۶

راستبازی خاص شعار تھی ان کے ایک شاگرد ربیع حدیث روایت کرتے تو کہتے ۔

حدثنی من لم یکذبنی

مجھ سے اس نے حدیث بیان کی جو مجھ سے جھوٹ نہ بولتا تھا۔

لوگ سمجھ جاتے کہ حذیفہ مراد ہیں^۱۔

ایک شخص حضرت عثمانؓ کو ان کی باتیں پہنچاتا تھا، سامنے سے نکلا تو لوگوں نے کہا کہ یہ امراء کے پاس تمام خبریں لے جاتا ہے فرمایا ایسا شخص جنت میں نہیں جاسکتا^۲۔

ایک مرتبہ لوگوں نے کہا کہ آنحضرت ﷺ کے کسی ایسے صحابی کو بتلائیے جو آپ سے رفتار و گفتار و مذہب غرض ہر چیز میں مشابہ ہو۔ فرمایا ایسے شخص بن مسعودؓ ہیں لیکن جب تک گھر کے باہر رہتے ہیں باقی گھر میں کیا کرتے ہیں اس کی مجھ کو اطلاع نہیں^۳۔

عفو و درگزر جس پیانہ پر موجود تھا وہ بجائے خود ایک معجزہ ہے ان کے والد کو مسلمانوں نے غلطی سے قتل کر دیا۔ انہوں نے غصہ کرنے اور ان سے انتقام لینے کے بجائے ان کے لئے مغفرت کی دعا کی، عروہ بن زبیرؓ کا بیان ہے کہ عفو و درگزر کی صفت حضرت حذیفہؓ میں اخیر وقت تک موجود تھی^۴۔

اطاعت رسول (ﷺ) کا حال غزوہ خندق کے سلسلہ میں آپ پڑھ چکے ہیں کہ صحابہؓ میں ایک شخص بھی مشرکین کے لشکر میں جانے کی ہمت نہ کرتا تھا، لیکن حضرت حذیفہؓ گئے اور آنحضرت ﷺ سے جنت کی بشارت حاصل کی۔

ایک مرتبہ راستہ میں آنحضرت ﷺ سے ملاقات ہوئی اور آپ ان کی طرف بڑھے تو بولے میں جنبی ہوں، فرمایا مومن جس نہیں ہو سکتا^۵۔

آنحضرت ﷺ کے ساتھ کھانا کھانے کی سعادت حاصل ہوتی تو پہلے خود نہ شروع کرتے بلکہ آنحضرت ﷺ ابتدا فرماتے تھے^۶۔

رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں تقرب و خصوصیت کا یہ عالم تھا کہ ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ نے ان کے سینہ سے ٹیک لگائی تھی۔ ایک مرتبہ آزار کی حد بتائی تو ان کی پنڈلی دست مقدس سے پکڑی^۷۔ غزوہ خندق کی رات کو مشرکین کی خبر لائے تو اپنا کھیل اڑھایا، اور

۱۔ ایضاً ص ۲۸۵، ۲۰۱ ۲۔ ایضاً ص ۲۸۹ ۳۔ ایضاً ص ۲۸۹، ۳۹۳ ۴۔ صحیح بخاری ج ۲ ص ۵۸۱
۵۔ مسند ص ۲۸۲ ۶۔ ایضاً ص ۲۸۳ ۷۔ ایضاً ص ۳۹۱ ۸۔ ایضاً ص ۲۸۲

اپنی سواری پر بٹھایا۔ ایک رات اپنے حجرہ میں رکھا ان کا بیان ہے کہ آنحضرت ﷺ نماز کے لئے اٹھے تو لحاف کا ایک کنارہ خود اوڑھے تھے اور دوسرا حضرت عائشہؓ پر پڑا تھا اور وہ نسوانی مجبوری کی وجہ سے نماز کو نہ اٹھ سکیں۔^۲

آنحضرت ﷺ کی خدمت میں آتے تو بسا اوقات ظہر، عصر، مغرب، عشاء کی نمازیں آپ کے ساتھ پڑھتے اور اتنے عرصہ تک شرف صحبت سے مشرف رہتے۔^۳

آنحضرت ﷺ کی خدمت کرتے، اور طہارت کے لئے پانی دیتے تھے۔^۴

ایک روز ان کی والدہ نے کہا کہ تم آنحضرت ﷺ کی خدمت میں کب سے نہیں گئے انہوں نے مدت بیان کی تو بہت خفا ہوئیں اور سخت ست کہا بولے اچھا چھوڑیے جاتا ہوں، اور مغرب کی نماز آنحضرت ﷺ کے ساتھ پڑھتا ہوں اور اپنے اور آپ کے لئے استغفار کراتا ہوں چنانچہ خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور نماز پڑھ کر آپ کے پیچھے ہوئے، آپ نے مڑ کر دیکھا تو یہ نظر آئے پوچھا کون حدیفہ! فرمایا غفر اللہ لک و لامک۔^۵ خدا تجھے اور تیری ماں دونوں کو بخشے۔

تمام لوگوں سے اچھی طرح ملتے لیکن بیوی سے سخت گفتگو کرتے، اس کا احساس ہوا تو آنحضرت ﷺ سے عرض کی ارشاد ہوا کہ تم استغفار کیا کرو۔^۶

غصہ کم آتا تھا لیکن جب احکام شرع پا مال ہوتے دیکھتے تو ان کے غیض و غضب کی کوئی انتہا نہ رہتی تھی، مدائن میں کسی جگہ پانی مانگا ایک رئیس نے چاندی کے برتن میں لا کر پیش کیا۔ تو انہوں نے جھنجھلا کر پیالہ اس پر کھینچ مارا اور فرمایا کیا میں نے تم کو تنبیہ نہیں کر دی تھی کہ رسول اللہ ﷺ نے سونے چاندی کے برتنوں کے استعمال کی ممانعت کی ہے۔^۷

بغض و کینہہ دیر تک قائم نہ رکھتے جن لوگوں سے شکر رنجی ہو جاتی تھی ان سے جلد صاف ہو جاتے تھے اصحاب عقبہ میں سے ایک صاحب سے کسی معاملہ میں بگاڑ ہو گیا تھا اور بول چال ترک ہو گئی تھی لیکن حضرت حدیفہؓ نے خود ہی چھیڑ کر گفتگو کی اور بالآخر ان کو بھی اپنا طرز عمل بدلنا پڑا۔^۸

استغناء کے واقعات اوپر مذکور ہو چکے ہیں طبعاً بڑے فیاض اور سیر چشم تھے، کوئی کھانے کے وقت پہنچ جاتا تو اس کو شریک کر لیتے۔^۹

۱۔ ایضاً ۳۹۳ ۲۔ ایضاً ۳۰۰ ۳۔ ایضاً ۳۹۲ ۴۔ مسند ۳۹۱۔ ترمذی ۶۲۔ ۵۔ مسند جلد ۵۔ ص ۳۹۳

۶۔ ایضاً ۳۹۶ ۷۔ ایضاً ۳۹۰ ۸۔ ایضاً ۳۹۶ ۹۔ ایضاً ۳۹۶

مذکورہ بالا محاسن و مکارم کی بناء پر حضرت عمرؓ ان کا بڑا احترام کرتے تھے جس جنازہ پر وہ نماز پڑھتے خود بھی پڑھتے اور جس پر وہ نماز نہ پڑھتے حضرت عمرؓ بھی نہ پڑھتے تھے^۱۔

ایک مرتبہ حضرت عمرؓ نے صحابہؓ سے فرمایا کہ اپنی اپنی تمنائیں پیش کیجئے سب نے کہا کہ زرد جو اہر سے بھرا ہوا ایک گھڑ ملتا اور اس کو خدا کی راہ میں خرچ کر دیتے، حضرت عمرؓ نے کہا میری تمنا تو یہ ہے کہ مجھ کو ابو عبیدہؓ، معاذ بن جبل اور حذیفہؓ بن یمان جیسے لوگ ملیں اور ان کو سلطنت کے عہدے تفویض کروں^۲۔



حضرت زید بن سعنہ

زید نام، بنی اسرائیل سے تھے، اور یہود میں بہت بڑے حبر (عالم) شمار ہوتے تھے، آنحضرت ﷺ مدینہ تشریف لائے تو صورت دیکھتے ہی ان کو آپ کی نبوت کا یقین ہو گیا تو راقہ میں نبوت کی جو علامات مذکور ہیں ان سے تطبیق دی تو صرف دو باتوں کی کمی محسوس ہوئی جن کا تعلق اخلاق سے تھا، اور انہی کی تحقیق پر ان کا ایمان لانا موقوف تھا۔

چنانچہ ایسا اتفاق ہوا کہ ایک روز دربار نبوی میں ایک سوار پہنچا کہ فلاں گاؤں کے لوگ کے مسلمان ہو گئے لیکن قحط زدہ ہیں، آپ سے کچھ امداد ہو سکے تو درلغ نہ کیجئے۔ شہنشاہ مدینہ کے پاس نام خدا کے سوا اور کیا تھا۔ زیدؓ کو اب آزمائش کا موقع ملا، تو راقہ میں پیغمبر کی دو علامتیں مذکور ہیں، ایک یہ کہ اس کا علم اس کے غیظ و غضب پر سبقت کرتا ہے، اور دوسری یہ کہ جاہلانہ حرکتوں کا جواب تحمل سے دیتا ہے زیدؓ علم کے ساتھ مال و دولت سے بھی بہرہ مند تھے۔

حضور کی خدمت میں آئے اور کہا ”محمد اگر چاہو تو فلاں باغ کے چھوہارے اتنی مدت کے لئے میرے ہاتھ رہن کرو۔ آپ نے ۸۰ دینار (۴۰۰ روپے) پر چھوہاروں کی ایک معین مقدار رہن کر دی اور روپیہ سوار کے حوالہ کیا۔

ایک روز آنحضرت ﷺ ایک انصاری کے جنازہ پر تشریف لائے، حضرت ابو بکرؓ و عمرؓ بھی ساتھ تھے نماز سے فارغ ہوئے تو زیدؓ نے میعاد ختم ہونے سے قبل ہی تقاضہ شروع کیا اور نہایت سختی کی چادر اور قمیض کا دامن پکڑا پھر آپ کی طرف گھور کر دیکھا اور کہا محمد میرا حق نہ دو گے؟ خدا کی قسم عبدالمطلب کی اولاد ہمیشہ کی نادہند ہے۔

یہ جملہ سن کر حضرت عمرؓ کو طیش آ گیا، بولے خدا کے دشمن! میرے سامنے رسول اللہ ﷺ کو یہ باتیں کہنا ہے خدا کی قسم وار خالی جانے کا احتمال نہ ہوتا تو ابھی تیرا سراڑ اذیتا، آنحضرت ﷺ حضرت عمرؓ کی طرف دیکھ کر مسکرائے اور فرمایا ”یہ بات زیبا نہیں تم ان کا قرض ادا کرنے کی فکر کرو، ان کو لے جا کر روپے دو، ۲۰ صاع اور زیادہ دنیا جو اس خفگی کا جرمانہ ہے،“ زیدؓ نے حضرت عمرؓ سے روپیہ لیا، اور چونکہ ان دونوں وصفوں کی اب تصدیق ہو گئی تھی، اس لئے کلمہ توحید پڑھ کر فوراً مسلمان ہو گئے۔

غزوات : اکثر غزوات میں شامل ہوئے۔

وفات : غزوہ تبوک میں مدینہ واپس ہوتے وقت شہادت نصیب ہوئی، اس غزوہ میں نہایت شجاعت سے لڑے تھے، صاحب اصابہ لکھتے ہیں :

استشهد فی غزوۃ تبرک مقبلا غیر مدبرؑ۔



حضرت سعد بن حبتہ

نام و نسب :

سعد نام ہے۔ ابن حبتہ عرف، قبیلہ بجیلہ سے ہیں اور عمرو بن عوف کے حلیف ہیں۔
سلسلہ نسب یہ ہے :

سعد بن بحیر بن معاویہ بن نفیل بن سدوس بن عبد مناف بن ابی اسامہ بن کلمہ ابن سعد
بن عبد اللہ بن قذاذ بن معاویہ بن زید بن غوث بن انمار بن اریش۔
والدہ کا نام حبتہ بنت مالک تھا، اور قبیلہ عمرو بن عوف سے تھیں۔ اسلام کا زمانہ پایا اور
مسلمان ہوئیں۔

اسلام : حضرت سعد بھی ان کے ساتھ اسلام لائے۔

غزوات : غزوہ بدر اور احد میں کم سنی کی وجہ سے شریک نہ ہو سکے^۱۔ غزوہ خندق میں شرکت کی اس وقت
۱۵ برس کا سن تھا نہایت جوش سے لڑے آنحضرت ﷺ نے پوچھا تمہارا کیا نام ہے۔ بولے ”سعد بن حبتہ“ فرمایا
اسعد اللہ جدک، خدا تمہیں خوش نصیب کر کے پھر پاس بلا کر ان کے سر پر اپنا ہاتھ پھیرا^۲۔

۶ھ میں غابہ نامی ایک مقام پر غزوہ کے لئے گئے یہاں آنحضرت ﷺ کی ۲۰ اونٹنیاں چرنے
کے لئے گئی تھیں عینیہ بن حصن کے ۴۰ سوار آ کر ان کو ہانک لے گئے ایک شخص دوڑتا ہوا مدینہ آیا، کھڑے
ہو کر فریاد کی الفزع الفزع آنحضرت ﷺ نے آواز سن کر سواروں کو امداد کے لئے بھیجا لیکن سواروں
کی روانگی سے قبل عمرو بن عوف میں آواز پہنچ گئی تھی، اور وہاں سے ابو قتادہ اور سعد بن حبتہ وغیرہ روانہ
ہو چکے تھے، موقع پر پہنچ کر مقابلہ ہوا، ابو قتادہ نے سعد پر حملہ کیا اور اس حبتہ نے اس کو مار کر زرا دیا^۳۔

مصنف اصحابہ نے اس واقعہ کو احد سے متعلق بتایا ہے لیکن وہ ابن کلبی کی روایت ہے اور
بخاری و مسلم کے علاوہ تمام کتب سیر کے خلاف ہے غزوہ ذی قرد کے (ہیرو) حضرت سلمہ بن اکوع ہیں
جن سے صحیح مسلم میں ایک طویل روایت منقول ہے اس کا ایک فقرہ یہ ہے :

فواللہ ما یشنا الاثلث لیل حتی خرجنا الی خیبر مع رسول اللہ ﷺ

غزوہ ذی قرد کے بعد ۳ دن بھی نہ گزرے تھے کہ آنحضرت ﷺ کے ساتھ خیبر کی لڑائی پر ہم
لوگ روانہ ہوئے۔

۱ استیعاب۔ جلد ۲۔ ص ۵۶۹ ۲ اسد الغابہ۔ جلد ۶۔ ص ۲۷۰ ۳ طبقات ابن سعد۔ جلد ۲۔ ص ۵۸
قسم او اصحابہ۔ جلد ۳۔ ص ۷۲ ۴ صحیح مسلم۔ جلد ۲۔ ص ۱۰۱

صحیح بخاری سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے، باب غزوہ ذات القرد میں ہے:

وهي الغزوة التي اغاروا على لقاح النبي ﷺ قبل خيبر بثلاث^۱۔

ذی قردوہ غزوہ ہے جس میں کفار نے آنحضرت ﷺ کی اونٹنیوں پر خیبر سے ۳ روز قبل لوٹ ڈالی تھی۔

مسلم کی روایت میں ایک اور جملہ مذکور ہے۔

ثم قلنا المدينة فبعث رسول الله ﷺ بظهره مع رباح غلام رسول الله ﷺ وانا معه^۲۔

ہم (یعنی سلمہ) حدیبیہ سے مدینہ آئے تو آنحضرت ﷺ نے اپنی اونٹنیاں رباح کے

ہاتھ جو آپ کے غلام تھے (غابہ) روانہ کیں میں بھی رباح کے ساتھ چلا۔

ان روایتوں سے حسب ذیل باتوں پر روشنی پڑتی ہے۔

۱۔ غزوہ غابہ، حدیبیہ کے بعد ہوا۔

۲۔ حضرت سلمہ لڑائی اور لوٹ ت پہلے غابہ میں موجود تھے۔

۳۔ غزوہ غابہ کے ۳ دن بعد خیبر کی مہم پیش آئی۔

اس سے معلوم ہوا کہ یہ واقعہ ۶ھ یا ۷ھ کا ہے کیونکہ صلح حدیبیہ ۶ھ اور خیبر اوّل ۷ھ میں پیش آیا تھا اس لئے اس کو غزوہ احد ملحق سمجھنا کسی طرح صحیح نہیں۔

وفات : عہد نبوت کے بعد کوفہ میں اقامت کی اور یہیں انتقال کیا حضرت زید بن ارقمؓ نے نماز جنازہ پڑھائی اور تکبیریں کہیں۔

اولاد : ۳ بیٹے اور ایک لڑکی یادگار چھوڑی، فقہ حنفی کے دست راست اور اسلام کے سب سے پہلے قاضی القضاۃ حضرت امام ابو یوسفؒ انہی کی اولاد ہیں۔^۳

فضل و کمال :

روایتیں بہت کم ہیں، آنحضرت ﷺ کے علاوہ حضرت علیؓ اور حضرت زید بن ارقمؓ سے بھی حدیثیں سنی تھیں، راویوں میں ان کے ایک بیٹے نعمان ہیں۔



حضرت سمرہؓ بن جندب

نام و نسب :

سمرہ نام، ابو عبد الرحمن کنیت، سلسلہ نسب یہ ہے :

سمرہ بن جندب بن ہلال بن حرتج بن مراہ بن حزن بن عمرو بن حابر بن ذوالریاستین خشین بن لای بن عاصم (عصیم) بن سحج بن فزارہ ابن ذبیان بن بغیض بن ریث بن غطفان۔

حضرت سمرہؓ کے باپ ان کی صفر سنی میں فوت ہوئے ماں ان کو لے کر مدینہ آئیں اور انصار میں نکاح کا پیام دیا لیکن شرط یہ پیش کی کہ شوہر پر میری اور سمرہ دونوں کی کفالت ضروری ہوگی، مری بن شیبان بن ثعلبہ نے اس کو منظور کیا، اور عقد ہو گیا، سمرہؓ نے انہی کے ظل عاطفت میں تربیت پائی۔ اسلام : ہجرت کے بعد مسلمان ہوئے۔

غزوات : کم سنی کی وجہ سے بدر میں شرکت نہ کی احد میں انصار کے لڑکے معائنہ کی غرض سے آنحضرت ﷺ کے سامنے پیش ہوئے تو آنحضرت ﷺ نے ایک لڑکے کو جنگ کے قابل سمجھ کر میدان میں جانے کی اجازت دے دی اور سمرہؓ نے کہا آپ ان کو اجازت دیتے ہیں حالانکہ میں ان سے طاقتور ہوں، اور یقین نہ ہو تو کشتی لڑا کر دیکھ لیجئے آنحضرت ﷺ نے کشتی کا حکم دیا جس میں سمرہؓ نے اپنے مقابل کو اٹھا کر دے پڑا آپ نے یہ دیکھ کر ان کو بھی میدان جنگ میں جانے کی اجازت دے دی۔

احد کے بعد تمام غزوات میں شریک ہوئے۔

عہد نبوی مدینہ میں بسر کیا، بعد میں بصرہ کی سکونت اختیار کی، ۵۰ھ میں جب مغیرہ بن شعبہ والی کوفہ کا انتقال ہو گیا، اور زیاد بن سمیہ بصرہ کے ساتھ کوفہ کا بھی والی ہو گیا، تو اس نے حضرت سمرہؓ کو اپنا نائب مقرر کیا۔ وہ بصرہ اور کوفہ میں ۶-۶ ماہ رہتا تھا، حضرت سمرہؓ بھی دونوں جگہ قیام فرماتے وہ بصرہ آتا تو یہ کوفہ اور وہ کوفہ پہنچتا تو یہ بصرہ چلے جاتے تھے۔

زیاد کا عہد حکومت ہر حیثیت سے یادگار رہے گا۔ اس کے عہد میں امن و امان کا اس درجہ اہتمام تھا کہ کسی قسم کی شورش بصرہ اور کوفہ میں نشوونما نہ پاسکی، انقلاب پسندوں کا ایک گروہ جو زمانہ قدیم سے موجود تھا، اس نے ایک مرتبہ سر اٹھایا تو اچھی طرح اس کی سرکوبی کی گئی۔

خوارج جن کا ظہور جناب امیر رضی اللہ عنہ کے عہد مبارک میں ہوا نہایت مفسد اور شورہ پشت تھے، باوجود اس کے کہ حضرت امیر رضی اللہ عنہ سے جنگ نہروان میں ان کو شکست ہوئی اور ان کے بڑے بڑے بہادر مارے گئے، لیکن پھر بھی پورے طور پر ان کا استیصال نہ ہوسکا، وقتاً فوقتاً سرکشی کرتے اور علم بغاوت بلند کرتے تھے، بصرہ اور کوفہ ان کے مرکز تھے۔ زیادہ کو ان کے قلع قمع کرنے کی بڑی فکر تھی، حسن اتفاق سے سمرہ بھی اس کے ہم خیال تھے، اس بناء پر سمرہ نے خوارج کے قتل کا بالکل تہیہ کر لیا^۱۔ صاحب اسد الغابہ لکھتے ہیں^۲۔

کان اذا اتى بواحد منهم قتله ويقول شرق قتل تحت اديم السماء
يكفرون المسلمين ويسفكون الدماء۔

سمرہ کے پاس جو خارجی آتا قتل کراتے اور کہتے کہ آسمان کے نیچے یہ سب سے بدتر
مقتول ہیں کیونکہ مسلمانوں کو کافر کہتے ہیں اور خونریزی کرتے ہیں۔

خوارج اسی شدت اور عداوت کی وجہ سے حضرت سمرہ کو برا کہتے ہیں اور ان کی روش پر
اعتراض کرتے تھے ان کے مقابلہ میں فضلاء بصرہ کا ایک گروہ جس میں ابن سیرین اور جس بصری
بھی شامل تھے۔ ان کی تعریف کرنا اور ان کی طرف سے جواب دیتا تھا۔

رمضان ۵۳ھ میں جب زیاد نے وفات پائی تو نظام حکومت میں بھی کچھ تغیر ہوا، بصرہ اور
کوفہ دو جدا گانہ صوبے قرار پائے اور دونوں کے الگ الگ والی مقرر ہوئے، حضرت سمرہ بصرہ کے والی
مقرر ہوئے، جو کم و بیش ایک سال تک اس منصب پر رہے۔ اور ۵۳ھ میں امیر معاویہ کے حکم سے
معزول ہوئے۔

وفات : ۵۴ھ میں انتقال کیا جسم میں سردی سا گئی تھی، علاج کے لئے گرم پانی کی دیگ پر عرصہ تک
بیٹھ رہے لیکن کوئی فائدہ نہیں ہوا، آخر اس نے مرض الموت کی صورت اختیار کر لی ایک روز شدت سے سردی
محسوس ہوئی آتش دانوں میں آگ جلوا کر چاروں طرف رکھوائی لیکن کچھ فاقہ نہ ہوا فرمایا گیا بتلاؤ کہ پیٹ کی
کیا حالت ہے غرض اس بے چینی میں دیگ پر بیٹھے اور کھولتے پانی میں گر کر انتقال فرما گئے۔ آنحضرت ﷺ
نے حضرت ابو ہریرہؓ، ابو مخنفہؓ اور سمرہؓ سے ایک موقع پر فرمایا تھا کہ تم تینوں میں سب کے بعد مرنے والا آگ
میں حل کر مرے گا۔ چنانچہ حضرت سمرہ کی وفات سے اس پیشنگوئی کی تصدیق ہو گئی^۳۔

۱۔ طبری۔ جلد ۷۔ ص ۹۱۔ ۲۔ اسد الغابہ۔ جلد ۲۔ ص ۳۵۴۔ ۳۔ طبقات ابن سعد۔ جلد ۶۔ ص ۲۲۔ ۱۰۔ اسد
الغابہ۔ جلد ۲۔ ص ۳۵۵۔ ۱۱۔ استیعاب۔ جلد ۲۔ ص ۵۸۰۔

اولاد : اولاد کی صحیح تعداد معلوم نہیں اور دولڑکوں کے نام یہ ہیں سلیمان۔ سعد۔
فضل و کمال :

حضرت سرہؒ فضلاء صحابہ میں تھے۔ اور باوجود یہ کہ عہد نبوت میں صغیر السن تھے سینکڑوں حدیثیں یاد تھیں استیعاب میں ہے^۱۔

کان من الحفاظ المکثرین عن رسول اللہ ﷺ

وہ حدیث کے حافظ اور آنحضرت ﷺ سے کثیر روایت کرتے تھے۔

تہذیب التہذیب میں ہے کہ ان کی احادیث کا ایک بڑا نسخہ ان کے بیٹے کے پاس تھا۔
سیرین کہتے ہیں کہ یہ رسالہ علم کے بہت بڑے حصہ پر مشتمل تھا۔^۲

حضرت سرہؒ کو احادیث یاد رکھنے میں خاص اہتمام تھا۔ حافظہ غیر معمولی تھا جس بات کا ارادہ کرتے یاد ہو جاتی تھی، آنحضرت ﷺ نماز میں دو جگہ ٹھہرا کرتے تھے ایک تکبیر کے بعد جب سبحانک اللہم پڑھتے۔ دوسرے ”ولا الضالین“ کے بعد آمین کہتے یہ حضرت سرہؒ کو یاد تھا اور وہ اس پر عامل بھی تھے۔ حضرت عمران بن ”حصین جو ان سے معمر تھے بھول گئے تھے۔ سرہؒ نے نماز میں اس پر عمل کیا تو معترض ہوئے۔ حضرت ابی بن ”کعب کو مدینہ خط لکھا گیا انہوں نے جواب دیا سرہؒ کو ٹھیک یاد ہے۔^۳

اسی طرح خطبہ میں ایک حدیث روایت کی ثعلبہ بن عباد عبدی موجود تھے، کہتے ہیں کہ جب دوبارہ بیان کی تو الفاظ میں کہیں بھی تفاوت نہ تھا۔^۴ باہنہ قوت حفظ، روایت حدیث میں محتاط تھے، مسند احمد میں ہے۔

انہ لیمنعی ان اتکلم بکثیر مما کنت اسمع من رسول اللہ ﷺ ان ھلھنا
من ھو اکثر منی و کنت لیلتئذ غلاماً دانئ کنت لاحفظ ما اسمع
منہ۔ (مسند۔ جلد ۵۔ ص ۱۹)

میں نے آنحضرت ﷺ سے بہت کچھ سنا لیکن اس کو بیان کرنے میں اکابر صحابہ کا ادب مانع ہوتا ہے یہ لوگ مجھ سے عمر میں بڑے ہیں، میں آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں لڑکا تھا، تاہم جو کچھ سنتا تھا یاد رکھتا تھا۔

۱۔ استیعاب۔ جلد ۲۔ ص ۲۷۹۔ ۲۔ تہذیب۔ جلد ۲۔ ص ۱۹۸۔ ۳۔ اسد الغابہ۔ جلد ۲۔ ص ۳۵۴۔
۴۔ مسند۔ جلد ۵۔ ۵۔ ایضاً۔ ص ۱۶۔

کبھی کبھی احادیث روایت کرتے اور کسی کو کوئی شبہ ہوتا تو اس کا جواب دیتے تھے۔ ایک شخص نے آنحضرت ﷺ کے ایک معجزہ کو سنا اور پوچھا کہ کیا کھانا زیادہ ہو گیا تھا؟ بولے تعجب کی کیا بات ہے؟ لیکن وہاں (آسمان) کے سوا اور کہیں سے نہیں بڑھا تھا۔^۱

حضرت سمرہؓ نے آنحضرت ﷺ اور حضرت ابو عبیدہؓ بن جراح سے روایتیں کی ہیں۔ کتابوں میں ان کی سند سے کل (۱۲۳) حدیثیں مندرج ہیں، راویوں کے نام حسب ذیل ہیں۔ حضرت عمرانؓ بن حصین، شعبی، ابن ابی لیلیٰ، علی بن ربیعہ، عبد اللہ بن بریدہ، حسن بصری، ابن سیرین، مطرف بن شخیر، ابوالعلاء، ابورجاء، قدامہ بن دبرہ، زید بن عقبہ، ربیع بن عمیلہ، ہلال بن لیاف، ابونضرۃ العبدی، ثعلبہ بن عباد۔

اخلاق : حضرت سمرہؓ میں بہت سی اخلاقی خوبیاں تھیں۔ وہ نہایت امانت دار، راست گو اور بھی خواہ اسلام تھے۔^۲

پچھنا لگانا آنحضرت ﷺ کی سنت ہے اس پر عمل درآمد کرتے تھے۔^۳

عرب میں احف نامی ایک شخص نے ایک خاص قسم کی تلوار ایجاد کی تھی جو حنیفیہ کے نام سے مشہور تھی، آنحضرت ﷺ کے پاس اسی قسم کی تلوار تھی، سمرہؓ نے اس کی نقل بنوائی ان کے شاگردوں میں ابن سیرین نے بھی اس کی نقل لی تھی۔^۴

آنحضرت ﷺ نماز میں جیسا کہ آپ نے اوپر پڑھا دو جگہ سکوت کرتے تھے حضرت سمرہؓ کا بھی اس پر عمل تھا۔^۵



۱۔ مسند۔ ص ۱۸۔ ۲۔ استیعاب۔ جلد ۲۔ ص ۵۷۹۔ ۳۔ مسند۔ جلد ۵۔ ص ۱۸۔ ۴۔ ایضاً۔ ص ۲۰۔ ۵۔ ایضاً۔ جلد ۵۔ ص ۲۳۔

حضرت طلحہؓ بن البراءؓ

طلحہ نام، قبیلہ عمرو بن عوف کے حلیف اور خاندان بلی سے ہیں، نسب نامہ یہ ہے :
طلحہ بن براء بن عمیر بن وبراہ بن ثعلبہ بن غنم بن سری بن سلمہ بن انیف۔

ان کا آغاز شباب تھا کہ آنحضرت ﷺ نے مدینہ کو ہجرت فرمائی، طلحہؓ قریب آئے اور آپ کے ہاتھ پاؤں چوم کر کہا کہ مجھ کو جو جی چاہے حکم دیجئے تعمیل میں کوتاہی نہ ہوگی۔ آنحضرت ﷺ متعجب ہوئے اور ہنس کر فرمایا جاؤ اور اپنے باپ کو قتل کر دو، وہ اس کے لئے آمادہ ہو گئے، چلنے لگے تو واپس بلایا کہ میں قطع رحم کے لئے معیوش نہیں ہوا ہوں۔

وفات : اسی زمانہ میں بیمار پڑے آنحضرت ﷺ عیادت کو تشریف لائے واپس ہوئے تو گھر والوں سے کہا کہ صحت کی طرف سے ناامیدی ہے مریں تو فوراً خبر کرنا۔

شب کو انتقال ہوا وفات سے کچھ پہلے گھر والوں سے کہا کہ آنحضرت ﷺ کو خبر کرنے کی ضرورت نہیں رات کا وقت ہے کہیں ایسا نہ ہو کہ راستہ میں کوئی جانور کاٹ کھائے اور کوئی حادثہ پیش آئے اس لئے مجھ کو تم ہی لوگ دفن کر دینا۔ صبح کو آنحضرت ﷺ کو اطلاع ہوئی تو صحابہؓ کو لے کر قبر پر تشریف لائے نماز جنازہ پڑھی، اور ہاتھ اٹھا کر کہا ”خدا یا طلحہ سے اس طرح مل کہ تو ان سے اور وہ تجھ سے ہنستے ہوئے ملیں۔“

وفات کے وقت خود نو عمر تھے، اولاد کیا چھوڑتے؟ ہاں بوڑھے ماں باپ کو چھوڑ گئے جن کی قسمت میں جوان بیٹے کا صدمہ اٹھانا مقدر ہو چکا تھا۔

اخلاق : جوش ایمان، جوش اطاعت، حب رسول ﷺ اور بارگاہ نبوت میں مقبولیت کی شہادتیں اوپر گزر چکی ہیں۔



حضرت عاصم بن عدیؓ

عاصم نام ہے۔ ابو عمرو کنیت قبیلہ قضاہ کے خاندان بلی سے ہیں۔ نسب نامہ یہ ہے :
عاصم بن عدی بن الجعد بن العجلان بن حارثہ بن ضبیعہ بن حرام بن جہل بن عمرو بن ودم
ابن ذبیان بن ہمیم بن ذہل بن بلی البلوی۔

قبیلہ عجلان کے سردار اور معن بن عدی کے بھائی تھے۔

اسلام : ہجرت کے بعد مسلمان ہوئے۔

غزوات : بدر کی شرکت کے لئے آنحضرت ﷺ کے ساتھ چلے، مسجد ضرار تک پہنچے تھے کہ
منافقین کے متعلق آنحضرت ﷺ کو خبر ملی تو آپ نے ان کو قباء اور عوالی کا امیر بنا کر واپس کیا اور
بدرین کے ساتھ غنیمت میں ان کا بھی حصہ لگایا۔

احد، خندق اور تمام غزوات میں شرکت کی۔

حضرت عویر عجلانی جن کے متعلق آیت لعان نازل ہوئی تھی۔ ان کی بابت آنحضرت
ﷺ سے انہی نے سوال کیا تھا۔

وفات : ۲۵ھ (امیر معاویہؓ کے زمانہ خلافت) میں انتقال کیا، اس وقت ان کا سن ۱۱۵ اور
۱۲۰ سال کے درمیان تھا۔ گھر کے لوگوں نے نوحہ کرنا چاہا تو منع کر دیا۔

اولاد : ابوالبداح اور سہلہ دو اولاد یادگار چھوڑیں سہلہ حضرت عبدالرحمنؓ ابن عوف کو کہ قبیلہ
بنو ہرہ کے ممتاز بزرگ اور عشرہ مبشرہ میں شامل تھے منسوب تھیں^۱۔

حلیہ : حلیہ مفصل معلوم نہیں، طبری میں ہے کہ کوتاہ قد تھے۔

فضل و کمال :

آنحضرت ﷺ سے ۶ حدیثیں روایت کیں، سہلؓ بن سعد، شععی اور صاحبزادے ابو
البداح راویوں میں ہیں۔



حضرت عبداللہ بن انیس جہنی

نام و نسب :

عبداللہ نام، ابو یحییٰ کنیت قبیلہ قضاہ سے ہیں، سلسلہ نسب یہ ہے :

عبداللہ بن انیس بن اسعد بن حرام بن خبیب بن مالک بن غنم بن کعب بن تیم بن نفاث بن ایاس بن یربوع ابن برک بن دبرہ برک بن دبرہ کی اولاد قبیلہ جہینہ میں مل گئی تھی اس لئے جہنی کے نام سے مشہور ہوئی، حضرت عبداللہ اسی سبب سے جہنی کہلاتے ہیں۔

اسلام : عقبہ ثانیہ سے پہلے مسلمان ہوئے اور مکہ جا کر آنحضرت ﷺ سے بیعت کی اور وہیں مقیم ہو گئے، پھر مہاجرین کے ساتھ مدینہ کی طرف ہجرت کی، اس لئے مہاجر بنی انصاری کہلاتے ہیں۔ جوش ایمان شروع ہی سے بہت تھا، مدینہ میں حضرت معاذ بن جبلؓ کے ہمراہ جا کر بنو سلمہ کے بت توڑے^۱۔

غزوات : بدر احد اور بعد کے غزوات میں شامل ہوئے، خلد بن یشع عنبری اسلام کا ایک دشمن تھا۔ آنحضرت ﷺ نے ان کے ذریعہ سے اس کو قتل کرایا^۲۔

آنحضرت ﷺ کے بعد شام کی سکونت اختیار کی بحر روم کے کنارے عسقلان کے قریب غزہ شام کا ایک ساحلی شہر ہے جو حدود مصر کے قریب واقع ہے اسی کو اپنا مسکن بنایا، مصر اور افریقہ بھی گئے (غالباً جہاد کے سلسلہ میں)

وفات : ۵۴ھ امیر معاویہؓ کے عہد خلافت میں انتقال فرمایا یہ ابو قتادہؓ کی وفات کے ۱۵ روز بعد کا واقع ہے بعض لوگوں نے ۸۰ھ کو سال وفات قرار دیا لیکن یہ صحیح نہیں امام بخاری نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے کہ جب عبداللہ بن انیس بیمار ہوئے۔ تو ام البنین بنت ابی قتادہ آئیں۔ اور کہا ”چچا! ابا جان کو میرا سلام پہنچائیے گا۔ اس روایت میں ۱۵ روز بعد کی تصریح موجود ہے۔

اولاد : حسب ذیل اولاد چھوڑی، عطیہ، عمرو و ضمیرہ، عبداللہ، خلدہ۔

فضل و کمال :

حضرت عبداللہؓ نہایت جلیل القدر صحابی ہونے کے باوجود صرف ۲۴ حدیثوں کے راوی ہیں۔ لیکن اس سے ان کے دامن فضل پر کوئی داغ نہیں لگتا اس سے بڑھ کر شرف اور کیا

ہو سکتا ہے کہ خود حاشیہ نشینان نبوت ان کی طرف رجوع کرتے تھے۔ حضرت جابر بن عبد اللہ جیسے صحابی صرف ایک حدیث کے لئے ایک مہینہ کی مسافت طے کر کے ان کے پاس غزہ پہنچے تھے، صحیح بخاری میں اس واقعہ کا ذکر آیا ہے لیکن شہر کا نام مذکور نہیں ہے^۱۔

بعض روایتوں میں ہے کہ حضرت جابرؓ مصر گئے تھے اور وہاں جا کر ان سے حدیث سنی تھی، لیکن ہمارے خیال میں یہ راوی کی غلطی ہے، غزہ شام میں ہے، اور چونکہ مصر کی سرحد پر واقع ہے اس لئے راوی نے سمجھا کہ یہ حدود مصر میں داخل ہے۔ اور روایت میں بجائے غزہ کے مصر لکھ دیا۔

حضرت عبد اللہؓ نے آنحضرت ﷺ اور حضرت عمرؓ سے حدیث روایت کی ہے راویوں میں بہت سے صحابہؓ اور تابعین ہیں بعض کے نام یہ ہیں۔

حضرت جابر بن عبد اللہؓ، ابوامامہؓ، بسر بن سعیدؓ، عبد اللہ بن ابی امیہؓ، عبد الرحمنؓ و عبد اللہؓ پسران کعب بن مالکؓ، عبد اللہؓ و معاذ پسران عبد اللہ بن حبیبؓ، معنوی فرزندوں کے علاوہ صلبی اولاد بھی ان کے فضل و کمال کی خوشہ چین ہے۔

اخلاق : عبادت گزار تھے مسجد نبوی ﷺ سے مکان دور تھا۔ اس لئے یہاں روزانہ آنے سے معذور تھے ایک مرتبہ لیلۃ القدر میں جاگنا چاہتے تھے، لیکن اس کے لئے کوئی تاریخ متعین نہیں تھی اس لئے آنحضرت ﷺ سے درخواست کی کہ ایک تاریخ متعین کر دیں تاکہ اس روز مسجد نبوی پہنچ کر شب بیداری کر سکوں؟ آپ نے رمضان کی ۲۳ ویں شب متعین کر دی، چونکہ اس کی تعیین حضرت عبد اللہؓ کی وجہ سے ہوئی تھی، اس لئے اہل مدینہ نے اس کی نسبت کے ساتھ ان کا نام لیلۃ الجہنی رکھ دیا^۲۔



حضرت عبداللہ بن سلمہ

نام و نسب :

عبداللہ نام، ابو محمد کنیت، قبیلہ بلی سے تھے اور قبیلہ اوس میں عمرو بن عوف کے حلیف تھے،

نسب نامہ یہ ہے :

عبداللہ بن سلمہ بن مالک بن حارثہ بن عدی بن الحجد بن حارثہ ابن ضبیعہ، والدہ کا نام

نسیہ بنت عدی تھا۔

اسلام : ہجرت کے بعد مسلمان ہوئے۔

غزوات : بدر میں شرکت کی۔

شہادت : اور غزوہ احد میں شرف شہادت سے مشرف ہوئے، ابن الزبیری نے ان کو قتل کیا۔

شہداء کی تدفین کے لئے یہ انتظام ہوا کہ دو دو تین تین اشخاص ایک قبر میں رکھے جائیں، لیکن حضرت

عبداللہؓ کی ماں نے خدمت اقدس میں آکر عرض کی کہ میری خواہش ہے کہ اپنے بیٹے کو اپنے مکان کے

قریب دفن کروں۔ تاکہ مجھے کچھ اطمینان رہے۔ آنحضرتؐ نے اجازت دی تو ان کی نعش ایک اونٹ پر

رکھی گئی، حضرت مجذربن زیاد ان کے بڑے دوست تھے، اور اس سفر آخرت میں بھی ان کے رفیق ثابت

ہوئے۔ اس لئے اسی اونٹ پر ان کی لاش بھی رکھی گئی اور دونوں کو ایک کھل میں لپیٹ کر مدینہ بھیجا گیا۔

عبداللہؓ نہایت کچم شحیم اور مجذربن زیاد کے پتلے آدمی تھے، اونٹ پر برابر اترے تو سب کو بڑا تعجب

ہوا آنحضرتؐ نے فرمایا کہ یہ ان کے اعمال کا کرشمہ ہے۔

فضل و کمال : چونکہ اسلام کے ابتدائی زمانہ میں شہید ہو گئے اس لئے ان سے کوئی روایت منقول

نہیں۔ شاعر تھے اور ان کی شاعری کی یادگاریں البتہ باقی ہیں۔

انا الذی قال اصلی من بلے اطعن بالصعدة حق تنشني

لوگوں میں میرے ہی متعلق مشہور ہے کہ قبیلہ بلی سے ہوں چھوٹے نیزہ سے وار کرتا ہوں یہاں تک کہ وہ مڑ جاتا ہے۔

ولا یری مجذرا یضر قری۔

”لیکن میں مجذربن زیاد کو کوئی سخت کام کرتے نہیں دیکھتا۔“



حضرت عبداللہ بن سلام

نام و نسب :

عبداللہ نام، ابو یوسف کنیت، جرقب، یہود مدینہ کے خاندان قینقاع سے تھے، جس کا سلسلہ نسب حضرت یوسف علیہ السلام پر منتہی ہوتا ہے۔ مختصراً آپ کا شجرہ نسب یہ ہے :

عبداللہ بن سلام بن حارث، قبیلہ خزرج میں ایک خاندان بنی عوف کے نام سے مشہور ہے، اس میں ایک شاخ کا نام قواطل ہے، حضرت عبداللہ اسی قواطل کے حلیف تھے۔

ایام جاہلیت میں ان کا نام حصین تھا لیکن آنحضرت ﷺ نے عبداللہ رکھا۔

اسلام : عبداللہ بن سلام اپنے بچوں کے لئے باغ میں پھل چننے گئے تھے کہ آنحضرت ﷺ مدینہ تشریف لائے اور مالک بن نجار کے محلہ میں فروش ہوئے اس کی خبر عبداللہ ابن سلام کو ہوئی تو پھل لے کر دوڑے ہوئے خدمت اقدس میں حاضر ہوئے۔ اور زیارت سے شرف اندوز ہو کر واپس گئے۔ آنحضرت ﷺ نے پوچھا کہ ہمارے اعزہ (انصار) میں سب سے قریب تر کس کا مکان ہے۔

حضرت ابویوب انصاریؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ (ﷺ) میں سب سے قریب رہتا ہوں۔ یہ میرا گھر ہے اور یہ دروازہ ہے، آنحضرت ﷺ نے ان کے مکان کو اپنا مسکن بنایا۔ جب آپ کا مستقر متعین ہو گیا، تو عبداللہ بن سلام دوبارہ خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ آپ سے تین باتیں دریافت کرتا ہوں جو انبیاء کے سوا کسی کو معلوم نہیں، آنحضرت ﷺ نے ان کا جواب دیا تو فوراً پکار اٹھے اشہد ان لا الہ الا اللہ واشہد انک رسول اللہ (ﷺ) اس کے بعد کہا کہ یہود ایک افتراء پر داز قوم ہے اور میں عالم ابن عالم اور رئیس ابن رئیس ہوں، آپ ان کو بلا کر میری نسبت دریافت کیجئے لیکن میرے مسلمان ہو جانے کی خبر نہ دیجئے گا۔

آنحضرت ﷺ نے یہود کو طلب فرما کر اسلام کی دعوت دی اور کہا عبداللہ بن سلام کون شخص ہیں؟ بولے ہمارے سردار اور ہمارے سردار کے بیٹے ہیں۔ فرمایا وہ مسلمان ہو سکتے ہیں جواب ملا کبھی نہیں حضرت عبداللہ بن سلام مکان کے ایک گوشہ میں چھپے ہوئے تھے، آنحضرت ﷺ نے آواز دی تو کلمہ پڑھتے ہوئے، باہر نکل آئے، اور یہودیوں سے کہا ذرا خدا سے ڈرو تمہیں خوب معلوم ہے کہ یہ رسول ہیں اور ان کا مذہب بالکل سچا ہے۔ اور باہم ایمان لانے پر آمادہ نہیں ہوتے، یہود کو خلاف توقع

جو خفت نصیب ہوئی اس نے ان کو مشتعل کر دیا، انہوں نے غصہ میں کہا کہ تم جھوٹے ہو، اور ہماری جماعت کے بدترین شخص ہو، اور تمہارا باپ بھی بدتر تھا۔ حضرت عبداللہؓ نے کہا رسول اللہ (ﷺ)! آپ نے دیکھا مجھ کو اسی کا خوف تھا^۱۔

غزوات : بدر اور احد کی شرکت کے متعلق اختلاف ہے۔ صاحب طبقات کے نزدیک خندق میں وہ شریک تھے، اس لئے انہوں نے صحابہؓ کے تیسرے طبقہ یعنی اصحاب خندق میں ان کا تذکرہ لکھا ہے خندق کے بعد جو معرکے پیش آئے ان میں بھی شامل ہوئے۔

حضرت عمرؓ کے سفر بیت المقدس میں حضرت عبداللہؓ ان کے ہمراہ تھے۔

باغیوں نے جب حضرت عثمانؓ کے مکان کا محاصرہ کر کے قتل کی تیاریاں کیں تو عبداللہ بن سلامؓ حضرت عثمانؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور کہا کہ آپ کی مدد کے لئے تیر ہوں فرمایا آپ کا مکان کے اندر رہنا ٹھیک نہیں باہر جا کر جمع کو منتشر کیجئے حضرت عبداللہؓ باہر تشریف لائے اور ایک مختصر تقریر کی جس کا ترجمہ یہ ہے۔

لوگو! میرا نام جاہلیت میں فلاں تھا، (یعنی حصین) آنحضرت ﷺ نے عبداللہ رکھا۔ میرے متعلق قرآن مجید میں کئی آیتیں نازل ہوئیں۔ چنانچہ شہد شاہد من بنی اسرائیل اور قل کفی باللہ شہید ابینی و بینکم ومن عنده علم الکتاب میرے ہی شان میں اتری ہیں خدا کی تلوار اب تک نیام میں ہے اور فرشتوں نے تمہارے شہر کو کہ رسول اللہ ﷺ کا ہجرت گاہ ہے اپنا نشیمن بنالیا ہے پس ڈرو! خدا سے ڈرو! اور ان کو (حضرت عثمانؓ) قتل نہ کرو خدا کی قسم! اگر تم ان کے قتل پر کم بستہ ہوئے تو تمہارے ہمسایہ فرشتے مدینہ چھوڑ دیں گے۔ اور خدا کی قسم وہ تلوار نکل پڑے گی، جو اس وقت تک نیام میں بند ہے اور جو پھر قیامت تک نیام میں واپس نہ جائے گی۔

لیکن سنگدلوں پر اس پر زور تقریر کا کچھ اثر نہ ہوا۔ بلکہ اس کے خلاف ان کی شقاوت اور زیادہ ترقی کر گئی بولے کہ ”اس یہودی اور عثمانؓ دونوں کو قتل ڈالو“^۲۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اپنے زمانہ خلافت میں جب کوفہ کو دار الخلافہ بنایا تو انہوں نے کہا کہ آپ رسول اللہ ﷺ کا منبر نہ چھوڑیے ورنہ پھر اس کی زیارت نہ کر سکیں گے، حضرت علیؓ نے فرمایا وہ بے چارے نہایت نیک آدمی ہیں^۳۔

وفات : امیر معاویہؓ کے زمانہ خلافت میں ۴۳ھ میں مدینہ منورہ میں انتقال کیا۔

اولاد : دو بیٹے یادگار چھوڑے، یوسف اور محمد دونوں آنحضرت ﷺ کے عہد میں پیدا ہوئے تھے، یوسف بڑے تھے، آنحضرت ﷺ نے ان کو اپنی گود میں بٹھایا، سر پر ہاتھ پھیرا اور یوسف نام رکھا۔
 حلیہ : مفصل حلیہ معلوم نہیں، بڑھاپے میں ضعف کی وجہ سے عصا لے کر چلتے تھے، اور اس پر ٹیک لگاتے تھے۔ چہرہ پر خشوع کے آثار ہر وقت نمایاں رہتے تھے۔
فضل و کمال :

تورات انجیل قرآن مجید اور احادیث نبوی سے ان کا سینہ بقعہ نور بنا ہوا تھا۔ تورات پر جو عبور تھا، اس کے متعلق علامہ ذہبی تذکرۃ الحفاظ میں لکھتے ہیں۔

”کان عبد اللہ بن سلام عالم اہل الکتاب وفاضلہم فی زمانہ بالمدينة“
 ”عبد اللہ بن سلام مدینہ میں اہل کتاب کے سب سے بڑے عالم تھے۔“

مسلمان ہو کر قرآن و حدیث پر توجہ کی اور حدیث میں مرجع کل بن گئے اس سے بڑھ کر شرف اور کیا ہو سکتا ہے کہ حضرت ابو ہریرہؓ جو تمام صحابہؓ میں حدیث کے سب سے بڑے گنجینہ دار تھے ان سے حدیثیں دریافت کرتے تھے، حضرت ابو ہریرہؓ ایک بار شام گئے اور کعب احبار سے یہ حدیث بیان کی کہ جمعہ میں ایک گھڑی ایسی ہے کہ بندہ اگر اس میں خدا سے کچھ مانگے تو اس کو ضرور دیتا ہے، اس پر کعب نے کچھ رد و قدح کی یہاں تک کہ اخیر میں حضرت ابو ہریرہؓ کے موافق ہو گئے، حضرت ابو ہریرہؓ نے مدینہ آ کر عبد اللہ بن سلام سے یہ واقعہ بیان کیا انہوں نے کہا کہ کعب نے جھوٹ کہا حضرت ابو ہریرہؓ نے کہا کہ انہوں نے میرے قول کی طرف رجوع کر لیا تھا، پھر فرمایا جانتے ہو وہ وقت کونسا ہے، یہ سن کر ابو ہریرہؓ ان کے پیچھے پڑ گئے، اور کہا کہ جلد بتلائیے، فرمایا عصر اور مغرب کے درمیان ابو ہریرہؓ نے کہا یہ کیونکر ہو سکتا ہے عصر اور مغرب کے درمیان کوئی نماز ہی نہیں، فرمایا تم کو معلوم نہیں کہ آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے کہ جو شخص نماز کے انتظار میں بیٹھا رہتا ہے وہ گویا نماز ہی میں ہوتا ہے۔

باہنہم جلالت قدران سے صرف ۲۵ روایتیں منقول ہیں۔ راویوں میں بعض صحابہ کرام بھی ہیں جن کے نام نامی یہ ہیں۔ انس بن مالکؓ زرارہ بن اونیؓ ابو ہریرہؓ، عبد اللہ بن معقلؓ عبد اللہ بن حنظلہؓ تلامذہ خاص کے نام حسب ذیل ہیں۔ خرشہ بن الحرقیس، بن عباد، ابواسلمہ بن عبد الرحمن حمزہ بن یوسف (پوتے) عمر بن محمد (پوتے) عوف بن مالک، ابو بردہ بن ابوموسیٰ ابوسعید المقبری، عبادہ الزرقی، عطاء بن یسار، عبید اللہ بن حبیش غفاری۔

حضرت عبداللہؓ سے ایک خاص حدیث منقول ہے جس کے اخیر میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ہم کو جمع کر کے سبوح اللہ کی چند آیتیں پڑھیں، حضرت عبداللہؓ نے اپنے شاگردوں کے سامنے وہی آیتیں پڑھیں اور پھر بالترتیب عطاء بن یسار، ہلال بن ابی میمونہ، یحییٰ بن ابی کثیر نے اپنے زمانہ میں اس سنت کو قائم رکھا، لیکن یحییٰ کے شاگرد اوزاعی پر پہنچ کر اس کا سلسلہ ٹوٹ گیا۔

اخلاق : اخلاقی حیثیت سے حضرت عبداللہؓ کا پایہ عظمت بہت بلند ہے صحیح بخاری میں حضرت سعد بن ابی وقاصؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے کسی زمین پر چلنے والے شخص کو جنتی نہیں فرمایا البتہ عبداللہؓ بن سلام کو فرمایا تھا صحیح ترمذی میں ہے کہ حضرت معاذ بن جبل کی وفات ہوئی تو شاگردوں سے فرمایا کہ میں دنیا سے اٹھ رہا ہوں لیکن میرے ساتھ علم نہیں اٹھتا جو شخص اس کی جستجو کرے گا پالے گا، اس کے بعد چار شخصوں کے نام گنائے جن میں ایک عبداللہؓ بن سلام تھے فرمایا۔

”کان یهود یا فاسلم فانی سمعت رسول اللہ ﷺ یقول انه عاشر عشرة فی الجنة“

”پہلے وہ یہودی تھے پھر مسلمان ہوئے اور میں نے آنحضرت ﷺ سے سنا ہے کہ وہ گیارہویں جنتی ہیں۔“

پانہمہ فضیلت بڑے منکسر المزاج تھے، مسجد نبویؐ میں ایک دن نماز کے لئے آئے اور لوگوں نے کہا کہ یہ جنتی شخص ہیں تو فرمایا کہ جس بات کو آدمی جانتا ہو اس کو زبان سے نکالنا نہ چاہئے، اس کے بعد اپنے اس خواب کا ذکر کیا جس کی آنحضرت ﷺ نے تعبیر دی تھی کہ اسلام پر تمام عمر قائم رہو گے۔

اس واقعہ کے ساتھ ایک اور واقعہ بھی ملایا جائے تو انکسار کا نہایت مکمل اودیدہ زیب مرقع پیش نظر ہو جاتا ہے۔ ایک مرتبہ لکڑیوں کا گٹھا اٹھا کر لارہے تھے لوگوں نے کہا کہ آپ کو اس سے خدا نے مستغنی کیا ہے فرمایا ہاں یہ ٹھیک ہے لیکن میں اس سے کبر و غرور کا قلع قمع کرنا چاہتا ہوں۔

حق و صداقت کا جوش بے اندازہ تھا، فرماتے تھے کہ تم کو ایک بار قریش سے لڑائی پیش آئے گی اس وقت اگر مجھ میں قوت نہ ہو تو تخت پر بٹھا کر مجھ کو فریقین کی صفوں کے درمیان رکھ دینا۔



۱۔ مسند۔ جلد ۱۔ ص ۲۵۲	۲۔ صحیح بخاری۔ جلد ۱۔ ص ۵۳۸	۳۔ جامع ترمذی۔ ص ۶۲۸
۴۔ صحیح بخاری۔ جلد ۱۔ ص ۵۳۸	۵۔ تذکرۃ الحفاظ۔ جلد ۱۔ ص ۲۳	۶۔ استیعاب۔ جلد ۱۔ ص ۳۹۶

حضرت عبداللہؓ بن طارق

نام و نسب :

عبداللہ نام ہے۔ قبیلہ بلی سے ہیں اور انصار میں قبیلہ ظفر کے حلیف تھے۔ سلسلہ نسب یہ ہے : عبداللہ بن طارق بن عمرو بن مالک۔ مصنفین رجال کو ان کی نسبت میں اختلاف ہے۔ چنانچہ بعض لوگ ان کو ظفری کہتے ہیں۔ ابن سعد کے نزدیک ظفری اور بلوی دو جدا گانہ اشخاص ہیں۔ لیکن ہمارے نزدیک ظفری اور بلوی دو الگ الگ شخص نہیں، بلکہ ایک ہی مسمیٰ کے دو نام ہیں۔ بلوی اپنے قبیلہ کی نسبت سے اور ظفری حلف کی نسبت سے مشہور تھے اور یہ عرب میں عام طور پر رائج ہے۔ اوپر اس کی متعدد مثالیں گزر چکی ہیں۔

والدہ کا نام معلوم نہیں۔ اتنا پتہ چلتا ہے کہ معتب بن عبید اور یہ دونوں اخیانی بھائی تھے۔

اسلام : ہجرت کے بعد مشرف بہ اسلام ہوئے۔

غزوات : بدر اور احد میں شرکت کی۔

وفات : ۳ھ کے آخر میں آنحضرت ﷺ نے جن ۶ آدمیوں کو قبیلہ عضل اور قارہ میں اشاعت اسلام کے لئے روانہ کیا تھا، ان میں ایک عبداللہ بن طارقؓ بھی تھے۔ یہ لوگ مقام رجب پہنچے تو قبیلہ ہذیل نے سرکشی کر کے ان کا محاصرہ کر لیا۔ مرثد بن ابی مرثد، خالد بن بکیر اور عاصم بن ثابت تین بزرگ وہیں قتل ہوئے۔ ضیب بن عدی، عبداللہ بن طارق اور زید بن دثنہ کفار کے ہاتھ آ گئے اور قید ہو گئے۔ کفار ان کو لے کر مکہ چلے تو ظہران نام ایک مقام پر پہنچ کر حضرت عبداللہؓ نے اپنے کو قید و بند سے چھڑا لیا اور تلوار کھینچ کر پیچھے ہٹے۔ کفار نے یہ دیکھ کر ان کو پتھر مارنا شروع کیا، جس سے جان بحق تسلیم ہو گئے۔

بارگاہ نبوت کے مشہور حسان بن ثابتؓ نے اس واقعہ کو نظم کر دیا ہے اور ان بزرگوں کے نام

گنائے ہیں جس شہر میں حضرت عبداللہؓ کا نام نامی ہے، وہ یہ ہیں :

وابن الدثنہ وابن طارق منهم
واناه ثم حمامة المكتوب

اس نظم کا پہلا شعر یہ ہے :

صلی الا له علی الذین تتابعوا
یوم الرجیع فاکرموا واشیبوا

حضرت عبداللہؓ کی قبر ظہران میں موجود ہے اور آج تک اس واقعہ ہائیک کی یاد کو تازہ کرتی ہے۔

فضل و کمال :

قرآن وحدیث میں حضرت عبداللہؓ کو جو دستگاہ تھی وہ اس سے ظاہر ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ان کو اشاعت اسلام کا کام سپرد فرمایا تھا۔ وہ اشاعت اسلام کے ساتھ ساتھ نو مسلموں کو قرآن، مسائل دین اور ارکان اسلام کی باقاعدہ تعلیم بھی دیتے تھے۔ صاحب اسد الغابہ لکھتے ہیں :

”بعثهم رسول الله ليفقهوهم في الدين ويعلمون القرآن

وشرائع الاسلام.....“

”یعنی ان کو رسول اللہ ﷺ نے اس لئے بھیجا تھا کہ مسائل دین کی تعلیم دیں، قرآن پڑھائیں اور اسلام کی ضروری باتیں سکھائیں۔“



حضرت عدیؓ بن ابی الزغباء

نام و نسب :

عدی نام ہے۔ قبیلہ جہنیہ سے ہیں۔ انصار میں بنو نجار کے حلیف تھے۔ نسب نامہ یہ ہے : عدی بن ابی الزغباء سنان بن سمیع بن ثعلبہ بن ربیعہ بن زہر بن ہذل بن سعد بن عدی بن کاہل بن نصر بن مالک بن عطفان بن قیس بن جہینہ۔ اسلام : ہجرت کے بعد مسلمان ہوئے۔

غزوات : بدر، احد، خندق اور تمام غزوات میں شرکت کی۔ بدر میں آنحضرت ﷺ غزوہ کے ارادہ سے نکلے، تو مشرکین کی خبر معلوم کرنے کے لئے جن دو شخصوں کو آگے بھیجا گیا تھا، ان میں عدی بھی تھے۔ چاہ بدر کے قریب جا کر واپس ہوئے اور آنحضرت ﷺ کو قریش کے ارادہ سے اطلاع دی۔

وفات : حضرت عمر فاروقؓ کے عہد خلافت میں انتقال فرمایا۔



حضرت عقبہؓ بن وہب

نام و نسب :

عقبہ نام ہے۔ قبیلہ غطفان سے ہیں اور بنو سالم کے حلیف تھے۔ نسب نامہ یہ ہے :
عقبہ بن وہب بن کلدہ بن الجعدہ بن ہلال بن الحارث بن عمرو بن عدی بن جشم ابن عوف بن یہشہ
بن عبد اللہ بن غطفان بن سعد بن قیس بن عیلان۔

اسلام :

عقبہ اولیٰ میں اسلام سے مشرف ہوئے۔ عقبہ ثانیہ کی بیعت میں بھی شرکت کی۔ بعض کا
خیال ہے کہ یہ انصار میں سب سے پہلے مسلمان ہیں۔ اسلام لا کر مکہ مکرمہ میں مقیم ہوئے اور مہاجرین
کے ہمراہ ہجرت نبوی سے قبل مدینہ آئے۔ اس بنا پر یہ مہاجرین بھی ہیں اور انصار بھی۔

غزوات :

بدر اور تمام غزوات میں شریک ہوئے۔ غزوہ احد میں جب آنحضرت ﷺ کے سر میں خود کی
چند کڑیاں گھس گئیں، تو عام روایت یہ ہے کہ حضرت ابو عبیدہؓ نے اپنے دانت سے کھینچیں۔ لیکن بعض کا
خیال ہے کہ اس میں عقبہؓ بھی ان کے مددگار تھے۔



حضرت کعب بن عجرہ

نام و نسب :

کعب نام ہے۔ ابو محمد کنیت۔ خاندان بلی سے ہیں اور قواقل کے حلیف تھے۔ نسب نامہ یہ ہے : کعب بن عجرہ بن امیہ بن عدی بن عبد بن خالد بن عمرو بن عوف بن غنم بن سواد بن مری بن ارشد بن عامر بن قسیل بن فران بن بلی بن عمرو بن حارث بن قضاع۔

واقدی نے ان کو انصار میں داخل کیا اور حلف کے منکر ہیں۔ لیکن ابن سعد نے اس کی تردید کی ہے اور لکھا ہے کہ میں نے انصار کے نسب نامہ میں ان کا نام تلاش کیا، لیکن کہیں نہ ملا۔ اسلام : ہجرت کے بعد مسلمان ہوئے۔

غزوات : تمام غزوات میں شرکت کی۔ عمرہ حدیبیہ میں آنحضرت ﷺ کے ہمراہ تھے۔ سر میں اس کثرت سے جوئیں چہرہ پر آ کر گر تھیں۔ آنحضرت ﷺ نے دیکھا تو فرمایا تم کو سخت تکلیف ہے۔ اپنا سرمند وادو۔ حضرت کعب اگرچہ احرام باندھے ہوئے تھے، لیکن انہوں نے متابعت حکم رسول میں سرمند وادیا اور اس تکلیف سے نجات پا گئے۔

روزہ کے فدیہ کے متعلق آیت اتری تو آنحضرت ﷺ نے کعب بن عجرہ سے ارشاد فرمایا کہ تمہارے لئے تین صورتیں ہیں، یا تو ایک بکری ذبح کرو، یا تین روزے رکھو، یا ۶ مسکینوں کو کھانا کھاؤ۔ جس کی مقدار فی مسکین نصف صاع ہو۔ معلوم نہیں حضرت کعب نے ان سے کون سی صورت اختیار کی۔ روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ قربانی کی قدرت نہ تھی۔ اس کے بعد صرف دو ہی صورتیں رہ جاتی ہیں۔ اب انہوں نے جس کو اختیار کیا ہو۔ روایت سے صاف پتہ نہیں چلتا۔

عام حالات : عہد نبوت کے بعد کوفہ میں سکونت اختیار کی۔

وفات : ۵۵ھ میں مدینہ آ کر انتقال ہوا۔ اس وقت ۷۵ برس کا سن تھا۔

اولاد : چار بیٹے چھوڑے، جو حدیث کے راویوں میں ہیں۔ ان کے نام یہ ہیں۔ اسحاق، عبد الملک، محمد بن جعفر۔

حلیہ : ایک ہاتھ کسی غزوہ میں کٹ گیا تھا۔ سر پر گھنے بال تھے۔

فصل و کمال : آنحضرت ﷺ، حضرت عمر فاروقؓ اور حضرت بلالؓ سے روایت کی۔ روایوں میں حسب ذیل حضرات ہیں :

ابن عمرؓ، جابرؓ، عبداللہؓ بن عمرو بن عاصؓ، ابن عباسؓ، عبداللہؓ بن معقلؓ، ابن مقرنؓ، مزنیؓ، طارق بن شہابؓ، ابو وائلؓ، زید بن وہبؓ، عبدالرحمن بن ابی لیلیٰؓ۔ ابن سیرینؓ، ابو عبیدہؓ بن عبداللہؓ بن مسعودؓ، محمد بن کعبؓ، ابو ثمامہ حناطؓ، سعید مقبریؓ، عاصم عدویؓ، بن دردانؓ۔ روایتوں کی تعداد ۴۷ ہے۔

اخلاق : حمایت حق اور حب رسول ﷺ دو چیزیں حضرت کعب کے اخلاق میں نہایت روشن ہیں۔ آنحضرت ﷺ نے ایک روز خطبہ دیا، جس میں مسلمانوں کی ایک آئندہ خانہ جنگی کا تذکرہ بھی تھا۔ کعب بیٹھے تھے۔ ان کا بیان ہے کہ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا وہ وقت سامنے آ گیا ہے۔ اتنے میں ایک شخص چادر اوڑھے سامنے گزرا۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا، اس روز یہ شخص حق پر ہوگا۔ کعب فوراً اٹھے اور بازو پکڑ کہا، یا رسول اللہ! یہ شخص؟ فرمایا، ہاں۔ کعب نے چہرہ دیکھا تو حضرت عثمان غنیؓ تھے۔ طبرانی کی کتاب الاوسط میں ہے کہ ایک روز کعبؓ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں آئے۔ چہرہ مبارک (بھوک کی وجہ سے) متغیر دیکھ کر جلدی واپس چلے گئے۔ راستہ میں ایک یہودی اونٹ کو پانی پلا رہا تھا۔ انہوں نے فی ذہول ایک چھوہارے کے حساب کچھ دیر مزدوری کی۔ کچھ چھوہارے جمع ہو گئے تو خدمت اقدس میں لے جا کر حاضر ہوئے اور پیش کئے۔^۱



حضرت مجذرؓ بن زیاد

نام و نسب :

عبداللہ نام ہے۔ مجذر لقب۔ قبیلہ بلی سے ہیں۔ سلسلہ نسب یہ ہے : مجذر بن زیاد بن عمرو بن اُخرم بن عمارہ بن مالک بن عمرو بن تیثرہ بن شنو بن قشر بن تیم بن عود مناہ ابن باح بن تیم بن اراسہ بن عامر بن عبیدہ بن غیل بن قران بن بلی۔
اسلام : ہجرت کے بعد اسلام لائے۔

غزوات :

غزوہ بدر میں شرکت کی۔ ابو البحتری مکہ میں ایک نہایت رحمہ اور نیک نفس شخص تھے۔ قیام مکہ کے زمانہ میں آنحضرت ﷺ کو قریش کے ہاتھوں جو تکلیفیں پہنچتیں تو وہ آنحضرت ﷺ کی طرف سینہ سپر ہوتا۔ بنو ہاشم کے مقاطعہ کا عہد نامہ لکھ کر کعبہ میں آویزاں کیا گیا تھا، اس کو اتروانے میں ابوالبحتری کا خاص حصہ تھا۔ اس بنا پر آنحضرت ﷺ نے غزوہ بدر میں صحابہ کو تاکید کر دی تھی کہ اس کو پانا تو قتل نہ کرنا۔

حضرت مجذرؓ میدان میں آئے تو اس سے سامنا ہو گیا۔ اونٹ پر سوار تھا، پیچھے ایک دوسرا شخص بھی بیٹھا تھا، جو اس کے مال متاع کا نگراں تھا۔ مجذرؓ نے کہا کہ تمہارے قتل کی رسول اللہ ﷺ نے ممانعت کی ہے، لیکن دوسرے شخص کے لئے کوئی ہدایت نہیں فرمائی ہے۔ اس لئے اس کو نو کسی طرح نہ چھوڑوں گا۔ ابوالبحتری بولا، یہ تو میرے لئے بڑے شرم کی بات ہوگی کہ اس کو تو قتل کرادوں اور خود زندہ رہوں، یہ مجھ سے نہیں ہو سکتا۔ قریش کی عورتیں طعنہ دیں گی کہ بڑی ہوس تھی، ساتھی کہ اس کو قتل کرادیا اور خود نہ مر گیا۔

غرض اونٹ سے اُترا اور داد شجاعت دیتے ہوئے جان دی۔ حضرت مجذرؓ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں آئے اور قسم کھا کر کہا کہ اس کو لانا چاہتا تھا، لیکن وہ لڑائی کے سوا کسی چیز پر راضی نہ ہوا۔

وفات :

بدر کے بعد احد میں شریک ہوئے اور جام شہادت نوش فرمایا۔ ایام جاہلیت میں انہوں نے سوید بن صامت کو قتل کیا تھا۔ جس سے جنگ بعاث کی نوبت آئی تھی۔ فریقین کے مسلمان ہو جانے کے بعد اگرچہ معاملہ رفت و گذشت ہو گیا تھا، لیکن سوید کے بیٹے حارث کے دل میں مسلمان ہونے کے بعد ان کی طرف سے غبار تھا۔ اس نے موقع پا کر ان کو باپ کے عوض قتل کر دیا اور مرتد ہو کر مکہ چلا گیا۔

۸ھ میں جب مکہ فتح ہوا تو دوبارہ مسلمان ہو کر آنحضرت ﷺ کے پاس آیا۔ آنحضرت ﷺ نے مجذرا کے عوض اس کے قتل کا حکم دیا۔



حضرت معنؓ بن عدی

نام و نسب :

معن نام ہے۔ قبیلہ بلی سے ہیں۔ عمرو بن عوف کے حلیف تھے۔ سلسلہ نسب یہ ہے :
معن بن عدی بن الجعد بن عجلان۔ حضرت عاصمؓ بن عدی کا حال ہم اوپر لکھ آئے ہیں۔ معنؓ انہیں
کے بھائی تھے۔

اسلام : عقبہ ثانیہ میں مشرف بہ اسلام ہوئے۔

غزوات : حضرت عمر فاروقؓ کے بھائی حضرت زیدؓ سے مواخاۃ ہوئی۔ غزوہ بدر میں شریک
ہوئے۔ احد، خندق اور تمام دوسرے غزوات میں آنحضرت ﷺ کے ہمراہ تھے۔ آنحضرت ﷺ
نے انتقال فرمایا تو صحابہؓ کہنے لگے کہ کاش ہم آپ کے سامنے مرجاتے اور یہ وقت نہ دیکھتے۔ خدا ہی
بہتر جانتا ہے کہ آئندہ کن بلاؤں اور مصیبتوں کا سامنا ہو۔

حضرت معنؓ نے سنا تو کہا، ”مجھے اس کی آرزو نہیں، میں تو یہ جانتا ہوں کہ جس طرح
آنحضرت ﷺ کی زندگی میں میں نے آپ کی تصدیق کی تھی، وفات کے بعد بھی آپ کی اسی طرح
تصدیق کروں۔“

سقیفہ بنی ساعدہ کے واقعہ میں حضرت عمر فاروقؓ نے جن دو صالح شخصوں سے ملنے کا ذکر
کیا ہے۔ ان میں ایک یہ بھی تھے۔ انہوں نے حضرت عمر فاروقؓ کو غیرہ کو انصار کے ارادہ سے آگاہ
کیا اور مشورہ دیا کہ آپ لوگ وہاں نہ جائیں، بلکہ اپنی جگہ پر رہ کر فیصلہ کریں۔

حضرت ابو بکر صدیقؓ کے عہد میں حضرت خالدؓ مرتدین کی مہم پر روانہ ہوئے تو یہ بھی ہمراہ
تھے۔ وہاں سے دو سو سوار لے کر مرتدین کی دیکھ بھال کے لئے یمامہ آئے۔

وفات : مسلمانہ سے جنگ چھری تو اس میں بام شہادت سے سیراب ہوئے۔

اولاد : مادی یادگار کوئی نہیں چھوڑی۔ البتہ روحانی یادگاریں بہت ہیں اور اب تک زندہ ہیں۔

تمت

خواتین کے لئے دلچسپ لوہائی اور مستند اسلامی کتب

حضرت تھانویؒ	انگریزی	اردو	تحفہ زوجین بہشتی زیور
.....	اصلاح خواتین
.....	اسلامی شادی
.....	پردہ اور حقوق زوجین
مفتی ظفر الدین	اسلام کا نظام عفت و عصمت
حضرت تھانویؒ	جیلونا جزہ یعنی عورتوں کا حق مسیح نکاح
ابو ظریف تھانوی	خواتین کے لئے شرعی احکام
سید سلیمان ندوی	سیر العصایات مع اسوۃ صحابیات
مفتی عبدالرؤف صاحب	چھ گناہ گار عورتیں
.....	خواتین کا رج
.....	خواتین کا طریقہ نماز
ڈاکٹر حفصہ فیہاں	ازواج مطہرات
احمد حنیبل جیسہ	ازواج الانبیاء
عبدالعزیز شادوی	ازواج صحابہ کرام
ڈاکٹر حفصہ فیہاں	پایے بٹی کی پیاری صاحبزادیاں
حضرت میاں منیر حسین صاحب	نیک بیبیاں
احمد حنیبل جیسہ	جنت کی خوشنوی پسنے والی خواتین
.....	دور نبوت کی برگزیدہ خواتین
.....	دور تابعین کی نامور خواتین
مولانا عاشق الہی پٹوٹری	تحفہ خواتین
.....	مسلم خواتین کے لئے بیسی سبق
.....	زبان کی حفاظت
.....	شرعی پردہ
مفتی عبدالغنی صاحب	میاں بیوی کے حقوق
مولانا ادریس صاحب	سلمان بیوی
حکیم طارق محمود	خواتین کی اسلامی زندگی کے سائنسی حقائق
نذیر محمد مکتبی	خواتین اسلام کا مثالی کردار
قاسم عاشق	خواتین کی دلچسپ معلومات و نصائح
نذیر محمد مکتبی	امرا المعروف ونبی من المکرمین خواتین کی ذمہ داریاں
امام ابن کثیرؒ	قصص الانبیاء
مولانا اشرف علی تھانوی	اعمال و تدبیر
مولانا عبدالرزاق	اسیذہ عملیات
.....	اسلامی وظائف
.....	قرآن و حدیث سے ماخوذ وظائف کا مجموعہ

فہرست کتب مفت
طلبہ و محققین !!

پتہ: دارالاشاعت اردو بازار ایچ جناح روڈ کراچی فون: ۲۲۱۳۶۸۱-۲۲۱۳۶۸۲

انبیاء علیہم السلام کے بعد دنیا کے ممتاز ترین انسانوں کی سرگزشت حیات

سید الصحابة رضی اللہ عنہم

خلفائے راشدین

۴

www.KitaboSunnat.com

دارالاشاعت کراچی

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

معزز قارئین توجہ فرمائیں!

کتاب وسنت ڈاٹ کام پر دستیاب تمام الیکٹرانک کتب

← عام قاری کے مطالعے کے لیے ہیں۔

← مجلس التحقیق الاسلامی کے علمائے کرام کی باقاعدہ تصدیق و اجازت کے بعد آپ لوڈ (Upload)

کی جاتی ہیں۔

← دعوتی مقاصد کی خاطر ڈاؤن لوڈ، پرنٹ، فوٹو کاپی اور الیکٹرانک ذرائع سے محض مندرجات نشر و اشاعت کی مکمل اجازت ہے۔

☆ تنبیہ ☆

← کسی بھی کتاب کو تجارتی یا مادی نفع کے حصول کی خاطر استعمال کرنے کی ممانعت ہے۔

← ان کتب کو تجارتی یا دیگر مادی مقاصد کے لیے استعمال کرنا اخلاقی، قانونی و شرعی جرم ہے۔

﴿اسلامی تعلیمات پر مشتمل کتب متعلقہ ناشرین سے خرید کر تبلیغ دین کی کاوشوں میں بھرپور شرکت اختیار کریں﴾

← نشر و اشاعت، کتب کی خرید و فروخت اور کتب کے استعمال سے متعلقہ کسی بھی قسم کی معلومات کے لیے رابطہ فرمائیں۔

kitabosunnat@gmail.com

www.KitaboSunnat.com

رضی اللہ عنہم و رضوانہ (القرآن)
اللہ ان سے راضی ہوا اور وہ اللہ سے راضی ہوئے

انبیاء کرام کے بعد دنیا کے مقدس ترین انسانوں کی سرگزشت حیات

سید الصحابہ

چار کبار صحابہ / ۱۵۰ اصغار صحابہ

جلد چہارم

حصہ ششم و ہفتم

سیدنا حضرت حسنؓ، حضرت معاویہؓ، حضرت حسینؓ اور حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کے مفصل سوانح زندگی
فتح مکہ کے بعد اسلام قبول کرنے والے اور صغیر السن ۱۵۰ حضرات صحابہؓ کے حالات

تحریر و ترتیب

الحاج مولانا شاہ معین الدین احمد ندوی مرحوم
سابق رفیق دارالافتحین

اڈو بازار ایم ای جیل روڈ
کراچی پاکستان 2213768

دارالاشاعت

کمپوزنگ کے جملہ حقوق ملکیت بحق دارالاشاعت کراچی محفوظ ہیں

باہتمام : خلیل اشرف عثمانی
طباعت : ۲۰۰۴ء علمی گرافکس کراچی
ضخامت : 499 صفحات

قارئین سے گزارش

اپنی حتی الوسع کوشش کی جاتی ہے کہ پروف ریڈنگ معیاری ہو۔ الحمد للہ اس بات کی نگرانی کے لئے ادارہ میں مستقل ایک عالم موجود رہتے ہیں۔ پھر بھی کوئی غلطی نظر آئے تو ازراہ کرم مطلع فرما کر ممنون فرمائیں تاکہ آئندہ اشاعت میں درست ہو سکے۔ جزاک اللہ

..... ملنے کے پتے

ادارہ اسلامیات ۱۹۰۔ انارکلی لاہور	ادارۃ المعارف جامعہ دارالعلوم کراچی
بیت العلوم 20 نا بھروڈ لاہور	بیت القرآن اردو بازار کراچی
مکتبہ سید احمد شہید اردو بازار لاہور	ادارۃ اسلامیات موہن چوک اردو بازار کراچی
مکتبہ امدادیہ ٹی بی ہسپتال روڈ ملتان	ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ B-437 ویب روڈ لیبیلہ کراچی
یونیورسٹی بک انجمن خیبر بازار پشاور	بیت الکتاب بالمقابل اشرف المدارس گلشن اقبال کراچی
کتب خانہ رشیدیہ۔ مدینہ مارکیٹ راجہ بازار راولپنڈی	بیت القلم مقابل اشرف المدارس گلشن اقبال بلاک ۴ کراچی
مکتبہ اسلامیہ گامی اڈا۔ ایبٹ آباد	مکتبہ اسلامیہ امین پور بازار۔ فیصل آباد

مکتبہ المعارف محلہ جنگل۔ پشاور

انگلینڈ میں ملنے کے پتے

Islamic Books Centre
119-121, Halli Well Road
Bolton BL 3NE, U.K.

Azhar Academy Ltd.
Al Continenta (London) Ltd.
Cooks Road, London E15 2PW

ترتیب اسمائے صحابہؓ

(میر الصحابہؓ حصہ ششم)

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۳۳	بچتے کے لئے	۲۶	مجمع عام میں دستبرداری کا	۷	دیباچہ
۳۷	اصلاح عقائد	۲۶	اعلان اور مدینہ کی واپسی		حضرت حسنؓ بن علیؓ
۳۷	عبادت	۲۶	معاویہ اور قیس بن سعد کی صلح	۱۷ تا ۳۳	
۳۸	صدقات و خیرات	۲۷	وفات	۱۷	نام و نسب
۳۹	خوش خلقی	۲۸	جنازہ پر جھگڑا	۱۷	پیدائش
۴۰	ضبط و تحمل	۲۸	مدینہ میں ماتم	۱۷	عہد نبویؐ
۴۱	کتاب الفضائل	۲۹	حلیہ	۱۸	عہد صدیقیؓ
۴۲	انفرادی فضائل	۲۹	ازواج	۱۸	عہد فاروقیؓ
	حضرت امیر معاویہؓ	۲۹	بی بیوں سے برتاؤ	۱۸	عہد عثمانیؓ
	۱۲۹ تا ۱۳۵	۳۰	اولاد		بیعت خلافت کے وقت
۴۵	نام و نسب	۳۰	ذریعہ معاش	۱۹	حضرت علیؓ کو مشورہ
۴۵	خاندانی حالات اور اسلام	۳۰	فضل و کمال		جنگ جمل سے حضرت علیؓ
۴۵	غزوات	۳۱	حدیث	۱۹	کور و کنا
	فتوحات شام میں حضرت	۳۱	خطابت	۱۹	جنگ جمل
۴۶	معاویہؓ کی شرکت	۳۲	شاعری	۲۰	حضرت علیؓ کی شہادت
۴۷	عہد عثمانی	۳۲	حکیمانہ اقوال	۲۱	بیعت خلافت
۴۷	طرابلس اسٹام کی فتح	۳۳	اخلاق و عادات	۲۱	پہلی تقریر
	عموریہ پر فوج کشی اور بعض	۳۳	استغناء بے نیازی	۲۱	امیر معاویہؓ کا جلد صلح قدم
۴۸	فتوحات		آپ نے خلافت فوج کی		حضرت حسنؓ کے مقابلہ کیلئے
۴۸	شمشاط کی فتح		کمزوری سے چھوڑی یا	۲۲	آبادگی اور واپسی
۴۸	ملطیہ کی فتح		مسلمانوں کی خوزیری سے	۲۳	خلافت سے دستبرداری

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۷۸	قلعوں کی تعمیر	۶۵	زرمان اور غزنہ کی فتوحات	۴۹	قبرس کی فتح
۷۸	بحری قوت میں ترقی	۶۶	غور کی بغاوت	۵۰	افریقہ کی جنگ
۷۹	جہاز سازی کے کارخانے		کوہستانی خراسان کی	۵۱	دور رفتن کا آغاز
۷۹	امیر البحر	۶۶	فتوحات		حضرت علیؑ کی خلافت اور
۸۰	پولیس کا محکمہ اور امن و امان	۶۶	ترکستان کی فتوحات	۵۴	حضرت معاویہؓ کی مخالفت
۸۰	مشتبہ لوگوں کی نگرانی	۶۷	سندھ کی فتوحات		امیر معاویہؓ کے ادعائے
	ذرائع خبر رسانی اور پرچہ	۶۸	رومیوں سے معرکہ آرائیاں	۵۲	خلافت کے اسباب
۸۰	نگاری	۶۸	بحری لڑائیاں	۵۴	حضرت علیؑ کے خلاف دعوت
۸۱	دیوان خاتم	۶۸	قطنطینیہ پر حملہ	۵۵	مصالحت کیلئے صحابہ کی کوشش
۸۱	رفاع عام کے کام	۷۰	روڈس کی فتح	۵۵	جنگ صفین
۸۱	نہریں	۷۰	یزید کی ولیعهدی	۵۶	تہکیم
۸۲	شہروں کی آبادی	۷۳	امیر کی آخری تقریر اور علالت	۵۷	خارجیوں کا ظہور
۸۳	نوآبادیاں	۷۳	یزید کو وصیت		نہروان سے حضرت علیؑ کی
۸۳	شیر خوار بچوں کے وظائف	۷۴	اپنے متعلق وصیتیں		واپسی اور شیعان علیؑ کی
۸۳	موذی جانوروں کا قتل	۷۵	وفات	۵۷	پہلو تہی
	ذمہ دہ بدوں پر غیر مسلموں	۷۵	حلیہ		حضرت علیؑ کی ایک سیاسی
۸۳	کا تقرر	۷۵	ازواج و اولاد	۵۸	فرو گداشت
۸۵	ذمیوں کے مال کی حفاظت	۷۵	کارنامہ ہائے زندگی	۵۹	مصر میں حضرت علیؑ کی مخالفت
۸۵	رعایا کی دادرسی	۷۶	امیر معاویہ کے مشیر کار	۶۰	مصر پر امیر معاویہؓ کا قبضہ
۸۶	مذہبی خدمات	۷۶	ملک کی تقسیم اور صوبے		حضرت علیؑ کے پیش قدمیوں
۸۶	اشاعت اسلام		حکام کے انتخاب میں	۶۱	اور مصالحت
۸۶	حرم کی خدمت	۷۷	اوصاف کا لحاظ		امیر معاویہؓ پر اختلاف اور
۸۷	مساجد کی تعمیر	۷۷	حکام کی نگرانی اور ان سے	۶۳	دست برداری
۸۷	اقامت دین	۷۷	کامل واقفیت	۶۵	ہرات وغیرہ کی بغاوت
۸۷	نکاح شغار کا انسداد	۷۸	صیغہ فوج	۶۵	کابل کی بغاوت

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
	یزید کی تخت نشینی اور حسین	۱۲۰	تدبیر و سیاست	۸۷	انہاد مفاسد
۱۳۵	سے مطالبہ بیعت	۱۲۲	اخلاق، عادت اور عام حالات	۸۸	فرائض اور سنن میں تفریق
۱۳۷	محمد بن حنفیہ کا مشورہ		عبرت پذیری اور قیامت	۸۸	مسنون طریقوں کی تعلیم
	حضرت حسینؑ کا سفر مکہ اور	۱۲۲	کا خوف	۸۸	غیر مسنون عمل کی ممانعت
۱۳۸	عبداللہ ابن مطیع کا مشورہ	۱۲۴	دنیاوی ابتلاء پر تاسف	۸۹	خطبہ میں تعلیم و ارشاد
	تحقیق حال کیلئے مسلم کی کوفہ	۱۲۵	قبول حق		امیر معاویہؓ کی فرد جرم اور
۱۳۹	روانگی اور راہ کے شدائد	۱۲۵	ضبط و تحمل		اس کی تاریخی حیثیت اور
	یزید کو مسلم کے پہنچنے کی اطلاع	۱۲۶	فیاضی	۸۹	اس کے اسباب
	اور حضرت حسینؑ کے لصری	۱۲۷	اہمیت امور دینی کی خدمت		پہلا الزام حضرت حسنؑ کی
۱۴۰	قاصد کا قتل	۱۲۸	امیر نبویؐ سے برکت اندوزی	۹۲	زہر خوانی اور اس کی تحقیق
	کوفہ میں ابن زیاد کا ورود	۱۲۸	مسادات	۱۱۳	دوسرا الزام اور اس کا جواب
۱۴۰	اور پہلی تقریر	۱۲۸	امیر کے اخلاقی اصول	۱۱۳	تیسرا الزام اور اس کا جواب
	کوفہ میں مسلم کا خفیہ		حضرت حسینؑ بن علیؑ	۱۱۵	چوتھا الزام اور اس کا جواب
۱۴۰	سلسلہ بیعت		۲۱۰ تا ۱۳۱	۱۱۵	پانچواں الزام اور اس کا جواب
۱۴۱	ہانی مذحجی کا قتل	۱۳۱	نام و نسب		متفرق اعتراضات اور
	اہل کوفہ کی غداری اور مسلم	۱۳۱	پیدائش	۱۱۶	اس کے جوابات
۱۴۳	کی روپوشی	۱۳۲	عہد نبویؐ	۱۱۷	فضل و کمال
۱۴۴	مسلم کی گرفتاری	۱۳۲	عہد صدیقی	۱۱۸	دوسروں سے استفادہ
	ابن زیاد سے گفتگو اور عمر بن	۱۳۲	عہد قاروقی	۱۱۸	تفقہ
۱۴۶	سعد کو وصیت	۱۳۳	عہد عثمانی	۱۱۸	حدیث
۱۴۷	مسلم اور ابن زیاد کا آخری	۱۳۴	جنگ جمل و صفین		مذہبی مسائل میں بحث
۱۴۷	مکالمہ اور شہادت	۱۳۴	حضرت علیؑ کی شہادت	۱۱۸	و مناظرہ
	حضرت حسینؑ کے سفر کوفہ	۱۳۴	عہد معاویہ	۱۱۹	کتابت
	کی تیاریاں اور خیر خواہوں	۱۳۴	حسن کا انتقال	۱۱۹	شاعری
۱۴۹	کے مشورے	۱۳۵	امیر معاویہؓ اور حسینؑ	۱۱۹	خطاط

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۱۷۷	کی شہادت		حرم کے نام ابن زیاد کا فرمان		مکہ سے کاروان اہل بیعت
۱۷۸	دوسرا حملہ اور تیروں کی بارش		آنا اور عقر میں کاروان اہلیت		کی روانگی اور خیر خواہوں
	اہل بیت کے خیموں کا	۱۶۱	کا قیام	۱۵۱	کی آخری کوشش
۱۷۸	جلایا جاتا		عمر سعد کے سامنے کی حکومت		ابن زیاد کے انتظامات اور
۱۷۹	جانبازوں کی شہادت		کا پیش آنا اور حسینؑ کے شہید		حضرت حسینؑ کے قاصد
	جاں نثاروں کی آخری		کر تکی خدمت سپرد ہونا اور	۱۵۳	قیس کا قتل
۱۸۰	جماعت کی فداکاری	۱۶۲	نفس و ضمیر کی کشمکش		حسینؑ اور عبد اللہ بن مطیع
۱۸۱	علی اکبر کی شہادت		پانی کی بندش اور اس کیلئے	۱۵۴	کی ملاقات
	خاندان بنی ہاشم کے دوسرے	۱۶۳	کشمکش		ایک جانباز کا اشار
۱۸۲	نوںہالوں کی شہادت		حضرت حسینؑ اور عمر بن سعد	۱۵۴	مسلم کے قتل کی خبر ملنا
۱۸۳	فاغتبہ و ایا اولی الابصار	۱۶۵	کی خفیہ گفتگو		حضرت حسینؑ کے پاس عبد اللہ
۱۸۶	آفتاب لاسمت کی شہادت	۱۶۶	ابن زیاد کا تہدید فرمان		بن اقطر کے قتل کی خبر اور مسلم
۱۹۰	ستم بالائے ستم	۱۶۷	سعد کا آخری فیصلہ	۱۵۵	کے پیغامات کا پہنچنا
	شہدائے بنی ہاشم کی تعداد اور	۱۶۷	ایک شب کی اجازت		حضرت حسینؑ کی پہلی تقریر
۱۹۱	ان کی تجہیز و تکفین	۱۶۸	خطبہ	۱۵۶	اور ہجوم کا منتشر ہونا
۱۹۲	اہل بیت کا سفر کوہ	۱۶۸	جاں نثاروں کی تقریریں		محرم ۱۱ھ کے خونی سال
۱۹۳	سفر شام	۱۷۰	شب عاشورہ	۱۵۶	کا آغاز اور حر کی آمد
	حضرت حسینؑ کی خبر شہادت	۱۷۱	قیامت صغریٰ		حضرت حسینؑ اور حر میں
۱۹۴	پر یزید کا تاثر اور اسکی برہمی	۱۷۱	بارگاہ ایزدی میں دعا	۱۵۷	تند گفتگو
	شامین اہلیت کو تنبیہ اور	۱۷۳	اتمام حجت	۱۵۸	خطبہ
	حضرت حسینؑ کے سر سے	۱۷۳	زبیر بن قیس کی تقریر	۱۵۹	قیس بن مسہر کے قتل کی خبر ملنا
۱۹۴	خطاب	۱۷۵	حر کا حضرت حسینؑ سے ملنا		طرم بن عدی کا اپنے وطن
	اہلیت نبویؐ کا معائنہ	۱۷۵	حر کی تقریر	۱۵۹	چلنے کی دعوت دینا
۱۹۵	اور ان سے ہمدردانہ برتاؤ	۱۷۶	جنگ کا آغاز		قصر بنی مقاتل کی منزل
۱۹۵	اہلیت کے فضائل کا اعتراف		عام جنگ اور مسلم بن عویجہ	۱۶۰	اور خواب

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
	شام سے ابن زبیر کے		حضرت عبداللہ بن زبیرؓ ۲۱۱ تا ۲۵۲	۱۹۵	یزید کے گھر میں حسین کا ماتم
	داعیوں کا اخراج اور	۲۱۱	نام و نسب	۱۹۶	اور زین العابدینؓ کیساتھ برتاؤ
۲۲۲	مردان کا قبضہ	۲۱۱	پیدائش		نقصان مال کی تلافی اور سیکینہ
۲۲۳	مصر پر قبضہ	۲۱۲	بیعت	۱۹۶	کی منت پذیری
	مردان کی وفات اور عبدالملک	۲۱۲	بچپن میں بلندی کے آثار		اگر میرے اولاد بھی کام آجاتی
۲۳۳	کی تخت نشینی	۲۱۳	عہد خلفاء		تو حسینؓ کو بچاتا اور ہر قسم
۲۲۴	مختار ثقفی کا خروج	۲۱۳	جنگ طرابلس	۱۹۶	کی امداد کا وعدہ
	ابن زبیرؓ کے کوئی پولیس		طبرستان کی فوج کشی		شام سے اہلبیت کی مدینہ
۲۲۵	افسر کا قتل	۲۱۵	میں شرکت	۱۹۷	ردائی اور اسکے انتظامات
	عبداللہ بن مطیع کا اخراج	۲۱۵	حضرت عثمانؓ کی حفاظت	۱۹۷	بعض غیر مستند روایات پر تنقید
۲۲۶	اور عراق پر مختار کا قبضہ		حضرت عثمانؓ کی شہادت	۱۹۹	واقعہ شہادت پر ایک نظر
۲۲۶	محمد بن حنفیہ کی قید اور رہائی	۲۱۵	اور جنگ جمل	۲۰۵	فضل و کمال
۲۲۶	قاتلین حسینؓ کا قتل	ابن	یزید کی دہیہدی اور	۲۰۵	احادیث نبوی ﷺ
	کوئی عربوں اور مختار میں	۲۱۵	زبیرؓ کی مخالفت	۲۰۶	فقہ و فتاویٰ
۲۲۷	مخالفت		امیر معاویہؓ کا انتقال حضرت	۲۰۶	خطابات
	مصعبؓ کوئی عربوں		حسینؓ کا سفر کوفہ اور ابن	۲۰۷	کلمات طیبات
۲۲۸	کی استمداد	۲۱۸	زبیرؓ کا مشورہ	۲۰۷	فضائل اخلاق
مقابلہ	مصعب اور مختار کا	۲۱۹	یزید اور ابن زبیرؓ میں مخالفت	۲۰۷	عبادت
۲۲۸	اور مختار کا قتل		ابن زبیرؓ کا دعویٰ خلافت	۲۰۸	صدقات و خیرات
۲۲۸	محمد بن حنفیہ کی جلا وطنی		اور شامی فوج کا مدینہ الرسول	۲۰۸	وقار و سیکینہ
	ابن زبیرؓ کا غلبہ اور	۲۲۰	مکملوٹنا	۲۰۹	انکسار و تواضع
۲۳۱	عبدالملک کی تیاریاں	۲۲۰	مکہ کا محاصرہ اور یزید کی موت	۲۰۹	استقلال و رائے
	مصعب کی مقابلہ کی		معاویہ بن یزید کی تخت نشینی	۲۰۹	ذاتی حالات، ذریعہ معاش
۲۳۱	تیاریاں	۲۲۱	اور دست برداری	۲۱۰	حلیہ
۲۳۲	ابراہیم کا قتل	۲۲۲	شام میں مروان کی بیعت	۲۱۰	ازواج و اولاد

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۲۳۵	مختلف زبانوں سے واقفیت	۲۳۰	صوبوں کے عمال	۲۳۲	ابن زبیرؓ سے مقابلہ کی تیاریاں
۲۳۵	خطابت	۲۳۱	عمال کے مظالم کا تذکرہ	۲۳۳	حرم کا محاصرہ
۲۳۶	اخلاق و عادات	۲۳۱	رعایا کی خبر گیری	۲۳۵	سامان رسد کا اختتام
۲۳۶	عبادت	۲۳۱	فوج	۲۳۵	ابن زبیرؓ کے ساتھیوں کی بے وفائی
۲۳۷	دین اور دنیا کی آمیزش	۲۳۱	سامان رسد	۲۳۵	حضرت اسماءؓ سے مشورہ
۲۳۷	ازواج مطہرات کی خدمت	۲۳۱	امارت و قضا	۲۳۶	اور ان کا شجاعانہ جواب
۲۳۸	احکام نبویؐ کی پابندی	۲۳۲	تعمیر کعبہ	۲۳۶	شہادت
۲۳۹	حقوق والدین	۲۳۳	غلاف کعبہ	۲۳۷	حجاج کی شقاوت، الاش کی بھڑکتی اور اسماءؓ کی بہادری
۲۳۹	شجاعت و بہادری	۲۳۳	فضل و کمال	۲۳۸	تدفین
۲۵۱	جرات و بیباکی	۲۳۳	قرأت قرآن	۲۳۱	کارنامہ ہائے زندگی
۲۵۱	ذریعہ معاش	۲۳۳	حدیث		
۲۵۲	کفایت شعاری	۲۳۳	تعلیم و ارشاد		
۲۵۲	ازواج و اولاد	۲۳۳	عملی افادہ و استفادہ		



صفحہ	نام	صفحہ	نام	صفحہ	نام
۳۸۴	حضرت عدی بن حاتم		ع		س
۳۹۰	حضرت عروہ بن مسعود ثقفی	۳۳۷	حضرت عامر بن اکوع	۳۱۵	حضرت سراقہ بن مالک
۳۹۳	حضرت عکرمہ بن ابی جہل	۳۳۸	حضرت عائشہ بن عمرو	۳۱۷	حضرت سبرہ بن معبد
۳۹۷	حضرت علاء حضرمی	۳۳۹	حضرت عباس بن مرداس	۳۱۸	حضرت سعد بن خولی
۳۹۹	حضرت عمران بن حصین	۳۵۱	حضرت عبداللہ بن ارقم	۳۱۸	حضرت سعد الاسود
۴۰۳	حضرت عمرو بن حق	۳۵۲	حضرت عبداللہ بن امیہ	۳۲۰	حضرت سعد بن عامر
۴۰۴	حضرت عمرو بن مرہ	۳۵۳	حضرت عبداللہ بن عسینہ	۳۲۱	حضرت سعید بن العاص
۴۰۵	حضرت عویض بن حرمہ	۳۵۴	حضرت عبداللہ بن بدر	۳۲۳	حضرت سعید بن یزید
۴۰۶	حضرت عیاض بن حمار	۳۵۵	حضرت عبداللہ بن بدیل	۳۲۴	حضرت سفینہ
	غ	۳۵۷	حضرت عبداللہ بن جعفر	۳۲۶	حضرت سلیمان بن صرہ
۴۰۶	حضرت غالب بن عبید اللہ		حضرت عبداللہ بن ابی	۳۲۷	حضرت سواد بن قارب
	ف	۳۶۱	حدرد	۳۲۸	حضرت سہیل بن عمرو
۴۰۸	حضرت فروہ بن میک	۳۶۲	حضرت عبداللہ بن زبیری		ش
۴۰۹	حضرت فضالہ لیشی	۳۶۳	حضرت عبداللہ بن زمعہ	۳۳۲	حضرت شیبہ بن عتبہ
۴۱۰	حضرت فیروز دلمی	۳۶۴	حضرت عبداللہ بن عامر	۳۳۵	حضرت شیبہ بن عثمان
	ق	۳۶۹	حضرت عبداللہ بن عبدنہم		ص
۴۱۱	حضرت قباث بن اشیم		حضرت عبداللہ بن	۳۳۶	حضرت صعصعہ بن ناجیہ
۴۱۱	حضرت قثم بن عباس	۳۷۰	مفضل مزنی	۳۳۸	حضرت صفوان بن امیہ
۴۱۳	حضرت قیس بن خرش	۳۷۳	حضرت عبداللہ بن وہب	۳۴۱	حضرت صفوان بن معطل
۴۱۴	حضرت قیس بن عاصم	۳۷۳	حضرت عبداللہ بن عباس		ض
	ک	۳۷۵	حضرت عبدالرحمن بن سمرہ		حضرت ضحاک بن
۴۱۶	حضرت کرز بن جابر فہری	۳۷۸	حضرت عتاب بن اسید	۳۳۳	سفیان
۴۱۷	حضرت کعب بن جحیم بن زہیر	۳۷۹	حضرت عتبہ بن ابی لہب	۳۳۴	حضرت ضرار بن ازور
۴۱۹	حضرت کعب بن عمیر غفلی	۳۸۴	حضرت عثمان بن ابی العاص	۳۳۴	حضرت ضار بن ثعلبہ
۴۲۰	حضرت کہس الہلالی	۳۸۴	حضرت عدا بن خالد	۳۳۵	حضرت ضام بن ثعلبہ

صفحہ	نام	صفحہ	نام	صفحہ	نام
۴۶۵	حضرت ابو جہم "بن حذیفہ"	و		ل	
۴۶۷	حضرت ابو جندل "بن سہیل"	۴۴۳	حضرت وائلہ "بن اسقع"	۴۲۱	حضرت لبید "بن ربیعہ"
۴۶۹	حضرت ابو ثعلبہ "خثعمی"	۴۴۷	حضرت وائل "بن حجر"	م	
۴۷۰	حضرت ابو قاعدہ عدویٰ	۴۴۸	حضرت وحشی "بن حرب"	۴۲۳	حضرت ماعدہ "بن مالک"
	حضرت ابوسفیان "بن حارث"	۴۴۹	حضرت مہذبہ "بن قباؤس"		حضرت مثنیٰ "بن حارثہ"
۴۷۱	حارث	۵		۴۲۶	شیبانی
۴۷۵	حضرت ابوسفیان "بن حرب"	۴۵۰	حضرت ہاشم "بن عقبہ"	۴۳۱	حضرت مجن "بن اورع"
۴۸۶	حضرت ابو شریح	۴۵۳	حضرت ہشام "بن حکیم"	۴۳۲	حضرت محمد "بن طلحہ"
۴۸۸	حضرت ابو العاص	۴۵۵	حضرت ہند "بن حارثہ"	۴۳۳	حضرت مسلم "بن حارثہ"
۴۹۱	حضرت ابو عامر اشعری	ی		۴۳۵	حضرت مسور "بن مخرمہ"
۴۹۳	حضرت ابو عمیب	۴۵۶	حضرت یاسر "بن عامر"	۴۳۷	حضرت مطیع "بن اسود"
۴۹۳	حضرت ابو عمرو "بن حفص"	۴۵۷	حضرت یزید "بن ابی سفیان"	۴۳۸	حضرت معاویہ "بن حکم"
۴۹۳	حضرت ابو مالک اشعری	۴۵۸	حضرت یزید "بن شجرہ دہلوی"	۴۳۹	حضرت معقل "بن سنان"
۴۹۵	حضرت ابو جحش ثقفی	کنیت		۴۴۰	حضرت معقل "بن یسار"
۴۹۶	حضرت ابو محمد ورہ	۴۵۹	حضرت ابو امامہ "بالی"	ن	
۴۹۸	حضرت ابو دائد لیسبی	۴۶۲	حضرت ابو بصیر	۴۴۳	حضرت ناجیہ "بن جندب"
		۴۶۴	حضرت ابو بکرہ	۴۴۴	حضرت نبیخہ "الخیر"





بسم الله الرحمن الرحيم

دیباچہ

دارالمصنفین میں سیر الصحابہ کا جو مقدس سلسلہ شروع کیا گیا تھا۔ اس کی تقسیم کے اعتبار سے (مہاجرین، انصار، عام صحابہ) یہ حصہ اس سلسلہ کی آخری کڑی ہے۔ چنانچہ اس کی آئندہ دوسری جلد پر یہ سلسلہ تمام ہو جائے گا۔ اس حصہ میں ان صحابہ کرام کے حالات ہیں جو مہاجرین اور انصار کے علاوہ ہیں، جو فتح مکہ کے بعد اسلام لائے یا ہجرت کے بعد پیدا ہوئے ہیں۔ ان میں سے چند صحابہ حضرت حسن، حضرت امیر معاویہ، حضرت حسین اور حضرت عبداللہ بن زبیرؓ اپنی سیاسی اور مذہبی اہمیت کے لحاظ سے بہت سے اکابر صحابہؓ سے کم نہیں ہیں۔ ان کے دعوائے خلافت و امامت کی وجہ سے ان کے حالات تفصیل کے طالب تھے۔ اس لئے انہیں ایک جلد میں علیحدہ جمع کر دینا مناسب ہوا، تاکہ ان کے حالات کے ساتھ اس عہد کی مرتب تاریخ بھی سامنے آجائے اور اس وجہ سے بھی ایسا کرنا مناسب معلوم ہوا کہ ان کے حالات ایک دوسرے سے وابستہ تھے۔ چنانچہ ان کے لئے ایک جلد مخصوص کر دی گئی۔ اس کے بعد کی دوسری جلد صغار صحابہؓ کے حالات میں ہوگی۔

درحقیقت ان بزرگوں کے حالات کا لکھنا بہت اہم اور نازک فرض ہے کیونکہ ان ہی بزرگوں کے نزاعی امور نے مسلمانوں کے مختلف گروہوں میں بڑے بڑے سیاسی اور مذہبی اختلاف پیدا کر دیئے ہیں۔ یہ ایک مسلمہ امر ہے کہ تاریخی حقائق اور جذبات جدا جدا چیزیں ہیں۔ اس لئے ان کے حالات اس طرح لکھنا کہ تاریخی حقائق کا دامن بھی ہاتھ سے نہ چھوٹنے پائے اور کسی جماعت اور کسی عقیدہ اور خیال کے مسلمان کے جذبات کو اس سے ٹھیس بھی نہ لگے۔ بہت مشکل امر اور پانی سے کھیلنا اور دامن کو تری سے بچانا ہے۔ تاہم میں نے دونوں باتوں کو نباہنے اور قلم کو جادہ حق پر قائم رکھنے کی پوری کوشش کی ہے۔ خدا اس سعی کو مشکور فرمائے۔

اس کتاب کے متعلق یہ گزارش ہے کہ جنگ و جدل کے واقعات میں عموماً اختصار ملحوظ رکھا گیا ہے۔ واقعات کا اصل مقصد اور خلاصہ لے لیا گیا ہے اور بیکار و لا طائل تفصیلات سے اس کتاب کو طول نہیں

دیا گیا ہے۔ اسی لئے ان کے حوالوں میں لفظی پابندی نہیں کی گئی ہے۔ حضرت حسینؑ کے حالات میں بعض بعض مقامات پر ناظرین کو ابن عسا کر کے حوالے بھی نظر آئیں گے، جو بعد زمانہ کی وجہ سے ان کے حالات میں زیادہ قابل استناد نہیں ہے۔ لیکن اسے اس مجبوری کی بنا پر گوارا کیا گیا کہ قدیم کتابوں میں ان کے فضائل اخلاق کے واقعات بہت کم ہیں۔ اس لئے اگر ابن عسا کر سے استفادہ نہ کیا جاتا تو یہ ضروری ابواب بالکل سادہ رہ جاتے، تاہم چند ناگزیر مقامات کے علاوہ اس کتاب کو ہاتھ نہیں لگایا گیا ہے۔

خدا سے دعا ہے کہ وہ کاتب سطور کو ان نفوس قدسیہ کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق ارزانی فرمائے کہ یہی اس کی قلمی کوششوں کا اس بارگاہ سے بہترین صلہ ہے۔

فقیر معین الدین احمد ندوی

۲۔ اکتوبر ۱۹۳۲ء
دارالمصنفین، اعظم گڑھ

بسم الله الرحمن الرحيم

دیباچہ طبع دوم

اس کتاب کا پہلا ایڈیشن آج سے انیس^{۱۹} سال پہلے ۱۹۳۲ء میں شائع ہوا تھا۔ اس مدت میں بعض جدید ماخذ سامنے آئے۔ جن سے نئے معلومات حاصل ہوئے۔ اس لئے اس ایڈیشن میں بعض ترمیمیں اور اضافے بھی ہوئے ہیں اور گزشتہ مسامحات کی تصحیح بھی کر دی گئی ہے اور اب یہ ایڈیشن پہلے ایڈیشن سے زیادہ جامع اور مکمل ہو گیا ہے۔

معین الدین احمد ندوی

۱۲۵ رمضان المبارک۔ مطابق جولائی ۱۹۵۱ء

دارالمصنفین، اعظم گڑھ

بسم الله الرحمن الرحيم

الحمد لله رب العلمين والصلاة والسلام
على محمد وآله واصحابه اجمعين

حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما

نام و نسب :

حسن نام ہے۔ ابو محمد کنیت۔ سید (ابنی ہذا سید) اور ریحانۃ البشی (ریحانتی فی الجنة) خطاب شیبہ رسول لقب، داد ہالی شجرہ طیبہ یہ ہے : ابو محمد حسن بن علی بن ابی طالب بن عبدالمطلب قرشی مطلبی۔ آپ کی والدہ ماجدہ سیدہ بتول فاطمہ زہراؑ، جگر گوشہ رسول تھیں۔ اور آپ کے پدر بزرگوار جناب امیر علی مرتضیٰؑ ابن عم رسول تھے۔ اس لحاظ سے آپ کی ذات گرامی دوہرے شرف کی حامل تھی۔

پیدائش : سنہ ہجری کے تیسرے سال رمضان المبارک کے مہینہ میں معدن نبوت کا یہ گوہر شب چراغ استغنا و بے نیازی کی اقلیم کا تاجدار صلح و مسامت کی ہر سکون مملکت کا شہنشاہ، عرش خلافت کا مسند نشین، دوش نبوت کا سوار، فتنہ و فساد کا نیک کن، سردار دو عالم کی بشارت کا پورا کرنے والا، امت مسلمہ کا محسن اعظم، نور افزائے عالم وجود ہوا۔ آنحضرت ﷺ کو ولادت باسعادت کی خبر ہوئی، تو حضرت فاطمہؑ کے گھر تشریف لائے اور فرمایا، ”میرے بچے کو دکھانا، کیا نام رکھا گیا“۔ عرض کیا گیا ”حرب“۔ فرمایا نہیں۔ ”اس کا نام حسن ہے“۔ پیدائش کے ساتویں دن عقیقہ کیا، اور دو مینڈھوں کی قربانی کر کے سر کے بال اُتروائے اور ان کے ہم وزن چاندی خیرات کی۔

عہد نبوی ﷺ : آنحضرت کو حضرت حسنؑ کے ساتھ جو غیر معمولی محبت تھی، وہ کم خوش قسمتوں کے حصہ میں آئی ہوگی۔ آپ ﷺ نے بڑے ناز و نعم سے ان کی پرورش فرمائی۔ کبھی آغوش شفقت میں لئے ہوئے نکلتے، کبھی دوش مبارک پر سوار کئے ہوئے برآمد ہوتے۔ ان کی ادنیٰ ادنیٰ تکلیف پر بے قرار ہو جاتے۔ بغیر حسنؑ کو دیکھے ہوئے نہ رہا جاتا تھا۔ ان کو دیکھنے کے لئے روزانہ فاطمہ زہراؑ کے گھر تشریف لے جاتے تھے۔ حضرت حسنؑ اور حسینؑ بھی آپ ﷺ سے بے حد مانوس ہو گئے تھے۔

کبھی نماز کی حالت میں پشتِ مبارک پر چڑھ کے بیٹھ جاتے، کبھی رکوع میں ٹانگوں کے درمیان گھسن جاتے، کبھی ریشِ مبارک سے کھیلتے۔ غرض طرح طرح کی شوخیاں کرتے۔ جان نثار نانا نہایت پیار اور محبت سے ان طفلانہ شوخیوں کو برداشت کرتے اور کبھی نادباً بھی نہ جھڑکتے۔ بلکہ ہنس دیا کرتے تھے۔ ابھی حضرت حسنؑ آٹھ سال کے تھے کہ یہ بابرکت سایہ سر سے اٹھ گیا۔

عہدِ صدیقی : اس کے بعد حضرت ابو بکر صدیقؓ "مسند نشینِ خلافت ہوئے۔ آپ بھی ذاتِ نبوی ﷺ کے تعلق کی وجہ سے حضرت حسنؑ کے ساتھ بڑی محبت فرماتے تھے۔ ایک مرتبہ حضرت ابو بکرؓ عصر کی نماز پڑھ کر نکلے، حضرت علیؑ بھی ساتھ تھے۔ راستہ میں حضرت حسنؑ کھیل رہے تھے۔ حضرت ابو بکرؓ نے اٹھا کر کندھے پر بٹھالیا اور فرمانے لگے، "قسم ہے یہ نبی ﷺ کے مشابہ ہے، علیؑ کے مشابہ نہیں ہے۔" حضرت علیؑ یہ سن کر ہنسنے لگے۔

عہدِ فاروقی : حضرت عمر فاروقؓ نے بھی اپنے زمانہ میں دونوں بھائیوں کے ساتھ ایسا ہی محبت آمیز برتاؤ رکھا۔ چنانچہ جب آپ نے کبار صحابہؓ کے وظائف مقرر کئے تو گو حضرت حسنؑ اس صف میں نہ آتے تھے، لیکن آپ کا بھی پانچ ہزار ماہانہ مقرر فرمایا۔

عہدِ عثمانی : حضرت عثمان غنیؓ نے بھی اپنے زمانہ میں ایسا ہی شفقت آمیز طرزِ عمل رکھا۔ صدیقی اور فاروقی دور میں حضرت حسنؑ اپنی کمسنی کے باعث کسی کام میں حصہ نہ لے سکتے تھے۔ حضرت عثمانؓ کے عہد میں پورے جوان ہو چکے تھے۔ چنانچہ اسی زمانہ سے آپ کی عملی زندگی کا آغاز ہوتا ہے۔ اس سلسلہ میں سب سے اول طبرستان کی فوج کشی میں مجاہدانہ شریک ہوئے۔ یہ فوج کشی سعید ابن العاص کی ماتحتی میں ہوئی تھی۔

اس کے بعد جب حضرت عثمانؓ کے خلاف فتنہ اٹھا اور باغیوں نے قصرِ خلافت کا محاصرہ کر لیا تو حضرت حسنؑ نے اپنے والد بزرگوار کو یہ مشورہ دیا کہ آپ محاصرہ اٹھنے تک کے لئے مدینہ سے باہر چلے جائیے، کیونکہ اگر آپ کی موجودگی میں حضرت عثمانؓ شہید کر دیئے گئے تو لوگ آپ کو مطعون کریں گے اور شہادت کا ذمہ دار ٹھہرائیں گے۔ لیکن باغی حضرت علیؑ کی نقل و حرکت کی برابر نگرانی کر رہے تھے۔ اس لئے حضرت علیؑ اس مفید مشورہ پر عمل پیرا نہ ہو سکے۔

۱۔ بخاری کتاب المناقب الحسنؑ والحسینؑ
۲۔ فتوح البلدان بلاذری ذکر عطاء عمرؓ بن الخطاب
۳۔ ابن اثیر، جلد ۳، ص ۸۴ طبع یورپ
۴۔ ایضاً، ص ۱۸۱

البتہ حضرت حسنؓ کو حضرت عثمانؓ کی حفاظت کے لئے بھیج دیا۔ چنانچہ انہوں نے اور ان کے دوسرے ساتھیوں نے اس خطرہ کی حالت میں نہایت شجاعت و بہادری کے ساتھ حملہ آوروں کی مدافعت کی، اور باغیوں کو اندر گھسنے سے روک رکھا۔ اس مدافعت میں خود بھی بہت زخمی ہوئے۔ سارا بدن خون سے رنگین ہو گیا، لیکن حفاظت کی یہ تمام تدبیریں ناکام ثابت ہوئیں اور باغی چھت پر چڑھ کر اندر گھس گئے اور حضرت عثمانؓ کو شہید کر دیا۔ حضرت علیؓ کو شہادت کی خبر ہوئی تو آپؓ نے جوش غضب میں حضرت حسنؓ کو طمانچہ مارا کہ تم نے کیسی حفاظت کی کہ باغیوں نے اندر گھس کر حضرت عثمانؓ کو شہید کر ڈالا۔

بیعت خلافت کے وقت حضرت علیؓ کو مشورہ :

حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد جب مسند خلافت خالی ہو گئی اور مسلمانوں کی نگاہ انتخاب حضرت علیؓ پر پڑی اور انہوں نے آپؓ کے ہاتھ پر بیعت کرنی چاہی تو حضرت حسنؓ نے غلبت اندیشی سے والد بزرگوار کو یہ مشورہ دیا کہ جب تک تمام ممالک اسلامیہ کے لوگ آپؓ سے خلافت کی درخواست نہ کریں، اس وقت تک آپؓ سے قبول نہ فرمائیے۔ لیکن حضرت علیؓ نے فرمایا کہ خلیفہ کا انتخاب صرف مہاجرو انصار کا حق ہے۔ جب وہ کسی کو خلیفہ تسلیم کر لیں تو پھر تمام ممالک اسلامیہ پر اس کی اطاعت واجب ہو جاتی ہے۔ بیعت کے لئے تمام دنیا کے مسلمانوں کے مشورہ کی شرط نہیں ہے اور خلافت قبول کر لی۔

جنگ جمل سے حضرت علیؓ کو روکنا :

حضرت علیؓ کی بیعت کے بعد جب حضرت عائشہؓ، طلحہؓ اور زبیر رضوان اللہ علیہم حضرت عثمانؓ کے قصاص میں ان کے قاتلوں سے بدلہ لینے کے لئے نکلے تو پھر حضرت حسنؓ نے حضرت علیؓ کی خدمت میں عرض کیا کہ آپؓ مدینہ لوٹ چلے اور کچھ دنوں کے لئے خانہ نشین ہو جائیے، لیکن حضرت علیؓ کی رائے میں مدینہ لوٹنا اور خانہ نشین ہو جانا امت کے ساتھ فریب تھا اور اس سے امت اسلامیہ میں مزید افتراق و انشقاق کا اندیشہ تھا۔ اس لئے واپس نہ ہوئے۔

جنگ جمل : یہ وہ وقت تھا کہ حضرت طلحہؓ اور زبیرؓ وغیرہ حضرت عثمانؓ کے قصاص کے لئے نکل چکے تھے۔ اس لئے حضرت علیؓ نے بھی مقابلہ کی تیاریاں شروع کر دیں۔ جب آپؓ بالکل آمادہ ہو گئے تو حضرت حسنؓ کو بھی چارونا چار آپؓ کی حمایت میں نکلنا پڑا۔ چنانچہ والد بزرگوار کے حکم کے مطابق حضرت عمار بن یاسرؓ کے ہمراہ اہل کوفہ کو ان کی امداد پر آمادہ کرنے کے لئے کوفہ تشریف لے گئے۔

ان ہی ایام میں حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ مسلمانوں کو خانہ جنگی اور فتنہ و فساد سے روکنے کے لئے کوفہ آئے ہوئے تھے اور جامع کوفہ میں تقریر کر رہے تھے۔ کہ ”برادران کوفہ تم لوگ عرب کی بنیاد بن جاؤ، تاکہ مظلوم اور خوفزدہ تمہارے دامن میں پناہ لیں۔ لوگو! فتنہ اٹھتے وقت پہچان نہیں پڑتا بلکہ مشتبہ رہتا ہے۔ فرو ہونے کے بعد اس کی حقیقت ظاہر ہوتی ہے۔ معلوم نہیں یہ فتنہ کہاں سے اٹھا ہے اور کس نے اٹھایا ہے۔ اس لئے تم لوگ اپنی تلواریں نیام میں کر لو، نیزے کے پھل نکال ڈالو، کمانوں کے چلے کاٹ دو اور گھروں کے اندرونی حصہ میں بیٹھ جاؤ۔ لوگو! فتنہ کے زمانے میں سونے والا کھڑے ہونے والے سے اور کھڑا ہونے والا چلنے والے سے بہتر ہے۔“

حضرت حسنؓ نے مسجد پہنچ کر یہ تقریر سنی تو حضرت ابو موسیٰ کو روک دیا، اور فرمایا تم یہاں سے نکل جاؤ اور جہاں جی میں آئے چلے جاؤ اور خود منبر پر چڑھ کر اہل کوفہ کو حضرت علیؓ کی امداد پر ابھارا۔ چنانچہ آپؓ کی دعوت اور حجر بن عدیؓ کی کنڈی کی تقریر پر ۹۶۵۰ کو فی حضرت علیؓ کا ساتھ دینے پر آمادہ ہو گئے۔ حضرت حسنؓ ان سب کو لے کر مقام ذی قار میں حضرت علیؓ سے مل گئے اور جنگ کے فیصلے تک برابر ساتھ رہے۔

جمل کے بعد صفین کا قیامت خیز معرکہ ہوا۔ اس میں بھی آپؓ اپنے والد بزرگوار کے ساتھ تھے اور التوائے جنگ پر جو عہد نامہ مرتب ہوا تھا اس میں شاہد تھے۔

حضرت علیؓ کی شہادت :

خلافت کے پانچویں سال ابن ملجم نے حضرت علیؓ پر قاتلانہ حملہ کیا۔ زخم کاری لگا۔ اس لئے نقل و حرکت سے معذور ہو گئے۔ چنانچہ جمعہ کی امامت حضرت حسنؓ کو تفویض فرمائی۔ اس جمعہ میں آپؓ نے ذیل کا خطبہ دیا :

”خدا نے جس نبی کو مبعوث کیا، اس کو ایک ذات، ایک قبیلہ اور ایک گھر عنایت فرمایا۔ اس ذات کی قسم جس نے محمد ﷺ کو مبعوث کیا، جو شخص ہم بے ادبیت کا کوئی حق تلف کرے گا، خدا اس اطلاق حق کے بقدر اس شخص کا حق گھٹا دے گا۔“

حضرت علیؓ کا زخم نہایت کاری تھا۔ جب بچنے کی کوئی امید باقی نہ رہی تو بعض ہوا خواہوں نے آپؓ سے حضرت حسنؓ کی آئندہ جانشینی اور خلافت کے بارے میں سوال کیا۔ آپؓ نے فرمایا :

”نہ میں حکم دیتا ہوں نہ روکتا ہوں۔“

زخمی ہونے کے تیسرے دن حضرت علیؓ جنت الفردوس کو سدھارے۔ حضرت حسنینؓ اور جعفرؓ نے غسل دیا۔ حضرت حسنؓ نے نماز جنازہ پڑھائی اور نماز فجر کے قبل آپ کا جسدِ خاکی مقامِ حبیب میں جامع مسجد کے متصل سپردِ خاک کیا گیا۔

حضرت حسنؓ کی بیعت خلافت :

حضرت علیؓ کی وفات کے بعد امیر معاویہؓ کے مقبوضہ علاقہ کے علاوہ باقی سارے ملک کی نظریں حضرت حسنؓ کی طرف تھیں۔ چنانچہ والد بزرگوار کی تدفین سے فراغت کے بعد جامع مسجد تشریف لائے۔ مسلمانوں نے بیعت کے لئے ہاتھ بڑھائے۔ آپ نے بیعت کی اور بیعت کے بعد حسب ذیل تقریر ارشاد فرمائی :

آپ کی پہلی تقریر :

”لوگو ! کل تم سے ایک ایسا شخص پھڑپھڑا رہا ہے کہ نہ اگلے اس سے بڑھ سکے اور نہ پچھلے اس کو پاسکیں گے۔ رسول اللہ ﷺ اس کو اپنا علم مرحمت فرما کر لڑائیوں میں بھیجتے تھے۔ وہ کبھی کسی جنگ سے ناکام نہیں لوٹا۔ میکائیل اور جبرائیل چپ دراست اس کے جلو میں ہوتے تھے اس نے سات سو درہم (۷۰۰) کے سوا جو اس کی مقررہ تنخواہ سے بچ رہا ہے، سونے چاندی کا کوئی ذرہ نہیں چھوڑا ہے۔ یہ درہم بھی ایک خلام خریدنے کے لئے جمع کئے تھے“۔ اس بیعت اور تقریر کے بعد آپ مسندِ خلافت پر جلوہ افروز ہوئے۔

امیر معاویہؓ کا جارحانہ اقدام :

جناب امیرؓ اور امیر معاویہؓ میں بہت قدیم اختلاف چلا آ رہا تھا۔ امیر معاویہؓ ان کی حیات ہی میں عالمِ اسلامی پر حکومت کرنے کا خواب دیکھ رہے تھے۔ لیکن جناب امیرؓ کی زندگی میں یہ خواب منت کش تعبیر نہ ہوا۔ آپ کی وفات کے بعد امیر معاویہؓ کا یہ جذبہ دفعۃً نہایت شدت سے ابھر آیا۔ امیر معاویہؓ کو یہ معلوم تھا کہ حسنؓ صلح پسند ہیں اور جنگ و جدال وہ دل سے ناپسند کرتے ہیں اور واقعہ بھی یہی تھا کہ حضرت حسنؓ کو قتل و خونریزی سے شدید نفرت تھی اور اس قیمت پر وہ خلافت لینے پر آمادہ نہ تھے۔ چنانچہ آپ نے پہلے ہی طے کر لیا تھا کہ اگر اس کی نوبت آئی تو امیر معاویہؓ سے اپنے لئے کچھ مقرر کر کے خلافت سے دست بردار ہو جائیں گے۔

۱۔ مسعودی۔ جلد ۳۔ ص ۳۶۳ ۲۔ ایضاً۔ ص ۳۶۳ ۳۔ ابن سعد جز ۳۰ ق اول ذکر علیؓ، حاکم نے مستدرک میں بھی اس کو خفیف تغیر کے ساتھ نقل کیا ہے۔ ۴۔ طبری۔ جلد ۷۔ ص ۱

امیر معاویہؓ کو ان حالات کا پورا اندازہ تھا۔ اس لئے حضرت علیؓ کی شہادت کے بعد ہی انہوں نے پیش قدمی شروع کر دی اور پہلے عبداللہ بن عامر بن کریم کو مقدمہ الجیش کے طور پر آگے روانہ کر دیا۔ یہ انبار ہوتے ہوئے مدائن کی طرف بڑھے۔

حضرت حسنؓ کی مقابلہ کے لئے آمادگی اور واپسی :

حضرت حسنؓ اس وقت کوفہ میں تھے۔ آپ کو عبداللہ بن عامر کی پیش قدمی کی خبر ہوئی تو آپ بھی مقابلہ کے لئے کوفہ کی طرف بڑھے۔ ساباط پہنچ کر اپنی فوج میں کمزوری اور جنگ سے پہلو تہی کے آثار دیکھے۔ اس لئے اسی مقام پر رُک کر حسبِ ذیل تقریر کی :

”میں کسی مسلمان کے لئے اپنے دل میں کینہ نہیں رکھتا اور تمہارے لئے بھی وہی پسند کرتا ہوں جو اپنے لئے کرتا ہوں۔ تمہارے سامنے ایک رائے پیش کرتا ہوں۔ امید ہے اسے مسترد نہ کرو گے۔ جس اتحاد و یکجہتی کو تم ناپسند کرتے ہو، وہ اس تفرقہ اور اختلاف سے کہیں افضل و بہتر ہے جسے تم چاہتے ہو۔ میں دیکھ رہا ہوں کہ تم میں سے اکثر اشخاص جنگ سے پہلو تہی کر رہے ہیں اور لڑنے سے بزدلی دکھا رہے ہیں۔ میں تم لوگوں کو تمہاری مرضی کے خلاف مجبور کرنا نہیں چاہتا۔“

یہ خیالات سن کر لوگ سناٹے میں آ گئے اور ایک دوسرے کا منہ ٹکٹنے لگے۔ اگرچہ کچھ لوگ جنگ سے پہلو تہی کر رہے تھے، تاہم بہت سے خارجی عقائد کے لوگ جو آپ کے ساتھ تھے وہ معاویہؓ سے لڑنا فرض عین سمجھتے تھے۔ انہوں نے جب یہ رنگ دیکھا تو حضرت علیؓ کی طرح حضرت حسنؓ کو بھی برا بھلا کہنے لگے اور ان کی تحقیر کرنی شروع کر دی اور جس مصلیٰ پر آپ تشریف فرما تھے، حملہ کر کے اسے چھین لیا اور پیراہن مبارک کھسوٹ کر گلے سے چادر کھینچ لی۔

حضرت حسنؓ نے یہ برہمی دیکھی تو گھوڑے پر سوار ہو گئے اور ربیعہ و ہمدان کو آواز دی۔ انہوں نے بڑھ کر خارجیوں کے زرعہ سے چھڑایا اور آپ سیدھے مدائن روانہ ہو گئے۔

راستہ میں جراح بن قبیصہ خارجی حملہ کی تاک میں چھپا ہوا تھا۔ حضرت حسنؓ جیسے ہی اس کے قریب سے ہو کر گزرے اس نے حملہ کر کے زانوے مبارک زخمی کر دیا۔ عبداللہ بن نطل اور عبداللہ بن طبیان نے جو امام کے ساتھ تھے، جراح کو پکڑ کر اس کا کام تمام کر دیا اور حضرت حسنؓ مدائن جا کر قصر ابیض میں قیام پذیر ہو گئے اور زخم بھرنے تک ٹھہرے رہے۔

شفایاب ہونے کے بعد عبداللہ بن عامر سے مقابلہ کے لئے تیار ہو گئے۔ اس دوران میں امیر معاویہؓ بھی انبار پہنچ چکے تھے اور قیس بن عامر کو جو حضرت حسنؓ کی طرف سے یہاں متعین تھے،

گھیر لیا تھا۔ ادھر معاویہؓ نے قیس کا محاصرہ کیا۔ دوسری طرف حضرت حسنؓ اور عبد اللہ ابن عامر بالمقابل آگئے۔ عبد اللہ اس موقع پر یہ چال چلا کہ حضرت حسنؓ کی فوج کو مخاطب کر کے کہا کہ عراقیو! میں خود جنگ کرنا نہیں چاہتا۔ میری حیثیت صرف معاویہؓ کے مقدمۃ الجیش کی ہے اور وہ شامی فوجیں لے کر خود انبار تک پہنچ چکے ہیں۔ اس لئے حسنؓ کو میرا سلام کہہ دو اور میری جانب سے یہ پیام پہنچا دو کہ ان کو اپنی ذات اور اپنی جماعت کی قسم جنگ ملتوی کر دیں۔ عبد اللہ بن عامر کا یہ افسوس کا رگر ہو گیا حضرت حسنؓ کے ہمراہیوں نے اس کا پیام سنا تو انہوں نے جنگ کرنا مناسب نہ سمجھا اور پیچھے ہٹنے لگے۔ حضرت حسنؓ نے اسے محسوس کیا تو وہ مدائن لوٹ گئے۔

خلافت سے دستبرداری :

آپ کے مدائن چلے آنے کے بعد عبد اللہ بن عامر کو موقع مل گیا۔ اس نے بڑھ کر مدائن میں گھیر لیا۔ حضرت حسنؓ پہلے ہی سے امیر معاویہؓ سے صلح کرنے پر آمادہ تھے۔ اپنے ساتھیوں کی بزدلی اور کمزوری کا تجربہ کرنے کے بعد جنگ کا خیال بالکل ترک کر دیا اور چند شرائط پر امیر معاویہؓ کے حق میں خلافت سے دستبرداری کا فیصلہ کر لیا اور یہ شرط عبد اللہ بن عامر کے ذریعہ سے امیر معاویہؓ کے پاس بھجوا دیں، جو حسب ذیل ہیں :

- ۱۔ کوئی عراقی محض بغض و کینہ کی وجہ سے نہ پکڑا جائے گا۔
 - ۲۔ بلا استثناء سب کو امان دی جائے گی۔
 - ۳۔ عراقیوں کے ہفوات کو انگیز کیا جائے گا۔
 - ۴۔ یہ ہواز کا کل خراج حسنؓ کے لئے مخصوص کر دیا جائے گا۔
 - ۵۔ حسینؓ کو دو لاکھ سالانہ علیلہ دیا جائے گا۔
 - ۶۔ بنی ہاشم کو صلوات و عطایا میں بنی عبد شمس (بنی اُمیہ) پر ترجیح دی جائے گی۔
- عبد اللہ بن عامر نے یہ شرائط امیر معاویہؓ کے پاس بھجوا دیں۔ انہوں نے بلا کسی ترمیم کے یہ تمام شرطیں منظور کر لیں اور اپنے قلم سے منظوری لکھ کر اپنی مہر ثبت کر کے معززین و عمائد کے شہادت میں لکھوا کر حضرت حسنؓ کے پاس بھجوا دیں۔

۱۔ یہ تمام حالات اخبار الطوال دینوری صفحہ ۲۳۰ تا ۲۳۲ سے ماخوذ ہیں۔ ابن اثیر کا بیان اس سے کسی قدر مختلف ہے۔ اس کی روایت کے مطابق صورت واقعہ یہ ہے کہ جس وقت امام حسنؓ نے اپنی شرائط امیر معاویہؓ کے سامنے پیش کرنے کے لئے بھیجی تھیں اسی دوران میں امیر معاویہؓ نے بھی ایک سادہ کاغذ پر مہر لگا کر حسنؓ کے پاس بھیجا تھا کہ اس پر وہ جو شرائط چاہیں تحریر کر دیں۔ سب منظور کر لی جائیں گی۔ اس کاغذ کے بھیجنے کے بعد امیر معاویہؓ کے پاس حسنؓ کے شرائط والا کاغذ پہنچا۔ (باقی صفحہ ۲ دیکھئے)

دست برداری کے بعد حضرت حسنؓ نے قیس بن سعد انصاری کو جو مقدمۃ الحجیش کے ساتھ شامیوں کے مقابلہ پر مامور تھے۔ اس کی اطلاع دی اور جملہ امور امیر معاویہؓ کے حوالہ کر کے مدائن چلے آنے کا حکم دیا۔ قیس کو یہ فرمان ملا تو انہوں نے فوج کو بڑھ کر سنایا اور کہا کہ اس کے بعد ہمارے لئے صرف دو صورتیں ہیں۔ یا تو بلا امام کے جنگ جاری رکھیں یا معاویہ کی اطاعت قبول کر لیں۔ ان کے دستہ میں بھی کچھ کمزور لوگ موجود تھے، جنہوں نے امیر معاویہؓ کی اطاعت قبول کر لی اور قیس حضرت حسنؓ کے حکم کے مطابق آپ کے پاس مدائن چلے آئے اور ان کے مدائن آنے کے بعد حضرت حسنؓ کو فہ تشریف لے گئے۔ امیر معاویہؓ آ کر آپ سے ملے اور دونوں میں صلح نامہ کے شرائط کی زبانی بھی توثیق ہو گئی۔

اوپر جو شرطیں اخبار الطوال سے نقل کی گئی ہیں۔ ان کے علاوہ عام طور پر ایک یہ شرط بہت مشہور ہے کہ امیر معاویہؓ کے بعد حسنؓ خلیفہ ہوں گے۔ لیکن یہ شرط مردج الذہب مسعودی اخبار الطوال دینوری، یعقوبی، طبری اور ابن اثیر وغیرہ کسی میں بھی نہیں ہے۔ البتہ علامہ ابن عبد البر نے استیعاب میں لکھا ہے کہ علماء کا یہ بیان ہے کہ حسنؓ صرف معاویہؓ کی زندگی ہی تک کے لئے ان کے حق میں دست بردار ہوئے تھے۔ لیکن ابن عبد البر کا یہ بیان خود محل نظر ہے۔ اس لئے کہ جو واقعہ کسی مستند تاریخ میں نہیں ملتا، اس کو علماء کا بیان کیسے کہا جاسکتا ہے۔ ممکن ہے، ان کے عہد کے علماء کی یہ رائے رہی ہو۔ لیکن تاریخوں سے اس بات کی تصدیق نہیں ہوتی۔ خود طبری نے بھی جو اپنی تاریخ میں ہر طرح کی رطب و یابس روایتیں نقل کر دیتا ہے، اس شرط کا کوئی ذکر نہیں کیا اور آئندہ واقعات سے بھی اس کی تائید نہیں ہوتی۔

اس شرط کے نہ ہونے کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ حضرت حسنؓ کی وفات کے بعد جب امیر معاویہؓ یزید کی بیعت کے لئے مدینہ گئے اور ابن زبیرؓ، حسینؓ اور عبد الرحمن بن ابی بکرؓ وغیرہ کے سامنے یہ مسئلہ پیش کیا تو ان بزرگوں نے اس کے خلاف ہر طرح کے دلائل دیئے۔ ابن زبیرؓ نے کہا کہ یہ طریقہ خلفائے راشدینؓ کے انتخابی طریقہ کے خلاف ہے۔ اس لئے ہم اسے منظور نہیں کر سکتے۔ عبد الرحمن بن ابی بکرؓ نے کہا یہ قیصر و کسریٰ کی سنت ہے۔ لیکن کسی نے بھی یہ دلیل نہیں دی کہ

(بقیہ صفحہ ۲۴)

امیر معاویہؓ نے اس کو رد کے رکھا۔ حسنؓ کو جب امیر معاویہؓ کا مہر کردہ سادہ کاغذ ملا تو انہوں نے اس میں بہت سی شرطیں جو پہلے مطالبہ میں نہ تھیں بڑھادیں۔ لیکن امیر معاویہؓ نے انہیں تسلیم نہیں کیا اور صرف انہی شرائط کو مانا جسے حسنؓ پہلے بھیج چکے تھے۔ (ابن اثیر۔ جلد ۳۔ ص ۳۳۲) ۱۔ اخبار الطوال۔ ص ۲۳۲ ۲۔ استیعاب تذکرۃ امام حسنؓ

حسنؓ صرف تمہارے حق میں دست بردار ہوئے تھے، اس لئے یزید کو ولی عہد نہیں بنایا جاسکتا۔ ظاہر ہے کہ اگر ان بزرگوں کو اس قسم کی شرط کا علم ہوتا تو وہ دوسرے دلائل کے ساتھ اسے بھی یزید کی ولی عہدی کی مخالفت میں ضرور پیش کرتے۔ پھر امیر معاویہؓ کی وفات کے بعد جب حضرت حسینؓ یزید کے مقابلہ میں کھڑے ہوئے تو آپؓ نے اپنے دعویٰ کی تائید اور یزید کی مخالفت میں بہت سی تقریریں کیں اور ان تقریروں میں یزید کی مخالفت کے اسباب بیان کئے، لیکن کسی تقریر میں بھی آپؓ نے یہ دعویٰ نہیں فرمایا کہ چونکہ میرے بھائی حسنؓ صرف امیر معاویہؓ کے حق میں دستبردار ہوئے تھے اور وہ امیر معاویہؓ کی زندگی میں وفات پا چکے تھے۔ اس لئے اصولی توارث کی رو سے ان کی جانشینی کا حق مجھے یا حسنؓ کی اولاد کو پہنچتا ہے۔ حالانکہ یزید کی حکومت کے خلاف دلائل میں یہ بڑی قوی دلیل تھی۔ لیکن حضرت حسینؓ نے اس کی طرف اشارہ بھی نہیں فرمایا۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ ہی سرے سے غلط ہے۔ باقی رہا سوال کہ پھر بعض ارباب سیر نے کیوں نقل کیا ہے؟ اس کا جواب ان لوگوں کے لئے بہت آسان ہے، جو بنی امیہ اور بنی ہاشم کی اختلافی تاریخ پر نظر رکھتے ہیں کہ ان میں سے ہر ایک حامی دوسرے کے متعلق ایسی روایتیں گھڑ دیتے ہیں، جس سے دوسرے کے دامن پر کوئی دھبہ آتا ہو۔

اس میں شک نہیں کہ امیر معاویہؓ نے حضرت علیؓ کے خلاف صف آرا ہو کر اور پھر اپنے بعد یزید کو ولی عہد بنا کر اسلامی خلافت ختم کر کے تاریخ اسلام میں نہایت بُری مثال قائم کی۔ لیکن اس غلطی کو محض اس کی حد تک محدود رکھنا چاہئے تھا۔ مگر ان کے مخالفوں نے اس پر بس نہیں کیا۔ بلکہ ان کے خلاف ہر طرح کے بہتان تراش کر تاریخوں میں شامل کر دیئے۔ اوپر کی شرط بھی اسی بہتان کی ایک کڑی ہے۔

ہمارے نزدیک اس شرط کی ایزاد سے امیر معاویہؓ کے اشارے سے حضرت حسنؓ کو زہر دینے والی روایت کی توثیق مقصود ہے۔ جس کا ذکر آئندہ آئے گا۔ اس لئے کہ جب بطور مقدمہ کے اسے تسلیم کر لیا جائے کہ حسنؓ صرف معاویہؓ کی زندگی تک کے لئے خلافت سے دستبردار ہوئے تھے اور امیر معاویہؓ اپنے خاندان میں حکومت چاہتے تھے تو پھر دونوں مقدمات سے یہ کھلا ہوا نتیجہ نکل آتا ہے کہ حسنؓ کو امیر معاویہؓ ہی نے زہر دلویا تھا۔ اور یہ ایسا مکروہ الزام ہے، جس سے امیر معاویہؓ کی اخلاقی تصویر نہایت بدنما ہو جاتی ہے اور وہ ہمیشہ کے لئے مورد طعن بن جاتے ہیں۔ حضرت حسنؓ کے اسباب وفات پر انشاء اللہ امیر معاویہؓ کے حالات میں تفصیل سے بحث کی جائے گی۔

مجمع عام میں دستبرداری کا اعلان اور مدینہ کی واپسی :

حضرت حسنؓ اور امیر معاویہؓ کی مصالحت کے بعد عمرو بن العاصؓ نے جو امیر معاویہؓ کے ہمراہ تھے، ان سے کہا کہ مناسب یہ ہے کہ مجمع عام میں حسنؓ سے دستبرداری کا اعلان کرادو، تاکہ لوگ خود ان کی زبان سے اس کو سن لیں۔ مگر امیر معاویہؓ مزید حجت مناسب نہ سمجھتے تھے۔ اس لئے پہلے اس پر آمادہ نہ ہوئے، مگر جب عمرو بن العاصؓ نے بہت زیادہ اصرار کیا تو انہوں نے حضرت حسنؓ سے درخواست کی کہ وہ برسر عام دستبرداری کا اعلان کر دیں۔ امیر معاویہؓ کی اس فرمائش پر حضرت حسنؓ نے مجمع عام میں حسب ذیل تقریر فرمائی۔

”اما بعد! لوگو خدا نے ہمارے اگلوں سے تمہاری ہدایت اور پچھلوں سے تمہاری خوزیزی کرائی۔ داتا نیوں میں بہتر داتا فی تقویٰ اور کمزوریوں میں سب سے بڑی کمزوری بد اعمالیاں ہیں۔ یہ امر (خلافت) جو ہمارے اور معاویہؓ کے درمیان متنازعہ فیہ ہے یا وہ اس کے حق دار ہیں یا میں۔ دونوں صورتوں میں محمد ﷺ کی امت کی اصلاح اور تم لوگوں کی خوزیزی سے بچنے کے لئے اس سے دستبردار ہوتا ہوں۔“ پھر معاویہؓ کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا ”یہ خلافت تمہارے لئے فتنہ اور چند روزہ سرمایہ ہے۔“ یہ سن کر امیر معاویہؓ نے کہا بس کیجئے، اس قدر کافی ہے۔ اور عمرو بن العاصؓ سے کہا، تم مجھے یہی سنوانا چاہتے تھے۔“

اس خاتم الفتن دست برداری کے بعد حضرت حسنؓ اپنے اہل و عیال کو لے کر مدینہ الرسول چلے گئے۔ اس طرح آنحضرت ﷺ کی یہ پیش گوئی پوری ہوئی کہ ”میرا یہ بیٹا سید ہے، خدا اس کے ذریعہ مسلمانوں کے دو بڑے فرقوں میں صلح کرائے گا۔“

با اختلاف روایت آپ کی مدت خلافت ساڑھے پانچ مہینہ یا چھ مہینہ سے کچھ زیادہ یا سات مہینہ سے کچھ زیادہ تھی۔ آپ کی بیعت خلافت کی تاریخ تو متعین ہے مگر دستبرداری کی تاریخ میں بڑا اختلاف ہے۔ بعض ربیع الاول ۳۱ھ بعض ربیع الثانی اور بعض جمادی الاول بتاتے ہیں۔ اسی اعتبار سے مدت خلافت میں بھی اختلاف ہو گیا ہے۔

معاویہ اور قیس ابن سعد میں صلح :

حضرت حسنؓ کی دستبرداری سے آپ کے خاص حامیوں اور حضرت علیؓ کے فدائیوں کو بڑا صدمہ پہنچا۔ اس میں شک نہیں کہ حضرت حسنؓ کے کچھ آدمیوں نے جن پر شامیوں کا مخفی جادو چل گیا تھا،

کنزوری دکھائی تھی، لیکن ان کے علاوہ ہزاروں فدایان علیؑ اس وقت بھی سر بکف جان دینے کے لئے آمادہ تھے۔ خود قیس بن سعد جو حضرت حسنؑ کے مقدمہ الجیش کے کماندار تھے، حضرت حسنؑ کے حکم پر حضرت معاویہؓ کا مقابلہ چھوڑ کر مدائن تو چلے آئے تھے، لیکن دستبرداری کے بعد کسی طرح امیر معاویہ کی خلافت تسلیم کرنے پر تیار نہ ہوتے تھے اور ان سے مقابلہ کرنے کے لئے ہمد تن آمادہ تھے اور اپنی ہم خیال جماعت سے جنگ کے لئے بیعت بھی لے لی تھی۔ لیکن آخر میں امیر معاویہؓ نے ان کے تمام مطالبات مان کر صلح کر لی۔

وفات : دستبرداری کے بعد حضرت حسنؑ آخری لمحہ حیات تک اپنے جد بزرگوار کے جوار میں خاموشی و سکون کی زندگی بسر کرتے رہے۔ ۵۰ھ میں آپ کی بیوی جعدہ بنت اشعث نے کسی وجہ سے زبردے دیا۔

زہر سم قاتل تھا۔ قلب و جگر کے ٹکڑے ٹکڑے کٹ کٹ کر گرنے لگے۔ جب حالت زیادہ نازک ہوئی اور زندگی سے مایوس ہو گئے تو حضرت حسینؑ کو بلا کر ان سے واقعہ بیان کیا۔ انہوں نے زہر دینے والے کا نام پوچھا، فرمایا، نام پوچھ کر کیا کرو گے؟ عرض کیا قتل کروں گا۔ فرمایا، اگر میرا خیال صحیح ہے تو خدا بہتر بدلہ لینے والا ہے اور اگر یہ غلط ہے تو میں نہیں چاہتا کہ میری وجہ سے کوئی ناکردہ گناہ پکڑا جائے اور زہر دینے والے کا نام بتانے سے انکار کر دیا۔

حضرت حسنؑ کو اپنے نانا کے پہلو میں دفن ہونے کی بڑی تمنا تھی۔ اس لئے اپنی محترم نانی حضرت عائشہ صدیقہؓ سے حجرہ نبوی میں دفن ہونے کی اجازت چاہی۔ انہوں نے خوشی سے اجازت دے دی۔ اجازت ملنے کے بعد بھی احتیاطاً فرمایا کہ میرے مرنے کے بعد دوبارہ اجازت لینا، ممکن ہے میری زندگی میں مروت سے اجازت دے دی ہو۔ اگر دوبارہ اجازت مل جائے تو روضہ نبوی ﷺ میں دفن کرنا۔ مجھے خطرہ ہے کہ بنی امیہ مزاحم ہوں گے۔ اگر مزاحمت کی صورت پیش آئے تو اصرار نہ کرنا اور بقیع الغرقہ کے گور غریباں میں دفن کر دینا۔

زہر کھانے کے تیسرے دن ضروری وصیتوں کے بعد باختلاف روایت ربیع الاول ۴۹ھ ۵۰ھ میں اس بوریہ نشین مسند بے نیازی نے اس دنیا سے دنی کو خیر باد کہا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون وفات کے وقت ۳۷ یا ۳۸ سال کی عمر تھی۔

۱۔ ابن ایثر۔ جلد ۳۔ ص ۳۳۳ ۲۔ زہر کے متعلق عام طور پر یہ غلط فہمی پھیلی ہوئی ہے کہ امیر معاویہؓ کے اشارے سے دیا گیا تھا جو سراسر غلط ہے اس پر تفصیلی بحث انشاء اللہ امیر معاویہؓ کے حالات میں آئے گی۔
۳۔ استیعاب۔ جلد ۱۔ ص ۱۳۵ و مروج الذهب مسعودی۔ جلد ۳۔ ص ۳۸۰

جنازہ پر جھگڑا : وفات کے بعد حضرت حسینؑ نے وصیت کے مطابق دوبارہ حضرت عائشہؓ سے اجازت مانگی، آپ نے پھر فراخ دلی کے ساتھ مرحمت فرمائی۔ لیکن حضرت حسنؑ کا خطرہ بالکل صحیح نکلا۔

مروان کو اس کی خبر ہوئی تو اس نے کہا کہ حسنؑ کسی طرح روضہ نبویؐ میں دفن نہیں کئے جاسکتے۔ ان لوگوں نے حضرت عثمانؓ کو تو یہاں دفن نہ ہونے دیا اور حسنؑ کو دفن کرنا چاہتے ہیں۔ یہ کسی طرح نہیں ہو سکتا۔

حضرت حسینؑ نے مقابلہ کرنا چاہا، مروان بھی لڑنے پر آمادہ ہو گیا اور قریب تھا کہ ایک مرتبہ مدینہ کی زمین مسلمانوں کے خون سے لالہ زار بن جائے کہ اتنے میں مشہور صحابی حضرت ابو ہریرہؓ پہنچ گئے اور چلائے کہ ”یہ کیا ظلم ہے کہ ابن رسولؐ کو اس کے نانا کے پہلو میں دفن کرنے سے روکا جاتا ہے۔“ پھر حسینؑ سے کہا کہ اس کے لئے کشت و خون سے کیا فائدہ؟ حسنؑ کی وصیت بھول گئے کہ اگر خوزیری کا خطرہ ہو تو عام مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کر دینا۔ اس پر حضرت حسینؑ کا غصہ ٹھنڈا ہو گیا اور بنی ہاشم میں جنگ ہوتے رہ گئی۔ اس کے بعد سعید بن العاصؓ عامل مدینہ نے نماز جنازہ پڑھائی اور لاش مبارک جنت البقیع میں حضرت فاطمہ زہرہؓ کے پہلو میں سپرد خاک کی گئی۔

حضرت حسنؑ کا روضہ نبویؐ کے بجائے بقیع کے گور غریباں میں دفن کیا جانا بھی آپ کے روحانی تصرف کا نتیجہ تھا کہ جس پیکر صلح آتشی نے زندگی بھر مسلمانوں کے خون کی قیمت پر دنیاوی جاہ و حشم حاصل کرنا پسند نہ کیا اور خوزیری سے بچنے کے لئے سلطنت و حکومت جیسی چیز کو ٹھکرا کر عزت نشینی کی زندگی اختیار کی اس کے جسدِ خاکی نے مرنے کے بعد بھی یہ کرشمہ دکھایا کہ روضہ نبویؐ کے مقابلہ میں بقیع گور غریباں میں دفن ہوا۔ لیکن حرم نبویؐ میں مسلمانوں کا خون نہ گرنے دیا، ورنہ اس قیمت پر جدا مجد کے پہلو میں جگہ ملنی بہت آسان تھی۔

مدینہ میں ماتم : حضرت حسنؑ کی رحلت معمولی واقعہ نہ تھا بلکہ صلح و مسالمت کا ماتم تھا۔ حلم و عفو کا ماتم تھا۔ صبر و تحمل کا ماتم تھا۔ استغناء و بے نیازی کا ماتم تھا۔ خاندانِ بنوت کے چشم و چراغ کا ماتم تھا۔ اس لئے آپ کی وفات پر مدینہ میں گھر گھر صفِ ماتم بچھ گئی۔ بازار بند ہو گئے، گلیوں میں سناٹا چھا گیا۔

۱۔ اس موقع پر بھی حرم نبویؐ کے دشمنوں نے ایک روایت مشہور کر دی ہے کہ حضرت عائشہؓ نے اجازت نہیں دی اور حضرت حسنؑ کے روضہ نبویؐ میں دفن ہونے میں مزاحم ہوئیں۔ مگر یہ روایت بھی امیر معاویہؓ کے شرائط کی طرح حضرت عائشہؓ کو بدنام کرنے کے لئے گھڑی گئی ہے۔ جس کی کوئی اصلیت نہیں۔

۲۔ استیعاب۔ جلد ۱۔ ص ۱۳۵ و اسد الغابہ۔ جلد ۲۔ ص ۱۵

بنی ہاشم کی عورتوں نے ایک مہینہ تک سوگ منایا۔ حضرت ابو ہریرہؓ مسجد میں فریاد و فغاں کرتے تھے اور پکار پکار کر کہتے تھے کہ ”لوگو! آج خوب رو لو کہ رسول اللہ ﷺ کا محبوب دینا سے اٹھ گیا۔“

جنازہ میں انسانوں کا اتنا ہجوم تھا کہ اس سے پہلے مدینہ میں کم دیکھنے میں آیا تھا۔ ثعلبہ بن ابی مالک جوٹی میں شریک تھے راوی ہیں کہ حضرت حسنؓ کے جنازے میں اتنا اثر و ہام تھا کہ اگر سوئی ایسی مہین چیز بھی پھینکی جاتی تو کثرت اثر و ہام سے زمین پر نہ گرتی۔

حلیہ : حضرت حسنؓ صورت و سیرت دونوں میں آنحضرت ﷺ سے مشابہ تھے، خصوصاً صورت میں بالکل ہم شبیہ تھے۔

ازواج کی کثرت : روایتوں میں ہے کہ حضرت حسنؓ نے نہایت کثرت سے سات شادیاں کیں اور اسی کثرت کے ساتھ طلاقیں دیں۔ طلاقوں کی کثرت کی وجہ سے لوگ آپ کو ”مطلاق“ کہنے لگے تھے۔ بعض روایتوں سے آپ کی ازواج کی تعداد نوے (۹۰) تک پہنچ جاتی ہے۔ لیکن یہ روایتیں مبالغہ آمیز ہیں۔ اس کی تردید اس سے بھی ہوتی ہے کہ آپ کے کل دس اولادیں تھیں اور یہ تعداد شادیوں کے مقابلہ میں بہت کم ہے۔

اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ شادیوں کی کثرت کی روایات مبالغہ سے خالی نہیں ہیں۔ تاہم اس قدر مسلم ہے کہ عام رواج سے زیادہ شادیاں کیں۔ اس کثرت ازواج و طلاق کو دیکھ کر حضرت علیؓ نے کوفہ میں اعلان کر دیا تھا کہ انہیں کوئی اپنی لڑکی نہ دے۔ لیکن عام مسلمانوں میں خانوادہ نبوی ﷺ سے رشتہ پیدا کرنے کا شوق اتنا غالب تھا کہ حضرت علیؓ کی اس مخالفت کا کوئی اثر نہ ہوا اور ایک ہمدانی نے برملا کہا کہ ہم ضرور لڑکی دیں گے۔ زیادہ سے زیادہ یہی ہوگا کہ جو عورت انہیں پسند ہوگی اسے رکھیں گے ورنہ طلاق دیدیں گے۔

بیویوں سے برتاؤ : لیکن جب تک کوئی عورت آپ کے حوالہ عقد میں رہتی تھی اس سے بڑی محبت اور اس کی بڑی قدر افزائی فرماتے تھے۔ چنانچہ جب ناگزیر اسباب کی بنا پر کسی عورت سے قطع تعلق کرتے تھے تو آپ کے حسن سلوک اور محبت کی یاد برابر اس کے دل میں رہتی تھی۔ ایک مرتبہ ایک فزاری اور ایک اسدی عورت کو رجعی طلاق دی اور ان کی دلہن کے لئے دس دس ہزار نقد اور ایک ایک مشکیزہ شہد بھیجا اور غلام کو ہدایت کردی کہ اس کے جواب میں وہ جو کچھ کہیں اس کو یاد رکھنا فزاری عورت کو جب یہ خطیر رقم ملی تو اس نے شکریہ کے ساتھ قبول کر لی اور بارک اللہ فیہ و جزا ہ

خیرا کہا۔ لیکن جب اسدی عورت کو ملی تو یہ دیکھ کر اس کے دل پر چوٹ لگی اور بے اختیار یہ حسرت بھرا فراقیہ مصرع زبان سے نکل گیا :

”متاع قليل من حبيب مفارق“

”جدا ہونے والے دوست کے مقابلہ میں یہ متاع حقیر ہے۔“

غلام نے آکر یہ واقعہ بیان کیا تو آپ نے اسدی عورت سے رجعت کر لی۔^۱

اولاد : ان بیویوں سے آٹھ لڑکے تھے۔ ۱۔ حسن خولہ بنت منظور کے بطن سے ۲۔ زید ام بشیر بنت ابو مسعود انصاری کے بطن سے اور ۳۔ عمر ۴۔ قاسم ۵۔ ابوبکر ۶۔ عبدالرحمن ۷۔ طلحہ اور ۸۔ عبید اللہ مختلف بیویوں سے تھے۔^۲ ابن قتیبہ نے کل تعداد چھ لکھی ہے۔ جن میں دو لڑکیاں بھی ہیں، ام حسن اور ام اسحاق۔^۳

ذریعہ معاش : حضرت حسنؑ نے ساری عمر نہایت فراغت بلکہ عیش کے ساتھ زندگی بسر کی۔ حضرت عمر فاروقؓ نے جب صحابہ کرام کے وظائف مقرر کئے اور حضرت علیؓ کا پانچ ہزار ماہوار مقرر کیا، تو آپ کے ساتھ حضرت حسنؓ کا بھی۔ جو اگرچہ اس زمرہ میں نہ آتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ کی قرابت کے لحاظ سے پانچ ہزار ماہوار مقرر فرمایا، جو انہیں برابر ملتا رہا۔^۴ حضرت عثمان غنیؓ کے زمانہ میں بھی یہ وظائف برابر جاری رہے۔ حضرت عثمان غنیؓ کے بعد حضرت علیؓ خود ہی خلیفہ مقرر ہوئے۔ آپ کی شہادت کے بعد امیر معاویہؓ کے حق میں دست برداری کے وقت ابواز کا پورا اخراج اپنے لئے مخصوص کر لیا تھا۔ اس لئے شروع سے آخر تک آپ نے بڑی راحت و آرام کی زندگی بسر فرمائی۔

فضل و کمال : آنحضرت ﷺ کی وفات کے وقت حضرت حسنؓ کی عمر آٹھ سال سے زیادہ نہ تھی۔ ظاہر ہے کہ اتنی سی عمر میں براہ راست فیضان نبوی سے زیادہ بہر یاب ہونے کا کیا موقع مل سکتا ہے، تاہم آپ جس خانوادہ کے چشم و چراغ تھے اور جس باپ کے آغوش میں تربیت پائی تھی وہ علوم مذہبی کا سرچشمہ اور علم و عمل کا مجمع البحرین تھا۔ اس لئے قدرۃ اس آفتاب علم کے پرتو سے حسنؓ بھی مستفید ہوئے۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد مدینہ میں جو جماعت علم و افتاء کے منصب پر فائز تھی، اس میں ایک آپ کی ذات گرامی بھی تھی۔ البتہ آپ کے فتاویٰ کی تعداد بہت کم ہے۔^۵

۱۔ معارف ابن قتیبہ۔ ص ۹۲

۲۔ ایقوبی۔ جلد ۲۔ ص ۲۷۰

ابن مساکر۔ جلد ۳۔ ص ۲۱۶

۳۔ اعلام الموقعین۔ جلد ۱۔ ص ۱۲

۴۔ فتوح البلدان باذری ذکر عطا عمر بن الخطاب

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

حدیث : آپ کی مرویات کی تعداد کل تیرہ ہے اور ان میں بھی زیادہ تر حضرت علیؓ اور ہند سے مروی ہیں۔^۱ آپ کے زمرہ رواۃ میں حضرت عائشہ صدیقہؓ، حسن بن حسنؓ، عبد اللہ، ابو جعفرؓ، جبر بن نفیر، عکرمہ، محمد بن سیرین اور سفیان بن لیل وغیرہ قابل ذکر ہیں۔^۲

خطابت : مذہبی علوم کے علاوہ آپ کو اس زمانہ کے مروجہ فنون میں بھی درک تھا۔ خطابت اور شاعری اس زمانہ کے بڑے کمالات تھے۔ حضرت حسنؓ عرب کے اخطب الخطباء کے فرزند تھے۔ اس لئے خطابت آپ کو ورثہ میں ملی تھی اور آپ میں بچپن ہی سے خطابت کا مادہ تھا۔ اس زمانہ میں ایک مرتبہ حضرت علیؓ نے آپ سے کہا کہ تم خطبہ دو۔ میں اس کو سنوں گا۔ حضرت حسنؓ نے کہا کہ آپ کے سامنے خطبہ دیتے ہوئے حجاب معلوم ہوتا ہے۔ یہ سن کر حضرت علیؓ آڑ میں چلے گئے اور حضرت حسنؓ نے کھڑے ہو کر نہایت فصیح و بلیغ خطبہ دیا۔ حضرت علیؓ نے سن کر فرمایا، کیوں نہ ہو، بیٹے میں باپ کا اثر ہوتا ہی ہے۔^۳

خطابت کا یہ کمال عمر کے ساتھ ساتھ اور ترقی کرتا گیا اور آپ کے خطبات فصاحت و بلاغت کے ساتھ اخلاق و حکمت اور پند و موعظت کا دفتر ہیں۔ حضرت علیؓ کی وفات کے بعد آپ نے متعدد خطبات دیئے ہیں۔ ان میں سے ایک نمونہ نقل کیا جاتا ہے۔ اس سے آپ کی خطابت کا پورا اندازہ ہوگا۔^۴

”قال بعد حمد الله عز وجل انا والله ماثنا ناعن اهل الشام شك ولا ندم وانما كنا نقاتل اهل الشام بالسلامة والصبر، فسلبت السلامة بالعداوة والصبر بالجزع وكنتم في متد بكم الى صفين ودينكم امام دنياكم فاصبحتم اليوم ودينكم امام دينكم الا وانا لكم كما كنا ولستم لنا كما كنتم الا وقد اصبحت بين قتيلين قتيل بصفين بتكون له وقتيل بالنهروان تطلبون بثاره فاما الباقي فخاذل واما الباقي فتاثر الاوان معاوية دعانا الى امر ليس فيه عز ولا نصفه فان اردتم الموت رد دنياه عليه وحاكمناه الى الله عز وجل بظباء السيوف وان اردتم الحياة قبلناه واخذنا لكم الرضا“^۵

۱۔ تہذیب الکمال۔ ص ۷۸ ۲۔ تہذیب التہذیب۔ جلد ۲۔ ص ۲۹۵ ۳۔ البدایہ والنہایہ۔ جلد ۸۔ ص ۳۷

۴۔ اسد الغابہ۔ جلد ۲۔ ص ۱۳

”حمد الہی کے بعد آپ نے یہ تقریر کی کہ ہم کسی شک و شبہ یا شرم و ندامت کی وجہ سے شامیوں کے مقابل سے نہیں لوٹ آئے۔ بلکہ اس کا سبب یہ تھا کہ پہلے ہم شامیوں سے صاف دلی اور صبر کے ساتھ جنگ کرتے تھے، لیکن اب وہ حالت باقی نہیں رہی۔ صاف دلی کی جگہ عداوت نے اور صبر و ثبات کی جگہ بے چینی نے لے لی۔ صفین میں جب تم لوگ بلائے گئے تھے تو تمہارا دین تمہاری دنیا پر مقدم تھا اور اب حالت اس کے برعکس ہے۔ ہم اب بھی تمہارے لئے دیے ہی ہیں، جیسے پہلے تھے۔ لیکن تم ہمارے لئے ویسے نہیں رہے جیسے پہلے تھے۔ ہاں اب تمہارے سامنے دو قسم کے مقتول ہیں۔ ایک صفین کے مقتول، جن کے لئے تم رور ہے ہو۔ دوسرے نہروان کے مقتول جن کا تم بدلہ لینا چاہتے ہو۔ لیکن رونے والا بدلہ پا گیا اور باقی ناکام رہا۔ معاویہؓ ہمیں ایسے امر کی طرف بلاتے ہیں جو عزت اور انصاف دونوں کے خلاف ہے۔ پس اب اس کا فیصلہ تمہاری رائے پر ہے۔ اگر تم موت چاہتے ہو تو ہم اس کو معاویہؓ کی طرف لوٹا دیں اور کواروں کی دھار کے ذریعہ سے خدا سے اس کا فیصلہ چاہیں، اور اگر تم زندگی چاہتے ہو تو ہم اسے بھی منظور کریں اور تمہارے لئے رضا حاصل کریں۔“

شاعری : شعر و شاعری کا بھی آپ سہرا مذاق رکھتے تھے اور خود بھی کبھی کبھی شعر کہتے تھے، لیکن جس میں مبالغہ اور خرافات کے بجائے اخلاقی اور حکیمانہ خیالات ہوتے۔ ابن رشیق نے کتاب المعمدہ میں آپ کا ایک شعر اس واقعہ کے ساتھ نقل کیا ہے کہ ایک مرتبہ آپ خضاب لگا کر باہر نکلے اور ارشاد فرمایا^۱۔

نسود اعلاھا ونابی اصولھا فلیت الذی یسود منها هو الاصل
حکیمانہ اقوال : ان کے علاوہ تاریخوں میں بکثرت آپ کے حکیمانہ مقولے ملتے ہیں، جن میں ہر مقولہ بجائے خود دفتر نکات ہے۔ ان میں سے بعض مقولے یہاں پر نقل کئے جاتے ہیں :

”ایک شخص نے آپ سے سوال کیا کہ زندگی بسر کرنے کے اعتبار سے سب سے زیادہ اچھی زندگی کون بسر کرتا ہے؟“ فرمایا جو ”اپنی زندگی میں دوسروں کی بھی شریک کرے۔“ پھر پوچھا ”سب سے بُری زندگی کس کی ہے؟“ فرمایا ”جس کے ساتھ کوئی دوسرا زندگی نہ بسر کر سکے۔“ فرماتے تھے کہ ”ضرورت کا پورا نہ ہونا اس سے کہیں بہتر ہے کہ اس کے لئے کسی نااہل کی طرف رجوع کیا جائے۔“

ایک شخص نے آپ سے کہا کہ مجھ کو موت سے بہت ڈر معلوم ہوتا ہے۔ فرمایا ”اس لئے کہ تم نے اپنا مال پیچھے چھوڑ دیا، اگر اس کو آگے بھیج دیا ہوتا اس تک پہنچنے کے لئے خوفزدہ ہونے کے بجائے سرور ہوتے۔“

فرماتے تھے کہ مکارم اخلاق دس ہیں : ”زبان کی سچائی، جنگ کے وقت حملہ کی شدت، سائل کو دینا، حسن خلق، احسان کا بدلہ دینا، صلہ رحم، پڑوسی کی حفاظت و حمایت، حق دار کی حق شناسی، مہمان نوازی اور ان سب سے بڑھ کر شرم و حیا۔“

حضرت امیر معاویہؓ اکثر آپ سے اخلاقی اصطلاحوں کی تشریح کراتے تھے اور حکومت کے بارے میں مشورہ لیا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ ان سے کہا ”ابو محمد! آج تک مجھ سے تین باتوں کے معنی کسی نے نہیں بتائے۔ آپ نے فرمایا کوئی باتیں۔ معاویہؓ نے کہا ”حرف، کرم اور بہادری“۔ آپ نے جواب دیا : ”مروءہ کہتے ہیں، انسان کو اپنے مذہب کی اصلاح کرنا، اپنے مال کی دیکھ بھال اور نگرانی کرنا اور اسے بر محل صرف کرنا، سلام زیادہ کرنا، لوگوں میں محبوبیت حاصل کرنا۔ کرم کہتے ہیں مانگنے سے پہلے دینا احسان و سلوک کرنا، بر محل پلانا۔ اور بہادری کہتے ہیں، پڑوسی کی طرف سے مدافعت کرنا، آڑے وقتوں میں اس کی حمایت و امداد کرنا اور مصیبت کے وقت صبر کرنا۔“

اسی طریقہ سے ایک مرتبہ امیر معاویہؓ نے ان سے پوچھا کہ حکومت میں ہم پر کیا فرائض ہیں۔ فرمایا ”جو سلیمان بن داؤد نے بتائے ہیں۔ معاویہؓ نے کہا کیا بتائے ہیں۔ فرمایا ”انہوں نے اپنی ایک ساتھی سے کہا کہ تم کو معلوم ہے بادشاہ پر ملک داری کے کیا فرائض ہیں، جس سے اس کو نقصان نہ پہنچے۔ ظاہر و باطن میں خدا کا خوف کرے، غصہ اور خوشی دونوں میں عدل و انصاف کرے، فقراء اور دولت مند دونوں خالتوں میں میانہ روی وہ قائم رکھے، زبردستی نہ کسی کا مال غضب کرے اور نہ اس کو بے جا صرف کرے۔“ جب تک وہ ان چیزوں پر عمل کرتا رہے گا، اس وقت تک اس کو دنیا میں کوئی نقصان نہیں پہنچ سکتا۔

اخلاق و عادات : شبیہ رسول حضرت حسنؓ کا لقب تھا۔ یہ مشابہت محض ظاہری اعضاء و جوارح تک محدود نہ تھی۔ بلکہ آپ کی ذات باطنی اور معنوی لحاظ سے بھی اسوۂ نبی ﷺ کا نمونہ تھی۔ یوں آپ تمام مکارم اخلاق کا پیکر مجسم تھے۔ لیکن زہد و ورع، دنیاوی جاہ و شہم سے بے نیازی اور بے تعلقی آپ کا ایسا خاص اور امتیازی وصف تھا جس میں آپ کا کوئی حریف نہیں۔

استغنا و بے نیازی : درحقیقت جس استغنا اور بے نیازی کا ظہور آپ کی ذات گرامی سے ہوا، وہ نوع انسانی کے لئے ایک معجزہ ہے۔ عموماً قصر سلطنت کی تعمیر انسانی خون سے ہوتی ہے۔ لیکن حضرت حسنؓ نے ایک ملتی ہوئی عظیم الشان سلطنت کو محض چند انسانوں کے خون کی خاطر چھوڑ دیا۔ غالباً تاریخ ایسی مثالیں کم پیش کر سکتی ہے۔

اگر شیخین کے بعد کی اسلامی تاریخ پر نظر ڈالی جائے تو اس کا صفحہ صفحہ مسلمانوں کے خون سے رنگین نظر آئے گا اور ابھی تک عرب کی زمین مسلمانوں کا خون چاہتی تھی۔ لیکن یہ فخر صرف حضرت حسنؓ کی ذات کے لئے مقدر ہو چکا تھا کہ وہ سلطنت و حکومت کو ٹھکرا کر امت مسلمہ کو تباہی سے بچائیں اور آنحضرت ﷺ کی اس پیش گوئی کو پورا فرمائیں گے، ”ان ابنی هذا سید یصلح اللہ بہ بین فتنین عظیمین من المسلمین“ میرا یہ لڑکا سید ہے اور خدا اس کے ذریعہ سے مسلمانوں کے دو بڑے گروہوں میں صلح کرائے گا۔ یا ”الخلافة بعدی ثلثون“ میرے بعد خلافت میں برس تک رہے گی۔ حساب سے یہ مدت ٹھیک حضرت حسنؓ کی دستبرداری کے وقت پوری ہوتی ہے۔

آپ نے خلافت فوج کی کمزوری سے چھوڑی یا مسلمانوں کی خونریزی سے بچنے کے لئے

بعض ظاہر بینوں کو یہ غلط فہمی پیدا ہوتی ہے کہ حضرت حسنؓ نے اپنی فوج کی کمزوری سے مجبور ہو کر امیر معاویہؓ سے صلح کر لی، اور کچھ واقعات بھی اس خیال کی تائید میں مل جاتے ہیں۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ آپ نے یہ جلیل القدر منصب محض مسلمانوں کی خونریزی سے بچنے کے لئے ترک کیا۔ گویا صحیح ہے کہ جس فوج کو لے کر آپ مقابلہ کے لئے نکلے تھے، اس میں کچھ منافق بھی تھے۔ جنہوں نے عین موقع پر کمزوری دکھائی۔ مگر اسی فوج میں بہت سے خارجی العقیدہ بھی تھے۔ جو آپ کی حمایت میں امیر معاویہؓ سے لڑنا فرض عین سمجھتے تھے۔ چنانچہ جب انہوں نے مصالحت کا رنگ دیکھا تو آپ کی تکفیر کرنے لگے۔

خود عراق میں چالیس بیالیس ہزار کوئی جنہوں نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی تھی، آپ کے ایک اشارہ پر سرکٹانے کے لئے تیار تھے۔ عراق تو عراق سارا عرب آپ کے قبضہ میں تھا۔ مصالحت وغیرہ کے بعد ایک مرتبہ بعض لوگوں نے آپ کو خلافت کی خواہش سے متہم کیا۔ آپ نے فرمایا کہ ”عرب کے سر میرے قبضہ میں تھے، جس سے میں صلح کرتا، اس سے وہ بھی صلح کرتے اور

جس سے میں جنگ کرتا، اس سے وہ بھی لڑتے۔ لیکن اس کے باوجود میں نے خلافت کو خاصۃً للہ اور امت کی خوزیری سے بچنے کے لئے چھوڑا^۱۔

خود آپ کی فوج میں ان چند منافقوں کے علاوہ جنہوں نے بعض مخفی اثرات سے عین وقت پر دھوکا دیا تھا، باقی پوری فوج کٹنے پر آمادہ تھی۔ ابو عریق راوی ہیں کہ ہم بارہ ہزار آدمی حضرت حسنؑ کے مقدمۃً الجیش میں کٹنے اور مرنے کے لئے تیار تھے، اور شامیوں کی خون آشامی کے لئے ہماری تلواروں کی دھاروں سے خون ٹپک رہا تھا۔ جب ہم لوگوں کو صلح کی خبر معلوم ہوئی تو شدت غضب و رنج سے معلوم ہوتا تھا کہ ہماری کمر ٹوٹ گئی۔

صلح کے بعد جب حسنؑ کو فآئے تو ہماری جماعت کے ایک شخص ابو عامر سفیان نے غصہ میں کہا، السلام علیک یا مذل المومنین، (مسلمانوں کے رسوا کرنے والے السلام علیک) اس طنزیہ اور گستاخانہ سلام پر اس صبر و تحمل کے پیکر نے جواب دیا، ابو عامر ایسا نہ کہو میں نے مسلمانوں کو رسوا نہیں کیا، البتہ ملک گیری کی ہوس میں مسلمانوں کی خوزیری پسند نہیں کی^۲۔

امام نووی لکھتے ہیں کہ چالیس ہزار سے زیادہ آدمیوں نے حسنؑ کے ہاتھ پر بیعت کی تھی اور وہ سات مہینہ حجاز، یمن، عراق اور خراسان وغیرہ پر حکمران رہے۔ اس کے بعد معاویہؓ شام سے ان کے مقابلہ کو نکلے۔ جب دونوں قریب ہوئے، تو حضرت حسنؑ کو اندازہ ہوا کہ جب تک بہت بڑی تعداد کام نہ آجائے گی اس وقت تک کسی فریق کا غلبہ پانا مشکل ہے۔ اس لئے چند شرائط پر آپ امیر معاویہؓ کے حق میں دستبردار ہو گئے اور اس طرح رسول اللہ ﷺ کا یہ معجزہ ظاہر ہو گیا کہ میرا یہ لڑکا سید ہے اور خدا اس کے ذریعہ سے مسلمانوں کے دو فرقوں میں صلح کرائے گا^۳۔

شیعیان علیؑ اس صلح کو جس نظر سے دیکھتے تھے اور اس کے بارے میں ان کے جو جذبات تھے ان کا اندازہ ان خطابات سے ہو سکتا ہے، جس سے وہ اس سردار خلد برین کو مخاطب کرتے تھے۔ "مذل المومنین" مسلمانوں کو رسوا کرنے والے۔ "مسود وجوہ المسلمین" مسلمانوں کو رو سیاہ کرنے والے، "عدا المومنین"، "جنگ مسلمین" یہ وہ خطابات تھے، جن سے حضرت حسنؑ کو خطاب کیا جاتا تھا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عام لوگ صلح اور دستبرداری کو کس درجہ ناپسند کرتے تھے۔

۱۔ متدرک حاکم۔ جلد ۳۔ ص ۱۷۰ ۲۔ استیعاب۔ جلد ۱۔ ص ۳۳ اور متدرک حاکم۔ جلد ۳ تذکرہ حضرت حسینؑ

۳۔ اللغاتہ نووی۔ جلد ۱ ص ۱۵۹

واقعہ یہ ہے کہ حضرت حسنؑ ایسے امن پسند، صلح جو، نرم خوتھے کہ انہوں نے اول یوم ہی سے ارادہ کر لیا تھا کہ اگر بلا کسی خوزیزی کے انہیں ان کی جگہ مل گئی تو لے لیں گے ورنہ اس کے لئے مسلمانوں کا خون نہ بہائیں گے۔ طبری کا بیان ہے کہ حسنؑ کے ساتھ چالیس ہزار آدمی تھے، لیکن آپؑ جنگ کرنا نہیں چاہتے تھے، بلکہ آپؑ کا خیال تھا کہ امیر معاویہؓ سے کچھ مقرر کر کے دستبردار ہو جائیں۔^۱

چنانچہ جس وقت آپؑ نے عراقیوں سے بیعت لی تھی، اسی وقت اس عزم کو اشارۃ ظاہر فرمادیا تھا۔ زہری لکھتے ہیں کہ امام حسنؑ نے اہل عراق سے بیعت لیتے وقت یہ شرط کر لی تھی کہ ”تم کو پورے طور سے میری اطاعت کرنی ہوگی، یعنی جس سے میں لڑوں گا، اس سے لڑنا ہوگا اور جس سے صلح کروں گا، اس سے صلح کرنی پڑے گی۔“ اس شرط سے عراقی اسی وقت کھٹک گئے تھے کہ آپؑ آئندہ جنگ وجدال ختم کر دیں گے۔ چنانچہ اسی وقت ان لوگوں نے آپؑ میں کہا تھا کہ ہمارے کام کے آدمی نہیں اور لڑنا نہیں چاہتے۔ اس کے چند روز بعد آپؑ کو زخمی کر دیا گیا۔^۲

حضرت حسنؑ نے اپنے گھر والوں پر بھی یہ خیال ظاہر فرمادیا تھا۔ ابن جعفر کا بیان ہے کہ صلح سے قبل میں ایک دن حسنؑ کے پاس بیٹھا تھا۔ جب چلنے کے ارادہ سے اٹھا تو انہوں نے میرا دامن کھینچ کر بٹھالیا اور کہا کہ میں نے ایک رائے قائم کی ہے، امید ہے تم بھی اس سے اتفاق کرو گے۔ ابن جعفر نے پوچھا کونسی رائے ہے؟ فرمایا میں خلافت سے دستبردار ہو کر مدینہ جانا چاہتا ہوں، کیونکہ فتنہ برابر بڑھتا جاتا ہے۔ خون کی ندیاں بہہ چکی ہیں، عزیز کو عزیز کا پاس نہیں ہے، قطع رحم کی گرم بازاری ہے، راستے خطرناک ہو رہے ہیں۔ سرحدیں بے کار ہو گئی ہیں۔ ابن جعفر نے جواب دیا، خدا آپؑ کو اُمت محمدی ﷺ کی خیر خواہی کے صلہ میں جزائے خیر دے۔

اس کے بعد آپؑ نے حسینؑ کے سامنے یہ رائے ظاہر کی۔ انہوں نے کہا، خدا را علیؑ کو قبر میں جھٹلا کر معاویہؓ کی سچائی کا اعتراف نہ کیجئے۔ آپؑ نے یہ سن کر حسینؑ کو ڈانٹا کہ تم شروع سے آخر تک برابر میری ہر رائے کی مخالفت کرتے چلے آ رہے ہو۔ خدا کی قسم میں طے کر چکا ہوں کہ تم کو فاطمہؑ کے گھر میں بند کر کے اپنا ارادہ پورا کروں گا۔ حسینؑ نے بھائی کا لہجہ درشت دیکھا تو عرض کیا۔ آپؑ علیؑ کی اولاد اکبر اور میرے خلیفہ ہیں، جو رائے آپؑ کی ہوگی وہی میری ہوگی۔ جیسا مناسب سمجھیں کیجئے۔ اس کے بعد آپؑ نے دستبرداری کا اعلان کر دیا۔^۳

ان واقعات سے معلوم ہو گیا ہوگا کہ خلافت سے دستبرداری میں فوج کی کمزوری وغیرہ کا چنداں سوال نہ تھا۔ بلکہ چونکہ آپ کو اس کا یقین ہو گیا تھا کہ بغیر ہزاروں مسلمانوں کے خاک و خون میں بڑے کوئی فیصلہ نہیں ہو سکتا، اور جنگ جمل سے لے کر برابر مسلمانوں کے خون کی ندیاں بہتی چلی آرہی ہیں۔ اس لئے آپ نے اسے روکنے کے لئے خلافت کو خیر باد کہہ کر مدینہ کی عزت نشینی اختیار فرمائی۔ فجزاہ اللہ عن المسلمین خیر الجزاء

اصلاح عقائد : مذہب کی بنیاد صحت عقائد پر ہے۔ اس میں فتور پیدا ہونے سے پوری عمارت متزلزل ہو جاتی ہے۔ حضرت حسنؓ کو عقیدہ کی درستی اور اس کی اصلاح کا ہمیشہ خیال رہا۔ اس بارے میں آپ نہایت سختی سے کام لیتے تھے۔ شیعیان علیؓ میں ایک جماعت کا عقیدہ تھا کہ حضرت علیؓ نے عام انسانوں کی طرح وفات نہیں پائی اور وہ قیامت سے پہلے ہی زندہ ہو جائیں گے۔ حضرت حسنؓ کو اس کی اطلاع ہوئی تو فرمایا، یہ لوگ جھوٹے ہیں۔ خدا کی قسم ایسے لوگ کبھی شیعہ نہیں ہو سکتے۔ اگر ہم کو یقین ہوتا کہ آپ عنقریب ظاہر ہوں گے، تو نہ ان کی میراث تقسیم کرتے نہ ان کی عورتوں کا عقد ثانی کرتے۔

عبادت : عبادت الہی آپ کا محبوب ترین مشغلہ تھا اور وقت کا بڑا حصہ آپ اس میں صرف فرماتے تھے۔

امیر معاویہؓ نے ایک شخص سے آپ کے حالات دریافت کئے۔ اس نے بتایا کہ فجر کی نماز کے بعد سے طلوع آفتاب تک مصلیٰ پر بیٹھ رہتے ہیں۔ پھر ٹیک لگا کر بیٹھ جاتے ہیں اور آنے جانے والوں سے ملتے ہیں۔ دن چڑھے چاشت پڑھ کر انہماک المومنین کے پاس سلام کرنے کو جاتے ہیں۔ پھر گھر ہو کر مسجد چلے آتے ہیں۔

مکہ کے زمانہ قیام میں معمول تھا کہ عصر کی نماز خانہ کعبہ میں باجماعت ادا کرتے تھے۔ نماز کے بعد طواف میں مشغول ہو جاتے۔ ابوسعیدؓ راوی ہیں کہ حسنؓ و حسینؓ نے امام کے ساتھ نماز پڑھی، پھر حجر اسود کو بوسہ دے کر طواف کے سات پھیرے کئے اور دو رکعت نماز پڑھی۔ لوگوں کو جب معلوم ہوا کہ دونوں خانوادہ نبویؐ کے چشم و چراغ ہیں تو مشتاقان جمال چاروں طرف سے پروانہ وار ٹوٹ پڑے اور بھیڑ کے وجہ سے راستہ رک گیا۔ حضرت حسینؓ اس ہجوم میں گھر گئے۔ حضرت حسنؓ نے ایک رکائی کی مدد سے انہیں ہجوم سے چھڑایا۔ ایک تختی پر سورہ کہف لکھوائی تھی، روزانہ

سوتے وقت اسے تلاوت فرماتے اور بیویوں کے پاس ساتھ لے جاتے ^۱۔

ہر طرح کی سواریاں رکھتے ہوئے پایادہ حج کرتے تھے۔ امام نووی لکھتے ہیں کہ امام حسنؓ نے متعدد حج پایادہ کئے ہیں۔ فرماتے تھے کہ مجھے خدا سے حجاب معلوم ہوتا ہے کہ اس سے ملوں اور اس کے گھر پایادہ نہ گیا ہوں ^۲۔

صدقات و خیرات : صدقہ و خیرات اور فیاضی و سیر چشتی آپ کا خاندانی وصف تھا۔ لیکن جس فیاضی سے آپ خدا کی راہ میں اپنی دولت اور مال و متاع لٹاتے تھے، اس کی مثالیں کم ملیں گی۔ تین مرتبہ اپنے کل مال کا آدھا حصہ خدا کی راہ میں دے دیا اور تنصیف میں اتنی شدت کی کہ دو جوتوں میں سے ایک جوتا بھی خیرات کر دیا ^۳۔

ایک مرتبہ ایک شخص بیضا دس ہزار درہم کے لئے دعا کر رہا تھا۔ آپ نے سن لیا، گھر جا کر اس کے پاس دس ہزار نقد بھجوا دیئے ^۴۔ آپ کی اس فیاضی سے دوست و دشمن یکساں فائدہ اٹھاتے تھے۔ ایک مرتبہ ایک شخص مدینہ آیا۔ یہ حضرت علیؓ کا دشمن تھا۔ اس کے پاس ز اور راہ اور سواری نہ تھی، اس نے مدینہ والوں سے سوال کیا، کسی نے کہا یہاں حسنؓ سے بڑھ کر کوئی فیاض نہیں۔ ان کے پاس جاؤ۔ چنانچہ وہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوا، آپ نے سواری اور ز اور راہ دونوں کا انتظام کر دیا۔ لوگوں نے اعتراض کیا کہ آپ نے ایسے شخص کے ساتھ کیوں سلوک کیا، جو آپ اور آپ کے والد بزرگوار دونوں سے بغض رکھتا ہے۔ فرمایا، کیا اپنی آبرو نہ بچاؤں ^۵۔

لیکن آپ کی دولت سے وہی لوگ متمتع ہوتے تھے جو درحقیقت اس کے مستحق ہوتے۔ ایک مرتبہ ایک بڑی رقم فقراء اور مساکین کے لئے جمع کی۔ حضرت علیؓ نے اس کی تقسیم کا اعلان کر دیا۔ لوگ یہ سمجھے کہ اعلان صدائے عام ہے۔ اس لئے جوق در جوق جمع ہونے لگے۔ آدمیوں کی یہ بھیڑ دیکھ کر حضرت حسنؓ نے اعلان کیا کہ یہ رقم صرف فقراء و مساکین کے لئے ہے۔ اس اعلان پر تقریباً آدھے آدمی چھٹ گئے اور سب سے پہلے اشعث بن قیس نے حصہ پایا ^۶۔

آپ نہ صرف خود بھی فیاض تھے بلکہ دوسروں کی فیاضی دیکھ کر خوش ہوتے تھے۔ ایک مرتبہ مدینہ کے کسی کھجور کے باغ کی طرف گزرے، دیکھا کہ ایک حبشی غلام ایک روٹی لئے ایک لقمہ خود کھاتا ہے اور دوسرا کتے کو دیتا ہے۔ اسی طریقہ سے آدھی روٹی کتے کو کھلا دی۔ آپ نے غلام سے

۱۔ یہ واقعات ابن مساکر۔ جلد ۳۔ ص ۲۱۲ تا ۱۲۳ سے ماخوذ ہیں ۲۔ تہذیب الاسماء نووی۔ جلد ۱۔ ص ۱۵۸

۳۔ اسد الغابہ۔ جلد ۲۔ ص ۱۳ ۴۔ ابن مساکر۔ جلد ۳۔ ص ۲۱۳ ۵۔ ایضاً ۶۔ ایضاً

پوچھا کتے کو دھتکار کیوں نہ دیا۔ اس نے کہا میری آنکھوں کو اس کی آنکھوں سے حجاب معلوم ہوتا تھا۔ پھر پوچھا تم کون ہو؟ اس نے کہا آبان بن عثمان کا غلام ہوں۔ پوچھا باغ کس کا ہے؟ معلوم ہوا ان ہی کا ہے۔ فرمایا، جب تک میں لوٹ نہ آؤں تم کہیں نہ جانا۔ یہ کہہ کر اسی وقت آبان کے پاس گئے اور باغ اور غلام دونوں خرید کر واپس آئے اور غلام سے کہا، میں نے تم کو خرید لیا۔ وہ تعظیماً کھڑا ہو گیا اور عرض کی مولائی، خدا، رسول اور آقا کی خدمت گزاری کے لئے حاضر ہوں، جو حکم ملے۔ آپ نے فرمایا، میں نے باغ بھی خرید لیا۔ تم خدا کی راہ میں آزاد ہو اور باغ تم کو ہبہ کرتا ہوں۔ غلام پر اس کا یہ اثر ہوا کہ اس نے کہا کہ آپ نے مجھے جس کی راہ میں آزاد فرمایا، اس کی راہ میں میں یہ باغ دیتا ہوں۔^۱

اس قسم کے واقعات بہت سے ہیں۔ آپ کی فیاضی مشہور تھی۔ مدینہ میں جو حاجت مند آتا تھا، لوگ اس کو آپ ہی کے درِ دولت کا پتہ دیتے تھے۔
خوش خلقی : اس فیاضی کے ساتھ آپ حد درجہ خوش خلق بھی تھے۔ اپنا کام چھوڑ کر دوسروں کی حاجت پوری فرماتے تھے۔ ایک مرتبہ ایک شخص حضرت حسینؑ کے پاس اپنی کوئی ضرورت لے کر گیا۔ آپ معتکف تھے۔ اس لئے معذرت کر دی۔ یہاں سے جواب پا کر وہ حضرت حسنؑ کے پاس آیا۔ آپ بھی معتکف تھے۔ مگر اعتکاف سے نکل کر اس کی حاجت پوری کر دی۔ لوگوں نے کہا، حسینؑ نے تو اس شخص سے اعتکاف کا عذر کیا تھا۔ فرمایا، خدا کی راہ میں کسی بھائی کی حاجت پوری کر دینا میرے نزدیک ایک مہینہ کے اعتکاف سے بہتر ہے۔^۲

ایک دن آپ طواف کر رہے تھے۔ اسی حالت میں ایک شخص نے آپ کو اپنی کسی ضرورت کے لئے ساتھ لے جانا چاہا۔ آپ طواف چھوڑ کر اس کے ساتھ ہو گئے اور جب اس کی ضرورت پوری کر کے واپس ہوئے تو کسی حاسد نے اعتراض کیا کہ آپ طواف چھوڑ کر اس کے ساتھ چلے گئے؟ فرمایا، آنحضرت ﷺ کا فرمان ہے کہ جو شخص اپنے مسلمان بھائی کی ضرورت پوری کرنے کے لئے جاتا ہے اور اس کی ضرورت پوری ہو جاتی ہے، تو جانے والے کو ایک حج اور ایک عمرہ کا ثواب ملتا ہے اور اگر ضرورت پوری نہیں ہوتی تو بھی ایک عمرہ کا۔ ایسی صورت میں کس طرح نہ جاتا۔ میں نے طواف کے بجائے پورے ایک حج اور ایک عمرہ کا ثواب حاصل کیا اور پھر واپس لوٹ کر طواف بھی پورا کیا۔^۳

ضبط و تحمل : آنحضرت ﷺ نے ایک موقع پر ارشاد فرمایا تھا کہ ”حسن“ کو میرا علم اور میری صورت ملی ہے۔ حضرت حسنؓ کی ذات اس ارشاد گرامی کی مجسم تصدیق تھی، جو دستبرداری کے حالات میں اوپر گزر چکا ہے کہ نا آشنائے حقیقت آپ کو کن کن نازیبا کلمات سے خطاب کرتے تھے۔ کوئی ”مذلّل المومنین“ کوئی ”مسود وجوہ المومنین“ کوئی ”عار المومنین“ کہتا تھا۔ لیکن اس پیکرِ علم کی جبین پر شکن نہ پڑتی اور نہایت نرمی سے جواب دیتے کہ ”میں ایسا نہیں ہوں، البتہ ملک کی طمع میں مسلمانوں کی خوزریزی نہیں پسند کی۔“

مروان جمعہ کے دن منبر پر چڑھ کر برسرِ عام حضرت علیؓ پر شب و شتم کرتا تھا۔ حضرت حسنؓ اس کی گستاخیوں کو اپنے کانوں سے سنتے اور خاموشی کے سوا کوئی جواب نہ دیتے۔ ایک مرتبہ اس نے ایک شخص کی زبانی نہایت فحش باتیں کہلا بھیجیں۔ آپ نے سن کر صرف اس قدر جواب دیا کہ اس سے کہہ دینا کہ خدا کی قسم میں تم کو گالی دے کر تم پر سے و شنام دہی کا داغ نہ مٹاؤں گا۔ ایک دن ہم تم دونوں خدا کے حضور حاضر ہوں گے۔ اگر تم سچے ہو تو خدا تمہیں سچائی کا بدلہ دے گا اور اگر جھوٹے ہو تو وہ بڑا منتقم ہے۔^۱

ایک مرتبہ حضرت حسنؓ اور مروان میں کچھ گفتگو ہو رہی تھی۔ مروان نے زور و زو نہایت درشت کلمات استعمال کئے لیکن آپؓ سن کر خاموشی سے پی گئے۔^۲

اس غیر معمولی ضبط و تحمل سے مروان جیسے شقی اور سنگ دل پر بھی اثر تھا۔ چنانچہ آپ کی وفات کے بعد آپ کے جنازہ پر روتا تھا۔ حضرت حسینؓ نے کہا اب کیوں روتے ہو۔ تم نے ان کے ساتھ کیا کیا نہ کیا۔ اس نے پہاڑ کی طرف اشارہ کر کے کہا، میں نے جو کچھ کیا وہ اس سے زیادہ حلیم و بردبار کے ساتھ کیا۔^۳

آپ کی زبان کبھی کسی تلخی اور فحش کلمہ سے آلودہ نہیں ہوئی۔ انتہائی غصہ کی حالت میں بھی وہ ”رغف انفسہ“ یعنی تیری ناک خاک آلود ہو، سے زیادہ نہ کہتے تھے، جو عربی زبان میں بہت معمولی بات ہے۔ امیر معاویہؓ کا بیان ہے کہ حسنؓ کی سب سے زیادہ سخت کلامی کا نمونہ یہ ہے کہ ایک مرتبہ ان میں اور عمرو بن عثمانؓ میں ایک زمین کے بارے میں جھگڑا ہو گیا۔ انہوں نے ایک مفاہمت کی صورت پیش کی۔ مگر عمرو اس پر رضا مند نہ ہوئے۔ انکار پر حسنؓ کو غصہ آ گیا اور انہوں نے جھلا کر کہا ”لیس له عندنا الا ما رغف انفسه“۔^۴

کتاب الفضائل :

یوں تو حضرت حسنین رضی اللہ عنہما کی ذات گرامی مجمع الفضائل تھی۔ لیکن آنحضرت ﷺ کی غیر معمولی محبت و شفقت آپ کی فضیلت کا نمایاں باب ہے۔ کتب، احادیث کے ابواب الفضائل ان دونوں کے فضائل سے بھرے ہوئے ہیں۔ ان سے کچھ فضائل نقل کئے جاتے ہیں، چونکہ آنحضرت ﷺ کو دونوں بھائیوں کے ساتھ یکساں محبت تھی، اس لئے بعض امتیازی اور انفرادی فضائل کے علاوہ عموماً اور بیشتر دونوں کے فضائل مشترک ہیں کہ ان دونوں کا جدا کر کے لکھنا مشکل ہے۔ اس لئے دونوں کے فضائل لکھ دیئے جاتے ہیں۔

آنحضرت ﷺ کو اپنے تمام اہل بیت میں حضرت حسنینؑ سے بہت زیادہ محبت تھی۔ حضرت انسؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے تھے کہ اہل بیت میں مجھ کو حسنؑ و حسینؑ سب سے زیادہ محبوب ہیں۔^۱

آپ خدا سے بھی اپنے ان محبوبوں کے ساتھ محبت کرنے کی دعا فرماتے تھے۔ حضرت ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ قیقاع کے بازار سے لوٹا تو آپ فاطمہؓ کے گھر تشریف لے گئے اور پوچھا، بچے کہاں ہیں؟ تھوڑی دیر میں دونوں دوڑتے ہوئے آئے اور رسول اللہ ﷺ سے چمٹ گئے۔ آپ نے فرمایا، ”خدا یا میں ان کو محبوب رکھتا ہوں۔ اس لئے تو بھی انہیں محبوب رکھ اور ان کے محبوب رکھنے والوں کو بھی محبوب رکھ۔“^۲

دوسری روایت میں ان کا بیان ہے کہ اس شخص (حسن) کو اس وقت سے میں محبوب رکھتا ہوں، جب سے میں نے ان کو رسول اللہ ﷺ کی گود میں دیکھا۔ یہ ریش مبارک میں انگلیاں ڈال رہے تھے اور رسول اللہ ﷺ اپنی زبان ان کے منہ میں دے کر فرماتے تھے کہ ”خدا یا میں ان کو محبوب رکھتا ہوں، اس لئے تو بھی محبوب رکھ۔“^۳

حضرت حسنؑ ”گودش مبارک پر سوار کر کے خدا سے دعا فرماتے تھے کہ ”خداوند میں اس کو محبوب رکھتا ہوں، اس لئے تو بھی محبوب رکھ۔“^۴

عبادت کے موقع پر بھی حسنؑ و حسینؑ ”گودیکھ کر ضبط نہ کر سکتے تھے۔ ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ ہم لوگوں کے سامنے خطبہ دے رہے تھے کہ اتنے میں حسنؑ و حسینؑ

۱۔ مسلم کتاب الفضائل باب فضائل الحسنؑ و حسینؑ

۲۔ ترمذی فضائل حسنؑ و حسینؑ

۳۔ ترمذی فضائل حسنؑ و حسینؑ

۴۔ متدرک حاکم۔ جلد ۳ فضائل حسینؑ

”سرخ قمیض پہنے ہوئے خراماں خراماں آتے دکھائی دیئے۔ انہیں دیکھ کر رسول اللہ ﷺ منبر سے اتر آئے اور دونوں کو اٹھا کر اپنے سامنے بٹھالیا اور فرمایا، ”خدا نے سچ کہا ہے کہ تمہارا مال اور تمہاری اولاد فتنہ ہیں، ان دونوں بچوں کو خراماں خراماں آتے ہوئے دیکھ کر میں ضبط نہ کر سکا اور خطبہ توڑ کر ان کو اٹھالیا۔“

حضرت حسنؓ و حسینؓ نماز پڑھنے کی حالت میں آپ کے ساتھ طفلانہ شوخیاں کرتے تھے۔ لیکن آپ نہ انہیں روکتے تھے اور نہ ان کی شوخیوں پر خفا ہوتے تھے۔ بلکہ ان کی طفلانہ اداؤں کو پورا کرنے میں مدد دیتے تھے۔ آنحضرت ﷺ نماز پڑھتے وقت رکوع میں جاتے تو حسنؓ و حسینؓ دونوں ٹانگوں کے اندر گھس جاتے۔ آپ ان دونوں کے نکلنے کے لئے ٹانگیں پھیلا کر راستہ بنا دیتے۔ آپ سجدہ میں ہوتے تو دونوں جست کر کے پشت مبارک پر بیٹھ جاتے، آپ اس وقت تک سجدہ سے سر نہ اٹھاتے، جب تک دونوں خود سے نہ اتر جاتے۔

دوش مبارک پر سوار کر کے کھلانے کے لئے نکلتے۔ ایک مرتبہ آپ حسنؓ کو کندھے پر لے کر نکلے۔ ایک شخص نے دیکھ کر کہا، میاں صاحبزادے کیا اچھی سواری ہے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا، سوار بھی تو کتنا اچھا ہے۔

کبھی کبھی دونوں کو چادر میں چھپائے ہوئے باہر تشریف لاتے۔ اسامہ بن زید بیان کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ شب کو میں رسول اللہ ﷺ کے پاس ایک ضرورت سے گیا۔ آپ کوئی چیز چادر میں چھپائے ہوئے تشریف لائے۔ میں اپنی ضرورت پوری کر چکا تو پوچھا آپ ﷺ چادر میں کیا چھپائے ہیں؟ آپ نے چادر ہٹا دی تو اس میں سے حسنؓ و حسینؓ برآمد ہوئے۔ فرمایا، ”یہ دونوں میرے بچے اور میری لڑکی کے لڑکے ہیں۔ خدایا میں ان دونوں کو محبوب رکھتا ہوں، اس لئے تو بھی ان کو محبوب رکھ اور ان کے محبوب رکھنے والے کو بھی محبوب رکھ۔“

نبوت کی حیثیت کو چھوڑ کر جہاں تک رسول اللہ ﷺ کی بشری حیثیت کا تعلق ہے، حسنؓ و حسینؓ کی ذات گویا ذات محمدی ﷺ کا جزو تھی۔ یعلیٰ بن مرہ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ حسینؓ مجھ سے ہیں اور میں حسینؓ سے ہوں۔ جو شخص حسینؓ کو دوست رکھتا ہے خدا اس کو دوست رکھتا ہے۔ حسینؓ اسباط کے ایک سبط ہیں۔

۱۔ ایضاً ۲۔ تہذیب التہذیب۔ جلد ۲۔ ص ۲۹۶ ۳۔ اصحاب۔ جلد ۲۔ تذکرہ حسنؓ

۴۔ ترمذی مناقب الحسنؓ و حسینؓ ۵۔ ترمذی مناقب الحسنؓ و حسینؓ ۶۔ ایضاً

حسنؓ و حسینؓ کو آپ جنت کے گل خندان فرماتے تھے۔ ابن عمر روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے تھے کہ حسنؓ و حسینؓ میرے جنت کے دو پھول ہیں۔

حسنؓ و حسینؓ نو جوانان جنت کے سردار ہیں۔ حذیفہ راوی ہیں کہ ایک مرتبہ میں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ مغرب اور عشاء کی نماز پڑھی۔ عشاء کی نماز کے بعد آنحضرت ﷺ تشریف لے چلے۔ میں بھی پیچھے ہولیا۔ میری آواز سن کر آپ نے فرمایا، کون؟ حذیفہ! میں نے عرض کیا، جی۔ فرمایا ”خدا تمہاری اور تمہاری ماں کی مغفرت کرے، تمہاری کوئی ضرورت ہے؟ دیکھو ابھی یہ فرشتہ نازل ہوا ہے، جو اس سے پہلے کبھی نہ آیا تھا۔ اس کو خدا نے اجازت دی ہے کہ وہ مجھے سلام کہے اور مجھے بشارت دے کہ فاطمہؓ جنت کی عورتوں کی اور حسنؓ و حسینؓ جنت کے نو جوانوں کے سردار ہیں۔“

انفرادی فضائل : ان مشترک فضائل کے علاوہ حضرت حسنؓ کے کچھ امتیازی فضائل الگ ہیں۔ جو انہیں حضرت حسینؓ سے ممتاز کرتے ہیں۔ ان فضائل میں سب سے بڑی فضیلت یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ان کے متعلق پشمن گوئی فرمائی تھی کہ ”میرا یہ بیٹا سید ہے۔ خدا اس کے ذریعہ سے مسلمانوں کے دو بڑے گروہوں میں صلح کرائے گا۔“

امیر معاویہؓ سے صلح کے وقت حضرت حسنؓ نے اس پشمن گوئی کی عملی تصدیق فرمائی۔ ایک موقع پر فرمایا کہ حسنؓ کو میرا علم عطا ہوا ہے۔



۱۔ بخاری کتاب المناقب ، باب مناقب الحسنؓ والحسینؓ ج ۲ ترمذی مناقب الحسنؓ والحسینؓ
ج ۲ مستدرک حاکم۔ جلد ۲ فضائل حسنؓ

حضرت امیر معاویہؓ

نام و نسب :

معاویہ نام ہے، ابو عبد الرحمن کنیت۔ والد کا نام ابوسفیان تھا۔ سلسلہ نسب یہ ہے : معاویہ بن صحر (ابوسفیان) بن حرب بن اُمیہ بن عبد شمس بن مناف بن قصی قرشی اُموی۔ ماں کا نام ہندہ تھا۔ تنخیلی شجرہ یہ ہے : ہندہ بنت عتبہ بن ربیعہ بن شمس بن عبد مناف ابن قصی قرشیہ اُمویہ۔ اس طرح امیر معاویہؓ کا شجرہ پانچویں پشت پر آنحضرت ﷺ سے مل جاتا ہے۔

خاندانی حالات اور اسلام :

ان کا خاندان بنو اُمیہ زمانہ جاہلیت سے قریش میں معزز و ممتاز چلا آتا تھا۔ ان کے والد ابو سفیان قریش کے قومی نظام میں عقاب یعنی علمبرداری کے عہدے پر ممتاز تھے۔ ابوسفیان آغاز بعثت سے فتح مکہ تک اسلام کے سخت دشمن رہے اور آنحضرت ﷺ اور مسلمانوں کی ایذا رسانی اور اسلام کی بیخ کنی میں کوئی امرکافی کوشش باقی نہ رکھی۔ اس زمانہ میں اسلام کے خلاف جس قدر تحریکیں ہوئیں، ان سب میں علانیہ یا در پردہ ان کا ہاتھ ضرور ہوتا تھا۔

فتح مکہ کے دن ابوسفیان اور معاویہ دونوں مشرف باسلام ہوئے، بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ معاویہؓ ”صلح حدیبیہ کے زمانہ میں دولت اسلام سے بہرہ ور ہو چکے تھے، لیکن باپ کے خوف سے اس کا اظہار نہیں کیا تھا۔ لیکن یہ روایت مسلمہ روایات کے بالکل خلاف ہے اور اس کی تائید میں اور کوئی شہادت نہیں ملتی۔ اس لئے ناقابل اعتبار ہے۔ تاہم اس قدر یقینی ہے کہ ابوسفیان کی اسلام دشمنی کے باوجود معاویہؓ کو مسلمانوں سے کوئی خاص عناد نہ تھا۔ چنانچہ ان کے اسلام لانے سے پہلے بدر اور احد وغیرہ بڑے بڑے معرکے ہوئے، مگر ان میں سے کسی مشرکین کے ساتھ معاویہؓ کی شرکت کا پتہ نہیں چلتا۔

غزوات : ان کے مشرف باسلام ہونے کی خوشی میں آنحضرت ﷺ نے انہیں مبارکباد دی۔ قبول اسلام کے بعد معاویہؓ ”حنین اور طائف کے غزوات میں شریک ہوئے۔ حنین کے مال غنیمت میں سے آنحضرت ﷺ نے ان کو سو اؤنٹ اور چالیس (۴۰) اوقیہ سونا یا چاندی مرحمت

فرمایا تھا۔ اسی زمانہ میں معاویہؓ کے خاندانی وقار کے لحاظ سے ان کو کتابت وحی کا جلیل القدر منصب عطا ہوا۔^۱

فتوحاتِ شام میں معاویہؓ کی شرکت :

امیر معاویہؓ بالکل آخر میں اسلام لائے تھے۔ اس لئے آنحضرت ﷺ کی زندگی میں ان کو کوئی نمایاں کارنامہ دکھانے کا موقع نہ مل سکا۔ اس کا آغاز حضرت ابو بکر صدیقؓ کے عہد سے ہوتا ہے۔ شام کی فوج کشی میں امیر معاویہؓ کے بھائی یزید ایک دستہ کے افسر تھے۔ اردن کی فتح کے سلسلہ میں جب حضرت ابو عبیدہؓ سپہ سالار فوج نے عمرو بن العاصؓ کو اس کے ساحلی علاقہ پر مامور کیا اور ان کے مقابلہ کے لئے رومیوں کا انبوه کثیر جمع ہوا اور قسطنطنیہ سے امدادی فوجیں آئیں تو عمرو بن العاصؓ نے حضرت ابو عبیدہؓ سے مزید امداد طلب کی، اس وقت انہوں نے یزید بن ابی سفیان کو روانہ کیا۔ اس امدادی دستہ کے مقدمہ الحیش کی کمان معاویہؓ کے ہاتھ میں تھی۔ اس مہم میں انہوں نے کارہائے نمایاں دکھائے۔^۲ اس کے بعد اس سلسلہ کی تمام لڑائیوں میں برابر شریک ہوتے رہے۔ چنانچہ مرج صفر کے معرکہ میں جب عمرو بن العاصؓ کے بھتیجے خالد شہید ہوئے تو ان کی تلوار معاویہؓ کے قبضہ میں آئی۔^۳

دمشق کی تسخیر کے بعد جب یزید بصرہ، عرقہ، جلیل اور بیروت وغیرہ کے ساحلی علاقہ کی طرف بڑھے، تو حضرت معاویہؓ اس پیش قدمی میں مقدمہ الحیش کی رہبری کر رہے تھے اور عرقہ تماران ہی کی کوششوں سے فتح ہوا۔ اس کے بعد جب حضرت عمر فاروقؓ کے آخر عہد خلافت میں رومیوں نے شام کے بعض مقامات واپس لے لئے، تو معاویہؓ نے ان کو زیر کر کے دوبارہ زیر نگین کیا۔^۴

مذکورہ بالا مقامات کی تسخیر کے بعد یزید نے باقی ماندہ علاقہ پر امیر معاویہؓ کو متعین کر دیا۔ انہوں نے نہایت آسانی کے ساتھ تمام قلعے تسخیر کئے اور زیادہ کشت و خون کی نوبت نہیں آنے پائی۔ کہیں کہیں خفیف سی جھڑپ ہو جاتی تھی۔ قیساریہ کی مہم حضرت عمرؓ نے خاص ان کے سپرد کی تھی۔ انہوں نے اسے بھی نہایت کامیابی کے ساتھ سر کیا۔ جب یہ قیساریہ پہنچے تو رومی کماندار اپنی سامنے آیا۔ دونوں میں سخت معرکہ ہوا۔ امیر معاویہؓ نے اسے پسپا کر دیا اور رومی شکست کھا کر شہر میں داخل ہو گئے۔

۱۔ ابن سعد۔ جلد ۷۔ قسم ۲۔ ص ۱۲۸ و تہذیب ۱۱۔ تاہودی جلد ۱۔ ص ۱۰۲ ۲۔ حوالہ مذکور

۳۔ فتوحات البلدان بلاذری۔ ص ۱۲۳ ۴۔ فتوحات البلدان بلاذری۔ ص ۱۲۶ ۵۔ ایضاً۔ ص ۱۳۳

امیر معاویہؓ نے قیساریہ کا محاصرہ کر لیا۔ رومی برابر نکل کے مقابلہ کرتے تھے، مگر ہر مرتبہ شکست کھا کر شہر میں لوٹ جاتے تھے۔ ایک دن آخری جنگ کے لئے بڑے جوش و خروش سے نکلے اور ایک خونریز جنگ کے بعد بہت فاش شکست کھائی۔ اس معرکہ میں اتنی ہزار رومی کام آئے اور میدان امیر معاویہؓ کے ہاتھ رہا۔^۱

غرض معاویہؓ "قریب قریب تمام معرکہ آرائیوں میں بہت ممتاز حیثیت سے شریک رہے۔ مگر ان کی تفصیل بہت طویل ہے۔

۱۸ھ میں جب امیر معاویہؓ کے بھائی یزید کا انتقال ہو گیا، تو حضرت عمرؓ ان کی ناوقت وفات سے سخت متاثر ہوئے اور ان کی جگہ معاویہؓ کو دمشق کا عامل بنایا اور ایک ہزار ماہانہ تنخواہ مقرر کی۔^۲ حضرت عمرؓ معاویہؓ کے لوصاف کی وجہ سے ان کی بڑی قدر فرماتے تھے، اور ان کے تدبیر و سیاست اور علوئے حوصلہ کی وجہ سے ان کو "کسرائے عرب" کے لقب سے یاد کرتے تھے۔^۳ امیر معاویہؓ ۴۴ سال تک فاروقی عہد میں دمشق کے حکمران رہے۔

عہد عثمانی : ۲۳ھ میں جب حضرت عمر فاروقؓ کا انتقال ہو گیا، اور حضرت عثمان مسند آرائے خلافت ہوئے تو انہوں نے امیر معاویہؓ کی تجربہ کاری کی وجہ سے انہیں پورے شام کا والی بنادیا، شام کی ولایت کے زمانہ میں انہوں نے رومیوں کے مقابلہ میں بڑی زبردست فتوحات حاصل کیں گو حضرت عمرؓ کے عہد میں قیصر و کسری کی حکومتوں کے تختے الٹ چکے تھے۔ تاہم اس وقت تک کوئی بحری حملہ نہ ہوا تھا۔ اسلامی تاریخ میں سب سے پہلے امیر معاویہؓ نے بحری حملوں کا آغاز کیا اور بحری قوت کو اتنی ترقی دی کہ اسلامی بحری بیڑا اس عہد کے بہترین بیڑوں میں شمار ہوتا تھا۔

طرابلس الشام کی فتح :

حضرت عثمانؓ نے ان کو شام کی انتظامی حکمرانی کے ساتھ جنگی اختیارات بھی دیدیئے تھے، اس سے فتوحات اسلامی کو بہت فائدہ پہنچا۔ سرحدی رومی اکثر مسلمانوں سے چھیڑ چھاڑ کیا کرتے تھے۔ چنانچہ حضرت عمرؓ کے عہد میں بعض سواحل پر قابض ہو گئے تھے۔ ان کی ریشہ دوانیوں کے سد باب کے لئے معاویہؓ نے سفیان بن مجیب ازدی کو طرابلس الشام کی فتح پر مامور کیا۔ انہوں نے اس سے چند میل کی مسافت پر پہلے ایک قلعہ تعمیر کیا اور اس کا نام حصن سفیان رکھا اور اس کو فوجی مرکز بنا کر رومیوں کے تمام بحری اور بری نا کے بند کر کے طرابلس الشام کا محاصرہ کر لیا۔

رومی قلعہ بند ہو گئے اور خفیہ طور پر شہنشاہ روم کو خط لکھا کہ ہماری امداد کے لئے فوجیں بھیجی جائیں، تاکہ ہم مسلمانوں کا مقابلہ کر سکیں، اور اگر فوجیں نہیں آسکتیں تو کم از کم کچھ کشتیاں ہی بھجوا دی جائیں کہ اس حصار سے ہم کو نجات ملے۔

امیر سفیان دن کو رومی قلعہ کی نگرانی کرتے تھے اور رات کو اپنی فوج لے کر اپنے قلعہ میں چلے آتے تھے۔ اس لئے رومی ایک شب کو موقع پا کر نکل گئے۔ صبح کو مسلمان قلعہ کے پاس پہنچے تو اس کو بالکل خالی پایا اور بلا مزاحمت قبضہ کر لیا۔ اس قلعہ کے قبضہ میں آ جانے سے آئے دن کی بغاوتوں کا خطرہ جاتا رہا۔

عموریہ پر فوج کشی اور بعض فتوحات :

شام کی سرحد پر عموریہ ایک پرانا شہر تھا۔ جہاں رومیوں کے قلعے تھے۔ اس لئے ان کی تاخت سے شام کو محفوظ رکھنے کے لئے عموریہ کا لینا ضروری تھا۔ چنانچہ ۲۵ھ میں امیر معاویہؓ اس طرف بڑھے۔ راستہ میں انطاکیہ سے لے کر طرطوس تک کے تمام قلعے خالی ملے۔ امیر معاویہؓ نے ان سب میں شام، جزیرہ اور قسریں سے آدمی لا کر بسائے اور ان کو آباد کر کے لوٹ آئے۔ اس کے ایک یا دو سال بعد یزید بن حریشی کو مامور کیا۔ انہوں نے رومیوں کے بہت سے قلعے مسمار کر دیئے۔ مگر عموریہ رہنے نہ ہوا اور اس پر فوج کشی کا سلسلہ برابر جاری رہا۔

شمشاط کی فتح :

امیر معاویہؓ کے ان کارناموں کے صلہ میں حضرت عثمانؓ نے جزیرہ بھی ان ہی کے ماتحت کر دیا۔ جزیرہ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں فتح ہو چکا تھا، لیکن اس کے بعض سرحدی مقامات ہنوز رومیوں کے قبضہ میں تھے۔ ان میں ایک مقام شمشاط بھی تھا۔

حضرت عثمانؓ نے ان کو شمشاط کی طرف بڑھنے کا حکم دیا۔ انہوں نے یہ خدمت حبیب بن مسلمہ فہری اور صفوان بن معطل کے سپرد کی۔ ان دونوں نے نہایت آسانی کے ساتھ شمشاط پر قبضہ کر لیا اور صفوان آخر عمر تک یہاں کے حاکم رہے اور یہیں وفات بھی پائی۔ بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ امیر معاویہؓ خود بھی اس مہم میں شریک تھے۔

۱۔ فتوح البلدان بلاذری۔ ص ۱۳۳ ۲۔ ایضاً ۳۔ فتوح البلدان۔ ص ۱۹۲ وابن اثیر۔ جلد ۳۔ ص ۶۶

ملطیہ کی فتح :

ملطیہ بھی ایک سرحدی مقام اور دونوں حکومتوں کے درمیان حد فاصل تھا۔ اس لئے بحر روم میں تاخت کے لئے اس حد فاصل کا توڑنا بھی ضروری تھا۔

ایک مرتبہ حبیب ابن مسلمہ فہری اس کو فتح کر چکے تھے، مگر رومیوں نے پھر اس پر قبضہ کر لیا تھا۔ امیر معاویہؓ نے دوبارہ حبیب کو اس کی تسخیر پر مامور کیا۔ انہوں نے اس کو فتح کر کے یہاں مسلمان آباد کئے اور آئندہ جب امیر معاویہؓ "ارض روم میں پیش قدمی کے ارادے سے نکلے تو یہاں شام اور جزیرہ کے باشندوں کی چھاؤنی قائم کی، مگر بعد میں یہ مقام اس حالت پر قائم نہ رہ سکا۔^۱

قبرص کی فتح :

بحر ابیض متوسط میں ساحل شام سے تھوڑی مسافت پر قبرص (سائپرس) نہایت سرسبز و شاداب جزیرہ ہے۔ اس کا رقبہ ۳۰۲۶ مربع میل ہے یہ جزیرہ اپنی سرسبزی، شادابی اور مصنوعات کے لحاظ سے اپنے قرب و جوار میں بہت مشہور تھا۔ خصوصاً زوئی کی بڑی پیداوار ہوتی تھی۔ اس لئے عہد فاروقی سے اس پر امیر معاویہؓ کی نظر تھی اور اس پر حملہ کے لئے انہوں نے حضرت عمرؓ سے بحری جنگ کے لئے اجازت بھی مانگی تھی۔ لیکن حضرت عمرؓ مسلمانوں کو بحری خطرات میں ڈالنا پسند نہ کرتے تھے۔ چنانچہ عمر بن العاصؓ سے بحری سفر کے حالات پوچھ بھیجے۔ انہوں نے تمام خطرات سے آگاہ کر دیا۔ اس لئے امیر معاویہؓ کو اجازت نہ ملی۔ لیکن ان کا دل برابر بحری حملہ کرنے کے لئے بیتاب رہا۔

چنانچہ حضرت عثمانؓ کے خلیفہ ہونے کے بعد ان سے بھی اجازت طلب کی۔ پہلے انہوں نے بھی اجازت نہ دی، مگر امیر معاویہؓ کا اصرار برابر قائم رہا اور انہوں نے بحری جنگ کی آسانیاں حضرت عثمانؓ کے ذہن نشین کر کے انہیں خطرات کی جانب سے اطمینان دلایا۔ اس وقت انہوں نے اس شرط پر اجازت دیدی کہ اپنی بیوی کو بھی ساتھ لے جائیں اور کسی مسلمان کو اس کی شرکت پر مجبور نہ کریں۔ جو شخص بطیب خاطر شریک ہونا چاہے صرف اس کو لیا جائے۔ کسی پر شرکت کے لئے جبر نہ کیا جائے۔^۲

امیر معاویہؓ نے تمام شرطیں منظور کر لیں اور ۳۸ھ میں نہایت اہتمام کے ساتھ پہلی مرتبہ اسلامی بیڑا بحروم میں اتر، اور امیر معاویہؓ، عبداللہ بن ابی سرح کو ساتھ لے کر قبرص پہنچے۔ قبرص والے نہایت نرم خو تھے۔ جنگ وجدال سے گھبراتے تھے۔ اس لئے بغیر مقابلہ کے سات ہزار دینار سالانہ پر شرائط ذیل کے ساتھ صلح کر لی۔

- ۱۔ ہزار دینار سالانہ خراج مسلمانوں کو دیں گے اور اسی قدر رومیوں کو دیا کریں گے۔ مسلمانوں کو اس میں کوئی اعتراض نہ ہوگا۔
- ۲۔ اگر قبرص پر کوئی دشمن حملہ آور ہو تو مسلمان مدافعت کے ذمہ دار ہوں گے۔
- ۳۔ اگر مسلمان رومیوں پر حملہ کرنا چاہیں تو قبرص والے ان کو اپنے جزیرے کے اندر سے گزرنے دیں گے۔

لیکن اس صلح کے چار برس بعد ۳۲ھ میں جزیرہ والوں نے مسلمانوں کے خلاف جنگی جہازوں سے رومیوں کی مدد کی۔ اس لئے ۳۳ھ میں پھر امیر معاویہؓ پانچ سو جہازوں کے عظیم الشان بیڑے کے ساتھ بحری حملہ کر کے قبرص کو فتح کر لیا۔ مگر روایت اسلامی کو قائم رکھتے ہوئے اہل قبرص کے عہد شکنی کا کوئی انتقام نہیں لیا، اور صلح کی سابق نرم شرائط قائم رکھیں۔ لیکن چونکہ اہل قبرص ایک مرتبہ غداری کر کے اپنا اعتبار کھو چکے تھے، اس لئے اس مرتبہ امیر معاویہؓ نے قبرص میں ۱۲ ہزار مسلمانوں کی ایک آبادی قائم کر دی۔ بعلبک کے بہت سے باشندے بھی نقل مکانی کر کے چلے آئے۔ ان مسلمانوں نے یہاں مساجد تعمیر کیں اور ایک شہر بسایا۔

افریقہ کی جنگ :

افریقہ یعنی تیونس، الجزائر اور مراکش قیصر کے زیر حکومت تھے۔ حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں یہاں بکثرت فتوحات ہوئی تھیں اور قیصر کے بہت سے مقبوضات اس کے ہاتھوں سے نکل گئے تھے۔ اس لئے وہ جوش انتقام سے لبریز ہو رہا تھا۔ چنانچہ اس نے مسلمانوں سے انتقام اور ملک کو واپس لینے کے لئے بڑی زبردست تیاریاں کیں اور ابن اشیر کے بیان کے مطابق قیصر نے اس سے پہلے کبھی مسلمانوں کے مقابلہ کے لئے اتنا اہتمام نہ کیا تھا۔ جنگی جہازوں کی تعداد چھ سو (۶۰۰) تھی۔

امیر معاویہؓ اور عبداللہ بن سعد بن ابی سرح فاتح افریقہ مدافعت کے لئے بڑھے۔ جب دونوں بیڑے بالمقابل آئے تو اتفاق سے اسلامی بیڑے کے خلاف ہوا کے نہایت تیز و تند طوفان چلنے لگے۔ اس لئے طرفین نے ایک شب کے لئے صلح کر لی اور دونوں اپنے اپنے مذہب کے مطابق رات بھر عبادت و دعا میں مصروف رہے۔

صبح ہوتے ہوتے رومی ہمت تن تیار تھے، اور دونوں بیڑے آپس میں مل چکے تھے۔ اس لئے رومیوں نے فوراً حملہ کر دیا۔ مسلمانوں نے بھی برابر کا جواب دیا۔ سطح سمندر پر تلواریں چلنے لگیں اور اس قدر گھمسان کی جنگ ہوئی کہ سمندر کا پانی خون کی کثرت سے سرخ ہو گیا۔ رزمگاہ سے لے کر ساحل تک خون کی موجیں اچھلتی تھیں۔ آدمی کٹ کٹ کر سمندر میں گرتے تھے اور پانی انہیں اچھال کر اوپر پھینکتا تھا۔

یہ ہولناک منظر بڑی دیر تک قائم رہا۔ طرفین نہایت ہی پامردی کے ساتھ ایک دوسرے کا مقابلہ کرتے رہے۔ لیکن آخر میں مسلمانوں کے عزم و ثبات اور جان سپاری نے رومیوں کے پاؤں اکھاڑ دیے اور قسطنطین نے جہاز کا ننگراٹھا دیا۔

۳۲ھ میں امیر معاویہؓ محرم کو عبور کرتے ہوئے تنکناے قسطنطنیہ تک پہنچ گئے اور ۳۳ھ میں ملطیہ کے قریب حصن المراءۃ پر حملہ کیا۔ غرض امیر معاویہؓ اپنے زمانہ امارت بھر رومیوں کا نہایت کامیاب مقابلہ کرتے رہے۔ تا آنکہ حضرت عثمانؓ کے خلاف شورش شروع ہوئی اور دو فتن کا آغاز ہو گیا۔

دو فتن کا آغاز:

حضرت عثمانؓ اور اکابر صحابہؓ نے اپنی تمام کوششیں اس فتنہ کو فرو کرنے میں صرف کر دیں، لیکن منافقوں اور خلافت اسلامیہ کے دشمنوں کے وجہ سے یہ کوشش کامیاب نہ ہو سکی اور معاملات اور زیادہ پیچیدہ ہوتے گئے۔ اس وقت امیر معاویہؓ شام میں تھے۔ حضرت عثمانؓ نے ان کو بلا بھیجا۔ یہ آئے لیکن اس وقت شروفتن کے شعلے قابو سے باہر ہو چکے تھے، اس لئے لوٹ گئے اور حضرت عثمانؓ کی شہادت تک برابر شام ہی میں رہے۔ اس واقعہ ہالہ کے بعد جنگ جمل ہوئی، مگر امیر معاویہؓ نے اس میں کوئی حصہ نہیں لیا۔

حضرت علیؓ کی خلافت اور امیر معاویہؓ کی مخالفت :

حضرت عثمان غنیؓ کی شہادت کے بعد حضرت علیؓ خلیفہ ہوئے۔ اس وقت امیر معاویہؓ بدستور شام میں تھے۔ جناب امیر نے خلیفہ ہوتے ہی ایک سرے سے تمام عثمانی عاملوں کو معزول کر دیا۔ اس سلسلہ میں معاویہؓ بھی شام سے معزول ہو گئے اور ان کی جگہ سہل بن حنیف کا تقرر ہوا۔ لیکن وہ آسانی سے شام کی حکومت چھوڑنے والے نہ تھے۔ اس لئے شام کی سرحد تک پر ان کے سواروں نے سہل بن حنیف کو روک کر واپس کر دیا۔ اس وقت حضرت علیؓ کو ان کی مخالفت کا علم ہوا۔^۱

حضرت مغیرہ بن شعبہؓ نے جو اپنی تدبیر و سیاست کی وجہ سے مغیرۃ الرائے کہلاتے تھے، حضرت علیؓ کی خدمت میں حاضر ہو کر ان کو مشورہ دیا کہ اگر آپ اپنی خلافت کو استوار کرنا چاہتے ہیں تو معاویہؓ کو ابھی معزول نہ کیجئے اور ان کو ان کے عہدہ پر قائم رکھیے اور طلحہؓ اور زبیر کو کوفہ اور بصرہ کا والی بنائیے۔ پورا تسلط ہو جانے کے بعد جو مناسب سمجھئے گا اس پر عمل کیجئے گا۔ آپ نے جواب دیا کہ طلحہؓ وزبیرؓ کے بارے میں تو غور کروں گا، لیکن معاویہؓ جب تک اپنی حرکتوں سے باز نہ آئیں گے، اس وقت تک ان کو نہ کہیں کا حاکم بناؤں گا اور نہ ان سے کسی قسم کی مددوں کا۔ اس جواب سے مایوس ہو کر اور شکستہ خاطر ہو کر مغیرہ امیر معاویہؓ سے مل گئے۔^۲

امیر معاویہؓ کے ادعائے خلافت کے اسباب :

گو امیر معاویہؓ حضرت علیؓ کو اچھی نظر سے نہ دیکھتے تھے، لیکن وہ نہایت مدبر اور ہوشمند تھے، اور اپنے اور حضرت علیؓ کے رتبہ کا فرق پورے طور پر سمجھتے تھے۔ اس لئے ان کے مقابلہ میں وہ اپنی خلافت کا تصور بھی دل میں نہ لا سکتے تھے۔ لیکن اس کے ساتھ ان کی حکومت پسندی اپنی معزولی بھی گوارا نہیں کر سکتی تھی۔ اگر حضرت علیؓ انہیں بدستور ان کے عہدہ پر قائم رہنے دیتے تو غالباً کوئی ناگوار صورت پیش نہ آتی، مگر معاویہؓ کی معزولی نے ان کو جناب امیر کا مخالف بنا دیا۔

جہاں تک واقعات سے اندازہ ہوتا ہے، اس وقت تک امیر معاویہؓ کے دل میں خلافت کے دعویٰ کا کوئی خیال نہ پیدا ہوا تھا۔ بلکہ وہ حضرت علیؓ کی مخالفت سے صرف اپنے عہدے کی بحالی چاہتے تھے۔ لیکن حضرت علیؓ اس کے لئے بالکل آمادہ نہ تھے۔ امیر معاویہؓ کی خوش قسمتی سے حضرت عثمانؓ کے قاتل یا کم از کم وہ لوگ جن پر حضرت عثمانؓ کے شہید کرنے کا قوی شبہ تھا، حضرت علیؓ کی لاعلمی میں (کیونکہ اس وقت کوئی قاتل معین نہ تھا) آپ کے ساتھ ہو گئے۔

اس وقت بحیثیت خلیفہ کے قاتلین عثمانؓ کا پتہ چلانا اور ان سے قصاص لینا حضرت علیؓ کا فرض تھا۔ لیکن مسند خلافت پر قدم رکھتے ہی آپؐ ایسے ٹھگڑوں میں مبتلا ہو گئے کہ قاتلین کا پتہ چلانا کیا معنی نظام خلافت کا سنبھالنا مشکل تھا اور قاتلوں کی تلاش کے لئے سکون و اطمینان کی ضرورت تھی۔ لیکن عوام اس مجبوری کو نہیں سمجھ سکتے تھے اور وہ صرف حضرت عثمانؓ کے خون کا قصاص چاہتے تھے۔ اس لئے امیر معاویہؓ کو ان کے خلاف پروپیگنڈے کا پورا موقع مل گیا۔

خلیفہ مظلوم کے بیدردی کے ساتھ شہید کئے جانے اور قاتلین کے کھلے بندوں پھرنے کا واقعہ ایسا تھا کہ حضرت علیؓ کے مخالفین کیا، بہت سے غیر جانبدار مسلمانوں کے دلوں میں شکوک و شبہات پیدا ہو گئے تھے۔ چنانچہ مصر کے ایک مقام خربا میں ایک جماعت حضرت علیؓ کے خلاف ہو گئی اور جب قیس بن سعد نے ان سے حضرت علیؓ کی بیعت لینے کی کوشش کی تو ان لوگوں نے حضرت عثمانؓ کی شہادت کے تاثر کی وجہ سے بیعت نہیں کی اور اس کے قصاص کا مطالبہ کیا۔^۱

اس کے علاوہ امیر معاویہؓ کو کچھ لوگ ایسے مل گئے جنہوں نے ان کو حضرت علیؓ کے خلاف ابھارنا شروع کیا کہ تم کو علیؓ کے خلاف اٹھنا چاہئے، کیونکہ جو قوت تم کو حاصل ہے وہ علیؓ کو نصیب نہیں۔ تمہارے ساتھ ایسی فرمانبردار جماعت ہے کہ جب آپ خاموش ہوتے ہیں تو وہ بھی کچھ نہیں بولتی اور جب تم کچھ کہنا چاہتے ہو تو وہ اس کو خاموشی کے ساتھ سنتی ہے اور جو حکم دیتے ہو، اس کو بے چوں و چراں مان لیتی ہے اور علیؓ کے ساتھ جو گروہ ہے وہ اس کے برعکس ہے۔ اس لئے تمہاری تھوڑی جماعت بھی ان کی بڑی جماعت پر بھاری ہے۔^۲

غرض ان مواقع اور ان تائیدوں نے امیر معاویہؓ کو حضرت علیؓ کا پورا مخالف بنادیا، لیکن حضرت علیؓ جیسے شخص کا مقابلہ ان کے لئے آسان نہ تھا۔ وہ اس کی دشواریوں کو پوری طرح سمجھتے تھے۔ اس کے لئے وہاں عرب کو ساتھ ملانے کی ضرورت تھی۔ اس وقت عرب میں معاویہؓ کے علاوہ مغیرہ بن شعبہ اور عمرو بن العاصؓ صاحب تدبیر و سیاست مانے جاتے تھے۔ مغیرہ بن شعبہ پہلے ہی مل چکے تھے۔ عمرو بن العاصؓ باقی تھے۔ یہ اس وقت فلسطین میں تھے۔ امیر معاویہؓ نے انہیں بلا کر اپنی مشکلات بیان کیں کہ محمد بن حنفیہ قید خانہ توڑ کر نکل گئے ہیں۔ قیصر روم الگ حملہ پر آمادہ ہے اور سب سے اہم معاملہ یہ ہے کہ حضرت علیؓ نے بیعت کا مطالبہ کیا ہے اور انکار کی صورت میں جنگ پر آمادہ ہیں۔

انہوں نے مشورہ دیا کہ محمد بن حنفیہ کا تعاقب کراؤ۔ اگر مل جائیں تو فیہا ورنہ کوئی حرج نہیں۔ قیصر روم کے قیدی چھوڑ کر اس سے مصالحت کرلو۔ حضرت علیؑ کا معاملہ بہت اہم ہے۔ مسلمان کبھی تم کو ان کے برابر نہیں سمجھ سکتے۔ معاویہؓ نے کہا کہ وہ حضرت عثمانؓ کے قتل میں معاون تھے۔ اُمت اسلامیہ میں پھوٹ ڈال کر فتنہ پیدا کیا۔ عمرو بن العاصؓ نے کہا :

لیکن تمہیں سبقت اسلام اور قرابت نبوی کا شرف حاصل نہیں ہے اور میں خواہ مخواہ تمہاری کامیابی کے لئے کیوں مدد کروں ایمو معاویہؓ نے کہا تم کیا چاہتے ہو۔ عمرو بن العاصؓ بولے، مصر۔ امیر معاویہؓ نے کہا مصر تو کسی طرح عراق سے کم نہیں۔ عمرو بن العاصؓ نے کہا، لیکن مصر کا مطالبہ اس وقت ہے، جب تم حضرت علیؑ کو مغلوب کر چکو گے اور تمام دنیائے اسلام تمہارے زیر نگیں ہوگی۔

امیر معاویہؓ کو ان کی خدمات کی بڑی ضرورت تھی، اس لئے اس گفتگو کے دوسرے دن مصر دینے کا تحریری وعدہ کر کے عمرو بن العاصؓ کو ملا لیا۔

حضرت علیؑ کے خلاف دعوت :

عمرو بن العاصؓ کے مل جانے سے معاویہؓ کا بازو بہت قوی ہو گیا۔ انہوں نے ان کو مشورہ دیا، پہلے عمائد شام کو یہ یقین دلا کر کہ حضرت عثمانؓ کے قتل میں علیؑ کا ہاتھ ہے، ان کو مخالفت پر آمادہ کرو اور سب سے پہلے شریل بن سمط کنڈی کو جو شام کے سب سے بڑے بااثر آدمی ہیں، اپنا ہم خیال بناؤ۔

چنانچہ امیر معاویہؓ نے اس مشورہ کے مطابق عمائد شام کے دلوں میں یہ بات بٹھادی کہ حضرت عثمانؓ کے خون بے گناہی میں علیؑ کا ہاتھ بھی شامل تھا اور شریل بن سمط کنڈی نے شام کا دورہ کر کے لوگوں کو حضرت علیؑ کے خلاف ابھارنا شروع کر دیا۔

ادھر خود امیر معاویہؓ نے حضرت عثمانؓ کے خون آلود پیراہن اور آپ کی زوجہ محترمہ عائشہ کی کئی ہوئی انگلیوں کی نمائش کر کے سارے شام میں آگ لگادی۔ لوگ آتے تھے اور یہ المناک منظر دیکھ کر زار زار روتے تھے۔ شامیوں نے قسم کھالی کہ جب تک وہ قاتلین عثمانؓ کو قتل نہ کر لیں گے، اس وقت تک نہ بستر پر لیٹیں گے اور نہ بیویوں کو چھوئیں گے۔

مصالحات کے لئے صحابہؓ کی کوشش :

مخاطب صحابہؓ اس خانہ جنگی کی تیاریاں دیکھ دیکھ کر کفِ افسوس ملتے تھے۔ مشہور صحابہ حضرت ابودرداءؓ اور حضرت ابوامامہؓ باہلیؓ سے مسلمانوں کی یہ بدبختی نہ دیکھی گئی، چنانچہ دونوں بزرگوں نے امیر معاویہ کے پاس جا کر ان سے کہا کہ حضرت علیؓ تم سے زیادہ خلافت کے مستحق ہیں، پھر تم کیوں ان سے لڑتے ہو؟ انہوں نے جواب دیا، حضرت عثمانؓ کے قصاص کے لئے۔ ان دونوں نے کہا، کیا ان کو حضرت علیؓ نے قتل کیا ہے؟ کہا اگر قتل نہیں کیا ہے تو قاتلین کو پناہ دی ہے، اگر وہ ان کو ہمارے حوالے کر دیں تو ہم سب سے پہلے ان کے ہاتھ پر بیعت کرنے کے لئے تیار ہیں۔

یہ مطالبہ سن کر دونوں بزرگ حضرت علیؓ کے پاس گئے اور ان سے صورتِ حال بیان کی۔ امیر معاویہؓ کا یہ مطالبہ سن کر حضرت علیؓ کی فوج سے بیس ہزار آدمی نکل آئے اور نعرہ لگایا کہ ہم سب حضرت عثمانؓ کے قاتل ہیں۔ حضرت ابودرداءؓ اور حضرت ابوامامہؓ نے یہ رنگ دیکھا تو مایوس ہو کر ساحلی علاقہ کی طرف نکل گئے اور پھر کسی قسم کی کوشش نہیں کی۔

جنگِ صفین :

اس سلسلہ میں امیر معاویہؓ اور حضرت علیؓ کے درمیان خط و کتابت بھی ہوئی مگر کوئی مفید نتیجہ نہ نکلا اور طرفین کی فوجیں میدانِ جنگ میں آگئیں۔ اس خونریز جنگ کا سلسلہ مدتوں جاری رہا۔

لیلۃ الہریۃؓ کی قیامت خیز صبح کو جس میں ہزاروں بچے یتیم اور ہزاروں عورتیں بیوہ ہو گئیں، امیر معاویہؓ اور علیؓ مرتضیٰؓ اپنی پوری قوت کے ساتھ میدان میں نکلے اور دونوں قوتیں اس شدت کے ساتھ ٹکرائیں کہ صفین کی میدان کشتوں کی کثرت سے بھر گیا۔ لاشوں پر لاشیں گرتی تھیں، ہاتھ پاؤں اور سر کٹ کٹ کر خزاں رسیدہ پتوں کی طرح اڑتے تھے۔ خون تھا کہ اُمُنْد اُمُنْد کے برستا تھا اور مسلمانوں کی ۳۵ سالہ قوت اس طرح آپس میں ٹکرا کر پاش پاش ہو رہی تھی۔

اس خونریز اور ہولناک معرکہ کے بعد جنگ دوسرے دن کے لئے ملتوی ہو گئی اور طرفین نے اپنے اپنے مقتولین دفنائے۔ اس جنگ میں شامی فوج کا پلہ اتنا کمزور ہو گیا کہ آئندہ میدان

۱۔ اخبار القوال۔ ص ۱۸۱ ہم نے مختصر اجتہاد جتہ واقعات نقل کئے ہیں۔ کیونکہ ان واقعات کی تطویل اور تسلسل بیان سے کوئی فائدہ نہیں۔ ۲۔ جنگ صفین کے سلسلہ کے ایک خونریز معرکہ کا نام

میں اس کے ٹھہرنے کی کوئی امید باقی نہ تھی۔ رومی علیحدہ امیر معاویہؓ پر حملہ کرنے پر آمادہ تھے۔ اس لئے انہوں نے عمرو بن العاصؓ سے مشورہ کیا۔ انہوں نے کہا، میں نے اس دن کے لئے پہلے ہی سے ایک تدبیر سوچ رکھی تھی جو کسی طرح ہٹ نہیں پڑ سکتی ہے۔ وہ یہ کہ لوگ میدان جنگ میں قرآن کے حکم بنانے کا اعلان کریں۔ اس تدبیر سے عراقیوں میں اس کے رد و قبول دونوں حالتوں میں تفرقہ پڑ جائے گا۔

چنانچہ دوسرے دن جب شامی فوج میدان میں آئی تو اس شان سے کہ دمشق کا مصحف اعظم پانچ نیزوں پر آگے آگے تھا اور اس کے پیچھے سینکڑوں قرآن نیزوں پر آویزاں تھا اور شامی ”ہم قرآن کو حکم بناتے ہیں“ کے نعرے لگا رہے تھے۔ عمرو بن العاصؓ کی یہ تدبیر کارگر ثابت ہوئی۔ اس سے عراقیوں میں پھوٹ پڑ گئی۔ انہوں نے کہا ہم کو قرآن کا فیصلہ ماننا چاہئے۔ حضرت علیؓ اور بعض دوسرے عاقبت اندیش لوگ لاکھ سمجھاتے رہے کہ یہ سب فریب ہے۔

لیکن عراقیوں نے ایک نہ سنی اور برابر یہ اصرار کرتے تھے کہ ہم کو قرآن کا فیصلہ ماننا چاہئے۔ طبری کی ایک روایت کے مطابق تو ان کا اصرار اتنا بڑھ گیا تھا کہ انہوں نے حضرت علیؓ کو دھمکی دی کہ اگر قرآن کا فیصلہ مسترد کیا گیا تو تمہارا بھی وہی حشر ہوگا جو عثمانؓ کا ہو چکا ہے۔
تحکیم :

غرض عراقیوں کی ضد اور نا سمجھی پر حضرت علیؓ کو چاروںہ چار یہ فریب آمیز فیصلہ ماننا پڑا، اور طرفین نے بڑی رد و قدح کے بعد عمرو بن العاصؓ اور ابو موسیٰ اشعریؓ کو اپنا حکم بنایا کہ یہ دونوں کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کی رو سے جو فیصلہ کر دیں فریقین کے لئے واجب التسلیم ہوگا۔ چنانچہ دونوں نے صلاح و مشورہ کے بعد امیر معاویہؓ اور حضرت علیؓ دونوں کو معزول کرنے کا فیصلہ کیا اور مجمع عام میں اس کو سنایا۔

پہلے حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ نے کھڑے ہو کر کہا کہ ”برادران اسلام! ہم دونوں بڑے غور فکر کے بعد اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ امت محمدی کے اتحاد اور اس کی اصلاح کی اس کے سوا کوئی صورت نہیں کہ علیؓ اور معاویہؓ دونوں کو معزول کر کے عامہ مسلمین کو از سر نو خلیفہ کے انتخاب کا اختیار دیا جائے۔ اس لئے میں دونوں کو معزول کر کے لوگوں کو اختیار دیتا ہوں کہ از سر نو جسے چاہیں اپنا خلیفہ منتخب کریں۔

ان کے بعد عمرو بن العاصؓ کھڑے ہوئے اور ان الفاظ میں اپنا فیصلہ سنایا کہ ”صاحبو آپ لوگوں نے ابو موسیٰؓ کا فیصلہ سن لیا ہے۔ انہوں نے علیؓ اور معاویہؓ دونوں کو معزول کیا۔ میں بھی علیؓ کو معزول کرتا ہوں، لیکن معاویہؓ کو برقرار رکھتا ہوں، کیونکہ وہ عثمانؓ کے ولی اور ان کے خون کے حقدار ہیں۔ اس لئے وہ ان کی نیابت کے زیادہ مستحق ہیں۔

اس فیصلہ سے مجمع میں سناٹا چھا گیا۔ شریح بن ہانی نے عمرو بن العاصؓ پر مارنے کے لئے کوڑا اٹھایا اور قریب تھا کہ ایک مرتبہ پھر تلواریں میان سے نکل آئیں اور دو مظاہرین کا میدان صفین کا نمونہ بن جائے۔ مگر ابو موسیٰؓ مکر روانہ ہو گئے اور لوگوں نے معاملہ رفع دفع کر دیا۔

خارجیوں کا ظہور :

ظاہر ہے کہ یہ فیصلہ ایسا تھا، جس کو حضرت علیؓ کسی طرح قبول نہ کر سکتے تھے۔ اس لئے آپؓ نے پھر معاویہؓ سے مقابلہ کی تیاریاں شروع کر دیں، لیکن اسی درمیان میں اس سے بھی بڑا خارجیوں کا فتنہ اٹھ کھڑا ہوا۔

یہ لوگ کہتے تھے کہ مذہبی معاملات میں کسی انسان کو حکم بنانا کفر ہے۔ اس لئے معاویہؓ اور علیؓ دونوں نعوذ باللہ کافر ہیں اور جو لوگ اس عقیدے سے منکر ہوں وہ بھی کافر ہیں۔ رفتہ رفتہ اس جماعت کا دائرہ بہت وسیع ہو گیا اور اس کی قوت اتنی بڑھی کہ حضرت علیؓ کے حدود حکومت میں لوٹ مار شروع کر دی۔ اس لئے حضرت علیؓ فی الحال معاویہؓ کے مقابلہ کا خیال ترک کر کے ان کی سرکوبی کے لئے نہروان کی طرف بڑھے اور اس سلسلہ میں ان میں اور خارجیوں میں بڑے بڑے معرکے ہوئے، لیکن ہم ان سے متعلق نہیں، اس لئے ان کا حال قلم انداز کیا جاتا ہے۔

نہروان سے حضرت علیؓ کی واپسی اور شیعہ ان علیؓ کی جنگ سے پہلو تہی :

خوارج کا فتنہ فرو کرنے کے بعد جب حضرت علیؓ نہروان سے واپس ہوئے تو پھر فوج کو امیر معاویہؓ سے مقابلہ کے لئے تیاری کا حکم دیا۔ ان لوگوں نے عذر کیا کہ امیر المؤمنین ہمارے ترکش خالی ہو گئے، تلواریں گٹھلی ہو گئیں اور نیزوں کی انیاں ٹوٹ گئیں اور بہت سے لوگ واپس جا چکے۔ اس لئے ہم کو وطن پہنچ کر از سر نو تیاری کا موقع دیا جائے۔ تاکہ ہم پھر سے اپنی قوت مجتمع کر کے دشمن کے

مقابلہ کے لائق ہو سکیں۔ اس عذر پر حضرت علیؑ نے آگے بڑھ کر مقام خیلہ میں قیام کیا۔ یہاں پہنچنے کے بعد مقابلہ کی تیاریوں کے بجائے آپ کے ساتھی آہستہ آہستہ فوج سے نکل کر اپنے اپنے گھروں کا راستہ لینے لگے اور آپ کے ساتھ صرف مخصوص جماعت باقی رہ گئی۔ اس لئے آپ نے فی الحال معاویہؓ سے مقابلہ کے خیال کو ترک کر دیا۔

حضرت علیؑ کی ایک سیاسی فرہنگداشت :

حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد مصری بالکل غیر جانبدار ہو گئے تھے اور امیر معاویہؓ اور حضرت علیؑ کسی کی اطاعت قبول نہ کی تھی۔ چنانچہ جنگ صفین میں انہوں نے کسی کا ساتھ نہیں دیا تھا۔ جنگ صفین کے بعد حضرت قیس ابن سعد انصاری نے جو یہاں کے حاکم اور حضرت علیؑ کے ہوا خواہ تھے، نہایت ہوشیاری اور خوبصورتی کے ساتھ اہل مصر سے حضرت علیؑ کی بیعت لے لی تھی۔ صرف خربا کے باشندوں نے جو حضرت عثمانؓ کی شہادت سے بہت متاثر تھے، بیعت نہ کی تھی۔ حضرت قیسؓ نے مصلحت وقت کے خیال سے ان سے جبر نہیں کیا، بلکہ کہلا دیا کہ تم کو انکار ہے ہم مجبور بھی نہیں کرتے۔ اس نرمی و ملاطفت کا یہ نتیجہ ہوا کہ خربا والوں نے خراج دینے میں کوئی تاثر نہیں کیا۔

قیس حضرت علیؑ کے مقابلہ امیر معاویہؓ کے قدیم مخالف تھے۔ چنانچہ جنگ صفین سے قبل جب انہوں نے مدبرین کو ملانا چاہا تو قیس کو بھی خط لکھا تھا کہ اگر قاتلین عثمانؓ کا ساتھ چھوڑ کر میرے ساتھ آ جاؤ تو عراق کی حکومت تمہارے لئے مخصوص کر دی جائے گی، اور حجاز کی حکومت پر تمہیں اختیار ہوگا کہ اپنے جس عزیز کو چاہو مقرر کرنا۔ اس کے علاوہ تمہارے اور جو مطالبات ہوں گے، وہ بھی پورے کئے جائیں گے۔ اگر تمہیں یہ باتیں منظور ہوں تو جواب دو۔ قیس بہت عاقبت اندیش آدمی تھے۔ اس لئے صاف جواب دینے کے بجائے گول جواب دیا کہ یہ معاملہ بہت اہم ہے، اس لئے ابھی جواب نہیں دے سکتا۔

امیر معاویہؓ کو یہ خط ملا تو وہ ان کی نیت سمجھ گئے۔ چنانچہ دوبارہ خط لکھا کہ تم اس گول جواب سے مجھے دھوکا دینا چاہتے ہو۔ میرا جیسا شخص تمہارے فریب میں نہیں آ سکتا۔ قیس کو یہ تحریر ملی، تو بہت برہم ہوئے، اور کھل کر دلی جذبات لکھ بھیجے کہ ”تمہاری عقل پر مجھ کو حیرت ہے کہ تم مجھ کو ایک حق گو، حق پرست مستحق خلافت اور آنحضرت ﷺ کے رشتہ دار کا ساتھ چھوڑ کر ایک کاذب، گمراہ، گمراہ زادہ کی حمایت کی دعوت دیتے ہو۔“

اس تحریر کے بعد امیر معاویہؓ کو ان سے مایوسی ہو گئی، تو انہوں نے قیس کو زک دینے کے لئے اپنے حامیوں سے کہنا شروع کیا کہ قیس کو نہ کہو۔ وہ ہمارے ہمدرد ہیں، اور ہمارے پاس برابر ان کے خطوط آتے رہتے ہیں۔ دیکھو ہمارے ہم خیال خربا والوں کے ساتھ ان کا کیسا بہتر سلوک ہے۔ ان کے روزینے اور عطیے برابر جاری ہیں۔ اس غلط شہرت دینے کے ساتھ ہی قیس کی جانب سے ایک فرضی خط بھی جس میں حضرت عثمانؓ کے قصاص پر پسندیدگی کا اظہار تھا پڑھ کر سنا دیا۔ محمد بن ابی بکر اور محمد بن جعفر کے کانوں میں اس کی خبر پہنچی تو انہوں نے حضرت علیؓ کو اس کی اطلاع دی۔ حضرت علیؓ کو جاسوسوں نے بھی تصدیق کر دی۔

اتفاق سے اسی درمیان میں حضرت علیؓ کے پاس قیس کا ایک خط آیا کہ خربا والے بیعت نہیں کرتے، مگر ان پر تلوار اٹھانا مصلحت نہیں سمجھتا۔ حضرت علیؓ کے طرفداروں کو قیس کی جانب سے جو شبہ تھا، وہ اس خط سے اور قوی ہو گیا۔ چنانچہ محمد بن جعفر نے حضرت علیؓ سے کہا کہ آپ فوراً باغیوں (اہل خربا) کی سرکوبی کا فرمان جاری کیجئے۔ ان کی توجہ دلانے پر آپ نے اسی وقت قیس کے نام حکم جاری کر دیا۔

قیس نے پھر لکھا کہ آپ ایسے لوگوں کو چھیڑنے کا کیوں حکم دیتے ہیں جو کسی طرف عملی حصہ نہیں لے رہے ہیں۔ اگر آپ کی طرف سے ذرا بھی سختی ہوئی تو یہ سب برگشتہ ہو جائیں گے۔ میرا مشورہ قبول کیجئے اور ان کو سر دست ان کی حالت پر چھوڑ دیجئے۔ لیکن حضرت علیؓ نے ان کا مشورہ ناقابل قبول سمجھا اور محمد بن جعفر کے اصرار پر محمد بن ابی بکر کو مصر کا حاکم مقرر کر کے بھیج دیا۔

مصر میں حضرت علیؓ کی مخالفت :

گو یہ حکم قیس کی مرضی کے بالکل خلاف تھا اور اس سے ان کی بڑی سبکی ہوئی تھی۔ تاہم وہ حضرت علیؓ کے سچے خیر خواہ تھے، اس لئے بے چوں چوں کہ مصر محمد بن ابی بکر کے حوالے کر دیا اور تمام تشیب و فراز سمجھا کر اپنی پالیسی واضح کر دی۔ لیکن وہ کمسن اور نا تجربہ کار تھے، جوانی کا جوش تھا۔ آتے ہی خربا والوں پر فوج کشی کر دی۔

یہ لوگ بڑے شجاع اور بہادر تھے، اس لئے ابن ابی بکر کو فاش شکست ہوئی۔ اس سخت گیر پالیسی سے سب سے بڑا نقصان یہ ہوا کہ پہلے صرف قریہ کے لوگ حضرت علیؓ کے مخالف تھے،

محمد بن ابی بکر نے اپنے طرز عمل سے اوروں کو بھی مخالف بنا کر امیر معاویہؓ کو فائدہ اٹھانے کا موقع دیدیا۔

چنانچہ معاویہؓ بن خدیج کندی نے جو حضرت عثمانؓ کی شہادت سے متاثر تھے، مصر میں آپ کے قصاص کی دعوت شروع کر دی۔ اس طرح مصر کی فضا مسموم ہو گئی۔ حضرت علیؓ کو اس کی خبر ہوئی تو انہوں نے اشتر نخعی کو لکھا کہ تم مصر جا کر اس کا انتظام سنبھالو۔ یہ حکم ملتے ہی اشتر روانہ ہو گئے۔ مگر کہا جاتا ہے کہ امیر معاویہؓ کے اشارے سے راستہ ہی میں ان کا کام تمام کر دیا گیا۔

مصر پر امیر معاویہؓ کا قبضہ :

اشتر کی موت کے بعد امیر معاویہؓ نے مسلمہ بن مخلد انصاری اور معاویہ بن خدیج کندی سے مصر کی فوج کشی کے متعلق خط و کتابت کی۔ انہوں نے امداد کے لئے پوری آمادگی ظاہر کی اور لکھا کہ جس قدر جلد ممکن ہو فوراً آؤ ہم تمہارے منتظر ہیں۔ انشاء اللہ تم کو ضرور کامیابی ہوگی۔ اس جواب کے بعد امیر معاویہؓ نے اپنے مشیروں کے مشورہ سے عمرو بن العاصؓ کو ۶ ہزار فوج دے کر مصر روانہ کر دیا۔

یہاں عثمانی گروہ پہلے سے موجود تھا۔ اس نے مصر کے باہر اس فوج کا استقبال کیا۔ عمرو بن العاصؓ نے حملہ کرنے سے قبل محمد بن ابی بکر کو لکھا کہ مصر والے تمہارا ساتھ چھوڑ چکے ہیں، تم میرے مقابلہ میں کامیاب نہیں ہو سکتے، اس لئے میں دوستانہ مشورہ دیتا ہوں کہ میرے مقابلہ سے باز آ جاؤ اور مصر خالی کر دو۔ میں خواہ مخواہ تمہارے خون سے اپنے ہاتھ رنگیں نہیں کرنا چاہتا۔ محمد بن ابی بکر نے یہ خط حضرت علیؓ کے پاس بھیج دیا۔ وہاں سے مقابلہ کا حکم آیا۔

چنانچہ محمد بن ابی بکر مقابلہ کے لئے بڑھے۔ مصر کے مشہور بہادر کنانہ بن بشیر مقدمۃ الجیش کی کمان کر رہے تھے، انہوں نے عمرو بن العاصؓ کا نہایت ہی زور مقابلہ کیا، جدھر زرخ کر دیتے، میدان صاف ہو جاتا تھا۔ عمرو بن العاصؓ نے یہ رنگ دیکھا تو معاویہؓ بن خدیج سکونی کو اشارہ کیا، انہوں نے کنانہ کو گھیر لیا اور شامیوں نے ہر طرف سے ٹوٹ کر قتل کر دیا۔ ان کے گرتے ہی مصریوں کے پاؤں اکھڑ گئے۔ محمد بن ابی بکر شکست کے آثار دیکھ کر روپوش ہو چکے تھے۔ معاویہ بن خدیجؓ نے ان کو ڈھونڈ نکالا اور وہ نہایت بیدردی سے قتل کر دیئے گئے۔ ان کے قتل کے بعد مصر پر معاویہؓ کا قبضہ ہو گیا۔^۲

حضرت علیؑ کے مقبوضات پر معاویہؓ کی پیش قدمیاں :

۳۸ھ میں مصر پر قبضہ ہوا۔ ۳۹ھ میں امیر معاویہؓ نے حضرت علیؑ کے دوسرے مقبوضہ مقامات کی طرف پیش قدمی شروع کر دی۔ ان میں سے بعض مقامات پر کامیابی ہوئی اور بعض میں ناکامی۔ طبری اور ابن اثیر نے ان کے تفصیلی حالات لکھے ہیں۔ ان کا خلاصہ حسب ذیل ہے :

سب سے اول امیر معاویہؓ کے عامل نعمان بن بشیر نے ایک شخص کو دو ہزار کی جمعیت کے ساتھ عین اتمر روانہ کیا۔ مالک بن کعب حضرت علیؑ کی جانب سے یہاں کے حاکم تھے۔ انہوں نے نعمان کو شکست دی۔ اس کے بعد سفیان بن عوف ۶ ہزار کی جمعیت کے ساتھ بڑھے اور انبار و مدائن پر حملہ کرنے کے لئے ہیت پر تاخت کرتے ہوئے انبار پہنچے اور یہاں کے حفاظتی افسر اشرس بن حسان کو قتل کر کے کل مال و متاع لوٹ لیا۔ حضرت علیؑ کو خبر ہوئی تو آپ خود نکلے اور سعید بن قیس کو حملہ آوروں کے تعاقب میں روانہ کیا، مگر شامی نکل چکے تھے۔ پھر عبد اللہ ابن مسعود ہزاری تماء کے اہل بادیہ، حجاز اور مدینہ کے باشندوں سے صدقہ وصول کرنے کے لئے بڑھے۔ حضرت علیؑ کی طرف سے مسیب بن نجہ ان کے مقابلہ کو بڑھے۔

تماء میں دونوں کا مقابلہ ہوا۔ عبد اللہ بن مسعود زخمی ہو کر قلعہ بند ہو گئے۔ مسیب نے ان کو گھیر کر قلعہ میں آگ لگا دی۔ لیکن پھر ان کے امان طلب کرنے کے بعد بچوا دی اور شامی لوٹ گئے۔

اس کے بعد ضحاک بن قیس تین ہزار سپاہ سے قوصہ کے نشیبی علاقہ میں حضرت علیؑ کے باجگذا اردہقانیوں پر تاخت کرتے ہوئے ثعلبہ پہنچے اور یہاں کے حفاظتی دستہ کو لوٹ کر قطع طانہ کا رخ کیا اور عمرو بن عمیس سے جو فوجی سواروں کے ساتھ حج کو جا رہے تھے، مزاحم ہوئے اور ان کا سامان لوٹ کر روک دیا۔ حضرت علیؑ کو خبر ہوئی تو انہوں نے حجر بن عدی کو مقابلہ کے لئے بھیجا۔ تدمر میں ان دونوں کا مقابلہ ہوا، اور شامی لوٹ گئے۔

پھر ۳۹ھ میں امیر معاویہؓ نے یزید بن حمرہ راہوی کو مکہ میں اپنی بیعت لینے اور وہاں سے علوی عمال کو نکالنے کے لئے امیر بنا کر بھیجا۔ اس وقت قسم بن عباس یہاں کے عامل تھے۔ ان کو خبر ہوئی تو اہل مکہ کو یزید کے مقابلہ کے لئے ابھارا۔ لیکن شیبہ بن عثمان کے سوا کوئی آمادہ نہ ہوا۔ اس لئے قسم نے حضرت علیؑ کو اس کی اطلاع دی اور خود مکہ چھوڑ کر کسی گھاٹی میں چلے جانے کا قصد کیا۔ لیکن حضرت ابوسعید خدریؓ نے روک دیا۔

اسی درمیان میں ریان بن ضمرہ لہدوی فوج لے کر پہنچ گئے۔ مگر شامیوں نے اعلان کر دیا کہ ہم حرم کے امن و امان میں خلل انداز ہونا نہیں چاہتے۔ ہم یہاں صرف اسی شخص کے مقابلہ میں تلوار اٹھائیں گے جو ہم سے کسی کا تعرض کرے گا۔ اور حضرت ابوسعید خدری سے درخواست کی کہ ہم حرم میں تفریق ناپسند کرتے ہیں۔ اس لئے آپ کسی ایسے شخص کو امیر المہج مقرر کر دیجئے جس پر طرفین متفق ہوں۔

ان کی درخواست پر ابوسعیدؓ نے قثم کو ہٹا دیا اور شیبہ بن عثمان نے امارت حج کے فرائض انجام دیئے۔ شامی فوج حج کر کے لوٹ گئی۔ اس کے لوٹنے کے بعد دار الخلافہ سے دوسری عراقی فوج مکہ پہنچ گئی۔ اس نے شامیوں کا تعاقب کیا اور وادی القریٰ کے آگے چند شامیوں کو پکڑ لیا۔ لیکن کچھ عراقی امیر معاویہؓ کے یہاں مجبوس تھے، اس لئے قیدیوں کا تبادلہ کر لیا۔

اسی سنہ میں امیر معاویہؓ نے عبدالرحمن بن قباث بن اشیم کو جزیرہ روانہ کیا۔ یہاں کے حاکم شیبہ بن عامر نے فوراً نصیبین سے کسمل بن زیاد کو اطلاع دی۔ یہ ۶۰۰ سوار لے کر مقابلہ کو نکلے اور عبدالرحمن کو فاش شکست دی۔ اسی درمیان میں شیبہ خود بھی پہنچ گئے۔ مگر شامی واپس جا چکے تھے۔ شیبہ نے بعلبک تک ان کا تعاقب کیا۔ امیر معاویہؓ نے دوبارہ حبیب بن مسلمہ فہری کو ان کے مقابلہ کے لئے بھیجا، مگر حبیب کے آتے آتے شیبہ واپس جا چکے تھے۔

اسی سنہ میں زبیر بن مہول شام کی جانب سے صدقات وصول کرنے کے لئے آئے۔ حضرت علیؓ نے کلب اور بکر بن وائل سے صدقات وصول کرنے کے لئے جعفر بن عبد اللہ کو بھیجا تھا۔ ساوہ میں دونوں کا مقابلہ ہوا۔ اس معرکہ میں جعفر مارے گئے۔

دومۃ الجندل کے باشندے اب تک غیر جانبدار تھے۔ اس لئے امیر معاویہؓ نے مسلم بن عقبہ مری کو ان سے بیعت لینے کے لئے بھیجا۔ حضرت علیؓ کو خبر ہوئی تو انہوں نے اپنی بیعت کے لئے مالک بن کعب ہمدانی کو روانہ کیا۔ انہوں نے آتے ہی مسلم پر حملہ کر دیا اور ایک سال مسلسل مقابلہ کر کے ان کو شکست دی۔ شکست دینے کے بعد دومۃ الجندل والوں سے بیعت لینی چاہی، لیکن انہوں نے جواب دیا کہ جب تک کسی ایک امام پر اتفاق نہ ہو جائے گا، اس وقت تک ہم کسی کی بیعت نہ کریں گے۔ ان کے اس جواب پر مالک نے زیادہ اصرار نہ کیا اور لوٹ گئے۔

ابھی تک حجاز مقدس جس کی حکومت سے خلافت کا فیصلہ ہوتا تھا، جناب امیرؓ کے قبضہ میں تھا۔ ۴۰ھ میں امیر معاویہؓ نے مشہور جفا کار بسر بن ابی ارطاة کو حجازیوں سے اپنی بیعت

لینے پر مامور کیا۔ حضرت ابو ایوب انصاریؓ حضرت علیؓ کی جانب سے مدینہ کے حاکم تھے۔ انہوں نے شامیوں کا رخ مدینہ کی طرف دیکھا تو حرم نبویؐ کی حرمت کے خیال سے مدینہ چھوڑ کر کوفہ چلے گئے۔

مدینہ پہنچنے کے بعد بسر نے منبر پر چڑھ کر اعلان کیا کہ ہمارے شیخ عثمان کہاں ہیں؟ خدا کی قسم اگر میں معاویہؓ سے عہد نہ کر چکا ہوتا، تو مدینہ میں ایک بھی جوان زندہ نہ چھوڑتا۔ جب تک تم لوگ جابر بن عبد اللہ کو میرے حوالے نہ کرو گے، اس وقت تک تم پر اس کے دروازے بند رہیں گے۔ جابر بن عبد اللہ نے یہ اعلان سنا تو چھپ کر اُم سلمہؓ کے پاس پہنچے اور عرض کیا کہ اگر امیر معاویہ کی بیعت کرتا ہوں تو گمراہی کی بیعت ہے اور اگر نہیں کرتا تو جان جانی ہے۔ حضرت اُم سلمہؓ نے بیعت کر لینے کا مشورہ دیا اور ان کے مشورہ پر انہوں نے بیعت کر لی۔

بسر نے اہل مدینہ کے دلوں میں خوف پیدا کرنے کے لئے بعض گھروں کو ڈھا دیا۔ یہاں سے فارغ ہونے کے بعد مکہ پہنچے۔ یہاں حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ اس کے ظلم و جور سے بہت گھبرائے۔ لیکن اس نے اطمینان دلایا کہ میں کسی صحابی کو قتل نہ کروں گا۔

مکہ کے معاملات درست کرنے کے بعد یہاں سے یمن کی طرف بڑھا۔ یہاں کے عامل عبید اللہ بن عباسؓ کو خبر ہوئی، تو وہ عبد اللہ بن عبد المدا ان کو اپنا قائم مقام بنا کر کوفہ چلے گئے۔ بسر نے یمن پہنچ کر پہلے عبد اللہ کا کام تمام کیا، پھر تمام شیعین علیؓ کے قتل عام کا حکم دیا۔ عبید اللہ بن عباس کے دو صغیر اسن بچے بھی یمن میں تھے، لیکن بسر کے ظلم و جور سے یہ معصوم بھی زندہ نہ بچے۔ یمن میں سکھانے کے بعد یہ ستم شعار سنگدل شام لوٹ گیا۔

حضرت علیؓ کو اس کی ستم آرائیوں کی اطلاع ملی تو آپ نے جاریہ بن قدامہ اور وہب بن مسعود کو اس کے مقابلہ کے لئے بھیجا۔ اس وقت بسر نجران میں تھا۔ اس لئے یہ دونوں سیدھے نجران آئے۔ بسر نکل کر بھاگا اور جاریہ اور وہب نے انتقام میں بہت سے عثمانیوں کو قتل کرا کے ان کے گھروں میں آگ لگوا دی اور بسر کا تعاقب کرتے ہوئے مکہ پہنچے اور یہاں کے باشندوں سے حضرت علیؓ کی بیعت لے کر پھر مدینہ جا کر بیعت لی۔

اس مسلسل خانہ جنگی سے گھبرا کر حضرت علیؓ اور امیر معاویہؓ نے ۴۰ھ میں صلح کر لی۔ اس صلح کی رو سے شام کا علاقہ امیر معاویہؓ کو ملا اور عراق حضرت علیؓ کے حصہ میں رہا اور یہ شرط قرار پائی کہ دونوں میں سے کوئی ایک دوسرے کے علاقہ میں دست اندازی نہ کرے گا۔

امیر معاویہؓ پر قاتلانہ حملہ :

ان پیہم خانہ جنگیوں اور کشت و خون سے مسلمانوں کی ایک جماعت کو خیال پیدا ہوا کہ امت اسلامیہ کی خونریزی اور اس کے افتراق و پراگندگی کی ساری ذمہ داری معاویہؓ، عمرو بن العاصؓ اور علیؓ کے سر ہے۔ اس لئے اگر تینوں کا قصہ پاک کر دیا جائے تو مسلمانوں کو اس مصیبت عظمیٰ سے نجات مل جائے گی۔ چنانچہ برک بن عبد اللہ، ابن ملجم اور عمرو بن بکر نے علی الترتیب تینوں اشخاص کے قتل کرنے کا بیڑا اٹھایا، اور ایک ہی شب میں اپنے شکار پر خفیہ حملہ آور ہوئے۔

ابن ملجم نے حضرت علیؓ کو شہید کر دیا۔ عمرو بن بکر، عمرو بن العاصؓ پر حملہ آور ہوا۔ اس دن ان کے بجائے دوسرا شخص نماز پڑھانے کے لئے نکلا تھا، ان کے دھوکے میں وہ مارا گیا اور عمرو بن العاصؓ بچ گئے۔ برک بن عبد اللہ نے امیر معاویہؓ پر حملہ کیا اور وہ زخمی ہوئے، حاجب و دربان ساتھ تھے، قاتل فوراً گرفتار کر کے اسی وقت قتل کر دیا گیا اور امیر معاویہؓ علاج سے شفا یاب ہو گئے۔ اسی دن سے انہوں نے اپنی حفاظت کے لئے مسجد میں مقصورہ بنوایا۔ اور رات کی حفاظت کے لئے ایک دستہ مقرر کیا۔

حضرت حسنؓ کا استخلاف :

حضرت علیؓ کی شہادت کے بعد حضرت امام حسنؓ خلیفہ ہوئے۔ آپ کے ساتھ جو واقعات پیش آئے اور جس طرح آپ معاویہؓ کے حق میں خلافت سے دستبردار ہوئے اس کے تفصیلی حالات اوپر گزر چکے ہیں۔

اس صلح کے بعد امیر معاویہؓ سارے عالم اسلامی کے مسلمہ خلیفہ ہو گئے۔ لیکن ابھی ان کے دوسرے حریف خارجی جابجا شورش برپا کئے ہوئے تھے۔ اس لئے امیر معاویہؓ نے امام حسنؓ سے مصالحت کے بعد ان کی طرف توجہ کی، اور عرصہ تک قلع قمع کرتے رہے۔ ان لڑائیوں کی تفصیل لا حاصل ہے۔ اس لئے انہیں قلم انداز کیا جاتا ہے۔

حضرت عثمان غنیؓ کی شہادت کے وقت سے حضرت حسنؓ کی دستبرداری تک پیہم خانہ جنگیوں کی وجہ سے نظام خلافت درہم برہم ہو گیا تھا۔ ملک کے مختلف حصوں میں جابجا شورشیں برپا

۱۔ وہ چھوٹا سا قبہ نما حجرہ جس میں نماز کے وقت خلفاء بیٹھا کرتے تھے۔ اس کی ابتداء امیر معاویہؓ نے کی۔ ان کے بعد دوسرے خلفاء نے بھی حفاظت کے خیال سے اس کو قائم رکھا۔

ہو رہی تھی۔ اس لئے امیر معاویہؓ نے خارجیوں کی سرکوبی کے ساتھ امن و امان کے قیام کی طرف توجہ کی۔ اس سلسلہ میں سرحدی علاقوں میں بہت سی فتوحات بھی ہوئیں۔

ہراة وغیرہ کی بغاوت :

۳۱ھ میں بلخ، ہراة، بوشخ اور باذغیس میں بغاوت رونما ہوئی۔ مشرقی ممالک کے والی عبداللہ بن عامر نے ان بغاوتوں کے تدارک کے لئے قیس بن یثیم کو خراساں کی ولایت پر مامور کیا۔ چنانچہ یہ خراساں سے بلخ پہنچے اور یہاں کے باشندوں سے اطاعت قبول کرا کے بلخ کے مشہور تشکدہؓ کو بہار کو سمار کر دیا۔ ان کے بعد عبداللہ بن حازم نے ہراة، بوشخ اور باذغیس والوں کو مطیع بنایا۔

کابل کی بغاوت :

کابل اور اس کا محققہ علاقہ حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں فتح ہو چکا تھا۔ ۳۳ھ میں یہاں کے باشندوں نے بغاوت برپا کی۔ عبداللہ بن عامر نے عبدالرحمن بن سمرہ کو بھجستان کا حاکم بنا کر بغاوت کے فرو کرنے پر مامور کیا۔ چنانچہ یہ بھجستان سے چل کر باغیوں کی سرکوبی کرتے ہوئے کابل پہنچے اور کابل کا محاصرہ کر کے آتش باری کے ذریعہ شہر پناہ کی دیواریں شق کر دیں۔ عباد بن حصین رات بھر شکاف کی نگرانی کرتے رہے کہ دشمن اس کو نہ نہ کر دیں۔ صبح کو شہر والوں نے میدان میں نکل کر مقابلہ کیا مگر شکست کھائی اور مسلمان شہر میں داخل ہو گئے۔ یہ ابن اثیر کا بیان ہے۔ یعقوبی کے بیان کے مطابق خود شہر پناہ کے دربان نے رشوت لے کر دروازہ کھول دیا تھا۔

زران اور غزنہ کی فتوحات :

کابل کی بغاوت فرو کرنے کے بعد مسلمانوں نے بست کو فتح کیا، پھر زران کی طرف بڑھے۔ یہاں کے باشندوں نے ان کا رخ دیکھ کر پہلے سے شہر خالی کر دیا تھا۔ اس لئے یہاں جنگ کی نوبت نہیں آئی اور زاران سے ملخارستان کی طرف بڑھے۔ یہاں کے باشندوں نے بھی سپر ڈال دی۔ زاران کے بعد رنج کا رخ کیا اور یہاں کے باشندوں کو ایک سخت معرکہ کے بعد فاش شکست دے کر پھر غزنہ کی طرف چلے۔ غزنویوں نے پورا مقابلہ کیا، مگر ناکام رہے اور بھجستان سے لے کر غزنہ تک پورا علاقہ مسلمانوں کے زیر نگیں ہو گیا۔

غور کی بغاوت :

۴۷ھ میں غور کے باشندوں نے مرتد ہو کر بغاوت برپا کر دی۔ اس کی بغاوت کو حکم بن عمرو غفاری نے فرو کر کے بہت ممال غنیمت حاصل کیا۔

کوہستانی خراسان کی فتوحات :

۵۳ھ میں عبید اللہ بن زیاد خراسان کا والی بنایا گیا۔ اس وقت اس کی عمر کل ۲۵ سال کی تھی۔ لیکن اس نو عمری کے باوجود خراسان کے دشوار گزار کوہستانی علاقہ کو اُونٹ کے ذریعہ عبور کر کے رامنہ، نسف اور بیکند پر اسلامی پرچم لہرایا۔ اس جنگ میں ترکوں کی ملکہ ساتھ تھی۔ اس کی ایک جوتی چھوٹ گئی تھی، جو مسلمانوں کے ہاتھ لگی۔ اس کی قیمت کا اندازہ دو لاکھ درہم تھا۔

ترکستان کی فتوحات :

عبید اللہ کے بعد سعید بن عثمانی کا تقرر ہوا۔ یہ مع فوج کے جنون کو عبور کر کے قیق خاتون کی طرف بڑھے۔ اس کو ایک مرتبہ مسلمانوں کے مقابلہ کا تجربہ ہو چکا تھا، اس لئے اس مرتبہ صلح کر لی۔ لیکن ترک، سفد، کش اور نسف کے باشندے ایک لاکھ بیس ہزار کی تعداد میں مقابلہ کے لئے نکلے۔ بخاری میں دونوں کا مقابلہ ہوا۔

اس وقت قیق خاتون کو صلح کر لینے پر ندامت ہوئی اور اس نے معاہدہ توڑ دیا۔ مگر ایک ترک غلام ان لوگوں کا ساتھ چھوڑ کر اپنی جماعت لے کر چلا گیا۔ اس کے چلے جانے سے باقی لوگوں میں بددلی اور کمزوری پیدا ہو گئی۔ قیق خاتون نے ان ہی لوگوں کے بل پر صلح توڑی تھی۔ اس لئے ان کی پراگندگی کے بعد پھر صلح کر لی اور سعید بخاری میں داخل ہو گئے۔ بخارا کے بعد سعید سمرقند کی طرف بڑھے۔ اس پیش قدمی میں قیق خاتون نے مسلمانوں کی امداد کی۔

سمرقند پہنچ کر سعید نے باب سمرقند پر فوجیں ٹھہرائیں اور قسم کھائی کہ جب تک اس کو فتح نہ کر لیں گے، اس وقت تک نہ ٹھہریں گے۔

تین دن تک اہل سمرقند کا مقابلہ کرتے رہے۔ تیر اندازی کا مقابلہ تھا۔ تیسرے دن اس شدت سے جنگ ہوئی کہ سعید عثمانی اور مہلب بن ابی صفرة کی ایک آنکھ تیر کے صدمہ سے ضائع ہو گئی۔ سمرقند والے بھی بہت زخمی ہوئے۔ لیکن شہر سے باہر نہ نکلے۔

اسی درمیان میں ایک شخص نے آکر اس محل کا راستہ بتا دیا، جس میں شہزادے اور عمائد شہر قیام پذیر تھے۔ مسلمانوں نے اس کا محاصرہ کر لیا۔ جب اہل شہر کو یقین ہو گیا کہ شہر مسلمانوں کے قبضہ سے نہیں بچ سکتا اور اس صورت میں زیادہ کشت و خون ہوگا تو انہوں نے ان شرائط پر صلح کر لی کہ اہل سمرقند سات لاکھ درہم سالانہ خراج دیں گے اور نقص عہد کے خطرہ کے انسداد کے لئے مسلمان عمائد سمرقند کے چند لڑکے بطور ضمانت لیں گے اور ایک مرتبہ سمرقند کے ایک دروازہ سے داخل ہو کر دوسرے دروازے سے نکل جائیں گے۔ اس صلح کے بعد ترمذ کی طرف بڑھے، لیکن یہاں کے باشندوں نے بلا مقابلہ صلح کر لی۔

سندھ کی فتوحات :

حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کے زمانہ میں سندھ پر حملہ ہو چکا تھا۔ ۴۴ھ میں مہلب بن ابی صفرة ملتان اور کابل کے درمیان بند اور اہواز کی طرف بڑھے اور دشمنوں سے مقابلہ کیا۔ پھر قیقان (کوکن) کا رخ کیا۔ یہاں ترک شہسواروں سے مقابلہ ہوا۔ ان سب کو مسلمانوں نے قتل کر دیا۔ اس کے بعد عبداللہ بن عامر نے عبداللہ بن سوار عبدی کو یہاں کے اسلامی مقبوضات اور ہندوستان کی سرحد کا حاکم مقرر کیا۔ انہوں نے قیقان پر حملہ کر کے مال غنیمت حاصل کیا۔ ان میں مشہور قیقانی گھوڑے بھی تھے۔ عبداللہ سوار یہ تحائف لے کر امیر معاویہؓ کے پاس گئے اور کچھ دن قیام کر کے قیقان آئے، لیکن ترکوں نے ان کو شہید کر دیا۔

ان کے بعد سنان بن سلم ہذلی ان کی جگہ مقرر ہوئے۔ انہوں نے مکران فتح کیا اور قیام کر کے یہاں نظام حکومت قائم کیا۔ ان کے بعد راشد بن عمرو ازدی حاکم ہوئے۔ انہوں نے مکران ہوتے ہوئے پھر قیقان پر حملہ کیا اور فتح یاب ہونے کے بعد مید پر حملہ آور ہوئے۔ اس حملہ میں یہ کام آگئے۔ ان کے قتل ہونے کے بعد سنان بن سلمہ ان کے قائم مقام ہوئے۔ یہ یہاں دو سال تک مقیم رہے۔ سنان کے بعد عباد بن زیاد بختان کے راستہ سے ہندوستان کی سرحد کی طرف بڑھے اور ساروود کے کنارہ کنارہ ہند مند ہوتے ہوئے کش پنجے، اور پھر رود کو پار کر کے قندھار پر حملہ کیا۔ قندھاریوں نے مقابلہ کیا اور بہت سے مسلمانوں کی قربانی کے بعد قندھار فتح ہو گیا۔

قندھار کی فتح کے بعد زیاد نے منذر بن جارود کو سرحد کا حاکم مقرر کیا۔ انہوں نے بوقان اور قیقان پر حملہ کر کے سارے علاقہ میں فوجیں پھیلا دیں۔ قصدار کو سنان فتح کر چکے تھے۔ لیکن اہل

۱۔ بلاذری۔ ص ۴۷ طبری کا بیان اس سے مختلف ہے۔

قصداً باغی ہو گئے تھے۔ اس لئے منذر نے دوبارہ اس کو فتح کیا۔ ان کے بعد حری بن حری باہلی حاکم ہوئے۔ انہوں نے بڑی بڑی معرکہ آرائیوں کے بعد بہت سی آبادیاں تسخیر کیں اور سند کے بڑے علاقہ پر اسلامی پھریرا لہرایا۔

رومیوں سے معرکہ آرائیاں :

امیر معاویہؓ کے عہد میں مغربی قوموں سے نبرد آزمائیاں ہوئیں اور شہنشاہ روم کے بہت سے ایشیائی اور یورپی مقبوضات پر اسلامی علم نصب ہوا۔ امیر معاویہؓ کی مستقل خلافت کے بعد سب سے پہلے ۴۲ھ میں رومیوں سے مقابلہ ہوا۔ رومیوں نے فاش شکست کھائی اور ان کے بطریقوں کی بڑی تعداد کام آئی۔

بحری لڑائیاں :

پھر ۴۴ھ میں حضرت خالد بن ولیدؓ کے صاحبزادے عبدالرحمن نے رومیوں سے متعدد کامیاب معرکہ آرائیاں کیں اور بسر بن ابی ارطاة بحر روم میں اسلامی بیڑے دوڑاتا رہا۔ پھر ۴۹ھ میں مالک بن ہبیرہ رومیوں سے نبرد آزمایا ہوئے اور فضالہ بن عبید نے خرہ فتح کر کے بہت سا مال غنیمت حاصل کیا۔ پھر یزید شجر رہاوی نے بحری تاخت کی۔

۴۸ھ میں عقبہ بن عامر مصری فوج کے ساتھ بحری مہموں میں مشغول رہے، لیکن ان مہموں کی حیثیت فاتحانہ نہ تھی۔ بلکہ زیادہ تر رومیوں کو دھمکانہ اور آئندہ مستقل حملوں کے لئے مناسب مواقع کی تلاش اور اپنی مدافعت مقصود تھی۔

قسطنطنیہ پر حملہ :

امیر معاویہؓ اور رومیوں کی لڑائی میں قسطنطنیہ پر حملہ تاریخی اہمیت رکھتا تھا۔ اس زمانہ میں قسطنطنیہ کل مشرقی یورپ کا مرکز تھا۔ اس پر ضرب پڑنے سے پورے مشرقی یورپ پر اثر پڑتا تھا۔ امیر معاویہؓ کو بحری بیڑے کا بڑا شوق تھا۔ ان کے اسی شوق کی بدولت ان کے عہد میں بحر روم اسلامی بیڑوں کا جولانگاہ بن گیا تھا۔ امیر معاویہؓ یہ چاہتے تھے کہ بحر روم کے تمام جزائر پر قبضہ کر کے بحر روم کے اس حصہ کو جو اناطولیہ، شام اور مصر سے گھرا ہوا ہے، بالکل محفوظ کر دیں، تاکہ افریقہ اور ایشیا کے وہ مقبوضات جو بحر روم کے ساحلی علاقہ پر ہیں۔ رومیوں کے حملوں سے محفوظ ہو جائیں۔

اس سلسلہ میں انہوں نے ۳۹ھ میں بڑے ساز و سامان کے ساتھ ایک لشکر جرار سفیان بن عوفؓ کی ماتحتی میں قسطنطنیہ روانہ کیا۔ اس میں حضرت ابویوب انصاریؓ، عبد اللہ بن عمرؓ اور عبد اللہ بن عباسؓ جیسے اکابر صحابہ شامل تھے، تاکہ آنحضرت ﷺ کی اس بشارت کے مطابق کہ ”کیا اچھی وہ فوج ہوگی، اور کیا اچھا وہ امیر ہوگا، جو ہر قل کے شہر پر حملہ آور ہوگا“۔ قسطنطنیہ کے حملہ میں شرکت کی سعادت حاصل کر سکیں۔

غرض یہ بیڑا بحر روم کی موجوں سے کھیلتا ہوا باسفورس میں داخل ہوا۔ قسطنطنیہ رومیوں کا بڑا مرکز تھا، اس لئے ان لوگوں نے پوری مدافعت کی اور مسلمانوں سے بڑی زبردست جنگ ہوئی۔ عبد العزیز بن زرارہ کلبی کا جوش شہادت اتنا بڑھا ہوا تھا کہ وہ رجز پڑھتے جاتے تھے اور شہادت کی تمنا میں آگے بڑھتے جاتے تھے، لیکن ناکام رہتے تھے۔ جب انہوں نے دیکھا کہ یہ سعادت عظمیٰ ربی جاتی ہے تو بے دھڑک اپنے قریب کی رومی صف میں گھستے چلے گئے اور رومیوں نے نیزوں سے چھید کر شہید کر دیا۔^۱

حضرت ابویوب انصاریؓ نے بھی اسی مہم میں وفات پائی۔ وفات سے پہلے یزید نے پوچھا کہ کوئی وصیت ہو تو ارشاد فرمائیں، اس کی تعمیل کی جائے گی۔ فرمایا دشمن کی سر زمین سے جہاں تک لے جاسکے لے جا کر دفن کرنا، چنانچہ اس وصیت پر عمل کیا گیا اور میزبان رسول ﷺ کی لاش رات کو مشعل کی روشنی میں قسطنطنیہ کی فصیل کے نیچے لے جا کر دفن کی گئی۔^۲

صبح کو رومیوں نے پوچھا تم لوگ رات کو کیا کر رہے تھے؟ مسلمانوں نے جواب دیا کہ اپنے نبی کے ایک بڑے ساتھی کو دفن کر رہے تھے، لیکن یہ یاد رکھو کہ اگر تم نے قبر کھودی تو عرب میں کبھی ناقوس نہ بج سکے گا۔^۳

قسطنطنیہ میں آج تک آپ کا مزار مبارک زیارت گاہ خلّاق ہے۔ ”ترجمان حقیقت“ نے اسی تاریخی حقیقت کو ان اشعار میں بیان کیا ہے :

ترتِ ابوب انصاریؓ سے آتی ہے صدا اے مسلمان ملتِ اسلام کا دل ہے یہ شہر
سینکڑوں صدیوں کے کشت و خون کا حاصل ہے یہ شہر

۱۔ طبری کے بیان کے مطابق یزید بن محاذ یہ اس فوج کا امیر تھا۔ جلد ۷۔ ص ۸۶

۲۔ ابن اثیر۔ جلد ۳۔ ص ۱۸۲

۳۔ استیعاب۔ جلد ۲۔ ص ۶۳۸

۴۔ اسد الغابہ۔ جلد ۵۔ ص ۱۳۳-۱۳۴

امیر معاویہؓ کے زمانہ میں کوئی سال رومیوں کے ساتھ نیردا آزمائی سے خالی نہیں گیا۔ ہر موسم گرما میں جب موسم اعتدال پڑتا تھا، مسلمان کبھی ایشیا اور کبھی یورپ میں ان سے مقابلہ کرتے تھے۔ ان کے عہد میں بحر روم کے متعدد جزیرے اسلام کے زیر نگیں ہوئے۔

روڈس کی فتح :

اس سلسلہ میں سب سے اول ۵۳ھ میں جنادہ بن ابی امیہ نے روڈس پر حملہ کیا۔ روڈس بحر روم اناطولیہ کے قریب مغرب میں نہایت سرسبز و شاداب جزیرہ ہے۔ زیتون، انگور اور ہر قسم کے پھل یہاں بکثرت ہوتے تھے۔ جنادہ بن ابی امیہ نے ۵۳ھ میں اس کو فتح کیا، اور امیر معاویہؓ نے یہاں بہت سے مسلمان آباد کئے۔

ارواڈ کی فتح :

پھر ۵۴ھ میں ایک دوسرے جزیرہ ارواڈ کو جو قسطنطنیہ کے قریب ہے فتح کیا۔ امیر معاویہؓ نے یہاں بھی مسلمانوں کی نو آبادی قائم کی۔ ارواڈ کی فتح میں جنادہ کے ساتھ مجاہد کی کوششیں بھی شریک تھیں۔ اسی زمانہ میں صقلیہ پر بھی حملہ ہوا، لیکن فتح نہ ہو سکا اور عباسیوں نے یہاں علم نصب کیا۔

یزید کی ولی عہدی :

مغیرہ بن شعبہ، امیر معاویہؓ کے بڑے ہمدرد و خواہ تھے۔ انہوں نے ان کے سامنے یزید کی ولی عہدی کی تجویز پیش کی۔ امیر معاویہؓ نے اس قیصری اور کسروی بدعت کو بہت پسند کیا۔ لیکن اسے عملی جامہ پہنانے میں چند در چند مذہبی اور پولیٹیکل دقتیں حائل تھیں۔ اسلام کا نظام شوریٰ پر ہے۔ خلفاء، اکابر مہاجرین و انصار کے مشورے سے منتخب ہوتے تھے۔ اس لئے مسلمان موروثی بادشاہت سے بالکل نا آشنا تھے۔

گو اس زمانہ میں اکابر صحابہ کی بڑی جماعت اٹھ چکی تھی، تاہم بعض جانشین بساط نبوت موجود تھے۔ اس لئے قطع نظر توارث کی بدعت کی صلاحیت اور اہلیت کے اعتبار سے بھی ان صحابہ کے ہوتے ہوئے خلافت کے لئے یزید کا نام کسی طرح نہیں لیا جاسکتا تھا، اور گو عہد رسالت کے بعد اور نظام خلافت کی برہمی کی وجہ سے مسلمانوں کا مذہبی جذبہ کسی حد تک سرد پڑ چکا تھا۔ تاہم ابھی خلافت راشدہ کے نظام کو دیکھنے والے موجود تھے اور عجمی شاہ پرستی ان میں پیدا نہ ہوئی تھی اور اتنے کھلے ہوئے

خطا و ثواب میں حق و باطل کی تمیز باقی تھی کہ یزید کا نام خلافت کے لئے پیش کیا جاتا اور مسلمان اس کو آسانی سے قبول کر لیتے۔

اس لئے امیر معاویہؓ کو پہلے اس تجویز کو عملی جامہ پہنانے میں تاہل ہوا۔ لیکن پھر کچھ یزید کی محبت اور کچھ اپنے نزدیک مسلمانوں کو خانہ جنگی سے بچانے اور ان کی مرکزیت کو مستحکم کرنے کے خیال سے تمام پہلوؤں اور دشواریوں کو نظر انداز کر کے یزید کی ولی عہدی کا فیصلہ کر لیا۔

اس وقت مذہبی اور پولیٹیکل حیثیت سے مسلمانوں کے تین مرکز تھے۔ جن کی رضامندی پر انتخاب خلیفہ کا دار و مدار تھا۔ مذہبی حیثیت سے حجاز اور پولیٹیکل حیثیت سے کوفہ اور بصرہ۔ امیر معاویہؓ نے ولی عہد کے فیصلہ کے بعد ان تینوں مقاموں میں یزید کی ولی عہدی کی بیعت کی ذمہ داری علی الترتیب مروان بن حکم، مغیرہ بن شعبہ اور زیاد بن ابی سفیان کے سپرد کی۔ مغیرہ اور زیاد نے حسن تدبیر سے کوفہ اور بصرہ کو درست کر لیا اور یہاں کے عمائد کے خود نے امیر معاویہؓ کے پاس جا کر یزید کی ولی عہدی تسلیم کر لی۔

قلب اسلام حجاز تھا۔ اگرچہ اس وقت یہاں بھی عہد رسالت کی بہار ختم اور مذہبی روح مضحک ہو چکی تھی۔ اکابر صحابہؓ اٹھ چکے تھے۔ جو باقیات الصالحات رہ گئے تھے، وہ بھی گمناں گوشوں میں پڑے تھے۔ لیکن ان بزرگوں کی اولادیں جنہیں خود بھی شرفِ صحبت حاصل تھا، موجود تھے اور ان میں حق گوئی اور صداقت کا جوہر پورے طور پر موجود تھا۔ ان میں عبداللہ بن عمرؓ، عبداللہ بن زبیرؓ، حضرت حسینؓ اور عبدالرحمن بن ابی بکرؓ نمایاں شخصیت رکھتے تھے۔ خصوصاً اول الذکر تینوں بزرگ اپنے اسلاف کرام کا نمونہ تھے۔

اس لئے جب مروان نے ان کے سامنے یزید کی ولی عہدی کا مسئلہ پیش کیا اور کہا کہ امیر المومنین معاویہؓ چاہتے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ و حضرت عمر فاروقؓ کی طرح اپنے لڑکے یزید کو خلافت کے لئے نامزد کر جائیں۔ تو عبدالرحمنؓ نے برملا ٹوکا کہ یہ ابوبکرؓ و عمرؓ کی سنت نہیں بلکہ کسریٰ کی سنت ہے۔ ان دونوں میں سے کسی نے بھی اپنے لڑکے کو ولی عہد نہیں بتایا۔ بلکہ اپنے خاندان کو اس سے دور رکھا۔ ان کے بعد اور تینوں بزرگوں نے بھی اس سے اختلاف کیا۔ مروان نے یہ رنگ دیکھا تو امیر معاویہؓ کو اس کی اطلاع دی۔ چنانچہ یہ خود آئے اور مکہ مدینہ والوں سے بیعت کا مطالبہ کیا۔ اس بارے میں کہ معاویہؓ نے بیعت کے لئے کیا طریقہ اختیار کیا تھا مورخین کے بیانات مختلف ہیں۔

طبری کی روایت ہے کہ ان کے آنے کے بعد ابن عمرؓ، ابن زبیرؓ، ابن عباسؓ، ابن ابی بکرؓ اور حسینؓ کے علاوہ سب ہی نے بیعت کر لی۔ بیعت عام کے بعد پھر انہوں نے فرداً فرداً سب سے نہایت نرمی و ملاحظت کے ساتھ کہا کہ تم پانچوں کے سوا سب نے بیعت کر لی ہے اور تمہاری قیادت میں یہ چھوٹی جماعت مخالفت کر رہی ہے۔

ان کے اس اعتراض پر ان لوگوں نے جواب دیا کہ اگر عامہ مسلمین بیعت کر لیں گے تو ہمیں بھی کوئی عذر نہ ہوگا۔ اس جواب پر امیر معاویہؓ نے پھر ان سے کوئی اصرار نہیں کیا۔ البتہ عبدالرحمن بن ابی بکرؓ سے سخت گفتگو ہو گئی۔^۱

ابن اثیر کا بیان ہے کہ جب امیر معاویہؓ نے ان لوگوں کو بلا بھیجا، تو انہوں نے امیر معاویہؓ سے گفتگو کرنے کے لئے ابن زبیرؓ کو اپنا نمائندہ بنایا۔ معاویہؓ نے ان سے کہا کہ میرا جو طرز عمل تم لوگوں کے ساتھ ہے اور جس قدر تمہارے ساتھ صلہ رحمی کرتا ہوں اور تمہاری جتنی باتیں برداشت کرتا ہوں، وہ سب تم کو معلوم ہیں۔

یزید تمہارا بھائی اور ابن عمرؓ ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ تم لوگ اس کو صرف خلیفہ کا لقب دے دو۔ باقی اعمال کا عزل و نصب، خراج کی تحصیل و وصول اور اس کا صرف تم لوگوں کے اختیار میں ہوگا، اور وہ اس میں مطلق مزاحمت نہ کرے گا۔ اس پر ابن زبیرؓ نے کہا کہ آنحضرت ﷺ سے لے کر عمرؓ تک جو طریقے انتخاب خلیفہ کے تھے، ان میں جو بھی آپ اختیار کریں، اس کے قبول کرنے کے لئے ہم تیار ہیں۔ باقی ان کے علاوہ اور کوئی جدید طریقہ قبول نہیں کر سکتے۔

امیر معاویہؓ نے یہ جواب سنا تو ان سب کو دھمکا کر بیعت لے لی، اور ان کو عام مسلمانوں کے سامنے لا کر کہا کہ یہ لوگ مسلمانوں کے سربراہ اور وہ اشخاص ہیں، انہوں نے بیعت کر لی ہے۔ اس لئے اب تم لوگوں کو بھی توقف نہ کرنا چاہئے۔ امیر معاویہؓ کے اس کہنے پر یہ لوگ خاموش رہے، اس لئے عوام نے بھی بیعت کر لی۔^۲

غرض کسی نہ کسی طرح ۵۶ھ میں امیر معاویہؓ نے یزید کی بیعت لے کر نظام خلافت کا خاتمہ کر دیا۔

۱۔ طبری۔ جلد ۷۔ ص ۱۷۷ ۲۔ ابن اثیر۔ جلد ۳۔ ص ۲۲۳ اس موقع پر ہم نے ابن زبیرؓ اور معاویہؓ کی گفتگو کا خلاصہ لکھا ہے۔ انشاء اللہ تفصیلی گفتگو ابن زبیرؓ کے حالات میں لکھی جائے گی۔ ابن اثیر نے یہ واقعہ ۵۶ھ میں لکھا ہے، جو صحیح نہیں ہے۔ اس لئے کہ مغیرہ بن شعبہ کا انتقال بالاتفاق ۵۰ھ میں ہو چکا تھا۔

امیر معاویہؓ کی آخری تقریر اور علالت :

۵۹ھ میں امیر معاویہؓ مرض الموت میں مبتلا ہوئے۔ عرصہ سے ان کے قویٰ مضحل ہو چکے تھے۔ طاقت جسمانی جواب دے چکی تھی۔ اس لئے مرض الموت سے پہلے وہ اکثر موت کے منتظر رہا کرتے تھے۔ چنانچہ بیماری سے کچھ دنوں پہلے انہوں نے حسب ذیل تقریر کی تھی :

”لوگوں میں اس کھیتی کی طرح ہوں جو کٹنے کے لئے تیار ہو۔ میں نے تم لوگوں پر اتنی طویل مدت تک حکومت کی کہ میں اس سے تھک گیا اور غالباً تم بھی تھک گئے ہو گے۔ اب مجھے تم سے جدا ہونے کی تمنا ہے اور غالباً تم کو بھی یہی آرزو ہوگی۔ میرے بعد آنے والا مجھ سے بہتر نہ ہوگا، جیسا کہ میں اپنے پیشرو سے بہتر نہیں ہوں۔ کہا جاتا ہے کہ جو شخص خدا سے ملنے کی تمنا کرتا ہے، خدا بھی اس سے ملنے کا متمنی رہتا ہے۔ اس لئے خدایا ! اب مجھ کو تجھ سے ملنے کی آرزو ہے، تو بھی آغوش پھیلا دے اور ملاقات میں برکت عطا فرما۔“ اس تقریر کے چند ہی دنوں کے بعد بیمار پڑے۔

اس وقت عمر کی اہتر (۷۸) منزلیں طے کر چکے تھے۔ وقت آخر ہو چکا تھا۔ اس لئے علاج و معالجہ سے کوئی فائدہ نہیں ہوا۔ روز بروز حالت گرتی گئی۔ اسی حالت میں ایک دن حمام کیا، جسم زار پر نظر پڑی تو بے اختیار آنسو نکل آئے اور یہ شعر زبان پر جاری ہو گیا :

ای الیالیٰ سرعت فی نفقتی اخذن بعضی و ترکن بعضی

لیکن اس وقت بھی حاکمانہ تیور نہ بدلے اور آن بان میں فرق نہ آنے دیا۔ چنانچہ جب مرض زیادہ بڑھا اور لوگوں میں اس کا چرچا ہونے لگا تو ایک دن تیل اور سرمہ وغیرہ لگا کر سنبھل کے بیٹھے اور لوگوں کو طلب کیا۔ حاضر ہوئے اور کھڑے کھڑے مل کر واپس گئے۔ لوگ اس آن بان میں دیکھ کر کہنے لگے کہ معاویہؓ تو بالکل صحیح و تندرست ہیں۔

یزید کو وصیت :

جب حالت زیادہ نازک ہوئی، تو یزید کو بلا کر کہا کہ ”جان پدر میں نے تمہاری راہ کے تمام کانٹے ہٹا کر تمہارے لئے راستہ صاف کر دیا ہے اور دشمنوں کو زیر کر کے

۱۔ ابن اثیر۔ جلد ۴۔ ص ۲۲۲ ۲۔ اس وصیت کے متعلق مورخین میں اختلاف ہے۔ بعض لکھتے ہیں کہ معاویہؓ نے یزید کو خود بلا کر وصیت کی تھی اور بعض کے نزدیک یزید اس وقت موجود نہ تھا۔ اس لئے اپنے ندیم خاص ضحاک بن قیس فہری کو لکھوا دی تھی کہ وہ ان کے بعد یزید کے حوالے کر دے۔

سارے عرب کی گردنیں جھکا دیں ہیں اور تمہارے لئے اتنا مال جمع کر دیا ہے کہ اس سے پہلے کسی نے جمع نہ کیا ہوگا۔

اب میں تم کو وصیت کرتا ہوں کہ اہل حجاز کا ہمیشہ خیال رکھنا کہ وہ تمہاری اصل بنیادیں ہیں۔ اس لئے جو حجازی تمہارے پاس آئے اس سے حسن سلوک سے پیش آنا اور اس کی پوری عزت کرنا اور احسان کرنا اور جو نہ آئے اس کی خبر گیری کرتے رہنا۔ عراق والوں کی ہر خواہش پوری کرنا، حتیٰ کہ اگر وہ روزانہ عاملوں کی تبدیلی کا مطالبہ کریں تو بھی پورا کرنا۔ کیونکہ عاملوں کا تبادلہ تلوار کے بے نیام ہونے سے زیادہ بہتر ہے۔

شامیوں کو اپنا مشیر کار بنانا اور ان کا خیال ہر حال میں مد نظر رکھنا، اور جب تمہارا کوئی دشمن تمہارے مقابلہ میں کھڑا ہو تو ان سے مدد لینا، لیکن کامیابی کے بعد ان کو فوراً واپس بلا لینا۔ کیونکہ اگر یہ لوگ وہاں زیادہ مقیم رہیں گے تو ان کے اخلاق بدل جائیں گے۔

سب سے اہم معاملہ خلافت کا ہے۔ اس میں حسینؑ بن علیؑ، عبد اللہ بن عمرؓ، عبد الرحمن بن ابی بکرؓ اور عبد اللہ بن زبیرؓ کے علاوہ اور کوئی تمہارا حریف نہیں ہے۔ لیکن عبد اللہ بن عمرؓ سے کوئی خطرہ نہیں۔ انہیں زہد اور عبادات کے علاوہ کسی چیز سے واسطہ نہیں ہے، اس لئے عامہ مسلمین کی بیعت کے بعد ان کو بھی کوئی عذر نہ ہوگا۔ عبد الرحمن بن ابی بکرؓ میں کوئی ذاتی ہمت اور حوصلہ نہیں جو ان کے ساتھی کریں، اس کے وہ بھی پیرو ہو جائیں گے۔

البتہ حسینؑ کی جانب سے خطرہ ہے۔ ان کو عراق والے تمہارے مقابلہ میں لا کر چھوڑیں گے۔ اس لئے جب وہ تمہارے مقابلہ میں آئیں اور تم کو ان پر قابو حاصل ہو جائے، تو درگزر سے کام لینا۔ کیونکہ وہ قرابت دار اور رسول اللہ ﷺ کے عزیز ہیں۔ البتہ جو شخص لومڑی کی طرح داؤدے کر شیر کی طرح حملہ آور ہوگا، وہ عبد اللہ بن زبیرؓ ہے۔ اس لئے اگر وہ صلح کریں تو صلح کر لینا ورنہ موقع اور قابو پانے کے بعد ہرگز نہ چھوڑنا اور ان کے ٹکڑے کر ڈالنا۔^۱

اپنے متعلق وصیتیں :

اس وصیت کے بعد اہل خاندان کو وصیت کی کہ ”خدا کا خوف کرتے رہنا، کیونکہ خدا خوف کرنے والوں کو مصائب سے بچاتا ہے۔ جو خدا سے نہیں ڈرتا، اس کا کوئی مددگار نہیں۔“

۱۔ یہ وصیت طبری اور الفخری کے بیان کا خلاصہ ہے۔ دیکھو طبری۔ جلد ۷۔ ص ۱۹۶۔ ۱۹۷، الفخری۔ ۱۰۲

پھر اپنا آدھا مال بیت المال میں داخل کرنے کا حکم دیا۔ اور تجہیز و تکفین کے متعلق ہدایت کی کہ مجھ کو رسول اللہ ﷺ نے ایک کرتہ مرحمت فرمایا تھا، وہ اسی دن کے لئے محفوظ رکھا ہے اور آپ کے ناخن اور موئے مبارک شیشہ میں محفوظ ہیں۔ مجھے اس کرتے میں کفنانا اور موئے مبارک کو آنکھوں اور منہ کے اندر رکھ دینا۔ شاید خدا اسی کے طفیل میں اور اسی کی برکت سے میری مغفرت فرمادے۔“

وفات :

ان وصیتوں کے بعد عرب کے اس مدبر اعظم نے رجب ۶۰ھ میں جانِ جاں آفرین کے سپرد کی۔ وفات کے بعد ضحاک بن قیس ہاتھوں میں کفن لئے ہوئے باہر آئے اور لوگوں کو ان الفاظ میں وفات کی خبر دی۔

لوگو ! معاویہؓ عرب کی لکڑی اور اس کی دھار تھے۔ خدا نے ان کے ذریعہ سے فتنہ فرو کیا۔ شہروں کو فتح کرایا، اور لوگوں پر انہیں حکمراں بنایا، آج وہ اس دنیا سے اٹھ گئے۔ یہ دیکھو ان کا کفن ہے، اسی میں ہم انہیں لپیٹ کر قبر میں دفن کریں گے، اور ان کا فیصلہ ان کے اعمال پر چھوڑیں گے۔ جو شخص جنازہ میں شرکت کرنا چاہتا ہے وہ آئے۔“ اس اعلان کے بعد تجہیز و تکفین عمل میں آئی۔ ضحاک نے نماز جنازہ پڑھائی اور معاویہؓ دمشق کی زمین میں سپرد خاک کئے گئے۔ مدت حکومت ۱۹ سال تین ماہ۔

حلیہ : حلیہ یہ تھا۔ قد بلند وبالا، رنگہ گورا، سفید ڈاڑھی میں مہندی کا خضاب کرتے تھے۔ امیر معاویہؓ کی متعدد بیویاں تھیں۔ میسوں بنت بحدل، ان کے بطن سے یزید اور ایک بچی اُمّہ رب المشارق تھی۔ دوسری بیوی فاخہ بنت قرظہ تھیں، جن کے بطن سے عبدالرحمن اور عبداللہ تھے۔ معلوم ہوتا ہے کہ عبدالرحمن ان کی زندگی میں مر چکے تھے۔ عبداللہ نہایت بیوقوف اور بزدل آدمی تھا۔ اس لئے وہ نمایاں طور پر کہیں نظر نہیں آتا۔ ان کے علاوہ نائلہ اور کتوہ تھیں، لیکن نائلہ کو طلاق دے دی تھی۔

کارنامہ ہائے زندگی :

امیر معاویہؓ کو جو چیز دوسرے اموی خلفاء سے ممتاز کرتی ہے، وہ ان کی بے نظیر تدبیر و سیاست اور قوتِ نظم تھی۔ امیر معاویہؓ اموی سلسلہ کے سب سے پہلے بادشاہ تھے اور ان ہی کے ہاتھوں بنو امیہ کی بنیاد پڑی تھی۔ اس لئے عام اصول کے اعتبار سے ان کا دور حکومت ابتدائی سادہ اور

غیر مکمل ہونا چاہئے تھا، لیکن اس آغاز کے باوجود ترقی یافتہ حکومت کا ایک مکمل نمونہ تھا۔ ان کے بعد کے آنے والے خلفاء کا دور بعض انفرادی اوصاف و خصوصیات میں تو ان کے دور سے ممتاز ہے، لیکن مجموعی حیثیت سے ان سے کوئی نہ بڑھ سکا۔ امیر معاویہؓ تاریخ اسلام کے سب سے پہلے شخصی فرمانروا تھے۔ اس لئے ان کے عہد میں خلافت راشدہ کا طریق جہان بانی تلاش کرنا بے سود ہے۔

اس لئے ہم کو آئندہ سطور میں صرف ”من حیثیت اول ملوک الاسلام“ ان کے دور حکومت پر نظر ڈالنی ہے کہ ایک دنیاوی بادشاہ کی حیثیت ان کا دور کیسے تھا؟ ان کی مطلق العنانی محدود تھی یا غیر محدود، ان کا نظام حکومت مکمل تھا یا ناقص، ان کا عہد دور فتن تھا یا دور امن و سکون، ان کے زمانہ میں اسلام کو تقویت پہنچی یا ضعف، ان کے عہد میں رعایا تباہ حال رہی یا مرفہ الحال۔

غرض ان کی ”بادشاہت“ کی کمزوری اور حکومت پسندی کے پہلو کو نظر انداز کرنے کے بعد دنیاوی حکمران کی حیثیت سے ان کے عہد کی کامیابی اور ناکامی پر تبصرہ مقصود ہے، اور آئندہ سطور میں اسی حیثیت سے ان کے عہد حکومت پر کسی قدر تفصیل سے روشنی ڈالی جائے گی۔

امیر معاویہؓ کے مشیر کار :

امیر معاویہؓ کو شخصیت پسند فرمانروا تھے، تاہم ان میں ایسی خود سری اور خود رائی نہ تھی، جو ان کو اس عہد کے ارباب فکر و تدبیر کے صلاح و مشورے سے روکتی۔ وہ اس راز سے خوب واقف تھے کہ اتنے بڑے ملک کا نظام تنہا ایک شخص کی رائے سے قائم نہیں رہ سکتا۔ گو کوئی باقاعدہ مجلس شوریٰ نہ تھی، تاہم اس عہد کے بہترین دماغ اور مشاہیر مدبرین عمرو بن العاصؓ، مغیرہ بن شعبہؓ اور زیاد بن ابی سفیان وغیرہ ان کے خاص مشیر کار تھے۔ اور کوئی اہم معاملہ ان لوگوں کے مشورہ کے بغیر انجام نہ پاتا تھا۔ جس کے بعض واقعات اوپر گزر چکے ہیں۔

ملک کی تقسیم صوبوں میں :

ان کے زمانہ میں دولت اسلامیہ مختلف صوبوں میں تقسیم تھی۔ جن پر علیحدہ علیحدہ گورنر ہوتے تھے اور بعض بڑے بڑے صوبہ مثلاً خراساں اور افریقہ متعدد چھوٹے صوبوں پر تقسیم تھے۔ خراسان کے ماتحت کچھ حصہ ترکستان کا اور کامل اور سندھ تک کا علاقہ تھا۔ اسی طرح افریقہ میں تونس، مراکش اور الجزائر وغیرہ سب داخل تھے۔ ان پر ایک گورنر جنرل ہوتا تھا، جو اپنی جانب سے ان ملکوں کے مختلف حصوں پر علیحدہ علیحدہ گورنر مقرر کرتا تھا۔

حکام کے انتخاب میں اوصاف کا لحاظ :

ایک منتظم اور عدل پرور سلطنت کے لئے سب سے زیادہ اہم مسئلہ حکام اور عہدہ داروں کا انتخاب ہے۔ امیر معاویہؓ کے عہد میں تمام ذمہ دار عہدہ داران ہی لوگوں کے سپرد کئے جاتے تھے جو پورے طور پر اس کے لیل ہوتے تھے زیادہ گورنر جنرل عراق خاص اصول کے ماتحت حکام کا انتخاب کرتا تھا۔

محافظ سرحد، افسر پولیس، قاضی اور صائف کے عہدوں کے لئے معمر اور تجربہ کار اشخاص منتخب ہوتے تھے۔ پولیس کے لئے چست، چالاک اور رعب داب کے اشخاص منتخب ہوتے تھے۔ صاحب الحرس (محافظ دستہ کا افسر) کے لئے پاک باز اور پختہ کار آدمی چنے جاتے تھے اور اس عہدہ کا بھی لحاظ کیا جاتا تھا کہ اس کا دامن عوام کی طعنہ زنی اور عیب چینی سے پاک ہو۔ کاتب کا عہدہ نہایت مہتمم بالشان ہے۔ اس کی ادنیٰ لغزش قلم اور تسامح سے نظام حکومت میں خلل پڑ جاتا ہے، اس لئے اس کے انتخاب میں خاص طور پر احتیاط کی جاتی تھی اور اس کے لئے وہی شخص منتخب ہوتا تھا جس کی نگاہ دور بین اور دقیقہ رس ہو۔

اسی کے ساتھ عملی حیثیت سے اپنے کام میں چست اور مستعد ہو، جو روز کا کام روز پورا کر لے، اس میں کسی قسم کی خامی نہ ہو۔ جو کام کرے وہ نہایت مضبوط ٹھوس اور مستحکم ہو۔ ان اوصاف کے ساتھ وہ حکومت کا خیر اندیش بھی ہو۔ حاجب کا عہدہ خلفائے راشدینؓ کے عہد میں نہ تھا۔ سب سے پہلے امیر معاویہؓ نے اس کو قائم کیا۔ چونکہ اس کو ہر وقت حکمران کی پیشی میں رہنا پڑتا تھا، اس لئے وہی شخص حاجب بنایا جاتا تھا، جو حاجب سے پہلے سلاطین کی دوسری خدمات انجام دے چکا ہو اور اس کے ساتھ ذہین اور فہیم بھی ہو۔ کیونکہ اس کو ہر وقت حکمران کے چشم و ابرو کے اشارہ پر کام کرنا پڑتا ہے۔

حکام کی نگرانی اور ان کی کامل واقفیت :

حکام کے انتخاب میں احتیاط کے ساتھ اتنا ہی اہم مرحلہ ان کے افعال و اعمال کی نگرانی اور ان کے طرز حکومت سے خبرداری ہے۔ زیادہ کا قول تھا کہ والی کو اپنے پورے عملہ سے خود عملہ والوں سے زیادہ خبردار رہنا چاہئے، اور اس اصول پر وہ پورے طور سے عمل پیرا تھا۔ وہ تمام عالموں پر گہری نظر رکھتا تھا۔ ایک مرتبہ ایک شخص نے امتحان پوچھا کہ آپ مجھ کو جانتے ہیں۔ اس نے کہا کہ تنہا تم کو ہی نہیں بلکہ

تمہاری سات پشتوں کو جانتا ہوں، اور جو لباس تم پہنتے ہو اسے بھی بتا سکتا ہوں۔ اگر تم میں سے کوئی شخص کسی سے چادر مستعار لے کر پہنے تو پہچان کر بتا دوں گا۔
عمال کے محاسبہ کا ذکر آگے آئے گا۔

صیغہ فوج :

ملک کی حفاظت اور قیام امن کے لئے فوجی قوت سب سے اہم چیز ہے۔ فوج کا نظام حضرت عمر فاروقؓ ہی کے زمانہ میں نہایت مکمل ہو چکا تھا۔ پھر حضرت عثمانؓ نے اس کو اور زیادہ ترقی دی۔ جب امیر معاویہؓ کا زمانہ آیا تو اس میں بہت کم ترمیم کی ضرورت تھی۔ تاہم جس حد تک ترقی کی گنجائش تھی، امیر معاویہؓ نے اس کو ترقی دے کر کمال تک پہنچا دیا۔ چنانچہ انہوں نے اپنے عہد حکومت میں تمام اہم مرکزوں پر فوجی قلعے اور چھاؤنیاں قائم کیں۔

قلعوں کی تعمیر :

اس سلسلہ میں سب سے پہلے اپنے مستقر شام میں متعدد قلعے بنوائے اور بعض ویران قلعے آباد کئے۔ ساحل شام پر رومیوں کا ایک قلعہ جبلہ تھا۔ یہ شام کی فتح کے زمانہ میں اجڑ گیا تھا۔ امیر معاویہؓ نے اس کو دوبارہ آباد کیا اور انطرطوس، مرقیہ اور بلنارس کے قلعے بنوا کر آباد کئے۔ روڈس کی فتح کے زمانہ میں یہاں ایک قلعہ تعمیر کرایا تھا۔ یہ قلعہ سات برس تک روڈس کا فوجی مرکز رہا۔ پھر یزید کے زمانہ میں اجڑا۔ مدینہ میں خاص المل مدینہ کے لئے ایک قلعہ بنوایا تھا، جس کا نام قصر خل تھا۔

ان قلعوں کے علاوہ امیر معاویہؓ نے فوجی ضرورت کے لئے مستقل شہر آباد کر کے یہاں بڑی بڑی چھاؤنیاں قائم کیں۔ چنانچہ مرعش اور قیروان اسی ضرورت کے لئے بسائے گئے تھے۔ ان کے حالات شہروں کی آبادی کے ذکر میں آئیں گے۔

بحری فوج میں ترقی :

امیر معاویہؓ کے عہد میں جس فوجی شعبہ میں نمایاں ترقی ہوئی وہ بحری محکمہ ہے۔ جیسا کہ اوپر لکھا جا چکا ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ کے عہد میں بری فتوحات کی وسعت کے باوجود کوئی بحری حملہ نہ ہوا تھا اور امیر معاویہؓ کے اصرار پر بھی آپ نے مسلمانوں کی حفاظت جان کے خیال سے انہیں سمندر میں

۱۔ یہ تمام تفصیلات یعقوبی۔ جلد ۲۔ ص ۲۷۹-۲۸۰ سے ماخوذ ہیں ۲۔ فتوح البلدان۔ ص ۱۳۰

۳۔ ایضاً۔ ص ۲۳۵ ۴۔ ایضاً۔ ص ۱۶۰

نہ اترنے دیا تھا۔ لیکن امیر معاویہؓ پر سمندروں سے کھیلنے کا شوق اتنا غالب تھا کہ حضرت عثمان غنیؓ سے باصرار اجازت لے لی اور چند دن کے اندر بحری فوج کو اتنی ترقی دی کہ اسلامی بیڑے کو اس عہد کے مشہور رومی بیڑوں سے بڑھا دیا اور ۳۳ھ میں پانچ سو جہازوں کے ساتھ قبرص پر حملہ کیا۔ جس کا ذکر اوپر گزر چکا ہے۔

جہاز سازی کے کارخانے :

امیر معاویہؓ جیسا عظیم الشان بیڑا رکھنا چاہتے تھے، اس کے لئے جہاز سازی کے کارخانوں کی سخت ضرورت تھی۔ چنانچہ انہوں نے اپنے عہد میں اس کے متعدد کارخانے قائم کئے۔ ان میں پہلا کارخانہ ۵۴ھ میں مصر میں قائم ہوا تھا۔

بلاذری کی تصریحات سے معلوم ہوتا ہے کہ امیر معاویہؓ نے اس قسم کے کارخانے تمام ساحلی مقامات پر قائم کئے تھے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ پہلے جہاز سازی کا کارخانہ صرف میں تھا۔ لیکن امیر معاویہؓ کے حکم سے کاریگر اور بڑھئی جمع کئے گئے اور ان کو انہوں نے تمام ساحلی مقامات پر بسایا۔ اردن میں عکا میں بھی کارخانہ قائم تھا۔

امیر البحر :

حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں عموماً بڑی بحری سپہ سالار ایک ہی ہوا کرتے تھے۔ لیکن امیر معاویہؓ نے بحری قوت کو جس قدر ترقی دی تھی، اس کے لئے مستقل امیر البحر کی ضرورت تھی۔ اس لئے انہوں نے بڑی اور بحری فوج دونوں کی سپہ سالاری پر الگ الگ اشخاص مقرر کئے۔ طبری کے بیان کے مطابق عبد اللہ بن قیس حارثی کو انہوں نے امیر البحر مقرر کیا تھا۔ انہوں نے کم و بیش پچاس بحری معرکہ آرائیاں کیں۔ جن میں ایک مسلمان بھی ضائع نہیں ہوا۔

دوسرے امیر البحر جنادہ بن ابی امیہ تھے۔ جن کو امیر معاویہؓ نے عثمانی عہد میں بحری لڑائیوں پر مامور کیا تھا۔ یہ اس زمانہ سے لے کر یزید کے عہد تک برابر بحری حملوں میں مصروف رہے۔

امیر معاویہؓ کے عہد میں جس قدر بحری لڑائیاں ہوئیں، اس کی نظیر ان کے بعد عرصہ تک نہیں ملتی۔ کوئی سال بحری حملوں سے خالی نہ جاتا تھا۔ بلکہ بیک وقت مختلف مقامات پر حملے ہوتے تھے۔ اوپر کی فتوحات کے سلسلہ میں ان کی تفصیلات گزر چکی ہیں۔

۱۔ حسن الحاضرہ سیوطی۔ جلد ۲۔ ص ۱۹۹ ۲۔ فتوح البلدان۔ ص ۱۲۴ ۳۔ طبری

۴۔ اسد الغابہ۔ جلد ۲۔ تذکرہ جنادہ ابن ابی امیہ

پولیس کا محکمہ اور امن و امان :

جنگی قوت عموماً بیرونی حملہ آوروں کی مدافعت اور دوسرے ملکوں پر حملہ کے لئے ہوتی ہے۔ لیکن اندرون ملک کا امن و امان پولیس پر موقوف ہے اور امیر معاویہؓ کے زمانہ میں پولیس میں بڑی وسعت ہوئی۔ صرف ایک شہر کوفہ میں ۴۰ ہزار پولیس متعین تھے، اور پانچ سو پولیس مسجد میں پہرا دیتی تھی۔ اس وسعت کا یہ نتیجہ تھا کہ اگر کسی کی کوئی چیز راستہ میں گر جاتی تو راہ رواٹھانے کی ہمت نہ کرتا تھا۔ تا آنکہ اس کا مالک خود آکر نہ اٹھائے۔ راتوں کو عورتیں تنہا اپنے گھروں میں مکان کے کواڑ کھول کر بے خوف و خطر سوتی تھیں۔ زیادہ کہتا تھا کہ اگر کوفہ اور خراسان کے درمیان رسی کا کوئی ٹکڑا بھی ضائع ہو جائے تو مجھ کو معلوم ہو جائے گا کہ کس نے لیا۔

ایک گھر سے گھنٹا بجنے کی آواز آتی سنی پوچھا تو معلوم ہوا کہ گھر والے پہرہ دے رہے ہیں۔ بولا اس کی ضرورت نہیں اگر مال ضائع ہو تو میں اس کا ضامن ہوں۔ اس سلسلہ میں اس نے بعض ایسے قوانین بھی بنائے تھے، جو بظاہر بہت سخت معلوم ہوتے ہیں۔ مثلاً عشاء کے بعد گھروں سے نکلنے کی سزا قتل تھی۔ لیکن عراق جیسے فتنہ پسند ملک میں اس سختی کے بغیر امن و امان ممکن نہ تھا۔
مشتبہ لوگوں کی نگرانی :

مشتبہ چال چلن والوں کی نگرانی اس عہد کی جدت سمجھی جاتی ہے۔ بعض مقامات پر جہاں شورہ پشتوں کے شروفساد کا خطرہ تھا۔ امیر معاویہؓ کے عہد میں یہ طریقہ رائج ہو چکا تھا۔ چنانچہ انہوں نے ابو درداءؓ کو دمشق کے بد معاشوں کے نام قلمبند کرنے کا حکم دیا تھا۔ زیادہ نے جعد بن قیس تمیمی کو بد معاشوں کی نگرانی پر مقرر کیا تھا، جو گھوم پھر کر ان کو نگاہ میں رکھتے تھے۔

ذرائع خبر رساں اور پرچہ نگاری :

برید یعنی سرکاری ڈاک کا انتظام ایک منظم حکومت کے لئے ناگزیر شے ہے۔ امیر معاویہؓ کے زمانہ تک اسلامی حکومت میں یہ طریقہ رائج نہ تھا۔ سب سے پہلے ان ہی نے اس کو جاری کیا۔ اس کا طریقہ یہ ہوتا تھا کہ گھوڑ دوڑ کے تیز رفتار گھوڑے تھوڑی تھوڑی مسافت پر رہتے تھے۔ خبر رساں خبر لے کر ان پر سوار ہوتا اور نہایت تیزی کے ساتھ جاتا تھا اور جب یہ گھوڑا تھک جاتا تھا تو آگے چوکی پر جہاں تیز رفتار گھوڑے ہر وقت تیار رہتے تھے۔ تازہ دم گھوڑے سے تبادلہ کر کے آگے بڑھتا تھا۔ اسی طریقہ سے

بڑھتا ہوا اور گھوڑے بدلتا ہوا منزل مقصود پر پہنچ جاتا تھا۔ اس طریقہ سے ایک مقام کی خبر دوسرے مقام پر نہایت جلد پہنچ جاتی تھی۔

دیوان خاتم :

فرائین سلطانی اور حکومت کے احکام کی نقل ایک ضروری چیز ہے۔ امیر معاویہؓ کے زمانہ تک اسلامی حکومت میں اس کا کوئی خاص اہتمام نہ تھا۔ اسی لئے کبھی کبھی لوگ اس میں رد و بدل کر دیا کرتے تھے۔

ایک مرتبہ امیر معاویہؓ نے ایک شخص کو ایک لاکھ کی رقم دلائی اور زیاد کے نام دہانید کا فرمان لکھ دیا۔ اس شخص نے فرمان پڑھ کر دو لاکھ بنا دیئے اور زیاد سے اسی قدر وصول کر لیا۔ جب زیاد نے امیر معاویہؓ کے سامنے حساب کے کاغذات پیش کئے تو معلوم ہوا کہ وہ شخص ایک لاکھ کے بجائے دو لاکھ لے گیا۔ اسی دن سے امیر نے دیوان خاتم قائم کیا۔ اس میں یہ ہوتا تھا کہ جب پیش گاہ سلطانی سے کوئی فرمان صادر ہوتا تھا تو وہ پہلے دفتر میں آتا تھا اور یہاں کا اس کی نقل اپنے رجسٹر پر چڑھا کر اصل فرمان کو ملفوف کر کے اس پر موم سے مہر کر دیتا تھا۔ اس طرح اس میں تحریف کا امکان باقی نہیں رہتا تھا۔

یہ طریقہ محض شامی فرائین تک محدود نہ تھا بلکہ بعض بڑے بڑے عمال بھی اس پر عامل تھے۔ چنانچہ زیاد نے باقاعدہ دفاتر قائم کئے تھے، جن میں احکام و خطوط کی نقلیں رکھی جاتی تھیں۔

رفاع عام کے کام :

امیر معاویہؓ نے اپنے عہد حکومت میں اس قسم کے بہت سے رفاع عام کے کام کئے، جن سے حکومت کے ساتھ عام رعایا کو بھی فائدہ پہنچا تھا۔

نہریں :

ایشیائی ملک زیادہ تر زرعی ہیں۔ بلکہ اس زمانہ میں جب صنعت و حرفت نے ترقی نہ کی تھی، قریب قریب ہر ملک کی ثروت اور فارغ البالی کا مدار زیادہ تر زراعت پر تھا۔ اس لئے امیر معاویہؓ نے اپنے عہد میں زراعت کی ترقی اور پیداوار کے اضافہ اور زمین کی سیرابی کے لئے ملک کے طول و عرض میں جا بجا نہروں کا جال بچھا دیا۔ جس سے لاکھوں ایکڑ زمین سیراب اور کروڑوں انسانوں کی پرورش

ہوتی تھی۔ ان نہروں کی وجہ سے پیداوار میں غیر معمولی اضافہ ہو گیا اور قحط سالی کا خطرہ جاتا رہا۔ خلاصۃً الوفا میں ہے کہ مدینہ شریف اور اس کے گرد بکثرت نہریں تھیں اور امیر معاویہؓ کو اس باب میں خاص اہتمام تھا۔ انہوں نے جو نہریں جاری کیں ان میں نہر کظامہ، نہر از راق اور نہر شہداء وغیرہ کے نام خلاصۃً الوفا میں ملتے ہیں۔^۱

حضرت معقلؓ نے حضرت عمر فاروقؓ کے حکم سے بصرہ میں ایک نہر کھدوائی تھی جو نہر معقل کے نام سے مشہور تھی۔ زیاد نے امیر معاویہؓ کے عہد حکومت میں دوبارہ اس کو کھدوا کر صاف کرایا اور افتتاح کے بعد ایک آدمی کو ایک ہزار درہم دے کر کہا کہ وجلہ کے کنارے کنارے چکر لگا کر لوگوں سے پوچھو کہ یہ نہر کس کی ہے؟ جو شخص زیاد کی نہر بتائے اس کو یہ رقم دے دو۔ اس نے گھوم پھر کر پوچھا، مگر ہر شخص کی زبان پر معقل کا نام تھا۔^۲

عبید اللہ بن زیاد گورنر عراق مقرر ہوا تو اس نے بخارا کے پہاڑ کاٹ کر ایک نہر نکالی۔ ان ہی کے عہد حکومت میں حکم بن عمرو نے ایک نہر جاری کی۔ مگر اس کا افتتاح نہ ہو سکا۔ نہر کے علاوہ پہاڑ کی گھاٹیوں کے گرد بند بندھوا کر تالاب بنوائے، جن میں پانی جمع ہوتا تھا۔ ان نہروں سے پیداوار میں جو اضافہ ہوا، اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ صرف مدینہ اور اس کے قرب و جوار کی نہروں کے ذریعہ سے ڈیڑھ لاکھ وسق خرما اور ایک لاکھ وسق گیسوں پیدا ہوتا تھا۔^۳

شہروں کی آبادی :

امیر معاویہؓ نے اپنے عہد میں مستقل شہر آباد کرائے اور بعض پرانے اُبڑے شہر بسائے۔ مرغش شام کا قدیم اُجزا ہوا شہر تھا۔ امیر معاویہؓ نے اس کو دوبارہ تعمیر کرا کے بسایا۔^۴

ان کے عہد میں جو سب سے بڑا شہر آباد ہوا، جو اپنی مختلف خصوصیات کے لحاظ سے تاریخ اسلام میں مشہور ہے وہ قیروان ہے۔ امیر معاویہؓ کے زمانہ میں عقبہ بن نافع فہری نے افریقہ کے بڑے بڑے شہر فتح کئے اور ہزاروں بربری اسلام لائے، لیکن یہ تخت فتنہ پرست اور بغاوت پسند تھے۔ جب تک ان کے سر پر فوجی قوت مسلط رہتی، اس وقت تک مطیع و منقاد رہتے اور جیسے ہی ہمتی مرتد ہو کر باغی ہو جاتے تھے۔ اس لئے عقبہ نے یہاں ایک شہر آباد کر کے مسلمانوں کے بسانے کا قصد کیا۔

۱۔ وفا الوفا۔ ص ۱۱۷ خلاصۃً الوفا۔ ص ۱۳۶-۱۳۷ ۲۔ فتوح البلدان۔ ص ۳۶۶ ۳۔ طبری۔ جلد ۷۔ ص ۱۶۹

۴۔ ایضاً۔ ص ۱۵۶ ۵۔ وفا۔ جلد ۲۔ ص ۳۲۱ ۶۔ ایضاً۔ ص ۲۳۷ ۷۔ فتوح البلدان۔ ص ۱۹۶

تا کہ روز روز کی بغاوت کا خطرہ جاتا رہے۔ چنانچہ انہوں نے ساحل سے ہٹ کر اس کے لئے ایک جنگل منتخب کیا تا کہ رومیوں کے بحری حملوں سے محفوظ رہے یہ جنگل نہایت گھنا اور درندوں اور مسموم کیتروں کا مسکن تھا۔ عقبہ نے اسے کٹوا کر بسایا۔ وسط شہر میں دارالامارۃ بنوایا، اور چاروں طرف مسلمانوں کے محلہ آباد کر کے ایک جامع مسجد تعمیر کی۔ رفتہ رفتہ اس شہر نے اتنی ترقی کی کہ شمالی افریقہ کا مرکز بن گیا۔

جب کسی قوم کا اخترا اقبال ترقی پذیر ہوتا ہے تو اس کے متعلق عجیب و غریب محیر العقول داستانیں زبان زد خاص و عام ہو جاتی ہیں۔ مسلمانوں کے عہد اقبال کے اس قبیل کے سینکڑوں واقعات نے بھی تاریخی شہرت حاصل کر لی ہے۔ ان میں قیروان کی تاسیس کے سلسلہ کا ایک واقعہ بھی لائق ذکر ہے۔

جس وقت عقبہ نے اسے بسانے کا ارادہ کیا اس وقت یہاں جنگل اتنا گھنا اور ہیبتناک تھا کہ بڑے بڑے خونخوار درندے اور اژدہ اس میں بھرے ہوئے تھے اور ان کے نکالنے کی کوئی صورت نہ تھی۔ لیکن جو قوم ترقی پذیر ہوتی ہے اس کا سکھ انسان سے لے کر حیوان تک پر یکساں چلتا ہے۔ یہی قصہ اس جنگل کے مکینوں کے ساتھ پیش آیا۔

عقبہ بن عامر نے جنگل کے پاس اعلان کر دیا کہ ہم لوگ محمد رسول اللہ ﷺ کے ساتھی اور ان کی امت ہیں اور تمہیں حکم دیتے ہیں کہ کل تک تم سب جنگل خالی کر دو، ورنہ قتل کر دیئے جاؤ گے۔ اس الٹی میٹم پر جتنے درندے، اژدہ اور دوسرے خوفناک جانور تھے، وہ سب اپنے اپنے بچوں کے ساتھ قطار در قطار نکلنے لگے اور جنگل بالکل خالی کر دیا۔ گویا یہ واقعہ افسانہ سے زیادہ حقیقت نہیں رکھتا۔ لیکن اس سے اس وقت مسلمانوں کے اوج اقبال کا ضرور پتہ چلتا ہے۔

نوآبادیاں :

ان مستقل شہروں کے علاوہ بہت سی نوآبادیاں قائم ہوئیں۔ ۴۳ھ میں انطاکیہ میں فارس بعلبک، حمص اور مصر کے باشندوں کی ایک نوآبادی بسائی گئی۔ ۵۲ھ میں روڈس میں بہت سے مسلمان آباد کئے گئے۔ ۵۴ھ میں ارداؤ میں مسلمان بے خصوصاً ان مقامات پر جہاں کسی دوسری حکومت کی سرحد ملتی تھی، مسلمانوں کی نوآبادیاں قائم کی گئیں۔ اس کی وجہ سے مخالفت کے حملہ کا خطرہ بڑی حد تک کم ہو گیا۔

شیر خوار بچوں کے وظائف :

حضرت عمر فاروقؓ نے دس دس درہم مجاہدین کے بچوں کا وظیفہ مقرر کیا تھا اور اس میں وقتاً فوقتاً تبدیلیاں ہوتی رہتی تھیں۔ امیر معاویہؓ نے اپنے زمانہ میں اس کو قائم رکھا۔ لیکن اتنی ترمیم کر دی کہ دودھ چھوڑنے کے بعد یہ وظیفہ جاری ہوتا تھا۔

موذی جانوروں کا قتل :

تہذیب یافتہ سلطنتوں میں رعایا کے آرام و آسائش کے لئے موذی جانوروں کا قتل بھی رائج ہے اور بعض حالتوں میں اس پر انعامات دیئے جاتے ہیں۔ امیر معاویہؓ کے زمانہ میں نصیبین میں بچھوؤں کی اتنی کثرت تھی کہ وہاں کے لوگ ان سے پریشان ہو گئے تھے۔ وہاں کے عامل نے امیر معاویہؓ کے پاس اس کی شکایت لکھی۔

انہوں نے لکھا کہ شہر کے باشندوں پر بچھوؤں کی ایک تعداد مقرر کر دی جائے کہ وہ رات کو اس تعداد میں بچھو پکڑ کر لایا کریں۔ چنانچہ یہ حکم جاری ہوا، اور لوگ مقررہ تعداد میں بچھو پکڑ کر لاتے تھے، اور وہ مار ڈالے جاتے تھے۔ اس طرح بچھوؤں کی تعداد میں نمایاں کمی ہو گئی۔^۱

ذمہ دار عہدوں پر غیر مسلموں کا تقرر :

غالباً تمام مذاہب عالم میں یہ بات امتیاز صرف اسلام کو حاصل ہے کہ اس نے رعایا کی حیثیت سے مسلم اور غیر مسلم کے حقوق میں کوئی فرق روا نہیں رکھا ہے اور اس کا عملی ثبوت عہد فاروقی تھا۔ تاہم چونکہ اس زمانہ میں غیر مسلم اقوام نئی نئی مفتوح ہوئی تھیں۔ اس وقت تک انہوں نے معتمد ہونے کا کوئی عملی ثبوت بھی نہیں دیا تھا، اس لئے حقوق میں مساوات کے باوجود حکومت کے عہدوں میں انہیں بار نہ مل سکا۔ اس کے بعد جس قدر زمانہ گزرتا گیا اور غیر مسلموں کا اعتماد بڑھتا گیا وہاں قیام کو مدتیہ، قربت حاصل ہوتی گئی۔

امیر معاویہؓ کے عہد میں ان کے قیام دمشق کی وجہ سے جب خصوصیت سے دونوں میں زیادہ روابط بڑھے تو امیر معاویہؓ نے ان کو حکومت کے ذمہ دار عہدوں اور جلیل القدر مناصب پر ممتاز کیا۔ چنانچہ ابن اثال عیسائی کو، جو ان کا طبیب تھا، جمص کا کلکٹر مقرر کیا گیا۔^۲ اور سر جون اور منصور رومی کو مالیات کے ذمہ دار عہدوں پر ممتاز کیا۔^۳

۱۔ معجم البلدان و ذکر نصیبین ۲۔ یعقوبی۔ جلد ۲۔ ص ۲۶۵ ۳۔ خطط الشام کرد علی۔ جلد اول۔ ص ۱۳۳

غیر مسلموں کے جذبات کا احترام :

شام میں یہودیوں اور عیسائیوں کی بڑی آبادی تھی اور امیر معاویہؓ کو یہاں جو اقتدار حاصل تھا تاریخ اس کی شاہد ہے اس کے باوجود انہوں نے ان کے مذہبی مراسم وغیرہ میں دست اندازی نہیں کی۔ حضرت عمر فاروقؓ کے زمانہ میں یوحنا کے گرجے کے پاس مسجد تعمیر ہوئی تھی، امیر معاویہؓ نے اپنے زمانہ میں اس گرجے کو بھی مسجد میں شامل کرنا چاہا، لیکن عیسائی رضامند نہ ہوئے۔ اس لئے انہوں نے ارادہ ترک کر دیا۔

ذمیوں کے مال کی حفاظت :

خلفاء ذمیوں کے حقوق اور ان کی جان و مال کی بہت حفاظت کرتے تھے۔ امیر معاویہؓ کے عہد میں ان کے حقوق کا اتنا لحاظ رکھا جاتا تھا کہ سرکاری ضرورتوں کے لئے بھی کسی پر دست اندازی نہ کی جاتی تھی۔

امیر معاویہؓ نے ایک مرتبہ حضرت عقبہ بن عامر صحابی کو مصر کا گورنر مقرر کیا۔ وہ مصر کے ایک گاؤں میں اپنی سکونت کے لئے مکان بنوانا چاہتے تھے۔ امیر معاویہؓ نے انہیں اس ضرورت کے لئے ایک ہزار جریب زمین عنایت کی۔ انہوں نے ایک غیر آباد پرتی زمین جو کسی کے قبضہ میں نہ تھی، انتخاب کی۔ اس پر ان کے نوکر نے کہا کہ کوئی عمدہ قطعہ پسند کیجئے، انہوں نے جواب دیا کہ یہ نہیں ہو سکتا، کیونکہ معاہدہ میں جو شرطیں ہیں، ان میں ایک یہ بھی ہے کہ ذمیوں کی زمین ان کے قبضہ سے نہ نکالی جائے گی۔

رعایا کی دادرسی :

ایک عادل فرمانبردار کے لئے رعایا کی شکایات سننا اور اس کی دادرسی ضروری ہے۔ امیر معاویہؓ کو اس میں اتنا اہتمام تھا کہ وہ روزانہ مسجد میں بیٹھ کر عام رعایا کو بلا استثناء آزادی سے اپنی شکایات پیش کرنے کا موقع دیتے تھے۔

علامہ مسعودی لکھتے ہیں کہ امیر معاویہؓ مسجد میں کرسی رکھوا کر بیٹھتے تھے اور بلا استثناء ضعیف، کمزور، دیہاتی، بچے اور لاوارث سب پیش کئے جاتے تھے، اور ان میں ہر شخص ان کے سامنے اپنی اپنی شکایتیں پیش کرتا تھا۔ امیر معاویہؓ اسی وقت ان کے تدارک کا حکم دیتے تھے۔ مظلوموں کی فریادری کے بعد

پھر ایوانِ حکومت میں آتے اور تخت پر بیٹھتے۔ اس وقت امراء اور اشراف درجہ بدرجہ باریاب ہوتے، معمولی مزاج پرسی کے بعد جب یہ لوگ اپنی اپنی جگہ پر بیٹھ جاتے تو امیروں سے فرماتے کہ تم لوگ اشراف اس لئے کہلاتے ہو کہ تم کو اپنے سے کم درجہ کے لوگوں پر شرف بخشا گیا ہے۔ اس لئے تم کو چاہئے کہ جو شخص میرے پاس نہیں پہنچ سکتا، اس کی ضروریات مجھ سے بیان کرو۔ اس کے بعد اشراف لوگوں کی ضروریات پیش کرتے اور امیر ان سب کے پورا کرنے کا حکم دیتے۔^۱

یہی حال ان کے عمال کا تھا۔ زیاد گورنر جنرل عراق کی حیثیت رکھتا تھا۔ اس لئے اس کو کثرت کار اور ذمہ داری کے کے باریک وجہ سے عوام سے ملنے جلنے اور ان کی شکایات سننے کا براہ راست کم موقع ملتا تھا۔ اس کی تلافی کے لئے اس نے اپنے حاشیہ نشینوں کو حکم دیا تھا کہ ہر شخص نہ مجھ تک پہنچ سکتا ہے اور اگر پہنچ بھی جائے تو گفتگو کا موقع نہیں پاسکتا۔ اس لئے تم لوگ عوام کے حالات میرے گوش گزار کرتے رہو۔^۲

مذہبی خدمات :

گو امیر معاویہؓ کا عہد خلفائے راشدینؓ کے مذہبی عہد کے مقابلہ میں دنیاوی بادشاہت کا دور تھا۔ تاہم ان کا زمانہ مذہبی خدمات سے خالی نہیں، اور وہ اپنی حکومت کے استحکام اور بقا کی کوششوں کے ساتھ ہی مذہب کی ترقی اور ادا مرفوہی کے قیام و تبلیغ میں بھی برابر کوشاں رہتے تھے۔ اشاعتِ اسلام : ان کے زمانہ میں اسلام کی بڑی اشاعت ہوئی۔ افریقہ کی فتوحات میں بے شمار بربری اسلام لائے۔ مگر بار بار مرتد ہو کر باغی ہو جاتے تھے۔

امیر معاویہؓ نے ارتداد اور بغاوت کو روکنے کے لئے قیروان آباد کیا۔ جس کا تذکرہ اوپر گزر چکا ہے۔ بربریوں کے علاوہ رومیوں کی معتد بہ تعداد بھی اسلام کے دائرہ میں داخل ہوئی۔

حرم کی خدمت :

شیخین کے زمانہ میں خانہ کعبہ پر معمولی کپڑے کا غلاف چڑھتا تھا۔ حضرت عثمانؓ نے اپنے زمانہ میں پہلی مرتبہ اس پر بیش قیمت غلاف چڑھایا اور امیر معاویہؓ نے اس کو دیبا سے آراستہ کیا اور اس کی خدمت کے لئے غلام مقرر کئے۔^۳

مساجد کی تعمیر :

ان کے عہد میں بکثرت نئی مسجدیں تعمیر ہوئیں اور پرانی مسجدوں کی مرمت ہوئی۔ زیادہ بصرہ کا والی ہوا تو اس نے یہاں کی مسجد کو نہایت وسعت دی اور اس کو اینٹ اور چونے سے بنوایا اور ساکھوں کی چھت دی۔^۱ قبرص فتح ہوا تو یہاں مسلمانوں نے نو آبادی کے ساتھ بہت سی مساجد بھی تعمیر ہوئیں۔^۲ عبد الرحمن بن سمرہ نے کابلی معماروں سے بصرہ میں اپنے لئے کابلی طرز کی ایک مسجد بنوائی۔^۳ عقبہ بن نافع نے قیروان کی آبادی کے سلسلہ میں یہاں کے لئے ایک وسیع جامع مسجد بنوائی۔^۴ مصر کی مسجدوں میں مینار نہ تھے۔ مسلمہ بن مخلد نے ۵۳ھ میں یہاں کی تمام مساجد میں مینار بنوائے۔^۵

اقامت دین :

ادامہ بنو امیہ کی تبلیغ اور اقامت دین ایک مسلم حکمران کا سب سے مقدم مذہبی فرض ہے۔ امیر معاویہؓ نے اپنے زمانے میں اس فرض کو ادا کرنے کی کوشش کی۔

نکاح شغار کا انسداد :

زمانہ جاہلیت میں ایک قسم کا نکاح رائج تھا، جسے ”شغار“ کہتے تھے۔ اس کی صورت یہ تھی کہ ایک شخص اپنی لڑکی یا بہن کا نکاح کسی دوسرے کے ساتھ اس شرط پر کر دیتا تھا کہ وہ اس کے بدلہ میں اپنی لڑکی یا بہن اس کی زوجیت میں دے دے اور یہ تبادلہ مہر ہوتا تھا۔ اور اس صورت میں عورت کو مہر نہ ملتا تھا اور اس کی حق تلفی ہوتی تھی۔

اس لئے آنحضرت ﷺ نے اس کی ممانعت فرمادی تھی۔ امیر معاویہؓ کے زمانہ میں عباس بن عبد اللہ اور عبد الرحمن بن حکم نے اسی طریقہ پر اپنی لڑکیوں کی شادی ایک دوسرے کے ساتھ کر دی۔ امیر معاویہؓ کو خبر ہوئی تو انہوں نے نے مروان کو لکھا کہ یہ نکاح شغار ہے۔ آنحضرت ﷺ نے اس کی ممانعت فرمائی ہے، اس لئے دونوں میں تفریق کرادو۔^۱

انسداد مفاسد :

عورتوں کی مصنوعی آرائش اور غیر معتدل زیب و زینت ان کی بد اخلاقی کا پہلا زینہ ہے۔ یہودی عورتوں کی بد اخلاقی کا سب سے بڑا سبب یہ تھا کہ ان میں جن عورتوں کے بال گر جاتے تھے وہ

۱۔ فتوح البلدان۔ ص ۳۵۵ ۲۔ ایضاً۔ ص ۱۶۰ ۳۔ ایضاً۔ ص ۳۰۴ ۴۔ تجم البلدان ذکر ”قیروان“

۵۔ اصابت ذکرہ مسلمہ بن مخلد ۶۔ ابوداؤد کتاب النکاح باب فی الشغار

مصنوعی لگاتی تھی۔ آنحضرت ﷺ نے ان مصنوعی بالوں کی ممانعت فرمادی تھی۔ امیر معاویہؓ کے زمانہ میں عربی عورتوں نے بھی یہ طرز آرائش اختیار کر لیا تھا۔ امیر حج کو آئے تو اس کی ممانعت پر خطبہ دیا اور منبر پر چڑھ کر مصنوعی بالوں کا گچھا ہاتھ میں لے کر کہا ”اے اہل مدینہ تمہارے علماء کہاں ہیں“ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ بنی اسرائیل اس وقت برباد ہوئے جب ان کی عورتوں نے اسے اختیار کیا۔^۱

کبھی کبھی مجامع عام میں آنحضرت ﷺ کے مسنون اعمال کا اعلان کرتے۔ کبھی خود عبادات کا مسنون طریقہ عملاً کر کے دکھاتے۔ کبھی اعمال کے متعلق آنحضرت ﷺ کا فرمان لوگوں کو سناتے۔

فرائض اور سنن میں فرق :

آنحضرت ﷺ عاشورہ کے دن روزہ رکھتے تھے۔ امیر معاویہؓ حج کو گئے تو اس خیال سے کہ لوگ اس روزہ کو فرض نہ سمجھ لیں۔ منبر پر چڑھ کر اعلان کیا ”اے اہل مدینہ تمہارے عالم کہاں ہیں؟ میں نے آنحضرت ﷺ سے سنا ہے۔ آپ ﷺ فرماتے تھے کہ ”یہ عاشورہ کا دن ہے۔ خدا نے اس دن کا روزہ تمہارے اوپر فرض نہیں کیا ہے، میں روزہ رکھتا ہوں، تم لوگوں میں سے جس کا دل چاہے روزہ رکھے اور جس کا دل چاہے افطار کرے۔“^۲

مسنون طریقوں کی تعلیم :

ایک مرتبہ لوگوں کے سامنے مسنون طریقہ سے وضو کیا اور مسح راس کے لئے خلو میں پانی لے کر داہنے ہاتھ سے سر پر ڈالا۔ پانی کے قطرے ٹپکنے لگے۔ پھر شروع سر سے لے کر آخر تک ہاتھ پھیرا اور واپس لائے۔^۳

غیر مسنون اعمال کی ممانعت :

ایک مرتبہ صحابہ کرامؓ کے ایک مجمع سے کہا کہ آپ لوگوں کو غالباً اس کا علم ہوگا کہ آنحضرت ﷺ نے فلاں فلاں چیزوں سے منع فرمایا ہے، اور چیتے کے کھال کے فرش کی بھی ممانعت فرمائی ہے۔ سب نے کہا، ہاں! پھر کہا، آپ لوگ اس سے بھی بے خبر نہ ہوں گے کہ آپ نے حج اور عمرہ کے قرآن سے منع فرمایا ہے۔ لوگوں نے کہا، اس کی ممانعت تو نہیں ہے۔ کہا، نہیں! قرآن بھی مذکورہ بالا چیزوں کی طرح ممنوع ہے۔ غالباً آپ لوگ بھول گئے۔^۴

۱۔ بخاری کتاب الصیام باب صوم عاشورہ

۲۔ کتاب المناسک باب فی القرآن

۳۔ بخاری کتاب بدء الخلق و کتاب الادب

۴۔ ابوداؤد کتاب الطہارۃ باب مفعۃ الوضو النبی ﷺ

خطبہ میں تعلیم و ارشاد :

کبھی کبھی خطبہ میں تعلیم و ارشاد کا فرض انجام دیتے تھے۔ ایک مرتبہ جمعہ کے دن منبر پر مسلمانوں سے خطاب کیا کہ لوگو میری باتوں کو کان دھر کر سنو! اس لئے کہ مجھ سے زیادہ دین و دنیا کا واقف کار پھر تم کو نہ ملے گا۔ نمازوں میں اپنے چہروں اور صوفوں کو سیدھا رکھا کرو، ورنہ خدا تمہارے دلوں میں پھوٹ ڈال دے گا۔ اپنے کم عقل لوگوں کو قابو میں کرو، ورنہ خدا تم پر دشمن کو مسلط کر دے گا۔ جو تم کو سخت عذاب دے گا۔ صدقہ کیا کرو۔ کم مانگی کا عذر نہ کیا کرو۔ کم مایہ آدمی کا صدقہ دولت مند کے صدقہ سے زیادہ افضل ہے۔ عنیفہ اور پاکدامن عورتوں پر تہمت نہ لگایا کرو۔ اگر تم میں سے کوئی شخص حضرت نوح علیہ السلام کے زمانہ کی بھی عورتوں پر تہمت لگائے گا تو قیامت میں اس کا مواخذہ کیا جائے گا۔

امیر معاویہؓ کی فرد جرم کی تاریخی حیثیت اور اس کے اسباب :

امیر معاویہؓ کی سیرت میں ان کے کارناموں کی تفصیل کے بعد سب سے اہم اور ضروری ان غلط روایات اور بے بنیاد الزاموں کی تنقید و تردید ہے، جن کی شہرت عام نے بہت سے تعلیم یافتہ مگر کوتاہ نظر اشخاص کو بھی امیر معاویہؓ کی جانب سے غلط فہمیوں میں مبتلا کر دیا ہے۔ یہ واقعات تاریخی حیثیت سے یا بالکل بے حقیقت ہیں یا نہایت کمزور ہیں۔ لیکن ان کی شہرت عام نے انہیں تاریخی حقائق سے بھی زیادہ مشہور کر دیا ہے اور اس کی تاریخی میں امیر کے روشن خدو خال بالکل چھپ گئے ہیں۔

ان واقعات کی شہرت کے دو اسباب ہیں :

پہلا سبب نبی امیہ اور بنی ہاشم کی قدیم چشمک اور خلافت کے بارے میں اہل بیت اور غیر اہل بیت کا سوال ہے۔ بعض ناعاقبت اندیش اور بدخواہ خلافت مفسدوں نے شیخین ہی کے عہد میں اس قسم کی اختلافی سوالات پیدا کر دیئے تھے۔ لیکن ان دونوں بزرگوں کی خلافت اجماعی خالص شرعی تھی۔ نظام خلافت حق و صداقت کی بنیادوں پر قائم تھا۔ خود یہ بزرگوار اسوۂ نبوی ﷺ مجسم پیکر تھے۔ اس سے بڑھ کر حق و باطل میں امتیاز کرنے والی جماعت صحابہؓ موجود تھی۔ اس لئے یہ شر انگیز سوالات نہ ابھر سکے اور دماغوں ہی کے اندر دب دب کر رہ گئے۔

اس کے بعد حضرت عثمان غنیؓ کے زمانہ میں (باوجودیکہ وہ بھی خلیفہ راشد تھے، لیکن چونکہ امتداد زمانہ سے نظام خلافت میں پہلی استواری قائم نہ رہ گئی تھی) فتنہ پرست فرقہ کی شررا انگیزیاں اثر کر گئیں اور حضرت عثمانؓ کو طرح طرح کے الزامات کا نشانہ بننا پڑا اور اس کے جو مذموم نتائج نکلے وہ سب کو معلوم ہیں۔ ایسی حالت میں امیر معاویہؓ کو جن کی حکومت نہ خلافت راشدہ کے صراطِ مستقیم سے ہٹی ہوئی تھی اور وہ بعض غلطیوں کی وجہ سے بدنام ہو رہے تھے، مورد الزام بنادینا کیا مشکل تھا۔

دوسرا سبب ان کی بعض لغزشیں ہیں۔ مثلاً جناب امیرؓ کے مقابلہ میں ان کا صفِ آراء ہونا اور اس میں کامیابی کے لئے ہر طرح کے جائز ناجائز وسائل استعمال کرنا، حضرت حسنؓ سے لڑنا، اسلامی خلافت کو موروثی حکومت میں بدل دینا وغیرہ۔ ان میں سے ہر ایک واقعہ ان کی ایسی غلطی ہے جسے کوئی حق پسند مستحسن نہیں قرار دے سکتا۔ خصوصاً یزید کی ولی عہدی سے اسلامی خلافت کی روح ختم اور اسلام میں موروثی بادشاہت کی رسم قائم ہو گئی۔

ان واقعات نے عوام کو چھوڑ کر حق پسند خواص کو بھی امیر معاویہؓ سے بدظن کر دیا۔ اس لئے امیر معاویہؓ کے مخالفین کا ان کے خلاف پروپیگنڈے کا موقع مل گیا اور انہوں نے ان واقعات کو جنہیں سنجیدہ طبقہ بھی ناپسند کرتا تھا، آڑ بنا کر امیر معاویہؓ کو طرح طرح کے الزامات کا نشانہ بنادیا اور چونکہ عوام پہلے سے ان سے بدظن تھے، اس لئے امیرؓ کے مخالفوں نے جس رنگ میں ان کی تصویر پیش کی اور جو جوڑائیاں ان کی طرف منسوب کیں، لوگوں نے نہایت آسانی کے ساتھ اس کو قبول کر لیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ امیر معاویہؓ کے بعد گونصف صدی سے زیادہ بنی امیہ کی حکومت قائم رہی، لیکن ان کے خلاف جو نفرت انگیز جذبات پیدا ہو رہے تھے، برابر دماغوں میں پرورش پاتے رہے اور ان کی مخالفت کو جو نقش جم گیا تھا، وہ کسی طرح نہ مٹ سکا۔

انہی واقعات کے نتائج میں بنی عباس کی حکومت قائم ہوئی۔ یہ سب بنی امیہ کے نہایت سخت دشمن تھے۔ اس لئے بنی امیہ کی مخالفت میں جو صد امیر معاویہؓ کے عہد میں اٹھی تھی وہ بنی عباس کے پورے دورِ حکومت تک برابر گونجتی رہی۔ بلکہ اس کا غلغلہ اور زیادہ بلند ہو گیا اور بنی عباس کی حکومت وہ تو تھی جس کا سکہ مشرق سے مغرب تک رواں تھا۔ اس لئے امیر معاویہؓ کے مثالب ایک سرے سے دوسرے سرے تک پھیل گئے۔

اسی زمانہ میں تاریخ نویسی کا آغاز ہوا۔ اس لئے ایسی بہت سی غلط روایتیں جو عرصہ سے زبانوں چڑھی چلی آرہی تھیں، تاریخ میں داخل ہو گئیں۔ کیونکہ ایسے ابتدائی دور میں جبکہ تاریخ نویسی کا آغاز ہوا تھا۔ روایات کی اتنی تحقیق و تنقید جس سے افسانہ و حقائق میں پورا پورا امتیاز ہو سکے مشکل تھی۔ گو بہت سی بے سرو پا روایتیں جن کا لغو ہونا بالکل عیاں تھا، تنقید سے مسترد ہو گئیں۔ پھر بھی بہت سے غلط واقعات تاریخ کا جزو بن گئے۔

حتیٰ کہ مورخ ابن جریر اپنی محدثانہ تنقید کے باوجود اپنی کتاب کو غلط روایات سے محفوظ نہ رکھ سکا اور آغاز تاریخ اسلام میں جو واقعات پولیٹیکل مقاصد کے لئے تراشے گئے تھے، اس میں داخل ہو گئے۔ تاہم زمانہ مابعد جب تنقید کا معیار بلند ہوا تو بڑی حد تک اس قسم کی ناقابل اعتبار قرار پائیں۔ چنانچہ ابن خلدون میں اس قسم کے افسانے نہیں ملتے۔

غرض بعض ان غلط واقعات نے جن کا عوام کی زبانوں کے سوا تاریخ میں سرے سے کوئی وجود نہیں اور حد درجہ ضعیف اور کمزور روایتوں نے مل کر امیر معاویہؓ کی تصویر بہت بھیاٹک کر دی۔ اس تمہید کا مقصد یہ ہے کہ ان غلط افسانوں اور کمزور تاریخی روایات کا پردہ ہٹا کر امیر معاویہؓ کی اصلی تصویر پیش کر دی جائے، تاکہ ان کی زندگی کے قابل اعتراض پہلو کے ساتھ روشن پہلو بھی نظر آجائیں اور ان کی طرف سے عام طور پر جو غلط فہمیاں پھیلی ہوئی ہیں وہ دور ہو جائیں۔

لیکن ان واقعات کی تردید کا منشاء امیر معاویہؓ کی بے جا حمایت یا ان کا اور جناب امیرؓ کا موازنہ نہیں ہے۔ ابن عمرؓ رسول، خلیفہ راشد، علی مرتضیٰ اور امیر شام کا مقابلہ ہی کیا۔ ع

”چراغِ مُردہ کجا شمع کجا“

بلکہ اس کا مقصد صرف امیر معاویہؓ کی جانب تصحیح خیال اور غلط واقعات کی پردہ دہی ہے۔ جن کی شہرت عام نے بہت سے مسلمانوں کو ایک صحابی رسولؐ سے بدظن کر رکھا ہے۔

امیر معاویہؓ پر عموماً حسب ذیل الزامات لگائے جاتے ہیں، یا کم از کم عوام الناس کی زبانوں پر ہیں :

- ۱۔ حضرت حسنؓ کے زہر دلوانے میں امیر معاویہؓ کا ہاتھ تھا۔
- ۲۔ بنی ہاشم اور اہل بیت نبویؐ کے ساتھ امیر معاویہؓ کا طرز عمل ناپسندیدہ تھا۔
- ۳۔ جناب امیر پرست و شتم کرتے تھے۔

- ۴۔ صحابہ کو قتل کیا اور ان کی توہین کی۔
- ۵۔ ان کا طرز حکومت نہایت جابرانہ تھا۔
- ۶۔ انہوں نے بیت المال کو ذاتی خزانہ بنا لیا تھا، اور اس کو اپنے اغراض میں اڑاتے تھے۔
- ۷۔ حکومت کے تمام شعبوں میں بنی اُمیہ کو بھروا دیا تھا۔
- ۸۔ بہت سی بدعتیں جو خلفائے راشدین کے عہد میں نہ تھیں معاویہؓ نے جاری کیں۔

حضرت حسنؓ کی زہر خورانی :

مذکورہ بالا الزاموں میں حضرت حسنؓ کو زہر دلوانے کا الزام جس درجہ سنگین اور نفرت انگیز ہے، اسی قدر کمزور اور ناقابل اعتبار بھی ہے۔ اس الزام کی لغویت اس قدر عیاں ہے کہ اس کے باوجود اس کی شہرت پر حیرت ہوتی ہے۔ آئندہ سطور میں اس کی روایتی اور درایتی دونوں حیثیتوں سے بحث کی جاتی ہے۔

اس کی روایتی حیثیت یہ ہے کہ اتنا بڑا اہم واقعہ جس پر مورخین کی نظر سب سے پہلے پڑھنی چاہئے تھی، بعض قدیم مورخوں نے سرے سے لکھا ہی نہیں اور جن مورخوں نے اس کا ذکر بھی کیا ہے تو محض روایت کی حیثیت سے۔ ورنہ اس روایت کو خود لائق اعتماد نہیں سمجھتے۔ حتیٰ کہ تفصیلے مورخین بھی اس کو ناقابل اعتبار شمار کرتے ہیں۔

درایتی حیثیت سے صورت واقعہ میں اتنا تضاد اور اشخاص کے ناموں میں اتنا شدید اختلاف ہے کہ یہ اختلاف ہی اس کی تردید کے لئے کافی ہے۔ اب علی الترتیب حدیث طبقات، رجال اور تاریخ سے اس کی حقیقت ملاحظہ ہو۔

حدیث کی کتابوں میں یہ واقعہ مشہور حاکم نیشاپوری مستدرک میں ملتا ہے۔
ان کی روایت ہے ^۱ :

”عن ام بکر بنت مسور قالت کان الحسن بن علی سم مراراً کل ذلك يفلت حتى كانت المرة الاخيرة التي مات فيها فانه كان يختلف كبده“.

”ام بکر بن مسود روایت کرتی ہیں۔ حسن ابن علی کو کئی مرتبہ زہر دیا گیا، لیکن ہر مرتبہ بچ گئے، اور آخری مرتبہ جب زہر دیا گیا، جس میں ان کا انتقال ہوا تو ان کے جگر کے ٹکڑے کٹ کٹ کر گرتے تھے۔“

اس روایت میں زہر دینے کا واقعہ ہے۔ لیکن امیر معاویہؓ کیا معنی کسی زہر دینے والے کا نام نہیں۔ حافظ ذہبی کی تلخیص مستدرک میں بھی جو مستدرک کے ذیل میں ہے، بعینہ یہی روایت ہے۔ یہ حدیث کی شہادت ہے۔

اس کے بعد طبقات صحابہ پر نظر ڈالئے تو سلسلہ طبقات کی مستند ترین کتاب استیعاب میں یہ روایت ملتی ہے۔^۱

”قال قتاده و ابو بکر بن حفص سم الحسن بن علی رضی اللہ عنہما سمته امرأة جعدة بنت الاشعث بن قیس الکندی وقالت طائفة كان ذالک منها بتدسیس معاویة اليها واللہ اعلم۔“

”قتادہ اور ابو بکر بن حفص کہتے ہیں کہ حسنؓ بن علی کو زہر دیا گیا۔ ان کی بیوی جعدہ بنت اشعث بن قیس کندی نے زہر دیا تھا۔ اور ایک چھوٹا گروہ کہتا ہے کہ جعدہ نے معاویہ کے اشارے سے زہر دیا تھا۔۔۔۔۔ واللہ اعلم۔“

علامہ ابن عبدالبر نے مذکورہ بالا دو روایتیں لکھی ہیں۔ لیکن دوسری روایت جس میں مشتبہ طور پر لکھی ہے۔ اس کا ضعف خود عبارت سے ظاہر ہے کہ ”کچھ لوگ ایسا کہتے ہیں۔“ علامہ ابن اثیر اسد الغابہ لکھتے ہیں۔^۲

”وكان سبب موته ان زوجته جعدة بنت الاشعث بن قیس سقته السم فكان توضع تحته طست ترفع اخرى نحو ار بعین یومافمات منه۔“

”اور ان (حسنؓ) کی موت کا سبب یہ تھا کہ ان کی بیوی جعدہ بنت اشعث بن قیس نے ان کو زہر پلا دیا تھا اور چالیس دن تک ان کے نیچے برابر ایک طست رکھا جاتا تھا اور دوسرا اٹھایا جاتا تھا۔ اسی میں وہ انتقال کر گئے۔“

اس روایت میں بھی جعدہ ہی کا نام ہے اور امیر معاویہؓ کا کہیں ذکر نہیں۔ علامہ ابن عسقلانی اصابہ میں حضرت حسنؓ کے سنین وفات کے اختلاف بتانے کے بعد لکھتے ہیں۔^۳

”وَيَقَالُ أَنَّهُ مَاتَ مَسْهُومًا قَالَ ابْنُ سَعْدٍ أَخْبَرَنَا إِسْمَاعِيلُ
..... عَنْ عَمِيرِ بْنِ إِسْحَاقَ دَخَلْتُ أَنَا وَصَاحِبُ لِي عَلِيِّ الْحَسَنِ
بْنِ عَلِيٍّ فَقَالَ لَقَدْ لَقِيتُ طَائِفَةً مِنْ كِبَدِي وَأَنِّي قَدْ سَقَيْتُ السَّمَّ مَرَارًا
فَلَمْ أَسْقِ مِثْلَ هَذَا فَاتَاهُ الْحَسَنِ بْنُ عَلِيٍّ فَسَالَهُ مِنْ مَقَاهِ قَابِي
أَنْ يُخْبِرَ رَحِمَهُ اللَّهُ تَعَالَى“.

”اور کہا جاتا ہے کہ انہوں نے (حسنؑ) زہر سے انتقال کیا۔ ابن سعد کی روایت ہے کہ مجھ
کو اسماعیل نے خبر دی۔۔۔۔۔ کہ عمیر بن اسحاق کہتے ہیں کہ میں اور میرے ایک ساتھی
حسنؑ کے پاس گئے۔ انہوں نے کہا کہ میرے جگر کے کچھ ٹکڑے گر چکے ہیں اور مجھے
کئی مرتبہ زہر پالایا گیا ہے۔ لیکن اس مرتبہ کے ایسا قاتل کبھی نہ تھا۔ اس کے بعد حسینؑ
ان کے پاس آئے اور پوچھا کس نے پلایا۔ لیکن انہوں نے بتانے سے انکار کیا۔
رحمۃ اللہ تعالیٰ۔“

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ علامہ ابن حجر نفیس زہری سے موت ہونے میں مشتبہ ہیں۔
چنانچہ زہری کی روایت ”یَقَالُ“ کر کے لکھتے ہیں، جو ضعف روایت کی علامت ہے۔ دوسری اہم روایت
ابن سعد کی ہے، جو طبقات صحابہ کے سب سے قدیم مولف ہیں اور جن کی کتاب ”طبقات ابن سعد“
طبقات کی قدیم ترین اور مستند ترین کتاب ہے اور بعد کی تمام کتابیں اسی سے ماخوذ ہیں، مگر اس میں بھی
کسی زہر دینے والے کا نام نہیں۔

علامہ ابن حجرؒ نے اصحابہ کے علاوہ رجال کی مشہور کتاب تہذیب التہذیب میں بھی اس
واقعہ کے متعلق دو روایتیں نقل کی ہیں۔ ان میں سے ایک روایت ابن سعد کی روایت خفیف لفظی تغیر
کے ساتھ ہے۔ مگر صورت واقعہ بعینہ وہی ہے جو اوپر لکھی گئی ہے۔ دوسری روایت اسد الغابہ کی ہے جو
اوپر گزر چکی ہے۔^۱

طبقات اور رجال کے بعد تاریخ میں آئیے۔ تاریخ میں یہ واقعہ مشتبہ سے مشتبہ تر ہو جاتا
ہے۔ کیونکہ تفصیلے مورخین بھی جنہیں امیر معاویہؓ کے مظالم و مثالب اور اہل بیت کی مظلومیت
دکھانے میں خاص لطف آتا ہے۔ امیر معاویہؓ کے ساتھ زہر خورانی کی نسبت کو صحیح نہیں سمجھتے۔ حتیٰ کہ
بعضوں نے سرے سے زہر خورانی کا واقعہ ہی نہیں لکھا۔

۱۔ دیکھو تہذیب التہذیب۔ جلد ۲۔ ص ۳۰۱

چنانچہ سب سے قدیم تفصیلی مورخ علامہ احمد بن ابی داؤد بنوری المتوفی ۲۸۱ھ جو اپنی قدامت کی وجہ سے مستند مورخ مانے جاتے ہیں۔ اپنی کتاب اخبار الطوال میں سرے سے اس واقعہ کا تذکرہ نہیں کرتے اور حضرت حسنؑ کی وفات کے حالات اس طرح لکھتے ہیں۔

”ثم ان الحسن اشتكى بالمدينة فقل و كان اخوه محمد بن الحنفية في ضيعة له فارسل اليه فوانى فدخل عليه فجلس عن يساره والحسين عن يمينه ففتح الحسن عينه فراهما فقال للحسين يا اخي اوصيك بمحمد اخيك خيرا فانه جلدة ما بين العينين ثم قال يا محمد وانا اوصيك بالحسين كانفه و ازره ثم قال ادفنوني مع جدی صلعم فان منعم فالبيع ثم توفي فممنع مروان ان بدفن مع النبی صلعم فدفن فی البقیع“۔

”پھر حسنؑ مدینہ میں بیمار پڑے اور حالت خراب ہو گئی، تو ان کے بھائی محمد بن حنفیہ کو جو اس وقت اپنی زمینداری پر تھے بلایا گیا۔ وہ حسنؑ کی وفات سے پہلے پہنچ گئے اور حسنؑ کے پاس آکر ان کے بائیں جانب بیٹھے۔ حسینؑ داہنی جانب تھے۔ حسنؑ نے آنکھ کھولی اور دونوں کو دیکھ کر حسینؑ سے کہا کہ برادر عزیز میں تم کو تمہارے بھائی محمد سے حسن سلوک کی وصیت کرتا ہوں۔ کیونکہ وہ دونوں آنکھوں کے درمیانی چڑے کی طرح عزیز ہیں۔ پھر محمد بن حنفیہ سے کہا کہ محمدؑ میں تم کو وصیت کرتا ہوں کہ تم حسینؑ کے گرد جمع ہو کر ان کی مدد کرنا۔ پھر کہا کہ مجھ کو میرے نانا صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دفن کرنا اور اگر تم کو روکا جائے تو بقیع میں دفن کر دینا۔ چنانچہ آپ کی وفات کے بعد مروان نے نبی صلعم کے ساتھ دفن کرنے سے روکا تو وہ بقیع میں دفن کئے گئے۔“

اس واقعہ میں شروع سے آخر تک سرے سے نہ ہر خورانی کا تذکرہ نہیں ہے۔

ان کے بعد دوسرے مستند اور تفصیلی مورخ علامہ ابن واضح کاتب عباسی المعروف بہ یعقوبی جو تیسری صدی کے نہایت ممتاز مورخ ہیں، اپنی مشہور کتاب تاریخ میں حضرت حسنؑ کی وفات کا یہ واقعہ لکھتے ہیں۔

”وتوفی الحسن بن علی فی شهر ربیع الاول ۴۹ھ ولما حضرته الوفاة قال لایخیه الحسین یا اخی ان هذا اخر ثلث مرار سقیت فیها السم ولم اسقه مثل موتی هذا وانا میت من یومی فاذا انامت فادفنی مع رسول الله فما احد اولی بقربه منی الا ان تمنع من ذالک فلا تسفک محجمة دم“.

”اور حسن بن علیؑ نے ربیع الاول ۴۹ھ میں وفات پائی۔ جب وفات کا وقت قریب آیا تو اپنے بھائی حسینؑ سے کہا برابر اور عزیز یہ تیسری مرتبہ کا آخری مرتبہ ہے، جس میں مجھے زہر پلایا گیا۔ لیکن اس مرتبہ کے جیسا کبھی نہ تھا، میں آج ہی مرجاؤں گا۔ جب میں مرجاؤں تو مجھ کو رسول اللہ ﷺ کے ساتھ دفن کرنا، کہ میری قرابت قریبہ کی وجہ سے میرے مقابلہ میں کوئی اس کا مستحق نہیں ہے۔ البتہ اگر تم رو کے جاؤ تو ایک بچنے کے برابر خونریزی نہ کرنا“۔

اس میں بھی کسی زہر دینے والے کا نام نہیں ہے۔

یعقوبی کے بعد تیسرے مستند ترین تفصیلی مورخ علامہ مسعودی، التوفی ۳۴۶ھ جو اپنے وسنت علم اور جامعیت کے لحاظ سے مورخین میں ممتاز پایہ رکھتے ہیں۔ اپنی مشہور معروف کتاب مروج الذهب میں تحریر کرتے ہیں:

”علی بن الحسین بن ابی علی ابی طالب قال دخل الحسین علی عمی الحسن بن علی لما اسقی السم فقام لحاجة الانسان ثم رجع فقال لقد سقیت السم عدة مرار فما سقیت مثل هذه لقد لقطت طائفة من كبدي فرايتنی اقلبه لعود فی یدی فقال الحسین یا اخی من سقاک قال ما تريد بذلك فان كان الذی اظنه فالله حسیبه وان كان غیره فما احب ان یوخذبى برئ فلم یلبث بعد ذالک الا ثلاثا حتی توفی و ذکر ان امراته جعد بنت الاشعث ابن قیس الکندی سقته السم وقد کان معاویه دس الیها“.

”علی بن حسین بن علی بن ابی طالب (زین العابدین) بیان کرتے ہیں کہ حسینؑ میرے چچا حسنؑ بن علی کے پاس ان کے زہر پلانے کے وقت گئے، تو حسنؑ قضائے حاجت کے لئے گئے۔ وہاں سے لوٹ کر کہا مجھے کئی مرتبہ زہر پلایا گیا۔ لیکن اس مرتبہ کے ایسا کبھی نہ تھا۔ اس میں میرے جگر کے ٹکڑے باہر آ گئے۔ تم مجھے دیکھتے کہ میں ان کو اپنے ہاتھ کی لکڑی سے الٹ پلٹ کر دیکھ رہا تھا۔ حسینؑ نے پوچھا بھائی صاحب کس نے پلایا؟ حسنؑ نے کہا، اس سوال سے تمہارا کیا مقصد ہے، اگر زہر دینے والا وہی شخص ہے، جس کے متعلق میرا گمان ہے تو خدا اس کے لئے کافی ہے اور اگر دوسرا ہے تو میں یہ پسند نہیں کرتا میری وجہ سے کوئی ناکردہ گناہ پکڑا جائے۔ اس کے بعد حسنؑ زیادہ نہ ٹھہرے اور تین دن بعد انتقال کر گئے۔ اور ذکر کیا جاتا ہے کہ ان کی بیوی جعدہ بنت اشعث بن قیس نے معاویہؓ کے اشارہ سے زہر پلایا تھا۔“

اس روایت کے دو حصے ہیں۔ اصل حصہ میں کسی زہر دینے والے کا نام نہیں۔ دوسرے ٹکڑے میں جو محض روایتی حیثیت سے شامل کیا گیا ہے۔ جیسا کہ اس کا طرزِ تحریر شاہد ہے۔ اس میں امیر معاویہؓ کا نام ہے، لیکن اس روایتی ٹکڑے کی جو حیثیت وہ ”ذکر“ کے لفظ سے ظاہر ہے۔ ”ذکر“ عربی زبان میں اسی واقعہ کے لئے استعمال کیا جاتا ہے جو نہایت کمزور ہوتا ہے۔

مذکورہ بالا شہادتیں ان تفصیلیہ مورخین کی ہیں جنہیں اہل سنت بھی عام واقعات میں مستند سمجھتے ہیں۔ اب ان خالص سنی مورخین کی شہادتیں پیش کی جاتی ہیں، جنہیں شیعہ بھی مستند مانتے ہیں۔ اس سلسلہ میں سب سے اول محدث ابن جریر طبری کا نام سامنے آتا ہے۔ لیکن یہ واقعہ مجھے طبری میں باوجود تلاش کرنے کے کہیں نہیں ملا۔ طبری کے بعد ابن اثیر کا نمبر ہے، وہ لکھتے ہیں:۔

”فی هذه السنة توفي الحسن ابن علي سمته زوجته جعدة بنت الاشعث بن قيس الكندي“.

”اور اسی سنہ (۳۹ھ) حسن بن علیؑ نے وفات پائی۔ ان کو ان کی بیوی جعدہ بنت اشعث بن قیس کندی نے زہر دیا تھا۔“

ابن اثیر کے بعد ابوالفداء کا بیان ہے:۔

”وتوفی الحسن من سم سقته زوجته جعدة بنت الاشعث قیل فعلت ذالک بامر معاویة وقیل بامر یزید“۔

”اور حسنؑ نے زہر سے وفات پائی، جسے ان کی بیوی جعدہ بنت اشعث نے پلایا تھا۔ اور کہا گیا تھا کہ اس نے یہ فعل معاویہؓ کے حکم سے کیا تھا اور کہا گیا ہے کہ یزید کے حکم سے کیا تھا“۔

اس بیان سے ظاہر ہے کہ ابوالفضلؓ ابھی امیر معاویہؓ کی جانب زہر خورانی کی نسبت صحیح نہیں سمجھتا۔ اس لئے پہلے اس نے اپنی رائے لکھی، اس کے بعد دوسری روایت محض روایتی حیثیت سے ”قیل“ کے ساتھ نقل کی ہے۔ جو ضعف روایت کی دلیل ہے۔

سب سے آخر میں ابن خلدون کی رائے پیش کی جاتی ہے۔ گوزمانہ کے لحاظ سے ان کا شمار متاخرین میں ہے۔ لیکن صحت روایت، اصابت رائے اور تنقید کے اعتبار سے سب سے ممتاز ہے۔ خصوصاً مشتبہ اور مختلف فیہ واقعات میں ان کی رائے فیصلہ کا حکم رکھتی ہے۔ کیونکہ یہ اس قسم کے واقعات کی تنقید بھی کرتا ہے اور دینا میں فلسفہ تاریخ کا امام ہے، اور پہلا شخص ہے جس نے دینا کو فلسفہ تاریخ سے آشنا کیا۔ چنانچہ حضرت حسنؓ کی دست برداری کے سلسلہ میں لکھتا ہے^۱۔

”ثم ارتحل الحسنؑ فی اهل بیتہ وحشمهم الی المدینة وخرج اهل الکوفة الوداعه باکین فلم یزل مقيما بالمدينة الی ان هلك سنة تسع واربعین وقال ابو الفرج الاصفهانی سنة احدى وخمیس علی فراشه بالمدينة وما ینقل ان معاویہ دس الیه السم مع زوجته جعدة بنت الاشعث فهو من احادیث الشيعة لمعاویة من ذالک“۔

”حسنؑ (خلافت سے دستبرداری کے بعد) اپنے اہل بیت اور ان کے خدام کو لے کر مدینہ چلے گئے اور کوفہ والے روتے ہوئے ان کو رخصت کرنے کے لئے نکلے۔ اس وقت سے وفات تک وہ برابر مدینہ میں مقیم رہے۔ ۳۹ھ میں انہوں نے وفات پائی۔ اور ابو الفرج اصفہانی کا بیان ہے کہ ۵۵ھ میں اپنے بستر پر مدینہ میں وفات پائی۔ اور یہ روایت کی معاویہؓ نے ان کی بیوی سے مل کر زہر دلایا، شیعوں کی بنائی ہوئی ہے۔ حاشا معاویہؓ کی ذات سے اس کا کوئی تعلق نہیں“۔

ان تمام مستند شہادتوں کے بعد آخر میں یہ بحث تاریخ اسلام کے مشہور مجدد علامہ ابن تیمیہ حرانی کے فیصلہ پر ختم کی جاتی ہے۔ وہ لکھتے ہیں :

بعض لوگوں کا یہ کہنا کہ حسنؓ کو معاویہؓ نے زہر دیا تھا کہ کسی شرعی دلیل اور معتبر اقرار سے ثابت نہیں ہے اور نہ کوئی قابل وثوق روایت سے اس کی شہادت ملتی ہے اور یہ واقعہ ان واقعوں میں ہے جس کی تہہ تک نہیں پہنچا جاسکتا۔ اس لئے اس کے متعلق کچھ کہنا بے علم کی بات کہنا ہے۔ ہم نے زمانہ میں ایسی مثال دیکھی ہے کہ ایک شخص کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ زہر سے مر اور ترکوں وغیرہ نے اسے زہر دیا۔ لیکن اس واقعہ میں لوگوں کا بیان اس درجہ مختلف ہے کہ اس بادشاہ کی جائے وفات اور قلعہ کی تعیین میں بھی اختلاف ہے۔ جس میں وہ مرا اور اس بارے میں ہر شخص کا بیان ایک دوسرے سے مختلف ہے۔ ایک شخص کہتا ہے کہ فلاں نے زہر دیا۔ دوسرا کہتا ہے کہ اس نے نہیں بلکہ دوسرے شخص نے زہر دیا۔ کیونکہ یہ اس طرح پیش آیا۔

یہ واقعہ حال کا اور تمہارے زمانہ کا ہے اور اس کے بیان کرنے والے وہ لوگ ہیں جو اس بادشاہ کے قلعہ میں موجود ہیں۔ حضرت حسنؓ کے متعلق کہا جاتا ہے کہ ان کو زہر دیا گیا اور یہ ایسی موت ہے جس کا آسانی سے پتہ چل سکتا ہے، کیونکہ مسموم کی موت چھپی نہیں رہتی۔ لیکن اس کے ساتھ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ان کی بیوی نے زہر دیا اور یہ مسلم ہے کہ ان کی وفات مدینہ میں ہوئی اور معاویہؓ شام میں تھے۔ اس لئے زیادہ سے زیادہ کوئی بدگمان یہ گمان کر سکتا ہے کہ معاویہؓ نے اس کے پاس زہر بھیج کر اس کو کھلانے کا حکم دیا۔

دوسرا سبب یہ بیان کیا جاتا ہے کہ حسنؓ بکثرت طلاقیں دیتے تھے اور کبھی ایک عورت کے پاس نہیں رہتے تھے۔ اس لئے ان کی بیوی نے فطرت نسوانی کے تحت عداوت میں انہیں زہر دے دیا۔ تیسرا سبب یہ بیان کیا جاتا ہے کہ اس عورت کا باپ اشعث بن قیس در پردہ حضرت علیؓ اور حسنؓ کا مخالف تھا، اس لئے اپنی لڑکی کے ذریعہ سے زہر دلایا۔ اب اگر یہ کہا جائے کہ اشعث کو امیر معاویہؓ نے حکم دیا تھا تو یہ محض بدگمانی ہوگی، جو مذہباً ممنوع ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا ہے کہ ظن اکذب الحدیث ہے اور باتفاق مسلمین شرعاً اور قانوناً بھی ظن پر کوئی حکم نہیں لگایا جاسکتا۔ اس لئے مدحا اور ذماً اس پر کوئی حکم مترتب نہیں ہوتا اور تیسرا سبب صریحاً باطل ہے۔

کیونکہ باختلاف روایت اشعث ابن قیس ۴۰ھ یا ۴۱ھ میں مرا۔ اسی لئے حسنؓ اور معاویہؓ کی صلح کے سلسلہ میں کہیں اس کا نام نہیں آیا ہے اور یہ صلح عام الجماعت ۴۱ھ میں ہوئی ہے۔

اگر اس وقت زندہ ہوتا تو اس کا نام کسی نہ کسی طرح اس سلسلہ میں ضرور آتا۔ اس لئے وہ اپنی موت کے دس سال بعد کس طرح اپنی لڑکی سے زہر دلا سکتا ہے۔ واللہ اعلم الحقیقۃ الحال۔

ان شہادتوں کے بعد اس واقعہ پر مزید رد و قدح کی ضرورت نہیں معلوم ہوتی۔ اس کے متعلق تمام تاریخی شواہد کی اصل عبارتیں مع ترجمہ ناظرین کے سامنے پیش کر دی گئیں۔ وہ انہیں دیکھ کر خود حق و باطل کا فیصلہ کر سکتے ہیں۔ لیکن اس بحث کے ختم کرنے سے پہلے ایک ضروری پہلو کی طرف متوجہ کرنا ضروری ہے۔

۱۔ یہ مسلم ہے کہ حضرت حسنؓ شہایت صالح جو اور صلح پسند تھے۔ جنگ و جدل سے انہیں طبعی نفرت تھی اور اسی وجہ سے بچنے کے لئے وہ خلافت جیسے رفیع اعزاز سے دست بردار ہو گئے تھے۔ آپ کی دستبرداری کے بعد خانوادہ نبوت کے جس شخص میں کسی حد تک خلافت کی خواہش تھی وہ تو حضرت حسینؓ کی ذات گرامی تھی۔ چنانچہ آپ نے حضرت حسنؓ اور امیر معاویہؓ کی مصالحت اور حضرت حسنؓ کی دستبرداری کے وقت آپ کی مخالفت بھی کی تھی۔ لیکن حضرت حسنؓ نے انہیں ڈانٹ کر خاموش کر دیا تھا۔ اس لئے اگر امیر معاویہؓ آئندہ خطرے سے بچنے کے لئے زہر دلواتے بھی تو حسینؓ کو جن کی طرف سے ان کو دعویٰ خلافت کا خطرہ تھا۔ جیسا کہ انہوں نے اپنے وصیت نامہ میں یزید کو آگاہ کیا تھا۔ ناکہ حسنؓ کو جو ان کے حق میں دستبردار ہو گئے تھے۔ غرض عقلی اور نہائی دونوں حیثیتوں سے یہ روایت ناقابل اعتبار بلکہ بالکل ہی بے حقیقت ہے۔

۲۔ دوسرا الزام بنو ہاشم کے ساتھ عموماً اور اہل بیت نبوی کے ساتھ خصوصاً بد سلوکی کا لگایا جاتا ہے۔

لیکن یہ الزام بھی صریح افتراء اور بہتان ہے۔ ممکن ہے خاندانی عصبیت کی وجہ سے امیر معاویہؓ ہاشم کو اچھا نہ سمجھتے ہوں۔ لیکن ان کے ظاہری اعزاز و احترام میں انہوں نے کبھی کوئی فرق نہیں آنے دیا۔ خصوصاً حضرت حسنؓ کی دستبرداری کے بعد وہ بنو ہاشم سے جس حسن سلوک اور تحمل سے پیش آتے تھے وہ نہ صرف قابل ستائش بلکہ حد درجہ حیرت انگیز ہے۔

یہ ممکن ہے کہ ان کا یہ طرز عمل پولیٹیکل اغراض کی بنا پر ہو، لیکن اس سے کوئی واقف کار حق پرست انکار نہیں کر سکتا کہ امیر معاویہؓ کا طرز عمل بنو ہاشم اور اہل بیت نبوی کے ساتھ حد درجہ شریفانہ اور متحملانہ تھا۔

اب واقعات سے اس کی مثالیں ملاحظہ ہوں۔ جب حضرت حسنؑ خلافت سے دستبردار ہوتے ہیں تو شرائط صلح میں ایک اہم دفعہ یہ ہوتی ہے کہ تمام بنی ہاشم کو وظائف دیئے جائیں گے اور ان وظائف میں انہیں بنی امیہ کے افراد پر ترجیح حاصل ہوگی۔^۱

اپنی وفات کے وقت انہوں نے حضرت حسینؑ کے بارے میں جو وصیت کی تھی، وہ خاص طور پر قابل لحاظ ہے۔ اس کے الفاظ یہ ہیں : ”عراق والے حسینؑ کو تمہارے مقابلہ میں لاکر چھوڑیں گے۔ لیکن جب وہ تمہارے مقابلہ میں آئیں اور تم کو ان پر قابو حاصل ہو جائے تو درگزر سے کام لینا۔ کیونکہ قرابت دار ہیں، ان کا بڑا حق ہے اور وہ رسول اللہ ﷺ کے عزیز ہیں۔“^۲

بنو ہاشم کو ان کی ضرورت کے اوقات میں بڑی بڑی رقمیں دیتے تھے اور اس احسان کے باوجود ان کی درشت کلامی بھی برداشت کرتے تھے۔ ایک مرتبہ حضرت علیؑ کے برادر اکبر حضرت عقیل کو ۴۰ ہزار درہم کی ضرورت ہوئی۔ یہ حضرت علیؑ کے پاس گئے۔ یہاں کیا تھا۔ آپ نے اپنے وظیفہ کی برآمد تک انتظار کرنے کو کہا۔ لیکن اولاً وظیفہ کی رقم ان کے مطالبہ کے مقابلہ میں قلیل تھی۔ پھر اس کے لئے وقت درکار تھا۔ اس لئے عقیل معاویہ کے پاس پہنچے، امیر معاویہؓ نے ان سے پوچھا، تم نے علیؑ کو کیسا پایا؟ جواب دیا وہ رسول اللہ ﷺ کے صحیح صحابی ہیں۔ بس صرف اس قدر کمی ہے کہ آنحضرت ﷺ ان میں نہیں ہیں اور تم اور تمہارے حواری ابوسفیان اور اس کے حواریوں کی طرح ہو۔ امیر معاویہؓ نے اپنے باپ پر یہ طعن سننے کے بعد بھی انہیں پچاس ہزار درہم دیئے۔^۳

خصوصاً حضرت امام حسنؑ اور امام حسینؑ کے ساتھ اس رقم کے علاوہ جو شرائط صلح کے مطابق دیتے تھے، برابر مسلوک ہوتے رہتے تھے، اور ایک مشمت کئی کئی لاکھ دیتے تھے۔ ابن کثیر نے دونوں بھائیوں کے ساتھ امیر معاویہؓ کی فیاضی کے بہت سے واقعات نقل کئے ہیں۔^۴ حضرت علیؑ کے بھتیجے عبداللہ بن جعفر کو کئی لاکھ سالانہ دیتے تھے۔ اس کے علاوہ جب کوئی ضرورت بیان کرتے تھے تو اس کو پوری کرتے تھے۔^۵

بنو ہاشم کے مرد تو مرد عورتیں تک امیر معاویہؓ کے روبرو انہیں سخت الفاظ کہتی تھیں۔ امیر نہایت تحمل سے ان کو سنتے تھے۔ اور ان کی فرمائشیں پوری کرتے تھے۔ ایک مرتبہ حضرت علیؑ کی چچیری بہن ارویٰ ان کے پاس آئیں۔ معاویہؓ نے نہایت خندہ پیشانی سے استقبال کیا اور کہا خالہ مرحبا،

۱۔ اخبار الطوال۔ ص ۲۳۱ ۲۔ طبری۔ جلد ۷۔ ص ۱۹۷ والفخری۔ ص ۱۰۳ ۳۔ اسد الغابہ۔ جلد ۳۔ ص ۲۳۲

۵۔ ایضاً

۴۔ تفصیل کے لئے دیکھو البدایہ والنہایہ۔ جلد ۵۔ ص ۳۷

مزاج کیسا ہے۔ انہوں نے جواب دیا، اچھی ہوں اور اہل بیت کے فضائل اور معاویہ کی مذمت پر ایک پُر جوش تقریر کی۔ عمرو بن العاصؓ بیٹھے تھے، ان سے نہ سنا گیا۔ بول اٹھے کہ گمراہ بوڑھی تیری عقل جاتی رہی ہے، زبان بند کر۔ اروئیؓ نے اس کے جواب میں عمرو بن العاصؓ کی بُری طرح خبر لی اور ان کی ماں اور ان کے نسب کے متعلق نہایت فحش باتیں سنا کر بولیں کہ تیری یہ مجال کہ میرے سامنے منہ کھولے۔

حضرت امیر معاویہؓ نے درمیان میں پڑ کر دونوں کو خاموش کر دیا کہ اب ان گزری ہوئی باتوں کو جانے دیجئے اور اپنی ضرورت بیان کیجئے۔ اروئیؓ نے کہا مجھ کو ۶ ہزار دینار کی ضرورت ہے۔ ۲ ہزار مفلس بن حارث کے واسطے نہر خریدنے کے لئے اور دو ہزار ان کے ناداروں کی شادی میں صرف کرنے کے لئے اور ۲ ہزار وقت بے وقت کی ضرورتوں کے لئے۔ امیر معاویہؓ نے اسی وقت چھ ہزار کی رقم ان کے حوالے کی اور یہ اس کو لے کر واپس گئیں۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ جو ہاشمی خاندان کے بڑے صاحب کمال اور صاحب دماغ بزرگ تھے۔ بنی اُمیہ کے ساتھ تعصب رکھتے تھے اور ان کی یہ روش شروع سے آخر تک برابر قائم رہی اور جب بنی اُمیہ اور بنی ہاشم کے مقابلہ کا سوال ہوا تو حضرت عبداللہ کی عصبيت ظاہر ہوتی رہی۔ چنانچہ جنگ صفین میں حضرت علیؓ کی حمایت میں میدان میں آئے اور بصریوں کی ایک جماعت اپنے ساتھ لائے۔ پھر ثالثی میں ابو موسیٰ اشعریؓ کو عمرو بن العاصؓ کی چال سے بچنے کی ہدایت کی اور جناب امیرؓ کی زندگی میں ان کی جانب سے بھرہ کے والی رہے۔

غرض جناب امیرؓ اور معاویہؓ کے اختلاف کے زمانہ میں عبداللہ بن عباسؓ کی حیثیت نہ صرف جناب امیرؓ کے معمولی حامی کی تھی بلکہ وہ امیر معاویہؓ کے سخت مخالف تھے۔ لیکن ان مخالفتوں کے باوجود حضرت حسنؓ کی دستبرداری کے کچھ قبل جب انہوں نے امیر معاویہؓ کے پاس اپنی جان اور اپنے اندوختہ کی امان کے بارے میں خط لکھا تو امیر معاویہؓ نے اسے بخوشی منظور کر لیا اور ان سے کوئی تعرض نہیں کیا۔ ایک مرتبہ ان کو دس لاکھ درہم دیئے۔

مشہور شیعہ مورخ طہا المعروف بابن طقطقیؒ لکھتے ہیں کہ اشراف قریش میں عبداللہ بن عباسؓ، عبداللہ بن زبیرؓ، عبداللہ بن جعفر طیارؓ، عبداللہ بن عمرؓ، عبدالرحمن بن ابی بکرؓ، آبان بن عثمانؓ اور آل ابی طالب کے افراد معاویہؓ کے پاس دمشق آیا کرتے تھے۔ یہ ان سب بزرگ کی داشت اور اعلیٰ

بیانہ پر ان کی مہمان نوازی کرتے تھے۔ ان کی تمام ضروریات پوری کرتے تھے۔ اس کے بدلہ میں یہ لوگ ہمیشہ ان سے سختی کیساتھ گفتگو کرتے اور چیں بچیں رہتے۔ لیکن امیر معاویہ ان کی گفتگو کو کبھی مذاق میں اڑا دیتے اور کبھی ٹال جاتے اور اس کے جواب میں بیش قیمت تحائف اور بڑی بڑی رقمیں دیتے۔^۱

ان صریح شہادتوں کے بعد امیر معاویہؓ پر اہل بیت اور بنو ہاشم کے ساتھ ناروا سلوک کرنے کا الزام لگانا کس قدر زیادتی ہے۔

۳۔ تیسرا الزام حضرت علیؓ پر سب و شتم کا ہے۔ لیکن یہ الزام تنہا امیر معاویہؓ پر عائد نہیں ہوتا۔ حضرت علیؓ اپنی تحریروں اور تقریروں میں سخت سے سخت الفاظ ان کے لئے استعمال کرتے تھے۔ آج بھی آپ کے خطبات اس کے شاہد عادل ہیں، حضرت علیؓ تو خیر ان سے بلند و برتر تھے۔ ان کے منہ پر یہ باتیں زیب بھی دیتی تھیں۔ لیکن وہ حامیان علیؓ بھی جو معاویہؓ کی خاک کے برابر بھی نہ تھے، کوئی بدکلامی امیر کی شان میں اٹھانہ رکھتے تھے اور حقیقت یہ ہے کہ دو مقابل کے حریفوں میں ایک کی بدگوئی کا الزام دوسرے پر رکھنا فطرت انسانی سے جہل کا ثبوت ہے۔

یہ تقاضائے فطرت ہے کہ جب دو آدمیوں کا اختلاف دشمنی کی حد تک پہنچ جاتا ہے، تو ادنیٰ ادنیٰ باتوں پر اتر آتے ہیں۔ اس لئے امیر معاویہؓ یا حضرت علیؓ پر ایک دوسرے کے سب و شتم کا الزام رکھنا فطرت پر الزام ہے۔ غالباً ناظرین کو یہ معلوم کر کے حیرت ہوگی کہ امیر معاویہؓ حضرت علیؓ کے مقابلہ میں جنگ آزما ہونے کے بعد بھی ان کے تمام فضائل کے معترف تھے اور انہوں نے بارہا اور برملا ان کا اعتراف کیا۔

جنگ صفین کی تیاریوں کے وقت جب ابو مسلم خولانی ان کو سمجھانے کے لئے گئے اور کہا معاویہ میں نے سنا ہے کہ تم علیؓ سے جنگ کا ارادہ رکھتے ہو۔ تم کو سبقت اسلام کا شرف حاصل نہیں ہے۔ پھر کس برتے پر اٹھو گے تو انہوں نے صاف صاف اعتراف کیا کہ مجھے اس کا دعویٰ نہیں ہے کہ میں فضل میں ان کے مثل ہوں۔ میں تو صرف قاتلین عثمانؓ کو مانگتا ہوں۔^۲

اپنی وفات کے کچھ دنوں پہلے انہوں نے مجمع عام میں جو تقریر کی تھی، اس کے الفاظ یہ تھے کہ ”میرے بعد آنے والا مجھ سے بہتر نہیں ہوگا۔ جیسا کہ میں اپنے پیش رو سے بہتر نہیں ہوں۔“^۳

وہ نہ صرف حضرت علیؓ بلکہ خاندان بنی ہاشم کے شرف و فضیلت کے معترف تھے۔ ایک مرتبہ ان سے پوچھا کہ بنی امیہ اشرف ہیں یا بنی ہاشم؟ انہوں نے زمانہ جاہلیت کی پوری تاریخ دہرا کر دونوں کی فضیلت کا اعتراف کیا اور آخر میں کہا کہ نبی ﷺ کی بعثت کے بعد بنی ہاشم کی فضیلت کو کون پہنچ سکتا ہے۔

۴۔ چوتھا اہم الزام یہ ہے کہ انہوں نے بعض اکابر صحابہ کو قتل کیا، اور بہتوں کی توہین و تذلیل کی۔ لیکن یہ الزام بھی اپنے مفہوم کی صحت کے لحاظ سے لایعنی ہے۔ اکابر صحابہ کی بڑی جماعت ان دونوں کے اختلاف سے پہلے ہی واصلِ حق ہو چکی تھی۔ اکابر صحابہ میں اس وقت جو بزرگ باقی رہ گئے تھے ان میں سے بہتیرے آنحضرت ﷺ کے اس فرمان کے خوف سے کہ ”اگر وہ مسلمان آپس میں لڑیں، تو دونوں جہنمی ہیں۔“ خانہ نشین ہو گئے تھے اور حضرت علیؓ اور معاویہؓ کسی کے ساتھ شریک نہ ہوئے۔

چنانچہ عشرہ مبشرہ میں حضرت سعد بن ابی وقاصؓ شروع سے آخر تک جس قدر خانہ جنگیاں ہوئیں، کسی میں بھی شریک نہ ہوئے۔ حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد حضرت علیؓ کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ لیکن جب حضرت علیؓ جنگِ جمل کے لئے روانہ ہوئے اور لوگوں نے ان کو ساتھ چلنے کی دعوت دی تو انہوں نے صاف جواب دیا اور فرمایا کہ ”مجھے ایسی تلوار بتاؤ جو مسلم اور کافر میں امتیاز کرے“۔ ان کے لڑ کے عمرو بن سعد نے ان سے کہا کہ آپ کو یہ اچھا معلوم ہوتا ہے کہ آپ جنگل میں اونٹ چرائیں اور لوگ بادشاہت اور حکومت کے لئے اپنی اپنی قسمت آزمائیں۔ حضرت سعدؓ نے ان کے سینے پر ہاتھ مار کر فرمایا، خاموش! میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ ”خدا خاموش اور پرہیزگار بندہ کو محبوب رکھتا ہے“۔ پھر جنگ صفین میں امیر معاویہؓ نے ان کو ملانا چاہا، لیکن انہوں نے انکار کر دیا۔

حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ دونوں عشرہ مبشرہ میں تھے اور جنگِ جمل کے ہیرو تھے۔ لیکن آغاز جنگ کے بعد میدان سے نکل آئے اور بد بختوں نے ان کی واپسی سے ناجائز فائدہ اٹھا کر شہید کر دیا۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ جو اپنے فضل و کمال اور زہد و ورع کے لحاظ سے اپنے عہد میں اپنی مثال نہ رکھتے تھے۔ جنگِ جمل و صفین کسی میں بھی شریک نہ ہوئے۔ لیکن چونکہ حضرت علیؓ کو حق پر

۲ ابن سعد۔ جلد ۳۔ قسم اول۔ ترجمہ سعد بن ابی وقاص

۳ اسد الغابہ۔ جلد ۲۔ ص ۳۹۲

۱ البدایہ والنہایہ۔ جلد ۸۔ ص ۱۲۸

۳ الریاض المنظرہ فی مناقب العشرہ۔ ص ۲۰۰

۵ مستدرک حاکم۔ جلد ۳۔ ص مناقب طلحہ و زبیر

سمجھتے تھے، اس لئے ان کے ہاتھ پر بیعت کر لی تھی۔ مگر آپ سے یہ شرط کر لی تھی کہ وہ جنگ میں ساتھ نہ دیں گے اور جناب امیرؓ نے انہیں اس کی اجازت بھی دے دی تھی۔

حضرت اسامہ بن زیدؓ جن کو آنحضرت ﷺ کے ساتھ قرب و اختصاص کی وجہ سے رکن اہل بیعت ہونے کی حیثیت حاصل تھی۔ جنگ صفین سے بالکل کنارہ کش رہے اور حضرت علیؓ کے پاس کہلا بھیجا کہ اگر آپ شیر کی ڈاڑھ میں گھستے، تو میں بھی آپ کے ساتھ گھس جاتا۔ لیکن اس معاملہ میں حصہ لینا پسند نہیں کرتا۔

حضرت اخف بن قیسؓ جب حضرت علیؓ کی امداد کے لئے آرہے تھے تو اتفاق سے ابو بکرؓ سے ملاقات ہو گئی۔ انہوں نے ان کو روکا اور کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ دو مسلمان آپس میں لڑیں تو دونوں جہنمی ہیں۔

حضرت عمران بن حسینؓ جن کا شمار فضلاء اور فقہائے صحابہ میں تھا۔ خانہ جنگی میں حصہ لینا پسند نہ کرتے تھے۔

جب جنگ صفین کے لئے حضرت علیؓ نے تیاریاں شروع کیں اور منبر پر چڑھ کر لوگوں کو شرکت جنگ پر آمادہ کرنا شروع کیا تو بہت سے لوگ آمادہ ہو گئے۔ لیکن عبداللہ ابن مسعودؓ کے ساتھیوں اور سو (۱۰۰) قاریوں نے کہا: ”امیر المؤمنین ہم کو آپ کے فضائل کا اعتراف ہے۔ لیکن اس قتال میں ہمیں شک ہے (یعنی اس جنگ میں شرکت جائز ہے یا ناجائز)۔ اس لئے ہمیں اس میں شریک کرنے کے بجائے حفاظت کے لئے سرحدوں کا والی بنا دیجئے۔“

اس جواب پر آپ نے پھر کوئی اصرار نہیں کیا اور ان کی مرضی کے مطابق قزوین فرستے وغیرہ کی سرحدوں پر مامور کر دیا۔

بعض صحابہ ایسے بھی تھے جو شریک تو ہو گئے مگر چونکہ دل سے مسلمانوں کے ساتھ جنگ کرنا برا سمجھتے تھے اس لئے آخر تک تذبذب رہے اور اسی تذبذب کی وجہ سے وہ شرکت کے باوجود میدان جنگ میں ناکام رہے۔ چنانچہ حضرت سہیل بن حنیفؓ جنگ صفین میں حضرت علیؓ کے ساتھ تھے، لیکن لوگ ان پر جنگ سے پہلو تہی کا الزام لگاتے تھے۔ چنانچہ جب یہ صفین سے لوٹے اور لوگ ان سے حالات پوچھنے آئے، تو انہوں نے اپنی صفائی پیش کی اور کہا کہ ہم نے جب کبھی کسی مہم کے لئے

۱۔ مستدرک حاکم۔ جلد ۳۔ ص ۵۵۸ ۲۔ بخاری۔ جلد ۲۔ ص ۱۰۵۳ ۳۔ بخاری کتاب الایمان باب العاصی

من امر الجالیہ ۴۔ ابن اثیر۔ جلد ۳۔ ص ۱۹۷ واستیعاب۔ جلد ۲۔ ص ۴۶۸ ۵۔ اخبار الطوال۔ ص ۱۷۵

کندھے پر تلوار رکھی تو خدا نے آسان کر دی۔ لیکن یہ جنگ ایسی ہے کہ ہم مشک کا ایک منہ بند کرتے تو دوسرا کھل جاتا ہے۔

ان واقعات کے لکھنے کا مقصد یہ ہے کہ محتاط صحابہ کی بڑی جماعت ان خانہ جنگیوں میں شریک ہی نہ تھی، تاہم اس سے انکار نہیں کہ بہت سے صحابہ شریک بھی تھے۔ لیکن یہ شرکت کسی ایک فریق کے ساتھ مخصوص نہیں تھی۔ سوال صرف کثرت و قلت کا تھا۔ اور جب دونوں طرف صحابہ تھے تو تنہا ایک فریق پر قتل صحابہ کا الزام رکھنا کس طرح صحیح ہے اور پھر جب دو حریف میدان میں آتے ہیں تو دونوں ایک دوسرے کے خون کے پیاسے ہوتے ہیں۔ اس لئے اس وقت رتبہ کا سوال نہیں رہ جاتا کہ فلاں آدمی کو مارنا چاہئے تھا کہ وہ عام آدمی ہے اور فلاں کو نہ مارنا چاہئے کہ وہ صحابی ہے۔ جنگ میں یہ تمام فرق و امتیاز اٹھ جاتے ہیں۔

اس الزام کا دوسرا ٹکڑا بھی کہ امیر معاویہؓ نے صحابہ کے ساتھ ناروا سلوک کیا۔ صحیح نہیں ہے۔ مطلقاً صحابہ کا تو سوال الگ ہے۔ خود ان صحابہ کے ساتھ جو حضرت علیؓ کے ساتھ تھے، امیر معاویہؓ کا کوئی نازیبا سلوک نہیں بتایا جاسکتا ہے۔ خود بنو ہاشم جو تمام تر حضرت علیؓ کے ساتھ تھے اور بہت سے اکابر قریش جو کم از کم امیر معاویہؓ کے مخالف تھے، ان کے ساتھ امیر معاویہؓ کے حسن سلوک کے واقعات اُد پر گزر چکے ہیں کہ وہ ان کی تلخ سے تلخ باتیں سنتے تھے اور پی جاتے تھے۔ بلکہ اس کے جواب میں انہیں ہدایہ و تحائف دیتے تھے اور ان کی امداد کرتے تھے۔

صحابہ کی جو جماعت جنگ صفین میں حضرت علیؓ کے ساتھ تھی، ان میں زیادہ تر انصاری تھے۔ اس لئے فطرت کا تقاضہ یہ تھا کہ امیر معاویہؓ اپنے زمانہ حکومت میں انصار سے اس کا بدلہ لیتے یا کم از کم ان کے ساتھ جو بُرائی کر سکتے تھے کرتے۔ لیکن ایک مثال بھی انصار کے ساتھ بد سلوکی کی نہیں ملتی، بلکہ اس کے برعکس وہ ان کی سختیاں برداشت کرتے تھے اور مسلوک ہوتے تھے۔

ایک مرتبہ انہوں نے ایک انصاری کے پاس پانچ سودینا بھیجے، ان بزرگ نے اس کو کم سمجھا اور اپنے لڑکے کو قسم دلا کر کہا کہ اس کو لے جا کر معاویہؓ کے منہ پر کھینچ کر مارو اور واپس کر دو۔ چنانچہ یہ تھلی لے کے امیر معاویہؓ کے پاس آئے اور کہا، امیر المؤمنین میرے والد بڑے تند مزاج ہیں۔ انہوں نے قسم دلا کر مجھے ایسا کرنے کا حکم دیا ہے۔ اب میں اس حکم کی کس طرح مخالفت کروں؟ امیر معاویہؓ نے اپنے چہرے پر ہاتھ رکھ کر کہا بیٹے اپنے باپ کا حکم پورا کرو، لیکن اپنے چچا کے ساتھ نرمی کرنا،

(یعنی زور سے کھینچ نہ مارنا)۔ لڑکائیہ حکم دیکھ کر شرما گیا اور تھیلی وہیں پھینک دی۔ اس کے بعد امیر معاویہؓ نے رقم دو گنی کر کے دوبارہ ان انصاری بزرگ کے پاس بھجوائی۔

یزید کو اس واقعہ کی خبر ہوئی تو وہ بھرا ہوا آیا اور کہا کہ آپ کا حکم اب اتنا بڑھتا جاتا ہے کہ کمزوری اور بزدلی بن جانے کا خوف ہے۔ انہوں نے جواب دیا کہ صاحبزادے حکم کی وجہ سے کبھی ندامت اور ذلت نہیں اٹھانی پڑتی۔ تم اپنی طرز پر رہو، لیکن مجھے میری رائے پر چھوڑ دو۔

علامہ ابن طقطقی لکھتے ہیں کہ معاویہؓ پر حکم غالب تھا اور اسی وجہ سے ان مہاجر و انصار کے لڑکوں کی گردنیں جو اپنی کو معاویہ سے زیادہ خلافت کا مستحق سمجھتے تھے، ان کے سامنے جھک گئیں تھیں۔

ایک مرتبہ امیر معاویہؓ مدینہ گئے۔ حضرت ابو قتادہؓ سے ملاقات ہوئی۔ امیر نے ان سے پوچھا کہ تمام اہل مدینہ مجھ سے ملے، مگر انصار نہیں ملے؟ انہوں نے جواب دیا، سواری نہ تھی۔ معاویہؓ نے پوچھا کیوں؟ سواریاں کیا ہوئیں؟ انہوں نے جواب دیا کہ بدر کے دن تمہاری اور تمہارے باپ کی تلاش میں فنا ہو گئیں، پھر کہا رسول اللہ ﷺ نے ہم لوگوں سے فرمایا تھا کہ تم لوگ ہمارے بعد ترجیح دیکھو گے۔ معاویہؓ نے پوچھا، پھر ایسی میں تمہیں کس چیز کا حکم دیا تھا؟ بولے، فرمایا تھا، ”صبر کرنا“۔ معاویہؓ نے کہا اچھا صبر کرو۔

اکثر صحابہ ان کو ان کی لغزشوں پر ٹوکتے تھے اور سرزنش کرتے تھے۔ لیکن انہوں نے کبھی ان کو کوئی سخت جواب نہیں دیا، بلکہ ہمیشہ اپنی کمزوری دور کرنے کی کوشش کی۔

ایک مرتبہ حضرت مقدمؓ بن معدی کرب، عمرو بن اسود اور بنی اسد کا ایک آدمی تینوں ان کے پاس وفد کی صورت میں آئے۔ مقدمؓ نے کہا معاویہؓ میں چند باتیں کہنا چاہتا ہوں، اگر سچ ہوتا ماننا اور جھوٹ ہو تو رد کر دینا۔ انہوں نے کہا فرمائیے۔

مقدمؓ نے کہا، میں تم سے خدا کی قسم دلا کر پوچھتا ہوں کہ کیا آنحضرت ﷺ نے حریر پہننے سے منع نہیں کیا؟ کہا ہاں! پوچھا میں تم کو قسم دلا کر پوچھتا ہوں، تم نے آنحضرت ﷺ سے سونے کے استعمال کی ممانعت نہیں سنی؟ کہا ہاں۔ پوچھا میں تمہیں قسم دے کر پوچھتا ہوں کہ آنحضرت ﷺ نے درندوں کی کھال پہننے اور اس کے بچانے سے منع نہیں فرمایا؟ کہا ہاں! مقدمؓ نے کہا، معاویہؓ خدا کی قسم میں یہ تمام چیزیں تمہارے گھر میں دیکھتا ہوں۔

اس پر امیر معاویہؓ نے کہا، مقدم ”مجھ کو یقین ہے کہ میری تمہارے سامنے نہ چلے گی اور ان کو ان کے دونوں ہمراہیوں سے زیادہ صلہ دیا۔“

ایک مرتبہ حضرت ابو مریم ازدیؓ نے کہا، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ خدا جس شخص کو مسلمانوں کا والی بنائے، اگر وہ ان کی حاجتوں سے آنکھ بند کر کے پردہ میں بیٹھ جائے، تو خدا بھی قیامت کے دن اس کی حاجتوں سے سامنے پردہ ڈال دے گا۔ امیر معاویہؓ پر اس کا اتنا اثر ہوا کہ لوگوں کی حاجت برآری کے لئے ایک مستقل آدمی مقرر کر دیا۔“

غرض اس قسم کے اور بہت سے واقعات ہیں، جن سے صحابہ کے مقابلہ میں امیر معاویہؓ کے ضبط و تحمل کا پورا ثبوت ملتا ہے۔ صحابہ کے مقابلہ میں امیر معاویہؓ کا تحمل تاریخی مسلمات میں ہے، جس سے کوئی تاریخ دان انکار کر ہی نہیں سکتا۔ تمام مورخین اس پر متفق ہیں کہ امیر معاویہؓ حد درجہ حلیم و بردبار تھے۔ خصوصاً اکابر قریش اور صحابہ کے مقابلہ میں ان کا تحمل کمزوری کی حد تک پہنچ جاتا تھا۔ ان تاریخی حقائق کے بعد امیر معاویہؓ پر صحابہ کے ساتھ ناروا سلوک کا الزام لگانا کہاں تک صحیح ہے۔ بہت ممکن ہے، بعض مثالیں اس قسم کی بھی مل جائیں۔ لیکن ایک دو مثالوں سے عام حکم نہیں لگ سکتا اور اگر صرف ایک دو مثالوں سے حکم لگایا جاسکتا ہے تو پھر ان واقعات کے متعلق کیا فتویٰ دیا جائے گا؟

حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ جو اپنے مرتبہ کے لحاظ سے صحابہ کی صف میں ممتاز شخصیت رکھتے تھے۔ جنگ جمل کے زمانہ میں آنحضرت ﷺ کا یہ فرمان سناتے پھرتے تھے، کہ ”لوگو! فتنہ کے زمانہ سونے والا کھڑے ہونے والے سے اور کھڑا ہونے والا چلنے والے سے بہتر ہے۔“ جب حضرت حسنؓ اہل کوفہ کو حضرت علیؓ کی امداد و اعانت پر آمادہ کرنے کے لئے آئے اور ابو موسیٰؓ کو منبر پر یہ وعظ کہتے سناتے ان تو ان کو مسجد سے نکال دیا۔“

اسی طرح حضرت طلحہؓ اور زبیرؓ کے ساتھ جنہیں عشرہ مبشرہ ہونے کا فخر حاصل تھا، جناب امیرؓ کا طرز عمل پسندیدہ نہ تھا۔

۵۔ پانچواں الزام یہ لگایا جاتا ہے کہ امیر معاویہؓ کا طرز حکومت نہایت جابرانہ تھا۔ لیکن عمومی حیثیت سے یہ الزام بھی صحیح نہیں ہے۔ اس کی حقیقت معلوم کرنے کے لئے کسی قدر تفصیل کی ضرورت ہے۔ امیر معاویہؓ کے زمانہ میں انقلاب پسندوں پر جوان کی حکومت کا تختہ الٹنا چاہتے تھے، بے شک

سختیاں ہوئیں ہیں۔ لیکن امن پسند رعایا کے ساتھ ان کا طرز حکومت نہایت مشفقانہ تھا۔ بلکہ حکومت کے ہوا خواہوں پر ہمیشہ ان کا ابر کرم برستا تھا۔ امیر معاویہؓ بڑے مدبر اور عاقبت اندیش فرمانرواں تھے۔ اس لئے وہ کسی جماعت پر بلا وجہ ناروا ظلم کر ہی نہیں سکتے تھے۔ رعایا پر نرمی اور سختی کے بارے میں ان کا یہ اصول تھا :

”قال سعيد بن العاص سمعت معاوية يوم يقول لا اضع سيفي حيث يكفيني سوطي ولا اضع سوطي حيث يكفيني لساني ولو ان بيني وبين الناس شعر ما انقطعت قيل وكيف يا امير المؤمنين قال كانوا اذا مدوها خليقا واذا خلوها مددتها و كان اذا بلغه عن رجل ما يكره قطع لسانا بالا عطاء“۔

”سعيد بن العاص بیان کرتے ہیں کہ امیر معاویہؓ کہتے تھے کہ جہاں میرا کوڑا کام دیتا ہے وہاں تلوار کام میں نہیں لاتا، اور جہاں زبان کام دیتی ہے، وہاں کوڑا کام میں نہیں لاتا۔ اگر میرے اور لوگوں کے درمیان بال برابر بھی رشتہ قائم ہو تو میں اس کو نہ توڑ دوں گا۔ لوگوں نے پوچھا، امیر المؤمنین یہ کس طرح؟ جواب دیا جب وہ لوگ اس کو کھینچیں تو میں ڈھیل دے دوں اور جب وہ ڈھیل دیں تو میں کھینچ لوں اور جب کسی آدمی کی کوئی ناگوار بات معلوم ہوتی تھی، تو انعام و اکرام کے ذریعے سے اس کی زبان بند کر دیتے تھے۔“

یہ صرف الفاظ ہی نہیں ہیں، بلکہ تاریخ اس کی صداقت پر لفظ بہ لفظ شاہد ہے کہ وہ حد درجہ حلیم المزاج تھے اور جب تک پانی سر سے اونچا نہ ہو جاتا تھا، اس وقت تک وہ ضبط و تحمل کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑتے تھے۔ علامہ ابن طقطقیؒ لکھتے ہیں کہ امیر معاویہؓ ”حلم کے موقع پر حلم سے سختی کے موقع پر سختی سے کام لیتے تھے۔ لیکن حلم کا پہلو غالب تھا۔“ ایسی حالت میں امیر پر ظلم و ستم کا الزام لگانا کس حد تک صحیح ہے۔ تاریخ سے ایک مثال بھی ان کے حلم کے خلاف نہیں پیش کی جاسکتی تھی۔

اس الزام کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ امیر معاویہؓ کی ذات نہیں، بلکہ ان کے اعمال اور حکام جابر تھے۔ تو کلیہ کی صورت میں یہ بھی صحیح نہیں۔ یہ الزام بھی پولیٹیکل اختلافات نے تراشا ہے۔ ورنہ جہاں تک واقعہ کا تعلق ہے، عام دیناوی فرمانرواؤں کی طرح ان کے عمال بھی کچھ فطرتاً سخت گیر اور جور پسند تھے اور کچھ تم دل اور متحمل مزاج، سخت گیر عمال کی سختیاں ان کی طبعی سرشت کا نتیجہ تھیں۔ ان سے

امیر کے طرز جہان بینی کا کوئی تعلق نہیں۔ لیکن ان کی سختیاں بھی ان ہی لوگوں تک محدود تھیں، جو بنی امیہ کی حکومت مٹانا چاہتے تھے۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ ان میں سے بعض عمال کی سختیاں ناجائز حدود تک پہنچ جاتی تھیں، لیکن ایک دنیاوی حکومت کے لئے یہ کوئی بڑا الزام نہیں ہے۔

حضرت امیر معاویہؓ کے تمام اعمال پر فرداً فرداً بحث بہت طویل ہو جائے گی۔ اس لئے اس موقع پر مثلاً محض چند مشہور عمال کے طرز حکومت کے حالات پیش کئے جاتے ہیں۔ اس سے کچھ نہ کچھ ان کے عمال کے طرز حکومت کا اندازہ ہو جائے گا۔ امیر کے عاملوں میں مغیرہ بن شعبہؓ، زیاد بن ابی سفیانؓ، عمرو بن العاصؓ اور بسر بن ابی ارطاةؓ زیادہ پوٹیکل تھے۔ اس لئے یہی لوگ مورد طعن بھی ہیں۔

حضرت مغیرہ بن شعبہؓ کا حال یہ ہے کہ وہ پہلے حضرت علیؓ کے طرفدار تھے۔ مگر آپؐ نے ان کے خیر خواہانہ اور مفید مشوروں کو مسترد کر دیا۔ اس لئے وہ امیر معاویہؓ کے ساتھ ہو گئے۔ اور اسی لئے وہ بدنام ہیں۔ ورنہ ان کے مظالم کی کوئی مثال پیش نہیں کی جاسکتی۔ مغیرہؓ حتی الامکان امیر معاویہؓ کے مخالفوں کے ساتھ بھی سختی نہ کرتے تھے اور سختی کے بجائے افہام و تفہیم سے کام لیتے تھے۔ خارجی جناب امیرؓ کی طرح امیر معاویہؓ کے بھی دشمن تھے۔ جب انہوں نے امیر معاویہؓ کے حدود سلطنت میں سر اٹھایا، تو مغیرہؓ نے جارحانہ کارروائی سے پہلے حسب ذیل تقریر کی :

”لوگو ! میں ہمیشہ تمہاری عافیت مد نظر رکھتا ہوں اور مصیبتوں کو تم سے روکتا ہوں۔ مجھ کو خطرہ ہے کہ اس طرز عمل سے احمق بدآموز نہ ہو جائیں۔ ہاں اچھے اور حلیم اشخاص سے مجھے یہ امید نہیں ہے۔ خدا کی قسم مجھ کو خطرہ ہے کہ میں جاہل احمقوں کے ساتھ سنجیدہ بھلے اور نا کردہ گناہ آدمیوں کے مواخذہ پر مجبور نہ ہو جاؤں۔ اس لئے تم لوگ اس عام مصیبت کے آنے سے پہلے اپنے احمق لوگوں کو روکو“۔^۱

حضرت مغیرہؓ سے زیادہ جفا کار اور ستم شعار زیاد سمجھا جاتا ہے۔ اس کی جفا کاری اس حد تک کہ انقلاب پسندوں کے ساتھ اس کا جو راعتدال سے زیادہ بڑھ جاتا تھا۔ ورنہ عام رعایا کے ساتھ اس کا طرز عمل بھی مشفقانہ تھا۔ اس کا اندازہ اس تقریر سے کیا جاسکتا ہے، جو اس نے بصرہ کی گورنری کے تقرر کے وقت کی تھی۔

علامہ دنیوری لکھتے ہیں کہ جب زیاد بصرہ پہنچا تو جامع مسجد میں حمد ثناء کے بعد حسب

ذیل تقریر کی :

”میرے اور قوم کے درمیان کینہ تھا۔ لیکن آج میں نے اس کو اپنے پاؤں کے نیچے دبا دیا۔ میں کسی سے محض عداوت کی بنا پر مواخذہ نہ کروں گا اور نہ کسی کی پردہ دری کروں گا تا آنکہ وہ خود میرے سامنے بے نقاب ہو جائے۔ بے نقاب ہو جانے کے بعد بھی میں اس کو نظر انداز کر دوں گا۔ تم میں سے جو محسن ہو اس کو اپنے احسان میں زیادتی کرنی چاہئے اور جو برا ہو اس کو اپنی برائیاں دُور کرنی چاہئیں۔ خدا تم لوگوں پر رحم کرے، تم لوگ اپنی اطاعت اور فرمانبرداری سے میری مدد کرو“۔

لیکن زیادتی جفاکاری کا الزام امیر معاویہؓ کے سر منڈھنا صحیح نہیں ہے۔ اس نے جو زیادتیاں کیں وہ اس کی جبلی درشتی طبع کا نتیجہ تھیں۔ چنانچہ جب وہ حضرت علیؓ کا طرفدار تھا اس وقت علیؓ الاعلان امیر معاویہؓ کو نہایت سخت و ست کہتا تھا۔ جنگ صفین کے زمانہ میں یہ حضرت علیؓ کی جانب سے فارس کا حاکم تھا۔ امیر معاویہؓ نے اسے اپنے ساتھ ملانے کے لئے ڈرایا دھمکایا۔ اس کے جواب میں اس نے لوگوں کو جمع کر کے تقریر کی، کہ ”لوگو! نفاق کا سرچشمہ اور جگر خوار کا بچہ مجھ کو دھمکاتا ہے۔ میرے اور اس کے درمیان رسول اللہ ﷺ کے ابن عم اور نوے ہزار ہتھیار بند شیعہ ہیں، اگر اس نے کوئی بد ارادہ کیا تو تلوار اس کا فیصلہ کرے گی“۔

تاہم امیر معاویہؓ کو چونکہ اس کی درشت خوانی کا علم تھا۔ اس لئے انہوں نے اس کی اصلاح اور تلافی کی یہ صورت اختیار کی کہ زیادہ کو خاص طور سے یہ ہدایت کی تھی کہ تمام لوگوں کے ساتھ ایک ہی قسم کی سیاست نہ برتنا چاہئے۔ نہ نرمی کرنا چاہئے کہ لوگ شرکش ہو جائیں اور نہ اتنی سختی کہ ان کی جان پر بن جائے۔ اس لئے تم سختی کے لئے رہو اور مجھے نرمی اور لطف و کرم کے لئے چھوڑ دو، تاکہ خوفزدہ لوگوں کے لئے امید کا ایک دروازہ کھلا رہے۔

اسی طرح عمرو بن العاصؓ کی پولیٹیکل چالوں سے قطع نظر کر کے ان کو جفاکاری صورت میں پیش کرنا صحیح نہیں ہے، اور اس کی ایک مثال بھی پیش نہیں کی جاسکتی۔

تاہم اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ بسر بن ابی ارطاة وغیرہ بعض عمال یقیناً جفا کار تھے۔ جنہوں نے بلاشبہ مظالم کئے۔ لیکن ان بعض مثالوں سے علی الاطلاق سب پر یکساں حکم لگا دینا صحیح نہیں ہے۔ بلکہ عام حکمرانوں کی طرح امیر کے عمال بھی کچھ عدل پرور اور نرم خوتھے اور کچھ سنگ دل اور جفاکش پیشہ۔ اگر ایک طرف بسر بن ابی ارطاة اور زیاد تھے تو دوسری طرف ان کے بالمقابل عبداللہ

بن عامر بھی تھے۔ جو اپنی طبعی نرمی کی وجہ سے شورش پسندوں پر بھی سختی نہ کرتے تھے۔ اس کا نتیجہ یہ تھا کہ بغاوت پسندان کے قابو میں نہ آتے تھے اور ملک میں بد امنی پھیلاتے تھے۔ علامہ بن اثیر لکھتے ہیں کہ ”اسی میں عبد اللہ بن عامر والی بصرہ معزول کر دیئے گئے، کیونکہ وہ نہایت حلیم الطبع کریم النفس اور نرم خو تھے اور مفسد احمقوں پر بھی سختی نہ کرتے تھے۔ اس لئے بصرہ کی فضا خراب ہو گئی تھی۔ انہوں نے زیاد سے اس کی شکایت کی، زیاد نے تلواریں بے نیام کرنے کا حکم دیا۔ عبد اللہ نے جواب دیا کہ میں اپنا نفس خراب کر کے اس کی اصلاح کرنا پسند نہیں کرتا“۔^۱

اتنی مثالیں غالباً امیر معاویہؓ کی ”جابرانہ حکومت“ کا اندازہ لگانے کے لئے کافی ہوں گی۔ لیکن ابھی یہ بحث ختم نہیں ہوئی، بلکہ امیر معاویہؓ کے ظلم و ستم اور عدل و انصاف کا صحیح فیصلہ کرنے کے لئے اس کی تحقیق ضروری ہے کہ ظالم عالموں کے ساتھ امیر معاویہؓ کا طرز عمل کیا تھا اور وہ ظالمانہ واقعات پیش آنے پر کیا صورت اختیار کرتے تھے۔ اگر وہ مظالم کا تذکرہ کرتے تھے، تو پھر وہ ظالم حکمرانوں کی صف میں شمار نہیں کئے جاسکتے۔ یہ تسلیم ہے کہ امیر معاویہؓ کے زمانہ میں مظالم بھی ہوئے، لیکن انہوں نے ان کی پوری دادرسی کی۔

حضرت عبد اللہ بن عمرو بن غیلان ان کی جانب سے بصرہ کا والی تھا۔ ایک مرتبہ یہ تقریر کر رہا تھا۔ دورانِ تقریر میں ایک ضعیف نے اس پر ایک کنکری کھینچ کر ماری۔ عبد اللہ نے اس کا ہاتھ کٹوا دیا۔ اس واقعہ کے بعد جب عبد اللہ امیر معاویہؓ کے پاس گیا تو بنو ضبہ بھی شکایت لے کر پہنچے کہ عبد اللہ نے ہمارے ایک آدمی کا ہاتھ کاٹ ڈالا ہے۔ امیر نے ان سے کہا اس کا قصاص تو نہیں لیا جاسکتا۔ البتہ میں ہاتھ کی دیت ادا کرتا ہوں۔ چنانچہ ہاتھ کی دیت دی اور عبد اللہ کو بصرہ سے معزول کر دیا۔^۲

حضرت امیر معاویہؓ کے عمال ظلم کر بھی نہیں سکتے تھے، کیونکہ معاویہؓ کو اس کے تذکرے میں بڑا اہتمام تھا۔ چنانچہ وہ روزانہ مظالم کی تحقیقات اور مظلوموں کی دادرسی کے لئے خانہ خدا میں بیٹھتے تھے اور با امتیاز ہر کس و نا کس اپنی اپنی شکایتیں پیش کرتا تھا۔ امیر انہیں سن کر ان کا تذکرہ کرتے تھے۔ علامہ مسعودی امیر معاویہؓ کے شبانہ یوم کے معمولات کے سلسلہ میں لکھتے ہیں :

”ثم ینخرج فیقول یا غلام اخرج الکرسی فیخرج الی المسجد فیوضع فیسند ظهره الی المقصوره ویجلس علی الکرسی ویقوم الاحداث فیقدم الیه الضعیف والاعرابی والصبی والمرأة ومن

لا احد له فيقول ظلمت فيقول اعزوه ويقول عدى على فيقول
ابعوا معه ويقول صنع بي فيقول انظروا في امره حتى اذا لم يبق احد دخل
فجلس على السريو ثم يقول اتلنوا للناس على قدر منزلهم قال
يا هؤلاء انما سمعتم اشرافا لانكم شرفتم من دونكم بهذا المجلس ارفعوا
الينا هواتج من لا يصل الينا“۔

”پھر (معاویہ گھر سے) نکلتے اور غلام کو کرسی نکالنے کا حکم دیتے۔ چنانچہ مسجد میں کرسی نکالی
جاتی اور معاویہ مقصورہ کی ٹیک لگا کر کرسی پر بیٹھ جاتے اور ان کے سامنے مقدمات و
حادثات پیش ہوتے، اس میں کمزور و ناتواں دیہاتی، بچے، عورتیں، لاوارث سب پیش
کئے جاتے، ان میں سے کوئی کہتا مجھ پر ظلم کیا گیا۔ (معاویہ) حکم دیتے، اس کو عزت دو
(یعنی تدارک کرو)۔ کوئی کہتا میرے اوپر زیادتی کی گئی۔ (معاویہ) کہتے، اس کے ساتھ
کسی کو تحقیقات کے لئے بھیجو۔ کوئی کہتا، میرے ساتھ بدسلوکی کی گئی۔ (معاویہ) حکم
دیتے، اس کے معاملہ کی تحقیقات کرو۔ جب کوئی (دادخواہ) باقی نہ رہتا تو مجلس میں آکر
تخت پر بیٹھتے اور حکم دیتے کہ لوگوں (اشراف) کو علی قدر مراتب آنے کی اجازت دو۔
۔۔۔ پھر ان سے خطاب کرتے کہ تم لوگ اس لئے اشراف کہلاتے ہو کہ اس دربار میں
اپنے سے کم رتبہ والوں پر تم کو شرف عطا کیا گیا ہے۔ اس لئے جو لوگ ہمارے پاس تک
نہیں پہنچ سکتے، ان کی ضروریات ہم سے بیان کرو۔“

داوری اور انسداد مظلوم میں جس فرمانروا کا یہ اہتمام ہو، اس کے متعلق ظلم و ستم کا الزام لگانا کہاں
کا انصاف اور کہاں کی صداقت ہے۔

امیر معاویہؓ کے ظلم و ستم اور عدل و انصاف کے اندازہ کرنے میں ایک فاش غلطی یہ کی جاتی
ہے کہ ان کے دور کا خلفائے راشدینؓ کے عدل پر ورعہد سے موازنہ کیا جاتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ
امیر معاویہؓ سے پہلے خلافت راشدہ کا دور تھا اور اس وقت مسلمانوں کے سامنے اس کے علاوہ اور کسی
دنیاوی اسلامی حکومت کا نمونہ موجود نہ تھا۔ اس لئے امیر معاویہؓ کے زمانہ میں بھی جب ان کی نظر اٹھتی
تھی تو خلافت راشدہ ہی کی طرف اٹھتی تھی۔ حالانکہ دونوں کا موازنہ صحیح نہیں ہے

حضرت علیؓ پر خلافت راشدہ کا خاتمہ ہو چکا تھا اور امیر معاویہؓ کے زمانہ سے دنیاوی حکومت کے ایک نئے دور کا آغاز ہوا تھا۔ اس لئے ”اموی حکومت“ کو ”خلافت راشدہ“ کے معیار جانچنا شدید غلطی ہے۔ اگر امیر معاویہؓ کے دور کو محض ایک دنیاوی حکومت کے لحاظ سے جانچا جائے تو ان پر سے بہت سے اعتراضات خود بخود اٹھ جاتے ہیں۔

دوسرا غلط بحث یہ کہا جاتا ہے کہ بنو امیہ کے پورے دور کی برائیاں امیر معاویہؓ کی طرف منسوب کر دی جاتی ہیں، یا کم از کم انہیں اس کا بانی مبنی سمجھا جاتا ہے۔ حالانکہ یہ بھی قرین انصاف نہیں ہے۔ امیر معاویہؓ کے بعد مروان وغیرہ یقیناً ظالم فرمانروا تھے، لیکن اس کا بانی امیر معاویہؓ کو قرار دینا کہاں تک صحیح ہے۔ کیا دولت امویہ کی تاسیس کے جرم میں تمام اموی فرمانرواؤں کے مظالم امیر معاویہؓ کے نملہ اعمال میں لکھے جائیں گے؟

باقی یہ تینوں اعتراضات کہ امیر معاویہؓ نے قومی بیت المال کو ذاتی خزانہ بنالیا اور اس کو ذاتی اغراض میں صرف کرتے تھے، یا حکومت کے تمام شعبوں میں بنی امیہ کو بھردیا تھا اور بہت سی بدعتیں جاری کیں، جس معنی اور مفہوم میں کئے جاتے ہیں، وہ قطعاً غلط ہیں اور جس معنی میں صحیح ہیں وہ ایک دنیاوی حکمران کے لئے قابل اعتراض نہیں رہ جاتے۔

اگر معترضین کا مقصد یہ ہے کہ امیر نے بیت المال کا روپیہ عیش و تنعم اور ہولعب کے مشاغل میں اڑایا اور دوسرے قومی مفاد کو بالکل نظر انداز کر دیا، تو قطعاً غلط ہے۔ امیر کا بڑے سے بڑا مخالف بھی اس قسم کا الزام ان پر نہیں رکھ سکتا۔ یہ طبعاً صحیح ہے کہ انہوں نے خلفائے راشدین کی طرح فقر و فاقہ کی زندگی بسر کر کے بیت المال کو خالص اسلامی مفاد کے لئے مخصوص نہیں کر دیا۔ بلکہ قومی اور اسلامی مفاد کے ساتھ ساتھ اپنے آرام و آسائش اور اپنی حکومت کے استوار کرنے میں بھی صرف کیا اور یہ ایک دنیاوی حکمران کے لئے قابل اعتراض نہیں۔

اس سے کوئی تاریخ داں انکار نہیں کر سکتا کہ بیت المال سے انہوں نے بڑے بڑے قومی کام کئے، فوجیں تیار کیں، جنگی بیڑے بنوائے، فتوحات میں صرف کیا، قلعے تعمیر کرائے، پولیس کو ترقی دی، خبر رسانی کا محکمہ قائم کیا۔ دفاتر بنوائے، نہریں کھدوائیں، اسلامی نوآبادیاں قائم کیں، شہر بسائے، شرقاً اور صحابہؓ کے وظائف مقرر کئے، غرباً پر تقسیم کیا، عدالتوں پر صرف کیا، ان کے علاوہ اور بہت سے قومی اور اسلامی مفاد میں لگایا، جن کی سندیں اوپر گزر چکی ہیں، ان وسیع ملکی اور قومی اخراجات کے ساتھ اگر انہوں نے کچھ روپیہ اپنے ذاتی اغراض و مقاصد میں صرف کر دیا تو ایک دنیاوی حکمران کی

حیثیت سے وہ کس حد تک قابل الزام ہے۔ یہ واضح رہے کہ ذاتی اغراض سے مقصد عیش و تنعم نہیں ہے، بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ اپنی حکومت کے قیام کے لئے روپیہ صرف کرتے تھے، اس کو خواہ ملکی مفاد سمجھا جائے، خواہ ذاتی غرض شمار کیا جائے۔

اس سلسلہ میں یہ بھی قابل لحاظ ہے کہ امیر بیت المال سے بڑے بڑے صحابہ کو وظائف و عطایا دیتے تھے اور وہ اسے قبول کرتے تھے۔ اگر وہ لوگ اسے صرف بیجا سمجھتے تو کیوں قبول کرتے۔ اوپر مختلف سرخیوں کے ماتحت گزر چکا ہے کہ حضرت زید بن ثابت انصاریؓ، حضرت ابو ہریرہؓ، حضرت عائشہؓ، عبد اللہ بن عباسؓ، عبد اللہ بن جعفرؓ، عبد اللہ بن عمر فاروقؓ اور عقیل بن ابی طالب وغیرہ میں سے کچھ لوگ مستقل وظائف اور کچھ غیر مستقل عطایا پاتے اور قبول کرتے تھے۔

اگر یہ بزرگ اس مصرف کو ناجائز سمجھتے تو کیوں قبول فرماتے۔ وہ صحابہ جو امیر معاویہؓ پر نکتہ چینی کرتے تھے، وہ بھی ان کے قومی اور ملکی خدمات اور ان کے بر محل مصارف کے مقابلہ میں خاموش ہو جاتے تھے۔

حضرت مسور بن مخرمہ بیان کرتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ جب ان سے ملا اور سلام کیا تو انہوں نے مجھ سے سوال کیا، مسور تم ائمہ پر جو طعن کرتے تھے، اب کیوں نہیں کرتے؟ میں نے کہا اب اس تذکرے کو جانے دو اور جس ضرورت سے آیا ہوں اسے پوری کرو۔ معاویہؓ نے کہا، خدا کی قسم میں تمہارے دل کی بات کہلا کر چھوڑ دوں گا۔

ان کے اصرار پر ان کی جو بیائیاں تھیں، سب میں نے واشگاف بیان کر دیں۔ اس پر معاویہؓ نے کہا، مجھے گناہوں سے برأت کا دعویٰ نہیں ہے، لیکن مسور تم بتاؤ کیا تمہارے گناہ ایسے نہیں ہیں کہ اگر تمہیں خدا معاف نہ کرے تو تم ہلاک ہو جاؤ؟ میں نے کہا، ہاں۔ معاویہؓ نے کہا پھر کیوں مغفرت خداوندی کے مجھ سے زیادہ مستحق ہو! پھر خدا کی قسم ایسی حالت میں جبکہ اصلاح بین الناس، اقامت حدود، جہاد فی سبیل اللہ اور بڑے بڑے بے شمار امور کا بار میرے کندھوں پر ہے جو تمہارے اوپر نہیں ہے اور میں خدا کے دین پر ہوں خدا بھلائیوں کو قبول کرتا ہے اور بُرائیوں سے درگزر۔

یہ سن کر میں سوچ میں پڑ گیا اور مجھ کو معلوم ہو گیا کہ معاویہؓ نے مجھ سے مناظرہ کیا ہے۔ اس کے بعد مسور جب معاویہؓ کا تذکرہ کرتے تھے تو ان کے لئے دعائے خیر کرتے تھے۔

حکومت کے شعبوں میں بنی اُمیہ کے بھرنے کا سوال بھی مغالطہ ہے۔ یہ واقعہ الزام کی صورت میں اسی وقت قابلِ تسلیم ہو سکتا تھا، جب اس سے دوسروں کے حقوق کی پامالی ہوئی ہوئی یا مفادِ ملکی کو کوئی صدمہ پہنچا ہوتا اور یہ دونوں باتیں نہ تھیں۔ امیر کا مخالف بھی یہ دعویٰ نہیں کر سکتا کہ ان کے زمانہ میں حکومت میں شروع سے آخر تک تمام بنی اُمیہ ہی بھرتی ہوئے تھے اور کسی دوسرے کو مطلق گھسنے نہیں دیا جاتا تھا۔ واقعہ کا جہاں تک تعلق ہے بنی اُمیہ کے ساتھ دوسرے خاندانوں کے افراد بھی عہدوں پر ممتاز تھے۔ یہ البتہ ایک حد تک صحیح ہے کہ جنگی امور میں زیادہ تر بنی اُمیہ دخیل تھے۔ لیکن یہ خود ان کی ذاتی صلاحیت کا نتیجہ تھا۔ بنی اُمیہ میدانِ رزم کے مرد تھے۔ حضرت عثمان غنیؓ اور امیر معاویہؓ کے دور کی فتوحات اس کی شاہد ہیں۔

بحرِ روم میں سب سے پہلے اُمویوں ہی نے بیڑے دوڑائے۔ افریقہ کو اُمویوں ہی نے فتح کیا۔ یورپ کا دروازہ اُمویوں ہی نے کھٹکھٹایا۔ اموی اس لئے نہیں بھرے گئے تھے کہ امیر معاویہ کے ہم خاندان تھے۔ بلکہ اس لئے بھرے گئے تھے کہ وہ تلواریں کے دھنی اور میدانِ جنگ کے مرد تھے۔ یہی وجہ ہے کہ تہا بنی اُمیہ کے دور میں جس قدر فتوحات ہوئیں، اس کی نظیر مابعد کی تاریخ میں کہیں نہیں ملتی۔ ایسی حالت میں ان کے حکومت میں بھرنے کا سوال کس قدر ہلکا ہو جاتا ہے۔

رہ گیا بدعات کی ترویج کا سوال تو ایک دنیاوی حکمران کے لئے بھی چنداں وقابلِ اعتراض نہیں، بشرطیکہ ان بدعات سے کسی اسلامی اصول کی پامالی نہ ہوئی ہو اور مذہب میں کسی مذموم رسم کی بنیاد نہ پڑی ہو۔ امیر کی بدعات میں اسلامی خلافت کو شخصی و مورثی حکومت بنادینے کی بدعت تو بے شک نہایت مذموم بدعت تھی۔ جس نے اسلامی خلافت کی روح مردہ کر دی اور اس سے بہت مذموم نتائج پیدا ہوئے، لیکن اس کے علاوہ اور کوئی بدعت ایسی نظر نہیں آئی، جس سے کسی اصول کو صدمہ پہنچا ہو۔

حکومت کے سلسلہ میں انہوں نے جو نئی چیزیں رائج کیں، ان سے بہت سے فوائد حاصل ہوئے۔ یہ بار بار لکھا جا چکا ہے کہ امیر معاویہؓ خلیفہ راشد نہ تھے۔ بلکہ حضرت علیؓ پر اس مقدس دور کا خاتمہ ہو چکا تھا، اور امیر معاویہؓ کے عہد سے ایک نئے دورِ حکمرانی کا آغاز ہوا تھا۔ اس لئے اس میں خلفائے راشدینؓ کا محتاط طرزِ حکومت ڈونڈھنا کہ کسی فعل میں عہدِ نبویؐ کے طور طریق سے سرمو تجاوز نہ ہونے پائے۔ خود اپنی غلطی ہے۔

امیر معاویہ تو امیر معاویہ ہیں، خود حضرت عثمان غنیؓ کے زمانہ میں جو خلیفہ راشد تھے، بہت سی نئی باتیں رائج ہو گئیں تھیں اور یہ عہد رسالت کے بعد کالازی نتیجہ تھا۔ جس سے کوئی خلیفہ یا بادشاہ بچ نہیں سکتا تھا۔ اس لئے امیر معاویہؓ کی بدعت میں ہمیں صرف یہ دیکھنا ہے کہ ان سے کسی اسلامی اصول کی پامالی تو نہیں ہوئی۔ اگر نہیں ہوئی تو وہ قابل اعتراض نہیں قرار دیئے جاسکتے۔

در حقیقت امیر معاویہؓ کی بغض کمزوریوں اور خلافت اسلامیہ میں وراثت کی بدعت کو چھوڑ کر ان کا دور حکومت پر حیثیت سے کامیاب تھا۔ ابن کثیر نے ان کے دور حکومت کی خوبیوں پر یہ جامع تبصرہ کیا ہے :

”ان کے زمانہ میں دشمنوں کے مقابلہ کا سلسلہ قائم تھا اور دین سر بلند تھا۔ زمین کے ہر حصہ سے ان کے پاس مال غنیمت آتا تھا۔ مسلمان ان کی حکومت میں عدل و انصاف اور غنودر گزر کے سایہ میں امن و راحت کی زندگی بسر کرتے تھے۔ اہل بیت ایک صحابی رسول کی حیثیت سے وہ بغض کمزوریوں سے اپنا دامن نہ بچا سکے۔“

فضل و کمال : امیر معاویہؓ فتح مکہ کے زمانہ میں مشرف باسلام ہوئے۔ اس لئے ان کو ایک سال سے زیادہ ذات نبوی ﷺ سے خوشہ چینی کا موقع نہ ملا۔ لیکن آنحضرت ﷺ کی ان دعاؤں

”اللہم علم معاویہ الكتاب والحساب وقرہ العذاب“ اور ”اللہم اجعلہ ہادیا مہدیا و اہدبہ“

”خدا یا معاویہ کو کتاب اللہ اور حساب کا علم عطا فرما، اور عذاب سے بچا۔“

”خدا یا معاویہ کو ہادی اور مہدی بنا، اور ان کے ذریعہ سے ہدایت دے۔“

کا اثر ہونا ضروری تھا۔ اس لئے گواہیں آنحضرت ﷺ کی خدمت میں زیادہ رہنے کا موقع نہیں ملا۔ لیکن انہوں نے اپنے ذوق، شوق اور تلاش و جستجو سے دینی علوم میں پوری دستگاہ بہم پہنچالی تھی۔ ان کو اپنے مخالفین سے بھی علمی استفادہ میں عار نہ تھا اور جب اس قسم کے مسائل پیش آتے تھے، جن کے متعلق انہیں علم نہ ہوتا تھا تو حضرت علیؓ کی طرف رجوع کرتے تھے۔

ایک دفعہ ایک شخص نے ایک شخص کو اپنی بیوی کے ساتھ ہم بستر پایا اور اشتعال میں آ کر ان میں سے ایک کو قتل کر دیا۔ امیر معاویہؓ اس کے متعلق کوئی فیصلہ نہ کر سکے اور ابو موسیٰ اشعری کو لکھا کہ

۱۔ مسند احمد بن حنبل مسند عبد باض بن ساریہ ۲۔ ترمذی مناقب معاویہ

۳۔ موطا امام مالک القضاء فیمن وجد مع امرائہ رجلا

حضرت علیؓ سے دریافت کر کے مجھے اطلاع دو۔ ابو موسیٰؓ نے حضرت علیؓ سے پوچھا۔ حضرت علیؓ نے واقعہ سن کر استعجاباً فرمایا، اس قسم کے واقعات میرے یہاں نہیں ہوتے، میں تم کو قسم دلاتا ہوں کہ اصل واقعہ بیان کر کے مجھے حقیقت حال سے آگاہ کرو ابو موسیٰؓ نے کہا معاویہؓ نے آپ سے پوچھا ہے۔ فرمایا، اگر قاتل چار گواہ نہ لاسکے تو اس قتل کا ذمہ دار ہوگا۔^۱

کبھی کبھی واقف کار بزرگوں سے آنحضرت ﷺ کے اقوال سننے کی فرمائش کرتے تھے۔ ایک مرتبہ مغیرہ بن شعبہ کو خط لکھ بھیجا کہ رسول اللہ ﷺ کی زبان سے جو تم نے سنا ہو، اس سے مجھے بھی بہرہ اندوز کرو۔ انہوں نے جواب میں لکھا کہ آنحضرت ﷺ نے فضول گوئی، مال کے اطلاق اور سوال کی کثرت سے منع فرمایا ہے۔

غرض اس طرح سے پوچھ پوچھ کر انہوں نے اپنا دامن علم اتنا وسیع کر لیا کہ وہ صحابہ جو اپنے فضل و کمال کے لحاظ سے جبر الامۃ کہلاتے تھے، ان کو فقہاء میں شمار کرتے تھے۔ ابن ملیکہ راوی ہیں کہ ایک مرتبہ کسی نے ابن عباسؓ سے پوچھا کہ امیر المومنین معاویہؓ کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے۔ انہوں نے وتر ایک رکعت پڑھی۔ جواب دیا یا لکل صحیح کیا وہ فقیہ ہیں۔^۲

اسی تفقہ کی بنا پر وہ صحابہ کی اس جماعت کے جو آنحضرت ﷺ کے بعد صاحب علم و افتاء تھے ایک ممبر تھے۔ البتہ ان کے فتاویٰ کی تعداد دو چار سے زیادہ نہیں ہے۔^۳

احادیث نبوی ﷺ کا کافی ذخیرہ ان کے سینہ میں محفوظ تھا۔ چنانچہ حدیث کی کتابوں میں ان کی (۱۶۳) روایتیں ملتی ہیں۔ جن میں سے ۴ متفق علیہ ہیں۔ یعنی بخاری اور مسلم دونوں میں موجود ہیں۔ ان کے علاوہ ۴ میں بخاری اور ۵ میں امام مسلم منفرد ہیں۔ صحابہ میں ان سے ابن عباسؓ، ابو درداءؓ، جریر بن عبد اللہؓ، نعمان بن بشیرؓ، عبد اللہ بن عمرؓ، عبد اللہ بن زبیرؓ، ابو سعید خدریؓ، سائب بن یزیدؓ، ابوامامہ بن سہلؓ اور تابعین میں ابن مسیب اور حمید بن عبد الرحمن وغیرہ نے روایتیں کی ہیں۔^۴

کبھی کبھی مذہبی مسائل میں اکابر صحابہ سے اور ان سے اختلاف رائے بھی ہو جاتا تھا اور ان کی رائے صائب نکلتی تھے۔ حضرت عثمان غنیؓ کے زمانہ میں امیر معاویہؓ شام کے والی تھے، یہاں کے مسلمانوں میں کچھ رومیوں کے اثر اور مال و دولت کی فراوانی سے ظاہری شان و شوکت اور طمطراق پیدا

۱۔ بخاری کتاب الزکوٰۃ قولہ تعالیٰ لا یسلون الناس الحافا الخ۔ ۲۔ بخاری کتاب المناقب باب مناقب معاویہ

۳۔ اعلام الموقعین۔ جلد ۱ ص ۳۲ ۴۔ تہذیب الاسماء نووی ص ۱۳۳

ہو گیا تھا۔ حضرت ابوذر غفاریؓ بھی یہیں رہتے تھے۔ یہ بڑے فقیر منش اور متوکل سادہ مزاج بزرگ تھے اور اپنی طرح سب میں عہد نبوت ﷺ کی سادگی دیکھنا چاہتے تھے۔ ان کا عقیدہ تھا مسلمانوں کے لئے زائد ضرورت مال جمع کرنا حرام ہے اور اس عقیدے میں اس قدر متشدد تھے کہ انہوں نے سرمایہ داری کے خلاف وعظ کہنا شروع کر دیا اور جو مسلمان روپیہ جمع کرتے تھے ان کو اس آیت کو مورد ٹھہراتے تھے۔

”والذین یکنزون الذهب والفضة ولا ینفقونها فی سبیل اللہ فبشرهم بعذاب الیم“

”جو لوگ سونا اور چاندی جمع کرتے ہیں اور اس کو خدا کی راہ میں صرف نہیں کرتے اس کو دردناک عذاب کی خوش خبری سناؤ“۔

اس آیت سے پہلے یہود و نصاریٰ کا ذکر ہے امیر معاویہؓ کہتے تھے کہ اس آیت کا تعلق بھی ان ہی لوگوں سے ہے اور حضرت ابوذرؓ اس کو مسلمان اور غیر مسلمان دونوں سے متعلق کرتے تھے۔ دوسرا اختلاف یہ تھا کہ حضرت ابوذرؓ خدا کی راہ میں نہ دینے سے یہ مراد لیتے تھے کہ کل مال خدا کی راہ میں نہیں دیتے اور امیر معاویہؓ کفر ذکوۃ میں محدود کرتے تھے اس مختلف فیہ مسئلہ میں گو ترک دنیا کے اصول سے حضرت ابوذرؓ کا خیال کتنا ہی بلند کیوں نہ ہو۔ لیکن واقعہ کے لحاظ سے امیر کی رائے صحیح ہے۔

دینی علوم کے علاوہ امیر معاویہؓ عرب کے مروجہ علوم میں بھی ممتاز درجہ رکھتے تھے۔ چنانچہ کتابت میں جس سے عرب تقریباً نا آشنا تھے، معاویہؓ کو پوری مہارت تھی اور اسی وصف کی بنا پر آنحضرت ﷺ نے ان کو اپنا خاص کاتب مقرر فرمایا تھا۔

شاعری عربوں کا خاص فن ہے۔ معاویہؓ کو شعر شاعری کا نہایت اچھا مذاق تھا۔ وہ شعر کو تہذیب اخلاق کا بہترین ذریعہ سمجھتے تھے۔ چنانچہ کہتے تھے کہ مرد پر اپنی اولاد کی تادیب فرض ہے اور ادب کا بلند مرتبہ شعر ہے۔ اس لئے تم لوگ شعر کو اپنا سب سے بڑا مطمح نظر بناؤ اور اس کی عادت ڈالو۔ میں لیلۃ الہریر میں سخت مصیبت کی وجہ سے بھاگنے کو تھا، لیکن اس رات کو صرف عمرو بن الاطناہ کے اشعار نے مجھے ثابت قدم رکھا۔

شاعری کے بعد عربوں میں خطابت، آتش بیانی اور زبان آوری کا درجہ تھا۔ گو امیر معاویہؓ نے اعلیٰ درجہ کے خطیب کی حیثیت سے کوئی شہرت نہیں حاصل کی تاہم ان کی تقریر بلاغت اور زور بیان کا

بہت عمدہ نمونہ ہوتی تھی۔ علامہ طقطقی لکھتے ہیں کہ ”کان حکیمًا نصبھا بلیغًا“۔ معاویہ حکیم اور فصیح و بلیغ تھے۔ وہ اپنی تقریر سے بڑے بڑے مجموعوں کو مسحور کر لیتے تھے۔

جناب امیرؓ کے مقابلہ میں ان کی جو حیثیت تھی وہ ظاہر ہے۔ لیکن شامیوں کی تسخیر میں ان کی پولیٹیکل تدبیروں کے علاوہ ان کی طلاقت لسانی کو بھی بڑا دخل تھا۔ تاریخوں میں بکثرت ان کی تقریروں کے نمونے موجود ہیں۔ جاحظ نے کتاب البیان والتبیین میں جو فصیح و بلیغ تقریروں کا ایک بے مثال مجموعہ ہے اور جس میں تقریروں کے بہتر سے بہتر نمونے موجود ہیں۔ امیر معاویہؓ کی ایک تقریر نمونہ نقل کی ہے۔ یہ تقریر اپنے اسلوب بیان اور لفظی و معنوی بلاغت کے لحاظ سے بڑے بڑے مشہور خطیبوں کے خطبوں کے پہلو میں رکھی جاسکتی ہے۔ لیکن طوالت کی وجہ سے اس موقع پر اس کے کرنے کی گنجائش نہیں۔^۱

حضرت امیر معاویہؓ کی فہرست کمال میں سب سے زیادہ نمایاں ان کی تدبیر و سیاست ہے۔ یہ استعداد ان میں فطری تھی۔ لیکن علمی اور فنی حیثیت سے انہوں نے اسی استعداد کو اور چمکایا تھا۔ چنانچہ وہ روزانہ ایام عرب، اخبار عرب، اخبار عجم اور سلاطین عجم کے حالات، ان کے طریق جہان بینی اور دوسرے اقوام کے سلاطین، ان کی لڑائیوں، ان کی سیاسی چالوں اور رعایا کے ساتھ ان کی پالیسی اور دوسری گذشتہ قوموں کے حالات عروج و زوال سنتے تھے۔^۲

تاریخ کی ابتدائی داغ بیل ان ہی کے زمانہ میں پڑی۔ اس وقت تک تاریخ کی تدوین کی طرف کسی خلیفہ نے توجہ نہیں کی تھی۔ سب سے پہلے امیر معاویہؓ کو اس کا خیال ہوا۔ چنانچہ انہوں نے اس عہد کے ایک بڑے اور باخبر عالم عبید بن شریبہ سے تاریخ قدیم کی داستانیں، سلاطین عجم کے حالات، انسان کی بولی، پھوٹنے کی تاریخ اور اس کے مختلف ملکوں اور مقامات پر پھیلنے کے واقعات سن کر ان کو قلم بند کرنے کا حکم دیا۔^۳

ان ریکی علوم کے علاوہ امیر معاویہؓ کے صحیفہ کمال کا سب سے روشن باب ان کی فطری سیاست اور دانشوری ہے۔ تمام مورخین انہیں اپنے زمانہ کا سب سے بڑا مدبر، سیاست دان اور بیدار مغز، فرمانروا مانتے تھے۔ علامہ فخری لکھتے ہیں کہ معاویہؓ دنیا کے سمجھنے والے فہیم، علیم اور قوی بادشاہ تھے۔ سیاست اور تدبیر میں ممتاز درجہ رکھتے تھے۔^۴

۱۔ الفخری۔ ص ۹۵ ۲۔ دیکھو کتاب البیان والتبیین جاحظ۔ جلد ۱۔ ص ۱۷۲۔ ۱۷۳ مروج الذهب۔ جلد ۲۔ ص ۴۲۵
۳۔ فہرست ابن ندیم۔ ص ۱۲۲ طبع مصر ۴۔ الفخری۔ ص ۹۵

ان کے عہد میں تمام بڑے بڑے اکابر ان کی سیاست و دانائی کے معترف تھے۔ حضرت عمر فاروقؓ جو خود سیاست اور تدبیر میں یگانہ تھے، معاویہؓ کو ”کسرائے عرب“ کہتے تھے۔^۱
سعید مقبری رلوی ہیں کہ عمر فاروقؓ ”کہا کرتے تھے کہ تم لوگ معاویہ کے ہوتے ہوئے کسرا ی و قیصر اور ان کے تدبیر کا تذکرہ کرتے ہوئے۔ حضرت عمرؓ جیسے شخص کو یہ اپنی زبان آوری اور تدبیروں سے چپ کر دیتے تھے۔

حضرت عمرؓ نے جب شام کا سفر کیا تو امیر معاویہؓ بڑے خدم و حشم کے ساتھ ان کے استقبال کو نکلے۔ اس شان و شوکت پر حضرت عمرؓ نے اعتراض کیا کہ تم صبح و شام خدم و حشم کے ساتھ نکلتے ہو۔ مجھے یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ تم چین سے اپنے گھر میں بیٹھے رہتے ہو اور تمہارے دروازے پر حاجت مندوں کا ہجوم رہتا ہے! امیر معاویہؓ نے برجستہ کہا، ”امیر المؤمنین! یہاں ہمارے دشمن ہم سے قریب رہتے ہیں اور ان کے جاسوس لگے رہتے ہیں، اس لئے چاہتا ہوں کہ وہ لوگ اسلام کو باعزت دیکھیں۔“ یہ عذر سن کر حضرت عمرؓ نے فرمایا! تمہارا بیان عقل مند آدمی کا فریب ہے۔ معاویہؓ نے کہا پھر جیسا فرمائیے ویسا کیا جائے۔ حضرت عمرؓ نے زچ ہو کر جواب دیا، ”معاویہ جب میں تم سے بحث کرتا ہوں یا تم پر نکتہ چینی کرتا ہوں تو تم مجھے ایسا جواب کر دیتے ہو کہ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ تم کو اس بات کا حکم دوں یا منع کروں۔“

حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کے بعد کسی کو امیر معاویہؓ سے بڑھ کر سردار نہ پایا۔ کسی نے پوچھا اور ابو بکر صدیقؓ، عمر فاروقؓ، عثمان غنیؓ اور علی مرتضیٰؓ جواب دیا خدا کی قسم یہ لوگ امیر معاویہؓ سے بہتر تھے، لیکن امیر معاویہؓ ”میں سرداری ان سے زیادہ تھی۔“^۲
امیر معاویہؓ کے مخالف ان کے اس وصف کے معترف تھے۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ جو امیر معاویہؓ کے شدید مخالفوں میں تھے، وہ بھی کہا کرتے تھے کہ میں نے کسی کو امیر معاویہؓ سے زیادہ حکومت کے لئے موزوں نہیں پایا۔^۳

ذاتی فضیلت اور استحقاق خلافت میں امیر معاویہؓ اور حضرت علیؓ کا کوئی مقابلہ نہ تھا۔ ان کو آپ کے مقابلہ میں صرف پولیٹیکل تدبیروں سے کامیاب حاصل ہوئی۔ ان کے فہم و تدبیر کا یہ واقعہ قابل ذکر ہے کہ حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد جب پہلی مرتبہ ان کا مدینہ جانا ہوا تو وہ تعزیت کے طور پر

۱۔ طبری۔ جلد ۷۔ ص ۱۹۷ وغیرہ۔ ص ۱۰۳ ۲۔ اسد الغابہ۔ جلد ۳۔ ص ۲۲۳ ۳۔ طبری۔ جلد ۷۔ ص ۲۰۷
۴۔ استیعاب۔ جلد ۱۔ ص ۲۶۲ ۵۔ طبری۔ جلد ۷۔ ص ۲۱۵

ان کے گھر گئے۔ انہیں دیکھ کر حضرت عثمانؓ کی صاحبزادی اپنے پدر بزرگوار کو یاد کر کے رونے لگیں۔ معاویہؓ کے ساتھ بہت سے عمائد قریش بھی تھے، جن کو اس واقعہ سے بدگمانی ہوئی۔ اس لئے امیر معاویہؓ نے ان لوگوں کو واپس کر دیا اور عائشہؓ سے کہا بیٹی ان لوگوں نے میری اطاعت قبول کر لی ہے، لیکن ان کے دلوں میں کینہ ہے اور ہم نے بھی ان کی اطاعت کی وجہ سے حلم اور درگزر سے کام لیا ہے۔ لیکن ہمارے دل میں بھی ان کے خلاف غم و غصہ موجود ہے۔ اس لئے یہ سودا برابر کا ہے اور ان کی حامی جماعت بھی موجود ہے۔ اب اگر ہم ان کی اطاعت کے معاوضہ میں ان کے حقوق نہ ادا کریں اور ان سے بد عہدی کریں گے تو وہ بھی ہم سے بد عہدی کریں گے اور دونوں میں مقابلہ ہو جائے گا، جس کا انجام معلوم نہیں کیا ہوا۔ اس سے ان کی سیاسی بصیرت کا اندازہ ہوتا ہے۔

غرض سیاست و تدبیر، حکومت و فرمانروائی، جہانبانی و کشور کشانی کے اوصاف جلیلہ میں ان کا کوئی معاصر، ان کا کوئی حریف نہ تھا۔ تم ان کی پوری تاریخ پر نظر ڈال کر دیکھ لو اس کی لفظ بہ لفظ تصدیق ہوگی۔

اخلاق و عادات و عام حالات :

امیر معاویہؓ کو مہاجرین اولین کے زمرہ میں ہونے کا ثبوت حاصل نہ تھا بلکہ وہ فتح مکہ کے بعد اسلام لانے والوں میں تھے۔ اس لئے قبول اسلام کے بعد انکو فیضان نبوی ﷺ سے مستفید ہونے کا زیادہ موقعہ نہ ملا۔ یہی وجہ ہے کہ مہاجرین اولین کی طرح وہ اخلاق نبوی ﷺ کا مکمل نمونہ نہ بن سکے۔ تاہم وہ صحابی رسول ﷺ تھے اور ایسے صحابی تھے جن کے لئے زبان رسالت ﷺ نے یہ دعا فرمائی تھی کہ خدایا معاویہؓ کو مہدی و ہادی بنا اور ان کے ذریعہ سے ہدایت کر۔ اس دعائے مستجاب کے اثر سے ان کا دامن اخلاق فضائل سے خالی نہ تھا۔

عبرت پذیری اور قیامت کا خوف :

امیر معاویہؓ کے متعلق کہا جاتا ہے کہ انہوں نے دنیا میں پڑ کر آخرت کے مواخذہ کو بالکل فراموش کر دیا تھا۔ لیکن یہ خیال حقیقت واقعہ سے بہت دور ہے۔ امیر معاویہؓ قیامت کے مواخذہ کا تذکرہ سن کر لرز ابر اندام ہو جاتے تھے اور روتے روتے ان کی حالت غیر ہو جاتی تھی۔

ایک مرتبہ شفیاء الصغی مدینہ آئے۔ دیکھا کہ ایک شخص کے گرد بھینز لگی ہوئی ہے۔ پوچھا کون ہیں؟ لوگوں نے کہا، ابو ہریرہؓ۔ یہ سن کر شفیاء صغی ان کے پاس جا کر بیٹھ گئے، اس وقت ابو ہریرہؓ

لوگوں سے حدیث بیان کر رہے تھے۔ جب حدیث سنا چکے اور مجمع چھٹ گیا تو شفیاء نے ان سے کہا، رسول اللہ ﷺ کی کوئی حدیث سنائیے۔ جس کو آپ نے ان سے سنا ہو، سمجھا ہو، جانا ہو ابو ہریرہؓ نے کہا ایسی ہی سناؤں گا، یہ کہا اور چیخ مار کر بے ہوش ہو گئے۔ تھوڑی دیر کے بعد ہوش آیا تو کہا، میں تم سے ایک ایسی حدیث بیان کروں گا، جو آپ نے اس گھر میں بیان فرمائی تھی اور اس وقت میرے اور آپ ﷺ کے سوا کوئی تیسرا شخص نہ تھا۔ اتنا کہہ کر زور سے چلائے اور پھر بے ہوش ہو گئے۔ اتفاقاً ہوا تو منہ پر ہاتھ پھیر کر کہا۔ میں تم سے ایسی حدیث بیان کروں گا جو رسول اللہ ﷺ نے اس گھر میں بیان فرمائی تھی اور وہاں میرے اور آپ ﷺ کے سوا کوئی شخص نہ تھا یہ کہا اور پھر چیخ مار کر غش کھا کر منہ کے بل گر پڑے۔ شفیاء صبحی نے تھام لیا اور دیر تک سنبھالے رہے۔ ہوش آیا تو کہا،

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا کہ قیامت کدن جب خدا بندوں کے فیصلہ کے لئے اترے گا تو سب سے پہلے تین آدمی طلب کئے جائیں گے۔ عالم قرآن، راجہ خدا میں مقتول اور دولت مند۔ پھر خدا عالم سے پوچھے گا، کیا میں نے تجھ کو قرآن کی تعلیم نہیں دی؟ وہ کہے گا، ہاں۔ خدا فرمائے گا، تو نے اس پر عمل کیا؟ وہ کہے گا میں رات دن اس کی تلاوت کرتا تھا۔ خدا فرمائے گا، تو جھوٹا ہے، تو اس لئے تلاوت کرتا تھا کہ لوگ تجھ کو قاری کا خطاب دیں۔ چنانچہ خطاب دیا۔

پھر دولت مند سے پوچھے گا، کیا میں نے تجھ کو صاحبِ قدرت کر کے لوگوں کی احتیاج سے بے نیاز نہیں کر دیا! وہ کہے گا، ہاں خدایا۔ فرمائے گا، تو نے کیا کیا؟ وہ کہے گا میں صلہ رحمی کرتا تھا، صدقہ دیتا تھا۔ خدا فرمائے گا، تو جھوٹ بولتا ہے، بلکہ اس سے تیرا مقصد یہ تھا کہ تو فیاض اور سخی کہلائے اور کہلایا۔

پھر وہ جسے راہِ خدا میں جان دینے کا دعویٰ تھا، پیش ہوگا۔ اس سے سوال ہوگا، تو کیوں مار ڈالا گیا؟ وہ کہے گا، تو نے اپنی راہ میں جہاد کا حکم دیا تھا، میں تیری راہ میں لڑا اور مارا گیا۔ خدا فرمائے گا تو جھوٹ کہتا ہے۔ تو چاہتا تھا کہ دنیا میں جری اور بہادر کہلائے تو یہ کہا جا چکا ہے۔

یہ حدیث بیان کر کے رسول اللہ ﷺ نے میرے زانوں پر ہاتھ مار کر فرمایا، ابو ہریرہؓ پہلے ان ہی تینوں سے جہنم کی آگ بھڑکائی جائے گی۔ امیر معاویہؓ نے یہ حدیث سنی تو کہا جب ان لوگوں کے ساتھ ایسا کیا گیا تو اور لوگوں کا کیا حال ہوگا۔ یہ کہہ کر ایسا زار و قطار روئے کہ معلوم ہوتا تھا کہ مرجائیں گے۔ جب ذرا سنبھلے تو منہ پر ہاتھ پھیر کر فرمایا، خدا اور اس کے رسول نے سچ فرمایا ہے کہ ۔

”من كان يريد الحيوة الدنيا وزينتها نوف اليهم اعمالهم فيها وهم فيها لا يبخسون . اولئك الذين ليس لهم في الآخرة الا النار وحبط ما صنعوا فيها وبطل ما كانوا يعملون“ - (سورة هود - ۱۱ : ۱۵ ، ۱۶)

”جو شخص دنیا اور اس کے ساز و سامان کو چاہتا ہے ہم اس کے اعمال کا بدلہ دنیا میں ہی دیدیتے ہیں اور اس میں اس کا کچھ نقصان نہیں ہوتا۔ لیکن آخرت میں ان کا حصہ آگ کے سوا کچھ نہیں رہ جاتا اور انہوں نے جو کچھ کیا تھا وہ برباد ہو جاتا ہے اور جو کام کئے تھے وہ بے کار جاتے ہیں۔“

دنیاوی ابتلا پر تاسف :

اس میں شبہ نہیں کہ قیام طوکیت کے سلسلہ میں امیر معاویہؓ کو دنیاوی ابتلاء، آزمائشوں میں مبتلا ہونا پڑا اور بحیثیت صحابی رسول کے اس سے اپنا دامن نہ بچا سکے۔ لیکن اپنی لغزشوں کا انہیں ہمیشہ احساس رہا اور آخر وقت تک میں وہ اس پر نادم و متاسف رہا کرتے تھے۔ چنانچہ مرض الموت میں کہتے تھے۔ کاش میں ذی طوی (نام مقام) میں قریش کا معمولی آدمی ہوتا اور ان معاملات میں نہ پڑا ہوتا۔

ایک روایت میں ہے کہ عالم نزع میں اپنا چہرہ زمین پر رگڑتے تھے اور رورود کر کہتے تھے کہ خدایا تو نے اپنی کتاب میں کہا ہے :

”ان الله لا يغفران يشرك به ويغفر ما دون ذلك لمن يشاء“.

(سورة نساء - ۴ : ۴۸)

”یعنی اللہ اس کی مغفرت نہیں کرتا جو اس کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرائے اور اس کے ماسوا جس کو چاہتا ہے، بخش دیتا ہے۔“

اس لئے بارالہا مجھ کو ان لوگوں میں شامل فرما جن کی مغفرت تو نے اپنی مشیت پر رکھی ہے۔

بحیثیت شخصی فرمانرواں کے انہیں ہمیشہ دنیاوی وجاہت اور ظاہری شان و شوکت سے واسطہ رہا۔ لیکن جب ظاہری طمع طراں پر ان کی نظر پڑتی تھی تو حسرت و افسوس کے کلمات ان کی زبان پر جاری ہو جاتے تھے۔ عبد اللہ بن مسعود بن حکمہ فرازی بیان کرتے ہیں کہ امیر معاویہؓ شام کے کسی علاقہ سے اپنے علاقہ میں جا رہے تھے۔ راستہ میں ایک مقام پر منزل ہوئی، سر راہ ایک بلند اور کھلی

چھت پر فرش بچھایا گیا۔ میں بھی امیر کے ساتھ بیٹھ گیا۔ اتنے میں اُذت کی قطاریں گھوڑے اور لونڈی غلام کے غول گزرنے لگے۔ انہیں دیکھ کر امیر نے مجھ سے مخاطب ہو کر کہا۔ ابن مسعودہ خدا بوجہ پر رحم فرمائے منہ نہ ہوں نے دنیا کو چاہا، منہ دنیا نے انہیں چاہا۔ عمرؓ کو دنیا نے چاہا لیکن انہوں نے اس کو نہ چاہا۔ عثمانؓ کو کچھ دنیا میں جتلا ہوتا پڑا اور ہم لوگ تو بالکل اسی میں آلودہ ہو گئے۔ یہ کہہ کر وہ نام ہوئے، پھر کہا خدا کی قسم یہ حکومت بھی خدا ہی نے ہم کو دی ہے۔

قبول حق : امیر معاویہؓ کی حکومت کو شخصی حکومت اور انہیں مستبد فرمانروا مانا جاتا ہے۔ لیکن اس کے باوجود انہوں نے بات کے قبول کرنے میں کبھی عار نہ کیا۔ ایک مرتبہ ان سے حضرت ابو مریمؓ ازدی نے کہا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ خدا جس شخص کو مسلمانوں کا والی بنائے اگر وہ ان کی حاجتوں سے آنکھ بند کر کے پردہ میں بیٹھ جائے تو قیامت کے دن خدا بھی اس کی حاجتوں کے سامنے پردہ ڈال دے گا۔ امیر پر اس کا یہ اثر ہوا کہ انہوں نے عام لوگوں کی حاجت روائی کے لئے ایک مستقل آدمی مقرر کر دیا۔

حضرت مقدم بن معدیکرب کے بعض ممنوعات پر ٹوکنے اور اس کے صلہ میں ان کو امیر معاویہؓ کے انعام دینے کا واقعہ اوپر گزر چکا ہے۔

ضبط و تحمل : امیر معاویہؓ کو جس قدر دنیاوی جاہ جلال اور قوت و اقتدار حاصل تھا، اس سے ہر تاریخ و اس واقف ہے۔ لیکن اس دنیاوی وجاہت کے باوجود وہ حد درجہ متحمل مزاج تھے۔ وہ مورخین بھی جو ان کے مخالف ہیں، ان کے اس وصف کے معترف ہیں۔ چنانچہ علامہ ابن طقطقی لکھتے ہیں کہ معاویہؓ "حلم کے موقع پر حلم سے اور سختی کے موقع پر سختی سے کام لیتے تھے۔ لیکن حلم کا پہلو غالب تھا۔"

جو لوگ ان کے ساتھ رہ چکے تھے، وہ اپنا تجربہ بیان کرتے ہیں کہ میں معاویہؓ کی صحبت میں رہا۔ ان سے زیادہ کسی کو حلیم نہیں پایا۔ وہ تلخ سے تلخ اور ناگوار سے ناگوار باتیں شربت کے طرح پی جاتے تھے۔ چنانچہ وہ کہا کرتے تھے کہ غصہ پی جانے سے زیادہ میرے لئے کوئی شے لذیذ نہیں ہے۔ ان کے حلم اور عفو پر جب کوئی شخص ٹوکتا تو جواب دیتے کہ مجھے شرم معلوم ہوتی ہے کہ کسی کا گناہ میرے عفو سے اور کسی کی جہالت میرے حلم سے بڑھ جائے یا میں کسی کے عیب کی پردہ پوشی نہ کروں۔ اور عملاً اس پر کار بند تھے۔

عبدالملک بن عمیر روایت کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ ایک شخص نے امیر معاویہؓ سے بڑی بد کلامی کی۔ کسی نے متعجب ہو کر پوچھا آپ اس حد تک انگیز کر لیتے ہیں۔ جواب دیا کہ میں اس وقت لوگوں کی زبانوں کے درمیان حائل نہیں ہوتا، جب تک وہ میری حکومت میں حائل نہ ہوں۔ ایک مرتبہ ایک شخص نے کہا، معاویہؓ ہمارے ساتھ سیدھے رہو ورنہ تم کو درست کر دیں گے۔ امیر نے پوچھا کس چیز سے۔ اس نے کہا لکڑی سے۔ جواب دیا، اس وقت سیدھے ہو جائیں گے۔

اسی طرح ایک مرتبہ ایک شخص نے ان سے بڑی بد کلامی کی۔ کسی نے کہا آپ اس کو سزا کیوں نہیں دیتے؟ جواب دیا، مجھے شرم آتی ہے کہ میرے علم کا دامن میری رعایا کے گناہ کے مقابلہ میں تنگ ہو جائے۔ ایک شخص ابو جہم نے ایک مرتبہ امیر معاویہؓ سے درشت گفتگو کی امیر معاویہؓ نے سن کر سر جھکا لیا، پھر سر اٹھا کر کہا، ابو جہم حاکم وقت سے بچا کرو، وہ بچوں کی طرح بگڑ جاتا ہے اور شیر کی طرح پکڑتا ہے اور اس کے تھوڑے غصہ کی لپیٹ میں بہت سے لوگ آ جاتے ہیں۔ اس نصیحت کے بعد ابو جہم کو انعام دیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ ان کی مدح میں رطب اللسان ہو گئے۔ انہوں نے اپنے خاندان والوں کو نصیحت کی تھی کہ قریش کے ساتھ ہمیشہ علم کے ساتھ پیش آیا کرو۔ میرا حال یہ تھا کہ زمانہ جاہلیت میں جب کوئی شخص مجھ کو برا بھلا کہتا تھا تو علم سے اس کا جواب دیتا تھا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا تھا کہ وہ میرا دوست بن جاتا تھا اور ہر وقت میری امداد و حمایت کے لئے تیار رہتا تھا۔

علم سے کسی شریف کی شرافت میں فرق نہیں بلکہ اس کی عزت اور زیادہ بڑھ جاتی ہے۔ انسان اس وقت تک صائب الرائے نہیں ہو سکتا، جب تک اس کی جہالت پر اس علم اور اس کی خواہشات پر ضبط نفس غالب نہ آ جائے۔

چنانچہ قریش خصوصاً بنی ہاشم اور آل ابی طالب کے اور افراد ان کو سخت سے سخت باتیں کہتے تھے۔ لیکن امیر معاویہؓ ”کبھی مذاق میں ٹال جاتے اور کبھی سنی ان سنی بنا دیتے، اور ان کی سخت کلامی پر بھی ان کو مہمان بناتے۔ خاطر مدارات کرتے اور انعام و اکرام دیتے۔“

فیاضی : فیاضی اور زر پاشی امیر معاویہؓ کا نہایت نمایاں وصف تھا۔ علامہ الفخری لکھتے ہیں کہ معاویہؓ فیاض اور زر پاش تھے۔ ان کا ابر کرم بلا امتیاز موافق و مخالفت سب پر یکساں برستا تھا۔ عبداللہ بن زبیرؓ، عبداللہ بن جعفر طیارؓ اور آل ابی طالب کے دوسرے افراد ان کے شدید مخالفوں میں تھے۔ لیکن ان کی

مخالفت اور ان کی بدکلامیوں کے باوجود امیر ان کے ساتھ مسلوک ہوتے تھے۔^۱

عقیل بن ابی طالب ان کے پاس چالیس ہزار کی ضرورت لے کر آتے ہیں اور بھرے مجمع میں ان کو اور ان کے باپ سفیان کو برا بھلا کہتے ہیں۔ لیکن امیر معاویہ اس کے باوجود ان کی حاجت پوری کرتے ہیں۔^۲ اسی طریقہ سے حضرت عبداللہ ابن زبیر اور عبداللہ بن عمرؓ سے بھی مسلوک ہوتے رہتے تھے اور ان کو ایک لاکھ کی رقم یک مشت دے دیتے تھے۔ اشراف روزانہ اہل حاجت کی ضروریات پیش کرتے۔ امیر ان کی اولاد کے وظائف مقرر کرتے اور ان کے اہل و عیال کی خبر گیری کا حکم دیتے۔^۳ کبار صحابہ کے وظائف مقرر کرتے تھے۔ چنانچہ حضرت زید بن ثابت انصاری و طیفہ قبول کرتے تھے۔^۴

صحابہ کی اولاد تک کے ساتھ وہ فیاضانہ سلوک کرتے تھے۔ حضرت ابو ہریرہؓ کا انتقال ہوا تو امیر نے ترکہ کے علاوہ ان کے ورثہ کے دس ہزار نقد دینے کا حکم دیا۔^۵

یہ چند واقعات نمونہ از خروارے ہیں۔ ورنہ اس قسم کی مثالوں سے تاریخ کی کتابیں بھری ہوئی ہیں۔ اس کا یہ نتیجہ تھا کہ ان کے مخالف کو بھی امیر کے اس وصف کے اعتراف کے سوا چارہ نہ تھا۔ حضرت عباسؓ فرماتے تھے کہ جو لوگ معاویہؓ کے پاس جاتے ہیں وہ ایک وسیع وادی کے کنارے پر اترتے ہیں۔^۶

اہمات المؤمنین کی خدمت :

تمام گذشتہ خلفاء اہمات المؤمنین کی خدمت اپنے لئے باعث سعادت و افتخار سمجھتے تھے۔ امیر معاویہؓ بھی اس سعادت سے محروم نہ تھے اور رتبہ کے لحاظ سے خصوصیت کے ساتھ حضرت عائشہؓ کی بڑی خدمت کرتے تھے۔ ان کی خدمت میں ایک ایک مشت ایک لاکھ کی نذر پیش کرتے تھے۔^۷ اس کے علاوہ وقتاً فوقتاً دس دس پانچ پانچ ہزار کی رقمیں بھیجا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ حضرت عائشہؓ نے منکدر بن عبداللہ کو دس ہزار کی رقم دینی چاہی، لیکن اس وقت اتفاق سے ہاتھ میں روپیہ نہ تھا۔ اسی دن شام کو امیر معاویہؓ کی بھیجی ہوئی رقم آ گئی۔ حضرت عائشہؓ نے منکدر کو بلوا کر اس میں سے دس ہزار کی رقم دیدی۔^۸

۱۔ الفخری ۹۵ ۲۔ اسد الغابہ تذکرہ عقیل ابن ابی طالب ۳۔ البدایہ والنہایہ جلد ۸۔ ص ۱۳۷

۴۔ استیعاب جلد ۱۔ ص ۲۶۳ ۵۔ مستدرک حاکم جلد ۲۔ ص ۵۰۸ ۶۔ طبری جلد ۷۔ ص ۲۱۵

۷۔ طبقات ابن سعد تذکرہ منکدر بن عبداللہ ۸۔ مستدرک حاکم جلد ۳۔ ص

آثار نبوی سے برکت اندوزی :

امیر کے پاس آثار نبوی میں ایک کرتہ، ناخن اور موئے مبارک تھے۔ زندگی بھر برکت کے لئے اس کو حرز جان بنائے رہے۔ مرتے وقت وصیت کرتے گئے کہ مجھ کو رسول اللہ ﷺ نے کرتہ مرحمت فرمایا تھا۔ وہ اسی دن کے لئے محفوظ رکھا ہے اور ناخن اور موئے مبارک شیشہ میں محفوظ ہیں۔ اس کرتہ میں مجھے کفنانا اور ناخن اور موئے مبارک آنکھوں اور منہ کے اندر بھر دینا۔ شاید خدا اس کی برکت سے مغفرت فرمائے۔^۱

حضرت زبیر بن کعب کو نعتیہ قصیدہ کے صلہ میں آنحضرت ﷺ نے جو رداء مبارک مرحمت فرمائی تھی، امیر معاویہؓ نے اس کو پیش قرار رقم دے کر ان سے خرید لیا تھا، یہی چادر تمام خلفاء کے پاس منتقل ہوتی رہی، جس کو وہ عیدین میں اوڑھ کر نکلتے تھے۔^۲

مساوات : امیر کو جاہ پسند کہا جاتا ہے، اور ایک حد تک صحیح بھی ہے۔ لیکن اس کے باوجود وہ معمولی آداب مجلس میں بھی اپنے اور عام مسلمان کے درمیان کوئی فرق و امتیاز روانہ رکھتے تھے۔

ابو بکر راوی ہیں کہ ایک مرتبہ معاویہؓ نکلے۔ عبداللہ بن عامر اور عبداللہ بن زبیرؓ بیٹھے ہوئے نہ۔ معاویہؓ کو دیکھ کر ابن عامرؓ کھڑے ہو گئے اور ابن زبیرؓ بیٹھے رہے۔ معاویہؓ نے ابن عامر کے قیام پر کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ جو شخص اس سے خوش ہوتا ہے کہ خدا کے بندے اس کی تعظیم میں کھڑے ہو جائیں تو اس کا ٹھکانہ دوزخ ہے۔^۳

امیر کے اخلاقی اصول :

امیر معاویہؓ کے اخلاقی اصولوں سے ان کے عام اخلاق و عادات پر کافی روشنی پڑتی ہے۔ اس لئے آخر میں اخلاق کے بارے میں ان کے کچھ زریں خیالات پیش کئے جاتے ہیں :

فرماتے تھے کہ

”میں اپنے نفس کو اس سے بلند دیکھنا چاہتا ہوں کہ میرا گناہ میرے غصے سے، میرا جہل میرے علم سے زیادہ ہو یا کسی کا عیب اپنے عیب پردہ میں نہ چھپاؤں، یا میری بُرائی میری بھلائی سے زیادہ ہو۔ شریف کے لئے زینت پاکدامنی ہے۔“

۱۔ استیعاب۔ جلد اول۔ ص ۲۶۲ ۲۔ اصابہ تذکرہ زبیرؓ بن کعب

۳۔ ادب المفرد باب قیام الرجل للرجل تعظیماً۔

کہتے تھے کہ

”خدا نے بندہ کو جو نعمتیں عطا کی ہیں، ان میں سب سے افضل عقل و حلم ہے۔ اس کی وجہ سے جب آدمی کو کوئی یاد کرتا ہے، تو وہ بھی اس کو یاد کرتا ہے، اور جب کوئی اس کو دیتا ہے تو وہ اس کا شکر ادا کرتا ہے، اور جب مصیبت میں مبتلا ہوتا ہے تو صبر سے کام لیتا ہے اور جب غصہ آتا ہے تو پی جاتا ہے، اور جب قابو پاتا ہے تو درگزر سے کام لیتا ہے، اور جب کوئی بُرائی سرزد ہوتی ہے تو اس کی معافی چاہتا ہے اور جب وعدہ کرتا ہے تو اسے پورا کرتا ہے“۔



حضرت حسین بن علی بن ابی طالب

نام و نسب :

حسین نام ہے ابو عبد اللہ کنیت۔ ”سید شباب اہل الجنہ“ اور ”ربحانۃ النبی“ لقب ہے۔ علی مرتضیٰ باپ اور سیدہ بتولؑ جگر گوشہ رسول ماں تھیں۔ اس لحاظ سے آپ کی ذات گرامی قریش کا خلاصہ اور بنی ہاشم کا عطری۔ شجرہ طہیہ یہ ہے : حسین بن علی بن ابی طالب بن ہاشم بن عبد مناف قرشی ہاشمی و مطلبی ۔

دل و جان با وفدایت چہ عجب خوش لقی

پیدائش : ابھی آپ شکم مادر میں تھے کہ حضرت حارثؑ کی صاحبزادی نے خواب دیکھا کہ کسی نے رسول اکرم کے جسم اطہر کا ایک ٹکڑا کاٹ کر ان کی گود میں رکھ دیا ہے۔ انہوں نے آنحضرت ﷺ سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! میں نے ایک ناگوار اور بھیانک خواب دیکھا ہے، فرمایا کیا؟ عرض کیا ناقابل بیان ہے۔ فرمایا بیان کرو، آخر کیا ہے؟ آنحضرت کے اصرار پر انہوں نے خواب بیان کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا یہ تو نہایت مبارک خواب ہے۔ فاطمہؑ کے ہاں لڑکا پیدا ہوگا اور تم اسے گود میں لوگی۔

کچھ دنوں کے بعد اس خواب کی تعبیر ملی اور ریاض نبوی میں وہ خوش رنگ ارغوانی پھول کھلا، جس کی مہک حق و صداقت، جرأت و بسالت، عزیمت و استقلال، ایمان و عمل اور ایثار و قربانی کی وادیوں کو ابد الابد تک بساتی اور جس کی رنگینی عقیق کی سرخی، شوق کی گلگونی اور لالہ کے داغ کو ہمیشہ شرماتی رہے گی۔ یعنی شعبان ۴ھ میں علیؑ کا کاشانہ حسینؑ کے تولد سے رشک گلزار بنا۔

ولادت باسعادت کی خبر سن کر آنحضرت ﷺ تشریف لائے اور فرمانے لگے بچے کو دکھاؤ، کیا نام رکھا گیا؟ اور نو مولود بچہ کو منگا کر اس کے کان میں اذان دی۔ اس طرح گویا پہلی مرتبہ خود زبان وحی والہام نے اس بچہ کے کانوں میں توحید الہی کا تصور پھونکا۔ درحقیقت اسی تصور کا اثر تھا کہ

سرداد، دست نداد و دست یزید
حقا کہ بنائے لالہ است حسینؑ

پھر فاطمہ زہراؓ کو عقیقہ کرنے اور بچہ کے بالوں کے ہم وزن خیرات کرنے کے حکم دیا۔ پدر بزرگوار کے حکم کے مطابق فاطمہ زہراؓ نے عقیقہ کیا^۱۔ والدین نے حرب نام رکھا تھا۔ لیکن آنحضرت ﷺ کو یہ نام پسند نہ آیا۔ آپ نے بدل کر حسینؑ رکھا۔

عہد نبوی ﷺ : حضرت حسینؑ کے بچپن کے حالات میں صرف ان کے ساتھ آنحضرت ﷺ کے پیار اور محبت کے واقعات ملتے ہیں۔ آپ ﷺ ان کے ساتھ غیر معمولی شفقت فرماتے تھے۔ تقریباً روزانہ دونوں کو دیکھنے کے لئے حضرت فاطمہؓ کے گھر تشریف لے جاتے اور دونوں کو بلا کر پیار کرتے اور کھلاتے۔ دونوں بچے آپ ﷺ سے بے حد مانوس اور شوخ تھے۔ لیکن آپ ﷺ نے کبھی شوخی پر تنبیہ نہیں فرمائی، بلکہ ان کی شوخیاں دیکھ دیکھ کر خوش ہوتے تھے۔ اس قسم کے تمام حالات حضرت حسن کے تذکرہ میں لکھے جا چکے ہیں۔ اس لئے یہاں ان کے اعادہ کی حاجت نہیں۔ حضرت حسینؑ کا سن صرف سات برس کا تھا کہ نانا کا سایہ شفقت سر سے اٹھ گیا۔

عہد صدیقی : حضرت ابو بکر صدیقؓ کے زمانہ میں امام حسینؑ کی عمر ۷۔ ۸ برس سے زیادہ نہ تھی۔ اس لئے ان کے عہد کا کوئی خاص واقعہ قابل ذکر نہیں ہے، بجز اس کے کہ حضرت ابو بکر صدیقؓ "نبیرہ رسول کی حیثیت سے حضرت حسینؑ کو بہت مانتے تھے۔

عہد فاروقی : حضرت عمر فاروقؓ کے ابتدائی عہد خلافت میں بھی بہت صغیر اسن تھے، البتہ آخری عہد میں سن شعور کو پہنچ چکے تھے۔ لیکن اس عہد کی مہمات میں ان کا نام نظر نہیں آتا۔ حضرت عمرؓ بھی حضرت حسینؑ پر بڑی شفقت فرماتے تھے اور قربت رسول ﷺ کا خاص لحاظ رکھتے تھے۔ چنانچہ جب بدری صحابہؓ کے لڑکوں کا دو دو ہزار وظیفہ مقرر کیا تو حضرت حسینؑ کا محض قربت رسول ﷺ کے لحاظ سے پانچ ہزار ماہوار مقرر کیا۔

آپ کسی چیز میں بھی حضرت حسینؑ کی ذات گرامی کو نظر انداز نہ ہونے دیتے تھے۔ ایک مرتبہ یمن سے بہت سے حلے آئے۔ حضرت عمرؓ نے تمام صحابہؓ میں تقسیم کئے۔ آپ قبر اور منبر نبوی کے درمیان تشریف فرما تھے۔ لوگ ان حلوں کو پہن پہن کر شکر یہ کے طور پر آ کر سلام کرتے تھے۔ اسی دوران میں حضرت حسنؑ و حسینؑ حضرت فاطمہؓ کے گھر سے نکلے۔ آپ کا گھر حجرہ مسجد کے درمیان میں تھا۔ حضرت عمرؓ کی نظر ان دونوں پر پڑی تو ان کے جسموں پر حلے نظر نہ آئے۔ یہ دیکھ کر آپ کو

۱۔ مستدرک حاکم۔ جلد ۳۔ ص ۷۶ فضائل حسینؑ، موطا امام مالک کتاب العقیقہ باب جاء فی العقیقہ میں بھی اس کا ذکر ہے

۲۔ اسد الغابہ۔ جلد ۲۔ ص ۱۸ ۳۔ فتوح البلدان بلا ذری ذکر عطاء عمر بن الخطاب

تکلیف پہنچی اور لوگوں سے فرمایا، مجھے تمہیں ملے پہنا کر کوئی خوشی نہیں ہوئی۔ انہوں نے پوچھا، امیر المومنین یہ کیوں؟ فرمایا، اس لئے کہ ان دونوں لڑکوں کے جسم ان حلوں سے خالی ہیں۔ اس کے بعد فوراً حاکم یمن کو حکم بھیجا کہ جلد سے جلد دو حلتے بھیجو اور حلتے منگوا کر دونوں بھائیوں کو پہنانے بعد فرمایا، اب مجھے خوشی ہوئی ہے۔ ایک روایت یہ ہے کہ پہلے حلتے حضرت حسنؑ و حسینؑ کے لائق نہ تھے۔

حضرت عمرؓ حسینؑ کو اپنے صاحبزادے عبداللہ سے بھی جو عمر اور ذاتی فضل و کمال میں ان دونوں سے فائق تھے، زیادہ مانتے تھے۔ ایک مرتبہ آپ منبر نبوی ﷺ پر خطبہ دے رہے تھے کہ حسینؑ آئے اور منبر پر چڑھ کر کہا، میرے باپ (رسول اللہ ﷺ) کے منبر سے اترو، اور اپنے باپ کے منبر پر جاؤ۔ حضرت عمرؓ نے اس طفلانہ شوخی پر فرمایا کہ میرے باپ کا کوئی منبر ہی نہ تھا، اور انہیں اپنے پاس بٹھالیا۔ خطبہ تمام کرنے کے بعد انہیں اپنے ساتھ گھر لیتے گئے۔ راستہ میں پوچھا کہ یہ تم کو کس نے سکھایا تھا؟ بولے واللہ کسی نے نہیں۔ پھر فرمایا کبھی کبھی میرے پاس آیا کرو۔

چنانچہ اس ارشاد کے مطابق ایک مرتبہ حسینؑ ان کے پاس گئے۔ اس وقت حضرت عمرؓ معاویہؓ سے تنہائی میں کچھ گفتگو کر رہے تھے اور ابن عمرؓ دروازے پر کھڑے تھے۔ حسینؑ بھی ان ہی کے پاس کھڑے ہو گئے اور بغیر ملے ہوئے ان ہی کے ساتھ واپس چلے گئے۔ اس کے بعد جب حضرت عمرؓ سے ملاقات ہوئی تو آپ نے پوچھا، تم آئے کیوں نہیں؟ انہوں نے جواب دیا، امیر المومنین میں حاضر ہوا تھا، مگر آپ معاویہؓ سے گفتگو میں مشغول تھے، اس لئے عبداللہ کے ساتھ کھڑا رہا، پھر ان ہی کے ساتھ لوٹ گیا۔ فرمایا تم کو اس کا ساتھ دینے کی کیا ضرورت تھی، تم ان سے زیادہ حق دار ہو، جو کچھ ہماری عزت ہے وہ خدا کے بعد تم ہی لوگوں کی دی ہوئی ہے۔

عہد عثمانی : حضرت عثمان غنیؓ کے زمانہ میں پورے جوان ہو چکے تھے۔ چنانچہ سب سے اول اسی عہد میں جہاد میں قدم رکھا اور ۳۰ھ میں طرستان کی فوج کشی میں مجاہدانہ شریک ہوئے۔ پھر جب حضرت عثمانؓ کے خلاف بغاوت برپا ہوئی اور باغیوں نے قصر خلافت کا محاصرہ کر لیا تو حضرت علیؓ نے دونوں بھائیوں کو حضرت عثمانؓ کی حفاظت پر مامور کیا کہ باغی اندر گھسنے نہ پائیں۔ چنانچہ حفاظت کرنے والوں کے ساتھ ان دونوں نے بھی نہایت بہادری کے ساتھ باغیوں کو اندر گھسنے سے روک دیا۔ جب باغی کوٹھے پر چڑھ کر اندر آئے تو حضرت عثمانؓ کو شہید کر ڈالا اور حضرت علیؓ کو شہادت

کی خبر ہوئی تو انہوں نے دونوں بھائیوں سے نہایت سختی کے ساتھ باز پرس کی کہ تمہارے ہوتے ہوئے باغی کس طرح اندر گھس گئے۔

جنگ جمل و صفین : جنگ جمل میں اپنے والد بزرگوار کے ساتھ تھے۔ اختتام جنگ کے بعد کئی میل تک حضرت عائشہؓ کو پہنچانے کے لئے گئے۔ جنگ جمل کے بعد صفین کے قیامت خیز واقعہ میں بھی آپؐ نے بڑی سرگرمی کے ساتھ حصہ لیا۔ لیکن یہاں ان لا طائل تفسیلات کی ضرورت نہیں۔ التوائے جنگ کے بعد معاہدہ نامہ میں بحیثیت شاہد کے حضرت حسینؓ کے بھی دستخط تھے۔ پھر جنگ صفین کے بعد خوارج کی سرکوبی میں بڑے انہماک سے حصہ لیا۔

حضرت علیؓ کی شہادت :

اس کے بعد ۴۰ھ میں حضرت علیؓ پر قاتلانہ حملہ ہوا۔ زخم بہت کاری تھا، جب حالت زیادہ نازک ہوئی تو حضرت حسنؓ و حسینؓ کو بلا کر مفید نصیحتیں کیں اور محمد بن حنفیہ کے ساتھ حسن سلوک کی تاکید کر کے مرتبہ شہادت پر ممتاز ہو گئے۔

عہد معاویہؓ : حضرت علیؓ کی شہادت کے بعد حضرت حسن خلیفہ ہوئے۔ لیکن جیسا کہ اوپر ان کے حالات میں معلوم ہو چکا ہے، آپ مسلمانوں کی خوزری سے بچنے کے لئے معاویہؓ کے حق میں خلافت سے دستبرداری پر آمادہ ہو گئے اور حسینؓ کو اپنے عزم سے آگاہ کیا۔ حسینؓ نے اس کی بڑی پر زور مخالفت کی، جس کی تفصیل اوپر گزر چکی ہے۔ لیکن حضرت حسنؓ کے عزم راسخ کے سامنے ان کی مخالفت کامیاب نہ ہو سکی اور ۴۱ھ میں حضرت حسنؓ اور امیر معاویہؓ کے حق میں خلافت سے دستبرداری ہو گئے۔ حضرت حسینؓ کو بھی برادر بزرگ کے فیصلہ کے سامنے سرخم کرنا پڑا۔ تو حضرت حسینؓ امیر معاویہؓ کو حق پر نہیں سمجھتے تھے۔ تاہم ان کے زمانہ کی لڑائیوں میں برابر شریک ہوتے تھے۔ چنانچہ ۴۹ھ میں قسطنطنیہ کی مشہور مہم میں جس کا کماندار سفیان بن عوف تھا، مجاہدانہ شرکت کی تھی، جس کا ذکر امیر معاویہؓ کے حالات میں اوپر گزر چکا ہے۔

حضرت حسنؓ کا انتقال :

اسی سال یعنی ۴۹ھ میں حضرت حسنؓ کا انتقال ہو گیا۔ اس سلسلہ میں حضرت حسینؓ کو جو واقعات پیش آئے ان کا تذکرہ حضرت حسنؓ کے حالات میں گزر چکا ہے، اس لئے یہاں ان کے اعادہ کی ضرورت نہیں۔

امیر معاویہؓ اور حسینؓ :

اس کی تفصیل یہ ہے کہ ۵۶ھ میں جب امیر معاویہؓ نے اہل مدینہ سے یزید کی بیعت لینی چاہی تو طبری کے بیان کے مطابق سوائے چند لوگوں کے کل اہل مدینہ نے بیعت کر لی۔ بیعت نہ کرنے والوں میں ایک امام حسینؓ بھی تھے۔ لیکن جب عام بیعت ہو گئی تو امیر معاویہؓ نے ان لوگوں سے کچھ زیادہ اصرار نہیں کیا۔ (یہ طبری کی روایت ہے)

علامہ ابن اثیر کی روایت کی رو سے امیر معاویہؓ نے پہلے تمام اکابر مدینہ سے بزرگ بیعت لی اور ان کی بیعت کو عوام کے سامنے پیش کر کے سب سے بیعت لی اور کسی نے کوئی اختلاف نہیں کیا۔ سب خاموش رہے۔ ان خاموش رہنے والوں میں حضرت حسینؓ بھی تھے۔ اس کی تفصیل امیر معاویہؓ کے حالات میں لکھی جا چکی ہے۔

امیر زمانہ نہایت زمانہ شناس اور بڑے عاقبت بین مدبر تھے۔ مستقبل میں پیش آنے والے واقعات کا پہلے سے اندازہ کر لیتے تھے۔ چنانچہ اس کا یقین تھا کہ ان کے بعد ابن زبیرؓ ضرور خلافت کا دعویٰ کریں گے اور حسینؓ کو بھی اہل عراق یزید کے مقابلہ میں کھڑا کر دیں گے۔ اس لئے موت کے وقت یزید سے دونوں کے بارے وصیت کرتے گئے۔ حضرت حسینؓ کے متعلق خاص طور سے تاکید کی تھی کہ میرے بعد عراق والے حسینؓ کو تمہارے مقابلہ میں لا کر چھوڑیں گے، جب وہ تمہارے مقابلہ میں آئیں اور تم کو ان پر قابو حاصل ہو تو درگزر سے کام لینا۔ کیونکہ وہ قرابت دار اور بڑے حقدار اور رسول اللہ ﷺ کے عزیز ہیں۔^۲

یزید کی تخت نشینی، اور حسینؑ سے بیعت کا مطالبہ :

رجب ۱۰۶۰ھ میں امیر معاویہؓ کا انتقال ہوا۔ ان کے بعد یزید (جس کی بیعت وہ اپنی زندگی ہی میں لے چکے تھے)۔ ان کا جانشین ہوا۔ تختِ حکومت پر قدم رکھنے کے بعد یزید کے لئے

سب سے اہم معاملہ حضرت حسینؑ اور ابن زبیرؓ کی بیعت کا تھا۔ کیونکہ یزید کی ولی عہدی کی بیعت کے وقت ان دونوں نے اس کو نہ دل سے تسلیم کیا تھا اور نہ زبان سے اقرار کیا تھا اور ان کے بیعت نہ کرنے کی صورت میں خود ان کی جانب سے دعویٰ خلافت اور حجاز میں یزید کی مخالفت کا خطرہ تھا۔ کیونکہ ان کے دعویٰ خلافت سے سارا حجاز یزید کے خلاف اٹھ کھڑا ہوتا، اور حسینؑ کی وجہ سے عراق میں بھی شورش پیا ہو جاتی۔ جیسا کہ آئندہ چل کر ابن زبیرؓ کے دعویٰ خلافت کے زمانہ میں ہوا کہ شام کے بعض حصوں کے سوا قریب قریب پورا ملک ابن زبیرؓ کے ساتھ ہو گیا۔ ان اسباب کی بنا پر اپنی حکومت کی بقاء اور تحفظ کے لئے یزید نے ان دونوں سے بیعت لینا ضروری سمجھا۔

گویا یہ اس کی ناعاقبت اندیشی تھی۔ اگر وہ سمجھ داری سے کام لے کر ان بزرگوں کو ساتھ ملا لیتا تو بہت ممکن تھا کہ وہ ناگوار واقعات پیش نہ آتے، جنہوں نے نہ صرف یزید کو ساری دنیا میں بدنام بلکہ اموی حکومت کو لوگوں کی نگاہوں میں مطعون کر دیا۔ جس کا اثر اموی حکومت پر بہت بُرا پڑا۔

لیکن یزید نے ان پہلوؤں کو نظر انداز کر کے تخت حکومت پر قدم رکھتے ہی ولید بن عتبہ حاکم مدینہ کے نام ان دونوں سے بیعت لینے کا تاکید حکم بھیجا۔ ابھی تک مدینہ میں امیر معاویہؓ کی وفات کی خبر نہ پہنچی تھی۔ ولید کے لئے اس حکم تعمیل بہت مشکل تھی۔ وہ اس کے انجام سے واقف تھا۔ اس لئے بہت گھبرایا اور اس نے اپنے نائب مروان سے مشورہ کیا۔ مروان سخت مزاج تھا۔ اس نے کہا دونوں کو اسی وقت بلا کر ان سے بیعت کا مطالبہ کرو۔ اگر مان جائیں تو فہما اور اگر ذرا بھی لیت و لعل کریں تو سر قلم کر دو۔ ورنہ ان لوگوں کو معاویہؓ کی موت کی خبر مل گئی تو پھر ان میں سے ہر ایک شخص ایک ایک مقام پر خلافت کا مدعی بن کر کھڑا ہو جائے گا اور اس وقت سخت دشواری پیش آئے گی۔

اس مشورے کے بعد ولید نے ان دونوں کو بلا بھیجا۔ بولایہ طلبی ایسے غیر معمولی وقت میں ہوئی تھی جو ولید کے طے کا وقت نہ تھا۔ دوسرے امیر معاویہؓ کی علالت کی خبریں مدینہ میں آچکی تھیں۔ ان قیاسات سے دونوں آدمی سمجھ گئے کہ امیر معاویہؓ کا انتقال ہو گیا ہے اور انہیں بیعت کے لئے بلایا گیا ہے تاکہ معاویہؓ کی موت کی خبر پھیلنے سے پہلے ہی مدینہ میں بیعت لے لی جائے۔

حضرت حسینؑ کو اندازہ تھا کہ انکار کی بیعت کی صورت میں کس حد تک معاملہ نزاکت اختیار کر سکتا ہے۔ اس لئے متعین کر دیا، اس لئے اپنی حفاظت کا سامان کر کے ولید کے پاس پہنچے اور مکان کے باہر آدمیوں کو متعین کر دیا، تاکہ اگر کوئی ناگوار شکل پیش آئے تو وہ لوگ فوراً آپ کی آواز پر پہنچ

۱۔ بنی امیہ کے خلاف عباسیوں کی دعوت میں کامیابی کا ایک بڑا سبب حضرت امام حسینؑ کی شہادت کا واقعہ بھی تھا۔

جائیں۔ ولید نے انہیں امیر معاویہؓ کی موت کی خبر سنا کر یزید کی بیعت کے لئے کہا۔

حضرت حسینؓ نے تعزیت کے بعد یہ عذر کیا کہ میرے جیسا آدمی چھپ کر بیعت نہیں کر سکتا اور نہ میرے لئے خفیہ بیعت کرنا زیبا ہے۔ جب تم عام بیعت کے لئے لوگوں کو بلاؤ گے تو میں بھی آ جاؤں گا اور عام مسلمان جو صورت اختیار کریں گے، اس میں مجھے بھی کوئی عذر نہ ہوگا۔ ولید نرم خو اور صلح پسند آدمی تھا۔ اس لئے رضامند ہو گیا اور حضرت حسینؓ لوٹ آئے۔

مروان جس نے زبردستی بیعت لینے اور انکار کی صورت میں قتل کر دینے کی رائے دی تھی۔ ولید کی اس نرمی اور صلح پسندی پر بہت برہم ہوا، اور کہا ”تم نے میرا کہنا نہ مانا، اب تم ان پر قابو نہیں پاسکتے۔“ ولید بولا افسوس تم فاطمہ بنت رسول ﷺ کے لڑکے حسینؓ کے خون سے میرے ہاتھ آلودہ کرنا چاہتے ہو۔ خدا کی قسم قیامت کے دن حسینؓ کے خون کا جس سے محاسبہ کیا جائے گا، اس کا پلہ خدا کے نزدیک ہلکا ہوگا۔

محمد بن حنفیہ کا مشورہ :

ولید کے پاس سے واپس آنے کے بعد حضرت حسینؓ بڑی کشمکش میں ہو گئے۔ آپ کو اس مشکل سے مفر کی کوئی صورت نظر نہ آتی تھی۔ ایک طرف آپ یزید کی بیعت دل سے سخت ناپسند کرتے تھے، کیونکہ اس کی ولی عہدی کی بیعت خلفائے راشدینؓ کے اسلامی طریقہ انتخاب کے بالکل خلاف غیر شرعی اور قیصر و کسریٰ کے طرز کی پہلی شخص و موروثی بادشاہت تھی۔ دوسرے جمہور امت کے خلاف بھی نہیں چاہتے تھے۔

چنانچہ ولید سے فرما دیا تھا کہ تمام اہل مدینہ بیعت کر لیں گے تو مجھے بھی کوئی عذر نہ ہوگا۔ تیسرے اہل عراق خود آپ کو خلیفہ بنانا چاہتے تھے اور آپ کے پاس اس مضمون کے بہت سے خطوط آچکے تھے کہ آپ ظالم حکومت کے مقابلہ میں خلافت قبول کیجئے۔ ان تمام حالات نے آپ کو بڑی کشمکش میں مبتلا کر دیا۔

جس دن حضرت حسینؓ ولید سے ملے تھے، اس کے دوسرے دن عبد اللہ بن زبیرؓ مدینہ سے مکہ نکل گئے اور دن بھر ولید اور ان کا عملہ ان کی تلاش میں سرگرداں رہا۔ اس لئے حضرت حسینؓ کا کسی کو خیال نہ آیا۔ اس کے بعد دوسرے دن ولید نے پھر حضرت حسینؓ کے پاس یاد دہانی کے لئے آدمی بھیجا۔

۱۔ ابن اثیر۔ جلد ۴۔ ص ۱۰۰ و اخبار الطوال۔ ص ۲۴۱ و حسینؓ کے ساتھ ابن زبیرؓ کے حالات بھی ہیں۔ ان کا ذکر ان کے حال میں آئندہ آئے گا۔

آپ نے ایک دن کی مہلت مانگی۔ ولید نے اسے بھی منظور کر لیا۔ اس کے بعد بھی حسینؑ کوئی فیصلہ نہ کر سکے اور اسی کشمکش اور پریشانی میں اپنے اہل و عیال اور عزیز و اقربا کو لے کر رات کو نکل کھڑے ہوئے۔ لیکن ابھی تک یہ بھی طے نہیں کیا تھا کہ مدینہ سے نکل کر جائیں تو کدھر جائیں۔

محمد بن حنفیہ نے مشورہ دیا کہ ”اس وقت آپ یزید کی بیعت اور کسی مخصوص شہر کے ارادہ سے جہاں تک ہو سکے الگ رہیں اور ان لوگوں کو خود اپنی خلافت کی دعوت دیجئے۔ اگر وہ لوگ بیعت کر لیں تو خدا کا شکر ادا کرنا چاہئے اور اگر کسی دوسرے شخص پر لوگوں کا اجتماع ہو جائے تو اس سے آپ نے اوصاف و کمالات اور فضائل میں کمی نہ آئے گی۔“

مجھے خوف ہے کہ اگر آپ اس پر شور زمانہ میں کسی مخصوص شہر اور مخصوص جماعت کے پاس جانے کا قصد کریں گے تو ان میں اختلاف پیدا ہو جائے گا۔ ایک فریق آپ کی حمایت کرے گا، دوسرا مخالفت۔ پھر یہ دونوں آپس میں لڑیں گے اور آپ ان کے نیزوں کا پہلا نشانہ بنیں گے۔ اس طرح اس اُمت کا معزز ترین اور شریف ترین شخص جس کا ذاتی نسب شرف میں کوئی مقابل نہیں ہے، سب سے زیادہ ذلیل اور پست اور اس کا خون سب سے زیادہ ارزاں ہو جائے گا۔

یہ مشورہ سن کر حضرت حسینؑ نے پوچھا، پھر میں کہاں جاؤں محمد بن حنفیہ نے کہا، مکہ۔ اگر وہاں آپ کو اطمینان حاصل ہو جائے تو کوئی نہ کوئی راہ نکل آئے گی اور اگر وہاں بھی اطمینان حاصل نہ ہو تو کسی اور ریگستان اور پہاڑی علاقہ میں نکل جائیے اور اس وقت تک برابر ایک شہر سے دوسرے شہر منتقل ہوتے رہئے، جب تک ملک کا کوئی فیصلہ ہو جائے۔ اس درمیان میں آپ کسی نہ کسی نتیجے پر پہنچ جائیں گے۔ جب واقعات سامنے آجاتے ہیں اس وقت آپ کی رائے بہت زیادہ صائب ہو جاتی اور آپ کا طریقہ کار بہت زیادہ صحیح ہو جاتا ہے۔ حضرت حسینؑ نے محمد بن حنفیہ کا مشورہ پسند کیا اور فرمایا تمہاری نصیحت بہت محبت آمیز ہے، تمہاری رائے بھی صائب ہوگی۔

حضرت حسینؑ کا سفر مکہ اور عبد اللہ بن مطیع کا مشورہ :

اس وقت مدینہ بہت ہڈ آثوب ہو رہا تھا۔ اس کے مقابلہ میں اگر کہیں امن تھا تو وہ حرم محترم تھا اور حضرت حسینؑ کے پاس کوفہ سے خط پر خط اور آدمی پر آدمی آرہے تھے کہ آپ کوفہ تشریف لائیے، ہم سب جان نثاری کے لئے تیار ہیں۔ لیکن محمد بن حنفیہ نے کسی دوسرے مقام پر جانے کی مخالفت کی تھی اور مکہ ہی میں قیام کرنے کا مشورہ دیا تھا۔ اس لئے حضرت حسینؑ نے مدینہ چھوڑ کر مکہ جانے کا قصد کر لیا۔

چنانچہ شعبان ۶۰ھ میں اہل وعیال مکہ روانہ ہو گئے۔ راستہ میں عبد اللہ بن مطیع ملے۔ انہوں نے آپ کو مدینہ سے جاتے ہوئے دیکھا تو پوچھا میں آپ پر فدا ہوں، کہاں کا قصد ہے؟ فرمایا، فی الحال مکہ جاتا ہوں۔ عبد اللہ نے کہا، اس میں مضائقہ نہیں۔ مگر خدا کے لئے کوفہ کا قصد نہ کیجئے گا۔ وہ منہو شہر ہے۔ وہاں آپ کے والد شہید کئے گئے، آپ کے بھائی بے یار و مددگار چھوڑے گئے، نیز سے زخمی ہوئے، جان جاتے جاٹے پچی۔ آپ حرم میں بیٹھ جائیے، آپ عرب کے سردار ہیں۔ حجازی آپ کے مقابلہ میں کسی کو نہ مانیں گے۔ حرم میں بیٹھ کر اطمینان کے ساتھ لوگوں کو اپنی طرف مائل کیجئے۔ میرے چچا اور ماموں آپ پر فدا ہوں، آپ حرم کو ہرگز ہرگز نہ چھوڑیے گا۔ اگر نصیب دشمنان آپ پر کوئی آنچ آئی تو ہم سب غلام بنا ڈالے جائیں گے۔

تحقیق حال کے لئے مسلم بن عقیل کی کوفہ روانگی اور راہ کے شہداء :

مکہ پہنچنے کے بعد حضرت حسینؑ نے شعب ابی طالب (یہ وہی گھاتی ہے، جس میں آغاز اسلام میں قریش نے آنحضرت ﷺ اور آپ کے ساتھ آپ کے حامیوں اور ہوا خواہوں کو تبلیغ اسلام کے جرم میں نظر بند کیا تھا) میں قیام فرمایا۔ آپ کی آمد کی خبر سن کر لوگ جوق در جوق زیارت کے لئے آنے لگے اور کوفیوں کے بلاوے کے خطوط کا تانتا بند گیا۔ عمائد کوفہ کے وفد نے آکر عرض کی کہ آپ جلد سے جلد کوفہ تشریف لے چلئے۔ وہاں کی مسند خلافت آپ کے لئے خالی ہے اور ہماری گردنیں آپ کے لئے حاضر ہیں۔ حضرت حسینؑ نے یہ اشتیاق سن کر فرمایا، میں تمہاری محبت اور ہمدردی کا شکر گزار ہوں، لیکن فی الحال نہیں جاسکتا۔ پہلے اپنے بھائی مسلم بن عقیل کو بھیجتا ہوں، یہ وہاں کے حالات کا اندازہ لگا کر مجھے اطلاع دیں گے۔ اس وقت کوفہ کا قصد کروں گا۔

چنانچہ مسلم کو ایک خط دے کر کوفہ روانہ کر دیا، کہ وہ براہ راست خود حالات کا صحیح اندازہ لگا کر اطلاع دیں اور اگر حالات کا رخ کچھ بدلا ہو ادیکھیں تو لوٹ آئیں۔

چنانچہ مسلم دو آدمیوں کو لے کر کوفہ روانہ ہو گئے۔ راستہ میں بڑی دشواریاں پیش آئیں۔ پانی کی قلت کی وجہ سے دونوں آدمی ہلاک ہو گئے۔ مسلم نے کوفہ کے قریب پہنچ کر حضرت حسینؑ کو خط لکھا کہ میں ان ان دشواریوں کے ساتھ یہاں تک پہنچا ہوں۔ بہتر یہی ہوتا کہ یہ خدمت کسی دوسرے کو سپرد کر دی جاتی۔ لیکن امام نے جواب میں لکھا کہ یہ تمہاری کمزوری ہے، ہمت نہ ہارو۔ اس لئے مسلم کو چار دنا چار کوفہ میں داخل ہونا پڑا۔ کوفہ والے چشم براہ ہی تھے۔ مسلم کو ہاتھوں ہاتھ لیا اور ان کے پہنچنے ہی کوفہ میں اعلانیہ مخالفت شروع ہو گئی۔

یزید کو مسلم کے پہنچنے کی اطلاع اور حسینؑ کے بصری قاصد کا قتل :

مسلم کے کوفہ پہنچنے کے بعد حکومت شام کے جاسوسوں نے پایہ تخت دمشق اطلاع بھیجی کہ حسینؑ کی طرف سے مسلم بیعت لینے کوفہ آگئے ہیں۔ اگر سلطنت کی بقا منظور ہے تو فوراً اس کا تدارک ضروری ہے۔ اس اطلاع پر دربار دمشق سے عبید اللہ بن زیاد کے نام تاکید کی حکم آیا کہ تم فوراً کوفہ جا کر مسلم کو خارج البلد کر دو اور اگر وہ اس میں مزاحمت کریں تو قتل کر دو۔ ابن زیاد کو بصرہ میں یہ فرمان ملا۔ اتفاق سے اسی دن حضرت حسینؑ کا ایک اور قاصد اہل بصرہ کے نام بھی آپ کا خط لے کر آیا تھا۔ بصرہ والوں کو یزید کے فرمان کا علم ہو چکا تھا۔ اس لئے انہوں نے اس قاصد کو چھپا دیا۔ مگر ابن زیاد کے خسر کو اس کا علم ہو گیا تھا اور اس نے ابن زیاد کو خبر کر دی۔ ابن زیاد نے اس وقت قاصد کو گرفتار کر کے قتل کرادیا اور جامع بصرہ میں تقریر کی کہ ”امیر المومنین“ نے مجھے بصرہ کے ساتھ کوفہ کی حکومت بھی مرحمت فرمائی ہے۔ اس لئے میں وہاں جا رہا ہوں۔ میری عدم موجودگی میں میرا بھائی عثمان میری نیابت کرے گا۔ تم لوگوں کو اختلاف اور شورش سے بچنا چاہئے۔ یاد رکھو، جس کے متعلق مجھے ان میں حصہ لینے کی اطلاع ملے گی اس کو اور اس کے حامی دونوں کو قتل کر ڈالوں گا اور قریب و بعید اور گناہگار و ناکردہ گناہ سب کو ایک گھاٹ اتاروں گا، تا آنکہ تم لوگ راہ راست پر آ جاؤ۔ میرا فرض سمجھانا تھا، اسے میں نے پورا کر دیا، اب میں بری الفتنہ ہوں

کوفہ میں ابن زیاد کا ورود اور پہلی تقریر :

اس تہدید آمیز تقریر کے بعد ابن زیاد بصرہ سے کوفہ روانہ ہو گیا۔ اہل کوفہ حضرت حسینؑ کے لئے چشم براہ تھے اور آپ کے دھوکے میں ہر باہر سے آنے والے کو دیکھ کر مر حبا بن رسول اللہ کا نعرہ لگاتے تھے۔ اس لئے ابن زیاد کوفہ میں جن جن راستوں سے گزرا یہی نعرہ سنائی دیا۔ ان کو سن کر جوش غضب سے لبریز ہو گیا اور سیدھا جامع مسجد پہنچا اور لوگوں کو جمع کر کے تقریر کی کہ ”باشندگان کوفہ! امیر المومنین نے مجھے تمہارے شہر کا حاکم بنا کر بھیجا ہے اور مظلوم کے ساتھ انصاف و مطیع و منقاد کے ساتھ احسان اور نافرمان اور باغی کے ساتھ سختی کا حکم دیا ہے۔ میں اس حکم کی پوری پابندی کروں گا۔ فرمانبرداروں کے ساتھ پدرانہ شفقت سے پیش آؤں گا، لیکن مخالفوں کے لئے سم قاتل ہوں۔“

کوفہ میں مسلم کا خفیہ سلسلہ بیعت :

اس اعلان سے مسلم گھبرا گئے اور رات کو اپنے قیام گاہ سے نکل کر اہل بیعت کے ایک ہوا خواہ ہانی بن عروہ مذحجی کے یہاں پہنچے۔ اب زیاد کے اعلان سے سب خوفزدہ ہو رہے تھے۔ اس لئے

ہانی کو پہلے مسلم کو ٹھہرانے میں تذبذب ہوا، لیکن پھر زمانہ مکان کے ایک محفوظ حصہ میں چھپا دیا۔
حضرت حسینؑ کا ایک بڑا حامی شریک بن امور سلمیٰ جو بصرہ کا ایک مقتدر اور معزز شخص تھا۔
عبید اللہ بن زیاد کے ساتھ کوفہ آیا ہوا تھا۔ اس تعلق سے ہانی نے اسے بھی اپنا مہمان بنایا اور مسلم کے
ساتھ ٹھہرایا۔ اس نے ہانی کو مسلم کی امداد پر آمادہ کیا اور مسلم کے پاس حضرت حسینؑ کے حامیوں کی خفیہ
آمد رفت شروع ہو گئی اور ان کی بیعت کا سلسلہ جاری ہو گیا۔

سوء اتفاق اسی دوران میں شریک بیمار پڑ گیا۔ ابن زیاد کو خبر ہوئی تو وہ عیادت کے لئے آیا۔
اس کے آنے کی خبر سن کر شریک نے پہلے سے اس کا قصہ چکانے کا بدبست کر لیا اور مسلم کو ایک خفیہ
مقام پر چھپا کر ہدایت کر دی کہ وہ موقع پاتے ہی نکل کر ابن زیاد کا کام تمام کر دیں۔ اس کے بعد بصرہ
کی مسند خلافت تمہارے لئے خالی ہو جائے گی اور کوئی حرام باقی نہ رہے گا۔

ہانی نے اپنے گھر میں یہ صورت ناپسند کی، لیکن شریک نے اس قتل کو مذہبی خدمت بتا کر ہانی
کو آمادہ کر لیا۔ اس کے بعد ہی عبید اللہ بن زیاد عیادت کے لئے آ گیا اور دیر تک بیٹھا رہا۔ مگر مسلم نہ
نکلے، شریک نے اشارہ بھی کیا۔ مگر کسی وجہ سے مسلم نے حملہ مناسب نہ سمجھا اور ابن زیاد بچ کر نکل گیا۔
اس کی واپسی کے بعد شریک نے کہا، تم نے بڑی بزدلی سے کام لیا۔ مسلم نے جواب دیا، بھول ہمارے
میزبان ہانی کو یہ صورت حال پسند نہ تھی دوسرے رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان کہ ”ایمان اچانک حملہ سے
روکتا ہے۔“ اور اچانک حملہ مسلمانوں کے شایان شان نہیں۔ میرے پاؤں پکڑ لیتا تھا۔ بہر حال مسلم
نے اپنی دینداری کی بنا پر ابن زیاد کے قتل کا بہترین موقع کھودیا۔ لیکن اس کے بعد بھی ان کا سلسلہ
بیعت بدستور برابر جاری رہا اور اٹھارہ ہزار اہل کوفہ ان کے ہاتھ پر بیعت کر کے حضرت حسینؑ کے زمرہ
عقیدت میں داخل ہو گئے۔

ہانی مذہبی کا قتل :

ابن زیاد کو مسلم کی تلاش میں عرصہ گزر چکا تھا، لیکن ابھی تک اسے ان کا پتہ نہ چلتا تھا۔ آخر
کار اس نے اپنے غلام معقل کو سراغ رسانی پر مامور کیا۔ اس قسم کی خفیہ تحریکوں کا پتہ چلانے کے لئے
بہترین مقام مسجد تھی۔ کیونکہ مسجد میں ہر قسم کے لوگ آتے ہیں۔ اس لئے یہ غلام سید حاجا جامع مسجد پہنچا۔
یہاں دیکھا کہ ایک شخص مسلسل نمازیں پڑھ رہا ہے۔ معقل نے نمازوں کی کثرت سے قیاس کیا یہ
حضرت حسینؑ کے حامیوں میں سے ہے اور اس کے پاس جا کر کہا میں شامی غلام ہوں، خدا نے میرے

دل میں اہل بیعت نبوی ﷺ کی محبت ڈال دی ہے۔ میرے پاس تین ہزار درہم ہیں۔ میں نے سنا ہے کہ یہاں حضرت حسینؑ کا کوئی داعی آیا ہے۔ میں یہ حقیر رقم اس کی خدمت میں نذر کے طور پر پیش کرنا چاہتا ہوں کہ وہ اس کو کسی کار خیر میں صرف کریں۔ یہ سن کر داعی نے سوال کیا، مسجد میں اور مسلمان بھی ہیں، تم نے خاص طور پر مجھ سے یہ سوال کیوں کیا؟ معقل نے جواب دیا، آپ کے بشرہ پر خیر کے آثار نظر آئے۔ معقل کی اس بے فریب گفتگو سے وہ شخص دام میں آ گیا۔ اس کو معقل کی حملت حسینؑ کا یقین ہو گیا۔

چنانچہ اس ملاقات کے دوسرے دن معقل اس داعی کے ہمراہ مسلم کے پاس پہنچا اور تین ہزار درہم پیش کر کے بیعت کی اور حالات کا پتہ چلانے کے لئے اظہار عقیدت و خدمت کے بہانے ان ہی کے پاس رہنے لگا۔ رات بھر مسلم کے پاس رہتا اور دن کو ابن زیاد کے پاس جا کر مفصل رپورٹ پہنچاتا۔ ہانی چونکہ مقتدر آدمی تھے اس لئے ابن زیاد کے پاس آیا جایا کرتے تھے۔ لیکن جب سے مسلم کے مشن کے کارکن ہو گئے تھے، اس وقت سے بیماری کا بہانہ کر کے آنا جانا ترک کر دیا تھا۔

ایک دن زیاد کے پاس محمد بن اشعث اور اسماء بن خارجہ آئے۔ ابن زیاد نے ان سے پوچھا ہانی کا کیا حال ہے؟ انہوں نے کہا بیمار ہے۔ ابن زیاد نے کہا، کیسے بیمار ہیں کہ دن بھر اپنے دروازے پر بیٹھے رہتے ہیں، یہ دونوں یہاں سے واپس گئے، تو ہانی سے ابن زیاد کو سوائے ظن بیان کیا اور کہا کہ تم ابھی ہمارے ساتھ چلو تا کہ اسی وقت معاملہ صاف ہو جائے۔ ان دونوں کے کہنے سے ہانی ان کے ساتھ ہو گئے۔ مگر دل میں چور تھا۔ اس لئے قصر امارت کے پاس پہنچ کر ان کو خوف پیدا ہوا۔ انہوں نے کہا کہ مجھے اس شخص سے ڈر معلوم ہوتا ہے۔ محمد بن اشعث نے اطمینان دلایا کہ ڈرنے کی کوئی وجہ نہیں، تم بری الذمہ ہو، اور ہانی کو اندر لے گئے۔ ابن زیاد کو تمام خفیہ حالات کی خبر ہو چکی تھی۔ اس نے ہانی کو دیکھتے ہی یہ شعر پڑھا :

ارید حباؤہ ویرید قتلی

عذیریک من خلیک من مرار

”میں اس کو انعام دینا چاہتا ہوں جو مجھے قتل کرنا چاہتا ہے۔ قبیلہ مراد سے اپنے کسی دوست کو معذرت کے لئے لا۔“

ہانی نے یہ شعر سن کر پوچھا، اس کا کیا مطلب ہے؟ ابن زیاد نے کہا مطلب پوچھتے ہو۔ مسلم کو چھپانا، ان کی بیعت کے لئے لوگوں کو خفیہ جمع کرنا، اس سے بڑھ کر سنگین جرم اور کیا ہو سکتا ہے۔

ہانی نے اس الزام سے انکار کیا۔ ابن زیاد نے اسی وقت معقل کو طلب کیا اور ہانی سے کہا اسے پہچانتے ہو۔ معقل کو دیکھ کر ہانی کے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے۔ اب وہ سمجھ گئے کہ یہ اشیعیت کے بھیس میں جاسوسی کر رہا تھا۔ اس عینی شاہد کے سامنے انکار کی کوئی گنجائش نہ تھی، اس لئے صاف صاف اقرار کر لیا کہ آپ سچ کہتے ہیں۔ لیکن خدا کی قسم میں نے مسلم کو بلایا نہیں تھا اور کل واقعہ صحیح صحیح بیان کر کے وعدہ کیا کہ ابھی جا کر انہیں اپنے گھر سے نکالے دیتا ہوں اور نکال کر واپس آتا ہوں۔ لیکن ابن زیاد نے اس کی اجازت نہ دی اور کہا کہ خدا کی قسم تم اس وقت یہاں سے واپس نہیں جاسکتے جب تک مسلم یہاں نہ آجائیں۔ ہانی نے جواب دیا یہ نہیں ہو سکتا۔ خدا کی قسم میں اپنے مہمان اور پناہ گزین کو قتل کے لئے کبھی تمہارے حوالہ نہیں کروں گا۔ یہ جواب سن کر ابن زیاد بیتاب ہو گیا اور اس زور سے ہانی کو بیدار کیا کہ ان کی ناک پھٹ گئی اور ابرو کی ہڈی ٹوٹ گئی اور انہیں ایک گھر میں ڈلوادیا۔

ادھر شہر میں یہ افواہ پھیل گئی کہ ہانی قتل کر دیئے گئے۔ یہ افواہ سن کر ہانی کے قبیلہ والے ہزاروں کی تعداد میں قصر امارت پر ٹوٹ پڑے اور انتقام انتقام کا نعرہ لگانے لگے۔ یہ نازک صورت دیکھ کر ابن زیاد بہت گھبرایا اور قاضی سے کہا آپ ہانی کو اپنی آنکھ سے دیکھ کر ہانی کے قبیلہ والوں کو اطمینان دلادیتے کہ وہ قتل نہیں کئے گئے۔ چنانچہ قاضی صاحب ہانی کے معائنہ کے لئے گئے۔ ہانی اپنے قبیلہ والوں کا شور و ہنگامہ سن رہے تھے۔ قاضی کو دیکھ کر کہا یہ آوازیں میرے قبیلہ والوں کی معلوم ہوتی ہیں۔ انہیں آپ صرف اتنا پیام پہنچادیتے کہ اگر اس وقت ان لوگوں میں سے دس آدمی بھی آجائیں تو میں چھوٹ سکتا ہوں۔ لیکن قاضی شریح کے ساتھ جاسوس لگا ہوا تھا۔ اس لئے وہ یہ پیام نہ پہنچا سکے اور بنی مدجن کو ہانی کی زندگی کا یقین دلا کر واپس کر دیا۔

اہل کوفہ کی غداری اور مسلم کی روپوشی :

مسلم بن عقیل نے ہانی کے قتل کی افواہ سنی تو اپنے اٹھارہ ہزار آدمیوں کے ساتھ قصر امارۃ پر حملہ کر کے ابن زیاد کو گھیر لیا۔ اس وقت ابن زیاد کے پاس صرف پچاس آدمی تھے۔ ۳۰ پولیس کے آدمی اور ۲۰ عمائد کوفہ۔ ان کے علاوہ مدافعت کی کوئی قوت نہ تھی۔ اس لئے اس نے محل کا پھاٹک بند کر لیا اور لوگوں سے کہا کہ تم لوگ نکل کر اپنے اپنے قبیلہ والوں کو تہدید و تحویف طمع اور لالچ کے ذریعہ جس طرح بھی ہو سکے مسلم کے ساتھ سے علیحدہ کر دو اور عمائد کوفہ کو حکم دیا کہ چھت پر چڑھ کر یہ اعلان کریں کہ اس وقت جو شخص امیر کی اطاعت کرے گا اس کو انعام و اکرام دیا جائے گا، جو بغاوت کرے گا اس کو نہایت سنگین سزا دی جائے گی۔ عمائد کوفہ کے اس اعلان پر مسلم کے بہت سے ساتھی منتشر ہو گئے۔ شہر کے

لوگ آتے تھے اور اپنے اعزہ و اقربا کو لے جاتے تھے۔ اس طرح چھٹے چھٹے مسلم کے ساتھ کل ۳۰ آدمی رہ گئے۔ جب انہوں نے کوئی حامیان حسینؑ کی یہ غداری دیکھی تو کندہ کے محلہ کی طرف چلے گئے اور یہاں باقی ماندہ تیسوں آدمیوں نے بھی ایک ایک کر کے ساتھ چھوڑ دیا اور مسلم تنہا رہ گئے۔ اس کسمپرسی کی حالت میں کوفہ کی گلیوں کی خاک چھانٹتے اور ٹھوکریں کھاتے ہوئے طوعہ نامی ایک عورت کے دروازے پر پہنچے۔ اس عورت کا لڑکا بلال شورش پسندوں کے ساتھ نکل گیا تھا۔ وہ عورت اس کی واپسی کا انتظار کر رہی تھی۔

مسلم نے اس کے دروازے پر پہنچ کر پانی مانگا۔ اس نے پانی پلایا۔ پانی پلانے کے بعد کہا اب جاؤ اپنا راستہ لو۔ لیکن مسلم جاتے تو اب کہاں جاتے، ان کے لئے کوئی جائے پناہ باقی نہ رہ گئی تھی۔ اس لئے وہ سن کر خاموش ہو گئے۔ عورت نے پھر دو تین مرتبہ کہا۔ تیسری مرتبہ مسلم نے جواب دیا کہ میں اس شہر میں پردیسی ہوں، میرا کوئی گھر اور میرے اقربا یہاں نہیں ہیں۔ ایسی حالت میں تم میرے ساتھ کچھ سلوک کر سکتی ہو؟ عورت نے پوچھا کس قسم کا؟ مسلم نے کہا میں مسلم بن عقیل ہوں، کوفہ والوں نے میرے ساتھ غداری کی ہے۔ بوڑھی عورت خدا ترس تھی۔ مسلم کی داستان مصیبت سن کر انہیں اپنے مکان میں چھپا دیا اور ان کی خبر گیری کرتی رہی۔ اس کے بعد جب اس کا لڑکا واپس آیا اور اس نے ماں کو مکان کے ایک خاص حصہ میں زیادہ آتے جاتے دیکھا تو سبب پوچھا؟ بوڑھی ماں نے پہلے تو چھپایا، لیکن جب بیٹے نے زیادہ اصرار کیا تو راز داری کا وعدہ لے کے بتا دیا۔

مسلم کی گرفتاری :

جب سے مسلم ہانی کے گھر سے نکلے تھے، اسی وقت سے ابن زیاد ان کی تلاش میں مصروف تھا لیکن پتہ نہ چلتا تھا۔ اس لئے اس نے ایک دن اہل شہر کو مسجد میں جمع کر کے اعلان کیا کہ جاہل اور کمینہ مسلم بن عقیل نے جو فتنہ پکڑا کیا ہے، اس کو تم لوگوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا ہے۔ اس لئے جس شخص کے گھر سے وہ برآمد ہوں گے وہ ماخوذ ہوگا، اور جو انہیں گرفتار کر کے لائے گا۔ اسے انعام دیا جائے گا۔ اس اعلان کے بعد حسین بن قاسم کو کوفہ میں عام تلاشی کا حکم دیا۔

جس عورت کے گھر میں مسلم روپوش تھے، اس کے لڑکے کو علم ہو چکا تھا، ابن زیاد کے اعلان سے وہ گھبرا گیا، اور دوسرے دن صبح کو اس نے عبدالرحمن بن محمد سے تذکرہ کیا کہ مسلم ہمارے گھر میں روپوش ہیں۔ عبدالرحمن نے قصر امارۃ میں جا کر اپنے باپ کو اطلاع دی، اس نے ابن زیاد سے کہہ دیا، اس طرح مسلم کا پتہ چل گیا۔

ابن زیاد نے اُسی وقت ستر آدمیوں کا ایک دستہ مسلم کی گرفتاری کے لئے بھیج دیا۔ دستہ کی آمد کا شور سن کر مسلم سمجھ گئے، لیکن مطلق خوفزدہ نہ ہوئے، اور تنہا پورے دستہ کا نہایت شجاعت و بہادری کے ساتھ مقابلہ کر کے انہیں گھر سے باہر کر دیا، یہ لوگ پھر ریلہ کر کے اندر گھسے، مسلم نے پھر نکال باہر کیا کہ اتنے میں بکیر بن حمران نے مسلم کے چہرہ پر ایسا وار کیا کہ اوپر کا ہونٹ کٹ گیا، اور سامنے کے دو دانت ٹوٹ گئے، لیکن اس حالت میں بھی مسلم نے اس شخص کو نہایت سخت زخمی کر دیا، اس کے زخمی ہوتے ہی باقی ۶۹ آدمی مکان کی چھت پر چڑھ گئے اور اوپر سے مسلم کے اوپر آگ اور پتھر برسائے لگے مسلم نے یہ بزدلی دیکھی تو گلی میں نکل آئے اور بڑا پر زور مقابلہ کیا۔

شامی دستہ کے امیر محمد بن اشعث نے کہا کہ تنہا کب تک مقابلہ کرو گے، جان دینے سے کیا فائدہ میں تمہیں امان دیتا ہوں سپردِ اِل دو، اور اپنے کو بیکار ہلاک نہ کرو۔ مسلم نے اس کے جواب میں نہایت بہادرانہ رجز پڑھا، لیکن محمد بن اشعث نے یقین دلایا کہ تمہارے ساتھ کوئی فریب نہ کیا جائے گا، مقابلہ سے باز آ جاؤ۔ مسلم زخموں سے چور ہو چکے تھے، مزید مقابلہ کی طاقت باقی نہ تھی، اس لئے مکان کی دیوار سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئے۔ محمد بن اشعث نے پھر امان کی تجدید کی، لیکن عمرو ابن عبید اللہ سلمی نے اسے تسلیم نہ کیا، اور مسلم کی سواری کے لئے اونٹ تک مہیا نہ کیا، چنانچہ اس سخت حالت میں ان کو خنجر پر سوار کر کے تلوار چھین لی گئی۔ تلوار چھیننے سے مسلم کو اپنی زندگی سے مایوسی ہو گئی، اور بادیہ پر غم کہا، یہ پہلا دھوکا ہے۔

محمد بن اشعث نے پھر اطمینان دلایا، لیکن مسلم بہت مایوس تھے، بولے اب امان کہاں، اس کی طرف آس ہی آس ہے، عمرو ابن عبید اللہ نے اشکباری پر طعنہ دیا، کہ خلافت کے مدعی کو مصائب سے گھبرا کر رونا نہ چاہئے۔ مسلم نے کہا

”میں اپنے لئے نہیں روتا ہوں، بلکہ اپنے گھروالوں کے لئے روتا ہوں جو تمہارے یہاں

آ رہے ہیں، حسینؑ کے لئے روتا ہوں، آل حسینؑ کے لئے روتا ہوں۔“

پھر محمد بن اشعث سے کہا مرا بچانا تمہارے بس سے باہر ہے، ابلتہ اگر تم سے ہو سکے تو میرے بعد اتنا کام کرنا کہ حسینؑ کو میری حالت کی خبر کر کے یہ پیام بھجوا دینا کہ وہ اپنے اہل بیت کو لے کر لوٹ جائیں اور کوفہ والوں پر ہرگز ہرگز اعتماد نہ کریں۔ محمد بن اشعث نے کہا خدا کی قسم جس طرح بھی ہو سکے گا یہ پیام ضرور پہنچاؤں گا۔ محمد بن اشعث نے یہ وعدہ پورا بھی کیا جس کا ذکر آئندہ آئے گا۔

مسلم کو امان دینے کے بعد محمد بن اشعث انہیں قصر امارت میں لایا، اور ابن زیاد سے کہا کہ میں مسلم کو امان دے چکا ہوں، لیکن ابن زیاد نے اسے تسلیم نہیں کیا، اور کہا تم کو امان دینے کا کیا اختیار تھا، میں نے تم کو صرف گرفتار کرنے کے لئے بھیجا تھا۔ اس کی ڈانٹ سن کر محمد بن اشعث خاموش ہو گئے۔

مسلم بہت پیاسے تھے، قصر امارت کے پھانک پر ٹھنڈا پانی نظر پڑا، اسے مانگا۔ مسلم بن عمرو باہلی نے جواب دیا، دیکھتے ہو کتنا ٹھنڈا پانی ہے۔ لیکن اس میں سے تم کو ایک قطرہ بھی نہیں مل سکتا، تم کو اس کے عوض آتش دوزخ کا کھولتا ہو پانی پلایا جائے گا۔ اس کے اس کہنے پر مسلم نے پوچھا تم کون ہو؟ ابن عمرو نے جواب دیا، میں وہ ہوں جس نے حق کو اس وقت پہچانا، جب تم نے اسے چھوڑ دیا، اور امت مسلمہ اور امام وقت کا خیر خواہ رہا۔ جب تم نے ان کے ساتھ گھاٹ کی اور اس کا مطیع و منقاد رہا، جب تم نے سرکشی کی۔ میں مسلم بن عمرو ہوں۔

مسلم بن عقیل نے یہ جواب سن کر کہا، تیری ماں تجھے روئے، تو بھی کس قدر سنگ دل، قسی القلب، ظالم اور درشت خو ہے۔ ببلہ کے بچے تو مجھ سے زیادہ کھولتے ہوئے پانی اور دائمی دوزخ کا مستحق ہے۔

ابن زیاد سے گفتگو اور عمر بن سعد سے وصیت :

مسلم بن عمرو اور مسلم بن عقیل کی اس تلخ گفتگو کے بعد ایک نرم دل نے پانی کا پیالہ لیا، مگر زخموں کی کثرت سے مسلم کا ہر موئے بدن خوننا بہ فشاں ہو رہا تھا۔ اس لئے جیسے ہی گلاس منہ سے لگاتے تھے، خون سے بھر جاتا اور مسلم اسے ہٹا لیتے۔ تیسری مرتبہ گلاس لبوں سے لگا تو دو دانت جو مقابلہ میں اکھڑ گئے تھے اور خفیف سے اٹکے ہوئے تھے، گلاس کی ٹھیس لگتے ہی اس میں رہ گئے۔ مسلم نے گلاس لبوں سے ہٹا لیا اور کہا خدا کا شکر ہے، پانی پینا قسمت میں ہوتا تو یہ نوبت نہ آتی۔

غرض اسی طرح تشنہ لب ابن زیاد کے سامنے پیش کئے گئے۔ مسلم نے قاعدہ کے مطابق ابن زیاد کو سلام نہیں کیا۔ نگران نے ٹوکا، امیر کو سلام نہیں کرتے؟ کہا اگر وہ قتل کرنا چاہتے ہیں تو سلام نہیں کروں گا اور قتل کا ارادہ نہیں ہے تو بہت سے سلام لیں گے۔ ابن زیاد بولا، اپنی عمر کی قسم ضرور قتل کروں گا۔ مسلم نے کہا واقعی۔ ابن زیاد نے جواب دیا، ہاں واقعی۔ مسلم نے کہا اگر قتل ہی کرنا ہے تو پھر اپنے کسی قبیلہ والے سے کچھ وصیت کرنے کی مہلت دو۔ ابن زیاد نے یہ درخواست قبول کر لی۔ اس وقت مسلم کے قریبی اعزہ میں عمر بن سعد پاس تھا۔

مسلم نے اس سے کہا میں تم سے ایک راز کی بات کہتا ہوں۔ عمر بن سعد نے سننے سے انکار کیا۔ اس کے انکار پر ابن زیاد نے پر غیرت دلائی کہ اپنے ابن عم کو مایوس نہ کرنا چاہئے۔
اس کے غیرت دلانے عمر بن سعد مسلم کے پاس گیا۔ انہوں نے وصیت کی کہ میں نے کوفہ میں سات درہم قرض لئے تھے میرے بعد انہیں ادا کرنا اور میری لاش لے کر دفن کر دینا۔ حسینؑ آ رہے ہوں گے، ان کے پاس آدمی بھیج کر راستہ سے واپس کر دینا۔ ابن سعد نے ابن زیاد سے ان وصیتوں کے بارے میں پوچھا۔ اس نے کہا جو وصیت مال کے متعلق ہے، اس کے بارے میں تم کو پورا اختیار ہے، جیسا چاہو کرو۔

حسینؑ کے بارے میں میرا طرز عمل یہ ہے کہ اگر وہ یہاں نہ آئیں گے تو میں خواہ مخواہ ان کا تعاقب نہ کراؤں گا اور اگر آ گئے تو چھوڑ بھی نہیں سکتا۔ البتہ لاش کے بارے میں تمہاری سفارش نہیں سنی جاسکتی۔ جس نے ہماری اتنی مخالفت کی ہو اس کی لاش ہرگز اس طرز عمل کی مستحق نہیں ہے۔ اور ایک روایت یہ ہے کہ لاش کے متعلق بھی اس نے کہا کہ قتل کرنے کے بعد ہمیں اس سے بحث نہیں کہ اس کے ساتھ کیا کیا جائے۔

مسلم اور ابن زیاد کا آخری مکالمہ اور شہادت :

اس وصیت کے بعد مسلم دوبارہ پھر ابن زیاد کے سامنے لائے گئے اور ان دونوں میں یہ مکالمہ ہوا :

ابن زیاد : لوگ آپس میں متحد متفق تھے تم ان میں تفرقہ اور اختلاف ڈالنے اور آپس میں لڑنے آئے ؟
مسلم : یہ خلاف واقعہ ہے۔ میں ہرگز اس مقصد کے لئے نہیں آیا، بلکہ کوفہ والوں کا خیال تھا کہ تمہارے باپ نے ان کے بزرگوں اور نیک لوگوں کو قتل کیا، اور ان کا خون بہایا اور اسلامی خلافت کو چھوڑ کر قیصر و کسریٰ کا سا طرز عمل اختیار کیا۔ اس لئے ہم یہاں قیام عدل اور کتاب اللہ کے احکام کی دعوت کے لئے آئے۔

ابن زیاد : (یہ چوٹیں سن کر غضبناک ہو گیا تھا، بولا) فاسق تیرے منہ سے یہ دعویٰ زیب نہیں دیتا۔ کیا تو جب مدینہ میں بادہ نوشی کرتا تھا، اس وقت ہم یہاں عدل و کتاب پر عمل کی دعوت نہیں دیتے تھے ؟

! یہ طبری کی روایت ہے۔ دیوری کا بیان ہے کہ عمر بن سعد نے یہ تمام وصیتیں نہایت خوشی سے سنی اور ان کے پورا کرنے کا پختہ وعدہ کیا۔
۲ طبری۔ جلد ۷۔ ص ۲۶۵-۲۶۶

مسلم : میں شراب پیتا تھا؟ خدا کی قسم خوب جانتا ہوں کہ تو جھوٹ بول رہا ہے اور بغیر علم کے اتہام لگاتا ہے۔ جیسا تو نے بیان کیا، میں ویسا نہیں ہوں۔ مجھ سے زیادہ شراب نوشی کا وہ مستحق ہے، جس کے ہاتھ خون سے آلودہ ہیں، جو خدا کی حرام کی ہوئی جانوں کو لیتا ہے اور بغیر قصاص کے لوگوں کو قتل کرتا ہے۔ حرام خون بہاتا ہے، محض ذاتی عداوت، غصہ اور سوائے ظن پر لوگوں کی جان لیتا ہے اور پھر ان ستم آرائیوں پر اس طرح لہو و لعب میں مشغول ہے گویا اس نے کچھ کیا ہی نہیں۔

ابن زیاد : فاسق تیرے نفس نے تجھے ایسی چیز کی تمنا دلائی، جس کا خدا نے تجھے اہل نہ سمجھا، تیری آرزو پوری نہ ہونے دی۔

مسلم : پھر اس کا کون اہل تھا؟

ابن زیاد : امیر المومنین یزید !

مسلم : ہر حال میں خدا کا شکر ہے، وہ ہمارے اور تمہارے درمیان جو فیصلہ کر دے۔

ابن زیاد : معلوم ہوتا ہے، تم خلافت کو اپنا حق سمجھتے ہو؟

مسلم : خیال ہی نہیں بلکہ اس کا یقین ہے۔

ابن زیاد : اگر میں تم کو اس بُری طرح قتل نہ کروں کہ تاریخ میں اس کی کوئی مثال نہ ملے تو خدا مجھے قتل کرے۔

مسلم : بے شک اسلام میں تم کو ایسی نئی مثالوں کے قائم کرنے اور نئی بدعات کے جاری کرنے کا حق ہے، جو اس میں نہیں ہیں۔ تم کو خدا کی قسم! تم بُرے طریقہ سے قتل کرنا، بُرے طریقہ سے مسئلہ کرنا اور خبیث سیرت کسی ایک بُرائی کو بھی نہ چھوڑنا۔ ان بُرائیوں کا تم سے زیادہ کوئی مستحق نہیں ہے۔

یہ دندان شکن جواب سن کر ابن زیاد بالکل بے قابو ہو گیا۔ اور مسلمؓ، حسینؓ، علیؓ، اور عقیلؓ پر گالیوں کی بوچھاڑ کر دی۔ گالیاں برسانے کے بعد مسلمؓ کو پانی پلوا کر جلادوں کو حکم دیا کہ انہیں محل کی بالائی منزل پر لے جا کر قتل کر دو، اور قتل کرنے کے بعد ان کا دھڑ نیچے پھینک دو۔

مسلمؓ نے اس قتل بے گناہی کے خلاف ایک بار احتجاج کیا۔ لیکن کون سننے والا تھا۔ آخر میں ابن زیاد نے یہ خدمت اس شخص کے سپرد کی، جس کو مسلمؓ نے زخمی کیا تھا۔ تاکہ وہ انتقامی جذبہ کے ساتھ انہیں قتل کرے۔ چنانچہ یہ شخص مسلمؓ کو قتل کی طرف لے چلا۔ اس وقت مسلمؓ کی زبان پر تکبیر،

استغفار اور ملائکہ اور رسل پر درود و سلام جاری تھے اور ساتھ ساتھ کہتے جاتے تھے کہ ”خدا یا میرے بعد اور ان لوگوں کے درمیان قوی فیصلہ کر، جنہوں نے ہم کو دھوکہ دیا، جھٹلایا اور ذلیل کیا۔“

جلاد نے مقام قتل پر لے جا کر گردن ماردی اور سر کے ساتھ دھڑ بھی نیچے پھینک دیا۔ اس دردناک طریقہ پر حضرت حسینؑ کا ایک نہایت قوی بازو ٹوٹ گیا۔

حضرت حسینؑ کی سفر کوفہ کی تیاریاں اور خیر خواہوں کے مشورے :

یاد ہوگا کہ مسلم کو حضرت حسینؑ نے کوفہ کے حالات معلوم کر کے اطلاع دینے کے لئے بھیجا تھا۔ یہ بھی معلوم ہو چکا ہے کہ مسلم جب کوفہ آئے تھے تو یہاں کے باشندوں نے ہاتھوں ہاتھ لیا تھا اور اٹھارہ ہزار کوفیوں نے حضرت حسینؑ کی خلافت اور ان کی حمایت میں جنگ کرنے پر بیعت کی تھی۔ مسلم نے گرفتاری کے قبل ان ظاہری حالات کو دیکھ کر حضرت حسینؑ کو لکھ بھیجا تھا کہ سارا شہر آپ کا منتظر ہے فوراً تشریف لائیے۔

حضرت حسینؑ نے یہ خط پا کر سفر کی تیاریاں شروع کر دیں۔ اس وقت آپ کو کوفہ کے نئے حالات کی کوئی اطلاع نہ ہوئی تھی۔ تمام اہل مکہ و مدینہ کوفیوں کی غداری اور بے وفائیوں سے واقف تھے۔ حضرت علیؑ اور حسنؑ کے ساتھ ان لوگوں نے جو کچھ کیا تھا، وہ نگاہوں کے سامنے تھا۔ اس لئے کسی نے بھی حضرت حسینؑ کا کوفہ جانا پسند نہ کیا۔ جب آپ کی تیاریوں کی خبر مشہور ہوئی تو تمام ہوا خواہوں نے آپ کو روکنے کی کوشش کی اور غالباً سب سے پہلے عمرو بن عبد الرحمنؓ نے آکر عرض کیا۔

میں نے سنا ہے آپ عراق جارہے ہیں۔ اگر یہ صحیح ہے تو آپ ایسے شہر جارہے ہیں، جہاں دوسرے کی حکومت ہے اور وہاں اس کے امراء و عمال موجود ہیں۔ جن کے قبضہ میں بیت المال ہے۔ عوام دنیا اور دولت کے بندے ہیں۔ اس لئے مجھے خوف ہے کہ جن لوگوں نے آپ کی مدد کا وعدہ کیا ہے، وہی آپ سے لڑیں گے۔ حضرت حسینؑ نے عمرو بن عبد الرحمنؓ کے ہمدردانہ مشورہ کا مخلصانہ شکریہ ادا کیا۔

ان کے بعد حضرت عبد اللہ ابن عباسؓ آئے اور پوچھا ابن عم! لوگوں میں یہ خبر گرم ہے کہ تم عراق جارہے ہو، کیا یہ صحیح ہے؟ حسینؑ نے جواب دیا، ہاں۔ انشاء اللہ دو ایک دن میں جاؤں گا۔ ابن عباسؓ نے کہا ”میں تم کو خدا کا واسطہ دلاتا ہوں، اس راہ سے باز آؤ۔ ہاں اگر عراقیوں نے شامی حاکم کو قتل کر کے شہر پر قبضہ کر لیا ہو اور اپنے دشمنوں کو وہاں سے نکال دیا ہو،

تو بخوشی جاؤ۔ لیکن اگر عراقیوں نے تم کو ایسی حالت میں بلایا ہے کہ ان کا حاکم موجود ہے، اس کی حکومت قائم ہے، اس کے عمال خراج وصول کرتے ہیں تو یقین مانو کہ انہوں نے تم کو محض جنگ کے لئے بلایا ہے۔ مجھ کو یقین ہے کہ یہ سب تم کو دھوکہ دے جائیں گے، تم کو جھٹلائیں گے، تمہاری مخالفت کریں گے اور تمہیں بے یار و مددگار چھوڑیں گے، اور جب تمہارے مقابلہ کے لئے بلائے جائیں گے تو تمہارے سب سے بڑے دشمن ثابت ہوں گے۔“ حضرت حسینؑ نے فرمایا ”میں استخارہ کروں گا، دیکھوں کیا جواب ملتا ہے۔“

ابن عباسؓ کے بعد ابن زبیرؓ آئے۔ انہوں نے یہ معلوم کر کے کہ عراقی پورے طور پر آپ کی امداد کے لئے آمادہ ہیں، پہلے کوفہ جانے کا مشورہ دیا۔ لیکن پھر اس خیال سے کہ اس سے حضرت حسینؑ کو کوئی بدگمانی نہ پیدا ہو۔ یہ صورت پیش کی کہ اگر آپ حجاز ہی میں رہ کر حصول خلافت کی کوشش کیجئے تو ہم سب بیعت کر کے آپ کی مدد کریں گے اور آپ کے خیر خواہ رہیں گے۔

حضرت حسینؑ نے فرمایا، میں نے اپنے والد بزرگوار سے یہ حدیث سنی ہے کہ ”حرم کا ایک مینڈھا ہے۔ جس کی وجہ سے اس کی حرمت اٹھ جائے گی۔“ میں چاہتا ہوں کہ میں وہ مینڈھا نہ بنوں۔“ اس کے بعد ابن زبیرؓ نے حضرت حسینؑ سے بہت اصرار کیا کہ آپ حرم میں بیٹھے رہیے، باقی کام میں انجام دوں گا۔ لیکن حضرت حسینؑ نے جواب دیا کہ اگر میں حرم سے ایک بالشت بھی باہر قتل کیا جاؤں تو وہ مجھے حرم میں قتل ہونے سے زیادہ پسند ہے اور کسی طرح حرم میں قیام کرنے پر آمادہ نہ ہوئے۔

اس کے بعد دوسرے دن پھر ابن عباسؓ آئے اور کہا ”ابن عم میرا دل نہیں مانتا، صبر کی صورت بنانا چاہتا ہوں۔ مگر حقیقتہً صبر نہیں کر سکتا۔ مجھے اس راستہ میں تمہاری ہلاکت کا خوف ہے۔ عراقیوں کی قوم فریبی ہے۔ تم ہرگز ان کے قریب نہ جاؤ۔ مکہ ہی میں رہو۔ تم اہل حجاز کے سردار ہو۔ اگر ان کا یہ دعویٰ صحیح ہے کہ وہ واقعی تمہیں بلانا چاہتے ہیں تو ان کو لکھو کہ پہلے وہ اپنے دشمنوں کو نکال دیں۔ پھر تم جاؤ۔ لیکن اگر نہیں رکتے اور یہاں سے جانا ہی پر اصرار ہے تو یمن چلے جاؤ۔ وہ ایک وسیع ملک ہے، وہاں قلعے اور گھاٹیاں ہیں۔ تمہارے باپ کے حامی ہیں اور بالکل الگ تھلک مقام ہے۔ تم اسی گوشہ عافیت میں بیٹھ کر لوگوں کو دعوتی خطوط لکھو اور ہر طرف اپنے دعا بھیجو، مجھ کو امید ہے کہ اس طرح امن و عافیت کے ساتھ تمہارا مقصد حاصل ہو جائے گا۔“

یہ سن کر حضرت حسینؑ نے فرمایا، مجھ کو یقین ہے کہ آپ میرے شفیق ناصح ہیں۔ لیکن اب تو میں ارادہ کر چکا ہوں۔ حضرت ابن عباسؓ جب بالکل مایوس ہو چکے تو فرمایا، اچھا ”اگر جاتے ہو تو عورتوں اور بچوں کو ساتھ نہ لے جاؤ۔ مجھ کو خطرہ ہے کہ تم بھی حضرت عثمانؓ کی طرح اپنے بچوں اور عورتوں کے سامنے نہ قتل کر دیئے جاؤ اور وہ غریب دیکھتے رہ جائیں۔“

لیکن کارکنانِ قضا و قدر کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ اس لئے ابن عباسؓ کی ساری کوششیں ناکام ثابت ہوئیں اور حضرت حسینؓ کسی بات پر رضامند نہ ہوئے۔

پھر ابو بکر بن حارث نے آکر عرض کیا کہ ”آپ کے والد ماجد صاحبِ اقتدار تھے۔ ان کی طرف مسلمانوں کا عام رجحان تھا، ان کے احکام پر سر جھکاتے تھے۔ شام کے علاوہ تمام ممالک اسلامیہ ان کے ساتھ تھے۔ اس اثر و اقتدار کے باوجود جب وہ معاویہ کے مقابلہ میں نکلے تو دنیا کی طمع میں لوگوں نے ان کا ساتھ چھوڑ دیا۔ تنہا ساتھ چھوڑنے پر اکتفا نہیں کیا، بلکہ ان کے سخت مخالف ہو گئے اور خدا کی مرضی پوری ہو کر رہی۔“

ان کے بعد عراقیوں نے آپ کے بھائی کے ساتھ جو کچھ کیا وہ بھی آپ کی نگاہ میں ہے۔ ان تجربات کے بعد بھی آپ اپنے والد کے دشمنوں کے پاس اس امید پر جاتے ہیں کہ وہ آپ کا ساتھ دیں گے۔ شامی آپ سے زیادہ مستعد اور مضبوط ہیں، لوگوں کے دلوں میں ان کا رعب ہے۔ یاد رکھیے کہ آپ کے پیچھے ہی شامی کوفیوں کو طمع دلا کر توڑ لیس گئے اور یہ سب دنیا فوراً ان سے مل جائیں گے اور جن لوگوں کو آپ کی محبت کا دعویٰ ہے اور جنہوں نے مدد کا وعدہ کیا ہے، وہی لوگ آپ کو چھوڑ کر آپ کے دشمن بن جائیں گے۔ ابو بکر حارث کا یہ زور استدلال بھی حضرت حسینؓ کے عز و مہارح کو بدل نہ سکا۔

آپ نے جواب دیا، خدا کی مرضی پوری ہو کر رہے گی۔ اس کے بعد حضرت ابن عمرؓ اور دوسرے خاص خاص ہوا خواہوں نے روکنا چاہا، لیکن قضائے الہی نہیں ٹل سکتی تھی۔

مکہ سے کاروانِ اہل بیعت کی روانگی اور ہوا خواہوں کی آخری کوشش :

غرض ترویہ کے دن ذی الحجہ ۶۰ھ کو کاروانِ اہل بیعت مکہ سے روانہ ہوا۔ عمرو بن سعید عاص اموی حاکم مکہ کے سواروں نے روکنے کی کوشش کی۔ لیکن حضرت حسینؓ زبردستی آگے بڑھتے چلے گئے اور تنہا پہنچ کر مزید اونٹ کرایہ پر لئے اور بڑھتے ہوئے صفاح پہنچے۔ یہاں فرزدق

شاعر ملا۔ آپ نے اس سے عراق کے حالات پوچھے۔ اس نے کہا، آپ نے ایک باخبر شخص سے حال پوچھا ہے۔ لوگوں کے دل آپ کے ساتھ ہیں، لیکن کمواریں بنی امیہ کے ساتھ ہیں۔ قضائے الہی آسمان سے اترتی ہے۔ خدا جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ آپ نے سن کر فرمایا، تم نے سچ کہا ”اللہ الامر یفعل ما یشاء وکل یوم دینا فی شان“ اگر خدا کا حکم ہمارے موافق ہو تو اس کی نعمتوں پر اس کے شکر گزار ہوں گے۔ شکرگزاری میں وہی مددگار ہے اور خدا کا فیصلہ ہمارے خلاف ہو تو بھی ہماری نیت حق اور تقویٰ ہے۔ فرزق سے گفتگو کے بعد قافلہ آگے بڑھا۔

راستہ میں عبداللہ بن جعفر کا خط ملا کہ میں خدا کا واسطہ دلاتا ہوں، میرا خط ملتے ہی فوراً لوٹ آئیے۔ مجھے ڈر ہے کہ جہاں آپ جا رہے ہیں، وہاں آپ کی ہلاکت اور آپ کے اہل بیت کی بربادی ہے۔ اگر خدا نخواستہ آپ ہلاک ہو گئے تو دنیا تاریک ہو جائے گی۔ آپ ہدایت، یابوں کا علم اور مومنوں کا آسرا ہیں۔ آپ سفر میں جلدی نہ کیجئے۔ خط کے بعد ہی میں بھی پہنچتا ہوں۔

اس خط کے بعد عبداللہ نے عمرو بن سعید حاکم مکہ سے کہا کہ وہ اپنی جانب سے بھی ایک خط لکھ کر حسینؑ کو واپس بلا لے۔ عمرو بن سعید نے کہا، تم مضمون لکھ دو میں اس پر مہر لگا دوں گا۔ چنانچہ عبداللہ نے عمرو کی جانب سے حسب ذیل خط لکھا :

”میں خدا سے دعا کرتا ہوں کہ وہ تم کو اس راستہ سے پھیر دے، جدھر تم جا رہے ہو۔ میں نے سنا ہے کہ تم عراق جاتے ہو۔ میں تم کو خدا کا واسطہ دلاتا ہوں کہ افتراق اور انشقاق سے باز آؤ، اس میں تمہاری ہلاکت ہے۔ میں تمہارے پاس عبداللہ بن جعفر اور اپنے بھائی کو بھیجتا ہوں۔ تم ان کے ساتھ لوٹ آؤ، میں تم کو امان دیتا ہوں اور تمہارے ساتھ صلہ رحمی اور بھلائی سے پیش آؤں گا۔ تمہاری مدد کروں گا۔ تم میرے جوار میں نہایت اطمینان اور راحت کے ساتھ رہو گے۔ اس تحریر پر خدا وکیل اور شاہد ہے۔“

عمرو نے تحریر پر اپنی مہر کردی اور عبداللہ بن جعفر اور یحییٰ بن عمرو دونوں اس کو لے کر حضرت حسینؑ کے پاس گئے۔ حضرت حسینؑ نے اسے پڑھا، اور فرمایا کہ ”میں نے خواب میں رسول اللہ ﷺ کی زیارت کی ہے، اس میں آپ نے مجھے ایک حکم دیا ہے، میں اس حکم کو پورا کروں گا، خواہ اس کا نتیجہ میرے موافق نکلے یا مخالف۔“ عبداللہ اور یحییٰ نے پوچھا، کیا خواب تھا فرمایا، میں نے اسے نہ کسی سے بیان کیا ہے اور نہ مرتے دم تک بیان کروں گا۔ اس گفتگو کے بعد عمرو بن سعید کے خط کا

جواب لکھا کہ ”جو شخص اللہ عزوجل کی طرف بلاتا ہے، عمل صالح کرتا ہے اور اپنے اسلام کا معترف ہے، وہ خدا اور اس کے رسول سے اختلاف کیوں کر کر سکتا ہے۔ تم نے مجھے امان، بھلائی اور صلہ رحمی کی دعوت دی ہے۔“ پس بہترین امان اللہ تعالیٰ کی امان ہے۔ جو شخص دنیا میں خدا سے نہیں ڈرتا، خدا قیامت کے دن اس کو امان نہیں دے گا۔“ اس لئے میں دنیا میں خدا کا خوف چاہتا ہوں، تاکہ قیامت کے دن اس کی امان کا مستحق رہوں۔ اگر خط سے تمہاری نیت واقعی میرے ساتھ صلہ رحمی اور نیکی کی ہے تو خدا تم کو دنیا اور آخرت دونوں میں جزائے خیر دے گا۔“ والسلام

ابن زیاد کے انتظامات اور حضرت حسینؑ کے قاصد کا قتل :

ادھر کارواں اہل بیت منزلیں طے کر رہا تھا۔ دوسری طرف اموی حکام ان کے مقابلہ کے لئے اپنے انتظامات کر رہے تھے۔ چنانچہ آپ کی آمد کی خبر سن کر ابن زیاد نے قادیسیہ سے لے کر خفان، قطیف، طائیف اور جبل لعل تک سوار یوں کا تانتا باندھ دیا تھا کہ اہل بیت کے قافلہ و حرکت کی خبریں دم بدم ملتی رہیں اور اہل کوفہ اور حضرت حسینؑ میں خط و کتابت اور نغمہ و پیام کا سلسلہ قائم نہ رہ سکے۔

حضرت حسینؑ نے مقام حاجرہ میں پہنچ کر قیس بن مسہر صیدا دی کو اپنی آمد کا اطلاعی خط دے کر کوفہ روانہ کیا۔ لیکن اموی حکام نے پہلے سے راستوں کی ناکہ بندی کر لی تھی۔ اس لئے قیس قادیسیہ میں گرفتار کے لئے گئے اور ابن زیاد کے پاس کوفہ بھجوائے گئے۔

ابن زیاد نے انہیں یہ گستاخانہ حکم دیا کہ قصر کی چھت پر چڑھ کر کذاب ابن کذاب حسینؑ ابن علیؑ کو گالیاں دو۔ قیس اس حکم پر قصر کے اوپر چڑھ گئے۔ لیکن ایک فدائی حسینؑ کی زبان اس کی دشنام سے کس طرح آلودہ ہو سکتی تھی۔

چنانچہ اس موقع پر بھی انہوں نے وہی فرض ادا کیا جس کے لئے وہ بھیجے گئے۔ یعنی حضرت حسینؑ کی آمد کی ان الفاظ میں اطلاع دی کہ ”لوگو! میں حسینؑ فاطمہ بنت رسول اللہ ﷺ کے نخت جگر اور بہترین مخلوق کا ہر کارہ ہوں وہ حاجرہ تک پہنچ چکے ہیں، ان کی مدد تمہارا فرض ہے۔“ یہ کہہ کر ابن زیاد اور اس کے باپ پر لعنت بھیجی اور حضرت علیؑ کے لئے استغفار کیا۔ ابن زیاد نے اس حکم عدولی اور اس اہانت پر حکم دیا کہ اس کو بلند مقام سے نیچے گرا کر مار ڈالا جائے۔ اس حکم کی اسی وقت تعمیل ہوئی اور مسلم کے بعد حضرت حسینؑ کا دوسرا فدائی ان کی راہ میں شمار ہو گیا۔

حسینؑ اور عبداللہ بن مطیع کی ملاقات :

بطن مدینہ سے آگے بڑھ کر عربوں کے ایک چشمہ پر حسینؑ کی ملاقات عبداللہ بن مطیع سے ہوئی، جو عراق سے لوٹ رہے تھے۔ عبداللہ بن مطیع نے پوچھا، ”فلیت بلبی وامی یا ابن رسول اللہ“ آپ خدا اور اپنے جدا مجد کے حرم کے باہر کیوں نکلے؟ فرمایا، کوفہ والوں نے بلایا ہے کہ ”معالم حق زندہ کیا جائے اور بدعتوں کو مٹایا جائے“۔ عبداللہ نے عرض کی کہ آپ کو خدا کا واسطہ دلاتا ہوں، آپ ہرگز کوفہ کا قصد نہ کیجئے اور آپ یقیناً شہید کر دیئے جائیں گے۔ فرمایا، جو کچھ خدا نے لکھ دیا ہے، اس سے زیادہ اور کیا ہو سکتا ہے!

ایک جانباز کا ایثار :

عبداللہ بن مطیع سے ملاقات کے بعد حضرت حسینؑ نے مقام زرو میں منزل کی۔ قریب ہی ایک خیمہ نظر آیا، پوچھا کس کا خیمہ ہے؟ معلوم ہوا، زہیر بن قین کا۔ وہ حج سے فارغ ہو کر کوفہ جا رہے ہیں۔ حضرت حسینؑ نے ان کو بلا بھیجا۔ مگر انہوں نے ملنے سے انکار کیا۔ ان کے انکار پر ان کی بیوی نے کہا، سبحان اللہ، ابن رسول بلا تے ہیں اور تم نہیں جاتے۔ بیوی کے کہنے پر وہ چلے گئے اور حضرت حسینؑ سے ملاقات کی۔ آپ سے ملنے ہی دفعۃً خیالات بدل گئے۔ اسی وقت اپنا خیمہ اکھڑا کے حضرت حسینؑ کے خیمہ کے قریب نصب کرایا اور بیوی کو طلاق دے کر کہا تم اپنے بھائی کے ساتھ لوٹ جاؤ۔ میں نے جان دینے کی ٹھان لی ہے اور اپنے ساتھیوں سے مخاطب ہوئے کہ تم میں سے جو لوگ شہادت کے طلبگار ہوں وہ میرے ساتھ چلیں اور جو لوگ نہ جانا چاہتے ہوں وہ آگے بڑھ جائیں۔ لیکن صدائے حق کا کسی نے جواب نہ دیا اور سب ہی نے کوفہ کا راستہ لیا، اور زہیر حضرت حسینؑ کے ساتھ زرو سے آگے بڑھے۔

مسلم کے قتل کی خبر ملنا :

ابھی تک حضرت حسینؑ ”مسلم بن عقیل کے قتل سے بالکل بے خبر تھے۔ مقام ثعلبیہ میں ایک اسدی سے جو کوفہ سے آرہا تھا۔ مسلم اور ہانی کے قتل کا حال معلوم ہوا۔ یہ وحشت ناک خبر سن کر آپ نے انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھا۔

اس اطلاع کے بعد ہوا خواہوں نے ایک مرتبہ پھر سمجھایا اور قسمیں دلا دلا کر اصرار کیا کہ آپ یہیں سے لوٹ چلئے، کوفہ میں آپ کا کوئی حامی و مددگار نہیں ہے۔ یہ سب آپ کے دشمن ہو جائیں گے۔ لیکن مسلم کے بھائی بضد ہوئے کہ خدا کی قسم جب تک ہم اپنے بھائی کا بدلہ نہ لیں گے یا قتل

نہ ہو جائیں گے، اس وقت تک نہیں لوٹ سکتے۔ حضرت حسینؑ نے فرمایا، جب یہ لوگ نہ ہوں گے تو پھر ہماری زندگی کس کام کی۔ غرض یہاں سے بھی قافلہ آگے بڑھا۔

حضرت حسینؑ کے پاس عبداللہ بن بقطر کے قتل کی خبر اور مسلم کے پیامات کا پہنچنا :

حضرت حسینؑ جن جن چشموں سے گزرتے تھے لوگ جوق در جوق ساتھ ہوتے جاتے تھے۔ رزبار پہنچ کر عبداللہ بن بقطر کے قتل کی خبر ملی۔ عبداللہ کو آپؑ نے راستہ سے مسلم کے پاس خط دے کر بھیجا تھا، لیکن راستہ ہی میں حصین ابن نمیر کے سواروں نے ان کو گرفتار کر کے ابن زیاد کے پاس بھجوا دیا۔ اس نے زہیر بن قین کی طرح انہیں بھی حضرت حسینؑ پر لعنت بھیجنے کا حکم دیا، لیکن اس فدائی نے بھی وہی نمونہ پیش کیا، جو اس کے پیشرو پیش کر چکے تھے۔

انہوں نے کہا، لوگو! فاطمہ بنت رسول اللہ ﷺ کے لڑکے حسینؑ آرہے ہیں، تم لوگ ابن مرجانہ (ابن زیاد) کے مقابلہ میں ان کی مدد کرو۔ ابن زیاد نے انہیں بھی قصر امارت کی بلندی سے گرا دیا۔ جسم کی ساری ہڈیاں چور چور ہو گئیں اور اس دردناک طریقہ سے حسینؑ کے ایک اور فدائی کا خاتمہ ہو گیا۔

یاد ہوگا کہ مسلم بن عقیل نے محمد بن اشعث اور عمر بن سعد سے وصیت کی تھی کہ وہ ان کے بعد حضرت حسینؑ کو اہل کوفہ کی یوفائی کی اطلاع دے کر یہاں آنے سے روک دیں۔ ان دونوں نے یہ وصیت پوری کی اور حضرت حسینؑ کے پاس آ دی بھیجے، لیکن عبداللہ بن بقطر کے قتل کی خبر ملنے کے بعد ان دونوں کے قاصد پہنچے جب تیرکمان سے نکل چکا تھا۔

حضرت حسینؑ کی پہلی تقریر اور ہجوم کا منتشر ہونا :

حضرت حسینؑ کو جب مسلسل یہ دل شکن خبریں ملیں تو آپؑ نے اپنے ساتھیوں کو جمع کر کے تقریر کی کہ ”مسلم بن عقیل، ہانی بن عروہ اور عبداللہ بن بقطر کے قتل کی دردناک خبریں موصول ہو چکی ہیں۔ ہمارے شیعوں نے ہمارا ساتھ چھوڑ دیا ہے۔ اس لئے تم سے جو شخص لوٹنا چاہے وہ خوشی سے لوٹ سکتا ہے۔ ہماری جانب سے اس پر کوئی الزام نہیں۔“ یہ تقریر سن کر عوام کا ہجوم چھٹنے لگا اور صرف جانثار باقی رہ گئے جو مکہ سے ساتھ آئے تھے۔

زبالہ سے بڑھ کوطن عقبہ میں قافلہ اُترا، یہاں ایک شخص ملا۔ اس نے نہایت لجاجت کے ساتھ کہا کہ میں آپ کو خدا کا واسطہ دلاتا ہوں، آپ لوٹ جائیے۔ خدا کی قسم آپ نیزوں کی انی اور تلواروں کی دھار کے مقابلہ میں جارہے ہیں۔ جن لوگوں نے آپ کو بلایا ہے، اگر انہوں نے آپ کے لئے راستہ صاف کر دیا ہوتا اور ان کے جنگ میں کام آنے کی توقع ہوتی تو یقیناً آپ جاسکتے تھے۔ لیکن موجودہ حالات میں کسی طرح جانا مناسب نہیں۔ فرمایا، جو تم کہتے ہو، میں بھی جانتا ہوں۔ لیکن خدا کے حکم کے خلاف نہیں کیا جاسکتا۔

محرم ۶۰ھ کے خونی سال کا آغاز اور حر کی آمد :

بطن عقبہ کے بعد قافلہ شراف میں اُترا۔ یہاں سوار یوں کو پانی وغیرہ پلا کر ذی شرمہ کی طرف مڑ کر پہاڑ کے دامن میں خیمہ زن ہوا۔ اب محرم ۶۰ھ کا خون آشام سال شروع ہو چکا تھا۔ ذی شرمہ میں خز بن یزید تمیمی جو حکومت شام کی جانب سے حضرت حسینؑ اور ان کے ساتھیوں کو گھیر کر کوفہ لانے کے لئے بھیجا گیا تھا، ایک ہزار سواروں کے ساتھ پہنچا اور حضرت حسینؑ کے قافلہ کے سامنے قیام کیا۔ ظہر کے وقت حسینؑ نے اذان کا حکم دیا اور اقامت کے وقت نکل کر حر کے دستہ کے سامنے حمد و ثنا کے بعد حسب ذیل تقریر کی :

”لوگو! میں خدا اور تم لوگوں سے عذر خواہ ہوں۔ میں تمہارے پاس خود سے نہیں آیا، بلکہ میرے پاس اس مضمون کے تمہارے خطوط اور تمہارے قاصد آئے کہ ہمارا کوئی امام نہیں، آپ آئیے، شاید خدا آپ کے ذریعہ ہمیں سیدھا راستہ پر لگا دے۔ اب میں آ گیا ہوں۔ اگر تم لوگ عہد و میثاق کر کے مجھے پورا اطمینان دلا دو تو میں تمہارے شہر چلوں اور اگر ایسا نہیں کرتے اور ہمارا آنا تمہیں ناگوار ہے، تو میں جہاں سے آیا ہوں وہیں لوٹ جاؤں۔“

یہ تقریر سن کر سب خاموش رہے، کسی نے کوئی جواب نہیں دیا۔ آپ نے اقامت کا حکم دیا اور حر سے پوچھا، میرے ساتھ نماز پڑھو گے یا علیحدہ؟ حر نے کہا نہیں، آپ کے ساتھ ہی پڑھوں گا۔ حر کی یہ اقعلاء فی الصلوٰۃ ان کے سامنے پہلی فال نیک تھی۔ چنانچہ اس نے امام کے پیچھے نماز پڑھی۔ نماز کے بعد حضرت حسینؑ اپنے خیمہ میں چلے آئے اور حر اپنے فروگاہ پر لوٹ گیا۔

اس کے بعد عصر کے وقت حضرت حسینؑ نے قافلہ کو کوچ کا حکم دیا اور کوچ سے پہلے نماز باجماعت ادا کی۔ نماز کے بعد حسب ذیل تقریر کی :

”لوگو! اگر تم لوگ خدا سے ڈرو اور حق دار کا حق پہچانو، تو یہ خدا کی رضا مندی کا موجب ہوگا۔ ہم اہل بیت خلافت کے ان عہدوں کے مقابلہ میں جنہیں اس کا کوئی استحقاق نہیں اور جو تم پر ظلم و زیادتی کے ساتھ حکومت کرتے ہیں خلافت کے حقیقی مستحق ہیں۔ اگر اب تم کو ہمارا آنا گوار ہے اور تم ہمارا حق نہیں پہچانتے اور تمہاری رائے اس سے مختلف تھی، جو تمہارے خطوط اور تمہارے قاصدوں سے معلوم ہوئی تھی تو میں لوٹ جاؤں۔“

حضرت حسینؑ اور حرؑ میں تند گفتگو :

اس تقریر پر حرؑ نے پوچھا، قاصد وہ خطوط کیسے؟ حرؑ کے اس استعجاب پر حضرت حسینؑ نے کوفیوں کے خطوط سے بھرے ہوئے دو تھیلے لے کر اس کے سامنے آئے۔ ان خطوط کو دیکھ کر حرؑ نے کہا، ہم لوگوں کا اس جماعت سے کوئی تعلق نہیں جنہوں نے یہ خطوط لکھے۔ ہمیں یہ حکم ملا ہے کہ آپ سے جس جگہ ملاقات ہو جائے، اس جگہ سے آپ کا ساتھ نہ چھوڑیں اور آپ کو ساتھ لے جا کر ابن زیاد کے پاس کوفہ پہنچائیں۔

حضرت حسینؑ نے فرمایا، تمہاری موت اس سے زیادہ قریب ہے۔ یہ کہہ کر کاروان اہل بیت کو لوٹنا چاہا۔ لیکن حرؑ نے مزاحمت کی۔ حضرت حسینؑ نے فرمایا، تیری ماں تجھ کو روئے، تو کیا چاہتا ہے۔ حرؑ نے کہا، آپ کے علاوہ اگر کوئی دوسرا عرب یہ کلمہ زبان سے نکالتا تو میں بھی برابر کا دے لیتا۔ لیکن خدا کی قسم میں آپ کی ماں کا نام عزت علی کے ساتھ لوں گا۔ امام نے فرمایا، آخر چاہتے کیا ہو؟ حرؑ نے کہا، صرف اس قدر کہ آپ میرے ساتھ ابن زیاد کے پاس چلے چلے۔ فرمایا میں تمہارا کہنا نہیں مان سکتا۔ حرؑ نے کہا، تو پھر میں آپ کو چھوڑ بھی نہیں سکتا۔ اس رد و قبول میں دونوں میں تلخ و تند گفتگو ہو گئی۔

حرؑ نے کہا، مجھے آپ سے لڑنے کا حکم نہیں ہے۔ صرف یہ حکم ملا ہے کہ آپ جہاں ملیں، آپ کو لے جا کر کوفہ پہنچا دوں۔ اس لئے مناسب یہ ہے کہ ایسا راستہ اختیار نہ کیجئے جو نہ کوفہ پہنچائے اور نہ مدینہ واپس کرے۔ اس درمیان میں ابن زیاد کو لکھتا اور آپ یزید کو لکھتے۔ شاید خدا عافیت کی کوئی صورت پیدا کر دے اور میں آپ کے معاملہ میں آزمائش سے بچ جاؤں۔ حرؑ کے اس مشورہ پر حضرت حسینؑ نے عذیب اور قادسیہ کے بائیں جانب ہٹ کے چلنے لگے۔ حرؑ بھی ساتھ ساتھ چلا۔

خطبہ : آگے بڑھ کر مقام بیضہ میں آپ نے پھر ایک بار جوش خطبہ دیا۔ کہ

لوگو! رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے، جس نے ظالم، مجرمات الہی کا حلال کرنے والے، خدا کے عہد توڑنے والے، سنت رسول ﷺ کے مخالف اور خدا کے بندوں پر گناہ اور زیادتی کے ساتھ حکومت کرنے والے بادشاہ دیکھا اور قولا اور عملا غیرت نہائی تو خدا کو حق ہے کہ اس بادشاہ کی جگہ دوزخ میں داخل کرے۔ لوگو! خبردار ہو جاؤ، ان لوگوں نے شیطان کی اطاعت اختیار کی ہے اور رخصت کی اطاعت چھوڑ دی ہے، ملک میں فساد پھیلایا ہے، حدود الہی کو بیکار کر دیا ہے اور حلال کی ہوئی چیزوں کو حرام کر دیا ہے اس لئے مجھ کو غیرت آنے کا زیادہ حق ہے۔

میرے پاس تمہارے خطوط آئے، قاصد آئے کہ تم نے بیت کر لی ہے اور تم مجھے بے یارو مددگار نہ چھوڑو گے۔ پس اگر تم اپنی بیعت پوری کرو گے تو راہ راست کو پہنچو گے۔ میں علیؑ اور فاطمہؑ رسول ﷺ کا بیٹا ہوں۔ میری جان تمہاری جانوں کے برابر اور میرے اہل تمہارے اہل کے برابر ہیں۔ میری ذات تم لوگوں کے لئے نمونہ ہے اور تم ایسا نہ کرو گے اور اپنا عہد توڑ کر میری بیعت کا حلقہ اپنی گردن سے نکال ڈالو گے تو خدا کی قسم یہ بھی تمہاری ذات سے بعید اور تعجب انگیز فعل نہ ہوگا۔ تم اس سے پہلے میرے باپ، میرے بھائی، میرے ابن عم مسلم کے ساتھ ایسا کر چکے ہو۔ وہ فریب خوردہ ہے جو تمہارے فریب آگیا۔ تم نے اپنے فعل سے اپنا حصہ ضائع کر دیا۔ جو شخص عہد شکنی کرتا ہے وہ گویا اپنی ذات سے عہد توڑتا ہے۔ عنقریب خدا مجھ کو تمہاری امداد سے بے نیاز کر دے گا۔ والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!۔

یہ تقریر سن کر حزن نے کہا کہ میں آپ کو خدا کو یاد دلانا ہوں اور شہادت دیتا ہوں کہ اگر آپ نے جنگ کی تو قتل کر دیئے جائیں گے۔ حضرت حسینؑ نے فرمایا، تم مجھے موت سے ڈراتے ہو۔ کیا تمہاری شقاوت اس حد تک پہنچ جائے گی کہ تم مجھے قتل کر دو گے۔ میں نہیں سمجھتا تمہارے اس کہنے پر تم کو اس کے سوا کیا جواب دوں، جو اوسی کے چچا زاد بھائی نے اوسی کو اس وقت دیا تھا، جب اوسی نے انہیں قتل ہونے سے ڈرا کر رسول اللہ ﷺ کا ساتھ دینے سے روکا تھا کہ تم رسول اللہ ﷺ کی امداد کے لئے نکلو گے تو قتل کر دیئے جاؤ گے۔ اس پر انہوں نے یہ جواب دیا،

سامضی وما بالموت عار علی الفتی

۔ اذا مانوی خیر او جاهد مسلما

”عنقریب موت ہونا ہوں اور موت جو امر وی کے لئے مانہیں ہے جب کس کی نیت نیک ہو اور مسلمان کی طرح جہاد کرے۔“

حُرنے یہ جواب سنا تو الگ ہٹ کر چلنے لگا۔

قیس بن مسہر کے قتل کی خبر ملنا :

عذیب الحبانات پہنچ کر حضرت حسینؑ کو چار انصار ملے، جو طرماح بن عدی کی رہنمائی میں کوفہ کی خبریں لئے ہوئے آرہے تھے۔ حُرنے کہا، یہ لوگ کوفہ کے باشندے ہیں۔ اس لئے انہیں روک لوں گا یا لوٹا دوں گا۔ حضرت حسینؑ نے فرمایا، یہ میرے انصار ہیں اور لوگوں کے برابر ہیں جو میرے ساتھ آئے ہیں۔ اس لئے اپنی ذات کی طرح ان کی حفاظت بھی کروں گا اور اگر تم اپنے عہد و پیمان پر قائم نہ رہے تو جنگ کروں گا۔ یہ عزم سن کر حررک گیا اور حضرت حسینؑ نے کوفیوں سے پوچھا کہ اہل کوفہ کا کیا حال ہے؟ مجمع بن عدی نے کہا، اشراف کوفہ کو بڑی بڑی رشوتیں دی گئی ہیں۔ ان کی ہتھیلیاں روپوں سے بھر دی گئی ہیں۔ اس لئے وہ سب آپ کے خلاف متحد اور مشتعل ہو رہے ہیں۔ البتہ عوام کے دل آپ کی طرف مائل ہیں۔ لیکن ان کی تلواریں بھی آپ کے خلاف کھچی ہوں گی۔ یہ حال سن کر آپ نے قاصد قیس بن مسہر کا حال پوچھا، معلوم ہوا قتل کر دیئے گئے۔ قیس کے قتل کی خبر سن کر آپ کی آنکھوں سے بے اختیار آنسو رواں ہو گئے اور آپ کے رخسار مبارک پر آنسوؤں کی لڑیاں بہنے لگیں اور زبان پر یہ آیت جاری ہو گئی :

”فمنہم من قضیٰ نحبه ومنہم من ينتظر و ماہد لواء تبدیلا“۔

”مسلمانوں میں سے بعض وہ ہیں جنہوں نے اپنی منت پوری کی (یعنی شہید ہوئے) اور

بعض ان میں سے ایسے ہیں جو شہادت کے منتظر ہیں اور انہوں نے کوئی رد و بدل نہ کیا۔“

پھر قیس کے لئے دعا فرمائی کہ ”خدا یا ہم کو اور ان لوگوں کو جنت عطا فرما اور اپنی رحمت کے

مستقر میں ہمارے اور ان کے لئے، اپنے لئے اپنے ذخیرہ ثواب کا بہترین حصہ جمع فرما۔“

طرماح بن عدی کا اپنے وطن چلنے کی دعوت دینا :

حضرت حسینؑ کا یہ تاثر دیکھ کر طرماح بن عدی نے کہا آپ ساتھ کوئی بڑی جماعت بھی

نہیں ہے۔ اتنے آدمیوں کے لئے تو یہی لوگ کافی ہیں، جو آپ کے ساتھ چل رہے ہیں (حرکادستہ)۔

میں نے کوفہ سے روانگی کے وقت وہاں انسانوں کا اتنا بڑا ہجوم دیکھا کہ اس سے پہلے ایک میدان میں

کبھی نہ دیکھا تھا اور یہ انبوہ عظیم آپ کے مقابلہ میں بھیجنے کے لئے جمع کیا گیا تھا۔ اس لئے میں آپ کو

خدا کا واسطہ دلاتا ہوں کہ اگر آپ کے امکان میں ہو تو اب آپ ایک بالشت بھی آگے نہ بڑھئے۔

اگر آپ ایسے مقام پر جانا چاہتے ہیں، جہاں کے لوگ اس وقت تک آپ کی حفاظت کریں جب تک آپ کی کوئی صحیح رائے قائم ہو جائے اور جو کچھ آپ کرنا چاہتے ہیں، اس کے متعلق کوئی آخری فیصلہ نہ کر لیں، تو ہمارے ساتھ چل کر ہمارے پہاڑ کے دامن میں قیام کیجئے۔

خدا کی قسم یہ پہاڑ ایسا ہے کہ اس کے ذریعے سے ہم نے سلاطین، غسان و حمیر، نعمان بن منذر اور تمام ابیض و احمر کو روکا ہے۔ خدا کی قسم جو ہمارے یہاں آیا کبھی ذلیل نہیں ہوا۔ چلنے میں آپ کو ساتھ لے چل کر وہاں ٹھہراتا ہوں۔ وہاں سے آپ بلبہ سلمیٰ قبائل طے کو بلا بھیجئے۔ وہ دس دن کے اندر اندر پیادوں اور سواروں کا ہجوم کر دیں گے۔ پھر جب تک آپ کا دل چاہے قیام کیجئے۔ اگر وہاں کوئی ہنگامی حادثہ پیش آیا تو بیس ہزار طائی آپ کی مدد کریں گے، جو آپ کے سامنے اپنی تلواروں کے جوہر دکھائیں گے اور کوئی شخص آپ کے قریب نہ پہنچنے پائے گا۔

حضرت حسینؑ نے ان کی دعوت کے جواب میں ان کا شکریہ ادا کیا کہ خدا تم کو اور تمہاری قوم کو جزائے خیر دے۔ ہم میں اور ان لوگوں میں عہد ہو چکا ہے۔ اس عہد کی رو سے اب ہم نہیں لوٹ سکتے۔ ہم کو یہ بھی نہیں معلوم کہ ہمارے اور ان کے معاملات کی صورت اختیار کریں گے۔ یہ جواب سن کر طرماح دوبارہ امداد کے لئے آنے کا وعدہ کر کے بال بچوں سے ملنے کے لئے گھر چلے گئے اور حسب وعدہ واپس بھی ہوئے مگر حضرت حسینؑ کی شہادت اس قدر جلد ہو گئی کہ طرماح کو آتے ہوئے راستہ میں ان کی خبر ملی۔

قصر بنی مقاتل کی منزل اور خواب :

عذیب الحبانات سے بڑھ کر قصر بنی مقاتل میں قافلہ آرا یہاں ایک خیمہ نصب تھا۔ حضرت حسینؑ نے پوچھا یہ کس کا خیمہ ہے۔ معلوم ہوا عبید اللہ ابن حزمی ! فرمایا، انہیں بلاؤ۔ انہوں نے انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھ کر جواب دیا، میں صرف اسی لئے کوفہ سے چلا آیا تھا کہ اپنی موجودگی میں وہاں حسینؑ کا آنا پسند نہ کرتا تھا۔ اس لئے اب میں ان کا سامنا کرنا نہیں چاہتا۔ آدمی نے آ کر حضرت حسینؑ کو یہ جواب سنا دیا۔ اسے سن کر حسینؑ خود ان کے پاس تشریف لے گئے اور اپنی مدد کے لئے کہا۔ لیکن عبید اللہ نے آپ کو بھی وہی جواب دیا جو پہلے آدمی کو دے چکے تھے۔

حضرت حسینؑ نے فرمایا، اگر تم میری مدد نہیں کر سکتے تو کم از کم خدا کا خوف کر کے مجھ سے لڑنے والے زمرہ میں تو شامل نہ ہو، عبید اللہ نے کہا انشاء اللہ ایسا نہ ہوگا۔ اس کے بعد حضرت حسینؑ

اپنی فروگاہ پر لوٹ آئے۔ تھوڑی رات گئے آنکھ لگ گئی تھی کہ پھر آپ انا للہ وانا الیہ راجعون اور الحمد للہ رب العالمین پڑھتے ہوئے بیدار ہو گئے۔ آپ کے صاحبزادے زین العابدین نے پوچھا، ابا آپ نے الحمد للہ وانا للہ کیوں پڑھا؟ فرمایا میری آنکھ لگ گئی تھی کہ میں نے میں نے خواب میں ایک سوار دیکھا، وہ کہہ رہا تھا کہ قوم جارہی ہے اور موت اس کی طرف بڑھ رہی ہے۔ یہ خواب ہماری موت کی خبر ہے۔

شیر دل صاحبزادے نے جواب دیا، ببا خدا آپ کو بڑے وقت سے بچائے، کیا ہم حق پر نہیں ہیں؟ فرمایا، خدا کی قسم حق پر ہیں۔ عرض کیا جب حق کی راہ میں موت ہے تو کوئی پرواہ نہیں ہے۔ فرمایا میری جانب سے تم کو اس کی جزائے خیر دے۔ اس خواب کی صبح کو یہاں سے کوچ کا حکم دیا۔

حُر کے نام ابن زیاد کا فرمان آنا اور عقر میں کاروان اہل بیت کا قیام :

قصر بنی مقاتل سے چل کر قافلہ غینوا میں اُترا، حُر ساتھ ساتھ تھا۔ یہاں اس کو ابن زیاد کا فرمان ملا کہ میرے خط کے دیکھتے ہی حسینؑ کو گھیر کر ایسے چٹیل میدان میں لا کر اُتارو، جہاں کوئی قلعہ اور پانی کا چشمہ وغیرہ نہ ہو۔ حُر نے یہ فرمان حسینؑ کو سنایا اور انہیں اسی قسم کے میدان کی طرف لے جانا چاہا۔ حسینی لشکر والوں نے کہا، ہم کو چھوڑ دو۔ ہم اپنی مرضی سے غینوا، غاضر یہ یا شقیقہ میں خیمہ زن ہوں گے۔ حُر نے کہا ہم ایسا نہیں کر سکتے، کیونکہ ہمارے ساتھ جاسوس لگا ہوا ہے۔ اس پر زہیر بن قیس نے کہا، یا ابن رسول اللہ! آئندہ جو وقت آئے گا وہ اس سے بھی زیادہ سخت ہوگا۔ ابھی لڑنا آسان ہے۔ اس دستہ کے بعد جو فوجیں آئیں گی، ان کا مقابلہ ہم نہ کر سکیں گے۔ لیکن خیر خواہ امت نے جواب دیا۔

میں اپنی طرف سے لڑائی کی ابتداء نہ کروں گا۔ زہیر نے کہا، اچھا کم از کم اتنا کیجئے کہ سامنے والے قر یہ میں منزل کیجئے۔ وہاں فرات کا ساحل ہے۔ گاؤں بھی مضبوط و مستحکم ہے۔ اگر یہ لوگ وہاں جانے سے مزارع ہوں گے، تو ہم ان کا مقابلہ کر لیں گے۔ کیوں کہ ان سے لڑنا بعد کے آنے والوں کے مقابلہ میں آسان ہے۔ حضرت حسینؑ نے گاؤں کا نام پوچھا؟ معلوم ہوا، ”عقر“۔ فرمایا، خدایا! میں تجھ سے اور عقر (ذبح کرنا) سے پناہ مانگتا ہوں۔ غرض پنجشنبہ ۲۔ محرم ۱۱ھ کو غینوی کے میدان کرب و بلا میں قافلہ خیمہ زن ہوا۔^۱

عمر بن سعد کے سامنے رتے کی حکومت کا پیش کیا جانا اور حسینؑ کے شہید کرنے کی خدمت سپرد ہونا، نفس و ضمیر کی کشمکش :

ادھر اہل بیت نبوی ﷺ کا غریب الوطن قافلہ نینوی کے میدان میں پڑا تھا۔ دوسری طرف کوفہ میں ان چند نفوس کے لئے بڑی زبردست تیاریاں ہو رہی تھیں۔ اسی زمانہ میں دیلمیوں نے دستی پر حملہ کر کے قبضہ کر لیا تھا۔ اس لئے عمر بن سعد رتے کا حاکم بنا کر دیالمہ کی سرکوبی پر مامور کیا گیا تھا اور فوجیں لے کر حمام اعین تک پہنچ گیا تھا کہ اسی دوران حضرت حسینؑ کے مقابلہ کے لئے ایک ایسے شخص کی ضرورت پیش آئی جو ان کا مقابلہ کر سکے۔ ابن زیاد نے اس کام کے لئے ابن سعد کا بلا بھیجا اور کہا، حسینؑ کا مقابلہ سب سے مقدم ہے۔ پہلے ان سے نپٹ لو پھر عہدہ پرواپس آنا۔ عمر سعد نے کہا خدا امیر پر رحم کرے مجھ کو اس خدمت سے معاف رکھا جائے۔ ابن زیاد نے کہا، اگر تم کو اس سے عذر ہے تو رتے کی حکومت نہ ملے گی۔

اس دھمکی پر ابن سعد نے اس مسئلہ پر غور کرنے کی مہلت مانگی۔ ابن زیاد نے مہلت دیدی اور ابن سعد نے اپنے ہوا خواہوں سے اس بارے میں مشورہ لینا شروع کیا۔ ظاہر ہے کہ حضرت حسینؑ کے خون کا بار اٹھانے کی تائید کون کر سکتا تھا۔ چنانچہ سب نے اس کی مخالفت کی۔ ان کے بھانجے حمزہ بن مغیرہ کو معلوم ہوا تو انہوں نے آکر کہا،

”ماموں! میں آپ کو قسم دلاتا ہوں کہ آپ حضرت حسینؑ کے مقابلہ میں جا کر خدا کا گناہ اپنے سر نہ لیجئے اور قطع رحم نہ کیجئے۔ خدا کی قسم اگر آپ کی دنیا، آپ کا مال، آپ کی حکومت سب ہاتھوں سے نکل جائے تو وہ اس سے کہیں بہتر ہے کہ آپ خدا سے ملیں اور آپ کے ہاتھ حسینؑ کے خون بے گناہی سے آلودہ ہوں۔“

ابن سعد نے کہا، انشاء اللہ تمہارے مشورہ پر عمل کروں گا۔

حضرت عمار بن عبد اللہ بن یسار اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں : وہ کہتے ہیں کہ ابن سعد کو حسینؑ کے مقابلہ کے لئے جانے کا حکم ملنے کے بعد، میں ان کے پاس گیا تو انہوں نے مجھ سے تذکرہ کیا کہ امیر نے مجھے حسینؑ کے مقابلہ میں جانے کا حکم دیا تھا، مگر میں نے انکار کر دیا۔ عبد اللہ نے کہا خدا تم کو نیک ہدایت دے۔ تم کبھی بھی ایسا نہ کرنا، اور ہرگز نہ جانا۔ یہ کہہ کر عبد اللہ چلے آئے۔

۱۔ عمر کے والد حضرت سعد بن وقاص آنحضرت ﷺ کے رشتہ کے ماموں تھے۔ اس لحاظ سے عمر حضرت حسینؑ کا عزیز تھا۔

اس کے بعد انہیں معلوم ہوا کہ ابن سعد جانے کی تیاریاں کر رہا ہے تو یہ دوبارہ گئے، مگر اس مرتبہ ابن سعد نے ان کو دیکھ کر منہ پھیر لیا۔ عبد اللہ اس کا عندیہ سمجھ کر واپس چلے آئے۔

اس فیصلہ کے بعد ابن سعد ابن زیاد کے پاس گیا اور کہا کہ آپ نے یہ خدمت میرے سپرد کی ہے اور حکومت کا فرمان بھی لکھ چکے ہیں۔ اس لئے اس کا انتظام بھی کر دیجئے اور حسینؑ کے مقابلہ میرے ساتھ کوفہ کے فلاں فلاں اشراف کو بھیجئے۔ ابن زیاد نے کہا،

”تم کو مجھے اشراف کوفہ کے نام بتانے کی ضرورت نہیں۔ میں اپنے ارادہ میں تمہارے احکام کا پابند نہیں ہو سکتا کہ تمہاری رائے سے فوج کا انتخاب کروں۔ اگر تم کو جانا ہے تو میری فوج کے ساتھ جاؤ، ورنہ حکومت کا فرمان واپس کر دو“۔ جب ابن سعد نے دیکھا کہ ابن زیاد اس کا یہ کہنا بھی نہیں مانتا تو چاروں چار اسی فوج کے ساتھ جانے پر آمادہ ہو گیا۔

عمر بن سعد کی آمد :

غرض تیسری محرم ۶۱ھ کو چار ہزار فوج کے ساتھ ابن سعد نینوا پہنچا اور عزہ بن قیس احمسی کو حضرت حسینؑ کے پاس ان کے آنے کا سبب پوچھنے کے لئے بھیجنا چاہا کہ وہ یہاں کیوں آئے ہیں؟ اور کیا چاہتے ہیں؟ لیکن عزہ ان لوگوں میں سے تھا، جنہوں نے حضرت حسینؑ کو بلاوے کے خطوط لکھے تھے اس لئے اب اس کو یہ پوچھنے کے لئے جاتے ہوئے غیرت معلوم ہوئی، اس لئے انکار کر دیا۔ اس کے انکار پر دوسرے لوگوں کے سامنے یہ خدمت پیش کی گئی۔ لیکن مشکل یہ تھی کہ جس کا نام لیا جاتا تھا، وہ حضرت حسینؑ کے بلانے والوں میں نکلتا تھا، اس لئے کوئی آمادہ نہ ہوتا تھا۔ آخر میں ایک جری شخص کثیر بن عبد اللہ شعی نے کھڑے ہو کر کہا کہ میں جاؤں گا۔ اگر ان کے ساتھ کچھ اور مقصد ہو تو وہ بھی پورا کرنے کو تیار ہوں۔ ابن سعد نے کہا میں اور کچھ نہیں چاہتا، ان سے جا کر صرف اتنا پوچھو کہ وہ کس لئے آئے ہیں؟ چنانچہ کثیر یہ پیام لے کر گیا۔

حضرت ابو ثمامہ صاندی نے حضرت حسینؑ کو اطلاع دی کہ ابو عبد اللہ آپ کے پاس روئے زمین کا شیر ترین اور خونریز ترین شخص آرہا ہے۔ پھر کثیر بن عبد اللہ سے کہا کہ تلوار علیحدہ رکھ کر حضرت حسینؑ سے ملاقات کرو۔ کثیر نے جواب دیا، خدا کی قسم یہ کسی طرح نہیں ہو سکتا۔ میں قاصد ہوں، پیام لایا ہوں۔ اگر تم سننا چاہتے ہو تو پیام پہنچا دوں گا، ورنہ چلا جاؤں گا۔ ابو ثمامہ نے کہا، اچھا تلوار نہیں رکھتے تو میں تمہاری تلوار کے قبضہ پر ہاتھ رکھے رہوں گا۔ تم حضرت حسینؑ کے ساتھ گفتگو کر لینا۔ کثیر نے کہا یہ بھی

نہیں ہو سکتا۔ تم قبضہ بھی نہیں چھو سکتے۔ ابو ثمامہ نے کہا، اچھا تو مجھے پیام بتادو، میں جا کر حضرت حسینؑ کو پہنچا دوں گا۔ کثیر اس پر بھی آمادہ نہ ہوا، اور بلا پیام پہنچائے ہوئے لوٹ گیا۔

اس کی واپسی کے بعد ابن سعد نے قرہ بن سعد خطلی کو بھیجا۔ یہ سنجیدہ اور سلجھے ہوئے آدمی تھے۔ انہوں نے جا کر سلام کے بعد ابن سعد کا پیام پہنچایا۔ حضرت حسینؑ نے جواب دیا کہ تمہارے شہر والوں نے مجھے خطوط لکھ کر بلایا ہے۔ اب اگر تم لوگ میرا آنا پسند کرتے ہو تو میں لوٹ جاؤں۔ قرہ نے جا کر ابن سعد کو یہ جواب سنا دیا۔ جواب سن کر اس نے اطمینان کی سانس لی اور کہا کہ امید ہے کہ اب خدا مجھ کو حسینؑ کے ساتھ جنگ کرنے سے بچالے گا اور اپنا سوال اور حضرت حسینؑ کا جواب لکھ کر بھیج دیا۔

لیکن کاتب ازل اس کا نامہ اعمال سیاہ کر چکا تھا۔ اس لئے ابن سعد کی اس مصالحتانہ تحریر کے بعد بھی اس نے صلح و مسالمت کی روش اختیار نہ کی اور ابن سعد کو جواب لکھا کہ تمہارا خط ملا۔ تم نے جو کچھ لکھا میں سمجھا۔ تم حسینؑ اور ان کے کل ساتھیوں سے یزید کی بیعت لے لو، جب وہ بیعت کر لیں گے اس وقت دیکھا جائے گا۔ ابن سعد کو یہ تحریر ملی تو بولا، معلوم ہوتا ہے ابن زیاد اس وعافیت نہیں چاہتا۔

پانی کی بندش اور اس کے لئے کشمکش :

اس کے بعد دوسرا حکم پہنچا کہ حسینؑ اور ان کے ساتھیوں پر پانی بند کر دو۔ جس طرح تقی زکی اور مظلوم امیر المومنین عثمانؓ کے ساتھ کیا گیا تھا۔ اور ان سے یزید کی بیعت کا مطالبہ کرو۔ بیعت کے بعد پھر میں ان کے بارے میں غور کروں گا۔ اس حکم پر ابن سعد نے پانچ سو سواروں کا ایک دستہ فرات پر پانی روکنے کے لئے متعین کر دیا۔ اس دستہ نے ساتویں محرم سے پانی روک دیا۔

حضرت عبداللہ ابن ابی حصین شامی نے امام حسینؑ سے مخاطب ہو کر کہا، حسینؑ پانی دیکھتے ہو کیسا آسمان کے جگر جیسا جھلک رہا ہے، لیکن خدا کی قسم تم کو ایک قطرہ بھی نہیں مل سکتا، تم اسی طرح پیاسے مرو گے۔ آپ نے فرمایا خدا یا! اس کو پیاسا مار اور اس کی کبھی مغفرت نہ فرما۔

جب حسینی لشکر پر پیاس کا غلبہ ہوا تو حضرت حسینؑ نے اپنے سوتیلے بھائی عباسؑ بن علیؑ کو ۳۰ سوار اور ۲۰ پیدل کے ساتھ پانی لینے کو بھیجا۔ یہ چشمے پر پہنچے تو عمرو بن حجاج مزاحم ہوا۔ لیکن عباسؑ نے مقابلہ کر کے ہٹا دیا اور پیادوں نے ریلا کر کے مشکیں بھر لیں اور عباسؑ نے انہیں کھڑے کھڑے لشکر میں بھجوا دیا۔

حضرت حسینؑ اور عمر بن سعد کی خفیہ گفتگو :

اس کے بعد حضرت حسینؑ نے ابن سعد کے پاس کہلا بھیجا کہ میں رات کو کسی وقت اپنے اور تمہارے لشکر کے درمیان تم سے ملنا چاہتا ہوں۔ آپ کی اس خواہش پر ابن سعد بیس آدمیوں کو لے کر موجودہ مقام پر ملنے کے لئے آیا۔ حضرت حسینؑ کے ساتھ بھی بیس آدمی تھے۔ لیکن آپ نے انہیں علیحدہ کر دیا۔ آپ کی تقلید میں ابن سعد نے بھی اپنے آدمی ہٹا دیئے اور دونوں میں رات کی تنہائی میں بڑی دیر تک گفتگو ہوتی رہی، یہ گفتگو کیا تھی اس کا صحیح علم کسی کو نہیں۔

لوگوں نے مختلف قیاسات لگائے ہیں۔ بعض راویوں کا بیان ہے کہ حضرت حسینؑ نے یہ تجویز پیش کی کہ ہم دونوں اپنی اپنی فوجیں یہیں چھوڑ کر یزید کے پاس چلے چلیں۔ ابن سعد نے کہا کہ میرا گھر گرا دیا جائے گا۔ فرمایا میں، بنو ادوں گا۔ ابن سعد نے کہا، میری جائیداد ضبط کر لی جائے گی۔ فرمایا میں اس سے بہتر جائیداد دوں گا۔ لیکن ابن سعد کسی قیمت پر ساتھ جانے کے لئے آمادہ نہ ہوا۔

دوسری روایت یہ ہے کہ حضرت حسینؑ نے فرمایا، کہ مجھے جہاں سے آیا ہوں واپس جانے دو یا یزید کے ہاتھ میں ہاتھ دینے دو۔ پھر اس کے بعد وہ خود کوئی فیصلہ کرے گا، یا کسی سرحدی مقام پر بھیج دو۔

پہلی روایت تو خیر قابل قیاس ہے۔ اس لئے صحیح سمجھی جاسکتی ہے۔ لیکن دوسری روایت راویہ اور درلیہ دونوں حیثیتوں کے کمزور ہے اور ناقابل اعتبار ہے۔ اس کی روایتی حیثیت یہ ہے کہ اس روایت کا ایک راوی مجالد بن سعید محدثین کے نزدیک پایہ اعتبار سے ساقط ہے۔ حافظ ذہبی اور ابن حجر دونوں نے اس پر جرح کی ہے۔

اس کے علاوہ عقبہ بن سمان کا بیان ہے کہ میں مدینہ سے مکہ اور مکہ سے عراق تک برابر حسینؑ کے ساتھ رہا اور شہادت تک ان سے جدا نہ رہا۔ مگر آپ نے مدینہ میں، مکہ میں، راستہ میں، عراق میں، لشکر گاہ میں، غرض شہادت تک کہیں بھی گفتگو میں کوئی ایسا خیال ظاہر نہیں فرمایا جس سے ظاہر ہوتا کہ آپ یزید کے ہاتھ میں ہاتھ دینے یا کسی سرحدی مقام پر نکل جانے کے لئے آمادہ تھے۔ آپ نے ہمیشہ یہی فرمایا کہ مجھے چھوڑ دو خدا کی زمین بہت وسیع ہے، کہیں چلا جاؤں گا جب تک لوگ کوئی فیصلہ نہ کر لیں۔

دراستی حیثیت سے کہ ابن زیاد کا تو یہی حکم تھا کہ اگر حسینؑ بیعت کر لیں تو ان سے کوئی تعرض نہ کیا جائے اور ابن سعد بھی دل سے یہی چاہتا تھا کہ کسی طرح جنگ کی نوبت نہ آنے پائے۔

چنانچہ اس نے اسے ٹالنے کی پوری کوشش کی تھی اور ابن زیاد کو لکھا تھا کہ حسینؑ واپس جانے پر آمادہ ہیں۔ لیکن ابن زیاد نے جواب دیا تھا کہ اب وہ بغیر بیعت کے واپس نہیں جاسکتے۔ بیعت کے بعد پھر دیکھا جائے گا، یہ جواب سن کر ابن سعد نے کہا تھا، یہ اس وعافیت نہیں چاہتا۔ اس لئے حضرت حسینؑ کے بیعت پر آمادہ ہو جانے کے بعد ابن سعد کا اس کو نا منظور کرنا کوئی معنی نہیں رکھتا۔

ابن زیاد کا تہدید کی فرمان :

ابن سعد گو دنیاوی جاہ و حشم کی طمع میں حضرت حسینؑ سے لڑنے پر آمادہ ہو گیا تھا۔ پھر بھی متعدد وجوہ سے اس کا دل اب تک برابر سلامت کر رہا تھا۔ حضرت حسینؑ کی ذات گرامی وہ تھی کہ قرابت نبوی ﷺ کی وجہ سے غیر متعلق اور بے گناہ اشخاص بھی مشکل سے آپ کے ساتھ کسی بد سلوکی کی جرأت کر سکتے تھے۔ اور ابن سعد تو آپ کا عزیز بھی تھا۔ اس لئے نینوا آنے کے بعد بھی وہ برابر جنگ نالارہا کہ شاید اس طرح اس گناہ عظیم سے بچنے کی کوئی صورت نکل آئے۔ ابن زیاد نے اس ڈھیل کو محسوس کیا تو آخر میں نہایت سخت فرمان بھیجا، کہ

”میں نے تم کو اس لئے نہیں بھیجا ہے کہ تم ڈھیل دیتے رہو، دن بڑھاتے چلے جاؤ اور حسینؑ کے سفارشی بن کر ان کی بقا اور سلامتی کی تمنا کرو۔ تم حسینؑ اور ان کے ساتھیوں سے میرا حکم ماننے کے لئے کہو، اگر مان جائیں تو سب کو ہمارے پاس بھیج دو، ورنہ فوراً حملہ کر دو کہ دوسرے کٹھن اور جھگڑے والے ہیں اور اگر یہ کام تم سے نہ ہو سکے تو فوج ذی الجوشن کے حوالے کر کے تم الگ ہو جاؤ۔ ہم نے جو حکم دیا ہے اسے دم پورا کریں گے“۔

ابن زیاد نے یہ فرمان شمر ذی الجوشن اور عبد اللہ بن ابی اکل کے ذریعہ سے ابن سعد کے پاس بھجوایا تھا۔ عبد اللہ کی پھوپھی ام بنین حضرت علیؑ کو بیاہی تھیں۔ اور عباس، عبد اللہ جعفر اور عثمان ان ہی کے بطن سے تھے۔ اس لئے عبد اللہ نے شمر سے کہا کہ ہمارے ابن اخت حسینؑ کے ساتھ ہیں۔ اگر امیر کی رائے ہو تو ان کے پاس امان نامہ بھیج دیا جائے۔ شمر اس پر راضی ہو گیا اور اسی وقت کاتب سے لکھوادیا۔ عبد اللہ نے اسے اپنے غلام کزمان کے ہاتھ عباس وغیرہ کے پاس بھجوادیا۔ غلام نے انہیں لے جا کر دیا کہ تمہارے ماموں نے یہ امان نامہ دیا ہے۔ اس پر غیور اور باحمیت بھانجوں نے جواب دیا کہ ماموں سے جا کر سلام کہنا اور کہنا امان نامہ پہنچا، لیکن ہمیں امان کی ضرورت نہیں۔ خدا کی امان ابن سمیہ (ابن زیاد) کی امان سے بہتر ہے۔

ابن سعد کا آخری فیصلہ :

شمر نے ابن زیاد کا یہ فرمان لا کر ابن سعد کو دیا، تو وہ پڑھ کر بہت برہم ہوا، اور کہا ”تمہارا اُمیر ا ہوا، اور جو چیز تم میرے پاس لائے ہو، خدا اس کا اُمیر کرے۔ خدا کی قسم، معلوم ہوتا ہے کہ میں نے ابن زیاد کو جو لکھا تھا، اس کے قبول کرنے سے تم ہی نے اس کو روک کر ہمارا کام بگاڑا ہے۔ ہم کو امید تھی کہ صلح کی کوئی صورت نکل آئے گی۔ حسینؑ کے پہلو میں ایک خوددار دل ہے۔ اس لئے وہ کبھی اس کے سامنے نہ جھکیں گے۔“ شمر ابن سعد کی یہ باتیں سن کر بولا، بتاؤ اب تم کیا کرتے ہو؟ امیر کے حکم کی تعمیل کر کے ان کے دشمنوں کو قتل کرو گے یا نہیں؟ اگر قتل نہیں کرتے تو فوج میرے حوالے کر دو۔

ابن سعد کے ضمیر اور نفس میں اب بھی کشمکش جاری تھی۔ لیکن رے کی حکومت نہیں چھوڑی جاتی تھی۔ اس لئے نفس اور ضمیر کی کشمکش میں بالآخر نفس غالب آ گیا اور وہ اس بار عظیم کو اٹھانے کے لئے آمادہ ہو گیا اور شمر سے کہا کہ میں خود اس کام کو کروں گا۔ تم پیدل کی نگرانی کرو۔ اور ۹۔ محرم ۶۱ھ کو جنگ کی تیاریاں شروع کر دیں۔

آغازِ جنگ سے پہلے شمر نے حسینی فوج کے پاس جا کر ایک مرتبہ پھر عباسؑ کے بھائیوں کو سمجھایا کہ بنی اخت میں تم کو امان دیتا ہوں۔ لیکن اس مرتبہ غیرت مند نو جوانوں نے پہلے سے بھی زیادہ سخت جواب دیا کہ ”تجھ پر اور تیری امان پر خدا کی لعنت ہو، اگر تو ہمارا ماموں ہوتا تو ہم کو امان دیتا اور ابن رسول اللہ ﷺ کو نہ دیتا۔“

ایک شب کی اجازت :

اسی تاریخ کو عصر کے وقت ابن سعد کچھ لوگوں کو ساتھ لئے ہوئے حضرت حسینؑ کی فرودگاہ پر آپ سے ملنے آیا۔ آپ نے ملاقات کے لئے ٹکٹنے کا عزم کیا، لیکن عباسؑ نے روکا کہ آپ تکلیف نہ کیجئے میں جاتا ہوں۔ حضرت حسینؑ نے فرمایا، اچھا تم ہی جاؤ۔ مگر یہ پوچھ لینا کہ یہ لوگ کیوں آئے ہیں۔ چنانچہ عباسؑ جا کر ان سے ملے اور آنے کا مقصد پوچھا۔ فوجیوں نے جواب دیا کہ امیر فلاں فلاں مقصد سے آئے ہیں۔ غالباً اس سے آغازِ جنگ کی طرف اشارہ تھا۔ عباسؑ نے جواب دیا کہ ”اچھا ابھی جلدی نہ کرو، میں امام کو تمہارے آنے کا مقصد بتا دوں۔ چنانچہ انہوں نے حضرت حسینؑ کو اس کی خبر کی۔ آپ نے فرمایا، ”اچھا آج رات کی اور مہلت لے لو تا کہ اس آخری رات کو اچھی طرح نمازیں پڑھ لیں، دعائیں مانگ لیں اور توبہ استغفار کر لیں، خدا خوب جانتا ہے کہ مجھ کو نماز، اس کی کتاب کی تلاوت اور دعا

اور استغفار سے کتنا دلی تعلق ہے۔ عباسؓ نے جا کر ابن سعد کے دستہ سے کہا کہ ”آج تم لوگ لوٹ جاؤ رات کو ہم اس معاملہ پر غور کریں گے اور جو فیصلہ ہوگا صبح جواب دیں گے۔“

ابن سعد نے شمر سے پوچھا تمہاری کیا رائے ہے؟ اس نے کہا کہ آپ میرے ہیں آپ جانیں۔ شمر کے بعد پھر اور لوگوں سے رائے لی۔ سب نے مہلت دینے کی رائے دی۔ ابن سعد اس دن لوٹ آیا۔ ان لوگوں کی واپسی کے بعد امام نے اپنے ساتھیوں کو جمع کر کے حسب ذیل خطبہ دیا :

خطبہ : ”میں خدا کا بہترین شاخواں ہوں۔ اور مصیبت اور راحت ہر حال میں اس کا شکر گزار ہوں، خدایا میں تیری حمد کرتا ہوں کہ تو نے ہم لوگوں کو نبوت سے سرفراز کیا اور ہمیں گوش شنوا، دیدہ جینا اور دل آشنا دیا، ہم کو قرآن سکھایا اور دین میں فہم عطا کی۔ اب ہمیں اپنے شکر گزار بندوں میں شامل فرما۔ ابابعد مجھے کسی کے ساتھی اپنے ساتھی سے زیادہ وفادار اور کسی کے اہل اپنے اہل بیت سے زیادہ نیکو کار اور صلہ رحمی کرنے والا کوئی دوسرا گھرانہ نہیں معلوم ہوتا۔ خدا تم لوگوں کو ہماری جانب سے جزائے خیر دے۔ میں ان دشمنوں کی وجہ سے آج کا دن کل ہی کا دن سمجھ رہا ہوں۔ اس لئے میں تم لوگوں کو بخوشی واپس جانے کی اجازت دیتا ہوں، میری طرف سے کوئی ملامت نہ ہوگی۔ رات ہو چکی ہے، ایک ایک اونٹ لے لو اور ایک ایک آدمی میرے ایک ایک اہل بیت کو ہاتھ پکڑ کے ساتھ لے لے۔ خدا تم سب کو جزائے خیر دے۔ تم لوگ اپنے اپنے شہروں اور دیہاتوں میں چلے جاؤ۔ یہاں تک کہ خدایہ مصیبت آسان کر دے۔ یہ اس لئے کہہ رہا ہوں کہ لوگ مجھ ہی کو ڈھونڈیں گے۔ میرے بعد کسی کی تلاش نہ ہوگی۔“

جانثاروں کی تقریریں :

اس اہم تقریر پر تمام اعزہ نے یک زبان ہو کر جواب دیا، ”کیا ہم صرف اس لئے چلے جائیں کہ آپ کے بعد زندہ رہیں؟ خدا ہم کو یہ دن نہ دکھائے۔“ اس جواب پر حضرت حسینؓ نے بنو عقیل سے فرمایا کہ مسلم کا قتل تمہارے لئے بہت ہو چکا ہے، اس لئے تم کو اجازت دیتا ہوں کہ تم لوگ لوٹ جاؤ، لیکن باحمیت بھائیوں نے جواب دیا کہ ”ہم لوگوں کو کیا جواب دیں گے؟ کیا یہ کہیں گے اپنے سردار، اپنے آقا اور ابن عم کو چھوڑ آئے۔ ان کے لئے ایک تیر بھی نہ چلایا، ایک نیزہ بھی نہ مارا، تلوار کا ایک وار بھی نہ کیا، اور معلوم نہیں ان کا کیا حشر ہو؟ خدا کی قسم ہم ہر گز ایسا نہیں کر سکتے، ہم لوگ جان مال اور اہل و عیال سب آپ کے اوپر فدا کر دیں گے، آپ کے ساتھ لڑیں گے، جو انجام آپ کا

ہوگا، وہی ہمارا بھی ہوگا۔ آپ کے بعد جینا بے کار ہے۔“

بنو عقیل کے بعد مسلم بن عوجہ اسدی نے اٹھ کر کہا کہ ”ہم آپ کو چھوڑ کر چلے جائیں اور خدا کے سامنے آپ کے ادائے حق کا عذر نہ کریں؟ خدا کی قسم میں اس وقت تک آپ کا ساتھ نہ چھوڑوں گا جب تک دشمنوں کے سینوں میں نیزہ نہ توڑ لوں، اور تلوار نہ چلا لوں۔ خدا کی قسم اگر میرے پاس اسلحہ بھی نہ ہوتا تو دشمنوں سے پتھر مار مار کر لڑتا اور آپ کے اوپر سے فدا ہو جاتا۔“

مسلم بن عوجہ کے بعد سعد بن عبد اللہ حنفی نے اٹھ کر تقریر کی۔ کہ ”خدا کی قسم ہم اس وقت تک آپ کا ساتھ نہیں چھوڑ سکتے، جب تک خدا کو معلوم نہ ہو جائے کہ ہم نے رسول اللہ ﷺ کے بعد آپ کا فرمان ملحوظ رکھا۔ اگر مجھ کو یہ بھی یقین ہوتا کہ میں ستر (۷۰) مرتبہ قتل کیا جاؤں گا اور ہر مرتبہ زندہ کر کے آگ میں جلا کر میری خاک اڑادی جائے گی، تو بھی آپ کا ساتھ نہ چھوڑتا۔ تا آنکہ اپنے کو موت کے حوالہ کر دیتا، نہ کہ ایسی صورت میں جبکہ معلوم ہے مرنا ہے کہ مرنا ایک ہی مرتبہ ہے اور موت میں ابدی عزت ہے۔“

حضرت سعد بن عبد اللہ حنفی کے بعد زہیر بن قین اٹھ کر بولے، ”خدا کی قسم مجھے تمنا ہے کہ میں قتل ہوتا، پھر زندہ ہوتا، پھر قتل کیا جاتا، اسی طرح ہزار مرتبہ زندہ ہو کر قتل کیا جاتا اور خدا اس قتل سے آپ کی ذات اور آپ کے اہل بیت کے نوجوانوں کو بچا لیتا۔“ غرض اس طریقہ کے ہر جان نثار نے اپنی اپنی عقیدت اور جان نثاری کا اظہار کیا۔

شبِ عاشورہ :

جمعرات کا دن گزرنے کے بعد عاشورہ کی وہ تاریک رات نمودار ہوئی جس کی صبح کو میدانِ کربلا میں قیامت پھا ہونے والی تھی۔ درمیان میں صرف ایک ہی رات رہ گئی تھی، جس میں حضرت حسینؑ کو جملہ عبادت میں جمالی حقیقت کے ساتھ راز و نیاز کرنا تھی اور اس کی راہ میں جان دینے کے لئے تیاریاں بھی کرنی تھیں۔ چنانچہ آپ نے منتشر خیموں کو ایک جگہ ترتیب سے نصب کرایا۔ ان کی پشت پر خندق کھدوا کر آگ جلاوادی کہ دشمن حملہ آور نہ ہو سکیں اور ہتھیاروں کی صفائی کرائی۔ جس وقت آپ کی تلوار صاف کی جا رہی تھی، اس وقت آپ نے چند عبرتناک اشعار پڑھے۔

آپ کی جانثار بہن حضرت زینبؑ کو ان انتظامات سے ہونے والے واقعات کا کچھ اندازہ ہو گیا تھا اور وہ حضرت حسینؑ کے پاس بدحواس دوڑتی ہوئی آئیں اور چیخ چیخ کر رونے لگیں کہ

”کاش آج موت میری زندگی کا خاتمہ کر دیتی۔ ہائے میری ماں فاطمہؓ، میرے باپ علیؓ اور میرے بھائی حسنؓ میں سے کوئی بھی باقی نہ رہا، بھیا ان گزرے ہوؤں کے جانشین اور ہم لوگوں کے محافظ اور ہمارا سہارا تم ہی ہو۔“

بہن کو اس طرح مضطرب و بے قرار دیکھ کر فرمایا، ”زینب علم و وقار کو شیطان کے حوالہ نہ کرو، لیکن یہ وقت وقار و سکینہ کا نہ تھا۔ زینب بولیں ”بھائی میں آپ پر سے قربان، آپ کے بدلہ میں اپنی جان دینا چاہتی ہوں۔“ بہن کی یہ دلدوزی اور محبت بھری باتیں سن کر بھائی کا دل بھی بھرا آیا اور آپ کی آنکھوں سے بے اختیار آنسو جاری ہو گئے۔ فرمایا، ”زینب ذرا پیٹن سے رہنے دو۔“ یہ جواب سن کر زینب نے منہ لپیٹ لیا اور ڈھاڑیں مار کر رونے لگیں کہ ”آپ کا اپنے کو مجھ سے الگ الگ رکھنا میرے دل کو ٹکڑے اڑائے دیتا ہے۔“ یہ کہا اور چیخ مار کر بے ہوش ہو گئیں۔

حضرت حسینؓ نے منہ پر پانی کے چھینٹے دینے کے بعد جب ہوش آیا تو صبر کی تلقین کی، کہ ”زینبؓ خدا سے ڈرو اور خدا سے تسکین حاصل کرو، ایک نہ ایک دن سارے روئے زمین کے باشندے مرجائیں گے آسمان والوں میں بھی کوئی باقی نہ رہے گا، آسمان و زمین کی تمام چیزیں فانی ہیں۔ صرف ایک اللہ کی ذات باقی رہے گی۔ میری ماں، میرے باپ اور میرے بھائی سب مجھ سے بہتر تھے اور ہر مسلمان کے لئے رسول اللہ ﷺ کی ذات نمونہ ہے۔ تم اسی نمونہ سے صبر و تسلی حاصل کرو۔ میں تم کو خدا کی قسم دلاتا ہوں کہ اگر میں مرجاؤں تو اسوۂ رسول کے خلاف نہ کرنا، میری موت پر گریبان نہ پھاڑنا، منہ نہ نوچنا اور مین نہ کرنا۔“

بہن کو صبر و شکر اور ضبط و تحمل کی تلقین کر کے خیمہ سے باہر تشریف لائے اور حفاظت کے ضروری انتظامات کر کے صبح صادق تک سب لوگ نماز، دعا، استغفار اور تضرع و زاری میں مصروف رہے۔

قیامت صغریٰ :

شب عاشورہ ختم ہونے کے بعد صبح قیامت نمودار ہوئی۔ جس میں تاریخ اسلام کا سب سے زیادہ دلدوز واقعہ پیش آنے والا تھا۔ اور باختلاف روایت جمعہ یا سنچر کے دن بعد نماز فجر حسینی فوج لڑنے کے لئے تیار ہو گئی۔ یہ کوئی لشکرِ جرار نہ تھا، بلکہ بہتر (۷۲) جان نثاروں کی ایک مختصر جماعت تھی۔ جس کی ترتیب یہ تھی کہ میمنہ پر زہیر بن قین تھے اور میسرہ پر حبیب ابن مظہر، عباسؓ علمدار کے ہاتھوں میں

حسینی علم تھا۔ ادھر مٹھی بھر جان نثار تھے۔ دوسری طرف چار ہزار شامی تھے۔ حضرت حسینؑ جب میدان جنگ میں جانے کے لئے رہوار پر سوار ہوئے تو قرآن سامنے رکھا، اور دونوں ہاتھ اٹھا کر بارگاہِ ایزدی میں یہ دعا کی۔

بارگاہِ ایزدی میں دعا :

”خدا ایا تو ہر مصیبت میں میرا بھروسہ اور ہر تکلیف میں میرا آسرا ہے۔ مجھ پر جو جو وقت آئے، ان میں تو ہی میرا پشت و پناہ تھا۔ بہت سے غم و اندوہ ایسے ہیں جن میں دل کمزور پڑ جاتا ہے۔ کامیابی کی تدبیریں کم ہو جاتی ہیں اور رہائی کی صورتیں گھٹ جاتی ہیں، دوست اس میں ساتھ چھوڑ دیتے ہیں اور دشمن شامت کرتے ہیں۔ لیکن میں نے اس قسم کے تمام نازک اوقات میں سب کو چھوڑ کر تیری طرف رجوع کیا۔ تجھی سے اس کی شکایت کی، تو نے ان مصائب کے بادل چھانٹ دیئے اور ان کے مقابلہ میں میرا سہارا بنا۔ تو ہی ہر نعمت کا ولی، ہر بھلائی کا مالک اور ہر آرزو اور خواہش کا منتہی ہے۔“

آپ دعا سے فارغ ہوئے کہ شمر نے اس آگ کے شعلوں کو دیکھ کر جو خیموں کی پشت پر اس کی حفاظت کے لئے جلائی گئی تھی، آواز بلند کہا، حسینؑ قیامت سے پہلے دنیا ہی میں آگ ل گئی۔ آپ نے جواب دیا، ”تو اس میں جلنے کا زیادہ مستحق ہے۔“ مسلم بن عوجہ نے عرض کی، ”یا ابن رسول اللہ! شمر زد میں ہے، ارشاد ہو تو تیر چلا کر اس کا خاتمہ کر دوں۔“ فرمایا، ”میں اپنی جانب سے ابتدا کرنا نہیں چاہتا۔“ اور شامی فوج کے قریب جا کر بطور اتمام حجت کے فرمایا :

اتمام حجت :

لوگو! جلدی نہ کرو، پہلے میرا کہنا سن لو، اور مجھ پر سمجھانے کا جو حق ہے اسے پورا کر لینے دو، اور میرے آنے کا عذر بھی سن لو۔ پھر اس کے بعد تمہیں اختیار ہے۔ اگر میرا عذر قبول کر لو گے، میرا کہنا سچ مانو گے اور انصاف سے کام لو گے تو خوش قسمت ہو گے اور تمہارے لئے میری مخالفت کی کوئی سبیل باقی نہ رہے گی، بلکہ اگر تم نے میرا عذر قبول نہ کیا اور انصاف سے کام نہ لیا تو۔۔۔۔۔

”فاجمعوا امرکم وشرکاءکم ثم لا یکن امرکم علیکم غمۃ ثم

اقضوا الی ولا تنظرون ۔

ان ولی اللہ الذی نزل الكتاب وهو یتولی الصالحین۔ (الآیۃ)

”ہنس تم اور تمہارے شریک سب مل کر اپنی ایک بات ٹھہرا لو تا کہ تمہاری وہ بات تم میں سے کسی کے اوپر مخفی نہ رہے، تم میرے ساتھ جو کرنا چاہتے ہو کر ڈالو اور مجھے مہلت نہ دو، میرا ولی اللہ ہے، جس نے کتاب نازل کی اور وہی صالحین کا ولی ہوتا ہے۔“

آپ کی بہنوں اور صاحبزادیوں نے یہ تقریر سنی تو خیمہ امامت میں ماتم پیا ہو گیا۔ ان کے رونے کی آوازیں سن کر آپ نے عباسؓ اور علیؓ کو بھیجا کہ جا کر انہیں خاموش کر دو، ”میری عمر کی قسم ابھی ان کو بہت رونا ہے۔“ بہنوں اور لڑکیوں کو خاموش کرنے کے بعد ایک مرتبہ پھر آخری اتمام حجت کے لئے کوفیوں کے سامنے تقریر فرمائی۔ کہ

”لوگو! میرے نسب پر غور کرو، میں کون ہوں؟ پھر اپنے گریبانوں میں منہ ڈال کر اپنے کو ملامت کرو۔ خیال کرو میرا قتل اور میری آبروریزی تمہارے لئے زیبا ہے؟ کیا میں تمہارے نبی کی بیٹی کا لڑکا اور اس کے وصی، ابن عم، خدا پر سب سے پہلے ایمان لانے والے، اس کے رسول اور اس کی کتاب کی تصدیق کرنے والے کا فرزند نہیں ہوں؟ کیا سید الشہداء حمزہ میرے باپ کے اور جعفر طیار ذوالجناحین میرے چچا نہ تھے؟ کیا تم کو نہیں معلوم کہ رسول اللہ ﷺ نے میرے اور میرے بھائی کے متعلق فرمایا تھا کہ ”یہ دونوں جو انان جنت کے سردار ہوں گے۔“

”اگر میں سچ کہتا ہوں اور یقیناً سچ کہتا ہوں، کیونکہ جب سے مجھے معلوم ہوا ہے کہ جھوٹے پر خدا کا غضب نازل ہوتا ہے، اس وقت سے میں نے عدا جھوٹ نہیں بولا اور اگر مجھے جھوٹا سمجھتے ہو تو تم میں اس کے جاننے والے موجود ہیں، ان سے تصدیق کر لو۔ جابر بن عبد اللہ انصاریؓ، ابوسعید خدریؓ، ہبل بن سعد الساعدیؓ، زید بن ارقمؓ، انس بن مالکؓ ابھی زندہ ہیں۔ ان سے پوچھو، یہ تمہیں بتائیں گے کہ انہوں نے میرے اور میرے بھائی کے بارہ میں رسول اللہ ﷺ سے کیا سنا ہے۔ مجھے بتاؤ کیا اس فرمان میں میری خونریزی کے لئے روک نہیں۔“

اس تقریر کے دوران شمر ذی الجوشن نے حضرت حسینؓ کے ایمان پر چوٹ کی۔ حبیب ابن مظاہر نے اس کا دندان شکن جواب دے کر کہا کہ ”امام جو کچھ فرماتے ہیں، اس کو تو نہیں سمجھ سکتا، کیونکہ خدا نے تیرے قلب پر مہر لگا دی ہے۔ ذی الجوشن کے اعتراض اور حبیب کے جواب کے بعد جناب امام نے پھر تقریر کا سلسلہ جاری رکھتے ہوئے فرمایا :

”خیر اگر تم کو اس میں کچھ شک ہے تو اسے جانے دو۔ لیکن کیا اس میں بھی کچھ شبہ ہے کہ میں تمہارے نبی ﷺ کی بیٹی کا بیٹا ہوں، خدا کی قسم آج مشرق سے لے کر مغرب تک روئے زمین پر تم میں اور کسی غیر قوم میں بھی میرے سوا کسی نبی ﷺ کا نواسہ موجود نہیں ہے۔ میں خاص تمہارے نبی ﷺ کی لڑکی کا بیٹا ہوں۔ مجھے بتاؤ تم لوگ میرے خون کے کیوں خواستگار ہو۔ کیا میں نے کسی کو قتل کیا ہے؟ کسی کا مال ضائع کیا ہے؟ کسی کو زخمی کیا ہے؟“

ان نصائح اور سوالات کو سن کر سب خاموش رہے۔ کسی نے کوئی جواب نہ دیا۔ اس کے بعد آپ نے نام لے کر سوالات شروع کئے۔

”اے شیت بن ربیع، اے حجار بن ابجر، اے قیس بن اشعث، اے یزید بن حارث کیا تم نے مجھ کو نہیں لکھا تھا۔ پھل پک چکے ہیں، کھجوریں سرسبز ہیں، دریا جوش میں ہے، فوجیں تیار ہیں، تم فوراً آؤ“ ان لوگوں نے جواب دیا، ہم نے نہیں لکھا تھا۔ فرمایا، ”سبحان اللہ! خدا کی قسم تم نے لکھا تھا۔“

”لوگو! اگر میرا آنا ناگوار ہے تو مجھے چھوڑ دنا کہ میں کسی ہذا خطہ کی طرف چلا جاؤں۔“ اس پر قیس بن اشعث بولا، تم اپنے نبی عم کا کہنا کیوں نہیں مان لیتے۔ ان کی رائے تمہارے مخالف نہ ہوگی اور ان کی جانب سے کوئی ناپسندیدہ سلوک نہ ہوگا۔ حضرت حسینؑ نے فرمایا، ”کیوں نہیں، آخر تم بھی تو اپنے بھائی کے بھائی ہو۔ تم کیا چاہتے ہو، کہ بنو ہاشم مسلم بن عقیل کے خون کے علاوہ تم سے اور دوسرے خون کے بدلہ کا بھی مطالبہ کریں، خدا کی قسم میں ذلیل کی طرح اس کے ہاتھ میں اپنا ہاتھ نہ دوں گا اور غلام کی طرح اس کا اقرار نہیں کروں گا۔“ اور یہ آیت تلاوت فرمائی :

”وانی عدت برّی وربکم ان تُرجفون .

انی عدت برّی وربکم من کل متکبر لا یومن بיום الحساب۔“

”اور میں اپنے اور تمہارے رب سے پناہ مانگتا ہوں کہ مجھ کو سنگسار کرو۔“

میں اپنے اور تمہارے رب سے ہر مفرد و متکبر سے جو قیامت پر ایمان نہیں رکھتا، پناہ مانگتا ہوں۔“

زہیر بن قیس کی تقریر :

اس تقریر کے بعد آپ سواری بٹھا کر اتر پڑے اور شامی آپ کی طرف بڑھے۔ ان کا ہجوم

دیکھ کر زہیر بن قیس نے شامیوں کے سامنے بڑی ہڈ جوش تقریر کی :

”اے اہل کوفہ! خدا کے خوف سے ڈرو، ہر مسلمان کا یہ فرض ہے کہ اپنے دوسرے مسلمان بھائی کو نصیحت کرے۔ ابھی ہم بھائی بھائی ہیں، ایک مذہب اور ایک ملت کے ماننے والے ہیں۔ جب تک ہمارے درمیان تلوار نہ اٹھ جائے، اس وقت تک ہمیں تمہیں نصیحت کرنے کا حق ہے۔ جب آپس میں تلواریں اٹھ جائیں گی تو ہمارا تمہارا رشتہ ٹوٹ جائے گا اور ہماری تمہاری جماعت الگ الگ ہو جائے گی۔ خدا نے ہم کو اور تم کو نبی ﷺ کی ذریت کے بارہ میں آزمائش میں مبتلا کیا ہے کہ ہم ان کے ساتھ کیا سلوک کرتے ہیں۔ میں تم کو ان کی امداد اور عبید اللہ بن زیاد کا ساتھ چھوڑنے کی دعوت دیتا ہوں۔ اس لئے کہ تم کو ان سے سوائے بُرائی کے کچھ حاصل نہ ہوگا، وہ تمہاری آنکھوں میں گرم سلائیاں پھیریں گے، تمہارے ہاتھ پاؤں کاٹیں گے، تمہارا مثلہ کریں گے، تم کو کھجور کی شاخوں پر لٹکائیں گے۔ حجر بن عدی اور ہانی بن عروہ وغیرہ کی طرح تمہارے ممتاز لوگوں کو بھی قتل کریں گے۔“

حضرت زہیر بن قین کی یہ تقریریں کرکوفیوں نے انہیں گالیاں دیں اور ابن زیاد کی تعریف کر کے بولے، خدا کی قسم ہم حسینؑ اور ان کے ساتھیوں کا قتل یا انہیں گرفتار کر کے امیر ابن زیاد کے پاس پہنچائے بغیر نہیں ٹل سکتے۔

حضرت زہیر بن قین نے پھر انہیں سمجھایا کہ ”خدا کے بندو! فاطمہؑ کا فرزند ابن سمیہ کے مقابلہ میں امداد و اعانت کا زیادہ مستحق ہے۔ اگر تم ان کی امداد نہیں کرتے تو خدا انہیں قتل تو نہ کرو۔ ان کے معاملہ ان کے اور ان کے ابن عم یزید پر چھوڑ دو۔ وہ حسینؑ کو قتل نہ کرنے کی صورت میں تم سے زیادہ رضامند ہوگا۔“

اس پر شمر ذی الجوشن نے زہیر بن قین کو ایک تیر مارا اور کہا خاموش رہو، خدا تمہارا منہ بند کرے۔ اپنی بک بک سے پریشان کر ڈالا۔ اس پر زہیر نے کہا، ”ابن بوال تجھ سے کون خطاب کرتا ہے تو تو جانور ہے، خدا کی قسم میرا خیال ہے کہ تو کتاب اللہ کی ان دو آیتوں کو بھی نہیں جانتا و ابشر بالخزی يوم القيامة والعذاب العليم۔ شمر بولا خدا تجھ کو اور تیرے ساتھی کو ایک ساتھ قتل کرے۔ زہیر نے جواب دیا، ”موت سے ڈراتا ہے۔ خدا کی قسم حسینؑ کے ساتھ جان دینا مجھ کو تیرے ساتھ دائمی زندگی سے زیادہ عزیز ہے۔ پھر باواز بلند کوفیوں سے خطاب کیا کہ لوگو! تم اس سنگ دل ظالم کے فریب میں نہ آؤ، خدا کی قسم جو لوگ محمد ﷺ کی اولاد اور ان کے اہل بیت کا خون بہائیں گے وہ قیامت کے دن آپ کی شفاعت سے محروم رہیں گے۔“

حُر کی آمد :

کوفیوں کی آنکھوں پر پردے پڑ چکے تھے اور دلوں پر مہر لگ چکی تھی۔ اس لئے حضرت حسینؑ اور آپ کے ساتھیوں کی ساری افہام و تفہیم رائیگاں گئی۔ کسی پر کوئی اثر نہ ہوا اور امام نے زہیر بن قین کو واپس بلا لیا۔ ان کی واپسی کے بعد کوئی وقت منتظر باقی نہ رہا اور عمر بن سعد حضرت حسینؑ کی طرف بڑھا۔ اس کی پیش قدمی کے ساتھ ہی اس گروہ اشقیاء میں سے دفعہ ایک پرستار نکل آیا۔

یہ خُر تھے۔ عین اس وقت جب طبل جنگ پر چوب پڑنے والی تھی۔ خُر کی آنکھوں کے سامنے تاریکی کا پردہ ہٹ گیا اور حق کا جلوہ نظر آنے لگا۔ چنانچہ کوئی فوج کا ساتھ چھوڑ کر حضرت حسینؑ کی فوج میں چلے آئے اور عرض کیا، میری جانب سے جو کچھ گستاخیاں اور بے عنوانیاں ہو چکیں وہ ہو چکیں۔ اب میں اپنی جان ننگساری کے لئے پیش کرتا ہوں۔ امید ہے ابھی درتوبہ باز ہوگا۔ حضرت حسینؑ نے فرمایا تمہاری توبہ قبول ہوگی۔ تمہیں بشارت ہو کہ تم دنیا میں اور آخرت دونوں میں ”خُر“ آزاد ہو۔

خُر کی تقریر :

حسینی فوج میں شامل ہونے کے بعد خُر نے کوفیوں سے کہا، ”لوگو! حسینؑ نے جو تین صورتیں تمہارے سامنے پیش کی ہیں، ان میں کوئی صورت کیوں نہیں منظور کر لیتے، تا کہ خدا تم کو ان کے ساتھ لڑنے سے بچالے۔“ ابن سعد بولا، میں دل سے چاہتا ہوں، لیکن افسوس اس کی کوئی سبیل نہیں نکلتی۔ خُر نے پھر کہا،

”اے اہل کوفہ! پہلے تم نے حسینؑ کو بلایا، جب وہ آگئے تو تم نے ان کا ساتھ چھوڑ دیا اور یہ خیال کرتے رہے کہ ان کی حمایت میں لڑو گے، پھر ان کے خلاف ہو گئے اور اب ان کے قتل کے درپے ہو۔ انہیں ہر طرف سے گھیر لیا ہے اور خدا کی وسیع زمین میں کسی طرف ان کو جانے نہیں دیتے کہ وہ اور ان کے اہل بیت کسی پُر امن مقام پر چلے جائیں، اس وقت ان کی حالت بالکل قیدی کی ہو رہی ہے کہ وہ اپنی ذات کو نہ کوئی فائدہ پہنچا سکتے ہیں اور نہ نقصان سے بچا سکتے ہیں۔ تم نے ان پر فرات کا پانی بند کر دیا ہے، جس پانی کو یہودی، نصرانی، مجوسی سب پیتے ہیں اور دیہات کے سو راہور کتے تک اس میں لوٹتے ہیں۔ اس کے لئے حسینؑ اور ان کے اہل و عیال تشنہ لب تڑپتے ہیں۔ تم نے محمد ﷺ کے بعد ان کی اولاد کا کیا خوب لحاظ کیا؟ اگر تم توبہ کر کے اپنی روش نہیں چھوڑو گے تو خدا تمہیں قیامت کے دن پیا سا تڑپائے گا۔“

جنگ کا آغاز :

خُرکی اس تقریر کے بعد ابن سعد علم لے کر آگے بڑھا، اور پہلا تیر چلا کر اعلان جنگ کر دیا۔ اور دونوں طرف سے آدمی نکل نکل کر دایہ شجاعت دینے لگے۔ شامیوں کی فوج سے یسار اور سالم دو شخص نکلے۔ ادھر سے تنہا عبد اللہ بن عمیر ان کے جواب میں آئے، اور ایک ہی وار میں یسار کو ڈھیر کر دیا۔ پاس ہی سالم تھا، اُس نے جھپٹ کر عبد اللہ پر وار کیا، عبد اللہ نے ہاتھوں پر روکا، انگلیاں اڑ گئیں۔ لیکن انہی کئی انگلیوں سے سالم کو مار گرایا۔ عبد اللہ کی بیوی بھی ساتھ تھیں، انہوں نے شوہر کو لڑتے دیکھا تو خود بھی ہاتھ میں خیمہ کی ایک چوب لے کر یہ کہتی ہوئی آگے بڑھیں کہ میرے ماں باپ تم ہر فرد ہوں۔ آل محمد ﷺ کی طرف سے لڑتے رہو۔ عبد اللہ نے انہیں عورتوں کے خیمہ میں لوٹانا چاہا، لیکن انہوں نے انکار کر دیا اور کہا کہ میں تمہارا ساتھ نہ چھوڑ دوں گی، تمہارے ساتھ جان دوں گی۔ حضرت حسینؑ نے ان کی ضد دیکھ کر آواز دی کہ خدام کو اہل بیت کی جانب سے جزائے خیر دے۔ تم لوٹ جاؤ، عورتوں پر جہاد فرض نہیں ہے۔ آپ کے ارشاد پر وہ لوٹ گئیں۔

اس کے بعد عمرو بن حجاج شامی لشکر کے میمنہ کو لے کر حضرت حسینؑ کی طرف بڑھا، جب آپ کے قریب پہنچا تو فدائیان حسینؑ پاؤں ٹیک کر سینہ سپر ہو گئے اور نیزوں کے وار سے شامی سواروں کے گھوڑوں کے منہ پھیر دیئے۔ پھر شامی جماعت سے ابن حوزہ نامی ایک شخص نے نکل کر آواز بلند پکارا، حسینؑ ہیں؟ کسی نے اس کا جواب نہ دیا۔ دوسری مرتبہ پھر اس نے یہی سوال کیا۔ تیسری مرتبہ سوال کرنے پر لوگوں نے کہا، ہیں۔ تمہارا کیا مقصد ہے؟ اس نے کہا،

حسینؑ ”تم کو دوزخ کی بشارت ہو۔ حضرت حسینؑ نے جواب میں فرمایا، ”تو جھوٹا ہے، میں دوزخ میں نہیں بلکہ رب رحیم شفیع اور مطاع کے حضور میں جاؤں گا۔“ تیرا نام کیا ہے؟ جواب دیا، ابن حوزہ۔ فرمایا، ”خدا یا اس کو آگ میں داخل کر۔“ اتفاق سے اسی دوران ابن حوزہ کا گھوڑا بدک کر ایک نہر میں پھاند پڑا اور ابن حوزہ کا پاؤں رکاب میں اٹک گیا۔ اسی حالت میں دوسری مرتبہ بدک کر بھاگا اور ابن حوزہ پیٹھ سے لٹک گیا۔ گھوڑا سر پٹ بھاگا اور ابن حوزہ پتھروں کی رگڑ سے چور چور ہو کر مر گیا۔

اس کے بعد شامی فوج سے یزید بن معقل نکلا اور حسینی لشکر سے بریر بن خضیر ان کے مقابل ہوئے۔ زبانی مباحثہ کے بعد دونوں نے تلواریں نکالیں۔ یزید بن معقل نے بریر پر وار کیا، بریر نے وار خالی دیا اور جواب میں ایسی کاری تلوار ماری کہ یزید کو خود کاٹتی ہوئی دماغ تک پہنچ گئی اور وہ زمین پر ڈھیر ہو گیا۔ یزید کو تڑپتا دیکھ کر شامی فوج کے ایک سپاہی رضی بن مہد نے بریر پر حملہ کیا، دونوں میں کشتی

ہونے لگی۔ بریر اس کو چت کر کے سینہ پر بیٹھ گئے۔ رضی کو چت دیکھ کر کعب بن جابر از دی شامی نے بریر پر نیزہ سے حملہ کیا، نیزہ ان کی پیٹھ میں پیوست ہو گیا۔ بریر زخمی ہو کر رضی کے سینہ سے اتر پڑے۔ ان کے اترتے ہی کعب نے تلوار سے زخمی کر کے گرا دیا۔ اس طرح رضی کی جان بچ گئی۔

بریر کے بعد عمر بن قرظہ انصاری بڑھے اور حضرت حسینؑ کے سامنے داد شجاعت دیتے ہوئے شہید ہوئے۔ عمر بن قرظہ کا بھائی ابن سعد کے ساتھ تھا۔ عمرو کو خاک و خون میں غلطاں دیکھ کر پکارا، کذاب ابن کذاب حسینؑ تو نے میرے بھائی کو گمراہ کیا۔ اور دھوکہ دے کر قتل کر دیا۔ آپ نے جواب دیا، ”خدا نے تیرے بھائی کو نہیں بلکہ تجھ کو گمراہ کیا۔ تیرے بھائی کو اس نے ہدایت دی۔“ یہ جواب سن کر وہ بولا، اگر میں تم کو قتل نہ کروں تو خدا مجھے قتل کرے۔ یہ کہتے ہی حضرت حسینؑ کی طرف چھٹا۔ مگر نافع بن ہلال مراوی نے ایسا نیزہ مارا کہ وہ چاروں شانے چت گرا۔ مگر اس کے ساتھیوں نے بڑھ کر بچا لیا۔

ان کے بعد خزیمہ بن یزید نکلے، اور حضرت حسینؑ کے سامنے بڑی شجاعت و بہادری سے لڑے۔ یزید بن سفیان ان کے مقابلہ کو آیا۔ خزیمہ نے ایک ہی وار میں اس کا کام تمام کر دیا۔ خزیمہ کے بعد نافع بن ہلال بڑھے۔ شامیوں میں مزاحم بن حریش ان کے مقابل آیا۔ نافع نے اسے بھی اس کے ساتھیوں کے پاس پہنچا دیا۔

عام جنگ اور مسلم بن عویض کی شہادت :

ابھی تک لڑائی کا انداز یہ تھا کہ ایک ایک شخص ایک ایک کے مقابل میں نکلتا تھا۔ مگر شامی لشکر سے جو نکلا، وہ بچ کر نہ گیا۔ اس لئے عمر بن حجاج پکارا ،

لوگو! جن سے تم لڑ رہے ہو یہ سب اپنی جانوں پر کھیلے ہوئے ہیں۔ اس لئے آئندہ کوئی شخص تنہا ان کے مقابلہ میں نہ جائے۔ ان کی تعداد تو اتنی کم ہے کہ اگر تم لوگ ان کو صرف پتھروں سے مارو تو بھی ان کا کام تمام ہو جائے گا۔ کوفہ والو! اطاعت اور جماعت کی پوری پابندی کرو۔ اس شخص کے قتل میں کسی شک و شبہ اور تذبذب کی راہ نہ دو۔ جو دین سے بھاگا ہے اور جس نے امام کی مخالفت کی ہے۔

عمر بن سعد کو بھی عمرو بن حجاج کی یہ رائے پسند آئی۔ چنانچہ اس نے فردا فردا مبارزت سے روک دیا اور عام جنگ کا آغاز ہو گیا۔

عمر بن حجاج میمنہ کو لے کر حضرت حسینؑ پر حملہ آور ہوا۔ تھوڑی دیر تک آپس میں کشمکش جاری رہی۔ اس معرکہ میں مشہور جانثار مسلم بن عویض اسدی شہید ہوئے۔ غبار چھٹا تو لاشہ نظر پڑا۔ حضرت

حسینؑ قریب تشریف لے گئے، کچھ کچھ جان باقی تھی، فرمایا، مسلم تم پر خدا رحم کرے فمنہم من قضی نحبه ومنہم من ينتظر وما بدلوا تبديلا حضرت حسینؑ کے بعد حبیب مظہر نے آکر جنت کی بشارت دی، اور کہا اگر مجھ کو یہ یقین نہ ہوتا کہ میں عنقریب تمہارے پاس پہنچوں گا، تو تم سے وصیت کرنے کی درخواست کرتا اور اسے پوری کرتا۔ مسلم میں بقدر رمتی جان باقی تھی، حضرت حسینؑ کی طرف اشارہ کر کے صرف ان کے بارے میں وصیت کرتا ہوں کہ ان کے لئے جان دے دینا۔ یہ وصیت کر کے محبوب آقا کے سامنے جان دے دی۔ کہ

بچہ ناز رفتہ باشد ز جہان نیاز مندے

کہ بوقت جان سپردن بسرش رسیدہ باشی

مسلم کی موت پر شامی فوج میں بڑی خوشی ہوئی۔

دوسرا حملہ اور تیروں کی بارش :

اس کے بعد دوسرے ریلے میں شمر شامی میسرہ کو لے کر حسینی میسرہ پر حملہ آور ہوا۔ اس کے بعد شامی چاروں طرف سے حسینی فوج پر ٹوٹ پڑے۔ بڑا زبردست مقابلہ ہوا، حسینی فوج کے بہادر عبداللہ الکھلی کئی آدمیوں کو قتل کر کے خود شہید ہوئے۔ اس معرکہ میں حسینی فوج میں ۳۲ آدمی تھے، لیکن اس پامردی سے لڑے کہ جدھر زخ کرتے تھے، شامیوں کی صفیں الٹ دیتے تھے اور ان کی سوار یوں کی صفیں درہم برہم ہو جاتی تھیں۔ شامی سوار دستہ کے کماندار غرہ بن قیس نے اپنے سواروں کی یہ بے ترتیبی دیکھی تو ابن سعد کے پاس کہلا بھیجا کہ مٹھی بھر آدمیوں نے ہمارے دستہ کا یہ حال کر دیا ہے۔ اس لئے فوراً کچھ پیدل اور کچھ تیر انداز بھیجو۔

ابن سعد نے اس کی درخواست پر پانچ سو سواروں کا دستہ بھیج دیا۔ اس دستہ نے جاتے ہی حسینی لشکر پر تیروں کی بارش شروع کر دی اور تھوڑی دیر میں ان کے تمام گھوڑے زخمی ہو کر بے کار ہو گئے۔ پھر بھی ان کے استقلال میں کمی نہ آئی۔ سب سوار گھوڑوں سے اتر پڑے اور دو پہر تک اس بہادری اور بے جگری سے لڑتے رہے کہ شامیوں کے دانت کھٹے کر دیئے۔

اہل بیت کے خیموں کا جلایا جانا :

شامی جنگ کو جلد ختم کر دینے کے لئے آگے بڑھنا چاہتے تھے۔ لیکن حضرت حسینؑ نے اپنے خیموں کی ترتیب کچھ اس طرح رکھی تھی کہ شامی ایک ہی رخ سے حملہ کر سکتے تھے، اس لئے

عمر بن سعد نے حکم دیا کہ خیمے اکھاڑ دیئے جائیں تاکہ ہر طرف سے حسینی فوج پر حملہ کیا جاسکے۔ چنانچہ شامی خیمے اکھاڑنے کے لئے آگے بڑھے۔ لیکن اس میں یہ دشواری پیش آئی کہ جب وہ حسینی خیموں میں گھسنے کا قصد کرتے تھے تو آڑ میں پڑ جاتے تھے۔ اس لئے حسینی سپاہی انہیں مار لیتے تھے۔ ابن سعد نے اس صورت میں بھی ناکامی دیکھی تو خیموں میں آگ لگوا دی۔ حضرت حسینؑ نے دیکھا تو فرمایا: یہ بھی اچھا ہوا، میدان صاف ہو جائے گا تو یہ لوگ پشت سے حملہ آور نہ ہو سکیں گے۔

حضرت حسینؑ ”کایہ خیال بالکل صحیح نکلا۔ خیموں کے جل جانے سے پشت سے حملہ کا خطرہ جاتا رہا۔ شمر اہل بیت کے خیمہ میں نیزہ مار کر بولا، اس کو معہ آدمیوں کے جلادوں گا۔ عورتوں نے سنا تو چلاتی ہوئی خیموں سے باہر نکل آئیں۔ حضرت حسینؑ نے دیکھا تو شمر ڈانٹا کہ تو میرے اہل بیت کو آگ میں جلانا چاہتا ہے، خدا تجھ کو آتش دوزخ میں جلائے۔ کچھ اس ڈانٹ کے اثر پر کچھ لوگوں کے غیرت دلانے سے شمر لوٹ گیا۔ اس کے جاتے ہی زہیر بن قین نے کوفیوں کو اہل بیت کے خیموں سے ہٹا دیا۔

جانبا زوں کی شہادت :

پچھلے معرکوں میں شمر امامت کے بہت سے پروانے فدا ہو چکے تھے۔ اب امام حسینؑ کے ساتھ صرف چند جان نثار باقی رہ گئے تھے۔ ان کے مقابلہ میں کوفیوں کا ہڈی دل تھا۔ اس لئے ان کے قتل ہونے سے ان میں کوئی کمی نظر نہ آتی تھی۔ لیکن حسینی فوج میں سے ایک آدمی بھی شہید ہو جاتا تو اس میں کمی محسوس ہوتی تھی۔

یہ صورت حال دیکھ کر عمرو بن عبد اللہ صاعدی نے امام سے عرض کیا کہ ”میری جان آپ پر فدا ہو، اب شامی بہت قریب ہوتے جاتے ہیں اور کوئی دم میں پہنچنا چاہتے ہیں۔ اس لئے چاہتا ہوں کہ پہلے میں جان دے لوں، اس کے بعد آپ کو کوئی گزند پہنچے۔ ابھی میں نے نماز نہیں پڑھی ہے۔ نماز پڑھ کر خدا سے ملنا چاہتا ہوں۔“

ان کی اس درخواست پر حضرت حسینؑ نے فرمایا، ان لوگوں سے کہو، کہ ”تھوڑی دیر کے لئے جنگ ملتوی کر دیں، تاکہ ہم لوگ نماز ادا کر لیں۔“ آپ کی زبان سے یہ فرمائش سن کر حصین بن نمیر شامی بولا، تمہاری نماز قبول نہ ہوگی۔ حبیب بن مظہر نے جواب دیا کہ ”گدھے! آل رسول کی نماز قبول نہ ہوگی، اور تیری قبول ہوگی؟“ یہ جواب سن کر حصین کو طیش آ گیا، اور حبیب پر حملہ کر دیا۔ حبیب نے اس گھوڑے کے منہ ایسا ہاتھ مارا کہ وہ دونوں پاؤں کھڑا ہو گیا اور حصین اس کی پیٹھ سے نیچے آگرا۔

لیکن اس کے ساتھیوں نے بڑھ کر بچا لیا۔ اس کے بعد حبیب اور کوفیوں میں مقابلہ ہونے لگا، کچھ دیر تک حبیب نہایت کامیابی کے ساتھ مقابلہ کرتے رہے، لیکن تین تہا کب تک انہوہ کثیر کے مقابل ٹھہر سکتے تھے۔ بالآخر شہید ہو گئے۔

ان کی شہادت کے بعد حضرت حسینؑ کا ایک اور بازو ٹوٹ گیا، اور آپ بہت شکستہ خاطر ہوئے۔ مگر کلمہ صبر کے علاوہ زبان مبارک سے کچھ نہ نکلا۔ خُرنے آقا کو غمگین دیکھا تو رجز پڑھتے ہوئے بڑھے اور مشہور جان نثار زہیر بن قین کے ساتھ مل کر بڑی بہادری اور شجاعت سے لڑے، لیکن کب تک لڑتے۔ آخر میں کوئی پیادوں نے ہر طرف سے خُرنے پر ہجوم کر دیا، اور یہ پروانہ بھی شمعِ امامت پر سے فدا ہو گیا۔

جان نثاروں کی آخری جماعت کی فداکاری :

اب ظہر کا وقت آخر ہو رہا تھا۔ لیکن کوئی نماز پڑھنے کے لئے بھی دم نہ لیتے تھے۔ اس لئے امام نے صلوٰۃ خوف پڑھی، اور نماز کے بعد پھر پورے زور کے ساتھ جنگ شروع ہو گئی اور اس گھمسان کارن پڑا کہ کر بلا کی زمین تھرا گئی۔ کوفیوں کا ہجوم بڑھتے بڑھتے حضرت حسینؑ کے پاس پہنچ گیا۔ تیروں کی بارش ٹڈی دل کا گمان ہوتا تھا۔ مشہور جانباز حنفی امام کے سامنے آ کر کھڑے ہو گئے اور جتنے تیر آئے اب مردانہ وار اپنے سینے پر روکے۔ لیکن ایک انسان کب تک مسلسل تیر باری کا ہدف بن سکتا تھا۔ بالآخر یہ بھی امام کی راہ میں سینہ چھلنی کر کے فدا ہو گئے۔ ان کے بعد زہیر بن قین کی باری آئی۔ یہ بھی داد شجاعت دیتے ہوئے اپنے پیشروں سے جا ملے۔ ان کے بعد نافع ہلال بجلی جنہوں نے ۱۲ کوفیوں کو قتل کیا تھا، گرفتار کر کے شہید کئے گئے۔

اب حسینی لشکر کا بڑا حصہ آقائے نامدار پر سے فدا ہو چکا تھا، صرف چند جانثار باقی رہ گئے تھے۔ جب انہوں نے دیکھا کہ شامی فوجوں کے مقابلہ میں زیادہ دیر تک ٹھہرنے کی طاقت نہیں ہے تو یہ طے کر لیا گیا کہ قبل اس کے کہ امام ہمام پر کوئی نازک وقت آئے، سب کے سب آپ پر سے فدا ہو جائیں۔ چنانچہ تمام فدائی اہل بیت ایک ایک کر کے پروانہ وار بڑھنے لگے۔

اس جماعت میں سب سے اول عبد اللہ اور عبد الرحمن بڑھے، ان کے بعد دونو جوان سیف بن حارث اور مالک بن عبد نکلے۔ اس وقت دونوں کی آنکھوں سے آنسو کی لڑیاں جاری تھیں۔ امام نے پوچھا، ”روتے کیوں ہو؟“ عرض کی، اپنی جان کے لئے نہیں روتے۔ رونا اس پر ہے کہ آپ کو چاروں

طرف سے اعدائے نرغے میں محصور دیکھتے ہیں اور کچھ نہیں کر سکتے۔ امام نے کہا، ”خدا تم دونوں کو متقیوں جیسی جزا دے۔“ ان دونوں کے بعد حنظلہ بن شامی نکلے اور کوفیوں کو سمجھایا کہ وہ حسینؑ کے خون بے گناہ کا وبال اپنے سر نہ لیں۔ لیکن اب اس قسم کی افہام و تفہیم کا وقت ختم ہو چکا تھا۔ حضرت حسینؑ نے فرمایا کہ ”اب انہیں سمجھانا بے کار ہے۔“

آپ کے اس ارشاد پر حنظلہ آپ کے اہل بیت پر صلوٰۃ و سلام بھیج کر رخصت ہوئے اور لڑتے لڑتے شہید ہو گئے۔ ان کے بعد سیف اور مالک دونوں جوانوں نے جانیں فدا کیں۔ ان کے بعد عابس بن ابی شیبہ اور شوذب بڑھے، شوذب شہید ہوئے، لیکن عابس بہت مشہور بہادر تھے، ان کے مقابلہ میں کسی شامی کو آنے کی ہمت نہ پڑتی تھی۔ اس لئے ہر طرف سے ان پر سنگساری شروع کر دی۔ عابس نے ان کی یہ بزدلی دیکھی تو اپنی زرہ اور خود اتار کے پھینک دی اور حملہ کر کے بے محابہ دشمن کی صفوں میں گھستے چلے گئے اور انہیں رد ہم برہم کر دیا۔ لیکن تین تنہا ایک انبوہ کا مقابلہ آسان نہ تھا۔ اس لئے شامیوں نے انہیں بھی گھیر کر شہید کر دیا۔ اسی طریقہ سے عمرو بن خالد، جبار بن حارث، سعد، مجمع بن عبید اللہ سب جان نثار ایک ایک کر کے فدا ہو گئے اور تنہا سوید بن ابی المطران باقی رہ گئے۔

علی اکبر کی شہادت :

جب سارے فدائیانِ اہل بیت ایک ایک کر کے جامِ شہادت پی چکے اور نو نہالانِ اہل بیت کے علاوہ اور کوئی جانثار باقی نہ رہا تو اہل بیت کرام کی باری آئی اور سب سے اول ریاضِ امامت کے گل ترخانہ ابنِ نبوی ﷺ کے تابندہ اختر علی اکبرؑ میدان میں آئے اور تلوار چمکاتے اور یہ رجز

انا علی بن حسین بن علی و رب البيت ولی بالبنی

”میں حسینؑ ابن علیؑ کا بیٹا علی ہوں۔ خانہ کعبہ کی قسم ہم نبی کے قرب کے زیادہ حق دار ہیں“

تالله لا يحکم فینا ابن الذعی

”خدا کی قسم نامعلوم باپ کا بیٹا ہم پر حکومت نہیں کر سکے گا“

پڑھتے ہوئے بڑھے۔ آپ رجز پڑھ پڑھ کر حملہ کرتے تھے، اور بجلی کی طرح کوند کر نکل جاتے تھے۔ مروہ بن مہد تمیمی آپ کی یہ برق رفتاری دیکھ کر بولا، اگر علی اکبرؑ میری طرف سے گزریں تو حسینؑ کو بے لڑ کے کاہنا دوں۔ علی اکبرؑ ابھی کم سن تھے، جنگ و جدال کا تجربہ نہ تھا۔ مروہ کا طنز سن کر سیدھے اس کی طرف بڑھے۔ مروہ ایک جہاندیدہ اور آزمودہ کار تھا۔ جیسے ہی علی اکبرؑ اس کے

پاس پہنچے، اس نے تاک کر ایسا نیزہ مارا کہ جسم اطہر میں پیوست ہو گیا۔ نیزہ لگتے ہی شامی ہر طرف سے ٹوٹ پڑے اس گلابدن کے جسم کو جس نے پھولوں کی سج پر پرورش پائی تھی، ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے۔

ان کی جان نثار پھوپھی جنہوں نے بڑے نازوں سے ان کو پالا تھا، خیمہ کے روزن سے یہ قیامت خیز نظارہ دیکھ رہی تھیں، چہیتے بھیتے کو خاک و خون میں تڑپتا دیکھ کر بے تاب ہو گئیں۔ یارائے ضبط باقی نہ رہا اور یا ابن اخاہ کہتی ہوئیں خیمہ سے باہر نکل آئیں اور بھیتے کی لاش کے ٹکڑوں پر گر پڑیں۔ ستم رسید بھائی حسینؑ نے دکھاری بہن کا ہاتھ پکڑ کے خیمہ کے اندر کیا، کہ ابھی وہ زندہ تھے۔ اور مخدرات عصمت مآب پر غیر محرموں کی نظر پڑنے کا وقت نہیں آیا تھا۔ بہن کو خیمے میں پہنچانے کے بعد علی اکبرؑ کی لاش اور اپنے قلب و جگر کے ٹکڑوں کو بھائیوں کی مدد سے اٹھوا کر لائے اور خیمہ کے اندر لٹا دیا۔

یہ بھی بے کسی کا عالم تھا۔ تمام اعزہ واقربا شہید ہو چکے ہیں، ایک طرف جانثاروں کی تڑپتی ہوئی لاشیں ہیں، دوسری طرف جوان مرگ بیٹے علی اکبرؑ کا پاش پاش بدن ہے، تیسری طرف زینب خستہ حال پر غش طاری ہے۔ اس بے کسی کے عالم میں کبھی علی اکبرؑ کی لاش کو دیکھتے ہیں اور کبھی آسمان کی طرف نظر اٹھاتے ہیں کہ آج تیرے ایک وفادار بندے نے تیری راہ میں سب سے بڑی نذر پیش کر کے سنت ابراہیمی پوری کی ہے، تو اسے قبول فرما۔ لیکن اس وقت بھی زبان پر صبر و شکر کے علاوہ شکایت نہیں آتا۔ کہ

من ازیں درد گراں نمایہ چہ لذت یابم کہ بہ اندازہ آن صبر و شہادت دادند

خاندان بنی ہاشم کے نونہالوں کی شہادت :

حضرت علی اکبرؑ کی شہادت کے بعد مسلم بن عقیل کے صاحبزادے عبداللہ میدان میں آئے۔ ان کے نکلتے ہی عمرو بن صبیح صیدوی نے تاک کر ایسا تیر مارا کہ یہ تیر قضا بن گیا۔ ان کے بعد جعفر طیار کے پوتے عدی نکلے۔ انہوں نے بھی عمرو بن تھشل کے ہاتھوں جام شہادت نوش کیا۔ پھر عقیلؑ کے صاحبزادے عبدالرحمن میدان میں آئے۔ ان کو عبداللہ بن عروہ نے تیر کا نشانہ بنایا۔ بھائی کو نیم بسل دیکھ کر محمد بن عقیل بے تحاشا نکل پڑے لیکن لقیط بن ناسر نے ایک ہی تیر میں ان کا بھی کام تمام کر دیا۔

ان کے بعد حضرت حسنؑ کے صاحبزادے قاسم میدان میں آئے۔ یہ بھی عمرو بن سعد بن مقبل کے ہاتھوں شہید ہوئے۔ قاسم کے بعد ان کے دوسرے بھائی ابو بکرؑ نے عبداللہ بن عقبہ کے

ہاتھوں شہید ہوئے۔ امام کے سوتیلے بھائی حضرت عباسؓ نے جب دیکھا کہ جو نکلتا ہے وہ سیدھا حوض کوثر پر پہنچتا ہے اور عنقریب براہِ بزرگ تنہا ہونے والے ہیں تو بھائیوں سے کہا کہ آقا کے سامنے سینہ سپر ہو جاؤ، اور ان پر اپنی جانیں فدا کر دو۔

اس آواز پر تینوں بھائی عبداللہؓ، جعفرؓ اور عثمانؓ حضرت حسینؓ کے سامنے دیوار آہن بن کر جم گئے اور تیروں کی بارش کو اپنے سینوں پر روکنے لگے اور زخموں سے خون کا فوارہ چھوٹنے لگا تھا۔ لیکن ان کی جیس شجاعت پر شکن تک نہ آئی تھی۔ آخر میں ہانی بن ثوب نے عبداللہ اور جعفر کو شہید کر کے اس دیوار آہن کو بھی توڑ دیا اور تیسرے بھائی عثمان کو یزید الجحی نے تیر کا نشانہ بنایا۔ تینوں بھائیوں کے بعد اب صرف تنہا عباسؓ باقی رہ گئے تھے۔ یہ بڑھ کر حضرت حسینؓ کے سامنے آ گئے، اور چاروں طرف سے آپ کو بچانے لگے، اور اسی ناموس اکبر کی حفاظت میں جان دی۔ عباسؓ کے بعد اہل بیت میں خود امام ہمام اور عابد بیمار کے علاوہ کوئی باقی نہ رہ گیا۔

فَاعْتَبِرُوا يَا أُولِيَ الْأَبْصَارِ :

اللہ اللہ! یہ بھی نیرنگی دہر اور انقلابِ زمانہ کا کیسا عجیب اور کیسا عبرتناک منظر ہے کہ جس کے نانا کے گھر کی پاسبانی ملائکہ کرتے تھے، آج اس کا نواسہ بے برگ و نوا بے یار و مددگار کر بلا کے دشتِ غربت میں کھڑا ہے اور روئے زمین پر خدا کے علاوہ اس کا کوئی حامی و مددگار نہیں۔

غزوہ بدر میں جس کے نانا کی حفاظت کے لئے آسمان سے فرشتے اترے تھے، آج اس کے نواسے کو ایک انسان بھی محافظ نہیں ملتا۔

ایک وہ وقت تھا کہ رسول اللہ ﷺ دس ہزار قدوسیوں کے ساتھ مکہ میں فاتحانہ داخل ہوئے تھے۔ دشمنان اسلام کی ساری قوتیں پاش پاش ہو چکی تھیں۔ رحمتِ عالم کے دامنِ عفو و کرم کے علاوہ ان کے لئے کوئی جائے پناہ باقی نہ رہ گئی تھی۔ اسلام اور مسلمانوں کے سب سے بڑے دشمن ابوسفیان جنہوں نے آنحضرت ﷺ اور مسلمانوں کے ساتھ بغض و عداوت اور دشمنی اور کینہ توڑی کا کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا تھا۔ بے بس و لاچار دربار رسالت میں حاضر کئے گئے تھے۔ ایک طرف ان کے جرائم کی طویل فہرست تھی۔ دوسری طرف رحمتہ للعالمین ﷺ کی شانِ رحمت و کرم۔

تاریخ کو معلوم ہے کہ سرکارِ رسالت ﷺ سے اس سنگین اور اشتہاری مجرم کے ساتھ کیا سلوک کیا گیا تھا؟ قتل کی دفعہ عائد نہیں کی گئی، جلاوطنی کی سزا تجویز نہیں ہوئی، قید خانہ کی چار دیواری

میں بند نہیں کیا گیا۔ بلکہ ”من دخل دار ابی سفیان فهو امن“ یعنی ”جو شخص ابوسفیان کے گھر میں چلا جائے، اس کا جان و مال محفوظ ہے“ کے اعلان کرم سے نہ صرف تنہا ابوسفیان کی جان بخشی فرمائی، بلکہ ان کے گھر کو جس میں بارہا مسلمانوں کے خلاف سازشیں ہو چکی تھیں، آنحضرت ﷺ کے قتل کے مشورے ہو چکے تھے، دارالامن ”وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ“ کی عملی تفسیر فرمائی گئی۔

ایک طرف یہ رحمت، یہ غفور کرم اور یہ درگزر تھا۔ اور دوسری طرف رحمۃ للعالمین ﷺ کی ستم رسیدہ اولاد ہے۔ نبوت کا سارا کنبہ ابوسفیان کی ذریات کے ہاتھوں تہ تیغ ہو چکا ہے۔ کربلا کا میدان لہلہ بیت کے خون سے لالہ زار بنا ہوا ہے۔ جگر گوشہ رسول کی آنکھوں کے سامنے گھر بھر کی لاشیں تڑپ رہی ہیں۔ اعزہ کے قتل پر خون آنکھیں بارہا ہیں۔ بھائیوں کی شہادت پر سینہ وقف ماتم ہے، جواں مرگ لڑکوں اور بھتیجیوں کی موت پر دل فگار ہے۔ لیکن اس حالت میں بھی وحش و طیور تک کے لئے امان ہے، لیکن جگر گوشہ رسول کے لئے امان نہیں بلکہ آج وہی تلواریں جو فتح مکہ میں مفتوحانہ ٹوٹ چکی تھیں، دشت کربلا میں نوجوانان لہلہ بیت کا خون پی کر بھی سیر نہیں ہوئیں اور حسینؑ کے خون کی پیاس میں زبانیں چاٹتی ہیں۔ لیکن پیکر صبر و قرار حسینؑ اس حالت میں بھی راضی برضا ہیں اور اس بے بسی میں بھی جاوہ مستقیم سے پاؤں نہیں ڈگر گائے۔

سنا ہوگا کہ جب رسول اللہ ﷺ نے شروع شروع میں اسلام کی دعوت شروع کی تو کفار مکہ آپ کے چچا ابوطالب کے پاس، جو آپ کے کفیل تھے، آئے اور کہا کہ تمہارا بھتیجا ہمارے معبودوں کی توہین کرتا ہے، ہمارے آباؤ اجداد کو گمراہ کہتا ہے، ہم کو احمق ٹھہراتا ہے۔ اس لئے یا تو تم بیچ میں سے ہٹ جاؤ یا تم بھی میدان میں آؤ کہ ہم دونوں میں سے ایک کا فیصلہ ہو جائے۔ اس پر ابوطالب نے آنحضرت ﷺ کو سمجھایا کہ جانِ عم میرے اوپر اتنا بار نہ ڈال کہ میں اٹھا بھی نہ سکوں۔ آنحضرت ﷺ کے ظاہری پشت و پناہ جو کچھ تھے، وہ ابوطالب ہی تھے۔

آنحضرت ﷺ نے ان کے پائے ثبات میں اغزش دیکھی تو آبدیدہ ہو کر فرمایا، خدا کی قسم اگر یہ لوگ میرے ایک ہاتھ میں آفتاب اور دوسرے ہاتھ میں ماہتاب لا کر رکھ دیں تب بھی میں اپنے فرض سے باز نہ آؤں گا، یا خدا اس کام کو پورا کرے گا یا میں خود اس پر سے نثار ہو جاؤں گا۔

اس جواب کے بعد آنحضرت ﷺ پھر بدستور دعوتِ اسلام میں مصروف ہو گئے اور قریش نے اس کے جواب میں آپ کو سخت سے سخت اذیتیں پہنچانا شروع کیں، لیکن اس راہ کے کانٹے آپ

کے لئے پھول تھے۔ اس لئے یہ تکلیفیں بھی آپ کو دعوتِ اسلام سے نہ روک سکیں۔ قریش نے اپنی محدود نظر کے مطابق قیاس کیا تھا کہ محمد ﷺ کو نام و نمود اور جاہ و حشم کی خواہش ہے۔ چنانچہ ان کا ایک نمائندہ عتبہ بن ربیعہ ان کی طرف سے آنحضرت ﷺ کے پاس آیا اور کہا،

محمد ﷺ کیا چاہتے ہو؟ کیا ملکی ریاست؟ کیا کسی بڑے گھرانے میں شادی؟ کیا دولت کا ذخیرہ؟ ہم یہ سب کچھ تمہارے لئے مہیا کر سکتے ہیں اور اس پر بھی راضی ہیں کہ تمہارے زیر فرمان ہو جائیں، لیکن تم ان باتوں سے باز آ جاؤ۔ لیکن ان سب ترغیبات کے جواب میں آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی۔

”قل انکم لتکفرون بالذی خلق الارض فی یومین وتجعلون له

انداداً ذلک رب العلمین“۔ (سورۃ عبہ : ۴۱ : ۹)

”اے محمد ان لوگوں سے کہہ دو کہ تم لوگ خدا کا انکار کرتے ہو، جس نے دو دن میں زمین پیدا کی اور اس کا مقابل ٹھہراتے ہو، یہ خدا سارے جہاں کا پروردگار ہے۔“

آج باون برس کے بعد حضرت حسینؑ پھر اسی اسوۂ نبوی ﷺ کو زندہ کرتے ہیں اور امت مسلمہ کو حق و صداقت، عزم و استقلال، اور ایثار و قربانی کا سبق دیتے ہیں، اور انصافی، حدود اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ کو پامال کرنے والی، خلق خدا کو اپنی ظالمانہ حکومت کا نشانہ بنانے والی اور محرمات الہی کو رسوا کرنے والی حکومت کے خلاف آواز بلند کرتے ہیں اور بیائت و دہلیز اعلان فرماتے ہیں، کہ

لوگو! رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ جس نے ظالم، محرمات الہی کو حلال کرنے والے، خدا کے عہد کو توڑنے والے، سنت رسول اللہ ﷺ کی مخالفت کرنے والے بندوں پر گناہ اور زیادتی کے ساتھ حکومت کرنے والے بادشاہ کو دیکھا اور قولا و عملاً اس کو بد کرنے کی کوشش کی تو خدا کو حق ہے کہ اس شخص کو اس ظالم بادشاہ کی جگہ دوزخ میں داخل کرے۔ آگاہ ہو جاؤ، ان لوگوں نے شیطان کی حکومت قبول کی ہے اور رحمن کی اطاعت چھوڑ دی ہے۔ ملک میں فساد پھیلایا ہے، حدود اللہ کو بے کار کر دیا ہے، مال غنیمت میں اپنا حصہ زیادہ لیتے ہیں، خدا کی حرام کی ہوئی چیزوں کو حلال کر دیا ہے اور حلال کی ہوئی چیزوں کو حرام کر دیا ہے۔ اس لئے مجھ اس کے بدلے کا حق ہے۔

آج بھی حق و صداقت کی اس آواز کو خاموش کرنے کے لئے یہ ترغیب دلائی جاتی ہے کہ حسینؑ تم اپنے بنی عم (یزید) کی اطاعت قبول کر لو، جو کچھ تم چاہتے ہو۔ اس کو وہ پورا کریں گے اور ان کی جانب سے تمہارے ساتھ کوئی ناروا سلوک نہ ہوگا۔ لیکن حضرت حسینؑ جواب دیتے ہیں کہ خدا کی

قسم میں ذلیل آدمی کی طرح ان کے ہاتھ میں ہاتھ دے کر میں ہاتھ غلام کی طرح اقرار نہ کروں گا۔ یہ جواب دے کر یہ آیت تلاوت فرماتے ہیں۔

”انی عذت برہی و ربکم ان ترجمون۔“

انی عذت برہی و ربکم من کل متکبر لا یومن بیوم الحساب۔“

”میں نے اپنے اور تمہارے رب سے پناہ مانگی ہے کہ تم مجھے سنگسار کرو۔“

میں اپنے اور تمہارے رب سے ہر مغرور و متکبر سے جو یوم آخر پر ایمان نہیں رکھتا، پناہ مانگتا ہوں۔“

کہ آنحضرت ﷺ کے ارشاد : ”ترکت فیکم الثقلین کتاب اللہ و اہل بیت“

کا یہی مقصد تھا۔

آفتاب امامت کی شہادت :

اوپر معلوم ہو چکا ہے کہ تمام نوجوانان اہل بیت شہید ہو چکے ہیں اور اب اس خانوادہ نبوت میں سوائے عابد بیمار اور امام خستہ تن کے کوئی باقی نہیں ہے۔ لیکن سنگدل شامی اس نوبت کے بعد بھی امام ہمام کو چھوڑنے والے نہ تھے۔ چنانچہ بالآخر وہ قیامت خیز ساعت بھی آگئی کہ فلک امام کا آفتاب میدان جنگ کے افق پر طلوع ہوا، یعنی حضرت حسینؑ شامی فوج کی طرف بڑھے۔

ابن زیاد کے حکم کے مطابق ساتویں محرم سے حسینی لشکر پر پانی بند کر دیا گیا تھا۔ جب تک عباس علمدار زندہ تھے، جان پر کھیل کر پانی لے آتے تھے۔ لیکن ان کے بعد ساقی کوثرؑ کے نواسہ کو کوئی پانی دینے والا بھی نہ تھا۔ اہل بیت کے خیموں میں جو پانی تھا وہ ختم ہو چکا تھا اور امام کے لب خشک تھے، حلق سوکھ رہا تھا۔ اعزہ کے قتل سے دل فگار ہو رہا تھا، جی چھوٹ چکا تھا۔ اس لئے کوفیوں کے لئے آپ کا کام تمام کر دینا آسان تھا۔ لیکن وہ لاکھ سنگدل اور جفاکش سہی، پھر بھی مسلمان تھے۔ اس لئے جگر گوشہ رسول کے خون کا بار عظیم اپنے سر نہ لینا چاہتے تھے۔ ہمت کر کے آگے بڑھتے تھے، لیکن جرأت نہ ہوتی تھی، ضمیر ملامت کرتا تھا اور پلٹ جاتے تھے۔

حضرت حسینؑ کی پیاس لمحہ بہ لمحہ بڑھتی جاتی تھی۔ آخر میں آپ نے رہوار کوفرات کی طرف موڑا کہ ذرا حلق نم کر کے کانٹے دور کریں، لیکن کوفیوں نے نہ جانے دیا۔ یہ وہی تشنہ لب ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ چند آدمیوں کے ساتھ کہیں تشریف لئے جا رہے تھے کہ حسنینؑ کے رونے کی آواز کانوں میں آئی، جلدی سے گھر گئے اور پوچھا میرے بیٹے کیوں رو رہے ہیں، فاطمہؑ نے کہا پیاسے ہیں۔

اتفاق سے اس وقت گھر میں پانی نہ تھا۔ لوگوں سے پوچھا لیکن کسی کے پاس نہ نکلا تو آپ نے یکے بعد دیگرے دونوں کو اپنی زبان مبارک چساکر ان کی تشنگی فرو کر دی۔

یہ اسی رحمت عالم ﷺ کا تشنہ لب نواسہ ہے کہ جب مکہ میں خشک سالی ہوتی تھی، فصلیں تباہ ہونے لگتی تھیں، سبزہ سوکھ جاتا تھا اور خلق اللہ بھوکوں مرنے لگتی تھی تو رسول اللہ ﷺ اور اسلام کے سب سے بڑے دشمن ابوسفیان آتے تھے اور کہتے تھے، محمد ! تم صلہ رحمی کی تعلیم دیتے ہو، تمہاری قوم خشک سالی سے ہلاک ہوئی جا رہی ہے۔ خدا سے پانی کی دعا کرو۔ آنحضرت ﷺ نے اپنے اس سب سے بڑے دشمن کی درخواست پر پانی کے لئے دعا فرماتے تھے۔ دُعَا ابراہیم تھا تھا اور سات دن تک مسلسل اس شدت کی بارش ہوتی تھی کہ جل تھل ہو جاتا تھا۔

ٹھیک باون (۵۲) برس کے بعد اسی رحمت عالم ﷺ اور دوست و دشمن کے سیراب کرنے والے کانواسہ ایک قطرہ پانی کے لئے ترستا ہے اور انہیں ابوسفیان کی ذریات کے حکم سے پانی کی ایک بوند اس کی خشک حلق تک نہیں پہنچے پاتی ہے۔

آہ ! صاحب انا اعطینک الکوثر کانواسہ اور یوں تشنہ کام ہے ، ع
”تغور تو اے چرخ گرداں تغور“

آخر جب پیاس کی شدت ناقابل برداشت ہو گئی، تو پھر ایک مرتبہ نزعۃ اعدا سے فرات کی طرف بڑھے اور ساحل تک پہنچ گئے۔ پانی لے کر پینا چاہتے تھے کہ حصین بن نمیر نے ایسا تیر مارا کہ دہن مبارک سے خون کا فوارہ پھوٹ نکلا، آپ نے چلو میں پانی لے کر آسمان کی طرف اچھالا کہ اے بے نیازیہ لالہ گوں منظر تو بھی دیکھ لے، کہ

بجزم عشق تو ام میکشد غوغا نیست تو نیز بر سرم آ کہ خوش تماشا نیست

چلو سے خون کی نذر پیش کر کے فرمایا کہ ”خدا جو کچھ تیرے نبی کے نواسہ کے ساتھ کیا جا رہا ہے اس کا شکوہ بھی تجھ ہی سے کرتا ہوں کہ مبادا ع

”خون من ریزی و گویند سزاوار نبود“

جس قدر امام ٹڈ حال ہوتے جاتے تھے، شامیوں کی جسارت زیادہ بڑھتی جاتی تھی۔ چنانچہ جب انہوں نے دیکھا امام میں تابِ مقاومت باقی نہیں ہے تو اہل بیت کے خیموں کی طرف بڑھے اور حضرت حسینؑ کو ادھر جانے سے روک دیا۔ آپ نے فرمایا کہ ”تمہارا کوئی دین ایمان ہے؟

تمہارے دلوں سے قیامت کا خوف بالکل ہی جاتا رہا؟ ان سرکشوں اور جاہلوں کو میرے اہل بیت کی طرف جانے سے روکو۔ لیکن امام مظلوم کی فریاد کوئی نہ سنتا تھا، بلکہ آپ کی فریاد سے ان کی شقاوت اور بڑھتی جاتی تھی۔ اور شر لوگوں برابر ابھار رہا تھا۔ اس کے ابھارنے پر یہ شوریدہ بخت ہر طرف سے ٹوٹنے لگے۔ لیکن شمشیر حسینی ان بادلوں کو ہوا کی طرح اڑا دیتی تھی۔ مگر ایک خستہ دل خستہ جگر اور زخموں سے چور ہستی میں سکت ہی کیا باقی تھی۔ یہ بھی حسینؑ ہی کا دل تھا کہ اب تک دشمنوں کے بے پناہ ریلے کو روکے ہوئے تھے۔ لیکن تاکے، بالآخر وہ وقت آ گیا کہ ماہ خلافت کو شامیوں نے نزعہ کے تاریک بادلوں میں گھیر لیا۔

امام کو محصور دیکھ کر اہل بیت کے خیمہ سے ایک بچہ دوڑتا ہوا نکل آیا اور بحیر بن کعب سے جو حسینؑ کی طرف بڑھ رہا تھا، معصومانہ انداز سے کہا، خبیث عورت کے بچے میرے چچا کو قتل کرے گا۔ ہاشمی بچہ کی اس ڈانٹ پر اس بزدل نے بچہ پر تلواریں کا وار کیا۔ بچہ نے ہاتھ پر روکا، نازک نازک ہاتھ دیو بیکل کا وار کس طرح روکتے، ہاتھ جھول گیا۔ حضرت حسینؑ نے بچہ کو نیم نکل دیکھ کر سینہ سے چمٹا لیا اور کہا بیٹا صبر کرو۔ غنقریب خدا تم کو تمہارے اجداد سے ملا دے گا۔ رسول اللہ ﷺ علیؑ، حمزہؑ، جعفرؑ اور حسن کے پاس پہنچ جاؤ گے۔ بچے کو تسلی دے کر ابن اسد اللہ الغالبؑ پھر حملہ آور ہوئے اور جدھر زرخ کر دیا دشمنوں کی صفیں درہم برہم کر دیں۔

میدان کربلا میں قیامت پھاٹھی۔ ہر طرف تلواروں کی چمک سے بجلی تڑپ رہی تھی کہ دفعتاً مالک بن شبر کندی نے دوش نبوی ﷺ کے شہ سوار پر ایسا وار کیا کہ تلوار کلاہ مبارک کو کاٹتی ہوئی کاسہ سر تک پہنچ گئی، خون کا فوارہ پھوٹ نکلا اور سارا بدن خون کے چھینٹوں سے لالہ احمر ہو گیا۔ پیرا، بن مبارک کی رنگینی پکاراٹھی،

حلہ سوختہ اندال بہشت از غیرت تا شہیدان تو گلگوں کفنہ ساختہ اند

لیکن اس وقت بھی امام ہمام کے صبر و سکون میں فرق نہ آیا۔ دوسری ٹوپی منگا کر زخمی فرق مبارک پر رکھی اور اس پر سے عمامہ باندھا اور شیر خوار بچہ کو گود میں لیا کہ اس کے بعد پدیری شفقت کا سایہ سر سے اٹھنے والا تھا۔ کسی سنگدل نے ایسا تیر مارا کہ بچہ گود میں تڑپ کر رہ گیا۔

۱۔ ابن اثیر۔ جلد ۴۔ ص ۶۶ ۲۔ طبری۔ جلد ۷۔ ص ۴۶۳ ۳۔ اخبار الطویل۔ ص ۲۶۹ یہ اخبار الطویل کا بیان ہے کہ میدان کربلا میں ایک بچہ پیدا ہوا تھا۔ لڑان کے لئے امام کے پاس لایا گیا، کسی نے امام پر تیر چلایا، اتفاق سے وہ آپ کے بجائے بچہ کے حلق میں آکر لگا اور اس معصوم نے دنیا میں آنکھ کھولتے ہی بند کر لیں۔

جان نثار بہن یہ قیامت خیز منظر دیکھ کر خیمہ سے نکل آئیں اور چلاتی ہوئی دوڑیں کہ کاش آسمان زمین پر ٹوٹ پڑتا۔ ابن سعد حضرت حسینؑ کے پاس کھڑا تھا، اس سے کہنے لگیں، ” عمر! کیا قیامت ہے۔ ابو عبد اللہ قتل کئے جا رہے ہیں اور تم دیکھ رہے ہو۔“

گو ابن سعد کی آنکھوں میں جاہ و شہمت کی طمع نے پردے ڈال دیئے تھے۔ پھر بھی عزیز تھا، خون میں محبت تھی۔ زینبؑ کی فریاد سن کر بے اختیار رو دیا اور اتنا رویا کی رخسار اور ڈاڑھی پر آنسوؤں کی لڑی رواں ہو گئی اور فرط خجالت سے زینبؑ کی طرف سے منہ پھیر لیا۔

امام ہمام لڑتے جاتے تھے اور فرماتے جاتے تھے، ” آج تم لوگ میرے قتل کے لئے جمع ہوئے ہو۔ خدا کی قسم میرے بعد کسی ایسے شخص کو قتل نہ کرو گے، جس کا قتل میرے قتل سے زیادہ خدا کی ناراضی کا موجب ہوگا۔ خدام کو ذلیل کر کے مجھے عزت بخشے گا اور تم سے اس طرح بدلہ لے گا کہ تمہیں خبر تک نہ ہوگی۔ خدا کی قسم اگر تم نے مجھے قتل کر دیا تو خدا کی قسم تم پر خدا سخت عذاب نازل فرمائے گا اور تم میں باہم خون ریزی کرائے گا اور جب تک تم پر دو ناعذاب نہ کر لے گا، اس وقت تک راضی نہ ہوگا۔“

حضرت حسینؑ کی حالت لمحہ بہ لمحہ غیر ہوتی جاتی تھی، زخموں سے سارا بدن چور ہو چکا تھا، لیکن کسی کو شہید کرنے کی ہمت نہ پڑتی تھی اور سب اس جبل معصیت کو ایک دوسرے پر ٹال رہے تھے۔ شمر یہ تذبذب دیکھ کر پکارا، تمہارا بڑا ہوتا تمہاری مائیں لڑکوں کو روئیں۔ دیکھتے کیا ہو؟ بڑھ کر حسینؑ کو قتل کر دو، اس للکار پر شامی چاروں طرف سے امام ہمام پر ٹوٹ پڑے۔ ایک شخص نے تیر مارا، تیر گردن میں آکر بیٹھ گیا۔ امام نے اس کو ہاتھوں سے نکال کے الگ کیا۔

ابھی آپ نے تیر نکالا ہی تھا کہ زرعہ بن شریک تمیمی نے بائیں ہاتھ پر تلوار ماری، پھر گردن پروار کیا، ان پیہم زخموں نے امام کو بالکل نڈھال کر دیا۔ اعضاء جواب دے گئے اور کھڑے ہونے کی طاقت باقی نہ رہی۔ آپ اٹھتے تھے اور سکت نہ پا کر گر پڑتے تھے۔ عین اسی حالت میں سنان بن انس نے کھینچ کر ایسا کاری نیزہ مارا کہ فلک امامت زمین بوس ہو گیا۔

سنگدل اور شقی ازلی خولی بن یزید سر کاٹنے کے لئے بڑھا، لیکن ہاتھ کانپ گئے تھرا کے پیچھے ہٹ گیا اور سنان بن انس نے اس سر کو جو بوسہ گاہ سرور کائنات ﷺ تھا، جسم اطہر سے جدا کر لیا۔ اور ۱۔ محرم الحرام ۶۱ھ مطابق ستمبر ۶۸۱ء میں خانوادہ نبوی ﷺ کا آفتاب ہدایت ہمیشہ کے لئے روپوش ہو گیا۔

اس شقاوت اور سنگدلی پر زمین کانپ اٹھی۔ عرش الہی تھرا گیا، ہوا خاموش ہو گئی، پانی کی روانی رُک گئی، آسمان خون رویا، زمین سے خون کے چشمے پھوٹے، شجر و حجر سے نلہ و شیون کی صدائیں بلند ہوئیں، جن و انس نے سینہ کوبی کی، ملائکہ آسمانی میں صفِ ماتم پہنچی کہ آج ریاضِ نبوی ﷺ کا گل سرسبز مرجھا گیا۔ علیؑ کا چمن اُجڑ گیا اور فاطمہؑ کا گھر بے چراغ ہو گیا۔

چوں خون ز حلق تشنہ او بر زمین رسید	جوش از زمین بذر و ہو عرش بریں رسید
تخل بلند او چو خساں بر زمین زدند	طافان بآسمان ز غبار ز، ین رسید
باد آن غبار چوں بزار نبی رساند	گرد از مدینہ بر فلک ہفتمین رسید
کرد این خیال دہم غلط کار کان غبار	نادامن جلال جہاں آفرین رسید

ہست از ملال گر چہ ری ذات ذوالجلال
اور در دست و ہنچ دلے نیست بے ملالی

ستم بالائے ستم :

امام ہمام کو شہید کرنے کے بعد بھی سنگدل اور خونی شامیوں کا جذبہ عناد فرو نہ ہوا، اور شہادت کے بعد وحشی شامیوں نے اس حیدِ اطہر کو جسے رسول اللہ ﷺ نے اپنے حیدِ مبارک کا ٹکڑا فرمایا تھا، گھوڑوں کی ٹاپوں سے پامال کیا۔ اس بہیمانہ شقاوت کے بعد لئیرے پردہ نشیناں عفاف کے خیموں کی طرف بڑھے اور اہل بیت کا سامان لوٹ لیا، ابھی خانوادہ نبوی ﷺ میں ایک ٹٹمٹاتا ہوا چراغ (عابد بیمار) باقی تھا، جس وقت شمران کے خیمے کی طرف آیا، اس وقت زین العابدینؑ بیمار تھے۔ سپاہی بولے اس کو کیوں چھوڑتے ہو؟ ایک شخص حمید بن مسلم کے دل میں خدا نے رحم ڈال دیا، اس نے کہا، سبحان اللہ! ابھی وہ کم سن ہیں، کمسنوں کو بھی قتل کرو گے۔

ابھی یہ سپاہیوں کو سمجھا رہا تھا کہ عمر بن سعد آ گیا۔ اس نے کہا خبردار کوئی شخص خیموں میں نہ جائے اور نہ اس بیمار کو ہاتھ لگائے۔ جس نے جو کچھ لوٹا ہو، سب واپس کر دے۔ عمر بن سعد کے اس کہنے پر سپاہیوں نے ہاتھ روک لیا۔ حضرت عابدؑ پر اس برتاؤ کا بڑا اثر ہوا۔ آپ نے اس کا شکریہ ادا کیا۔ لیکن لوٹا ہوا مال کسی نے واپس نہ کیا۔

۱۔ یہ صحیح نہیں کہ زین العابدینؑ کمسن بچہ تھے۔ بروایت صحیح اس وقت ان کی عمر ۲۳ یا ۲۴ سال تھی لیکن اس وقت بیمار تھے اس لئے جنگ میں شریک نہ ہوئے تھے۔ ابن سعد - جلد ۶ - ص ۱۶۳ ۲۔ ابن اثیر - جلد ۴ - ص ۶۹ - ۷۰

شہدائے بنو ہاشم کی تعداد اور ان کی تجہیز و تکفین :

حضرت حسینؑ کے ساتھ بہتر (۷۲) آدمی شہید ہوئے۔ ان میں بیس (۲۰) آدمی خاندان بنی ہاشم کے چشم چراغ تھے۔

- ۱۔ حسین بن علیؑ ۲۔ عباس بن علیؑ ۳۔ جعفر بن علیؑ ۴۔ عبداللہ بن علیؑ ۵۔ عثمان بن علیؑ
- ۶۔ محمد بن علیؑ ۷۔ ابوبکر ابن علیؑ ۸۔ علی بن حسین بن علیؑ (علی اکبر) ۹۔ عبداللہ بن حسینؑ
- ۱۰۔ ابوبکر بن حسنؑ ۱۱۔ عبداللہ بن حسنؑ ۱۲۔ قاسم بن حسنؑ ۱۳۔ عون بن عبداللہ بن جعفر طیار
- ۱۴۔ محمد عبداللہ بن جعفرؑ ۱۵۔ جعفر بن عقیل بن ابی طالبؑ ۱۶۔ عبدالرحمن بن عقیلؑ ۱۷۔ عبداللہ بن عقیلؑ
- ۱۸۔ مسلم بن عقیلؑ ۱۹۔ عبداللہ بن مسلم بن عقیلؑ ۲۰۔ محمد بن ابوسعید بن عقیلؑ۔

امام کی شہادت کے بعد اہل بیت نبوی ﷺ میں زین العابدینؑ، حسن بن حسنؑ، عمرو بن حسنؑ اور کچھ شیر خوار بچے باقی رہ گئے تھے۔ زین العابدینؑ بیماری کی وجہ سے چھوڑ دیئے گئے اور بچے شیر خواری کی وجہ سے بچ گئے۔

تجہیز و تکفین :

شہادت کے دوسرے یا تیسرے دن غاصریہ کے باشندوں نے شہداء کی لاشیں دفن کیں۔ حضرت حسینؑ کا لاش بے سر کے دفن کیا گیا۔ سر مبارک ابن زیاد کے ملاحظہ کے لئے کوفہ بھیج دیا گیا۔

ابن زیاد کے سامنے جب سر مبارک پیش ہوا تو چھڑی سے لب اور دندان مبارک کو چھیڑنے لگا۔ حضرت زین العابدینؑ بھی موجود تھے۔ ان سے یہ نظارہ نہ دیکھا گیا۔ فرمایا، ”چھڑی ہٹالو، خدائے واحد کی قسم ! میں نے رسول اللہ ﷺ کے لب مبارک کو ان لبوں کا بوسہ لیتے ہوئے دیکھا ہے۔“ یہ کہہ کر رو دیئے۔ ابن زیاد بولا، خدا تیری آنکھوں کو ہمیشہ رُلائے، اگر تو بڑھا پھوس نہ ہوتا اور تیرے حواس جاتے نہ رہے ہوتے، تو تیری گردن اڑا دیتا۔

ابن زیاد کے یہ گستاخانہ کلمات سن کر آپؑ نے فرمایا کہ ”قوم عرب آج تم نے غلامی کا طوق اپنی گردنوں میں ڈال لیا۔ تم نے ابن مرجانہ کے کہنے سے حسینؑ بن فاطمہؑ کو قتل کر دیا۔ ابن مرجانہ نے تمہارے بھلے آدمیوں کو قتل کیا اور بڑوں کو غلام بنایا اور تم نے یہ ذلت گوارا کر لی۔ اس لئے ذلیلوں سے دُور رہنا بہتر ہے۔“ یہ کہہ کر اس کے پاس سے چلے گئے۔

اہل بیت کا سفر کوفہ :

حضرت حسینؑ کی شہادت کے بعد شامی بقیۃ السیف اہل بیت کو کربلا سے کوفہ لے چلے۔ اس وقت تک شہداء کی لاشیں اسی طرح بے گور و کفن پڑی ہوئی تھیں۔ اہل بیت کا یہ ستم رسیدہ اور لٹا ہوا قافلہ اسی راستہ سے گزرا۔ بے گور و کفن لاشوں پر عورتوں کی نظر پڑی تو قافلہ میں ماتم بپا ہو گیا۔ حضرت حسینؑ کی بہن اور صاحبزادیوں نے سر پیٹ لئے۔ زینبؓ رو رو کر کہتی تھیں : کہ

اے محمدؐ گو قیامت سر بروں آری ز خاک

سر بروں آرد قیامت در میاں خلق بین

”اے دادا جان محمدؐ جس پر ملائکہ آسمانی درود و سلام بھیجتے ہیں، آئیے دیکھیے! حسینؑ“

کالاش چھیل میدان میں اعضاء بریدہ، خاک و خون میں آلودہ پڑا ہے، آپ کی لڑکیاں قید ہیں، آپ کی ذریت مقتول پچھی پچھی ہوئی ہے، ہوا ان پر خاک اڑا رہی ہے۔ ”یہ دلدوز بین سن کر دوست و دشمن سب رو دیئے۔“

اسی طرح سے یہ قافلہ کوفہ لے جا کر ابن زیاد کے سامنے پیش کیا گیا۔ اس قوت زینبؓ ننگے پاؤں نہایت خراب لباس اور خستہ حالت میں تھیں، لونڈیاں ساتھ تھیں۔ ابن زیاد نے اس زبوں حالت میں دیکھ کر پوچھا، یہ کون ہیں؟ زینبؓ نے کوئی جواب نہ دیا۔ اس کے مکرر سوال پر ایک لونڈی نے کہا کہ زینب بنت فاطمہؓ ہیں۔ یہ سن کر اس سنگدل نے کہا، خدا کا شکر ہے، جس نے تم کو رسوا کیا۔ تمہیں قتل کیا اور تمہاری جدتوں کو جھٹلایا۔ زینبؓ نے جواب دیا، ”تیرا خیال غلط ہے، خدا کا شکر ہے کہ جس نے ہم کو محمد رسول اللہ ﷺ سے نوازا، اور ہم کو پاک کیا۔ ہم نہیں بلکہ فاسق (ابن زیاد) رسوا ہوتے ہیں اور جھٹلائے جاتے ہیں۔“ ابن زیاد بولا، تم نے دیکھا، خدا نے تمہارے اہل بیت کے ساتھ کیسا سلوک کیا؟ زینبؓ نے جواب دیا، ”ان کی قسمت میں شہادت مقدر ہو چکی تھی، اس لئے وہ مقتل میں آئے اور عنقریب وہ اور تم خدا کے روبرو جمع ہو گے، اس وقت وہ اس کے سامنے اس کا انصاف طلب کریں گے۔“ یہ دندان شکن جواب سن کر ابن زیاد غصہ سے بیتاب ہو کر بولا، خدا نے تمہارے اہل بیت کے سرکش اور نافرمان آدمی سے میرا غصہ ٹھنڈا کر دیا۔

شہید بھائی پر یہ چوٹ سن کر زینبؓ ضبط نہ کر سکیں اور رو کر کہنے لگیں، ”میری عمر کی قسم تم نے ہمارے ادھیڑوں کو قتل کیا، ہمارے گھر والوں کو نکالا، ہماری شاخوں کو کاٹا اور ہماری جڑ کو اکھاڑا۔ اگر اسی سے تمہاری تسکین ہوتی تو ہو گئی۔“

ابن زیاد زینبؓ کے یہ بیباکانہ جوابات سن کر بولا، ”یہ جرأت اور شجاعت! میری عمر کی قسم تمہارے باپ بھی شجاع تھے۔“ زینبؓ بولیں، ”عورتوں کو شجاعت سے کیا تعلق۔“

اس کے بعد زین العابدینؓ پر اس کی نظر پڑی، پوچھا، تمہارا نام کیا ہے؟ جواب دیا، علی بن حسینؓ۔ نام سن کر کہنے لگا، کیا خدا نے علی بن حسینؓ کو قتل نہیں کیا؟ زین العابدینؓ خاموش رہے۔ ابن زیاد نے کہا بولتے کیوں نہیں؟ فرمایا میرے دوسرے بھائی کا نام بھی علی تھا، وہ قتل ہوئے۔ ابن زیاد نے کہا، ان کو خدا نے قتل نہیں کیا۔ زین العابدینؓ پھر چپ ہو گئے۔ ابن زیاد نے پھر پوچھا، چپ کیوں ہو؟ انہوں نے جواب میں یہ آیت تلاوت کی :

”اللہ يتوفى الا نفس حين موتها وما كان لنفس ان تموت الا باذن اللہ“
 ”اللہ ہی نفسوں کو موت دیتا ہے، جب ان کی موت کا وقت آتا ہے۔ کسی نفس میں یہ مجال نہیں کہ بغیر اذن خداوندی کے مر جائے۔“

ان کا جواب سن کر کہا، تم بھی ان ہی میں ہو اور ان کے بلوغ کی تصدیق کرا کے قتل کا حکم دیا۔ یہ حکم سن کر زین العابدینؓ نے کہا، ”ان عورتوں کو کس کے سپرد کرو گے۔“ جان نثار پھوپھی زینبؓ یہ سفاکانہ حکم سن کر ٹپ گئیں اور ابن زیاد کے کہا، ”ابھی تک تم ہمارے خون سے سیر نہیں ہوئے، کیا ہمارا کوئی بھی آسرا باقی نہ رکھو گے۔ یہ کہہ کر زین العابدینؓ سے چمٹ گئیں اور ابن زیاد سے مصر ہوئیں کہ تم کو خدا کی قسم اگر ان کو قتل کرنا چاہتے ہو تو ان کے ساتھ مجھ کو بھی قتل کر دو۔“

لیکن زین العابدینؓ پر مطلق کوئی ہراس طاری نہ ہوا۔ انہوں نے نہایت سکون اور اطمینان سے کہا، ”اگر مجھے قتل ہی کرنا چاہتے ہو تو عزیز داری کا پاس کر کے اتنا کرو کہ کسی متقی آدمی کو عورتوں سے ساتھ کر دو، جو ان کو اچھی طرح پہنچادے۔“ زین العابدینؓ کی یہ درخواست سن کر ابن زیاد ان کا منہ تکتے لگا اور اس شتی کے دل میں بھی رحم آ گیا۔ حکم دیا کہ اس لڑکے کو عورتوں کے ساتھ رہنے کے لئے چھوڑ دو۔

سفرِ شام : ابن زیاد نے اہل بیت کے حالات اور شہداء کے سروں کا معائنہ کرنے کے بعد انہیں شام روانہ کر دیا اور خدا خدا کر کے اہل بیت کرام کی زبرداری کی مصیبت ختم ہوئی۔ اہل بیت کے ساتھ جو کچھ ہانت آمیز برتاؤ ہوا وہ ابن زیاد کی ذاتی خباثت نفس کا نتیجہ تھا۔ یزید کا دامن ایک حد تک اس سے بری ہے۔ اس میں شک نہیں کہ شہادت کا واقعہ ہانکے اور اس کے بعد اہل بیت کے ساتھ جو زیادتیاں ہوئیں

وہ یزید ہی کی خیر خواہی اور اسی کے عہد میں ہوئیں اور اس نے اس کا شرعی قصاص بھی نہیں لیا۔ اس حیثیت سے یقیناً وہ مجرم ہے اور بہت بڑا مجرم ہے۔ لیکن درحقیقت ان تمام واقعات کو اس کے حکم سے کوئی تعلق نہیں۔ یہ سب واقعات بغیر اس کے حکم کے اور اس کی لاعلمی میں ہوئے۔ اس لئے ان کی ذمہ داری زیادہ تر ابن زیاد کے سر ہے۔ یزید کو تا عمر اس کا قلق رہا، جیسا کہ آئندہ واقعات سے معلوم ہوگا۔

حضرت حسینؑ کی خبر شہادت پر یزید کا تاثر اور اس کی برہمی :

چنانچہ سب سے اول جب زحر بن قیس نے یزید کے دربار میں حضرت حسینؑ اور آپ کے ساتھیوں کی شہادت کی خبر پہنچائی اور غایت خیر خواہی میں اس کو پوری تفصیل سے مزے لے کر بیان کرنے لگا تو یزید انہیں سن کر آبدیدہ گیا اور بولا۔ ”اگر تم حسینؑ کو قتل نہ کرتے تو میں تم سے زیادہ خوش ہوتا۔ ابن سمیہ (ابن زیاد) پر خدا کی لعنت ہو۔ اگر میں ہوتا تو خدا کی قسم حسینؑ کو معاف کر دیتا، خدا حسینؑ پر اپنی رحمت نازل کرے۔“ زحر نے انعام و اکرام کی طمع میں بڑی لفاظی اور حاشیہ آرائی کے ساتھ شہادت کا واقعہ بیان کیا تھا۔ لیکن یزید نے اسے کچھ بھی نہ دیا۔

علامہ ابو حنیفہ احمد بن داؤد دہوری جن کو اہل بیت نبویؐ کے ساتھ خاص عقیدت ہے۔ اوپر کا واقعہ اپنی تاریخ اخبار الطوال میں اس طرح لکھتے ہیں۔ کہ

جب یزید نے حسینؑ کی شہادت کے واقعات سنے تو آبدیدہ ہو گیا اور کہا تم لوگوں کا نمرا ہو۔ اگر تم لوگ حسینؑ کو چھوڑ دیتے تو میں زیادہ خوش ہوتا۔ ابن مرجانہ پر خدا کی لعنت ہو۔ خدا کی قسم ! اگر میں حسینؑ کے پاس موجود ہوتا تو ان کو معاف کر دیتا، خدا ابو عبد اللہ پر رحمت نازل فرمائے۔

شامین اہل بیت کو تنبیہ اور حضرت حسینؑ کے سر سے خطاب :

جب محضر بن ثعلبہ اہل بیت کا ستم رسیدہ قافلہ لے کر یزید کے پھانک پر پہنچا تو چلایا کہ محضر بن ثعلبہ امیر المؤمنین کی خدمت میں لئیموں اور فاجروں کا سر لایا ہے۔ یزید نے یہ صدا سن کر کہا کہ ام محضر نے جو بچہ جنا ہے وہ سب سے زیادہ شری اور لئیم ہے۔ اس کے بعد جب حضرت حسینؑ اور دوسرے مقتولوں کے سر اس کے سامنے پیش کئے گئے تو اس نے حضرت حسینؑ کے سر پر ایک نگاہ ڈالی اور ایک شعر پڑھ کر کہا، خدا کی قسم ! اگر تمہارے ساتھ ہوتا تو تم کو قتل نہ کرتا۔ اس کے بعد یحییٰ بن حکم نے ایک قطعہ پڑھا، جس میں ابن سمیہ کی تعریف اور اہل بیت پر کچھ طعن تھا۔ یزید نے سن کر اس کے سینے پر ہاتھ مارا، اور ڈانٹ کر خاموش کیا۔

شہداء کے سروں کے ملاحظہ کے بعد اہل بیت کے قافلہ کو طلب کیا اور امراءِ شام کے روبرو زین العابدین سے کہا، علی! تمہارے باپ نے میرے ساتھ قطع رحم کیا۔ میرے حق سے غفلت کی اور حکومت میں جھگڑا کیا۔ یہ اسی کا نتیجہ ہے جسے تم دیکھ رہے ہو۔ زین العابدین نے اس پر یہ آیت تلاوت کی :

”ما اصاب من مصیبة فی الارض ولا فی نفسکم الا فی کتاب من قبل ان نبرأھا“۔ (سورہ حدید)

”جتنی مصیبتیں روئے زمین پر اور خود تم پر نازل ہوتی ہیں، وہ سب ہم نے ان کے پیدا کرنے سے پہلے کتاب میں لکھ رکھی ہیں۔“

یہ جواب سن کر یزید نے اپنے لڑکے خالد سے کہا کہ تم اس کا جواب دو۔ لیکن اس کی سمجھ میں نہ آیا، تو یزید نے خود بتایا، کہ کہو

”ما اصابکم من مصیبة فبما کسبت ایلیکم ویعفو عن کثیر“۔

”تم کو جو مصیبت پہنچتی ہے، وہ تمہارے پہ اعمال کا نتیجہ ہے، اور بہت سی خطاؤں کو معاف کر دیتا ہے۔“

اہل بیت نبوی ﷺ کا معائنہ اور ان سے ہمدردانہ برتاؤ :

اس سوال و جواب کے بعد عورتوں اور بچوں کو بلا کر اپنے سامنے بٹھایا، اس وقت یہ سب نہایت ابتر حالت میں تھے۔ یزید نے انہیں اس حالت میں دیکھ کر کہا، ”خدا ابن مرجانہ کا بُرا کرے، اگر اس کے اور تمہارے درمیان قربت ہوتی تو تمہارے ساتھ یہ سلوک نہ کرتا اور نہ اس طرح سے تم کو بھیجتا۔ فاطمہ بنت علیؓ کا بیان ہے کہ جب ہم لوگ یزید کے سامنے پیش کئے گئے تو ہماری حالت دیکھ کر اس پر رقت طاری ہو گئی اور ہمارے لئے کوئی حکم دیا۔ اور بڑی نرمی اور ملاحظت کا برتاؤ کیا۔“

علامہ ابن اثیر اسی مجلس کا واقعہ لکھتے ہیں : کہ

اہل بیت کے فضائل کا اعتراف :

یزید نے امام حسینؓ کے سر سے مخاطب ہو کر کہا کہ حسینؓ اگر میں تمہارے ساتھ ہوتا تو کبھی تم کو قتل نہ کرتا، پھر حاضرین سے مخاطب ہوا کہ تم لوگ جانتے ہو، ان کا یہ انجام کیوں ہوا؟ اس لئے ہوا کہ یہ کہتے تھے کہ ”ان کے باپ علیؓ میرے باپ سے، ان کی ماں فاطمہؓ میری ماں سے، ان کے دادا

رسول اللہ ﷺ میرے دادا سے بہتر تھے اور وہ مجھ سے زیادہ مستحق تھے۔ ان کے اس قول کا جواب کہ ان کے باپ علیؑ میرے باپ سے بہتر تھے یہ ہے کہ ”ان کے باپ اور میرے باپ نے خدا سے محاکمہ چاہا اور لوگوں کو معلوم ہے کہ خدا نے کس کے حق میں فیصلہ دیا۔“

ان کا یہ کہنا کہ ان کی ماں میری ماں سے بہتر تھیں تو ”میری عمر کی قسم مجھے اعتراف ہے کہ ان کی ماں میری ماں سے بہتر تھیں۔“ اور ان کا یہ کہنا کہ ان کے دادا رسول اللہ ﷺ میرے دادا سے بہتر تھے تو میں اپنی عمر کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ کوئی وہ مسلمان جو خدا اور یوم قیامت پر ایمان رکھتا ہے، وہ ہم میں سے کسی کو رسول اللہ کا مثل نہیں ٹھہرا سکتا۔ مگر افسوس انہوں نے ”قل اللہم مالک الملک“ کا خدائی فرمان نہیں پڑھا تھا۔^۱

یزید کے گھر میں حسینؑ کا ماتم اور زین العابدینؑ کے ساتھ برتاؤ :

اہل بیت سے گفتگو کے بعد ان سب کو خاص حرم سرا میں ٹھہرانے کا حکم دیا۔ یزید خود حضرت حسینؑ کا رشتہ دار تھا، اس کی عورتیں بھی عزیز تھیں۔ اس لئے ستم رسیدہ قافلہ کے زمانہ خانہ میں داخل ہوتے ہی یزید کے گھر میں کھرام مچ گیا اور ساری عورتوں نے نوحہ کیا۔ تین دن تک کال یزید کے گھر میں ماتم پڑا رہا۔ اس دوران یزید برابر زین العابدینؑ کو اپنے ساتھ دسترخوان پر بلا کر کھلاتا تھا۔^۲

نقصان مال کی تلافی اور سیکینہ کی منت پذیری :

یاد ہوگا کہ حضرت حسینؑ کی شہادت کے بعد شامی وحشیوں نے اہل بیت نبویؐ کا کل ساز و سامان لوٹ لیا تھا اور ابن سعد کے حکم کے باوجود کسی نے واپس نہ کیا تھا۔ یزید نے اس کی پوری تلافی کی اور تمام عورتوں سے پوچھ پوچھ کر جن جن کا جس قدر مال و متاع گیا تھا، اس سے دگنا مال دلویا۔ سیکینہ بنت حسینؑ اس کے اس تلافی مافات سے بہت متاثر ہوئیں۔ چنانچہ وہ کہتی تھیں کہ میں نے منکرین خدا میں سے یزید سے بہتر کسی کو نہ پایا۔^۳

اگر میری اولاد بھی کام آجاتی تو حسینؑ کو بچاتا اور ہر قسم کی امداد کا وعدہ :

چند دن قیام کرنے کے بعد جب اہل بیت کو کسی قدر سکون ہوا تو یزید نے انہیں عزت و احترام کے ساتھ مدینہ بھجوانا چاہا اور سب کو بلا کر زین العابدینؑ سے کہا۔ ابن مرجانہ پر خدا کی لعنت ہو۔ اگر میں ہوتا تو حسینؑ جو کچھ کہتے میں مان لیتا اور ان کی جان بچانے کی پوری کوشش کرتا، خواہ اس میں

میری اولاد ہی کیوں نہ کام آجاتی۔ لیکن اب قضائے الہی پوری ہو چکی۔ بہر حال جب بھی تم کو کسی قسم کی ضرورت پیش آئے تو فوراً مجھے لکھنا۔

شام سے اہل بیت کی مدینہ روانگی اور اس کے لئے انتظامات :

ان سب سے مل کر نعمان بن بشیر کو حکم دیا کہ اہل بیت کی ضروریات کا کل سامان مہیا کیا جائے اور چند دیندار اور نیک شامیوں کے ساتھ انہیں رخصت کیا جائے اور حفاظت کے لئے مدینہ تک سواروں کا دستہ ساتھ کیا جائے۔ اس حکم پر جملہ ضروری سامان مہیا کیا گیا اور یزید نے انہیں رخصت کیا۔ جو لوگ حفاظت کے لئے ساتھ کئے گئے تھے، انہوں نے پوری ذمہ داری کے ساتھ اپنے فرائض انجام دیئے، ایک لمحہ کے لئے بھی غافل نہ ہوتے تھے۔ جہاں قافلہ منزل کرتا تھا، یہ لوگ پردہ کے خیال سے الگ ہٹ جاتے تھے۔ اسی حفاظت و مدارات کے ساتھ قافلہ مدینہ پہنچا۔ مخدرات اہل بیت کے شریف اور منت پذیر دل ان محافظوں کے شریفانہ سلوک سے بہت متاثر ہوئے۔

چنانچہ فاطمہؓ اور زینبؓ نے اپنے نگن اور بازو بند اتار کر شکرانہ کے طور پر بھیجے اور زبانی کہلایا کہ اس وقت ہم معذور ہیں، اسی قدر معاوضہ دے سکتے ہیں۔ لیکن نعمان ابن بشیر نے اس کو واپس کر دیا اور کہا اگر ہم نے دنیاوی منفعت کے لئے یہ خدمت کی ہوتی تو یہ چیزیں معاوضہ ہو سکتی تھیں۔ لیکن خدا کی قسم ہم نے جو کچھ کیا، وہ خاصۃً للہ اور رسول اللہ ﷺ کی قربت کے خیال سے کیا ہے۔

بعض غیر مستند روایات پر تنقید :

اوپر کے واقعات سے اہل بیت نبوی ﷺ کے ساتھ یزید کے برتاؤ کا پورے طور پر اندازہ ہو جاتا ہے اور ان بے سرو پا انسانوں کی حقیقت بھی واضح ہو جاتی ہے، جن سے مخدرات عصمت مآب کی سخت توہین ہوتی ہے۔ البتہ دو ایک واقعات ضرور اس قسم کے ملتے ہیں جو نازیبا کہے جاسکتے ہیں اور یقیناً قابل ملامت ہیں۔ لیکن ان واقعات کی صحت ہی محل نظر ہے۔ بہر حال وہ واقعات ہم اس موقع پر بحثہ نقل کرتے ہیں :

ایک واقعہ یہ ہے کہ فاطمہ بنت علیؓ نوخیز اور خوبصورت تھیں۔ خاندان نبوی ﷺ کی مستورات یزید کے سامنے پیش کی گئیں تو فاطمہؓ کو دیکھ کر ایک شامی وحشی نے کہا ”امیر المؤمنین“ یہ لڑکی مجھے دیدہ بجئے۔ اس کی فرمائش پر فاطمہؓ ڈر گئیں اور اپنی بڑی بہن کا کپڑا پکڑ لیا۔ زینبؓ ان سے عمر میں بڑی تھیں، وہ جانتی تھیں کہ یزید شرعاً فاطمہؓ کو کسی کے حوالہ نہیں کر سکتا۔ اس لئے انہوں نے

اس شامی کو ڈانٹا تو جھوٹ بکاتا ہے، اگر تو مر بھی جائے تو یہ لڑکی نہ تجھ کو مل سکتی ہے اور نہ یزید کو۔
چونکہ زینبؓ نے جواب میں یزید کو بھی شامل کر لیا تھا، اس لئے یزید نے کہا تم جھوٹ کہتی ہو
اگر میں چاہوں تو اس لڑکی کو لے سکتا ہوں۔ زینبؓ نے پھر کہا، جب تک تم ہمارا مذہب چھوڑ کر کوئی دوسرا
مذہب اختیار نہ کر لو۔ اس وقت تک تمہارے لئے ہر گز یہ جائز نہیں (یعنی مال غنیمت کے طور پر مسلمان
عورت پر قبضہ نہیں کیا جاسکتا)۔ اس پر یزید اور زیادہ برہم ہو گیا اور کہا یہ خطاب مجھ سے ہے، میں دین
سے نکلوں یا تمہارے باپ اور بھائی دین سے نکلے تھے۔

زینبؓ نے کہا، خدا کے دین، میرے باپ کے دین، میرے نانا کے دین سے تم کو تمہارے
باپ کو اور تمہارے دادا کو ہدایت ملی۔ یزید نے کہا دشمن خدا تو جھوٹ کہتی ہے۔ زینبؓ نے جواب دیا تو تو
جابر امیر ہے۔ اس لئے ظلم سے برا کہتا ہے اور اپنی بادشاہت کے زعم میں استبداد کرتا ہے۔ اس جواب
پر یزید شرما کر خاموش ہو گیا۔

شامی نے پھر کہا، امیر المومنین! یہ لڑکی مجھے عنایت ہو۔ شامی کے دوبارہ کہنے پر یزید نے
اس کو ڈانٹا، کہ خدا تجھ کو موت دے اور کبھی تجھے بیوی بھی نصیب نہ ہو!۔

گویہ طبری کی روایت ہے۔ لیکن اس کا راوی حارث بن کعب شیعہ ہے!۔ اس لئے
ظاہر ہے کہ یزید کی مخالفت میں اس روایت سے کیا پایا ہوگا۔ اس تذلیس کا اندازہ اس طرح بھی
ہوتا ہے کہ یہی واقعہ حافظ ابن حجر نے تہذیب المعجزات میں بھی لکھا ہے۔ مگر اس میں یزید کی اس
تلخ گفتگو کا کوئی ذکر نہیں۔

چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ جب اہل بیت کا قافلہ یزید کے پاس پہنچا تو جو شامی وہاں تھے، یزید
کے پاس فتح مبارکباد دینے کے لئے آئے تھے۔ ان میں سے ایک سرخ رنگ کے آدمی نے اہل بیت
کی ایک لڑکی کی طرف دیکھ کر کہا ”امیر المومنین! یہ لڑکی مجھے دے دیجئے۔ زینبؓ بولیں، خدا کی قسم یہ
لڑکی نہ تجھ کو مل سکتی ہے اور نہ یزید کو، جب تک وہ اللہ کے دین سے نہ نکل جائے۔ شامی نے دوبارہ پھر
سوال کیا، مگر یزید نے روک دیا!۔

اس روایت میں یزید کی سخت کلامی کا مطلق تذکرہ نہیں اور اس واقعہ میں جو بد نمائی تھی وہ بھی
بالکل نہیں پائی جاتی۔ درلیہ بھی یہ روایت خلاف قیاس ہے، کیونکہ جس لڑکی کا یہ واقعہ بیان کیا جاتا ہے،
اس کا نام فاطمہ بنت علیؓ بتایا ہے۔ اور اس کے لئے جاریہ کا استعمال کیا گیا ہے، یعنی اس وقت بہت

کم سن لڑکی تھیں۔ حالانکہ اس وقت فاطمہ بنت علیؑ کی عمر ۲۳، ۲۵ سال سے کم نہ رہی ہوگی۔ کیونکہ حضرت علیؑ ۳۰ھ میں شہید ہوئے اور ۶۱ھ کا یہ واقعہ ہے۔ اس لئے اگر حضرت علیؑ کی وفات کے وقت فاطمہؑ کی عمر دو تین سال بھی مانی جائے تب بھی ۶۱ھ میں وہ ۲۳ سال کی ہوں گی، اور جاریہ سے گزر کر وہ پوری بال بچوں والی عورت ہوں گی۔ کیونکہ جاریہ کم سن اور نو خیز لڑکی کو کہتے ہیں۔ اس لحاظ سے سرے سے اس واقعہ کی صحت ہی مشتبہ ہو جاتی ہے۔

دوسرا مشہور واقعہ یہ ہے کہ جب یزید کے سامنے حضرت حسینؑ کا سر مبارک لایا گیا تو اس نے چھڑی سے دندان مبارک کو ٹھوکا دیا۔ مگر یہ واقعہ سراسر جھوٹ ہے۔ یہ واقعہ ابن زیاد کا ہے، جس کو غلط فہم راویوں نے یزید کی طرف منسوب کر دیا۔

علامہ ابن تیمیہ لکھتے ہیں کہ یہ واقعہ بالکل جھوٹ ہے، کیونکہ جن صحابہ سے یہ واقعہ مروی ہے، وہ شام میں موجود ہی نہ تھے۔^۱

ان دو واقعوں کے علاوہ اور کوئی قابل ذکر واقعہ کسی مستند تاریخ میں مذکور نہیں ہے۔ باقی عام طور جو یہ درد افسانے شہادت ناموں میں ملتے ہیں، وہ محض مجالس عزاء کی گرمی کے لئے گھڑ لئے گئے ہیں۔ کہ ع

” بڑھا بھی دیتے ہیں کچھ زیب داستان کے لئے “

دردنا تاریخی حیثیت سے ان کی کوئی حقیقت نہیں۔ البتہ حضرت علیؑ اور حضرت حسینؑ پر چوٹ اور طعن و طنز کی بہت سی مثالیں ہیں۔ لیکن یہ تمام باتیں یزید کے ساتھ مخصوص نہیں، بلکہ امیر معاویہؓ اور عمر بن عبد العزیزؓ کے سوا شروع سے آخر تک قریب قریب تمام اموی فرمانروا اسی رنگ میں رنگے ہوئے تھے اور یہ ان کی خاندانی چشمک کا نتیجہ تھا۔

واقعہ شہادت پر ایک نظر :

درحقیقت حضرت حسینؑ کا واقعہ شہادت بھی منجملہ ان واقعات کے ہے، جس میں مسلمانوں کے مختلف گروہوں نے بڑی افراط و تفریط سے کام لیا ہے۔ بعض اسے اتنا گھٹاتے ہیں کہ خاکم بدہن حضرت حسینؑ کو حکومت کا باغی قرار دے کر آپ کے قتل کو جائز ٹھہراتے ہیں۔ اور بعض اتنا بڑھاتے ہیں کہ اس کا اندرونی سلسلہ تکمیل نبوت سے ملادیتے ہیں۔

خود اہل سنت کے اکابر علماء نے اس میں بڑی بڑی نکتہ آفرینیاں کی ہیں۔ چنانچہ بعضوں نے واقعہ شہادت اور تکمیل نبوت میں اس طرح ایک مخفی رشتہ قائم کیا ہے کہ خدائے تعالیٰ نے تمام انبیاء کے انفرادی فضائل ذات پاک محمدی ﷺ میں جمع کر دیئے تھے اور آپ کی ذات گرامی حسن یوسف، دم عیسیٰ ید بیضا داری کی حامل اور آنچہ خوبان ہمہ دارند تو تنہا داری کی مصداق تھی۔ خدا کی راہ میں شہادت بھی ایک بہت بڑی فضیلت ہے۔ جس سے اس نے بہت سے محبوب انبیاء کو نوازا۔

لیکن چونکہ ذات محمدی ان سب سے اعلیٰ و ارفع تھی اور اُمت کے ہاتھوں شہادت آپ کے مرتبہ نبوت سے فروتر تھی۔ اس لئے اس منصب کی تکمیل کے لئے آپ کے نواسہ کو جو گویا آپ کے جسد اطہر کا ایک ٹکڑا تھے انتخاب فرمایا۔ اس طرح سے آپ کی جامعیت کبریٰ میں جو خفیف سا نقص باقی رہ گیا تھا اس کی تکمیل ہو گئی۔

خوش اعتقادی کا اقتضایہ ہے کہ ان بندگان کے خیالات کو عقیدت کے دل سے قبول کر لیا جائے۔ لیکن اگر حقیقت کی نظر سے دیکھا جائے تو اس قسم کے خیالات کی حیثیت شاعرانہ نکتہ آفرینی اور خوش خیالی سے زیادہ نہیں ہے۔ کیونکہ نبوت کی تکمیل کے لئے کسی بیرونی جزو کی ضرورت نہیں۔ نبوت خود ایسا جامع اور کامل وصف ہے، جو اپنی تکمیل کے لئے کسی بیرونی سہارے کا محتاج نہیں۔ ہزاروں انبیاء و رسل دنیا میں آئے، لیکن کیا ان میں سے سب خلعت شہادت سے سرفراز ہوئے اور جن کو یہ منصب نہیں ملا، ان کی نبوت ناقص رہ گئی؟ غالباً کوئی صاحب مذہب بھی تسلیم نہ کرے۔

پھر ذات پاک محمدی ﷺ تو خود قصر نبوت کی آخری تکمیلی اینٹ تھی۔ جس کے بعد کسی کمال کی حاجت نہیں۔ اور سورۃ فتح اور سورۃ مائدہ نے اس تکمیل پر تصدیق مہر کر دی تھی اور بالفرض تکمیل نبوت کے لئے کسی درجہ پر شہادت کی ضرورت تسلیم بھی کر لی جائے (اگرچہ اس کی مذہبی سند نہیں ہے) تو غزوہ احد میں سید الشہداء حضرت حمزہؓ کی شہادت پر اس کی تکمیل ہو چکی تھی۔ اور چچا کی شہادت کے بعد نواسہ کی شہادت کا انتظار باقی نہ رہ گیا تھا۔ پھر یہ بھی ملحوظ رکھنا چاہیے کہ شہادت گو مرتبہ نبوت سے فروتر ہے، لیکن رسول اللہ ﷺ نے اپنی زندگی میں تکمیل فرض نبوت کے خاطر کیا کیا مصائب نہیں برداشت کئے، ہر طرح کی سختیاں سہیں، دشمنوں کی گستاخیاں برداشت کیں، گلوئے مبارک میں پھندا ڈالا گیا، راستہ میں کانٹے بچھائے گئے، پشت مبارک پر پنجاستوں کے انبار لادے گئے، سنگباری سے جسم مبارک سے خون کے فوارے چھوٹے، دندان مبارک شہید کیا گیا، گھر سے بے گھر ہوئے، جان تک لینے کی تیاریاں کی گئیں۔ کیا میزان آزمائش میں شہادت کے مقابلہ میں یہ قربانیاں ہلکی رہیں گی۔

ہرگز نہیں۔ ایک مرتبہ جان دے دینا تو پھر بھی آسان ہے، لیکن مسلسل مشق ستم بنانا اس سے بہت دشوار ہے۔ اس کے علاوہ اگر مذہبی حیثیت سے اس قسم کی خیال آرائیوں پر غور کیا جائے تو ان کی کوئی حیثیت باقی نہیں رہتی۔ اس کی تائید میں کوئی ضعیف سے ضعیف روایت بھی تو نہیں مل سکتی اور بغیر حدیث کی شہادت کے اسے کسی طرح قبول نہیں کیا جاسکتا۔ مذہب اسلام میں بہت سی گمراہیاں اسی منصب نبوت کے ساتھ افراط و تفریط کرنے سے ہوئی ہیں۔ اس لئے اس قسم کے تخیلات سے محض شاعرانہ نکتہ کی حیثیت سے لطف لیا جاسکتا ہے، لیکن اسے اعتقاد نہیں بنایا جاسکتا۔

اس کے بعد یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ پھر اس شہادت کی حیثیت کیا تھی؟ کیا حضرت حسینؑ محض خلافت کے لئے کوفہ گئے، مگر اس میں ناکام رہے اور قتل کر دیئے گئے یا اس کے اندر کوئی اور راز مضمر تھا۔ اگر پہلی صورت مان لی جائے تو پھر حسینؑ کی شہادت اور عام حوصلہ مندوں کی قسمت آزمائی میں کوئی فرق نہیں رہ جاتا۔ اس کے جواب کے لئے یزید کی ولی عہدی سے لے کر واقعہ شہادت تک کے حالات پر نظر ڈالنی چاہئے کہ یزید کی ولی عہدی کی مذہبی حیثیت کیا تھی اور کن حالات میں مسلمانوں نے اسے ولی عہد تسلیم کیا تھا؟ اور اس کے معصروں میں اس منصب کے لئے اس سے زیادہ اہل اشخاص موجود تھے یا نہیں؟ اور خلافت کے بعد اس کا طرز حکومت کیسا تھا؟

حضرت امیر معاویہؓ نے جس طرح یزید کو ولی عہد بنایا تھا۔ اس کی تفصیل اوپر ان کے حالات میں گزر چکی ہے۔ گو اس بارے میں روایات مختلف ہیں تاہم اتفاقاً مشترک ہے کہ مدینہ کے ارباب رائے صحابہؓ نے خوشی سے امیر کی یہ بدعت تسلیم نہیں کی اور عبد اللہ بن زبیرؓ، عبد الرحمن بن ابی بکرؓ، حسینؑ اور دوسرے نوجوانوں نے علی الامکان اس کی مخالفت کی تھی۔ ابن زبیرؓ نے صاف صاف کہہ دیا تھا کہ ہم خلافت کے بارے میں رسول اللہ ﷺ اور خلفائے راشدینؓ کے طریقہ کے علاوہ اور کوئی طریقہ قبول نہیں کر سکتے۔ عبد الرحمن بن ابی بکرؓ نے اس سے بھی زیادہ تلخ لیکن صحیح جواب دیا۔

مروان نے جب مدینہ میں یزید کی ولی عہدی کا مسئلہ پیش کیا تو کہا، امیر المؤمنین معاویہؓ چاہتے ہیں کہ ابو بکرؓ و عمرؓ کی سنت کے مطابق اپنے لڑکے یزید کو خلیفہ بنا جائیں۔ عبد الرحمن نے جواب دیا یہ ابو بکرؓ و عمرؓ کی سنت نہیں ہے بلکہ کسریٰ و قیصر کی ہے۔ ابو بکرؓ و عمرؓ نے اپنی اولاد کو اپنا جانشین نہیں کیا، بلکہ اپنے خاندان میں سے بھی کسی کو نہیں بنایا۔ لیکن چونکہ عہد نبوت کے بعد کی وجہ سے بڑی حد تک حریت و آزادی کا خاتمہ ہو چکا تھا۔ اس لئے کچھ لوگوں نے امیر معاویہؓ کے دبدبہ شکوہ سے مرعوب ہو کر، کچھ لوگوں نے مال و زر کے طمع میں اور بعضوں نے محض اختلاف امت کے خطرہ سے

بچنے کے لئے یزید کو ولی عہد مان لیا۔ جو لوگ مخالف تھے، انہوں نے بھی جان کے خوف سے خاموشی اختیار کر لی۔ بہر حال کسی نے خوش دلی کے ساتھ یزید کو ولی عہد تسلیم نہیں کیا۔

حضرت ابن زبیرؓ، حسینؓ، عبدالرحمنؓ ”گو خاموش ہو گئے تھے، لیکن ان میں سے کسی نے بھی ولی عہدی تسلیم نہیں کی تھی۔ امیر معاویہؓ نے ان سے یہاں تک کہا کہ تم لوگ یزید کو محض خلیفہ کا نام دے دو، باقی اعمال کا عزل و نصب، خراج کی تحصیل و وصول اور اس کا مصرف سب تمہارے ہاتھوں میں رہے گا۔ لیکن اس قیمت پر بھی انہوں نے آمادگی ظاہر نہ کی۔ ان کے انکار پر امیر معاویہؓ ”بھی مصلحت وقت کے خیال سے خاموش ہو گئے۔

یہ یزید کی ولی عہدی کی صورت تھی۔ اس کے علاوہ اگر اس حیثیت سے دیکھا جائے کہ اس وقت یزید سے بہتر اشخاص اس منصب کے موجود تھے تو یزید کی ولی عہدی اور زیادہ قابلِ اعتراض ہو جاتی ہے۔ کیونکہ مذکورہ بالا تینوں بزرگ میں سے ہر ایک یزید کے مقابلہ میں زیادہ اہل تھا۔ اکابر صحابہؓ میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور بعض دوسرے بزرگ موجود تھے۔ جن کے ہوتے ہوئے یزید کا نام کسی طرح نہیں لیا جاسکتا تھا۔ لیکن امیر معاویہؓ نے ان تمام شخصیتوں سے قطع نظر کر کے یزید کو ولی عہد بنادیا۔

اس کے بعد جب یزید خلیفہ ہوا تو بھی اس نے اپنے آپ کو اس منصب کا اہل ثابت نہیں کیا۔ بجائے اس کے کہ وہ ان بزرگوں کے مشورے سے نظام حکومت چلاتا یا کم از کم امیر معاویہؓ کی طرح نرم پالیسی رکھتا، اس نے تخت خلافت پر قدم رکھتے ہی استبداد شروع کر دیا اور عمائد مکہ سے بیعت لینے کے احکام جاری کئے۔

ایسی صورت میں حضرت حسینؓ اس نامنصفانہ حکم کو مان لیتے اور یزید کی غیر شرعی بیعت کو قبول کر کے تاریخ میں ظلم و ناانصافی کے سامنے سپردِ آلنے کی مثال قائم کرتے یا اس کے خلاف آواز بلند کر کے استبداد کے خلاف عملی جہاد کا سبق دیتے۔

ان دونوں صورتوں میں آپؐ نے دوسری صورت اختیار کی اور اس حکومت کے خلاف اٹھ کر جو غیر شرعی طریق پر قائم ہوئی تھی اور جس نے بہت سی اسلامی روایات کو پامال کر رکھا تھا۔ مسلمانوں کو ہمیشہ کے لئے حریت و آزادی کا سبق دے دیا۔ جس کا ثبوت خود حضرت حسینؓ اور آپؐ کے دعاۃ کی تقریروں سے ملتا ہے۔ چنانچہ مسلم بن عقیلؓ پر جب ابن زیاد نے یہ فرد جرم قائم کیا کہ

”لوگ متحد الخیال تھے، ایک زبان تھے، تم انہیں پراگندہ کرنے، ان میں پھوٹ ڈلوانے اور آپس میں لڑانے کے لئے آئے۔“ تو مسلم نے اس کا یہ جواب دیا :

”کلا لست ولكن اهل المصر زعموا ان اباک قتل خيارهم
وسفک دماءهم وعمل فيهم اعمال كسرى و قیصر فاتیناهم لنار
بالعدل وندعوا انی حکم الكتاب۔“

”ہرگز نہیں، میں خود سے نہیں آیا۔ بلکہ شہر (کوفہ) والوں کا خیال تھا کہ ان کا خون بہایا اور
ان میں کسریٰ و قیصر کا سا طرز عمل اختیار کیا۔ اس لئے ہم ان کے پاس آئے تاکہ ہم
لوگوں کو انصاف کا حکم اور کتاب اللہ کے حکم کی دعوت دیں۔“

مسلم بن عقیل کے بعد جب حضرت حسینؓ خود تشریف لائے تو مقام بیضہ میں اپنے آنے
کے یہ اسباب بیان کئے :

”قال ابو مخنف عن عقبه بن ابی العیزار ان الحسین خطب اصحابه
واصحاب الحر بالبیضة فحمد الله واثنی علیه ثم قال ایها الناس ان
رسول الله صلی الله علیه وسلم قال من رای سلطانا جائرا مستحلا
لحرم الله ناکثا لعهد الله مخالفا لسنة رسول الله صلی الله علیه وسلم
یعمل فی عباد الله بالاثم والعدوان فلم یرع علیہ بفعل ولا قول کان
حقا علی الله ان یدخله مدخله الا وان هوالاء قد لزمرا طاعة الشیطان
وترکوا طاعة الرحمن واطهروا الفساد وعطلوا الحدود واستاثروا
بالفی واحلوا حرام الله وحرموا حلاله وانا احق من غیر وقد
اتنی کتبکم وقدمت علی رسلکم ببیتکم انکم لا لسلمونی ولا
تخذ لونی فان تمتمت علی بعیتکم تصیبوا رشدکم فانا الحسین بن
علی وابن فاطمة بنت رسول الله صلی الله علیه وسلم نفسی مع
انفسکم واهله مع اهلکم ، فلکم فی اسوة وان لم تفعلوا ونقضتم
عهدکم وخلعتم بیعتی من اعنا فکم فلعمری ما هی لکم بنکیر لقد
فعلتموها بابی واخی وابن عمی مسلم والغرور من اغتربکم
فخظلکم اخطاتم ونصیکم ضیعتم ومن نکث فانما ینکث علی
نفسه وسیغنی الله عنکم۔“ والسلام علیکم ورحمة الله وبرکاته

(طبری۔ جلد ۷۔ ص ۳۰۰)

”ابو جحیف عقبہ بن ابی العزیز اسے روایت کرتے ہیں کہ مقام بیضہ میں حسینؑ نے اپنے اور حر کے ساتھیوں کے سامنے خطبہ دیا اور حمد و ثنا کے بعد کہا، لوگو! رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ جس نے ایسے بادشاہ کو دیکھا، جو ظالم ہے، خدا کی حرام کی ہوئی چیزوں کو حلال کرتا ہے، خدا کے عہد کو توڑتا ہے، سنت رسول اللہ ﷺ کی مخالف کرتا ہے، خدا کے بندوں میں گناہ اور زیادتی کے ساتھ حکومت کرتا ہے اور دیکھنے والے کو اس پر عمل یا قولاً غیرت نہ آئی تو خدا کو یہ حق ہے کہ اس بادشاہ کی جگہ اس دیکھنے والے کو دوزخ میں داخل کر دے۔ میں تم کو آگاہ کرتا ہوں کہ ان لوگوں (بنی امیہ) نے شیطان کی اطاعت قبول کر لی ہے اور رخصن کی اطاعت چھوڑ دی ہے۔ خدا کی زمین پر فتنہ و فساد پھیلا رکھا ہے، حدود اللہ کو بے کار کر دیا ہے، مال غنیمت میں اپنا حصہ زیادہ لیتے ہیں، خدا کی حرام کی ہوئی چیزوں کو حلال اور اس کی حلال کی ہوئی چیزوں کو حرام کر دیا ہے۔ اس لئے مجھے ان باتوں پر غیرت آنے کا زیادہ حق ہے۔ میرے پاس بلاوے کے تمہارے خطوط آئے، بیعت کا پیام لے کے تمہارے قاصد آئے، انہوں نے کہا کہ تم مجھے دشمنوں کے حوالے نہ کرو گے اور بے یار و مددگار نہ چھوڑو گے۔ پس اگر تم اپنی بیعت کے حقوق پورے کرو گے تو ہدایت پاؤ گے۔ میں حسینؑ علیؑ ابن طالب اور فاطمہ بنت رسول اللہ ﷺ کا بیٹا ہوں، میری جان تمہاری جانوں کے ساتھ اور میرے اہل بیت تمہارے گھر والوں کے ساتھ ہیں۔ تمہارے لئے میری ذات نمونہ ہے۔ اب اگر تم اپنے فرائض پورے نہ کرو گے اور اپنا عہد و پیمان توڑ کر اپنی گردنوں سے میری بیعت کا حلقہ اُتار دو گے تو خدا کی قسم تم سے یہ بھی بعید نہیں، تم میرے باپ، بھائی اور میرے ابن عم مسلمؑ کے ساتھ ایسا کر چکے ہو۔ وہ فریب خوردہ ہے، جو تمہارے فریب میں آ گیا، تم نے نقض عہد کر کے اپنا حصہ ضائع کر دیا۔ جو شخص عہد توڑتا ہے، اس کا وبال اسی پر ہوتا ہے اور عنقریب خدا مجھ کو تمہاری امداد سے بے نیاز کر دے گا۔

والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

اس تقریر سے یہ حقیقت واضح ہو گئی کہ یزید کے مقابلہ میں حضرت حسینؑ کا آنا محض حصول خلافت کے لئے نہ تھا، بلکہ اس کا مقصد اسلامی خلافت کا احیا تھا۔ یعنی موروثی حکومت کے اثرات سے اس کے نظام میں جو خرابیاں پیدا ہو گئی تھیں، ان کو دور کر کے پھر خلافت راشدہ کی یاد تازہ کر دی جائے۔ اس کا ثبوت بھی ملتا ہے کہ حضرت حسینؑ نے خود اس کی خواہش نہیں کی، بلکہ جب

اہل عراق نے پیہم خطوط سے آپ کو اس کا یقین دلادیا کہ ان کے لئے یزید کی حکومت ناقابل برداشت ہے اس وقت آپ نے کوفہ کا قصد فرمایا۔

اسی لئے آپ کے تشریف لانے کے بعد جب عراقیوں نے دھوکہ دے دیا تو آپ واپس جانے پر آمادہ ہو گئے اور فرمایا کہ تم نے اپنی شکایات کی بنا پر مجھے بلایا تھا۔ اب جب کہ تم اسے پسند نہیں کرتے تو مجھے بھی اس کی خواہش نہیں ہے۔ میں جہاں سے آیا ہوں واپس چلا جاؤں گا۔

درحقیقت حضرت امام حسینؑ کے دعویٰ خلافت اور شہادت کے بارے میں افراط و تفریط سے پاک صحیح مسلک یہ ہے کہ نہ آپ شیعہ عقیدہ کے مطابق خلیفہ برحق تھے اور نہ خوارج کے عقیدہ کے مطابق نعوذ باللہ باغی، جس کا قتل روا ہو۔ بلکہ آپ کوفیوں کی دعوت پر ایک نیک مقصد تجدید خلافت کے لئے اٹھے اور اس کی راہ میں شہادت سے سرفراز ہوئے۔

فضل و کمال: آنحضرت ﷺ کی زندگی میں حضرت حسینؑ "کمن بچہ تھے۔ اس لئے براہ راست ذات نبوی ﷺ سے استفادہ کا موقع نہ ملا۔ لیکن حضرت علیؑ جیسے مجمع البحرین علم و عمل باپ کی تعلیم و تربیت نے اس کی پوری حلائی کر دی۔ تمام ارباب سیر آپ کے کمالات علمی کے معترف ہیں۔

علامہ ابن عبد البر، امام نووی، علامہ ابن اثیر تمام بڑے بڑے ارباب سیر اس پر متفق ہیں کہ حسینؑ بڑے فاضل تھے۔ لیکن افسوس اس اجمالی سند کے علاوہ واقعات کی صورت میں ان کمالات کو کسی سیرت نگار نے قلم بند نہیں کیا۔

احادیث نبوی (صلی اللہ علیہ وسلم):

حضرت حسینؑ "خانوادہ نبوی ﷺ کے رکن رکین تھے۔ اس لئے آپ کو احادیث کا بہت بڑا حافظ ہونا چاہیے تھا۔ لیکن صغریٰ کے باعث آپ کو اس کے مواقع کم ملے اور جو ملے بھی اس میں آپ کا فہم و حافظہ اس لائق نہ تھا کہ سمجھ کر محفوظ رکھ سکتے۔ اس لئے براہ راست آنحضرت ﷺ سے سنی ہوئی مرویات کی تعداد کل آٹھ ہے۔ جو آپ کی کمسنی کو دیکھتے ہوئے کم نہیں کہی جاسکتی۔ البتہ بالواسطہ روایت کی تعداد کافی ہے۔ آنحضرت ﷺ کے علاوہ جن بزرگوں سے آپ نے حدیثیں روایت کی ہیں ان کے نام حسب ذیل ہیں :

۱۔ دیکھو استیعاب ابن عبد البر، تہذیب الاسماء نووی اور اسد الغابہ وغیرہ۔ تراجم حسینؑ

۲۔ تہذیب الکمال۔ ص ۸۳

حضرت علیؓ، حضرت فاطمہ زہراؓ، ہند بن ابی ہالہؓ، عمر بن الخطابؓ وغیرہ۔ جن روایات نے آپ سے روایتیں کی ہیں، ان کے نام یہ ہیں آپ کے برادر بزرگ حضرت حسنؓ، صاحبزادہ علیؓ اور زیدؓ، صاحبزادی سکینہؓ، فاطمہؓ پوتے ابو جعفر الباقرؓ۔ عام روایات میں شعی، عکرمہ، کرزائمی، سنان بن ابی سنان دولی، عبد اللہ بن عمرو بن عثمان، فرز شاعر وغیرہ۔

فقہ و فتاویٰ : قضاء و نفاذ میں علیؓ کا پایہ تمام صحابہؓ میں بڑا تھا، اس موروثی دولت میں حضرت حسینؓ کو بھی حصہ ملا تھا۔ چنانچہ ان کے معاصران سے استفادہ کیا کرتے تھے۔

ایک مرتبہ ابن زبیرؓ کو جو عمر میں ان سے بڑے اور خود بھی صاحب کمال بزرگ تھے۔ قیدی کی رہائی کے بارے میں استفتاء کی ضرورت ہوئی، تو انہوں نے حضرت حسینؓ کی طرف رجوع کیا اور ان سے پوچھا، ابو عبد اللہ قیدی کی رہائی کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے۔ اس کی رہائی کا فرض کس پر عائد ہوتا ہے پھر مایا، ان لوگوں پر جن کی حمایت میں لڑا ہو۔

اسی طرح ایک مرتبہ ان کو شیر خوار بچہ کے وظیفہ کے بارے میں استفسار کی ضرورت ہوئی تو اس میں بھی انہوں نے حضرت حسینؓ کی طرف رجوع کیا۔ آپ نے فرمایا کہ پیدائش کے بعد ہی جب سے بچہ آواز دیتا ہے وظیفہ واجب ہو جاتا ہے۔

اسی طریقہ سے کھڑے ہو کر پانی پینے کے بارے میں پوچھا۔ آپ نے اس سوال پر اسی وقت اونٹنی کا دودھ دہا کر کھڑے کھڑے پیا۔ آپ کھڑے ہو کر کھانے میں بھی مضائقہ نہ سمجھتے تھے۔ چنانچہ بھنا ہوا بکری کا گوشت لے لیتے تھے اور کھاتے کھلاتے چلے جاتے تھے۔

آپ کے تفقہ کا ایک ثبوت یہ بھی ہے کہ فقیہ اعظم حضرت امام ابو حنیفہؒ حضرت امام باقرؒ کے شاگرد تھے اور حدیث و فقہ میں ان سے بہت کچھ استفادہ کیا تھا اور دینی علوم میں امام باقرؒ کو سلسلہ بہ سلسلہ اپنے اسلاف کرام سے بڑا فیض پہنچا تھا۔

خطابت : ان مذہبی کمالات کے علاوہ اس عہد کے عرب کے مروجہ علوم میں بھی پوری دستگاہ رکھتے تھے۔ خطابت اس زمانہ کا بڑا کمال تھا۔ آپ کے والد بزرگوار حضرت علیؓ اپنے عہد کے سب سے بڑے خطیب تھے۔ نبی البلاغہ کے خطبات آپ کے کمال خطابت کے شاہد ہیں۔ حضرت حسینؓ کو بھی اس موروثی کمال سے وافر حصہ ملا تھا اور ان کا شمار اس عہد کے ممتاز خطیبوں میں تھا۔ واقعہ شہادت کے سلسلے میں آپ کے خطبات گزر چکے ہیں۔ ان سے آپ کی خطابت کا پورا اندازہ ہو گیا ہوگا۔

۱۔ تہذیب اجتہاد۔ جلد ۳۔ ص ۳۳۵ ۲۔ یہ تین واقعات استیعاب سے ماخوذ ہیں۔ جلد ۱۔ ص ۱۳۸

۳۔ ان میں سے بہت سے خطابات الحاقی ہیں۔ لیکن کچھ صحیح بھی ہیں۔ جن کی تصدیق تاریخ سے ہو جاتی ہے۔

شاعری : ادب اور تذکرہ و تراجم کی کتابوں میں آپ کی جانب بہت سے حکیمانہ اشعار منسوب ہیں، لیکن ان کی صحت مشکوک ہے۔

کلماتِ طیبات : آپ کے کلماتِ طیبات اور حکیمانہ مقولے اخلاق و حکمت کا سبق ہیں۔ فرماتے تھے، سچائی عزت ہے، جھوٹ عجز ہے، رازداری امانت ہے، حق جوارِ قربت ہے، امداد دوستی ہے، عمل تجربہ ہے، حسن خلق عبادت ہے، خاموشی زینت ہے، بخل فقر ہے، سخاوت دولت مندی ہے، نرمی عقل مندی ہے۔ ایک مرتبہ آپ نے حسن بھریؒ سے چند اخلاقی باتیں کیں، وہ آپ کو جانتے نہ تھے، اس لئے یہ باتیں سن کر متعجب ہوئے۔ آپ جب چلے گئے تو لوگوں سے پوچھا کہ یہ کون تھے۔ لوگوں نے کہا حسین بن علیؒ۔ یہ سن کر حسن بھریؒ نے کہا تم نے میری مشکل حل کر دی یعنی اب کوئی تعجب کی بات نہیں۔

فضائلِ اخلاق : آپ کی ذاتِ گرامی فضائلِ اخلاق کا مجموعہ تھی۔ ارباب سیر لکھتے ہیں کہ ”کان الحسین رضی اللہ عنہ کثیر الصلوة والصوم والحج والمصلقة والفعال الخیر جمیعاً“۔ یعنی حضرت حسینؒ بڑے نمازی، بڑے روزہ دار، بہت حج کرنے والے، بڑے صدقہ دینے والے اور تمام اعمالِ حسنہ کو کثرت سے کرنے والے تھے۔

عبادات : فضائلِ اخلاق میں اس الاطلاق عبادتِ الہی ہے۔ حضرت حسینؒ کو تمام عبادات خصوصاً نماز سے بڑا ذوق تھا۔ اس کی تعلیم بچپن میں خود صاحبِ شریعت علیہ الصلوٰۃ والتسلیم سے حاصل کی تھی۔ اس تعلیم کا اثر یہ تھا کہ آپ بکثرت نمازیں پڑھتے تھے۔ کثرتِ عبادت کی وجہ سے آپ کو بیویوں سے بھی ملنے کا موقع کم ملتا تھا۔

ایک مرتبہ کسی نے امام زین العابدین سے کہا تمہارے باپ کی اولاد کس قدر کم ہے۔ آپ نے فرمایا، اس پر تعجب کیوں ہے۔ وہ رات و دن میں ایک ایک ہزار نمازیں پڑھتے ہیں۔ عورتوں سے ملنے کا انہیں موقع کہاں ملتا ہے۔

یہ روایت مبالغہ آمیز ہے۔ اس سے زندگی کی دوسری ضروریات کے ساتھ ایک ہزار رکعتیں روزانہ پڑھنا ناممکن ہے، غالباً روای سے سہو ہو گیا ہے۔ لیکن اس سے ان کی کثرتِ عبادات کا ضرور پتہ ملتا ہے۔

روزہ بھی کثرت کے ساتھ رکھتے تھے۔ تمام ارباب سیر آپ کی کثرت صیام پر متفق ہیں۔ حج بھی بکثرت کرتے تھے اور اکثر پاپیادہ حج کئے ہیں۔ زہیر بن بکار مصعب سے روایت کرتے ہیں کہ حسینؑ نے پچیس حج پاپیادہ کئے۔^۱

صدقات و خیرات : مالی اعتبار سے آپ کو خدا نے جیسی فارغ البالی عطا فرمائی تھی، اسی فیاضی سے آپ راہ خدا میں خرچ بھی کرتے تھے۔ ابن عساکر لکھتے ہیں کہ حسینؑ خدا کی راہ میں کثرت سے خیرات کرتے تھے۔^۲ کوئی سائل بھی دروازہ سے ناکام واپس نہ ہوتا تھا۔

ایک مرتبہ ایک سائل مدینہ کی گلیوں میں پھرتا ہوا در دولت پر پہنچا۔ اس وقت آپ نماز میں مشغول تھے، سائل کی صدا سن کر جلدی جلدی نماز ختم کر کے باہر نکلے۔ سائل پر فقر و فاقہ کے آثار نظر آئے۔ اسی وقت قنبر خادم کو آواز دئی، قنبر حاضر ہوا، آپ نے پوچھا ہمارے اخراجات میں سے کچھ باقی رہ گیا ہے؟ قنبر نے جواب دیا، آپ نے دو سو درہم اہل بیت میں تقسیم کرنے کے لئے دیئے تھے، وہ ابھی تقسیم نہیں کئے گئے ہیں۔ فرمایا، اس کو لے آؤ، اہل بیت سے زیادہ ایک مستحق آگیا ہے، چنانچہ اسی وقت دوسوی تھیلی منگا کر سائل کے حوالے کر دی، اور معذرت کی کہ اس وقت ہمارا ہاتھ خالی ہے، اس لئے اس سے زیادہ خدمت نہیں کر سکتے۔^۳ حضرت علیؑ کے دور خلافت میں جب آپ کے پاس بصرہ سے آپ کا ذاتی مال آتا تھا تو آپ اسی مجلس میں اس کو تقسیم کر دیتے تھے۔^۴

صدقات و خیرات کے علاوہ بھی آپ بڑے فیاض اور سیر چشم تھے۔ شعراء کو بڑی بڑی رقمیں ڈالتے تھے۔ حضرت حسنؑ بھی فیاض تھے، لیکن آپ کی فیاضی بر محل اور مستحق اشخاص کے لئے ہوتی تھی۔ اس لئے ان کو حضرت حسینؑ کی بے محل فیاضیاں پسند نہ آتیں تھیں۔ چنانچہ ایک مرتبہ ان کو اس غلط بخشی پر لوکا۔ حضرت حسینؑ نے جواب دیا کہ بہترین مال وہی ہے جس کے ذریعہ سے آبرو بچائی جائے۔^۵

وقار و سکینہ : سکینت اور وقار آپ کا خاص وصف تھا۔ آپ کی مجلس وقار اور متانت کا مرقع ہوتی تھی۔ امیر معاویہؓ نے ایک شخص کو حضرت حسینؑ کی مسجد کا پتہ بتایا کہ جب تم رسول اللہ ﷺ کی مجلس میں داخل ہو تو وہاں لوگوں کا ایک حلقہ نظر آئے گا۔ اس حلقہ میں لوگ ایسے سکون اور خاموشی سے بیٹھے ہوں گے کہ گویا ان کے سر پر چڑیاں بیٹھی ہوئی ہیں۔ یہ ابو عبد اللہ (حسینؑ) کا حلقہ ہوگا۔^۶

۱۔ ایضاً۔ ص ۲۶۳

۲۔ ابن عساکر۔ جلد ۴۔ ص ۳۲۳۔ ۳۲۴

۳۔ تہذیب الاسماء نووی جلد ۲۔ ص ۱۵۳

۴۔ ایضاً

۵۔ ایضاً۔ ص ۳۲۲

۶۔ ابن عساکر۔ جلد ۴۔ ص ۳۱۲

انکسار و تواضع : لیکن اس وقار و سکینہ کے باوجود تمکنت و خود پسندی مطلق نہ تھی اور آپ حد درجہ خاکسار اور متواضع تھے۔ ادنیٰ ادنیٰ اشخاص سے بے تکلف ملتے تھے۔

ایک مرتبہ کسی طرف جارہے تھے۔ راستہ میں کچھ فقراء کھانا کھا رہے تھے۔ حضرت حسینؑ کو دیکھ کر انہیں بھی مدعو کیا۔ ان کی درخواست پر آپ فوراً سواری سے اتر پڑے اور کھانے میں شرکت کر کے فرمایا کہ تکبر کرنے والوں کو خدا دوست نہیں رکھتا اور ان فقراء سے فرمایا کہ میں نے تمہاری دعوت قبول کی ہے، اس کے تم بھی میری دعوت قبول کرو اور ان کو گھر لے جا کر کھانا کھلایا۔

ایثار و حق پرستی آپ کی کتاب فضائل اخلاق کا نہایت جلی عنوان ہے۔ اس کی مثال کے لئے تنہا واقعہ شہادت کافی ہے کہ حق کی راہ میں سارا کتبہ تیغ کر دیا، لیکن ظالم حکومت کے مقابلہ میں سپر نہ ڈالی۔

استقلال رائے : حضرت حسنؑ سراپا حلم تھے۔ آپ کے مزاج میں مطلق گری نہ تھی۔ بنو ہاشم اور بنو امیہ میں بہت قدیم رقابت تھی لیکن حسنؑ نے اس رقابت کو بھی دل سے فرموش کر دیا تھا۔ اس کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ بنی امیہ کے مقابلہ میں خلافت سے دست بردار ہو گئے۔ اس باب میں حضرت حسینؑ کا حال حضرت حسنؑ سے بالکل مختلف تھا۔ بنی امیہ کے مقابلہ میں آپ کسی دست برداری اور مصالحت کو پسند نہیں فرماتے تھے۔ جس پر آپ کی تقریریں شاہد ہیں۔ اسی کا نتیجہ تھا کہ جب امام حسنؑ نے خلافت سے دستبرداری کا ارادہ ظاہر کیا تو حضرت حسینؑ نے نہایت سختی کے ساتھ اس کی مخالفت کی۔ لیکن امام حسنؑ نے ان کی مخالفت کے باوجود اپنا ارادہ نہ بدلہ اور خلافت سے دست بردار ہو کر دنیا کو ہٹلا دیا کہ مسلمانوں کی خیر خواہی کے مقابلہ میں حکومت کی بھی کوئی قیمت نہیں۔ لیکن حضرت حسینؑ کی یہ عصیت بھی حق پرستی ہی کا نتیجہ تھی۔ اس لئے دونوں بزرگوں کے اوصاف، اخلاق کے دو مختلف مظاہر تھے۔

ذاتی حالات اور ذریعہ معاش :

حضرت حسینؑ مالی حیثیت سے ہمیشہ فارغ البال رہے اور بہت عیش و آرام کے ساتھ زندگی بسر کی۔ حضرت عمر فاروقؓ نے اپنے زمانہ میں ۵۵ ہزار ماہانہ وظیفہ مقرر کیا تھا۔ جو حضرت عثمان غنیؓ کے زمانہ تک برابر ملتا رہا۔ اس کے بعد حضرت حسنؑ نے خلافت سے دستبرداری کے وقت امیر معاویہؓ سے ان کے لئے دولاکھ سالانہ مقرر کروائے تھے۔ غرض اس حیثیت سے آپ کی زندگی مطمئن تھی۔

حلیہ : حضرت امام حسنؑ و حسینؑ دونوں بھائی شکل و صورت میں آنحضرت ﷺ کے مشابہ تھے۔
 ازواج و اولاد : آپؐ نے مختلف اوقات میں متعدد شادیاں کیں۔ آپؐ کی ازواج میں لیلیؑ،
 حبابؑ، حرارؑ اور غزالہؑ تھیں۔ ان سے متعدد اولادیں ہوئیں۔ جن میں علی اکبرؑ، عبداللہؑ اور ایک
 چھوٹے صاحبزادے واقعہ کربلا میں شہید ہوئے۔ امام زین العابدینؑ باقی تھے۔ انہیں کی نسل چلی۔
 صاحبزادیوں میں سکینہؑ، فاطمہؑ اور زینبؑ تھیں۔

بعض پچھلی کتابوں میں حضرت امام حسینؑ کی ازواج میں ایک نام یزدگرد شاہ ایران کی
 لڑکی شہربانو کا بھی ملتا ہے اور کہا جاتا ہے کہ حضرت امام زین العابدینؑ ان ہی کے بطن سے تھے۔ لیکن
 کسی قدیم ماخذ میں اس کا ذکر نہیں ہے۔ اس لئے قابل اعتماد نہیں اور یہ ایرانیوں نے سیاسی مقصد کے
 لئے گھڑی ہے۔



اس کا ذکر حدیث کی متعدد کتابوں میں ہے۔

حضرت عبداللہ بن زبیرؓ

نام و نسب :

نام عبداللہ ہے۔ ابو بکر اور حبیب کنیت۔ والد ماجد کا نام زبیرؓ اور والدہ محترمہ کا اسماء تھا۔ جدی شجرہ یہ ہے : عبداللہ بن زبیر بن عوام بن خویلد بن بن اسد بن عبد العزی بن کلاب بن مرہ بن کعب بن لوی قرشی اسدی۔ ننھیالی نسب یہ ہے : اسماء بنت ابی بکرؓ بن ابی قحافہ ابن عامر بن عمرو بن کعب بن سعد بن تیم بن مرہ کعب بن لوی بن غالب بن فہر۔

حضرت عبداللہ کی ذات گرامی اپنے خاندان اور اپنی قرابتوں کے لحاظ سے متعدد شرفوں کی حامل تھی۔ آپ کے والد ماجد حضرت زبیر بن عوام آنحضرت ﷺ کے حواری اور عشرہ مبشرہ میں تھے۔ ام المؤمنین حضرت خدیجہ صدیقہؓ آپ کی پھوپھی تھیں۔ آنحضرت ﷺ کی پھوپھی بھی حضرت صفیہ آپ کی دادی تھیں۔ اس رشتہ سے آپ کو آنحضرت ﷺ کے بھانجے ہونے کا فخر حاصل ہے۔ یہ دادھیالی افتخار ہیں۔ ننھیالی رشتوں کے لحاظ سے بھی متعدد فضائل حاصل تھے۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ آپ کے نانا تھے۔ آپ کی والدہ اسماءؓ کو بارگاہ نبوت سے ذات النطاقین کا محبت آمیز لقب ملا تھا۔ غرض آنحضرت ﷺ کی محبوب ترین حرم محترم حضرت عائشہؓ آپ کی خالہ تھیں۔ غرض دادھیالی اور ننھیالی جس افق پر نظر جاتی ہے، آسمان فضائل مہر و ماہ نظر آتے ہیں۔

پیدائش : ایسے معزز گھرانے میں حضرت عبداللہؓ کی ذات گرامی وجود میں آئی۔ سنہ پیدائش کے بارے میں روایات مختلف ہیں۔ بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ ۱ھ میں پیدا ہوئے اور بعض سے ۲ھ ظاہر ہوتا ہے۔ پہلی روایت زیادہ مستند ہے۔ تاریخ اسلام میں آپ کی پیدائش کو اس لئے غیر معمولی اہمیت حاصل ہے کہ مہاجرین کے مدینہ آنے کے بعد عرصہ تک ان میں سے کسی کے ہاں اولاد نہیں ہوئی اور یہودیوں نے مشہور کر دیا کہ مسلمانوں کی انقطاع نسل کے لئے انہوں نے سحر کر دیا ہے۔

عین اسی شہرت کے زمانہ میں ان اوہام باطلہ کی تردید کے لئے حضرت عبداللہؓ پیدا ہوئے۔ اس لئے مسلمانوں کو آپ کی پیدائش سے غیر معمولی مسرت ہوئی۔ آپ کی والدہ محترمہ نومولود فرزند کو لے کر آنحضرت ﷺ کی خدمت بابرکت میں حاضر ہوئیں اور آغوش رسالت ﷺ میں دے دیا۔

آپ نے گود میں لے کر خیر و برکت کی دعا کی اور تمبر کا کھجور چبا کر اس نو مولود کے منہ میں ڈالے۔ اس طرح دنیا میں آنے کے بعد اس مائدہ عالم سے جو سب سے پہلی نعمت عبد اللہؐ کے منہ میں گئی، وہ آنحضرت ﷺ کا لعاب دہن تھا۔

بیعت : جب سات آٹھ سال کے ہوئے تو حضرت زبیرؓ نے انہیں ایک دن آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر کیا۔ آپ ﷺ ان کو دیکھ کر مسکرائے اور اس چھوٹے مسلمان سے بیعت لی۔ اس طرح ان کو بہت صغریٰ میں بیعت نبوی ﷺ کا شرف حاصل ہو گیا۔

بچپن میں بلندی کے آثار : عموماً جو اشخاص مستقبل میں بڑے ہونے والے ہوتے ہیں، ان کے بچپن ہی کے واقعات ان کے روشن اور بڑے عظمت مستقبل کا پتہ دیتے ہیں۔ اگر دنیا کے اکابر رجال کے ابتدائی حالات کا پتہ چلایا جائے تو ان کی صغریٰ ہی کے واقعات سے ان کی آئندہ عظمت کا پتہ چل جائے گا۔

چونکہ حضرت عبد اللہؐ کو آگے چل کر اکابر رجال کی فہرست میں داخل ہونا تھا اور تاریخ اسلام میں عزم و حوصلہ اور تہور و شجاعت کی داستانیں چھوڑنی تھیں۔ اس لئے بچپن ہی سے وہ نہایت جری، بیباک، با حوصلہ اور خود پرست تھے۔ بچوں میں عموماً خوف و ہراس غالب ہوتا ہے اور وہ معمولی معمولی باتوں سے ڈر جاتے ہیں۔ لیکن عبد اللہؐ اس عمر میں بھی بڑے نڈر تھے۔

اسی زمانہ کا ایک واقعہ کہ وہ بچوں کے ساتھ کھیل رہے تھے کہ ایک شخص نے چیخ مار کر بچوں کو بھگا دیا۔ لیکن عبد اللہؐ فوراً سنبھل کر لوٹ پڑے اور لڑکوں سے کہا، تم لوگ، ہمیں اپنا سردار بنا کر اس شخص پر حملہ کرو۔ چنانچہ اسی وقت ایک چھوٹی سی فوج مرتب کر کے اس شخص پر حملہ کر دیا۔

بچپن میں جب بیعت کے لئے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر کئے گئے تو ان کے دو اور ہم سن حضرت جعفرؓ کے لڑکے عبد اللہؓ اور ابوسلمہؓ کے لڑکے عمر بھی بیعت کے لئے پیش کئے گئے۔ یہ دونوں تو رسول اللہ ﷺ کو دیکھ کر جھجکے، لیکن عبد اللہؓ بڑی دلیری سے آگے بڑھے۔ آنحضرت ﷺ ان کی تیزی دیکھ کر مسکرائے اور فرمایا اپنے باپ کا بیٹا ہے۔^۱

حضرت عمر فاروقؓ درشت آدمی تھے۔ اس لئے لڑکے انہیں دیکھ کر شرارت بھول جاتے تھے اور بھاگ نکلتے تھے۔ ایک مرتبہ ابن زبیرؓ بچوں کے ساتھ کھیل رہے تھے۔ حضرت عمر فاروقؓ

۱۔ بخاری، کتاب العقیدہ المولود غدا یولد، پیدائش کا سنہ اصحابہ تذکرہ عبد اللہ بن زبیرؓ سے ماخوذ ہے۔

۲۔ مستند حاکم۔ جلد ۳۔ م ۵۲۸۔ ۳۔ ابوداؤد۔ جلد ۸۔ م ۲۳۳۔

ادھر سے گزرے، تو سب بچے ان کو دیکھ کر بھاگ گئے۔ لیکن عبداللہ بدستور اپنی جگہ کھڑے رہے۔ حضرت عمرؓ نے پوچھا، تم کیوں نہیں بھاگے؟ انہوں نے کڑک کر جواب دیا، میں کیوں بھاگتا، نہ میں نے کوئی جرم کیا ہے اور نہ راستہ تنگ تھا کہ آپ کے لئے چھوڑتا۔ ان واقعات سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ عبداللہ بچپن ہی سے کس قدر جری اور دلیر تھے۔

عہد خلفاء : عہد رسالت اور عہد صدیقی میں ابن زبیرؓ کم سن تھے، اس لئے ان دونوں زمانوں کا کوئی واقعہ قابل ذکر نہیں ہے۔ البتہ ایک روایت سے اس قدر معلوم ہوتا ہے کہ غزوہ خندق میں وہ ایک اونچے ٹیلے پر سے غزوہ خندق کا تماشا دیکھتے تھے۔ اس وقت ان کی عمر کل چار پانچ سال کی تھی۔ اس روایت سے بھی ان کی فطری جرأت و بہادری کا پتہ چلتا ہے ورنہ کس بچہ ایسے ہولناک مناظر کے تخیل سے سہم جاتا ہے، لیکن ابن زبیرؓ نے اسے دیکھا اور محفوظ رکھا۔

حضرت عمر فاروقؓ کے ابتدائی زمانہ میں بھی بچپن ہی تھا۔ البتہ آخری عہد میں نو جوانی کا آغاز ہو گیا تھا۔ چنانچہ جبکہ ان کی عمر ۲۲ھ سال کی تھی۔ سب سے اول یرموک کی جنگ میں اپنے والد بزرگوار کے ساتھ شریک ہوئے۔ اور یہ غالباً ان کے جہاد میں قدم رکھنے کا پہلا موقع تھا۔ اس شرکت نے ان کی فطری صلاحیت کو ابھار دیا اور میدان جنگ ایسا بھایا کہ مرتے دم تک تلوار ہاتھ سے نہ چھوٹی۔

جنگ طرابلس : حضرت عثمان غنیؓ کے زمانہ میں پورے آزمودہ کار بہادر ہو گئے تھے۔ اس لئے ان کے اصل کارناموں کا آغاز ہی اسی عہد سے ہوتا ہے۔ چنانچہ اس عہد میں سب سے اول طرابلس کی جنگ میں شریک ہوئے۔ اس کی تسخیر درحقیقت عبداللہؓ ہی کی خوش تدبیری کا نتیجہ تھی۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ ۲۶ھ میں جب عبداللہ بن ابی سرح نے طرابلس پر حملہ کیا تو یہاں کے حاکم جریر ایک لاکھ بیس ہزار لشکر جرار کے ساتھ مقابلہ کو نکلا۔ عرصہ تک دونوں میں نہایت پر زور مقابلہ ہوتا رہا، لیکن فیصلہ نہ ہو سکا۔ حضرت عثمانؓ کو میدان جنگ کے حالات کی کوئی خبر نہ ملتی تھی۔ اس لئے آپ نے ابن زبیرؓ کو ایک دستہ کے ساتھ دریافت حال لئے بھیجا۔ یہ طرابلس پہنچے تو مسلمانوں نے انہیں دیکھ کر نعرہ تکبیر لگایا۔ جریر نے اس کا سبب پوچھا۔ معلوم ہوا کہ مسلمانوں کا امدادی دستہ آیا ہے۔ یہ سن کر وہ گھبرا گیا۔ عبداللہ ابن زبیرؓ کے آنے سے پہلے جنگ نہایت بے ترتیب ہو رہی تھی۔ مقابلہ کا کوئی وقت متعین نہ تھا۔ انہوں نے آتے ہی سب سے پہلے صبح سے دوپہر تک کا

وقت مقابلہ کے لئے مقرر کیا۔ چنانچہ صبح سے لے کر دوپہر تک مقابلہ ہونے لگا۔ بعد ظہر مجاہدین اپنے اپنے خیموں میں چلے جاتے تھے۔

حضرت ابن زبیرؓ تمام مجاہدین کو میدان جنگ میں دیکھتے تھے۔ لیکن ابن ابی سرح انہیں کہیں نظر نہ آتا تھا۔ سبب پوچھا تو معلوم ہوا کہ جریر نے اعلان کیا ہے کہ جو شخص عبداللہ بن سرح کا سر لائے گا اس کو ایک لاکھ دینار انعام دیا جائے گا اور اپنی لڑکی اس کے ساتھ بیاہ دے گا۔ اس اعلان کی وجہ سے وہ کھلے بندوں نہیں نکلتا۔

یہ سن کر زبیرؓ عبداللہ بن سرح کے پاس گئے اور اس سے کہا کہ اس میں خوف کی کیا بات ہے۔ تم بھی اعلان کرادو کہ جو شخص جریر کا سر لائے گا اس کو ایک لاکھ نقد دیا جائے گا۔ اس کی لڑکی اس کے ساتھ بیاہ دی جائے گی اور اس کے پورے ملک کا اسے حکمراں بنا دیا جائے گا۔ ابن زبیرؓ کے اس مشورے کے مطابق عبداللہ بن سعد بن ابی سرح نے یہ اعلان کرادیا۔ اس اعلان پر جریر عبداللہ بن سرح سے بھی زیادہ ہراساں ہو گیا۔

لیکن جنگ پر اس کا کوئی اثر نہ پڑا۔ وہ برابر طول کھینچتی چلی جا رہی تھی اور کوئی فیصلہ نہ ہوتا تھا۔ ایک دن ابن زبیرؓ نے ابن ابی سرح کہا کہ جنگ کا سلسلہ ختم ہونے میں نہیں آتا ہم لوگ اپنے ملک سے بہت دور ہیں، ہمارا حریف اپنے ملک کے اندر ہے۔ اس کو ہر طرح مدد مل رہی ہے۔ اس لئے میرا مشورہ یہ ہے کہ کل ہم لوگ فوج کے ایک حصہ کو آرام کرنے دیں اور ایک حصہ کو لے کر مقابلہ کے لئے نکلیں، جب معمول کے مطابق رومی تھک کر لوٹ جائیں تو ہم لوگ تازہ دم فوج لے کر فوراً حملہ کر دیں۔ اس تدبیر سے ممکن ہے خدا ہمیں کامیاب کر دے۔

حضرت ابن ابی سرح نے یہ مشورہ عام صحابہ کے سامنے پیش کیا، سب نے اس مفید تجویز کی تائید کی۔ چنانچہ دوسرے دن اسلامی فوج کے تمام منتخب بہادروں کو ساز و سامان سے لیس کر کے خیموں میں چھوڑ دیا اور باقی مسلمان میدان میں نکلے۔ صبح سے دوپہر تک نہایت زوردار مقابلہ ہوتا رہا، بعد دوپہر جب معمول کے مطابق رومیوں نے اپنے خیموں میں لوٹنا چاہا تو ابن زبیرؓ نے اس کا موقع نہ دیا اور برابر جنگ کا سلسلہ جاری رکھا۔ جب فریقین تھک کر چور ہو گئے تو ایک دوسرے سے الگ ہو کر اپنے اپنے لشکر گاہ پر لوٹ گئے۔

رومیوں کے واپس جاتے ہی ابن زبیرؓ تازہ دم فوج لے کر پہنچ گئے اور رومیوں پر اس طرح اچانک ٹوٹ پڑے کہ ان کو ہتھیار سنبھالنے کا موقع بھی نہ مل سکا اور انہوں نے نہایت فاش شکست کھائی۔ اس معرکہ میں جریر کی لڑکی بھی گرفتار ہوئی۔

رومیوں کو میدان سے بھگانے کے بعد ابن ابی سرح نے محاصرہ کر کے شہر فتح کر لیا۔ اس میں اتنا مال غنیمت ہاتھ آیا کہ فی سوار تین تین ہزار اور فی پیادہ ایک ایک ہزار دینار حصہ میں پڑا۔ سبیطلہ کی فتح کے بعد ابن ابی سرح نے سارے طرابلس میں اپنی فوجیں پھیلا دیں اور ابن زبیرؓ کی فتح کا مرثدہ لے کر مدینہ گئے۔ اس طرح طرابلس کی فتح کا سہرا درحقیقت ابن زبیرؓ ہی کے سر رہا۔

طبرستان کی فوج کشی میں شرکت :

افریقہ کی فتح کے بعد ۳۰ھ میں طبرستان کی فوج کشی میں شریک ہوئے اور نمایاں حصہ لیا۔ ان دونوں مہموں کے علاوہ اس عہد کے اکثر معرکوں میں ابن زبیرؓ نے داد شجاعت دی، لیکن ان میں ان کے کوئی نمایاں کارنامے نہیں ہیں، اس لئے ان کی تفصیل کی ضرورت نہیں۔

حضرت عثمانؓ کی حفاظت :

حضرت عثمانؓ کے ابتدائی دور تک مسلمانوں کا شیرازہ بندھا ہوا تھا اور ان کی تمام قوتیں غیر مسلموں کے مقابلہ میں صرف ہوتی تھیں۔ اس لئے جدھر رخ کر دیتے تھے فتح و نصرت ان کے قدم چوم لیتی تھی۔ لیکن چند ہی برسوں میں دفعہ حالات بدل گئے اور مسلمانوں میں ایسا تفرقہ پیدا ہوا کہ پھر ان کی شیرازہ بندی نہ ہو سکی۔

ابتداء میں چند اشخاص کو حضرت عثمانؓ کے خلاف کچھ شکایتیں تھیں، فتنہ پردازوں نے اسے آڑ بنا کر حضرت عثمانؓ کے خلاف ایسی آگ لگائی کہ مسلمانوں کی پینتیس (۳۵) سالہ مساعی جل کر خاکستر ہو گئی اور ۳۵ھ میں شورش پسندوں کی جسارت یہاں تک بڑھ گئی کہ خلیفہ المسلمین کو قصر خلافت میں گھیر لیا۔ ایسے نازک وقت میں خلیفہ مظلوم کی حفاظت کے لئے جو سرفروش نکلے تھے ان میں ایک ابن زبیرؓ بھی تھے۔

حضرت عثمانؓ کی شہادت اور جنگ جمل :

لیکن حضرت عثمانؓ کے خلاف جو طوفان اٹھایا گیا تھا، وہ ایسا نہ تھا کہ چند مصلحین کے روکنے سے تھم جاتا۔ چنانچہ اس نے حضرت عثمانؓ کی شمع حیات بجھا کر ہی دم لیا۔ آپ کی شہادت پر صحابہ کے تین گروہ ہو گئے تھے۔ ایک گروہ خانہ نشین ہو گیا۔ دوسرا حضرت علیؓ کے ساتھ آپ کی حمایت میں تھا۔ تیسرا خلیفہ مظلوم کا قصاص لینے پر آمادہ تھا۔ اس آخری جماعت کے سرکردہ حضرت طلحہؓ، زبیرؓ، عبداللہ اور حضرت عائشہ صدیقہؓ تھیں۔

اس اختلاف نے صحابہ کے دو گروہوں کو باہم صف آرا کر دیا۔ حضرت عثمانؓ کے انتقام لینے والے گروہ کی قیادت حضرت عائشہؓ کرتی تھیں اور حضرت علیؓ ان کے مقابلہ میں صف آرا تھے۔ عین میدان جنگ میں جب مسلمانوں کی تلواریں ایک دوسرے کا خون پی رہی تھیں، حضرت علیؓ نے عبد اللہ کے والد زبیرؓ کو رسول اللہ ﷺ کی ایک پٹیشن گوئی یاد دلائی۔ زبیرؓ اسے سن کر اُلٹے پاؤں لوٹ گئے۔ آپ کے صاحبزادے حضرت عبد اللہؓ نے روکنے کی بہت کوشش کی، لیکن حواری رسول آقائے نامدار ﷺ کی پٹیشن گوئی سننے کے بعد ایک لمحہ کے لئے بھی اس کا مصداق نہیں بن سکتا تھا۔

محتاج صحابہ نے اس خانہ جنگی کو روکنے کی بہت کوششیں کیں، لیکن کوئی کوشش بھی کارگر نہ ہوئی اور مسلمانوں کے دو مقدس گروہوں میں نہایت خون آشام جنگ شروع ہو گئی۔ حضرت عائشہؓ اونٹ پر سوار اپنی فوج کی حوصلہ افزائی فرماتی تھیں۔ یہ جنگ دو مقدس ہستیوں کی غلط فہمی اور خطائے اجتہادی کا نتیجہ تھی۔ لیکن ان کے پیروؤں نے شخصیتوں کا بھی لحاظ اٹھا دیا تھا اور حضرت عائشہؓ کے اونٹ پر برابر تیروں کا مینہ برس رہا تھا اور ناموس نبوت کے فدائی اونٹ کے گرد پروانہ وار حریم نبوت کی شمع پر فدا ہو رہے تھے۔

حضرت ابن زبیرؓ بھی خالہ کی حفاظت میں سر بکف محمل کے پاس پہنچے۔ حضرت عائشہؓ نے محمل کے اندر سے پوچھا کون؟ ابن زبیرؓ نے کہا، اماں! آپ کا بیٹا۔ حضرت عائشہؓ نے پیار کے لہجہ میں ڈانٹا، ابھی خالہ بھانجے میں گفتگو ہو رہی تھی کہ حضرت علیؓ کی فوج سے اشتراخی حضرت عبد اللہ کی طرف لپکا، انہوں نے تلوار سونت لی اور دونوں میں تلوار چلنے لگی۔ اشترا نے ایسا وار کیا کہ ابن زبیرؓ کا سر کھل گیا۔ انہوں نے بھی جواب دیا، مگر اوچھا پڑا اور دونوں باہم دست و گریباں ہو گئے، لیکن دونوں طرف کے آدمیوں نے بڑھ کر چھڑا دیا۔

اس جنگ میں ابن زبیرؓ اپنی خالہ اور آنحضرت ﷺ کے حرم محترم کی حفاظت میں اس بہادری اور بے جگری سے لڑے کہ سارا بدن زخموں سے چھلنی ہو گیا۔ اختتام جنگ کے بعد شمار کیا گیا تو تلواروں اور نیزوں کے ۴۰ سے زیادہ زخم بدن پر تھے۔

یزید کی ولی عہدی اور ابن زبیرؓ کی مخالفت :

جنگ جمل میں خالہ کی محبت اور ناموس نبوت کی حمایت میدان جنگ میں کھینچ لائی تھی۔ لیکن اس کے بعد صفین کی خانہ جنگی میں مطلق کوئی حصہ نہیں لیا۔ بلکہ رفع شر کے خیال سے امیر معاویہؓ

کے ہاتھ پر بیعت کر لی اور اس وقت تک اس بیعت پر قائم رہے، جب تک امیر معاویہؓ نے اسلامی خلافت کو موروثی سلطنت بنانے کی کوشش نہیں کی۔ لیکن جب انہوں نے یزید کو ولی عہد بنانے کا ارادہ کیا تو ابن زبیرؓ نے اس کی بڑی بڑ زور مخالفت کی، چنانچہ جب امیر معاویہؓ یزید کی بیعت لینے کے لئے مدینہ آئے اور حضرت حسینؓ، عبدالرحمن بن ابی بکرؓ وغیرہ کو بلایا تو ان لوگوں نے ان سے گفتگو کرنے کے لئے ابن زبیرؓ کو اپنا نمائندہ منتخب کیا۔

حضرت امیر معاویہؓ نے ان بزرگوں سے کہا کہ تم لوگوں کے ساتھ میرا جو طرز عمل ہے، تمہارے ساتھ جس قدر صلہ رحمی کرتا ہوں اور تمہاری جتنی باتیں انگیر کرتا ہوں، وہ سب تم کو معلوم ہیں۔ یزید تمہارا بھائی اور تمہارا ابن عم ہے۔ میں صرف اتنا چاہتا ہوں کہ تم لوگ صرف نام کے لئے اس کو خلیفہ کا لقب دے دو، باقی عمال کا عزل و نصب، خراج کی تحصیل وصول اور اس کا صرف، سب تم ہی لوگوں کے ہاتھوں میں رہے گا اور وہ اس میں کوئی مزاحمت نہ کرے گا۔ یہ سن کر سب خاموش ہو گئے۔ کسی نے کوئی جواب نہیں دیا۔ ان کی خاموشی پر امیر معاویہؓ نے ابن زبیرؓ سے کہا تم ان کے خطیب اور نمائندہ ہو، اس لئے تم جواب دو انہوں نے کہا، اگر آپ رسول اللہ ﷺ، ابوبکرؓ اور عمرؓ میں سے کسی ایک کا طریقہ انتخاب بھی اختیار کیجئے تو اس کو قبول کرنے میں ہم کو کوئی عذر نہ ہوگا۔ امیر نے کہا، ان لوگوں کا طریقہ کیا تھا؟ ابن زبیرؓ نے جواب دیا۔

رسول اللہ ﷺ نے اپنی وفات کے وقت کسی کو اپنا خلیفہ نہیں بنایا، آپ کے بعد مسلمانوں نے ابوبکرؓ کو منتخب کر لیا۔ امیر معاویہؓ نے کہا یہ سچ ہے۔ لیکن آج ہم میں ابوبکرؓ جیسی شخصیت کس کی ہے جس پر سب کا اتفاق ہو جائے۔ ایسی صورت میں تو اختلاف کے اور زیادہ بڑھنے کا خطرہ ہے۔ ابن زبیرؓ نے کہا تو پھر ابوبکرؓ کا طریقہ اختیار کیجئے کہ انہوں نے ایک شخص کو خلیفہ بنایا، جس کا نسب تعلق قریش سے بہت دور پر ملتا تھا اور وہ ان کا عزیز بھی نہ تھا، یا عمرؓ کا طریقہ اختیار کیجئے کہ انہوں نے چھ آدمیوں کا انتخاب کر کے ان میں سے ایک کا انتخاب مجلس شوریٰ پر چھوڑ دیا اور چھوڑے آدمیوں میں سے کوئی بھی ان کی اولاد میں تھا اور نہ باپ کے اولاد میں۔ امیر معاویہؓ نے کہا اس کے علاوہ کوئی اور صورت ہے؟ ابن زبیرؓ نے کہا نہیں!۔

اس کے بعد جو کچھ ہوا اس کی تفصیل امیر معاویہؓ کے حالات میں گزر چکی ہے، اس لئے یہاں اس کے اعادہ کی ضرورت نہیں۔ امیر معاویہؓ ابن زبیرؓ کی اس دلیری اور جرأت سے ہمیشہ ان سے

کھٹکتے رہے۔ چنانچہ اپنی وفات کے جب انہوں نے ابن زبیرؓ اور ان کے معاصرین کے متعلق یزید کو وصیت کی تو ابن زبیرؓ کے خطرے سے اس کو خاص طور سے آگاہ کیا کہ جو شخص لومڑی کی طرح ہو کر شیر کی طرح حملہ آور ہو گا وہ عبد اللہ ابن زبیرؓ ہے۔ اگر وہ مصالحت کر لیں تو فہماور نہ قابو پانے کے بعد ان کو ہرگز نہ چھوڑنا۔

امیر معاویہؓ کا انتقال، حضرت حسینؓ کا سفر کوفہ اور ابن زبیرؓ کا مشورہ :

یزید کی ولی عہدی کی بیعت کے چار سال بعد ۶۰ھ میں امیر معاویہؓ کا انتقال ہو گیا اور یزید ان کا جانشین ہوا۔ اس وقت اس کے لئے سب سے بڑا سوال حضرت حسینؓ اور ابن زبیرؓ کی بیعت کا تھا۔ چنانچہ زمام حکومت سنبھالنے کے بعد اس نے سب سے پہلا کام یہ کیا کہ ولید بن عتبہ حاکم مدینہ کے نام حسینؓ اور ابن زبیرؓ سے بیعت لینے کا تاکید حکم بھیجا۔ اس حکم پر ولید نے ان دونوں کو بلا بھیجا۔ حسینؓ اس طلبی پر چلے آئے، لیکن ابن زبیرؓ نے ایک دن کی مہلت مانگی اور راتوں رات مدینہ سے مکہ نکل گئے۔ ولید کو خبر ہوئی تو ان کی تلاش میں آدمی دوڑائے، مگر ابن زبیرؓ دور نکل چکے تھے۔ مکہ پہنچنے کے بعد یہاں مستقل قیام کر دیا۔

اسی دوران حضرت حسینؓ کوفہ کے قصد سے مدینہ سے مکہ آئے۔ ابن زبیرؓ کو جب معلوم ہوا کہ عراقی پورے طور پر حسینؓ کی امداد کے لئے آمادہ ہیں اور وہ ان کی دعوت پر کوفہ جانے والے ہیں، تو آپ کے پاس جا کر پہلے آپ کے اس ارادہ کی تائید کی۔ پھر اس خیال سے کہ مبادا اس تائید سے حضرت حسینؓ کو ان کی جانب سے کئی بدگمانی پیدا ہو۔ یہ مشورہ دیا کہ آپ حجاز ہی میں رہ کر حصول خلافت کی کوشش کیجئے۔ ہم سب بیعت کر کے آپ کی کامیابی کے لئے کوشش کریں گے اور ہر طرح سے آپ کے خیر خواہ رہیں گے۔ حضرت حسینؓ نے فرمایا،

میں نے اپنے والد سے ایک حدیث سنی ہے کہ ”حرم کا ایک مینڈھا ہے جس کی وجہ سے اس کی حرمت اٹھ جائے گی“، اس لئے چاہتا ہوں کہ ”میں وہ مینڈھا نہ بنوں“۔ اس جواب پر ابن زبیرؓ نے پھر بہ اصرار کہا کہ آپ حرم میں قیام کئے ہوئے بیٹھے رہئے، باقی تمام کام میں انجام دوں گا۔ لیکن حضرت حسینؓ نے جواب دیا کہ ”میں اگر حرم سے ایک بالشت بھی باہر قتل کیا جاؤں تو وہ مجھے حرم میں قتل ہونے سے زیادہ پسند ہے۔“ حضرت حسینؓ کو ان کی طرف سے کچھ بدگمانی تھی۔ اس لئے ان کے مشورے کو خیر خواہی پر محمول نہ فرمایا اور یوں بھی آپ کوفہ جانے کا فیصلہ کر چکے تھے، اس لئے ابن زبیرؓ کا مشورہ رائیگاں گیا۔

یزید اور ابن زبیرؓ میں مخالف

ابن زبیرؓ اپنے ورود مکہ سے لے کر حضرت حسینؓ کی شہادت تک سکون و اطمینان کے ساتھ حرم کی پناہ میں بیٹھے رہے۔ کیونکہ اس درمیان میں شامی حکومت حضرت حسینؓ سے نپٹ رہی تھی۔ آپ کی شہادت کے بعد جب یزید کو حضرت حسینؓ سے فراغت ملی تو اس نے چند آدمیوں کو ابن زبیرؓ سے بیعت لینے کے لئے مکہ بجا۔ ابن زبیرؓ نے انہیں یہ جواب دیا کہ ”میں یزید کی کسی بات کا جواب نہ دوں گا، میں باغی نہیں ہوں، لیکن اپنے کو دوسرے کے قبضہ میں بھی نہ دوں گا۔“ ان لوگوں نے یہ جواب جا کر یزید کو سنا دیا۔ لیکن یزید کسی ایسے شخص کو جس کی جانب سے اس کی حکومت کو خطرہ ہو سکتا تھا، بغیر قابو میں لائے چھوڑنے والا نہ تھا۔ خصوصاً ابن زبیرؓ کے بارے میں امیر معاویہؓ کی وصیت موجود تھی۔ اس لئے اس نے دوبارہ معززین شام کا ایک وفد بھیجا۔

حضرت حسینؓ کی شہادت میں اسے اپنی غفلت کا نہایت تلخ تجربہ ہو چکا تھا۔ اس لئے اس مرتبہ ارکان وفد کو بہ تصریح ہدایت کر دی کہ بلا ظلم و تعدی سمجھا سمجھا کر کسی طرح ابن زبیرؓ سے بیعت لینے کی کوشش کرنا۔ چنانچہ ان لوگوں نے حرم میں جا کر ابن زبیرؓ سے بیعت کا مطالبہ کیا۔ ابن زبیرؓ نے اس وفد کے ایک رکن ابن عضاہ سے کہا، کیا تم حرم میں خون بہانا پسند کرو گے؟ اس نے جواب دیا، اگر تم بیعت نہ کرو گے تو اس میں بھی دریغ نہ کروں گا۔

حضرت ابن زبیرؓ نے حرم کے ایک کبوتر کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ اس مقام پر تو اس پرندہ کا خون بھی حرام ہے۔ ابن عضاہ نے تیر کمان میں جوڑ کر کبوتر کے سامنے کر کے اس سے خطاب کی کہ تو امیر المؤمنین کے حکم کی سرطانی کرے گا؟ پھر ابن زبیرؓ سے کہا، اگر یہ کبوتر اس استفسار پر ہاں کہتا ہے تو خاک و خون میں بڑپتا نظر آتا۔ ابن عضاہ کا یہ جواب سن کر ابن زبیرؓ اس وفد کے ایک دوسرے رکن نعمان بن بشیر کو تخلیہ میں لے گئے اور ان کے سامنے اپنا اور یزید کا موازنہ کیا۔ نعمان نے کہا مجھ کو آپ کے تمام فضائل کا اعتراف ہے۔

یہ اقرار کرانے کے بعد کہا، کیا اس کے بعد بھی تم مجھ کو یزید کی بیعت کا مشورہ دو گے؟ نعمان نے کہا، اگر آپ میری ذاتی رائے پوچھتے ہیں تو میں کبھی آپ کو مشورہ نہ دوں گا اور نہ آئندہ اس مقصد کے لئے آپ کے پاس آؤں گا۔ اس گفتگو کے بعد شامی وفد نام واپس چلا گیا اور یزید کے سامنے بیان دیا کہ ابن زبیرؓ بیعت کے لئے آمادہ نہیں۔ مسلم بن عقبہ مری نے نعمان کی شکایت کی کہ انہوں نے ابن زبیرؓ سے تخلیہ میں کچھ گفتگو کی تھی اور اس گفتگو کے بعد وہ بغیر اپنا کام پورا کئے ہوئے لوٹ آئے۔

ابن زبیرؓ کا دعویٰ خلافت اور شامی فوج کا مدینہ الرسول کو لوٹنا :

شامی وفد کی واپسی کے بعد ابن زبیرؓ نے تہامہ اور اہل حجاز کو اپنی بیعت کی دعوت دی۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور محمد بن حنفیہ کے علاوہ باقی اور تمام لوگوں نے بیعت کر لی۔ بیعت لینے کے بعد انہوں نے یزید کے عمال کو مدینہ سے نکال دیا اور یہاں سے بنی امیہ کی حکومت اٹھ گئی۔

یزید کو ان حالات کی خبر ہوئی تو اس نے مسلم بن عقبہ مری کو ایک فوج گراں کے ساتھ حجاز روانہ کیا اور ہدایت کر دی کہ پہلے اہل مدینہ کی تادیب کی جائے۔ (انہوں نے بھی مکہ والوں کی طرح اپنے یہاں سے اُموی عمال کو نکال دیا تھا) اور مدینہ سے فراغت کے بعد پھر مکہ میں ابن زبیرؓ کا مقابلہ کیا جائے۔ چنانچہ اس ہدایت کے مطابق مسلم پہلے مدینہ آیا۔

یہاں کے باشندے پہلے سے مقابلہ کے لئے تیار تھے۔ دونوں میں نہایت پُر زور مقابلہ ہوا، لیکن اہل مدینہ حکومت کی تاب نہ لا سکے اور شکست کھا گئے۔ اس معرکہ میں بہت سے انصاری شہید ہوئے اور شامی فوج تین شبانہ روز تک نہایت بیدردی کے ساتھ مدینہ الرسول لوٹی رہی اور یہاں کے باشندوں کے بے دریغ قتل کرتی رہی۔ پھر باشندگان مدینہ سے بزور شمشیر یزید کی بیعت لے کر مکہ روانہ ہوئی۔

مکہ کا محاصرہ اور یزید کی موت :

ابھی مسلم مکہ نہ پہنچا تھا کہ اس کا آخری وقت ہو گیا اور وہ راستہ ہی میں حصین بن نمیر کو اپنا جانشین بنا کر چل بسا۔ اس وقت ابن زبیرؓ محرم محترم میں پناہ گزیں تھے۔ حصین بن نمیر نے مکہ پہنچ کر مکہ حرم کا محاصرہ کر لیا اور جبل ابوقیس پر منجیق نصب کر کے خانہ کعبہ پر آتشباری شروع کر دی۔ اس آتش باری سے کعبہ کی عمارت کو نقصان پہنچا۔

ابن زبیرؓ اور حصین میں مقابلہ جاری تھا کہ ربیع الاول ۶۳ھ میں یزید کا انتقال ہو گیا۔ اس کی موت سے شامیوں کی ہمت چھوٹ گئی اور حصین بن نمیر نے ابن زبیرؓ سے کہلا بھیجا کہ جس کے لئے ہم لڑتے تھے وہ مر گیا۔ اس لئے اب صلح کر کے حرم کے دروازے کھول دو تا کہ ہمارے آدمی خانہ کعبہ کا طواف کر لیں اور اب آپس میں ملنا جلنا چاہئے۔ اس کی درخواست پر ابن زبیرؓ نے حرم کے دروازے کھول دیئے اور شامی بلا تکلف طواف کرنے لگے۔

۱۔ اخبار الطوال۔ ص ۲۷۶-۲۷۷ ابن اثیر نے اس کو زیادہ تفصیل کے ساتھ لکھا ہے۔ ہم نے صرف نتیجہ پر اکتفا کیا۔

۲۔ ابوالفتح۔ جلد ۲۔ ص ۱۹۲

اس سلسلہ میں ایک دن ابن زبیر غمور حصین میں ملاقات ہو گئی۔ یہ وہ وقت تھا کہ یزید کی وفات سے بنی امیہ کی قوت کمزور پڑ چکی تھی اور اس وقت ان میں کوئی ایسا با حوصلہ شخص نظر نہ آتا تھا جو حکومت سنبھال سکتا۔ اس لئے حصین نے ابن زبیرؓ کا ہاتھ پکڑ کے آہستہ سے کہا مگر آپ میرے ساتھ شام چلے چلیں تو وہاں میں آپ کی بیعت کے لئے کوشش کروں، ان لوگوں (بنی امیہ) کا معاملہ اب کمزور پڑ چکا ہے اور موجودہ وقت میں آپ سے زیادہ کوئی شخص خلافت کا مستحق نظر نہیں آتا۔

یہ راز دارانہ گفتگو سن کر ابن زبیرؓ نے حصین کا ہاتھ جھٹک دیا اور باواز بلند جواب دیا، ”جب تک ایک ایک حجازی کے بدلہ میں دس دس شامیوں کا سر نہ قلم کر لوں گا، اس وقت تک یہ ناممکن ہے۔“ حصین نے مایوس ہو کر جواب دیا، جو شخص تم کو وہاں عرب شمار کرتا ہے وہ غلطی پر ہے۔ میں تم سے راز کی گفتگو کرتا ہوں اور تم چلا کر اس کا جواب دیتے ہو۔ میں تم کو امن و سلامتی کی طرف بلاتا ہوں اور تم میدان جنگ میں کھینچتے ہو۔ ابن زبیرؓ کا یہ رنگ دیکھ کر حصین فوج لئے ہوئے شام چلا گیا۔

در حقیقت ابن زبیرؓ کو یہ بہترین موقع ملا تھا۔ اگر جذبات سے مغلوب ہو کر اسے نہ کھو دیتے اور حصین کی دعوت قبول کر لیتے تو آج بنو امیہ کی تاریخ کا کہیں وجود نہ ہوتا اور تاریخ اسلام کسی اور رنگ پر ہوتی۔ مگر ان کی قسمت میں تو مقتول ہونا لکھا تھا۔

معاویہ بن یزید کی تخت نشینی اور دستبرداری :

یزید کے بعد اس کا لڑکا معاویہ تخت نشین ہوا۔ یہ طبعاً سلیم الفطرت تھا۔ اس لئے بنی امیہ کی بے عنوانیوں سے بہت جلد بد دل ہو گیا اور تخت نشینی کے چند ہی مہینوں کے بعد اپنے اہل خاندان کو جمع کر کے کہا کہ مجھ سے تمہاری حکومت سنبھالنے کی طاقت نہیں ہے اور تم میں کوئی عمر بن الخطابؓ نظر نہیں آتا، جسے خلیفہ بنادوں اور نہ اہل شوریٰ ہی نظر آتے ہیں کہ ان پر معاملہ چھوڑ دوں۔ تم اپنے معاملات کو زیادہ سمجھتے ہو۔ اس لئے جسے چاہو خلیفہ بنا لو یہ کہہ کر خلافت سے دستبردار ہو گیا۔

حضرت معاویہ بن یزید کی دستبرداری کے بعد بنی امیہ کی خلافت قریب قریب ختم ہو گئی اور تمام اسلامی ممالک نے ابن زبیرؓ کی خلافت تسلیم کر لی۔ شام میں بھی ان کا کوئی حریف باقی نہ رہا۔ کیونکہ مروان بن حکم اور دوسرے کا بر بنی امیہ سینہ میں تھے۔ لیکن ان میں بھی ابن زبیرؓ کے مقابلہ کا دم باقی نہ تھا۔ چنانچہ مروان ان کی بیعت پر آمادہ ہو گیا تھا۔ لیکن اس موقع پر پھر ابن زبیرؓ نے بڑی سیاسی غلطی کی، جو پہلی غلطی سے بھی زیادہ سخت تھی۔

ابن اثیر۔ جلد ۴۔ ص ۱۰۷ و مستدرک حاکم فضائل ابن زبیرؓ ۲ ابوالفداء۔ جلد اول۔ ص ۱۹۳

۳ اس سے مراد حصین بن نمیر کے مشورہ کی مخالفت ہے، جو اوپر گزر چکا ہے۔

انہوں نے انتقاماً جوش میں جس قدر بنی امیہ مدینہ میں تھے۔ سب کو حکماً نکلوا دیا۔ ان میں مروان بھی تھا۔ بلکہ مروان کا لڑکا عبدالملک اس وقت بیمار تھا۔ اس کی بیماری کی وجہ سے مروان سفر سے معذور تھا۔ لیکن ابن زبیرؓ کے سخت احکام کے سامنے اس کو قیام کرنے کی ہمت نہ پڑی اور اسے بیمار عبدالملک کو لے کر مجبوراً مدینہ چھوڑنا پڑا۔ بنو امیہ کے مدینہ سے نکلنے کے بعد ابن زبیرؓ کو اپنی غلطی کا احساس ہوا اور انہوں نے بنی امیہ کی تلاش میں آدمی دوڑائے۔ مگر وہ قابو سے باہر ہو چکے تھے۔

اس غلطی سے بنی امیہ کو قدم جمانے کا موقع مل گیا۔ اگر عبداللہ بن زبیرؓ انہیں مدینہ میں رہنے دیتے تو پھر خاندان بنی امیہ میں ان کا مقابلہ کرنے والا کوئی نہ تھا اور دمشق کا تخت ان کے لئے بالکل خالی ہو جاتا۔ مگر ان کی قسمت میں بیدردی کے ساتھ حرم میں ذبح ہونا مقدر ہو چکا تھا۔ اس لئے خود اپنے ہاتھوں سے اس کے اسباب مہیا کر دیئے۔

شام میں مروان کی بیعت :

بنی امیہ مدینہ سے نکل کر شام پہنچے۔ اس وقت یہاں کی حالت بڑی ابتر ہو رہی ہو رہی تھی۔ گوا بن مذہبیرؓ کا اثر یہاں بھی پہنچ چکا تھا۔ تاہم بنی امیہ کے پایہ تخت ہونے کی وجہ سے ان کے حامیوں کی بھی خاصی جماعت موجود تھی۔ مروان جس وقت شام پہنچا، اس وقت اسے دو قسم کی مخالفتوں کا سامنا کرنا پڑا۔ ایک عبداللہ بن زبیرؓ کے شامی حامیوں کی دوسرے خود اپنے اہل خاندان کی۔ اس لئے کہ بنی امیہ میں اس وقت مروان کے علاوہ عمرو بن سعید اور خالد بن یزید بھی خلافت کے دعویدار تھے۔ چنانچہ عرصہ تک ان میں کشمکش جاری رہی اور جنگ و جدال کی نوبت بھی آ گئی۔ لیکن آخر میں بنی امیہ کے ایک خیر خواہ روع بن جذامی کی کوششوں سے یہ اختلاف ختم ہو گیا اور ذی الحجہ ۶۳ھ میں مروان کا انتخاب ہو گیا اور اس کے بعد علی الترتیب خالد بن یزید اور عمرو بن سعید ولی عہدی کے لئے نامزد کر دیئے گئے۔ اس طرح بنی امیہ کی گرتی ہوئی عمارت سنبھل گئی۔

شام سے ابن زبیرؓ کے داعیوں کا اخراج اور مروان کا قبضہ :

گو مروان کی بیعت کے بعد بنی امیہ کے اکھڑے ہوئے پاؤں جم گئے۔ لیکن ابھی تک تمام ممالک اسلامیہ پر ابن زبیرؓ کا اثر غالب تھا۔ مصر، کوفہ، بصرہ، عواصم، خراسان میں ان کے داعی کام کر رہے تھے۔ بلکہ خود شام میں حمص، قنسرین اور دمشق ان ہی کے زیر اثر تھے۔ خاص پایہ تخت دمشق پر ابن زبیرؓ کے داعی ضحاک بن قیس کا قبضہ تھا۔ اس لئے زمام حکومت سنبھالنے کے بعد ہی

مروان نے ابن زبیرؓ کے کارکنوں کے اخراج کی طرف توجہ کی اور سب سے پہلے وہ اموی پایہ تخت دمشق کی طرف بڑھا۔ یہاں ابن زبیرؓ کا داعی ضحاک بن قیس تھا اور دوسرے شامی دعاۃ کی امداد و اعانت بھی اس کی حاصل تھی۔ اس لئے مروان کا اور اس کا بہت زبردست مقابلہ ہوا۔ اس مقابلہ میں ضحاک مارا گیا اور اس کے ساتھی بھاگ نکلے۔ اس قتل کی خبر حمص پہنچی، تو وہاں کا کارکن نعمان بن بشیر بھی حمص چھوڑ کر بھاگا۔ مگر راستے میں قتل کر دیا گیا۔ قرقیسیا کے داعی نے بھی ان دونوں کا انجام دیکھ کر میدان خالی کر دیا۔ اس کے بعد مروان نے فلسطین پر بھی قبضہ کر لیا۔ اس طرح شام کے وہ مقامات جو ابن زبیرؓ کے زیر اثر تھے، پھر بنی امیہ کے قبضہ میں آ گئے۔

مصر پر قبضہ : مصر میں عبدالرحمن بن محمد ابن زبیرؓ کی دعوت میں مصروف تھا۔ اس لئے شام سے فراغت کے بعد مروان مصر کی طرف بڑھا۔ عبدالرحمن اس کے مقابلہ کے لئے نکلا۔ اس کے نکلنے کے ساتھ دوسری سمت سے عمرو بن سعید اموی مصر میں داخل ہو گیا۔ عبدالرحمن سے کچھ نہ بن پڑا اور اس نے گھبرا کر سپر ڈال دی اور مصر میں بھی مروان کی بیعت ہو گئی۔ مصر پر قبضہ کے بعد مروان دمشق واپس جا رہا تھا کہ راستے میں اطلاع ملی کہ عبدالرحمن بن زبیرؓ کے بھائی مصعب دمشق پہنچ گئے ہیں۔ یہ سن کر مروان نے فوراً عمرو بن سعید کو مصعب کے اخراج کے لئے آگے روانہ کر دیا۔ اس نے دمشق پہنچ کر مردان کے پہنچنے سے قبل ہی مصعب کو نکال دیا اور مروان پایہ تخت میں داخل ہو گیا۔

مروان کی وفات اور عبدالملک کی تخت نشینی :

اوپر معلوم ہو چکا کہ مروان کے بعد علی الترتیب خالد بن یزید اور عمرو بن سعید ولی عہد نامزد کئے گئے تھے۔ مصر و شام وغیرہ کے بعد مروان نے ان دونوں کا نام خارج کر کے اپنے لڑکے عبدالملک کو ولی عہد بنا دیا۔ اس کے چند ہی دنوں بعد اس کا پیام اجل آ گیا۔ چنانچہ رمضان ۶۵ھ میں وہ چل بسا۔ اس کی وفات کے بعد عبدالملک اس کا جانشین ہوا۔

مختار ثقفی کا خروج :

بنی امیہ ابن زبیرؓ کی کشمکش کے زمانہ میں بنی ثقیف کے ایک گمنام مگر عالی دماغ مختار بن ابی عبید تھقی کو قسمت آزمائی کا حوصلہ پیدا ہوا، مگر اس جیسے معمولی آدمی کا کسی سہارے کے بغیر کامیاب ہونا مشکل تھا۔ یہ وہ زمانہ تھا، جب ابن زبیرؓ کا اثر غالب تھا۔ اس لئے وہ شروع میں ان کے ساتھ ہو گیا اور حسن تدبیر سے ان کے دماغ میں بڑا سوخ پیدا کر لیا۔

لیکن چند دنوں کے بعد اس کو اندازہ ہوا کہ ان کے ساتھ رہ کر وہ حصول مقصد میں کامیاب نہیں ہو سکتا تو وہ تو ابین کی تحریک یعنی امام حسینؑ کے خون کا انتقام لینے والی جماعت میں جو اسی زمانہ میں قائم ہوئی تھی شامل ہو گیا اور جب اس تحریک کے سرکردہ مختلف لڑائیوں میں کام آگئے تو خود اس کا رہنما بن گیا۔ لیکن ابن زبیرؓ سے بھی تعلق قائم رکھا، اور ان پر اس کو ظاہر نہ ہونے دیا اور اس تحریک کو موثر بنانے کے لئے حضرت زین العابدینؑ سے بھی اس کی سرپرستی قبول کرنے کی درخواست کی۔

اس سلسلے میں اس نے بہت سے گمراہ کن عقائد بھی اختراع کئے تھے، جن کا امام موصوف کو علم تھا، اس لئے انہوں نے اس کی درخواست مسترد کر دی اور مسجد نبوی ﷺ میں تقریر کر کے مختار کی گمراہی اور مکروہ و درکاپردہ فاش کر دیا۔ اور فرمایا کہ اس شخص نے محض لوگوں کو دھوکہ دینے کے لئے اہل بیت کی دعوت کو آڑ بنایا ہے، ورنہ اس کو ان سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

ان سے مایوس ہونے کے بعد مختار حضرت حسینؑ کے سوتیلے بھائی محمد بن حنفیہ کے پاس پہنچا اور ان سے امامت قبول کرنے کی درخواست کی۔ امام زین العابدینؑ نے انہیں بھی روکا، اور کہا کہ اہل بیت کی محبت میں اس کا ظاہر اس کے باطن سے بالکل مختلف ہے اور وہ یہ دعویٰ صرف مجاہد اہل بیت کی ہمدردی حاصل کرنے کے لئے کرتا ہے، ورنہ حقیقت میں اس کو اہل بیت کی دوستی سے کوئی تعلق نہیں، بلکہ وہ ان کا دشمن ہے۔ میری طرح آپ کو بھی اس کا پردہ فاش کرنا چاہئے۔

حضرت محمد بن حنفیہ نے ابن عباسؓ سے رائے لی۔ اس زمانہ میں ابن زبیرؓ ان دونوں کو بیت کے لئے مجبور کر رہے تھے اور ان کو ان کی جانب سے خطرہ تھا۔ اس لئے مختار کی حمایت حاصل کرنے کے لئے ابن عباسؓ نے محمد بن مختار کو سرپرستی قبول کرنے کا مشورہ دیا۔

مجاہد اہل بیت کا مرکز عراق تھا۔ وہاں یہ تحریک زیادہ کامیاب ہو سکتی تھی۔ اس لئے محمد بن حنفیہ کو سرپرست بنانے کے بعد مختار نے ان سے عراق میں کام کرنے کی اجازت چاہی۔ انہوں نے اجازت دے دی۔ محمد بن حنفیہ نے محض ابن زبیرؓ کے خطرہ سے بچنے کے لئے مختار کی سرپرستی قبول کی تھی، ورنہ ان کو خود اس پر اعتماد نہ تھا۔ اس لئے عراق میں کام کرنے کی اجازت دینے کے بعد بھی انہوں نے اپنا ایک آدمی عبداللہ بن کامل ہمدانی اس کے ساتھ کر دیا اور اس کو مختار سے ہوشیار رہنے کی ہدایت کر دی۔

دوسری طرف مختار نے ابن زبیرؓ سے بھی مخفی تعلق رکھا، تاکہ اگر اس تحریک میں کامیابی نہ ہو تو ابن زبیرؓ کا دروازہ کھلا رہے اور ان سے اس نے کہا عراق میں اس کا قیام ان کے لئے زیادہ مفید ہوگا۔ اور وہاں جا کر وہ بنی ہاشم کو بنی امیہ کے مقابلہ میں ان کی امداد و اعانت پر آمادہ کرے گا۔

ان دونوں سے الگ الگ اجازت لئے کر وہ عراق پہنچا اور بڑی ہوشیاری سے اہل بیت کی تحریک کا رخ آل فاطمہ سے محمد بن حنفیہ کی طرف موڑ دیا اور انہیں حضرت علیؓ کا جانشین اور مہدی موعود مشہور کر کے ان کی دعوت شروع کر دی۔ اور بہت سے گمراہ عقیدے اختراع کئے۔

کوفہ شیعیان علیؓ کا مرکز تھا۔ یہیں حضرت امام حسینؓ کی شہادت کا واقعہ پیش آیا تھا۔ اس سے پہلے تو ابن کی تحریک یہاں اٹھ چکی تھی۔ عراقیوں کے دلوں میں عام طور پر قاتلین حسینؓ سے انتقام لینے کا جذبہ موجود تھا۔ اس لئے مختار کو اپنے مشن میں غیر معمولی کامیابی ہوئی۔ ہزاروں آدمی اس کے ساتھ ہو گئے۔ اس وقت ابن زبیرؓ کی جانب سے عبداللہ بن مطیع کوفہ کے عامل تھے۔ انہوں نے مختار کے پاس عوام کی آمد رفت دیکھی تو اس کی طرف سے کھٹک گئے اور مختار سے اس کا سبب پوچھا، اس نے جواب دیا، لوگ عیادت کے لئے آتے ہیں۔ اس جواب سے وقتی طور پر معاملہ ٹل گیا، لیکن اس قسم کے حیلوں سے اس کی کوششیں زیادہ دنوں تک راز نہ رہ سکتی تھیں اور ابھی اس میں اتنی قوت پیدا نہیں ہوئی تھی کہ وہ عبداللہ بن مطیع کے مقابلہ میں علی الاعلان آجاتا۔ اس لئے اس کو کوفہ میں کسی با اثر پشت پناہ کی ضرورت تھی۔

حسن اتفاق سے یہاں کے ایک مقتدر اور با اثر شخص ابراہیم بن اشتر نخعی حضرت علیؓ کے حامیوں میں تھے۔ مختار کی نظر انتخاب ان پر پڑی۔ اس نے محمد بن حنفیہ کی جانب سے انہیں ایک فرضی خط دے کر اپنا حامی بنالیا اور ابراہیم اس کے پاس آنے جانے لگے۔ کوفہ کے پولیس افسر ایاس بن نصار کو خبر ہوئی، تو انہوں نے روک ٹوک کی۔ مگر ابراہیم نے اپنی قوت اور اپنے اثر کے زعم میں اس کی ایک نہ سنی۔ ایاس نے تنبیہ بھی کی کہ تمہاری آمد و رفت سے میرا شبہ بڑھتا ہے۔ اس لئے آئندہ اس کا سلسلہ بند کر کے خاموشی سے گھر میں بیٹھو۔ ورنہ تمہارا سر قلم کر دیا جائے گا۔ لیکن ابراہیم کوفہ کے معزز و مقتدر آدمی تھے۔ وہ اس کی دھمکی کو خاطر میں نہ لائے اور مختار کو اس واقعہ کی اطلاع دے کر اس کے قتل کی اجازت مانگی۔ مختار نے اجازت دے دی۔ اجازت ملنے کے بعد ابراہیم نے نہایت جرأت اور دلیری کے ساتھ اس کو قتل کر دیا۔

عبداللہ بن مطیع کا اخراج اور عراق پر مختار کا قبضہ :

عبداللہ بن مطیع حاکم کوفہ کو یاس کے قتل کی اطلاع ہوئی تو اس نے ابراہیم کی گرفتاری کے لئے آدمی بھیجے، لیکن اب معاملہ دارو گیر کی حد سے آگے بڑھ چکا تھا اور مختار کی قوت بہت بڑھ چکی تھی۔ اس کے آدمی ابراہیم کی مدد کو پہنچ گئے اور ابراہیم نے عبداللہ بن مطیع کے آدمیوں کو بھگا دیا اور مختار نے عبداللہ کو قصر امارت میں گھیر لیا۔

حضرت عبداللہ نے مقابلہ کیا مگر شکست کھائی اور مختار کے آدمیوں نے محل میں اترنے کے لئے کند ڈال دی۔ عبداللہ نے جب دیکھا کہ اس کی جان بچنا مشکل ہے تو امان مانگ لی۔ مختار نے اس کی جان بخشی کی ایک لاکھ نقد دے کر آزاد کر دیا کہ جہاں چاہے چلا جائے اور کوفہ اور اس کے ساتھ سارے عراق پر مختار کا قبضہ ہو گیا اور تمام مقامات پر اس نے اپنے عمال مقرر کر دیئے^۱ اور عراق میں صرف بصرہ ابن زبیر کے پاس رہ گیا۔

محمد بن حنفیہ کی قید اور رہائی :

کوفہ پر مختار کے قبضہ کے بعد کوئی شیعیان ابن حنفیہ کو آزادی کے ساتھ ابن زبیرؓ کی مخالفت کا موقع مل گیا۔ چنانچہ انہوں نے علانیہ ابن حنفیہ کی دعوت شروع کر دی۔ ابن زبیرؓ عرصہ سے ابن عباسؓ اور ابن حنفیہ سے بیعت لینے کی کوشش کر رہے تھے، لیکن اب تک ان پر جبر نہ کیا تھا۔ عراق پر مختار کے قبضہ کے بعد جب ان پر اس کی حقیقت ظاہر ہوئی اور ابن حنفیہ اور ابن عباسؓ سے اس کا تعلق معلوم ہوا تو انہوں نے محمد بن حنفیہ اور ان کے ساتھیوں پر بیعت کے لئے دباؤ ڈالا اور ان کو اور بعض روایتوں کے مطابق ابن عباسؓ کو بھی زمزم کی چار دیواری میں قید کر کے ایک مدت مقرر کر دی کہ اگر وہ لوگ اس مدت میں بیعت نہ کر لیں گے تو انہیں جلا دیا جائے گا۔ محمد بن حنفیہ نے مختار کو اس کی اطلاع دی۔ اس نے تھوڑی سے فوج محمد بن حنفیہ کو چھڑانے کے لئے بھیج دی اور ۴ لاکھ درہم ان کے خرچ کے لئے بھیجے۔ اس فوج نے محمد بن حنفیہ اور ان کے ساتھیوں کو قید سے چھڑایا۔

قاتلین حسینؓ کا قتل :

عراق قبضہ کرنے کے بعد مختار قاتلین حسینؓ کی تلاش میں نکلا اور شمر ذی الجوشن، خولی امیہ اور عمر بن سعد کو قتل کر کے ان کے سر محمد بن حنفیہ کے پاس بھجوا دیئے اور ایک کرسی بنوا کر اپنے

۱۔ یہ تمام حالات ملخصاً اخبار الطوال۔ ص ۲۹۶۔ ۳۰۰ سے ماخوذ ہیں۔ ۲۔ ابن اثیر۔ جلد ۴۔ ص ۲۰۶۔ ۲۰۷ ملخصاً

اتباع کو یقین دلایا کہ یہ کرسی حامل اسرار اور بنی اسرائیل کے تابوت سیکنہ کی طرح متبرک ہے، اسی کرسی پر وہ تمام معرکوں میں نکلتا تھا۔

در حقیقت مختار بنی امیہ اور ابن زبیر دونوں کو زیر کر کے اپنی حکومت قائم کرنا چاہتا تھا، خونِ حسینؑ کی دعوت کے ذریعہ بنی امیہ کے مقابلہ میں اس کو عوام کی تائید حاصل ہو گئی تھی۔ اسی طرح ابن زبیرؑ کے مقابلہ میں بھی اسے بہت سے حامی مل گئے، اس لئے اس کو دونوں کے مقابلہ میں آسانی ہوئی۔ مختار کا تبلیغی مرکز عراق چونکہ ابن زبیرؑ کے قبضہ میں تھا، اس لئے پہلا تصادم انہی سے ہوا۔ پھر عراق پر قبضہ کے بعد مختار کی قوت بڑھ گئی، تو بنی امیہ کو بھی اس کی جانب سے خطرہ پیدا ہوا۔ چنانچہ اموی حاکم عبید اللہ بن زیاد نے مختار کے عامل موصل عبدالرحمن بن سعید پر فوج کشی کر دی۔ عبدالرحمن نے اس کو شکست دے کر قتل کر دیا، اس طرح چند دنوں کے اندر ہاتھوں ہاتھ تمام قاتلین حسینؑ کا خاتمہ ہو گیا۔

کوئی عربوں اور مختار میں مخالفت :

مختار اپنے خروج سے اس وقت تک اٹھارہ مہینہ مسلسل عجمیوں کے بل پر بنی امیہ اور زبیرؑ کا کامیاب مقابلہ کرتا رہا۔ ان تمام معرکوں میں اس کے دست راست و بازو زیادہ تر عجمی تھے۔ اس لئے اس کی توجہ تمام تر ان کی جانب مبذول رہی۔ ان کے مراتب بڑھادیئے، انہیں بڑے بڑے مناصب پر ممتاز کیا۔ ان کی اولاد کے وظائف مقرر کئے، ان کو اپنا مشیر کار اور ہم جلس بنایا۔ اس کے مقابلہ میں عربوں کے ساتھ اس کا طرز عمل نہایت غیر منصفانہ اور اہانت آمیز تھا۔ انہیں مال و زر سے بھی محروم رکھا اور تقرب و ہم جلسی سے بھی دور رکھا۔ عربوں کے لئے یہ اہانت آمیز سلوک سخت اشتعال انگیز تھا۔ چنانچہ وہ سب اس سے بگڑ گئے اور تمام اشراف عرب نے مجتمع ہو کر اس کے خلاف غصہ و نفرت کا اظہار کیا۔ اس نے جواب دیا :

خدا تم کو غارت کرے، میں نے تم کو اعزاز بخشا، تم نے غرور کیا۔ تم کو والی بنایا، تم نے خراج کی رقم گھٹادی۔ عجمی تم سے زیادہ مطیع و منقاد اور میرے چشم و ابرو کے پابند ہیں۔ یہ جواب سن کر عربوں نے کہا یہ کذاب ہے۔ اوز بنی ہاشم کے پردہ میں اپنی دنیا بٹانا چاہتا ہے اور سب کے سب اس کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے۔ مختار نے ان کی مخالفت دیکھی تو عجمیوں کو جمع کر کے کہ ”عربوں نے

۱۔ اخبار الخوارج۔ ص ۲۹۶-۳۰۰ ملخصاً ۲۔ یعقوبی۔ جلد ۳۔ ص ۳۰۸ و ابوالفداء۔ جلد ۱۔ ص ۱۹۵

۳۔ چونکہ بنی امیہ اور مختار کی معرکہ آرائیاں ہمارے موضوع سے خارج ہیں، اس لئے ہم نے انہیں قلم انداز کر دیا۔

محض تمہاری وجہ سے میری مخالفت کی ہے، اس لئے ان کے مقابلہ میں تم کو اپنی شرافت اور وفاداری کا ثبوت دینا چاہئے۔ اس کی نفسی دلیل پر چالیس ہزار عجمی عربوں کے مقابلہ میں اس کی حمایت پر آمادہ ہو گئے اور کوفہ میں دونوں میں نہایت زبردست مقابلہ ہوا۔ دینوری کی روایت کے مطابق عم بن سعد اور شمر بھی اس مقابلہ میں عربوں کی جماعت میں تھے۔ لیکن صحیح یہ ہے کہ وہ اس سے پہلے قتل کئے جا چکے تھے۔ بہر حال اس معرکہ میں پانچ سو کوئی عرب قتل اور دو سو گرفتار ہوئے۔ اشراف کوفہ نے اپنا پہلو کمزور دیکھا تو کوفہ چھوڑ کر مصعب کے پاس بصرہ چلے گئے۔

مصعب سے کوئی عربوں کی استمداد :

کوفیوں کو شکست دینے کے بعد مختار نے اشراف کوفہ پر سختی شروع کر دی۔ اس لئے یہ لوگ کوفہ چھوڑ کر مصعب کے پاس بصرہ چلے گئے اور ان سے درخواست کی کہ آپ اس کذاب کے مقابلہ میں کیوں نہیں نکلتے۔ اس نے ہمارے اشراف کا قتل کیا، ہمارے گھروں کو ڈھایا، ہماری جماعت کا شیرازہ بکھیرا۔ عجمیوں کو ہمارے سر چڑھایا، ہمارا مال و متاع ان کے لئے مباح کر دیا۔ آپ اس کے مقابلہ میں نکلتے، ہم سب آپ کے ساتھ ہیں اور کوفہ کے کل عرب آپ کا ساتھ دیں گے۔

مصعب اور مختار کا مقابلہ اور مختار کا قتل :

اس درخواست پر مصعب نے اپنے مشہور سپہ سالار مہلب بن ابی صفرة کو جو خارجیوں کے مقابلہ میں برسرِ پیکار تھا بلا کر مختار سے مقابلہ کرنے کی تیاریاں شروع کر دیں۔ مختار کو اس کا علم ہوا تو اس نے احمد بن سلیط کو ساٹھ ہزار فوج کے ساتھ ان کے مقابلہ کے لئے روانہ کیا۔ مصعب بھی اپنی فوج لئے ہوئے بڑھے۔ مزار میں دونوں کا مقابلہ ہوا۔ مختار کی فوج شکست کھا کر کوفہ کی طرف بھاگ نکلی۔ مصعب نے ہر طرف سے گھیر کر قتل کرنا شروع کیا اور تعاقب کرتے ہوئے کوفہ تک پہنچ گئے۔ اس وقت مختار اپنی فوج لے کر خود آگے بڑھا۔ نہر بصرین کے پاس دونوں میں مقابلہ ہوا۔ اس معرکہ میں بھی مختار کو شکست ہوئی اور اس کے بے شمار آدمی مارے گئے اور مختار شکست کھا کر کوفہ میں داخل ہو گیا۔ مصعب بھی تعاقب میں چلے گئے۔

مختار دارالامارة میں قلعہ بند ہو گیا۔ مصعب نے دارالامارة کو گھیر لیا اور چالیس دن تک نہایت سختی کے ساتھ محاصرہ قائم رہا۔ مسلسل دو شکستوں سے مختار کی قوت بہت کمزور پڑ چکی تھی، اس لئے محاصرہ کی تاب نہ لا سکا۔

جب اس کے سامنے ہلاکت کے سوا مفر کی صورت باقی نہ رہی اس وقت اس نے حمایت اہل بیت کی نقاب الٹ دی اور اپنے اصل رنگ میں نمایاں ہو گیا اور اپنے مقرب خاص سائب بن مالک اشعری سے کہا، اب وقت آ گیا ہے کہ ہمارے ساتھ نکلو اور دین کے لئے نہیں بلکہ حسب کے لئے آخری مقابلہ ہو جائے۔

سائب نے یہ غیر متوقع کلمات سن کر انا للہ پڑھا، اور پوچھا، ابوالحق! ہم لوگ اب تک یہ سمجھ رہے تھے کہ تم مذہب کے لئے جانبازی دکھا رہے ہو۔ مختار نے نہایت صفائی کے ساتھ جواب دیا نہیں اپنی عمر کی قسم ہرگز نہیں! یہ تمام لڑائیاں صرف دنیا طلبی کے لئے تھیں۔ میں نے دیکھا کہ شام پر عبد الملک کا قبضہ ہے، حجاز پر عبد اللہ بن زبیر قابض ہیں۔ بصرہ مصعب کے ہاتھوں میں ہے، عروص پر نجدہ خردی کا تسلط ہے، خراسان عبد اللہ بن خازم کے زیر فرمان ہے اور میرے حصہ میں کچھ بھی نہیں۔ اس لئے مجھ میں بھی قسمت آزمائی کا جذبہ پیدا ہوا۔ لیکن حسینؑ کے خون کے انتقام کی دعوت کے بغیر مجھ کو کامیابی نہیں ہو سکتی تھی، اس لئے اس کو آڑ بنایا۔

اس تقریر کے بعد گھوڑا تیار کرایا، زرہ منگائی اور اپنے خاص حفاظتی دستہ کو لے کر آخری مقابلہ کے لئے نکلا اور بڑی بہادری کے ساتھ لڑتا رہا، لیکن اس کی قوت کمزور پڑ چکی تھی، ساتھیوں کے حوصلے پست ہو چکے تھے۔ اس لئے انہوں نے عین میدان جنگ میں ساتھ چھوڑ دیا اور مختار کو مجبور ہو کر پھر قصر امالہ کی جانب پسپا ہو جانا پڑا۔ اس پسپائی میں اس کے چھ ہزار آدمی قصر میں داخل ہو گئے مگر وہ خود تین سو سواروں کی قلیل جماعت کے ساتھ باہر ہی رہ گیا۔

مصعب کے ساتھیوں نے اس کا راستہ روک دیا، لیکن اس وقت بھی مختار قصر کی دیوار کی آڑ لے کے مقابلہ کرتا رہا، اسی مقابلہ میں بنی حنفیہ کے دو آدمیوں نے تلوار سے زخمی کر کے گرا دیا اور سر قلم کر کے مصعب کے سامنے پیش کیا گیا۔ مصعب نے اس صلہ میں تیس ہزار انعام دیا اور مختاری فتنہ کا خاتمہ ہو گیا۔

محمد بن حنفیہ کی جلا وطنی :

مختار کی زندگی تک محمد بن حنفیہ کا بازو قوی تھا۔ اس لئے ابن زبیرؓ نے ان کی رہائی کے بعد ان سے بیعت کے بارے میں اصرار نہیں کیا۔ مختار کے قتل کے بعد جب محمد بن حنفیہ کا کوئی پشت پناہ باقی نہ رہا تو پھر ابن زبیرؓ نے ان سے بیعت کا مطالبہ شروع کیا اور ان سے کہلا بھیجا کہ اگر تم آسانی سے

بیعت نہ کرو گے تو لڑکر زبردستی بیعت لی جائے گی۔ لیکن محمد بن حنفیہ نے اس کی بھی پروا نہ کی اور پھر بیعت سے انکار کر دیا۔

یہ وہ زمانہ تھا جب عبدالملک اور ابن زبیرؓ میں مقابلہ ہو رہا تھا۔ عبدالملک کو ابن زبیرؓ کی اس دھمکی کی خبر ملی تو اس نے محمد بن حنفیہ سے کہلا بھیجا کہ تم میرے پاس شام چلے آؤ، یہاں اطمینان کے ساتھ رہو گے۔ عبدالملک محمد بن حنفیہ کا ابن زبیرؓ سے زیادہ دشمن تھا۔ مگر محمد اس وقت ابن زبیرؓ کے طرز عمل سے بہت زیادہ دل برداشتہ تھے۔ اس لئے عبدالملک کے دعوت قبول کر لی اور شام روانہ ہو گئے۔ مگر مدین پہنچ کر ان کو عبدالملک کی طرف سے فریب کا خطرہ پیدا ہوا۔ اس لئے وہ ایلمہ میں اتر پڑے۔

یہاں ان کے زہد و ورع کا بڑا چرچا ہوا۔ عبدالملک کو اس کی خبر ہوئی تو عوام میں ان کی قبولیت اور پذیرائی سے اس کو خطرہ محسوس ہوا اور اس نے ابن حنفیہ کو لکھ بھیجا کہ جو شخص میری بیعت نہیں کرے گا وہ میری حدود مملکت میں نہیں ٹھہر سکتا۔ اس لئے محمد حنفیہ پھر مکہ لوٹ گئے اور بیرون شہر شعب ابی طالب میں قیام کیا۔ اس وقت پھر ابن زبیرؓ نے بیعت اور شہر مکہ میں آنے کے لئے اصرار کیا۔ جب محمد بن حنفیہ نے دیکھا کہ یہاں رہ کر ابن زبیرؓ کی بیعت سے مفر مشکل ہے تو طائف چلے گئے۔

حضرت ابن عباسؓ کو اس کی خبر ملی تو وہ ابن زبیرؓ کے پاس گئے، دونوں میں تلخ گفتگو ہوئی اور ابن عباسؓ بھی مکہ چھوڑ کر طائف چلے گئے۔ دوسری روایت میں ہے کہ محمد بن حنفیہ کے ساتھ ساتھ ابن زبیرؓ نے ابن عباسؓ سے زبردستی بیعت لینے کے لئے اصرار شروع کیا تھا۔ ان کے اصرار سے تنگ آ کر دونوں ساتھ طائف چلے گئے تھے۔

مختار کے قتل کے بعد ابراہیم بن اشتر جو حضرت علیؓ کے فدائیوں میں تھے، مصعب کی امان میں آ گئے۔ کیونکہ اب بنی امیہ اور مصعب کا مقابلہ تھا اور بنی امیہ کے مقابلہ میں وہ ابن زبیرؓ کو مرجع سمجھتے تھے۔ مصعب کے ساتھ ملنے کے بعد ابراہیم ان کے معتمد علیہ بن گئے۔ ابھی تک مختار کی فوج جو آخری ہسپائی کے وقت داخل ہو گئی تھی بدستور قلعہ بند تھی۔ جب اس کا سامان رسد ختم ہو گیا تو وہ بھی امان مانگنے پر مجبور ہو گئی۔ مصعب نے کہلا بھیجا کہ جب تک تم سپر ڈال کر پوری طرح اطمینان نہ دلاؤ گے اس وقت تک امان نہیں دی جاسکتی۔ یہ سب بھوکوں مر رہے تھے اس لئے چارونا چار سپر ڈال کر قلعہ سے باہر نکل آئے۔ مصعب نے ان سب کی گردنیں قلم کرادیں۔

ابن زبیرؓ کا غلبہ اور عبد الملک کی تیاریاں :

مختار کا قتل ابن زبیرؓ کے لئے مختلف حیثیتوں سے نہایت مفید ہوا۔ اس کا کل مقبوضہ علاقہ ان کے قبضہ میں آ گیا اور دو حریفوں کے بجائے صرف ایک حریف عبد الملک باقی رہ گیا، جس سے پٹنا نسبتاً آسان تھا۔ اس لئے بنی امیہ کے سامنے پھر ایک مرتبہ موت اور زیست کا سوال پیدا ہو گیا۔ چنانچہ عبد الملک نے اپنے خاندان کے اصحاب رائے کو جمع کر کے کہا، ابن زبیرؓ کی قوت اتنی بڑھ گئی ہے کہ اب تمہارے گھر پر ان کی فوج کشی کا خطرہ ہے اس سے بچنے کے لئے تم لوگ کیا رائے دیتے ہو اس سوال پر سب نے بالاتفاق ابن زبیرؓ سے مقابلہ کا مشورہ دیا۔ چنانچہ اس فیصلہ کے مطابق عبد الملک نے کل ممالک محروسہ میں فرمان جاری کر دیئے کہ تمام چھاؤنیوں کی فوجیں شام کی سرحد پر جمع ہوں۔ اس حکم پر شامی فوجوں کا ابنوہ عظیم جمع ہو گیا۔

مصعب کی مقابلہ کی تیاریاں :

حضرت مصعب کو عبد الملک کے انتظامات کی خبر ہوئی تو انہوں نے بھی اپنی فوجیں بڑھائیں۔ مقام دیر حانات پر دونوں کا مقابلہ ہوا۔ مصعب کے آدمی اُموی فوجوں کے ٹڈی دل دیکھ کر گھبرا گئے اور اس کے مقابلہ میں اپنی ناکامی کا یقین ہو گیا۔ چنانچہ مصعب نے اپنے بھائی عروہ بن زبیرؓ سے پوچھا کہ حسینؓ نے دشت کربلا میں ایسے نازک وقت میں کیا کیا تھا؟ انہوں نے پوری تفصیل بیان کر کے کہ ابن زیاد نے ان سے اطاعت قبول کرانی چاہی، لیکن حسینؓ نے انکار کر دیا اور آزادی کی موت کی غلامی کی زندگی پر ترجیح دی، حریت اور آزادی کا یہ درس سن کر مصعب کی رگ و پے میں ایک نئی روح دوڑ گئی اور وہ میدانِ جہاد پر پڑھنے لگے :

سَلَامَانَ إِلَّا بِالطَّعْفِ مِنْ آلِ بَنِي هَاشِمٍ تَامَسُوا فَسَنُوا لِلْكَرَامِ النَّاصِيَا

”آل ہاشم میں سے ان لوگوں نے مقام طغ میں قلعہ کی اور شریفوں کے لئے قلعہ کی راہ پیدا کر دی“

عبد الملک نے اس مرتبہ ابن زبیرؓ کے مقابلہ کے لئے بڑے بڑے انتظامات کئے تھے۔ ان کے تمام حامیوں کو طمع دلا کر انہیں توڑنے کی کوشش کی تھی۔ عراق کے تمام مروانی طمع میں آ کر اس سے مل گئے تھے۔ زفر بن حارث جو قر قیسا میں ابن زبیرؓ کا رکن تھا، عبد الملک کا طمع ہو گیا تھا۔

اس سلسلہ میں عبد الملک نے ابراہیم بن اشعر کو بھی جو ابن زبیرؓ کے ساتھ ہو گئے تھے، خط لکھا تھا کہ تم نے محض دشمنی کی بنا پر میری اطاعت نہیں قبول کی، اگر مع اپنے زیر اثر اشخاص کے میری

اطاعت قبول کر لو تو وہ علاقہ جو فرات سے سیراب ہوتا ہے تم کو عطا کر دیا جائے گا۔

ابراہیم نے یہ خط لا کر مصعب کے سامنے پیش کر دیا۔ اگر مجھ کو مشرق سے لے کر مغرب تک کا علاقہ بھی دیا جائے تو بھی میں صفیہ کی اولاد کے مقابلہ میں بنی امیہ کی مدد نہ کروں گا، اور یہ خط تنہا میرے ہی پاس نہیں آیا ہے۔ بلکہ آپ کے تمام بڑے بڑے ممتاز افسروں کو اس قسم کی طمع دلائی گئی ہے۔ جس سے بہتوں کی نیٹوں میں فتور اور ارادوں میں تذبذب بھی پیدا ہو گیا ہے، اگر اجازت ہو تو ان سب کی گردنیں اڑا دوں۔ مصعب نے کہا،

وقت کی نزاکت کے پیش نظر یہ کارروائی مناسب نہیں ہے۔ اس سے مقتولین کے قبائل میں بددلی پیدا ہو جائے گی۔ جو ہمارے لئے مضر ہے۔ ابراہیم نے کہا، اگر ایسے لوگوں کا قتل نہ کیا جائے تو کم از کم مشتبہ لوگوں کو ہی گرفتار کر لیا جائے، کامیابی کے بعد پھر انہیں چھوڑ دیا جائے گا، اس سے یہ فائدہ ہوگا کہ اگر خدا نخواستہ کوئی ناخوشگوار صورت پیش آئی تو یہ کارروائی حفظ ماتقدم کا کام دے گی۔ مصعب نے کہا اگر آج میں لوگوں کو قید کرتا ہوں تو یہ لوگ اس کو امیر المومنین کے سامنے میرے خلاف ثبوت پیش کریں گے۔ ابراہیم نے کہا، اگر آپ اتنا بھی نہیں کر سکتے تو پھر موت کے سوا چارہ نہیں، بسم اللہ چلے اور شریفانہ جان دیجئے، میں ہمتن فداکاری کے لئے تیار ہوں۔

اس گفتگو کے بعد دونوں نے فوجیں بڑھا کر دیر جاٹلیق میں اتار دیں۔ صبح اٹھ کر دیکھا تو ابراہیم کی فوجیں گوئی بالکل صحیح نکلی، تمام مشتبہ لوگ عبدالملک سے مل گئے تھے۔ اس وقت ابراہیم نے مصعب سے کہا، آپ نے دیکھا، میری رائے کس قدر صحیح تھی، لیکن اب تیرا مکان سے نکل چکا ہے۔

ابراہیم کا قتل : غرض دیر جاٹلیق میں فریقین کا مقابلہ ہوا اور ابراہیم، محمد بن مروان کے مقابلہ میں نکلے اور صبح سے شام تک مقابلہ ہوتا رہا۔ آخر میں ابراہیم نے ایسا زبردست حملہ کیا کہ محمد بن مروان کے پاؤں اغزش میں آ گئے مگر عبدالملک کی بروقت کمک نے پھر پیر جمادیٰ ۱۔

گو مصعب پہلے ہی سے مایوس ہو چکے تھے، لیکن میدان جنگ میں انہی کا پلہ بھاری رہا اور جس قدر جنگ طول کھینچتی جاتی تھی، اسی قدر اموی فوج کا پہلو کمزور پڑتا جاتا تھا اور قریب تھا کہ وہ پیر ڈال کر میدان چھوڑ دے، مگر اسی وقت ابن زبیرؓ کی فوج کے ایک ممتاز آدمی عتاب بن ورقا تھیمی کا ابراہیم کی اس شجاعت پر حسد ہوا اور اس نے کوشش کی کہ اس کامیابی کا سہرا ابراہیم کے سر نہ بندھنے پائے۔ چنانچہ ابراہیم سے کہا، رات ہو چکی ہے سپاہی تھک چکے ہیں اس لئے جنگ روک دینی چاہئے۔

ابراہیم نے کہا، دشمن مقابل میں ہے، اس لئے جنگ کس طرح روکی جاسکتی ہے۔ عتاب نے کہا کم از کم میمنہ ہی کو آرام لینے دو۔ ابراہیم نے اس سے بھی انکار کیا۔ اس انکار پر عتاب کی آتش حسد اور زیادہ مشتعل ہو گئی اور وہ میمنہ کو جس کی کمان وہ خود کر رہا تھا، میدان سے ہٹا لے گیا۔ اس کے ہٹتے ہی مصعب کی فوج کا ایک بازو کمزور پڑ گیا۔

محمد بن مروان کے میسرہ نے اندازہ کر کے نہایت زور شور کا حملہ کیا، اس کے حملہ کے ساتھ ہی اموی سوار ہر طرف سے نیزے لے کر ابراہیم پر ٹوٹ پڑے اور وہ زخمی ہو کر گھوڑے کی پشت سے زمین پر گر گئے۔ ان کے گرتے ہی امویوں نے بڑھ کر سرتن سے جدا کر لیا۔ ابراہیم کے قتل سے ابن زبیرؓ کا بڑا زبردست بازو ٹوٹ گیا۔

عیسیٰ بن مصعب کا بہادرانہ قتل :

حضرت ابراہیم مصعب کے دست راست تھے۔ اس لئے ان کے قتل سے ان کی قوت بہت کمزور ہو گئی اور اس کے بالمقابل عبدالملک کو تازہ دم مدد مل گئی۔ پھر بھی مصعب ہمت نہ ہارے اور دوسرے دن پھر مقابلہ میں نکلے۔ لیکن اب ان کی قوت ختم ہو چکی تھی۔ اس پر حزاویہ ہوا کہ جنگ شروع ہونے سے پہلے مفروضہ کے قبائل نے ان کا ساتھ چھوڑ دیا، اور مصعب کے ساتھ کل سات آدمی باقی رہ گئے۔ اس وقت انہوں نے اپنے صاحبزادہ عیسیٰ سے کہا ”اب میرے قتل ہونے میں کوئی شبہ نہیں ہے، تم خواہ مخواہ اپنی قیمتی جان ضائع نہ کرو اور مکہ جا کر اپنے چچا سے عراقیوں کی بے وفائی کا حال سنا دو۔“ فیور لڑکے نے جواب دیا ”میں قریش کا یہ طعنہ نہیں سن سکتا کہ باپ کو چھوڑ کر بھاگ آیا۔“ مصعب نے کہا ”اگر نہیں جاتے تو میرے سامنے میدان میں نکلو، تا کہ جو کچھ مجھ سے ہو سکے تمہاری حفاظت کر لوں۔ باپ کے اس حکم پر لڑکا آگے بڑھا اور لڑتے لڑتے باپ کے اوپر سے فدا ہو گیا۔

مصعب کا قتل : عبدالملک اور مصعب کے بہت پرانے تعلقات تھے۔ لیکن سیاست کی بازی نے دونوں کو میدان جنگ میں دوسرے کے مقابل حریفانہ کھڑا کر دیا تھا۔ مگر گذشتہ تعلقات کا لحاظ کر کے عبدالملک انہیں قتل نہیں کرنا چاہتا تھا، چنانچہ عیسیٰ کے قتل کے بعد اس نے اپنے مشیروں سے مصعب کی جان بخشی کے بارے میں مشورہ کیا۔ اس میں اتنا اختلاف پیدا ہوا اور اتنا بڑھا کہ نوبت لڑائی تک پہنچ گئی۔ مگر عبدالملک کسی قیمت پر بھی مصعب کے خون کا بار اپنے اوپر لینا نہیں چاہتا تھا۔ چنانچہ اختلاف رائے کے باوجود اس نے مصعب کے بھائی محمد کے ذریعہ لمان بجوادی۔ انہوں نے

جا کر مصعب سے کہا کہ ”امیر المؤمنین نے تمہاری خطاؤں سے درگزر کر کے تمہاری جان و مال کو امان دے دی ہے، تم جہاں دل چاہے چلے جاؤ۔“ ابھی محمدؐ نے یہ پیام پہنچایا تھا کہ ایک اموی سپاہی مصعب کے لڑکے عیسیٰ کا سرتن سے جدا کرنے کے لئے بڑھا۔

دل شکستہ باپ سے یہ منظر نہ دیکھا گیا، مصعب اسے ہٹانے کے لئے بڑھے۔ اس وقت میں شامیوں نے اپنے آدمی کو ہوشیار کر دیا۔ مصعب کا گھوڑا زخمی ہو چکا تھا، اس لئے وہ گھوڑے سے اتر پڑے۔ عبید اللہ بن زیاد بن ظہیان جو انہیں دیکھ رہا تھا، ان کی طرف لپکا، انہوں نے اس کو زخمی کر دیا۔ لیکن خود زخموں سے چور ہو رہے تھے، اس لئے زیادہ دیر تک مقابلہ کرنے کی تاب نہ تھی۔ اس لئے بالآخر عبید اللہ نے ان کا کام تمام کر دیا اور حضرت زبیرؓ بن عوام کا گویا آبدار اور لیکن زبیرؓ کا دست باز و پیوند خاک ہو گیا اور عراق پر عبد الملک کا قبضہ ہو گیا۔

ابن زبیرؓ سے مقابلہ کی تیاریاں :

مصعب کے قتل سے عبد اللہ بن زبیرؓ کا بازو بالکل ٹوٹ گیا اور ان کا کوئی سچا خیر خواہ اور مخلص و معتمد علیہ باقی نہیں رہا۔ دوسری طرف عراق کا علاقہ نکل جانے سے ابن زبیرؓ کی آمدنی میں بڑی کمی ہو گئی تھی اور عبد الملک کے لئے ابن کا زیر کر لینا آسان ہو گیا۔ چنانچہ ۲۷ھ میں اس نے ابن زبیرؓ کا قصبہ چکانہ کا فیصلہ کر لیا۔ اور ایک دن منبر پر چڑھ کر مجمع سے سوال کیا کہ تم میں سے کون ابن زبیرؓ کے قتل کا بیڑا اٹھاتا ہے؟ اس سوال پر حجاج نے اپنا نام پیش کیا۔ عبد الملک نے تین مرتبہ یہ سوال دہرایا اور تینوں مرتبہ حجاج نے ہی جواب دیا، اور کہا ”میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ میں نے ایک ڈھال چھین کر لگالی ہے۔“

حرم کا محاصرہ :

چنانچہ عبد الملک نے ذیقعدہ ۲۷ھ میں حجاج کو ابن زبیرؓ کے مقابلہ کے لئے روانہ کیا۔ اس وقت حضرت ابن زبیرؓ ”حرم محترم میں پناہ گزین تھے۔ اس لئے حجاج نے مکہ پہنچ کر حرم کا محاصرہ کر لیا اور مسلسل کئی مہینہ تک محاصرہ قائم رہا، اس پوری مدت میں ایسی ہولناک آتش زنی اور سنگ باری ہوتی رہی کہ اس کی چمک اور دھماکوں سے معلوم ہوتا تھا کہ آسمان زمین پر آجائے گا۔“

۱۔ مروج الذهب مسعودی۔ جلد ۲۔ ص ۵۲۲-۵۲۳ ۲۔ مستدرک حاکم۔ جلد ۳۔ ص ۵۵۱ ۳۔ طبری۔ جلد ۸۔ ص ۸۴۳

۴۔ ابن اثیر۔ جلد ۳۔ ص ۲۸۶

حضرت ابن زبیر نہایت دلیری اور پامردی سے مقابلہ کرتے رہے اور ان کے اطمینان و سکون میں مطلق فرق نہ آیا۔ عین سنگباری کی حالت میں وہ خانہ کعبہ میں نماز پڑھتے تھے، اور بڑے بڑے پتھر آکر ان کے پاس گرتے تھے، مگر وہ اپنی جگہ سے نہ ہٹتے تھے۔

سامان رسد کا اختتام اور ابن زبیرؓ کے ساتھیوں کی بے وفائی :

ابتدا میں ابن زبیرؓ کے پاس سامان رسد کافی تھا، لیکن اتنے طویل محاصرہ کا ساتھ نہیں دے سکتا تھا۔ اس لئے آخر میں رسد کی قلت کی وجہ سے سواری کے گھوڑے ذبح کر کے کھانے کی نوبت آگئی۔ پورے مکہ میں عام قحط پڑ گیا۔ ہر چیز سونے کے بھاؤ بکنے لگی، چنانچہ ایک مرغی دس درہم کو ملتی تھی۔ باجرہ جیسا معمولی غلہ ۱۲ درہم فی رطل بکتا تھا۔ ایسی حالت میں زیادہ دنوں تک استقلال دکھانا مشکل تھا۔ چنانچہ ابن زبیرؓ کے ساتھی محاصرہ کی سختیوں اور بھوک کی تکلیف سے عاجز آ کر حجاج کے دامن میں پناہ لینے لگے اور رفتہ رفتہ دس ہزار آدمی ابن زبیرؓ کا ساتھ چھوڑ کر حجاج سے مل گئے۔ حتیٰ کہ ابن زبیرؓ کے دو صاحبزادوں حمزہ اور حبیب نے بھی باپ کا ساتھ چھوڑ دیا۔ البتہ ایک صاحبزادہ آخر دم تک ثابت قدم رہا اور اسی ثابت قدمی میں مارے گئے۔

حضرت اسماءؓ کا مشورہ اور ان کا شجاعانہ جواب :

ماں حضرت اسماءؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی ”اماں میرے ساتھیوں نے ایک ایک کر کے میرا ساتھ چھوڑ دیا ہے، حتیٰ کہ میرے لڑکے بھی مجھے چھوڑ کر چلے گئے ہیں۔ اب صرف چند فداکار باقی رہ گئے ہیں، لیکن ان میں بھی مقابلہ کی تاب نہیں ہے اور ہمارا دشمن ہماری خشاء کے مطابق مطالبات پورے کرنے پر آمادہ ہے۔ ایسی حالت میں آپ کیا فرماتی ہیں؟

اس وقت حضرت اسماءؓ کی عمر سو (۱۰۰) برس سے متجاوز ہو چکی تھی۔ جوان بیٹوں اور پوتوں کے داغ اٹھا چکی تھیں، دل و جگر نگار ہو رہے تھے۔ نامور بیٹوں میں صرف حضرت عبداللہؓ باقی تھے۔ ان حالات، اس پیرانہ سالی اور ایسی خستہ دلی کی حالت میں صدیق اکبرؐ کی اولوالعزم بہادر بیٹی نے آمادہ بے قتل بیٹے کو جو شریفانہ جواب دیا، اس پر عورتوں کی تاریخ ہمیشہ فخر کرتی رہے گی۔

فرمایا : ”بیٹا تم کو اپنی حالت کا خود صحیح اندازہ ہوگا، اگر تم کو اس کا یقین ہے کہ تم حق پر ہو، اور حق کی دھمت دیتے ہو تو جاؤ اس کے لڑو کہ تمہارے بہت سے ساتھیوں نے اس پر جان دی ہے۔ لیکن اگر تمہارا مقصد دنیا طلبی ہے تو تم سے بڑھ کر کون خدا کا بندہ ہوگا کہ خود اپنے کو ہلاکت میں ڈالا

اور اپنے ساتھ کتنوں کو ہلاک کیا۔ اگر یہ عذر ہے کہ تم حق پر ہو اور اپنے احوال و انصاری کی کمزوری کی وجہ سے لاچار ہو گئے ہو تو یاد رکھو شریفوں اور دینداروں کا یہ شیوہ نہیں ہے۔ تم کو کب تک دنیا میں رہنا ہے۔ جاؤ حق پر جان دینا دنیاوی زندگی سے بہتر ہے۔“

ماں کی زبان سے یہ بہادرانہ جواب سن کر کہ ”اماں مجھے یہ خوف ہے کہ اگر بنی امیہ میرے قتل کرنے میں کامیاب ہو گئے تو میری لاش کو مثلہ کر کے سولی پر لٹکائیں گے اور اس کی بے حرمتی کریں گے۔“ بہادر ماں نے جواب دیا ”بیٹا ذبح ہونے کے بعد بکری کی کھال کھینچنے سے تکلیف نہیں ہوتی۔ جاؤ خدا سے مدد مانگ کر اپنا کام پورا کرو۔“

یہ حوصلہ افزا کلمات سن کر ابن زبیرؓ کی ڈھارس بندھی، اماں کے سر کا بوسہ دیکر کہا میری بھی یہی رائے ہے۔ پھر مختصر الفاظ میں اپنی صفائی پیش کر کے کہ ”میں نے یہ صفائی اپنے نفس کو کمزوریوں سے مبرا ظاہر کرنے کے لئے نہیں پیش کی ہے۔ بلکہ اس کا مقصد صرف یہ کہ آپ کو تسکین رہے کہ آپ کے لڑکے نے ناحق بات کے لئے جان نہیں دی۔“

ماں نے جواب دیا ”مجھے امید ہے کہ میں ہر حالت میں صبر و شکر سے کام لوں گی، اگر تم مجھ سے پہلے دنیا سے رخصت ہو گئے تو صبر کروں گی اور اگر کامیاب ہوئے، تو تمہاری کامیابی پر خوش ہوں گی، اچھا اب جاؤ، دیکھو خدا کیا انجام دکھاتا ہے۔“ ابن زبیرؓ دعا کے طالب ہوئے، ماں نے ان کے حق میں دعا کی اور انہیں خدا کے سپرد کیا، پھر اپنے لئے صبر و شکر کی دعا کی اور حضرت عبداللہؓ سے کہا ”بیٹا جاؤ کہ آخری مرتبہ تم سے رخصت ہوں۔“ ابن زبیرؓ نے کہا میں بھی آخری رخصتی کے لئے حاضر ہوا ہوں کہ اب دنیا میں یہ میرے آخری دن ہیں۔ حضرت اسماءؓ نے گلے سے لگا کر بوسہ دیا اور فرمایا ”جاؤ اپنا کام پورا کرو۔“ اتفاق سے گلے لگانے میں ابن زبیرؓ کی زرہ پر ہاتھ پڑ گیا، پوچھا، بیٹا یہ کیا؟ ”جان دینے والوں کا یہ شیوہ نہیں ہے۔“

شہادت : ماں کے اس فرمان پر انہوں نے جان کی حفاظت کا یہ آخری سہارا بھی اتار دیا اور کپڑے درست کر کے رجز پڑھتے ہوئے رزمگاہ پہنچے اور آتے ہی اس زور کا حملہ کیا کہ بہت سے شامی خاک و خون میں تڑپ گئے۔ لیکن شامیوں کی تعداد بہت زیادہ تھی، اس لئے ابن زبیرؓ کے ساتھی ان کے جوابی حملہ کی تاب نہ لاسکے اور ان کے ریلے سے منتشر ہو گئے۔ ایک خیر خواہ نے ایک محفوظ مقام پر چلے جانے کا مشورہ دیا۔ فرمایا، ایسی حالت میں مجھ سے بُرا کون ہوگا کہ پہلے اپنے ساتھیوں کو قتل ہونے کے لئے سامنے کر دیا اور ان کے قتل ہونے کے بعد میں ان کی جیسی موت سے بھاگ نکلوں۔“

اب ابن زبیرؓ کی قوت بہت کمزور پڑ گئی تھی۔ اس لئے شامی برابر آگے بڑھتے آرہے تھے، یہاں تک کہ خانہ کعبہ کے تمام پھاٹکوں پر ان کا ہجوم ہو گیا۔ لیکن ابن زبیرؓ اس حالت میں بھی شیر کی طرح چاروں طرف حملہ آور ہوتے اور جدھر رخ کر دیتے تھے۔ شامی کائی کی طرح پھٹ جاتے تھے۔ حجاج نے جب دیکھا کہ کوئی شامی ان کے پاس جانے کی ہمت نہیں کرتا تو خود سواری سے اتر پڑا اور اپنی فوج کو لاکار کر ابن زبیرؓ کے علمبردار کی طرف بڑھنے کا حکم دیا۔ لیکن ابن زبیرؓ نے بڑھ کر اس بڑھتے ہوئے ہجوم کو بھی منتشر کر دیا اور نماز پڑھنے کے لئے مقام ابراہیم پر چلے گئے۔ شامیوں نے موقع پا کر ان کے علمبردار کو قتل کر کے علم چھین لیا۔ ابن زبیرؓ نماز پڑھ کر لوٹے تو بڑی دیر تک بغیر علم کے لڑتے رہے۔

عین اس حالت میں ایک شامی نے ایسا پتھر مارا کہ ابن زبیرؓ کا سر کھل گیا اور چہرے سے خون کا فوارہ پھوٹ نکلا۔ ڈاڑھی خون سے تر ہو گئی۔ اس خونبانہ فشانی پر ابن زبیرؓ نے یہ شجاعانہ شعر پڑھا، ۔

والس اعلى الاعقاب قدمى كلومنا

ولكن على اقدامنا تقطر الدماء

”یعنی ہم وہ نہیں (پیٹھ پھرنے کی وجہ سے جن کی ایڑیوں پر خون گرتا ہے، بلکہ سینہ سپر ہونے کی وجہ سے)

ہمارے قدموں پر خون ٹپکتا ہے۔“

یہ رجز پڑھتے جاتے تھے اور پوری شجاعت و دلیری سے لڑتے جاتے تھے، لیکن رنحوں سے چور ہو چکے تھے۔ ساتھیوں کی ہمت پست ہو چکی تھی۔ شامیوں کا انبوه کثیر مقابل میں تھا۔ اس لئے آخر میں انہوں نے ہر طرف سے یورش کر کے قتل کر دیا اور جمادی الثانی ۳۷ھ کا یہ یگانہ بہادر، حواری رسول ﷺ کا تخت جگر اور ذات العطا قین کا نور ہمیشہ کے لئے خاموش ہو گیا۔

حجاج کی شقاوت، لاش کی بے حرمتی اور حضرت اسماءؓ کی بہادری :

سنگدل اور کینہ توز حجاج کی آتش انتقام ابن زبیرؓ کے خون سے بھی نہ بجھی۔ قتل ہونے کے بعد اس نے سر کٹوا کر عبدالملک کے پاس بھجوا دیا اور لاش قریش کی عبرت کے لئے بیرون شہر ایک بلند مقام پر سولی پر لٹکوا دی۔

۱۔ یہ تمام حالات مخلصانین اثیر۔ جلد ۴۔ ص ۲۸۶-۲۸۹ مستدرک حاکم تذکرۃ ابن زبیرؓ سے ماخوذ ہیں۔

۲۔ طبری۔ جلد ۸۔ ص ۸۵۰ مستدرک تذکرۃ ابن زبیرؓ ج ۳ ابن اثیر۔ جلد ۴۔ ص ۲۹۰

حضرت اسماءؓ کو خبر ہوئی تو انہوں نے کہلا بھیجا کہ ”خدا تجھے عارت کرے تو نے لاش سولی پر کیوں آویزاں کرائی“۔ اس سنگدل نے جواب دیا، ”ابھی میں اس منظر کو باقی رکھنا چاہتا ہوں“۔ اس کے بعد تجمیز و تکفین کی اجازت مانگی۔ لیکن حجاج نے اس کی بھی اجازت نہ دی اور اس اولوالعزم اور حوصلہ مند بہادر کی لاش جس نے زندگی میں سات برس تک بنی اُمیہ کو لرزہ بر اندام کئے رکھا تھا، شارع عام پر تماشا بنی رہی۔ قریش آتے تھے، دیکھتے تھے اور عبرت حاصل کرتے ہوئے گزر جاتے تھے۔

اتھاقا بن عمرؓ کا گزر ہوا، وہ لاش کے پاس کھڑے ہو گئے اور تین مرتبہ لاش سے خطاب کر کے کہا ”ابو حسیب السلام علیک! میں نے تم کو اس میں پڑنے سے منع کیا تھا، تم روزے رکھتے تھے، نمازیں پڑھتے تھے، صلہ رحمی کرتے تھے“۔ حجاج کو اس کی خبر ہوئی تو لاش سولی سے اتر کر یہودیوں کے قبرستان میں پھینکوادی اور بالائے ستم یہ کیا کہ ستم رسیدہ اسماءؓ کو بلا بھیجا۔ انہوں نے آنے سے انکار کر دیا۔ ان کے انکار پر اس گستاخ نے کہلا بھیجا کہ سیدھی چلے آؤ، ورنہ چوٹی پکڑ کے گھسٹوا کر بلاؤں گا۔

حضرت صدیق اکبرؓ کی بیٹی نے جواب دیا، ”خدا کی قسم اب میں اس وقت تک نہ آؤں گی، جب تک تو چوٹی پکڑ کر نہ گھسٹوائے گا“۔ یہ جواب سن کر حجاج نے سواری منگائی اور حضرت اسماءؓ کے پاس جا کر کہا، ”سچ کہتا خدا نے اپنے دشمن کو کیا انجام دکھایا۔“

دلیر خاتون نے جواب دیا، ”ہاں تو نے ان کی دنیا خراب کی۔ لیکن انہوں نے تیری آخرت برباد کر دی“، تو مجھے ذاتِ اعطافین کہہ کر شرم دلاتا ہے، تجھ کو کیا معلوم یہ کتنا معزز لقب ہے اور کس کا دیا ہوا ہے۔

”نادان! یہ لقب رسول اللہ ﷺ کا عطا کردہ ہے۔ میرے پاس دو ٹپکے (نطاق) تھے، ایک ٹپکے سے میں چیونٹیوں سے بچانے کے لئے رسول اللہ ﷺ کا کھانا ڈھانکتی تھی اور دوسرا اپنے مصرف میں لاتی تھی۔ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ بنی ثقیف میں کذاب اور میر ہوں گے۔ کذاب تو ہم نے دیکھ لیا، میر باقی رہ گیا تھا، وہ تو ہے“۔ حضرت اسماءؓ کی یہ بیباکانہ باتیں سن کر حجاج لوٹ گیا۔

تدقین : عبد الملک کو جب اس کی خبر ہوئی کہ حضرت اسماءؓ نے لاش مانگی، مگر حجاج نے لاش دینے سے انکار کیا تو اس نے اس کو نہایت غضب آلود خط لکھا کہ تم نے لاش اب تک کیوں نہ حوالہ کی۔

اس ڈانٹ پر اس نے لاش دے دی اور غمزہ ماں نے غسل دلا کر اپنے نور نظر کو مقام جحون میں سپرد خاک کیا۔ شہادت کے وقت ابن زبیرؓ کی عمر ۷۷ سال تھی۔ مدت خلافت سات برس۔

علامہ شبلیؒ نے حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کی شہادت اور حضرت اسماءؓ کے غیر معمولی صبر و استقلال کو نہایت موثر پیرایہ میں نظم کیا ہے۔ اس مقام پر ان کا نقل کرنا بے محل نہ ہوگا۔ فرماتے ہیں :

مسند آرائے خلافت جو ہوئے ابن زبیرؓ
ابن مروان نے حجاج کو بھیجا پئے جنگ
حرم کعبہ میں محصور ہوئے ابن زبیرؓ
دامن عرش ہوا جانا تھا آلودہ گرد
تھا جو سامان رسد چار طرف سے مسدود
جب دیکھا کوئی ناصر و یاور نہ رہا
جاسکے کی عرض کہ ”اے اخت حریم نبوی ﷺ
آپ فرمائیے اب آپ کا ارشاد ہے کیا
صلح کرلوں کہ چلا جاؤں حرم سے باہر
بولی وہ پردہ نشین حرم سر عفاف
یہ زمین ہے وہی قربان کہ اسماعیلؑ
ماں سے رخصت ہوئے یہ کہہ کر باب دنیا
پہلے ہی حملہ میں دشمن کی اٹ دیں فوجیں
منجیقوں سے برستے تھے جو پتھر پیہم،
خون پٹکا جو قدم پر تو کہا از رو فخر
اس گھرانے نے کبھی پشت پر کھایا نہیں زخم
زخم کھا کے لڑے تھے لیکن کب تک
لاش منگوا کے جو حجاج نے دیکھی تو کہا
لاش لٹکی رہی سولی پہ کئی دن لیکن
اتفاقات سے اک دن جو اھر سے نکلیں

سب نے بیعت کے لئے ہاتھ بڑھائے یکبار
جس کی تقدیر میں مرغان حرم کا تھا شکار
فوج بیدین نے کیا کعبہ ملت کا حصار
بارش سنگ سے اٹھتا تھا جو رہ کے غبار
ہر گلی کوچہ بتا جاتا تھا اک کنج مزار
ماں کی خدمت میں گئے ابن زبیرؓ آخر کار
نظر آتے نہیں اب حرمت دین کے آثار
کہ میں ہوں آپ کا ایک بندہ فرمانبردار
یا یہیں رہ کے اسی خاک پہ ہو جاؤں نثار
حق پہ گر تو ہے پھر صلح ہے مستوجب عار
فدیہ نفس ہے خود دین غلیلی کا شعار
آپ کے دودھ سے شرمندہ نہ ہونگا زہار
جس طرف جاتے تھے یہ ٹوٹی جاتی تھی قطار
ایک پتھر نے کیا آپ کے سر درخ کو فگار
یہ ارادہ ہے کہ ہم ہاشمیوں کا ہے شعار
خون ٹپکے گا تو ٹپکے گا قدم پر ہر بار
آخر الامر گرے خاک پہ مجبور و زار
اس کو سولی پہ چڑھا کہ یہ تھا قاتل دار
ان کی ماں نے نہ کیا رنج و الم کا اظہار
دیکھ کر لاش کو بے ساختہ بولیں ایک بار

ہو چکی دیر کہ منبر پہ کھڑا ہے یہ خطیب
اپنے مرکب سے اترتا نہیں اب بھی یہ سوار

کارنامہ ہائے زندگی :

حضرت عبداللہ بن زبیرؓ قریش کے ان اولوالعزم اور حوصلہ مند بہادروں میں تھے، جنہوں نے تنہا اس عہد کی سب سے بڑی سلطنت کا برسوں مقابلہ کیا اور آنے والوں کے سبق کے لئے اپنی شجاعت و بہادری کی داستانیں چھوڑ گئے۔

انہوں نے سب سے اول امیر معاویہؓ کی وفات کے بعد ہی ۶۰ھ میں خلافت کا دعویٰ کیا تھا۔ لیکن یزید کی زندگی میں انہیں کوئی خاص کامیابی نہیں ہوئی۔ معاویہ بن یزید کی دست برداری کے بعد ۶۲ھ میں جب انہوں نے دوبارہ اپنی بیعت کی دعوت دی تو عام مسلمانوں نے انہیں خلیفہ مان لیا اور دولت اسلامیہ کے بیشتر حصوں میں ان کی بیعت ہو گئی۔

اس وقت سے لے کر ۳۷ھ تک وہ برابر بنی امیہ کا مقابلہ کرتے رہے۔ اس لئے شمار کے اعتبار سے ان کی مدت خلافت سات برس ہے۔ لیکن واقعہ کے اعتبار سے ان کو ایک دن بھی اطمینان و سکون کے ساتھ حکومت کرنے کا موقعہ نہ ملا۔ کیونکہ دعویٰ خلافت سے قتل ہونے تک برابر مختار ثقفی اور اس کے بعد بنی امیہ کا مقابلہ کرتے رہے اور ایک دن کے لئے بھی انہیں جنگ سے مہلت نہ ملی۔

ظاہر ہے کہ ان کو ان حالات میں نظام حکومت اور ملکی نظم و نسق کے قیام کی طرف توجہ کرنے کی فرصت کہاں سے مل سکتی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ انتظامی حیثیت سے ان کے سات سالہ عہد حکومت کی تاریخ کے اوراق بالکل سادہ ہیں۔ تاہم تلاش و تفحص سے جو حالات بھی مل سکے ہیں، وہ پیش کئے جاتے ہیں۔ گویا بہت ناقص ہیں، تاہم ان سے ان کے عہد حکومت کے حالات کا سرسری اندازہ ہو جائے گا۔

صوبوں کے عمال : گواہ بن زبیرؓ کو نظام حکومت کی جانب توجہ کرنے کی فرصت نہ ملی، تاہم وہ موٹے موٹے کاموں سے غافل نہ تھے۔

عمال کا عزل و نصب، خراج کی تحصیل و صولی، فوج کی نگرانی اور رعایا کی خبر گیری وغیرہ کے انتظامات برابر جاری تھے۔ چنانچہ آغاز خلافت میں جن جن مقامات پر ان کا اثر قائم ہو گیا تھا۔ وہاں ان کے کارکن پہنچ گئے تھے۔ چنانچہ عبدالرحمن بن حجاج مصر میں، نائل بن قیس فلسطین میں، ضحاک بن قیس دمشق میں، نعمان بن بشیر حمص میں، زفر بن حارث قسریں اور عواصم میں عبداللہ بن مطیع کوفہ میں، حارث بن عبداللہ بصرہ میں، اور عبداللہ بن حازم خراساں میں ان کے زبیرؓ کا کام کرتے تھے۔^۱

۱۔ علامہ نے خفیف تغیر کے ساتھ یہ واقعہ یعقوبی۔ جلد ۲۔ ص ۳۲۰ سے لیا ہے۔

۲۔ یعقوبی۔ جلد ۲۔ ص ۳۰۳

عمال کے مظالم کا تذکرہ :

عمال کی زیادتیوں کی پوری نگرانی اور اس کی روک تھام کرتے تھے۔ جہاں کسی عامل کے متعلق کسی زیادتی کی شکایت موصول ہوتی، فوراً معزول کر دیتے اور اس میں عامل کے قرب و اختصاص کا مطلق لحاظ نہ کرتے تھے۔ ۶۷ھ میں اپنے صاحبزادہ حمزہ کو بصرہ کا عامل بنایا۔ انہوں نے شرفائے بصرہ کے ساتھ ناروا سلوک کیا اور کچھ زیادتیاں بھی کیں۔ ابن زبیرؓ کو اس کی خبر ہوئی تو انہوں نے فوراً معزول کر دیا اور ان کے بجائے مصعب کو مقرر کیا۔

رعایا کی خبر گیری :

حضرت ابن زبیرؓ کا زمانہ سراسر شور و فتن تھا۔ اس لئے انہیں بیک وقت بہت سی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ لیکن یہ اپنے حسن انتظام سے ان سب پر قابو حاصل کر لیتے تھے۔ مصعب کے قتل کے بعد ان پر بڑا نازک وقت آ گیا تھا۔ بصرہ کے سواد پر خارجیوں نے قبضہ کر لیا تھا۔ خاص بصرہ کا بھی محاصرہ کر چکے تھے باشندگان بصرہ ان کے ہاتھوں مصیبت میں مبتلا تھے۔ مہلب بن ابی صفرہ نے جو ابن زبیرؓ کی طرف سے خراساں کے عامل تھے، ادھر توجہ کی اور خوارج کو بصرہ کے علاقہ سے نکال کر اہل بصرہ کو ان کے مظالم سے نجات دلائی۔

فوج : ابن زبیرؓ کا فوجی نظام نہایت مکمل تھا۔ بری اور بحری فوجیں ہر وقت تیار رہتی تھیں۔ بری فوجی قوت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ وہ بیک وقت بنی امیہ، مختار ثقفی اور خوارج کا مقابلہ کرتے تھے۔ ان کی بحری فوجیں بھی ہر وقت تیار رہتی تھیں۔ چنانچہ جب مروان مصر کی جانب بڑھا تو یہاں کے حاکم ابن جندب نے اس کے روکنے کے لئے بحری فوجیں روانہ کیں۔

سامان رسد : مورچوں پر سامان رسد کا خاص اہتمام رہتا تھا اور رسد کے بڑے بڑے ذخائر مہیا رہتے تھے۔ چنانچہ حجاج نے جب مکہ کا محاصرہ کیا، اس وقت ابن زبیرؓ کے پاس غلہ پٹا ہوا تھا۔ گو یہ ذخیرہ طویل محاصرہ کا آخر تک ساتھ نہ دے سکا۔

امارات و قضا : امارات و قضا کے شعبے حسب دستور جدا جدا تھے۔ چنانچہ کوفہ اور بصرہ کی مسند قضا پر ہشام بن ہبیرہ اور عبداللہ بن عتبہ بن مسعود فائز تھے۔ عبداللہ بن عتبہ وہ شخص ہیں، جن کے گھر میں کئی پشتوں سے علم چلا آتا تھا۔ مختلف زمانوں میں مصر کی قضا پر قاضی شرعی اور عابس بھی فائز رہے۔

تعمیر کعبہ : ابن زبیرؓ اس بُد آشوب زمانہ میں بھی مذہبی خدمات سے غافل نہ رہے۔ اس سلسلہ میں خانہ کعبہ و تجدید ان کا بہت اہم کارنامہ ہے۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کی بعثت کے قبل حوادث زمانہ کعبہ کی امارت بہت بوسیدہ ہو گئی تھی اور اس کے گر جانے کا خطرہ پیدا ہو گیا تھا۔ چنانچہ اسی زمانہ میں قریش نے چندہ کر کے اس کو از سر نو تعمیر کرا دیا تھا۔ لیکن سرمایہ کی قلت کی وجہ سے اصل بنیاد ابراہیمی کا تھوڑا حصہ جسے اب حطیم کہتے ہیں، ناتمام چھوڑ دیا گیا تھا۔

عہد رسالت میں آنحضرت ﷺ کی دلی خواہش تھی کہ حطیم کا چھوٹا ہوا حصہ بھی کعبہ میں شامل کر کے اصل بنیاد ابراہیمی پر از سر نو اس کی عمارت بنائی جائے۔ لیکن عرب نئے نئے مسلمان ہوئے تھے۔ کعبہ کی عمارت گرانے سے ان کے بھڑک جانے کا خطرہ تھا، اس لئے آپ ﷺ اس خیال شریعت کو عملی جامہ نہ پہنا سکے۔ بخاری میں ہے کہ آپ نے ایک مرتبہ عائشہ صدیقہؓ سے اس خیال کا اظہار فرمایا تھا کہ اگر تمہاری قوم جاہلیت سے قریب نہ ہوتی تو میں کعبہ کی عمارت کو گرا کر اس کا چھوٹا ہوا حصہ بھی اس میں شامل کر دیتا اور اس کا دروازہ زمین سے ملا دیتا اور مشرقی و مغربی دروازے کھول دیتا۔

اس کے بعد ابن زبیرؓ اور بنی امیہ کی معرکہ آرائی میں آتش زنی اور سنگباری کی وجہ سے اس عمارت کو اور زیادہ نقصان پہنچا۔ اس لئے ابن زبیرؓ نے آنحضرت ﷺ کے مخیلہ نقشہ کے مطابق از سر نو اس کی تعمیر کا ارادہ کیا اور حج کے موقع پر جب کہ تمام عالم اسلام کے مسلمان حج بیت اللہ کے لئے جمع ہوتے ہیں، انہوں نے اس کی تعمیر کا مسئلہ پیش کیا۔ ابن عباسؓ نے رائے دی کہ صرف کمزور حصہ کی مرمت کرائی جائے، باقی حصہ کو بچنے اسی حالت پر رہنے دینا چاہئے، جس حالت میں وہ عہد رسالت میں تھا اور جس حالت پر لوگوں نے اسلام قبول کیا، بلکہ ان پتھروں کو بھی ویسے ہی چھوڑ دینا چاہئے، جیسے وہ ظہور اسلام کے وقت تھے۔

حضرت ابن زبیرؓ نے کہا، اگر تم میں سے کسی کا گھر گر جاتا تو اس کو بنوائے بغیر نہ رہتا۔ میں خدا سے تین مرتبہ استخارہ کے بعد اس کی تعمیر شروع کر دوں۔ چنانچہ تین دن تک انہوں نے اس مسئلہ پر غور کیا اور غور کرنے کے بعد مکمل تعمیر کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ لیکن دیواروں کے گرانے کا مسئلہ بہت اہم تھا۔ کیونکہ عوام ان کو کھودنے سے ڈرتے تھے کہ اس کی پاداش میں کوئی بلائے آسمانی نازل نہ ہو جائے۔ ابھی یہ تذبذب جاری تھا کہ ایک شخص ہمت کر کے دیوار پر چڑھ گیا۔ اور ایک پتھر اٹھا کر گرا دیا۔ اس کو دیکھ کر لوگوں کا خوف جاتا رہا اور ان کی ہمت بندھ گئی۔ چنانچہ دیواروں کی کھدائی شروع ہو گئی۔

۱۔ بخاری کتاب النساک باب فضل مکہ و بنیائہ ۲۔ بعض روایتوں میں ہے کہ خود عبد اللہ نے پہلا پتھر کھودا تھا۔

جب دیواریں زمین کے برابر ہو گئیں تو ابن زبیرؓ نے اس کے چاروں طرف قناطیں گھیر دیں کہ جمال حقیقت کی جلوہ گاہ عام نظروں کا تماشہ گاہ نہ بنے پائے اور خانہ کعبہ کی از سر نو تعمیر شروع کرادی۔ جب بنیادیں بھر چکیں تو ایک مرتبہ پھر لوگوں کے سامنے آنحضرت ﷺ کا خیال پیش کر کے کہا کہ میرے پاس روپیہ کی کمی ہے اور کوئی مزاحمت کرنے والا بھی نہیں ہے، اس لئے میں آنحضرت ﷺ کے متخیلہ نقشہ مطابق بنواؤں گا، یعنی حطیم بھی خانہ کعبہ کی تعمیر میں شامل کر دیا جائے گا۔ چنانچہ اسی نقشہ کے مطابق انہوں نے تعمیر کرادیا۔

قریش نے اپنی تعمیر کے زمانہ میں خانہ کعبہ کا طول اٹھارہ گز اور اندر جانے کے لئے صرف ایک دروازہ رکھا تھا۔ وہ بھی بلندی پر تھا، تاکہ ان کی مرضی اور اجازت کے بغیر کوئی شخص اندر داخل نہ ہو سکے۔ ابن زبیرؓ نے اس میں چھوٹے ہوئے حصہ حطیم کو بھی شامل کر کے پانچ گز اور بڑھلایا اور جب یہ بھی ناکافی معلوم ہوا تو پانچ کے بجائے دس ہاتھ کر دیا۔ آنحضرت ﷺ کے نقشہ کے مطابق دو دروازے شرقی اور غربی زمین سے ملا کر بنائے، تاکہ آنے جانے والوں کو زحمت نہ ہو۔

یہ مشہور مقولہ ہے کہ تاریخ اپنے آپ کو دہراتی ہے۔ ممکن ہے کہ عام طور پر یہ کلیہ صحیح نہ ہو، لیکن کم از کم خانہ کعبہ کی اس تعمیر کے سلسلہ میں جس طرح تاریخ نے یہ واقعہ ہرایا ہے وہ اپنے اندر بہت بڑا درس عبرت رکھتا ہے۔ ناظرین میں بہتوں کو معلوم ہوگا کہ آنحضرت ﷺ کی ولادت سے پیشتر ابرہہ اشرم شاہ حبش نے اس مقصد سے یمن میں ایک کنیہ تعمیر کرایا تھا کہ عرب کعبہ کو چھوڑ کر اس کا حج کیا کریں۔ یہ وہی کنیہ ہے جس کو ایک کنانی نے جوش غضب میں گندگی سے آلودہ کر دیا تھا اور ابرہہ جوش غضب میں ہاتھیوں کا غول لے کر کعبہ ڈھانے کے لئے چڑھ آیا تھا۔ لیکن خدا نے اپنے گھر کو اس سے بچالیا۔ سورہ فیل میں اسی واقعہ کی طرف اشارہ ہے۔

خدا کی قدرت اور زمانہ کی نیرنگی دیکھو کہ کم و بیش ڈیڑھ صدی بعد اسی کنیہ کو جو کعبہ کے مقابلہ میں بنایا گیا تھا، ابن زبیرؓ نے کھدوا کر اس کے ملبہ سے کعبہ کی عمارت تعمیر کرائی۔ ابرہہ نے یہ کنیہ بڑے ساز و سامان سے بنوایا تھا۔ سنگ رخام کے ستون تھے، رنگ برنگ کے نقش پتھر اور خوش رنگ و پچہ کاری، سنہری پالش اس کی آب و تاب دو بالا کر رہے تھی۔ ابن زبیرؓ نے یہ تمام بیش قیمت سامان کھود کر کعبہ کی عمارت میں لگایا۔

غلاف کعبہ: سیوطی کا بیان ہے کہ ابن زبیرؓ سے پہلے مسوح اور اطاع کا غلاف پر چڑھایا جاتا تھا۔

سب سے اول ابن زبیرؓ نے دیبا کا غلاف چڑھایا۔ لیکن بروایت صحیح اس اولیت کا سہرا حضرت امیر معاویہؓ کے سر ہے۔ سب سے پہلے انہی نے کعبہ کو دیبا سے آراستہ کیا۔ تاہم عبد اللہ ابن زبیرؓ کی یہ خدمت بھی کم نہیں کہ انہوں نے اپنے زمانہ میں دیبا ہی کے غلاف چڑھائے۔

فضل و کمال : گواہ ابن زبیرؓ کو اپنی صغریٰ کے باعث براہ راست فیضان نبوت سے بہرہ یاب ہونے کا موقعہ نہیں ملا تھا۔ کیونکہ ان کی عمر اس وقت ۸-۹ سال سے زیادہ نہ تھی۔ تاہم حضرت زبیر بن عوام جیسے باپ اور عائشہ صدیقہؓ جیسی خالہ کی آغوش میں پرورش پائی تھی، جو مردوں سے زیادہ مذہب کی واقف کار تھیں۔ اس لئے ابن زبیرؓ کا دامن علم مذہبی علوم سے خالی نہ رہا۔

قرأت قرآن : قرآن مجید کے وہ بہت اچھے قاری تھے۔ حضرت ابن عباسؓ جو خود حیر الامۃ تھے ابن زبیرؓ کے دوسرے فضائل و کمالات کے ساتھ ان کی قرأت قرآن کے خاص طور سے معترف تھے۔^۱
حدیث : گواہ ابن زبیرؓ کو صغریٰ کے باعث آنحضرت ﷺ سے استفادہ کا کم موقع ملا تھا۔ تاہم وہ احادیث نبوی سے تہی دامن نہ تھے۔ چنانچہ ان کی ۳۳ روایتیں حدیث کی کتابوں میں ملتی ہیں جن میں دو روایتیں متفق علیہ ہیں اور ۶ میں بخاری اور ۶ میں مسلم منفرد ہیں۔^۲

ان میں کچھ روایات زبان وحی والہام سے اور کچھ حضرت زبیرؓ بن عوام اور حضرت عائشہؓ، حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ سے مروی ہیں۔

ان کے تلامذہ میں عباد، عامر، عروہ، محمد، ہشام، عبد اللہ، مصعب اور عبد الوہاب بن یحییٰ، یوسف، مرزوق ثقفی، ثابت بنائی، ابوالشعشاء اور ابوالذبیان قابل ذکر ہیں۔^۳

تعلیم و ارشاد : ابن زبیرؓ کے چشمہ فیض سے عام مسلمان بھی سیراب ہوتے تھے، اور وہ عوام کو تقریر کے ذریعہ سے آنحضرت ﷺ کے اقوال اور آپ کے افعال کی تعلیم دیتے تھے۔^۴

علمی افادہ و استفادہ :

ان کا فضل و کمال ان کے معاصرین میں مسلم تھا۔ لیکن اس کے باوجود وہ اپنے معاصرین سے نہ علمی استفادہ کرتے تھے اور نہ ان کے کمالات کے اعتراف میں بخیل تھے۔ چنانچہ جب کبھی اس قسم کا مسئلہ پیش آتا، جس سے وہ ناواقف ہوتے تو بغیر کسی تاہل کے مستفتی کو دوسرے معاصرین کے پاس بھیج دیتے تھے۔

۱۔ تاریخ الخلفاء سیوطی۔ ص ۲۱۳ ۲۔ بخاری۔ جلد ۲۔ کتاب التفسیر باب ثانی اشہین ادہانی الغار

۳۔ تہذیب التہذیب۔ جلد ۵۔ ص ۲۱۳ ۴۔ تہذیب التہذیب۔ جلد ۵۔ ص ۲۱۳

۵۔ مسلم کتاب المساجد و مواقع الصلوٰۃ باب استحباب الذکر بعد الصلوٰۃ و بیان صفتہ

ایک مرتبہ یہ اور عاصم بن عمر بیٹھے تھے۔ محمد بن یاس نے آکر سوال کیا کہ ایک دیہاتی نے خلوت سے پہلے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دی ہیں، آپ دونوں کا اس بارہ میں کیا خیال ہے۔ ابن زبیرؓ کو صورت مسئلہ کا علم نہ تھا۔ اس لئے کہہ دیا کہ مجھے اس بارے میں علم نہیں ہے۔ عبداللہ بن عباسؓ کے پاس جاؤ وہ بتادیں گے۔^۱

جو مسائل ان کو نہ معلوم ہوتے اپنے معاصرین سے بے تکلف پوچھ لیا کرتے تھے۔ چنانچہ شیر خوار کے وظیفہ، کھڑے ہو کر پانی پینے اور قیدی کو چھڑانے کے بارے میں حضرت حسینؓ سے معلومات حاصل کی تھیں۔^۲

مختلف زبانوں سے واقفیت :

عہد صحابہؓ میں ایسے افراد مشکل سے نکلیں گے جو عربی کے علاوہ دوسری زبانوں سے بھی واقفیت رکھتے ہوں۔ یہ امتیاز صرف ابن زبیرؓ کو حاصل تھا کہ وہ متعدد زبانوں کے ماہر تھے اور اس میں نہایت آسانی سے گفتگو کر سکتے تھے۔ ان کے مختلف اقوام کے بہت سے غلام تھے۔ ان کی زبانیں بھی مختلف تھیں۔ ابن زبیرؓ ان سب سے ان کی مادری زبان میں گفتگو کرتے تھے۔^۳

خطابت : خطابت اس عہد کا بڑا کمال سمجھی جاتی تھی۔ ابن زبیرؓ کا شمار اپنے عہد کے ممتاز خطباء میں تھا۔ عثمان بن طلحہ روایت کرتے ہیں کہ بلاغت میں ابن زبیرؓ کا کوئی حریف نہ تھا۔ جب وہ خطبہ دیتے تو آواز کی کڑک سے پہاڑیاں گونج اٹھتی تھیں۔^۴

ان کی ایک تقریر نمونہ نقل کی جاتی ہے۔ اس سے ان کی خطابت کا اندازہ ہوگا۔ اس تقریر کا شان نزول یہ ہے کہ ابن زبیرؓ کے بھائی مصعبؓ ان کی جانب سے عراق کے حاکم تھے۔ ایک مرتبہ ابن زبیرؓ کے پاس عراق سے وفد آیا مابہوں نے اس مصعبؓ کے حالات پوچھے۔ ارکان وفد نے مصعبؓ کے حسن سیرت اور عدل پروری کی بڑی تعریف کی۔ ابن زبیرؓ نے تمام مسلمانوں کی آگاہی کے لئے جمعہ کے بعد مصعبؓ کے حالات کے بارے میں حسب ذیل تقریر کی۔^۵

”ایہا الناس انی سالت الوفد عن مصعب فاحسنوا لہ و ذکر و ا

ما احبہ و ان مصعبا اطیب القلوب حتی مات عدل بہ و الاہواء حتی ما

تحول عنہ و استعمال الا لسن بشنائہا و القلوب بنصحہا و النفوس

بمجلتها ، فهو المحبوب في خاصته والمحمود في عامته مما اطلق الله لسانه من الخير وبسط يده من البذل۔

”لوگو ! میں نے وفد کے حالات پوچھے، انہوں نے ان کی بڑی تعریف کی اور جیسا میں چاہتا تھا وہی ان سے سنا۔ مصعب نے لوگوں کے دلوں کو مسحور کر لیا ہے کہ وہ کسی کو ان کے برابر نہیں سمجھتے اور خواہشوں کے ایسا فریفتہ کر لیا ہے کہ ان سے الگ نہیں ہوتیں۔ انہوں نے اپنے حسن عمل سے زبانوں کو اپنی تعریف میں اور دلوں کو اپنی خیر خواہی اور نفوس کو اپنی محبت کا گرویدہ بنا لیا ہے اور وہ اپنے خاص طبقہ کے محبوب اور عام طبقہ کے پسندیدہ انسان ہیں اور یہ اس کا نتیجہ ہے کہ خدا نے ان کی زبان کو بھلائی کے لئے کھول دیا ہے اور ہاتھ کو نجات کے لئے دراز کر دیا ہے۔“

تاریخ کی کتابوں میں ان کی بڑی بڑی لمبی تقریریں ہیں۔ ہم نے اختصار کے خیال سے ایک مختصر نمونہ پیش کیا ہے۔

اخلاق و عادات : ابن زبیرؓ جس گھرانے کے چشم چراغ تھے اور جیسے مقدس بزرگوں کے دامن میں انہوں نے پرورش پائی تھی، اس کا قدرتی اقتضایہ تھا کہ وہ تعلیمات اسلام کا عملی نمونہ ہوتے، اسی لئے ان کی زندگی سر تا پا مذہبی رنگ میں رنگ گئی تھی اور وہ اسوۂ نبویؐ کا ایک زندہ نمونہ بن گئے تھے۔

عبادت : عبادت الہی ان کا محبوب ترین مشغلہ تھا۔ اور اس میں بڑی محنت شاقہ برداشت کرتے تھے۔ نماز اس سکون قلب، اس اخلاص اور استغراق سے پڑھتے تھے کہ قیام کی حالت میں بے جان ستون معلوم ہوتے تھے^۱۔ رکوع کا یہ عالم تھا کہ دوسرے لوگ پوری سورۂ بقرہ ختم کر دیتے مگر ان کا رکوع ختم نہ ہوتا^۲۔ سجدہ کی یہ کیفیت تھی کہ طول سجدہ کی وجہ سے ایسے بے حس و حرکت ہو جاتے کہ چڑیاں اڑاڑ کر پیٹھ پر بیٹھتی تھیں^۳۔ نازک سے نازک مواقع پر بھی نماز کی جانب سے غفلت نہ ہوتی تھی۔

حجاج کے محاصرہ کے زمانہ میں جبکہ چاروں طرف سے پتھروں کی بارش ہوتی تھی، ابن زبیرؓ حطیم میں نماز ادا کرتے تھے۔ پتھر آ کر پاس گرتے تھے۔ مگر یہ مطلق متوجہ نہ ہوتے تھے^۴۔ ان کا معمول تھا کہ ایک رات قیام میں گزارتے، دوسری رکوع میں اور تیسری سجدہ میں^۵۔ ان کی نماز آنحضرت ﷺ کی نماز کی ہو بہو تصویر ہوتی تھی۔ ابن عباسؓ کہتے تھے، اگر تم لوگ رسول اللہ ﷺ کی نماز

۱۔ اصابہ۔ جلد ۴۔ ص ۷۰ ۲۔ اسد الغابہ۔ جلد ۳۔ ص ۱۶۲ ۳۔ ابن اثیر۔ جلد ۴۔ ص ۲۹۲

۴۔ تاریخ الخلفاء۔ ص ۲۱۳ ۵۔ اسد الغابہ۔ جلد ۳۔ ص ۱۶۲

دیکھنا چاہتے ہو تو ابن زبیرؓ کی نماز کی نقل کرو!۔ عمر بن دینار روایت کرتے ہیں کہ میں نے کسی نمازی کو ابن زبیرؓ سے زیادہ اچھی نماز پڑھتے ہوئے نہیں دیکھا۔

روزوں سے بھی یہی شغف و انہماک تھا۔ کبھی کبھی مسلسل سات سات دن کا روزہ رکھتے تھے۔^۱ دوشنبہ کا روزہ کبھی ناغہ نہ ہوتا تھا۔ حج بہت کم ناغہ ہوتا تھا۔ گودھولی خلافت سے لے کر شہادت تک برابر جھگڑوں میں مبتلا رہے۔ لیکن حج اس حالت میں بھی ناغہ نہ ہوا۔ حج کا فرض صرف ایک مرتبہ حج نہ کرنے سے ساقط ہو جاتا ہے۔ لیکن ابن زبیرؓ نے آٹھ حج کئے۔^۲ حرم چونکہ نشیب میں ہے۔ اس لئے جب بارش زیادہ ہوتی تھی تو کبھی کبھی سیلاب آ جاتا تھا۔ اور پورا حرم تہہ آب ہو جاتا۔ ایسی حالت میں بھی ابن زبیرؓ طواف کا ناغہ نہ کرتے تھے اور پانی میں تیر کر اسے پورا کرتے تھے۔^۳ غرض کوئی ایسی عبادت نہیں ہے جس میں انہوں نے سخت سے سخت محنت نہ اٹھائی ہو۔

ان کی مذہبی زندگی کے وہ لوگ معترف تھے، جو خود زہد و ورع کا مجسم پیکر تھے۔ حضرت عبداللہ ابن عمرؓ جو مذہبی حیثیت سے اپنے تمام ہم عصروں میں ممتاز تھے۔ جب ابن زبیرؓ کی لاش کی طرف سے گزرے تو نہایت حسرت سے مخاطب ہو کر کہا، ابو حبیب خدا تمہاری مغفرت کرے، تم بڑے روزہ دار، بڑے نمازی اور بڑے صلہ رحمی کرنے والے تھے۔

دین و دنیا کا اجتماع :

عموماً زہد و ورع اور عبادت و ریاضت کے ساتھ دنیاوی عقل و فہم کا اجتماع کم ہوتا ہے۔ لیکن ابن زبیرؓ کی ذات میں دونوں اوصاف مجتمع تھے، وہ دینا دار بھی تھے اور عابد شب زندہ دار بھی، دنیا میں مشغول بھی تھے اور دنیا سے الگ بھی۔ عمر بن قیس روایت کرتے ہیں کہ جب میں ابن زبیرؓ کو دنیاوی معاملات میں دیکھتا تھا تو معلوم ہوتا تھا کہ یہ شخص کبھی ایک لمحہ کے لئے بھی خدا سے تعلق نہیں پیدا کرتا اور جب آخرت کے معاملہ میں دیکھتا تو ایسا معلوم ہوتا کہ یہ شخص ایک لمحہ کے لئے بھی دنیا کی طرف مشغول نہیں ہوتا۔

ازواج مطہراتؓ کی خدمت :

تمام گذشتہ خلفاء اللہ بیت نبویؐ کی خدمت اپنے لئے باعث سعادت سمجھتے تھے۔ حضرت زبیرؓ نے بھی اس سلسلہ کو قائم رکھا۔ عزیز داری کے لحاظ سے حضرت عائشہؓ سے آپ کو خاص خصوصیت

۱۔ مسند ابن فضال۔ جلد اول۔ ص ۲۸۹
۲۔ تاریخ الخلفاء۔ ص ۱۲۳
۳۔ متدرک حاکم۔ جلد ۳۔ ص ۵۴۹
۴۔ استیعاب۔ جلد اول۔ ص ۳۶۴
۵۔ اصابہ۔ جلد ۴۔ ص ۷۲ و تاریخ الخلفاء۔ ص ۲۱۴
۶۔ متدرک۔ جلد ۳۔ ص ۵۵۲
۷۔ تاریخ الخلفاء بیوطی

تھی اور آپ ان کی بڑی خدمت کرتے تھے۔ وہ بڑی فیاض اور کشادہ دست تھیں۔ ابن زبیرؓ انہیں جو کچھ دیتے وہ سب خرچ کر ڈالتیں۔ ان کی اس فیاضی پر ایک مرتبہ ابن زبیرؓ کی زبان سے نکل گیا کہ اگر انہوں نے اپنا ہاتھ نہ روکا تو آئندہ انداد نہ کروں گا۔ اتفاق سے حضرت عائشہؓ کو اس کی خبر ہو گئی۔ ان کو بڑا صدمہ ہوا اور قسم کھائی کہ آئندہ ابن زبیرؓ سے کبھی نہ ملوں گی۔

جب اس عہد نے زیادہ سنجیدگی اختیار کر لی اور حضرت عائشہؓ کے ترک کلام نے طول پکڑا تو ابن زبیرؓ بہت پریشان ہوئے اور غفوق قصیر کی کوشش شروع کی۔ لیکن حضرت عائشہؓ نے جواب دیا کہ میں کسی کی سفارش سن کر اپنی قسم نہیں توڑ سکتی۔ لیکن ابن زبیرؓ کے لئے یہ صورت بہت تکلیف دہ تھی۔ اس لئے کچھ دنوں کے بعد پھر مسور بن مخرمہ اور عبدالرحمن بن اسود سے سفارش چاہی کہ تم لوگ کسی طرح مجھے خالہ کی خدمت میں پہنچا دو۔ ان کے لئے مجھ سے ترک کلام کی نذر ماننا جائز نہیں۔

یہ دونوں ان کو اپنے ساتھ لے کر حرم نبی ﷺ کے آستانہ پر گئے اور سلام کر کے اندر داخل ہونے کی اجازت مانگی۔ حضرت عائشہؓ نے اجازت مرحمت فرمائی۔ ان دونوں نے پھر عرض کیا، ہم سب اندر آ سکتے ہیں؟ حضرت عائشہؓ کو ابن زبیرؓ کا حال معلوم نہ تھا اس لئے سب کو اجازت دے دی۔ ان دونوں کے ساتھ ابن زبیرؓ بھی مکان کے اندر داخل ہو گئے اور پردہ کے اندر جا کر خالہ کے گلے مل کر رونے اور قسمیں دلانے لگے۔ مسور اور عبدالرحمن نے بھی قسم دلائی۔ مگر حضرت عائشہؓ اس کے باوجود بھی نہ بولیں۔

جب اس میں بھی ناکامی ہوئی تو رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان یاد دلایا کہ کسی مسلمان کے لئے دوسرے مسلمان سے تین دن سے زیادہ ترک کلام جائز نہیں ہے۔ برابر اصرار کرتے رہے۔ حضرت عائشہؓ بھی دونوں کو نصیحت کرنے لگیں اور رو رو کر فرماتی جاتی تھیں، میں نے نہ بولنے کی نذر مانی ہے اور نذر کا توڑ نا بہت سخت ہے۔ لیکن دونوں سفارشی کچھ اس طرح مصر ہو گئے کہ آخر میں حضرت عائشہؓ بولتے بن پڑا اور نذر توڑنے کے کفارہ میں چالیس غلام آزاد کئے۔ گو آپ نے نذر توڑنے کا کفارہ ادا کر دیا تھا، لیکن اس کا اتنا غم تھا کہ جب اس کو یاد کرتی تھیں تو آنسو پونچھتے پونچھتے دوپٹہ تر ہو جاتا تھا۔

احکام نبوی کی پابندی :

احکام نبوی کی پابندی میں اتنا بڑا اہتمام تھا اور کسی موقع پر بھی اس کو نظر انداز نہ ہونے دیتے تھے۔ ایک مرتبہ ان کے اور ان کے بھائی عمرو کے درمیان کسی معاملہ میں تنازع ہو گیا۔ سعید بن عاص

حاکم مدینہ تھے۔ ابن زبیرؓ ان کے پاس مقدمہ لے کر گئے، تو دیکھا ان کے بھائی سعید بن عامر تخت پر بیٹھے ہوئے ہیں۔ سعید نے ان کے مرتبہ کے خیال سے انہیں بھی تخت پر بٹھانا چاہا، لیکن انہوں نے اس سے انکار کر دیا۔ اور کہا کہ نہ رسول اللہ ﷺ نے اس طرح فیصلہ کیا ہے اور نہ یہ آپ کی سنت کے مطابق ہے۔ مدعی اور مدعا علیہ کو حکم کے سامنے بیٹھنا چاہئے۔

حقوق والدین :

حقوق العباد میں والدین کے حقوق اور ان کی اطاعت و فرمانبرداری کا درجہ سب سے بلند ہے۔ ابن زبیرؓ نے حاضر و غائب ہمیشہ والدین کے حقوق کا یکساں خیال رکھا، متمول والدین کی وفات کے بعد ورثہ کو عموماً سب سے پہلے میراث کی فکر ہوتی ہے۔ لیکن اس معاملہ میں ابن زبیرؓ کا عمل اس عام ہوش سے جدا گانہ تھا۔ انہوں نے باپ کے حقوق کے مقابلہ میں اپنے حق میراث کی جس کی تعداد کروڑوں روپیہ تھی، مطلق پروا نہ کی اور حضرت زبیرؓ کی وفات کے بعد سب سے پہلے ان کا قرض چکایا۔

اس کے بعد دوسرے وارثوں نے تقسیم میراث کے لئے عجلت کی تو ابن زبیرؓ نے جواب دیا کہ میں چار سال برابر حج کے موقع پر اعلان کروں گا کہ والدین کے ذمہ جس کا قرض ہو وہ قرض لے لے۔ اس اعلان کے بعد پھر ترکہ تقسیم کروں گا۔ چنانچہ چار سال مسلسل اعلان کرنے کے بعد پھر ترکہ تقسیم کیا۔ اسی طریقہ سے چار سال تک برابر لوگوں سے باپ کے لئے دعائے مغفرت کی درخواست کرتے رہے۔

وہ نازک سے نازک مواقع پر ان کی اطاعت سے انحراف نہ کرتے تھے اور اسی اطاعت میں جان تک دے دی۔ اوپر معلوم ہو چکا ہے کہ حجاج کے مقابلہ میں آخر میں تمام ساتھیوں نے ساتھ چھوڑ دیا تھا۔ حتیٰ کہ بیٹے بھی علیحدہ ہو گئے، کوئی ناصر و یاور باقی نہ تھا۔ حجاج امان دینے پر آمادہ تھا اور ابن زبیرؓ کے ادنیٰ اشارہ پر ان کی جان بچ سکتی تھی، لیکن ماں کے اس حکم پر کہ ”حق پر جان دے دینا دنیاوی زندگی سے ہزار درجہ بہتر ہے“۔ انہوں نے تنہا حجاج کا مقابلہ کیا اور اسی معرکہ حق و باطل میں جان نثار کر دی۔

شجاعت و بہادری :

شجاعت و شہامت ابن زبیرؓ کا نمایاں وصف تھا۔ اس وصف میں ان کے معاصرین میں ان کا کوئی مقابل نہ تھا۔ سیوطی لکھتے ہیں کہ ابن زبیرؓ اپنے زمانہ کے بڑے بہادروں میں تھے،

اور ان کے بہت سے مشہور معرکے ہیں۔ ابن زبیرؓ کی پوری تاریخ سامنے ہے، اس پر نظر ڈالی جائے تو اس کا ایک ایک صفحہ صفحہ ان کی داستان شجاعت سے معمور نظر آتا ہے۔ یہ وصف انہیں کچھ خلقتہ ملا تھا اور کچھ ان کے پدر بزرگوار کی تربیت نے اس پر جلادی۔ بچپن ہی سے ان کے ناصیہ اقبال پر عظمت و شجاعت کے آثار نمایاں تھے، اور بچپن کھیل ان کے آئندہ کارناموں کا پتہ دیتے تھے۔ اس قسم کے واقعات شروع میں لکھے جا چکے ہیں، اس لئے یہاں ان کے اعادہ کی ضرورت نہیں۔

حضرت زبیرؓ بن عوام شروع ہی سے انہیں شجاعت و بہادری کی تربیت دی تھی، اور ہولناک مناظر دکھا کر انہیں اس کا خوگر بنایا تھا۔ چنانچہ سب سے اول غزوہ خندق ۵ھ میں جبکہ ان کی عمر پورے پانچ برس کی بھی نہ تھی، خندق کی معرکہ آرائی کا تماشا دیکھا اور اس ادائے معصومانہ کے ساتھ کہ یہ اور ان کے ہمسن صاحبزادے عمر بن سلمہؓ دو ایک ٹیلے پر کھڑے تھے اور دونوں ایک دوسرے کو گردن پکڑ پکڑ کے جنگ کا منظر دکھاتے تھے۔^۱

بچپن کے دور کے بعد شباب کی منزل میں قدم رکھا تو یہ فطری وصف اور زیادہ چمکا۔ چنانچہ سب سے اول جنگ یرموک میں شریک ہوئے۔ پھر افریقہ کی مہم کو جس کی فتح کا سہرا بن ابی سرح کے سر باندھا جاتا ہے، اپنی خوش تدبیری سے سر کیا۔ پھر حضرت عثمانؓ کی مدافعت میں سینہ سپر ہوئے۔ پھر جنگ جمل میں حرم نبویؐ کی حفاظت میں ۴۰ سے زیادہ زخم کھائے۔ حجاج کا جس شجاعت و پامردی سے مقابلہ کیا اس کی تفصیل اوپر گزر چکی ہے ان کی اس بے نظیر شجاعت کا ان کے حریف بھی لوہا مانتے تھے۔

چنانچہ مشہور اموی سپہ سالار حصین بن نمیر کا بیان ہے کہ ابن زبیرؓ نے مسجد حرام میں خیمہ نصب کر رکھا تھا اس سے اس طرح نکلتے تھے جس طرح جھاڑی سے شیر نکلتا ہے۔^۲

اسی طرح عہد کے مشہور سپہ سالار مہلب سے اس کے زمانہ کے بہادروں کے نام پوچھے گئے تو اس نے کہا مصعبؓ، عمر بن عبد اللہؓ اور عبادہ بن حصین۔ سائل نے کہا اور عبد اللہ بن زبیرؓ۔ مہلب نے کہا ہم انسانوں کا ذکر کرتے ہیں جنوں کا نہیں۔ حضرت ابن عمرؓ سے کسی نے پوچھا، زبیرؓ کے دونوں بیٹوں مصعب اور عبد اللہؓ میں سے کون زیادہ بہادر تھا۔ فرمایا، دونوں بہادر تھے، دونوں موت کو دیکھتے ہوئے اس کے منہ میں گھس گئے۔ عثمانؓ ابن ابی طلحہ کہتے تھے کہ تین چہروں میں ابن زبیرؓ کا کوئی حریف نہیں۔ عبادت، بلاغت اور شجاعت۔^۳

۱۔ تاریخ الخلفاء، سیوطی۔ ص ۲۱۲ ۲۔ مستدرک حاکم۔ جلد ۳۔ تذکرہ ابن زبیرؓ ۳۔ ایضاً ۴۔ ایضاً ۵۔ تاریخ الخلفاء سیوطی حالات ابن زبیرؓ ۶۔ بخاری کتاب الجہاد باب برکتہ الغازی فی مالہ

جرات و بے باکی :

جرات و بیباکی بھی شجاعت ہی کا ایک رخ ہے۔ ابن زبیرؓ اس میں بھی فرو تھے۔ امیر معاویہؓ نے جب یزید کو ولی عہد بنانا چاہا تو اپنی تدبیروں اور زر پاشیوں سے بڑے بڑے لوگوں کی زبانیں خاموش کر دیں۔ لیکن ابن زبیرؓ کی تیغ زبان ان کے مقابلہ میں بھی بے نیام رہی اور اس شد و مد کے ساتھ ان کی مخالفت کی کہ امیر معاویہؓ جیسے عالی دماغ مدبر کو متحیر کر دیا اور آخر دم تک یزید کی ولی عہدی نہیں تسلیم کی۔ امیر معاویہؓ کے بعد جب یزید تخت نشین ہوا تو وہ بھی ان کو قابو میں نہ کر سکا اور ابن زبیرؓ اس زور کے ساتھ بنی اُمیہ کے خلاف اُٹھے کہ ان کی حکومت کی بنیادیں ہلادیں اور قریب قریب کل عالم اسلامی سے اپنی خلافت تسلیم کرائی اور سات برس تک خلیفہ رہے۔

ذریعہ معاش : ابن زبیرؓ نے دولت و ثمول کے گہوارے میں پرورش پائی تھی۔ آپ کے والد زبیرؓ بن عوام دولت مند ترین صحابہ میں تھے، ان کا تجارتی کاروبار بڑا وسیع تھا۔ فتوحات میں متعدد جاگیریں ملی تھیں۔ مختلف شہروں میں مکانات تھے۔ خاص مدینہ میں جائیداد کے علاوہ گیارہ مکانات تھے، ان کے علاوہ بصرہ میں دو، اور بصرہ و کوفہ میں ایک ایک مکان تھا۔ خیبر میں آنحضرت ﷺ نے انہیں ایک وسیع شاداب قطعہ زمین مرحمت فرمایا تھا۔ حضرت ابو بکرؓ و عمرؓ نے اپنے زمانہ میں مقام جرف اور مقام عقیق میں جاگیر زمین دی تھی۔

غرض حضرت زبیرؓ بہت جاگیروں اور مکانات کے مالک تھے۔ تجارتی سلسلہ اس کے علاوہ تھا۔ اس لئے وہ اپنے عصر کے بہت بڑے صاحب ثروت آدمی تھے۔ ان کی دولت کا اندازہ پانچ کروڑ دو لاکھ کیا جاتا ہے۔ اس میں سے ایک تہائی کی وصیت حضرت عبداللہ کے لئے کر گئے تھے۔ انہوں نے والد کی وصیت کے مطابق ان کا ۲۲ لاکھ قرض ادا کیا، اس کے بعد پھر ترکہ تقسیم کیا۔ یہ قرض صرف مدینہ کی جھاڑی بیچ کر ادا کیا تھا۔

اس کے بعد اتنی دولت بیچ رہی کہ حضرت زبیرؓ بن عوام کی بیویوں کو آٹھویں حصہ کے حساب سے بارہ بارہ لاکھ ملا اور وصیت کے مطابق اس دولت کا تہائی ابن زبیرؓ کے حصہ میں آیا تھا۔ اس سے ان کی دولت مندی کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔

یہ وہ جائیداد تھی جو ان کو ترکہ میں ملی تھی۔ اس کے علاوہ جب انہوں نے بنی اُمیہ کے مقابلہ میں خلافت کا دعویٰ کیا تو قریب قریب پورا ملک ان کے زیر اقتدار آ گیا تھا۔ اس وقت ان کی حیثیت

ایک خلیفہ کی ہو گئی تھی اور ملک کی تمام آمدنی ان کے قبضہ میں تھی۔

کفایت شعاری :

لیکن دولت کی فراوانی اور تمول کے باوجود اپنے ہم عصروں اور خاندانی افراد کے مقابلہ میں وہ نہایت کفایت شعار تھے اور موخرین کے قول کے مطابق ان کی کفایت شعاری بخل کی حد تک پہنچ جاتی تھی۔

ازواج و اولاد :

حضرت ابن زبیر نے کئی شادیاں کیں۔ ان سے آٹھ لڑکے اور کئی لڑکیاں ہوئیں۔ لڑکوں کے نام یہ ہیں : عبداللہ، حمزہ، خبیب، ثابت، موسیٰ، عباد، عامر اور عبداللہؑ۔



رضی اللہ عنہم و رضوانہ (القرآن)
اللہ ان سے راضی ہوا اور وہ اللہ سے راضی ہوئے

انبیاء کرامؑ کے بعد دنیا کے مقدس ترین انسانوں کی سرگزشت حیات

سید الصحابہ

۱۵۰ اصغار صحابہؓ

حصہ ہفتم

جس میں ایسے ایک سو پچاس صحابہ کرامؓ کے حالات ہیں۔ جنہوں نے فتح مکہ کے بعد اسلام قبول کیا یا اس سے پہلے مشرف باسلام ہوئے لیکن ہجرت نہ کر سکے یا جو عہد رسالت میں صغیر السن تھے۔

تحریر و ترتیب

الحاج مولانا شاہ معین الدین احمد ندوی مرحوم
سابق رفیق دارالمصنفین

اردو بازار ایم ایس جیل روڈ
کراچی پاکستان 2213768

دارالاشاعت

بسم الله الرحمن الرحيم

حسنِ خاتمہ

اللہ تعالیٰ کا ہزار ہزار شکر ہے کہ آج سے پندرہ سولہ سال پیشتر سیر الصحابہؓ کے نام سے جس وسیع سلسلہ کا آغاز کیا گیا تھا اس جلد پر آج بحمد اللہ اس کا خاتمہ ہوتا ہے۔

اس سلسلہ میں حسب ذیل کتابیں بہ ترتیب ذیل داخل ہیں :

- ۱۔ سیر الصحابہؓ جلد اول بنام خلفائے راشدینؓ مصنفہ مولوی حاجی معین الدین صاحب ہندوی
- ۲۔ سیر الصحابہؓ جلد دوم بنام مہاجرینؓ جلد اول مصنفہ مولوی حاجی معین الدین صاحب ہندوی
- ۳۔ سیر الصحابہؓ جلد سوم بنام مہاجرینؓ جلد دوم مصنفہ مولوی شاہ معین الدین احمد صاحب ہندوی
- ۴۔ سیر الصحابہؓ جلد چہارم بنام انصارؓ جلد اول مصنفہ مولوی سعید صاحب انصاری
- ۵۔ سیر الصحابہؓ جلد پنجم بنام انصارؓ جلد ثانی مصنفہ مولوی سعید صاحب انصاری
- ۶۔ سیر الصحابہؓ جلد ششم (مشمول بر احوال اکابر غیر مہاجر و انصار صحابہؓ) مصنفہ۔ مولوی شاہ معین الدین احمد صاحب ہندوی
- ۷۔ سیر الصحابہؓ جلد ہفتم (مشمول بر اصاغر صحابہؓ) مصنفہ مولوی شاہ معین الدین احمد صاحب ہندوی
- ۸۔ سیر الصحابہؓ جلد ہشتم بنام سیر الصحابیات (خواتین صحابہؓ) مصنفہ مولوی سعید صاحب انصاری
- ۹۔ سیر الصحابہؓ جلد نہم بنام امۃ صحابہؓ جلد اول (صحابہؓ کے احوال پر مجموعی تبصرہ) مصنفہ مولانا عبد السلام صاحب ہندوی
- ۱۰۔ سیر الصحابہؓ جلد دہم بنام امۃ صحابہؓ جلد دوم (صحابہؓ کے احوال پر مجموعی تبصرہ) مصنفہ مولانا عبد السلام صاحب ہندوی

اس سلسلہ کی تدوین بھی درحقیقت علامہ شبلی مرحوم اور مخدومہ علیا ہر ہائٹس نواب سلطان جہاں بیگم مرحومہ سابق فرمانروائے بھوپالی کے حکم معنوی کی تعمیل کے طور پر ہوئی ہے دعا ہے کہ اس حسن عمل سے مرحومین کو اپنے حسن نیت کا ثواب ملے۔

وله الحمد اولاد آخر

سید سلیمان ندوی

ناظم دارالمصنفین

۲۳ رمضان المبارک ۱۳۵۲ھ

بسم الله الرحمن الرحيم

دیباچہ

وہ المصنفین سالہا سال سے جس مقدس چمن کی آبیاری میں مصروف تھا آج اس کا آخری گلدستہ ہدیہ ناظرین ہے۔ یعنی سیر الصحابہؓ کا جو عظیم الشان سلسلہ رسوں سے چل رہا تھا وہ الحمد للہ! اس جلد پر تمام ہو گیا۔ اس سلسلہ کے سات حصے پہلے شائع ہو چکے ہیں۔ ایک خلفائے راشدینؓ کے حالات میں جو مہاجرینؓ کے و انصارؓ کے ملکہ صحابیاتؓ کے اور ایک ان صحابہؓ کے حالات ہیں جو فتح مکہ کے بعد شرف باسلام ہوئے یا اس سے پہلے ہو چکے تھے لیکن شرف ہجرت سے محروم رہے یا ہجرت کے کچھ قبل یا بعد پیدا ہوئے اور عہد رسالت میں صغیر اسن تھے یا آخری جلد بھی ایسے ہی صحابہؓ سے متعلق ہے۔

اس طبقہ کے صحابہؓ کے حالات حدیث کیا عموماً طبقات کی کتابوں میں بھی محض برائے نام ملتے ہیں جن سے نام و نسب ذکر صحابیت کے علاوہ ان کی زندگی کے اور پہلوؤں پر بہت کم روشنی پڑتی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ صحابہؓ ایسے وقت میں مسلمان یا پیدا شدہ ہیں جبکہ عہد رسالت اور تبلیغ اسلام کا نازک اور ابتدائی دور جو آزمائش و امتحان کا حقیقی دور تھا گزر چکا تھا اس لئے ان صحابہؓ کی صف اول میں جگہ نہ مل سکی۔ اس کے علاوہ تاخیر اسلام اور صغر سنی کی وجہ سے انہیں فیضان نبوت سے استفادہ کا بھی پورا موقع نہ مل سکا اسی لئے ان میں وہ روح پیدا نہ ہو سکی جو مہاجرینؓ و انصارؓ کا خاص طغرائے امتیاز ہے کہ آغاز باران رحمت اور اختتام کی اگی ہوئی فصل کی روئیدگی، نشو و نما، تروتازگی اور پیداوار میں زمین و آسمان کا فرق ہوتا ہے۔

یوں تو حجۃ الوداع میں چالیس ہزار مسلمان آنحضرت ﷺ کے ہمراہ تھے اس لئے وہ سب صحابی کہے جاسکتے ہیں لیکن ان میں سے بہت کم ایسے ہیں جو حقیقتاً صحابی کہلانے کے مستحق ہیں کیونکہ ان میں بڑی تعداد ان مسلمانوں کی تھی جنہیں حجۃ الوداع کے علاوہ اور کبھی جمال نبوت ﷺ کے مشاہدہ کا بھی موقع نہیں ملا۔ ایک معتد بہ جماعت ایسی تھی جسے صرف چند ساعتیں یا زیادہ سے زیادہ چند روز شرف صحبت میسر آ سکا اور ان میں سے ایسے خوش قسمت تو بہت کم تھے جو پورے طور سے سرچشمہ نبوت ﷺ سے سیراب ہوں اسی لئے یہ لوگ رتبہ میں سابقون الاولون کے برابر نہیں ہیں۔

بالینہ اس طبقہ میں بھی کچھ خوش قسمت نفوس ایسے تھے جنہیں چند مہینوں سے لے کر دو ڈھائی سال تک فیضِ صحبت میسر آیا اور اس کیمیائے سعادت نے انہیں اکسیر بنادیا۔ بعضوں کو محض چند دن ہی میسر آ سکے لیکن ذاتی صلاحیت اور پرتو نبوت نے اسی قلیل مدت میں انہیں جلادے کر چمکادیا کہ ارض صالح میں ابر رحمت کے ایک ہی چھینٹے سے سبزہ لہلہا اٹھتا ہے آخر بہار کے کھلے ہوئے پھول بھی رنگ و بو میں پھول ہی ہوتے ہیں۔ اس لئے اس طبقہ کے صحابہؓ کی کتابِ زندگی کے اوراق بھی مسلمانوں کے لئے درسِ عمل سے خالی نہیں ہیں۔ چنانچہ اس جلد میں اس طبقہ کے ایسے ایک سو پچاس صحابہ کرامؓ کے حالات قلمبند کئے گئے ہیں جس کی زندگی میں مسلمانوں کے لئے کوئی نہ کوئی اسوۂ عمل موجود ہے نیز اس لئے بھی ان کے حالات لکھنا ضروری معلوم ہوا کہ سلسلہ سیر الصحابہؓ میں اخلاقی درس کے ساتھ عصرِ صحابہؓ کی پوری تاریخ بھی مسلمانوں کے سامنے آ جائے لیکن جیسا کہ اوپر لکھا گیا ہے کہ اس طبقہ کے صحابہؓ کے حالات بہت کم ملتے ہیں اس لئے چند کے سوا باقی اکثروں کے حالات دو چار صفحاتوں سے زیادہ نہیں ہیں لیکن نگہت بیزی کے لئے مشکِ خالص کا ایک ذرہ بھی کافی ہوتا ہے۔ اور متلاشیانِ راہِ حقیقت کے لئے تاروں کی روشنی بھی شمعِ ہدایت کا کام دیتی ہے کہ

اصحابی کالنجوم فایہم اقتد یتم اھتد یتم

فقیر معین الدین احمد ندوی

دارالمصنفین۔ اعظم گڑھ

۱۳ رمضان المبارک ۱۴۵۲ھ

بسم الله الرحمن الرحيم

(۱) حضرت ابن ابی اوفی

نام و نسب : علقمہ اور عبد اللہ نام ابو معاویہ کنیت ابن ابی اوفی کے نام سے مشہور ہیں۔ نسب نامہ یہ ہے :
 علقمہ بن خالد بن حارث بن ابی اسید بن رفاعہ بن ثعلبہ بن ہوازن بن اسلم بن اقصی۔
 اسلام اور غزوات : صلح حدیبیہ کے قبل مشرف باسلام ہوئے۔ حدیبیہ میں آنحضرت ﷺ کے
 ہمراہ تھے بیعت رضوان میں شرفِ جاں شاری حاصل کیا حدیبیہ کے بعد غزوہ خیبر ہوا نسب سے
 پہلے اسی میں میدانِ جنگ میں اترے پھر حنین میں وادِ شجاعت دی۔ ہاتھوں میں کاری زخم لگا جس کا
 نشان مدتوں باقی رہا۔ فتح مکہ کے بعد حنین میں شریک ہوئے اور اسلام کی مدافعت میں سات
 لڑائیوں میں ان کی تلوار بے نیام ہوئی اور اس ایثار و قربانی کے ساتھ کہ بعض لڑائیوں میں سدرِ حق کے
 لئے صرف ٹڈی کھا کر بسر کرنا پڑا۔

کوفہ میں قیام : عہدِ نبوی ﷺ سے حضرت عمرؓ کے ابتدائی زمانہ تک مدینۃ الرسول میں رہے
 جب کوفہ آباد ہوا تو یہاں منتقل ہو گئے اور اپنے قبیلہ اسلم کے محلہ میں گھر بنالیا۔
خارجیوں کی سرکوبی : خلافتِ صدیقی سے لے کر خلافتِ مرتضوی تک کہیں ان کا پتہ نہیں چلتا
 اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانہ میں گوشہ گیر رہے۔ حضرت علیؓ کے دورِ خلافت میں جب خارجیوں
 سے سر اٹھایا تو آنحضرت ﷺ کے فرمان کے مطابق ان کے مقابلہ کو نکلے۔ اور اپنے ساتھ اور
 مسلمانوں کو بھی ان کے استیصال پر آمادہ کیا اور ان کو لکھ بھیجا کہ ”رسول ﷺ نے ایک جنگ کے موقع
 پر فرمایا تھا کہ لوگو! دشمن سے مقابلہ کی آرزو نہ کیا کرو اور خدا سے امن و عافیت کی دعا کیا کرو لیکن جب
 مقابلہ ہو جائے تو ثابت قدم ہو اور یقین رکھو کہ تلواروں کے سایہ کے نیچے جنت ہے۔“

۱۔ مسند احمد بن حنبل۔ جلد ۴۔ ص ۳۵۲ ۲۔ ابن سعد۔ جلد ۴۔ ص ۳۶۔ ق ۲

۳۔ بخاری کتاب المغازی۔ باب قول الله تعالى ويوم حنين

۴۔ بخاری کتاب الصوم۔ باب متى يحل فطر الصائم ۵۔ مسند ابن حنبل۔ جلد ۴۔ ص ۳۵۲

۶۔ ایضاً۔ مسند دارمی، کتاب الصید، باب اكل الجراة ۷۔ مستدرک حاکم۔ جلد ۳۔ ص ۷۵۷

۸۔ مسند احمد بن حنبل۔ جلد ۴۔ ص ۳۸۲ ۹۔ اب داؤد کتاب الجهاد باب كراهية التعمد لقاء

وفات: حضرت ابن ابی اوفیؓ نے کافی عمر پائی۔ نبی امیہ کے دوز تک زندہ رہے اخیر عمر میں آنکھوں سے معذور ہو گئے تھے اسی حالت میں ۸۶ھ اور ۸۸ھ کے درمیان وفات پائی۔ یہ اصحاب نبویؐ میں آخری بزرگ تھے جنہوں نے کوفہ میں انتقال کیا۔

فضل و کمال: چونکہ اسلام کے بعد قیام مدینہ ہی میں رہا اور بیشتر غزوات میں آنحضرتؐ کی ہر کالی کا شرف حاصل کرتے رہے اس لئے اکثر احادیث نبویؐ سننے کا اتفاق ہوتا تھا۔ چنانچہ ان کی ۹۵ مرویات حدیث کی کتابوں میں موجود ہیں جن میں سے دس متفق علیہ ہیں اور ۵ میں امام بخاری اور ایک میں امام مسلم منفرد ہیں۔ روایت میں عمرو بن مرہ، طلحہ بن مطرف، عدی بن ثابت اور عمارش وغیرہ قابل ذکر ہیں۔

ان کا علمی پایہ ان کے معاصرین میں مسلم تھا۔ مختلف فیہ مسائل میں لوگ تحقیق کے لئے ان کی طرف رجوع کرتے تھے۔ ایک مرتبہ عبداللہ بن ابی شداد اور ابو ہریرہ میں بیع سلم کے بارے میں اختلاف ہوا تو دونوں نے فیصلہ کے لئے ان کے پاس آدمی بھیجا، انہوں نے تفصیلی جواب سے ان کی تشفی کر دی۔ ایک مرتبہ بعض لوگوں کو خیبر کی پیداوار کا مصرف معلوم کرنے کی ضرورت ہوئی کہ رسول اللہؐ کے زمانہ میں وہ کن مصارف میں صرف ہوتی تھی تو ان کی طرف رجوع کیا، انہوں نے بتایا کہ اس کی کوئی خاص تقسیم نہ تھی، بلکہ ہر شخص بقدر ضرورت اس میں سے لے لیتا تھا۔

دعائے نبویؐ: ایک مرتبہ ان کے والد کچھ صدقہ لے کر خدمت نبویؐ میں حاضر ہوئے آپؐ نے دعا فرمائی کہ ”خدا یا آل ابی اوفی پر رحمت فرما“۔

پاس فرمان رسولؐ: ابن ابی اوفیؓ کسی موقع پر بھی فرمان رسولؐ سے سرمو تجاوز نہ کرتے تھے، ان کی ایک لڑکی کا انتقال ہو گیا، عورتوں نے رونا پینا شروع کیا ابن ابی اوفیؓ نے کہا میں نہ کرو رسول اللہؐ نے بین کرنے سے منع فرمایا ہے۔ البتہ آنسو بہا سکتی ہو، اس کے بعد مسنون طریقہ سے نماز جنازہ پڑھا کر فرمایا جنازہ میں رسول اللہؐ ایسا ہی کرتے تھے۔

(۲) حضرت اسماء بن حارثہ سلمیٰؓ

نام و نسب: اسماء نام۔ ابو محمد کنیت، نسب نامہ یہ ہے: اسماء بن حارثہ بن عبد اللہ بن غیاث بن سعد بن عمرو بن عامر بن ثعلبہ بن مالک بن افضی سلمیٰ۔

۱۔ متدرک حاکم۔ ج ۳۔ ص ۵۷۱، ۵۷۲۔ ۲۔ تہذیب الکمال۔ ص ۱۹۱

۳۔ مسند احمد بن حنبل۔ جلد ۳۔ ص ۳۵۴۔ ۴۔ ایضاً۔ ص ۳۵۵۔ ۵۔ ایضاً۔ ۶۔ ایضاً۔ ص ۳۵۶

اسلام : فتح مکہ سے پہلے مشرف باسلام ہوئے۔ ان کا قبیلہ مدینہ سے کچھ فاصلہ پر رہتا تھا لیکن یہ خود مدینہ میں رہتے تھے یہ ان تنگ حال اور صاحب احتیاج میں تھے جن کا سہارا رحمۃ للعالمین ﷺ کے سوا کوئی نہ تھا چنانچہ آپ ﷺ نے انہیں اصحاب صفہ کے زمرہ میں داخل فرما کر ان کے معاش کا انتظام فرمادیا تھا۔

اس لئے یہ شب و روز آستانہ نبویؐ پر پڑے رہتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ کی خدمت گزاری ان کا مشغلہ حیات تھا۔ حضرت ابو ہریرہؓ کا شانہ نبوی ﷺ کے بڑے حاضر باش تھے، فرماتے تھے کہ ہند اور اسماء حارثہ کے لڑکے رسول اللہ ﷺ کے خادم تھے ہر وقت آپ ﷺ کے آستانہ پر حاضر رہتے تھے اور آپ ﷺ کی خدمت گزاری میں زندگی بسر کرتے تھے۔

ان کے قبیلہ بنی اسلم میں ان بنی کے ذریعے سے مذہبی احکام بھیجے جاتے تھے چنانچہ عاشورہ کے روزہ کا حکم بھی یہی لے کر گئے تھے۔

وفات : امیر معاویہؓ کے عہد میں بصرہ میں وفات پائی۔

(۳) حضرت اسیرؓ

ان کے بارے میں صرف اس قدر معلوم ہے کہ آنحضرت ﷺ کے صحابی تھے مگر اس گمنامی کے باوجود ان کی زندگی سبق سے خالی نہیں ہے۔ امت اسلامیہ کے اتحاد و اتفاق کو سب سے زیادہ قیمتی سمجھتے تھے اور اختلافات اور تفریق سے بچنے کے لئے ناگوار امور بھی انگیز کر لیتے تھے۔ یزید کے زمانہ میں زندہ تھے اور امت کے اتحاد و اتفاق کی خاطر یزید کی نااہلیت کو مانتے ہوئے اس کی بیعت میں مضائقہ نہ سمجھتے تھے اسی زمانہ میں کچھ لوگ ان کے پاس آئے انہوں نے ان سے کہا لوگ کہتے ہیں کہ یزید اس امت کا بہتر شخص نہیں ہے۔ عقل و فراست سے بھی خالی ہے شرافت کے لحاظ سے بھی وہ کوئی حیثیت نہیں رکھتا میں ان تمام باتوں کو مانتا ہوں لیکن مجھ کو رسول اللہ ﷺ کی امت کے تشمت و فراق کے مقابلہ میں اس کا اتحاد و اتفاق زیادہ عزیز ہے۔ اگر تمام امت محمدی ﷺ ایک دروازہ میں داخل ہو جائے تو کیا اس میں ایک شخص کی گنجائش نہیں رہے گی؟ لوگوں نے کہا کیوں نہیں، پھر پوچھا اگر امت مسلمہ کا ہر شخص یہ عہد کر لے کہ میں اپنے بھائی کا خون نہ بہاؤں گا اور اس کے مال پر دست درازی نہ کروں گا تو کیا اس کا یہ عہد حق بجانب ہوگا؟ لوگوں نے جواب دیا ضرور ہوگا فرمایا میں بس یہی تو کہتا ہوں۔

پھر آنحضرت ﷺ کا یہ فرمان سنایا کہ ”جیسا ہر حالت میں بہتر ہے“۔ ایک شخص نے کہا میں نے لقمان کے قصص میں دیکھا ہے کہ بعض حیا کمزوری ہوتی ہے اور بعض حیا وقار، قول رسول کے مقابلہ میں لقمان کا قول سن کو سخت برہم ہو گئے۔ فرط غضب میں ہاتھ تھر تھرا نے لگا اور اس شخص سے کہا تم میرے گھر سے نکل جاؤ تم کو یہاں کس نے بلایا تھا ایک شخص نے کم طرح ان کا غصہ ٹھنڈا کیا۔^۱

(۴) حضرت اسود بن سریحؓ

نام و نسب : اسود نام۔ ابو عبد اللہ کنیت، نسب نامہ ہے : اسود بن سریح بن حمیر بن عبادہ بن نزال بن مرہ بن مقاعس بن عمرو بن کعب بن سعد بن زید مناۃ بن تمیم۔

اسلام اور غزوات : فتح مکہ کے بعد اسلام لائے۔ قبول اسلام کے بعد متعدد غزوات میں آنحضرت ﷺ کا شرف ہمرکابی حاصل کیا چنانچہ حنین میں ساتھ تھے۔ ان کا بیان ہے کہ میں چار غزوؤں میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھا کسی غزوہ میں بعض لوگوں نے بچوں کو قتل کر دیا۔ آنحضرت ﷺ کو اس کی خبر ہوئی تو آپ ﷺ نے فرمایا لوگوں کو کیا ہو گیا ہے جو لڑائی میں بے گناہ بچوں اور جنگجوؤں میں امتیاز نہیں کرتے۔ کسی نے عرض کیا یا رسول اللہ ! کیا بچہ مشرک نہیں ہے فرمایا اس طرح تو تمہارے بہترین لوگ بھی مشرک بچے ہیں ہلڑ کے دسن فطرت پر پیدا ہوئے ہیں اور اس وقت تک اس دین پر رہتے ہیں جب تک ان کی بولی نہیں پھوٹی اس کے بعد ان کے والدین انہیں یہودی یا نصرانی بناتے ہیں۔^۲

بصرہ کا قیام اور وفات : حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد بال بچوں کو لے کر بصرہ چلے گئے اور یہیں اقامت اختیار کر لی۔^۳ جامع بصرہ کے قریب مکان تھا جہاں وہ فرائض قضاء انجام دیتے تھے یہیں ۴۰ھ میں وفات پائی۔^۴

فضل و کمال : فضل اور کمال کے لئے یہ سند کافی ہے کہ جامع بصرہ میں قاضی تھے۔ آٹھ حدیثیں بھی ان سے مروی ہیں شاعری میں ممتاز شخصیت رکھتے تھے۔^۵

کبھی کبھی دربار رسالت ﷺ میں حمد و نعت کی نذر پیش کرتے تھے۔ ایک مرتبہ قبول اسلام کے ابتدائی زمانہ میں حمد و نعت کہہ کر لائے اور عرض کی یا رسول اللہ ! خدا کی حمد اور حضور کی مدح میں

۱۔ طبقات ابن سعد۔ جلد ۱۔ ص ۴۷۔ ق اول۔ ۲۔ مسند احمد بن حنبل۔ جلد ۴۔ ص ۲۴۔

۳۔ تہذیب التہذیب۔ جلد اول تذکرہ اسود۔ ۴۔ تہذیب التہذیب۔ جلد اول تذکرہ اسود۔ ۵۔ تہذیب الکمال۔

کچھ اشعار عرض کئے جائیں، فرمایا میری مدح سنانے کی ضرورت نہیں البتہ خدا کی حمد سناؤ۔ چنانچہ انہوں نے حمد سنانی شروع کی۔ اس درمیان میں ایک کشیدہ قامت آدمی آگیا اسے دیکھ کر آنحضرت ﷺ نے انہیں روک دیا۔ اس کے واپس جانے کے بعد پھر سننے لگے دوبارہ پھر وہ شخص آیا پھر آپ ﷺ نے اسود کو خاموش کر دیا اس کے واپس جانے کے بعد اسود نے پوچھا یا رسول اللہ ﷺ (ﷺ) یہ کون شخص ہے جس کے آنے پر آپ روک دیتے ہیں اور چلے جانے کے بعد پھر سنتے ہیں؟ فرمایا یہ عمر بن خطابؓ ہیں ان کو باطل اشیاء سے کسی قسم کا لگاؤ نہیں۔^۱

(۵) حضرت اقرع بن حابسؓ

نام و نسب : فراس نام۔ اقرع لقب، نسب نامہ یہ ہے: اقرع بن حابس بن عبقان بن محمد بن سفیان، ابن محاشع ابن آدم بن مالک بن حنظلہ بن مالک بن زید مناة بن تمیم تمیمی۔ زمانہ جاہلیت میں شرفائے بنی تمیم میں تھے اسلام کے بعد بھی یہ اعزاز قائم رہا۔

اسلام سے پہلے : اقرع باضابطہ اسلام قبول کرنے کے بہت پہلے اسلام سے متاثر تھے۔ چنانچہ فتح مکہ جنین اور طائف میں کفر کی حالت میں آنحضرت ﷺ کے ساتھ تھے۔^۲

مجلس مفاخرہ : فتح مکہ کے بعد جب روسائے تمیم مدینہ آئے تو اقرع بھی تھے۔ روسائے عرب کی طرح بنی تمیم کے عمائد میں بھی عالی نسب کا بڑا غرور اور دولت کا بڑا نشہ تھا فخر و تعالیٰ کی مجلسیں ہوتی تھیں جن میں روساء عمائد اپنے اپنے فخر یہ سناتے تھے۔ مدینہ آئے تو یہ تمام لوازم ساتھ تھے کاشانہ نبوی پر پہنچ کر ارکانِ وفد نے آواز دی ”محمد ﷺ باہر نکلو“۔ آپ ﷺ کو ناگوار ہوا تاہم حجرہ اقدس سے باہر تشریف لائے روسائے تمیم نے کہا ہم لوگ فحاری کے لئے آئے ہیں اجازت دو کہ ہمارے شعراء بلغاء اپنی سحر بیانی کے جوہر دکھائیں۔ ابن ہشام کی روایت ہے کہ آپ ﷺ نے ان کی درخواست قبول کر لی لیکن صاحب اسد الغابہ لکھتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا میں شعر بازی اور فحاری کے لئے نہیں مبعوث ہوا ہوں لیکن اگر تم اس کے لئے آئے ہو تو ہم بھی اس سے باہر نہیں ہیں۔ اجازت ملنے کے بعد عطار دبن حاجب کھڑے ہوئے اور نہایت فخر و مہلبات کے ساتھ بنی تمیم کے تمول ثروت، اثر و اقتدار، عالی نسب، شجاعت و بہادری اور مہمان نوازی کی جاہلانہ داستان سنائی۔ ان کی تقریر ختم ہونے کے بعد مسلمانوں کی

۱۔ مستدرک حاکم۔ جلد ۳۔ ص ۶۱۵۔ اس سے مراد شاعری ہے ورنہ حمد اس سے مستثنیٰ ہے۔

۲۔ اسد الغابہ۔ جلد اول۔ ص ۱۱۹

جانب سے جواب کے لئے حضرت ثابت بن قیسؓ " کھڑے ہوئے لیکن یہ جواب کیا تھا۔ تمول و ثروت کی فحاری نہ تھی عالیٰ نسب کا غرور نہ تھا شجاعت اور بہادری کی داستان سرائی نہ تھی بلکہ آنحضرت ﷺ کی بعثت قرآن کا نزول، اسلام کی تبلیغ، انصار کی حمایت، اعلائے کلمۃ اللہ کی تاریخ اور اسلام کی دعوت تھی۔ ثابت کے بعد بنی تمیم کے معزز رکن زیرقان بن بدر اٹھے اور اسی جاہلیت کی غرور آمیز داستان کو اشعار میں دہرایا ان کے مقابلہ میں دربار رسالت ﷺ کے ملک الشعراء اور طوطی اسلام حضرت حسان بن ثابتؓ کو جواب کا حکم دیا انہوں نے جواب دیا۔

اسلام : روسائے بنی تمیم کی فحاری اور مسلمانوں کے تبلیغی جواب کا یہ اثر ہوا کہ بنی تمیم کے معزز رکن اقرع بن حابسؓ نے اٹھ کر اپنے ارکان سے کہا : " محمد ﷺ کے خطیب ہمارے خطیبوں اور ان کے شاعر ہمارے شعراء سے زیادہ بہتر ہیں ان کی آوازیں ہماری آوازوں سے زیادہ شیریں اور دلآویز ہیں! میں شہادت دیتا ہوں کہ خدا کے علاوہ کوئی معبود نہیں آپ ﷺ خدا کے رسول ہیں اس کے قبل جو کچھ ہو چکا وہ آپ ﷺ کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا۔"

قبول اسلام کے بعد انہیں کسی غزوہ میں شرکت کا موقعہ نہیں ملا مگر آنحضرت ﷺ نے بعض سرایا کے مال غنیمت میں ان کا حصہ بھی لگایا۔ چنانچہ حجۃ الوداع کے قبل جو سریہ بھیجا تھا اس کے مال غنیمت میں سے تھوڑا سا سونا انہیں عطا فرمایا۔

عہدِ خلفاء : عہدِ نبوی ﷺ میں اقرع غزوات میں نہ شریک ہو سکے تھے۔ خلفاء کے زمانہ میں اس کی تلانی کی کوشش کی عہدِ صدیقی میں یمامہ کی مشہور جنگ میں حضرت خالد بن ولیدؓ کے ساتھ تھے پھر عراق کی فوج کشی میں بھی ان کے ساتھ نکلے اور اربار کی فتوحات میں شریک ہوئے دومۃ الجندل کے معرکہ میں شرجیلؓ بن حسنہ کے ساتھ تھے۔

حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں بعض معرکہ کے قرع کی امارت میں سر ہوئے عبد اللہ بن عامرؓ والی خراسان نے انہیں خراسان کے ایک حصہ پر مامور کیا تھا۔ چنانچہ جو زبان ان ہی کی قیادت میں فتح ہوا۔

شہادت : حافظ ابن حجرؒ کے بیان کے مطابق اسی غزوہ میں شہید ہوئے۔

۱۔ سیرۃ ابن ہشام۔ جلد ۲۔ ذکر قدم وفد تمیم و نزول سورۃ حجرات میں یہ واقعات نہایت مفصل ہیں ہم نے صرف ان کا خلاصہ نقل کیا ہے۔

۲۔ اسد الغابہ۔ جلد اول۔ ص ۱۲۰ ۳۔ بخاری کتاب المغازی باب بعث علیؓ بن ابی طالب و خالد بن ولید ابی ایمن

۴۔ اصابہ۔ جلد اول۔ ص ۵۹ ۵۔ فتوح البلدان بلاذری۔ ص ۳۱۳ ۶۔ اصابہ۔ جلد اول۔ ص ۱۵۱

(۶) حضرت امرؤ القیسؓ

نام و نسب : امرؤ القیس نام۔ باپ کا نام حابس تھا۔ نسب نامہ یہ ہے : امرؤ القیس بن حابس بن منذر بن امرؤ القیس بن سبط بن عمرو بن معاویہ بن حارث الاکبر بن معاویہ بن ثور بن مرثع بن معاویہ ابن حارث کنڈی۔

اسلام : ۱۰ھ میں کندہ (حضرموت) کے وفد کے ساتھ مدینہ آ کر آنحضرت ﷺ کے دستِ حق پرست پر مشرف باسلام ہوئے۔ قبولِ اسلام کے بعد پھر وطن واپس چلے گئے۔

فتنہ ارتداد کے تذکرہ میں سعیِ بلخ :

حضرت ابو بکرؓ کے زمانہ میں جب عرب کے قبائل میں ارتداد کی وبا پھیلی تو امرؤ القیسؓ کا پورا قبیلہ کو دوبارہ دائرہ اسلام میں واپس لانے کی پوری کوشش کی اور اس کے لئے افہام و تفہیم، ہز جرو توخ وغیرہ تمام امکانات ذرائع صرف کر دیئے۔ کندہ کے رئیس اشعث بن قیس بھی جو حضرت حسنؓ کے خسر تھے مرتد ہو گئے تھے۔ امرؤ القیسؓ نے انہیں بہت سمجھایا کہ اس فتنہ سے خدا ابو بکرؓ کو کوئی نقصان نہیں پہنچائے گا۔ مخالفوں کو ناکامی ہوگی اور ان کا سر قلم کر دیا جائے گا تم اپنے اوپر رحم کرو اور اس فتنہ سے بچو اگر تم اس کارِ خیر کی طرف قدم بڑھاؤ گے تو سب تمہاری پیروی کریں گے اور پیچھے رہو گے تو ان میں اختلاف پیدا ہوگا۔ اشعث نے جواب دیا عرب اپنے آبائی مذہب پر لوٹ رہا ہے امرؤ القیسؓ نے کہا خیر تو تم کو بہت جلد اس کا تجربہ ہو جائے گا۔ رسول اللہ ﷺ کے عمال تم کو کبھی ارتداد کی حالت میں نہیں چھوڑ سکتے!۔

اربابِ سیر لکھتے ہیں : ”کان له عناء وتعب فى الردة“ یعنی فتنہ ارتداد کے فرو کرنے میں انہوں نے بڑی ان تھک کوشش کی ان کی مخلصانہ کوششیں بار آور ہوئیں اور کندہ کے بہت سے گھرانے ارتداد سے بچ گئے اور انہوں نے حضرت ابو بکرؓ کو ان اشعار میں اس کی اطلاع بھیجی!۔

الا بلغ ابا بکر رسولاً
و بلغها جميع المسلمين
فليس مجاوراً بيتي بيوتا
بما قال النبی لکذبنا

امرؤ القیسؒ کا دل جوشِ ایمانی سے اس قدر معمور تھا کہ ارتداد کے سلسلہ میں انہوں نے اپنے خاص اعزہ کی محبت بھی دل سے نکال دی تھی اور ان کی تلوار ان کے مرتد اعزہ کے مقابلہ میں بھی بے نیام ہوئی۔ فتنہ ارتداد فرو ہونے کے بعد جو باغی مرتد قتل کرنے کے لئے لائے گئے ان میں امرؤ القیس کے چچا بھی تھے۔ امرؤ القیس خود انہیں قتل کرنے کے لئے بڑھے چچا نے کہا کیا تم چچا کو بھی قتل کرو گے؟ امرؤ القیس نے کہا بے شک آپ میرے چچا ہیں لیکن اللہ عزوجل میرا رب ہے۔

دین کے لئے دنیا سے دست برداری :

انسان کے لئے سب سے بڑی آزمائش مال و دولت ہے۔ امرؤ القیسؓ نے آخرت کے مقابلہ میں کبھی دنیاوی مال و متاع کی پرواہ نہ کی ایک مرتبہ ان میں اور ربیعہ بن عبدان حضری میں ایک زمین کے بارہ میں تنازعہ ہو گیا آنحضرت ﷺ کے سامنے مقدمہ پیش ہوا ربیعہ مدعی تھے آنحضرت ﷺ نے فرمایا تم ثبوت پیش کرو ورنہ امرؤ القیسؓ سے قسم لے کر ان کے موافق فیصلہ کر دیا جائے گا۔ ربیعہ نے کہا اگر وہ قسم کھائیں گے تو میری زمین مفت میں چلی جائے گی۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا جو شخص اس نیت سے قسم کھائے گا کہ اس سے مالی منفعت حاصل کرے تو وہ خدا سے اس حالت میں ملے گا کہ خدا اس سے ناراض ہوگا۔ امرؤ القیسؓ نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ جو شخص اپنا حق سمجھتے ہوئے اس سے دست بردار ہو جائے اس کو کیا اجر ملے گا۔ فرمایا جنت۔ عرض کی تو میں اس زمین سے ان کے حق میں دست بردار ہوتا ہوں۔

(۷) حضرت انیسؒ بن ابی مرثد غنوی

نام و نسب : انیس نام۔ ابو یزید کنیت، نسب نامہ یہ ہے : انیس بن ابومرثد (کناز) بن حصین بن ربیع ابن جحنیہ بن سعد بن طریف بن خرشہ بن سعد بن عوف بن کعب بن حلان بن غنم ابن یحییٰ بن اصر بن سعد بن قیس بن عیلان بن معزز مغزی۔ ان کے والد حضرت ابومرثد مہاجر تھے۔ بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ انصار کے حلیف تھے لیکن صحیح یہ ہے کہ ان کے دادا حضرت حمزہؓ کے حلیف تھے^۲۔

۱۔ استیعاب۔ جلد اول۔ ص ۳۹۔ ۲۔ اسد الغابہ۔ جلد ۵۔ ص ۱۱۵۔ ۳۔ اسد الغابہ۔ جلد اول۔ تذکرۃ انیس۔

اسلام و غزوات : فتح مکہ کے پہلے مشرف باسلام ہوئے۔ فتح مکہ حنین اور اوطاس کے غزووں میں آنحضرتؐ کے ہمراہ تھے۔ اوطاس میں جاسوسی کی خدمت سپرد تھی۔ کبھی کبھی آنحضرتؐ اجر ابراہیم کی خدمت پر مامور فرماتے تھے ایک مرتبہ ایک عورت زنا کے الزام میں ماخوذ ہوئی، آنحضرتؐ نے انیس کو حکم دیا کہ جا کر اس سے دریافت کرو اگر اقرار کرے تو حد جاری کرو۔
وفات : ربیع الاول ۲۰ھ میں وفات پائی۔

(۸) حضرت اہبان بن صفیؓ

نام و نسب : اہبان نام۔ ابو مسلم کنیت، قبیلہ عفار سے نسب تعلق تھا۔
اسلام : ان کے اسلام کا زمانہ متعین طور سے نہیں بتایا جاسکتا۔ قیاس یہ ہے کہ اپنے قبیلہ بنی عفار کے ساتھ فتح مکہ سے کچھ قبل یا بعد مشرف باسلام ہوئے ہوں گے۔
خانہ جنگی سے کنارہ کشی : عہد رسالت ﷺ اور اس کے بعد کسی غزوہ اور جنگ وغیرہ میں نظر نہیں آتے۔ بصرہ آباد ہونے کے بعد یہاں مستقل سکونت اختیار کر لی تھی۔ خانہ جنگی کے زمانہ میں کوفہ و بصرہ شروفتن کے مرکز تھے مگر اہبان اس سے کنارہ کش رہے۔ حضرت علیؓ نے ان سے اپنی حمایت میں نکلنے کے لئے کہا۔ انہوں نے جواب دیا کہ میرے دوست اور تمہارے ابن عم نے مجھ سے وعدہ لیا تھا کہ ”جب دو مسلم فریق میں جنگ ہو تو میں لکڑی کی تلوار بنا لوں“۔ حضرت علیؓ نے یہ جواب سن کر پھر کچھ نہیں فرمایا۔

وفات : بصرہ ہی میں وفات پائی۔

فضل و کمال : ان کی علمی حیثیت قابل ذکر نہیں ہے تاہم ان سے زہد بن حارث وغیرہ نے روایت کی ہے۔

(۹) حضرت ایمن بن حریمؓ

نام و نسب : ایمن نام۔ باپ کا نام خریم تھا۔ نسب نامہ یہ ہے : ایمن بن خریم بن فلک بن اہرم بن شداد بن عمرو بن قالم بن قلیب بن عمرو بن اسعد بن جزیہہ مدنی۔

۱۔ استیعاب۔ جلد اول۔ ص ۳۰۔ ۲۔ ایضاً۔ ۳۔ ۱۔ ۴۔ ۵۔ ۶۔ ۷۔ ۸۔ ۹۔ ۱۰۔ ۱۱۔ ۱۲۔ ۱۳۔ ۱۴۔ ۱۵۔ ۱۶۔ ۱۷۔ ۱۸۔ ۱۹۔ ۲۰۔ ۲۱۔ ۲۲۔ ۲۳۔ ۲۴۔ ۲۵۔ ۲۶۔ ۲۷۔ ۲۸۔ ۲۹۔ ۳۰۔ ۳۱۔ ۳۲۔ ۳۳۔ ۳۴۔ ۳۵۔ ۳۶۔ ۳۷۔ ۳۸۔ ۳۹۔ ۴۰۔ ۴۱۔ ۴۲۔ ۴۳۔ ۴۴۔ ۴۵۔ ۴۶۔ ۴۷۔ ۴۸۔ ۴۹۔ ۵۰۔ ۵۱۔ ۵۲۔ ۵۳۔ ۵۴۔ ۵۵۔ ۵۶۔ ۵۷۔ ۵۸۔ ۵۹۔ ۶۰۔ ۶۱۔ ۶۲۔ ۶۳۔ ۶۴۔ ۶۵۔ ۶۶۔ ۶۷۔ ۶۸۔ ۶۹۔ ۷۰۔ ۷۱۔ ۷۲۔ ۷۳۔ ۷۴۔ ۷۵۔ ۷۶۔ ۷۷۔ ۷۸۔ ۷۹۔ ۸۰۔ ۸۱۔ ۸۲۔ ۸۳۔ ۸۴۔ ۸۵۔ ۸۶۔ ۸۷۔ ۸۸۔ ۸۹۔ ۹۰۔ ۹۱۔ ۹۲۔ ۹۳۔ ۹۴۔ ۹۵۔ ۹۶۔ ۹۷۔ ۹۸۔ ۹۹۔ ۱۰۰۔

۱۔ تاریخ صغیر امام بخاری۔ ص ۴۶۔ ۲۔ اصحاب۔ جلد اول۔ ص ۸۰۔ ۳۔ تہذیب الکمال۔ ص ۴۱۔

اسلام : ایمن کے والد حضرت خرمیمؓ بدری صحابی تھے لیکن ایمن فتح مکہ کے زمانہ میں اسلام لائے اس وقت ہنرہ آغاز تھا۔

ایمن عہد رسالت ﷺ میں کم سن تھے اور اس کے بعد بہت دنوں تک زندہ رہے۔ عبد الملک کے زمانہ تک ان کا پتہ چلتا ہے اس کے دربار میں آمد و رفت رہتی تھی۔ اس طویل زمانہ میں بڑے بڑے انقلابات ہوئے مسلمانوں کے خون کی ندیاں بہہ گئیں لیکن ایمن کے ہاتھوں میں کسی مسلمان کے خون کا ایک قطرہ نہیں گرا وہ اس قسم کے موقعوں پر برابر مسلمانوں کو غلامت کرتے رہے حضرت عثمانؓ کی شہادت پر اس شعر میں اپنی بیزاری کا اظہار کیا۔

ان الذین تولوا قتله سفها لقوا ثامنا وخسرانا وماربحوا

جو لوگ نادانی کی وجہ سے عثمان کے قتل کے مرتکب ہوئے

انہوں نے گناہ اور خسران کے سوا کوئی فائدہ نہیں اٹھایا

مروان سے ذاتی مراسم تھے مگر اس کی خواہش کے باوجود ایمن نے اس کے زمانہ کی لڑائیوں میں کوئی حصہ نہ لیا۔ ضحاک بن قیس سے جنگ کے زمانہ میں مروان نے کہلا بھیجا کہ ہماری خواہش ہے کہ تم بھی ہمارے ساتھ شریک جنگ ہوا۔ انہوں نے جواب دیا کہ میرے باپ اور چچا بدری صحابی تھے۔ انہوں نے مجھ سے عہد لیا تھا کہ میں کسی ایسے شخص سے جو لا الہ الا اللہ کہتا ہو نہ لڑوں اگر تم آتش دوزخ سے برأت کی سند لا دو تو البتہ میں تمہارے ساتھ جنگ میں شریک ہو جاؤں گا۔ یہ جواب سن کر مروان نے ان کو برا بھلا کہا اس کے جواب میں ایمن نے یہ اشعار پڑھے۔

ولست مقاتلا رجلا یصلی علی سلطان اخر من قریش

کسی قریشی کے دبدبہ حکومت کے لئے کسی نمازی مسلمان سے جنگ کرنے والا نہیں ہوں

لہ سلطانہ وعلی اثمی معاذ اللہ من سفہ وطیش

اے قودبدبہ حکومت حاصل ہوگی اور مجھے گناہ ملے گا، ایسی بے عقلی اور طیش سے خدا کی پناہ ہے

آقتل مسلماننی غیر حرم فلست بنافعی ماعشت عیشی

کیا میں کسی مسلمان کو بے خطا قتل کروں اگر ایسا کروں میری زندگی مجھے کوئی نفع نہیں پہنچا سکتی

عام حالات : اموی خلفاء کے ساتھ ان کے بڑے مراسم تھے اور ان کے دربار میں بہت کثرت سے آیا جایا کرتے تھے اس رسم و راہ کی وجہ سے خلیل الخلفا کہلاتے تھے۔ شاعر بھی تھے مگر وہی شاعری جس کا نمونہ اوپر نقل ہوا، ان سے دو حدیثیں مروی ہیں۔

(۱۰) حضرت بدیل بن ورقا

نام و نسب : بدیل نام۔ باپ کا نام ورقا تھا۔ نسب نامہ یہ ہے : بدیل بن ورقا بن عمرو بن ربیعہ بن عبد العزیٰ ابن ربیعہ بن جری بن عامر بن مازن خزاعی۔

ان کا قبیلہ ہی خزاعہ صلح حدیبیہ کے زمانہ میں مسلمانوں کا حلیف ہو گیا تھا۔ ۶ھ میں جب آنحضرت ﷺ عمرہ کے قصد سے مکہ تشریف لے گئے تو حدیبیہ کے مقام پر قریش کی مزاحمت کے ارادہ کی خبر ان ہی نے دی تھی۔

جن اسباب کی بناء پر آنحضرت ﷺ نے مکہ پر حملہ کیا تھا ان میں سے ایک سبب بدیل کے قبیلہ کی حمایت بھی تھا۔ بنو خزاعہ مسلمانوں کے خلیف تھے اس لئے از روئے معاہدہ حدیبیہ قریش اور ان کے حلیف، بنی خزاعہ پر کسی قسم کی زیادتی نہیں کر سکتے تھے لیکن اس معاہدہ کے خلاف قریش کے حلیف بنی بکر، بنی خزاعہ پر مظالم کرتے تھے فتح مکہ کے قبل بدیلؓ آنحضرت ﷺ کے پاس ان زیادتیوں کی شکایت لے کر گئے دوسری طرف سے قریش نے ابوسفیان کو آنحضرت ﷺ کے پاس بھیجا تا کہ وہ آپ سے گفتگو کر کے معاہدہ کی تجدید کرائیں اور بنی خزاعہ پر بنی بکر کی زیادتیوں کا کوئی برا نتیجہ نہ نکلے۔ ادھر سے ابوسفیان جا رہے تھے ادھر سے بدیل واپس ہو رہے تھے راستہ میں دونوں کی ملاقات ہوئی۔

ابوسفیان کو شبہ ہوا کہ بدیلؓ رسول اللہ ﷺ کے پاس شکایت لے کر گئے تھے انہوں نے ان سے پوچھا، کہاں سے آرہے ہو؟ بدیلؓ نے کہا وادی اور سائل کی طرف سے بنی خزاعہ کی سمت گیا ہوا تھا، پھر تصریح سے پوچھا محمد ﷺ کے پاس سے تو نہیں آرہے ہو؟ بدیلؓ نے کہا نہیں، اس سوال جواب کے بعد دونوں نے اپنا اپنا راستہ لیا لیکن بدیلؓ کے جواب پر ابوسفیان کا شبہ دور نہیں ہوا۔ ان کو قرآن سے یقین ہو گیا کہ ہونہ ہو بدیل مدینہ ہی گئے تھے نہایت تیزی سے مدینہ پہنچے اور حضرت ابو بکرؓ، عمرؓ، علیؓ اور فاطمہؓ زہرا کو بیچ میں ڈال کر معاملات کا تصفیہ کرنا چاہا لیکن ان بزرگوں نے درمیان میں پڑنے سے انکار کر دیا اور ابوسفیان نا کام لوٹ گئے۔

اسلام : فتح مکہ کے بعد بدیل مشرف باسلام ہوئے۔ بعض ارباب سیران کے اسلام کا زمانہ فتح مکہ سے پہلے بتاتے ہیں لیکن یہ صحیح نہیں ہے ان کو آنحضرت ﷺ کے پاس بدیل کی آمد و رفت کے واقعات سے التباس ہوا ہے لیکن یہ آمد و رفت اسلام کی وجہ سے نہ تھی بلکہ معاہدہ کی وجہ سے تھی۔

قبول اسلام کے وقت بدیل کی عمر ۹۷ سال کی تھی مگر ڈاڑھی کے سب بال سیاہ تھے آنحضرت ﷺ نے پوچھا عمر کیا ہے؟ عرض کی ۹۷ برس۔ فرمایا خدا تمہارے جمال اور بالوں کی سیاہی میں اور ترقی دے گا۔
بدیلؓ کے قبول اسلام کے بعد وہی قریش جو ان کے قبیلہ کے درپے آزار رہتے تھے ان کے گھر اور ان کے غلام رافع کی پناہ لینے پر مجبور ہوئے۔

غزوات: فتح مکہ کے بعد حنین، طائف اور تبوک تمام غزوات میں شریک ہوئے۔ حنین میں مالی غنیمت اور مشرک قیدیوں کی نگرانی ان کے سپرد تھی۔^۱

حجۃ الوداع: حجۃ الوداع میں ہمرکاب تھے اور منیٰ میں اعلان کرتے پھرتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ نے آج کے روزہ سے منع فرمایا ہے۔^۲

وفات: ممر کافی پاچکے تھے اس لئے آنحضرت ﷺ کی حیات ہی میں انتقال ہو گیا۔^۳
آثار نبوی ﷺ سے برکت اندوزی:

آثار نبوی ﷺ سے نہایت گہری عقیدت رکھتے تھے۔ کسی موقع پر آنحضرت ﷺ نے ان کو ایک خط لکھا تھا اس کو نہایت عزیز رکھتے تھے اور انتقال کے وقت اپنے صاحبزادے کو یہ خط دے کر وصیت کرتے گئے کہ جب تک یہ نوشتہ رسول ﷺ تمہارے پاس رہے گا تم لوگ خیر و برکت میں رہو گے۔

(۱۱) حضرت بسر بن سفیانؓ

نام و نسب: بسر نام، باپ کا نام سفیان تھا نسب نامہ یہ ہے، بسر بن سفیان بن عمرو بن عویر ابن صرمہ بن عبد اللہ بن ضمیر بن حبشہ بن سلول بن کعب بن عمرو بن ربیع خزاعی، بسر اپنے قبیلہ کے معزز اور مقتدر شخص تھے۔

اسلام: آنحضرت ﷺ نے جب شرفاء و علماء کے پاس دعوت اسلام کے خطوط بھیجے۔ تو ایک تحریر لبر کے نام بھی بھیجی ان کا دل عناد اور سرکشی سے پاک تھا، صرف تحریر کی دیرھی چنانچہ اسی دعوت پر ۶ھ میں مشرف باسلام ہو گئے۔^۴

اسی سنہ میں آنحضرت ﷺ کے ساتھ عمرہ کے لئے نکلے مکہ کے قریب پہنچنے کے بعد قریش کی جانب سے طرح طرح کی خبریں اڑ رہی تھیں، ایک خبر یہ بھی تھی کہ وہ آنحضرت ﷺ کو

۱۔ اصباہ۔ جلد اول۔ ص ۱۴۶ ۲۔ اسد الغابہ۔ جلد اول۔ ص ۱۷۰ ۳۔ اصباہ۔ جلد اول۔ ص ۴۶

۴۔ اسد الغابہ۔ جلد اول۔ ص ۱۸۱ ۵۔ استیعاب۔ جلد اول۔ ص ۶۷ ۶۔ ایضاً اصباہ۔ ص ۱۵۴

روکیں گے، ان افواہوں کی تحقیقات بسر کے سپرد ہوئی، انہوں نے تحقیقات کر کے مقام عسفان میں آپ کو اطلاع دی کہ قریش آپ کی مدد کی خبر سن کر مقابلہ کے لئے نکلے ہیں۔ اس کے بعد اس سفر کے تمام مراحل بیت رضوان اور صلح حدیبیہ وغیرہ میں شریک رہے، اس سے زیادہ حالات معلوم نہیں۔

(۱۲) حضرت تمیم بن اسد بن عبد العزی

نام و نسب : تمیم نام، باپ کا نام اسد، نسب نامہ یہ ہے : تمیم بن اسد بن عبد العزی بن جعونہ بن عمرو بن قین بن رزاح بن عمرو بن سعد بن کعب بن سعد بن عمرو خزاعی۔
اسلام : فتح مکہ کے قبل مشرف باسلام ہوئے۔ فتح مکہ میں آنحضرت ﷺ کے ساتھ تھے۔ تطہیر حرم کا اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کیا چنانچہ روایت کرتے ہیں کہ فتح مکہ کے دن جب آنحضرت ﷺ مکہ میں داخل ہوئے تو خانہ کعبہ کے گرد تین سو سے اوپر بت رانگے سے جڑے ہوئے نصب تھے، آپ ﷺ جاء الحق وزهق الباطل پڑھ پڑھ کے بتوں کی طرف اشارہ کرتے جاتے تھے، اور بت گرتے جاتے تھے۔ اس سلسلہ میں نصاب حرم کی تجدید پر مامور ہوئے تھے۔

(۱۳) حضرت تمیم بن ربیعہ

نام و نسب : تمیم نام، باپ کا نام ربیعہ، تھانسی نامہ یہ ہے : تمیم بن ربیع بن عوف بن جراء بن ربیع بن طحل بن عدی بن ربیعہ بن رشدان بن قیس بن جہینہ جہنی۔
تمیم ان خوش نصیب بزرگوں میں ہیں جنہوں نے اس وقت اسلام کی دعوت پر لبیک کہا جب اس کا جواب زبان کے بجائے نوکِ بنان سے ملتا تھا اسلام کے بعد سب سے اول حدیبیہ میں شریک ہوئے اور بیعت رضوان کا شرف حاصل کیا۔ اس سے زیادہ حالات معلوم نہیں۔

(۱۴) حضرت ثمامہ بن اثال

نام و نسب : ثمامہ نام، ابو امامہ کنیت، نسب نامہ یہ ہے : ثمامہ بن اثال بن نعمان بن سلمہ بن عتبہ بن ثعلبہ بن ربیعہ بن ثعلبہ بن حنفیہ یثامی، ثمامہ کے سرداروں میں تھے۔

۱۔ ابن سعد۔ جلد ۴۔ ق ۴۔ ص ۳۲۔

۲۔ ابن سعد۔ جلد ۴۔ ق ۴۔ ص ۳۲۔

۳۔ ابن سعد۔ جلد ۴۔ ق ۲۔ ص ۶۶۔

۴۔ ابن سعد۔ جلد ۴۔ ق ۲۔ ص ۶۶۔

اسلام : فتح مکہ کے کچھ دنوں پہلے آنحضرت ﷺ نے یمامہ کی طرف سے ایک مختصر سریرہ جس میں چند سوار تھے بھیجا تھا، ان لوگوں نے لوٹتے وقت یمامہ کو گرفتار کر لیا اور وہ لا کر مسجد نبوی ﷺ کے ستون میں باندھ دیئے گئے۔ آنحضرت ﷺ نے ان کے پاس آ کر پوچھا کیوں یمامہ کیا ہوا کہا محمد ﷺ بہت اچھا ہوا اگر تم مجھ کو قتل کرو گے تو ایک جاندار کو قتل کرو گے، اور اگر احسان کر کے چھوڑ دو گے تو ایک احسان شناس پر احسان کرو گے، دوسرے دن پھر یہی سوال جواب ہوا، تیسرے دن بھی یہی واقعہ پیش آیا تیسری مرتبہ سوال جواب کے بعد آنحضرت ﷺ نے انہیں رہا کر دیا۔ یمامہ پر اس رحم و کرم کا یہ اثر ہوا کہ رہائی پانے کے بعد اسلام کے اسیر ہو گئے، مسجد نبوی ﷺ کے قریب ایک نخلستان میں گئے اور نہادھو کر مسجد میں آئے اور کلمہ شہادت پڑھ کر آنحضرت ﷺ سے کہا کہ خدا کی قسم آپ کی ذات آپ کے مذہب اور آپ کے شہر سے زیادہ روئے زمین پر مجھے کسی سے بغض نہیں تھا لیکن اب آپ کی ذات، آپ کے مذہب اور آپ کے شہر سے زیادہ کوئی مذہب اور کوئی شہر محبوب نہیں ہے، میں عمرہ کا قصد کر رہا تھا کہ آپ کے سواروں نے مجھے پکڑ لیا اب کیا حکم ہوتا ہے؟ آپ نے بشارت دی اور عمرہ پورا کرنے کا حکم دیا، چنانچہ وہ عمرہ کے لئے مکہ گئے، کسی نے پوچھا تم بدین ہو گئے، کہا نہیں بلکہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ اسلام لایا، یاد رکھو اب بغیر رسول اللہ ﷺ کی اجازت کے گیارہوں کا ایک دانہ بھی یمامہ سے مکہ نہیں آ سکتا۔^۱

عمرہ پورا کر کے بعد یمامہ جا کر غلہ رکھوا دیا، مکہ والوں کا دار و مدار یمامہ کے غلہ پر تھا۔ اس لئے وہاں آفت پناہ گئی اہل مکہ نے آنحضرت ﷺ کے پاس لکھ بھیجا کہ تم صلہ رحمی کی تعلیم دیتے ہو لیکن تمہارا عمل اس کے برعکس ہے تم نے سن رسیدہ لوگوں کو تلواروں سے اور بچوں کو بھوک سے مار ڈالا، ان کی اس تحریر پر آپ نے حکم دیا کہ غلہ نذر دے دیا جائے۔^۲

فتنہ ارتداد کی روک تھام : مشہور مدعی نبوت مسیلہ کذاب یمامہ کا ہم وطن تھا، اس نے حیات نبوت ﷺ میں نبوت کا دعویٰ کیا تھا، لیکن آفتاب حقیقت پر اس کی تاریکی غالب نہ آ سکی۔ آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد مسیلہ بڑے زور و شور کے ساتھ اٹھا اہل یمن کے اس کے دام تزویر میں پھنس کر مرتد ہو گئے اور مسیلہ نے یمن پر قبضہ کر لیا، اس زمانہ میں یمامہ وطن ہی میں موجود تھے انہوں نے اہل یمامہ کو ارتداد سے بچانے کی بہت کوشش کی، ہر شخص کے کانوں تک یہ آواز پہنچاتے تھے کہ لوگو! اس تاریکی سے بچو جس میں نوری کوئی کرن نہیں ہے، لیکن مسیلہ کی آواز کے سامنے ان کی آواز صدا الصحر ا ثابت ہوئی، جب انہوں نے دیکھا کہ ان کے پند و نصائح کا کوئی اثر نہیں ہو سکتا اور لوگ مسیلہ کے دام میں پھنس چکے ہیں تو خود یمامہ چھوڑ دینے کا فیصلہ کر لیا۔

اسی دوران میں علاء بن حضرمی جو مرتدین کے استیصال پر مامور ہوئے تھے، یمامہ کی طرف سے گذرے ثمامہ کو خبر ہوئی تو انہوں نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ بنی حنیفہ کے ارتداد کے بعد میں ان کے ساتھ نہیں رہ سکتا، عنقریب خدا ان پر ایسی مصیبت نازل کرے گا کہ ان سے اٹھتے، بیٹھتے نہ بنے گا، مسلمان اس فتنہ کو فرد کرنے کے لئے آئے ان سے نہ کچھڑنا چاہئے تم میں سے جس کو چلنا ہو وہ فوراً تیار ہو جائے، غرض اپنے ہم خیال اشخاص کو ساتھ لے کر علاء کی مدد کو پہنچے جب مرتدین کو یہ معلوم ہوا کہ کچھ بنی حنیفہ بھی علاء کی امداد پر آمادہ ہیں تو وہ کمزور پڑ گئے یمامہ کی مہم خالدؓ کے سپرد تھی اور علاء بحرین کے مرتدین پر مامور تھے، چنانچہ ثمامہ بھی علاء کے ساتھ بحرین چلے گئے اور مرتدین کے استیصال میں برابر کے شریک رہے^۱۔

شہادت : مرتدین کے استیصال کے بعد بنی قیس کے مرتد سردار حطیم کا خلد اس کے قاتل سے خریدا اور اسے پہن کر چلے، بنو قیس نے ان کے بدن پر حطیم دیکھ کر سمجھا کہ ان ہی نے حطیم کو قتل کیا ہے اور یہ جلد انہیں سلب میں ملا ہے، اس شبہ میں ثمامہؓ کو شہید کر دیا^۲۔

فضل و کمال : فضل و کمال میں شاعری کے علاوہ اور کوئی خصوصیت لائق ذکر نہیں ہے مسلمان کذاب کے سلسلہ میں یہ اشعار کہے تھے۔

دعانا الی ترک الدیانۃ والہوی مسیلمہ الکذب از جاء یسجع
فیاعجبا من معشر قد تنا بعدا لہ فی سبیل الغی والغی اشنع

(۱۵) حضرت ثوبانؓ

نام و نسب : ثوبان نام، ابو عبد اللہ کنیت، خاندانی تعلق یمن کے مشہور حمیری خاندان سے تھا۔
آقائے دو عالم ﷺ کی غلامی : ثوبان غلام تھے۔ آنحضرت ﷺ نے خرید کر آزاد کر دیا اور فرمایا دل چاہے اپنے خاندان میں چلے جاؤ اور دل چاہے میرے ساتھ رہو، میرے ساتھ رہو گے تو میرے اہل بیعت میں تمہارا شمار ہوگا۔ رسول اللہ ﷺ کی خدمت گزاری اور اہل بیت نبوی ﷺ میں شمار ہونے سے بڑھ کر فخر اور کیا ہو سکتا تھا۔ اس لئے ثوبانؓ نے اس شرف کو خاندان پر ترجیح دی۔ اور خلوت و جلوت وقت آقائے نامدار ﷺ کے ساتھ رہنے لگے^۳۔

۱۔ استیعاب۔ جلد اول۔ ص ۱۸۰۔ ۲۔ مصابیح جلد اول ص ۲۱۱۔ ۳۔ ا۔ ا۔ ا۔ جلد اول ص ۲۳۹۔ جلد دوم ص ۲۳۱۔ جلد سوم ص ۲۸۱۔

شام کی اقامت وفات : آقا ﷺ کی زندگی بھر مدینہ میں رہے۔ آپ ﷺ کی وفات کے بعد گلشنِ مدینہ خانہ نظر آنے لگا اس لئے یہاں سے شام چلے گئے اور رملہ میں سکونت اختیار کر لی۔ عہدِ فاروقی میں مصر کی فتوحات میں شریک ہوئے پھر رملہ سے منتقل ہو کر حمص میں گھر بنا لیا اور یہیں ۵۴ھ میں وفات پائی^۱۔

فضل و کمال : ثوبانؓ آنحضرت ﷺ کے خادم خاص تھے اس تقریب سے انہیں استفادہ کے زیادہ مواقع ملتے تھے۔ چنانچہ ۱۱۲ احادیث ان کے حافظہ میں محفوظ تھیں جو حدیث کی کتابوں میں موجود ہیں^۲۔ حافظ ابن عبد البر لکھتے ہیں کہ ثوبانؓ ان لوگوں میں ہیں جنہوں نے حدیثیں محفوظ کیں اور ان کی اشاعت بھی کی^۳۔ ان کے تلامذہ میں معدان بن طلحہ، راشد بن سعد، جیسر بن یفر، عبد الرحمن ابن غنم، ابو ادریس خولاق قابل ذکر ہیں^۴۔ آنحضرت ﷺ کے بعد جو جماعت صاحبِ علم و افتاتھی اس کے ایک رکن ثوبانؓ بھی تھے^۵۔

شایعین حدیث فرمائش کر کے ان سے حدیثیں سنتے تھے ایک مرتبہ لوگوں نے حدیث سنانے کی درخواست کی۔ انہوں نے یہ حدیث سنائی کہ جو مسلمان خدا کے لئے ایک سجدہ کرتا ہے خدا اس کا ایک درجہ بلند کرتا ہے اور اس کی خطاؤں سے درگزر کرتا ہے^۶۔ ان کے معاصرین دوسروں سے سنی ہوئی حدیثوں کی تصدیق ان سے کراتے تھے۔ معدان بن طلحہ نے حضرت ابو درداءؓ سے ایک حدیث سنی تو ثوبانؓ سے اس کی تصدیق کی^۷۔

پاسِ فرمانِ رسول ﷺ :

آقائے نامدار ﷺ کی حیات میں اور وفات کے بعد دونوں زمانوں میں یکساں فرمانِ نبوی ﷺ پیش نظر رہتا تھا۔ ایک مرتبہ زبانِ مبارک سے جو کچھ سن لیا وہ ہمیشہ جان کے ساتھ رہا جس چیز میں آقا ﷺ کے حکم کی خلاف ورزی کا ادنیٰ سا پہلو نکلتا تھا اس سے ہمیشہ محترز رہے۔ ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ نے ان سے فرمایا تھا کہ کبھی کسی سے سوال نہ کرتا۔ اس فرمان کے بعد کبھی کسی کے سامنے دستِ سوال دراز نہ ہوا اور اس شدت سے اس پر عمل رہا کہ اگر سواری کی حالت میں کواڑ ہاتھ سے چھوٹ کر گر جاتا تھا وہ خود اتر کر اٹھاتے تھے اور کسی سے سوال نہ کرتے تھے^۸۔

۱۔ استیعاب۔ جلد اول۔ ص ۸۱ و مستدرک۔ جلد ۳۔ ص ۲۸۱ ۲۔ تہذیب الکمال

۳۔ استیعاب۔ جلد ۱۔ ص ۸۲ ۴۔ تہذیب التہذیب۔ جلد ۳۔ ص ۳۱

۵۔ اعلام المہققین۔ جلد اول۔ ص ۱۵ ۶۔ مسند احمد بن حنبل۔ جلد ۵۔ ص ۲۷۶

۷۔ ابو داؤد۔ جلد اول۔ ص ۲۳۷ ۸۔ مسند احمد بن حنبل۔ جلد ۵۔ ص ۲۷۷

احترام نبوت ﷺ : گو نبوت کا احترام ہر مسلمان کا مذہبی فرض ہے لیکن ثوبانؓ اس میں اس قدر سخت تھے۔ ایک مرتبہ یہ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں تھے کہ ایک یہودی عالم نے السلام وعلیک یا محمد کہا، خالی محمد بن کر ثوبانؓ برافروختہ ہو گئے اور یہودی کو اس زور سے دھکا دیا کہ وہ گرتے گرتے بچا۔ اس نے اس کا سبب پوچھا کہا تو نے یا رسول اللہ ﷺ کیوں نہ کہا۔ وہ بولا میں نے اس میں کیا گناہ کی کہ ان کا خاندانی نام لیا آنحضرت ﷺ نے فرمایا، ہاں میرا خاندانی نام محمد ﷺ ہے۔

غلامی کی نسب کا احترام : نبوت کا احترام تو مذہبی فرض ہے۔ ثوبانؓ اپنی غلامی کی نسبت کا احترام بھی ضروری سمجھتے تھے اور جو شخص اس میں کمی کرتا تھا اس کو متنبہ کرتے تھے۔ حمص کے زمانہ قیام میں بیمار پڑے، عبد اللہ بن قرط ازدی والی حمص ان کی عیادت کو نہ آیا اس کی اس غفلت پر اس کو یہ رقعہ لکھوایا، ”اگر موسیٰ علیہ السلام اور عیسیٰ علیہ السلام کا غلام تمہارے یہاں ہوتا تو تم اس کی عیادت کرتے۔“ یہ رقعہ جب عبد اللہ کو ملا تو اسے اپنی کوتاہی پر ندامت ہوئی اور وہ اس کی تلافی کے لئے اس غلت اور بدحواسی کے ساتھ نکلا کہ لوگ سمجھے کوئی غیر معمولی واقعہ پیش آ گیا ہے۔ غرض وہ بے تابانہ حضرت ثوبانؓ کے گھر آیا اور دیر تک بیٹھا رہا۔

(۱۶) حضرت جابر بن مسلم

نام و نسب : جابر نام، ابو جری کنیت، تمیم کی شاخ بلجیم سے نسب تعلق تھا۔ اسلام : اپنے اسلام کا یہ واقعہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ لوگ ایک شخص کی رائے کو قبول کرتے جا رہے ہیں میں نے پوچھا یہ کون ہے؟ معلوم ہوا رسول اللہ ﷺ ہیں۔ میں نے آپ ﷺ کے پاس جا کر کہا علیک السلام یا رسول اللہ ﷺ ! یہ سلام سن کر آپ ﷺ نے فرمایا علیک السلام مردوں کا سلام ہے اسلام علیک یا رسول اللہ ﷺ کہا کرو۔ اس تعلیم کے بعد انہوں نے کہا اسلام علیک یا رسول اللہ ﷺ ! آپ اللہ کے رسول ہیں؟ فرمایا ہاں میں خدا کا رسول ہوں میری دعا قبول ہوتی ہے۔ اگر میں تمہارے لئے دعا کروں تو قبول ہوگی، اگر تمہارے یہاں قحط سالی ہو تو میری دعا سے تم سیراب ہو گے اور تمہارے لئے روئیدگی ہوگی، اگر تم بے آب و گیا میدان میں ہو اور تمہاری سواری گم ہو جائے تو میری دعا سے تمہارے پاس واپس آ جائے گی۔ یہ سن کر میں نے کہا رسول اللہ ﷺ ! خدا نے آپ کو جو کچھ سکھا یا وہ مجھے بھی سکھائیے۔ فرمایا ”نیک کو حقیر نہ سمجھو اگرچہ وہ اسی قدر ہو کہ اپنے بھائی سے خندہ روئی سے

کھٹکھٹ کر دیا اپنے ڈول سے پیات کے برتن میں پانی ڈال دو۔ اگر کوئی شخص تمہارے راز سے واقف ہوا
وہ وہ تم کو کسی بات پر شرم دلانے تم اس کے راز کا حوالہ دیکر اس کو شرم نہ دلاؤ تا کہ اس کا وبال تمہارے اوپر
نہ ہو، لٹکتے ہوئے ازار سے پرہیز کرو کیونکہ یہ غرور کی نشانی ہے اور غرور خدا کو ناپسند ہے، کسی کو گالی نہ دو۔
آپ ﷺ کے ارشاد کے بعد سے انہوں نے کسی انسان بلکہ اونٹ اور بکری تک کو گالی نہیں دی۔^۱

(۱۷) حضرت جارد بن عمروؓ

نام و نسب : بشر نام، ابو منذر کنیت، جارد و لقب، نسب نامہ یہ ہے : جارد بن عمرو بن علی
عبدی۔ قبیلہ عبد قیس کے سردار تھے۔ جارد کا لقب اس خاص واقعہ کی یادگار ہے زمانہ جاہلیت میں انہیں
نے قبیلہ بکر بن وائل کو لوٹ کر بالکل صاف کر دیا تھا۔ ”جرذ“ نے معنی بے برگ و بار کے ہیں اس لئے
جارد و ان کا لقب پڑ گیا۔ اسی واقعہ کو بطور مثال کے ایک شاعر کہتا ہے :^۲

فد سناہم بالخیل من کل جانب کما جرد الجارود بکرو بن وائل

اسلام : جاردؓ مذہب عیسائی تھے قبیلہ عبد قیس کے وفد کے ساتھ ۱۰ھ میں مدینہ آئے۔
آنحضرت ﷺ نے ان کے سامنے اسلام پیش کیا انہوں نے کہا محمد ﷺ میں ایک مذہب پر تھا اب
تمہارے مذہب کے لئے اپنا مذہب چھوڑنے والا ہوں۔ کیا میرے تبدیل مذہب کے بعد تم میرے
ضامن ہو گے؟ فرمایا ہاں میں ضامن ہوں، خدا نے تم کو تمہارے مذہب سے بہتر مذہب کی ہدایت
کی۔ اس مختصر سوال و جواب کے بعد جارد و اسلام کے حلقہ بگوش ہو گئے ان کے ساتھ ان کے اور ساتھی
بھی شرف باسلام ہوئے۔^۳

آنحضرت ﷺ کو ان کے اسلام لانے پر بڑی مسرت ہوئی اور ان کی بڑی عزت و توقیر کی۔
قبول اسلام کے بعد وطن لوٹنے کے لئے آنحضرت ﷺ سے سواری مانگی لیکن سواری کا انتظام نہ ہو۔ کا
تو جاردؓ نے اجازت مانگی کہ یا رسول اللہ ﷺ! راستہ میں ہم کو دوسروں کی بہت سی سواریاں ملیں گی
ان کو کام میں لانے کی اجازت ہے؟ فرمایا، نہیں انہیں آگ سمجھو۔ غرض جاردؓ خلعت اسلام سے سر
فراز ہونے کے بعد وطن واپس گئے۔^۴

۱۔ اعیان - جلد اول - ص ۸۸ ۲۔ اسد الغابہ - جلد اول - ص ۲۶۱ ۳۔ اعیان - جلد اول - ص ۲۶۱ ۴۔ اعیان - جلد اول - ص ۲۶۱

۵۔ اعیان - جلد اول - ص ۲۶۱ ۶۔ اعیان - جلد اول - ص ۲۶۱ ۷۔ اعیان - جلد اول - ص ۲۶۱ ۸۔ اعیان - جلد اول - ص ۲۶۱

۹۔ اعیان - جلد اول - ص ۲۶۱ ۱۰۔ اعیان - جلد اول - ص ۲۶۱ ۱۱۔ اعیان - جلد اول - ص ۲۶۱ ۱۲۔ اعیان - جلد اول - ص ۲۶۱

فتنہ ارتداد : فتنہ ارتداد میں ان کے قبیلہ کے بہت سے آدمی مرتد ہو گئے لیکن ان کی استقامت ایمانی میں کوئی تزلزل نہ آیا اور اپنے اسلام کا اعلان کر کے دوسروں کو ارتداد سے روکتے تھے^۱۔

شہادت : حضرت عمرؓ کے زمانہ میں بصرہ میں اقامت اختیار کر لی اور ایران کی فوج کشی میں مجاہدانہ شریک ہوئے۔ باختلاف روایت فارس یا نہاوند کے معرکہ میں شہید ہوئے^۲۔

فضل و کمال : ابو سلمہ نجدی، ابو القموس، زید بن علی اور محمد بن سیرین نے ان سے روایت کی ہے^۳۔ جارودؒ شاعر بھی تھے، اشعار ذیل بارگاہ نبوی ﷺ میں بطور نذر عقیدت پیش کئے تھے^۴۔

شہدت بان الله حق و سامحت نبات فوادى بالشهادة والنهض
فابلق رسول الله عنى رسالة بنى حنيف حيف كنت من الارض
واجعل نفسى دون كل ملمة لكم جنة من عرضكم عرضى

اخلاق : جارودؒ کے صحیفہ اخلاق میں حریت، آزادی، جرات اور اظہار حق میں بے باکی کا عنوان نہایت جلی تھا۔ جس بات کو وہ حق سمجھ لیتے تھے، اس کے اظہار میں وہ کسی کی پرواہ نہ کرتے۔

ایک مرتبہ بحرین کے گورنر قدامہ بن مظعن کو بعض رومیوں نے شراب پیتے ہوئے دیکھا، جارودؒ کو اس کا علم ہوا تو حضرت عمرؓ کے پاس آ کر کہا، امیر المومنین قدامہ نے شراب پی ہے ان پر شرعی حد جاری کیجئے، آپ نے شہادت طلب کی، جارودؒ نے ابو ہریرہؓ کو پیش کیا، ابو ہریرہؓ نے شہادت دی کہ میں نے نشہ کی حالت میں قے کرتے ہوئے دیکھا ہے، حضرت عمرؓ نے قدامہ کو طلب کیا، وہ آئے ان کے آنے کے بعد جارودؒ نے پھر کہا کہ امیر المومنین کتاب اللہ کی رو سے حد جاری کیجئے حضرت عمرؓ نے فرمایا تم کو اتنا اصرار کیوں ہے، تم گواہ ہو مدعی نہیں ہو تمہارا کام شہادت دینا تھا اسے تم پورا کر چکے، اس وقت جارودؒ خاموش ہو گئے، لیکن دوسرے دن پھر اصرار شروع کیا، شہادت ناکافی تھی، اس لئے حضرت عمرؓ کو جارودؒ کا بیجا اصرار ناگوار ہوا، فرمایا تم تو مدعی بنے جاتے ہو، حالانکہ صرف ایک شہادت ہے، جو ثبوت کے لئے کافی نہیں ہے اس اعتراض پر جارودؒ نے کہا عمرؓ میں تم کو خدا کی قسم دیتا ہوں کہ حد میں تاخیر نہ کرو، آخر میں جارودؒ کی بیجا ضد پر حضرت عمرؓ کو تنبیہ کرنا پڑی کہ تم خاموش رہو، ورنہ میں زری طرح پیش آؤں گا، اس تنبیہ پر جارودؒ نے غضب آلود ہو کر کہا عمرؓ حق اس کا نام نہیں ہے کہ تمہارا بن عم شراب پینے اور تم لٹے مجھ کو برے سلوک کی دھمکی دو، آخر میں جب قدامہ کی بیوی نے شہادت دی تو حضرت عمرؓ نے حد کرائی^۵۔

۱۔ ایضا ۲۔ اصابہ۔ جلد اول۔ ص ۲۲۶ ۳۔ تہذیب المہذب۔ جلد ۲۔ ص ۵۴

۴۔ اصابہ۔ جلد اول۔ ص ۲۳۶ ۵۔ اس واقعہ کو تمام ارباب سیر نے قدامہ کے حالات میں لکھا ہے۔

(۸) حضرت جبیرؓ بن مطعم

نام و نسب: جبیر نام، ابو محمد کنیت، نسب نامہ یہ ہے۔ جبیر بن مطعم بن عدی بن نوفل بن عبد مناف قریشی نوفلی۔

حضرت جبیر کے والد مطعم قریشی کے نرم دل و خدا ترس بزرگوں میں تھے، ان کی وجہ سے آنحضرت ﷺ کو مکہ کی ابتدائی زندگی میں جبکہ آپ پر چاروں طرف سے مصائب و آلام کا ہجوم تھا، بڑی امداد ملی غالباً ناظرین کو معلوم ہوگا کہ مکہ میں جب آنحضرت ﷺ کی تبلیغی کوشش بار آور ہونے لگیں اور قریش کو آنحضرت ﷺ کو فریضہ تبلیغ سے روکنے کی کوئی صورت نظر نہ آئی تو آپس میں معاہدہ کر کے بنو ہاشم کا مقاطعہ کر دیا جس کی رو سے بنی ہاشم میں شادی بیاہ اور خرید و فروخت جملہ معاشرتی تعلقات ناجائز قرار پائے اور یہ عہد نامہ خانہ کعبہ میں آویزاں کر دیا گیا اس معاہدہ کی رو سے چونکہ قریش کی دوسری شاخوں کا میل جول بنی ہاشم کے ساتھ ممنوع ہو گیا تھا اس لئے بنی ہاشم شعب ابی طالب میں چلے گئے اور تین سال تک اس قید میں زندگی بسر کرتے رہے۔ اس طویل مدت میں شعب ابی طالب پر برابر قریش کا پیرہ قائم رہا اور از قسم خورد و نوش کی کوئی چیز شعب ابی طالب میں نہ جانے پاتی تھی لیکن اس گروہ اشتیاق میں کچھ نرم دل بھی تھے جو کھانے پینے کی چیزیں چھپا کر پہنچا دیا کرتے تھے۔ آخر میں بعض ضعف مزاجوں نے اس ظالمانہ معاہدہ کے خلاف صدا بلند کی اور کوشش کر کے اسے چاک کر دیا۔ ان احتجاج کرنے والوں میں ایک جبیر بن مطعم بھی تھے۔

حضرت خدیجہؓ اور ابو طالب کے بعد جب مکہ میں آنحضرت ﷺ کا کوئی ظاہری سہارا باقی نہ رہا اور تبلیغ کے لئے آپ ﷺ طائف تشریف لے گئے اور وہاں سے ناکام لوٹے تو اس وقت مکہ کا ذرہ ذرہ آپ ﷺ کا دشمن ہو رہا تھا اور بظاہر کوئی جائے پناہ باقی نہ تھی۔ مطعم کی نرم دلی سے آپ ﷺ واقف تھے اس لئے مکہ کے پاس پہنچ کر ان سے پناہ طلب کی مطعم گواہ وقت کافر تھے لیکن آنحضرت ﷺ کی درخواست پر آپ ﷺ کو اپنی حمایت میں لے لیا۔ مطعم کو معلوم تھا کہ رسول اللہ ﷺ کو اپنی حمایت میں لینا تمام مشرکین مکہ کو مقابلہ کی دعوت دینا ہے اسی لئے حمایت میں لینے کے بعد ہی اپنے لڑکوں کو حکم دیا کہ ہتھیار لگا کر حرم میں آئیں اور خود حرم میں جا کر بانگ دہل اعلان کیا کہ میں نے محمد ﷺ کو اپنی پناہ میں لے لیا ہے۔ جبیر اسی منصف مزاج اور نرم دل باپ کے فرزند تھے لیکن قوی عصیت قبول حق

سے مانع آتی تھی۔ مشرکین مکہ اور مسلمانوں کے درمیان سب سے پہلا معرکہ بدر ہوا اس میں جبیر شریک نہ ہو سکے تھے لیکن اپنے قیدیوں کو فدیہ دے کر چھڑانے آئے تھے۔ جس وقت پہنچے اس وقت آنحضرت ﷺ نماز میں مصروف تھے اور سورہ طور کی آیات تلاوت فرما رہے تھے۔ جبیر مسجد میں داخل ہوئے تو کلام اللہ کی سحر انگیز آیتیں کانوں میں پڑیں انہیں سن کر جبیر اس درجہ متاثر ہوئے کہ وہ بیان کرتے تھے کہ معلوم ہوتا تھا کہ میرا قلب پھٹ جائے گا۔^۱

آنحضرت ﷺ کے نماز تمام کرنے کے بعد انہوں نے آپ ﷺ سے اسرائے بدر کے بارے میں گفتگو کی آپ ﷺ نے ان کے باپ کے احسانات کو یاد کر کے فرمایا کہ اگر تمہارے باپ زندہ ہوتے اور وہ سفارش کرتے تو میں چھوڑ دیتا۔^۲

بدر کے مقتولین کا انتقام احد کی صورت میں ظاہر ہوا۔ اس میں تمام مشرکین نے بقدر استطاعت حصہ لیا جبیر نے اپنے غلام وحشی کو بھیجا اور کہا اگر تم حمزہ کو قتل کر دو گے تو تم کو آزاد کر دیا جائے گا۔^۳ چنانچہ حضرت حمزہؓ اسی غلام کے ہاتھوں شہید ہوئے۔

اسلام : جبیر میں اثر پذیر ی کا مادہ پہلے سے موجود تھا۔ حالت کفر میں آیات قرآنی سے تاثر اس کا بین ثبوت ہے لیکن قومی عصیت مانع آتی تھی لیکن بالآخر قبول حق کا مادہ جذبہ عصیت پر غالب آگیا اور بروایت صلح حدیبیہ اور فتح مکہ کے درمیانی زمانہ میں وہ مسلمان ہو گئے۔^۴

غزوات : قبول اسلام کے بعد صرف حنین میں شرکت کا پتہ چلتا ہے۔ حنین کی واپسی کے وقت یہ آنحضرت ﷺ کے ساتھ تھے۔^۵

وفات : جبیر آنحضرت ﷺ کے بعد بہت دنوں تک زندہ رہے لیکن کہیں نظر نہیں آتے۔^۶ مدینہ میں وفات پائی۔^۷ دوڑ کے محمد اور نافع یادگار چھوڑے۔

فضل و کمال : گو جبیر کو آنحضرت ﷺ سے فیض یاب ہونے کا بہت کم موقع ملاتا تاہم احادیث نبوی ﷺ کی متعبدہ تعداد ان کے حافظہ میں محفوظ تھی ان کی مرویات کی تعداد ساٹھ تک پہنچتی ہے ان میں سے چھ متفق علیہ ہیں۔ ان کے تلامذہ میں محمد نافع سلیمان بن صرد اور ابن مسیب قابل ذکر ہیں۔^۸

علم الانساب کے بڑے حافظ تھے اور اس کو اس فن کے سب سے بڑے ماہر حضرت ابو بکر صدیق سے حاصل کیا تھا اس لئے ان کا شمار قریش کے ممتاز نسبوں میں تھا۔^۹ حضرت عمرؓ کو جب

۱۔ مسند احمد بن حنبل۔ جلد ۴۔ ص ۸۸ ۲۔ استیعاب۔ جلد اول۔ ص ۹۰ ۳۔ سیرۃ ابن ہشام۔ جلد اول۔ ص ۴۴

۴۔ اصحاب۔ جلد اول۔ ص ۲۳۶ ۵۔ مسند احمد بن حنبل۔ جلد ۴۔ ص ۸۴ ۶۔ استیعاب۔ جلد اول۔ ص ۹۰

۷۔ تہذیب الکمال۔ ص ۶۱ ۸۔ اسد الغابہ۔ جلد ۱۔ ص ۲۷۳

نسب کی تحقیقات کی ضرورت پیش آتی تھی تو جبرہ بن جبرہ سے تحقیقات کرتے تھے۔

اخلاق : ان کے میزان اخلاق میں حلم و بردباری کا پلہ بہت بھاری ہے گو وہ قریش کی ایک مقتدر شاخ کے رکن اور روسائے قریش میں تھے لیکن اس کے باوجود انہیں تکبر و نخوت نام کو نہ تھا اور قریش کے حلیم ترین اشخاص میں ان کا شمار تھا^۱۔

(۱۹) حضرت جبرہ بن رزاح

نام و نسب : جبرہ نام، ابو عبد الرحمن کنیت، نسب نامہ یہ ہے : جبرہ بن رزاح بن عدی بن ہم ابن مازن بن حارث بن سلمان بن اسلم بن افضی اسلمی۔

اسلام : فتح مکہ سے پہلے مشرف بہ اسلام ہوئے۔ جبرہ ان بے کس اور لاچار مسلمانوں میں تھے جن کی معاش کا دار و مدار مسلمانوں کی فیاضی پر تھا۔ اس لئے وہ اصحاب صفہ کے زمرہ میں شامل ہو گئے تھے^۲۔

دعائے نبوی ﷺ : ایک مرتبہ جبرہ بائیں ہاتھ سے کھانا کھا رہے تھے آنحضرت ﷺ نے فرمایا داہنے ہاتھ سے کھایا کرو۔ عرض کی یا رسول اللہ (ﷺ) اس میں آزار ہے، آپ ﷺ نے دم کر دیا اس کے بعد پھر اس ہاتھ میں کوئی شکایت نہیں پیدا ہوئی^۳۔

وفات : امیر معاویہ کے آخر عہد خلافت میں مدینہ میں وفات پائی^۴۔

(۲۰) حضرت جریر بن عبد اللہ بکلی

نام و نسب : جریر نام، ابو عمر کنیت، نسب نامہ یہ ہے : جریر بن عبد اللہ بن جابر بن مالک بن نصر بن ثعلبہ بن جشم بن عوف بن خزیمہ بن حرب بن علی بن مالک بن سعد بن نذیر بن قسمر بن عبقر بن انمار بن ارش بن عمرو بن غوث بکلی۔ جریر یمن کے شاہی خاندان کے رکن اور قبیلہ بحیلہ کے سردار تھے۔

اسلام : بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ جریر وفات نبوی ﷺ کے کل چالیس روز پیشتر مشرف بہ اسلام ہوئے لیکن یہ صحیح نہیں ہے۔ بروایت صحیح وہ حجۃ الوداع میں آنحضرت ﷺ کے ہم رکاب تھے۔ اس لئے وفات سے کم از کم چار پانچ ماہ پیشتر ان کا اسلام ماننا پڑے گا۔ اور واقدی کے بیان

۱۔ ایضاً ۲۔ ابن سعد۔ جلد ۴۔ ص ۳۴۔ ق ۲ ۳۔ اصابہ۔ جلد اول۔ ص ۳۴۲

۴۔ ابن سعد۔ جلد ۴۔ ص ۳۴۔ ق ۲ ۵۔ مسند احمد۔ جلد ۴۔ ص ۳۵۸

کے مطابق رمضان ۱۰ھ میں اسلام لائے۔ اس روایت کی رو سے آنحضرت ﷺ کی وفات کے سات مہینے پیشتر ان کا اسلام لانا ثابت ہوتا ہے۔ بہر حال اس قدر یقینی ہے کہ وہ وفات نبوی ﷺ سے کئی مہینے پیشتر اسلام لا چکے تھے

جب یہ قبول اسلام کے لئے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے پوچھا کیسے آتا ہوا؟ عرض کیا اسلام قبول کرنے کے لئے آپ ﷺ نے ان کے بیٹھنے کے لئے اپنی چادر بچھا دی اور مسلمانوں سے فرمایا، جب تمہارے پاس کسی قوم کا معزز آدمی آئے تو اس کی عزت کیا کرو۔ اس کے بعد جریر نے اسلام کے لئے ہاتھ بڑھایا اور کہا میں اسلام پر بیعت کرتا ہوں۔ آنحضرت ﷺ نے ان کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا، ہر مسلمان کی خیر خواہی کرنا، پھر فرمایا جو شخص انسانوں پر رحم نہیں کرتا اس پر خدا رحم نہیں کرتا اور بلا شرکت غیرے خدائے واحد کی پرستش، فرض نمازوں کی پابندی، مفروضہ زکوٰۃ کی ادائیگی مسلمانوں کی نصیحت اور خیر خواہی اور کافروں سے برأت پر بیعت لی۔

حجۃ الوداع : قبول اسلام کے بعد سب سے اول آنحضرت ﷺ کے ساتھ حجۃ الوداع میں شریک ہوئے اس میں مجمع کو خاموش کرنے کی خدمت ان کے سپرد تھی۔

سریہ ذی الحلیفہ : فتح مکہ کے بعد قریب قریب عرب کے تمام قبیلے اسلام کے حلقہ اثر میں آ گئے تھے لیکن بعضوں میں صدیوں کے اعتقاد کی وجہ سے توہم پرستی باقی تھی۔ اور صنم کدوں کو ہاتھ لگاتے ہوئے ڈرتے تھے اس وہم کو دور کرنے کے لئے آنحضرت ﷺ نے کئی صنم کدے گردائے۔ یمن کے صنم کدہ ذی الحلیفہ کو جو کعبہ یمان کے نام سے مشہور تھا ڈھانے کی خدمت جریرؓ کے سپرد ہوئی۔ ایک دن آپ ﷺ نے جریر سے فرمایا کیا تم ذی الحلیفہ کو ڈھا کر مجھے مطمئن نہ کرو گے؟ عرض کیا ہر د چشم حاضر ہوں لیکن گھوڑے کی پیٹھ پر جم کر نہیں بیٹھ سکتا۔ یہ عذر سن کر آپ ﷺ نے ان کے سینہ پر ہاتھ مارا اور دعا دی کہ خدایا ان کو (گھوڑے کی پیٹھ پر) جمادے اور ہادی و مہدی بنا۔ جریرؓ رسول اللہ ﷺ کی ان دعاؤں کو لے کر ۱۵۰ سواروں کے دستہ کے ساتھ یمن پہنچے اور ذی الحلیفہ کے صنم کدہ کو جلا کر خاکستر کر دیا اور ابوار طاقہ کو اطلاع کے لئے مدینہ بھیجا۔ انہوں نے آ کر آنحضرت ﷺ کو مرثدہ سنایا کہ یا رسول اللہ (ﷺ) ہم نے ذی الحلیفہ کو جلا کر خاشاکی اونٹ بنا دیا۔ یہ خبر سن کر آپ ﷺ نے اس سریہ کے سوار اور پیدل کے لئے برکت کی دعا فرمائی۔

ابھی جریر یمن ہی میں تھے کہ آنحضرت ﷺ کا انتقال ہو گیا، لیکن انہیں اس کی خبر نہ ہوئی، ایک دن یہ یمن کے دو آدمیوں ذوالکلاع اور ذوعمر کو حدیث نبوی ﷺ سنا رہے تھے کہ انہوں نے کہا تم اپنے جس ساتھی کا حال سنا رہے ہو وہ تین دن ہوئے ختم ہو گیا، یہ وحشت ناک خبر سن کر جریر روانہ ہو گئے، راستے میں مدینہ کے سوار ملے، ان سے معلوم ہوا کہ آنحضرت ﷺ کا انتقال ہو گیا اور ابوبکر صدیقؓ خلیفہ ہوئے۔^۱

عہد فاروقی : عہد صدیقی میں غالباً انہوں نے خاموشی کی زندگی بسر کی، حضرت عمرؓ کے زمانہ میں عراق کی فوج کشی میں شریک ہوئے، عراق پر عہد صدیقی ہی میں فوج کشی ہو چکی تھی، اس سلسلہ کی مشہور جنگ واقعہ جسر میں جو حضرت عمرؓ کے زمانہ میں ہوئی، مسلمانوں کو نہایت سخت شکست ہوئی اور بہت سے مسلمان شہید ہوئے، اس لیے حضرت عمرؓ نے عراقی افواج کی امداد کے لیے تمام قبائل عرب کو جمع کیا، اور ہر قبیلہ کے سردار کو اس کے قبیلہ کا افسر بنا کر عراق روانہ کیا، جریر کو بحیلہ کی سرداری ملی، چنانچہ یہ اپنے قبیلہ کے ساتھ عراق پہنچے اور مقام ثعلبہ میں ثنی ابن حارث سے جو ایرانیوں کے مقابلہ میں تھے ملے۔ مقام حیرہ میں مسلمانوں اور ایرانیوں کا مقابلہ ہوا، اس مقابلہ میں جریرؓ یمینہ کے افسر تھے یمینہ میسرہ اور قلب کو لے کر ایرانیوں پر حملہ کیا، ایرانیوں نے بھی برابر کا جواب دیا اور مسلمان پھٹ کر الگ ہو گئے ثنی نے للکاران کی للکار پر وہ پھر سنبھل کر حملہ آور ہوئے، اس حملہ میں عرب کے مشہور بہادر مسعود بن حارثہ مارے گئے ثنی نے پھر جوش دلایا کہ شرفایوں ہی جان دیتے ہیں، جریرؓ نے بھی اپنے قبیلہ کو للکارا کہ برادران بحیلہ تم کو دشمنوں پر سب سے پہلے حملہ آور ہونا چاہیے، اگر خدا نے کامیاب کیا تو تم اس زمین کے سب سے زیادہ حق دار ہو گے، ان دونوں کی للکار پر مسلمانوں نے تیسرا حملہ کیا اس حملہ میں ایرانی افسر مہران مارا گیا، اور ایرانیوں نے میدان خالی کر دیا۔^۲

جنگ یرموک : اس سلسلہ کی مشہور جنگ یرموک میں جریرؓ نے بڑے کارنامے دکھائے، اس جنگ کے آغاز ہی میں مسلمانوں کے دو افسر مارے گئے یہ صورت دیکھ کر جریرؓ نے اپنے قبیلہ بحیلہ کو لے کر حملہ کیا، ان کے ساتھ قبیلہ ازد نے بھی حملہ کر دیا، بڑی گھمسان کی لڑائی ہوئی، عجی پیچھے ہٹتے ہٹتے رستم کے پاس پہنچ گئے رستم سواری سے اتر پڑا اور پیدل بڑھ کر پُر زور حملہ کیا اس کے ساتھ اور افسران فوج بھی آگے بڑھے اور مسلمانوں کے پاؤں اکھڑ گئے۔ اس موقع پر مشہور بہادر ابو جحش ثقفی نے بڑی بہادری دکھائی جریرؓ نے مسلمانوں کی پسپائی دیکھی تو دوسرے افسروں سے کہلا بھیجا کہ یمینہ کی جانب سے

ایرانیوں کے قلب پر متفقہ حملہ کرنا چاہئے۔ ان کے مشورہ پر مسلمانوں نے ہر طرف سے سمٹ کر اس زور کا حملہ کیا ایرانیوں کی صفیں درہم برہم ہو گئی اور وہ نہایت بے ترتیبی کے ساتھ پیچھے ہٹے۔ اس پسپائی میں رستم مارا گیا اور ایرانی دیرکعب تک پھڑکتے چلے گئے اس درمیان میں ان کا امدادی دستہ پہنچ گیا اور وہ از سرے نو منظم ہو کر صرف آراہو گئے۔ اور بخاراستان مسلمانوں کے مقابلہ میں آیا۔ حضرت زبیرؓ نے اس کا کام تمام کر دیا دوسری طرف قیس بن ہبیرہ نے ایک دوسرے افسر کو مارا اور مسلمان ہر چہار جانب سے ایرانیوں پر ٹوٹ پڑے ان کے افسر مارے جا چکے تھے اس لئے وہ زیادہ دیر تک میدان میں نہ ٹھہر سکے اور پسپا ہو کر پیچھے ہٹنے لگے جریرؓ تعاقب کرتے ہوئے بہت آگے نکل گئے۔ ایرانیوں نے تنہا پا کر گھوڑے سے نیچے گر دیا اور اس درمیان میں ان کے ساتھی پہنچ گئے اس لئے ایرانی چھوڑ کر بھاگ گئے۔

یرموک کے بعد کسریٰ کا پایہ تخت مدائن فتح ہوا۔ اس کے بعد عمرو بن مالک نے جلولا کی مہم سر کی اور جریرؓ کو چار ہزار مسلح فوج کے ساتھ جلولا کی حفاظت پر متعین کر کے اپنے مستقر پر چلے گئے۔

جلولا کے پاس ہی حلوان ایرانیوں کا ایک بڑا مرکز تھا حضرت سعد بن ابی وقاصؓ نے جریرؓ کے پاس ۳ ہزار فوج بھیجی کہ وہ حلوان پر حملہ کر کے اس خطرہ کو دور کریں۔ چنانچہ وہ چار ہزار پہلی اور ۳ ہزار یہ جدید فوج لے کر حلوان پہنچے اور بلا کسی خون ریزی کے اس پر قبضہ کر لیا۔

اس کے بعد ابوہاز کی باری آئی یہاں اسلامی فوجیں بہت پہلے سے پڑی ہوئی تھیں۔ یزدگرد نے ہرمزان کو ان کے مقابلہ کے لئے بھیجا اس نے تستر میں قیام کیا۔ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ نے جو تستر میں تھے، حضرت عمرؓ کو اس کی اطلاع دی آپ نے عمار بن یاسرؓ کے پاس نعمان میں مقرب کو ابو موسیٰ کی مدد کے لئے بھیجنے کا حکم بھیجا۔ انہوں نے جریرؓ کو جو اس وقت جلولا میں مقیم تھے یہ مہم سپرد کی۔ جریرؓ جلولا میں عروہ بن قیس کو اپنا قائم مقام چھوڑ کر ابو موسیٰ کی مدد کے لئے پہنچے دونوں نے مل کر ہرمزان کا مقابلہ کیا ایرانی پسپا ہو کر تستر کے قلعہ میں قلعہ بند ہو گئے۔ مسلمانوں نے تستر کا محاصرہ کر لیا مدتوں کے محاصرہ کے بعد ایک ایرانی کی امداد سے قبضہ ہوا۔

۱۔ تاریخوں میں جنگ یرموک کے واقعات نہایت مفصل ہیں ہم نے اخبار الطوال سے صرف اسی قدر نقل کیا ہے۔

۲۔ بلاذری۔ ص ۳۰۹ ۳۔ اخبار الطوال۔ ص ۱۳۶، ۱۳۷

تستر کی شکست کے بعد یزدگرد شاہ ایران نے اپنے ملک کے مشہور بہادر مردان شاہ کو ایک لشکر جرار کے ساتھ مسلمانوں کے مقابلہ پر معمر کیا۔ عمار بن یاسرؓ نے حضرت عمرؓ کو اہتمام کی اطلاع دی۔ پہلے آپ نے خود اس جنگ میں شرکت کا ارادہ کیا پھر حضرت علیؓ کی رائے سے رک گئے اور تمام فوجی چھاؤنیوں میں احکام بھیجے کہ ہر جگہ کی فوجیں میدان میں پہنچ جائیں اور نعمان بن مقرن کے علاوہ اور چار آدمیوں کو بھی سپہ سالاری کے لئے نامزد کر دیا تھا ان میں ایک جریرؓ بھی تھے۔ مسلمانوں اور ایرانیوں کا یہ معرکہ تاریخی شمار کیا جاتا ہے اس میں حضرت نعمانؓ نے شہادت پائی مگر کامیابی مسلمانوں کو ہوئی۔ ان لڑائیوں کے علاوہ جریرؓ اس سلسلہ کی اور لڑائیوں میں بھی شریک تھے۔

حضرت عثمانؓ کے عہد میں ہمدان کے گورنر تھے۔ ان کی شہادت کے بعد حضرت علیؓ کی بیعت کر لی اور اپنے رقبہ حکومت میں ان کی بیعت لے کر ان کے پاس کوفہ چلے آئے۔ جنگ جمل کے بعد جب حضرت علیؓ نے امیر معاویہؓ کو اپنی بیعت کے لئے خط لکھا تو اس کو معاویہؓ کے پاس جریرؓ ہی لیکر گئے تھے اس کو پیش کر کے زبانی اپنی طرف سے یہ کہا کہ حجاز، یمن، یثرب، عمن، مصر، فارس، خراسان اور علاقہ جبل و غیرہ سارے ملکوں نے امیر المومنین کو خلیفہ تسلیم کر لیا ہے صرف شام باقی رہ گیا ہے۔ اس لئے اس کو بھی ان کے حلقہ اطاعت میں آجانا چاہئے ورنہ اگر ان ملکوں میں سے ایک ملک بھی شام پر بہادیا جائے گا تو اس کو غرق کرنے کے لئے کافی ہے۔

حضرت علیؓ کے خط پر امیر معاویہؓ نے اپنے مشیروں سے رائے لی سب نے خلاف مشورہ دیا اس لئے انہوں نے صاف جواب دے دیا کہ اہل شام بیعت نہیں کر سکتے۔ جریرؓ نے واپس جا کر یہ جواب حضرت علیؓ کو سنایا اور امیر معاویہؓ کی قوت اور ان کے انتظامات سے بھی آگاہ کیا۔ ان کی زبان سے یہ باتیں سن کر شیعیان علیؓ جریرؓ پر طرح طرح کی تہمتیں رکھنے لگے، اشتہر بہت برہم ہوئے اور حضرت علیؓ سے کہا امیر المومنین اگر جریرؓ کے بجائے آپ مجھے بھیجتے تو معاویہؓ کے گلے کی گرفت نہ ڈھیلی ہونے دیتا اور کوئی راستہ ایسا باقی نہ چھوڑتا جسے کھول کر وہ کامیاب ہو سکیں اور قبل اس کے کہ وہ کوئی کارروائی کریں ان سے بیعت لے لیتا۔ یہ باتیں سن کر جریرؓ نے کہا اگر پہلے نہیں جاسکے تو اب جا کر لڑو۔ اشتہر نے کہا اب جا کر میں لیا کر سکتا ہوں جبکہ تم نے معاملہ بکاڑ دیا۔ تم نے قطعاً ان سے کوئی عہدہ بیان لیا ہے ورنہ ان کی پوششوں اور فوج کی کثرت سے ہم لوگوں کو نہ ڈراتے اگر مجھ کو امیر المومنین اجازت مرحمت فرمائیں تو تم کو اور تمہارے جیسے لوگوں کو معاملات کے فیصلہ تک قید کر دوں۔ جریرؓ کو یہ انداز گفتگو

اور ناروا غصہ بہت ناگوار ہو اور راتوں رات اپنے اہل و عیال کو لے کر کوفہ چلے گئے اور قر قیسیا میں اقامت اختیار کر لی۔ اور جنگ صفین میں کوئی حصہ نہ لیا۔ اور بقیہ زندگی قر قیسیا کے گوشہ عافیت میں بسر کی۔

وفات : ۵۴ھ میں قر قیسیا میں وفات پائی۔

حلیہ : قد دراز چھٹ تھا اور اس قدر حسین و جمیل تھے کہ حضرت عمرؓ ان کو امت اسلامیہ کا یوسف کہا کرتے تھے۔ ہاتھوں میں مہندی کا خضاب لگاتے تھے۔

اولاد : وفات کے بعد پانچ لڑکے عمر، منذر، عبید اللہ، ایوب اور ابراہیم یادگار چھوڑے۔

فضل و کمال : گوجر آخری زمانہ میں مشرف باسلام ہوئے اور فیضان نبوی ﷺ سے استفادہ کا کم موقع ملاتا تاہم جولحات بھی میسر آئے ان سے پورا فائدہ اٹھایا اس لئے اس کی صحبت کے باوجود ان سے سو حدیثیں مروی ہیں۔ ان میں سے آٹھ متفق علیہ ہیں اور ایک میں امام بخاری اور سات میں امام مسلم منفرد ہیں۔ ان سے روایت کرنے والوں کا دائرہ بھی خاصہ وسیع ہے۔ چنانچہ ان کے لڑکوں میں منذر، عبید اللہ، ایوب، ابراہیم اور لڑکوں کے علاوہ ابوذر عہ بن عمر، انس، ابو وائل، زید بن وہب، زیاد بن ملاقہ شعمی، قیس بن ابی حازم، حمام بن حارث اور ابو ظبیان حصین بن جندب نے ان سے روایتیں کی ہیں۔

بارگاہ نبوی ﷺ میں پذیرائی : بارگاہ نبوی ﷺ میں جریرؓ کی بڑی پذیرائی تھی۔ رسول اللہ ﷺ انہیں بہت مانتے تھے اور بڑے احترام سے ان کے ساتھ پیش آتے تھے اور ان کے بیٹھنے کے لئے ردائے مبارک بچھا دیتے تھے۔ جب بھی در دولت پر حاضر ہوتے کبھی شرف باریابی سے محروم نہ رہتے جب آپ ﷺ انہیں دیکھتے تھے تو مسکرا دیتے تھے۔ غائبانہ ان کا ذکر خیر فرماتے تھے ان کا بیان ہے کہ جب میں مدینہ پہنچا تو مدینہ کے باہر سوار بٹھا کر کپڑا رکھنے کا تھیلا کھولا اور حلقہ پہن کر داخل ہوا اس وقت رسول اللہ ﷺ خطبہ دے رہے تھے۔ میں نے سلام کیا لوگوں نے آنکھوں سے میری طرف اشارہ کیا میں نے اپنے پاس کے آدمی سے پوچھا، عبد اللہ کیا رسول اللہ ﷺ میرا تذکرہ فرماتے تھے انہوں نے کہا ہاں، ابھی ابھی نہایت اچھے الفاظ میں تمہارا تذکرہ فرمایا۔ آپ ﷺ خطبہ دے رہے تھے دوران خطبہ میں فرمایا کہ اس دروازہ یا اس کھڑکی سے تمہارے پاس یمن کا ایک بہترین شخص داخل ہوگا

۱۔ اخبار الطوال - ص ۱۷۱ ۲۔ اصابہ - جلد اول - ص ۲۳۲ ۳۔ استیعاب - جلد اول - ص ۹۱ ۴۔ ایضاً

۵۔ تہذیب التہذیب جلد ۲ - ص ۷۳ ۶۔ تہذیب الکمال - ص ۶۱ ۷۔ تہذیب التہذیب - جلد ۲ - ص ۷۳

۸۔ تہذیب الکمال - ص ۶۱ ۹۔ مسلم کتاب الفضائل، فضائل جریر بن عبد اللہ

اس کے چہرہ پر بادشاہی کی ملامت ہوئی میں نے اس عزت افزائی پر خدا کا شکر ادا کیا ^۱۔
حضرت جریرؓ کی خوابوں اور رسول اللہ ﷺ کے ان کی توقیر کرنے کی وجہ سے خلفاء بھی ان کی بڑی
عزت کرتے تھے۔ چنانچہ حضرت عمرؓ فرماتے تھے کہ خدا تم پر رحمت نازل فرمائے تم جاہلیت میں بھی
اچھے سردار تھے اور اسلام میں بھی اچھے سردار ہوئے۔

پاس فرمان رسول ﷺ : آنحضرت ﷺ کا ہر ارشاد ہمیشہ زندگی کا دستور العمل رہ ایک مرتبہ چند
اعراب نے آنکر رسول اللہ ﷺ سے شکایت کی کہ یا نبی اللہ ! آپ کے بعض صدقہ وصول کرنے
والے ہم پر ظلم کرتے ہیں۔ فرمایا، ان کو راضی رکھو۔ اعراب نے کہا اگر وہ ظلم کریں تب بھی آپ ﷺ نے
فرمایا اپنے صدقہ وصول کرنے والوں کو راضی رکھو۔ اس ارشاد کے بعد سے کسی صدقہ وصول کرنے
والے کو جریرؓ نے ناخوش نہیں کیا۔ ^۲

(۲۱) حضرت جعال بن سراقہؓ

نام و نسب : ان کے نام و نسب دونوں میں اختلاف ہے۔ بعض جعال کہتے ہیں، بعض جمیل،
نسب کچھ لوگ غفار سے بتاتے ہیں اور کچھ حمیری اور کچھ ثعلبی کہتے ہیں۔

اسلام و غزوات : دعوت اسلام کے ابتدائی زمانہ میں مشرف باسلام ہوئے۔ احد اور بنی قریظہ
میں آنحضرت ﷺ کے ہمرکاب تھے آخر الذکر غزوہ میں ایک آنکھ کام آئی۔ ^۳

غزوہ بنو ہوازن میں شریک تھے اس کے مال غنیمت میں سے عیینہ اور اقرع کو سو سواونٹ
ملے۔ کسی نے آنحضرت ﷺ سے کہا، آپ ﷺ نے عیینہ اور اقرع کو سو سواونٹ مرحمت فرمائے اور جعال
کو کچھ نہ ملا۔ فرمایا اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے جعال بن سراقہ، اقرع اور عیینہ
جیسے روئے زمین بھر کے آدمیوں سے بہتر ہیں ان دونوں کو میں نے تالیف قلب کے لئے دیا ہے اور
جعال کو ان کے اسلام کے سپرد کیا۔ ^۴

۱۔ میں جب آنحضرت ﷺ غزوہ بنی مصطلق کے لئے تشریف لے گئے تو مدینہ جعالؓ
کے سپرد کر گئے۔ ^۵

وفات : وفات کے بارے میں ارباب سیر خاموش ہیں۔

۱۔ مسند احمد بن حنبل۔ جلد ۴۔ ص ۳۶۰، ۳۵۹ ۲۔ تہذیب التہذیب۔ جلد ۲۔ ص ۳ ۳۔ مسند احمد بن حنبل۔ جلد ۴
ص ۳۶۲ ۴۔ اسد الغابہ۔ جلد اول۔ ص ۲۸۳ ۵۔ اسد الغابہ۔ جلد اول۔ ص ۳۰۶ ۶۔ اصابہ۔ جلد اول۔ ص ۲۳۶۔

(۲۲) حضرت جعشم الخیرؓ

نام و نسب : جعشم نام، خیر لقب، نسب نامہ یہ ہے : جعشم بن خلیبہ بن شامی بن موہب بن اسد بن جعشم بن خرم بن صدف صدفی حریمی۔

اسلام اور غزوات : ۶ھ سے پہلے مشرف باسلام ہوئے۔ صلح حدیبیہ میں آنحضرت کے ساتھ تھے اور بیعت رضوان میں شرف جاں نثاری حاصل کیا۔ آنحضرت نے اپنا پیراہن، نعلین اور موئے مبارک عطا فرمائے۔^۱

وفات : زمانہ وفات میں اختلاف ہے، واقدی، کا بیان ہے، کہ فتنہ روہ میں شہید ہوئے اور ابن یوسف تاریخ مصر میں لکھتے ہیں کہ مصر کی فتح میں شریک تھے۔ اگر آخر الذکر بیان صحیح مان لیا جائے تو یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ حضرت ابو بکرؓ کے عہد سے زیادہ زندہ رہے۔

(۲۳) حضرت جمیل بن معمرؓ

نام و نسب : جمیل نام، باپ کا نام معمر تھا نسب نامہ یہ ہے۔ جمیل بن معمر بن حبیب بن وہب بن حذا بن جح قرشی جمی۔

حضرت عمرؓ کے اسلام کا اعلان :

جمیلؓ پیٹ کے ہلکے تھے کوئی بات چھپانہ سکتے تھے اھرنا اور اھر مشہور کر دیا، حضرت عمرؓ جب اسلام لائے تو بانگِ اہل اس کا اعلان کرنا چاہتا نچہ لوگوں سے پوچھا کہ مکہ میں سب سے زیادہ اشتہاری کون ہے معلوم ہوا جمیل۔ آپ سیدھے ان کے پاس پہنچے اور کہا جمیل! تم کو معلوم ہے، میں مسلمان ہو گیا، جمیل یہ سنتے ہی بغیر مزید استفسار کے مسجد کعبہ کے دروازہ پر پہنچے اور باواز بلند اعلان کیا کہ معشر قریش عمر بے دین ہو گیا، حضرت عمرؓ نے فرمایا تم جھوٹ کہتے ہو، میں بے دین نہیں ہوا بلکہ اسلام قبول کیا۔^۲

اسلام و غزوات : لیکن یہی مسلمانوں کو بے دین کہنے والا فتح مکہ میں خود ”بے دین“ ہو گیا۔^۳ قبول اسلام کے بعد سب سے اول غزوہ حنین میں ان کی تلوار بے نیام ہوئی اور زہیر بن الجبر کا کام تمام کیا،^۴ بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ فتح مکہ سے پہلے ہی مشرف باسلام

۱۔ استیعاب۔ جلد اول۔ ص ۱۰۲۔

۲۔ اسد الغابہ۔ جلد ۴ ص ۵۷۔

۳۔ استیعاب۔ جلد اول۔ ص ۹۲۔

۴۔ اسد الغابہ۔ جلد اول۔ ص ۲۹۶۔

ہو چکے تھے جن رواۃ کے نزدیک فتح مکہ سے پہلے اسلام لائے کے وہ زہیر کے قتل کو فتح مکہ میں بتاتے ہیں^۱۔

مصر کی فوج کشی میں شرکت :

حضرت عمرؓ کے عہد خلافت میں مصر کی فوج کشی میں مجاہدانہ شریک ہوئے^۲۔

وفات : خلافت فاروقی میں عمر کی سو ۱۰۰ منزلوں سے زیادہ طے کرنے کے بعد انتقال کیا، حضرت عمرؓ کو ان کی موت کا سخت صدمہ ہوا^۳۔

(۲۴) حضرت جندب بن کعبؓ

نام و نسب : جندب نام، باپ کا نام کعب تھا، نسب نامہ یہ ہے، جندب بن کعب بن عبداللہ ابن غنم بن جزر بن عامر بن مالک بن ذہل بن ثعلبہ بن ظبیان بن عامر ازدی۔

اسلام : ابن سعد کی روایت کے مطابق فتح مکہ کے قبل مشرف باسلام ہوئے اسلام لانے کے بعد مدتوں زندہ رہے، لیکن عہد رسالت اور خلفاء کے زمانہ میں کسی جنگ میں نظر نہیں آتے۔

حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں کوفہ میں رہتے تھے، ایک قانونی جرم میں جس کی تفصیل آگے آتی ہے ماخوذ ہو کر قید ہوئے پھر رہا کر دیئے گئے رہائی پانے کے بعد روم چلے گئے اور اعدائے اسلام کے مقابلہ میں جہاد کرتے رہے اور ہمیں کہیں امیر معاویہ کے زمانہ میں وفات پائی^۴۔

سحر و ساحری سے نفرت : سحر و ساحری شرک کی ایک قسم ہے اسی لئے اسلام نے اس کی شدید ممانعت کی ہے جندب اس باب میں نہایت سخت اور متشدد تھے، حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں کوفہ میں ایک شعبہ باز آیا ایک دن وہ ولید بن عقبہ حاکم کوفہ کو تماشہ دکھا رہا تھا اور آدمی کو قتل کر کے زندہ کر دیتا تھا، عوام اس شعبہ کو دیکھتے اور متحیر ہو کر کہتے، سبحان اللہ یہ شخص مردہ کو زندہ کر دیتا ہے^۵۔

حضرت جندب بھی تماشہ دیکھ رہے تھے عوام کے عقائد میں تزلزل دیکھ کر ایک ہی وار میں شعبہ باز کا کام تمام کر دیا، اور کہا اب اپنے آپ کو زندہ کرو، پھر یہ آیت تلاوت کی۔

افتاتون السحر وانتم تبصرون۔ کیا تم دیدہ و دانستہ جادو کی باتیں سننے کو آتے ہو۔

۱۔ اسباب۔ جلد اول۔ ص ۲۵۵۔ ۲۔ ایضاً۔ ۳۔ ایضاً۔ ۴۔ اسباب الغابہ۔ جلد اول۔ ص ۳۰۶۔

۵۔ اسباب۔ جلد اول۔ ص ۲۶۱۔

پھر کہا میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا تھا کہ جادو کی سزا تلوار کی ایک ضرب ہے، چونکہ انہوں نے خلاف قانون قتل کیا تھا اس لئے ولید نے گرفتار کر کے قید کر دیا قید میں بھی ان کا قدیم مشغلہ صوم و صلوٰۃ جاری رہا، حیلر نے ان کی عبادت سے متاثر ہو کر انہیں رہا کر دیا اور وہ چھوٹ کر روم چلے گئے^۱۔

(۲۵) حضرت حارث بن عمیر ازدیؓ

نام و نسب : حارث نام، باپ کا نام عمیر تھا، قبیلہ ازد سے نسب تعلق تھا۔
اسلام : فتح مکہ سے پہلے اسلام لائے۔

سفارت اور شہادت : آنحضرت ﷺ نے جب سلاطین اور امرا کے پاس دعوت اسلام کے خطوط بھیجے تو ایک خط شرییل بن عمر فرما کر لائے بصری کے نام بھی لکھا، حضرت حارث کو اس کے پہنچانے کی خدمت سپرد ہوئی، یہ خط لے کر موتہ پہنچے تھے، کہ شرییل سے ملاقات ہو گئی اس نے پوچھا کہاں جا رہے ہو؟ حارث نے کہا شام، شرییل نے کہا تم کسی کے قاصد معلوم ہوتے ہو، انہوں نے کہا، ہاں رسول اللہ ﷺ کا قاصد ہوں، یہ سن کر اس نے حارثؓ کی مشکلیں کسوا کے قتل کر دیا، حارثؓ تاریخ اسلام میں سب سے پہلے قاصد ہیں جس نے خدا کی راہ میں جام شہادت پیا، آنحضرت ﷺ کو ان کی شہادت کی خبر ملی تو آپ کو سخت صدمہ ہوا اور حارث کے خون کا انتقام کے لئے زید بن حارثہ کی سرکردگی میں ایک سریہ موتہ روانہ کیا اسی میں حضرت زیدؓ اور جعفر طیارؓ وغیرہ شہید ہوئے تھے^۲۔

(۲۶) حضرت حارث بن نوفلؓ

نام و نسب : حارث نام، باپ کا نام نوفل تھا سلسلہ نسب یہ ہے حارث بن نوفل بن حارث ابن عبدالمطلب بن ہاشم قرشی ہاشمی ان کے والد نوفل آنحضرت ﷺ کے چچیرے بھتیجے تھے اس رشتہ سے حارث آپ کے پوتے ہوئے۔

اسلام : حضرت نوفلؓ غزوہ خندق سے پہلے مشرف باسلام ہوئے تھے، حارث بھی باپ کے ساتھ اسلام لائے^۳۔ نوفل شرف ہجرت سے بھی سرفراز ہوئے لیکن حارث اس سے محروم رہے۔

۱۔ ایضاً۔ ۲۔ ابن سعد۔ جلد ۴۔ ۱۶۵۔ ق ۲۔ ابن سعد حصہ مخازی میں اس کے تفصیلی واقعات ہیں۔

۳۔ ابن سعد۔ جلد ۴۔ ص ۳۹۔ ق ۱۔

امارت جدہ : آنحضرت ﷺ نے حارث کو جدہ کی امارت پر سرفراز فرمایا تھا۔ اس لئے وہ جنگ حنین میں شریک نہ ہو سکے۔ واقدی کی روایت کے مطابق حضرت ابو بکرؓ نے ان کو مکہ کی امارت پر مقرر فرمایا تھا، لیکن یہ روایت صحیح نہیں ہے، عہد صدیقی میں بروایت صحیح مکہ کی امارت پر عتاب بن اسید مامور تھے، حضرت ابو بکرؓ نے اپنے زمانہ میں پھر انہیں ان کے سابق عہدہ پر بحال کر دیا۔^۱

وفات : ایک روایت میں ہے کہ حضرت عمرؓ ہی کے آخر عہد خلافت میں وفات پا گئے تھے، لیکن ابن سعد صاحب طبقات کے بیان کے مطابق حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں انہوں نے وفات پائی بصرہ میں گھر بنا لیا تھا، یہیں پیوند خاک ہوئے، انتقال کے وقت ستر سال کی عمر تھی۔^۲

ازواج و اولاد : وفات کے وقت حسب ذیل بیویاں اولادیں چھوڑیں، بیویوں میں رملہ، ام زبیر، ریطہ اور ام حارث تھیں لڑکوں میں سعید، محمد الاکبر، ربیعہ عبدالرحمن، عیینہ، محمد الاصغر، حارث ابن حارث تھے۔

(۲۷) حضرت حارث بن ہشامؓ

نام و نسب : حارث نام ابو عبدالرحمن کنیت، نسب نامہ یہ ہے، حارث بن ہشام بن مغیرہ ابن عبداللہ بن عمرو بن مخزوم قرشی مخزومی حارث مشہور دشمن اسلام ابو جہل کے حقیقی بھائی تھے۔

قبل از اسلام : حارث مکہ کے رئیس اور بڑے مخیر اور فیاض آدمی تھے، صد ہا غریبوں کی روٹی ان کی ذات سے چلتی تھی، آنحضرت ﷺ کو ان کے اسلام کی بڑی خواہش تھی، ایک مرتبہ ان کا ذکر آیا تو فرمایا حارث سردار ہیں، کیوں نہ ہو ان کے باپ بھی سردار تھے، کاش خدا انہیں اسلام کی ہدایت دیتا،^۳ بدر میں ابو جہل کے ساتھ تھے، لیکن میدان جنگ سے بھاگ نکلے، اور ابو جہل مارا گیا، ان کی اس بزدلی پر حسانؓ ثابت نے اشعار میں غیرت دلائی، انہوں نے اشعار ہی میں اس کی توجیہ آمیز قدرت کی، احد میں بھی مشرکین کے ہمراہ تھے۔^۴

اسلام اور غزوات : فتح مکہ میں دوسرے سرداران قریش کی طرح شرف باسلام ہوئے، اسلام کے بعد سب سے پہلے غزوہ حنین میں شریک ہوئے، آنحضرت ﷺ نے اس کے مال غنیمت میں سے سو اونٹ مرحمت فرمائے۔^۵

۱۔ اسد الغابہ۔ جلد ۱۔ ۳۵۱۔ ۲۔ ابن سعد۔ جلد ۳۔ ص ۳۶۔ ق ۱۔ عمر کی تعیین اسد الغابہ میں ہے۔ ۳۔ استیعاب۔ جلد اول۔ ص ۱۱۷۔ ۴۔ استیعاب۔ جلد اول۔ ص ۱۱۷۔ ۵۔ اسد الغابہ۔ جلد اول۔ ص ۳۵۱۔

سقیفہ بنی ساعدہ : خین کے بعد مکہ لوٹ گئے، لیکن آنحضرت ﷺ کی وفات کے وقت مدینہ ہی میں موجود تھے چنانچہ جب سقیفہ بنی ساعدہ میں مہاجرین اور انصار میں خلافت کے بارہ میں اختلاف ہوا تو حارث نے یہ صائب رائے ظاہر کی کہ خدا کی قسم اگر رسول اللہ نے لائے من قریش نہ فرمایا ہوتا تو ہم انصار کو بے تعلق نہ کرتے، کیونکہ وہ اس کے اہل ہیں، لیکن رسول اللہ کے فرمان میں کوئی شک و شبہ نہیں اگر قریش میں صرف ایک شخص باقی ہوتا تو بھی خدا اس کو خلیفہ بناتا۔^۱

شام کی فوج کشی کے لیے تیاری اور اہل مکہ کا ماتم :

حضرت ابوبکرؓ نے جب شام پر فوج کشی کا عزم کیا اور تمام بڑے بڑے رؤسا کو اس میں شرکت کی دعوت دی تو حارث کو بھی ایک خط لکھا حارث حصول سعادت کے بہت سے مواقع کھو چکے تھے، اس لیے طمانی مافات کے لیے فوراً آمادہ ہو گئے لیکن ان کی ذات تہانہ تھی، وہ صد باغریوں کا سہارا تھے، اس لیے مکہ ماتم کدہ بن گیا، پروردگار کی نعمت زار زار روتے تھے، سب بادیدہ پر نرم رخصت کرنے کو نکلے، جب بطحا کے بلند حصے پر پہنچے تو رونے والوں کی گریہ وزاری پر ان کا دل بھرا آیا، اور ان الفاظ میں ان کی تشفی کی کوشش کی، لوگو، خدا کی قسم میں اس لیے تم لوگوں سے نہیں جدا ہو رہا ہوں کہ مجھ کو تمہارے مقابلہ میں کوئی ذاتی منفعت مقصود ہے یا تمہارے شہر کے مقابلہ میں دوسرا شہر پسند ہے، بلکہ ایک اہم معاملہ پیش آ گیا ہے، اس میں قریش کے بہت سے اشخاص شریک ہو چکے ہیں جو تجربہ اور خاندانی اعزاز کے اعتبار سے کوئی امتیاز نہیں رکھتے، مگر ہم نے اس زریں موقع کو چھوڑ دیا تو اگر مکہ کے تمام پہاڑ سونے کے ہو جائیں اور ان سب کو ہم خدا کی راہ میں لٹا دیں تب بھی اس کے ایک دن کے برابر اجر نہیں پاسکتے ان لوگوں کے مقابلہ میں اگر ہم کو دنیا نہ ملی تو کم از کم آخرت کے اجر میں تو شریک ہو جائیں، ہمارا یہ نقل مکان خدا کے لیے اور شام کی طرف ہے۔^۲

جہاد اور شہادت : غرض اس دلولہ اور جوش کے ساتھ جہاد فی سبیل اللہ کے لیے نکلے اور نخل اور اجنادین کے معرکوں میں داد شجاعت دی۔^۳ اس سلسلہ کی مشہور جنگ یرموک میں جب ابتدا میں مسلمانوں کے پاؤں اکھڑے تو بہت سے مسلمان شہید ہو گئے۔ حارث بھی سخت زخمی ہو گئے دم واپسین پیاس کا غلبہ ہوا، پانی مانگا فوراً پانی لایا گیا، پاس ہی ایک دوسرے زخمی مجاہد تشنہ لب پڑے تھے، فطری فیاضی نے گوارا نہ کیا کہ ان کو پیاسا چھوڑ کر خود سیراب ہوں، چنانچہ پانی اُن کی طرف بڑھا دیا۔

۱۔ اصحاب۔ جلد اول۔ ص ۳۰۷۔ ۲۔ ابن سعد۔ جلد ۲۔ ص ۲۲۔ ۳۔ اسد الغابہ جلد اول۔ ص ۳۵۳۔ استیعاب۔ جلد اول۔ ص ۱۱۔

ان کے پاس ایک تیسرے زخمی اسی حالت میں تھے، اس لئے انہوں نے ان کی طرف بڑھا دیا، ان کے پاس پانی پہنچنے بھی نہ پایا تھا کہ دم توڑ دیا، غرض تینوں تشنہ کا مان حق تشنہ حوض کوثر پر پہنچ گئے^۱۔

اولاد : شہادت کے وقت ایک لڑکا عبدالرحمن یادگار چھوڑا، خدا نے اس کی نسل میں بڑے ترقی دی اور خوب پھلی پھولی^۲۔

عام حالات : فیاضی سیرچشی اور غربا پروری کے مناظر اوپر دیکھ چکے، دوسرے فضائل ابن عبدالبر کی زبان سے سینئوہ لکھتے ہیں کہ حارث فضلاً اور خیار صحابہ میں تھے، عموماً مؤلفہ القلوب مسلمانوں کے دلوں میں اسلام راسخ نہ تھا لیکن حضرت حارثؓ اس سے مستثنیٰ تھے، وہ ان مؤلفہ القلوب میں تھے جو سچے مسلمان تھے، اور قبول اسلام کے بعد ان میں کوئی قابل اعتراض بات نہ دیکھی گئی^۳۔

(۲۸) حضرت حجر بن عدیؓ

نام و نسب : حجر نام، خیر لقب، کندہ کے شاہی خاندان سے تعلق رکھتے تھے، نسب نامہ یہ ہے، حجر بن عدی بن معاویہ بن حارث بن عدی بن ربیعہ بن معاویہ الکبر بن حارث بن معاویہ بن ثور بن مرثع بن معاویہ بن کندہ کنذی۔

اسلام : ان کے زمانہ اسلام کی تعیین میں ارباب سیر خاموش ہیں، لیکن اغلب یہ ہے کہ ۹ھ میں اسلام کے شرف سے مشرف ہو گئے ہوں گے، کیونکہ اسی سنہ میں کندہ کا وفد مدینہ آیا تھا^۴۔ اس میں حجر بھی تھے^۵۔

عہد فاروقی : حجر بہت آخر میں اسلام لائے اس لئے عہد نبوی میں شرف جہاد سے محروم رہے سب سے اول فاروقی عہد میں میدان جہاد میں قدم رکھا دور ایران کی فتوحات میں مجاہدانہ شریک ہوئے، قادسیہ کے مشہور معرکہ میں موجود تھے^۶۔ قادسیہ کے بعد مدائن کی فتح میں بھی تھے، مدائن کی تسخیر کے بعد جب یزدگرد نے جلولا، میں فوجیں جمع کیں تو حضرت سعد بن ابی وقاصؓ نے اس کے مقابلہ کے لئے ہاشم بن عقبہ کی سرکردگی میں ایک فوج روانہ کی حجر اس فوج کے میمنہ کے افسر تھے^۷۔ ان مجاہدوں نے یزدگرد کا نہایت کامیاب مقابلہ کیا، اور اسے جلولا سے بھی بھاگنا پڑا۔

۱۔ اسد الغابہ۔ جلد اول۔ ص ۳۵۱۔ ۲۔ اسباب۔ جلد اول۔ ص ۳۰۷۔ ۳۔ استیعاب۔ جلد اول۔ ص ۱۱۷۔

۴۔ زاد المعاد۔ جلد اول۔ ص ۳۱۔ ۵۔ اسد الغابہ۔ بعد اس ۳۸۵۔ ۶۔ ایضاً۔ ۷۔ فتوح البلدان بلاذری۔ ص ۷۳۔

عہد مرتضوی : جنگ جمل وصفین میں حضرت علیؑ کے پر جوش حامیوں میں تھے، شروع سے آخر تک ان کے ساتھ رہے، جنگ جمل سے پہلے جب حضرت علیؑ نے حضرت حسنؑ اور عمار بن یاسر کو فیوض کی مدد حاصل کرنے کے لئے بھیجا تھا تو حجر بنی کی تحریک پر ۱۹۱۵۰ اہل کوفہ حضرت علیؑ کی حمایت پر آمادہ ہوئے تھے، اس کے بعد جنگ جمل میں حضرت علیؑ نے حجر کو کندہ، حضرت موت، قضاء اور مہرہ د کے قبائل کا افسر بنایا۔^۱

جنگ جمل کے بعد صفین کا معرکہ پیش آیا اوس میں بھی حجر نے بڑی سرگرمی کے ساتھ حصہ لیا، امیر معاویہ کے سخت دشمن تھے، اور ان پر علانیہ سب و شتم کرتے تھے، میدان جنگ میں ایک شامی جوان حجر الشرح کے مقابلہ میں آئے اور زخمی ہو کر گھوڑے کی پیٹھ سے گرے۔^۲

جنگ صفین کے بعد جب نہروان میں خارجیوں پر فوج کشی ہوئی تو مینہ کی قیادت پر حجر مقرر ہوئے۔^۳ غرض شروع سے آخر تک برابر حضرت علیؑ کے دست و بازو رہے، آپ کی شہادت کے بعد بھی حجر کی فدویت اور جان نثاری میں فرق نہ آیا، اور وہ اسی طرح جناب امیر کے خلاف الصدق حضرت امام حسنؑ کے حامی اور خیر خواہ رہے چونکہ حجر معاویہ کو برسر حق نہیں سمجھتے تھے، اس لئے حضرت حسنؑ کے دست برداری کے بعد فوراً خیر خواہی میں ان کی زبان سے ایسے نازیبا کلمات نکل گئے۔ جس سے حضرت حسنؑ کو تکلیف پہنچی انہوں نے کہا یا ابن رسول اللہ! کاش میں یہ دن دیکھنے کے لئے زندہ نہ رہتا، آپ نے ہم کو عدل سے ہٹا کر جور کے راستہ پر ڈال دیا اور ہم راہ حق کو چھوڑ کے باطل کے راستہ پر آ گئے جس سے بھاگے تھے حضرت حسنؑ نے انہیں سمجھا بھجا کر خاموش کیا۔^۴

گرفتاری : پھر حضرت حسنؑ کی دست برداری کے بعد خاموش ہو گئے تھے، مگر امیر معاویہ نے جب زیاد کو عراق کا والی بنایا تو اس کی تند خوئی اور بد خوئی اور بداخلاقی کی وجہ سے اس میں اور حجر میں مخالفت شروع ہو گئی ایک دن زیاد جامع کوفہ میں تقریر کر رہا تھا، اور نماز کا وقت آخر ہو رہا تھا حجر اور ان کے ساتھیوں نے زیاد کو متنبہ کرنے کے لئے اس پر کنکریاں پھینکیں زیاد نے بڑی حاشیہ آرائی کے ساتھ بڑھا چڑھا کر ان کی شکایت لکھ بھیجی کہ یہ لوگ عنقریب ایسا رخنہ لیں گے کہ اس سے پیوند لگ سکے گا، اور بہت سے لوگوں نے ان کے خلاف شہادت دی اس لئے امیر معاویہ نے ان کو بلا بھیجا چنانچہ حجر اور دوسرے گیارہ آدمی پابجولان شام روانہ کئے گئے امیر معاویہ نے ان میں سے چھ آدمیوں کو رہا کر دیا اور چھ کو جن میں ایک حجر تھے قتل کا حکم دیا۔^۵

۱۔ ابن اثیر۔

۲۔ ایضاً۔ ص ۲۲۳۔

۳۔ ایضاً۔

۴۔ اخبار الطوال۔ ص ۱۵۵، ۱۵۴۔

۵۔ استیعاب۔ جلد اول ص ۱۳۷۔

نماز کی مہلت : جب جلاد قتل کی طرف لے چلے تو حجرؓ نے دو رکعت نماز پڑھنے کی مہلت مانگی۔ مہلت دی گئی، نماز پڑھنے کے بعد کہا کہ اگر لمبی لمبی رکعتیں پڑھنے کا خطرہ نہ ہوتا کہ تم لوگ گمان کرو گے کہ میں نے خوف سے نماز کو طول دیا ہے، تو لمبی رکعتیں پڑھتا اگر میری گذشتہ نمازیں اس قابل نہیں ہیں۔ کہ مجھے فائدہ پہنچا سکیں تو یہ دونوں کیا فائدہ پہنچا سکتی ہیں پھر یہ وصیت کی کہ میری بیڑیاں نہ اتارنا اور خون نہ دھونا کہ میں اسی حالت میں معاویہ سے پل صراط پر ملوں گا^۱۔

قتل : وصیت وغیرہ کے بعد جلاد نے وار کیا اور ایک کشتہ رستم خاک و خون میں تڑپنے لگا یہ واقعہ اسی میں پیش آیا۔

حضرت حجرؓ کا قتل معمول واقعہ نہ تھا، اپنے خاندانی اعزاز اور حضرت علیؓ کی حمایت کی وجہ سے کوفہ میں بڑی وقعت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔ اس لئے اہل کوفہ میں بڑی برہمی پیدا ہو گئی، معززین کوفہ حضرت حسنؓ کے پاس فریاد لے کر پہنچے آپ بے حد متاثر ہوئے لیکن امیر معاویہ کی بیعت کر چکے تھے اس لئے مجبور تھے۔

اہل بیت نبویؐ میں بھی حجر کی بڑی وقعت تھی چنانچہ حضرت عائشہؓ نے جس وقت ان کی گرفتاری کی خبر سنی اسی وقت انہوں نے عبدالرحمن بن حارث کو امیر معاویہؓ کے پاس دوڑایا کہ وہ حجر اور ان کے رفقاء کے معاملہ میں خدا کا خوف کریں لیکن یہ اس وقت پہنچے جب حجر قتل ہو چکے تھے پھر بھی انہوں نے امیر معاویہؓ کو بڑی ملامت کی۔ امیر معاویہؓ نے جواب دیا میں کیا کرتا ان کی بڑی شکایات کی تھیں اور لکھا تھا کہ عنقریب یہ لوگ ایسا رخنہ پیدا کریں گے جس میں پیوند نہ لگ سکے گا^۲۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کو خبر ہوئی تو زرارہؓ نے لگے، خود امیر معاویہؓ کے آدمیوں نے اس قتل کو پسندیدگی کی نظر سے نہیں دیکھا۔ چنانچہ ربیع بن زیاد حارثی گورنر خراسان نے سنا تو اس درجہ متاثر ہوئے کہ دعا کی کہ ”خدا یا اگر تیرے یہاں ربیع کے لئے بھلائی ہو تو اس کو جلد بلا لے معلوم نہیں یہ دعا کس دل سے نکلی تھی کہ سیدھی باب اجابت پر پہنچی اور ربیع کو خدا نے بہت جلد بلا لیا^۳۔“

حضرت عائشہؓ کو بڑا صدمہ تھا، چنانچہ اسی سال جب امیر معاویہؓ حج کو گئے اور زیارت کے لئے مدینہ حاضر ہوئے اور حضرت عائشہؓ کی خدمت میں گئے، تو انہوں نے کہا معاویہ تم کو میرے پاس

آتے وقت اس کا خوف نہیں ہوا کہ میں نے کسی شخص کو اپنے بھائی محمد بن ابی بکر کے خون کا بدلہ لینے کے لئے چھپا دیا ہو، عرض کی میں بیت الامان میں آیا ہوں فرمایا تم کو حجر اور ان کے ساتھیوں کے قتل کے بارہ میں خدا کا خوف نہیں معلوم ہوا، عرض کیا ان کو ان لوگوں نے قتل کیا جنہوں نے ان کے خلاف شہادت دی۔^۱

اولاد : حجر کے دو لڑکے تھے، عبدالرحمن اور عبداللہ لیکن یہ دونوں عبداللہ بن زبیرؓ اور امویوں کی ہنگامہ آرائیوں میں مصعب کے ہاتھوں قتل ہو گئے۔^۲

فضل و کمال : حجرؓ اپنے خاندانی اعزاز و مرتبہ کے علاوہ صحابہ کرام کی جماعت میں بھی ممتاز اور بلند پایہ شخصیت رکھتے تھے علامہ ابن عبدالبرؒ لکھتے ہیں۔

كان من فضلاء الصحابة وصغر سنه عن كبارهم۔

یعنی حجر فضلاء صحابہ میں تھے اور اپنی صغر سنی کے باوجود بڑوں میں شمار ہوتے تھے۔^۳

مشہور تابعی محمد بن سیرین سے جب قتل سے پہلے کی نقل پڑھنے کے بارہ میں پوچھا جاتا تو کہتے یہ دور کعتیں حبیب اور حجر نے پڑھی ہیں اور یہ دونوں فاضل تھے۔^۴

(۲۹) حضرت حسیل بن جابرؓ

نام و نسب : حسیل نام، باپ کا نام جابر تھا، نام و نسب یہ ہے۔ حسیل بن جابر بن میمان بن حارث قطیعہ بن عبس بن بغیض عبسی، حسیل اپنے دادا ایمان کے نام سے مشہور ہیں، میمان ان کے دادا کا عرفی نام تھا۔ اصل نام جروہ تھا ایمان کی شہرت کا سبب یہ ہے کہ انہوں نے اپنے قبیلہ میں ایک خون کیا تھا اور بھاگ کر مدینہ آ گئے تھے اور بنی عبدالاشہل کے حلیف ہو گئے تھے، چونکہ یمنی تھے، اس لئے ان کے حلیف انہیں یمنی کہنے لگے۔^۵

اسلام و غزوات : آنحضرت ﷺ کے مدینہ آنے کے بعد ہی شرف اسلام سے مشرف ہوئے، بدر کے موقع پر حسیل اور ان کے صاحبزادے حذیفہ اس میں شرکت کے لئے آ رہے تھے سوئے اتفاق سے کفار قریش کے ہاتھوں پڑ گئے، ان لوگوں نے کہا کہ تم دونوں محمد کے پاس جا رہے ہو، انہوں نے کہا نہیں ہم مدینہ جا رہے ہیں قریشیوں نے کہا اچھا خدا کو درمیان میں دے کر عہد کرو کہ جنگ میں شریک نہ ہو گے، اور مدینہ جا کر لوٹ آؤ گے۔ اور عہد پورا کرو۔^۶

۱۔ استیعاب۔ جلد ۱۔ ص ۱۱۸۔ ۲۔ مستدرک حاکم۔ جلد ۳۔ ص ۳۶۸۔ ۳۔ استیعاب۔ جلد اول ص ۱۳۷۔

۴۔ ایضاً۔ ۵۔ استیعاب۔ جلد ۱۔ ص ۱۱۷۔ ۶۔ مسلم کتاب الجہاد و البیرواہ و الفیء و العہد۔

شہادت : بدر کے بعد احد کا معرکہ ہوا حسیل اس میں شریک ہوئے، لیکن بہت ضعیف ہو چکے تھے، لڑنے کی طاقت نہ تھی، اس لئے یہ اور ایک دوسرے ضعیف العمر بزرگ حضرت ثابت بن قش عورتوں اور بچوں کے ساتھ تھے، لیکن اس ضعیف پیری میں بھی جوش جہاد نے گوشہ میں نہ بیٹھنے دیا، اور ایک نے دوسرے سے کہا کہ اب ہم کو کس چیز کا انتظار ہے خدا کی قسم ہماری عمر ہی کتنی باقی ہے، آج نہ مرے تو کل مرنا ہے چلو تلوار سنبھال کر رسول اللہ ﷺ کے پاس چلیں شاید خدا خلعت شہادت سے سرفراز فرمائے، چنانچہ دونوں بزرگ تلواریں لے کے میدان کارزار میں پہنچے ثابت بن قش کو مشرکین نے شہید کر دیا، حسیل کو مسلمانوں نے نہ پہچانا اور غلطی سے تلواریں لے کر ٹوٹ پڑے، ان کے لڑکے نے پہنچان کر میرے والد میرے والد کی صدا لگائی لیکن حسیل کا کام تمام ہو چکا تھا، اس طرح شہادت کی تمنا پوری ہو گئی، ان کے بیٹے حذیفہ نے دعا کی کہ خدا غلطی سے قتل کرنے والوں کو معاف کرے، وہ بڑا رحمت والا ہے آنحضرت ﷺ نے دیت دینی چاہی لیکن حذیفہؓ کی حمیت نے اسے لینا گوارا نہ کیا اور مسلمانوں پر صدقہ کر دیا۔^۱

(۳۰) حضرت حکم بن حارث

نام و نسب : حکم نام، باپ کا نام حارث، نسباً سلمی تھے۔
اسلام : فتح مکہ سے پہلے مشرف باسلام ہوئے قبول اسلام کے بعد کئی غزوہ میں آنحضرت ﷺ کے ساتھ شریک جہاد ہوئے غزوہ حنین میں مقدمہ اکبیش میں تھے راستہ میں ایک مقام پر ان کی اونٹنی بیٹھ گئی اس کو مار مار کر اٹھانا چاہتے تھے آنحضرت ﷺ ادھر سے گذرے تو روکا اور جھڑک کر اونٹنی کو اٹھا دیا۔^۲
وفات : بصرہ آباد ہونے کے بعد مدینہ سے یہاں منتقل ہو گئے وفات کا زمانہ متعین نہیں ہے مرتے وقت یہ وصیت کی تھی، کہ میری قبر پر پانی چھڑک کر قبلہ رو میرے لئے دعا کرنا۔^۳
سرمایہ داری کی مخالفت : اسلام نے ناجائز سرمایہ داری کی سخت مخالفت کی ہے حکم اس بارہ میں اتنے سخت تھے کہ کبھی روپیہ نہیں جمع کیا، ان کے بھتیجے کا بیان ہے کہ میرے چچا کو دو ہزار وظیفہ ملتا تھا، جب وہ ملتا تو اپنے لڑکے کو حکم دیتے کہ جا کر اسے خرچ کر دو، میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ جس نے ایک دینار چھوڑا، اس پر ایک داغ ہو گا اور جس نے دو چھوڑے، اس پر دو داغ ہوں گے۔^۴

۱۔ سیرت ابن ہشام۔ جلد اول۔ ص ۴۶۳۔ حاکم نے مناقب یحیٰی میں یہ واقعہ تغیر کے ساتھ لکھا ہے۔

۲۔ ابن سعد۔ جلد ۱۔ ص ۵۴، ۲۔ اصابہ۔ جلد ۲۔ ص ۲۶۔ ۳۔ اسد الغابہ۔ جلد ۲۔ ص ۳۱۔

(۳۱) حضرت حکم بن عمرو غفاریؓ

نام و نسب: حکم نام، باپ کا نام عمرو تھا، نسب نامہ یہ ہے، حکم بن عمرو بن مجدع بن حذیم بن حارث ابن ثعلبہ بن ملیک بن ضمیرہ بن بکر بن مناة بن کنانہ۔

اسلام: ان کے اسلام کا زمانہ متعین نہیں کسی وقت آنحضرت ﷺ کے دستِ حق پرست پر مشرف باسلام ہوئے، اور اسلام لانے کے بعد آپ کے دامن سے وابستہ ہو گئے، پھر بصرہ آباد ہونے کے بعد یہاں بود و باش اختیار کر لی۔

جنگ صفین سے کنارہ کشی: شیخین کے بعد مسلمانوں میں بڑی خانہ جنگیاں ہوئیں لیکن حکم نے کسی میں حصہ نہ لیا جنگ صفین میں حضرت علیؓ نے کہلا بھیجا کہ اس جنگ میں تم پر ہماری امداد کا زیادہ دخل ہے حکم نے جواب دیا کہ میں نے اپنے دوست اور آپ کے ابن عم سے سنا ہے کہ جب ایسا اور اس قسم کا کوئی معاملہ پیش آئے تو لکڑی کی تلوار بنالینا۔

حضرت امیر معاویہ کے زمانہ میں زیاد نے ان کو خراسان کا گورنر بنانا چاہا، انہوں نے اس کو قبول کر لیا اور نہایت ایمان داری اور سچائی کے ساتھ اس خدمت کو انجام دینے لگے لیکن جب کبھی اسلامی اصول اور حکمت کے اصول میں تعارض ہو جاتا تو حکم حکومت کے اصول کو ٹھکرا دیتے۔ خراسان کی گورنری کے زمانہ میں کسی جنگ میں بہت سامان غنیمت ہاتھ آیا، زید نے لکھ بھیجا کہ امیر المؤمنین کا فرمان آیا ہے کہ سونا چاندی ان کے لئے محفوظ کر لیا جائے اس لئے سونا چاندی لوگوں میں تقسیم نہ کرنا، چونکہ یہ حکم اسلامی اصول کے خلاف تھا اس لئے انہوں نے نہایت صاف جواب لکھا،

السلام علیک، اما بعد تمہارا خط جس میں تم نے امیر المؤمنین کے حکم کا حوالہ دیا ہے ملا، لیکن امیر المؤمنین کے مکتوب کے قبل مجھ کو اللہ کی کتاب مل چکی ہے (یعنی مال غنیمت میں عام مجاہدین کا بھی حصہ ہے) خدا کی قسم اگر کسی بندہ کو آسمان وزمین گھیر لیں اور وہ خدا سے ڈرتا ہو تو وہ اس کی رہائی کا ضرور کوئی نہ کوئی سامان کر دے گا (یعنی اس عدول حکمی پر جو عین حکم خدا کے مطابق ہے کہ مجھے کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے یہ جواب لکھ کر مجاہدین کو حکم دیا کہ اپنا اپنا حصہ لے لو۔

گو انہوں نے خراسان کی گورنری قبول کر لی تھی لیکن اس زمانہ کے محدثات سے کبھی متاثر نہ ہوئے بلکہ تالاں رہے خدا سے دعا کرتے رہتے کہ ”خدا یا اگر تیرے یہاں میرے بعد بھلائی ہے تو تو مجھ کو بلا لے۔“

ایک مرتبہ کہہ رہے تھے کہ اے طاعون مجھ کو اٹھالے کسی نے کہا ایسی دعا کیوں کرتے ہیں جب کہ آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد ہوا ہے کہ ہم لوگوں کو کسی مصیبت کی وجہ سے موت کی تمنا نہ کرنی چاہئے فرمایا جو کچھ تم نے سنا ہے وہ میں نے بھی سنا ہے لیکن میں چاہتا ہوں کہ چھ چیزوں کے دیکھنے سے پہلے دنیا سے اٹھ جاؤں۔ (۱) حکم (فیصلہ) کی تجارت (۲) پولیس کی کثرت (۳) نو عمر لڑکوں کی حکومت، (۴) خون ریزی (۵) قطع رحم، اور (۶) ایسی نسل جو قرآن کو مزامیر بنائے گی۔

وفات : خدا نے ان کی دعا قبول کی اور ایسے وقت آنے سے پہلے ہی امیر معاویہ کے عہد خلافت ۵۰ھ میں خراسان میں وفات پا گئے۔ آخر عمر میں بال پک گئے تھے مہندی کا خضاب لگاتے تھے۔

فضل و کمال : فضل و کمال کے اعتبار سے کوئی لائق ذکر شخصیت نہ رکھتے تھے، تاہم ان کی وفات سے حدیث کی کتابیں بالکل خالی نہیں ہیں، ابواشعثاء اور حسن نے ان میں روایت کی ہے۔

(۳۲) حضرت حکم بن کیسانؓ

نام و نسب : حکم نام، باپ کا نام کیسان تھا، ابو جہل کے والد مغیرہ کے غلام تھے۔

گرفتاری : بدر سے واپسی کے بعد آنحضرت ﷺ نے قریش کے کاروان تجارت کے نقل و حرکت کا پتہ چلانے کے لیے عبداللہ بن حبش کی سرکردگی میں ایک دستہ بھیجا تھا، کھجور کے ایک باغ کے پاس دونوں کی ٹڈ بھڑ ہوئی، حکم قریش کے قافلہ کے ساتھ تھے، آنحضرت ﷺ کی خدمت میں لے آئے، قریش نے ان کے چھڑانے کے لئے فدیہ بھیجا، لیکن حضرت سعد بن ابی وقاصؓ قریش سے ہاتھوں میں اسیر تھے، اس لئے رسول اللہ ﷺ نے یہ فدیہ قبول کرنے سے انکار کر دیا، اور حکم سے فرمایا، جب تک سعد بن ابی وقاصؓ واپس نہ آئیں گے، اس وقت تک تم نہیں چھوٹ سکتے۔

اسلام : اس گفتگو کے دوسرے دن سعد بن ابی وقاصؓ آ گئے، اب حکمؓ کی رہائی میں کوئی رکاوٹ باقی نہ تھی، لیکن جب آزادی کا موقع آیا تو اسلام کی غلامی کا طوق گردن میں ڈال کر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں رہنے لگے۔

شہادت : قبول اسلام کے بعد جہاد فی سبیل اللہ میں مشغول ہو گئے، اور پیر معونہ کے معرکہ میں جام شہادت پیا۔

۱۔ مستدرک حاکم۔ جلد ۳۔ ص ۴۴۳ ۲۔ ابن سعد۔ جلد ۷۔ ق ۱۸ ۳۔ مسند احمد بن حنبل۔ جلد ۵۔ ص ۶۷
۴۔ تہذیب الکمال۔ ص ۸۹ ۵۔ ابن سعد۔ جلد ۴۔ ص ۱۰۱۔ ق ۱۸

(۳۳) حضرت حمزہ بن عمروؓ

نام و نسب : حمزہ نام، ابو صالح کنیت، نسب نامہ یہ ہے، حمزہ بن عمرو بن حارث الاعرج ابن سعد بن زرج بن عدی بن سہل بن مازن بن حارث بن سلمان بن اسلم بن افسی بن حارثہ سلمی۔
اسلام : فتح مکہ یا اس کے بعد مشرف باسلام ہوئے، اسلام لانے کے بعد سب سے اول غزوہ تبوک میں شریک ہوئے۔^۱

آنحضرت ﷺ کی رضا جوئی صحابہ کرامؓ کے لیے سب سے بڑی دولت تھی، وہ نہ صرف اپنے لیے اس دولت کے حصول پر بلکہ دوسروں کے حصول سعادت پر بھی وفور مسرت سے معمور ہو جاتے تھے، ایک صحابی حضرت کعب بنی مالک انصاری غزوہ تبوک میں نہ شریک ہو سکے تھے، بہت سے منافق بھی جو ہمیشہ ایسے موقع پر پہلو تہی کر جاتے تھے، تبوک میں شریک نہ ہوئے اور آنحضرت ﷺ کے تبوک سے واپس تشریف لانے کے بعد آپ سے جھوٹی معذرت کر لی، آپ نے ان کی معذرت قبول کر لی، کعب ایک راسخ العقیدہ اور سچے مسلمان تھے اس لیے وہ اپنی کوتاہی پر حقیقہ بہت نادم اور شرمسار تھے، انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر صحیح و سچ واقعہ بیان کر دیا، آپ نے ان کی معذرت بھی قبول فرمائی لیکن وحی الہی کی شہادت تک نام مسلمانوں کو ان کے ساتھ ملنے چلنے سے منع کر دیا، حتیٰ کہ ان کی بیوی کو بھی ممانعت ہو گئی، اور کعب چند دنوں تک نہایت حزن و ملال کی زندگی بسر کرتے رہے، جب ان کی صفائی میں وحی نازل ہوئی تو صحابہ کی جماعت میں مسرت کی ایک لہر دوڑ گئی اور وہ کعب کو یہ مژدہ سنانے کے لئے چاروں طرف سے دوڑ پڑے، حمزہ اس قدر سرور تھے کہ سب سے پہلے اپنی زبان سے برأت کا مژدہ سنانا چاہتے تھے۔ اس لیے اس پہاڑی پر چڑھ گئے، اور وہیں سے چلا کر کعب کو مژدہ سنایا، اور سب سے پہلے ان ہی کی زبان نے کعب کے کانوں تک برأت کی خوشخبری پہنچائی تھی، پھر پہاڑی سے اتر کر اطمینان سے کعب کے پاس گئے، کعب اس مژدہ پر اس قدر مسرور ہوئے کہ اپنا لباس اتار کر حمزہ کو پہنا دیا۔^۲

فتوحاتِ شام : عہدِ فاروقی میں شام کی فوج کشی میں شریک ہوئے اجنادین کی فتح کا مژدہ یہی لائے تھے۔^۳

۱۔ ابن سعد۔ جلد ۴۔ ص ۴۵۔ ق ۲۔
۲۔ فتح الباری کتاب المغازی غزوہ تبوک حدیث کعب بن مالک۔

۳۔ تہذیب الکمال۔ ص ۱۳۔

وفات : ۶۱ھ میں ۱۷ سال کی عمر میں وفات پائی ۱۔

فضل و کمال : گو علمی حیثیت سے حمزہ کا کوئی خاص درجہ نہیں ہے، تاہم ان سے ۹ حدیثیں مروی ہیں، ان سے روایت کرنے والوں میں ان کے لڑکے محمد اور سلیمان بن یسار قابل ذکر ہیں ۲۔

روزوں سے شغف : حضرت حمزہ کو روزوں سے غیر معمولی شغف تھا، سفر میں بھی افطار کرنا ان کے لیے شاق تھا چنانچہ آنحضرت ﷺ سے سفر کے روزہ کے بارے میں پوچھا، آپ نے فرمایا تم کو اختیار ہے رکھو چاہے افطار کرو ۳۔

(۳۴) حضرت حنظلہ بن ربیع

نام و نسب : حنظلہ نام۔ ابو ربیع کنیت۔ نسب نامہ ہے، حنظلہ بن ربیع بن صیفی بن ربیع بن حارث ابن فحاش بن معاویہ بن شریف بن جروہ بن اسید بن عمرو بن تمیم تميمی۔

اسلام : ان کے اسلام کا زمانہ متعین طور پر نہیں بتایا جاسکتا، لیکن قیاس یہ ہے کہ آغاز دعوت اسلام میں اس شرف سے مشرف ہوئے ہونگے، اس لئے کہ اسی زمانہ میں ان کے گھر لہنے میں اسلام کا اثر ہوا تھا، ان کے چچا اکثم بن صیفی عرب کے مشہور حکیم تھے، آنحضرت ﷺ کی بعثت سے پہلے وہ آپ کے ظہور کی خبر دیتے تھے، بعثت نبوی کے وقت ان کی عمر ۱۹۰ سال کی تھی، جب انہیں بعثت کی اطلاع ہوئی، تو انہوں نے آنحضرت ﷺ کو ایک خط لکھا، آپ نے اس کا جواب مرحمت فرمایا، اکثم اس جواب سے بہت مسرور ہوئے اور اپنے قبیلہ کو جمع کر کے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ پر ایمان لانے کی ترغیب دی، لیکن مالک بن نویرہ نے درمیان میں پڑ کر سب کو منتشر کر دیا، اکثم نے اپنے لڑکے اور جن جن لوگوں نے ان کا کہنا مانا سب کو آنحضرت ﷺ کی خدمت میں بھیجا، لیکن سونے اتفاق سے آپ تک کوئی نہ پہنچ سکا ۴۔ قیاس یہ ہے کہ اسی زمانہ میں حنظلہ بھی ایمان لائے ہوں گے۔ اسلام کے بعد مراسلات نبوی کی کتابت کا عہدہ سپرد ہوا ۵۔

غزوات : کسی خاص غزوہ میں ان کی شرکت کی تصریح نہیں ملتی، لیکن اس قدر معلوم ہوتا ہے کہ جہاد فی سبیل اللہ کے شرف سے محروم نہ رہے تھے چنانچہ بیان کرتے تھے کہ ہم لوگ بعض غزوات میں شریک ہوئے تھے، اس میں ایک مقتولہ عورت کی طرف سے گزر ہوا لوگ جمع ہو کر اسے دیکھنے لگے،

۱۔ استیعاب۔ جلد اول۔ ص ۱۰۵۔ ۲۔ تہذیب الکمال۔ ص ۶۳۔ ۳۔ امد الغایہ۔ جلد ۲۔ ص ۵۰۔

۴۔ استیعاب۔ جلد اول۔ ص ۱۰۶۔ ۵۔ امد الغایہ۔ جلد ۳۔ ص ۶۶۔

اتنے میں رسول اللہ ﷺ تشریف لائے، لوگوں نے راستہ چھوڑ دیا آپ نے لاش دیکھ کر فرمایا کہ یہ تو لڑتی نہ تھی، پھر ایک شخص کو خالد بن ولید کے پاس بھیجا کہ جا کر کہہ دو کہ رسول اللہ ﷺ بچوں اور عورتوں کے قتل سے منع کرتے ہیں!۔

غزوہ طائف سے قبل آنحضرت ﷺ نے انہیں بنی ثقیف کے پاس سفیر بنا کر بھیجا کہ وہ لوگ صلح پر آمادہ ہیں یا نہیں!۔

قادسیہ کی جنگ میں شرکت کو فہ کا توطن اور وفات :

حضرت عمرؓ کے زمانہ میں قادسیہ کی مشہور جنگ میں شریک ہوئے!۔ کو فہ آباد ہونے کے بعد یہاں بود و باش اختیار کر لی، پھر جنگ جمل کے بعد قرقیہ میں منتقل ہو گئے، اور یہیں امیر معاویہ کے زمانہ میں وفات پائی!۔

فضل و کمال : آنحضرت ﷺ کے منشی تھے، آپ کے مراسلات وغیرہ لکھا کرتے تھے، اس لئے کاتب ان کے نام کا جزو ہو گیا تھا، ان کی ۱۸ روایتیں حدیث کی کتابوں میں موجود ہیں ان رواقہ میں یزید بن تیغر اور ابو عثمان نہدی قابل ذکر ہیں!۔

صفا قلب اور قوت ایمانی : حظلہ کی قوت ایمانی اور صفائے قلب کا اس واقعہ ہے اندازہ ہو سکتا ہے کہ ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ نے خطبہ دیا، اور اس طرح جنت و دوزخ کا ذکر فرمایا کہ اس کے مناظر آنکھوں کے سامنے پھر گئے، حظلہ بھی اس خطبہ میں تھے۔ یہاں سے اٹھ کر گئے تو فطرت انسانی کے مطابق تھوڑی دیر میں سب مناظر بھول گئے، اور بال بچوں میں پڑ کر ہنسنے بولنے لگے۔ لیکن فوراً تنبیہ ہوا عبرت پذیر دل نے ٹوکا کہ اتنی جلد یہ سبق فراموش ہو گیا۔ اسی وقت روتے ہوئے حضرت ابو بکرؓ کے پاس گئے، پوچھا خیر ہے، کہا ابو بکر! حظلہ منافق ہو گیا، ابھی ابھی رسول اللہ ﷺ کے خطبہ میں جنت و دوزخ کا منظر دیکھ کر گھر آیا، اور آتے ہی سب کو بھلا کر بیوی بچوں اور مال و دولت کی دلچسپیوں میں مشغول ہو گیا۔ حضرت ابو بکرؓ نے فرمایا میرا بھی یہی خیال ہے، چلو رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں چلیں، چنانچہ دونوں خدمت نبوی میں پہنچے آپ نے دیکھ کر پوچھا حظلہ کیا ہے عرض کیا یا رسول اللہ! حظلہ منافق ہو گیا آپ نے جس وقت جنت و دوزخ کا ذکر فرمایا اس وقت معلوم ہوتا تھا کہ دونوں نگاہوں کے سامنے ہیں خطبہ سن کر گھر گیا تو سب بھلا کر بیوی اور مال و جائیداد میں مصروف ہو گیا یہ سن کر آنحضرت ﷺ نے فرمایا

۱۔ مسند احمد بن حنبل۔ جلد ۵۔ ص ۱۷۸۔ ۲۔ اسد الغابہ۔ جلد ۲۔ ص ۶۶۔ ۳۔ اصحابہ۔ جلد ۲۔ ص ۴۳۔

۴۔ ایضاً۔ ۵۔ تہذیب الکمال ص ۹۶۔

حظاً اگر تم لوگ اسی حالت پر ہمیشہ قائم رہتے جس حالت میں میرے پاس سے اٹھ کر گئے تھے تو ملائکہ آسمانی تمہارے جلسہ گاہوں، تمہارے راستوں اور تمہارے بستروں پر تم سے مصافحہ کرتے، لیکن حظاً ان چیزوں کا اثر گھڑی دو گھڑی رہتا ہے۔^۱

(۳۵) حضرت حویطبؓ بن عبد العزیٰ

نام و نسب : حویطب نام ابو محمد کنیت، سلسلہ نسب یہ ہے، حویطب بن عبد العزیٰ بن ابوقیس بن عبد ود بن نصر بن مالک بن حسل بن مامر بن لوئی قریشی۔

قبل از اسلام : ظہور اسلام کے وقت ۶۰ سال کی عمر تھی دعوت اسلام کے آغاز ہی سے حویطب اسلام کی طرف مائل تھے، کئی مرتبہ قبول اسلام کا قصد کیا، مگر ہر مرتبہ مشہور دشمن اسلام ابوالحکم ابن امیہ نے غیرت دلا کر روکا کہ ینافذ ہب قبول کر کے اپنے قومی وقار اور آبائی مذہب سے دستبردار ہو جاؤ گے۔^۲

بدر میں مشرکین کے ساتھ تھے، صلح حدیبیہ کی کارروائی میں شروع سے آخر تک شریک رہے، معاہدہ حدیبیہ میں شاہد تھے، یہ سب کچھ تھا لیکن حویطب کو اس کا پورا یقین تھا کہ قریش کبھی آنحضرت ﷺ کے مقابلہ میں کامیاب نہ ہونگے، صلح حدیبیہ میں اس کا اظہار بھی کیا کہ قریش کو محمد ﷺ سے براہی دینا نصیب ہوگا۔ عمرہ القضاء کے موقع پر جب قریش نے حدیبیہ کے معاہدہ کے مطابق ۳ دن کے لئے مکہ خالی کر دیا اس وقت حویطب اور سمیل بن عمرہ مکہ ہی میں رہ گئے تھے تاکہ تین دن کے بعد مسلمانوں سے مکہ خالی کرا لیں چنانچہ تین دن کے بعد رسول اللہ ﷺ سے کہا کہ از روے معاہدہ تمہارے قیام کی مدت ختم ہو چلی اس لئے اب تم کو مکہ خالی کر دینا چاہیے، ان کے کہنے پر آنحضرت ﷺ نے اعلان فرمایا کہ غروب آفتاب تک کوئی مسلمان مکہ میں باقی نہ رہے۔

فتح مکہ کے بعد جب مشرکین کی قوتیں ٹوٹ گئیں۔ تو حویطب بہت گھبرائے اور اپنے اہل و عیال کو محفوظ مقامات میں پہنچا دیا۔ انہیں پہنچا کر واپس ہو رہے تھے کہ عوف کے باغ کے پاس ان کے پرانے رفیق اور یار غار مسیح الاسلام حضرت ابوذرؓ آتے ہوئے دکھائی دیئے، حویطب انہیں دیکھ کر خوف سے بھاگے۔ حضرت ابوذرؓ نے آواز دی حویطب نے کہا تمہارے نبی آگئے، حضرت ابوذرؓ نے فرمایا تو کیا ہوا؟ حویطب نے کہا خوف و ہراس، حضرت ابوذرؓ نے کہا خوف دل سے نکال دو تم خدا کی

۱۔ مسند احمد بن حنبل۔ جلد ۵۔ ص ۸۸۔ ۱۔ اسد الغابہ۔ جلد ۲۔ ص ۶۔ دونوں بیان میں خفیف سا اختلاف ہے۔

۲۔ اسد الغابہ۔ جلد ۲۔ ص ۵۷۔

امان میں مامون ہو، ان تشفی آمیز کلمات سے حوہ طب کو اطمینان ہوا اور ابوذرؓ کے پاس جا کر اطمینان کے ساتھ سلام کیا، ابوذرؓ نے کہا اپنے گھر چلو، حوہ طب نے کہا گھر تک پہنچ بھی سکتا ہوں، مجھ کو ڈر ہے کہ گھر پہنچنے سے پہلے ہی کوئی مسلمان میرا کام تمام کر دے گا، گھر میں گھس کر مار ڈالے گا۔ اس وقت میرے اہل و عیال مختلف مقاموں پر ہیں، ابوذرؓ نے کہا انہیں اکٹھا کر لو میں تم کو گھر تک پہنچا دوں گا چنانچہ حوہ طب حضرت ابوذرؓ کے ساتھ ہو گئے، حضرت ابوذرؓ اعلان کرتے جاتے تھے کہ حوہ طب مامون ہیں، انہیں کوئی شخص بتانے کا ارادہ نہ کرے۔

اس طرح اعلان کرتے ہوئے حوہ طب کو بحفاظت تمام ان کے گھر پہنچا کر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں آئے اور پورا واقعہ بیان کیا آپ نے فرمایا کہ تم کو یہ نہیں معلوم کہ ان چند اشتہاری مجرموں کو چھوڑ کر جن کے قتل کرنے کا حکم دیا گیا ہے باقی سب مامون ہیں، اس ارشاد کے بعد حوہ طب کو پورا اطمینان ہو گیا، پورا اپنے اہل و عیال کو اکٹھا کر کے گھر پہنچا دیا۔

حوہ طب کے اطمینان کے بعد حضرت ابوذرؓ نے ان سے کہا ابو محمد یہ لیت و لعل کب تک تم تمام معاملات میں پیش پیش رہے، بھلائی کے بہت سے مواقع کھو چکے ہیں اب بھی وقت نہیں گیا ہے، بہت کچھ باقی ہے چلو رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر اسلام قبول کر لو، آپ بڑے نیک بڑے صلہ جی کرنے والے اور بڑے علیم ہیں ان کا شرف و اعزاز عین تمہارا اعزاز ہے، ابوذرؓ کے اس وعظ و پند سے متاثر ہو کر حوہ طبؓ ان کے ساتھ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں بطحاء آئے۔ حضرت ابو بکرؓ و عمرؓ بھی موجود تھے حوہ طبؓ نے ابوذرؓ سے اسلامی سلام کا طریقہ پوچھا، انہوں نے بتایا کہ ”السلام علیک ایہا النبی ورحمة اللہ وبرکاتہ“۔ حوہ طب نے اسی طرح سلام کیا آنحضرت ﷺ نے جواب مرحمت فرمایا، سلام و جواب کے بعد حوہ طب نے کہا، اشہد ان لا اله الا اللہ و انک رسول اللہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا خدا کا شکر ہے کہ اس نے تم کو اسلام کی ہدایت دی۔ آپ ان کے اسلام سے بہت مسرور ہوئے، حوہ طبؓ مکہ کے دروہاء میں تھے، آنحضرت ﷺ نے ان سے قرض مانگا، انہوں نے ۴۰ ہزار درہم قرض دیے۔^۱

غزوات : قبول اسلام کے بعد حنین اور طائف کے غزوات میں آنحضرت ﷺ کے ساتھ شریک ہوئے آپ ﷺ نے حنین کے مال غنیمت میں سے سو اونٹ ان کو مرحمت فرمائے۔^۲

عہد خلفاء : حضرت عمرؓ نے اپنے عہد خلافت میں نصاب حرم کی تحدید کے لئے جو جماعت مقرر کی تھی اس کے رکن حوہ طب بھی تھے، حضرت عثمانؓ کی شہادت کے دن حرم رسول ﷺ میں قیامت

پاٹھی مدینہ باغیوں کے قبضہ میں تھا، مظلوم خلیفہ کی لاش بے گور و کفن پڑی تھی، کسی کو باغیوں کے خوف سے دفن کرنے کی ہمت نہ پڑتی تھی، دوسرے دن چند مسلمانوں نے جان پر کھیل کر لاش دفن کی، ان بہادروں میں ایک حویطب بھی تھے۔

وفات : امیر معاویہ کے عہد خلافت میں مدینہ میں وفات پائی وفات کے وقت ۱۲۰ سال کی عمر تھی۔

معاشی حالت : حویطب مکہ کے رئیس تھے، مدینہ میں بھی اس کے مظاہر نظر آتے تھے اور یہاں ان کے عالیشان محلات تھے، ایک مکان امیر معاویہ کے ہاتھ ہزار میں فروخت کیا تھا۔

فضل و کمال :

فضل و کمال کے لحاظ سے حویطب کا کوئی مرتبہ نہ تھا، تو کتب حدیث میں ان کی روایتیں ملتی ہیں لیکن ان میں سے کسی کا سماع آنحضرت ﷺ سے ثابت نہیں ہے البتہ دوسرے کبار صحابہ سے روایتیں کی ہیں اور ان سے ان کے لڑکے ابوسفیان اور عبداللہ بن بریدہ نے روایت کی ہے۔

جرات و بے باکی : حویطب نہایت جری و بے باک تھے واقعات کا ظہار میں بڑے سے بڑے شخص کی پروا نہ کرتے تھے امیر معاویہ کے زمانہ میں مروان مدینہ کا گورنر تھا بلوس کی تند خوئی مشہور ہے ایک مرتبہ حویطب اوس کے پاس گئے ماس نے طنز اچھوچھا بڑے میاں تم نے اسلام قبول کرنے میں کیوں اتنی تاخیر کی ماس شرف میں نوجوان تم سے بازی لے گئے انہوں نے جواب دیا میں نے بارہا راہ کیا لیکن تمہارے باپ (ابوالحکم بن امیہ) نے ہر مرتبہ مجھ کو غیرت دلا کر روکا یہ سچا جواب سن کر مروان چپ ہو گیا اور بہت نامدہوا لیکن حویطب نے اسی جواب پر بس نہیں کیا بلکہ کہا تم کو بتاؤں تمہارے باپ نے عثمان پر اسلام کے جرم میں کیا کیا سختیاں کیں ماس اظہار حقیقت پر مروان اور زیادہ شرمسار اور رنجیدہ ہوا۔

(۳۶) حضرت خارجہؓ بن حذافہؓ سہمی

نام و نسب : خارجہ نام، باپ کا نام حذافہ تھا۔ نسب نامہ یہ ہے، خارجہ بن حذافہ بن غانم بن عامر ابن عبداللہ بن عتوج بن عدی بن کعب بن لوی قرشی عدوی، خارجہ زمانہء جاہلیت کے مشہور شہسواروں میں تھے، اور تنہا ہزار پر بھاری تھے۔

۱۔ احتیاج۔ جلد اول۔ ص ۱۳۸ ۲۔ اسد الغابہ۔ جلد ۲۔ ص ۷۵ ۳۔ ایضاً ۴۔ تہذیب المعجم۔ جلد ۳۔ ص ۶۶
۵۔ مستدرک حاکم۔ جلد ۳۔ ص ۳۹۲ ۶۔ اسد الغابہ۔ جلد ۲۔ ص ۷۹

اسلام : فتح مکہ میں مشرف باسلام ہوئے۔

فتح مصر : عہد فاروقی میں جب مصر پر فوج کشی ہوئی اور اس کی تسخیر میں زیادہ عرصہ لگا تو عمرو بن العاص نے دار الخلافہ سے مزید امداد طلب کی، حضرت عمرؓ نے خارجہ، زبیر بن عوام اور مقداد بن اسود کو فوج دے کر روانہ کیا۔ ان میں سے ہر ایک ہزار پر بھاری تھا، ان لوگوں کے پہنچنے کے بعد نہایت آسانی کے ساتھ فتح ہو گیا، فتح کے بعد عمرو بن العاصؓ حذیفہ کو مصر کا حاکم بنا کر خود اسکندریہ کی طرف بڑھے۔ سکندریہ لینے کے بعد لوٹے تو حذیفہ کو مصر کے عہدہ قضا پر مامور کیا۔

شہادت : جنگ صفین وغیرہ کے بعد جب خارجیوں نے حضرت علیؓ کا میر معاویہ اور عمرو بن العاصؓ کا خاتمہ کرنا چاہا تو تین خارجیوں نے تینوں کے قتل کرنے کا بیڑا اٹھایا۔ عمرو بن العاصؓ کا قاتل مصر پہنچا اور پچھلے پہر مسجد میں چھپ کر بیٹھ گیا تاکہ جب عمرو بن العاصؓ نماز پڑھنے کے لئے نکلے تو ان کا کام تمام کر دے مگر اس دن عمرو بن العاصؓ کی طبیعت کچھ ناساز تھی، اس لئے ان کے بجائے حذافہ نماز پڑھانے کے لئے آئے قاتل کو اندھیرے میں شناخت نہ ہو سکی اور اس نے حذافہ کو عمرو بن العاصؓ سمجھ کر قتل کر دیا۔ یہ واقعہ رمضان ۴۰ھ کا ہے۔

فضل و کمال : فضل و کمال کے لیے مصر کے عہدہ قضا کی سند کافی ہے، عبد اللہ بن ابی مرہ اور عبد اللہ بن جبیر نے ان سے روایت کی ہے۔

(۳۷) حضرت خالد بن عرفطہ

نام و نسب : خالد نام، باپ کا عرفہ تھا۔ نسب نامہ یہ ہے، خالد بن عرفہ بن ابرہہ بن سنان بن صفی بن ہامکہ بن عبد اللہ بن عیلام بن اسلم بن حزاز بن کامل بن عذرہ، خالد بنی زہرہ بن کلاب کے حلیف تھے۔

اسلام : ان کے اسلام کا زمانہ متعین طور سے نہیں بتایا جاسکتا لیکن اس قدر معلوم ہے کہ قبول اسلام کے بعد صحبت نبوی ﷺ سے فیض یاب ہوئے، صحابہ النبی وروی عنہ۔

۱۔ اصحابہ۔ جلد ۲۔ ص ۸۴

۲۔ ا۔ د الخابہ۔ جلد ۲۔ ص ۷۹

۳۔ فتوح البلدان بلاذری۔ ص ۳۲

۴۔ تہذیب المستعرب

۵۔ ابن سعد۔ جلد ۳۔ ص ۱۳۸۔ ق اول

۶۔ ابن سعد۔ جلد ۲۔ ق اول۔ ص ۷۴

ایران کی فتوحات : ایران کی فوج کشی میں شریک تھے، قادیسیہ کی مشہور جنگ میں سعد بن ابی وقاص نے ان کو امیر بنایا تھا^۱۔ قادیسیہ کی کامیابی کے بعد خالد کو آگے بڑھنے کا حکم دیا، انہوں نے آگے بڑھ کر سعد کے آنے سے پہلے ساباط فتح کر لیا^۲۔

عہد معاویہ : ۱۳ھ میں جب حضرت حسن امیر معاویہ کے مقابلہ میں خلافت سے دستبردار ہو گئے اس وقت بہت سے لوگوں نے امیر معاویہ کی خلافت تسلیم نہیں کی، ان میں ایک ابن ابی حوساء تھے، چنانچہ امیر معاویہ جب کوفہ آئے تو ابن ابی حوساء ان کے مقابلہ کو نکلے، امیر معاویہ نے خالد کو ان کے مقابلہ پر مامور کیا، انہوں نے ابن ابی حوساء کو قتل کر کے ان کی بغاوت فرو کی^۳۔

وفات : کوفہ میں رہتے تھے۔ باختلاف روایت ۶۰ھ یا ۶۱ھ میں وفات پائی^۴۔

فضل و کمال : فضل و کمال کے لحاظ سے کوئی رتبہ نہ تھا تاہم ابو عثمان نہدی مسلم اور عبد اللہ ابن یسار وغیرہ نے ان سے روایتیں کی ہیں^۵۔

(۳۸) حضرت خریم بن مالک

نام و نسب : خریم نام، ابو یحییٰ کنیت، نسب نامہ یہ ہے : خریم بن فاتک بن اخرم بن عمرو بن فاتک ابن قلیب بن عمرو بن اسد بن خزیمہ اسدی۔

اسلام : خریم آنحضرت ﷺ کے مدینہ تشریف لے جانے کے بعد ہی مشرف باسلام ہوئے۔ ان کے اسلام کا دلچسپ واقعہ خود ان کی زبان سے سنو وہ بیان کرتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ اپنے اونٹوں کو لے کر نکلا ان پر عراق کی دہشت طاری ہو گئی میں نے ان کے چھند ان ڈال دیا اور ایک کے بازو سے نیک لگا کر بیٹھ گیا۔ یہ آنحضرت ﷺ کے آغاز ظہور (مدینہ میں) کا واقعہ ہے پھر میں نے کہا اس وادی کے آسب سے پناہ مانگتا ہوں۔ زمانہ جاہلیت میں ایسے مواقع پر ایسا ہی کہا کرتے تھے اتنے میں ایک آواز نے مجھے آنحضرت ﷺ کے ظہور اور آپ ﷺ کی تعلیمات کی اطلاع دی۔ میں نے یہ آواز سن کر پوچھا خدا تم پر رحمت نازل فرمائے تم کون ہو؟ جواب ملا، مالک بن مالک مجھ کو رسول اللہ ﷺ نے نجد بھیجا تھا۔ میں نے کہا اگر میرے اونٹوں کی حفاظت کی کوئی ذمہ داری لے لیتا تو میں اس شخص (رسول اللہ ﷺ) کے پاس جا کر اس پر ایمان لاتا۔ مالک نے کہا میں ذمہ دار ہوں ان کو بحفاظت

۱۔ فتوح البلدان باذری۔ ص ۲۷۲ ۲۔ استیعاب۔ جلد اول۔ ص ۱۶۰

۳۔ السحاب۔ جلد ۲۔ ص ۹۶ ۴۔ تہذیب التہذیب۔ جلد ۳۔ ص ۱۰۶

تمہارے گھر پہنچا دوں گا۔ چنانچہ میں نے ان میں سے ایک اونٹ کھولا اور مدینہ آیا اور ایسے وقت مدینہ پہنچا جب لوگ نماز جمعہ میں مشغول تھے۔ میں نے خیال کیا کہ لوگ نہانے سے فارغ ہو جائیں تب میں مسجد میں جاؤں یہ خیال کر کے اپنا اونٹ باندھنے جا رہا تھا کہ ابو ذر آئے اور کہا کہ تم کو رسول اللہ ﷺ بلاتے ہیں میں مسجد میں داخل ہوا مجھ کو دیکھتے ہی رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم کو معلوم ہے اس شیخ نے جس نے تمہارے اونٹوں کو تمہارے گھر پہنچانے کی ذمہ داری لی تھی، کیا کیا؟ اوس نے بحفاظت اونٹوں کو پہنچا دیا میں نے کہا خدا اس پر رحمت نازل فرمائے آپ ﷺ نے فرمایا ہاں ان پر خدا رحمت نازل فرمائے۔ اس کے بعد خرم کلمہ شہادت پڑھ کر مسلمان ہو گئے۔^۱

غزوات : غزوات میں بدر و احد کی شرکت کا پتہ چلتا ہے۔^۲

فتوحاتِ شام میں شرکت : حضرت عمرؓ کے زمانہ میں شام کی فتوحات میں شریک ہوئے۔^۳
وفات : کوفہ آباد ہونے کے بعد یہاں رہنے لگے۔ پھر شام منتقل ہو گئے اور یہیں امیر معاویہؓ کے زمانہ میں وفات پائی۔^۴

خریم نہایت لطیف مزاج اور نفاست پسند تھے لباس اور وضع قطع میں خوب صورتی اور نفاست کا بہت لحاظ رکھتے تھے۔ اسلام سے پہلے نچا ازار پہنتے تھے اور لمبے لمبے گیسو دوش پر لہرایا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : خرم کیا اچھے آدمی تھے اگر اتنی کا کلین نہ رکھتے اور اتنا نچا ازار نہیں پہنتے۔ یہ ارشاد خرم کے کانوں تک پہنچا تو خمدار اور لمبے گیسو کٹ کر صاف ہو گئے اور نچا ازار نصف سا تک آگیا۔^۵

(۳۹) حضرت خفاف بن ایما

نام و نسب : خفاف نام، باپ کا نام ایما تھا۔ نسب نامہ یہ ہے : خفاف بن ایما بن رطلہ بن حربہ بن خفاف بن حارثہ بن غفار غفاری۔ ان کے والد ایما بنی غفار کے سرداروں میں تھے۔

اسلام : خفا کے گھر میں بہت ابتدا میں اسلام کی روشنی پھیلی۔ چنانچہ ہجرت سے بہت پہلے حضرت ابو ذر غفاریؓ کی دعوت پر خفاف اور ان کے والد ایما مشرف باسلام ہوئے اور وہ غفار کے مسلمانوں کی امامت کرتے تھے۔^۶ مشہور دشمن اسلام ابوسفیان کو خفاف کے اسلام کی خبر ہوئی

۱۔ مستدرک حاکم۔ جلد ۳۔ ص ۶۲۱ ۲۔ اصابہ۔ جلد ۲۔ ص ۱۰۹ ۳۔ اصابہ۔ جلد ۲۔ ص ۱۰۹
 ۴۔ ایضاً ۵۔ ابوداؤد کتاب اللباس باب ما جاء فی اسیل الاثر ۶۔ مستدرک حاکم۔ جلد ۳۔ ص ۵۹۲

تو بولارات بنی کنانہ کا سردار بے دین ہو گیا^۱۔

خفاف اور ان کے والد ایماء مقام عقیقہ میں رہتے تھے اور قربت کی وجہ سے بکثرت مدینہ آیا جایا کرتے تھے اس لئے خفاف کا شمار مدنی صحابہ میں ہے^۲۔

۶ھ میں جب آنحضرت ﷺ عمرۃ القضا کے لئے نکلے اور مقام ابواء میں قیام فرمایا تو ایماء نے خفاف کے ہاتھ سو بکریاں اور دو بار شتر دو دھنڈر بھیجا۔ آپ ﷺ نے شکریہ کے ساتھ قبول فرمایا اور برکت کی دعا دی^۳۔

بیعت رضوان : اس کے بعد اس سلسلہ کے تمام واقعات میں ساتھ رہے۔ اور بیعت رضوان کے شرف سے مشرف ہوئے^۴۔

غزوات : کسی متعین غزوہ میں ان کی شرکت کی تصریح نہیں ملتی لیکن اس شرف سے محروم نہ رہے تھے۔ حضرت عمرؓ نے ایک موقع پر خفاف کی لڑکی کی طرف اشارہ کر کے فرمایا تھا کہ اس عورت کے بھائی اور باپ نے ایک قلعہ کا محاصرہ کیا تھا اور مدت کے بعد اس کو فتح کیا^۵۔

وفات : حضرت عمرؓ کے زمانہ میں وفات پائی^۶۔

اولاد : موت کے بعد ایک لڑکا اور ایک لڑکی یادگار چھوڑی۔ حضرت عمرؓ خفاف کے خدمات اسلام کی وجہ سے ان کی اولاد کو بہت مانتے تھے۔ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں خفاف کے داماد کا بھی انتقال ہو گیا اور ان کی لڑکی سخت مصیبت میں مبتلا ہو گئی ایک دن حضرت عمرؓ بازار جا رہے تھے راستہ میں ایک جوان عورت نے ان سے کہا امیر المؤمنین! میرا شوہر مر گیا ہے اور چھوٹے چھوٹے بچے ہیں کھیتی اور مویشی کوئی ذریعہ معاش نہیں ہے مجھ کو ڈر ہے کہ قحط ان بچوں کو ختم کر دیگا۔ میں خفاف بن ایماء کی لڑکی ہوں میرے باپ حدیبیہ میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے حضرت عمرؓ اس کی داستان غم سن کر ٹھہر گئے اور مرحبا بنسب کہہ کر اس کی دلہن کی۔ اس کے بعد گھر لیجا کر ایک مضبوط اونٹ لیا اور اس پردہ گونہ بھر کے کپڑا اور سامان خورد و نوش بار کر کے اونٹ کی مہار اس عورت کے ہاتھ میں دی اور فرمایا اس کو لے جاؤ جب تک خدا فارغ البالی نہ عطا کرے گا اس وقت تک یہ ذخیرہ چلے گا۔ ایک شخص نے اعتراض کیا کہ امیر المؤمنین! آپ نے ایک عورت کو اتنا دے دیا؟ فرمایا نکلت امک کیا تجھ کو معلوم نہیں کہ اس کے بھائی اور باپ نے ایک قلعہ کا محاصرہ کیا تھا اور ایک مدت کے بعد اس کو فتح کیا^۷۔

۱۔ اسد الغابہ۔ جلد ۲۔ ص ۱۱۸ ۲۔ ایضاً ۳۔ فتح الباری ۴۔ اسد الغابہ۔ ص ۱۸۱

۵۔ بخاری کتاب المغازی باب غزوہ حدیبیہ ۶۔ اصحابہ۔ جلد ۲۔ ص ۱۳۸ ۷۔ بخاری کتاب المغازی باب غزوہ حدیبیہ

فضل وکمال : فضل وکمال کے لئے یہ سند کافی ہے کہ اپنے قبیلے کے خطیب اور امام تھے۔ ان سے پانچ حدیثیں بھی مروی ہیں ان میں سے ایک مسلم میں ہے۔

(۴۰) حضرت ذویبؓ بن حلقہ

نام و نسب : ذویب نام، باپ کا نام حلقہ تھا۔ نسب نامہ یہ ہے : ذویب بن حلقہ بن عمرو بن کلیب بن احرم بن عبد اللہ بن قمر بن جیشہ بن سلول بن کعب بن عمرو بن ربیعہ بن حارثہ بن عمرو بن عامر خزاعی کعبی ذویب قدید میں رہتے تھے لیکن مدینہ میں بھی ایک گھر تھا۔

اسلام و غزوات : فتح مکہ سے پہلے مشرف باسلام ہوئے۔ فتح مکہ میں آنحضرت ﷺ کے ہمراہ تھے۔ آنحضرت ﷺ کے قربانی کے جانوروں کو مکہ کے جانے کی خدمت ان ہی کے سپرد تھی اور یہ ہدایت تھی کہ اگر کوئی جانور راستہ میں تھک کر بیٹھ جائے اور آگے جانے کے قابل نہ رہے تو اسے ذبح کر کے لوگوں کے لئے چھوڑ دیں۔ اس خدمت کی وجہ سے وہ ”صاحب بدن رسول اللہ ﷺ“ یعنی رسول اللہ ﷺ کی قربانی کے جانور والے کہے جاتے تھے۔

وفات : امیر معاویہ کے آخری یازید کے ابتدائی عہد حکومت میں وفات پائی۔

(۴۱) حضرت ربیعہ بن کعبؓ سلمیٰ

نام و نسب : ربیعہ نام، ابوہر اس کنیت نسب نامہ یہ ہے : ربیعہ بن کعب بن مالک بن العیر سلمیٰ۔

اسلام : ربیعہ آنحضرت ﷺ کے مدینہ تشریف لانے کے بعد مشرف باسلام ہوئے۔ مقلس و نادار تھے اس لئے اصحاب صفہ کے مقدس زمرہ میں شامل ہو گئے گو یہ مدینہ کے باشندہ نہ تھے لیکن یہاں مستقل گھر بنالیا تھا اور ان کا شمار اہل مدینہ میں ہونے لگا تھا۔

خدمت نبوی ﷺ : بیوی بچوں کی فکر سے بالکل آزاد تھے۔ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے پوچھا شادی نہ کرو گے؟ عرض کی شادی کا مطلق ارادہ نہیں ہے۔ اس آزادی کی وجہ سے انہیں خدمت نبوی ﷺ کی سعادت کا بہت موقع ملتا تھا چنانچہ ہر وقت آستان نبوی ﷺ پر پڑے رہتے تھے۔ حضور ﷺ کے لئے

۱۔ استیعاب۔ جلد اول۔ ص ۱۶۸
 ۲۔ تہذیب الکمال۔ ۱۰۸
 ۳۔ اسد الغابہ۔ جلد ۲۔ ص ۱۳۷
 ۴۔ ایضاً ابن سعد۔ جلد ۳۔ ص ۵۱۔ ق ۲
 ۵۔ استیعاب۔ جلد اول۔ ص ۱۳۷
 ۶۔ اسد الغابہ۔ جلد ۳۔ ص ۱۷۰
 ۷۔ مستدرک حاکم۔ جلد ۳۔ ص ۵۲۱

وضو کا پانی رکھنا مخصوص خدمت تھی۔ غزوات میں ہمرکاب رہتے تھے^۱۔

عطیہ رسول ﷺ : ان کی تنگ دستی کی وجہ سے رسول اللہ نے وجہ معاش کے لئے تھوڑی سی زمین عطا فرمائی تھی اس کے پاس کچھ کھجور کے درخت تھے ان کے بارے میں ایک مرتبہ ان میں اور حضرت ابو بکر صدیقؓ میں کچھ اختلاف ہو گیا ربیعہ کے تمام اہل قبیلہ جمع ہو گئے مگر انہوں نے ان کو روکا اور سمجھایا کہ کسی کی زبان سے کوئی ایسی بات نہ نکلے پائے جس سے صدیقؓ کو صدمہ پہنچے اور ان کی ناراضی خدا اور رسول کی ناراضی کا موجب ہو۔ آخر میں رسول اللہ ﷺ نے ربیعہ کے موافق فیصلہ فرمایا^۲۔

نقل مکان : آقا کی زندگی بھر مدینہ میں رہے، آپ کی وفات کے بعد برداشتہ خاطر ہو کر اپنے قبیلہ میں چلے گئے^۳۔

وفات : ایام حرہ کے بعد ۳۶ھ میں وفات پائی^۴۔

(۴۲) حضرت رفاعہ بن زیدؓ

نام و نسب : رفاعہ نام، باپ کا نام زید تھا، نسباً قبیلہ جذام سے تعلق رکھتے تھے۔
اسلام : خیبر سے کچھ دنوں پہلے صلح حدیبیہ کے موقع پر اپنے قبیلہ کے چند آدمیوں کے ساتھ مدینہ آ کر مشرف باسلام ہوئے، اور آنحضرت ﷺ کی خدمت میں ایک غلام مدغم پیش کیا، خیبر کے موقع پر شہید ہوئے^۵۔

وطن کی واپسی اور تبلیغ اسلام : قبول اسلام کے بعد کچھ دنوں تک قرآن کی تعلیم حاصل کرتے رہے^۱۔ حصول تعلیم کے بعد آنحضرت ﷺ نے ایک نامہ مبارک دے کر انہیں ان کے قبیلہ میں تبلیغ کے لئے بھیجا نامہ مبارک کا مضمون یہ تھا،

”بسم اللہ الرحمن الرحیم، یہ خط محمد رسول اللہ (ﷺ) کی جانب سے رفاعہ بن زید کو دیا جاتا ہے میں ان کو ان کے قبیلہ میں اور جو اس میں داخل ہوں ان کی طرف بھیجتا ہوں تاکہ وہ انہیں خدا اور رسول کی طرف بلائیں جو پیش قدمی کرے گا، وہ حزب اللہ کا ایک فرد ہوگا، اور جو لوگ پیچھے ہٹیں گے ان کے لئے دو مہینہ کی مہلت ہے۔“ رفاعہ یہ خط لے کر وطن پہنچے اور چند دنوں میں ان کی کوششوں سے ان کا پورا قبیلہ مشرف باسلام ہو گیا^۲۔

۱ ابن سعد۔ جلد ۲۔ ص ۴۴۔ ق ۲۔ ۲ ایضاً۔ ۳ مستدرک حاکم۔ جلد ۳۔ ص ۵۲۱۔ ۴ ایضاً۔

۵ اسد الغابہ۔ جلد ۲۔ ص ۱۸۱۔ ۶ ابن سعد۔ جلد ۲۔ ص ۱۴۸۔ ق ۷۔ ۷ اسد الغابہ۔ جلد ۲۔ ص ۱۸۱۔

ابھی ان کا قبیلہ مسلمان ہوا تھا کہ دوسری طرف سے زید بن حارثہ نے جو دوسری مہم پر بھیجے گئے تھے پہنچ کر اس پر غلطی سے حملہ کر دیا، کچھ لوگ قتل ہوئے اور کچھ گرفتار، رفاعہ اپنے قبیلہ کے وفد کے ساتھ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں فریاد لے کر آئے اور وہ خط پیش کیا، آپ نے فرمایا جو ہونا تھا ہو چکا، اب مقتولین کے بارے میں کیا کیا جائے، اس وفد کے ایک رکن ابو زید نے کہا قیدیوں کو رہائی کا حکم صادر فرمایا جائے، باقی جو لوگ قتل ہوئے، ان کا خون معاف کرتے ہیں اس پر آنحضرت ﷺ نے فرمایا ابو زید کی رائے صائب ہے، اور حضرت علیؓ کو زید بن حارثہ کے پاس بھیجا کہ وہ سب قیدیوں کو رہا کر دیں، چنانچہ تمام قیدی رہا کر دیئے گئے اور جس قدر مال لوٹا گیا تھا، سب واپس کر دیا گیا۔^۱

(۴۳) حضرت زاہر بن حرام

نام و نسب : زاہر نام، باپ کا نام حرام تھا، قبیلہ بنی النجج سے نسب تعلق تھا۔
اسلام و غزوات : ہجرت کے ابتدائی زمانہ میں مشرف باسلام ہوئے قبول اسلام کے بعد بدر عظمیٰ میں شرکت کا شرف حاصل کیا۔
آنحضرت ﷺ سے صحبت و رسم و ارہ :

زاہر اور رسول اکرم ﷺ میں خاص رسم و ارہ تھی، یہ مدینہ کے قریب بادیہ میں رہتے تھے، جب مدینہ آتے تو آنحضرت ﷺ کے لئے کوئی نہ کوئی دیہاتی تحفہ ساتھ لاتے تھے۔ آپ فرماتے تھے کہ ہر شہری کا کوئی نہ کوئی دیہاتی ہوتا ہے آل محمد ﷺ کے دیہاتی زاہر ہیں۔ جب زاہر مدینہ سے گھر واپس جانے لگتے تو آنحضرت ﷺ بھی کچھ نہ کچھ ساتھ کرتے تھے۔^۲

آپ کو حضرت ذہیرؓ کے ساتھ خاص انس و محبت تھی، کلان بنی سعدؓ سبب، کبھی کبھی ان سے مزاج بھی فرمایا کرتے تھے ملک مرتبہ زاہر بازار میں کچھ بیچ رہے تھے، آنحضرت ﷺ لاہر سے گذرے تو زاہر کی پشت سے آکر دونوں ہاتھوں سے ان کی آنکھیں بند کر کے فرمایا اس غلام کو کون خریدتا ہے، زاہر نے پہچان کر عرض کیا یا رسول اللہ ! اس تجارت میں آپ مجھ کو کھونا مل پائیں گے، فرمایا نہیں خدا کے نزدیک تم سودمند ہو۔
حلیہ : زاہر کو حسن ظاہری سے کوئی حصہ نہ ملا تھا، بہت کم رو اور حقیر صورت تھے لیکن اس روئے زیبا کے لئے ظاہری خط و خال اور آب و رنگ کی کیا ضرورت تھی، جو رسول اللہ ﷺ کو محبوب تھا۔^۳

۱۔ ابن سعد۔ جلد ۷۔ ص ۱۳۸۔ ق ۲۔ ۲۔ اسد الغابہ۔ جلد ۲۔ ص ۱۹۳۔ ۳۔ استیعاب۔ جلد اول۔ صفحہ ۳۰۴۔

۴۔ اسد الغابہ۔ جلد ۳۔ ص ۱۵۳۔ ۵۔ استیعاب۔ جلد اول۔ ص ۲۰۴۔ ۶۔ اسبابہ۔ جلد ۲۔ ص ۲۔

(۴۴) حضرت زبرقان بن بدر

نام و نسب : حسین نام، ابو عیاش کنیت، زبرقان لقب، نسب نامہ یہ ہے، زبرقان بن بدر ابن امرؤ القیش بن خلف بن بہدلہ بن عوف بن کعب بن زید مناة بن تمیم تمیمی سعدی زبرقان تمیم کے شاہی خاندان کے رکن اور اپنے قبیلہ کے سردار تھے، اسلام کے بعد بھی ان کا یہ اعزاز اور مرتبہ برقرار رہا۔

اسلام : ۹ھ میں وفد تمیم کے ساتھ مدینہ آ گئے، وفد کے تمام ارکان شاہی خاندان سے تعلق رکھتے تھے، اس لئے مدینہ بھی جاہلی ٹھاٹھ کے ساتھ تعلیٰ اور فحاری کے لئے آتش بیان خطیب اور سحر بیان شعراء ساتھ تھے، آستان نبوی پر پہنچ کر رسول اللہ ﷺ سے اجازت مانگی، محمد جتناک نفاخو ک فاذن لشاعرنا محمد، ہم تم سے مفاخرہ کے لئے آئے ہیں، ہمارے شاعروں کو اجازت دو، آپ سے اجازت لے کر مجلس مفاخرہ منعقد کی، اور بنی تمیم کے شعراء اور خطباء نے ان کی عالیٰ نہی بادشاہی اور اثر و اقتدار کے ترانے گائے زبرقان بن بدر نے بھی ایک پر زور قصیدہ جو تمام تر نخوت، تعلیٰ، فحاری اور خود ستائی پر مشتمل تھا، سنایا طوطی اسلام حضرت حسان ابن ثابت نے اس کا جواب دیا، ان کی فصاحت و بلاغت اور شاعرانہ عظمت کو دیکھ کر ارکان وفد دنگ رہ گئے، اور اقراع بن حابس کی تحریک سے سب نے سلام قبول کر لیا، اقراع بن حابس کے حالات میں اس مجلس مفاخرہ کے تفصیلی حالات لکھے جا چکے ہیں^۱۔

امارت بنی سعد اور فتنہ ردہ : قبول اسلام کے بعد آنحضرت ﷺ نے زبرقان کو بنی سعد کا امیر مقرر فرمایا، آپ کی وفات کے وقت وہ اس عہدہ پر تھے^۲۔ حضرت ابو بکر کی مسند نشینی کے بعد جب ارتداد کا فتنہ اٹھا اور بنی تمیم کی بہت سی شاخیں مرتد ہو گئیں اور زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا اس وقت زبرقان نے اپنی کوششوں سے اپنے قبیلہ بنی سعد کو اس وبا سے بچائے رکھا، اور حسب دستور زکوٰۃ وصول کر کے حضرت ابو بکرؓ کی خدمت میں بھیجی^۳۔ حضرت ابو بکرؓ نے اس خدمت کے صلہ میں انہیں ان کے عہدہ پر برقرار رکھا^۴۔

عہد فاروقی : حضرت عمرؓ کے زمانہ میں بھی زبرقان اپنی مفوضہ خدمت انجام دیتے رہے ایک مرتبہ زکوٰۃ کی رقم لئے ہوئے مدینہ آ رہے تھے، راستہ میں مشہور شاعر حطیہ سے ملاقات ہوئی یہ وہ زمانہ تھا کہ عراق فتح ہو چکا تھا اور عرب بھی دنیاوی تکلفات سے آشنا ہو چلے تھے، اور یہاں کے جوش باش

۱۔ سیرۃ ابن ہشام نے نہایت تفصیل سے اس مفاخرہ کو لکھا ہے ہم نے صرف بقدر ضرورت نقل کیا ہے۔ جلد ۲۔ ص ۲۵۵
۲۔ ابن سعد۔ جلد ۷۔ ص ۲۴۔ ق اول۔ ۳۔ اسد الغابہ۔ جلد اول۔ ص ۱۹۴۔ ۴۔ ایضاً۔

عیش پرست عرب کے خشک اور بنجر علاقہ میں تبدیل آب و ہوا اور عیش پرستی کے لئے عراق پہنچتے تھے، خطیبہ بھی اس مقصد سے عراق جا رہا تھا، زبرقان عہد رسالت کی سادگی کی جگہ اس قسم کے تعیش کو ناپسند کرتے تھے، چنانچہ انہوں نے خطیبہ کو اس راہ سے روک کر اپنے گھر واپس کر دیا، اور کہا کہ وہ ان کی واپسی تک ان کا مہمان رہے، خطیبہ اس وقت تو لوٹ گیا لیکن زبرقان نے اس کے شاعرانہ جذبات کو ٹھیس لگائی تھی، اس لئے زبرقان کی ایک بھوکہ ڈالی، انہوں نے حضرت عمرؓ سے اس کی شکایت کی، آپ نے استاذ بن حضرت حسان بن ثابت سے رائے طلب کی خطیبہ کے اشعار بھوکے میں آتے ہیں یا نہیں، انہوں نے فیصلہ کیا کہ بھوکہ ثابت جرم کے بعد حضرت عمرؓ نے خطیبہ کو قید کر دیا لیکن پھر کچھ دنوں کے بعد حضرت عبدالرحمن بن عوف اور زبیر بن عوامؓ کی سفارش پر آئندہ کے لئے توبہ کرا کے رہا کر دیا۔^۱

اظہار حق میں جرأت : زبرقان اظہار حق میں بڑے جری اور بے باک تھے حق پر ٹوکنے میں کسی کی پرواہ نہ کرتے تھے، زیاد کا جو رستم مشہور ہے، اس کے پاس جا کر کہا کہ خلق خدا تمہارے جو رستم پر خندہ زن ہے۔^۲

وفات : ان کی وفات کا صحیح زمانہ متعین نہیں کیا جاسکتا، امیر معاویہ کے عہد تک ان کی زندگی کا پتہ چلتا ہے۔

حلیہ : باپ کا نام بدر تھا، زبرقان اسی بدر کے لڑکے تھے اور اپنے غیر معمولی حسن و جمال کی وجہ سے ”ماہ نجد“ کہے جاتے تھے، مکہ جاتے تھے تو فتنہ کے خیال سے چہرہ پر ڈھاننا باندھ لیتے تھے تاکہ صورت پر کسی کی نظر نہ پڑنے پائے۔^۳

(۳۵) حضرت زید بن خالد جہنی

نام و نسب : زید نام ابو عبدالرحمن کنیت، باپ کا نام خالد تھا، قبیلہ جہنیہ سے نسبی تعلق تھا، اسلام : حدیبیہ سے پہلے مشرف باسلام ہوئے اور مدینہ ہی میں مستقل بود و باش اختیار کر لی۔^۴
غزوات : سب سے اول غزوہ حدیبیہ میں شریک ہوئے، فتح مکہ میں اپنے قبیلہ کے ساتھ فتح مکہ میں اور مسلمان قبائل کی طرح ان کا قبیلہ بھی پرچم لہراتا ہوا داخل ہوا تھا۔^۵

۱۔ استیعاب۔ جلد اول۔ ص ۳۱۱۔

۲۔ اصباہ۔ جلد ۲۔ ص ۴۳۔

۳۔ اصباہ۔ جلد ۳۔ ص ۲۶۔

۴۔ ایضاً۔ ص ۲۲۸۔

وفات : زید کا سنہ وفات اور جائے وفات دونوں میں سخت اختلاف ہے، لیکن بروایت صحیح ۸۷ھ میں دیار محبوب میں وفات پائی وفات کے وقت پچاسی ۸۵ برس کی عمر تھی۔

(۳۵) حضرت زید بن مہلہل

نام و نسب : زید نام، خیر لقب، نسب نامہ یہ ہے۔ زید بن مہلہل بن زید بن مہنب بن عبد رضا بن ثعلس ابن ثوب بن کنانہ بن مالک بن ناکل بن بنیان بن عمرو بن غوث الطائی۔

اسلام : ۹ھ میں طے کے وفد کے ساتھ مدینہ آئے اور خدمت نبوی ﷺ میں حاضر ہو کر عرض کی یا رسول اللہ ﷺ میں نودن کی دشوار گزار مسافت سے آیا ہوں اس سفر میں میری سواری تھک گئی میری راتیں آنکھوں میں کٹیں میرے دن تشنہ لبی میں بسر ہوئے اور یہ ساری مشقت صرف دو باتیں پوچھنے کے لیے اٹھائی ہے، رسول اللہ ﷺ نے پوچھا تمہارا نام کیا ہے عرض کی زید الخیل، فرمایا نہیں تم زید الخیر ہو، پوچھا کیا پوچھنا چاہتے ہو، عرض کی جو شخص خدا کو چاہتا ہے اور جو نہیں چاہتا ہے دونوں میں کیا علامت ہوتی ہے؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم کیسے زندگی بسر کرتے تھے، عرض کی خیر اور عمل خیر کو دوست رکھتا تھا اگر میں اس پر عمل کرتا تھا تو اس کا ثواب ملتا تھا اور جب یہ عمل چھوٹ جاتا تھا تو رنجیدہ ہوتا تھا، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو خدا کو چاہتا ہے، اور جو نہیں چاہتا اس کی یہی علامت ہے اگر خدا اس کے خلاف تمہارے لئے کچھ چاہتا تم کو اس کے لیے تیار کرتا اور پھر اس کو اس کی پرواہ نہ ہوتی کہ تم کس وادی میں ہلاک ہو گے۔

وفات : مشرف باسلام ہونے کے بعد وطن لوٹے، راستہ میں بخارا آیا اور گھر پہنچ کر واصل حق ہوئے۔ اس طرح سے بالکل پاک و صاف اٹھے، اور اسلام کے بعد دنیا میں آلودہ ہونے کا موقع ہی نہ ملا بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں وفات پائی۔

وفات کے بعد دولہ کے ملحق اور حریت یادگار چھوڑے، یہ دونوں خالد بن ولید کے ساتھ

فتنہ ردہ کو فرو کرنے میں شریک تھے۔

فضل و کمال : زید کا نہ ہی علوم میں کوئی پایہ نہ تھا لیکن اس عہد کے مرجعہ علوم میں وہ کمال رکھتے تھے، صاحب اسد الغابہ لکھتے ہیں کہ زید خوش گوشا اور زبان آور خطیب تھے۔

۱ ابن سعد۔ جلد ۳۔ ص ۶۶۔ ق ۴ ۲ اسد الغابہ۔ جلد ۲۔ ص ۲۳۴ ۳ استیعاب۔ جلد اول۔ ص ۱۹۹

۴ استیعاب۔ جلد اول۔ ص ۱۹۹ ۵ اسد الغابہ۔ جلد ۲۔ ص ۲۳۱

(۴۷) حضرت سراقہ بن مالک

نام و نسب : سراقہ نام، ابوسفیان کنیت، نسب نامہ یہ ہے : سراقہ بن مالک بن جعشم بن مالک بن عمرو بن تیم بن مدح بن ابن مرہ بن عبدمناتہ بن علی بن کسانہ مدحی کنانی۔

قبل از اسلام : ہجرت میں مدینہ سے نکلنے کے بعد رسول اللہ ﷺ کا تعاقب انہیں نے کیا تھا۔ شب ہجرت میں جب آنحضرت ﷺ مشرکین کو غافل پا کر مدینہ سے نکل گئے اور مشرکین کو اپنے مقصد میں ناکامی ہوئی تو انہوں نے اعلان کیا کہ جو شخص محمد اور ابو بکرؓ کو قتل کر دے گا یا انہیں زندہ پکڑ کر لائے گا اس کو اگر انقدر انعام دیا جائیگا، سراقہ اپنے قبیلہ بنی مدح کی مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک شخص نے آکر ان سے کہا کہ میں نے ابھی ساحل کی طرف کچھ سیاحی دیکھی ہے میرا خیال ہے کہ وہ محمد (ﷺ) اور ان کے ساتھی تھے، سراقہ کو یقین ہو گیا لیکن انعام کی طمع میں انہوں نے تردید کی کہ نہیں وہ لوگ نہیں ہیں، تم نے فلاں فلاں شخص کو دیکھا ہوگا جو ابھی ہمارے سامنے گئے ہیں تھوڑی دیر کے بعد سراقہ اٹھ کر گھر گئے اور لونڈی سے کہا کہ وہ گھوڑا تیار کر کے نہیں آ کے ایک مقام پر دے۔ اور نیزہ سنبھال کر چپکے سے گھر کی پشت سے نکلے اور لونڈی سے گھوڑا لیا اور لوگوں کی نظر بچا کر نکل گئے اور گھوڑا دوڑاتے ہوئے آنحضرت ﷺ کے پاس پہنچ گئے جیسے ہی قریب پہنچے گھوڑے نے ٹھوکر لی اور یہ نیچے گر گئے اور اسے انہوں نے بدشگونی پر محمول کیا۔ استخارہ کے تیر ساتھ تھے فوراً انہوں نے ترکش سے نکال کر استخارہ دیکھا کہ وہ رسول اللہ ﷺ کو گزند پہنچا سکتے ہیں یا نہیں۔ استخارہ خلاف نکلا لیکن انعام کی طمع میں انہوں نے استخارہ کی پروا نہ کی اور گھوڑے پر سوار ہو کر پھر آگے بڑھے اب اتنے قریب پہنچ گئے تھے کہ رسول اللہ ﷺ کی تلاوت کی آواز انہیں سنائی دینے لگی، رسول اللہ ﷺ ہمہ تن تلاوت میں مصروف تھے لیکن ابو بکرؓ بار بار مڑ کر دیکھتے جاتے تھے اتنے میں سراقہ کے گھوڑے کے اگلے پاؤں گھٹنوں تک زمین میں دھنس گئے اور وہ گر پڑے پھر گھوڑے کو ڈانٹ کر اٹھایا جب اس نے اپنے پاؤں زمین سے نکالے تو بڑا غبار بلند ہوا اس دوسری بدشگونی پر انہوں نے پھر تیروں سے استخارہ کیا اس مرتبہ بھی مخالف جواب ملا۔ اب انہیں اپنی ناکامی کا پورا یقین ہو گیا اور ان کے دل میں بیٹھ گیا کہ رسول اللہ ﷺ کو ضرور کامیابی ہوگی۔ چنانچہ انہوں نے آواز دے کر روکا آپ رک گئے اور سراقہ کے پاس جا کر کہا کہ آپ کی قوم نے آپ کی گرفتاری پر انعام مقرر کیا ہے اور ان کے ارادوں سے آپ کو خبردار کیا اور جو کچھ زاد راہ ساتھ تھا اسے آپ کے سامنے پیش کیا آپ نے اسے قبول نہیں فرمایا۔ البتہ یہ خواہش کی کہ وہ کسی کو آپ کی

اطلاع نہ دیں۔ اس کے بعد سراقہ نے درخواست کی کہ انہیں ایک امان نامہ مرحمت فرمایا جائے آپ نے عامر بن فہیرہ کو حکم دیا انہوں نے چمڑے کے ٹکڑے پر امان نامہ لکھ کر دیا اور سراقہ لوٹ گئے۔
انتظام : اس واقعہ کے آٹھ سال بعد جب مکہ فتح ہو چکا اور مشرکین کی قوتیں ٹوٹ چلیں اور حنین و طائف کی لڑائیاں ختم ہو گئیں اس وقت سراقہ رسول اللہ ﷺ سے جب کہ آپ ﷺ حنین اور طائف کے معرکوں سے واپس آرہے تھے راستہ میں مقام حمرانہ میں ملے اور رسول اللہ ﷺ کا عطا کیا ہوا امان نامہ پیش کر کے اپنا تعارف کرایا کہ یہ تحریر آپ نے مجھے دی تھی اور میں سراقہ بن جشم ہوں۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا آج ایفائے عہد اور نیکی کا دن ہے۔ سراقہ اسی وقت مشرف باسلام ہو گئے۔ ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ فتح مکہ میں اس شرف سے مشرف ہوئے لیکن پہلی روایت زیادہ مستند ہے۔
وفات نبوی ﷺ سے استفادہ :

سراقہ بہت آخر میں اسلام لائے۔ اس لئے انہیں صحبت نبوی ﷺ سے استفادہ کا بہت کم موقع ملا لیکن قبول اسلام کے بعد زیادہ تر مدینہ میں رہے اس لئے تلافی مافات کا کچھ نہ کچھ موقع مل گیا تھا اس موقع سے انہوں نے پورا فائدہ اٹھایا آنحضرت ﷺ خود انہیں تعلیم و تربیت دیا کرتے تھے ایک مرتبہ آپ ﷺ نے فرمایا، سراقہ میں تمہیں جنتیوں اور دوزخیوں کی پہچان بتاؤں؟ عرض کی ہاں، ارشاد فرمایا تند خواہرا کر چلنے والا، اور متکبر دوزخی ہے اور زبردست، ضعیف اور ناتواں جنتی ہے۔^۱

سراقہ خود بھی پوچھ پوچھ کر استفادہ کیا کرتے تھے آخری سوال انہوں نے آنحضرت ﷺ کے مرض الموت میں کیا پوچھایا رسول اللہ ﷺ (ﷺ) اگر کوئی بھٹکا ہوا اونٹ میرے اونٹ کے حوض پر آئے جسے میں نے خاص اپنے اونٹ کے لئے بھرا ہوا اور میں اس میں بھٹکے ہوئے اونٹ کو پانی پلا دوں تو کیا مجھ کو اس کا کوئی اجر ملے گا؟ فرمایا کیوں نہیں ہر جاندار کو پانی پلانے میں ثواب ہے۔^۲

حجۃ الوداع : حجۃ الوداع میں آنحضرت ﷺ کے ساتھ تھے۔ چنانچہ جب آنحضرت ﷺ مقام عسفان میں پہنچے تو سراقہ نے سوال کیا یا رسول اللہ ﷺ (ﷺ) ہم کو اس نومو لو کی طرح تعلیم دیجئے جو گویا ابھی ظہور میں آئی ہے۔ ہمارا یہ عمرہ اسی سال کے لئے ہے یا ہمیشہ کے لئے۔ فرمایا ہمیشہ کے لئے۔^۳

ایک پیشن گوئی کی تصدیق : آنحضرت ﷺ نے ایک مرتبہ ان سے فرمایا تھا کہ سراقہ اس وقت تمہارا کیا حال ہوگا جب تم کسریٰ کے نگن پہنو گے۔ چنانچہ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں جب مدائن

۱۔ بخاری۔ جلد اول۔ باب بنیان الکعبۃ، باب ہجرۃ النبی و اصحابہ الی المدینہ مطبعا

۲۔ اسد الغابہ۔ جلد ۲۔ ص ۲۶۵ ۳۔ مسند احمد بن حنبل۔ جلد ۲۔ ص ۱۷۵ ۴۔ ایضا

فتح ہوا اور کسریٰ کا خزانہ مسلمانوں کے قبضہ میں آیا اور کسریٰ کے ملبوسات حضرت عمرؓ کے سامنے پیش ہوئے تو آپ ﷺ نے سراقہ کو بلا کر کسریٰ کا تاج ان کے سر پر رکھا اور اس کے نگین پہنا کر اس کے چکا ان کی کمر میں باندھا۔^۱

وفات : حضرت عثمانؓ کے عہد خلافت میں ۱۳ھ میں وفات پائی۔^۲
فضل و کمال : گو سراقہ کو ذات نبوی ﷺ سے استفادہ کا بہت کم موقع ملا تاہم ان سے انیس حدیثیں مروی ہیں۔ جابر، ابن عمر، ابن مسیب، مجاہد اور محمد بن سراقہ نے ان سے روایت کی ہے۔^۳

شاعر بھی تھے چنانچہ آنحضرت ﷺ کے تعاقب میں جو واقعات پیش آئے ان کی داستان ابو جہل کو نظم میں سنائی تھی۔

(۴۸) حضرت سبرہؓ بن معبد

نام و نسب : سبرہ نام، ابوربیع یا ابوثریب کنیت، نسب نامہ یہ ہے : سبرہ بن معبد بن عوجہ بن حرمہ ابن عوجہ جہنی۔

اسلام و غزوات : ان کے زمانہ اسلام کی صحیح تعیین نہیں کی جاسکتی۔ بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ ۵ھ میں مشرف باسلام ہو چکے تھے چنانچہ غزوہ خندق میں شریک تھے اور فتح مکہ میں بھی ہرکاب تھے چنانچہ بیان کرتے ہیں کہ فتح مکہ کے سال جب ہم مکہ میں داخل ہوئے تو رسول اللہ ﷺ نے متعہ کی اجازت دے دی لیکن پھر مکہ سے نکلنے کے بعد اس کی ممانعت فرمادی، حجۃ الوداع میں ساتھ تھے چنانچہ اس کا ایک واقعہ بھی بیان کرتے ہیں۔^۴

وفات : ان کا مکان مدینہ میں جہینہ کے محلہ میں تھا آخر عمر میں ذی المرہ میں منتقل ہو گئے تھے اور یہیں امیر معاویہ کے عہد خلافت میں وفات پائی۔^۵ وفات کے بعد ایک لڑکار بیع یادگار چھوڑا۔
فضل و کمال : مدینہ میں گھر تھا اس لئے آنحضرت ﷺ کے اقوال سننے کا موقع ملتا تھا۔ حدیث کی کتابیں ان کی مرویات سے خالی نہیں ہیں۔ مسلم میں بھی ان کی ایک روایت موجود ہے۔^۶

۱۔ اصابہ۔ جلد ۳۔ ص ۶۹ ۲۔ ایضاً ۳۔ تہذیب الکمال۔ ص ۱۶۱
 ۴۔ اصابہ۔ جلد ۳۔ ص ۶۳ ۵۔ مسلم۔ جلد اول۔ ص ۳۶ ۶۔ مسند احمد بن حنبل۔ جلد ۲۔ ص ۴۵
 ۷۔ ابن سعد۔ جلد ۳۔ ص ۹۹۔ ق ۲

(۴۹) حضرت سعدؓ بن خولی

نام و نسب : سعد نام، باپ کا نام خولی تھا۔ نسب نامہ یہ ہے : سعد بن خولی بن سبرہ بن رہم بن مالک ابن عیسرہ بن عامر بن بکر بن عامر الاکبر بن عذرہ بن رفیدہ بن ثور بن کلب۔

حضرت سبرہ کسی طرح گرفتار ہو کر مشہور بدری صحابی حضرت حاطبؓ بن ابی بلتعہ کی غلامی میں آگئے تھے۔ حضرت حاطبؓ ان کے ساتھ نہایت شفقت اور مہربانی سے پیش آتے تھے۔

اسلام : ان کے زمانہ اسلام کی تصریح نہیں ملتی۔ اغلب یہ ہے کہ اپنے آقا حضرت حاطبؓ کے ساتھ آغاز دعوت اسلام میں مشرف باسلام ہوئے ہوں گے۔

غزوات و شہادت :

قبول اسلام کے بعد سب سے پہلے غزوہ بدر میں شریک ہو کر بدری ہونے کا شرف حاصل کیا اس کے بعد احد میں شریک ہوئے اور اسی میں شہادت پائی۔

اولاد : شہادت کے بعد ایک لڑکا عبد اللہ یادگار چھوڑا۔ حضرت عمرؓ نے باپ کے خدمات کے صلہ میں انصار کے ساتھ ان کا وظیفہ مقرر فرمایا۔

(۵۰) حضرت سعدؓ الاسود

نام و نسب : سعد نام تھا۔ بہت سیاہ اور کم رو تھے اس لئے ”اسود“ کہلاتے تھے لیکن نسبانی سہم کے ممتاز رکن تھے۔

اسلام : ان کے اسلام کا زمانہ متعین نہیں۔ اسلام کا عقد یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ کیا میری سیاہی اور بدصورتی مجھ کو جنت کے داخلہ سے روکے گی؟ فرمایا اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے میں روکے گی بشرطیکہ خدا سے ڈرو اور اس چیز پر جسے رسول اللہ ﷺ لائے ہیں ایمان آؤ۔ یہ خوشخبری سن کر انہوں نے کہا اشہد ان لا اله الا الله واشہد ان محمداً عبداً ورسولہ۔

کلمہ شہادت پڑھ کر پوچھا میرے کیا حقوق ہیں؟ فرمایا تمہارے وہی حقوق ہیں جو ہر مسلمانوں کے ہیں اور تم پر وہی فرائض ہیں جو ہر مسلمانوں پر ہیں اور تم ان کے بھائی ہو۔

شادی : ظاہری شکل و صورت سے محروم تھے اس لئے کوئی شخص ان کے ساتھ عقد مناکحت پر تیار نہ ہوتا تھا قبول اسلام کے بعد رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا جو لوگ یہاں موجود ہیں اور جو نہیں ہیں میں نے

سب کو شادی کا پیام دیا لیکن میری سیاہی اور بد روئی کی وجہ سے کوئی اس رشتہ پر آمادہ نہیں ہوتا۔ گو سعد ظاہر آب و رشتہ سے محروم تھے لیکن دل نور ایمان سے منور ہو چکا تھا اس کے بعد ظاہری حسن و جمال کی ضرورت نہ تھی اس لئے ان کی درخواست پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ عمر یا عمر بن وہب (عمر بن وہب قبیلہ ثقف کے ایک درشت مزاج نو مسلم تھے) کے پاس جا کر ان کا دروازہ کھٹکھٹاؤ، اور اسلام کے بعد ان سے کہو کہ اللہ کے نبی (ﷺ) نے تمہاری لڑکی میرے ساتھ بیاہ دی۔ عمر بن وہب کے نو خیز حسین و جمیل اور ذکی و ذہین لڑکی تھی۔ سعد نے ان کے گھر جا کر دروازہ کھٹکھٹایا، گھر والوں نے دروازہ کھولا تو سعد نے انہیں رسول اللہ ﷺ کا فرمان سنایا۔ ان لوگوں نے سعد کی صورت دیکھ کر انہیں سختی سے واپس کر دیا۔ اتنے میں لڑکی آؤ سن کر خود کل آئی اور سعد کو آواز دی کہ بندہ خدا لوٹ آ۔

جواگر رسول اللہ ﷺ نے تمہارا ساتھ میری شادی کر دی ہے تو میں اسے منظور کرتی ہوں اور اس چیز پر رضامند ہوں جس سے خدا اور اس کا رسول راضی ہے۔ پھر اپنے باپ سے کہا کہ قبل اس کے کہ وحی الہی آپ کو رسوا کرے آپ اپنی نجات کی کوشش کیجئے۔ یہ فوراً دوڑے ہوئے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں گئے آپ ﷺ نے پوچھا تم ہی نے میرے فرستادہ کو لوٹایا تھا؟ عرض کی ہاں، لیکن یہ غلطی لاعلمی میں ہوئی، ہم کو اس شخص کی بات کا اعتبار نہ تھا اب آپ سے مغفرت چاہتے ہیں ہم نے لڑکی بیاہ دی۔

اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے سعد سے فرمایا اب اپنی بیوی کے پاس جاؤ۔ وہ یہاں سے اٹھ کر بیوی کے واسطے تحائف خریدنے کے لئے بازار گئے، یہاں انہوں نے ایک منادی کی آواز سنی، ”یا خلیل اللہ ارکبى و بالجنة ابشرى“۔ خدا کے شہسوار و جہاد کے لئے سوار ہو جاؤ اور جنت کی بشارت لو۔ اس آواز کا سننا تھا کہ سارے دلوں اور جذبات سرد پڑ گئے اور جہاد فی سبیل اللہ کا خون رگوں میں دوڑنے لگا نو عروس کے لئے تحائف کا خیال چھوڑ دیا اور جہاد کے لئے تلوار، نیزہ اور گھوڑا خریدا اور غلامہ باندھ کر مہاجرین کی جماعت میں پہنچے کسی نے ان کو نہ پہچانا۔ رسول اللہ ﷺ نے بھی دیکھا مگر نہ پہچان سکے۔

میدان جنگ میں انتہائی جوش و خروش سے لڑے۔ گھوڑا اڑا تو پیدل آستین چڑھا کر لڑنے لگے۔ اس وقت آنحضرت ﷺ نے ہاتھوں کی سیاہی سے پہچان کر آواز دی، سعد! مگر یہ وارنگی کے عالم میں تھے کوئی خبر نہ ہوئی۔ اور لڑتے لڑتے شہید ہو گئے اور نو عروس کے بجائے تیغ عروس سے گلے مل کر ابدی و سرمدی زندگی حاصل کی۔ آنحضرت ﷺ کو خبر ہوئی تو ان کے لاش کے پاس تشریف لا کر ان کا سر گود میں رکھ لیا اور ان کے اسلحہ اور گھوڑا ان کی بیوہ نو عروس کے پاس بھیجوا دیا

اور ان کی سسرال والوں کے پاس کہلا بھیجا کہ خدا نے تمہاری لڑکیوں سے بہتہ لڑکی کے ساتھ ان کی شادی کر دی۔^۱

(۵۱) حضرت سعدؓ بن عامر

نام و نسب : سعد نام، قرظ لقب، باپ کا نام عائد تھا۔ مشہور صحابی حضرت عمار بن یاسرؓ کے غلام تھے۔

اسلام : ان کے اسلام کا زمانہ متعین طور سے نہیں بتایا جاسکتا۔ قیاس یہ ہے کہ اپنے آقا کے ساتھ دعوت اسلام کے آغاز میں مشرف باسلام ہوئے ہوں گے۔

مسجدِ قبا کی مؤذنی : حضرت سعدؓ ان صحابہ میں ہیں جن کے سر پر رسول اللہ ﷺ نے دستِ شفقت پھیر کر برکت کی دعا دی۔ اور مسجدِ قبا کا مؤذن اور مسجدِ نبوی ﷺ میں حضرت بلالؓ کا نائب مقرر کیا۔ چنانچہ مسجدِ قبا میں مستقل اور مسجدِ نبوی ﷺ میں حضرت بلالؓ کی غیر حاضری میں اذان دیتے تھے۔^۲

مسجدِ نبوی ﷺ کی مؤذنی : آقائے مدینہ ﷺ کی وفات کے بعد جب حضرت بلالؓ نے شکستہ دل ہو کر اذان دینا چھوڑ دی تو حضرت ابوبکرؓ نے سعدؓ کو مسجدِ نبوی ﷺ کا مستقل مؤذن بنادیا اور وہ اس خدمتِ جلیلہ کو زندگی بھر انجام دیتے رہے۔^۳

وفات : حجاج کے زمانہ تک زندہ رہے۔ ۴۷ھ میں وفات پائی۔^۴ وفات کے بعد دو لڑکے ہمارو عمر یادگار چھوڑے۔^۵ امام مالک کے زمانہ بلکہ ان کے بعد تک مسجدِ نبوی ﷺ کی مؤذنی کا عہدہ سعدؓ کی اولاد میں رہا۔

ذریعہ معاش : سعد ابتدا میں تنگ دست تھے۔ آنحضرت ﷺ سے تنگ دستی کی شکایت کی آپ ﷺ نے تجارت کرنے کا مشورہ دیا۔ چنانچہ انہوں نے ایک خاص پتے کی جسے عرب میں قرظ کہتے تھے اور کھال پکانے میں کام آتا تھا تجارت شروع کی۔ اس تجارت میں بڑی برکت ہوئی۔ سعد اس کے مستقل تاجر ہو گئے اور اسی سبب سے قرظ کہلانے لگے۔^۶

۱۔ اسد الغابہ۔ جلد اول۔ ص ۲۶۸ ۲۔ ایضاً۔ جلد ۲۔ ص ۲۸۳ ۳۔ استیعاب۔ جلد ۲۔ ص ۵۰

۴۔ تہذیب الکمال۔ ص ۱۳۴ ۵۔ اصحاب۔ جلد ۴۔ ص ۸۰ ۶۔ استیعاب۔ جلد ۲۔ ص ۵۰

۷۔ اسد الغابہ۔ جلد ۲۔ ص ۲۸۳

فضل و کمال : فضل و کمال کی سند کے لئے مسجد نبوی ﷺ کی مؤذنی کافی ہے۔ رسول اللہ ﷺ سے حدیثیں بھی روایت کی ہیں۔^۱

(۵۲) حضرت سعیدؓ بن العاص

نام و نسب : اھ۔ میں پیدا ہوئے۔ سعید نام رکھا گیا۔ نسب نامہ یہ ہے : سعید بن عاص بن سعید بن عاص بن امیہ بن عبد شمس بن عبد مناف قرشی اموی۔ اماں کا نام ام کلثوم تھا۔ نانہالی شجرہ یہ ہے : ام کلثوم بنت عمر بن عبد اللہ بن ابوقیس بن عبد ود بن نصر بن مالک بن حسل بن عامر بن لوی۔ بنی امیہ کے گھرانے میں سعید کے آباؤ اجداد بڑے دیدہ و شکوہ کے رئیس تھے ان کے والد عاص بدر میں حضرت علیؓ کے ہاتھ سے مارے گئے۔ ان کے دادا سعید ابواحیم ذوالتاج تاج والے کہلاتے تھے۔ یہ جس رنگ کا عمامہ باندھتے تھے اس رنگ کا مکہ میں دوسرا نہ باندھ سکتا تھا۔^۲

فتح مکہ کے بعد قریش کا کوئی گھرانہ اسلام سے خالی نہ رہ گیا تھا۔ اس وقت سعید کی عمر ۸، ۹ سال کی ہوگی اس لئے ہوش سنبھالتے ہی انہوں نے اپنے گرد و پیش اسلام کو پرتو فگن دیکھا۔ عہد نبوی اور عہد صدیقی میں بالکل بچہ تھے عہد فاروقی کے آخر میں غفوان شباب تھا اس لئے ان تینوں زمانوں کا کوئی واقعہ قابل ذکر نہیں ہے۔

جر جان اور طبرستان کی فتح : حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں پورے جوان ہو چکے تھے چنانچہ اسی عہد سے ان کے کارناموں کا آغاز ہوتا ہے۔ ان کا گھرانہ ریاست حکومت میں ممتاز تھا اس لئے حضرت عثمانؓ نے انہیں اس کام کے لئے منتخب کیا۔ اور ۲۹ھ میں ولید ابن عقبہ کی جگہ کوفہ کا گورنر مقرر کیا۔ شجاعت و بہادری ورثہ میں ملی تھی اس لئے کوفہ پر تقرر کے ساتھ ہی ۲۹ھ میں جر جان اور طبرستان پر فوج کشی کردی اور دوسری طرف سے عبد اللہ ابن عامر والی بصرہ بڑھا۔ سعید کے ساتھ حضرت حسنؓ، حضرت حسینؓ، عبد اللہ بن عباسؓ، ابن عمرؓ اور ابن زبیرؓ وغیرہ تمام نوجوانان قریش تھے۔^۳ ان لوگوں نے عبد اللہ بن عامر کے پہنچنے سے قبل طبرستان پر حملہ کر کے طیمہ، نامند، رویان اور دب دنا فتح کر لیا اور جر جان کے فرمانروا نے دولاکھ پر صلح کر لی۔ کوہستانی علاقہ والوں نے بھی صلح کر لی۔^۴ طبرستان اور جر جان کے بعد آذربائیجان کی بغاوت فرو کی۔

معزولی اور عہد معاویہ^۲ : ۳۴ میں اہل کوفہ کی شکایت پر حضرت عثمان نے معزول کر دیا۔ ۳۵ھ میں حضرت عثمان کی شہادت کا واقعہ پیش آیا، اس کے نتائج میں جمل اور صفین کی خون ریز لڑائیاں ہوئیں لیکن عیدان میں خانہ نشین رہے، اور حضرت علیؑ اور معاویہؓ کسی کا ساتھ نہ دیا، استعقار حکومت کے بعد امیر معاویہؓ نے اُن کو مدینہ کا عامل بنایا لیکن پھر کچھ دنوں کے بعد معزول کر کے ان کی جگہ مروان کو مقرر کیا^۱۔

وفات : ۶۹ھ میں وفات پائی وفات کے بعد ساتھ لڑکے یادگار چھوڑے، عمر، محمد، عبداللہ، یحییٰ عثمان عتبہ اور آبان، سعید کے بھائی تھے، لیکن عاص کی نسل ان ہی کی اولاد سے چلی^۲۔

فضل و کمال : حضرت عثمانؓ نے مصاحف کی کتابت کے لئے جو جماعت منتخب کی تھی ان میں ایک سعید بھی تھے^۳۔ اور قرآن مجید کی کتابت میں صرف و نحو اور زبان کی صحت کی نگرانی ان ہی کے متعلق تھی^۴۔ ان سے حدیثیں بھی مروی ہیں لیکن چونکہ آنحضرت ﷺ کے زمانہ پر بچے تھے، اس لئے براہ راست مرفوع حدیثیں نہیں ہیں، بلکہ حضرت عمرؓ و عثمانؓ اور عائشہؓ سے روایتیں کی ہیں^۵۔

حضرت سعید نہایت عاقل و فرزانہ تھے، اور ان کے بہت سے حکیمانہ مقولے ضرب المثل ہو گئے تھے۔ کہا کرتے تھے کہ ”شریف سے مذاق نہ کرو کہ تم سے جلنے لگے گا، اور کمینہ سے مذاق نہ کرو کہ وہ جری ہو جائے گا“ رائے ظاہر کرنے میں بہت محتاط تھے، کسی چیز کے متعلق پسندیدگی اور ناپسندیدگی کا اظہار نہ ہونے دیتے تھے، کہا کرتے تھے کہ دل بدلتا رہتا ہے کہ اس لئے انسان کو اظہار رائے سے احتیاط کرنی چاہئے۔ اور ایسا کرنا چاہیے کہ آج ایک چیز کی تعریف تو سیف میں رطب اللسان ہو اور کل اس کی مذمت شروع کر دے^۶۔

فیاضی : شجاعت و شہادت کے ساتھ فیاضی اور دریادلی بھی خیر میں داخل تھی، ہفتہ میں ایک دن اپنے بھائی بھتیجیوں کو ساتھ لھلاتے تھے اس کے علاوہ سب کو کپڑے دیتے نقدی سلوک کرتے تھے اور ان کے گھروں پر ساز و سامان بھجواتے تھے^۷۔ یہ فیاضی محض اعزہ کے ساتھ مخصوص نہ تھی بلکہ کار خیر میں بھی بہت فیاضی سے صرف کرتے تھے، ہر شب جمعہ کو کوفہ کی مسجد میں غلام کے ہاتھ دینار سے بھری ہوئی تھیلیاں نمازیوں میں تقسیم کراتے تھے، اس معمول کی وجہ سے شب جمعہ کو مسجد میں نمازیوں کا بڑا جھوم ہوتا تھا^۸۔

۱۔ تیغاب - جلد ۲ - ص ۵۵۶ ۲۔ ایضاً - تیغاب - جلد ۲ - ص ۵۵۶ ۳۔ مد الغاب - جلد ۲ - ص ۳۱۱
۴۔ مد الغاب - جلد ۲ - ص ۳۱۱ ۵۔ ایضاً - تیغاب - جلد ۲ - ص ۵۵۶ ۶۔ تہذیب النعمان - ص ۱۳۵ ۷۔ ایضاً - مد الغاب - جلد ۲ - ص ۳۱۱ ۸۔ جہنم ہوتا تھا

کبھی کوئی سائل دروازہ سے ناکام واپس نہ ہوتا تھا۔ اگر روپیہ پاس نہ ہوتا تو ایک تحریری یادداشت بطور ہنڈی کے دے دیتے کہ جب روپیہ آجائے سائل وصول کر لے۔ اس فیاضی کی وجہ سے لوگ ان کے ساتھ لگے رہتے تھے اور کوئی نہ کوئی ہر وقت ساتھ رہتا تھا، مدینہ کی معزولی کے زمانہ میں ایک دن مسجد میں آرہے تھے، ایک آدمی ساتھ ہولیا، سعید نے پوچھا کوئی کام ہے، اس نے کہا نہیں آپ کو تہادیکھ کر ساتھ ہو گیا کہا کاغذ دوات اور میرے فلاں غلام کو لیتے آؤ، اس آدمی نے فوراً حکم کی تعمیل کی۔ سعید نے بیس ہزار کا سرخط لکھ دیا، اور کہا جب ہمارا وظیفہ ملے گا، تو یہ رقم تم کو مل جائے گی، لیکن ادا نیگی کے پہلے ان کا انتقال ہو گیا، ان کے انتقال کے بعد وہ سرخط اس شخص نے ان کے لڑکے عمر کو دیا انہوں نے اس کی رقم ادا کی۔^۱

شریف اہل حاجت کو بلا سوال دیتے تھے اور شرفا پوری کی وجہ سے بہت مقروض ہو گئے تھے۔ وفات کے وقت اسی ہزار قرض تھا۔ وفات سے پہلے لڑکوں کو بلا کر پوچھا، تم میں سے کون میری وصیت قبول کرتا ہے۔ بڑے لڑکے نے اپنے کو پیش کیا سعید نے کہا اگر میری وصیت قبول کرتے ہو تو میرا قرض بھی چکانا ہوگا۔ لڑکے نے پوچھا کتنا ہے کہا اسی ہزار دینار۔ لڑکے نے کہا اتنا قرض کس طرح ہو گیا۔ کہا بیٹا ان شریفوں اور غیرت مند لوگوں کی حاجت پوری کرنے میں جو میرے پاس حاجت لے کر آتے تھے اور فرطِ خجالت سے ان کے چہرہ کا خون خشک ہو جاتا تھا میں سوال کے قبل ہی ایسے لوگوں کی حاجت پوری کر دیتا تھا۔^۲

حق پسندی : بنی امیہ میں خاندانی عصبیت بہت زیادہ تھی اور ان میں بہتیرے ایسے تھے یہ مد تمیں گذر جانے کے بعد بھی ان کے دلوں سے اموی مقتولین بدر واحد کے قاتلوں کی نفرت نہ مٹتی تھی لیکن سعید کی ذات اس کینہ پروری سے مستثنیٰ تھی۔ اور ان کے دل میں خلافِ حق کبھی کوئی عصبیت کا جذبہ پیدا نہ ہوا ان کے والد عاص جنگ بدر میں حضرت علیؑ کے ہاتھ سے مارے گئے تھے۔ حضرت عمرؓ نے عاص کے ہم نام اپنے ماموں کو قتل کیا تھا اس لئے اشتراکِ نام کی وجہ سے دھوکہ ہوتا تھا کہ حضرت عمرؓ نے سعید کے والد کو قتل کیا۔ ایک موقع پر حضرت عمرؓ نے اس غلط فہمی کو رفع کرنے کے لئے فرمایا کہ میں نے تمہارے والد کو نہیں بلکہ اپنے ماموں کو قتل کیا تھا۔ یہ سن کر سعید نے جواب دیا کہ اگر آپ میرے باپ کو بھی قتل کرتے ہوتے تو کیا برا کیا تھا آپ حق پر تھے اور وہ باطل پر۔ حضرت عمرؓ کو اس حق پسندی پر بڑی حیرت ہوئی۔^۳

۱۔ استیعاب۔ جلد ۲۔ ص ۵۵۶

۲۔ استیعاب۔ جلد ۲۔ ص ۵۵۶

۳۔ اسد الغابہ۔ جلد ۶۔ ص ۳۱۱

۴۔ اسد الغابہ۔ جلد ۲۔ ص ۳۱۱

خود پسندی : لیکن ان تمام خوبیوں کے ساتھ خاندانی اثر کی وجہ سے نخوت اور خود پسندی کی بوٹھی۔

۵۳) حضرت سعید بن یزیدؓ

نام و نسب : جابلی نام حرم تھا۔ آنحضرت ﷺ نے بدل کر سعید رکھا۔ ابوہود کنیت، نسب نامہ یہ ہے : سعید بن یزید بن عککہ بن عامر بن مخزوم قرشی عامری۔

اسلام و غزوات : باختلاف روایت فتح مکہ سے کچھ پہلے یا فتح مکہ میں مشرف باسلام ہوئے۔ پہلی روایت کی رو سے غزوہ فتح میں آنحضرت ﷺ کے ساتھ تھے۔ فتح مکہ کے بعد جنگ خنین میں شریک ہوئے آنحضرت ﷺ نے خنین کے مال غنیمت سے پچاس اونٹ مرحمت فرمائے۔

عہد فاروقی : حضرت عمرؓ کے زمانہ میں آنکھوں کی بصارت جاتی رہی۔ حضرت عمرؓ اظہار ہمدردی کے لئے آئے اور کہا کہ مسجد نبوی ﷺ میں جمعہ اور نماز جماعت نہ چھوڑنا۔ سعید نے کہا میرے پاس کوئی رہنما نہیں ہے اس عذر پر انہیں حضرت عمرؓ نے ایک رہنما دیا۔ چنانچہ اپنا ہونے کے بعد بھی اس آدمی کی مدد سے مسجد آتے تھے اور جماعت اور جمعہ ناغہ نہ ہوتا تھا۔

وفات : امیر معاویہ کے زمانہ ۵۴ھ میں وفات پائی۔ وفات کے وقت ۱۲۴ سال کی عمر تھی۔
فضل و کمال : فضل و کمال کے لحاظ سے کوئی قابل ذکر شخصیت نہیں رکھتے ہیں تاہم ان کی روایت سے حدیث کی کتابیں خالی نہیں ہیں۔

احترام رسول ﷺ : سعید آنحضرت ﷺ کا اتنا احترام کرتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ کے مقابلے میں کسی بڑائی کو اپنی طرف منسوب کرنا پسند نہ کرتے تھے۔ عمر میں سعید رسول اللہ ﷺ سے بہت بڑے تھے لیکن اس تفاوت کا اظہار بھی وہ بڑائی کے لفظ سے پسند نہ کرتے تھے۔ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے ان سے پوچھا ہم میں تم میں کون بڑا ہے؟ گو سعید عمر میں بڑے تھے لیکن پاس ادب سے اس کا اظہار اس طرح کیا کہ آپ ﷺ مجھ سے بلند اور بہتر ہیں۔ البتہ میں آپ سے پہلے پیدا ہوا ہوں۔

۵۴) حضرت سفینہؓ

نام و نسب : سفینہ کے نام میں بڑا اختلاف ہے۔ بعض مہران، بعض رومان اور بعض بھس بتاتے

۱۔ اسد الغابہ۔ جلد ۲۔ ص ۳۱۷ ۲۔ مستدرک حاکم۔ جلد ۳۔ ص ۳۹۰ ۳۔ اسد الغابہ۔ جلد ۲۔ ص ۱۲۴

۴۔ ایضاً ۵۔ تہذیب الکمال۔ ص ۱۲۴ ۶۔ استیعاب۔ جلد ۲۔ ص ۵۵۷

ہیں۔ ابو عبد الرحمن کنیت اور سفینہ رسول اللہ ﷺ کا عطا کردہ لقب ہے۔ نسب کے لئے یہ شرف کافی ہے کہ سرکارِ دو عالم ﷺ کے غلام تھے۔

اسلام : سفینہ کے اسلام کا زمانہ متعین طور سے نہیں بتایا جاسکتا لیکن قیاس یہ ہے کہ بہت ابتدائے میں اس شرف سے مشرف ہوئے ہوں گے اس لئے کہ باختلاف روایت حضرت ام سلمہؓ ”یا آنحضرت ﷺ کے غلام تھے اور خود حضور ﷺ نے بلا شرف یا حضرت ام سلمہؓ نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت گزاری کی شرط پر آزاد کر دیا تھا۔“

چنانچہ آزادی کے بعد آنحضرت ﷺ کی خدمت گزاری میں رہتے تھے۔ اس لئے سفر میں بھی مشابعت کا شرف حاصل ہوتا تھا۔ ایک مرتبہ کسی سفر میں ہمرکاب تھے راستہ میں جو جو ہمراہی تھکتے جاتے تھے وہ اپنے اسلحہ، ڈھال، تلواریں اور نیزہ وغیرہ ان پر لاد دیتے جاتے تھے اس لئے ان پر بڑا بار لگ گیا۔ آنحضرت ﷺ نے دیکھ کر فرمایا، تم ”سفینہ“ کشتی ہو اس وقت سے سفینہ ان کا لقب ہو گیا۔ یہ بھی اس لقب کو اس قدر محبوب رکھتے تھے کہ اس کے مقابلہ میں اپنا نام چھوڑ دیا تھا اسی لئے ان کا صحیح نام متعین نہیں۔ اگر کوئی نام پوچھتا تو کہتے نہ بتاؤں گا۔ حضور ﷺ نے سفینہ نام رکھا ہے اور یہی میرے لئے بس ہے۔“

حدیث : ”الخلافة في ثلاثون سنة ثم ملك بعد ذلك“

”خلافت میری امت میں تیس برس رہے گی اس کے بعد بادشاہ ہوں گے۔“

ان ہی سے مروی ہے کہ یہ بنی امیہ کے زمانہ تک زندہ تھے۔ مذکورہ بالا روایت کو پیش نظر رکھ کر حساب لگاتے جاتے تھے۔ خلافت راشدہ کے اختتام پر یہ مدت پوری ہو جاتی ہے لیکن بنی امیہ بھی اپنے کو خلیفہ ہی کہتے تھے۔ سعید بن جہان نے سفینہ سے کہا کہ بنی امیہ بھی اپنے کو خلیفہ کہتے ہیں انہوں نے کہا زرقاء کی اولاد جھوٹ کہتی ہے یہ لوگ بادشاہ اور برے بادشاہ ہیں۔“

وفات : حجاج کے زمانہ میں وفات پائی۔“

فضل و کمال : سفینہ حضور ﷺ کے غلام تھے۔ خدمت کی تقریب سے پیشتر حضوری کا شرف آپ ﷺ کے ارشادات سننے کا موقع ملتا تھا چنانچہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ، آپ کے علاوہ حضرت ام سلمہؓ اور حضرت علیؓ سے روایتیں کی ہیں۔ ان کی روایات کی مجموعی تعداد ۴۲ ہے ان میں سے ایک مسلم میں بھی ہے۔“

(۵۵) حضرت سلیمان بن عمروؓ

نام و نسب : سلیمان نام، ابو مطرف کنیت، نسب نامہ یہ ہے : سلیمان بن عمرو بن جون بن ابی الجون بن منقذ بن ربیعہ بن اصرم بن خبیس بن حرام بن حبشیہ بن سلول بن کعب بن عمرو بن ربیعہ خزاعی۔

اسلام : فتح مکہ سے پہلے مشرف باسلام ہوئے جاہلی نام یسار تھا۔ آنحضرت ﷺ نے بدل کر سلیمان رکھا۔ قبول اسلام کے بعد صحبت نبوی ﷺ سے بھی مستفید ہوئے۔ اسلم و صاحب النبی ﷺ۔

جنگ صفین : حضرت علیؓ کے پر جوش حامیوں میں تھے۔ جنگ صفین میں انہوں نے بڑے کارنامے دکھائے۔ شامی فوج کے مشہور بہادر حوشب ذی ظلم کو ان ہی نے مارا تھا۔ اس جنگ میں سلیمان بہت زخمی ہوئے لیکن کوئی زخم پشت پر نہ تھا سب وادرنخ پر تھے۔ صلح نامہ کی کتابت کے بعد حضرت علیؓ سے کہا امیر المومنین اگر اس وقت کوئی مددگار ہوتا تو ہم ہر گز یہ معاہدہ منظور نہ کرتے۔

حضرت علیؓ کی شہادت کے بعد آپ کی اولاد امجاد کے بھی اسی طرح ہوا خواہ رہے۔ حضرت حسنؓ نے صرف چند مہینہ خلافت کر کے چھوڑ دی آپ کی وفات کے بعد جب کوفہ میں حضرت حسینؓ کے حامیوں کی جماعت مدنی تو اس کے ایک سرگرم ممبر سلیمان تھے ان کا گھر حامیان حسینؓ کا مرکز تھا یہیں سے حضرت حسینؓ کے پاس بلانے کے خطوط جاتے تھے۔

لیکن یہ عجیب اتفاق ہے کہ جب حضرت حسینؓ تشریف لائے تو سلیمان ان کی کوئی مدد نہ کر سکے اور کربلا کا واقعہ پیش آ گیا۔ اس واقعہ پر ان لوگوں کو سخت قلق ہوا جو آپ کی مدد نہ کر سکے تھے چنانچہ سلیمان بن عمرو اور ان کے دوسرے ساتھی مسیب بن نجبه بہت نادم اور شرمسار ہوئے اور انہوں نے طے کیا کہ حضرت حسینؓ کے خون کا انتقام لے کر گزشتہ فرو گذاشت کی تلافی کرنی چاہئے۔ چنانچہ سلیمان چار ہزار آدمیوں کو لے کر خون حسینؓ کے انتقام کے لئے نکلے یہ جماعت ”توابعین“ کہلاتی تھی اس جماعت نے پہلا پڑاؤ ربیع الاول ۶۰ھ میں مقام خیلہ میں کیا۔ یہاں سے قر قیسیا کے قریب عین الوردہ پہنچے عین الوردہ میں شامی لشکر کا مقابلہ ہوا سلیمان نہایت بہادری سے لڑے اور حصین بن نمیر تمامی کے ہاتھوں مارے گئے۔ فرش زمین پر گرتے وقت یہ الفاظ زبان پر تھے۔ ”فزت برب الکعبۃ فزت برب الکعبۃ“ ”رب کعبہ کی قسم میں کامیاب ہوا، رب کعبہ کی قسم میں کامیاب ہوا۔“

اسی طرح ابن رسول اللہ ﷺ کے خون کے انتقام میں جان دے کر گزشتہ غلطی کی تلافی کی اور حسینؑ کی محبت کے جرم میں ان کا سر کاٹ کر مروان بن حکم کے پاس بھیجا گیا مقتول ہونے کے وقت ۹۳ سال کی عمر تھی۔

عام حالات : سلیمان بن صرکوفہ میں رہتے تھے۔ خزیمہ کے محلہ میں مکان تھا۔ اعزاز اور شرف میں ممتاز حیثیت رکھتے تھے۔ ”کان له سن عالیہ وشرف وقدر و کلمتہ فی قومہ“ یعنی ”وہ سن رسیدہ صاحب مرتبہ و شرف اور اپنے قوم میں بااثر تھے“۔ نیکی، فضل و کمال اور عبادت و ریاضت میں بھی بلند مرتبہ تھے۔

(۵۶) حضرت سواد بن قاربؓ

نام و نسب : سواد نام، باپ کا نام قارب تھا۔ یمن کے مشہور قبیلہ درس سے نسب تعلق تھا، زمانہ جاہلیت میں کہانت کا پیشہ کرتے تھے۔

اسلام : ہجرت مدینہ کے زمانہ میں خواب میں ظہور نبوی ﷺ کی بشارت ملی، رویائے صادقہ دل میں اثر کر گیا فوراً وطن سے مکہ روانہ ہو گئے، راستہ میں خبر ملی کہ جس گورہ مقصود کی تلاش میں نکلے ہیں وہ مدینہ جا چکا، یعنی آنحضرت ﷺ ہجرت فرما چکے یہ خبر سنکر راستہ ہی سے مدینہ لوٹ پڑے وہاں پہنچ کر آنحضرت ﷺ کو پوچھا معلوم ہوا مسجد میں تشریف فرما ہیں۔ اونٹ بٹھا کر مسجد پہنچے آنحضرت ﷺ کے گرد صحابہ کا مجمع تھا، عرض کی یا رسول اللہ (ﷺ) کچھ میری داستان بھی سنی جائے۔ حضرت ابو بکرؓ نے کہا قریب آکر بیان کرو، چنانچہ پاس جا کر انہوں نے پوری سرگذشت سنائی اور اسی وقت خلعت اسلام سے سرفراز ہو گئے، ان کے اسلام سے آنحضرت ﷺ اور صحابہ کرام کو اتنی مسرت ہوئی کہ ان کے چہروں پر خوشی کا رنگ دوڑ گیا۔ اس غیر معمولی مسرت کا سبب یہ تھا کہ عربوں میں کانوں کی بڑی وقعت تھی اور انہیں ایک طرح کی مذہبی سیادت حاصل تھی اس لیے عوام پر ان کے اسلام کا اثر بہت اچھا پڑتا تھا۔

حضرت عمرؓ ان کا خواب بڑے ذوق شوق سے سنا کرتے تھے، ایک مرتبہ یہ حضرت عمرؓ کے پاس گئے، آپ نے پوچھا اب بھی تم کو کہانت میں کچھ دخل ہے، چونکہ اسلام کہانت کا مخالف تھا اور سواد کے رنگ کہانت کو اسلام کے صیقل نے بالکل صاف کر دیا تھا اس لیے اس سوال سے قدرۃ

سوا کو تکلیف ہوئی، برہم ہو کر جواب دیا، سبحان اللہ خدا کی قسم اس وقت جس طرح آپ نے میرا استقبال کیا ویسا میرے کسی ساتھی نے نہ کیا تھا، حضرت عمرؓ نے اس پر بھی پر فرمایا سبحان اللہ جس کفر و شرک میں، ہم مبتلا تھے، وہ تمہاری کہانت سے کہیں بڑھ کر تھا (یعنی ہماری اسلام کے قبل کی حالت تم سے بھی بدتر تھی، اس لئے تم کو اس سوال پر بگڑنا نہ چاہئے) میں نے تمہارا واقعہ سنا ہے، وہ مجھ کو بہت عجیب و غریب معلوم ہوا، اس لئے میں اس کو خود تمہاری زبان سے سننا چاہتا ہوں، حضرت عمرؓ کی خواہش پر انہوں نے پورا واقعہ سنایا۔

وفات : وفات کے بارے میں ارباب سیر خاموش ہیں۔

حلیہ : سورۃ نہایت حسین و جمیل تھے۔

فضل و کمال : مذہبی حیثیت سے ان کا کوئی پایہ نہ تھا لیکن زمانہ جاہلیت میں ممتاز حیثیت رکھتے تھے، کہانت میں جو زمانہ جاہلیت کا بڑا معزز علم تھا، یہ طوطی رکھتے تھے، شاعر بھی تھے چنانچہ حضرت عمرؓ کو خواب کی داستان نظم ہی میں سنائی تھی^۱۔

(۵۷) حضرت سہیلؓ بن عمرو

نام و نسب : سہیل نام، ابو یزید یہ کنیت، نسب نامہ یہ ہے : سہیل بن عمرو بن عبد شمس بن عبدود بن نصر ابن مالک بن حسل بن عامر بن لوئی قرشی عامری۔

اسلام سے پہلے : سہیل رؤسائے قریش میں سے تھے اس لئے دوسرے رؤساء کی طرح اسلام اور پیغمبر اسلام علیہ السلام کے بڑے دشمن تھے لیکن قدرت کی کرشمہ سازی دیکھو کہ اسی دشمن اسلام کے گھر میں عبد اللہ بن سہیل اور ابو جندل بن سہیل جیسے اسلام کے فدائی پیدا ہوئے۔ یہ دونوں دعوت اسلام کے آغاز ہی میں مشرف باسلام ہوئے اور اسلام کے جرم میں باپ کے ہاتھوں طرح طرح کی سختیاں جھیلے رہے۔ عبد اللہ موقع پا کر حبشہ ہجرت کر گئے تھے لیکن وہاں سے واپسی کے بعد پھر ظالم باپ کے پنجہ میں اسیر ہو گئے اور جنگ بدر کے موقع پر رہائی پائی۔ دوسرے بھائی ابو جندل حدیبیہ کے زمانہ تک مشق ستم رہے۔

حضرت سہیل اسلام کے ان دشمنوں میں تھے جو دوسروں کا اسلام گوارا نہ کر سکتے تھے تو گھر میں یہ

۱۔ اسد الغابہ۔ جلد ۲۔ ص ۳۷۵ ۲۔ حاکم نے مستدرک میں یہ اشعار نقل کئے ہیں۔

بدعت کس طرح دیکھ سکتے تھے۔ چنانچہ اشاعتِ اسلام نے انہیں اسلام کا اور زیادہ دشمن بنادیا اور وہ اس کی بیخ کنی میں ہر امکائی کوشش کرنے لگے۔ عام مجموعوں میں اسلام کے خلاف تقریریں کرتے اور رسول اکرم ﷺ کے خلاف زہرا گلتے۔ شیدانِ اسلام یہ معاندانہ رویہ برداشت نہ کر سکے۔ حضرت عمرؓ کا غصہ قابو سے باہر ہو گیا انہوں نے آنحضرت ﷺ سے اجازت مانگی کہ ارشاد ہو تو سہیل کے دوا گلے دانت توڑ ڈالوں۔ تاکہ آپ ﷺ کے خلاف تقریر نہ کر سکے لیکن رحمتِ عالم ﷺ نے جواب دیا جانے دو ممکن ہے کبھی وہ خوش بھی کر دیں!۔

اسلام کی ہر مخالفت میں سہیل پیش پیش رہتے تھے۔ چنانچہ غزوہ بدر میں بھی آگے آگے تھے لیکن جب شکست ہوئی تو مالک بن دشمن نے گرفتار کر لیا لیکن پھر فدیہ دے کر آزاد ہو گئے۔ صلح حدیبیہ میں قریش کی طرف سے معاہدہ لکھوانے کی خدمت انہی کے سپرد ہوئی تھی چنانچہ معاہدہ کی کتابت کے وقت جب آنحضرت ﷺ نے اسلامی طرزِ تحریر کے مطابق ”بسم اللہ“ لکھنا چاہا تو سہیل نے اعتراض کیا کہ ہم اسے نہیں جانتے ہمارے دستور کے مطابق ”باسمک اللہم“ لکھو۔ مسلمانوں نے کہا ہم یہ نہیں لکھ سکتے لیکن رسول اللہ ﷺ نے ان کا کہنا مان لیا اور معاہدہ کا مضمون شروع ہوا جب ”ہذا ما قاضی علیہ محمد رسول اللہ ﷺ“ لکھا گیا تو سہیل نے اعتراض کیا اگر ہم محمد کو رسول مانتے تو یہ جھگڑا ہی کا ہے کوہوتا۔ اور ان کو خانہ کعبہ سے روکنے اور ان سے لڑنے کی نوبت کیوں آتی۔ محمد رسول اللہ ﷺ کے بجائے محمد بن عبد اللہ لکھو۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا گو تم مجھے جھٹلا رہے ہو لیکن میں خدا کا رسول ہوں۔ پھر حضرت علیؓ سے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ مٹا کر میرا نام لکھ دو۔ حضرت علیؓ نے عرض کیا میں اپنے ہاتھ سے نہیں مٹا سکتا اس عذر پر آپ نے خود اپنے دستِ مبارک سے مٹا کر ”محمد بن عبد اللہ“ لکھ دیا۔ اس مرحلے کے بعد پھر کتابت شروع ہوئی کہ ”قریش مسلمانوں سے خانہ کعبہ کے طواف میں تعرض نہ کریں گے، اور مسلمان اطمینان کے ساتھ طواف کریں گے۔“ سہیل نے پھر اعتراض کیا کہ یہ معاہدہ اس سال کے لئے نہیں ہے ورنہ عرب کہیں گے کہ ہم کو ہماری مرضی کے خلاف مجبور کیا گیا البتہ آئندہ سال طواف کی اجازت ہے۔ آنحضرت ﷺ نے یہ بھی مان لیا۔ سہیل نے ایک یہ شرط پیش کی کہ قریش کا کوئی شخص خواہ وہ مسلمان ہی کیوں نہ ہو اگر مسلمانوں کے پاس بھاگ جائے گا تو مسلمانوں کو اسے واپس کرنا پڑے گا، مسلمانوں نے کہا ہم یہ شرط ہرگز نہیں مان سکتے کہ ایک مسلمان مشرک کے حوالہ کر دیا جائے۔ ابھی یہ دفعہ زیرِ بحث تھی کہ سہیل کے لڑکے ابو جندل جو

سہیل کے ہاتھوں میں گرفتار تھے کسی طرح بھاگ کر آ گئے ان کے پیروں میں بیڑیاں پڑی ہوئی تھیں انہیں دیکھ کر سہیل نے کہا محمد شرط پوری کرنے کا یہ پہلا موقع ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا، مگر ابھی یہ دفعہ تسلیم نہیں ہوئی ہے۔ سہیل نے کہا اگر تم ابو جندل کو حوالہ نہ کرو گے تو ہم کسی شرط پر صلح نہ کریں گے۔ آنحضرت ﷺ نے بہت اصرار کیا مگر سہیل کسی طرح نہ مانے۔ صحابہ نے ابو جندل کو حوالہ کرنے کی بہت مخالفت کی لیکن درحقیقت یہ صلح آئندہ کامیابیوں کا دیباچہ تھی اس لئے رسول اللہ ﷺ نے سہیل کی شرط مان لی اور ابو جندل اسی طرح پابجولاں واپس کر دیئے گئے اور عہد نامہ مکمل ہو گیا۔

۸۔ میں جب آنحضرت ﷺ نے مکہ پر چڑھائی کی تو کسی خونریزی کی نوبت نہیں آئی لیکن چند متعصب قریشیوں نے خالد بن ولید کی مزاحمت کی ان مزاحمت کرنے والوں میں سہیل بھی تھے۔ اس مزاحمت میں کچھ آدمی مارے گئے اور مکہ فتح ہو گیا۔

فتح مکہ کے بعد ضادید قریش کی قوتیں پارہ پارہ ہو گئیں اور ان کے لئے دامنِ رحمت ﷺ کے علاوہ کوئی جائے پناہ باقی نہ رہی۔ اس وقت وہی سہیل جنہوں نے دو سال پیشتر حدیبیہ میں من مانی اور فاتحانہ شرائط پر صلح کی تھی بے بس اور لاچار ہو کر گھر کے اندر کنواڑے بند کر کے چھپ رہے اور اپنے لڑکے ابو جندل کے پاس جس پر اسلام کے جرم میں طرح طرح کی سختیاں کی تھیں پیام کہلا بھیجا کہ ”مارے جانے سے پہلے میری جان بخشی کر او“۔ ابو جندل لاکھ مشق ستم رہ چکے تھے پھر بھی بیٹے تھے اور اسلام نے اس مقدس رشتے کی اہمیت اور زیادہ کر دی اس لئے بلا تامل اس حکم کی تعمیل کے لئے سرخم کر دیا اور خدمتِ نبوی ﷺ میں حاضر ہو کر عرض کیا، یا رسول اللہ ﷺ! والد کو امان مرحمت فرمائیے ان کی سفارش پر رحمتِ عالم ﷺ نے سہیل کی تمام خطاؤں سے درگزر فرمایا اور ارشاد ہوا کہ وہ خدا کی امان میں مامون ہیں بلا خوف و خطر گھر سے نکلیں اور گرد و پیش کے لوگوں کو ہدایت فرمائی کہ جو شخص سہیل سے ملے خبردار وہ ان کی طرف نہ لپکے۔ میری عمر کی قسم سہیل صاحبِ عقل و شرف ہیں ان کے جیسا شخص اسلام سے ناواقف نہیں رہ سکتا۔ بیٹے نے جا کر باپ کو رسول اللہ ﷺ کا ارشاد سنایا۔ یہ شانِ کرم دیکھ کر سہیل کی زبان سے بے اختیار یہ کلمات نکل گئے، ”واللہ وہ بچپن میں بھی نیک تھے اور بڑی عمر میں بھی نیک ہیں۔“

۱۔ یہ تمام تفصیلات بخاری کتاب الشروط فی الجہاد و المصالح مع اہل عرب سے ماخوذ ہیں۔ ”رسول اللہ“ مٹانے کا واقعہ بخاری باب غزوة القضاء سے لیا گیا ہے۔ ۲۔ ابن سعد حصہ مغازی۔ غزوة فتح دسیرۃ ابن ہشام۔ جلد ۲۔ ص ۲۳۸ ۳۔ مستدرک عالم۔ جلد ۳۔ ص ۲۸۱

اسلام : بالآخر آنحضرت ﷺ کے اس عفو و کرم نے یہ معجزہ دکھایا کہ سہیل حنین کی واپسی کے وقت آپ ﷺ کے ساتھ ہو گئے اور مقام ہجرانہ پہنچ کر خلعت اسلام سے سرفراز ہوئے۔^۱ آنحضرت ﷺ نے ازراہ مرحمت حنین کے مال غنیمت میں سے سوانٹ عطا فرمائے۔ گو فتح مکہ کے بعد مسلمانوں کا شمار موکفہ القلوب میں ہے لیکن سہیل اس زمرہ میں اس حیثیت سے ممتاز ہیں کہ اسلام کے بعد ان سے کوئی بات اسلام کے خلاف ظہور پذیر نہیں ہوئی۔ حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں۔ ”کان محمودا الاسلام من حين اسلم“^۲۔

فتنہ ردہ کی مساعی : چنانچہ آنحضرت ﷺ کے بعد جب ارتداد کا فتنہ اٹھا تو بہت سے موکفہ القلوب ڈمگ گئے لیکن سہیل کے ایمان میں ذرہ برابر بھی تذبذب نہ پیدا ہوا اور انہوں نے قبال مکہ کو اسلام پر قائم رکھنے کی بڑی کوشش کی۔ چنانچہ جب انہوں نے قبال مکہ میں اسلام سے برکتگی کے آثار دیکھے تو تمام قبیلہ والوں کو جمع کر کے تقریر کی کہ :

”برادران اسلام ! اگر تم لوگ محمد ﷺ کی پرستش کرتے تھے تو وہ دوسرے عالم کو سدھار گئے اور اگر محمد ﷺ کے خدا کی پرستش کرتے تھے تو وہ جی و قیوم اور موت کی گرفت سے بالا ہے۔ برادران قریش ! تم سب اخیر میں اسلام لائے ہو اس لئے سب سے پہلے اس کو چھوڑنے والے نہ بنو۔ محمد ﷺ کی موت سے اسلام کو کوئی صدمہ نہیں پہنچ سکتا بلکہ وہ اور زیادہ قوی ہوگا مجھ کو یقین کامل ہے کہ اسلام آفتاب و ماہتاب کی طرح ساری دنیا میں پھیلے گا اور سارے عالم کو منور کرے گا یا درکھو جس شخص نے دائرہ اسلام سے باہر قدم رکھنے کا ارادہ کیا اس کی گردن اڑا دوں گا۔“

حضرت سہیل کی اس موثر، دل پذیر اور پر جوش تقریر نے مذہب بنیادین کے دلوں کو پھر اسلام پر راسخ کر دیا اور مرکز اسلام (مکہ) فتنہ ارتداد کی فبا سے بچ گیا اس طرح آنحضرت ﷺ کی اس پوٹشن گوئی کی تصدیق ہو گئی کہ ممکن ہے کہ سہیل سے کبھی پسندیدہ فعل کا ظہور ہو۔

فتنہ ارتداد کے فرو کرنے میں ان کے گھر بھرنے بلخ کوشش کی۔ چنانچہ یمامہ کی مشہور جنگ میں سہیل کے بڑے صاحبزادے عبداللہ شہید ہوئے۔ حضرت ابو بکرؓ جب حج کے لئے تشریف لے گئے تو سہیل کے پاس تعزیت کے لئے ان کے گھر گئے انہوں نے کہا میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ شہید اپنے ستر اہل خاندان کی شفاعت کرے گا مجھ کو امید ہے کہ میری سب سے پہلے شفاعت کی جائے گی۔^۳

۱۔ ایضاً ۲۔ اصحابہ۔ جلد ۲۔ ص ۱۳۷

۳۔ یہ تقریر سیرت کی کتابوں میں کسی قدر طویل ہے ہم نے محض خلاصہ نقل کیا ہے۔ ۴۔ اسد الغابہ۔ جلد ۲۔ ص ۳۷۲

شام کی فوج کشی : شام کی فوج کشی کے سلسلہ میں جب حضرت عمرؓ نے تمام ممتاز افراد کو جمع کیا تو شیوخ قریش بھی آئے۔ حضرت عمرؓ سب کو درجہ بدرجہ بلاتے تھے اور گفتگو کرتے تھے۔ چنانچہ سب سے اول حقد میں فی الاسلام مہاجرین اولین کو بلایا اور صہیبؓ، بلالؓ، عمارؓ بن یاسرؓ کو اور دوسرے بدری صحابہ کو شرف باریابی بخشا۔ ابوسفیان کی رعونت پر یہ تقدم بہت گراں گزرا انہوں نے کہا آج تک کبھی ایسا نہیں ہوا ان غلاموں کو اندر بلایا جاتا ہے اور ہم لوگ دروازہ پر بیٹھے ہوئے ہیں۔ ہماری طرف کوئی توجہ نہیں کی جاتی۔ ابوسفیان کی اس بے جا نخوت پر سہیل کی حق پسند زبان نے طنزاً کہا، تم لوگ بھی کسی قدر عقل مند ہو تمہارے چہروں پر یہ برہمی کے آثار کیوں ہیں؟ اگر تم کو غصہ کرنا ہے تو خود اپنے اوپر کرو ان کو اور ہماری قوم کو اسلام کی یکساں دعوت دی گئی۔ ان لوگوں نے اس کے قبول کرنے میں سبقت کی اور تم نے تاخیر کی خدا کی قسم جس فضل میں وہ تم سے بازی لے گئے وہ باریابی میں تقدم ہے جس کے لئے تم بگڑ رہے ہو کہیں زیادہ تمہارے لئے سخت اور تکلیف دہ ہونا چاہئے تم کو معلوم ہے کہ یہ لوگ تم پر سبقت لے گئے اور اب اس کی تلافی کی تمہارے لئے کوئی سہیل باقی نہیں ہے اس لئے اب تم کو جہاد کا یہ موقع نہ کھونا چاہیے اس میں شریک ہو شاید خدا تم کو جہاد کی شرکت اور شہادت کا شرف عطا فرمائے۔ یہ سچی اور حقیقت آمیز باتیں کہہ کر دامن جھاڑا اور جہاد میں شریک ہو گئے۔ اس سلسلہ کی مشہور جنگ یرموک میں فوج کے ایک دستہ کے افسر تھے۔

وفات : سعد بن فضالہ جو کہ شام کے جہاد میں سہیل کے ساتھ تھے بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ سہیل نے کہا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ خدا کی راہ میں ایک گھڑی صرف کرنا گھر کے تمام عمر کے اعمال سے بہتر ہے اس لئے اب میں شام کا جہاد چھوڑ کر گھر نہ جاؤں گا اور یہیں جان دوں گا۔ اس عہد پر اس سختی سے قائم رہے کہ طاعون عمواس میں بھی نہ ہٹے اور ۱۸ھ میں اسی وباء میں شام کے غربت کدہ میں جان دی۔

تلافی مافات : جیسا کہ ناظرین کو سہیل کے ابتدائی حالات سے اندازہ ہوا ہوگا کہ ان کی قبول اسلام سے پہلے کی زندگی کا پورا صفحہ سواد معصیت سے سیاہ تھا۔ اسلام کی مخالفت، آنحضرت ﷺ پر ناپاک حملے، مسلمانوں کی ایذا رسانی وغیرہ کوئی ایسا عتاد نہ تھا جو انہوں نے اسلام کے خلاف نہ ظاہر کیا ہو۔ اس لئے قبول اسلام کے بعد ہمتن تلافی مافات میں منہمک ہو گئے۔ چنانچہ جس قدر مال و دولت وہ مشرکین کی حمایت اور اسلام کی مخالفت میں صرف کر چکے تھے اسی قدر اسلام کی راہ میں صرف کیا اور

جس قدر لڑائیاں کفر کی حمایت میں لڑیں تھیں اتنے ہی جہاد خدا کی راہ میں کئے۔ پھر اپنے پورے گھر کو لے کر شام کے جہاد میں شریک ہوئے اور لڑکی اور ایک پوتی کے علاوہ تمام اولادوں کو اسلام پر فدا کر دیا۔
یہ حسن مٹلانی کا ایک منظر جہاد فی سبیل اللہ ہے اسی طرح سہیل کی پیشانی مدتوں اصنام مکہ کے سامنے سجدہ ریز رہ چکی تھی اس کی مٹلانی کے لئے خدائے قدوس کے آستانہ پر اسی قدر جبین سائی کرنی تھی۔ چنانچہ قبول اسلام کے بعد وہ ہمہ تن عبادت و ریاضت کی طرف متوجہ ہوئے۔ علامہ ابن عبد البرؒ لکھتے ہیں کہ سہیل بن عمروؓ اسلام کے بعد بکثرت نمازیں پڑھتے تھے، روزے رکھتے تھے اور صدقات دیتے تھے۔ صاحب اسد الغابہ کا بیان ہے ”ان روسائے قریش میں جو بالکل آخر یعنی فتح مکہ میں مشرف باسلام ہوئے، سہیل بن عمروؓ سے زیادہ نمازیں پڑھنے والا، روزہ رکھنے والا، صدقہ دینے والا اور آخرت میں دوسرے کے اعمال میں تدبیر کرنے والا کوئی نہ تھا۔ شدت ریاضت سے سوکھ کر کانٹا ہو گئے تھے، رنگ و روپ بدل گیا تھا، اکثر رویا کرتے تھے، بالخصوص قرآن کی تلاوت کے وقت بہت گریہ طاری رہتا تھا۔ مشہور فاضل صحابی حضرت معاذ بن جبلؓ سے قرآن کی تعلیم حاصل کرنے جاتے تھے اور آنکھوں سے آنسوؤں کا دریا بہتا رہتا تھا۔“

جاہلی عصبیت سے نفرت : جاہلیت کے تمام جذبات بالکل فنا ہو گئے تھے ان کے دوران تعلیم میں حضرت معاذ بن جبلؓ مکہ سے چلے گئے لیکن انہوں نے تعلیم کا سلسلہ ترک نہ کیا۔ اور معاذؓ کے پاس جا کر پڑھتے تھے۔ ایک دن ضرار بن ازور نے کہا تم اس خزر جی کے پاس کیوں قرآن پڑھنے جاتے ہو! اپنے خاندان کے کسی آدمی سے کیوں نہیں پڑھتے۔ یہ متعصبانہ اعتراض سن کر سہیلؓ نے جواب دیا، ضرار اسی تعصب نے ہماری یہ گت بنائی ہے اور دوسرے ہم سے کتنا بڑھ گئے خدا کی قسم میں ضرور معاذؓ کے پاس جایا کروں گا۔ اسلام نے جاہلیت کے تمام تعصبات اور امتیازات مٹا دیئے اور اسلام کے شرف کی وجہ سے خدا نے ان قبائل کو جو جاہلیت میں بالکل ہیچ تھے بلند مرتبہ کر دیا۔ کاش ہم نے ان کا ساتھ دیا ہوتا تو آج ہم بھی آگے ہوتے میں تو اپنے گھرانے کے مردوں عورتوں بلکہ اپنے غلام عمیر بن عوفؓ تک کے تقدم فی اسلام کے شرف پر خوش ہوتا ہوں اور خدا کا شکر ادا کرتا ہوں اور یقین رکھتا ہوں کہ ان ہی لوگوں کی دعاؤں نے مجھے فائدہ پہنچایا ورنہ میں بھی اپنے دوسرے، معصروں کی طرح اسلام کے خلاف لڑائیوں میں مارے گئے، ہلاک ہو گیا ہوتا۔ میں بدر، احد اور خندق میں معاندانہ شریک ہوا۔ معاہدہ حدیبیہ میں نے ہی لکھوایا تھا۔ ضرار جب میں حدیبیہ کے معاہدہ میں

رسول اللہ ﷺ کی بات کو بار بار رد کرنے اور باطل پر اڑنے کو یاد کرتا ہوں تو مجھے رسول اللہ ﷺ سے شرم معلوم ہوتی ہے^۱۔

(۵۸) حضرت شیبہ بن عتبہؓ

نام و نسب : شیبہ نام، ابو ہاشم کنیت، نسب نامہ یہ ہے : شیبہ بن عتبہ بن ربیعہ بن عبد شمس بن عبد مناف بن قصی قرشی بخشی۔ شیبہ کے والد عتبہ اور بہنوئی ابوسفیان اسلام کے بڑے دشمن تھے۔ عتبہ جنگ بدر میں قریشی فوج کے سپہ سالار تھے۔

اسلام : گو شیبہ کا گھرانہ اسلام کی دشمنی سے تیرہ تار ہو رہا تھا لیکن فتح مکہ کے بعد جب روسائے قریش کے لئے کوئی پناہ باقی نہ رہی و شیبہ بھی مسلمان ہو گئے^۲۔

جنگ یرموک : عہد نبوی ﷺ اور عہد صدیقی میں کہیں ان کا پتہ نہیں چلتا۔ عہد فاروقی میں میدان جہاد میں قدم رکھا اور شام کی مشہور جنگ قادسیہ میں ایک آنکھ شہید ہوئی^۳۔

وفات : شام کی فتح کے بعد یہیں مستقل سکونت اختیار کر لی اور یہیں عہد عثمانی میں وفات پائی^۴۔ بعض روایتوں سے امیر معاویہؓ کے زمانہ میں وفات کا پتہ چلتا ہے۔

فضل و کمال : فضل و کمال کے اعتبار سے ممتاز شخصیت رکھتے تھے۔ ارباب سیر انہیں فاضل صحابہ میں شمار کرتے تھے^۵۔ ابو وائل اور ابو ہاشم اوسی نے ان سے روایت کی ہے^۶۔

آنحضرت ﷺ کی خدمت میں بہت بے باک تھے اور کبار صحابہ انہیں ”رجل صالح“ بھلے آدمی کے لقب سے یاد کرتے تھے۔ کبیل بن جریہ روایت کرتے ہیں کہ ابو ہریرہؓ دمشق آئے اور ابو کلثوم سروی کے مہمان ہوئے ہم لوگ ان سے ملنے کے لئے گئے باتوں باتوں میں ”صلوۃ وسطیٰ“ کا ذکر آیا۔ اس کی تعین میں اختلاف پیدا ہوا۔ ابو ہریرہؓ نے کہا اس مسئلہ میں تم میں بھی اختلاف ہے جس میں ہم لوگوں میں مقام قبا میں رسول اللہ ﷺ کے گھر کے پاس اختلاف ہوا تھا ہم میں ایک رجل صالح ابو ہاشم بن عتبہ بن ربیعہؓ تھے یہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں بہت بے باک تھے وہ فوراً آپ ﷺ کی خدمت میں گئے اور دریافت کر کے واپس آ کر بتایا کہ صلوۃ وسطیٰ عصر ہے^۷۔

دنیاوی ابتلاء پر تأسف : عہد نبوی ﷺ کے بعد مسلمانوں کی زندگیاں بہت بدل گئی تھیں۔

۱۔ اسد الغابہ۔ جلد ۲۔ ص ۴۷۲ ۲۔ ابن سعد۔ جلد ۷۔ ص ۱۲۸۔ ق اول ۳۔ تہذیب الکمال۔ جلد ۳۔ ص ۲۳۸

۴۔ استیعاب۔ جلد ۲۔ ص ۷۱۹ ۵۔ ایضاً ۶۔ تہذیب الکمال۔ ص ۲۶ ۷۔ مستدرک عام۔ جلد ۳۔ ص ۲۳۸

شیبہؓ اسے دیکھ کر روتے تھے۔ ایک مرتبہ شیبہؓ بیمار ہوئے ان کے بھانجے امیر معاویہؓ عیادت کے لئے آئے۔ شیبہؓ نے لگے معاویہؓ نے پوچھا آپ کیوں روتے ہیں، مرض کی تکلیف ہے یا دنیا چھوڑنے کا غم ہے؟ کہا یہ کچھ نہیں ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے یہ عہد کیا تھا کہ ”ابو ہاشم ممکن ہے تم اس زمانہ تک زندہ رہو جب مسلمانوں میں مال کی کثرت ہوگی ایسے وقت میں تمہارے لئے ایک خادم اور جہاد فی سبیل اللہ کے لئے ایک سواری کافی ہے۔ اس ارشاد کے مقابلہ میں اتنا کچھ جمع کر رکھا ہے۔“

(۵۹) حضرت شیبہ بن عثمانؓ

نام و نسب : شیبہ نام، ابو عثمان کنیت، نسب نامہ یہ ہے : شیبہ بن عثمان بن ابی طلحہ بن عبد العزیٰ ابن عثمان بن عبد دار بن قصی قرشی عبد ربی جہمی۔ خانہ کعبہ کی کلید برداری ان ہی کے گھر میں تھی۔ ان کے والد عثمان جنگِ احد میں حضرت علیؓ کے ہاتھوں مارے گئے۔

اسلام : ان کے اسلام کے بارے میں دو روایتیں ہیں ایک یہ کہ فتح مکہ میں مشرف باسلام ہوئے۔ دوسری یہ کہ غزوہ حنین میں۔ لیکن پہلی روایت زیادہ صحیح معلوم ہوتی ہے اس کی تائید اس واقعہ سے بھی ہوتی ہے کہ خانہ کعبہ کی تطہیر کے بعد آنحضرت ﷺ نے اس کی کنجی عثمان بن طلحہؓ اور شیبہؓ کو واپس کی اور فرمایا کہ یہ کنجی ہمیشہ ہمیشہ کے لئے قیامت تک تمہارے پاس رہے گی جو شخص اس کو تم سے چھینے گا وہ ظالم ہوگا۔

غزوہ حنین میں اسلام والی روایت کا واقعہ یہ ہے کہ شیبہؓ بھی اپنے اہل خاندان کی طرح آنحضرت ﷺ کے سخت دشمن تھے۔ حنین کے دن یہ آنحضرت ﷺ کے ساتھ بدتمیتی سے نکلے اور آپ ﷺ کو غافل پا کر قتل کرنا چاہا آپؐ ہوشیار ہو گئے اور انہیں قریب بلایا۔ اس واقعہ سے شیبہؓ بہت مرغوب اور خوف زدہ ہو گئے۔ آنحضرت ﷺ نے ان کے سینہ پر ہاتھ مار کر فرمایا اب تم سے شیطان دور ہو گیا۔ اسلام کی صداقت کے لئے یہ واقعہ کافی تھا کہ ایک شخص جان لینے سے بڑھتا ہے اور رسول اللہ ﷺ اس کی نیت جان جاتے ہیں اور نرم الفاظ میں مخاطب فرماتے ہیں۔ چنانچہ شیبہؓ ان وقت مشرف باسلام ہو گئے۔

غزوہ حنین : بہر حال حنین میں شیبہؓ اسلام کی حالت میں شریک ہوئے اور بڑے ثبات و استقلال

سے لڑے۔ جب مسلمانوں کی عارضی شکست میں ان کے پاؤں اکھڑ گئے تو اس وقت بھی شیبہؓ کے پاؤں ثبات میں لغزش نہ آئی۔^۱

حضرت عمرؓ کے زمانہ میں ایک مرتبہ وہ اور شیبہؓ خانہ کعبہ میں بیٹھے ہوئے تھے۔ حضرت عمرؓ نے خانہ کعبہ کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ اس گھر میں جس قدر سونا اور چاندی ہے سب کو مسلمانوں میں تقسیم کر دوں گا انہوں نے کہا تم کو اس کا کیا حق ہے جب کہ تمہارے دو ساتھیوں (آنحضرت ﷺ اور حضرت ابوبکرؓ) نے ایسا نہیں کیا۔ ان کے استدلال پر حضرت عمرؓ نے فرمایا میں ان ہی دونوں کی اقتدا کرتا ہوں۔^۲

امارتِ حج : شیبہؓ بہت دنوں تک زندہ رہے، لیکن کسی سلسلہ میں نظر نہیں آتے، حضرت علیؓ اور امیر معاویہؓ کے زمانہ کا واقعہ ملتا ہے کہ ۳۹ھ میں جب ان دونوں میں کشمکش جاری تھی تو حضرت علیؓ نے قثم بن عباس کو اپنی جانب سے امیر الحج بنا کر بھیجا اور امیر معاویہؓ نے یزید بن شجرہ کو، مکہ میں دونوں میں امارت کے بارہ میں اختلاف ہوا اس وقت شیبہؓ موجود تھے حضرت ابوسعید خدریؓ نے جھگڑا چکانے کے لیے ان کو امیر بنایا، ان کی امارت پر فریقین متفق ہو گئے، چنانچہ ۳۹ھ کا حج ان ہی کی امارت میں ہوا۔^۳

وفات : امیر معاویہؓ کے آخر عہدِ خلافت ۵۹ھ میں وفات پائی، دو لڑکے مصعب اور عبد اللہ یادگار چھوڑے۔^۴

فضل و کمال : فضل و کمال کے لحاظ سے شیبہؓ کا کوئی خاص پایہ نہیں ہے، تاہم حدیث کی کتابیں ان کی مرویات سے خالی نہیں ہیں، ان سے مصعب بن شیبہ نافع بن مصعب، ابو وائل، نکرمة اور عبد الرحمن بن زجاج وغیرہ نے روایتیں کی ہیں، علامہ ابن عبد البرؒ انہیں فضلاء مؤلفۃ القلوب میں لکھتے ہیں۔^۵

(۶۰) حضرت صعصعہ بن ناجیہؓ

نام و نسب : صعصعہ نام، باپ کا نام ناجیہ تھا، نسب نامہ یہ ہے : صعصعہ بن عقیال ابن محمد بن سفیان بن مجاشع بن دارم بن یاسف بن ثاقب بن تمیم تمیمی۔

۱۔ استیعاب۔ جلد ۲۔ ص ۶۰۹ ۲۔ بخاری باب الاقتداء السنن رسول اللہ ۳۔ اصابع۔ جلد ۲۔ ص ۲۱۶

۴۔ تہذیب الکمال۔ ص ۱۶۸ ۵۔ استیعاب۔ جلد ۲۔ ص ۶۰۹

اسلام سے پہلے، صصعہ کی فطرت ابتدا سے سلیم تھی، چنانچہ زمانہ جاہلیت میں جبکہ سارے عرب میں دختر کشی عام تھی اور لوگ لڑکیوں کو تنگ قرابت سے بچنے کے لیے زندہ دفن کر دیا کرتے تھے، صصعہ کی آغوش محبت لڑکیوں کی پرورش کے لیے کھلی تھی اور دوسروں کی لڑکیوں کو خرید کر پالتے تھے۔

اسلام : وفد تمیم کے ساتھ مدینہ آئے۔ آنحضرت ﷺ نے اسلام پیش کیا، صصعہ سلیم الفطرت تھے اس لیے بلا تامل قبول کر لیا قبول اسلام کے بعد آپ سے کچھ آیات قرآنی حاصل کیں۔ پھر پوچھا یا رسول اللہ (ﷺ) میں نے جاہلیت میں جو اچھے کام کئے ہیں وہ قبول ہوں گے اور مجھ کو ان کا اجر ملے گا؟ فرمایا کون سے اعمال کئے ہیں؟ عرض کیا ایک مرتبہ میری دس ماہ کی دو حاملہ اذنیٹاں گم ہوئیں میں ایک اونٹ پر سوار ہو کر ان کی تلاش میں نکلا راستہ میں دو مکان دکھائی دیئے میں ان میں گیا ایک مکان میں ایک پیر مرد نظر آیا اس کی مجھ سے باتیں ہونے لگیں اتنے میں گھر سے آواز آئی کہ اس کے گھر میں ولادت ہوئی۔ اس نے پوچھا کون بچہ ہوا، معلوم ہوا لڑکی۔ اس نے کہا اس کو دفن کر دو میں نے کہا دفن نہ کرو میں اس کو خریدتا ہوں، چنانچہ میں نے اس کو دو اذنیٹاں بچوں سمیت اور اپنی سواری کا اونٹ دیکر لڑکی لے لی۔ اس طریقہ سے ظہور اسلام تک میں نے تین سو ساٹھ ۳۶۰ دفن ہونے والی لڑکیوں کو فی لڑکی دس ۱۰ دس ۱۰ مہینہ کی دو دو حاملہ اذنیٹاں اور ایک ایک اونٹ دیکر خریدا ہے اس کا مجھے کوئی اجر ملے گا؟ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ تم کو خدا نے اسلام کے شرف سے سرفراز کیا ہے اس لیے ان تمام نیکیوں کا اجر ملے گا۔

حضرت صصعہ کے اعمال حسنہ محض لڑکیوں کو بچانے تک محدود نہ تھے بلکہ وہ غرباء، پرور بھی تھے اور غریبوں اور محتاجوں کے لیے ان کا دست کرم ہمیشہ دراز رہتا تھا ضرورت سے جو کچھ بچتا تھا اس کو پڑوسیوں اور مسافروں میں تقسیم کر دیتے تھے، ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا یا رسول اللہ (ﷺ) میرے پاس ضروریات سے جو کچھ بچتا ہے اس کو میں پڑوسیوں اور مسافروں کے لیے رکھ چھوڑتا ہوں۔ فرمایا پہلے ماں، باپ بھائی، بہن اور قریبی رشتہ داروں کو دیا کرو۔

وفات : وفات کے زمانہ کے بارہ میں ارباب سیر خاموش ہیں۔

اولاد : مشہور شاعر قرزوق ان کا پوتا تھا چنانچہ اس نے اس فخریہ شعر

و جئى الذی منع الوائدات فاحیا الوئید فلم توار

میں صصعہ ہی کے کارنامہ کی طرف اشارہ کیا ہے۔

(۶۱) حضرت صفوان بن اُمیہؓ

نام و نسب : صفوان نام، ابو وہب کنیت، نسب نامہ یہ ہے، صفوان بن اُمیہ بن خلف بن وہب ابن حج قرشی۔ زمانہ جاہلیت میں صفوان کا خاندان نہایت معزز اور مفتخر تھا، ایسا یعنی تیروں سے پانسہ ڈالنے کا عہدہ ان ہی کے گھر میں تھا کوئی پبلک کام اس وقت تک نہ ہو سکتا تھا جب تک پانسہ سے اس کا فیصلہ نہ ہو جائے۔

قریش کے دوسرے معززین کی طرح صفوانؓ کا باپ اُمیہ بھی اسلام کا سخت مخالف تھا۔ حضرت بلالؓ اسی کی غلامی میں تھے جن کو وہ اسلام سے برگشتہ کرنے کے لئے بڑی عبرت انگیز سزائیں دیتا تھا۔ بدر میں اس کا سارا کنبہ مسلمانوں کے استیصال کے ارادہ سے نکلا۔

حضرت عبدالرحمن ابن عوفؓ نے اُمیہ کی حفاظت کا ذمہ لیا تھا لیکن میدان جنگ میں حضرت بلالؓ کی نظر اس پر پڑ گئی۔ یہ چلائے کہ دشمن اسلام اُمیہ کو لینا ان کی آواز پر مسلمان چاروں طرف سے اُمیہ پر ٹوٹ پڑے۔ حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ بچانے کے لئے اُمیہ کے اوپر لیٹ گئے لیکن بلالؓ کی فریاد کے سامنے ان کی کسی نے نہ سنی اور تیروں سے چھید چھید کر اُمیہ کا کام تمام کر دیا۔ اس کی مدافعت میں حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ بھی زخمی ہوئے۔^۱

بدر میں مشرکین کی شکست اور باپ کے قتل نے صفوانؓ کو بہت زیادہ مشتعل کر دیا۔ ایک دن یہ اور عمیر بن وہب بیٹھے ہوئے۔ بدر کے واقعات کا تذکرہ کر رہے تھے صفوانؓ نے کہا مقتولین بدر کے بعد زندگی کا مزہ جاتا رہا۔ عمیرؓ نے جواب دیا سچ کہتے ہو کیا کہیں اگر قرض کا بار نہ ہوتا اور بال بچوں کے مستقبل کی فکر نہ ہوتی تو محمد ﷺ کو قتل کر کے یہ قصہ ہی ختم کر دیتا۔

صفوانؓ باپ کے خون کے انتقام کے لئے بیتاب تھے، بولے یہ کون سی بڑی بات ہے میں ابھی تمہارا قرض چکائے دیتا ہوں رہا اہل و عیال کا معاملہ تو ان کے متعلق بھی یقین دلاتا ہوں کہ تمہارے بعد اپنے بال بچوں کی طرح ان کی کفالت اور خیر گیری کروں گا۔ چنانچہ عمیر کو آمادہ کر کے انہیں ایک زہر میں بچھی ہوئی تلواریں دے کر آنحضرت ﷺ کا قصہ چکانے کے لئے مدینہ بھیجا مگر مدینہ پہنچنے کے بعد جب وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس گئے تو یہ راز فاش ہو گیا اور عمیر مسلمان ہو گئے۔^۲

اس سازش کی ناکامی کے بعد صفوانؓ نے جن جن کے اعزہ بدر میں مارے گئے تھے انہیں ساتھ لے کر ابوسفیان کو بدلہ لینے پر آمادہ کیا۔ اس کا نتیجہ احد کی صورت میں ظاہر ہوا۔ ابوسفیان مسلمانوں کی عارضی شکست کے بعد مکہ واپس ہو رہا تھا مگر پھر یہ خیال کر کے کہ اس وقت مسلمان کمزور ہیں ان سے پورا بدلہ لینا چاہا لیکن صفوانؓ نے کہا کہ اس مرتبہ ہم کامیاب ہو گئے ہیں۔ ممکن ہے آئندہ خلاف نتیجہ نکلے اس لئے لوٹنا مناسب نہیں ہے ان کے سمجھانے پر ابوسفیان لوٹ آیا۔

۳۔ میں بعض نو مسلم قبائل کی درخواست پر آنحضرت ﷺ نے ان کی تعلیم کے لئے قاری صحابہ کی ایک جماعت بھیجی تھی۔ راستہ میں بنی لحیان نے ان پر حملہ کر دیا اس حملہ میں چند صحابہ شہید ہوئے اور چند زندہ گرفتار کئے گئے۔ گرفتار ہونے والوں میں ایک صحابی زید بن دسئہ تھے انہیں بیچنے کے لئے مکہ لایا گیا صفوان نے خرید کر اپنے باپ کے بدلہ میں قتل کیا۔

اس کے بعد صفوان کو اسلام سے پہلی سی پر خاش باقی نہ رہی بلکہ اندرونی طور پر وہ متاثر ہونے لگے چنانچہ ۷۔ میں جب غزوہ خیبر پیش آیا تو دوسرے آلات حرب تو مسلمانوں کو مہیا ہو گئے لیکن زرہیں نہ تھیں۔ آنحضرت ﷺ نے صفوانؓ سے مانگ بھیجیں انہوں نے کہا عاریہ یا غصبا، فرمایا عاریہ۔ چنانچہ صفوانؓ نے چند زرہیں عاریہ دیں۔ یہ پہلا موقع تھا کہ ان کے جیسے دشمن اسلام کی جانب سے اس کی امداد کا کوئی کام ہوا ان زرہوں میں سے غزوہ خیبر میں چند ضائع ہو گئیں۔ آنحضرت ﷺ نے تاوان دینا چاہا لیکن صفوانؓ نے قبول نہ کیا اور کہا یا رسول اللہ ﷺ (آج اسلام کی جانب میرا میلان ہو رہا ہے) لیکن قومی عصبیت نے اس میلان کو دبا دیا اور فتح مکہ میں مسلمانوں سے مزاحم ہوئے۔

فتح مکہ کے بعد جب دوسرے قریش کا شیرازہ بکھر گیا اور ان کے لئے کوئی جائے پناہ باقی نہ رہ گئیں تو ان میں سے اکثر آنحضرت ﷺ کے لطف و کرم اور غفور و درگزر کو دیکھ کر مشرف باسلام ہو گئے اور بعضوں نے اپنی گزشتہ کرتوتوں کے خوف اور بعضوں نے تعصب کی وجہ سے راہ فرار اختیار کی۔ صفوانؓ نے بھی جدہ کا راستہ لیا ان کے عزیز اور قدیم رفیق عمیر بن وہبؓ نے جو بدر کے بعد ہی مشرف باسلام ہو گئے تھے۔ آنحضرت ﷺ سے عرض کیا۔ یا رسول اللہ ﷺ (سر دار قوم صفوان بن امیہ آپ کے خوف سے بھاگ گئے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا وہ مامون ہیں۔ عمیر نے کہا یا رسول اللہ ﷺ) جان بخشی کی کوئی

۱۔ سیرۃ ابن ہشام۔ جلد ۲۔ ص ۷۱ ۲۔ سیرت ابن ہشام۔ جلد ۲۔ ص ۶۱

۳۔ مسند احمد بن حنبل۔ جلد ۳۔ ص ۴۰۱ ۴۔ سیرۃ ابن ہشام۔ جلد ۲۔ ص ۳۳۸

نشانی مرحمت ہو آپ ﷺ نے ردائے مبارک دی کہ وہ اسے دکھا کر صفوان کو اسلام کی دعوت دیں اور انہیں آنحضرت ﷺ کے پاس بلالائیں اگر وہ اسلام قبول کر لیں تو فنبہا ورنہ انہیں غور کرنے کے لئے دو مہینہ کی مہلت دی جائے۔ عمیر ردائے مبارک لے کر صفوان کی تلاش میں نکلے اور انہیں رزاد دکھا کر مدینہ واپس لے آئے اور وہ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور مجمع عام میں بلند آواز سے پوچھا محمد ﷺ، عمیر بن وہبؓ نے مجھ سے تمہاری چادر دکھا کر کہا ہے کہ تم نے مجھ کو بلایا ہے اور مجھے اختیار دیا ہے کہ اگر میں پسند کروں تو اسلام قبول کر لوں ورنہ دو مہینہ کی مہلت ہے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ابو وہب سواری سے اترو۔ انہوں نے کہا جب تک صاف نہ بتاؤ گے نہ اتروں گا۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا دو کے بجائے تم کو چار مہینہ کی مہلت ہے۔

اس عفو و درگزر اور نرمی و لطافت کے بعد بھی صفوان اپنے مذہب پر قائم رہے لیکن اسلام کے ساتھ کوئی پر خاش باقی نہیں رہی چنانچہ اس کے بعد ہی جنگ حنین اور طائف ہوئی۔ اس میں بھی انہوں نے اسلحہ سے مسلمانوں کی مدد کی اور خود بھی دونوں لڑائیوں میں شریک ہوئے۔ آنحضرت ﷺ نے حنین کے مال غنیمت میں سے سوا نوٹ انہیں مرحمت فرمائے۔ یہ لطف و مرحمت دیکھ کر صفوانؓ نے کہا ایسی فیاضی نبی ہی کر سکتا ہے۔ ان کی بیوی ان سے پہلے مشرف باسلام ہو چکی تھیں لیکن آنحضرت ﷺ نے دونوں میں تفریق نہیں کی۔

اسلام : آنحضرت ﷺ کے اس طرز عمل سے متاثر ہو کر غزوہ طائف کے چند دنوں بعد مشرف باسلام ہو گئے اس وقت آنحضرت ﷺ نے نکاح کی تجدید نہیں فرمائی۔

مدینہ کی ہجرت اور واپسی : صفوانؓ تاخیر اسلام کی وجہ سے ہجرت کا شرف حاصل نہ کر سکے تھے کسی نے ان سے کہا جو ہجرت کے شرف سے محروم رہا وہ ہلاک ہو گیا۔ صفوانؓ یہ سن کر ہجرت کر کے مدینہ چلے گئے۔ اور حضرت عباسؓ کے یہاں اترے آنحضرت ﷺ کو ان کی ہجرت کی خبر ہوئی تو فرمایا فتح کے بعد ہجرت نہیں ہے اور صفوانؓ سے پوچھا کس کے یہاں اترے ہو عرض کی عباس کے یہاں۔ فرمایا ایسے قریش کے ہاں جو قریش کو بہت زیادہ محبوب رکھتا ہے پھر انہیں مکہ واپس جانے کا حکم دیا اس حکم پر صفوانؓ مکہ واپس آ گئے اور بقیہ زندگی مکہ ہی میں بسر کی۔

۱۔ سیرت ابن ہشام۔ جلد ۲۔ ص ۱۴۷ و مؤطا امام مالک۔ ص ۱۱۷
 ۲۔ سیرت ابن ہشام۔ جلد ۲۔ ص ۳۰۰ و استیعاب۔ جلد اول۔ ص ۳۲۸
 ۳۔ مؤطا امام مالک۔ ص ۱۱۷
 ۴۔ ایضاً ۲۵۳
 ۵۔ ایضاً ۳۲۸
 ۶۔ ایضاً ۸

جنگ یرموک : حضرت عمرؓ کے زمانہ میں شام کی فوج کشی میں مجاہدانہ شریک ہوئے اور اس سلسلہ کی مشہور جنگ یرموک میں ایک دستہ کے افسر تھے۔

وفات : امیر معاویہؓ کے عہد خلافت میں وفات پائی۔ وفات کے بعد دولہ کے امیہ اور عبداللہ یادگار چھوڑے۔

فضل و کمال : فضل و کمال کے لحاظ سے کوئی خاص مرتبہ نہ تھا تاہم احادیث سے ان کا دامن علم یکسر خالی نہیں ہے۔ امیہ، عبداللہ، صفوان بن عبداللہ، حمید بن حجر، سعید بن مسیب، عطاء طاؤس، مکرّمہ اور طارق بن مرّقع وغیرہ نے ان سے روایتیں کی ہیں۔ البتہ اس عہد کے دوسرے ممتاز علوم میں کمال رکھتے تھے چنانچہ خطابت، فصاحت و بلاغت میں جو اس عہد کے کمالات تھے صفوان کا شمار بلغائے عرب میں تھا۔

عام حالات : فیاضی اور سیر چشمی ان کی فطرت میں تھی۔ زمانہ جاہلیت ہی سے وہ قریش کے فیاض اور عالی حوصلہ لوگوں میں تھے اور ان کا دسترخوان لوگوں کے لئے صلائے عام تھا۔

(۶۲) حضرت صفوان بن معطل

نام و نسب : صفوان نام، ابو عمر کنیت، نسب نامہ یہ ہے : صفوان بن معطل بن رخصہ بن خزاعی بن خارب بن مرہ بن قانج بن ذکوان بن ثعلبہ بن بھشہ بن سلیم بن منصور سلمی۔

اسلام : ۵ھ میں مشرف باسلام ہوئے۔

غزوات : قبول اسلام کے بعد سب سے اول غزوہ مرسیع میں شریک ہوئے۔ خندق میں آنحضرت ﷺ کے ہمرکاب تھے۔ سریہ عرینین میں پیش پیش تھے۔ غزوات میں عموماً ”ساقہ“ یعنی فوج کے اس حصہ پر مامور ہوتے تھے جو فوج کے پیچھے پیچھے چلتا ہے تاکہ فوج کے بھولے بھٹکے ہوئے آدمیوں اور گری پڑی ہوئی چیزوں کو ساتھ لیتا چلے۔ غزوہ بنی مصطلق میں بھی صفوان اس خدمت پر مامور تھے اس غزوہ میں حضرت عائشہؓ چھوٹ گئیں تھیں چنانچہ صفوان انہیں ساتھ لیتے آئے۔ منافقین نے اس کو بہت مکروہ صورت میں مشتہر کیا۔ لیکن کلام پاک نے اس افتراء پر دازی کا پردہ چاک کر دیا۔ اس موقع پر آنحضرت ﷺ نے صفوان کے متعلق یہ رائے ظاہر فرمائی تھی۔

”ما علمت منه الا خیراً“ میں ان کی بھلائی کے سوا کچھ نہیں جانتا۔

۳ تہذیب احمدیہ - جلد ۴ - ص ۴۴۴

۲ استیعاب - جلد ۲ - ص ۳۲۹

۱ طبری - ص ۳۰۹۳

۶ مستدرک حاکم - جلد ۳ - ص ۵۱۸

۵ استیعاب - جلد ۲ - ص ۳۲۹

۴ اصابہ - جلد ۳ - ص ۲۳۷

بے بخاری کتاب التفسیر باب قولہ عز وجل ان الذین جاؤ ابا لافک عصبہ منکم الخ

بعض صحابہ جن میں حسان بن ثابتؓ بھی تھے منافقوں کے فریب میں آ گئے۔ صفوانؓ نہایت باحمیت تھے اور پھر ام المؤمنین کا معاملہ تھا اس لئے قدرۃ انہیں تکلیف پہنچی اور جوش حمیت میں انہوں نے حسانؓ پر تلوار چلا دی۔ حسانؓ نے آنحضرت ﷺ سے اس کی شکایت کی آپ ﷺ نے اس کے معاوضہ میں حسان کو کھجور کا ایک باغ دلوادیا۔

عہد خلفاء : حضرتؓ کے عہد خلافت ۷ھ میں آرمینہ کی فوج کشی میں شریک ہوئے، بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اسی معرکہ میں جام شہادت پیا اور بعض سے معلوم ہوتا ہے امیر معاویہؓ کے زمانہ تک زندہ تھے، اور روم کی معرکہ آرائیوں میں شریک ہوئے، ان ہی میں سے کسی معرکہ میں ران کی ہڈی ٹوٹ گئی تھی۔

وفات : غرض باختلاف روایت ۷ھ یا ۵۹ھ میں وفات پائی۔
فضل و کمال : صفوانؓ کو مذہبی معلومات کی بڑی تلاش و جستجو رہتی تھی۔ جن چیزوں سے ناواقف ہوتے تھے اسے براہ راست رسول اللہ ﷺ سے پوچھ لیتے تھے ایک مرتبہ آپ سے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ (ﷺ) آپ سے ایسے مسائل پوچھنا چاہتا ہوں، جن سے آپ واقف ہیں مگر میں ناواقف ہوں فرمایا پوچھو، عرض کی شب و روز میں کوئی وقت ایسا بھی ہے جس میں نماز مکروہ ہو اس استفسار پر آپ ﷺ نے تینوں مکروہ اوقات مفصل بتائے۔

گو صفوان سے بہت کم روایتیں ہیں تاہم وہ فضل و کمال کے لحاظ سے صحابہ کی جماعت میں ممتاز شمار کئے جاتے تھے، علامہ ابن عبد البرؒ لکھتے ہیں کسان خیر افاضلاً، شاعر بھی تھے مگر عام طور سے شاعری نہیں کرتے تھے جب کوئی خاص موقع آتا تھا تو اشعار موزوں ہو جاتے تھے۔ حسان بن ثابتؓ پر وار کرتے وقت بھی دو شعر کہے تھے۔

شجاعت : شجاعت و بہادری میں بہت ممتاز تھے اور اس زمانہ کے مشہور بہادروں میں شمار تھے۔

(۶۳) حضرت ضحاکؓ بن سفیان

نام و نسب : ضحاک نام، ابو سعد کنیت، "سیف رسول اللہ ﷺ" لقب، نسب نامہ یہ ہے : ضحاک بن سفیان ابن عوف کعب بن ابی بکر بن کلاب بن ربیعہ بن عامر بن صعصعہ عامر کلابی مدینہ کے قریب بادیہ میں رہتے تھے۔

اسلام و غزوات : فتح مکہ سے پہلے مشرف باسلام ہوئے۔ آنحضرت ﷺ نے انہیں ان کے قبیلہ کے نو مسلموں کا امیر بنایا۔ فتح مکہ میں جب تمام مسلم قبائل جمع ہوئے تو ان کا قبیلہ بھی نو سو کی جمعیت کے ساتھ آیا آنحضرت ﷺ نے قبیلہ والوں سے مخاطب ہو کر فرمایا تم میں کوئی ایسا شخص ہے جو تمہاری جماعت کو ہزار کے برابر کر دے۔ یہ کہہ کر ضحاکؓ کو شرف امارت عطا فرمایا۔

سریہ بنی کلاب : ضحاکؓ نہایت شجاع و بہادر تھے۔ اس لئے اہم امور کے لئے ان کا انتخاب ہوتا تھا۔ چنانچہ وہ میں آنحضرت ﷺ نے دعوت اسلام کے سلسلہ میں ان کے قبیلہ بنی کلاب کی طرف جو سریہ روانہ فرمایا تھا وہ ضحاکؓ کی ماتحتی میں گیا تھا۔

غزوات کے علاوہ بھی وہ ذات نبوی ﷺ کی حفاظت کی خدمت انجام دیا کرتے تھے اور بعض مواقع پر وہ شمشیر برہنہ آپ ﷺ کی پشت پر کھڑے ہوتے تھے۔ اس صلہ میں بارگاہ رسالت ﷺ سے ”سیف رسول ﷺ“ کا لقب ملا تھا۔

فضل و کمال : فضل و کمال میں کوئی خاص پایہ نہ تھا۔ ان سے صرف چار حدیثیں مروی ہیں۔ ابن مسیبؓ اور حسن بصریؓ نے ان سے روایت کی ہے۔ حضرت عمرؓ ان کے معلومات پر فیصلہ دیا کرتے تھے۔ حضرت عمرؓ کا خیال تھا کہ مقتول کی دیت میں اس کی بیوی کا کوئی حصہ نہیں لیکن ضحاکؓ کی شہادت پر یہ رائے بدل دی۔

(۶۴) حضرت ضرار بن ازورؓ

نام و نسب : ضرار نام، ابوازور کنیت، نسب نامہ یہ ہے : ضرار بن مالک (ازور) بن اوس بن خذیمہ بن ربیعہ بن مالک بن ثعلبہ بن دودان بن اسد بن خزیمہ اسدی۔

اسلام : ضرارؓ اپنے قبیلہ کے اصحاب ثروت میں تھے۔ عرب میں سب سے بڑی دولت اونٹ کے گلے تھے ضرار کے پاس ہزار اونٹوں کا گلد تھا۔ اسلام کے جذب و ولولے میں تمام مال و دولت چھوڑ کر خالی ہاتھ آستان نبوی ﷺ پر پہنچے اور عرض کی۔

ترکت الخمر و ضرب القلاح واللہو تعللہ انتہا لا

فیارب لا تقبنن صفقتی فقد بعت اہلی و مالی مرالا

آنحضرت ﷺ نے فرمایا تمہاری تجارت گھائے میں نہیں رہی^۱۔ قبول اسلام کے بعد آنحضرت ﷺ نے بنی صید اور بنی ہذیل کی طرف بھیجا^۲۔

فتنہ ارتداد : عہد صدیقی میں فتنہ ارتداد کے فرو کرنے میں بڑی سرگرمی سے حصہ لیا۔ بنی تمیم کا مشہور مرتد سرغنہ مالک بن نویرہ ان ہی کے ہاتھوں مارا گیا^۳۔ اس سلسلہ کی مشہور جنگ یمامہ میں بڑی شجاعت سے لڑی۔ واقعہ کی بیان کے مطابق اس بے جگری سے لڑے کہ دونوں پاؤں پنڈلیوں سے کٹ گئے مگر تلوار ہاتھ سے نہ چھوٹی۔ گھٹنوں کے بل گھسٹ گھسٹ کر لڑتے رہے اور گھوڑوں کی ٹاپوں سے مسل کر شہید ہوئے^۴۔

شہادت : مگر یہ بیان بہت مبالغہ آمیز معلوم ہوتا ہے اس حد تک یہ واقعہ صحیح ہے کہ ضرار یمامہ کی جنگ میں نہایت سخت زخمی ہوئے تھے مگر شہادت کے بارے میں روایات مختلف ہیں۔ بعض یمامہ میں بتاتے ہیں، بعض اجنادین میں اور بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ کے زمانہ تک زندہ تھے اور شام کی فتوحات میں شرکت کی لیکن موسیٰ بن عقبہ کی روایت کی رو سے اجنادین کے معرکہ میں شہادت پائی۔ یہ روایت زیادہ مستند ہے^۵۔

(۶۵) حضرت ضمار بن ثعلبہؓ

نام و نسب : ضمار نام، باپ کا نام ثعلبہ تھا۔ قبیلہ ازد شنو سے خاندانی تعلق تھا۔ طبابت اور جھاڑ پھونک پیشہ تھا زمانہ جاہلیت کے آنحضرت کے دوست تھے^۱۔

اسلام : جب مکہ میں اول اول آنحضرت نے توحید الہی کی صدا بلند کی تو اس کے جواب میں ہر طرف سے جنون اور دیوانگی کا فتویٰ صادر ہوا۔ اتفاق سے ان ہی دنوں ضمار کسی کام سے مکہ آئے انہوں نے بھی سنا کہ (نعوذ باللہ) محمد جنونی ہو گئے۔ طبابت اور جھاڑ پھونک پیشہ تھا اس لئے گزشتہ تعلقات اور مراسم نے تقاضہ کیا کہ محمد کو ضرور دیکھنا چاہئے ممکن ہے میرے ہاتھوں سے شفا مقدر ہو۔ چنانچہ خدمت نبوی میں جا کر کہا محمد میں آسیب کا علاج کرتا ہوں، خدا نے میرے ہاتھوں سے بہتوں کو شفا بخشی ہے اس لئے میں تمہارا علاج کرنا چاہتا ہوں اس ہمدرد کے جواب میں آپ نے یہ آیتیں تلاوت فرمائیں :

۱ استیعاب۔ جلد اول، ص ۳۲۸۔ ۲ ایضاً۔ ۳ ایضاً۔ ۴ اسد الغابہ۔ جلد ۳۔ ص ۳۹۔ ۵ اسبابہ۔ جلد ۳۔ ص ۴۶۹۔ ۶ اسد الغابہ۔ جلد ۳۔ ص ۴۲۔

الحمد لله نحمدہ ونستعينه من يهده الله فلا مضل له ومن يضلله فلا هادي له ، واشهد ان لا اله الا الله وحده لا شريك له واشهد ان محمداً عبده ورسوله

”تمام تعریفیں خدا ہی کے لئے ہیں ہم اس کی حمد کرتے ہیں اور اس سے استعانت چاہتے ہیں۔ جس کو خدا ہدایت دے اسے کوئی گمراہ کرنے والا نہیں اور جس کو وہ گمراہ کر دے اسے کوئی ہدایت دینے والا نہیں۔ میں گواہی دیتا ہوں خدا کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ تنہا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں اور محمد اس کے بندے اور رسول ہیں۔“

یہ آیتیں تلاوت کر کے آنحضرت ﷺ کچھ اور فرمانا چاہتے تھے کہ ضام نے دوبارہ پڑھنے کی فرمائش کی۔ آپ نے تین مرتبہ پڑھ کر سنایا۔ ضام نہایت غور و تامل کے ساتھ سنتے جاتے تھے اور ہر مرتبہ دل متاثر ہوتا جاتا تھا۔ جب سن چکے تو کہا میں نے کانوں کا جمع سنا ہے، ساحروں کی سحر بیانی سنی ہے، شعراء کا کلام سنا ہے لیکن یہ تو کچھ اور ہی چیز ہے جو بات اس میں ہے وہ کسی میں نہیں پائی۔ اس کا عمق تو سمندر کی گہرائیوں کی تھاہ لاتا ہے ہاتھ بڑھاؤ اور مجھے اسلام کی غلامی میں داخل کرو۔ اس طریقہ سے عرب کا وہ مشہور طبیب جو جنوں کا علاج کرنے آیا تھا خود اسلام کا دیوانہ بن گیا۔^۱

حضرت ضام گو بہت ابتداء میں مشرف باسلام ہوئے تھے لیکن اسلام کے بعد پھر کہیں ان کا تذکرہ نہیں ملتا۔ صرف ایک موقع پر ان کا نام آتا ہے آنحضرت ﷺ نے ایک سریہ کسی سمت روانہ فرمایا تھا وہ ضام کے قبیلہ کی طرف سے گذرا تو یہاں سے ایک مطہرہ ملا امیر سریہ نے پوچھا کہ اس قبیلہ سے کچھ ہاتھ لگا ایک شخص نے کہا ایک مطہرہ ملا ہے۔ امیر نے کہا اسے واپس کر دو، یہ ضام کا قبیلہ ہے۔^۲ اس کے بعد پھر کہیں ان کا پتہ نہیں چلتا۔

(۶۶) حضرت ضام بن ثعلبہؓ

نام و نسب : باپ کا نام ثعلبہ تھا، قبیلہ بنی سعد سے نسب تعلق تھا۔
اسلام سے پہلے : ضام فطرۃ سلیم الطبع تھے، چنانچہ زمانہ جاہلیت میں بھی جب سارا عرب طرح طرح کے فواحش میں مبتلا تھا، ضام کا دامن اخلاق ان سے محفوظ رہا۔^۳

اسلام : ۹ھ میں جب اسلام کا چرچا سارے عرب میں پھیل گیا، اور دور دور سے قبائل مدینہ آنے لگے تو ضام کے قبیلہ نے انہیں تحقیق حال کے لئے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں بھیجا۔ جس

وقت یہ پہنچے اس وقت آپ مسجد میں تشریف فرما تھے، ضمام مسجد کے دروازہ پر اونٹ باندھ کر اندر داخل ہوئے، آنحضرت ﷺ کے گرد صحابہ کا مجمع تھا، ضمام سیدھے آپ کے پاس پہنچے اور پوچھا تم میں عبدالمطلب کا پوتا کون ہے؟ آنحضرت ﷺ نے فرمایا میں ہوں، ضمام نے کہا محمد! فرمایا، ہاں اس کے بعد ضمام نے کہا اے ابن عبدالمطلب! میں تم سے سختی کے ساتھ چند سوالات کروں گا، تم آزرده نہ ہوتا، فرمایا نہیں آزرده نہ ہوں گا۔ جو پوچھنا چاہتے ہو، پوچھو کہہا میں تم سے اس خدا کا واسطہ دلا کر پوچھتا ہوں جو تمہارا معبود، تمہارے اگلوں کا معبود اور تمہارے بعد آنے والوں کا معبود ہے، کیا خدا نے تم کو ہمارا رسول بنا کر بھیجا ہے، فرمایا خدا کی قسم ہاں، کہا میں تم سے اس خدا کا واسطہ دلا کر پوچھتا ہوں جو تمہارا معبود تمہارے اگلوں کا معبود اور تمہارے پچھلوں کا معبود ہے۔ کیا خدا نے تم کو یہ حکم دیا ہے کہ بلا کسی کو شریک کئے ہوئے صرف اس کی پرستش کریں، اور اس کے علاوہ ان بتوں کو چھوڑ دیں، جن کی ہمارے آباد اجداد پرستش کرتے چلے آئے ہیں، فرمایا خدا کی قسم ہاں، پوچھا میں تم سے اس خدا کا واسطہ دلا کر پوچھتا ہوں جو تمہارے اگلوں کا اور تمہارے پچھلوں کا معبود ہے کیا تم کو خدا نے یہ حکم دیا ہے کہ ہم پانچ وقت کی نمازیں پڑھیں، آنحضرت ﷺ نے اس کا جواب بھی اثبات میں دیا، ضمام نے اسی طرح روزہ، حج، اور زکوٰۃ اسلام کے تمام ارکان کے متعلق قسم دلا کر سوالات کئے اور آپ ﷺ اثبات میں جواب دیتے رہے، یہ سوالات کرنے کے بعد ضمام نے کہا میں شہادت دیتا ہوں کہ خدا کے سوا کوئی معبود نہیں، اور محمد اس کے بندے اور رسول ہیں، اور میں عنقریب ان تمام فرائض کو پورا کروں گا، اور جن جن چیزوں سے آپ نے منع کیا ہے انہیں چھوڑ دوں گا، اور اس میں کسی قسم کی کمی اور زیادتی نہ کروں گا، اس اقرار کے بعد یہ لوٹ گئے، آنحضرت ﷺ نے لوگوں سے فرمایا کہ اگر اس گیسوؤں والے نے سچ کہا ہے تو جنت میں جائے گا!۔

اپنے قبیلے میں تبلیغ : ضمام بد فطرت سے طبع سلیم رکھتے تھے۔ زمانہ جاہلیت میں بھی ان کا دامن آلودگیوں سے پاک رہا، اسلام نے اس میں اور جلادے دی، چنانچہ مدینہ سے واپسی کے بعد انہیں اپنے گمراہ قبیلہ کے اسلام کی فکر ہوئی، اور وہ سیدھے بنی سعد پہنچے اہل قبیلہ ان کی آمد کی خبر سن کر جوق در جوق حالات سننے کے لئے جمع ہوئے یہ لوگ اس خیال میں تھے کہ ضمام کوئی اچھا اثر لے کر نہ آئے ہوں گے، مگر اپنی امیدوں کے برخلاف ضمام کی زبان سے پہلا جملہ یہ سنا، ”لات وعزیٰ کا براہو“ محترم دیوتاؤں کی شان میں اس گستاخی پر ہر طرف سے ”ضمام خاموش“ ”ضمام خاموش“ تم کو خوف

نہیں معلوم ہوتا کہ اس گستاخی کی پاداش میں تم کو جنوں، ابرص یا جزام ہو جائے، کی صدا میں انھیں، ضمامؓ نے ان تمام کا یہ جواب دیا، تم لوگوں کی حالت پر افسوس ہے، لات عزی کی قسم کا نقصان نہیں پہنچا سکتے، خدا نے محمد کو رسول بنا کر بھیجا ہے، اور ان پر ایسی کتاب اتاری ہے، جو اس (گمراہی) سے نجات دلائے گی، جس میں اب تک تم گھرے ہوئے ہو میں شہادت دیتا ہوں کہ محمد خدا کے بندے اور اس کے رسول ہیں میں محمد کے پاس سے تمہارے لئے ایسا پیام لایا ہوں جس میں انہوں نے بعض چیزوں کے کرنے کا حکم دیا ہے اور بعض چیزوں سے منع کیا ہے۔ ان کی اس پر جوش تقریر کا یہ اثر ہوا کہ شام تک پورا قبیلہ اسلام کے نور سے منور ہو گیا۔

فضل و کمال : مذہبی علوم میں ضمامؓ کو کوئی خاص کمال نہ تھا، لیکن فہم و فراست انداز گفتگو اور نمائندگی میں بڑا ملکہ تھا، خود زبان وحی والہام نے انہیں سمجھداری کی سند عطا فرمائی تھی، چنانچہ ایک موقع پر آپ نے ان کے متعلق ارشاد فرمایا تھا، کہ ضمامؓ سمجھدار آدمی ہیں، حضرت عمرؓ فرماتے تھے، کہ میں نے ضمامؓ سے بہتر اور مختصر الفاظ میں سوال کرنے والا نہیں دیکھا۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے تھے کہ میں نے کسی قوم میں ضمامؓ سے بہتر کوئی فرد نہیں پایا۔

(۶۷) حضرت عامر بن اکوعؓ

نام و نسب : عامر نام، باپ کا نام سنان ہے، دادا کی نسبت سے عامر بن اکوع مشہور ہوئے نسب نامہ یہ ہے، عامر بن سنان بن اکوع بن عبداللہ بن قشیر بن خزیمہ بن مالک بن سلمان بن اسلم اسلمی۔ اسلام : ان کے اسلام کا زمانہ متعین طور سے نہیں بتایا جاسکتا۔ مگر اس قدر معلوم ہے کہ خیبر سے پہلے مشرف باسلام ہو چکے تھے، اور اس میں وہ آنحضرت ﷺ کا ہم رکاب تھے عامر خوش گلو تھے کسی نے حدی سننے کی فرمائش کی، یہ سواری سے اتر کر سنانے لگے۔

اللهم لولا انت ما اهتدينا لا تصدقنا ولا صلينا

فاغفر فذالك ما بقينا وثبت الاقدام ان لا قينا

والقين سكينه علينا انا اذا صيح بنا اتينا

وبالصياح عولوا علينا

”اے خدا اگر تو ہدایت نہ کرتا تو ہم ہدایت نہ پاتے، نہ ہم صدقہ کرتے نہ نماز پڑھتے۔ جب تک زندہ ہیں تجھ پر فدا ہوں، ہماری مغفرت فرما اور ہم دشمنوں کے مقابلہ میں انھیں تو ہمیں ثابت قدم رکھ۔ اور ہم پر تسلی نازل کر جب ہم فریاد میں پکارے جاتے ہیں تو ہم پہنچ جاتے ہیں۔ لوگوں نے پکار کر ہم سے استغاثہ چاہا ہے۔“

آنحضرت ﷺ نے آواز سن کر پوچھا یہ سائق کون ہے، لوگوں نے کہا عامر بن اکوع فرمایا خدا ان پر رحم کرے یہ دعاسن کر کسی نے کہا اب ان پر جنت واجب ہوگئی، یا نبی اللہ ابھی ان کی بہادری سے فائدہ اٹھانے کا موقع کیوں نہ دیا گیا۔

شہادت : خیبر پہنچ کر جب لڑائی کا آغاز ہوا تو عامر نے ایک یہودی کی پنڈلی پر تلوار کا وار کیا، تلوار چھوٹی تھی، یہودی کے نہ لگی اور زور میں گھوم کر اس کا سر خود ان کے گھسنے پر لگ گیا، اس کے صدمہ سے وہ شہید ہو گئے، اس طرح کی موت پر لوگوں نے یہ غلط رائے قائم کی کہ یہ خودکشی ہے اس لئے عامر کے تمام افعال برباد ہو گئے، غزوہ خیبر سے واپسی کے بعد ایک دن آنحضرت عامر کے بھتیجے سلمہ کا ہاتھ پکڑے ہوئے تھے، سلمہ اس عام شہرت سے بہت متاثر تھے، آنحضرت ﷺ نے پوچھا خیر ہے، عرض کیا میرے ماں باپ آپ ﷺ پر فدا ہوں، لوگوں کا خیال ہے کہ عامر کے تمام اعمال باطل ہو گئے، فرمایا جو شخص ایسا کہتا ہے وہ جھوٹا ہے ان کو دو ہرا اجر ملے گا۔^۱

(۶۸) حضرت عائذ بن عمرو

نام و نسب : عائذ نام، ابوہمیرہ کنیت، نسب نامہ یہ ہے، عائذ بن عمرو بن بلال بن عبید بن یزید بن رواحہ بن ریبہ بن عدی بن عامر بن ثعلبہ بن ثور بن ہدمہ بن لاطم بن عثمان بن عمرو بن او بن طانجہ بن الیاس بن مضر مزی۔

اسلام : ہجرت کے ابتدائی سنوں میں مشرف باسلام ہوئے، صلح حدیبیہ میں آنحضرت ﷺ کے ہمراہ تھے، رضوان کے شرف سے بھی مشرف ہوئے۔^۲ لیکن اس کے بعد کسی غزوہ میں ان کا پتہ نہیں چلتا۔ بصرہ کا قیام : بصرہ آباد ہونے کے بعد یہاں گھر بنالیا، اور گوشہ عزلت میں زندگی بسر کرنے

۱۔ آنحضرت ﷺ جسے رحمت کی دعا دیتے تھے وہ بہت جلد خلعت شہادت سے سرفراز ہو جاتا تھا، اس لئے کہنے والے (بروایت مسلم یہ حضرت عمرؓ تھے) کو اس کا یقین ہو گیا کہ علمبردار اسی لڑائی میں شہید ہو جائیں گے، اس لئے اس نے کہا ہم کو ان کی بہادری سے استفادہ کا موقع کیوں نہ دیا گیا۔ ۲۔ بخاری کتاب المغازی باب غزوہ خیبر۔

۳۔ اسد الغابہ۔ جلد ۳۔ ص ۹۸ و بخاری کتاب المغازی باب غزوہ حدیبیہ۔

لگے کہیں آتے جاتے نہ تھے۔ اور بغیر کسی مجبوری اور خاص ضرورت کے کسی سے ملتے جلتے نہ تھے جب عبید اللہ ابن زیاد کی سخت گیریوں سے اہل بصرہ گھبرا گئے تو عائذ کو مجبوراً اسے یہ فرمان رسول سنانے کے لئے نکلنا پڑا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا بدترین گلہ بان وہ ہے جو گلہ کے لئے بیدار اور درشت ہو اس لئے تم کو ان میں سے نہ ہونا چاہئے۔^۴

وفات : یزید کے عہد حکومت میں بصرہ میں وفات پائی، ان کی وفات کے زمانہ میں عبید اللہ بصرہ کا گورنر تھا، دستور تھا کہ ممتاز اشخاص کی نماز جنازہ والی پڑھایا کرتے تھے۔ عائذ کو اس کا نماز جنازہ پڑھانا منظور نہ تھا اس لیے وہ ایک صحابی حضرت ابو ہریرہؓ کو نماز پڑھانے کی وصیت کرتے گئے تھے۔ اس کی وفات کے بعد عبید اللہ حسب دستور نماز پڑھانے کے لیے نکلا تو راستہ میں اس کو عائذ کی وصیت معلوم ہوئی اس لیے کچھ دور جنازہ کی مشایعت کر کے لوٹ گیا۔^۵

فضل و کمال : عائذ آنحضرت ﷺ کے ممتاز صحابہ میں تھے، علامہ ابن عبد البرؒ لکھتے ہیں، کان من صالحی الصحابہؓ ان سے سات حدیثیں مروی ہیں، ان میں سے ایک متفق علیہ ہے۔^۶ ان کے رواۃ میں معاویہ ابن قرہ، ابو عمران جونی، عامر الاحول، ابو جمرہ صنیعی، حشر ج وغیرہ قابل ذکر ہیں۔ ان کے معاصرین ان کے مذہبی معلومات سے استفادہ کرتے تھے، ایک مرتبہ ابو جمرہ کو وتر کے متعلق کچھ پوچھنے کی ضرورت پیش آئی تو انہوں نے عائذ سے سوال کیا، عائذ نے ان کے سوال کا تشفی بخش جواب دیا۔^۷

(۶۹) حضرت عباسؓ بن مرداس

نام و نسب : عباس نام، ابو الفضل کنیت، نسب نامہ یہ ہے : عباس بن مرداس بن ابی عامر ابن حارث بن عبد بن عیس بن رفاعہ بن حارث بن جح بن حارث بن یثرب بن منصور اسلمی، عباس اپنے قبیلہ کے سردار تھے۔

اسلام سے پہلے : عباسؓ کی فطرت ابتدا ہی سے سلیم واقع ہوئی تھی، چنانچہ زمانہ جاہلیت میں بھی جب کہ سارے عرب میں بادہ و ساغر کا دور چلتا تھا، ان کی زبان بادہ تاب کے ذائقہ سے آشنا نہ ہوئی۔

۱۔ اصابہ۔ جلد ۲۔ ص ۴۱ ۲۔ مسلم کتاب الامارۃ باب فضیلة الامام العادل و عقوبة الجائر الخ

۳۔ ابن سعد۔ جلد ۱۔ ص ۲۰۔ ق اول ۴۔ استیعاب۔ جلد ۲۔ ص ۵۲۰

۵۔ تہذیب الکمال۔ ص ۱۸۶ ۶۔ بخاری کتاب المغازی باب غزوة حدیبیہ

لوگوں نے پوچھا شراب کیوں نہیں پیتے اس سے جرات و قوت پیدا ہوتی ہے کہا میں قوم کا سردار ہو کر بے عقل بننا نہیں پسند کرتا۔ خدا کی قسم میرے پیٹ میں بھی وہ چیز نہیں جاسکتی جو عقل و خرد سے بیگانہ بنا دے۔^۱

اسلام : عباسؓ کے اسلام کا واقعہ غیبی تلقین کا ایک نمونہ ہے ان کے والد ضما و نام ایک بت کی پرستش کرتے تھے۔ ان سے کہا تم بھی اسے پوجا کرو یہ تمہارے نفع و نقصان کا مالک ہے چنانچہ باپ کے حکم کے مطابق یہ بھی ضما کو پوجنے لگے۔ ایک دن دوران پرستش میں ایک منادی کی آواز سنی جو ضما کی بربادی اور رسول اللہ ﷺ کی نبوت کی منادی کر رہی تھی۔ عباسؓ سلیم الفطرت تھے اتنا واقعہ تنبیہ کے لئے کافی تھا چنانچہ فوراً پتھر کو آگ میں جھونک دیا اور آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر مشرف باسلام ہو گئے۔^۲

غزوات : اسلام لانے کے کچھ دنوں بعد اپنے قبیلے کے نو سو مسلح آدمیوں کو لے کر آنحضرت ﷺ کی امداد کے لئے آ گئے۔ پھر فتح مکہ کی مسرت میں انہوں نے ایک پر زور قصیدہ کہا۔^۳

فتح مکہ کے بعد حنین میں شریک ہوئے۔ آنحضرت ﷺ نے حنین کے غنیمت میں سے سو اونٹ مرحمت فرمائے۔^۴ حنین کے بعد طائف اور اوطاس کے غزوات میں بھی ساتھ تھے۔ ہر جنگ کے خاتمہ پر بڑے زور قصائد کہتے تھے ابن ہشامؒ نے سیرۃ میں یہ قصائد نقل کئے ہیں ان لڑائیوں کے علاوہ غزوات میں بھی شریک ہوئے۔ جنگ کے زمانہ میں آتے تھے اور اختتام جنگ کے بعد پھر لوٹ جاتے تھے۔^۵

وفات : ان کے زمانہ جاہلیت کی تعین میں ارباب سیر خاموش ہیں بصرہ کے صحرا میں قیام تھا اکثر شہر آیا جایا کرتے تھے۔

فضل و کمال :

فضل و کمال کے اعتبار سے کوئی لائق ذکر شخصیت نہیں رکھتے تھے تاہم ان کی روایات سے حدیث کی کتابیں بالکل خالی نہیں ہیں ان کے لڑکے کنانہ نے ان سے روایت کی ہے۔^۱

شاعری میں البتہ ممتاز مقام رکھتے تھے۔ غزوات کے سلسلہ میں بڑے پر زور قصائد لکھتے تھے۔ ان کی شاعری میں جوش شجاعت کے ساتھ نور ہدایت کی بھی جھلک ہوتی تھی۔ اشعار ذیل اس کا ثبوت ہیں :

۱۔ اسد الغابہ۔ جلد ۳۔ ص ۱۰۳ ۲۔ سیرۃ ابن ہشام۔ جلد ۲۔ ص ۲۵۳ ۳۔ ابن سعد۔ جلد ۴۔ ص ۱۵۔ ق ۲
۴۔ اسد الغابہ۔ جلد ۳۔ ص ۱۱۳ ۵۔ ابن سعد۔ جلد ۴۔ ص ۷۱ ۶۔ تہذیب الکمال۔ ص ۱۹۰

یا خاتم النبأ انک مرسل بالحق کل ہدی السبیل ہدایک
اے خاتم النبیین تم حق کے ساتھ بھیجے گئے ہو اور خدا نے تم کو ہدایت کے تمام راستوں کی راہ دکھادی ہے
ان الا لہ بنی علیک محبة فی خلقہ و محمد اٰسما کا
خدا نے تم کو اپنی مخلوق کی محبت کی بنیاد قرار دیا ہے اور تمہارا نام محمد رکھا ہے

(۷۰) حضرت عبداللہ بن ارقم

نام و نسب : عبداللہ نام، باپ کا نام ارقم تھا۔ نسب نامہ یہ ہے : عبداللہ بن ارقم بن عبدینوث
ابن عبد مناف بن زہرہ بن کلاب بن مرہ قریشی۔ امام النبی حضرت آمنہؓ ان کے والد ارقم
کی پھوپھی تھیں۔

اسلام : فتح مکہ میں مشرف باسلام ہوئے۔

ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ کے پاس کسی کا خط آیا آپ ﷺ نے فرمایا اس کا جواب کون لکھے گا۔
عبداللہ بن ارقم نے اس خدمت کیلئے اپنے کو پیش کیا ان کا لکھا ہوا آنحضرت ﷺ کو بہت پسند آیا۔
حضرت عمرؓ بھی موجود تھے انہوں نے بھی پسندیدگی ظاہر کی۔ اس دن سے عبداللہ مراسلات کی کتاب
کی خدمت پر مامور ہو گئے۔ چنانچہ سلاطین اور امراء کے نام یہی خطوط لکھتے تھے اور جواب بھی یہی
دیتے تھے اور اس دیانت کے ساتھ اس فرض کو انجام دیتے تھے کہ پوشیدہ سے پوشیدہ مراسلات ان کی
تحویل میں رہتے تھے مگر یہ کبھی کھول کر نہ دیکھتے تھے۔

عہدِ خلفاء : حضرت ابوبکرؓ کے زمانہ میں بھی اس خدمت پر رہے۔ حضرت عمرؓ نے اپنے زمانہ
میں اس عہدہ کے علاوہ متعدد خدمتیں عبداللہ بن ارقم کے سپرد کیں۔ وہ حضرت عمرؓ کے خاص مشیروں
میں تھے۔ بیت المال کی نگرانی بھی ان کے سپرد تھی۔ حضرت عمرؓ ان کا بہت لحاظ کرتے تھے ایک
مرتبہ بطور اظہارِ خوشنودی فرمایا اگر تم کو تقدیم فی الاسلام کا شرف حاصل ہوتا تو میں کسی کو تمہارے علاوہ ترجیح
نہ دیتا۔ حضرت عثمانؓ کے ابتدائی عہد میں بھی وہ اپنے قدیم عہدہ پر مامور رہے لیکن پھر کچھ دنوں
کے بعد مستعفی ہو گئے۔

وفات : ۳۵ھ میں وفات پائی۔ آخر عمر میں آنکھوں سے معذور ہو گئے تھے۔

۱۔ تیغاب۔ جلد اول۔ ص ۳۳۸ ۲۔ مستدرک حاکم۔ جلد ۲۔ ص ۲۲۵ ۳۔ ایضاً ۴۔ ایضاً
۵۔ اسد الغابہ۔ جلد ۳۔ ص ۱۱۵ ۶۔ ایضاً۔ ص ۱۱۶ ۷۔ مستدرک حاکم۔ جلد ۳۔ ص ۳۳۲

فضل و کمال : ان سے چند حدیثیں مروی ہیں۔ سلم عددی اور عروہ نے ان سے روایت کی ہے^۱۔
خشیت الہی : خشیت الہی مذہب کی روح ہے۔ عبد اللہ میں جس حد تک یہ روح ساری تھی اس کا اندازہ حضرت عمرؓ کے ان الفاظ سے کیا جاسکتا ہے۔ آپ فرماتے تھے کہ میں نے عبد اللہ سے زیادہ خدا سے ڈرنے والا نہیں دیکھا^۲۔

قوی کام حبہؐ لہ اور بلا معاوضہ انجام دیتے تھے اور اس پر کسی قسم کا صلہ اور انعام لینا نہیں پسند کرتے تھے۔ حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں جب خزائچی کے عہدہ سے استعفیٰ دیا تو حضرت عثمانؓ نے تیس ہزار اور ایک روایت کی رو سے ۳ لاکھ درہم کی رقم بطور معاوضہ پیش کی۔ عبد اللہؓ نے اس کے قبول کرنے سے انکار کر دیا اور کہا میں نے یہ کام حبہؐ لہ کیا ہے وہی مجھ کو اس کا اجر دے گا^۳۔

(۷۱) حضرت عبد اللہؓ بن ابی امیہ

نام و نسب : عبد اللہ نام، باپ کا نام حذیفہ تھا۔ نسب نامہ یہ ہے : عبد اللہ بن ابی امیہ (حذیفہ) ابن مغیرہ بن عبد اللہ بن عمرو بن مخزوم مخزومی۔ ماں کا نام عاتکہ تھا۔ عاتکہ عبد المطلب کی لڑکی تھیں اس رشتہ سے عبد اللہ رسول اللہ ﷺ کے چھو پھیرے بھائی ہوئے۔ اس کے علاوہ ام المومنین حضرت ام سلمہؓ کے ماں جائے بھائی تھے۔ غرض عبد اللہ کو رسول اللہ ﷺ کے ساتھ متعدد درقرابتوں کا شرف حاصل تھا۔

اسلام سے پہلے : عبد اللہ کا گھرانہ زمانہ جاہلیت میں بہت معزز مانا جاتا تھا ان کے والد ابو امیہ قریش کے مقتدر رئیس تھے۔ فیاضی اور سیر پیشی ان کا خاندانی شعار تھا سفر میں اپنے تمام ہمراہیوں کے اخراجات کا بار خود اٹھاتے تھے اسی لئے ”زوالراکب“ مسافر کا تو شان کا لقب ہو گیا۔ آنحضرت ﷺ نے جب اسلام کی دعوت دی تو سب سے زیادہ مخالفت روسائے قریش کی جانب سے ہوئی ابو امیہ بھی روسائے قریش میں تھے اس لئے وہ اور ان کے لڑکے عبد اللہ نے بھی آنحضرت ﷺ کی بڑی مخالفت کی۔ عبد اللہ رسول اکرم ﷺ اور مسلمانوں سے سخت عناد رکھتے تھے۔

”کان عبد اللہ بن ابی امیہ شد یداً علی المسلمین مخالفاً مبغضاً و کان

شلید العداۃ لرسول اللہ ﷺ“^۴

۳۔ اسد الغابہ۔ جلد ۳۔ ص ۱۱۸

۴۔ اسد الغابہ۔ جلد ۳۔ ص ۱۱۶

۱۔ تہذیب الکمال۔ ص ۱۹۱

۵۔ استیعاب۔ جلد اول۔ ص ۳۳۸

۶۔ اسد الغابہ۔ جلد ۳۔ ص ۱۱۸

آنحضرت ﷺ نے جب اپنے چچا ابوطالب کی وفات کے وقت ان سے کلمہ شہادت پڑھنے کی درخواست کی تو عبداللہ ہی نے یہ کہہ کر روکا کہ کیا آخر وقت عبدالمطلب کی ملت سے پھر جاؤ گے۔^۱

آنحضرت ﷺ سے بطور استہزاء اور استحالہ کہا کرتے تھے کہ میں اس وقت تک تمہارے اوپر ایمان نہیں لاسکتا جب تک تمہارے لئے زمین سے کوئی چشمہ نہ پھوٹے یا تمہارے لئے کوئی زرنگار محل نہ تیار ہو جائے۔ سعید روایت کرتے ہیں کہ کلام اللہ کی یہ آیت ”لن نومن لک حتی تغفر لنا من الارض ينبوعا“، ”ہم اس وقت تک تمہارے اوپر ایمان نہیں لاسکتے جب تک ہمارے لئے زمین سے کوئی چشمہ نہ پھوٹے“۔ عبداللہ ہی کے بارے میں نازل ہوئی تھی۔^۲

اسلام : لیکن بالآخر اسلام کی قوت تاثیر نے انہیں بھی کھینچ لیا یا وہ بغض و عناد تھا کہ رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات کا مضحکہ اڑایا کرتے تھے یا فتح مکہ سے کچھ دنوں پہلے خود بخود بلا کسی تحریک کے آستان نبوی ﷺ کی طرف چلے۔ مکہ اور مدینہ کے درمیان مقام ثنیۃ العقاب میں آنحضرت ﷺ سے ملاقات ہوئی۔ عبداللہ کے جرائم ان کی نگاہوں کے سامنے تھے اس لئے بلا واسطہ سامنے جانے کی ہمت نہ ہوتی تھی۔ اپنی بہن حضرت ام سلمہؓ کو درمیان میں ڈال کر باریابی کی اجازت چاہی ان کی فرد عصیاں کا ایک ایک جرم آنحضرت ﷺ کی نگاہوں کے سامنے آ گیا اس لئے آپ ﷺ نے ملنے سے انکار کر دیا۔ حضرت ام سلمہؓ نے سفارش کی کہ کچھ بھی ہو بہر حال وہ آپ کے پھوپھی زاد بھائی اور سسرالی عزیز بھی ہیں۔ فرمایا، انہوں نے مکہ میں میرے لئے کیا اٹھا رکھا۔ اس مایوس کن جواب کے بعد عبداللہ نے عالم ناامیدی میں کہا اگر عفو و درگزر کا دروازہ قطعی بند ہو چکا ہے تو در بدر پھر کر بھوک اور پیاس سے تڑپ تڑپ کر جان دے دیں گے۔ آنحضرت ﷺ کو اس عزم کی خبر ہوئی تو رحم و کرم کی موجوں کے غیظ و غضب کی گرمی کو ٹھنڈا کر دیا اور عبداللہ کو باریابی کی اجازت مل گئی اور وہ خلعت اسلام سے سرفراز ہو گئے۔^۳

غزوات و شہادت : قبول اسلام کے بعد تلافی مافات کے لئے جہاد فی سبیل اللہ کے میدان میں قدم رکھا اور فتح مکہ، حنین اور طائف میں مجاہدانہ شریک ہوئے۔ غزوہ طائف میں داد شجاعت دیتے ہوئے ایک تیر لگا۔ یہ تیر تیر قضا ثابت ہوا اور عبداللہ شہادت سے سرفراز ہو گئے۔^۴

۱۔ بخاری باب الجنائز ۲۔ استیعاب۔ جلد اول۔ ص ۳۳۸ ۳۔ تفسیر ابن جریر طبری۔ جلد ۱۵۔ ص ۱۰۴

۴۔ سیرۃ ابن ہشام۔ جلد ۲۔ ص ۲۳۳ ۵۔ اسد الغابہ۔ جلد ۳۔ ص ۱۱۸

(۷۲) حضرت عبداللہ بن نحسینؓ

نام و نسب : عبداللہ نام، ابو محمد کنیت، نسب نامہ یہ ہے : عبداللہ بن مالک قشب بن نضلہ بن عبداللہ بن رافع بن محض بن مبشر بن صعب بن دھمان بن نصر بن زہراں بن کعب بن حارث بن عبداللہ بن نصر بن از وازدی۔

حضرت عبداللہؓ کے والد مالک کسی بات پر ناراض ہو کر اپنا قبیلہ چھوڑ کر مکہ چلے آئے تھے اور مطلب بن عبد مناف کے حلیف بن کر یہیں بود و باش اختیار کر لی تھی، اور مطلب کی پوتی نحسینہ سے شادی کر لی تھی، اسی کے بطن سے عبداللہ پیدا ہوئے اور ماں کی نسبت سے عبداللہ بن نحسین مشہور ہوئے۔^۱
اسلام : ابن سعد نے مسلمین قبل الفتح کے زمرہ میں لکھا ہے، قبول اسلام کے بعد کسی وقت مکہ سے ترک سکونت کر کے مدینہ سے تیس میل کی مسافت پر، مقام بطن ریم میں متوطن ہو گئے۔^۲
وفات : یہیں مروان بن حکم کے آخری زمانہ میں وفات پائی۔^۳

فصائل و کمالات : عبداللہ فضلاء صحابہ میں تھے، زہد و عبادت ان کا مشغلہ زندگی تھا ہمیشہ روزہ رکھتے تھے۔ کان نمسکا فاضلا یصوم اللہر۔^۴

(۷۳) حضرت عبداللہ بن بدرؓ

نام و نسب : عبداللہ نام، ابو بھجہ کنیت، نسب نامہ یہ ہے : عبداللہ بن بدر بن زید بن معاویہ ابن حسان بن اسعد بن ودیعہ بن مہذول بن عدی بن غنم بن ربعہ بن رشدان بن قیس ابن جھینہ جھنی۔
اسلام : ابن سعد نے مسلمین قبل الفتح کے زمرہ میں لکھا ہے۔ آبائی نام عبد العزیٰ مشرکانہ تھا۔ آنحضرت ﷺ نے بدل کر عبداللہ رکھا۔ علامہ ابن حجر عسقلانی کے نزدیک ہجرت کے ابتدائی سنوں میں مشرف باسلام ہوئے۔ ان کی روایت کی رو سے ان کا واقعہ یہ ہے کہ ہجرت نبوی ﷺ کے بعد عبداللہ اور ان کے ماں جائے بھائی ابو مروہ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، آپ ﷺ نے نام پوچھا۔ عرض کیا ”عبد العزیٰ“ عزیٰ بت کا بندہ۔ فرمایا نہیں تم عبداللہ خدا کے بندے ہو۔
عاندان پوچھا عرض کیا ”بنی غیان“ گمراہ کی اولاد۔ فرمایا نہیں تم بنی رشدان، ہدایت یاب کی اولاد ہو۔

۱ ابن سعد۔ جلد ۴۔ ص ۵۔ ق ۲ ۲ استیعاب۔ جلد اول۔ ص ۳۵۱ ۳ ایضاً

۴ اصحابہ۔ جلد ۴۔ ص ۱۳۳ ۵ ابن سعد۔ جلد ۴۔ ص ۶۸۔ ق ۲

عبداللہ جس وادی میں رہتے تھے اس کا نام ”غویاء“ تھا، آنحضرت ﷺ نے اسے بھی راشد سے بدل دیا۔ اس طرح عبداللہ کی تمام لغو نسبتوں کو برکت نسبتوں سے بدل دیا۔

غزوات : قبول اسلام کے بعد سب سے اول غزوہ احد میں شریک ہوئے^۱۔ پھر حضرت کرز بن جابر فہری کے ساتھ عربین کا جنہوں نے آنحضرت ﷺ کے اونٹوں پر چھاپہ مارا تھا متعاقب کیا۔ فتح مکہ میں تمام مسلمان قبائل شریک ہوئے ہر قبیلہ کا پرچم علیحدہ علیحدہ تھا، عبداللہ کے قبیلہ میں چار پرچم بردار تھے۔ جن میں عبداللہ ایک تھے^۲۔

تعمیر مسجد : عبداللہ کا ایک گھر مدینہ میں تھا اور دوسرا یمن کے کوہستانی بادیہ میں، لیکن عبداللہ کا شمار مدنی صحابہ میں تھا۔ مدینہ میں انہوں نے ایک مسجد بھی تعمیر کرائی تھی یہ مسجد نبوی ﷺ کے بعد دوسری مسجد تھی جو مدینہ میں تعمیر ہوئی^۳۔

وفات : امیر معاویہؓ کے عہد خلافت میں وفات پائی^۴۔ وفات کے بعد ایک لڑکا معاویہ نامی یادگار چھوڑا۔

(۷۴) حضرت عبداللہ بن بدیل

نام و نسب : عبداللہ نام، باپ کا نام بدیل تھا، نسب نامہ یہ ہے: عبداللہ بن ورقاء ابن عبدالمعزی خزاعی، عبداللہ کے والد بدیل قبیلہ خزاعہ کے سردار تھے۔

اسلام و غزوات : فتح مکہ سے پہلے اپنے والد بدیل کے ساتھ مشرف باسلام ہوئے۔ فتح مکہ، جنین طائف اور تبوک وغیرہ غزوات میں آنحضرت ﷺ کے ہمراہ تھے^۱۔

عہد فاروقی : عبداللہ نہایت حوصلہ مند بہادر تھے، حضرت عمرؓ کے عہد میں انہوں نے بڑے بڑے کارنامے کئے۔ ۲۳ھ میں جب حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ قم و قاشان کی مہموں میں مصروف تھے تو حضرت عمرؓ نے عبداللہ کو ان کی مدد کے لئے روانہ کیا کہ وہ اصفہان کی مہم اپنے ہاتھ میں لے کر ابوموسیٰ اشعریؓ کا بارہلکا کریں چنانچہ اسی سنہ میں عبداللہ نے اصفہان کے علاقہ میں پیش قدمی کی اور ”جی“ نامی قریہ پر حملہ کر کے یہاں کے باشندوں کو مطیع بنا کر ان سے جزیہ وصول کیا ”جی“ کے بعد اصفہان کا رخ کیا۔ یہاں کے حکمران فادوسخان نے شہر چھوڑ کر نکل جانا چاہا مگر عبداللہ نے اس کا موقع نہ دیا اور

۱۔ اصابہ۔ جلد ۴۔ ص ۳۹ ۲۔ ابن سعد۔ جلد ۴۔ ص ۶۸۔ ق ۲ ۳۔ ایضاً اسد الغابہ۔ جلد ۳۔ ص ۱۲۳

۴۔ اصابہ۔ جلد ۴۔ ص ۳۹ ۵۔ ابن سعد۔ جلد ۴۔ ص ۶۸۔ ق ۲ ۶۔ اسد الغابہ۔ جلد ۳۔ ص ۲۳

آگے بڑھ کر اسے روک لیا، فادوسفان کے ساتھ میں منتخب بہادر تھے اس نے عبداللہؓ سے کہا بیکار جانوں کو ضائع کرنے سے کیا فائدہ آؤ تنہا ہم تم نہٹ لیں۔ عبداللہؓ نے منظور کر لیا دونوں کا مقابلہ ہوا، عبداللہؓ نے نہایت پھرتی سے وار کیا۔ فادوسفان نے خالی دیا اور اس کے گھوڑے کی زین کو کاٹا ہوا نکل گیا، فادوسفان نے ان کی شجاعت کا اعتراف کیا کہ تم ایسے عقلمند بہادر کو قتل کرنے کو دل نہیں چاہتا میں اس شرط پر شہر حوالہ کرنے کو تیار ہوں کہ یہاں کے باشندوں کو اس امر کی آزادی دیجائے کہ ان میں جس کا دل چاہے، وہ جزیہ دیکر رہے اور جس کا دل چاہے شہر چھوڑ کر چلا جائے۔ عبداللہؓ نے یہ درخواست منظور کر لی اور فادوسفان نے شہر حوالہ کر دیا۔ اصفہان پر قبضہ کرنے کے بعد اس کے قرب وجوار کے علاقوں کی طرف بڑھے اور چند دنوں میں پورا علاقہ بہ شمول کوہستان و زرعی اضلاع زیر نگین کر لیا۔

عہد عثمانی : ۲۸ھ میں حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ نے کرمان کی مہم پر مامور کیا۔ عبداللہؓ نے طیس اور کرین دو قلعے فتح کئے، ان قلعوں کی تسخیر سے خراسان کا راستہ صاف ہو گیا جسے بعد میں عبداللہ بن عامر نے فتح کیا۔

عہد مرتضوی : حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد حضرت علیؓ اور امیر معاویہ کے اختلاف میں حضرت عبداللہ معاویہؓ کے شدید مخالف اور حضرت علیؓ کے پر جوش حامیوں میں تھے، جب دونوں میں اختلاف شروع ہوا تو عبداللہؓ نے حضرت علیؓ کے حامیوں کے سامنے یہ تقریر کی۔

”اما بعد لوگو! معاویہ نے ایک ایسا دعویٰ کیا ہے جس کے وہ ہرگز مستحق نہیں ہیں وہ اس دعویٰ میں ایسے شخص سے جھگڑا کر رہے ہیں جو یقیناً اس کا زیادہ مستحق ہے۔ امیر معاویہ اور اس شخص کا کوئی مقابلہ نہیں۔ معاویہ باطل کو لے کر اٹھے ہیں تاکہ حق کو ڈمگادیں۔ لوگو! انہوں نے قبائل اور اعراب کو گمراہی میں مبتلا کر دیا ہے اور ان کے دلوں میں فتنہ و فساد کا بیج بو کر ان سے حق و باطل کی تمیز اٹھادی ہے۔ خدا کی قسم! تم لوگ یقیناً حق پر ہو، خدا کا نور اور برہان تمہارے ساتھ ہے۔ سرکشوں اور ظالموں کے مقابلے کے لئے تیار ہو جاؤ اور ان سے جنگ کرو خدا تمہارے ہاتھوں انہیں عذاب کا مزہ چکھائے گا۔“

”قاتلو الفتنۃ الباغیۃ الذین نازعو الامر اہلہ“

”لوگو باغی گروہ سے لڑو جنہوں نے ایک امر کے اہل و مستحق سے جھگڑا کیا ہے۔“

تم نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ایسے لوگوں سے جہاد کیا ہے خدا کی قسم اس بارے میں ان کی نیت پاک اور اچھی نہیں ہے اس لئے اپنے اور خدا کے دشمنوں کے مقابلے میں اٹھو، خدا تم پر اپنی رحمت نازل فرمائے گا۔

جنگ صفین کے درمیانی التواء کے بعد محرم الحرام کے اختتام کے بعد جب جنگ شروع ہوئی تو حضرت علیؓ نے عبداللہ کو پیدل فوج کا کمانڈر بنایا۔

شہادت : جنگ صفین کا سلسلہ مدتوں جاری رہا پوری فوجیں میدان میں بہت کم اترتی تھیں۔ عموماً چھوٹے چھوٹے دستے ایک دوسرے کے مقابلے میں آتے تھے ایک دن عبداللہ بن بدیلؓ اپنا دستہ لیکر اترے۔ شامیوں کی طرف سے ابوعز سلمیٰ ان کے مقابلہ میں آیا۔ صبح سے شام تک نہایت پر زور مقابلہ ہوتا رہا۔ عبداللہ اس بہادری سے لڑتے تھے کہ جدھر رخ کر دیتے تھے شامی کالی کی طرح چمٹ جاتے تھے، ایک حملہ میں زور میں بڑھتے ہوئے امیر معاویہؓ کے علم تک پہنچ گئے امیر نے حکم دیا کہ ان پر پتھر برسوا اس حکم پر چاروں طرف سے پتھر برسے لگے اور علیؓ کا یہ جانثار پتھروں کی بارش سے شہید ہو گیا۔

(۷۵) حضرت عبداللہ بن جعفرؓ

نام و نسب : عبداللہ نام، ابو جعفر کنیت، عبداللہ رسول اللہ ﷺ کے چچرے بھائی اور حضرت جعفرؓ طیار کے صاحبزادے ہیں۔ نسب نامہ یہ ہے: عبداللہ بن جعفر بن ابی طالب بن عبدالمطلب ابن ہاشم بن عبدمناف قرشی ہاشمی مطلبی۔ ماں کا نام اسماء تھا۔ نہالی شجرہ یہ ہے، اسماء بنت عمیس بن معبد بن تمیم بن مالک بن قحافہ بن عامر بن ربیعہ بن معاویہ بن زید بن مالک بن نسر۔

پیدائش : عبداللہ کے والد حضرت جعفرؓ "مہاجرین کے اس زمرہ اول میں ہیں جنہوں نے مشرکین مکہ کے جو رستم سے تنگ آکر سب سے پہلے وطن چھوڑا اور مع بال بچوں کے حبشہ کی غریب الوطنی اختیار کی۔ عبداللہ اسی غربت کدے میں پیدا ہوئے۔ اس وقت تک اور کسی حبشی مہاجر کے بچہ نہ پیدا ہوا تھا اس لحاظ سے عبداللہ حبشی مہاجرین کی جماعت میں پہلے بچے ہیں جو ارض حبشہ میں پیدا ہوئے۔

بچپن میں خیبر کے زمانہ میں جعفر حبشہ سے مدینہ آئے اس وقت عبداللہ کی عمر سات برس کی تھی۔ عبداللہ بن زبیر بھی ان ہی کے ہم وصف (یہ مدنی مہاجر کے پہلے بچے ہیں) اور ہم سن تھے۔ آنحضرت ﷺ نے ان دونوں کمسن صحابیوں سے مسکرا کر بیعت لی۔

حضرت جعفرؓ کی شہادت اور رسول اللہ ﷺ کی تولیت :

جشہ کی واپسی کے کچھ ہی دنوں بعد حضرت جعفرؓ نے غزوہ موتہ میں جام شہادت پیا۔ آنحضرت ﷺ کو سخت قلق ہوا اور عبد اللہ کی صغریٰ اور یتیمی کی وجہ سے ان پر غیر معمولی شفقت فرمانے لگے۔ اسی زمانہ میں فرمایا کہ عبد اللہ خلقاً اور خلقاً مجھ سے مشابہ ہیں اور ان کا ہاتھ پکڑ کر دعا کی کہ ”خدا یا ان کو جعفر کے گھر کا صحیح جانشین بنا اور ان کی بیعت میں برکت عطا فرما، اور میں دنیا اور آخرت دونوں میں آل جعفر کا ولی ہوں“۔^۱

آنحضرت ﷺ ہر طرح سے یتیم عبد اللہ کی دلہی فرماتے تھے۔ ایک مرتبہ بچوں کے ساتھ کھیل رہے تھے آنحضرت ﷺ ادھر سے گزرے تو ان کو اٹھا کر اپنے ساتھ سواری پر بٹھالیا۔ اسی شفقت کے ساتھ عبد اللہ رسول اللہ ﷺ کے دامنِ عاطفت میں پرورش پاتے رہے ان کا دسواں سال تھا کہ شفیق بابا کا سایہ شفقت سر سے اٹھ گیا۔

عہدِ مرتضوی : خلفائے ثلاثہ کے زمانہ میں عبد اللہ نکسن تھے۔ اس لئے کہیں نظر نہیں آتے۔ جب صفین میں اپنے دوسرے اہل خاندان کے ساتھ اپنے چچا حضرت علیؓ کے ساتھ تھے اور ان کی حمایت میں شامی فوج سے لڑے۔^۲ التوائے جنگ کے عہد نامہ پر حضرت علیؓ کی جانب سے شاہد تھے۔ ابنِ کجھم نے جب حضرت علیؓ کو شہید کیا تو ان کے قصاص میں عبد اللہ ہی نے ان کے ہاتھ پاؤں کاٹ کر بدلہ لیا تھا۔^۳

حضرت عبد اللہ اور معاویہؓ :

گو عبد اللہ امیر معاویہؓ کے مخالف تھے اور حضرت علیؓ کی حمایت میں ان سے لڑے تھے لیکن امیر نے اس کا کوئی ناگوار اثر نہیں لیا تھا اور عبد اللہ کو بہت مانتے تھے اور ہمیشہ ان کے ساتھ سلوک کرتے رہتے تھے۔ عبد اللہ اکثر ان کے پاس جایا کرتے تھے امیر معاویہؓ ان کی بڑی خاطر و تواضع کرتے تھے اور نقد و جنس دے کر واپس کرتے تھے بعض بعض مرتبہ ایک ایک مہشت لاکھوں کی رقم ان کو دے دی۔^۴

امیر معاویہؓ کی بیوی فاختہ کو عبد اللہؓ پر امیر کی یہ نوازشیں سخت ناپسند تھیں اور وہ انہیں عبد اللہؓ سے برگشتہ کرنے کے لئے عبد اللہ کی عیب جوئی میں لگی رہتی تھیں۔ عبد اللہؓ کبھی کبھی گمان لیا کرتے تھے۔

۱۔ مستدرک حاکم۔ جلد ۳۔ ص ۵۲۷ ۲۔ اخبار الطوال۔ ص ۱۹۱

۳۔ ایضاً۔ ص ۲۲۸ ۴۔ مستدرک حاکم۔ جلد ۳۔ ص ۵۶۷ ۵۔ مستدرک حاکم۔ جلد ۳۔ ص ۵۶۷

ایک مرتبہ جبکہ عبداللہ امیر معاویہؓ کے یہاں تھیں دات کو گانا سن رہے تھے، فاختہ نے گانے کی آواز سنی تو انہیں امیر معاویہؓ کو عبداللہؓ کے خلاف بھڑکانے کا موقع مل گیا چنانچہ انہوں نے جا کر امیر سے کہا جسے تم اتنا عزیز رکھتے ہو چل کر دیکھو اس کے گھر میں کیا ہو رہا ہے۔ امیر گئے تو گانا ہو رہا تھا سن کر لوٹ گئے۔ یہ شروع رات کا واقعہ تھا پچھلے پہر کو عبداللہؓ قرآن کی تلاوت میں مصروف ہو گئے امیر معاویہؓ کے کانوں میں آواز پہنچی تو بیوی سے جا کر کہا تم نے ہمیں جو سنوایا تھا اب وہ چل کر اس کا جواب سن لو۔

وفات : ۸۰ھ میں مدینہ میں وفات پائی۔ اموی گورنر آبان بن عثمان نے اپنے ہاتھوں سے غسل دے کر کفن پہنایا اور جنازہ کو کندھا دیا جب جنازہ جنت البقیع کی طرف چلا تو سارے مدینہ میں کھرام مچ گیا غلام گریبانوں کے ٹکڑے اڑا رہے تھے اور عوام ہر طرف سے جنازہ پر ٹوٹ پڑے تھے آبان کو پہلے سے اس ہجوم کا علم تھا اس لئے اس نے جنازہ کے تحت میں اٹھانے کے لئے دو لکڑیاں لگودی تھیں اور خود کندھا دیئے ہوئے تھا اس ہجوم میں کسی نہ کسی طرح جنازہ جنت البقیع پہنچا کر خود نماز جنازہ پڑھائی۔ اور جعفر طیارؓ کی آخری یادگار کو پیوید خاک کیا آبان عبداللہؓ کے اوصاف سے اس قدر متاثر تھے کہ مٹی دیتے وقت روتے تھے اور کہتے جاتے تھے خدا کی قسم تم بہترین آدمی تھے، تم میں مطلق شر نہ تھا، تم شریف تھے، تم صلہ رحمی کرتے تھے، تم نیک تھے ان کی قبر کا یہ کتبہ تو ان کی یاد دلاتا رہا۔

مقیم الیٰ ان یبعث اللہ خلقہ لقاءک لا یرجی وانت قریب

جب تک خدا اپنی مخلوق کو دوبارہ زندہ کرے آرام سے قبر میں مقیم ہوا کرچہ تم بہت قریب ہو

لیکن تم سلاقت کی کوئی امید نہیں

تزد بلی فی کل یوم ولیلۃ وتسی کما تبلی وانت حبیب

تم شبانہ یوم مٹتے جاتے ہو اور جس قدر مٹتے جاتے ہو بھولتے جاتے ہو حالانکہ تم محبوب ہو

فضل و کمال : آنحضرت ﷺ کی وفات کے وقت عبداللہؓ بہت کم سن تھے ان کی عمر دس سال سے زیادہ نہ تھی تاہم ہر وقت کے ساتھ کی وجہ سے آپ ﷺ کی چند احادیث ان کے حافظہ میں محفوظ رہ گئی تھیں جو حدیثوں کی کتابوں میں موجود ہیں ان میں سے دو متفق علیہ ہیں۔ اسمعیل، اسحاق، معاویہ، عروہ بن زبیر، ابن ابی ملیکہ اور عمر بن عبدالعزیزؓ نے ان سے روایت کی ہے۔

اخلاق : اوپر گزر چکا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ایک موقع پر ارشاد فرمایا کہ ”عبداللہؓ سورۃ اور سیرۃ میرے مشابہ ہیں۔“ عبداللہؓ کی زندگی اس ارشاد گرامی کی عملی تصدیق تھی۔ آبان ان کی تدفین کے وقت

ان کے یہ اوصاف گناتا تھا۔ خدا کی قسم تم بہترین آدمی تھے۔ تم میں کسی قسم کا شر نہ تھا، تم شریف تھے تم صلہ رحمی کرتے تھے، تم نیک تھے۔ علامہ ابن عبدالبر لکھتے ہیں کہ عبداللہ کریم النفس، فیاض، خوش طبع، خوش خلق، عفیف، پاک دامن اور سخی تھے۔

فیاضی : ان تمام اوصاف میں فیاضی اور سخاوت کا وصف بہت غالب تھا۔ سیر چشمی اور دریادلی ان کے خمیر میں داخل تھی۔ زمانہ اسلام میں جزیرۃ العرب میں دس فیاض مشہور تھے۔ عبداللہؓ ان میں بھی سب سے زیادہ فیاض تھے اور ان کی فیاضی کو کوئی نہ پہنچ سکتا تھا۔ ایک مرتبہ ان کی غیر معتدل فیاضی پر کسی نے ٹوکا تو جواب دیا خدا نے میری ایک عادت ڈال دی ہے میں نے اس عادت کے مطابق دوسروں کو بھی عادی بنا دیا ہے مجھ کو ڈر ہے کہ اگر میں یہ عادت چھوڑ دوں تو خدا مجھے دینا پھوڑ دے گا۔

ایک مرتبہ ایک حبشی نے ان کی مدح میں اشعار کہے اس کے صلہ میں انہوں نے اس کو بہت سے اونٹ، گھوڑے، کپڑے اور درہم دینا ردیئے۔ کسی نے کہا یہ حبشی اتنے انعام و اکرام کا مستحق نہ تھا۔ جواب دیا اگر وہ سیاہ ہے تو اس کے بال سپید ہو چکے ہیں اس نے جو کچھ کہا ہے اس کے لحاظ سے وہ اس سے بھی زیادہ کا مستحق ہے جو کچھ میں نے اسے دیا ہے وہ کچھ دن میں ختم ہو جائے گا اور اس نے جو مدح کی ہے وہ ہمیشہ باقی رہے گی۔

ایک مرتبہ تاجر شکر لے کر مدینہ آئے۔ اس وقت بازار سرد تھا تاجروں کو گھانا آیا، عبداللہؓ نے حکم دیا کہ سب شکر خرید کر لوگوں میں تقسیم کر دیا جائے۔

یزید نے اپنے عہد حکومت میں ان کو بہت بڑی رقم بھیجی انہوں نے اسی وقت کھڑے کھڑے کل رقم مدینہ والوں میں تقسیم کر دی اور ایک حبہ بھی گھر نہ آنے دیا۔ عبداللہ ابن قیس نے اس شعر میں

وما كنت الا كالا غرا بن جعفر رای المال لا یبقی فابقی له ذکرا

تم اس معزز ابن جعفر کی طرح ہو جس نے سمجھا کہ مال فنا ہو جائے گا اور اس کا ذکر خیر باقی رہ جائے گا اسی واقعہ کی طرف اشارہ کیا ہے۔

زیاد بن العجم پانچ مرتبہ ان کے پاس دتیوں میں امداد کے لئے آیا انہوں نے پانچوں مرتبہ ان کی طرف سے دیت ادا کی اس نے ان اشعار میں اپنی منت پذیری کا اظہار کیا۔

۱۔ اسد الغابہ۔ جلد ۳۔ ص ۳۴ ۲۔ استیعاب۔ جلد اول۔ ص ۳۵۴ ۳۔ استیعاب۔ جلد اول۔ ص ۳۵۴

۴۔ ایضاً ۵۔ اصابہ۔ جلد ۴۔ ص ۴۹ ۶۔ ایضاً ۷۔ متدرک۔ ماکم۔ جلد ۳۔ ص ۵۶۷

مالناہ الجزیل فماتد کا واعطی فوق منیتنا ذرا
 ہم نے اس سے بہت سامان مانگا اس نے مائل نہیں کیا اور ہماری امید سے زیادہ دیا
 واحسن ثم احسن ثم عدنا فاحسن ثم عدت له فعادنا
 اور اس نے بار بار بھلائی کی اور جب جب ہم اس کے پاس گئے، اس نے بھلائی کا اعادہ کیا
 یہ چند واقعات بطور نمونہ لکھ دیئے گئے ورنہ اس قسم کے اور بھی بہت سے واقعات ہیں،
 و اخبارہ فی جودہ و حلم و کرمہ کثیرۃ لا تحصى^۱۔

ان غلط تشبیہوں کی وجہ سے اکثر مقروض رہتے تھے چنانچہ حضرت زبیر بن عوام کے ہاں
 لاکھ کے مقروض تھے، حضرت زبیرؓ کی شہادت کے بعد ان کے صاحبزادے عبداللہ بن زبیرؓ نے
 عبداللہ بن جعفرؓ سے کہا کہ والد کی یادداشتوں میں اس لاکھ کا قرض تمہارے ذمہ ہے، انہوں نے کہا ہاں
 بالکل صحیح ہے، میں بروقت ادا کرنے کے لئے تیار ہوں جب چاہے لے لو^۲۔

نا جائز آمدنی سے پرہیز: لیکن ان کثیر اخراجات اور غیر محدود فیاضیوں کے باوجود کبھی
 ناجائز مال کا ایک سبب بھی نہ لیتے تھے اور رشوت کی بڑی بڑی رقموں کو ٹھکرا دیتے تھے، ایک مرتبہ
 دیہی علاقہ کے زمینداروں نے اپنے کسی معاملہ میں انہیں حضرت عائشہؓ کے پاس گفتگو کرنے کے
 لئے بھیجا، ان کی وساطت سے زمینداروں کے موافق فیصلہ ہو گیا۔ اس صلہ میں انہوں نے
 چالیس ہزار کی رقم پیش کی عبداللہؓ نے اس کے قبول کرنے سے انکار کر دیا، اور کہا میں بھلائی کو
 فروخت نہیں کرتا^۳۔

(۷۶) حضرت عبداللہ بن ابی حدرد

نام و نسب: عبداللہ نام، ابو محمد کنیت، نسب نامہ یہ ہے: عبداللہ بن ابی حدرد بن عمیر بن ابی
 سلامہ بن سعد بن حساب بن حارث بن عنیس بن ہواز بن اسلم اسلمی۔

اسلام و غزوات: ۶ھ کے پہلے کسی وقت مشرف باسلام ہوئے۔ صلح حدیبیہ میں آنحضرت ﷺ
 کے ہم رکاب تھے، خیبر اور دوسرے غزوات میں بھی شریک ہوتے رہے۔ مالک بن عوف نضری کے
 حالات کا پتہ لگانے کے لئے جاسوسی کی خدمت ان ہی کے سپرد ہوئی تھی^۴۔ رمضان ۸ھ میں

۱۔ اصابہ۔ جلد ۳۔ ص ۴۹

۲۔ اسد الغابہ۔ جلد ۳۔ ص ۱۳۴

۳۔ اصابہ۔ جلد ۳۔ ص ۴۹

۴۔ اسد الغابہ۔ جلد ۳۔ ص ۱۴۱

۵۔ ابن سعد۔ جلد ۳۔ ص ۲۲۔ ق ۲

آنحضرت ﷺ نے حضرت ابوقنادہ انصاری کے زیر امارت جو سریہ یطین اضم روانہ کیا تھا اس میں عبداللہ بھی تھے۔

وفات : اسی میں ۸۱ سال کی عمر میں وفات پائی۔

معاش کی تنگی : حضرت عبداللہ معاش کی جانب سے بہت غیر مطمئن تھے، بڑی حسرت اور تنگدستی سے زندگی بسر ہوتی تھی، ایک یہودی کے چار درہم کے قرض دار تھے، یہ حقیر رقم بھی ادا نہ کر سکتے تھے، یہودی نے آنحضرت ﷺ سے شکایت کی، آپ ﷺ نے عبداللہ کو حکم دیا کہ اس کا قرض ادا کرو لیکن ان کے امکان میں کچھ نہ تھا اس لئے معذرت کی۔ آپ ﷺ نے دوبارہ تاکید کی، پھر عبداللہ نے تنگدستی کا عذر کیا، کہا میں نے اس سے کہہ دیا ہے، کہ رسول اللہ ﷺ مجھے خیر کی طرف بھیجنے والے ہیں وہاں مال غنیمت ملے گا تو قرض ادا کر دوں گا لیکن رسول اللہ ﷺ مکرر تاکید فرما چکے تھے اس لیے عبداللہ نے اپنی چادر بیچ کر قرض ادا کیا۔

(۷۷) حضرت عبداللہ بن زبیری

نام و نسب : عبداللہ نام، باپ کا نام زبیری تھا، نسب نامہ یہ ہے : عبداللہ بن زبیری بن قیس بن عدی بن سہم، بن عمرو بن مصیض قرشی سہمی۔

اسلام سے پہلے : قبول اسلام سے پہلے عبداللہ اسلام اور پیغمبر اسلام ﷺ کے سخت دشمن تھے۔ ان کا زرو مال، ان کی قوت و طاقت، ان کی شاعری اور زبان آوری سب مسلمانوں کی ایذا رسانی کے لئے وقف تھی۔ قریش کے بڑے آتش بیان شاعر تھے، اس کا مصرف آنحضرت ﷺ کی ہجو تھی ۵۔ احد کے مشرک مقتولین کا نہایت زبردست مرثیہ کہا تھا، حضرت حسان بن ثابتؓ نے اس کا جواب دیا۔

اسلام : فتح مکہ کے بعد جب معاندین اسلام کا جھٹاٹو ماتا تو عبداللہ اور ہبیر بن وہب نجران بھاگ گئے۔ عبداللہ حسان بن ثابتؓ پر بہت سے وار کر چکے تھے، عبداللہ کے فرار پر انہیں بدلہ لینے کا موقع ملا چنانچہ انہوں نے یہ شعر کہا :

لا تعد من رجلا احلك بغضه نجران في عيش احذ لنيم

ایسا شخص معدوم نہ ہو، جس کے بغض نے تم کو نجران کی ناپسندیدہ

اور مکروہ زندگی میں مبتلا کر دیا ہے

۱۔ ابن سعد حصہ مخازی۔ ص ۹۶ ۲۔ ایضاً۔ جلد ۴۔ ص ۲۲۔ ق ۴ ۳۔ مستدرک حاکم۔ جلد ۳۔ ص ۵۷۲

۴۔ اسد الغابہ۔ جلد ۳۔ ص ۶۵ ۵۔ استیعاب۔ جلد اول۔ ص ۳۶۷ ۶۔ سیرۃ ابن ہشام۔ جلد ۲۔ ص ۴۳

حضرت عبداللہؓ نے سنا تو نجران سے لوٹ آئے اور آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر مشرف باسلام ہو گئے گزشتہ خطاؤں پر سخت نادم و شرمسار تھے۔ آنحضرت ﷺ سے ان کی معافی چاہی آپ ﷺ نے معاف کر دیا اور اب وہی زبان جو کلمہ شہادت پڑھنے کے قبل تیر و نشتر کی طرح مسلمانوں کے دلوں پر بھج کے چڑ کے لگائی تھی نعت رسول ﷺ کے پھول برسانے لگی تمام ارباب سیر نے ان کے نعتیہ اشعار لکھے ہیں ہم طوالت کے خیال سے انہیں قلم انداز کرتے ہیں۔ حافظ ابن حجرؒ کے مطابق آنحضرت ﷺ نے نعت کے صلہ میں انہیں ایک حلہ بھی مرحمت فرمایا تھا۔

غزوات : قبول اسلام کے بعد متعدد غزوات میں شریک ہوئے، اور جہاد فی سبیل اللہ کا شرف حاصل کیا۔

وفات : وفات کے بارے میں ارباب سیر خاموش ہیں۔

(۷۸) حضرت عبداللہ بن زمعہؓ

نام و نسب : عبداللہ نام، باپ کا نام زمعہ تھا نسب نامہ یہ ہے : عبداللہ بن زمعہ بن اسود بن مطلب بن اسد بن عبدالمعزیٰ بن قصی قرشی اسدی۔ ان کی ماں قریبہ ام المومنین حضرت ام سلمہؓ کی بہن تھیں۔ عبداللہ کا گھر انارؤسائے قریش میں تھا اس لیے دوسرے رؤسائے قریش کی طرح ان کے والد زمعہ بھی اسلام اور مسلمانوں کے دشمن تھے بدر میں مشرکین کے جتھے میں تھے مسلمانوں کے ہاتھ سے مارے گئے۔

اسلام : عبداللہؓ کے اسلام کا زمانہ متعین نہیں غالباً فتح کے کچھ دنوں قبل یا اس کے بعد مشرف باسلام ہوئے۔ عبداللہؓ ام المومنین حضرت ام سلمہؓ کے بھانجے تھے، اس رشتہ سے کاشانہ نبوی ﷺ میں بہت آیا جایا کرتے تھے۔ آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد مدینہ ہی میں تھے آپ کے مرض الموت میں حضرت ابوبکرؓ کی غیر حاضری میں انہوں نے حضرت عمرؓ سے نماز پڑھانے کی درخواست کی تھی۔

وفات : ۳۵ھ میں جنگ دار یا یزید کے عہد حکومت میں حرہ کے واقعہ میں مارے گئے کئی اولادیں تھیں۔ ان میں سے کثیر بن عبداللہ اور یزید بن عبداللہ حرہ کے واقعہ میں کام آئے۔

۱۔ اصابت ذکرہ عبداللہ بن زبیری و استیعاب۔ جلد اول۔ ص ۳۶۷ ۲۔ استیعاب۔ جلد اول۔ ص ۳۶۷

۳۔ اسد الغابہ۔ جلد ۳۔ ص ۱۶۳ ۴۔ اصابت۔ جلد ۴۔ ص ۷۱ ۵۔ بحوالہ ابوداؤد ۶۔ اصابت۔ جلد ۴۔ ص ۷۱

فضل و کمال : فضل و کمال کے لحاظ سے کوئی لائق ذکر شخصیت نہ رکھتے تھے لیکن کا شانہ نبوی ﷺ کی آمد و رفت کی وجہ سے چند حدیثیں ان کے کانوں میں پڑی رہ گئی تھیں اس لیے ان کی مرویات سے حدیث کی کتابیں یکسر خالی نہیں ہیں، ان میں ایک حدیث متفق علیہ ہے۔ عروہ بن زبیرؓ، اور ابو بکر بن عبد الرحمنؓ نے ان سے روایت کی ہے۔

(۷۹) حضرت عبد اللہ بن عامرؓ

نام و نسب : عبد اللہ نام، باپ کا نام عامر تھا، نسب نامہ یہ ہے : عبد اللہ بن عامر بن کریم بن ربیعہ بن حبیب بن عبد شمس بن عبد مناف بن قصی قرشی عجمی۔ عبد اللہ حضرت عثمانؓ کے قریبی بھائی تھے۔
پیدائش : ان کی پیدائش کے بارے میں روایات مختلف ہیں۔ ایک روایت یہ ہے کہ اپنے والد عامر کے اسلام کے بعد جو فتح مکہ کے زمانہ میں، ہوا تولد ہوئے۔ اس صورت میں ان کی پیدائش ۸ھ یا ۹ھ میں ہوئی لیکن عبد اللہ کی آئندہ زندگی کے واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ہجرت کے ابتدائی برسوں میں پیدا ہو چکے تھے، تمام ارباب تاریخ کا بیان ہے کہ عبد اللہ عہد عثمانؓ ۲۹ھ میں ۲۵ سال کی عمر میں بصرہ کے عامل مقرر ہوئے تھے۔ اس حساب سے ان کی پیدائش ۴ھ یا ۵ھ میں مانتی پڑتی ہے اور یہی روایت زیادہ صحیح ہے۔

بہر حال مدینہ وہ بچپن میں آئے اور حصول برکت کے لئے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں پیش کئے گئے، آپ ﷺ نے ان کے منہ میں لعاب دہن ڈال کر دعا فرمائی۔ یہ اس آب حیوان کو گھوٹ گئے آنحضرت ﷺ نے فرمایا ”یہ مستقی“ سیراب کرنے والا ہوگا۔

عہد عثمانی : شیخین کے پورے عہد اور حضرت عثمانؓ کے ابتدائی زمانہ میں کم سن تھے اس لئے اس عہد کا کوئی واقعہ قابل ذکر نہیں ہے۔ ۲۹ھ میں حضرت عثمانؓ نے انہیں بصرہ کا عامل بنایا گو اس وقت ان کی عمر ۲۵ سال سے زیادہ نہ تھی لیکن بڑے حوصلہ مند اور بہاد تھے اس لئے بصرہ کی زمام حکومت ان کے ہاتھ میں آتے ہی عجم میں فتوحات کا دروازہ کھل گیا۔ اسی سنہ میں انہوں نے ایران کے غیر مقبوضہ علاقوں کی طرف پیش قدمی شروع کر دی اور سب سے پہلے اصطحہ کو تسخیر کیا اس کے بعد جور کی طرف بڑھے۔ انہیں جور کی طرف متوجہ دیکھ کر اصطحہ کے باشندے باغی ہو گئے اور یہاں کے مسلمان حاکم کو قتل کر دیا جور کی واپسی

کے بعد عبداللہ نے اصطر کو مطیع بنایا۔ اصطر کے بعد کاربان اور قیشجان فتح کیا۔ کرمان کا علاقہ ان ہی کے زیر امارت تسخیر ہوا۔ ۲۲ھ میں ابن عامر نے خراسان پر فوج کشی کی اور مختلف حصوں پر علیحدہ علیحدہ آدمی مقرر کئے چنانچہ احنف بن قیس کو قہستان پر مامور کیا۔ انہوں نے ترکوں سے مقابلہ کر کے باختلاف روایت بزور شمشیر فتح کیا یا ترکوں نے ابن عامر کے پاس آ کر صلح کر لی۔ یزید جرجی کو نیشاپور کے علاقہ رستاق زام پر بھیجا انہوں نے رستاق زام، باخرز اور جوہن پر قبضہ کیا سو بن کلثوم کو نیشاپور کے ایک اور رستاق بہق پر مامور کیا تھا۔ یہ اس معرکہ میں شہید ہوئے اور ان کے قائم مقام ادھم بن کلثوم نے بہق فتح کر لیا۔

ایک طرف ابن عامر نے ان لوگوں کو متعین کیا تھا دوسری طرف خود برسر پیکار تھے چنانچہ وہ بست، اشبند، روح، زادہ، خوف، اسبرائن اور ارغیان وغیرہ فتح کرتے ہوئے نیشاپور کے پایہ تخت ابر شہر تک پہنچ گئے اور اس کا محاصرہ کر لیا۔ کئی مہینہ محاصرہ قائم رہا آخر میں ابر شہر کے ایک حصہ کے محافظوں نے امان لے کر راتوں رات مسلمانوں کو شہر میں داخل کر دیا لیکن شہر کا مرزبان ایک جماعت کے ساتھ قلعہ بند ہو گیا مگر یہ بھی زیادہ دنوں تک استقلال نہ دکھا سکا اور جان بخشی کرا کے باختلاف روایت دس لاکھ یا سات لاکھ درہم سالانہ پر صلح کر لی۔

پایہ تخت کو تسخیر کرنے کے بعد ابن عامر نے عبداللہ بن خازم کو نساء کے علاقہ حمراندز روانہ کیا۔ انہوں نے اس کو فتح کر لیا اور نساء کے فرمان روا نے تین لاکھ درہم پر صلح کر لی۔ ان فتوحات نے قریب و جوار کے رؤساء کو مرعوب کر دیا چنانچہ ایورو کے حاکم ہمنہ نے خود آ کر یا عبداللہ بن خازم کی کوشش سے چار لاکھ پر صلح کر لی، اس سے ابن عامر کا حوصلہ اور بڑھا اور انہوں نے عبداللہ بن خازم کو سرخس روانہ کیا انہوں نے جا کر اہل سرخس کا مقابلہ کیا۔ یہاں کے مرزبان زاود یہ نے بھی صلح کر لی اور پورا سرخس کا علاقہ زیر نگین ہو گیا۔ سرخس کی تسخیر کے بعد ابن خازم نے یزید بن سالم کو کیف اور بینہ روانہ کیا، یزید نے یہ دونوں مقامات فتح کئے اور طوس کے مرزبان کناز تک نے ابن عامر کے پاس آ کر ۶ لاکھ درہم پر صلح کر لی۔

اس سلسلہ کی تکمیل کے بعد ابن عامر نے اوس بن ثعلبہ کی سرکردگی میں ایک فوج ہراۃ روانہ کی۔ ہراۃ کے فرمان روا کو اس کی خبر ہوئی تو وہ خود ابن عامر کے پاس پہنچا اور ہراۃ باغیس اور بوشیخ کے لئے جزیہ دے کر صلح کر لی البتہ اس علاقہ کے دو مقام طاغون اور باغون اس صلح نامہ میں داخل نہ تھے

کیونکہ یہ دونوں بزدل شمشیر فتح ہو چکے تھے۔ ایک روایت یہ ہے کہ ابن عامر نے بہ نفس نفیس ہراۃ پر حملہ کیا تھا لیکن اس روایت کی رو سے بھی آخر میں مرزبان سے صلح کر لی تھی۔

ان بڑے بڑے فرمانرواؤں کی مصالحت کو دیکھ کر مردشاہ جہان کے مرزبان نے بھی ابن عامر سے صلح کی درخواست کی۔ انہوں نے حاتم بن نعمان کو عقد مصالحت کے لئے بھیجا اور ۲۲ لاکھ پر صلح ہو گئی ایک قرینہ صلح کے علاوہ مرد کا پورا علاقہ صلحا مطیع ہوا۔ صرف بیچ پرز بردستی قبضہ کیا گیا تھا۔

مرو کے بعد ابن عامر نے احنف بن قیس کو طخارستان روانہ کیا انہوں نے مروالروز کے ایک قلعہ کو جو بعد میں قصر احنف کے نام سے مشہور ہوا، محاصرہ کیا۔ اس کے متعلق ایک بہت بڑا پرگزشق الجرز تھا یہاں کے باشندوں نے بھی پورے پرگنہ پر ۳ لاکھ دے کر صلح کر لی۔ اس صلح کے بعد احنف نے اصل شہر مروالروز کا محاصرہ کیا یہاں کے باشندوں نے شروع میں نہایت سخت مقابلہ کیا لیکن انجام کار شکست کھا کر مروالروز کے قلعہ میں پناہ لینے پر مجبور ہو گئے۔ یہ صورت دیکھ کر یہاں کے مردزبان نے ۶۰ ہزار پر صلح کر لی مروالروز کی فتح کی تفصیلات میں بہت اختلاف ہیں لیکن نتیجہ سب کا احنف کی کامیابی ہے۔ مروالروز کو لینے کے بعد احنف لوٹے تو معلوم ہوا کہ مخالفین جوزجان میں جمع ہیں انہوں نے اقرع بن حابس تمیمی کو ان کے مقابلے کے لئے بھیجا۔ اقرع نے جوزجان کو فتح کیا اس کے بعد احنف، طالقان اور فاریاب کو فتح کر کے بلخ پہنچے، اہل بلخ نے ۴ لاکھ دے کر صلح کر لی۔

جب ابن عامر نیشاپور کو فتح کرتے ہوئے نہر جیحون کے اس پار تک پہنچ گئے اور ماوراء النہر کے باشندوں کو اس کی خبر ہوئی تو انہوں نے پیش قدمی کر کے صلح کر لی۔ بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ ابن عامر نے ماوراء النہر کے علاقہ کو عبور کر کے خود ہر مقام پر جا کر عقد مصالحت منعقد کیا اور بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ ماوراء النہر والوں نے خود آ کر مصالحت کی۔ اس مصالحت میں بیشمار مویشی، لوٹائی، غلام اور کپڑے ملے۔ ماوراء النہر کے علاقہ کو مطیع بنانے کے بعد قیس بن بشیم کو اپنا قائم مقام بنا کر دار الخلافہ لوٹ آئے۔

حضرت عبداللہ بن عامر کی فتوحات کا رقبہ نہایت وسیع ہے۔ ایران کے غیر مفتوحہ علاقوں سے لے کر خراسان اور ماوراء النہر تک کا علاقہ سب ان ہی کی زیر قیادت زیر نگین ہوا۔ علامہ ابن عبد البر لکھتے ہیں کہ اس میں کسی کو اختلاف نہیں ہے کہ عبداللہ نے اطراف فارس خراسان کا پورا علاقہ، اصفہان، حلوان اور کرمان فتح کیا۔ ان مذکورہ مقامات کے علاوہ بختستان اور غزنہ بھی ان ہی کے

زیر امارات فتح ہوئے۔ غرض عہد عثمانی میں مشرقی فتوحات کا بیشتر حصہ ان ہی نے زیرِ قلم کیا۔ حج شکرانہ : ان فتوحات کے بعد حج شکرانہ ادا کیا پھر مکہ سے مدینہ آئے اور مالی غنیمت کا بڑا حصہ مہاجرین و انصار میں تقسیم کیا۔ اس کا اہل مدینہ پر بڑا اثر پڑا ان فرائض سے سبکدوش ہو کر پھر اپنے دار الحکومت بصرہ آئے۔

جنگِ جمل : حضرت عثمانؓ کی شہادت تک اپنے فرائض منصبی ادا کرتے رہے۔ حضرت عثمانؓ کی شہادت کا حادثہ ایسا الم انگیز تھا کہ غیر متعلق اشخاص تک اس سے سخت متاثر تھے اور عبد اللہؓ تو ان کے عزیز قریب تھے اس لئے وہ اس حادثہ کی خبر اور بدامنی کے حالات سن کر بیت المال کا روپیہ لے کر مکہ چلے گئے۔ یہاں حضرت طلحہؓ، حضرت زبیرؓ اور حضرت عائشہ صدیقہؓ سے ملاقات ہوئی۔ یہ لوگ حضرت عثمانؓ کے قصاص کی نیت سے شام جانے کا قصد کر رہے تھے۔ ابن عامر نے کہا آپ لوگ میرے ساتھ بصرہ چلئے وہ دولت مند شہر ہے وہاں مددگار بھی ملیں گے اور میرے اثرات بھی ہیں۔ ان کی دعوت پر یہ بزرگوار بصرہ آئے۔ جنگِ جمل میں شروع سے آخر تک ساتھ رہا جس جنگ میں بنی قیس، بنی ثقیف اور انصار کی کمان ہی کے ہاتھوں میں تھی۔

جنگِ صفین : جنگِ صفین میں اہل بیت کہیں نمایاں طور پر نظر نہیں آتے تاہم بالکل غیر جانب دار بحینہ تھے چنانچہ انہوں نے جنگ پر جو معاہدہ ہوا تھا اس میں بحیثیت شاہد کے ان کے دستخط بھی تھے۔ امام حسنؓ کے مقابلہ میں معاویہ کی حمایت : چونکہ عبد اللہ بن عامر حضرت عثمانؓ کے عزیز تھے اس لئے وہ شروع سے آخر تک حضرت علیؓ کے مخالف رہے۔ چنانچہ آپ کی شہادت اور حضرت حسنؓ کی مسند نشینی کے بعد جب امیر معاویہ نے حضرت حسنؓ پر فوج کشی کی تو مقدمہ الجوش میں ابن عامر کو بھیجا۔ یہ حضرت حسنؓ کے مقابلہ کے لئے مدائن پہنچے۔ حضرت حسنؓ کو ان کی پیش قدمی کی خبر ہوئی تو آپ بھی مقابلہ کو نکلے لیکن مقام سباط میں پہنچ کر ان کی فوج نے کمزوری دکھائی اور بعض خارجیوں نے حملہ کر کے زخمی کر دیا اس لئے حضرت حسنؓ پھر مدائن لوٹ گئے اور زخم بھرنے تک قصر ابنیض میں مقیم رہے۔ شفا یاب ہونے کے بعد پھر مقابلہ کے لئے نکلے اور اس دوران میں امیر معاویہ بھی انبار پہنچ چکے تھے جب حضرت حسنؓ اور عبد اللہ بن عامر بالقابل ہو گئے تو ابن عامر اس موقع پر ایک چال چلے۔ حضرت حسنؓ کی فوج کو مخاطب کر کے کہا کہ میں خود لڑنا نہیں چاہتا میری حیثیت محض معاویہ کے مقدمہ الجوش کی ہے اور وہ خود انبار تک پہنچ چکے ہیں اس لئے حسنؓ کو سلام

کے بعد میرا یہ پیام پہنچا دو کہ ان کو اپنی ذات اور اپنی جماعت کی قسم کہ وہ جنگ ملتوی کر دیں۔ ان کا یہ افسوس کارگر ہو گیا۔ حضرت حسنؓ کے ساتھی یہ پیام سن کر جنگ سے پیچھے ہٹنے لگے۔ حضرت حسنؓ نے محسوس کیا تو وہ پھر مدائن لوٹ آئے۔ اس کے بعد عبد اللہؓ نے مدائن کا محاصرہ کر لیا حضرت حسنؓ پہلے ہی سے کشت و خون سے برداشتہ خاطر تھے اپنے ساتھیوں کی کمزوری دیکھ کر چند شرائط پر امیر معاویہ کے حق میں خلافت سے دست بردار ہوئے۔ ابن عامر نے یہ شرطیں امیر معاویہؓ کے پاس بھیجوا دیں انہوں نے تمام شرطیں منظور کر لیں۔^۱

بصرہ کی ولایت : حضرت حسنؓ کی دست برداری کے بعد جب عراق بھی امیر معاویہؓ کے قبضہ میں آ گیا اور انہوں نے جدید انتظامات کے سلسلہ میں کسی کو یہاں کا گورنر بنانا چاہا تو عبد اللہ بن عامرؓ نے کہا بصرہ میں میرا بہت مال و متاع ہے اگر میرے علاوہ کوئی دوسرا عامل بنایا جائے گا تو وہ سب ضائع ہو جائے گا چنانچہ معاویہؓ نے ان ہی کو عامل بنایا اور یہ دوبارہ تین سال تک یہاں کے عامل رہے پھر معزول کر دیئے گئے۔^۲

وفات : معزولی کے بعد مدینہ چلے آئے۔ باختلاف روایت ۵۵ھ یا ۵۸ھ میں یہیں وفات پائی۔^۳

تمول : عبد اللہ بن عامر قریش کے بڑے صاحب ثروت اشخاص میں تھے۔ سینکڑوں فتوحات حاصل کیں ان میں مال غنیمت کا پانچواں حصہ ملتا رہا۔ دوسرے بصرہ کے گورنر ہوئے۔ اس میں کافی دولت پیدا کی ان کا لاکھوں روپیہ مختلف کاموں میں لگا دیا تھا اس کے علاوہ مکہ کے قرب و جوار میں باغات اور زمینیں تھیں۔^۴

فیاضی : خدا نے جس طرح انہیں صاحب ثروت بنایا تھا ویسے ہی وہ فیاض بھی تھے۔ کان احد الا جوار المدینہ وحین۔ یعنی وہ عرب کے مشہور ممدوح فیاضوں میں سے ایک فیاض تھے۔ حج سے واپسی کے بعد جب مدینہ گئے تو مال غنیمت کے حصہ میں سے ہزاروں روپیہ مہاجرین و انصار میں تقسیم کیا۔^۵ ان کی وفات پر زیادہ عجم نے ان کی فیاضی کا نہایت پر زور مرثیہ لکھا تھا۔^۶ بڑے بڑے صحابہ ان کی فیاضی کے معترف تھے۔ حضرت عثمانؓ نے جب حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کو مدینہ سے معزول کر کے ان کی جگہ عبد اللہ کو مقرر کیا تو حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ نے جاتے وقت اہل بیتہ کو ان

۱۔ اخبار الطوال ۲۳۱، ۲۳۰۔ ۲۔ اسد الغابہ۔ جلد ۳۔ ص ۱۹۲۔ ۳۔ تہذیب المعجم۔ جلد ۵۔ ص ۱۷۳۔ ۴۔ اسد الغابہ۔ جلد ۳۔ ص ۱۹۲۔ ۵۔ ایضاً۔ ۶۔ استیعاب۔ جلد ۱۔ ص ۳۸۸

الفاظ میں عبد اللہ کی آمد کی اطلاع دی کہ تمہارے پاس قریش کا ایک معزز نوجوان آرہا ہے جو تم میں اس طرح (ہاتھوں سے بتا کر) روپیہ پیسہ برسائے گا۔

انتظامی قابلیت : گو عبد اللہ بن عامر مذہبی علوم میں کوئی پایہ نہیں رکھتے تھے، لیکن انتظامی امور میں بڑا ملکہ تھا، وہ جہاں گیری کے ساتھ جہاندار بھی تھے انہوں نے اپنے زمانہ حکومت میں رعایا کے آرام و آسائش کے لئے بصرہ میں نہر کھدوائی اور بہت سے مکانات خرید کر بازار بنوایا۔ اس کے علاوہ اور بہت سے رفاہ عام کے کام کئے خصوصاً عرب کی خشک سر زمین میں بکثرت پانی روان کیا، عرفات میں حجاج کو پانی کی تکلیف ہوتی تھی، عبد اللہ نے بڑے بڑے حوض اور تالاب بنوا کر ان میں نہروں سے پانی اتارا۔ عرفات کے علاوہ مختلف مقامات پر بکثرت کنویں کھدوائے ولہ ابار فی الارض کثیرہ یہ غالباً آنحضرت ﷺ اس پیش گوئی کا اثر تھا کہ یہ ”مستی“ سیراب کرنے والا ہوگا۔

(۸۰) حضرت عبد اللہ بن عبد نہم

نام و نسب : عبد اللہ نام، ذوالجنادین لقب، نسب نامہ یہ ہے عبد اللہ بن عبد نہم بن عقیف بن حکیم بن عدی بن ثعلبہ بن سعد بن عدی بن عثمان بن عمرو۔

اسلام : باپ کا سایہ بچپن ہی میں سر سے اٹھ گیا، چچا نے بڑے لطف و محبت سے پرورش کی، بونے ہوئے دلوں میں قبول حق کا مادہ زیادہ ہوتا ہے، اس لئے عبد اللہ کا دل جس میں یتیمی نے بہت گداز پیدا کر دیا تھا، ہوش سنبھالتے ہی اسلام سے متاثر ہو گیا، چچا کا فرشتے انہیں جب معلوم ہوا کہ بھتیجے نے محمد کا مذہب اختیار کر لیا، تو ساری شفقت و محبت سرد مہری سے بدل گئی اور عبد اللہ سے کہا اگر تم نے محمد کا دین قبول کر لیا تو جو کچھ دیا لیا ہے سب چھین لوں گا مگر جس دل میں ایمان کی دولت بھر چکی تھی، وہ دینوی مزخرفات کو کیا، وہیمان میں لاسکتا تھا عبد اللہ نے کہا اگر ایسا ہے تو میں مسلمان ہوں یہ بے باکانہ جواب سن کر چچا نے جو کچھ دیا تھا، سب واپس لے لیا، حتیٰ کہ بدن کے کپڑے تک اتروا لیے، عبد اللہ اسی حالت میں ماں کے پاس پہنچے، ماں کی مامتا سے اس حالت میں نہ دیکھا گیا ایک چادر تھی، اس کے دو ٹکڑے کر کے عبد اللہ کے حوالے کی، انہوں نے ایک کا تہ بند بنایا اور ایک کی چادر اعزہ اقربا سے ناتہ ٹوٹ چکا تھا، نماز فجر کے وقت مسجد نبوی میں پہنچے اور آنحضرت ﷺ کے ساتھ نماز پڑھی نماز کے بعد حسب معمول رسول اللہ سے سب مصافحہ کرنے اور آنے والوں پر نظریں دوڑانے لگے، عبد اللہ پر نظر

پڑی پوچھا تم کون ہو؟ عرض کی عبدالعزیٰ فرمایا تم عبداللہ ذوالجہادین (دو چادروں والے) ہو، تم میرے دروازہ پر رہا کرو آستانہ نبوی ﷺ کی درباری سے بڑھ کر کیا شرف ہو سکتا ہے چنانچہ عبداللہ باب نبوی ﷺ پر رہنے لگے، اور جب تک زندہ رہے در کی درباری نہ چھوٹی۔^۱

وفات : ۹ھ میں آنحضرت ﷺ کے ساتھ غزوہ تبوک میں گئے وقت آخر ہو چکا تھا، معمولی بیمار پڑ کر تبوک کے لشکر گاہ میں وفات پا گئے، خود آقائے نامدار ﷺ نے صدیق اکبرؓ اور فاروق اعظم کے ساتھ مل کر رات کی تاریکی میں مشعل جلا کر قبر کھودی اور اپنے دست مبارک سے عبداللہ کی لاش قبر میں اتار کر دعا فرمائی ”خدا یا میں اس سے راضی تھا تو بھی رضامندی ظاہر فرما، غرض آستانہ نبوی کا یہ دربان اس قابل رشک طریقہ پر سرکارِ دو عالم ﷺ کے ہاتھوں پیوند خاک ہوا، اس واقعہ کے راوی حضرت عبداللہ بن مسعودؓ بیان کرتے ہیں، کہ مجھے عبداللہ کی موت پر اتنا رشک آیا کہ دل نہ کہا کاش ان کے بجائے میں مرا ہوتا۔^۲

عبادت : عبداللہ کا دل سوزِ ایمان اور گدازِ قلب پھکا جاتا تھا، اور آستانہ نبوی ﷺ ان کی پرسوز تہلیل و تسبیح اور تلاوتِ قرآن سے گونجا کر تا تھا ایک دن حضرت عمرؓ نے کہا کہ یا رسول اللہ! یہ ریاکار معلوم ہوتا ہے فرمایا نہیں وہ سوزِ قلب رکھنے والوں میں ہیں۔^۳

(۸۱) حضرت عبداللہ بن مغفل مرنی

نام و نسب : عبداللہ نام، ابوسعید کنیت، نسب نامہ یہ ہے عبداللہ بن مغفل بن عبد بن عقیف بن کہم بن ربیعہ بن عدی بن ثعلبہ بن ذویب بن سعد بن عدی بن عثمان بن مزنیہ مرنی۔

اسلام : عبداللہ ۶ھ میں مشرف باسلام ہوئے، قبول اسلام کے بعد سب سے اول غزوہ حدیبیہ میں شریک ہوئے۔^۴ اور بیعت رضوان کا شرف حاصل کیا۔^۵

غزوات : خیبر میں بھی ہمرکاب تھے، اس غزوہ کا ایک واقعہ بیان کرتے ہیں کہ میں خیبر کے محاصرہ میں تھا کہ کسی نے اوپر سے چربی سے بھری ہوئی ایک تھیلی پھینکی، میں اٹھانے کے لئے بڑھا آنحضرت ﷺ کی نظر پڑ گئی مجھے اس پر بڑی ندامت اور شرمندگی ہوئی۔^۶ فتح مکہ میں بھی شریک تھے اس غزوہ کا

۱۔ سیرۃ ابن ہشام۔ جلد ۳۔ ص ۳۲۵۔

۲۔ اسد الغابہ۔ جلد ۳۔ ص ۱۲۳۔

۳۔ بخاری کتاب التفسیر باب قول اذیبایعونک تحت الشجرہ۔

۴۔ اسد الغابہ۔ جلد ۳۔ ص ۱۲۳۔

۵۔ بخاری کتاب المغازی باب غزوہ خیبر۔

۶۔ مسند احمد بن حنبل۔ ج ۵۔ ص ۵۴۔

بہ معنی مشاہدہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے فتح مکہ کے دن آنحضرت ﷺ کو اونٹنی کے اوپر سوار سورہ فتح تلاوت کرتے دیکھا۔

۹۔ میں تبوک کا غزوہ پیش آیا اس سال نہایت شدید قحط تھا اس لئے مسلمانوں کو بڑی دشواری پیش آئی۔ صاحب مقدور لوگوں کے علاوہ معمولی حیثیت کے مسلمانوں کے لئے اس غزوہ میں شرکت کی کوئی صورت نہ تھی عبداللہ بن مسفل نادار صحابی تھے ان کے پاس کوئی سامان نہ تھا۔ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر سامان سفر کی درخواست کی۔ یہاں کیا تھا صاف جواب ملا لیکن جوش جہاد گھر میں بھی بیٹھنے نہ دیتا تھا جب سامان سفر کی کوئی صورت نہ نکل سکی تو اپنی محرومی پر مایوس ہو کر رونے لگے۔ ایک بزرگ ابن یامین نے روتا دیکھ کر سبب پوچھا، کہا غزوہ تبوک کے لیے رسول اللہ ﷺ سے سواری مانگی تھی مگر نہیں ملی اور مجھ میں اتنی قدرت نہیں کہ اپنے پاس سے سامان کروں۔ یہ سن کر ابن یامین نے سواری کے لیے ایک اونٹ اور زادراہ کے لیے تھوڑی سی کھجوریں پیش کیں۔ اس مختصر سامان کے ساتھ عبداللہ اور ان کے دوسرے ساتھی عبدالرحمن بن کعب غزوہ تبوک میں شریک ہوئے ان ہی ناداروں کے بارہ میں یہ آیت نازل ہوئی تھی۔

”ولا على الذين اذا ما اتوا ك لتحملهم قلت لا اجد ما احملكم عليه تولوا واعينهم تفيض من الدمع حزنا الا يجدوا ما ينفقون“۔ (التوبہ: ۹: ۹۲)

”اور نہ ان لوگوں پر کوئی الزام ہے کہ جب وہ تمہارے پاس آئے کہ تم ان کے لیے سواری کا انتظام کرو تو تم نے کہا میرے پاس کوئی سواری نہیں۔ ہنہ یہ سن کر وہ اوٹ گئے اور خرچ نہ میسر آنے کے غم میں ان کی آنکھیں اشکبار تھیں۔“

بصرہ کا توطن : تاحیات نبوی ﷺ مدینہ میں رہے۔ آپ ﷺ کی وفات کے بعد مدینہ چھوڑ دیا۔ حضرت عمرؓ نے جب بصرہ آباد کرایا تو عبداللہ و مسلمانوں کی تعلیم و تربیت کے لیے بصرہ بھیج دیا جہاں وہ آخر عمر تک مقیم رہے۔

عراق کی فوج کشی : عراق کی فوج کشی میں مجاہدانہ شریک ہوئے، خوزستان کے صدر مقام شوتر کی تسخیر کے بعد سب سے پہلے یہی شہر میں داخل ہوئے تھے۔

۱۔ سیرۃ ابن ہشام۔ جلد ۲۔ ص ۳۱۶

۲۔ ابن سعد۔ جلد ۷۔ ص ۷۸، ۷۹

۱۔ مسلم۔ جلد اول۔ ص ۲۵۶ مطبوعہ مصر

۲۔ مسند احمد بن حنبل۔ جلد ۵۔ ص ۵۴

۳۔ مستدرک حاکم۔ جلد ۲۔ ص ۵۷۸

وفات : کافی عمر پانے کے بعد باختلاف روایت ۵۹ھ یا ۶۰ھ میں بصرہ میں مرض الموت میں مبتلا ہوئے دم آخر اعزہ سے وصیت کی کہ غسل کے آخری پانی میں کافور ملانا اور کفن میں دو چادریں اور ایک قمیص ہو کہ رسول اللہ ﷺ کا کفن ایسا ہی تھا۔ نہلاتے وقت صرف احباب ہوں رسول اللہ ﷺ کے صحابی غسل دیں جنازہ کے پیچھے آگ نہ روشن کی جائے۔ ابن زیاد (گورنر بصرہ) جنازہ کی نماز میں شریک نہ ہو وفات کے بعد ان وصیتوں پر پورا پورا عمل کیا گیا۔ آنحضرت ﷺ کے اصحاب نے نہلایا، جنازہ گھر سے نکلا تو ابن زیاد انتظار میں کھڑا تھا اس کو عبد اللہ بنی وصیت سنائی گئی۔ اسے سن کر تھوڑی دور جنازہ کی مشالیت کر کے گھر لوٹ گیا۔ حسب وصیت آنحضرت ﷺ کے صحابی حضرت ابو بزرہ اسلمیؓ نے نماز جنازہ پڑھائی، اور بصرہ کی سرزمین میں پیوند خاک کئے گئے۔

اولاد : وفات کے بعد سات ۷ اولادیں یادگار چھوڑیں۔

فضل و کمال : قبول اسلام کے بعد کئی برس تک ذات نبوی ﷺ سے استفادہ کا موقع ملا تھا اس لئے ان کی ۴۳ مرویات حدیث کی کتابوں میں موجود ہیں، ان میں سے ۴ متفق علیہ ہیں اور ایک میں امام بخاری اور ایک میں امام مسلم منفرد ہیں۔ حمید بن ہلال، ثابت البنانی، مطرب بن عبد اللہ معاویہ بن قرہ، عقبہ بن صہبان، حسن بصری، سعید بن جبیر، عبد اللہ بن بزیہؓ وغیرہ ان کے رواۃ میں ہیں۔ گو عبد اللہ کی مرویات کی تعداد کم ہے لیکن ان کا علمی اور تعلیمی تجربہ زیادہ تھا چنانچہ حضرت عمرؓ نے جن چھ اصحاب کو اہل بصرہ کی فقہی تعلیم کے لیے بھیجا تھا، ان میں ایک یہ بھی تھے۔

بدعات سے نفرت : عبد اللہ کو بدعت سے سخت نفرت تھی، جو چیز انہوں نے عہد رسالت ﷺ اور عہد خلفاء میں نہیں دیکھی تھی یا ان کے علم میں نہ تھی اس کو کسی طرح نہیں برداشت کر سکتے تھے، ان کے صاحبزادے راوی ہیں کہ ایک مرتبہ میں نے نماز میں بسم اللہ جہر کے ساتھ پڑھی والد نے سن لیا، جب میں نماز تمام کر چکا تو مجھ سے کہا بیٹا اسلام میں باتیں نہ بڑھاؤ۔ میں نے رسول اللہ ﷺ، ابو بکرؓ، عمرؓ اور عثمانؓ کے پیچھے نمازیں پڑھی ہیں، ان میں سے کوئی بھی بسم اللہ (بالجہر) کے ساتھ نماز نہیں شروع کرتا تھا۔ یہ واقعہ بیان کر کے لڑکے نے کہا میں نے والد سے زیادہ بدعات کو برا سمجھنے والا نہیں دیکھا۔

۱۔ مستدرک حاکم۔ جلد ۳۔ ص ۵۷۸
 ۲۔ ابن سعد۔ جلد ۷۔ ص ۱۸۔ ق ۱
 ۳۔ استیعاب۔ جلد ۱۔ ص ۳۷۴
 ۴۔ تہذیب الکمال۔ ص ۲۱۶
 ۵۔ مسند احمد بن حنبل۔ جلد ۵۔ ص ۵۵
 ۶۔ تہذیب الکمال۔ جلد ۶۔ ص ۴۳
 ۷۔ اسابہ۔ جلد ۴۔ ص ۱۳۲

(۸۲) حضرت عبداللہ بن وہبؓ

نام و نسب : عبداللہ نام، باپ کا نام وہب تھا، قبیلہ اسلم سے نسب تعلق رکھتے تھے۔
 اسلام : ابن سعدؒ کے نزدیک فتح مکہ سے پہلے کسی وقت دولت اسلام سے بہرہ ور ہوئے۔
 عمان کا قیام : قبول اسلام کے بعد کچھ دنوں آنحضرت ﷺ کی خدمت میں رہے پھر عمان چلے گئے، وفات نبوی ﷺ کے وقت یہیں تھے۔ وفات کی خبر پا کر یہ اور حبیب بن زید مزی دوں عمرو بن العاصؓ کے پاس چلے۔ راستہ میں مسلمانہ کذاب ملا اس نے ان دونوں کو گرفتار کر لیا اور اپنی نبوت منوائی چاہی حبیب نے صاف انکار کر دیا۔ ان کے انکار پر مسلمانہ نے حبیب کو قتل کر کے ان کے بدن کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالے۔ اس عبرت انگیز سزا کو دیکھنے کے بعد بھی عبداللہؓ کے دل پر ہر اس نہ طاری ہوا اور بدستور اسلام پر قائم رہے۔ مسلمانہ نے ان پر کوئی تشدد نہیں کیا بلکہ صرف قید پر اکتفا کی۔ ابھی یہ قید ہی تھے کہ خالد بن ولیدؓ اور اسامہ بن زیدؓ مسلمانہ کی سرکوبی کے لیے پہنچ گئے، عبداللہؓ موقع پا کر نکل گئے اور مسلمانوں سے مل کر مسلمانہ کا نہایت پر زور مقابلہ کیا، لیکن بلا ذری کا بیان ہے کہ خود آنحضرت ﷺ نے عبداللہ بن وہب اور حبیب بن زید کو مسلمانہ کے مقابلہ کے لیے بھیجا تھا۔ ابن سعد کا بیان زیادہ صحیح معلوم ہوتا ہے اس لئے کہ مسلمانہ کذاب کے فتنہ نے آپ کی وفات کے بعد شدت پکڑی تھی۔

وفات : وفات کے حالات پردہ خفا میں ہیں۔

(۸۳) حضرت عبید اللہ بن عباسؓ

نام و نسب : عبداللہ نام، ابو محمد کنیت، نسب نامہ یہ ہے : عبید اللہ بن عباسؓ بن عبدالمطلب ابن ہاشم قرشی ہاشمی۔ مان کا نام لبابہ تھا۔ مانہالی شجرہ یہ ہے، لبابہ بنت حارث بن حزن بلالیہ، عبید اللہ آنحضرت ﷺ کے حقیقی چچا زاد بھائی تھے۔

پیدائش و بچپن : ہجرت سے ایک سال پہلے پیدا ہوئے۔ حضرت عباسؓ کی اولادوں میں عبید اللہ باپ کے بڑے چہیتے تھے۔ آنحضرت ﷺ کو حضرت عباسؓ سے خاص انس تھا اس لئے ان کے بچوں

۱۔ ابن سعد۔ جلد ۴۔ ص ۳۶۔ ق ۲ ۲۔ فتوح البلدان بلا ذری۔ ص ۹۹

۳۔ ابن سعد تذکرہ عبید اللہ بن عباسؓ ۴۔ مستدرک حاکم۔ جلد ۳۔ ص ۵۶۷

کے ساتھ آپ ﷺ کو بڑی محبت تھی چنانچہ عبید اللہ اور اکثر تینوں کو بلا کر کھلاتے اور فرماتے تم میں سے سب سے جو دوڑ کر سب سے پہلے مجھ کو چھوئے گا اس کو فلاں چیز دوں گا۔ تینوں بھائی دوڑتے، کوئی پشت مبارک پر چڑھ جاتا، کوئی سینہ سے چمٹ جاتا، آپ ﷺ سب کو چمٹا کر پیار کرتے۔^۱

یمن کی حکومت اور حج کی امارت : عبید اللہ عہد رسالت اور عہد شہنشاہی میں کم سن تھے اس لئے اس عہد کا کوئی واقعہ قابل ذکر نہیں ہے۔ عہد عثمانی میں بھی کہیں نہیں نظر آتے حضرت علیؓ نے اپنے زمانہ میں یمن کا والی بنایا پھر ۳۶ھ اور ۳۷ھ میں امارت حج کا عہدہ تفویض کیا چنانچہ ان دونوں سنوں کا حج عبید اللہ ہی کی امارت میں ہوا۔ بعض ارباب سیر لکھتے ہیں کہ ۳۸ھ میں بھی امیر الحج تھے، یہ صحیح نہیں ہے ۳۸ھ میں وہ نہیں بلکہ ان کے بھائی قثم میر تھے۔^۲

بچوں کا قتل : ۴۰ھ میں بسر بن ابی ارطاة امیر معاویہؓ کی جانب سے شیعان علیؓ کو بحمر مطہع بنانے کے لئے یمن آیا۔ اس وقت عبید اللہ حضرت علیؓ کی جانب سے دہان کے والی تھے ان میں بسر کے مقابلہ کی طاقت نہ تھی اس لئے وہ یمن سے ہٹ گئے ان کے اہل و عیال یہیں تھے۔ بسر نہایت ظالم تھا اور اس کے دل میں حضرت علیؓ کے حامیوں کی طرف سے اس قدر کینہ اور بغض بھرا ہوا تھا کہ عبید اللہ کے دو کمسن بچوں کو ان کی ماں کے سامنے نہایت بے دردی سے قتل کر دیا۔^۳

وفات : زمانہ وفات میں اختلاف ہے۔ استیعاب کی روایت کے مطابق ۵۸ھ میں وفات پائی۔^۴

فضل و کمال : عبید اللہ جس خانوادہ علم و عمل کے چشم و چراغ تھے اس کے اعتبار سے ان کا کوئی خاص علمی پایہ نہ تھا۔ آنحضرت ﷺ کے عہد میں بہت کم سن تھے اس لئے براہ راست آپ ﷺ سے سماع حدیث کا موقع نہ ملا۔ تاہم حدیث کی کتابوں میں ان کی مرویات ملتی ہیں اور انہوں نے اپنے والد بزرگوار حضرت عباسؓ سے اور ان سے عبید اللہ اور ابن سیرین نے روایت کی ہے۔^۵

فیاضی : حضرت عباسؓ کے تمام لڑکوں میں کوئی نہ کوئی نمایاں وصف اور کمال موجود تھا۔ حضرت عبید اللہ فضل و کمال میں یکتائے عصر تھے۔ فضل حسن و جمال میں یگانہ تھے۔ عبید اللہ فیاضی اور دریادلی میں بے نظیر تھے ان کے دسترخوان کے لئے ایک اونٹ روزانہ ذبح ہوتا تھا دوسرے بھائی عبید اللہ کو یہ فیاضی ناپسند تھی۔ انہوں نے روکنا چاہا تو اس دن سے دو اونٹ ذبح ہونے لگے۔ جب یہ دونوں بھائی

۱۔ مسند احمد بن حنبل۔ جلد اول۔ ذکر عبید اللہ بن عباسؓ

۲۔ استیعاب۔ جلد ۲۔ ص ۴۱۶

۳۔ تہذیب الکمال۔ ص ۲۵۱

۴۔ استیعاب۔ جلد ۲۔ ص ۴۱۶

۵۔ تہذیب الکمال۔ ص ۲۵۱

۶۔ اسد الغابہ۔ جلد ۳۔ ص ۳۳۰

ایک ساتھ مدینہ میں داخل ہوتے ایک طرف تشنگانِ علم کے لئے عبید اللہ کے یہاں علم کا دریا بہتا۔ دوسری طرف بھوکوں کے لئے عبید اللہ کے یہاں صلائے عام ہوتی۔ ایک مرتبہ عبید اللہ کہیں جا رہے تھے غلام ساتھ تھا، چلتے چلتے شام ہو گئی ایک اعرابی کا گھر دکھائی دیا، غلام نے کہا کہ اگر ہم لوگ رات بھر کے لئے اس گھر میں ٹھہر جاتے تو بہتر ہوتا رات ہو چکی تھی اس لئے عبید اللہ کو بھی یہ رائے پسند آئی اور خادم و آقا دونوں اعرابی کے گھر پہنچے۔ عبید اللہ نہایت وحیہ تھے اعرابی دیکھ کر سمجھا کوئی بڑا آدمی ہے، بڑے غرور و اکرام کے ساتھ اتارا اور بیوی سے جا کر کہا کہ ہمارے یہاں ایک معزز مہمان آیا ہے کچھ کھانے کا سامان ہے؟ بیوی نے جواب دیا کھانے کو تو کچھ نہیں ہے، صرف یہ ایک بکری ہے جس کے دودھ پر تمہاری لڑکی کی زندگی ہے۔ بدوی غیرت نے گوارا نہ کیا کہ مہمان کو بھوکا رکھا جائے۔ بیوی سے کہا کچھ بھی ہو بکری ذبح کرنا چاہئے۔ بیوی نے کہا کیا لڑکی کو مار ڈالو گے، اعرابی نے کاہر حال بکری ذبح کرنا ضروری ہے چنانچہ بکری ذبح کر کے رات کا کھانا کھلایا عبید اللہ یہ تمام گفتگوں رہے تھے۔ صبح کو اٹھ کر غلام سے پوچھا تمہارے پاس کچھ ہے اس نے کہا پانسو اشرفیاں ہیں۔ حکم دیا اعرابی کو دے دو، غلام نے کہا سبحان اللہ ۵ درہم کی بکری کھلائی اور آپ پانسو دینار دیئے دیتے ہیں۔ بولے تیری عقل پر افسوس ہے خدا کی قسم! وہ ہم سے کہیں زیادہ سیر چشم اور دیر یاد دل ہے ہم تو اپنی مملوکہ دولت سے بہت حقیر رقم اسے دے رہے ہیں اور اس نے اپنے لختِ جگر کو قربان کر کے ہمیں بکری کھلائی!۔

(۸۴) حضرت عبدالرحمن بن سمرہؓ

نام و نسب : عبدالرحمن نام، باپ کا نام سمرہ تھا۔ نسب نامہ یہ ہے : عبدالرحمن بن سمرہ بن حبیب ابن عبد شمس بن عبد مناف بن قصی۔

اسلام : فتح مکہ کے دن مشرف باسلام ہوئے۔ جاہلی نام عبدالکعبہ تھا، آنحضرت ﷺ نے بدل کر عبدالرحمن رکھا۔ اسلام کے بعد سب سے اول غزوہ تبوک میں شریک ہوئے۔

عہد عثمانی : غزوہ تبوک کے بعد عبدالرحمن پھر عہد عثمانی میں نظر پڑتے ہیں۔ آنحضرت ﷺ نے انہیں نصیحت فرمائی تھی کہ خود کبھی امارت کی خواہش نہ کرنا اگر تمہاری خواہش پر ملے گی تو اس کی ذمہ داری تنہا تمہارا ہے سر ہوگی اور بلا خواہش ملے گی تو خدا تمہاری مدد کرے گا۔ اس نصیحت کے مطابق انہوں نے خود کبھی امارت کی خواہش نہیں کی۔ حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں عبداللہ بن عامر والی بصرہ نے

انہیں امارت کے عہدہ پر مامور کیا۔ ۳۲ھ میں جب ابن عامر نے بھستان اور کابل پر چڑھائی کی۔^۱ تو عبدالرحمن کو بھستان روانہ کیا یہ زرنج کی طرف بڑھے اتفاق سے انہیں ایام میں عید تھی، بھستان والے عید منا رہے تھے۔ عبدالرحمن نے عین عید کے دن زرنج کے مرزبان کو گھیر لیا اس نے بیس لاکھ درہم اور دو ہزار کوٹھی غلام پر صلح کر لی۔ یہ رقم اتنی وافر تھی کہ عبدالرحمن کے ساتھ آٹھ ہزار مجاہدین تھے، ہر ایک کے حصہ میں چار چار ہزار آیا۔ زور ایک بت کا نام تھا اسی کی نسبت سے یہاں کا پہاڑ جبل زور کہلاتا تھا۔ یہ بت ٹھوس سونے کا تھا اور یا قوت کی آنکھیں تھیں۔ عبدالرحمن نے اس کے ہاتھ کاٹ لئے اور دونوں آنکھیں نکال کر مرزبان کو واپس کر دیا کہ مجھے اس کی ضرورت نہ تھی صرف تمہارے اعتقاد کو باطل کرنا تھا، بت کسی کو نفع نہیں پہنچا سکتے بت کو توڑنے کے بعد بست اور زابل کو فتح کیا ان فتوحات کی تکمیل کے بعد زرنج لوٹ آئے۔ کچھ دنوں کے بعد جب حضرت عثمانؓ کے خلاف شورش پیا ہوئی تو عبدالرحمنؓ امیر بن امر کو اپنا قائم مقام بنا کر بھستان سے چلے گئے ان کے ہتھے ہی زرنج والوں نے ابن امر کو نکال کر زرنج کے علاقہ پر قبضہ کر لیا۔^۲

خانہ جنگی سے کنارہ کشی :

حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد جمل اور صفین کی قیامت خیز لڑائیاں ہوئیں لیکن عبدالرحمنؓ کسی میں شریک نہ ہوئے۔

ولایت بصرہ : حضرت حسنؓ کی دست برداری کے بعد جب امیر معاویہ سارے عالم اسلامی کے خلیفہ ہوئے تو انہوں نے جدید انتظامات کے سلسلہ میں عبداللہ بن عامر کو ۳۳ھ میں بصرہ کا والی بنایا۔

حضرت عثمانؓ کی شہادت اور جمل و صفین کے ہنگاموں کے زمانہ میں بھستان اور کابل کے علاقے باغی ہو گئے تھے۔ عبداللہ بن عامر کو عبدالرحمنؓ کے گزشتہ کارناموں کا کافی تجربہ ہو چکا تھا اس لئے انہوں نے دوبارہ انہیں بھستان کا والی بنا کر باغی علاقوں کی تادیب پر مامور کیا چنانچہ یہ بھستان آئے یہاں سے باغیوں کی سرکوبی کرتے ہوئے کابل تک پہنچ گئے اور اس کا محاصرہ کر کے سنگباری کے ذریعے سے شہر پناہ کی دیواریں شق کر دیں۔ عباد بن حصین رات بھر شکاف کی نگرانی کرتے رہے کہ دشمن اس کو بھرنے نہ پائیں۔ صبح کو کابلیوں نے میدان میں نکل کر مقابلہ کیا مگر شکست کھائی اور مسلمان شہر میں داخل ہو گئے یہ بلاذری اور ابن اثیر کا بیان ہے۔^۳

۱۔ ابن عامر اس علاقہ کو زیر نگین کر چکے تھے لیکن یہاں کے باشندوں نے بغاوت کر کے ان کے عامل کو نکال دیا۔

۲۔ فتوح البلدان بلاذری۔ ص ۴۰۱، ۴۰۲ ج ۳۔ ابن اثیر۔ جلد ۳۔ ص ۳۶۶ و بلاذری۔ ص ۴۰۳

یعقوبی کے بیان کے مطابق شہر پناہ کے دربان نے رشوت لے کر دروازہ کھول دیا تھا۔

کابل کو مطیع بنانے کے بعد عبدالرحمنؓ نے خواش اور زان بست کو زیر نگین کیا۔ یہاں سے رزان کا رخ کیا۔ یہاں کے باشندوں نے پہلے ہی شہر خالی کر دیا تھا، اس لئے بلا جنگ رزان پر قبضہ ہو گیا۔ رزان کے بعد خشک پہنچے، یہاں کے باشندوں نے صلح کر لی۔

خشک کے بعد رنج آئے اور ایک پرزور مقابلہ کے بعد یہاں کے باشندوں کو شکست دے کر غزنہ پہنچے۔ باغی غزنویوں نے نہایت پرزور مقابلہ کیا، مگر انہوں نے بھی فاش شکست کھائی۔ کابل والے سخت بغاوت پسند تھے۔ عبدالرحمنؓ جب غزنہ کی طرف متوجہ تھے، کابلیوں نے میدان خالی پا کر بغاوت کر دی۔ عبدالرحمنؓ نے غزنہ سے فراغت کے بعد انہیں مطیع بنایا اور بھستان، کابل اور غزنہ کا پورا علاقہ دوبارہ زیر نگین کیا۔

حضرت عبدالرحمنؓ کو ابن عامر نے اپنی پسند سے حاکم بنایا تھا ان کے کارناموں کا دیکھ کر امیر معاویہؓ نے بھی مہر تصدیق ثبت کر دی اور عبدالرحمنؓ مرکزی حکومت کی جانب سے بھستان کے باقاعدہ والی ہو گئے۔^۱ تین سال کے بعد ۳۶ھ میں زیاد نے انہیں معزول کر کے زیاد بن ربیع کو ان کی جگہ مقرر کیا۔

وفات : معزولی کے بعد عبدالرحمنؓ نے بھستان ہی میں بودو باش اختیار کر لی تھی یہیں ۵۰ھ میں وفات پائی۔^۲ وفات کے بعد ایک لڑکا عبید اللہ یادگار چھوڑا۔

فضل و کمال : عبدالرحمنؓ اولاً مسلمین بعد الفتح میں تھے۔ پھر فوجی آدمی تھے اس لئے علمی اعتبار سے کوئی قابل ذکر شخصیت نہ تھی تاہم ان کی بیاض علم کے اوراق بالکل سادہ نہیں ہیں ان کی ۱۴ روایتیں حدیث کی کتابوں میں موجود ہیں ان میں سے ۲ متفق علیہ اور ایک میں امام مسلم منفرد ہیں۔ ان کے رواۃ میں عبدالرحمن بن لیلی اور مشہور تابعی حضرت حسن بصری لائق ذکر ہیں۔^۳

تواضع و خاکساری : ایک طرف یہ بلندی اور حوصلہ مندی تھی کہ بھستان سے لے کر غزنہ تک کا علاقہ فتح کر لیا اور باغی کابلیوں کے بل نکال دیئے، دوسری طرف یہ خاکساری اور فروتنی تھی کہ بارش کے دنوں میں جھاڑو لے کر گلیاں صاف کرتے پھرتے تھے۔^۴

۱۔ یعقوبی۔ ۲۔ ص ۲۵۸ ۲۔ ابن اثیر۔ جلد ۳۔ ص ۳۶۶ و بلاذری۔ ص ۴۰۳ ۳۔ بلاذری۔ ص ۴۰۳
۴۔ اصالبہ۔ جلد ۴۔ ص ۱۶۰ ۵۔ تہذیب الکمال۔ ص ۲۲۸ ۶۔ اسد الغابہ۔ جلد ۳۔ ص ۲۲۸

(۸۵) حضرت عتاب بن اسید

نام و نسب : عتاب نام، ابو عبد الرحمن کنیت، نسب نامہ یہ ہے، عتاب بن اسید بن ابو عیص ابن امیہ بن عبد شمس بن عبد مناف بن قصی بن کلاب بن مرہ قرشی اموی۔

قبل از اسلام : عتاب ابتدا سے سلیم الفطرت تھے، چنانچہ قبول اسلام کے پہلے ہی سے وہ شرک سے دور اور اسلامی تعلیمات سے قریب تر تھے، فتح مکہ سے ایک دو شب پہلے آنحضرت ﷺ نے ان کی فطرت سلیم کا تذکرہ فرمایا، کہ قریش کے چار آدمی شرک سے دور اور اسلام سے قریب تر اور اس کی طرف راغب ہیں، لوگوں نے پوچھا یا رسول اللہ! وہ کون لوگ ہیں، فرمایا، عتاب بن اسید، جبیر بن مطعم، حکیم بن حزام اور سہیل بن عمروؓ۔

اسلام، فتح مکہ کے دن بلا جبر و اکراہ بطیب خاطر اسلام کے حلقہ بگوش ہو گئے، جب آنحضرت ﷺ حسنین کے لئے جانے لگے، تو عتاب کو مکہ کا امیر بنایا، بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے اس موقع پر یہ شرف حضرت معاذ بن جبلؓ کو حاصل ہوا۔

اس کے بعد عتاب کو ملا، مکہ کی امارت پر سرفراز فرماتے وقت ان الفاظ میں عتاب کی عزت افزائی فرمائی! تم کو معلوم ہے، کہ کن لوگوں پر میں نے تم کو عامل بنایا ہے، اہل اللہ پر! اگر مکہ والوں کے لئے تم سے زیادہ کوئی موزوں شخص نظر آتا تو اسے بناتا۔

پھر ۸ھ میں حج کی امارت کا شرف حاصل ہوا، اس لحاظ سے عتاب تاریخ اسلام میں سب سے پہلے امیر الحج ہیں۔

عہد صدیقی : آنحضرت ﷺ کی وفات تک عتاب مکہ کے عامل رہے، حضرت ابو بکرؓ نے بھی اپنے زمانہ میں بدستور انہیں ان کے عہدہ پر برقرار رکھا۔

وفات : ان کی عمر نے وفاندہ کی، عین عالم شباب میں جب کہ ان کی عمر ۲۵، ۲۶ سال سے زیادہ نہ تھی، ۱۳ھ میں مکہ میں وفات پائی۔

فضل و کمال : کم سنی کی موت نے عتاب کے علمی کمالات کو چمکنے کا موقع نہ دیا، اس کے باوجود ارباب سیر انہیں فضلاء صحابہ میں شمار کرتے ہیں۔ چند احادیث نبوی بھی ان سے مروی ہیں،

۱۔ متدرک حاکم۔ ج ۳۔ ص ۵۹۵ ۲۔ اسد الغابہ۔ ج ۳۔ ص ۵۸ ۳۔ اسد الغابہ۔ ج ۳۔ ص ۳۵۸ ۴۔ ایضاً ۵۔ ایضاً

عطار اور ابن مسیب نے ان سے مرسل روایت کی ہے۔

نماز باجماعت میں تشدد : نماز باجماعت کے بارہ میں اتنے تشدد تھے کہ امارت مکہ کے زمانہ میں قسم کھا کھا کر کہتے تھے، کہ جو شخص جماعت کے ساتھ نماز نہ ادا کرے گا، اس کا سر قلم کر دوں گا، جماعت سے غفلت منافقوں کا کام ہے، اہل مکہ نے ان کی اس سختی سے گھبرا کر آنحضرت ﷺ سے شکایت کی کہ آپ ﷺ نے کس اُجڑا عربی کو عامل بنایا ہے۔

تدین : عہدہ داروں کا ہدایہ و تحائف سے دامن پچانا بہت مشکل ہے، عتاب باوجود یکہ کئی برس تک مکہ کے عامل رہے، لیکن اس سلسلہ میں کبھی کوئی چیز نہیں قبول کی، ایک مرتبہ کسی نے دو چادریں پیش کیں انہیں لے کر اپنے غلام کیساں کو دیدیا۔

قناعت : عام طور پر حکام اور عہدہ داروں میں قناعت نہیں ہوتی، لیکن عتاب کی ذات اس سے مستثنیٰ تھی، آنحضرت ﷺ نے ان کے اخراجات کے لئے دو درہم روزانہ مقرر فرمائے تھے، عتاب اسی پر قانع رہے، کہا کرتے تھے، کہ جو پیٹ دو درہم میں نہیں بھرتا اس کو خدا کبھی آسودہ نہ کریگا۔

نزول آیہ : عقیلی کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ ابن عباسؓ کے نزدیک کلام اللہ کی یہ آیت

”واجعلنی من لدنک سلطاناً نصیراً“

ترجمہ : ”اور اپنے پاس سے مجھ کو فتح یابی کے ساتھ غلبہ عطا فرما۔“

”من سلطان نصیر“ سے مراد عتاب کی ذات ہے۔ لیکن اس کی روایتی حیثیت قابل اعتبار نہیں تاہم اس سے اتنا اندازہ ضرور ہوتا ہے، کہ عتاب کی شخصیت اس کا مصداق بن سکتی تھی، تمام ارباب سیران کے فضائل و کمالات کے معترف ہیں، کان عتاب رجلاً خیر اصالحاً فاضلاً عتاب باخبر صالح اور فاضل تھے۔

(۸۶) حضرت عتبہ بن ابی لہب

نام و نسب : عتبہ نام، مشہور دشمن اسلام ابو لہب ان کا باپ تھا، نسب نامہ یہ ہے : عتبہ بن ابی لہب ابن عبد المطلب بن ہاشم بن عبد مناف بن قصی قرشی ہاشمی، ابو لہب آنحضرت ﷺ کا چچا تھا، اس رشتہ سے عتبہ آپ کے ابن عم تھے

اسلام : عتبہ بنخبر اسلام کے اس سب سے بڑے دشمن کے فرزند تھے، جس نے بھیجے کی تحقیر، مسلمانوں کی ایذا رسانی اور اسلام کی بیخ کنی میں کوئی دقیقہ اٹھانہ رکھا تھا، پھر آنحضرت ﷺ کا گوشت و پوست ایک تھا۔ خون کا اثر کہاں سے جاتا چنانچہ جب مکہ فتح ہوا، اور معاندین اسلام کا شیرازہ بکھر چکا تو آنحضرت ﷺ کو چچیرے بھائی کا خیال آیا، حضرت عباسؓ سے پوچھا تمہارے دونوں بھتیجیوں (عتبہ اور معتبہ) کو نہیں دیکھا، معلوم نہیں کہاں ہیں۔ عباسؓ نے کہا مشرکین قریش کے ساتھ وہ بھی مکہ چھوڑ کر کہیں نکل گئے ہیں۔ فرمایا، جاؤ جہاں کہیں ملیں لے آؤ۔

اس ارشاد پر حضرت عباسؓ تلاش میں نکلے اور دونوں کو ڈھونڈ کر کہا، چلو تم کو رسول اللہ ﷺ نے یاد فرمایا ہے، چنانچہ یہ دونوں چچا کے ساتھ بھائی کی خدمت میں حاضر ہوئے، آپ نے اسلام پیش کیا، اب انکار و تمرد کا وقت گزر چکا تھا، اس لئے بلا تامل قبول کر لیا، قبول اسلام کے بعد آنحضرت ﷺ نے دونوں کا ہاتھ پکڑے ہوئے باب کعبہ اور حجر اسود کے درمیان میں لا کر کچھ دعا کی، دعا سے واپسی کے وقت چہرہ انور و نور مسرت سے چمک رہا تھا، عباسؓ نے کہا خدا آپ کو ہمیشہ خوش رکھے، آپ کے چہرہ پر مسرت کے آثار دیکھ رہا ہوں، فرمایا میں اپنے ان دونوں بھائیوں کو خدا سے مانگا تھا، اس نے مجھے دیدیا، یہ مسرت اسی کا نتیجہ ہے۔

غزوات : اسلام کے بعد مکہ ہی میں رہے، البتہ بعض غزوات میں شریک ہونے کے لیے مدینہ آجاتے تھے چنانچہ غزوہ حنین میں آنحضرت ﷺ کے ساتھ شریک ہوئے، اور اس فدویت اور جانثاری کے ساتھ کہ جب ساری فوج میں اضطراب پیدا ہو گیا، اور بہت سے مسلمانوں کے پاؤں عارضی طور سے اکٹھ گئے، اس وقت بھی ان کے پیروں میں لغزش نہ آئی حنین کے بعد طائف میں بھی ساتھ تھے۔

وفات : ان کے زمانہ وفات کی تصریح نہیں ملتی، لیکن عہد صدیقی اور فاروقی میں کہیں نظر نہیں آتے، اس سے قیاس ہوتا ہے کہ حضرت ابو بکرؓ ہی کے زمانے میں وفات پا چکے تھے، حافظ ابن حجر عسقلانی کی بھی یہی رائے ہے۔

(۸۷) حضرت عثمان بن ابی العاصؓ

نام و نسب : عثمان نام، ابو عبد اللہ کنیت نسب نامہ یہ ہے : عثمان بن ابی العاص بن بشر بن دھمان ابن عبد اللہ بن آبان بن یسار بن مالک بن خطیط بن چشم ثقفی۔

اسلام : غزوہ طائف کے بعد عثمان بنی ثقیف کے وفد کے ساتھ مدینہ آئے یہ اس وفد کے سب سے چھوٹے رکن تھے آنحضرت ﷺ کے دست حق پرست پر مشرف باسلام ہوئے آپ نے تیر کا تھوڑا سا قرآن پڑھ لیا قبول اسلام کے بعد مشہور حافظ قرآن حضرت ابی ابن کعبؓ سے قرآن کی تعلیم میں مصروف ہو گئے جب ثقیف کا وفد وطن لوٹنے لگا تو آنحضرت ﷺ سے ایک ایسے صاحب علم امیر کی درخواست کی جو قبیلہ کے نو مسلموں کی امامت کرے اور انہیں مذہبی تعلیم دے سکے۔

بنی ثقیف کی امارت : گو عثمانؓ جدید اسلام تھے لیکن ان میں تعلیم کی بڑی استعداد تھی ان کے تعلیمی ذوق و شوق کو دیکھ کر حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا تھا کہ یہ لڑکا ثقہ فی الاسلام اور تعلیم قرآن کا بڑا شائق ہے اس لئے آنحضرت ﷺ نے بنی ثقیف کی امارت اور امامت انہی کو تفویض فرمادی اور ہدایت فرمائی کہ لوگوں کی حالت کا اندازہ کر کے نماز پڑھانا نمازیوں میں کمزور بوڑھے بچے اور کاروباری ہر طرح کے لوگ ہوتے ہیں۔

فتنہ ارتداد میں مساعی : حضرت ابوبکرؓ کے عہد خلافت میں جب ارتداد کا فتنہ اٹھا اور قبائل عرب اس کا شکار ہونے لگے تو عثمان نے بنی ثقیف کو نہایت دانشمندی کیساتھ اس وبا سے بچا لیا سب کو جمع کر کے تقریر کی کہ برادران ثقیف تم لوگ سب سے آخر میں خلعت ایمان سے سرفراز ہوئے اس لیے سب سے پہلے اسے نثار پھینکو۔

بصرہ کی امارت : حضرت عمرؓ نے جب بصرہ آباد کر لیا تو وہاں کے لئے ایک صاحب علم و فہم امیر کی ضرورت پڑی۔ عثمانؓ آنحضرت ﷺ کے زمانہ سے اس کام کو کرتے چلے آئے تھے۔ اس لئے لوگوں نے ان کا نام لیا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا ان کو رسول اللہ نے طائف پر مقرر فرمایا تھا۔ اس لئے میں انہیں معزول نہیں کر سکتا۔ لوگوں نے کہا آپ معزول نہ کیجئے بلکہ عثمانؓ کو لکھئے کہ وہ وہاں کسی کو اپنا قائم مقام بنا کر چلے آئیں۔ فرمایا یہ ہو سکتا ہے۔ چنانچہ عثمانؓ کو خط لکھا یہ طائف میں اپنے بھائی حکم کو اپنا قائم مقام بنا کر حاضر ہوئے۔ حضرت عمرؓ نے حکم کو ان کی جگہ ان کا قائم مقام بنا دیا اور عثمانؓ کو بصرہ بھیج دیا بصرہ آنے کے بعد عثمانؓ نے یہاں مستقل سکونت اختیار کر لی۔

بحرین اور عمان کی ولایت اور فارس پر فوج کشی :

بصرہ کی ولایت کے زمانہ میں حضرت عمرؓ نے بحرین اور عمان کی حکومت بھی عثمانؓ کے متعلق کر دی انہوں نے ان دونوں مقاموں کو مطیع بنانے کے بعد اپنے بھائی حکم کو ایک فوج کے ساتھ

بحری راستہ سے فارس روانہ کیا، انہوں نے جزیرہ ایر کاوان اور توج فتح کیا۔

ایک روایت یہ ہے کہ عثمانؓ نے رذونج کشی کی اور توج فتح کر کے یہاں مسجدیں بنوائیں، اور مسلمانوں کی نو آبادی قائم کی، بہر حال فارس کے مرزبان شہرک نے جب دیکھا کہ مسلمان اس کے حدود میں داخل ہوتے جا رہے ہیں تو ایک لشکر جرار لے کر انہیں روکنے کے لیے راسہر پہنچا، عثمانؓ کے بھائی حکم اور سوار بن ہمام نے ان کا مقابلہ کیا اور شہرک مارا گیا۔

اس کے بعد جب ایران پر عام لشکر کشی ہوئی تو حضرت عمرؓ نے عثمانؓ کو فارس پر حملہ کرنے کا حکم دیا۔ ابو موسیٰ اشعریؓ کو جو بصرہ میں تھے، ان کی مدد کے لئے لکھا۔ اس حکم پر عثمانؓ اپنے بھائی مغیرہ کو بحرین میں اپنا قائم مقام بنا کر توج آئے، اور اسے مرکز قرار دیکر فارس کے مختلف حصوں میں فوج کشی شروع کر دی۔ ابو موسیٰ اشعریؓ وقتاً فوقتاً بصرہ سے ان کی مدد کے لئے آتے رہتے تھے۔

توج آنے کے بعد عثمانؓ نے ہرم بن حیان عبدی کو قلعہ شیر پر مامور کیا۔ انہوں نے اس کو فتح کیا، اور عثمانؓ نے جرہ کا زروں نو بند حان وغیرہ پر قبضہ کیا۔ اس کے بعد تنہا حصن جنایا کو فتح کیا۔ جنایا کے بعد دارا بجز آئے۔ یہاں کے والی ہربذ نے صلح کر لی۔

دارا بجز کے بعد جہرم پر قبضہ کیا۔ جہرم کے بعد نسیا پہنچے، یہاں کے حکمران نے بھی دارا بجز کی شرائط پر صلح کر لی۔ اس کے بعد باختلاف ۲۳ھ یا ۲۴ھ میں فارس کے پایہ تخت سابور پہنچے۔ مقتول شہرک کا بھائی یہاں کا حاکم تھا۔ اس نے ایک خواب دیکھا تھا کہ ایک عرب نے اس کا کرتہ اتار لیا ہے، اس خواب کو اس نے بد فالی پر محمول کیا اور مسلمانوں سے لڑنا مناسب نہ سمجھا، اور عثمانؓ سے چند شرائط پر صلح کر لی۔

اس طرح فارس کا علاقہ کچھ صلح اور کچھ بڑے شمشیر مفتوح ہو گیا۔ اس صلح کے کچھ دنوں بعد پیرابل، ساور باغی ہو گئے۔ ۲۶ھ میں عثمانؓ اور ابو موسیٰ اشعریؓ نے پھر انہیں مطیع بنایا۔

حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں بھی عثمانؓ کی فوجی سرگرمی جاری رہی۔ آخر حضرت عمرؓ کے زمانہ میں فتح ہو چکا تھا، لیکن آپ کی وفات کے بعد ایرانیوں نے بغاوت کر کے پھر اپنے قبضہ میں لے لیا تھا۔ ۲۷ھ میں عثمانؓ بن ابی العاص نے دوبارہ اس پر قبضہ کیا۔ حضرت عثمانؓ نے اس کے صلہ میں بارہ ۱۲ ہزار جریب زمین مرحمت فرمائی۔

وفات : ان کا سنہ وفات متعین طور سے نہیں بتایا جاسکتا، امیر معاویہؓ کے عہد میں ۵۵ھ کے لگ بھگ وفات پائی۔

فضل و کمال : عثمانؓ کو آخری زمانہ میں مشرف باسلام ہوئے، لیکن نہایت زیرک و دانا تھے۔ آنحضرت ﷺ نے بنی ثقیف کی امارت پر سرفراز فرماتے وقت انہیں زیرک کی سند عطا فرمائی تھی، انہ کیس یہ زیرک آدمی ہیں۔

اس فطری استعداد کے علاوہ وہ علم کے شائق بھی تھے۔ اسلام کے بعد ہی حضرت ابی بن کعبؓ سے قرآن کی تعلیم حاصل کی تھی۔ حضرت ابو بکرؓ نے ان کے علمی شوق کو دیکھ کر فرمایا تھا، کہ لڑکا تفقہ فی الاسلام اور علم بالقرآن کا بڑا شائق ہے۔ اس لئے عثمانؓ تاخیر فی الاسلام اور کم سنی کے باوجود اپنے قبیلہ بھر میں علمی حیثیت سے ممتاز تھے۔ اسی لئے رسول اللہ ﷺ نے انہیں بنی ثقیف کا امام بھی بنایا تھا۔ اگرچہ انہیں صحبت نبویؐ سے استفادہ کا بہت کم موقع ملا، لیکن ان کی مرویات کی تعداد اسیس ۲۹ تک پہنچتی ہے۔ حضرت حسنؓ بصری فرماتے تھے، کہ میں نے عثمانؓ سے افضل کسی کو نہیں پایا۔ یزید بن حکم سعید بن مسیب، نافع ابن جبیر بن مطعم مطرف ابو العلاء موسیٰ بن طلحہ بن عبد اللہ محمد بن عیاض، حسن اور ابن سیرین نے ان سے روایتیں کی ہیں۔

تبلیغ احکام نبوی : ارشادات و فرامین نبویؐ کی تبلیغ ہر لمحہ پیش نظر رہتی تھی۔ ایک مرتبہ کلاب بن امیہؓ عشر وصول کرنے والوں کی جماعت میں بیٹھے تھے، عثمانؓ ادھر سے گزرے تو کلاب سے پوچھا یہاں کیوں بیٹھے ہو؟ انہوں نے جواب دیا زیاد نے عشر پر مقرر کیا ہے۔

یہ سن کر عثمانؓ نے کہا میں تم کو ایک حدیث سناؤں۔ کلاب نے کہا سناؤ، انہوں نے یہ حدیث سنائی کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے۔ آپ فرماتے تھے کہ داؤد علیہ السلام رات کے ایک خاص حصہ میں اپنے گھر والوں کو جگاتے تھے، کہ آل داؤد اٹھو نماز پڑھو، اس وقت ساحرا و عشر وصول کرنے والوں کے علاوہ خدا سب کی دعائیں قبول کرتا ہے۔ کلاب نے یہ حدیث سن کر اسی وقت ابن زیاد کے پاس جا کر اپنی خدمت سے استعفیٰ داخل کر دیا۔

یہ حکم غیر متدین اور سخت گیر عشر وصول کرنے والوں کے لئے ہے۔ ورنہ دیانت داری کے ساتھ وصول کرنے میں کوئی قباحت نہیں۔

۱۔ تہذیب التہذیب ج ۲۔ ص ۱۲۹ ۲۔ ابن سعد۔ جلد ۷۔ قسم ۱۔ ص ۷۶۶ ۳۔ تہذیب الکمال۔ ص ۲۶۰
۴۔ تہذیب التہذیب جلد ۷۔ ص ۱۳۸ ۵۔ مسند احمد بن حنبل۔ جلد ۳۔ ص ۲۲

(۸۸) حضرت عداء بن خالدؓ

نام و نسب : عداء نام ہے۔ باپ کا نام خالد تھا۔ نسب نامہ یہ ہے: عداء بن خالد بن ہوزہ ابن خالد بن ربیعہ بن عامر بن صعصعہ۔

اسلام سے پہلے : عداء غزوہ حنین میں مشرکین کے ساتھ تھے۔ خود بیان کرتے ہیں کہ حنین کے دن رسول اللہ ﷺ سے لڑے۔ لیکن خدا نے نہ ہماری مدد کی اور نہ ہمیں فتح مند کیا۔
اسلام : حنین کے بعد مع اپنے باپ اور بھائی کے مشرف باسلام ہوئے۔

حجۃ الوداع : قبول اسلام کے بعد حجۃ الوداع میں آنحضرت ﷺ کی رفاقت کا شرف حاصل کیا۔
عطیہ نبوی ﷺ : آنحضرت ﷺ نے کسی وقت میں ان کو زنج کا چشمہ مرحمت فرمایا تھا۔ اس کا ہبہ نامہ ان کے پاس مدتوں محفوظ رہا، یزید بن مہلب کے زمانہ میں عبدالمجید بن ابویزید اور حجر بن ابونصر ادھر سے گزرے تو کہا، یہاں ایک بزرگ رہتے ہیں، جنہوں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا ہے چنانچہ یہ دونوں عداء کی زیارت کے لیے ان کے پاس آئے اور پوچھا آپ نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا ہے انہوں نے کہا ہاں اور آپ نے پانی کا یہ چشمہ مجھ کو مرحمت فرمایا تھا اس کی تحریر میرے پاس موجود ہے چنانچہ چمڑے پر لکھا ہوا آنحضرت ﷺ کا فرمان نکال کر ان دونوں کو دکھایا۔

حضرت عداء نے آنحضرت ﷺ سے ایک غلام خریدا تھا، اس کا بیعت نامہ بھی ان کے پاس موجود تھا۔
وفات : عداء نے بڑی عمر پائی۔ اسی تک ان کی زندگی کا پتہ چلتا ہے۔ لیسویں سے زیادہ کی عمر میں وفات پائی۔
فضل و کمال : فضل و کمال کے اعتبار سے کوئی قابل ذکر شخصیت نہ تھی تاہم حدیث کی کتابوں میں ان کی بعض روایات موجود ہیں عبدالمجید بن وہب بصری عبدالکریم عقیل ابوجار لعاوی اور جثم بن ضحاک وغیرہ نے ان سے روایتیں کی ہیں۔

(۸۹) حضرت عدی بن حاتمؓ

نام و نسب : عدی نام، ابوطریف کنیت، نسب نامہ یہ ہے: عدی حاتم بن عبد اللہ بن سعد بن حشر بن امراؤ القیس بن عدی بن ربیعہ بن جروہ بن ثعل بن عمرو بن یغوث بن طے بن ادو بن

۱۔ اسد الغابہ۔ جلد ۳۔ ص ۳۸۹
۲۔ اصابہ۔ جلد ۴۔ ص ۲۲۷
۳۔ ابن سعد۔ جلد ۷۔ قسم اول۔ ص ۳۵
۴۔ ابن سعد۔ جلد ۷۔ قسم اول۔ ص ۳۶
۵۔ استیعاب۔ جلد ۴۔ ص ۵۲۵
۶۔ اصابہ۔ جلد ۴۔ ص ۲۲۷
۷۔ تہذیب المعجم۔ جلد ۷۔ ص ۱۶۳

زید بن کھلاں۔ عدی مشہور عالم حاتم طائی کے جن کی فیاضی ضرب المثل ہیں بیٹے ہیں۔

حضرت عدیؓ کا خاندان مدت سے قبیلہ طے پر حکمران چلا آتا تھا اور ظہور اسلام کے وقت وہ خود تحت فرمان روائی پر تھے جب آنحضرت ﷺ کو مسلسل فتوحات حاصل ہوئیں اور اس کے ساتھ ساتھ آپ کا اثر و اقتدار اور اسلام کا دائرہ وسیع ہونے لگا، اور عدی کو نظر آیا کہ کچھ دنوں میں ان کو آنحضرت ﷺ کے سامنے سر اطاعت خم کئے بغیر چارہ کار نہیں رہ جائے گا تو دوسرے فرمان رواؤں کی طرح ان کی نخوت کو بھی ایک معمولی قریشی کی ماتحتی اور حکومت گوارا نہ ہوئی لیکن ایک طرف اسلام کے بڑے سیلاب کا روکنا ان کے بس سے باہر تھا دوسری طرف حکمرانی کا غرور اسلام کے سامنے سر جھکانے کی اجازت نہ دیتا تھا اس لئے انہوں نے ترک وطن کا فیصلہ کر لیا اور سامان سفر درست کر کے اسلامی فوجوں کی آمد کا انتظار کرنے لگے کہ ادھر وہ ان کے حدود کی طرف بڑھیں ادھر یہ اپنا وطن چھوڑ کر نکل جائیں۔ جب اسلامی شہ سوار قبیلہ طے میں پہنچے تو عدی اپنے اہل و عیال کو لے کر اپنی عیسائی برادری کے پاس شام چلے گئے۔

اتفاق سے عدیؓ کی ایک عزیزہ چھوٹ گئی تھیں وہ مسلمانوں کے ہاتھوں میں آئیں اور عام قیدیوں کے ساتھ ایک مقام پر منتقل کر دی گئیں آنحضرت ﷺ کا ادھر سے گذر ہوا تو ان خاتون نے عرض کیا، یا رسول اللہ ﷺ باپ مرچکے ہیں چھڑانے والا اس وقت موجود نہیں ہے، مجھ پر احسان کیجئے خدا آپ پر احسان کریگا آنحضرت ﷺ نے پوچھا چھڑانے والا کون ہے؟ عرض کیا عدی بن حاتم، فرمایا وہی حاتم جس نے خدا اور رسول سے فرار اختیار کیا یہ کہہ کر چلے گئے۔ دوسرے دن پھر گذرے اسیر خاتون نے پھر وہی درخواست کی اور پھر وہی جواب ملا تیسری مرتبہ اس نے حضرت علیؓ کے مشورہ سے درخواست کی اس مرتبہ درخواست قبول ہوئی اور آنحضرت ﷺ نے رہا فرمادیا لیکن بڑے گھرانے کی عورت تھیں اس لئے ان کے رتبہ و اعزاز کا لحاظ کر کے ارشاد ہوا کہ ابھی جانے میں جلدی نہ کرو جب تمہارے قبیلہ کا کوئی معتبر آدمی مل جائے تو مجھے خبر کرو۔ چند دنوں کے بعد قبیلہ بلی اور قضاعہ کے کچھ لوگ مل گئے۔ طائی خاتون نے آنحضرت کو اطلاع دی، آپ نے ان کے شایان شان سواری لباس اور اخراجات سفر کا انتظام کر کے بحفاظت تمام روانہ کر دیا۔ یہاں سے یہ خاتون براہ راست عدیؓ کے پاس پہنچیں اور ان کی نہایت بری طرح خبر لی کہ تم سے زیادہ قاطع رحم کون ہوگا اپنے اہل و عیال کو لے آئے اور مجھ کو تنہا چھوڑ دیا۔ عدیؓ نے مذمت کی اور شرمساری کے ساتھ اپنی غلطی کا اعتراف کیا اور چند دنوں

کے بعد عدی نے ان سے پوچھا تم ہوشیار اور عاقلہ ہو تم نے اس شخص (آنحضرت ﷺ) کے متعلق کیا رائے قائم کی؟ انہوں نے کہا میری یہ رائے ہے کہ جس قدر جلد ہو سکے تم اس سے ملو اگر وہ نبی ہے تو اس سے ملنے میں سبقت کرنا شرفِ سعادت ہے اور اگر بادشاہ ہے تو بھی یمن کے ایک باعزت فرمان روا کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔

یہ معقول بات عدی کی سمجھ میں آگئی۔ چنانچہ وہ شام سے مدینہ آئے اور مسجد نبوی ﷺ میں جا کر آنحضرت ﷺ سے ملے، آپ ﷺ نام پوچھ کر کاشانہ اقدس کی طرف لے چلے۔ راستہ میں ایک بوڑھی عورت ملی، اس نے روک لیا آپ ﷺ دیر تک اس سے باتیں کرتے رہے اس کا عدیؓ کے دل پر خاص اثر ہوا اور انہوں نے دل میں کہا کہ یہ طرز دنیاوی بادشاہ کا نہیں ہو سکتا۔ گھر لے جا کر آنحضرت ﷺ نے عدی کو باصرہ ایک گدے پر بٹھایا اور خود زمین پر بیٹھے اس اخلاق کا عدیؓ کے دل پر زیادہ اثر ہوا اور انہیں یقین ہو گیا کہ آنحضرت ﷺ کسی طرح دنیاوی بادشاہ نہیں ہو سکتے۔ اس کے بعد آنحضرت ﷺ نے عدی کے سامنے اسلام پیش کیا۔ انہوں نے کہا میں تو ایک مذہب کا پیروکار ہوں، آپ ﷺ نے فرمایا، میں تمہارے مذہب سے تم سے زیادہ واقف ہوں۔ عدیؓ نے متعجبانہ پوچھا، تم میرے مذہب سے مجھ سے زیادہ واقف ہو؟ فرمایا، بے شک کیا تم رکویؓ نہیں ہو اور مالِ غنیمت کا چوتھائی حصہ نہیں لیتے ہو؟ عدیؓ نے اقرار کیا ان کے اقرار کے بعد آنحضرت ﷺ نے اعتراضاً فرمایا کہ یہ تو تمہارے مذہب میں جائز نہیں ہے یہ حقیقت سن کر عدیؓ کمزور پڑ گئے۔ پھر آنحضرت ﷺ نے فرمایا میں سمجھتا ہوں کیا چیز تمہارے اسلام قبول کرنے میں مانع ہو رہی ہے۔

اسلام کے متعلق تمہارا خیال ہو گا کہ اس کے پیرو کمزور اور ناتواں لوگ ہیں، جس کے پاس کوئی طاقت ہے اور نہ کوئی پرسان حال ہے۔ پھر پوچھا تم حیرہ کو جانتے ہو، عدیؓ نے کہا دیکھا تو نہیں ہے لیکن نام سنا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا، اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے ایک دن خدا اسلام کو تکمیل کے درجہ تک پہنچا دے گا اور (اس کی برکت سے) ایک تنہا عورت بلا کسی کی حفاظت کے حیرہ سے آ کر کعبہ کا طواف کرے گی اور کسریٰ بن ہرمز کا خزانہ فتح ہو گا۔ عدیؓ نے استعجاباً پوچھا، کسریٰ بن ہرمز؟ فرمایا، ہاں کسریٰ بن ہرمز۔ اور مال کی اتنی فرلوانی ہو گی کہ لوگوں کو دیا جائے گا اور وہ لینے سے انکار کر دیں گے۔ اس گفتگو کے بعد عدیؓ آنحضرت ﷺ کے دستِ حق پرست پر مسلمان ہو گئے۔

امارت : آنحضرت ﷺ ہر نئے مسلمان سے اس کے رتبہ کے مطابق کام لیتے تھے اور اسلام سے پہلے جس کا جو رتبہ تھا اس کو برقرار رکھتے تھے۔ عدی قبیلہ طے کے حکمران تھے اس لئے اسلام کے بعد آنحضرت ﷺ نے ان کو طے کی امارت پر قائم رکھا۔^۱

عہد صدیقی : حضرت ابوبکرؓ کے زمانہ میں جب ارداد کا فتنہ اٹھا تو بہت سے عرب قبائل نے زکوٰۃ دینی بند کر دی۔ اس موقع پر عدی کی کوششوں سے ان کا قبیلہ اس فتنہ سے محفوظ رہا اور عدیؓ برابر زکوٰۃ وصول کر کے دربار خلافت پہنچاتے رہے۔^۲

عہد فاروقی : ۱۳ھ میں جب حضرت عمرؓ نے عراق کی فتوحات کی تکمیل کے لئے تمام ممالک محروسہ سے فوجیں طلب کیں تو عدیؓ بھی اپنے قبیلہ کے آدمیوں کو لے کر شرکت جہاد کے لئے پہنچے اور امیر العسکر ثنی کے ساتھ حیرہ کے معرکہ میں شریک ہوئے۔ اس معرکہ میں مسلمانوں کو کامیابی ہوئی اور ایرانیوں نے شکست کھائی اس کے بعد نہر ثنی پر صف آرائی ہوئی اس میں بھی عدیؓ شریک تھے اور ایرانی ناکام رہے۔^۳ اس کے بعد جسر کے معرکہ میں شرکت کی اس میں ثنی کی غلطی سے مسلمانوں کو شکست ہوئی۔^۴ اس سلسلہ کی سب سے بڑی جنگ قادسیہ میں بھی عدی نے داؤد شجاعت دی۔^۵ سب سے آخر میں کوئی اور مدائن پر فوج کشی ہوئی۔ عدی اس میں بھی ہمراہ اور مدائن کے فاتحین میں تھے ان کے سامنے کسریٰ کا خزانہ مسلمانوں کے قبضہ میں آیا اور انہوں نے اپنی آنکھوں سے آنحضرت کی پیش گوئی کی تصدیق دیکھ لی۔^۶ ان فتوحات کے علاوہ تستر اور نہادند کے معرکوں میں بھی شریک تھے۔^۷ شام کی بعض فتوحات میں بھی خالد بن ولیدؓ کے ہمراہ تھے۔ غرض اس عہد کی اکثر لڑائیوں میں انہوں نے شرکت کی سعادت حاصل کی۔

عہد مرتضوی : حضرت عثمانؓ کے طرز عمل سے عدی کو اختلاف تھا اس لئے ان کے زمانہ میں بالکل خاموش رہے۔ حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد حضرت علیؓ اور بعض دوسرے اکابر میں اختلاف ہوا تو عدی نے حضرت علیؓ کی نہایت پر جوش حمایت کی چنانچہ جنگ جمل میں آپ کے ساتھ تھے۔ بصرہ کے قریب جب حضرت علیؓ نے اپنی فوج کو مرتب کیا تو قبیلہ طے کا علم بردار عدیؓ کو بنایا۔^۸ اور وہ جنگ جمل میں حضرت علیؓ کی حمایت میں نہایت جانبازی کے ساتھ لڑے اس معرکہ میں ان کی

۱۔ سیرۃ ابن ہشام۔ جلد ۲۔ ص ۳۸۷
 ۲۔ استیعاب۔ جلد ۲۔ ص ۵۱۶
 ۳۔ ابن اثیر۔ جلد ۲۔ ص ۳۹۶
 ۴۔ اسد الغابہ۔ جلد ۳۔ ص ۳۹۳
 ۵۔ ایضا
 ۶۔ مسند احمد ابن حنبل۔ جلد ۳۔ ص ۲۵۷
 ۷۔ اخبار الطوال۔ ص ۱۵۵
 ۸۔ ابن اثیر۔ جلد ۲۔ ص ۴۳۱

ایک آنکھ کام آئی^۱۔ جنگِ جمل کے بعد صفین میں بھی اسی جوش و خروش کے ساتھ حضرت علیؑ کی حمایت میں نکلے اس جنگ میں بنو قضاۃ کی کمان عدیؑ کے ہاتھوں میں تھی^۲۔ صفین کا معرکہ جاری رہا شروع میں فریقین کے بہادر ایک ایک دستہ لے کر میدان میں اترتے تھے ایک دن حضرت خالدؑ کے صاحبزادے شامیوں کی جانب سے میدان میں اترے، حضرت علیؑ کی جانب سے عدیؑ ان کے مقابلہ کو نکلے اور صبح سے شام تک مقابلہ کرتے رہے^۳۔

ایک دن جب کہ گھمسان کی لڑائی ہو رہی تھی اور عراقی فوجیں پراگندہ ہو رہی تھیں حضرت علیؑ علیحدہ ایک دستہ کو لئے ہوئے معرکہ آرا تھے۔ عدیؑ نے حضرت علیؑ کو نہ دیکھا تو آپؑ کی تلاش میں نکلے اور ڈھونڈ کر عرض کیا کہ اگر آپؑ صحیح و سالم ہیں تو معرکہ سر کر لینا زیادہ دشوار نہیں ہے۔ میں آپؑ کی تلاش میں لاشوں کو روندتا ہوا آپؑ تک پہنچا ہوں اس دن سب سے زیادہ ثابت قدمی عدیؑ نے دکھائی تھی۔ ان کا ماتحت دستہ ربیعہ اس بہادری سے لڑا کہ حضرت علیؑ کو کہنا پڑا کہ ربیعہ میری زرہ اور میری تلوار ہیں^۴۔

جنگِ صفین کے بعد نہروان کا معرکہ ہوا اس میں بھی عدیؑ حضرت علیؑ کے دست راست تھے۔ غرض شروع سے آخر تک وہ برابر حضرت علیؑ کے ساتھ جان نثارانہ شریکِ حال رہے^۵۔

وفات : مختار ثقفی کے خروج تک عدیؑ کی زندگی کا پتہ چلتا ہے۔ اس اعتبار سے وہ جنگِ صفین کے بعد ۳۰ سال تک زندہ رہے مگر اس اسی سال زندگی کے واقعات پردہٴ خفا میں ہیں۔ اس کی وجہ ہے کہ وہ حضرت علیؑ کے فدائیوں میں تھے اور آپؑ کے بعد انہوں نے گوشہ نشینی کی زندگی اختیار کر لی تھی۔ ابن سعد کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ کوفہ میں عزلت کی زندگی بسر کرتے تھے اور یہیں ۶۶ھ میں وفات پائی^۶۔

فضل و کمال : عدیؑ گوا آخری زمانہ میں شرفِ باسلام ہوئے تاہم چونکہ آنحضرت ﷺ اور شیخینؓ کے پاس برابر آتے جاتے رہتے تھے۔ خصوصاً حضرت علیؑ کے ساتھ ان کے تعلقات بہت زیادہ تھے اس لئے وہ مذہبی علوم سے بے بہرہ نہ تھے ان کی ۶۶ روایتیں حدیث کی کتابوں میں موجود ہیں۔ ان میں سے چھ متفق علیہ ہیں اور ۳ میں امام بخاری اور ۲ میں امام مسلم منفرد ہیں^۷۔ ان کے تلامذہ میں عمرو بن حریش، عبداللہ بن معقل تمیم بن طریف، عیثمہ بن عبدالرحمن، محل بن خلیفہ طائی، عامر النعمی، عبداللہ بن عمرو،

۱۔ اخبار الطوال۔ ص ۱۵۵ ۲۔ اخبار الطوال۔ ص ۱۸۳ ۳۔ ایضاً۔ ص ۱۹۸ ۴۔ اخبار الطوال۔ ص ۱۹۸
۵۔ استیعاب۔ جلد ۲ ص ۵۱۷ ۶۔ اخبار الطوال۔ ص ۱۹۸ ۷۔ تہذیب الکمال۔ ص ۲۶۳

ہلال بن منذر، سعید بن جبیر، قاسم بن عبد الرحمن، عباد بن جہش وغیرہ قابل ذکر ہیں۔ علامہ ابن عبد البر ح نے ان کے کمالات کے متعلق یہ رائے قائم کی ہے۔

”کان سید اشرفی قومه خطیباً حاضراً الجواب فاضلاً کریماً“۔

”وہ اپنی قوم کے سردار اور معززین میں تھے، خطیب، حاضر جواب، فاضل اور کریم تھے۔“

مذہبی زندگی : یوں تو عدی کی زندگی بحیثیت ایک صحابی کے خالص مذہبی تھی لیکن نماز اور روزوں کے ساتھ خاص انہماک تھا۔ نماز کے لئے یہ اہتمام تھا کہ ہر وقت با وضو رہتے تھے کبھی اقامت کے وقت وضو کی ضرورت نہیں پڑی۔ ہر وقت نماز میں دل لگا رہتا تھا اور نہایت اشتیاق سے وہ نماز کے وقت کا انتظار کرتے تھے روزہ کے شرائط کی اس سختی کے ساتھ پابندی کرتے تھے کہ جب انہیں یہ حکم معلوم ہوا :

”حتی یتبین لکم الخیط الابيض من الخیط الاسود“

”یہاں تک کہ ظاہر ہو جائے تمہارے لئے سپید دھاگہ سیاہ دھاگے سے۔“

نازل ہوا تو سوتے وقت سیاہ اور سپید عقال تکیہ کے نیچے رکھ لیتے تھے اور اس سے سحری کی وقت کے اختتام کا اندازہ لگاتے تھے لیکن سیاہی و سپیدی میں کوئی امتیاز نہیں ہوتا تھا اس لئے آنحضرت ﷺ سے اس کا تذکرہ کیا آپ ﷺ نے ہنس کر فرمایا، معلوم ہوتا ہے تمہارا تکیہ بہت لمبا چوڑا ہے، اسود و ابیض سے مراد رات اور دن کی سیاہی و سپیدی ہے۔

فیاضی : سخاوت و فیاضی ورثہ میں ملی تھی ان کا دروازہ ہر وقت اور ہر شخص کے لئے کھلا رہتا تھا۔ ایک مرتبہ اشعث بن قیس نے دیکھیں مانگ بھیجیں، عدی نے اسے بھرا کر بھیجا۔ اشعث نے کہلا بھیجا میں نے خالی مانگی تھیں، انہوں نے جواب کہلایا کہ میں عاریۃ بھی خالی دیگ نہیں دیتا۔ ایک مرتبہ ایک شاعر سالم بن وارہ نے آکر کہا میں نے آپ کی مدح میں اشعار کہے ہیں۔ عدی نے کہا ذرا رک جاؤ میں اپنے مال و اسباب کی تفصیل تم کو بتا دوں، اس کے بعد سنانا میرے پاس ایک ہزار بچے والے مویشی، دو ہزار درہم، ۳ غلام اور یک گھوڑا ہے اس کے بعد شاعر نے مدحیہ قصیدہ سنایا۔

۱۔ تہذیب التجذیب۔ جلد ۷۔ ص ۱۶۷

۲۔ استیعاب۔ جلد ۲۔ ص ۵۱۶

۳۔ استیعاب۔ جلد ۲۔ ص ۵۱۶

۴۔ استیعاب۔ جلد ۳۔ ص ۵۱۶

۵۔ اسد الغابہ۔ جلد ۳۔ ص ۳۹۳

۶۔ اصحابہ۔ جلد ۳۔ ص ۲۲۸

۷۔ ابوداؤد کتاب الصوم باب وقت السحور

جو شخص ان کے رتبہ سے کم سوال کرتا ہے اسے نہ دیتے تھے۔ صحیح مسلم میں بروایت صحیح مروی ہے کہ ایک شخص نے سودرہم کا سوال کیا اتنی کم رقم سن کر بولے میں حاتم کا بیٹا ہوں اور تم مجھ سے محض سو درہم مانگتے ہو خدا کی قسم ہرگز نہ دوں گا۔^۱

ان کی فیاضی سے انسان سے لے کر حیوان تک یکساں مستفید ہوتے تھے۔ چیونٹیوں کی غذا مقرر تھی، ان کے کھانے کے لئے روٹیاں توڑ کر ڈالتے تھے اور کہتے تھے یہ بھی حقدار ہیں۔^۲

یادگار نبوی ﷺ میں عزت : عدی اپنے ذاتی فضائل اور خاندانی وجاہت کی وجہ سے بڑی عزت و وقعت کی نظر سے دیکھے جاتے تھے۔ جب آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتے تو آپ ﷺ ان کے لئے جگہ خالی کر دیتے^۳، خلفاء کے یہاں بھی یہی عزت تھی۔ ایک مرتبہ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں مدینہ آئے اور ان سے مل کر پوچھا آپ نے مجھے پہچانا، فرمایا پہچانتا کیوں نہیں تم اس وقت ایمان لائے جب لوگ کفر میں مبتلا تھے، تم نے اس وقت حق کو پہچانا جب لوگ اس کے منکر تھے اور تم نے اس وقت وفا کی جب لوگ دھوکہ دے رہے تھے اور تم اس وقت آئے جب لوگ پیٹھ پھیر رہے تھے۔ سب سے پہلا صدقہ جس نے رسول اللہ ﷺ کے اسحاب کے چہروں کو بشاش کیا وہ تمہارے قبیلہ طے کا تھا۔^۴

(۹۰) حضرت عروہ بن مسعود ثقفی

نام و نسب : عروہ نام، ابو مسعود کنیت، نسب نامہ یہ ہے : عروہ بن مسعود بن مالک بن کعب ابن عمرو بن سعد بن عوف بن ثقیف بن مہبہ بن بکر بن ہوازن بن عکرمہ بن حفصہ بن قیس عیلان۔

اسلام سے پہلے : ۶ھ میں جب آنحضرت ﷺ عمرہ کی نیت سے مکہ روانہ ہوئے اور حدیبیہ کے قریب پہنچ کر بدیل کی زبانی معلوم ہوا کہ قریش مزاحمت کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں تو آپ ﷺ نے ان سے فرمایا ہم کسی سے لڑنے نہیں آئے ہیں ہمارا مقصد صرف عمرہ کرنا ہے۔ قریش کو یہم لڑائیوں نے بہت خستہ اور کمزور کر دیا ہے اس لئے ان کو لڑنا مناسب نہیں ہے بہتر صورت یہ ہے کہ وہ ہم سے ایک معین مدت کے لئے صلح کر لیں اور ہمارا اور قوم کا معاملہ اپنی حالت پر چھوڑ دیں۔ جب ہم غالب ہوں گے تو انہیں اختیار ہوگا کہ وہ ہماری جماعت میں شامل ہوں یا شامل نہ ہوں اور اگر مصالحت منظور نہیں ہے تو اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے جب تک جان باقی ہے اس وقت تک ان سے لڑوں گا تا آنکہ خدا اپنا فیصلہ پورا کرے۔

آنحضرت ﷺ کی یہ گفتگو سن کر بدیل قریش کے پاس گئے اور ان سے کہا میں محمد (ﷺ) کی باتیں سن کر آیا ہوں اگر تم لوگ پسند کرو تو میں بیان کروں۔ پر جوش اور ناتجربہ کار لوگوں نے کہا ہم کو سننے کی ضرورت نہیں ہے لیکن سنجیدہ اور سمجھدار لوگوں نے سننے پر آمادگی ظاہر کی۔ بدیل نے پوری گفتگو سنا دی۔ یہ مصالحتانہ باتیں سن کر عروہ بن مسعودؓ نے قریش سے سوال کیا، کیا میں تمہارا باپ اور تم میرے بچے نہیں ہو؟ سب نے اثبات میں جواب دیا پھر پوچھا تم کو میری جانب سے کوئی بدگمانی تو نہیں ہے؟ سب نے نفی میں جواب دیا، پھر سوال کیا کیا تم کو یہ معلوم نہیں ہے کہ میں نے عکاظ والوں سے تمہاری مدد کے لئے کہا تھا اور جب انہوں نے انکار کیا تو میں خود اپنے بال بچوں سمیت اور جن جن لوگوں نے میرا کہنا مانا، سب کو لے کر تمہاری مدد کے لئے نہیں آیا۔ یہ تمام باتیں تسلیم کرانے کے بعد بولے جب ان باتوں کو مانتے ہو تو میری بات سنو، محمد ﷺ نے نہایت معقول صورت پیش کی ہے اس کو منظور کر لو اور مجھے اجازت دو کہ میں جا کر ان سے گفتگو کر کے معاملات طے کر آؤں۔ سب نے بالاتفاق انہیں نمائندہ بنا کر بھیجا چنانچہ یہ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں پہنچے۔ آپ ﷺ نے ان کے سامنے بھی وہی صورت پیش کی جو بدیل کے سامنے کر چکے تھے عروہ نے کہا محمد ﷺ ہم نے فرض کیا اگر تم نے قریش کا استیصال بھی کر دیا تو میں پوچھتا ہوں کہ کیا اس کی کوئی مثال مل سکتی ہے کہ کسی نے اپنی قوم کو خود برباد کر دیا ہو اور اگر کچھ اور نتیجہ نکلا تو تمہارے گرد جو بھیڑ نظر آ رہی ہے یہ سب چھٹ جائے گی اور جو چہرے اس وقت دکھائی دیتے ہیں ہوا ہو جائیں گے۔ حضرت ابو بکرؓ یہ بدگمانی سن کر بے تاب ہو گئے اور درشتی کے ساتھ کہا کہ ہم ان کو چھوڑ کر بھاگ جائیں گے؟ عروہ نے پوچھا یہ کون ہے، معلوم ہوا ابو بکرؓ۔ ابو بکرؓ کا نام سن کر کہا خدا کی قسم اگر میں تمہارے احسان سے گراں بار نہ ہوتا تو تمہاری سخت کلامی کا جواب دیتا عروہ عربوں کی عادت کے مطابق اثنائے گفتگو میں بار بار آنحضرت ﷺ کی ریش مبارک کی طرف ہاتھ بڑھاتے تھے مغیرہ بن شعبہ جو ہتھیار لگائے آپ کی پشت پر کھڑے تھے یہ بے باکانہ انداز گفتگو برداشت نہ کر سکے بار بار تلوار کے قبضہ پر ہاتھ ڈال کر رہ جاتے تھے، آخر میں عروہ کو ڈانٹا کہ خبردار اب ڈاڑھی کی طرف ہاتھ نہ بڑھنے پائے عروہ نے پوچھا یہ کون ہے، معلوم ہوا مغیرہ عروہ نے کہا کہ اود غاباز کیا میں نے ایک موقع پر تیری مدد نہیں کی تھی، (مغیرہ نے جاہلیت میں چند آدمیوں کو قتل کیا تھا، عروہ نے اس کی دیت ادا کی تھی)۔

رسول اللہ ﷺ کے ساتھ صحابہ کی حیرت انگیز عقیدت کا یہ منظر دیکھ کر عروہ کے دل پر خاص اثر ہوا چنانچہ واپس جا کر انہوں نے قریش سے بیان کیا کہ میں بادشاہوں کے درباروں میں گیا ہوں لیکن محمد ﷺ کے ساتھ ان کے کا احترام کرتے ہیں وہ کسی بادشاہ کو نصیب نہیں ہے میں نے قیصر و کسریٰ کے

بھی دربار دیکھے ہیں لیکن عقیدت و وارثی کا یہ منظر کہیں نہیں نظر آیا محمد تھوکتے ہیں تو ان کے ساتھی بلغم اور تھوک کو ہاتھوں اور چہرہ پر مل لیتے ہیں، وہ وضو کرتے ہیں تو لوگ پانی پر اس طرح ٹوٹ پڑتے ہیں کہ معلوم ہوتا ہے اس کے لئے کشت خون ہو جائے گا، جب وہ کوئی حکم دیتے ہیں تو ہر شخص اس کی تعمیل کے لئے دوڑتا ہے جب وہ بولتے ہیں تو مجلس میں سناٹا چھا جاتا ہے، کوئی شخص ان کی طرف نظر بھر کر نہیں دیکھ سکتا، ایسے شخص نے ایک معقول صورت پیش کی ہے تم کو اسے قبول کر لینا چاہئے^۱۔

اسلام : ۸ھ میں جب آنحضرت ﷺ غزوہ تبوک سے واپس ہوئے تھے، تو واپسی میں غزوہ بھی پیچھے ہوئے اور مدینہ پہنچنے سے قبل آپ سے مل کر مشرف باسلام ہو گئے۔

تبلیغ اسلام اور شہادت : قبول اسلام کے بعد آنحضرت ﷺ سے اپنے قبیلہ میں اشاعت اسلام کی اجازت مانگی، آپ کو بنی ثقیف کی کچی فطرت اور ان کی رعونت کا پورا اندازہ تھا، فرمایا، یہ لوگ تم سے لڑیں گے؟ عرض کی یا رسول اللہ (ﷺ) وہ لوگ مجھے بہت مانتے اور عزیز رکھتے ہیں اور باصرار آپ سے اجازت لے کر بنی ثقیف پہنچے۔ عروہ کو بنی ثقیف پر بڑا اعتبار تھا اس لئے آتے ہی اپنے اسلام کا اعلان کر کے انہیں اسلام قبول کرنے کی دعوت دی اس وقت ان کو بنی ثقیف کے متعلق اپنے غلط حسن ظن کا پورا اندازہ ہوا، ان کی دعوت کا جواب بجائے زبان کے تیروں سے ملا، ایک تیرا کر عروہ کے لگا، جو تیر قضا ثابت ہوا یہ ابن ہشام کی روایت ہے^۲۔

مستدرک کی روایت کے مطابق واقعہ کی صورت یہ ہے کہ جب عروہ آنحضرت ﷺ سے اجازت لے کر اپنے قبیلے پہنچے تو رات کا وقت تھا، لوگ ان کی آمد کی خبر سن کر آئے انہوں نے ان کے سامنے اسلام پیش کیا، انہیں اس کے جواب میں ایسی سخت باتیں سننی پڑیں جو ان کے وہم و گماں میں بھی نہ تھیں، رات ہو چکی تھی، اس لئے بنی ثقیف اس وقت غصہ گرمی دکھا کر لوٹ گئے، صبح کو عروہ نے فجر کی اذان دی، یہ غیر مانوس صدا سن کر ان کے کئی اہل قبیلہ نے ناک کر تیر مارا^۳۔

تیر لگنے کے بعد لوگوں نے پوچھا اپنے خون کے متعلق تمہارا کیا خیال ہے کہا یہ خدا کا خاص احسان و کرم ہے جس سے اس نے مجھے نوازا ہے میرا رتبہ ان لوگوں کے برابر ہے جو رسول ﷺ کے ساتھ شہید ہوئے، اس لئے مجھے انہی لوگوں کے ساتھ دفن کرنا، زخم مہلک تھا، اس لئے جانبر نہ ہو سکے، اور وصیت کے مطابق مسلمانوں کے گنج شہیداں میں سپرد خاک کئے گئے^۴۔

۱۔ بخاری کتاب الشریط فی الجہار والمصاحف مع اہل الحرب۔ ۲۔ ابن ہشام۔ جلد ۲۔ ص ۳۳۵۔

۳۔ مستدرک حاکم۔ جلد ۳۔ ص ۶۱۶۔ ۴۔ سیرت ابن ہشام۔ جلد ۲۔ ص ۳۳۵۔

آنحضرت ﷺ نے ان کی شہادت کی خبر سنی تو فرمایا عروہ کے مثال صاحب یسین (حضرت عیسیٰ) جیسی ہے جنہوں نے اپنی قوم کو خدا کی طرف بلایا اور اس نے ان کو شہید کر دیا۔ اس اسوۂ عیسوی کو پورا کرنے والا صورتہ بھی شیل مسیح تھا، آنحضرت ﷺ فرماتے تھے کہ مجھے انبیاء کی (مثالی) صورتیں دکھائی گئیں مسیح عروہ کے ہم شکل تھے جبریل وحیہ کلبی کے ہم شبیہ اور ابراہیم میرے، حضرت عمرؓ کو عروہ کی شہادت کا بڑا قلق ہوا اور آپ نے ان کا مرثیہ کہا۔

(۹۱) حضرت عکرمہ بن ابی جہل

نام و نسب : عکرمہ نام، باپ کا نام ابو جہل تھا، نسب نامہ یہ ہے، عکرمہ بن ابی جہل بن ہشام ابن مغیرہ بن عبد اللہ بن عمرو بن مخزوم بن یقطہ بن مرہ بن کعب بن لوئی قریشی مخزومی۔
قبل از اسلام : عکرمہ مشہور دشمن اسلام ابو جہل کے بیٹے ہیں۔ باپ کی طرح یہ بھی اسلام اور مسلمانوں کے سخت دشمن تھے، اور اسلام کے استیصال کی ہر کوشش میں پیش پیش رہتے تھے۔ بدر میں مسلمانوں کے خلاف بڑی سرگرمی کے ساتھ حصہ لیا، اس معرکہ میں ان کا باپ معوذ اور معاذ دونوں جوان کے ہاتھوں سے مارا گیا۔ باپ کو سپرد خاک و خون میں تر پتا دیکھ کر عکرمہ نے اس کے قاتل معاذ پر ایسا وار کیا کہ معاذ کا ہاتھ لٹک گیا۔ بدر کے بعد جن لوگوں نے ابوسفیان کو مقتولین بدر کے انتقام لینے پر آمادہ کیا تھا، ان میں ایک عکرمہ بھی تھے۔ احد میں یہ اور خالد مشرکین کی کمان کرتے تھے۔ ۵ھ میں جب تمام مشرکین عرب نے اپنے قبیلوں کے ساتھ مدینہ پر چڑھائی کی تو عکرمہ بھی بنی کنانہ کو لے کر مسلمانوں کے استیصال کے لئے گئے۔ فتح مکہ میں اہل مکہ نے بغیر کسی مقابلہ کے سپرد اہل دی تھی، لیکن بعضوں نے جن میں عصبیت زیادہ تھی، مزاحمت کی ان میں ایک عکرمہ بھی تھے۔ غرض شروع سے آخر تک انہوں نے ہر موقع پر اپنی اسلام دشمنی کا پورا ثبوت دیا۔

فتح مکہ کے بعد جب دشمنین اسلام کی قوتیں ٹوٹ گئیں، اور مکہ اور اطراف مکہ کے قبائل جو حق و جوق اسلام کے دائرہ میں داخل ہونے لگے تو وہ معاندین اسلام جن کی رعوت اور سرکشی اب بھی نہ گئی تھی، مکہ چھوڑ کر دوسرے مقاموں پر نکل گئے، عکرمہ بھی ان ہی میں تھے، چنانچہ وہ یمن کے قصد سے بھاگ گئے یمن کی سعیدہ یوی شرف باسلام ہو گئیں پورا آنحضرت ﷺ سے شوہر کی جان کی لمان لے کر ان کی تلاش میں نکلیں۔

۱۔ بخاری کتاب المغازی غزوہ بدر۔ ۲۔ سیرۃ ابن ہشام۔ جلد ۲۔ ص ۳۶۵۔ ۳۔ ایضاً۔ ص ۳۶۶۔
۴۔ ایضاً۔ ص ۳۵۰۔ ۵۔ ابن ہشام۔ جلد ۲۔ ص ۹۸۔

حضرت عکرمہؓ جب یمن جانے کے لئے کشتی پر بیٹھے تو سلامتی سے پارا ترنے کے لئے تیمنالات وعزی کا نعرہ لگایا، دوسرے ساتھیوں نے کہا یہاں لات وعزی کا کام نہیں ہے، یہاں صرف خدائے واحد کو پکارنا چاہئے، یہ بات عکرمہ کے دل پر کچھ ایسا اثر کر گئی کہ انہوں نے کہا کہ اگر دریا میں خدائے واحد ہے تو خشکی میں بھی وہی ہے، پھر کیوں نہ مجھے محمد ﷺ کے پاس لوٹ جانا چاہئے۔ چنانچہ وہ راستہ ہی سے واپس ہو گئے۔ واپسی میں بیوی جو ان کی تلاش میں نکلی تھیں مل گئیں۔ انہوں نے عکرمہ سے کہا میں ایک ایسے انسان کے پاس سے آرہی ہوں جو سب سے نیک، سب سے زیادہ بہتر اور سب سے زیادہ صلہ رحم کرنے والا ہے، میں نے اس سے تمہاری جان بخشی بھی کرائی ہے۔

بیوی کی یہ باتیں سن کر عکرمہ ان کے ساتھ مکہ پہنچے اس وقت آنحضرت ﷺ مکہ ہی میں تھے، عکرمہ کو دیکھ کر فرط مسرت سے اچھل پڑے اور ”مرحبا یا راکب المہاجر“ یعنی پردیسی سوار خوش آمدید“ کہہ کر استقبال فرمایا۔ عکرمہ بیوی کی طرف اشارہ کر کے بولے، ان سے معلوم ہوا ہے کہ آپ نے مجھے امان دے دی ہے، آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہاں تم مامون ہو، اس رحم و کرم اور غفور و درگزر کو دیکھ کر اس دشمن اسلام نے جس نے اپنی ساری قوتیں اسلام کے مٹانے میں صرف کر دی تھیں، فرط ندامت سے سر جھکا لیا، اور نظریں نیچی کر کے ان الفاظ میں اسلام کی حقانیت کا اعتراف کیا۔ ”میں شہادت دیتا ہوں کہ خدا ایک ہے، اس کا کوئی شریک نہیں، آپ اس کے بندے اور رسول ہیں، آپ سب سے زیادہ نیک، سب سے زیادہ سچے اور سب سے زیادہ عہد کو پورا کرنے والے ہیں۔“ اسلام قبول کرنے کے بعد گزشتہ گناہوں کی پوری فہرست نگاہوں کے سامنے آ گئی، اور ان الفاظ میں غفو تقصیر کی درخواست کی۔ ”یا رسول اللہ (ﷺ) میں آپ کے ساتھ بہت سے مواقع پر عداوت اور دشمنی کا ثبوت دے چکا ہوں، مخالفانہ مہموں میں شرکت کی ہے، مسلمانوں کے ساتھ لڑنے کے میدان میں گھوڑے دوڑائے ہیں، آپ ان گناہوں کی مغفرت کے لئے دعا فرمائیے، ان کی درخواست پر رحمت عالم نے دعائے مغفرت فرمائی، اس کے بعد عکرمہ نے عرض کی، ”یا رسول اللہ (ﷺ) آپ کے علم میں جو چیز میرے لئے سب سے زیادہ باعث خیر اور سودمند ہو اس کی تلقین فرمائیے۔“ آنحضرت ﷺ نے خدا کی وحدانیت اپنی عبدیت و رسالت کی تعلیم دی، ان تمام مراحل کے بعد عکرمہ کو تلافی مافات کی فکر ہوئی، عرض کیا یا رسول اللہ (ﷺ) جس قدر روپیہ میں خدا کی راہ میں رکائیں کے لئے صرف کرتا تھا، خدا کی قسم اب اس کا دونا اس کی راہ میں صرف کروں گا اور اس کی راہ سے روکنے کے لئے جس قدر رڑائیاں لڑی ہیں، اب اس کی راہ میں اس کا دونا جہاد کروں گا۔

۱۔ موطا امام مالک کتاب النکاح نکاح المشرک اذا اسلمت زوجہ قبلہ اس میں عکرمہ کے اسلام کا واقعہ نہایت مختصر ہے، اس کی تفصیلات مستدرک۔ جلد ۳۔ ص ۲۴۱ سے ماخوذ ہیں۔

گو آنحضرت ﷺ نے عکرمہ کی تمام گزشتہ خطاؤں سے درگزر فرمایا تھا، لیکن ایسے شہید مشہور دشمن اسلام کے بارہ میں عام مسلمانوں کی زبان رکنا مشکل تھا، لوگوں نے یا ابن عدو اللہ دشمن خدا کے بیٹے کہہ کر طعنہ زنی شروع کی اس کو روکنے کے لئے آنحضرت ﷺ نے مخصوص خطبہ دیا کہ لوگ کانیں ہیں جو جاہلیت کے زمانہ میں معزز تھا، وہ اسلام میں بھی معزز ہے، کسی کافر کی وجہ سے کسی مسلمان کے دل کو دکھ نہ پہنچاؤ۔^۱

غزوات : عکرمہ کو گزشتہ اسلام دشمنی کی تلافی کی بڑی فکر تھی، چنانچہ وہ قبول اسلام کے بعد ہمہ تن اس کی تلافی میں لگ گئے، اور آنحضرت ﷺ کی حیات میں جو موقع بھی اس قسم کا پیش آیا، اس کو انہوں نے چھوڑا حافظ ابن عبدالبر لکھتے ہیں، ”کان عکرمہ محمراً فی قتل المشرکین مع المسلمین“۔^۲

فتنہ ارتداد : لیکن فتح مکہ کے بعد آنحضرت ﷺ کی زندگی میں جہاد کے کم مواقع پیش آئے اس لئے عکرمہ کو تلافی کا پورا موقع نہ مل سکا، حضرت ابوبکرؓ کے زمانہ میں جب ارتداد کا فتنہ اٹھا تو عکرمہ کو تمنا پوری کرنے کا موقع ملا، حضرت ابوبکرؓ ان کو اور حذیفہؓ کو قبیلہ ازد کی سرکوبی پر مامور کر کے عمان بھیجا، انہوں نے اس کے سردار لقیط بن مالک کو قتل کر کے بنی ازد کو دوبارہ اسلام پر قائم کیا اور بہت سے قیدی گرفتار کر کے مدینہ لائے۔^۳

ازد کا فتنہ فرو ہونے کے بعد ہی عمان کے دوسرے قبائل میں ارتداد کی وبا پھیل گئی اور وہ سب شجر میں جمع ہوئے، حضرت ابوبکرؓ نے پھر عکرمہ کو بھیجا انہوں نے ان سب کو شکست دی، ان سے فارغ ہوئے تھے کہ بنی مہرہ مخالفت پر آمادہ ہو گئے، عکرمہ ان کی طرف بڑھے لیکن جنگ کی نوبت نہیں آئی اور بنی مہرہ نے زکوٰۃ ادا کر دی۔^۴

یمن کے مرتدوں کے مقابلہ پر زیاد بن لبید مامور ہوئے تھے اور انہوں نے بہت سے قبائل کی سرکوبی کر کے انہیں درست کر دیا تھا لیکن ایک مرتد اشعث بن قیس نے زیاد پر حملہ کر کے ان سے تمام نقد و جنس جو انہوں نے مرتدین سے حاصل کیا تھا اور کل مرتد قیدی چھین لیے۔ زیاد نے حضرت ابوبکرؓ کو اس کی اطلاع کی حضرت ابوبکرؓ نے عکرمہ کو بھیجا انہوں نے زیاد اور مہاجرین ابی امیہ کے ساتھ مل کر اشعث کے سیکڑوں پیروں کو تلوار کے گھاٹ اتار دیا اور اشعث کو مجبور ہو کر اپنے

۱۔ مستدرک حاکم۔ جلد ۳۔ ص ۶۴۳ ۲۔ استیعاب۔ جلد ۲۔ ص ۵۱۹

۳۔ فتوح البلدان بلاذری۔ ص ۸۳ ۴۔ ایضاً

قبیلہ کے لئے امان طلب کرنی پڑی لیکن امان نامہ کی تحریر میں اپنا نام لکھنا بھول گیا عکرمہؓ نے تحریر پڑھی تو اس میں خود اشعت کا نام نہ تھا اس لیے اس کو پکڑ کے حضرت ابو بکرؓ کے پاس آئے آپ نے استحساناً چھوڑ دیا۔

شام کی فوج کشی : ختمہ ارتد افرودھونے کے بعد شام کی فوج کشی میں مجاہدانہ شریک ہوئے اور تادم آخر نہایت جانفروشی سے لڑتے رہے فحل کے معرکہ میں اس بہادری اور شجاعت سے لڑے کہ بے محابا دشمنوں کی صفوں میں گھستے چلے جاتے تھے ایک مرتبہ لڑتے مارتے ہوئے صفوں کے اندر گھس گئے سر اور سینہ زخموں سے چور ہو گیا لوگوں نے کہا عکرمہؓ، خدا سے ڈرو اس طرح اپنے کو ہلاک نہ کرو ذرا نرمی سے کام لو جواب دیا میں لات وعزی کے لئے تو جان پر کھیلا کرتا تھا اور آج خدا اور رسول کے لئے جان بچاؤ خدا کی قسم ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا۔

شام کی تمام معرکہ آرائیوں میں یرموک کا معرکہ نہایت اہم شمار کیا جاتا ہے اس میں خالد بن ولید نے ان کو ایک دستہ کا افسر بنایا تھا، عکرمہؓ نے افسری کا پورا حق ادا کیا دوران جنگ میں ایک مرتبہ رومیوں کا ریلہ اتنا زبردست ہوا کہ مسلمانوں کے قدم ڈگمگائے، عکرمہؓ نے لٹکار کر کہا کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ کتنی لڑائیاں لڑ چکے ہیں اور آج تمہارے مقابلہ میں بھاگ نکلیں گے۔ اور آواز دی کہ کون موت پر بیعت کرتا ہے، اس آواز پر چار مسلمان ان کے ساتھ جان دینے کے لئے آمادہ ہو گئے ان کو لے کر عکرمہ خالد بن ولید کے خیمہ کے سامنے اس پامردی سے لڑے کہ چار سو آدمیوں میں سے اکثروں نے جام شہادت پیا جو بچے وہ بھی زخموں سے بالکل چور تھے عکرمہ اور ان کے دوڑ کے زخموں سے چور چور ہو گئے لڑکوں کی حالت زیادہ نازک تھی خالد بن ولید انہیں دیکھنے کے لیے آئے اور ان کے سروں کو زانوں پر رکھ کر سہلاتے جاتے تھے اور حلق میں پانی پٹکاتے جاتے تھے۔

شہادت : عکرمہؓ کی جائے شہادت میں بڑا اختلاف ہے۔ بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ فحل میں جام شہادت پیا اور بعضوں سے معلوم ہوتا ہے کہ یرموک ہیں، اور کچھ روای اجنادین اور مرج صفر بتاتے ہیں لیکن یرموک کی شہادت زیادہ اغلب ہے۔

عبادت : عکرمہؓ کو گذشتہ زندگی کے ہر پہلو میں طمانی مافات کی فکر تھی اس لیے قبول اسلام کے بعد اس پیشانی کو جو برسوں لات وعزی کے سامنے سجدہ ریز رہ چکی تھی خدائے قدوس کی جبہ سائی کیلئے وقف کر دیا تھا۔ ارباب سیر لکھتے ہیں، ثما اجتہد فی العبادۃ، یعنی قبول اسلام کے بعد انہوں نے

عبادت میں بڑی مشقت کی^۱ قرآن مجید کیساتھ والہانہ شغف تھا اس کو چہرہ پر رکھ کر نہایت بیقراری کے ساتھ کتاب ربی کتاب ربی کہہ کر روتے تھے۔

انفاق فی سبیل اللہ :

یاد ہوگا کہ قبول اسلام کے بعد انہوں نے آنحضرت ﷺ سے کہا تھا کہ جتنی لڑائیاں میں راہ خدا کی مخالفت میں لڑ چکا ہوں اس کی دہائی اس کی راہ میں لڑوں گا اور جتنی دولت اس کی مخالفت میں صرف کر چکا ہوں اس کی راہ میں صرف کروں گا۔ اس عہد کو انہوں نے فتنہ ارتداد اور شام کی معرکہ آرائیوں میں پورا کیا اور ان کے مصارف کے لئے ایک جبہ بھی بیت المال سے نہیں لیا۔

جب شام کی فوج کشی کے انتظامات ہونے لگے اور حضرت ابوبکرؓ معائنہ کرنے کے لئے تشریف لائے تو معائنہ کرتے ایک خیمہ کے پاس پہنچے اس کے چاروں طرف گھوڑے نیزے اور سامان جنگ نظر آیا قریب جا کر دیکھا تو خیمہ میں عکرمہ دکھائی دیے، حضرت ابوبکرؓ نے سلام کیا اور اخراجات جنگ کے لیے کچھ رقم دینی چاہی عکرمہؓ نے اس کو قبول کرنے سے انکار کر دیا اور کہا مجھ کو اس کی حاجت نہیں ہے میرے پاس دو ہزار دینار موجود ہیں۔ یہ سن کر حضرت ابوبکرؓ نے ان کے لئے دعائے خیر کی۔

(۹۲) حضرت علاء حضریؓ

نام و نسب : علاء نام، باپ کا نام عبداللہ تھا۔ نسب نامہ یہ ہے : علاء بن عبداللہ حضری بن ضداد بن سلمی بن اکبر۔ علاء نسلاً حضری اور وطناً یمنی تھے لیکن ان کے والد عبداللہ حرب بن امیہ کے حلیف بن کر مکہ میں مقیم ہو گئے تھے۔

اسلام : دعوت اسلام کے آغاز میں مشرف باسلام ہوئے۔

سفارت : فتح مکہ کے بعد جب آنحضرت ﷺ نے قرب وجوار کے فرمان رواؤں کے نام دعوت اسلام کے خطوط بھیجے تو منذر بن ساوی حاکم بحرین کے پاس خط لیجانے کی خدمت علاءؓ کے سپرد ہوئی اس خط پر منذر اور اس کے ساتھ اس کی کل عرب رعایا اسلام کی حلقہ بگوش ہو گئی البتہ مجوس اپنے مذہب پر قائم رہے علاءؓ نے ان پر جزیہ لگا دیا اور اس کے متعلق عہد نامہ لکھ کر منذر کے حوالہ کیا۔ ان کی اس

۱۔ استیعاب۔ جلد ۲۔ ص ۵۶۰ ۲۔ مسند حماد۔ ص ۲۷۷ و مسند رک حاکم۔ جلد ۳۔ ص ۳۳۱ ۳۔ سیر الصحابہ۔ جلد ۴۔ ص ۹
۴۔ زاد المعاد۔ جلد ۲۔ ص ۱۵۷۔ منذر کے اسلام اور جزیہ کی تخصیص کا حال بلاذری سے ماخوذ ہے۔

خدمت کے صلہ میں آنحضرت ﷺ نے انہیں بحرین کا عامل بنا دیا پھر کچھ دنوں کے بعد ان کو معزول کر کے آبان بن سعید بن العاص کو مقرر کیا^۱۔

آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد آبان اس عہدہ سے مستعفی ہو گئے علاء کو بحرین کی امارت کا تجربہ تھا اس لئے حضرت ابوبکرؓ نے دوبارہ ان کو مقرر کیا اسی زمانہ میں منذر کا انتقال ہو گیا ان کی موت سے بحرین کا نظام برہم ہو گیا اور وہاں ارتداد کی وبا پھیل گئی ربیعہ کا پورا قبیلہ اور بشر بن عمرو عبد ری مع اپنے اتباع کے مرتد ہو گیا نعمان بن منذر کا لڑکا منذر ان سب کا سرغنہ تھا دوسری طرف بنی قیس بن ثعلبہ حطیم کی سرکردگی میں مرتد ہو گئے اور یہ سب کے سب بحرین کے ایک قلعہ جواث میں قلعہ بن ہو گئے۔ علاء بن حضرمی اس وقت بحرین کے عامل تھے انہوں نے جواث کا محاصرہ کر لیا اور شب خون مار کر مرتد بن کر سرگروہ حطیم اور میں منذر کو قتل کر ڈالا۔ بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ منذر بچ کر نکل گیا اس کے بعد مجوسی مقام قطیف میں مخالفانہ جمع ہوئے۔ اتفاق سے اسی زمانہ میں بنی تمیم نے ایک ایرانی قافلہ کو چھیڑا تھا۔ اس لئے کسریٰ نے فیروز بن جشیش کو بنی تمیم کی تنبیہ کے لئے بھیجا اس نے زرارہ میں فوجیں اتاریں۔ قطیف کے باغی مجوسیوں کو اس کی آمد کی خبر ہوئی تو وہ فیروز سے جا کر مل گئے اور جزیہ دینے سے انکار کر دیا اس لئے علاء نے مرتدوں کی سرکوبی کے بعد ان مجوسیوں کا محاصرہ کیا ابھی محاصرہ جاری تھا کہ حضرت ابوبکرؓ کا انتقال ہو گیا مگر علاء نے محاصرہ قائم رکھا اور حضرت عمرؓ کی مسند نشینی کے بعد مجوسیوں کو مطیع بنایا^۲۔

بحرین اور اس کے قرب و جوار کا پورا علاقہ ایرانیوں کے ماتحت تھا۔ صرف یہاں کے عرب قبائل مشرف باسلام ہوئے تھے۔ باقی مجوسی اپنے آبائی مذہب پر قائم تھے اور جزیہ ادا کرتے تھے لیکن جب انہیں موقع ملا تھا فوراً باغی ہو جاتے تھے جیسا کہ حضرت ابوبکرؓ کے زمانہ میں ہوا اس لئے زرارہ سے نپٹنے کے بعد علاء مجوسیوں کی بغاوت کا سد باب کرنے کے لئے دارین پہنچے اور یہاں سے مجوسی آبادی کو نکال کر عرقہ بن ہرثمہ کو بحری علاقوں کی طرف بھیجا انہوں نے دریا کو عبور کر کے بحرین کے ایک جزیرہ پر قبضہ کر کے یہاں ایک مسجد تعمیر کی^۳۔

بصرہ کی حکومت اور وفات :

بصرہ آباد ہونے کے بعد حضرت عمرؓ نے عتبہ بن غزو ان کو یہاں کا حاکم بنایا تھا۔ چند دنوں کے بعد انہیں معزول کر کے علاء کو ان کی جگہ مقرر کیا اور ان کو لکھا کہ تم فوراً بحرین چھوڑ کر بصرہ کا

۱۔ فتوح البلدان بلاذری۔ ص ۹۲، ۹۱ ۲۔ فتوح البلدان بلاذری۔ ص ۹۲، ۹۱ ۳۔ ابن سعد۔ جلد ۴۔ ص ۷۸۔ ق ۲

انتظام سنبھالو اس حکم پر علماء حضرت ابو ہریرہؓ اور ابو بکرؓ کے ساتھ بصرہ روانہ ہو گئے لیکن فرمانِ خلافت کے ساتھ ہی ساتھ پیامِ اجل بھی پہنچ گیا اور علماء راستہ میں مقام لیا س میں انتقال کر گئے یہ مقام آبادی سے دور اور بے آب و گیا تھا پانی کی بڑی قلت تھی۔ حسن اتفاق سے پانی برس گیا ساتھیوں نے بارش کے پانی سے نہلا دیا اور تلواریں سے گڑھا کھود کر زمین میں چھپا دیا اور بحرین و بصرہ کا حاکم اس لئے بے سرو سامانی کے ساتھ ایک آب و گیاہ میدان میں سپرد خاک کیا گیا۔

(۹۳۰) حضرت عمران بن حصینؓ

نام و نسب : عمران نام، ابو نجید کنیت، نسب نامہ یہ ہے : عمران بن حصین بن عبید بن خلف بن عبد نہم ابن حذیفہ بن جہمہ بن غاضرہ بن حبشہ بن کعب بن عمرو الکعبی۔

اسلام : عمران سنہ ہجرت کی ابتداء میں مشرف باسلام ہوئے ان کے ساتھ ان کے باپ اور ان کی بہن بھی اس شرف سے مشرف ہوئیں۔ اسلام لانے کے بعد پھر وطن لوٹ گئے۔

غزوات : گو عمران وطن میں رہتے تھے لیکن ذوقِ جہاد میں غزوات کے موقع پر مدینہ پہنچ جاتے تھے چنانچہ فتح مکہ میں آنحضرت ﷺ کے ہمراہ تھے اور ان کے قبیلہ کا علم ان ہی کے ہاتھ میں تھا۔ اس کے بعد حنین اور طائف کے غزوات میں شریک ہوئے۔ حضرت ابو بکرؓ کے سریرہ میں بھی ہمراہ تھے۔

آنحضرت ﷺ کی زندگی بھر برابر مدینہ آتے جاتے رہے تھے آپ ﷺ کی وفات کا دل پر اتنا اثر ہوا کہ مدینہ آنا جانا چھوڑ دیا اور گوشہ نشینی کی زندگی اختیار کر لی اور حضرت ابو بکرؓ کے زمانہ میں کسی چیز میں حصہ نہیں لیا۔ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں جب بصرہ آباد ہوا تو یہاں منتقل ہو گئے اور گھر بنا کر مستقل اقامت اختیار کر لی۔ حضرت عمرؓ نے فقہ کی تعلیم کی ذمہ داری ان کے سپرد کی۔

حضرت عمرؓ کے بعد جب خانہ جنگی کا دروازہ کھلا تو بہت سے صحابی اس میں مبتلا ہو گئے لیکن عمرانؓ آخر تک اس سے محفوظ رہے۔

بنی امیہ کے زمانہ تک زندہ رہے۔ زیاد نے خراسان کی گورنری پیش کی عمرانؓ نے انکار کر دیا۔ دوستوں نے پوچھا اتنا بڑا عہدہ کیوں مسترد کر دیا کہلو مجھ کو یہ پسند نہیں کہ میں تو اس کی گرمی میں نماز پڑھوں اور تم لوگ اس کی ٹھنڈک میں۔ مجھ کو خوف ہے کہ جب میں دشمنوں کے سامنے سینہ سپر ہوں اس

۱ ابن سعد۔ جلد ۴۔ ص ۸۷۔ ق ۲

۲ مستدرک حاکم۔ جلد ۳۔ ص ۴۱

۳ اصابہ۔ جلد ۵۔ ص ۲۷

۴ ابن سعد۔ جزو ۷۔ ص ۵۔ ق اول

۵ اصابہ۔ جلد ۵۔ ص ۲۷

۶ مسند احمد بن حنبل۔ جلد ۴۔ ص ۳۳۰

وقت زیادہ کا کوئی نا واجب الطاعہ فرمان پہنچے ایسی حالت میں اگر اس کی تعمیل کروں تو ہلاک ہو جاؤں اور اگر لوٹ آؤں تو گردن ماری جائے۔^۱

علامت : عمران کی صحت نہایت خراب تھی آخر میں استسقاء کا مرض ہو گیا تھا۔ لوگوں نے مشورہ دیا کہ دلغنے سے فائدہ ہوگا لیکن وہ آنحضرت ﷺ سے دلغنے کی ممانعت سن چکے تھے اس لئے رضا مند نہ ہوئے۔ مرض برابر بڑھتا گیا آخر میں یہاں تک نوبت پہنچ گئی کہ پیٹ میں شگاف ہو گیا لیکن اس حالت میں بھی وہ فرمان رسول ﷺ کے خلاف عمل کرنے پر آمادہ نہ ہوئے۔ احباب نے کہا تمہاری حالت دیکھی نہیں جاتی تمہارے پاس کس طرح آئیں، فرمایا نہ آؤ لیکن جو چیز خدا کے نزدیک ناپسندیدہ ہے اس کو میں کسی طرح پسند نہیں کر سکتا۔^۲ آخر میں جب تکلیف ناقابل برداشت حد تک پہنچ گئی تو ابن زیاد کے اصرار سے راضی ہو گئے لیکن سخت نادم و شرمسار تھے۔^۳

جب زندگی سے مایوس ہو گئے تو تجہیز و تکفین کے متعلق یہ ہدایت دی کہ جنازہ جلدی جلدی لے چلنا، یہودی طرح آہستہ آہستہ نہ لے چلنا۔ جنازہ کے پیچھے آگ نہ جلانا، نالہ و شیون نہ کرنا، قبر مربع چار بالشت اونچی رکھنا، دفن کر کے واپس ہو کر کھانا کھانا، نالہ و شیون کے روکنے میں اتنی سختی برتی کے اپنے متروکہ مال میں بعض اعزہ کو وصیت کی تھی۔ اس وصیت میں یہ شرط رکھ دی کہ جو عورت نالہ و شیون کرے گی اس کے متعلق وصیت منسوخ ہو جائے گی۔^۴

وفات : اسی مرض میں ۵۲ھ میں بصرہ میں وفات پائی۔^۵

اولاد : لڑکوں میں خلف الصدق تھے باپ کے بعد یہ بصرہ کی مسند قضا پر بیٹھے۔^۶

فضل و کمال : عمران بن فضل و کمال کے لحاظ سے ممتاز ترین صحابہ میں تھے۔ علامہ عبد البر لکھتے ہیں، کان من فضلاء الصحابة و فقہائہم، عمران فضلاء اور فقہائے صحابہ میں تھے۔^۷ بصری صحابہ کی ہم عصر جماعت میں کوئی صحابی ان کا ہمصر نہ تھا۔ محمد بن منکدر بیان کرتے ہیں کہ بصری صحابیوں میں کوئی عمرانؓ سے بلند نہ تھا۔^۸ مشہور صاحب علم تابعی حضرت حسن بصریؒ فرماتے تھے کہ عمران بن حصین سے بہتر آدمی ہمارے یہاں نہیں آیا۔^۹

حضرت عمرانؓ مشرف باسلام ہونے کے بعد اپنے وطن لوٹ گئے تھے لیکن وقتاً فوقتاً ینہ جایا کرتے تھے۔ اس لئے احادیث نبوی ﷺ کے سننے کے مواقع بار بار ملتے رہے اس لئے ان کے حافظہ

۱۔ مسند احمد بن حنبل۔ جلد ۵۔ ص ۶۶
 ۲۔ ابن سعد۔ جلد ۷۔ ق ۱۔ اول۔ تذکرہ عمران شگاف کا تذکرہ اسد الغابہ کی روایت میں ہے۔ جلد ۴۔ ص ۱۳۸
 ۳۔ اصالبہ۔ جلد ۵۔ ص ۲۷
 ۴۔ ابن سعد۔ جلد ۷۔ ق ۱۔ اول تذکرہ عمران
 ۵۔ مستدرک حاکم۔ جلد ۳۔ ص ۴۷۱
 ۶۔ ابن سعد۔ جلد ۷۔ ق ۱۔ اول تذکرہ عمران
 ۷۔ اسد الغابہ۔ جلد ۴۔ ص ۱۳۸
 ۸۔ مستدرک۔ جلد ۳۔ ص ۴۷۱
 ۹۔ ایضاً۔ ص ۴۷۲

میں اتنی حدیثیں محفوظ تھیں کہ وہ کہا کرتے تھے کہ اگر میں چاہوں تو دنوں تک مسلسل حدیثیں بیان کرتا رہوں اور ان میں ایک بھی مکرر نہ ہوگا۔ لیکن اس علم کے باوجود ان کی مرویات کی تعداد (۱۳۰) حدیثوں سے زیادہ نہیں ہے۔^۱

اس کا سبب یہ ہے کہ روایت حدیث میں وہ حد درجہ محتاط تھے۔ عام طور پر حدیث بیان کرنے سے گریز کرتے تھے اور جب بدرجہ مجبوری اس کی نوبت آتی تو بہت سنبھل کر بیان کرتے، کہا کرتے تھے کہ میں حدیث کم بیان کرتا ہوں کہ میں نے بہت سے رسول اللہ ﷺ کے ایسے اصحاب کو دیکھا ہے جنہوں نے میری طرح آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضری دی اور میرے ہی برابر حدیثیں سنیں لیکن جب وہ کوئی حدیث بیان کرتے تو الفاظ میں کچھ نہ کچھ رد و بدل ضرور ہو جاتا ہے اگرچہ وہ اچھی نیت سے بیان کرتے ہیں، اس لئے مجھے خوف معلوم ہوتا ہے کہ ان ہی کی طرح مجھے بھی دھوکا نہ ہوگا۔ جس درجہ میں حدیث حفظ ہوتی اس کا بھی اظہار کر دیتے۔ جس میں حافظ پر کامل اعتماد نہ ہوتا تو کہتے جہاں تک میرا خیال ہے، میں نے صحیح بیان کی اور اگر پورا یقین ہوا تو کہتے یہ حدیث آنحضرت ﷺ کو اس طرح بیان فرماتے ہوئے سنا ہے، ان کے تلامذہ میں نجید بن عمران، ابوالاسود، ابورجاء العطار دی، ربیع، ابن خروش، مطرف، یزید، حکم بن اعرج، زہد بن جری، صفوان بن محرز، عبد اللہ بن رباح، انصاری وغیرہ لائق ذکر ہیں۔^۲

حلقہ درس : گو حضرت عمرانؓ حدیثوں کے بیان کرنے میں بہت محتاط تھے لیکن ان کی اشاعت بھی ضروری فرض تھا اس لئے احتیاط کے ساتھ اس فرض کو بھی انجام دیتے تھے اور بصرہ کی مسجد میں مستقل حلقہ درس تھا۔ بلال بن سیافؓ بیان کرتے ہیں کہ مجھ کو بصرہ جانے کا اتفاق ہوا مسجد میں دیکھا کہ لوگ ایک مپید بزرگ کے گرد حلقہ باندھے ہوئے ہیں اور وہ ٹیک لگائے ہوئے ان لوگوں کو حدیثیں سنارہے ہیں۔ دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ عمران بن حصینؓ صحابی ہیں۔^۳

ان کی ذات مرجع خلافت تھی اور بڑے بڑے صحابہ ان کے تفقہ کے قائل تھے ایک مرتبہ کسی نے آکر پوچھا کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو ایک ہی مجلس میں تین طلاقیں دیں، ایسی صورت میں وہ مطلقہ ہوئی یا نہیں؟ جواب دیا طلاق دینے والا گنہگار ہوا لیکن عورت مطلقہ ہو گئی۔ مستفتی مزید تفصیل کیلئے ابو موسیٰ اشعریؓ کے پاس گیا اور ان کو عمرانؓ کا جواب سنایا۔ انہوں نے کہا ہماری جماعت میں

۱۔ مسند احمد بن حنبل۔ جلد ۴۔ ص ۲۳۳ ۲۔ تہذیب الکمال۔ ص ۲۹۵ ۳۔ مسند احمد بن حنبل۔ جلد ۴۔ ص ۲۳۳

۴۔ تہذیب التہذیب۔ جلد ۸۔ ص ۱۲۶ ۵۔ ابن سعد۔ جلد ۷۔ ص ۵۔ ق اول

ابونجید کے ایسے بہت سے آدمی پیدا کر دے^۱۔ جس راستہ سے گذرتے لوگ مسائل دریافت کرتے ابونضرہ کو نماز سفر کے متعلق کچھ پوچھنے کی ضرورت پیش آئی اتفاق سے عمرانؓ ان کی طرف سوار ہو کر گذرے، ابونضرہ نے سواری کی لگام پکڑ لی اور روک کر مسئلہ پوچھا، عمرانؓ نے مفصل جواب بتایا^۲۔

فضائل اخلاق: عمرانؓ کی پوری زندگی مذہب کے رنگ میں رنگی ہوئی تھی عبادت میں بڑی محنت شاقہ برداشت کرتے تھے معاویہ بن قرہ بیان کرتے ہیں کہ عمران بن حصینؓ آنحضرت ﷺ کے ان اصحاب میں تھے جو عبادت میں بڑی مہنت شاقہ برداشت کرتے تھے^۳۔

احترام رسول: آنحضرت ﷺ کے ساتھ اتنی گہری عقیدت اور آپ کا اتنا احترام تھا کہ جس ہاتھ سے آنحضرت ﷺ کے دست مبارک پر بیعت کی اس سے عمر بھر پیشاب کا مقام نہیں مس کیا^۴۔

پابندی اسوۂ رسول: عمل میں اسوۂ رسولؐ پیش نظر رہتا تھا ابن زیاد نے محصل خراج کا عہدہ پیش کیا اس کو قبول کر لیا لیکن جب خراج وصول کر کے واپس ہوئے تو ایک درہم بھی ساتھ نہیں لائے پوچھا گیا خراج کی رقم کیا کی جواب دیا جس طرح سے رسول اللہ کے زمانہ میں وصول ہوتا تھا اس طریقہ سے وصول کیا اور جن مصروفوں میں خرچ ہوتا تھا ان میں صرف کر دیا^۵۔

اوپر گزر چکا ہے کہ زیاد کا ہر واجب و نا واجب حکم ماننا پڑے گا، ان کے انکار پر حکم بن عمر و غفاری نے قبول کر لیا، عمران کو معلوم ہوا تو ان کو بلا کر کہا کہ مسلمانوں کی بہت بڑی ذمہ داری تمہارے سپرد کی گئی ہے، پھر انہیں مفید پند و نصائح کئے، اور اوامر و نواہی پر کار بند ہونے کی ہدایت کر کے رسول اللہ ﷺ کی یہ حدیث سنائی کہ خدا کی معصیت میں کسی بندہ کی فرمان برداری نہ کرنی چاہئے^۶، یعنی زیاد کی اطاعت میں خدا اور رسول کے خلاف عمل نہ کرنا۔

عام طور پر لباس بہت سادہ استعمال کرتے تھے لیکن کبھی کبھی تحدیثِ نعمت اور اظہارِ تشکر کے لئے بیش قیمت کپڑا بھی زیب تن کر لیتے تھے، ایک مرتبہ خلاف معمول خز کی چادر اوڑھ کر نکلے، اور کہنے لگے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ جب خدا کسی بندہ پر احسان و انعام کرتا ہے تو اس کا ظاہری اثر بھی اس پر ہونا چاہئے۔

۱۔ مستدرک حاکم۔ جلد ۳۔ ص ۴۷۲۔ ۲۔ مسند احمد بن حنبل۔ جلد ۴۔ ص ۴۴۔ ۳۔ مستدرک حاکم۔ جلد ۳۔ ص ۴۷۱۔ ۴۔ ایضاً۔ ۵۔ ایضاً۔ ۶۔ مسند احمد بن حنبل۔ جلد ۵۔ ص ۶۶۔

(۹۴) حضرت عمرو بن حنظلؓ

نام و نسب : عمرو نام، باپ کا نام حنظل تھا۔ نسب نامہ یہ ہے : عمرو بن حنظل بن کاہن بن حبیب بن عمرو بن قیس زراح بن عمرو بن سعد بن کعب بن عمرو بن ربیعہ خزاعی۔

اسلام : عمرو کے زمانہ اسلام کے بارہ میں دو روایتیں ہیں ایک یہ کہ صلح حدیبیہ کے زمانہ میں مشرف باسلام ہوئے اور مشرف باسلام ہونے کے بعد مدینہ آ گئے، دوسری یہ کہ حجۃ الوداع میں اسلام قبول کیا۔ پہلی روایت زیادہ مرجح ہے، حافظ ابن حجر بھی اسی کو مرجح سمجھتے ہیں۔

حضرت عثمانؓ کی مخالفت :

عہد نبوی ﷺ سے لے کر حضرت عمرؓ کے زمانہ تک عمرو کے حالات پردہ خفا میں ہیں حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں مصر میں رہتے تھے۔ آپ کے بڑے مخالفوں میں تھے ان کی مخالفت اس حد تک تھی کہ قصر خلافت پر حملہ کرنے والوں میں ان کا نام بھی لیا جاتا ہے۔

حضرت علیؓ کی حمایت :

حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد کوفہ چلے آئے اور شروع سے آخر تک حضرت علیؓ کے پر جوش حامیوں میں رہے۔ جمل صفین اور نہروان کے معرکوں میں حضرت علیؓ کے ساتھ جان فروشانہ شریک ہوئے۔ جنگ جمل میں اس بے جگری سے لڑے کہ تلوار کی دھار الٹ الٹ گئی۔ جنگ صفین کے درمیان التواء کے بعد جب دوبارہ جنگ کی تیاریاں شروع ہوئیں تو بنی خزاعہ کے دستہ کے افسر مقرر ہوئے۔ تحکیم کے سخت مخالف تھے لیکن جب حضرت علیؓ کو چارو تا چار حکم کی تجویز مانی پڑی اور التواء جنگ کا معاہدہ لکھا گیا اور عمرو نے بھی اس پر بحیثیت شاہد کے دستخط کئے۔

حضرت علیؓ کی شہادت کے بعد بھی عمرو اسی طرح بنی امیہ کے مخالف رہے اور حضرت علیؓ کے مشہور حامی حجر بن عدی کے ساتھ ہو گئے۔ امیر کے زمانہ میں جب زیاد عراق کا حاکم مقرر ہوا اور شیعہ ان علیؓ پر سختیاں ہونے لگیں اور شیعہ تحریک کے بانی قتل کئے جانے لگے۔ تو عمرو عراق چھوڑ کر موصل بھاگ گئے، اور ایک غار میں چھپ گئے اس غار میں ایک زہریلے سانپ نے کاٹ لیا اور یہی غار قبر بن گیا۔ عمرو اشتہاری مجرم تھے برابر تلاش جاری تھی، تلاش کرنے والے غار تک پہنچ گئے اور عمرو کی مردہ لاش کا سر کاٹ کر زیاد کے پاس بھجوا دیا۔

تعمیر مقبرہ : ۳۳۶ھ میں مصر کے مشہور حکمران سیف الدولہ کے چچا زاد بھائی ابو عبد اللہ بن حمد ان نے ان کے مزار پر مقبرہ تعمیر کرایا۔ یہ مقبرہ مدتوں تک مرجع خلافت رہا، اس کی وجہ سے شیعوں اور سنیوں میں بڑی لڑائیاں ہوئیں۔^۱

فضل و کمال : جبیر بن نفیرہ اور رفاعہ بن شداد نے ان سے روایت کی ہے۔^۲ صاحب اخبار الطوال لکھتے ہیں کہ عمرو کوفہ کے عابد و زاہد لوگوں میں تھے۔^۳

(۹۵) حضرت عمرو بن مرہ

نام و نسب : عمرو نام ابو مریم کنیت نسب نامہ یہ ہے عمرو بن مرہ بن عبس بن مالک بن حارث بن مازن بن سعد بن مالک بن رفاعہ بن نصر بن مالک بن غطفان بن قیس بن جھینہ جھنی۔

اسلام : عمرو کعبہ کے اس زمرہ میں ہیں جنہوں نے اس وقت اسلام کی دعوت کو لبیک کہا جب عرب کے درود یوار سے اس کی مخالفت کی صدائیں بلند ہو رہی تھیں۔ اسلام کی دعوت سن کر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور عرض کیا کہ ”میں اس تمام حلال و حرام پر ایمان لاتا ہوں جو آپ خدا کے پاس سے لائے ہیں اگرچہ تمام قوم کی جانب سے اس کی مخالفت کی صدائیں بلند ہو رہی ہیں۔“

اشاعت اسلام : اسلام قبول کرنے کے بعد حضرت معاذ بن جبلؓ سے قرآن کی تعلیم حاصل کی حصول تعلیم کے بعد اشاعت اسلام کے لئے اپنے قبیلہ واپس گئے۔ چند دنوں میں ان کی مخلصانہ کوششوں سے ان کا پورا قبیلہ مشرف باسلام ہو گیا۔^۴

غزوات : غزوات میں ان کی شرکت کی تفصیلات نہیں ملتیں مگر اس قدر مسلم ہے کہ اس شرف سے محروم نہ رہے تھے۔^۵

شام کا قیام اور امر و نواہی کی تبلیغ :

جب بہت سے صحابہ نے شام کی سکونت اختیار کی تو عمرو بھی وہیں متوطن ہو گئے، اور ایک گوشہ میں بیٹھ کر امر و نواہی کی تبلیغ کا فرض انجام دینے لگے، ان کی تبلیغ غربا کے جھوپڑوں سے لے کر امراء و سلاطین کے قصور و خلافت تک یکساں ہوتی تھی، ایک مرتبہ امیر معاویہ سے جا کر کہا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ جو امام حاجتمندوں، دوستوں اور محتاجوں کے لئے اپنا دروازہ بند کرے گا،

۱۔ اسد الغابہ۔ جلد ۴۔ ص ۱۰۱

۲۔ تہذیب الکمال۔ ص ۲۸۸

۳۔ اخبار الطوال۔ ص ۱۶۰

۴۔ اصابع۔ جلد ۵۔ ص ۱۲

۵۔ ابن سعد۔ جلد ۴۔ ص ۶۸۔ ق ۲

تو خدا اس کی حاجتوں، اس کی احتیاجوں اور اس کے سوالوں کے لئے آسمان کے دروازے بند کرے گا اس دن سے امیر معاویہؓ نے عوام کی حاجت راوی کے لئے ایک خاص شخص متعین کر دیا۔

وفات : عبدالملک کے زمانہ میں وفات پائی۔

فضل و کمال : حضرت معاذ بن جبلؓ سے قرآن اور سنت کی تعلیم حاصل کی تھی۔ کبھی کبھی شاعری بھی کرتے تھے، اس کا نمونہ یہ ہے۔

انی شرعت الان فی حوض التقی و خرجت من عقد الحیاة سیلما

میں اب تقویٰ کے حوض میں تیرا اور مشکلات سے صحیح و سالم نکل آیا

ولبت اثواب الحلیم فاصبحت امر الغواية من هواى عقیما

میں نے حلیم کا لباس پہن لیا اور گمراہیوں کی ماں میری خواہش سے ناامید ہوگی

(۹۶) حضرت عوسجہ بن حرمہؓ

نام و نسب : عوسجہ نام باپ کا نام حرمہ تھا، نام و نسب یہ ہے عوسجہ بن حرمہ بن جذیمہ بن مبرہ بن خدیج ابن مالک بن عمرو بن ذہل بن عمرو بن ثعلبہ بن رفاعہ بن نصر بن مالک بن غطفان ابن قیس بن جعدیہ جہنی۔

اسلام : ان کے اسلام کا زمانہ متعین طور سے نہیں بتایا جاسکتا۔ ابن سعد نے مسلمین قبل الفتح کے تحت میں لکھا ہے فتح مکہ میں آنحضرت ﷺ کے ہمراہ تھے۔ آپ ﷺ نے ایک ہزار کی جمعیت پر انہیں شرف امارت عطا فرمایا تھا۔

نماز کی پابندی پر خوشنودی کا تمغہ :

عوسجہ مقام مردہ میں رہتے تھے اور وہہ میں ایک مسجد تھی، ان دونوں مقاموں میں کافی فاصلہ تھا۔ عوسجہ ٹھیک نصف النہار کے وقت یہاں نماز پڑھنے آتے اور جماعت کے لئے دن بھر دونوں مقاموں کے درمیان ان کی روادوش جاری رہتی عرب کے کسی قبیلہ کا کوئی آدمی اتنا مستعد نہ تھا، خود آنحضرت ﷺ ان کی اس مستعدی پر متعجب ہوتے تھے اور اظہار خوشنودی کے طور پر فرمایا تھا کہ جو مانگنا ہو مانگو دیا جائے گا۔^۱

(۹۷) حضرت عیاض بن ہمار

نام و نسب : عیاض نام، باپ کا نام ہمار یا حماد تھا۔ نسب نامہ یہ ہے : عیاض بن ہمار بن ابی حماد بن ناجیہ بن عقال بن محمد بن سفیان بن مجاشع بن دارم تميمی مجاشی۔

اسلام سے پہلے : عیاض زمانہ جاہلیت کے آنحضرت ﷺ کے دوست تھے۔ بعثت نبوی ﷺ کے بعد قدیم تعلق کی بنا پر آپ ﷺ کی خدمت میں تحفہ پیش کرنا چاہا لیکن آپ ﷺ نے قبول نہیں کیا۔
اسلام : ان کے اسلام کا زمانہ صحیح طور سے متعین نہیں کیا جاسکتا۔ غالباً فتح مکہ سے پہلے مشرف باسلام ہوئے اور بصرہ آباد ہونے کے بعد یہاں سکونت اختیار کر لی۔

بادیہ نشینی : پھر کچھ دنوں کے بعد آبادی کو چھوڑ کر بادیہ نشینی اختیار کر لی تھی۔ حضرت زبیر بن عوامؓ جنگ جمل میں جب بصرہ تشریف لے گئے تو ان کو تلاش کیا معلوم ہوا وادی سباع میں ہیں چنانچہ وادی سباع میں جا کر ان سے ملاقات کی۔^۱

فضل و کمال : ان سے تیس حدیثیں مروی ہیں۔^۲ ان سے روایت کرنے والوں میں مطرف بن عبد اللہ یزید بن عبد اللہ علاء بن زیاد حسن بصری اور عقبہ بن صہبان کے نام ملتے ہیں۔^۳

عام حالات : عرب میں ایک جماعت ایسی تھی جو تہم کا قریش کے کپڑے پہن کر طواف کرتی تھی عیاض بھی ان ہی خوش عقیدہ لوگوں میں تھے۔ ان کے پاس آنحضرت ﷺ کا لباس موجود تھا چنانچہ جب مدینہ آتے تو پیراہن نبوی میں طواف ادا کرتے۔^۴

(۹۸) حضرت غالب بن عبد اللہ

نام و نسب : غالب نام، باپ کا نام عبد اللہ تھا نسب نامہ یہ ہے غالب بن عبد اللہ بن مسعر بن جعفر بن کلب بن عوف بن کعب بن عامر بن لیث بن بکیر بن عبد مناة بن کنانہ لثی۔

اسلام و غزوات : فتح سے پہلے مشرف باسلام ہو چکے تھے۔ فتح مکہ میں آنحضرت ﷺ کے ہمراہ تھے۔ اس غزوہ میں مکہ کے راستہ کی درستی اور دشمن کے حالات کا تجسس پر مامور ہوئے۔ راستہ میں بنی کنانہ کے چھ ہزار اونٹوں کا گلہ ملا غالب نے ان کا دودھ ڈھا اور لے جا کر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں پیش کی آپ ﷺ نے لے کر سب کو پلایا۔^۱

۱۔ تہذیب التہذیب۔ جلد ۸۔ ص ۲۰۰

۲۔ مسند احمد بن حنبل۔ جلد ۵

۳۔ استیعاب۔ جلد ۲۔ ص ۵۱۰

۴۔ تہذیب التہذیب۔ جلد ۸۔ ص ۲۰۰

۵۔ تہذیب التہذیب۔ جلد ۸۔ ص ۲۰۰

۶۔ استیعاب۔ جلد ۲۔ ص ۵۱۰

۷۔ اصحابہ۔ جلد ۵۔ ص ۱۸۷

فتح مکہ کے بعد آنحضرت ﷺ نے ساٹھ سواروں کے ہمراہ بنو ملوح کے مقابلہ کے لئے کدید بھیجا۔ راستہ میں مقام قدید میں حارث بن مالک ملا، مسلمانوں نے اس کو گرفتار کر لیا اس نے کہا میں اسلام قبول کرنے کے ارادہ سے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں جا رہا ہوں لیکن مسلمانوں نے اس بیان پر اعتماد نہیں کیا اور کہا اگر واقعی تم مسلمان ہونے والے ہو تو تم کو ایک شب کی قید سے کچھ نقصان نہیں پہنچ سکتا اور اگر اسلام کا ارادہ نہیں ہے تو ہم کو تمہاری جانب سے اطمینان رہے گا۔

چنانچہ اس کو ایک رباط میں باندھ کر ایک آدمی نگرانی پر مقرر کر دیا اور منزل مقصود کی جانب آگے بڑھے۔ غروب آفتاب کے وقت کدید کے قریب پہنچے، یہاں سے مسلمانوں نے انہیں دشمن کے تجسس کے لئے بھیجا۔ یہ آبادی کے متصل ایک بلند ٹیلے پر چڑھ کر منہ کے بل لیٹ کر جائزہ لینے لگے اتنے میں ایک شخص آبادی سے نکلا اس کو غالب کا سایہ نظر پڑا۔ اس نے بیوی سے کہا مجھ کو ٹیلے پر سایہ سا نظر آ رہا ہے پھر خیال کیا کہ شاید کتا وغیرہ ہو۔ بیوی سے کہا دیکھو کوئی برتن تو کتا نہیں لے گیا اس نے دیکھا تو سب برتن محفوظ تھے۔ کتے کا شک دور کرنے کے بعد اس شخص کو یقین ہو گیا کہ ٹیلے پر کوئی اجنبی آدمی ہے۔ چنانچہ بیوی سے تیر و کمان منگا کر غالب پر دو تیر چلائے ان میں سے ایک تیر غالب کے پہلو میں لگا اور دوسرا کندھے پر لیکن انہوں نے غیر معمولی استقلال سے کام لیا۔ دونوں تیر کھینچ کر نکال دیئے اور اپنی جگہ سے جنبش نہ کی ان کے اس استقلال کی وجہ سے اس شخص کا شک جاتا رہا۔ بولا میں نے دو تیر مارے، دونوں لگے اگر کوئی آدمی یا جاسوس وغیرہ ہوتا تو اپنی جگہ سے کچھ حرکت کرتا۔

اس اطمینان کے بعد اس نے بیوی کو ہدایت کی کہ صبح کو دونوں تیر اٹھا لانا اور اپنا راستہ لیا جب آبادی کے لوگ سو گئے تو پچھلے پہر کو مسلمانوں نے شب خون مار کر آبادی لوٹ لی۔ جب تک گاؤں کے منادی نے لوگوں کو مدد کے لئے پکارا، مسلمان مالی غنیمت اور مالک ابن برصاء کو لے کر نکل گئے۔^۱

اس کے بعد غالب اسامہ بن زیدؓ کے سریہ میں شریک ہوئے پھر عراق کی فوج کشی میں شرکت کی اور اس سلسلہ میں مشہور جنگ قادسیہ میں داؤد شجاعت دی۔ ہرمزان ابن سی کے ہاتھ سے مارا گیا۔^۲
گورنری : امیر معاویہ کے زمانہ میں ابن زیاد نے خراسان کا گورنر مقرر کیا۔^۳
وفات : زمانہ وفات غیر متعین ہے۔

(۹۹) حضرت فروہ بن مسیکؓ

نام و نسب : فروہ نام، ابوسبرہ کنیت، نسب نامہ یہ ہے : فروہ بن، مسیک بن حارث بن سلمہ بن حارث ابن زوید بن مالک بن عتبہ بن عطف بن عبد اللہ بن ناجیہ بن مراد مرادی۔

فروہ یمن کے باشندے اور اپنے قبیلہ کے معزز اور مقتدر لوگوں میں تھے۔ زمانہ جاہلیت میں ان کے قبیلہ مراد اور ہمدان کے درمیان نہایت خون ریز جنگ ہوئی تھی جو ”یوم دارم“ کے نام سے موسوم ہے اس جنگ میں قبیلہ مراد کو بڑا نقصان اٹھانا پڑا۔ فروہ اس سے سخت متاثر ہوئے اور اس تاثر میں یہ اشعار کہے۔

فلو خلد الملوک اذا خلونا ولو بقی الکرام اذا بقینا

اگر بادشاہ ہمیشہ رہنے والے ہوتے تو ہم بھی ہمیشہ رہتے اور اگر اچھے لوگ

ہمیشہ باقی رہنے والے ہوتے تو ہم بھی باقی رہتے۔

اسلام اور اشاعتِ اسلام : ۱۰ھ میں سلاطین کندہ کا دربار چھوڑ کر شہنشاہ کونینؓ کے آستانہ پر حاضر ہوئے۔ آنحضرتؐ نے پوچھا، فروہ میں نے سنا ہے کہ تم کو اپنی قوم کی شکست کا بڑا صدمہ ہے۔ عرض کی یا رسول اللہؐ (وہ کون شخص ہے جس کی قوم مصیبت میں مبتلا ہوئی ہو اور اس کو اس سے تکلیف نہ پہنچی ہو۔ آپ ﷺ نے فرمایا اس سے تمہارا کوئی نقصان نہیں ہوا بلکہ اس شکست نے اسلام میں تمہاری قوم کو فائدہ ہی پہنچایا۔ قبولِ اسلام کے بعد آنحضرتؐ نے ان کو مراد، زبید اور مذحج کا عامل بنایا اور سعید بن العاص کو ان کا شریک کا مقرر فرمایا۔

چلتے وقت فروہ نے آنحضرتؐ سے اجازت طلب کی کہ یا رسول اللہؐ میری قوم میں جو شخص قبولِ اسلام سے انکار کرے اس کا میں ان لوگوں کی مدد سے جنہوں نے اسلام قبول کیا ہے، مقابلہ کر سکتا ہوں؟ آپ ﷺ نے اجازت مرحمت فرمائی، یہ اجازت لے کر وطن لوٹ گئے۔ ان کی واپسی کے بعد رسول اللہؐ نے پوچھا عطفی (فروہ) کہاں ہیں معلوم ہوا جا چکے، آپ ﷺ نے فوراً آدمی دوڑا کر انہیں واپس بلوایا اور ہدایت فرمائی کہ تم اپنی قوم کو اسلام کی دعوت دینا جو لوگ آمادہ ہوں۔ انہیں مسلمان بنانا اور جو انکار کریں ان کے بارے میں میری دوسری ہدایت کا انتظار کرنا۔ اس ہدایت کے ساتھ اپنے وطن پہنچے اور اپنے قبیلہ کی رشد و ہدایت میں مشغول ہو گئے۔

فتنہ اوداد : حضرت ابوبکرؓ کے زمانہ میں جب ارتداد کا فتنہ اٹھا تو ان کے قبیلہ کا ایک مقتدر رئیس عمرو بن معدیکرب بھی اس کا شکار ہو گیا۔ فروہؓ نے اس کی ہجو میں اشعار کہے۔

فضل و کمال : گو فروغ بالکل آخری زمانہ میں مشرف باسلام ہوئے تاہم حدیث کی کتابیں ان کی مرویات سے خالی نہیں۔ اور ابو داؤد اور ترمذی میں ان کی روایتیں موجود ہیں۔ شععی اور ابو ہریرہ نخعی ان کے رواۃ میں ہیں۔^۱

(۱۰۰) حضرت فضالہ لیشیؓ

نام و نسب : فضالہ نام، باپ کے نام میں اختلاف ہے۔ بعض عبد اللہ، بعض وہب اور بعض عمیر بتاتے ہیں عمیر زیادہ مرجح ہے۔ جب نامہ یہ ہے : فضالہ بن وہب بن بحرہ بن بکیرہ بن مالک بن عامر لیشی۔

اسلام : عام مشرکین کی طرح فضالہ بھی آنحضرت کے جانی دشمن تھے۔ فتح مکہ کے دن جب آنحضرت ﷺ خانہ کعبہ کا طواف کر رہے تھے۔ فضالہ موقع پا کر قتل کرنے کے ارادہ سے آپ کی طرف بڑھے، قریب پہنچے تو آنحضرت ﷺ نے پوچھا فضالہ ہیں؟ کہا ہاں یا رسول اللہ ﷺ۔ فرمایا، ابھی تمہاری دل تم سے کہا باتیں کر رہا تھا، کہا کچھ نہیں اللہ عزوجل کو یاد کر رہا تھا یہ مصنوعی جواب سن کر آنحضرت ﷺ ہنس دیئے اور استغفر اللہ کہہ کر ان کے سینہ پر ہاتھ رکھا۔ اس سے فضالہ کو بڑا سکون محسوس ہوا۔ ان کا بیان ہے کہ ابھی آپ ﷺ نے ہاتھ نہ ہٹایا تھا کہ میرا دل آپ ﷺ کی محبت سے معمور ہو گیا اور تمام مخلوق میں کوئی آپ ﷺ سے زیادہ محبوب باقی نہ رہا۔

اس سعادت کے بعد گھر لوٹے راستہ میں ایک عورت جس سے یہ باتیں کیا کرتے تھے۔ اس نے معمول کے مطابق انہیں بلایا مگر انہوں نے انکار کر دیا اور یہ اشعار پڑھتے ہوئے آگے بڑھ گئے۔^۲

قالت ہلم الی الحلیث فقلت لا بابی علیک اللہ والا سلام

اس نے کہا آؤ بات چیت کریں میں نے کہا نہیں خدا اور اسلام نے تیری مخالفت کی ہے

لو ما رأیت محمداً و قبیلہ بالفتح یوم تکسرا لا منام

کاش تو محمد ﷺ ان کے ساتھیوں کو فتح کے دن دیکھتی جب وہ بت توڑ رہے تھے

لرأیت دین اللہ اضحی بنینا والشکک یغشی وجمہ الا ظلام

تو تجھے نظر آتا کہ خدا کا دین ہمارے درمیان روشن ہو گیا اور شرک کے چہرے کو تاریکی نے چھپا لیا

اسلام قبول کرنے کے بعد آنحضرت ﷺ نے اسلامی فرائض کی تعلیم دی اور ہدایت فرمائی

کہ نماز، حج گانہ پابندی کے ساتھ پڑھا کرو۔^۳

فضل و کمال : ان سے ان کے لڑکے عبداللہ نے روایت کی ہے۔ حفاظتِ عصرین کی روایت انہیں سے مروی ہے۔

وفات : وفات کا زمانہ غیر معین ہے۔

(۱۰۱) حضرت فیروز دہلیؓ

نام و نسب : فیروز نام، ابو عبداللہ کنیت، نسلاً عجمی تھے۔ حمیری قبائل کے ساتھ رہتے تھے۔ اسلام : ان کے اسلام کا زمانہ متعین طور سے نہیں بتایا جاسکتا۔ ایک وفد میں آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر مشرف باسلام ہوئے۔

قبولِ اسلام کے وقت دو حقیقی بہنیں فیروز کے عقد میں تھیں۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا، ان میں سے ایک کو رکھو اور دوسری کو الگ کر دو۔ صغاء میں انگور کی بڑی پیداوار تھی اور اس کی شراب مٹی تھی ان کے اسلام لانے کے وقت شربِ حرام ہو چکی تھی اس لئے آنحضرت ﷺ سے پوچھا یا رسول اللہ (ﷺ) ہمارے ملک میں انگور کی کثرت ہے لیکن شرابِ حرام ہو چکی ہے اب اس کو کس مصرف میں لایا جائے۔ فرمایا انہیں خشک کر لیا کرو۔ عرض کیا خشک کرنے کے بعد کیا کریں؟ فرمایا صبح کو بھگودیا کرو اور شام کو پی لیا کرو اور شام کو بھگو کر صبح کو پی لیا کرو۔ انگور کا مسئلہ حل کرنے کے بعد عرض کیا یا رسول اللہ (ﷺ) آپ کو معلوم ہے کہ ہم کون ہیں اور کہاں رہتے ہیں آپ ﷺ کس کو ہمارا ولی بناتے ہیں۔ فرمایا، خدا اور رسول کو عرض کیا، یا رسول اللہ (ﷺ) یہ ہمارے لئے بس ہے۔

اسود عنسی کے قتل میں شرکت :

مشہور مدعی نبوت اسود عنسی کی شورش کو دبانے کے بعد اس کے کامل استیصال کے لئے قیس بن ہبیرہ کی ماتحتی میں جوہم روانہ کی گئی تھی۔ اس میں فیروز بھی تھے۔ ان کا شمار اسود عنسی کے قاتلوں میں ہے، بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ قیس نے قتل کیا تھا اور بعض سے معلوم ہوتا ہے کہ فیروز قاتل تھے، کچھ روایتوں سے پتہ چلتا ہے کہ قتل فیروز نے کیا تھا، لیکن سر قیس نے تن سے جدا کیا تھا۔ حضرت عمرؓ اسود کے قتل کا سراغ فیروز کے سر باندھتے تھے اور فرماتے تھے اس شیر نے قتل کیا ہے۔ بہر حال فیروز نے تنہا قتل نہیں کیا تو اس کے قاتلوں میں ضرور تھے، لاجل ان فیروز الدہلی ممن قتل الاسود بن کعب عنسی۔

حضرت اسود کے قتل کی خبر آنحضرت ﷺ کی وفات سے چند روز پیشتر مدینہ میں آگئی تھی اور آپ ﷺ کو اس پر بڑی مسرت تھی۔ ایک دن صبح سویرے آپ ﷺ نے فرمایا کہ کل مبارک اہل بیت کے ایک مبارک فرد نے اس کو قتل کیا ہے۔

وفات : حضرت عثمانؓ کے عہد خلافت میں وفات پائی۔
فضل و کمال : ان سے ان کے لڑکے ضحاک، عبداللہ اور سعید نے روایت کی ہے۔

(۱۰۲) حضرت قباث بن اشیمؓ

نام و نسب : قباث نام، باپ کا نام اشیم تھا۔ نسب نامہ یہ ہے : قباث بن اشیم بن عامر بن طلوح بن یحمر ابن عوف بن کعب بن عامر بن لیث بن بکر بن عبدمنافہ بن کنانہ کنانی۔
اسلام سے پہلے : بدر میں مشرکین کے ساتھ تھے، اس میں ان کی خاص اہمیت تھی۔
اسلام و غزوات : غزوہ بدر کے بعد مشرف باسلام ہوئے۔ اور بعض غزوات میں آنحضرت ﷺ کی ہمرکابی کا شرف حاصل کیا۔

شام کی فوج کشی اور دمشق کی سکونت :

شام کی فوج کشی میں مجاہدانہ شرکت کی۔ جنگ یرموک میں فوج کا ایک حصہ ان کے ماتحت تھا۔ شام کی تسخیر کے بعد دمشق میں مستقل سکونت اختیار کر لی۔
وفات : وفات کے بارہ میں ارباب سیر خاموش ہیں لیکن اتنا پتہ چلتا ہے کہ عبدالملک اموی کے عہد تک زندہ تھے۔

احترام نبوت ﷺ : آنحضرت ﷺ کا اتنا احترام کرتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ کے مقابلہ میں اپنے سن کی زیادتی کو بھی بڑائی سے تعبیر نہ کرتے تھے۔ ایک مرتبہ عبدالملک نے ان سے پوچھا تم بڑے تھے، یا رسول اللہ ﷺ قباث نے کہا آنحضرت ﷺ مجھ سے بڑے تھے البتہ میں ان سے سن میں زیادہ تھا۔

(۱۰۳) حضرت قثم بن عباسؓ

نام و نسب : قثم، حضرت عباس بن عبدالمطلب کے صاحبزادے اور آنحضرت ﷺ کے چچیرے بھائی ہیں۔ نسب نامہ یہ ہے : قثم بن عباس بن عبدالمطلب بن ہاشم بن قریش ہاشمی۔ ماں کا نام لہابہ تھا۔

۱۔ ایضاً ۲۔ اسد الغابہ۔ جلد ۴۔ ص ۱۴۶ ۳۔ تہذیب الکمال۔ ص ۳۱۱ ۴۔ اسد الغابہ۔ جلد ۴۔ ص ۱۹۰
۵۔ اصابہ۔ جلد ۵۔ ص ۲۲۵ ۶۔ اسد الغابہ۔ جلد ۴۔ ص ۱۹۰ ۷۔ استیعاب۔ جلد ۲۔ ص ۵۵۰

نا نہالی شجرہ ہے ہلباہ بنت حارث بن حزن ہلباہ حضرت خدیجہؓ کے بعد دوسری مسلمہ تھیں۔
 بچپن : آنحضرت ﷺ کے عہد میں بہت کم سن تھے اس لئے بجز آنحضرت ﷺ کی مہر و محبت کے
 اس عہد کا انکار اور کوئی واقعہ قابل ذکر نہیں ہے۔ آپ ﷺ کو حضرت عباسؓ کی اولاد سے بڑی محبت تھی
 اور انہیں بہت پیار کرتے تھے، ایک مرتبہ قسم عبداللہ اور جعفر ساتھ کھیل رہے تھے، آنحضرت ﷺ کی
 سواری ادھر سے گذری تو جعفر اور قسم کو ساتھ بٹھالیا۔

غسل جسم اطہر ﷺ :

آنحضرت ﷺ کی وفات کے وقت کسی حد تک شعور کو پہنچ گئے تھے، چنانچہ آپ ﷺ کے غسل
 میت اور تجہیز و تکفین میں شریک تھے اور غسل دیتے وقت حضرت علیؓ کے ساتھ جسد اطہر کو کروٹیں
 بدلا کرتے تھے۔ اور قبر انور میں اتارنے کے لئے بھی اترے تھے، اور جسد اطہر کو فرش خاک پر لٹانے کے
 بعد سب سے آخر میں قبر سے نکلے تھے، بعض راوی یہ آخری شرف مغیرہ کی طرف منسوب کرتے ہیں لیکن
 حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا بیان ہے کہ آخری شرف قسم کو حاصل ہوا۔

امارت : وفات نبوی ﷺ کے بعد شیخینؓ کے اختتام خلافت تک کے حالات پردہ خفا میں ہیں
 حضرت علیؓ نے اپنے زمانہ میں باختلاف روایت مکہ یا مدینہ کی امارت پر سرفراز فرمایا۔

شہادت : امیر معاویہ کے عہد خلافت میں سعید بن عثمان کے ہمراہ خراسان کی فوج کشی میں شریک
 ہوئے۔ اس سلسلہ کی بعض فتوحات کے مال غنیمت میں سے سعید نے ایک ہزار انہیں دینا چاہا،
 انہوں نے کہا پہلے تم اپنا پانچواں حصہ لے لو، اس کے بعد عام مجاہدین میں تقسیم کرو، ان سے بچنے کے
 بعد جو چاہو دے دینا۔ اسی سلسلہ کے معرکہ سرقتہ میں جام شہادت پیا۔

حلیہ : صورت آنحضرت ﷺ کے ہم شبیہ تھے۔ بعض شعراء نے اس پر طبع آزمائی بھی کی ہے۔

فضل و کمال :

علمی حیثیت سے وہ ممتاز صحابہ میں تھے ابن سعد لکھتے ہیں، کان قسم درعا فاضلاً۔
 قسم پاکباز اور فاضل تھے۔ ابو اسحق سہیلی نے ان سے روایت کی ہے۔

- | | | |
|-----------------------------|-----------------------------------|--------------------------------------|
| ۱۔ اسد الغابہ۔ جلد ۴۔ ص ۱۹۷ | ۲۔ مستدرک حاکم۔ جلد ۳۔ تذکرہ جعفر | ۳۔ مسند احمد بن حنبل۔ جلد اول۔ ص ۲۶۰ |
| ۴۔ استیعاب۔ جلد ۲۔ ص ۵۵۱ | ۵۔ اسد الغابہ۔ جلد ۴۔ ص ۱۹۷ | ۶۔ ابن سعد۔ جلد ۷۔ ص ۱۰۱۔ ق ۲ |
| ۷۔ اسد الغابہ۔ جلد ۴۔ ص ۱۹۷ | ۸۔ استیعاب۔ جلد ۲۔ ص ۵۵۰ | ۹۔ ابن سعد۔ جلد ۷۔ ص ۱۰۱۔ ق ۲ |
| ۱۰۔ تہذیب الکمال۔ ص ۳۱۸ | | |

(۱۰۴) حضرت قیس بن خرشہؓ

نام و نسب : قیس نام، باپ کا نام خرشہ تھا۔ نسباً قبیلہ بنو قیس بن ثعلبہ سے تعلق رکھتے تھے۔
بیعت اسلام : قیس کے زمانہ اسلام کی صحیح تعیین نہیں کی جاسکتی۔ ان کے دل میں مدتوں سے حق کی تلاش تھی، چنانچہ وہ آنحضرت ﷺ کے مدینہ آنے کے بعد بلا کسی خارجی تحریک کے اپنے وطن سے مدینہ آئے اور آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض گزار ہوئے، یا رسول اللہ ﷺ میں اس شے پر جو خدا کی جانب سے آپ ﷺ کے پاس آئی ہے، اور حق گوئی پر آپ ﷺ کے ہاتھوں پر بیعت کرتا ہوں آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔ قیس ممکن ہے آئندہ تم کو ایسے والیوں سے سابقہ پڑے جن کے مقابلہ میں تم حق گوئی سے کام نہ لے سکو، عرض کیا ایسا نہیں ہو سکتا خدا کی قسم جس چیز پر آپ ﷺ سے بیعت کروں گا۔ اسے ضرور پورا کروں گا، فرمایا اگر ایسا ہے تو تم کو کسی شر سے نقصان نہیں پہنچ سکتا۔

اس عہد پر اس سختی کے ساتھ قائم رہے کہ بنی امیہ کے زمانہ میں زیاد اور عبید اللہ بن زیاد جیسے ستم کیشوں اور ظالموں پر برملا نکتہ چینی کرتے تھے عبید اللہ نے ایک مرتبہ بلا کر کہا تم خدا اور رسول پر افتراء پردازی کرتے ہو، کہا خدا کی قسم نہیں میں ہرگز ایسا نہیں کر سکتا البتہ اگر تم کہو تو میں اس شخص کا نام بتا دوں جو ایسا کرتا ہے، عبید اللہ نے پوچھا بتاؤ، قیس نے کہا جس نے کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ کو پس پشت ڈال رکھا ہے، عبید اللہ نے کہا وہ کون جواب دیا تم اور تمہارا باپ۔

ان کی یہ حق گوئی صرف عبید اللہ ہی کی ذات تک محدود نہ تھی، بلکہ تمام ظالم حکام کے مقابلہ میں اسی حق گوئی سے کام لیتے تھے، کان شلیلد اعلیٰ اللہ الا بالحق، قیس والیوں کے معاملہ میں نہایت سخت اور بڑے حق گو تھے۔

وفات : ان کی اس سخت گیری اور حق گوئی پر عبید اللہ ان کا دشمن ہو گیا اور آخری مرتبہ بلا کر کہا تمہارا خیال ہے کہ تم کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ فرمایا بے شک میرا یہ خیال ہے۔ عبید اللہ نے کہا اچھا آج ہی تمہارے اس جھوٹے خیال کی قلعی کھلی جاتی ہے، یہ کہہ کر سزا دینے والوں کو بلایا۔ ارباب سیر کا متفقہ بیان ہے کہ قبل اس کے کہ سزا دینے والے پہنچیں اور ان کے جسم کو ہاتھ لگائیں، ان کی روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی، اور وہ سزا کے شر سے بچ گئے۔

صحت عقائد : قیس نہایت راسخ العقیدہ تھے، پیشین گوئی وغیرہ کے مطلقاً قائل نہ تھے اور اسے خلاف مذہب سمجھتے تھے ایک دن کعب کے ساتھ جارہے تھے، صفین کے میدان کے پاس پہنچے تو کعب نے ایک نظر ڈال کے کہا لا الہ الا اللہ اس خطہ زمین پر مسلمانوں کی اتنی خونریزی ہوگی کہ کسی خط میں نہ ہوئی ہوگی، یہ سن کر قیس نے بگڑ کر کہا ابواحق یہ کیا کہتے ہو غیب کا علم صرف خدا کو ہے۔^۱

(۱۰۵) حضرت قیس بن عاصمؓ

نام و نسب : قیس نام ابوعلی کنیت نسب نامہ یہ ہے قیس بن عاصم بن خالد بن منقر بن عبید ابن مقاعس بن عمر بن کعب بن سعد بن زید بن مناة بن تمیم تمیمی منقری۔

قیس اپنے قبیلہ کے سردار تھے اور زمانہ جاہلیت میں بڑے وقار و تمکنت سے رہتے تھے۔ ایک مرتبہ انہوں نے اپنی جاہلی زندگی کا حال بتایا کہ میں نے اس زمانہ میں بھی کوئی برا کام نہیں کیا اور نہ کبھی کسی تہمت سے متہم ہوا، ہمیشہ فوجی سواروں میں پنچایت کی مجلسوں میں یا مجرموں کی حمایت میں رہتا تھا۔^۲

البتہ لازمہ امارت شراب بہت پیتے تھے۔ ایک دن بدستی کی حالت میں اپنی لڑکی کے پیٹ کی شکنوں پر ہاتھ ڈال دیا اور ماں باپ کو نہایت فحش گالیاں سنائیں۔ شب ماہ تھی چاند دیکھ کر اور ترنگ بڑھی اول فول بکنے لگے، اور مدہوشی کے عالم میں بادہ فروش کو ایک خطیر رقم دے ڈالی جب نشہ ہرن ہوا تو لوگوں نے بدستی کے واقعات سنائے انہیں سن کر اس قدر تادم اور شرمسار ہوئے کہ اسی دن سے توبہ کر لی اور پھر کبھی شراب کو منہ نہیں لگایا، اشعار ذیل اس واقعہ کی یادگار ہیں۔^۳

رایت الخمر صالحة وفيها خصال تفسد الرجل الحليما

میں شراب کو اچھی چیز سمجھتا تھا لیکن اس میں بعض ایسے اوصاف ہیں

جو حلیم اور سنجیدہ آدمی کے اخلاق بگاڑ دیتے ہیں

ملا والله اشربها صحيحاً ولا اشفى بها ابداً سقيماً

خدا کی قسم کبھی نہ اس کو صحت کی حالت میں پیوں گا اور نہ بیماری میں دوا کے لئے استعمال کروں گا

اسلام : ۹ھ میں تمیم کے وفد کے ساتھ مدینہ آئے اور آنحضرت ﷺ کے دست مبارک پر مشرف باسلام ہوئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا یہ بادیہ نشینوں کے سردار ہیں، کچھ دنوں کے بعد امارت صدقہ کی خدمت سپرد ہوئی۔^۴

۱۔ امد القاب۔ جلد ۲۔ ص ۵۴۳ ۲۔ اصباہ۔ جلد ۵۔ ص ۲۵۸ ۳۔ استیجاب۔ جلد ۲۔ ص ۵۴۰

۴۔ ابن سعد۔ جلد ۷۔ ص ۴۴۳۔ ق اول۔ سنہ کی تعیین اسد القاب سے لی گئی ہے۔

غزوات : قبول اسلام کے بعد غالباً سب سے اول غزوہ حنین میں شریک ہوئے اس غزوہ میں فوج کے اس حصہ میں تھے جس نے پہلے بنو ہوازن کو پسپا کر دیا تھا، لیکن پھر مال غنیمت کی لوٹ میں شکست کھا گیا تھا۔

وصیت اور وفات : بصرہ آباد ہونے کے بعد یہاں مستقل سکونت اختیار کر لی۔ یہیں مرض الموت میں مبتلا ہوئے جب زندگی سے مایوسی ہو گئی تو لڑکوں کو بلا کر حسب ذیل وصیت کی۔

میرے بچو! جب میں اس دنیا سے گذر جاؤں تو جو تم میں سب سے بڑا ہو اس کو سردار بنانا اور اپنے بزرگوں کا صحیح جانشین اور نمونہ بننے کی کوشش کرنا، اپنے چھوٹے کو سردار نہ بنانا اور نہ تمہارے ہم چشم تم پر نکتہ چینی کریں گے، مجھ پر نوہ نہ کرنا، رسول اللہ ﷺ نے اس کی ممانعت فرمائی ہے، مال کی اصلاح و حفاظت مد نظر رکھنا اس سے شرفاء کی شان بڑھتی ہے۔ اور کمینوں سے استغفار ہنا ہے اپنے اونٹوں کو بے محل نہ صرف کرنا لیکن بر محل صرف کرنے میں بخل بھی نہ کرنا کم اصلوں سے شادی نہ کرنا، ممکن ہے اس سے وقتی مسرت حاصل ہو لیکن اس سے جو خرابی پیدا ہو گئی وہ اس مسرت سے زیادہ نقصان رسا ہوگی اپنے دشمن کی اولاد سے بچتے رہنا، وہ اپنے بزرگوں کی طرح تمہاری دشمن ہوگی، مجھ کو ایسے مقام پر دفن نہ کرنا جہاں بکر بن وائل کا گذر ہو سکے زمانہ جاہلیت میں ان کے ساتھ میرے اختلاف اور جھگڑے رہ چکے ہیں اس لئے خطرہ ہے کہ وہ انتقام میں میری قبر کھود ڈالیں گے، ان کی دنیا اور تمہاری آخرت برباد کریں گے پھر ترکش سے ایک تیر نکال کر بڑے لڑکے کو دیا اور کہا اس کو توڑو اس نے توڑ دیا، پھر دو تیر ایک ساتھ توڑنے کو دیئے اس نے کوشش کی مگر نہ توڑ سکا، مشاہدہ کرانے کے لئے کہا کہ اتحاد اتفاق اور تشمت و اختلاف میں تمہاری حالت اسی تیر کی طرح ہے یعنی اگر متفرق رہو گے، تو ہر شخص زیر کرے گا اور اگر مل کر رہو گے تو کوئی نقصان نہ پہنچا سکے گا۔

اولاد : وفات کے بعد ۳۲ لڑکے یادگار چھوڑے، ہزاروں کی تعداد میں موسیٰ تھے جو صحرا نشینوں کی سب سے بڑی دولت ہے۔

فضل و کمال : گو قیسؓ بہت آخر میں مشرف باسلام ہوئے تاہم چند احادیث ان کے حافظہ میں محفوظ تھیں ان کے لڑکے حکیم اور احنف نے ان سے روایت کی ہے۔ شاعر بھی تھے، کلام کا نمونہ اوپر گذر چکا ہے۔

۱۔ سیرت ابن ہشام۔ جلد ۲۔ ص ۲۸۶ ۲۔ مستدرک حاکم۔ جلد ۳۔ ص ۶۱۱ ۳۔ اصحابہ۔ جلد ۵۔ ص ۲۵۹

۴۔ تہذیب الکمال۔ ص ۳۱۷

اخلاق : نہایت عاقل و فرزانه، حلیم الطبع اور فیاض تھے جاہلیت کی حسیت میں اپنی لڑکی زندہ دفن کر دی تھی، زمانہ اسلام میں اس کا کفارہ ادا کیا۔^۱

علم : طبیعت میں حلم غالب تھا ایک مرتبہ ان کے بھتیجے نے ان کے ایک لڑکے کو مار ڈالا۔ لوگ اس کو پکڑ کر مع مقتول کی لاش کے قیس کے پاس لائے قیس نے بھتیجے کی اس شقاوت پر کوئی انتقام نہیں لیا بلکہ بحیثیت بزرگ کے اس کو نصیحت کرنے لگے، تم نے کتنا برا کام کیا خدا اور رسول کے گنہگار ہوئے اپنے چچیرے بھائی کو قتل کر کے قطع رحم کیا، خود اپنے کو اپنے تیر سے زخمی کر کے اپنا جتھا کمزور کیا، یہ نصیحتیں کر کے دوسرے بیٹے سے کہا ان کی مشکلیں کھول دو اور اپنے بھائی کی تجہیز و تکفین کا انتظام کرو اور مقتول لڑکے کی ماں کو اپنے پاس سے دیت ادا کی۔^۲

عملی فرمان نبوی ﷺ : قیس نہایت دولت مند تھے لیکن بہت سمجھ بوجھ کر خرچ کرتے تھے۔ ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ سے اپنی دولت کے متعلق چند سوالات کئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا تم کو اپنا مال پسند ہے یا اپنے سوا، عرض کیا اپنا مال، فرمایا تمہارا مال تو وہی ہے جس کو کھاپی کر ختم کر دو پہن اوڑھ کر پرانا کر دو، دے لے کر برابر کر دو ورنہ وہ تمہارے سوا ہی کا ہے۔ عرض کی اگر زندہ رہا تو اونٹ کے گلے اپنی زندگی ہی میں ختم کر دوں گا چنانچہ بڑا حصہ زندگی میں ختم کر دیا۔^۳

(۱۰۶) حضرت کرز بن جابر فہریؓ

نام و نسب : کرز نام باپ کا نام جابر تھا نسب نامہ یہ ہے کرز بن جابر حسیل بن لاجب ابن حبیب بن عمرو بن شیبان بن محارب بن فہر بن مالک قرشی فہری۔

اسلام سے پہلے : آغاز اسلام میں قریشی کا بچہ بچہ مسلمانوں کا دشمن تھا اور مقدور بھرا نہیں تکلیف پہنچانے کی کوشش کرتا تھا کرز بھی اس سے مستثنیٰ نہ تھے۔ مدینہ سے تین میل کے فاصلہ پر کوہ جماء کے قریب مسلمانوں کے اونٹ چرا کرتے تھے کرز نے ۲ھ میں چھاپہ مار کر انہیں لوٹ لیا۔ آنحضرت ﷺ بہ نفس نفیس ان کے تعاقب میں نکلے۔ وادی صفوان میں پہنچ کر معلوم ہوا کہ کرز نکل کر جا چکے اس لیے آپ ﷺ لوٹ گئے۔^۴

اسلام : اس واقعہ کے کچھ دنوں بعد کرز مشرف باسلام ہو گئے۔^۵

۱۔ ایضاً ۲۔ اسد الغابہ۔ جلد ۴۔ ص ۲۲۰ ۳۔ مستدرک حاکم۔ جلد ۳۔ ص ۶۱۲ ۴۔ ابن سعد حصہ مغازی۔ ص ۴

۵۔ اسد الغابہ۔ جلد ۴۔ ص ۳۳۷

ایک سریہ : ۶ھ میں قبیلہ عرنیہ کے اٹھارہ آدمی مدینہ آ کر مشرف باسلام ہوئے یہاں کی آب ہوا انہیں ناموافق ہوئی طحال ہو گیا، تھوڑے فاصلہ پر مقام ذی الجود میں آنحضرت ﷺ کے مویشی چرا کرتے تھے۔ یہاں کی آب و ہوا اچھی تھی۔ آپ نے نو مسلم عربوں کو حکم دیا کہ وہیں جا کر رہو اور اونٹوں کا دودھ استعمال کرو کچھ دنوں میں توانائی آجائے گی۔ چنانچہ یہ لوگ وہاں جا کر رہنے لگے جب کھاپی کر توانا و تندرست ہو گئے تو اونٹوں کو لے کر بھاگ گئے۔ آپ کے غلام نے روکنے کی کوشش کی تو اس کے ہاتھ پاؤں کاٹ کر آنکھوں میں کانٹے چبھو دیئے۔ آنحضرت ﷺ کو خبر ہوئی تو آپ نے کرز کو بیس سواروں کے ساتھ ان کے تعاقب میں روانہ کیا کرز انہیں گرفتار کر کے لائے۔ آنحضرت ﷺ نے ان سے ان کی شقاوت کا پورا قصاص لیا۔

شہادت : فتح مکہ میں آنحضرت ﷺ کے ہمرکاب تھے۔ کرز اور حبیش خالد بن ولید کے دستہ میں تھے اتفاق سے دونوں خالد سے چھوٹ کر دوسرے راستہ پر جا پڑے یہاں کچھ مشرک ملے انہوں نے حبیش کو شہید کر دیا کرز نے ان کی لاش سامنے کر لی اور یہ رجز۔

قد علمت صفراء من بنی فہر نقیۃ الوجوہ نقیۃ الصدر

بنی فہر کی زرد رنگ اور صاف چہرے اور سینہ والی عورتیں جاتی ہیں

لاضر بن الیوم عن ابی صخر

کہ آج میں ابی صخر (حبیش) کی جانب سے لڑوں گا

پڑھتے ہوئے مشرکین پر حملہ کر دیا اور لڑتے لڑتے شہید ہو گئے۔

(۱۰۷) حضرت کعب و زبیرؓ بن زہیرؓ

نام و نسب : کعب نام، باپ کا نام زبیر تھا۔ نسب نامہ یہ ہے : کعب بن زبیر بن ابی سلمیٰ بن رباح بن قرط بن حارث بن مازن بن حلاوہ بن ثعلبہ بن ثور بن ہدمہ بن لاطم بن عثمان ابن عمرو بن ابن طابخہ مزی۔

اسلام : کعب دو بھائی تھے، کعب اور زبیر۔ ان کے باپ زبیر جاہلیت کے مشاہیر شعراء میں تھے اس لیے شاعری ان دونوں کو وراثت ملی تھی۔ ظہور اسلام کے بعد آنحضرت ﷺ کا شہرہ سن کر دونوں کو

۱۔ ابن سعد حصہ مغازی۔ ص ۷۔ وسیرت ابن ہشام۔ جلد ۲۔ ص ۶۷۔ یہ واقعہ صحیحین میں بھی ہے۔

۲۔ استیعاب۔ جلد اول۔ ص ۲۰۳۔ بخاری کتاب المغازی میں بھی یہ مختصر مذکور ہے۔

آپ ﷺ سے ملنے اور آپ ﷺ کی باتیں سننے کی خواہش ہوئی چنانچہ دونوں بھائی ملنے کے لیے چلے۔ مقام ابرق العزاف پہنچ کر بحیرہ نے کعب سے کہا تم بکریاں لیے ہوئے یہیں ٹھہرے رہو میں اس شخص کے پاس جا کر سنوں کیا کہتا ہے۔

چنانچہ کعب کو چھوڑ کر خود آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ ﷺ نے اسلام پیش کیا۔ دل میں عناد و سرکشی کا مادہ نہ تھا اسی وقت مشرف باسلام ہو گئے۔ کعب کو ان کے اسلام کی خبر ہوئی تو انہوں نے جوش انتقام میں آنحضرت ﷺ اور حضرت ابوبکرؓ کی شان میں گستاخانہ اشعار کہہ ڈالے۔ آنحضرت ﷺ نے یہ اشعار سنے تو آپ ﷺ کو بڑی تکلیف پہنچی اور آپ ﷺ نے اعلان کر دیا کہ کعب جہاں ملے اس کا کام تمام کر دیا جائے۔

بحیرہ اس اعلان سے بہت گھبرائے اور کعب کو لکھ بھیجا کہ رسول اللہ ﷺ نے تمہارا خون ہدر کر دیا ہے اب تمہارے بچنے کی صرف یہی ایک صورت ہے کہ تم اسلام قبول کر لو۔ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں جو شخص بھی آکر ”لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ“ کہہ دیتا ہے آپ ﷺ اس کی توبہ قبول کر لیتے ہیں۔ اس لئے میرا خط پاتے ہی تم بلا تاخیر مشرف باسلام ہو جاؤ۔ کعب کو بھی اس کے سوانحہ کی کوئی صورت نظر نہ آئی، اس لئے وہ خط پاتے ہی سیدھے مدینہ پہنچے اور مسجد نبوی ﷺ میں داخل ہوئے۔ اس وقت رسول اللہ ﷺ صحابہ کرام کے حلقہ میں تشریف فرما ان سے گفتگو فرما رہے تھے۔ کعب نے آپ ﷺ کو دیکھا نہ تھا، قیاس و قیافہ سے پہچان کر آپ ﷺ کے پاس آ کر بیٹھ گئے اور ”اشہد ان لا الہ الا اللہ وانک رسول اللہ“ کہہ کر امان کے طالب ہوئے۔ آپ ﷺ نے پوچھا تم کون ہو؟ عرض کی کعب بن زبیر۔ فرمایا تم ہی نے وہ اشعار کہے تھے، پھر حضرت ابوبکرؓ سے استفسار فرمایا، ابوبکرؓ وہ کون سے اشعار ہیں۔ حضرت ابوبکرؓ نے سنایا۔

سفاک ابو بکر بکاس رویۃ وانہلک المامور منها وعلکا

تم کو ابو بکرؓ نے ایک لبریز پیالہ پلایا اور اس میں سب سے زیادہ لبریز پیالہ سے بار بار سیراب کیا کعب نے کہا یا رسول اللہ ﷺ میں نے اس طرح نہیں کہا تھا۔ فرمایا پھر کس طرح، انہوں نے ”مامور“ کے لفظ کو ”مامون“ کے لفظ سے بدل کر سنایا۔ رحمت عالم ﷺ کے دربار میں اس قدر اظہارِ ندامت کافی تھا۔ آپ ﷺ نے کعب کی گزشتہ خطاؤں سے درگزر فرمایا اور ارشاد ہوا، تم مامون ہو۔ پھر کعب نے اپنا مشہور و معروف قصیدہ بانس سعاد سنایا جو اسی وقت کے لئے کہہ کر لائے تھے۔

یہ قصیدہ بہت طویل ہے۔ مطلع اور تشبیب کے بعض اشعار یہ ہیں :

ہانت سعاد فقلبی الیوم مبتول متیم اثر ہالم یفر مکتول
 سعاد نے داغ مفارقت دیا، جس سے میرا دل اس کے جانے کے بعد پریشان اور اسیر ہے
 ما سعاد غراة البین اذ ظعنوا لا اغن عفیض الطرف کحول
 جدائی کے دن جب کہ لوگوں نے کوچ کیا تو سعادت ایک نرم آواز سرگیں چشم
 اور نیچی نگاہ رکھنے والی ہر نی معلوم ہوتی تھی

تجلوا عولوض ذی ظلم اذا بتسمت کاناہا منہل بالکائس معلول
 جب وہ مسکراتی ہے تو تاریک رات کے بادلوں کو چھانٹ دیتی ہے گویا اس کے
 لب و دندان ایک چشمہ ہیں جو شراب کے پیالہ سے لبریز ہیں
 قصیدہ سناتے سناتے جب ان اشعار پر پہنچے۔

ان الرسول لسيف لیستضاربه مہند من سیوف اللہ ملول
 رسول اللہ ﷺ، اللہ کی ایسی کھنچی ہوئی ہندی کوار ہیں جس سے روشنی حاصل ہوتی ہے
 انبت ان رسول اللہ اوعدنی والعقو عن رسول اللہ مامول
 مجھ کو معلوم ہوا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے دھمکی دی ہے
 رسول اللہ ﷺ کے پاس غم کی امید کی جاتی ہے

فی فیتند من قریش قال فانیلہم بیطن مکة لما اسلموا ان ولوا
 وہ قریش کے ایسے جوانوں میں ہیں کہ بطن مکہ میں جب کہ لوگ اسلام لائے
 تو ان کے کہنے والوں نے کہا یہاں سے چلے جاؤ
 تو رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرامؓ کو توجہ سے سننے کے لئے ارشاد فرمایا :

اس حسن تلافی سے کعب نے رضائے نبوی ﷺ اور شہرتِ دوام کا خلعت حاصل کیا۔
 آنحضرت ﷺ نے خوش ہو کر رادے مبارک عطا فرمائی۔ امیر معاویہ نے اپنے زمانہ میں یہ چادر کعبؓ
 کی اولاد سے بیش قرار رقم پر خریدی۔ اسی چادر کو خلفاءِ عید میں اوڑھ کر نکلتے تھے۔

(۱۰۸) حضرت کعب بن عمیر غفاریؓ

نام و نسب : کعب نام، باپ کا نام عمیر تھا، بنی غفار سے نسب تعلق رکھتے تھے۔

اسلام : ان کے اسلام کا زمانہ متعین طور سے نہیں بتایا جاسکتا تھا، قیاس ہے کہ اپنے قبیلہ والوں کے ساتھ کسی سنہ میں مشرف باسلام ہوئے ہوں گے۔

امارت سریہ: ربیع الاول ۸ھ میں آنحضرت ﷺ نے انہیں ایک سریہ کا امیر بنا کر بعض دشمنوں کے مقابلہ میں ذات اطلاق (شام) بھیجا یہاں ان کی بڑی جماعت موجود تھی مسلمانوں نے انہیں اسلام کی دعوت دی اس کا جواب تیروں سے ملا مسلمانوں نے بھی مدافعت میں جواب دیا دونوں میں سخت مقابلہ ہوا مگر دونوں کی قوت میں کوئی تناسب نہ تھا، مسلمان تعداد میں کل پندرہ تھے اور ان کے مقابل کی تعداد اس سے بہت زیادہ تھی، اس لئے ایک کے سوا سب کے سب مسلمان شہید ہو گئے۔^۱ علامہ ابن عبدالبر لکھتے ہیں کہ بچے ہوئے شخص کعب تھے^۲ لیکن دوسرے ارباب سیر کے یہاں کوئی تصریح نہیں ملتی۔ بہر حال جو بزرگ بچ گئے تھے وہ کسی نہ کسی طرح مدینہ پہنچے اور آنحضرت ﷺ کو پورا واقعہ سنایا۔ آپ ﷺ سن کر بے حد متاثر ہوئے اور انتقام لینے کے لئے دوسریہ بھیجنے کا ارادہ فرمایا لیکن اسی دوران میں خبر ملی کہ دشمن کسی دوسرے مقام پر چلے گئے اسی لئے ارادہ ملتوی فرمایا۔^۳

فضائل : علامہ ابن عبدالبر اور ابن ابی شیبہ لکھتے ہیں کہ کعب بار صحابہ میں تھے۔^۴

(۱۰۹) حضرت کہمس الہلالیؓ

نام و نسب : کہمس نام، باپ کا نام معاویہ تھا نسب نامہ یہ ہے کہمس بن معاویہ بن ابی ربیعہ ہلالی۔ اسلام : ان کے اسلام کا زمانہ متعین طور پر نہیں بتایا جاسکتا۔ اس سلسلہ میں صرف اس قدر معلوم ہے کہ اپنے جائے قیام پر مشرف باسلام ہوئے اور مدینہ آ کر آنحضرت ﷺ کو اپنے اسلام کی اطلاع دی۔ وطن کی واپسی و عبادت : اطلاع دینے کے بعد پھر وطن لوٹ گئے اور ہمتن عبادت و ریاضت میں مشغول و منہمک ہو گئے اور کامل ایک سال تک رات بھر جاگ کر عبادت کرتے اور دن کو روزہ رکھتے رہے۔ دوسرے سال پھر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، شدت ریاضت سے رنگ روپ بدل گیا تھا، بدن سوکھ کر کانٹا ہو رہا تھا۔ آپ ﷺ کو پہچاننے میں دشواری ہوئی بار بار سر سے پاؤں تک غور سے ملاحظہ فرماتے تھے مگر نہ پہچان سکے، آخر میں کہمس نے عرض کیا، یا رسول اللہ (ﷺ) شاید آپ مجھے غور کر رہے ہیں۔ فرمایا ہاں تم کون ہو؟ عرض کی کہمس الہلالی۔ گذشتہ سال حاضر ہوا تھا، اب

۱۔ ابن سعد حصہ مغازی۔ ص ۶۲ ۲۔ استیعاب۔ جلد اول۔ ص ۱۲۴ ۳۔ ابن سعد مغازی۔ ص ۶۲

۴۔ استیعاب۔ جلد ۱۔ ص ۲۲۱ و اسد الغابہ۔ جلد ۱۔ ص ۲۲۶

میں بالکل سوکھ گیا ہوں آپ ﷺ نے پوچھا ایسی حالت کیوں ہوگئی، عرض کی گذشتہ حاضری کے بعد سے برابر رات کو جاگتا اور دن کو روزہ رکھتا رہا، فرمایا تم کو اس قدر تکلیف اٹھانے کا کس نے حکم دیا تھا، مہینہ میں صرف ایک روزہ کافی ہے عرض کی مجھ میں اس سے زیادہ روزہ رکھنے کی طاقت ہے، فرمایا خیر تین سہی!۔

(۱۱۰) حضرت لبید بن ربیعہؓ

نام و نسب : لبید نام، ابو عقیل کنیت، نسب نامہ یہ ہے، لبید بن عامر بن مالک بن جعفر بن کلاب بن ربیعہ بن عامر بن صعصعہ عامری لبید کے والد ربیعہ اپنے قبیلہ کے بڑے فیاض سیر چشم اور غربا پرور لوگوں میں تھے ان کی غربا پروری نے قوم سے ”ربیع المقتورین“ کا لقب حاصل کیا تھا۔
اسلام سے پہلے : لبید زمانہ جاہلیت کے فحول شعراء میں تھے ان کی حریانی زمانہ جاہلیت کے شاعروں کو گرمائی اور ارباب ذوق کو ترپاتی تھی۔

وہ ابتداء سے سلیم الفطرت اور اسلام سے پہلے بھی ان کی شاعری معارف و حقائق سے معمور ہوتی تھی حسب ذیل شعر زمانہ جاہلیت کا بیان کیا جاتا ہے۔

وکل اموی یوماً سیعلم سعید اذا کشفتم عند ال الہ الہامل

اور ہر انسان کو اپنی کوششوں کا نتیجہ اس وقت معلوم ہوگا جب اس کے

نتائج خدا کے سامنے ظاہر ہوں گے

اس لئے آنحضرت ﷺ بھی ان کے بعض اشعار کو پسند فرماتے تھے چنانچہ آپ کو ان کا یہ مصرعہ الاکل شی ما خلا اللہ باطل، بہت پسند تھا اس کے متعلق فرماتے تھے کہ شعراء کے کلام میں لبید کا یہ کلام بہت سچا ہے۔

اسلام : لبید نے اسلام کا زمانہ پایا، فطرت ابتداء سے سلیم تھی اس لئے اپنے قبیلہ بنی جعفر بن کلاب کے وفد کے ساتھ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر مشرف باسلام ہو گئے۔

اکثر ارباب سیر کا بیان ہے کہ اسلام کے بعد شاعری ترک کر دی تھی فقال اکثر اہل الاخبار ان لبید الم یقل شعراً منذ اسلم۔

۱۔ ابن سعد۔ جلد ۷۔ ص ۳۶۔ ق اول ۲۔ طبقات الشعراء ابن قتیہ۔ ص ۱۵۳ ۳۔ استیعاب۔ جلد اول۔ ص ۲۳۵

۴۔ استیعاب۔ جلد اول۔ ص ۲۳۵ ۵۔ استیعاب۔ جلد اول۔ ص ۲۳۵

لیکن یہ بیان علی الاطلاق صحیح نہیں معلوم ہوتا اس کے بعض اشعار خود بتاتے ہیں کہ وہ اسلام کے بعد کہے گئے ہیں ابن قتیبہ نے اس کے ثبوت میں یہ شعر نقل کیا ہے۔

الحمد لله بعد ياتني اجلى حتى اكسيت من الاسلام بالا
خدا کا شکر ہے کہ مجھے اس وقت تک موت نہیں آئی جب تک میں نے اسلام کا خلعت نہیں پہن لیا
لیکن بعض اخباری اوپر کے شعر کی نسبت لبید کی طرف صحیح نہیں سمجھتے اور اس کے بجائے یہ شعر نقل کرتے ہیں۔

ما عاتب المرء الكريم نفسه والمرء يصلحه القرين الصالح
شریف آدمی کو خود اس کی ذات کی طرح دوسرا عتاب نہیں کر سکتا اور انسان کی اصلاح اس کا صالح ہم جلیس کرتا ہے

بہر حال دونوں شعروں میں سے جو شعر بھی صحیح مانا جائے اس میں صاف اسلامی رنگ جھلکتا ہے پہلے میں زیادہ واضح ہے اور دوسرے میں اس سے کم تاہم اس میں شبہ نہیں کہ قبول اسلام کے بعد انہیں شاعری سے کوئی دل چسپی باقی نہ رہ گئی اور قرآن کے پُر تاثیر اور سحر آفرین کلام کے بعد وہ شاعری کرنا عبث سمجھتے تھے۔

حضرت عمرؓ بڑے فہم اور سخن سنج تھے اپنے زمانہ خلافت میں ایک مرتبہ اپنے ایک عامل کو لکھا کہ لبید سے پوچھو کہ زمانہ اسلام میں کون سے اشعار کہے انہوں نے جواب میں کہلا بھیجا کہ خدا نے شعر کے عوض مجھے بقرہ اور آل عمران دی ہے یعنی اس سحر آفرین کلام کے بعد شاعری بے مزہ ہے اس جواب پر حضرت عمرؓ نے ان کا وظیفہ بڑھا کر دو ہزار کر دیا امیر معاویہ نے اپنے زمانہ میں ان سے کہا لبید میرا تمہارا وظیفہ برابر ہے میں تمہارا وظیفہ گھٹا دوں گا انہوں نے کہا کچھ دن ٹھہر جائیے اس کے بعد اپنا اور میرا دونوں کا وظیفہ تنہا خود لے لیجئے گا، امیر معاویہ ان کے اس جواب سے بہت متاثر ہوئے اور وظیفہ کی رقم میں کوئی کمی نہیں کی۔

وفات : ۴۱ھ میں کوفہ میں وفات پائی وفات کے وقت ۴۵ سال کی عمر تھی۔

فضل و کمال : ان کے دیوان فضائل میں شاعری کا عنوان بہت جلی ہے عرب کے فنون شعراء میں ہیں عرب کی صف شعراء میں ان کی ممتاز جگہ تھی۔ وہ جاہلیت کے شاعروں کے صدر نشین تھے۔ بڑے بڑے ناقدین فن ان کی سحر بیانی کے مداح و معترف ہیں مشہور ناقد شعراء ابو عبد اللہ بن سلام نجی

طبقات الشعراء میں لکھتے ہیں، کان عذاب المنطق رقیق حواشی الکلام، خود ان کے زمانہ کے بعض نامور شعراء ان کے کلام کا اتنا لوہا مانتے تھے کہ اسے سن کر سر بسجود ہو جاتے تھے۔ عرب کا نامور شاعر فرزدق ایک مرتبہ ان کا یہ شعر

وجلا السیول عن الطلول کتما زید تحرمتو نہا اقلما مہا
اور سیلاب نے ٹیلوں کو اس طرح صاف کر دیا گویا وہ نیلے کتاب کے صفحات ہیں
جن کے متن کو قلم نے درست کیا

پڑھ کر سجدہ میں گر گیا، لوگوں نے پوچھا یہ کیا اس نے کہا جس طرح لوگ قرآن کے مقامات سجدہ کر پہچانتے ہیں، میں شاعری کے مقام سجود کو پہچانتا ہوں۔

عام حالات : لبید فیاضی، شہ سواری، بہادری اور صداقت تمام اوصاف شرافت سے آراستہ تھے۔ فیاضی باپ سے ورثہ میں ملی تھی انہوں نے جاہلیت میں عہد کیا تھا کہ جب باد صبا چلا کرے گی تو جانور ذبح کر کے لوگوں کو کھلایا کریں گے۔ اس فیاضانہ عہد پر ہمیشہ اور ہر حالت میں قائم رہے چنانچہ کوفہ کے دوران قیام میں جب ان کی مالی حالت نہایت خراب ہو گئی تھی اس وقت بھی یہ رسم جاری رکھی۔ لوگ ان کے عہد اور ان کی حالت سے واقف تھے اس لئے جب باد صبا چلتی تھی تو بطور امداد کے اونٹ جمع کر کے دیتے تھے اور لبید انہیں ذبح کر کے اپنا عہد پورا کرتے تھے۔

شاعری اصطلاحی معنوں میں جھوٹ کا دوسرا نام ہے۔ اسی لئے جھوٹ اور مبالغہ کو ”شاعری“ سے تعبیر کرتے ہیں لیکن لبید کی زبان سے سچ کے علاوہ کبھی جھوٹ بات نہ نکلتی تھی۔
ارباب سیران کے اوصاف کی یہ تصویر کھینچتے ہیں۔ کان لبید بن ربیعہ ابو عقیل فارسی شاعر
شجاعاً شریفاً فی الجاہلیۃ والاسلام ، لبید بن ربیعہ ابو عقیل شہ سواری، شاعر، شجاع اور جاہلیت اور اسلام دونوں میں معزز اور شریف تھے۔

(۱۱۱) حضرت ماعز بن مالکؓ

نام و نسب : ماعز نام، باپ کا نام مالک تھا۔ قبیلہ اسلم سے نسب تعلق رکھتے تھے۔
اسلام : ان کے اسلام کا زمانہ متعین طور سے نہیں بتایا جاسکتا غالباً اپنے قبیلہ کے ساتھ کسی وقت مشرف باسلام ہوئے ہوں گے۔

۱۔ اصحاب۔ جلد ۶۔ ص ۵ ۲۔ استیعاب۔ جلد اول۔ ص ۲۲۴ ۳۔ طبقات الشعراء و عبد اللہ الحمیری۔ ص ۴۸
۴۔ استیعاب۔ جلد اول۔ ص ۲۳۵

توبۃ النصوح کی اعلیٰ ترین مثال : ماعز کی زندگی کا ایک نہایت بدنما اور ایک صحابی کی شان سے فروتر واقعہ صحاح میں ملتا۔ یہ واقعہ گو بظاہر مکروہ ہے لیکن خطا کاروں کے لئے اس میں بڑا درس بصیرت اور بہترین اسوہ پنہاں ہے۔ اس سے بڑھ کر توبۃ النصوح کی مثال نہیں مل سکتی اس لئے اس حیثیت سے اس کا لکھنا ضروری ہے۔ ممکن ہے اس اسوہ سے کسی خطا کار کو توبہ مستثنیٰ النصوح کی توفیق ہو۔

ماعز گو صحابی تھے لیکن پیغمبر کے علاوہ کوئی انسان معصوم اور نفسانی کمزوریوں سے مستثنیٰ نہیں۔ چنانچہ ایک مرتبہ ماعز سے بھی زنا کی لغزش ہو گئی۔ اس وقت جذبات کے طوفان میں کچھ نہ دکھائی دیا جب ہوش آیا تو اس لغزش کا احساس ہوا، اسی وقت دوڑتے ہوئے بے تابانہ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ (ﷺ) مجھے پاک کیجئے۔ آنحضرت ﷺ سمجھ گئے لیکن اس خیال سے کہ جب خدا نے پردہ ڈالا ہے تو اسے کیوں اٹھایا جائے۔ فرمایا جاؤ خدا سے مغفرت چاہو اور اس کے حضور میں توبہ کرو۔ یہ جواب سن کر ماعز لوٹ گئے، لیکن تھوڑی دور جا کر پھر لوٹ آئے اور عرض کیا، یا رسول اللہ ﷺ (ﷺ) مجھے پاک کیجئے، پھر آپ ﷺ نے وہی جواب دیا، جاؤ خدا سے توبہ اور استغفار کرو۔ پھر یہ لوٹ گئے، تھوڑی دور جا کر پھر واپس آئے اور کہا یا رسول اللہ ﷺ (ﷺ)! مجھے پاک کیجئے، پھر وہی جواب ملا۔ ماعز پھر لوٹ گئے۔ لیکن دل کی خلش کسی طرح قرار نہیں لینے دیتی تھی اس لئے چوتھی مرتبہ پھر آئے۔

اس مرتبہ آنحضرت ﷺ نے صاف صاف پوچھا کس چیز سے پاک کروں؟ عرض کیا، زنا کی گندگی سے۔ آنحضرت ﷺ کو اس صریح اعتراف کا اس لئے پورا یقین نہیں آیا کہ کوئی عاقل انسان ایسے فعل کا بھی اقرار کر سکتا ہے جس کا نتیجہ یقینی طور پر جان سے ہاتھ دھونا ہے اس لئے آپ ﷺ نے لوگوں سے پوچھا انہیں جنون تو نہیں ہے، معلوم ہوا نہیں، اس قسم کی کوئی شکایت نہیں ہے، پھر دریافت فرمایا، شراب تو نہیں پی ہے۔ ایک شخص نے اُنھ کو منہ سونگھا مگر شراب کا کوئی اثر نہ تھا۔ یہ شکوک دور کرنے کے بعد آپ ﷺ نے پھر زیادہ وضاحت کے ساتھ دریافت فرمایا کیا تم نے واقعی زنا کیا ہے؟ ماعز نے اثبات میں جواب دیا۔

اس اعتراف کے بعد تاویل کی کوئی گنجائش باقی نہ تھی اس لئے آپ ﷺ نے سنگسار کرنے کا حکم دیا، جس کی فوراً تعمیل کی گئی۔ ایسے موقع پر عموماً جتنے منہ ہوتے ہیں اتنی ہی باتیں ہوتی ہیں کوئی کہتا ماعز تباہ ہو گئے، ان کے گناہوں نے انہیں گھیر لیا، کوئی کہتا ماعز سے بڑھ کر کسی کی خالص

توبہ نہیں، انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ میں ہاتھ دے کر کہا مجھے سنگسار کیجئے۔ کئی دن تک اس قسم کی رائے زبیاں ہوتی رہیں دو چار دن کے بعد آنحضرت ﷺ صحابہ کے مجمع میں تشریف لائے اور سلام کر کے بیٹھ گئے اور فرمایا تم لوگ ماعز بن مالک کے لئے مغفرت کی دعا کرو۔ سب نے مل کر مغفرت کی دعا کی اس کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا کہ ماعز نے ایسی توبہ کی ہے تنہا یہی توبہ کافی ہے^۱۔

اس واقعہ سے سبق : اس میں شبہ نہیں کہ ماعز کی یہ لغزش ان کے مرتبہ صحابیت سے بہت فروتر تھی لیکن اس کا یہ روشن پہلو بھی نظر انداز نہیں کیا جاسکتا کہ اس واقعہ میں ان کی فطرت کمزوری سے زیادہ اہل نظر کو ان کے قلب کی صفائی اور ان کی روح کی پاکیزگی نظر آتی ہے۔

ماعزؓ سے زنا کی لغزش ہوتی ہے جس کی سنگساری جیسی دردناک سزا ہے۔ ماعزؓ کو اس کا یقین ہے کہ اگر انہوں نے اس کا اعتراف کیا تو پتھروں سے مار مار کر ہلاک کر دیئے جائیں گے۔ ان کے علاوہ کسی انسان کو اس لغزش کا علم نہیں۔ اگر وہ چاہتے تو کسی کو کانوں کان خبر نہ ہونے پاتی، لیکن روح کی پاکیزگی معصیت کے اس دھبہ کو نہیں برداشت کرتی ہے اور ماعزؓ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر گناہ کا اقرار کرتے ہیں۔ آنحضرت ﷺ اس خیال سے کہ جب خدا نے ان کے گناہ پر پردہ ڈالا ہے تو دنیا میں کیوں رسوا کیا جائے، چشم پوشی کرتے ہیں اور ایک مرتبہ نہیں تین تین بار ماعزؓ کو واپس کرتے ہیں کہ جاؤ خدا سے مغفرت چاہو اور اس کے سامنے توبہ کرو لیکن ماعزؓ کے دل کو تسکین نہیں ہوتی اور اس قانون کے مطابق^۲۔

من اصاب من ذلک شیئا فعوقب فهو کفارتہ

جو شخص ان میں (شرک، چوری، زنا) سے کسی شے کا مرتکب ہو اور اس کو اس کی سزا ملے تو یہ سزا اس کا کفارہ ہے۔

ظاہر بین دنیا میں اپنے کو رسوا کر کے اپنے اوپر حد جاری کراتے ہیں اور دنیا سے پاک و صاف اٹھتے ہیں کہ عاقبت میں کوئی مواخاہ باقی نہ رہے۔ اس واقعہ میں ایسا نظر آتا ہے کہ اسلام نے اپنے پیروں میں ہر طرح کے اخلاقی نمونے پیدا کئے تھے۔ ان نمونوں میں ایک ایسی مثال کی بھی ضرورت تھی کہ اگر کوئی مسلمان انسانی کمزوری سے آلودہ معصیت ہو جائے تو اس کا کفارہ کس طرح ادا کرنا چاہئے۔ اس نمونہ کے لئے ماعزؓ کی ذات منتخب ہوئی جنہوں نے ایک لغزش کی سزا میں دنیا کی رسوائی اور انتہائی دردناک سزا برداشت کر کے مسلمانوں کو سبق دے دیا کہ اس طرح دنیا میں گناہوں کا کفارہ ادا کیا جاتا ہے۔

(۱۱۲) حضرت ثنیٰ بن حارثہ شیبانیؓ

نام و نسب : ثنیٰ نام، باپ کا نام حارثہ تھا۔ نسب نامہ یہ ہے : ثنیٰ بن حارثہ بن سلمہ بن ضمضم بن سعد بن مرہ بن ذیل بن شیبان بن ثعلبہ بن عکابہ بن صعب بن علی بن بکر بن وائل، ربیعہ، شیبانی۔ قبولِ اسلام سے پہلے ان کا اثر :

ثنیٰ اپنے قبیلہ کے ممتاز رؤسا میں تھے۔ دعوتِ اسلام کے آغاز میں جب آنحضرت ﷺ نے تبلیغِ اسلام کے لئے قبائلِ عرب میں دورہ کیا تو حضرت ابوبکرؓ کے ہمراہ ثنیٰ کے قبیلہ بنی شیبان میں بھی تشریف لئے گئے اور کلامِ اللہ کی یہ آیت :

”قل تعالوا اتل ما حرم ربکم علیکم“

کہہ دوائے محمد (ﷺ) ! آؤ میں تمہیں پڑھ کر بتاؤں جو چیزیں تمہارے رب نے تم پر حرام کی ہیں۔

اور ”إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ وَإِيتَاءِ ذِي الْقُرْبَىٰ“

”اللہ تعالیٰ تم کو انصاف، احسان اور قرابتِ داروں کو داد و دہش کا حکم دیتا ہے۔“

پیش کر کے بنی شیبان کو اسلام قبول کرنے کی دعوت دی۔ رؤساء قبیلہ میں اس وقت ثنیٰ مفروق اور ہانی وغیرہ موجود تھے ان سب نے بالاتفاق کلامِ ربانی کی سحر آفرین بلاغت اور اس کی تعلیم کی پاکیزگی کا اعتراف کیا۔ ثنیٰ نے کہا جیسی پاکیزہ تعلیم ہے ویسی ہی پاکیزہ کلام ہے پھر آنحضرت ﷺ سے مخاطب ہوئے کہ میں نے تمہاری گفتگو سنی، تمہاری باتیں خوب ہیں اور تمہارا کلام نہایت حیرت انگیز ہے لیکن افسوس اس وقت ہم اس کو قبول کرنے سے مجبور ہیں اس لئے کہ ہم میں اور کسریٰ میں معاہدہ ہے کہ ہم نہ کسی جدید تحریک کو قبول کریں گے اور نہ کسی مجدد کو پناہ دیں گے۔ ممکن ہے جس چیز کو تم پیش کر رہے ہو وہ کسریٰ کے خلاف ہو اس لئے اس وقت ہم اسے نہیں قبول کر سکتے اس کے لئے البتہ ہم تیار ہیں کہ عرب کے قرب و جوار کے فرمانرواؤں کے مقابلہ میں تمہاری حفاظت اور اعانت کریں۔

گو ثنیٰ کلامِ پاک کی سحر آفرینی اور اس کی تعلیمات سے پورے طور پر متاثر ہوئے لیکن تقدم فی الاسلام کا شرف ان کے مقدر میں نہ تھا اس لئے اس وقت اسلام کے شرف سے محروم رہ گئے۔ آنحضرت ﷺ نے ان کی کمزوری پر ان کی اخلاقی امداد قبول کرنے سے انکار کر دیا اور فرمایا

اعتراف حق کے بعد اس سے ابا کیسا۔ خدا کا دین محض اس کا ایک شعبہ قبول کرنے سے قبول نہیں ہوتا جب تک اسے کامل نہ قبول کیا جائے۔^۱

اسلام : بالاخر ۹ھ میں اپنے قبیلہ کے ساتھ مدینہ آ کر مشرف باسلام ہوئے۔^۲

فتوحات عراق : ثنی نے بہت آخری زمانہ میں اسلام قبول کیا اور اس کے چند ہی دنوں کے بعد رسالت کا بابرکت زمانہ ختم ہو گیا اس لئے اس عہد کا کوئی واقعہ ذکر کے قابل نہیں ہے ان کے کارناموں کا آغاز عہد صدیقی سے ہوتا ہے ثنی کا قبیلہ ان ستم کش قبائل میں تھا جو مدینہ سے حکومت ایران کا تختہ مشق بننے چلے آ رہے تھے جس کا ثبوت کسری اور ان کے قبیلہ کا معاہدہ ہے حضرت ابوبکرؓ کے زمانہ میں جب ایران میں سیاسی انقلابات ہوئے اور عورت بوران وخت تخت پر بیٹھی اور ایرانیوں کی قوت کمزور پڑی تو ان قبائل کو جنہیں ایرانی حکومت عرصہ سے تختہ مشق بناتی چلی آ رہی تھی ایرانیوں سے انتقام لینے کا موقع ملا چنانچہ ثنی نے جو اسی تیر کے زخم خوردہ تھے حضرت ابوبکرؓ کو لکھا کہ اس وقت ایران کی حالت نہایت ابتر ہے اندرونی انقلابات اور اختلافات کی وجہ سے ان میں مدافعت کی قوت نہیں ہے اس سے بہتر فوج کشی کا موقع نہیں مل سکتا۔^۳ یہ اطلاع بھیجنے کے بعد خود بھی مدینہ پہنچے اور حضرت ابوبکرؓ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ اگر اجازت ہو تو میں اپنے قبیلہ کو لے کر ایرانیوں کے مقابلہ میں نکلوں اپنی سمت کے لئے تنہا میں کافی ہوں ان کی مستعدی دیکھ کر حضرت ابوبکرؓ نے اجازت دے دی۔^۴ ثنی نے اجازت تو لے لی مگر سب سے بڑی دشواری یہ تھی کہ ان کے قبیلہ کا بڑا حصہ ابھی اسلام سے بیگانہ تھا ثنی نے پہلے اس کو مشرف باسلام کیا۔^۵

قبیلہ کو مسلمان بنانے کے بعد اسے ساتھ لئے کر ایرانیوں کے مقابلہ میں نکلے لیکن اتنی بڑی مہم سر کرنا تنہا ان کے بس میں نہ تھا اس لئے ثنی کے جانے کے بعد حضرت ابوبکرؓ نے خالد بن ولیدؓ کو فوجیں دیکر ثنی کی مدد کے لیے روانہ کیا اور ثنی کو لکھا کہ خالد کی ماتحتی میں اس کام کو کرو خالد عراق پہنچ کر ثنی سے مل گئے اور حضرت ابوبکرؓ کے عہد خلافت بھر خالدؓ کے دست راست رہے ثنی ایرانیوں کے قوی خصائص اور محاذ جنگ کے نقشوں سے اچھی طرح واقف تھے اس لیے عجم کی فتوحات میں ان سے بڑی مدد ملی اور وہ شروع سے آخر تک قریب قریب ہر معرکہ میں پیش پیش رہے سیر الصحابہ حصہ پنجم میں حضرت خالد بن ولیدؓ کے حالات میں عراق کی فتوحات کی تفصیلات لکھی جا چکی ہیں اس لئے اس موقع پر انہیں قلم انداز کیا جاتا ہے۔

۱۔ اسد الغابہ۔ جلد ۲۔ ص ۴۰۹۔

۲۔ استیعاب۔ جلد اول۔ ص ۳۰۰۔

۳۔ اخبار القوال ص ۱۱۷۔

۴۔ فتوح البلدان بلاذی۔ ص ۲۵۰۔

۵۔ اسد الغابہ۔ جلد ۲۔ ص ۲۹۹۔

ابھی عراق کی مہم ناتمام تھی کہ شام پر فوج کشی ہوئی حضرت ابوبکرؓ نے خالد بن ولید کو عراق چھوڑ کر شام جانے کا حکم دیا وہ یہ حکم پاتے ہی عراق کے انتظام ثنی کے ہاتھوں میں دیکر شام چلے گئے اسی زمانہ میں حضرت ابوبکرؓ کا انتقال ہو گیا اور عمرؓ مسند آراء خلافت ہوئے خالد کے شام چلے جانے کے بعد سے عراق کی مہم رک گئی تھی اس لیے حضرت عمرؓ نے تخت نشین ہونے کے ساتھ سب سے پہلے ادھر توجہ کی اور ان تمام مسلمانوں کو جمع کر کے جو بیعت خلافت کے سلسلہ میں عرب کے مختلف حصوں سے مدینہ آئے ہوئے تھے ان کے سامنے جہاد پر وعظ کیا لیکن کچھ ایرانیوں کے خوف اور کچھ اس خیال سے کہ بغیر خالد بن ولید کی موجودگی کے وہ عراق کی تسخیر ناممکن سمجھتے تھے سب خاموش رہے کسی نے کوئی جواب نہیں دیا حضرت عمرؓ تین دن تک برابر مسلمانوں کو ابھارتے رہے چوتھے دن کچھ گرمی پیدا ہوئی ثنی نے اٹھ کر کہا،

مسلمانو! عراق سے اس قدر خوف زدہ ہونے کی کوئی وجہ نہیں میں نے مجوسیوں کو خوب آزمایا ہے وہ اس میدان کے مرد نہیں ہیں ہم نے سوا عراق کا بہترین حصہ تسخیر کر لیا ہے انشاء اللہ ایک دن پورا عراق زیر نگیں ہوگا اس کے علاوہ دوسرے حاضرین نے بھی تقریریں کیں ان تقریروں نے مسلمانوں کو گرمادیا اور لوگ جوق در جوق جہاد کے لئے آمادہ ہو گئے حضرت عمرؓ نے بنی ثقیف کے سردار ابو ثقیف کو سپہ سالار کیا^۱۔ اور عراق کی فوج کشی کا ٹوٹا ہوا سلسلہ پھر جاری ہو گیا اسی سلسلہ میں وہی واقعات لکھے جائیں گے جن کا تعلق حضرت ثنی کی ذات سے ہے۔

عربوں کی گزشتہ فتوحات نے ایرانیوں کو ان کی جانب ہوشیار کر دیا تھا اس لئے اس مرتبہ دوران دخت نے مسلمانوں کے مقابلہ کے لئے ایران کے نامور بہادر جبابان کو ایرانی افواج کا سپہ سالار اعظم بنایا، اور وہ ایرانیوں کا نڈی دل لے کر ثنی کی طرف جو اس وقت حیرہ میں تھے ثنی اس خیال سے کہ ایرانی عقب سے حملہ آور نہ ہو جائیں خفان چلے آئے تھے، یہاں ابو عبیدہ بھی مل گئے اور نمارق میں فریقین کا مقابلہ ہوا ایک خون ریز جنگ کے بعد ایرانیوں نے شکست کھائی اور بیابان مسطر بن فضہ کے ہاتھوں گرفتار ہوا مسطر اس کو پہچانتے نہ تھے اس نے مسطر سے کہا میں اپنے بدلہ میں تم کو دو غلام دیتا ہوں تم مجھے رہا کر دو مسطر نے غلام لے کر چھوڑ دیا لیکن بعد میں مسلمانوں نے پہچان کر پھر گرفتار کر لیا اور ابو عبیدہ کے پاس قتل کے لئے لائے انہوں نے کہا کہ جس کو ایک مسلمان چھوڑ چکا اس کو قتل نہیں کیا جاسکتا^۲۔

نمارق میں شکست کھانے کے بعد شکست خوردہ ایرانی فوجیں کسر میں جمع ہوئیں، یہاں ایک ایرانی بہادر نرسی پہلے سے موجود تھا، اس دوران میں دوران دخت نے جبابان کی شکست کی خبر سن کر

ایران کے ایک اور نامور بہادر جالینوس کو مسلمانوں کے مقابلہ کے لئے روانہ کیا ابو عبیدہ کو معلوم ہوا تو انہوں نے کسرا کر ایرانیوں کو شکست دی اور مثنیٰ نے بارہ ساجا کر جالینوس کو بھگایا۔

ان پیہم شکستوں نے ایرانیوں میں آگ لگادی اور رستم نے مسلمانوں کے سب سے بڑے دشمن مردان شاہ کھنہی کو ایک شکر جرار کے ساتھ بھیجا اور مقام قس ناطف میں دونوں کا نہایت زبردست مقابلہ ہوا اس مقابلہ میں ابو عبیدہ کی غلطی سے مسلمانوں کو سخت نقصان اٹھانا پڑا، خود ابو عبیدہ کو ہاتھیوں نے پیروں سے مسل کر شہید کر ڈالا ان کے بعد سات آدمیوں نے علم سنبھالا اور سب یکے بعد دیگرے شہید ہوئے آخر میں مثنیٰ نے علم لیا۔ اس وقت مسلمانوں کی حالت نہایت اتر ہو چکی تھی، آگے ہاتھیوں کی دیوار تھی، اور پیچھے دریا تھا، دریا کا پل ٹوٹ چکا تھا اور مسلمان نہایت بدحواسی سے بھاگ بھاگ کر دریا میں غرق ہو رہے تھے ایسی نازک حالت میں مثنیٰ نے نہایت دہشتناکی اور بہادری سے باقی فوج کو بچا لیا خود چند مسلمانوں کو لے کر ایرانیوں کے مقابلہ میں ڈٹ گئے اور عروہ بن زید طائی کو شکستہ پل کی طرف متعین کیا ۲۔ دونوں ناکوں کی حفاظت کے بعد مسلمانوں کو اطمینان دلایا کہ اب بھاگنے کی ضرورت نہیں ڈوب کر جان نہ دو میں پوری حفاظت کر رہا ہوں انہیں اطمینان دلانے کے بعد پل کی طرف لائے اور اس کو درست کرا کے سب کو پار اتار دیا ۱۔

پھر اس شکست خوردہ اور تباہ حال فوج کو لے کر جس میں کل ۳ ہزار مسلمان بچ رہے تھے مقام ثعلبہ آئے اور یہاں سے عروہ بن زید کو خبر کرنے کے لئے دار الخلافہ روانہ کیا عروہ نے جا کر حضرت عمرؓ کو یہ واقعات سنائے حضرت عمرؓ نے کرزارد قطار روئے لگے، اور عروہ سے کہا واپس جا کر مثنیٰ کو اطمینان دلا دو بہت جلد امدادی فوجیں پہنچتی ہیں، عروہ کو واپس بھیجنے کے بعد عرب کے قبائل کو جمع کر کے عبد اللہ بن جریڈ کی ماتحتی میں انہیں مثنیٰ کی مدد کے لئے روانہ کیا ۲۔

ادھر مثنیٰ نے بھی اپنے طور پر انتظام کر لئے تھے اور قرب وجوار کے عرب قبائل میں ہر کارے دوڑا کر بہت سے آدمی جمع کر لئے تھے، ان کی دعوت پر انس بن بلال نصرانی بھی اپنے قبیلہ کو لے کر آیا اور کہا اس وقت قومیت کا سوال ہے اس لئے ہم لوگ بھی تمہارے پہلو پہ پہلوڑیں گے ۳۔

ایرانیوں کو ان تیاریوں کی خبر ملی تو بوران دخت نے بارہ ہزار منتخب بہادر مہران بن مہر ویہ کی ماتحتی میں مسلمانوں کے مقابلہ کے لئے روانہ کئے مقام بویت میں دونوں کا سامنا ہوا ایک طرف مسلمان تھے، دوسری طرف ایرانی بچ میں دریا حائل تھا مہران نے کہلا بھیجا یا تم دریا کو عبور کر کے بھڑھو یا

ہم کو اجازت دو مثنیٰ کو جس کے واقعہ میں دریا پار کرنے کا تلخ تجربہ ہو چکا تھا اس لئے جواب دیا کہ تم ہی آؤ، چنانچہ ایرانی فوج فرات کو عبور کر کے دوسری جانب ساحل پر اتری اور دونوں فریق صف آرائی میں مشغول ہو گئے ایرانیوں نے اپنی فوج کو مختلف حصوں اور صفوں میں تقسیم کیا ہر صف کے ساتھ ایک ہاتھی تھا، اور ایرانی اس کے سامنے نعرہ لگا رہے تھے مثنیٰ نے نعرہ سن کر مسلمانوں سے کہا یہ شور و شغب نامردی ہے۔ ادھر کان نہ دھرو، خاموشی کے ساتھ اپنے کام میں مشغول رہو، فوجیں مرتب کرنے کے بعد اس کے چاروں طرف چکر لگایا ہر علم کے پاس کھڑے ہو کر جوش دلاتے تھے کہ خبردار آج ایرانی تمہارے مقابلہ میں کامیاب نہ ہونے پائیں۔ فوجوں کو تیار کرنے کے بعد آخر میں ہدایت کی کہ میں چار تکبیریں کہوں گا پہلی تین تکبیروں پر تیار ہو جانا چوتھی پر حملہ کر دینا یہ ہدایت لے کر جیسی ہی پہلی تکبیر کہی ایرانی حملہ آور ہو گئے مسلمانوں نے بے قابو اپنی داڑھی ہاتھوں سے پکڑ کے کہا خدا کے لئے آج تو مسلمانوں کو رسوا نہ کرو، مثنیٰ کی زبان سے یہ طعنہ سن کر مسلمان دفعہ رک گئے اور بقیہ تکبیروں کا انتظار کرنے لگے اور چوتھی تکبیر پر باقاعدہ حملہ کیا اس کے بعد دونوں فوجیں آپس میں گتہ گتیں مثنیٰ نے انس بن بلال نصرانی کے ساتھ مل کر اس زور کا حملہ کیا کہ مہران کے سینہ تک گھستے چلے گئے اور دونوں فوجوں کے قلب آپس میں اس طرح خلط ملط ہو گئے کہ غبار کی کثرت میں ایک دوسرے کی شناخت مشکل ہو گئی۔

دوسری طرف سے جریرؓ نے حملہ کیا ایرانیوں نے برابر کا جواب دیا اسلامی فوجیں پھٹ کر پراگندہ ہو گئیں۔ ان کی بے ترتیبی دیکھ کر مثنیٰ نے داڑھی دانتوں میں دبا کر لاکار کہ مسلمانو! کدھر جاتے ہو میں مثنیٰ ادھر ہوں اس لاکار پر مسلمان سنبھل گئے اور ہر طرف سے سمٹ کر نہایت زور شور سے حملہ آور ہوئے اس حملہ میں مثنیٰ کے بھائی مسعود شہید ہوئے لیکن مثنیٰ کے استقلال میں کوئی فرق نہ آیا انہوں نے پکار کر کہا شرفا ایسے ہی جان دیا کرتے ہیں علم کو بلند رکھو۔

اس ولولہ انگیز جملہ نے مسلمانوں کو اور زیادہ گرمادیا عدی بن حاتم اور جریر بن عبد اللہ بکلیؓ نے اپنے اپنے دستوں کو ابھار کر آگے بڑھایا اور مسلمانوں کے اکھڑے ہوئے پاؤں پھر جم گئے اور سب نے چاروں طرف سمٹ کر نہایت زور کا حملہ کیا، اسے روکنے کے لئے مہران خود آگے بڑھا اور دیر تک جم کر لڑتا رہا اور لڑتے ہوئے مارا گیا، مہران کے گرتے ہی ایرانیوں کے پاؤں اکھڑ گئے اور وہ پل کی طرف بھاگنے لگے مسلمانوں نے تعاقب کیا مگر ان کے پہنچتے پہنچتے ایرانی پار نکل گئے جو ادھر رہ گئے تھے وہ گرفتار ہو گئے اور مسلمان فاتحانہ اپنی فروگاہ پر واپس ہوئے۔ اس جنگ میں ایک لاکھ آدمی کام آئے

اوسطاً ایک ایک مسلمان نے دس دس ایرانیوں کا کام تمام کیا۔ اس کے بعد مسلمانوں نے حیرہ کسر سور، برینا، صراۃ جاماسب، عین التمر، حسن یلبقیہ اور دجلہ و فرات کے درمیانی علاقوں میں فوجیں پھیلا دیں۔

حیرہ والوں نے ثنیٰؓ کو خبر دی کہ قریب ہی ایک قریہ ہے جہاں بہت بڑا بازار لگتا ہے اس میں فارس، اہواز، اور تمام دور دراز کے علاقوں کے تاجر اپنا مال لے کر آتے ہیں، اگر تم اس کا محاصرہ کرو تو حملہ کرو تو بہت مال غنیمت ہاتھ آئے گا، چنانچہ ثنیٰؓ خشکی کے راستہ سے بڑھے اور راستہ میں انبار کا محاصرہ کیا اور اس کے حاکم سے کہلا بھیجا کہ ہم تم کو امان دیتے ہیں تم آ کر تحلیہ میں ہم سے مل جاؤ۔ اس پیام پر انبار کا مرزبان آیا ثنیٰؓ نے اس سے کہا کہ ہم سوق بغداد پر حملہ کرنا چاہتے ہیں اس لئے ہم کو ایسے رہنماؤں کی ضرورت ہے جو رہنمائی بھی کریں اور فرات پر پل بھی بنائیں۔ مرزبان نے اپنے رہنما ان کے ساتھ کر دیئے ثنیٰؓ ساتھ لے کر سوق بغداد کی طرف بڑھے اور فرات پر ان سے پل بنوا کر اس کو پار کر کے سوق بغداد پر حملہ کر دیا۔ اہل بازار بالکل غافل تھے اس لئے وہ اس ناگہانی حملہ سے بالکل بدحواس ہو گئے اور کل سامان تجارت چھوڑ کر بھاگ گئے یہ تمام سامان مسلمانوں کے قبضہ میں آیا۔

وفات : سوق بغداد کے بعد اور چھوٹی چھوٹی لڑائیاں ہوتی رہیں اور حضرت عمرؓ ایران پر عام لشکر کشی کی تیاریاں کر رہے تھے کہ ثنیٰؓ کا وقت آخر ہو گیا اور وہ واقعہ جسر کے صدموں سے قادیہ سے پہلے وفات پا گئے۔

(۱۱۳) حضرت مجن بن ادرعؓ

نام و نسب : مجن نام، باپ کا نام اودع تھا۔ نسلًا اسلم بن افصی بن حارثہ بن عمرو بن عامر کی اولاد سے تعلق رکھتے تھے۔

اسلام : دعوت اسلام کے ابتدائی زمانہ میں مشرف باسلام ہوئے۔

تیر اندازی : مجن کو تیر اندازی سے خاص شغف تھا۔ ایک مرتبہ وہ قبیلہ کے ساتھ تیر اندازی کی مشق کر رہے تھے، آنحضرت ﷺ ادھر سے گذرے، آپ ﷺ سپاہیانہ کھیلوں کو بہت پسند فرماتے تھے اس لئے خود بھی تیر اندازی میں شریک ہو گئے اور فرمایا بنی اسمعیل تیز اندازی کرو تمہارا باپ (حضرت اسمعیلؑ) بھی تیر انداز تھا میں فلاں کے ساتھ ہوں۔ ابن سعد کی روایت ہے کہ آپ ﷺ

نے فرمایا کہ میں ابن ادراع کے ساتھ ہوں^۱۔

عراق کا قیام : عراق کی فتوحات کے بعد جب بصرہ آباد ہوا تو مدینہ چھوڑ کر یہاں سکونت اختیار کر لی اور مسجد بصرہ کی بنیاد ڈالی۔

مدینہ کی مراجعت اور وفات : کچھ دنوں کے بعد دیار حبیب ﷺ کی کشش نے پھر مدینہ بلا لیا اور یہیں امیر معاویہؓ کے زمانہ میں وفات پائی^۲۔

(۱۱۳) حضرت ابوالقاسم محمد بن طلحہؓ

نام و نسب : محمد نام، ابوالقاسم کنیت، سجاد لقب، مشہور صحابی حضرت طلحہؓ "احد من العشرۃ المبشرہ" کے صاحبزادے ہیں۔ نسب نامہ یہ ہے : محمد بن طلحہؓ بن عبید اللہ بن عثمان بن عمرو بن کعب بن سعد بن تميم بن مرہ بن لوی بن غالب بن فہر بن مالک بن مضر بن کنانہ قریش۔ ماں کا نام حمزہ تھا۔ حمزہ ام المؤمنین حضرت زینبؓ کی حقیقی اور آنحضرت ﷺ کی پھوپھی زاد بہن تھیں۔ اس رشتہ سے محمد آنحضرت ﷺ کے بھانجے ہوئے۔

پیدائش : محمد زمانہ اسلام میں پیدا ہوئے اور حصول برکت کے لئے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں پیش کئے گئے۔ آپ ﷺ نے پوچھا نام کیا رکھا گیا، کہا گیا "محمد" فرمایا میرے نام پر، اچھا ان کی کنیت بھی ابوالقاسم ہے۔

حضرت عمرؓ کے بھائی زید کے پوتے کا نام بھی محمد تھا۔ ایک مرتبہ کسی نے ان کو پکار کر برا بھلا کہا۔ حضرت عمرؓ کو معلوم ہوا تو آپ نے بلا کر فرمایا کہ تمہارے نام کی وجہ سے اسم محمد پر گالیاں نہیں پڑ سکتیں۔ چنانچہ اسی وقت ان کا نام بدل کر عبدالرحمن رکھا اور حضرت طلحہؓ کے لڑکوں کے پاس آدی بھیجا کہ ان میں جن جن کا نام محمد ہے بدل دیا جائے۔ یہ لوگ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے، محمد بن طلحہؓ نے عرض کیا، امیر المؤمنین میرا نام محمد، رسول اللہ ﷺ کا انتخاب کر رہے ہیں۔ فرمایا اگر یہ سچ ہے تو جاؤ رسول اللہ کا رکھا ہوا نام میں نہیں بدل سکتا۔

جنگ جمل میں شرکت اور کنارہ کشی : جنگ جمل میں محمد کا دلی میلان حضرت علیؓ کی طرف تھا لیکن ان کے والد حضرت عائشہؓ کے ساتھ تھے اس لئے باپ کی خاطر ضمیر کے خلاف حضرت عائشہؓ کے ساتھ نکلے لیکن دل مطمئن نہ تھا اس لئے حضرت عائشہؓ سے پوچھا، اماں بیٹے کے

۱۔ ابن سعد تذکرہ نجش ۲۔ اسد الغابہ۔ جلد ۲۔ ص ۳۰۵ ۳۔ مستدرک حاکم۔ جلد ۳۔ ص ۳۷۴

۴۔ اصابت تذکرہ محمد بن طلحہؓ بحوالہ صحیح بخاری

متعلق کیا حکم ہوتا ہے؟ حضرت عائشہؓ ان کا منشاء سمجھ گئیں گو ان کا منشاء حضرت عائشہؓ کے خلاف تھا لیکن آپ نے جواب دیا ”ایسی حالت میں تم خبر بنی آدم کا طریقہ اختیار کرو اور اپنا ہاتھ روک لو۔“
 شہادت : یہ اجازت ملنے کے بعد انہوں نے گوار میان میں کر لی اور زرہ کو بچھا کر اس پر کھڑے ہو گئے۔ حضرت علیؓ کو ان کے دلی جذبات اور ان کی مجبوریوں کا علم تھا اس لئے اپنی فوج میں اعلان کر دیا تھا کہ سیاہ ٹوپی والے (محمدؐ) پر کوئی تلور نہ اٹھائے مگر میدان جنگ میں کون امتیاز کرتا اس لئے محمدؐ کی غیر جانبداری اور حضرت علیؓ کے اعلان کے باوجود کسی نے ان کا کام تمام کر دیا۔ قاتل کا نام بعض مدینہ، بعض شداد اور بعض عصام بن مسر بصری کو بتاتے ہیں زیادہ خیال آخری شخص کی طرف ہے۔
 حضرت علیؓ کا تاثر :

اختتام جنگ کے بعد جب حضرت علیؓ اور ان کے ساتھ حضرت حسنؓ اور عمار بن یاسر اپنے مقتولین کی تلاش کرنے لگے تو حضرت حسنؓ کی نظر ایک لاش پر پڑی جو منہ کے بل زمین پر پڑی ہوئی تھی۔ قریب جا کر سیدھی کی اور صورت پر نظر پڑی تو منہ سے بے اختیار انا للہ وانا الیہ راجعون نکل گیا اور فرمایا واللہ یہ قریشی بچہ ہے۔

حضرت علیؓ نے پوچھا خیر ہے، عرض کیا محمد بن طلحہ۔ ان کا نام سن کر فرمایا افسوس کیا، جو ان صلح تھا۔ یہ کہہ کر وہیں ملول و غمزدہ بیٹھ گئے۔ محمدؐ کی شہادت کا حضرت حسنؓ پر اتنا شدید اثر ہوا کہ انہوں نے حضرت علیؓ سے کہا میں آپ کو اس جنگ سے روکتا تھا لیکن آپ فلاں اشخاص کے کہنے میں آگئے۔ فرمایا جو کچھ ہوتا تھا ہو چکا، کاش میں آج سے ۲۰ سال پہلے مر گیا ہوتا۔

فضائل اخلاق : محمد بن طلحہ یوں تو تمام فضائل اخلاق کا ایک مجسم پیکر تھے لیکن زہد و عبادت کا رنگ بہت غالب تھا۔ اتنی عبادت و ریاضت کرتے تھے کہ ”سجاد“ بڑا جہدہ کرنے والا لقب پڑ گیا تھا۔ محمدؐ پہلے شخص ہیں جو سجاد کے لقب سے ملقب ہوئے۔ حضرت علیؓ نے جب ان کی لاش دیکھی تو ان کے دوسرے اوصاف بیان کرنے کے ساتھ یہ بھی فرمایا کہ ”رب کعبہ کی قسم یہ سجاد ہیں، انہوں نے والد کی اطاعت میں جان دی۔“ گو محمدؐ دوسرے صحابہ کے مقابلہ میں بہت کم سن تھے لیکن ان کے زہد و تقویٰ کی وجہ سے بڑے بڑے صحابہ ان سے برکت حاصل کرتے تھے اور ان کی دعائیں لیتے تھے۔

۲۔ اسد الغابہ و اصابتہ ذکرہ محمد بن طلحہ

۱۔ مستدرک حاکم۔ جلد ۳۔ ص ۳۷۵

۳۔ مستدرک حاکم۔ جلد ۳۔ فضائل طلحہ و اسد الغابہ تذکرہ محمد بن طلحہ

۳۔ مستدرک حاکم۔ جلد ۳۔ فضائل طلحہ

۴۔ مستدرک حاکم۔ جلد ۳۔ ص ۳۷۴

۵۔ اسد الغابہ۔ جلد ۳۔ ص ۳۲۲

۵۔ مستدرک حاکم۔ جلد ۳۔ ص ۳۷۴

۶۔ استیعاب۔ جلد اول۔ ص ۲۳۲

(۱۱۵) حضرت مسلم بن حارثؓ

نام و نسب : مسلم نام، باپ کا نام حارث تھا۔ قبیلہ تمیم سے نسب تعلق رکھتے تھے۔ اسلام و غزوات : ان کے اسلام کا زمانہ متعین طور پر نہیں بتایا جاسکتا۔ قبول اسلام کے بعد خلافت لوجہ اللہ جہاد میں شریک ہوتے تھے اور اشاعت اسلام کے مقابلہ میں مالی غنیمت کی مطلق پرواہ نہ کرتے تھے۔ اس بے لوثی اور اخلاص کی وجہ سے کبھی کبھی ان مجاہدین کو جو جہاد کے ساتھ مالی غنیمت کے بھی خواہاں ہوتے تھے ہدف ملامت بنا پڑتا تھا۔ ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ نے کسی دشمن کے مقابلہ میں سریہ بھیجا۔ مسلم بھی اس میں شریک تھے، قلعہ کے قریب پہنچے تو محصورین کا شور و غوغا سن کر پاس گئے اور کہا اگر بچنا چاہتے ہو تو لا الہ الا اللہ کہو۔ ان کی اس فہمائش پر قلعہ والے مسلمان ہو گئے۔ اس پر ان کے بعض ساتھیوں نے جو مالی غنیمت کے خواہاں تھے انہیں بڑی ملامت ہوئی کہ تم نے ہم کو مالی غنیمت سے محروم کر دیا اور واپس ہو کر آنحضرت ﷺ سے واقعہ بیان کیا، آپ ﷺ نے سن کر مسلم کی بڑی توصیف فرمائی اور فرمایا تم کو قلعہ کے ہر فرد کے بدلے میں اتنا اتنا اجر ملے گا اور خوشنودی کی سند کے طور پر آئندہ آنے والے خلفاء اور ائمہ کے نام ایک سفارشی تحریر لکھ کر عطا فرمائی^۱۔ اور ایک دعا تلقین فرمائی کہ اس کو سات مرتبہ فجر و مغرب کے بعد پڑھا کرو اس سے تم کو فائدہ ہوگا^۲۔

عہدِ خلفاء : حضرت ابو بکرؓ کے زمانہ میں مسلم نے آنحضرت ﷺ کا تحریری فرمان ان کی خدمت میں لے جا کر پیش کیا۔ آپ نے اس کو پڑھ کر انہیں کچھ مرحمت فرمایا، مسلم چاروں خلفاء کے زمانہ میں زندہ تھے اور ہر خلیفہ کے سامنے وہ تحریر پیش کرتے رہے اور ان سب سے انہیں کچھ نہ کچھ ملتا رہا^۳۔

وفات : ان کے زمانہ میں وفات کی تعیین کے بارے میں ارباب سیر خاموش ہیں۔ اتنا معلوم ہے کہ عمر بن عبدالعزیزؓ سے پہلے وفات پا چکے تھے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ خلفائے راشدین کے قدم بہ قدم چلتے تھے چنانچہ ان کی سنت پوری کرنے کے لئے مسلم کے بیٹے حارث کو بلا کر کچھ دیا اور فرمایا اگر میں چاہتا تو خود تمہارے پاس آسکتا تھا لیکن میں نے تم سے رسول اللہ ﷺ کی حدیث سننے کے لئے تم کو زحمت دی ہے^۴۔

۱۔ ابن سعد۔ جلد ۷۔ ص ۱۳۷۔ ق ۲

۲۔ اسد الغابہ۔ جلد ۴۔ ص ۳۶۱

۳۔ ابن سعد حوالہ مذکور

۴۔ ابن سعد۔ جلد ۷۔ ص ۱۳۷۔ ق ۲

فضل و کمال : مسلم فضل و کمال کی حیثیت سے کوئی امتیاز نہ رکھتے تھے تاہم ان کا دامن حدیث نبوی ﷺ سے بالکل خالی نہیں ہے ان سے ان کے لڑکے حارث نے حدیث روایت کی ہے^۱۔

(۱۱۶) حضرت مسور بن مخرمہؓ

نام و نسب : مسور نام، ابو عبد الرحمن کنیت، نسب نامہ یہ ہے : مسور بن مخرمہ بن نوفل بن اسیب بن زہرہ ابن کلاب بن مرہ بن کعب بن لوئی قرشی زہری۔ مسور مشہور صحابی حضرت عبد الرحمن ابن عوفؓ کے بھانجے تھے۔

پیدائش و بچپن : مسور کی والدہ عاتکہ دعوت اسلام کے ابتدائی زمانہ میں مشرف باسلام ہوئیں تھیں اور شرف ہجرت سے بھی مشرف ہوئیں۔ مسور ان ہی سعیدہ خاتون کے لطن سے ۶ ہجری میں مکہ میں پیدا ہوئے اور فتح مکہ کے بعد چھ برس میں مدینہ آئے۔^۲

عہد نبوی ﷺ میں بہت صغیر السن تھے اس لئے اس عہد کے حالات میں طفولانہ واقعات کے سوا اور کوئی واقعہ قابل ذکر نہیں ہے۔ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں آیا جایا کرتے تھے ایک مرتبہ ﷺ وضو فرما رہے تھے اور مسور آپ ﷺ کی پشت پر کھڑے تھے اتفاقاً پشت مبارک سے چادر ہٹ گئی اور خاتم نبوت ﷺ نظر آنے لگی ایک یہودی ادھر سے گذرا اس نے مسور سے کہا محمد ﷺ کی پیٹھ سے چادر ہٹا دو، یہ بچے تھے ہٹانے لگے آپ ﷺ نے ان کے منہ پر پانی کا چھینٹا مارا۔

اسی طریقہ سے ایک مرتبہ چھوٹا سا تہبند باندھے ہوئے ایک وزنی پتھر اٹھائے ہوئے تھے۔ تہبند چھوٹا تھا، کھل گیا ہاتھ پتھر میں پھنسے تھے اس لئے تہبند نہ باندھ سکے اور اسی حالت میں پتھر لئے ہوئے چلے گئے۔ آنحضرت ﷺ نے دیکھ کر فرمایا، تہبند اٹھا لو نگلے نہ پھرو۔^۳

اسی صغریٰ میں حجۃ الوداع میں شریک ہوئے لیکن واقعات سب یاد تھے چنانچہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے عرفات میں خطبہ دیا اور حمد کے بعد فرمایا کہ بت پرست اور مشرک دن رہے جب آفتاب پہاڑ کے سر پر ہوتا تھا یہاں سے چلے جاتے اور ہم غروب آفتاب کے بعد جائیں گے اور لوگ مشعر حرام اس وقت جاتے جب آفتاب خوب پھیلا ہوتا تھا۔^۴

۱۔ تہذیب الکمال۔ ص ۳۷۵ ۲۔ اصحابہ۔ جلد ۶۔ ص ۱۹۸۔ مسور کی پیدائش کے بعد ان کی ماں نے ہجرت کی تھی لیکن مسور چھ برس تک اس لئے مکہ میں رہے کہ ان کے والد مخرمہ بن نوفل فتح مکہ کے بعد مشرف باسلام ہوئے مسور ان ہی کے ساتھ مکہ آئے۔ ۳۔ ایضاً ۴۔ مستدرک حاکم۔ جلد ۳۔ ص ۵۲۴

عہدِ خلفاء : خلفاء اربعہ کے زمانہ میں حضرت ابو عبد الرحمن بن عوفؓ مجلس شوری کے رکن تھے جب وہ مشورہ وغیرہ کے لئے جانے لگے تو مسور بھی ان کے ساتھ ہو لیتے تھے۔^۱

حضرت عثمانؓ کے زمانہ تک مدینہ میں رہے ان کی شہادت کے بعد مکہ میں اقامت اختیار کر لی اور عبد اللہ بن زبیرؓ کے اختلافات میں عبد اللہ بن زبیرؓ کے ساتھ تھے۔ ۶۴ھ میں جب شامی فوجوں نے حرم کا محاصرہ کیا تو مسور بھی عبد اللہ بن زبیرؓ کے ساتھ محصور تھے اور حطیم میں نماز پڑھتے تھے۔^۲

شہادت : اسی محاصرہ کے زمانہ میں جب کہ حرم پر گولہ باری ہو رہی تھی ایک دن مسور جب معمول کھلے بندوں حطیم میں نماز پڑھ رہے تھے کہ ایک پتھر آ کر ان کے لگا اس کے صدمہ سے پانچویں دن وفات پا گئے۔ عبد اللہ بن زبیرؓ نے نماز جنازہ پڑھائی اس وقت ۶۸ سال کی عمر تھی۔^۳

فضل و کمال : گو مسور آنحضرت ﷺ کی حیات میں بہت کم سن تھے تاہم آپ سے سنی ہوئی حدیثیں ان کے حافظہ میں محفوظ تھیں۔ ان کی صغریٰ کی وجہ سے بعض محدثین ان کے سماع کے منکر ہیں لیکن محدث حاکم نیشاپوری کے نزدیک ان کا سماع ثابت ہے۔^۴ تاہم ان کی مرفوع روایات بہت کم ہیں ان کی روایات کی مجموعی تعداد جس میں مرفوع اور غیر مرفوع سب شامل ہیں، بائیس ہیں ان میں سے دو متفق علیہ ہیں اور چار میں امام بخاری اور ایک میں امام مسلم منفرد ہیں۔^۵

اہل بیت نبوی ﷺ سے روابط اور عقیدت : اہل بیت نبوی ﷺ سے خاص تعلقات اور عقیدت رکھتے تھے اور وہ سب بھی انہیں مانتے تھے۔ حضرت عائشہؓ عبد اللہ بن زبیرؓ کی خالہ تھیں اس لئے ابن زبیرؓ ان کی بڑی مدد کرتے تھے۔ حضرت عائشہؓ بڑی فیاض تھیں جو کچھ ملتا سب خرچ کر ڈالتیں۔ ان کی اس فیاضی پر ابن زبیرؓ نے کہا اگر وہ اپنا ہاتھ نہ روکیں گی تو میں آئندہ کچھ نہ دوں گا حضرت عائشہؓ کو خبر ہوئی تو انہیں اس کا بڑا صدمہ ہوا اور قسم کھالی کہ اب میں ابن زبیرؓ سے کبھی نہ کچھ لوں گی۔ اس عہد پر عرصہ تک قائم رہیں۔ ابن زبیرؓ ان کے اس عہد سے بہت پریشان ہوئے اور بہت لوگوں کو درمیان میں ڈال کر صفائی کی کوشش کی لیکن حضرت عائشہؓ نے کسی کی سفارش نہ سنی آخر میں ابن زبیرؓ نے مسور سے کہا کہ تم مجھے کسی طرح خالہ کے پاس پہنچا دو۔ چنانچہ ان کو اپنے

۱۔ استیعاب۔ جلد اول۔ ص ۲۱۹ ۲۔ اسد الغابہ و مستدرک حاکم ترجمہ مسور

۳۔ مستدرک حاکم۔ جلد ۳۔ ص ۵۲۳۔ یہ محاصرہ ۳۷ھ تک جاری رہا تھا۔ ۶۴ھ سے لے کر ۷۳ھ تک کسی وقت میں مسور کی شہادت ہوئی۔ ۴۔ مستدرک حاکم۔ جلد ۳۔ ص ۵۲۴ ۵۔ تہذیب الکمال۔ ص ۳۷۷

ساتھ لے کر گئے اور بڑی مشکلوں سے ان کی خطا معاف کرائی۔

ایک مرتبہ حضرت حسن بن حسنؓ نے مسور کی لڑکی کے ساتھ اپنا پیام بھجوایا۔ مسور جا کر ان سے ملے اور عرض کیا خدا کی قسم کوئی نسب، کوئی تعلق اور کوئی رشتہ میرے نزدیک آپ کے نسب، آپ کے تعلق اور آپ کے ساتھ سسرالی رشتہ قائم کرنے سے زیادہ محبوب و معزز نہیں ہے لیکن رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ”فاطمہ میرا گوشت پوست ہے جس نے اس کو رنجیدہ کیا اس نے مجھ کو رنجیدہ کیا اور جس نے اس کو خوش رکھا اس نے مجھ کو خوش رکھا اور قیامت کے دن میرے نبی اور سسرالی رشتہ اور تعلق کے سوا باقی تمام رشتے ٹوٹ جائیں گے“، ایسی حالت میں میرے لئے آپ سے رشتہ قائم کرنا باعث شرف و افتخار ہے لیکن فاطمہ کی لڑکی (پوتی) آپ کے نکاح میں ہے اس لئے میں اپنی لڑکی آپ کے ساتھ بیاہ کر فاطمہ کی لڑکی کو رنج و تکلیف نہیں پہنچا سکتا۔

آثار نبوی ﷺ سے بڑی گہری عقیدت تھی اور اس کی حفاظت کا بڑا خیال رکھتے تھے۔ کربلا کے حادثہ عظمیٰ کے بعد جب امام زین العابدینؓ مدینہ واپس آئے تو مسور نے ان کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ جو خدمت میرے قابل ہو اس کے بجالانے کے لئے بسر و چشم حاضر ہوں زین العابدینؓ نے کہا کوئی اس قسم کی ضرورت نہیں ہے۔ آنحضرت ﷺ کی تلوار زین العابدینؓ کے پاس تھی مسور کو خطرہ تھا کہ یہ آپ کے ہاتھ سے نکل جائے گی اس لئے عرض کیا آپ مجھ کو رسول اللہ ﷺ کی تلوار دے سکتے ہیں؟ مجھ کو خطرہ ہے کہ وہ آپ کے ہاتھوں سے نکل جائے گی اور اگر میرے پاس رہے گی تو جب میری جان میں جان باقی ہے اس کو کوئی ہاتھ نہیں لگا سکتا۔

(۱۱۷) حضرت مطیع بن اسودؓ

نام و نسب : جاہلی نام عاص اور اسلامی نام مطیع ہے۔ نسب نامہ یہ ہے : مطیع بن اسود بن حارث بن فضل بن عوف بن عبید بن عوث بن عدی بن کعب قرشی عدوی۔

اسلام : فتح مکہ میں مشرف باسلام ہوئے اس وقت ان کا نام ”عاص“ نافرمان تھا۔ آنحضرت ﷺ نے بدل کر ”مطیع“ فرماں بردار رکھا۔ تبدیل نام کا یہ واقعہ بیان کیا جاتا ہے کہ ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ مسجد میں منبر پر تشریف فرما ہو کر لوگوں کو بٹھا رہے تھے اسی دوران میں عاص آگئے اور

آنحضرت ﷺ کا ارشاد سن کر سب سے آخر میں بیٹھ گئے آنحضرت ﷺ کے منبر سے اترنے کے بعد پاس جا کر آپ سے ملے، آپ نے پوچھا تم کو میں نے نماز میں نہیں دیکھا۔ عرض کی فلیت بابی وامی یا رسول اللہ (ﷺ) میں جس وقت مسجد میں داخل ہو رہا تھا اس وقت آپ ﷺ لوگوں کو بیٹھنے کا حکم دے رہے تھے۔ اس لئے میں سب کے آخر میں بیٹھ گیا جہاں آپ ﷺ کی آواز پہنچ جاتی تھی۔ یہ سن کر آنحضرت ﷺ نے فرمایا تم عاص نہیں بلکہ مطیع ہو اس سے ان کا نام مطیع ہو گیا۔

وفات : حضرت عثمانؓ کے عہد خلافت میں وفات پائی۔^۱

اولاد : ان کے کئی اولادیں تھیں، عبد اللہ اور سلیمان وغیرہ۔ عبد اللہ حبشہ میں حضرت عائشہؓ کی حمایت میں کام آئے۔^۲

(۱۱۸) حضرت معاویہ بن حکمؓ

نام و نسب : معاویہ نام، باپ کا نام حکم تھا۔ معاویہ بنو سلیم میں بودو باش رکھتے تھے اور بدویانہ زندگی بسر کرتے تھے۔

اسلام : ہجرت کے بعد کسی سنہ میں مشرف باسلام ہوئے۔ قبول اسلام کے بعد مکتب نبوت ﷺ میں اسلام کی تعلیم حاصل کی۔ اپنی تعلیم اور اسلام کے واقعات کو وہ خود بیان کرتے ہیں کہ جب میں رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا تو اسلام کے بعض احکام سیکھے۔ منجملہ اور تعلیمات کے مجھ کو ایک تعلیم یہ بھی ملی کہ جنب کوئی چھینکے تو الحمد للہ کہو اور جب کوئی چھینک کر الحمد للہ کہے تو یرحمکم اللہ کہو۔ ایک دن میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نماز پڑھ رہا تھا کہ کسی نے چھینکا اور الحمد للہ کہا، میں نے باواز بلند یرحمکم اللہ جواب دیا، لوگوں نے مجھ کو گھورنا شروع کیا۔ میں نے کہا تم لوگ مجھے غضب آلودہ نہ گاہوں سے کیوں گھور رہے ہو؟ میرے اس سوال پر لوگوں نے سبحان اللہ سبحان اللہ کہنا شروع کیا۔ جب آنحضرت ﷺ نماز ختم کر چکے تو پوچھا نماز میں کون بولا تھا؟ لوگوں نے مجھ کو بتایا کہ یہ اعرابی تھا آپ ﷺ نے مجھ کو بلا کر فرمایا نماز، قرأت قرآن اور اللہ عزوجل کے لئے ہے جب تم نماز پڑھو تو تمہاری یہ شان ہونی چاہئے یعنی اللہ عزوجل کا ذکر اور قرأت قرآن۔ معاویہؓ پر اس نرمی کا یہ اثر ہوا کہ وہ کہتے تھے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے زیادہ نرم معلوم نہیں دیکھا۔^۳

اسی دورانِ تعلیم میں انہوں نے جاہلیت کے اوہام کے متعلق چند سوالات کیے کہ یا رسول اللہ ﷺ! ہم لوگ ابھی زمانہ جاہلیت سے زیادہ قریب ہیں ابھی اسلام کو آئے ہوئے زیادہ زمانہ نہیں گذرا اس لئے ہم میں ابھی تک کچھ لوگ کاہنوں کے پاس جاتے ہیں، فرمایا تم ان کے پاس نہ جایا کرو۔ پھر پوچھا کہ بعض لوگ اوہام سے قال بد لیتے ہیں، فرمایا یہ دل کے اوہام ہیں ان سے نہ متاثر ہونا چاہئے۔

پھر یہ سوال کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ! ہم میں کچھ لوگ ایسے ہیں جو خط کھینچتے ہیں جاہلیت کے تقالو کا ایک طریقہ تھا، فرمایا بعض انبیاء بھی خط کھینچتے تھے اس لئے اگر کوئی ایسا خط کھینچے تو کوئی مضائقہ نہیں۔ آخر میں عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! میری ایک لونڈی ہے جو احد اور جوانیہ کی طرف بکریاں چرایا کرتی تھی۔ ایک دن وہ اس پر چڑھ گئی اور ایک بکری بھینٹا لے گیا میں انسان ہوں مجھے غصہ آ گیا میں نے لونڈی کو مارا۔ آنحضرت ﷺ کو سینا گوار ہوا، آپ ﷺ کو ناگوار دیکھ کر میں نے کہا اس کو اس کفارہ میں آزاد کرنا ہوں۔ فرمایا اس کو میرے پاس لاؤ میں لے آیا آپ ﷺ نے اس سے پوچھا، اللہ کہاں ہے؟ اس نے کہا آسمان پر، پوچھا میں کون ہوں؟ اس نے کہا آپ اللہ کے رسول ہیں۔ فرمایا اس کو آزاد کر دو یہ مومنہ ہے۔^۱

(۱۱۹) حضرت معقل بن سنانؓ

نام و نسب : معقل نام، ابو عبد الرحمن کنیت، نسب نامہ یہ ہے : معقل بن سنان بن مطہر بن عری ابن فتیان بن سبیح بن بکر بن اشجع اشجعی۔

اسلام و غزوات : فتح مکہ سے پہلے مشرف باسلام ہوئے۔ فتح مکہ میں آنحضرت ﷺ کے ہمرکاب اور اپنے قبیلہ کے علمبردار تھے۔^۲

عہدِ فاروقی : کوفہ آباد ہونے کے بعد یہاں گھر بنالیا۔ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں ایک مرتبہ مدینہ آئے بڑے صاحبِ جمال تھے۔ کسی (غالباً عورت) نے ان کے حسن و جمال کی تعریف میں یہ شعر کہا :

اعوذ برب الناس من شر معقل اذا معقل راج البقیع مرجلا

میں لوگوں کے رب سے معقل کے شر سے پناہ مانگتی ہوں

جب وہ گیسو سنوار کے بقیع کی طرف نکلتے ہیں

حضرت عمرؓ نے یہ شعر سنا تو ان کو مدینہ سے بصرہ بھیج دیا۔^۳

یزید کی مخالفت : معقلؒ یزید کے طور طریقوں کی وجہ سے اس کے سخت خلاف تھے۔ امیر معاویہؓ نے جب یزید کی بیعت کے لئے ممالکِ محروسہ سے وفد طلب کئے تو معقلؒ بھی مدینہ والوں کے ساتھ اظہارِ بیعت کے لئے بھیجے گئے۔ شام جانے کے بعد ایک دن یزید کے ندیم خاص مسلم بن عقبہ کے سامنے یزید کے متعلق اپنے خیالات ظاہر کئے کہ میں یزید کی بیعت کے لئے جبریہ بھیجا گیا ہوں۔ میری آمد کو قضائے الہی کے سوا کیا کہا جائے جو شخص میخوار ہو، محرمات کے ساتھ نکاح کرتا ہو وہ کس طرح بیعت کا مستحق ہے؟ اسی سلسلہ میں انہوں نے یزید کی تمام برائیاں بیان کر ڈالیں اور مسلم سے کہا کہ میں نے تم سے یہ باتیں رازدارانہ کی ہیں اس لئے ان کو اپنی ہی ذات تک محدود رکھنا۔ مسلم نے کہا امیر المؤمنین سے تو نہ کہوں گا لیکن جب موقع ملے گا تمہاری گردن اڑا دوں گا۔

دیوری کا بیان ہے کہ معقلؒ نے کہا تھا کہ میں مدینہ واپس جا کر فاسق و فاجر یزید کی بیعت توڑ کر مہاجرین میں سے کسی کے ہاتھ پر بیعت کر لوں گا۔ اس وقت مسلم ان پر قابو نہ پاسکا مگر قسم کھالی کہ جب بھی تم میرے قابو میں آؤ گے تمہاری گردن اڑا دوں گا۔

شہادت : مدینہ آنے کے بعد معقلؒ نے جو کچھ کہا تھا کر دکھایا۔ جب عبد اللہ بن زبیرؓ نے حجاز میں خلافت کا دعویٰ کیا اور یزید نے ان کے مقابلہ کے لئے فوجیں روانہ کیں تو معقلؒ ابن زبیرؓ کے ساتھ ہو گئے اور جب ابن زبیرؓ نے شکست کھائی اور مدینہ کے لوگوں کے ساتھ یہ بھی گرفتار ہوئے اور مسلم کے سامنے پیش کئے گئے۔ معقلؒ پیاسے تھے، مسلم نے کہا، معقلؒ پیاسے معلوم ہوتے ہو؟ انہوں نے اثبات میں جواب دیا۔ مسلم نے بادام کا شربت بنانے کا حکم دیا اور شربت پلا کر کہا اب کبھی کسی مفترج چیز کی خواہش کرنے کا موقع نہ ملے گا۔ یہ کہہ کر ان کی گردن مارنے کا حکم دیا فوراً اس حکم کی تعمیل ہوئی اور معقلؒ شہق پرستی کے جرم پر بنی امیہ کی ستم آرائی کا شکار ہو گئے۔

فضل و کمال : فضل و کمال اور مذہبی حیثیت کا اندازہ علامہ ابن عبد البرؒ کی اس رائے سے کیجئے، کان فاضلا تقیاً شاباً معقل فاضل، پاکباز اور جوان تھے۔

(۱۲۰) حضرت معقل بن یسارؓ

نام و نسب : معقل نام، ابو عبد اللہ کنیت، نسب نامہ یہ ہے : معقل بن یسار بن عبد اللہ بن صفیر بن حراق ابن لای بن کعب بن عبد بن ثور بن ہدملہ بن لاثم بن عثمان بن عمرو بن ابن طانجہ بن الیاس بن مضر۔

اسلام اور صلح حدیبیہ میں شرکت :

حضرت معقلؓ صلح حدیبیہ کے قبل مشرف باسلام ہوئے صلح حدیبیہ میں آنحضرت ﷺ کے ہر کام میں تھے اور جس وقت آپ لوگوں سے موت پر بیعت (بیعت رضوان) لے رہے تھے اس وقت معقلؓ ایک شاخ آپ کے اوپر سایہ کئے ہوئے کھڑے تھے۔

عہدہ قضا : آنحضرت ﷺ نے ان کو قبیلہ مزینہ کا قاضی بنانا چاہا انہوں نے معذرت کی کہ مجھ میں اس ذمہ داری کو سنبھالنے کی اہلیت نہیں ہے آپ نے دوبارہ فرمایا نہیں تم ان کے فیصلے کیا کرو انہوں نے پھر معذرت کی کہ میں اچھی طرح فیصلہ نہیں کر سکتا، تیسری مرتبہ پھر آپ نے باصرار فرمایا نہیں تم فیصلہ کرو، خدا قاضی کے ساتھ اس وقت تک رہتا ہے جب تک وہ عمداً ظلم و نا انصافی نہیں کرتا۔

عہدہ فاروقی : معقلؓ کی قوت فیصلہ کی وجہ سے حضرت عمرؓ انہیں بہت مانتے تھے، مہمات امور میں ان سے مشورہ کرتے اور بڑی بڑی خدمتیں ان کے سپرد کرتے عراق کی فوج کشی کے سلسلہ میں ۲۰ھ میں جب یزدگرد نے مروان شاہ کو ایک لشکر جرار کے ساتھ مسلمانوں کے مقابلہ کے لئے بھیجا، تو حضرت عمرؓ نے اکابر صحابہ سے مشورہ لیا، اس مشورہ میں معقلؓ بھی تھے۔ اسی زمانہ میں حضرت عمرؓ نے ابو موسیٰ اشعریؓ کو بصرہ میں ایک نہر کھدوانے کا حکم دیا، داور فرمایا تیاری کے بعد معقلؓ کے ہاتھوں سے اس میں پانی جاری کرایا جائے۔ امیر معاویہؓ کے زمانہ میں جب زیاد نے اس نہر کو دوبارہ درست کرایا تو تبرکاً معقلؓ ہی کے ہاتھوں اس کا افتتاح کرایا۔

علالت اور وفات : امیر معاویہؓ کے زمانہ میں بیمار پڑے عبید اللہ بن زیاد ان کی عیادت کو آیا، اس سے فرمایا میرا وقت آخر ہے اگر زندگی کی امید ہوتی تو ایک حدیث جس کو میں نے ابھی تک نہیں بیان کیا ہے نہ بیان کرتا، لیکن اب وقت آخر ہے اس لئے بیان کئے دیتا ہوں، میں نے آنحضرت ﷺ کو بیان کرتے ہوئے سنا ہے کہ ”جو شخص رعایا کی گلہ بانی کرتا ہے اگر اس نے رعایا کی خیانت کی اور اسی حالت میں مر گیا تو خدا اس پر جنت حرام کر دے گا۔ اسی مرض میں وفات پائی ساٹھ اور ستر کے درمیان عمر تھی۔“

۱۔ مسند احمد بن حنبل۔ جلد ۵۔ ص ۲۵۔ ۲۔ مستدرک حاکم۔ جلد ۳۔ ص ۵۷۷۔ ۳۔ اصحابہ۔ جلد ۶۔ ص ۱۲۶۔
۴۔ فتوح البلدان۔ ص ۳۶۶۔ ۵۔ ایضاً۔ ۶۔ مسلم کتاب الایمان باب اتحقاق الوالی الغاش لرعیۃ النار۔
۷۔ اصحابہ۔ جلد ۶۔ ص ۱۲۶۔

فضل و کمال : حضرت معقلؓ بڑے صاحب کمال صحابی تھے، ان کے کمال کی سب سے بڑی سند یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے انہیں باصرار قبیلہ مزینہ کا عہدہ قضا سپرد فرمایا تھا، بہت سے ایسے مسائل جن کے متعلق کبار صحابہ نے آنحضرت ﷺ سے کوئی فیصلہ نہ سنا تھا، معقلؓ کے علم میں تھے، ایک مرتبہ کسی شخص نے عبداللہ بن مسعود سے پوچھا کہ ایک شخص نے بلا تعین مہر ایک عورت سے شادی کی اور بلا خلوت صحیحہ مرگیا، ایسی صورت میں عورت کو ترکہ اور مہر ملے گا یا نہیں انہوں نے (غالباً قیاس سے) جواب دیا بلاشبہ اس قسم کی منکوحہ کو اس کے جیسی اوصاف والی عورت کے برابر مہر ملے گا، میراث بھی پائیگی اور عدت بھی پوری کرنی ہوگی، معقلؓ تبھی موجود تھے، انہوں نے کہا آنحضرت ﷺ نے یربوع بنت داثق کے بارہ میں یہی فیصلہ فرمایا تھا، عبداللہ بن مسعودؓ کو آپ کا یہ فیصلہ معلوم نہ تھا، اس لئے اپنے فیصلہ کے توار پر بہت محظوظ ہوئے۔

ان سے چونتیس حدیثیں مروی ہیں۔ ان میں ایک متفق علیہ ہے اور ایک میں امام بخاری دو میں امام مسلم منفرد ہیں۔ ان کے رواد کا دائرہ کار خاصہ وسیع ہے، عمران بن حصین، معاویہ ابن قرہ، علقمہ بن عبداللہ حکیم بن اعرج، عمرو بن لیون، حسن بصری، نافع بن ابی نافع، ابی اسلم، مسلم بن حراق، عیاض اور ابو خالد وغیرہ نے ان سے روایتیں کی ہیں۔

غیرت و حمیت : معقلؓ نہایت غیور اور باحمیت آدمی تھے شادی اور طلاق عربوں میں معمولی بات تھی مگر ان کی غیرت طلاق کو پسند نہ کرتی تھی اور وہ نہایت مکروہ سمجھتے تھے۔ انہوں نے ایک شخص کے ساتھ اپنی بہن کی شادی کی، اس نے چند دنوں کے بعد طلاق دیدی، اور عدت گزرنے کے بعد پھر نکاح کا پیام دیا، معقلؓ نے کہا میں نے تمہارے ساتھ شادی کر کے تمہاری عزت افزائی کی تھی تم نے طلاق دے دی، اب کبھی تمہارے ساتھ شادی نہ کروں گا۔ ان کے انکار پر یہ حکم نازل ہوا۔

”وَإِذَا طَلَقْتُمُ النِّسَاءَ فَلْيُغْنِ أَجْلُهُنَّ فَلَا تَعْضَلُوهُنَّ“ الخ

”جب تم عورتوں کو طلاق دو اور وہ اپنی عدت پوری کر چکیں تو ان کو نہ روکو“

اس حکم ربانی کے سامنے غیرت مندی اور خوداری کے تمام جذبات سرد پڑ گئے۔ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ (ﷺ) مجھے کوئی عذر نہیں اور دوبارہ اس شخص کے ساتھ بہن کی شادی کر دی۔

(۱۲۱) حضرت ناجیہؓ بن جندب

نام و نسب : ذکوان نام، ناجیہ خطاب اور صاحب البدن لقب ہے۔ نسب نامہ یہ ہے : ناجیہ بن جندب ابن عمیر بن بھر بن دارم بن عمرو بن وائلہ بن سہم بن مازن بن سلامان بن اقصیٰ سلمیٰ۔

اسلام : ان کے اسلام کا زمانہ متعین طور سے نہیں بتایا جاسکتا، لیکن حدیبیہ سے پہلے مشرف باسلام ہو چکے تھے۔ صلح حدیبیہ میں آنحضرت ﷺ کے ہمراہ تھے اور آنحضرت ﷺ کے قربانی کے جانوروں کے نگران تھے^۱۔ مدینہ سے نکلنے کے بعد کچھ دور بڑھ کر آنحضرت ﷺ کو معلوم ہوا کہ قریش نے خالد بن ولیدؓ کو روکنے کے لئے بھیجا ہے۔ آپ ﷺ لڑنا پسند نہ فرماتے تھے اس لئے ہمراہیوں سے پوچھا تم میں کون ایسا شخص ہے جو ان لوگوں (قریش) کا راستہ بچا کر ہم کو دوسرے راستہ سے نکال لے جائے۔ جندبؓ نے عرض کی فدیت بابی وامی یا رسول اللہ ﷺ میں یہ خدمت انجام دوں گا چنانچہ قریش کا راستہ کاٹ کر ایک دوسرے راستہ سے مسلمانوں کو حدیبیہ پہنچا دیا^۲۔

حدیبیہ کے جس میدان میں مسلمان خیمہ زن ہوئے تھے وہاں پانی نہ تھا جا بجا خشک گڑھے تھے۔ لوگوں نے آنحضرت ﷺ سے پانی کی شکایت کی آپ ﷺ نے اپنے ترکش سے ایک تیر نکال کر ناجیہ کو دیا کہ ان کو جا کر خشک گڑھے میں گاڑ دو۔ انہوں نے ایک گھے کے وسط میں گاڑ دیا اس کی برکت سے خشک گڑھے میں پانی کا فوارہ پھوٹنے لگا۔

حدیبیہ کے پاس جب معلوم ہوا تو قریش مکہ کے داخلہ میں مزاحم ہوں گے تو ناجیہؓ نے عرض کیا، یا رسول اللہ ﷺ اجازت ہو تو میں جانوروں کو حرم میں لے جا کر ذبح کر دوں فرمایا، موجودہ حالات میں تم کس طرح لے جاسکتے ہو؟ عرض کی میں ایسے راستہ سے لے جاؤں گا کہ قریش کو پتہ تک نہ چلے گا چنانچہ آپ ﷺ نے جانور ان کے حوالے کر دیئے۔ انہوں نے حرم میں لے جا کر ذبح کر دیا^۳۔

عمرة القضاء میں بھی آنحضرت ﷺ کے قربانی کے جانوروں کو لے جانے اور ان کی نگرانی کی خدمت ان ہی کے سپرد ہوئی چنانچہ یہ آنحضرت ﷺ سے پہلے چار اسلمی نو جوانوں کو ساتھ لے کر قربانی کے جانوروں کو مکہ لے گئے^۴۔

۱۔ ابن سعد۔ جلد ۴۔ ص ۴۲۔ ق ۲ ۲۔ اصابہ۔ جلد ۶۔ ص ۲۲۲

۳۔ اصابہ۔ جلد ۶۔ ص ۱۱۱ ۴۔ ابن سعد۔ جلد ۴۔ ص ۴۵۔ ق ۲

حجۃ الوداع : حجۃ الوداع میں بھی ہر کاب تھے، اس میں بھی آنحضرت ﷺ کے قربانی کے جانوروں کی نگرانی ان ہی کے سپرد تھی^۱ اسی لئے ان کو ”صاحب بدن رسول اللہ ﷺ“ یعنی رسول اللہ ﷺ کے قربانی کے جانوروں والے کہا جاتا ہے^۲۔

وفات : امیر معاویہؓ کے عہد خلافت میں وفات پائی^۳۔

(۱۳۲) حضرت نیشۃ الخیرؓ

نام و نسب : نیشۃ نام، ابو طریف کنیت، خیر لقب، نسب نامہ یہ ہے : نیشۃ بن عمرو بن عوف ابن عبد اللہ بن عتاب بن حارث بن حصین بن نابغہ بن لحيان بن ہذیل بن مدرکہ بن الیاس بن مضر مضرى۔ اسلام : ان کے اسلام کا زمانہ متعین طور پر نہیں بتایا جاسکتا۔ فتح مکہ کے بعد کسی وقت مشرف باسلام ہوئے۔

خیر کا لقب : اسلام کے بعد دربار رسالت ﷺ سے خیر کا لقب ملا۔ اس کا واقعہ یہ ہے کہ ایک مرتبہ نیشۃؓ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اس وقت آپ ﷺ کے پاس کچھ قیدی تھے، نیشۃؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ ! ان پر احسان فرمائیے اور فدیہ لے کر رہا کر دیجئے۔ فرمایا تم نے نیک صلاح دی تم نیشۃ الخیر ہو^۴۔

وفات : زمانہ وفات کے بارے میں ارباب سیر خاموش ہیں۔

فضل و کمال : حضرت نیشۃؓ سے گیارہ حدیثیں مروی ہیں^۵۔

تبلیغ فرمان رسول ﷺ : معمولی معمولی باتوں میں فرمان نبوی ﷺ کی تبلیغ پیش نظر رہتی تھی۔ ایک مرتبہ چند آدمی ایک بڑے پیالے میں کھانا کھا رہے تھے، اتفاق سے نیشۃؓ بھی پہنچ گئے انہوں نے ان لوگوں سے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ جو شخص کھانے کے بعد پیالہ چائے گا میں اس کے لئے دعائے مغفرت کروں گا^۶۔

(۱۳۳) حضرت واشلہ بن اسقعؓ

نام و نسب : واشلہ نام، ابو قرضاضہ کنیت، نسب نامہ یہ ہے : واشلہ بن اسقع بن عبد العزیٰ ابن عبد یلیل بن ناشب بن غزہ بن سعد بن لیث بن بکر بن کنانہ کنانی۔

۱۔ ایضاً ۲۔ استیعاب تذکرۃ تاجیہ ۳۔ ابن سعد۔ جلد ۴۔ ص ۴۵۔ ق ۲ ۴۔ مستدرک حاکم۔ جلد ۳۔ ص ۴۴۳

۵۔ تہذیب الکمال۔ ص ۴۵۵ ۶۔ ابن سعد۔ جلد ۴۔ ص ۴۴۳ ق ۱

اسلام : ۹ھ میں غزوہ تبوک سے چند دن پہلے قبول اسلام کے ارادہ سے مدینہ آئے اور آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے آپ نے فرمایا جاؤ پانی اور بیر کی پتیوں سے نہاؤ اور زمانہ کفر کے بالوں کو صاف کراؤ، یہ کہہ کر ان کے سر پر دستِ شفقت پھیرا۔

غزوہ تبوک : ان کے اسلام قبول کرنے کے بعد ہی غزوہ تبوک کی تیاریاں شروع ہوئیں، تمام مجاہدین اپنا اپنا سامان درست کر رہے تھے، وائلہ بھی تیاری کرنے کے لئے گھر گئے، یہاں کچھ نہ تھا اس لئے واپس آئے ان کی واپسی تک مجاہدین کا قافلہ روانہ ہو چکا تھا اور ان کے شرکت کی بظاہر کوئی صورت باقی نہ تھی لیکن ذوقِ جہاد بے تاب کئے ہوئے تھے۔

چنانچہ انہوں نے مدینہ کی گلیوں میں پھر پھر کر صدا لگانا شروع کی کہ ”کون مجھ کو میرے مال غنیمت کے بدلہ میں تبوک لے چلتا ہے؟ اتفاق سے ایک انصاری بزرگ بھی باقی رہ گئے تھے، انہوں نے کہا میں لے چلوں گا کھانا میں دوں گا اور اپنی سواکی پر بٹھاؤں گا خدا کی برکت پر بھروسہ کر کے تیار ہو جاؤ، وائلہ کو تیاری ہی کیا کرنی تھی فوراً ساتھ ہو گئے۔ انصاری بزرگ نے نہایت حسن سلوک اور شریفانہ طریقہ سے انہیں رکھا، اور وہ غزوہ تبوک میں شریک ہوئے لڑائی ختم ہونے کے بعد اس کے مال غنیمت میں سے چھ اونٹنیاں وائلہ کے حصہ میں بھی آئیں۔

شرط کے مطابق وہ ان اونٹنیوں کو انصاری بزرگ کے پاس لائے انہوں نے ان اونٹنیوں کی چال ڈھال وغیرہ کو دیکھنے کے بعد کہا تمہاری یہ سب اونٹنیاں نہایت اچھی ہیں۔ وائلہ نے کہا شرط کے مطابق سب حاضر ہیں، انصاری بزرگ نے کہا، بھتیجے تمہاری اونٹنیاں تمہیں مبارک ہوں، تم انہیں لے جاؤ میرا مقصد صرف ثوابِ آخرت تھا۔

بیت المقدس کا قیام :

بصرہ آباد ہونے کے بعد کچھ دنوں یہاں رہے پھر شام منتقل ہو گئے اور دمشق سے تین کوس کی مسافت پر بلاط نامی گاؤں میں اقامت اختیار کر لی، اور شام کی لڑائیوں میں شریک ہوتے رہے آخر میں بیت المقدس میں سکونت اختیار کر لی تھی۔

وفات : ۸۳ھ میں ۱۰۵ سال کی عمر میں وفات پائی، واقدی کے بیان کے مطابق ۸۵ھ میں انتقال کیا، اور ۹۸ سال کی عمر تھی۔ آخر عمر میں بصارت جاتی رہی تھی، ڈاڑھی میں زرد خضاب کرتے تھے۔

۱۔ مستدرک حاکم۔ جلد ۳۔ ص ۵۷۰
۲۔ ابوداؤد کتاب الجہاد باب الرجل یکری دابۃ علی الخف والسم۔
۳۔ اسد الغابہ۔ جلد ۵۔ ص ۷۷
۴۔ ابن سعد۔ جلد ۷۔ ق ۲۔ ص ۱۲۹
۵۔ اسد الغابہ۔ جلد ۵۔ ص ۷۷

فضل و کمال : واثلہ اصحاب صفہ میں تھے۔^۱ اصحاب صفہ کا مشغلہ تعلیم و تعلم تھا، اس لئے واثلہ کا بھی یہ شغل تھا، اس کے علاوہ آنحضرت ﷺ کی خدمت گزاری کی بھی سعادت حاصل کرتے تھے۔^۲ گو اس سعادت کی مدت سال سوا سال سے زیادہ نہ تھی تاہم اس تقریب سے انہیں حدیث نبوی ﷺ کی حاضر باشی اور استفادہ کا موقع مل جاتا تھا اس لئے بہت سی احادیث نبوی ﷺ ان کے حافظہ میں محفوظ تھیں چنانچہ ان کی مرویات کی مجموعی تعداد چھپن ہے ان میں سے ایک میں بخاری اور ایک میں مسلم منفرد ہیں ان سے ان کی لڑکیوں فیسلہ اور جمیلہ ادا سماء نے دوسرے رواۃ میں بسر بن سعد، بسر بن عبید اللہ، مکحول، عبد اللہ بن عامر اور شداد بن عمارہ وغیرہ نے روایتیں کی ہیں۔^۳

روایت حدیث میں واثلہ کا اصول :

روایت حدیث میں واثلہ الفاظ کی پابندی ضروری نہیں سمجھتے تھے بلکہ روایت بالمعنی یعنی صرف حدیث کا صحیح مفہوم اور منشاء بیان کر دینا کافی سمجھتے جاتھے۔ ان کی حدیث دانی کی وجہ سے شائقین حدیث ان کے پاس سماع کے لئے آیا کرتے تھے، ایک مرتبہ مکحول نے آکر کہا ابوالاسقع کوئی ایسی حدیث سنائیے جس میں آپ کو کسی قسم کا شک و شبہ نہ ہو اس میں کوئی نہ کوئی زیادتی ہو، اور نہ کچھ بھولے ہوں یہ شرائط سن کر واثلہ نے حاضرین سے سوال کیا، تم میں سے کسی نے گذشتہ شب کو قرآن پڑھا ہے؟ لوگوں نے کہا ہاں لیکن ہم حافظ نہیں ہیں، بولے جب قرآن کو جو تمہارے پاس لکھا ہوا موجود ہے صحیح طور پر حافظہ میں محفوظ نہیں رکھ سکتے اور اس میں تم کو کمی بیشی ہو جانے کا خوف رہتا ہے تو حدیثیں جن کو بیشتر حالتوں میں ہم نے صرف ایک ہی مرتبہ سنا ہے جنہا کیونکر یاد رہ سکتی ہیں، روایت حدیث میں تمہارے لئے اتنا کافی ہے، کہ حدیث کا مفہوم اور اس کے صحیح معنی بیان کر دو۔^۴

عبادت : واثلہ اور ادو و طائف ماثورہ نہایت پابندی کے ساتھ پڑھتے تھے، ان کی صاحبزادی اسماء کا بیان ہے کہ والد نماز فجر کے بعد سے طلوع آفتاب تک قبلہ رخ بیٹھ کر وظیفہ پڑھتے تھے، اور اس وقت جب کبھی میں ان سے کسی ضرورت سے بات کرنا چاہتی تو بولتے نہ تھے، ایک دن میں نے پوچھا آپ بولتے کیوں نہیں فرمایا میں نے آنحضرت ﷺ سے سنا ہے کہ جو شخص نماز کے بعد بغیر کسی سے بات کئے ہوئے سو مرتبہ قل ہو اللہ تلاوت کرے تو اس کے اس سال کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔^۵

۱۔ ابن سعد۔ جلد ۷۔ ق ۲۔ ص ۱۲۹۔ ۲۔ استیعاب۔ جلد ۲۔ ص ۲۴۵۔ ۳۔ استیعاب۔ جلد ۲۔ ص ۲۴۵۔
۴۔ متدرک حاکم۔ جلد ۳۔ ص ۵۶۹۔ ۵۔ متدرک حاکم۔ جلد ۳۔ ص ۵۷۰۔

فیاضی : ابتداء میں نہایت نادار تھے اسی لئے اصحاب صفہ کے زمرہ میں شامل ہو گئے تھے، بعد میں خدا نے فارغ البال کیا فارغ البالی کے زمانہ نہایت فیاض اور سیر چشم تھے، اور صبح و شام دونوں وقتوں برابر لوگوں کو بلا کر کھانے میں شریک کرتے تھے۔

(۱۳۴) حضرت وائل بن حجر

نام و نسب : وائل نام، ابو عبیدہ کنیت، نسب نامہ یہ ہے وائل بن حجر بن ربیعہ بن وائل ابن سمر حضری ان کے والد حجر سلاطین حضرموت میں تھے، وائل خود حضرموت کے رئیس تھے۔

اسلام : فتح مکہ کے بعد جب عرب مختلف گوشوں کے وفود قبول اسلام کے لئے جوق در جوق مدینہ آنے لگے تو وائل بھی اپنے قبیلہ کے ساتھ مدینہ وارد ہوئے، آنحضرت ﷺ نے ان کے ورود سے پیشتر صحابہ کو ان کی آمد کی اطلاع دے دی تھی اور ان کا تعارف بھی کرا دیا تھا کہ وائل بن حجر جو سلاطین حضرموت کی یادگار میں خدا رسول کے مطیع و فرمان بردار بن کر دور دراز کی مسافت طے کر کے حضرموت سے آرہے ہیں، جب وائل مدینہ پہنچے تو آنحضرت ﷺ نے ان کے رتبہ کے مطابق ان کا استقبال کیا، اپنے قریب روئے مبارک بچھا کر اس پر بٹھایا، اور ان کے اولاد کے لئے دعا فرمائی کہ خدایا وائل کی اولاد اور اولاد کی اولاد پر برکت نازل فرما، اور ان کے سردارانِ حضرموت کا حاکم بنائے۔

اسلام قبول کرنے کے بعد جب وائل واپس جانے لگے تو آنحضرت ﷺ نے ان کو حضرموت میں زمین کا ایک قطعہ مرحمت فرمایا اور ان کے بارہ میں خط مہاجر بن امیہ کے اور دوسرا حضرموت کے رؤسا اور سرداروں کے نام لکھ کر حوالہ کیا، اور چلتے وقت معاویہ کو کچھ دور تک مشایعت کے لئے بھیجا وائل سوار تھے اور گھماوڑی سواری کے ساتھ پیدل چل رہے تھے گرمی کا موسم تھا تپتی ہوئی ریت پیروں کو جھلسائے دیتی تھی، معاویہ نے پاؤں جلنے کی شکایت کی وائل نے کہا سواری کے سایہ میں آ جاؤ، معاویہ نے کہا اس سے کچھ نہ ہوگا اپنے ساتھ سواری پر بٹھالیجئے، وائل ابھی نئے نئے اسلام لائے تھے، دماغ میں نخوت و عنوت بسی ہوئی تھی جواب دیا خاموش تم بادشاہوں کے ساتھ بیٹھنے کے قابل نہیں ہوئے۔

جنگ صفین میں شرکت : کوفہ آباد ہونے کے بعد یہاں اقامت اختیار کر لی جنگ صفین میں حضرت علیؑ کے ساتھ تھے اور حضرموت کا علم ان ہی کے ہاتھ میں تھا۔

۱۔ ابن سعد۔ جلد ۷۔ ق ۲۔ ص ۱۲۹۔ ۲۔ استیعاب۔ جلد ۲۔ ص ۶۲۵۔ ۳۔ ایضاً۔ ۴۔ اسد الغابہ۔ جلد ۵۔ ص ۸۱۔

حضرت امیر معاویہؓ کے عہد خلافت میں ایک مرتبہ ان کے پاس گئے امیر نے پہچان کر نہایت خندہ پیشانی کے ساتھ استقبال کیا، اور اپنا واقعہ یاد دلایا اور چلتے وقت نقدی سلوک کرنا چاہا لیکن وائلؓ نے انکار کر دیا ان کے انکار پر امیر معاویہؓ نے جاگیر پیش کی مگر وائلؓ نے اسے بھی قبول نہ کیا اور کہا مجھ کو اس کی ضرورت نہیں کسی دوسری حاجت مند کو دے دینا۔

وفات : ان ہی کے عہد خلافت میں وفات پائی۔

(۱۲۵) وحشی بن حربؓ

نام و نسب : وحشی نام، ابوہریرہ کنیت، نسلاً حبشی، اور حضرت جبیر بن مطعمؓ کے غلام تھے۔
 حمزہ کا قتل : جنگ بدر میں حضرت حمزہؓ نے جبیر بن مطعمؓ کے چچا طعیمہ بن عدی کو قتل کیا تھا، اس لئے جبیر کو اس کے انتقام کی بڑی فکر تھی، جب احد کی تیاریاں شروع ہوئیں تو جبیر نے وحشی سے کہا کہ اگر تم چچا کے انتقال میں حمزہؓ کو قتل کرو تو تم آزاد ہو آزادی کا نام سن کر وحشی فوراً تیار ہو گیا، میدان جنگ میں جب صف آرائی ہوئی اور مشرکین کی طرف سے سباع نے مبارز طلبی کی تو حضرت حمزہؓ اس کے مقابلہ کو نکلے اور ایک ہی وار میں اس کا کام تمام کر دیا وحشی ایک چٹان کی آڑ میں گھات میں بیٹھا ہوا تھا چڑے ہی حضرت حمزہؓ سباع کو قتل کر کے ادھر سے گزرے اس نے نیزہ سے ایسا وار کیا کہ نیزہ ناف کے پار اتر گیا اور حضرت حمزہؓ اسی جگہ شہید ہو گئے۔

اسلام : آنحضرت ﷺ کو چچا کی شہادت کا بڑا قلق تھا۔ اس لئے وحشی اشتہاری مجرم ہو گیا اور جب مکہ فتح ہو گیا تو اس نے طائف میں پناہ لی جب طائف کا وفد آنحضرت ﷺ کی خدمت میں جانے لگا تو لوگوں نے وحشی سے کہا تم بھی وفد کے ساتھ چلے جاؤ۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ سفراء کے ساتھ برابر تاؤ نہیں کرتے لوگوں کے کہنے سے وحشی ساتھ ہو گیا اور مدینہ پہنچ کر دفعۃً کلمہ پڑھتے ہوئے رسول اللہ ﷺ کے سامنے آ گیا۔

حضرت حمزہؓ رسول اللہ ﷺ کے بڑے محبوب چچا تھے۔ آپ پر ان کی شہادت کا نہایت شدید اثر تھا، لیکن وحشی اولاً سفیر کی حیثیت سے اور پھر مسلمان ہو کر آئے تھے، اس لئے ان کے ساتھ کوئی برا سلوک نہیں ہو سکتا تھا، تاہم آپ نے ان کے چہرہ پر نظر ڈالنا گوارا نہ کیا۔ وحشی سے پوچھا تم ہی نے حمزہؓ

۱۔ استیعاب۔ جلد ۲۔ ص ۶۲۵۔ ۲۔ اصحابہ۔ جلد ۶۔ ص ۳۱۲۔ ۳۔ بخاری کتاب المغازی باب قتل حمزہؓ۔

۴۔ ابن ہشام۔ جلد اول۔ ص ۴۵۴۔

کو شہید کیا تھا انہوں نے مجھ کو عرض کیا آپ نے جو سنا ہے صحیح ہے آپ نے فرمایا اگر ہو سکے تو تم اپنا چہرہ مجھے نہ دکھلاؤ وحشی قبیل ارشاد میں فورا ہٹ گئے۔^۱

حسن تلافی : حضرت حمزہؓ کی شہادت کا جرم وحشی کے دل پر ایسا زخم تھا جو انہیں چین نہیں لینے دیتا تھا اور وہ قبول اسلام کے بعد سے برابر اس کی تلافی کی کوشش میں لگے ہوئے تھے خوش قسمتی سے بہت جلد ان کو اس کا موقع مل گیا آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد جب مشہور مدعی نبوت مسیلہ کذاب کا فتنہ اٹھا تو وحشیؓ نے کہا اب وقت ہے کہ میں مسیلہ کو قتل کر کے حمزہ کے خون کا کفارہ ادا کروں چنانچہ وہی نیزہ جس سے حضرت حمزہؓ کو شہید کیا تھا لے کر مسیلہ کے مقابلہ میں جانے والی مہم کے ساتھ ہو گئے۔^۲ اور میدان جنگ میں پہنچ کر مسیلہ کی تاک میں لگے۔ وہ ایک دیوار کے سوراخ کے پار نظر آیا انہوں نے نیزہ تان کر اس کے سینہ پر ایسا وار کیا کہ نیزہ سینہ کے پار ہو گیا جو کچھ کمی رہ گئی اس کو ایک انصاری نے بڑھ کر پورا کر دیا۔^۳ اس طرح وحشیؓ نے اسلام کے بہت بڑے دشمن کا خاتمہ کر کے حضرت حمزہؓ کا خون بہا ادا کر دیا۔

(۱۴۶) حضرت وہب بن قابوسؓ

نام و نسب : وہب نام، باپ کا نام قابوس تھا نسلاً قبیلہ مزینہ سے تعلق رکھتے تھے اور ارض مزینہ میں رہتے تھے۔

اسلام : جنگ احد کے زمانہ میں اپنے بھتیجے حارث کے ساتھ بکریاں لے کر مدینہ آئے یہاں بالکل سناٹا تھا پوچھا سب لوگ کہاں گئے معلوم ہوا کہ وہ احد پر آنحضرت ﷺ کے سات مشرکین کے مقابلہ میں گئے ہوئے ہیں یہ سکر اسی وقت مشرف باسلام ہو گئے۔

شہادت : قبول اسلام کے بعد احد کی رزمگاہ میں پہنچے ہنگامہ کا بازار گرم تھا وہب مسلمانوں کے ساتھ مل کر حملہ آور ہو گئے اسی دوران میں مشرکین میں سے خالد بن ولید عکرمہ بن ابی جہل پشت کی جانب سے نمودار ہوئے اور نہایت جم کر مقابلہ جاری تھا کہ مشرکین کا ایک اور جتنا نظر آیا آنحضرت ﷺ نے فرمایا اس سے کون نپٹے گا وہب نے عرض کیا یا رسول اللہ، یہ کہہ کر اس قدر تیر بازی کی کہ جتنا واپس جانے پر مجبور ہو گیا مگر ایک دوسرا جتنا نمودار ہو گیا آنحضرت ﷺ نے فرمایا اس کے مقابلہ میں کون آتا ہے وہب نے پھر اپنے کو پیش کیا اور اس زور شور سے حملہ آور ہوئے کہ اس جتنے کا بھی منہ پھیر دیا

۱۔ بخاری کتاب المغازی باب قتل حمزہ۔ ۲۔ سیرت ابن ہشام۔ جلد اول۔ ص ۴۵۴۔

۳۔ بخاری کتاب المغازی باب قتل حمزہ۔

اس سے فارغ ہوئے تھے کہ تیسرا جہاد کھائی دیا آنحضرت ﷺ نے پھر فرمایا اس کے مقابلہ کے لیے کون اٹھتا ہے اس مرتبہ بھی اس سوال کے جواب میں وہب ہی کی آواز آئی آنحضرت ﷺ نے بشارت دی جاؤ جا کر جنت لو یہ مژدہ سن کر شاداں و فرحان یہ کہتے ہوئے کہ نہ کسی کو چھوڑوں گا اور نہ اپنے بچاؤ کی کوشش کروں گا، مشرکین کے جم غفیر میں گھس گئے، اور تلوار چمکاتے ہوئے اس پاسبان سے اس پار نکل گئے مسلمان یہ جرأت اور بہادری دیکھ کر عرش عرش کرتے تھے آنحضرت ﷺ دعا فرماتے تھے کہ خدایا اس پر رحم کرو وہب دیر تک حیرت انگیز شجاعت کے ساتھ لڑتے رہے آخر میں مشرکین چاروں طرف سے ٹوٹ پڑے اور ہر طرف سے نرغہ میں لیکر تیروں اور تلواروں کی بارش شروع کر دی تنہا اس ہجوم کا کب تک مقابلہ کرتے بالا آخر سینکڑوں زخم کھا کر خلعت شہادت سے سرفراز ہو گئے۔^۱

شہادت کے بعد شمار کیا گیا تو بیس زخم ایسے کاری تھے کہ ان میں سے ہر ایک زخم شہادت کے لیے کافی تھا شہید کرنے کے بعد مشرکین نے نہایت بری طرح مسئلہ کیا تھا ان کے بھتیجے حارث یہ المناک منظر دیکھ کر بے قابو ہو گئے اور بے تابانہ اٹھ کر اسی بہادری اور بے جگری سے لڑ کر جام شہادت پیا۔ آنحضرت ﷺ پر وہب کی شہادت کا نہایت سخت اثر ہوا چچا بھتیجے دونوں کی لاشوں پر کھڑے ہو کر فرمایا کہ میں تم سے راضی ہوں مشرکوں نے وہب کی لاش کا اس بری طرح مسئلہ کیا کہ قریب جا کر نظر ڈالنے کی ہمت نہ پڑتی تھی آنحضرت ﷺ خود تشریف لے گئے اور دفن تک ان کے پیروں کی سمت کھڑے رہے اور قبر میں رکھنے کے بعد اپنے ہاتھوں سے سرخ یوں کی چادر کھینچ کر اڑھائی چادر چھوٹی تھی پاؤں کھلے رہ گئے تھے آنحضرت ﷺ نے ان پر حرمہ ڈلوائی اور اپنے ہاتھوں سے سپرد خاک کر کے واپس ہوئے اس حیثیت سے وہب کی شہادت بڑی قابل رشک تھی کہ اسلام کے بعد ان کا ایک لمحہ بھی دنیا سے منقطع نہ ہوا۔ اور سید جنت الفردوس کو سدھارے اس طیب و طاہر زندگی اور اس شہادت پر بڑے بڑے صحابہ رشک کرتے تھے حضرت عمر اور حضرت سعدؓ کہتے تھے کہ کاش مرنی کی شہادت ہم کو نصیب ہوئی ہوتی۔^۲

(۱۶۷) حضرت ہاشم بن عتبہؓ

نام و نسب : ہاشم نام، ابو عمر کنیت مرقال لقب نسب نامہ یہ ہے ہاشم بن عتبہ بن ابی وقاص ابن ابیہب بن عبد مناف بن زہرہ قرشی زہری، ہاشم مشہور صحابی حضرت سعد بن ابی وقاص فاتح ایران کے بھتیجے ہیں۔ اسلام : فتح مکہ میں مشرف باسلام ہوئے۔

۱۔ ابن سعد۔ جلد ۴۔ ق اول۔ ص ۱۸۱۔ ۲۔ ابن سعد۔ جلد ۴۔ ق اول۔ ص ۱۸۱۔

فتوحات میں شرکت : شجاعت و شہامت ان کا خاندانی جوہر تھا بہت آخر میں اسلام کے شرف سے مشرف ہوئے تھے اس لئے حیاتِ نبوی ﷺ میں اس کے مظاہرہ کا موقع نہ ملا سب سے اول فاروقی عہد میں ان کے جوہر نمایاں ہوئے شام کی فتوحات میں خالد بن ولیدؓ کے دوش بدوش داد شجاعت دی، یرموک کی مشہور جنگ میں ایک آنکھ شہید ہوئی^۱۔

اس زمانہ میں پورے شام اور ایران میں جنگ چھڑی تھی ہاشم دونوں میں شریک ہوئے ایران کی معرکہ آرائیوں کے سلسلہ میں قادسیہ کا معرکہ نہایت اہم ہے اس کے لئے حضرت عمرؓ نے دار الخلافہ سے جو منتخب بہادر بھیجے تھے، اس میں ایک ہاشم بھی تھے، چنانچہ وہ حضرت عمرؓ کے حکم سے چھ ہزار کی جمعیت کے ساتھ شام سے روانہ ہوئے اور ٹھیک تیسرے دن ایران کے حدود میں پہنچے اور یرموک کے معرکہ میں شریک ہوئے اس جنگ میں انہوں نے اپنی شجاعت کے نہایت حیرت انگیز مناظر دکھائے اور ایسے کارہائے نمایاں کئے کہ مجاہدینِ قادسیہ میں کوئی بھی ان کے کارناموں کو نہ پہنچ سکا فاحسینِ قادسیہ میں ان کا نام سرفہرست ہے^۲۔

مدائن کی فتح کے بعد جب یزدگرد نے جلواء میں تیاریاں شروع کیں اور سعد بن ابی وقاصؓ کو اس کی خبر ہوئی تو انہوں نے ہاشم کو بارہ ہزار فوج کے ساتھ اس کے مقابلہ کو بھیجا، ان کو جلولا ٹپہنچنے سے پہلے ایرانی تمام انتظام مکمل کر کے مقابلہ کے لئے تیار ہو چکے تھے، اور ہر ایرانی نے میدان جنگ میں جان دے دینے کا عہد کر لیا تھا، اور ان کے پاس طولان سے امداد پر امداد چلی آرہی تھی۔

اسی لئے ہاشمؓ کے آنے کے بعد مسلمانوں نے طے کیا کہ بلا کسی توقف و انتظار کے حملہ کر دینا چاہئے، ورنہ ایرانیوں کی امدادی فوجوں کا سلسلہ ان کی قوت بہت بڑھا دے گا، اس وقت مقابلہ میں زیادہ دشواری ہوگی، اس فیصلے کے بعد مسلمانوں نے جنگ چھیڑ دی، پہلے تیر چلے، پھر تیر نکلے، آخر میں تلواریں نوبت آئی اور اس گھمسان کی جنگ ہوئی کہ تلواروں کی دھاریں الٹ الٹ گئیں ایرانی برابر کا جواب دے رہے تھے آخر میں مسلمانوں نے ہر طرف سے سمٹ کر ایسا زبردست حملہ کیا کہ ایرانیوں کے پاؤں اکھڑ گئے، اور وہ میدان چھوڑ کر بھاگ نکلے مسلمان صبح سے شام تک تعاقب کر کے مارتے رہے شام کی تاریکی میں مجبوراً علیحدہ ہونا پڑا۔

اس شکست فاش کے بعد یزدگرد طولان چلا گیا، اور مسلمان دجلہ کے مشرقی ساحل کے دیہاتوں پر قبضہ کرتے ہوئے مہرور پہنچے، یہاں کے باشندوں نے جزیہ دے کر اطاعت قبول کر لی،

مہرور کے بعد بند قسین پہنچے یہاں کے باشندوں نے بھی جزیہ دے کر اطاعت قبول کر لی۔ خاقین میں ایرانیوں کا ایک جتھا باقی رہ گیا تھا، اسے جریر بن عبد اللہ بکلیؓ نے ہٹا دیا اور سواد جملہ کا پورا علاقہ ہاشم کے زیر قیادت تسخیر ہو گیا، اس کے بعد ہاشم اور اشعث بن قیس وقواق، خانجبار ہوتے ہوئے باجری کے اضلاع کو فتح کرتے ہوئے سن بار کو عبور کر کے شہر ذری کی سرحد تک پہنچ گئے۔

جلولاء کا معرکہ اپنی اہمیت کی وجہ سے فتح الفتوح کہا جاتا ہے اس میں دس لاکھ مال غنیمت مسلمانوں کے ہاتھ آیا اس کی کامیابی تمام تر ہاشم کی کوششوں کا نتیجہ تھی۔

جنگ جمل : اس کے بعد جب خانہ جنگی کا دور آیا اور مسلمانوں کی تلواریں آپس ہی میں چلنے لگیں تو ہاشم کی حق پرست تلوار حقدار کی حمایت میں بے نیام ہوئی ان کا ر.ح.ان ابتدائی سے حضرت علیؓ کی جانب تھا، چنانچہ حضرت عثمانؓ کی خبر شہادت سن کر حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ سے کہا کہ اب اس امت کے بہترین فرد کے ہاتھوں پر بیعت کر لینی چاہیے ابوموسیٰ نے کہا ابھی جلدی کی کیا ضرورت ہے لیکن ہاشم کو توقف گوارا نہ تھا انہوں نے حضرت علیؓ کی خدمت میں جانے تک کی تاخیر گوارا نہ کی اور اپنا ایک ہاتھ دوسرے ہاتھ پر رکھ کر کہا یہ علیؓ کا ہاتھ ہے اور یہ میرا میں بیعت کرتا ہوں جب حضرت علیؓ نے جنگ جمل کی تیاریاں شروع کیں تو حضرت حسنؓ، حضرت عمار بن یاسر اور ہاشم کو کوفیوں کے آمادہ کرنے کے لئے کوفہ روانہ کیا۔ اور اس کے بعد جب جنگ جمل کا آغاز ہوا تو ہاشم شروع سے آخر تک حضرت علیؓ کے ساتھ اور ان کے دست راست رہے۔

جنگ صفین : جنگ جمل کے بعد صفین میں بھی پیش پیش تھے اور وقتاً فوقتاً کوفی فوجوں کو لے کر شامیوں کے مقابلہ میں نکلے تھے اشہر حرم میں التوائے جنگ کے بعد جب دوبارہ جنگی تیاریاں شروع ہوئی تو حضرت علیؓ نے بڑا علم ہاشم کو مرحمت فرمایا۔

شہادت : آخری فیصلہ کن معرکوں کے سلسلہ میں ایک دن پھر حضرت علیؓ نے ہاشم کو علم برداری کا اعزاز بخشا، انہوں نے علم برداری کا پورا حق ادا کر دیا، صبح سے شام تک مسلسل لڑتے رہے، شام کی تاریکی میں ان کے ساتھیوں کے پاؤں اکھڑ گئے، مگر وہ اپنے خاص آدمیوں کے ساتھ برابر جھے رہے حارث بن منذرتونخی نے نیزہ سے زخمی کر دیا، زخم بہت کاری تھا، لیکن ہاشم کے استقلال میں فرق نہ آیا، وہ اسی طرح لڑتے رہے، اسی درمیان میں حضرت علیؓ کا پیام پہنچا کہ علم آگے بڑھاتے جاؤ ہاشم نے پیام

۲۔ اخبار الطول۔ ص ۱۵۳۔

۱۔ یہ تمام واقعات فتوح البلدان بلاذری۔ جلد ۲، ۲۷۲ سے ماخوذ ہیں۔

۳۔ ایضاً۔ ص ۱۸۲۔

لانے والے سے کہا کہ تم میری حالت کا مشاہدہ کرتے جاؤ، اس نے پیٹ پر نظر ڈالی تو دیکھا کئی شکاف پڑے ہوئے تھے، زخموں نے بالکل نڈھال کر دیا تھا، چنانچہ قاصد کی واپسی کے بعد ہی وہ زمین پر گر پڑے۔ ان کے گرنے سے ان کے باقی ماندہ ساتھیوں کے بھی پاؤں اکھڑ گئے، اور ہاشمؓ نے اسی محشر تان قتال میں جان دے دی۔^۱

اس معرکہ میں ان کا ایک پاؤں کٹ کر الگ ہو گیا تھا، لیکن شجاعت کا یہ عالم کہ اس کٹے ہوئے پاؤں کو زمین پر ٹیک کر لڑتے تھے، اور یہ جڑ پڑھتے جاتے تھے۔ الفحل یحییٰ مشوکہ معقولا۔
اولاد : ان کی اولاد میں عبداللہ ان کے خلف الصدق اور بڑے نامور فرزند تھے۔ ہاشمؓ کی شہادت کے بعد حضرت علیؓ نے ان کو علم مرحمت فرمایا تھا۔^۲

فضائل و اخلاق : ہاشمؓ اس شجاعت و شہامت کے ساتھ دوسرے محاسن اخلاق سے بھی آراستہ تھے، علامہ ابن اثیرؒ لکھتے ہیں۔ کان من شجعان الابطال والفضلاء الاخیار۔ ہاشمؓ بڑے نامور بہادروں اور اختیار فضلاء میں تھے۔^۳

(۱۲۸) حضرت ہشامؓ بن حکیم

نام و نسب : ہشام نام، باپ کا نام حکیم تھا، نسب نامہ یہ ہے ہشام بن خرام بن خویلد بن اسد بن عبد العزیٰ بن قصی قرشی اسدی، ام المومنین حضرت خدیجہ صدیقہؓ ہشام کے والد حکیم کی پھوپھی تھیں۔
اسلام : فتح مکہ میں مشرف باسلام ہوئے۔^۴ قبول اسلام کے بعد آنحضرت ﷺ سے قرآن کی بعض سورتوں کی تعلیم حاصل کی۔

وفات : حضرت عمرؓ کے عہد خلافت میں وفات پائی بعض روایتوں سے علم ہوتا ہے کہ اجنادین کے معرکہ میں شہید ہوئے لیکن بروایت صحیح جیسا کہ آگے چل کر معلوم ہوگا ہشامؓ حمص اور فلسطین میں احتساب کرتے تھے، اور یہ دنوں مقام اجنادین کے بعد فتح ہوئے۔

امر بالمعروف ونہی عن المنکر :

ہشام کے صحیفہ اخلاق میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا عنوان بہت نمایاں ہے انہوں نے اس کو اپنا مقصد حیات قرار دے لیا تھا، تمام ارباب سیر متفق اللفظ ہیں کہ

۱۔ ایضاً ص ۱۹۵، ۱۹۶۔ ۲۔ اخبار الطوال ص ۱۹۵، ۱۹۶۔ ۳۔ اسد الغابہ جلد ۵ ص ۴۹۔

۴۔ استیعاب جلد ۲ ص ۶۱۱۔

”کان ممن یامر بالمعروف وینہی عن المنکر“ یعنی ہشام امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنے والوں میں تھے، اس فریضہ کے خاطر انہوں نے کسی سے دوستانہ تعلقات نہیں پیدا کئے اور اہل و عیال کے علائق سے بھی آزاد رہے ایک سیاح کی طرح چکر لگا کر ہر جگہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فرض ادا کرتے تھے^۱۔

ان کی تبلیغ کا دائرہ غربا کے جھوپڑوں سے لے کر امراء و عمال کے قصور اور ایوان حکومت تک یکساں وسیع تھا، عہد فاروقی کے مشہور فوجی افسر اور والی حکومت عیاض نے فتوحات کے سلسلہ میں کسی کو کوڑے لگائے، ہشام نے انہیں سخت تنبیہ کی عیاض ایک ممتاز افسر تھے، ان کو ہشام کی یہ علانیہ تنبیہ بہت ناگوار ہوئی اور اس سے ان کو بڑی تکلیف پہنچی چونکہ ہشام کی اس میں کوئی ذاتی غرض شامل نہ تھی، اس لئے دو تین دن کے بعد انہوں نے عیاض سے معذرت کی، آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد سنایا کہ ”آخرت سے زیادہ عذاب اس شخص پر ہوگا، جو دنیا میں لوگوں کو عذاب دے گا، عیاض نے کہا تم نے رسول اللہ ﷺ کے جو افعال دیکھے اور جو اقوال سنے وہ میں نے بھی دیکھے اور سنے، لیکن تم رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان بھول گئے، کہ ”جو شخص کسی حاکم کو نصیحت کرنا چاہے تو اس کو علانیہ نہ کرنا چاہئے بلکہ اس کا ہاتھ پکڑ کے الگ لے جا کر سمجھا دینا چاہئے، اگر وہ قبول کر لے تو فہماور نہ کہنے والا اپنے فرض سے سبکدوش ہو گیا“^۲۔

ایک مرتبہ چند ذمیوں کو دھوپ میں کھڑا دیکھا سبب پوچھا تو معلوم ہوا جزیہ نہ ادا کرنے کے جرم میں سزا دی جا رہی ہے۔ یہ سن کر بو لے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ جو شخص دنیا میں لوگوں کو عذاب دیتا ہے خدا اس کو آخر میں عذاب دے گا، اور فلسطین کے حاکم عمیر بن سعد کو یہ حدیث سنا کر ذمیوں کو تکلیف سے نجات دلائی^۳۔

حضرت عمرؓ کو ان کے اس احتساب پر اتنا اعتماد تھا کہ جب کوئی ایسا واقعہ پیش آتا جسے وہ ناپسند کرتے تو فرماتے جب تک میں اور ہشام زندہ ہوں ایسا نہیں ہو سکتا^۴۔

فضل و کمال : قرآن کریم کی بعض سورتوں کی تعلیم براہ راست زبان وحی والہام سے حاصل کی تھی، اس لئے بعض مرتبہ قرأت میں ان کا علم کبار صحابہ کے مقابلہ میں زیادہ صحیح نکلتا تھا، ایک مرتبہ ہشام نماز میں سورۃ فرقان پڑھ رہے تھے حضرت عمرؓ نے سنا تو انہیں عام قرأت سے ان کی قرأت میں

۱۔ استیعاب واصابہ تذکرہ، ہشام ۲۔ مسند احمد بن حنبل۔ جلد ۳۔ ص ۴۰۴ ۳۔ مسند احمد بن حنبل۔ جلد ۳۔ ص ۴۰۴

۴۔ استیعاب۔ جلد ۲۔ ص ۶۱۹۔

اختلاف معلوم ہوا ہشامؓ نے سلام پھیرا تو حضرت عمرؓ نے اس کو چادر سے کس لیا، اور پوچھا اس طریقہ سے تم کو کس نے پڑھایا، انہوں نے کہا رسول اللہ ﷺ نے، حضرت عمرؓ نے فرمایا تم جھوٹ کہتے ہو مجھ کو رسول اللہ ﷺ نے ہی یہ آیتیں تعلیم دی ہیں، مگر اس میں اور تمہارا قرأت میں اختلاف ہے اور انہیں کشاں آنحضرت ﷺ کی خدمت میں لا کر عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ قرآن کی قرأت یہ ایسے حروف میں کرتے ہیں جس کے خلاف آپ نے مجھے تعلیم دی ہے۔ آنحضرت ﷺ نے دونوں سے پڑھوا کر سنا، اور فرمایا ان دونوں قرأتوں میں کوئی اختلاف نہیں ہے قرآن سات حرفوں پر نازل ہوا ہے جو ان میں آسان معلوم ہوا سے اختیار کرو۔^۱

حدیث میں ان کا کوئی قابل ذکر پایہ نہیں ہے تاہم حدیث کی کتابیں ان کی مرویات سے بالکل خالی نہیں ہیں۔ جیسر بن کثیر اور عروہ نے ان سے روایت کی ہے۔^۲

(۱۲۹) حضرت ہند بن حارثہؓ

نام و نسب : ہند نام، باپ کا نام حارثہ تھا، نسب نامہ یہ ہے۔ ہند بن حارثہ بن سعید بن عبد اللہ ابن غیاث بن سعد بن عمرو بن عامر بن ثعلبہ بن مالک بن افضی السلمی۔

اسلام : ہند آٹھ بھائی تھے، اور آٹھوں صلح حدیبیہ کے پہلے مشرف باسلام ہوئے صلح حدیبیہ میں آنحضرت ﷺ کے ہمرکاب تھے اور بیعت رضوان کے شرف سے مشرف ہوئے، ان میں دو بھائی ہند اور اسماء مستقل طور سے دامن نبوی ﷺ سے وابستہ ہو گئے، شب و روز آنحضرت ﷺ کی خدمت گزاری میں رہتے تھے، حضرت ابو ہریرہؓ جیسے آستانہ نبوت کے حاضر باش روایت کرتے ہیں کہ اسماء اور ہند کی خدمت گزاری اور حاضر باشی کی وجہ سے میں انہیں آپ کا خادم سمجھتا تھا۔^۳

ہند نہایت مسکین تھے، معاش کا کوئی سہارا نہ تھا، اس لئے اصحاب صفہ کے زمرہ میں شامل ہو گئے۔^۴ آنحضرت ﷺ نے عاشورہ کے روزہ کا حکم بنی اسلم میں ان ہی کے ذریعہ بھجوا یا تھا۔^۵

وفات : امیر معاویہؓ کے عہد خلافت میں وفات پائی۔^۶

۱۔ بخاری ابواب فضائل القرآن۔ ۲۔ تہذیب الکمال۔ ص ۴۰۹۔ ۳۔ اسد الغابہ۔ جلد ۵۔ ص ۷۱۔
۴۔ ابن سعد۔ جلد ۴۔ ق ۲۔ ص ۵۱۔ ۵۔ اسد الغابہ۔ جلد ۵۔ ص ۷۱۔ ۶۔ ابن سعد۔ جلد ۴۔ ق ۲۔ ص ۵۱۔
محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

(۱۳۰) حضرت یاسر بن عامرؓ

نام و نسب : یاسر نام، ابو عامر کنیت، یاسر مشہور صحابی حضرت عمارؓ کے والد ہیں، نسب نامہ یہ ہے۔ یاسر بن عامر بن کنانہ بن قیس بن حصین بن ویم بن ثعلبہ بن عوف بن حارثہ بن عامر الکبر بن یام بن عنس بن مالک بن اود بن شجب بن عریب بن زید بن کہلان بن سبا بن شجب بن یعر ب قحطان عنس قحطانی۔

اسلام سے پہلے: حضرت یاسرؓ قحطانی النسل اور یمن کے باشندے تھے، اپنے ایک مفقود اخیر بھائی کی تلاش میں یہ ان کے دو بھائی حارث اور مالک مکہ آئے، حارث اور مالک تو لوٹ گئے لیکن یاسر نے ابو حذیفہ بن مغیرہ سے حلیفانہ تعلق پیدا کر کے مکہ میں اقامت اختیار کر لی، ابو حذیفہ نے اپنی ایک لونڈی سمیہ سے ان کی شادی کر دی ان ہی کے لطن سے حضرت عمارؓ پیدا ہوئے تھے، قانوناً عمار ابو حذیفہ کے غلام تھے، لیکن انہوں نے ان کو آزاد کر دیا تھا اور باپ بیٹے دونوں ابو حذیفہ کے ساتھ رہتے تھے۔

اسلام: ابو حذیفہ کی وفات کے بعد مکہ میں جب اسلام کا غلغلہ بلند ہوا تو تینوں ماں باپ بیٹے مشرف باسلام ہو گئے۔ اس وقت بہت کم لوگوں نے اس دعوت حق کا جواب دیا تھا، بروایت صحیح اس وقت ان کی تعداد تیس پینتیس سے زیادہ نہ تھی۔

آزمائش: دعوت اسلام کے آغاز میں بڑے بڑے ذی وجاہت مسلمان جابرہ قریش کی ستم آرائیوں سے محفوظ نہ تھے تو ان تینوں بے یار و مددگار غریبوں کا کیا شمار تھا، حضرت سمیہؓ بنی مخزوم کی غلامی میں تھیں، اور تینوں ان کے زیر بار احسان تھے اس لئے بنی مخزوم نے انہیں مشق ستم بنالیا، طرح طرح کی اذیتیں دیتے ٹھیک دوپہر کی دھوپ میں تپتی ہوئی ریگ پر لٹاتے حضرت عمارؓ غصصیت کے ساتھ اس آزمائش کا نشانہ بنتے آنحضرت ﷺ ان بے بس غریبوں کو اس حال میں دیکھ کر تسلی دیتے کہ آل یاسر خدا تم کو اس کے بدلے میں جنت عطا کرے گا۔

شہادت: بنی مخزوم نے اپنی تمام سختیاں ان تینوں پر ختم کر دیں، لیکن ان کی زبان کلمہ توحید سے نہ پھری آخر میں سمیہؓ کو ابو جہل نے نہایت وحشیانہ طریقے سے نیزہ سے زخمی کر کے شہید کر ڈالا۔ حضرت یاسرؓ ضعیف و ناتواں تھے ان وحشیانہ سزاؤں کی تاب نہ لا سکے اور کچھ دنوں کے بعد وہ بھی شہید ہو گئے۔

۱۔ ابن سعد۔ جلد ۲۔ ۳۔ ق اول۔ ص ۱۰۰۔ ایضاً۔ ۲۔ مستدرک حاکم۔ جلد ۳۔ ص ۳۸۳۔ ۳۔ ایضاً۔

۴۔ اصابہ۔ جلد ۶۔ ص ۳۲۳۔ وابن سعد۔ جلد ۳۔ ق اول تذکرہ عمار بن یاسر۔

(۱۳۱) حضرت یزید بن ابی سفیانؓ

نام و نسب : یزید نام ہے، ابو خالد کنیت، خیر لقب۔ نسب نامہ یہ ہے : یزید بن ابی سفیان بن حرب بن اُمیہ بن عبد شمس بن عبد مناف بن قصی قرشی اُموی۔ ماں کا نام زینب تھا۔ یزید حضرت امیر معاویہؓ کے سوتیلے بھائی اور ابوسفیان کی اولاد میں سب سے زیادہ نیک اور سلیم الطبع تھے۔ اس لئے یزید الخیر لقب ہو گیا تھا۔

اسلام و غزوات : فتح مکہ میں اپنے اہل خاندان کے ساتھ مشرف باسلام ہوئے غزوات میں سب سے اول حنین میں شرکت کی۔ آنحضرت ﷺ نے حنین کے مال غنیمت سے چالیس اوقیہ (سونایا چاندی) اور سواونٹ مرحمت فرمائے^۱۔ اور بنی فراس کا امیر بنایا^۲۔

شام کی فوج کشی اور امارت :

حضرت یزید نہایت شجاع اور بہادر تھے۔ لیکن بہت آخر میں اسلام لائے تھے۔ اس لئے عہد نبوی میں انہیں کارگزاری دکھانے کے کم مواقع ملے۔ عہد صدیقی سے ان کے کارناموں کا آغاز ہوتا ہے۔ چنانچہ جب شام پر فوج کشی ہوئی تو حضرت ابو بکرؓ نے یزید کو شرف امارت عطا کیا اور وانگی کے وقت کچھ دور پیادہ رخصت کرنے کے لئے نکلے۔ یزید نے خلیفہ رسول اللہ ﷺ کو پیادہ دیکھ کر عرض کیا، یا آپ بھی سوار ہو جائیے یا مجھے پیدل چلنے کی اجازت مرحمت ہو۔

فرمایا، ”نہ مجھ کو سوار ہونے کی ضرورت ہے نہ تم کو اترنے کی۔ میں جتنے قدم رکھتا ہوں، ان کو راہ خدا میں شمار کرتا ہوں۔ رخصتی کے وقت فرمایا، تم کو شام میں تارک الدنیا راہب ملیں گے۔ ان سے اور ان کی راہبانیت سے تعرض نہ کرنا، تم کو ایسے لوگوں سے واسطہ پڑے گا، جو بیچ سے سرمندانے ہیں۔ تم کو اسی حصہ پر تلوار مارنا ہے۔“

تم کو دس نصیحتیں کرتا ہوں، ان کا ہمیشہ خیال رکھنا : عورتوں لہجوں^۳ اور بوڑھوں^۴ کو نہ مارنا۔ پھلے پھولے^۵ درختوں کو نہ کاٹنا۔ آبادیاں^۶ ویران نہ کرنا۔ بکری^۷ اور اونٹ^۸ کے کھانے کے علاوہ بے کار ذبح نہ کرنا۔ درخت^۹ نہ جلانا۔ پانی میں^{۱۰} نہ ڈبونا۔ خیانت^{۱۱} نہ اور بزوری نہ کرنا^{۱۲}۔

۱۔ ابن سعد۔ جلد ۷۔ قسم ۲۔ ص ۱۲۷ ۲۔ اصحاب۔ جلد ۶۔ ص ۳۴۱ ۳۔ موطا امام مالک۔ کتاب الجہاد

باب النبی عن قتال النساء والولدان فی الغزوہ

ان زریں ہدایت کو لے کر یزیدؓ شام روانہ ہوئے اور ارض شام میں پہنچنے کے بعد سب سے پہلے خالبن ولید کے ساتھ بصری پر حملہ آور ہوئے، بصری والوں نے صلح کر لی، بصری کے بعد فلسطین کا رخ کیا، اجنادین میں رومیوں سے مقابلہ ہوا، ان کو شکست دی۔ اردن کی فتح کے بعد حضرت ابو عبیدہؓ بن الجراح نے یزید کو ساحلی علاقہ کی طرف روانہ کیا۔ انہوں نے عمرو بن العاص کے ساتھ مل کر اس کو زیر نگین کیا۔

دمشق کے محاصرہ میں شہر کے ہر حصہ پر علیحدہ علیحدہ افرستے تھے۔ چنانچہ باب صفر سے لے کر باب کیسان تک کی نگرانی یزید کے سپرد تھی۔ دمشق کی فتح کے بعد جب ابو عبیدہؓ نے حمص کا ارادہ کیا تو یزید کو دمشق پر اپنے قائم مقام کی حیثیت سے چھوڑ گئے۔

اس سلسلے میں مشہور جنگ یرموک میں یزید ایک حصہ فوج کے افرستے تھے۔ حضرت عبیدہؓ کی وفات کے بعد ۱۸ھ میں حضرت عمرؓ نے یزید کو فلسطین کا حاکم بنایا اور قیساریہ کی مہم ان کے سپرد کی۔ مسلمان اس وقت قیساریہ کا محاصرہ کئے ہوئے تھے۔ یزیدؓ حضرت عمرؓ کے حکم کے مطابق سترہ ہزار فوج لے کر ان کی مدد کو قیساریہ پہنچے اور اپنے بھائی معاویہؓ کو اپنا قائم مقام بنا کر پھر فلسطین لوٹ آئے۔ امیر معاویہؓ نے یہ مہم سر کر کے ان کے پاس اطلاع بھیجی۔ انہوں نے دار الخلافہ اطلاع دی۔ غرض یزیدؓ شام کی فتوحات میں شروع سے آخر تک امتیازی حیثیت سے شریک رہے اور ان کی شجاعت و تجربہ سے فتوحات میں بڑی مدد ملی۔ ان سب کی تفصیلات خالد بن ولید اور عمرو بن العاص کے حالات میں لکھی جا چکی ہیں۔ اس لئے اس موقع پر خاص واقعات کے سوا انہیں قلم انداز کر دیا گیا۔

وفات : ۱۸ھ کے شروع میں طاعون کی وبا میں ارض شام میں انتقال کیا۔

(۱۳۲) حضرت یزیدؓ بن شجرہ رہاوی

نام و نسب : یزید نام ہے۔ باپ کا نام شجرہ تھا۔ قبیلہ مذحج کی ایک شاخ سے نسب تعلق رکھتے تھے۔ ان کے جد اعلیٰ رہا سے اوپر نسب نامہ یہ ہے : رہا بن یزید بن عتبہ بن حرب بن مالک ابن آرز شامی۔ اسلام : ان کے اسلام کا زمانہ متعین طور سے نہیں بتایا جاسکتا غالباً عہد رسالت ﷺ کے آخر میں مشرف باسلام ہوئے۔

۱۔ اسد الغابہ۔ جلد ۵۔ ص ۱۲۲ ۲۔ فتوح البلدان بلاذری۔ ص ۱۲۳ ۳۔ ایضاً۔ ص ۶۲ و ۱۱۷

۴۔ فتوح البلدان بلاذری۔ ص ۱۲۷

ذوق جہاد : ان کا خاص اور امتیازی وصف جہاد کا شوق و ولولہ تھا۔ مگر عہد رسالت میں تاخیر اسلام کی وجہ سے انہیں اس سعادت کا موقع نہیں ملا۔ خلفائے راشدین کے زمانہ میں بعض لڑائیوں میں شرکت کا پتہ چلتا ہے۔ ان کی تلوار پورے طور پر امیر معاویہ کے زمانہ میں بے نیام ہوئی۔ اس عہد میں رومیوں کے مقابلہ میں اکثر مہمیں ابن شجرہ ہی کی قیادت میں بھیجی جاتی تھیں۔ ان کی ایک تقریر سے جو انہوں نے مسلمانوں کے سامنے ترغیب جہاد کے لئے کی تھی ان کے ولولہ جہاد کا اندازہ ہوتا ہے۔

”لوگو ! کاش تمہیں بھی سیاہ سپید اور سرخ و سبز رنگوں اور فوجوں کے کوچ میں وہ کچھ نظر آتا جو میں دیکھتا ہوں۔ میدان جنگ میں جب مسلمان نماز کے لیے صف بستہ ہوتے ہیں تو جنت و دوزخ اور آسمانوں کے دروازے کھل جاتے ہیں اور حوریں اپنی پوری آرائش و جمال کے ساتھ نکل آتی ہیں اور ہر اس مجاہد کے لئے جو میدان کارزار میں قدم رکھتا ہے، دعا کرتی ہیں کہ خدایا اسے ثابت قدم رکھ اور اس کی مدد فرما اور جو پیچھے ہٹتا ہے اس سے اپنا چہرہ چھپالیتی ہیں۔ پس اے قوم کے معززین مرے ماں باپ تم پر فدا ہوں، جنگ میں پوری کوشش اور ثابت قدمی دکھاؤ۔ یاد رکھو کہ تم میں جب کوئی میدان جنگ کی طرف قدم بڑھاتا ہے تو خون کے فوارہ کی پہلی پھوار سے اس کے گناہ خزاں رسیدہ پتوں کی طرح جھڑ جاتے ہیں، اور حوریں آکر اپنے ہاتھوں سے اس کا گرد و غبار جھاڑتی ہیں۔“

امارت حج : ۳۹ھ میں امیر معاویہ نے ان کو اپنی جانب سے امیر الحج بنا کر بھیجا تھا۔ حضرت علیؑ کی جانب سے قثم بن عباس مکہ کے حاکم تھے۔ اس لئے امارت حج کے بارہ میں اختلاف ہوا۔ حضرت ابوسعید خدری نے ایک تیسرے شخص شیبہ بن عثمان کا نام امارت حج کے لئے پیش کیا ان پر فریقین رضامند ہو گئے۔

وفات : ۵۵ھ میں رومیوں کے مقابلہ میں کسی معرکہ میں شہید ہوئے۔

(۱۳۳) حضرت ابو امامہ بابلیؓ

نام و نسب : صدی نام ہے۔ ابو امامہ کنیت۔ نسب نامہ یہ ہے : ابو امامہ بن عجلان بن وہب بن عریب بن وہب بن رباح بن حارث بن وہب بن معن بن مالک بن اعصر بن سعد بن قیس بن عیلان بن مضر۔ بابلہ معن بن مالک کی بیوی تھیں معن کی لولا داہنی ماں کی نسبت سے بابلی مشہور ہوئی۔

۱۔ مستدرک حاکم۔ جلد ۳۔ ص ۴۹۴ ۲۔ حاکم نے پوری تقریر لکھی ہے۔ ہم نے اس کا ابتدائی کٹا نقل کیا ہے۔

۳۔ اسد الغابہ۔ جلد ۵۔ ص ۱۱۴ ۴۔ مستدرک حاکم حوالہ نہ کر رہا ہے۔ جلد ۲۔ ص ۶۲۹

اسلام اور بیعت رضوان : ابوامامہ ان خوش قسمت بزرگوں میں ہیں، جنہوں نے اسلام کی دعوت کا جواب اس وقت دیا جب اس کا جواب نوکِ سنان اور تیر و خنجر سے ملتا تھا۔ اسلام کے بعد سب سے اول غزوہ حدیبیہ میں شریک ہوئے اور بیعت رضوان کا شرف حاصل کیا۔ جب مسلمانوں کو رضوان الہی کی یہ ،

”لقد رضى الله عن المؤمنين اذ يبايعونك تحت الشجرة“

”اللہ راضی ہوا مسلمانوں سے جب انہوں نے تمہارے ہاتھوں پر درخت کے نیچے بیعت کی“

سند ملی تو امامہ نے آنحضرت ﷺ سے عرض کیا، یا رسول اللہ (ﷺ) میں بھی ان لوگوں میں ہوں جو بیعت کے شرف سے مشرف ہوئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا تم مجھ سے ہو اور میں تم سے ہوں۔^۱

دعوت اسلام : قبول اسلام کے بعد آنحضرت ﷺ نے انہیں ان کے قبیلہ میں دعوت اسلام کے لئے بھیجا۔ جس وقت یہ پہنچے اس وقت اہل قبیلہ اونٹوں کو پانی پلانے کے بعد ان کا دودھ دوہ کر پی رہے تھے۔ ابوامامہ کو دیکھا تو ”مرحبا بالصدي بن عجلان صدي بن عجلان خوش آمدید“ کہہ کر استقبال کیا۔

قبیلہ میں ان کے سلام کی خبر ہو چکی تھی۔ چنانچہ استقبال کے بعد سب سے پہلا سوال یہ ہوا کہ ہم نے سنا ہے کہ اس شخص (رسول اللہ ﷺ) کے ساتھ تم بھی بے دین ہو گئے؟ ابوامامہ نے جواب دیا، نہیں بے دین نہ ہوا ہاں خدا اور اس کے رسول پر ایمان لایا ہوں اور رسول اللہ ﷺ نے تمہارے پاس بھیجا ہے کہ تا کہ تمہارے سامنے اسلام اور اس کے قوانین پیش کروں۔ ابھی یہ گفتگو جاری تھی کہ بعض اہل قبیلہ ایک بڑے کاسہ میں خون لائے۔ سب حاضرین بڑے ذوق و شوق سے کھانے لگے اور ابوامامہ کو بھی شرکت کی دعوت دی۔ انہوں نے کہا تم لوگوں پر افسوس ہوتا ہے۔

میں اس شخص کے پاس سے آ رہا ہوں جس نے حکمِ خدا اس چیز کو حرام قرار دیا ہے۔ لوگوں نے وہ حکم پوچھا۔ ابوامامہ نے یہ آیت ، ”حرم عليكم الميتة والدم ولحم الخنزير.....“ الا ما ذكيتم“ تک تلاوت کر کے سنائی اور اسی سلسلہ میں اسلام کی تبلیغ شروع کر دی۔ اس کا جواب انکار کی صورت میں ملا۔ ابوامامہ کو پیاس معلوم ہوئی تو پانی مانگا لیکن دعوتِ اسلام کے بعد ہی تمام اہل قبیلہ ان سے پھر گئے اور جنہوں نے تھوڑی دیر پہلے مرحبا کہہ کر استقبال کیا تھا ان ہی کی جانب سے یہ جواب ملا کہ تم تڑپ تڑپ کر مر جاؤ مگر تم کو پانی کا ایک قطرہ نہیں مل سکتا۔ یہ خشک جواب سن کر ابوامامہ ہمتی ہوئی ریت پر سو گئے۔

خواب میں قدرت الہی نے سیراب کر دیا۔ سو کراٹھے تو قبیلہ والے اپنی بدخلقی پر باتیں کر رہے تھے کہ تمہارے سرداروں میں ایک شخص تمہارے پاس آیا اور تم نے دودھ اور خرے تک سے اس کی تواضع نہ کی۔ اس احساس کے بعد اہل قبیلہ نے ان کے سامنے دودھ اور خرما پیش کیا مگر انہوں نے اس کے قبول کرنے سے انکار کر دیا اور کہا خدا نے مجھ کو سیراب کر دیا ہے۔ حافظ ابن حجر کی روایت کے مطابق ان کا قبیلہ آخر میں ان کی کوششوں سے مشرف باسلام ہو گیا۔

وفات : جنگ صفین میں حضرت علیؓ کے ساتھ تھے۔ پھر شام میں اقامت اختیار کر لی اور یہیں عبدالملک اموی کے عہد ۸۶ھ میں وفات پائی۔ وفات کے وقت ایک سو چھ برس کی عمر تھی۔ ابن سعد نے ۶۱ برس کی عمر لکھی ہے لیکن یہ صریحاً غلط ہے اس لئے کہ اس صورت میں حضرت عمرؓ کے زمانہ میں ابوامامہؓ کی پیدائش ماننا پڑے گی۔

فضل و کمال : فضل و کمال میں امتیازی پایہ رکھتے تھے۔ حدیث کی تبلیغ و اشاعت ان کا خاص مشغلہ تھا۔ جہاں دو چار آدمی ایک جگہ مل جاتے، ان کے کانوں تک احادیث نبوی ﷺ پہنچا دیتے۔ سلیم بن عامر راوی ہیں کہ جب ہم لوگ ابوامامہؓ کے پاس بیٹھتے تو وہ ہم کو احادیث کی بہت اہم باتیں سناتے اور کہتے کہ ان کو سنو، سمجھو اور جو سنتے ہو اس کو دوسروں تک پہنچاؤ۔ لوگوں سے کہتے کہ ہماری مجلسیں تم لوگوں کے لئے خدائی تبلیغ (گاہیں) ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کے ذریعے جو احکام ہمارے لئے بھیجے گئے، ان کو آپ ﷺ نے ہم تک پہنچایا۔ اب تم لوگ ہم سے جو اچھی باتیں سنو ان کی تبلیغ کرو اور دوسروں تک پہنچاؤ۔

اس مشغلہ کی وجہ سے تشنگانِ علم اکثر اس سرچشمہ فیض کے گرد جمع رہتے اور شائقینِ حدیث ان سے حدیثیں سنتے۔ حمص کی مسجد میں داخل ہوئے۔ مکحول اور ابن ابی زکریا بیٹھے ہوئے تھے۔ مکحول نے کہا کیا اچھا ہوتا اگر ہم لوگ اس وقت رسول اللہ ﷺ کے صحابی ابوامامہؓ کے پاس چلتے، ان کا حق ادا کرتے اور ان سے حدیث سنتے۔ اس تجویز پر ہم لوگ اٹھ کر ابوامامہؓ کے پاس پہنچے، سلام و جواب کے بعد انہوں نے کہا تمہارا آنا تمہارے لئے رحمت اور تم پر حجت ہے۔ میں نے رسول اللہ ﷺ کو اس امت کے لئے جھوٹ اور عصیت سے زیادہ کسی چیز کے لئے خوف کرتے ہوئے نہیں دیکھا۔ اس لئے خبردار! جھوٹ اور عصیت سے ہمیشہ بچتے رہنا۔ آپ ﷺ نے ہم کو یہ

۱۔ مستدرک حاکم۔ جلد ۳۔ ص ۶۴۲ ۲۔ اصابہ۔ جلد ۳۔ ص ۴۴۱

۳۔ مسند داری باب البلاغ عن رسول اللہ ﷺ و تعلیم سنن ۴۔ ابن سعد۔ جلد ۷۔ ص ۱۳۲۔ ق ۲

حکم دیا تھا کہ آپ ﷺ کا یہ فرمان تم لوگوں کے کانوں تک پہنچا دیا جائے۔ ہم اپنا فرض ادا کر چکے اب اسے دوسروں کے کانوں تک پہنچانا تمہارا فرض ہے۔^۱

ان کے مرویات کی مجموعی تعداد (۳۵۰) ہے۔ ان میں سے پانچ روایتیں بخاری میں اور تین مسلم میں ہیں۔^۲

ان کے رواد اور علامہ میں سلیمان بن حبیب بخاری، شداد بن عمار دمشقی، محمد بن زیاد الالبانی، ابوسلام الاسود، محمول الشامی، شہر بن حوشب، قاسم بن عبد الرب، رجاء بن حیوة، سالم بن ابی الجعد، خالد بن سعدان، ابو غالب الراجبی اور سلیم بن عامر وغیرہ قابل ذکر ہیں۔^۳

(۱۳۳) حضرت ابوبصیرؓ

نام و نسب : عتبہ نام، ابوبصیر کنیت، نسب نامہ یہ ہے : عتبہ بن اسید بن جاریہ بن اسید بن عبد اللہ ابن ابی سلمہ بن غیرہ بن عوف بن ثقیف۔ ماں کا نام سالمہ تھا، نانہالی شجرہ یہ ہے۔ سالمہ بنت عبد بن یزید بن ہاشم بن مطلب۔

اسلام اور قید محن : ابوبصیر اس زمانہ میں مشرف باسلام ہوئے جب تعزیرات مکہ میں اس کی ادنیٰ سزا قید و بند تھی۔ چنانچہ ابوبصیر اسلام کے جرم میں قید محن میں ڈال دیئے گئے۔^۴

صلح حدیبیہ کے زمانہ میں جب آنحضرت ﷺ تشریف لائے تو ابوبصیر کسی نہ کسی طرح قید سے چھوٹ کر آپ ﷺ کے پاس پہنچے۔ اس وقت صلح ہو چکی تھی۔ اس کی دفعات میں ایک دفعہ یہ بھی تھی کہ جو مسلمان مشرکین کے پاس سے بھاگ کر رسول اللہ ﷺ کے پاس چلا جائے گا، اس کو آپ ﷺ واپس کر دیں گے۔ اس لئے ان کے آنے کے بعد ہی ازہر بن عوف اور احنس بن شریق نے آنحضرت ﷺ کے پاس آدمی بھیجے کہ وہ معاہدہ کی رو سے ابوبصیر کو واپس لے آئیں۔

آنحضرت ﷺ کو ابوبصیر کی واپسی کے نتائج معلوم تھے، لیکن معاہدہ کی پابندی کے خیال سے آپ ﷺ نے ابوبصیرؓ سے فرمایا کہ ”ہم نے ان لوگوں سے جو معاہدہ کیا ہے وہ تم کو معلوم ہے۔ ہمارے مذہب میں بدعہدی اور فریب بہت بڑی چیز ہے، اس لئے اس وقت تم واپس چلے جاؤ۔ آئندہ خدا تمہاری اور دوسرے مائتواں اور مظلوم مسلمانوں کی رہائی کا کوئی نہ کوئی سامان کر دے گا۔“

۱۔ اسد الغابہ۔ جلد ۳۔ ص ۱۶ ۲۔ تہذیب اللہ ال۔ ص ۱۷۳ ۳۔ تہذیب التہذیب۔ جلد ۴۔ ص ۴۲۰

۴۔ سیرۃ ابن ہشام۔ جلد ۴۔ ص ۱۷۲-۱۷۳

ابو بصیرؓ مشرکین کے مظالم کا تجربہ کر چکے تھے۔ اس لئے عرض کیا یا رسول اللہ (ﷺ) آپ مجھ کو مشرکین کے حوالہ کرتے ہیں کہ وہ میرے مذہب میں مجھے فتنہ میں مبتلا کریں۔ آپ ﷺ نے فرمایا، ابو بصیر جاؤ عنقریب اللہ تعالیٰ تمہارے اور دوسرے کمزور مسلمانوں کے لئے کوئی راہ نکال دے گا۔ اس مکرر حکم کے بعد چوں چراں کی گنجائش نہ تھی۔ اس لئے راضی بہ رضا ہو کر قریش کے آدمیوں کے ساتھ واپس چلے گئے۔

ذوالحلیفہ پہنچ کر ساتھ لے جانے والے آدمی کھجوریں کھانے کے لئے ٹھہر گئے۔ ابو بصیرؓ نے ان میں سے ایک سے کہا واللہ تمہاری تلوار کتنی اچھی ہے، دوسرے نے بھی ان کی تائید کی، تلوار میان سے کھینچ کر کہا، ہاں واللہ نہایت عمدہ تلوار ہے، میں نے اس کا بارہا تجربہ کیا ہے۔ ابو بصیرؓ نے کہا لاؤ ذرا میں بھی دیکھوں اور تلوار لے کر ایک شخص کو وہیں ڈھیر کر دیا دوسرا آدمی خوف سے بھاگ نکلا اور مدینہ جا کر مسجد نبوی ﷺ میں پہنچا۔

آنحضرت ﷺ نے اسے بدحواس دیکھ کر فرمایا یہ خوف زدہ معلوم ہوتا ہے قریب جا کر اس شخص نے واقعہ بیان کیا کہ میرا ایک ساتھی اس طرح سے مار ڈالا گیا اور میری جان بھی خطرہ میں ہے۔ ابھی یہ شخص واقعہ بیان کر رہا تھا کہ ابو بصیرؓ بھی پہنچ گئے اور عرض کی یا نبی (ﷺ) آپ کو خدا نے ذمہ داری سے سبکدوش کر دیا۔ آپ ﷺ نے مجھے معاہدہ کے مطابق واپس کر دیا تھا خدا نے مجھے نجات دلا دی۔ آنحضرت ﷺ نے ان کی باتیں سن کر فرمایا یہ شخص بھی آتش جنگ بھڑکانے کا آلہ ہے اگر اسے کچھ مددگار اور ساتھی مل جائیں۔ ابو بصیرؓ نے یہ سنا تو سمجھے کہ آپ ﷺ پھر لوٹا دیں گے۔ اس لئے مدینہ سے ساحلی مقامات کی طرف نکل گئے۔

کچھ دنوں کے بعد اسی قسم کے ایک اور ستم رسیدہ بزرگ حضرت ابو جندلؓ بھی پہنچ گئے۔ ان دونوں نے دوسرے بلا نشان ستم کے لئے رستہ کھول دیا اور مظلوم مسلمان قریش کے پیچھے ظلم سے بھاگ بھاگ کر یہاں جمع ہونے لگے۔ چند دنوں میں ان کی خاصی جماعت ہو گئی اتفاق سے قریش کے کاروان تجارت کا گزر گاہ یہی تھا جب کوئی قافلہ گزرتا تو یہ لوگ اہل قافلہ کو قتل کر کے سامان لوٹ لیتے۔ اس سے قریش کی تجارت خطرہ میں پڑ گئی۔ چنانچہ انہوں نے عاجز آ کر آنحضرت ﷺ کے پاس آدمی بھیجا کہ خدا اور صلہ رحمی کا واسطہ اس مصیبت سے ہم کو نجات دلائیے، آئندہ سے جو مسلمان بھاگ جائے گا وہ آزاد ہے اس پر کلام اللہ کی یہ آیت نازل ہوئی:

۱۔ بخاری کتاب الشروط باب الشروط فی الجہاد والمصالح مع اہل الحرب وسیرۃ ابن ہشام حالات صلح حدیبیہ۔

”هو الذی کف اید یهم عنکم وایدیکم عنہم“

”وہی ہے جس نے مشرکین کا ہاتھ تم سے اور تمہارا ہاتھ ان سے روک دیا۔“

وفات : اس کے بعد آنحضرت ﷺ نے اس آزاد گروہ کے پاس لکھ کر بھیجا کہ ابو جندل اور ابو بصیر ہمارے پاس چلے آئیں اور دوسرے لوگ اپنے گھروں کو واپس چلے جائیں۔ یہ خط ایسے وقت پہنچا کہ حضرت ابو بصیر ”بستر مرگ پر تھے۔ خط ہاتھ میں لے کر پڑھنے لگے، پڑھتے پڑھتے روح قفسِ عنصری سے پرواز کر گئی۔ ابو جندلؓ نے نماز جنازہ پڑھا کر اسی ویرانہ میں سپرد خاک کیا اور یادگار کے طور پر قبر کے پاس ایک مسجد بنادی۔

(۱۳۵) حضرت ابوبکرہؓ

نام و نسب : نفع نام، ابوبکرہ کنیت۔ باپ کا نام مسروح تھا۔ امیر معاویہ کے مشہور گورنر زیاد کے ماں جائے بھائی تھے۔ طائف کے ایک رئیس کی غلامی میں تھے۔

اسلام و آزادی : جب آنحضرت ﷺ نے طائف کا محاصرہ کیا تو عام اعلان فرمایا کہ جو آزاد ہم سے مل جائے گا وہ مامون ہے اور جو غلام چلا آئے گا وہ آزاد ہے۔ یہ اعلان سن کر رؤسائے طائف کے بہت سے غلام اسلام کے دامن حریت میں آگئے، ان میں ایک ابوبکرہؓ بھی تھے۔ اعلان کے مطابق آپ ﷺ نے انہیں آزاد فرمادیا۔ لیکن آزادی کے بعد ہی وہ اپنے کو آقاؐ کے دو عالم ﷺ کا غلام ہی کہتے رہے۔

لوگوں سے کہتے تھے۔ میرے لئے یہ فخر کافی ہے کہ تمہارا دینی بھائی اور سرکار رسالت ﷺ کا غلام ہوں اور اگر تم لوگوں کو آبائی نسبت پر اصرار ہے تو نفع بن مسروح کہا کرو۔ آزادی کے بعد قدیم آقاؐ نے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ میرا غلام میرے حوالہ کیا جائے آپ ﷺ نے فرمایا، وہ خدا اور رسول کے آزاد کردہ ہیں اس لئے اب واپس نہیں کئے جاسکتے۔

حدِ قذف کا اجرا : حضرت عمرؓ کے آغازِ خلافت تک دیارِ حبیب ﷺ میں ہی رہے۔ بصرہ آباد ہونے کے بعد یہاں سکونت اختیار کر لی۔ اسی زمانہ میں زنا کے ایک مقدمہ میں بحیثیت شاہد پیش ہوئے لیکن شہادت نا کافی تھی اس لئے ان پر حدِ قذف جاری ہوئی اس کے بعد عہد کر لیا کہ آئندہ سے کسی دو آدمیوں کے درمیان شہادت نہ دیں گے۔

فتنہ سے کنارہ کشی : حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد جب دو رفتن کا آغاز ہوا اور بڑے بڑے صحابی اس میں مبتلا ہو گئے۔ اس وقت ابو بکرؓ نے اپنا دامن بچائے رکھا۔ فرماتے تھے کہ جنگ جمل میں قریب تھا کہ میں اصحاب جمل کے ساتھ ہو جاؤں مگر رسول اللہ ﷺ کے اس فرمان نے کہ جس قوم نے اپنا حاکم عورتوں کو بنایا وہ کبھی فلاح نہیں پاسکتی، مجھے بچا لیا۔

جنگ صفین سے بھی علیحدہ رہے اور حتی الامکان دوسروں کو بھی ان خانہ جنگیوں میں شرکت سے بچانے کی کوشش کی۔ ایک شخص ہتھیار لگا کر حضرت علیؓ کی مدد کو جا رہا تھا، راستہ میں ابو بکرؓ ملے۔ پوچھا کہاں کا قصد ہے اس نے کہا ابن عم رسول اللہ ﷺ کی مدد کو جا رہا ہوں۔ ابو بکرؓ نے کہا رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان بھی سنا ہے کہ جب دو مسلمان ایک دوسرے کے خلاف تلوار نکالیں تو دونوں جہنمی ہیں۔

وفات : امیر معاویہؓ کے عہد حکومت میں بصرہ میں وفات پائی۔

اولاد : حضرت ابو بکرؓ اولاد کی جانب سے بڑے خوش نصیب تھے۔ اپنے بعد متعدد لڑکے عبد اللہ، عبید اللہ، عبد الرحمن، عبد العزیز، مسلم، رواد، یزید اور عقبہ وغیرہ یادگار چھوڑے۔ عبید اللہ بحرستان کے گورنر تھے۔ عبید اللہ کے علاوہ لڑکے بھی علم و فضل اور مال و زر سے مالا مال تھے۔

فضل و کمال : گو ابو بکرؓ بہت آخر میں مشرف باسلام ہوئے۔ لیکن غلامی کی نسبت سے انہیں آنحضرت ﷺ کی محبت اور آپ کے سرچشمہ فیض سے استفادہ کا کافی موقع ملا۔ چنانچہ ان سے ۱۳۲ حدیثیں مروی ہیں۔ ان میں سے آٹھ متفق علیہ ہیں اور پانچ میں امام بخاری منفرد ہیں۔ ان سے روایت کرنے والوں میں زیادہ تر ان کے صاحبزادگان ہیں۔

ذوق عبادت : وہ زہد و ورع کا ایک پیکر مجسم تھے۔ عبادت و ریاضت ان کا مشغلہ حیات تھا۔ جو آخری لمحہ تک قائم رہا۔ کان ابو بکرؓ کثیر العبادۃ حتی مات۔

(۱۳۶) حضرت ابو جہمؓ بن حذیفہ

نام و نسب : عامر یا عبید نام ہے۔ ابو جہم کنیت۔ نسب یہ ہے : ابو جہم بن حذیفہ بن غانم بن عامر ابن عبد اللہ بن عبید بن عوتج بن عدی بن کعب قرشی عدوی۔ ماں کا نام بسیرہ تھا۔ ننھیالی شجرہ یہ ہے :

۱۔ بخاری کتاب النبی ﷺ المی کسری و قیصرہ ۲۔ بخاری کتاب باب اذ النبی ﷺ المسلمان یسبھا ۳۔ ابن سعد۔ جلد ۷۔
ق اول۔ ص ۱۳۸-۱۳۹ ۴۔ ایضاً ۵۔ تہذیب الکمال۔ ص ۴۰۴ ۶۔ اسد الغابہ۔ جلد ۵۔ ص ۱۵۱

بیسرہ بنت عبد اللہ بن اواہ بن رباح بن عبد اللہ بن قرط بن رزاح بن عدی بن کعب ابو جہم قریش کے نہایت معمر اور با اثر لوگوں میں تھے۔ قریش میں ان کی بڑی عزت و وقعت تھی۔

اسلام : فتح مکہ کے زمانہ میں مشرف باسلام ہوئے۔

رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں ہدیہ :

آنحضرت ﷺ کے ساتھ خاص روابط تھے۔ ایک مرتبہ ابو جہم نے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں ایک بوئے دار قمیض ہدیہ کی۔ آپ نے اسے پہن کر نماز پڑھی۔ بوئوں کی وجہ سے آپ کا خیال بٹ گیا۔ اس لئے نماز پڑھنے کو بعد واپس کر دی۔

امارتِ صدقہ : ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے ان کو صدقہ وصول کرنے پر مامور فرمایا۔ ایک آدمی نے صدقہ دینے میں جھگڑا کیا۔ ابو جہم نے اسے مارا، اتفاق سے وہ زخمی ہو گیا۔ اس کے قبیلہ والوں نے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر کہا کہ یا رسول اللہ (ﷺ) ہم کو معاوضہ ملنا چاہئے۔ آپ نے فرمایا، اتنی اتنی رقم لے لو، وہ راضی نہ ہوئے۔ آپ نے دوسری مرتبہ پھر فرمایا، پھر وہ لوگ رضامند نہ ہوئے۔ آپ نے تیسری مرتبہ ارشاد فرمایا، اس مرتبہ وہ راضی ہو گئے۔

آنحضرت ﷺ نے فرمایا، آج رات کو میں لوگوں کے سامنے تقریر کر کے تمہاری رضامندی کی اطلاع دوں گا۔ انہوں نے کہا مناسب ہے۔ چنانچہ شب کو ان کی موجودگی میں صحابہ کے سامنے تقریر کی کہ یہ لیشی زخمی کرنے کا معاوضہ مانگئے آئے تھے، میں نے ان کے سامنے اتنی اتنی رقم پیش کی، یہ راضی ہو گئے۔ یہ ارشاد فرما کر لیشیوں سے خطاب فرمایا کہ تم لوگ راضی ہو؟ اس وقت یہ لوگ انکار کر گئے۔ ان کے انکار پر مہاجرین نے انہیں مارنے کا ارادہ کیا، لیکن آنحضرت ﷺ نے روک دیا۔ اس کے بعد رقم میں اور زیادہ اضافہ کر کے فرمایا، اب راضی ہو انہوں نے کہا، ہاں۔ آپ نے فرمایا، میں لوگوں کے سامنے تقریر کر کے تمہاری رضامندی کی اطلاع دوں گا۔ انہوں نے اجازت دے دی۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ نے تقریر کر کے لوگوں کے سامنے ان کی رضامندی کی تصدیق کرادی۔

مدفینِ حضرت عثمان غنی :

حضرت عثمانؓ کی شہادت کے وقت مدینہ میں نہایت سخت فتنہ برپا ہوا۔ مدینہ باغیوں کے قبضہ میں تھا اور ان کے خوف سے کسی کو خلیفہ مظلوم کی لاش دفن کرنے کی ہمت نہ پڑتی تھی۔

۱۔ اسد الغابہ۔ جلد ۵۔ ص ۱۶۲ ۲۔ استیعاب۔ جلد ۲۔ ص ۵۶۰ خلیفہ تغیر کے ساتھ یہ واقعہ حدیث کی کتابوں میں بھی ہے۔

۳۔ ابوداؤد۔ جلد ۲۔ کتاب الدیات باب العال یصاب علی ید یہ خطاء

دوسرے دن جن چند سرفروش مسلمانوں نے ہتھیلیوں پر سر رکھ کر بے گورو کفن لاش کو دفن کیا تھا، ان میں ایک ابو جہم بھی تھے۔

وفات : ابو جہمؓ نے کافی عمر پائی۔ ان کی طوالت عمر کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ انہوں نے کعبہ کی دو تعمیریں دیکھیں۔ ایک زمانہ جاہلیت میں رسول اللہ ﷺ کے بچپن میں قریش کی تعمیر، دوسری ابن زبیرؓ کے زمانہ خلافت میں ان کی تعمیر۔ ان دونوں زمانوں میں کم و بیش ایک صدی کا فصل تھا۔ اس طویل عمر کے بعد عبدالملک کے عہد حکومت میں وفات پائی۔ بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ امیر معاویہؓ کے زمانہ میں وفات پا چکے تھے۔ لیکن پہلی روایت زیادہ مستند ہے۔

فضل و کمال : ابو جہمؓ کا مذہبی علوم میں کوئی پایہ نہ تھا۔ لیکن نسابی میں جو جاہلیت کا نہایت ممتاز علم تھا، بڑا کمال رکھتے تھے اور ان چار علمائے نسب میں سے ایک تھے، جو اس عہد میں سارے عرب میں استاد مانے جاتے تھے۔

(۱۳۷) حضرت ابو جندل بن سہیلؓ

نام و نسب : عاص نام ہے۔ ابو جندل کنیت۔ نسب نامہ یہ ہے : ابو جندل بن سہیل بن عمرو بن عبد شمس بن عبد ود بن نصر ابن مالک بن حسل بن عامر بن لوئی قرشی عامری۔

اسلام اور قید محن : ابو جندلؓ اس وقت مشرف باسلام ہوئے، جب ان کا گھر اسلام دشمنی سے تیرہ و تار ہو رہا تھا۔ ان کے والد سہیل نے اسلام کے جرم میں ان کے پیروں میں بیڑیاں ڈال کر قید کر دیا۔ اور کئی برس تک اس قید محن میں گرفتار رہے۔

۶ھ میں صلح حدیبیہ کے موقع پر ان کے والد سہیل قریش کی جانب سے معاہدہ صلح لکھانے کے لئے آئے۔ جب معاہدہ کی کتابت شروع ہوئی اور یہ دفعہ زیر بحث تھی کہ ”قریش کا جو آدمی خواہ وہ مسلمان ہی کیوں نہ ہو مسلمانوں کے پاس چلا آئے گا، تو مسلمان اس کو واپس کرنے پر مجبور ہوں گے۔ ابھی اس پر بحث ہو رہی تھی اور قلم بند نہ ہوئی تھی کہ ابو جندلؓ جو کسی طرح موقع پا کر نکل آئے تھے، بیڑیاں پہنے ہوئے پہنچ گئے اور اپنے کو مسلمانوں کے سامنے ڈال دیا۔ سہیل نے کہا، محمد (ﷺ) شرائط صلح پورا کرنے کا یہ پہلا موقع ہے۔ آپ نے فرمایا، ابھی صلح نامہ مکمل نہیں ہوا ہے۔ سہیل نے کہا، اگر ابو جندلؓ واپس نہ گئے تو پھر ہم کو کسی شرط پر صلح منظور نہیں۔ آپ نے فرمایا، ابو جندلؓ کو یہیں رہنے دو۔

سہیل نے کہا، یہ نہیں ہو سکتا۔ آپ نے بہت اصرار کیا، لیکن سہیل کسی طرح ابو جندلؓ کو مسلمانوں کے پاس چھوڑنے پر آمادہ نہ ہوا۔ آنحضرت ﷺ کو معاہدہ کی پابندی کا بڑا خیال تھا۔ اس لئے سہیل کے اصرار پر ابو جندلؓ کو حوالہ کرنے کے لئے آمادہ ہو گئے۔ ابو جندلؓ کو کافروں نے اتنا مارا تھا کہ ان کے بدن پر نشان پڑ گئے تھے۔

جب انہوں نے دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ انہیں واپس کر دیں گے تو مجمع کو مار کے نشانات دکھا کر فریاد کی کہ مسلمانو! پھر مجھے کفار کا نشانہ ستم بنانے اور اس مصیبت میں مبتلا رہنے کے لئے کافروں کے حوالہ کئے دیتے ہو۔ ان کی فریاد پر حضرت عمرؓ بہت متاثر ہوئے آنحضرت ﷺ سے عرض کیا، کیا آپ پیغمبر حق نہیں ہیں؟ فرمایا، بے شک ہوں۔ پھر پوچھا کیا ہم حق پر اور ہمارے دشمن باطل پر نہیں ہیں؟ فرمایا، بے شک ہیں۔ عرض کیا پھر ہم کیوں دب کر صلح کریں؟ آپ نے فرمایا، میں خدا کا پیغمبر ہوں، اور اس کے حکم کی نافرمانی نہیں کر سکتا، وہی میرا مددگار ہے۔

غرض اسی طرح ابو جندلؓ کو پابجولاں واپس کر دیا۔ ابو جندلؓ نے پھر فریاد کی کہ مسلمانو! کیا میرے مذہب میں رخنہ ڈالوانے کے لئے مجھے قریش کے حوالہ کرتے ہو۔ آنحضرت نے ان کی دلہی کی کہ ”ابو جندل صبر و ضبط سے کام نو، خدا تمہارے اور دوسرے مظلوم مسلمانوں کے لئے کوئی راستہ پیدا کرے گا۔ ہم صلح کر چکے ہیں اور صلح کے بعد ان سے بد عہدی نہیں کر سکتے۔“

رہائی اور غزوات: اس ارشاد کے بعد مزید چوں و چرا کی گنجائش نہ تھی۔ چنانچہ ابو جندلؓ خاموشی کے ساتھ چلے گئے اور کچھ دنوں بعد کس طرح سے چھوٹ کر ابو بصیرؓ کی جماعت میں شریک ہو گئے اور عرصہ تک ان کے ساتھ رہے (دیکھو حالات ابو بصیرؓ۔ پھر جب کفار مکہ نے صلح کی وہ دفعہ جس کی رو سے ابو جندلؓ واپس کئے گئے تھے، واپس لے لی، تو آنحضرت ﷺ نے ابو جندلؓ اور ان کے ساتھی ابو بصیرؓ کو مدینہ بلا بھیجا۔ ابو بصیرؓ کو مدینہ آنے کی نوبت نہیں آئی، اور وہ اسی وادی غربت میں پیوند خاک ہو گئے۔ ابو جندلؓ مدینہ واپس ہوئے۔ مدینہ آنے کے بعد جس قدر غزوات ہوئے، سب میں شرکت کی سعادت حاصل کی۔

شام کی فوج کشی میں شرکت اور وفات:

آنحضرت ﷺ کی زندگی بھر مدینہ میں رہے۔ اس کے بعد حضرت عمرؓ کے زمانہ میں جب شام پر فوج کشی ہوئی، تو اس میں مجاہدانہ شرکت کی اور پانچ چھ سال تک مسلسل جہاد فی سبیل اللہ میں

مشغول رہ کر حضرت عمرؓ کے عہد خلافت ۱۸ھ میں طاعون کی وباء میں عمواس میں وفات پائی۔
فضل و کمال : فضل و کمال میں شاعری کے علاوہ اور کوئی شے قابل ذکر نہیں ہے۔ حافظ ابن عبد البرؒ نے ان کے اشعار نقل کئے ہیں۔

(۱۳۸) حضرت ابو ثعلبہ حشنیؓ

نام و نسب : ان کے نام میں بڑا اختلاف ہے۔ اکثر ارباب سیر جرثوم لکھتے ہیں، ابو ثعلبہ کنیت ہے۔
 نسب کا سلسلہ حشین وائل سے ملتا ہے۔ وائل سے اوپر شجرہ یہ ہے : وائل بن نمر بن وبرہ بن ثعلبہ بن
 حلوان بن عمران ابن حاف بن قضاء۔
اسلام و بیعت رضوان :

دعوت اسلام کے آغاز میں مشرف باسلام ہوئے۔ صلح حدیبیہ میں آنحضرت ﷺ کے
 ہم رکاب تھے، اور بیعت رضوان میں رضائے الہی کی سند حاصل کی۔
غزوات : غزوات کی شرکت کے متعلق کوئی تصریح نہیں ملتی۔ خیبر کے مال غنیمت میں سے
 آنحضرت ﷺ نے ایک حصہ مرحمت فرمایا تھا۔ اس سے قیاس ہوتا ہے کہ شاید اس غزوہ میں شریک
 ہوئے ہوں گے۔

اشاعت اسلام : البتہ دوسری خدمات جلیلہ پر مامور ہوتے رہتے تھے۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ
 نے انہیں ان کے قبیلہ میں مبلغ بنا کر بھیجا اور ان کی کوششوں سے ان کا قبیلہ آنحضرت ﷺ کی حیات ہی
 میں مشرف باسلام ہو گیا۔

وفات : شام فتح ہونے کے بعد یہاں قیام پذیر ہو گئے۔ گو شام میں قیام تھا، لیکن جنگ صفین میں
 غیر جانبدار رہے۔^۵ امیر معاویہؓ کے عہد میں سرسجدہ واصل بحق ہوئے۔ زندگی میں اکثر کہا کرتے
 تھے کہ خدا مجھ کو تم لوگوں کی طرح ایڑیاں رگڑ کے اور دم گھٹا کے نہ اٹھائے گا۔ ان کا یہ کہنا بالکل صحیح نکلا۔
 ایک شب کو آدھی رات گئے، نماز میں مشغول تھے۔ ان کی لڑکی نے خواب دیکھا کہ والد کا انتقال ہو گیا۔
 اس خواب پریشان پر وہ گھبرا کر اٹھ بیٹھی اور آواز دی۔ معلوم ہوا نماز پڑھ رہے ہیں۔ تھوڑی دیر کے بعد
 دوسری آواز دی، کوئی جواب نہ ملا، پاس جا کر دیکھا، تو سرسجدہ میں تھا اور روح پرواز کر چکی تھی۔

۱۔ اسد الغابہ۔ جلد ۵۔ ص ۱۵۵ ۲۔ ایضاً استیعاب۔ جلد ۲۔ ص ۶۶۹ و اسد الغابہ۔ جلد ۵۔ ص ۵۵

۵۔ اصابہ۔ جلد ۷۔ ص ۲۹ ۶۔ اسد الغابہ۔ جلد ۵۔ ص ۱۵۵ ۷۔ اصابہ۔ جلد ۷۔ ص ۲۹

فضل و کمال : فضل و کمال کے اعتبار سے کوئی امتیازی پایہ نہ تھا۔ تاہم ان سے چالیس (۴۰) حدیثیں مروی ہیں۔ ان میں سے تین متفق علیہ ہیں اور ایک میں امام مسلم "منفرد ہیں۔ جبیر بن نفیر، ابن مسیب اور مکحول نے ان سے روایتیں کی ہیں۔"

فضائل اخلاق : یوں تو ابو ثعلبہ کی ذات تمام فضائل صحابیت کی جامع تھی۔ لیکن حق گوئی اور راست گفتاری ان کا خاص وصف تھا۔ سچ بات کے علاوہ کبھی جھوٹ سے زبان آلودہ نہ ہوئی۔ ان کے معاصر کہتے ہیں کہ ہم نے ابی ثعلبہؓ سے زیادہ سچی بات کہنے والا نہیں دیکھا۔ کائنات عالم پر نظر ڈال کر قدرتِ خداوندی پر غور و فکر کیا کرتے تھے۔ رات کے سنانے اور تاریکی میں باہر نکل کے آسمان پر نظر ڈالتے اور قدرتِ خداوندی پر غور کرتے کرتے سجدہ میں گر جاتے۔

(۱۳۹) حضرت ابو رفاعہ عدویؓ

نام و نسب : تمیم نام ہے۔ ابو رفاعہ کنیت۔ نسب نامہ یہ ہے : تمیم بن اسید بن عدی بن مالک بن تمیم بن دؤل بن جبل بن عدی بن عبد مناة بن اد بن طابخہ بن الیاس بن مضر عدی مضر۔ اسلام : غالباً فتح کے بعد کسی زمانہ میں مشرف باسلام ہوئے۔ اسلام کا واقعہ یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ مسجد میں خطبہ دے رہے تھے کہ ابو رفاعہؓ پہنچے اور قریب جا کر عرض کیا، یا رسول اللہ ﷺ ایک غریب الدیار، اپنے دین کی بابت سوال کرنے آیا ہے، وہ نہیں جانتا کہ اس کا مذہب کیا ہے؟ اس سوال پر آپ نے خطبہ روک کر اپنے پاس بلایا اور ایک کرسی پر جس میں لوہے کے پائے لگے ہوئے تھے، بیٹھ کر ان کو ضروری تعلیم دی۔

جہاد فی سبیل اللہ اور شہادت :

ابو رفاعہؓ کی رگ رگ میں جہاد فی سبیل اللہ کا خون دوڑتا رہتا تھا۔ وہ خدا سے دعا مانگا کرتے تھے کہ خدا مجھے ایسی طاہر اور پاکیزہ موت دے جس پر دوسرے مسلمانوں کو رشک آئے اور وہ موت تیری راہ میں ہو۔ ان کی یہ دعا خلاص دعا مقبول ہوئی۔

۴۴ھ میں عبدالرحمن بن سمرہؓ کی ماتحتی میں کابل پر فوج کشی ہوئی۔ اس فوج میں بنو حلیفہ کا پورا قبیلہ شریک ہوا۔ ابو رفاعہؓ نے بھی شرکت کا ارادہ کیا۔ ابو قتادہ عدویؓ نے روکا کہ تمہارے بال بچے

۱۔ تہذیب الکمال۔ ص ۴۲۶ ۲۔ اصابہ۔ جلد ۷۔ ص ۲۹ ۳۔ مسلم کتاب الجہاد باب تخفیف الصلوٰۃ والخطبہ

۴۔ ابن سعد۔ جلد ۷۔ ق ۱۔ ص ۴۸

بالکل تنہا ہیں، اس لئے تم نہ جاؤ۔ لیکن یہ ذوق شہادت میں بیتاب تھے۔ جواب دیا، میں مصمم ارادہ کر چکا ہوں، اس لئے ضرور شریک ہوں گا۔ چنانچہ فوج میں شامل ہو کر کامل روانہ ہو گئے۔ بھستان پہنچنے کے بعد رات بھر فوج ایک قلعہ کے گرد چکر لگاتی رہی اور ابو رفاعہ شہادت کی تیاری میں ساری رات عبادت کرتے رہے۔ آخر شب میں نیند کا غلبہ ہوا، ڈھال کا تکیہ لگا کر سو گئے۔

صبح کو اسلامی فوج دشمن کے زخ کا اندازہ لگانے میں ایسا مشغول ہوئی کہ کسی کو ابو رفاعہ کا خیال نہ رہا۔ ابو رفاعہ رات بھر جاگے تھے، صبح کو بھی آنکھ نہ کھلی۔ دشمن نے انہیں تنہا پا کر ذبح کر دیا۔ کچھ دیر بعد لوگوں کو ان کا خیال آیا اور ان کی تلاش میں نکلے تو دیکھا کہ وہ خاک و خون میں غلطاں ہیں اور تین کبر جنہوں نے ان کو قتل کیا تھا، ان کے کپڑے اُتار رہے ہیں کہ اتنے میں مسلمان پہنچ گئے اور قاتلوں کو بھگا کر شہید فی سبیل اللہ کی لاش ساتھ لے گئے۔

فضل و کمال : فضل و کمال کے لحاظ سے ممتاز صحابہ میں تھے۔ علامہ ابن عبد البر لکھتے ہیں کہ ابو رفاعہ فضلاء صحابہ میں تھے۔ قرآن کی متعدد سورتیں براہِ راست زبانِ نبوی ﷺ سے یاد کی تھیں۔ حدیثوں سے بھی تہی دامن نہ تھے۔ حمید بن بلال اور صلہ بن اشیم نے ان سے روایتیں کی ہیں۔

ذوق عبادت : عبادت اور ریاضت ان کا خاص مشغلہ تھا۔ تلاوتِ قرآن سے غیر معمولی شغف تھا۔ تہجد بڑے التزام اور پابندی کے ساتھ پڑھتے تھے۔ ایک موقع پر انہوں نے خود بیان کیا تھا کہ جب سے میں نے رسول اللہ ﷺ سے بقرہ اور دوسری آیات قرآنی سیکھی ہیں، اس وقت سے نہ بقرہ نے میرا ساتھ چھوڑا اور نہ قیامِ لیل سے کسل پیدا ہوا۔

(۱۴۰) حضرت ابوسفیان بن حارثؓ

نام و نسب : مغیرہ نام ہے۔ ابوسفیان کنیت۔ نسب نامہ یہ ہے : ابوسفیان بن حارث بن عبد المطلب ابن ہاشم بن عبد مناف بن قصی بن ہاشم ہاشمی۔ ماں کا نام غزنہ تھا۔ ننھیالی شجرہ یہ ہے : غزنہ بنت قیس ابن طریف بن عبد الغریٰ بن عامرہ بن عمیر بن دویعہ بن حارث بن فہر۔ ابوسفیان کے والد حارث آنحضرت ﷺ کے حقیقی چچا تھے، اور ابوسفیان نے حضرت حلیمہ سعدیہ کا دودھ پیا تھا۔

۱۔ ابن سعد۔ جلد ۷۔ ق اول۔ ص ۴۸ ۲۔ سنہ شہادت اور مقام شہادت کی تعیین استیعاب سے لی گئی ہیں۔
 ۳۔ استیعاب۔ جلد ۲۔ ص ۶۶ ۴۔ تہذیب الکمال۔ ص ۴۳۹ ۵۔ ابن سعد۔ جلد ۷۔ ق اول۔ ص ۴۸
 محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

اس لئے وہ نسبی اور رضاعی دونوں رشتوں سے آنحضرت ﷺ کے بھائی تھے۔ سن میں بھی آپ کے برابر تھے۔ اس لئے دونوں میں غایت درجہ اُلفت و محبت تھے۔

آنحضرت ﷺ اور اسلام کی مخالفت :

لیکن اُلفت و محبت کا یہ رشتہ ظہور اسلام کے بعد ٹوٹ گیا، اور دوسرے عمائد قریش کی طرح ابوسفیانؓ بھی رسول اللہ ﷺ کے اتنے خلاف ہو گئے کہ ان کی مخالفت دشمنی اور عناد کے درجہ تک پہنچ گئی تھی۔ آنحضرت ﷺ کی مخالفت اور اسلام کے استیصال کو انہوں نے اپنا مقصدِ حیات بنا لیا تھا۔ چنانچہ فتح مکہ سے پہلے مسلمانوں اور مشرکوں کے درمیان جس قدر معرکے ہوئے، ابوسفیان ان سے میں پیش پیش تھے۔ ان کی ساری قوتیں آنحضرت ﷺ اور اسلام کے خلاف صرف ہوتی تھیں۔ شاعر تھے۔ اس لئے آنحضرت ﷺ کی ہجو کہہ کر کوچہ بازار میں سناتے پھرتے تھے۔ طوطی اسلام حضرت حسان بن ثابتؓ نے ان اشعار

الا بلغ اباسفیان عنہ مغلغلة فقد برح الخفاء

هجوت محمدًا فاجبت عنہ وعند الله في ذالك الجزاء

”ابوسفیان کو میری جانب سے یہ پیام پہنچا دو کہ پردہ اٹھ گیا۔ تم نے محمد ﷺ کی ہجو کی، میں نے اس کا جواب دیا اور اس جواب میں خدا کے پاس میرے لئے جزاء ہے۔“

میں نے انہیں کی ہجو کا ذکر کیا ہے۔

اسلام : کال میں برس تک یہ معاندانہ روش قائم رہی۔ فتح مکہ سے کچھ دنوں پہلے جب آنحضرت ﷺ فتح مکہ کی تیاریوں میں مصروف تھے اور مکہ میں آپ ﷺ کی آمد آمد کی خبر پھیل رہی تھی، ابوسفیان نے ایک دن بیوی سے کہا محمد (ﷺ) آیا چاہتے ہیں، تم لوگ یہاں سے نکل چلو۔ نیک خاتون نے جواب دیا عرب و عجم محمد ﷺ کے مطیع و منقاد ہوتے ہیں، لیکن تم اب تک اسی بغض و عداوت پر قائم ہو حالانکہ تم پر ان کی امداد و اعانت کا زیادہ حق ہے۔ بیوی کی بات دل میں اثر کر گئی اسی وقت سواری کا انتظام کیا اور اپنے لڑکے جعفر کو ساتھ لے کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں چل کھڑے ہوئے۔

اس وقت مسلمان کا قافلہ مقدمۃ الجیش مقام ابواء پہنچ چکا تھا، ابوسفیان اشتہاری مجرم تھے۔ ہر آن جان کا خطرہ لگا ہوا تھا۔ ڈرتے ڈرتے چھپتے چھپاتے کسی طرح مسلمانوں کے لشکر گاہ تک پہنچے اور دفعۃً رسول اللہ ﷺ کے سامنے آ گئے۔ آپ ﷺ کا دل ان کے گزشتہ اعمال کی وجہ سے سخت متغیر تھا،

اس لئے نظر پڑتے ہی منہ پھیر لیا۔ ابوسفیانؓ اس رخ پر گئے تو آپ ﷺ نے دوسری طرف منہ پھیر لیا۔ یہ دیکھ کر مسلمان انہیں پکڑنے کے لئے بڑھے۔ ابوسفیانؓ سمجھے کہ اب کام تمام ہوا۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ کے رحم و کرم، غفودرگند را اور آپ کے ساتھ اپنی گونا گوں قراتوں کا واسطہ دلا کر مسلمانوں کو روکا۔

حضرت ابوسفیانؓ کی پوری زندگی آنحضرت ﷺ، اسلام اور مسلمانوں کی مخالفت میں گزری تھی۔ انہوں نے آپ ﷺ کی تحقیر و تذلیل، مسلمانوں کی ایذا رسانی اور اسلام کے استیصال کا کوئی دقیقہ باقی نہ رکھا تھا، اس لئے رسول اللہ ﷺ کے دل میں ان کے لئے کوئی جگہ باقی نہ رہ گئی تھی اور آپ ﷺ کسی طرح درگزر فرمانے پر آمادہ نہ تھے۔

آخر میں ابوسفیان نے اُم المؤمنین حضرت اُم سلمہؓ کو درمیان میں ڈالا۔ انہوں نے سفارش کی کہ ”اپنے ابن عم کو مایوس نہ کیجئے“۔ فرمایا، مجھے ایسے ابن عم کی ضرورت نہیں ہے، انہوں نے میری آبروریزی کا کون سا دقیقہ اٹھا رکھا ہے۔ ابوسفیان سے کچھ بن نہ پڑتا تھا۔ گذشتہ زندگی پر سخت تادم اور شرمسار تھے۔ لیکن بارگاہ نبوی ﷺ میں کوئی شنوائی نہ ہوئی۔ جب بالکل مایوس ہو گئے تو کہا خیر اگر غفودرگند کا دروازہ بالکل بند ہو چکا ہے تو ع

”جان سے ہم بھی گزر جائیں گے سو چاہے یہی“

اور اس کسم پچہ کو لے کر در بدر مارے مارے پھریں گے اور بھوک پیاس سے تڑپ تڑپ کر جان دے دیں گے۔ ابوسفیان لاکھ مجرم سہی پھر بھی پتھر بھائی تھے۔ آنحضرت ﷺ کے کانوں تک اس عزم کی خبر پہنچی تو دل بھر آیا اور نفرت و حقارت کے سارے جذبات مہر و محبت سے بدل گئے۔

حضرت ابوسفیان کو سامنے آنے کی اجازت ملی، دونوں باپ بیٹے عمامہ باندھے ہوئے سامنے لائے گئے اور السلام علیک یا رسول اللہ (ﷺ) کہہ کر آگے بڑھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا ان کے چہروں سے ڈھاٹا ہٹاؤ، صورت تو دکھائی دے۔ لوگوں نے ڈھاٹا ہٹا دیا اور رسول اللہ ﷺ کو اثر پذیر کرنے کے لئے ان کا نسب بیان کیا، اس کے بعد باپ بیٹے دونوں کلمہ پڑھ کر مشرف باسلام ہو گئے۔ آنحضرت ﷺ نے ان کی ایک جگو کی طرف اشارہ کر کے فرمایا، ابوسفیان تم نے مجھ کو کب نکالا تھا۔ عرض کی یا رسول اللہ (ﷺ) ! اب زیادہ ملامت کر کے شرمندہ نہ کیجئے، فرمایا اب کوئی ملامت نہیں اور حضرت علیؓ کو حکم دیا کہ اپنے ابن عم کو لے جاؤ اور وضو اور سنت کی تعلیم دے کر میرے پاس لاؤ۔ حضرت علیؓ ساتھ لے گئے اور نہلا کر واپس لائے، آنحضرت ﷺ نے نماز پڑھائی پھر مسلمانوں کو حکم دیا کہ اعلان کر

دو کہ ”ابوسفیانؓ سے خدا اور رسول راضی ہو گیا اس لئے تم لوگ بھی راضی ہو جاؤ۔“

غزوات : اسلام کے بعد طائفی مافات کی فکر ہوئی، ابھی غزوہ فتح نہیں ہوا تھا۔ سب سے پہلے اس میں شریک ہوئے، پھر غزوہ حنین میں شمشیر ہاشمی کے جوہر دکھائے۔ اس غزوہ میں جب مشرکین کے ریلے کی وجہ سے مسلمان آنحضرت ﷺ کے چاروں طرف سے منتشر ہو گئے اور ایک عام بے ترتیبی پھیل گئی اس وقت بھی ابوسفیانؓ اپنی جگہ جمے ہوئے اور شمشیر برہنہ گھوڑے کی پیٹھ سے موت کے منہ میں کود پڑے۔

حضرت عباسؓ نے یہ جانبازی دیکھ کر پھر رسول اللہ ﷺ سے کہا کہ ”اپنے ابن عم اور بھائی کی خطاؤں کو معاف کر دو۔ فرمایا، میں نے معاف کر دیا، خدا ان کی تمام عداوتوں کو جو انہوں نے میرے ساتھ کی ہیں، معاف فرمائے۔ اور شفقت برادرانہ میں ابوسفیانؓ سے فرمایا، میری عمر کی قسم تم میرے بھائی ہو، اس برادرانہ اور شفقت آمیز خطاب پر ابوسفیانؓ نے قدم مبارک چوم لئے اور رہوار نبوی ﷺ کی لگام تھام کر مشرکین کے سامنے سینہ سپر ہو گئے۔ آنحضرت ﷺ نے اس فدویت و جاں نثاری پر ”اسد اللہ“ اور ”اسد الرسول ﷺ“ کا معزز لقب عطا کیا۔ طائف میں بھی ہمرکاب تھے۔ غرض اسلام کے بعد کسی غزوہ میں ان کا قدم پیچھے نہیں رہا۔

وفات : آنحضرت ﷺ کی وفات تمام مسلمانوں کے لئے ایک مصیبت عظمیٰ تھی۔ ابوسفیانؓ پر ایک کوہ الم ٹوٹ پڑا وہ اس حادثہ سے سخت متاثر ہوئے۔ ابھی یہ زخم مندمل نہ ہونے پایا تھا کہ تھوڑے ہی دنوں کے بعد ان کے بھائی نوفل چل بسے۔ ان حوادث نے انہیں دنیا سے بالکل برداشتہ خاطر کر دیا۔ خدا سے دعا مانگتے تھے کہ خدایا رسول اللہ ﷺ اور بھائی کے بعد زندگی بے مزہ اور دنیا بے لطف ہو گئی، اس لئے جلد دنیا سے اٹھالے۔ خدا نے یہ دعا قبول فرمائی اور اس دعا کے چند ہی دنوں کے بعد ایک معمولی اور اتفاقی واقعہ موت کا سبب بن گیا۔

حج کے موقع پر منیٰ میں سرمنڈ لیا، سر میں ایک پھنسی تھی، وہ چھل گئی اس سے خون جاری ہو گیا اور ایسا جاری ہوا کہ کسی طرح نہ رکا۔ مدینہ واپس آ کر خود ہی اپنی قبر کھود کر اپنی پہلی منزل تیار کی۔ جب حالت زیادہ نازک ہوئی تو خویش واقارب نے رونا دھونا شروع کیا۔ ان کا گریہ و بکا سن کر اسلام کے بعد آج تک کوئی لغزش نہیں ہوئی۔ اس لئے رونا دھونا بند کرو، قبر کھودنے کے تیسرے دن وفات پا گئے۔ حضرت عمرؓ نے نماز جنازہ پڑھائی اور ابوسفیانؓ جنت البقیع رکن ابی طالب میں سپرد خاک کئے گئے۔

۱۔ ابن سعد۔ جلد ۴۔ ق اول۔ ص ۳۶ ۲۔ مستدرک حاکم۔ جلد ۳۔ ص ۲۵۵، ۲۵۴ ۳۔ ابن سعد۔ جلد ۴۔ ص ۳۶۔ ق اول ۴۔ ابن سعد۔ جلد ۴۔ ق اول۔ ص

حلیہ : آنحضرت ﷺ کے ہم شبیہ تھے۔

اولاد : ابوسفیانؓ نے مختلف اوقات میں متعدد شادیاں کیں اور ان سے بہت سی اولادیں ہوئیں۔ بیویوں میں جمانہ، نغمہ، ام عمرو اور دوأم ولد تھیں۔ ان سے ۱۔ جعفر، ۲۔ عبد اللہ، ۳۔ جمانہ، ۴۔ حفصہ، ۵۔ عاتکہ، ۶۔ امیہ اور ۷۔ کلثوم بہت سی اولادیں تھیں لیکن ان میں سے آئندہ کوئی اولاد باقی نہ رہی اور ابوسفیانؓ کی نسل منقطع ہو گئی۔

فضائل اخلاق : قبول اسلام کے بعد طائفی ملاقات کے لئے ابوسفیانؓ اسلامی تعلیم کا ایک پیکر مجسم بن گئے تھے۔ جہاد فی سبیل اللہ کے دلوں اور جوش کا اندازہ لو پوچھا، یہی جہاد مذہب کے ہر شعبہ میں تھا شبانہ یوم کا بڑا حصہ نماز میں گذرتا تھا۔ گرمیوں کے طولانی دنوں میں صبح سے لے کر نصف النہد تک نمازیں پڑھتے تھے۔ نصف النہد کے وقت تک جاتے اور ظہر کے وقت سے لے کر پھر عصر تک یہ سلسلہ جاری رہتا۔ اس عبادت ریاضت کو دیکھ کر آنحضرت ﷺ نے ان کو ”جولانِ جنت کے سرور“ کا لقب عطا فرمایا۔

آنحضرت ﷺ کے ساتھ بچپن میں دلی تعلق تھا۔ ظہور اسلام کے بعد درمیان میں یہ تعلق منقطع ہو گیا تھا، اسلام قبول کرنے کے بعد پھر وہی لطف قائم ہو گیا۔ آنحضرت ﷺ انہیں بہت محبوب رکھتے تھے، ”کان احب قریش الی رسول اللہ ﷺ کان شلیداً علیہ فلما اسلم کان احب الناس الیہ“، یعنی ”قریش میں آنحضرت ﷺ کو زیادہ محبوب ابوسفیان تھے“۔ اس کے بعد وہ آپ ﷺ کے سخت دشمن ہو گئے اس کے بعد جب اسلام لائے تو پھر سب سے زیادہ محبوب ہو گئے، آنحضرت ﷺ انہیں فرط محبت میں ”خیبر اہلی“ فرماتے تھے۔ ابوسفیانؓ کو بھی آنحضرت ﷺ کے ساتھ غایت درجہ کی الفت تھی، آپ ﷺ کی وفات سے ابوسفیانؓ پر کوہ الم ٹوٹ پڑا تھا اکثر رویا کرتے تھے اور موت کی دعا مانگا کرتے تھے۔ اسی تاثر کی حالت میں ایک نہایت رقت آمیز مرثیہ کہا، یہ مرثیہ حافظ ابن عبد البرؒ نے نقل کیا ہے۔

(۱۴۱) حضرت ابوسفیانؓ بن حرب

نام و نسب : صحرا نام ہے۔ ابوسفیان کنیت۔ نسب نامہ یہ ہے : صحر بن حرب بن امیہ بن عبد شمس بن عبد مناف قرشی اموی۔ ابوسفیانؓ کا خاندان بنی امیہ قریش کی نہایت مقتدر شاخ تھی اور عقاب

یعنی قریش کے قومی نشان کا حامل یہی خاندان تھا۔ علمدار اسی خاندان کے ارکان بنائے جاتے تھے۔ ظہور اسلام کے وقت اس عہد پر ابوسفیان ممتاز تھے۔ جب قریش میں کوئی جنگ چھڑنے والی ہوتی تھی تو معززین قریش جمع ہو کر علمدار کے ہاتھ میں علم دیتے تھے۔

اسلام سے پہلے : ظہور اسلام کے وقت اس کی سب سے زیادہ مخالفت ان ہی لوگوں کی جانب سے عمل میں آئی، جو قریش کے سب سے بااثر رئیس تھے اور جن کا اثر واقعہً ارسلاً بعد نسل چلا آرہا تھا۔ ابوسفیانؑ بھی روسائے قریش میں تھے اور بنی ہاشم کے حریف تھے، اس لئے اسلام اور پیغمبر اسلام ﷺ کے ساتھ انہیں دوہری مخالفت تھی۔ چنانچہ وہ آنحضرت ﷺ کی ایذا رسانی، مسلمانوں کی مخالفت اور اسلام کے استیصال میں سب سے پیش پیش رہتے تھے۔ اسلام کے مٹانے میں انہوں نے اپنی پوری قوتیں صرف کر دیں۔ آغاز دعوت اسلام سے لے کر فتح مکہ تک اسلام کی مخالفت اور اس کی تیغ کشی کا کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا۔ دعوت اسلام کے آغاز میں قریش کا جو وفد آنحضرت ﷺ کے چچا ابوطالب کے پاس آپ ﷺ کی شکایت لے کر گیا تھا اس کے ایک رکن ابوسفیان بھی تھے۔

پھر آنحضرت ﷺ کے قتل کرنے کی جو سازش ہوئی تھی، جس کے سبب سے آپ ﷺ نے ہجرت فرمائی تھی، اس میں بھی ابوسفیان کا ہاتھ شامل تھا۔ کفر و اسلام کا سب سے پہلا مقابلہ بدر میں ہوا۔ اس میں ابوسفیان نہ شریک ہو سکے۔ اس وقت وہ کاروان تجارت لے کر گئے ہوئے تھے۔

بدر میں بڑے بڑے معززین قریش مارے گئے تھے۔ اس لئے سارا قریش جذبہ انتقام میں دیوانہ ہو رہا تھا۔ ابو جہل اور عتبہ بن ربیعہ مارے جا چکے تھے۔ ان کے بعد قریش کی مسند ریاست پر ابوسفیان بیٹھے۔ اس لئے بحیثیت سردار قوم کے مقتولین بدر کا انتقام ان کا پہلا فرض تھا۔ اس کے علاوہ خود ان کا ایک بڑا الزام کاظمہ مارا گیا تھا، اس لئے یہ انتقام اور زیادہ موکد ہو گیا تھا، اور انہوں نے حلف لیا کہ ”جب تک محمد (ﷺ) سے بدر کا انتقام نہ لے لیں گے، اس وقت تک عورتوں کو نہ چھوئیں گے“۔ اس حلف کے بعد دو سو سواروں کا دستہ لے کر مدینہ پہنچے۔

یہاں کے یہود مسلمانوں کے خلاف تھے۔ اس لئے ابوسفیانؑ ایک یہودی رئیس جی بن اخطب کے پاس گئے۔ رات کا وقت تھا گھروں کے دروازے بند ہو چکے تھے۔ ابوسفیانؑ نے جی کا دروازہ کھٹکھٹایا مگر اس نے دشمن کے خوف سے نہ کھولا۔ اس لئے ابوسفیان اس کے دروازے سے لوٹ آئے اور ایک دوسرے ممتاز یہودی اور بنی نضیر کے سردار اور خزانچی سلام بن مشکم کے پاس پہنچے۔

اس نے نہایت پر تپاک استقبال کیا اور بڑی خاطر و تواضع کی۔ کھانا کھلایا، شراب پلائی اور ابوسفیانؓ کی مہم کے متعلق بہت سے رازدارانہ باتیں بتائیں۔ صبح کو ابوسفیانؓ نے مدینہ کے قریب عریض پر حملہ کر کے کھجور کے باغوں کی ٹٹیاں جلا دیں اور ایک انصار اور ان کے حلیف کو قتل کر کے لوٹ آئے۔ آنحضرت ﷺ کو اس کی اطلاع ہوئی تو آپ ﷺ نے تعاقب کیا۔ قرقرۃ الکد میں پہنچ کر معلوم ہوا کہ ابوسفیانؓ بہت آگے نکل چکا ہے۔ اس لئے واپس تشریف لے آئے۔

اس واقعہ سے ایک حد تک ابوسفیانؓ کی قسم پوری ہو گئی، لیکن ابھی مقتولین بدر کا انتقام باقی تھا، اور جن جن لوگوں کے اعزہ و اقربا مارے گئے تھے، وہ انتقام کے لئے بے چین تھے۔ چنانچہ ابو جہل کا لڑکا عکرمہ، عبداللہ بن ربیعہ، صفوان بن امیہ اور جن جن لوگوں کے اعزہ و اقربا مارے گئے تھے، ابوسفیانؓ کے پاس پہنچے، اور کہا، آپ لوگ اپنے کاروان تجارت (وہی کاروان تجارت ہے جو بدر کے زمانہ میں تجارت لے کر گیا تھا) کا نفع ہم کو دیجئے کہ ہم لوگ اس کے ذریعہ محمد (ﷺ) کے مقابلہ کا سامان خریدیں۔ ابوسفیانؓ نے کہا، میں اپنے حصہ سب سے پہلے دیتا ہوں۔ اس کے علاوہ قریشی خاندان کے ہر ممبر نے نہایت فراخ دلی کے ساتھ چندہ دیا۔

غرض قریش تیاریاں کر کے بڑے سر و سامان سے استیصال کے لئے نکلے، اور مدینہ کے پاس کوہ احد پر فوجیں اتاریں۔ آنحضرت ﷺ سات سو جان نثاروں کی مختصر جماعت لے کر مدافعت کے لئے تشریف لے گئے۔ احد پر دونوں کا مقابلہ ہوا۔ مسلمانوں کی جانفروشی کے شڈی دل کو پسا کر دیا۔ آنحضرت ﷺ نے صف بندی کے وقت مسلمانوں کا ایک دستہ پشت پر حفاظت کے لئے متعین کر دیا تھا کہ مخالفین عقب سے حملہ آور نہ ہو سکیں۔

مشرکین کی پسپائی دیکھ کر اس دستہ نے مال غنیمت کی طمع میں اپنا مرکز چھوڑ دیا۔ خالد بن ولیدؓ مشرکین کے دستہ کو لئے ہوئے منڈلا رہے تھے۔ انہوں نے میدان خالی پا کر عقب سے حملہ کر دیا۔ مسلمان اس ناگہانی حملہ کی تاب نہ لاسکے اور بہت بڑی طرح پیچھے ہٹے۔ بہت سے مسلمان اس پسپائی میں شہید ہو گئے۔ آنحضرت ﷺ کا چہرہ انور زخمی اور دندان مبارک شہید ہوئے، آپ کے پاس چند جان نثاروں کے علاوہ کوئی باقی نہ رہ گیا تھا۔ ہر شخص اپنی جگہ بدحواس ہو رہا تھا۔ اس لئے آپ کی شہادت کی خبر اڑ گئی۔

۱۔ سیرت ابن ہشام۔ جلد اول۔ ص ۲۲۶ ۲۔ سیرت ابن ہشام۔ جلد اول۔ ص ۲۳۶ ۳۔ ابن سعد حصہ مغازی ص ۲۵

۴۔ ایضاً۔ ص ۲۹

ابوسفیان یہ خبر سن کر فرط مسرت سے پہاڑ پر چڑھ گیا اور فاتحانہ غرور میں باواز بلند پوچھا، محمد (ﷺ) ہیں ! آنحضرت (ﷺ) نے لوگوں کو منع کر دیا کہ جواب نہ دیا جائے۔ جب ابوسفیان کے سوال کا کوئی جواب نہ ملا، تو سمجھا نصیب دشمنان محمد (ﷺ) کا کام تمام ہو گیا۔ دوسری آواز دی، ابن ابی قحافہ (حضرت ابوبکرؓ) ہیں۔ اس سوال پر بھی کسی نے کوئی جواب نہ دیا۔ تیسری مرتبہ اس نے حضرت عمرؓ کو پکارا۔ اس مرتبہ بھی جواب نہ ملا۔ یہ خاموشی دیکھ کر وہ سمجھا کہ سب ختم ہو گئے۔

حضرت عمرؓ سے ضبط نہ ہو سکا۔ آپ پکار اٹھے، اودشمن خدا ! تیرے رسوا کرنے والوں کو خدا نے زندہ رکھا ہے۔ یہ سن کر اس نے ہبل کی جے پکاری ”اعل ہبل“ ہبل بلند رہ، صحابہ نے آنحضرت (ﷺ) کے حکم سے جواب میں کہا ”اللہ اعلیٰ واجل“ خدا برتر اور بڑا ہے۔ یہ جواب سن کر ابوسفیان بولا ”لنا عزی ولا عزی لکم“ ہمارے پاس ہمارا معبود عزیزی ہے، اور تمہارے پاس نہیں ہے۔ صحابہؓ نے جواب دیا ”اللہ مولنا ولا مولیٰ لکم“ خدا ہمارا مولا ہے اور تمہارا کوئی نہیں ہے۔

ابوسفیان کامیابی کے نشہ میں مغمور تھا۔ بولا، آج کا دن بدر کا جواب ہے۔ لوگوں نے بغیر میرے حکم کے مسلمان لاشوں کے ہاتھ پاؤں کاٹ لئے ہیں۔ لیکن مجھے اس کا کوئی افسوس بھی نہیں!۔ بروایت ابن اخطب حضرت عمرؓ نے یہ سن کر فرمایا، ہمارے شہداء جنت میں ہیں اور تیرے مقتولین جہنم میں ابوسفیان نے حضرت عمرؓ کی آواز سنی تو پاس بلا کر پوچھا، سچ بتاؤ، محمد (ﷺ) کا کام تمام ہو گیا یا زندہ ہیں؟ آپؓ نے فرمایا، خدا کی قسم زندہ ہیں اور تمہاری گفتگو سن رہے ہیں۔ یہ سن کر ابوسفیان نے کہا، ابن قمرہ نے کہا تھا کہ میں نے محمدؐ کا کام تمام کر دیا۔ لیکن میں تم کو اس سے زیادہ سچا سمجھتا ہوں۔

اختتام جنگ کے بعد آنحضرتؐ نے احتیاطاً قریش کے تعاقب میں ستر (۷۰) آدمی بھیجے، تاکہ وہ دوبارہ نہ لوٹ سکیں۔ دوسرے دن خود بہ نفس نفیس مقام حراء اسد تک تعاقب میں تشریف لے گئے۔ آپ کا خطرہ صحیح تھا۔ ابوسفیان یہ خیال کر کے کہ ابھی مسلمانوں کا پورا استیصال نہیں ہوا ہے، مقام روحا سے دوبارہ واپسی کا قصد کر رہا تھا کہ اس دوران میں قبیلہ خزاعہ کے رئیس معبد سے جو مسلمانوں کی شکست کی خبر سن کر تصدیق کے لئے آیا تھا اور اب واپس جا رہا تھا، ملاقات ہوئی۔ اس سے ابوسفیان نے اپنا خیال ظاہر کیا، اس نے کہا، میں ابھی اپنی آنکھوں سے دیکھتا چلا آ رہا ہوں۔ محمد (ﷺ) اس سر سامان کے ساتھ آ رہے ہیں کہ ان کا مقابلہ سخت دشوار ہے۔ یہ سن کر ابوسفیان نے ارادہ بدل دیا۔

جنگ احد کے بعد یہودیوں نے مسلمانوں کے خلاف تحریک شروع کی۔ ابوسفیانؓ اس میں بھی پورے طور سے معاون و مددگار تھا۔ ۵ھ میں جب تمام عرب قبائل نے مسلمانوں کے استیصال کے لئے مدینہ پر ہجوم کیا تو قریش بھی ابوسفیان کی قیادت میں جمع ہوئے، لیکن یہ طوفان ہوا کی طرح اڑ گیا۔ یہی متحدہ اجتماع جنگ خندق کے نام سے مشہور ہے۔

۶ھ میں جب آنحضرت ﷺ نے قرب و جوار کے تمام امراء اور فرمانرواؤں کے نام دعوت اسلام کے خطوط بھیجے، تو ایک خط ہرقل کے نام بھی بھیجا۔ وہ صحیح عیسوی مذہب کا پیرو اور حق کا متلاشی تھا۔ اس لئے اس نے آنحضرت ﷺ کے حالات معلوم کرنے چاہے۔ اتفاق سے اس وقت قریش کا کاروان تجارت شام آیا ہوا تھا۔ اس میں ابوسفیان بھی تھا۔ ہرقل نے آنحضرت ﷺ کے حالات دریافت کرنے کے لئے اس قافلہ کو ایلیا طلب کیا اور تمام ارکان سلطنت کے روبرو ترجمان کے ذریعہ سوالات شروع کئے۔

سب سے پہلے پوچھا، تم میں کون اس شخص سے جو اپنے کو نبی سمجھتا ہے، زیادہ قریبی تعلق رکھتا ہے؟ ابوسفیانؓ نے اپنے کو پیش کیا کہ میں اس کا قریب ترین عزیز ہوں۔ ہرقل نے اسے قریب بلایا اور دوسرے قریشیوں سے کہا، میں اس سے اس شخص (ﷺ) کے متعلق سوالات کروں گا جہاں وہ غلط جواب دے تم لوگ فوراً ٹوک دینا۔ ابوسفیانؓ کا بیان ہے کہ اگر اس وقت مجھ کو اپنے ہمراہیوں کی تردید کرنے کا خطرہ نہ ہوتا تو میں جھوٹ بول دیتا۔ اس اہتمام کے ساتھ سوالات و جوابات شروع ہوئے :

ہرقل : قریش میں اس شخص کا نسب کیسا ہے؟

ابوسفیان : قریش کا عالی نسب آدمی ہے۔

ہرقل : اس سے پہلے تم سے کسی نے نبوت کا دعویٰ کیا تھا؟

ابوسفیان : نہیں۔

ہرقل : شرفاء و معززین اس کے پیرو ہیں یا کمزور و ناتواں؟

ابوسفیان : ناتواں و کمزور۔

ہرقل : ان کی تعداد بڑھتی جاتی ہے یا گھٹتی ہے؟

ابوسفیان : بڑھتی جاتی ہے۔

۱۔ یہ تمام حالات ابن سعد سے ماخوذ ہیں۔

ہرقل : کوئی شخص اس مذہب کو قبول کرنے کے بعد اس سے بیزار ہو کر مرتد بھی ہوتا ہے؟

ابوسفیان : نہیں۔

ہرقل : کبھی اس نے دھوکہ اور فریب دیا ہے؟

ابوسفیان : نہیں۔ البتہ اس دوران میں حال معلوم نہیں۔ (ابوسفیان کا بیان ہے کہ اس سوال کے علاوہ

اور کسی میں مجھے اپنی طرف سے ملانے کا موقع نہیں ملا)

ہرقل : اس شخص سے اور تم لوگوں سے کبھی کوئی جنگ بھی ہوئی ہے؟

ابوسفیان : ہاں۔

ہرقل : اس کا کیا نتیجہ رہا؟

ابوسفیان : کبھی ہم غالب رہے اور کبھی وہ۔

ہرقل : وہ تم کو کس چیز کا حکم دیتا ہے؟

ابوسفیان : وہ کہتا ہے، تنہا خدائے واحد کی عبادت کرو، اس میں کسی کو شریک نہ کرو اور اپنے آبا و اجداد

کے مذہب کو چھوڑ دو، نماز پڑھو، خیرات کرو، صلہ رحمی کرو، پاک دامن رہو۔

اس گفتگو کے بعد ہرقل کو آنحضرت ﷺ کی صداقت اور آپ کی نبوت کا پورا یقین ہو گیا اور

اس نے بطارقہ کے سامنے علی الاعلان آپ کی رسالت کا اعتراف کیا۔

بنی خزاعہ اور بنی بکر کے قبائل مدتوں سے حریف چلے آ رہے تھے، لیکن اسلام کے مقابلہ میں

دونوں متحد ہو گئے تھے صلح حدیبیہ کے زمانہ میں بنی خزاعہ مسلمانوں کے اور بنی بکر قریش کے حلیف ہو گئے۔

اس تضاد تحالف نے پھر دونوں کو ایک دوسرے کے خلاف کر دیا اور بنی بکر نے عین حرم میں بنی خزاعہ پر حملہ

کر کے انہیں قتل کیا۔ بنی خزاعہ کے ارکان آنحضرت ﷺ کے پاس فریاد لے کر پہنچے۔ بنی خزاعہ آپ کے

حلیف تھے۔ اس لئے صلح حدیبیہ کی رو سے ان پر قریش یا ان کا کوئی حلیف حملہ نہیں کر سکتا تھا۔ چنانچہ

آنحضرت ﷺ نے قریش کے پاس ضمیر کو یہ پیام دے کر بھیجا کہ یا بنی خزاعہ کے مقتولین کا خون بہا ادا

کر دیا جائے، یا قریش ان کی حمایت سے الگ ہو جائیں، ورنہ اعلان کر دیا جائے کہ حدیبیہ کا معاہدہ ٹوٹ

گیا۔ یہ شرائط سن کر قرظ بن عمر نے کہا، ہم کو تیسری صورت منظور ہے۔ ضمیر نے آکر آنحضرت ﷺ کو یہ

جواب سنا دیا۔ قرظ نے یہ جواب تو دے دیا، لیکن بعد میں جب قریش نے اس جواب اور اس کے نتائج پر غور

کیا تو بہت نادام ہوئے اور اسی وقت ابوسفیان کو حدیبیہ کے معاہدہ کی تجدید کے لئے مدینہ بھیجا۔

انہوں نے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں جا کر کہا کہ ہم حدیبیہ کے موقع پر موجود نہ تھے، اس لئے چاہتے ہیں کہ تم دوبارہ ہمارے سامنے اس معاہدہ کی تجدید کرو اور اس کی مدت میں اضافہ کر دو۔ آپ نے پوچھا، کیا تم مخصوص اسی کے واسطے آئے ہو؟ انہوں نے کہا، ہاں۔ فرمایا، اس درمیان میں کوئی جدید واقعہ تو پیش نہیں آیا۔ ابوسفیانؓ نے کہا، پناہ بخدا، ہم لوگ سابق معاہدہ پر قائم ہیں، اس میں کوئی تبدیلی نہیں کی۔

آنحضرت ﷺ اصل حقیقت سے واقف تھے۔ اس لئے تجدید معاہدہ پر راضی نہ ہوئے۔ لیکن ابوسفیانؓ کسی نہ کسی طرح قریش کی غلطی کی تلافی چاہتا تھا۔ اس لئے آنحضرت ﷺ سے جواب پانے کے بعد حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ کو درمیان میں ڈالنا چاہا۔ لیکن ان دونوں بزرگوں نے انکار کیا۔ ان کے انکار کے بعد وہ حضرت فاطمہؓ کے پاس گیا اور ان سے کہا، اگر اس وقت حسنؓ درمیان میں پڑ کر محمد (ﷺ) سے کہہ دے تو ہمیشہ کے لئے عرب کا سردار کہلائے گا۔ لیکن اس پر فاطمہؓ ہرگز رضامند نہ ہوئیں۔ ان سب سے مایوس ہو کر مہاجرین و انصار کے پاس جا کر کہا، لیکن سب نے صاف انکار کر دیا۔ ہر جگہ جگہ سے مایوس ہونے کے بعد آخر میں حضرت علیؓ کے مشورے سے مسجد نبوی ﷺ میں کھڑے ہو کر خود سے تجدید معاہدہ کو اعلان کر کے مکہ لوٹ گیا۔

فتح مکہ ۸ھ میں جب آنحضرت ﷺ نے تطہیر کعبہ کے لئے مکہ پر فوج کشی کا ارادہ کیا، تو گواہ سے مخفی رکھنے کا اہتمام کیا تھا۔ مگر مکہ میں آپ کی آمد کی خبریں پہنچ گئیں۔ اس وقت وہ مشرکین اور جبارہ قریش جنہوں نے آپ کو نہایت بے کسی کی حالت میں اس ارض مقدس سے جلاوطن کیا تھا، اپنے انجام سے بہت گھبرائے کہ اب اسلام کے سیلاب کو روکنا ان کے بس سے باہر ہو چکا تھا۔ آنحضرت ﷺ نے مکہ کے قریب پہنچ کر مرظہر ان میں قیام فرمایا۔ ابوسفیان حکیم بن حزام اور بدیل بن ورقاء تحقیقات کے لئے نکلے تھے۔ دور سے دیکھا کہ مرظہر ان کا میدان رات کی تاریکی میں روشنی کی کثرت سے وادی ایمن بنا ہوا ہے۔ ابوسفیانؓ نے کہا یہاں عرفہ جیسی روشنی کیسے ہو رہی ہے۔ بدیل نے کہا بنی عمرو آگ روشن کئے ہیں۔ ابوسفیانؓ نے اعتراض کیا کہ ان کی تعداد اتنی کہاں ہے۔

گو قریش نے مسلمانوں پر بڑی ستم آرائیاں کی تھیں، پھر بھی وہ رسول اللہ ﷺ اور اکثر اکابر صحابہؓ کے ہم خاندان تھے اور ان میں ان کے اعزہ و اقرباء بھی موجود تھے، اس لئے حضرت عباسؓ کے دل میں خیال آیا کہ اگر آنحضرت ﷺ مکہ میں داخل ہو گئے اور قریش نے پہلے سے جان و مال کی

امان نہ لے لی تو سب تباہ ہو جائیں گے۔ چنانچہ وہ اس تلاش میں نکلے کہ اگر مکہ جانے والا کوئی آدمی مل جائے، تو اس کی زبانی قریش سے کہلا بھیجیں، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان تک پہنچ چکے ہیں۔ وہ لوگ آکر جان بخشی کرالیں۔

اتفاق سے حضرت عباسؓ اسی سمت گئے، جدھر ابوسفیان اور بدیل تھے۔ ابوسفیانؓ کی آواز سن کر حضرت عباسؓ نے اس کو پکارا۔ اس نے آواز پہچان کر کہا، ابوالفضل! حضرت عباسؓ نے فرمایا، ہاں میں ہوں۔ ابوسفیانؓ بولا، میرے ماں باپ فدا ہوں، تم یہاں کہاں؟ فرمایا، رسول اللہ ﷺ اور مسلمان آگئے ہیں۔ ابوسفیانؓ نے سر اسیمہ ہو کر کہا، پھر کوئی تدبیر بتاؤ۔ حضرت عباسؓ نے ان کے ساتھیوں کو لوٹا دیا اور انہیں عنونہ نقصیر کے لئے اپنے ساتھ سوار کر کے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں چلے۔

حضرت عباسؓ ابوسفیانؓ کو لے تو چلے، مگر وہ اشتہاری مجرم تھا اور تمام مسلمان اس سے خار کھاتے تھے۔ روشنی کی کثرت اور بھی راز فاش کئے دیتی تھی۔ قدم قدم پر لوگ سوال کرتے کون ہے؟ لیکن پھر رسول اللہ ﷺ اُٹھ اور حضرت عباسؓ کو دیکھ کر سمجھ جاتے کہ رسول اللہ ﷺ کے چچا ہیں۔ حضرت عباسؓ لوگوں کی نظریں بچاتے ہوئے آرہے تھے۔ لیکن وہ حضرت عمرؓ کی فزوغاہ کے ہانٹنے سے گزرے تو انہوں نے ابوسفیانؓ کو پہچان لیا اور جوش غضب میں بیتاب ہو کر چلائے،

اودشمن خدا! خدا کا شکر ہے کہ اس نے بلا کسی عہد و پیمان اور ذمہ داری کے تجھ پر قابو دے دیا۔ مگر حضرت عباسؓ ساتھ تھے، اس لئے حضرت عمرؓ سیدھے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں گئے۔ لیکن حضرت عباسؓ ان سے پہلے پہنچ چکے تھے۔ حضرت عمرؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ!

یہ ابوسفیانؓ ہے۔ خدا نے اس کو بغیر کسی عہد و پیمان کے ہمارے حوالے کر دیا ہے۔ اجازت دیجئے کہ اس دشمن خدا کی گردن اڑا دوں۔ حضرت عباسؓ نے کہا، یا رسول اللہ! میں نے ان کو امان دے دی ہے۔ ابوسفیانؓ سر پکڑ کر بیٹھ گئے۔ حضرت عمرؓ برابر ابوسفیانؓ کے قتل پر مصر تھے۔ ان کا اصرار دیکھ کر حضرت عباسؓ نے کہا، عمر! اگر تمہارا قبیلہ کا کوئی شخص بوتا تو تم بڑا اتنا اصرار نہ کرتے۔ لیکن تم کو بنی عبد مناف کی کیا پرواہ۔ حضرت عمرؓ نے اس طنز کے جواب میں کہا، عباسؓ خدا کی قسم مجھ کو تمہارے اسلام کی اتنی خوشی ہوئی کہ اپنے باپ خطابؓ کے اسلام لانے سے نہ ہوتی۔ آنحضرت ﷺ نے حضرت عباسؓ سے فرمایا، اس وقت انہیں لے با نرا اپنے ساتھ سلاؤ، صبح فیصلہ کیا جائے گا۔

۱۔ ابوداؤد و کتاب الخراج والامارہ باب ما جاء فی فتح مکہ۔

اس ارشاد پر حضرت عباسؓ ابوسفیانؓ کو ساتھ لے گئے۔ رات بھر پاس رکھا اور صبح کو جب بارگاہِ نبوی ﷺ میں لا کر حاضر کیا، اس وقت اسلام اور مسلمانوں کا سب سے بڑا دشمن، آنحضرت ﷺ کے خون کا پیاسا، جس نے آپ کی تحقیر و تذلیل اور جان لینے تک میں کوئی تامل نہ کیا تھا۔ مسلمانوں کو طرح طرح کی اذیتیں دی تھیں۔ اسلام کے استیصال میں کوئی دقیقہ نہ اٹھا رکھا تھا، بے کس ولا چار اور بے حامی و مددگار بارگاہِ رسالت ﷺ میں حاضر تھا اور رحمۃ للعالمین ﷺ کے دامنِ عفو و کرم کے علاوہ دنیا میں اس کے لئے کوئی جائے پناہ نہ تھی۔ بارگاہِ رسالت ﷺ سے اس سنگین مجرم کے لئے قتل کی سزا نہیں تجویز ہوتی، قید خانہ چار دیواری میں بند نہیں کیا جاتا۔ جلائے وطن کا حکم نہیں ملتا بلکہ۔۔۔

”وما ارسلناک الا رحمة للعالمین“ کی عملی تفسیر ہوتی ہے۔

فرماتے ہیں: ”ابوسفیان افسوس کا مقام ہے کیا اب بھی وقت نہیں آیا کہ وحدانیت کا اقرار کر دے؟ اس سوال پر وہ زبان جو معلوم نہیں کتنی مرتبہ رسول اللہ ﷺ کے دل پر نشتر لگا چکی تھی، یوں گویا ہوتی ہے۔ ”میرے ماں باپ آپ (ﷺ) پر فدا ہوں، آپ ﷺ کتنے بڑے شریف اور کتنے بڑے صلہ رحم کرنے والے ہیں۔ خدا کی قسم اگر خدا کے سوا کوئی اور معبود ہوتا تو میرے کام نہ آتا۔“

پھر ارشاد ہوتا ہے: ”ابوسفیان تمہاری حالت قابلِ افسوس ہے۔ کیا اب بھی وہ وقت نہیں آیا کہ تم مجھے خدا کا رسول مانو۔“ جاہلی حیثیت اور قومی عنصرت اب بھی اعترافِ رسالت کی اجازت نہیں دیتی؟ جواب ملتا ہے، ”میرے ماں باپ آپ ﷺ پر فدا ہوں، آپ ﷺ کس قدر حلیم، کس قدر شریف اور کس قدر صلہ رحمی کرنے والے ہیں۔ خدا کی قسم ابھی تک اس میں شک ہے۔“ حضرت عباسؓ یہ جاہلی حیثیت سن کر ڈانٹتے ہیں۔ ”ابوسفیان اس سے پہلے کہ سرتن سے جدا ہو لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کہہ لو،“ حضرت کی ڈانٹ پر ابوسفیان کلمہ توحید پڑھتے ہیں اور وہ سرکش جو جاہلی رعونیت سے خدا کے سامنے بھی نہ جھکتا تھا، آستانہِ نبوی ﷺ پر خم ہو جاتا ہے۔ اور آنحضرت ﷺ نہ صرف ابوسفیانؓ کی جان بخشی کا اعلان فرماتے ہیں بلکہ ان کے گھر کو جس میں بارہا مسلمانوں کے خلاف سازشیں ہو چکی تھیں۔ رسول اللہ ﷺ کے قتل کے مشورے ہو چکے تھے، ”من دخل دار ابی سفیان فهو امن“ کے اعلان سے بیت الامن قرار دیتے ہیں۔

قبولِ اسلام کے بعد حضرت عباسؓ ان کو لے کر لوٹنے لگے تو آنحضرت ﷺ نے ان سے ارشاد فرمایا کہ ”ابوسفیان کو پہاڑ کی چوٹی پر لے جا کر کھڑا کر دو، کہ افواجِ الہی کا جلال اور مسلمانوں کی شوکت

۱۔ سیرۃ ابن ہشام۔ جلد ۲۔ ۲۳۵۔ ۲۳۶۔ ۲۳۷۔ ۲۳۸۔ ۲۳۹۔ ۲۴۰۔ ۲۴۱۔ ۲۴۲۔ ۲۴۳۔ ۲۴۴۔ ۲۴۵۔ ۲۴۶۔ ۲۴۷۔ ۲۴۸۔ ۲۴۹۔ ۲۵۰۔ ۲۵۱۔ ۲۵۲۔ ۲۵۳۔ ۲۵۴۔ ۲۵۵۔ ۲۵۶۔ ۲۵۷۔ ۲۵۸۔ ۲۵۹۔ ۲۶۰۔ ۲۶۱۔ ۲۶۲۔ ۲۶۳۔ ۲۶۴۔ ۲۶۵۔ ۲۶۶۔ ۲۶۷۔ ۲۶۸۔ ۲۶۹۔ ۲۷۰۔ ۲۷۱۔ ۲۷۲۔ ۲۷۳۔ ۲۷۴۔ ۲۷۵۔ ۲۷۶۔ ۲۷۷۔ ۲۷۸۔ ۲۷۹۔ ۲۸۰۔ ۲۸۱۔ ۲۸۲۔ ۲۸۳۔ ۲۸۴۔ ۲۸۵۔ ۲۸۶۔ ۲۸۷۔ ۲۸۸۔ ۲۸۹۔ ۲۹۰۔ ۲۹۱۔ ۲۹۲۔ ۲۹۳۔ ۲۹۴۔ ۲۹۵۔ ۲۹۶۔ ۲۹۷۔ ۲۹۸۔ ۲۹۹۔ ۳۰۰۔ ۳۰۱۔ ۳۰۲۔ ۳۰۳۔ ۳۰۴۔ ۳۰۵۔ ۳۰۶۔ ۳۰۷۔ ۳۰۸۔ ۳۰۹۔ ۳۱۰۔ ۳۱۱۔ ۳۱۲۔ ۳۱۳۔ ۳۱۴۔ ۳۱۵۔ ۳۱۶۔ ۳۱۷۔ ۳۱۸۔ ۳۱۹۔ ۳۲۰۔ ۳۲۱۔ ۳۲۲۔ ۳۲۳۔ ۳۲۴۔ ۳۲۵۔ ۳۲۶۔ ۳۲۷۔ ۳۲۸۔ ۳۲۹۔ ۳۳۰۔ ۳۳۱۔ ۳۳۲۔ ۳۳۳۔ ۳۳۴۔ ۳۳۵۔ ۳۳۶۔ ۳۳۷۔ ۳۳۸۔ ۳۳۹۔ ۳۴۰۔ ۳۴۱۔ ۳۴۲۔ ۳۴۳۔ ۳۴۴۔ ۳۴۵۔ ۳۴۶۔ ۳۴۷۔ ۳۴۸۔ ۳۴۹۔ ۳۵۰۔ ۳۵۱۔ ۳۵۲۔ ۳۵۳۔ ۳۵۴۔ ۳۵۵۔ ۳۵۶۔ ۳۵۷۔ ۳۵۸۔ ۳۵۹۔ ۳۶۰۔ ۳۶۱۔ ۳۶۲۔ ۳۶۳۔ ۳۶۴۔ ۳۶۵۔ ۳۶۶۔ ۳۶۷۔ ۳۶۸۔ ۳۶۹۔ ۳۷۰۔ ۳۷۱۔ ۳۷۲۔ ۳۷۳۔ ۳۷۴۔ ۳۷۵۔ ۳۷۶۔ ۳۷۷۔ ۳۷۸۔ ۳۷۹۔ ۳۸۰۔ ۳۸۱۔ ۳۸۲۔ ۳۸۳۔ ۳۸۴۔ ۳۸۵۔ ۳۸۶۔ ۳۸۷۔ ۳۸۸۔ ۳۸۹۔ ۳۹۰۔ ۳۹۱۔ ۳۹۲۔ ۳۹۳۔ ۳۹۴۔ ۳۹۵۔ ۳۹۶۔ ۳۹۷۔ ۳۹۸۔ ۳۹۹۔ ۴۰۰۔ ۴۰۱۔ ۴۰۲۔ ۴۰۳۔ ۴۰۴۔ ۴۰۵۔ ۴۰۶۔ ۴۰۷۔ ۴۰۸۔ ۴۰۹۔ ۴۱۰۔ ۴۱۱۔ ۴۱۲۔ ۴۱۳۔ ۴۱۴۔ ۴۱۵۔ ۴۱۶۔ ۴۱۷۔ ۴۱۸۔ ۴۱۹۔ ۴۲۰۔ ۴۲۱۔ ۴۲۲۔ ۴۲۳۔ ۴۲۴۔ ۴۲۵۔ ۴۲۶۔ ۴۲۷۔ ۴۲۸۔ ۴۲۹۔ ۴۳۰۔ ۴۳۱۔ ۴۳۲۔ ۴۳۳۔ ۴۳۴۔ ۴۳۵۔ ۴۳۶۔ ۴۳۷۔ ۴۳۸۔ ۴۳۹۔ ۴۴۰۔ ۴۴۱۔ ۴۴۲۔ ۴۴۳۔ ۴۴۴۔ ۴۴۵۔ ۴۴۶۔ ۴۴۷۔ ۴۴۸۔ ۴۴۹۔ ۴۵۰۔ ۴۵۱۔ ۴۵۲۔ ۴۵۳۔ ۴۵۴۔ ۴۵۵۔ ۴۵۶۔ ۴۵۷۔ ۴۵۸۔ ۴۵۹۔ ۴۶۰۔ ۴۶۱۔ ۴۶۲۔ ۴۶۳۔ ۴۶۴۔ ۴۶۵۔ ۴۶۶۔ ۴۶۷۔ ۴۶۸۔ ۴۶۹۔ ۴۷۰۔ ۴۷۱۔ ۴۷۲۔ ۴۷۳۔ ۴۷۴۔ ۴۷۵۔ ۴۷۶۔ ۴۷۷۔ ۴۷۸۔ ۴۷۹۔ ۴۸۰۔ ۴۸۱۔ ۴۸۲۔ ۴۸۳۔ ۴۸۴۔ ۴۸۵۔ ۴۸۶۔ ۴۸۷۔ ۴۸۸۔ ۴۸۹۔ ۴۹۰۔ ۴۹۱۔ ۴۹۲۔ ۴۹۳۔ ۴۹۴۔ ۴۹۵۔ ۴۹۶۔ ۴۹۷۔ ۴۹۸۔ ۴۹۹۔ ۵۰۰۔ ۵۰۱۔ ۵۰۲۔ ۵۰۳۔ ۵۰۴۔ ۵۰۵۔ ۵۰۶۔ ۵۰۷۔ ۵۰۸۔ ۵۰۹۔ ۵۱۰۔ ۵۱۱۔ ۵۱۲۔ ۵۱۳۔ ۵۱۴۔ ۵۱۵۔ ۵۱۶۔ ۵۱۷۔ ۵۱۸۔ ۵۱۹۔ ۵۲۰۔ ۵۲۱۔ ۵۲۲۔ ۵۲۳۔ ۵۲۴۔ ۵۲۵۔ ۵۲۶۔ ۵۲۷۔ ۵۲۸۔ ۵۲۹۔ ۵۳۰۔ ۵۳۱۔ ۵۳۲۔ ۵۳۳۔ ۵۳۴۔ ۵۳۵۔ ۵۳۶۔ ۵۳۷۔ ۵۳۸۔ ۵۳۹۔ ۵۴۰۔ ۵۴۱۔ ۵۴۲۔ ۵۴۳۔ ۵۴۴۔ ۵۴۵۔ ۵۴۶۔ ۵۴۷۔ ۵۴۸۔ ۵۴۹۔ ۵۵۰۔ ۵۵۱۔ ۵۵۲۔ ۵۵۳۔ ۵۵۴۔ ۵۵۵۔ ۵۵۶۔ ۵۵۷۔ ۵۵۸۔ ۵۵۹۔ ۵۶۰۔ ۵۶۱۔ ۵۶۲۔ ۵۶۳۔ ۵۶۴۔ ۵۶۵۔ ۵۶۶۔ ۵۶۷۔ ۵۶۸۔ ۵۶۹۔ ۵۷۰۔ ۵۷۱۔ ۵۷۲۔ ۵۷۳۔ ۵۷۴۔ ۵۷۵۔ ۵۷۶۔ ۵۷۷۔ ۵۷۸۔ ۵۷۹۔ ۵۸۰۔ ۵۸۱۔ ۵۸۲۔ ۵۸۳۔ ۵۸۴۔ ۵۸۵۔ ۵۸۶۔ ۵۸۷۔ ۵۸۸۔ ۵۸۹۔ ۵۹۰۔ ۵۹۱۔ ۵۹۲۔ ۵۹۳۔ ۵۹۴۔ ۵۹۵۔ ۵۹۶۔ ۵۹۷۔ ۵۹۸۔ ۵۹۹۔ ۶۰۰۔ ۶۰۱۔ ۶۰۲۔ ۶۰۳۔ ۶۰۴۔ ۶۰۵۔ ۶۰۶۔ ۶۰۷۔ ۶۰۸۔ ۶۰۹۔ ۶۱۰۔ ۶۱۱۔ ۶۱۲۔ ۶۱۳۔ ۶۱۴۔ ۶۱۵۔ ۶۱۶۔ ۶۱۷۔ ۶۱۸۔ ۶۱۹۔ ۶۲۰۔ ۶۲۱۔ ۶۲۲۔ ۶۲۳۔ ۶۲۴۔ ۶۲۵۔ ۶۲۶۔ ۶۲۷۔ ۶۲۸۔ ۶۲۹۔ ۶۳۰۔ ۶۳۱۔ ۶۳۲۔ ۶۳۳۔ ۶۳۴۔ ۶۳۵۔ ۶۳۶۔ ۶۳۷۔ ۶۳۸۔ ۶۳۹۔ ۶۴۰۔ ۶۴۱۔ ۶۴۲۔ ۶۴۳۔ ۶۴۴۔ ۶۴۵۔ ۶۴۶۔ ۶۴۷۔ ۶۴۸۔ ۶۴۹۔ ۶۵۰۔ ۶۵۱۔ ۶۵۲۔ ۶۵۳۔ ۶۵۴۔ ۶۵۵۔ ۶۵۶۔ ۶۵۷۔ ۶۵۸۔ ۶۵۹۔ ۶۶۰۔ ۶۶۱۔ ۶۶۲۔ ۶۶۳۔ ۶۶۴۔ ۶۶۵۔ ۶۶۶۔ ۶۶۷۔ ۶۶۸۔ ۶۶۹۔ ۶۷۰۔ ۶۷۱۔ ۶۷۲۔ ۶۷۳۔ ۶۷۴۔ ۶۷۵۔ ۶۷۶۔ ۶۷۷۔ ۶۷۸۔ ۶۷۹۔ ۶۸۰۔ ۶۸۱۔ ۶۸۲۔ ۶۸۳۔ ۶۸۴۔ ۶۸۵۔ ۶۸۶۔ ۶۸۷۔ ۶۸۸۔ ۶۸۹۔ ۶۹۰۔ ۶۹۱۔ ۶۹۲۔ ۶۹۳۔ ۶۹۴۔ ۶۹۵۔ ۶۹۶۔ ۶۹۷۔ ۶۹۸۔ ۶۹۹۔ ۷۰۰۔ ۷۰۱۔ ۷۰۲۔ ۷۰۳۔ ۷۰۴۔ ۷۰۵۔ ۷۰۶۔ ۷۰۷۔ ۷۰۸۔ ۷۰۹۔ ۷۱۰۔ ۷۱۱۔ ۷۱۲۔ ۷۱۳۔ ۷۱۴۔ ۷۱۵۔ ۷۱۶۔ ۷۱۷۔ ۷۱۸۔ ۷۱۹۔ ۷۲۰۔ ۷۲۱۔ ۷۲۲۔ ۷۲۳۔ ۷۲۴۔ ۷۲۵۔ ۷۲۶۔ ۷۲۷۔ ۷۲۸۔ ۷۲۹۔ ۷۳۰۔ ۷۳۱۔ ۷۳۲۔ ۷۳۳۔ ۷۳۴۔ ۷۳۵۔ ۷۳۶۔ ۷۳۷۔ ۷۳۸۔ ۷۳۹۔ ۷۴۰۔ ۷۴۱۔ ۷۴۲۔ ۷۴۳۔ ۷۴۴۔ ۷۴۵۔ ۷۴۶۔ ۷۴۷۔ ۷۴۸۔ ۷۴۹۔ ۷۵۰۔ ۷۵۱۔ ۷۵۲۔ ۷۵۳۔ ۷۵۴۔ ۷۵۵۔ ۷۵۶۔ ۷۵۷۔ ۷۵۸۔ ۷۵۹۔ ۷۶۰۔ ۷۶۱۔ ۷۶۲۔ ۷۶۳۔ ۷۶۴۔ ۷۶۵۔ ۷۶۶۔ ۷۶۷۔ ۷۶۸۔ ۷۶۹۔ ۷۷۰۔ ۷۷۱۔ ۷۷۲۔ ۷۷۳۔ ۷۷۴۔ ۷۷۵۔ ۷۷۶۔ ۷۷۷۔ ۷۷۸۔ ۷۷۹۔ ۷۸۰۔ ۷۸۱۔ ۷۸۲۔ ۷۸۳۔ ۷۸۴۔ ۷۸۵۔ ۷۸۶۔ ۷۸۷۔ ۷۸۸۔ ۷۸۹۔ ۷۹۰۔ ۷۹۱۔ ۷۹۲۔ ۷۹۳۔ ۷۹۴۔ ۷۹۵۔ ۷۹۶۔ ۷۹۷۔ ۷۹۸۔ ۷۹۹۔ ۸۰۰۔ ۸۰۱۔ ۸۰۲۔ ۸۰۳۔ ۸۰۴۔ ۸۰۵۔ ۸۰۶۔ ۸۰۷۔ ۸۰۸۔ ۸۰۹۔ ۸۱۰۔ ۸۱۱۔ ۸۱۲۔ ۸۱۳۔ ۸۱۴۔ ۸۱۵۔ ۸۱۶۔ ۸۱۷۔ ۸۱۸۔ ۸۱۹۔ ۸۲۰۔ ۸۲۱۔ ۸۲۲۔ ۸۲۳۔ ۸۲۴۔ ۸۲۵۔ ۸۲۶۔ ۸۲۷۔ ۸۲۸۔ ۸۲۹۔ ۸۳۰۔ ۸۳۱۔ ۸۳۲۔ ۸۳۳۔ ۸۳۴۔ ۸۳۵۔ ۸۳۶۔ ۸۳۷۔ ۸۳۸۔ ۸۳۹۔ ۸۴۰۔ ۸۴۱۔ ۸۴۲۔ ۸۴۳۔ ۸۴۴۔ ۸۴۵۔ ۸۴۶۔ ۸۴۷۔ ۸۴۸۔ ۸۴۹۔ ۸۵۰۔ ۸۵۱۔ ۸۵۲۔ ۸۵۳۔ ۸۵۴۔ ۸۵۵۔ ۸۵۶۔ ۸۵۷۔ ۸۵۸۔ ۸۵۹۔ ۸۶۰۔ ۸۶۱۔ ۸۶۲۔ ۸۶۳۔ ۸۶۴۔ ۸۶۵۔ ۸۶۶۔ ۸۶۷۔ ۸۶۸۔ ۸۶۹۔ ۸۷۰۔ ۸۷۱۔ ۸۷۲۔ ۸۷۳۔ ۸۷۴۔ ۸۷۵۔ ۸۷۶۔ ۸۷۷۔ ۸۷۸۔ ۸۷۹۔ ۸۸۰۔ ۸۸۱۔ ۸۸۲۔ ۸۸۳۔ ۸۸۴۔ ۸۸۵۔ ۸۸۶۔ ۸۸۷۔ ۸۸۸۔ ۸۸۹۔ ۸۹۰۔ ۸۹۱۔ ۸۹۲۔ ۸۹۳۔ ۸۹۴۔ ۸۹۵۔ ۸۹۶۔ ۸۹۷۔ ۸۹۸۔ ۸۹۹۔ ۹۰۰۔ ۹۰۱۔ ۹۰۲۔ ۹۰۳۔ ۹۰۴۔ ۹۰۵۔ ۹۰۶۔ ۹۰۷۔ ۹۰۸۔ ۹۰۹۔ ۹۱۰۔ ۹۱۱۔ ۹۱۲۔ ۹۱۳۔ ۹۱۴۔ ۹۱۵۔ ۹۱۶۔ ۹۱۷۔ ۹۱۸۔ ۹۱۹۔ ۹۲۰۔ ۹۲۱۔ ۹۲۲۔ ۹۲۳۔ ۹۲۴۔ ۹۲۵۔ ۹۲۶۔ ۹۲۷۔ ۹۲۸۔ ۹۲۹۔ ۹۳۰۔ ۹۳۱۔ ۹۳۲۔ ۹۳۳۔ ۹۳۴۔ ۹۳۵۔ ۹۳۶۔ ۹۳۷۔ ۹۳۸۔ ۹۳۹۔ ۹۴۰۔ ۹۴۱۔ ۹۴۲۔ ۹۴۳۔ ۹۴۴۔ ۹۴۵۔ ۹۴۶۔ ۹۴۷۔ ۹۴۸۔ ۹۴۹۔ ۹۵۰۔ ۹۵۱۔ ۹۵۲۔ ۹۵۳۔ ۹۵۴۔ ۹۵۵۔ ۹۵۶۔ ۹۵۷۔ ۹۵۸۔ ۹۵۹۔ ۹۶۰۔ ۹۶۱۔ ۹۶۲۔ ۹۶۳۔ ۹۶۴۔ ۹۶۵۔ ۹۶۶۔ ۹۶۷۔ ۹۶۸۔ ۹۶۹۔ ۹۷۰۔ ۹۷۱۔ ۹۷۲۔ ۹۷۳۔ ۹۷۴۔ ۹۷۵۔ ۹۷۶۔ ۹۷۷۔ ۹۷۸۔ ۹۷۹۔ ۹۸۰۔ ۹۸۱۔ ۹۸۲۔ ۹۸۳۔ ۹۸۴۔ ۹۸۵۔ ۹۸۶۔ ۹۸۷۔ ۹۸۸۔ ۹۸۹۔ ۹۹۰۔ ۹۹۱۔ ۹۹۲۔ ۹۹۳۔ ۹۹۴۔ ۹۹۵۔ ۹۹۶۔ ۹۹۷۔ ۹۹۸۔ ۹۹۹۔ ۱۰۰۰۔

و عظمت کا تماشا اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں۔“ اس ارشاد پر حضرت عباسؓ انہیں پہاڑ پر لے جا کر کھڑا کر دیا۔
تھوڑی دیر کے بعد دریائے اسلام میں تلاطم پیدا ہوا۔ ہر قبیلہ کے پرچم گزرنے لگے۔ پہلے
غفار کا پرچم نظر آیا، پھر جھیندیم اور سلیم کے بعد دیگرے ہتھیاروں میں ڈوبے تکبیر کے نعرے لگاتے
ہوئے گزرے۔ سب سے آخر میں انصار کا قبیلہ اس شان سے پرچم لہراتا ہوا نکلا کہ ابوسفیان متحیر
ہو گئے، اور پوچھا یہ پرچم کس کا ہے۔ حضرت عباسؓ نے نام بتایا۔ دفعۃً سردار فوج حضرت سعد بن عبادہؓ
ہاتھ میں علم لئے ہوئے برابر سے گزرے، ابوسفیانؓ کو دیکھ کر پکار اٹھے، ”الیوم یوم الملحمة الیوم
تستحل الکعبة“، ”آج گھمسان کا دن ہے، آج کعبہ حلال کر دیا جائے گا۔“

سب سے آخر میں کوکبہ رسالت نمودار ہوا۔ حضرت زبیرؓ بن عوام کے ہاتھوں میں علم تھا،
آنحضرت ﷺ ابوسفیان کے قریب سے گزرے اور جمال مبارک پر ان کی نظر پڑی تو باواز بلند پکار کر
کہا، آپ (ﷺ) کو معلوم ہے ابھی سعد بن عبادہ کیا کہہ کر گئے ہیں؟ پوچھا کیا، ابوسفیان نے بتایا،
ارشاد فرمایا غلط ہے۔ آج کعبہ کی عظمت کا دن ہے آج اس پر غلاف چڑھایا جائے گا۔

غزوات : قبول اسلام کے بعد ابوسفیانؓ سب سے اول غزوہ حنین میں شریک ہوئے۔ آنحضرت
ﷺ نے حنین کے مالی غنیمت سے انہیں سوانٹ مرحمت فرمائے، حنین کے بعد طائف کے محاصرہ میں
شرکت کی۔ جب طائف کے محصورین مسلمانوں پر لوہے کی گرم سلاخیں برسائے لگے تو اس کے
جواب میں مسلمانوں نے ان کی انگور کی ٹیٹوں کو نذر آتش کرنا شروع کیا۔ قریش کی بہت سی لڑکیاں قبیلہ
ثقیف میں بیایں ہوئی تھیں خود ابوسفیانؓ کی لڑکی آمنہ عروہ بن مسعود ثقفی کے عقد میں تھی، اس لئے
ابوسفیانؓ اور مغیرہ بن شعبہ ثقیف سے گفتگو کرنے کے لئے گئے، جنگ چھڑی ہوئی تھی، اس لئے عورتوں
نے گرفتاری کے خوف سے ملنے سے انکار کر دیا۔

ابن الاسود ثقفی جو اپنے قبیلہ کے نہایت متمول شخص تھے، انہوں نے آکر کہا اگر محمد (ﷺ) نے
ہمارے سر سبز اور شاداب باغوں کو تاراج کر دیا تو پھر وہ کبھی آباد نہ ہو سکیں گے اس لئے تم دونوں جا کر
میرے لئے محمد (ﷺ) سے جان بخشی کا پروانہ حاصل کرو۔ میری اور ان کی قرابت دیرینہ ہے اس لئے
انہیں خدا اور صلہ رحمی کے واسطے سے چھوڑ دینا چاہئے۔ آنحضرت ﷺ نے ان کی درخواست منظور کر لی۔
اس غزوہ میں ابوسفیانؓ کی ایک آنکھ جاتی رہی اور جہاد فی سبیل اللہ کا پہلا تمغہ ملا۔

طائف کے بعد مغیرہ بن شعبہؓ کے ساتھ بنی ثقیف کا صہم کدہ ڈھانے پر مامور ہوئے،

۱۔ بخاری کتاب المغازی باب ابن رکن النبی ﷺ الراہ یوم الفتح۔ ۲۔ سیرت ابن ہشام۔ جلد ۲۔ ص ۲۹۲، ۲۹۳۔

۳۔ استیعاب۔ جلد ۲۔ ص ۷۱۰۔ ۴۔ سیرۃ ابن ہشام۔ جلد ۲۔ ص ۲۳۹۔

ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے نجران کا عامل بھی بنایا تھا اور آپ ﷺ کی وفات کے وقت وہ یہیں تھے لیکن واقدی اس کے منکر ہے۔

جنگ یرموک میں شرکت : حضرت عمرؓ کے عہد خلافت ۱۱ شام کی فوج کشی میں اپنے پورے کنبہ کو لے کر شریک ہوئے۔ خود یہ، ان کے بیٹے یزید، معاویہ اور ان کی بیوی ہندہ سب شریک تھے، یرموک کی جنگ میں انہوں نے بڑا نمایاں حصہ لیا جب مسلمانوں پر رومیوں کا ریلہ زیادہ ہوا تو ابوسفیان بارگاہ ایزدی میں فتح و نصرت کی دعا کرتے تھے اور مسلمانوں کو ابھارتے جاتے تھے کہ ”اللہ اللہ تم لوگ عرب کا ہالہ، اس کا خلاصہ اور اسلام کے دست و بازو ہو، اور تمہارے حریف روم کا ہالہ، اس کا خلاصہ اور مشرکین کے مددگار ہیں، خدایا آج کا دن تیرا ہے اپنے عاجز بندوں کی مدد فرما“۔ ان کی بیوی ہندہ مردانہ ہمت کے ساتھ مسلمانوں کو لاکارتی تھیں کہ مسلمانو! غیر مختونوں کو لینا، اس غزوہ میں ابوسفیان کی دوسری آنکھ بھی جاتی رہی اور وہ خدا کی راہ میں ظاہری بینائی سے محروم ہو گئے۔

وفات : حضرت عثمانؓ کے عہد خلافت ۳۱ سے لے کر ۳۳ تک کسی سن میں وفات پائی، اس وقت اٹھاسی سال کی عمر تھی، حضرت عثمانؓ نے نماز جنازہ پڑھائی۔ بعض روایتوں کے مطابق خود امیر معاویہؓ نے نماز پڑھائی تھی۔

حلیہ : حلیہ یہ تھا بلند وبالا، سر بڑا، رنگ گندم گوں، دونوں آنکھیں راہ خدا میں جاتی رہیں تھیں اس لئے غلام کے سہارے چلتے تھے۔

اولاد : اولاد میں یزید اور معاویہؓ دو نامور بیٹے تھے دونوں نے تاریخ اسلام میں بڑا نام پیدا کیا۔ یزید نے شام کی فتوحات میں کارہائے نمایاں کئے اور امیر معاویہؓ نے تاریخ اسلام کے مشہور بادشاہ ہوئے۔ کہا جاتا ہے کہ مشہور اموی عامل عبید اللہ کا باپ زیاد ابوسفیان کی زمانہ جاہلیت کی ناجائز اولاد تھا۔

ذریعہ معاش : ابوسفیانؓ قریش کے رئیس تھے ان کا تجارت کا روبا نہایت وسیع پیمانہ پر تھا۔ ان کا تجارتی مال شام تک جاتا تھا۔

ایک ضروری بحث : کچھ بنی امیہ اور بنی ہاشم کی خاندانی چشمک اور کچھ ابوسفیانؓ کے قبل از اسلام کے کاناموں نے ان کے متعلق عجیب و غریب روایتیں مشہور کر دی ہیں کہ وہ دل سے کبھی مسلمان نہیں ہوئے۔ فتح مکہ میں محض جان کے خوف سے اسلام قبول کر لیا تھا لیکن ان کے دل میں کبھی راسخ

نہیں ہوا اور ان کی زندگی شروع سے آخر تک منافقانہ رہی اور ان کے نفاق کے ثبوت میں بعض واقعات بھی بیان کئے جاتے ہیں۔

ان میں سب سے زیادہ مشہور واقعہ یہ پیش کیا جاتا ہے کہ جب حضرت ابوبکرؓ خلیفہ منتخب ہوئے تو ابوسفیانؓ نے حضرت علیؓ کے پاس جا کر کہا کہ قریش کا سب سے کمزور گھرانہ تمہارے ہوتے ہوئے خلافت پر قابض ہو گیا۔ اگر تم کہو تو میں پیادوں اور سواروں کا دریا بہا دوں، حضرت علیؓ نے فرمایا، تم ہمیشہ اسلام کے دشمن رہے، لیکن تمہاری دشمنی اس کو ذرہ برابر بھی نقصان نہ پہنچا سکی۔ ہم لوگ ابوبکرؓ کو خلافت کا اہل سمجھتے ہیں۔ اس کے بعد جب حضرت عثمانؓ خلیفہ ہوئے، تو ان سے آ کر کہا بنی تمیم اور بنی عدی کے بعد اب تمہارے ہاتھوں میں خلافت آئی۔ اس لئے بنی اُمیہ کو بڑھانا چاہئے لیکن حضرت عثمانؓ نے ڈانٹ کر خاموش کر دیا۔

اولاً اس قسم کے جس قدر واقعات ہیں کوئی بھی پایہ ثبوت کو نہیں پہنچتے۔ چنانچہ علامہ بن عبد البرؒ ان واقعات کے متعلق لکھتے ہیں، ”لہ اخبار من نحو هذا رویۃ“ یعنی ”ابوسفیان کے متعلق اس قسم کے جس قدر واقعات ہیں وہ لغو اور مہمل ہیں“۔ صاحب اسد الغابہ لکھتے ہیں، ”نقل عنه من هذا الجنس اشياء كثيرة لا یثبت“ یعنی ”ابوسفیان کے اس قبیل کے بہت سے واقعات بیان کئے جاتے ہیں مگر کوئی بھی ثابت نہیں ہیں“۔

لیکن بالفرض اگر اس قسم کے واقعات کو صحیح بھی مان لیا جائے تو ان سے ان کی اسلام دشمنی ثابت نہیں ہوتی، بلکہ زیادہ سے زیادہ ان کی خاندانی عصیت کا ثبوت ملتا ہے اور اس سے انکار نہیں کہ بنی اُمیہ میں خاندانی تعصب موجود تھا۔ قبول اسلام سے پہلے ابوسفیانؓ کی اسلام دشمنی کے بارے میں جو کچھ بھی کہا جائے سب صحیح ہے لیکن قبول اسلام کے بعد ان کی زندگی کے واقعات خود ان کے مؤمن کامل ہونے کا ثبوت ہیں۔ طائف میں ایک آنکھ کھوئی، شام کی لڑائیوں میں مع بیوی بچوں کے شریک ہوئے اور دوسری آنکھ بھی نذر کی۔

(۱۳۲) حضرت ابو شریحؓ

نام و نسب : ابو شریح کے نام میں بہت اختلاف ہے، بعض خویلد، بعض عمرو، بعض کعب اور بعض ہانی بتاتے ہیں۔ ابو شریح کنیت ہے اور اسی سے وہ مشہور ہیں۔ نسب نامہ یہ ہے : خویلد بن عمرو بن

صحز بن عبدالعزیٰ بن معاویہ بن محترش بن عمرو بن زمانہ بن عدی بن عمرو بن ربیعہ خزاعی کعبی۔
اسلام وغزوات : فتح مکہ سے پہلے مشرف باسلام ہوئے۔ فتح مکہ میں شریک تھے اور بنی کعب کا
ایک نشان ان کے ہاتھ میں تھا^۱۔

وفات : ۶۸ھ میں مدینہ میں وفات پائی^۲۔

فضل و کمال : ابوشریح کا شمار عقلائے مدینہ میں تھا^۳۔ مذہبی علوم میں کوئی امتیازی
حیثیت نہیں رکھتے تھے، ان سے بیس حدیثیں مروی ہیں ان میں سے دو متفق علیہ ہیں اور ایک
میں امام بخاری اور ایک میں مسلم منفرد ہیں۔ ابوسعید مقبری اور نافع بن جبیر وغیرہ نے ان سے
روایتیں کی ہیں^۴۔

تبلیغ فرمان رسول ﷺ : ابوشریح کو جس کی جانب سے بھی کسی فرمان رسول ﷺ کی مخالفت نظر
آتی، خواہ وہ کتنی ہی بڑی شخصیت و قوت کیوں نہ ہوتی فوراً اس کو متنبہ کرتے، عمرو بن زبیرؓ اور عبداللہ
بن زبیرؓ دونوں بھائیوں کے اختلافات کے زمانہ میں جب عمرو نے مکہ پر چڑھائی کی تو ابوشریحؓ نے
عمروؓ کو آنحضرت ﷺ کے تحریم حرم کے حجۃ الوداع والے خطبہ کا حوالہ دے کر روکا۔ عمرو نے کہا بڑے
میاں آپ جائیے، میں آپ سے زیادہ حرم کی حرمت سے واقف ہوں، حرم خون ریزی کرنے والوں
باغیوں اور جزیہ روکنے والوں کو پناہ نہیں دیتا۔ ابوشریحؓ نے کہا، میں تحریم حرم کے خطبہ کے وقت موجود تھا
اور تم نہ تھے اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا تھا کہ جو لوگ موجود ہیں وہ ان لوگوں کو جو موجود نہیں ہیں خبر کر
دیں، اس لئے میں نے تم کو خبر کر دی آئندہ تمہیں اختیار ہے^۵۔ اسی طرح جس زمانہ میں عمرو بن سعید
اموی عبداللہ بن زبیرؓ کے مقابلہ کے لئے فوجیں مکہ بھیج رہا تھا تو اس کو بھی آنحضرت ﷺ کا خطبہ
سنایا، اس نے جواب دیا میں تم سے زیادہ واقف ہوں لیکن حرم، نافرمان، مفرور، قاتل اور جزیہ روکنے
والوں کو پناہ نہیں دیتا^۶۔

فیاضی : وہ بڑے فیاض اور دریا دل تھے۔ لوگوں کو اپنی چیزوں کے استعمال کی عام اجازت دے رکھی
تھی اور اعلان کر دیا تھا کہ جب تم دیکھو کہ میں اپنے پڑوسی کو اپنی دیوار میں کھوٹی گاڑنے سے روکتا ہوں تو
مجھے مجنون سمجھو اور داغ کر میرا علاج کرو اور جو شخص ابوشریح کا دودھ، گھی اور ترہ وغیرہ پائے۔ تو وہ اس
کے حلال ہے اور اس کو بلا تکلف کھاپی سکتا ہے^۷۔

۱۔ ابن سعد۔ جلد ۴۔ ص ۳۲۔ ق ۲ ایضاً ۲۔ استیعاب۔ جلد ۲۔ ص ۱۶ ۳۔ تہذیب الکمال۔ ص ۴۵۲

۴۔ سیرت ابن ہشام۔ جلد ۲۔ ص ۳۳۵ ۵۔ استیعاب۔ جلد ۲۔ ص ۱۶ ۶۔ اسد الغابہ۔ جلد ۵۔ ص ۲۲۶ ۷۔ سیرت ابن ہشام۔ جلد ۲۔ ص ۳۳۵

(۱۴۳) حضرت ابوالعاصؓ

نام و نسب : ابوالعاص کے نام میں بڑا اختلاف ہے، بعض لقیط، بعض مہشم اور بعض ہشم بتاتے ہیں۔ ابوالعاص کنیت ہے۔ نسب نامہ یہ ہے : ابوالعاص بن ربیع بن عبدالعزیٰ بن عبد شمس بن عبد مناف ابن قصی قرشی۔

حضرت ابوالعاصؓ حضرت خدیجہؓ کے بھانجے تھے وہ انہیں بہت محبوب رکھتی تھیں اور اپنا لڑکا تصور کرتی تھیں وہ نہایت متمول آدمی تھے۔ زمانہ جاہلیت میں ان کا نہایت وسیع تجارتی کاروبار تھا، ان کی دیانت اور امانت بھی مشہور تھی ان اوصاف کی وجہ سے حضرت خدیجہؓ نے آنحضرت ﷺ سے خواہش کی کہ حضرت فاطمہ الزہراءؓ کی بڑی بہن حضرت زینبؓ کو ان کے ساتھ بیاہ دیا جائے۔ آپ ﷺ نزول وحی سے پہلے کسی معاملہ میں حضرت خدیجہؓ کی مخالفت نہ کرتے تھے اس لئے ان کی خواہش کے مطابق زینبؓ کی شادی ابوالعاص سے کر دی۔

آنحضرت ﷺ کے دعویٰ نبوت کی سب سے اول حضرت خدیجہؓ نے تصدیق کی۔ آپ کے ساتھ آپ کی تمام صاحبزادیاں جن میں حضرت زینبؓ بھی شامل تھیں، نور اسلام سے مستفید ہوئیں لیکن زینبؓ کے شوہر ابوالعاص اپنے آبائی دین پر قائم رہے، اسی لئے جب ہجرت کا حکم ملا تو وہ ہجرت نہ کر سکیں۔

غزوہ بدر میں ابوالعاصؓ مشرکین مکہ کے ساتھ تھے اور مشرکین کے شکست کھانے کے بعد وہ بھی دوسرے قیدیوں کے ساتھ گرفتار ہوئے، جن جن لوگوں کے اعزہ گرفتار ہوئے تھے وہ سب فدیہ لے کر انہیں چھڑانے کے لئے آئے۔ گو حضرت زینبؓ مسلمان ہو چکی تھیں اور ابوالعاصؓ مشرک تھے تاہم وہ اب تک شوہر کے ساتھ تھیں اور ان کا دل ان کی محبت سے معمور تھا۔ شوہر کو قید و بند کی حالت میں نہ دیکھ سکیں۔ آنحضرت ﷺ عام قانون سے انہیں مستثنیٰ نہیں کر سکتے تھے، اس لئے حضرت زینبؓ نے کچھ نقدی اور ایک ہار جو انہیں مرحومہ ماں نے جہیز میں دیا تھا شوہر کے فدیہ میں بھیجا، آنحضرت ﷺ کے سامنے یہ ہار پیش ہوا تو آپ ﷺ نے پہچان لیا اور حضرت خدیجہؓ کی یاد میں بے اختیار آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے تو آپ ﷺ نے مسلمانوں سے فرمایا، اگر تم لوگ بغیر اس ہار کو لئے ہوئے ابوالعاصؓ کو چھوڑ سکتے ہو، تو چھوڑ دو اور ہار واپس کر دو۔ مسلمانوں نے نہایت خوشی کے ساتھ

منظور کر لیا اور ابو العاصؓ رہا کر دیئے گئے مگر یہ وعدہ لے لیا گیا کہ وہ زینبؓ کو جواب تک مکہ میں تھیں مدینہ پہنچا دیں اور آنحضرت ﷺ نے حضرت زید بن حارثہؓ کو چند انصاری بزرگوں کے ساتھ زینبؓ کو لانے کے لئے بھیجا۔

جب یہ لوگ زینبؓ کو لے کر چلنے لگے تو قریش میں چہ گویاں ہونے لگیں، انہوں نے زینبؓ کا مدینہ سے چلا جانا اپنی سبکی تصور کیا اور چند آدمیوں نے جن میں ہباء بن اسود بہت پیش پیش تھا، روکنا چاہا اور حضرت زینبؓ کو نیزہ دکھا کر دھمکایا، اس کی اس گستاخی پر ابو العاصؓ کے بھائی کنانہ کو جو حضرت زینبؓ کے ساتھ تھے، غصہ آ گیا۔ انہوں نے تیر نکال کر کہا خدا کی قسم جس نے آگے قدم بڑھلایا وہ اس کا نشانہ بنے گا۔

یہ شور و غل سن کر ابوسفیانؓ پہنچ گیا اور کنانہ سے کہا تم نے بھی تو کمال کیا، محمد ﷺ کی وجہ سے ہم لوگوں کو جو ذلتیں اٹھانی پڑی ہیں وہ تم کو معلوم ہیں۔ اس کے باوجود تم ان کی لڑکی کو علانیہ ہمارے یہاں سے لئے جا رہے ہو خواہ مخواہ لوگ اپنی ذلت محسوس کریں گے۔ اگر تم کو لے جانا تھا تو خفیہ لے جاتے، ہم کو روکنے کی ضرورت نہیں تھی۔ ابھی لوگ برہم ہیں اس لئے تو کچھ توقف کرو، جب لوگوں کا غصہ ٹھنڈا ہو جائے گا تو چپکے سے لے کر چلے جانا۔ ابوسفیانؓ کی اس سنجیدہ رائے پر دو تین دن کے لئے حضرت زینبؓ کا سفر ملتوی ہو گیا جب لوگوں کو جوش فرو ہو گیا تو ایک دن شب کو خفیہ مکہ سے لے کر نکل آئے اور چھڑی ہوئی لخت جگر آغوش پدر میں پہنچ گئی۔

قریش کے پر جوش شرارت پسند اشخاص اور سفیانؓ کے سمجھانے بجھانے سے رک تو گئے تھے اور حضرت زینبؓ کے لے جانے میں مزاحم نہیں ہوئے لیکن اس واقعہ پر سخت بیچ و تاب کھا رہے تھے، بدر کے بعد آنحضرت ﷺ کے مقابلہ میں گویا یہ دوسری شکست تھی اس لئے اس کے انتقام میں حضرت زینبؓ کی روانگی کے بعد ابو العاصؓ کے پاس قریش کا ایک وفد پہنچا اور ان سے کہا تم اپنی بیوی کو چھوڑ دو، اس کے بدلے میں قریش کی جس عورت کو پسند کرو اس کے ساتھ تمہاری شادی کر دی جائے گی۔ ابو العاصؓ تو اپنے مذہب پر قائم تھے لیکن ان کا دل بیوی کی محبت سے معمور تھا اس لئے انہوں نے جواب دیا، خدا کی قسم ہرگز اپنی بیوی کو نہیں چھوڑ سکتا، قریش کی کوئی عورت ان کا بدل نہیں ہو سکتی۔ اس کا یہ صاف جواب سن کر قریش لوٹ گئے۔

۱۔ مستدرک حاکم۔ جلد ۳۔ ص ۳۶۶۔ زینب کے بھیجے جانے کی شرط کا ذکر ابوداؤد کتاب الجہاد باب فداء الاسیر بالمال میں ہے۔

۲۔ سیرۃ ابن ہشام۔ جلد ۲۔ ص ۳۷۸۔ ۳۔ ایضاً۔ ص ۳۷۶۔

حضرت ابوالعاصؓ رہائی کے بعد پھر اپنے تجارتی مشاغل میں مصروف ہو گئے تھے۔ فتح مکہ سے کچھ دنوں پیشتر قریش کا سامان تجارت لیکر شام گئے وہاں سے واپسی میں راستہ میں مسلمانوں نے روک کر ان کا کل مال و متاع چھین لیا۔ جب مسلمان لوٹ گئے تو ابوالعاصؓ اپنا مال حاصل کرنے کے لئے خفیہ حضرت زینبؓ کے پاس پہنچے، حضرت زینبؓ کو اب تک ان سے وہی محبت تھی انہوں نے ان کو اپنے دامن حمایت میں لے لیا اور صبح کو جب مسلمان نماز پڑھنے کے لئے گئے تو زینبؓ نے باوازا بلند اعلان کیا کہ مسلمانو! میں نے ابوالعاصؓ کو پناہ دے دی ہے۔ آنحضرت ﷺ نے سلام پھیرنے کے بعد فرمایا لوگو تم نے کچھ سنا، سب نے عرض کیا، ہاں۔

آپ ﷺ نے ان کی بدگمانی دور کرنے کے لئے فرمایا: ”اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں محمد (ﷺ) کی جان ہے اس سے پہلے مجھے اس واقعہ کا کوئی علم نہ تھا، ابوالعاصؓ مسلمانوں سے پناہ کا خواہ ہے۔“ اس کے بعد آپ ﷺ کا شانہ اقدس پر تشریف لائے اور حضرت زینبؓ سے فرمایا، جان پدر اپنے شوہر کی خاطر مدارت میں کوئی کمی نہ کرو مگر تم قانون اسلام کی رو سے ان پر حرام ہو۔ حضرت زینبؓ کو یہ ہدایت دے کر پھر باہر تشریف لائے اور مسلمانوں سے فرمایا کہ تم لوگ میری اور ابوالعاصؓ کی قرابت سے واقف ہو۔ ان کا جو مال تمہارے قبضہ میں ہے اگر اس کو احسان کر کے واپس کر دو تو زیادہ بہتر ہے اور اگر نہ واپس کر دو وہ خدا کا عطیہ اور تمہارا حق ہے، مجھ کو کوئی اعتراض نہیں ہے۔

اس کے جواب میں سب نے ایک زبان ہو کر عرض کیا، یا رسول اللہ (ﷺ) ہم سب واپس کرنے کو تیار ہیں۔ چنانچہ ابوالعاصؓ کو ان کا کل مال بخسہ واپس مل گیا اور اس میں کوئی معمولی چیز بھی باقی نہ رہی وہیہ مال لے کر مکہ گئے اور جن جن لوگوں کا جو جو سامان تھا سب کو پہنچا دیا اور حساب و کتاب چکانے کے بعد پوچھا اب تو کسی کا مال باقی نہیں ہے۔ سب نے کہا نہیں، خداتم کو جزائے خیر دے ہم نے تم کو وعدہ وفا کرنے والا اور کریم پایا۔

اسلام : سب کو مطمئن کرنے کے بعد کلمہ شہادت پڑھ کر بیاگ دہل اپنے اسلام کا اعلان کیا، اور کہا میں مدینہ ہی میں مسلمان ہو گیا ہوتا لیکن محض اس خیال سے کہ تم لوگوں کو یہ بدگمانی نہ ہو کہ میں نے تمہارا مال ہضم کرنے کے لئے اسلام قبول کیا ہے، اب تک رک رک رہا اب جب کہ خدا نے مجھ کو تمہارے حساب و کتاب اور تمہارے بارے سے سکدوش کر دیا ہے اس وقت میں نے اسلام ظاہر کیا۔

مکہ میں اسلام کا اعلان کر کے مدینہ واپس آئے اور یہاں باقاعدہ مشرف باسلام ہوئے۔ ان کے قبول اسلام کے بعد آنحضرت ﷺ نے حضرت زینبؓ کے ساتھ ان کے نکاح کی تجدید نہیں کی

بلکہ گزشتہ نکاح برقرار رکھا لیکن بعض روایتوں کی رو سے تجدید فرمائی تھی۔

مکہ کی واپسی اور غزوات : ابو العاصؓ کا تجارتی کاروبار مکہ میں تھا اس لئے وہ مدینہ میں قیام نہ کر سکتے تھے۔ چنانچہ قبول اسلام کے بعد وہ آنحضرت ﷺ سے اجازت لے کر پھر مکہ لوٹ آئے۔ مکہ کے قیام کی وجہ سے انہیں غزوات میں شرکت کا موقع نہ مل سکا صرف ایک سریہ میں جو اسے اس وقت میں حضرت علیؓ کی سرکردگی میں بھیجا گیا، شریک ہو سکے۔ حضرت علیؓ نے یمن سے واپسی میں انہیں یمن کا عامل بنایا تھا۔

وفات : حضرت زینبؓ کا انتقال آنحضرت ﷺ کی حیات ہی میں ہو چکا تھا۔ ابو العاصؓ بھی ان کے بعد زیادہ دنوں تک زندہ نہ رہے اور ذوالحجہ ۲۳ھ میں انتقال کر گئے۔

اولاد : حضرت زینبؓ کے نطفن سے ابو العاصؓ کے دو اولادیں ہوئیں۔ علیؓ اور امامہؓ۔ علیؓ کا انتقال صغریٰ میں ہو گیا تھا۔ امامہؓ زندہ رہیں۔ مرحومہ بیٹی کی اس یادگار سے آنحضرت ﷺ کو والہانہ محبت تھی۔ اس کو آپؐ جان سے زیادہ عزیز رکھتے تھے۔ ہر وقت پاس رکھتے تھے۔ نماز کی حالت میں بھی جدا نہ کرتے تھے۔ حدیثوں میں اسی لڑکی کے متعلق آیا ہے کہ نماز کی حالت میں آپؐ اس کو گود میں لئے رہتے تھے، رکوع کرتے وقت بٹھا دیتے تھے اور کھڑے ہوتے وقت پھراٹھا لیتے تھے۔ حضرت فاطمہؓ کے بعد حضرت علیؓ نے اس لڑکی سے شادی کر لی تھی۔

عام حالات : ابو العاصؓ کو ظہور اسلام کے بعد بہت دنوں تک شرک کی تاریکی میں مبتلا رہے، لیکن ان کو اسلام اور مسلمانوں سے کوئی عناد نہ تھا اور رسول اللہ ﷺ کو ہر حالت میں ان سے یکساں رغبت رہی۔ چنانچہ اس زمانہ میں بھی جبکہ ابو العاصؓ اسلام نہیں لائے تھے، آپؐ ان کا تذکرہ بھلائی ہی کے ساتھ کرتے تھے۔

(۱۴۴) حضرت ابو عامر اشعریؓ

نام و نسب : عبید نام ہے۔ ابو عامر کنیت۔ نسب یہ ہے : عبید بن سلیم بن حضار بن حرب بن عامر بن عنز بن بکر بن عامر بن عذر بن مال بن ناجیہ بن جماہر بن اشعر بن اود بن زید بن شجب اشعری۔ ابو عامر مشہور صحابی حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کے چچا تھے۔

۱۔ یہ تمام تفصیلات مستدرک حاکم۔ جلد ۳۔ ص ۲۲۶، ۲۲۷ و استیعاب۔ جلد ۲۔ ص ۶۹۲ سے ماخوذ ہیں۔

۲۔ اصابہ۔ جلد ۷۔ ص ۱۱۹ ۳۔ استیعاب۔ جلد ۲۔ ص ۲۹۲ ۴۔ بخاری۔ کتاب الصلوٰۃ

۵۔ استیعاب۔ جلد ۲۔ ص ۶۹۲ ۶۔ اصابہ۔ جلد ۷۔ ص ۱۲۰

اسلام : ابو عامر آغاز دعوت اسلام میں اسلام کے شرف سے شرف ہوئے، بعض ارباب سیر نے انہیں مہاجرین کے زمرہ میں شامل کیا ہے، لیکن صحیح نہیں ہے۔

غزوات : قبول اسلام کے بعد سب سے اول غزوہ فتح میں نظر آتے ہیں۔ فتح مکہ کے بعد غزوہ حنین میں شریک ہوئے۔ حنین کی جنگ ختم ہونے کے بعد بنی ہوازن کی ہزیمت، خوردہ فوج اوطاس میں جا کر جمع ہوئی تھی اور درید بن صمد بہت سی فوج لے کر اوطاس پہنچ گیا تھا۔ اس لئے آنحضرت ﷺ نے ان کے استیصال کے لئے ابو عامر کی ماتحتی میں تھوڑی سی فوج بھیج دی۔ ابو عامر اور درید بن صمد کا مقابلہ ہوا، ابو عامر نے ایک ایک کر کے نو مشرکوں کو قتل کیا۔ آخر میں علاء ولونی کے بیٹوں نے ان پر تیر برس سنا شروع کر دیئے۔ ایک تیر ابو عامر کے گھٹنے اور ایک سینے پر آ کر لگا اور وہ گر گئے۔ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ نے لپک کر پوچھا، چچا کس نے تیر مارا؟ ابو عامر نے اشارہ سے بتایا۔ قاتل بھاگا، ابو موسیٰؓ نے غیرت دلا کر روکا اور بڑھ کر اس کا کام تمام کر دیا اور واپس آ کر حضرت ابو عامرؓ کو خوشخبری سنائی کہ آپ کا قاتل مارا گیا۔

تیر ابھی تک ابو عامرؓ کے جسم میں پیوست تھا۔ ابو موسیٰؓ سے اس کو نکلوایا۔ تیر نکلتے ہی زخم سے پانی جاری ہو گیا۔ ابو عامرؓ زندگی سے مایوس ہو گئے اور ابو موسیٰؓ سے کہا، حضور ﷺ کی خدمت میں جا کر عرض کرنا کہ میرے لئے دعائے مغفرت فرمائیں۔ یہ وصیت کر کے ابو موسیٰؓ کو اپنا قائم مقام بنا کر جان بحق ہو گئے۔

حضرت ابو موسیٰؓ نے درید بن صمد کو قتل کر کے مشرکوں کو شکست دی۔ شکست دینے کے بعد واپس ہوئے اور آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر پوری کیفیت سنائی، اور ابو عامر کی مغفرت کی درخواست پیش کی۔ آپ نے اسی وقت پانی منگا کر وضو فرمایا اور دونوں ہاتھ اٹھا کر دعا کی ”خدا یا میرے خاطر عبید ابو عامر کی مغفرت فرما اور قیامت کے دن اپنی مخلوق میں ان کو بلند فرما“۔

حضرت ابو عامرؓ نے شہادت کے وقت وصیت کر دی تھی کہ میرا اسلحہ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں پیش کر دینا، اس وصیت کے مطابق ابو موسیٰؓ نے ان کا گھوڑا، ان کے اسلحہ اور ان کے تمام متروکات آنحضرت ﷺ کی خدمت میں پیش کر دیئے۔ آنحضرت ﷺ نے انہیں ان کے صاحبزادے کو واپس کر دیا۔

فضل و کمال : حضرت ابو عامرؓ کبار صحابہ میں تھے۔

۱۔ ابن سعد۔ ق ۲۔ جلد ۴۔ ص ۷۵ ۲۔ ایضاً ابن ہشام۔ جلد ۲۔ ص ۲۷۲ ۳۔ بخاری کتاب المغازی غزوہ اوطاس

۴۔ ابن سعد۔ ق ۲۔ جلد ۴۔ ص ۷۵ ۵۔ استیعاب۔ جلد ۲۔ ص ۶۹۵

(۱۳۵) حضرت ابو عسیبؓ

نام و نسب : امر نام ہے۔ ابو عسیب کنیت۔ نسب و خاندان کے متعلق یہ شرف کافی ہے کہ آقائے دو عالم کے غلام تھے۔

اسلام : ان کے اسلام کا زمانہ متعین نہیں۔ فتح مکہ سے پہلے کسی وقت مشرف باسلام ہوئے۔ بصرہ آباد ہونے کے بعد مستقل سکونت اختیار کر لی تھی۔ ابن سعد نے مصری صحابہ کے زمرہ میں لکھا ہے اور غالباً اسی سرزمین میں آسودہ خاک ہوئے۔ وفات کا زمانہ بھی متعین نہیں ہے۔

فضائل اخلاق : غلامی کے شرف اور فیض صحبت نے مذہب کا نہایت گہرا رنگ چڑھا دیا تھا۔ وہ اسلام کا زندہ پیکر تھے۔ شروع سے آخر تک ایک رنگ پر قائم رہے۔ آخر دم تک جب ضعف پیری نے قوی مضحمل کر دیئے تھے، مذہب کے کسی معمول میں فرق نہ آیا اور چاشت کی نماز تک ناغہ نہ ہوئی۔ جب کھڑے ہونے کی طاقت نہ رہی تو بیٹھ کر پڑھتے تھے۔ تین دن تک مسلسل روزہ رکھتے تھے۔ ہر مہینہ کے ایام بیض میں روزہ رکھتے تھے۔^۱

جب تک پیروں میں طاقت رہی جمعہ کی نماز ناغہ نہ ہوئی۔ لوگوں کو تلقین کرتے تھے کہ جب تک تندرستی قائم ہے اور چلنے پھرنے کی طاقت باقی ہے، اس وقت تک جمعہ نہ چھوڑو، یہ نماز فریضہ حج کے برابر ہے۔^۲

ہر چیز میں اسوۂ نبوی ﷺ کو پیش نظر رکھتے تھے۔ ہمیشہ مونے برتن میں پانی پیتے تھے۔ ایک شخص نے کہا، آپ ہم لوگوں کی طرح پتلے برتن میں پانی کیوں نہیں پیتے۔ فرمایا، میں نے رسول اللہ ﷺ کو ایسے ہی برتن میں پانی پیتے ہوئے دیکھا ہے۔ پھر مجھے کیا مانع ہو سکتا ہے۔^۳

شرف صحابیت، غلامی اور زہد و تقویٰ گونا گوں خصوصیت کی وجہ سے لوگ ان کی خدمت کرنا باعث فخر سمجھتے تھے اور اپنے ہاتھوں سے ان کے ناخن اور مونچھوں کے بال تراشتے تھے۔^۴

(۱۳۶) حضرت ابو عمرو بن حفصؓ

نام و نسب : عبد الحمید نام ہے۔ ابو عمرو کنیت۔ نسب نامہ یہ ہے : ابو عمرو بن حفص بن عمرو بن مغیرہ بن عبد اللہ بن عمرو بن معدی کربہ قرشی مخزومی۔

۱۔ ابن سعد۔ جلد ۷۔ ق اول۔ ص ۳۲ ۲۔ ایضاً ۳۔ ایضاً ۴۔ ابن سعد۔ جلد ۷۔ ق اول۔ ص ۳۲

اسلام و غزوات : فتح مکہ کے بعد مشرف باسلام ہوئے۔ ۱۰ھ میں آنحضرت ﷺ نے ان کو حضرت علیؓ کے ساتھ ایک سریہ میں یمن بھیجا۔

عہد فاروقی : ابو عمر و نہایت جری اور بیباک تھے۔ جو بات حق سمجھتے تھے، اس کے اظہار میں بڑی سے بڑی شخصیت کی پرواہ نہ کرتے اور برملا اس کو ظاہر کرتے تھے۔ حضرت خالد بن ولید کی معزولی کے معاملہ میں وہ حضرت عمرؓ کی رائے کو صحیح نہیں سمجھتے تھے۔ چنانچہ نہایت سختی کے ساتھ اس کو سامنے ظاہر کیا اور کہا، ”عمر! تمہارا کوئی عذر قابل قبول نہیں ہو سکتا، تم نے ایسے عامل کو معزول کیا ہے، جسے رسول اللہ ﷺ نے مقرر کیا تھا۔ تم نے ایسی تلوار نیام میں کی، جس کو خدا نے بے نیام کیا تھا۔ تم نے ایسا علم سرنگوں کیا، جس کو آنحضرت ﷺ نے بلند کیا تھا۔ تم نے قطع رحم کیا۔ تم کو اپنے ابن عم (خالد) پر رشک تھا۔ حضرت عمرؓ نے ان کی اس بد جوش تقریر کا نہایت مکمل اور شافی جواب دیا۔“

وفات : ان کے زمانہ وفات میں اختلاف ہے۔ بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ حیات نبوی ﷺ ہی میں جب آپ حضرت علیؓ کے ساتھ ان کو یمن بھیجا تھا، وفات پا گئے اور بعض سے معلوم ہوتا ہے کہ عہد فاروقی تک زندہ تھے اور شام کی فتوحات میں شریک تھے۔ دوسری روایت زیادہ صحیح ہے۔ اوپر کے واقعہ سے بھی اس کی تصدیق ہوتی ہے۔

فضل و کمال : فضل و کمال میں کوئی قابل ذکر شخصیت نہ تھی۔ تاہم حدیث کی کتابوں میں ان کی روایتیں موجود ہیں۔ ناشرہ بن سہمی نے ان سے روایت کی ہیں۔^۳

(۱۴۲) حضرت ابو مالک اشعریؓ

نام و نسب : ابو مالکؓ کے نام میں بڑا اختلاف ہے۔ بعض کعب، بعض عبید اور بعض عمرو لکھتے ہیں۔ ابو مالک کنیت ہے۔ مشہور قبیلہ بنی اشعر کے رکن رکین تھے۔

اسلام و غزوات : اپنے قبیلہ کے آدمیوں کے ساتھ غزوہ خیبر کے زمانہ میں مشرف باسلام ہوئے۔ قبول اسلام کے بعد بعض غزوات میں بھی شریک ہوئے۔ چنانچہ غزوہ حنین میں آنحضرت ﷺ کے ہمراہ تھے۔ جب بنی ہوازن شکست کھا کر منتشر ہوئے تو آنحضرت ﷺ نے ابو مالک کی ماتحتی میں سواروں کا ایک دستہ ان کے حالات کا پیہ لگانے کے لئے بھیجا۔

۳۔ تہذیب الکمال۔ ص ۴۴۶

۲۔ اسد الغابہ۔ جلد ۵۔ ص ۲۲۲

۱۔ اسد الغابہ۔ جلد ۵۔ ص ۲۶۲

۴۔ ابن سعد۔ جلد ۴۔ ق ۲۔ ص ۷۵

حجۃ الوداع میں بھی آنحضرت ﷺ کے ساتھ تھے۔ چنانچہ خطبۃ الوداع کے بعض حصے ان سے مروی ہیں۔^۱

وفات : حضرت عمرؓ کے عہد خلافت میں وفات پائی۔^۲

فضل و کمال : ان سے ستائیس حدیثیں مروی ہیں۔^۳ عبدالرحمن بن غنم، ابوصالح اشعری، ربیع بن عمرو جرش اور شریح بن عبید الجفری وغیرہ نے ان سے روایتیں کی ہیں۔^۴

ایک اشتباہ : اس کنیت کے دو بزرگ صحابی ہیں۔ لیکن دونوں کے حالات باہم اس قدر مخلوط اور مشتبہ ہیں کہ ان میں فرق کرنا دشوار ہے۔ ارباب سیر کو بھی ان کے حالات میں دھوکہ ہو گیا ہے۔ تاہم حافظ ابن حجر نے ان میں باہم امتیاز پیدا کرنے کی کوشش کی ہے۔ مگر ان کے بیان سے بھی پورے طور سے رفع اشتباہ نہیں ہوتا۔

(۱۴۸) حضرت ابوجحش ثقفیؓ

نام و نسب : عمرو نام ہے۔ ابوجحش کنیت۔ نسب نامہ یہ ہے : عمرو بن حبیب بن عمرو بن عیس بن عوف ابن حقدہ بن غیرہ بن عوف ثقفی۔ عمرو زمانہ جاہلیت کے مشہور بہادروں میں تھے۔ اسلام : ۹ھ میں اپنے قبیلہ بنی ثقیف کے ساتھ مشرف باسلام ہوئے۔^۵

جنگ قادسیہ : عمرو نہایت شجاع و بہادر تھے۔ لیکن بہت آخر میں اسلام کے شرف سے مشرف ہوئے تھے۔ اس لئے حیات نبوی ﷺ میں کسی خدمت کا موقع نہ ملا۔ ان کے کارناموں کا آغاز عہد فاروقی سے ہوتا ہے۔ جس زمانہ میں ایران پر فوج کشی ہوئی، اتفاق سے اسی زمانہ میں حضرت عمرؓ نے انہیں ایک جرم میں قید کر دیا تھا۔ فوج کشی کا حال سن کر ابوجحش کی رگ شجاعت پھڑک اٹھی۔ وہ کسی طرح قید سے نکل گئے۔ اس وقت قادسیہ کی جنگ چھڑ چکی تھی۔ ابوجحش سیدھے قادسیہ پہنچے۔ حضرت عمرؓ کو ان کے فرار کی اطلاع ہوئی، تو آپ نے اسلامی افواج کے سپہ سالار حضرت سعد بن ابی وقاص کو ان کی گرفتاری کا حکم لکھ بھیجا۔ انہوں نے گرفتار کر کے قید کر دیا۔

ابوجحش لڑائی کے واقعات سن کر میدان جنگ میں پہنچنے کے لئے بے قرار ہو جاتے تھے۔ مگر بیڑیوں نے پاؤں پکڑ رکھے تھے، اس لئے مجبور تھے۔ آخر میں ضبط نہ ہو سکا۔

۱۔ اسد الغابہ۔ جلد ۵۔ ص ۲۸۸ ۲۔ تہذیب التہذیب۔ جلد ۱۲۔ ص ۲۱۸ ۳۔ تہذیب الکمال۔ ص ۴۵۹

۴۔ تہذیب التہذیب۔ جلد ۱۲۔ ص ۲۱۸ ۵۔ اسد الغابہ۔ جلد ۵۔ ص ۲۹۰

ایک دن حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کی بیوی سلمیٰؓ سے کہا مجھ پر رحم کر کے میری بیڑیاں کاٹ دو اور سعد کا گھوڑا مجھ سے دو۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ اگر زندہ بچ گیا تو خود آ کر بیڑیاں پہن لوں گا۔ سلمیٰؓ نے انکار کیا۔ ان کے انکار پر ابو جحشؓ اور زیادہ شکستہ خاطر ہوئے۔ لیکن ولولہ جہاد چھین نہ لینے دیتا تھا۔ اپنی معذوری پر نہایت درد انگیز اشعار پڑھ پڑھ کر دل کی بھڑاس نکالنے لگے۔ یہ رقت انگیز اشعار سن کر سلمیٰؓ کا دل تسبیح گیا۔ انہوں نے بیڑیاں کھول دیں اور شوہر کا گھوڑا انہیں دے دیا۔

حضرت ابو جحشؓ اسی وقت گھوڑا اکدا تے ہوئے میدان جنگ میں پہنچے اور تکبیر کا نعرہ لگا کر زور شور سے لڑے کہ جدھر نکل جاتے تھے ایرانی فوجیں درہم برہم ہو جاتی تھیں یہ غیر معمولی شجاعت دیکھ کر لوگ عرش عرش کرتے تھے۔ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ شمرق انسا کی وجہ سے خود میدان جنگ میں نہ جاسکتے تھے اور مقام سے بیٹھے ہوئے لڑائی کا رنگ دیکھ رہے تھے ابو جحشؓ کی بہادری دیکھ کر تعجب کر رہے تھے لیکن انہیں یہ نہ معلوم تھا کہ ابو جحشؓ قید سے چھوٹ کر میدان جنگ میں پہنچ گئے اس لیے کہہ رہے تھے کہ اگر ابو جحشؓ قید میں نہ ہوتے تو وہی ہو سکتے تھے گھوڑا بھی میرا ہی معلوم ہوتا ہے اختتام جنگ کے بعد ابو جحشؓ نے لوٹ کر بیڑیاں پاؤں میں ڈالیں۔^۱

حضرت سعدؓ گھر واپس آئے اور بیوی کو جنگ کے حالات سناتے لگے اسی سلسلہ میں انہوں نے کہا آج میدان جنگ میں خدا نے ایک عجیب شخص بھیج دیا تھا اگر ابو جحشؓ قید نہ ہوتے تو میں سمجھتا کہ وہی ہو سکتے ہیں۔ یہ سن کر بیوی نے سارا قصہ سنا دیا سعدؓ نے اسی وقت ابو جحشؓ کو قید سے رہا کر دیا اور ان سے کہا میں کبھی تمہارے جیسے شخص پر حد جاری نہیں کر سکتا۔^۲

وفات : آذربجان میں ہوئی، سنہ وفات متعین نہیں ہے۔

فضائل اخلاق : صاحب اسد الغابہ لکھتے ہیں، ”کان شجاعاً کریماً جواداً“ شاعر بھی تھے۔ چنانچہ قید کی حالت میں جو اشعار پڑھتے تھے، وہ ان کے طبع مزاج تھے۔

(۱۴۹) حضرت ابو محمدؓ ورہ

نام و نسب : نام میں بڑا اختلاف ہے، بعض اوس بعض سرہ اور بعض سلمان بتاتے ہیں۔ ابو محمد ورہ کنیت ہے۔ نسب نامہ یہ ہے : اوس بن معیر بن لوذان بن ربیعہ بن عرتج بن سعد بن جمح قرشی مخزومی۔

۱۔ فتوح البلدان باذری نے اس واقعہ کو نہایت مختصر لکھا ہے، ہم نے تفصیلات استیعاب سے نقل کی ہیں۔ کتاب مذکور۔

جلد ۲۔ ص ۶۸۴ ۲۔ ایضاً ۳۔ اسد الغابہ۔ جلد ۵۔ ص ۲۹۰

۸ھ میں مشرف باسلام ہوئے ان کے اسلام کا واقعہ یہ ہے کہ ابو مخدورہ سنہ مذکور میں چند مشرکین کے ساتھ کہیں جا رہے تھے، ٹھیک اسی وقت آنحضرت ﷺ غزوہ حنین سے واپس تشریف لا رہے تھے راستہ میں ایک مقام پر منزل ہوئی موذن نبوی نے نماز کے لیے اذان دی ابو مخدورہ کے ساتھیوں نے اذان کی آواز سنی تو بطور مضحکہ اس کی نقل اتارنے لگے ابو مخدورہ نے بھی نقل اتاری ان کی آواز نہایت دلکش تھی اس لئے مضحکہ میں بھی دلکشی باقی رہی۔ آنحضرت ﷺ نے آواز سن کر اذان دینے والوں کو بلا بھیجا یہ لوگ آئے آپ ﷺ نے پوچھا ابھی کس نے بلند آواز سے اذان دی تھی۔ ابو مخدورہ کے ساتھیوں نے ان کی طرف اشارہ کر دیا آپ ﷺ نے سب کو واپس کر دیا اور انہیں روک لیا اور اذان دینے کی فرمائش کی ابو مخدورہ کو یہ فرمائش بہت گراں گزری لیکن انکار کی جرات نہ تھی ان کو اذان سے پوری واقفیت نہ تھی اس لئے آنحضرت ﷺ نے انہیں بتایا انہوں نے آپ کی زبان سے سنا کہ اسی کو دہرایا زبان نبی کا عجاز تھا کہ اس مرتبہ اذان دینے کے ساتھ دل بھی لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ پکارا تھا۔

ابو مخدورہ جو چند ساعت پہلے اذان کا مضحکہ اڑاتے تھے اسلام کے حلقہ بگوش ہوئے آنحضرت ﷺ نے انہیں ایک تھیلی میں تھوڑی سی چاندی مرحمت فرمائی اور ان کی پیشانی سے لیکر ناف تک دست مبارک پھیر کر برکت کی دعا دی۔

یا ابو مخدورہ اذان کا مضحکہ اڑاتے تھے یا دفعۃً یہ قلب ماہیت ہوئی کہ آنحضرت ﷺ سے درخواست کی یا رسول اللہ ﷺ مجھے مکہ میں اذان دینے کی اجازت مرحمت ہو، آپ ﷺ نے منظور فرمایا اور ابو مخدورہ اجازت لے کر مکہ چلے گئے اس وقت ان کا دل محبت نبوی ﷺ سے معمور ہو چکا تھا مکہ جا کر آنحضرت ﷺ کے عامل عتاب بن اسید کے یہاں اترے اور مستقل اذان دینے کی خدمت انجام دینے لگے۔ فتح مکہ کے بعد آنحضرت ﷺ نے انہیں مکہ کا مستقل موذن بنا دیا۔ ان کی اذان اور خوش الحانی کی اس قدر مقبولیت حاصل ہوئی کہ شعراء اس کی قسم کھاتے تھے ایک قریشی شاعر کہتا ہے۔

اما ورب الكعبة المستوره وما تلا محمد من سورہ

”پردہ پوش کعبہ کے رب اور محمد ﷺ کی تلاوت کردہ سورتوں“

والتعمات من ابی محنوره لا فعلن فعله مذکورہ

”اور ابی مخدورہ کے نغموں کی قسم میں یہ کام ضرور کروں گا“

وفات : ابو محذورہ مکہ کے موزن تھے اس لیے ہمیشہ یہیں رہے اور امیر معاویہ کے عہد خلافت ۵۹ھ میں وفات پائی بعض روایتوں میں ۹۷ھ میں وفات کا ذکر ہے لیکن پہلی روایت زیادہ صحیح ہے^۱ وفات کے بعد ایک لڑکا عبد الملک یادگار چھوڑا۔

فصل و کمال : ان کی دستار فضیلت کا بڑا طرہ امتیاز یہی ہے کہ وہ نہایت خوش آواز موزن تھے۔ حدیث نبوی ﷺ سے بھی تہی دامن نہ تھے۔ حدیث کی کتابوں میں ان کی مرویات موجود ہیں۔ مسلم میں بھی ایک روایت ہے۔ ان کے گھر کے لوگوں میں ان کے لڑکے عبد الملک، پوتے عبد العزیز اور بیوی ام عبد الملک نے ان سے روایتیں کیں۔ بیرونی رواۃ میں عبد اللہ بن محیرز اسود بن یزید النخعی سائب بنی اوس بن خالد عبد اللہ اور ابو سلمان قابل ذکر ہیں۔^۲

(۱۵۰) حضرت ابو واقد لیشیؓ

نام و نسب : حارث نام، ابو واقد کنیت، نسب نامہ یہ ہے : حارث بن مالک بن اسید بن جابر بن حوثرہ بن عبد مناة بن الاثع بن لیث لیشی۔

اسلام و غزوات : ابو واقد ہجرت کے ابتدائی سنوں میں مشرف باسلام ہوئے۔ قبول اسلام کے بعد سب سے اول بدر عظمیٰ میں ان کی تلوار بے نیام ہوئی، ان کا بیان ہے کہ میں نے بدر میں ایک مشرک کا تعاقب کیا مگر قبل اس کے کہ میں وار کروں ایک دوسرے مسلمان نے اس کا کام تمام کر دیا۔^۳ بعض ارباب سیران کی بدر کی شرکت کی روایت مشتبہ شمار کرتے ہیں بدر کے بعد صلح حدیبیہ، فتح مکہ اور حنین وغیرہ میں شریک ہوتے رہے۔

ساری عمر مدینہ میں قیام رہا وفات سے کچھ دنوں پیشتر مکہ چلے گئے تھے۔

جنگ یرموک : شام کی فوج کشی میں مجاہدانہ شریک ہوئے اسی سلسلہ کی مشہور جنگ یرموک میں موجود تھے۔^۴

وفات : مکہ کی خاک پاک مقدر میں تھی اس لئے آخر عمر میں مکہ چلے گئے اور یہاں آنے کے ایک سال بعد ۶۸ھ میں اسی ارض پاک میں پیوند خاک ہو گئے۔ وفات کے وقت باختلاف روایت ۷۵ یا ۸۵ سال کی عمر تھی۔^۵

۱۔ اصحابہ تذکرہ ابو محذورہ

۲۔ تہذیب الکمال۔ ص ۴۵۹

۳۔ تہذیب اجتہاد۔ جلد ۱۲۔ ص ۲۲۳

۴۔ اسد الغابہ۔ جلد ۵۔ ص ۳۱۸

۵۔ اسد الغابہ۔ جلد ۵۔ ص ۳۱۹

۶۔ اصحابہ۔ جلد ۵۔ ص ۱۲۱

اولاد : وفات کے بعد وٹڑ کے واقعہ اور عبد الملک یادگار چھوڑے۔

فضل و کمال : فضل و کمال میں کوئی امتیازی پایہ نہ تھا تاہم اعمال و اقوال نبوی ﷺ سے باخبر تھے۔ آنحضرت ﷺ کے اعمال کے بارے میں کبھی کبھی حضرت عمرؓ ان سے استفادہ کرتے تھے۔ ایک مرتبہ آپ کو یہ معلوم کرنے کی ضرورت پیش آئی کہ آنحضرت ﷺ عید کی نماز میں کون کون سے سورتیں تلاوت فرماتے تھے تو آپ نے اس بارے میں ابو واقد کی طرف رجوع کیا انہوں نے بتایا کہ اقتربت الساعۃ اور ق والقرآن المجید تلاوت فرماتے تھے۔ ان کی مرفوع روایات کی تعداد چوبیس ہے۔ ان سے روایت کرنے والوں میں ان کے لڑکے واقعہ اور عبد الملک اور عام رواۃ میں عبید اللہ، ابن عبد اللہ، ابو مرہ عطاء بن یسار، سنان بن ابی سنان اور عروہ بن زبیر لائق ذکر ہیں۔

قیمت

مکمل جلد اول کے ساتھ پہلی مرتبہ

تاریخ طبری

تاریخ الأمم والملوک

جلد کامل

علامہ ابی جعفر محمد بن جریر طبری

اردو ترجمہ

مولانا محمد اصغر عقل نیشنل بائبل، دارالعلوم کراچی
مولانا اعجاز احمد صدیقی نیشنل بائبل، دارالعلوم کراچی

امام طبری کی مشہور تاریخ ”تاریخ الأمم والملوک“ کا مکمل اردو ترجمہ تشریح نوٹس،
عنوانات اور تسہیل ایک عالم کے قلم سے پہلی مرتبہ مکمل سیٹ کی اشاعت قبل از اسلام
کی تاریخ کا حصہ تاحال دستیاب نہ تھا جس کی وجہ سے مکمل سیٹ ہی ملتا تھا۔
پاکستانی سفید کاغذ، کمپیوٹر کتابت، نہایت مناسب قیمت پر دستیاب ہے۔

نیشنل بائبل، دارالعلوم کراچی
2213768

دارالاشاعت

اسلامی تاریخ کا مستند اور بنیادی ماخذ

طبقات ابن سعد

۴ جلد میں مکمل سیٹ

مصنف

علامہ ابو عبد اللہ محمد بن سعد البصری

ترجمہ

علامہ عبد اللہ العنادی مرحوم

تسہیل، اضافہ عنوانات و حواشی

مولانا محمد اصغر مغل (فاضل جامعہ دارالعلوم کراچی)

عام فہم ترجمہ و اضافہ عنوانات۔ مکمل سیرت النبیؐ سے لیکر خلفائے راشدین، صحابہ کرامؓ، مہاجرین اور انصار دور آخر کے صحابہ تابعینؓ، تبع تابعینؓ و فقہاء اور صالحات و صحابیات کا تذکرہ عمدہ سفید کاغذ، کمپیوٹر کمپوزنگ، اعلیٰ طباعت، حسین پائیدار جلدیں مناسب قیمت پر دستیاب ہے۔

ڈاؤن لاء آر ایم بی بی جی ڈی
کراچی پاکستان 2213748

دارالاشاعت

انبیاء علیہم السلام کے بعد دنیا کے ممتاز ترین انسانوں کی سرگزشت حیات

سید الصحابة رضی اللہ عنہم

خلفائے راشدین

⑤

www.KitaboSunnat.com

دارالاشاعت کراچی

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

معزز قارئین توجہ فرمائیں!

کتاب وسنت ڈاٹ کام پر دستیاب تمام الیکٹرانک کتب

← عام قاری کے مطالعے کے لیے ہیں۔

← مجلس التحقیق الاسلامی کے علمائے کرام کی باقاعدہ تصدیق و اجازت کے بعد آپ لوڈ (Upload)

کی جاتی ہیں۔

← دعوتی مقاصد کی خاطر ڈاؤن لوڈ، پرنٹ، فوٹو کاپی اور الیکٹرانک ذرائع سے محض مندرجات نشر و اشاعت کی مکمل اجازت ہے۔

☆ تنبیہ ☆

← کسی بھی کتاب کو تجارتی یا مادی نفع کے حصول کی خاطر استعمال کرنے کی ممانعت ہے۔

← ان کتب کو تجارتی یا دیگر مادی مقاصد کے لیے استعمال کرنا اخلاقی، قانونی و شرعی جرم ہے۔

﴿اسلامی تعلیمات پر مشتمل کتب متعلقہ ناشرین سے خرید کر تبلیغ دین کی کاوشوں میں بھرپور شرکت اختیار کریں﴾

← نشر و اشاعت، کتب کی خرید و فروخت اور کتب کے استعمال سے متعلقہ کسی بھی قسم کی معلومات کے لیے رابطہ فرمائیں۔

kitabosunnat@gmail.com

www.KitaboSunnat.com

رضی اللہ عنہم و رضوانہ (القرآن)
اللہ ان سے راضی ہوا اور وہ اللہ سے راضی ہوئے

(انبیاء کرام کے بعد دنیا کے مقدس ترین انسانوں کی سرگزشت حیات)

سید الصحابة

(اسوۂ صحابہؓ حصہ کامل)

جلد پنجم

حصہ ہشتم و نہم

صحابہ کرام کی پوری حیات طیبہ کا اجمالی نقشہ اور اسوۂ حسنہ، صحابہ کرام کے عقائد و عبادات، معاملات و معاشرت، اخلاق و سیاست، زہد و تقویٰ اور ان کی سیاسی و مذہبی، علمی و اخلاقی مجاہدانہ کارناموں کی پوری تفصیل

تحریر و ترتیب

جناب مولانا عبدالسلام ندوی

اودو بازار ایم ای جٹ روڈ
کراچی پاکستان 2213768

دارالاشاعت

کمپوزنگ کے جملہ حقوق ملکیت بحق دارالاشاعت کراچی محفوظ ہیں

باہتمام : خلیل اشرف عثمانی
طباعت : ۲۰۰۴ء علمی گرافکس کراچی
ضخامت : 592 صفحات

قارئین سے گزارش

اپنی حتی الوسع کوشش کی جاتی ہے کہ پروف ریڈنگ معیاری ہو۔ الحمد للہ اس بات کی نگرانی کے لئے ادارہ میں مستقل ایک عالم موجود رہتے ہیں۔ پھر بھی کوئی غلطی نظر آئے تو ازراہ کرم مطلع فرما کر ممنون فرمائیں تاکہ آئندہ اشاعت میں درست ہو سکے۔ جزاک اللہ

..... ملنے کے پتے

ادارۃ المعارف جامعہ دارالعلوم کراچی	ادارہ اسلامیات ۱۹۰- انارکلی لاہور
بیت القرآن اردو بازار کراچی	بیت العلوم 20 تا بھڑوڑ لاہور
ادارۃ اسلامیات مہمن چوک اردو بازار کراچی	مکتبہ سید احمد شہید اردو بازار لاہور
ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ B-437 ویب روڈ سیلہ کراچی	مکتبہ امدادیہ فی بی ہسپتال روڈ ملتان
بیت المکتبہ بالمقابل اشرف المدارس گلشن اقبال کراچی	یونیورسٹی بک انجمن خیبر بازار پشاور
بیت انعم مقابل اشرف المدارس گلشن اقبال بلاک ۲ کراچی	کتاب خانہ رشیدیہ - مدینہ مارکیٹ راجہ بازار راولپنڈی
مکتبہ اسلامیہ امین پور بازار - فیصل آباد	مکتبہ اسلامیہ گامی اڈا - ایبٹ آباد

مکتبہ المعارف محلہ جنگلی - پشاور

انگلینڈ میں ملنے کے پتے

Islamic Books Centre
119-121, Halli Well Road
Bolton BL 3NE, U.K.

Azhar Academy Ltd.
At Continenta (London) Ltd
Cooks Road, London E15 2PW

فہرست مضامین

اسوۂ صحابہؓ حصہ اول

۴۹	عقائد	۱۳	دیباچہ
۴۹	توحید	۱۹	مقدمہ
۴۹	تنزہ عن الشریک	۱۹	صحابی کی تعریف
۵۱	بت شکنی	۲۳	صحابہ کی تعداد
۵۲	ایمان بالرسالہ	۲۴	صحابہ کی شناخت
۵۴	ایمان بالغیب	۲۶	صحابہ کی عدالت
۵۵	ایمان بالقدر		مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب
۵۷	عبادات	۲۷	لکھتے ہیں
۵۷	بچوقتہ نیا وضو کرنا	۲۸	صحابہ کے طبقے
۵۷	ہمیشہ با وضو رہنا	۲۸	صحابہ کا زمانہ
۵۷	بچوقتہ مسواک کرنا	۳۱	قبول اسلام
۵۸	نماز پنجگانہ	۳۱	قرآن مجید کا اثر
۵۹	نماز جمعہ	۳۳	اخلاق نبوی ﷺ کا اثر
۶۰	نوافل اشراق اور صلوٰۃ کسوف	۳۳	موعظ نبوی ﷺ کا اثر
۶۱	تہجد و نماز شب	۳۳	شمال نبوی ﷺ کا اثر
	رسول اللہ ﷺ کیساتھ	۳۴	دعا اسلام کا اثر
۶۲	تہجد اور نوافل میں شرکت	۳۴	معجزات کا اثر
۶۲	قیام رمضان	۳۵	فتح مکہ کا اثر
۶۳	پابندی اوقات نماز	۳۷	قوت ایمان
۶۵	پابندی جماعت		طمع و ترغیب سے
۶۷	نماز میں خشوع و خضوع	۳۷	برگشتہ از اسلام نہ ہونا
۶۹	ابواب الزکوٰۃ	۳۹	تحمل شدائد
۶۹	زکوٰۃ مفروضہ	۴۱	قطع علائق
۷۰	صدقہ فطر ادا کرنا	۴۴	ہجرت

۶۵	شوق جہاد	۷۱	صدق و خیرات
۸۵	شوق شہادت		مردوں کی جانب سے
۸۷	خلوص فی الجہاد	۷۳	صدق کرنا
۸۹	عمل بالقرآن	۷۳	اعزہ و اقارب پر صدق کرنا
۹۹	اتباع سنت	۷۴	صدق دینے پر اصرار
۱۰۳	محرمات شرعیہ سے اجتناب	۷۵	صدق دینے میں مسابقت
۱۰۳	اکل حرام سے اجتناب	۷۵	اخفائے صدق
۱۰۴	زکوٰۃ صدق سے اجتناب	۷۶	اپنے بہترین مال کا انفاق
۱۰۵	قتل مسلم سے اجتناب	۷۷	ابواب الصیام
۱۰۶	سود خواری سے اجتناب	۷۷	صوم رمضان
۱۰۷	شراب خواری سے اجتناب	۷۸	سفر میں روزہ رکھنا
۱۰۸	بدکاری سے اجتناب	۷۸	صوم عاشوراء
۱۰۹	راگ باجے سے اجتناب	۷۹	صوم داؤدی
۱۱۰	مشتبہات سے اجتناب	۷۹	صوم وصال
۱۱۳	جامع الابواب	۷۹	دوشنبہ اور پنجشنبہ کے روزے
۱۱۳	تلاوت قرآن	۸۰	ایام بیض کے روزے
۱۱۵	حفظ قرآن	۸۰	صائم الدہر رہنا
۱۱۶	تسبیح و تہلیل	۸۱	نفل کے روزے رکھنا
۱۱۷	ذکر الہی		مردوں کی جانب سے روزہ
۱۱۷	خوف قیامت	۸۱	رکھنا
۱۲۰	خوف عذاب قبر	۸۱	بچوں سے روزہ رکھوانا
۱۲۰	گریہ و بکا	۸۱	اعتکاف
۱۲۱	الحب فی اللہ	۸۲	ابواب الحج
۱۲۲	البغض فی اللہ	۸۲	حج
۱۲۳	مقامات مقدسہ کی زیارت		باپ ماں کی طرف سے حج ادا
	فرائض مذہبی کے ادا کرنے	۸۳	کرنا
۱۲۴	میں جسمانی تکلیفیں اٹھانا	۸۴	عمرہ
۱۲۵	شوق حصول ثواب	۸۴	قربانی کرنا

۱۷۷	فیاضی	۱۲۶	پابندی نذر و قسم
۱۸۰	کف لسان	۱۲۹	تسحیل الرسول
۱۸۲	عیب پوشی	۱۲۹	برکت اندوزی
۱۸۳	انتقام نہ لینا	۱۳۱	محافظت یادگار رسول ﷺ
۱۸۴	علم	۱۳۳	ادب رسول ﷺ
۱۸۴	مہمان نوازی	۱۳۹	جاں نثاری
۱۸۶	تحفظ عزت	۱۴۳	خدمت رسول ﷺ
۱۸۶	صبر و ثبات	۱۴۵	محبت رسول ﷺ
۱۸۸	جرات و شجاعت		رسول اللہ ﷺ کے دوستوں
۱۹۰	اعتراف گناہ	۱۵۲	کی عزت اور محبت
۱۹۱	صداقت	۱۵۳	شوق زیارت رسول ﷺ
۱۹۲	دیانت	۱۵۴	شوق دیدار رسول ﷺ
۱۹۵	خاکساری	۱۵۵	شوق محبت رسول ﷺ
۱۹۵	غفور و درگزر	۱۵۶	رسول اللہ ﷺ کی محبت کا اثر
۱۹۶	عصمت اور حمیت قوی	۱۵۶	استقبال رسول ﷺ
۱۹۷	شکرائی	۱۵۷	ضیافت رسول ﷺ
۱۹۸	استغنا	۱۵۹	نعت رسول ﷺ
۱۹۹	شرم و حیاء	۱۶۰	رضامندی رسول ﷺ
۲۰۰	طہارت و نظافت	۱۶۳	ما تم رسول ﷺ
۲۰۲	زندہ دلی	۱۶۴	تفویض الی الرسول ﷺ
۲۰۴	پابندی عہد	۱۶۵	ہمت رسول ﷺ
۲۰۵	رازداری	۱۶۶	اطاعت رسول ﷺ
۲۰۶	جانوروں پر شفقت	۱۶۷	پابندی احکام رسول ﷺ
۲۰۷	غیرت	۱۷۰	ادب حرم نبوی ﷺ
۲۰۹	حسن معاشرت	۱۷۳	فضائل اخلاق
۲۰۹	صلہ رحم	۱۷۳	مسکین نوازی
۲۱۰	ماں باپ کے ساتھ سلوک	۱۷۴	استغفار
۲۱۳	بھائی سے محبت	۱۷۶	ایثار

۲۳۸	معاصرین کی فضیلت کا اعتراف	۲۱۳	محبت اولاد
۲۳۸	مساوات	۲۱۵	بچوں کی پرورش
۲۴۰	فرق مراتب کا لحاظ	۲۱۶	پرورشِ تنہی
۲۴۳	حسن معاملت	۲۱۸	شوہر کی محبت
۲۴۳	ادائے قرض کا خیال	۲۱۹	شوہر کی خدمت
۲۴۵	قرض داروں کو مہلت دینا	۲۲۰	شوہر کے مال و اسباب کی حفاظت
۲۴۵	وضع دین	۲۲۱	شوہر کی خوشنودی
	دوسرے کی جانب سے قرض	۲۲۲	بی بی کی محبت
۲۴۶	ادا کرنا	۲۲۴	ہمسایوں کے ساتھ سلوک
۲۴۷	وصیت کا پورا کرنا	۲۲۴	غلاموں کے ساتھ سلوک
۲۴۷	عورتوں کا مہر ادا کرنا	۲۲۷	باہمی محبت
۲۴۷	بیبیوں کے درمیان عدل کرنا	۲۲۸	باہمی اعانت
۲۴۸	بیع و شرا میں مسامحت		ایک کے رنج و مسرت
۲۴۸	تقسیم وراثت میں دیانت	۲۲۹	میں دوسرے کی شرکت
۲۴۸	ظلم و غضب سے اجتناب	۲۳۰	حسن رفاقت
۲۴۹	قسم کھانے سے اجتناب	۲۳۰	بزرگوں کا ادب
۲۵۱	طرز معاشرت	۲۳۱	دوستوں کی ملاقات
۲۵۱	غربت و افلاس	۲۳۲	ہدیہ دینا
۲۵۲	لباس	۲۳۲	عمیادت
۲۵۵	غذا	۲۳۳	تجار داری
۲۵۶	مکان	۲۳۴	عزاداری
۲۵۷	سامان آرائش	۲۳۴	سلام کرنا
۲۵۷	زہد و قنص	۲۳۵	مضامیہ کرنا
۲۶۰	اپنا کام خود کرنا	۲۳۵	معاوضہ احسان
۲۶۲	ذرائع معاش	۲۳۶	سپاس گزاری
۲۶۶	خاتمہ حصہ اول	۲۳۶	حسن ظن
		۲۳۷	مصالحت و صفائی

فہرست مضامین

اسوۂ صحابہ حصہ دوم

۳۰۵	امراء و عمال	۲۶۹	دیباچہ
۳۱۴	عمال کی معزولی	۲۷۱	سیاسی خدمات
۳۱۶	تنخواہ	۲۷۱	خلافت الہی
۳۱۷	صیغہ عدالت		صحابہ رضی اللہ عنہم کو خلافت کی
۳۱۷	اصول و آئین عدالت	۲۷۱	خواہش نہ تھی
۳۱۸	قضاۃ کا انتخاب	۲۷۲	خلافت کی ذمہ داریوں کا احساس
۳۱۸	قضاۃ کی ذمہ داریوں کا احساس	۲۷۳	فرائض خلافت
۳۱۹	عدل و انصاف	۲۷۶	دیانت
۳۱۹	رشوت ستانی کی روک ٹوک	۲۸۰	مساوات
۳۲۰	ماہرین کی شہادت	۲۸۱	زہد و تواضع
۳۲۱	تحریری فیصلے	۲۸۴	ایثار
۳۲۱	اخلاق کا اثر مقدمات پر	۲۸۶	حق پسندی
۳۲۳	صیغہ محاصل و خراج	۲۸۷	رحم و شفقت
۳۲۶	وصولی خراج کا طریقہ	۲۹۰	علم و غفو
۳۲۶	جزیہ	۲۹۱	مساوات فی الحقوق
۳۲۷	عشر	۲۹۲	رعایا کے حقوق کا اعلان
۳۲۷	زکوٰۃ و عشور	۲۹۳	مشورہ
۳۲۷	دیوان، دفتر، بیت المال	۲۹۴	نبوت و خلافت میں تفریق و امتیاز
۳۲۹	نظارت نافذہ	۲۹۵	خانہ جنگی سے اجتناب
۳۲۹	کنوئیں	۲۹۸	اطاعت خلفاء
۳۳۰	چوکیاں اور سرائیں	۳۰۰	لا طاعت فی معصیۃ اللہ
۳۳۰	مہمان خانے	۳۰۱	سلاطین و امراء کی عملی مخالفت
۳۳۱	حوض اور نہریں	۳۰۲	تشیع و اختلاف سے اجتناب
۳۳۲	نہر سجد	۳۰۳	حقوق طلبی

۳۵۴	تمدنی تعلقات	۳۴۲	نہرابی موسیٰ
۳۵۵	سیاسی تعلقات	۳۴۲	نہر معقل
۳۵۸	جان کی حفاظت	۳۴۳	نہر امیر المومنین
۳۶۰	مال و جائیداد کی حفاظت	۳۴۳	زرعی نہریں
۳۶۰	مذہبی آزادی	۳۴۴	بند
۳۶۱	جزیرہ کی پھولی میں رعایت و نرمی	۳۴۴	پل اور سڑک
۳۶۲	ملکی حقوق	۳۴۴	سرکاری عمارتیں
۳۶۲	آزادی تجارت	۳۴۴	دارالامارۃ
۳۶۳	سازش اور بغاوت کی حالت	۳۴۵	ذیل خانے
۳۶۳	میں ذمیوں کے ساتھ سلوک	۳۴۵	غلام خانے
۳۶۳	ان مراعات کا ذمیوں پر اثر	۳۴۵	بیت المال
۳۶۳	عیسائیوں اور یہودیوں کی جلا	۳۴۶	بازار
۳۶۳	وطنیاں	۳۴۶	شفا خانے
۳۶۳	یہود خیبر	۳۴۷	چھاؤنیاں اور قلعے
۳۶۵	نصارائے نجران	۳۴۸	مقبرہ
۳۶۵	نصارائے عربسوس	۳۴۸	حمام
۳۶۷	غلاموں کے حقوق	۳۴۸	وصیت
۳۶۷	اسیران جنگ کا قتل نہ کرنا	۳۴۹	اوقاف
	اسیران جنگ کو کھانا کھلانا اور	۳۵۰	شہروں کی آبادی
	انکے آرام و آسائش کا سامان	۳۵۰	بصرہ و کوفہ
۳۶۷	بہم پہنچانا	۳۵۱	فسطاط و موصل
	شاہی خاندان کے اسیران	۳۵۲	جیزہ
۳۶۸	جنگ کے ساتھ برتاؤ	۳۵۲	اردنیل
	اسیران جنگ و اعزہ و اقارب	۳۵۲	مرعش
۳۶۸	سے جدا نہ کرنا	۳۵۲	قیروان
	لوٹنے والوں کے ساتھ استبراء کے	۳۵۵	تعزیر و حدود
۳۶۹	بغیر جماع کرنا	۳۵۳	ذمی رعایا کے حقوق
۳۶۹	غلاموں کی آزادی	۳۵۳	مذہبی تعلقات

۴۰۳	جمع و ترتیب قرآن	۳۷۳	عرب کا غلام نہ بنانا
۴۰۷	احساب	۳۷۴	غلاموں کو مکاتب بنانا
۴۱۳	تجدید و اصلاح	۳۷۵	ام الولد کے بیع و شراہ کی ممانعت
۴۱۳	رسوم جاہلیت کا انسداد		اسیران جنگ کے اعز و اقارب
۴۱۵	اصلاح اخلاق	۳۷۵	کا جہانہ کرنا
۴۱۸	اصلاح بین الناس	۳۷۵	غلاموں کے وظیفے
۴۱۸	اصلاح معاش	۳۷۶	غلاموں کی تعلیم
۴۲۱	ارشاد و ہدایت	۳۷۶	غلاموں کو امان دینے کا حق دینا
۴۲۱	پند و نصیحت	۳۷۷	غلاموں کی عزت و آبرو کی حفاظت
۴۲۱	نمونہ و مثال	۳۷۷	مساوات
۴۲۱	وعظ گوئی	۳۷۹	رعایا کی آسائش کا انتظام
۴۲۲	کلمات طیبہ	۳۸۰	شیر خوار بچوں کے وظیفے
۴۲۳	جہاد	۳۸۰	لاوارث بچوں کے وظیفے
۴۲۳	جہاد کی حقیقت	۳۸۰	قحط کا انتظام
۴۲۳	عہد نبوت ﷺ میں صحابہ		رعایا کی شکایتوں سے واقف
۴۲۳	کرام ﷺ کا فوجی نظام	۳۸۱	ہونے بکے و سائل
۴۲۳	تمام قوم کا فوج بنانا	۳۸۲	موذی جانوروں کا قتل
۴۲۴	فوجی شعار	۳۸۳	نذہبی خدمات
۴۲۴	فوج کا تقسیم	۳۸۳	اشاعت اسلام
۴۲۴	فوجی تعلیم و تربیت	۳۹۶	نو مسلموں کا تکفل
۴۲۵	زخمیوں کی مرہم پٹی کا انتظام	۳۹۹	اقامت دین
۴۲۶	جہاد کیلئے ساز و سامان	۳۹۹	عقائد
	خلافت راشدہ صحابہ کرام ﷺ کا	۴۰۰	نماز
۴۲۷	فوجی نظام	۴۰۱	زکوٰۃ
۴۳۱	غزوہ بحرہ	۴۰۲	حج
۴۳۲	جہاز سازی کا کارخانہ	۴۰۲	روزہ
۴۳۵	فتوحات صحابہ ﷺ	۴۰۳	تحریم مینہ
۴۳۵	فقیر مساجد	۴۰۳	نکاح و طلاق

۴۸۵	فن روایت کی ضرورت	۴۴۶	مسجد جمعہ
	صحابہ کرام ؓ نے فن	۴۴۶	مسجد فصح
۴۸۵	حدیث کیونکر حاصل کیا؟	۴۴۷	مسجد بنو قریظہ
۴۸۷	شوق حدیث میں سفر	۴۴۷	نشریہ ام ابراہیم
	صحابہ کرام ؓ نے احادیث	۴۴۷	مسجد بنو ظفر
۴۸۹	کو کیونکر محفوظ رکھا	۴۴۷	مسجد بنو معاویہ
	صحابہ کرام ؓ نے کس حزم	۴۴۷	مسجد فتح
	واحقیاط کے ساتھ ہم تک	۴۴۷	مسجد قبلین
۴۹۰	احادیث کو پہنچایا؟	۴۴۷	مسجد السقیاء
۴۹۳	روایت حدیث کا مقصد	۴۴۷	مسجد ذباب
	صحابہ ؓ کے پاس حدیث	۴۴۸	مسجد احد
۴۹۴	کا تحریر ذخیرہ کس قدر تھا	۴۵۲	انصاب حرم
۴۹۵	فرامین رسول ﷺ	۴۵۳	خدمات متفرقہ
	جن لوگوں نے صحابہ کرام ؓ	۴۵۳	مسجد کی صفائی
	سے روایتیں کیں انہوں نے	۴۵۳	مسجد میں روشنی کا انتظام
	احادیث کا کس قدر تحریری	۴۵۴	مسجد کی نگرانی
۴۹۶	ذخیرہ فراہم کیا؟	۴۵۴	اذان
۴۹۶	مدارج حدیث کی تعیین	۴۵۴	امامت
۴۹۸	درایت	۴۵۵	حجاج کی خدمت
۵۰۱	طبقات الصحابہ ؓ	۴۵۷	علمی خدمات
۵۰۳	مرویات صحابہ ؓ کی تعداد	۴۵۷	تعلیم قرآن
۵۰۹	علم فقہ	۴۶۱	تعلیم حدیث
	صحابہ کرام ؓ نے رسول	۴۶۵	تعلیم فقہ
	اللہ ﷻ سے کیونکر فقہ کی	۴۶۶	عملی تعلیم
۵۰۹	تعلیم حاصل کی؟	۴۶۹	تعلیم تحریر و کتابت
۵۱۰	طبقات فقہاء صحابہ ؓ	۴۷۱	افاء
	صحابہ کرام ؓ نے تابعین	۴۷۵	علم التفسیر
۵۱۱	کو کیونکر فقہ کی تعلیم دی؟	۴۸۵	علم حدیث

۵۵۰	عام صحابہ ؓ	۵۱۲	تدوین مسائل فقہ
۵۵۲	تصوف صحابہ ؓ کی حقیقت		صحابہ کرام ؓ نے اصول فقہ
۵۵۵	مقامات و احوال	۵۱۳	کے کس قدر مسائل ایجاد کیے؟
۵۶۵	علم الانساب		صحابہ کرام ؓ کے اختلافی
۵۶۷	علم تاریخ	۵۱۵	مسائل کا منشا کیا تھا؟
۵۶۹	شعر و شاعری	۵۲۹	علم تصوف
۵۸۱	خطابت اور زور تقریر	۵۲۹	صوفی اور تصوف
۵۸۷	خاتمہ	۵۳۱	خانقاہیں
۵۸۷	صحابہ کرام ؓ کا اثر	۵۳۲	اجزائے تصوف کی بے اعتدالی
۵۸۷	صحابہ کرام ؓ کا مذہبی اثر	۵۳۳	اصطلاحات تصوف
۵۸۸	صحابہ کرام ؓ کا اخلاقی اثر	۵۳۳	سلسلہ تصوف
۵۸۹	صحابہ کرام ؓ کا علمی اثر	۵۳۸	تصوف صحابہ ؓ
۵۹۰	صحابہ کرام ؓ کا عام اثر	۵۴۰	حضرت ابو بکر صدیق ؓ
۵۹۳	صحابہ کرام ؓ کا اثر عقائد پر	۵۴۳	حضرت عمر فاروق ؓ
۵۹۳	صحابہ کرام ؓ کا اثر سیاست پر	۵۴۶	حضرت عثمان ؓ
۵۹۴	خاتمہ	۵۴۷	حضرت علی کرم اللہ وجہہ
		۵۴۸	اصحاب صفہ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

دیباچہ

الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ وَالْعُسْلُوَّةُ عَلَى رَسُولِهِ مُحَمَّدٍ وَآلِهِ
وَأَصْحَابِهِ أَجْمَعِينَ

انسان کے فرائض میں سب سے مقدم اور سب سے اہم فرض یہ ہے کہ اخلاق انسانی و اصلاح اور نفوس بشری کی تہذیب و تکمیل کی جائے علوم و فنون تہذیب و تمدن و صنعت و حرفت، غرض وہ تمام چیزیں جو ہمیشہ سے دنیا کا سرمایہ ناز رہی ہیں۔ آسمان کی بزاروں گردشوں اور زمانہ کے بزاروں انقلابات کے بعد عالم وجود میں آئیں لیکن تہذیب نفوس انسانی کا فرض اس قدر ضروری تھا کہ دنیا کا پہلا انسان آدم دنیا میں آیا تو اس کی ذمہ داریوں سے گراں ہوا۔ آیا۔ حضرت آدم کے بعد اس سلسلے کو زیادہ ترقی ہوئی اور بڑے بڑے اولوالعزم پیغمبر پیدا ہوئے لیکن ان سب کے فضائل و مناقب کا مجموعہ محمد ﷺ کی ذات پاک تھی جہاں پہنچ کر یہ ساری ابدالا آباد تک کیلئے مکمل ہو گیا اور وحی الہی نے یہ مژدہ سنایا:

الْيَوْمَ اكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَاتَّعَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ
الْإِسْلَامَ دِينًا۔

اب اگر یہ سوال کیا جائے کہ اس برگزیدہ اخصیاء اور عصارہ انبیاء یعنی سرور کائنات محمد ﷺ نے اس مقدس فرض کو کس وسعت اور کس جامعیت کے ساتھ ادا کیا؟ اور نفوس بشریہ کو تہذیب اخلاق کے کس ذرہ کمال تک پہنچایا؟ تو اس کا جواب ہم کو اسلام کے ان مقدس بزرگوں کے فضائل اخلاق کی خاموش زبان سے دینا ہو گا۔ جو آپ ﷺ کے اخلاق و اعمال کے مظہر اتم آپ ﷺ کی تعلیم و تربیت کی مثال ہیں آپ ﷺ کی ہدایت وارشاد کے مخاطب اول اور آپ ﷺ کے فیض صحبت سے شب و روز بہرہ اندوز تھے۔

اس مقدس جماعت کی نشوونما بھی دنیا کے حیرت انگیز واقعات کی ایک عجیب، غریب مثال ہے لول لول جب رسول اللہ ﷺ نے اہل عرب کو عقائد و اعمال کے اصلاح کی دعوت دی تو ریگستان عرب کے ایک ذرہ نے بھی اس کا جواب نہ دیا۔ لیکن صداقت کے اثر اور تربیت پذیری کے جوہر نے چند ہی دنوں میں آپ ﷺ کے آگے پیچھے، اکمیں بائیں غرض ہر طرف ان بزرگوں کی قطاریں کھڑی کر دیں جن کے وجود سے دعوت نوح بعثت موسیٰ اور نبوت عیسیٰ کی تاریخ اکثر خالی ہے ابتداء ان بزرگوں کا نام اگلیوں پر گنا جاسکتا تھا ہجرت کے زمانہ تک

ان میں معتد بہ اضافہ ہوا اور غزوہ بدر کی صف میں تین سو تیرہ سر فروش تیغ بکف نظر آئے۔ فتح مکہ میں یہ تعداد دس ہزار تک پہنچ گئی اور حجتہ الوداع میں تیرہ ہزار صحابہ رضی اللہ عنہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جلو میں روانہ ہوئے لیکن جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انتقال فرمایا تو یہ تعداد لاکھوں سے متجاوز تھی۔

دریائے حق کے جزر و مد کا یہ کتنا عجیب و غریب منظر ہے حضرت نوح علیہ السلام مدتوں توحید کا غلطہ بلند کرتے رہے لیکن ان کے سائے کے سوا کسی نے ان کا ساتھ نہ دیا حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے انصار و اعداؤں کی جستجو میں من انصاری بل اللہ کا نعرہ لگایا لیکن چند حواریین کے سوا کسی نے ان کی حمایت نہ کی لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا کو چھوڑا تو اس آفتاب عالمیت کے نور سے ریگستان عرب کا ذرہ ذرہ روشن تھا۔ لیکن دوسرے پیغمبروں پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو صرف یہی فضیلت حاصل نہیں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب رضی اللہ عنہم کی تعداد اکثر پیغمبروں کے اصحاب سے زیادہ ہے بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے بڑی فضیلت یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نور ہدایت نے جن ذروں کو روشن کر دیا تھا وہ اب تک اسی آب و تاب کے ساتھ چمک رہے ہیں اور گرم کشمکشیں روا نہیں ستاروں کی روشنی میں اصحابی کا نجوم اپنی منزل مقصود کا پتہ لگا رہے ہیں اگر ہم شانور ان طوفان نوح کے حالات کا پتہ لگانا چاہیں تو ناکامی کے سوا ہم کو کیا ملے گا؟ اگر ہم معتکفان وادی تہ کے اخلاق و عادات سے واقف ہونا چاہیں تو خاک بیزی کے سوا کیا حاصل ہو گا؟ اگر ہم حواریین عیسیٰ کے سوانح تلاش کریں تو چند غیر مرئی نقوش کے سوا ہم کو تاریخ کے صفحوں میں کیا نظر آئے گا لیکن اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک ایک خط و خال کو ہم تاریخ کے مرقع میں دیکھ سکتے ہیں اور اس مرقع کو مذہبی، علمی، سیاسی، اخلاقی غرض ہر حیثیت سے دنیا کے سامنے فخر کے ساتھ پیش کر سکتے ہیں۔

تاریخ کے اسی خاص سلسلے کا نام سیر الصحابہ ہے اور علمائے اسلام کو اس سلسلہ کی تدوین و ترتیب کا خیال اس بنا پر پیدا ہوا کہ روایات میں سب سے پہلے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہی کا نام آتا ہے یہی وجہ ہے کہ اول اول محدثین نے اس کی طرف توجہ کی اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے حالات میں سب سے پہلی کتاب امام بخاری التونی ۲۵۶ھ نے تصنیف کی جس کا نام اسماء الصحابہ تھا اور جس کا کچھ حصہ علامہ ابوالقاسم بغوی کبیر نے اپنی کتاب معجم الصحابہ میں نقل کیا ہے اس کے بعد اس فن کو بہت زیادہ ترقی ہوئی اور بکثرت علماء مثلاً ابو بکر بن ابوداؤد عبدان مطین ابو علی بن السکن، ابو حفص بن شاہین، ابو منصور ماوردی، ابو حاتم بن حبان اور طبرانی وغیرہ نے اس موضوع پر کتابیں تصنیف کیں لیکن ان میں سب سے زیادہ ابو عبد اللہ مندہ، ابو نعیم اور قاضی ابو عمر بن عبد البر کی کتابیں مقبول ہوئیں اور انہیں کو تمام متاخرین نے اپنی کتابوں کا ماخذ قرار دیا۔

یہ کتابیں اگرچہ قدمہ کی کتابوں سے زیادہ جامع تھیں تاہم ان میں بھی بہت سے صحابہ کے حالات رہ گئے تھے اس لئے متعدد علماء نے ان پر ذیل لکھے چنانچہ ابوالموسیٰ المدنی نے عبد اللہ بن مندہ کی کتاب پر اور ابو بکر بن فتحون اور ابو علی غسانی نے قاضی عبدالبر کی تصنیف پر ذیل لکھا اور اس میں بہت سے صحابہ کے حالات کا اضافہ کیا لیکن یہ تمام کتابیں ناپید ہیں صرف قاضی عبدالبر کی کتاب استیعاب دو جلدوں میں موجود ہے جس میں ساڑھے تین ہزار صحابہ کے حالات مذکور ہیں اور ابن فتحون نے جو ذیل لکھا تھا اس میں قریب قریب اسی قدر ناموں کا اور اضافہ کیا تھا۔^۱

ان سب کے بعد علامہ ابن اثیر جزری (المتوفی ۶۳۰ھ) نے صحابہ کے حالات میں ایک نہایت مبسوط کتاب لکھی جس کا نام اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ ہے اس کتاب میں سات ہزار پانچ سو چون صحابہ کے حالات ہیں اور اس کا ماخذ ابن مندہ قاضی عبدالبر، ابو نعیم اور ابو موسیٰ کی کتابیں ہیں جن میں صحابہ کے جس قدر حالات مذکور تھے علامہ موصوف نے ان سب کو اپنی کتاب میں یکجا جمع کر دیا اور ذیل ابو علی غسانی وغیرہ کی مدد سے بہت سے ناموں کا اضافہ کیا۔ اس کے ساتھ اور بھی بہت سی کتابوں سے مدد لی اور سب کی مختلف خصوصیات کو ایک جگہ جمع کر دیا لیکن اس کتاب میں بھی بہت سے ایسے لوگوں کے نام آگئے تھے جو صحابی نہ تھے۔ اس لئے علامہ ذہبی نے تجرید الصحابہ کے نام سے ایک کتاب لکھی جس میں ان غلطیوں کی اصلاح کی اور آٹھ ہزار صحابہ کے ناموں کا اور اضافہ کیا۔^۲

اس کے بعد حافظ ابن حجر عسقلانی المتوفی ۸۵۲ھ نے پانچ جلدوں میں ایک نہایت مفصل کتاب لکھی جس کا نام اصابہ فی تمیز الصحابہ رکھا اور اس میں ان تمام صحابہ کے علاوہ جو استیعاب، ذیل استیعاب اور اسد الغابہ میں مذکور ہیں اور بہت سے صحابہ کے حالات کا اضافہ کیا اور حافظ جلال الدین سیوطی نے عین الاصابہ کے نام سے اس کا ایک خلاصہ لکھا جو ناتمام رہا۔^۳ لیکن بایں ہمہ ضبط واستقصاء یہ کل سرمایہ اس دریا کا صرف ایک قطرہ ہے جو مدتوں ریگستان عرب میں موجیں مارتا رہا ابوزرعہ کا قول ہے کہ جن لوگوں نے رسول اللہ کو دیکھا آپ سے سالانہ کی تعداد ایک لاکھ سے متجاوز تھی۔^۴

بہر حال صحابہ کے حالات میں سردست جو کتابیں ہمارے پاس موجود ہیں وہ

۱: مقدمہ اصابہ و اشہد الغابہ ۱۲۔

۲: مقدمہ تجرید اسماء الصحابہ، مقدمہ اسد الغابہ و مقدمہ اصابہ ۱۲۔

۳: کشف الظنون ذکر اصابہ و عین الاصابہ۔

۴: مقدمہ تجرید اسماء الصحابہ۔

صرف یہی استیعاب، اسد الغابہ اصابہ اور تجرید اسماء الصحابہ ؓ ہیں لیکن ان کے علاوہ اور بھی بہت سی کتابوں سے صحابہ ؓ کے حالات معلوم ہو سکتے ہیں مثلاً حافظ جلال الدین سیوطی نے حسن المحاضرہ میں ان تمام صحابہ ؓ کا ذکر کیا ہے جنہوں نے مصر میں قیام کیا ہے، طبقات الحفاظ اور طبری میں بھی اکابر صحابہ ؓ کے حالات مذکور ہیں اور طبقات ابن سعد کی متعدد جلدوں میں بھی صحابہ ؓ کے مفصل حالات ملتے ہیں۔

لیکن اب تک بار بار مشک کے رگڑنے کی ضرورت باقی ہے یہ سچ ہے کہ ان کتابوں کے ذریعہ سے صحابہ کرام ؓ کے عام حالات معلوم ہو سکتے ہیں لیکن اس زمانہ کی سب سے بڑی ضرورت یہ ہے کہ صحابہ کرام ؓ کی مقدس زندگی کو دنیا کے سامنے اس طرح پیش کیا جائے جس سے لوگوں میں شوق عمل پیدا ہو اور اس مثال کو پیش نظر رکھ کر لوگ خود بخود اپنے عقائد و اعمال کی اصلاح کی طرف مائل ہوں یہی وجہ ہے کہ اس دور تجدید و اصلاح میں ہندوستان کے مجدد اعظم مولانا شبلی مرحوم کو جب مسلمانوں کی ترقی و اصلاح کا خیال پیدا ہوا تو انہوں نے اسی تریاق اکبر کو اس درد کا علاج قرار دیا اور ہمیشہ اس فکر میں رہے کہ صحابہ کرام ؓ کے فضائل و مناقب اس ترتیب و جامعیت کے ساتھ لکھے جائیں کہ دنیا کے سامنے معاشرت و اخلاق اور عبادات و معاملات کا بہترین عملی مجموعہ آجائے۔ چنانچہ ایک بار مولانا حبیب الرحمن خان شروانی نے اس مقدس کام کیلئے آملوگی طاہر کی تو یہ دلی ہوئی چنگاری بھڑک اٹھی اور ان کو ایک خط میں لکھا:

واللہ میرے دل کی بات چھین لی صحابہ ؓ کے حالات سے بڑھ کر کوئی چیز ہمارے لئے نمونہ نہیں بن سکتی لیکن ہر پہلو کو لیجئے اور ان پہلوؤں کو صاف دکھائیے جن سے آج کل کے مولوی قصداً چشم پوشی کرتے ہیں۔

مفصلہ ذیل کتابیں اس کیلئے ضروری ہیں استیعاب قاضی عبدالبر اسد الغابہ اصابہ ابن کثیر شامی۔^۱

سیرۃ نبوی ﷺ کی تدوین و تالیف میں مصروف ہوئے تو یہ ضرورت اور بھی شدت کے ساتھ محسوس ہوئی اور عملاً اس کام کی تکمیل کا خیال پیدا ہوا چنانچہ مولوی محمد امین صاحب مہتمم تاریخ ریاست بھوپال کو ایک خط میں تحریر فرماتے ہیں۔

سیرت کی رقم بھی مستقل ہو جاتی تو بہت اچھا ہوتا اس مد کی تصنیف کا مستقل سلسلہ قائم رہتا کانوں میں بھنک تو ڈال دیجئے وسیع سلسلہ ہے مثلاً سیر الصحابہ ؓ سیر ازواج پیغمبر علیہ السلام وغیرہ۔^۲

لیکن ابھی خود سیرت بھی مکمل نہ ہونے پائی تھی کہ ع

آں قدح بشکست و آں ساقی نماںد

تاہم کاروانِ رفتہ کا نقش قدم باقی تھا یعنی مولانا نے محروم کے فرزند ان روحانی باقی تھے اور ان کے غیر مختتم اعمال صالحہ کی تکمیل کیلئے اپنی زندگیوں کو وقف کر چکے تھے اس لئے انھوں نے سیرت نبوی ﷺ کی تکمیل کے ساتھ سیر الصحابہ ﷺ کی تدوین و تالیف کا کام بھی شروع کر دیا اور الحمد للہ کہ توفیق ایزدی نے ان کو اس ارادہ میں کامیاب کیا۔ اور مولانا نے مرحوم نے اس کتاب کا جو ذہنی خاکہ قائم کیا تھا اسی کے مطابق کتاب کی تدوین و تالیف کا سلسلہ جاری ہوا اور تین شخصوں نے اس مقدس کام میں شب و روز مصروف و سرگرم رہ کر۔

(۱) ایک شخص نے متعدد جلدوں میں مہاجرین کے حالات لکھے جس میں عشرہ مبشرہ کیلئے ایک حصہ مخصوص کر لیا گیا اور بقیہ حصے عام مہاجرین کے حالات میں لکھے گئے۔

(۲) ایک شخص نے انصار کے حالات زندگی متعدد جلدوں میں لکھے جس میں خلفائے انصار کے تذکرے بھی شامل ہیں۔

(۳) اسی سلسلہ میں صحابیات رضی اللہ عنہن کے حالات بھی ایک مستقل جلد میں لکھے جس میں مہاجرات اور انصاریات دونوں کے حالات ہیں۔

(۴) سادہ حالات زندگی کے علاوہ ایک جلد میں صحابہ کرام ﷺ کے عقائد، عبادات، معاملات، معاشرت، اخلاق و سیاست اور کارنامہ مہائے زندگی کی تفصیل کی گئی اور یہ اس کا پہلا حصہ ہے جو اس وقت قوم کے سامنے پیش کیا جاتا ہے۔

انبیاء صوفیہ اور پیشوایان مذہب کے متعلق جو مبالغہ آمیز اور موضوع روایتیں پیدا ہو جاتی ہیں، وہ قدرتی طور پر صحابہ کرام ﷺ کے متعلق بھی پیدا ہوئیں اور اس شدت کے ساتھ اسلامی لٹریچر میں سرایت کر گئیں کہ عام طور پر فضائل و مناقب کے لفظ سے اسی قسم کی روایتوں کی طرف ذہن متبادر ہوتا ہے لیکن اس کتاب کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ اس قسم کی دور از کار ولیات کو بالکل نظر انداز کر دیا گیا ہے اور تمام واقعات اسماء الرجال اور تاریخ کی مستند کتابوں سے بہم پہنچائے گئے ہیں اور جہاں تک ہو سکا ہے تاریخ درجہ جال کی کتابوں کے علاوہ صحاح ستہ بالخصوص صحیح بخاری اور صحیح مسلم سے مدد لی گئی ہے۔

کتاب کی مقبولیت و عدم مقبولیت کا تمام تردد و مدار خدا کے فضل و کرم، قوم کے مذہبی احساس اور ذوق صحیح پر ہے لیکن کتاب کی ترتیب میں جو کد و کاش کی گئی ہے، صحت کا جو التزام کیا گیا ہے فضائل اخلاق کے جو عنوانات قائم کئے گئے ہیں صحابہ کرام ﷺ کی زندگی کے ایک ایک خط و خال کو جس طرح نمایاں کیا گیا ہے اس کے لحاظ سے یہ دعویٰ بے جا نہ ہو گا کہ اس

موضوع پر آج تک ایسی جامع کتاب اردو فارسی کیا عربی میں بھی نہیں لکھی گئی لیکن اس کتاب کی تدوین و تالیف کا یہ مقصد نہیں ہے کہ قوم سے صرف حسن قبول کا تمغہ حاصل کیا جائے بلکہ اصلی مقصد یہ ہے کہ خداوند تعالیٰ اس کتاب کی برکت سے قوم میں وہی اخلاقی مذہبی اور علمی روح پیدا کر دے جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے قالب میں موجود تھی۔ اس بنا پر اگر قوم نے اس حیثیت سے اس کتاب کا خیر مقدم کیا تو وہی ان ناچیز کوششوں کا صلہ ہوگا جو اس کتاب کی تدوین و ترتیب میں کی گئی ہیں۔ السعی منی والا تھام من اللہ

عبدالسلام ندوی
دارالمصنفین اعظم گڑھ

مقدمہ

صحابی کی تعریف

عہد رسالت میں بہت سے بزرگوں نے مدتوں جناب رسول اللہ ﷺ کی صحبت سے فیض اٹھایا تھا بہت سے بزرگوں نے آپ ﷺ کے ساتھ متعدد غزوات میں شرکت کی تھی بہت سے بزرگوں نے آپ ﷺ سے بکثرت احادیث کی روایتیں کی تھیں۔ بہت سے بزرگوں نے مسلمان ہو کر سن بلوغ میں آپ ﷺ کو دیکھا تھا۔ بہت سے بزرگوں نے آپ ﷺ کو قبل اسلام تو دیکھا تھا لیکن بعد اسلام ان کو یہ شرف حاصل نہیں ہوا۔^۱ بہت سے لوگ گو عہد رسالت میں موجود تھے لیکن ان کو آپ ﷺ سے ملنے یا آپ ﷺ کے دیکھنے کا موقع نہیں ملا۔^۲ بہت سے لوگوں نے آپ ﷺ کی زندگی میں تو آپ ﷺ کو نہیں دیکھا لیکن آپ ﷺ کی وفات کے بعد ان کو آپ ﷺ کا دیدار نصیب ہوا۔^۳ اور ان کے علاوہ بہت سے بچے تھے جو آپ ﷺ کے مبارک عہد میں پیدا ہوئے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حصوں برکت کیلئے ان کو آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر کیا اور آپ ﷺ نے ان کا نام رکھا اور ان کو دعادی۔^۴ اب سوال یہ ہے کہ ان مختلف الحیثیات بزرگوں میں کون لوگ ہیں جن پر لفظ صحابی کا اطلاق کیا جاسکتا ہے؟ اور وہ صحابہ رسول اللہ ﷺ کے مقدس خطاب سے یاد کئے جاسکتے ہیں۔

(۱) محدثین کی ایک جماعت اور جمہور اصولیین نے صحابی ہونے کیلئے یہ شرط لگائی ہے کہ اس کو ایک مدت تک رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نشست و برخاست کا موقع ملا ہو، کیونکہ عرف عام میں جب یہ کہا جاتا ہے کہ فلاں شخص فلاں کا ساتھی یا رفیق ہے تو اس سے صرف یہی سمجھا جاتا ہے کہ اس نے ایک کافی زمانہ تک اس کی صحبت اٹھائی ہے۔ جو لوگ کسی شخص کو محض دور یا قریب سے دیکھ لیتے ہیں اور ان کو اس کے ساتھ اٹھنے بیٹھنے اور بات چیت کرنے کا موقع نہیں ملا ان کو عام طور پر اس کا رفیق و ساتھی نہیں کہا جاتا۔ قاضی ابو بکر محمد بن الطیب کا قول ہے کہ باتفاق اہل لغت صحابی صحبت سے مشتق ہے مگر صحبت کی کسی مخصوص

۱: مثلاً خلفائے راشدین اور تمام اکابر صحابہ۔ ۲: مثلاً شرکائے حجتہ الوداع۔

۳: مثلاً اور قہ بن نوفل۔ ۴: مثلاً حضرت لوئس قرنی اور اخف بن قیس جتہ۔

۵: مثلاً ابن ابی وہیب لہذلی شاعر۔

۶: مثلاً عبید اللہ بن الحارث بن نوفل، عبد اللہ بن ابی طلحہ الانصاری اور محمد بن ابی بکر الصدیق رضی اللہ عنہ جو آپ کی وفات سے تقریباً تین مہینے پیشتر حجتہ الوداع کے زمانہ میں پیدا ہوئے تھے۔

مقدار سے مشتق نہیں بلکہ اس کا اطلاق ہر اس شخص پر ہو سکتا ہے جس نے کم و زیادہ کسی کی صحبت اٹھائی ہو، اس لئے کہا جاتا ہے کہ میں نے ایک سال یا ایک مہینہ یا ایک دن یا ایک گھڑی تک ایک شخص کی صحبت اٹھائی اس لئے صحبت کی تھوڑی یا زیادہ مقدار دونوں پر صحبت کا اطلاق ہو سکتا ہے لیکن اس کے ساتھ عرفا صحابی صرف اس شخص کو کہہ سکتے ہیں جس نے کسی کی طویل صحبت اٹھائی ہو، عرفا اس شخص کو صحابی نہیں کہہ سکتے جس نے کسی سے ایک گھنٹہ کی ملاقات کی ہو یا اس کے ساتھ چند قدم چلا ہو یا اس سے کوئی حدیث سنی ہو۔^۱

بلکہ حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ کے نزدیک صحابی صرف اس شخص کو کہہ سکتے ہیں جس کو رسول اللہ ﷺ کے ساتھ دو ایک غزوات میں شرکت کا موقع ملا ہو اور کم از کم اس نے سال دو سال تک آپ ﷺ کے ساتھ قیام کیا ہو۔

(۲) بعض لوگوں کے نزدیک صحابی صرف اس کو کہتے ہیں جس نے رسول اللہ ﷺ سے احادیث کی روایت کی ہو۔

(۳) بعض لوگوں کے نزدیک صحابی ہونے کیلئے صرف طویل صحبت کافی نہیں ہے بلکہ اس کے ساتھ یہ بھی معلوم ہونا چاہئے کہ اس نے آپ ﷺ کی صحبت بغرض حصول علم و عمل اختیار کی ہے چنانچہ علامہ سخاوی رحمۃ اللہ علیہ فتح المغیث میں لکھتے ہیں:

قال ابو الحسن فی المعتمد هو من طالت مجالسہ علی طریق التبع لہ و الاخذ عنہ امامن طالت بدون قصد لا تباع اولم تطل کالوافدین فلا۔^۲
ابو الحسن نے معتمد میں کہا ہے کہ صحابی وہ ہے جس نے بطریق اتباع آپ ﷺ کی طویل صحبت اٹھائی ہو اور آپ ﷺ سے علم حاصل کیا ہو جن لوگوں نے اس کے بغیر آپ ﷺ کی طویل صحبت اٹھائی یا اس مقصد کو تو پیش نظر رکھا لیکن طویل صحبت نہیں اٹھائی۔ مثلاً وفود میں آنے والے لوگ تو وہ صحابی نہیں۔

(۴) بعض لوگ ہر اس مسلمان کو صحابی کہتے ہیں جس نے حالت بلوغ اور حالت صحت عقل میں آپ ﷺ کو دیکھا ہے۔

(۵) بعض لوگوں کے نزدیک آپ ﷺ کا دیکھنا بھی ضروری نہیں بلکہ ہر اس مسلمان کو صحابی کہہ سکتے ہیں جو عہد رسالت میں موجود تھا چنانچہ قاضی عبدالبر نے اپنی کتاب استیعاب میں اور ابن مندہ نے اپنی کتاب معرفۃ الصحابہ رحمۃ اللہ علیہ میں اسی شرط کی بنا پر صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ بہت سے ان لوگوں کا تذکرہ بھی کیا ہے جو آپ ﷺ کے عہد میں موجود تھے مگر آپ ﷺ کو دیکھا نہیں تھا لیکن درحقیقت یہ لوگ صحابی نہ تھے بلکہ اس سے مقصود یہ تھا کہ اس زمانہ کے تمام لوگوں کے حالات کا استقصاء کر لیا جائے۔

(۶) محدثین کی ایک جماعت جس میں امام احمد، علی بن مدینی اور امام بخاری بھی شامل ہیں صحابی کا خطاب صرف ان لوگوں کو دیتی ہے جنہوں نے رسول اللہ ﷺ کو حالت اسلام میں دیکھا ہے بلکہ آنکھوں سے دیکھنا بھی ضروری نہیں صرف آپ ﷺ کی ملاقات کافی ہے مثلاً حضرت عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ اندھے تھے اس لئے آپ ﷺ کو آنکھ سے نہیں دیکھ سکتے تھے لیکن بائیں ہاتھ ان کا شمار صحابہ رضی اللہ عنہم میں ہے کیونکہ ان کو آپ ﷺ کا شرف ملاقات حاصل تھا۔

ان لوگوں کا استدلال یہ ہے کہ لغت کے رو سے ہر اس شخص کو صحابی کہہ سکتے ہیں جس نے زمانہ کی کسی ساعت میں ایک شخص کی صحبت اٹھائی ہے امام احمد بن حنبل کا قول ہے کہ ہر وہ شخص جس نے ایک مہینہ یا ایک دن یا ایک منٹ تک رسول اللہ ﷺ کی صحبت اٹھائی یا آپ ﷺ کو صرف دیکھا وہ صحابی ہے امام بخاری فرماتے ہیں کہ جس مسلمان نے آپ ﷺ کی صحبت اٹھائی یا آپ ﷺ کو دیکھا وہ صحابی ہے۔^۱

ان تمام اقوال سے ثابت ہوتا ہے کہ جو لوگ آپ ﷺ کے عہد مبارک میں پیدا ہو کر سن بلوغ کو نہیں پہنچے وہ صحابی نہیں ہیں چنانچہ حافظ ابن حجر عسقلانی اصابہ میں لکھتے ہیں۔
 ذكر اولئك في الصحابة انما هو على سبيل الاطلاق لغلبة الظن على انه صلى الله عليه وسلم راىهم۔^۲

صحابہ رضی اللہ عنہم میں ان بچوں کا ذکر بالکل الحاقی ہے کیونکہ ظن غالب یہی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان کو دیکھا ہوگا۔

لیکن بعض لوگوں کے نزدیک یہ لوگ بھی صحابہ رضی اللہ عنہم کے گروہ میں داخل ہیں چنانچہ مولانا عبدالحی صاحب ظفر الامانی میں لکھتے ہیں:

والمرجع هو دخوله فيهم نعم حديثهم مرسل لكنه مرسل مقبول۔^۳

مرج یہ ہے کہ یہ لوگ بھی صحابہ رضی اللہ عنہم میں داخل ہیں البتہ ان کی حدیث مرسل ہے لیکن وہ مرسل مقبول ہے۔

اسی طرح جن لوگوں نے آپ ﷺ کو بعد وفات دیکھا تھا وہ بھی صحابہ رضی اللہ عنہم کی جماعت میں داخل نہیں چنانچہ حافظ ابن حجر عسقلانی مقدمہ اصابہ میں لکھتے ہیں:

والراجح عدم الدخول۔^۴

قول راجح یہ ہے کہ یہ لوگ صحابی نہیں ہیں۔

جو مسلمان آپ ﷺ کے زمانہ میں موجود تھے لیکن ان کو آپ ﷺ کا دیدار نصیب

۱: اسد الغابہ جلد ۱ صفحہ ۱۲۔ ۲: مقدمہ اصابہ ص ۵۔

۳: کتاب مذکور ص ۳۰۷۔ ۴: مقدمہ اصابہ ص ۸۔

نہیں ہو اوہ بھی صحابی نہیں چنانچہ حضرت اویس قرنی ؓ اسی قسم کے بزرگ ہیں۔ جن لوگوں نے اسلام لانے سے پہلے آپ ﷺ کو دیکھا تھا لیکن اسلام لانے کے بعد ان کو آپ ﷺ کی زیارت نصیب نہیں ہوئی وہ بھی صحابی نہیں ہیں بلکہ ان کا شمار کبار تابعین میں ہے۔ اب ان اقوال کے مطابق صرف ان لوگوں کو صحابی کہا جاسکتا ہے:-

- (۱) جنہوں نے ایک مدت تک آپ ﷺ کا شرف صحبت حاصل کیا ہے۔
- (۲) یا کم از کم ایک غزوہ میں آپ ﷺ کے ساتھ شرکت کی ہے۔
- (۳) یا آپ ﷺ سے احادیث کی روایت کی ہے۔
- (۴) یا آپ ﷺ کی صحبت حصول علم و عمل کیلئے اختیار کی ہے۔
- (۵) یا مسلمان ہونے کے ساتھ آپ ﷺ کو حالت بلوغ و حالت ثبات عقل میں دیکھا ہے یا آپ ﷺ سے ملاقات کی ہے۔
- (۶) یا حالت اسلام میں محض آپ ﷺ کو دیکھا ہے یا ملاقات کی ہے۔

ان اقوال میں چھٹا یعنی آخری قول جمہور کے نزدیک سب سے زیادہ صحیح اور عام مسلمانوں میں مقبول ہے کیونکہ یہ ان تمام صحابہ ؓ کو شامل ہے جن میں احادیث کی روایت کی جاسکتی ہے اور ان کو اسوہ حسنہ بنایا جاسکتا ہے اس کے بعد پہلا یعنی اصولیین کا قول قابل اعتبار ہے کیونکہ اس سے اگرچہ بہت سے وہ صحابہ ؓ جنہوں نے صرف رسول اللہ ﷺ کو دیکھا تھا لیکن آپ ﷺ کی فیض صحبت سے کافی زمانہ تک متمتع نہیں ہوئے تھے صحابہ ؓ کی جماعت سے نکل جاتے ہیں تاہم اس کے ذریعہ سے صحابیت کا ایک بلند معیار قائم ہوتا ہے اور تمام اکابر صحابہ ؓ اس میں شامل ہو جاتے ہیں ان کے علاوہ اور تمام اقوال درجہ اعتبار سے گرے ہوئے ہیں کیونکہ ان میں بعض اس قدر وسیع اور عام ہیں کہ عہد رسالت ﷺ کا ہر مسلمان صحابہ ؓ کی جماعت میں شامل ہو جاتا ہے اور بعض اس قدر محدود ہیں کہ بہت سے کبار صحابہ ؓ کے گروہ سے نکل جاتے ہیں اس کے علاوہ فضیلت کا دار و مدار صرف علم و عمل پر ہے اصولیین نے صحابہ ؓ کی جماعت پر اخذ مسائل اور روایت حدیث کے لحاظ سے نظر ڈالی۔ اس لئے انہوں نے صرف اس شخص کو صحابی قرار دیا جس نے مدت تک آنحضرت ﷺ کا شرف صحبت حاصل کیا لیکن جمہور کے نزدیک صحابیت کا معیار صرف زہد و تقویٰ ہے اس لئے وہ ہر اس شخص کو صحابی کہتے ہیں جس نے حالت اسلام میں آپ ﷺ کو دیکھا ہے یا آپ

۱: ظفر الامانی ص ۳۰۸۔

۲: اور جس کا خاتمہ اسلام پر ہوا یعنی مرتے وقت وہ مسلمان تھے کیونکہ بعض ایسے لوگ بھی تھے جنہوں نے مسلمان ہونے کے ساتھ یا حالت اسلام میں آپ کو دیکھا یا ملاقات کی مگر بعد میں وہ دین سے پھر گئے اور اسی حالت میں مر گئے۔ (خورشید)

ﷺ سے ملاقات کی ہے۔

صحابہ رضی اللہ عنہم کی تعداد

صحابہ رضی اللہ عنہم کے حالات میں جو کتابیں لکھی گئی ہیں ان سے صحابہ رضی اللہ عنہم کی تعداد کا صحیح پتہ لگانا سخت مشکل ہے اور اس کو خود ان کتابوں کے مصنفین تسلیم کرتے ہیں چنانچہ علامہ ابن اثیر جزری اسے الغابہ میں لکھتے ہیں:

ولو حفظوا ذلك الزمان لكانوا اضعاف من ذكره العلماء^۱

اگر خود صحابہ رضی اللہ عنہم اپنے زمانہ میں صحابہ رضی اللہ عنہم کے نام محفوظ رکھتے تو ان کی تعداد اس سے کئی گنا زیادہ ہوتی جس کو علماء نے بیان کیا ہے۔

البتہ احادیث کی بعض تصریحات سے معلوم ہوتا ہے کہ ہجرت کے بعد صحابہ رضی اللہ عنہم کی تعداد میں روز بروز اضافہ ہوتا گیا اور آپ ﷺ کی وفات تک صحابہ رضی اللہ عنہم کی ایک عظیم الشان جماعت تیار ہو گئی۔ چنانچہ صحیح بخاری میں ہے کہ ایک بار جناب رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا۔

اكتبوا الى من تلفظ بالاسلام من الناس۔

جو لوگ اسلام کا کلمہ پڑھتے ہیں مجھے ان کا نام لکھ کر دو۔

اور جب اس حکم کی تعمیل کی گئی تو پندرہ سو مسلمانوں کی فہرست مرتب ہوئی۔^۲ لیکن اس حدیث میں یہ تصریح نہیں ہے کہ یہ حکم کس موقع پر دیا گیا اس لئے محدثین نے مختلف رائیں قائم کی ہیں حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں لکھا ہے کہ غالباً یہ حکم اس وقت دیا گیا تھا جب صحابہ رضی اللہ عنہم جنگ احد کیلئے جا رہے تھے ابن تین کے نزدیک یہ حکم غزوہ خندق میں دیا گیا تھا داؤدی کے نزدیک یہ حدیبیہ کے زمانہ کا واقعہ ہے اس کے بعد اس تعداد میں اور اضافہ ہوا چنانچہ فتح مکہ میں دس ہزار صحابہ رضی اللہ عنہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ شریک جنگ ہوئے^۳ اور فتح مکہ کے بعد جب تمام عرب مسلمان ہو گیا تو یہ تعداد اضعافاً مضاعفہ ہو گئی غزوہ حنین میں خادموں اور عورتوں کے علاوہ بارہ ہزار اور غزوہ تبوک میں ۳۰ ہزار مجاہد آپ ﷺ کے ساتھ تھے۔^۴ شجۃ الوداع میں جس کے ایک سال بعد آپ ﷺ کا وصال ہوا ۴۰ ہزار صحابہ رضی اللہ عنہم شریک تھے۔^۵ غرض ۱۰۰ تک مکہ اور طائف میں کوئی شخص ایسا نہیں رہ گیا تھا جو مسلمان ہو کر حجۃ الوداع میں شریک نہ ہوا ہو۔^۶ شرکائے حجۃ الوداع میں چار ہزار صحابہ رضی اللہ عنہم کی مزید

۱: اسد الغابہ جلد اول ص ۳۔ ۲: بخاری کتاب الجہاد باب کتابۃ الامام الناس۔

۳: بخاری کتاب المغازی باب غزوہ الفتح فی رمضان۔

۴: اسد الغابہ صفحہ ۱۲ ج ۱۔ ۵: طبقات ابن سعد ذکر غزوہ تبوک۔

۶: مقدمہ ابن صلاح باب ۳۹ صفحہ ۱۵۱۔ ۷: مقدمہ اصحابہ میں ۹۔

تعداد بھی شامل ہے۔ امام شافعیؒ کی روایت ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ کا وصال ہوا تو ساٹھ ہزار مسلمان موجود تھے جن میں تیس ہزار خاص مدینہ میں اور تیس ہزار مدینہ سے باہر اور مقامات میں تھے۔ ابو زرہؓ رازی کا قول ہے کہ آپ ﷺ کی وفات کے وقت جن لوگوں نے آپ ﷺ کو دیکھا اور آپ ﷺ سے حدیث سنی ان کی تعداد ایک لاکھ سے زائد تھی جن میں مرد اور عورت دونوں شامل تھے اور ان میں ہر ایک نے آپ ﷺ سے روایت کی تھی۔^۱ ابن فتحون نے ذیل استیعاب میں اس قول کو نقل کر کے لکھا ہے کہ ابو زرہؓ نے یہ تعداد صرف ان لوگوں کو بتائی ہے جو رواہ حدیث میں تھے۔ لیکن ان کے علاوہ صحابہؓ کی جو تعداد ہوگی وہ اس سے کہیں زیادہ ہوگی۔^۲ بہر حال اکابر صحابہؓ کے نام ان کی تعداد اور ان کے حالات تو ہم کو صحیح طور پر معلوم ہیں لیکن ان کے علاوہ ہم اور صحابہؓ کی صحیح تعداد نہیں بتا سکتے اسد الغابہ میں لکھا ہے کہ خود صحابہؓ کے زمانہ میں مشاغل دینیہ نے صحابہؓ کو یہ موقع نہ دیا کہ وہ اپنی تعداد کو محفوظ رکھیں۔^۳ اس کے علاوہ اکثر صحابہؓ صحرا نشین بدوی تھے اس لئے ایسی حالت میں ان کا گننا رہنا ضروری تھا۔^۴

صحابہؓ کی شناخت

جن بزرگوں کی نسبت صحابی ہونے کا دعویٰ کیا جاتا ہے اس کی صحت کی دلیلیں اور علامتیں یہ ہیں کہ:

(۱) ان کا صحابی ہونا بطریق تواتر ثابت ہو مثلاً حضرت ابو بکر صدیقؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت عثمانؓ اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور تمام اکابر صحابہؓ کا صحابی ہونا اسی طریقہ سے ثابت ہے۔

(۲) ان کے صحابی ہونے کا ثبوت اگر تواتر کے درجہ تک نہ پہنچ سکے تو کم از کم بطریق روایت مشہور ان کا صحابی ہونا ثابت ہو حضرت عکاشہ بن حصنؓ، حضرت ضمام بن ثعلبہؓ وغیرہ کا صحابی ہونا اسی طریقہ سے ثابت ہے۔

(۳) جن صحابہؓ کا صحابی ہونا یقینی طور پر ثابت ہے ان کی شہادت سے بھی اس کا ثبوت ہو سکتا ہے مثلاً ایک صحابی کا یہ کہنا کہ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں فلاں شخص کے ساتھ حاضر ہوا یا آپ ﷺ نے میرے سامنے فلاں شخص سے گفتگو کی اس شخص کے صحابی ہونے کی دلیل ہے بشرطیکہ وہ مسلمان ہو۔

۱: ایضاً ص ۱۲۔ ۲: تجرید جلد ۱ ص ۳۔

۳: مقدمہ اصحابہ ص ۳۔ ۴: ایضاً۔

۵: مقدمہ اسد الغابہ ص ۳۔ ۶: مقدمہ اصحابہ ص ۳۔

- (۴) اسی طرح ثقات تابعین کی شہادت سے بھی اس کا ثبوت ہو سکتا ہے۔
- (۵) چونکہ روایات سے ثابت ہو چکا ہے کہ عہد خلافت میں صرف صحابہ رضی اللہ عنہم ہی امیر العسکر بتائے جاتے تھے اس لئے اگر غزوات و فتوحات میں کسی کی نسبت یہ ثابت ہو جائے کہ وہ امیر بنایا گیا تو اس سے بھی صحابیت ثابت ہو جائے گی۔
- (۶) روایات یہ بھی ثابت ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کے گھروں میں جب بچے پیدا ہوتے تھے تو وہ تبرک و تحنیک کی غرض سے ان کو رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر کرتے تھے اس لئے جن بچوں کی نسبت روایات سے ثابت ہو جائے ان کا صحابی ہونا بھی ثابت ہو جائے گا۔
- (۷) روایات سے یہ بھی ثابت ہے کہ فتح مکہ کے بعد مکہ اور طائف کے تمام لوگ مسلمان ہو کر حجتہ الوداع میں شریک ہوئے تھے اس لئے جن لوگوں کی نسبت یہ ثابت ہو جائے کہ وہ اس وقت موجود تھے ان کا صحابی ہونا بھی ثابت ہو جائے گا۔
- (۸) لیکن اگر کوئی شخص بذات خود صحابی ہونے کا مدعی ہو اور اس کے دعویٰ کی صحت کیلئے متذکرہ بالادلیلوں میں سے کوئی دلیل موجود نہ ہو تو اس کی نسبت محدثین کی مختلف رائیں ہیں:-
- ۱۔ بعض محدثین کا خیال ہے کہ چونکہ وہ خود اپنے لئے ایک شرف کو ثابت کرنا چاہتا ہے اس لئے اس کا دعویٰ مقبول نہ ہوگا۔
 - ۲۔ بعضوں کے نزدیک اگر وہ نہایت مختصر اور محدود صحبت کا مدعی ہو تو اس کا دعویٰ قبول کر لیا جائے گا کیونکہ بہت سی گھڑیاں ایسی ہوتی تھیں جن میں رسول اللہ ﷺ تنہا رہتے تھے اس لئے اگر اس حالت میں کسی نے آپ ﷺ سے ملاقات کی ہو یا آپ ﷺ کو دیکھا ہو تو اس کا ثبوت کسی دوسرے صحابی کی شہادت سے بہ مشکل ہو سکتا ہے۔
 - ۳۔ لیکن اگر اس نے یہ دعویٰ کیا کہ اس نے مدتوں آپ ﷺ کی صحبت اٹھائی ہے اور مدتوں سفر و حضر میں آپ ﷺ کے ساتھ رہا ہے تو اس کا یہ دعویٰ مقبول نہ ہوگا کیونکہ ایسے شخص کو عام طور پر لوگ آپ ﷺ کے پاس دیکھتے رہے ہوں گے اس لئے جب تک اس کی صحابیت نقل صحیح اور روایت عامہ سے ثابت نہ ہو جائے اس کا دعویٰ مقبول نہیں ہو سکتا۔
 - ۴۔ لیکن محدث ابن عبد البر نے اس معاملہ میں بہت زیادہ فیاضی کی ہے اور دو شرطوں کے ساتھ اس قسم کے اشخاص کے دعویٰ کو مطلقاً مقبول قرار دیا ہے ایک یہ کہ اس دعویٰ سے پہلے اس شخص کا عادل، ثقہ اور مقبول الروایۃ ہونا ثابت ہو، دوسرے یہ کہ خارجی قرآن اس کے دعویٰ کی تکذیب نہ کرتے ہوں۔ مثلاً ہجرت کی ایک صدی گزرنے کے بعد اگر کوئی شخص دوسری صدی کے دسویں سال صحابی ہونے کا مدعی ہو تو اس کا دعویٰ مردود قرار دیا جائے گا کیونکہ روایات سے ثابت ہو گیا ہے کہ پہلی صدی ہجری کے ختم ہونے تک صحابہ رضی اللہ عنہم کا دور گزر جائے گا اور اس کے بعد کوئی صحابی باقی نہ رہے گا پچھٹی صدی ہجری میں ایک شخص رتن ہندی گزرا ہے جس نے صحابی ہونے کا دعویٰ کیا تھا لیکن محدثین نے اس کو

دجال اور کذاب قرار دیا۔

صحابہ ؓ کی عدالت

اگرچہ اصول کا یہ مسلمہ مسئلہ ہے کہ الصحابہ کلہم عدل یعنی تمام صحابہ ؓ عادل ہیں لیکن شافعیہ میں ابوالحسن بن القطان نے اس عموم سے اختلاف کیا ہے کیونکہ ان کے نزدیک صحابہ ؓ میں چند بزرگ ایسے بھی گزرے ہیں جن سے کچھ لغزشیں سرزد ہوئی ہیں مثلاً ولید ؓ صحابی تھے لیکن انہوں نے شراب پی ہے۔ حاطب بن بلعہ ؓ صحابی تھے لیکن انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے منشاء کے خلاف کفار مکہ کو خط لکھا ہے ایک خیال یہ ہے کہ خانہ جنگی کے زمانے سے پہلے گو تمام صحابہ ؓ عادل تھے لیکن جب خود صحابہ ؓ میں خانہ جنگی پھیل گئی اور صفین و جمل کے معرکے گرم ہوئے تو ان لوگوں کی عدالت قابل بحث و تحقیق ہو گئی، معتزلہ کے نزدیک جن لوگوں نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے جنگ کی وہ عادل نہیں رہے لیکن جو لوگ حضرت معاویہ ؓ کے طرف دار ہیں وہ اس کے برعکس دعویٰ کرتے ہیں۔ محمد مازری نے عدالت کو صرف ان صحابہ ؓ کیلئے مخصوص کیا ہے جو شب و روز رسول اللہ ﷺ کی صحبت اور آپ ﷺ کی اعانت میں مصروف رہتے تھے اس لئے ان کے نزدیک ہر صحابی عادل نہیں ہے چنانچہ ان کا قول ہے کہ:

لسنا نعدنی بقولنا "الصحابہ عدل" کل من را ﷺ یوما ما اوزارہ لما ما واجتمع بہ لغرض وانصرف عن کتب وانما نعدنی بہ الذین لازموا وعزررہ ونصروہ وابتعوا النور الذی انزل معہ اولئک ہم المفلحون۔

ہم جو یہ کہتے ہیں کہ صحابہ ؓ عدل ہیں تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ ہر وہ شخص جس نے آپ ﷺ کو کسی دن دیکھ لیا یا چلتے پھرتے آپ ﷺ کی زیارت کر لی یا کسی غرض سے آپ ﷺ کی ملاقات کر کے تھوڑی دیر کے بعد واپس گیا عادل ہے بلکہ اس سے وہ لوگ مراد ہیں جو ہمیشہ آپ ﷺ کے ساتھ رہے آپ ﷺ کی تائید و اعانت کی اور اس نور کا اتباع کیا جو آپ ﷺ کے ساتھ اتارا گیا یہی لوگ ہیں جو کامیاب ہیں۔

لیکن عام محدثین کے نزدیک ان آیات کے بنا پر جو قرآن مجید میں عموماً تمام صحابہ ؓ کے فضائل میں نازل ہوئی ہیں یہ خصوصیت تمام صحابہ ؓ میں پائی جاتی ہیں اور ہر زمانہ میں پائی جاتی ہے اس میں صحابہ ؓ کا ہر فرد داخل ہے اور جو لوگ اس اصول کی ہمہ گیری کے مخالف ہیں انہوں نے عدالت کے مفہوم پر غور نہیں کیا ہے عدالت ایک مشترک لفظ ہے جس کے مختلف معنی ہیں مثلاً:-

(۱) کبھی عدالت کو جو رد ظلم کے مقابل میں بولا جاتا ہے اور اس وقت یہ لفظ انصاف کا مرادف ہو جاتا ہے۔

(۲) کبھی فسق و فجور کے مقابل میں استعمال کیا جاتا ہے اور اس وقت یہ لفظ تقویٰ کا ہم معنی ہوتا ہے۔

(۳) کبھی یہ لفظ صرف عصمت پر دلالت کرتا ہے اور یہ وصف صرف انبیاء اور ملائکہ کے ساتھ مخصوص ہے۔

(۴) کبھی یہ لفظ گناہوں سے محفوظ رہنے پر دلالت کرتا ہے اور نتائج کے لحاظ سے اگرچہ اس میں اور عصمت میں کوئی فرق نہیں تاہم عصمت ایک ملکہ فطری و دہی ہے اور گناہوں سے محفوظ رہنا ایک ملکہ کسی ہے اسی بنا پر انبیاء علیہم السلام کو معصوم اور اولیاء کو محفوظ کہا جاتا ہے۔

(۵) کبھی عدالت کے معنی روایت حدیث میں جھوٹ سے بچنے کے ہوتے ہیں اور اس معنی میں عادل اس شخص کو کہتے ہیں جو روایت حدیث میں دروغ بیانی نہ کرتا ہو۔

لیکن یہ کسی محدث کا دعویٰ نہیں ہے کہ صحابہ ؓ کوئی کام انصاف کے خلاف نہیں کر سکتے ان سے کوئی فعل تقویٰ و طہارت کے خلاف صادر نہیں ہو سکتا۔ وہ انبیاء کی طرح معصوم ہیں یا وہ تمام گناہوں سے محفوظ ہیں بلکہ ان کا مقصد صرف یہ ہے کہ کوئی صحابی ؓ روایت کرنے میں دروغ بیانی سے کام نہیں لیتا۔ چنانچہ ابن الانباری کا قول ہے کہ:

ليس المرار بعد التهم ثبوت العصمة لهم واستحالة المعصية من هم وانما المراد قبول روايا تهم من غير تكلف البحث عن اسباب العدالة وطلب التزكية الا ان يشب ارتكاب قارح لم يثبت ذلك۔

ابن انباری کا قول ہے کہ صحابہ ؓ کی عدالت سے یہ مراد نہیں کہ صحابہ ؓ بالکل معصوم ہیں اور ان سے گناہوں کا سرزد ہونا محال ہے بلکہ یہ مراد ہے کہ ان کی روایتوں کو اسباب عدالت و ثقاہت کی چھان بین کے بغیر قبول کر لینا چاہئے بجز اس صورت کے جب وہ ایسے امر کا ارتکاب کریں جو روایات میں قارح ہو اور یہ ثابت نہیں ہے۔

مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی لکھتے ہیں

اہل سنت کا یہ مقررہ عقیدہ ہے کہ صحابہ ؓ کل کے کل عادل ہیں یہ لفظ بار بار بولا گیا ہے اور میرے والد مرحوم شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے اس لفظ کی حقیقت سے بحث کی تو یہ ثابت ہوا کہ اس موقع پر عدالت کے متداول معنی مراد نہیں ہیں بلکہ صرف عدالت فی روایت الحدیث مراد ہے اس کے سوا اور کچھ مراد نہیں ہے اور اس عدالت کی حقیقت روایات میں جھوٹ سے بچنا ہے کیونکہ ہم نے تمام صحابہ ؓ کی سیرت کو خوب ٹٹو لیا یہاں تک کہ ان لوگوں کی سیرت کا بھی مطالعہ کیا جو خانہ جنگیوں فتنوں اور لڑائی جھگڑوں میں شریک ہوئے

تو ہم کو معلوم ہوا کہ وہ بھی رسول اللہ ﷺ کے متعلق دروغ بیانی کو سخت ترین گناہ سمجھتے ہیں اور اس سے شدت کے ساتھ احتراز کرتے ہیں۔

صحابہ رضی اللہ عنہم کے طبقے

مختلف حیثیتوں کے لحاظ سے صحابہ رضی اللہ عنہم کے مختلف طبقے ہیں چنانچہ قلت و کثرت روایت کے لحاظ سے ان کے مختلف طبقات قائم کیے گئے ہیں لیکن فضائل و مناقب کے لحاظ سے اہل سنت والجماعت کے نزدیک بالاتفاق۔

خلفائے راشدین... تمام صحابہ رضی اللہ عنہم سے افضل ہیں اور خلفاء میں بھی ترتیب خلافت بدرجہ فضیلت قائم ہوئے ہیں خلفاء کے بعد،

ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن... افضل ہیں اور ان دونوں کے بعد فضیلت کی ترتیب یہ ہے۔

مہاجرین اولین... لیکن ان میں باہم ایک کو دوسرے پر فضیلت نہیں دی جاسکتی۔

اہل عقبہ... مہاجرین اولین کے بعد اہل عقبہ تمام صحابہ رضی اللہ عنہم سے افضل ہیں۔

اہل بدر... اہل عقبہ کے بعد شرکائے بدر کا درجہ ہے۔

اہل مشاہد... اس کے بعد درجہ بدرجہ اہل مشاہد کو فضیلت حاصل ہے یعنی جو غزوہ

پہلے ہوا ہے اس کے شرکاء ان صحابہ رضی اللہ عنہم سے افضل ہیں جو اس کے

بعد کی لڑائیوں میں شریک ہوئے خداوند تعالیٰ خود فرماتا ہے:

لَا يَسْتَوِي مِنْكُمْ مَنْ أَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَقَاتِلٌ وَالَّذِى أَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ

وَقَاتِلُوا وَكَلَّاءُ عَدُوِّ اللَّهِ الْحَسَنَى (حدید-۱)

تم (مسلمانوں) میں سے جن لوگوں نے فتح (مکہ) سے پہلے (رہو خدا میں مال) خرچ کئے اور

دشمنوں سے لڑے وہ درجہ میں ان مسلمانوں سے بڑھ کر ہیں جنہوں نے فتح مکہ کے پیچھے

مال خرچ کئے اور لڑے اور یوں حسن سلوک کا وعدہ تو اللہ نے سب ہی سے کر رکھا ہے۔

صحابہ رضی اللہ عنہم کا زمانہ

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا مبارک زمانہ ابتدائے بعثت سے شروع ہو کر پہلی صدی کے آخر تک ختم ہو گیا اور اس طرح رسول اللہ ﷺ کی معجزانہ پیشین گوئی پوری ہوئی جو ان الفاظ میں کی گئی ہے:

فَان رَاسَ مِائَةِ سَنَةٍ لَا يَبْقَى مَعْنَى هُوَ الْيَوْمَ عَلَى ظَهْرِ الْأَرْضِ أَحَدٌ

جو لوگ آج روئے زمین پر موجود ہیں ان میں سے سو سال کے بعد کوئی باقی نہ رہے گا۔

لیکن ان مبہم الفاظ سے صحابہ کرام ؓ کو دھوکا ہوا اور وہ یہ سمجھے کہ سو سال کے بعد قیامت آکر تمام دنیا ہی کا خاتمہ کر دے گی حالانکہ آپ ﷺ کا مقصد صرف یہ تھا کہ اس پیشین گوئی کے وقت جو لوگ موجود ہیں ان میں سے سب فنا ہو جائیں گے^۱ اور نسل انسانی کا یہ مخصوص دور ختم ہو جائے گا اور جہاں تک عہد صحابہ ؓ کا تعلق ہے واقعات بھی اس کی تائید کرتے ہیں چنانچہ مدینہ کے صحابہ ؓ میں حضرت سہل بن سعد ؓ آخری صحابی ہیں جنہوں نے باختلاف روایت ۸۸ھ میں ۹۶ سال یا ۹۱ھ میں سو سال کی عمر میں وفات پائی وہ خود فرمایا کرتے تھے کہ اگر میں مر جاؤں تو رسول اللہ ﷺ سے روایت کرنے والا کوئی دوسرا نہ ملے گا۔^۲

بصرہ کے صحابہ ؓ میں حضرت انس بن مالک ؓ آخری صحابی تھے جنہوں نے باختلاف روایت ۹۰ھ یا ۹۱ھ یا ۹۲ھ یا ۹۳ھ میں زیادہ سے زیادہ ۱۰۳ سال کی عمر میں وفات پائی^۳ خود ان سے ایک شخص نے پوچھا کہ اب کوئی صحابی ؓ باقی ہے یا نہیں۔ تو بولے کہ ”دیہات کے چند بدو البتہ باقی رہ گئے ہیں جنہوں نے رسول اللہ ﷺ کی زیارت کی ہے لیکن اب کوئی ایسا شخص نہیں ہے جس نے آپ ﷺ کی صحبت اٹھائی ہو۔“^۴

لیکن ان سب میں حضرت ابوالطفیل ؓ عامر بن واثلہ سب سے آخری صحابی تھے جنہوں نے ۱۰۰ھ میں مکہ میں وفات پائی وہ خود کہا کرتے تھے کہ آج میرے سواروئے زمین پر کوئی ایسا شخص نہیں ہے جس نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا ہو۔^۵

بہر حال حدیث صحیح اور عام روایات کی رو سے پہلی صدی کے ختم ہونے کے ساتھ صحابہ کرام ؓ کا دور مبارک ختم ہو گیا اور اب صرف ان کے اعمال صالحہ باقی رہ گئے ہیں اور اس کتاب میں ہم انہیں اعمال صالحہ کی تفصیل بیان کرتے ہیں۔

۱: بخاری کتاب موقیت الصلوہ باب العمر فی الفقہ والخیر بعد العشاء۔

۲: استیعاب تذکرہ سہل بن سعد ؓ۔

۳: اسد الغابہ تذکرہ حضرت انس بن مالک ؓ۔

۴: مقدمہ ابن صلاح باب ۳۹ ص ۱۴۸۔

۵: استیعاب تذکرہ حضرت ابوالطفیل ؓ۔

قبولِ اسلام

لطافت طبع رقت قلب اور اثر پذیری ایک نیک سرشت انسان کا اصلی جوہر ہیں اور انہیں کے ذریعہ سے وہ ہر قسم کی پند و موعظت تعلیم و تربیت اور ارشاد و ہدایت کو قبول کر سکتا ہے، پھولوں کی پتھڑیاں نسیم صبح کی خاموش حرکت سے ہل جاتی ہیں لیکن تلور و رختوں کو باد صرصر کے جھونکے بھی نہیں ہلا سکتے شعلہ نگاہ آئینہ کے اندر سے گذر جاتی ہے لیکن پہاڑوں میں فولادی تیر بھی نفوذ نہیں کرتے بعینہ یہی حال انسان کا بھی ہے ایک لطیف الطبع، رفیق القلب اور اثر پذیر آدمی ہر دعوت حق کو آسانی سے قبول کر لیتا ہے لیکن سنگ دل اور غلیظ القلب لوگوں پر بڑے سے بڑے معجزے بھی اثر نہیں کرتے اس فرق مراتب کی جزئی مثالیں ہر جگہ مل سکتی ہیں لیکن اشاعت اسلام کی تاریخ تمام تر اسی قسم کی مثالوں سے لبریز ہے کفار میں ہم کو بہت سے اشقیاء کا نام معلوم ہے جنہوں نے ہزاروں کوششوں کے بعد بھی خدائے ذوالجلال کے آگے سر نہیں جھکایا، لیکن صحابہ کرام ؓ نے قرآن مجید کی آیات رسول اللہ ﷺ کے اخلاق و عادات آپ ﷺ کے مواعظ و نصائح شکل و شبہت دعاہ اسلام کی تعلیم ہدایت و ارشاد اور معجزات و آیات غرض ہر موثر چیز کے اثر کو قبول کیا اور بطوع و رضا اسلام کے حلقہ میں داخل ہوئے۔

قرآن مجید کا اثر

عمر ؓ خود آنحضرت ﷺ کا (نعوذ باللہ) کام تمام کرنے کیلئے گھر سے نکلے تھے لیکن جب قرآن مجید کی چند آیتیں سنیں تو ان کا دل نور ایمان سے لبریز ہو گیا۔ آنحضرت ابوذر غفاری ؓ نے اپنے بھائی سے قرآن مجید کے معجزانہ اثر کا ذکر سنا تو رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور صدق دل سے مسلمان ہو گئے۔

حضرت عثمان بن مظعون ؓ نے جب یہ آیت سنی:

اِنَّ اللّٰهَ يامرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِيتَاءِ ذِي الْقُرْبٰى وَيَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ
وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغٰى يَعِظْكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ (نحل۔ ۱۳)

خدا عدل احسان اور قراہتداروں کے ساتھ سلوک کرنے کا حکم دیتا ہے اور بدکاری برائی

اور ظلم سے روکتا ہے وہ اس لئے یہ نصیحتیں کرتا ہے کہ شاید تم اس کو قبول کر لو۔
تو ان کے دل پر جو اثر ہوا اس کو وہ خود ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

فذلک حین استقر الایمان فی قلبی واجبت محمداً^۱

یہی وہ وقت ہے جب ایمان میرے دل میں جاگزیں ہوا اور میں محمد ﷺ سے محبت رکھنے لگا۔

حضرت جبیر بن مطعم ﷺ نے جب یہ آیتیں سنیں:

ام خلقوا امن غیر شئی ام هم الخالقون ام خلقوا السموات والارض بل لا یوقنون ام عندهم عزائن ربک ام هم المصیطرون۔

کیا یہ لوگ خود بخود پیدا ہو گئے۔ یا یہ لوگ خود پیدا کرنے والے ہیں کیا آسمان وزمین کو انہی لوگوں نے پیدا کیا ہے سچ تو یہ ہے کہ ان کے دل میں ایمان نہیں (اے پیغمبر) کیا ان کے پاس تمہارے پروردگار کے خزانے ہیں۔ یا یہ لوگ سربر لہ کار ہیں۔

تو خود کہتے ہیں کہ میرا دل اڑنے لگا حضرت طفیل بن عمرو الدوسی ﷺ نے رسول اللہ ﷺ کی زبان مبارک سے قرآن سنا تو بے اختیار ہو کر مسلمان ہو گئے۔ طاہف کے سفر میں حضرت خالد العدوانی ﷺ نے آپ ﷺ کی زبان مبارک سے یہ آیت سنی:

وَالسَّمَاءِ وَالطَّارِقِ۔ ”آسمان کی قسم اور رات میں آنے والے کی قسم“

تو اسی وقت پوری سورہ کو یاد کر لیا اور بالآخر مسلمان ہو گئے۔^۲

اشخاص سے الگ صحابہ ﷺ کی جماعت کی جماعت قرآن مجید کے اثر سے متاثر ہوئی اور اسلام لائی، مثلاً حضرت ابو عبیدہ ﷺ حضرت ابو سلمہ ﷺ حضرت ارقم بن ابی ارقم ﷺ اور حضرت عثمان بن مظعون ﷺ جب آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ ﷺ نے دعوت اسلام دی اور قرآن مجید کی تلاوت فرمائی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ یہ تمام لوگ مسلمان ہو گئے۔^۳

قرآن مجید نے ایرانیوں کے مقابل میں رومیوں کی فتح کی جو پیشین گوئی کی تھی وہ پوری ہوئی تو بہت سے لوگوں نے اسلام قبول کر لیا۔^۴

۱: مسند ابن ضبل جلد ۱ ص ۳۱۸۔

۲: صحیح بخاری کتاب التفسیر سورہ طور۔

۳: استیعاب و طبقات بن سعد تذکرہ حضرت طفیل بن عمرو الدوسی ﷺ۔

۴: مسند ابن ضبل جلد ۲ ص ۳۳۵۔

۵: اسد الغابہ تذکرہ ابو سلمہ بن عبد الاسد ﷺ۔

۶: ترمذی کتاب التفسیر سورہ روم۔

اخلاق نبوی ﷺ کا اثر

ایک بار ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے بہت سی بکریاں مانگیں آپ ﷺ نے اس کا سوال پورا کیا اس پر اس فیاضی کا یہ اثر پڑا کہ اپنے قبیلہ میں آکر کہا کہ لوگو! مسلمان ہو جاؤ کیونکہ محمد ﷺ اس قدر دیتے ہیں کہ انکو اپنے تنگ دست ہو جانے کا بھی خوف نہیں ہوتا۔^۱

ایک یہودی عالم نے جب آپ ﷺ کو تقاضائے قرض میں اس قدر تنگ پکڑا کہ ظہر کی نماز سے لے کر فجر تک آپ ﷺ کا ساتھ نہ چھوڑا تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس کو سخت دھمکیاں دیں لیکن آپ ﷺ نے فرمایا خدا نے مجھے کسی ذی پر ظلم کرنے کی اجازت نہیں دی ہے دن چڑھا تو وہ اسلام لایا اور کہا کہ میرا نصف مال خدا کی راہ میں صدقہ ہے اس سخت گیری سے میرا صرف یہ مقصد تھا کہ توروں میں آپ ﷺ کے جو اوصاف مذکور ہیں ان کا تجربہ کروں۔^۲ ثمامہ ابن اثیل رضی اللہ عنہ گرفتار ہو کر آئے تھے لیکن جب آپ ﷺ نے ان کو بلا شرط و بلا معاوضہ رہا کر دیا تو انھوں نے فوراً اسلام قبول کر لیا اور ان کا دل اسلامی داعی اسلام اور مدینۃ الاسلام کی محبت سے معمور ہو گیا۔^۳

مواعظ نبوی ﷺ کا اثر

ایک بار حضرت ضلوٰۃ اللہ علیہ السلام مکہ میں آئے تو کفار سے سنا کہ رسول اللہ ﷺ کو جنون ہو گیا ہے۔ حاضر خدمت ہوئے اور کہا کہ ”میں جنون کا علاج کرتا ہوں“ آپ ﷺ نے انکے سامنے ایک تقریر کی جس کا اثر ان پر یہ پڑا کہ فوراً مسلمان ہو گئے۔^۴ حضرت حلیمہ رضی اللہ عنہا کے شوہر یعنی آپ ﷺ کے رضائی باپ جب مکہ میں تشریف لائے تو قریش نے کہا کہ کچھ سنا ہے تمہارا بیٹا کہتا ہے کہ ”لوگوں کو مر کر پھر جینا ہو گا۔“ انھوں نے آپ ﷺ سے کہا ”بیٹا یہ کیا کہتے ہو؟“ آپ ﷺ نے فرمایا ”اگر وہ دن آیا تو میں آپ کا ہاتھ پکڑ کر بتا دوں گا کہ جو کچھ میں کہتا تھا سچ تھا۔“ وہ فوراً مسلمان ہو گئے اور ان فقروں کا اثر عمر بھر رہا کہا کرتے تھے کہ ”میرا بیٹا ہاتھ پکڑے گا تو جنت میں پہنچا کر ہی چھوڑے گا۔“^۵

شمائل نبوی ﷺ کا اثر

بعض صحابہ رضی اللہ عنہم نے صرف آپ ﷺ کی شکل و صورت ہی دیکھ کر آپ ﷺ کی

۱: مسلم کتاب الفضائل باب اسل رسول اللہ ﷺ شياطين قال لا و کثرت عطاء۔

۲: مشکوٰۃ کتاب القن فی اخلاق ﷺ۔

۳: صحیح مسلم کتاب الجہاد والسر باب ربط الایسر۔

۴: مسلم کتاب الجمع باب تخفیف المصلوہ والخطبہ۔

۵: اصحاب تذکرہ حضرت حارث بن عبد العزیٰ۔

نبوت کا اعتراف کر لیا۔ حضرت ابو رافع رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں قریش کی طرف سے قاصد بن کر آئے لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر نظر پڑتے ہی شیدائے اسلام ہو گئے اور بالاخر علانیہ اسلام قبول کر لیا۔ حضرت عبداللہ بن سلام کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ دیکھتے ہی یقین ہو گیا کہ وجہ لیس بوجہ کذاب۔^۱ جھوٹے آدمی کا چہرہ ایسا نہیں ہو سکتا۔

دُعاۃ اسلام کا اثر

صحابہ رضی اللہ عنہم میں بکثرت دعاہ اسلام کے اخلاقی اثر سے اسلام لائے متعدد صحابہ رضی اللہ عنہم نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے اثر سے اسلام قبول کیا یمن کے لوگ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے ارشاد و ہدایت سے اسلام لائے حضرت طفیل رضی اللہ عنہ نے اپنے قبیلے کے بہت سے لوگوں کو مسلمان کیا قبیلہ ہمدان حضرت عامر بن شہر کے اثر سے اسلام لایا حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کا آدھا قبیلہ ان کے اثر سے مسلمان ہوا غرض احادیث و سیر میں اس قسم کے بکثرت واقعات مذکور ہیں اور اشاعت اسلام کے عنوان میں ان کی تفصیل آئے گی۔

معجزات کا اثر

ایک سفر میں صحابہ رضی اللہ عنہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیاس کی شکایت کی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو آدمیوں کو پانی کی تلاش میں بھیجا۔ یہ لوگ جستجو میں نکلے تو ایک ناقہ سوار عورت ملی جس کے ساتھ پانی کی دو مشکیں تھیں ان دونوں بزرگوں نے اس کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک برتن منگولیا اور اس میں دونوں مشکوں سے پانی ڈھال کر مشکوں کے دہانے بند کر دیے اور عام اعلان کے ذریعہ سے تمام صحابہ رضی اللہ عنہم آئے اور پانی پی کر سیراب ہوئے لیکن مشکوں کے پانی میں کوئی کمی نہیں ہوئی عورت نے یہ معجزہ دیکھا تو اپنے قبیلہ میں آکر بیان کیا کہ خدا کی قسم آسمان و زمین کے درمیان یہ شخص عجوبہ روزگار اور خدا کا سچا پیغمبر ہے۔^۲

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کر کے مدینہ تشریف لائے تو حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ حاضر خدمت ہوئے اور چند غیبی امور کے متعلق سوالات کیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے جوابات دیے تو انھوں نے فوراً اسلام قبول کر لیا۔^۳

۱: ابو داؤد کتاب الجہاد باب سجن بالامام فی العمود۔

۲: ترمذی ابواب الزہد ص ۳۰۹۔

۳: بخاری کتاب التیمم باب الصعید الطیب وضع المسلم بلفیہ من الماء۔

۴: بخاری باب ہجرہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم واصحابہ ابی المدینہ مع فتح الباری۔

فتح مکہ کا اثر

اگرچہ صحابہ کرام ؓ کی ایک بہت بڑی تعداد جن میں تمام اکابر صحابہ ؓ داخل ہیں متذکرہ بالا اسباب سے اسلام قبول کیا۔ تاہم ایک جماعت اسلام کے عام غلبہ کا انتظار کر رہی تھی۔ اس لئے جب مکہ فتح ہوا تو عام اہل عرب نے بطوع و رضا خود بخود اسلام قبول کر لیا صحیح بخاری میں ہے۔

و كانت العرب تلوم باسلامهم الفتح فتقولون اتركوه و قومہ فانه ان ظہر علیہم فہو نبی صادق فلما كانت وقعتہ اهل الفتح بادر كل قوم باسلامهم۔

تمام عرب اپنے اسلام کیلئے فتح مکہ کا منتظر تھا وہ کہتے تھے کہ محمد کو اپنی قوم سے نبی لینے دو اگر وہ ان پر غالب آگئے تو وہ سچے پیغمبر ہیں چنانچہ فتح مکہ کا واقعہ ہوا تو ہر قبیلہ کے لوگ نہایت سرعت کے ساتھ اسلام کی طرف دوڑے۔

قوت ایمان

طمع و ترغیب سے برگشتہ از اسلام نہ ہونا

ابتدائے اسلام میں صحابہ کرام ؓ اس قدر مفلوک الحال تھے کہ افلاس کی وجہ سے بعض مسلمان خاندانوں کے مرتد ہو جانے کا خطرہ تھا۔^۱ لیکن مخالفین اسلام یعنی یہود و کفار دولت و ثروت سے مالا مال تھے بالخصوص یہود کے پاس یہ ایک ایسا زریں آلہ تھا کہ جس کے ذریعہ سے وہ صحابہ ؓ کی روحانی طاقت پر زد لگا سکتے تھے اس افلاس پر صحابہ کرام ؓ کو صدقہ و زکوٰۃ بھی ادا کرنا پڑتا تھا اور بظاہر یہ ایک ایسا بار تھا جس کے سبکدوش ہونے کیلئے نہایت آسانی کے ساتھ اسلام سے برگشتہ ہونے کی ترغیب دی جاسکتی تھی چنانچہ جب محمد ابن مسلمہ ؓ نے کعب بن اشرف سے حیلہ گرانباری صدقہ کی شکایت کی اور اس غرض کیلئے اس سے قرض لینا چاہا تو اس موقع سے فائدہ اٹھا کر اس نے کہا تم محمد سے گھبرا اٹھو گے۔^۲ اس کے ساتھ صحابہ ؓ کو اور طرح طرح کی مصیبتوں میں مبتلا ہونا پڑتا تھا اور اس حالت میں ان سے نجات دلانے کا وعدہ ایک ضعیف الایمان دل کو ڈانواں ڈول کر سکتا تھا لیکن صحابہ کرام ؓ نے ان میں سے کسی چیز کے اثر کو قبول نہیں کیا بلکہ ان کی قوت ایمان نے یہودیوں کی مالی ترغیبات کو اس قدر بے اثر کر دیا کہ حضرت عیصہ ؓ جس یہودی تاجر سے مالی فائدہ اٹھاتے تھے جوش اسلام میں خود اسی کو قتل کر دیا جس پر ان کے بڑے بھائی نے جواب تک کافر تھے ان کو یہ طعنہ دیا کہ ”او خدا کے دشمن تیرے پیٹ کی کل چربی اسی کے مال سے پیدا ہوئی ہے۔“^۳ مصیبتوں سے نجات دلانے کی توقعات کو صحابہ کرام ؓ نے اس بے پروائی کے ساتھ ٹھکرا لیا کہ جب غزوہ تبوک میں شریک نہ ہونے کی وجہ سے رسول اللہ ﷺ حضرت کعب بن مالک ؓ سے ناراض ہو گئے اور آپ ﷺ کے حکم سے تمام صحابہ ؓ نے ان سے معاشرتی تعلقات منقطع کر لئے تو شاہ غسان نے ان کو لکھا کہ ”مجھے معلوم ہوا ہے کہ تمہارے آقا نے تم پر ظلم کیا ہے لیکن خدا تم کو ذلت اور کمپرسی کی زمین میں نہ رہنے دے گا اور ہم سے مل جاؤ ہم اپنے مال کے ذریعہ تمہاری غم خواری کریں گے لیکن انہوں نے اس خط کو خود

۱: سنن ابن ماجہ کتاب البیوع باب السلف فی کیل معلوم دوزن معلوم الی اجل معلوم۔

۲: بخاری کتاب المغازی باب قتل کعب بن اشرف۔

۳: ابوداؤد کتاب الخراج باب کیف کان اخراج الیہود من المدینہ۔

تنور میں ڈال دیا اور حسرت سے کہا انا اللہ اب کفار مجھ کو حریصانہ نگاہوں سے دیکھنے لگے۔^۱

انسان دوسروں کے مال و دولت سے بے نیاز ہو سکتا ہے لیکن خود اپنے ذاتی مال و جائیداد کو نہیں چھوڑ سکتا لیکن صحابہ کرام ؓ نے اپنے مال و جائیداد کو بھی اسلام پر قربان کر دیا اور ان میں کسی چیز کی محبت ان کو اسلام سے برگشتہ نہ کر سکی عاص بن وائل پر حضرت خباب ؓ کی اجرت باقی تھی لیکن جب انھوں نے اس کا تقاضا کیا تو ملعون نے کہا کہ جب تک محمد ﷺ کی نبوت سے انکار نہ کرو گے نہ دوں گا۔ لیکن انھوں نے کہا کہ یہ تو قیامت تک بھی نہ ہو گا۔^۲

صحابہ کرام ؓ نے ہجرت کی تو اپنے تمام مال و متاع کو خیر باد کہا اور وراثت سے جو مال ملتا اس سے اسلئے محروم ہو گئے کہ مسلمان کافر کا وارث نہیں ہو سکتا لیکن ان چیزوں میں ایک چیز بھی ان کے رشتہ ایمان کو ڈھیلانہ کر سکی ہجرت کرنے کے بعد بھی ابتلا و امتحان کے مختلف مواقع پیش آئے لیکن صحابہ کرام ؓ نے عارضی فوائد کیلئے اپنے عقائد کے اظہار میں کسی قسم کی مدہنت نہیں کی چنانچہ جب صحابہ کرام ؓ ہجرت کر کے حبش کو گئے تو نجاشی کے ظل عاطفت میں نہایت امن و سکون کی زندگی بسر کرنے لگے لیکن قریش کو یہ گوارا نہ ہوا اور انھوں نے دو ممتاز آدمیوں کو مکہ کے بہترین تحف و ہدیاء کے ساتھ روانہ کیا۔ کہ وہ نجاشی کو اس پر آمادہ کریں کہ وہ صحابہ ؓ کو مکہ میں واپس بھیج دے۔ قریش کی بڑی خواہش یہ تھی کہ نجاشی اور صحابہ ؓ کے درمیان کسی قسم کی گفتگو نہ ہونے پائے لیکن نجاشی نے اس کو منظور نہیں کیا اور کہا کہ جب تک میں اس معاملہ کے متعلق ان سے گفتگو نہ کر لوں گا ان کو واپس نہیں کر سکتا۔ اس غرض سے اس نے صحابہ ؓ کو طلب کیا اور صحابہ ؓ نے باہمی مشورہ سے یک زبان ہو کر کہا کہ نتیجہ جو کچھ بھی ہو لیکن ہم وہی بات کہیں گے جس کا ہم کو یقین ہے اور جس کا ہم کو رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا ہے چنانچہ اس قرار دلا کہ بموجب حضرت جعفر بن ابی طالب ؓ نے اسلام کی پاک تعلیمات کو نجاشی کے سامنے بیان کیا تو اس پر نہایت عمدہ اثر پڑا اور کفار کی تمام کوششیں ناکام رہیں اب انھوں نے نجاشی کو اشتعال دلانے کیلئے دوسری تدبیر اختیار کی اور کہا کہ اے بادشاہ یہ لوگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق ایک بڑی بات کہتے ہیں یعنی ان کو خدا کا بندہ سمجھتے ہیں خود ان کو بلا کر پوچھ لے صحابہ ؓ نے مشورہ کیا کہ اس سوال کا کیا جواب دیا جائے گا۔ سب نے کہا کہ ”جو کچھ بھی ہو ہم حضرت عیسیٰ کے بارے میں وہی کہیں گے جو خدا نے کہا ہے اور رسول اللہ ﷺ نے اس کی تعلیم دی ہے نجاشی ایک عیسائی بادشاہ تھا اور اسی وجہ سے ان دونوں آدمیوں نے اس سوال پر اس کو آمادہ کیا

۱: بخاری کتاب المغازی باب غزوہ تبوک مع فتح البدر۔

۲: بخاری کتاب المغازی باب غزوہ تبوک مع فتح البدر۔

تھا لیکن جب اس نے سوال کیا تو صحابہ ؓ نے صاف صاف کہا کہ وہ خدا کے بندے ہیں اس کے رسول ہیں اس کی روح ہیں اور اس کے کلمہ ہیں اب نجاشی نے زمین پر ہاتھ مار کر ایک تنکا اٹھایا اور کہا کہ اس کے سوا عیسیٰ بن مریم اس تنکے سے بھی زیادہ نہیں۔^۱

تحمل شدايد

ضعيف القلب انسان مصائب کے تصور سے بھی کانپ اٹھتا ہے لیکن صحابہ کرام ؓ نے اسلام کیلئے ہر قسم کی تکلیفیں برداشت کیں اور ان کے ایمان میں ذرہ برابر تزلزل واقع نہیں ہوا حضرت بلال ؓ کو کفار نے لوہے کی زرہ پہنا کر دھوپ میں ڈال دیا لڑکے ان کو مکہ کی پہاڑیوں میں گھسیٹتے پھرتے لیکن ان کی قوت ایمان میں کسی قسم کا ضعف^۲ نہیں پایا۔ حضرت خباب ؓ ام انمار کے غلام تھے وہ اسلام لائے تو ام انمار نے لوہا گرم کر کے ان کے سر پر رکھا ایک دن حضرت عمر ؓ نے ان کی پیٹھ دیکھی تو کہا کہ آج تک ایسی پیٹھ میری نظر سے نہیں گزری حضرت خباب ؓ نے جواب دیا کہ کفار نے انگاروں پر لٹا کر مجھ کو گھسیٹا تھا۔^۳ حضرت صہیب ؓ اور حضرت عمار ؓ کو کفار لوہے کی زرہ پہنا کر دھوپ میں چھوڑ دیتے تھے لیکن دھوپ کی شدت سے ان کی حرارت اسلام میں کوئی کمی واقع نہیں ہوتی تھی۔^۴ کفار حضرت ابو فکیہ ؓ کے پاؤں میں بیڑی ڈال کر دھوپ میں لٹا دیتے پھر پشت پر پتھر کی چٹان رکھ دیتے یہاں تک کہ وہ مختل الحواس ہو جاتے ایک دن امیہ نے انکے پاؤں میں رسی باندھی اور آدمیوں کو انکے گھسیٹنے کا حکم دیا اس کے بعد ان کو تپتی ہوئی زمین پر لٹا دیا۔ اتفاق سے راہ میں ایک گبریلا جا رہا تھا امیہ نے استہزا کہا تیرا پروردگار یہی تو نہیں۔ بولے میرا اور تیرا پروردگار اللہ تعالیٰ ہے اس پر اس نے زور سے ان کا گلا گھونٹا لیکن اسکے بے درد بھائی کو جو اس وقت اس کے ساتھ تھا اس پر بھی تسکین نہیں ہوئی اور اس نے کہا کہ اس کو اور فزیت دو۔^۵

حضرت سمیہ رضی اللہ عنہا حضرت عمار ؓ کی والدہ تھیں ایک دن کفار نے ان کو دھوپ میں لٹا دیا تھا۔ اسی حالت میں رسول اللہ ﷺ کا گزر ہوا تو فرمایا ”صبر کرو صبر تمہارا ٹھکانا جنت میں ہے۔“ لیکن ابو جہل کو اس پر بھی تسکین نہیں ہوئی اور اس نے بر چھی مار کر ان کو شہید کر دیا چنانچہ اسلام میں سب سے پہلے شرف شہادت ان ہی کو نصیب ہوا۔^۶ حضرت عمر ؓ کی بہن جب اسلام لائیں اور حضرت عمر ؓ کو معلوم ہوا تو اس قدر

۱: مسند ابن ضہب جلد ۱ ص ۲۰۲ - ۲: سنن ابن ماجہ ص ۱۳ فصل سلمان و ابی ذر و المقداد۔

۳: اسد الغابہ تذکرہ خباب بن ارت ؓ - ۴: اسد الغابہ تذکرہ صہیب ؓ۔

۵: اسد الغابہ تذکرہ ابو فکیہ ؓ سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ۔

۶: اسد الغابہ تذکرہ صہیب رضی اللہ عنہا۔

مارا کہ تمام بدن لہو لہان ہو گیا۔ لیکن انھوں نے صاف صاف کہہ دیا کہ جو کچھ کرنا ہو کر د میں تو اسلام لا چکی۔^۱

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ نے جب خانہ کعبہ میں اپنے اسلام کا اعلان کیا تو ان پر کفار ٹوٹ پڑے اور مارتے مارتے زمین پر لٹا دیا۔^۲

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے جب اول اول خانہ کعبہ میں قرآن مجید کی چند آیتیں با آواز بلند پڑھیں تو کفار نے ان کو اس قدر مارا چہرے پر نشان پڑ گئے لیکن انھوں نے صحابہ رضی اللہ عنہ سے کہا کہ ”اگر کہو تو کل پھر اسی طرح با آواز بلند قرآن کی تلاوت کر آؤں۔“^۳ ان لڑتیوں کے علاوہ کفار ان غریبوں کو اور بھی مختلف طریقوں سے ستاتے تھے پانی میں غوطے دیتے تھے مارتے تھے بھوکا پیاسا رکھتے تھے یہاں تک کہ ضعف سے بے چارے بیٹھ نہیں سکتے تھے۔^۴

یہ وہ لوگ تھے جن میں اکثر یا تو لونڈی غلام تھے یا غریب الوطن لیکن ان کے علاوہ بہت سے دولت مند اور معزز لوگ بھی کفار کے دستِ تپاول سے محفوظ نہ رہ سکے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نہایت معزز شخص تھے لیکن جب اسلام لائے تو خود ان کے چچا نے ان کو رسی میں باندھ دیا۔^۵

حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ جب اسلام لائے تو ان کا چچا ان کو چٹائی میں لپیٹ کر لٹکا دیتا تھا پھر نیچے سے ان کی ناک میں دھواں دیتا تھا۔^۶

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے چچا ابو بھائی سعید بن زید رضی اللہ عنہ اسلام لائے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو رسیوں میں باندھ دیا۔^۷

حضرت عیاش بن ابی ربیعہ رضی اللہ عنہ اور حضرت سلمہ بن ہشام رضی اللہ عنہ اسلام لائے تو کفار نے دونوں کے پاؤں کو ایک ساتھ باندھ دیا۔^۸

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ اسلام لائے تو ایک تقریر کے ذریعہ سے دعوتِ اسلام دی کفار نے یہ نامانوس آواز سنی تو ان پر دفعۃً ٹوٹ پڑے اور اس قدر مارا کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے قبیلہ

۱: ایضاً تذکرہ عمر رضی اللہ عنہ۔

۲: مسلم کتاب مناقب فضائل حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ۔

۳: اسد الغابہ تذکرہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ۔

۴: ایضاً تذکرہ عمار۔ ۵: طبقات ابن سعد ترجمہ عثمان بن عفان۔

۶: ریاض النضرہ المحب الطبری تذکرہ حضرت زبیر بن عوام۔

۷: بخاری کتاب الاکراہ باب من اختار الضرب والقتل والہوان علی الکفر۔

۸: طبقات ابن سعد تذکرہ ولید بن ولید۔

بنو تیم کو ان کی موت کا یقین آگیا اور وہ ان کو ایک کپڑے میں لپیٹ کر گھر لے گئے شام کے وقت ان کی زبان کھلی تو بجائے اس کے کہ اپنی تکلیف بیان کرتے رسول اللہ ﷺ کا حال پوچھنا اب خاندان کے لوگ بھی ان سے الگ ہو گئے لیکن ان کو اسی محبوب کے نام کی رٹ لگی رہی بالآخر لوگوں نے ان کو آپ ﷺ تک پہنچادیا آپ ﷺ نے یہ حالت دیکھی تو ان کے اوپر گر پڑے ان کا بوسہ لیا اور سخت رقت طبع کا اظہار فرمایا۔^۱

صبر و استقامت کی یہ بہترین مثالیں تھیں اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے زمانہ میں خود اہل کتاب تک ان کے معترف تھے چنانچہ استیعاب میں ہے کہ جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم شام میں گئے تو ایک اہل کتاب نے ان کو دیکھ کر کہا کہ عیسیٰ ابن مریم کے وہ اصحاب جو آروں سے چیرے اور سولی پر لٹکائے گئے ان سے زیادہ تکلیف برداشت کرنے والے نہ تھے۔^۲

قطع علائق

انسان مال و دولت سے بے نیاز ہو سکتا ہے اگر عزم و استقلال سے کام لے تو ابتلاء و امتحان پر بھی صبر کر سکتا ہے لیکن ماں باپ بھائی بہن اعزہ و اقارب اور اہل و عیال کے تعلقات کو منقطع نہیں کر سکتا یہی لوگ غربت و افلاس کی حالت میں اس کی دستگیری کرتے ہیں تکلیف و مصیبت میں تسکین دیتے ہیں عیش و عشرت میں لطف زندگی بڑھاتے ہیں غرض کسی حالت میں ان کے تعلقات کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا لیکن جو لوگ اپنا رشتہ صرف خدا سے جوڑتے ہیں ان کو کبھی کبھی یہ رشتہ بھی توڑنا پڑتا ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اسلام لائے تو حالات نے ان کو اس رشتے کے توڑنے پر مجبور کیا اور ایمان و اسلام کیلئے انھوں نے آسانی کے ساتھ اس کو گوارا کر لیا۔ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ اسلام لائے تو ان کی ماں نے قسم کھالی کہ جب تک وہ اسلام کو نہ چھوڑیں گے وہ ان سے نہ بات چیت کریں گی نہ کھانا کھائیں گی نہ پانی پئیں گی چنانچہ انھوں نے یہ قسم پوری کی یہاں تک کہ تیسرے دن کے فاقہ میں بے ہوش ہو گئیں۔^۳ لیکن حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ پر اس کا کچھ اثر نہ پڑا اور انھوں نے اپنی ماں سے صاف صاف کہہ دیا کہ اگر تمہارے قالب میں ہزار جانیں بھی ہوں اور ایک ایک کر کے ہر جان نکل جائے تب بھی میں اپنے اس دین کو نہ چھوڑوں گا۔^۴

۱: اسد الغابہ تذکرہ ام الخیر۔ ۲: استیعاب جلد ۱ ص ۶۔

۳: مسلم کتاب المناقب سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ

۴: اسد الغابہ تذکرہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ۔

حضرت خالد بن سعید رضی اللہ عنہ اسلام لائے تو ان کے باپ نے ان کو سخت سرزنش کی، کوڑے مارے، قید کیا، کھانا پینا بند کر دیا اور اپنے دوسرے لڑکوں کو ان سے بات چیت کرنے کی ممانعت کر دی۔ لیکن انھوں نے رسول اللہ ﷺ کی معیت نہ چھوڑی اور آخر کار حبش کی طرف ہجرت کر گئے۔ اب ان کے باپ کو اور بھی رنج ہوا اور کہا کہ مجھے ان صابیوں سے الگ ہو جانا پسند ہے لیکن یہ گوارا نہیں کہ اپنے باپ دادا اور معبودوں کے معائب سنوں، چنانچہ وہ طائف کے ایک مقام میں جہاں ان کی کچھ جائیداد تھی چلے گئے۔^۱

دین و ایمان کے معاملہ میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے صرف معاشرتی بے تعلقی کو گوارا نہیں کیا بلکہ ان کو اعزہ و اقارب کے رشتہ حیات کے منقطع کر دینے میں بھی تامل نہ ہوا ایک غزوہ میں عبداللہ بن سلول نے انصار کو مہاجرین کے خلاف اشتعال دلایا تو اس کے بیٹے عبداللہ نے کہا کہ یا رسول اللہ ﷺ اگر آپ ﷺ اجازت دیں تو میں اس کو قتل کر ڈالوں۔^۲

عتبہ غزوہ بدر میں شمشیر بکف میدان میں آیا تو مقابلے کیلئے انکے لخت جگر حضرت ابو حذیفہ رضی اللہ عنہ نکلے چنانچہ عتبہ کی بیٹی ہند نے اس پر ان کی ہجو میں یہ اشعار لکھے:

فما	شکرت	ابا	رباک	من	صفر
حتی	شیت	شبابا	غیر	محجون	
تو	نے	اس	باپ	کا	شکر
جس	نے	تجھے	لڑکپن	میں	پالا
			یہاں	تک	کہ
			تو	جوان	ہوا
الاحول	الاثعل	المشئوم	طائرہ		
ابو حذیفہ	شر الناس	فی	الدین		
اور	احوال	کج	دندان	بد بخت	

ابو حذیفہ رضی اللہ عنہ جو مذہبی حیثیت سے بدترین شخص ہے۔^۳

اسی غزوہ میں حضرت عبدالرحمن رضی اللہ عنہ (اس وقت وہ کافر تھے) صف جنگ سے نکلے تو ان کے والد بزرگوار حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے ان کا مقابلہ کیا۔^۴

اسیران بدر گرفتار ہو کر آئے اور رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ان کے متعلق مشورہ کیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ آپ ﷺ علی کو ان کے بھائی

۱: طبقات ابن سعد تذکرہ عمرو بن سعید و خالد بن سعید رضی اللہ عنہ۔

۲: استیعاب تذکرہ عبداللہ بن ابی سلول۔

۳: استیعاب تذکرہ ابو حذیفہ رضی اللہ عنہ۔

۴: ایضاً تذکرہ عبدالرحمن۔

عقیل کی گردن مارنے کا حکم دیجئے اور مجھ کو میرے ایک عزیز کو حوالہ کیجئے کہ میں اس کی گردن اڑا دوں۔ لیبود بنو قریظہ قبیلہ اوس کے حلیف تھے۔^۱ اور عرب میں حلیفوں میں بالکل برابرانہ تعلقات پیدا ہو جاتے تھے لیکن جب رسول اللہ ﷺ نے ان کا فیصلہ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ پر رکھ دیا جو قبیلہ اوس کے سردار تھے تو انھوں نے اس تعلق کی کچھ پروا نہ کی اور بے لاگ فیصلہ کر دیا کہ لڑنے والے قتل کر دیئے جائیں عورتوں اور بچوں کو لوٹ ڈی غلام بنالیا جائے اور ان کا مال و اسباب مسلمانوں پر تقسیم کر دیا جائے۔^۲

صلح حدیبیہ کے بعد جب یہ آیت نازل ہوئی:

وَلَا تُمْسِكُوا بِعِصَمِ الْكُوفَرِ
کافرہ عورتوں کو نکاح میں نہ رکھو

اور اس کے ذریعہ سے صحابہ رضی اللہ عنہم کو حکم دیا گیا کہ مکہ میں ان کی جو کافرہ عورتیں ہیں ان کو چھوڑ دیں۔^۳ تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسی وقت اپنی دو کافرہ بیویوں کو طلاق دے دی بہت سی صحابیات رضی اللہ عنہن اپنے اپنے شوہروں کو چھوڑ کر ہجرت کر آئیں اور ان میں سے ایک بھی اپنے دین سے برگشتہ نہ ہوئی۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

مَا نَعْلَمُ أَنَّ أَحَدًا مِنَ الْمُهَاجِرَاتِ ارْتَدَّتْ بَعْدَ إِيْمَانِهَا^۴

ہم کو کسی ایسی مہاجرہ عورت کا حال معلوم نہیں جو ایمان لا کر پھر مرتد ہوئی ہو۔ اعزہ و اقارب کے علاوہ قبائل کی بیچتی بھی عرب کی سب سے بڑی طاقت تھی لیکن بعض صحابہ رضی اللہ عنہم نے اسلام کیلئے قبیلہ کے تعلق کو بھی منقطع کر دیا حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ اسلام لائے تو اپنے قبیلہ سے تمام تعلقات منقطع کر لئے اور کہا کہ مجھ پر تمہارے مردوں اور عورتوں سے بات چیت کرنا حرام ہے۔^۵ لیکن ان تمام واقعات سے یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ اسلام نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں قساوت اور سنگ دلی پیدا کر دی تھی اور اسی سنگ دلی کی وجہ سے انھوں نے تمام اعزہ و اقارب سے تعلقات منقطع کر لئے تھے بلکہ اس کے برعکس اسلام نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے جذبہ محبت کو اور بھی زیادہ مشتعل کر دیا تھا اسلئے جب وہ اپنے اعزہ و

۱: مسلم کتاب الجہاد باب الاموال فی المکۃ فی غزوہ بدر اباحتہ الغنائم۔

۲: اسد الغابہ تذکرہ سعد بن معاذ و طبقات ابن سعد ذکر غزوہ بنو قریظہ۔

۳: بخاری کتاب المغازی ذکر غزوہ بنو قریظہ۔

۴: بخاری کتاب التفسیر سورہ ممتحنہ۔

۵: بخاری کتاب الشروط ذکر صلح حدیبیہ۔

۶: اسد الغابہ تذکرہ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ۔ متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

اقارب بالخصوص اپنی اولاد اور اپنی شریک زندگی بی بی کو دیکھتے تھے کہ وہ کفر کی بدولت جہنم کا ایندھن بن رہے ہیں تو فطری محبت کی بنا پر ان کا دل جلتا تھا اور وہ سخت اضطراب کی حالت میں خدا سے دعا کرتے تھے کہ:

ربنا هب لنا من ازواجنا وذرياتنا قره اعين وجعلنا للمتقين اماما۔

اے ہمارے پروردگار ہم کو ہماری بیویوں کی طرف سے اور ہماری اولاد کی طرف سے آنکھوں کی ٹھنڈک عنایت فرما اور ہم کو پرہیزگاروں کا پیشوا بنا۔

یعنی ہماری ہی طرح ہماری بیویوں اور بچوں کو بھی ایمان و اسلام کی دولت عطا کر اور وہ اس معاملہ میں ہماری پیروی کریں تاکہ ان کو دیکھ کر ہماری آنکھیں ٹھنڈی ہوں اور ہم پرہیزگاروں کے پیشوا بن سکیں۔^۱

ہجرت

صحابہ کرام ؓ نے اسلام کیلئے جو مصائب برداشت کئے ان میں ہجرت کی داستان نہایت در داغیز ہے خود حدیث شریف میں آیا ہے۔

ان الهجره شانها شلیل۔ ہجرت کا معاملہ نہایت سخت ہے۔

یہی وجہ ہے کہ جو لوگ ہمیشہ مصائب برداشت کرنے کے خوگر تھے وہ بھی اس مصیبت کو برداشت نہ کر سکے چنانچہ ایک بدو مدینہ میں ہجرت کر کے آیا اور رسول اللہ ﷺ کے دست مبارک پر بیعت کی سوء اتفاق سے اسلام لانے کے بعد اس کو بخار آگیا اس لئے اس نے اصرار کے ساتھ بیعت فتح کر لی اس موقع پر آپ ﷺ نے فرمایا:

انما المدينة کالكبر تنفی حبشها وتنضع طينها۔^۲

مدینہ سنار کی بھٹی کے مثل ہے جو میل کچیل کو باہر پھینک دیتی ہے اور خالص سونے کو الگ کر دیتی ہے۔

یہ زر خالص صحابہ کرام ؓ ہی تھے، جو مدتوں مدینہ میں بغل در آتش رہے لیکن اسلام کیلئے ان تمام سختیوں کو گوارا کر لیا۔ چنانچہ صحابہ کرام ؓ ہجرت کر کے آئے تو مدینہ کی آب و ہوا اس نہ آئی اور متعدد بزرگ بخار میں مبتلا ہو گئے اس حالت میں حضرت ابو بکر ؓ یہ شعر پڑھتے تھے:

كل امری مصبح فی اہله والموت ادنی من شراك نعله

۱: تفسیر ابن کثیر جلد ۷ ص ۱۵۹۔

۲: بخاری باب ہجرۃ النبی ﷺ و صحابہ الی المدینہ۔

۳: بخاری کتاب الاحکام باب من یمنع ثم استقال البیت مع فتح الباری۔

حضرت بلال ؓ مکہ کی وادیوں چشموں اور پہاڑیوں کو یاد کر کے چیخ اٹھتے تھے اور اپنے رنج و غم کا اظہار ان حسرت ناک اشعار میں کرتے تھے:

الا لیت شعری هل ایتن لیلة
کاش میں ایک دلت اس میدان میں بسر کرتا
بواد و حولی اذخر و حلیل
جس میں میرے گرد و خرو جلیل ہوتے
مکہ کی دو قسم کی گھاسوں کا نام ہے۔

و هل اردن یوما مباء محنه
کیا میں پھر کسی دن کوہ نجد کے چشموں
و هل یبدون لی شامة و طفیل^۱
کیا میرے سامنے پھر شامہ و طفیل
سے سیراب ہوں گا۔
(دوپہاڑیاں) ہوں گی۔

حضرت عامر ؓ کی زبان پر یہ شعر تھا:

انی وجدت الموت قبل ذوقه
مجھے موت سے پہلے ہی موت آگئی
ان الحبان حتفه من فوقه^۲
نامردوں کی موت اوپر سے آتی ہے
ایک صحابی ہجرت کر کے آئے تو بیمار ہو گئے حالت مرض میں رسول اللہ ﷺ نے حال
پوچھا بولے بیمار ہوں اگر بطحان کا پانی پی لیتا تو اچھا ہو جاتا فرمایا تو کون روکتا ہے۔ بولے ہجرت
ارشاد ہوا جاؤ تم ہر جگہ مہاجر ہی رہو گے۔^۳

سخت سے سخت رکاوٹیں بھی صحابہ کرام ؓ کو ہجرت سے باز نہیں رکھ سکتی تھیں کفار
نے حضرت ابو جندل ؓ کے پاؤں میں بیڑیاں ڈال دی تھیں لیکن حدیبیہ کا معاہدہ صلح
ہو رہا تھا کہ وہ بیڑیاں پہنے ہوئے پہنچے اور اپنے آپ کو مسلمانوں کے سامنے ڈال دیا اگرچہ معاہدہ
میں یہ شرط تھی کہ جو مسلمان مدینہ جائے گا وہ واپس کر دیا جائے گا تاہم چونکہ معاہدہ اب تک
کامل نہیں ہوا تھا اس لئے رسول اللہ ﷺ کو بھی ان کی حالت پر رحم آیا اور فرمایا کہ اب تک
ہم نے مصالحت نہیں کی ہے لیکن ابو جہل نے کہا کہ سب سے پہلے ان ہی کو واپس کرنا ہو گا
مصلحت آپ ﷺ نے ان کو واپس کرنا چاہا تو انھوں نے کہا ”مسلمانو! کیا میں مشرکین کی طرف
پھر واپس کر دیا جاؤں گا۔ حالانکہ مسلمان ہو کر آیا ہوں کیا تم میری مصیبتوں کو نہیں دیکھتے“
اس وقت اگرچہ وہ واپس کر دیے گئے تاہم دوبارہ بھاگ کر آئے اور حضرت ابو بصیر ؓ نے
سمندر کے ساحل پر اس قسم کے مہاجرین کی جو جماعت قائم کر لی تھی اس میں شامل ہو گئے۔^۴
حضرت صہیب ؓ نے ہجرت کرنا چاہی تو کفار نے سخت مزاحمت کی اور کہا کہ تم مکہ
میں محتاج آئے تھے لیکن یہاں آکر دولت مند ہو گئے اب یہ مال لے کر کہاں جاتے ہو۔

۱: بخاری کتاب الحج فضائل مدینہ۔

۲: مسند جلد ۶ ص ۵۔

۳: اسد الغابہ تذکرہ سعد بن اسید ؓ۔

۴: بخاری کتاب الشروط ذکر صلح حدیبیہ۔

انھوں نے کہا اگر میں سب مال تم کو دے دوں تو مجھے جانے دو گے۔ کفار راضی ہو گئے اور انھوں نے تمام مال ان کو دے دیا۔^۱

ان تمام تکلیفوں اور مزاحمتوں میں صحابہ رضی اللہ عنہم کیلئے صرف یہ خیال مسرت خیز تھا کہ انھوں نے کفر کے گہوارہ سے باہر قدم نکالا اور اسلام کے دائرہ میں آ گئے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے ہجرت کی تو گو طول سفر سے اکتا گئے۔ تاہم یہ شعر زبان پر تھا۔

یا لیلۃ من طولھا و عنائھا علی انھا من دارہ الکفر نجت^۲
کتنی لمبی اور تکلیف دہ یہ رات ہے تاہم یہ بات تسکین بخش ہے کہ اس نے دار الفکر سے نجات دلائی

فتح مکہ کے بعد اگرچہ تمام عرب میں امن و امان قائم ہو گیا تھا اور ہر شخص آزادی سے فرائض اسلام بجالا سکتا تھا تاہم بعض مسلمانوں کے دلوں میں اب بھی ہجرت کا شوق باقی تھا چنانچہ چند لوگ یمن سے ہجرت کر کے مدینہ کو چلے جو فہ تک پہنچے تو راستہ میں معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہو چکا۔^۳

لوگ سمجھتے ہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے صرف جان و مال کی حفاظت کیلئے ہجرت کی تھی لیکن درحقیقت یہ خیال صحیح نہیں بلکہ ہجرت کا اصلی مقصد یہ تھا کہ دین کی حفاظت ہو اور ہر شخص آزادی کے ساتھ اپنے خدا کی عبادت کر سکے چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ہر مسلمان اپنے دین کو لے کر خدا اور خدا کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف بھاگ آتا تھا تاکہ دینی فتنہ میں نہ مبتلا ہو۔^۴ لیکن یہ ذوق اس قدر ترقی کر گیا کہ جس سر زمین میں برائی نظر آتی تھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس کو چھوڑ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دامن میں پناہ لیتے تھے تاکہ ان کے گناہوں کا کفارہ ہو چنانچہ ایک بار حضرت لبابہ بن الممذر رضی اللہ عنہ سے ایک گناہ سرزد ہو گیا اور ان پر اس قدر اثر پڑا کہ جب ان کی توبہ مقبول ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کی یا رسول اللہ! میں چاہتا ہوں کہ جس سر زمین میں میں نے گناہ کیا ہے چھوڑ دوں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آ رہوں اور اپنا کل مال اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو صدقہ میں دے دوں۔^۵

اسلامی اوج حکومت کے زمانہ شباب میں بھی جب کہیں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بدی کا

۱: طبقات ابن سعد تذکرہ حضرت صہیب رضی اللہ عنہ۔

۲: بخاری کتاب الحقائق۔

۳: بخاری کتاب المغازی ذکر وفات النبی صلی اللہ علیہ وسلم، بحث اسامہ۔ ف ابو جہل بدر مقتول بلکہ سہل ہو سکتے ہیں۔

۴: بخاری باب ہجرہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم و اصحابہ رضی اللہ عنہم۔

۵: موطا امام مالک کتاب الایمان و النذور باب جامع الایمان۔

احساس ہوتا تو فوراً اس مقام کو چھوڑ کر مدینہ کا رخ کرتے تھے۔

ایک بار غزوہ روم میں حضرت عبادہ بن صامت انصاری ؓ نے دیکھا کہ لوگ شونے کے ٹکڑے اشرفیوں سے اور چاندی کے ٹکڑے درہموں سے بچ رہے ہیں فرمایا لوگو تم سود کھا رہے ہو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ سونے کو سونے کے برابر خریدو اس پر نہ زیادتی ہے نہ ادھار اس پر حضرت معاویہ ؓ نے کہا میرے نزدیک صرف ادھار کی صورت میں سود ہے بولے میں حدیث بیان کرتا ہوں اور تم اپنی رائے ظاہر کرتے ہو اگر خدا نے توفیق دی تو جس سرزمین میں مجھ پر تمہاری حکومت ہے اس میں قیام نہ کروں گا چنانچہ پلٹے تو سیدھے مدینہ چلے آئے۔^۱

ثواب آخرت کی تمنائے دارالہجرت یعنی مدینہ کو صحابہ کرام ؓ کی نگاہوں میں اس قدر محبوب بنا دیا تھا کہ حضرت عثمان ؓ محصور ہوئے تو بعض لوگوں نے مشورہ دیا کہ شام کو نکل چلیں وہاں امیر معاویہ ؓ کی حمایت حاصل ہوگی، بولے میں دارالہجرت اور مجاورت رسول کا فراق ہر گز گوارا نہ کروں گا۔^۲

جب حضرت سعد بن ابی وقاص ؓ مکہ میں سخت بیمار ہو کر اپنی زندگی سے مایوس ہو گئے تو انکو صرف یہ افسوس ہوا کہ وہ دارالہجرت سے دور ایسی سرزمین میں مر رہے ہیں جس سے انھوں نے ہجرت کر لی ہے۔^۳ حضرت عبداللہ بن عمر ؓ یہ دعا کرتے تھے کہ خداوند مکہ میں مجھے موت نہ آئے مکہ میں انکا انتقال ہونے لگا تو اپنے بیٹے سالم کو وصیت کی کہ مرنے کے بعد میری لاش حدود حرم سے باہر دفن کی جائے کیونکہ مجھے یہ پسند نہیں کہ وہیں سے ہجرت کی اور وہیں دفن ہوں۔^۴ حضرت عبدالرحمن بن عوف ؓ مکہ میں آتے تھے تو اپنے زمیہ جاہلیت کے قدیم مکان میں جس سے وہ ہجرت کر چکے تھے اترنا نہیں پسند کرتے تھے۔^۵

۱: سنن ابن ماجہ باب تعظیم حدیث رسول اللہ ﷺ والتغلیظ علی من عارضہ۔

۲: مسند ابن حبیل جلد ۱ ص ۶۷ مسند عثمان ابن عفان ؓ۔

۳: مسلم کتاب الوصایا باب الوصیۃ بالثلث لا تجاوز

۴: طبقات ابن سعد تذکرہ حضرت عبداللہ بن عمر ؓ۔

۵: طبقات ابن سعد تذکرہ حضرت عبدالرحمن بن عوف ؓ۔

عقائد

توحید

صحابہ کرام ؓ نے اگرچہ اپنی زندگی میں بہت سے نیک کام کئے تھے، لیکن ان سب میں کلمہ توحید کو اس الاعمال سمجھتے تھے، حضرت عمرو بن العاص ؓ کی وفات کا وقت قریب آیا تو رونے لگے۔ ان کے بیٹے حضرت عبداللہ ؓ نے پوچھا کہ آپ ؓ کیوں روتے ہیں۔ کیا موت کے ڈر سے۔ بولے خدا کی قسم نہیں، صرف واقعات مابعد الممات کا خوف ہے، انہوں نے تسکین دی اور کہا، آپ ؓ عمر بھر نیک کام کرتے رہے، آپ ؓ نے رسول اللہ ﷺ کا فیض محبت پلایا، اور آپ ؓ نے معرو شام میں فتوحات کیں” بولے ”تم نے ان سب سے بہتر چیز یعنی شہادت لا الہ الا اللہ کو تو چھوڑ ہی دیا۔“

کفار حضرت بلال ؓ کو کس قدر قویت دیتے تھے، لیکن ان کی زبان سے صرف احد احد نکلتا تھا، حضرت ابو فکیہ ؓ بھی اسی مصیبت میں مبتلا تھے، لیکن اس حالت میں بھی جب ان کے امیہ نے ایک گبریلے کی طرف اشارہ کر کے حقارت آمیز لہجہ میں کہا کہ ”تمہارا پروردگار یہی تو نہیں“ تو بولے کہ ”میرا اور تیرا دونوں کا پروردگار صرف اللہ تعالیٰ ہے۔“

حضرت ام شریک رضی اللہ عنہا ایمان لائیں تو ان کے اعزہ واقارب نے ان کو دھوپ میں کھڑا کر دیا اور اس حالت میں رولی کے ساتھ شہد جیسی گرم چیز کھلاتے تھے اور پانی تک نہیں پلاتے تھے، جب اس طرح تین دن گزر گئے تو ظالموں نے کہا کہ ”جس مذہب پر تم ہو اس کو چھوڑ دو“ وہ اس قدر بدحواس ہو گئی تھیں کہ ان جملوں کا مطلب ہی نہ سمجھ سکیں، اب ان لوگوں نے آسمان کی طرف انگلی اٹھا کر بتلایا تو سمجھیں کہ توحید کا انکار مقصود ہے، بولیں ”خدا کی قسم میں تو اسی عقیدہ پر قائم ہوں۔“

تنزہ عن الشک

لیکن توحید کی تکمیل کیلئے صرف اسی قدر کافی نہ تھا بلکہ اہل عرب میں جو مشرکانہ خیالات

۱: اسد الغابہ تذکرہ حضرت عمرو بن العاص ؓ۔

۲: سنن ابن ماجہ ص ۱۴۱ فضل سلمان و بلی ذر المقداد ؓ۔

۳: طبقات ابن سعد تذکرہ ام شریک رضی اللہ عنہا اصحاب میں یہ واقعہ کسی قدر اختلاف کے ساتھ مذکور ہے۔

پھیلے ہوئے تھے ان کا انکار بھی توحید کا ایک جزو تھا، اس لئے صحابہ کرام ؓ اسلام لانے کے ساتھ ہی اس گورکھ دھندے سے بھی گئے، مثلاً عرب کا خیال تھا کہ جو بتوں کی برائیاں بیان کرتے ہیں انکو برص یا جذام یا جنون ہو جاتا ہے، لیکن حضرت ضمام ابن ثعلبہ ؓ جب رسول اللہ ﷺ خدمت بابرکت سے اسلام کے نشہ میں چور ہو کر واپس گئے اور اپنی قوم کے سامنے لات و عزیٰ کو برا بھلا کہنا شروع کیا تو اس خیال کی بناء پر سب نے کہا کہ ضمام برص، جذام اور جنون سے ڈرو "بولے" خدا کی قسم یہ دونوں بت کچھ بھی نفع و نقصان نہیں پہنچا سکتے۔^۱

حضرت زبیر رضی اللہ عنہا اسلام لانے کے بعد اندھی ہو گئیں، تو کفار نے کہنا شروع کیا کہ لات و عزیٰ نے ان کو اندھا کر دیا ہے، بولیں کہ "لات و عزیٰ کو پوجنے والوں کو کیا خبر۔ یہ مصیبت تو آسمان سے آئی ہے۔"^۲

زمانہ جاہلیت میں جھاڑ پھونک کا عام رواج تھا، لیکن چونکہ اس میں عموماً شرک کی آمیزش پائی جاتی تھی، اس لئے وہ ایک مشتبہ چیز تھی، لیکن ایک سفر میں اتفاق سے چند صحابہ ؓ عرب کے ایک قبیلے کے یہاں اترے اور ان لوگوں نے ان کے مذہبی تقدس کی بنا پر درخواست کی کہ ہمارے رئیس کو بچھونے ڈنک مار دیا ہے کیا آپ لوگ اس کو کچھ فائدہ پہنچا سکتے ہیں۔ ان میں ایک بزرگ رئیس کے پاس آئے اور سورہ فاتحہ پڑھ کر دم کیا، تو وہ بھلا چنگا ہو گیا، ان لوگوں نے صحابہ ؓ کو اس کا معاوضہ دیا، جس کو ان لوگوں نے تقسیم کرنا چاہا، لیکن جن بزرگ نے سورہ فاتحہ کا دم کیا تھا اس سے اختلاف کیا، اور کہا کہ اس کے متعلق چل کر رسول اللہ ﷺ سے مشورہ کر لینا چاہیے، چنانچہ آپ ﷺ کی خدمت میں آکر واقعہ بیان کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا "تم کو یہ کیونکر معلوم ہوا کہ یہ جھاڑ پھونک ہے۔ معاوضہ تقسیم کر لو، اور میرا بھی ایک حصہ لگاؤ۔"^۳

زمانہ جاہلیت میں تعویذ گنڈے کا عام رواج تھا لیکن ایک دن حضرت عبداللہ بن عمر ؓ نے دیکھا کہ بی بی نے گلے میں گنڈا ڈال رکھا ہے، توڑ کے پھینک دیا، اور کہا آل عبداللہ شرک سے بے نیاز ہیں، رسول اللہ ﷺ نے منع فرمایا ہے کہ تعویذ گنڈا شرک ہے،^۴ عرب کے لوگ بچوں کے بچھونے کے نیچے استرا رکھ دیتے تھے اور سمجھتے تھے کہ اس طرح بچے آسیب سے محفوظ رہتے ہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ایک بار کسی بچے

۱: مسند دارمی کتاب الصلوٰۃ باب فرض الوضوء والصلوٰۃ۔

۲: اسد الغابہ تذکرہ حضرت زبیرہ رضی اللہ عنہا۔

۳: ابوداؤد کتاب الطب باب کیف البرئ۔

۴: سنن ابن ماجہ کتاب الطب باب تطیق التمام۔

کے سرہانے استرا دیکھا تو منع فرمایا، اور کہا کہ ”رسول اللہ ﷺ ٹوٹنے کو سخت ناپسند فرماتے تھے۔“^۱

بت شکنی

عرب میں شرک کا اصلی مظہر بت تھے، اس لئے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اسلام لائے تو سب سے پہلے راہ توحید سے اسی سنگ گراں کو دور کیا، عرب میں دستور تھا، کہ سرداران قبائل خاص طور پر اپنے لئے بت بناتے تھے، اور ان کو گھروں میں رکھتے تھے اس طریقہ کے مطابق قبیلہ بنو سلمہ کے سردار عمرو بن الجموح نے ایک لکڑی کا بت بنوا کر گھر میں رکھا تھا، نوجوانان بنو سلمہ یعنی حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ اور حضرت معاذ بن عمر رضی اللہ عنہ وغیرہ اسلام لائے تو، رات کو خفیہ طور پر آتے تھے اور اس بت کو اٹھا کر ایک گڑھے میں جس کے اندر کوڑا کرکٹ پھینکا جاتا تھا، پھینک آتے تھے، عمرو بن الجموح صبح کو اٹھتا تو بت کو وہاں سے ڈھونڈ کے اٹھا لاتا اور پاک صاف کر کے گھر میں رکھ دیتا اور کہتا کہ ”اے بت جس نے تیرے ساتھ یہ بد سلوکی کی ہے، اگر میں اس کو پا جاتا تو اس کی بڑی فضیحت کرتا“ دوسرے دن یہ پر جوش نوجوان بت کے ساتھ پھر یہی سلوک کرتے، اسی طرح جب یہ واقعہ پے در پے ہوا تو عمرو بن الجموح نے بت کے گلے میں ایک تلوار لٹکادی اور کہا کہ ”اگر تجھ میں کچھ بھلائی ہے تو خود اپنی حفاظت کر“ رات کو یہ نوجوان حسب معمول پھر آئے اور بت کو مردہ کتے کے ساتھ رسی میں باندھ کر گڑھے میں ڈال دیا، عمرو بن الجموح نے بت کو اس حالت میں پایا تو خود بخود مسلمان ہو گیا۔^۲

قبیلہ سعد کا ایک بت تھا جس کا نام قراض تھا، حضرت ذباب بن حارث اسلام لائے تو اس کو چکنا چور کر دیا، اور اس کے متعلق یہ اشعار کہے۔

تبع رسول اللہ اذ جاء بالهدى و خلقت قراضا بدار هوان
جب رسول اللہ ﷺ ہدایت لائے تو میں نے آپ ﷺ کا اتباع کیا، اور قراض کو ذلیل ترین مقام میں چھوڑ دیا۔

شدت علیہ شدتہ فکسرته کان لم یکن والد هرذو حد ثان^۳
میں نے اس پر حملہ کیا، اور اس کو اس طرح چور چور کر دیا، کہ گویا اس کا وجود ہی نہ تھا۔
حضرت ہند بن عتبہ رضی اللہ عنہا جب ایمان لائیں تو گھر میں جو بت نصب تھا اس کو

۱: اب المفرد باب الطیرۃ من الجن ص ۸۰۔

۲: یہ تفصیل ابن ہشام جلد ۸ ص ۲۳۸ میں ہے، اسد الغابہ تذکرہ معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ میں اجمالاً صرف اس قدر مذکور ہے۔

۳: اسد الغابہ تذکرہ ذباب رضی اللہ عنہا۔

توڑ پھوڑ ڈالا اور کہا کہ ”ہم تیری نسبت بڑے دھوکے میں مبتلا تھے۔“^۱

حضرت ابو طلحہ ؓ نے جب حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا سے نکاح کی خواہش کی، تو انہوں نے کہا ”ابو طلحہ کیا یہ خبر نہیں کہ جس خدا کو تم پوجتے ہو وہ زمین سے اگا ہے“ بولے ”مجھے معلوم ہے“ بولیں تو کیا تمہیں ایک درخت کی عبادت سے شرم نہیں آتی۔ چنانچہ جب تک انہوں نے بت پرستی سے توبہ کر کے کلمہ توحید نہیں پڑھا، انہوں نے ان سے نکاح کرنا پسند نہیں کیا۔

ایمان بالرسالہ

رسول اللہ ﷺ کی نبوت کا اعتقاد صحابہ کرام ؓ کے لوح دل پر کا نقش فی الجبر ہو گیا تھا، اس لئے وہ کسی حالت میں اس کو مٹنے نہیں دیتے تھے، غزوہ حدیبیہ میں جب حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے مصالحت نامہ لکھا تو کفار نے اصرار کیا اس پر رسول اللہ ﷺ، کا لفظ نہ لکھا جائے، رسول اللہ ﷺ نے یہ شرط منظور کر لی اور حضرت علی ؓ کو حکم دیا کہ اس فقرے کو مٹا دیں، صحابہ کرام ؓ اگرچہ کبھی آپ ﷺ کی نافرمانی نہیں کرتے تھے، تاہم اس موقع پر انہوں نے صاف کہہ دیا کہ ”میں اس کو نہیں مٹا سکتا“ بلا آخر آپ ﷺ نے خود دست مبارک سے اس کو مٹا دیا۔^۲

ایمان کا درجہ کمال یہ ہے کہ پیغمبر ﷺ کے اقوال پر اس وثوق کے ساتھ ایمان لایا جائے کہ محال ممکن، مستقبل حال اور غائب حاضر بن جائے، صحابہ کرام ؓ رسول اللہ ﷺ کی ہر بات پر اسی شدت کے ساتھ ایمان لائے تھے اور اسی درجہ کمال نے حضرت ابو بکر ؓ کو ”صدیق ؓ“ کا خطاب دیا تھا، ایک بار آپ ﷺ نے فرمایا کہ بکری کے ایک گلے پر بھیڑیے نے حملہ کیا اور ایک بکری اٹھالے چلا چڑھا ہے اس کو بلایا، تو بھیڑیے نے جواب دیا کہ یوم السبع میں بکری کا نگران کون ہوگا، جب کہ میرے سوا ان کا کوئی چرواہا نہ ہوگا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ایک شخص بیل پر بوجھ لادے ہوئے جا رہا تھا، بیل نے مڑ کر کہا میں اس کیلئے نہیں بنایا گیا میں صرف کھیتی باڑی کیلئے پیدا ہوا ہوں، بہت سے صحابہ ؓ نے اس کو استعجاب سے سنا اور کہا ”سبحان اللہ“ لیکن آپ ﷺ نے فرمایا ”ہم، ابو بکر، اور عمر بن الخطاب اس پر ایمان لائے ہیں۔“^۳

- ۱: اصباہ تذکرہ ہند بن عتبہ رضی اللہ عنہا۔
- ۲: اصباہ تذکرہ حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا۔
- ۳: مسلم کتاب الجہاد باب من الجہاد فی اللہ یموت۔
- ۴: بخاری کتاب المناقب فضائل ابو بکر ؓ۔

ایک بار حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ نے یہ حدیث بیان کی، کہ ”اہل و عیال کے رونے سے مردے پر عذاب ہوتا ہے“ اس پر ایک شخص نے اعتراض کیا کہ ”اگر ایک آدمی خراساں میں مر جائے اور اہل و عیال یہاں پر ماتم کریں تو کیا آپ ﷺ کے خیال میں اس پر خراساں میں عذاب ہوگا۔ بولے ”رسول اللہ ﷺ نے جو فرمایا وہ سچ ہے اور تو جھوٹ بکتا ہے۔“^۱

ایک بار رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ”آئندہ زمانے میں تمہاری مختلف جماعتیں قائم ہو جائیں گی کوئی جماعت شام میں رہے گی، کوئی یمن میں اقامت پذیر ہوگی، اور کوئی عراق میں سکونت اختیار کرے گی، اس پیشین گوئی پر حضرت ابن حوالہ رضی اللہ عنہ اس وثوق کے ساتھ ایمان لائے کہ آپ ﷺ سے درخواست کی کہ، مبادا میں بھی اس زمانہ تک زندہ رہوں، اس لئے آپ ﷺ خود میری اقامت گاہ متعین فرما دیجئے۔“^۲

ایک بار آپ ﷺ نے کسی بدو سے گھوڑا خریدا، اور قیمت لہا کر کے اس کو ساتھ لے چلے لیکن آپ ﷺ تیزی سے آگے بڑھ گئے، اور بدو پیچھے رہ گیا، لیکن جن لوگوں کو معلوم نہ تھا کہ آپ ﷺ نے اس کو خریدا لیا ہے، وہ بدو سے بھلا تاؤ کرنے لگے، خریداروں کو دیکھ کر بدو نے آپ ﷺ کو پکار کر کہا، لینا ہو تو لیجئے، ورنہ میں گھوڑے کو فروخت کر ڈالتا ہوں ”آپ ﷺ نے فرمایا کہ ”تم نے تو اس کو میرے ہاتھ فروخت کر دیا ہے، بولا نہیں، اگر گولہ ہو تو لایے“ حضرت خزیمہ ابن ثابت رضی اللہ عنہ اگرچہ بیچ کے موقع پر موجود نہ تھے تاہم کہا کہ ”میں شہادت دیتا ہوں کہ تم نے آپ ﷺ کے ہاتھ گھوڑا فروخت کر دیا ہے۔“ ارشاد ہوا ”تم نے کیوں کر شہادت دی۔“ بولے ”آپ ﷺ کی تصدیق کی بنا پر۔“ اس موقع پر ان کو یہ شرف حاصل ہوا کہ آپ ﷺ نے ان کی شہادت کو دو شہادتوں کے برابر قرار دیا۔^۳

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے عہد میں بچہ بچہ یہ راسخ عقیدہ رکھتا تھا کہ رسول اللہ ﷺ کی زبان مبارک سے جو لفظ نکل جائے گا، اس کے خلاف نہ ہوگا، ایک بار آپ ﷺ نے ایک لڑکی کو بددعا دی کہ ”تیرا سن زیادہ نہ ہو“ وہ روتی ہوئی حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا کے پاس آئی اور کہا کہ ”آپ ﷺ نے مجھ کو یہ بددعا دی ہے، اب میرا سن ترقی نہ کرے گا۔“ وہ فوراً حاضر خدمت ہوئیں اور کہا کہ ”آپ ﷺ نے میری تہمہ کو بددعا دی“ آپ ﷺ ہنس پڑے اور فرمایا، ”میں بھی آدمی ہوں اور آدمیوں کی طرح خوش اور رنجیدہ ہوتا ہوں پس جس کو میں ایسی

۱: نسائی کتاب الجنائز باب التیاحۃ علی المیت۔

۲: ابو داؤد کتاب الجہاد باب فی سکنی الشام۔

۳: ابو داؤد و کتاب الاقضیہ باب اذا علم الحاکم صلیق اشاہد الواحد حوزہ الحکم۔

بذو عادیوں، جس کا وہ مستحق نہیں، تو یہ اس کیلئے پاکی، تزکیہ اور نیکی ہوگی۔^۱
جب رسول اللہ ﷺ سے کوئی معجزہ صادر ہوتا تھا تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی قوت ایمانیہ میں اور اضافہ ہو جاتا تھا، حضرت جابر رضی اللہ عنہ کو اپنے باپ کی جانب سے بہت سے لوگوں کا قرض ادا کرنا تھا اور کھجوروں کے باغ کے سوا ادا کرنے کا کوئی سامان نہ تھا، لیکن قرضدار باغ کے پھل لینے پر آمادہ نہ تھے۔ بلا آخر رسول اللہ ﷺ خود باغ میں آئے اور اس کی کھجوروں کیلئے دعائے برکت فرمائی نتیجہ یہ ہوا کہ جب کھجوریں توڑی گئیں تو سب کا قرض بھی ادا ہو گیا، اور بہت کچھ کھجوریں بچ بھی رہیں، حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ کو اس کی خبر دی تو آپ ﷺ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا سنتے ہو۔ بولے ”ہم کو یقین ہی تھا کہ آپ ﷺ خدا کے پیغمبر ہیں، خدا کے پیغمبر ہیں۔“^۲

غزوہ خیبر میں ایک شخص نہایت بے جگری سے لڑ رہا تھا، لیکن رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ”یہ دوزخی ہے“ اس پر تمام صحابہ رضی اللہ عنہم کو سخت تعجب ہوا اور ایک صحابی اس کی تصدیق کیلئے اس کے ساتھ ہوئے، سوء اتفاق سے وہ زخمی ہو کر زندگی سے تنگ آ گیا، اور خود کشی کر لی، اس حالت کو دیکھ کر وہ آپ ﷺ کی خدمت میں آئے، اور کہا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ ﷺ خدا کے رسول ہیں۔^۳

یہ قوت ایمانیہ جس طرح رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں قائم تھی، اسی طرح آپ ﷺ کی وفات کے بعد بھی قائم رہی، رسول اللہ ﷺ کا وصال ہوا تو تمام صحابہ رضی اللہ عنہم نے رو کر کہا کہ کاش ہم آپ ﷺ سے پہلے ہی مر جاتے، ایسا نہ ہو کہ آپ ﷺ کے بعد ہمارے دین میں کوئی خلل آئے، لیکن حضرت معن بن عدی رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ”میں آپ ﷺ سے پہلے مرنا پسند نہیں کرتا تاکہ جس طرح میں نے آپ ﷺ کی زندگی میں آپ ﷺ کی تصدیق کی اسی طرح بعد وصال بھی آپ ﷺ کی تصدیق کروں۔“^۴

ایمان بالغیب

شریعت میں صرف ایمان بالغیب معتبر ہے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو غیب کی تمام چیزوں پر اس شدت کے ساتھ یقین تھا کہ گویا ان کو یہ چیزیں علانیہ نظر آتی تھیں۔

ایک بار رسول اللہ ﷺ نے حضرت حارث رضی اللہ عنہ سے پوچھا کیا حال ہے۔ بولے ”یا

۱: مسلم کتاب البر والصلۃ والآداب من لعنہ النبی ﷺ وسبہ ودعا علیہ۔

۲: بخاری کتاب المغازی ذکر غزوہ خیبر۔

۳: بخاری کتاب المغازی ذکر غزوہ خیبر۔

۴: اسد الغابہ تذکرہ معن بن عدی۔

رسول اللہ ﷺ! خدا پر صدق دل سے ایمان رکھتا ہوں۔“ فرمایا ”ہر چیز کی ایک حقیقت ہوتی ہے، تمہارے ایمان کی کیا حقیقت ہے۔“ بولے ”دنیا سے میرا دل پھر گیا ہے، اس لئے رات کو جاگتا ہوں، دن کو بھوکا پیاسا رہتا ہوں گویا مجھ کو خدا کا عرش اعلانیہ نظر آتا ہے، گویا میں اہل جنت کو باہم ملتے جلتے دیکھ رہا ہوں اور گویا اہل دوزخ مجھے چیختے ہوئے نظر آ رہے ہیں۔“ آپ ﷺ نے فرمایا ”تم نے جان لیا، اب اس پر قائم رہو۔“

رسول اللہ ﷺ کے فیض صحبت سے یہ ایمان اور بھی تازہ رہتا تھا، حضرت خطلہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ جب ہم آپ ﷺ کی خدمت میں ہوتے تھے اور آپ ﷺ جنت اور دوزخ کا ذکر فرماتے تھے تو گویا ہمارے سامنے ان کی تصویر پھر جاتی تھی۔

ایمان بالقدر

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مسئلہ تقدیر پر شدت کے ساتھ یقین رکھتے تھے، ملاوس یمانی کا بیان ہے کہ میں نے متعدد صحابہ رضی اللہ عنہم سے ملاقات کی، سب کے سب کہتے تھے کہ کل چیزیں تقدیر سے وجود میں آئی ہیں، ابن دیمہ کہتے ہیں کہ میرے دل میں مسئلہ تقدیر کے متعلق خدشہ پیدا ہوا، انہوں نے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے اس کا تذکرہ کیا تو انہوں نے کہا کہ خدا کی راہ میں کوہ احد کے برابر بھی سونا صرف کرو گے تو خدا اس وقت تک قبول نہ کرے گا، جب تک تقدیر پر ایمان نہ لاؤ گے، اور اگر اس عقیدہ کے خلاف تم کو موت آئی تو جہنم میں داخل ہو گے، اس کے بعد وہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ، حضرت حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ اور زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے پاس آئے تو سب نے یہی کہا، حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ نے ابو حفصہ رضی اللہ عنہ کو نصیحت کی کہ بیٹے تم کو اس وقت تک حقیقت ایمان کی لذت نہ ملے گی جب تک تم کو یقین نہ ہو، کہ جو کچھ ہو اس کا ہونا لازمی تھا، اور جو کچھ نہیں ہو اس کا نہ ہونا ضروری تھا، اس بنا پر جب کوئی شخص مسئلہ تقدیر کا انکار کرتا تھا تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم شدت کے ساتھ اس سے تحاشی کرتے تھے۔

بصرہ میں جب معبد جہنی نے مسئلہ تقدیر کا انکار کیا تو یحییٰ بن یحمر اور حمید بن عبدالرحمن نے اس مسئلہ میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی طرف رجوع کرنا چاہا، حسن اتفاق سے ایک سفر حج میں حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہو گئی، دونوں نے ان کو دائیں بائیں سے گھیر لیا، اور کہا کہ ”کچھ مسلمان ایسے پیدا ہو گئے ہیں جو تقدیر کے منکر ہیں“ فرمایا ”ان سے ملنا تو کہہ دینا

۱: اسد الغابہ تذکرہ حضرت حارث بن مالک رضی اللہ عنہ - ۲: ترمذی ابواب الزہد ص ۲۱۳
۳: مسند ابن خنبل جلد ۳ ص ۱۱۰ - ۴: ابوداؤد کتاب السنہ باب فی القدر۔

کہ میں ان سے الگ ہوں، اور وہ مجھ سے الگ ہیں، خدا کی قسم جب تک وہ تقدیر پر ایمان نہ لائیں گے، اگر کوہ احد کے برابر بھی سونا خیرات کریں گے تو خدا اس کو قبول نہ کرے گا۔^۱ ان کا ایک دوست شام میں رہتا تھا اور باہم اس قدر تعلقات تھے کہ خط و کتابت کا سلسلہ جاری رہتا تھا۔ لیکن ایک بار انہوں نے اسکو لکھ بھیجا کہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم نے مسئلہ تقدیر کے متعلق کچھ قیل و قال شروع کی ہے، اسلئے اب خط و کتابت کا سلسلہ بند کر دو، کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ میری امت میں کچھ لوگ پیدا ہو جائیں گے جو تقدیر کا انکار کریں گے۔^۲

یہ صرف اعتقاد ہی اعتقاد نہ تھا، بلکہ بعض صحابہ رضی اللہ عنہم سخت سے سخت مصیبت میں اسی پر عمل بھی کرتے تھے، طاعون عمواس کے زمانے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سرخ تک پہنچ کر واپس آنا چاہا تو حضرت ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

افرار من قدر الله
 کیا آپ تقدیر الہی سے بھاگتے ہیں؟
 بولے ”کاش تمہارے سوا کوئی دوسرا اختلاف کرتا ہاں تقدیر الہی سے بھاگتے ہیں، مگر تقدیر الہی ہی کی طرف ہے۔“^۳

بصرہ میں طاعون آیا تو کسی نے حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے کہا کہ ”ہم کو مقام وابق میں لے کر نکل چلے“ بولے:

الى الله ابق لا الهى وابق^۴ خدا کی طرف بھاگوں گا نہ کہ وابق کی طرف۔

۱: مسلم کتاب الایمان باب ما جاء فی الایمان والاسلام و ذکر القدر وغیرہ۔

۲: مسند ابن خضیل جلد ۲ ص ۹۰۔

۳: مسلم کتاب السلام باب الطاعون والطیرۃ والکھنۃ ونحوہ۔

۴: طبقات ابن سعد تذکرہ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ۔

عبادات

— ابواب الطہارۃ —

پنجوقتہ نیا وضو کرنا

ہر نماز کیلئے نیا وضو کرنا بڑی پاکی اور بڑے ثواب کا کام ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے اول اول رسول اللہ ﷺ پر پنجوقتہ نماز کے ساتھ پنجوقتہ وضو بھی فرض کر دیا تھا بعد کو اگرچہ اس کی فرضیت منسوخ ہو گئی۔ لیکن بعض صحابہ رضی اللہ عنہم عملاً اس کے پابند رہے چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ ہر نماز نئے وضو کے ساتھ ادا فرماتے تھے۔^۱

ہمیشہ با وضو رہنا

بعض صحابہ رضی اللہ عنہم ہمیشہ با وضو رہتے تھے حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ کا قول ہے:

مَا قِیَمْتُ الصَّلٰوۃَ مِنْ دَا سَلَمْتُ الْاَوَانَا عَلٰی وَضُو

جب سے میں اسلام لایا ہر نماز کے وقت با وضو رہتا تھا

ایک بار رسول اللہ ﷺ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ کل تم مجھ سے پہلے کیونکر جنت میں داخل ہو گئے۔ بولے ”یا رسول اللہ ﷺ! میرا معمول یہ ہے کہ جب اذان کہتا ہوں تو دو رکعت نماز لازمی طور پر پڑھ لیتا ہوں اور جس وقت وضو ٹوٹ جاتا ہے اسی وقت فوراً وضو کر لیتا ہوں۔“^۲

پنجوقتہ مسواک کرنا

رسول اللہ ﷺ کمال طہارت و نظافت کی وجہ سے پنجوقتہ مسواک کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ اگر امت پر شاق نہ ہوتا تو میں پنجوقتہ نماز کے ساتھ مسواک کرنے کا بھی حکم دیتا لیکن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے جوشِ عمل کے سامنے کون سا کام شاق تھا حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ نے اس شدت کے ساتھ اسکا التزام کیا کہ ہمیشہ قلم کی طرح کان پر مسواک رکھے رہتے تھے۔^۳

۱: ابوداؤد کتاب الطہارۃ باب المسواک ابن فضال جلد ۵ صفحہ ۲۳۵۔

۲: اصحابہ تذکرہ حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ۔

۳: مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۲۸۵ تذکرہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ۔

۴: ابوداؤد کتاب الطہارۃ باب المسواک۔

— ابواب الصلوٰۃ —

نماز پنج گانہ

صحابہ کرام ؓ جس مستعدی و سرگرمی کے ساتھ نماز پنج گانہ ادا فرماتے تھے اس کے متعلق احادیث میں نہایت کثرت سے واقعات مذکور ہیں، بخاری میں ہے کہ جب جماعت کھڑی ہوتی تھی تو تمام صحابہ ؓ اس تیزی کے ساتھ دوڑتے تھے کہ شور ہو جاتا تھا! سخت سے سخت مصروفیت کی حالت میں بھی جب نماز کا وقت آتا تھا تو تمام کاروبار چھوڑ کر سیدھے مسجد کی طرف روانہ ہو جاتے تھے۔

حضرت سفیان ثوریؒ سے روایت ہے:

كانوا يتبايعون ولا يدعون الصلوات المكتوبات في الجماعة
صحابہ ؓ بیع و شرا کرتے تھے نماز مفروضہ کو جماعت کے ساتھ کبھی نہیں چھوڑتے تھے۔

حضرت عبداللہ بن عمر ؓ فرماتے ہیں کہ ”ایک بار میں بازار میں تھا کہ نماز کا وقت آگیا تمام صحابہ ؓ دکانیں بند کر کے مسجد چلے گئے، چنانچہ قرآن مجید کی یہ آیت
رجال لا تلهيهم تجاره ولا بيع عن ذكر الله

صحابہ ؓ ایسے لوگ ہیں جن کو تجارت کے کاروبار خدا کی یاد سے نہیں روکتے
ان لوگوں کی شان میں نازل ہوئی۔“

سخت سے سخت تکلیف میں بھی صحابہ کرام ؓ کی نماز قضا نہیں ہو سکتی تھی جس دن حضرت عمر ؓ کو زخم لگا اسی رات کی صبح کو لوگوں نے نماز فجر کیلئے جگایا تو بولے ہاں جو شخص نماز چھوڑ دے اسلام میں اس کا کوئی حصہ نہیں چنانچہ اسی حالت میں کہ زخم سے متصل خون جاری تھا نماز پڑھی۔“

اگر کسی رکاوٹ کی وجہ سے نماز قضا ہو جاتی تو صحابہ کرام ؓ کو سخت برہمی پیدا ہوتی غزوہ خندق میں حضرت عمر ؓ کی نماز عصر قضا ہو گئی تو کفار کو برا بھلا کہتے ہوئے آئے اور کہا کہ یا رسول اللہ ﷺ سورج غروب ہو رہا ہے اور میں نے اب تک نماز عصر نہیں پڑھی۔“

۱: بخاری کتاب الاذان باب قول الرجل قاتنا الصلوٰۃ۔

۲: فتح الباری جلد ۴ ص ۲۵۳۔

۳: موطا امام مالک کتاب الصلوٰۃ باب العمل فیمن غلبه الدم من جرح اور عاف۔

۴: بخاری کتاب الصلوٰۃ ابواب صلوٰۃ الخوف باب الصلوٰۃ عند منافقة والقاء العدو۔

نماز جمعہ

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نماز جمعہ کو نہایت اہم سمجھتے تھے اور اس اہمیت کا اظہار مختلف طریقوں سے کرتے تھے اسلام کی تاریخ میں اسعد بن زرارہ پہلے شخص تھے جنہوں نے مدینہ میں جمعہ کو قائم کیا تھا ان کے انتقال کے بعد جب جمعہ کی اذان ہوتی تھی تو حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ ان پر رحمت کی دعا کرتے تھے ان کے بیٹے نے ایک روز اس کی وجہ پوچھی تو بولے کہ وہ پہلے شخص تھے جنہوں نے ہم کو جمعہ کیلئے جمع کیا اس وقت ہماری تعداد صرف چالیس تھی۔^۱

ایک صحابیہ رضی اللہ عنہا تھیں جو اپنے کھیتوں میں چندرہ بودیا کرتی تھیں جب جمعہ کا دن آتا تھا تو اس کو پکاتی تھیں اور جمعہ کے بعد تمام صحابہ رضی اللہ عنہم کو کھلاتی تھیں۔^۲

تمام صحابہ رضی اللہ عنہم غسل جمعہ کا نہایت اہتمام کرتے تھے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ غسل جنابت کی طرح غسل جمعہ بھی فرض ہے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بغیر غسل کیے ہوئے اور بغیر خوشبو لگائے ہوئے کبھی شریک جمعہ نہیں ہوتے تھے۔^۳

ایک بار حضرت عمر رضی اللہ عنہ خطبہ دے رہے تھے کہ اسی حالت میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ آگئے بولے ”بھلا یہ کون سا وقت ہے۔“ فرمایا بازار سے پلٹا تو اذان سنئی اور صرف وضو کر کے چلا آیا فرمایا یہ بھی قابل اعتراض بات ہے کہ صرف وضو کیا حالانکہ تمہیں معلوم ہے کہ جمعہ کے دن رسول اللہ ﷺ غسل کا حکم دیتے تھے۔^۴

اگرچہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم عموماً باندی اوقات نماز کا لحاظ رکھتے تھے لیکن جمعہ کے دن خاص طور پر یہ اہتمام کیا جاتا تھا کہ مسجد کی مغربی دیوار پر ایک چادر تان دی جاتی تھی اور جب دیوار کا سایہ اس کو پورے طور پر ڈھک لیتا تھا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ فوراً نماز کیلئے گھر سے نکل کھڑے ہوتے تھے۔^۵

عہد نبوت ﷺ میں اگرچہ جہاد افضل الاعمال سمجھا جاتا تھا لیکن جمعہ کا شوق اس پر بھی غالب آتا تھا، ایک بار رسول اللہ ﷺ نے حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کو ایک سریہ میں

۱: ابوداؤد کتاب الصلوۃ باب الجمعة فی القرۃ۔

۲: بخاری کتاب الجمعة باب فی قول اللہ عزوجل ”فاذا افضیت الصلوۃ فانتشروا فی الارض وابتغوا من فضل اللہ“۔

۳: موطائے امام محمد باب الاغتسال یوم الجمعة و باب وقت الجمعة دماء یستحب من الطیب والدھان للرجل۔

۴: ایضاً باب الاغتسال یوم الجمعة۔

۵: موطائے امام محمد باب وقت الجمعة و یستحب من الطیب والدھان۔

جانے کا حکم دیا لیکن اور لوگ تو روانہ ہو گئے وہ ٹھہر گئے جمعہ کا دن تھا آپ ﷺ نے جماعت میں دیکھا تو فرمایا کیوں رک گئے۔ میں نے چاہا کہ آپ ﷺ کے ساتھ جمعہ پڑھ لوں تو جاؤں۔^۱

نوافل اشراق اور صلوٰۃ کسوف

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جس شوق و مستعدی کے ساتھ نماز مفروضہ کو افرماتے تھے اسی طرح نوافل، اشراق اور صلوٰۃ کسوف وغیرہ بھی پڑھتے تھے بخاری میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔

لقد ادرکت کبار اصحاب النبی ﷺ یبتدرون السوری عند المغرب^۲ میں نے کہا صحابہ کو دیکھا کہ مغرب کے وقت مسجد کے ستونوں کی طرف نماز کیلئے دوڑتے تھے۔

اور شرح حدیث نے تصریح کی ہے کہ یہ نفل کی نماز ہوتی تھی جس کو مغرب کی نماز شروع ہونے سے پہلے صحابہ کرام کو افرماتے تھے خود اس حدیث میں ہے۔

حتى یخزل النبی ﷺ

یعنی صحابہ رضی اللہ عنہم نفل اس وقت تک پڑھتے تھے جب تک رسول ﷺ لامت کیلئے نکل نہ آئیں۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سفر میں ہوتے تھے تو سواری کے اوپر ہی بیٹھے بیٹھے نفل کی نمازیں پڑھ لیتے تھے، اور اس کو رسول ﷺ کی سنت سمجھتے تھے۔^۳

نماز اشراق اگرچہ رسول ﷺ نے بہت کم پڑھی ہے، لیکن بہت سے صحابہ رضی اللہ عنہم نے اس کا التزام کر لیا تھا، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ”میں نے اگرچہ رسول اللہ ﷺ کو کبھی نماز اشراق پڑھتے ہوئے نہیں دیکھا، لیکن میں خود پڑھتی ہوں، کیونکہ آپ ﷺ بہت سی چیزوں کو پسند فرماتے تھے، لیکن اس پر اس لئے عمل نہیں کرتے تھے کہ مباہامت پر فرض نہ ہو جائے“ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کو آپ ﷺ نے نماز اشراق کی وصیت فرمائی تھی، اس لئے یہ دونوں بزرگ اس کو کبھی نہیں چھوڑتے تھے۔^۴

۱: ترمذی ابواب الجمع باب ما جلی اسر یوم الجمع۔

۲: بخاری کتاب الصلوٰۃ باب الاستوائ۔

۳: مسلم کتاب الصلوٰۃ باب جواز الصلوٰۃ النافلۃ علی الدائمۃ فی السفر حیث تو جہت۔

۴: ایضاً باب استحباب صلوٰۃ النفل۔

چاند نور سورج میں جب گہن لگتا تھا تو تمام صحابہ ﷺ صلوٰۃ الکسوف ادا فرماتے تھے، ایک بار مدینہ میں گہن لگا تو حضرت عبداللہ بن زبیر ؓ نے دو رکعت نماز پڑھی۔^۱ ایک بار نور گہن لگا تو حضرت عبداللہ ابن عباس ؓ نے صفہ زحرم میں لوگوں کو جمع کیا اور باجماعت نماز ادا فرمائی۔^۲

تہجد و نماز شب

رات جس میں ہم نیند کا لطف اٹھاتے ہیں اس میں صحابہ کرام ؓ عبادت الہی اور تہجد گزاری میں مصروف رہتے تھے ایک صحابی نے رات کو نماز میں نہایت بلند آہنگی سے قرات کی صبح ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا خدا اس پر رحم کرے مجھے بہت سی آیتیں یاد دلادیں جن کو میں بھول گیا تھا۔

ایک بار آپ ﷺ مسجد میں محکف تھے اور صحابہ کرام ؓ بھی مصروف نماز تھے اور اس قدر بلند آہنگی کیساتھ قرات کرتے تھے کہ آپ ﷺ نے پردہ اٹھا کر فرمایا تم میں ہر شخص خدا کیساتھ سرگوشی کر رہا ہے اتنا نہ چلاؤ کہ ایک سے دوسرے کو تکلیف پہنچے۔^۳ حضرت ابوالدرداء ؓ رات کے اکثر حصے میں نماز پڑھا کرتے تھے چنانچہ حضرت سلمان فارسی ؓ نے ان کی بی بی کی شکایت پر اس سے ان کو باصرہ روکا۔^۴

صحابہ کرام ؓ راتوں کو نہ صرف خود نمازیں پڑھتے تھے بلکہ غیروں بالخصوص اپنے اہل و عیال کو بھی بیدار کر کے شریک نماز کرتے تھے ایک روز آپ ﷺ رات کو گھر سے نکلے تو دیکھا کہ حضرت ابو بکر ؓ پست آواز کے ساتھ نماز میں قرات کر رہے ہیں آگے بڑھے تو حضرت عمر ؓ نہایت بلند آہنگی کے ساتھ نماز میں قرات کرتے ہوئے نظر آئے دونوں بزرگ آپ ﷺ کے پاس آئے تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ ”ابو بکر نماز میں تمہاری آواز پست تھی“ بولے کہ ”میں جس سے (خدا سے) سرگوشی کر رہا تھا اس کے کان میں میری آواز پہنچ گئی حضرت عمر ؓ سے ارشاد ہوا کہ تمہاری آواز نہایت بلند تھی۔“ بولے کہ ”یا رسول اللہ ﷺ میں سونے والوں کو جگاتا اور شیطان کو دھکاتا ہوں۔“^۵ موطائے امام مالک میں ہے کہ حضرت عمر ؓ رات کو نماز پڑھتے تھے تو اخیر شب میں اپنے اہل و عیال کو بھی

۱: بخاری ابواب صلوٰۃ الکسوف باب خطبۃ امام فی الکسوف۔

۲: بخاری باب صلوٰۃ الکسوف جماعت۔

۳: ابوداؤد کتاب الصلوٰۃ باب رفع الصوت بالقراۃ۔

۴: بخاری کتاب الصوم اقسام علی اخیه لیفطر فی التفویع۔

۵: داؤد کتاب الصلوٰۃ باب رفع الصوت بالقراۃ فی صلوٰۃ اللیل۔

نماز کیلئے جگاتے تھے، اور یہ آیت پڑھتے تھے۔ وَاْمُرْ اَهْلَكَ بِالصَّلٰوَةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا لَا تَسْئَلُكَ رِزْقًا نَحْنُ نَرْزُقُكَ وَالْعَاقِبَةُ لِلتَّقْوٰی^۱ (طہ ۳۲)

حضرت ابو ہریرہ ؓ اور ان کی بی بی اور خدام نے نماز کیلئے رات کے تین حصے کر لئے تھے اور ان میں جب ایک نماز سے فارغ ہو چکے تھے تو دوسرے کو نماز کیلئے جگادیتا تھا۔^۲

یہ ذوق نماز صرف چند صحابہ ؓ کے ساتھ مخصوص نہ تھا بلکہ عموماً تمام صحابہ ؓ میں پایا جاتا تھا حضرت انس بن مالک ؓ فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام ؓ مغرب سے عشاء تک بیدار رہ کر نمازیں پڑھتے تھے چنانچہ خداوند تعالیٰ خود فرماتا ہے۔
كَانُوا قَلِيْلًا مِّنَ اللَّيْلِ مَا يَهْجَعُوْنَ۔^۳

یہ لوگ (عبادت میں مشغول رہنے کے سبب سے) راتوں کو بہت ہی کم سوتے تھے۔
اس میں صحابہ کرام ؓ کو سخت سے سخت تکلیفیں برداشت کرنی پڑتی تھیں اول اول سورہ مزمل کی ابتدائی آیتیں نازل ہوئیں تو صحابہ کرام ؓ تراویح کی طرح راتوں کو نماز پڑھتے تھے یہاں تک کہ پاؤں پھول جاتے تھے۔^۴

قرآن مجید نے صحابہ کرام ؓ کی فضیلت کو ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے:

تَتَجَافَىٰ جُنُوبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ يَدْعُونَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَطَمَعًا وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنفِقُونَ۔

ان کے پہلو بستر سے الگ رہتے ہیں وہ لوگ خوف ورجائے خدا کو پکارتے ہیں اور جو کچھ ہم نے دیا ہے اس میں سے صرف کرتے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تہجد اور نوافل میں شرکت

رسول اللہ ﷺ رات کی نمازوں میں لمبی لمبی سورتیں مثلاً سورہ بقرہ، آل عمران، مائدہ اور انعام پڑھتے تھے اور جس قدر وقت قیام میں صرف ہوتا تھا اتنا ہی وقت رکوع و سجود میں بھی صرف فرماتے تھے اس لئے اس قدر طویل اور پرسکون نماز میں وہی شخص شریک ہو سکتا تھا جس کا دل شوق عبادت اور شوق اقتداءئے رسول ﷺ سے لبریز ہو، صحابہ کرام ؓ اسی قسم کا شوق عبادت اور شوق اقتداءئے رسول رکھتے تھے اس لئے آپ ﷺ کے ساتھ شریک نماز ہو کر اس دولت سے بہرہ اندوز ہوتے تھے چنانچہ حضرت عوف بن مالک ؓ ایک بار

۱: موطا کتاب الصلوۃ باب فی صلوۃ اللیل۔

۲: بخاری کتاب الاطعمۃ باب۔

۳: ابوداؤد کتاب الصلوۃ باب وقت قیام النبی ﷺ من اللیل۔

۴: ابوداؤد کتاب الصلوۃ باب شیخ قیام اللیل و باب فی صلوۃ اللیل۔

آپ ﷺ کے ساتھ تہجد میں شریک ہوئے آپ ﷺ نے پہلی رکعت میں سورہ بقرہ اور دوسری میں آل عمران پڑھی اور وہ ذوق عبادت میں کھڑے رہے۔
ایک بار حضرت حذیفہ ؓ کو بھی یہ شرف حاصل ہوا۔^۱

آپ ﷺ نماز شب میں بقرہ، آل عمران اور نساء کی سورتیں پوری پوری پڑھتے اگر کوئی خوف کی آیت آجاتی تو خدا سے دعا کرتے اور اس سے پہلو ماتتے اسی طرح اگر کوئی بشارت آمیز آیت آتی تو دعا کرتے اور اس کی خواہش فرماتے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بھی آپ ﷺ کے ساتھ اس نماز میں شریک رہیں۔^۲

یہ شوق صرف چند صحابہ ؓ کے ساتھ مخصوص نہ تھا بلکہ عموماً تمام صحابہ ؓ میں پایا جاتا تھا۔

ایک بار چند صحابہ ؓ نے آپ ﷺ کو شب میں نماز پڑھتے ہوئے دیکھا اور شریک ہو گئے صبح کو اور لوگوں سے ذکر کیا تو وہ بھی شریک ہوئے اور متصل دو تین شب برابر شریک ہوتے رہے آپ ﷺ نے یہ حالت دیکھی تو ایک شب گھر سے نہ نکلے لیکن صحابہ کرام ؓ نے مختلف طریقوں سے اپنے شوق کا اظہار کیا کھانے، کھنکارے، چلائے اور دروازے پر کنکریاں ماریں آپ ﷺ اندر سے غصہ میں نکلے اور فرمایا کہ تمہاری ان حرکتوں سے مجھے خیال پیدا ہوا کہ یہ نماز تم پر فرض نہ ہو جائے۔^۳

آپ ﷺ شب میں چٹائی کو گھیر کر حجرے کی صورت پیدا کر لیتے تھے اور اس میں نماز ادا فرماتے تھے صحابہ کرام ؓ کو خبر ہوئی تو وہ بھی شریک نماز ہونے لگے لیکن آپ ﷺ نے ان کو اس سے روک دیا۔^۴

یہ شوق اس قدر ترقی کر گیا تھا کہ چھوٹے چھوٹے بچوں کا دل بھی اس سے خالی نہ تھا حضرت عبداللہ بن عباس ؓ عہد نبوت میں نہایت صغیر السن تھے لیکن اس شوق میں ایک رات اپنی خالہ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے پاس سوئے آدمی رات ہوئی تو آپ ﷺ نے اٹھ کر پہلے آل عمران کی چند آیتیں تلاوت فرمائی، پھر وضو کر کے نماز شروع کی حضرت عبداللہ بن عباس ؓ نے بھی ان اعمال کی تقلید کی اور آپ کے پہلو میں کھڑے

۱: ابوداؤد کتاب الصلوۃ باب ما یقوم الرجل فی رکوعہ (بخاری)۔

۲: مسند ابن حبیل جلد ۶ ص ۹۲۔

۳: بخاری کتاب الصلوۃ باب لو کان بین الامام و بین القوم حایط لوسطہ و ابوداؤد باب تفریع ابواب شہر رمضان باب فی فضل التطوع فی البیت۔

۴: بخاری کتاب الصلوۃ باب صلوۃ اللیل۔

ہو کر نماز ادا کی۔^۱

قیام رمضان

صبح سے شام تک کی بھوک پیاس کے بعد ہم لوگ بمشکل تراویح پڑھنے کیلئے آمادہ ہوتے ہیں لیکن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اسکے بھوکے تھے اسلئے ان کو کبھی اس سے سیری نہیں ہوتی تھی۔ ایک بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تراویح ادا فرمائی تو چند صحابہ رضی اللہ عنہم شریک ہوئے دوسرے روز اس تعداد میں اور اضافہ ہوا لیکن تیسرے روز اس مقصد سے جمع ہوئے تو آپ گھر سے نہ نکلے اور فرمایا کہ ”مجھے خوف ہے کہ وہ تم پر کہیں فرض نہ ہو جائے۔“

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بار اخیر رمضان میں تراویح شروع کی اور پہلے دن ٹلٹ شب تک پڑھی۔ دوسرے دن ناغہ فرمادیا تیسرے دن آدھی رات تک پڑھی لیکن ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کو اس سے تسکین نہیں ہوئی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں گزارش کی کہ کاش آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کو رات بھر ادا فرماتے۔^۲

حضرت انیس چنی رضی اللہ عنہ صحرا میں رہتے تھے اس لئے متصل مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں نماز نہیں پڑھ سکتے تھے لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے رمضان کی تیسیویں شب کو صحرا سے آکر نماز عصر پڑھ کر مسجد میں داخل ہوتے صبح تک مصروف نماز رہتے اور نماز فجر ادا کر کے صبح کو روانہ ہو جاتے۔^۳

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو تراویح کے ادا کرنے میں سخت سے سخت تکلیفیں برداشت کرنی پڑتی تھیں لیکن ان کے شوق میں کوئی کمی نہیں ہوتی تھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جب تراویح کو باجماعت کر دیا تو امام ایک ایک رکعت میں سو سو آیتیں پڑھتا تھا اس لئے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کھڑے کھڑے اس قدر تھک جاتے تھے کہ لکڑی کے سہارے کی ضرورت ہوتی تھی اور صبح کے وقت فارغ ہو کر واپس آتے تھے۔^۴

پابندی اوقات نماز

نماز اکثر مسلمان پڑھتے ہیں لیکن ان میں کتنے ہیں جو اوقات نماز کی ٹھیک طور پر پابندی کرتے ہیں لیکن سخت سے سخت خطرہ اور مستعدی کی حالت میں بھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی نماز

۱: ابواب صلوٰۃ الوتر۔

۲: ابوداؤد کتاب الصلوٰۃ باب فی قیام شہر رمضان۔

۳: ایضاً باب تفریع ابواب شہر رمضان باب فی لیلۃ القدر۔

۴: موطا امام مالک کتاب الصلوٰۃ باب ماجاء فی قیام رمضان مع زر قانی شرح موطا۔

کا وقت فوت نہیں ہو سکتا تھا ایک صحابی کو رسول اللہ ﷺ نے ایک پر خطر کام کیلئے ایک جگہ روانہ فرمایا جب وہ منزل مقصود کے قریب پہنچے تو عصر کا وقت ہو چکا تھا انھوں نے دل میں کہا کہ ایسا نہ ہو کہ کہیں نماز میں دیر ہو جائے، اس لئے منزل مقصود کی طرف بڑھے اشاروں ہی میں نماز پڑھتے ہوئے بڑھے۔ غزوہ احزاب سے واپسی کے بعد آپ ﷺ نے صحابہ کو بنو قریظہ کی طرف بھیجا اور حکم دیا کہ عصر کی نماز جا کر وہیں پڑھیں لیکن راستے میں عصر کا وقت آگیا تو بہت سے صحابہ نے فوراً نماز پڑھائی۔^۱

ایک دن ظہر کے بعد کچھ لوگ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے وہ اٹھ کر عصر کی نماز پڑھنے لگے، تو ان لوگوں نے کہا آپ رضی اللہ عنہ نے بڑی عجلت کی بولے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ یہ منافقین کی نماز ہے، منافقین کی نماز ہے کہ گھر میں بیٹھے رہتے ہیں، اور جب سورج زرد ہونے لگتا ہے تو چار رکعت پڑھ لیتے ہیں، خدا کو اس میں بہت کم یاد کرتے ہیں۔^۲

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ مکہ میں حجاج کے ساتھ نماز پڑھا کرتے تھے، لیکن جب اس نے تاخیر کرنا شروع کی، تو اس کے ساتھ نماز پڑھنا چھوڑ دیا اور مکہ سے نکل گئے۔^۳

پابندی جماعت

صحابہ کرام رضی اللہ عنہ نماز باجماعت کو نہ صرف ذریعہ از یاد ثواب خیال کرتے تھے بلکہ اس کو اسلام و نفاق اور ایمان و کفر کے درمیان حد فاصل سمجھتے تھے، حضرت معاذ رضی اللہ عنہ اپنی قوم کے امام تھے، لیکن ان کا معمول یہ تھا کہ پہلے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نماز ادا کر لیتے تھے، پھر اپنی مسجد میں جا کر نماز پڑھاتے تھے، لیکن ایک روز دیر میں واپس آئے اور نماز میں سورہ بقرہ کی تلاوت شروع کی، ایک کاروباری آدمی تھک کر جماعت سے علیحدہ ہو گیا، اور الگ نماز پڑھ لی، تو ایک صحابی نے فوراً کہا کہ تم منافق ہو گئے۔^۴

ایک صحابی کہتے ہیں کہ نماز باجماعت سے صرف مشہور منافق ہی الگ رہتا تھا، ورنہ بعض لوگوں کی حالت یہ تھی کہ دو آدمیوں کے سہارے مسجد میں آکر شریک جماعت ہوتے تھے۔^۵

۱: ابوداؤد کتاب الصلوۃ باب صلوۃ الطالب۔

۲: بخاری باب صلوۃ الخوف ابواب صلوۃ الطالب والمطلوب رکابوایمان۔

۳: ابوداؤد کتاب الصلوۃ باب وقت صلوۃ العصر۔

۴: طبقات ابن سعد تذکرہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ۔

۵: ابوداؤد کتاب الصلوۃ باب تخفیف الصلوۃ الامر یحدث۔

۶: نسائی کتاب الامامۃ والجماعہ باب المحافظہ علی الصلوۃ حیث نیاوی یہن۔

اگرچہ رسول اللہ ﷺ نے عام حکم دے دیا تھا کہ بارش اور اندھیری میں لوگ اپنے اپنے گھروں ہی میں نماز پڑھ لیا کریں، لیکن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو آپ کے ساتھ نماز ادا کرنے کا اس قدر شوق تھا کہ ایک دن پانی برس رہا تھا اور سخت اندھیری چھائی ہوئی تھی، کہ اس حالت میں چند صحابہ رضی اللہ عنہم اس غرض سے نکلے کہ چل کے آپ کے ساتھ نماز ادا کریں۔^۱

ایک صحابی کا گھر مدینہ کے انتہائی کنارے پر تھا، لیکن ہر وقت کی نماز رسول اللہ ﷺ کے ساتھ پڑھتے تھے، ایک صحابی کو ان کی حالت پر رحم آگیا اور کہنے لگے کہ ”کاش تم ایک گدھا خرید لیتے جو زمین کی تمازت، ٹھوکر اور سانپ بچھو سے تم کو محفوظ رکھتا۔“ بولے ”میں رسول اللہ ﷺ کے گھر کے قریب رہنا نہیں چاہتا، کیونکہ مجھ کو اپنے ہر نقش قدم کے ثواب کی توقع ہے۔“

مدینہ میں قبیلہ بنو سلمہ کا محلہ مسجد سے بہت دور تھا، لیکن وہ لوگ نماز باجماعت کو اس قدر ضروری سمجھتے تھے کہ اپنا محلہ چھوڑ کر مسجد نبوی ﷺ کے آس پاس آباد ہو جانا چاہا، لیکن چونکہ اس سے ایک محلہ ویران ہوا جاتا تھا، آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم کو ہر اس قدم کا ثواب ملے گا جو مسجد کی جانب اٹھے گا۔^۲

جماعت کے انتظار میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سخت تکلیفیں برداشت کرتے تھے لیکن اس کی پابندی میں کوئی فرق نہیں آتا تھا ایک رات رسول اللہ ﷺ کو کوئی کام پیش آگیا۔ اس لئے عشاء کی نماز میں بہت تاخیر ہو گئی یہاں تک کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سو گئے لیکن نماز کا روحانی خواب کیوں کر بھلایا جاسکتا تھا پھر جاگے، پھر سوئے، پھر اٹھے پھر نیند آگئی۔ آپ کا شانہ نبوت سے برآمد ہوئے تو ارشاد فرمایا کہ آج دنیا میں تمہارے سوا کوئی دوسرا نماز کا انتظار نہیں کرتا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم عشاء کا انتظار اتنی دیر تک کرتے تھے کہ نیند کے مارے ان کی گردنیں جھک جھک جاتی تھیں۔^۳

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا بیان ہے کہ ہم لوگ ایک شب نماز عشاء کیلئے رسول اللہ ﷺ کا انتظار کر رہے تھے ایک تہائی رات گزر گئی تو آپ ﷺ تشریف لائے اور فرمایا کہ اگر امت پر شاق نہ گرتا تو میں اسی وقت نماز عشاء ادا کرتا۔“

ایک دن نماز عشاء کے وقت رسول اللہ ﷺ کے انتظار میں اس قدر دیر ہوئی کہ بعض صحابہ رضی اللہ عنہم نے خیال کیا کہ آپ نماز ادا کر چکے اور اب گھر سے نہ نکلیں گے، آپ تشریف

۱۔ ابوداؤد کتاب الادب، باب ما یقول الاصح۔

۲۔ سنن ابن ماجہ کتاب المصلوہ باب لا یعد ولا یعد من المسجد اعظم اجر۔

۳۔ ابوداؤد کتاب الطہارہ باب او نحو انہ یوم۔

لانے اور لوگوں نے اپنے اس خیال کا اظہار کیا تو فرمایا کیا تو فرمایا کہ ”اس نماز کو اسی وقت پڑھو، تم کو تمام امتوں پر اسی کی وجہ سے فضیلت ہے تمہارے پہلے کسی امت نے اس نماز کو ادا نہیں کیا۔“ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم نے نماز عشاء کیلئے آدھی رات تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا انتظار کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم گھر سے نکلے تو فرمایا کہ ”اپنی جگہ پر بیٹھ جاؤ“ ہم لوگ بیٹھ گئے تو ارشاد ہوا کہ ”اور لوگ تو نماز پڑھ کر سو گئے، لیکن تمہارے انتظار کی گھڑیاں بھی نماز میں داخل تھیں۔“^۱

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ اور ان کے رفقاء سفر جب مدینہ آئے تو بقیع اطمحان میں قیام کیا وہاں سے اگرچہ تمام لوگ نماز عشاء میں شریک نہیں ہو سکتے تھے تاہم باری باندھ لی تھی اور اپنی اپنی باری پر لوگ آکر آپ کے ساتھ عشاء پڑھتے تھے۔^۲

نماز میں خشوع و خضوع

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی نمازوں میں نہایت محویت، استغراق، خشوع، خضوع اور اتضرع و زاری پائی جاتی تھی حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ اس خشوع و خضوع کے ساتھ نماز اور قرآن پڑھتے کہ ان پر شدت سے گریہ ملاری ہو جاتا اور کفار کی عورتوں اور بچوں پر اس کا اثر پڑتا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نماز میں اس شدت سے روتے کہ پچھلی صف کے لوگ رونے کی آواز سنتے، حضرت عبداللہ بن شداد رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ”میں باوجودیکہ پچھلی صف میں رہتا تھا، لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے رونے کی آواز سنتا تھا۔“^۳

حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ ایک رات تہجد کیلئے کھڑے ہوئے تو صرف ایک آیت یعنی ام حسب الذین اجزوا السیئات الخ کی قرات میں صبح کردی اسی کو بار بار پڑھتے تھے رکوع کرتے تھے سجدے میں جاتے تھے اور روتے تھے۔^۴

سخت سے سخت تکلیف کی حالت میں بھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی یہ محویت قائم رہتی تھی، دو بہادر صحابی ایک پہاڑ کے درے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حراست پر مامور تھے، ان میں ایک بزرگ مصروف نماز ہوئے تو اسی حالت میں ایک انتقام کیش مشرک آیا اور ان کے جسم میں تین تیر لگائے، لیکن انھوں نے نماز کو برابر قائم رکھا ان کے دوسرے رفیق سو گئے تھے۔ بیدار ہوئے اور ان کے خون آلود زخم دیکھے تو کہا ”مجھے پہلے ہی کیوں نہیں جگایا۔“ بولے کہ میں نماز

۱: ابوداؤد کتاب الصلوٰۃ باب فی وقت العشاء الاخرہ۔

۲: بخاری کتاب مواقیب الصلوٰۃ باب فضل العشاء۔

۳: بخاری کتاب الصلوٰۃ باب۔ صلوٰۃ الجماعت والامامۃ باب لو اکی الامام فی الصلوٰۃ۔

۴: اسد الغابہ تذکرہ حضرت تمیم داری۔

میں ایک سورہ پڑھ رہا تھا جس کو نام تمام چھوڑنا مجھ کو پسند نہ آیا۔^۱ محبوب سے محبوب چیز بھی اگر صحابہ رضی اللہ عنہ کی حضوری نماز میں خلل انداز ہوتی تو وہ ان کی نگاہیں مبغوض ہو جاتی ایک دن حضرت ابو طلحہ انصاری رضی اللہ عنہ اپنے باغ میں نماز پڑھ رہے تھے ایک چڑیا اڑتی ہوئی آئی اور چونکہ باغ بہت گھنا تھا اور کھجوروں کی شاخیں باہم ملی ہوئی تھیں پھنس گئی اور نکلنے کی راہیں ڈھونڈھنے لگی، ان کو باغ کی شادابی اور اس کی اچھل کود کا یہ منظر بہت پسند آیا اور اس کو تھوڑی دیر تک دیکھتے رہے، پھر نماز کی طرف توجہ کی تو یہ یاد نہ آیا کہ کتنی رکعتیں پڑھی ہیں دل میں کہا کہ اس باغ نے یہ فتنہ پیدا کیا فوراً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے اور واقعہ بیان کرنے کے بعد کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں اس باغ کو صدقہ کرتا ہوں۔“

ایک اور صحابی اپنے باغ میں نماز پڑھ رہے تھے فصل کا زمانہ تھا دیکھا تو کھجوریں پھل سے لدی ہوئی ہیں اس قدر فریفت ہوئے کہ نماز کی رکعتیں یاد نہ رہیں نماز سے فارغ ہو گیا اس کو اموال صدقہ میں داخل کر لیجئے۔“ چنانچہ انھوں نے اس کو ۵۰ ہزار پر فروخت کیا اس مناسبت سے اس کا نام خمسمین پڑ گیا۔^۲

اسی خشوع و خضوع کا یہ نتیجہ تھا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نہایت سکون و اطمینان کے ساتھ نماز ادا فرماتے تھے حضرت انس رضی اللہ عنہ رکوع کے بعد قیام میں دونوں سجدوں کے درمیان اس قدر دیر لگاتے کہ لوگ سمجھتے کہ کچھ بھول گئے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نماز کیلئے کھڑے ہوتے تھے تو معلوم ہوتا تھا کہ ستون کھڑا ہے ایک دن رکوع میں اس قدر جھکے رہے کہ ایک شخص نے بقرہ، آل عمران، نساء اور مائدہ جیسی طویل سورتوں کی تلاوت کر ڈالی لیکن انھوں نے اس درمیان میں سر نہ اٹھایا۔^۳

۱: ابو داؤد کتاب الطہارہ باب الوضوء من الدم۔

۲: امام مالک کتاب الصلوۃ النظر فی الصلوۃ الی یسئلک عنہا۔

۳: بخاری کتاب الصلوۃ ابواب صلوۃ باب المکلفین السجدۃ۔

۴: اسد الغابہ واصابہ تذکرہ عبد اللہ بن زبیر۔

— ابواب الزکوٰۃ —

زکوٰۃ مفروضہ

صحابہ کرام ؓ اگرچہ سخت مفلس اور نادار تھے تاہم خدا کی رضا میں اپنا مال سینکڑوں طریقے سے صرف کرتے تھے جہاد کے سامان اور نو مسلموں کی کفالت کے علاوہ صدقہ و خیرات سے کوئی دن خالی نہیں جاتا تھا زکوٰۃ سب سے مقدم اور حاوی چیز تھی یعنی غلہ پر الگ سامان تجارت پر الگ گھوڑوں پر الگ اونٹوں پر الگ باغوں پر الگ غرض کوئی چیز ایسی نہ تھی جس میں خدا کا حق نہ ہوتا تاہم وہ نہ اس سے گھبراتے تھے نہ تنگدل ہوتے تھے بلکہ نہایت فیاضی کے ساتھ خدا کے اس حق کو ادا کرتے تھے۔

جب کھجوروں کی فصل تیار ہوتی تو تمام صحابہ ؓ زکوٰۃ کی کھجوریں لے لے کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتے اور آپ ﷺ کے گرد کھجوروں کا ڈھیر لگا دیتے۔^۱ حضرت عدی بن حاتم ؓ اپنے قبیلہ طے کا صدقہ لے کر حاضر ہوئے تو چونکہ اسلام میں یہ پہلا صدقہ تھا اس لئے اس کو دیکھ کر رسول اللہ ﷺ اور صحابہ ؓ کے چہرے فرط مسرت سے چمک اٹھے۔^۲

جو لوگ اپنے قبیلہ کی زکوٰۃ لے کر آتے رسول اللہ ﷺ ان کیلئے دعائے خیر فرماتے حضرت ابو اوفیٰ ؓ اپنی قوم کی زکوٰۃ لے کر آئے تو آپ ﷺ نے دعادی۔^۳

اللہم صلی علی آل ابی اوفی "خداوند آل ابی اوفی پر رحمت نازل فرما"

جو لوگ زکوٰۃ وصول کرنے کیلئے بھیجے جاتے صحابہ کرام ؓ ہمیشہ ان کو رضامند رکھتے ایک بار رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں چند بدوؤں نے محصلین زکوٰۃ کے ظلم کی شکایت کی تو آپ ﷺ نے فرمایا ان کو راضی رکھو، حضرت جریر بن عبد اللہ ؓ کا بیان ہے کہ جب سے میں نے یہ سنا میرے پاس سے محصل زکوٰۃ ہمیشہ خوش گیا۔^۴

زیور عورتوں کو سب سے زیادہ عزیز ہوتے ہیں لیکن صحابیات رضی اللہ عنہن کو خدا کی

۱: بخاری کتاب الزکوٰۃ باب اخذ صدقۃ التمر عند صرام النخل۔

۲: مسلم کتاب الفضائل باب من فضائل غفار واسلم وغیرہ۔

۳: ابوداؤد کتاب الزکوٰۃ باب الصدق لائل الصدقہ۔

۴: مسلم کتاب الزکوٰۃ رضاء السعد۔

مرضی ان سے بھی زیادہ عزیز تھی ایک بار آپ ﷺ کی خدمت میں ایک صحابیہ رضی اللہ عنہا اپنی لڑکی کے ساتھ حاضر ہوئیں جس کے ہاتھ میں سونے کے موٹے موٹے کنگن تھے آپ ﷺ نے کنگن دیکھ کر فرمایا ”کیا تم اس کی زکوٰۃ دیتی ہو“ بولیں نہیں ”فرمایا کیا تمہیں یہ اچھا معلوم ہوتا ہے کہ خدا قیامت کے دن ان کے بدلے تمہارے ہاتھ میں آگ کے کنگن پہنائے؟“ انھوں نے فوراً کنگن آپ ﷺ کے سامنے ڈال دیے کہ یہ خدا اور خدا کے رسول ﷺ کے ہیں۔“

صدقہ فطر ادا کرنا

صدقہ فطر واجب ہے اس لئے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہر چھوٹے بڑے غلام آزاد کی طرف سے نہایت التزام کے ساتھ صدقہ فطر ادا فرماتے تھے یہاں تک کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ اپنے غلام نافع کے بچوں بلکہ کافرو غلاموں کی جانب سے بھی صدقہ فطر دیتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا تھا کہ نماز عید سے پہلے صدقہ فطر ادا کر دیا جائے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ اس شدت کے ساتھ اس حکم کی پابندی کرتے تھے کہ دو ایک دن پیشتر ہی صدقہ فطر دیتے تھے۔ ان ہی کی خصوصیت نہیں بلکہ تمام صحابہ رضی اللہ عنہم ایسا کرتے تھے۔ عہد رسالت میں ایک صاع جو یا کھجور یا منقہ صدقہ فطر میں دیا جاتا تھا لیکن جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں گیبوں کی پیداوار میں اضافہ ہوا تو انھوں نے ان چیزوں کے بجائے نصف صاع گیبوں کر دیا حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حکم سے لوگوں نے دو مد شامی گیبوں کے دینے کا التزام کر لیا۔

زکوٰۃ کی طرح صدقہ فطر وصول کرنے کیلئے بھی اشخاص مقرر ہوئے تھے جو اس کو وصول کر کے ایک جگہ جمع کرتے تھے۔ بخاری کتاب الوکالہ میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے جو یہ مروی ہے۔

وکلنی رسول اللہ ﷺ بحفظ زکوٰۃ رمضان
رسول اللہ ﷺ نے زکوٰۃ رمضان کا مجھ کو وکیل بنایا۔

- ۱: ابوداؤد کتاب الزکوٰۃ باب الکفر ما ہو وزکوٰۃ الخلی۔
- ۲: بخاری مع فتح الباری ابواب صدقہ الفطر باب صدقہ الفطر علی الحر والمملوک۔
- ۳: ابوداؤد کتاب الزکوٰۃ باب متی تودی صدقہ الفطر۔
- ۴: بخاری ابواب صدقہ الفطر باب صدقہ الفطر علی الحر والمملوک۔
- ۵: ابوداؤد کتاب الزکوٰۃ باب کم یودی فی صدقہ الفطر۔
- ۶: بخاری مع فتح الباری ابواب صدقہ الفطر باب صدقہ الفطر علی الحر والمملوک۔

اس میں زکوٰۃ رمضان سے صدقہ فطر ہی مراد ہے جو ادا کرنے کیلئے ایک جگہ جمع کیا گیا تھا اور اس کی حفاظت کیلئے رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو مقرر کیا تھا۔^۱

صدقہ و خیرات

اگرچہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سخت تنگدست تھے، تاہم ان کو تھوڑا بہت جو کچھ ملتا تھا اس کو صدقہ و خیرات کر دیتے تھے۔ حضرت ابو مسعود رضی اللہ عنہ انصاری سے روایت ہے کہ جب آیت صدقہ نازل ہوئی تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بازاروں میں جاتے اور حمالی کرتے محنت و مزدوری میں جو کچھ ملتا اس کو صدقہ کر دیتے۔^۲

حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے ایک لونڈی فروخت کی اور اس کی قیمت گود میں لئے بیٹھی تھیں کہ ان کے شوہر حضرت زبیر رضی اللہ عنہ آئے اور قیمت دیکھ کر کہا ”مجھے دیدو“ بولیں ”میں نے تو اس کو صدقہ کر دیا۔“^۳

حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ زمانہ جاہلیت ہی میں نیک کاموں کے کرنے میں مشہور تھے، اسلام لائے تو زمانہ جاہلیت میں جو جو نیک کام کیے تھے، اسلام میں بھی اسی قسم کے نیک کام کیے دارالندوہ جو قریش کا ایک قابل فخر یادگار تھا، ان ہی کے قبضہ میں تھا انھوں نے اس کو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ ایک لاکھ درہم پر فروخت کیا اور اس کی کل قیمت خیرات کر دی۔^۴

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ مدائن کے گورنر تھے اور پانچ ہزار وظیفہ پاتے تھے لیکن جب بیت المال سے وظیفہ کی رقم ملتی تھی تو کل کی کل خیرات کر دیتے تھے اور خود اپنے کسب سے روزی پیدا کرتے تھے۔^۵

حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کے ہزار غلام تھے وہ کمالات تھے تو کل رقم صدقہ کر دیتے تھے گھر میں ایک جبہ بھی آنے نہیں پاتا تھا۔^۶

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سرے سے مال کا جمع کرنا ہی ناجائز سمجھتے تھے۔^۷

۱: ایضاً کتاب الوکالتہ باب اذواکل ر جلا فترک الوکیل ھینا فاجازہ الموکل فہو جائز۔

۲: بخاری کتاب الزکوٰۃ باب القوالنار ولوشق نمبر ۷۵۔

۳: مسلم کتاب آداب باب جواز۔

۴: اسد الغابہ تذکرہ حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ۔

۵: استیعاب حضرت سلمان فارسی۔

۶: اصابہ تذکرہ حضرت زبیر بن عوام۔

۷: بخاری کتاب الزکوٰۃ باب ما اوتنی زکوٰۃ فلیس بکنزہ۔

بعض حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان جو چیز صدقہ میں دیدے اس کو دوبارہ نہ خریدے اس لئے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ اگرچہ صدقہ کا مال دے کر پھر خریدتے تو اس کو اپنی ملک میں نہ رکھتے بلکہ صدقہ کر دیتے۔^۱

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ترغیب و تحریض سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور بھی زیادہ صدقہ و خیرات کی طرف مائل ہو جاتے تھے، ایک بار آپ نے خطبہ عید میں صدقہ کی ترغیب دی، عورتوں کا مجمع تھا حضرت بلال رضی اللہ عنہ دامن پھیلائے ہوئے تھے، اور عورتیں اپنے کان کی بالیاں اور ہاتھ کی انگوٹھیاں پھینکتی جاتی تھیں۔ ایک بار قبیلہ مضر کے بہت سے فاقہ زدہ لوگ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی حالت دیکھی تو چہرے کا رنگ بدل گیا اور نماز کے بعد ایک خطبہ دیا جس میں ان پر صدقہ کرنے کی ترغیب دی ایک صحابی کے پاس درہم و دینار کی ایک تھیلی اس قدر وزنی تھی کہ اس کو بمشکل اٹھا سکتے تھے لیکن انھوں نے اس کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ڈال دیا، اس کے بعد اور تمام صحابہ رضی اللہ عنہم نے کپڑے اور غلہ کا ڈھیر لگا دیا۔^۲

ایک بار آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ انصار نے اپنے باغوں کے گرد چار دیواریاں قائم کر دی ہیں، حالانکہ پہلے ایسا نہیں کرتے تھے فرمایا کہ ”نماز جمعہ کے بعد چلے نہ جانا میں کچھ کہوں گا، جب نماز ہو چکی تو تمام انصار منبر کے گرد جمع ہو گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم پہلے قوم کا تاوان دیتے تھے، قیسوں کی پرورش کرتے تھے اور دوسری نیکیاں کرتے تھے لیکن جب اسلام آیا تو مال کی اس قدر حفاظت کرتے ہو۔ انسان جو کچھ کھا لیتا ہے اس کا ثواب ملتا ہے اور چڑیاں جو کچھ کھا لیتی ہیں اس کا ثواب ملتا ہے۔“ انصار پر اس تقریر کا یہ اثر ہوا کہ پلٹے تو سب نے اپنے اپنے باغ کی دیواروں میں ایک ایک دودوشگاف کر دیے تاکہ ان کا فائدہ سب کو پہنچے۔

ایک بار مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں ایک سائل آیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ رضی اللہ عنہم کو حکم دیا کہ اپنے اپنے کپڑے زمین پر ڈال دیں۔ سب نے اپنے اپنے کپڑے ڈال دیئے اور ان میں سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سائل کو دو کپڑے دے دیے پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صدقہ کی ترغیب دی اب خود سائل نے دو کپڑوں میں سے ایک کپڑا پھینک دیا۔^۳

ایک بار آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ”آج تم میں کسی نے کسی مسکین کو کھانا کھلایا ہے۔“

۱: ایضاً باب مل یشری صدقہ۔

۲: ابوداؤد کتاب الصلوہ باب الخطبہ فی یوم العید۔

۳: نسائی کتاب الزکوہ باب التحریض علی الصدقہ۔

۴: اسد الغابہ تذکرہ خالد بن صخر رضی اللہ عنہ۔

۵: ابوداؤد کتاب الزکوہ باب الرجل یخرج من مالہ۔

حضرت ابو بکر ؓ مسجد میں آئے جہاں ان کو ایک سائل ملا ان کے بیٹے حضرت عبدالرحمن ؓ کے ہاتھ میں روٹی کا ایک ٹکڑا تھا ان سے لے کر سائل کو دے دیا۔^۱

صحابہ کرام ؓ جو ہر قسم کی چھوٹی بڑی چیز خالصتہ لوجہ اللہ صدقہ میں دیتے اس کو دیکھ کر منافقین طعنہ دیتے بدگمانی کرتے لیکن ان پر اس کا کچھ اثر نہ پڑتا ایک بار حضرت عبدالرحمن ابن عوف نے آٹھ ہزار صدقہ میں دیے تو منافقین نے کہا کہ ”یہ ریاکار آدمی ہیں“ لیکن ایک صحابی نے ڈول کھینچنے کی اجرت میں ایک صاع پایا اور اس کو صدقہ میں دیا تو منافقین نے کہا ”خدا اس حقیر خیرات سے بے نیاز ہے“۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی:

وَالَّذِينَ يَلْمِزُونَ الْمُطَّوِّعِينَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ فِي الصَّدَقَاتِ وَالَّذِينَ لَا يَجِدُونَ إِلَّا جَهْلَهُمْ فَيَسْخَرُونَ مِنْهُمْ سَخِرَ اللَّهُ مِنْهُمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ۔

یہ (منافق) ہی تو ہیں کہ مسلمانوں میں جو لوگ (بامقذور ہیں اور) خوش دلی سے خیرات کرتے ہیں ان پر (ریاکاری) کا عیب لگاتے ہیں، اور جو لوگ اپنی محنت (کی کمائی) کے سوا (زیادہ) کا مقذور نہیں رکھتے (اور اس پر بھی جو میسر آ جاتا ہے خدا کی راہ میں دینے کو موجود ہو جاتے ہیں) ان پر (ناحق کی سختی کا) عیب لگاتے ہیں، غرض ان (سب) پر ہنستے ہیں جو اللہ ان منافقوں پر ہنستا ہے، اور ان کیلئے عذاب دردناک (تیار) ہے۔

مردوں کی جانب سے صدقہ کرنا

صحابہ کرام ؓ نہ صرف اپنی طرف سے بلکہ اپنے مردوں کی جانب سے بھی صدقہ کرتے تھے اور ان کو اس کا ثواب پہنچاتے تھے، حضرت سعد بن عبادہ ؓ کی والدہ نے انتقال کیا تو انہوں نے ان کی جانب سے بطور صدقہ جاریہ کے ایک کنواں کھدوایا۔ ایک صحابی کی والدہ نے انتقال کیا تو انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کی کہ ”یا رسول اللہ میری ماں دفعۃً مر گئی اور کوئی وصیت نہیں کی، لیکن اگر اس کو بات چیت کرنے کا موقع ملتا تو صدقہ کرتی، اب اگر میں اس کی جانب سے صدقہ کروں تو اس کو ثواب ملے گا؟“ آپ ﷺ نے فرمایا ”ہاں ملے گا۔“^۲

اعزہ و اقارب پر صدقہ کرنا

عام خیال ہے کہ صدقہ و خیرات صرف فقراء و مساکین کے ساتھ مخصوص ہیں، لیکن

۱: ایضاً باب المسالۃ فی المساجد۔

۲: بخاری کتاب الزکوٰۃ باب اتقوا النار ولو بشق تمرۃ مع فتح الباری جلد ۳ ص ۲۳۴۔

۳: ابوداؤد کتاب الزکوٰۃ باب فی فضل علی الملم۔

۴: مسلم کتاب الزکوٰۃ باب وصول ثواب الصدقہ عن المیت الیہ۔

در حقیقت اعزہ و اقارب کی اعانت کرنا سب سے بڑا صدقہ ہے، اور سب سے پہلے اسلام نے اس دقیق نکتہ کو بتایا اور صحابہ کرام ؓ نے اس پر عمل کیا۔

حضرت ابو طلحہ ؓ نے اپنا کنواں بیرحاء خدا کی راہ میں وقف کرنا چاہا تو رسول اللہ ﷺ کے حکم سے اپنے اعزہ و اقارب پر تقسیم کر دیا، ایک بار رسول اللہ ﷺ نے عورتوں کو صدقہ و خیرات کی ترغیب دی تو حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ کی بی بی حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے ان سے کہا کہ ”تم نادار آدمی ہو، رسول اللہ ﷺ کے پاس جاؤ اگر آپ اجازت دیں تو میں جو صدقہ کرنا چاہتی ہوں تمہیں پر کروں“ لیکن حضرت عبداللہ ابن مسعود ؓ نے کہا ”تم ہی جاؤ“ وہ آئیں تو آستان مبارک پر اسی غرض سے ایک دوسری بی بی بھی موجود تھیں، دونوں بیبیوں نے حضرت بلال ؓ کے ذریعہ سے دریافت کر لیا کہ ”دو عورتیں اپنے شوہروں اور چند قیموں پر جو ان کی کفالت میں ہیں صدقہ کرنا چاہتی ہیں، کیا یہ جائز ہے۔“ آپ ﷺ نے فرمایا، ان کو دہرا ثواب ملے گا۔ ایک قرابت کا دوسرا صدقہ کا ایک بار حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے پوچھا کہ: ”یا رسول اللہ ﷺ میں ابو سلمہ ؓ کے لڑکوں کے مصارف برداشت کرتی ہوں کیا مجھ کو اس کا ثواب ملے گا، میں ان کو چھوڑ نہیں سکتی، کیونکہ وہ میرے لڑکے ہیں، فرمایا ہاں تم کو ثواب ملے گا۔“

ایک صحابیہ رضی اللہ عنہا نے اپنی ماں کو ایک لونڈی صدقہ دی تھی، ماں کا انتقال ہو گیا، تو رسول اللہ ﷺ سے اس کی نسبت دریافت کیا، فرمایا ”صدقہ کا ثواب تمہیں مل چکا، اور وہ لونڈی تمہاری وراثت میں داخل ہو گئی۔“

صدقہ دینے پر اصرار

صرف یہی نہیں کہ صحابہ کرام ؓ صدقہ دیتے تھے، بلکہ صدقہ دینے پر اصرار کرتے تھے، ایک بار ایک صحابی انڈے کے برابر سونا لے کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا کہ ”یا رسول اللہ میں نے اسکو ایک کان میں پیلا ہے، قبول فرمائیے، یہ صدقہ ہے، اس کے سوا میرے پاس کچھ نہیں“ آپ ﷺ نے اعراض فرمایا، پھر داہنے جانب سے لے آئے، اور یہی درخواست کی، آپ ﷺ نے منہ پھیر لیا، پھر بائیں جانب سے آئے، آپ ﷺ نے پھر روگردانی کی، پھر پیچھے سے آئے، اب کی بار آپ ﷺ نے اس کو لے کر ان کی طرف اس زور سے پھینکا کہ اگر ان پر پڑا ہوتا، تو چوٹ آتی اور فرمایا کہ ”تم لوگ اپنا تمام سرمایہ

۱: مسلم کتاب الزکوٰۃ باب النفقہ علی الاقربین والزوج والادوالوالدین ولو کانوا مشرکین۔

۲: ابوداؤد کتاب الزکوٰۃ باب من تصدق بصدقته ثم ورثها۔

صدقہ میں دے دیتے ہو پھر بھیک مانگنے لگتے ہو، بہترین صدقہ وہ ہے جس کے بعد بھی انسان کے پاس کچھ مال رہ جائے۔^۱

آپ ﷺ نے ایک بار صدقہ دینے کا حکم دیا تو ایک صحابی نے کہا ”میرے پاس ایک دینار ہے۔“ فرمایا ”اسکو اپنے اوپر صدقہ کرو۔“ بولے ”ایک دینار اور بھی ہے۔“ فرمایا ”اپنے لڑکے پر صدقہ کرو۔“ بولے ”ایک اور بھی ہے۔“ فرمایا ”اپنی بی بی پر صدقہ کرو۔“ بولے ”ایک اور بھی ہے۔“ فرمایا ”اپنے خدام پر صدقہ کرو۔“ بولے ”ایک اور بھی ہے۔“ فرمایا ”اب تمہیں سمجھوتہ۔“

صدقہ دینے میں مسابقت

اسلام نے اگرچہ قمار بازی کو حرام کر دیا تاہم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بازی لگانے سے باز نہیں آتے تھے، لیکن اس بازی میں جو شخص کامیاب ہو جاتا تھا، اس کے ہاتھ ناجائز مال نہیں آتا تھا، بلکہ اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ آتے تھے۔

ایک دن رسول اللہ ﷺ نے صدقہ کرنے کا حکم دیا، حسن اتفاق سے اس وقت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس مال تھا، انہوں نے دل میں کہا ”آج میں ابو بکر رضی اللہ عنہ سے بازی لے جاؤں گا۔ نصف مال لے کر حاضر خدمت ہوئے، آپ نے فرمایا ”کچھ اہل و عیال کیلئے بھی رکھنا ہے۔“ بولے ”اسی قدر۔“ اسی اثنا میں حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ اپنا کل سرمایہ لے کر حاضر ہوئے، آپ نے فرمایا ”اہل و عیال کیلئے کیا چھوڑا۔“ بولے ”اللہ اور اللہ کا رسول ﷺ۔“ اب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا ”میں تم سے کبھی بازی نہ لے جا سکوں گا۔“^۲

اخفائے صدقہ

صدقہ، خیرات اگرچہ ہر حال میں نیکی کا کام ہے، لیکن چھپا کر صدقہ دینا اور بھی افضل ہے، اس لیے قرآن مجید میں آیا ہے:

اِنْ تُبْدُوا الصَّدَقَاتِ فَنِعِمَّا هِيَ وَاِنْ تُخْفَوْهَا وَ تُؤْتُوْهَا الْفُقَرَاءَ فَهِيَ خَيْرٌ لَّكُمْ

اگر علانیہ صدقہ دو تو یہ بھی بہتر ہے لیکن اگر چھپا کر دو تو یہ اور بھی اچھا ہے۔

اسلئے بعض صحابہ رضی اللہ عنہم مخفی طور پر صدقہ دینا زیادہ پسند کرتے تھے، چنانچہ جب یہ آیت:

لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتَّى تُنْفِقُوا مِمَّا تُحِبُّوْنَ

تم نیکی کو اس وقت تک نہیں پاسکتے جب تک اپنے محبوب ترین مال کو خیرات نہ کرو۔

۱: ایضاً باب الرجل یخرج من ماله۔

۲: ایضاً باب فی صلۃ الرحمہ۔

۳: ابوداؤد کتاب الزکوٰۃ باب الرخصۃ فی ذالک۔

یابہ آیت

مَنْ ذَا الَّذِي يُقْرِضُ اللَّهَ قَرْضًا حَسَنًا
وہ کون ہے جو خدا کو اچھا قرض دے۔

نازل ہوئی تو حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ انصاری نے رسول اللہ ﷺ سے کہا کہ ”اگر ممکن ہو تا تو میں اپنے فلاں باغ کو صدقہ میں دیتا اور اس کو بالکل مخفی رکھتا اس کا اعلان نہ کرتا۔“^۱

اپنے بہترین مال کا انفاق

ہم ہیں کہ صدقہ و خیرات اور زکوٰۃ میں ادنیٰ درجہ کی چیز بھی نہیں دے سکتے لیکن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ان میں ہمیشہ اپنا بہترین مال صرف کرتے تھے، جب قرآن مجید کی یہ آیت نازل ہوئی۔

لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتَّى تُنْفِقُوا مِمَّا تُحِبُّونَ

تم لوگ جب تک اپنا بہترین مال نہ خیرات کرو نیکی کو نہیں پاسکتے۔

تو حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آئے اور کہا ”یا رسول اللہ ﷺ خدا کہتا ہے کہ جب تک تم لوگ اپنا بہترین مال خیرات نہ کرو گے، نیکی کو نہ پاؤ گے، میرا محبوب ترین مال بیرحاء ہے جس کو میں خدا کی راہ میں صدقہ کرتا ہوں اور خدا سے اس کے ثواب کی امید کرتا ہوں۔“^۲

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا معمول تھا کہ ان کو اپنی چیز جو پسند آتی، اس کو خدا کی راہ میں دے دیتے، ایک بار سفر حج میں تھے، اونٹنی کی چال پسند آئی، تو اس سے اتر گئے اور اپنے غلام نافع سے کہا کہ اس کو قربانی کے جانوروں میں داخل کرلو۔^۳

اگرچہ رسول اللہ ﷺ نے مصدقین زکوٰۃ کو حکم دیا تھا کہ زکوٰۃ میں مال کا بہترین حصہ نہ لیں، لیکن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بخوشی اپنے مال کا بہترین حصہ دیتے تھے، ایک صحابی نے ایک محصل زکوٰۃ کو اپنی بہترین اونٹنی دی، لیکن اسنے لینے سے انکار کیا، تو کہا کہ ”میری خواہش ہے کہ آپ میرا بہترین اونٹ لیں“ پھر اس سے کم درجہ کی اونٹنی دی، لیکن اس نے اب بھی انکار کیا، بلاآخر اس سے بھی کم درجہ کی اونٹنی لینے پر راضی ہوا۔

ایک دن ایک صحابی پہاڑ کے درے میں بکریاں چرا رہے تھے، دو مصدق زکوٰۃ آئے اور کہا ”ہم کو رسول اللہ ﷺ نے تمہاری بکریوں کی زکوٰۃ وصول کرنے کیلئے بھیجا ہے“ بولے ”مجھ کو کیا دینا پڑے گا۔“ انہوں نے کہا ”ایک بکری“ انہوں نے ایک نہایت فرہ گاہن بکری

۱: مسند ابن فضال جلد ۳ ص ۱۷۴۔

۲: بخاری کتاب الزکوٰۃ باب الزکوٰۃ علی الاقارب۔

۳: طبقات ابن سعد واسد الغابہ تذکرہ حضرت عبداللہ بن عمر۔

دی تو بولے کہ ”ہم اس کو نہیں لے سکتے، آپ نے ہم کو اس سے منع فرمایا ہے۔“

ایک بار رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کو زکوٰۃ وصول کرنے کیلئے بھیجا، وہ ایک صحابی کے پاس آئے اور انہوں نے اپنے تمام اونٹ حاضر کر دیے، وہ سب کا جائزہ لے کر بولے کہ ”تم کو صرف ایک بچہ دینا ہوگا۔“ بولے ”نہ تو وہ سواری کے قابل ہے، نہ دودھ دیتا ہے، یہ جوان فرہ او نٹنی حاضر ہے۔“ بولے ”جب تک مجھ کو حکم نہ دیا جائے میں اس کو قبول نہیں کر سکتا، رسول اللہ ﷺ تم سے قریب ہی ہیں، اگر تم چاہو تو خود آپ کی خدمت میں اس او نٹنی کو پیش کر سکتے ہو، اگر آپ ﷺ نے قبول فرمایا تو میں بھی قبول کر لوں گا۔ وہ او نٹنی لے کر حاضر خدمت ہوئے اور عرض کی کہ ”یا نبی اللہ ﷺ میرے پاس صدقہ وصول کرنے کیلئے آپ کا محصل آیا اور آج سے پہلے رسول اللہ ﷺ کا کوئی محصل میرے پاس صدقہ وصول کرنے کیلئے نہیں آیا تھا، میں نے اپنے تمام اونٹ اس کے سامنے حاضر کر دیئے، تو اس نے کہا کہ تم پر صرف ایک بچہ فرض ہے لیکن وہ نہ تو دودھ دیتا تھا، نہ سواری کے قابل تھا، اس لئے میں نے اس کو جوان اور فرہ او نٹنی دی، لیکن اس سے انکار کر دیا، اب میں اس کو آپ ﷺ کی خدمت میں پیش کرتا ہوں۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا ”فرض تو تم پر وہی ہے، اس سے زیادہ دو تو صدقہ ہوگا، اور ہم اس کو قبول کر لیں گے۔“ انہوں نے کہا ”تو یہ حاضر ہے“ آپ ﷺ نے اس کے قبول کرنے کی اجازت دی اور ان کے مال میں برکت کی دعا فرمائی۔^۱

— ابواب الصیام —

صوم رمضان

رمضان کے روزے فرض ہوئے تو ابتدا میں عشاء کے بعد کھانا پینا حرام ہو جاتا تھا، اس پابندی کی وجہ سے اگرچہ بعض اوقات صحابہ رضی اللہ عنہم کو سخت زحمات برداشت کرنی پڑیں لیکن بائیں ہمہ انہوں نے روزہ رکھنے میں کبھی سہل انکاری سے کام نہیں لیا، ایک دن رمضان کے مہینے میں حضرت صرمہ بن قیس انصاری رضی اللہ عنہ نے بی بی سے کھانا مانگا، سوا اتفاق سے گھر میں کچھ نہ تھا، وہ باہر گئیں کہ کھانے پینے کی کوئی چیز تلاش کر کے لائیں، لیکن اس اثناء میں ان کی آنکھ لگ گئی اور کھانا نہ کھا سکے، صبح کو پھر روزہ رکھے ہوئے کام دھندے کیلئے نکل گئے دو دن کا متصل فاقہ، اس پر کام کی محنت، دوپہر ہوئی تو بھوک کی شدت سے بیہوش ہو گئے۔^۲

۱: ابوداؤد کتاب الزکوٰۃ باب فی زکوٰۃ السائمہ۔ ۲: ابوداؤد کتاب الصیام باب مبداء فرض الصیام۔

اگر کسی غلطی سے صحابہ کرام ؓ کا روزہ ٹوٹ جاتا تو ان پر مصیبت کا پہاڑ ٹوٹ پڑتا۔ ایک صحابی ؓ نے رمضان میں دن کو اپنی بی بی سے مباشرت کر لی، بعد کو اس قدر بدحواس ہوئے کہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں بال نوچتے ہوئے، سینہ کو بی کرتے ہوئے آئے اور کہا کہ ”میں ہلاک ہو گیا۔“^۱

سفر میں روزہ رکھنا

حالات سفر میں اگرچہ روزہ رکھنا فرض نہیں ہے، تاہم صحابہ کرام ؓ اس حالت میں بھی سخت سے سخت تکلیف برداشت کرتے، لیکن افطار کرنا پسند نہ کرتے، ایک صحابی ؓ نے سفر میں روزہ رکھا تو دھوپ کی شدت سے محفوظ رکھنے کیلئے لوگوں نے ان کے سر پر چادر تان دی، رسول اللہ ﷺ نے ان کے گرد لوگوں کا ہجوم دیکھا تو فرمایا ”سفر میں روزہ رکھنا نیکی کا کام نہیں۔“^۲

رسول اللہ ﷺ ایک سفر میں تھے دھوپ اس قدر تیز تھی کہ لوگ اسکی شدت سے سروں پر باتھ رکھتے تھے لیکن اس حال میں بھی حضرت عبداللہ بن رواحہ روزے سے تھے۔^۳ ایک بار صحابہ کرام ؓ ایک نہایت گرم دن میں سفر کر رہے تھے ان میں جو لوگ روزے سے تھے منزل پر پہنچ کر ضعف سے گر پڑے اور بے روزہ داروں نے خیمے وغیرہ کھڑے کئے۔^۴

رسول اللہ ﷺ نے مکہ کا سفر کیا تو تمام صحابہ ؓ روزہ سے تھے منزل پر پہنچ کر فرمایا کہ تم لوگ دشمن کے قریب پہنچ گئے اور افطار تمہارے لئے از دیاد قوت کا سبب ہو گا اس پر بھی بہت سے صحابہ ؓ نے روزہ افطار نہیں کیا دوسری منزل آئی تو آپ ﷺ نے اور بھی تاکید کے ساتھ افطار کی ترغیب دی اب تمام صحابہ ؓ نے روزہ توڑ دیا۔^۵

صوم عاشوراء

رمضان کے روزوں کے علاوہ صحابہ کرام ؓ اور بھی مختلف قسم کے روزے رکھتے تھے اول اول عاشوراکا روزہ فرض تھا اس لئے عاشورے کی صبح کو رسول اللہ ﷺ منادی کراہتے کہ جن لوگوں نے روزہ رکھا ہے وہ اپنے روزے پورے کر لیں اور جو لوگ کھانی چکے

۱۔ موطا امام مالک کتاب الصیام باب من افطر فی رمضان۔

۲۔ ابوداؤد کتاب الصیام باب اختیار افطار۔

۳۔ بخاری کتاب الصوم باب اباصحابنا من رمضان ثم سافر۔

۴۔ مسلم کتاب الصوم باب جواز الصوم ووافطر فی شہر رمضان المسافر۔

۵۔ ایضاً باب اجر الفطر فی الفطر الا تولى العمل۔

ہیں وہ بقیہ دن کا روزہ رکھیں اس اعلان کے بعد صحابہ کرام ؓ نے اس شدت کے ساتھ اس کی پابندی کی کہ نہ صرف خود روزے رکھتے بلکہ اپنے چھوٹے چھوٹے بچوں سے بھی روزے رکھواتے اور جب وہ کھانے کیلئے روتے تو بہلانے کیلئے ان کو رنگین اون کی گڑیاں دے دیتے۔^۱ فرضیت صوم رمضان کے بعد اگرچہ یہ روزہ فرض نہیں رہا تاہم بعض صحابہ ؓ نے اس کو قائم رکھا ایک بار حضرت معاویہ ؓ نے مدینہ میں خطبہ دیا جس میں فرمایا کہ اس دن کا روزہ اگرچہ فرض نہیں ہے تاہم میں روزے سے ہوں جس کا جی چاہے روزہ رکھے جس کا جی چاہے افطار کرے۔^۲

صوم داؤدی

حضرت عبداللہ بن عمر ؓ وصائم الدہر رہا کرتے تھے رسول اللہ ﷺ نے ان کو منع فرمایا اور کہا کہ ہر مہینہ میں صرف تین دن رکھا کرو لیکن ان کے شوق کو اس سے کیا تسکین ہو سکتی تھی؟ بولے مجھ میں اس سے زیادہ طاقت ہے ارشاد ہوا تو صوم داؤدی کا التزام کر لو یعنی ایک دن کا ناغہ دے کر دوسرے دن کا روزہ رکھو۔^۳

صوم وصال

رسول اللہ ﷺ متصل کئی کئی دن کے روزے رکھتے تھے آپ ﷺ کو دیکھ کر صحابہ کرام ؓ نے بھی متصل روزے رکھنے شروع کیے لیکن آپ ﷺ نے صحابہ ؓ کو روک دیا اور فرمایا میری حالت تم سے مختلف ہے مجھ کو خدا کھلاتا پلاتا ہے۔^۴ تاہم بعض صحابہ ؓ صوم وصال کے پابند تھے چنانچہ حضرت عبداللہ بن زبیر ؓ متصل ایک ایک ہفتہ کا روزہ رکھا کرتے تھے۔^۵

دوشنبہ اور پنج شنبہ کے روزے

رسول اللہ ﷺ ان دونوں دنوں کے روزے رکھتے تھے اور فرماتے تھے کہ ان دونوں دنوں میں اللہ تعالیٰ کے سامنے بندوں کے اعمال پیش کیے جاتے ہیں بعض صحابہ ؓ نے بھی اس کا التزام کر لیا تھا چنانچہ ایک دن حضرت اسامہ ؓ وادی قرئی کو گئے اور ان دنوں

۱: ایضاب، من اکل فی عاشوراء فلکیف بقیۃ یومہ۔

۲: ایضاب صوم یوم عاشوراء۔

۳: مسلم کتاب الصیام باب استحباب صیام ثلاثہ ایم من کل شہر۔

۴: ایضاب النبی عن الوصال فی الصوم۔

۵: اسد الغابہ تذکرہ ابن زبیر۔

کے روزے رکھے غلام نے کہا ”آپ تو بڑھے ہیں ان دنوں میں کیوں روزہ رکھتے ہیں؟“ بولے رسول اللہ ﷺ ان دنوں کے روزے رکھا کرتے تھے۔^۱

ایام بیض کے روزے

رسول اللہ ﷺ ایام بیض ہر مہینے کی تیرھویں چودھویں اور پندرھویں کے روزے رکھتے تھے اور فرماتے تھے کہ یہ روزے صوم دہر کے مثل ہیں صحابہ کرام ؓ کو بھی یہی حکم تھا۔^۲

صائم الدہر رہنا

ایک صحابی ایک سال آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر واپس چلے گئے دوسرے سال پھر حاضر خدمت ہوئے تو صورت اس قدر بدل گئی تھی کہ آپ ﷺ نے ان کو نہیں پہچانا اس بنا پر انھوں نے خود اپنا تعارف کرایا اور کہا کہ میں وہی شخص ہوں جو پہلے سال آیا تھا۔ فرمایا ”تمہارا کیا حال ہو گیا؟ تمہاری صورت تو اچھی خاصی تھی۔“ بولے ”جب سے آپ ﷺ سے جدا ہوا ہوں رات کے سوا دن کو کبھی کھانا نہیں کھایا۔“ لیکن آپ ﷺ نے ان کو اس سے منع فرمایا۔^۳ بائیں ہمد بہت سے صحابہ ؓ ہمیشہ روزے سے رہتے تھے حضرت ابولہامہ ؓ نے متعدد غزوات میں رسول اللہ ﷺ سے بار بار دعائے شہادت کی درخواست کی لیکن آپ ﷺ نے سلامتی کی دعا فرمائی۔ اخیر میں عرض کی کہ ”اچھا یہ نہ سہی تو کسی ایسے عمل کی ہدایت فرمائیے کہ خدا مجھے اس سے نفع دے آپ ﷺ نے روزے کا حکم دیا اور انھوں نے متصل روزے رکھنے کا التزام کر لیا۔ خادم اور بی بی نے بھی اس عمل صالح میں شرکت کی اور روزہ ان کے گھر کی امتیازی علامت ہو گئی اگر کسی دن ان کے گھر میں دھواں اٹھتا یا آگ جلائی جاتی تو لوگ سمجھتے کہ آج ان کے گھر میں کوئی مہمان آیا ہے۔^۴ ورنہ اس گھر میں دن کا کھانا کیونکر پک سکتا تھا۔

حضرت زید بن سہل ؓ عہد رسالت میں غزوات کی شرکت کی وجہ سے روزے نہیں رکھ سکتے تھے۔ اسلئے رسول اللہ ﷺ کا وصال ہوا تو اسکی تلافی کرنا شروع کی اور ۴۰ برس تک متصل روزے رکھے اور عید کے سوا کہ اس دن روزہ رکھنا حرام ہے کبھی بے روزہ نہ رہے۔^۵

حضرت حمزہ بن عمرو ؓ الا سلمی بھی ہمیشہ روزے سے رہتے تھے۔^۶

۱۔ ابوداؤد کتاب الصوم باب فی صول الثمین والنمیس۔

۲۔ ایضاً فی صوم الثلث من کل شہر۔

۳۔ ابوداؤد کتاب الصیام باب فی صوم اشہر الحرام۔ ۴۔ مسند جلد ۵ ص ۲۵۵۔

۵۔ اسد الغابہ تذکرہ حضرت زید بن سہلؓ۔

۶۔ مسلم کتاب الصوم باب الخیم فی الصوم والفطر فی السفر۔

نفل کے روزے رکھنا

حضرت ابوالدرداء کو نفل کے روزہ کا اس قدر شوق تھا کہ اگر یہ معلوم ہو جاتا کہ آج گھر میں کچھ کھانے کو نہیں ہے تو کہتے کہ میں آج روزے سے ہوں حضرت ابو طلحہ ؓ حضرت ابو ہریرہ ؓ حضرت حذیفہ ؓ اور حضرت عبداللہ بن عباس ؓ کا بھی یہی حال تھا۔^۱ بعض صحابہ رضی اللہ عنہا نفل کے روزے رکھتی تھیں جس سے ان کے شوہر کو تکلیف ہوتی تھی انھوں نے روکا تو ان کو سخت ناگوار ہوا اور رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں جا کر شکایت کی لیکن آپ نے حکم دیا کہ کوئی عورت شوہر کی اجازت کے بغیر نفل کا روزہ نہیں رکھ سکتی۔^۲

مردوں کی جانب سے روزہ رکھنا

صحابہ کرام ؓ نہ صرف اپنی طرف سے بلکہ اپنے مردوں کی جانب سے بھی روزے رکھتے تھے ایک صحابی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا کہ میری ماں کا انتقال ہو گیا اور اس پر پورے مہینے کے روزے فرض تھے کیا میں ان کو پورا کر دوں۔ “آپ ﷺ نے فرمایا۔ ہاں۔“

بچوں سے روزہ رکھوانا

صحابہ کرام ؓ نہ صرف خود روزہ رکھتے تھے بلکہ اپنے بچوں سے بھی روزہ رکھواتے تھے اوپر گزر چکا ہے کہ ایک بار رسول اللہ ﷺ نے صوم عاشوراء کی منائی کروائی تو صحابہ کرام ؓ نے خود روزہ رکھا اور بچوں سے بھی روزے رکھوانے ایک بار حضرت عمر ؓ نے رمضان میں ایک بدمست کو یہ کہہ کر سزا دی کہ ”ہمارے بچے روزے رکھتے ہیں اور تمہارا یہ حال ہے افسوس۔“

اعتکاف

ایک بار رسول اللہ ﷺ نے رمضان کے آخری عشرہ میں اعتکاف کیا تو تمام صحابہ ؓ بھی آپ ﷺ کے ساتھ معتکف ہوئے۔^۳

۱: بخاری کتاب الصوم باب لڑائی باہمار صوما۔

۲: ابو داؤد کتاب الصیام باب اللہ اقصوم بغیر لڑن زوجہا۔

۳: بخاری کتاب الصوم باب من مات، م، یہ صوم۔

۴: ایضاً باب صوم الصبیان۔

۵: مسلم کتاب الصوم باب فضل لیلة القدر۔

ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کو اعتکاف کا اس قدر شوق تھا کہ ایک بار رسول اللہ ﷺ نے اعتکاف کیلئے خیمہ نصب کرنے کا حکم دیا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے دیکھا تو اپنا خیمہ الگ نصب کر لیا۔ ان کی دیکھا دیکھی تمام ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن نے خیمے نصب کرائے۔ آپ ﷺ نے دیکھا تو اپنے ساتھ ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے خیمے بھی گروا دیئے کہ اس سے آپ ﷺ کے سکون و جمعیت خاطر میں فرق آتا تھا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے زمانہ جاہلیت میں اعتکاف کی نذر مانی تھی اسلام لانے کے بعد رسول اللہ ﷺ سے اس کے پورا کرنے کی اجازت چاہی آپ ﷺ نے اجازت دی تو انھوں نے اس نذر کو پورا کیا۔^۱

— ابواب الحج —

ج

فرائض اسلام میں اگرچہ حج تمام عمر میں صرف ایک بار فرض ہے لیکن بعض صحابہ کرام تقریباً ہر سال فریضہ حج کو افرماتے تھے ایک بار حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ ﷺ سے جہاد کی اجازت چاہی تو فرمایا بہترین جہاد حج مبرور ہے اس کے بعد سے وہ کبھی حج کو چھوڑنا نہیں چاہتی تھیں۔^۲ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک خطبہ میں فرمایا جب تم جہاد سے فارغ ہو تو حج کیلئے کجاوے کو کیونکہ حج بھی ایک جہاد ہے۔^۳

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سخت سے سخت خطرے کی حالت میں بھی حج کو قضا نہیں فرماتے تھے حجاز اور حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے درمیان جنگ شروع ہوئی اور خود مکہ محاصرہ میں آگیا تو انھوں نے اس حالت میں بھی سفر حج کرنا چاہا صاحبزادے نے روکا تو بولے کہ ہمارے سامنے رسول اللہ ﷺ کا نمونہ موجود ہے آپ حج کیلئے چلے تو کفار نے روک دیا۔ اگر مجھے بھی روکا جائے گا تو میں بھی وہی کروں گا جو رسول اللہ ﷺ نے کیا۔^۴

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جس ذوق و شوق سے حج کرتے تھے اس کا موثر منظر حجت الوداع میں دنیا

۱: ابوداؤد کتاب الصیام باب فی الاعتکاف۔

۲: ایضاً باب المغتکف یعود الریض۔

۳: بخاری کتاب الحج باب حج النساء۔

۴: بخاری مع فتح الباری کتاب الحج باب الحج علی الرجل۔

۵: بخاری کتاب الحج باب طواف القارن۔

کو نظر آیا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے اعلان حج کیا تو مدینہ میں بکثرت صحابہ ؓ جمع ہوئے حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا اگرچہ حاملہ تھیں اور اسی سفر میں بمقام ذوالحلیفہ ان کو وضع حمل بھی ہو گیا۔ تاہم وہ بھی شریک سفر ہوئیں آپ مقام بیداء میں پہنچے تو صحابہ ؓ کا اس قدر ازدحام ہوا کہ دائیں بائیں آگے پیچھے آدمی ہی آدمی نظر آتے تھے۔

تمام خلفاء اپنے زمانہ خلافت میں بالالتزام حج کرتے تھے اور خود امیر الحاج ہوتے تھے حضرت عثمان ؓ کی مدت خلافت دس برس ہے اور اس مدت میں انھوں نے متصل دس سال حج کیے اخیر سال جب لوگوں نے ان کا محاصرہ کر لیا تو خود نہ جاسکے لیکن حضرت عبد اللہ بن عباس ؓ کو امیر الحاج بنا کر بھیجا۔

اسلام نے اگرچہ رہبانیت کو باطل کر دیا تھا تاہم بعض صحابہ ؓ فریضہ حج کے ادا کرنے میں طرح طرح کا التزام مالا یلزم کرتے تھے ایک صحابیہ رضی اللہ عنہا نے خانہ کعبہ تک پیادہ جانے کی نذر مانی اور رسول اللہ ﷺ سے دریافت کر لیا تو آپ ﷺ نے کہلا پیادہ بھی چلیں اور سوار بھی ہو لیں۔ ”آپ ﷺ نے ایک بوڑھے صحابی ؓ کو دیکھا کہ اپنے دو بیٹوں کے سہارے پیادہ چل رہے ہیں۔ فرمایا کیا معاملہ ہے۔ معلوم ہوا کہ پیادہ حج کرنے کی منت مانی ہے آپ ﷺ نے سوار ہونے کا حکم دیا اور فرمایا کہ خدا اس کی جان کو عذاب میں ڈالنے سے بے نیاز ہے۔

اگر کسی معذوری سے حج کے فوت ہو جانے کا اندیشہ ہو جاتا تھا تو صحابہ کرام ؓ کو سخت صدمہ ہوتا تھا، حجۃ الودع میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو ضرورت نسوانی سے معذوری ہو گئی رسول اللہ ﷺ کا گذر ہوا تو دیکھا کہ رو رہی ہیں، فرمایا کیا ماجرا ہے۔ بولیں کہ کاش میں اس سال حج نہ کرتی، فرمایا ”سبحان اللہ، یہ تو فطری چیز ہے، تمام فسلک ادا کرو، صرف خانہ کعبہ کا طواف نہ کرو۔“

باپ ماں کی طرف سے حج کرنا

صحابہ کرام ؓ نہ صرف خود بلکہ اپنے ماں باپ کی جانب سے بھی حج ادا کرتے تھے، حجۃ الودع کے زمانہ میں ایک صحابیہ رضی اللہ عنہا رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں

- ۱: مسلم کتاب الحج باب حجۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔
- ۲: طبقات ابن سعد تذکرہ حضرت عثمان ؓ۔
- ۳: بخاری کتاب الحج باب من نذر ان یشی الی الکعبۃ۔
- ۴: ابوداؤد کتاب المناسک باب فی افران الحج۔

اور کہا کہ ”میرے باپ پر حج فرض ہو گیا ہے، لیکن وہ بڑھاپے کی وجہ سے سواری پر بیٹھ نہیں سکتے کیا میں ان کی جانب سے حج ادا کر دوں۔“ آپ ﷺ نے ان کو اس کی اجازت دے دی۔^۱

ایک صحابیہ رضی اللہ عنہا کی ماں کا انتقال ہو چکا تھا، وہ آپ ﷺ کی خدمت میں آئیں اور کہا کہ ”میری ماں نے کبھی حج نہیں کیا کیا میں ان کی جانب سے اس فرض کو ادا کر دوں؟“ آپ ﷺ نے ان کو بھی اجازت دے دی۔^۲

عمرہ

بعض صحابہ ﷺ عمرہ کو فرض سمجھتے تھے، چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا خیال تھا کہ حج کی طرح عمرہ بھی ہر شخص پر فرض ہے، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اسکی فریفت پر یہ استدلال کرتے تھے کہ قرآن مجید میں حج اور عمرہ دونوں کا حکم ایک ساتھ آیا ہے۔

اتموا الحج والعمرة لله۔^۳

خدا کیلئے حج اور عمرہ پورا کرو۔

بہر حال عمرہ کا فرض ہو یا نہ ہو، لیکن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس کو نہایت پابندی کے ساتھ ادا کرتے تھے اور جب وہ فوت ہو جاتا تھا، تو ان کو سخت قلق ہوتا تھا، حجت الوداع کے زمانے میں رسول اللہ ﷺ نے دیکھا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا رورہی ہیں، وجہ پوچھی تو بولیں کہ میں ضرورت نسوانی سے معذور ہوں لوگ دودھ کو (حج اور عمرہ) کا ثواب لے کر جاتے ہیں، اور میں صرف ایک کا۔ فرمایا: ”کوئی حرج نہیں خدا تم کو عمرہ کا ثواب بھی عطا فرمائے گا۔“

چنانچہ آپ ﷺ نے حضرت عبدالرحمن بن ابی بکر رضی اللہ عنہ کو ساتھ لے کر دیا، اور مقام بتیمیم میں جا کر انہوں نے عمرہ کا احرام باندھا، اور آدھی رات کو فارغ ہو کر آئیں۔

قربانی کرنا

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نہایت پابندی اور نہایت شوق کے ساتھ قربانی کرتے تھے، ایک بار حضرت ابو کبشہ رضی اللہ عنہ تجارت کی غرض سے کچھ بکریوں کے بچے لائے لیکن کسی نے نہیں پوچھا وہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ملے اور اس کے جواز عدم جواز کے متعلق دریافت کیا تو انہوں نے کہا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے

- ۱۔ بخاری تہذیب السنن باب وجوب الحج والعمرة۔
- ۲۔ مسلم کتاب الصوم باب قضاء الفرائض عن ابن عباس۔
- ۳۔ بخاری باب العمرة باب وجوب العمرة والاضحية۔
- ۴۔ بخاری باب العمرة کتاب الحج۔

و نعت الا ضحیتہ الجذع۔

بکری کا بچہ قربانی کیلئے کس قدر موزوں ہے۔

یہ سننا تھا کہ صحابہ ؓ نے ہاتھوں ہاتھ گلے کو خرید لیا۔^۱

ایک بار حضرت اسود بن ہلال ؓ مدینہ میں بہت سے اونٹ لے کر آئے، مسجد میں گئے تو دیکھا کہ حضرت عمر ؓ تقریر کر رہے ہیں اور لوگوں کو حج کرنے اور ہدی لے جانے کی ترغیب دے رہے ہیں، وہ مسجد سے اگلے تو ہر شخص نے ایک ایک اونٹ خرید لیا اور وہ مالا مال ہو گئے۔ (ابواب جہاد)

شوق جہاد

اسلام کے فرائض و اعمال میں جہاد سب سے زیادہ سخت ہے، لیکن صحابہ کرام ؓ کو جہاد کا اس قدر شوق تھا کہ حضرت زبیر ؓ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ سے حضرت عثمان ؓ کے عہد تک برابر جہاد ہی میں مشغول رہے۔^۲

ایک بار رسول اللہ ﷺ نے شرکت جہاد کیلئے عام منادی کرائی، ایک صحابی نہایت بوڑھے تھے اور خدمت کیلئے ان کے پاس کوئی خادم بھی نہ تھا تاہم اس قدر شوق جہاد رکھتے تھے کہ شریک جہاد ہوئے، اور خدمت کیلئے تین دینار کی اجرت پر ایک شخص کو ساتھ لیتے گئے۔^۳ بی بی اور جائداد سب کو عزیز ہوتے ہیں، لیکن شوق جہاد میں بعض صحابہ ؓ نے ان کو بھی الگ کر دیا تھا، حضرت سعد بن ہشام ؓ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنی بی بی کو طلاق دے دی اور اور مدینہ آیا کہ وہاں کی جائداد کو بیچ کر ہتھیار خریدوں اور جہاد کروں، لیکن چند صحابہ ؓ ملے اور انہوں نے کہا کہ "ہم میں بھی چھ شخصوں نے یہی ارادہ کیا تھا، لیکن رسول اللہ ﷺ نے منع فرمادیا۔"^۴

شوق شہادت

عہد نبوت ﷺ میں شہادت ایک ابدی زندگی خیال کی جاتی تھی، اس لیے ہر شخص اس آب حیات کا پیاسا رہتا تھا، حضرت ام ورقہ بنت نوفل رضی اللہ عنہا ایک صحابیہ رضی اللہ عنہا تھیں، جب بدر کا معرکہ پیش آیا تو انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کی

۱: ترمذی کتاب الضاحی باب فی الجذع من بضان فی الضاحی۔

۲: طبقات ابن سعد تذکرہ اسود بن ہلال۔

۳: بخاری کتاب الجہاد باب برکۃ الغازی فی مالہ حیاً ومیتاً۔

۴: ابوداؤد کتاب الجہاد باب فی الرجل یفر و باجیر لیموت۔

۵: ابوداؤد کتاب الصلوٰۃ لللیل۔

کہ ”مجھ کو شریک جہاد ہونے کی اجازت عطا فرمائیے، میں مریضوں کی تیمارداری کروں گی، شاید مجھے وہ درجہ شہادت حاصل ہو جائے، لیکن آپ نے فرمایا ”گھر ہی میں رہو، خدا تمہیں وہیں شہادت دے گا“ یہ معجزہ پیشین گوئی کیونکر غلط ہو سکتی تھی۔ انہوں نے ایک لونڈی اور ایک غلام بدر لائے تھے، جنہوں نے ان کو شہید کر دیا کہ جلد آزاد ہو جائیں۔

رسول اللہ ﷺ پر ایک بدو ایمان لایا اور آپ ﷺ کے ساتھ ہجرت کرنے پر آمادگی ظاہر کی، لیکن آپ ﷺ نے اس کو بعض صحابہ رضی اللہ عنہم کے سپرد کر دیا جن کے ہونٹ وہ چریا کرتا تھا، لیکن جب ایک غزوہ میں مال غنیمت ہاتھ آیا اور آپ ﷺ نے اس کا بھی حصہ لگایا تو اس نے کہا میں اس لئے ایمان نہیں لایا میں اس لئے حلقہ اسلام میں داخل ہوا ہوں کہ میرے حلق میں تیر لگے اور میں شہید ہو کر جنت میں داخل ہوں ”تھوڑی دیر کے بعد معرکہ کارزار کرم ہو تو وہ ٹھیک حلق پر تیر کھا کر شہید ہوا، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم لاش کو آپ ﷺ کے سامنے لائے، تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ ”اس نے خدا کی تصدیق کی تو خدا نے بھی اس کی تصدیق کی“ یہ کہ کر خود اپنا جبہ کفن کیلئے عنایت فرمایا۔^۱

غزوہ احد میں ایک صحابی نے آپ ﷺ سے پوچھا ”اگر میں شہید ہو جاؤں تو میرا ٹھکانا کہاں ہو گا؟“ ارشاد ہوا کہ ”جنت میں“۔ کھجوریں ہاتھ میں تھیں، ان کو پھینکا اور لڑکر شہید ہوئے۔ غزوہ بدر میں جب مشرکین مکہ قریب آگئے تو آپ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی طرف خطاب کر کے فرمایا ”اٹھو اور وہ جنت لو جس کا عرض آسمان اور زمین کے برابر ہے۔“ حضرت عمیر بن الجمہام انصاری رضی اللہ عنہ نے کہا ”یا رسول اللہ ﷺ، آسمان و زمین کے برابر ”ارشاد ہوا“ ہاں“ بولے، ”ولہ ولہ“۔ فرمایا ”ولہ ولہ کیوں کہتے ہو۔“ بولے ”صرف اس امید میں کہ شاید میں بھی اس میں داخل ہو سکوں۔“ ارشاد ہوا کہ ”تم داخل ہو گئے۔“ اس سوال و جواب کے بعد انہوں نے جھولی سے کھجوریں نکالیں اور کھانے لگے، پھر شوق شہادت نے جوش مارا، اور بولے کہ ”اتنا وقفہ بھی جس میں یہ کھجوریں کھا سکوں میرے لئے بہت ہے“ یہ کہہ کر کھجوروں کو پھینکا امید ان میں گئے، لڑے اور شہید ہوئے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ کے چچا غزوہ بدر میں شریک نہ ہو سکے تھے، اس لئے ہمیشہ یہ کانٹا ان کے دل میں کھٹکا کرتا تھا، غزوہ احد پیش آیا تو اس میں اس جانبازی کے ساتھ لڑکر شہید ہوئے کہ ان کی بہن کا بیان ہے کہ تیر، نیزے اور تلوار کے اسی زخم سے زیادہ جسم پر تھے میں نے

۱: مدبران غلاموں کو کہتے ہیں جن سے آقا یہ کہہ دے کہ اس کی موت کے بعد آزاد ہو جائیں گے۔

۲: ابو داؤد کتاب الصلوٰۃ باب للمہ النساء۔

۳: نسائی کتاب الجنازہ باب الصلوٰۃ علی الشہداء۔

صرف انگلیوں سے ان کو پہچانا۔

ایک بار ایک صحابی نے معرکہ جنگ میں یہ روایت کی کہ ”جنت کے دروازے تلوار کے سایہ کے نیچے ہیں“ ایک صحابی اٹھے اور کہا ”تم نے اسکو رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے“ بولے ”ہاں“ وہ وہاں سے اٹھ کر اپنے رفقاء کے پاس آئے، اور سلام کر کے ان سے رخصت ہوئے، تلوار کامیان توڑ کر پھینک دیا اور دشمن کی صف میں گھس کر لڑے اور شہید ہوئے۔^۱

حضرت عبداللہ بن ثابت ؓ کو طاعون ہوا، رسول اللہ ﷺ عیادت کیلئے تشریف لائے تو آثار موت طاری ہو چکے تھے، عورتیں رونے پٹینے لگیں، ان کی صاحبزادی روتی تھیں اور کہتی تھیں کہ ”مجھے توقع یہ تھی کہ آپ ﷺ شہید ہوں گے، آپ ﷺ نے جہاد کا سامان مکمل بھی کر لیا تھا، آپ ﷺ نے فرمایا ان کو نیت کا ثواب مل چکا۔“^۲

حضرت عمرو بن الجموح ؓ ایک بوڑھے اور لنگڑے صحابی تھے، غزوہ بدر میں رسول اللہ ﷺ نے لنگڑا پن کی وجہ سے ان کو مدینہ ہی میں چھوڑ دیا تھا، لیکن غزوہ احد میں انہوں نے بیٹوں سے کہا کہ ”مجھے میدان جہاد میں جانے دو“ سب نے کہا ”آپ ﷺ کو تو رسول اللہ ﷺ نے معاف کر دیا ہے۔“ بولے ”افسوس تم نے مجھے بدر میں جنت سے محروم رکھا اور اب احد میں بھی محروم رکھنا چاہتے ہو؟“ یہ کہہ کر روانہ ہوئے جب لڑائی کا وقت آیا تو ”بولے یا رسول اللہ ﷺ! اگر میں شہید ہو جاؤں تو اسی طرح لنگڑا ہوا جنت میں پہنچ جاؤں گا؟“ ارشاد ہوا ”ہاں“۔ یہ سن کر آگے بڑھے، لڑے اور شہید ہوئے۔^۳

خلوص فی الجہاد

صحابہ کرام ؓ کے فضائل و مناقب میں خلوص سب سے زیادہ نمایاں چیز ہے، حضرت ولید بن ولید ؓ غزوہ بدر میں گرفتار ہوئے اور فدیہ دے کر رہائی پائی، فدیہ ادا کرنے کے بعد مکہ کو روانہ ہوئے اور ذوالحلیفہ تک پہنچ کر واپس گئے اور اسلام لائے، اس پر ان کے بھائی خالد نے کہا کہ ”اگر اسلام ہی لانا تھا تو فدیہ دینے سے پہلے ہی اسلام لاتے کہ فدیہ سے بچ جاتے“ بولے ”میں اس لئے فدیہ دینے کے بعد اسلام لایا کہ قریش یہ نہ کہیں کہ فدیہ سے بچنے کیلئے اسلام قبول کیا ہے۔“^۴

جہاد میں اس خلوص کا اظہار اور بھی شدت سے ہوتا تھا، حضرت عمرو بن اقیش ؓ

۱: مسلم کتاب الامارۃ باب ثبوت الجنة للشہید۔

۲: ابوداؤد کتاب الجنائز باب فضل من مات فی الطاعون۔

۳: اسد الغابہ تذکرہ سلیم مولیٰ عمرو بن الجموح۔

۴: طبقات ابن سعد تذکرہ ولید بن ولید۔

غزوہ احد کے زمانہ تک کافر تھے، احد کا معرکہ پیش آیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کو بھی ہدایت دی اور گھر میں آکر کہا کہ ”میرے چچا زاد بھائی کہاں ہیں؟ فلاں کہاں ہیں؟ فلاں کہاں ہے؟ لوگوں نے احد کا نام لیا تو زہر بہن کر گھوڑے پر سوار ہوئے اور احد کا راستہ لیا۔ صحابہ کرام ؓ نے دیکھا تو کہا کہ ”ہم سے الگ رہو“ بولے کہ ”میں تو ایمان لا چکا“۔ یہ کہہ کر کفار پر حملہ شروع کر دیا اور زخمی ہو کر گمراہیں آئے، حضرت سعد بن معاذ ؓ نے ان کی بہن سے پچھو لیا کہ جہاد کی شرکت حمیت قومی کیلئے تھی یا خدا کی راہ میں بولے ”صرف خدا اور رسول ﷺ کی حمایت کیلئے“۔

دب رسول اللہ ﷺ نے غزوہ تبوک کی شرکت کیلئے منادی کرائی تو حضرت وائلہ بن اسقع ؓ تمام مدینہ میں پکارتے پھرے کہ کون اس شخص کو سواری دیتا ہے، جو اپنی غنیمت کا حصہ اس کے صلے میں دینے کیلئے تیار ہے۔ ایک بڑھے انصاری نے جواب دیا کہ ”میں دیتا ہوں“ وہ راضی ہو گئے اور ان کے ساتھ چل کھڑے ہوئے، مال غنیمت تقسیم ہوا تو ان کے حصہ میں چند نوجوان اونٹنیاں آئیں اور انہوں نے اونٹنیوں کو لا کر انصاری بزرگ کے سامنے کھڑا کر دیا، بولے ذرا ادھر ادھر پھرا کے تو دکھاؤ ”انہوں نے ان کو آگے بڑھلایا، پھر پیچھے ہٹلایا، دیکھ بھال کے بولے ”نہایت عمدہ ہیں“ انہوں نے کہا ”شرط کے موافق تو یہ آپ ہی کی ہیں“۔ بولے ”اپنی اونٹنیاں لجاؤ، ہمارا مقصود تمہارا یہ حصہ نہ تھا، بلکہ اور کچھ تھا“۔ یعنی ثواب جہاد میں شرکت۔

۱: ابوداؤد کتاب الجہاد باب فنی من یسلم و یقتل مکانہ فی سبیل اللہ تعالیٰ۔

۲: ایضاً باب الرجل یکرئ و ابتہ علی النصف و السهم۔

عمل بالقرآن

آج ہر مسلمان قرآن مجید کی تلاوت کرتا ہے عقائد احکام، اخلاق، معاش اور معاد کے متعلق تمام آیتیں اس کی نگاہ سے گزرتی ہیں لیکن چونکہ دل سے اثر پذیری کا مادہ مفقود ہو چکا ہے اس لئے کانوں پر جوں بھی نہیں ریگیتی لیکن صحابہ کرام ؓ کی حالت اس سے بالکل مختلف تھی ان پر قرآن مجید کی ایک ایک آیت کا اثر پڑتا تھا اور اس شدت کے ساتھ پڑتا تھا کہ اس کے خوف سے ہمیشہ کانپتے رہتے تھے۔

ایک سفر میں حضرت عمر ؓ نے رسول اللہ ﷺ سے بار بار ایک سوال کیا جواب نہ ملا تو آگے نکل گئے اور دل میں خوف پیدا ہوا کہ کہیں ان کے بارے میں کوئی آیت نہ نازل ہو جائے تھوڑی دیر کے بعد دربار نبوت سے پکار ہوئی وہ گھبرا گئے کہ آیت نازل ہو گئی حاضر خدمت ہوئے تو آپ ﷺ نے یہ آیت سنائی۔

إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِينًا^۱

ہم نے تم کو کھلی ہوئی فتح دی۔

رسول اللہ ﷺ کا وصال ہوا تو تمام صحابہ ؓ سخت اضطراب میں مبتلا تھے حضرت عمر ؓ کو آپ ﷺ کے وصال کا یقین ہی نہیں آتا تھا لیکن جب حضرت ابو بکر ؓ نے خطبہ دیا اور اس میں یہ آیت پڑھی۔

وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ الْخ-

محمد (ﷺ) صرف پیغمبر ہیں اور ان کے پیشتر بہت پیغمبر گزر چکے ہیں۔

تو صحابہ ؓ پر یہ اثر ہوا کہ گویا یہ آیت اس سے پیشتر نازل ہی نہیں ہوئی تھی تمام صحابہ ؓ نے اس کو ازبر کر لیا اور سب کے سب اس کو پڑھنے لگے حضرت عمر ؓ کا بیان ہے کہ جب میں نے ابو بکر ؓ سے اس آیت کو سنا تو زمین میرے پاؤں کے نیچے سے نکل گئی اور میں زمین پر گر پڑا۔^۲

حضرت سعد ؓ غزوہ بدر میں ایک تلوار لے کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا کہ آج دشمن کے خون سے خدا نے میرے کلیجہ کو ٹھنڈا کیا ہے اس لئے یہ تلوار

۱: بخاری کتاب المغازی غزوۃ الجہد پیہ۔

۲: بخاری جلد ۲ باب مرض النبی صلی اللہ علیہ وسلم ووفاته۔

مجھے عطا فرمائے اور شہاد ہو کہ یہ نہ تمہاری ہے نہ میری وہ دل میں یہ کہتے ہوئے چلے گئے کہ یہ اس کو دی جائے گی جس نے مجھ جیسا مردانہ کام نہیں کیا ہے تھوڑی دیر کے بعد آپ ﷺ کا قاصد آیا وہ گھبراہٹ سے کہ میری اس گفتگو پر کہیں کوئی آیت تو نہیں نازل ہوئی آپ ﷺ کی خدمت میں آئے تو آپ ﷺ نے یہ آیت سنائی۔

يَسْتَلُوْكَ عَنِ الْاَنْفَالِ قُلِ الْاَنْفَالُ لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ۔

لوگ تم سے مال غنیمت کا حکم دریافت کرتے ہیں کہہ دو مال غنیمت تو خدا اور رسول ﷺ کا ہے۔

اور فرمایا کہ خدا نے یہ تلوار مجھ کو دی ہے مگر میں تم کو دیتا ہوں۔^۱

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا بیان ہے کہ عہد نبوت میں ہم لوگ اس خوف کے مارے عورتوں سے ہنسی خوشی کی باتیں نہیں کرتے تھے کہ مبادا اس بارے میں کوئی آیت نازل نہ ہو جائے لیکن آپ ﷺ کے وصال کے بعد یہ مہر خموشی ٹوٹ گئی۔^۲

ایک دن رسول اللہ ﷺ خلد کعبہ کی دیوار کے سائے میں بیٹھے ہوئے تھے حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ آگئے تو آپ ﷺ نے ان کو دیکھ کر فرمایا ہُمُ الْخَاسِرُوْنَ یعنی وہ لوگ گھائے میں ہیں وہ گھبرا گئے کہ میرے بارے میں کوئی آیت تو نازل نہیں ہوئی۔^۳

ایک بار آپ ﷺ نے نماز صبح کے بعد فرمایا کہ ”فلاں قبیلے کا کوئی شخص موجود ہے؟“ کسی نے جواب نہیں دیا دوسری بار اسی فقرہ کا اعادہ کیا تو ایک شخص اٹھا آپ ﷺ نے فرمایا کہ پہلی بار کیوں نہیں اٹھے۔“ بولا مجھے خوف پیدا ہوا کہ اس قبیلے کے متعلق کوئی آیت تو نہیں نازل ہوئی۔“^۴

بالخصوص جن آیتوں میں کسی فعل پر عذاب کی دھمکی دی جاتی تھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ان سے اور بھی خوف زدہ ہوتے تھے چنانچہ جب یہ آیت نازل ہوئی۔

وَالَّذِيْنَ يَكْتُمُوْنَ الثُّغْب وَالْفِصْصَةَ وَ لَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ۔

جو لوگ چاندی اور سونا جمع کرنے ہیں اور اس کو خدا کی راہ میں صرف نہیں کرتے ان کو سخت عذاب کی بشارت دو۔

۱۔ ابوہ اؤد کتاب الجہاد، باب فی انفال۔

۲۔ سنن ابن ماجہ کتاب الجہاد باب ذکر وفاتہ وفتنہ و بخاری کتاب النکاح۔

۳۔ نسائی کتاب الزکوٰۃ باب التعلط فی حسن الزکوٰۃ۔

۴۔ اسد الغابہ تذکرہ ہب والد عثمان بن وہب۔

تو تمام صحابہ ۷ پر گویا ایک مصیبت کا پہلا ٹوٹ پڑا۔ حضرت عمر ۷ نے صحابہ ۷ کی بدحواسی کا یہ عالم دیکھ کر کہا ”میں تمہاری مشکل کو حل کرتا ہوں“ چنانچہ آپ ۷ کی خدمت میں آئے اور کہا کہ آپ ۷ کے اصحاب ۷ پر یہ آیت نہایت گراں گزری ہے آپ ۷ نے فرمایا خدا نے زکوٰۃ صرف اس لئے فرض کی ہے کہ تمہارے بقیہ مال کو اس کے ذریعہ سے پاک کرے اور میراث اس لئے مقرر کی ہے کہ بعد کی نسل کے ہاتھ آئے ”اس پر حضرت عمر ۷ نے فرمایا۔“

عہد رسالت میں حضرت مالک بن ثعلبہ ۷ ایک دولت مند صحابی تھے ایک دن رسول اللہ ۷ اس آیت کی تلاوت فرما رہے تھے۔

وَالَّذِينَ يَكْنِزُونَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ - الْخ

جو لوگ سونا چاندی جمع کرتے ہیں ان پر یہ عذاب ہوگا۔

اتفاق سے حضرت مالک ۷ کا گزر ہوا تو آیت سن کر ان پر غشی طاری ہو گئی ہوش میں آئے تو خدمت مبارک میں حاضر ہو کر عرض کی کہ ”یا رسول اللہ (ﷺ)! میرے باپ ماں آپ ۷ پر قربان کیا یہ آیت ان لوگوں کی شان میں نازل ہوئی ہے جو سونا چاندی جمع کرتے ہیں۔“ ارشاد ہوا ”ہاں“۔ بولے ”شام ہونے تک مالک ۷ کے پاس ایک درہم اور ایک دینار نہ ہوگا۔“ چنانچہ شام تک انھوں نے اپنی کل دولت خیرات کر دی۔^۱

ایک بار حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے آپ ۷ سے فرمایا کہ قرآن مجید کی یہ آیت نہایت سخت ہے۔

مَنْ يَعْمَلْ شَوْءً يُحْزَنَ بِهِ -

جو شخص ذرا بھی برائی کرے گا اس کو اس کا بدلہ لایا جائے گا۔

ارشاد ہوا کہ عائشہ رضی اللہ عنہا تم کو یہ خبر نہیں کہ مسلمان کے پاؤں میں اگر ایک کانٹا بھی چبھ جاتا ہے تو وہ اس کے اعمال کا بدلہ ہوتا ہے۔^۲

جب قرآن مجید کی یہ آیت نازل ہوئی۔

إِنْ تُبْذَلُوا مَا فِي أَنْفُسِكُمْ أَوْ تُخَفُّوهُ يَحْمِلْكُمْ بِهِ اللَّهُ -

اپنے دل کی باتوں کو ظاہر کر دیا چھپاؤ خدا تم سے ان کا حساب لے گا۔

تو تمام صحابہ ۷ آپ ۷ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور گھٹنوں کے بل بیٹھ کر

۱: ابوداؤد کتاب الزکوٰۃ باب فی حقوق المال، روایت میں پوری آیت نہیں ہے۔

۲: اسد الغابہ تذکرہ مالک بن ثعلبہ۔

۳: کتاب الجنائز باب امراض الکفر واللذون۔

عرض کی کہ یا رسول اللہ نماز روزہ جہاد اور صدقہ کی تو ہم طاقت رکھتے ہیں لیکن اس آیت کے متحمل نہیں ہو سکتے چنانچہ اس کے بعد یہ آیت نازل ہوئی۔

لَا يُكَلِّفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا

خدا ہر شخص کو بقدر استطاعت تکلیف دیتا ہے۔

جب یہ آیت نازل ہوئی۔

الذین امنوا ولم یلبسوا ایمانہم بظلم اولئک لهم الا من وهم مہندون۔
جو لوگ ایمان لائے اور اپنے ایمان کو ظلم کے ساتھ مخلوط نہیں کیا ان ہی کیلئے امن ہے اور وہی ہدایت یافتہ ہیں۔

تو تمام صحابہ رضی اللہ عنہم پریشان ہو گئے اور عرض کی کہ یا رسول اللہ ﷺ ہم میں کون ہے جو اپنی جان پر ظلم نہیں کرتا؟ فرمایا ”ظلم سے شرک“ مراد ہے۔

اس اثر پذیری کا یہ نتیجہ تھا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم احکام قرآنیہ پر عمل کرنے کیلئے شدت کے ساتھ تیار ہو جاتے تھے جب قرآن مجید کی یہ آیت نازل ہوئی۔
لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتَّى تُنْفِقُوا مِمَّا تُحِبُّونَ۔

تم لوگ جب تک اپنی محبوب ترین چیزوں کو نہ صرف کرو گے نیکی کو ہر گز نہیں پاسکتے۔

تو حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا کہ ”خدا ہمارا مال مانگتا ہے آپ ﷺ گواہ رہیے کہ اریحامیں میری جو زمین ہے میں اس کے نام پر وقف کرتا ہوں۔“ لیکن آپ ﷺ نے فرمایا کہ ”اس کو اپنے رشتہ داروں پر تقسیم کر دو۔“

حضرت ابو حذیفہ بن عتبہ رضی اللہ عنہ نے حضرت سالم رضی اللہ عنہ کو اپنا منہ بولا بیٹا بنایا تھا اور زمانہ جاہلیت کی رسم کے مطابق ان کو حقیقی بیٹوں کے حقوق حاصل ہو گئے تھے لیکن جب قرآن مجید کی یہ آیت نازل ہوئی اذْعُوهُمْ لِآبَائِهِمْ اِنْ تَوَانُوْا فَاِنَّ بَنِيَّ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور کہا کہ ہم سالم کو اپنا لڑکا سمجھتے تھے اور وہ ہمارے ساتھ گھر میں رہتے تھے اور ان سے کوئی پردہ نہ تھا لیکن اس آیت کے نازل ہونے کے بعد اب آپ ﷺ کا کیا حکم ہے فرمایا کہ ”ان کو دودھ پلا دو“ چنانچہ دودھ پلانے سے وہ ان کے رضاعی بیٹے کے مثل ہو گئے۔
سحر کے متعلق جب یہ آیت نازل ہوئی۔

۱: صحیح مسلم کتاب الایمان باب فی قوله ان تبدوا ما فی انفسکم او نخفوه ہم نے روایت کی پوری آیتوں کو نقل نہیں کیا ہے۔

۲: ترمذی ابواب تفسیر القرآن، تفسیر سورۃ الانعام۔

۳: ابو داؤد کتاب الزکوۃ باب فی صلۃ الرحمہ۔

۴: ابوداؤد کتاب النکاح باب فی من حرم بہ۔

كلوا واشربوا حتى يتبين لكم الخيط الابيض من الخيط الاسود۔
اور کھاؤ پیو یہاں تک کہ رات کی کالی دھاری سے صبح کی سفید دھاری تم کو صاف دکھائی
دینے لگے۔

تو حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ ایک سیاہ اور سفید دھاگا سرہانے رکھ کر سوئے اور دیکھا کہ
دونوں ممتاز ہوئے ہیں یا نہیں؟ کچھ پتہ نہ چلا تو رسول اللہ ﷺ سے ذکر کیا آپ ﷺ نے
فرمایا عجیب سادہ لوح ہو اس سے رات دن یعنی رات کی سیاہی اور دن کی سفیدی مراد ہے۔^۱
جب قرآن مجید کی یہ آیت نازل ہوئی۔

لاناكلوا اموالكم بينكم بالباطل الا ان تكون تجاره عن تراض منكم۔
اپنے مال باہم ناجائز طریقہ سے نہ کھاؤ نہ کر یہ کہ تم میں رضامندی کے ساتھ تجارت ہو۔
تو یہ حالت ہو گئی کہ دولت مند لوگ اپنے اعزہ کو شریک طعام کرنا چاہتے تھے مگر وہ لوگ
انکار کرتے تھے اور کہتے تھے کہ ”غرباہم سے زیادہ مستحق ہیں۔“ چنانچہ سورہ نور کی ایک دوسری
آیت نے اس کو منسوخ کر دیا۔^۲

زمانہ جاہلیت میں عرب کی عورتیں دوپٹہ اوڑھتی تھیں تو سینہ اور سر وغیرہ کھلا رہتا تھا
لیکن خداوند تعالیٰ نے اس کے مخالف مسلمان عورتوں کو یہ ہدایت کی۔^۳
والبضربن بخمرهن على جيوبهن۔

عورتوں کو چاہیے کہ اپنے دوپٹوں کو سینے پر ڈالے رہیں۔
اس کا یہ اثر ہوا کہ عورتوں نے اپنے تہ بندوں اور چادروں کو پھاڑ کر دوپٹے بنائے اور ان
سے اپنے سروں کو اس طرح چھپا لیا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے قول کے مطابق یہ
معلوم ہوتا تھا کہ ان کے سروں پر کوئے بیٹھے ہوئے ہیں۔^۴

رسول اللہ ﷺ مدینہ تشریف لائے تو لوگ ناپ جو کہ میں سخت خیانت کرتے تھے اس
پر سورہ وبل اللطمطفین نازل ہوئی اور اب لوگ دیانت سے کام لینے لگے۔^۵

انصاف صفہ کی معاش کا زیادہ تر دار و مدار صحابہ رضی اللہ عنہم کی فیاضی پر تھا چنانچہ انصار حسب
مقدم کھجور کے خوشے لا کر مسجد میں لٹکادیتے تھے یہ لوگ آتے تھے تو چھڑی سے ان کو ہلاتے

۱: ابو داؤد کتاب الصیام باب دقت السحر روایت میں کھلوا و اشربو نہیں ہے بلکہ ہم نے اضافہ کر دیا ہے۔

۲: ابو داؤد کتاب الطعمہ باب فیخ الضیف یا کل من مال غیرہ۔

۳: تفسیر ابن کثیر تفسیر سورہ نور، ج، ص ۱۸۱۔

۴: ابو داؤد کتاب اللباس باب فی قوله تعالیٰ یدنین، علیہن، من جلابیہن و فی قوله تعالیٰ
والبضربن بخمرهن على جيوبهن۔

۵: سنن ابن ماجہ کتاب البیوع باب التوفی فی اللیل والوزن۔

تھے جو کھجوریں ٹپک پڑتی تھیں ان کو کھا لیتے تھے لیکن ان میں بعض لوگ ایسے بھی تھے جو سڑے گلے روکھے پھیکے خوشے لا کر لٹکادیتے تھے اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا انْفَقُوا مِنْ طَيِّبَاتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّا أَخْرَجْنَا لَكُمْ مِنَ الْأَرْضِ وَلَا يَتَمَوَّا الْخَبِيثَ مِنْهُ تَنْفَقُونَ وَلَسْتُمْ بِأَخَذِيهِ إِلَّا أَنْ تَغْمُضُوا فِيهِ -

مسلمانو! اپنی بہترین کمائی اور بہترین پیداوار سے صدقہ دو بڑے مال کو خیرات نہ کرو حالانکہ وہی چیز کوئی تم کو دے تو تم اس کو کبھی نہ لو مگر چشم پوشی کے ساتھ۔
اور اس کے بعد اس حالت میں انقلاب پیدا ہو گیا اور تمام لوگ بہترین کھجوریں لانے لگے۔ جب یہ آیت نازل ہوئی:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَرْفَعُوا أَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ -

مسلمانو! پیغمبر کی آواز سے اپنی آواز بلند نہ کرو

تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کے سامنے اس قدر آہستہ بولنے لگے کہ ان کی بات سننے میں نہیں آتی۔^۱

حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ پر اس آیت کا اور بھی زیادہ سخت اثر ہوا جب یہ آیت نازل ہوئی تو وہ بالکل خانہ نشین ہو گئے ایک روز آپ ﷺ نے حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ وہ کہیں بیمار تو نہیں ہیں۔ بولے میں انکا پڑوسی ہوں مجھے کوئی شکایت معلوم نہیں ہوئی۔ واپس آکر ان سے یہ واقعہ بیان کیا تو بولے کہ ”یہ آیت نازل ہوئی اور تم لوگوں کو معلوم ہے کہ میں آپ ﷺ کے سامنے نہایت بلند آہنگی سے گفتگو کرتا تھا پس میں دوزخی ہو گیا۔“ آپ ﷺ کو خبر ہوئی تو فرمایا نہیں وہ جنتی ہیں۔^۲

حضرت مسطح رضی اللہ عنہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے رشتہ دار تھے اس لئے وہ ان کی کفالت کرتے تھے لیکن جب انھوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر تہمت لگائی تو انھوں نے ان کی کفالت سے ہاتھ کھینچ لیا اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

وَلَا يَأْتِلَ أُولُوا الْفَضْلِ مِنْكُمْ وَالسَّعَةِ أَنْ يُوتُوا أُولَى الْقُرْبَى وَالْمَسَاكِينِ وَالْمُهَاجِرِينَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَلْيَعْفُوا وَلْيَصْفَحُوا إِلَّا تُحِبُّونَ أَنْ يَغْفِرَ اللَّهُ لَكُمْ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ -

تم میں دو متمند لوگ قرابتداروں مسکینوں اور مجاہدوں کو دینے سے دریغ نہ کریں اور غفود درگزر کریں کیا تم لوگ یہ پسند نہیں کرتے کہ خدا تمہاری مغفرت کرے اور خدا

۱: ترمذی ابواب تفسیر القرآن، تفسیر سورہ بقرہ۔

۲: ترمذی ابواب القرآن تفسیر سورہ حجرات و بخاری کتاب التفسیر۔

۳: مسلم کتاب الایمان باب محامد المؤمن ان محبط عملہ و بخاری کتاب التفسیر۔

مغفرت کرنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔

اور اب حضرت ابو بکر ؓ پھر ان کے مصارف کے کفیل ہو گئے اور کہا ہاں مجھے یہی پسند ہے کہ خدا میری مغفرت کرے۔“^۱

اسلام کے فرائض و اعمال میں جہاد سب سے زیادہ خطرناک ہے لیکن صحابہ کرام ؓ کو قرآن مجید ہی کے اثر نے جہاد پر آمادہ کیا تھا اور اسی اثر کی بدولت وہ سخت سے سخت جنگی خطرات میں ثابت قدم رہتے تھے۔

ایک بار قسطنطنیہ میں رومیوں سے مسلمانوں کا مقابلہ ہوا، رومی بالکل قسطنطنیہ کی دیوار کے متصل صف زن تھے ایک مسلمان نے جرات کر کے حملہ شروع کیا تو لوگ پکارے ”ہاں ہاں! اپنی جان کو ہلاکت میں ڈالتے ہو۔“ حضرت ابو ایوب انصاری ؓ جو ساتھ تھے بولے یہ آیت تو ہم انصار کے بارے میں نازل ہوئی ہے جب اسلام نے قوت حاصل کر لی تو ہم لوگ اپنی معاش کے کام دھندے میں مصروف ہو گئے اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

و انفقوا فی سبیل اللہ ولا تلتفوا بایدیکم الی التہلکۃ۔

اور خدا کی راہ میں خرچ کرو اور اپنے ہاتھوں اپنے پیچھے ہلاکت میں نہ ڈالو۔

اس لئے اصلی ہلاکت یہ ہے کہ ہم معاش کے کاروبار میں مصروف ہو جائیں اور جہاد کو چھوڑ دیں راوی کا بیان ہے کہ ”جب سے یہ آیت نازل ہوئی حضرت ابو ایوب انصاری ؓ ہمیشہ مصروف جہاد رہے یہاں تک کہ قسطنطنیہ میں شہید ہو کر مدفون ہوئے۔“^۲

ایک بار جب رومیوں نے مسلمانوں کے مقابل میں ایک لشکر گراں جمع کیا اور حضرت ابو عبیدہ بن جراح ؓ نے حضرت عمر ؓ کو اس خطرہ کی اطلاع کی تو انھوں نے ان کو لکھا کہ مسلمان بندے پر جب کوئی مصیبت نازل ہوتی ہے تو اس کے بعد خدا اس کو دور کر دیتا ہے۔

ایک مشکل دو آسانیوں پر غالب نہیں آسکتی خداوند تعالیٰ اپنی کتاب میں لکھتا ہے۔

یا ایہا الذین امنوا اصبروا و صابروا و رابطوا اتقوا اللہ لعلکم تفلحون۔^۳

مسلمانو! مصیبتوں پر صبر کرو اور صبر کرو اور صبر میں کفار کا مقابلہ کرو اور استقلال کے

ساتھ جہاد کرو اور خدا سے ڈرو، یقین ہے کہ تم کامیاب ہو۔

جنگ یمامہ میں جب حضرت سالم ؓ کو علم عطا کیا جانے لگا تو دوسروں نے کہا کہ ”ہم کو آپ ؐ کے ثابت قدم رہنے کا یقین نہیں اس لئے جھنڈا دوسرے کے ہاتھ میں دینا

۱: بخاری کتاب الشهادات باب تعدیل النساء بعضہن بعضا۔

۲: ابوداؤد کتاب الجہاد باب فی قولہ تعالیٰ ولا تلتفوا بایدیکم الی التہلکۃ۔

۳: مواضع امام مالک کتاب الجہاد باب الترغیب فی الجہاد۔

چاہتے ہیں“ بولے تو میں اس حالت میں قرآن مجید کا بدترین حامل ہوں گا۔“ چنانچہ انھوں نے علم کو داہنے ہاتھ میں لیا لیکن جب وہ کٹ گیا تو بائیں ہاتھ میں لیا وہ بھی کٹ گیا تو علم کو آغوش میں لے لیا اور یہ آیت پڑھنے لگے۔

و ما محمد الا رسول و کاین من بنی قتل معہ ریبون کثیر۔^۱

محمد ﷺ صرف ایک پیغمبر ہیں اور بہت سے پیغمبر گزرے ہیں جن کے ساتھ ہو کر بہت سے علماء نے جہاد کیا۔

ترغیب جہاد کے متعلق جب کوئی آیت نازل ہوتی تھی تو جو لوگ کسی معذوری سے اس میں شریک نہیں ہو سکتے تھے ان کو اس پر سخت افسوس ہوتا تھا ایک بار حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کے پہلو میں بیٹھے ہوئے تھے آپ ﷺ پر آثار وحی طاری ہوئے افاقہ ہوا تو آپ ﷺ نے ان کو اسی آیت کے لکھ لینے کا حکم دیا۔

لا یستوی القاعدون من المؤمنین و المجاہدون فی سبیل اللہ الخ۔

خدا کی راہ میں جہاد کرنے والے اور گھر میں بیٹھ رہنے والے مسلمان برابر نہیں ہو سکتے۔

حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ آنکھوں سے معذور تھے اس لئے شریک جہاد نہیں ہو سکتے تھے جب انھوں نے مجاہدین کی فضیلت سنی تو بولے کہ ”یا رسول اللہ جو لوگ جہاد کی قدرت نہیں رکھتے ان کا کیا مال ہوگا؟“ اب آپ ﷺ پر دوبارہ آثار وحی طاری ہوئے افاقہ ہوا تو دوبارہ وحی آسمانی نے غُیرِ اُولٰٓئِی الضَّرَر بجز معذور لوگوں کا اضافہ کر کے معذور لوگوں کو مستثنیٰ کر دیا۔^۲

ایک طرف تو قرآن مجید کا یہ اثر تھا کہ جس طرف چاہتا تھا، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو جھونک دیتا تھا دوسری طرف جس چیز سے چاہتا تھا، روک بھی دیتا تھا۔ ایک بار عیینہ بن حصین اپنے بھتیجے حرب بن قیس کے ساتھ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا کہ ”آپ ﷺ ہم کو خوب عطیہ نہیں دیتے ہمارے درمیان انصاف نہیں کرتے، اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ سخت برہم ہوئے ان کو سزا دینی چاہی لیکن حضرت حرب بن قیس رضی اللہ عنہ نے کہا یا امیر المؤمنین خدا نے اپنے پیغمبر کو حکم دیا تھا۔

خُذِ الْعَفْوَ وَأْمُرْ بِالْمَعْرُوفِ وَاعْرِضْ عَنِ الْجَاهِلِیْنَ۔

درگزر کا شیوہ اختیار کرے اور نیکی کا حکم دے جاہلوں سے کنارہ کش رہے۔

۱: اسد الغابہ تذکرہ سالم مولیٰ ابی حذیفہ، اسد الغابہ میں پوری آیتیں نقل نہیں کی ہیں، بیچ کی آیتیں چھوڑ دی ہیں اور ہم نے اسی کا اتباع کیا ہے۔

۲: ابوداؤد و کتاب الجہاد باب فی الرخصة فی القعود من الغدر۔

اور یہ بھی ایک جاہل ہے ”یہ آیت سن کر حضرت عمرؓ فوراً رک گئے کیونکہ وہ عموماً
 کَانَ وَقَافِعِنْدَ كِتَابِ اللّٰهِ
 خدا کی کتاب کے سامنے اسی طرح رک جاتے تھے۔

اتباع سنت

قرآن مجید کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا محور عمل صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات تھی اس لئے وہ تمام اعمال میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کا اتباع کرتے تھے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ جب غسل جنابت فرماتے تو دائیں ہاتھ سے بائیں ہاتھ پر سات بار پانی ڈالتے پھر شرمگاہ کو دھوتے اور ان تمام مراتب کے بعد وضو کر کے تمام جسم پر پانی ڈال کر کہتے کہ ”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسی طرح غسل فرماتے تھے۔“^۱

عہد نبوت میں معمول تھا کہ لوگ صدقہ فطر میں ایک صاع گیسوں یا پیڑیا جو یا کھجور متے دیتے تھے لیکن اخیر زمانہ میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ شام سے حج یا عمرہ ادا کرنے کیلئے آئے تو ایک خطبہ میں فرمایا کہ ”میرے خیال میں دو مد شامی گیسوں کھجور کے ایک صاع کے برابر ہے، اسکے بعد تمام لوگوں نے اس طریقہ کو عملاً اختیار کر لیا لیکن حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ نے عہد نبوت کی سنت کو بدلنا پسند نہیں کیا اور برابر ایک صاع صدقہ فطر نکالتے رہے۔“^۲

حالت سفر میں اگرچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے روزہ بھی رکھا ہے اور افطار بھی کیا ہے تاہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے زیادہ تر افطار کی ترغیب دی ہے اس لئے اکثر صحابہ رضی اللہ عنہم شدت سے اس پر عمل کرتے تھے ایک بار حضرت ابو بصرہ غفاری رمضان میں مصر سے کشتی میں سوار ہوئے ابھی مصر کے درودیوار آنکھ سے او جھل بھی نہ ہوئے تھے کہ کھانا طلب کیا دستر خوان سامنے آیا تو بعض ہمراہیوں نے کہا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مصر کے درودیوار کو بھی نہیں دیکھتے۔“ بولے تم سنت نبوی سے اعراض کرتے ہو۔“^۳

ایک بار حضرت وحید ابن خلیفہ رضی اللہ عنہ رمضان میں دمشق کے ایک گاؤں سے دوسرے گاؤں کی طرف روانہ ہوئے دونوں گاؤں میں صرف تین میل کا فاصلہ تھا لیکن انھوں نے روزہ توڑ ڈالا اور ان کے بہت سے ہمراہیوں نے بھی روزے توڑ ڈالے لیکن اور لوگوں نے اس کو پسند نہ کیا، وہ پلٹے تو فرمایا کہ آج میں نے وہ کچھ دیکھا ہے جس کی نسبت میرا خیال تھا کہ کبھی نہ دیکھوں گا ایک قوم نے سنت نبوی سے اعراض کیا (یعنی روزہ دار لوگ) خداوند مجھے اب دنیا

۱: ابوداؤد کتاب الطہارۃ باب فی الغسل من الجنابة۔

۲: ایضاً کتاب الزکوۃ باب کم یودی فی صدقة الفطر۔

۳: ابوداؤد کتاب الصیام باب متى یفطر المسافر اذا خرج۔

سے اٹھالے۔^۱

رسول اللہ ﷺ کی سنت کے اتباع میں تمام صحابہ ؓ سے حضرت عبداللہ بن عمر ؓ خاص طور پر ممتاز تھے رسول اللہ ﷺ جب سفر حج سے واپس آئے تو مسجد کے دروازہ پر ناقہ کو بٹھا کر پہلے دو رکعت نماز ادا فرمائی پھر گھر کے اندر تشریف لے گئے اس کے بعد حضرت عبداللہ بن عمر ؓ نے بھی یہی معمول کر لیا۔ وہ کعبہ کے صرف دونوں یمانی رکنوں کو چھوتے تھے سستی جوتے پہنتے تھے زرد رنگ کا خضاب لگاتے تھے^۲ اور لوگ چاند دیکھنے کے ساتھ ہی احرام باندھ لیتے تھے لیکن وہ یوم الترویہ کو احرام باندھتے تھے ایک شخص نے ان سے پوچھا کہ صرف آپ ہی کیوں ایسا کرتے ہیں؟ آپ ﷺ کے اور اصحاب ؓ نہیں کرتے بولے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو ایسا ہی کرتے دیکھا ہے اس لئے میں بھی اس کو پسند کرتا ہوں۔ ”تحتہ الوداع میں آپ ﷺ نماز عشاء کے بعد تھوڑی دیر تک مقام بطحا میں سو کر مکہ میں داخل ہوتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن عمر ؓ ابھی ہمیشہ اس مقام پر کسی قدر سوتے تھے پھر مکہ میں داخل ہوتے تھے۔^۳ اسی طرح آپ ﷺ اس سفر میں جہاں جہاں اترے تھے یا نماز پڑھی تھی وہ بھی وہاں ضرور اترتے اور نماز پڑھتے تھے۔

ایک بار وہ سفر میں تھے دیکھا کہ کچھ لوگ نفل پڑھ رہے ہیں رفیق سفر سے بولے کہ اگر مجھے نفل پڑھنا ہوتا تو میں نماز ہی نہ پوری پڑھتا میں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ سفر کیا ہے، آپ ﷺ نے دو رکعت سے زیادہ کبھی نہیں پڑھی، حضرت ابو بکر ؓ کے ساتھ سفر کیا کیا ہے انھوں نے بھی دو رکعت سے زیادہ کبھی نہیں پڑھی حضرت عمر ؓ کے ساتھ سفر کیا ہے انھوں نے بھی دو رکعت سے زیادہ کبھی نہیں پڑھی اور خداوند تعالیٰ فرماتا ہے۔

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ۔^۴

تمہارے لئے رسول اللہ ﷺ کی ذات پاک میں تقلید کیلئے بہترین مثال ہے۔

ایک بار حضرت سعید بن یسار ؓ حضرت عبداللہ بن عمر ؓ کے ساتھ سفر میں تھے ایک موقع پر اونٹ سے اتر کر پیچھے ٹھہر گئے فرمایا تم پیچھے کیوں رہ گئے؟ بولے وتر پڑھتا تھا فرمایا تمہارے لئے رسول اللہ ﷺ کی ذات میں اسوہ حسنہ نہیں ہے؟ آپ ﷺ اونٹ ہی پر

۱: ابوداؤد کتاب الصیام باب میہ قلمناظر فی۔

۲: ایضاً کتاب الجہاد باب فی الصلوۃ عند القدوم من السفر۔

۳: ایضاً کتاب اللباس فی باب العبوغ۔

۴: ایضاً کتاب المناسک باب وقت الاحرام۔

۵: ایضاً کتاب المناسک باب التحصیب۔

۶: ایضاً کتاب الصلوۃ السفر الطوع السفر۔

وتراد افرماتے تھے۔^۱

وہ صدقہ فطر اسی پیمانہ کے مطابق ادا فرماتے تھے جس کو رسول اللہ ﷺ نے مقرر فرمایا تھا۔^۲

سنن عاوہ و اتفاقہ کا اتباع اگرچہ ضروری نہیں لیکن بعض صحابہ رضی اللہ عنہم اس کا اتباع بھی کرتے تھے حضرت ابو الدرداء، جب کوئی بات کہتے تھے تو مسکرا دیتے تھے ام الدرداء نے کہا کہ ”اس عادت کو ترک کر دیجئے ورنہ لوگ آپ کو احمق بنائیں گے بولے میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا ہے کہ جب کوئی بات کہتے تھے تو مسکرا دیتے تھے۔“^۳

ایک بار حضرت علی کرم اللہ وجہہ سوار ہونے لگے تو رکاب میں بسم اللہ کہہ کر پاؤں رکھا پشت پر پہنچے تو الحمد للہ کہا، پھر یہ آیت پڑھی سُبْحَنَ الَّذِیْ سَخَّرَ لَنَا هَذَا وَمَا کُنَّا لَهُ مُقْرِنِیْنَ ۝ وَاِنَّا اِلٰی رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ پھر تین بار الحمد للہ اور تین بار اللہ اکبر کہا اس کے بعد یہ دعا پڑھی سُبْحَانَکَ اِنِّیْ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ فَاغْفِرْ لِیْ اِنَّہٗ لَا یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اَنْتَ پھر ہنس پڑے اوگوں نے ہنسنے کی وجہ پوچھی بولے ایک بار رسول اللہ ﷺ ان ہی پابندیوں کے ساتھ سوار ہوئے اور اخیر میں ہنس پڑے میں نے ہنسنے کی وجہ پوچھی تو فرمایا کہ جب بندہ علم و یقین کے ساتھ یہ دعا کرتا ہے تو خدا اس سے خوش ہوتا ہے۔^۴

ایک صحابی آپ ﷺ کی خدمت میں بیعت کیلئے حاضر ہوئے دیکھا کہ آپ ﷺ کی قمیص کا ٹکڑا کھلا ہوا ہے آپ ﷺ کی تھلید میں انھوں نے بھی عمر بھر قمیص کا ٹکڑا کھلا رکھا اور اس میں سردی اور گرمی کی کچھ پروا نہ کی۔^۵

- ۱: سنن ابن ماجہ کتاب الصلوۃ باب ماجاء فی الوتر علی الرجلہ۔
- ۲: بخاری کتاب الایمان و التذکر باب صاع الدینہ و ما لابی صلعم ویرکتہ۔
- ۳: مسند ابن فضال جلد ۵ ص ۱۹۸۔
- ۴: ابوداؤد کتاب الجہاد باب ما یقول الرجل فی رکبہ۔
- ۵: مسند ابن فضال جلد ۵ ص ۳۵۔

محرماتِ شرعیہ سے اجتناب

اکل حرام سے اجتناب

صحابہ کرام ؓ اگرچہ تنگ دست اور فاقہ مست تھے لیکن حلال مسطیب کے سوا اکل حرام سے ان کے کام و دہن کبھی آلودہ نہیں ہوئے حضرت ابو بکر ؓ کے غلام نے زمانہ جاہلیت میں فریب آمیز طریقہ پر کہانت کی اور اس کے معاوضہ میں کچھ مال پایا اور حضرت ابو بکر ؓ کو دے دیا انھوں نے اس کو وجہ معاش میں صرف کر دیا لیکن بعد کو جب معلوم ہوا کہ یہ ناجائز مال تھا تو منہ میں ہاتھ ڈالا اور پیٹ میں جو کچھ تھاتے کر ڈالا۔^۱

ایک بار وہ حالت سفر میں بدوؤں کے ایک خیمہ میں اترے اتفاق سے ان بدوؤں میں کسی کی بی بی حاملہ تھی اور اس سفر میں ایک اور بدو ساتھ تھا جس نے اس سے کہا کہ ”کیا تم اولاد نرینہ چاہتی ہو اگر تم مجھے ایک بکری دو تو تمہارے اولاد نرینہ پیدا ہوں گی اس نے بکری دے دی اور اس نے کابھوں کی طرح کچھ مسجع فقرے پڑے پھر بکری ذبح کی اور حضرت ابو بکر ؓ نے بھی گوشت کھایا بعد کو جب معلوم ہوا کہ یہ کسب حرام تھا تو فوراً اٹھے اس فعل سے برات ظاہر کی اور جو کچھ کھایا تھا تھے کر دیا۔^۲

اکل حرام کی سب سے بدترین قسم یہ ہے کہ مذہب فرودشی کی جائے یہودیوں کے مذہب کو اس نے برباد کر دیا تھا جیسا کہ قرآن مجید میں خود اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔
اَشْتَرُوا بِهٖ نَحْنًا قَلِيْلًا۔

یعنی یہودیوں نے اس کے عوض میں تھوڑے سے دام یعنی دنیوی فائدے حاصل کئے۔
لیکن صحابہ کرام ؓ کے نزدیک مذہب سب سے زیادہ گراں قیمت چیز تھی اسلئے ان کے نزدیک دنیا کی کوئی چیز اس کی قیمت نہیں ہو سکتی تھی، مسلمانوں کو بیت المال سے سالانہ وظیفہ ملا کرتا تھا ایک شخص نے حضرت ابوذر غفاری ؓ سے پوچھا کہ اس کی نسبت آپ ؐ کا کیا حکم ہے۔

فرمایا ”اس وقت تو لیتے رہو لیکن جب وہ تمہارے دین کی قیمت بن جائے تو چھوڑ دو۔“^۳

۱: بخاری باب یام الجہلیۃ۔

۲: مسند ابن حبیل جلد ۳ صفحہ ۵۱۔

۳: مسلم کتاب الزکوٰۃ باب فی الکنازین الاموال والتغلیط علیہم۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کو بہت کچھ مال و جائیداد دے کر یزید کی بیعت پر آمادہ کرنا چاہا اور اس غرض سے ان کی خدمت میں حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو بھیجا لیکن انھوں نے کہا کہ میرے پاس سے چلے جاؤ اور پھر کبھی نہ آؤ میرا دین تمہارے دینا و درہم کے معاوضہ میں بک نہیں سکتا میری صرف یہ خواہش ہے کہ دنیا سے جاؤں تو میرا تہہ پات نہ صاف ہو۔^۱

یہ صرف غنیمتوں میں صحابہ رضی اللہ عنہم کا حال نہ تھا بلکہ تمام صحابہ رضی اللہ عنہم میں یہ فضیلت مشترک طور پر پائی جاتی تھی۔ چنانچہ بہت سے صحابہ رضی اللہ عنہم کی تولیت میں بہت سے یتیم بچے تھے جن کے کھانے پینے کی چیزیں ان کے کھانے پینے کی چیزوں کے ساتھ مخلوط تھیں لیکن جب قرآن مجید کی یہ آیت نازل ہوئی۔^۲

ان الذین یاکلون اموال الیتیمی ظلماً انما یاکلون فی بطونہم ناراً۔

جو لوگ ظلماً یتیموں کا مال کھاتے ہیں وہ اپنے پیٹوں میں آگ بھرتے ہیں۔

ان صحابہ رضی اللہ عنہم نے ان چیزوں کو اپنے کھانے پینے کی چیزوں سے الگ کر دیا یہاں تک کہ ان یتیموں کی چیزیں بعض اوقات فاضل بچ کر خراب ہو جاتی تھیں لیکن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ان کو ہاتھ نہیں لگاتے تھے۔^۳

زکوٰۃ و صدقہ سے اجتناب

اہل استطاعت پر صدقہ و زکوٰۃ کا مال حرام ہے اس لئے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس سے شدت کے ساتھ اجتناب کرتے تھے ایک بار حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ایک شخص نے دودھ پلایا جو ان کو نہایت لذیذ معلوم ہوا دریافت کیا کہ یہ دودھ کہاں سے لائے ہو؟ بولا کہ میں ایک گھاٹ پر گیا لوگ صدقے کے اونٹوں کو پانی پلا رہے تھے سب نے پانی پلا کر میرے لئے دودھ دوہا جس کو میں نے اپنے مشکیزے میں بھر لیا اور یہ وہی دودھ ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فوراً منہ میں ہاتھ ڈالا اور قے کر دی۔^۴

ایک بار حضرت عبداللہ بن ارقم رضی اللہ عنہ نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے کہا کہ مجھے سواری کا ایک اونٹ بتاؤ میں اس کو امیر المومنین سے مانگوں گا بولے ”ہاں صدقہ کا اونٹ ہے۔“ انہوں نے کہا ”کیا تمہیں یہ پسند ہے کہ ایک موٹا تازہ آدمی گرمی کے دنوں میں اپنی

۱: طبقات ابن سعد تذکرہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ۔

۲: روایت میں یہ آیت بھی ہے لا یتربوا مال الیتیم الا بالاتی ہی احسن۔

۳: ابوداؤد کتاب الوصایا باب مخالط الیتیم فی الطعام۔

۴: موطا کتاب الزکوٰۃ باب ما جاء فی الصلقات والتشدید فیہما۔

شرمگاہ کو دھو کر دوھوں تمہیں پیئے کو دے۔“ وہ برہم ہوئے اور کہا ”استغفر اللہ آپ ایسا کہتے ہیں۔“ بولے تو صدقہ بھی آدمیوں کا میل ہے جس کو وہ دھو کر اپنے جسم سے الگ کر دیتے ہیں۔“^۱

ایک بار حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے غلام نے کہا کہ ”مجھے مکاتب بنادیتے“ بولے ”تمہارے پاس کچھ مال ہے“ اس نے کہا ”نہیں، لوگوں سے مانگ بدل کتابت ادا کر دوں گا، بولے تم مجھے لوگوں کا دوھون کھانا چاہتے ہو۔“^۲

حضرت عبداللہ عمر رضی اللہ عنہ نے اپنا ایک غلام اپنی ماں پر صدقہ کر دیا تھا ایک دن وہ بازار سے گزرے تو ایک شیردار بکری نظر آئی جو فروخت ہو رہی تھی، چونکہ وہ دودھ سے افطار کرنا پسند کرتے تھے۔ اسلئے اس غلام سے کہا کہ ”اپنی اجرت کی رقم سے بکری کو خرید لو“ لیکن افطار کے وقت اس بکری کا دودھ سامنے آیا تو بولے کہ ”دودھ بکری کا ہے اور بکری غلام کی کمائی کی ہے اور غلام کو میں نے اپنی ماں پر صدقہ کر دیا ہے، اس کو لے جاؤ مجھ کو اس کی ضرورت نہیں۔“^۳

حدیث شریف میں آیا ہے کہ میزبان اگر تین دن سے زیادہ مہمان کی ضیافت کرے تو وہ داخل صدقہ ہوگی، اس بنا پر حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ مکہ میں آتے تھے تو تین دن تک ان کا کھانا حضرت خالد بن اسید رضی اللہ عنہ کے یہاں سے جو ان کے رشتہ دار تھے آتا تھا، لیکن تین دن کے بعد کہہ دیتے تھے کہ اب اپنا صدقہ بند کرو“ اور اپنے غلام نافع کو حکم دیتے تھے کہ اب تم اپنے پاس سے اکل و شرب کا انتظام کرو۔“^۴

قتل مسلم سے اجتناب

مسلمانوں کا قتل حرام ہے، قرآن مجید میں ہے۔

وَمَنْ يَقْتُلْ مُؤْمِنًا مُتَعَمِدًا فَعَنْزَاؤُهُ جَهَنَّمَ خَالِدًا فِيهَا۔

اور جو کسی مسلمان کو قصد امارڈالے تو اس کی سزا دوزخ ہے جس میں وہ ہمیشہ رہے گا۔

اس بنا پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مسلمانوں کی خونریزی سے سخت اعتراض کرتے تھے فتح مکہ کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خالد رضی اللہ عنہ کو قبیلہ بنو حذیمہ کے پاس دعوت اسلام دینے کیلئے بھیجا، انھوں نے ان کو دعوت اسلام دی، تو انہوں نے کہا صباٹا، صباٹا، یعنی ہم صابی ہوئے چونکہ کفار مسلمانوں کو صابی کہتے تھے اس لئے انہوں نے اسی لفظ سے اسلام قبول کرنے کا

۱: موطا امام مالک کتاب الجامع باب ما کرہ من الصدقہ۔

۲: طبقات ابن سعد تذکرہ حضرت سلمان فارسیؓ۔

۳: طبقات ابن سعد تذکرہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ۔

۴: زرانی شرح موطا جلد ۴ ص ۱۳۶۔

اعلان کیا لیکن حضرت خالد بن ولید کو اس پر تسکین نہیں ہوئی اور انھوں نے ان کو قتل کرنا اور گرفتار کرنا شروع کیا یہاں تک کہ ایک دن عام حکم دے دیا کہ ہر شخص اپنے اپنے قیدیوں کو قتل کر ڈالے لیکن تمام صحابہ رضی اللہ عنہم نے اس حکم کی تعمیل سے انکار کر دیا اور جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے آکر واقعہ بیان کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ان کی تائید کی اور دوبارہ فرمایا کہ ”خداوند! میں خالد کے اس فعل سے بری ہوتا ہوں“۔^۱

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے مانعین زکوٰۃ سے جہاد کرنا چاہا، تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اول اول اختلاف کیا اور کہا کہ کلمہ گو یوں سے کیونکر جہاد کیا جاسکتا ہے۔^۲ ان پر ایک عجمی غلام نے حملہ کیا تو انھوں نے حضرت عباس سے شکایت کی کہ ”تم ہی لوگوں نے ان غلاموں سے مدینہ کو بھر دیا۔“ بولے ”اگر حکم ہو تو سب کو قتل کر دیں۔“ فرمایا یہ کیونکر ہو سکتا ہے۔ وہ تمہاری زبان بولتے ہیں، تمہارے قبلہ کی طرف نماز پڑھتے ہیں، تمہارا حج ادا کرتے ہیں۔^۳

حضرت عبداللہ بن زبیر اور خوارج کے زمانہ میں جنگ ہوئی تو ایک شخص نے حضرت عبداللہ بن عمر سے کہا کہ ”آپ ان کے پیچھے نماز پڑھتے ہیں! حالانکہ یہ لوگ باہم ایک دوسرے کو قتل کرتے ہیں“ بولے ”جو حی علی الصلوٰۃ کہے گا میں اس کی دعوت قبول کر لوں گا جو شخص حی علی الفلاح کہے گا میں اس کی دعوت قبول کر لوں گا لیکن جو شخص یہ کہے گا ”آؤ اپنے بھائی مسلمانوں کو قتل کرو، ان کا مال لوٹو تو میں انکار کر دوں گا۔“^۴

سود خواری سے اجتناب

اسلام نے سود خواری کی ممانعت ایسے سخت قیود کی پابندی کے ساتھ کی ہے کہ اگر ذرا سی غفلت یا بے پروائی کی جائے تو معمولی معاملات داود ستد و بیع و شراء بھی سود کی صورت میں داخل ہو جائیں، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ان تمام قیود کا لحاظ رکھتے تھے، اور ان سے نہایت احتیاط کے ساتھ بچتے تھے، ایک بار حضرت مالک بن اوس رضی اللہ عنہ نے حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ سے بیع صرف کرنی چاہی (یعنی اشرفی کے بدلہ میں درہم لینا چاہا اور سواشرفیاں ان کے سامنے رکھ دیں انہوں نے ان کو اٹھالیا اور کہا کہ جنگل سے خزانچی آئے تو درہم دلا دیں حضرت عمر بن ربیع تھے، ”بولے“ بغیر لئے ہوئے ہر گز نہ جانا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ سونے کے بدلے میں چاندی اگر دست بدست نہ لی جائے تو سود ہے۔“^۵

۱: بخاری کتاب المغازی بعث خالد الی بنی حذیمہ مع فتح الباری۔ ۲: بخاری کتاب الزکوٰۃ۔

۳: بخاری کتاب المناقب باب فضیلتہ البیعة والاتفاق علی عثمان۔

۴: طبقات ابن سعد تذکرہ عبداللہ بن عمر۔

۵: بخاری کتاب المبیوع باب بیع الشعیر بالشعیر۔

ایک بار حضرت معمر بن عبد اللہ نے اپنے غلام کو ایک صاع گیسوں دیا کہ اس کو بیچ کر بازار سے جو لائے۔ اس نے بازار میں جا کر جو لیا تو ایک صاع سے کچھ زیادہ پایا، حضرت معمر ؓ کو اس کی خبر ہوئی تو بولے اس کو فوراً جا کر واپس کرو، کیونکہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ غلہ کو مثل بمثل خریدنا چاہیے، لوگوں نے کہا بازار میں صرف جو کارواج ہے گیسوں نہیں مل سکتا بولے کہ ”مجھے خوف ہے کہ یہ سود کے مشابہ نہ ہو جائے۔“

صحابہ کرام ؓ سود خواری سے نہ صرف خود بچتے تھے، بلکہ اور لوگوں کو بھی بچنے کی نصیحت کرتے تھے، ایک شخص حضرت عبد اللہ بن سلام ؓ کے پاس تعلیم حاصل کرنے کیلئے آئے تو انہوں نے ان کے ساتھ نہایت مہربانی کا برتاؤ کیا اور کہا کہ ”آپ ایک کاروباری ملک میں رہتے ہیں، اسی لئے اگر آپ پر کسی کا قرض آتا ہو، اور وہ آپ کے یہاں بھس کی ایک گٹھڑی بھی بدینہ بھیجتے تو اس کو قبول نہ کیجئے گا کیونکہ یہ سود ہے۔“

شراب خواری سے اجتناب

شراب عرب کی گٹھڑی میں پڑی ہوئی تھی لیکن متعدد صحابہ ؓ مثلاً حضرت ابو بکر اور حضرت عثمان وغیرہ اپنی فطرت سلیمہ کی ہدایت سے زمانہ جاہلیت ہی میں اس سے محترز رہے لیکن جو صحابہ ؓ اس کے عادی تھے انہوں نے بھی شراب کی حرمت کے ساتھ ہی اس دیرینہ عادت کو اس طرح ترک کر دیا کہ گویا انہوں نے جام و ساغر کو منہ ہی نہیں لگایا تھا شراب کی حرمت کا حکم بتدریج نازل ہوا لیکن حرمت خمر کے متعلق سب سے آخری آیت:-

انما يريد الشيطان ان يوقع بينكم العداوة والبغضاء في الخمر والمير
ويصدكم عن ذكر الله وعن الصلوة فهل انتم متبهون۔

شیطان تو بس یہی چاہتا ہے کہ شراب اور جوئے کی وجہ سے تمہارے درمیان دشمنی اور بغض ڈال دے اور تم کو یاد الہی سے اور نماز سے باز رکھے تو تم باز نہیں آؤ گے۔

نازل ہوئی تو حضرت عمر ؓ بے ساختہ پکار اٹھے۔

انتھینا

ہم باز آئے۔

حضرت انس بن مالک فرماتے ہیں کہ میں ابو عبیدہ، ابو طلحہ اور ابی بن کعب کو شراب پلا رہا تھا اسی حالت میں ایک شخص نے آکر خبر دی کہ شراب حرام ہو گئی ابو طلحہ نے فوراً کہا کہ انس

۱۔ مسند ابن ضہل جلد ۶ صفحہ ۳۰۰۔

۲۔ طبقات ابن سعد تذکرہ ابو بردہ بن ابی موسیٰ۔

۳۔ ابوداؤد کتاب الاثر باب فی تحریم الخمر، روایت میں پوری آیت نہیں ہے، ہم نے اس کو بڑھادیا ہے۔

انھو اور شراب کو گرا دو، دوسری روایت میں ہے کہ "میں ابو طلحہ کے مکان میں لوگوں کو شراب پاتا تھا کہ اسی حالت میں رسول اللہ ﷺ نے حرمت شراب کی منادی کروائی ابو طلحہ نے مجھ سے کہا کہ نکل کے دیکھو یہ کیسی آواز ہے۔" میں گھر سے نکلا اور پلٹ کر کہا کہ ایک منادی اعلان کر رہا ہے کہ شراب حرام ہو گئی ابو طلحہ نے مجھ سے کہا کہ تو شراب گرا دو اور لوگوں نے اس کثرت سے شراب گرائی کہ مدینہ کی گلیوں میں بننے لگی۔"

بدکاری سے اجتناب

زمانہ جاہلیت میں اہل عرب سخت بدکاری میں مبتلا تھے لیکن اسلام نے ان میں عفت و عصمت کا ایسا احساس پیدا کر دیا کہ سخت سے سخت نازک موقعوں پر بھی ان کا دامن اس معصیت سے آلودہ نہیں ہونے پاتا تھا۔

ہجرت کے بعد مکہ میں جو گرفتار بلا مسلمان رہ گئے تھے مکہ سے مدینہ تک ان کا پہنچانا مرعہ بن ابی مرید الخنوی رضی اللہ عنہ کے متعلق تھا وہ ایک رات اسی غرض سے مکہ آئے وہاں ان کی آشنا ایک طوائف تھی جس کا نام عتاق تھا وہ نکلی تو ان کی پرچھائیں دیکھ کر پہچان لیا اور نہایت تپاک سے ملی اور کہا کہ آج میرے گھر میں شب باشی کرو لیکن انھوں نے معذرت کی کہ زنا اب حرام ہو گیا اب اس نے شور و غل کیا یہ بھاگ کر ایک پہاڑ کے غار میں جا چھپے کفار نے وہاں تک تعاقب کیا لیکن خدا نے ان کو بچا لیا۔

ایک صحابیہ رضی اللہ عنہا کو جن کی اخلاقی حالت زمانہ جاہلیت میں اچھی نہ تھی ایک شخص نے اپنی طرف مائل کرنا چاہا تو بولیں ہوا اب جاہلیت کا وہ زمانہ گیا اور اسلام آیا۔ اسلام کی پاک بازانہ تعلیم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی اسی پاک بازانہ زندگی کا یہ اثر تھا کہ اس زمانہ میں لوٹیاں تک بدکاری سے اباء کرنے لگیں چنانچہ عبد اللہ بن ابی بن سلول جو اس المنافقین تھا اپنی اونڈیوں کو اسی ناجائز طریقہ سے روپیہ پیدا کرنے پر آمادہ کرتا تھا لیکن اس کی دو اونڈیوں نے اس تک وعار کو گوارا نہیں کیا اور رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آکر شکایت کی کہ ہمارا آقا ہم کو زنا کرنے پر مجبور کرتا ہے اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

ولا تکرھوا فیتا تکم علی الغباء۔ الخ

- ۱: بخاری کتاب الاثر باب نزول تحریم الخمر، ہی من الیسر والتمر۔
- ۲: بخاری کتاب التفسیر سورہ بقرہ باب لیس علی الذین امنوا و عملوا الصالحات جناح فيما طعموا۔
- ۳: نسائی کتاب النکاح باب تزوج الزانیہ۔
- ۴: مسند ابن فضیل جلد ۴ صفحہ ۸۷۔
- ۵: ابوداؤد کتاب الطلاق باب فی تعظیم الزنا و مسلم کتاب التفسیر تفسیر ہذا لایہ۔

اپنی لونڈیوں کو زنا کرنے پر مجبور نہ کرو۔

اس جرم کا ارتکاب تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بہت بعید تھا وہ لوگ کسی عورت پر نگاہ ڈالنا بھی پسند نہیں کرتے تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک حسین صحابیہ رضی اللہ عنہا شریک نماز ہوتی تھیں اسلئے بعض صحابہ رضی اللہ عنہم آگے کی صف میں جا کر کھڑے ہوتے تھے کہ ان پر آنکھ نہ پڑنے پائے۔

اگر کسی صحابی نے ناجائز طریقہ سے بھی اس کی جرات کی تو تمام صحابہ رضی اللہ عنہم نے اس کو سخت قابل اعتراض خیال کیا۔ ایک بار حضرت محمد بن سلمہ رضی اللہ عنہ نے ایک عورت سے نکاح کرنا چاہا اور نکاح سے پہلے چوری چھپے اس کو دیکھنا چاہا یہاں تک کہ اس کے نخلستان میں اس کو دیکھ بھی لیا لیکن لوگوں نے ٹوکا کہ آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی ہو کر ایسا کرتے ہیں! بولے آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی نے اس کی اجازت دی ہے۔

ایک بار حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے نکاح کرنا چاہا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مشورہ طلب کیا آپ نے فرمایا کہ پہلے عورت کو جا کر دیکھ لو وہ اس غرض سے اس کے گھر گئے تو عورت نے پردہ سے کہا اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم ہے تو خیر ورنہ تمہیں خدا کی قسم ایسا نہ کرنا۔^۱ کسی عورت پر قصد انگاہ ڈالنا تو بڑی بات ہے حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ تو یہاں تک فرماتے تھے کہ ”مجھے یہ پسند ہے کہ میری ناک مردار کی بدبو سے بھر جائے لیکن یہ پسند نہیں کہ اس میں کسی عورت کی خوشبو آئے۔“^۲

راگ باجے سے اجتناب

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے کانوں کو صرف تلاوت قرآن پاک کی آواز خوش آئند معلوم ہوتی تھی۔ اس لئے وہ عود و بربط اور چنگ و رباب کی آواز پر کان نہیں دھرتے تھے ایک بار حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے آواز طبل سنی تو کان بند کر لئے اور فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایسا ہی کرتے تھے۔^۳

ایک بار اونٹ پر سوار جا رہے تھے چرواہے کی بانسری کی آواز کان میں آئی تو فوراً کانوں میں انگلیاں دے لیں اور پہلا راستہ چھوڑ کر دوسرا راستہ اختیار کر لیا اور بار بار اپنے غلام نافع سے پوچھتے جاتے تھے کہ آواز آتی ہے یا نہیں۔ جب انھوں نے کہا کہ ”نہیں تو کانوں سے“

۱: سنن ابن ماجہ کتاب الصلوٰۃ باب الخشوع فی الصلوٰۃ۔

۲: سنن ابن ماجہ کتاب النکاح باب القطر الی المرأة لئلا یرا ان تیز و جہا۔

۳: طبقات ابن سعد تذکرہ حضرت موسیٰ اشعریؓ۔

۴: سنن ابن ماجہ کتاب النکاح باب الغناء والدف۔

انگلیاں نکالیں اور کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے اس قسم کے موقع پر ایسا ہی کیا تھا۔^۱
ایک بار بازار میں گزرے تو دیکھا کہ ایک چھو کری گاری ہے فرمایا اگر شیطان کسی کے
بہکانے سے بازار بتا تو اس کو نہ بہکا۔^۲

ایک بار عید کے دن چند لڑکیاں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس جنگ بعاث کے
متعلق اشعار گاری تھیں، حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ آئے اور کہا کہ ”رسول اللہ ﷺ کا گھر اور مر
امیر شیطان آپ ﷺ نے فرمایا ابو بکر رضی اللہ عنہ یہ ہماری عید کا دن ہے۔^۳

ایک بار ایک گھر میں قریب تھی اور ایک شخص گارہا تھا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا
نے دیکھا کہ وہ گردن ہلا ہلا کے گارہا ہے، تو کہا ”اف یہ شیطان ہے اس کو نکالو اس کو نکالو“۔^۴
راگ باجا تو پھر بھی بڑی چیز ہے حضرت عائشہ کا یہ حال تھا کہ گھنٹی کی آواز سننا بھی پسند
نہیں کرتی تھیں اگر سامنے سے گھنٹی کی آواز آتی تو ساربان سے کہتیں کہ ”ٹھہر جاؤ تاکہ یہ آواز
سننے میں نہ آئے۔“ اور اگر سن لیتیں تو کہتیں کہ تیزی کے ساتھ لے چلو تاکہ میں اس آواز کو
نہ سن سکوں۔^۵

مشتبہات سے اجتناب

حلال و حرام دونوں بدیہی ہیں لیکن بہت سی چیزیں ہیں جن کی حلت و حرمت دونوں
مشتبہ ہے زہد و تورع تقویٰ و طہارت اور خرم و احتیاط کا اصلی محل یہی چیزیں ہیں اس بنا پر
حدیث شریف میں ان چیزوں سے بچنے کی تاکید آئی ہے۔

الحلال بین والحرام بین وما بینہما امور مشتبہة فمن ترك ماشبه عليه من
الاثم كان لما استبان له اترك و من اجتراح علی مایشك فیہ من الاثم
اوشك ان یواقع ما استبان والمعاصی حمی اللہ من یرتع حول الحمی
یوشك ان یواقع۔

حلال بھی واضح ہے اور حرام بھی اور ان کے درمیان مشتبہ چیزیں ہیں پس جو شخص مشتبہ
گناہوں کو چھوڑے گا وہ کھلے ہوئے گناہوں کا سب سے زیادہ چھوڑنے والا ہوگا اور جو
شخص مشتبہ گناہوں کا مرتکب ہوگا بہت ممکن ہے کہ کھلے ہوئے گناہوں کا مرتکب
ہو جائے گا گناہ خدا کی چراگاہ ہیں اور جو شخص چراگاہ کے گرد چرائے گا ممکن ہے کہ اس کے

۱۔ طبقات ابن سعد تذکرہ حضرت عبداللہ بن عمر۔

۲۔ اب المفرد باب الغنا للہو۔

۳۔ بخاری کتاب العیدین لابل الاسلام۔

۴۔ اب المفرد باب اللہو فی خنان۔

۵۔ مسند ابن خبیل جلد ۶ صفحہ ۱۵۲۔

اندرا داخل ہو جائے۔

اس لئے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہمیشہ ان مشتبہ چیزوں سے احتراز فرماتے تھے۔
حالات احرام میں شکار کرنا جائز نہیں، ایک بار صحابہ رضی اللہ عنہم سفر حج میں تھے سب نے احرام باندھ لیا تھا صرف ابو قتادہ انصاری رضی اللہ عنہ غیر محرم تھے ایک جنگلی گدھا نظر آیا انھوں نے گھوڑے کو اس کے پیچھے ڈال دیا صحابہ رضی اللہ عنہم سے کوڑا اور نیزہ مانگایہ ایک مشتبہ فعل تھا اس لئے سب نے انکار کر دیا بلا آخر ان کو خود نیزہ اٹھانا پڑا گدھے کا شکار ہو چکا تو بعض صحابہ رضی اللہ عنہم نے گوشت کھانے سے بھی انکار کر دیا۔^۱

ایک بار حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ نے ایک آدمی کو حکم دیا کہ ان کے نیچے سے ایک چادر نکال لے حضرت سہیل بن حنیف رضی اللہ عنہ پاس بیٹھے ہوئے تھے بولے کیوں۔ فرمایا اس میں تصویر بنی ہوئی ہے اور تصویروں کے متعلق رسول اللہ ﷺ نے جو فرمایا ہے وہ تم کو معلوم ہے۔ بولے لیکن آپ ﷺ نے کپڑے میں بنی ہوئی تصویر کی ممانعت نہیں فرمائی، بولے ہاں لیکن میرے دل کا طمینان اسی طرح ہو گا۔^۲

ایک بار حضرت مسور بن مخرمہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی عیادت کو آئے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ استبرق کی چادر اوڑھے ہوئے تھے حضرت مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ نے اس پر ٹوکا تو بولے رسول اللہ ﷺ نے صرف غرور و تکبر کی بنا پر اس کی ممانعت کی تھی اور الحمد للہ کہ ہم مغرور نہیں ہیں انھوں نے کہا تو پھر چوہے میں یہ تصویریں کیسی بنی ہوئی ہیں۔ ”بولے“ دیکھتے نہیں کہ ہم نے ان کو جلا ڈالا ہے ”لیکن یہ چیزیں مشتبہات میں داخل تھیں، اس لئے جب وہ چلے گئے تو فرمایا کہ میرے بدن سے یہ چادر اتار لو اور ان تصویروں کا سر کاٹ ڈالو کسی نے کہا کہ اگر ان کو صحیح و سلامت بازار میں فروخت کر ڈالتے تو فائدہ ہوتا، بولے نہیں۔^۳

نو مسلم لوگ صحابہ رضی اللہ عنہم کے پاس گوشت لے کے آتے تھے صحابہ رضی اللہ عنہم نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کہ یہ ابھی دور جاہلیت سے نکلے ہیں ہم کو معلوم نہیں کہ خدا کا نام لے کر ذبح کیا ہے یا نہیں کیا ہم اس گوشت کو کھا سکتے ہیں۔ ”فرمایا“ بسم اللہ کہہ کر کھا سکتے ہو۔“^۴
حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کی ماں کافرہ تھیں اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے زمانہ جاہلیت

۱: ابوداؤد کتاب المناسک باب لحم الصيد المحرم۔

۲: ترمذی کتاب اللباس باب ما جانی الصورة۔

۳: مسند ابن خبیل جلد ۱ صفحہ ۳۲۰۔

۴: ابوداؤد کتاب الاضاحی باب ما جاء فی اکل اللحم لایدہی لئذ کر اسم اللہ علیہ ام لا۔

ہی میں ان کو طلاق دے دی تھی ایک بار وہ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کے پاس متعدد چیزیں ہدیہ لے کر آئیں چونکہ ایک کافرہ عورت کا ہدیہ مشتبہ تھا اس لئے حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے اس کو قبول کرنے سے انکار کر دیا اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ذریعہ سے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کرایا۔ تو آپ ﷺ نے اس ہدیہ کو قبول کرنے کی اجازت دی۔^۱

عمال سلطنت کی آمدنی بعض حیثیتوں سے مشتبہ ہوتی ہے یہی وجہ ہے کہ زہد پیشہ لوگ سلاطین و امراء کے دربار سے ہمیشہ اپنا دامن بچاتے رہتے ہیں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے زمانہ تک اگرچہ اعمال و امراء کی مذہبی اور اخلاقی حالت اس زمانہ سے بہت بہتر تھی تاہم جو صحابہ رضی اللہ عنہم نہایت محتاط تھے وہ اس قسم کی آمدنی سے فائدہ اٹھانا پسند نہیں کرتے تھے حضرت ابوذر غفاری نے دنیا سے الگ ہو کر ہادیہ نشینی اختیار کر لی تھی اس لئے انھوں نے تمام عمر اسی زہد و تورع کے ساتھ بسر کی مرنے لگے تو بی بی نے رو کر کہا کہ ”میرے پاس تو تمہارے کفن کیلئے بھی کپڑا نہیں ہے۔“ بولے روؤ مت میں ایک دن چند لوگوں کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر تھا آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم میں سے ایک آدمی جنگل میں مرے گا اور اس کے جنازے میں مسلمانوں کا ایک گروہ شریک ہو گا اور لوگ جو اس جماعت میں شریک تھے وہ تو مسلمانوں کے درمیان مر چکے صرف میں رہ گیا تھا اور اب جنگل میں مر رہا ہوں تم رلو دیکھو اور انتظار کرو، بی بی نے کہا اب تو حاجیوں کی آمد و رفت کا سلسلہ بھی منقطع ہو گیا بولے خیر راستہ دیکھو حسن اتفاق سے دفعتاً ایک قافلہ آگیا اس نے ان کی بی بی سے پوچھا ”کیا حال ہے بولیں ایک مسلمان کو کفناؤ اور ثواب لو“ انھوں نے حضرت ابوذر غفاری کا نام سنا تو تیزی کے ساتھ دوڑے اور کہا ہمارے ماں باپ ان پر قربان پاس آئے تو حضرت ابوذر نے کہا ”تم ہی وہ لوگ ہو جن کی رسول اللہ ﷺ نے مجھ کو خبر دی تھی، اگر میرے کپڑے کافی ہوتے تو ان ہی میں سے میرا کفن ہوتا لیکن اگر تم میں کوئی شخص امیر، عریف یا برید ہو تو وہ مجھے کفن نہ دے لیکن ان میں ہر شخص ان خدمات کو انجام دے چکا تھا صرف ایک انصاری نوجوان تھا جس نے کہا میرے پاس دو کپڑے ہیں جن کو میری ماں نے بنا ہے بولے بس تمہی میرے رفیق ہو تمہی مجھے کفن پہناؤ۔“^۲

۱: طبقات ابن سعد تذکرہ حضرت اسماء۔

۲: مسند ابن حبیل جلد ۵ صفحہ ۱۶۶۔

— جامع الابواب —

تلاوت قرآن

صحابہ کرام ؓ ہمیشہ تلاوت قرآن میں مصروف رہتے تھے اور تلاوت کا طریقہ یہ تھا کہ قرآن مجید کے متعدد ٹکڑے کر لئے تھے اور بلاناغہ اسکی تلاوت فرماتے تھے، ایک نووارد صحابی نے صحابہ کرام ؓ سے پوچھا کہ ”ایک ٹکڑے میں کتنی سورتیں شامل تھیں؟“ بولے ”تین، پانچ سات، نو، گیارہ، تیرہ اور اخیر کی تمام چھوٹی چھوٹی سورتیں ایک ٹکڑے میں داخل تھیں۔“^۱ رسول اللہ ﷺ صحابہ کرام ؓ کے اس شوق و شغف کو دیکھتے تو خوش ہوتے اور ان کی حوصلہ افزائی فرماتے ایک بار صحابہ کرام ؓ جن میں عجمی اور بدوی بھی شامل تھے تلاوت کر رہے تھے آپ ﷺ کا شانہ نبوت ﷺ سے برآمد ہوئے تو فرمایا پڑھے جاؤ سب کا طرز اچھا ہے اس کے بعد ایک قوم پیدا ہوگی جو قرآن کو تیر کی طرح سیدھا کر لے گی لیکن اس کا مقصد ثواب آخرت نہ ہو گا بلکہ دنیا ہوگی۔“

اسی طرح ایک روز صحابہ کرام ؓ تلاوت کر رہے تھے آپ ﷺ نے دیکھا تو فرمایا خدا کا شکر ہے خدا کی کتاب ایک ہے اور تم میں سرخ سیاہ سپید ہر قسم کے لوگ ہیں۔^۲ رمضان میں یہ شوق اور بھی ترقی کر جاتا تھا چنانچہ آپ ﷺ نے حضرت عبداللہ بن عمر ؓ کے اس شوق کو دیکھا تو فرمایا کہ ”پورے ایک مہینے میں قرآن ختم کیا کرو“ بولے کہ ”مجھ میں اس سے زیادہ کئی طاقت ہے“ حکم ہوا بیس دن میں ”گزارش کی کہ“ میں اس سے بھی زیادہ طاقت پاتا ہوں ”فرمایا پندرہ دن میں“ بولے کہ مجھ میں اس سے بھی زیادہ طاقت ہے ارشاد ہوا کہ ”دس دن میں“ عرض کی کہ مجھ میں اس سے بھی زیادہ طاقت ہے فرمایا ”کے سات دن میں اور اب اس سے زیادہ کی اجازت نہیں۔“^۳

سخت سے سخت مصیبت میں بھی صحابہ کرام ؓ کے اس شوق میں کوئی فرق نہیں آتا تھا بلکہ اس حالت میں قرآن مجید ہی ان کیلئے مایہ تسکین ہوتا تھا جس وقت حضرت عثمان ؓ کی شہادت واقع ہوئی وہ قرآن مجید کی تلاوت میں مصروف تھے چنانچہ ان کے خون کے قطرے

۱۔ ابوداؤد کتاب الصلوٰۃ ابواب شہر رمضان باب تخریب القرآن۔

۲۔ ایضاً ابواب التفریح افتتاح الصلوٰۃ باب ما یجزی الای والاعجمی من القرآۃ۔

۳۔ ابوداؤد کتاب الصلوٰۃ ابواب شہر رمضان باب فی لم یقرأ القرآن۔

قرآن مجید کی اس آیت پر گرے

فَسَبِّحْهُمْ اللَّهُ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ۔^۱

قرآن مجید کی تلاوت ہم بھی کرتے ہیں لیکن معلوم ہوتا ہے کہ سر کا بوجھ اتار رہے ہیں، لیکن بعض صحابہ ؓ اس خوش الحانی کے ساتھ قرآن مجید پڑھتے تھے کہ سننے والوں پر محویت کا عالم طاری ہو جاتا تھا۔ ایک رات حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا گھر میں دیر کو آئیں رسول اللہ ﷺ نے وجہ پوچھی تو بولیں آپ ﷺ کے اصحاب میں سے ایک شخص قرآن پڑھ رہے تھے میں نے ایسی قرات کبھی نہیں سنی تھی، آپ ﷺ بھی ان کے ساتھ ہو لئے اور کہا ”یہ سالم مولیٰ بن ابی حذیفہ ہیں خدا کا شکر ہے کہ میری امت میں ایسے لوگ موجود ہیں۔“ حضرت عبداللہ بن قیس ؓ نہایت خوش الحان تھے ایک روز وہ قرآن پڑھ رہے تھے، آپ ﷺ نے سنا تو پوچھا کون ہے! لوگوں نے نام بتایا تو فرمایا ان کو نغہ داؤدی عطا کیا گیا ہے۔^۲ حضرت ابو عثمان ؓ نہدی کا بیان ہے کہ ”میں نے جاہلیت کا زمانہ بھی پایا ہے لیکن میں نے جنگ و بربط کی آواز کو بھی ابو موسیٰ اشعری ؓ کی خوش الحانی سے بہتر نہیں پایا وہ ہم کو نماز فجر پڑھاتے تھے تو جی چاہتا تھا کہ پوری سورہ بقرہ پڑھ ڈالتے۔“

وہ حضرت عمر ؓ کی خدمت میں حاضر ہوتے تو فرماتے کہ ”ہم کو خدا کا شوق دلاؤ وہ قرات شروع کرتے اور حضرت عمر ؓ نہایت محویت سے سنتے ایک بار اسی حالت میں کسی نے کہا کہ ”نماز کا وقت آگیا۔“ بولے کیا یہ نماز نہیں ہے۔ وہ قرآن پڑھتے تو ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن نہایت شوق سے سنتیں ایک دن ان کو معلوم ہوا تو بولے کہ، اگر مجھے خبر ہوتی تو تم لوگوں کو اور بھی شوق دلاتا۔“

حضرت ابو موسیٰ اشعری ؓ ہی کی خصوصیت نہیں بلکہ خوش الحانی ان کے تمام قبیلہ کا وصف امتیازی تھا رسول اللہ ﷺ فرمایا کرتے تھے کہ رات کو جب قبیلہ اشعری کے لوگ آتے ہیں تو میں ان کی قرآن خوانی ہی سے ان کے جائے قیام کو پہچان لیتا ہوں۔^۵

حضرت عبدالرحمن بن سائب ؓ بھی نہایت خوش الحان تھے خود ان کا بیان یہ کہ ایک دن میرے پاس حضرت سعد بن ابی وقاص ؓ آئے اور کہا کہ ”میں نے سنا ہے کہ تم

- ۱: استیعاب تذکرہ عثمان بن عفان۔
- ۲: سنن ابن ماجہ کتاب الصلوٰۃ باب فی حسن الصوت بالقرآن۔
- ۳: استیعاب تذکرہ عبدالرحمن بن مل۔
- ۴: طبقات ابن سعد ذکرہ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ۔
- ۵: مسلم کتاب الفضائل باب من فضائل الاشعریین۔

قرآن نہایت خوش الحانی کے ساتھ پڑھتے ہو میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ قرآن غم کیلئے نازل ہوا ہے، اس لئے جب پڑھو تو روؤ اگر نہیں روتے تو رونی صورت بناؤ اور اس کو خوش الحانی کے ساتھ پڑھو۔^۱

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تلاوت کی حالت میں قرآن مجید کے اوب و احترام کا نہایت لحاظ رکھتے تھے، حضرت مصعب بن سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ”میں ہاتھ میں قرآن مجید لئے ہوئے تھا اور حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ تلاوت فرما رہے تھے میں نے بدن کھجلیا تو حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے فرمایا شاید تم نے اپنے شرمگاہ کا مس کیا میں نے کہا ہاں بولے جاؤ وضو کر کے آؤ۔“^۲

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم تلاوت فرماتے تھے تو جب تک فارغ نہ ہو جائیں کسی سے بات چیت نہیں کرتے تھے۔^۳

حفظ قرآن

قرآن مجید کی متفرق سورتیں اگرچہ تقریباً تمام صحابہ رضی اللہ عنہم کو یاد تھیں لیکن ان میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ، حضرت ابوالیوب رضی اللہ عنہ، حضرت عبدالہ بن الصامت رضی اللہ عنہ، حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ، حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ، حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ، حضرت ابوزید رضی اللہ عنہ، حضرت سالم رضی اللہ عنہ، حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ نے خود رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں پورا قرآن حفظ کر لیا تھا حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو خود بھی اس پر نہایت فخر تھا ایک بار انھوں نے ایک خطبے میں فخریہ لہجے میں فرمایا کہ ”میں نے خود رسول اللہ ﷺ کی زبان مبارک سے کچھ لو پر ستر آیتیں یاد کی ہیں تمام اصحاب رسول اللہ ﷺ جانتے ہیں کہ میں ان میں سب سے زیادہ کتاب اللہ کا عالم ہوں۔“^۴ لیکن حافظ ابن حجر نے لکھا ہے کہ اس سے لازم نہیں آتا کہ اس زمانے میں اور صحابہ رضی اللہ عنہم حافظ قرآن نہ تھے بلکہ اور حفاظ کی تعداد ان سے بہت زیادہ تھی چنانچہ غزوہ بدر میں جو ستر صحابہ رضی اللہ عنہم شہید ہوئے سب کے سب قراء کہے جاتے تھے۔^۵

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی نسبت حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے ابی اقرانا ہم

۱: ابن ماجہ کتاب الصلوٰۃ باب فی حسن الصوت بالقرآن۔

۲: موطائے امام مالک کتاب الصلوٰۃ باب الوضوء من القرآن۔

۳: بخاری کتاب التفسیر باب قولہ ناسم حرت لکم۔

۴: بخاری کتاب ابواب فضائل باب القرآن من اصحاب رسول اللہ صلعم مع فتح الباری۔

۵: فتح الباری جلد ۹ صفحہ ۴۲۔

میں قرآن کے سب سے زیادہ قاری ابی ہیں۔^۱ اسی بنا پر جب نماز تراویح باجماعت قائم کی تو حضرت ابی ابن کعب رضی اللہ عنہ کو امام بتایا اور اسی فضیلت کی بنا پر حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ، حضرت زید بن ثابت اور حضرت ابو زید رضی اللہ عنہ پر ان کے قبیلہ خزرج کو بڑا ناز تھا۔ ایک بار قبیلہ اوس و خزرج میں مفاخرت ہوئی تو اوس نے کہا کہ ”ہم میں حظلہ بن عامر رضی اللہ عنہ ہیں جن کو فرشتوں نے غسل دیا تھا ہم میں عاصم بن ثابت رضی اللہ عنہ ہیں جن کے جسم کو بھڑوں نے کفار کی دست برد سے محفوظ رکھا تھا، ہم میں سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ ہیں جن کی موت پر عرش الہی ہل گیا تھا، ہم میں خزیمہ بن ثابت ہیں جن کی شہادت کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو شہادتوں کے برابر قرار دیا، خزرج بولے ہم میں چار شخص ہیں جنہوں نے خود عہد نبوت میں قرآن یاد کر لیا تھا پھر ان بزرگوں کے نام لئے۔^۲

ان بزرگوں کے علاوہ اور بہت سے صحابہ رضی اللہ عنہم تھے جن کو قرآن مجید از بر یاد تھا ان میں حضرت مجمع بن جاریہ رضی اللہ عنہ، حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ، حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے نام ہم کو معلوم ہیں۔^۳ لیکن جن کے نام معلوم نہیں ان کی تعداد ان سے بھی زیادہ ہے جنگ یمامہ میں بکثرت حفاظ شریک ہوئے تھے چنانچہ ان ہی لوگوں کے شہید ہونے پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو جمع قرآن کا خیال پیدا ہوا اور انہوں نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو اس پر آمادہ کیا۔^۴

ان لوگوں کی نسبت حافظہ ابن حجر فتح الباری میں لکھتے ہیں۔

ان کثیرا ممن قتل فی وقعة الیمامة کان قد حفظ القرآن۔

جو لوگ جنگ یمامہ میں شہید ہوئے ان میں اکثروں نے قرآن کو حفظ کر لیا تھا۔

تسبیح و تہلیل

تسبیح و تہلیل پاک مذہبی زندگی کی مخصوص علامت ہے اس لئے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اکثر تسبیح و تہلیل کیا کرتے تھے، جب جہاد میں روانہ ہوتے تو تمام پہاڑیاں ان کے غافلہ تسبیح و تہلیل سے گونج اٹھتی تھیں اس وقت اگرچہ عتیق و کبر باکی تسبیح موجود نہ تھی تاہم شکر یزے اور کھجور

۱ بخاری کتاب ابواب فضائل القرآن باب القرآن اصحاب رسول اللہ سلم۔

۲ بخاری باب فضل من قمار مضان۔

۳ اسد الغابہ تذکرہ حضرت ابو زید۔

۴ اسد الغابہ تذکرہ حضرت مجمع بن جاریہ۔

۵ اسد الغابہ تذکرہ حضرت قیس بن سائب۔

۶ بخاری کتاب فضائل القرآن، باب جمع القرآن۔

کی گٹھلیوں کی کمی نہ تھی جن صحابہ ؓ نے خاص طور پر تسبیح و تہلیل کا التزام کر لیا تھا ان ہی سے تسبیح کا کام لیتے تھے ایک بار آپ ﷺ نے ایک صحابیہ رضی اللہ عنہا کو دیکھا کہ سامنے کنکری یا گٹھلی رکھ کر تسبیح پڑھ رہی ہیں فرمایا میں اس سے آسان تدبیر بتا دیتا ہوں ”اس کے بعد ایک دعا بتادی۔“

حضرت ابو ہریرہ ؓ ہمیشہ تسبیح و تہلیل میں مصروف رہتے تھے اس غرض سے ایک تہلیل بنا رکھی تھی جس میں کنکریاں یا گٹھلیاں بھری رہتی تھیں جن پر وہ تسبیح پڑھتے تھے جب تہلیل خالی ہو جاتی تو وہ لونڈی کو حکم دیتے وہ پھر بھر دیتی۔^۱

ذکر الہی

ذکر الہی صحابہ کرام ؓ کا محبوب ترین مشغلہ تھا خود اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں صحابہ کرام ؓ کے اس وصف کو نمایاں کیا ہے والذاکرین اللہ کثیرا والذاکرات ایک دن حضرت امیر معاویہ ؓ مسجد میں آئے تو دیکھا کہ لوگوں کا حلقہ ذکر قائم ہے بولے کیوں بیٹھے ہو؟ لوگوں نے جواب دیا کہ ”ذکر الہی کرتے ہیں“ پھر فرمایا صرف اسی لئے بیٹھے ہو جواب ملا ہاں صرف اس لئے فرمایا ایک بار اسی طرح رسول اللہ ﷺ نے صحابہ ؓ کا حلقہ ذکر دیکھا تو اسی طرح سوال کیا ”اور جواب ملنے پر فرمایا کہ میرے پاس جبرائیل آئے اور خبر دی کہ اللہ تعالیٰ تمہارے ذریعہ فرشتوں پر فخر کرتا ہے۔“^۲

صحابہ کرام ؓ جب نماز سے فارغ ہوتے تو نہایت بلند آہنگی سے ذکر الہی کرتے حضرت عبداللہ ابن عباس ؓ فرماتے ہیں کہ جب میں یہ غلغلہ سنتا تو سمجھ جاتا کہ صحابہ ؓ نماز پڑھ کر واپس آتے ہیں۔^۳

خوف قیامت

صحابہ کرام ؓ کے دلوں میں قیامت کا خوف اس قدر سما گیا تھا کہ اس کے ڈر سے ہر وقت کانپتے رہتے تھے ایک بار دفعتاً اندھیرا ہو گیا ایک صاحب نے حضرت انس بن مالک ؓ سے پوچھا کہ کیا عہد نبوت میں بھی ایسا ہوتا تھا۔“ بولے معاذ اللہ اگر ہوا بھی تیز ہو جاتی تھی تو

۱: ابوداؤد ابواب تفریح شہر رمضان باب النسیب ابلحصى۔

۲: ابوداؤد کتاب الزکاح باب ما کمرہ الرجل ما یكون من اصابہ لبلہ۔

۳: ترمذی ابواب الدعوات باب ما حاء فی القوم یحبسون فی ذکر اللہ مالہم من الفضل و مسلم کتاب الذکر والدعا والتوبہ والاستغفار باب فضل الاجتماع علی تلاوة القرآن و علی الذکر۔

۴: مسلم کتاب الصلوٰۃ باب الذکر بعد الصلوٰۃ۔

ہم سب قیامت کے ڈر سے مسجد کی طرف بھاگ دوڑتے تھے۔^۱
یہ خوف قیامت ہی کا نتیجہ تھا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر وقائع اخروی کے ذکر سے رقت طاری ہو جاتی تھی بے ہوش ہو ہو جاتے تھے گر گر پڑتے تھے ایک بار دو صحابیوں میں وراثت کے متعلق نزاع پیدا ہوئی۔ گو کہ کسی کے پاس نہ تھا دونوں صاحب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں ایک آدمی ہوں ممکن ہے کہ تم میں کوئی نہایت چرب زبان اور طرار ہو اور میں اس کے موافق فیصلہ کر دوں لیکن اگر یہ اس کا حق نہیں ہے تو اس کو یقین کرنا چاہئے کہ میں نے اس کے گلے میں آگ کا ایک طوق لٹکا دیا ہے دونوں بزرگ آخرت کے خوف سے رونے لگے اور ہر ایک نے اپنا حق دوسرے کو دینا چاہا۔^۲
جب یہ آیت نازل ہوئی۔

يا ايها الناس اتقوا ربكم ان زلزلة الساعة شئ عظيم۔

لوگو اپنے خدا سے ڈرو کیونکہ قیامت کا زلزلہ ایک بڑی مصیبت ہوگی۔

تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ رضی اللہ عنہم کی طرف خطاب کر کے فرمایا جانتے ہو یہ کون سا دن ہے یہ وہ دن ہے جب خدا آدم سے کہے گا کہ آگ کی فوج بھیجو وہ کہیں گے خداوند آگ کی فوج کون ہے؟ خدا کہے گا ہزار میں نو سو ننانوے جہنم میں جھونکے جائیں گے اور جنت میں صرف ایک ”تمام صحابہ رضی اللہ عنہم یہ سن کر بے اختیار رو پڑے۔“^۳

ایک بار شفیاء الاصحی مدینہ میں آئے دیکھا کہ ایک بزرگ کے سامنے بھینٹ لگی ہوئی ہے پوچھا یہ کون بزرگ ہیں؟ لوگوں نے کہا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ پاس آئے اور جب لوگ ہٹ گئے تو کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی حدیث بیان فرمائیے۔ ”فرمایا بیان کرتا ہوں یہ کہہ کر چنچے اور بے ہوش ہو گئے! اتفاق ہو تو کہا ایک حدیث بیان کرتا ہوں جو اس گھر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے بیان فرمائی تھی پھر چلائے اور غشی طاری ہو گئی ہوش آیا تو منہ پوچھا اور پھر یہی الفاظ فرمائے پھر چلائے اور زمین پر گرنے لگے شفیاء نے فوراً تھام لیا ہوش آیا تو فرمایا کہ ”قیامت کے دن خدا بندوں کے فیصلے کیلئے اترے گا تو پہلے تین شخص طلب کئے جائیں گے ایک قاری ایک دولتمند ایک مجاہد خدا قاری سے پوچھے گا کیا ہم نے تجھ کو قرآن کی تعلیم نہیں دی؟ اس پر تو نے کیا عمل کیا۔ وہ کہے گا کہ میں نے رات دن اس کی تلاوت کی خدا کہے گا جھوٹ کہتے ہو تم نے یہ سب اس لئے کیا ہے کہ لوگ تم کو قاری کا خطاب دیں۔“ دولت مند سے سوال ہو گا تو وہ کہے گا

۱: ابوداؤد کتاب الصلوۃ عند الظلم۔

۲: ابوداؤد کتاب القضاہ باب فی قضاء القاضی اذا اخفا۔

۳: ترمذی ابواب التفسیر القرآن، تفسیر سورہ حج۔

کہ میں نے صلہ رحمی کی اور صدقہ دیا اور خدا کہے گا یہ جھوٹ ہے تم نے یہ سب کچھ اس لئے کیا کہ لوگ تم کو فیاض کہیں مجاہد سے پوچھا جائے گا تو وہ کہے گا تو نے مجھ کو جہاد کا حکم دیا میں لڑا اور شہید ہوا خدا فرمائے گا یہ تو غلط ہے تمہارا صرف یہ مقصد تھا کہ لوگ تم کو بہادر کہیں، یہ بیان کر کے رسول اللہ ﷺ نے میرے زانو پر ہاتھ مارا اور کہا کہ سب سے پہلے ان ہی پر جہنم کی آگ بھڑکے گی شفیاء نے مدینہ سے آکر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث بیان کی تو وہ روتے روتے قریب بہلاکت ہو گئے۔^۱

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ہر قسم کی دنیوی تکلیفیں قبول تھیں دنیوی مال و متاع کا قربان کر دینا منظور تھا لیکن عذاب اخروی گوارا نہ تھا ایک بار رسول اللہ ﷺ نے ایک صحابی کی عیادت کی دیکھا کہ سوکھ کے قاق ہو گئے ہیں فرمایا کیا تم صحت کی دعا نہیں کرتے تھے ”بولے میں یہ دعا کرتا تھا کہ اے خدا اگر تو مجھے عذاب اخروی دینا چاہتا ہے تو دنیا ہی میں دے دے۔“^۲

جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ زخمی ہوئے تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ گھبرانے کی کوئی بات نہیں آپ ﷺ نے رسول اللہ ﷺ کی حسن رفاقت کا حق ادا کیا اور وہ آپ رضی اللہ عنہ سے راضی ہو گئے، پھر ابو بکر رضی اللہ عنہ کی حسن رفاقت کا حق ادا کیا، اور وہ آپ رضی اللہ عنہ سے راضی گئے، پھر ان کے اصحاب کی حسن رفاقت کا حق ادا کیا اور اگر آپ رضی اللہ عنہ ان کو دلغ جدائی دے کر گئے تو وہ آپ رضی اللہ عنہ سے راضی رہیں گے، بولے رسول اللہ ﷺ اور ابو بکر رضی اللہ عنہ کی حسن رفاقت اور ان کی رضامندی تو ایک احسان الہی تھا، یہ گھبراہٹ صرف تمہارے اور تمہارے اصحاب کیلئے ہے، خدا کی قسم اگر زمین کی سطح پر سونا بکھیر دیا جائے تو میں اس کو دے کر عذاب الہی سے بچنے کو ترجیح دوں گا،^۳ شدت خوف قیامت سے ان کو یہی غنیمت معلوم ہوتا تھا کہ وہ اگر جنت میں داخل نہیں ہو سکتے تو کم از کم عذاب دوزخ سے تونچ جائیں، ایک بار انھوں نے ایک صحابی سے کہا کہ تمہیں یہ پسند ہے کہ ہم جو رسول اللہ ﷺ کے ساتھ اسلام لائے، ہجرت کی، جہاد کیا اور بہت سے نیک کام کئے ان سب کا ثواب تو ہم کو مل جائے لیکن آپ ﷺ کے بعد ہم نے جو نیک کام کئے تو اس کے بدلے میں صرف دوزخ سے بچ جائیں اور عذاب و ثواب برابر برابر ہو جائیں۔ بولے خدا کی قسم نہیں، ہم نے آپ ﷺ کے بعد بھی جہاد کیا، روزہ رکھا، نماز پڑھی بہت سے نیک کام کئے اور ہمارے ہاتھ پر بہت سے لوگ اسلام لائے، ہم کو ان اعمال سے بڑی بڑی توقعات ہیں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ”اس ذات کی

۱: ترمذی ابواب الزہد باب ما جاء في الرِّياء والسمعة۔

۲: ترمذی ابواب الدعوات باب ما جاء في عقد النجاة باليد۔

۳: بخاری کتاب المناقب فضائل عمرؓ۔

قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے مجھے تو یہی غنیمت معلوم ہوتا ہے کہ ہم ان کے بدلے عذاب سے بچ جائیں اور نیکی و بدی برابر برابر ہو جائے۔“^۱

خوف عذاب قبر

قبر سفر آخرت کی پہلی منزل ہے، اس لئے صحابہ کرام ؓ اس منزل کو نہایت کٹھن سمجھتے تھے اور اسکے دشوار گزار اور پر خطر راستوں سے ہمیشہ لرزتے رہتے تھے، ایک بار رسول اللہ ﷺ نے قبر کی آزمائش اور امتحان پر خطبہ دیا تو صحابہ کرام ؓ چیخ اٹھے۔ حضرت عمرو ابن العاص کا انتقال ہونے لگا، تو وصیت کی کہ ”مجھ کو دفن کرنا تو تھوڑی سی خاک ڈالنا، پھر قبر کے پاس اتنی دیر تک کھڑے رہنا کہ اونٹ ذبح کر دیے جائیں، اور ان کا گوشت تقسیم کر دیا جائے تاکہ تمہارے ساتھ انس قائم رہے اور اتنی دیر میں خدا کے قاصدوں (منکر نکیر) کا جواب سوچ لوں۔“^۲

گریہ و بکا

اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام ؓ کے دلوں کو موم کی طرح نرم و گزار کر دیا تھا، اس لیے جب رسول اللہ ﷺ کے خطبات و مواعظ سنتے، قرآن مجید پڑھتے یا خشیت الہی کا موقع آتا تو ان پر رقت طاری ہو جاتی اور آنکھوں سے بے اختیار آنسو نکل پڑتے۔ ایک بار آپ ﷺ نے ایک خطبہ میں فرمایا کہ ”جو کچھ میں جانتا ہوں اگر تم جانتے تو ہنستے کم اور روتے بہت“ تمام صحابہ ؓ بے اختیار منہ ڈھانک کر رونے لگے۔^۳ ایک بار رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اگر کسی کے دل میں رائی برابر بھی غرور ہوگا تو وہ مرنے کے بعد دوزخ میں داخل ہوگا۔ حضرت عبداللہ بن قیس انصاری ؓ یہ سن کر رو پڑے، آپ ﷺ نے فرمایا ”کیوں روتے ہو؟“ بولے ”آپ ﷺ کا ارشاد سن کر“ فرمایا تمہیں خوش خبری ہو کہ تم جنتی ہو۔“^۴

حضرت عبداللہ بن عمر ؓ جب قرآن مجید کی یہ آیت:

”الْمُيْمَنُ لِلَّذِينَ آمَنُوا وَتَلْزَمُ قُلُوبُهُمْ لِذِكْرِ اللَّهِ“

”کیا ان لوگوں کیلئے جو ایمان لائے ابھی وہ وقت نہیں آیا کہ خدا کے ذکر پر ان کے دل

۱: بخاری باب ایام اجللیہ۔

۲: نسائی کتاب الجنائز باب التعوذ من عذاب القبر۔

۳: مسلم کتاب الایمان باب کون الاسلام یمیدم ما قبلہ و کذا الحج والہجرۃ۔

۴: بخاری کتاب التفسیر باب لا تسالوا عن ایشاء ان تبدلکم تسو کم۔

۵: اسد الغابہ تذکرہ حضرت عبداللہ بن قیس انصاری۔

گداز ہوں۔“

پڑھتے تھے تو بے اختیار رو پڑتے تھے اور دیر تک روتے رہتے تھے۔^۱

ایک بار انہوں نے حضرت عمیر ؓ کو یہ آیت پڑھتے ہوئے سنا،

فکیف اذا حزن من کل امتہ بشہید۔

اس دن ان لوگوں کا کیا خیال ہو گا جب ہم ہر امت سے ایک گولہ لائیں گے۔

تو اس قدر روئے کہ داڑھی اور گریبان دونوں تر ہو گئے۔^۲

حضرت سہیل بن عمرو ؓ جب قرآن پڑھتے تھے تو ان پر گریہ طاری ہو جاتا تھا۔^۳

تمام صحابہ ؓ میں حضرت ابو بکر ؓ نہایت رفیق القلب تھے، وہ قرآن مجید

پڑھتے تھے تو ان پر اس قدر اثر پڑتا تھا کہ بے اختیار رونے لگتے تھے۔^۴

ایک بار حضرت عکرمہ ؓ نے حضرت اسماء رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ صحابہ ؓ

پر خوف الہی سے کبھی غشی بھی طاری ہوتی تھی، بولیں نہیں وہ صرف روتے تھے۔^۵

الحب فی اللہ

اسلام ایک رشتہ اتحاد تھا جو صحابہ کرام ؓ کو دور دور سے کھینچ کر لاتا تھا اور ایک دائمی

محبت کے سلسلہ میں منسلک کر دیتا تھا مہاجرین و انصار دونوں کا خاندان الگ تھا، سلسلہ نسب

الگ تھا طرز معاشرت الگ تھا لیکن یہ صرف اسلام کا تعلق تھا جس نے دونوں کو اس قدر متحد

کر دیا کہ دونوں بھائی بھائی ہو گئے اور مال میں جائیداد میں وراثت میں ایک دوسرے کے شریک ہو

گئے اسی کا نام حب فی اللہ ہے اور صحابہ کرام ؓ کا ہر فرد اسی محبت کے نشہ میں چور تھا، ایک صحابی

رسول اللہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا کہ میرے دو بھائی تھے اور میں ایک سے صرف

خدا اور رسول کیلئے محبت اور دوسرے سے صرف خدا اور خدا کے رسول کیلئے بعض رکھتا تھا۔^۶

حضرت مجاہد کا بیان ہے کہ ایک صحابی نے پیچھے سے میرا شانہ پکڑ کر کہا کہ ”میں تم سے

محبت رکھتا ہوں انھوں نے کہا کہ جس ذات خدا کیلئے تم مجھ سے محبت رکھتے ہو میں بھی اسی

ذات کیلئے تم سے محبت رکھتا ہوں۔“^۷

۱: اسد الغابہ تذکرہ حضرت عبداللہ بن عمر۔ ۲: طبقات ابن سعد تذکرہ حضرت عبداللہ بن عمر۔

۳: اسد الغابہ تذکرہ حضرت سہیل بن عمرو۔

۴: بخاری کتاب الصلوٰۃ باب المسجد یكون فی الطريق من غیر ضرر بالناس۔

۵: طبقات ابن سعد تذکرہ حضرت اسماء۔

۶: اسد الغابہ تذکرہ حضرت خالد الاحدب عاصی۔

۷: ادب المفرد باب اذا احب الرجل اخاه فلیعلم۔

یہ حب فی اللہ ہی کا نتیجہ تھا کہ جو لوگ کوئی نیک کام کرتے تھے صحابہ کرام ؓ کو ان سے محبت ہو جاتی تھی ایک بار حضرت عبداللہ بن عمر ؓ کے سامنے حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ کا ذکر ہوا تو بولے تم نے ایسے شخص کا ذکر کیا کہ جب سے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ قرآن چار آدمیوں سے سیکھو اور ان میں سب سے پہلے عبداللہ بن مسعود ؓ کا نام لیا اسی دن سے میں برابر ان کو محبوب رکھتا ہوں۔^۱

ایک بار قبیلہ بنو تمیم کا صدقہ آیا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ یہ میری قوم کا صدقہ ہے اور یہ لوگ دجال کے مقابلہ میں سب سے قوی تر ہیں، حضرت ابو ہریرہ ؓ کا بیان ہے کہ عرب کے قبائل میں کوئی قبیلہ مجھے اس قبیلہ سے زیادہ مبغوض نہ تھا لیکن جب سے میں نے رسول اللہ ﷺ سے اس کی نسبت یہ کلمات سنے وہ مجھے محبوب ہو گیا۔^۲

البغض فی اللہ

صحابہ کرام ؓ ہمہ تن محبت تھے، اس لئے ان کے نزدیک بغض سے زیادہ کوئی چیز مبغوض نہ تھی تاہم خدا کے عشق میں انھوں نے دوسروں کی محبت کو بھلا دیا تھا وہ اگر محبت کرتے تھے تو خدا ہی کیلئے اور بغض رکھتے تھے تو خدا ہی کیلئے۔

بیٹا ہر شخص کو محبوب ہوتا ہے لیکن اگر وہ خدا سے محبت نہیں رکھتا تو اس سے کوئی عاشق خدا محبت نہیں رکھ سکتا، حضرت عبدالرحمن بن ابی بکر ؓ اسلام نہیں لاتے تھے اس لئے حضرت ابو بکر ؓ نے قسم کھالی تھی کہ ان کو وراثت نہ دوں گا۔^۳

بی بی سب کو محبوب ہے لیکن خدا اور رسول کی محبت نے صحابہ ؓ کیلئے ایسی محبوب چیز کو بھی مبغوض بنا دیا تھا، ایک صحابی کی بی بی (ام ولد) رسول اللہ ﷺ کو برا بھلا کہا کرتی تھی وہ اس کو بار بار سختی کے ساتھ منع کرتے تھے، لیکن وہ اس حرکت سے باز نہیں آتی تھی اسکے ساتھ ان کے تعلقات جس قسم کے تھے ان کو خود انھوں نے اس طرح بیان کیا ہے۔

لی منھا ابنان معثل اللو لویتین و کانت بی رفیقته۔

اس سے میرے دو بچے سوتی کی طرح تھے اور وہ میری ہمد م تھی۔

لیکن ایک بار رات کو وہ رسول اللہ ﷺ کو برا بھلا کہہ رہی تھی انھوں نے سن لیا اور دفعتاً تمام تعلقات کو بھول گئے کلباڑی اٹھائی اور اس کا پیٹ چاک کر دیا۔^۴

۱: مسند ابن خبیل جلد ۲ صفحہ ۱۹۱۔

۲: ایضاً صفحہ ۳۹۰۔

۳: ابوداؤد کتاب الفرائض باب نسخ میراث العہد میراث الرحم۔

۴: ابوداؤد کتاب الحدود باب الحكم فین سب النبی۔

حضرت ابن مکتوم ایک یہودیہ کے مہمان ہوئے وہ اگرچہ ان کی خاطر مدارات کرتی تھی لیکن خدا اور خدا کے رسول کو برا بھلا کہتی تھی اس لئے انھوں نے اس کو قتل کر ڈالا۔^۱
اعزہ احباب سے کس کو محبت نہیں ہوتی لیکن صحابہ کرام ؓ نے خدا کیلئے ان سب کی محبت کو خیر باد کہہ دیا تھا، اسیر ان بدر گرفتار ہو کر آئے اور رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابو بکر ؓ اور حضرت عمر ؓ سے مشورہ لیا تو حضرت ابو بکر ؓ نے فدیہ لے کر رہا کرنے کا مشورہ دیا لیکن حضرت عمر ؓ نے کہا کہ ہم کو ان سب کی گردن مارنے کا اختیار عطا فرمائیے علی عقیل کی اور میں اپنے ایک عزیز کی گردن اڑا دوں کیونکہ یہ لوگ ایمۃ الکفر ہیں۔^۲

مقامات مقدسہ کی زیارت

خانہ کعبہ کی طرح صحابہ کرام ؓ اور دوسرے مقامات مقدسہ کی زیارت سے بھی شرف اندوز ہوتے تھے۔

ایک بار ایک خاتون بیمار ہوئیں اور نذر مانی کہ اگر خدا شفا دے گا تو بیت المقدس میں جا کر نماز پڑھوں گی صحت یاب ہوئیں تو سامان سفر کیا رخصت ہونے کیلئے حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوئیں انھوں نے کہا مسجد نبویؐ میں نماز پڑھ لو۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ میری مسجد کی ایک نماز خانہ کعبہ کی مسجد کے سوا دوسری مساجد کی ہزاروں نمازوں سے بہتر ہے۔^۳

حضرت ابو جعتہ انصاری ؓ بیت المقدس میں نماز ادا کرنے کیلئے آئے نماز ادا کر کے چلنے لگے تو لوگ پہنچانے آئے بولے مجھ پر تمہارا حق ہے اس کے بدلے میں ایک حدیث بیان کرتا ہوں۔^۴

کوہ طور تجلی گاہ نور الہی تھا اس لئے حضرت ابو ہریرہ ؓ وہاں گئے اور اس پر نماز پڑھی، پلٹے تو حضرت ابوبصرہ ؓ سے ملاقات ہو گئی، انھوں نے کہا کہ اگر میں پہلے ملا ہوتا تو تم وہاں نہ جانے پاتے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ مسجد نبویؐ، مسجد حرام اور مسجد اقصیٰ کے سوا قصد رحال نہیں کیا جاسکتا۔^۵

رسول اللہ ﷺ ہر سیچر کو معمولاً قبائلی تشریف لے جایا کرتے تھے حضرت عبداللہ بن

۱: طبقات ابن سعد تذکرہ حضرت ابن مکتوم۔

۲: مسلم کتاب الجہاد باب الامداد الملائکۃ فی غزوہ بدر و اباحۃ انعام۔

۳: مسلم کتاب الحج باب فضل الصلوٰۃ فی مسجد المدینہ و مکہ۔

۴: اصحابہ تذکرہ حضرت ابو جعتہ انصاریؓ۔

۵: مسند ابوداؤد و طیحاکی صفحہ ۹۲، مسند ابوبصرہ غفاریؓ۔

عمر ؓ نے بھی یہ التزام کر لیا تھا۔^۱ ایک دن حضرت عبداللہ بن قیس بن مخزمہ ؓ مسجد قبا کے پاس سے خچر پر سوار ہو کر نکلے دیکھا کہ حضرت عبداللہ بن عمر ؓ پیادہ جا رہے ہیں خچر سے اتر کر کہا کہ چچا جان اس پر سوار ہو لیجئے بولے اگر سواری درکار ہوتی تو مل سکتی تھی لیکن رسول اللہ ﷺ اس مسجد میں پیادہ آکر نماز پڑھا کرتے تھے اس لئے میں بھی پیادہ آنا پسند کرتا ہوں۔^۲

ایک صحابیہ رضی اللہ عنہا نے مسجد قبا تک پیادہ جانے کی نذرمانی تھی ابھی نذر پوری کرنے بھی نہ پائی تھیں کہ انتقال ہو گیا، حضرت عبداللہ بن عباس ؓ نے فتویٰ دیا کہ ان کی صاحبزادی نذر پوری کریں۔^۳

فرائض مذہبی کے ادا کرنے میں جسمانی تکلیفیں اٹھانا

ہم دہر قسم کی آسانیاں حاصل ہیں تاہم مذہبی فرائض اعمال ادا نہیں کرتے لیکن صحابہ کرام ؓ ہر قسم کی تکلیفیں برداشت کرتے تھے اور فرائض اسلام کو بخوشی ادا کرتے تھے حضرت ملی ؓ کو اکثر ندی کے قطرے آجایا کرتے تھے اس لئے وہ عموماً نہاتے رہتے تھے جب بار بار کے نہانے سے ان کی پیٹھ پھٹ پھٹ گئی تو انھوں نے رسول اللہ ﷺ سے اس کا ذکر کیا آپ ﷺ نے فرمایا اس کیلئے وضو کافی ہے۔^۴

رسول اللہ ﷺ ظہر کی نماز پڑھتے تھے تو دھوپ کی شدت سے زمین اس قدر گرم رہتی تھی کہ بعض صحابہ ؓ منہ میں کنکریاں اٹھا کر اس کو ٹھنڈا کرتے تھے پھر سامنے رکھ کر اس پر سجدہ کرتے تھے حضرت زید بن ثابت ؓ فرماتے ہیں کہ

كان رسول الله ﷺ يصلي الظهر بالهاجره ولم يكن يصلي صلوٰه اشد على اصحاب رسول الله ﷺ منها۔^۵

رسول اللہ ﷺ ٹھیک دوپہر کے وقت ظہر پڑھتے تھے اور آپ ﷺ کی کوئی نماز صحابہ ؓ پر ظہر سے زیادہ شاق اور سخت نہ تھی۔

ایک بار سورج گہن لگا تو رسول اللہ ﷺ نے نماز کسوف پڑھائی اور قیام و قعود اور رکوع و سجود میں اس قدر دیر لگائی کہ بہت سے صحابہ ؓ بے ہوش ہو گئے ان پر پانی کی

۱: مسلم کتاب الحج باب فضل مسجد قبا۔

۲: مسند ابن خبیل جلد ۲ صفحہ ۱۱۹۔

۳: موطا امام محمد کتاب الایمان والندوب باب الرجل يحلف بالمشي الى بيت الله۔

۴: ابوداؤد کتاب الطہارہ باب فی المذی۔

۵: ایضاً کتاب الصلوٰۃ باب فی وقت صلوٰۃ الظہر۔

۶: ایضاً کتاب الصلوٰۃ باب فی وقت العصر۔

مشکیں ڈالی گئیں۔^۱

اسلام نے اگرچہ رہبانیت کو مٹا دیا تاہم ذوق عبادت میں حضرت حمزہ بنت جحش رضی اللہ عنہا برابر مصروف نماز رہتی تھیں اور جب تھک جاتی تھیں تو مسجد کے دونوں ستونوں میں ایک رسی باندھ رکھی تھی، اس سے لٹک جاتی تھیں تاکہ نیند نہ آنے پائے رسول اللہ ﷺ نے اسی رسی کو دیکھا تو فرمایا ان کو صرف اسی قدر نماز پڑھنی چاہئے جو ان کی طاقت میں ہو اگر تھک جائیں تو بیٹھ جانا چاہئے چنانچہ وہ رسی کھلوا کر پھنکوا دی۔^۲

شوق حصول ثواب

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے تمام اعمال کا محور صرف ثواب آخرت تھا اسی کیلئے وہ طرح طرح کی تکلیفیں اٹھاتے تھے اور اسی پر انھوں نے اپنے تمام عیش و آرام کو قربان کر دیا تھا ایک صحابی کا گھر مسجد سے بہت دور تھا لیکن ان کی کوئی جماعت قضا نہیں ہوتی تھی ایک صحابی نے ان سے کہا کہ کاش آپ ایک گدھا خرید لیتے جس پر دن کی دھوپ اور رات کی اندھیری میں سوار ہو کر شریک نماز ہوتے۔ انھوں نے جواب دیا کہ میں سرے سے یہی نہیں پسند کرتا کہ میرا گھر مسجد کے پہلو میں ہو رسول اللہ ﷺ کے سامنے اس کا تذکرہ آیا تو آپ ﷺ نے وجہ پوچھی بولے کہ میرا مقصد یہ ہے کہ میری طویل آمد و رفت داخل حسانت ہو آپ ﷺ نے یہ سن کر فرمایا خدا نے تم کو یہ سب دے دیا ہے۔^۳

آپ ﷺ نے فرمایا تھا کہ مسجد کی طرف جو قدم اٹھتا ہے اس پر ثواب ملتا ہے اس لئے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نماز کو آتے تھے تو قدم قریب قریب رکھتے تھے کہ نقش قدم کی تعداد بڑھ جائے اور اس پر ثواب ملے۔^۴

حضرت مالک بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ نے حضرت حبیب بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ گھوڑا ساتھ ہے اور خود پیادہ جا رہے ہیں۔ بولے جب خدا نے سواری دی ہے تو سوار کیوں نہیں ہو لیتے۔ بولے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ خدا کی راہ میں جس شخص کے پاؤں غبار آلود ہو جائیں خدا اس کو آگ پر حرام کر دیتا ہے۔^۵ یعنی پیدل اس لئے چلتا ہوں کہ پاؤں میں مٹی لگ جائے تاکہ اس بشارت سے مجھ کو بھی حصہ ملے۔

۱: ابو داؤد کتاب الصلوٰۃ باب الصلوٰۃ للکوف۔

۲: ابو داؤد کتاب الصلوٰۃ باب التطوع و رکعات السنۃ باب النعاس فی الصلوٰۃ۔

۳: ابو داؤد باب ما جاء فی فضل المشی الی الصلوٰۃ۔

۴: نسائی کتاب الامام باب المحافظۃ علی الصلوٰۃ حیث ینادی بہن۔

۵: مسند دارمی فی فضل اخبار فی سبیل اللہ۔

ایک روز حضرت جابر رضی اللہ عنہ سخت دھوپ میں پایادہ اپنے خچر کو ہانکتے ہوئے جا رہے تھے راستہ میں فوج سے ملاقات ہو گئی تو اس کے سپہ سالار نے کہا خدا نے آپ کو سواری دی ہے پھر سوار کیوں نہیں ہو لیتے۔ بولے میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ جس شخص کے پاؤں خدا کی رلا میں غبار آلود ہو جائیں اللہ تعالیٰ اس کو آگ پر حرام کر دیتا ہے یہ سن کر تمام فوج کھوڑے سے اتر گئی۔^۱

پابندی نذر و قسم

ہم لوگ ہر وقت قسمیں کھلیا کرتے ہیں اور ہم کو محسوس نہیں ہوتا کہ یہ کس قدر ذمہ داری کا کام ہے لیکن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بہت کم قسم کھاتے تھے اور جس بات پر قسم کھا لیتے تھے اس کو پورا کرتے تھے ایک بار حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے ناراض ہو گئیں اور قسم کھالی کہ اب ان سے کبھی بات چیت نہ کریں گی لیکن جب حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم کی سفارش پہنچائی تو رو کر کہنے لگیں۔
انی نذرت والنذر شدید۔

میں نے نذر مان لی ہے اور نذر کا معاملہ نہایت سخت ہے۔

بالآخر اصرار و سفارش سے معاف کر دیا اور کفارہ قسم میں ۴۰ غلام آزاد کئے۔^۲

حضرت عمر رضی اللہ عنہ خلافت کے کاروبار میں مشغول رہتے تھے اس لئے اپنے دربان کو حکم دیا تھا کہ اگر وہ کوئی قسم کھالیں اور مصروفیت کی وجہ سے اس کو پورا نہ کر سکیں تو وہ ان کی طرف سے کفارے میں دس فقیر کو پانچ صاع گیہوں دے دے۔^۳ یعنی ہر فقیر کو نصف صاع۔

حضرت کریم ﷺ نے کوہ بولہ پر پچاس بکریوں کے ذبح کرنے کی نذر مانی تھی رسول اللہ ﷺ سے اس کے ایفاء کی اجازت مانگی تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ وہاں کوئی بت تو نصب نہیں ہے بولے نہیں اب آپ ﷺ نے نذر پوری کرنے کی اجازت دے دی انھوں نے بکریاں جمع کیں اور ان کو ذبح کرنے لگے سوء اتفاق سے ایک بکری بھاگ گئی وہ اس کی جستجو میں نکلے تو یہ کہتے جاتے تھے کہ خداوند امیری نذر پوری کر چنانچہ جب اس بکری کو پکڑ کر ذبح کر لیا تو ان کو تسکین ہوئی۔^۴

اسلام نے اگرچہ رہبانیت کو ناجائز قرار دیا تھا تاہم بعض صحابہ رضی اللہ عنہم ناواقفیت کی وجہ سے

۱: مسند ابوداؤد طیالسی صفحہ ۱۳۴۳ لا فروغ عن جابر۔

۲: بخاری کتاب الادب بالحرۃ۔

۳: مؤطائے امام محمد کتاب الایمان والند و ردو فی ما یحزی فی کفارۃ المسلمین۔

۴: طبقات ابن سعد ذکرہ حضرت میمونہ بنت کردم۔

نہایت تکلیف دہ نذریں مانتے تھے اور ان کو پورا کرتے تھے ایک بوڑھے صحابی نے پاپیادہ حج کرنے کی نذر مانی اور اس کو پورا کیا لیکن رسول اللہ ﷺ نے ان کو منع فرمایا ایک اور صحابیہ رضی اللہ عنہا نے بھی اسی قسم کی نذر مانی لیکن رسول اللہ ﷺ نے اس کی اجازت نہیں دی۔^۱

ایک بار رسول اللہ ﷺ نے ایک صحابی کو دیکھا کہ کھڑے ہوئے ہیں دریافت فرمایا تو معلوم ہوا کہ انہوں نے یہ نذر مانی ہے کہ نہ بیٹھیں گے نہ سائے میں کھڑے ہوں گے نہ کسی سے بولیں گے اور روزہ رکھیں گے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ان سے کہہ دو کہ یہ سب چھوڑ دیں اور صرف روزے کو پورا کریں۔^۲

۱: بخاری کتاب الحج باب من نذر المشی علی الکعبۃ۔

۲: بخاری کتاب النذر باب انہ فیما لایملکونی مصیۃ۔

تجلیل الرسول

برکت اندوزی

صحابہ کرام ؓ مختلف طریقوں سے رسول اللہ ﷺ کی ذات سے برکت اندوز ہوتے رہتے، مثلاً بچے بیمار پڑتے یا پیدا ہوتے تو ان کو آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر کرتے آپ ﷺ بچے کے سر پر ہاتھ پھیرتے اپنے منہ میں کھجور ڈال کر اس کے منہ میں ڈالتے اور اس کیلئے برکت کی دعا فرماتے۔ حضرت سائب بن یزید ؓ کہتے ہیں کہ میں بیمار پڑا تو میری خالہ مجھ کو آپ ﷺ کی خدمت میں لے گئیں۔ آپ ﷺ نے میرے سر پر ہاتھ پھیرا اور دعائے برکت کی اس کے بعد آپ ﷺ نے وضو کیا تو میں نے آپ ﷺ کے وضو کا پانی پیا۔ حضرت ابو موسیٰ اشعری ؓ کے لڑکا پیدا ہوا تو آپ ﷺ کی خدمت میں لائے آپ ﷺ نے اس کا نام رکھا اپنے منہ میں کھجور ڈال کے اس کے منہ میں ڈالی اور اس کو برکت کی دعا دی۔ حضرت عبداللہ بن زبیر ؓ پیدا ہوئے تو ان کی والدہ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا ان کو لے کر آئیں اور آپ ﷺ کی گود میں رکھ دیا، آپ ﷺ نے کھجور منگا کر چبائی اور اس کو ان کے منہ میں ڈال دیا پھر برکت کی دعا کی آپ ﷺ بعض بچوں کے منہ میں کلی کر دیتے بعض کے منہ میں لعاب دہن ڈال دیتے اور بعض کی آنکھوں پر ہاتھ پھیرتے۔^۱

حضرت زبرہ ابن معبد ؓ ایک صحابی تھے بچپن ہی میں ان کی والدہ ان کو آپ ﷺ کی خدمت میں لائیں اور کہا کہ ”اس سے بیعت لیجئے آپ ﷺ نے فرمایا ابھی بچہ ہے یہ کہہ کر ان کے سر پر ہاتھ پھیرا اور دعا دی چنانچہ جب ان کو لے کر ان کے دواغلو خریدنے کیلئے بازار جاتے تھے اور حضرت عبداللہ بن عمر ؓ اور حضرت ابن زبیر ؓ سے ملاقات ہوتی تھی تو کہتے تھے کہ ہم کو بھی شریک کرو کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے تم کو برکت کی دعا دی ہے حافظ ابن حجر اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں۔

و نو فرد داعی الصحابة علی احضار اولادهم ان النبی ﷺ لا لتمام برکتہ۔
یعنی اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے برکت حاصل کرنے کیلئے

۱: بخاری کتاب الدعوات باب الدعاء للصبيان بالبركة و مسبح رؤسهم و کتاب العقیقه باب

تسميته المولود غداة یولد لمن لم یعق عنه و تحنیکه۔

۲: بخاری کتاب الشرکۃ بالشركۃ فی الطعام۔

صحابہ کرام ؓ کو آپ ﷺ کی خدمت میں اپنی اولاد کے حاضر کرنے کا بڑا شوق تھا۔ نماز فجر کے بعد صحابہ کرام ؓ کے ملازم برتنوں میں پانی لے کر حاضر ہوتے آپ ﷺ ان میں دست مبارک ڈال دیتے وہ متبرک ہو جاتا۔^۱

جب پھل پختہ ہوتے تو پہلا پھل آپ ﷺ کی خدمت میں پیش کرتے آپ ﷺ برکت کی دعا فرماتے اور سب سے چھوٹا بچہ جو موجود ہو تا اس کو دے دیتے آپ ﷺ کے وضو کا بچا کھچپانی صحابہ ؓ کیلئے آب حیات تھا جس پر وہ جان دیتے تھے ایک بار حضرت بلال ؓ نے آپ ﷺ کے وضو کا بچا ہو پانی نکالا تو تمام صحابہ ؓ نے اس کو جھپٹ لیا۔^۲

ایک دن آپ ﷺ نے وضو کیا پانی بچ گیا تو تمام صحابہ ؓ نے اس کو لے کر جسم پر مل لیا ایک بار آپ ﷺ سر منڈوا رہے تھے صحابہ کرام ؓ نے آپ ﷺ کو گھیر لیا۔ حجام سر منڈاتا تھا اور صحابہ ؓ اوپر ہی اوپر سے بالوں کو اچک لینا چاہتے تھے۔^۳

ایک بار رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابو مخدورہ ؓ کی پیشانی پر ہاتھ پھیر دیا اس کے بعد انھوں نے عمر بھر نہ سر کے آگے کے بال کٹوائے نہ مانگ نکالی۔^۴ بلکہ اس کو بطور متبرک یادگار کے قائم رکھا۔

آپ ﷺ جب صحابہ کرام ؓ کے مکان پر تشریف لاتے تو وہ آپ ﷺ سے برکت حاصل کرنے کی درخواست کرتے ایک بار آپ ﷺ ایک صحابی کے گھر پر تشریف لائے انھوں نے دعوت کی جب چلنے لگے تو گھوڑے کی باگ پکڑ کر عرض کی کہ ”میرے لئے دعا فرمائیے آپ ﷺ نے دعا برکت و دعائے مغفرت فرمائی۔“^۵

ایک بار آپ ﷺ حضرت سعد ؓ کے گھر تشریف لائے اور دروازے پر کھڑے ہو کر سلام کیا انھوں نے آہستہ سے جواب دیا ان کے صاحبزادے نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ کو اذن نہیں دیتے۔“ بولے چپ رہو مقصد یہ ہے کہ آپ ﷺ ہم پر بار بار سلام کریں آپ ﷺ نے دوبارہ سلام کیا پھر اسی قسم کا جواب ملا تیسری بار سلام کر کے آپ ﷺ واپس چلے تو

۱: مسلم کتاب الفضائل باب فی قرب النبی من الناس و تبرکہم بہ۔

۲: سنن ابن ماجہ کتاب الاطعمہ بالاذانی بادل الثمرۃ، و ترمذی کتاب الدعوات باب ما یول اذاری الباکورۃ من الثمر۔

۳: نسائی کتاب الطہارۃ باب المتغافل بفضل الوضو۔

۴: بخاری کتاب الوضو، باب استعمال فضل وضو الناس۔

۵: مسلم کتاب الفضائل باب فی قرب النبی علیہ السلام و تبرکہم بہ۔

۶: ابوداؤد کتاب الصلوۃ باب کیف الاذن۔

۷: ایضاً کتاب الاشریہ فی اس فی الاشراب۔

حضرت سعد ؓ پیچھے پیچھے دوڑے ہوئے آئے اور کہا کہ میں آپ ﷺ کا سلام سنتا تھا لیکن جواب اس لئے آہستہ سے دیتا تھا کہ آپ ﷺ ہم پر متعدد بار سلام کریں۔^۱

محافظت یادگار رسول ﷺ

صحابہ کرام ؓ کے زمانے میں رسول اللہ ﷺ کی اکثر یادگاریں محفوظ تھیں جن کو وہ جان سے زیادہ عزیز رکھتے تھے اور ان سے برکت حاصل کرتے تھے حضرت علی بن حسین ؓ کا بیان ہے کہ جب ہم لوگ حضرت امام حسین ؓ کی شہادت کے زمانے میں یزید کے دربار سے پلٹ کر مدینہ میں آئے تو حضرت مسور بن محزمہ ؓ ملے اور مجھ سے کہا کہ رسول اللہ ﷺ کی تلوار مجھے دے دو ایسا نہ ہو کہ یہ لوگ اس کو چھین لیں خدا کی قسم اگر تم نے مجھے یہ تلوار دی تو جب تک جسم میں جان باقی ہے کوئی شخص اس کی طرف ہاتھ نہیں بڑھا سکتا۔^۲

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس آپ ﷺ کا ایک جبہ محفوظ تھا جب ان کا انتقال ہوا تو حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے اس کو لے لیا اور محفوظ رکھا چنانچہ جب ان کے خاندان میں کوئی شخص بیمار ہوتا تھا تو شفاء حاصل کرنے کیلئے دھو کر اس کا پانی پلاتی تھیں۔^۳

بہت سے صحابہ ؓ ان یادگاروں کو زادِ آخرت سمجھتے تھے اور ان کو بعد مرگ بھی اپنے پاس سے ہٹا کر ناپسند نہیں کرتے تھے جب آپ ﷺ حضرت انس ؓ کے گھر تشریف لاتے تھے تو ان کی والدہ آپ ﷺ کے پسینہ کو ایک شیشی میں بھر کر اپنی خوشبو میں ملا دیتی تھیں چنانچہ جب حضرت انس ؓ نے انتقال کیا تو وصیت کی کہ یہ خوشبو ان کے حنوط میں شامل کی جائے۔ اس روایت میں یہ بھی ہے کہ وہ آپ ﷺ کے بال کو بھی شیشی میں بھر لیتی تھیں لیکن حافظ ابن حجر نے اس حدیث کی شرح میں پہلے تو ایک بے جوڑ چیز سمجھا ہے لیکن اس کے بعد لکھا ہے کہ بعض لوگوں کے نزدیک اس سے وہ بال مراد ہیں جو کنگھی کرنے میں آپ ﷺ کے سر سے جھڑ جاتے تھے پھر حضرت انس ؓ سے ایک روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جب منیٰ میں اپنے بال موٹوائے تو حضرت ابو طلحہ ؓ نے آپ ﷺ کے بال لے لئے اور ان کو حضرت انس ؓ کی والدہ کے حوالے کیا جن کو انھوں نے اپنی خوشبو میں شامل کر لیا اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ جس خوشبو میں یہ بال شامل تھے اسی میں وہ

۱۔ ایضاً کتاب الادب باب کم دة یسلم الی حال فی الاستبدان۔

۲۔ ابوداؤد کتاب الزکات باب ما یرہ ان یجمع بینہما من النساء۔

۳۔ مسند ابن حنبل ج ۶ ص ۲۴۸۔

پینے کو بھی شامل کر لیتی تھیں۔^۱

غزوہ خیبر میں آپ ﷺ نے ایک صحابیہ رضی اللہ عنہا کو خود دست مبارک سے ایک ہار پہنایا تھا وہ اس کی اس قدر قدر کرتی تھیں کہ عمر بھر گلے سے جدا نہیں کیا اور جب انتقال کرنے لگیں تو وصیت کی کہ ان کے ساتھ وہ بھی دفن کر دیا جائے۔^۲

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس آپ ﷺ کی ایک قمیص ایک تہبند ایک چادر اور چند موئے مبارک تھے انھوں نے وفات کے وقت وصیت کی کہ یہ کپڑے کفن میں لگائے جائیں اور موئے مبارک منہ اور ناک میں بھر دیے جائیں۔^۳

رسول اللہ ﷺ نے جن کپڑوں میں انتقال فرمایا تھا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ان کو محفوظ رکھا تھا چنانچہ ایک دن انھوں نے ایک صحابی کو ایک یمنی تہ بند اور ایک کمر باندھ کر کہا کہ خدا کی قسم آپ ﷺ نے ان ہی کپڑوں میں انتقال فرمایا تھا۔^۴

ایک صحابی کو آپ ﷺ نے سیار و ریشم کا ایک عمامہ عطا فرمایا تھا انھوں نے اس کو محفوظ رکھا تھا اور اس پر فخر کیا کرتے تھے چنانچہ ایک بار بخارا میں فخر پر سوار ہو کر نکلے تو عمامہ دکھا کر کہا کہ اس نور رسول اللہ ﷺ نے مجھ کو عنایت فرمایا تھا۔^۵

آپ ﷺ کے چند بال حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے بطور یادگار کے محفوظ رکھے تھے اور جب کوئی شخص بیمار ہوتا تھا تو ایک برتن میں پانی بھر کر بھیج دیتا تھا اور وہ اس میں بالوں کو دھو کر واپس کر دیتی تھیں جس کو وہ شفا حاصل کرنے کیلئے پی جاتا تھا یا اس سے غسل کر لیتا تھا۔^۶

خلفاء ان یادگاروں کی نہایت عزت کرتے تھے اور ان سے برکت اندوز ہوتے تھے ایک بار آپ ﷺ نے کسی نجی بادشاہ کے نام خط لکھنا چاہا تو لوگوں نے کہا کہ جب تک خط پر مہر نہ ہو اہل عجم اس کو نہیں پڑھتے، اس لئے آپ ﷺ نے ایک چاندی کی انگوٹھی تیار کروائی جس کے گمینہ پر محمد رسول اللہ کندہ تھا اس انگوٹھی کو خلفائے ثلاثہ نے محفوظ رکھا تھا اخیر میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ہاتھ سے کنویں میں گر پڑی انھوں نے تمام کنویں کا پانی انچوٹا لیا لیکن

۱: بخاری کتاب الاستیذان باب من زار قوماً فقال عندہم۔

۲: مسند احمد ابن حنبل ج ۶ ص ۸۰۔

۳: نزہۃ الارباب تذکرہ حضرت معاویہؓ۔

۴: ابوداؤد کتاب اللباس باب فی لبس الصوف والشعر۔

۵: ایضاً باب ما جاء فی الخبز۔

۶: بخاری کتاب اللباس باب ما یدکر فی الشیب مع فتح الباری۔

یہ گوہر نایاب نہ مل سکا۔^۱

حضرت کعب بن زبیر رضی اللہ عنہ کے قصیدے کے صلے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اپنی چادر عنایت فرمائی تھی یہ چادر امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان کے صاحبزادے سے خرید لی، اور ان کے بعد تمام خلفاء عیدین میں وہی چادر اوڑھ کر نکلتے تھے۔^۲

آپ صلی اللہ علیہ وسلم جس پیالے میں پانی پیتے تھے وہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے پاس محفوظ تھا، ایک بار وہ ٹوٹ گیا تو انھوں نے اس کو چاندی کے تار سے جڑوایا۔ اس میں ایک لوہے کا حلقہ بھی لگا ہوا تھا لیکن بعد کو حضرت انس رضی اللہ عنہ نے اس میں سونے یا چاندی کا حلقہ لگوانا چاہا لیکن حضرت طلحہ نے منع کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کام کیا ہے اس تغیر نہیں کرنا چاہئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دو اور پیالے حضرت سہل رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کے پاس محفوظ تھے۔^۳

ایک دن آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا کے مکان پر تشریف لائے گھر میں ایک مشکیزہ لٹک رہا تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا دہانہ اپنے منہ سے لگایا اور پانی پیا حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا نے مشکیزے کے دہانے کو کاٹ کر اپنے پاس بطور یادگار کے رکھ لیا۔^۴

آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت شفاء بنت عبداللہ کے یہاں کبھی کبھی قیلولہ فرماتے تھے اس غرض سے انھوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے ایک خاص بستر اور ایک خاص تہبند بنوایا تھا جس کو پہن کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم استراحت فرماتے تھے یہ یادگاریں ایک مدت تک ان کے پاس محفوظ رہیں اخیر میں مروان نے ان سے لے لیا۔^۵

ان یادگاروں کے علاوہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر چیز کو یادگار سمجھتے تھے اور لوگوں کو اس کی زیارت کرواتے تھے حضرت نافع کا بیان ہے کہ مجھ کو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے مسجد میں وہ جگہ دکھائی جہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم معتکف ہوتے تھے۔^۶

ادب رسول صلی اللہ علیہ وسلم

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ادب و احترام کرتے تھے اس کا اظہار سینکڑوں طریقہ سے ہوتا تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتے تو دربار نبوت کے ادب و

۱: ابوداؤد اول کتاب الخاتم۔

۲: اصحابہ تذکرہ حضرت کعب بن زبیر۔

۳: بخاری کتاب الاثریہ باب العرب من قدح النبی۔

۴: طبقات ابن سعد تذکرہ حضرت ام سلیم۔

۵: اسد الغابہ تذکرہ حضرت شفاء بنت عبداللہ۔

۶: ابوداؤد کتاب الصیام بیان یكون الاعتکاف۔

عظمت کے لحاظ سے خاص طور پر کپڑے زیب تن کر لیتے ایک صحابی رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ،

جمعت علی ثیابی حین امسیت فاتیت رسول اللہ ﷺ۔^۱
 شام ہوئی تو میں نے تمام کپڑے پہن لئے اور آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی۔
 بغیر طہارت کے آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہونا اور آپ ﷺ سے مصافحہ کرنا
 گوارانہ کرتے مدینہ کے کسی راستے میں آپ ﷺ سے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا سامنا ہو گیا
 ان کو نہانے کی ضرورت تھی گوارانہ کیا کہ اس حالت میں آپ ﷺ کے سامنے آئیں اس
 لئے آپ ﷺ کو دیکھا تو کترا گئے اور غسل کر کے خدمت اقدس میں حاضر ہوئے آپ ﷺ
 نے دیکھا تو فرمایا کہ ”ابو ہریرہ کہاں تھے؟“ بولے ”میں پاک نہ تھا اس لئے آپ ﷺ کے پاس
 بیٹھنا پسند نہیں کرتا تھا۔“^۲

آپ ﷺ کے سامنے بیٹھتے تو فرط ادب سے تصویر بن جاتے احادیث میں اسی حالت کا
 نقشہ ان الفاظ میں کھینچا گیا ہے

کانما علی رؤسہم الطیر
 یعنی صحابہ رضی اللہ عنہم آپ ﷺ کے سامنے اس طرح بیٹھتے تھے گویا ان کے سروں پر چڑیا
 بیٹھی ہوئی ہے۔^۳

گھر میں بچے پیدا ہوتے تو ادب سے ان کا نام محمد نہ رکھتے ایک دفعہ ایک صحابی کے گھر میں
 بچہ پیدا ہوا تو انھوں نے محمد نام رکھا لیکن ان کی قوم نے کہا ہم نہ یہ نام رکھنے دیں گے نہ اس
 کنیت سے تم کو پکاریں گے تم اس کے متعلق خود رسول اللہ ﷺ سے مشورہ کر لو وہ بچے کو لے
 کر آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور واقعہ بیان کیا تو ارشاد ہوا کہ میرے نام پر نام رکھو
 لیکن میری کنیت نہ اختیار کرو۔^۴

اگر راستے میں کبھی ساتھ ہو جاتا تو ادب سے آپ ﷺ کے سواری پر سوار ہونا پسند نہ
 کرتے ایک بار حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کا خچر ہانک رہے تھے آپ ﷺ نے کہا
 سوار کیوں نہیں ہو لیتے لیکن انھوں نے اس کو بڑی بات سمجھا کہ آپ ﷺ کے خچر پر سوار
 ہوں تاہم ائصال الامر تھوڑی دور تک سوار ہو لئے۔^۵

۱: ابو داؤد کتاب المطلاق باب فی عدۃ الخامل۔

۲: ابو داؤد کتاب الطہارۃ باب فی الحب یصاح۔

۳: ابو داؤد اول کتاب الطب باب الرجل یتدلی۔

۴: مسلم کتاب الآداب باب الہی عن الکی بابی القاسم دبیان ما یتحب من السماء۔

۵: نسائی کتاب السجود صفحہ ۸۰۳۔

فرط ادب سے کسی بات میں آپ ﷺ سے تقدم یا مسابقت گوارا نہ کرتے آپ ﷺ غزوہ تبوک کے سفر میں قضائے حاجت کیلئے صحابہ ﷺ سے الگ ہو گئے نماز فجر کا وقت آگیا تو صحابہ ﷺ نے آپ ﷺ کے آنے سے پیشتر ہی حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کی امامت میں نماز شروع کر دی آپ ﷺ پہنچے تو ایک رکعت نماز ہو چکی تھی اس لئے آپ ﷺ دوسری رکعت میں شریک ہوئے نماز ہو چکی تھی تو تمام صحابہ ﷺ نے اس کو بے ادبی بلکہ گناہ خیال کیا اور سب کے سب (بطور استغفار) کے سبحان اللہ سبحان اللہ کہنے لگے آپ ﷺ نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا کہ تم نے اچھا کیا۔^۱

ایک بار آپ ﷺ کسی نزاع چکانے کیلئے قبیلہ بنو عمرو بن عوف میں گئے نماز کا وقت آگیا تو موزن حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں آیا کہ نماز پڑھا دیجئے وہ نماز پڑھا رہے تھے کہ آپ ﷺ آکر شریک جماعت ہو گئے لوگوں نے تالیاں بجانا شروع کیں حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ اگرچہ نماز میں کسی طرف متوجہ نہیں ہوتے تھے تاہم جب لوگوں نے مسلسل تالیاں بجائیں تو مڑ کر دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ ہیں آپ ﷺ نے اشارہ کیا کہ اپنی جگہ پر قائم رہو انھوں نے پہلے تو خدا کا شکر کیا کہ آپ ﷺ نے ان کی امامت کو پسند فرمایا۔ پھر پیچھے ہٹ آئے اور آپ ﷺ نے آگے بڑھ کر نماز پڑھائی۔ نماز سے فارغ ہو کر فرمایا کہ جب میں نے حکم دیا تو تم کیوں اپنی جگہ سے ہٹ آئے۔ بولے کہ ابن قحافہ رضی اللہ عنہ کا یہ منہ نہ تھا کہ رسول اللہ ﷺ کے آگے نماز پڑھائے۔^۲

ایک بار آپ ﷺ پیدل جا رہے تھے کہ اسی حالت میں ایک صحابی گدھے پر سوار آئے، آپ ﷺ کو پیدل دیکھا تو خود فرط ادب سے پیچھے ہٹ گئے اور آپ ﷺ کو آگے سوار کرنا چاہا لیکن آپ ﷺ نے فرمایا تم آگے بیٹھنے کے زیادہ مستحق ہو البتہ اگر تمہاری اجازت ہو تو میں آگے بیٹھ سکتا ہوں۔^۳

اگر کبھی آپ ﷺ کے ساتھ کھانا کھانے کا اتفاق ہوتا تو جب تک آپ ﷺ کھانا شروع نہ کرتے تمام صحابہ ﷺ فرط ادب سے کھانے میں ہاتھ نہ ڈالتے۔^۴

ادب کے مارے آپ ﷺ سے آگے چلنا پسند نہیں کرتے ایک سفر میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ ایک سرکش اونٹ پر سوار تھے جو رسول اللہ ﷺ سے آگے نکل نکل جاتا تھا حضرت عمر رضی اللہ عنہ

۱: ابو داؤد کتاب الطہارۃ باب مسح علی الحفین۔

۲: ایضاً کتاب الصلوۃ باب ال تصفیق فی الصلوۃ۔

۳: ابو داؤد کتاب الجہاد باب رب الاداء حق بعد رھا۔

۴: ایضاً کتاب الاطعمہ باب التسمیۃ علی الطعام۔

نے ان کو ڈانٹا کہ کوئی آپ ﷺ سے آگے نہ بڑھنے پائے۔^۱

کسی چیز میں آپ ﷺ کے مقابلہ کی جرات نہ کرتے ایک بار چند صحابہ رضی اللہ عنہم جو قبیلہ اسلم سے تعلق رکھتے تھے باہم تیر اندازی میں مقابلہ کر رہے تھے آپ ﷺ نے فرمایا اے بنو اسماعیل تیر پھینکو، کیونکہ تمہارا باپ تیر انداز تھا اور میں فلاں قبیلہ کے ساتھ ہوں دوسرے کروہ کے لوگ فوراً رک گئے آپ ﷺ نے پوچھا کہ تیر کیوں نہیں پھینکتے بولے اب کیونکر مقابلہ کریں جب کہ آپ ﷺ ان کے ساتھ ہیں فرمایا تیر پھینکو میں تم سب کے ساتھ ہوں۔^۲ حافظ ابن حجر اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں کہ یہ لوگ اس لئے رک گئے کہ اگر وہ اپنے فریق پر غالب آگئے درانحالیکہ رسول اللہ ﷺ بھی ان کے ساتھ ہیں تو آپ ﷺ بھی مغلوب ہو جائیں گے اس لئے انھوں نے ادب سے مقابلہ ہی کرنا چھوڑ دیا۔

اس ادب و احترام کا نتیجہ یہ تھا کہ آپ ﷺ کی نسبت کسی قسم کی سوء ادبی گوارا نہ کرتے آپ ﷺ ہجرت کر کے مدینہ تشریف لائے تو حضرت ابو ایوب انصاری کے مکان میں قیام فرمایا اور آپ ﷺ نیچے کے حصے میں اور ان کے اہل عیال اوپر کے حصے میں رہنے لگے۔ ایک رات حضرت ابو ایوب انصاری بیدار ہوئے تو کہا کہ ”ہم اور رسول اللہ ﷺ کے اوپر چلیں پھر اس خیال سے تمام اہل و عیال کو ایک کونے میں کر دیا صبح کو آپ ﷺ کی خدمت میں گزارش کی کہ آپ ﷺ اوپر قیام فرمائیں ارشاد ہوا کہ نیچے کا حصہ ہمارے لئے زیادہ موزوں ہے بولے کہ جس چھت کے نیچے آپ ﷺ ہوں ہم اس پر نہیں چڑھ سکتے مجبوراً آپ ﷺ کو بالا خانہ پر قیام کرنا پڑا۔^۳

بعض صحابہ رضی اللہ عنہم آپ ﷺ سے سن میں بڑے تھے لیکن ان کو فرط ادب سے یہ گوارا نہ تھا کہ ان کو آپ ﷺ سے بڑا کہا جائے ایک بار حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ایک صحابی سے پوچھا آپ ﷺ بڑے ہیں یا رسول اللہ بولے بڑے تو رسول اللہ ﷺ ہیں البتہ میں آپ ﷺ سے پہلے پیدا ہوا تھا۔^۴

اگر نادانستگی میں بھی آپ ﷺ کی شان میں کوئی گستاخانہ کلمہ نکل جاتا تو اس کی معافی چاہتے ایک صحابیہ رضی اللہ عنہا کا بچہ مر گیا تھا اور وہ اس پر رورہی تھیں آپ ﷺ کا گزر ہوا تو فرمایا ”خدا سے ڈرو اور صبر کرو۔“ بولیں ”تمہیں میری مصیبت کی کیا پروا ہے۔“ آپ ﷺ

۱: بخاری کتاب البیہ باب من ابدئی لذہ یہ وعبدہ جلسہ، فہو الحق بہ۔

۲: ایضاً کتاب الجہاد باب التحریض علی الرمی۔

۳: مسلم کتاب الاشربہ باب البتہ اکل الثوم ولہ یغنی لمن اراد خطاب الکبار توکد وکذلانی مغلوب۔

۴: ترمذی ابواب المناقب عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باب ماجاء فی میلاد النبی۔

چلے گئے تو لوگوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ تھے دوڑی ہوئی آئیں اور عرض کی کہ ”میں نے حضور ﷺ کو نہیں پہچانا تھا۔“^۱

اگر کسی دوسرے شخص کے متعلق آپ ﷺ کی نسبت گستاخی کا خیال ہوتا تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہوتے ایک بار حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کا شانہ نبوت میں آئے دیکھا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا با آواز بلند بول رہی ہیں فوراً طمانچہ اٹھایا اور کہا کہ اب کبھی آپ ﷺ کے سامنے آواز بلند نہ ہونے پائے۔^۲

آپ ﷺ پر ایک شخص کا کچھ قرض آتا تھا اس نے گستاخانہ طریقے سے تقاضا کیا تو تمام صحابہ رضی اللہ عنہم اس پر ٹوٹ پڑے بالآخر خود آپ ﷺ نے بچ بچاؤ کیا۔^۳

ایک بار آپ ﷺ سفر میں تھے ایک بدو آیا اور وحشیانہ لہجہ میں با آواز بلند پکارا یا محمد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کہا ”ہیں، ہیں یہ کیا؟ یہ منع ہے۔“^۴

ایک بار آپ ﷺ نے فرمایا کہ انصار کے خاندانوں میں سب سے افضل بنو نجار ہیں پھر بنو عبد الاشہل پھر بنو حرث بن خزرج، پھر بنو ساعدہ ان کے علاوہ انصار کے تمام خاندان اچھے ہیں حضرت سعد رضی اللہ عنہ بن عبادہ قبیلہ بنو ساعدہ سے تھے ان کو جب معلوم ہوا کہ آپ ﷺ نے ان کے قبیلہ کو چوتھے نمبر پر رکھا تو ان کو کسی قدر ناگوار ہوا بولے میرے گدھے پر زین کو میں خود رسول اللہ ﷺ سے اس کے متعلق گفتگو کروں گا لیکن ان کے بھتیجے حضرت سہل رضی اللہ عنہ نے کہا کیا آپ رسول اللہ ﷺ کی تردید کیلئے جاتے ہیں۔ حالانکہ رسول اللہ ﷺ وجوہ فضیلت کے سب سے زیادہ عالم ہیں یہ کیا کم ہے کہ آپ کا چوتھا نمبر ہے۔^۵

صلح حدیبیہ کے بعد کافروں اور مسلمانوں میں اختلاط ہو گیا حضرت سلمہ رضی اللہ عنہ آئے اور ایک درخت کے نیچے لیٹ گئے چار مشرک بھی اس جگہ آئے اور رسول اللہ ﷺ کو برا بھلا کہنا شروع کیا ان کو گوارا نہ ہو سکا اٹھ گئے دوسری جگہ چلے گئے اور چاروں مشرک بھی ہتھیار کو لٹکا کر سو رہے، اسی حالت میں شور ہوا کہ ابن زینم قتل کر دیا گیا حضرت سلمہ رضی اللہ عنہ نے موقع پا کر تلوار میان سے کھینچ لی اور چاروں پر حالت خواب میں حملہ کر کے ان کے تمام ہتھیاروں پر قبضہ کر لیا اور کہا کہ اس ذات کی قسم جس نے محمد ﷺ کو عزت دی تم میں سے جو شخص سر اٹھائے

۱: ابوداؤد کتاب الجہاد باب المصم عند العدد۔

۲: ابوداؤد کتاب الادب باب ما جاء فی المزاج۔

۳: ابن ماجہ ابواب الصدقات بالصاحب الحق سلطان۔

۴: ترمذی کتاب الدعوات باب ما جاء فی فضل التوبۃ الاستغفار وما ذکر من رحمۃ اللہ العبادہ۔

۵: مسلم کتاب الافضال باب فی خیر دور الانصار۔

گا اس کا دماغ پاش پاش کر دیا جائے گا۔^۱

ایک شخص کا نام محمد تھا، حضرت عمر ؓ نے دیکھا کہ ایک آدمی ان کو گالیاں دے رہا ہے بلا کر کہا کہ دیکھو تمہاری وجہ سے محمد کو گالی دی جا رہی ہیں اب تادم مرگ تم اس نام سے پکارے نہیں جاسکتے، چنانچہ اسی وقت ان کا نام عبدالرحمن رکھ دیا، پھر بنو طلحہ کے پاس پیغام بھیجا کہ جو لوگ اس نام کے ہوں سب کے نام بدل دیے جائیں اتفاق سے وہ لوگ سات آدمی تھے اور ان کے سردار کا نام محمد تھا لیکن انھوں نے کہا خود رسول اللہ ﷺ نے میرا نام محمد رکھا ہے بولے اب میرا اس پر کچھ زور نہیں چل سکتا۔^۲

چھوٹے چھوٹے بچے بھی اگر آپ ﷺ کے ساتھ کسی قسم کی گستاخی کرتے تو صحابہ کرام ؓ ان کو ڈانٹ دیتے، حضرت ام خالدہ رضی اللہ عنہا اپنے باپ کے ساتھ حاضر خدمت ہوئیں، اور بچپن کی وجہ سے خاتم النبؤہ ﷺ سے کھیلنے لگیں ان کے والد نے ڈانٹا لیکن آپ ﷺ نے فرمایا کھیلنے دو۔^۳

جو چیزیں شان نبوت کے خلاف ہوتیں صحابہ کرام ؓ آپ ﷺ کے سامنے ان کے ذکر تک کو سوء ادبی سمجھتے، آپ ﷺ نے جب عمرہ قضاوا فرمایا تو حضرت عبداللہ بن رواحہ ؓ آپ ﷺ کے آگے آگے اشعار پڑھتے چلے تھے حضرت عمر ؓ نے سنا تو فرمایا رسول اللہ ﷺ کے سامنے اور حدود حرم کے اندر شعر پڑھتے ہو لیکن آپ ﷺ نے خود اس کو مستحسن خیال فرمایا۔^۴

ایک دفعہ کچھ لوگوں نے جمعہ کے دن آپ ﷺ کے منبر کے سامنے شور و غل کرنا شروع کیا حضرت عمر ؓ نے ڈانٹا کہ آپ ﷺ کے منبر کے سامنے آواز اونچی نہ کرو۔^۵ یہ تعظیم یہ ادب یہ عزت آپ ﷺ کی زندگی ہی کے ساتھ مخصوص نہ تھی بلکہ آپ ﷺ کے وصال کے بعد بھی صحابہ کرام ؓ آپ ﷺ کا اسی طرح ادب کرتے تھے آپ ﷺ کے وصال کے بعد قبر کے متعلق اختلاف ہوا کہ لحد کھودی جائے یا صندوق اس پر لوگوں نے شور و غل کرنا شروع کیا حضرت عمر نے فرمایا آپ ﷺ کے سامنے موت و حیات دونوں حالتوں میں شور و شغب نہ کرو۔^۶

۱: مسلم کتاب الجہاد باب غزوہ ذی قرد و غیرہ۔ ۲: مسند ابن ضبیل ج ۳ ص ۲۱۶۔

۳: بخاری کتاب الجہاد باب من تکلم بالغار ستیہ الرطانة۔

۴: نسائی کتاب المناک افشاء الشعر فی الحرم والکشی بنیادی الامام ترمذی میں ہے کہ اشعار حضرت کعب

بن مالک نے پڑھے تھے اور یہی صحیح بھی ہے۔

۵: مسلم کتاب الامارۃ فضل الشہادۃ فی سبیل اللہ تعالیٰ۔

۶: سنن ابن ماجہ کتاب الجنازہ باب ماجاء فی الشق۔

صحابہ کرام ؓ کے ادب و احترام کا منظر صلح حدیبیہ میں عروہ کو نظر آیا تو وہ سخت متاثر ہوا اس نے صلح کے متعلق آپ ﷺ سے گفتگو کی تو عرب کے طریقے کے مطابق ریش مبارک کی طرف ہاتھ بڑھانا چاہا لیکن جب ہاتھ بڑھاتا تھا حضرت مغیرہ بن شعبہ ؓ تلوار کے ذریعہ سے روک دیتے تھے اس واقعہ سے عروہ کو اس طرف توجہ ہو گئی اور اس نے صحابہ ؓ کے طرز عمل کو بغور دیکھنا شروع کیا تو اس پر یہ اثر پڑا کہ پلٹا تو کفار سے بیان کیا کہ میں نے قیصر و کسریٰ اور نجاشی کے دربار دیکھے ہیں لیکن محمد ﷺ کے اصحاب جس قدر محمد ﷺ کی تعظیم کرتے ہیں اس قدر کسی بادشاہ کے رفقاء نہیں کرتے اگر وہ تھوکتے ہیں تو ان لوگوں کے ہاتھ میں ان کا تھوک گرتا ہے اور وہ اپنے جسم و چہرہ پر اس کو مل لیتے ہیں اگر وہ کوئی حکم دیتے ہیں تو ہر شخص مسابقت کرنا چاہتا ہے اگر وہ وضو کرتے ہیں تو وہ لوگ بچے کھچے پانی کیلئے باہم لڑ پڑتے ہیں اگر ان کے سامنے بولتے ہیں تو ان کی آوازیں پست ہو جاتی ہیں اور ان کی طرف آنکھ بھر کر نہیں دیکھتے۔^۱

جان شاری

صلح حدیبیہ میں جب عروہ نے رسول اللہ ﷺ سے کہا کہ میں آپ ﷺ کے سامنے ایسے چہرے اور مخلوط آدمی دیکھتا ہوں جو آپ ﷺ کو چھوڑ کر بھاگ جائیں گے تو حضرت ابو بکر ؓ کے دل پر اس طنز آمیز فقرہ نے نشتر کا کام دیا اور انھوں نے برہم ہو کے کہا "ہم اور آپ ﷺ کو چھوڑ کر بھاگ جائیں گے؟ یہ ایک قول تھا جس کی تائید ہر موقع پر صحابہ کرام ؓ نے اپنے عمل سے کی۔

ابتدائے اسلام میں ایک بار آپ ﷺ نماز پڑھ رہے تھے عقبہ بن ابی معیط آیا اور آپ ﷺ کا گلا گھونٹنا چاہا حضرت ابو بکر ؓ نے اس کو ڈھکیل دیا اور کہا کہ "ایک آدمی کو صرف اس لئے قتل کرتے ہو کہ وہ کہتا ہے کہ میرا خدا اللہ ہے حالانکہ وہ تمہارے خدا کی جانب سے دلائل لے کر آیا ہے۔"

ہجرت کے بعد آپ ﷺ اور بھی خطرات میں مبتلا ہو گئے تھے کفار کے علاوہ اب منافقین اور یہود نئے دشمن پیدا ہو گئے تھے جن کارات دن ڈر لگا رہتا تھا اس لئے آپ ﷺ کو اکثر پاسبانی کی ضرورت ہوتی تھی اور صحابہ کرام ؓ آپ ﷺ کی حفاظت کیلئے اپنے آپ کو ان تمام خطرات میں ڈال دیتے تھے، چنانچہ ابتدائے ہجرت میں آپ ﷺ ایک شب بیدار

۱: بخاری الشروط باب الشروط فی الجہاد والمصاحۃ مع اهل العرب۔

۲: ایضاً۔

۳: بخاری کتاب المناقب فضائل نبی کریم ﷺ۔

ہوئے تو فرمایا "کاش آج کی رات کوئی صالح بندہ میری حفاظت کرتا تھوڑی دیر کے بعد ہتھیار کی جھنجھاہٹ کی آواز آئی آپ ﷺ نے آواز سن کر فرمایا کون جواب ملا میں سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ فرمایا کیوں آئے بولے میرے دل میں آپ ﷺ کی نسبت خوف پیدا ہوا اس لئے حفاظت کیلئے حاضر ہوا۔^۱

ان خطرات کی وجہ سے اگر آپ ﷺ تھوڑی دیر کیلئے بھی آنکھ سے او جھل ہو جاتے تھے تو جان نثاروں کے دل دھڑکنے لگتے تھے آپ ﷺ ایک دن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے حلقہ میں رونق افروز تھے کسی ضرورت سے اٹھے تو پلٹنے میں دیر ہو گئی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم گھبرا گئے کہ خدا نخواستہ دشمنوں کی طرف سے کوئی چشم زخم تو نہیں پہنچا حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اسی پریشانی کی حالت میں گھبرا کر آپ ﷺ کی جستجو میں انصار کے ایک باغ میں پہنچے دروازہ ڈھونڈا تو نہیں ملا دیوار میں پانی کی ایک تالی نظر آئی اس میں گھس کر آپ ﷺ تک پہنچے اور صحابہ رضی اللہ عنہم کی پریشانیوں کی داستان سنائی۔^۲

غزوات میں یہ خطرات اور بھی بڑھ جاتے تھے اس لئے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی جان نثاری میں اور بھی ترقی ہو جاتی تھی۔

غزوہ غزوات الرفاع میں ایک صحابی نے ایک مشرک کی بی بی کو گرفتار کیا۔ اس نے انتقام لینے کیلئے قسم کھالی کہ جب تک اصحاب محمد ﷺ میں کسی صحابی کے خون سے زمین کو رنگین نہ کر اوں گا چین نہ اوں گا اس لئے جب آپ ﷺ واپس ہوئے تو اس نے تعاقب کیا آپ ﷺ منزل پر فروکش ہوئے تو دریافت فرمایا کہ کون میری حراست کی ذمہ داری اپنے سر لے گا۔ مہاجرین و انصار دونوں میں سے ایک ایک بہادر اس شرف کے حاصل کرنے کیلئے اٹھے آپ ﷺ نے حکم دیا کہ گھائی کے دہانے پر جا کر متمکن ہو جائیں کہ وہی کفار کا کیمین گاہ ہو سکتا تھا دونوں بزرگ وہاں پہنچے تو مہاجر بزرگ سو گئے اور انصاری نے نماز پڑھنا شروع کر دی مشرک آیا اور فوراً تاز گیا کہ یہ محافظ اور نگہبان ہیں تین تیر مارے اور تینوں کے تینوں ان کے جسم میں ترازو نہ ہو گئے لیکن وہ اپنی جگہ سے نہ ہٹے۔

آپ ﷺ غزوہ حنین کیلئے نکلے تو ایک صحابی نے شام کے وقت خبر دی کہ میں نے آگے جا کر پہاڑ کے اوپر سے دیکھا تو معلوم ہوا کہ قبیلہ ہوازن کے زن و مرد چارپایوں اور مویشیوں کو لے کر امنڈ آئے ہیں آپ ﷺ مسکرائے اور فرمایا کہ آج میری پاسبانی کون کرے گا؟

۱: ترمذی کتاب الفضائل مناقب سعد بن ابی وقاص۔

۲: مسلم کتاب الایمان باب ما نفعی اللہ من الایمان وهو غیر مثاک فیہ دخل الجنة وحرم علی النار۔

۳: ابوداؤد کتاب الطہارۃ، باب الوضو من الدہم۔

حضرت انس بن ابی مرثد غنوی ؓ نے کہا ”میں یا رسول اللہ ﷺ! ارشاد ہوا کہ سوار ہو جاؤ وہ اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر آئے تو فرمایا کہ اس گھاٹی کے اوپر چڑھ جاؤ، آپ ﷺ نماز فجر کیلئے اٹھے تو صحابہ ؓ سے فرمایا کہ تمہیں اپنے شہ سوار کی بھی خبر ہے۔“ صحابہ ؓ نے عرض کیا ہمیں تو کچھ خبر نہیں جماعت قائم ہوئی تو آپ ﷺ نماز پڑھاتے جاتے تھے اور مڑ مڑ کے گھاٹی کی طرف دیکھتے جاتے تھے نماز ادا کر چکے تو فرمایا لو مبارک تمہارا شہ سوار آگیا۔ صحابہ ؓ نے گھاٹی کے درختوں کے درمیان سے دیکھا تو وہ آپ ﷺ اور خدمت مبارک میں حاضر ہو کر سلام کیا اور کہا کہ میں گھاٹی کے بلند ترین حصے پر جہاں آپ ﷺ نے مامور فرمایا تھا چڑھ گیا صبح کو دونوں گھانیاں بھی دیکھیں تو ایک تنفس بھی نظر نہ آیا آپ ﷺ نے فرمایا کبھی نیچے بھی اترے تھے۔ بولے صرف نماز اور قضاے حاجت کیلئے ارشاد ہوا تم کو جنت مل چکی اس کے بعد اگر کوئی عمل نہ کرو تو کوئی حرج نہیں۔“

ایک غزوہ میں صحابہ کرام ؓ نے ایک ٹیلے پر قیام فرمایا اس شدت سے سردی پڑی کہ بعض لوگوں نے زمین میں گڑھا کھودا اور اس کے اندر گھس کر اوپر سے ڈھال ڈال لی۔ آپ ﷺ نے یہ حالت دیکھی تو فرمایا کہ ”آج کی شب میری حفاظت کون کرے گا؟ میں اس کو دعا دوں گا۔“ ایک انصاری نے کہا کہ ”میں یا رسول اللہ ﷺ! آپ ﷺ نے قریب بلا کر ان کا نام پوچھا اور دیر تک دعا دیتے رہے حضرت ابو ریحانہ ؓ نے یہ دعا سنی تو کہا کہ میں دوسرا نگہبان بنوں گا۔ آپ ﷺ نے قریب بلا کر نام پوچھا اور ان کو بھی دعا دی۔“

غزوہ بدر میں جب آپ ﷺ نے کفار کے مقابلہ کیلئے صحابہ کرام ؓ کو طلب کیا تو حضرت مقداد ؓ بولے ہم وہ نہیں ہیں جو موسیٰ علیہ السلام کی قوم کی طرح کہہ دیں۔

فَاذْهَبْ اَنْتَ رَبِّكَ فَقَاتِلَا

تم اور تمہارا خدا دونوں جاؤ اور لڑو

بلکہ ہم آپ ﷺ کے دائیں سے بائیں سے آگے سے پیچھے سے لڑیں گے آپ ﷺ نے یہ جان نثارانہ فقرے سنے تو چہرہ مبارک فرط مسرت سے چمک اٹھا۔

صحابہ کرام ؓ کے جان نثارانہ جذبات کا ظہور سب سے زیادہ غزوہ احد میں ہوا چنانچہ اس غزوہ میں کسی مقام پر رسول اللہ ﷺ کے ساتھ صرف نو صحابہ ؓ جن میں سات انصاری اور دو قریشی تھے (یعنی حضرت طلحہ ؓ اور حضرت سعد ؓ) آکرے گئے، اس حالت

۱: ابو داؤد کتاب الجہاد باب فی فضل احرس فی سبیل اللہ عزوجل۔

۲: مسند ابن حبیل جلد ۴ صفحہ ۱۳۴۔

۳: بخاری کتاب المغازی باب غزوہ بدر۔

میں کفار آپ ﷺ پر دفعۃً ٹوٹ پڑے تو آپ ﷺ نے ان جان نثاروں کی طرف خطاب کر کے فرمایا کہ ان اشقیا کو کون میرے پاس سے بنا سکتا ہے ایک انصاری فوراً آگے بڑھے اور لڑ کر آپ ﷺ پر قربان ہو گئے اسی طرح کفار برابر آپ ﷺ پر حملہ کرتے جاتے اور آپ ﷺ بار بار پکارتے جاتے تھے اور ایک ایک انصاری بڑھ کر آپ ﷺ پر اپنی جان قربان کرتا جاتا تھا یہاں تک کہ ساتوں بزرگ شہید ہو گئے۔^۱

حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ اور حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی جان نثاری کا وقت آیا تو حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے سامنے آپ ﷺ نے خود اپنا ترکش بکھیر دیا اور فرمایا کہ تیر پھینکو میرے ماں باپ تم پر قربان حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ سپر لے کر آپ ﷺ کے سامنے کھڑے ہو گئے اور تیر چلانے لگے اور اس شدت سے تیر اندازی کی کہ دو تین کمانیں ٹوٹ گئیں اگر آپ ﷺ گردن اٹھا کر کفار کی طرف دیکھتے تھے تو وہ کہتے تھے میرے ماں باپ آپ ﷺ پر قربان ہوں گردن اٹھا کر نہ دیکھتے مبادا کوئی تیر نہ لگ جائے میرا سینہ آپ ﷺ کے سینہ کے سامنے ہے۔^۲

اس غزوہ میں حضرت شمس بن عثمان رضی اللہ عنہ کی جان نثاری کا حال یہ تھا کہ رسول اللہ ﷺ دائیں بائیں جس طرف نگاہ اٹھا کر دیکھتے تھے ان کی تلوار چمکتی ہوئی نظر آتی تھی آپ ﷺ پر غشی طاری ہوئی تو انھوں نے اپنے آپ کو آپ ﷺ کی سپر بنالیا یہاں تک کہ اسی حالت میں شہید ہوئے۔^۳

اس غزوہ میں آپ ﷺ نے ایک صحابی کو حضرت سعد بن ربیع انصاری کی تلاش میں روانہ فرمایا وہ لاشوں کے درمیان ان کو ڈھونڈنے لگے، تو حضرت سعد بن ربیع رضی اللہ عنہ خود بول اٹھے کیا کام ہے؟ جواب دیا کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے تمہارا ہی پتہ لگانے کیلئے بھیجا ہے بولے جاؤ آپ ﷺ کی خدمت میں میرا سلام عرض کر دو اور کہو کہ مجھے نیزے کے بارہ زخم لگے ہیں اور اپنے قبیلہ میں اعلان کر دو کہ اگر رسول اللہ ﷺ شہید ہو گئے اور ان میں ایک تنفس بھی زندہ رہا تو خدا کے نزدیک ان کا کوئی عذر قابلِ سماعت نہ ہوگا۔^۴

نہ صرف مرد بلکہ عورتیں بھی آپ ﷺ کی جان نثاری کی آرزو رکھتی تھیں حضرت طلیب بن عمیر رضی اللہ عنہ اسلام لائے اور اپنی ماں اروی بنت عبدالمطلب کو اس کی خبر دی تو بولیں کہ تم نے جس شخص کی مدد کی وہ اس کا سب سے زیادہ مستحق تھا اگر مردوں کی طرح ہم بھی استطاعت رکھتے تو آپ ﷺ کی حفاظت کرتے اور آپ کی طرف سے لڑتے۔^۵

۱: صحیح مسلم باب غزوہ احد۔

۲: بخاری باب غزوہ احد۔

۳: طبقات ابن سعد تذکرہ حضرت شمس بن عثمان۔ ۴: موطا امام مالک کتاب الجہاد باب الترغیب فی الجہاد۔

۵: استیعاب تذکرہ حضرت طیب بن عمیر۔

خدمت رسول ﷺ

صحابہ کرام رحمہ اللہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت کو اپنا سب سے بڑا شرف خیال کرتے تھے اس لئے متعدد بزرگوں نے اپنے آپ کو آپ ﷺ کی خدمت کیلئے وقف کر دیا تھا حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے ابتدائے بعثت ہی سے آپ ﷺ کی خانہ داری کے تمام کاروبار کا انتظام اپنے ذمے لے لیا تھا اور اس کیلئے طرح طرح کی ذلتیں اور تکلیفیں برداشت کرتے تھے لیکن آپ ﷺ کے شرف خدمت کا چھوڑنا کبھی گوارا نہیں کرتے تھے آپ ﷺ کا معمول تھا کہ جب کوئی غریب مسلمان خدمت مبارک میں حاضر ہوتا اور اس کے بدن پر کپڑے نہ ہوتے تو آپ ﷺ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو حکم دیتے اور قرض دام لے کر اس کی خوراک و لباس کا انتظام کرتے ایک بار کسی مشرک سے اس غرض کیلئے قرض لیا لیکن ایک دن اس نے دیکھا تو نہایت سخت لہجے میں کہا وہ جہشی تجھے معلوم ہے کہ اب مہینے میں کتنے دن رہ گئے ہیں۔ صرف چار دن اسی عرصہ میں قرض وصول کر لوں گا ورنہ جس طرح تو پہلے بکریاں چرایا کرتا تھا اسی طرح بکریاں چرواؤں گا حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو اس سے سخت رنج ہوا عشاء کے بعد آپ ﷺ کی خدمت میں آئے اور کہا کہ مشرک نے مجھے یہ کچھ کہا ہے آپ ﷺ کے پاس اور نیز میرے پاس قرض کے ادا کرنے کا کوئی سامان نہیں۔

اور وہ مجھے ذلیل کر رہا ہے فرمائیے تو جب تک قرض نہ ادا ہو جائے مسلمان قبائل میں بھاگ کر پناہ لوں گھر واپس آئے تو بھاگنے کا تمام سامان بھی کر لیا لیکن رزاق عالم نے صبح تک خور قرض کے ادا کرنے کا سامان کر دیا۔^۱

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو یہ شرف حاصل تھا کہ جب آپ ﷺ کہیں جاتے تو وہ پہلے آپ ﷺ کو جوتیاں پہناتے پھر آگے آگے عصا لے کر چلتے۔ آپ ﷺ مجلس میں بیٹھنا چاہتے تو آپ ﷺ کے پاؤں سے جوتیاں نکالتے پھر آپ ﷺ کو عصادیتے آپ ﷺ اٹھتے تو پھر اسی طرح جوتیاں پہناتے آگے آگے عصا لے کر چلتے اور حجرہ مبارک تک پہنچا جاتے آپ ﷺ نہاتے تو پردہ کرتے آپ ﷺ سوتے تو بیدار کرتے آپ ﷺ سفر میں جاتے تو آپ ﷺ کا بچھونا، مسواک، جوتا اور وضو کا پانی ان کے ساتھ ہوتا اس لئے وہ صاحب سوار اور رسول اللہ ﷺ یعنی آپ ﷺ کے میر سامان کہے جاتے تھے۔^۲

حضرت ربیعہ اسلمی رضی اللہ عنہ بھی شب و روز آپ ﷺ کی خدمت میں مصروف رہتے جب

۱: ابوداؤد کتاب الخراج باب فی الامام نقیل ہدایا المشکرین۔

۲: طبقات ابن سعد تذکرہ حضرت عبداللہ بن مسعود۔

آپ ﷺ عشاء کی نماز سے فارغ ہو کر کاشانہ نبوت میں تشریف لے جاتے تو وہ دروازہ پر بیٹھ جاتے کہ مبادہ آپ ﷺ کو کوئی ضرورت پیش آجائے ایک بار انھوں نے آپ ﷺ کو تامل اختیار کرنے کا مشورہ دیا بولے یہ تعلق آپ ﷺ کی خدمت گزاری میں خلل انداز ہو گا جس کو میں پسند نہیں کرتا لیکن آپ ﷺ کے بار بار کے اصرار سے شادی کرنے پر مجبور ہو گئے۔^۱ حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کے مستقل خدمت گزار تھے ان کا کام یہ تھا کہ سفر میں آپ ﷺ کی اونٹنی کو ہانکتے ہوئے چلتے تھے۔^۲

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کو بچپن ہی سے ان کی والدہ نے آپ ﷺ کی خدمت کیلئے وقف کر دیا تھا۔

حضرت سلمیٰ رضی اللہ عنہا ایک صحابیہ رضی اللہ عنہا تھیں جنہوں نے اس استقلال کے ساتھ آپ ﷺ کی خدمت کی کہ ان کو خادمہ رسول اللہ کا لقب حاصل ہوا۔ حضرت سفینہ رضی اللہ عنہا حضرت سلمیٰ رضی اللہ عنہا کی والدہ کے غلام تھے انھوں نے ان کو اس شرط پر آزاد کرنا چاہا کہ وہ اپنی عمر آپ ﷺ کی خدمت گزاری میں صرف کر دیں انھوں نے کہا کہ اگر آپ یہ شرط نہ بھی کرتیں تب بھی میں تانفس واپس آپ ﷺ کی خدمت سے علیحدہ نہ ہوتا۔^۳

ان بزرگوں کے علاوہ جو صحابہ رضی اللہ عنہم اکثر آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر رہتے تھے ان کو بھی عموماً شرف خدمت حاصل ہوتا رہتا تھا ایک بار آپ ﷺ رفع حاجت کیلئے بیٹھے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کے پیچھے پانی کا کوزہ لے کر کھڑے رہے آپ ﷺ نے پوچھا کہ ”عمر کیا ہے؟“ بولے کہ ”وضو کا پانی“، فرمایا کہ ”ہر وقت اس کی ضرورت نہیں۔“^۴

حضرت ابو ہریرہ کو جو ہمیشہ خدمت مبارک میں حاضر رہتے تھے اکثر یہ شرف حاصل ہوتا کہ جب آپ ﷺ رفع ضرورت کیلئے تشریف لے جاتے تو وہ کسی طشت یا کوزہ میں پانی لاتے اور آپ ﷺ وضو کرتے۔^۵

ایک بار حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ کی گود میں پیشاب کر دیا حضرت لبابہ رضی اللہ عنہ

۳: مسند ابن ضبل جلد ۴ صفحہ ۵۸، ۵۹۔

۴: ابوداؤد کتاب الصلوٰۃ ابواب شہر رمضان باب فی المعوذتین۔

۵: ابوداؤد کتاب الطب باب الحجامة۔

۱: ابوداؤد کتاب الاعتقاد باب التعلق علی الشرط۔

۲: ایضاً کتاب الطہارۃ باب فی الاستبراء۔

۶: ایضاً کتاب الطہارۃ باب الرجل ید مالک ید والارض ید الاستنجاء۔

نے کہا کہ آپ ﷺ دوسرا کپڑا پہن لیں اور اپنا تہ بند مجھے عنایت فرمائیں کہ میں دھولاؤں ارشاد ہوا کہ بچے کے پیشاب پر صرف پانی چھڑک دینا کافی ہے۔

حضرت ابواصحٰہؓ ہمیشہ آپ ﷺ کی خدمت میں مصروف رہتے تھے چنانچہ جب آپ ﷺ غسل فرماتے تو وہ پیٹھ پھیر کر کھڑے ہو جاتے اور آپ ﷺ ان کی آڑ میں نہا لیتے ایک بار امام حسنؓ یا حسینؓ نے آپ ﷺ کے سینے پر پیشاب کر دیا انھوں نے سینہ مبارک کو دھونا چاہا لیکن آپ ﷺ نے فرمایا کہ لڑکے کے پیشاب پر صرف پانی چھڑک دینا چاہئے۔

جب آپ ﷺ نے حجتہ الوداع میں رمی جمرہ کرنا چاہی تو خدام بارگاہ میں حضرت اسامہؓ اور حضرت بلالؓ ساتھ ساتھ تھے ایک کے ہاتھ میں ناقہ کی ٹکیل تھی اور دوسرے بزرگ آپ ﷺ کے سر پر اپنا کپڑا اتانے ہوئے چلتے تھے کہ آفتاب کی شعاعیں چہرہ مبارک کو گرم نگاہوں سے نہ دیکھنے پائیں۔

محبت رسول ﷺ

حدیث شریف میں ہے۔

لایومن احدکم حتی اکون احب الیہ من والدہ وولدہ والناس اجمعین۔
یعنی رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب تک میں تم کو تمہارے باپ کے اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں تم لوگ مومن نہیں کہے جاسکتے۔

اور صحابہ کرامؓ کو ایمان کا یہی درجہ کمال حاصل تھا چنانچہ حضرت جابرؓ کے والد جب غزوہ احد کی شرکت کیلئے روانہ ہونے لگے تو بیٹے سے کہا کہ میں ضرور شہید ہوں گا اور رسول اللہ ﷺ کے سوا مجھ کو تم سے زیادہ کوئی عزیز نہیں ہے تم میرا قرض ادا کرنا اور اپنے بھائیوں کے ساتھ سلوک کرنا۔ اس کے علاوہ صحابہ کرامؓ اور بھی مختلف طریقوں سے آپ ﷺ کی محبت کا اظہار کرتے تھے۔

ایک بار ایک صحابی آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے جوش محبت میں آپ ﷺ کی قمیص الٹ دی اسکے اندر گھس گئے آپ ﷺ کو چوما اور آپ ﷺ سے لپٹ گئے۔

حضرت اسید بن حضیرؓ ایک شگفتہ مزاج صحابی تھے ایک روز وہ ہنسی مذاق کی باتیں

۱: ابوداؤد کتاب الطہارۃ باب بول الصبی صیب الثوب۔

۲: ابوداؤد کتاب المناسک باب فی الحرم۔ ظلل۔

۳: اسد الغابہ تذکرہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ بن حرام۔

۴: ابوداؤد کتاب الزکوٰۃ باب ما لا یجوز منعه۔

کر رہے تھے کہ آپ ﷺ نے ان کے پہلو میں ایک چھڑی سے کوچ دیا انھوں نے اس کا انتقام لینا چاہا آپ ﷺ اس پر راضی ہو گئے لیکن انھوں نے کہا کہ آپ ﷺ کے بدن پر قمیص ہے حالانکہ میں برہنہ تھا آپ ﷺ نے قمیص بھی اٹھادی قمیص کا اٹھانا تھا کہ وہ آپ ﷺ سے لپٹ گئے پہلو چومے اور کہا یا رسول اللہ ﷺ یہی مقصود تھا۔

جب آپ ﷺ کی خدمت میں وفد عبدالقیس حاضر ہوا تو سواری سے اترنے کیساتھ ہی سب کے سب دوڑے اور آپ ﷺ کے ہاتھ اور پاؤں کو بوسہ دیا۔^۱ حضرت کرم اللہ نے حجۃ الوداع میں آپ ﷺ کی زیارت کی تو آپ ﷺ کے قدم لئے اور آپ ﷺ کی رسالت کا اقرار کیا اور آپ ﷺ کی باتیں سنتے رہے۔^۲ حضرت زاہر رحمہ اللہ ایک بدوی صحابی تھے جو رسول اللہ ﷺ سے نہایت محبت رکھتے تھے اور آپ ﷺ کی خدمت میں ہدیہ بھیجا کرتے تھے۔ آپ ﷺ بھی ان سے محبت رکھتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ ”زاہر ہمارے بدوی ہیں اور ہم انکے شہری ہیں“۔ ایک دن وہ اپنا سودا فروخت کر رہے تھے آپ ﷺ نے پیچھے سے آکر انکو گود میں لے لیا، انھوں نے کہا کون ہے؟ چھوڑ دو لیکن مڑ کر دیکھا اور معلوم ہوا کہ آپ ﷺ ہیں تو اپنی پشت کو بار بار آپ ﷺ کے سینہ سے چماتے تھے اور تسکین نہیں ہوتی تھی۔^۳

عرب میں یہ خیال تھا کہ اگر کسی کے پاؤں سو جائیں اور وہ اپنے محبوب کو یاد کرے تو یہ کیفیت زائل ہو جاتی ہے ایک بار حضرت عبداللہ بن عمر رحمہ اللہ کے پاؤں سو گئے تو کسی نے کہا اپنے محبوب کو یاد کر لو بولے یا محمد ﷺ۔^۴

حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا ایک صحابیہ رضی اللہ عنہا تھیں وہ جب آپ ﷺ کا ذکر کرتیں تو فرط مسرت سے کہتیں ”بابا، یعنی میرے باپ آپ ﷺ پر قربان“۔^۵

عزت اور محبت کی وجہ سے صحابہ کرام رحمہ اللہ آپ ﷺ کے آرام اور آسائش کا نہایت خیال رکھتے تھے اور آپ ﷺ کی کسی قسم کی تکلیف گوارا نہیں کرتے تھے۔

آپ ﷺ ایک سفر میں تھے جس میں ایک صحابی نہایت اہتمام کے ساتھ آپ ﷺ کیلئے پانی ٹھنڈا کرتے تھے۔^۶

۱: ابوداؤد کتاب الادب باب فی اقبلہ الجہد۔

۲: ایضاً کتاب الزکات باب فی تزویج لم یولد۔

۳: شائل ترمذی باب ماجاء فی صفۃ فرائد رسول اللہ صلعم۔

۴: ابوالمفرد باب ما یقول الرجل اذا خدرت رجلاً۔

۵: نسائی کتاب الحیض باب شہود الخضر العیدین دعویٰ المسلمین۔

۶: کتاب الترہیب باب حدیث جابر الطویل۔

ایک عورت تھی جو ہمیشہ مسجد نبوی ﷺ میں جھاڑو دیا کرتی تھی اس کا انتقال ہو گیا تو صحابہ کرام ؓ نے اس کو دفن کر دیا اور آپ ﷺ کو اطلاع نہ دی آپ ﷺ کو معلوم ہوا تو فرمایا کہ مجھے کیوں نہیں خبر کی۔ بولے حضور ﷺ روزے سے تھے اور قیلوہ فرما رہے تھے، ہم نے تکلیف دینا گوارا نہ کیا۔ اسی طرح ایک اور صحابی کا انتقال ہو گیا تو صحابہ ؓ نے آپ ﷺ کو خبر نہ کی اور کہا کہ اندھیری رات تھی حضور ﷺ کو زحمت ہوتی۔^۱

آپ ﷺ کو جو چیز محبوب ہوتی وہ آپ ﷺ کی محبت کی وجہ سے صحابہ کرام ؓ کو بھی محبوب ہو جاتی کہ وہ آپ ﷺ کو نہایت مرغوب تھا۔ اس لئے حضرت انس ؓ بن مالک بھی اس کو نہایت پسند فرماتے تھے۔ چنانچہ ایک روز کدو کھا رہے تھے تو خود بخود بول اٹھے اے درخت اس بنا پر کہ رسول اللہ ﷺ کو تجھ سے محبت تھی تو مجھے کس قدر محبوب ہے۔^۲

آپ ﷺ کی محبت نے صحابہ کرام ؓ کے نزدیک آپ ﷺ کی ہر چیز کو محبوب بنادیا تھا آپ ﷺ کا معمول تھا کہ ہر کام کی ابتدا اپنے جانب سے فرماتے ایک بار حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں حضرت عبداللہ بن عباس ؓ آپ ﷺ کے دائیں اور حضرت خالد بن ولید بائیں جانب بیٹھے ہوئے تھے حضرت میمونہ دودھ لائیں تو آپ ﷺ نے پی کر حضرت عبداللہ بن عباس ؓ سے فرمایا کہ حق تو تمہارا ہے لیکن اگر ایثار کرو تو خالد کو دے سکتے ہو بولے کہ میں آپ ﷺ کا جھوٹا کسی کو نہیں دے سکتا۔^۳

ایک مرتبہ آپ ﷺ نے پانی یا دودھ پی کر حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا کو عنایت فرمایا بولیں میں اگرچہ روزے سے ہوں لیکن آپ ﷺ کا جھوٹا واپس کرنا پسند نہیں کرتی۔^۴

ایک بار ایک صحابی خدمت مبارک میں حاضر ہوئے آپ ﷺ کھانا کھا رہے تھے ان کو بھی شریک کرنا چاہا وہ روزے سے تھے اس لئے ان کو افسوس ہوا کہ ہائے رسول اللہ ﷺ کا کھانا نہ کھایا۔^۵

محبت کی وجہ سے آپ ﷺ کو رنج ہوتا تو تمام صحابہ ؓ کو بھی رنج ہوتا آپ ﷺ کو خوشی ہوتی تو تمام صحابہ ؓ بھی اس میں شریک ہوتے آپ ﷺ نے ایک مہینے کیلئے ازواج مطہرات رضی اللہ عنہم سے علیحدگی اختیار کر لی تو تمام صحابہ ؓ نے مسجد میں آکر گریہ

۱: سنن ابن ماجہ باب کتاب الجنائز باب مناجاء فی الصلوٰۃ علی التبر۔

۲: ترمذی کتاب الطعمہ باب مناجاء فی اکل الدباء۔

۳: ترمذی ابواب الدعوات باب ما یبول اذا اکل طعاماً۔

۴: مسند ابن فضال جلد ۶ صفحہ ۳۴۳۔

۵: سنن ابن ماجہ کتاب الطعمہ باب من اجل الطعمہ۔

وزاری شروع کر دی۔^۱

آپ ﷺ نے جب مرض الموت میں حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو امام بنانا چاہا تو حضرت عائشہؓ نے کہا کہ وہ رقیق القلب آدمی ہیں جب آپ ﷺ کو نہ دیکھیں گے تو خود روئیں گے اور تمام صحابہ رضی اللہ عنہم بھی۔^۲ حضرت عمر بن الجموع ایک فیاض صحابی تھے ان کو آپ ﷺ سے اس قدر محبت تھی کہ جب آپ ﷺ نکاح کرتے تو وہ آپ ﷺ کی جانب سے دعوت ولیمہ کرتے۔^۳ آپ ﷺ جب کسی غزوہ میں تشریف لے جاتے تو صحابیات رضی اللہ عنہن فرط محبت سے آپ ﷺ کی واپسی اور سلامتی کیلئے نذریں مانتی تھیں۔ ایک بار آپ ﷺ کی عذر واپس آئے تو ایک صحابیہ رضی اللہ عنہا (اجارینہ سورہ) نے کہا کہ یا رسول اللہ ﷺ میں نے نذر مانی تھی کہ اگر خدا آپ ﷺ کو صحیح و سالم واپس لایگا تو آپ ﷺ کے سامنے دف بجا بجا کے گاؤں گی۔^۴ آپ ﷺ عموماً فقر و فاقہ کے ساتھ زندگی بسر کرتے تھے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے سامنے آپ ﷺ کی خانگی زندگی کا یہ منظر آ جاتا تو فرط محبت سے آبدیدہ ہو جاتے ایک بار حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا شانہ نبوت میں تشریف لے گئے تو دیکھا کہ آپ ﷺ چٹائی پر لیٹے ہوئے ہیں جس پر کوئی بستر نہیں ہے جسم مبارک پر تہبند کے سوا کچھ نہیں پہلو میں بدھیاں پڑ گئی ہیں تو شہ خانہ میں مٹھی بھر جو کے سوا اور کچھ نہیں آنکھوں سے بے ساختہ آنسو نکل آئے ارشاد ہوا کہ عمر رضی اللہ عنہ کیوں روتے ہو؟ کیوں نہ روؤں؟ آپ ﷺ کی یہ حالت ہے اور قیصر و کسری دنیا کے مزے ازار ہے ہیں فرمایا کیا تمہیں یہ پسند نہیں کہ ہمارے لئے آخرت اور ان کیلئے دنیا ہو۔^۵

آپ ﷺ کے وصال کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو جب آپ ﷺ کی یہ حالت یاد آتی تھی تو آنکھوں سے آنسو نکل پڑتے تھے ایک بار حضرت ابو ہریرہؓ کے سامنے چپاتیاں آئیں تو دیکھ کر رو پڑے کہ آپ ﷺ نے اپنی آنکھوں سے چپاتی نہیں دیکھی۔^۶

ایک دن حضرت عبدالرحمن بن عوف نے اپنے دوستوں کو گوشت روٹی کھلایا تو رو پڑے اور کہا کہ رسول اللہ ﷺ کا وصال بھی ہو گیا اور آپ ﷺ نے پیٹ بھر جو کی روٹی کبھی نہیں کھائی۔^۷ اگر آپ ﷺ کسی چیز سے متمتع نہ ہو سکتے تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس سے متمتع ہونا پسند نہ کرتے آپ ﷺ کا وصال ہوا تو آپ ﷺ کے کفن کیلئے ایک حلہ خریدا گیا لیکن بعد کو آپ

۱: مسلم کتاب الرضا باب فی الایا اور اعتزال النساء۔

۲: سنن ابن ماجہ کتاب الصلوٰۃ باب ماجاء فی صلوٰۃ الرسول صلعم فی مرضہ۔

۳: اصحاب جلد ۲۹۶ تذکرہ حضرت عمر و ظ بن الجموع۔

۴: ترمذی کتاب المناقب مناقب ابی الحنفہ عمر بن الخطاب۔

۵: مسلم کتاب الرضا باب فی الایا اور اعتزال النساء و مختصر میں۔

۶: سنن ابن ماجہ کتاب الاطعمہ باب الرقاق۔ ۷: ترمذی باب ماجاء فی عیش النبی صلعم۔

ﷺ دوسرے کپڑوں میں کفنائے گئے اور یہ حلہ حضرت عبداللہ بن ابی بکر نے اس خیال سے لے لیا کہ اسکو اپنے کفن کیلئے محفوظ رکھیں گے لیکن پھر کہا کہ جب خدا کی مرضی نہ ہوئی کہ وہ رسول اللہ ﷺ کا کفن ہو تو میرا کیوں ہو یہ کہ کراسکو فروخت کر کے اسکی قیمت صدقہ کر دی۔^۱ غزوہ تبوک سخت گرمیوں کے زمانہ میں واقع ہوا تھا حضرت ابو خثیمہ رضی اللہ عنہ ایک صحابی تھے۔

جو اس غزوہ میں شریک نہ ہو سکے تھے ایک دن وہ گھر میں آئے تو دیکھا کہ بیویوں نے ان کی آسائش کیلئے نہایت سامان کیا ہے بالا خانے پر چھڑکاؤ کیا ہے پانی سرد کیا ہے عمدہ کھانا تیار کیا ہے لیکن وہ یہ تمام سامان عیش دیکھ کر بولے رسول اللہ ﷺ اس لو اور گرمی میں کھلے ہوئے میدان میں ہوں اور ابو خثیمہ سایہ سرد پانی عمدہ غذا اور خوبصورت عورتوں کے ساتھ لطف اٹھائے خدا کی قسم یہ انصاف نہیں ہے میں ہرگز بالا خانہ پر نہ آؤں گا چنانچہ اسی وقت زاور لہ لیا اور تبوک کی طرف روانہ ہو گئے۔^۲

وصال کے بعد آپ ﷺ یاد آتے تو صحابہ رضی اللہ عنہم بے اختیار رو پڑتے ایک دن حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا جمعرات کا دن اور جمعرات کا دن کس قدر سخت تھا اس کے بعد اس قدر روئے کہ زمین کی کنکریاں آنسوؤں سے تر ہو گئیں حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ نے پوچھا جمعرات کا دن کیا۔ بولے اسی دن آپ ﷺ کے مرض الموت میں اشتداد ہوا تھا۔^۳ آپ ﷺ کی مبارک صحبتوں کی یاد آتی تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی آنکھوں سے بے اختیار آنسو جاری ہو جاتے ایک بار حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ انصار کی ایک مجلس میں گئے تو دیکھا کہ سب لوگ رو رہے ہیں سب پوچھا تو بولے کہ ہم کو آپ ﷺ کی مجلس یاد آگئی حافظ ابن حجر رضی اللہ عنہ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں کہ یہ واقعہ آپ ﷺ کی بیماری کے زمانہ کا ہے جس میں انصار کو یہ خوف پیدا ہوا کہ اگر اس مرض میں آپ ﷺ کا وصال ہوا تو پھر آپ ﷺ کی مجلس میسر نہ ہوگی اس لئے وہ اس غم میں رو پڑے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ جب رسول اللہ ﷺ کا تذکرہ فرماتے تھے تو آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے تھے۔^۴

- ۱: مسلم کتاب لجنائز باب فی کفن المیت۔
- ۲: اسد الغابہ جلد ۴ صفحہ ۲۹۱ تذکرہ مالک بن قیس۔
- ۳: مسلم کتاب الوصیۃ باب ترک الوصیۃ لمن لبس نوحی یوصی فیہ۔
- ۴: بخاری کتاب المناقب باب قول النبی صلعم اقبلوا من محسنہم و تحاوزوا عن مستہم۔
- ۵: طبقات ابن سعد تذکرہ حضرت عبداللہ بن عمر۔

اہل بیت اور رسول اللہ ﷺ کے اعزہ و اقارب کی عزت و محبت رسول اللہ ﷺ کے تعلق سے صحابہ کرام ؓ اہل بیت کی بھی نہایت عزت و محبت کرتے تھے ایک بار امام باقر حضرت جابر بن عبد اللہ کی خدمت میں حجتہ الوداع کی کیفیت پوچھنے کی غرض سے حاضر ہوئے۔ اس وقت اگرچہ وہ طالب العلمات اور نیاز مندائے حیثیت سے آئے تھے تاہم حضرت جابر بن عبد اللہ ؓ نے نہایت تپاک سے ان کا خیر مقدم کیا پہلے ان کے سر کی طرف ہاتھ بڑھایا اور ان کے اوپر اور نیچے کے تکتے کھولنے سینے پر ہاتھ رکھا اور مرحبا کہا پھر اصل مسئلہ پر گفتگو کرنے کی اجازت دی۔

ایک بار ایک عراقی نے حضرت عبد اللہ بن عمر ؓ سے پوچھا کہ مجھ پر کا خون جو کپڑے پر لگ جاتا ہے اس کا کیا حکم ہے بولے ان کو دیکھو رسول اللہ ﷺ کے نواسے کو تو شہید کر ڈالا اور مجھ پر کا خون کا سوال کرتے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ کے انتقال کے چند روز بعد ایک دن حضرت ابو بکر ؓ ایک راستے سے گزرے دیکھا کہ حضرت حسن ؓ کھیل رہے ہیں اٹھا کر اپنے کندھے پر رکھ لیا اور یہ شعر پڑھا۔

و ابابى شبه النبى

ليس شبيها بالعلی

میرا باپ تم پر قربان کہ رسول اللہ ﷺ کے ہم شکل ہو علی ؓ کے مشابہ نہیں حضرت علی ؓ بھی ساتھ تھے وہ ہنس پڑے۔

ایک دن حضرت ابو ہریرہ ؓ امام حسن ؓ سے ملے اور کہا کہ ذرا پیٹ کھولنے جہاں رسول اللہ ﷺ نے بوسہ دیا تھا وہیں میں بھی بوسہ دوں گا چنانچہ انھوں نے پیٹ کھولا اور انھوں نے وہیں بوسہ دیا۔

ایک بار بہت سے لوگ مسجد نبوی ﷺ میں بیٹھے ہوئے تھے اتفاق سے حضرت امام حسین ؓ آگئے اور سلام کیا سب نے سلام کا جواب دیا لیکن حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص ؓ خاموش رہے جب سب چپ ہوئے تو با آواز بلند کہا السلام و علیکم ورحمۃ اللہ برکاتہ یہ کہہ کر سب کی طرف مخاطب ہو کر کہا کہ میں تمہیں بتاؤں کہ زمین کے رہنے والوں

۱: ابوداؤد کتاب المناقب باب مضر حجتہ النبی ص ۱۰۰۔

۲: ترمذی کتاب المناقب مناقب الحسن والحسین۔

۳: مسند ابن فضال جلد ۱ صفحہ ۸۔

۴: مسند ابن فضال جلد ۲ صفحہ ۳۲۷۔

میں آسمان والوں کو سب سے محبوب شخص کون ہے یہی جو جا رہا ہے جنگ صفین کے بعد سے انھوں نے مجھ سے بات چیت نہیں کی اگر وہ مجھ سے راضی ہو جائیں تو یہ مجھے سرخ اونٹوں سے بھی زیادہ محبوب ہے۔^۱

حضرت ابوالطفیل حضرت علی کرم اللہ وجہ کے بہت بڑے حامی تھے حضرت علی کرم اللہ وجہ کے انتقال کے بعد ایک بار حضرت امیر معاویہ نے ان سے پوچھا کہ تمہارے دوست ابوالحسن ؓ کے غم میں تمہارا کیا حال ہے بولے موسیٰ کے غم میں جو حال ان کی ماں کا تھا۔^۲ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے جب حضرت ابوبکر ؓ سے رسول اللہ ﷺ کی وراثت کا مطالبہ کیا اور حضرت علی کرم اللہ وجہ نے رسول اللہ ﷺ کی قرابت کے حقوق بتائے تو حضرت ابوبکر ؓ نے اس موقع پر جو تقریر کی اس میں خاص طور پر اہل بیت کی محبت کا اظہار فرمایا اور کہا کہ اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے رسول اللہ ﷺ کی قرابت کے حقوق کا لحاظ مجھے اپنی قرابت سے زیادہ ہے اور لوگوں کو بھی ان کے حقوق کے لحاظ رکھنے کا حکم دیا۔^۳

ایک بار حضرت عباس ؓ نے ایک معاملہ میں حضرت عمر ؓ سے اصرار کیا اور کہا کہ یا امیر المؤمنین اگر موسیٰ کے چچا آپ ﷺ کے پاس مسلمان ہو کر آتے تو آپ ﷺ کیا کرتے۔ بولے ان کے ساتھ سلوک کرتا حضرت عباس ؓ نے کہا تو پھر میں رسول اللہ ﷺ کا چچا ہوں بولے اے ابوالفضل آپ کی کیا رائے ہے خدا کی قسم آپ کے باپ مجھے اپنے باپ سے زیادہ محبوب ہیں کیونکہ مجھے معلوم ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کو میرے باپ سے زیادہ محبوب تھے اور میں رسول اللہ ﷺ کی محبت کو اپنی محبت پر ترجیح دیتا ہوں۔^۴

حضرت عباس ؓ کا انتقال ہوا تو بنو ہاشم نے الگ اور حضرت عثمان ؓ نے الگ انصار کی تمام آبادیوں میں اس کا اعلان کروایا لوگ اس کثرت سے جمع ہوئے کہ کوئی شخص تابوت کے پاس نہیں جاسکتا تھا خود بنو ہاشم کو لوگوں نے اس طرح گھیر لیا کہ حضرت عثمان ؓ نے پولیس کے ذریعہ سے ان کو ہٹا دیا۔ کعب میں جب قحط پڑتا تھا تو حضرت عمر ؓ ان کے وسیلہ سے بارش کی دعا مانگتے تھے اور کہتے تھے کہ خداوند اہم پہلے اپنے پیغمبر کو وسیلہ بناتے تھے اور تو پانی برساتا تھا اور اب پیغمبر کے چچا کو وسیلہ بناتے ہیں ہمارے لئے پانی برسا۔^۵

ایک بار حضرت عمر ؓ نے شفاء بنت عبد اللہ العدویہ کو بلا بھیجا وہ آئیں تو دیکھا کہ

۱: اسد الغابہ تذکرہ حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص۔ ۲: استیعاب تذکرہ ابوالطفیل۔

۳: بخاری کتاب المناقب مناقب قرطبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

۴: طبقات ابن سعد تذکرہ حضرت عباس۔ ۵: بخاری کتاب المناقب ذکر عباس بن عبد المطلب۔

عاتکہ بنت اسید رضی اللہ عنہا پہلے سے موجود ہیں کچھ دیر کے بعد حضرت عمر ؓ نے دونوں کو ایک ایک چادر دی لیکن شفاء کی چادر کم درجہ کی تھی، اس لئے انھوں نے کہا کہ ”میں عاتکہ سے زیادہ قدیم الاسلام اور آپ کی چچا زاد بہن ہوں، آپ نے مجھے خاص اس غرض کیلئے پایا تھا اور عاتکہ تو یوں آگئی تھیں۔“ بولے میں نے یہ چادر تمہارے ہی دینے کیلئے رکھی تھی لیکن جب عاتکہ آگئیں تو مجھے رسول اللہ ﷺ کی قرابت کا لحاظ کرنا پڑا۔^۱

حضرت ہند بن ابی حالہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بیٹے تھے صرف اتنے تعلق سے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان کی پرورش فرمائی تھی جب ان کے بیٹے کا بصرے میں بمرض طاعون انتقال ہوا تو پہلے ان کا جنازہ نہایت کسپرسی کی حالت میں اٹھایا گیا لیکن اس حالت کو دیکھ کر ایک عورت نے پکارا و احند بن ہند و ابن ربیع رسول اللہ یہ سنا تھا کہ لوگ اپنے مردوں کی تجہیز و تکفین چھوڑ کر ان کے جنازہ میں شریک ہو گئے۔^۲

قبیلہ بنو زہرہ میں چونکہ رسول اللہ ﷺ کی نانہال تھی اس لئے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس قبیلہ کے پاس خاطر کا نہایت لحاظ کرتی تھیں چنانچہ وہ حضرت عبداللہ بن ربیع ؓ سے ناراض ہوئیں تو انھوں نے اسی قبیلہ کے چند بزرگوں کو شفیع بنایا۔^۳

رسول اللہ ﷺ کے دوستوں کی عزت اور محبت

رسول اللہ ﷺ جن لوگوں سے محبت رکھتے تھے صحابہ کرام ؓ بھی ان کی نہایت توقیر و عزت کرتے تھے حضرت عمر ؓ نے حضرت اسامہ ؓ کا عطیہ ساڑھے تین ہزار اور اپنے بیٹے حضرت عبداللہ بن عمر ؓ کا تین ہزار مقرر فرمایا تو انھوں نے اعتراض کیا کہ آپ نے اسامہ ؓ کو مجھ پر کیوں ترجیح دی وہ تو کسی جنگ میں مجھ سے آگے نہیں ہے بولے زید تمہارے باپ سے زیادہ رسول اللہ ﷺ کو محبوب تھے اور آپ ﷺ اسامہ ؓ کی محبت تم سے زیادہ کرتے تھے اسلئے میں نے اپنے محبوب پر رسول اللہ ﷺ کے محبوب کو ترجیح دی۔^۴

ایک بار حضرت عبداللہ بن عمر ؓ نے دیکھا کہ ایک شخص مسجد کے گوشہ میں دامن گھسینا پھر رہا ہے بولے یہ کون شخص ہے۔ ایک آدمی نے کہا آپ ان کو نہیں پہچانتے، یہ محمد بن اسلمہ ؓ ہیں حضرت عبداللہ بن عمر ؓ نے یہ سن کر گردن نیچے جھکالی اور زمین پر ہاتھ مار کر کہا، اگر رسول اللہ ﷺ ان کو دیکھتے تو ان کی محبت کرتے۔^۵

۱: اصابہ تذکرہ عاتکہ بنت اسید۔ ۲: استیعاب تذکرہ ہند بن ابی حالہ۔

۳: بخاری شریف کتاب المناقب باب مناقب قریش۔

۴: ترمذی کتاب المناقب مناقب زید بن حارثہ۔

۵: بخاری کتاب المناقب ذکر اسامہ بن زید۔

صحابہ کرام ؓ نہ صرف آپ ﷺ کے دوستوں کی عزت کرتے تھے بلکہ آپ ﷺ نے جن غلاموں کو آزاد کر کے اپنا مولیٰ بنالیا تھا ان کے ساتھ بھی نہایت لطف و مدارات کے ساتھ پیش آتے تھے، ایک بار آپ ﷺ نے فرمایا کہ جن غلاموں کے ناک کان کاٹ لئے گئے ہیں یا ان کو جلادیا گیا ہے وہ آزاد ہیں اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے مولیٰ ہیں، لوگ یہ سن کر ایک خواجہ سرا کو لائے جس کا نام سند ر تھا آپ نے اس کو آزاد کر دیا آپ کی وفات کے بعد وہ حضرت ابو بکر ؓ اور حضرت عمر ؓ کے زمانہ خلافت میں آتا تو دونوں بزرگ اس کے ساتھ عمدہ سلوک کرتے اس نے ایک بار مصر جانا چاہا تو حضرت عمر ؓ نے حضرت عمرو بن العاص ؓ کو خط لکھ دیا کہ رسول اللہ ﷺ کی وصیت کے موافق اس کے ساتھ عمدہ سلوک کرنا۔^۱

شوق زیارت رسول ﷺ

صحابہ کرام ؓ کے دل رسول اللہ ﷺ کے شوق زیارت سے لبریز تھے اس لئے جب زیارت کا وقت قریب آتا تو یہ جذبہ اور بھی ابھر جاتا اور اس کا اظہار مقدس نغمہ سنجیوں کی صورت میں ہوتا۔

حضرت ابو موسیٰ اشعری ؓ جب اپنے رفقاء کے ساتھ مدینہ کے قریب پہنچے تو سب کے سب ہم آہنگ ہو کر زبان شوق سے یہ رجز پڑھنے لگے۔

غدا نلقى الاحبہ

محمدًا و حزبه

ہم کل اپنے دوستوں یعنی محمد ﷺ اور ان کے گروہ سے ملیں گے۔^۲

مصافحہ کی رسم سب سے پہلے ان ہی لوگوں نے ایجا کی جو اظہار شوق و محبت کا ایک لطیف ذریعہ ہے۔

دربار نبوت ﷺ کی غیر حاضری صحابہ ؓ کے نزدیک بڑا جرم تھا ایک دن حذیفہ ؓ کی والدہ نے پوچھا کہ تم نے کب رسول اللہ ﷺ کی زیارت نہیں کی، بولے اتنے دنوں سے اس پر انھوں نے ان کو برا بھلا کہا تو بولے کہ مجھے آپ ﷺ کی خدمت میں جانے دو تاکہ

۱: مسند ابن خبیل جلد ۳ صفحہ ۲۲۵ دوسری روایت میں ہے کہ حضرت ابو بکرؓ اس کی اور اس کے اہل و عیال کی بیت المال سے کفالت کرتے تھے اور حضرت عمرؓ نے گورنر مصر کو لکھا تھا کہ اس کو کچھ زمین دے دی جائے لیکن اس روایت میں اس کے نام کی تصریح نہیں ہے ممکن یہ ہے کہ یہ دوسرا غلام ہو۔

صفحہ ۸۲ جلد ۲

۲: مسند ابن خبیل جلد ۳ صفحہ ۲۲۳

آپ ﷺ کے ساتھ مغرب پڑھوں اور اپنے اور تمہارے لئے استغفار کی درخواست کروں۔
 آپ ﷺ کے وصال کے بعد یہی شوق تھا جو صحابہ کرام ؓ کو آپ ﷺ کے مزار کی طرف کھینچ لاتا تھا ایک بار حضرت ابو ایوب انصاری ؓ آئے اور مزار پاک پر اپنے رخسار رکھ دیے مروان نے دیکھا تو کہا کچھ خبر ہے یہ کیا کرتے ہو؟ بولے میں اینٹ پتھر کے پاس نہیں آیا ہوں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں۔^۱

شوق دیدار رسول ﷺ

رسول اللہ ﷺ کا دیدار ازدیاد ایمان کا باعث ہوتا تھا اس بنا پر صحابہ کرام ؓ اس کے نہایت مشتاق رہتے تھے جب آپ ہجرت کر کے مدینہ تشریف لائے تو تشنگان دیدار میں جن لوگوں نے آپ ﷺ کو نہیں دیکھا تھا وہ آپ ﷺ کو پہچان نہ سکے لیکن جب دھوپ آئی اور حضرت ابو بکر ؓ نے آپ کے اوپر اپنی چادر کا سایہ کیا تو سب نے اس سایہ میں آفتاب نبوت کے دیدار سے اپنا ایمان تازہ کیا۔

حجۃ الوداع میں مشاقان دیدار نے آفتاب نبوت کو ہالے کی طرح اپنے حلقے میں لے لیا۔ بدو آ کر شربت دیدار سے سیراب ہوتے تھے اور کہتے تھے یہ مبارک چہرہ ہے۔^۲

آپ ﷺ نے مرض الموت کے زمانہ میں جب پردہ اٹھا کر جھانکا اور صحابہ کرام کی نماز کی حالت ملاحظہ فرما کر مسکرائے تو اس آخری دیدار سے صحابہ کرام ؓ پر مسرت کی وہ کیفیت طاری ہوئی کہ خشوع نماز میں خلل پڑنے کا اندیشہ پیدا ہو گیا حضرت انس ؓ فرماتے ہیں۔

کان وجہہ ورقۃ مصحف مارینا منظر اکان اعجب الینا من وجہہ النبی ﷺ حین وضع لنا۔^۳

آپ کا چہرہ قرآن کے ورق کی طرح صاف تھا ہم نے کوئی ایسا خوش گوار منظر نہیں دیکھا جیسا اس وقت نظر آیا جب آپ کا چہرہ مبارک نمایاں ہوا۔

بعض صحابہ ؓ کو آنکھیں صرف اس لئے عزیز تھیں کہ ان کے ذریعے رسول اللہ ﷺ کا دیدار ہوتا تھا، لیکن جب خدا نے ان کو اس شرف سے محروم کر دیا تو وہ آنکھوں سے بھی بے نیاز ہو گئے۔

۱: ترمذی کتاب المناقب فضائل الحسن والحسین۔

۲: مسند ابن جنبل جلد ۵ صفحہ ۴۲۲۔

۳: بخاری باب ہجرة النبی واصحابہ الی المدینہ۔

۴: ابوداؤد کتاب المناسک باب المواقیف۔

۵: بخاری کتاب الصلوۃ باب اہل العلم والفضل (حق بالاملۃ)۔

ایک صحابی کی آنکھیں جاتی رہیں لوگ عیادت کو آئے تو انھوں نے کہا کہ، ان سے مقصود تو صرف رسول اللہ ﷺ کا دیدار تھا، لیکن جب آپ ﷺ کا وصال ہو گیا تو اگر میرے عوض تبالہ کی ہرنیاں اندھی ہو جائیں اور میری مینائی لوٹ آئے تب بھی مجھ پر ہنس نہیں۔^۱

شوق صحبت رسول ﷺ

رسول اللہ ﷺ کا فیض صحبت ایک ایسی دولت جاودانی تھا جس پر صحابہ کرام رحمہ اللہ ہر قسم کے دنیوی مال و متاع کو قربان کر دیتے تھے ایک بار آپ نے حضرت عمرو بن العاص رحمہ اللہ سے فرمایا کہ ”میں تمہیں ایک مہم پر بھیجنا چاہتا ہوں خدا مال غنیمت اے گا تو تم کو متعدد حصہ دوں گا بولے میں مال کیلئے مسلمان نہیں ہوا، صرف اس لئے اسلام لایا ہوں کہ آپ کا فیض صحبت حاصل ہو۔“^۲

جو صحابہ رحمہ اللہ دنیوی تعلقات سے آزاد ہو جاتے تھے وہ صرف آستانہ نبوت سے وابستگی پیدا کر کے آپ کی صحبت سے فیض یاب ہوتے تھے حضرت قیلہ رضی اللہ عنہما یہودیوں کیوں تو بچوں کو انکے چچانے لے لیا اب وہ تمام دنیوی جھڑوں سے آزاد ہو کر ایک صحابی کیساتھ خدمت مبارک میں حاضر ہو گئے اور آپ کی تعلیمات و تلقینات سے عمر بھر فائدہ اٹھاتی رہیں۔

حضرت عمر رحمہ اللہ مدینہ سے کسی قدر دور مقام عالیہ میں رہتے تھے اس لئے روزانہ آپ کے فیض صحبت سے محروم نہیں ہو سکتے تھے تاہم یہ معمول کر لیا تھا کہ ایک روز خود آتے تھے اور دوسرے روز اپنے اسلامی بھائی حضرت عثمان بن مالک کو بھیجتے تھے کہ آپ کی تعلیمات و ارشادات سے محروم نہ رہنے پائیں۔^۳

دنیا میں آپ کے فیض صحبت سے سیری نہ ہوئی تو بعض صحابہ نے خواہش کی کہ آخرت میں بھی یہ دولت جاودانی نصیب ہو حضرت ربیعہ بن کعب اسلمی رحمہ اللہ آپ کے خادم تھے اور ہمیشہ سفر حضر میں آپ کے ساتھ رہتے تھے ایک بار آپ نے ان سے کہا کہ کچھ مانگو بولے کہ جنت میں آپ کی رفاقت ارشاد ہوا کچھ اور بولے صرف یہی ایک چیز فرمایا خوب نماز پڑھو تو یہ دولت نصیب ہوگی۔^۴

۱: اب المفرد باب العیادة من الرد، ۲: ایضاً باب الملل الصلاح للفر، الصالح۔

۳: طبقات ابن سعد تذکرہ حضرت قیلہ۔

۴: بخاری کتاب العلم باب التناوب فی العلم، لیکن روایت میں حضرت عثمان بن ملاک کا نام، بقرع مذکور نہیں۔

۵: ابوداؤد کتاب الصلوٰۃ باب وقت قیام النبی صلعم من اللیل، صاحب استیعاب نے ان کے حال میں لکھا ہے کان یلزم رسول اللہ فی السفر والحضر۔

رسول اللہ ﷺ کی صحبت کا اثر

صحابہ کرام چونکہ نہایت خلوص و صفائے قلب کے ساتھ آپ کے ارشاد و ہدایت سے فیض یاب ہونے کیلئے آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے اس لئے ان پر آپ کی صحبت کا شدت کے ساتھ اثر پڑتا تھا ایک بار حضرت ابو ہریرہ ؓ نے فرمایا کہ یا رسول اللہ ﷺ یہ کیا بات ہے کہ جب ہم آپ کے پاس ہوتے ہیں تو ہمارے دل نرم ہو جاتے ہیں زہد و آخرت کا خیال غالب ہو جاتا ہے پھر جب آپ کے پاس سے چلے جاتے ہیں اہل و عیال سے ملتے چلتے ہیں اور بچوں کو سونگھتے ہیں تو وہ بات باقی نہیں رہتی۔ ارشاد ہوا کہ اگر یہی حالت قائم رہتی تو فرشتے خود تمہارے گھروں میں تمہاری زیارت کو آتے۔^۱

ایک بار حضرت حظلہ اسیدی ؓ حضرت ابو بکر صدیق ؓ کے پاس روتے ہوئے آئے اور کہا کہ حظلہ منافق ہو گیا ہم رسول اللہ ﷺ کے پاس ہوتے ہیں اور آپ جنت و دوزخ کا ذکر فرماتے ہیں تو ہمارے سامنے ان کی تصویر کھینچ جالی ہے پھر گھر میں آکر اہل و عیال سے ملتے ہیں اور کھیتی باڑی کے کام میں مصروف ہو جاتے ہیں تو اس حالت کو بھول جاتے ہیں انہوں نے کہا کہ ہمارا بھی یہی حال ہوتا ہے چلو خود آپ کے پاس چلیں آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور واقعہ بیان کیا تو آپ نے فرمایا کہ وہ حالت قائم رہتی تو فرشتے تمہاری مجلسوں میں تمہارے بستروں پر اور تمہارے راستوں میں آکر تم سے مصافحہ کرتے اس حالت کا ہمیشہ قائم رہنا ضروری نہیں۔^۲

استقبال رسول ﷺ

رسول اللہ ﷺ نے ہجرت کی تو آپ کے ساتھ طبل و علم لاؤ لشکر خیمہ و خرگاہ کچھ نہ تھا صرف سواری کی دو اونٹنیاں تھیں اور ساتھ میں ایک جان نثار رفیق سفر تھا لیکن یہ بے سرو سامان قافلہ جس دن مدینہ میں پہنچا مدینہ مسرت کدہ بن گیا عورتوں بچوں اور لونڈیوں کی زبان پر یہ فقرہ تھا رسول اللہ آئے رسول اللہ آئے، ہجرت کی خبر پہلے سے مدینہ میں پہنچ گئی تھی اس لئے تمام مسلمان صبح کے تڑکے گھر سے نکل کر مدینہ کے باہر استقبال کیلئے جمع ہوتے دوپہر تک انتظار کر کے واپس چلے جاتے ایک دن حسب معمول سب لوگ انتظار کر کے چلے گئے تو ایک یہودی قلعہ سے دیکھ کر با آواز بلند پکارا کہ اہل عرب لو تمہارا شاہد مقصود آ پہنچا۔ تمام صحابہ ؓ دفعۃً اہل پڑے اور ہتھیار جج جج کر گھروں سے نکل آئے آپ قباء میں

۱: ترمذی ابواب صفة الحنة باب ما جاء فی صفة الحنة و نتیجہا، صفحہ ۴۱۵۔

۲: ترمذی ابواب الزہد ص ۴۱۳۔

تشریف لائے اور خاندان بنو عمرو بن عوف کے یہاں اترے تو تمام خاندان نے اللہ اکبر کا نعرہ مارا انصار ہر طرف سے آتے اور جوش عقیدت کے ساتھ سلام عرض کرتے انصار میں جن لوگوں نے رسول اللہ ﷺ کو اب تک نہیں دیکھا تھا وہ شوق دیدار میں بے تاب تھے لیکن آپ کو پہچان نہیں سکتے تھے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے دھوپ سے بچانے کیلئے آپ کے سر پر چادر تانی تو سب کو اس کے سایہ میں آفتاب نبوت نظر آیا۔

آپ قبا سے مدینہ کی خاص آبادی کی طرف چلے تو جانثاروں کا جھرمٹ ساتھ تھا ایک مقام پر آپ ٹھہر گئے اور انصار کو طلب فرمایا سب لوگ حاضر ہوئے اسلام عرض کیا اور کہا کہ سوار ہو جائیے کوئی خطرہ نہیں ہم لوگ فرماں برداری کیلئے حاضر ہیں آپ انصار کی تلوار کے سایہ میں روانہ ہوئے۔

قبا سے مدینہ تک دور وہ جانثاروں کی صفیں تھیں راہ میں انصار کے خاندان آتے تو ہر قبیلہ سامنے آکر عرض کرتا کہ حضور یہ گھر ہے یہ مال ہے یہ طاقت ہے کو کہہ نبوت شہر کے متصل پہنچا تو ایک عام غل پڑ گیا لوگ بالا خانے سے جھانک جھانک کر دیکھتے تھے اور کہتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ آئے رسول اللہ ﷺ آئے۔ پردہ نشین خاتونیں جوش مسرت میں یہ ترانہ گاتی تھیں۔

طلع البدر علينا من ثنيات الوداع وحب الشكر علينا مادعى لله داعى۔
کوہ وداع کی گھاٹیوں کے برج سے بدر کامل طلوع ہوا ہے، جب تک دعا کرنے والے دعا کریں ہم پر شکر واجب ہے۔

جب آپ کی اونٹنی حضرت ابویوب انصاری رضی اللہ عنہ کے دروازہ پر بیٹھ گئی تو قبیلہ بنو نجار کی چھو کر یاں دف بجا بجا کر یہ شعر گانے لگیں۔

نحن جوار من بنى النجار يا حبيذا محمد امن حار۔
ہم خاندان نجار کی لڑکیاں ہیں محمد کیسے اچھے ہمسایہ ہیں

ضیافت رسول ﷺ

اگر خوش قسمتی سے کبھی صحابہ کرام کو رسول اللہ ﷺ کی ضیافت و میزبانی کا شرف حاصل ہو جاتا تھا تو وہ نہایت عزت و محبت اور اب و احترام کے ساتھ اس فرض کو بجالاتے تھے ایک بار ایک انصاری نے خدمت مبارک میں گزارش کی کہ میں نہایت کچم و شیم آدمی ہوں

۱: طبقات جلد سیرۃ النبی صفحہ ۱۵۸۔

۲: بخاری باب ہجرۃ النبی و طبقات جلد سیرۃ نبوی ذکر ہجرت۔

۳: وفاء الوفا جلد ۱ صفحہ ۱۸۷۔

آپ ﷺ ساتھ نماز میں شریک نہیں ہو سکتا۔ آپ ﷺ میرے مکان پر شریف لا کر نماز ادا فرمائی تاکہ میں اسی طرح نماز پڑھا کروں۔ انھوں نے پہلے سے کھانا بھی تیار کر رکھا تھا چنانچہ آپ ﷺ تشریف لائے اور دو رکعت نماز ادا فرمائی۔^۱

ایک بار آپ ﷺ ام حرام رضی اللہ عنہا کے مکان پر تشریف لے گئے انھوں نے کھانا کھلایا اور بیٹھ کر آپ ﷺ کے سر سے جوئیں نکالیں۔^۲

ایک روز آپ ﷺ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے ساتھ حضرت ابوالشیم بن العبیان الانصاری رضی اللہ عنہ کے مکان پر تشریف لے گئے وہ باہر گئے ہوئے تھے آئے تو آپ ﷺ سے لپٹ گئے اور قربان ہونے لگے، پھر سب کو باغ میں لے گئے، فرش بچھایا اور کھجوریں توڑ کر آپ ﷺ کے سامنے رکھ دیں کہ خود دست مبارک سے چن چن کر تناول فرمائیں اس کے بعد اٹھے اور ایک بکری ذبح کی اور سب نے خوب سیر ہو کر کھلایا۔^۳

ایک روز آپ ﷺ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے مکان پر تشریف لے جانے کا وعدہ کیا، انھوں نے نہایت اہتمام کے ساتھ آپ ﷺ کی دعوت کا سامان کیا اور بی بی سے کہا دیکھو رسول اللہ ﷺ آنے والے ہیں تمہاری صورت نظر نہ آئے۔ آپ ﷺ کو کوئی تکلیف نہ دینا آپ ﷺ سے بات چیت نہ کرنا۔ آپ ﷺ تشریف لائے تو بستر بچھایا تکیہ لگایا آپ ﷺ منہ و ف خواب استراحت ہوئے تو غلام کہہ آپ ﷺ کے جاگنے سے پیشتر بکری کے اس بچے کو ذبح کر کے پکاؤ، ایسا نہ ہو کہ آپ ﷺ منہ ہاتھ دھونے کیساتھ ہی روانہ ہو جائیں۔ آپ ﷺ بیدار ہو کر منہ ہاتھ دھونے سے فارغ ہوئے تو فوراً ستر خوان سامنے آیا، آپ ﷺ کھانا کھا، تھے اور قبیلہ بنو سلمہ کے تمام لوگ دور ہی دور سے آپ ﷺ کے دیدار سے مشرف ہوتے تھے کہ قریب آتے تو شاید آپ ﷺ کو تکلیف ہوتی۔ آپ ﷺ کھانے سے فارغ ہو کر روانہ ہوئے تو ان کی بی بی نے پردہ سے کہا ”یا رسول اللہ ﷺ! مجھ پر اور میرے شوہر پر درود بھیجتے جائیے، آپ ﷺ نے فرمایا ”خدا تم پر اور تمہارے شوہر پر رحمت نازل فرمائے۔“^۴

ایک بار آپ ﷺ حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے مکان پر تشریف لے گئے انھوں نے آپ ﷺ غسل کرایا نہانے کے بعد زعفرانی رنگ کی چادر اڑھائی پھر کھانا کھلایا آپ ﷺ رخصت ہوئے تو سواری حاضر کی اور اپنے بیٹے کو ساتھ کر دیا کہ گھر تک پہنچا آئیں۔^۵

۱: ابوداؤد کتاب الصلوٰۃ باب الصلوٰۃ علی الخیر۔ ۲: ایضا کتاب الحجۃ باب فی رکوع البحر فی الغزو

۳: ترمذی ابواب الزہد صفحہ ۳۹۔

۴: مسند ابن حبیل جلد ۳ صفحہ ۲۹۸۔

۵: ابوداؤد کتاب الادب باب کم مرة یسلم الرجل فی الاستبدال۔
محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

کبھی کبھی آپ ﷺ خود کسی چیز کی خواہش ظاہر فرماتے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس کو تیار کر کے پیش کرتے ایک بار آپ نے فرمایا کاش میرے پاس گیہوں کی سفید روٹی تھی اور دودھ میں چڑی ہوئی ہوتی، ایک صحابی فوراً اٹھے اور تیار کر آکر لائے۔^۱

بعض صحابیات خود کوئی نئی چیز پکا کر آپ ﷺ کی خدمت میں پیش کرتی تھیں ایک بار حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا نے آنا چھانا اور اس کی چپاتیاں تیار کر کے آپ کی خدمت میں پیش کیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا یہ کیا ہے؟ بولیں ہمارے ملک میں اسی کاروانج ہے میں نے چاہا کہ آپ ﷺ کیلئے بھی اسی قسم کی چپاتیاں تیار کروں، لیکن آپ ﷺ نے کمال زہد و تقشف سے فرمایا کہ آئے میں چو کر ملاو پھر گوند دو۔^۲

نعت رسول ﷺ

قرآن مجید کے مواعظ اور رسول اللہ ﷺ کے کلمات طیبہ نے اگرچہ عہد صحابہ میں شاعری کے دفتر پر پانی پھیر دیا تھا تاہم بلبانِ باغِ قدس آپ کی مدح میں کبھی کبھی زمرہ خوان ہو جاتے تھے اور چونکہ یہ اشعار سچے دل سے نکلتے تھے اور سچی تعریف پر مشتمل ہوتے تھے اس لئے دلوں پر اثر ڈالتے تھے حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ حضرت کعب بن زہیر رضی اللہ عنہ اور حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کا یہ خاص مشغلہ تھا حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کے چند مدحیہ اشعار بخاری میں مذکور ہیں۔

و فینا رسول اللہ یتلو کتابہ
اذا انشق معروف من الفجر ساطع
ہم میں خدا کا پیغمبر ہے جب صبح نمودار ہوتی ہے تو خدا کی کتاب کی تلاوت کرتا ہے۔
ارانا الہدی بعد العمی فقلوبنا
بہ موقنات ان مقال واقع
گمراہی کے بعد اس نے ہم کو راہِ راست دکھائی اس لئے ہمارے دلوں کو یقین ہے کہ جو
کچھ اس نے کہا وہ ضرور ہو کر رہے گا۔

یلبت یجا فی جنبہ عن فراشہ
اذا ستقلت بالمشرکین المضاجع
وہ راتوں کو شب بیداری کرتا ہے حالانکہ اس وقت مشرکین گہری نیند میں سوتے تھے۔

۱: ایضاً کتاب الاطعمہ باب فی الجمع بین کونین من الطعام۔

۲: سنن ابن ماجہ کتاب الاطعمہ باب الخواری۔

۳: بخاری ابواب الوتر باب فضل من تعار من اللیل فصلی۔

حضرت کعب بن زہیر رضی اللہ عنہ جب آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنا مشہور قصیدہ بانٹ سعاد آپ کے سامنے پڑھا تو آپ نے اس کو سن کر صحابہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ اسکو سنو۔^۱
ایک صحابیہ کی شادی میں چھو کریاں دف بجا بجا کر واقعات بدر کے متعلق اشعار گانے لگیں ان میں سے ایک نے یہ مصرع گایا۔

وفینا نبی يعلم مافی غد

ہم میں ایک پیغمبر ہے جو کل کی بات جانتا ہے

تو آپ نے روک دیا اور کہا کہ ”وہی گاؤ جو پہلے گار ہی تھیں“^۲

حضرت ابو حمزہ سلیم رضی اللہ عنہ شاعر تھے انھوں نے ایک بار عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ! میں نے آپ ﷺ کی اور خدا کی مدح و ثنا لکھی ہے، آپ ﷺ نے فرمایا کہ خدا کی تعریف میں جو کچھ لکھا ہے سناؤ اور میری مدح کو چھوڑ دو۔^۳

رضامندی رسول ﷺ

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم رسول اللہ ﷺ کی ناراضگی سے سخت گھبراتے تھے اور اس سے پناہ مانگتے تھے ایک بار کسی نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے آباء و اجداد میں سے کسی کو برا بھلا کہا، آپ ﷺ کو خبر ہوئی تو فرمایا کہ عباس رضی اللہ عنہ مجھ سے ہیں اور میں عباس رضی اللہ عنہ سے ہوں ہمارے مردوں کو برا بھلا نہ کہو جس سے ہمارے زندوں کے دل دکھیں یہ سن کر صحابہ رضی اللہ عنہم نے کہا کہ ہم آپ کی ناراضی سے پناہ مانگتے ہیں ہمارے لئے استغفار کیجئے۔^۴

ایک بار کسی نے آپ ﷺ سے آپ ﷺ کے روزے کے متعلق سوال کیا جس پر آپ ﷺ کو غصہ آگیا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ حالت دیکھی تو کہا۔

رضینا باللہ ربا وبالا سلام دینا بمحمد نبینا نعوذ باللہ من غضب اللہ و غضب رسولہ۔

ہم نے خدا کو اپنا پروردگار، اسلام کو اپنا دین اور محمد ﷺ کو اپنا پیغمبر بنالیا ہے اور خدا اور خدا کے رسول کے غصہ سے پناہ مانگتے ہیں۔

اسی فقرے کو بار بار دہراتے رہے یہاں تک کہ آپ ﷺ کا غصہ اتر گیا۔^۵

- ۱: اسد الغابہ تذکرہ حضرت کعب بن زہیر۔
- ۲: بخاری کتاب النکاح باب ضرب الدف فی النکاح والولیمہ۔
- ۳: اسد الغابہ تذکرہ حضرت ابن ابی حمزہ اسلمی۔
- ۴: نسائی کتاب الدیات باب القود من الاطمت۔
- ۵: ابوداؤد کتاب الصیام باب فی صوم الدھر تطوعا۔

اس لئے اگر آپ ﷺ کسی ناگوار واقعہ سے مکدر ہو جاتے تھے تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہر ممکن تدبیر سے آپ ﷺ کو راضی کرنا چاہتے تھے آپ نے ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن سے ایلاء کیا تو تمام صحابہ رضی اللہ عنہم پر مصیبت کا پہاڑ ٹوٹ پڑا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ کو راضی کرنا چاہا اور در دولت پر تشریف لے گئے دربان نے بے التفائی کی تو سمجھے کہ شاید آپ ﷺ کو یہ خیال ہے کہ لڑکی حفصہ رضی اللہ عنہا کی خاطر آئے ہیں۔ اس لئے دربان سے کہا کہ اگر آپ ﷺ کا یہ خیال ہے تو کہہ دو کہ خدا کی قسم آپ ﷺ حکم دیں تو حفصہ رضی اللہ عنہا کی گردن اڑا دوں۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو پہلے سے بار مل چکا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ آئے تو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کے ہنسانے کیلئے کہا کہ اگر بنت خارجہ (حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی بی بی) مجھ سے نان و نفقہ طلب کرتیں تو میں اٹھ کے ان کی گردن توڑ دیتا۔ آپ ﷺ ہنس پڑے اور ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کی طرف اشارہ کر کے فرمایا یہ لوگ مجھ سے نفقہ ہی تو مانگ رہی ہیں۔ دونوں بزرگ اٹھے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کی گردن توڑنی چاہی اور کہا کہ رسول اللہ ﷺ سے وہ چیز مانگتی ہو جو آپ ﷺ کے پاس نہیں ہے۔

حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ سے جب آپ نے ناراض ہو کر قطع کلام کر لیا اور تمام صحابہ کو بھی یہ حکم دیا تو ان کو سب سے زیادہ آپ کی رضامندی کی فکر تھی آپ نماز کے بعد مسجد میں تھوڑی دیر تک بیٹھا کرتے تھے اس حالت میں وہ آتے اور سلام کرتے اور دل میں کہتے کہ لبھائے مبارک کو سلام کے جواب میں حرکت ہوئی یا نہیں۔ پھر آپ ﷺ ہی کے متصل نماز پڑھتے اور کنکھیوں سے آپ ﷺ کی طرف دیکھتے جاتے۔

آپ ﷺ حجتہ الوداع کیلئے تشریف لے گئے تو تمام بیویاں ساتھ تھیں، سوء اتفاق سے راستہ میں حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کا اونٹ تھک کر بیٹھ گیا وہ رونے لگیں آپ کو خبر ہوئی تو خود تشریف لائے اور دست مبارک سے ان کے آنسو پوچھے آپ جس قدر ان کو رونے سے منع فرماتے تھے اسی قدر وہ اور زیادہ روتی تھیں جب کسی طرح چپ نہ ہوئیں تو آپ نے ان کو سرزنش فرمائی اور تمام لوگوں کو منزل کرنے کا حکم دیا اور خود بھی اپنا خیمہ نصب کر دیا حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کو خیال ہوا کہ آپ ﷺ ناراض ہو گئے۔ اس لئے آپ ﷺ کی رضامندی کی تدبیریں اختیار کیں۔ اس غرض سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے

۱: مسلم کتاب الرضاع باب بیان ان تحبیر امرته لا یکنون طلاقاً الا بالثتہ و با فی الایلا واعتزال

النساء و تحبیرہیں و قولہ تعالیٰ وان تظاہرا علیہ۔

۲: بخاری کتاب المغازی ذکر غزوہ تبوک۔

پاس گئیں اور کہا کہ آپ کو معلوم ہے کہ میں اپنی باری کا دن کسی چیز کے معاوضہ میں نہیں دے سکتی! لیکن اگر آپ رسول اللہ ﷺ کو مجھ سے راضی کر دیں تو میں اپنی باری آپ ﷺ کو دیتی ہوں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے آملاگی ظاہر کی اور ایک دوپٹہ اوڑھا جو زعفرانی رنگ میں رنگا ہوا تھا پھر اس پر پانی چھڑکا کہ خوشبو اور پھلے اس کے بعد بن سنور کر آپ کے پاس گئیں اور خیمہ کا پردہ اٹھایا تو آپ نے فرمایا کہ عائشہ یہ تمہارا دن نہیں ہے بولیں۔

ذلک فضل اللہ بوثہ من یشاء۔^۱

یہ خدا کا فضل ہے جس کو چاہتا ہے دیتا ہے۔

آپ ﷺ اکثر اپنی ناراضی کا اظہار اعلانیہ طور پر نہیں فرماتے تھے لیکن جب صحابہ رضی اللہ عنہم کو آپ ﷺ کے چشم ابرو سے اس کا احساس ہو جاتا تھا تو فوراً آپ ﷺ کو راضی کرتے تھے۔ ایک بار آپ ﷺ ایک راستہ سے گزرے راہ میں ایک بلند خیمہ نظر سے گزرا تو فرمایا یہ کس کا ہے؟ لوگوں نے ایک انصاری کا نام بتایا، آپ ﷺ کو یہ شان و شوکت ناگوار ہوئی مگر اس کا اظہار نہیں فرمایا، کچھ دیر کے بعد انصاری بزرگ آئے اور سلام کیا لیکن آپ ﷺ نے ناراضی سے منہ پھیر لیا۔ بار بار یہی واقعہ پیش آیا تو انھوں نے دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم سے آپ ﷺ کی ناراضی کی شکایت کی ناراضی کا سبب معلوم ہوا تو انھوں نے خیمہ کو گرا کر زمین کے برابر کر دیا۔^۲

ناراضی کے بعد اگر رسول اللہ ﷺ خوش ہو جاتے تو گویا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو دولت جاوید مل جاتی۔ ایک بار آپ ﷺ سفر میں تھے حضرت ابورہم غفاری رضی اللہ عنہ کی اونٹنی آپ ﷺ کے ناقہ کے پہلو پہ پہلو جا رہی تھی۔ حضرت ابورہم رضی اللہ عنہ کے پاؤں میں سخت چمڑے کے جوتے تھے، اونٹنیوں میں مزاحمت ہوئی تو ان کے جوتے کی نوک سے آپ ﷺ کی ساق مبارک میں خراش آگئی اور آپ ﷺ نے ان کے پاؤں میں کوڑا مار کر کہا تم نے مجھے دکھ دیا پاؤں ہٹاؤ۔ وہ سخت گھبرائے کہ کہیں میرے بارے میں کوئی آیت نازل نہ ہو جائے، مقام جحرانہ میں پہنچے تو گوان کی اونٹ چرانے کی باری نہ تھی۔ تاہم اس خوف سے کہ کہیں رسول اللہ ﷺ کا قاصد میرے بلانے کیلئے نہ آجائے صحرا میں اونٹ چرانے کیلئے نکل گئے۔ شام کو پائے تو معلوم ہوا کہ آپ ﷺ نے طلب فرمایا تھا مضطربانہ حاضر خدمت ہوئے آپ ﷺ نے فرمایا مجھے تم نے اذیت پہنچائی اور میں نے بھی تمہیں کوڑا مارا جس سے تمہیں اذیت پہنچی۔ اس کے عوض میں یہ بکریاں لو، ان کا بیان ہے کہ آپ ﷺ کی یہ رضامندی میرے لئے دنیا و مافیہا سے زیادہ محبوب تھی۔^۳

۱: مسند ابن فضال جلد ۶ صفحہ ۳۳۸۔ ۲: ابوداؤد کتاب الادب باب ما جاء فی التباء۔

۳: طبقات ابن سعد تذکرہ حضرت ابورہم غفاری۔

ماتم رسول ﷺ

رسول اللہ ﷺ کے ساتھ صحابہ کرام کو جو محبت تھی اس کا اثر آپ کی زندگی میں جن طریقوں سے ظاہر ہوتا تھا اس کا حال اوپر گزر چکا لیکن آپ کی وفات کے بعد اس محبت کا اظہار صرف گریہ و بکا آہ و فریاد اور نالہ و شیون کے ذریعہ سے ہو سکتا تھا اور صحابہ کرام ﷺ نے آپ ﷺ کے ماتم میں یہ درد انگیز صدائیں اس زور سے بلند کیں کہ مدینہ بلکہ کل عرب کے درو دیوار ہل گئے۔ آپ ﷺ پر موت کے آثار بتدریج طاری ہوئے جمعرات کے دن مرض میں اشتداء پیدا ہوا حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کو جب یہ دن یاد آتا تھا تو کہتے تھے کہ جمعرات کا دن جمعرات کا کون سا دن؟ وہ جس میں آپ ﷺ کے مرض میں ترقی ہوئی نزع کا وقت قریب آیا تو غشی طاری ہوئی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے یہ حالت دیکھی تو بے اختیار چیخ اٹھیں دا کرب اباء، ہائے میرے باپ کی تکلیفیں آپ ﷺ کا وصال ہوا تو یہ الفاظ کہہ کر آپ ﷺ پر روئیں،

ويا ابتاه اجارب رباده يا ابتاه من جنته الفردوس ماواه يلا تباہ الى
جبرائیل تعاه۔

لوگ آپ ﷺ کو دفن کر کے آئے تو انہوں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے نہایت درد انگیز لہجے میں پوچھا کیوں انس رضی اللہ عنہ کیا رسول اللہ ﷺ پر خاک ڈالنا تم کو گوارا تھا؟
حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد مجھے کسی کا مرض الموت نہیں کھلتا۔

یہ تو اہل بیت کی حالت تھی اہل بیت کے علاوہ اور تمام صحابہ کا حلقہ ماتم مسجد نبوی ﷺ میں قائم تھا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ لوگوں کو یقین دلارہے تھے کہ ابھی آپ ﷺ کا وصال ہی نہیں ہو سکتا۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے آکر یہ حالت دیکھی تو کسی سے بات چیت نہیں کی۔ سیدھے آپ ﷺ کی لاش مبارک تک چلے گئے منہ کھول کر آپ ﷺ کے چہرہ مبارک کو بوسہ دیا اور روئے وہاں سے نکل کر لوگوں کو سمجھایا تو سب کو آپ ﷺ کی موت کا یقین آیا۔
ایک شخص صحابہ رضی اللہ عنہ سے قاق و اضطراب کا یہ عالم دیکھ کر مدینہ سے عمان آیا تو لوگوں کو آپ ﷺ کے وصال کی خبر دی اور کہا کہ میں مدینہ کے لوگوں کو ایسے حال میں چھوڑ آیا ہوں کہ ان کے سینے دیکھی کی طرح ابال کھارہے ہیں۔
حضرت عبداللہ بن ابی لیلیٰ انصاری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے وصال کے وقت میں بچہ تھا لوگ اپنے سروں اور کپڑوں پر

۱: بخاری کتاب المغازی باب مرض النبیؐ۔

۲: اصحابہ تذکرہ خمیسہ۔

خاک ڈال رہے تھے اور میں کے گریہ و بکا کو دیکھ کر روتا تھا۔^۱
 مدینہ کے باہر جب یہ وحشت ناک خبر پہنچی تو قبیلہ بابلہ کے لوگوں نے اس ماتم میں اپنے
 خیمے گرا دیئے اور متصل سات دن تک ان کو کھڑا نہیں کیا۔^۲

تفویض الی الرسول ﷺ

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اپنی ذاتی حیثیت بالکل فنا کر دی تھی اور اپنی ذات اور اپنی آل و اولاد
 کو رسول اللہ ﷺ کے حوالے کر دیا تھا حضرت فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا ایک صحابیہ
 تھیں ان سے ایک طرف تو حضرت عبدالرحمن بن عوف جو نہایت دولتمند صحابی تھے نکاح
 کرنا چاہتے تھے دوسری طرف آپ ﷺ نے حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کے متعلق ان
 سے گفتگو کی تھی جن کی فضیلت یہ تھی کہ آپ ﷺ نے فرمایا تھا کہ جو مجھے دوست رکھتا ہے
 چاہئے کہ اسامہ کو بھی دوست رکھے لیکن حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے آپ ﷺ کو اپنی
 قسمت کا مالک بنا دیا اور کہا کہ میرا معاملہ آپ ﷺ کے ہاتھ میں ہے۔
 جس سے چاہیے نکاح کر دیجئے۔^۳

حضرت ابو امامہ اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ انصاری اپنی تین لڑکیوں کے نکاح کے متعلق آپ کو
 وصیت کر گئے تھے جن میں آپ نے حضرت فریعہ رضی اللہ عنہا کا نکاح جمیط بن جابر سے کر دیا۔^۴
 انصار کا یہ معمول تھا کہ آنحضرت ﷺ کی رضامندی جانے بغیر اپنی بیواؤں کی شادی
 نہیں کرتے تھے ایک دن آپ نے ایک انصاری سے فرمایا تم اپنی لڑکی کا نکاح مجھ سے کر دو وہ تو
 منتظر ہی تھے باغ باغ ہو گئے لیکن آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں اپنے لئے نہیں بلکہ حبیب کیلئے
 پیغام دیتا ہوں۔ حبیب ایک ظریف اطمینان صحابی تھے جو عورتوں کے ساتھ ظرافت اور مذاق کی
 باتیں کیا کرتے تھے۔ اس لئے صحابہ رضی اللہ عنہم ان کو عموماً ناپسند کرتے تھے انھوں نے حبیب کا نام
 سنا تو بولے اس کی ماں سے مشورہ کر لوں ماں نے حبیب کا نام سنا تو انکار کیا لیکن لڑکی نے کہا
 رسول اللہ ﷺ کی بات نامنظور نہیں کی جاسکتی مجھے آپ ﷺ کے حوالہ کر دو آپ ﷺ مجھے
 ضائع نہ کریں گے۔^۵

۱: اسد الغابہ تذکرہ حضرت عبداللہ بن ابی لیلیٰ۔

۲: اصحابہ تذکرہ جم بن کلدہ باہلی۔

۳: نسائی کتاب النکاح الخطبہ فی النکاح۔

۴: اسد الغابہ تذکرہ فریعہ بنت ابی امامہ۔

۵: مسند جلد ۴ صفحہ ۴۲۲۔

ہیبت رسول ﷺ

رسول اللہ ﷺ کے وقار و عظمت کی بنا پر صحابہ کرام ؓ آپ ﷺ کے سامنے اس قدر مرعوب ہو جاتے تھے کہ جسم میں رعب پڑ جاتا تھا ایک بار ایک صحابی نے آپ ﷺ کے ساتھ نماز پڑھی لیکن دو شخص جو مسجد کے ایک گوشہ میں تھے شریک نماز نہیں ہوئے آپ ﷺ نے ان کو باز پرس کیلئے طلب فرمایا تو وہ اس قدر مرعوب ہوئے کہ جسم میں لرزہ پڑ گیا۔^۱ ایک صحابی نے آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر آپ ﷺ سے بات چیت کی لیکن ان پر اس قدر جلال نبوت طاری ہوا کہ جسم میں رعب پڑ گیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا گھبراؤ نہیں میں تو اس عورت کا لڑکا ہوں جو گوشت کے سوکھے ٹکڑے کھایا کرتی تھی۔^۲

ایک بار ایک صحابی نے آپ کو مسجد میں اکڑوں بیٹھے ہوئے دیکھا ان پر آپ کے اس خضوع و خشوع کی حالت کا یہ اثر پڑا کہ کانپ اٹھیں۔^۳

اس رعب و داب کا یہ اثر تھا کہ صحابہ کرام ؓ آپ ﷺ کو کسی بات پر ٹوک نہیں سکتے تھے۔ ایک بار آپ پر عصر یا ظہر کی نماز میں نسیان طاری ہو گیا، اور صرف دو رکعتیں ادا فرمائیں بہت سے صحابہ ؓ مسجد سے یہ کہتے ہوئے نکل آئے کہ رکعات نماز میں کمی کر دی گئی جماعت میں حضرت ابو بکر ؓ، حضرت عمر ؓ، بھی شریک تھے لیکن آپ ﷺ کی ہیبت سے کچھ پوچھ نہیں سکتے تھے۔ بالا آخر حضرت زوالیدین ؓ نے آپ ﷺ سے دریافت فرمایا کہ آپ ﷺ بھول گئے یا نماز میں کمی ہو گئی، تمام صحابہ ؓ نے اس کی تصدیق کی لیکن زبان نہ مل سکی بلکہ اشاروں میں حضرت زوالیدین ؓ کی تائید کی۔^۴

حضرت عمرو بن العاص ؓ فاتح مصر بڑے پایہ کے صحابی تھے، لیکن ان کا بیان ہے کہ میں آپ ﷺ کا حلیہ نہیں بیان کر سکتا، کیونکہ میں نے آپ ﷺ کو کبھی آنکھ بھر کر دیکھنے کی جرات نہیں کی۔^۵

آپ ﷺ حجتہ الوداع میں ناقہ پر سوار ہو کر نکلے تو آپ ﷺ کے ہاتھ میں درہ تھا، لوگوں پر اس قدر ہیبت طاری تھی کہ کہتے تھے، طبیطہ طبیطہ، یعنی اس کوڑے سے بچتے رہو۔^۶

۱: ابوداؤد کتاب الصلوٰۃ باب فیمن صلی فی منزله ثم ادرك الجماعة یصلی معهم

۲: سنن ابن ماجہ کتاب الاطعمہ باب القدر

۳: شاکل ترمذی باب ماجاء فی حبس رسول اللہ

۴: ابوداؤد کتاب الصلوٰۃ باب السہو فی السجدة

۵: مسلم کتاب الامن باب کون الاسلام یدہما قبلہ و کذا الحج والعمرة

۶: ابوداؤد کتاب الزکاة باب تزویج من لم یولد

صحابہ کرام ؓ کے بچوں تک کے رگ وریشہ میں آپ ﷺ کا رعب و ادب سرایت کر گیا تھا، ایک بار حضرت لیاز ؓ بچپن میں باپ کے ساتھ آپ کی خدمت میں گئے، آپ کا دیدار ہوا تو ان کے باپ نے پوچھا کہ جانتے ہو کہ کون ہیں؟ بولے نہیں، کہا کہ رسول اللہ ﷺ ہیں۔ یہ سنتے کے ساتھ ہی ان کے بدن کے رونگٹے کھڑے ہو گئے؟ ان کا خیال تھا کہ آپ کی شکل و صورت آدمیوں سے مختلف ہوگی، لیکن ان کو نظر آیا کہ آپ ﷺ بھی آدمی ہی ہیں، اور آپ ﷺ کے سر پر لمبے لمبے بال ہیں۔^۱

اطاعت رسول ﷺ

صحابہ کرام ؓ جس طوع و رضاء کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کرتے تھے اس کے متعلق احادیث میں نہایت کثرت سے واقعات مذکور ہیں، ذیل کے چند واقعات سے ان کا اندازہ ہو سکے گا۔

ایک بار حضرت زینب رضی اللہ عنہا اپنے کپڑے رنگوار ہی تھیں، آپ گھر میں آئے تو لٹے پاؤں واپس گئے۔ آپ ﷺ نے اگرچہ منہ سے کچھ نہیں فرمایا تھا، تاہم حضرت زینب رضی اللہ عنہا آپ ﷺ کی نگاہ عتاب ماز گئیں اور تمام کپڑوں کے رنگ کو دھو ڈالا۔

آپ ﷺ نے ایک صحابی کو ایک رنگین چادر اوڑھے ہوئے دیکھا تو فرمایا، یہ کیا ہے؟ وہ سمجھ گئے کہ آپ ﷺ نے ناپسند فرمایا، فوراً گھر میں آئے اور اس کو چو لہے میں ڈال دیا۔^۲

حضرت خرم اسدی رضی اللہ عنہا ایک صحابی تھے جو نیچی تہ بند باندھتے تھے، اور لمبے بال رکھتے تھے، ایک روز آپ ﷺ نے فرمایا، خرم اسدی کتنا اچھا آدمی تھا، اگر لمبے بال نہ رکھتا اور نیچی تہ بند نہ باندھتا، ان کو معلوم ہوا تو فوراً قینچی منگوائی، اس سے بال کترے اور تہ بند اونچی کر لی۔^۳

بی بی سب کو عزیز ہے، لیکن جب آپ ﷺ تخلف غزوہ تبوک کی بنا پر تمام مسلمانوں کو حضرت کعب بن مالک ؓ سے قطع تعلق کر لینے کا حکم دیا اور اخیر میں ان کو بی بی سے علیحدگی اختیار کرنے کی ہدایت فرمائی، تو بولے، طلاق دے دوں یا اور کچھ، لیکن آپ کے قاصد نے کہا صرف علیحدگی مقصود ہے، چنانچہ انہوں نے فوراً بی بی کو میکے میں بھیج دیا۔^۴

شادی بیاہ کا معاملہ نہایت نازک ہوتا ہے لیکن صحابہ کرام ؓ کو اطاعت رسول نے ان معاملات میں غور و فکر کرنے سے بے نیاز کر دیا تھا، حضرت ربیعہ اسلمی ؓ ایک نہایت

۱: مسند ابن خنبل جلد ۲ صفحہ ۲۲۶۔

۲: ابوداؤد کتاب اللباس باب فی الحمرة۔

۳: ایضاً باب ما جاء فی اسبال الازار۔

۴: بخاری کتاب المغازی باب غزوہ تبوک۔

مفلس صحابی تھے۔ ایک بار آپ ﷺ نے ان کو نکاح کرنے کا مشورہ دیا، اور کہا کہ، جاؤ انصار کے فلاں قبیلہ میں نکاح کرلو، وہ آئے اور کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے تمہارے یہاں فلاں لڑکی سے نکاح کرنے کیلئے بھیجا ہے، سب نے ان کا خیر مقدم کیا اور کہا کہ رسول اللہ ﷺ کا قاصد، ناکامیاب نہیں جاسکتا، چنانچہ فوراً انہوں نے اس کی تعمیل کی۔^۱

پابندی احکام رسول ﷺ

رسول اللہ ﷺ کے جو احکام وقتی ہوتے تھے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم فوراً ان کی تعمیل کرتے تھے، اور جو دائمی ہوتے ہمیشہ ان کے پابند رہتے تھے، اور اس کے خلاف کبھی ان سے کوئی حرکت صادر نہیں ہوتی تھی۔

آپ ﷺ کے زمانہ میں عورتیں بھی شریک جماعت ہوتی تھیں، اس حالت میں اقتضائے کمال عفت و عصمت یہ تھا کہ ان کیلئے مسجد کا ایک دروازہ مخصوص کر دیا جائے اس بناء پر آپ ﷺ نے ایک روز ارشاد فرمایا۔

لو تر کنا هذا الباب للنساء۔

کاش ہم یہ دروازہ صرف عورتوں کیلئے چھوڑ دیتے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے اس شدت کے ساتھ اس کی پابندی کی کہ تادم مرگ اس دروازہ سے مسجد میں داخل نہیں ہوئے۔^۲

رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا تھا:

من زار قوما فلا یومہم ولیومہم رجل منهم۔

جو شخص کسی قوم کے یہاں جائے، وہ ان کی امامت نہ کرے بلکہ خود اسی قوم کا کوئی شخص ان کی امامت کرے۔

ایک بار حضرت مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ ایک قوم کی مسجد میں آئے، لوگوں نے امامت کی درخواست کی تو انہوں نے انکار کر دیا کہ رسول اللہ ﷺ نے اس سے منع فرمایا ہے،^۳

ایک بار حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نماز پڑھ رہے تھے، ایک قریشی نوجوان سامنے سے گزرا انہوں نے ایک کوڑھکیل دیا وہ باز نہ آیا، پھر ڈھکیلا، وہ نہ رکا، تیسری بار پھر ڈھکیلا، نماز پڑھ چکے، تو فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ نماز کو اگرچہ کوئی چیز توڑ نہیں سکتی، تاہم اگر کوئی چیز سامنے آجائے تو جہاں تک ممکن ہو اس کو دفع کرو، کیونکہ وہ شیطان ہے۔^۴

۱: مسند ابن فضال ج ۳ ص ۵۸۔ ۲: ابوداؤد کتاب الصلوٰۃ باب التشدید فی ذالک۔

۳: ابوداؤد کتاب الصلوٰۃ باب لئلا یزیر۔ ۴: ابوداؤد کتاب الصلوٰۃ باب من قال لا یقطع الصلوٰۃ شی۔

ایک بار آپ نے فرمایا کہ جس شخص نے غسل جنابت میں ایک بال کو بھی خشک، چھوڑ دیا، اس پر دوزخ میں یہ عذاب ہوگا، حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اس پر جس شدت سے عمل کیا اس کو خود انہوں نے بیان کیا ہے۔

فمن ثم عادیت راسی فمن ثم عادیت راسی۔^۱

یعنی اسی دن سے میں نے اپنے سر سے دشمنی کر لی ہو دشمنی کر لی، (یعنی برابر بال ترشواتے رہے)۔

رسول اللہ ﷺ نے شوہر کے علاوہ اور اعزہ کے ماتم کیلئے صرف تین دن مقرر فرمائے تھے، صحابیات رضی اللہ عنہن نے اس کی شدت کے ساتھ پابندی کی کہ جب حضرت زینب بنت جہش رضی اللہ عنہا کے بھائی کا انتقال ہو گیا، تو (غالباً چوتھے دن) انہوں نے خوشبو لگائی، اور کہا کہ مجھ کو خوشبو کی کوئی ضرورت نہ تھی، لیکن میں نے آپ ﷺ سے منبر پر سنا ہے کہ کسی مسلمان عورت کو شوہر سے سوا تین دن سے زیادہ کسی کا ماتم کرنا جائز نہیں اس لئے یہ اسی حکم کی تعمیل تھی۔

جب حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کے والد نے انتقال کیا تو انہوں نے تین روز کے بعد اپنے رخساروں پر خوشبو ملی اور کہا کہ مجھے اس کی ضرورت نہ تھی، صرف اس حکم کی تعمیل مقصود تھی۔^۲

پہلے یہ دستور تھا کہ جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سفر جہاد میں منزل پر قیام فرماتے تھے، تو ادھر ادھر پھیل جاتے تھے، ایک بار آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ تفرق و تشتت شیطان کا کام ہے۔ اسکے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اسکی اس شدت کے ساتھ پابندی کی کہ جب منزل پر اترے تھے تو اس قدر سمٹ جاتے تھے کہ اگر ایک چادر تان لی جاتی تو سب کے سب اسکے نیچے آ جاتے۔^۳

رسول اللہ ﷺ نے تجارت کے متعلق جو احکام جاری فرمائے تھے ان میں ایک یہ تھا۔

لا بیع حاضر لباد۔

شہری آدمی بدوؤں کا مال نہ بکوائے (یعنی اس کا دلال نہ بنے)۔

ایک بار ایک بدو کچھ مال لے کر آیا تو حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ کے یہاں اترالین انہوں نے کہا میں خود تو تمہارا سودا نہیں بکواسکتا، البتہ بازار میں جاؤ، بائع کی تلاش کرو میں صرف مشورہ دے دوں گا۔^۴

۱: ابوداؤد کتاب الطہارۃ باب فی غسل من الجنۃ حدیث میں ہے کہ یہ فقرہ انہوں نے تین مرتبہ فرمایا۔

۲: ابو داؤد کتاب الطلاق باب احد اد المتوفی عنہا زوجہا۔

۳: ایضاً کتاب الجہاد باب ما یومر من انضمام العسک۔

۴: ایضاً کتاب البیوع باب فی النہی ان بیع حاضر لباد۔

حضرت حذیفہ ؓ کے سامنے مدین کے ایک رئیس نے چاندی کے برتن میں پانی پیش کیا، انہوں نے اس کو اٹھا کر پھینک دیا اور فرمایا کہ میں نے اس کو منع تھا، یہ باز نہ آیا، رسول اللہ ﷺ نے اس کی ممانعت فرمائی ہے۔^۱

رسول اللہ ﷺ نے پہلے یمن کی گورنری پر حضرت ابو موسیٰ اشعری ؓ کو روانہ فرمایا ان کے بعد حضرت معاذ بن جبل ؓ کو بھیجا حضرت معاذ بن جبل ؓ آئے تو حضرت ابو موسیٰ اشعری ؓ کے سامنے ایک مجرم کو دیکھا حضرت ابو موسیٰ اشعری ؓ نے سواری سے اترنے کیلئے کہا لیکن انھوں نے مجرم کی طرف اشارہ کر کے پوچھا یہ کون ہے؟ بولے یہودی تھا اسلام لا کر مرتد ہو گیا ہے فرمایا جب تک خدا اور رسول ﷺ کے حکم کے مطابق قتل نہ کر دیا جائے گا میں نہ بیٹھوں گا۔ انھوں نے بیٹھنے پر اصرار کیا لیکن ان کا یہی جواب تھا چنانچہ جب وہ قتل ہو چکا تو سواری سے اترے۔^۲

ایک بار حضرت ابو بکر ؓ ایک مجلس میں آئے ایک شخص نے اٹھ کر ان کیلئے اپنی جگہ خالی کر دی تو انھوں نے اس کی جگہ بیٹھنے سے انکار کیا اور کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے اس سے منع فرمایا ہے۔^۳

ایک بار حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس ایک سائل آیا انھوں نے اس کو روٹی کا ایک ٹکڑا دے دیا پھر اس کے بعد ایک خوش لباس شخص آیا تو انھوں نے اس کو بٹھا کر کھانا کھلایا لوگوں نے اس تفریق پر اعتراض کیا تو بولیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے۔
انزلوا الناس منازلہم۔

ہر شخص سے اس کے درجہ کے مطابق برتاؤ کرو۔

ایک بار آپ ﷺ مسجد سے نکل رہے تھے دیکھا کہ راستے میں مرد اور عورتیں مل جل کے چل رہے ہیں عورتوں کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا پیچھے رہو تم وسط راہ سے نہیں گزر سکتیں اس کے بعد یہ حال ہو گیا کہ عورتیں اس قدر گلی کے کنارے سے چلتی تھیں کہ ان کے کپڑے دیواروں سے الجھ جاتے تھے۔^۵

۱: ایضاً کتاب الاشریہ باب الثرب فی آتیۃ الذهب والفضۃ۔

۲: ابوداؤد کتاب الحدود باب الحکم فی من ارتد، لیکن اس کے بعد کی روایت میں ہے کہ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ نے اس کو تقریباً ۲۰ دن تک سمجھایا، پھر حضرت معاذؓ کو سمجھایا، لیکن جب وہ راہ راست پر نہ آیا تو قتل کر دیا۔

۳: ایضاً کتاب الادب بابی النخل۔

۴: ابوداؤد کتاب الادب باب فی تنزیل الناس منازلہم۔

۵: ابوداؤد کتاب الادب باب فی مستنسی لنساء فی الطریق۔

حضرت محمد بن اسلم ؓ نہایت کبیر السن صحابی تھے لیکن جب بازار سے پلٹ کر گھر آتے اور چادر اتارنے کے بعد یاد آتا کہ انھوں نے مسجد نبوی میں نماز نہیں پڑھی تو کہتے کہ خدا کی قسم میں نے مسجد رسول اللہ میں نماز نہیں پڑھی، حالانکہ آپ نے ہم سے فرمایا تھا کہ جو شخص مدینہ میں آئے تو جب تک اس مسجد میں دو رکعت نماز پڑھ لے گھر کو واپس نہ جائے یہ کہہ کر چادر اٹھاتے اور مسجد نبوی میں دو رکعت نماز پڑھ کر گھر واپس آتے۔^۱

غزوہ احزاب میں آپ نے حضرت حدیفہ ؓ کو حکم دیا کہ کفار کی خبر لائیں لیکن ان سے چھیڑ چھاؤ نہ کریں وہ آئے تو دیکھا کہ ابوسفیان آگ تاپ رہے ہیں کمان میں تیر جوڑ لیا اور نشانہ لگانا چاہا لیکن رسول اللہ ﷺ کا حکم یاد آگیا اور رک گئے۔^۲

جو صحابہ رافع بن ابی الحقیق یہودی کے قتل کرنے کیلئے گئے تھے ان کو رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا تھا کہ اس کے بچوں اور عورتوں کو نہ قتل کریں ان لوگوں نے اس شدت کے ساتھ اس حکم کی پابندی کی کہ ابن ابی الحقیق کی عورت نے باوجودیکہ اس قدر شور کیا کہ قریب تھا کہ ان کا راز فاش ہو جاتا لیکن ان لوگوں نے صرف آپ ﷺ کے حکم کی بنا پر اس پر ہاتھ اٹھانا پسند نہ کیا۔^۳

ادب حرم نبوی ﷺ

رسول اللہ ﷺ کے تعلق سے صحابہ کرام ؓ ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کا اس قدر ادب کرتے تھے کہ جب آپ ﷺ کی ایک حرم محترم نے انتقال کیا تو حضرت عبداللہ بن عباس ؓ سجدے میں گر پڑے لوگوں نے کہا آپ اس وقت سجدہ کرتے ہیں۔ بولے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ جب قیامت کی کوئی نشانی دیکھو تو سجدہ کر لیا کرو پھر ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کی موت سے بڑھ کر قیامت کی کون سی نشانی ہوگی۔^۴

مقام سرف میں حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کا جنازہ اٹھایا گیا تو حضرت عبداللہ بن عباس ؓ بھی ساتھ تھے بولے کہ یہ میمونہ رضی اللہ عنہا ہیں ان کا جنازہ اٹھاؤ تو مطلق حرکت و جنبش نہ دو۔^۵

بعض صحابہ ؓ عزت و محبت کی وجہ سے ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن پر اپنی

۱: اسد الغابہ تذکرہ حضرت محمد بن اسلم۔

۲: مسلم کتاب الجہاد باب غزوۃ الاحزاب۔

۳: مؤطا امام مالک کتاب الجہاد باب النهی عن قتل النساء والولدان فی الغزو۔

۴: ابوداؤد کتاب الصلوۃ باب السجود عند الآیات۔

۵: نسائی کتاب النکاح ذکر امر رسول اللہ فی النکاح وازواجه دما اباح اللہ عزوجل النبیۃ۔

جائید اویں وقف کرتے تھے۔ چنانچہ حضرت عبدالرحمن بن عوف نے ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کو ایک جائیداد دی تھی، جو چالیس ہزار پر فروخت کی گئی اور ایک باغ بھی وقف کیا تھا جو چار لاکھ پر فروخت کیا گیا۔^۱

خلفاء ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے ادب و احترام کا اس قدر لحاظ رکھتے تھے کہ حضرت عمر ؓ نے اپنے زمانہ خلافت میں ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کی تعداد کے لحاظ سے نوپالے تیار کرائے تھے جب ان کے پاس میوہ یا اور کوئی عمدہ چیز آتی تو ان پیالوں میں رکھ کے تمام ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کی خدمت میں بھیجتے تھے۔^۲

۲۳ھ میں جب حضرت عمر ؓ نے حج کیا تو ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کو بھی نہایت ادب و احترام کے ساتھ ہمراہ لے گئے حضرت عثمان ؓ اور حضرت عبدالرحمن بن عوف ؓ کو سوار یوں کے ساتھ کر دیا تھا اور یہ لوگ آگے پیچھے چلتے تھے اور کسی کو سوار یوں کے قریب نہیں آنے دیتے تھے ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن منزل پر اترتی تھیں تو خود حضرت عمر ؓ کے ساتھ قیام کرتی تھیں حضرت عثمان ؓ اور حضرت عبدالرحمن بن عوف ؓ کسی کو قیام گاہ کے متصل آنے کی اجازت نہیں دیتے تھے۔^۳

۱: ترمذی کتاب المناقب مناقب حضرت عبدالرحمن بن عوف۔

۲: موطائے امام مالک کتاب الزکوٰۃ باب جزیه اهل الکتاب والمجوس۔

۳: طبقات ابن سعد تذکرہ حضرت عبدالرحمن بن عوف۔

فضائل اخلاق

مسکین نوازی

صحابہ کرام ؓ اس قدر مسکین نواز تھے کہ حضرت عبداللہ بن عمر ؓ کسی مسکین کی شرکت کے بغیر کھانا نہیں کھاتے تھے ان کے سامنے جب دسترخوان چنا جاتا اور اتفاق سے کسی معزز شخص کا گزر ہو جاتا تو ان کے اہل و عیال اس کو شریک طعام کر لیتے لیکن وہ خود اسکو نہ بلا تے البتہ جب کوئی مسکین سامنے سے گزرتا تو اس کو ضرور شریک طعام کرتے اور کہتے کہ یہ لوگ اسکو بلا تے ہیں جسکو کھانے کی خواہش نہیں اور اسکو چھوڑ دیتے ہیں جسکو کھانے کی خواہش ہے۔ ایک بار ان کو مچھلی کھانے کی خواہش ہوئی آپ کی بیوی صفیہ بڑے اہتمام سے لذیذ مچھلی تیار کی ابھی دسترخوان چنایا گیا تھا کہ کانوں میں ایک مسکین کی صدا آئی فرمایا اسکو دے دو بیوی کو عذر ہوا لیکن وہ اسی پر اصرار کرتے رہے بلا آخر مسکین کو ایک دینار دے کر راضی کر لیا گیا۔

ایک بار لوگوں نے ان کی بیوی کو ملامت کی کہ تم اچھی طرح ان کی خدمت نہیں کرتیں بولیں کیا کروں، ان کیلئے جب کھانا تیار کیا جاتا ہے تو کسی مسکین کو ضرور شریک کر لیتے ہیں چنانچہ اس کے انسداد کیلئے جو فقراء و مسکین ان کے راستے میں بیٹھتے تھے انھوں نے ان سے کہلا بھیجا کہ اب ان کے راستے میں نہ بیٹھو، وہ مسجد سے نماز پڑھ کے نکلے تو ان لوگوں کو گھر سے بلوا بھیجا، ان کی بیوی نے ان سے کہہ دیا تھا کہ بلائے پر بھی نہ آنا چنانچہ وہ لوگ نہ آئے تو اس رات کو کھانا نہیں کھایا۔^۱

حضرت حارثہ بن النعمان ؓ اندھے ہو گئے تھے اس لئے اپنے مصلیٰ سے دروازے تک ایک دھاگا باندھ رکھا تھا جب کوئی مسکین آتا تو نوکری سے کچھ کھجوریں لے لیتے اور دھاگے کے سہارے سے دروازہ تک آکر اس کو دے دیتے گھر کے لوگوں نے کہا ہم آپ کا یہ کام کر سکتے ہیں بولے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ مسکین کو دینا بڑی جگہ پر گرنے سے محفوظ رکھتا ہے۔^۲

ایک دن حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا روزے سے تھیں اور گھر میں ایک روٹی کے سوا کچھ نہ تھا اسی حالت میں ایک مسکین نے سوال کیا تو انھوں نے لونڈی سے کہا کہ وہ روٹی اس کو دے

۱: بخاری کتاب الاطعمہ باب المؤمن یا کل فی معی واحد۔

۲: طبقات ابن سعد تذکرہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ۔

۳: اصحابہ تذکرہ حارثہ بن النعمانؓ۔

وہ اس نے کہا افطار کس چیز سے کیجئے گا۔ بولیں دے تو دو شام ہوئی تو کسی نے بکری کا گوشت بھجوا دیا لونڈی کو بلا کر کہا "ہا۔ تیرنی دن سے بہتر ہے۔"

استعفاف

صحابہ کرام اگرچہ مفلس اور نادار تھے لیکن کسی کے سامنے دست سوال نہیں پھیلاتے تھے ایک بار چند صحابہ رضی اللہ عنہم رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور بیعت کی شرائط بیعت میں ایک شرط یہ بھی تھی۔

لَا تَأْتُوا النَّاسَ شَيْنًا۔

لوگوں سے کسی چیز کا سوال نہ کرنا۔

ان میں بعض لوگوں نے اس شدت کے ساتھ اس کی پابندی کی کہ اگر رملہ میں کوڑا بھی گر جاتا تھا تو کسی سے یہ نہیں کہتے تھے کہ اٹھا کر دے دو۔^۱

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اونٹنی پر سوار ہوتے تھے اور ہاتھ سے لگام گر جاتی تھی تو اونٹنی کو بٹھا کر خود اپنے ہاتھ سے اسکو اٹھاتے تھے لوگ کہتے کہ آپ نے ہم سے کیوں نہیں کہا ہم اٹھا دیتے، فرماتے میرے حبیب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ "کسی سے کچھ نہ مانگ۔"^۲

ایک بار آپ نے فرمایا کہ جو شخص یہ ضمانت کرے کہ کسی سے سوال نہ کرے گا میں اس کیلئے جنت کی ضمانت کرتا ہوں آپ کے مولیٰ ثوبان رضی اللہ عنہ بولے میں یہ ضمانت کرتا ہوں چنانچہ اس کے بعد وہ کسی سے کچھ نہیں مانگتے تھے۔^۳

ایک بار حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ نے آپ سے سوال کیا آپ نے ان کا سوال پورا کیا پھر مانگا، پھر دیا پھر مانگا پھر عنایت فرمایا لیکن اس کے ساتھ یہ نصیحت بھی فرمائی کہ اے حکیم مال نہایت شیریں اور خوش رنگ چیز ہے جو شخص اس فیاض دلی کے ساتھ لیتا ہے اس کو برکت نصیب ہوتی ہے اور جو شخص اس کو حرص و طمع کے ساتھ حاصل کرتا ہے اس کو برکت نصیب نہیں ہوتی اور وہ مثل اس آدمی کے ہوتا ہے جو کھاتا تو ہے لیکن اس کا پیٹ نہیں بھرتا اوپر کا ہاتھ نیچے کے ہاتھ سے بہر حال بہتر ہے حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ نے اسی وقت عہد کر لیا کہ اب تادم مرگ کسی سے کچھ نہ مانگوں گا اور اس عہد کو اس شدت کے ساتھ پورا کیا کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ ان کو عطیہ دینے کیلئے طلب فرماتے تھے اور وہ انکار کر دیتے تھے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانہ خلافت میں ان کو عطیہ دینا چاہا مگر انھوں نے رد کر دیا بلا آخر حضرت عمر رضی اللہ عنہ

۱: مؤطا امام مالک کتاب الجامع باب الترغیب فی الصدقہ۔

۲: مسند ابن ضبل جلد ۱ صفحہ ۱۱۔

۳: ابوداؤد کتاب الزکوۃ بار، کراہیۃ المسئلۃ۔

۴: ابوداؤد کتاب الزکوۃ باب کراہیۃ المسئلۃ۔

نے فرمایا کہ مسلمانو! گولہ رہنا میں حکیم کو ان کا حق دیتا ہوں اور وہ قبول نہیں کرتے۔^۱
 حضرت مالک بن سنان رضی اللہ عنہ سوال کو اس قدر موجب ننگ و عاصبت تھے کہ ایک بار تین دن تک بھوکے رہے لیکن کسی سے کچھ نہ مانگا رسول اللہ ﷺ کو خبر ہوئی تو فرمایا کہ جس شخص کو عقیف المسالہ شخص کا دیکھنا منظور ہو وہ مالک بن سنان رضی اللہ عنہ کو دیکھ لے۔^۲
 اصحاب صفہ اگرچہ ناداری کی وجہ سے بالکل دوسروں کے دست نگر تھے تاہم الحاج و الحاجت کے ساتھ سوال کرنا ان کی شان سے بالکل بعید تھا یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں ان کے اس مخصوص وصف امتیازی کو خاص طور پر سر لہا ہے۔

بحسبہم الجاهل اغنياء من التعفف تعرفهم بسيماهم لا يسئلون الناس الحافا۔

جو شخص ان کی حالت سے ناواقف ہے وہ ان کی خود داری سے ان کو دولت مند سمجھتا ہے تم صرف ان کے شرے سے ان کو دولت مند سمجھتا ہے تم صرف ان کے بشر سے ان کو پہچان سکتے ہو کسی سے گزرا کر کچھ نہیں مانگتے۔

لوگوں کے سامنے غیروں سے مانگنا تو بڑی بات ہے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی غیرت اس کو بھی گوارا نہیں کرتی تھی کہ ماں باپ سے سب کے سامنے سوال کیا جائے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا گھر کے کام کاج سے ننگ آگئی تھیں، رسول اللہ ﷺ کے پاس کچھ لونڈی غلام آئے حاضر خدمت ہوئیں کہ آپ سے ایک غلام مانگیں دیکھا کہ آپ ﷺ سے کچھ لوگ باتیں کر رہے ہیں شرم کے مارے واپس آئیں۔^۳

اگر کبھی سوال کا موقع بھی آتا تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم شرم و حیا سے اعلانیہ سوال نہیں کرتے تھے، بلکہ صرف حسن طلب سے کام لیتے تھے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اصحاب صفہ میں تھے جس کا تمغہ امتیاز صرف فقر و فاقہ تھا ان کی حالت یہ تھی کہ بھوک کے مارے زمین پر پیٹ کے بل پڑے رہتے تھے پیٹ پر پتھر باندھ لیتے تھے لیکن کسی سے علانیہ کچھ نہیں مانگتے تھے ایک روز شاہرہ عام پر بیٹھ گئے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کا گزر ہوا تو ان سے ایک آیت پوچھی وہ گزر گئے اور کچھ توجہ نہ کی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ بھی یہی واقعہ پیش آیا لیکن اس حسن طلب سے ان کا مقصد صرف یہ تھا کہ کوئی صاحب متوجہ ہوں اور اپنے ساتھ لے جا کر کھانا کھلائیں۔^۴

۱: ترمذی ابواب الزہد و بخاری کتاب الزکوۃ باب الاستعفاف عن المسئله۔

۲: اسد الغابہ تذکرہ حضرت مالک بن سنان۔

۳: ابوداؤد و کتاب الادب فی التبع عند المنوم۔

۴: ترمذی ابواب الزہد صفحہ ۴۰۸۔

ایثار

فیاضی ایک اخلاقی وصف ہے لیکن ایثار فیاضی کی اعلیٰ ترین قسم ہے اور وہ صحابہ کرام ؓ میں اس قدر پائی جاتی تھی کہ رسول اللہ ﷺ حضرت عمر ؓ کو عطیہ دیتے تھے لیکن وہ یہ کہہ کر انکار کر دیتے تھے کہ یہ اس کو دیجئے جو مجھ سے زیادہ محتاج ہو۔^۱

ایک بار ایک فاقہ زدہ شخص رسول اللہ ﷺ کی خدمت مبارک میں حاضر ہوا سو اتفاق سے آپ کے گھر میں پانی کے سوا کچھ نہ تھا اس لئے آپ نے فرمایا آج کی شب کون اس مہمان کا حق ضیافت ادا کرے گا۔ ایک انصاری یعنی ابو طلحہ ؓ نے کہا میں یا رسول اللہ ﷺ چنانچہ اس کو ساتھ لے کر گھر آئے بی بی سے پوچھا کچھ ہے بولیں صرف بچوں کا کھانا ہے۔ بولے بچوں کو تو کسی طرح بہلاؤ جب میں مہمان کو گھر لے آؤں تو چرغ بجھا دو اور میں اس پر یہ ظاہر کروں گا کہ ہم بھی ساتھ کھا رہے ہیں چنانچہ انھوں نے ایسا ہی کیا صبح کو آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو فرمایا کہ رات خدا تمہارے اس حسن سلوک سے بہت خوش ہوا اور یہ آیت نازل فرمائی۔

و یوثرن علی انفسہم ولو کان بہم خصاصہ۔^۲

وہ دوسروں کو اپنے اوپر ترجیح دیتے ہیں گو وہ خود تنگ دست ہوں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ ﷺ اور حضرت ابو بکر کے پہلو میں اپنی قبر کیلئے مخصوص جگہ کر رکھی تھی لیکن جب حضرت عمر ؓ نے ان سے درخواست کی تو انھوں نے یہ تختہ جنت ان کو دے دیا اور فرمایا۔

كنت اريدہ لنفسي ولا وثرن به اليوم علی نفسي۔^۳

میں نے خود اپنے لئے اس کو محفوظ رکھا تھا لیکن آج اپنے اوپر آپ کو ترجیح دیتی ہوں۔

ایک غزوہ میں حضرت عکرمہ ؓ، حضرت حارث بن ہشام ؓ، حضرت سہیل بن عمرو ؓ زخم کھا کر زمین پر گرے اور اس حالت میں حضرت عکرمہ ؓ نے پانی مانگا، پانی آیا تو انھوں نے دیکھا کہ حضرت سہیل ؓ پانی کی طرف دیکھ رہے ہیں بولے پہلے ان کو پلاؤ حضرت سہیل ؓ کے پاس پانی آیا تو انھوں نے دیکھا کہ حضرت حارث بن ہشام ؓ کی نگاہ بھی پانی کی طرف ہے بولے ان کو پلاؤ بلا آخر نتیجہ یہ ہوا کہ کسی کے منہ میں پانی کا ایک قطرہ نہ گیا اور سب نے تشنہ کامی کی حالت میں جان دی۔^۴

۱: بخاری کتاب الزکوٰۃ باب من اعطاه اللہ شیئاً من غیر مسئلہ والاشراف نفس و فی اموالہم حق للمسائل والمحرور۔

۲: مسلم کتاب الاثر باب اکرام ضیف و فضل ایثارہ۔

۳: بخاری کتاب المناقب باب قضیۃ البیعہ۔ ۴: استیعاب تذکرہ حضرت عکرمہ بن ابی جہل۔

فیاضی

اگرچہ صحابہ کرام ؓ کے تمام اخلاقی محاسن نے اسلام کو تقویت دی لیکن سب سے زیادہ اسلام کو صحابہ ؓ کی فیاضی سے رسوخ و ثبات حاصل ہوا مدینہ رسول اللہ ﷺ کیلئے غربت کدہ تھا لیکن انصار کی فیاضی نے آپ ﷺ کو اپنی آنکھوں میں جگہ دی مہاجرین کو اپنے گھروں میں ٹھہرایا اور بعض شرائط کے ساتھ اپنی نخلستان کی پیداوار میں ان کو شریک کر لیا۔^۱

حضرت سعد بن الربیع ؓ نے جائیداد کے ساتھ حضرت عبدالرحمن بن عوف ؓ کو اپنی ایک بی بی بھی دینا چاہی لیکن انھوں نے شکریہ کے ساتھ انکار کر دیا۔^۲

رسول اللہ ﷺ کی شان استغنائے اگرچہ انصار سے خدا کے گھر کیلئے بھی زمین مانگی تو قیمت دینا چاہی لیکن انصار کی فیاضی نے اس کا معاوضہ صرف خدا سے لینا چاہا اور نہایت فراخ حوصلگی کے ساتھ کہا۔

لا نطلب ثمنه الا الى الله۔^۳

ہم اس کی قیمت صرف خدا سے مانگتے ہیں۔

اسلام میں عمری ایک خاص قسم کا ہبہ ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ ایک شخص عمر بھر کیلئے کسی پر کوئی چیز ہبہ کر دے مدینہ میں مہاجرین آئے تو انصار نے ہر قسم کی اعانت و امداد کے ساتھ مہاجرین کو بہت سی جائیداد و بطور عمری کے دینی چاہی لیکن رسول اللہ ﷺ نے منع فرمایا۔^۴

انصار میں حضرت سعد بن عبادہ فیاضی میں عام طور پر مشہور تھے۔ روزانہ ان کے قلعہ کے اوپر سے ایک آدمی پکار تاکہ جس کو گوشت اور چربی کی خواہش ہو وہ یہاں آئے رسول اللہ ﷺ مدینہ میں آئے تو زیادہ تر وہی کھانا تیار کروا کے بھیجتے تھے اصحاب صفہ کی معاش کا زیادہ تر دار و مدار ان ہی کی فیاضی پر تھا چنانچہ جب شام ہوتی تو اور صحابہ ؓ ان میں سے ایک یا دو کو لے جاتے لیکن وہاں (۸۰) سی (۸۰) آدمیوں کو لے جا کر کھانا کھلاتے۔^۵

حضرت جعفر بن ابی طالب ؓ بھی اصحاب صفہ کے ساتھ لطف و مدارات کے ساتھ پیش آتے تھے کیونکہ وہ مسکینوں کے ساتھ محبت رکھتے تھے ان کے ساتھ بیٹھتے اٹھتے تھے اور ان سے باتیں کرتے تھے حضرت ابو ہریرہ ؓ بھی مساکین صفہ میں داخل تھے اس لئے ان کو ان

۱: بخاری کتاب الزاوع باب لا اقل اکنفی مونیہ التحل وغیرہ۔

۲: ایضاً کتاب المناقب باب کیف آخی النبی بین اصحابہ۔

۳: ابوداؤد کتاب الصلوہ باب فی بناء المسجد۔

۴: مسلم کتاب الفرائض باب العمری۔

۵: اصحابہ تذکرہ حضرت سعد بن عبادہ۔

لی فیاضی کا خاص تجربہ تھا۔ وہ فرماتے ہیں کہ صحابہ ؓ سے قرآن مجید کی وہ آیتیں پوچھا کرتا تھا جو مجھے ان سے زیادہ معلوم تھیں اور اس کا مقصد صرف یہ تھا کہ کوئی کھانا کھلائے چنانچہ جب حضرت جعفر بن ابی طالب ؓ سے پوچھنے کا اتفاق ہوتا تو وہ پہلے گھر لے جا کر کھانا کھلاتے تھے اور پھر جواب دیتے تھے بخاری کی روایت میں ہے کہ ہم لوگوں کو گھر میں لے جا کر سب کچھ کھا دیتے یہاں تک کہ گھی کا خالی کپ پھاڑ ڈالتے اور ہم لوگ اس کو چاٹ لیتے تھے۔^۱

مہاجرین میں حضرت ابو بکر ؓ آپ کے ساتھ ہجرت کی تو اپنا کل مال جس کی مقدار پانچ یا چھ ہزار تھی نیک کاموں میں صرف کرنے کیلئے ساتھ لیتے گئے ان کے والد ابو قحافہ گھر میں آئے تو کہا تم لوگوں کو مصیبت میں مبتلا کر کے چلا گیا حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے ان کی تسکین کیلئے بہت سی کنکریاں جمع کر کے طاق میں رکھیں اور ان کو ایک کپڑے سے ڈھانک کر کہا کہ ہاتھ سے نل لیتے (وہ اندھے تھے) سب کچھ چھوڑ گئے ہیں۔^۲

مہاجرین میں حضرت عثمان ؓ جس طرح بہت بڑے دولت مند تھے بہت بڑے فیاض بھی تھے عہد نبوت ﷺ میں جب مسلمانوں کی تعداد میں اضافہ ہوا تو آپ ﷺ نے مسجد کو وسیع کرنا چاہا، مسجد کے متصل ایک قطعہ زمین تھا جس کی نسبت آپ نے فرمایا کون اس کو خرید کر خدا کے حوالہ کرتا ہے۔ حضرت عثمان ؓ نے اس کو بیس ہزار درہم پر خرید کر مسجد پر وقف کر دیا مسلمانوں کو پانی کی تکلیف تھی بیر رومہ کو خرید کر وقف عام فرمایا، غزوہ تبوک میں ایک متمدن سلطنت کا مقابلہ تھا اور صحابہ کرام ؓ کے پاس سامان جہاد بہت کم تھا انھوں نے تنہا نہایت فیاضی کے ساتھ تمام سامان مہیا کیا۔^۳

غزوہ تبوک کے زمانہ میں آپ ﷺ کی خدمت میں ہر قل کا قاصد آیا چونکہ آپ ﷺ عموماً قاصدوں سے لطف و مراعات کے ساتھ پیش آتے تھے اس لئے آپ ﷺ نے معذرت کی کہ ہم لوگ اس وقت سفر میں ہیں اگر ممکن ہو تو ہم تمہیں صلہ دیں گے حضرت عثمان ؓ نے سنا تو پکارے کہ میں صلہ دوں گا چنانچہ اپنے توشہ دان سے ایک حلہ صفوریہ نکال کر اسکو دیا پھر آپ ﷺ نے فرمایا کہ کون اسکو اپنا مہمان بنائے گا! ایک انصاری نے کہا میں اس کیلئے حاضر ہوں۔^۴ تقویت اسلام کے علاوہ ذاتی طور پر بھی صحابہ کرام ؓ کی فیاضیوں کا دریا عموماً بہتا رہتا تھا۔ حضرت مقدم ؓ ایک صحابی تھے وہ چند رفقاء کے ساتھ حضرت امیر معاویہ ؓ کے

۱ بخاری و ترمذی کتاب المناقب جعفر بن ابی طالب۔

۲ مسند ابن حبیل جلد ۶ صفحہ ۳۵۰۔

۳ نسائی کتاب الجہاد فضل من جز غازیہ۔

۴ مسند ابن حبیل جلد ۳ صفحہ ۴۴۲۔

در بار میں حاضر ہوئے اور انھوں نے صرف ان کو مالی عطیہ دیا لیکن انھوں نے اپنے تمام رفقاء پر برابر برابر تقسیم کر دیا حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ مقدم ایک فیاض شخص ہیں۔^۱

حضرت قیس بن سعد رضی اللہ عنہ نہایت فیاض اور بہادر صحابی تھے غزوات میں انصار کا علم ان ہی کے ہاتھ میں رہتا تھا اور وہ اس عزت کو اپنی فیاضی سے قائم رکھتے تھے ایک غزوہ میں وہ قرض لے کر فوج کو کھانا کھلاتے تھے۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی اس فوج میں شریک تھے دونوں بزرگوں نے مشورہ کیا کہ اگر ان کو اسی حال پر چھوڑ دیا گیا تو اپنے باپ کا تمام سرمایہ برباد کر دیں گے۔ اس لئے ان کو روکنا چاہا حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو معلوم ہوا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے کھڑے ہو کر کہا کہ مجھ کو ابن قحافہ اور ابن خطاب رضی اللہ عنہ سے کون بچائے گا۔ میرے بیٹے کو یہ بخیل بنانا چاہتے ہیں۔^۲ ان کی فیاضی یہیں تک محدود نہ تھی بلکہ ان کے پاس ایک پیالہ تھا وہ جہاں جاتے تھے اس میں ایک آدمی گوشت اور مالیدہ بھر کے لے چلتا تھا اور پکارتا جاتا تھا کہ ہلموا الی اللحم والثريد یعنی آؤ اور گوشت اور مالیدہ کھاؤ، ایک بار ایک بڑھیا نے ان سے کہا کہ میرے گھر میں چوہے نہیں رہتے بولے کیا خوب کنایہ ہے اس کا گھر روٹی گوشت اور کھجور سے بھر دو۔^۳

حضرت عدی حاتم طائی کے بیٹے تھے ایک بار ان سے ایک شخص نے سودر ہم مانگے تو بولے حاتم کے بیٹے سے صرف سودر ہم مانگتا ہے خدا کی قسم نہ دوں گا۔^۴

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس قدر فیاض تھیں کہ جو کچھ ہاتھ میں آ جاتا اس کو صدقہ کر دیتی تھیں حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے ان کو روکنا چاہا تو اس قدر برہم ہوئیں کہ ان سے بات چیت نہ کرنے کی قسم کھالی۔^۵ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا بھی اسی درجہ کی فیاض تھیں لیکن دونوں بہنوں کے طرز عمل میں اختلاف تھا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا معمول یہ تھا کہ جمع کرتی جاتی تھیں جب معتد بہ سرمایہ جمع ہو جاتا تھا تو اس کو تقسیم کر دیتی تھیں لیکن حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کل کیلئے کچھ نہ رکھ چھوڑتی تھیں، جو کچھ ملتا تھا روز کار و روز صرف کر دیا کرتی تھیں۔^۶

ایک بار حضرت منکدر بن عبداللہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر

۱: ابوداؤد کتاب ملہاس باب فی جلود والنمور۔

۲: اسد الغابہ جلد ۴ ص ۲۱۵ تذکرہ حضرت قیس بن سعد۔ ۳: حسن الخضرہ جلد اول ص ۹۵۔

۴: مسلم کتاب الایمان باب ما من حلف ۱۰ بیضا فرای عبرہا حیرا نہا ان یاتی الادی ہو خیر ویکفر عن یمینہ۔

۵: بخاری کتاب المناقب باب مناقب قریش۔ ۶: اب المفرد باب السنۃ۔

ہوئے بولیں کہ تمہارا کوئی لڑکا ہے۔ انھوں نے کہا نہیں۔ فرمایا اگر میرے پاس دس ہزار درہم ہوتے تو میں تم کو دے دیتی حسن اتفاق سے شام ہی کو حضرت امیر معاویہ نے ان کے پاس روپے بھیجے بولیں کس قدر جلدی میری آزمائش ہوئی فوراً ان کے پاس دس ہزار درہم بھیجوا دیے انھوں نے اس رقم سے ایک لونڈی خرید لی اور اس سے ان کے متعدد بچے پیدا ہوئے۔

حضرت سعید بن عاص رضی اللہ عنہ کی فیاضی کا یہ حال تھا کہ اگر ان سے کوئی سائل سوال کرتا اور ان کے پاس کچھ نہ ہوتا تو اس کو دستاویز لکھ دیتے کہ جب ہوگا تو دیا جائے گا۔ ہر جمعہ کو اپنے بھائی بند کو جمع کرتے ان کو کھانا کھلاتے خلعت پہناتے اور ان کے گھروں پر صلے بھیجتے، ہر جمعرات کو کوفہ (وہ کوفہ کے گورنر تھے) کی مسجد میں غلام کے ہاتھ اشرفیوں کے توڑے بھیجتے کہ نمازیوں کے آگے رکھ آئے اس بنا پر اس دن مسجد میں نمازیوں کا ازدحام ہو جاتا مرتے وقت ان پر اسی ہزار اشرفیوں کا قرض تھا بیٹے نے پوچھا یہ قرض کیوں کر ہوا بولے کسی شریف کی حاجت روائی کی کسی حیدار آدمی کو اس کے سوال کرنے سے پہلے دے دیا اسی میں یہ قرض ہوا۔^۱

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی فیاضی کا یہ حال تھا کہ ایک بار ان کے پاس بیس ہزار درہم سے زیادہ آئے انھوں نے اسی مجلس میں بیٹھے بیٹھے لوگوں کو دے دیا یہاں تک کہ جب کل خرچ ہو چکا تو ایک شخص کو انہی میں سے قرض لے کر دے دیا وہ اکثر روزے سے رہتے تھے لیکن جب کوئی مہمان آ جاتا تھا تو وہ روزہ توڑ دیتے تھے کہ فیاضی کی وجہ سے کھانا کھانا ان کو بہت پسند تھا۔ ان کے دسترخوان پر اس کثرت سے لوگ جمع ہو جاتے تھے کہ بعض لوگوں کو کھڑے کھڑے کھانا کھانے کا اتفاق ہوتا تھا ایک بار ان کی خواہش سے مچھلی پکائی گئی سامنے آئی تو ایک سائل آیا انھوں نے اس کو اٹھا کر دے دی۔ ایک بار بیمار پڑے لوگوں نے ان کیلئے ایک درہم پر پانچ انگور خریدے سامنے سے سائل گزرا، انھوں نے اس کو دینا چاہا لوگوں نے کہا کہ ہم اس کو دے دیں گے مگر نہ مانے بلکہ آخر لوگوں نے اس کو دے کر بعد کو اس سے پھر خرید لیا۔^۲

کف لسان

حدیث شریف میں آیا ہے

من وقاہ اللہ شرائنہ والج الجنة مابین لحيہ و مامبین رجلیہ۔

(موطائے امام مالک)

جس شخص کو خدا نے دو چیزوں کی برائی سے محفوظ رکھا تو وہ جنت میں داخل ہوا یعنی زبان

اور شرمگاہ۔

۱: اسد الغابہ تذکرہ حضرت سعید بن العاص۔

۲: طبقات ابن سعد تذکرہ حضرت عبداللہ بن عمر۔

اس لئے صحابہ کرام ؓ غیبت، بدگوئی، نکتہ چینی، فحاشی سب و شتم اور لایعنی باتوں سے نہایت احتراز کرتے تھے۔

حضرت حارث بن ہشام ؓ نہایت کم خن تھے ایک بار انھوں نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کہ کوئی ایسا عمل بتائیے جس کا میں التزام کر لوں آپ نے زبان کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ اس کو قابو میں رکھو وہ پہلے ہی سے کم خن تھے انھوں نے کہا کہ یہ تو نہایت آسان کام ہے لیکن ان کا بیان ہے کہ جب میں نے اس پر عمل کرنا چاہا تو وہ نہایت دشوار معلوم ہوا۔^۱

ایک بار حضرت عبدالرحمن بن حارث ؓ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا و حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی سند سے مروان کے سامنے ایک حدیث بیان کی اس سے پہلے حضرت ابوہریرہ ؓ اس کے مخالف روایت کر چکے تھے مروان نے اس کو قسم دلائی کہ رد و قدح کے ذریعہ سے ابوہریرہ ؓ کو جا کر ردق کرو لیکن انھوں نے اس کو ناپسند کیا۔

ایک روز اتفاق سے حضرت ابوہریرہ ؓ مل گئے انھوں نے نہایت نرمی سے کہا میں تم سے ایک بات کہتا ہوں اور اگر مروان نے قسم نہ دلائی ہوتی تو نہ کہتا۔ اس کے بعد حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی روایت بیان کی۔^۲

ایک بار رسول اللہ ﷺ نے حضرت جابر بن سلیم ؓ کو چند نصیحتیں کیں جن میں ایک یہ تھی کہ کسی کو برا بھلا نہ کہو وہ فرماتے ہیں کہ اس کے بعد میں نے انسان تو انسان اونٹ اور بکری کی نسبت بھی ناملائم الفاظ استعمال نہیں کئے۔^۳

ایک بار حضرت شداد بن اوس ؓ سفر میں تھے منزل پر اترے تو غلام سے کہا کہ چھری او اس سے کھیلیں چونکہ یہ فعل عبث تھا لوگوں نے اس پر نکتہ چینی کی بولے کہ جب سے میں اسلام لایا ہجرت اس کلمہ کے جو بات کہتا تھا اس کو لگام اور مہار دونوں لگالیتا تھا سو تم لوگ میری اس بات کو نہ یاد کرو۔^۴

اگر صحابہ کرام ؓ کی زبان سے کوئی سخت لفظ نکل جاتا تھا تو اس پر ان کو سخت ندامت ہوتی تھی ایک بار حضرت ابو بکر ؓ نے حضرت ربیعہ اسلمی ؓ کو ایک سخت کلمہ کہہ دیا جس پر ان کو سخت ندامت ہوئی اور حضرت ربیعہ ؓ سے کہا کہ تم بھی مجھ کو ایسا ہی کلمہ کہو تاکہ بدلہ ہو جائے انھوں نے کہا میں ایسا نہیں کر سکتا بولے تو پھر رسول اللہ ﷺ کی خدمت

۱: استیعاب تذکرہ حضرت حارث بن ہشام بن مغیرہ۔

۲: بخاری کتاب الصوم باب الصائم الصبح حیث نام۔

۳: استیعاب تذکرہ حضرت جابر بن سلیم۔

۴: مسند ابن فضال ج ۲ صفحہ ۱۲۳۔

میں شکایت کروں گا انھوں نے اب بھی انکار کیا معاملہ آپ تک پہنچا تو آپ نے حضرت ربیعہ ؓ سے کہا کہ تم نے بہت اچھا کیا لیکن ابو بکر ؓ کیلئے استغفار کرو انھوں نے ان کیلئے دعا مغفرت مانگی تو وہ روتے ہوئے واپس آئے۔^۱

ایک بار حضرت عمر ؓ اور حضرت ابو بکر ؓ میں سخت کلامی ہو گئی بعد کو حضرت ابو بکر ؓ کو ندامت ہوئی اور حضرت عمر ؓ سے معافی مانگی انھوں نے معافی سے انکار کیا تو گھبرائے ہوئے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے آپ نے تین بار فرمایا خدا تمہاری مغفرت کرے۔ اب حضرت عمر ؓ کو بھی پشیمانی ہوئی دوڑے ہوئے حضرت ابو بکر ؓ کے گھر آئے ان سے ملاقات نہ ہوئی تو رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے دیکھا کہ آپ کا چہرہ متغیر ہے۔ اس حالت میں دیکھ کر خود حضرت ابو بکر ؓ کے دل میں خوف پیدا ہوا کہ مبادہ حضرت عمر ؓ کے خلاف کوئی ناگوار بات نہ پیش آجائے۔ اس لئے دوزانو بیٹھ کر کہلیا رسول اللہ ﷺ میں نے بڑا ظلم کیا۔^۲

حضرت ابو بکر ؓ کو اپنی زبان پر قابو نہ تھا اس لئے وہ ہمیشہ اس پر تادم رہتے تھے اور اس کی اصلاح کرتے تھے۔ ایک بار حضرت عمر ؓ نے دیکھا کہ وہ اپنی زبان کھینچ رہے ہیں بولے خدا آپ کی مغفرت کرے اس فعل سے باز آئیے بولے اسی نے تو مجھے تباہ کیا ہے۔^۳

عیب پوشی

ایک شخص ایک گناہ کا مرتکب ہوتا ہے ہم لوگ اس کو افسانہ بزم و انجمن بنا لیتے ہیں لیکن صحابہ کرام ؓ لوگوں کی برائیوں کو چھپاتے تھے اور نیکیوں کو نمایاں کرتے تھے یہی وجہ ہے کہ ان کے عہد میں دنیا کے سیاہ چہرے پر عیب پوشی کی نورانی چادر پڑی ہوئی تھی ایک دن حضرت عقبہ بن عامر ؓ سے ان کے میر منشی نے کہا کہ میرے پڑوسی شراب پیتے ہیں میں نے ان کو منع کیا باز نہ آئے اب میں پولیس کو بلاتا ہوں انھوں نے کہا جانے دو اس نے دوسری بار پھر یہی گزارش کی بولے جانے بھی دو میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے۔

من رای عورہ فسترھا کان کمن احیی مودہ۔^۴

جس نے عیوب پر پردہ ڈالا وہ اس شخص کے مثل ہے جس نے زندہ درگور لڑکی کو جلا لیا۔

حضرت ابو بکر ؓ کے پاس ایک آدمی آیا اور زنا کا اقرار کیا بولے اور کسی سے کہا ہے؟ کہا

۱: مسند ابن حنبل جلد ۴ صفحہ ۵۸-۵۹۔

۲: بخاری کتاب المناقب فضائل ابی بکر۔

۳: موطا، امام مالک کتاب الجامع باب ما جاء فیما یخاف من اللسان۔

۴: ابوداؤد کتاب الادب باب الستر علی المسلم۔

نہیں فرمایا، خدا کی بارگاہ میں توبہ کرو اور اس پر خدا کا پردہ ڈال لو، کیونکہ خدا بندوں کی توبہ قبول کرتا ہے، لیکن اس کو تسکین نہ ہوئی اور حضرت عمر ؓ کی خدمت میں حاضر ہوا، انھوں نے بھی یہی جواب دیا۔^۱

حضرت ابو بکر ؓ فرماتے تھے کہ اگر میں چور پکڑتا تو میری سب سے بڑی خواہش یہ ہوتی کہ خدا اس کے جرم پر پردہ ڈال دے۔^۲

انتقام نہ لینا

اگر دشمن کسی مصیبت میں مبتلا ہو جائے تو ہمارے لئے انتقام لینے کا، اس سے بہتر کوئی موقع نہیں مل سکتا، لیکن صحابہ کرام ؓ کے دل میں خدا اور رسول کی محبت نے بغض و انتقام کی جگہ کب چھوڑی تھی؟

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت زینب رضی اللہ عنہا میں باہم نوک جھونک رہتی تھی، لیکن جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر اتہام لگایا گیا اور رسول اللہ ﷺ نے حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے ان کی اخلاقی حالت دریافت فرمائی تو بجائے اس کے کہ وہ انتقام لیتیں، بولیں کہ میں اپنے کان اور آنکھ کی پوری حفاظت کرتی ہوں، مجھے انکی نسبت بھلائی کے سوا کچھ معلوم نہیں ہے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو خود اعتراف ہے کہ:-
وہی التي نصا مبنی فعصمها الله بالورع۔^۳

وہ اگرچہ میری حریف مقابل تھیں، لیکن خدا نے تورع کی وجہ سے ان کو بچالیا۔
انتقام تو بڑی چیز ہے صحابہ کرام ؓ اپنے دشمنوں سے بغض رکھنا بھی پسند نہیں کرتے تھے۔
حضرت معاویہ بن خدیج ؓ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بھائی محمد بن ابی بکر ؓ کو قتل کر دیا تھا، ایک بار وہ کسی فوج کے سپہ سالار تھے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ایک شخص سے پوچھا کہ اس غزوہ میں معاویہ کا سلوک کیسا رہا اس نے کہا ان میں کوئی عیب نہ تھا، سب لوگ ان کے مداح رہے، اگر کوئی اونٹ ضائع ہو جاتا تھا تو وہ اس کی جگہ دوسرا اونٹ دے دیتے تھے، اگر کوئی گھوڑا مر جاتا تھا تو وہ اس کی جگہ دوسرا گھوڑا دے دیتے تھے، اگر کوئی غلام بھاگ جاتا تھا، تو وہ اس ایک جگہ دوسرا غلام دے دیتے تھے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے یہ سن کر کہا، استغفر اللہ، اگر میں ان سے اس بنا پر دشمنی رکھوں کہ انہوں نے میرے بھائی کو قتل کیا ہے۔ میں نے خود رسول اللہ ﷺ کو یہ دعا مانگتے ہوئے سنا ہے، کہ خداوند جو شخص میری امت کے

۱: مؤطا امام محمد ابواب الحمد دونی الزمار باب الاقرار بالزنا۔

۲: طبقات ابن سعد تذکرہ زید بن اہل۔

۳: بخاری کتاب الشہادۃ باب ما یحدث فی الشہادۃ من احوال و احوال۔

ساتھ نرمی کرے تو بھی اس کے ساتھ نرمی کر اور جو ان پر سختی کرے تو بھی اس پر سختی کر۔^۱

حلم

فیض تربیت نبوی ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو نہایت نرم خو، حلیم اور بردبار بنا دیا تھا، ایک بار ایک شخص نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو برا بھلا کہا، وہ خاموش رہے اس نے دوسری بار پھر کلمات ناشائستہ کہے، وہ چپ رہے، تیسری بار پھر انکا اعادہ، کیا تب اس کا جواب دیا، لیکن رسول اللہ ﷺ نے اسکو بھی پسند نہ کیا۔

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ بداین کے گورنر تھے، لیکن حلم و بردباری کا یہ حال تھا کہ ایک بار راستے میں جا رہے تھے، ایک شخص بانس کا بوجھ لیے جا رہا تھا۔ اس سے ان کا بدن چھل گیا اس کے پاس پھر کے آئے اور اس کا شانہ ہلا کر کہا کہ، جب تک نوجوانوں کی حکومت کا زمانہ نہ دیکھ لو، تمہیں موت نہ آئے، وہ عبا اور جا نگھیا پہن کر نکلتے تھے تو لوگ ان کو دیکھ کر کہتے و کرک آمد کرک آمد، وہ پوچھتے کہ یہ کیا کہتے ہیں؟ لوگ کہتے کہ آپ کو ایک کھلونے سے تشبیہ دیتے ہیں، لیکن وہ یہ سن کر صرف اس قدر کہتے کہ ان کا کوئی جرم نہیں نیکی آج کے دن کے بعد ہے۔ اسی قسم کی وضع کی وجہ سے راستہ میں بچے ان کو گھیر لیتے تو بعض لوگ کہتے کہ امیر کے پاس تہت نہٹ نہیں جاتی، فرماتے، ان کو جانے دو، برائی بھلائی آج کے بعد ہے۔

ایک بار وہ کسی فوج کے سپہ سالار تھے، چند نوجوان سپاہیوں کے سامنے سے گزرے تو وہ سب ان کو دیکھ کر ہنس پڑے، اور تمسخر آمیز لہجے میں کہا کہ یہی تمہارے سپہ سالار ہیں، ایک شخص نے کہا کہ دیکھئے تو یہ لوگ کیا کہتے ہیں۔ بولے، جانے بھی دو۔^۲

مہمان نوازی

مہمان نوازی اہل عرب کے محاسن اخلاق کا نہایت نمایاں جزو تھی، اسلام نے اس کو اور بھی نمایاں کر دیا تھا، اس لیے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی زندگی میں مہمان نوازی کی بکثرت مثالیں ملتی ہیں، رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں ایک بار وفد بنو منافق حاضر ہوا، سو اتفاق سے آپ گھر میں موجود نہ تھے، لیکن حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فوراً خزیہ (عرب کا ایک کھانا تھا) تیار کرنے کا حکم دیا، اور مہمانوں کے سامنے ایک طبق میں کھجوریں رکھوا دیں، آپ ﷺ تشریف

۱: اسد الغابہ تذکرہ حضرت معاویہ بن خدیج۔

۲: ابوداؤد و کتاب الادب باب فی الانتصار۔

۳: یعنی وہ میری طرح اس کے متحمل نہ ہوں گے۔

۴: طبقات ابن سعد تذکرہ حضرت سلمان فارسی۔

اے تو حسب معمول سب سے پہلے دریافت فرمایا کہ کچھ ضیافت کا سامان ہوایا نہیں۔ ان لوگوں نے کہا، یہ تو ہو چکا۔^۱

ایک بار ایک شخص حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا، انہوں نے باصرار کھانا، منگولیا، اور کہا کہ کھانا میں روزہ سے ہوں۔^۲

ایک بار حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کی خدمت میں ایک شخص آیا، انہوں نے کہا کہ اگر آپ قیام کریں تو ہم آپ کے ناقہ کو چرنے کیلئے چھوڑ دیں اور اگر جانا چاہیں تو اس کو چارہ کھلا دیں، وہ بولا کہ میں جانا چاہتا ہوں، فرمایا، تو میں آپ کو ایک زور لہا دیتا ہوں۔ اگر اس سے بہتر کوئی زور لہا ہو تا تو میں اس کو تمہارے ساتھ کر دیتا یہ کہہ کر ایک حدیث بیان کی۔^۳

آنحضرت رضی اللہ عنہ کی خدمت میں وفد عبدالقیس حاضر ہوا تو آپ رضی اللہ عنہ نے انصار کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا، اپنے بھائیوں کی خاطر مدارت کرو، کیونکہ شکل میں صورت میں، وضع میں اور اسلام میں وہ تم سے بہت کچھ مشابہ ہیں اور بلا جبر و کرہ اسلام لائے ہیں ”انصار نے ان کو ہاتھوں ہاتھ لے لیا، صبح کے وقت وہ لوگ حاضر ہوئے تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا، تمہارے بھائیوں نے تمہاری خاطر مدارت کیسی کی؟ بولے بڑے اچھے لوگ ہیں، ہمارے لئے نرم بچھونے بچھائے عمدہ کھانے کھلائے اور رات بھر کتاب و سنت کی تعلیم دیتے رہے۔“ آپ نہایت خوش ہوئے اور ہر ایک نے جو کچھ پڑھا تھا، اس کو سنایا،^۴ ایک شخص مدینہ میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے مہمان ہوئے اور انہوں نے جس طریقہ سے ان کی مہمان داری کی وہ اس کا ذکر ان الفاظ میں کرتے ہیں۔

فلم رجلا من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم اشد تشمیرا ولا اقوم علی ضعیف منه۔^۵

میں نے صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے کسی کو ان سے زیادہ مستعدانہ طریقہ پر مہمانی کرنے والا اور مہمان کی خبر رکھنے والا نہیں پایا۔

حضرت ام شریک رضی اللہ عنہا نہایت دو لتمند اور فیاض صحابیہ تھیں، انہوں نے اپنے مکان کو مہمان خانہ بنادیا تھا، رسول اللہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں جو باہر سے مہمان آتے تھے، وہ اکثر ان ہی کے مکان پر ٹھرتے تھے۔^۶

۱: ابو داؤد کتاب الطہارت باب فی الاغتسل۔

۲: ادب المفرد باب من قدم الی ضیفہ طعاما فقام یصلی۔

۳: مسند ابن فضال ج ۵ ص ۱۹۶۔ ۴: مسند ابن فضال جلد ۳ صفحہ ۴۳۲۔

۵: ابو داؤد کتاب النکاح باب ما یکرہ من ذکر الرجل ما یکون من اصابتہ اہلہ۔

۶: نسائی کتاب النکاح باب الخطبہ فی النکاح۔

تحفظ عزت

حضرت محمد بن مسلمہ ؓ جب کعب بن اشرف ؓ کے قتل کو گئے، اور اس سے قرض لینے کا بہانہ کیا تو اس نے اپنی دنارت طبعی سے ان کی آل و اولاد کو گرد و کر وانا چاہا لیکن وہ بولے، سبحان اللہ لوگ ہماری اولاد کو طعنہ دیں گے کہ دود سق غلہ پر گرد تھے۔^۱

حضرت عبداللہ بن زبیر ؓ جس روز شہید ہوئے، اس روز اپنی والدہ حضرت اسماء ؓ رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لے گئے، انھوں نے ان کو دیکھا تو بولیں بیٹا قتل کے خوف سے ہرگز کوئی ایسی شرط نہ قبول کر لینا جس میں تم کو ذلت برداشت کرنا پڑے، خدا کی قسم عزت کے ساتھ، تلواریں کھا کر مر جانا اس سے بہتر ہے کہ ذلت کے ساتھ کوڑے کی مار برداشت کر لی جائے، شاعروں کی حوصلہ افزائی اگرچہ صحابہ کرام ؓ کے تقدس کیخلاف تھی تاہم تحفظ عزت کیلئے وہ اس فرقہ کو بھی محروم نہیں تھے، ایک بار حضرت عمران بن حصین کی خدمت میں ایک شاعر آیا جس کو انہوں نے صلہ دیا، لوگوں نے کہا، آپ شاعر کو انعام دیتے ہیں، بولے، اپنی اپنی عزت کو قائم رکھتا ہوں۔^۲

صبر و ثبات

مردوں پر نوحہ و بکا کرنا، بال نوچنا، کپڑے پھاڑ ڈالنا، توں مرثیہ خوانی کرنا عرب کا قومی شعار تھا، لیکن فیض تربیت نبوی نے صحابہ کرام ؓ کو صبر و ثبات کا اس قدر خوگر بنا دیا تھا کہ حضرت ابو طلحہ ؓ انصاری کا لڑکا بیمار ہوا اور وہ صبح کے وقت اس کو بیمار چھوڑ کر باہر چلے گئے اور ان کی عدم موجودگی میں لڑکا جان بحق تسلیم ہو گیا ان کی بی بی نے لوگوں سے کہہ دیا تھا کہ ابو طلحہ ؓ سے نہ کہنا، وہ شام کو پلٹے تو بی بی سے پوچھا کہ بچہ کیسا ہے؟ بولیں پہلے سے زیادہ سکون کی حالت میں ہے، یہ کہہ کر سامنے کھانا لائیں اور انہوں نے کھانا کھایا، اس کے بعد معمول سے زیادہ بن ٹھن کے سامنے آئیں اور ان کے ساتھ ہم بستر ہوئیں، صبح ہوئی تو استعارتہ کہا کہ اگر ایک قوم کسی کو کوئی چیز عاریتہ دے اور پھر اس کا مطالبہ کر لے تو کیا اس کے روک رکھنے کا حق حاصل ہے۔ بولے نہیں، بولیں تو پھر اپنے بیٹے کو صبر کرو۔^۳

۱: ابوداؤد کتاب الجہاد باب فی العدو یوتی علی غرة و تبشبه بهم۔

۲: اسد الغابہ تذکرہ حضرت عبداللہ بن زبیر۔

۳: ابوالمفرد باب اعطاء الشاعر لؤا خاف شرہ۔

۴: مسلم کتاب الآداب باب استجابات تحینک المولود و عند ولادته و حملہ الی صالح یحکک و

حوار نسمة یوم ولادہ و استجاب الستمیہ بعید اللہ و ابراہیم و سائر اسماء الانبیاء علیہم

السلام و کتاب الفصائل باب من ابی طلحہ الانصاری۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

رسول اللہ ﷺ غزوہ احد سے واپس ہوئے تو تمام صحابیات اپنے اپنے اعزہ و اقارب کا حال پوچھنے آئیں انہی میں حضرت حمزہ بنت جحش رضی اللہ عنہا بھی تھیں، وہ آئیں تو آپ نے فرمایا کہ حمزہ اپنے بھائی عبداللہ بن جحش کو صبر کرو، انہوں نے لانا لہ پڑھا اور ان کیلئے دعائے مغفرت کی پھر فرمایا کہ اپنے ماموں حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کو بھی صبر کرو، انہوں نے اس پر بھی لانا لہ پڑھا اور دعائے مغفرت کر کے خاموش ہو رہیں۔^۱

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے واقعہ نے انتقال کیا تو انہوں نے تجہیز و تکفین، کے بعد بدووں کو بلایا اور ان میں دوڑ کروائی۔ اس پر حضرت نافع رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ابھی آپ واقعہ کو دفن کر کے آئے اور ابھی بدووں میں دوڑ کروا رہے ہیں۔ فرمایا اے نافع جب مشیت ایزدی اپنا کام کر چکی، تو اس کے نتائج کو کسی نہ کسی طرح بھلا ہی دینا چاہیے۔^۲

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ جب حجاج سے معرکہ آرا ہوئے تو ان کی والدہ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا بیمار تھیں، وہ ان کے پاس آئے اور مزاج پر سی کے بعد بولے کہ مرنے میں آرام ہے، بولیں، شاید تم کو میرے مرنے کی آرزو ہے لیکن جب تک دو باتوں میں سے ایک نہ ہو جائے میں مرنا پسند نہ کروں گی یا تم شہید ہو جاؤ اور میں تم کو صبر کر لوں یا فتح و ظفر حاصل کرو کہ میری آنکھیں ٹھنڈی ہوں، چنانچہ جب وہ شہید ہو چکے تو حجاج نے ان کو سولی پر لٹکا دیا، حضرت اسماء رضی اللہ عنہا باوجود پیرانہ سالی کے عبرت کا یہ منظر دیکھنے آئیں، اور بجائے اس کے کہ روتی پٹیتیں، حجاج کی طرف مخاطب ہو کر کہا، کیا اس سوار کیلئے ابھی تک وقت نہیں آیا کہ اپنے گھوڑے سے نیچے اتر آئے۔^۳

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ ایک سفر میں تھے، اسی حالت میں اپنے بھائی حضرت قثم بن عباس رضی اللہ عنہ کے انتقال کی خبر سنی، پہلے لانا لہ پڑھا، پھر راستے سے بٹ کر دو رکعت نماز ادا کی، نماز سے فارغ ہو کر اونٹ پر سوار اور یہ آیت پڑھی۔

و استعینوا بالصبر و الصلوٰۃ و انہا لکبیرۃ الی علی احاشعین۔^۴

(مصیبت میں) صبر اور نماز کا سہارا پکڑو نماز بجز خضوع و خضوع کرنے والوں کے سب پر کراں ہے۔

اسی صبر و ثبات کا یہ نتیجہ تھا کہ جب کفار نے حضرت ضعیب رضی اللہ عنہ کو شہید کرنا چاہا تو انہوں نے دو رکعت نماز پڑھی اور کہا کہ اگر تم کو یہ خیال نہ ہو تا کہ میں مرنے سے ڈرتا ہوں تو ان رکعات کو اور طویل کرتا۔ اس کے بعد یہ اشعار پڑھے۔

۱: طبقات ابن سعد تذکرہ حضرت حمزہ بن جحش۔ ۲: طبقات ابن سعد تذکرہ واقعہ بن عبداللہ۔

۳: استیعاب تذکرہ حضرت عبداللہ بن زبیر۔ ۴: اسد الغابہ تذکرہ حضرت قثم بن عباس۔

ولست ابالی حین اقتل مسلما
جب میں مسلمان ہو کر مرتا ہوں
وذلك فی ذات الا له وان يشاء
یہ مرتا تو خدا کیلئے ہے اگر وہ چاہے

علی ای شق كان لله مصرعی^۱
تو اسکی کیا پروا کہ میرا ہر کس بل گرے گا
یبارك علی اوصال شلو ممزع
تو ان کئے ہوئے جوڑوں پر برکت بادل کر سکتا ہے

جرات و شجاعت

جرات و شجاعت کا اظہار کبھی عقائد کے اظہار میں ہوتا ہے کبھی میدان جنگ میں اور کبھی ظالم بادشاہوں کے سامنے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں یہ اخلاقی جوہر موجود تھا، اس لیے اس کا ظہور ان تمام موقعوں پر ہوتا تھا۔

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ نہایت قدیم الاسلام صحابی ہیں، وہ مکہ میں آکر ایمان لائے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ہدایت کی کہ اس وقت اپنے وطن کو واپس چلو اور اپنی قوم کو میری بعثت کی خبر کرو لیکن انھوں نے نہایت پر جوش لہجے میں کہا کہ اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے میں کفار مکہ کے سامنے ہی کلمہ توحید کا اعلان کروں گا حالت یہ تھی کہ وہ غریب وطن تھے مکہ میں کوئی ان کا حامی و مددگار نہ تھا، لیکن بائیں ہمہ وہ مسجد حرام میں آئے اور باؤز بلند کہا، اشہد ان لا اله الا الله واشہد ان محمد رسول الله، اس آواز کا سننا تھا کہ کفار ٹوٹ پڑے اور سخت زد و کوب کیا، لیکن انھوں نے دوسرے دن پھر اسی جوش کے ساتھ خانہ کعبہ میں اس کلمے کا اعلان کیا اور کفار نے پھر اسی طرح یورش کی۔^۱

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ چھٹے مسلمان ہیں ان میں سے پہلے کوئی مسلمان مکہ میں اعلانیہ تلاوت قرآن کی جرات نہیں کر سکتا تھا، لیکن وہ اسلام لائے تو ایک روز تمام صحابہ رضی اللہ عنہم نے جمع ہو کر کہا کہ اب تک قریش نے قرآن مجید کو کسی کی زبان سے علانیہ نہیں سنا، اس کی جرات کون کر سکتا ہے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کہا کہ ہم کو تمہاری نسبت خوف ہے ہم ایسا آدمی چاہتے ہیں، جس کا قبیلہ ہو تا کہ کفار حملہ کریں تو اس کی طرف سے مدافعت کر سکتے، بولے مجھے جانے دو خدا میری حفاظت کرے گا، اٹھے اور ٹھیک دو پہر میں آئے خانہ کعبہ میں قریش انجمن آرا تھے مقام ابراہیم کے پاس پہنچ کر باؤز بلند کہا بسم الله الرحمن الرحيم علم القرآن کفار نے سنا تو کہا کہ ابن عم عبید کیا کہتا ہے غور کرنے کے بعد معلوم ہوا کہ قرآن مجید کی آیتیں ہیں، بوفعہ تمام کفار ٹوٹ پڑے اور زد و کوب کرنے لگے وہ پلٹے تو چہرے پر زخموں کے نشان دیکھ کر صحابہ رضی اللہ عنہم نے کہا کہ ہم کو اسی کا تو ڈر

تھا، بولے، خدا کے دشمن آج سے زیادہ مجھے کبھی کمزور نظر نہیں آئے، اگر کہو تو کل بھی اسی طرح ان کو اعلانیہ قرآن سناؤں۔^۱

حضرت عمر رضی اللہ عنہ اسلام لائے تو پہلے اپنے ماموں کے گھر آئے اور دروازہ کھٹکھٹایا انہوں نے دروازہ کھولا تو کہا، تمہیں معلوم ہے کہ میں صابی ہو گیا، وہاں سے ایک سردار قریش کے پاس آئے اور وہاں بھی یہی گفتگو ہوئی وہاں سے نکلے تو ایک آدمی نے کہا کہ، تم اپنے اسلام کا اعلان کرنا چاہتے ہو؟ بولے، ہاں، اس نے کہا، تو اس کی صورت یہ ہے کہ جب کفار خانہ کعبہ میں حجرا سود کے پاس جمع ہوں تو تم وہاں جلاؤں میں ایک آدمی جو افشائے راز میں بدنام ہے اس کے کان میں یہ راز کہہ دو وہ اعلان کر دے گا، انہوں نے خانہ کعبہ میں جا کر اس کے کان میں کہا تو وہ باواز بلند پکارا عمر بن خطاب صابی ہو گیا یہ سننا تھا کہ کفار دفعۃً ٹوٹ پڑے اور باہم زدو کوب ہونے لگے۔ بلاآخر ان کے ماموں نے اپنی آستین سے اشارہ کیا کہ میں اپنے بھانجے کو اپنی پناہ میں لیتا ہوں اب کفار رک گئے۔^۲

غزوات میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے جس طرح دلو شجاعت دی صحابیات کے بہادرانہ کارنامے اس سے بھی زیادہ حیرت انگیز میں غزوہ حنین میں کفار نے اس زور و شور سے حملہ کیا تھا، کہ میدان جنگ لرز اٹھا، لیکن حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا کی شجاعت کا یہ حال تھا کہ ہاتھ میں خنجر لئے ہوئے منتظر تھیں کہ کوئی کافر سامنے آئے تو اس کا کام تمام کر دیں، چنانچہ حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ نے ان کے ہاتھ میں خنجر دیکھ کر پوچھا کہ یہ کیا ہے؟ بولیں ”چاہتی ہوں کہ کوئی کافر قریب آئے تو پیٹ میں بھونک دوں۔“^۳

غزوہ خندق میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام بیبیوں کو ایک قلعہ میں کر دیا تھا ایک یہودی آیا اور قلعہ کے گرد چکر لگانے لگا، حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا نے دیکھا تو حضرت حسان رضی اللہ عنہ سے کہا کہ ممکن ہے کہ یہ پلٹ کر یہودی سے ہماری جاسوسی کر لے جلاؤں اس کو قتل کرو، بولے، تمہیں تو یہ معلوم ہے کہ ”میں اس میدان کا مرد نہیں، اب حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا خود اتریں اور خیمہ کے ایک ستون سے اس کو ایسا مارا کہ وہیں ٹھنڈا ہو گیا۔“^۴

تمام عرب حجاج کے ظلم و ستم سے کانپتا تھا، لیکن جب اس نے حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کو پھانسی دی اور ان کی والدہ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کو بلوا بھیجا، تو انہوں نے آنے سے انکار کیا دوسری بار آدمی بھیجا کہ اگر اب کی نہ آئیں تو بال پکڑ کر گھسٹو بلاؤں گا۔ انہوں نے پھر

۱: اسد الغابہ تذکرہ حضرت عبداللہ بن مسعود۔ ۲: اسد الغابہ تذکرہ حضرت عمرؓ۔

۳: ابوداؤد و کتاب الجہاد باب فی السلب یعطلی القتال۔

۴: اسد الغابہ تذکرہ حضرت صفیہ بنت عبدالمطلب۔

انکار کیا اور کہ ان لوگوں کو بھیج دو جو بال پکڑ کر مجھے گھسیٹ لے جائیں۔ مجبوراً حجاج خود آیا اور کہا کہ دیکھا میں نے خدا کے دشمن کے ساتھ کیا کیا؟ بولیں ہاں دیکھا تم نے اس کی دنیا خراب کی، اس نے تمہاری آخرت کو برباد کیا۔ مجھے معلوم ہوا کہ تم اس کو ابن ذوالنطاقین کہتے تھے (دو پنکوں والی عورت کا لڑکا)۔ خدا کی قسم ذوالنطاقین میں ہی ہوں، ایک پٹکے میں میں نے ہجرت کے وقت رسول اللہ ﷺ اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہما کا زور لہ باندھا تھا اور دوسرا پنکا عورت کا معمولی پنکا ہے جس سے وہ بے نیاز نہیں ہو سکتی آپ نے فرمایا ہے کہ ثقیف میں ایک کذاب اور ایک ہلا کو پیدا ہوا گا کذاب مسلمہ لو لو ہم دیکھ چکے میرا خیال ہے کہ ہلا کو تو ہے حجاج اٹھ کھڑا ہوا اور پتھر جواب نہ دیا۔^۱

اعتراف گناہ

اگرچہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم چھوٹے سے چھوٹے گناہ کو بھی بڑا سمجھتے تھے اور اس سے اجتناب کرتے تھے چنانچہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

انکم لتعلمون اعمالا ہی اذ فی اعینکم من الشعران کنا لنعدھا علی عہد النبی ﷺ من الموبقات۔^۲

تم لوگ بہت سے کام کرتے ہو جو تمہیں بال سے بھی زیادہ باریک یعنی حقیر نظر آتے ہیں لیکن ہم لوگ عہد نبوت ﷺ میں ان کو مہلک ترین گناہ میں شمار کرتے تھے۔

تاہم مقتضائے بشریت ان سے کبھی کبھی بعض گناہ سرزد ہو جلیا کرتے تھے لیکن ہم میں اور ان میں فرق یہ ہے کہ ہم گناہ کرتے ہیں تو طرح طرح کے ریاکارانہ طریقوں سے اس کو چھپاتے ہیں لیکن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نہایت صداقت کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنے گناہوں کا اعتراف کرتے تھے اور طالب مغفرت ہوتے تھے۔

ایک بار ماہ رمضان میں حضرت سلمہ بن صححر رضی اللہ عنہ نے اپنی بی بی سے ظہار کیا لیکن ایک روز بی بی رات کو مصروف خدمت تھیں ان سے مقاربت کر لی چونکہ اس حالت میں مقاربت ناجائز تھی۔ پہلے اپنی قوم کو اس واقعہ کی خبر کی اور کہا کہ مجھے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں لے چلے۔ لوگوں نے انکار کیا، تو خود گئے اور آپ کو واقعہ سے اطلاع دی، آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا تم اور ایسا کام! بولے ہاں یا رسول اللہ ﷺ میں خدا کے حکم پر صابر رہوں گا۔ جو فیصلہ ہو صادر فرمائیے۔^۳

ایک بار روزے کے دن حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی بی بی کا بوسہ لے لیا رسول اللہ ﷺ کی

۱۔ مسلم کتاب الفضائل باب ذکر کذاب ثقیف وغیرہ۔

۲۔ بخاری کتاب الرقاق باب ما تقی من محقرات الذنوب۔

۳۔ ابوداؤد کتاب الطلاق باب فی الظہار۔

خدمت میں آئے اور کہا کہ میں نے بڑا قصور کیا ہے آپ ﷺ نے فرمایا اگر تم روزے کی حالت میں کلی کر لو تو اس کی نسبت تمہارا کیا خیال ہے۔ بولے اس میں تو کوئی حرج نہیں ارشاد ہوا کہ اسی طرح اس کو بھی جانے دو۔^۱

ایک بار رمضان کے دن میں رسول اللہ ﷺ مسجد میں تشریف فرما تھے ایک صحابی نے آکر کہا یا رسول اللہ ﷺ میں تو جل بھنا، آپ ﷺ نے پوچھا کیا حال ہے؟ بولے بی بی سے مقاربت کر لی۔

صداقت

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جھوٹ سے زیادہ کوئی خلق اصحاب رسول اللہ ﷺ کے نزدیک مبعوض نہ تھا اگر کوئی شخص رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں جھوٹ بول دیتا تو آپ ﷺ کے دل میں اس وقت تک اس کی کھٹک باقی رہتی جب تک وہ توبہ نہ کر لیتا۔^۲ مکہ فتح ہوا تو رسول اللہ ﷺ نے تمام مال غنیمت قریش کو دے دیا انصار کو خبر ہوئی تو بولے یا للعجب ہماری تلواروں سے جن کا خون ٹپک رہا ہے ہمارا مال غنیمت انہیں کو دیا جا رہا ہے آپ ﷺ کو معلوم ہوا تو تمام انصار کو جمع کر کے پوچھا کہ یہ کیا بات ہے؟ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ ﷺ کے خوف و ادب سے کانپتے رہتے تھے۔ اسلئے آپ ﷺ کے سامنے اس گستاخی کا اقرار ان کیلئے نہایت مشکل تھا تاہم تمام انصار نے صاف کہہ دیا کہ جو کچھ آپ ﷺ کو معلوم ہوا واقعہ وہی ہے اس حدیث کے راوی حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ اس واقعہ کے بیان کرنے کے بعد فرماتے ہیں۔
وكانوا لا يكذبون۔^۳

یہ اقرار اس بنا پر تھا کہ صحابہ رضی اللہ عنہم جھوٹ نہیں بولتے تھے۔

غزوہ تبوک کی عدم شرکت پر رسول اللہ ﷺ نے باز پرس فرمائی تو منافقین نے جھوٹی جچی معذرت کر دی اور آپ ﷺ نے اس کو قبول کر لیا لیکن حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ نے سچ جج کہہ دیا کہ اگر میں کسی دنیا دار آدمی کے پاس ہوتا تو چرب زبانی سے اس کی ناراضی سے بچ جاتا لیکن اگر میں کوئی جھوٹا عذر کر کے آپ کی ناراضی سے بچ جاؤں تو ممکن ہے کہ خدا آپ ﷺ کو مجھ پر ناراض کر دے (یعنی بذریعہ وحی اصل حقیقت سے خبر کر دے) لیکن اگر سچ بولوں تو گو آپ ﷺ مجھ پر ناراض ہو جائیں گے تاہم مجھ کو خدا سے عفو و مغفرت کی توقع رہے گی خدا کی قسم میں بالکل معذور نہ تھا خدا کی قسم میں اس زمانہ سے زیادہ کبھی متمول اور چاق و چست نہ تھا

۱: ابوداؤد کتاب الصیام باب القبلة للصائم۔

۲: ایضاً باب کفارہ من الی ہلہ فی رمضان۔

۳: مسند ابن ضبیل جلد صفحہ ۱۵۲۔

آپ ﷺ نے فرمایا اس نے سچ کہا بلا آخر آپ ﷺ نے ان پر سخت ناراضی کا اظہار کیا لیکن جب خدا نے ان کی توبہ قبول کر لی تو ان کو خود اس صداقت پر ناز ہوا چنانچہ خود فرماتے ہیں۔

اما انعم اللہ علی من نعمته قط بعد ان هدانی للإسلام اعظم فی نفسی من صدقی لرسول اللہ ان لا اكون كذبتہ فاهلك كما ملك الذين كذبوا

اسلام لانے کے بعد خدا نے مجھ پر کوئی ایسا احسان نہیں کیا جسکی عزت میرے دل میں اس سچائی سے زیادہ ہو جس کا اظہار میں نے آپ ﷺ کے سامنے کیا اگر میں جھوٹ بولتا تو اسی طرح ہلاک ہو جاتا جس طرح وہ لوگ ہلاک ہوئے جو جھوٹ بولتے تھے یعنی منافقین۔

اہل عرب خاندانی عصبیت اور شرافت کا بہت زیادہ لحاظ رکھتے تھے لیکن ایک موقع پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ انصار کے خاندانوں میں سب سے بہتر بنو نجار ہیں پھر بنو عبد الاشہل پھر بنو حارث بن خزرج، پھر بنو ساعدہ، قبیلہ بنو ساعدہ کے بعض سربر آوردہ بزرگوں کو یہ ناگوار گزرا کہ آپ ﷺ نے انکو چوتھے نمبر پر رکھا لیکن اسی قبیلہ کے ایک بزرگ حضرت ابواسید رضی اللہ عنہ نے جب یہ روایت کی تو فرمایا کہ اگر میں جھوٹ بولتا تو سب سے پہلے اپنے قبیلہ بنو ساعدہ کا نام لیتا۔^۱ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جھوٹ کو اپنے دامن کا اس قدر بد نما دغ سمجھتے تھے کہ اگر ان پر کبھی کذب و دروغ کا اتھام لگ جاتا تو ان کے گھر میں صف ماتم بچھ جاتی ایک سفر میں عبد اللہ بن ابی سلول نے اپنے رفقاء سے کہا کہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ جو بد وہیں ان کو کچھ نہ دو یہاں تک کہ وہ بھاگ جائیں، اب ہم اگر مدینہ کو لوٹ کر جائیں گے تو وہاں سے معزز لوگ ذلیل لوگوں کو نکال دیں گے، حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ نے سن لیا اور اپنے چچا سے اس کا ذکر کیا انھوں نے تو اس واقعہ کو رسول اللہ ﷺ تک پہنچایا آپ نے عبد اللہ بن ابی کو بلا بھیجا تو اس نے حلف اٹھایا کہ میں نے ایسا نہیں کیا، آپ ﷺ نے اس کے قول کا اعتبار کر لیا اور حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کی تکذیب کی اس کا ان کو اس قدر صدمہ ہوا کہ عمر بھر کبھی نہ ہوا تھا یہاں تک کہ وہ اس صدمہ میں خانہ نشین ہو گئے اور فرط غم سے گردن جھک گئی اس کے بعد جب سورہ منافقون نازل ہوئی تو آپ ﷺ نے ان کو طلب فرمایا اور کہا کہ خدا نے تمہاری تصدیق کی۔^۲

دیانت

ایک بار حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے سواشر فیوں کا توڑا پلایا اور کمال دیانت کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں ان کا تذکرہ کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ایک سال تک مالک کی

۱: بخاری کتاب المغازی باب غزوہ تبوک۔

۲: مسلم کتاب الفضائل باب فی خیر دور الانصار۔

۳: ترمذی ابواب تفسیر القرآن۔ تفسیر سورہ المنافقون۔

جستجو میں منادی کرتے رہا انھوں نے قبیل ارشاد کی دوسرے سال پھر حاضر خدمت ہوئے آپ نے پھر یہی حکم دیا وہ حکم بجالائے پھر تیسرے سال آپ آئے آپ ﷺ نے پھر یہی ارشاد فرمایا جب اب کی بھی مالک نہیں ملا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ بحفاظت رکھ لو اگر مالک مل گیا تو خیر ورنہ خود خرچ کر ڈالو۔^۱

ایک بار حضرت مقدادؓ بضرورت بقیع نجہ میں گئے دیکھا کہ چوہا مل سے اشرفیاں نکال کر ڈھیر کر رہا ہے انھوں نے گنا تو اٹھارہ نکلیں اٹھالائے اور آپ کی خدمت میں پیش کر کے کہا کہ اس کا صدقہ لے لیجئے فرمایا خود تو بل سے نہیں نکالا تھا۔ بولے نہیں ارشاد ہوا خدا تمہیں برکت دے۔^۲

ایک بار حضرت سفیانؓ بن عبد اللہ ثقفی نے کسی کا توشہ دان پایا تو حضرت عمرؓ کے پاس لائے انھوں نے فرمایا کہ ایک سال تک اعلان کرو اگر مالک کا پتہ نہ چلے تو وہ تمہارا ہے سال بھر تک مالک کا پتہ نہ چلا تو وہ پھر آئے حضرت عمرؓ نے فرمایا تو وہ اب تمہارا ہے بولے مجھے ضرورت نہیں۔ آخر کار حضرت عمرؓ نے اس کو بیت المال میں داخل کر دیا۔^۳

ایک بار حضرت جریرؓ کا چرواہا گایوں کو چرا کر لایا تو ساتھ ساتھ کسی دوسرے کی ایک گائے بھی آگئی بولے یہ کس کی ہے؟ چرواہے نے کہا خبر نہیں گلے کے ساتھ آکر مل گئی فرمایا اس کو نکال دو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ بھولے بھٹکے جانور کو صرف گمراہ پناہ دیتا ہے۔^۴

ایک صحابی کی لونٹنی گم ہو گئی اور انھوں نے دوسرے صحابی سے کہہ دیا کہ ملے تو پکڑ لینا ان کو لونٹنی مل گئی لیکن اس کا مالک کہیں چلا گیا انھوں نے لونٹنی اپنے یہاں رکھ چھوڑی کہ مالک آئے تو حوالہ کر دیں اسی اثنا میں لونٹنی بیمار پڑی بی بی نے کہا ذبح کر ڈالو فقر و فاقہ کی یہ حالت تھی کہ مردار کھانے پر مجبور تھے چنانچہ لونٹنی مر گئی تو رسول اللہ ﷺ نے ان کو اس کا گوشت کھانے کی اجازت بھی دے دی لیکن کمال دیانت سے ذبح کرنے پر راضی نہ ہوئے مالک آیا تو انھوں نے تمام سرگزشت کہہ سنائی اس نے کہا ذبح کیوں نہیں کر ڈالا۔ بولے تم سے شرم آتی تھی۔^۵

حضرت زبیرؓ کی دیانت کا یہ حال تھا کہ جب کوئی شخص ان کے پاس ملانت رکھتا تو کہتے کہ مبادہ کہیں یہ ضائع نہ ہو جائے اس لئے ہم پر یہ قرض رہی اس طرح ان پر کئی لاکھ کا قرض

۱: ابوداؤد کتاب الملقط۔

۲: آئینہ کتاب الخزماج والامار باب ما جاء فی الرکاز۔

۳: مسند دارمی کتاب المیوع باب الملقط۔

۴: ابوداؤد کتاب الملقط۔

۵: ابوداؤد کتاب الاطعمہ باب فی المضطر الی المتیتہ۔

ہو گیا۔^۱ متعدد صحابہ ؓ نے ان کی حفاظت میں اپنا مال دے دیا تھا اور وہ اس دیانت سے اس کی نگہداشت کرتے تھے کہ خود اپنے مال سے ان کے اہل و عیال کے نان و نفقہ کا انتظام کرتے تھے مگر ان کا مال صرف نہیں کرتے تھے۔^۲

ایک صحابی کے پاس کسی کی وراثت کا مال محفوظ تھا انھوں نے رسول اللہ ﷺ سے کہا کہ میرے پاس قبیلہ ازو کے ایک شخص کی وراثت کا مال محفوظ ہے میں کسی ازدی کو نہیں پاتا کہ اس کے حوالہ کروں ارشاد ہوا کہ جاؤ ایک سال تک تلاش کرو ایک سال کے بعد آئے اور کہا کہ نہیں ملتا پھر یہی حکم ہوا ایک سال کے بعد پھر آئے اور کہا کہ نہیں ملتا فرمایا کہ پہلے جس خزاعی کو پاؤ اس کو سو پ دو۔^۳

حضرت عقیل بن ابی طالب ؓ غزوہ حنین سے ملے تو بی بی نے کہا کہ مال و غنیمت میں کیا لائے؟ انھوں نے انکو ایک سوئی دی کہ اس سے کپڑا سینا تنے میں رسول اللہ ﷺ نے منادی کروائی کہ دھاگا اور سوئی تک دے دو انھوں نے فوراً سوئی لے لی اور مال غنیمت میں داخل کر دیا۔^۴ یہ دیانت صرف مال و دولت تک محدود نہ تھی بلکہ اس کا اثر صحابہ کرام ؓ کی ہر چیز سے نمایاں ہوتا تھا۔ حضرت عمر ؓ کا اخیر وقت آیا تو ایک خاص ضرورت سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس ایک آدمی بھیجا اور کہا کہ عمر کا سلام کہو امیر المومنین نہ کہنا کیونکہ میں اب امیر المومنین نہیں ہوں۔^۵

صحابہ کرام ؓ صرف خود ہی متدین نہ تھے بلکہ متدین لوگوں کے بہت بڑے فدرواں بھی تھے ایک بار حضرت عبداللہ بن عمر ؓ مدینہ کے اطراف میں سے نکلے ایک خدا ترس چرواہا بکریاں چرا رہا تھا انھوں نے اس کو کھانے پر بلایا لیکن اس نے عذر کیا کہ میں روزے سے ہوں اب انھوں نے اس کے دروغ و تقویٰ کے امتحان لینے کو کہا ان بکریوں میں سے ایک بکری فروخت کر دو ہم تمہیں قیمت بھی دیں گے اور افطار کرنے کیلئے گوشت بھی لیکن اس نے کہا کہ بکریاں میری نہیں ہیں میرے آقا کی ہیں انھوں نے کہا کہ تمہارا آقا کیا کرے گا؟ اب چرواہے نے پیٹھ پھیر لی اور آسمان کی طرف انگلی اٹھا کر کہا تو خدا کہاں چلا جائے گا؟ حضرت عبداللہ عمر ؓ اس فقرے پر محو ہو گئے اور بار بار اس کو دہرانے لگے۔ مدینہ میں پلٹ کر آئے تو اسکو اسکے آقا سے مع بکریوں کے خرید کر آزاد کر دیا اور بکریاں اس پر بہہ کر دیں۔^۶

۱۔ بخاری کتاب الجہاد باب فی برکتہ الغازی فی مالہ حیو میتا۔ ۲۔ اصحابہ تذکرہ حضرت زبیر بن العوام۔

۳۔ ابوداؤد کتاب الغر اصناف باب فی میراث ذوی الاحرام۔ ۴۔ اسد الغابہ تذکرہ فاطمہ بنت شیبہ۔

۵۔ بخاری کتاب المناقب۔

۶۔ اسد الغابہ تذکرہ حضرت عبداللہ بن عمر۔

خاکساری

اگرچہ دنیا صحابہ کرام ؓ کی خاک پا کو آنکھ کا سرمہ بناتی تھی لیکن بایں ہمہ دنیایت فروتن، متواضع اور خاک سار تھے۔ ایک محمد بن حنفیہ نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے پوچھا کہ رسول اللہ ﷺ کے بعد کون شخص افضل الناس ہے؟ بولے ابو بکر ؓ پھر پوچھا کہ ان کے بعد بولے عمر ؓ اس کے بعد وہ خود کہہ اٹھے کہ ان کے بعد آپ فرمایا میں تو مسلمانوں کا ایک معمولی فرد ہوں۔^۱

حضرت سلمان فارسی ؓ مداین کے گورنر تھے لیکن طرز معاشرت اس قدر سادہ رکھا تھا کہ کوئی پہچان نہیں سکتا تھا ایک بار کسی شخص نے گھاس خریدی اور ان کو بیگار پکڑ کر گھنسیا سر پر ادا دی، وہ چلے تو لوگوں نے کہا یہ امیر ہیں صاحب رسول اللہ ﷺ ہیں اس نے کہا معاف فرمائیے میں نے آپ کو پہچانا نہیں بوجھ سر سے رکھ دیجئے، بولے نہیں اب تو تمہارے گھر پہنچا کر اتاروں گا۔^۲

حضرت عبداللہ بن عمر ؓ نہایت خاکسارانہ زندگی بسر کرتے تھے۔ ایک بار ان کے پاس کسی نے بر دی کپڑے ہدیہ بھیجے انھوں نے واپس کر دیا اور کہا کہ ہم غرور کے خوف سے اس کو نہیں پہن سکتے، اگر کسی مجلس میں جاتے اور کوئی ان کی تعظیم کو اٹھتا تو وہاں نہ بیٹھے۔^۳

حضرت امیر معاویہ ؓ کو جلاہ پسند کہا جاتا ہے لیکن ایک بار ابن عامر ان کی تعظیم کیلئے اٹھے تو انھوں نے منع کیا۔^۴

عفو و درگزر

صحابہ کرام ؓ کی زندگی اس آیت کی حقیقی تفسیر ہے

وَالْكَاظِمِينَ الْغَيْظَ وَالْعَافِينَ عَنِ النَّاسِ۔ (ال عمران)

غصے کے ضبط کرنے والے اور لوگوں سے درگزر کرنے والے ہیں

ایک بار حضرت صفوان ؓ مسجد میں کھل بچھا کر سو رہے تھے ایک شخص آیا اور اس کو چرا کر چلتا ہوا لیکن اوگ اس کو پکڑ کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں لائے اور آپ نے اس کے ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا، حضرت صفوان ؓ کو خبر ہوئی تو حاضر خدمت ہو کر عرض کیا کیا ۳ درہم (چادر کی یہی قیمت تھی) کیلئے آپ ﷺ اس کا ہاتھ کاٹتے ہیں میں یہ کھل اسکے ہاتھ فروخت

۱: ابوداؤد کتاب الاعتصام باب فی التفصیل۔

۲: طبقات ابن سعد تذکرہ حضرت سلمان فارسیؓ۔

۳: طبقات ابن سعد تذکرہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ۔

۴: طحاوی فی قیام الناس بعضا بعض و ادب المفرد باب قیام الرجل المرجل تعظیماً۔

کر دیتا ہوں قیمت بعد کو لو کر دے گا فرمایا میرے پاس لانے سے پہلے ہی کیوں نہ معاف کر دیا۔^۱
ایک بار رسول اللہ ﷺ نے صدقہ فطر کی حفاظت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے متعلق کی
رات کو تین بار ایک چور آیا اور غلہ چرا کر لے چلا حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے اس کو ہر بار پکڑا
لیکن اس نے منت سماجت کی تو چھوڑ دیا اخیر میں معلوم ہوا کہ وہ شیطان تھا۔^۲

حضرت عروہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے جب رسول اللہ ﷺ کی خدمت مبارک سے مشرف
باسلام ہو کر اپنے وطن طائف میں واپس آ کر اپنی قوم کو دعوت اسلام دی تو وہ لوگ دشمن ہو گئے
اور ان کے قتل کا تہیہ کر لیا چنانچہ صبح کے وقت انھوں نے اذان دی تو قبیلہ بنو مالک کے ایک
شخص نے تیر مارا اور وہی زخم منجر لی الشہادہ ہو گیا ان کے خاندان والوں کو خبر ہوئی تو ہتھیار سج ج
کے آئے اور کہا ہم ایک ایک کر کے مرجائیں گے لیکن جب تک ان کے عوض میں بنو مالک
کے دس سردار نہ قتل کر لیں ہم کو چین نہ آئے گا لیکن حضرت عروہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میرے
بارے میں جنگ و جدل نہ کرو میں نے باہمی اصلاح کیلئے اپنے خون کو معاف کر دیا۔^۳

حضرت عمر رضی اللہ عنہ اگرچہ مذہبی معاملات میں نہایت سخت تھے لیکن ایک بار طائف کے دو
شخصوں نے مسجد نبوی ﷺ میں شور و غل کیا تو انھوں نے ان کو طلب کیا اور کہا کہ مسجد نبوی
ﷺ میں شور کرتے ہو اگر شہر کے رہنے والے ہوتے تو میں تم کو سزا دیتا۔^۴

عصیت اور قومی حمیت

اسلام نے اگرچہ تمام صحابہ رضی اللہ عنہم کو بھائی بھائی بنادیا تھا تاہم ان میں عصیت اور قومی حمیت
باقی تھی اور جب موقع آجاتا تھا تو دُفعۃً یہ جنگاری سلگ اٹھتی تھی حضرت محلم بن جثامہ
اللیثی رضی اللہ عنہ نے قبیلہ اشجع کے ایک شخص کو قتل کر ڈالا، حضرت عتبہ بن حصن قبیلہ اشجع کے
سردار تھے اس لیے انھوں نے مقتول کی حمایت کی، حضرت اقرع بن حابس کا تعلق قبیلہ
بنو لیث سے تھا، اس لئے وہ قاتل کی حمایت میں اٹھے۔ باہم سخت شور و غل ہوا، بالآخر رسول اللہ
ﷺ نے فرمایا، عینیہ دیت قبول کرلو۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اگرچہ آپ ﷺ کی اطاعت کو فرض
عین سمجھتے تھے، لیکن اس موقع پر عینیہ نے کہا، خدا کی قسم جس طرح اس نے ہماری عورتوں کو
سوگ میں مبتلا کیا ہے۔ اسی طرح میں اس کے قبیلہ کی عورتوں کو سوگوار کر کے چھوڑوں گا
، پھر باہم سخت کشمکش ہوئی، آپ ﷺ نے حضرت عینیہ کو پھر دیت لینے پر آمادہ کرنا چاہا لیکن

- ۱: ابوداؤد کتاب الحدود باب من سرق من حرزہ
- ۲: بخاری کتاب الوکایہ باب لڑاؤ کل رجلا فترک الوکیل شینہ
- ۳: طبقات ابن سعد تذکرہ حضرت عروہ بن مسعود
- ۴: بخاری کتاب الصلوۃ باب رفع الصوت فی المسجد

انہوں نے پھر وہی پہلا جواب دیا، بلا آخر آپ ﷺ نے خود یت دلا دی۔^۱
 واقعہ افک کے متعلق جب آپ نے فرمایا من یعذرنی من رجل بلغنی اذہ فی اہلی تو
 حضرت سعد بن معاذ اٹھے، اور فرمایا، خدا کی قسم اگر وہ ہمارے قبیلہ لوس کا ہو گا تو ہم اس کی گردن
 اڑا دیں گے اور اگر قبیلہ خزرج کا ہو گا تو آپ جو حکم دیں تعمیل ارشاد کریں گے، حضرت سعد بن
 عبدہ قبیلہ خزرج کے سردار تھے، ان کی حمیت قوی نے جوش مارا اور بولے جھوٹ بکتے ہو، خدا
 کی قسم تم اس کے قتل کرنے کی طاقت نہیں رکھتے، حضرت اسید بن خضیر لوسی ؓ کو بھی
 جوش آگیا بولے تم جھوٹ بکتے ہو ہم خدا کی قسم اس کو ضرور قتل کر ڈالیں گے بات اس قدر
 بڑھی کہ اگر آپ نہ روکتے تو دونوں قبیلوں میں مٹ بھیڑ ہو جاتی۔^۲

شکر الہی

ایک شخص کا بیٹا مر جاتا ہے دولت لٹ جاتی ہے جائیداد تباہ ہو جاتی ہے تو وہ ابتدا میں
 بدحواس ہو جاتا ہے لیکن مایوسی مجبورِ انصبر کا خوگر بناتی ہے کہ الیاس احدی الراحمین لیکن جب
 خدا ایک لاولد شخص کو بیٹا دیتا ہے ایک مفلس کو دولت مل جاتی ہے ایک ذلیل شخص معزز ہو جاتا
 ہے تو دفعۃً اس قدر معزور اور خود پسند ہو جاتا ہے کہ اس حالت میں اس کو خدایا نہیں آتا۔ اس
 لئے بعض صوفیہ کا قول ہے کہ صبر آسان اور شکر مشکل ہے لیکن اسلام کے تمام دور صحابہ کرام
ؓ کے سامنے تھے وہ بھی جس میں وہ سخت مفلس اور محتاج تھے اور وہ بھی جس میں وہ دولت
 مند اور متمول ہو گئے تھے پہلے دور میں انہوں نے صبر کیا تھا اور دوسرے دور میں خدا کا شکر لیا
 کرتے تھے ایک دفعہ حضرت ابو ہریرہ ؓ نے فرمایا کہ میں نے یتیمی کی حالت میں نشوونما پائی
 مسکینی کی حالت میں ہجرت کی کھانے پر ہمتہ غزو ان کا ملازم تھا جب وہ لوگ منزل پر اترتے تھے
 تو ان کیلئے لکڑیاں جن لاتا تھا اور جب وہ لونٹ پر سوار ہوتے تھے تو ان کی حدی خولنی کرتا تھا لیکن
 خدا کا شکر ہے کہ اب مذہب نے قوت حاصل کر لی ہے اور ابو ہریرہ ؓ امام بن گیا ہے۔^۳

ایک بار مدینہ کے کچھ لوگ انکی خدمت میں آئے تو انہوں نے ایک شخص کو بھیجا کہ جاؤ گھر
 سے کھانا مانگ لاؤ وہ گئے تو انکی والدہ نے تین روٹیاں زیتون کے تیل اور نمک کیساتھ بھیج دیں وہ
 سب کے سامنے رکھی گئیں تو حضرت ابو ہریرہ ؓ نے تکبیر کا نعرہ مارا اور کہا کہ اس خدا کا شکر ہے
 جس نے روٹی سے ہمارا پیٹ بھرا حالانکہ اس سے پہلے ہماری غذا کھجور اور پانی کے سوا کچھ نہ تھی۔^۴

۱: ابوداؤد کتاب الدیات باب الامام یاسر بالغوا بالدم۔

۲: بخاری کتاب الشہادات باب تعدیل النساء بعضہن بعض۔

۳: سنن ابن ماجہ ابواب الہول باب اجارہ الاجیر علی طعام ملہ۔

۴: مؤطا امام مالک کتاب الجامع باب جامع ماجاء فی الطعام والشراب

حضرت سلمان فارسی ؓ کھانا کھاتے تھے تو کہتے تھے کہ اس خدا کا شکر ہے جو ہمارا کفیل بنا اور ہمارے رزق میں وسعت دی۔^۱

ایک بار حضرت عمر ؓ نے نیا کپڑا پہنا تو فرمایا کہ میں اس خدا کا شکر کرتا ہوں جس نے مجھ کو کپڑا پہنایا جس سے میں اپنی شرمگاہ کو چھپاتا ہوں اور زندگی میں زینت حاصل کرتا ہوں۔^۲

استغناء

کیسا اگر خاک کو سونا بنا دیتی ہے تو استغناء اور بے نیازی سونے کے ڈالے کو تو وہ خاک بنا دیتے ہیں صحابہ کرام ؓ کو اسی کیسیا کا نسخہ ہاتھ آگیا تھا اس لئے وہ ہوس پرست کیسیا گروں کی طرح سونے کی حرص میں خاک نہیں چھانٹتے بلکہ ان کے سامنے لعل و گہر بھی آجاتے تھے تو ان کو بے پروائی کے ساتھ سگریزوں کی طرح ٹھکرا دیتے تھے۔

مال خمس میں سے ایک حصہ اہل بیت کو ملتا تھا جس کی تقسیم کا انتظام رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی ؓ کے متعلق کر دیا تھا شیخین کے زمانہ میں بھی وہ اسی خدمت پر مامور تھے ایک مرتبہ حضرت عمر ؓ کے زمانہ میں کہیں سے بہت سامان آیا اور انھوں نے حسب معمول حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو دینا چاہا تو بولے اس سال ہم تو اس سے بے نیاز ہیں البتہ مسلمانوں کو اس کی ضرورت ہے انہیں کو دے دیجئے چنانچہ حضرت عمر ؓ نے اس کو بیت المال میں داخل کر دیا۔^۳

ایک بار عبدالعزیز بن مروان نے حضرت عبداللہ بن عمر ؓ کو لکھا کہ میرے دربار میں اپنی ضرورتیں پیش کیجئے انھوں نے جواب میں لکھا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ اوپر کا ہاتھ نیچے کے ہاتھ سے بہتر ہے پہلے اس شخص کو دو جس کے تم کفیل ہو نہ میں تم سے کچھ مانگتا ہوں نہ اس رزق کو واپس کرتا جو خدا مجھ کو تمہارے ذریعہ سے دیتا ہے۔^۴

ایک بار حضرت وائل بن حجر ؓ حضرت امیر معاویہ ؓ کے پاس آئے انھوں نے نہایت تپاک سے ان کا خیر مقدم کیا اور ان کو عطیہ دینا اور وظیفہ مقرر کرنا چاہا لیکن انھوں نے کہا کہ ہم اس سے بے نیاز ہیں جو اس کے ہم سے زیادہ مستحق ہیں وہ اس کو قبول کریں گے۔^۵

ایک بار حضرت عثمان ؓ نے حضرت عبداللہ بن ارقم ؓ کو تیس ہزار درہم دینا

۱۔ طبقات ابن سعد تذکرہ حضرت سلمان فارسیؓ۔

۲۔ ترغیب و ترہیب جلد ۲ صفحہ ۵۸۔

۳۔ ابوداؤد و کتاب الخراج والامارہ باب فی بیان مواضع قسم الخمس و سهم ذی القربی۔

۴۔ مسند ابن حبیل جلد ۲ صفحہ ۴۔

۵۔ استیعاب تذکرہ وائل بن حجر۔

چاہے مگر انہوں نے انکار کر دیا۔^۱

شرم و حیا

حدیث شریف میں آیا ہے۔

الحياء شعبۃ من الایمان - (بخاری کتاب الایمان)

حیا ایمان کی شاخ ہے!

صحابہ کرام ؓ کے کشت دل میں ایمان کی یہ شاخ اس قدر سرسبز و شاداب تھی کہ بہت سے صحابہ ؓ کو بیوی کے ساتھ ہم بستر ہونے میں بھی شرم آتی تھی اور قضائے حاجت کی حالت میں بھی حیا دامن گیر ہوتی تھی چنانچہ یہ آیت انہیں لوگوں کی شان میں نازل ہوئی

الا انہم یثنون صلورہم لیستخفوا منہ

حضرت عثمان ؓ کی شرم و حیا کا یہ حال تھا کہ گھر کا دروازہ بند ہوتا تھا لیکن کپڑا اتار کر نہیں نہاتے تھے نہانے کے بعد ان کی بیوی کی لونڈی کپڑے پہننے کیلئے لاتی تھی تو کہہ دیتے تھے کہ میری طرف نہ دیکھنا کیونکہ تمہارے لئے یہ جائز نہیں۔ خود رسول اللہ ﷺ ان کی شرم و حیا کا لحاظ رکھتے تھے ایک بار آپ ﷺ کی خدمت میں حضرت ابو بکر ؓ اور حضرت عمر ؓ آئے اس وقت آپ گھر میں لیٹے ہوئے تھے اور آپ ﷺ کی ران کھلی ہوئی تھی لیکن جب حضرت عثمان ؓ آئے تو آپ ﷺ نے اس کو ڈھانک لیا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس کی وجہ پوچھی تو فرمایا کہ عثمان ؓ شرمیلے آدمی ہیں اگر میں اسی حالت میں رہتا تو وہ اپنی حاجت نہ پیش کرتے۔^۲

حضرت ابو موسیٰ اشعری ؓ اندھیرے گھر میں نہاتے تھے تاہم شرم کے مارے سیدھے کھڑے نہیں ہوتے تھے بلکہ سکڑتے رہتے تھے ایک دفعہ چند لوگوں کو دیکھا کہ پانی میں بغیر تہبند باندھے ہوئے کھڑے ہوئے ہیں بولے مجھے یہ پسند ہے کہ مر کر زندہ ہوں پھر مردوں پھر زندہ ہوں پھر مردوں پھر زندہ ہوں لیکن یہ بے حیائی پسند نہیں، ان کو ستر عورت کا اس قدر خیال تھا کہ سونے کی حالت میں خاص کپڑے پہن لیتے تھے کہ مبادہ حالت خواب میں کشف عورت ہو جائے۔^۳

۱: ایضاً تذکرہ عبد اللہ بن ارقم۔ ۲: بخاری شریف کتاب التفسیر سورہ ہود باب تفسیر بذہ الآیہ۔

۳: مسند ابن حبیل جلد ۱ صفحہ ۷۴، مسند عثمان۔ ۴: طبقات ابن سعد تذکرہ حضرت عثمانؓ۔

۵: مسلم کتاب المناقب فضائل عثمانؓ۔

۶: عورت کے ان اعضا کے جس جن کو انسان شرم کی وجہ سے چھپاتا ہے۔

۷: یعنی رات کو ننگے نہ ہو جائیں۔

۸: طبقات ابن سعد تذکرہ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ۔

ایک بار حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ حمام میں گئے دیکھا کہ کچھ لوگ برہنہ نہا رہے تھے آنکھ بند کر کے فوراً واپس آئے، حمائی کو معلوم ہوا تو اس نے سب کو نکال کر اور حمام کو خوب پاک و صاف کر کے ان کو بلوایا اور کہا کہ اب حمام میں کوئی نہیں۔ اندر داخل ہوئے تو پانی نہایت گرم تھا بولے کتنا برا گھر ہے جس سے حیا نکال دی گئی ہے اور کتنا اچھا گھر ہے جس سے آدمی چاہے تو عبرت حاصل کر سکتا ہے یعنی دوزخ کو یاد کر سکتا ہے ایک دن ان سے کسی نے کہا کہ آپ حمام کیوں نہیں کرتے۔ بولے میں پسند نہیں کرتا کہ میری شرمگاہ پر کسی کی نگاہ پڑے اس نے کہا تو تہ بند باندھ لیجئے بولے میں کسی دوسرے کی شرمگاہ کو دیکھنا بھی پسند نہیں کرتا۔^۱

حضرت عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ ایک روز غسل کر رہے تھے ان کے والد حضرت عامر رضی اللہ عنہ ایک یتیم بچے کی پرورش کرتے تھے وہ بھی ساتھ نہا رہا تھا اور دونوں ایک دوسرے کے بدن پر پانی ڈال رہے تھے حضرت عامر رضی اللہ عنہ نے دیکھا تو کہا کہ ایک دوسرے کی شرمگاہ کو دیکھ رہے ہو خدا کی قسم ہم تم کو اپنے آپ سے اچھے سمجھتے تھے اور کہتے تھے کہ یہ لوگ عہد اسلام میں پیدا ہوئے ہیں جاہلیت کے زمانہ میں نہیں پیدا ہوئے لیکن خدا کی قسم تم لوگ بڑے ناخلف ہو۔^۲

طہارت و نظافت

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نہایت طہارت و نظافت کے ساتھ زندگی بسر کرتے تھے اہل عرب عموماً قضاے حاجت کے بعد پانی سے آبدست نہیں لیتے تھے لیکن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں اہل قبا پانی سے آب دست لیتے تھے اور عرب کی حالت کے لحاظ سے یہ ایک ایسی عظیم الشان فضیلت تھی کہ اس کے متعلق قرآن پاک میں ایک خاص آیت نازل ہوئی۔

فیه رجال یحبون ان یتطہروا واللہ یحب المتطہرین۔^۳

مسجد قبا میں ایسے لوگ رہتے ہیں۔ جو طہارت کو پسند کرتے ہیں اور خدا بھی طہارت کرنے والوں کو محبوب رکھتا ہے۔

ان کے علاوہ اور صحابہ رضی اللہ عنہم بھی طہارت کا نہایت خیال رکھتے تھے۔

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو طہارت کا اس قدر خیال تھا کہ شیشے میں پیشاب کرتے تھے اور کہتے تھے کہ ”بنو اسرائیل کے جسم پر اگر پیشاب کی تھیں پڑ جاتی تھیں تو اس کو قہنجی سے کتر دیتے تھے۔“^۴

۱: ایضاً تذکرہ حضرت عبداللہ بن عمر۔

۲: مؤطا امام محمد ابواب السیر باب الرجل ینظر الی عورہ الرجل۔

۳: ابو داؤد کتاب الطہارۃ باب الاستنجاء بالاحد یش میں اس آیت کا آخری ٹکڑا نہیں ہے ہم نے بڑھادیا ہے۔

۴: مسلم کتاب الطہارۃ باب المسح علی الخفین۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو طہارت کا اس قدر خیال تھا کہ جب سے اسلام لائے معمولاً ایک بار روزانہ غسل کرتے تھے۔^۱

حضرت صرمہ بن انس رضی اللہ عنہ کی طہارت پسندی کا یہ حال تھا کہ جس گھر میں کوئی حب مرد یا حائضہ عورت ہوتی تھی اس کے اندر نہیں جاتے تھے۔^۲

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اگرچہ نہایت سادہ زندگی بسر کرتے تھے تاہم غسل و طہارت کیلئے حضرت انس رضی اللہ عنہ کے گھر میں ایک حمام موجود تھا۔^۳

نجاست کی حالت میں رہنا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اس قدر گراں تھا کہ جب یہ حالت زائل ہو جاتی تھی تو گویا ان کے سر کا بار اتر جاتا تھا۔

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ مقام ربذہ میں اونٹ اور بکریاں چراتے تھے چونکہ میدان میں پانی میسر نہیں آتا تھا اور ان کو یہ معلوم نہ تھا کہ حالت جنابت میں بھی تیمم کیا جاسکتا ہے اس لئے جب ان کو غسل کی حاجت ہوتی تھی تو پانچ پانچ چھ روز تک نپاک رہ جاتے تھے لیکن ان پر نجاست کا یہ زمانہ اس قدر شاق گزرتا تھا کہ جب ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس غلطی پر تنبیہ کی اور پانی منگو کر نہلویا تو ان کو محسوس ہوا کہ

فکانی القلیب عنی جبلاً۔^۴

گویا مجھ پر ایک پہاڑ اہوا تھا جس کو اب میں نے اپنے اوپر سے پھینک دیا۔

سخت سے سخت خوفِ اموشمانہ مصیبت میں بھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو طہارت و نظافت کا خیال رہتا تھا۔ کفار جب حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کو گرفتار کر کے لے گئے اور قتل کرنا چاہا تو انھوں نے اس آخری وقت میں سب سے پہلے استرہ طلب کیا۔^۵

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کے نزع کا وقت آیا تو نئے کپڑے منگا کر پہنے اور کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو شخص جس کپڑے میں مرے گا اسی میں اس کا حشر ہوگا۔^۶

اگرچہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو زیب و زینت کی پروا نہ تھی تاہم وہ طہارت و نظافت کی وجہ سے بالکل راہبانہ زندگی بھی بسر کرنا پسند نہیں کرتے تھے۔ حضرت ابو قتادہ انصاری رضی اللہ عنہ نے بال رکھ چھوڑے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ میں بالوں میں کنگھی کروں فرمایا ہاں کنگھی کرو اور اس کو گرد و غبار سے بچاؤ اس کے بعد یہ حالت ہو گئی کہ وہ بسا اوقات دن میں دو بار ان میں

۱: مسند ابن حبیل جلد ۱ صفحہ ۶۷ - مسند عثمان۔ ۲: اصحابہ تذکرہ حضرت صرمہ بن انس۔

۳: بخاری کتاب الصوم باب اغتسل الصائم۔ ۴: ابوداؤد کتاب الطہارہ باب الجنب تیمم۔

۵: ابوداؤد کتاب الجنائز باب المریض یؤخذ من الطہارۃ عانیہ۔

۶: ابوداؤد کتاب الجنائز باب تطہیر شباب المیت۔

تیل لگاتے تھے۔^۱ حضرت عمر ؓ ریزہائے مشک کا استعمال کرتے تھے۔^۲

زندہ دلی

اسلام نے صحابہ کرام ؓ کے جذبات کو تروتازہ اور شگفتہ کر دیا تھا اس لئے ان میں زندہ دلی پائی جاتی تھی، اور وہ مختلف طریقوں سے اس کا اظہار کرتے تھے، تمام صحابہ ؓ عید کے دن خوشیاں مناتے تھے دعوتیں کرتے تھے اور ہمسایوں کو کھانا کھلاتے تھے قربانی نماز کے بعد کی جاتی ہے لیکن ایک صحابی نے نماز سے پہلے ہی قربانی کر دی اور آپ کی خدمت میں عرض کیا کہ یہ لہانے پینے کا دن تھا اس لئے میں نے جلدی کی خود کھلایا بچوں اور ہمسایوں کو کھلایا۔^۳

عید کے دن معمولاً چھو کرے اور چھو کریاں رسول اللہ ﷺ کے پاس جمع ہو کر باجے بجاتے تھے اور مسرت کے ترانے گاتے تھے۔^۴

آخر زمانہ میں جب اس کا رواج جاتا رہا تو حضرت قیس بن سعد ؓ نے فرمایا آپ ﷺ کے عہد کی کل چیزیں مجھ کو نظر آتی ہیں بجز اسکے کہ میں عید کے دن بچوں کو گاتے بجاتے نہیں دیکھتا حضرت عیاض اشعری ؓ انبار میں تھے عید کا دن آیا تو تعجب سے پوچھا کہ جس طرح آپ ﷺ کے عہد میں بچے گاتے بجاتے تھے اسی طرح تم لوگ کیوں نہیں گاتے بجاتے۔^۵

خود رسول اللہ ﷺ کے سامنے صحابہ کرام ؓ زمانہ جاہلیت کے واقعات کا ذکر کرتے تھے اشعار پڑھتے تھے اور آپ بھی ان تذکروں کو سن کر کبھی کبھی مسکرا دیتے تھے۔

حضرت ریان ؓ ایک صحابی تھے جو عرب کی ایک لے کے بڑے ماہر تھے، وہ ایک سفر میں حضرت عبدالرحمن بن عوف ؓ کے ساتھ تھے انھوں نے الاپنا شروع کیا تو حضرت عبدالرحمن بن عوف ؓ نے کہا یہ کیا؟ بولے کوئی ہرج نہیں اس سے دل بہلاتے ہیں اور راستہ کی کلفت دور کرتے ہیں۔^۶

ایک بار حضرت عمر ؓ سفر حج میں تھے قافلہ کے ساتھ حضرت ابو عبیدہ بن الجراح ؓ اور حضرت عبدالرحمن بن عوف ؓ بھی تھے، لوگوں نے حضرت خوات ؓ سے کہا کہ ضرار بن خطاب کے اشعار گاؤ، حضرت عمر ؓ بولے کہ ان کو اپنے ہی نتیجہ افکار سنانے

۱: مؤطا امام مالک کتاب الجامع باب اصلاح الشعراء۔

۲: مؤطا امام محمد ابواب السیر باب الطیب للرجل۔

۳: ابوداؤد کتاب الاضاحی باب ما يجوز من السن فی الضحیاء۔

۴: بخاری کتاب العیدین باب سنتہ العیدین علیہ السلام۔

۵: سنن ابن ماجہ کتاب الصلوٰۃ باب ما جاء فی التقلیس یوم العید بخاری۔

۶: شمائل ترمذی باب ما جاء فی صفۃ کلام رسول اللہ الشعر۔

۷: اسد الغابہ جلد ۲ صفحہ ۱۶۲ تذکرہ ریان بن الجراح بن المعرف۔

دو چنانچہ وہ صبح تک متصل گاتے رہے صبح ہوئی تو حضرت عمر ؓ نے فرمایا اب بس کرو۔^۱
کبھی کبھی یہ زندہ دلی سنجیدہ ظرافت کی صورت اختیار کر لیتی تھی۔

ایک بار حضرت صہیب ؓ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے سامنے روٹی اور کھجور رکھی ہوئی تھی آپ ﷺ نے پاس بلا کر ان کو شریک کر لیا وہ کھجور کھانے لگے کھجور آشوب چشم کیلئے مضر ہے اس لئے آپ نے نوکا کہ تمہاری آنکھوں میں آشوب ہے بولے یا رسول اللہ ﷺ آنکھ کے اس گوشہ سے کھاتا ہوں جس میں آشوب نہیں آپ ﷺ مسکرا دیے۔^۲

غزوہ تبوک کے زمانے میں آپ ﷺ ایک چمڑے کے خیمے میں مقیم تھے، ایک صحابی آئے سلام کیا۔ آپ ﷺ نے جواب سلام کے بعد فرمایا اندر آ جاؤ بولے، اپنے پورے جسم کیساتھ یا رسول اللہ ﷺ، یعنی اس میں یہ ظریفانہ تعریض تھی کہ خیمہ اس قدر تنگ ہے کہ پورا جسم بمشکل اس کے اندر آ سکتا ہے۔

کبھی کبھی باہم دوڑ میں مردانہ وار مسابقت کرتے تھے، ایک انصاری صحابی تھے جن کا دوڑ میں کوئی مقابلہ نہیں کر سکتا تھا، ایک غزوہ میں وہ فخریہ لہجے میں بار بار کہہ رہے تھے کیا کوئی مدینہ تک دوڑ میں میرا مقابلہ کرے گا۔ کیا کوئی مقابلہ کرنے والا ہے؟ حضرت سلمہ بن اکوع ؓ کے کان میں یہ آواز پہنچی، تو بولے تم کسی معزز شخص کی عزت نہیں کرتے؟ کسی شریف آدمی سے نہیں ڈرتے؟ جواب دیا کہ رسول اللہ ﷺ کے سوا کسی سے نہیں، بلا آخر حضرت سلمہ بن اکوع ؓ نے آپ سے اجازت لے کر دوڑ میں ان کا مقابلہ کیا اور بازی جیت لی۔^۳

کبھی کبھی سیر و شکار بھی کر لیتے تھے، حضرت ابو قتادہ ؓ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ سفر حج میں تھے، لیکن احرام نہیں باندھا تھا، راہ میں ایک جنگلی گدھا نظر آیا، گھوڑے پر سوار ہوئے، ہاتھ میں برچھالیا اور گدھے کو جا کر ایسا برچھال مارا کہ وہ ڈھیر ہو کر رہ گیا۔^۴

حضرت صفوان بن محمد ؓ نے ایک بار دو خرگوشوں کا شکار کیا اور ان کو پتھر سے ذبح کیا، آپ ﷺ سے دریافت فرمایا تو آپ ﷺ نے ان کو حلال قرار دیا۔^۵

۱: اصحابہ تذکرہ حضرت خوات بن جبر۔

۲: مسند ابن فضال جلد ۴ صفحہ ۶۱۔

۳: مسلم کتاب الجہاد باب غزوہ ذی قرد وغیرہ۔

۴: ابوداؤد کتاب المناقب باب لحم الصيد محرّم۔

۵: کتاب الاضاحی باب فی الذبح بالمرۃ۔

۶: ابوداؤد کتاب الاضاحی باب فی الصيد۔

صحابہ کرام ؓ میں حضرت عدی بن حاتم ؓ اور حضرت ابو ثعلبہ خنسی ؓ مشہور شکاری تھے، اس غرض سے بازو رکھتے پال رکھے تھے اور ان کو اس فن کی تعلیم دی تھی، تیر و کمان سے بھی شکار کرتے تھے اور تین تین دن تک شکار کے پیچھے پیچھے دوڑتے رہتے تھے، لیکن یہ زندہ دلی اسی وقت تک تھی جب تک کوئی مذہبی کام پیش نہ آتا، لیکن جب کوئی مذہبی کام پیش آجاتا تو یہ تمام چیزیں خواب فراموش ہو جاتیں اور صحابہ کرام ؓ اس کی ذمہ داریوں کی گرانہدی سے بدحواس ہو جاتے، اب المفروض میں ہے۔

لم یکن اصحاب رسول اللہ ﷺ متخرفین ولا منمارتین وکانوا تینا شلون الشعر فی محال السهم ویدکرون امرجا هلیتهم فاذا ارید احلمنهم من شی من امر اللہ دارت بحمالیق عینیہ کانه مجنون،
اصحاب رسول اللہ مردہ دل اور خشک مزاج نہ تھے اپنی صحبتوں اشعار پڑھتے اور جاہلیت کے واقعات کا تذکرہ کرتے تھے لیکن، جب کوئی مذہبی کام آپڑتا تو ان کی آنکھیں اس طرح الٹ جاتیں گویا وہ پاگل ہیں۔^۱

پابندی عہد

معاہدہ ایک نازک رشتہ ہے جس کو صرف اخلاقی طاقت ہی مضبوط بنا سکتی ہے، صحابہ کرام ؓ میں یہ اخلاقی طاقت موجود تھی، اس لئے وہ نہایت مضبوطی کے ساتھ اس رشتہ کو قائم رکھتے تھے ایک دفعہ امیر معاویہ ؓ نے رومیوں کے ساتھ معاہدہ کیا تھا، ابھی مدت معاہدہ گزرنے بھی نہ پائی تھی کہ حملہ کی تیاریاں کر دیں کہ مدت گزرنے کے ساتھ ہی حملہ شروع کر دیا جائے، فوج روانہ ہوئی تو حضرت عمرو بن عبسہ ؓ گھوڑے پر سوار ہو کر آئے اور فرمایا اللہ اکبر وفا کرنی چاہیے بے وفائی اور بد عہدی سزاوار نہیں۔^۲

امیہ بن خلف اسلام کے الدالاء میں تھا اس میں اور حضرت عبدالرحمان بن عوف ؓ میں تحریری معاہدہ ہوا تھا کہ وہ مکہ میں ان کی جان و مال کی حفاظت کرے گا، اور وہ مدینہ میں اس کی جان و مال کی حفاظت کریں گے، غزوہ بدر پیش آیا، اور لوگ سو گئے تو وہ اس کی حفاظت کو نکلے حضرت بلال ؓ نے امیہ کو دیکھ لیا، اور انصار کی ایک مجلس میں آ کے کہا کہ اگر امیہ بچ کے نکل گیا تو میری جان کی خیر نہیں، انصار کے کچھ لوگ ان کے ساتھ ہو لئے، اب حضرت عبدالرحمن بن عوف ؓ گھبرائے کہ کہیں وہ لوگ ہمارے پاس نہ پہنچ جائیں، مجبوراً امیہ کے بیٹے کو اس لئے پیچھے کر دیا کہ وہ لوگ اس کے قتل میں الجھے رہیں، انصار نے اسکو قتل کر کے ان

۱: اب المفروض باب الکبر۔

۲: ابوداؤد کتاب المجاہدات فی الامام یكون ینہ و بین العہد العہد فیسیر والیہ۔

لوگوں کا پیچھا کیا، امیہ نہایت فریب آدمی تھا، جب وہ لوگ پاس آگئے تو حضرت عبدالرحمن بن عوف ؓ نے اس سے کہا کہ بیٹھ جاؤ، وہ بیٹھ گیا تو اپنے آپ کو اس کے اوپر ڈال دیا، لیکن صحابہ ؓ نے ان کو بچا کر اوھر اوھر سے تلواریں لگائیں یہاں تک کہ اس کو قتل کر دیا، اور خود ان کے پاؤں میں زخم آئے۔^۱

معابدہ تو ایک بڑی چیز ہے صحابہ کرام ؓ معمولی سے معمولی وعدے کو بھی لازمی طور پر پورا کرتے تھے ایک مرتبہ حضرت ابو موسیٰ اشعری ؓ نے حضرت انس ؓ سے کہا کہ میں فلاں دن سفر کرنے والا ہوں، میرے سفر کا سامان کر دو، انہوں نے سامان کرنا شروع کیا، جب روانگی کا وقت آیا تو بولے کہ ذرا سی کسر رہ گئی ہے، اگر آپ ٹھہر جاتے تو میں اس کو پورا کر دیتا، بولے میں گھر کے لوگوں سے کہہ چکا ہوں کہ میں فلاں دن سفر کروں گا، اب اگر ان سے جھوٹ بولتا ہوں تو وہ بھی مجھ سے جھوٹ بولیں گے، ان سے خیانت کرتا ہوں تو وہ بھی مجھ سے خیانت کریں گے، ان سے وعدہ خلافی، کرتا ہوں تو وہ بھی مجھ سے وعدہ خلافی کریں گے، چنانچہ وہ روانہ ہو گئے اور اس کی کچھ پردہ نہ کی کہ سامان سفر مکمل ہے۔^۲

راز داری

راز داری ایک لمانت ہے اور دنیا میں بہت کم لوگ ہیں جو اس لمانت کا بار اٹھا سکتے ہیں، لیکن صحابہ کرام ؓ کا سینہ راز کا مدفن تھا جس سے وہ قیامت تک باہر نہیں نکل سکتا تھا ایک دن حضرت انس بن مالک ؓ بچوں کے ساتھ کھیل رہے تھے، رسول اللہ ﷺ آئے اور ان کو کسی ضرورت سے بھیج دیا، اس کے پورا کرنے میں دیر ہو گئی، گھر آئے تو ماں نے پوچھا کہاں رہ گئے تھے؟ بولے آپ ﷺ نے ایک ضرورت سے بھیجا تھا، بولیں، وہ کیا؟ انہوں نے وہ ایک راز ہے، بولیں، آپ ﷺ کا راز کسی سے نہ کہنا، چنانچہ حضرت انس بن مالک ؓ نے اس کو اس طرح محفوظ رکھا کہ جب حضرت ثابت ؓ سے یہ واقعہ بیان کیا، تو فرمایا کہ میں نے اگر وہ راز کسی سے بیان کیا ہوتا تو تم سے ضرور بیان کرتا۔^۳

ایک دن آپ ﷺ کی خدمت میں تمام ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن جمع تھیں، حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا بھی اسی حالت میں آگئیں آپ ﷺ نے ان کو مر حبا کہا، اور اپنے پہلو میں بٹھالیا اور آہستہ سے ان کے کان میں ایک بات کہی، وہ چیخ مار کر رو پڑیں، پھر آہستہ سے ایک بات کہی جس سے وہ ہنس پڑیں آپ ﷺ چلے گئے تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا

۱: بخاری کتاب الوکالۃ باب اذا وکل المسلم حر یا فی دار الحرب وفی دار الاسلام جاز۔

۲: طبقات ابن سعد تذکرہ حضرت ابو موسیٰ اشعری۔

۳: مسند ابن حنبل جلد ۳ صفحہ ۲۵۳۔

نے اس کی وجہ پوچھی بولیں، آپ ﷺ کی زندگی میں میں آپ ﷺ کا راز فاش نہیں کر سکتی۔^۱
 حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا بیوہ ہوئیں تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت عثمان سے انکی مفتی
 کرنی چاہئے لیکن انھوں نے کہا میں اس سے معذور ہوں اب انھوں نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ
 سے درخواست کی وہ خاموش ہو رہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو پہلی ناکامی کے بعد دوسری ناکامی کا
 بہت رنج ہوا اس کے چند روز کے بعد رسول اللہ ﷺ نے خود نکاح کا پیغام بھیجا نکاح ہو گیا تو
 حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سے اپنے رنج کا ذکر کیا تو انھوں نے کہا کہ اس کی
 وجہ صرف یہ تھی کہ رسول اللہ ﷺ نے حفصہ رضی اللہ عنہا کا ذکر مخفی طور پر کیا تھا لیکن میں
 آپ کا راز فاش کرنا پسند نہیں کرتا تھا، اگر آپ ﷺ نکاح نہ کرتے تو میں ضرور نکاح کر لیتا۔^۲
 رسول اللہ ﷺ نے تمام صحابہ رضی اللہ عنہم میں منافقین کے نام صرف حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کو
 بتائے تھے۔ اسلئے وہ صاحب سر رسول اللہ ﷺ کے لقب سے ممتاز تھے۔^۳ حضرت حذیفہ
 رضی اللہ عنہ نے اس راز کو عمر بھر فاش نہیں کیا ایک بار حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے پوچھا کہ میرے
 مال میں کوئی منافق بھی ہے بولے ایک شخص ہے لیکن نام نہ بتاؤں گا۔ ایک بار انھوں نے کہا
 کہ اب صرف چار منافق رہ گئے ہیں ایک بدو نے کہا آپ لوگ اصحاب رسول اللہ ﷺ ہیں ہم کو
 ان کی کچھ خبر نہیں ہے۔ آپ ہم کو ان کے نام بتائیے آخر کون لوگ ہیں جو ہمارے گھروں میں
 نقب لگاتے ہیں اور اسباب چرا لے جاتے ہیں؟ بولے یہ تو بدکار لوگ ہیں منافق صرف چار ہیں
 جن میں ایک اس قدر بوڑھا ہو گیا ہے کہ اگر ٹھنڈا پانی بھی پئے تب بھی اس کو اس کی ٹھنڈک کا
 احساس نہ ہو۔^۴

جانوروں پر شفقت

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جس طرح انسانوں کے درد دکھ کو نہیں دیکھ سکتے تھے اسی طرح ان کو
 جانوروں کی فحشیت و تکلیف بھی گوارا نہ تھی حضرت انس بن مالک فرماتے ہیں کہ جب ہم منزل
 پر اترتے تھے تو پہلے اونٹوں کا کجاوہ کھول لیتے تھے پھر نماز پڑھتے تھے۔^۱

ایک دفعہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ ایک چرواہا ایک جگہ اپنی بکریاں چرا رہا
 ہے۔ ان کو دوسری جگہ اس سے بہتر نظر آئی تو اس سے کہا کہ وہاں لے جاؤ کیونکہ میں نے

۱۔ مسلم کتاب الفضائل مناقب فارم۔ ۲۔ طبقات ابن سعد تذکرہ حضرت حفصہ۔

۳۔ بخاری کتاب الاستیذان باب من اتقی اللہ وساد۔

۴۔ اسد الغابہ تذکرہ حضرت حذیفہ۔

۵۔ بخاری کتاب التفسیر سورہ برائۃ تفسیر و فائلو التمتہ الکفر۔

۶۔ ابوداؤد کتاب الجہاد باب ما یومر بہ من القیام علی الدواب والہائم۔

رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ قیامت کے دن ہر راعی سے اس کی رعیت کے متعلق سوال کیا جائے گا۔^۱

ایک دن آپ سے ایک صحابی نے کہایا رسول اللہ ﷺ مجھے بکری ذبح کرنے پر رحم آتا ہے فرمایا اگر اس پر رحم کرو گے تو خدا تم پر بھی رحم کرے گا۔^۲

ایک دن کچھ لوگ حضرت عبید اللہ رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن بشر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں آئے اور پوچھا کہ ایک شخص گھوڑے پر سوار ہوتا ہے اور اس کو کوڑا مارتا ہے اس کے متعلق آپ نے رسول اللہ ﷺ سے کوئی روایت سنی ہے بولے نہیں اندر سے ایک خاتون بولیں خدا خود کہتا ہے۔

وما من دابة في الارض ولا طائر يطير بجناحيه الا امم امتالكم۔

زمین کے جانور اور ہوا کی چیزیں بھی تمہاری ہی طرح ایک امت ہیں۔

یعنی وہ بھی قابل رحم ہیں۔

دونوں نے کہا یہ ہماری بڑی بہن ہیں۔^۳

غیرت

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اگرچہ فخر و غرور سے سخت نفور تھے تاہم انہوں نے نہایت غیور طبیعت پائی تھی ایک بار رسول اللہ ﷺ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرے میں جلوہ افروز تھے حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے آپ ﷺ کیلئے ایک پیالے میں کھانا بھیجا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس کو ٹپک دیا اور وہ چور چور ہو گیا اس پر آپ نے فرمایا۔

غارت امکم۔

تمہاری ماں کو غیرت آگئی۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس قدر غیور تھے کہ ایک بار آپ ﷺ نے فرمایا کہ مجھے خواب میں جنت نظر آئی جس میں ایک محل کے گوشے میں ایک عورت وضو کر رہی تھی میں نے پوچھا کہ یہ محل کس کا ہے۔ جواب ملا کہ عمر رضی اللہ عنہ کا میں نے اس میں داخل ہونا چاہا لیکن عمر رضی اللہ عنہ کی غیرت کے خیال سے واپس آیا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی بیوی حضرت عاتکہ رضی اللہ عنہا نماز فجر اور نماز عشا جماعت کے ساتھ مسجد میں ادا کرتی تھیں اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو یہ سخت ناگوار

۱: بوب المفرد باب من اشار علی اذیہ وان لم یستشر۔

۲: مسند ابن حبیل جلد ۵ صفحہ ۳۴۔

۳: اصحاب تذکرہ حضرت عبید اللہ بن بشر المازنی۔

۴: بخاری کتاب النکاح باب الخیرۃ۔

تھاتا ہم چونکہ رسول اللہ ﷺ نے عورتوں کو مسجد میں جانے کی اجازت دے دی تھی۔ اس لئے منع بھی نہیں کر سکتے تھے۔ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ میں اپنے شوہر حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے گھر کا تمام کام خود کرتی تھی چنانچہ ایک بار وہ بڑی دور سے سر پر کھجوروں کی گٹھلی لارہی تھیں راستہ میں رسول اللہ ﷺ سے ملاقات ہو گئی اور آپ ﷺ نے مجھ کو اپنے پیچھے سوار کر لینا چاہا لیکن میں حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کی غیرت کے خیال سے سوار نہیں ہوئی۔ جب قرآن مجید کی یہ آیت نازل ہوئی۔

وَالَّذِينَ يَرْمُونَ الْمُحْصَنَاتِ ثُمَّ لَمْ يَأْتُوا بِأَرْبَعَةِ شُهَدَاءَ فَاجْلِدُوهُمْ ثَمَانِينَ جَلْدَةً وَلَا تَقْبَلُوا لَهُمْ شَهَادَةً أَبَدًا۔

جو لوگ پاک دامن بیبیوں پر تہمت لگائیں اور چار گواہ نہ لائیں ان کو اسی کوڑے مارو اور آئندہ ان کی شہادت کبھی نہ قبول کرو۔

تو حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے کہا یا رسول اللہ اسی طرح یہ آیت نازل ہوئی ہے آپ نے انصار سے کہا دیکھو تمہارے سردار کیا کہتے ہیں انصار نے کہا یا رسول اللہ ان کو ملامت نہ کیجئے وہ سخت غیور آدمی ہیں باکرہ عورت کے سوا کسی دوسری عورت سے نکاح نہیں کیا اور جب کسی عورت کو طلاق دی تو ان کی غیرت کے خیال سے ہم میں کسی نے اس سے نکاح کرنے کی جرات نہیں کی۔ حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ بولے یا رسول اللہ بخدا مجھے یقین ہے کہ یہ آیت حق ہے اور خدا کی جانب سے نازل ہوئی ہے لیکن مجھے تعجب اس پر ہوا کہ میں ایک عورت کو دیکھوں کہ اسے ایک شخص اپنی ران پر بٹھائے ہے اور اس کو میں اس وقت تک کچھ نہ کہہ سکوں جب تک چار گواہ نہ جمع کر لوں۔

۱: ایضاً کتاب الجمعہ باب بل علی بن لم یشهد الجمعہ غسل من النساء والصبيان وغيرہم۔

۲: مسلم کتاب السلام باب جواز ارداف المراء الاجنبية اذا عبت فی الطريق۔

۳: مسند ابوداؤد الطیالسی صفحہ ۳۴۔

حسن معاشرت

صلہ رحم

تمدن کی ابتداء در حقیقت صلہ رحمی سے ہوتی ہے اگر باپ بیٹے کو بیٹا باپ کو بھائی بھائی کو چھوڑ دے تو نوع انسان جانوروں کا ایک ریوڑ بن جائے اس بنا پر قرآن و حدیث دونوں میں صلہ رحمی کی نہایت فضیلت بیان کی گئی ہے اور صحابہ کرام ؓ میں یہ فضیلت عموماً پائی جاتی ہے۔ حضرت مسطح ؓ حضرت ابو بکر ؓ کے قرابت دار تھے اس لئے وہ ان کی کفالت کرتے تھے۔^۱ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے اپنا گھر حضرت زید بن عطاء ؓ کی بیٹی کو عمر بھر کیلئے دے دیا تھا۔^۲

ایک صحابی تھے جو اپنے قرابت داروں کے ساتھ صلہ رحمی اور احسان کرتے تھے اور ان کے ساتھ علم و بردباری کے ساتھ پیش آتے تھے۔ مگر لاہر سے تمام چیزوں کا جواب الٹا تھا انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے اس کی شکایت کی تو فرمایا کہ جب تک تم اس حالت کو قائم رکھو گے خدا کی جانب سے ان کے مقابل میں تمہارا ایک مددگار ہے گا۔^۳

حضرت زینب رضی اللہ عنہا اپنے اعزہ و اقارب کے ساتھ نہایت سلوک کرتی تھیں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں۔

ولم ارا امراہ قط خیر افی الدین من زینب و اتقى اللہ و اصدق حدیثا و اوصل للرحم۔^۴

میں نے زینب رضی اللہ عنہا سے زیادہ دین دار زیادہ پرہیزگار زیادہ سچی اور زیادہ صلہ رحمی کرنے والی عورت نہیں دیکھی۔

ایک بار حضرت عمر ؓ نے ان کی خدمت میں ان کا سالانہ وظیفہ جس کی مقدار بارہ ہزار درہم تھی بھیجا تو انہوں نے یہ رقم اپنے اعزہ کو تقسیم کر دی۔^۵

۱: بخاری کتاب الشہادات باب تعدیل النساء بعضہن بعضا۔

۲: مؤطا امام مالک کتاب الاقضية باب ۷۔ فی القضائی العمری۔

۳: ابوب المفرد باب فضل صلہ الرحم۔

۴: مسلم کتاب الفضائل باب فضل عائشہ۔

۵: اسد الغابہ تذکرہ حضرت زینب بن جش۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانہ خلافت میں اپنے اعزہ و اقارب کے ساتھ جو فیاضیاں کیں ان کا محرک یہی صلہ رحمی تھی جس کا اظہار انھوں نے عام طور پر کر دیا تھا۔^۱

حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے ایک جائیداد حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے وراثت پائی تھی جس کو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ایک لاکھ پر خرید لیا لیکن انھوں نے اس رقم کو حضرت قاسم بن محمد رضی اللہ عنہ اور حضرت ابن ابی عتیق رضی اللہ عنہ پر بہہ کر دیا۔^۲ حافظ ابن حجر نے اس حدیث کی شرح میں لکھا ہے کہ چونکہ قاسم کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی وراثت سے حصہ نہیں ملا تھا اس لئے حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے ان کی دل شکنی کے خیال سے یہ رقم ان کو دے دی۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو صلہ رحمی کا اس قدر خیال تھا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ صبح کے وقت اپنے بچوں سے کہتے تھے کہ الگ الگ کھیلو مل جل کر رہو گے تو تم میں جھگڑا فساد ہو گا اور قطعہ رحم کرو گے۔^۳ یہ حسن سلوک صرف مسلمان اعزہ کے ساتھ مخصوص نہ تھا بلکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اپنے ان اعزہ و اقارب کے ساتھ بھی جو کافر تھے اسی قسم کا فیاضانہ برتاؤ کرتے تھے ایک بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ایک ریشمی چوڑا دیا تو انھوں نے اس کو اپنے ایک مشرک بھائی کے پاس بھیج دیا جو کفر زار مکہ میں اقامت گزیر تھا۔^۴

حضرت اسماء رضی اللہ عنہا ہجرت کر کے مدینہ گئیں تو ان کی والدہ جو کافرہ تھیں ان کے پاس آئیں اور مالی مدد مانگی، حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ کیا وہ ان کے ساتھ صلہ رحمی کر سکتی ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں۔^۵ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے اپنے ایک یہودی قرابت دار کیلئے ایک جائیداد کی وصیت کی تھی۔^۶

ماں باپ کے ساتھ سلوک

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم والدین کی خدمت اطاعت اعانت اور اہل و اقارب کا نہایت لحاظ کرتے تھے ایک صحابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا کہ میرے پاس دولت ہے اور میرا باپ اس کا محتاج ہے ارشاد ہوا کہ تم اور تمہاری دولت دونوں تمہارے باپ کے ہیں۔^۷ ایک دوسرے صحابی نے ایک باغ کو عمر بھر کیلئے اپنی ماں پر وقف کر دیا۔^۸

۱: مسند ابن حنبل جلد ۱ صفحہ ۶۲۔ ۲: بخاری کتاب البیہ باب موت الواحد الجماعۃ۔

۳: ابوالفرد باب المرقۃ بین الاحداث۔ ۴: ابوداؤد کتاب الصلوۃ باب اللبس الجمعہ۔

۵: صحیح مسلم کتاب الزکوۃ باب فضل النفقۃ والصدقۃ علی الاقربین۔

۶: مسند دارمی کتاب الوصایا باب الوصیۃ لائل الذمت۔

۷: ابوداؤد کتاب البیوع فی الرجل یأکل من مال ولذہ۔ ۸: ایضاً باب من قال فیہ ولعقہ۔

ایک بار کفار نے رسول اللہ ﷺ کی گردن میں اونٹ کی بوجھ ڈال دی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا دوڑ کے آئیں اس کو آپ ﷺ کے اوپر سے اتار کر پھینک دیا اور کفار کو برا بھلا کہا۔^۱
ایک صحابی نے خانہ کعبہ تک پاپیادہ چلنے کی نذر مانی تھی لیکن بڑھاپے کی وجہ سے بغیر سہلے کے نہیں چل سکتے تھے اسلئے ان کے دونوں لڑکے ان کو ٹیک کر لائے اور حج کر لیا رسول اللہ ﷺ نے دیکھا تو فرمایا کہ سوار ہو جاؤ خدا کو تمہاری اور تمہاری نذر کی ضرورت نہیں۔^۲

ایک بار رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں ایک عورت آئی اور کہا کہ میرا شوہر میرے لڑکے کو چھین لینا چاہتا ہے حالانکہ وہ مجھے فائدہ پہنچاتا تھا اور میرے لئے کنویں سے پانی بھرتا تھا۔ آپ ﷺ نے حکم دیا کہ قرعہ اندازی کر لو باپ نے کہا کہ میرے لڑکے میں کون دعویٰ دار ہو سکتا ہے۔ آپ ﷺ نے لڑکے کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا یہ تمہارا باپ ہے اور یہ تمہاری ماں ہے جس کا ہاتھ چاہو پکڑ لو لڑکے نے ماں کا ہاتھ پکڑ لیا۔^۳

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ اگرچہ جنگ صفین میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے خلاف حصہ لینا پسند نہیں کرتے تھے تاہم جب ان کے والد نے اصرار کیا تو اطاعت کے خیال سے مجبوراً شریک ہو گئے۔

ایک بار حضرت امام حسین علیہ السلام نے ان سے اس کی وجہ پوچھی تو بولے مجھ سے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا کہ روزہ رکھو نماز پڑھو سوؤ اور اپنے باپ کی اطاعت کرو تو صفین کی شرکت کیلئے میرا باپ نے مجبور کیا اسلئے میں شریک ہوا لیکن نہ تلوار اٹھائی نہ نیزہ مارا نہ تیر چلایا۔^۴
حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانے میں کھجور کی قیمت بہت زیادہ بڑھ گئی تھی لیکن ایک بار حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ نے کھجور کے ایک درخت میں شکاف کیا اور اس سے جمار نکالا لوگوں نے کہا ایسا کیوں کرتے ہو کھجور کا درخت تو بہت بیش قیمت ہو گیا ہے بولے میری ماں نے مجھ سے اسکی فرمائش کی تھی اور جہاں تک ہو سکتا ہے ان کی فرمائشوں کی تعمیل کرتا ہوں۔^۵
مروان اکثر حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو اپنا خلیفہ مقرر کیا کرتا تھا اس تعلق سے وہ ایک بار ذی الحلیفہ میں مقیم تھے اور ان کی والدہ الگ دوسرے گھر میں تھیں جب وہ اپنے گھر سے نکلتے تو ان کے گھر کے دروازے پر کھڑے ہو کر کہتے السلام وعلیکم یا امناہور حمۃ اللہ وبرکاتہ وہ فرماتیں وعلیک یا بنی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ پھر وہ فرماتے خدا تم کو اسی طرح رحم کرے جس طرح تم نے بچپن میں مجھ

۱: بخاری کتاب الصلوۃ باب المراءۃ طرح عن المصلی شیاً من الاذی۔

۲: مسلم کتاب النذر باب من نذر ان یشی الی الکعبۃ۔

۳: ابو داؤد و کتاب المطلاق باب من احق بالولد۔

۴: اسد الغابہ تذکرہ حضرت عبداللہ بن عمر بن العاص۔ ۵: ابن سعد تذکرہ حضرت اسامہ بن زید۔

کو پالا وہ جواب دیتیں کہ خدا تم پر بھی اسی طرح رحم کرے جس طرح تم نے بڑے ہو کر میرے ساتھ سلوک کیا جب گھر میں داخل ہوتے تب بھی اسی طرح آداب بجالاتے۔^۱
ان کی والدہ جب تک زندہ رہیں انھوں نے ان کو چھوڑ کر حج کرنا پسند نہیں کیا۔^۲
باپ کے تعلق سے باپ کے دوست و احباب بھی قابل تعظیم و مستحق خدمت ہو جاتے ہیں اس لئے حدیث شریف میں آیا ہے۔

ابر البر ان یصل الرجل و دایہ۔

سب سے زیادہ حسن سلوک یہ ہے کہ آدمی اپنے باپ کے دوست سے بھی سلوک کرے۔
صحابہ کرام ؓ اس حدیث پر اس شدت سے عمل کرتے تھے کہ ایک بار حضرت عبداللہ بن عمر ؓ سفر میں تھے رملہ میں ایک بدو ملا انھوں نے اس کو اپنا عمامہ عنایت فرمایا اور اس کو اپنے گدھے پر سوار کر لیا لوگوں نے کہا یہ تو بدو ہیں ذرا اسی چیز میں راضی ہو جاتے ہیں بولے اس کا باپ ابن خطاب کا دوست تھا اور حدیث میں ہے کہ باپ کے دوست کی اولاد کے ساتھ سلوک کرنا بڑی نیکی کا کام ہے۔^۳

حضرت ابوالدرداء مرض الموت میں مبتلا ہوئے تو حضرت یوسف بن عبداللہ بن سلام سفر کر کے ان کی عیادت کو گئے انھوں نے پوچھا کہ اس شہر میں کیوں آئے۔ بولے صرف اس لئے کہ آپ میں اور میرے والد میں دو ستانہ تعلقات تھے۔^۴

بھائی سے محبت

صحابہ کرام ؓ بھائیوں سے نہایت محبت رکھتے تھے حضرت عبدالرحمن بن ابی بکر ؓ کا مقام حبشی میں انتقال ہوا اور لاش مکہ میں دفن ہوئی تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرط محبت سے ان کی قبر کی زیارت کو آئیں اور ایک مشہور مرثیے کے یہ اشعار پڑھے۔

و کنا کندمانی جذیمة حقة

من اللہر حتی قبل لن يتصدعا

اور ہم دونوں ایک مدت تک جذیمہ کے دونوں ہم نشینوں کی طرح ساتھ رہے یہاں تک کہ لوگوں نے کہا کہ ان میں کبھی جدائی نہ ہوگی۔

فلما تفرقنا کانی و مالکا

۱۔ ادب المفرد باب جزاء الوالدین۔

۲۔ مسلم کتاب الایمان باب ثواب العبدہ احرہ اذا نصح سبده و احسن عبادۃ اللہ۔

۳۔ مسلم کتاب البر و الصلہ و الآداب باب فضل اصدقاء الاب و الام و نحوہا۔

۴۔ مسند ابن ضبل جلد ۶ صفحہ ۳۵۰۔

لطول اجتماع لم تبت ليلة معا
لیکن جب جدائی ہوئی تو ایسی کہ گویا ہم نے اور مالک نے باوجود طویل ملاقات کے ایک
رات بھی ساتھ بسر نہیں کی تھی۔

حضرت عمر ؓ کو اپنے بھائی زید سے اس قدر محبت تھی کہ وہ غزوہ یمامہ میں شہید
ہوئے تو عمر بھران کا دل غل سے نہ مٹ سکا فرمایا کرتے تھے کہ جب پروا ہوا چلتی ہے تو اس سے
مجھے زید کی خوشبو آتی ہے۔

حضرت حمزہ ؓ غزوہ احد میں شہید ہوئے اور ان کی بہن حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا
ان کا حال معلوم کرنے آئیں تو حضرت علی ؓ اور حضرت زبیر ؓ سے ملاقات ہوئی
لیکن ان لوگوں نے یہ ظاہر کیا کہ ہم کو ان کی نسبت کچھ معلوم نہیں۔ رسول اللہ ﷺ کے پاس
آئیں تو آپ ﷺ کو خوف پیدا ہوا کہ اس واقعہ سے کہیں ان کی عقل نہ جاتی رہے۔ اسلئے ان
کے سینہ پر ہاتھ رکھا اور ان کیلئے دعا کی انھوں نے اٹا لہ پڑھے اور رونے لگیں۔

محبت اولاد

اولاد اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمت ہے۔ اس لئے صحابہ کرام ؓ اولاد سے نہایت محبت رکھتے
تھے۔ ایک بار ایک صحابی نے نبی بی کو طلاق دی اور بچے اس سے لینا چاہا وہ رسول اللہ ﷺ کی
خدمت میں حاضر ہوئیں اور کہا کہ میرا پیٹ اس کا ظرف میری چھانی اس کا مشکیزہ اور میری
اُود اس کا گھروند تھا اور اب اس کے باپ نے مجھے طلاق دی اور اس کو مجھ سے چھیننا چاہتا ہے آپ
نے فرمایا جب تک نکاح نہ کر لو تم بچے کی سب سے زیادہ مستحق ہو۔

ایک بار حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس ایک عورت آئی انھوں نے اس کو تین
کھجوریں دیں اس نے ایک ایک بچوں کو دے دی اور ایک اپنے لئے رکھ چھوڑی بچے کھجور کھا چکے
تھے ماں کی طرف دیکھنے لگے اس نے اپنے حصے میں سے بھی دو قاشیں کیں اور ایک ایک بچوں کو
دے دی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے آپ ﷺ سے یہ واقعہ بیان کیا تو فرمایا تمہیں
تعجب کیا ہے اس کے رحم کے بدلے جو اس نے اپنے بچوں پر کیا خدا نے اس پر بھی رحم کیا۔^۱
ایک بار حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بخار میں مبتلا ہوئیں، حضرت ابو بکر ؓ ان کے
پاس آئے حال پوچھا اور منہ چوم لیا۔^۲

۱: ترمذی کتاب البیاض باب ما جاء فی الزیادہ للقبور للنساء۔

۲: اسد الغابہ جلد ۲ صفحہ ۲۲۹ تذکرہ زید بن خطاب۔ ۳: طبقات ابن سعد تذکرہ حضرت حمزہ۔

۴: ابوداؤد کتاب الطلاق باب من اخف بالود۔ ۵: ابوالمفرد و باب اوالدات رحیمات۔

۶: ابوداؤد کتاب الادب باب فی قسۃ الخدم۔

ایک صحابی کا بچہ جاتا رہا ان کو سخت صدمہ ہوا انھوں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے کہا کہ کوئی ایسی بات بتاؤ جس سے یہ غم غلط ہو جائے بولے آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ ”بچے جنت کے کپڑے ہیں“۔^۱

ایک صحابی آپ کی خدمت میں اپنے بچے کو لے کر حاضر ہوئے اور اس کو چمکانے لگے آپ نے فرمایا تم کو اس سے محبت ہے! بولے ہاں فرمایا اس سے زیادہ تم سے ار حم المر حمین کو محبت ہے۔^۲ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا عام قاعدہ یہ تھا کہ جب ان کے کوئی لڑکا پیدا ہوتا تو اس کو منگاتے اور فرط محبت سے سو گھمتے۔^۳

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کو اپنے بیٹے سالم کے ساتھ اس قدر محبت تھی کہ لوگ ان کو اس شیفٹنگی پر ملامت کرتے لیکن وہ ان ملامتوں کو سن کر فرماتے۔

يلومونني في سالم و المومهم

و جلدہ بين العین والانف سالم

مجھے لوگ سالم کے بارہ میں ملامت کرتے ہیں اور میں لوگوں کو ملامت کرتا ہوں کیونکہ

سالم کا چہرہ آنکھ اور ناک کے درمیان تمام عیوب سے پاک ہے۔

اسی محبت کی بنا پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بچے کے پیدا ہونے کی بڑی تمننا رہتی تھی۔ حضرت سہیل بن حنظلہ رضی اللہ عنہ ایک صحابی تھے۔ جو ترک دنیا کر کے بالکل عزلت گزریں ہو گئے تھے۔ تاہم اولاد کی اس قدر خواہش تھی کہ فرماتے تھے کہ اگر میرے ایک اوصو را بچہ بھی پیدا ہو جاتا تو مجھے دنیا و مافیہا سے زیادہ محبوب ہوتا۔^۴

اگر کوئی شخص اپنی اولاد سے محبت کا اظہار نہ کرتا تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس کو نہایت برا سمجھتے۔ ایک بار حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو عامل مقرر فرمایا اس نے کہا میرے متعدد لڑکے ہیں مگر میں نے کسی کو نہیں چوما بولے خدا صرف محبت کیش آدمیوں پر رحم کرتا ہے۔^۵ یہ محبت صرف اپنے ہی بچوں کے ساتھ مخصوص نہ تھی بلکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم عموماً بچوں سے نہایت محبت رکھتے تھے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ ایک رات سے گزرے تو دیکھا کہ حبشی لڑکے کھیل رہے ہیں ان کو دو درہم دیے۔^۶

انھوں نے ایک لونڈی کو جس سے ان کو بڑی محبت تھی آڑو کر دیا تھا لیکن جب اس کے بچہ پیدا ہوا تو اس کو گود میں لے کر چوما اور کہا کہ واہ اولاد اس سے اس لونڈی کی خوشبو آتی ہے۔^۷

- | | |
|--------------------------------------|---|
| ۱: ادب المفرد باب من جات له الولد۔ | ۲: ادب المفرد باب رحمۃ العیال۔ |
| ۳: طبقات ابن سعد تذکرہ حضرت عثمان۔ | ۴: طبقات ابن سعد تذکرہ سالم بن عبداللہ۔ |
| ۵: استیعاب تذکرہ حضرت سہیل بن حنظلہ۔ | ۶: ادب المفرد باب من لا یرحم لم یرحم۔ |
| ۷: ایضاً باب لعب الصبيان بالجوز۔ | ۸: طبقات ابن سعد تذکرہ حضرت عبداللہ بن عمر۔ |

بچوں کی پرورش

صحابہ کرام ؓ بچوں کی پرورش میں اپنے عیش و آرام کو بھی فراموش کر دیتے تھے حضرت جابر بن عبد اللہ کے والد نے متعدد صغیر السن لڑکیوں کو چھوڑ کر انتقال کیا تو حضرت جابر ؓ نے ان کی پرورش کی غرض سے ایک ثبیہ عورت سے شادی کی۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کنواری لڑکی سے کیوں نہیں شادی کی وہ تم سے کھیلتی تم اس سے کھیلتے تو بولے باپ شہید ہوا اور صغیر السن لڑکیاں چھوڑیں اگر ان ہی کی سی کمسن عورت سے شادی کرتا تو وہ نہ ان کو ادب سکھاتی۔ نہ ان کی خیر گیری کرتی اس لئے ایسی عورت سے نکاح کرنا پسند کیا جو ان کو اکٹھا رکھے ان کے بالوں میں گنگھی کرے ان کے سر سے جوئیں نکالے ان کے کپڑے پھٹ جائیں تو ان کو سی دے اور ان کی اصلاح و نگرانی کرے۔^۱

حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا بیوہ ہوئیں تو حضرت انس بن مالک ؓ بچے تھے اس لئے انھوں نے یہ عزم بالجزم کر لیا کہ جب تک ان کی نشو و نما کامل طور پر نہ ہو جائے گی۔ وہ دوسرا نکاح نہ کریں گی۔ چنانچہ انھوں نے اس ارادہ کو پورا کیا حضرت انس ؓ خود سپاس گزارا نہ لہجے میں اعتراف کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ میری ماں کو جزائے خیر دے کہ اس نے میری ولایت کا حق ادا کیا۔^۲

یہ وصف اگرچہ تمام صحابیات رضی اللہ عنہن میں عموماً پایا جاتا تھا لیکن اس میں قریشی عورتیں خاص طور پر ممتاز تھیں اس لئے رسول اللہ ﷺ نے قریشی عورتوں کی اس فضیلت کو خاص طور پر بیان فرمایا۔

خیر النساء رکن الابل نساء قریش احناھن علی ولدفی صغره و ارعاه علی الزوج۔

عرب کی عورتوں میں قریش کی عورتیں سب سے اچھی ہیں کہ بچوں سے ان کے بچپن میں نہایت محبت رکھتی ہیں اور شوہروں کے مال و اسباب کی نگہداشت کرتی ہیں۔
صحابہ کرام ؓ نہ صرف اپنی اولاد کی بلکہ اپنے اعزاء اپنے متعلقین بلکہ غیروں کی اولاد کی پرورش بھی اسی دلسوزی سے کرتے تھے۔

حضرت سعید بن اطول ؓ کے بھائی نے انتقال کیا اور تین سو دینار اور چند صغیر السن

۱: مسلم کتاب البیوع باب بیع المیر و استثناء کوہ۔

۲: ایضاً کتاب الطلاق باب استحباب نکاح البکر و مسند ابن حنبل جلد نمبر ۳ صفحہ ۳۵۸۔

۳: طبقات ابن سعد تذکرہ حضرت ام سلیم۔

۴: بخاری کتاب النفقات باب حفظ المراء زوجھا فی ذات یدہ و النفقہ علیہ۔

بچے چھوڑے انھوں نے اس رقم کو ان بچوں کی پرورش میں صرف کرنا چاہا لیکن بھائی پر لوگوں کا قرض تھا اسلئے رسول اللہ ﷺ کے ارشاد سے پہلے اس کو ادا کیا۔^۱

حضرت حارث بن ہشام نے طاعون عمواس میں انتقال کیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کی بیوی فاطمہ بنت ولید سے نکاح کر لیا اور ان کے بیٹے حضرت عبدالرحمن بن حارث رضی اللہ عنہ کو اپنے آغوش تربیت میں لے لیا اور اس لطف و محبت کے ساتھ ان کی تربیت فرمائی کہ خود حضرت عبدالرحمن کا بیان ہے کہ میں نے عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے بہتر کوئی مرئی نہیں دیکھا۔^۲

جب حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ مکہ میں سے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی کو لائے تو ان کی پرورش کے متعلق حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت جعفر رضی اللہ عنہ میں اختلاف ہوا، حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کہتے تھے کہ میں اس کا مستحق ہوں وہ میرے چچا کی لڑکی ہے اور میرے نکاح میں اس کی خالہ ہے، جو بمنزلہ ماں کے ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ وہ میرے بھی چچا کی لڑکی ہے اور میرے نکاح میں خود رسول اللہ ﷺ کی صاحبزادی ہیں جو لڑکی کی سب سے زیادہ مستحق ہیں اب حضرت زید بھی مدعی ہو گئے اور کہا کہ میں اس کا مستحق ہوں میں نے اس کیلئے سفر کیا ہے اور اس کو یہاں لایا ہوں بلا آخر رسول اللہ ﷺ نے حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کے حق میں فیصلہ کیا۔^۳

ایک عورت نے آپ کی خدمت میں زنا کا اقرار کیا اس کے گود میں بچہ تھا آپ نے فرمایا بچہ دودھ چھوڑ دے تو آنا بچے نے دودھ چھوڑ دیا تو وہ آئی اور کہا کہ مجھ پر حد شرعی جاری فرمائیے۔ آپ ﷺ نے فرمایا تمہارے بچہ کی پرورش کون کرے گا؟ ایک انصاری بولے میں یا رسول اللہ ﷺ اب آپ ﷺ نے اس کے سنگسار کرنے کا حکم دیا۔^۴

اگر کوئی شخص پرورش اولاد سے آزادی چاہتا تھا تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس کو سخت اعنت و ملامت کرتے کسی شخص کے متعدد لڑکیاں تھیں اس نے ان کی موت کی آرزو کی تو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سخت برہم ہوئے اور کہا کیا تم ان کو روزی دیتے ہو۔^۵

پرورش نسلی

قیسوں کی پرورش بڑی نیکی کا کام ہے حدیث شریف میں آیا ہے۔

انا و کافل البیتیم کھاتین فی الجنة۔

۱: مسند ابن خنبل جلد ۴ صفحہ ۱۳۶۔ ۲: طبقات ابن سعد تذکرہ حضرت عبدالرحمن بن حارث۔

۳: بخاری کتاب المغازی باب عمرہ القصاص فتح الباری۔

۴: دارقطنی صفحہ ۳۴۰ کتاب الحدود۔

۵: اب المفرد باب من کرہ ان یتمنی موت البنات۔

ہم اور یتیموں کی پرورش کرنے والے جنت میں اس قدر قریب ہوں گے جس قدر یہ دونوں انگلیاں قریب ہیں۔

صحابہ کرام ؓ کو اللہ تعالیٰ نے اس نیک کام کی توفیق دی تھی اس لئے وہ اپنے بچوں کی طرح یتیموں کی پرورش کرتے تھے۔

حضرت زینب رضی اللہ عنہا متعدد یتیموں کی پرورش کرتی تھیں ایک بار رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور حضرت بلال ؓ کے ذریعہ سے دریافت کروایا کہ وہ اپنے شوہر اور ان یتیموں پر صدقہ کریں تو جائز ہے۔ ایک دوسری صحابیہ بھی اسی غرض سے در دولت پر کھڑی تھیں۔ حضرت بلال ؓ نے دریافت کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ ان کو دوبرا ثواب ملے گا ایک قرابت کا اور دوسرا صدقہ کا۔^۱

ایک یتیم حضرت عبداللہ بن عمر ؓ کے ساتھ شریک طعام ہوا کرتا تھا ایک دن انھوں نے کھانا منگولیا تو اتفاق سے وہ موجود نہ تھا کھانے سے فارغ ہو چکے تو وہ آیا انھوں نے اور کھانا منگوانا چاہا مگر گھر سے جواب آیا۔ اب ستو اور شہد لائے اور کہا لو کچھ نقصان میں نہیں رہے۔^۲ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بھائی محمد بن ابی بکر ؓ کی لڑکیاں یتیم ہو گئی تھیں اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ان کی پرورش فرماتی تھیں۔^۳

پرورش کے علاوہ صحابہ کرام ؓ اور طریقوں سے بھی یتیموں کے ساتھ سلوک کرتے تھے۔ ایک یتیم نے ایک شخص پر ایک نخلستان کے متعلق دعویٰ کیا لیکن رسول اللہ ﷺ نے اس کے خلاف فیصلہ کیا تو وہ رو پڑا آپ ﷺ کو اس پر رحم آگیا اور مدعا علیہ سے فرمایا کہ اس کو یہ نخلستان دے ڈالو خدا تم کو اس کے بدلے میں جنت میں نخلستان دے گا لیکن اس نے انکار کر دیا۔ حضرت ابوالدرداء ؓ بھی موجود تھے انھوں نے اس سے کہا کہ تم میرے باغ کے عوض اپنے باغ کو بیچتے ہو اس نے کہا ہاں وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا کہ جو نخلستان آپ ﷺ یتیم کیلئے مانگتے تھے اگر میں دے دوں تو اس کے عوض مجھے جنت میں نخلستان ملے گا۔ ارشاد ہوا ”ہاں“۔^۴

عام قاعدہ ہے کہ لوگ اپنی لڑکیوں کی شادی یتیم بچوں سے کرنا پسند نہیں کرتے لیکن صحابہ کرام ؓ کو یتیموں سے اس قدر محبت تھی کہ وہ اس معاملہ میں انہیں ترجیح دیتے تھے

۱: بخاری کتاب الزکوٰۃ باب الزکوٰۃ علی الزوج والیتام فی البحر۔

۲: اب المفرد باب فضل من بقول یتیمین ابو ی۔

۳: مؤطا امام مالک کتاب الزکوٰۃ باب مالاز کوہ فیہ من الحلی والتمر والعصر۔

۴: استیعاب تذکرہ حضرت ابوالدرداء ؓ۔

حضرت صالح ؑ کی صاحبزادی سے حضرت عبداللہ بن عمر ؓ نے منگنی کی ان کی بیوی بھی اس نسبت کو پسند کرتی تھیں لیکن انھوں نے انکار کر دیا اور ایک یتیم بچے کے ساتھ جو ان کی تربیت میں تھا صاحبزادی کا نکاح کر دیا۔^۱

قییموں کی پرورش کے ساتھ صحابہ کرام ؓ نہایت دیانت کے ساتھ ان کے مال کی نگہداشت بھی کرتے تھے اور اس کو ضائع ہونے سے بچاتے تھے بلکہ اس کو ترقی دیتے تھے، حضرت عمر ؓ کا عام حکم تھا۔

اتجر وافی اموال الینامی لا تا کلھا الزکوۃ۔

قییموں کے مال سے تجارت کرو کہ زکوٰۃ اسے کھانہ جائے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا جن قییموں کی پرورش کرتی تھیں ان کے مال لوگوں کو دے دیتی تھیں کہ تجارت کے ذریعہ سے اس کو ترقی دیں۔^۲

شوہر کی محبت

صحابیات اپنے شوہروں سے نہایت محبت رکھتی تھیں، حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی شادی ابوالعاص سے ہوئی تھی وہ حالت کفر میں تھے کہ بدر کا واقعہ پیش آ گیا اور وہ گرفتار ہو گئے۔ آپ ﷺ نے اسیران جنگ کو فدیہ لے کر رہا کرنا چاہا اور تمام مال مکہ نے اپنے اپنے فدیے بھیجے تو حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے پاس ایک یادگار ہار تھا جس کو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے رخصتی کے وقت دیا تھا لیکن انھوں نے ابوالعاص کے فدیہ میں مال کے ساتھ اس ہار کو بھی بھیج دیا آپ ﷺ نے اس کو دیکھا تو سخت رقت طاری ہوئی اور صحابہ ؓ کے مشورہ سے ان کو آزاد کر دیا اور ہار بھی واپس دے دیا۔^۳

حضرت حمزہ بنت جحش رضی اللہ عنہا کے شوہر شہید ہوئے اور انہیں ان کی شہادت کی خبر معلوم ہوئی تو فرط محبت سے چیخا اٹھیں۔^۴

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا انتقال ہوا اور حضرت امام حسن علیہ السلام خلیفہ ہوئے تو ان کی بی بی حضرت عائشہ الخلیفہ الخمرہ رضی اللہ عنہا نے کہا آپ کو حکومت مبارک ہو، سخت برہم ہوئے اور کہا کہ تم مجھے امیر المومنین کے انتقال پر مبارک باد دیتی ہو اور اسی غصہ کی حالت میں طلاق بائن دے دی انھوں نے منہ ڈھانک لیا اور کہا کہ میں نے تو یہ نیک نیتی سے کہا تھا بعد کو

۱: مسند جلد ۲ صفحہ ۹۷۔

۲: مؤطا امام مالک کتاب الزکوٰۃ زکوٰۃ اموال النبی والتجارۃ لبہم فیہا۔

۳: ابوداؤد کتاب الجہاد باب فی فداء الاسیرہ المال۔

۴: سنن ابن ماجہ کتاب الجہاد باب ماجاء فی البرکاء علی المیت۔

انہوں نے مہر وغیرہ کی رقم بھیجی تو اس کو دیکھ کر وہ رو پڑیں اور کہا کہ جدا ہونے والے دوست کے مقابل میں یہ نہایت حقیر چیز ہے۔^۱

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی بی بی حضرت عاتکہ رضی اللہ عنہا روزے کے دنوں میں فرط محبت سے ان کے سر کا بوسہ لیتی تھیں۔^۲

حضرت عاتکہ رضی اللہ عنہا کو اپنے پہلے شوہر حضرت عبداللہ بن ابی بکر رضی اللہ عنہ سے نہایت محبت تھی چنانچہ جب غزوہ طائف میں شہید ہوئے تو حضرت عاتکہ رضی اللہ عنہا نے ایک پردہ مرثیہ لکھا جس کا ایک شعر یہ ہے۔

فالبیت لا تنفک عینی حزینتہ

علیک و لا ینفک جلدی اغیرا

میں نے قسم کھالی ہے کہ تمہارے غم میں میری آنکھیں ہمیشہ پر غم اور جسم ہمیشہ غبار آلود رہے گا۔

اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے شادی کی اور دعوت ولیمہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بھی شریک کیا تو انہوں نے حضرت عاتکہ رضی اللہ عنہا کو یہ شعر یاد دلایا اور وہ رو پڑیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی شہادت ہوئی تو ان کا بھی نہایت پردہ مرثیہ لکھا۔ اس کے بعد ان سے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے شادی کی اور وہ بھی شہید ہوئے تو ان کا بھی نوحہ لکھا۔^۳

شوہر کی خدمت

صحابیات شوہر کی خدمت کو اپنا فرض سمجھتی تھیں اور نہایت پابندی کے ساتھ اس فرض کو بجالاتی تھیں ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نہایت محبوب تھیں لیکن اس محبویت کا کوئی اثر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت پر نہیں پڑتا تھا بلکہ سب سے زیادہ ان ہی کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا شرف خدمت حاصل ہوتا تھا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کمال طہارت کی وجہ سے مسواک کو پہلے دھویا کرتے تھے اور اس پاک خدمت کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا لدا فرماتی تھیں۔^۴

ایک بار آپ صلی اللہ علیہ وسلم کبیل بوڑھ کر مسجد میں آئے ایک صحابی نے کہلیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس پر دھبہ نظر آتا ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو غلام کے ہاتھ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس

۱: دار قطنی صفحہ ۲۳۸ کتاب الطلاق۔

۲: مؤطا کتاب الصیام باب ماجاء فی الرخصۃ فی القبلۃ للمصالح۔

۳: اسد الغابہ تذکرہ حضرت عاتکہ۔

۴: ابوداؤد کتاب الطہارۃ باب غسل السواک۔

بھیج دیا کہ دھو کر خشک کر کے میرے پاس بھیج دیں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کٹورے میں پانی منگایا خود اپنے ہاتھ سے دھویا خشک کیا اور اس کے بعد آپ ﷺ کے پاس بھیج دیا۔^۱
جب رسول اللہ ﷺ احرام حج باندھتے تھے اور احرام کھولتے تھے تو وہ جسم مبارک میں خوشبو لگاتی تھیں۔^۲

جب آپ ﷺ خانہ کعبہ کو ہدی بھیجتے تھے تو وہ ان کے گلے کا قلاوہ بٹتی تھیں۔^۳
صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جب تمام دنیا کی خدمت و اعانت سے محروم ہو جاتے تھے تو اس بے کسی کی حالت میں صرف ان کی بیویاں ان کا ساتھ دیتی تھیں۔

رسول اللہ ﷺ تخلف غزوہ تبوک کی بنا پر حضرت بلال بن امیہ رضی اللہ عنہ سے ناراض ہوئے اور اخیر میں تمام مسلمانوں کی طرح ان کو بی بی سے بھی تعلقات کے منقطع کر لینے کا حکم دیا۔ وہ حاضر خدمت ہوئیں اور کہا کہ وہ بوڑھے آدمی ہیں ان کے پاس نوکر چاکر نہیں اگر میں ان کی خدمت کروں تو آپ ﷺ ناپسند فرمائیں گے۔ ارشاد ہوا نہیں۔^۴

شوہر کے مال و اسباب کی حفاظت

مرد و زن کے معاشرتی تعلقات پر اس کا نہایت عمدہ اثر پڑتا ہے کہ بیوی نہایت دیانت کے ساتھ شوہر کے مال و اسباب کی حفاظت کرے اور صحابیات رضی اللہ عنہن میں یہ دیانت اس شدت سے پائی جاتی تھی کہ مال اسباب تو درکنار جو چیز شوہر سے تعلق رکھتی تھی اس میں بغیر اس کی اجازت کے کسی قسم کا تصرف کرنا پسند نہیں کرتی تھیں۔ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کی شادی حضرت زبیر رضی اللہ عنہ سے ہوئی تھی ایک بار وہ گھر میں تھیں کہ ایک غریب سوداگر آیا کہ اپنے سایہ دیوار میں مجھ کو سودا بیچنے کی اجازت دیجئے وہ عجب کشمکش میں مبتلا ہوئیں فیاضی اور کشادہ دلی سے اجازت دینا چاہتی تھیں۔ لیکن شوہر کے حکم کے بغیر اجازت نہیں دے سکتی تھیں۔ بولیں اگر میں اجازت دے دوں اور زبیر رضی اللہ عنہ انکار کر دیں تو بڑی مشکل پڑے گی زبیر کی موجودگی میں آؤ اور مجھ سے سوال کرو وہ اسی حالت میں آیا اور کہایا ام عبد اللہ میں محتاج آدمی ہوں آپ کی دیوار کے سایہ میں کچھ سودا بیچنا چاہتا ہوں بولیں تم کو مدینہ میں میرا ہی گھر ملتا تھا حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے کہا تمہارا کیا بگڑتا ہے جو ایک محتاج کو بیع و شرا سے روکتی ہو وہ تو چاہتی ہی

۱: ایضاً باب الامارہ من النجاستہ کون فی الثوب۔

۲: ایضاً کتاب المناسک باب الطیب عند الاحرام۔

۳: ایضاً باب من بعث بھدیہ واقام۔

۴: بخاری کتاب المغازی باب غزوہ تبوک۔

تھیں اجازت دے دی^۱ وہ نہایت فیاض تھیں۔ اس لئے صدقہ و خیرات کرنا بہت پسند کرتی تھیں لیکن شوہر کے مال کے سوا ان کے پاس کچھ نہ تھا اور شوہر کے مال میں بلا اجازت تصرف نہیں کر سکتی تھیں۔ مجبوراً رسول اللہ ﷺ سے دریافت فرمایا کہ میں زیرِ ھٓٓٓہ کی آمدنی میں سے کچھ صدقہ کروں تو کیا کوئی گناہ کی بات ہے۔ ارشاد ہوا کہ جو کچھ ہو سکے دو^۲ ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ نے عورتوں سے بیعت لی تو ان میں سے ایک خاتون انھیں اور کہا کہ ہم اپنے باپ، بیٹے اور شوہر کے محتاج ہیں ان کے مال میں سے ہمارے لئے کس قدر لینا جائز ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا اس قدر کہ کھاپی لو اور ہدیہ دو۔^۳

اگرچہ یہ وصف عموماً تمام صحابیات رضی اللہ عنہن میں پایا جاتا تھا لیکن اس باب میں قریش کی عورتیں خاص طور پر ممتاز تھیں چنانچہ خود رسول اللہ ﷺ نے اپنی زبان مبارک سے ان کی اس خصوصیت کو نمایاں کیا۔

نساء قریش خیر لنساء رکن الابل احناہ علی اطفال وارعاء علی زوج فی ذات ید۔^۴

قریش کی عورتیں کس قدر اچھی ہیں بچوں سے محبت رکھتی ہیں اور شوہروں کے مال و اسباب کی نگرانی کرتی ہیں۔

شوہر کی خوشنودی

صحابیات اپنے شوہروں کی رضامندی اور خوشنودی کا نہایت خیال رکھتی تھیں، حضرت حولا عطر فروش تھیں۔ ایک دن حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں آئیں اور کہا کہ میں ہر رات کو خوشبو لگاتی ہوں بناؤ سنگار کر کے دلہن بن جاتی ہوں اور خالصۃً لوجہ اللہ اپنے شوہر کے پاس جا کر سو رہتی ہوں لیکن پھر بھی وہ متوجہ نہیں ہوتے اور منہ پھیر لیتے ہیں پھر ان کو متوجہ کرتی ہوں اور وہ اعتراض کرتے ہیں رسول اللہ ﷺ آئے تو آپ ﷺ سے بھی اس کا ذکر کیا آپ ﷺ نے فرمایا جاؤ اور اپنے شوہر کی اطاعت کرتی رہو۔^۵

ایک روز آپ ﷺ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ہاتھ میں چاندی کے چھلے دیکھے فرمایا عائشہ (رضی اللہ عنہا) یہ کیا ہے؟ بولیں میں نے اس کو اس لئے بنایا ہے کہ آپ

۱: مسلم کتاب الادب باب جو ناز و نف المروہ لانعیہ فی الامت فی الطريق۔

۲: مسلم کتاب الزکوۃ باب الحث علی الصلغہ دلویا التعلیل۔

۳: ابوداؤد کتاب الزکوۃ باب المروہ مصدق من وصیت زوجہا۔

۴: مسلم کتاب الفضائل باب من فضائل نساء قریش۔

۵: اسد الغابہ تذکرہ حضرت حولا۔

ﷺ کیلئے بناؤ سنگار کروں۔^۱

ایک صحابیہ آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں ان کے ہاتھ میں سونے کے نگین تھے آپ ﷺ نے ان کے پہننے سے منع فرمایا بولیں اگر عورت شوہر کیلئے بناؤ سنگار نہ کرے گی تو اس کی نگاہ سے گر جائے گی۔^۲

بی بی کی محبت

جس طرح صحابیات اپنے شوہروں سے بے حد محبت رکھتی تھیں اسی طرح صحابہ کرام بھی بیویوں سے نہایت محبت رکھتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن عمر اپنی بیوی کو اس قدر چاہتے تھے کہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو طلاق دینے پر مجبور کیا تو انھوں نے صاف انکار کر دیا۔ معاملہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پیش ہوا تو آپ ﷺ نے اطاعت والدین کے خیال سے ان کو طلاق دینے کا حکم دیا۔^۳

ایک بار وہ سفر میں تھے معلوم ہوا کہ ان کی بیوی سخت بیمار ہیں ان کے پاس آنے کیلئے نہایت تیز رفتاری سے کام لیا اور عشاء و مغرب کی نماز ایک ساتھ جمع کی۔^۴

ایک بار حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ نے اپنی بیوی حضرت عائشہ بنت الخلیفہ الحشمیہ کو غصہ کی حالت میں طلاق بائن دے دی۔ بعد کو مہر کی رقم بھیجی تو وہ اس کو دیکھ کر رو پڑیں اور کہا کہ جدا ہونے والے دوست کے مقابل میں یہ نہایت حقیر چیز ہے۔ قاصد نے حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کو اسکی خبر دی تو بے اختیار رو پڑے اور فرمایا کہ اگر طلاق بائن نہ دے چکا ہو تا تو رجعت کر لیتا۔^۵ حضرت عبداللہ بن ابی بکر رضی اللہ عنہ کو اپنی بیوی عاتکہ رضی اللہ عنہا سے اس قدر محبت تھی کہ ان کے عشق میں جہاد تک کو ترک کر دیا تھا اس خیال سے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے ان کو طلاق دینے پر مجبور کیا پہلے تو انھوں نے ٹالا لیکن جب ان کی طرف سے سخت اصرار ہوا تو اطاعت والدین کے خیال سے طلاق دی اور یہ اشعار کہے۔

اعانتك لا انساك مادر شارق
اے عاتکہ جب سورج تک چمکتا
ولم ار مثلی طلق اليوم مثلها ما ناح قمری الحام المطوق
اور قمری بولتی رہے گی میں تجھے نہ بھولوں گا

۱: ابوداؤد و کتاب الزکوۃ باب لکنز ماہود زکوۃ کا کلی۔ ۲: نسائی کتاب التزیینہ صفحہ ۶۵۔

۳: ابوداؤد و کتاب الادب باب فی بر الوالدین۔

۴: بخاری کتاب الجہاد باب السرعۃ فی السیر۔

۵: دارقطنی صفحہ ۳۸ کتاب الطلاق۔

عائک قلبی کل یوم وليلة
 اے عائکہ میرا دل ہر دن اور ہر رات
 البک بما تحفی نفوس معلق
 بھد ہزار تمنا و شوق تجھ سے لگا ہوا ہے
 و لم ار مثلی طلق الیوم مثلها
 مجھ جیسے شخص نے اس جیسی عورت کو کبھی طلاق نہ دی ہوگی
 و لا مثلہانی غیر جرم تطلق
 اور نہ ایسی عورت کو بغیر گناہ طلاق دی جاتی

حضرت ابو بکر ؓ پر ان اشعار کا سخت اثر ہوا اور انہوں نے رجعت کرنے کی اجازت دے دی، حضرت مغیث ؓ ایک غلام تھے، انکی شادی حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا سے ہوئی تھی، حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا آزلو ہو گئیں، تو حضرت مغیث ؓ سے قطع تعلق کرنا چاہا، رسول اللہ ﷺ نے ان کو اس ارادہ سے روکا، لیکن بولیں، کیا یہ آپ کا حکم ہے۔ فرمایا نہیں میں سفارش کرتا ہوں، وہ راضی نہ ہوئیں۔ حضرت مغیث ان کے فراق سے بدحواس ہو گئے، ان کے رخساروں پر آنسوؤں کی چادر دیکھ کر آپ ﷺ نے حضرت عباس ؓ سے فرمایا، مغیث ؓ کی محبت اور بریرہ کا بغض تم کو عجیب نہیں معلوم ہوتا۔

ایک بار صحابہ کرام ؓ حج سے واپس آرہے تھے بذوالحلیہ کے پاس پہنچے تو انصار کے لڑکے استقبال کیلئے نکلے، ان ہی صحابہ ؓ میں حضرت اسید بن حضیر ؓ بھی تھے، ان کے خاندان کے بچوں نے ان کو بی بی کے انتقال کی خبر سنائی تو وہ منہ ڈھانک کر رونے لگے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا، آپ قدیم الاسلام صحابی ہو کر ایک عورت کیلئے، اس طرح روتے ہیں، بولے، سچ ہے سعد بن معاذ کے بعد مجھے کسی پر یوں رونا نہیں چاہئے۔

اس محبت کا یہ نتیجہ تھا کہ صحابہ کرام ؓ عورت کے حق محبت کا اس قدر لحاظ رکھتے تھے کہ عورت کی درشت خوئی بھی اس کو فراموش نہیں کر سکتی تھی، حضرت لقیط بن صبرہ ؓ وفد بنو منافق کے ساتھ آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنی بی بی کی بدزبانی کی شکایت کی آپ ﷺ نے فرمایا تو پھر طلاق دے دو۔ انہوں نے کہلایا رسول اللہ ﷺ مدت کا ساتھ ہے اور اس سے ایک بچہ بھی ہے فرمایا کہ اس کو نصیحت کرو، اگر رولہ راست پر آجائے تو بہتر ہے ورنہ اس کو لوٹڈی کی طرح نہ مارو۔

۱: اسد الغابۃ تذکرہ حضرت عائکہ بنت زید ۲: ابو داؤد و کتاب الطلاق باب فی المملو کہ تغلق وی تحت خراؤم۔ ۳: مسند جلد ۴ صفحہ ۵۲-۵۳ ۴: ابو داؤد کتاب الطہارت باب فی الاستسار،

ہمسائیوں کے ساتھ سلوک

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہمسائیوں کے ساتھ نہایت عمدہ سلوک کرتے تھے، اور اس میں، کافرو مسلم کی تفریق روا نہیں رکھتے تھے۔ ایک بار حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے ایک بکری ذبح کی، پڑوس میں ایک یہودی رہتا تھا گھروالوں سے پوچھا کہ تم نے ہمارے یہودی ہمسایہ کے پاس گوشت بھیجایا نہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جبریل نے مجھ کو ہمسائیوں کے ساتھ حسن سلوک کی اس شدت سے وصیت کی کہ میں سمجھا کہ اس کو شریک وراثت بناویں گے۔^۱

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم خود بھوکے رہتے تھے اور اپنے ہمسایوں کو کھلاتے تھے، ایک بار حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت جابر کے پاس گوشت کی گٹھڑی دیکھی، تو بولے، کیا تم لوگ اپنی بھوک کو اپنے ہمسائے اور اپنے چچا زاد بھائی کیلئے نہیں مارنا چاہتے۔^۲

اگر کوئی شخص ہمسائیوں کے ساتھ برا سلوک کرتا تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس کو نہایت برا سمجھتے، ایک بار ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے شکایت کی کہ، میرا پڑوسی مجھے ستاتا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جاؤ، اور گھر سے اپنا تمام اسباب نکال کر باہر ڈال دو، اس نے تعمیل ارشاد کی لوگوں نے دیکھا تو پوچھا کیا معاملہ ہے؟ بولا، میرے پڑوسی نے مجھے ستایا ہے، تمام صحابہ رضی اللہ عنہم نے کہا اس پر خدا کی لعنت ہو اس نے سنا تو کہا کہ ”گھر میں چلو اب نہ ستاؤں گا۔“^۳

غلاموں کے ساتھ سلوک

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم غلاموں کے ساتھ بالکل مساویانہ برتاؤ کرتے تھے اور جو خود پہنتے تھے وہی ان کو بھی پہناتے تھے، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ اپنی لڑکیوں کی طرح اپنی لونڈیوں کو بھی سنہرے زیورات پہنتے تھے،^۴ ایک بار کچھ لوگ ان سے ملنے کو آئے دیکھا کہ ان کے غلاموں کے گلے میں سونے کا طوق پڑا ہے، ہر ایک دوسرے کی طرف تعجب سے دیکھنے لگا، بولے، تمہاری نگاہ برائیوں ہی پر پڑتی ہے۔^۵

ایک بار حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ ایک حلہ پہنے ہوئے تھے، اور غلام کو بھی ویسا ہی پہنایا تھا، اس کا سبب دریافت کیا گیا تو بولے، میں نے ایک غلام کو ایک دفعہ برا بھلا کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ابوذر رضی اللہ عنہ! تم میں اب تک جاہلیت کا اثر باقی ہے، یہ لوگ تمہارے بھائی ہیں خدا نے ان کو تمہارے ہاتھ میں دے دیا ہے، تو جس کا بھائی اس کے ہاتھ میں ہو وہ اس کو وہی

۱: ابوداؤد و کتاب الادب باب فی حق الجوار۔

۲: مؤطا امام مالک کتاب الجامع باب ما جاء فی اکل اللحم۔ ۳: ادب المفرد باب حکایۃ اصحاب

۴: مؤطا امام مالک کتاب الزکوۃ باب مالا زکوۃ فیہ من الحلی والتبر والعنبر۔

۵: ادب المفرد باب فضول النظر۔

کھلائے پلائے جو خود کھاتا پیتا ہے۔^۱

ایک بار رسول اللہ ﷺ نے ان کو ایک غلام دیا اور یہی نصیحت کی تو انہوں نے اپنا کپڑا پھاڑ کر آدھا غلام کو دے دیا۔^۲

ایک بار حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے گاڑھے کی دو قمیصیں خریدیں، ساتھ میں ان کا غلام بھی تھا، بولے اس میں تمہیں جو پسند ہو لے لو، اس نے ایک لے لی۔^۳

ایک بار حضرت ابوالیسرؓ کے جسم پر دو مختلف قسم کے کپڑے تھے اور انکے غلام کے بدن پر بھی اسی قسم کے مختلف کپڑے تھے ایک شخص نے کہا کہ اگر آپ لوگ ایک ایک کپڑا دوسرے سے بدل لیتے تو ہمرنگ ہو کر پورا حلقہ یعنی جوڑا ہو جاتا، بولے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ غلاموں کو وہی کھلاؤ جو خود کھاتے ہو اور وہی پہناؤ جو خود پہنتے ہو، یعنی اس طریقہ سے دونوں کپڑے ہمرنگ تو ہو جاتے، لیکن اس سے کپڑوں میں اختلاف ہو جاتا اور مساوات زائل ہو جاتی۔

صحابہ کرامؓ غلاموں کی زد و کوب کو نہایت برا سمجھتے تھے، ایک بار ایک شخص نے اپنے غلام کے منہ پر طمانچہ مارا، حضرت سید بن مقرنؓ نے فرمایا، طمانچہ کیلئے تم کو صرف اس کا چہرہ ہی ملتا تھا۔ ہمارے بھائیوں میں ایک نے غلام کو مارا تھا تو آنحضرت ﷺ نے اس کے آڑو کرنے کا حکم دیا تھا۔^۴

زد و کوب تو بڑی بات ہے صحابہ کرامؓ لوٹدیوں اور غلاموں کو آدمی بات بھی کہنا پسند نہیں کرتے تھے، ایک بار رات کو عبدالملک اٹھا اور اپنے غلام کو آواز دی، اس نے آنے میں دیر لگائی تو اس نے اس پر لعنت بھیجی۔ حضرت ام الدرداءؓ اس کے محل میں تھیں۔ صبح ہوئی تو کہا کہ تم نے رات اپنے غلام پر لعنت بھیجی حالانکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ لعنت بھیجنے والے قیامت کے دن شفعاء شہداء نہ ہوں گے۔^۵

ایک بار حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اپنے ایک دوست سے ملنے آئے وہ موجود نہ تھے، ان کی بی بی سے پانی مانگا، اس نے لوٹدی کو ہمسایہ کے گھر بھیجا کہ دودھ مانگ لائے لوٹدی نے آنے میں دیر لگائی تو اس نے اس پر لعنت بھیجی، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ گھر سے نکل آئے، ان کے دوست آئے تو کہا، آپ سے کیا پردہ تھا، گھر میں آکر بیٹھے ہوتے کھلیا پیا ہوتا،

۱: بخاری کتاب الایمان باب المعاصی من امر الجاہلیۃ۔

۲: فتح الباری ج ۸ ص ۸۱۔

۳: اسد الغابۃ تذکرہ حضرت علیؓ۔

۴: ابوالمفرد باب اکوہم مما تلبسون۔

۵: مسلم کتاب النور باب صحبۃ المحالیات کفارہ من لعن عبدہ۔

۶: مسلم کتاب البر والصلۃ و آداب باب الہنی عن لعن الدواب وغیرہ۔

بولے سب کچھ کر لیا، لیکن آپ کی بی بی نے لوٹدی پر لعنت بھیجی اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ اگر لعنت بے محل ہوتی ہے تو خود لعنت بھیجنے والے پر لوٹ آتی ہے۔ اسلئے مجھے خوف پیدا ہوا کہ شاید لوٹدی معذور ہو اور وہ لعنت آپ کی بی بی پر لوٹ آئے اور میں اس کا سبب بنوں اس خیال سے گھر سے باہر نکل آیا۔^۱

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم غلاموں کے آرام و آرائش کا نہایت خیال رکھتے تھے، ایک بار حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے گھر کا منتظم آیا تو انہوں نے پوچھا، غلاموں کو کھانا دیا یا نہیں، بولا، نہیں، فرمایا جاؤ اور دو۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ، یہ تو بڑے گناہ کی بات ہے کہ آدمی غلاموں کی روزی کو روک رکھے۔^۲

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم غلاموں سے کبھی سخت کام نہیں لیتے تھے، ایک بار ایک شخص حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے یہاں آیا دیکھا کہ بیٹھے ہوئے آنا گوندھ رہے ہیں، اس نے کہا کہ غلام کہاں ہے؟ بولے ہم نے اسکو ایک کام کیلئے بھیجا ہے، اس لئے یہ پسند نہیں کیا کہ اس سے دورو کام لیں۔^۳

حضرت عثمان رات کو اٹھ کر خود وضو کا پانی لے لیا کرتے تھے، لوگوں نے کہا، اگر آپ کسی خادم سے کہہ دیتے تو وہ یہ کام کر دیتا، بولے نہیں رات ان کے آرام کیلئے ہے۔^۴

اسی حسن سلوک کا یہ نتیجہ تھا کہ غلام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر جان دیتے تھے اور ان کے ارشادات کی، بطیب خاطر تعمیل کرتے تھے، مالِ ثانی حضرت ابویوب انصاری رضی اللہ عنہ کا غلام تھا، انہوں نے اس کو مکتب بنا کر آڑو کرنا چاہا تو تمام لوگوں نے اسکو مبدک بلادی، لیکن بعد میں حضرت ابویوب انصاری رضی اللہ عنہ نے معاہدہ کتابت کو فتح کرنا چاہا اور اس کے یہاں کہلا بھیجا کہ تمہیں مثل سابق کے غلامی کی حالت میں رہنا ہو گا، الفح کے لال و عیال نے کہا کہ تم پھر غلام بننا پسند کرو گے؟ حالانکہ خدا نے تم کو آڑو کر دیا تھا، لیکن اس نے کہا کہ میں ان کی کسی بات کا انکار نہیں کر سکتا، چنانچہ خود اس معاہدہ کو فتح کر دیا۔ اس کے چند ہی دنوں کے بعد حضرت ابویوب انصاری رضی اللہ عنہ نے اس کو آڑو کر دیا اور کہا کہ جو مال تمہارے پاس ہو وہ کل تمہارا ہے۔^۵

۱: مسند ابن فضال جلد ۱ صفحہ ۴۰۸ مسند عبداللہ ابن مسعودؓ

۲: مسلم کتاب الزکوٰۃ باب فضل العقد علی العیال والمملوک۔

۳: طبقات ابن سعد تذکرہ حضرت سلمان فارسیؓ۔

۴: طبقات ابن سعد تذکرہ حضرت عثمانؓ۔

۵: طبقات ابن سعد تذکرہ الفح۔

باہمی محبت

صحابہ کرام ؓ باہم نہایت الفت و محبت رکھتے تھے، اس لئے جب کسی صحابی کو کسی قسم کا دکھ درد پہنچتا تھا، تو دوسرے صحابہ ؓ کے دل بھر آتے تھے، حضرت عمر ؓ کو جب ابن لوہ نے زخمی کیا تو تمام صحابہ ؓ کو اس قدر رنج ہوا کہ گویا ان پر کبھی ایسی مصیبت نہیں آئی تھی، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا الگ رو رہی تھیں۔ حضرت صہیب ؓ پاس آئے اور وا اخیاء وا اخیاء کہہ کر رونے لگے۔^۱

حضرت عمر ؓ کا انتقال ہوا تو تمام صحابہ ؓ نے ان کے تابوت کو گھیر لیا، بلور دعائیں کرنے لگے۔^۲

حضرت علی ؓ نے پاس پہنچ کر کہا، خداتم پر رحم کرے مجھے توقع ہے کہ خداتم کو تمہارے دونوں رفقاء (حضرت ابو بکر ؓ و رسول اللہ ﷺ) کی معیت عطا کرے گا، کیونکہ رسول اللہ ﷺ اکثر کہا کرتے تھے کہ میں ابو بکر ؓ عمر ؓ سے، میں نے ابو بکر ؓ عمر ؓ نے یہ کام کیا تھا۔^۳

صحابہ کرام ؓ حضرت عمر ؓ کی تجہیز و تکفین سے فارغ ہوئے تو سب کے سامنے دسترخوان بچھایا گیا، لیکن رنج و غم کی وجہ سے کسی نے کھانے کو ہاتھ لگانا پسند نہیں کیا، بلا آخر حضرت عباس ؓ کے سبھانے سے سب نے کھانا کھلیا۔^۴

ایک بار صحابہ کرام ؓ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ شہداء کے حرار کی زیارت کو نکلے، پہاڑ پر چڑھے تو قبریں نظر آئیں، محبت کے لہجے میں بولے یا رسول اللہ ﷺ، یہ ہمارے بھائیوں کی قبریں ہیں، فرمایا ہمارے اصحاب کی قبریں ہیں۔^۵

ایک بار واقعہ بن عمرو بن سعد بن معاذ ؓ، حضرت انس بن مالک ؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے انھوں نے نام پوچھا بلور سلسلہ نسب میں حضرت سعد بن معاذ ؓ کا نام آیا تو فرمایا، تمہاری صورت سعد ؓ سے مشابہ ہے وہ سب میں بڑے اور لمبے تھے، یہ کہہ کر رو پڑے۔^۶

ایک بار حضرت عبدالرحمن بن عوف ؓ کے سامنے کھانا آیا، ان کو ابتداءً اسلام کا افلاس یاد آگیا۔ بولے مصعب بن عمیر ؓ مجھ سے بہتر تھے، وہ شہید ہوئے اور ایک چادر

- ۱: بخاری کتاب المناقب باب قصص الصحابة والاتفاق علی عثمان۔
- ۲: نسائی کتاب الجہاد باب النبیۃ علی المیت۔ ۳: سنن ابن ماجہ باب فضل ابی بکر الصدیق۔
- ۴: بخاری کتاب المناقب فضائل ابی بکر۔ ۵: طبقات ابن سعد تذکرہ حضرت عباس۔
- ۶: ابوداؤد کتاب المناسک باب زیارتہ المقبور۔
- ۷: نسائی کتاب الزیارات باب لبس الدیان المسنوج بالذهب ورمزی کتاب اللباس باب لبس الحریری فی الحرب۔

کے سوا ان کو کفن میسر نہ ہوا۔ حمزہ ؓ یا کوئی اور صحابی جو مجھ سے بہتر تھے شہید ہوئے اور ایک چادر کے سوا ان کو کفن نہ ملا۔ شاید دنیا ہی میں ہم کو ہمارے طبقات مل گئے، یہ کہہ کر رونے لگے اور کھانا چھوڑ دیا۔^۱

باہمی اعانت

صحابہ کرام ؓ مصیبت میں، آفت میں، کشمکش میں ایک دوسرے کی اعانت فرماتے تھے۔ جنگ کی حالت میں ہر شخص کو اپنی ہی جان کی فکر رہتی ہے لیکن صحابہ کرام ؓ اس موقع پر بھی دوسروں کی اعانت کیلئے اپنی جان تک کو خطرہ میں ڈال دیتے تھے حضرت ابو قتادہ ؓ کا بیان ہے کہ میں نے حنین میں دیکھا کہ ایک کافر ایک مسلمان پر غالب آنا چاہتا ہے، میں پکڑ دے کر آیا، اور اس کی پشت کی جانب سے گردن پر ایک تلوار ماری وہ میری طرف بڑھا اور مجھ کو اس طرح دبوچ لیا کہ مجھے موت کی خوشبو آنے لگی، پھر میری کے چھوڑا۔^۲

قبیلہ اشعری کے لوگ مدینہ میں ہجرت کر کے آگئے تھے، ان لوگوں میں باہم اس قدر تعاضد و تعاون تھا کہ جب غزوات میں ان کا زور نہ ختم ہو جاتا تھا یا خود مدینہ میں جلائے فہر و فاقہ ہو جاتے تھے، تو ہر شخص کے گھر میں جو کچھ ہوتا تھا وہ لا کر سب کے سامنے رکھ دیتا تھا اور یہ سب لوگ اس کو برابر تقسیم کر لیتے تھے۔^۳

ہمسایہ عورتیں اپنی پڑوسنوں کو ہر قسم کی مدد دیتی تھیں۔ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کو روٹی پکانا نہیں آتی تھی، لیکن ان کی پڑوسنیں ان کی روٹی پکایا کرتی تھیں۔^۴

ایک دن کچھ مفلوک الحال لوگ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص ؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا کہ خدا کی قسم نہ ہم کو نفقہ ملتا نہ سواری ملتی نہ اسباب ملتا، بولے، اگر چاہو تو خدا جو توفیق دے، ہم دیں، پھر نہ بادشاہ کے دربار میں تمہاری سفارش کر دیں، پھر اگر جی میں آئے تو صبر کرو کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ فقراء و مہاجرین امراء سے چالیس سال پیشتر جنت میں داخل ہوں، گے، ان لوگوں نے کہا، ہم صبر کرتے ہیں، پھر کچھ نہیں مانگتے۔^۵

حضرت زبیر ؓ نے لاکھوں روپے قرض چھوڑ کر انتقال فرمایا تھا اور حضرت عبداللہ بن زبیر ؓ اس کو لو کرنا چاہتے تھے، ایک بار حضرت حکیم بن حزام ؓ سے ملاقات ہو گئی تو انہوں نے کہا، یہ قرض کیونکر لو کرو گے۔ اگر مجبور ہو جاتا تو مجھے اعانت کی درخواست کرنا، میں

۱: بخاری کتاب الجنائز باب الکفن من جمیع المال مع فتح الباری۔

۲: ابوداؤد کتاب الجہاد باب فی السلب عطی القاتل۔

۳: مسلم کتاب الفضائل باب من فضائل الاشعریین۔

۴: مسلم کتاب السلام باب ارواف المراءۃ الاجمیع قوارعیت فی الطريق۔ ۵: مسلم کتاب الزہد۔

اعانت کروں گا، یہ صرف زبانی دعوے نہ تھا، بلکہ انھوں نے چار لاکھ سے ان کی اعانت بھی کرنا چاہی، لیکن انھوں نے قبول نہیں کیا۔^۱

جب عورتوں کو شکایت پیدا ہوتی تھی، تو وہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنا درد دکھ کہتی تھیں، وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں نہایت پر زور طریقہ سے ان کی سفارش کرتی تھیں، ایک بار ان کی خدمت میں ایک عورت سبز دوپٹہ اوڑھ کر آئی اور جسم کھول کر دکھایا کہ شوہر نے اس قدر مارا ہے کہ بدن پر نیل پڑ گئے ہیں، رسول اللہ ﷺ تشریف لائے تو حضرت عائشہ نے کہا کہ مسلمان عورتیں جو مصیبت برداشت کر رہی ہیں ہم نے ویسی مصیبت نہیں دیکھی دیکھئے اس کا چہرہ اس کے دوپٹے سے زیادہ سبز ہو گیا ہے، بخاری کی روایت میں ہے۔

وَالنِّسَاءُ يَنْصُرُ بَعْضُهُنَّ بَعْضًا

عورتوں کی یہ فطرت ہے کہ ایک دوسرے کی اعانت کرتی ہیں۔

ایک شخص کی بی بی بیمار تھیں، وہ حضرت ام الدرداء رضی اللہ عنہا کے پاس آئے انھوں نے حال پوچھا تو انھوں نے کہا بیمار ہے، انھوں نے ان کو بٹھلا کر کھانا کھلایا اور جب تک ان کی بی بی بیمار ہیں حال پوچھتے اور کھانا کھاتی رہیں۔^۲

حضرت ربیعہ امی ؓ نہایت مفلس صحابی تھے، انھوں نے رسول اللہ ﷺ کے حکم سے، شادی کرنا چاہی لیکن خود ان کے پاس مہر اور دعوت ولیمہ کا کوئی سامان نہ تھا، اس لئے ان کے قبیلہ کے لوگوں نے اعانت کی اور تمام سامان ہو گیا۔^۳

ایک کے رنج و مسرت میں دوسرے کی شرکت

تالقف و اتحلانے صحابہ کرام ؓ کو ایک جان دو قالب بتلایا تھا اس لئے وہ ایک کے رنج کو اپنا رنج اور ایک کی خوشی کو اپنی خوشی سمجھتے تھے، اور اس میں شریک ہوتے تھے، ایک بار حضرت زید بن ارقم ؓ نے ایک واقعہ بیان کیا لیکن رسول اللہ ﷺ نے اس کی تصدیق نہیں فرمائی اس لئے ان کو سخت صدمہ ہوا، اس کے بعد قرآن مجید نے ان کی تصدیق کی جس پر ان کو نہایت مسرت ہوئی۔ اس لئے حضرت ابو بکر ؓ ان سے ملے تو مبارک باد دی۔^۴ غزوہ تبوک کی عدم شرکت کے جرم میں حضرت کعب بن مالک ؓ حضرت ہلال بن امیہ ؓ حضرت

۱: بخاری کتاب الجہاد باب برکتہ الغازی فی مالہ حیو یتامع فتح الباری۔

۲: بخاری کتاب اللباس باب اثیاب الخضر۔ ۳: لوب المفرد باب صفحہ ۷۴۔

۴: مسند ابن حنبل جلد ۴ صفحہ ۵۸۔

۵: ترمذی تفسیر القرآن تفسیر سورۃ المنافقون۔

مرارہ بن ربیع ؓ کی توبہ مقبول ہوئی، اور رسول اللہ ﷺ کی ناراضی کا خاتمہ ہوا تو اس بارے میں جو آیت نازل ہوئی حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے رات ہی کو حضرت کعب بن مالک ؓ کو اسکی اطلاع دینی چاہی لیکن آپ نے فرمایا کہ ”اگر تم نے ایسا کیا تو لوگ ٹوٹ پڑیں گے اور سونا و شواہر ہو جائے گا۔“ اسلئے آپ نے نماز فجر کے بعد اس کا اعلان کیا، اسوقت حضرت کعب بن مالک ؓ کو ٹھٹھے کی چھت پر سخت پریشانی کی حالت میں بیٹھے ہوئے تھے، بوفٹا آواز آئی کہ ”مژدہ باد بدیکھا کہ لوگ جوق در جوق مبارک بلادیئے کیلئے چلے آرہے ہیں، ایک صحابی گھوڑا اڑاتے ہوئے آئے، ایک اور صحابی دوڑتے ہوئے پہنچے، اور پہاڑ پر چڑھ کر بشارت دی، لوگ گروہ در گروہ آتے تھے اور کہتے تھے، کہ کعب توبہ مبارک مسجد نبوی ﷺ میں توبہ کا اعلان ہوا تھا اور وہ داخل مسجد ہوئے تو حضرت طلحہ بن عبید اللہ ؓ نے دوڑ کر مصافحہ کیا، اور مبارک بلادیئے۔“ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر جب اتہام لگایا گیا اور وہ اس رنج و غم میں رات دن مصروف گریہ و بکا رہنے لگیں، تو ایک صحابیہ رضی اللہ عنہا آئیں اور انکی یہ حالت دیکھ کر بے اختیار رو پڑیں۔“

حسن رفاقت

اللہ تعالیٰ نے لیل جنت کی شان میں فرمایا ہے:

وَحَسَنَ أَوْلِيكَ رَفِيقًا۔

یہ لوگ کیا ہی اچھے رفیق ہیں۔

صحابہ کرام ؓ بھی اللہ تعالیٰ کے مخصوص بندے تھے، اس لئے انہوں نے عملاً دنیا ہی میں اپنے لو پر اس آیت کو منطبق کر لیا تھا۔

حضرت رافع بن عمرو ؓ نے ایک غزوہ میں رفیق صالح کی تلاش کی جس اتفاق سے حضرت ابو بکر ؓ کا شرف رفاقت حاصل ہو گیا، ان کا بیان ہے کہ وہ مجھے اپنے بستر پر سلاتے تھے اپنی چادر اڑھاتے تھے، میں نے کہا، مجھے کوئی ایسی بات سکھائیے جو مجھے فائدہ دے، بولے خدا کو پوجو، کسی کو اس کا شریک نہ بناؤ، نماز پڑھو، اگر میل ہو تو، صدقہ دو دو ارا لکھو سے ہجرت کرو اور دو شخصوں کے بھی حاکم نہ بنو۔“

بزرگوں کا ادب

حدیث شریف میں آیا ہے۔

۱: بخاری کتاب التفسیر سورۃ توبہ باب قولہ و علی امثلہ الدین خلفوہ الخ۔

۲: بخاری کتاب المغازی باب غزوہ تبوک۔

۳: بخاری کتاب الشہادت باب تعدیل التسلیم بعضہن بعضاً۔ ۴: اصحابہ تذکرہ رافع بن عمرو بن جابر۔

من لم یوحم صغیرنا و یعرف حق کبیرنا فلیس منا۔
 جو لوگ ہمارے چھوٹوں پر رحم اور ہمارے بزرگوں کا ادب نہیں کرتے وہ ہم میں سے نہیں ہیں۔
 اس لئے صحابہ کرام ؓ بزرگوں کا نہایت ادب کرتے تھے ایک بار مجلس نبوی میں حضرت ابو بکر ؓ و حضرت عمر ؓ بیٹھے ہوئے تھے، آپ ﷺ نے فرمایا کہ مجھ کو اس درخت کا نام بتاؤ جو مسلمانوں سے مشابہ ہے، ہر سال پھلتا ہے اور کبھی اس پر خزاں نہیں آتی، حضرت عبداللہ بن عمر ؓ کے دل میں آیا کہ وہ کھجور کا درخت ہے، لیکن ان دونوں بزرگوں کے ادب سے نہ بول سکے۔ حضرت عمر ؓ کو معلوم ہوا تو کہا کہ تم نے کیوں نہیں بتایا؟ اگر تم بتا دیتے تو مجھ کو فلاں فلاں چیزوں سے بھی زیادہ محبوب ہوتا، بولے جب آپ اور حضرت ابو بکر ؓ نہیں بولے تو میں نے بولنا پسند نہیں کیا۔^۱ ایک دن وہ رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ چلے، کسی طرف سے حضرت ابو بکر ؓ بھی آگئے وہ دائیں طرف سے ہٹ کر آپ کے بائیں جانب آگئے، تھوڑی دیر میں حضرت عمر ؓ نے بھی شرف رفاقت حاصل کیا اب وہ بالکل کنارے ہو گئے۔^۲

ایک بار حضرت عبداللہ بن قیس بن عتبہؓ، مسجد قبائیں نماز پڑھ کر فجر پر سوار ہو کر نکلے، راہ میں حضرت عبداللہ بن عمر ؓ مل گئے، انہوں نے دیکھا تو فوراً اتر پڑے اور کہا کہ بچا جان اس پر سوار ہو لیجئے۔^۳

حضرت عبداللہ بن عباس ؓ حضرت عمر ؓ کے خاص تربیت یافتہ تھے، وہ ایک سال سے ان سے ایک مسئلہ پوچھنا چاہتے تھے مگر ہمت نہیں پڑتی تھی۔ ایک موقع پر وہ مسئلہ پوچھا تو کہا، خدا کی قسم! سال بھر سے پوچھنا چاہتا تھا، مگر آپ کے خوف سے ہمت نہیں پڑتی تھی یہ حسن ادب تھا، لیکن حضرت عمر ؓ نے بھی یہ شفقت آمیز جواب دیا کہ، ایسا نہ کرو اگر تمہارا یہ خیال ہو کہ میرے پاس کسی چیز کا علم ہے تو پوچھ لیا کرو اگر میں جانتا ہوں گا تو ضرور بتا دوں گا۔^۴

دوستوں کی ملاقات

ملاقات از دیار محبت کا نہایت موثر ذریعہ ہے صحابہ ؓ میں باہم محبت تھی، اور وہ اس

۱: بخاری کتاب الادب باب اکرام الکبیر۔

۲: مسند ابن حبیل جلد ۲ صفحہ ۱۔

۳: ان کا صحابی ہونا مختلف فیہ ہے۔

۴: مسند ابن حبیل جلد ۲ صفحہ ۱۱۹۔

۵: مسلم کتاب الطلاق باب فی الایلام و اعتزال النساء و تحیر بن، بقولہ تعالیٰ و ان یتظاہر علیہ۔

محبت کو ترقی دینا چاہتے تھے اس لئے دوستوں سے اثر ملاقات کرتے تھے، حضرت ام الدرداء رضی اللہ عنہا شام میں رہتی تھیں لیکن ایک مرتبہ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ پیادہ مدائن سے ان کے ملنے کو آئے۔^۱

ایک دن بہت سے صحابہ رضی اللہ عنہم حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے ملنے آئے، انھوں نے روٹی اور سرکہ سامنے رکھ دیا، اور کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ سرکہ بہترین سالن ہے، وہ شخص ہلاک ہو جائیگا جس کے پاس اس کے احباب آئیں اور وہ اس چیز کو حقیر سمجھ کر ان کے سامنے پیش نہ کرے جو اس کے گھر میں موجود ہو اور احباب بھی ہلاک ہو جائیں گے جو اس کو حقیر خیال کریں۔^۲

ایک دفعہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اپنے ایک دوست (غالباً صحابی ہوں گے) سے ملنے آئے، وہ گھر میں موجود نہ تھے، آئے تو ان کو گھر کے باہر دیکھ کر بولے، آپ سے کیا پردہ تھا گھر میں آکر بیٹھے ہوتے کھلایا ہوتا۔^۳

ہدیہ دینا

حدیث شریف میں آیا ہے کہ ہدیہ ازدیاد محبت کا ذریعہ ہے، اس لئے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی خدمت میں اکثر ہدیہ بھیجا کرتے تھے، حضرت نسیمہ انصاریہ رضی اللہ عنہا اس قدر مفلس تھیں کہ ان پر صدقہ کامل حلال تھا۔ تاہم اس حالت میں بھی وہ ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کی خدمت میں ہدیہ بھیجتی تھیں۔ ایک بار ان کے پاس صدقہ کی ایک بکری آئی تو انہوں نے اس کا گوشت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس ہدیہ بھیجا۔^۴ حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کے پاس بھی جو کچھ صدقہ میں آتا تھا، وہ ازواج مطہرات رضی اللہ عنہم کو ہدیہ دیا کرتی تھیں۔^۵

عیادت

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مریضوں کی عیادت کو اپنا فرض خیال کرتے تھے، ایک بار حضرت سعد ابن عبادہ رضی اللہ عنہ بیمار ہوئے، تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، تم میں کون ان کی عیادت کرتا ہے۔

۱: اب المفرد باب الزیارت۔ ۲: مسند ابن ضیل ۳ صفحہ ۳۵۰۔

۳: مسند ابن ضیل جلد ۱ صفحہ ۴۰۸۔

۴: بخاری کتاب الزکوٰۃ باب اذا تحولت الصدقہ۔

۵: مسلم کتاب الزکوٰۃ باب ابا جہ الہدیہ النبی ولہنی ہاشم وبنی عبدالمطلب و ان کان المہدی ملکھا بطریق الصدقہ۔

باوجودیکہ غربت و افلاس سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے پاؤں میں جوتے نہ تھے، موزے نہ تھے، سر پر ٹوپی نہ تھی، بدن پر کپڑا نہ تھا، لیکن بایں ہمہ دس پندرہ بزرگ پتھرلی زمین میں ننگے پاؤں اور کھلے سر گئے اور ان کی عیادت کی۔^۱

ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، تم میں آج کون روزے سے ہے؟ تم میں آج کسی نے جنازے کی مشاعت کی ہے؟ تم میں آج کس نے مسکین کو کھلایا ہے؟ تم میں آج کس نے مریض کی عیادت کی ہے؟ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی زبان سے ہر سوال کے جواب میں ہاں نکلی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جس شخص میں یہ تمام چیزیں جمع ہو جائیں وہ جنت میں ضرور داخل ہوگا۔^۲ ایک بار ایک صحابی بیمار تھے، حضرت ام الدرداء رضی اللہ عنہا اونٹ پر سوار ہو کر آئیں اور ان کی عیادت کی۔^۳

ایک بار حضرت شداد بن اوس شام کے وقت کہیں جا رہے تھے، کسی نے پوچھا کہاں کا راہ وہ ہے؟ بولے یہیں ایک مریض بھائی کی عیادت کو جاتا ہوں۔^۴

تیمارداری

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نہایت دلسوزی سے مریضوں کی تیمارداری کرتے تھے۔ مہاجرین کے قیام کے متعلق جب قرعہ کے ذریعہ فیصلہ کیا گیا تو حضرت عبداللہ بن مظعون رضی اللہ عنہ حضرت ام العلاء رضی اللہ عنہا کے حصے میں آئے، وہ بیمار ہوئے تو ان کے تمام خاندان نے نہایت دلسوزی سے تیمارداری کی۔ ان کا انتقال ہوا تو کفن پہنانے کے بعد حضرت ام العلاء رضی اللہ عنہا نے محبت کے لہجے میں کہا تم پر خدا کی رحمت ہو میں شہادت دیتی ہوں کہ خدا نے تمہاری عزت کی۔^۵

حضرت زینب رضی اللہ عنہا مرض الموت میں بیمار ہوئیں تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن سے پوچھ لیا کہ کون ان کی تیمارداری کرے گا۔ تمام بیویوں نے کہا ہم ان کا انتقال ہوا تو پھر دریافت کیا کہ ان کو غسل و کفن دے گا، تمام بیویوں نے کہا ہم۔^۶

- ۱: مسلم کتاب الجنائز باب فی عیادۃ الرضی۔
- ۲: مسلم کتاب الزکوۃ باب من جمع الصدقۃ و اعمل البر مند جلد ۳ صفحہ ۱۸ میں یہ واقعہ حضرت عمرؓ کی طرف منسوب ہے۔
- ۳: ابوب المفرد باب عیادۃ النساء الرجل المریض۔ مسند ابن فضال جلد ۲ صفحہ ۱۲۳۔
- ۴: بخاری کتاب الشہادات باب القرعۃ فی المشکلات۔
- ۵: طبقات ابن سعد تذکرہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا بخت بخش۔

عزاداری

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم رنج و غم میں ایک دوسرے کے شریک تھے، اس لئے عزاداری کو اپنا فرض بنالیا تھا، ایک بار رسول اللہ ﷺ ایک صحابی کو دفن کر کے آرہے تھے، راہ میں دیکھا کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا جارہی ہیں پوچھا گھر سے کیوں نکلیں؟ بولیں، اسی گھر میں عزاداری کیلئے گئی تھی۔^۱

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی متعدد دلواد غزوہ حرہ میں شہید ہوئی، تو حضرت زید بن ارقم نے خط کے ذریعہ سے رسم تعزیت لوائی۔^۲

عرب میں ایک عزاداری یہ تھا کہ عورتیں بر لاری میں جا کر مردوں پر نوحہ کرتی تھیں۔ یہ جاہلیت کی رسم تھی لیکن اسلام نے اس کو مٹا دیا۔ چنانچہ جب عورتیں اسلام لاتی تھیں تو ان سے اس کا بھی معاہدہ لیا جاتا تھا۔

ایک بار رسول اللہ ﷺ نے حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا سے یہ معاہدہ لینا چاہا تو بولیں فلاں فلاں خاندان نے زلمہ جاہلیت میں ہمارے مردے پر نوحہ کیا ہے، مجھے اس کا معاوضہ کرنا ضروری ہے، چنانچہ آپ ﷺ نے ان کو اس کی اجازت دی۔^۳

سلام کرنا

السلام علیکم، اگرچہ نہایت مختصر اور سادہ فقرہ ہے، لیکن جلب محبت کیلئے، عمل تسخیر کا حکم رکھتا ہے، اس بنا پر قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے اس کی سخت تاکید فرمائی ہے۔

وَإِذَا حِیتُمْ تَحِیةً فَحِیوْا بِأَحْسَنِ مِنْهَا یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ آمَنُوا لَا تَدْخُلُوا بُیُوتًا غَیْرِ بَیُوتِکُمْ حَتّٰی تَسْتَأْذِنُوْا اَوْ تَسَلِّمُوْا عَلٰی اَهْلِهَا۔

جب تم کو سلام کیا جائے تو تم اس سے بہتر طریقہ سے اس کا جواب دو مسلمانو! اپنے گھر کے سوا کسی دوسرے کے گھر میں اس وقت تک نہ داخل ہو جب تک تم ان سے مانوس نہ ہو جاؤ اور ان کو سلام نہ کر لو!

اور اسی بنا پر رسول اللہ ﷺ جب اول لول مدینہ منورہ میں تشریف لائے تو سب سے پہلے یہ تعلیم دی۔

یَا اَیُّهَا النَّاسُ افشَوْا السَّلَامَ وَاطْعَمُوا الطَّعَامَ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ بِسَلَامٍ۔^۴

لوگو! باہم سلام کرو اور کھانا کھاؤ اور جب لوگ سو رہے ہوں تو نماز پڑھو، تاکہ اس کے

۱: ابوداؤد کتاب الجہاد باب فی القریۃ۔

۲: ترمذی کتاب الفضائل فضل الانصار وقریش۔

۳: مسلم کتاب الجہاد باب التشدید فی النیاحۃ۔ ۴: ترمذی صفحہ ۴۰۹۔

بدلہ میں جنت میں اطمینان سے داخل ہو جائے۔
اس لئے صحابہ کرام ؓ ہر کہ دمہ کو سلام کرتے تھے ایک بار حضرت ابو بکر ؓ لونٹ پر سوار جا رہے تھے جو لوگ رلو میں ملتے اور وہ ان کو سلام کرتے تو صرف السلام علیکم کہتے لیکن وہ جواب میں السلام علیکم ورحمۃ اللہ کہتے اب وہ بھی اسی کا اعادہ کرتے وہ لوگ اور اضافہ کے ساتھ السلام علیکم ورحمۃ اللہ ویرکام کہتے آخر فرمایا کہ یہ لوگ ہم سے بہت بڑھ کے رہے۔
حضرت انس بن مالک ؓ بصرہ میں نکلتے تو راستے میں ہر شخص کو ہاتھ کے اشارے سے سلام کرتے۔^۱

حضرت عبداللہ بن عمر ؓ کا معمول تھا کہ بازار میں جاتے اور ہر دوکان دار ہر مسکین اور ہر مسافر غرض ہر شخص کو سلام کرتے ایک شخص نے پوچھا کہ بازار میں آپ نہ بھاؤ تاؤ کرتے، نہ سودا سلف خریدتے نہ کہیں بیٹھتے، پھر کس کام سے آتے ہیں بولے صرف سلام کرنے کیلئے۔^۲
جب وہ سلام کا جواب دیتے تو سلام کرنے والے کے جواب میں بعض فقرے کا اضافہ کر دیتے ایک بار ایک شخص نے بار بار ان ہی کے اضافہ کے ساتھ سلام کیا تو اخیر میں انہوں نے جو جواب دیا وہ بہت طویل تھا یعنی السلام علیکم ورحمۃ اللہ ویرکام وطیب صلوات۔^۳
اگر صحابہ ؓ کے درمیان ایک درخت بھی حائل ہو جاتا تو اس کی آڑ سے نکلنے کے بعد جب دوبارہ سامنا ہوتا تو باہم سلام کرتے۔^۴

مصافحہ

سب سے پہلے اہل یمن جو نہایت محبت کیش، رقیق القلب اور مخلص لوگ تھے، مصافحہ کا تحفہ دربار رسالت میں لے کر حاضر ہوئے، انور صحابہ کرام ؓ نے اس پر اس شدت سے عمل کیا کہ حضرت انس بن مالک صرف دوستوں سے مصافحہ کرنے کیلئے روزانہ ہاتھوں میں خوشبودار تیل ملا کرتے تھے۔^۵

معاوضہ احسان

قرآن مجید میں ہے:

هَلْ جَزَاءُ الْإِحْسَانِ إِلَّا الْإِحْسَانُ۔

- ۱: اب المفرد باب فصل السلام۔
- ۲: باب من سلم أشدة۔ ۳: اب المفرد باب من خرج - سلمو سلمہ علیہ۔
- ۴: اب المفرد باب۔ ۵: ایضاً باب حق من سلموا قاصم۔
- ۶: ابوداؤد کتاب الادب باب فی المصافحہ۔

احسان کا بدلہ صرف احسان ہے۔

صحابہ کرام ؓ کی زندگی اس آیت کی عملی تفسیر تھی ایک غزوہ میں صحابہ کرام ؓ سخت تشنہ لب ہو کر پانی کی جستجو میں نکلے تو ایک عورت ملی جس کے ساتھ پانی تھا۔ صحابہ کرام ؓ اس کو استعمال میں لائے اور رسول اللہ ﷺ نے اس کو معاوضہ دلوایا لیکن باوجود معاوضہ دینے کے صحابہ کرام ؓ نے ہمیشہ اس کے اس احسان کو یاد رکھا چنانچہ جب اس کے گلوں کے پاس حملہ کرتے تھے تو اس کے گھرانے کو چھوڑ دیتے تھے۔^۱

سپاس گزاری

حدیث شریف میں آیا ہے

من لم يشكر الناس لم يشكر الله

جو لوگ انسانوں کا شکریہ ادا نہیں کرتے وہ خدا کے بھی شکر گزار نہیں ہوتے۔

اس بنا پر صحابہ کرام ؓ اپنے محسنوں کے نہایت سپاس گزار رہتے تھے رسول اللہ ﷺ کے ہجرت کرنے سے پہلے بہت سے صحابہ ؓ مدینہ پہنچ گئے۔ آپ ﷺ تشریف لائے تو انھوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! ہم نے انصار سے زیادہ فیاض اور نعمتگار قوم نہیں دیکھی انھوں نے ہمارا بار اٹھالیا، ہم کو اپنا شریک بنالیا ایسا نہ ہو کہ کل ثواب وہی لوٹ لیں ارشاد ہوا کہ جب تک ان کیلئے خدا سے دعا کرتے رہو گے، ان کی تعریف میں تر زبان رہو گے، ایسا نہ ہو گا۔^۲

حسن ظن

صحابہ کرام ؓ ایک دوسرے کی نسبت ہمیشہ نیک گمان رکھتے تھے ایک دفعہ کوفہ والوں نے حضرت عمر ؓ کی خدمت میں حضرت سعد بن ابی وقاص ؓ کی شکایت کی کہ وہ نماز صحیح طریقہ سے نہیں پڑھاتے انھوں نے ان سے دریافت کیا تو بولے میں بالکل رسول اللہ ﷺ کا اتباع کرتا ہوں انھوں نے کہا تمہاری نسبت یہی گمان تھا۔^۳

ایک شخص جس کے ہاتھ پاؤں چوری کے جرم میں کاٹ ڈالے گئے تھے حضرت ابو بکر ؓ کا مہمان ہوا انھوں نے دیکھا کہ وہ رات کو اٹھ کے نماز پڑھتا ہے تو بولے کہ تمہاری رات تو چوروں کی سی نہیں معلوم ہوتی۔ تمہارے ہاتھ پاؤں کس نے کاٹے۔ اس نے کہا یعلیٰ بن مزیہ نے یہ ظلم کیا ہے۔ فرمایا میں اس کی نسبت ان کو لکھوں گا۔ اس کے چند ہی دنوں بعد حضرت اسماء رضی اللہ عنہا بنت عمیس کا ایک زیور غائب ہو گیا اس کی تحقیقات کی گئی تو ایک سنسار کے پاس

۱: بخاری کتاب التیمم باب الصعیذ الطیب وضو المسلم بکفہ عن الماء۔

۲: ترمذی ابواب الزہد۔

۳: ابوداؤد کتاب الصلوۃ باب تخفیف الآخر میں۔

ماۓ حاضر کیا گیا تو اس نے کہا کہ اسی دسل و پابریدہ شخص نے مجھ کو یہ زیور دیا۔ حضرت ابو بکر ؓ نے کہا یہ چوری کوئی بڑی چیز نہیں۔ البتہ اس نے مجھ کو اپنے مذہبی تقدس کی بنا پر جو فریب دیا وہ بہت بڑا جرم ہے اس کے پاؤں کاٹ ڈالو۔^۱

واقعہ اٹک کو منافقین نے اگرچہ بے حد شہرت دی تاہم صحابہ کرام ؓ کو ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے ساتھ جو حسن ظن تھا اس کی بنا پر متعدد صحابہ ؓ نے صاف صاف کہہ دیا کہ

سُبْحَانَكَ مَا يَكُونُ لَنَا أَنْ نَتَكَلَّمَ بِهَذَا سُبْحَانَكَ هَذَا بُهْتَانٌ عَظِيمٌ۔^۲

سبحان اللہ، ہمارے لئے اس کا ذکر، جائز نہیں، سبحان اللہ یہ تو بہت بڑا بہتان ہے۔

بخاری میں ہے کہ اس جملہ کو ایک انصاری نے کہا تھا لیکن فتح الباری میں ابو صحابہ ؓ کے نام بھی گنائے ہیں۔

مصالحات و صفائی

بہ مقتضائے فطرت انسانی اگر صحابہ کرام ؓ میں باہم شکر رنجی ہو جاتی تھی تو وہ نہایت خلوص کے ساتھ باہم صفائی کر لیتے تھے اور چند روزہ ناگواری پر ان کو اس قدر افسوس ہوتا تھا کہ جب اس ناگوار حالت کا تذکرہ یا اس کا خیال آتا تھا تو آنکھوں سے بے اختیار آنسو جاری ہو جاتے تھے۔ ایک معاملہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا حضرت عبداللہ ابن زبیر ؓ سے اس قدر ناراض ہو گئیں کہ بول چال تک کی قسم کھالی لیکن غصہ تقصیر کے بعد جب ان کو یہ قسم یاد آتی تھی تو اس قدر روتی تھیں کہ دوپٹہ تر ہو جاتا تھا۔^۳

ابتداء میں اگرچہ حضرت علی ؓ نے حضرت ابو بکر ؓ کے ہاتھ پر بیعت نہیں کی لیکن بعد کو انھوں نے خود حضرت ابو بکر ؓ کو اس غرض سے بلایا اور کہا کہ اے ابو بکر ؓ ہم کو تمہاری فضیلت کا اعتراف ہے اور اگر خدا نے تم پر یہ احسان (خلافت) کر دیا تو ہم کو اس پر رشک نہیں ان کی اس مخلصانہ تقریر کا حضرت ابو بکر ؓ پر یہ اثر ہوا کہ ابدیدہ ہو گئے اور فرمایا کہ اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی قرابت مجھ کو خود اپنی قرابت سے زیادہ عزیز ہے ہمارے اور تمہارے درمیان جن معاملات میں اختلاف ہو گیا تھا ان میں حق سے سر مو تہلوز نہ کروں گا۔ رسول اللہ ﷺ نے جو کچھ کیا ہے اسی کے مطابق عمل کروں گا۔ باہمی صفائی کے بعد حضرت علی ؓ نے بیعت کیلئے سہ پہر کا وقت مقرر فرمایا۔ ظہر

۱: دار قطنی کتاب الحدود صفحہ نمبر ۶۵۔

۲: بخاری کتاب الاعتصام بالکتاب والسنة باب قول اللہ و امر ہم شوریٰ فیہم۔

۳: بخاری کتاب الادب باب الجور۔

کی نماز ہو چکی تو حضرت ابو بکر ؓ نے منبر پر کھڑے ہو کر ان کے تمام عذرات جو عدم بیعت کا سبب تھے بیان کئے۔ اس کے بعد حضرت علی ؓ نے تقریر کی جس میں حضرت ابو بکر ؓ کے تمام فضائل و حقوق خلافت کا اعتراف کیا اور کہا کہ میں نے جو کچھ کیا وہ اس بنا پر نہ تھا کہ مجھ کو حضرت ابو بکر ؓ کے ساتھ حسد و رشک تھا یا میں ان کے فضائل کا منکر تھا، لیکن ہم اپنے آپ کو خلافت کا مستحق سمجھتے تھے، اس لئے ہم کو اس پر رنج ہو اس اعلان سے تمام مسلمان خوشی کے مدے کھل گئے اور حضرت علی ؓ سے جو عام ناراضی پیدا ہو گئی تھی وہ یک لخت ذائل ہو گئی۔^۱

معاصرین کی فضیلت کا اعتراف

رشک و حسد علماء کا یہ خمیر ہے اس لئے وہ معاصرین کی فضیلت کا بہت کم اعتراف کرتے ہیں۔ محدثین اسلامی اخلاق کا بہترین نمونہ تھے لیکن بلنبہ اصول حدیث کی کتابوں میں لکھا ہے کہ ایک محدث کی جرح دوسرے معاصر محدث پر قابل اعتبار نہیں کیونکہ ان میں باہم رشک و حسد اور بغض و عناد ہوتا ہے لیکن صحابہ کرام ؓ نہایت کشادہ دلی کے ساتھ معاصرین کی فضیلت کا اعتراف کرتے تھے، حضرت معاذ بن جبل ؓ کا انتقال ہونے لگا تو لوگوں نے کہا کہ کچھ وصیت فرمائیے بولے چار آدمیوں سے علم حاصل کرو عویر ابی الدرداء ؓ، سلمان قاری ؓ، عبد اللہ بن مسعود ؓ، عبد اللہ بن سلام ؓ۔^۲

ایک بار حضرت ابو ہریرہ ؓ کے پاس کوفہ سے ایک بزرگ آئے اور کہا کہ علم حاصل کرنے کیلئے آیا ہوں۔ بولے کیا تمہارے یہاں سعد بن مالک ابن مسعود ؓ، حذیفہ ؓ، عمار ؓ اور سلمان ؓ نہیں ہیں؟ ساتھ ساتھ ان کی وجوہ فضیلت بھی بیان کی۔^۳

ایک دفعہ کوفہ میں ایک شخص نے حضرت ابو موسیٰ اشعری ؓ سے ایک فتویٰ پوچھا انھوں نے جو جواب دیا اس پر حضرت عبد اللہ بن مسعود ؓ نے اعتراض کیا۔ اگر اس زمانہ کے علماء ہوتے تو باہم لڑ بیٹھتے لیکن حضرت ابو موسیٰ اشعری ؓ نے کہا کہ اللہ کوفہ جب تک یہ چیز (عبد اللہ بن مسعود ؓ) تم میں موجود ہے مجھ سے فتویٰ نہ پوچھو۔^۴

مساوات

صحابہ کرام ؓ ہر کہ دمہ سے مساویتہ برتاؤ کرتے تھے اور ان کے ساتھ مساویانہ،

۱: مسلم کتاب الجہاد و قول النبی ﷺ لا نورث ما ترکنا فهو صدقہ۔

۲: ترمذی کتاب المناقب مناقب عبد اللہ بن سلام ؓ۔

۳: ترمذی کتاب المناقب مناقب عبد اللہ بن مسعود ؓ۔

۴: مؤطا امام مالک کتاب الرضاغ باب ماجاء فی الرضاغۃ بعد الکبر۔

معاشرت رکھتے تھے ایک بار حضرت صفوان بن امیہ رضی اللہ عنہ ایک بڑے پیالہ میں کھانا لائے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے رکھ دیا انھوں نے فقیروں اور غلاموں کو بلایا اور سب کو اپنے ساتھ کھانا کھلایا۔ اس کے بعد فرمایا خدا ان لوگوں پر لعنت کرے جن کو غلاموں کے ساتھ کھانا کھانے میں عار آتا ہے۔^۱

ایک بار حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی میں چورا کر کے روٹی کھا رہے تھے۔ ایک بدو کو بلایا اور اپنے ساتھ شریک طعام کیا وہ لقمہ اٹھاتا تھا تو پیالے کی تلچٹ تک سمیٹ لیتا تھا فرمایا تم بہت ہی مفلس معلوم ہوتے ہو بولا مدتوں سے نہ بھی دیکھنا کوئی بھی کا کھانے والا نظر آیا قحط کا زمانہ تھا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا جب تک بارش نہ ہوگی بھی نہ کھاؤں گا۔^۲

ایک بار حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ مدینہ کے اطراف میں نکلے، ساتھ ساتھ بہت سے جناب تھے دسترخوان بچھلایا گیا تو ایک چروہا آکھلا اس نے سلام کیا تو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے اس کو شریک طعام کرنا چاہا اس نے عذر کیا کہ میں روزے سے ہوں، بولے ایسے گرم دن میں روزہ رکھتے ہو اور پھر بکریاں چراتے ہو۔^۳

زمانہ جاہلیت میں حضرت ذباب رضی اللہ عنہ اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ دونوں غلام رہ چکے تھے لیکن ایک بار حضرت ذباب رضی اللہ عنہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آئے تو انھوں نے ان کو اپنے رے پر بٹھایا اور کہا کہ ایک شخص کے سوا کوئی ان سے زیادہ اس جگہ کا مستحق نہیں۔ انھوں نے چھاوہ کون یا امیر المؤمنین؟ فرمایا بلال رضی اللہ عنہ۔^۴

ایک دن سردار ان قریش میں حضرت ابوسفیان بن حرب رضی اللہ عنہ اور حضرت حادث بن نام رضی اللہ عنہ وغیرہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے استیذان کے بعد انھوں نے سب سے پہلے اہل بدر کو جن میں حضرت صہیب رضی اللہ عنہ، حضرت بلال رضی اللہ عنہ اور حضرت عمار رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ شرف ہدایا بی بخشا حضرت ابوسفیان کے دماغ میں اب تک زمانہ جاہلیت کا غرور نہ تھا اس لئے انھوں نے سخت ناگواری کے ساتھ کہا کیا قیامت ہے کہ ان غلاموں کو تو اؤن اہے اور ہم لوگ بیٹھے ہوئے منہ نکلتے ہیں۔ حضرت سہیل بن عمرو رضی اللہ عنہ بھی ساتھ تھے لے تمہارے چہروں سے غصے کے آثار ظاہر ہو رہے ہیں لیکن تم کو خود اپنے اوپر غصہ کرنا ہے اسلام نے سب کے ساتھ تم کو بھی بلایا لیکن یہ لوگ آگے بڑھ گئے اور تم پیچھے رہ گئے۔^۵

۱۔ اب المفرد باب مل مجلس خلاۃ معہ اذاکل۔ ۲۔ مؤطالام محمد ابواب السیر باب الزہد والتواضع۔
اسد الغابہ تذکرہ حضرت عبداللہ بن عمر۔
طبقات ابن سعد تذکرہ حضرت ذباب بن الارث۔
اسد الغابہ تذکرہ حضرت سہیل بن عمرو۔

یہ لوگ فتح مکہ میں اسلام لائے تھے اور حضرت صہیب رضی اللہ عنہ وغیرہ سابقین اسلام میں سے تھے یہ اسی کی طرف اشارہ تھا۔

اگر کوئی شخص ایسا طرز عمل اختیار کرتا جو اخلاقی حیثیت سے مساوات کے خلاف ہوتا تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس کو سخت ناپسند فرماتے ایک بار حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نکلے تو ایک شخص نے کہا السلام علیکم ایہا الامیر ورحمۃ اللہ اس کے بعد تمام لوگوں کی طرف خطاب کر کے کہا السلام علیکم بولے صرف السلام علیکم کافی تھا میں بھی تو ان ہی میں سے ہوں۔

حضرت رویفہ رضی اللہ عنہ انطاہس کے گورنر تھے۔ ایک شخص نے آکر ان کو اس طرح سلام کیا۔ السلام علیک ایہا الامیر انھوں نے کہا اگر تم ہمیں سلام کرتے تو ہم سب تمہارا جواب دیتے تم نے گویا مسلمہ گورنر مصر کو سلام کیا جاؤ وہی جواب بھی دیں گے۔^۱

حضرت سہیل بن عمرو سرداران قریش میں سے تھے اور زمانہ جاہلیت میں انصار کو اپنے سے کم رتبہ سمجھتے تھے لیکن وہ برابر معاذ بن جبل کے پاس قرآن مجید کی تعلیم حاصل کرنے کیلئے جاتے تھے۔ ایک دن کسی نے کہا کہ آپ اس خزر جی کے پاس کیوں جاتے ہیں۔ اپنے قبیلہ کے کسی آدمی سے قرآن پاک کی تعلیم کیوں نہیں حاصل کرتے؟ بولے کہ اسی فخر و غرور نے تو ہم کو سب سے پیچھے رکھا۔^۲

فرق مراتب کا لحاظ

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اگرچہ آزادی اور مساوات کے پیکر مجسم تھے تاہم انھوں نے ان تمام امتیازات کو مٹا نہیں دیا تھا جن کو قرآن مجید نے ان الفاظ میں قائم کیا ہے۔

وَفَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلَى بَعْضٍ۔

اور ہم نے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے۔

اس لئے وہ ہر شخص سے اس حیثیت کے موافق برتاؤ کرتے تھے ایک بار حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں ایک فقیر آیا انھوں نے اس کو روٹی کا ایک ٹکڑا دے دیا۔ پھر ایک خوش پوشاک آدمی آیا تو انھوں نے اس کو بٹھا کر کھانا کھلایا لوگوں نے اس تفریق کی وجہ پوچھی تو بولیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے

انزلوا الناس علی منازلہم^۳

ہر شخص کو اس کے درجہ پر رکھو۔

۱: اب المفرد باب المسلمین علی الامیر۔

۲: اسد الغابہ تذکرہ حضرت سہیل بن عمرو۔

۳: ابوداؤد کتاب الادب باب فی تنزیل الناس منازلہم۔

ایک بار حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو لون صاف کروانے کی ضرورت ہوئی تو ایک مکتب کے مدرس کے پاس آدمی بھیجا کہ غلاموں کو بھیج دو لیکن آزلو لڑکے کو نہ بھیجتا فتح الباری میں ہے کہ اس سے آزلو کا اعزاز مقصود تھا۔

حضرت عبداللہ بن عمر کی ایک لونڈی نے آزلو عورتوں کی سی وضع اختیار کی تھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دیکھا تو ان کو ناگوار ہوا حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے پاس گئے اور کہا کہ میں نے تمہارے بھائی کی لونڈی کو دیکھا کہ آزلو عورتوں کی وضع میں بھر بھر پھر رہی ہے۔^۱

۱: بخاری کتاب الدیات باب من استعان عبد لوصیلہ

۲: مؤطا امام مالک کتاب الجامع باب ما جاء فی الملوک و بہتہ۔

حسن معاملت

ادائے قرض کا خیال

حدیث شریف میں آیا ہے:

نحیٰ ر کم احاسنکم فضا ع۔ (ترمذی کتاب بیوع)

تم میں بہتر وہ لوگ ہیں جو قرض ادا کرنے میں بہتر ہیں۔

یہ حدیث عملی حیثیت سے صرف صحابہ کرام ؓ پر صادق آتی ہے حضرت زبیر ؓ جب معرکہ جمل میں شریک ہوئے تو حضرت عبداللہ بن زبیر ؓ کو بلا کر کہا کہ آج صرف ظالم یا مظلوم قتل ہوں گے میرا خیال ہے کہ میں بھی مظلوم نہ شہید ہوں گا، مجھ کو سب سے زیادہ اپنے قرض کی فکر ہے ہماری جائیداد فروخت کر کے سب سے پہلے قرض ادا کرنا اور اگر تم مجبور ہو جانا تو ہمارے مولا (خدا) سے مدد چاہنا۔^۱

حضرت عبداللہ بن زبیر ؓ نے نہایت دیانت کے ساتھ اسکی تعمیل کی چنانچہ جب باپ کا کل قرض ادا کر چکے تو ان کے بھائیوں نے کہا باپ ہماری میراث تقسیم کرو لیکن انہوں نے کہا کہ جب تک چار سال تک موسم حج میں یہ اعلان نہ کر لوں گا کہ زبیر پر جس کا قرض آتا ہو وہ ہم سے آکر لے لے اور اہل تقسیم نہ کروں گا۔ چنانچہ چار سال تک برابر یہ منادی کرتے رہے۔^۲

حضرت عبداللہ بن عمرو بن حرام ؓ غزوہ احد کیلئے نکلے تو اپنے بیٹے حضرت جابر ؓ کو بلا کر کہا کہ میں ضرور شہید ہوں گا مجھ پر جو قرض ہے اس کو ادا کرنا اور اپنے بھائیوں کے سلوک^۳ کرنا۔ چنانچہ حضرت عبداللہ ؓ نے چھ لڑکیاں چھوڑی تھیں، جن کی کفالت کا بار حضرت جابر ؓ پر تھا لیکن جب فصل خرماتیار ہوئی تو انہوں نے سب سے پہلے اپنے باپ کا قرض ادا کیا اور اس دیانت کے ساتھ ادا کیا کہ وہ خود فرماتے ہیں کہ میں اس پر راضی تھا کہ میرے باپ کی لمانت ادا ہو جائے۔

اور میں اپنی بہنوں کے پاس ایک کھجور لے کر بھی نہ پلٹوں۔^۴

۱: بخاری کتاب الجہاد باب برکتہ المغازی فی مالہ حیو یتامع النبی۔

۲: طبقات ابن سعد تذکرہ حضرت زبیر۔

۳: اسد الغابہ تذکرہ حضرت عبداللہ بن عمرو بن حرام۔

۴: بخاری ذکر غزوہ احد باب اذ ہمت طالفتان منکم ان تفتلا واللہ ولیہما الایہ۔

ایک بار حضرت ابوالسلیح بن عروہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کہ میں اپنے باپ عروہ کا قرض ادا کر سکتا ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا ہاں۔ حضرت قارب بن اسود رضی اللہ عنہ نے کہا تو اسود کا قرض بھی ادا کیجئے آپ ﷺ نے فرمایا لیکن اسود نے شرک کی حالت میں انتقال کیا تھا حضرت قارب رضی اللہ عنہ نے کہا ان کا بیٹا یعنی میں تو مسلمان ہوں ان کے قرض کا بار مجھ پر ہے اور مجھی سے اس کا تقاضا کیا جائے۔

جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو زخم لگا اور ان کو زندگی سے مایوسی ہوئی تو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کو بلا کر پوچھا کہ دیکھو مجھ پر کس قدر قرض ہے حساب لگایا گیا تو چھیاسی ہزار نکلا فرمایا کہ اگر آل عمر رضی اللہ عنہ کے مال سے ادا ہو جائے تو خیر ورنہ بنو عدی بن کعب سے درخواست اعانت کرنا، انکی اعانت سے بھی کام نہ چلے تو قریش سے درخواست کرنا لیکن ان کے علاوہ کسی سے نہ مانگنا۔ حضرت ابن حذر رضی اللہ عنہ پر ایک یہودی کے چار درہم قرض تھے اس نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں استغاثہ کیا تو آپ ﷺ نے تین بار فرمایا کہ اس کا حق دیدوانھوں نے کہا میرے پاس کچھ نہیں آپ ﷺ خاموش ہو گئے تو وہ خود اٹھے اور بازار گئے سر سے اتار کر عمامہ کا تہبند بنالیا اور اپنے تہبند کو چار درہم پر فروخت کر کے اس کا قرض ادا کیا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اکثر قرض لیا کرتی تھیں ان سے پوچھا گیا کہ آپ قرض کیوں لیتی ہیں۔ بولیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ جو بندہ اپنے قرض کے ادا کرنے کی نیت رکھتا ہے خدا اپنی جانب سے اس کا مددگار مقرر کر دیتا ہے تو میں اسی مددگار کی جستجو کرتی ہوں۔^۴ رسول اللہ ﷺ جب قرض ادا فرماتے تھے تو بہترین مل دیتے تھے ایک بار آپ ﷺ نے کسی سے لونٹ لیا تھا، صدقہ کے لونٹ آئے تو اس کو اس سے بہتر لونٹ دیا اور فرمایا

خيار الناس احسنهم قضا۔^۵

بہترین لوگ وہ ہیں جو قرض اچھے طریقے سے ادا کرتے ہیں۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا عمل بھی اسی حدیث پر تھا، ایک بار حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے کسی سے چند درہم قرض لئے، قرض ادا کیا تو اس سے بہتر درہم دیئے اس نے کہا آپ کے درہم تو میرے درہم سے اچھے ہیں بولے مجھے معلوم ہے، لیکن میں نے بخوشی دیئے ہیں۔^۶ ایک بار انھوں نے کسی سے دو ہزار درہم قرض لئے ادا کیا تو دو سو درہم زیادہ دیئے اس نے

۱: اسد الغابہ تذکرہ حضرت قارب بن اسود۔ ۲: بخاری کتاب الناقب باب قصۃ المبعیث۔

۳: اصحابہ تذکرہ حضرت عبداللہ بن ابی حذر۔ ۴: مسند ابن خنبل جلد ۶ صفحہ ۹۹۔

۵: ابوداؤد کتاب المبیوع باب فی حسن القضاء۔ ۶: مؤطا امام محمد کتاب الصرف والیاب الربو باب

الرجل یكون علیہ الدین فیفضی افضل مما اخذه۔

کہا کہ آپ کے دو سو درہم زیادہ ہیں بولے وہ تمہارے ہیں۔^۱

قرض داروں کو مہلت دینا

قرض داروں کو قرض لوا کرنے کیلئے مہلت دینا بڑے ثواب کا کام ہے اور خود قرآن مجید نے اس کی ہدایت کی ہے۔

فَنظِرْهُ إِلَىٰ مِيسِرَةٍ۔

اگر قرض دار تنگ دست ہو تو اس قدر مہلت دو کہ وہ فراخ دست ہو جائے۔

لیکن اس کی توفیق ان ہی لوگوں کو ہوتی ہے جن کے دلوں میں لطف و محبت اور رحم و شفقت کا مادہ ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام ؓ کے قلوب کو ان جذبات سے معمور کر کے ان کو اس کار خیر کی توفیق عطا فرمائی تھی ایک شخص پر حضرت ابو قتادہ ؓ کا قرض آتا تھا وہ تقاضے کو آتے تھے تو غریب گھر میں چھپ جاتا تھا حسن اتفاق سے ایک دن آئے اور اس کے بچے سے پوچھا کہ وہ کہاں ہیں؟ اس نے کہا گھر میں کھانا کھا رہے ہیں بلا کر پوچھا مجھ سے کیوں چھپتے تھے۔ بولا سخت تنگ دست ہوں میرے پاس کچھ نہیں ہے، حضرت قتادہ ؓ آبدیدہ ہو گئے اور کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ جو شخص اپنے قرض دار کو مہلت دیتا ہے یا قرض معاف کر دیتا ہے وہ قیامت کے دن عرش کے سایہ میں ہوگا۔^۲

حضرت ابوالیسر ؓ پر حضرت سرہ ؓ کا قرض تھا وہ تقاضے کو آئے تو وہ چھپ گئے حضرت سرہ ؓ تیزی کے ساتھ واپس ہوئے تو حضرت ابوالیسر ؓ سمجھتے کہ وہ نکل گئے جھانک کر دیکھا تو ان سے آنکھیں چار ہو گئیں، بولے کیا تم نے رسول اللہ ﷺ سے نہیں سنا ہے کہ جو شخص تنگ دست کو مہلت دے گا اللہ تعالیٰ اس کو اپنے سایہ میں لیگا۔ حضرت سرہ ؓ نے فرمایا میں گواہی دیتا ہوں کہ میں نے آپ سے یہ سنا ہے۔^۳

وضع دین

صحابہ کرام ؓ نہایت فیاض نرم خو اور رحم دل تھے اسلئے قرض کو معاف فرمادیتے تھے۔ ایک بار حضرت کعب بن مالک ؓ نے مسجد نبوی ﷺ میں ایک صحابی پر قرض کا تقاضا کیا شور و غل ہوا تو کاشفہ نبوت ﷺ میں آواز پہنچی آپ نے پردہ اٹھا کر فرمایا کعب آدھا قرض معاف کر دو بولے معاف ہے۔^۴

۱: طبقات ابن سعد تذکرہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ۔

۲: مسند ابن خبیل جلد ۵ صفحہ ۳۰۸۔

۳: اصحابہ تذکرہ سرہ بن ربیعہ۔

۴: ابوداؤد کتاب الاقضية باب فی الصلح۔

حضرت زبیر ؓ پر حضرت عبداللہ بن جعفر کا چار لاکھ قرض تھا حضرت عبداللہ بن زبیر ؓ نے ادا کرنا چاہا تو بولے کہ اگر کہو تو معاف کر دوں۔^۱

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے ایک غلام کو مکاتب بتایا اس نے جب بدل کتابت ادا کرنا چاہا تو کہا کہ اس میں کچھ کمی کر دیجئے انھوں نے کم کر دیا۔^۲

ایک شخص پر حضرت ابوالیسر ؓ کا قرض آتا تھا وہ تقاضے کو آئے تو اس نے لونڈی سے کہہ لیا کہ وہ گھر میں نہیں ہیں، انھوں نے آواز سن لی اور کہا کہ گھر سے نکلو میں نے تمہاری آواز سن لی وہ گھر سے نکلا، تو بولے کہ تم نے ایسا کیوں کیا؟ اس نے کہا کہ تنگ دستی نے مجبور کیا بولے ”اللہ اللہ! جاؤ تمہارا قرض معاف ہے میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ جس نے تنگ دست کو مہلت دی یا قرض معاف کر دیا وہ قیامت کے دن خدا کے سایہ میں ہوگا۔“^۳

ایک شخص پر حضرت امام حسن ؓ کا قرض آتا تھا انھوں نے کل قرض ان پر ہبہ کر دیا۔^۴

دوسرے کی جانب سے قرض ادا کرنا

صحابہ کرام ؓ اپنے قرض دار بھائیوں کو قرض کی مصیبت اور قرض خواہوں کے تشدد سے دلایا کرتے تھے ایک بار رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ فلاں قبیلہ کا کوئی شخص ہے ایک صحابی نے کہا یا رسول اللہ میں ہوں ارشاد ہوا کہ تمہارا بھائی قرض میں ماخوذ ہے انھوں نے اس کا کل قرض ادا کر دیا۔^۵

ایک دفعہ ایک شخص کا جنازہ آیا جس پر تین دینار قرض تھا آپ ﷺ نے نماز جنازہ پڑھانے سے انکار فرمایا تو حضرت ابو قتادہ انصاری ؓ نے کہا یا رسول اللہ میں اس کا قرض ادا کر دوں گا۔ اب آپ ﷺ نے نماز جنازہ پڑھائی۔^۶

ایک صحابی ؓ نے باغ خرید اکوئی افق آئی اور تمام پھل ضائع ہو گیا باب قیمت کیونکر لیا کرتے رسول اللہ ﷺ نے دیکھا کہ قرض سے گرانبار ہو رہے ہیں تمام صحابہ ؓ کو حکم دیا کہ سب لوگ اعانت کریں تمام صحابہ ؓ نے کچھ نہ کچھ اس میں حصہ لیا۔^۷

۱: بخاری کتاب الجہاد باب برکتہ الغازی فی مالہ حیو جلد

۲: طبقات ابن سعد تذکرہ نصاح بن سر جس۔

۳: اسد الغابہ تذکرہ حضرت ابوالیسر۔

۴: بخاری کتاب البیہ باب لؤلؤہ بیدینا علی۔

۵: ابوداؤد کتاب البیوع باب فی التحدید فی الدین۔

۶: بخاری کتاب الحوائج باب لؤلؤہ بیدینا علی۔

۷: ابوداؤد کتاب البیوع باب فی وضع الجانحہ۔

وصیت کا پورا کرنا

وصیت چونکہ وراثت سے پوری کی جاتی ہے اس لئے اکثر ورثہ اس کو پورا نہیں کرتے کہ بل وراثت میں کمی نہ آنے پائے لیکن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نہایت دیانت کے ساتھ وصیت کو پورا کرتے تھے عاص بن داؤد نے وصیت کی تھی کہ اس کے مرنے کے بعد سون غلام آزاد کیے جائیں اس کے بیٹے ہشام نے پچاس غلام آزاد کر دیے ان کے دوسرے بیٹے حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے اپنے حصہ کے بقیہ پچاس غلام آزاد کرنا چاہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا آپ نے فرمایا اگر وہ مسلمان ہو تا اور تم اس کی طرف سے غلام آزاد کرتے صدقہ کرتے حج کرتے تو اس کو ثواب ملے گا۔

عورتوں کا مہر ادا کرنا

ہم نے عورتوں کے تمام حقوق سلب کر لیے ہیں بالخصوص مہر تو بالکل نسبتاً منسیا ہو گیا ہے، لیکن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نہایت دیانتداری کے ساتھ عورتوں کا مہر ادا کرتے تھے اور اسی طرح ادا کرتے تھے، جس طرح قرض ادا کیا جاتا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک صحابی کی شادی کر دی، مہر معین تھا اور اب تک عورت کو کچھ نہیں دیا تھا کہ موت کا پیغام آپہنچا موت کے وقت وصیت کی کہ خیر میں ہمارا جو حصہ ہے وہ عورت کو مہر میں دے دیا جائے عورت نے اس کو فروخت کیا تو ایک لاکھ درہم قیمت ملی۔

بیویوں کے درمیان عدل کرنا

متعدد بیویوں کے درمیان عدل کرنا بڑا مشکل کام، خود اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے۔

وَلَنْ تَسْتَطِيعُوا أَنْ تَعْدِلُوا بَيْنَ النِّسَاءِ

اور تم لوگ متعدد عورتوں کے درمیان عدل کرنے کی طاقت نہیں رکھتے۔

لیکن بعض صحابہ رضی اللہ عنہم نے اس مشکل کو نہایت آسان کر دیا تھا حضرت معاذ بن ضبل رضی اللہ عنہ کی دو بیویاں تھیں، وہ ان دونوں کے درمیان اس شدت کے ساتھ عدل کرتے تھے کہ جب ایک کی باری ہوتی تو اس دن نہ دوسری کے گھر کا پانی پیتے تھے نہ اس کے گھر کے پانی سے وضو کرتے تھے۔

۱: ابوداؤد کتاب الوصایا باب فی وصیۃ الحر فی المسلم و لیہ ایلمزہ بن سلفہ ہ۔

۲: ابوداؤد کتاب النکاح باب فیمن تزوج ولم یسلم صداقا حتی یموت۔

۳: ترمذی الا براری فی الاسامی و مناقب الاخیلہ تذکرہ حضرت معاذ بن جبل۔

بیع و شرا میں مسامحت

صحابہ کرام ؓ بیع و شرا میں نہایت انسانیت مردت اور مسامحت سے کام لیتے تھے حضرت عثمان ؓ نے ایک صحابی سے ایک قطعہ زمین خرید لیکن قبضہ کرنے میں دیر لگائی انھوں نے وجہ پوچھی تو بولے لوگ مجھ کو ملامت کر رہے ہیں کہ ٹھگ گئے، بولے اگر یہی بات ہے تو قیمت واپس کر لیجئے اس کے بعد فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ خدا اس بندے کو جنت میں داخل کرے گا جو خرید و فروخت اور دوا و ستد میں نرم خو ہو۔^۱

ایک مرتبہ حضرت عبداللہ بن عمر ؓ نے ایک قیص خرید کر واپس کرنا چاہی لیکن دیکھا تو اس میں خضاب کا رنگ لگ گیا تھا اس لئے اس کو واپس نہیں کیا۔^۲

تقسیم وراثت میں دیانت

جو لوگ اپنی اولاد میں کسی کو زیادہ عزیز رکھتے ہیں اس کو زیادہ حقوق عطا کرتے ہیں صحابہ کرام ؓ بھی اپنی بعض اولاد کو زیادہ محبوب رکھتے تھے لیکن یہ محبت ان کو مساوات فی الحقوق سے باز نہیں رکھ سکتی تھی حضرت ابو بکر صدیق ؓ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو کچھ مال دیا تھا لیکن اب تک ان کا قبضہ نہیں ہوا تھا اس لئے ہبہ نامکمل تھا جب انتقال کرنے لگے تو کہا کہ اے بیٹی مجھے اپنے بعد تمہارے تمول سے زیادہ کوئی چیز عزیز اور تمہارے افلاس سے زیادہ کوئی چیز ناگوار نہیں میں نے تم پر جو مال ہبہ کیا تھا اگر تمہارا اس پر قبضہ ہو جاتا تو وہ تمہارا ہو جاتا لیکن آج وہ مال وراثت میں داخل ہے جس کے وارث تمہارے دو بھائی اور دو بہنیں ہیں اس لئے کتاب اللہ کے موافق باہم تقسیم کر لو۔ بولیں اگر اس سے زیادہ مال ہو تا تو میں چھوڑ دیتی۔^۳

ظلم و غضب سے اجتناب

صحابہ کرام ؓ دوسرے کے حق سے ایک ذرہ بھی لینا گوارا نہیں کرتے تھے ایک بار ایک عورت نے حضرت سعید بن زید بن عمرو بن نضیل پر ایک گھر کے بارے میں دعویٰ کیا بولے کہ گھر اس کو لے لینے دو کیونکہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ جو شخص بلا استحقاق کسی کی بالشت بھر زمین بھی لے لے گا قیامت کے دن خدا زمین کے ساتوں طباقوں کو اس کے گلے کا طوق بنائے گا خدا اگر وہ جھوٹی ہے تو اس کو اندھا کر دے اور اسی گھر میں اس کی قبر بنا۔ راوی کا بیان ہے کہ میں نے دیکھا کہ اندھی ہو گئی دیوار پکڑ کر چلتی تھی اور کہتی تھی کہ مجھ پر

۱: مسند ابن حبیل جلد ۱ صفحہ ۵۸۔ مسند عثمان بن عفان۔

۲: طبقات ابن سعد تذکرہ حضرت عبداللہ بن عمرو۔

۳: مؤطا امام مالک کتاب الاقصیہ باب الاموال من النخل۔

سعید بن زید کی بددعا پڑ گئی ایک دن وہ انھی گھر میں کنواں تھا اس میں گر پڑی پور وہی اسکی قبر بند۔
قسم کھانے سے اجتناب

جو لوگ خائن یا خدع ہوتے ہیں ان کو معاملات میں قسم کھانے سے کوئی اجتناب نہیں ہوتا
اسی بنا پر اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو حکم دید۔

لَا تُطْعُ كُلَّ خَلَّافٍ مُّہِیْنٍ

بات بات پر قسم کھانے والے ذلیل شخص کی بات نہ مان

یہی وجہ ہے کہ محتاط لوگ سچی قسم کھانے سے بھی احتراز کرتے ہیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی
زہد و تورع کی بنا پر قسم کھانے سے اجتناب فرماتے تھے۔

ایک دفعہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے ایک غلام آٹھ سو درہم پر اس شرط کے ساتھ
کہ اس میں کوئی عیب نہیں فروخت کیا۔ بعد کو مشتری نے دعویٰ کیا کہ اس غلام میں ایک بیماری
ہے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خدمت میں مقدمہ پیش ہوا اور انھوں نے قسم لینا چاہی لیکن انھوں
نے قسم کھانے سے انکار کر دیا اور غلام کو واپس لے لیا جب وہ اچھا ہو گیا تو پھر پندرہ سو درہم پر
فروخت کیا اس حدیث کی شرح میں لکھا ہے کہ یہ اس بات کا معاوضہ تھا کہ انھوں نے باوجود
سچے ہونے کے قسم کھانا ایک بڑی بات سمجھا۔

مروان نے ایک مقدمہ میں حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے منبر مسجد نبوی ﷺ پر قسم
لینا چاہی انھوں نے اس کے سامنے تو قسم کھالی لیکن منبر شریف پر قسم کھانے سے انکار کیا۔

۱: مسلم کتاب البیوع باب غزراء الخشب فی جدار الجار و بخاری کتاب الفیض مختصر۔

۲: مؤطالام مالک کتاب البیوع باب العیب فی الرقیق مع زرقانی۔

۳: مؤطالام مالک کتاب الاقصیٰ باب ما جاء فی البعین علی المنبر۔

طرز معاشرت

غربت و افلاس

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نہایت فقر و فاقہ اور غربت و افلاس کی زندگی بسر کرتے تھے۔ ایک صحابی نے ایک عورت سے شادی کرنی چاہی تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کچھ مہر کیلئے بھی ہے، بولے صرف یہ تہبند ہے۔ آپ نے فرمایا اگر تم نے یہ تہبند اس کو دے دیا تو پھر تمہاری پردہ پوشی کیونکر ہوگی۔ کچھ اور تلاش کرو واپس آئے تو کہا کچھ نہیں ملا فرمایا کچھ نہیں تو لوہے کی ایک انگوٹھی ہی کہیں سے لاؤ، بولے وہ بھی نہیں ملتی یہ سب کچھ تو نہ تھا لیکن روحانیت کا خزانہ ساتھ تھا۔ آپ ﷺ نے قرآن مجید کی چند سورتوں پر نکاح پڑھا دیا۔^۱

حضرت عبدالمطلب بن ربیعہ رضی اللہ عنہ اور حضرت فضل بن عباس رضی اللہ عنہ خاندان نبوت سے تھے لیکن نکاح کا کوئی سامان نہ تھا۔ آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے کہ صدقہ وصول کرنے کی خدمت تفویض ہو جائے تو اس کے معاوضہ سے مہر وغیرہ کا سامان کریں۔ آپ ﷺ نے یہ خدمت تو تفویض نہیں کی لیکن شادی کا دوسرا سامان کر دیا۔^۲

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا نکاح ہوا تو ایک زرہ کے سوا مہر کیلئے کچھ نہ تھا۔ اس لئے اسی کو مہر میں دے دیا۔^۳

ان کی دعوت ولیمہ کی داستان نہایت درد انگیز ہے ان کے پاس صرف دو لونٹیاں تھیں ایک بدر کے مال غنیمت کے حصہ میں ملی تھی دوسری خمس میں سے رسول اللہ ﷺ نے عطا فرمائی تھی۔ دعوت کا سامان کرنے کیلئے چاہا کہ ان لونٹیوں پر نو خرا ایک قسم کی گھاس جس کو سنار جلاتے ہیں لا دیکلیئے آئیں اور سناروں کے ہاتھ فروخت کر کے کچھ روپیہ پیدا کریں، وہ اسی سامان میں مصروف تھے کہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ شراب کے نشہ میں چور ہوئے اور لونٹیوں کو ذبح کر ڈالا۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے دیکھا تو ان کی آنکھوں میں آنسو ڈبڈبائے۔^۴

حضرت سلمہ بن مخرہ رضی اللہ عنہ کو ایک بار کفارہ دینے کی ضرورت پیش آئی، اس لئے رسول

۱: ابوداؤد کتاب النکاح باب فی الترویج علی العمل بعمل۔

۲: ابوداؤد کتاب الخراج والاموال باب فی بیان واضع قسم الخمس و سهم ذی القربی۔

۳: ابوداؤد کتاب النکاح باب فی الرجل یدخل بامرأته قبل ان یقلعہا۔

۴: ابوداؤد کتاب الخراج والاموال باب فی بیان موضع قسم الخمس۔

اللہ ﷺ نے ایک غلام کے آزلو کرنے کا حکم دیا، بولے میں تو صرف اپنی ذات کا مالک ہوں، اب آپ ﷺ نے ساٹھ مسکینوں کو صدقہ دینے کو کہا بولے، رات فاقہ مستی، کیسا تھ بسر کی۔ گھر میں کیا دنہ بھی نہیں۔

اسی طرح پور ایک صحابی کو کفارے میں صدقہ دینا پڑا، لیکن ان کے پاس کچھ نہ تھا، خود رسول اللہ ﷺ نے کھجوریں عطا فرمائیں کہ جا کر فقراء کو دے دو، بولے کیا مجھ سے اور میرے اہل و عیال سے بھی زیادہ کوئی فقیر ہے۔ آپ نے فرمایا تو اس کو تمہیں لوگ کھا جاؤ۔^۱

حضرت علی کرم اللہ وجہہ سرور کونین ﷺ کے دہلاوتھے، لیکن فقر و فاقہ کا یہ حال تھا کہ ایک بار گھر میں آئے تو دیکھا، حضرت حسین اور حسن علیہما السلام رو رہے ہیں، حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا یہ کیوں رو رہے ہیں؟ بولیں بھوک سے بے تاب ہیں گھر سے نکلے تو بازار میں ایک پڑا ہوا دینار پایا، اس کا آٹا اور گوشت خریدا لیکن محبت رسول ﷺ کا یہ عالم تھا کہ اس حالت میں بھی رسول اللہ ﷺ کو مدعو کئے ہوئے بغیر کھانا نہ کھایا۔^۲

اصحاب صفہ کے تمام فضائل و مناقب میں سب سے زیادہ نمایاں فضیلت ان کا فقر و فاقہ ہے، ان کی یہ حالت تھی جب آپ ﷺ کے ساتھ نماز کیلئے کھڑے ہوتے تھے تو ضعف سے گر پڑتے تھے، بدودیکھتے تھے تو کہتے تھے کہ یہ پاگل ہیں۔^۳

حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ غزوہ احد میں شہید ہوئے تو کفن تک میسر نہ تھا، بدن پر صرف ایک چادر تھی اسی کا کفن بنایا گیا، لیکن وہ اس قدر مختصر تھی کہ سر ڈھکتے تھے تو پاؤں کھل جاتا تھا، پاؤں چھپاتے تھے تو سر پر کچھ نہیں رہتا تھا، بلا آخر آپ ﷺ نے فرمایا کہ چادر سے سر کو اور پاؤں کو گھاس سے چھپا دو،^۴ لیکن اور شہدائے احد کو یہ بھی نصیب نہ تھا اسلئے ایک چادر میں متعدد صحابہ رضی اللہ عنہم دفن کئے گئے۔^۵

لباس

ابتدائے اسلام میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو کپڑوں کی نہایت تکلیف تھی، حضرت عتبہ بن غزوہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں ساتواں مسلمان ہوں، اس وقت یہ حالت تھی کہ میں نے ایک چادر پائی تو تقسیم کر کے آدمی خودی اور آدمی سجدہ کو دی، لیکن آج ہم ساتوں میں ہر شخص کسی

۱: ایضاً کتاب الطلاق باب فی التلہد۔

۲: ابودود کتاب اللعظ۔

۳: ترمذی ابواب الزہد باب ما جاء فی معیہ اصحاب النبیؐ۔

۴: بخاری کتاب المغازی باب غزوہ احد۔

۵: ابودود کتاب الجنائز باب فی الشہید غسل۔

نہ کسی شہر کا میر ہے^۱

اکثر صحابہ رضی اللہ عنہ کے پاس صرف ایک کپڑا ہوتا تھا، جس کو گلے سے باندھ لیتے تھے کہ تہبند اور کرتادونوں کا کام دے، ایک صحابی رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت فرمایا کہ ایک کپڑے میں نماز جائز ہے یا نہیں۔ ارشاد ہوا۔

اول کلکم ثوبان^۲

کیا تم میں ہر شخص کے پاس دو کپڑے ہیں۔

حضرت عمرو بن سلمہ رضی اللہ عنہ نہایت صغیر السن صحابی تھے، جن کو حفظ قرآن کی بنا پر ان کے قبیلہ کے لوگوں نے اپنا لام بتلایا تھا لیکن ان کی چادر اس قدر چھوٹی تھی کہ جب سجدے میں جاتے تھے تو کشف عورت ہو جاتا تھا، ایک صحابی نے یہ حالت دیکھی تو کہا کہ،

وروا عنا عورتہ فارلکم۔

اپنے قاری کی ستر عورت کرو۔

اس پر لوگوں نے ان کو ایک قمیض خرید دی، قمیض کون سی بڑی چیز تھی۔ لیکن ان کو اس پر اس قدر مسرت ہوئی کہ اسلام لانے کے بعد پھر انہیں کبھی ایسی مسرت حاصل نہیں ہوئی۔^۳ مہاجرین کو کپڑے کی اس قدر تکلیف تھی کہ جب قرآن مجید کے حلقہ درس میں شامل ہوتے تھے تو باہم مل جل کے بیٹھتے تھے کہ ایک کا جسم دوسرے کے جسم کی پردہ پوشی کر سکے۔^۴ ان بزرگوں کے پاؤں میں جوتے نہ تھے، موزے نہ تھے، سر پر ٹوپی نہ تھی بدن پر کرتہ نہ تھا، چنانچہ ایک بار حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ بیمار ہوئے تو تمام صحابہ رضی اللہ عنہ اسی حالت میں ان کی عیادت کو گئے۔^۵

حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ جب تک اسلام نہیں لائے تھے نہایت مزد و نعم کیساتھ زندگی بسر کرتے تھے اور نہایت عمدہ جوڑے پہنتے تھے،^۶ لیکن ہجرت کے بعد یہ حالت ہو گئی کہ ایک روز جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے بدن پر صرف ایک چادر دیکھی جس میں پوشیمیں کے پیوند لگے ہوئے تھے، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی قدیم حالت یاد آگئی اور چشم عبرت سے آنسو نکل آئے۔^۷ عورتوں کو زیادہ ستر پوشی کی ضرورت ہوتی ہے، لیکن حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا جگر

۱: شامل ترمذی باب ما جاء فی عیش النبی۔ ۲: ابو داؤد کتاب الصلوٰۃ باب جملہ ثوابہ۔ صلی فی۔

۳: ابو داؤد باب من احق بالاماتہ۔ ۴: کتاب العلم باب فی القصص۔

۵: مسلم کتاب الجنازہ باب فی عیادۃ المرثی۔

۶: اصحابہ تذکرہ حضرت مصعب بن عمیر۔

۷: ترمذی باب ابواب الزہد اصحابہ میں ہے کہ یہ روایت کسی قدر ضعیف ہے لیکن بخاری کی روایتوں میں بھی ان کی غربت و افلاس کا پتہ چلتا ہے۔

گوشتہ رسول ﷺ کی چادر اس قدر چھوٹی تھی کہ ایک بار انھوں نے رسول اللہ ﷺ کے سامنے لوب و حیا سے جسم کے ہر حصے کو چھپانا چاہا لیکن ناکامیابی ہوئی، سر ڈھکتی تھیں تو پاؤں کھل جاتا تھا، پاؤں ڈھکتی تھیں تو سر کھل جاتا تھا آپ ﷺ نے یہ حالت دیکھی تو فرمایا کوئی حرج نہیں، یہاں تو صرف تمہارا باپ، پور تمہارا غلام ہے۔

بعض عورتوں کو چادر بھی میسر نہیں تھی، رسول اللہ ﷺ نے عورتوں کو عید گاہ میں جانے کی اجازت دی، تو ایک صحابیہ نے کہا کہ، اگر کسی عورت کے پاس چادر نہ ہو تو وہ کیا کر لے؟ ارشاد ہوا کہ، اس کو دوسری عورت اپنی چادر اڑھالے۔

شلوی بیلا میں دلہن کیلئے غریب سے غریب آدمی بھی اچھا جوڑا بناتا ہے لیکن اس زمانہ میں دلہن کو معمولی جوڑا بھی میسر نہیں ہوتا تھا، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ میرے پاس گاڑھے کی ایک کرتی تھی، شلوی بیلا میں جب کوئی عورت سنواری جاتی تھی تو وہ مجھ سے اس کو مستعد منگوا لیتی تھی۔ حافظ ابن حجر فتح الباری میں اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا مقصد یہ ہے کہ ابتدائے اسلام میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نہایت تنگدست تھے، اس لئے معمولی چیزوں کو بھی بڑی چیز سمجھتے تھے۔

رومل نہایت معمولی چیز ہے لیکن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو وہ بھی میسر نہ تھا، کھانا کھاتے تھے تو نگوں سے ہاتھ پوچھ لیتے تھے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں اگرچہ مل و دولت کی کثرت ہوئی اور متمدن قوموں سے اختلاط ہوا، تاہم انھوں نے اسلام کی اس پر عظمت سلاگی کو قائم رکھا، فتوحات ایران کے زمانے میں عام حکم دیا کہ لوگ ایرانیوں کی وضع نہ اختیار کریں اور حیر نہ پہنیں، لیکن بعد میں حالت اس قدر بدل گئی اور وضع و لباس میں ایسا عظیم الشان انقلاب پیدا ہو گیا کہ ایک دن حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کتان کے دور نکلین کپڑے زیب تن کئے تو ایک سے ناک صاف کر کے کہا کہ، ولولہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ آج کتان کے کپڑے سے ناک پوچھتے ہو، حالانکہ ایک دن وہ تھا کہ بھوک کے مارے رسول اللہ ﷺ کے منبر پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرے کے سامنے بیہوش ہو کر گر گئے تھے۔ لوگ آتے تھے تو گردن پر پاؤں رکھ کر کہتے تھے کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو جنون ہو گیا ہے، حالانکہ یہ سب بھوک کی وجہ سے تھا۔

۱: ابو داؤد و کتاب اللباس باب فی العبدین علی شعر مولاۃ

۲: سنن ابن ماجہ کتاب الصلوٰۃ ما جاء فی خروج النساء فی العیدین۔

۳: بخاری کتاب البہہ باب الاستحارۃ للفرس عند النہار۔

۴: سنن ابن ماجہ کتاب الاطعمہ باب مسح الید بعد اطعام۔

۵: ترمذی ابواب ازہد و بخاری کتاب الاعتصام بالکتاب والسنة۔

یہاں تک کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی جو کرتی دو لہن کیلئے عاریۃ جلیا کرتی تھی، اس کی نسبت انھوں نے ایک صحابی سے کہا، کہ اب میری لونڈی بھی اس کو پہنتے ہوئے شرمائے گی۔

حضرت امیر معاویہ ؓ کے زمانے میں اور بھی ترقی ہوئی اور حضرت عمر ؓ نے جس عجمیغ سے روکا تھا، ان کے گھر میں اس کے منظر نظر آنے لگے، ایک بار حضرت مقدم ؓ ان کے دربار میں حاضر ہوئے اور کہا کہ آپ جانتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے حریر اور سونے کے استعمال کی ممانعت فرمائی ہے اور جانوروں کی کھال سے روکا ہے۔ انھوں نے کہا، ہاں۔ بولے لیکن میں یہ تمام چیزیں آپ ؓ کے گھر میں دیکھتا ہوں۔

غذا

غربت و افلاس کی وجہ سے صحابہ کرام ؓ نہایت سادہ اور معمولی غذا پر زندگی بسر کرتے تھے۔ ابتدائے اسلام میں گویا صحابہ کرام ؓ کو بالکل فاقہ کشی کرنی پڑتی تھی، حضرت عتبہ بن غزوہ ؓ کا بیان ہے کہ میں ساتواں مسلمان ہوں، اس وقت یہ حالت تھی کہ ہم لوگ درخت کے پتے کھا کھا کر گذر لوقات کرتے تھے، جس کا نتیجہ یہ تھا کہ ہمارے جڑے پھٹ پھٹ گئے تھے۔

اسلام نے قوت حاصل کی تو یہ تکلیفیں اگرچہ کم ہو گئیں تاہم پھر بھی عرب کی قدیم سادگی قائم رہی تمام اہل مدینہ کی عام غذا کھجور اور جو تھی اور جو لوگ گھوڑے دو لہند ہوتے تھے وہ شام کے غلہ فروشوں سے خاص طور پر اپنے لئے میدہ خرید لیتے تھے، باقی تمام گھر جو اور کھجور پر زندگی بسر کرتے تھے۔ جو کا آنا بھی چھٹا ہوا نہیں ہوتا تھا، بخاری کتاب الاطعمہ میں ہے کہ صحابہ ؓ کے گھروں میں چھلنی نہیں ہوتی تھی، جو کا آنا نہیں کر منہ سے پھونک دیتے تھے۔ بھوسی اڑانے کے بعد جو کچھ بچ رہتا تھا، اس کو کھا لیتے تھے۔

حضرت عمر ؓ کے عہد خلافت تک یہ سادگی قائم رہی لیکن جب فتوحات کو وسعت ہوئی۔ متمدن قوموں سے اختلاط ہوا اور صحابہ ؓ کو اپنا فریفتہ نہ بنالے، اس لئے ان کے عہد خلافت میں عموماً یہی سادگی قائم رہی، چنانچہ فتوحات ایران کے زمانے میں صحابہ کرام ؓ نے میدے کی چپاتیاں دیکھیں تو پہچان نہ سکے اور تعجب کے لہجے میں کہا، ما هذه الرقاق البيض یہ سفید کلڑے کیسے ہیں؟ لیکن بعد کو یہ سادگی فنا ہو گئی اور لطیف غذاؤں کا رواج ہو گیا، چنانچہ ایک

۱: ابوداؤد کتاب اللباس باب فی جلود الممور۔

۲: شمائل ترمذی ما جاء فی عیش النبیؐ۔

۳: ترمذی تفسیر سورہ نساء۔

۴: طبری ص ۲۰۳۵۔

بار حضرت حسن ؓ حضرت عبداللہ بن عباس ؓ اور حضرت جعفر ؓ ایک صحابیہ کے پاس جو رسول اللہ ﷺ کا کھانا پکاتی تھیں آئے، اور کہا کہ ہمارے لئے وہ کھانا پکھو، جو رسول اللہ ﷺ کو پسند تھا، بولیں، اب وہ تمہیں پسند نہیں آسکتا۔
اس حدیث کی شرح میں لکھا ہے:-

ای لسعة العیش وزہاب ضیفة الذی کان اولاً وقد اعتاد للناس الاطعمة اللذیذة۔

یعنی اس لئے کہ اب عیش کے وافر سامان پیدا ہو گئے ہیں اور پہلی تنگ دستی زائل ہو گئی ہے اور لوگ عمدہ غذاؤں کے خوگر ہو چکے ہیں۔

مکان

غربت و افلاس کی وجہ سے صحابہ کرام ؓ کے مکانات نہایت مختصر، پست اور کم حیثیت ہوتے تھے، ان میں جائے ضرورت تک کا وجود نہ تھا، دروازوں پر پردے نہ تھے، ترائوں کو گھروں میں چراغ تک نہیں جلائے جاتے تھے۔ بعد میں اگرچہ اس قدر ترقی ہوئی کہ دروازوں پر پردے لٹکائے گئے، لیکن حضرت ابو بکر ؓ کے زمانہ تک عام طور پر عرب کی قدیم سادگی قائم رہی۔ حضرت عمر ؓ نے بھی اگرچہ عرب کی اس سادگی کو اس شدت کے ساتھ قائم رکھنا چاہا کہ جب بصرہ کو آباد کر لیا تو عام حکم دیا

لا یزیدن احدکم علی ثلثة ایات ولا تطاولوا فی النبیان والزموا السنة تلزمکم الدولہ۔

کوئی شخص تین کمرے سے زیادہ نہ بنائے اور مکان کو بلند نہ بناؤ اور سنت پر قائم رہو تو تمہاری سلطنت بھی قائم رہے گی۔

تاہم لوگوں نے ان کے زمانے میں بلند مکانات بنانے شروع کیے اور یہ پہلا دن تھا کہ عرب میں بلند عمارتوں کے کنگرے نظر آئے چنانچہ مسند داری میں ہے۔
تطاول الناس فی البناء فی زمن عمر۔

۱: شاکل ترمذی مع شرح باب ماجاء فی صفۃ اوام رسول اللہ۔

۲: صحیح بخاری کتاب المغازی قصۃ الالف۔

۳: ابوداؤد کتاب الادب باب الاستیعان فی العورات اثلاث۔

۴: صحیح بخاری کتاب الصلوۃ باب الطوع خلف المراء۔

۵: ابوداؤد کتاب الادب باب الاستیعان فی العورات اثلاث۔

۶: طبری صفحہ ۲۳۸۸۔

۷: مسند داری باب فی زہاب العلم صفحہ ۴۴۔

لوگوں نے حضرت عمر ؓ کے زمانے میں بلند عمارتیں بنائیں۔
 حضرت عثمان ؓ کے عہد خلافت میں تمدن نے اور ترقی کی۔ اس لئے صحابہ کرام ؓ
 نے عظیم الشان مکانات بنوائے حضرت زبیر ؓ نے بصرہ مصر کوفہ اور اسکندریہ میں عمدہ
 مکانات تعمیر کرائے، حضرت طلحہ ؓ نے مدینہ میں اینٹ اور چونے سے پختہ مکان بنوایا اور اس
 میں ساہوکی لکڑیاں لگوائیں۔ حضرت سعد بن ابی وقاص ؓ نے مقام عشق میں ایک نہایت
 بلند وسیع اور پر فضا مکان تعمیر کروایا اور اس کے اوپر کنگرے بنوائے۔ حضرت مقداد ؓ نے
 مدینہ میں ایک مکان بنوایا جس کی دیواریں بالکل پختہ تھیں۔
 حضرت امیر معاویہ ؓ کے زمانہ میں اور بھی ترقی ہوئی۔ انھوں نے ایک عظیم الشان
 محل بنوایا جس کا نام قصر بنی حدیدہ تھا اور جو قلعہ کا بھی کام دے سکتا تھا۔

سامان آرائش

صحابیات نہایت معمولی لباس اور سادہ زیورات استعمال کرتی تھیں احادیث کی کتابوں کے
 تتبع واستقرار سے صرف بازو بند لڑے، بالی، ہار، انگوٹھی اور چھلے کا پتہ چلتا ہے لوگ کا ہار بھی پہنتی
 تھیں جس کو عربی میں سخاب کہتے ہیں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا جو ہار ایک سفر میں گم
 ہو گیا تھا وہ مہرہ یمنی کا تھا۔^۱

صحابیات سرمہ اور مہندی کا استعمال بھی کرتی تھیں زچہ خانہ سے نکلتی تھیں تو منہ پر درس
 (ایک قسم کی سرخ گھاس کا نام ہے) کا غازہ ملتی تھیں کہ چہرے کے دلغ مٹ جائیں۔^۲ خوشبو
 میں سک (سک ایک قسم کی خوشبو ہے جو ماتھے پر لگائی جاتی ہے) پیشانی پر لگاتی تھیں۔
 زہد و تقشف

فتوحات کی وسعت اور مال و دولت کی کثرت نے اگرچہ جیسا کہ اوپر گزر چکا ہے صحابہ کرام
 کی قدیم طرز معاشرت میں بہت کچھ تغیر پیدا کر دیا تھا تاہم اکثر صحابہ ؓ نہایت
 زاہدانہ اور تلقشفانہ زندگی بسر کرتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن عمر ؓ لادت پسندی سے اس
 قدر احتراز کرتے تھے ایک بار انھوں نے کسی سے پانی مانگا اور وہ شیشے کے پیالے میں لایا تو پینے
 سے انکار کر دیا۔ پھر لکڑی کے پیالے میں لایا تو پیاس کے بعد وضو کیلئے پانی طلب کیا۔ وہ طشت

۱: مقدمہ ابن خلدون صفحہ ۲۲۵۔

۲: بخاری کتاب الوصایا باب من تصدق الیٰ وکیلہ مع فتح الباری۔

۳: ابوداؤد کتاب الطہارۃ باب التیمم۔

۴: ایضاً باب ما جاء فی وقت الغسل۔

۵: ایضاً کتاب المناسک باب ما یلبس المحرم۔

میں لایا تو وضو کرنے سے انکار کر دیا دوبارہ مشکیزے میں لایا تو وضو کیا۔ وہ زہد و قناعت کی وجہ سے کبھی پیٹ بھر کھانا نہیں کھاتے تھے۔ ایک بار ان کو کسی نے جوارش دی اور کہا کہ یہ کھانا ہضم کرتی ہے بولے میں تو مہینوں پیٹ بھر کر کھانا نہیں کھاتا مجھے اس کی کیا ضرورت ہے۔ حمام بھی اس لئے نہیں جاتے تھے کہ وہ عیش پسندی کی ایک صورت ہے۔^۱

ایک بار حضرت ابو جحیفہ عرب کی ایک لطیف غذا کھا کر آئے اور رسول اللہ ﷺ کے سامنے ڈکاری آپ نے فرمایا۔

اکثر ہم شبعافی الدینا اکثر ہم جوعا یوم القيامة

جن لوگوں کا پیٹ دنیا میں جس قدر زیادہ بھرے گا اسی قدر وہ قیامت کے دن بھوکے رہیں گے۔

اس کے بعد انھوں نے کبھی پیٹ بھر کر کھانا نہیں کھایا رات کو کھاتے تھے تو دن کو بھوکے رہتے تھے اور دن کو کھاتے تھے تو رات کو فاقہ کرتے تھے۔^۲

زہد و تقشف کی وجہ سے بعض صحابہؓ گھرتک بنانا پسند نہیں کرتے تھے۔ حضرت سلمان فارسیؓ نے اپنے لئے گھر نہیں بنایا تھا بلکہ دیواروں اور درختوں کے سائے میں پڑے رہتے تھے۔ ایک بار ایک شخص نے گھر بنانے پر اصرار کیا تو پہلے راضی نہیں ہوئے راضی ہوئے بھی تو ایسے تنگ اور پست گھر پر کہ جب کھڑے ہوں تو چھت سے سر لگ جائے اور پاؤں پھیلائیں تو انگلیاں دیوار تک پہنچ جائیں۔^۳ گھر میں سامان نہایت مختصر رکھتے تھے یعنی صرف ایک پیالہ اور ایک لوٹا لیکن اس کو بھی وہ زہد و تقشف کے خلاف سمجھتے تھے چنانچہ ایک بار بیمار ہوئے تو ان چیزوں کو دیکھ کر رونے لگے اور کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے ہم سمجھوں کو وصیت فرمائی تھی کہ دنیا سے صرف اس قدر لینا جتنا ایک مسافر زور لہ کیلئے لیتا ہے حالانکہ ہمارے پاس یہ سامان ہیں۔^۴ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے گھر کے کل سامان کی قیمت سو درہم سے بھی کم تھی۔^۵ حضرت ابوذرؓ کے گھر کا سامان دو درہم سے زیادہ قیمت کا نہ تھا۔^۶ ایک روز کچھ لوگ حضرت ابولبابہؓ کے ساتھ ہوئے اندر جا کر دیکھا تو معلوم ہوا کہ گھر نہایت بوسیدہ ہے اور خود ان کا اوڑھنا بچھونا پھٹا پڑا ہے۔^۷

۱: طبقات ابن سعد تذکرہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ۔ ۲: اسد الغابہ تذکرہ حضرت ابو جحیفہؓ۔

۳: استیعاب تذکرہ حضرت سلمان فارسیؓ۔

۴: طبقات ابن سعد تذکرہ حضرت سلمان فارسیؓ۔

۵: طبقات ابن سعد تذکرہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ۔

۶: طبقات ابن سعد تذکرہ حضرت ابوذر غفاریؓ۔

۷: ابوداؤد ابواب تفریع شہر رمضان باب التجار التریل فی القران۔

صحابہ کرام ؓ باوجود استطاعت کے وضع و لباس نہایت زاہد نہ رکھتے تھے ایک بار ایک شخص حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوا بولیں ذرا ٹھہر جاؤ میں اپنا کپڑا سی لوں، اس نے کہا اگر میں لوگوں کو اس کی خبر کر دوں تو لوگ آپ کو بخیل سمجھیں گے۔ بولیں، جو، لوگ پرانا دھرتا نہیں پہنتے ان کو نیا کپڑا نصیب نہ ہوگا۔^۱ ایک بار حضرت سلمان فارسی ؓ حضرت ام الدرداء رضی اللہ عنہا کی ملاقات کو آئے بدن پر صرف ایک کبل اور اونچا پاجامہ تھا لوگوں نے کہا آپ نے صورت کیوں بگاڑ رکھی ہے؟ بولے نیکی صرف آخرت کی نیکی ہے۔^۲ ان کے پاس صرف ایک عبا تھی جس کا ایک حصہ بچھاتے تھے اور ایک حصہ پہنتے تھے۔^۳ ایک بار کسی نے حضرت عبداللہ بن عمر ؓ کو ایک چادر اڑھادی سو کراٹھے اور اس کے ریشمی نیل بوئے دیکھے تو کہا کہ اگر یہ نہ ہوتے تو اس کے استعمال میں کوئی مضائقہ نہ تھا۔^۴ حضرت فضالہ بن عبید ؓ اگرچہ مصر کے گورنر تھے لیکن پریشان و برہنہ پارہتے تھے ایک دن کسی نے ان سے پوچھا کہ آپ ؓ پریشان کیوں ہیں؟ بولے ہم کو رسول اللہ ﷺ نے زیادہ ناز و نعم کی زندگی بسر کرنے سے منع فرمایا ہے پاؤں پر نگاہ پڑی تو بولا آپ ؓ برہنہ پاکیوں ہیں؟ بولے آپ ؓ نے ہم کو حکم دیا ہے کہ کبھی کبھی برہنہ پارہیں۔^۵

مل و دولت دنیا کی سب سے زیادہ دلفریب چیز ہے اخیر میں صحابہ کرام ؓ کے آگے اگرچہ دنیا نے اپنا خزانہ اگل دیا لیکن انھوں نے اس آب رواں سے اپنا دامن تر نہیں کیا۔ حضرت سعید بن عامر ؓ حمص کے گورنر تھے لیکن جو کچھ وظیفہ ملتا تھا سب صرف کر دیتے تھے اور خود فقیرانہ زندگی بسر کرتے تھے۔ ایک بار حضرت عمر ؓ حمص میں آئے اور حکم دیا کہ یہاں کے محتاجوں کا نام لکھا جائے فہرست پیش ہوئی تو اس میں حضرت سعید بن عامر کا نام بھی تھا نام دیکھ کر تعجب سے پوچھا کون سعید بن عامر ؓ لوگوں نے کہا کہ ہمارے گورنر بولے تمہارا گورنر کیوں کر محتاج ہو سکتا ہے ان کا وظیفہ کیا ہوتا ہے؟ لوگوں نے کہا سب صرف کر دیتے ہیں؟ حضرت عمر ؓ نے ان کی یہ حالت سنی تو رو پڑے اور ان کے پاس ہزار اشرفیوں کا توڑا بھجوا دیا۔ انھوں نے اشرفیاں دیکھیں تو اللہ پڑھنے لگے۔ بی بی نے سنا تو کہا کیا امیر المومنین کی شہادت ہوئی کیا قیامت کی کوئی نشانی ظاہر ہوئی، بولے اس سے بھی بڑھ کر واقعہ پیش آیا میرے پاس دنیا آئی میرے پاس فتنہ آیا۔ بی بی نے کہا تو اس کو صرف میں ائیے انھوں نے اشرفیوں کو اٹھا کر ایک تو بڑے میں رکھ دیا اور صبح کو ایک فوج کو دے ڈالا۔ بی بی نے کہا کچھ تو اپنی ضروریات

۱: اب المفرد باب الرفق فی المعیشۃ۔ ۲: اب المفرد باب الزیارۃ۔

۳: استیعاب تذکرہ حضرت سلمان فارسیؓ۔ ۴: طبقات ابن سعد تذکرہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ۔

۵: ابوداؤد کتاب الترجل۔

لیئے رکھ لیتے بولے میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ اگر جنت کی ایک حور بھی دنیا میں آ جائے تو زمین مشک کی خوشبو سے معطر ہو جائے اور میں اس پر کسی چیز کو ترجیح نہیں دے سکتا۔^۱

جو صحابہ رضی اللہ عنہم مال و دولت جمع کر لیتے تھے ان کو بھی اس پر افسوس ہوتا تھا حضرت ابو ہاشم بن عقبہ رضی اللہ عنہ بتائے طاعون ہوئے تو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ عیادت کو آئے۔ وہ ان کو دیکھ کر رونے لگے بولے کیا مرض کی تکلیف ہے یا دنیا کے چھوڑنے کا قلق ہے۔ فرمایا کچھ نہیں مجھے رسول اللہ ﷺ نے ایک وصیت فرمائی تھی کاش میں اس پر عمل کرتا آپ نے فرمایا تھا کہ شاید تم کو اس قدر مال ہا تھا آئے جو ایک قوم پر تقسیم کیا جائے لیکن تم اس میں سے صرف ایک خادم اور ایک سواری پر قناعت کرنا مجھے وہ مال ملا اور میں نے اس کو جمع کیا۔^۲

بعض صحابہ رضی اللہ عنہم امراء و عمال کے تعلقات کو زہد و تقشف کے خلاف سمجھتے تھے اور ان سے نہایت بے نیازی کے ساتھ ملتے تھے ایک بار حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ آئے اور حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ سے بھائی بھائی کہہ کر پٹ گئے وہ جس قدر لپٹتے تھے حضرت ابو ذر ان کو اپنے پاس سے ہناتے تھے اور کہتے تھے کہ میں تمہارا بھائی نہیں ہوں، بھائی اس وقت تھا جب تم عامل نہیں ہوئے تھے۔^۳

حضرت نبیط بن شریط رضی اللہ عنہ ایک صحابی تھے، ایک بار ان سے ان کے بیٹے نے کہا اگر آپ بادشاہ وقت کے پاس جاتے تو آپ کو بھی فائدہ پہنچتا اور آپ کی بدولت آپ کی قوم بھی فائدہ اٹھاتی۔ بولے، لیکن مجھے خوف ہے کہ کہیں ان کی صحبت مجھے دوزخ میں نہ ڈھکیل دے۔^۴

اپنا کام خود کرنا

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اپنا کام کاج خود کرتے تھے اور اس کو کوئی عیب نہیں سمجھتے تھے، حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:-

كنا مع رسول الله ﷺ خدام انفسنا نتنا دب الرعاية رعاية ابلنا^۵۔

ہم سب رسول اللہ کے ساتھ خود اپنے خدام تھے اور باری باری اپنے اونٹ چراتے تھے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ خود اپنے اونٹوں کی جوئیں نکالتے تھے۔^۶

حضرت علی کرم اللہ وجہہ اپنی اونٹنیوں کو چارہ کھلاتے تھے اور آٹا گھول کر پلاتے تھے۔^۷

۱: اسد الغابہ تذکرہ حضرت سعید بن عامرؓ، اسد الغابہ میں ان کے زہد کے اور بھی بعض واقعات لکھ کر لکھا ہے کہ راخبار عجبہ فی رحدہ لانطول بذکرہا،

۲: نسائی کتاب الزینۃ باب اتحلاوا ثام و انمرکب۔ ۳: طبقات ابن سعد تذکرہ حضرت ابو ذرؓ۔

۴: طبقات ابن سعد تذکرہ حضرت نبیط بن شریطؓ۔

۵: ابوداؤد کتاب الطہارۃ باب ما یقول الرجل لا توضأ۔

۶: مؤطا امام مالک کتاب الحج باب یجوز للمحرم ان یفعلہ۔ ۷: ایضا کتاب الحج باب القرآن فی الحج۔

ایک بار حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کیلئے کھانا تیار کیا گیا اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ بھی مدعو کئے گئے، ان کے پاس آدمی آیا تو دیکھا کہ خود اپنے ہاتھ سے لونٹوں کیلئے چٹیاں جھاڑ رہے ہیں۔^۱

ایک بار ایک شخص حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کے مکان پر آئے اور ان کی بی بی سے پوچھا، وہ کہاں ہیں؟ بولیں کام دھند سے پر گئے ہیں، تھوڑی دیر کے بعد دیکھا کہ اونٹ پر مشک لادے ہوئے آرہے ہیں۔^۲ ایک بار وہ مشک لئے آرہے تھے، ایک شخص نے پوچھا آپ کے کوئی اولاد نہیں ہے؟ بولے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جس مسلمان کے تین لڑکے مر جاتے ہیں، خدا اس کو جنت دیتا ہے۔^۳

ایک بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقر و فاقہ میں مبتلا ہو گئے، حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو معلوم ہوا تو ایک یہودی کے باغ میں آئے اور سترہ ڈول پانی کے کھینچے، اور ہر ڈول کا معاوضہ ایک کھجور قرار پایا تھا، یہودی نے سترہ کھجوریں دیں، ان کو لے کر خدمت مبارک میں حاضر ہوئے اور ایک صحابی اسی طرح تقریباً دو صاع کھجور کما کر لائے اور آپ کی خدمت میں پیش کیا۔^۴

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سفر میں ہوتے تھے تو جو کام خود کر سکتے تھے، اس کو کسی دوسرے سے متعلق نہیں کرتے تھے۔^۵

حرم خمر کے بعد بعض صحابہ رضی اللہ عنہم نے جو سر دملک کے رہنے والے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی، خدمت میں عرض کی کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم سر دملک کے رہنے والے ہیں اور سخت مشقت طلب کام کرتے ہیں اس لئے گیہوں کی شراب استعمال کرتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا وہ نشہ آور بھی ہے۔ بولے ہاں، فرمایا اس کو چھوڑ دو۔^۶

غسل جمعہ کے وجوب کا سبب صرف یہ ہے کہ نہ۔

كان الناس محبوا دين يلبسون الصوف ويعملون على ظهورهم وكان
مسجدهم فيقاً مقارب السقف انما هو عريش فخرج رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم في
يوم حار وعرق الناس في ذلك الصوف حتى ثارت منهم رياح اذى ذلك
بعضهم بعضاً فلما وجد رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم تلك الريح قال ايها الناس اذا كان
هذا اليوم فاغتسلوا وليمس احدكم افضل ما يجد من دهنه وطيبه۔^۷

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سخت تنگدست تھے، کبل کے کپڑے پہنتے تھے، اپنی پیٹھ پر بوجھ لاتے

- ۱: ابودود کتاب المناسک باب لحم الصيد المحرم۔
- ۲: ابوالمفرد باب من قدم الى خليفه طعام فقام صلی۔ ۳: ابوالمفرد باب فضل من مات له الولد۔
- ۴: سنن ابن ماجہ ابواب الرہوں باب الرجل يستلي كل دلو وترقه بشرط بطلته۔
- ۵: طبقات ابن سعد ذکرہ حضرت ابن عمر۔ ۶: ابودود کتاب الاثر یہ باب النبی عن المنکر۔
- ۷: ابودود کتاب الطہارۃ باب الغسل فی ترک الغسل، یوم الجمعہ۔

تھے، ان کی مسجد نہایت تنگ تھی، چھت پست تھی، یعنی اوپر صرف چھتر تھا ایک روز آنحضرت ﷺ نماز جمعہ کیلئے برآمد ہوئے دن نہایت گرم تھا، لوگوں کو کھل کے کپڑوں میں پسینہ آیا اور اس قدر بو پھیلی کہ سب کو تکلیف ہوئی آپ ﷺ کو بدبو کا احساس ہوا تو فرمایا کہ جب یہ دن آئے تو غسل کر لیا کرو اور جہاں تک ممکن ہو عمدہ تیل اور عمدہ خوشبو لگاؤ۔

صحابیات رضی اللہ عنہن خانہ داری کے کاموں کو خود اپنے ہاتھ سے انجام دیتی تھیں، اور اس میں سخت سے سخت تکلیفیں برداشت کرتی تھیں، حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا رسول اللہ ﷺ کی محبوب ترین صاحبزادی تھیں، لیکن چکی پیٹے پیٹے ہاتھ میں چھالے پڑ گئے تھے مشکیزوں میں پانی لاتے لاتے سینہ داغ دار ہو گیا تھا، جھاڑ دیتے دیتے کپڑے چیکٹ ہو گئے تھے۔^۱

حضرت اسماء رضی اللہ عنہا حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی تھیں اور ان کی شادی حضرت زبیر رضی اللہ عنہ سے ہوئی تھی۔ وہ اس قدر مفلس تھے کہ ایک گھوڑے کے سوا گھر میں کچھ نہ تھا، حضرت اسماء رضی اللہ عنہا خود اس گھوڑے کیلئے گھاس لاتی تھیں، حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے گھوڑے کی سائسی کیلئے ایک غلام بھیجا تو انھوں نے اس خدمت سے نجات پائی۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو ایک قطعہ زمین بطور جاگیر کے دیا تھا جو مدینہ سے تین فرسخ دور تھا۔ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا وہاں جاتیں اور وہاں سے کھجور کی گھٹیاں اپنے سر پر لائیں اور ان کو کوٹ کر ان کی پانی کھینچنے والی اونٹنی کو کھلاتیں، گھر کے معمولی کاروبار ان کے علاوہ تھے، خود پانی لاتیں، مشک پھٹ جاتی تو اس کو سیتیں، آناؤں دھتیں۔^۲

ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن گھر کا کام دھندا خود کرتی تھیں، ایک دن حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی باری تھی، جو پیسے، اس کی روٹی پکائی اور رسول اللہ ﷺ کا انتظار شروع کیا آپ ﷺ کے آنے میں دیر ہو گئی تو سو گئیں، آپ ﷺ آئے تو جگایا۔^۳

ذرائع معاش

مورخین یورپ کا خیال ہے کہ اسلام کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی معاش کا تمام تر دار و مدار صرف مال غنیمت پر رہ گیا تھا، لیکن درحقیقت یہ ایک عظیم الشان تاریخی غلطی ہے۔

مہاجرین و انصار اسلام کے نظام ترکیبی کے اصلی عنصر تھے اور ان دونوں نے ابتدائی سے الگ الگ ذریعہ معاش اختیار کر لیا تھا، مہاجرین تجارت اور انصار کھیتی باڑی کرتے تھے، چنانچہ

۱: ایضاً کتاب الخراج والامارۃ باب فی بیان مواضع قسم الخمس و سهم ذی القرب۔

۲: مسلم کتاب السلام باب حوازی اردات المرأة الاجنبیة اذا عبت فی الطريق۔

۳: ادب المفرد باب لا یؤذی جارہ۔

جب حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ پر کثرت روایت کا الزام لگایا گیا تو انھوں نے اس کی یہی وجہ بتائی۔

ان اخوتی من المهاجرین کان یشتغلهم الصفق بالاسواق و کنت الزم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علی ملاء بطنی فاشهد اذا غابوا حفظ اذانسوا و کان یشتغل اخرتی من الانصار عمل اموالهم و کنت امراء مسکینا من مساکین الصنفہ اعی حین ینسون۔ (بخاری کتاب البیوع)

میرے بھائی مہاجرین تجارتی کاروبار میں مصروف رہتے تھے اور میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ہمہ وقت موجود رہتا تھا، اس لئے جب وہ غائب ہوتے تھے تو میں حاضر ہوتا تھا۔ جب وہ بھول جاتے تھے تو میں یاد کرتا تھا اور میرے بھائی انصار کھیتی باڑی کے کام میں مشغول رہتے تھے اور میں مساکین صفہ میں سے ایک مسکین تھا۔ اس لئے جب وہ لوگ بھول جاتے تھے تو میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال کو یاد کر لیتا تھا۔

ایک بار حضرت ابو موسیٰ خدری رضی اللہ عنہ نے ایک موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کا حوالہ دیا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کی تصدیق کرنا چاہی اور حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ نے اس کی تصدیق کی، تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے خود معذرت کی۔

اخفی علی هذا من امر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الہانی الصفق بالاسواق۔^۱
مجھ پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد اس لئے مخفی رہا کہ تجارتی کاروبار نے مجھ کو مشغول کر لیا تھا۔
حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے جب بیت المال سے وظیفہ لینا چاہا تو اس کی وجہ یہ بیان کی:-
لقد علم قومی ان حرفتی لم تکن تعجز عن مومنة اهلی واشغلت بامر المسلمین فسبیا کل ال ابی بکر من هذا المال۔^۲

میری قوم جانتی ہے کہ میرا پیشہ میرے اہل و عیال کی معاش کیلئے کافی تھا، لیکن اب میں مسلمانوں کے کام میں مشغول ہو گیا ہوں اس لئے میرے اہل و عیال بیت المال سے وجہ معاش لیں گے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ، حضرت ربیعہ بن حارث رضی اللہ عنہ کی شرکت میں تجارت کرتے تھے۔^۳

حضرت عبدالرحمان بن عوف رضی اللہ عنہ ہجرت کر کے آئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سعد بن الربیع رضی اللہ عنہ کے ساتھ ان کی مواخات کرادی۔ اس بنا پر حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے اپنے مال میں سے ان کو نصف دینا چاہا، لیکن انہوں نے کہا یہ مال تم کو مبارک مجھے کوئی تجارتی بازار بتاؤ،

۱: بخاری کتاب البیوع باب الخروج فی التجارة۔

۲: ایضاً باب کس الرجل و عملہ بیدہ۔

۳: اسد الغابہ تذکرہ حضرت ربیعہ بن حارث۔

انہوں نے سوق قینقل کا راستہ بتادیا، وہاں جا کر انہوں نے پنیر اور گھی کی تجارت شروع کر دی اور چند ہی دنوں میں اس قدر فائدہ ہوا کہ شادی کرنے کے قابل ہو گئے۔

اسلام سے پہلے عرب میں جو بازار قائم تھے، مثلاً عکاظ، ذوالجناہ، ذوالحجاز، حباشہ اسلام کے بعد بھی ان کی رونق تقریباً ایک صدی تک قائم رہی۔ لیکن یہ بازار چونکہ عموماً زمانہ حج میں گنتے تھے، اس لئے اول اول صحابہ کرام ؓ نے ان میں تجارت کرنا حرمت حج کے خلاف سمجھا، لیکن اللہ تعالیٰ اپنے نیک بندوں کو اپنے فضل و برکت سے کیوں کر محروم کر سکتا تھا۔ چنانچہ وحی آسمانی نے صحابہ کرام ؓ کو ان بازاروں میں تجارت کی عام اجازت عطا فرمائی،

لیس علیکم جناح ان تبغوا فضلا من ربکم۔

زمانہ حج میں تجارت کرنا تمہارے لئے گناہ کا کام نہیں۔

ان بازاروں کے علاوہ خود عہد اسلام میں بعض نئے بازار قائم ہوئے، چنانچہ خود رسول اللہ ﷺ نے مدینہ منورہ میں ایک جدید بازار قائم کیا جس میں کوئی تجارتی محصول نہیں لیا جاتا تھا۔ حضرت صخر ؓ بہت بڑے تاجر تھے اور چونکہ رسول اللہ ﷺ نے دعا فرمائی تھی۔

الھم بارک لامتی فی بکورھا۔

خداوند میری امت کو صبح کے تڑکے میں برکت دے

اس لئے وہ ہمیشہ اپنے سامان تجارت کو صبح سویرے روانہ فرماتے تھے اور معقول نفع اٹھاتے تھے۔ حضرت ابو بکر ؓ اکثر اپنا مال تجارت لے کر بصرہ جلیا کرتے تھے۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ کی وفات سے ایک سال پیشتر مال تجارت لے کر بصرے کو گئے تھے۔

حضرت عمر ؓ نے ایران سے تجارتی تعلقات قائم کئے تھے، چنانچہ ایک بار رسول اللہ ﷺ نے ان کو ایک ریشمی جبہ عنایت کیا۔ انہوں نے لینے سے انکار کیا تو فرمایا کہ میں یہ نہیں کہتا کہ اس کو پہنواس کو ارض فارس میں بھیج دو تمہیں مالی فائدہ حاصل ہوگا۔

حضرت عطار دکنی ؓ ایک صحابی تھے جو عموماً سلاطین کے دربار میں (غالباً تجارتی

۱: بخاری کتاب المبیوع باب قول اللہ تبارک و تعالیٰ فاذا قضیت الصلوۃ الخ۔

۲: فتح الباری جلد ۳ صفحہ ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵ میں ان بازاروں کے تاریخی حالات بہ تفصیل مذکور ہیں۔

۳: بخاری کتاب المبیوع باب ما جاء فی قول اللہ تبارک و تعالیٰ فاذا قضیت الصلوۃ فانتشروا فی الارض الخ۔

۴: فتوح البلدان صفحہ ۲۱۔

۵: ابوداؤد کتاب الجہاد باب فی الایکار فی السفر۔

۶: سنن ابن ماجہ کتاب الادب بالمران۔

۷: مسند جلد ۳ صفحہ ۴۴۷، لیکن اس حدیث سے قطعی طور پر یہ ثابت نہیں ہوتا کہ ایران سے ان کے تجارتی تعلقات تھے کیونکہ دوسرے تاجروں کے ذریعے سے بھی یہ مقصد حاصل ہو سکتا تھا۔

تعلقات سے) حاضر ہوتے تھے اور فائدہ اٹھاتے تھے۔ ایک بار وہ ایک ریشمی چوڑا لائے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کو بازار میں دیکھا تو فرمایا یا رسول اللہ آپ اس کو خرید لیجئے اور جب وفود عرب آئیں تو اسی کو پہن کر ان کے سامنے بیٹھئے۔^۱

غرض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا تجارتی ذوق اس قدر ترقی کر گیا تھا، کہ وہ اس کے سوا کوئی دوسرا ذریعہ معاش پسند ہی نہیں کر سکتے تھے۔ حکومت کی وظیفہ خواری ایک ایسا لقمہ تر ہے جس کے تصور سے بھی اشیائی مذاق کے منہ میں پانی بھر آتا ہے لیکن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں جو لوگ تجارت کی برکات سے واقف تھے، وہ عرب کو اس کا خوگر بنانا پسند نہیں کرتے تھے۔ چنانچہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بیت المال سے تمام مسلمانوں کا وظیفہ مقرر کرنا چاہا تو حضرت ابوسفیان بن حرب رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔

ادیوان مثل دیوان بنی الا صفر انک فرضت للناس اتکلوا علی الدیوان
و ترکوا التجارة۔^۲

کیا رومیوں کے طرح ان کے نام بھی درج رجسٹر ہوں گے، اگر آپ نے لوگوں کے وظائف مقرر کئے تو وہ اس پر اعتماد کر لیں گے اور تجارت کو چھوڑ دیں گے۔

مہاجرین کا مخصوص پیشہ اگرچہ تجارت تھا، مدینہ میں آکر وہ بھی رفتہ رفتہ، کھیتی باڑی میں مصروف ہو گئے۔ چنانچہ جب اول اول مہاجرین مدینہ میں آئے تو انصار نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں درخواست کی کہ ہمارے نخلستان ہمارے بھائی مہاجرین کے درمیان تقسیم فرما دیجئے، لیکن آپ ﷺ نے انکار فرمایا، پھر انہوں نے کہا کہ وہ محنت مزدوری میں حصہ لیں، ہم ان کو پیداوار میں شریک کر لیں گے۔ تمام مہاجرین نے اسکو بخوشی قبول کر لیا۔^۳ بعد میں انصار نے اپنے کھیت بٹائی پر دینا شروع کئے تو عموماً تمام مہاجرین نے زراعت کو اپنا پیشہ بنالیا صحیح بخاری میں ہے۔

ما بالمدينة اهل بیت هجرة الا يزرعون علی الثلث والرابع۔

مدینہ میں مہاجرین کا کوئی گھر ایسا نہ تھا جو تہائی یا چوتھائی پیداوار پر کھیتی نہ کرتا ہو

حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت سعد بن مالک رضی اللہ عنہ، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ وغیرہ اسی طرح کھیتی کرتے تھے۔^۴

۱: مسلم کتاب اللباس باب تحریم استعمال انا الذہب والفضہ۔

۲: فتوح البلدان صفحہ ۳۶۳۔

۳: بخاری ابواب الحرث والحرارۃ، باب تواجد الی الغنی موتہ النخل۔

۴: صحیح بخاری ابواب الحرث والحرارۃ بالشر و نحوہ۔

لیکن صحابہ ؓ کی معاش صرف زراعت و تجارت ہی موقوف نہ تھی اللہ تعالیٰ نے ان کو کسب حلال کی توفیق عطا فرمائی تھی۔ اسلئے جس پیشے سے رزق طیب حاصل ہو سکتا تھا۔ اس کے اختیار کر لینے میں ان کو کسی قسم کا تنگ و عار نہ تھا۔ خود حضرت سودہ رضی اللہ عنہا طائف کا اوریم بنائی تھیں اور اسکی وجہ سے ان کی مالی حالت تمام ازواج مطہرات رضی اللہ عنہم سے بہتر تھی۔ حضرت سلمان فارسی ؓ اگرچہ مدائن کے گورنر تھے، تاہم چٹائی بن کر وجہ معاش پیدا کرتے تھے۔^۱

بعض صحابہ ؓ محنت مزدوری پر اپنی اوقات بسر کرتے تھے ایک صحابی ؓ نے آپ ﷺ سے مصافحہ کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا آپ کے ہاتھ میں نشانات کیسے ہیں؟ بولے پتھر پر بھاؤڑا چلاتا ہوں اور اس سے اپنے اہل و عیال کیلئے روزی پیدا کرتا ہوں آپ ﷺ نے ان کے ہاتھ چوم لئے۔^۲

بعض صحابہ ؓ شہد کی مکھیوں کی نگہداشت کرتے تھے، اور ان سے شہد پیدا کرتے تھے چنانچہ ایک صحابی نے ایک جنگل رسول اللہ ﷺ سے اپنے لئے مخصوص کر لیا تھا، اس سے شہد پیدا کرتے تھے اور اس کی زکوٰۃ ادا کرتے تھے۔ یہ جنگل حضرت عمر ؓ کے عہد خلافت تک ان کے قبضے میں رہا۔ ایک قبیلے کیلئے آپ ﷺ نے اسی قسم کے دو جنگل مخصوص کر دیئے تھے اور وہ ان کی زکوٰۃ دیتے تھے۔^۳

حصہ اول تمام ہوا

۱: اسد الغابہ تذکرہ خلیفہ۔

۲: استیعاب تذکرہ حضرت سلمان فارسی۔

۳: اسد الغابہ تذکرہ سعد الانصاری۔

۴: ابوداؤد کتاب الزکوٰۃ باب زکوٰۃ النفس۔

رضی اللہ عنہم ورضو اعنہ (القرآن)
اللہ ان سے راضی ہوا اور وہ اللہ سے راضی ہوئے

انبیاء کرام کے بعد دنیا کے مقدس ترین انسانوں کی سرگزشت حیات

سید الصحابہ

اسوۂ صحابہؓ

حصہ نہم

جس میں صحابہ و صحابیات (رضی اللہ عنہم اجمعین) کی سیاسی مذہبی اور علمی خدمات کی تفصیل کر کے دکھایا گیا ہے کہ انہوں نے کیونکر اسلام کے عادلانہ نظام حکومت کو قائم رکھا اور کیونکر مذہب اخلاق اور اسلامی علوم، علم و تفسیر و حدیث، فقہ و تصوف و تاریخ و غیرہ کی حفاظت و اشاعت کی

تحریر و ترتیب
جناب مولانا عبدالسلام ندوی

اڈو بازار ایم ای جیل روڈ
کراچی پاکستان 2213768

دارالاشاعت

بسم الله الرحمن الرحيم

دیباچہ

الحمد لله رب العالمين والصلوة على رسوله محمد وآله واصحابه اجمعين

جناب رسول اللہ ﷺ کی ذات پاک، مذہب، اخلاق، سیاست اور علم معرفت کا ایک مکمل مجموعہ تھی۔ جن کے اصول و قواعد قرآن پاک اور احادیث صحیحہ میں بہ تفصیل مذکور ہیں۔ اسلئے آپ ﷺ کے وصال کے بعد ان عناصر اربعہ کا تحفظ و بقاء صحابہ کرام ؓ کا سب سے اہم فرض تھا اور انہوں نے اس فرض کو جس دیانت اور سرگرمی کے ساتھ ادا کیا کتاب کے اس حصے میں اسی کی تفصیل ہے۔ اگرچہ بحیثیت جانشین رسول ﷺ کے خلفاء راشدین ؓ کو اس فرض کے ادا کرنے کا موقع اور تمام صحابہ ؓ سے زیادہ ملا اور اس لئے کتاب کا یہ حصہ زیادہ تر خلفاء راشدین ؓ ہی کے مذہبی، اخلاقی، سیاسی اور علمی کارناموں پر مشتمل ہے، لیکن ان تمام کارناموں کے انجام دینے میں دیگر صحابہ ؓ بھی ان کے شریک تھے، مثلاً وہی مسجدوں کے امام، درسگاہوں کے معلم، صوبوں کے حاکم، عدالتوں کے قاضی، فوجوں کے افسر اور مسلمانوں کے مفتی تھے اور اس حیثیت سے ان کے عملی مظاہرے مساجد سے لے کر ایوان حکومت اور میدان جنگ تک میں یکساں نظر آتے تھے۔ اس بناء پر خلفائے راشدین ؓ کے کارناموں کے ساتھ اور صحابہ ؓ کے کارنامے بھی اس حصے میں آگئے ہیں اور اس طرح یہ حصہ تمام صحابہ ؓ کے کارنامہ بانی زندگی کا ایک مکمل مجموعہ بن گیا ہے۔

جو لوگ اس کتاب کے پہلے حصے میں خود صحابہ کرام ؓ کے مذہبی، اخلاقی اور معاشرتی فضائل و مناقب پڑھ چکے ہیں، ان کو اس حصے میں نظر آئے گا کہ جناب رسول اللہ ﷺ اپنی تربیت سے کیونکر صحابہ کرام ؓ کو تدبیر و سیاست اور علم و معرفت میں بھی دنیا کیلئے ایک مکمل نمونہ بنا کر چھوڑ گئے اور ان نمونوں نے اپنے زمانے میں کیونکہ تمام دنیا کو آپ ﷺ کی تعلیمات و تلقینات کے مطابق مذہب، اخلاق اور سیاست کی صراط المستقیم پر قائم رکھا۔

خدا کے اور پیغمبروں نے بھی اپنے اصحاب کو ان تمام چیزوں کی تعلیم و تلقین کی ہے، لیکن اصحاب رسول اللہ ﷺ نے جس طرح ان کی حفاظت کی اور جس طرح ان کو قائم و برقرار رکھا

اس کی نظیر سے تمام دنیا کی مذہبی تاریخ خالی ہے اور درحقیقت ایک ابدی مذہب کے قیام و بقاء کیلئے اسی قسم کے برگزیدہ و متدین محافظ درکار تھے۔

عبدالسلام ندوی
شبلی منزل
اعظم گڑھ
۱۱ جولائی ۱۹۳۲ء

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

سیاسی خدمات

خلافتِ الہی

وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ
كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ. وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِينَهُمُ الَّذِي ارْتَضَى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ أَمْنًا۔ (نور)

خلافتِ الہی ایک مقدس مذہبی لمانت ہے۔ اس لئے اس کا استحقاق صرف ایمان و عمل ہی کی بناء پر پیدا ہو سکتا ہے، یہی وجہ ہے کہ اول اول جب آسمان پر اس کا اعلان ہوا تو مقربانِ بارگاہِ الہی نے اپنے استحقاق کا اظہار ان الفاظ میں کیا۔

وَإِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلَائِكَةِ إِنِّي جَاعِلٌ فِي الْأَرْضِ خَلِيفَةً قَالُوا أَتَجْعَلُ فِيهَا مَنْ يُفْسِدُ فِيهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَاءَ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ (نور)

جب تیرے پروردگار نے فرشتوں سے کہا کہ میں زمین میں اپنا ایک خلیفہ مقرر کرنا چاہتا ہوں تو ان سب نے کہا کیا تو زمین میں اپنا خلیفہ اس شخص کو مقرر کرتا ہے جو اس میں فساد پھیلانے کا اور خونریزی کرے گا۔ حالانکہ ہم تیری تسبیح و تقدیس کرتے ہیں۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے عقائد و اعمال کی جو تفصیل پہلے حصے میں گذر چکی ہے ان کو پڑھ کر اگرچہ ہر شخص تسلیم کرے گا کہ انہوں نے مذہبی اور اخلاقی حیثیت سے اپنے آپ کو خلافتِ الہی کا حقیقی مستحق بنالیا تھا، لیکن اس حصے میں ہم ان اخلاقی خصوصیات کو دکھانا چاہتے ہیں جن سے نہایت وضاحت کے ساتھ ثابت ہو گا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں حاکم و محکوم اور راعی و مرعی دونوں کے مشترکہ اخلاقی اوصاف نے خلافت کو کس صحیح اصول پر قائم کیا اور کس صحیح طریقے پر اس کو قائم رکھا۔

صحابہ رضی اللہ عنہم کو خلافت کی خواہش نہ تھی

امارت و حکومت اگر امر بالمعروف والنہی عن المنکر کا ذریعہ ہے تو وہ ایک مقدس فریضہ مذہبی ہے۔ مگر اگر اس کو ذاتی اغراض کا شکار گاہ بنالیا جائے تو اس سے بدتر کوئی چیز نہیں۔ اس بناء پر ہر نظامِ حکومت کے متعلق سب سے پہلے یہ پتہ لگانا چاہئے کہ اس کی بنیاد کس سطح پر رکھی گئی ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دور کی اصلی خصوصیت یہ ہے کہ وہ لوگ ذاتی حیثیت سے امارت و حکومت کی خواہش نہیں رکھتے تھے، البتہ جن مواقع پر وہ مذہبی خدمات اور مذہبی اعزاز

کے ذریعہ ہو سکتی تھی، وہاں تمام صحابہ ؓ اس کو محبوب سمجھنے لگتے تھے، جب رسول اللہ ﷺ نے غزوہ خیبر میں اعلان فرمایا کہ ”میں آج یہ جہنم اس شخص کو دوں گا جو اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کو دوست رکھتا ہے اور خدا اسی کے ہاتھ پر فتح نصیب کرے گا، تو اس مذہبی شرف کے شوق سے تمام صحابہ ؓ کے دل لبریز ہو گئے، لیکن ان مواقع کے علاوہ ان کے پاک دل کو کبھی اس ہوس نے آلودہ نہیں کیا، خود حضرت عمر ؓ فرماتے ہیں۔

ما احببت الا مارة الا بومئذ۔^۱

غزوہ خیبر کے سوا میں نے کبھی امارت کی خواہش نہیں کی۔

سقیفہ بنو ساعدہ میں خلافت کا مسئلہ پیش ہوا تو مہاجرین و انصار میں اگرچہ ایک طرح کی کشمکش پیدا ہو گئی تاہم اس وقت بھی دور صحابہ ؓ کی خصوصیات نمایاں رہی، اس وقت انصار مہاجرین کے حریف مقابل تھے، لیکن ان ہی انصار میں حضرت زید بن ثابت ؓ بھی تھے، جنہوں نے نہایت ایثار کے ساتھ کہا کہ ”رسول اللہ ﷺ مہاجر تھے، اسلئے خلیفہ بھی مہاجر ہی ہو گا ہم جس طرح آپ ﷺ کے انصار تھے، آپ ﷺ کے خلیفہ کے بھی انصار رہیں گے۔“^۲ یہی وجہ ہے کہ خلافت راشدہ کے زمانہ تک ذاتی تفوق و امتیاز کی بناء پر صحابہ کرام ؓ میں باہم کوئی نزاع نہیں قائم ہوئی۔

خلافت کی ذمہ داریوں کا احساس

حکومت یا امارت اگر ذاتی اغراض کا ذریعہ ہیں تو ان کی ذمہ داری اس سے زیادہ نہیں، جتنا ایک جانور اپنی بھوک پیاس کا ذمہ دار ہے۔ لیکن اگر ان کے ذریعہ سے دنیا میں نیکیوں کو پھیلانا اور برائیوں کو استیصال کرنا مقصود ہے تو وہ ایک ایسا بار لمانت ہے جس کے بوجھ سے آسمان و زمین تک کانپ اٹھتے ہیں، صحابہ کرام ؓ کے سر پر یہی بار لمانت ڈالا گیا تھا، اس لئے اس بوجھ سے ان کے اعصاب ہمیشہ متزلزل رہتے تھے، حضرت ابو بکر ؓ خلیفہ مقرر ہوئے تو انہوں نے اپنا پہلا خطبہ جو دیا وہ صرف خلافت کی ذمہ داریوں پر مشتمل تھا، چنانچہ اس کے الفاظ یہ ہیں۔

ياايها الناس لوودت ان هذا كفانيه غيري ولئن اخذتموني سنه نبكم ما

اطيفها ان كان لمعصومامن الشيطان وان كان لينزل عليه الوحي من السماء۔^۳

لوگو! میری خواہش یہ تھی کہ اس بوجھ کو کوئی دوسرا شخص اٹھاتا اور اگر تم مجھ سے اپنے

پیغمبر کی سنت کا اتباع چاہو گے تو میں اس کا متحمل نہ ہو سکوں گا، کیونکہ وہ شیطان سے

محفوظ و مامون تھے اور اوپر آسمان سے وحی نازل ہوئی تھی۔

۱۔ مسلم کتاب الفضائل باب من فضائل علی بن ابی طالب۔

۲۔ مسند ابن حبیل جلد ۵ صفحہ ۱۸۶۔ ۳۔ مسند ابن حبیل جلد ۱ صفحہ ۲۰۔

حضرت عمر ؓ فرماتے ہیں کہ ”اگر کوئی دوسرا شخص اس بار کے اٹھانے کی قوت رکھتا تو مجھ پر یہ بہت آسان تھا کہ میں آگے بڑھ جاؤں اور میری گردن اڑا دی جائے۔“
ایک بار حج سے واپس آرہے تھے، رملہ میں ایک مقام پر ٹھہر گئے اور بہت سی کنکریاں جمع کر کے چادر بچھائی اور اس پر چت لیٹ کر آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا کر یہ دعا کی:

اللهم کبرت سنی وضعفت قوتی وانتشرت رعیتی ناقضی البک غیر مضیع ولا مفرط۔^۱

خداوند اب میرا سن زیادہ ہوا، میری قوتی ضعیف ہو گئی، میری رعایا ہر جگہ پھیل گئی، پس مجھ کو اس حالت میں اٹھالے کہ میرے اعمال برباد نہ ہوں اور میں خدا سے اعتدال سے آگے نہ بڑھوں۔
ان کے مرض الموت میں جب لوگوں نے درخواست کی کہ ”اپنا جانشین مقرر کرتے جائیے تو بولے کیا میں یہ بوجھ موت و زندگی دونوں حالتوں میں اٹھاؤں، میری صرف یہ آرزو ہے کہ میں اس سے اس طرح الگ ہو جاؤں کہ عذاب و ثواب برابر ہو جائیں۔“

خلافت کی ذمہ داریوں کا یہی احساس تھا جس کی بناء پر انہوں نے حالت نزع میں ہر گروہ کی حفاظت حقوق کیلئے وصیت کی، مہاجرین و انصار سے لے کر بدو و رومی تک کے حقوق کی طرف اپنے جانشین کو توجہ دلائی۔ چنانچہ بخاری باب قصۃ المبعیۃ والاتفاق علی عثمان میں یہ وصیت بہ تفصیل مذکور ہے۔

فرائض خلافت

اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام ؓ کو اپنے فضل و احسان سے اپنا سب سے بڑا عطیہ عطا فرمایا تو ساتھ ساتھ ان کے فرائض بھی بتلائے۔

الذین ان مکنہم فی الارض اقامو الصلوۃ واتوا الزکوۃ وامروا بالمعروف ونہوا عن المنکر وللہ عاقبۃ الامور۔ (حج)

وہ لوگ جن کو اگر ہم زمین میں متمکن کر دیں گے تو وہ نماز کو قائم کریں گے، زکوٰۃ دیں گے، نیکی کا حکم کریں گے اور بدی سے روکیں گے اور ہر کام کا انجام صرف خدا کیلئے ہے۔

یہ فرائض جلیلہ اصولاً تین قسموں میں منقسم کئے جاسکتے ہیں، مذہب، اخلاق، سیاست، صحابہ کرام ؓ نے اپنے عہد میں جس طرح یہ فرائض انجام دیئے ان کی تفصیل اس حصہ کے مختلف ابواب و فصول میں آئے گی اس موقع پر صرف ان موثر مثالوں کا جمع کرنا مقصود ہے جن سے اس جوش، اس خلوص، اس مسعدی اور اس سرگرمی کا اظہار ہوگا، جو ان فرائض کے انجام

۱: مؤطا امام محمد باب النولہ

۲: مؤطا امام محمد باب الرجم۔

دینے میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ظاہر فرمائی۔

ہمارے زمانہ میں بادشاہ کارات کو تنہا نکلنا ایک غیر معمولی واقعہ سمجھا جاتا ہے لیکن حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ جب خلیفہ ہوئے تو سات مہینہ تک مقام سبخ میں قیام فرمایا جو مدینہ کی اصل آبادی سے دور تھا، لیکن روزانہ وہاں سے کبھی پایادہ اور کبھی سواری پر مسجد نبوی میں آتے اور عشاء کی نماز پڑھا کر واپس جاتے تھے۔^۱

حضرت عمر رضی اللہ عنہ صبح تڑکے اٹھتے تو پہلا کام یہ انجام دیتے کہ جو لوگ تہجد پڑھ کر سو جاتے تھے ان کو نماز صبح کیلئے جگاتے۔^۲ عشاء کے بعد ان کا سب سے آخری فرض یہ تھا کہ مسجد کی دیکھ بھال فرماتے جو لوگ عبادت الہی میں مصروف ہوتے ان کے سوا دوسرے بیکار آدمیوں کو نہ رہنے دیتے۔^۳

لیکن ابھی ان کے فرائض خلافت ختم نہ ہو جاتے بلکہ راتوں کو اٹھ اٹھ کر مدینہ کا پہرہ لیتے۔ ایک دن حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کے ساتھ رات کو نکلے، دفعتاً ایک گھر میں چراغ کی روشنی نظر آئی، قریب آئے تو دیکھا کہ دروازہ بند ہے اور کچھ لوگ شور و شغب کر رہے ہیں۔ حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ سے فرمایا، تمہیں معلوم ہے یہ کس کا گھر ہے؟ یہ ربیعہ بن امیہ کا گھر ہے، اور وہ لوگ اس وقت شراب پی رہے ہیں، تمہاری کیا رائے ہے۔ بولے کہ ”خدا نے ہم کو تجسس کی ممانعت فرمائی ہے۔“ اس لئے واپس آئے۔^۴

مدینہ میں ایک عام لنگر خانہ قائم کیا تھا، وہاں جاتے تھے اور مسلمانوں کو خود اپنے ہاتھ سے کھانا کھلاتے تھے، ایک قاصد دربار خلافت میں حاضر ہوا، تو دیکھا کہ امیر المومنین ہاتھ میں عصا لے کر مسلمانوں کو خود کھانا کھلا رہے ہیں۔^۵ عشاء کے بعد پھر پھر کے مسجد میں ہر شخص کا چہرہ دیکھتے اور اس سے پوچھتے کہ کھانا کھلایا ہے یا نہیں۔ اگر کوئی شخص بھوکا ہوتا تو اسکو لجا کر کھانا کھلاتے۔^۶ فوجوں کو روانہ فرماتے تو ہر وقت اس کے خیال میں مصروف رہتے، فرمایا کرتے تھے کہ میں نماز پڑھتا ہوں اور فوج کے بھیجنے کا سامان کرتا رہتا ہوں، نہاوند کے معرکہ کا دن آیا تو رات کو روئیں بدل بدل کر کائی،^۷ قادیہ میں ایرانیوں سے جنگ ہوئی تو صبح سے لے کر دوپہر تک صرف یہ مشغلہ تھا کہ جو شتر سوار لاہر سے آتے ان سے حالات دریافت فرماتے۔^۸

۱۔ اسد الغابہ تذکرہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ۔ ۲۔ فتوح البلدان صفحہ ۶۸۔

۳۔ خلاصۃ اوفاء بانبدال مصطفیٰ صفحہ ۷۵۔

۴۔ اصحابہ تذکرہ ربیعہ بن امیہ، اس قسم کی متعدد مثالیں تاریخوں میں مذکور ہیں۔

۵۔ طبری صفحہ ۷۰۲۔ ۶۔ طبقات ابن سعد تذکرہ ام حبیبہ خولہ۔

۷۔ طبری صفحہ ۱۲۸۔ ۸۔ طبری صفحہ ۳۹۷۔

رعایا کی خبر گیری کا نہایت خیال رکھتے تھے، عمل کے یہاں سے جو قاصد آتے ان سے رعایا کا حال پوچھتے، ایک دن حضرت ابو موسیٰ اشعری ؓ کے یہاں سے ایک آدمی آیا تو اس سے رعایا کے حالات پوچھے۔^۱ اخیر میں تمام ملک کے دورے کا بھی ارادہ کیا تھا، اور فرماتے تھے کہ ایک سال متصل دورہ کروں گا، رعایا خود مجھ تک پہنچ نہیں سکتی اور عمال ان کی ضروریات کو مجھ تک نہیں پہنچاتے۔ دو مہینہ شام میں، دو مہینہ جزیرہ میں، دو مہینہ مصر میں، دو مہینہ بحرین میں، دو مہینہ کوفہ میں اور دو مہینہ بصرہ میں قیام کروں گا۔^۲ لیکن صرف شام کے دورہ کی نوبت آئی۔ صدقہ میں جو جانور آتے تھے، ان کی نگرانی اور حفاظت خود فرماتے تھے، ایک دن سخت لو چل رہی تھی اور زمین پر انگارے بچے ہوئے تھے، اسی حالت میں حضرت عثمان ؓ نے دیکھا کہ وہ دو لونٹوں کو ہانکے ہوئے لے جا رہے ہیں، پوچھا کہ آپ اس وقت گھر سے کیوں نکلے؟ بولے صدقہ کے دو لونٹ چھوٹ گئے تھے، میں نے خیال کیا کہ ان کو چراگاہ میں پہنچاؤں۔ ایک روز صدقہ کے لونٹ آئے تو سر پر چادر ڈال لی اور تپتی ہوئی زمین پر کھڑے ہو کر حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے اس کا حلیہ قلمبند کروایا۔ حضرت عثمان ؓ بھی موجود تھے، حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے ان کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا کہ ”حضرت شعیبؓ کی لڑکی نے حضرت موسیٰ کی نسبت کہا تھا۔

ان خیر من استاجرت القوی الامین
جس کو تم نے ملازم رکھا ہے وہ قوی اور امین ہے۔

لیکن وہ قوی یمن یہ ہیں۔^۳

ایک دن صدقہ کے لونٹوں کے بدن پر تیل لگا رہے تھے، ایک شخص نے کہا ”اے امیر المومنین کسی غلام کے معلق یہ کام کر دیا ہوتا۔“ بولے ”مجھ سے بڑھ کر کون غلام ہو سکتا ہے؟ جو شخص مسلمانوں کا دلی ہے وہ مسلمانوں کا غلام ہے۔“^۴

بازار کی نگرانی کا خاص اہتمام رکھتے تھے، اگرچہ اس کام کیلئے حضرت عبداللہ ؓ اور حضرت سائب ابن زید ؓ کو خاص طور پر مقرر کر دیا تھا۔^۵ لیکن خود بھی بازار کا گشت لگایا کرتے تھے۔ ایک دن بازار سے گزرے تو دیکھا کہ ایک نئی دکان کھلی ہے اسکو توڑ ڈالا، اگر تاجر

۱: مؤطا امام مالک کتاب الاقصیۃ القضاۃ فیمن ارتد عن الاسلام۔

۲: طبری صفحہ ۲۷۳۸۔

۳: اسد الغابہ تذکرہ حضرت عمرؓ۔

۴: کنز العمال جلد ۳ صفحہ ۱۹۴۔

۵: مؤطا امام مالک کتاب المہجۃ۔

ایک جگہ جمع ہو جاتے تو ان کو کوڑے مارتے اور کہتے کہ راستہ نہ بند کرو۔^۱
ایک دن بازار سے گذرے، حضرت عاتب بن ملبعتہ ؓ کو دیکھا کہ منقے بیچ رہے ہیں
بولے یا بھاؤ بڑھاؤ یا اس کو اٹھا کر بازار سے لے جاؤ۔^۲

بیت المال سے مسلمانوں کے جو وظائف مقرر تھے ان کے گھروں پر جا جا کر تقسیم کر
آتے تھے، ہشام کعبی کا بیان ہے کہ وہ ہاتھ میں قبیلہ خزاعہ کا رجرس لے لیتے تھے، پھر وہاں سے
مقام قدیمہ میں جا کر ہر باکرہ و شبیہ عورت کو اس کا وظیفہ خود اس کے ہاتھ میں دے دیتے تھے
پھر وہاں سے مقام عفان میں آکر وظائف تقسیم فرماتے تھے۔^۳

حضرت عثمان ؓ نے بھی اس سنت کو قائم رکھا تھا، مسند امام احمد بن حنبل میں ہے کہ
وہ منبر پر تھے اور موزن اقامت کہہ رہا تھا، لیکن وہ اس حالت میں بھی لوگوں کے حالات اور بازار
کا رخ پوچھ رہے تھے۔^۴

حضرت علی کرم اللہ وجہہ بھی اسی جوش و خروش کے ساتھ فرائض خلافت ادا فرماتے
تھے۔ استیعاب میں ہے کہ ہاتھ میں درہ لئے ہوئے بازاروں میں گھومتے رہتے تھے اور لوگوں کو
پرہیزگاری، سچائی، حسن معاشرت اور پورے پورے ناپ جوکھ کی ترغیب دیتے تھے، ایک دن
بازار میں گئے، دیکھا کہ ایک لونڈی ایک خرمہ فروش کی دکان پر رو رہی ہے، بولے کیا حال ہے؟
بولی اس نے ایک درہم پر میرے ہاتھ کھجور فروخت کی، لیکن میرے آقا نے اس کو واپس کر دیا
اب وہ پھیرنے پر راضی نہیں ہوتا۔ انہوں نے سفارش کی کہ کھجور لے لو اور اس کے دام واپس
دے دو، اس نے ان کو دھکیل دیا، لوگوں نے کہا ”کچھ خبر ہے۔ یہ امیر المومنین ہیں۔“ اب اس
نے اس کی کھجور واپس کر دی اور کہا کہ ”مجھ سے راضی ہو جائیے۔“ بولے ”اگر لوگوں کا حق پورا
پورا ہو گے تو مجھ سے زیادہ تم سے کون راضی ہوگا۔“^۵

ایک دن بازار سے گذرے، دیکھا کہ لوگ اپنی اپنی جگہ چھوڑ کر آگے بڑھ گئے ہیں
بولے ”کسی کو یہ اختیار نہیں ہے، مسلمانوں کے بازار نمازیوں کے مصلے کی طرح ہیں، جو لوگ
آج آگے بڑھ گئے ہیں وہ کل اس کو چھوڑ دیں۔“^۶

دیانت

خلفاء کی حفاظت میں سب سے زیادہ گراں قیمت چیز بیت المال تھا، و نیوی بادشاہ سلطنت کا
مال اپنے اوپر بیدریغ صرف کرتے ہیں، لیکن صحابہ کرام ؓ نے اس خزانہ الہی کو اس دیانت

۱: کنز العمال ص ۱۷۶۔ ۲: مسند جلد ۱ ص ۲۱۔ ۳: فتوح البلدان ص ۵۷۔

۴: مسند جلد ۱ ص ۳۷۳۔ ۵: استیعاب تذکرہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ۔

۶: الریاض النضرۃ فی مناقب العشرہ ص ۲۳۱۔ ۷: کنز العمال جلد ۳ ص ۱۷۶۔

کے ساتھ حفاظت کی کہ اپنے مصارف سے زیادہ اس میں سے ایک حبہ نہیں لیا۔
حضرت ابو بکر ؓ نے فرائض خلافت کی مصروفیت کی بناء پر بیت المال سے وظیفہ لیا تو اس کے ساتھ یہ تصریح کر دی کہ اس کے بعد ان کی تجارت کی آمدنی بیت المال میں دخل ہو جائے گی۔

فسبا کل آل ابی بکر من هذا المال ويحترق للمسلمين۔^۱
اب آل ابو بکر اس مال سے وجہ معاش لے گی اور مسلمانوں کیلئے پیشہ کرے گی۔
لیکن انتقال کے وقت وظیفہ کی رقم بھی واپس کر دی۔^۲
حضرت عمر ؓ کی حیثیت اس سے زیادہ نہ تھی کہ وہ مسلمانوں کے ایک مزدور تھے اس لئے بیت المال سے صرف اسی قدر لیتے تھے، جتنا ایک مزدور کو لینا چاہئے، اسد الغابہ میں ہے۔
ونزل نفسه بمنزلة الاجير وكاحاد المسلمين في بيت المال۔^۳
انہوں نے اپنا بیت المال سے صرف اس قدر لیا جس قدر ایک مزدور اور مسلمانوں کے عام افراد کا حق تھا۔

انہوں نے اپنے طرز عمل سے ہر موقع پر ثابت کیا کہ بیت المال مسلمانوں کا مشترکہ خزانہ ہے۔ خود ان کا اس میں کچھ حق نہیں ہے، چنانچہ انہوں نے ایک بار حضرت حذیفہ ؓ کو لکھا کہ مسلمانوں کے وظیفے تقسیم کر دو۔ انہوں نے جواب دیا کہ وظیفے تقسیم ہو چکے، لیکن بہت سا مال بچ گیا ہے، حضرت عمر ؓ نے ان کو دوبارہ لکھا کہ یہ بھی مسلمانوں میں تقسیم کر دو، ایک بار حج کو گئے تو آمد روشت میں ۸۰ درہم صرف ہو گئے، ان کو اس قدر افسوس ہوا کہ ہاتھ پر ہاتھ مارتے تھے اور کہتے تھے، یہ عمر اور آل عمر کا مال نہیں ہے۔^۴

ما اخلقنا ان تكون قد اسرفنا في مال الله تعالى۔^۵

یہ کس قدر نامناسب بات ہے کہ ہم نے اللہ تعالیٰ کے مال میں فضول خرچی کی ہے۔
ایک بار بیمار ہوئے اور دو کیلئے شہد کی ضرورت پیش آئی، بیت المال میں شہد کا پيسا تھا مسجد میں تشریف لائے اور منبر پر چڑھ کر تمام مسلمانوں کی طرف خطاب کر کے کہا کہ ”اگر آپ لوگ اجازت دیں تو یہ شہد لے لوں ورنہ وہ مجھ پر حرام ہے۔“^۶
ایک بار تمام مصارف کے بعد کچھ مال بچ گیا تو لوگوں سے مشورہ کیا کہ اب یہ کہاں خرچ کیا جائے؟ لوگوں نے کہلایا امیر المومنین ہم نے آپ کو زراعت و تجارت کے کاروبار سے روک دیا

۱: بخاری کتاب البیوع ۲: طبری صفحہ ۱۲۴۳۔

۳: اسد الغابہ جلد ۴ صفحہ ۱۷۰ ۴: فتوح الہدایں صفحہ ۵۸۔

۵: اسد الغابہ جلد ۴ صفحہ ۷۲ ۶: نزہت الابرار فی الاسامی و مناقب الاخیاء ذکرہ حضرت عمر۔

ہے۔ اب وہ آپ کا مال ہے۔“ انہوں نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا کہ تم کیا کہتے ہو، انہوں نے کہا ”لوگوں نے آپ کا نام لیا ہے۔“ بولے ”تمہیں کہو۔“ انہوں نے کہا ”ایک دن آپ میرے ساتھ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں گئے تو ہم نے آپ ﷺ کو افسردہ پایا دوسرے روز گئے تو آپ ﷺ خوش تھے، ہم نے وجہ پوچھی تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ پہلے دن میرے پاس صدقے کے دو دنارہ گئے تھے۔ اسلئے میں رنجیدہ تھا اور آج میں نے ان کو تقسیم کر دیا اس لئے خوش ہوں۔“ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ”تم نے سچ کہا میں دنیا و آخرت دونوں میں تمہارا شکر گزار رہوں۔“

خلافت کے بعد وہ خود مسلمانوں کے ہو گئے تھے اور اپنی ذاتی حیثیت فنا کر دی تھی اس لئے ان کو جو کچھ ملتا تھا اس کو یا تو بیت المال میں داخل کر دیتے تھے یا اس کے قبول کرنے سے انکار کر دیتے تھے۔

ایک بار شاہ روم کا قاصد آیا تو ان کی بی بی نے ایک اشرفی کا عطر خریدا اور اس کو شیشی میں بھر کر شاہ روم کی بی بی کے پاس ہدیہ بھیجا، اس نے ان شیشوں کو جواہرات سے بھر کر واپس کر دیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ جواہرات دیکھے تو ان کو فروخت کر کے ایک دینار اپنی بی بی کو واپس کر دیا، بقیہ رقم بیت المال میں داخل کر دی۔

ایک بار حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے چراگاہ میں اونٹوں کو چرا کر خوب فرہ کیا اور بازار میں بیچنے کیلئے لائے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دیکھا تو کہا کہ ”اے امیر المومنین کے بیٹے یہاں آؤ“ وہ آئے تو کہا کہ ”امیر المومنین کا بیٹا سمجھ کر لوگوں نے تمہارے اونٹوں کو خوب کھلایا پلایا ہے اس مال لے لو بقیہ اونٹوں کو بیت المال میں داخل کر دو۔“

ایک بار حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے ان کی بی بی عاتکہ رضی اللہ عنہا کے پاس ہدیہ ایک چادر بھیجی۔ انہوں نے اس کو بلا کر سخت تہنک کیا اور چادر کو ان کے اوپر پھینک دیا کہ ہم کو اس کی ضرورت نہیں۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی دیانت کا یہ حال تھا کہ ایک بار ان کے پاس اصہبان سے کچھ مال آیا جس میں ایک روٹی بھی تھی، انہوں نے مال کے ساتھ روٹی کے بھی سات ٹکڑے کئے۔ ہر حصہ پر ایک ایک ٹکڑا روٹی کا رکھا، پھر قرعہ ڈالا کہ کس کو دیا جائے۔

ایک دن بیت المال کا کل مال تقسیم کر کے اس میں جھاڑو دلوائی، پھر اس میں نماز پڑھی تاکہ قیامت کے دن لوگ ان کی دیانت کی شہادت دیں۔

ان کو جو چیزیں ہدیہ ملتی تھیں وہ ان کو بھی بیت المال میں داخل کر دیتے تھے، ایک دن انہوں نے ایک عطر کی شیشی دکھا کر کہا کہ ”یہ مجھے ایک دہقان نے ہدیہ دی ہے۔“ پھر بیت المال میں آئے اور اس میں جو کچھ عطر تھا انڈیل دیا، اور فرمایا ”کامیاب ہے وہ شخص جس کے پاس ایک قوسرہ ہو اور وہ روز اس کو کھائے۔“^۱

ایک بار کسی رئیس نے حضرت حسن و حضرت حسین علیہما السلام کو دو چادریں ہدیہ دیں، حضرت علی کرم اللہ وجہہ جمعہ کا خطبہ دے رہے تھے، چادروں پر نظر پڑ گئی تو پوچھا کہ یہ کہاں سے ملیں؟ انہوں نے واقعہ بتلایا تو ان کو بیت المال میں داخل کر دیا۔ ایک بار اصہبان نے ان کے پاس بہت سامان اور سامان آیا انہوں نے اس کو چند دیانت دار لوگوں کی حفاظت میں رکھوایا۔ اس میں سے حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا نے ایک مشکیزہ شہد اور ایک مشکیزہ گھی منگوا لیا، حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے آکر گنا تو دو مشکیزوں کی کمی معلوم ہوئی، انہوں نے پوچھا تو حفاظت کرنے والوں نے کہا ”ان کا حال نہ پوچھئے ہم ان کو لادیتے ہیں۔“ بولے ”تم کو اصل واقعہ بیان کرنا پڑے گا۔“ انہوں نے کہا ”ہم نے ام کلثوم کو دے دیا۔“ چنانچہ فرمایا ”میں نے تو یہ حکم دیا تھا کہ مسلمانوں کو تقسیم کر دو اور تم نے ام کلثوم کو دے دیا، چنانچہ اسی وقت وہ مشکیزے اٹھوا منگوائے اور ان میں سے جو کچھ صرف ہو چکا تھا اس کی قیمت لگوائی تو معلوم ہوا کہ ۳ درہم کی کمی آئی ہے، حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا کے یہاں سے ۳ درہم منگوائے اور مشکیزوں کو تمام مسلمانوں میں تقسیم کر دیا۔“^۲

یہی دیانت تھی جس نے صحابہ رضی اللہ عنہم کے دور خلافت میں جمہوری روح پھونک دی تھی۔ شخصیت در حقیقت بددیانتی، خود غرضی اور عیش پرستی کا نتیجہ ہے، خود غرض لوگ صرف اس بنا پر شخصیت کی حمایت کرتے ہیں کہ سلطنت کے تمام اختیارات، سلطنت کی تمام دولت اور سلطنت کے تمام بداخل و مخارج ان کے ہاتھ میں آجائیں اور وہ مطلق العنانی کے ساتھ مزے اڑائیں، لیکن جو لوگ دیانت کے ساتھ حکومت کرنا چاہتے ہیں وہ تمام دنیا کو خود امور سلطنت میں شرکت کی دعوت دیتے ہیں، تاکہ ان کے سر کا بوجھ ہلکا ہو جائے اور ان کی ذمہ داریاں بہت سے لوگوں پر تقسیم ہو جائیں، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اسی اصول پر حکومت کرنا چاہتے تھے۔ اس لئے وہ خود تمام مسلمانوں کو امور خلافت میں شرکت کی دعوت دیتے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے خراج کے تعین کے متعلق تمام صحابہ رضی اللہ عنہم کو مشورے کیلئے بلایا تو یہ الفاظ فرمائے۔

انی لم ازع حکم الا لان تشر کو ا فی امانتی۔

۱: استیجاب تذکرہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ۔

۲: زمرۃ الابرار تذکرہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ۔ ۳: کتاب الخراج صفحہ ۱۴۔

میں نے آپ لوگوں کو صرف اسلئے تکلیف دی ہے کہ آپ میری لمانت میں شریک ہوں۔

مساوات

جب کہ تمام عرب و عجم نے سیادت و حکومت کے ذریعہ سے دنیا کو اپنا غلام بنالیا تھا، اسلام نے صرف تقویٰ و طہارت کو انسان کا اصلی شرف قرار دیا اور قرآن مجید نے تمام دنیا کے خلاف یہ صدا بلند کی۔

اِنْ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ عَتَقْتُمْ

تم میں زیادہ شریف وہ ہے جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہے۔

صحابہ کرام ؓ کو اگرچہ خلافت الہی نے اس شرف سے بھی ممتاز کیا جو روم و ایران کا سب سے بڑا ذریعہ تفوق و امتیاز تھا، تاہم انہوں نے صرف مذہب و اخلاق ہی کو اپنا اصلی شرف خیال کیا، حضرت عمر بن الخطاب ؓ کا قول ہے۔

کرم المومن تقواہ و دینہ و حسبہ و مروئہ و خلقہ^۱

مسلمان کا اصل مایہ شرف اس کا تقویٰ ہے اس کا دین ہے اس کا حسب ہے، اس کی مروئہ ہے اور اس کا خلق ہے۔

اس خیال کا یہ نتیجہ تھا کہ سیاسی حیثیت سے خلیفہ وقت خود اپنے آپ کو تمام لوگوں کے برابر سمجھتا تھا اور ہر شخص کے ساتھ مساویانہ برتاؤ کرتا تھا۔

ایک دن حضرت عمر ؓ امور خلافت میں مشغول تھے کہ اسی حالت میں ایک آدمی آیا اور کہا کہ ”اے امیر المومنین مجھ پر فلاں شخص نے ظلم کیا ہے۔“ انہوں نے اس پر کوڑا اٹھایا اور کہا کہ ”جب میں فصل مقدمات کیلئے بیٹھتا ہوں تو تم لوگ نہیں آتے اور جب خلافت کے دوسرے کاموں میں مشغول ہوتا ہوں تو دلارسی کیلئے آتے ہو۔“ وہ ناراض ہو کر چلا تو خود اسے بلایا اور اس کے سامنے اپنا کوڑا ڈال دیا اور کہا کہ ”مجھ سے قصاص لو۔“ اس نے کہا ”نہیں میں خدا کیلئے معاف کرتا ہوں۔“ بولے ”اگر خدا کیلئے معاف کرتے ہو تو خیر ورنہ اگر میرے لئے درگزر کرتے ہو تو مجھے بتادو۔“ اس نے کہا ”نہیں خدا کیلئے۔“^۲

اگر کبھی امراء و عمال انکے ساتھ اس قسم کا برتاؤ کرتے جو ان میں اور عام مسلمانوں میں تفریق و امتیاز پیدا کرتا تو سخت بڑھم ہوتے اور اسکو تہدید فرماتے ایک بار حضرت عتبہ بن فرقہ ؓ نے انکی خدمت میں نہایت تکلف کیساتھ ایک لذیذ غذا بھیجی، فرمایا کل مسلمان یہی کھاتے ہیں۔ جواب ملا نہیں، بولے تو پھر مجھے بھی نہیں چاہئے، اسکے بعد ان کو لکھا کہ یہ تمہاری اور تمہارے

۱: مؤطا امام مالک کتاب الجہاد باب الشہداء فی سبیل اللہ۔

۲: اسد الغابہ تذکرہ حضرت عمرؓ۔

باپ کی کمائی نہیں ہے، تمام مسلمانوں کو ہی کھلاؤ جو خود کھاتے ہو اور عیش پرستی سے بچو۔^۱

ایک بار حضرت عبداللہ ؓ اور حضرت عبید اللہ بن عمر ؓ عراق کی کسی مہم میں شریک ہوئے۔ پلٹ کر بصرہ آئے تو حضرت ابو موسیٰ اشعری ؓ نے جو وہاں کے گورنر تھے، نہایت جوش کیساتھ انکا خیر مقدم کیا اور کہا کہ ”اگر میں آپ دونوں صاحبوں کو کوئی فائدہ پہنچا سکتا تو میں ضرور پہنچاتا، یہاں میرے پاس تھوڑا سا صدقہ کامل ہے جس کو امیر المومنین کی خدمت میں بھیجنا چاہتا ہوں، آپ لوگ یہاں اس روپیہ سے اسباب تجارت خرید لیں اور مدینہ جا کر اسکو فروخت کریں، جو نفع حاصل ہو، اس کو خود لیں اور اصل مال امیر المومنین کے حوالے کر دیں۔“ یہ کہہ کر روپیہ انکے حوالہ کر دیا اور حضرت عمر ؓ کو اسکی اطلاع دے دی، ان دونوں صاحبوں نے اس پر عمل کیا، لیکن جب روپیہ لے کر حضرت عمر ؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو انہوں نے پوچھا کیا ابو موسیٰ نے کل فوج کے ساتھ یہی معاملہ کیا ہے؟ بولے نہیں، فرمایا ”میرا لڑکا سمجھ کر تمہارے ساتھ یہ رعایت کی ہے، اصل اور نفع دونوں دے دو۔“^۲

ایک انہوں نے اپنے غلام کو مکاتب بتلایا، اس نے کہا کہ ”اگر اجازت ہو تو میں عراق کو جاؤں۔“ بولے ”مکاتب ہونے کے بعد جہاں چاہو جاسکتے ہو۔“ وہ روٹہ ہوا تو اور چند غلاموں نے اسکی رفاقت کرنا چاہی اور کہا کہ ”امیر المومنین سے ایک خط لے لو کہ تمام مسلمان ہمارے ساتھ عزت سے پیش آئیں۔“ اس کو اگرچہ معلوم تھا کہ یہ درخواست ان کو ناگوار ہوگی تاہم اس نے یہ گزارش کی، واثق کر فرمایا ”تم لوگوں پر ظلم کرنا چاہتے ہو۔ تم تمام مسلمانوں کے برابر ہو۔“^۳

اس طرز عمل نے تمام قوم میں مسلمات کی روح پھونک دی تھی، اس لئے اگر کوئی شخص خفاء کے ساتھ کسی قسم کا غیر مسلوینہ برتاؤ کرتا تھا تو تمام لوگ برہم ہو جاتے تھے، حضرت امیر معاویہ ؓ پہلی بار شام سے حج کو آئے تو ایک شخص نے کہا کہ ”السلام علیک ایہا الامیر ورحمۃ اللہ“ تمام اہل شام بگڑ گئے اور کہا کہ یہ منافق کون ہے جو صرف امیر المومنین کو سلام کرتا ہے۔^۴

زہد و تواضع

سلاطین و امراء کے جاہ و جلال سے اگرچہ انسان دفعتاً مرعوب ہو جاتا ہے لیکن حقیقی اطاعت اور اصلی محبت صرف زہد و تواضع سے پیدا ہو سکتی ہے، صحابہ کرام ؓ کے دور

۱۔ مسلم کتاب طبایع و الخیرات باب تحریم استعمال مال الذہب و الفضة۔

۲۔ مؤطا امام مالک کتاب البیوع باب ما جاء فی القراض۔

۳۔ طہاوی کتاب الکاتب فی التواضع عن الکاتب بیہ۔

۴۔ ابوالمفرد باب التسلیم علی الامیر۔

خلافت میں اگرچہ دنیا نے ان کے سامنے اپنے خزانے اگل ڈئے تاہم انہوں نے اپنی قدیم سادگی اور خاکساری کو ہمیشہ قائم رکھا۔ اس لئے عرب کی غیور طبیعتوں کو ان کی اطاعت اور فرمانبرداری سے کبھی عار و استنکاف نہیں ہوا۔

حضرت ابو بکر ؓ خلافت سے پہلے بکریاں دوہا کرتے تھے، منصب خلافت سے ممتاز ہوئے تو ایک چھو کر کے نے کہا ”اب وہ ہماری بکریاں نہ دو ہیں گے۔“ انہوں نے سنا تو بولے ”خدا کی قسم ضرور دو ہوں گا۔ خدا نے چاہا تو خلافت میری قدیم حالت میں کوئی تغیر نہ پیدا کرے گی۔“ چنانچہ امور خلافت کو بھی انجام دیتے تھے اور ان کی بکریاں بھی دوہتے تھے، بلکہ اگر ضرورت ہوتی تھی تو ان کو چرا بھی لاتے تھے۔

ایک دن انہوں نے پینے کا پانی مانگا تو لوگ شہد کا شربت لائے، پیالے کو منہ سے لگا کر ہٹا لیا اور رونے لگے، جو لوگ پاس بیٹھے ہوئے تھے، وہ بھی رو پڑے، تھوری دیر کیلئے چپ ہو گئے پھر دوبارہ رونا شروع کیا، لوگوں نے پوچھا آخر آپ کیوں روئے؟ فرمایا میں ایک دن رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھا، میں نے دیکھا کہ آپ ﷺ کسی آدمی کو دھکیل رہے ہیں حالانکہ کوئی شخص آپ ﷺ کے پاس نہ تھا، میں نے پوچھا یہ آپ ﷺ کس کو دھکیل رہے ہیں؟ فرمایا دنیا میرے سامنے مجسم ہو کر آئی تھی میں نے اس سے کہا کہ میرے پاس سے ہٹ جاؤ وہ ہٹ گئی، پھر دوبارہ آئی اور کہا کہ آپ ﷺ مجھ سے بچ کر نکل جائیں تو نکل جائیں لیکن آپ ﷺ کے بعد کے لوگ مجھ سے نہیں بچ سکتے۔“ مجھے یہی واقعہ یاد آگیا اور میرے دل میں خوف پیدا ہوا کہ وہ کہیں مجھ سے چٹ نہ جائے۔^۱

حضرت عمر ؓ کسریٰ و قیصر کے خزانے کے کلید بردار تھے، لیکن زہد و تواضع کا یہ حال تھا کہ ایک دن انہوں نے پینے کا پانی مانگا، لوگ شہد کا شربت لائے، پیالے کو ہاتھ پر رکھ کر تین بار فرمایا کہ ”اگر پیالوں تو اس کی مٹھاس چلی جائے گی اور منی (عذاب) باقی رہ جائے گی۔“ یہ کہہ کر ایک آدمی کو دے دیا اور وہ اس کو پی گیا۔

ایک بار ان کے پاس حضرت عتبہ بن فرقد ؓ آئے دیکھا کہ زیتون کے تیل کے ساتھ روٹی کھا رہے ہیں۔ حضرت عمر ؓ نے ان کو بھی شریک طعام کر لیا، لیکن یہ لقمہ ہائے خشک ان کے گلے سے نہ اترے، وہ عیش و طرب کے ساز و برگ دیکھ چکے تھے۔ بولے ”یا امیر المؤمنین آپ کو میدے سے رغبت ہے؟“ فرمایا ”کل مسلمانوں کو مل سکتا ہے۔“ انہوں نے کہا: ”نہیں۔“ کیا تم چاہتے ہو کہ میں دنیا ہی میں کھانے پینے کا مزا اڑا لوں؟

”ایک دن حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے یہاں آئے، انہوں نے سالن میں زیتون کا تیل ڈال کر سامنے رکھ دیا بولے۔ ”ایک برتن میں دو دو سالن، تادم مرگ نہ کھاؤں گا۔“^۱
عین زمانہ خلافت میں ان کے سامنے کھجوریں رکھ دی جاتی تھیں اور وہ سڑی گلی کھجوریں تک اٹھا کر کھا جاتے تھے۔^۲

لباس اس سے بھی زیادہ سادہ تھا، حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں نے زمانہ خلافت میں دیکھا کہ ان کے کرتے کے مونڈھے پر تہ بہ تہ پیوند لگے ہوئے ہیں۔^۳
جاہ و جلال کے موقعوں پر بھی یہی سادگی قائم رہتی تھی، شام کے دورے کو گئے تو شہر کے قریب پہنچ کر اپنے اونٹ پر غلام کو سوار کر لیا اور خود غلام کے اونٹ پر سوار ہو لئے، لوگ استقبال کیلئے چشم برلاہ تھے، قریب پہنچے تو حضرت سالم رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو اشارے سے بتلایا کہ امیر المومنین یہ ہیں۔ لوگ تعجب سے باہم کانٹا پھوسی کرنے لگے، فرمایا ”ان کی نگاہیں اہل عجم کے جاہ و چشم کو ڈھونڈ رہی ہیں۔“^۴

ایک کو گئے تو اونٹ پر بیٹھے بیٹھے گاڑھے کی قمیض پھٹ گئی، اس لئے وہاں کے پادری کو دے دیا کہ اس کو دھو کر پیوند لگا دے، وہ قمیض میں پیوند لگا کر لایا تو اس کے ساتھ خود اپنی طرف سے ایک نئی قمیض بھی دی، لیکن انہوں نے یہ کہہ کر واپس کر دی کہ ”میری قمیض پسینہ خوب جذب کرتی ہے۔“^۵

ایک دن منبر پر چڑھ کر فرمایا کہ ”ایک دن وہ تھا کہ میں اپنی خالہ کی بکریاں چرایا کرتا تھا اور وہ اسکے عوض میں مٹھی بھر کھجور دے دیا کرتی تھیں، آج میرا یہ زمانہ ہے۔“ یہ کہہ کر منبر سے اتر آئے، حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ نے کہا یہ تو آپ نے اپنی تنقیص کی، بولے ”تہائی میں میرے دل نے کہا کہ تم امیر المومنین ہو تم سے افضل کون ہو سکتا ہے۔ اس لئے میں نے چاہا کہ اس کو اپنی حقیقت بتا دوں۔“^۶

ان کے دروازے پر دربان اور پہرے دار نہ تھے۔^۷ وہ خود اپنے چپراسی تھے، جہاں ضرورت ہوتی تھی، خود چلے جاتے تھے اور کام انجام دے کر چلے آتے تھے، ایک دن حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے پاس آئے، لونڈی ان کے بالوں سے جو میں نکال رہی تھی، انہوں نے اس کو ہٹانا چاہا بولے ”رہنے بھی دو۔“ انہوں نے کہا ”یا امیر المومنین اگر آپ بلوا بھیجتے تو میں خود حاضر

۱: اسد الغابہ تذکرہ حضرت عمرؓ - ۲: مؤطا امام مالک کتاب الجامع باب جامع ماجاء فی الطعام والشراب۔

۳: مؤطا امام مالک کتاب الجامع باب ماجاء فی لبس الثياب۔

۴: مؤطا امام محمد باب الزهد والتواضع۔ ۵: طبری صفحہ ۲۵۳۔

۶: زینۃ الابرار تذکرہ حضرت عمرؓ۔ ۷: طبری صفحہ ۲۵۵۸۔

ہوتا۔“ بولے ”ضرورتاً تو مجھ کو تھی۔“

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اگرچہ بذات خود دولت مند تھے، لیکن زمانہ خلافت میں نہایت سادہ زندگی بسر فرماتے تھے، مسجد میں سرہانے چادر رکھ کر لیٹ جاتے تھے، اٹھتے تھے تو بدن میں کنکریوں کے چھنے کے نشان نظر آتے تھے، لوگ دیکھتے تھے تو کہتے تھے کہ امیر المومنین ہیں۔^۱ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو تراب کا خطاب عطا فرمایا تھا اور خاکساری نے ان کو اس لقب کا صحیح مصداق بنادیا تھا، تمام لوگ ان کی خدمت و اطاعت کو اپنا فخر سمجھتے تھے، لیکن وہ خود بازار سے اپنا سودا سلف خرید کر لاتے تھے، ایک دن بازار میں کھجوریں خریدیں اور خود اٹھا کر لے چلے، ایک آدمی نے کہا یا امیر المومنین میں پہنچا دوں، بولے ”بچوں کا باپ ہی اس کا زیادہ مستحق ہے۔“^۲

زہد و تورع کا یہ حال تھا کہ اپنے لئے کبھی اینٹ پر اینٹ اور شہتیر پر شہتیر نہیں رکھی، یعنی گھر نہیں بنایا، بیت المال میں جو کچھ آتا اسی وقت تقسیم کر دیتے اور کہتے کہ اے دنیا مجھے فریفتہ نہ کر۔^۳ لباس نہایت سادہ پہنتے تھے، ایک شخص نے دیکھا کہ ان کے بدن پر ایک پھٹی پرانی قمیض ہے۔ جب آستین کھینچی جاتی ہے تو ناخن تک پہنچ جاتی ہے، اور چھوڑ دی جاتی ہے تو سکر کر نصف کلائی تک جاتی ہے، اسی سادہ لباس میں فرائض خلافت ادا کرنے کیلئے بازاروں میں پھرا کرتے تھے، ایک شخص کا بیان ہے کہ ”میں نے دیکھا کہ گاڑھے کا تہ بند باندھے ہوئے اور گاڑھے کی چادر اوڑھے ہوئے بازار میں پھر رہے ہیں، ہاتھ میں درہ ہے اور لوگوں کو سچائی اور حسن معاملہ کا حکم دے رہے ہیں، لیکن بعض اوقات یہ سادہ لباس بھی بہ مشکل میسر ہوتا تھا، ایک دن منبر پر چڑھ کر فرمایا کہ ”میری تلوار کون خریدتا ہے؟ اگر میرے پاس تہ بند کے دام ہوتے تو میں اس کو نہ فروخت کرتا۔“ ایک شخص نے اٹھ کر کہا ”ہم آپ کو تہ بند کی قیمت قرض دیتے ہیں۔“ دربان اور پہریدار کا جھگڑا نہیں رکھا تھا تہاٹھتے اور مسجد کو چلے جاتے۔^۴

ایثار

خلافت الہی ایک خوان نعمت ہے جس کو اللہ تعالیٰ خود اپنے ہاتھ سے دنیا کے سامنے جن دیتا ہے، لیکن بد بخت لوگ تمام دنیا کو بھوکا رکھتے ہیں اور خود اپنا پیٹ بھرتے ہیں مگر خدا کے برگزیدہ بندے پہلے تمام دنیا کو کھلاتے ہیں پھر جو کچھ بچ رہتا ہے خود کھاتے ہیں، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم

۱: ادب المفرد باب من کانتہ لدحاجة فهو احق ان ینذهب الیہ۔

۲: الریاض النضرۃ صفحہ ۱۱۱۔ ۳: ادب المفرد ات الکبر۔

۴: اسد الغابہ تذکرہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ۔

۵: استیعاب تذکرہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ۔ ۶: الفضل۔

تعالیٰ کے برگزیدہ بندے تھے، اس لئے انہوں نے اس خوانِ نعمت کو تمام دنیا کیلئے وسیع اور اپنے لئے تنگ کر دیا تھا۔

ایک بار حضرت عمر ؓ نے مدینہ کی عورتوں میں چادر تقسیم فرمائی۔ ایک عمدہ چادر رہ گئی تو کسی نے کہا ”اپنی بی بی ام کلثوم کو دے دیجئے۔“ بولے ”ام سلیط اس کی زیادہ مستحق ہیں کیونکہ وہ غزوہ احد میں مشک بھر بھر کر پانی لاتی تھیں اور ہم کو پلاتی تھیں۔“^۱

ایک دن مسلمانوں کو حلے تقسیم فرما رہے تھے۔ ایک نہایت عمدہ حلہ نکلا تو لوگوں نے کہا ”حضرت عبداللہ بن عمر ؓ کو دے دیجئے۔“ بولے ”نہیں مہاجر بن سعید، ابن عتاب یا سلیط بن سلیط کو دوں گا۔“^۲

انہوں نے اپنے عہد خلافت میں ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن کی تعداد کے لحاظ سے نو پیالے تیار کرائے تھے اور جب میوہیا کھانے کی کوئی عمدہ چیز آتی تو ان میں بھر کر ازواجِ مطہرات کی خدمت میں بھیجتے، لیکن سب سے آخری پیالہ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے پاس بھجواتے تھے، تاکہ جو کی ہو وہ ان کے حصہ میں آئے۔^۳

لوگوں کے وظیفے مقرر فرمائے تو لوگوں نے کہا کہ رجسٹر میں پہلے اپنا نام درج فرمائیے، بولے۔ ”نہیں اپنے آپ کو وہیں رکھوں گا جہاں مجھ کو خدا نے رکھا ہے۔“ چنانچہ قرابت دارانِ رسول ﷺ کے نام پہلے لکھوائے، اپنے بیٹے حضرت عبداللہ بن عمر ؓ کا وظیفہ حضرت اسامہ بن زید ؓ سے کم مقرر فرمایا، تو انہوں نے کہا ”وہ مجھ سے کسی چیز میں آگے نہیں رہے“ بولے ”ان کے باپ تمہارے باپ سے اور وہ تم سے رسول اللہ ﷺ کو محبوب تھے۔“^۴

امراء و عمال مقرر فرمائے تو اپنے خاندان کے کسی شخص کو کوئی عہدہ نہیں دیا ان کے خاندان میں صرف نعمان بن عدی ایک ایسے بزرگ ہیں، جن کو میسان کا عامل مقرر فرمایا تھا، لیکن تھوڑے ہی دنوں کے بعد ان کو ایک جرم پر موقوف بھی کر دیا۔^۵

اس سے بڑھ کر کیا ایثار نفسی ہو سکتی ہے کہ اپنے بعد جن لوگوں کو خلافت کیلئے منتخب فرمایا ان میں اپنے بیٹے حضرت عبداللہ بن عمر ؓ کی نیست صاف تصریح کر دی کہ خلافت میں ان کا کوئی حصہ نہیں، چنانچہ بخاری میں یہ واقعہ بہ تصریح مذکور ہے۔

۱: بخاری کتاب الجہاد باب عمل النساء القرب الى الناس في الغزو۔

۲: اصابہ تذکرہ عتاب۔

۳: مؤطا امام مالک کتاب الزکوٰۃ باب جزیتہ اهل الکتاب والمجوس۔

۴: فتوح البلدان صفحہ ۳۶۲۔

۵: اسد الغابہ جلد ۵ صفحہ ۷۷، تذکرہ نعمان بن عدی۔

حق پسندی

اگر خود امراء و سلاطین میں حق پسندی کا مادہ موجود نہ ہو تو رعایا کی آزادی، نکتہ چینی اور حقوق طلبی بالکل بیکار ہے، لیکن صحابہ کرام ؓ کے دور میں خود خلفاء میں حق پسندی کا اس قدر مادہ موجود تھا کہ ہر جائز نکتہ چینی کے سامنے سر تسلیم خم کر دیتے تھے، اس لئے ایک طرف تو ان نکتہ چینیوں کے عملی نتائج نکلتے تھے، دوسری طرف قوم میں جائز آزادی کا مادہ پیدا ہوتا تھا، جو خلافت کے استحکام کا سب سے قوی سبب تھا۔

ایک بار حضرت عمر ؓ نے خزان کعبہ کو تقسیم کرنا چاہا، لیکن حضرت شیبہ ؓ نے اس کی مخالفت کی اور کہا کہ آپ ایسا نہیں کر سکتے۔ رسول اللہ ﷺ اور حضرت ابو بکر ؓ آپ سے زیادہ محتاج تھے لیکن انہوں نے ایسا نہیں کیا، حضرت عمر ؓ نے تقسیم سے فوراً ہاتھ کھینچ لیا۔^۱ ایک بار حضرت عمر ؓ نے فرمایا کہ ”بی بی کو شوہر کی دیت میں وراثت نہیں ملتی، حضرت سخاک ابن سفیان ؓ نے کہا نہیں اشیم انصہابی کی بی بی کو رسول اللہ ﷺ نے تحریری فرمان کے ذریعہ اس کے شوہر کی دیت دلوائی تھی، حضرت عمر ؓ نے فوراً اپنی رائے بدل دی۔^۲

ایک پاگل عورت مرتکب زنا ہوئی، لوگوں نے اس کو حضرت عمر ؓ کی خدمت میں پیش کیا، انہوں نے صحابہ کرام ؓ کے مشورے سے رجم کا حکم دیا، لوگ اس کو سنگسار کرنے کیلئے جارہے تھے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ آگئے اور واقعہ معلوم کرنے پر کہا کہ ”اسکو واپس لے چاؤ۔“ حضرت عمر ؓ کی خدمت میں آئے اور کہا کیا آپ کو معلوم نہیں کہ پاگل مرفوع القلم ہے، پھر اس کو کیوں سنگسار کرتے ہیں؟ انہوں نے اس کو رہا کر دیا اور غلغلہ تکبیر بلند کیا۔^۳

ایک بار حضرت ابو مریم ؓ ازوی حضرت امیر معاویہ ؓ کے دربار میں آئے ان کو ان کا آمانا گوار ہوا اور بولے کہ ”ہم تمہارے آنے سے خوش نہیں ہوئے۔“ انہوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ خدا جس شخص کو مسلمانوں کا والی بنائے اگر وہ ان کی حاجتوں سے آنکھ بند کر کے پردہ میں بیٹھ جائے تو خدا بھی قیامت کے دن اس کی حاجتوں کے سامنے پردہ ڈال دے گا۔“ حضرت امیر معاویہ ؓ پر اس کا یہ اثر ہوا کہ لوگوں کی حاجت براری کیلئے ایک مستقل شخص مقرر کر دیا۔^۴

۱۔ ابو داؤد کتاب المناسک باب فی مال الکعبۃ۔

۲۔ ابو داؤد فی المراءۃ ترث من دیت زوجہا۔

۳۔ ابو داؤد کتاب الحد و باب فی الجھن یرقی او یصیب۔

۴۔ ابو داؤد کتاب الخراج و الامارۃ۔

رحم و شفقت

اخلاقی کتابوں میں بادشاہ کو رعایا کا باپ کہا گیا ہے، لیکن دنیائے قدیم میں کتنے مسند آرائے سر پر سلطنت گذرے ہیں اور دنیا جدید میں کتنے مدعیان تخت و تاج ہیں، جنہوں نے اپنے بچوں کے سر پر شفقت کا ہاتھ پھیرا ہے؟ لیکن صحابہ کرام ؓ نہ صرف مجازاً بلکہ حقیقتاً ان بچوں کے سر پر شفقت کا ہاتھ پھیرتے تھے اور ان سے دائمی اطاعت کا خاموش معاہدہ لیتے تھے۔ حضرت ابو بکر ؓ کو بچے دیکھتے تو دوڑ کر کہتے ”اے باپ“ وہ محبت سے ان کے سر پر ہاتھ پھیرتے۔ لچھو کریاں کہتیں کہ آپ ہماری بکریوں کا دودھ کیوں نہیں دیتے؟ وہ دودھ دودھ دیتے اور کہتے کہ اگر ضرورت ہو تو چرا بھی لاؤں۔ مدینہ کے کسی گوشہ میں ایک بڑھیا رہتی تھی، وہ رات کو جاتے اس کی ضروریات انجام دے آتے۔ جاڑوں کے دن میں چادریں خرید کر مدینہ کی بیواؤں میں تقسیم فرماتے۔^۱

حضرت عمر ؓ کا دور خلافت آیا تو ان کی قدیم شدت و جلالت کے تصور سے تمام صحابہ ؓ کانپ اٹھے، اور کہنے لگے کہ دیکھیں اب کیا ہوتا ہے؟ حضرت عمر ؓ کو خبر ہوئی تو ایک عام مجمع کیا اور منبر پر چڑھ کر فرمایا:

”مجھے معلوم ہوا ہے کہ لوگ میری سختیوں سے گھبراتے ہیں اور کہتے ہیں کہ خود رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں عمر ہم پر سختی کرتے تھے، پھر حضرت ابو بکر ؓ خلیفہ ہوئے تو اس وقت بھی عمر ہمارے ساتھ سختی سے پیش آئے، اب جب کہ وہ خود خلیفہ ہوئے ہیں تو خدا جانے کیا غضب ہوگا؟“ لوگوں نے یہ بالکل سچ کہا ہے، میں رسول اللہ ﷺ کا ایک خلام تھا اور آپ ﷺ کی رحمت و شفقت کا درجہ کون حاصل کر سکتا ہے؟ خدا نے خود آپ ﷺ کو رؤف و رحیم کہا ہے، جو خود خدا کا نام ہے، پھر ابو بکر ؓ خلیفہ ہوئے اور ان کے رفیق و ملاطفت کا بھی آپ لوگوں کو انکار نہیں۔ میں ان کا بھی ایک خلام اور مددگار تھا، اس لئے ان کی نرمی کے ساتھ اپنی سختی کو ملا دیتا تھا اور تنگ بے نیام ہو جاتا تھا وہ چاہتے تھے تو اس سے وار کرتے تھے، ورنہ میان میں ڈال دیتے تھے، لیکن اب جب میں خود خلیفہ ہو گیا ہوں تو یقین کرو وہ سختی دو گنا ہوئی ہے، لیکن صرف ان لوگوں کیلئے جو مسلمانوں پر ظلم کرتے ہیں، رہے نیک اور دیندار لوگ تو میں ان کیلئے اس سے زیادہ نرم ہوں جس قدر وہ باہم نرم خو ہیں۔

۱۔ الریاض النضرہ فی مناقب العشرہ جلد ۲ صفحہ ۳۰

۲۔ اسد الغابہ تذکرہ حضرت ابو بکر۔

۳۔ کنز العمال جلد ۳ صفحہ ۱۳۱۔

۴۔ الریاض النضرہ فی مناقب العشرہ جلد ۲ صفحہ ۳۰

حدیث رجال اور تاریخ کی کتابوں میں حضرت عمر ؓ کی زندگی کا ایک ایک واقعہ محفوظ ہے۔ ان سب پر نگاہ ڈالنے سے معلوم ہو سکتا ہے کہ اس خطبہ کا ایک ایک لفظ کس قدر سچائی، کس قدر صداقت اور کس قدر استعلائی سے لبریز تھا، انہوں نے کہا تھا کہ وہ دیندار لوگوں کیلئے سب سے زیادہ نرم ہوں گے۔ واقعات سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ درحقیقت ایسے ہی تھے۔ حضرت سعید بن یربوع ؓ ایک صحابی تھے جو ان کے عہد خلافت میں اندھے ہو گئے تھے، حضرت عمر ؓ ان کے پاس تعزیت کو آئے اور کہا کہ ”کوئی جمعہ مانع نہ کرنا اور مسجد نبوی میں برابر شریک جماعت ہونا۔“ بولے مجھے کون لے جائے گا؟ پلٹے تو اس کام کیلئے ان کے پاس ایک غلام بھیج دیا۔^۱ ایک بار حضرت انصف بن قیس بصرہ کے وفد کے ساتھ آئے اور کہا کہ ”ہم ایک بنجر زمین میں آباد ہیں، اس کے مشرقی جانب کھاری سمندر ہے اور مغرب جانب چشیل میدان منہ ہمارے پاس کھیت ہیں نہ مویشی ہو کوں سے ضعیف لوگ پانی لاتے ہیں، عورتیں پانی بھرنے جاتی ہیں تو بچوں کو بکری کی طرح باندھ دیتی ہیں، کہ کہیں درندے نہ اٹھالے جائیں تو کیا آپ ہماری ضرورت پوری نہ کریں گے؟“ حضرت عمر ؓ نے فوراً بصرہ کے بچوں کے وظیفے مقرر کر دیئے اور حضرت ابو موسیٰ اشعری ؓ کو لکھ بھیجا کہ ان کیلئے ایک نہر کھدوا لیں۔^۲

جن عورتوں کے شوہر سفر میں ہوتے ان کے گھر خود تشریف لے جاتے، دروازے پر کھڑے ہو کر سلام کرتے اور کہتے تمہیں کوئی ضرورت ہے؟ تمہیں کسی نے ستلایا تو نہیں؟ اگر تمہیں سودے سلف کی ضرورت ہو تو میں خرید دوں مجھے خوف ہے کہ بیع و شراء میں تم لوگ دھوکہ نہ کھا جاؤ وہ اپنی لونڈیاں ساتھ کر دیتیں، بازار میں جاتے تو ان لونڈیوں اور غلاموں کا ہجر مٹ ساتھ ہوتا، ان کا سودا سلف خرید دیتے، جن کے پاس دام نہ ہوتے خود اپنی گرہ سے دے دیتے، مجاہدین کے خطوط آتے تو خود ان کی بی بیوں کے پاس لے کر جاتے اور کہتے کہ اگر کوئی چنے والا نہ ہو تو دروازہ کے قریب آ جاؤ میں پڑھ دوں، قاصد فلاں دن جائے گا، جواب لکھوا۔ دھوکہ بھیج دوں، پھر خود ہی کاغذ و دوات لے کر جاتے، جن عورتوں کے خطوط تیار ہوتے ان کو لے لیتے، ورنہ کہتے کہ دروازے کے پاس آ جاؤ میں خود لکھ دوں، سفر میں ہوتے تو اپنے لونٹ پر سٹو، کھجور، مشک اور پیالے ساتھ رکھتے، جو لوگ کسی ضرورت سے پاس آتے ان سے کہتے کہ لو کھاؤ، جب لوگ کوچ کر چکے تو منزل کی دیکھ بھل فرماتے، اگر کوئی چیز گری ہوتی تو اٹھا لیتے، اگر کوئی شخص لنگڑا ہوتا تو اس کا لونٹ بیمار ہوتا تو اس کیلئے کرایہ کا لونٹ کر دیتے، قافلہ روانہ ہوتا تو پیچھے پیچھے چلتے، کوئی چیز گر پڑتی تو اٹھا لیتے، لوگ منزل پر اترتے تو گمشدہ چیزوں کی تلاش میں

۱۔ اسد الغابہ تذکرہ حضرت سعید بن یربوع۔

۲۔ فتوح البلدان صفحہ ۳۰۶۳۔

خود امیر المومنین کے پاس آئے۔^۱

ایک بار بازار سے گزر رہے تھے کہ ایک نوجوان عورت آئی اور کہا کہ ”یا امیر المومنین میرا شوہر مر گیا ہے اور چھوٹے چھوٹے بچے چھوڑے ہیں منہ وہ کوئی کام کر سکتے ہیں نہ ان کے پاس کھیتی ہے نہ مویشی، مجھے خوف ہے کہ ان کو درندے نہ کھا جائیں میں خفاف بن ایماء الغفاری کی لڑکی ہوں، جو رسول اللہ ﷺ کے ساتھ حدیبیہ میں شریک ہوئے تھے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ فوراً ٹھہر گئے وہاں سے پلٹے تو ایک اونٹ پر غلہ لائے اور ہاتھ میں اونٹ کی مہار دے کر کہا ”اس کو ہانک کر لے جاؤ، جب یہ ختم ہو جائے گا تو خدا پھر دے گا۔“ ایک شخص نے کہا ”اے امیر المومنین آپ نے اس کو بہت دید۔ بولے ”اے کم بخت اس کے باپ اور بھائی دونوں نے میرے سامنے ایک قلعہ کا مدتوں محاصرہ کیا اور اس کو فتح کیا۔“^۲

ایک بار سفر حج کو جا رہے تھے، رملہ میں ایک بوڑھا ملا اور اس نے قافلہ کو روک کر پوچھا کہ تم میں رسول اللہ ﷺ ہیں۔ جب معلوم ہوا کہ آپ ﷺ کا وصال ہو چکا تو اس نے شدت گریہ و بکا کیا، پھر پوچھا آپ ﷺ کے بعد خلیفہ کون ہوا؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کا نام بتلایا۔ بولا وہ تم میں ہیں؟ جب اس کو ان کی وفات کی خبر ہوئی تو پھر اسی طرح گریہ و زاری کی، پھر پوچھا کہ ان کے بعد کس نے زمام خلافت ہاتھ میں لی؟ بولے عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ، اس نے پوچھا وہ تم میں ہیں؟ جواب دیا تم سے وہی گفتگو کر رہے ہیں، اس نے کہا ”تو میری فریاد سی کیجئے، مجھے کوئی فریاد رس نہیں ملتا۔“ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ”تم کون ہو؟ تمہاری فریاد سن لی گئی۔“ بولا ”میرا نام ابو عقیل ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے مجھے دعوت اسلام دی۔ میں آپ ﷺ پر ایمان لایا۔ آپ ﷺ نے مجھے ستوپلایا اور میں اب تک اس کی سیری و سیرابی کو محسوس کرتا ہوں، پھر میں نے بکری کا ایک گلہ خریدا اور اب تک اس کو چراتا ہوں، نماز پڑھتا ہوں اور روزہ رکھتا ہوں، لیکن اس سال بد بختی نے ایک بکری کے سوا کچھ نہیں چھوڑا تھا، مگر اس کو بھی بھیڑیا اٹھالے گیا اب آپ میری دستگیری فرمائیے۔“ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ”ہم سے چشمہ پر ملو۔“ منزل پر پہنچے تو اونٹنی کی لگام پکڑے بھوکے پیاسے بڑھے کا انتظار کرتے رہے، لوگ آچکے تو صاحب حوض کو بلا کر کہا کہ فلاں بوڑھا آئے تو اس کے اور اس کے اہل و عیال کو کھلاتے پلاتے رہو یہاں تک کہ میں حج سے واپس آ جاؤں۔ حج سے پلٹے تو صاحب حوض سے اس کے متعلق دریافت فرمایا۔ اس نے کہا کہ وہ مبتلائے بخار آیا تھا اور تین دن کے بعد مر گیا۔ میں نے اس کو دفن کر دیا اور یہ اس کی قبر ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فوراً اس کی قبر پر نماز پڑھی اور اس

۱: الرياض النضرہ فی مناقب العشرہ جلد ۲ صفحہ ۵۴ بروایت ابو حذیفہ۔

۲: بخاری کتاب المغازی باب غزوۃ الحدیبیہ۔

سے لپٹ کر روئے اور اس کے اہل و عیال کو ساتھ لے گئے اور تادم مرگ ان کی وجہ معاش کے متاغل رہے۔^۱

حضرت علی کرم اللہ وجہہ بازاروں میں جاتے تو بھولے بھٹکے لوگوں کو راستہ دکھاتے، حمالوں کے سر پر بوجھ اٹھا دیتے، اگر کسی کے جوتے کا تسمہ گر جاتا تو اسے اٹھا کر دے دیتے اور یہ آیت پڑھتے۔

تلك الدار الآخرة نجعلها للذين لا يريدون علواً في الأرض ولا فساداً
والعاقبة للمتقين۔^۲

ہم نے دار آخرت کو ان لوگوں کیلئے بنایا ہے جو زمین میں فساد اور غلبہ حاصل کرنا نہیں چاہتے اور عاقبت صرف پرہیزگاروں کیلئے ہے۔

حلم و عفو

حلم و عفو سیادت کا ایک ایسا ضروری عنصر ہے کہ عرب کے ان پڑھ بدو بھی اس سے واقف تھے، چنانچہ ایک جاہلی شاعر کہتا ہے،

إذا شئت يوما ان تسود عشيرة
فبالحلم سد لا بالتسرع والشتيم
اگر تم کسی قبیلہ کے سردار بننا چاہتے ہو
تو حلم و بردباری کے ساتھ سرداری کرو نہ اشتعال و شتم کے ساتھ
بالخصوص عرب کی مشتعل طبیعتوں پر تو صرف یہی ایک ایسی چیز تھی جو چھیننا ڈال سکتی
تھی، اگر ان کے ساتھ سخت برتاؤ کیا جاتا تو روز بغاوت کے شعلے بلند ہوتے، اس لئے صحابہ کرام
نے نہایت معتدل اصول سیاست اختیار فرمایا تھا۔

كان عمر بن الخطاب رضى الله عنه يقول لا يصلح هذا الامر الا بشدة في
غير تحير ولين في غير دهن۔^۳

حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ خلافت اس وقت تک صحیح اصول پر قائم نہیں رہ سکتی
جب تک ایسی سختی نہ کی جائے جو ظلم کی حد تک نہ پہنچے اور ایسی نرمی نہ اختیار کی جائے جو
کمزوری پر مبنی ہو۔

لیکن یہ سختی بھی حقوق العباد اور حقوق اللہ تک محدود تھی ورنہ ذاتی معاملات میں دھرونی

۱۔ اسد الغابہ تذکرہ ابو عقیل۔

۲۔ الریاض النضرہ جلد ۲ صفحہ ۲۳۴۔

۳۔ کتاب الخراج للقاضی ابی یوسف۔

کے گالے کی طرح نرم ہو جاتے تھے، حضرت عمر ؓ نے حضرت خالد بن ولید ؓ کی معزولی کا اعلان کیا تو ایک شخص نے کہا،

ما عدلت يا عمر لقد نزعنا من رسول الله ﷺ و غمدت
سيفاً من رسول الله ﷺ دو صنعت لواء نصیبہ رسول اللہ ﷺ ولقد قطعت
الرحم و حدث ابن العم۔

عمر تم نے انصاف نہیں کیا اور ایک ایسے عامل کو معزول کیا جس کو رسول اللہ ﷺ نے مقرر فرمایا تھا اور اپنی تلوار کو میان میں کر دیا جس کو آنحضرت ﷺ نے کھینچا تھا۔ ایک ایسے جھنڈے کو پست کر دیا جس کو آنحضرت ﷺ نے قائم کیا تھا، تم نے قطع رحم کیا اور اپنے چچا زاد بھائی پر حسد کیا،

یہ الفاظ مجمع عام میں کہے گئے تاہم حضرت عمر ؓ نے ان کو سن کر صرف اس قدر کہا کہ تم کو کم سنی اور قرابت مندی کی بناء پر اپنے چچا زاد بھائی کی حمایت میں غصہ آگیا۔^۱ ایک دفعہ وہ مسجد سے آرہے تھے، رلہ میں ایک صحابیہ سے ملاقات ہو گئی اور انہوں نے ان کو سلام کیا، بولیں ”اے عمر میں نے تمہارا وہ زمانہ دیکھا ہے، جب تم کو لوگ عکاظ میں عمر ؓ کہتے تھے اور اب تو تمہارا لقب امیر المومنین ہے، پس رعیت کے معاملہ میں خدا سے ڈرو اور یقین کرو کہ جو شخص عذاب خداوندی سے ڈرے گا اس پر بعید قریب ہو جائے گا اور جو موت سے ڈرے گا اس کو فوت ہو جانے کا خوف لگا رہے تھے۔“ ایک شخص جو ساتھ میں تھے بولے بی بی تم نے تو امیر المومنین کو بہت کچھ کہہ ڈالا، لیکن حضرت عمر ؓ نے کہا جانے دو، یہ خولہ بنت حکیم ہیں اور عبادہ ابن صامت کی بی بی ہیں، اللہ تعالیٰ نے سات آسمان کے اوپر سے ان کی بات سن لی تھی، پھر عمر کو تو اور سننا چاہئے۔^۲

مساوات فی الحقوق

رعایا اگرچہ بادشاہ کے تفوق و امتیاز کو گوارا کر لیتی ہے لیکن وہ باہمی تفریق و امتیاز کو کبھی گوارا نہیں کر سکتی، اس لئے اگر کوئی بادشاہ تمام رعایا کو اپنا گرویدہ بنانا چاہتا ہے تو اس کا سب سے بڑا فرض یہ ہے کہ ان کے حقوق میں ہمواری اور مساوات پیدا کرے، صحابہ کرام ؓ کے دور خلافت کے ابتدائی زمانہ میں جو اتفاق و اتحاد قائم رہا، اس کا سنگ بنیاد خائفہ کا یہی مساویانہ طرز عمل تھا، اول اول حضرت ابو بکر ؓ کے سامنے جب خراج و زکوٰۃ کا مال آیا تو انہوں نے سب پر

۱۔ اسد الغابہ تذکرہ احمد بن حفص مخزومی۔

۲۔ اصحاب تذکرہ خولہ بنت خالد قرآن مجید کی یہ آیت قد سمع اللہ قول النبی تحاذلک انھم کے بارے میں نازل ہوئی تھی اور حضرت عمر ؓ کا اشارہ اسی آیت کی طرف ہے۔

برابر برابر تقسیم کر دیا اور چھوٹے بڑے، آزاد غلام، مرد اور عورت سب نے سات سات درہم سے کچھ زیادہ پایا، دوسرے سال اس سے زیادہ مال آیا اور ہر شخص کو بیس بیس درہم ملے، اللہ تعالیٰ کے اس فضل و برکت کو دیکھ کر بعض لوگوں نے کہا کہ آپ نے تمام لوگوں کو برابر کر دیا، حالانکہ بہت سے لوگ ایسے ہیں جن کے فضائل ان کی ترجیح کی سفارش کرتے ہیں، لیکن انہوں نے صاف صاف کہہ دیا کہ ”فضائل کا ثواب خدا دے گا، یہ معاملہ معاش کا معاملہ ہے، اس میں مساوات ہی بہتر ہے۔“^۱

حضرت عمر ؓ نے اگرچہ فضائل کے لحاظ سے وظائف کے مختلف مدارج قائم کئے، تاہم ان کے دل میں بھی یہ ناہمواری ہمیشہ کھٹکتی رہتی تھی، چنانچہ اپنی خلافت کے اخیر زمانہ میں خود یہ الفاظ فرمائے۔

انی کنت تالفت الناس بما صنعت فی تفضیل بعض علی بعض وان عشت هذه السنه سادیت بین الناس فلم افضل احمر علی اسود ولا عربیا علی عجمی وصنعت کما صنع رسول اللہ و ابو بکر۔

میں نے بعض لوگوں کو بعض لوگوں پر جو ترجیح دی تھی اس کا مقصد صرف تالیف قلوب تھا، لیکن اگر اس سال زندہ رہا تو سب کے حقوق برابر کر دوں گا اور سرخ کو سیلہ پر، عربی کو عجمی پر کوئی ترجیح نہ دوں گا، اور وہی طرز عمل اختیار کروں گا جو رسول اللہ ﷺ اور ابو بکر ؓ نے کیا تھا۔

رعایا کے حقوق کا اعلان

رعایا اور بادشاہ کے تعلقات اس قدر نازک، مشتبہ اور پیچیدہ ہوتے ہیں، کہ اگر وضاحت کے ساتھ ان کا اعلان نہ کر دیا جائے تو رعایا کے تمام حقوق و مطالبات پامال ہو جائیں، یہی وجہ ہے کہ ظالم سلطنتیں ان حقوق سے رعایا کو عموماً ناواقف رکھنا چاہتی ہیں اور ان کا تفصیلی اعلان تو عادل سے عادل سلطنت بھی نہیں کرتی، لیکن صحابہ کرام ؓ دنیا میں معیار عدل کے قائم کرنے کیلئے آئے تھے۔ اس لئے انہوں نے اپنے دور خلافت میں نہایت بلند آہنگی کے ساتھ ان حقوق کا اعلان کیا، چنانچہ حضرت عمر ؓ نے خاص اس موضوع پر ایک خطبہ دیا، جس میں نہایت تفصیل کے ساتھ خلیفہ رعایا کے حقوق و اختیارات بتائے، انہوں نے فرمایا،

صاحبو! کسی شخص کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ معصیت الہی میں اس کی اطاعت کی جائے صرف تین طریقے ہیں جن کے اختیار کرنے سے یہ مال مال صالح ہو سکتا

۱: کتاب الخراج للفاشی ابی یوسف صفحہ ۲۴۔

۲: یعقوبی مطبوعہ یورپ جلد ۲ صفحہ ۱۷۶۔

ہے یہ کہ حق کے ساتھ وصول کیا جائے، حق میں صرف کیا جائے اور ناجائز طریقے سے اس کو نہ خرچ کیا جائے، میری اور تمہارے مال کی مثال یتیم کے ولی کی مثال ہے، اگر میں متمول ہوں گا تو اس کے لینے سے احتراز کروں گا اور اگر محتاج ہوں گا تو نیکی کے ساتھ اس کو بقدر ضرورت اپنے اوپر صرف کروں گا، میں کسی کو یہ موقع نہ دوں گا کہ وہ کسی پر ظلم کرے، اگر کسی نے ایسا کیا تو میں اس کے چہرے کو اپنے پاؤں سے مسل دوں گا کہ رلہ حق پر آجائے۔

مجھ پر تمہارے چند حقوق ہیں، جن کو میں اس لئے بیان کرتا ہوں کہ تم مجھ سے ان کا مطالبہ کر سکو، میرا فرض ہے کہ میں خراج اور خمس کا مال جائز طریقہ سے وصول کروں، میرا فرض ہے کہ جب وہ مال میرے ہاتھ میں آجائے تو اس کے مصارف صحیحہ میں صرف کروں، میرا فرض ہے کہ تمہارے وظائف کو بڑھاؤں اور سرحد کی حفاظت کروں اور میرا فرض ہے کہ تم کو خطرے میں نہ ڈالوں۔ لیکن ان حقوق کی عملی تشکیل زیادہ تر امراء و عمال کے ہاتھ میں تھی اس لئے ان کو مخاطب کر کے فرمایا۔

اچھی طرح سن لو میں نے تم کو ظالم و جبار بنا کر نہیں بھیجا۔ میں نے تم کو ائمہ ہدیٰ بنا کر بھیجا ہے کہ لوگ تمہارے ذریعہ سے سیدھی رلہ پائیں، پس فیاضی کے ساتھ مسلمانوں کے حقوق دو، نہ ان کو مارو کہ وہ ذلیل ہو جائیں، نہ ان کی مدح و ستائش کرو کہ ان کو تمہارے ساتھ گرویدگی پیدا ہو۔ ان کے سامنے اپنے دروازے بند رکھو کہ قوی ضعیف کو نکل جائے اپنے آپ کو ان پر ترجیح دے کر ان پر ظلم نہ کرو، ان کے ساتھ جہالت سے نہ پیش آؤ، ان کے ذریعہ سے کفار کے ساتھ جہاد کرو لیکن اس معاملہ میں ان پر ان کی طاقت سے زیادہ بوجھ نہ ڈالو، اگر وہ تھک جائیں تو رک جاؤ، لوگو تم گولہ ر ہو کہ میں نے ان امراء کو صرف اس لئے بھیجا ہے کہ لوگوں کو دین کی تعلیم دیں، ان پر مال غنیمت تقسیم کریں ان کے مقدمات کے فیصلے کریں اور اگر کوئی مشکل مسئلہ پیش آجائے تو اس کو میرے سامنے پیش کریں۔

مشورہ

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی یہ خصوصیت بتائی ہے،

امرهم شورى بينهم

۱: یعقوبی مطبوعہ یورپ جلد ۲ صفحہ ۱۷۶۔

۲: کتاب الخراج للقاظمی ابی یوسف صفحہ ۶۷۔

ان کے تمام کام مشورے سے چلتے ہیں۔

اور صحابہ کرام ؓ کا دور خلافت اس آیت کی عملی تفسیر تھا، حضرت ابو بکر ؓ سیاست کی مہتمم مسائل کے علاوہ مقدمات کا فیصلہ بھی مشورہ کے بغیر نہیں کرتے تھے، مسند دارمی میں ہے،
 كان أبو بكر إذا ورد عليه الخصم نظر في كتاب الله ثم في السنه ثم
 استشار المؤمنين

حضرت ابو بکر ؓ کے پاس جب کوئی فریق مقدمہ لے کر آتا تو پہلے کتاب و سنت پر نظر ڈالتے، پھر تمام مسلمانوں سے مشورہ لیتے۔

انہوں نے مہاجرین و انصار کی ایک مجلس شوریٰ قائم کی تھی، جس میں حضرت عمر ؓ، حضرت عثمان ؓ، حضرت علی ؓ، حضرت عبدالرحمن بن عوف ؓ، حضرت معاذ بن جبل ؓ، حضرت ابی بن کعب ؓ، حضرت زید بن ثابت ؓ لازمی طور پر شریک کئے جاتے تھے۔ یہی مجلس شوریٰ تھی جس کو حضرت عمر ؓ نے دور خلافت میں نہایت وسیع، نہایت باضابطہ اور نہایت مکمل کر دیا، لیکن حضرت عمر ؓ کے زمانے میں فتوحات کی کثرت اور ملک کی وسعت کی بناء پر اس قدر کثرت سے بحث طلب مسائل پیدا ہوئے کہ ان کیلئے ایک دوسری مجلس کی ضرورت پیش آئی، اس لئے انہوں نے مسجد نبوی ﷺ میں ایک دوسری مجلس شوریٰ قائم کی جس میں صرف مہاجرین شریک ہوتے تھے۔

چنانچہ علامہ بلاذری فتوح البلدان میں لکھتے ہیں۔

كان للمهاجرين مجلس في المسجد فكان عمر يحلس معهم فيه
 ويحدثهم عما ينتهي اليه من امراء فاق۔

مسجد نبوی میں مہاجرین کی ایک مجلس قائم تھی جس میں حضرت عمر ؓ ان معاملات کے متعلق گفتگو کرتے تھے، جو ان کی خدمت میں اطراف ملک سے پیش ہوتے تھے۔

ان مجالس کے ذریعہ سے جو امور طے ہوئے وہ بہ تفصیل حدیث و تاریخ کی کتابوں میں مذکور ہیں۔

نبوت و خلافت میں تفریق و امتیاز

جس طرح عدم تفریق و امتیاز نے نبوت والوہیت کے ڈانڈے ملا دیئے تھے اور دنیا نے انبیاء کو صفات الہی کا مظہر قرار دے لیا تھا، اسی طرح اگر نبوت و خلافت میں تفریق و امتیاز قائم نہ کی

۱: کتاب الخراج للقاظمی ابی یوسف صفحہ ۲۲، ۲۳۔

۲: کنز العمال جلد ۳ صفحہ ۱۳۴ بحوالہ طبقات ابن سعد۔

۳: فتوح البلدان صفحہ ۲۷۶۔

جائے تو دونوں کے حدود باہم مل جائیں، خلیفہ پیغمبر کا قائم مقام ہوتا ہے، پیغمبر ہی کی طرح اس کی اطاعت فرض ہوتی ہے، خدا خود فرماتا ہے۔

اطيعوا الله واطيعوا الرسول واولى الامر منكم
خدا کی، خدا کے رسول کی اور امراء کی اطاعت کرو۔

اس بناء پر اگر خلیفہ اور پیغمبر کی حیثیتیں الگ الگ نہ قائم کی جائیں تو کچھ دنوں میں دونوں ایک ہو جائیں اور شرک فی البیۃ کی ایک جدید قسم پیدا ہو جائے، صحابہ کرام ؓ نے خلافت الہی کو قائم کیا تو سب سے پہلے نبوت و خلافت میں تفریق و امتیاز قائم کر کے دنیا کو ایک عام غلط فہمی سے محفوظ رکھا، اگر کوئی شخص رسول اللہ ﷺ کو مورد سب و شتم بنائے تو اس کی سزا موت ہے اور خود آپ کے عہد مبارک میں اس کی نظیر قائم ہو چکی ہے۔ خلیفہ کے ادب و احترام کا قائم رکھنا بھی اگرچہ امت کا فرض ہے، تاہم اس کو اس معاملہ میں وہ درجہ نہیں حاصل ہو سکتا، جو رسول اللہ ﷺ کو حاصل تھا، حضرت ابو بکر ؓ پہلے شخص ہیں جنہوں نے اس نکتہ کو سمجھا اور نبوت و خلافت میں فرق و امتیاز قائم کیا، ایک بار وہ کسی شخص کو سخت براہم ہوئے، سامنے ایک دوسرے صحابی بیٹھے ہوئے تھے۔ انہوں نے تیور دیکھ کر کہا ”ارشاد ہو تو اسکی گردن اڑا دوں۔“ غصہ فرد ہوا تو ان کو بلا کر پوچھا کہ اگر میں حکم دیتا تو تم واقعی اس کو قتل کر ڈالتے۔“ بولے ”ہاں۔“ فرمایا ”خدا کی قسم محمد ﷺ کے بعد کسی کو یہ حق حاصل نہیں ہے۔“^۱

ایک بار کسی نے انکو خلیفہ اللہ کہا بولے ”میں خلیفہ اللہ نہیں خلیفہ الرسول ﷺ ہوں۔“^۲

خانہ جنگی سے اجتناب

اخیر زمانے میں اگرچہ مسلمانوں کی تلواریں خود مسلمانوں کے خون سے سیراب ہونے لگیں، لیکن متعدد تربیت یافتگان عہد نبوت نے اپنے دامن کو اس کی چھینٹوں سے محفوظ رکھا سب سے پہلے حضرت عثمان ؓ کے زمانہ میں خانہ جنگی کی آگ بھڑکی، لیکن جب بعض لوگوں نے ان کو معرکہ آراء ہونے کا مشورہ دیا، تو انہوں نے صاف کہہ دیا کہ ”مجھ سے یہ نہ ہوگا کہ رسول اللہ ﷺ کا خلیفہ بنوں اور خود آپ ہی کی امت کا خون بہاؤں۔“^۳

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے زمانہ میں یہ شعلے بلند ہوئے تو حضرت اخف بن قیس ؓ ان کی حمایت کیلئے اٹھے اتفاق سے حضرت ابو بکر ؓ سے ملاقات ہو گئی، انہوں نے ان کو روکا

۱: ابوداؤد کتاب الحد و باب الحکم فیمن سب النبیؐ

۲: استیعاب تذکرہ حضرت ابو بکرؓ

۳: مسند ابن خضیل جلد ۱ صفحہ ۶۷ مسند عثمان۔

اور کہا کہ ”رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ”اگر دو مسلمان باہم جنگ کریں تو دونوں جہنمی ہیں“۔^۱
جنگ صفین میں حامیان علی رضی اللہ عنہ نے جب حضرت سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ پر الزام لگایا کہ وہ جنگ کرنے میں لیت و لعل کرتے ہیں تو بولتے ہم نے جب کسی مہم کیلئے کندھے پر تلواریں رکھی تو خدا نے اس مشکل کو آسان کر دیا، البتہ یہ جنگ ایسی ہے کہ ہم مشک کا ایک منہ بند کرتے ہیں تو دوسرا کھل جاتا ہے (یعنی ایک کے طرفدار ہو کر لڑتے ہیں تو فریق مخالف بھی مسلمان ہی ہوتا ہے۔ جس سے جنگ کرنا جائز ہے) کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ اس میں کیونکر شریک ہوں۔^۲
حجاج و حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں خانہ جنگی ہوئی تو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے پاس دو شخص آئے اور کہا کہ لوگ تباہ ہو گئے، آپ عمر رضی اللہ عنہ کے بیٹے اور رسول اللہ ﷺ کے صحابی ہیں، آپ کیوں نہیں اٹھتے۔ بولے ”اس لئے کہ خدا نے میرے بھائی کا خون حرام کر دیا ہے۔“ دونوں نے کہا کہ خدا تو خود کہتا ہے

فقاتلوهم حتى لا تكون فتنة

جہاد کرو تا کہ فتنہ و فساد نہ ہونے پائے۔

بولے اتنا تو ہم لڑ چکے کہ فتنہ دب گیا اور دین خدا کا ہو گیا اور اب تم لوگ اس لئے لڑنا چاہتے ہو کہ اور بھی فتنہ و فساد ہو اور دین خدا کے سوا دوسرے کا ہو جائے۔^۳

متعدد صحابہ رضی اللہ عنہم ایسے تھے جو نہ صرف خود الگ رہتے تھے بلکہ دوسروں کو بھی اس خانہ جنگی سے الگ رکھنا چاہتے تھے۔ چنانچہ حجاج اور حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہ میں جنگ ہوئی تو حضرت جندب بن عبداللہ بنجلی رضی اللہ عنہ نے مسعس بن سلامہ کے پاس قاصد بھیجا کہ تم لوگوں کو جمع کرو میں ان کے سامنے ایک حدیث بیان کروں گا۔ لوگ جمع ہوئے تو فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک سریہ بھیجا، مقابلہ ہوا تو حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ نے ایک کافر پر تلواریں مار دیں، اس نے فوراً کلمہ پڑھ لیا، لیکن انہوں نے اس کا کام تمام کر دیا، آپ کو معلوم ہوا تو وہ ہزار عذر کرتے رہے، لیکن آپ یہی کہتے رہے کہ قیامت کے دن اس کے لالہ الا اللہ کا کیا جواب دو گے۔^۴

عمر و بن سعید یزید کی جانب سے مدینہ کا گورنر تھا، حجاج اور عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے درمیان جنگ ہوئی تو اس نے مکہ کو فوج بھیجنا چاہی، لیکن حضرت ابو شریح انصاری رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ”اگر اجازت ہو تو وہ حدیث بیان کروں جس کا آپ نے فتح مکہ کے دن اعلان کیا تھا، آپ

۱: بخاری کتاب الایمان باب العاصی من امر الجاہلیۃ۔

۲: بخاری کتاب المغازی باب غزوۃ الجندب۔

۳: بخاری کتاب التفسیر باب قولہ قاتلوہم حتی لا یكون فتنہ۔

۴: مسلم کتاب الایمان باب الدلیل علی ان من بات لا یشرک باللہ ھیکل الجنتہ وان مات مشرکاً غل النار۔

نے فرمایا تھا کہ مکہ کو خدا نے حرم بنایا ہے نہ کہ آدمیوں نے، اس لئے کسی مسلمان کیلئے یہ جائز نہیں کہ اس میں خون بہائے۔ اگر عمرو بن سعید نے اس حدیث پر عمل کیا ہوتا تو اس آگ کے ایندھن میں کم از کم بہت کچھ کی آجاتی۔ لیکن اس نے کہا ”مجھے تم سے زیادہ اس کا علم ہے، مکہ نافرمانوں اور خونوں کو اپنی دامن میں پناہ نہیں دے سکتا۔“

جب ابن زیاد اور مروان نے شام میں اور حضرت ابن زبیر ؓ نے مکہ میں اور قراء نے بصرہ میں یہ طوفان اٹھلایا تو بعض لوگ حضرت ابو بکرؓ کے پاس آئے اور اس پر افسوس ظاہر کیا، بولے مجھے قریش پر سخت غصہ آتا ہے، اے گروہ عرب تم جس ذلت، جس گمراہی اور جس افلاس میں مبتلا تھے وہ تم کو معلوم ہے، پھر خدا نے تم کو اسلام اور محمد ﷺ کے ذریعہ سے نجات دلائی یہاں تک کہ اس درجہ کو پہنچے اب دنیا نے پھر تم کو برباد کر دیا یہ جو کچھ شام میں ہو رہا ہے خدا کی قسم وہ صرف دنیا کیلئے ہے۔

اگر رعایا میں کسی قسم کی بے چینی اور اضطراب کے آثار نمایاں ہوتے تو قبل اس کے کہ یہ چنگاریاں بھڑکیں صحابہ کرام ؓ، پند و نصیحت کے چھینٹوں سے ان کو بچانے کی کوشش کرتے، حضرت مغیرہ بن شعبہ ؓ، حضرت امیر معاویہ ؓ کی جانب سے کوفہ کے گورنر تھے، ان کا انتقال ہوا تو رعایا میں بے چینی کے آثار نمودار ہوئے، حضرت جریر بن عبد اللہ ؓ نے اسی وقت ایک خطبہ دیا، جس کے الفاظ یہ ہیں۔

علیکم باتقاء للہ وحدہ لا شریک لہ والوقارو السکینۃ حتی یاتیکم امیر فانما یاتیکم الان استعفوا لامیر فانہ کان لیحب لعفو۔

تمہارے لئے اس حالت میں تقویٰ، وقار اور سکون لازم ہے، یہاں تک کہ دوسرا امیر آئے اور وہ آنیوالا ہے۔ اپنے امیر کو معاف کرو، کیونکہ وہ معافی کو دوست رکھتا ہے۔

متعدد صحابہ ؓ نے اس کشمکش سے الگ ہو کر عزت گزینی اختیار کر لی تھی، حضرت ابن الخطلیہ ؓ دنیا سے قطع تعلق کر کے دمشق میں گوشہ نشین ہو گئے تھے اور شب و روز نماز اور تسبیح و تہلیل میں مصروف رہتے تھے۔

حضرت عثمان ؓ کی شہادت کے بعد حضرت سلمہ بن اکوع ؓ ربذہ میں چلے گئے اور عمر بھر وہیں مقیم رہے، صرف وفات سے دو چار روز پیشتر مدینہ میں آ گئے تھے وہاں انہوں نے

۱: بخاری کتاب العلم البیبلغ العلم الشاہد الغائب۔

۲: بخاری کتاب القرن۔

۳: بخاری کتاب الایمان باب قول النبیؐ الصبیح

۴: ابو داؤد کتاب اللباس باب ما جاء فی اسہال الازار

شاوی بھی کر لی تھی اور اولاد بھی ہوئی تھی، ایک بار حجاج نے ان سے کہا کہ ”اس گوشہ گیری نے تم کو دائرہ اسلام سے خارج کر دیا۔“ بولے نہیں مجھ کو رسول اللہ ﷺ نے اسکی اجازت دی تھی۔^۱

حضرت سعد بن وقاص رضی اللہ عنہ نے اگرچہ عمر بھر فوجی زندگی بسر کی تھی، تاہم حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد جب خانہ جنگی ہوئی تو اس میں بالکل حصہ نہیں لیا اور خانہ نشین ہو گئے، ان کے لڑکے اور بھائی نے ترغیب دی کہ خود دعوی خلافت کریں، حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے امانت کی خواہش کی لیکن وہ اپنے گوشہ عزلت سے نہیں نکلے۔^۲

حضرت سعید بن عاص رضی اللہ عنہ نے بھی فتنہ کے خوف سے بالکل عزلت گزینی اختیار کر لی اور جنگ معین و جمل کسی میں شریک نہیں ہوئے۔^۳

چنانچہ حضرت یزید رضی اللہ عنہ اس زمانہ میں مصر کے ایک وادی میں گوشہ نشین ہو گئے اور وہیں وفات پائی، چنانچہ ان کے انتقال سے ان کا نام ولوی بیب پڑ گیا۔^۴

یزید بن معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت ابواشعث صنعانی رضی اللہ عنہ کو حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے مقابلہ کیلئے بھیجا تو وہ مدینہ میں ایک صحابی کے یہاں اترے اور ان سے کہا کہ اس فتنہ سے متعلق آپ کی کیا رائے ہے۔ بولے میرے دوست ابوالقاسم رضی اللہ عنہ نے مجھے وصیت کی ہے کہ اگر اس قسم کے واقعات پیش آئیں تو واحد پر جا کر اپنی تلوار توڑ ڈالو اور خانہ نشین ہو جاؤ، اگر کوئی جنگجو تمہارے گھر میں گھس آئے تو بستر پر چلے جاؤ، اگر بستر کی طرف بھی بڑھے تو گھٹنوں کے بل بیٹھ جاؤ اور کہو کہ اپنے اور میرے دونوں کے گناہوں کا وبال اپنے سر پر لو اور دوزخ میں چلے جاؤ اس لئے میں نے تلوار توڑ ڈالی ہے اور خانہ نشین ہو گیا ہوں۔^۵

اطاعت خلفاء

معصیت الہی کے سوا ہر موقع پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی گردنیں خلفاء کے سامنے جھک جاتی تھیں، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کیلئے روایت حدیث سے زیادہ محبوب اور واجب العمل کوئی کام نہ تھا، تاہم جب حضرت عمار رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے ایک حدیث بیان کی اور انہوں نے اس پر ٹوک دیا، تو کمال اطاعت گزاری کے لہجے میں بولے کہ ”اے امیر المومنین اگر آپ فرمائیں تو میں کبھی اس حدیث کی روایت نہ کروں۔“^۱

۱ بخاری کتاب القنن باب العرب فی القنن۔

۲ اسد الغابہ تذکرہ حضرت سعد بن وقاصؓ۔

۳ اسد الغابہ تذکرہ حضرت سعید بن عاصؓ۔

۴ حسن الحاضرہ جلد اول صفحہ ۱۰۰۔

۵ مسند ابن حبیل جلد ۴ صفحہ ۲۲۶۔ ۶ ابوداؤد کتاب الطہارۃ باب التیمم

ایک بار حضرت ابو بکر ؓ ایک شخص پر سخت برہم ہوئے، سامنے ایک صحابی بیٹھے ہوئے تھے، بولے ارشاد ہو تو اس کی گردن اڑا دوں، غصہ فرد ہوا تو پوچھا کہ اگر میں حکم دیتا تو تم واقعی اس کو قتل کر ڈالتے؟ بولے ہاں۔

ایک بار حضرت ابو موسیٰ اشعری ؓ نے حج کے متعلق لوگوں کو فتویٰ دیا، لیکن ایک آدمی نے کہا ابھی آپ ٹھہر جائیے، کیونکہ امیر المومنین (حضرت عمر ؓ) نے دوسرا تغیر کیا ہے، انہوں نے فوراً لوگوں سے کہا کہ میں نے جو فتویٰ دیا ہے اس پر عمل نہ کرو، امیر المومنین آرہے ہیں، ان کی اقتداء کرو۔^۱

حضرت ابوذر ؓ اور امیر معاویہ ؓ میں ایک آیت کے متعلق اختلاف ہوا اور یہ اختلاف اس قدر بڑھا کہ امیر معاویہ ؓ نے حضرت عثمان ؓ کی خدمت میں ان کی شکایت کی، انہوں نے ان کو بلوا بھیجا اور کہا کہ اگر آپ دمشق سے منتقل ہو کر ربذہ میں آجاتے تو ہم سے قریب تر ہو جاتے، انہوں نے بخوشی ان کی اطاعت کی اور ربذہ میں آکر مقیم ہو گئے، وہ خود فرماتے ہیں۔

ولو امروا علی حبشیا سمعت و اطعت^۲

اگر لوگ مجھ پر حبشی کو بھی امیر بناتے تو میں اس کی اطاعت کرتا۔

حضرت عمر ؓ نے ایک انصاریہ سے نکاح کیا، اس سے بچہ پیدا ہوا اس کے بعد طلاق دے دی، ایک دن قبا میں آئے دیکھا کہ بچہ کھیل رہا ہے اٹھا کر اپنے سامنے اونٹ پر بٹھالیا۔ لڑکے کی نانی آئی اور بچے کو چھینا چاہا، معاملہ حضرت ابو بکر صدیق ؓ کی خدمت میں پیش ہوا تو حضرت ابو بکر ؓ نے فرمایا بچے کو عورت کے حوالے کر دو، حضرت عمر ؓ چپ چاپ چلے گئے اور کچھ جواب نہ دیا۔

بنو امیہ نے اسلام کے نظام سلطنت کو بہت کچھ بدل دیا تھا، تاہم حضرت عبداللہ بن عمر ؓ نے عبدالملک بن مروان کو ایک خط میں لکھا کہ جہاں تک ممکن ہو گا میں تمہاری اطاعت سے دریغ نہ کروں گا۔^۳

یہ اطاعت صرف خلفاء کی زندگی ہی تک محدود نہ تھی بلکہ ان کی وفات کے بعد بھی اس کا اثر ہوتا تھا۔

۱: ابو داؤد کتاب الحد و باب الحکم فیمن سب النبی۔

۲: نسائی کتاب الحج باب ترک التسمیۃ عند الابلال۔

۳: بخاری کتاب الزکوۃ باب ماوی زکوۃ۔

۴: مؤطا امام مالک کتاب الاقصیہ باب ما جاء فی المومث من الرجال و من الحق بالولد۔

۵: مؤطا امام مالک کتاب الجامع باب ما جاء فی البیعة۔

ایک جذامی عورت (غالباً صحابیہ ہوگی) خانہ کعبہ کا طواف کر رہی تھی، حضرت عمر بن الخطاب ؓ کا گذر ہوا تو فرمایا لوگوں کو نوبت نہ دو، گھر میں جا کے بیٹھو، وہ جا کر خانہ نشین ہو گئی، حضرت عمر ؓ کا انتقال ہوا تو ایک شخص نے جا کر کہا، تمہارے روکنے والا تو مر گیا، اب گھر سے باہر نکلو، بولی میں ایسی نہیں ہوں کہ زندگی میں ان کی اطاعت اور مرنے کے بعد نافرمانی کروں۔^۱

جب تمام اہل مدینہ نے یزید بن معاویہ کی بیعت کو فسخ کر دیا تو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے اپنے اہل و عیال اور نوکر چاکر سب کو جمع کیا اور کہا میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ غدر کرنے والوں کیلئے قیامت کے دن جہنم قائم کیا جائے گا، ہم نے اس شخص کے ہاتھ پر اللہ اور رسول ﷺ کیلئے بیعت کی ہے اور میرے خیال میں اس سے بڑھ کر غدر نہیں ہو سکتا کہ ایک شخص کے ہاتھ پر اللہ اور رسول کیلئے بیعت کی جائے اور پھر اس سے جنگ کی جائے جس شخص نے اس کی بیعت کو فسخ کیا ہے، میرے اور اس کے درمیان کوئی تعلق نہیں۔^۲

لا طاعتہ فی معصیۃ اللہ

رسول اللہ ﷺ کی زندگی کا مقصد چونکہ خلافت الہی کو دنیا کیلئے منع خیر و برکات بنانا تھا، اسلئے آپ نے اطاعت امر کی ایک خاص حد مقرر فرمادی تھی اور معاصی منکرات کو اطاعت کے دائرہ سے الگ رکھا تھا، اور ایک موقع پر صاف صاف فرمادیا تھا کہ اطاعت کا تعلق صرف نیک کاموں سے ہے۔^۳

صحابہ کرام ؓ نے اطاعت خلفاء کے متعلق ہمیشہ اسی اصول پر عمل کیا یہی وجہ ہے کہ ان کے عہد میں خلفاء جلاہ اعتدال سے سر مو تجاوز نہ کر سکے، ایک بار حضرت عمر ؓ نے منبر پر چڑھ کے کہا، ”صاحبو! اگر میں دنیا کی طرف جھک جاؤں تو تم لوگ کیا کرو گے؟ ایک شخص وہیں کھڑا ہو گیا اور تلوار میان سے کھینچ کر بولا، تمہارا سر اڑا دیں گے۔ حضرت عمر ؓ نے اس کے آزمانے کو ڈانٹ کر کہا تو میری شان میں یہ لفظ کہتا ہے اس نے کہا ہاں تمہاری شان میں، بولے، الحمد للہ قوم میں ایسے لوگ موجود ہیں کہ میں کج ہوں گا تو مجھے سیدھا کر دیں گے۔“

خلفائے راشدین ؓ کے بعد جب خلافت نے سلطنت کا قالب اختیار کر لیا، تو اس وقت بھی صحابہ کرام ؓ میں اس اصول کو محفوظ رکھا اور امراء کے ناجائز احکام کے سامنے اپنی گردن خم نہ کی۔

ایک بار مدینہ کی ایک مروانی گورنر نے حضرت سہل بن سعد ؓ کی زبان سے حضرت

۱: موطا امام مالک کتاب الحج باب جامع الحج۔

۲: بخاری کتاب التعمین باب اذا قال عند قوم شیعنا ثم عرج فقال بعلافہ۔

۳: بخاری کتاب المغازی۔

علیؑ کو برا بھلا کہلوانا چاہا، لیکن انہوں نے صاف انکار کر دیا۔^۱

ایک بار حضرت عبادہ بن الصامتؓ نے حضرت امیر معاویہؓ کی اعلانیہ مخالفت شروع کی انہوں نے حضرت عثمانؓ کو لکھ بھیجا کہ عبادہ نے شام میں سخت فتنہ و فساد پھیلا رکھا ہے آپ ان کو بلا لیجئے، ورنہ میں ان کو جلا وطن کر دوں گا، انہوں نے ان کو مدینہ میں بلا لیا اور پوچھا کہ کیا معاملہ ہے، بولے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ میرے بعد کچھ امراء ہوں گے، جو بدی کو نیکی اور نیکی کو بدی بنائیں گے، اس لئے جو لوگ خدا اور خدا کے رسول ﷺ کی نافرمانی کرتے ہیں ان کی اطاعت نہیں کرنی چاہئے۔^۲

ایک بار حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص مسجد میں حدیث بیان کر رہے تھے، حضرت عبدالرحمنؓ ابن عبد رب الکعبہ آئے اور حلقہ میں شامل ہو گئے، جب وہ روایت کر چکے تو بولے کہ آپ کا بھتیجا معاویہ ہم کو حکم دیتا ہے کہ باہم ناجائز طور پر اپنا مال کھائیں اور اپنے بھائیوں کو قتل کریں، حالانکہ خداوند تعالیٰ فرماتا ہے۔

يا ايها الذين امنوا لا تاكلوا اموالكم بينكم بالباطل الا ان تكون تحاره عن تراض منكم ولا تقتلوا انفسكم ان الله كان بكم رحيمًا۔

مسلمانو! اپنے مال باہم ناجائز طور پر نہ کھاؤ، بجز اس صورت کے جب تم میں باہم رضامندی کے ساتھ تجارتی تعلقات قائم ہوں اور اپنے آپ کو قتل نہ کرو خدا تم پر مہربان ہے۔
بولے خدا کی اطاعت میں ان کی اطاعت اور خدا کی نافرمانی میں ان کی نافرمانی کرو۔^۳

حضرت معاویہ نے یزید کے ہاتھ پر بیعت لینا چاہی، تو حضرت عبدالرحمن بن ابی بکرؓ نے سخت مخالفت کی اور کہا کیا ہر قتل کی سنت جاری کی جائے گی، کہ جب ایک قیصر مرے گا تو دوسرا قیصر اس کا جانشین ہوگا، خدا کی قسم ہم ایسا نہیں کریں گے، امیر معاویہؓ نے ان کو دولت و مال دے کر ہموار کرنا چاہا اور اس غرض کے ان کی خدمت میں لاکھ روپے بھیجے لیکن انہوں نے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ میں دین کو دنیا کے بدلے میں نہیں بیچ سکتا۔^۴

سلاطین و امراء کی عملی مخالفت

صحابہ کرامؓ کے دل میں خدا اور رسول ﷺ کے سوا کسی کا خوف نہ تھا اسلئے وہ امراء و سلاطین کی دلیرانہ مخالفت کرتے تھے اور جو چیز اصول اسلام اور سنت نبوی کے خلاف ہوتی تھی،

۱: مسلم کتاب الفجائل باب من فضائل علی ابن ابی طالب۔

۲: منہاج احمد بن حنبل جلد ۵ صفحہ ۳۲۵۔

۳: مسلم کتاب الامارۃ باب الامر بالماصیحۃ الخلفاء الاول والاخر۔

۴: اصابہ تذکرہ عبدالرحمن بن عبداللہ۔

اس سے ان کو روکتے رہتے تھے، حضرت عثمان ؓ نے مسجد نبوی ﷺ کا قدیم نقشہ بدلنا چاہا تو تمام صحابہ ؓ نے عام مخالفت کی، یہاں تک کہ ان کو ایک عام مجمع میں تمام صحابہ ؓ کو ہموار کرنا پڑا۔

اخیر زمانہ میں جب خلافت نے حکومت کی شکل اختیار کر لی اس وقت بھی صحابہ کرام ؓ نے اس جوہر کو محفوظ رکھا۔

ایک بار حضرت عبداللہ بن عباس ؓ نے عرفات میں کہا کہ لوگ تلبیہ کیوں نہیں کہتے؟ حضرت سعید بن جبیر ؓ ساتھ تھے بولے کہ معاویہ کا خوف مانع ہے، یہ سننے کے ساتھ ہی خیمے سے نکلے اور تین بار لبیک کہا اور فرمایا کہ علی ؓ کے بغض سے انہوں نے سنت کو چھوڑ دیا ہے۔

مروان مدینہ کا گورنر تھا، ایک بار حضرت ابو سعید خدری ؓ نماز پڑھ رہے تھے، مروان کا لڑکا سامنے سے گذر اور انہوں نے پہلے اس کو ہٹایا، وہ نہ ہٹا تو مارا، وہ رو تا ہوا مروان کے پاس آیا مروان نے ان سے کہا اپنے بھتیجے کو کیوں مارا ہے؟ بولے میں نے اس کو نہیں بلکہ شیطان کو مارا، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اگر کوئی شخص حالت نماز میں کسی کے سامنے سے گذر جائے تو پہلے اس کو ہٹائے اگر نہ ہٹے تو اس سے مقاتلہ کرے، کیونکہ وہ شیطان ہے۔

ایک دن جمعہ کے روز مروان خطبہ دے رہا تھا، حضرت ابو سعید خدری ؓ آئے اور کھڑے ہو کر نماز پڑھنے لگے، پولیس نے بٹھانا چاہا، لیکن وہ نہ بیٹھے لوگوں نے کہا خدا نے رحم کیا ورنہ وہ آپ کے ساتھ سختی سے پیش آنے والے تھے، انہوں نے کہا جب میں رسول اللہ ﷺ کے سامنے ایسا کرتے ہوئے دیکھ چکا ہوں تو ان دور کعتوں کو نہیں چھوڑ سکتا، آپ خطبہ دے رہے تھے کہ ایک آدمی آیا آپ نے اسی حالت میں دو رکعت پڑھنے کا حکم دیا۔

تشیع و اختلاف سے اجتناب

صحابہ کرام ؓ اگرچہ آزادی کی بنا پر خلفاء سے مناظرہ کرتے تھے مباحثہ کرتے تھے، رد و قدح کرتے تھے، اختلاف کرتے تھے، لیکن اختلاف کو قائم نہیں رکھتے تھے، ایک بار حضرت عثمان ؓ نے منیٰ میں چار رکعت نماز پڑھی، حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ نے اختلاف

۱۔ مسلم کتاب الصلوٰۃ باب فضل بناء المسجد۔

۲۔ نسائی کتاب الحج باب التلبیہ بعرفۃ۔

۳۔ نسائی کتاب الدیات والقصاص باب من اقص حقہ دون السلطان و بخاری کتاب الصلوٰۃ، بخاری میں ہے شاب من غی الی معیط۔

۴۔ ترمذی ابواب الجمعہ باب فی الرکعتین اذا جاء الرجل والامام یخطب۔

کیا اور کہا میں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ یہاں دو رکعت نماز پڑھی، حضرت ابو بکر ؓ کے ساتھ دو رکعت نماز پڑھی، حضرت عمر ؓ کے ساتھ دو رکعت نماز پڑھی، اس کے بعد تم نے اور راستے اختیار کر لئے ہیں تو چار رکعت پر دو ہی رکعت کو ترجیح دیتا ہوں، لیکن اس کے بعد خود چار رکعت لو اکی، لوگوں نے کہا یہ کیا؟ ابھی تو آپ نے حضرت عثمان ؓ پر دو قح کی اور پھر چار رکعت نماز پڑھتے ہیں، بولے اختلاف بری چیز ہے۔^۱

حضرت عبداللہ بن عمر ؓ اگرچہ بے حد متبع سنت تھے اور اس وجہ سے جب منیٰ میں تنہا نماز پڑھتے تھے، تو قصر کرتے تھے، لیکن جب لام کے ساتھ نماز کا اتفاق ہوتا تو اختلاف کے خوف سے چار ہی رکعت لو افرماتے تھے۔^۲

صحابہ کرام ؓ اختلاف و تشتت سے اس قدر ڈرتے تھے کہ جن احادیث سے مسلمانوں میں اختلاف پیدا ہو سکتا تھا۔ اس کی روایت سے بھی احترام فرماتے تھے، رسول ﷺ نے جن صحابہ ؓ کی نسبت ناراضی کے کلمات فرمائے تھے ان کو حضرت حذیفہ ؓ مدائن میں بعض لوگوں سے بیان کرتے تھے تو وہ لوگ حضرت سلمان ؓ کے پاس آکر ان کی تصدیق کرنا چاہتے تھے، لیکن وہ یہ کہہ کر ٹال دیتے تھے کہ حذیفہ ہی کو ان کا علم ہے، حضرت حذیفہ ؓ کو معلوم ہوا تو وہ ان کے پاس آئے اور کہا کہ آپ میری روایتوں کی تصدیق کیوں نہیں کرتے؟ بولے کہ رسول اللہ ﷺ کبھی کبھی خفا ہو جاتے تھے اور ناراضی کی حالت میں اپنے اصحاب کو کچھ کہہ دیا کرتے تھے، تو آپ ان کے ذریعہ سے دلوں میں بعض اصحاب کا بغض اور بعض اصحاب کی محبت پیدا کرتے ہیں اور اختلاف و تفریق کا سبب بنتے ہیں، اگر ان کی روایت سے باز نہ آئیں گے تو میں حضرت عمر ؓ کو لکھوں گا۔^۳

حقوق طلبی

جس طرح سلطنت کا فرض حقوق کا دینا ہے، اسی طرح رعایا کا فرض حقوق کا لینا ہے، جب کسی نظام حکومت میں یہ دونوں عنصر شامل ہو جاتے ہیں تو میزان عدل کے پلے برابر ہو جاتے ہیں، صحابہ کرام ؓ کے عہد میں خلافت جن عادلانہ اصول پر قائم رہی، اس کا سبب انہی دونوں عناصر کا اجتماع تھا، صحابہ کرام ؓ اگرچہ نہایت بے نیاز تھے تاہم سلطنت سے اپنے پورے حقوق کے لینے میں دریغ نہیں کرتے تھے، ایک دفعہ حضرت عمر ؓ نے مال خمس میں سے اہل بیت کا حق دیا لیکن ان کو کی معلوم ہوئی تو سب نے لینے سے انکار کر دیا۔^۴

۱: ابوداؤد کتاب المناسک باب الصلوۃ بحی۔ ۲: مسلم کتاب الصلوۃ باب قصر الصلوۃ منیٰ۔

۳: ابوداؤد کتاب النہی باب فی النہی عن سب اصحاب رسول اللہ۔

۴: ابوداؤد کتاب الخراج والامارۃ باب فی بیان مواضع قسم الخمس و سهم ذی القربی۔

صحابہ کرام ؓ نہ صرف اپنے حقوق لیتے تھے بلکہ جو گروہ ضعیف ہوتا تھا اس کے حقوق بھی طلب کرتے تھے، عہد نبوت میں آڑو شدہ غلاموں کا ایک لا اور اسٹ اور بیکس گروہ تھا، اس لئے جب کہیں سے مال آتا تو آپ سب سے پہلے اسی کس پیرس گروہ کو حصہ دیتے تھے، آپ کے بعد جب دفتر قائم ہوا اور تمام وظیفہ خواروں کے نام لکھ گئے تو یہ گروہ بالکل نظر انداز کر دیا گیا، حضرت عبداللہ بن عمر ؓ نے ان کے حقوق کا مطالبہ کیا، اور خود حضرت امیر معاویہ ؓ کے دربار میں جا کر ان کے وظیفے طلب کئے۔

امراء و عمال

رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں صرف دو قسم کے عمال کا تقرر ہوا، حکام دولہ اور مصلین زکوٰۃ، جو صحابہ رضی اللہ عنہم محصل زکوٰۃ بنا کر روانہ کئے جاتے تھے ان کو۔

- (۱) ایک فرمان عطا ہوتا تھا، جس میں یہ تصریح بتایا جاتا تھا کہ کس قسم کے مال کی کتنی تعداد میں کتنی زکوٰۃ لینی چاہئے، انتخاب کر کے یا حق سے زیادہ مال لینے کی اجازت نہ تھی۔
- (۲) یہ لوگ جب زکوٰۃ وصول کر کے لاتے تھے تو آپ ان کا محاسبہ فرماتے تھے، کہ کہیں کوئی ناجائز رقم تو نہیں وصول کی ہے۔

(۳) تمام عمال کو بقدر ضرورت معاوضہ ملتا تھا اور مقدار ضرورت کی تصدیق آپ نے خود فرمادی تھی۔

من كان لنا عاملا فليكتسب زوجه فان لم يكن لم يخدم فليكتسب خادما وان لم يكن له مسكن فليكتسب مسكنا ومن اتعذ غير ذلك فهم غال۔
جو شخص ہمارا عامل ہو اس کو ایک بی بی کر لینا چاہئے اگر اس کے پاس ملازم نہ ہو تو ایک ملازم رکھ لینا چاہئے اگر گھر نہ ہو تو ایک گھر بنالینا چاہئے، لیکن اگر کوئی اس سے زیادہ لے گا تو وہ خائن ہوگا۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے جس صداقت، راستہ داری، دیانت اور ایثار نفسی کے ساتھ ان احکام کی پابندی کی وہ ان کے محاسن اخلاق کا طغرائے امتیاز ہے، مصلین زکوٰۃ کو لوگ بہترین منتخب بلکہ بعض حالتوں میں اپنا کل مال دے دیتے تھے، لیکن وہ لوگ صرف دینی مال لیتے تھے، اور اسی قدر لیتے تھے جس کی رسول اللہ ﷺ نے اجازت دی تھی، چنانچہ زکوٰۃ کے عنوان میں اس کی متعدد مثالیں پہلے حصے میں گزر چکی ہیں۔

خیانت کا ارتکاب تو ایک طرف بعض صحابہ رضی اللہ عنہم خیانت کے خوف سے اس خدمت ہی کو قبول کرنا پسند نہیں کرتے تھے، چنانچہ ایک بار رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ کو مصدق بنا کر بھیجنا چاہا تو فرمایا کہ ایسا نہ کرنا کہ قیامت میں تمہاری پشت پر کوئی صدقہ کا لوٹ بلبلا تا ہوا نظر آئے (یعنی خیانت نہ کرنا) بولے کہ اب میں نہیں جاتا، ارشاد ہوا کہ میں تمہیں مجبور بھی نہیں کرتا۔^۱

۱: ابوداؤد کتاب الخراج باب فی ارضان عامل۔

۲: ابوداؤد کتاب الخراج باب فی غلول الصدقہ۔

ایک بار آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔

يا ايها الناس من عمل منكم لنا على عمل فكتمنا منه مخيطا فما فوقه فهو غل ياتي به يوم القيامة۔

لوگو! جو شخص ہمارا عامل ہو وہ اگر ایک دھماکہ یا اس سے بھی کم ہم سے چھپالے تو یہ خیانت کا مال ہے۔ اس کو قیامت میں حاضر کرنا پڑے گا۔

ایک صحابی جو عامل تھے، یہ سن کر بول اٹھے یا رسول اللہ ﷺ مجھ کو اس خدمت سے سبکدوش فرمائے۔^۱ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو رشوت خوری سے اس قدر اجتناب تھا کہ جب حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ حسب معاہدہ یہود خیبر کے یہاں نصف پیداوار تقسیم کرنے کیلئے گئے اور یہودیوں نے رعایت کی غرض سے عورتوں کے زیور جمع کر کے ان کے رشوت میں دینا چاہا تو بولے یہ حرام ہے اور ہم حرام مال نہیں کھا سکتے۔^۲

معاوضہ خدمت اگرچہ خود رسول اللہ ﷺ نے مقرر فرمادیا تھا، اور بہت سے صحابہ رضی اللہ عنہم اسکو لیتے بھی تھے تاہم بعض اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم اپنی خدمت کا صلہ صرف خدا سے چاہتے تھے، چنانچہ ایک بار حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ خدمت انجام دی اور معاوضہ لینے سے انکار کر دیا، لیکن خود رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اگر بغیر سوال کئے کچھ مل جائے تو اسکو لے لو، کھاؤ پیو، صدقہ کر دو۔^۳ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں فتوحات کو وسعت ہوئی اور سلطنت کے کاروبار پھیلے تو انہوں نے صیغہ مال کو صیغہ فوج سے علیحدہ کر لیا اور ہر ایک کیلئے الگ الگ عمل مقرر فرمائے جو امیر الخراج اور امیر المغور کے لقب سے ممتاز تھے۔^۴ ان میں ہر ایک کیلئے ایک ضلع مخصوص کر دیا۔ چنانچہ ابو عبیدہ بن عبداللہ بن جراح رضی اللہ عنہ کو حمص میں، یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کو دمشق میں، شرجیل بن حسنہ کو اردن میں، عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ اور علقمہ بن حجرز کو فلسطین میں متعین کیا۔^۵ (۱) رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں جو لوگ عامل مقرر ہوئے تھے ان کو اپنے عہدہ پر قائم رکھا، چنانچہ آپ کی وفات کے بعد جب متعدد صحابہ رضی اللہ عنہم اپنے اپنے عہدے چھوڑ کر چلے آئے تو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا تم لوگ کیوں چلے آئے، عمال رسول اللہ ﷺ سے زیادہ ملکی خدمت کا کون مستحق ہو سکتا ہے۔^۶

(۲) وہ عمال کے تقرر میں کسی قسم کی رورعایت پسند نہیں کرتے تھے، یہی وجہ ہے کہ اس معاملہ

۱: ابوداؤد کتاب الاقصیۃ باب فیہ الایامال۔

۲: مؤطا امام مالک کتاب المساقات باب ما جاء فی المساقا۔

۳: ابوداؤد کتاب الزکوۃ باب فی الاستغفار۔

۴: طبری صفحہ ۲۰۵۲۔ ۵: طبری صفحہ ۲۰۹۰۔

۶: استیعاب تذکرہ خالد بن سعید بن عاص۔

میں رشتہ داری کا لحاظ و مروت نہیں کرتے تھے، چنانچہ حضرت یزید بن ابوسفیان ؓ کو شام کا عامل مقرر کر کے بھیجا تو فرمایا کہ وہاں تمہاری قرابتیں ہیں، شاید امداد کیلئے تم ان کو ترجیح دو، تمہاری نسبت مجھے یہی خوف ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ جو شخص مسلمانوں کا دالی ہو اور وہ رعایت سے ان پر امراء مقرر کرے تو اس پر خدا کی لعنت ہوگی۔^۱

(۲) اہل بدر کے متعلق حضرت ابو بکر ؓ اور حضرت عمر ؓ کا طرز عمل بالکل متضاد تھا، حضرت عمر ؓ ان سے ملکی اور مذہبی خدمت لیتے تھے، لیکن حضرت ابو بکر ؓ فرماتے تھے کہ میں کسی بدری صحابی کو عامل نہ بناؤں گا، اور ان کو موقع دوں گا کہ اپنے بہترین اعمال کے ساتھ خدا سے ملاتی ہوں کیونکہ اللہ تعالیٰ ان کے اور صلحاء کے ذریعہ سے امتوں کی مصیبت اور عذاب کو اس سے زیادہ دفع کرتا ہے، جتنی ان سے مدد حاصل ہو سکتی ہے۔^۲

(۳) عمال کی تمام تر کامیابی کا دار و مدار اس پر ہے کہ ان کے رعب و داب اور اثر و اقتدار کو ہر ممکن طریقے سے قائم رکھا جائے، یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ امراء و عمال سے قصاص نہیں لیتے تھے بلکہ دیت دلواتے تھے، حضرت ابو بکر ؓ کا بھی یہی دستور تھا، ایک بار حضرت خالد ؓ غلطی سے بہت سے لوگوں کو قتل کر دیا، حضرت عمر ؓ نے حضرت ابو بکر ؓ کو قصاص لینے پر آمادہ کیا، لیکن انہوں نے کہا ”جانے دو اور خاموش رہو۔“^۳

حضرت عمر ؓ کے زمانے میں عہدوں کی ترتیب و تقسیم میں اور بھی وسعت پیدا ہوئی، صوبوں کی تقسیم جو پہلے ہو چکی تھی اس کے علاوہ انہوں نے ملک کی جدید تقسیم کی اور اس تقسیم کی رو سے مکہ، مدینہ، شام، جزیرہ، بصرہ، کوفہ، مصر اور فلسطین کو الگ الگ صوبہ قرار دیا اور ان میں حسب ذیل عمال مقرر فرمائے۔

وللی	یعنی حاکم صوبہ
کاتب	یعنی میر منشی
کاتب دیوان	یعنی دفتر فون کا میر منشی
صاحب الخراج	یعنی کلکٹر
صاحب احداث	یعنی افسر پولیس
صاحب بیت المال	یعنی افسر خزانہ
قاضی	یعنی صدر الصدور اور منصف

وللی کا اسٹاف نہایت وسیع ہوتا تھا، چنانچہ حضرت عمر ؓ نے حضرت عمار بن یاسر ؓ کو کوفہ کا دالی بنا کر روانہ فرمایا تو دس ۱۰ آدمی الی کے اسٹاف میں دیئے۔^۴

۱: طبری ص ۱۹۳۱۔

۲: اسد الغابہ تذکرہ قرطہ

۳: مسند جلد ۱ صفحہ ۶۔

۴: طبری ص ۱۹۳۶۔

(۱) ان عمال کے تقرر میں حضرت عمر ؓ اکثر موقعوں پر اپنی فطری جوہر شناسی سے کام لیتے تھے، عرب میں جو لوگ کسی خاص وصف میں عام طور پر مشہور تھے، مثلاً حضرت امیر معاویہ ؓ حضرت عمرو بن العاص ؓ، حضرت مغیرہ بن شعبہ ؓ کہ اپنی سیاست دانی کی وجہ سے دہاۃ العرب کہے جاتے تھے، یا حضرت عمرو معدی کرب ؓ اور حضرت طلحہ بن خالد ؓ کہ فن حرب میں بے نظیر خیال کئے جاتے تھے، ان لوگوں کو ملکی یا فوجی عہدوں کو دینے میں بہت زیادہ نکتہ شناسی کی ضرورت نہ تھی، ان کی شہرت نے خود ان کو ان عہدوں کا مستحق بنادیا تھا، لیکن ان کے علاوہ جن لوگوں میں ان کو کوئی خاص قابلیت نظر آئی ان کو اس قابلیت کے لحاظ سے مناسب عہدے عطا فرمائے۔

حضرت عبداللہ بن ارقم ؓ ایک صحابی تھے جو رسول اللہ ﷺ کے کاتب تھے اور آپ کو ان کی دیانت پر اس قدر اعتماد تھا کہ جب وہ خط لکھ کے لاتے تھے تو آپ اس کو پڑھوا کے سنتے بھی نہیں تھے، ایک بار آپ ﷺ کی خدمت میں کہیں سے خط آیا آپ ﷺ نے فرمایا اس کا جواب کون لکھے گا؟ حضرت عبداللہ بن ارقم ؓ نے فرمایا کہ میں ”چنانچہ خود اپنی طبیعت سے جواب لکھ کر لائے اور وہ آپ ﷺ کو نہایت پسند آیا، حضرت عمر ؓ بھی موجود تھے ان کو اس پر حیرت ہوئی، اور جب خلیفہ ہوئے تو ان سے میرنشی کا کام لیا اور تدین کے لحاظ سے بیت المال کا افسر بھی مقرر فرمایا۔^۱

ایک بار حضرت عمر ؓ بیٹھے ہوئے تھے، ایک عورت آئی اور کہا کہ میرا شوہر سے زیادہ افضل کون ہو سکتا ہے، رات بھر شب بیداری کرتا ہے گرمیوں کے دن میں برابر روزے رکھتا ہے، حضرت عمر ؓ نے بھی اس کی تعریف کی اور وہ شرمناک چلی گئی۔ حسن اتفاق سے حضرت کعب بن سور ؓ بھی موجود تھے بولے یا امیر المومنین آپ نے عورت کا انصاف شوہر سے نہیں دلوایا وہ شکایت کرتی ہے کہ میرا شوہر مجھ سے رولہ و رسم نہیں رکھتا، حضرت عمر ؓ نے عورت کو واپس بلایا اور اس نے اب صاف صاف اس کا اقرار کیا، حضرت عمر ؓ نے کعب ہی سے اس کا فیصلہ کر لیا اور ان کو اسی وقت بصرہ کا قاضی مقرر کر کے بھیج دیا۔^۲

تمام عمال فاروقی میں صرف حضرت عمار بن یاسر ؓ ایک ایسے بزرگ تھے، جو فن سیاست سے بالکل نا آشنا تھے اور بالاس ہمد نہایت معزز ملکی عہدے پر ممتاز تھے، لیکن خود حضرت عمر ؓ نے جب ان کو معزول کیا تو صاف فرمایا۔

لقد علمت ما انت بصاحب عدل ولكني ناولت ونريد ان نمن على الذين

۱: اسد الغابہ تذکرہ حضرت عبداللہ بن ارقم ؓ۔

۲: اسد الغابہ تذکرہ کعب بن سور ؓ۔

استضعفو الارض ونجعلهم ائمتہ وتجعلهم الوارثین۔^۱
 میں خود جانتا تھا کہ تم ملکی خدمت کے اہل نہیں ہو لیکن میں نے اس آیت کے معنی کی
 عملی تشریح کی ہم چاہتے ہیں کہ ان لوگوں پر احسان کریں جو زمین میں کمزور تھے اور ان
 لوگوں کو امام اور وارث بنائیں۔

ذاتی قابلیت کی علاوہ خارجی اوصاف کے لحاظ سے بدوں پر ہمیشہ شہریوں کو ترجیح دیتے تھے۔^۲
 اور اپنے قبیلہ کے کسی شخص کو کوئی ملکی عہدہ نہیں دیتے تھے اپنے خاندان میں صرف نعمان
 بن عدی کو میسان کا عامل مقرر فرمایا، لیکن انکو بھی چند دنوں کے بعد ایک حیلہ سے معزول کر دیا۔^۳
 ملکی عہدوں پر ہمیشہ صحیح اور تندرست لوگوں کو مامور فرماتے تھے، حضرت سعید بن عامر
 ؓ کی نسبت معلوم ہوا کہ ان پر کبھی کبھی غشی طاری ہو جلیا کرتی ہے، تو ان کو طلب فرمایا اور
 جب انہوں نے اس کی معقول وجہ بیان کی تو پھر ان کو خدمت مفوضہ پر واپس کر دیا۔^۴
 غیر مذہب کے لوگوں میں صرف ابوزید کی نسبت اصابت میں لکھا ہے کہ حضرت عمر
 ؓ نے ان کو عامل مقرر کیا اور اس کے سوا کسی عیسائی کو عامل نہیں بنایا۔
 عمل کے انتخاب کی مختلف صورتیں تھیں۔

(۱) کبھی حضرت عمر ؓ خود صحابہ کرام ؓ کو جمع فرماتے اور ان سے طالب اعانت ہوتے،
 چنانچہ ایک بار تمام صحابہ ؓ کو جمع کر کے کہا کہ ”اگر آپ لوگ میری مدد نہ کریں گے تو
 دوسرا کون کرے گا“ تمام صحابہ ؓ نے بخوشی آمادگی ظاہر فرمائی اور حضرت عمر ؓ
 نے اسی وقت حضرت ابو ہریرہ ؓ کو بحرین اور ہجر کا کلکٹر مقرر کر کے روانہ فرمایا، بالآخر
 اس وقت ملکی خدمت زید و تقدس کے خلاف سمجھی جاتی تھی، اس لئے حضرت ابو عبیدہ بن
 جراح ؓ نے کہا کہ عمر! تم نے اصحاب رسول اللہ ﷺ کو آلودہ دنیا کر دیا، حضرت عمر
 ؓ نے فرمایا آخر میں نے اس کے سوا کس سے مدد لوں، بولے اگر ایسا ہی تو تنخواہ اس قدر
 مقرر کرو کہ خیانت کی طرف مائل نہ ہونے پائیں۔

(۲) بعض اوقات صوبوں یا ضلعوں کی طرف سے منتخب اشخاص کو طلب کرتے تھے، اور ان کو
 وہاں کا عامل مقرر فرماتے تھے، چنانچہ اسی طریقے کے مطابق حضرت عثمان بن فرقہ ؓ
 کوفہ کے، اور حضرت معین بن یزید ؓ شام کے، اور حجاج بن علاط ؓ بصرہ کے کلکٹر
 مقرر ہوئے۔^۵

۱: طبری صفحہ ۲۶۷۸۔ ۲: فتوح البلدان صفحہ ۳۵۱۔

۳: اسد الغابہ تذکرہ نعمان بن عدی۔

۴: استیعاب تذکرہ حضرت سعید بن عامر۔

۵: کتاب الخراج صفحہ ۶۵، ۶۴۔

(۳) حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو عمال کے انتخاب میں ایک بڑی دشواری یہ پیش آئی کہ لوگ حق الخدمت لینا زید و تقدس کے خلاف سمجھتے تھے۔ لیکن اگر اس ایثار پر سلطنت کے کاروبار کی بنیاد رکھ دی جاتی تو آئندہ چل کر مختلف دشواریاں پیش آتیں، اس لئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس غلطی کو ہر ممکن طریقے سے مٹانا چاہا، ایک بار حضرت عبداللہ بن سعدی رضی اللہ عنہ ان کی خدمت میں حاضر ہوئے تو فرمایا کیا مجھے یہ خبر نہیں کہ تم بعض ملکی خدمتیں انجام دیتے ہو اور جب تم کو معاوضہ دیا جاتا ہے تو ناپسند کرتے ہو؟ انہوں نے کہا ”ہاں میرے پاس گھوڑے ہیں اور میری حالت اچھی ہے۔ اس لئے میں چاہتا ہوں کہ مسلمانوں کی خدمت حبیب اللہ انجام دوں، بولے ایسا ہرگز نہ کرو میں نے بھی رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں ایسا کیا تھا۔ لیکن آپ نے فرمایا کہ اس مال کو لے کر دولت مند بنو اور صدق کرو، جو مال بغیر حرص و سوال کے مل جائے اس کو لے لو اور جو نہ ملے اس کے پیچھے نہ پڑو۔“

(۴) ان کے زمانہ میں جب عمال کا تقرر ہوتا تھا۔ تو ان کو متعدد صحابہ رضی اللہ عنہم کے سامنے ایک فرمان عطا ہوتا تھا، جس میں ان کی تقرری اور فرائض کی تصریح ہوتی تھی، یہ عامل جس مقام پر پہنچتا تھا، تمام رعایا کے سامنے اس فرمان کو پڑھ کر سناتا تھا، چنانچہ حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ کو جب مدائن کا عامل مقرر کر کے بھیجا تو فرمان میں یہ الفاظ تھے،

سمعوا للہ و اطیعوا و اعطوا ما سألکم

ان کی سنو! ان کی اطاعت کرو، اور جو کچھ وہاں تکلیفیں ان کو دو۔

انہوں نے یہاں آکر یہ فرمان پڑھا تو لوگوں نے کہا آپ جو چاہیں مانگیں، بولے جب تک تمہارے یہاں رہوں اپنا کھانا اور اپنے گدھے کا چارہ چاہتا ہوں۔“

(۵) حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اس پر سخت اصرار تھا کہ امراء و عمال عیش و تنعم میں مبتلا نہ ہونے پائیں، حاکم و محکوم میں مساوات قائم رہے، غیر قوموں کی عادتیں ان میں سرایت نہ کرنے پائیں، حاکم تک ہر شخص بلا روک ٹوک پہنچ سکے، چنانچہ حضرت عقبہ بن فرقد رضی اللہ عنہ کو بہ تصریح لکھا۔

وایاکم و التنعیم و زی اہل الشریک و لبوس الحریر۔

عیش و تنعم، اہل شرک کی وضع، اور حریر سے احتراز کرو۔

اس بنا پر جب کسی شخص کو عامل مقرر فرماتے تھے تو اس سے یہ معاہدہ لے لیتے تھے کہ

(۱) ترکی گھوڑے پر سوار نہ ہوگا (۲) چھنا ہوا آٹا نہ کھائے گا

(۳) باریک کپڑے نہ پہنے گا (۴) دروازے سے پردہ بان نہ رکھے گا

(۵) اہل حاجت کیلئے دروازہ ہمیشہ کھلا رکھے گا۔“

۱: مسند ابن خضیل جلد ۱ صفحہ ۷۷ ابو ابوداؤد کتاب الخراج باب ۱ زرقی اہل۔

۲: اسد الغابہ تذکرہ حذیفہ بن الیمان و کتاب الخراج ص ۶۰۔

۳: مشکوٰۃ صفحہ ۲۵۸ بروایت بخاری۔

اور جو عمال ان شرائط کی خلاف ورزی کرتے تھے، ان کو فوراً معزول کر دیتے تھے، ایک دفعہ راستے میں جا رہے تھے، مدفعہ آواز آئی اے عمر! کیا یہ معاہدے تمہیں نجات دلا سکتے ہیں؟ حالانکہ تمہارا عامل عیاض بن غنم باریک کپڑے پہنتا ہے اور دربان رکھتا ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے محمد بن مسلمہ کو بھیجا کہ جس حال میں پاؤں کو پکڑ لاؤ، وہ آئے تو دیکھا کہ دروازے پر واقعی دربان ہے اندر گھس گئے تو دیکھا کہ جسم پر باریک قمیص ہے، انہوں نے کہا امیر المومنین کی خدمت میں حاضر ہو، بولے بدن پر قبائِل لوں بولے نہیں، وہ اسی حالت میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے آئے تو انہوں نے قمیص اترو لی، اس کے بعد اُون کا ایک کرتہ اور ایک عصا اور بکریوں کا ایک ریوڑ منگایا اور کہا کہ کرتہ پہنویہ عصا لو اور یہ بکریاں چراؤ، انہوں نے کہا اس سے تو موت بہتر ہے، بولے گھبرانے کی بات نہیں تمہارے باپ کا نام غنم اسی لئے رکھا گیا تھا کہ وہ بکریاں چرایا کرتا تھا۔^۱ عربی میں غنم بکری کو کہتے ہیں۔

حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے جب کوفہ میں ایک عظیم الشان محل تعمیر کر لیا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو معلوم ہوا، کہ ان کی وجہ سے ان تک فریادیوں کی آواز نہیں پہنچ سکتی تو محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کو بھیج کر اس میں آگ لگوا دی۔^۲

مصر میں حضرت خارجه بن حذافہ رضی اللہ عنہ نے ایک بالا خانہ تیار کرو لیا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو خبر ہوئی تو حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو لکھ بھیجا کہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ خارجه نے ایک بالا خانہ تیار کر لیا ہے اور اس کے ذریعہ سے اپنے ہمسایوں کی پردہ داری کرنا چاہتا ہے، میرا خط جس وقت پہنچے اس کو فوراً منہدم کر دو۔^۳

ایک بار حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے شکایت کی کہ امراء شام پرند کے گوشت اور میدے کی روٹی کے سوا اور کچھ کھانا ہی نہیں جانتے، حالانکہ عام لوگوں کو یہ کھانا میسر نہیں ہوتا، اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سخت گرفت کی اور تمام عمال سے اقرار لیا کہ روزانہ فی کس دو روٹی اور زیتون کا تیل تقسیم کرنا ہو گا، بلور مال غنیمت کی تقسیم بھی مساویانہ طور پر ہوگی۔^۴

ان کو اس پر اس قدر اصرار تھا کہ حضرت عتبہ بن فرتدہ رضی اللہ عنہ نے انکے پاس کھانے کی کوئی عمدہ چیز ہدیہ بھیجی تو انہوں نے پوچھا کیا کل مسلمان یہی کھاتے ہیں، بولے نہیں، اس وقت ان کو لکھا کہ یہ تمہاری یا تمہارے باپ کی کمائی نہیں جو خود کھاؤ ہی تمام مسلمانوں کو کھلاؤ۔^۵

اس دادر گیر کا نتیجہ یہ تھا کہ عمال نہایت سادہ اور متواضعانہ زندگی بسر کرتے تھے، چنانچہ ایک بار

۲: مسند ابن فضال جلد ۱ صفحہ ۵۴۔

۱: کتاب الخراج صفحہ ۶۶۔

۳: یعقوبی جلد ۲ صفحہ ۶۸۔

۳: حسن الحاضرہ جلد ۱ صفحہ ۵۹۔

۵: فتح الباری جلد ۱ صفحہ ۳۱، مسلم کتاب اللباس والرجل۔

حضرت عمر ؓ نے ایک عامل کو طلب فرمایا وہ آئے تو ساتھ میں صرف ایک توشہ دان، ایک عصا اور ایک پیالہ تھا، حضرت عمر ؓ نے دیکھا تو بولے کہ تمہارے پاس بس اسی قدر اثاثہ ہے بولے اس سے زیادہ اور کیا ہوگا؟ عصا پر توشہ دان ٹانگ لیتا ہوں اور پیالے میں کھالیتا ہوں۔^۱

حضرت حذیفہ بن الیمان ؓ مدائن کے عامل مقرر ہو کر آئے تو لوگوں نے کہا جو جی چاہے طلب فرمائیے بولے صرف اپنا کھانا اور اپنے گدھے کا چارہ چاہتا ہوں۔ وہاں سے پلٹے تو جس حالت میں گئے تھے، اس میں سر مو فرق نہ آیا تھا، حضرت عمر ؓ نے دیکھا تو لپٹ گئے کہ تم میرے بھائی اور میں تمہارا بھائی ہوں۔^۲

حضرت عمر ؓ شام میں آئے اور حضرت ابو عبیدہ ؓ کا زہد و تقشف دیکھا تو فرمایا ابو عبیدہ تمہارے سوا ہم میں سے ہر ایک کو دنیا نے بدل دیا۔^۳

(۶) جب کوئی عامل مقرر ہوتا اس کے تمام مال و اسباب کی فہرست تیار کرالی جاتی تھی اور اس کی مالی حالت میں اس سے زیادہ جس قدر اضافہ ہوتا تھا وہ تقسیم کرالیا جاتا تھا، چنانچہ اس قاعدے کی رو سے بہ کثرت عمال کے مال کی تقسیم کی گئی، حضرت عمرو بن العاص گورنر مصر کو لکھا کہ اب تمہارے پاس بہ کثرت اسباب، غلام برتن اور مویشی ہو گئے ہیں، حالانکہ میں نے جس وقت تمہیں مصر کا گورنر مقرر کیا تھا، تمہارے پاس یہ سامان موجود نہ تھے، انہوں نے عذر کیا کہ مصر میں زراعت اور تجارت دونوں سے پیداوار ہوتی ہے۔ اسلئے ہمارے پاس بہت سی رقم پس انداز ہو جاتی ہے لیکن حضرت عمر ؓ نے ان کی دولت تقسیم ہی کروائی۔^۴

حضرت ابو ہریرہ ؓ بحرین سے واپس آئے تو اپنے ساتھ بارہ ہزار روپیہ لائے، حضرت عمر ؓ نے یہ کل رقم لے لی اور کہا تم نے خدا کا مال چر لیا ہے۔^۵

ایک بار ایک شخص نے ایک قصبے میں بہت سے عمال کے نام گنائے اور لکھا کہ ان لوگوں کے مال و دولت کا حساب ہونا چاہئے، حضرت عمر ؓ نے سب کی دولت تقسیم کروائی، یہاں تک کہ ان کے پاس صرف ایک جوتہ رہنے دیا اور ایک خود لے لیا۔^۶

طبری اور یعقوبی نے اس قسم کے متعدد واقعات نقل کئے ہیں اور یعقوبی نے ان عمال کے نام بھی ایک جگہ جمع کر دیئے ہیں۔ جن کے مال تقسیم کر لئے گئے، اسد الغابہ تذکرہ محمد بن مسلمہ ؓ میں بھی لکھا اس قدر لکھا ہے۔

۲: اسد الغابہ تذکرہ حذیفہ بن الیمان
۳: فتوح البلدان صفحہ ۳۲۶

۱: استیعاب تذکرہ حضرت سعید ابن عامر۔
۳: اسد الغابہ تذکرہ ابو عبیدہ بن جراح۔
۵: فتوح البلدان صفحہ ۹۰۔
۶: فتوح البلدان صفحہ ۹۲۔

و هو الذی ارسلہ عمر الی عمالہ لیاخذ مشطرا موالہم لثقتہ بہ۔
حضرت عمر ؓ نے انہی کو اس لئے بھیجا تھا کہ عمال کا آدمیوں تقسیم کر لائیں، کیونکہ ان کے نزدیک وہ بہت زیادہ قابل اعتماد تھے۔

(۷) عمال کی شکایتوں کی تحقیقات کیلئے حضرت محمد بن مسلمہ ؓ کو مامور فرمایا، جب کسی عامل کی شکایت پیش ہوتی تھی تو وہی تحقیقات کیلئے مامور کئے جاتے تھے، ایک بار کوفہ والوں نے حضرت سعد کی شکایت کی کہ وہ ٹھیک طور پر نماز نہیں پڑھاتے تو حضرت عمر ؓ پہلے خود طلب فرما کر ان کا اظہار لیا، اس کے بعد ان کے ساتھ حضرت محمد بن مسلمہ ؓ کو بھیجا اور انہوں نے جا کر ایک ایک مسجد میں اس کی تحقیقات کی۔

(۸) اس پر بھی تسکین نہیں ہوئی تو تمام عمال کو حکم دیا کہ حج کے زمانہ میں حاضر ہوں تاکہ مجمع عام میں ان کی شکایتیں پیش ہو سکیں، چنانچہ معمولی سے معمولی شکایتیں پیش ہوتی تھیں اور ان پر گرفت کی جاتی تھی، ایک بار حضرت عمر ؓ نے مجمع عام میں خطبہ دیا جس میں فرمایا، انی لم ابعث عمالی لیضر ہوا ابشارکم ولا لیا خذلوا اموالکم فمن فعل بہ ذالک فلیرفعه الی اقصہ منہ

میں نے عمال کو اس لئے نہیں بھیجا ہے کہ تمہارے منہ پر طمانچہ ماریں نہ اس لئے کہ تمہارا مال چھین لیں، جس شخص کے ساتھ ایسا کیا گیا ہے۔ اس کو اپنا معاملہ میرے سامنے پیش کرنا چاہئے تاکہ میں اس سے قصاص لوں۔

اس پر حضرت عمرو بن العاص ؓ نے فرمایا کہ اگر کوئی عامل رعایا کو تادیب سزاوے تب بھی آپ اس سے قصاص لیں گے، بولے ”ہاں“ اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، کیوں نہ قصاص لوں گا میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا ہے کہ آپ سے خود قصاص لیا گیا ہے۔^۱ یہ محض الفاظ ہی الفاظ نہ تھے بلکہ عین حج کے مجمع میں اس پر عمل بھی ہوا، ایک بار انہوں نے حسب معمول تمام عمال کو طلب کیا اور ایک خطبہ میں کہا جس شخص کو عمال سے کوئی شکایت ہو وہ کھڑے ہو کر پیش کرے، ایک شخص اٹھا اور کہا کہ آپ کے عامل نے مجھے سو کوڑے مارے ہیں۔ حضرت عمر ؓ نے فرمایا کیا تم بھی سو کوڑے مارنا چاہتے ہو ”اٹھو“ حضرت عمرو بن العاص ؓ نے کہا کہ یہ اس عمل پر گراں ہو گا اور آئندہ کیلئے ایک نظیر قائم ہو جائے گی، لیکن حضرت عمر ؓ نے کہا کہ یہ نہیں ہو سکتا خود رسول اللہ ﷺ نے ایسا کیا کہ بلا آخر حضرت عمرو بن العاص ؓ نے مستغیث کو اس شرط پر راضی کیا کہ فی تازیانہ دواثر فیاں لے کر اپنے حق سے باز آئے۔^۲

۱: صحیح بخاری باب وجوب القرۃ لالمام والما سوم، بخاری میں محمد بن مسلمہ کا نام مذکور نہیں ہے۔ مخرج الباری میں ان کا نام لیا ہے۔

۲: ابوداؤد کتاب الحد و باب القود بغیر حدید۔ ۳: کتاب الخراج صفحہ ۶۶۔

(۹) اس کے علاوہ عمال کے حالات دریافت کرنے کیلئے مختلف طریقے اختیار کئے، جب عمال کے پاس سے کوئی شخص آتا تو اس سے اس کا حال دریافت کرتے ایک بار حضرت جریر رضی اللہ عنہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے یہاں سے آئے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کا حال پوچھا، انہوں نے نہایت انشا پر دازانہ الفاظ میں ان کی تعریف کی۔^۱

عمال جب واپس آتے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ آگے بڑھ کر کسی جگہ چھپ جاتے اور خفیہ طور پر ان کا معائنہ کرتے حضرت حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ مدائن سے واپس آئے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ آگے بڑھ کر رولہ میں چھپ گئے اور جب ان کی قدیم حالت میں کوئی تغیر نہیں پایا تو ان سے بے اختیار لپٹ گئے، حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ اعلم بالمنافقین تھے یعنی ان کو تمام منافقین کے نام معلوم تھے، اس لئے حضرت عمر ط سے اپنے عمال کی نسبت بعض باتیں دریافت فرمایا کرتے تھے۔

ایک بار انہوں نے فرمایا کہ میرے عمال میں کوئی منافق بھی ہے؟ بولے ہاں! ایک ہے مگر نام نہ بتاؤں گا۔ بالآخر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کا خود پتہ لگا لیا اور اس کو معزول کر دیا۔^۲

عمال کی معزولی

حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہمیشہ ملکی عہدے ان لوگوں کو دیتے تھے، جو ایک طرف تو اس خدمت کے انجام دینے کی قابلیت رکھتے تھے دوسری طرف ان کا دامن اخلاق بالکل بیدلغ ہوتا تھا اس لئے ان کو جس عامل میں ان اوصاف کی کچھ بھی کمی نظر آتی تھی اس کو فوراً معزول کر دیتے تھے۔ ایک بار حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے میر فشی نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے نام ایک خط لکھا جس کی ابتداء عربی طریقے کے موافق ان الفاظ میں کی من ابو موسیٰ چونکہ عربی قاعدے کی رو سے من ابی موسیٰ لکھنا چاہئے تھا اس لئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ جس وقت میرا خط پہنچے اپنے میر فشی کو ایک کوڑا لادو اور علیحدہ کر دو۔^۳

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ولی مقرر کیا تو ایک شخص نے کہا کہ ان کو یہ بھی معلوم نہیں کہ آپ نے ان کو کہاں کا عامل مقرر فرمایا ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے اس قسم کے چند سوال کئے معلوم ہوا کہ واقعی یہ خیال صحیح تھا اس لئے ان کو معزول کر دیا،^۴ اس کے بعد حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کا تقرر فرمایا لیکن کوفہ والوں نے ان کی شکایت کی کہ ان کا غلام تجارت کرتا ہے ان کو بھی وہاں سے ہٹالیا۔^۵

۱: استیعاب تذکرہ جریر بن عبد اللہ۔

۲: اسد الغابہ تذکرہ حذیفہ بن الیمان۔

۳: فتوح البلدان صفحہ ۳۵۳۔

۴: طبری صفحہ ۲۶۷۸۔

۵: طبری صفحہ ۲۶۷۷۔

حضرت نعمان بن عدی ؓ کو میسان کا عامل بنا کر بھیجا تو انہوں نے بی بی کو بھی ساتھ لے جانا چاہا لیکن اس نے انکار کر دیا۔ وہاں پہنچے تو بی بی کے نام ایک خط میں حسب ذیل اشعار لکھ بھیجے۔

فمن مبلغ حسناء ان حلیہا
بميسان لبنقى فى زجاج وحتم
میری طرف سے اس پیکر حسن کو کون پیغام پہنچائے گا
کہ اسکا شوہر ہر میسان میں ششے کے ششے اور خم کے خم لٹھ مار رہا ہے
اذا شئت غنتی دهاقین قرية
وصناجة نحدو على کل میہم
جب میں چاہتا ہوں تو دیہاتی لوگ میرے لئے گیت گاتے ہیں
اور ستار ہر خم کے سر بجاتا ہے
اذا كنت ندمانى فبالا کبر اسفنى
ولا يسفنى بالا صغر المثلم
اور تو میری ہم نشین ہو تو بڑے پیالے سے پلا
نہ کہ چھوٹے اور ٹوٹے ہوئے پیالے سے
لعل امیر المومنین یسونه
تناد منافى الحوسق المتنهدم
شائد امیر المومنین کو
ہماری مصاحبت ناگوار ہو

حضرت عمر ؓ کو اس خط و کتابت کا حال معلوم ہوا تو ان کو لکھا کہ میں نے تمہارا آخری شعر سنار حقیقت مجھے اس قسم کی محبت ناگوار ہے، اس کے بعد ان کو معزول کر دیا وہ آئے تو کہا کہ خدا کی قسم یہ کچھ نہ تھا، صرف چند اشعار میری زبان پر جاری ہو گئے تھے ورنہ میں نے کبھی شراب نہیں پی، حضرت عمر ؓ نے کہا میرا بھی یہی خیال ہے، لیکن بایں ہمہ اب تم کبھی میرے عامل نہیں ہو سکتے۔

جو عامل غلاموں کی عیادت نہیں کرتے تھے یہاں تک کمزور لوگوں کا گذر نہیں ہو سکتا تھا وہ معزول کر دیئے جاتے تھے۔

تنخواہ

تنخواہ کا کوئی خاص معیار نہ تھا، بلکہ حالات کے لحاظ سے تنخواہیں مختلف ہوتی تھیں مثلاً حضرت عیاض بن غنم ؓ حمص کے ولی تھے، اور ان کو روزانہ ایک اشرفی اور ایک بکری ملتی تھی! لیکن حضرت امیر معاویہ ؓ اسی عہدے پر مامور تھے اور ان کو اس کے صلے میں ہزار دینار ماہوار ملتے تھے۔^۱ جو تنخواہ تھی وہ ہر شخص کیلئے کافی ہوتی تھی۔

حضرت عثمان نے اگرچہ اس نظام میں اس قدر تغیر کیا کہ تمام بڑے بڑے عہدے بنو امیہ کو دے دیئے تاہم انہوں نے کسی قدیم عامل کو معزول نہیں کیا، طبری میں ہے کہ وہ بلا شکایت یا بغیر استعفا کے کسی عامل کو معزول نہیں کرتے تھے،^۲ شام میں حضرت عمر ؓ کے معزول کردہ جو عامل پہلے سے موجود تھے ان کو اپنے اپنے عہدوں پر قائم رہنے دیا۔^۳ باقی اس نظام میں اور کسی قسم کا رد و بدل نہیں ہوا، حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے عہد خلافت میں اس معاملہ میں دو عظیم الشان انقلاب پیدا ہوئے، ایک تو یہ کہ انہوں نے حضرت ابو موسیٰ اشعری کے سوا تمام عامل عثمانی کو یک قلم موقوف کر دیا۔^۴ دوسرے یہ کہ انہوں نے تمام عامل کے طرز عمل کی عام تحقیقات کرائی^۵ اور غالباً یہ ایسی ترقی تھی، جو خود حضرت عمر ؓ کے دور خلافت میں بھی نہیں ہوئی تھی۔

۱: اسد الغابہ تذکرہ حضرت عیاض بن غنم۔

۲: استیعاب تذکرہ حضرت امیر معاویہ۔

۳: طبری ص ۲۸۳۔ ۴: طبری ص ۲۸۶۔

۵: یعقوبی ص ۲۰۸۔ ۶: کتاب الخراج ص ۶۷۔

صیغہ عدالت

اسلام میں صیغہ قضاء اگرچہ عہد نبوت ہی میں قائم ہو گیا تھا، لیکن ابتداء میں یہ صیغہ اور صیغوں کے ساتھ مخلوط تھا، چنانچہ آپ نے حضرت علی ؓ اور حضرت معاذ بن جبل ؓ کو یمن کا عامل مقرر فرما کر بھیجا تو اور فرائض کے ساتھ یہ خدمت بھی ان کے متعلق کی اور اس کے آئین و اصول بتائے حضرت عمر ؓ کے زمانہ میں بھی مدتوں یہ خلط بحث رہا لیکن انہوں نے اپنے وسط خلافت میں اس صیغہ کو اور صیغوں سے الگ کر دیا اور مستقل طور پر قضاء مقرر کر کے ان کی تنخواہیں مقرر کیں۔^۱

اصول و آئین عدالت

اس باب میں سب سے مقدم چیز اصول و آئین عدالت کا منضبط کرنا تھا، حضرت ابو بکر ؓ کے زمانے تک یہ قاعدہ تھا کہ جب کوئی مقدمہ پیش ہوتا تھا تو پہلے قرآن مجید کی طرف پھر حدیث کی طرف رجوع کرتے تھے اور سب سے اخیر میں مسلمانوں سے مشورہ لیتے تھے، اجتہاد اور قیاس کو بالکل دخل نہیں دیتے تھے۔^۲

لیکن حضرت عمر ؓ کے عہد خلافت میں جب تمدن کو زیادہ وسعت ہوئی تو انہوں نے قضاء کو اجماع اور قیاس سے بھی مدد لینے کی ہدایت کی لیکن قیاس کو سب سے موخر رکھا۔^۳ اس لئے ساتھ حضرت ابو موسیٰ اشعری ؓ کے نام آداب قضات کے متعلق ایک مفصل فرمان لکھا جو کنز العمال اور دار القطنی میں^۴ بلفظ منقول ہے اس فرمان میں قضات کے متعلق جو احکام مذکور ہیں وہ حسب ذیل ہیں۔

- (۱) قاضی کو تمام لوگوں کے ساتھ یکساں برتاؤ کرنا چاہئے۔
- (۲) بار ثبوت صرف مدعی پر ہے۔
- (۳) مدعا علیہ کے پاس اگر ثبوت یا شہادت نہیں ہے تو اس سے قسم لی جائے گی۔

۱: ابوداؤد کتاب القضاء۔

۲: کنز العمال جلد ۳ صفحہ ۷۵ اور ۷۶۔

۳: دارمی صفحہ ۳۲ و ۳۳۔

۴: مسند دارمی صفحہ ۳۴۔

۵: کنز العمال جلد ۳ صفحہ ۷۴ اور دار قطنی صفحہ ۱۲۵۔

- (۴) فریقین ہر حالت میں صلح کر سکتے ہیں لیکن جو امر خلاف قانون ہے اس میں صلح نہیں ہو سکتی۔
- (۵) قاضی خود اپنی مرضی سے مقدمہ کے فیصلے کرنے کے بعد اس پر نظر ثانی کر سکتا ہے۔
- (۶) مقدمہ کے پیشی کی ایک تاریخ مقرر ہونی چاہئے۔
- (۷) اگر مدعا علیہ تاریخ معینہ پر حاضر نہ ہو تو مقدمہ اس کے خلاف فیصلہ کیا جائے گا،
- (۸) ہر مسلمان قابل ادائے شہادت ہے، لیکن جو سزا یافتہ ہو یا جس کا جھوٹی گواہی دینا ثابت ہو وہ قابل شہادت نہیں، ثابت ہو وہ قابل شہادت نہیں۔
- (۹) اخلاقی حیثیت سے قاضی کو غصہ کرنا اور گھبرانا نہیں چاہئے۔
- آج اس تمدنی زمانے میں بھی عدالت کے اساسی قوانین یہی ہیں۔

قضاۃ کا انتخاب

قضائت کے متعلق سب سے اہم کام قابل اور متدین احکام کا انتخاب تھا، صحابہ رضی اللہ عنہم میں جو لوگ علم و فضل میں مسلم تھے، مثلاً حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ، حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ، ان کے انتخاب کیلئے صرف یہی کافی تھا کہ وہ خود منتخب روزگار تھے، لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور لوگوں کو عملی تجربہ اور ذاتی امتحان کے بعد منتخب کرتے تھے، چنانچہ حضرت کعب بن سور ازدی رضی اللہ عنہ جو بصرہ کے قاضی تھے ان کی تقرری کا شان نزول یہ ہے کہ وہ ایک بار حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس بیٹھے تھے کہ ایک عورت آئی اور کہا کہ میں نے اپنے شوہر سے بہتر آدمی نہیں دیکھا، وہ رات بھر نماز پڑھتا، اور دن بھر روزے رکھتا ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عورت کی تعریف کی اور اس کیلئے استغفار کیا، وہ شرمندہ ہو کر چلی گئی تو حضرت کعب رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اے امیر المومنین! آپ نے عورت کا انصاف اس کے شوہر سے نہیں دلایا، وہ مستغیث ہو کر آئی تھی، اب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کو بلوایا بھیجا اور کہا کہ یہ کہتے ہیں کہ تم کو یہ شکایت ہے کہ تمہارا شوہر تم سے تعلق نہیں رکھتا، اس نے کہا ”سچ ہے“ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کے شوہر کو بلوایا بھیجا اور حضرت کعب رضی اللہ عنہ سے اصرار کیا کہ تم ہی نے اس مقدمہ کو سمجھا ہے اور تمہی اس کا فیصلہ کرو، انہوں نے فیصلہ کیا تو اس قدر خوش ہوئے کہ ان کو بصرہ کا قاضی مقرر کر دیا۔^۱

قضائت کی ذمہ داریوں کا احساس

حدیث شریف میں آیا ہے،

من ولی القضاء فقد ذبح بغير سكين۔

جو شخص قاضی بنایا یہ وہ بغیر چھری کے ذبح کر لیا گیا، ابوداؤد کتاب القضاء

اس حدیث کی بنا پر بعض صحابہ ؓ جو بہت زیادہ محتاط تھے وہ سرے سے عہدہ قضاہی کو قبول نہیں کرتے تھے، چنانچہ حضرت عثمان ؓ نے حضرت عبداللہ بن عمر ؓ کو قاضی مقرر کرنا چاہا تو انہوں نے صاف انکار کر دیا۔^۱ لیکن جن صحابہ ؓ کو اس عہدے کے قبول کرنے سے انکار نہ تھا وہ بھی شدت کے ساتھ اس کی ذمہ داریوں کو محسوس کرتے تھے، حضرت ابوالدرداء ؓ بیت المقدس کے قاضی تھے ایک بار انہوں نے لکھا کہ زمین کسی کو مقدس نہیں بنا سکتی، انسان کو صرف اس کا عمل مقدس بناتا ہے، مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم طبیب (قاضی) مقرر کئے گئے ہو، اگر تم سے لوگ شقیاب ہوں تو کیا کہنا ہو، نہ اگر جعلی طبیب ہو تو کسی انسان کو مار کر دوزخ میں نہ داخل ہو، حضرت ابوالدرداء پر اس خط کا یہ اثر پڑا کہ مقدمہ فیصل ہونے کے بعد فریقین واپس جاتے تھے تو احتیاطاً ہلا کر دوبارہ اظہار لیتے تھے۔^۲

عدل و انصاف

خلفاء مقدمات کے فیصل کرنے میں کسی قسم کی رعایت کو جائز نہیں رکھتے تھے ایک بار حضرت عمر ؓ حضرت زید بن ثابت ؓ کے یہاں خود فریق مقدمہ بن کر آئے تو انہوں نے ان کو اپنے پاس بٹھانا چاہا، لیکن انہوں نے کہا کہ یہ پہلا ظلم ہے جو تم نے کہا، میں اپنے فریق کے ساتھ بیٹھوں گا۔^۳

ایک بار حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے یہاں ایک مہمان آیا اور انہوں نے اس کو کئی دن تک مہمان رکھا لیکن ایک دن جب وہ فریق مقدمہ ہو کر آیا اور ان کے سامنے حاضر ہوا تو بولے اب آپ تشریف لے جائیے، ہم فریق کو صرف فریق کے ساتھ ٹھہرا سکتے ہیں۔^۴

ایک بار ایک یہودی اور ایک مسلمان کا مقدمہ پیش ہوا، حضرت عمر ؓ نے یہودی کے حق میں فیصلہ کیا تو وہ بے ساختہ اٹھا آپ نے انصاف کے ساتھ فیصلہ کیا۔^۵

رشوت ستانی کی روک ٹوک

حضرت عمر ؓ نے صیغہ عدالت قائم کیا تو رشوت ستانی کے اند لو کیلئے سخت بندشیں قائم کیں اور عام طور پر تمام حکام کو لکھ بھیجا۔

۱: مسند ابن فضال جلد ۱ صفحہ ۶۶۔

۲: مؤطا امام مالک کتاب الاقضية باب جامع القضاء۔

۳: کنز العمال جلد ۳ صفحہ ۱۷۴۔

۴: کنز العمال جلد ۳ صفحہ ۱۷۲۔

۵: مؤطا امام مالک کتاب الاقضية باب الترغيب في القضاء بالحق۔

اجعلو الناس عندكم في الحق سواء قريهم كبعيدهم وبعيدهم كقريهم
واياكم والسرشي۔^۱

انصاف میں تمام لوگوں کو برابر سمجھو، قریب و بعید میں فرق و امتیاز نہ کرو اور رشوت سے بچو۔
اس کے ساتھ قضاہ کی بیش قرار تنخواہیں مقرر کیں اور قاعدہ مقرر کیا کہ جو شخص معزز اور
دولت مند نہ ہو وہ قاضی نہ مقرر کیا جائے اس کی وجہ یہ تھی، کہ دولت مند رشوت کی طرف
راغب نہ ہو گا اور معزز آدمی پر فیصلہ کرنے میں کسی کار عب و داب کا اثر نہ پڑے گا۔

علانیہ رشوت خواری کے علاوہ بہت سے مخفی طریقے ہیں جن کے ذریعہ سے رشوت دی
جاسکتی ہے، مثلاً حکام کو اگر تجارت کی اجازت دی جائے تو وہ اس کے ذریعہ سے بہت کچھ ذاتی
فوائد حاصل کر سکتے ہیں، ہدیہ بھی رشوت خواری کا ایک مہذب ذریعہ بن سکتا ہے اور بنتا ہے،
حضرت عمر ؓ نے ان تمام طریقوں کا سد باب کیا چنانچہ قاضی شریح کو جب قضائے
عہدے پر مامور کیا تو فرمایا۔

لا تشتروا لا تبع ولا ترش۔^۲

نہ کچھ خرید دو، نہ کچھ بیچو اور نہ رشوت لو

ہدیہ کی طرف ایک واقعہ کے اثر سے ان کی توجہ مبذول ہوئی، ایک شخص معمولاً ہر سال ان
کی خدمت میں اونٹ کی ایک ران ہدیہ بھیجا کرتا تھا، ایک بار وہ فریق مقدمہ ہو کر دربار خلافت
میں حاضر ہوا تو کہا کہ امیر المومنین! ہمارے مقدمہ کا ایسا دو ٹوک فیصلہ کیجئے جس طرح اونٹ
کے ران کی بوٹیاں ایک دوسرے سے جدا کی جاتی ہیں، حضرت عمر ؓ اس ناجائز اشارے کو
سمجھ گئے اور اسی وقت تمام عمال کو لکھ بھیجا کہ ہدیہ نہ قبول کرو کیونکہ وہ رشوت ہے۔^۳

ماہرین فن کی شہادت

مقدمات میں شہادت کی توثیق و اعتبار کا ایک بڑا ذریعہ یہ ہے کہ ماہرین فن کی شہادت لی
جائے، یعنی جو امر کسی خاص فن سے تعلق رکھتا ہے، اس کے متعلق اس فن کے ماہرین کا اظہار
لے کر فیصلہ کیا جائے، حضرت عمر ؓ نے اس اصول پر نہایت کثرت سے عمل کیا، ایک بار
حطیہ نے زبرقان بن بدر کی ہجو کہی اور اس نے دربار خلافت میں مقدمہ دائر کیا، تو حضرت عمر
ؓ نے پہلے حسان بن ثابت ؓ سے مشورہ لیا، اس کے بعد حطیہ کو سزا دی۔^۴

۱: کنز العمال جلد ۳ صفحہ ۱۷۴۔

۲: کنز العمال جلد ۳ صفحہ ۱۷۵۔

۳: کنز العمال جلد ۳ صفحہ ۱۷۷۔

۴: اسد الغابہ تذکرہ زبرقان بدر۔

ایک بار ایک بیوہ عورت نے عدت کے دن گزار کے دوسرے شخص سے نکاح کر لیا، لیکن وہ پہلے سے حاملہ تھی۔ اسلئے دوسرے شوہر کے پاس ساڑھے چار مہینے کے بعد اسکے بچہ پیدا ہوا۔ حضرت عمر ؓ کی خدمت میں معاملہ پیش ہوا تو انہوں نے زمانہ جاہلیت کی پراٹم عورتوں کا اظہار کیا اور انہوں نے اسکی ایک ایسی معقول وجہ بیان کی جس سے عورت بے قصور ثابت ہوئی۔ اسلئے حضرت عمر ؓ نے بچہ کو پہلے شوہر کی طرف منسوب کیا اور دونوں میاں بی بی سے کہا ”اس میں تمہارا کوئی قصور نہ تھا“ ایک اور مقدمہ پیش ہوا، جس میں دو شخص ایک بچے کے باپ ہونے کے مدعی تھے اس کی نسبت حضرت عمر ؓ نے ایک قیافہ شناس کا اظہار کیا۔
تحریری فیصلے

اس زمانہ کے تمدن کے لحاظ سے اگرچہ مقدمات کا فیصلہ نہایت سادہ طور پر کیا جاتا تھا اس لئے یہ نہیں کہا جاسکتا کہ تمام مقدمات کے فیصلے لکھے جاتے تھے تاہم شخص و جستجو سے معلوم ہوتا ہے کہ بہت سے اہم مقدمات کے فیصلے لکھے جاتے تھے جو آئینہ چل کر فریق مقدمہ کے کام آتے تھے۔

چنانچہ ایک دفعہ حضرت رباب بن حذیفہ ؓ نے ایک عورت سے نکاح کیا اور اس کے بطن سے تین لولاد پیدا ہوئی، ان کے مرنے کے بعد حضرت عمرو بن العاص ؓ نے جو ان کے عصبہ تھے ان تمام بچوں کو شام بھیج دیا اور وہاں جا کر مر گئے ان کے بعد وراثت کے متعلق نزاع ہوئی تو حضرت عمر ؓ نے عصبہ کو وراثت دلوائی اور تحریر لکھوا دی جس میں تین شخص یعنی حضرت عبدالرحمن بن عوف ؓ، حضرت زید بن ثابت ؓ اور ایک اور شخص کے دستخط بطور شاہد کے ثبت تھے، چنانچہ ایک موقع پر جب ان لوگوں میں نزاع ہوئی تو عبدالملک نے اسی تحریر کے مطابق فیصلہ کیا۔^۱

حضرت عمر ؓ نے حضرت علی ؓ اور حضرت عباس ؓ کے مقابلہ میں سنایائے نبوی کی نسبت جو فیصلہ کیا تھا وہ بھی ایک شخص کے پاس لکھا ہوا محفوظ تھا۔^۲

اخلاق کا اثر مقدمات پر

مقدمات کی کثرت و قلت کو ایک بہت بڑا اخلاقی معیار قرار دیا جاسکتا ہے جس ملک، جس قوم اور جس خاندان کی اخلاقی حالت نہایت پست ہو جاتی ہے اس میں ذرا سی بات پر نزاع

۱۔ موطا امام مالک کتاب القسمة باب الشہادت۔

۲۔ ابوداؤد کتاب الغرانیض باب فی الاولاد۔

۳۔ ابوداؤد کتاب الخراج والامارۃ باب فی صفایہ رسول اللہ۔

ہوتی ہے، مقدمات اٹھ کھڑے ہوتے ہیں اور ہر معاملہ کی نسبت لوگ جھوٹی پکی شہادت دینے کیلئے تیار ہو جاتے ہیں، چنانچہ ایک بار جب رسول اللہ ﷺ سے پوچھا گیا کہ کون لوگ بہتر ہیں تو آپ ﷺ نے فرمایا:

خیر امتی القرن الذین یلونى ثم الذین یلو نہم ثم الذین یلو نہم ثم یحی قوم تبدر شہادہ احلہم یمینہ و تبدر یمینہ شہادۃ (مسلم کتاب المناقب)

سب سے بہتر زمانہ میرا ہے پھر صحابہ رضی اللہ عنہم کا پھر تابعین کا اس کے بعد ایک ایسی قوم پیدا ہوگی جو شہادت سے پہلے قسم کھائے گی، اور قسم سے پہلے شہادت دے گی۔ لیکن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے زمانہ تک جھوٹی شہادت ایک ایسا جرم خیال کی جاتی تھی کہ لوگ بچوں کو اس سے بچنے کی ہدایت کرتے تھے، اسی حدیث میں ہے۔

قال ابراہیم کانوا ینہو ننا و نحن غلمان عن العهدو الشہادات

ابراہیم کہتے ہیں کہ بچپن میں لوگ ہم کو شہادت اور عہد سے منع کرتے تھے،

ایک بار عراق کا ایک شخص حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا کہ میں ایک ایسے معاملہ کیلئے آیا ہوں جس کا نہ تو سر ہے نہ دم، ہمارے ملک میں جھوٹی شہادتوں کا رواج ہو چلا ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نہایت تعجب سے کہا کہ ”ہاں ایسا ہے“۔^۱

مقدمات کی قلت کا یہ حال تھا کہ حضرت سلیمان بن ربیعہ رضی اللہ عنہ باہلی جو کوفہ کے قاضی تھے ان کی نسبت ابو وائل کا بیان ہے، کہ میں مستقل چالیس دن تک ان کے پاس آتا جاتا رہا، لیکن ان کے یہاں کسی فریق مقدمہ کو نہیں دیکھا۔^۲

۱: مؤطا امام مالک کتاب الاقضیہ باب الشہادت۔

۲: اسد الغابہ تذکرہ سلیمان بن ربیعہ باہلی۔

صیغہ محاصل و خراج

فتوحات کا سلسلہ اگرچہ حضرت ابو بکر ؓ کے زمانہ خلافت میں شروع ہو گیا تھا، لیکن خراج کا باقاعدہ نظام حضرت عمر ؓ کے عہد خلافت میں قائم ہوا، چنانچہ سب سے پہلے عراق کی فتح کے بعد یہ بحث پیدا ہوئی تو بہت سے صحابہ ؓ نے کہا کہ مال غنیمت کی طرح زمین اور جائیدادیں بھی مجاہدین پر تقسیم کر دی جائیں لیکن حضرت عمر ؓ کا خیال تھا کہ اگر زمین بھی تقسیم کر دی گئی تو آئندہ نسل کیلئے کیا رہ جائے گا؟ سرحد کی حفاظت کیونکر ہو سکے گی؟ قبیلوں اور بیواؤں کی پرورش کا کیا انتظام ہو گا؟ اس غرض سے انہوں نے تمام قدامتہا جریں کو مشورہ کیلئے جمع کیا اور ان لوگوں میں حضرت علی ؓ، حضرت طلحہ ؓ، حضرت عثمان ؓ اور حضرت عبداللہ بن عمر ؓ نے حضرت عمر ؓ کی رائے سے اتفاق کیا اور حضرت عبدالرحمن بن عوف ؓ نے مخالف گروہ کی تائید کی۔ بلاآخر حضرت عمر ؓ نے ایک عام اجلاس کیا جس میں شرفائے انصار سے دس، اوس سے پانچ بلور خزرج سے پانچ بزرگ شریک ہوئے، حضرت عمر ؓ نے کھڑے ہو کر ایک نہایت پرزور تقریر کی اور سب نے ان کی رائے سے اتفاق کر لیا۔^۱ اس مرحلہ کے طے ہو جانے کے بعد حضرت عمر ؓ نے بندوبست کی طرف توجہ کی اور صحابہ ؓ کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا کہ اس خدمت کیلئے کون موزوں ہے؟ تمام صحابہ ؓ نے حضرت عثمان بن حنیف ؓ کا نام لیا اور کہا کہ وہ اس سے بھی اہم خدمات کے انجام دینے کی قابلیت رکھتے ہیں۔^۲ حضرت عمر ؓ نے پانچ درہم اور ایک جراب آٹاروزنہ کر کے حساب سے تنخواہ مقرر کی، حضرت حذیفہ بن الیمان ؓ کو ان کا شریک کار مقرر فرمایا۔^۳ اور حکم دیا کہ ٹیلوں، جنگلوں، گڈھوں اور ان زمینوں کی جن کی آب پاشی ناممکن ہے پیمائش نہ کی جائے اور ناقابل برداشت جمع نہ تشخیص کی جائے، اس اصول کے مطابق ان بزرگوں نے پیمائش کا کام ختم کیا تو کل رقبہ طول میں تین سو پچھتر ۳۷۵ میل اور عرض میں ۲۴۰ میل یعنی کل تیس ہزار ۳۰،۰۰۰ میل مکسر ٹھہرا اس میں پہاڑ صحر اور نہروں کو چھوڑ کر قابل زراعت زمین

۱: کتاب الخراج صفحہ ۱۴۔

۲: استیعاب تذکرہ حضرت عثمان بن حنیف۔

۳: یعقوبی جلد ۲ صفحہ ۷۴۔

ف: ل مربع میل

تین کروڑ ساٹھ لاکھ جریب نکلی، خاندان شاہی کی جاگیر، آتش کدوں کے اوقاف، لاوارثوں، مفروروں اور باغیوں کی جائیداد اور یا بر آورد جنگل اور ان زمینوں کو جو سڑکوں کی تیاری اور ڈاک کے مصارف کیلئے مخصوص تھیں، حضرت عمر ؓ نے خالصہ قرار دیا۔^۱ باقی تمام زمینیں مالکان قدیم کے قبضے میں دے دی گئیں اور ان پر حسب ذیل مالکداری مقرر کی گئی۔

گیہوں	فی جریب یعنی پون بیگہ پختہ	دو درہم سالانہ
جو	فی جریب یعنی پون بیگہ پختہ	ایک درہم سالانہ
نیشکر	فی جریب یعنی پون بیگہ پختہ	چھ درہم سالانہ
روئی	فی جریب یعنی پون بیگہ پختہ	پانچ درہم سالانہ
انگور	فی جریب یعنی پون بیگہ پختہ	دس درہم سالانہ
نخلستان	فی جریب یعنی پون بیگہ پختہ	دس درہم سالانہ
تل	فی جریب یعنی پون بیگہ پختہ	آٹھ درہم سالانہ
ترکاری	فی جریب یعنی پون بیگہ پختہ	تین درہم سالانہ

جمع تشخیص ہو گئی تو دونوں بزرگوں کو بلا کر پوچھا کہ تم نے جمع سخت تو تشخیص نہیں کی؟ انہوں نے کہا ”ابھی تو اس میں اضافہ کی اور بھی گنجائش ہے“ بولے ”پھر غور کر لو جمع ناقابل برداشت تو تشخیص نہیں کی گئی“ انہوں نے کہا ”نہیں۔“ اب فرمایا کہ اگر زندہ رہا تو اپنے بعد عراق کی بیویوں کو کسی دوسرے کا محتاج نہ ہونے دوں گا۔^۲

خراج کی تشخیص میں سب سے زیادہ عادلانہ طریقہ یہ اختیار کیا ذی رعایا سے اس میں مشورہ لیا چنانچہ انہوں نے عراق کا بندوبست کرنا چاہا تو مشورہ کیلئے وہاں سے دو چوہدری طلب کئے جن کے ساتھ ایک ترجمان بھی تھا، اسی طرح مصر کی عامل کو لکھا کہ خراج کے معاملے میں مقوقس سے رائے لے لو، زیادہ واقفیت کیلئے ایک واقف کار قبطنی کو مدینہ میں طلب فرمایا اور اس کا اظہار لیا۔^۳ عراق کے سوا حضرت عمر ؓ نے اور کسی صوبے کی پیمائش نہیں کرائی، البتہ قدیم طریقہ بندوبست میں جہاں جہاں غلطی دیکھی اس کی اصلاح کر دی، مثلاً مصر سے رومی خراج کے علاوہ غلے کی ایک مقدار کثہ وصول کرتے تھے جو سلطنت کے ہر صوبے میں فوج کی رسد کیلئے روانہ کی جاتی تھی اور خراج میں محسوب نہیں ہوتی تھی، حضرت عمر ؓ نے یہ دونوں جاہلانہ طریقے موقوف کر دیئے۔

۱۔ فتون البلد ان صفحہ ۸۱۔۳

۲۔ بخاری کتاب المناقب باب ۴۔ البیہ والافتاح علی عثمان۔

۳۔ متر مروج انص ۷۱، ۷۲۔

زمینداری اور ملکیت کے متعلق انہوں نے سب سے بڑی اصلاح یہ کی کہ زمینداری کے متعلق قدیم جابرانہ قانون کو بالکل مٹا دیا، مثلاً جب رومیوں نے شام اور مصر پر قبضہ کیا تو تمام اراضیات اصلی باشندوں کے قبضہ سے نکال کر اراکین دربار کو دے دیں، کچھ خالصہ قرار دیا اور کچھ گرجوں پر وقف کر دیں، لیکن حضرت عمر ؓ نے اس قاعدہ کو مٹا کر یہ قاعدہ بنادیا کہ مسلمان کسی حالت میں ان زمینوں پر قابض نہیں ہو سکتے، یعنی اگر قیمت دے کر بھی خریدنا چاہیں تو خرید نہیں سکتے یہ قاعدہ ایک مدت تک جاری رہا، چنانچہ لیث بن سعد نے مصر میں کچھ زمین خریدی تو بڑے بڑے پیشویان مذہبی مثلاً امام مالک، نافع بن یزید وغیرہ نے ان پر سخت اعتراض کیا۔^۱

حضرت عمر ؓ نے صرف اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ تمام فوجی افسروں کے نام حکم بھیج دیا کہ لوگوں کیلئے روزینے مقرر کر دیئے گئے ہیں، اس لئے کوئی شخص زراعت نہ کرنے پائے، چنانچہ شریک غطفی نامی ایک شخص نے مصر میں کچھ زراعت کر لی تو حضرت عمر ؓ نے بلا کر سخت مواخذہ کیا اور فرمایا کہ ”تجھ کو ایسی سزا دوں گا جو دوسروں کیلئے عبرت انگیز ہوگی۔“^۲

ایک دفعہ عبداللہ بن الحمر العنسی نے شام میں کھیتی کی اور حضرت عمر ؓ کو معلوم ہوا تو اس کی کل جائیداد بر باد کروا دی۔^۳

بندوبست کے ساتھ حضرت عمر ؓ نے ترقی زراعت کی طرف خود توجہ کی اور لوگوں کی توجہ دلائی، ایک مرتبہ ایک شخص سے پوچھا تمہارا وظیفہ کیا ہے؟ اس نے کہا ڈھائی ہزار، فرمایا قبل اس کے قریش کے لوٹے سریر آرائے حکومت ہوں کھیتی کر لو ورنہ ان کے بعد وظیفہ کوئی چیز نہ رہ جائے گا۔^۴ عام حکم دے دیا کہ جو آفتاب زمینیں ہیں ان کو جو شخص آباد کرے اسکی ملک ہو جائیں گی لیکن اگر کوئی شخص تین برس کے اندر آباد نہ کرے تو اسکے قبضہ سے نکل جائیں گی۔

چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت بلال ؓ کو ایک قطعہ بطور جاگیر کے دیا تھا، لیکن انہوں نے اسکو آباد نہیں کیا تو حضرت عمر ؓ نے اسکو ان کے قبضے سے نکال لیا۔^۵ اس طرح ان کے زمانے میں زرعی پیداوار میں اسقدر اضافہ ہو گیا کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ تک صدقہ فطر میں صرف جو، کھجور اور منقہ وغیرہ دیا جاتا تھا، لیکن جب ان کے عہد خلافت میں گہیوں کی پیداوار میں غیر معمولی اضافہ ہوا، تو انہوں نے ان چیزوں کے عوض نصف صاع گہیوں مقرر کر دیا۔^۶

۱: مقریزی ۲۹۵۔ ۲: حسن المحاضرہ جلد ۱ صفحہ ۶۸۔

۳: اصحاب تذکرہ عبداللہ بن الحمر العنسی۔

۴: ابوب المفرد باب الاہل غلامہ۔

۵: دفاء الوفاء صفحہ ۱۹۰۔ ۶: ابوداؤد کتاب الزکوٰۃ باب کم یودی فی صدقۃ الفطر۔

وصولی خراج کا طریقہ

وصولی خراج میں حضرت عمر ؓ نے سب سے زیادہ آسانی یہ پیدا کی کہ خود رعایا کو اختیار دیا کہ وہ وصولی خراج کیلئے بہترین اشخاص منتخب کر کے دربار خلافت میں روانہ کرے چنانچہ کوفہ والوں نے عثمان بن فرقہ کو، شام والوں نے معن بن یزید کو، بصرہ والوں نے حجاج بن علاط کو، منتخب کر کے بھیجا اور حضرت عمر ؓ نے ان کو عامل خراج مقرر کر دیا۔^۱ خراج وصول ہو کر آتا تھا تو دس ثقہ آدمی کوفہ سے، اور اسی قدر بصرہ سے طلب کرتے تھے اور ان کا حلفیہ اظہار لیتے تھے کہ مالکذاری کسی ذمی یا مسلمان پر ظلم کر کے تو نہیں لی گئی ہے۔^۲

حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے بھی وصولی خراج میں نہایت نرمی اختیار کی، چنانچہ ایک بار کسی عامل کو وصولی خراج کیلئے مقرر فرمایا تو یہ وصیتیں کیں۔

لا تضربن رجلا سو طافی حباية درهم ولا تتبعن لهم ازقا ولا كسوه شتاء
ولا صيفاء ولا دابته تصعلون عليها ولا تقيمن رجلا قائما في طلب
درهم۔

کسی شخص کو، مالکذاری کے وصول کرنے میں کوڑا نہ مارو ان کی روزی، ان کے گرمی اور جاڑے کے کپڑے اور بار برداری کے جانور نہ لو اور کسی کو کھڑا نہ کرو۔
اس نے کہا ”تو اے امیر المومنین! یہ کہتے کہ میں یوں ہی خالی ہاتھ واپس آؤں“ فرمایا یہ بھی سہی ہم کو صرف یہ حکم دیا گیا ہے کہ فاضل مال سے مالکذاری وصول کریں۔^۳

جزیہ

جزیہ بھی خراج کی طرح نہایت نرمی کے ساتھ وصول کیا جاتا تھا، جو لوگ پانچ اور بیکار ہو جاتے تھے، ان کا جزیہ معاف کر دیا جاتا تھا، اور ان کو بیعت المال سے وظیفہ ملتا تھا۔ چنانچہ قاعدہ حضرت ابو بکر ؓ ہی کے زمانہ میں مقرر ہو گیا تھا، اور حضرت عمر ؓ نے بھی اس کو قائم رکھا ذمیوں کو کسی قسم کی قوت دے کر جزیہ وصول کرنے کی اجازت نہ تھی، ایک دفعہ حضرت عمر ؓ نے دیکھا کہ دھوپ میں کھڑا کر کے کچھ لوگوں کے سر پر زیتون کا تیل ڈالا جا رہا ہے، وجہ پوچھی تو معلوم ہوا، کہ جزیہ لوانہ کرنے کے جرم میں یہ سزا دی جا رہی ہے، فرمایا ان کو چھوڑ دو، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ جو لوگ دنیا میں بندوں کو تکلیف دیتے ہیں خدا قیامت میں ان کو عذاب دیتا ہے۔

۳: کتاب الخراج صفحہ ۶۴۔

۴: کتاب الخراج صفحہ ۶۵۔

۱: اسد الغابہ تذکرہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ۔
۲: محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

عشر

غیر قوموں سے ایک اور تجارتی ٹیکس لیا جاتا تھا، جس کا نام عشر تھا، یہ اسلام کی کوئی جدید ایجاد نہ تھی بلکہ جاہلیت ہی کے زمانے میں اسکا رواج تھا اور حضرت عمر ؓ نے اسی کو قائم رکھا۔ اسکے وصول کرنے کا طریقہ نہایت آسان تھا، کسی کے اسباب کی تلاشی نہیں لی جاسکتی تھی۔ دو سو درہم سے کم قیمت مال پر کچھ نہیں لیا جاتا تھا، شام کے نہلی چونکہ گیسوں کی تجارت کرتے تھے۔ اسلئے حضرت عمر ؓ ان سے نصف عشر لیتے تھے کہ مدینہ میں اسکی درآمد زیادہ ہو۔^۱

زکوٰۃ عشور

زکوٰۃ کے وصول کرنے میں بھی ہر قسم کی آسانیاں ملحوظ رکھی جاتی تھیں، رسول اللہ ﷺ نے عمل کو حکم دیا تھا کہ زکوٰۃ میں بہترین مال نہ لیا جائے، خلفائے راشدین ؓ بھی نہایت شدت کے ساتھ اس حکم کی پابندی کرتے تھے، ایک بار حضرت عمر ؓ نے اموال صدقہ میں ایک بڑے تھن ولی بکری دیکھی تو فرمایا ”اس کے مالک نے اس کو بخوشی نہ دیا ہو گا، اس طرح مسلمانوں کو نہ بدکاؤ۔“^۲

دیوان، دفتر، بیت المال

جزیہ، خراج، عشور اور زکوٰۃ سے جو رقم وصول ہوتی تھی، حضرت ابو بکر ؓ کے زمانے تک علی السویہ تمام مسلمانوں پر تقسیم ہو جاتی تھی لیکن حضرت عمر ؓ کے زمانے میں جب باقاعدہ نظام سلطنت قائم ہوا، تو اس کیلئے دیوان و دفتر اور بیت المال قائم کیا گیا، خراج و کلاؤں جیسا کہ قدیم زمانہ میں فارسی، شامی اور قبطی زبان میں تھا حضرت عمر ؓ کے زمانے میں بھی قائم رہا کیونکہ ابھی تک اہل عرب نے اس فن میں اس قدر ترقی نہیں کی تھی کہ یہ دفتر عربی زبان میں منتقل ہو سکتا۔ بیت المال کے رجسٹر نہایت صحت اور تفصیل کے ساتھ مرتب کئے جاتے تھے چنانچہ صدقہ و زکوٰۃ کے مویشی آتے تھے تو ان کے رنگ، حیلہ اور سن تک لکھے جاتے تھے۔ بیت المال میں جو رقم جمع ہوتی تھی اس کا ایک بڑا حصہ مسلمانوں کے وظیفے میں صرف ہو جاتا تھا، جن کے سالانہ وظائف علی قدر مراتب حسب ذیل تھے۔

پانچ ہزار درہم سالانہ

چار ہزار درہم سالانہ

شرکائے غزوہ بدر

مہاجرین حبش اور شرکائے غزوہ احد

۱: مؤطا امام مالک کتاب الزکوٰۃ باب عشور للذم۔

۲: مؤطا امام مالک کتاب الزکوٰۃ باب النبی عن الشقی علی الناس فی الصدقہ۔

۳: اسد الغابہ تذکرہ حضرت فاروق ؓ متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

مہاجرین قبل از فتح مکہ
 جو لوگ فتح مکہ میں اسلام لائے
 تین ہزار درہم سالانہ
 دو ہزار درہم سالانہ
 دو ہزار درہم سالانہ
 چار ہزار درہم سالانہ
 تین سو درہم سالانہ
 دو سو درہم سالانہ

اہل یمن
 قادیہ اور یرموک کے بعد کے مجاہدین
 بلا امتیاز مراتب

ان لوگوں کے اہل عیال بلکہ غلاموں کے وظائف بھی مقرر تھے، چنانچہ مہاجرین اور انصار کی بیویوں کا وظیفہ دو سو ۲۰۰ سے چار سو ۴۰۰ درہم تک اہل بدر کے اولاد ذکور کا وظیفہ دو سو ۲۰۰ ہزار درہم مقرر تھا ان مصارف کے بعد صوبجات اور اضلاع کے بیت المال میں جو رقم بچ جاتی تھی، وہ مدینہ منورہ کے بیت المال میں بھیج دی جاتی تھی۔ جن لوگوں کے وظیفے ملتے تھے ان کے نام مع ولدیت درج رجسٹر ہوتے تھے اور ان کی ترتیب کیلئے بڑے بڑے قابل لوگ مثلاً حضرت عقیل بن ابی طالبؓ، مخزمہ بن نوفل اور جبیر بن مطعم وغیرہ مامور تھے۔

۱: کنز العمال جلد ۳ صفحہ ۱۶۳ بحوالہ ابن سعد۔

۲: مسند ابن فضال جلد ۱ صفحہ ۳۱۔

پبلک ورک یا نظارت نافعہ

اصطلاحی حیثیت سے اگرچہ اس صیغہ میں صرف نہریں، سرکاری عمارتیں، پل، بند شفاخانے اور کنوئیں وغیرہ داخل ہیں لیکن ہم نے اس میں صحابہ کرام ؓ کے اوقاف و صدقات جاریہ کو بھی شامل کر لیا ہے، کیونکہ اوقاف و صدقات کا مقصد بھی رفاہ عام کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔

کنوئیں

رفاء عام کی چیزوں میں اگرچہ کنوئیں اب نہایت معمولی درجے کی چیز خیال کئے جاتے ہیں لیکن عرب میں وہ نہایت گراں قیمت چیز سمجھے جاتے تھے، اسی بنا پر حدیث میں آیا ہے کہ ”سب سے اچھا صدقہ پانی ہے“ اسلام میں رفاہ عام کے کاموں کی ابتدا سب سے پہلے اسی صدقہ جاریہ سے ہوئی چنانچہ جب رسول اللہ ﷺ نے ہجرت کی تو مدینہ میں آب شیریں کی نہایت قلت محسوس ہوئی، آب شیریں کا صرف ایک کنواں تھا، جس کا نامہ بیر رومہ تھا اس لئے آپ نے تمام مسلمانوں کی طرف خطاب کر کے کہا کہ اپنے لئے اور تمام مسلمانوں کیلئے اس کو کون خریدتا ہے؟ حضرت عثمان ؓ کو یہ سعادت نصیب ہوئی اور انہوں نے اس کو اپنے صلب مال سے خرید کر تمام مسلمانوں پر وقف کر دیا۔^۱

حضرت عثمان ؓ نے اور بھی متعدد کنوئیں، مثلاً بیر سائب، بیر عامر، بیر اریس، کھدوائے اور مسلمانوں پر وقف کئے۔^۲

اس کے بعد اور صحابہ ؓ نے بھی متعدد کنوئیں کھدوائے، حضرت سعد بن عبادہ ؓ کی والدہ کا انتقال ہوا تو رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور پوچھا کہ ان کیلئے کون سا صدقہ بہتر ہوگا؟ ارشاد ہوا ”پانی“ چنانچہ انہوں نے ماں کی یادگار میں ایک کنواں کھدوایا،^۳ مدینہ میں ایک اور کنواں جس کا نام بیر ملک تھا، حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی طرف سے وقف تھا۔^۴

۱: نسائی کتاب الاحباس۔ ۲: وفاء الوفا ص ۲۵۳۔

۳: ابوداؤد کتاب الزکوٰۃ فی فضل سقی الماء لیکن نسائی کتاب الاحباس میں ہے کہ انہوں نے بطور صدقہ کے

متعدد دباغ وقف کئے تھے۔ ۴: وفاء الوفاء ص ۲۵۸۔

رسول اللہ ﷺ کے بعد جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے سر پر خلافت الہی کا تاج رکھا گیا تو اس صدقہ جاریہ کی طرف اور بھی توجہ ہوئی اگرچہ ہم کو یہ معلوم نہیں کہ اس زمانے میں کتنے کنوئیں کھودے گئے تاہم بعض واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ خلفاء کو اس کا نہایت اہتمام تھا، معجم البلد ان ذکر تبوک میں ہے کہ وہاں ایک کچا کنواں تھا جو ہمیشہ گر گر پڑتا تھا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حکم سے ابن عریض نامی ایک یہودی نے اس کو پختہ کر لیا۔

چوکیاں اور سرائیں

عرب کے لوگ اکثر سفر کیا کرتے تھے، بالخصوص سال میں ایک بار تمام عرب کو حج کا احرام باندھنا پڑھتا تھا باہمہ راستہ میں مسافروں کے آرام و آسائش کا بہت کم سامان تھا لیکن خلفاء کے عہد میں مسافروں کے آرام و آسائش کے تمام سامان مہیا ہو گئے چنانچہ جو لوگ راستے میں مسافروں کو پانی پلایا کرتے تھے، انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے اجازت طلب کی اور مکہ اور مدینہ کے درمیان سرائیں بنواتا چاہیں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس شرط پر اجازت دی کہ مسافر پانی اور سمایہ کے سب سے زیادہ حق ہوں گے۔^۱

شاہ ولی اللہ صاحب کی تصریح سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسی سلسلہ میں متعدد کنوئیں بھی کھودوائے اور جو کنوئیں پٹ گئے تھے ان کو صاف کر لیا۔^۲ انہوں نے مکہ اور مدینہ کے درمیان ایسے اشخاص بھی مقرر کئے جو گرم کشتیاں قافلہ کو سیراب راستوں سے لے جا کر منزل مقصود تک پہنچا آتے تھے،^۳

مہمان خانے

اول بول حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مسافروں کیلئے کوفہ میں ایک مہمان خانہ قائم کیا، فتوح البلد ان میں ہے۔

امر عمر ان يتخذ لمن يرو من الآفاق دارا فکانوا ينزلونہا۔^۴

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حکم دیا کہ جو لوگ اطراف ملک سے مسافر خانہ وارد ہوتے ہیں ان کیلئے

ایک مہمان خانہ قائم کیا جائے چنانچہ جو مسافر آتے تھے اسی مہمان خانے میں اترتے تھے۔

اس کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے کوفہ میں ایک اور مہمان خانہ قائم کیا جس کی وجہ یہ ہوئی کہ باہر سے لوگ تجارت کا غلہ لے کر آتے تھے وہ عموماً پرائیویٹ مکانوں میں قیام کرتے

۱: فتوح البلد ان ص ۶۰۔ ۲: ازالۃ الخفاء

۳: مقریزی جلد اول صفحہ ۳۶۱۔

۴: فتوح البلد ان صفحہ ۲۸۶۔

تھے اس غرض سے بعض فیاض طبع لوگوں نے یہ انتظام کیا تھا کہ بازار میں منادی کروا دیتے تھے کہ جس کے قیام کا بندوبست نہ ہو وہ ہمارے مکان میں قیام کر سکتا ہے حضرت عثمان ؓ کو خبر ہوئی تو انہوں نے ان لوگوں کیلئے ایک مہمان خانہ قائم کر دیا۔^۱

حوض اور نہریں

صحابہ کرام ؓ نے رفاہ عام کی غرض سے جا بجا مکہ اور مدینہ میں نہ کثرت حوض اور چشمے تیار کرائے، حضرت عثمان نے حضرت عبداللہ بن عامر ؓ کو بصرہ کا عامل مقرر فرمایا تو انہوں نے عرفات میں بہت سے حوض بنوائے اور متعدد نہریں جاری کیں۔^۲ حمی قید کے پاس حضرت عثمان ؓ نے ایک نہر کھدوائی جس کا نام عین النخل تھا۔^۳ حضرت علی ؓ نے بھی متعدد نہریں وقف عام کی تھیں، چنانچہ مقام کبج میں ان کے ذاتی ملک میں بہت سی چھوٹی چھوٹی نہریں تھیں، انہوں نے سب کو وقف عام کر دیا۔^۴ اسی طرح اور دو نہروں کو انہوں نے فہرائے مدینہ پر وقف کر دیا تھا، چنانچہ ایک بار حضرت امام حسین ؓ پر قرض ہو گیا تو حضرت امیر معاویہ ؓ نے ایک نہر کے بدلے دو لاکھ دینار دینا چاہے مگر انہوں نے کہا کہ میں اپنے باپ کا وقف فروخت کرنا نہیں چاہتا۔^۵

حضرت امیر معاویہ ؓ کو نہروں کے جاری کرنے کا خاص اہتمام تھا، خلاصۃ الوفاء میں ہے۔

كان بالمدينة الشريفة وما حولها عيون كثيرة و كان لمعاوية اهتمام بهذا الباب۔^۶

مدینہ شریف اور اس کے متصل بکثرت نہریں تھیں اور حضرت امیر معاویہ ؓ کو اس باب میں خاص اہتمام تھا۔

حضرت امیر معاویہ ؓ نے جو نہریں جاری کرائیں ان میں نہر کظامہ،^۷ نہر ازرق،^۸ نہر شہداء^۹ وغیرہ کا نام و فاء الوفاء اور خلاصۃ الوفاء میں مذکور ہے، حضرت امیر معاویہ ؓ نے پہاڑوں کی بعض گھاٹیوں کے گرد بند بندھوا کر ان کو بھی تالاب کی صورت میں بدل دیا تھا جس میں پانی جمع ہوتا تھا۔^{۱۰}

خلفاء کے علاوہ اور صحابہ ؓ نے بھی پانی کے چشمے وقف عام کئے تھے، مثلاً حضرت طلحہ ؓ نے ایک چشمہ خرید کر انہوں پر وقف کر دیا تھا۔^{۱۱}

۱: حسن المحاضرہ جلد ۱ صفحہ ۹۲۔ ۲: اسد القابہ تذکرہ حضرت عبداللہ بن عامر۔

۳: خلاصۃ الوفاء ص ۲۵۔ ۴: وفاء الوفاء ص ۹۳۔

۵: معجم ذکر عین ابی نضر۔ ۶: خلاصۃ الوفاء ص ۲۳۔

۷: وفاء الوفاء ص ۹۔ ۸: خلاصۃ الوفاء صفحہ ۳۶۔

۹: خلاصۃ الوفاء صفحہ ۳۳۔ ۱۰: متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ۔ ۱۱: وفاء الوفاء صفحہ ۶۰۔

نہر سعد

مکہ اور مدینہ کے علاوہ صحابہ کرام ؓ نے مختلف شہروں میں نہریں جاری کیں اینار واواں کو مدت سے ایک نہر کی ضرورت محسوس ہو رہی تھی، چنانچہ اس کیلئے حضرت عمر ؓ کے عہد خلافت میں ان لوگوں نے حضرت سعد وقاص ؓ سے درخواست کی تو انہوں نے حضرت سعد بن عمرو بن حرام ؓ کو اس کام پر مامور کیا، انہوں نے بڑے اہتمام سے کام جاری کیا لیکن کچھ دور پہنچ کر بیچ میں ایک پہاڑ آگیا، اس لئے کام وہیں تک پہنچ کر رک گیا، بعد کو حجاج نے اس کی تکمیل کی لیکن الفضل للمقدم کی بنا پر یہ نہر حضرت سعد بن عمرو ؓ ہی کے نام سے مشہور تھی۔^۱

نہر ابی موسیٰ

بصرہ واواں کو آب شریں کی سخت تکلیف تھی، ایک بار انکا ایک وفد حضرت عمر ؓ کی خدمت میں حاضر ہوا، اور وفد کے ایک ممبر یعنی حنیف بن قیس نے نہایت پراثر تقریر میں حضرت عمر ؓ کو اس طرف توجہ دلائی، حضرت عمر ؓ نے اسی وقت حضرت ابو موسیٰ اشعری ؓ کے نام ایک تحریری حکم بھیجا کہ بصرہ واواں کیلئے ایک نہر کھدوا دی جائے، چنانچہ حضرت ابو موسیٰ اشعری ؓ نے اس نہر کو دجلہ سے نکال کر نہر ابلہ سے ملا دیا اخیر میں اس کا کچھ حصہ پٹ گیا لیکن حضرت عبداللہ بن عامر بن کریم ؓ نے جو حضرت عثمان ؓ کی جانب سے بصرہ کے گورنر تھے اس کی مرمت و اصلاح کروادی۔^۲

نہر معقل

یہ نہر بھی حضرت ابو موسیٰ اشعری ؓ نے حضرت عمر ؓ کے حکم سے بصرہ میں کھدوائی، چونکہ اس کی تیاری کا کام حضرت معقل ؓ کے سپرد کیا گیا تھا، اس لئے انہی کے نام سے مشہور ہو گئی، حضرت امیر معاویہ ؓ کے زمانہ میں زیاد نے دوبارہ اس نہر کو کھدوایا اور تیسرا حضرت معقل ؓ ہی سے اس کا افتتاح کروایا افتتاح کرنے کے بعد ایک آدمی کو ہزار درہم دیئے اور کہا کہ دجلہ کے کنارے گھوم آؤ اگر ایک شخص بھی اس نہر کو زیاد کی نہر کہتا ہوا ملے تو اس کو یہ رقم دے دو، لیکن بچے بچے کی زبان سے معقل کا نام سن کر اس نے کہا ذالک فضل اللہ یوتیہ من یشاء۔^۳

۱۔ فتوح البلدان صفحہ ۲۸۳۔

۲۔ فتوح البلدان صفحہ ۳۶۵۔

۳۔ فتوح البلدان صفحہ ۳۶۶۔

نہر امیر المومنین

سن ۱۸ھ میں جب عرب میں قحط پڑا تو حضرت عمر ؓ نے تمام صوبوں سے غلہ منگولیا لیکن شام و مصر سے چونکہ خشکی کا راستہ بہت دور تھا اس لئے غلہ کی روانگی میں کسی قدر دیر ہوئی، ان وقتوں کی بنا پر حضرت عمر ؓ نے حضرت عمرو بن العاص ؓ کو طلب کیا اور کہا کہ ”اگر دریائے نیل سمندر سے ملادیا جائے تو عرب میں قحط و گرانی کا کبھی اندیشہ نہ ہو ورنہ خشکی کی رلہ سے غلہ آنا وقت سے خالی نہیں۔“ حضرت عمرو بن العاص نے پلٹ کر فوراً کام شروع کر لیا اور ایک سال میں یہ نہر بن کر تیار ہو گئی یہ تفصیل حسن المحاضرہ میں ہے،^۱ لیکن طبری میں ہے کہ جب حضرت عمر ؓ نے تمام امراء و عمال کے نام غلہ کیلئے تحریر حکم بھیجا تو خود حضرت عمرو بن العاص ؓ نے جواب میں لکھا کہ ”پہلے بحر شام بحر عرب میں گرنا تھا لیکن رومیوں اور قبطیوں نے اس کو بند کر دیا مگر آپ چاہتے ہیں کہ مصر کی طرح مدینہ میں بھی غلہ کا نرخ ارزاں ہو تو میں اس غرض سے نہر تیار کر کے اس پر بل بندھواؤں“ مصر والوں نے اگرچہ اپنے ذاتی مصالح کی بنا پر بہت کچھ دلوایا کیا لیکن حضرت عمر ؓ نے اس معاملہ میں کسی کی نہ سنی چنانچہ جب یہ نہر بن کر تیار ہوئی تو عرب ہمیشہ کیلئے قحط کی مصیبت سے نجات پا گیا۔^۲

حضرت امیر معاویہ ؓ کے زمانے میں بھی بعض نہریں تیار ہوئیں مثلاً انہوں نے عبید اللہ بن زیاد کو خراسان کا گورنر مقرر کر کے بھیجا تو اس نے جبال بخدی کو کاٹ کر ایک نہر نکالی۔^۳ انہی کے زمانے میں حکم بن عمرو نے ایک نہر جاری کی جس کا افتتاح نہ ہو سکا۔^۴

زرعی نہریں

حضرت عمر ؓ کے زمانے میں زرعی ترقی کا جو مستقل انتظام ہوا اس کے سلسلہ میں انہوں نے نہایت اہتمام کے ساتھ آب پاشی کیلئے نہریں کھدوائیں، چنانچہ خاص مصر میں ایک لاکھ بیس ہزار مزدور روزانہ سال بھر اس کام میں

لگے رہتے تھے اور ان کے تمام مصارف بیت المال سے لوائے جاتے تھے۔^۵

حضرت امیر معاویہ ؓ کے زمانے میں اس صیغے کو اور بھی زیادہ ترقی ہوئی، ان کے زمانے میں صرف مدینہ اور اس کے آس پاس جو زرعی نہریں تھیں ان کے ذریعہ سے فیض لاکھ و سق خرما اور ایک لاکھ و سق گیسوں پیدا ہوتا تھا۔^۶

- | | |
|--------------------------------------|---------------------------------|
| ۱۔ حسن المحاضرہ سیوطی جلد ۱ صفحہ ۶۸۔ | ۲۔ طبری صفحہ ۲۵۷۔ |
| ۳۔ طبری صفحہ ۱۶۹، اوقات سن ۵۴ھ۔ | ۴۔ طبری صفحہ ۱۵۹، اوقات سن ۵۵ھ۔ |
| ۵۔ حسن المحاضرہ جلد ۱ صفحہ ۶۳۔ | ۶۔ خازنہ الوفا صفحہ ۲۳۷۔ |

بند

مکہ میں جو چار مشہور سیلاب مختلف زمانوں میں آئے ان میں ایک سیلاب جو ام نہشل کے نام سے مشہور ہے حضرت عمر ؓ کے عہد خلافت میں آیا اور مسجد حرام تک پہنچ گیا۔ حضرت عمر ؓ نے نیچے اوپر دو بند بندھوائے، جس نے مسجد حرام کو سیلاب کی زد سے محفوظ رکھا۔^۱ مدینہ میں ایک چشمہ تھا، جس کا نام مہزور تھا، حضرت عثمان ؓ کے زمانہ میں اس میں طغیانی آئی اور تمام مدینہ ڈوب گیا، اس لئے انہوں نے اس سے بچنے کیلئے ایک بند بندھوایا۔^۲

پل اور سڑک

خلفاء کے زمانے میں مفتوحہ قوموں سے جو معاہدہ صلح ہوتا تھا ان میں تمام شرائط کے ساتھ یہ شرط بھی طے کر لی جاتی تھی کہ سڑکوں اور پلوں کا بنانا ان کے متعلق ہوگا، چنانچہ کتاب الخراج میں ایک معاہدہ کا یہ فقرہ نقل کیا ہے،

وبناء القناطر علی الانهار من اموالهم۔^۳

نہروں پر ان کو اپنے صرف سے پل باندھنا ہوگا۔

تاریخ طبری واقعات ۱۶ھ میں ایک معاہدہ کے حسب ذیل فقرے نقل کئے ہیں:

فکان الفلاحون للطرق والجسور والاسواق والحرث والدلالة۔^۴

کاشتکاروں کا یہ فرض قرار دیا گیا کہ سڑک بنائیں، پل باندھیں، بازار لگائیں، کھیتی کریں اور مسلمانوں کو راستہ بتائیں۔

سرکاری عمارتیں

سرکاری عمارتوں کی ابتداء حضرت عمر ؓ کے زمانے میں ہوئی اور سرکاری کاموں کیلئے جس قدر عمارتوں کی ضرورت ہوتی ہے غالباً کل وجود میں آگئیں۔

دار الامارۃ

صوبجات اور اضلاع کے حکام کیلئے دار الامارۃ تعمیر کئے گئے جو گویا اس زمانے کے گورنمنٹ ہاؤس تھے۔ حضرت عمر ؓ کے دور خلافت میں غالباً سب سے پہلے بصرہ کا دار الامارۃ تیار ہوا۔

۱: فتوح البلدان صفحہ ۶۰۔ ۲: فتوح البلدان صفحہ ۷۱۔

۳: کتاب الخراج صفحہ ۸۰۔

۴: طبری صفحہ ۲۴۷۰ لیکن علامہ سیوطی کی تصریح سے معلوم ہوتا ہے کہ خود بیت المال کے مصارف سے بھی پل وغیرہ بنوائے جاتے ہیں، چنانچہ حسن المحاضرہ جلد ۱ صفحہ ۶۳ میں لکھتے ہیں۔

كانت فريضة مصر لحضر خليجها واقامة جسورها وبناء قناطرها وقطع ذاترها مائة الف و عشرين الفا معهم الطود والمساحي والاداة يعتقبون ذلك لا يدعون ذلك شئ ولا صيفا۔

چنانچہ جب عتبہ بن غزوہ بن غزوہ نے فوجی ضرورت سے بصرہ کو آباد کیا تو اسکے ساتھ مقام ذہناء میں جس کو اب رجبہ بنی ہاشم کہتے ہیں، سادہ طور پر ایک مسجد، ایک جیل خانہ اور ایک دارالامارہ بھی تعمیر کروایا۔ بصرہ اول اول گویا چھپروں کا مجموعہ تھا، لیکن بعد کو حضرت ابو موسیٰ اشعری ؓ نے کچے مکانات بنوائے تو دارالامارہ کو بھی کچی اینٹ سے تعمیر کر دیا اور چھت گھاس سے بنوائی۔ حضرت امیر معاویہ ؓ نے زیاد کو بصرہ کا گورنر مقرر فرمایا تو اس نے مسجد میں بہت کچھ اضافہ کیا اور دارالامارہ کو ہٹا کر مسجد کے سامنے قبلہ رخ کر دیا اور اس کی عمارت پہلے سے بھی مستحکم بنوائی۔^۱

اس کے بعد حضرت سعد بن ابی وقاص ؓ نے کوفہ کو آباد کیا تو اس کے ساتھ دارالامارہ بھی تعمیر کر لیا۔ زیاد نے اس کی عمارت بھی دوبارہ مستحکم طور پر بنوائی۔^۲

مکہ میں ایک نہایت قدیم یادگار تھی جس کو دارالندوہ کہتے تھے، یہ عمارت قریش کا گویا دارالامارہ تھی۔ جس میں وہ تمام اہم قومی معاملات کا فیصلہ کرتے تھے اخیر میں حضرت امیر معاویہ ؓ نے اس کو خرید کر دارالامارہ بنا لیا۔^۳

جیل خانے

حضرت عمر ؓ نے اپنے عہد خلافت میں متعدد جیل خانے بنوائے۔ اول اول مکہ معظمہ میں صفوان بن امیہ کا مکان چار ہزار درہم پر خرید کر کے جیل خانہ بنوایا۔^۴ پھر اور اضلاع میں بھی جیل خانے بنوائے، بصرہ کا جیل خانہ عتبہ بن غزوہ نے تعمیر کروایا تھا، جو بالکل دارالامارہ کے متصل تھا، کوفہ کا جیل خانہ بانس یاز تسل سے بنا تھا۔^۵

غلہ خانے

معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمر ؓ نے تمام سرکاری ضروریات کیلئے الگ الگ مکانات تعمیر کروائے تھے ہم کو تاریخوں میں دارالدقیق اور دارالرفیق کا اکثر نام ملتا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ قیدیان جنگ کے رہنے کیلئے کوئی مستقل مکان تعمیر کیا گیا تھا۔ اس طرح سرکاری آٹا کسی مستقل عمارت میں رکھا جاتا تھا، عام الریاء میں مدینہ کی بندرگاہ جار پر جو غلہ آتا تھا اس کو رکھنے کیلئے حضرت عمر ؓ نے دو بڑے بڑے محل بنوائے تھے۔^۶

بیت المال

اگرچہ ابن سعد کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابو بکر ؓ کے عہد خلافت^۱

۱: فتوح البلدان صفحہ ۳۵۵۔ ۲: فتوح البلدان صفحہ ۲۸۵۔

۳: فتوح البلدان صفحہ ۵۹۔ ۴: مقرر فی جلد دوم صفحہ ۱۸۷۔

۵: فتح البلدان صفحہ ۳۶۸۔ ۶: یعقوبی صفحہ ۱۷۷۔

میں بیت المال قائم ہو چکا تھا لیکن درحقیقت حضرت عمر ؓ نے اس کیلئے مستقل اور شاندار عمارتیں تعمیر کروائیں۔ چنانچہ کوفہ کا بیت المال ایک عظیم الشان محل کی صورت میں تعمیر ہوا تھا۔ جس کیلئے شاہان فارس کی عمارت سے اینٹیں منگائی گئی تھیں اور جس کو روزہ ایک مشہور مجوسی معمار نے تیار کیا تھا۔^۱

بازار

صحابہ کرام ؓ کے عہد خلافت میں اگرچہ عرب کے تمام قدیم بازار مثلاً عکاظ ہذولہ وغیرہ قائم تھے تاہم خود صحابہ کرام ؓ نے بھی متعدد بازار قائم کئے چنانچہ حضرت عمر ؓ کے عہد خلافت میں کوفہ آباد ہوا تو ایک کھلی ہوئی جگہ بازار کیلئے مخصوص کر لی گئی۔^۲ مصر فتح ہوا تو حضرت عمر بن العاص ؓ نے حضرت عمر ؓ کو لکھا کہ ”ہم مسجد جامع کے متصل آپ کیلئے ایک مکان تعمیر کرنا چاہتے ہیں۔“ انہوں نے لکھا کہ ”میں تو حجاز میں ہوں اور میرے لئے مصر میں مکان تعمیر ہوگا؟ اس جگہ ایک بازار قائم کر دو۔“ چنانچہ وہ بازار قائم کیا گیا اور اس میں غلام فروخت کئے جاتے تھے۔^۳

حضرت عثمان ؓ نے حضرت عبداللہ بن عامر ؓ کو بصرہ کا عامل مقرر فرمایا تو انہوں نے بہت سے مکانات خرید کر منہدم کر دیئے اور اس جگہ ایک بازار قائم کیا۔^۴

شفا خانے

اگرچہ ہم کو اس قدر معلوم ہے کہ حضرت عمر ؓ حفظان صحت کا نہایت خیال رکھتے تھے۔ چنانچہ ایک بار حضرہ کے باشندوں نے شکایت کی کہ ہمارا گاؤں وبائی امراض میں مبتلا رہتا ہے تو حضرت عمر ؓ نے کہا کہ اس کو چھوڑ دو۔ لوگوں نے کہا کہ وہ ہمارا وطن ہے۔ حضرت عمر ؓ نے عرب کے مشہور طبیب حارث بن کلدہ سے کہا کہ اب کیا تدبیر ہے؟ اس نے کہا کہ ”زمین مرطوب ہے اور وہاں پسو اور مچھر بہت لگتے ہیں جو وباء کا سبب ہیں اس لئے ان لوگوں کو قرب و جوار میں نکل جانا چاہئے، گھی اور کراٹ کھانا چاہئے، خوشبو لگانا چاہئے، ننگے پاؤں نہ چلنا چاہئے، دن کو سونا نہ چاہئے۔“ چنانچہ حضرت عمر ؓ نے ان کو ان تدبیروں پر عمل کرنے کا حکم دیا اور اگرچہ ہم کو اس قدر معلوم ہے کہ حضرت عمر ؓ کے عہد میں بکثرت اطباء موجود تھے اور ان سے وہ کام لیتے تھے، چنانچہ حضرت معیقب دوسی ؓ کو جذام ہوا تو ان کے علاج

۲۔ طبری ص ۲۴۹۱۔

طبری ص ۲۴۸۹۔

۳۔ اسد الغابہ تذکرہ حضرت عبداللہ بن عامر۔

حسن المحاضرہ جلد اول ص ۵۹۔

۴۔ خالدہ الوفیہ ص ۲۷۰۔

کیلئے انہوں نے مختلف اطباء بلوائے^۱ لیکن باہنہمہ جہاں تک ہم کو معلوم ہے حضرت عمر ؓ اور دوسرے خلفاء نے شفاخانے کیلئے کوئی عمارت تعمیر نہیں کروائی۔

چھاؤنیاں اور قلعے

صحابہ کرام ؓ کے عہد میں چونکہ فتوحات کا سلسلہ ہمیشہ جاری رہا اس لئے بکثرت فوجی چھاؤنیاں اور بکثرت قلعے تعمیر ہوئے۔ عام دستور یہ تھا کہ جب کوئی غیر محفوظ یا ساحلی مقام فتح ہوتا تو وہاں بقدر ضرورت فوج متعین کر دی جاتی تھی جس سے ہر قسم کی شورش و بغاوت کا سد باب ہو جاتا تھا۔^۲ لیکن ان عارضی انتظامات کے علاوہ مستقل فوجی چھاؤنیاں قائم کی گئیں اور تمام ساحلی مقامات قلعوں سے مستحکم کئے گئے، چنانچہ حضرت عمر ؓ نے ۷ھ میں شام کا سفر کیا تو تمام سرحدی مقامات کا دورہ کر کے فوجی چھاؤنیاں قائم کروائیں، ساحلی مقامات کا مستقل انتظام کیا اور حضرت عبداللہ بن قیس ؓ کو اس کا افسر مقرر فرمایا۔^۳ ۱۹ھ میں جب یزید بن سفیان ؓ کا انتقال ہوا تو ان کے بھائی معاویہ ؓ نے حضرت عمر ؓ کو اطلاع دی کہ سواحل شام کے استحکام کی زیادہ ضرورت ہے، حضرت عمر ؓ نے فوراً حکم بھیجا تمام قلعوں کی مرمت کی جائے اور ان میں فوجیں رکھی جائیں۔ جتنے دریائی مناظر ہیں ان میں پہرہ دینے والے متعین کئے جائیں اور ہمیشہ آگ روشن رکھنے کا سامان کیا جائے۔ حضرت عمر ؓ نے مصر وغیرہ میں بھی اس قسم کی بہ کثرت چھاؤنیاں قائم کی، حضرت عثمان نے اس کو اور ترقی دی اور متعدد قلعے اور چھاؤنیاں بنوائیں۔ ایک گاؤں جس کا نام جسر منج تھا، موسم گرما میں فوج کے قیام کیلئے آباد کر لیا۔^۴ اور جو ساحلی قلعوں میں اقامت گزین ہونا پسند کرتے تھے ان کو جاگیریں عطا کیں۔^۵ حضرت امیر معاویہ ؓ کو بحریات کا بہت زیادہ خیال تھا۔ چنانچہ حضرت عثمان ؓ کے عہد خلافت میں طرابلس فتح ہوا تو حضرت امیر معاویہ ؓ نے ایک بڑا قلعہ بنوایا جس کا نام حصن سفیان رکھا، اس قلعہ کے تعمیر ہونے سے ہر قسم کے بحری حملہ کا اندیشہ جاتا رہا۔^۶ لازمیہ، جیلہ اور انطرطوس کو حضرت ابو عبیدہ ؓ نے فتح کیا تو قدیم دستور کے موافق حفاظت کیلئے کچھ فوجیں متعین کر دیں لیکن حضرت امیر معاویہ ؓ نے تمام ساحلی استحکامات کے ساتھ یہاں بھی قلعے بنوائے۔^۷

جزیرہ روڈس فتح ہوا تو حضرت امیر معاویہ ؓ نے یہاں بھی ایک قلعہ تعمیر کروایا۔^۸

- | | |
|-------------------------------------|---------------------------|
| ۱: اسد الغابہ تذکرہ حضرت معقب دوسی۔ | ۲: فتوح البلدان صفحہ ۱۳۴۔ |
| ۳: طبری صفحہ ۲۵۲۳۔ | ۴: فتوح البلدان صفحہ ۱۵۷۔ |
| ۵: فتوح البلدان صفحہ ۱۳۴۔ | ۶: فتوح البلدان صفحہ ۱۳۳۔ |
| ۷: فتوح البلدان صفحہ ۱۴۰۰۔ | ۸: فتوح البلدان صفحہ ۲۴۴۔ |

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے بحری استحکامات کے علاوہ خاص لیل مدینہ کیلئے بھی ایک قلعہ بنوایا جس کا نام قصر خل تھا۔
مقبرہ

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جبل مقطم پر جو مصر میں واقع ہے مسلمانوں اور عیسائیوں کا الگ الگ مقبرہ تعمیر کروایا، چنانچہ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ، حضرت عبداللہ بن حارث زبیدی رضی اللہ عنہ، حضرت عبداللہ بن حذافہ السہمی رضی اللہ عنہ، حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ اسی مقبرے میں مدفون ہوئے۔

حمام

مصر میں اگرچہ بہ کثرت حمام تھے لیکن وہ نہایت گندے و نجس رہتے تھے اسلئے حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے ایک چھوٹا سا حمام تعمیر کروایا، جس کو رومی حمام الفار یعنی چوہوں کا حمام کہتے ہیں۔

وصیت

نزع کا عالم بھی عجیب کشمکش کا عالم ہوتا ہے۔ ایک طرف تو آل و ولاد کی ماں باپ کی، بھائی بند کی محبت دامن پکڑتی ہے، دوسری طرف عالم قدس کی کشش گریہاں گیر ہوتی ہے۔ اس لئے دین و دنیا کی محبت کے موازنہ کیلئے اس سے بہتر زمانہ نہیں مل سکتا، اگر انسان دنیا کا شیدائی ہے تو وہ اپنا تمام مال و دولت صرف اعزہ و اقارب کو تفویض کر دیتا ہے اور اگر وہ اپنا رشتہ خدا کے ساتھ جوڑنا چاہتا ہے تو اپنی جائیداد کا معظم ترین حصہ خدا کی راہ میں صرف کرتا ہے اور آل و ولاد کو صرف اسی قدر دیتا ہے جس قدر ان کا حصہ اللہ تعالیٰ نے متعین کر دیا ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اللہ تعالیٰ کے صالح بندے تھے اسلئے وہ اس عالم میں جو کچھ دیتے تھے خدا ہی کو دیتے تھے۔ آل و ولاد کا صرف اسی قدر خیال رکھتے تھے جتنا اللہ تعالیٰ نے ان کو حکم دیا تھا۔ حضرت ابی وقاص رضی اللہ عنہ مرض الموت میں بیمار ہوئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عیادت کیلئے تشریف لائے تو عرض کی کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس دولت بہت ہے اور ورثہ میں صرف ایک لڑکی ہے، چاہتا ہوں کہ دو ٹکٹ مال صدقہ کر دوں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت نہیں دی، بولے تو نصف۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”نہیں ٹکٹ بہت ہے۔“

۱: وفاء الوفاء صفحہ ۳۶۱۔

۲: معجم البلد ان ذکر مقطم۔

۳: حسن الحاضرہ جلد اول صفحہ ۵۹۔

۴: ابوداؤد کتاب الوصایا باب ما جاء فیما یجوز للموصی فی مال۔

حضرت سعد بن مالک رضی اللہ عنہ پہنچے اور آپ عیادت کیلئے تشریف لائے تو انہوں نے کہا ”میں خدا کی راہ میں اپنا کل مال دیتا ہوں۔“ فرمایا ”بچوں کیلئے کیا چھوڑتے ہو؟“ بولے ”خدا کے فضل سے وہ آسودہ حال ہیں۔“ آپ ﷺ نے فرمایا ”نہیں، صرف دسویں حصہ کی وصیت کرو۔“ انہوں نے بہت اصرار کیا تو آپ ﷺ نے ٹکٹ کی اجازت دی۔^۱

اوقاف

غربت و افلاس، تنگ دستی اور فاقہ مستی سب کچھ تھیں، لیکن ان میں کوئی چیز صحابہ رضی اللہ عنہم کو اتفاق فی سبیل اللہ سے باز نہیں رکھ سکتی تھی، صدقہ و خیرات تو تمام صحابہ رضی اللہ عنہم کے اعمال صالحہ کا نمایاں جزو تھا، اسی بناء پر قرآن مجید نے ان کی یہ مشترک خصوصیت بیان فرمائی۔

و مما رزقناہم ینفقون

اور ہمارے دیئے ہوئے میں سے کچھ صرف کرتے ہیں۔

لیکن ان میں متعدد بزرگ ایسے تھے جو خدا کی راہ میں کچھ دینا نہیں چاہتے تھے، بلکہ سب کچھ دینا چاہتے تھے، مثلاً حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک بار خیبر میں ایک نہایت عمدہ قطعہ زمین پہلے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا کہ میں نے ایک نہایت عمدہ جائیداد پائی ہے اسکی نسبت کیا حکم ہے؟ ارشاد ہوا کہ اسکو خدا کی راہ میں وقف کر دو، چنانچہ انہوں نے اس ووقف کر دیا۔^۲ لیکن اسکے علاوہ انہوں نے اور بھی متعدد جائیدادیں وقف کیں جنکی تفصیل حسب ذیل ہے۔^۳

ایک نخلستان تھا جو اسلام کی تاریخ میں پہلا وقف تھا۔

صراۃ ابن اکوع بلخ کے ساتھ باغبان میں وقف تھا۔

سودرخت نسائی میں ہے کہ انہوں نے ان کو سوغلاموں کے بدلے خریدا تھا۔

سودرخت خود رسول اللہ ﷺ نے عطا فرمائے تھے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس وقف کے متعلق ایک وقف نامہ بھی لکھا تھا جس میں حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کو متولی قرار دیا تھا۔^۴

حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کی والدہ نے انتقال کیا تو رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی کہ میری والدہ نے انتقال کیا، اگر میں ان کی طرف سے صدقہ کروں تو ثواب حاصل ہوگا؟ آپ ﷺ نے فرمایا ”ہاں۔“ بولے تو ایک بلخ ان کے نام پر وقف کرتا ہوں اور آپ ﷺ کو گولہ بنا تا ہوں۔^۵

۱: ترمذی کتاب الجنائز باب ما جاء فی الوصیت بالثلث والرابع۔ ۲: بخاری کتاب الوصایا باب الوقف۔

۳: بخاری کتاب الوصایا۔ ۴: ابوداؤد کتاب الوصایا باب فی الرجل یوقف الوقف۔

۵: ابوداؤد کتاب الوصایا باب فی من مات من غیر وصیۃ یمصدق عنہ وبخاری کتاب الوصایا۔

حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کی توبہ قبول ہوئی تو انہوں نے اس مسرت میں اپنی تمام جائیداد وقف کرنا چاہی لیکن آپ کے اصرار سے خیبر کا حصہ اپنے لئے محفوظ رکھا۔^۱
جب قرآن مجید کی یہ آیت نازل ہوئی،

من ذا الذي يقرض الله قرضا حسنا
وهو كونه هو جو خدا کو قرض حسنہ دیتا ہے

تو حضرت ابوالدحداح رضی اللہ عنہ اپنے اہل و عیال کے ساتھ اپنے باغ میں مقیم تھے، فوراً نبی کے پاس آئے اور کہا کہ ”ام و حداح رضی اللہ عنہا باغ سے نکلے اور خدا کو قرض دے دیا۔“ یہ کہہ کر اس کو مساکین و فقراء پر وقف کر دیا۔^۲

شہروں کی آبادی

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے جو جدید شہر آباد کرائے ان کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

بصرہ

خریبہ ایک غیر آباد مقام تھا جہاں اکل و شرب کا کافی سامان موجود تھا، وہاں حضرت عتبہ بن غزوہ رضی اللہ عنہ آئے تو اس کو فوجی ضروریات کیلئے موزوں خیال کیا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے اس کو آباد کرنے کی اجازت طلب کی انہوں نے زمین کے نقشہ اور موقع و محل سے اطلاع دی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی اس کو پسند فرمایا اور ان کو اس کے آباد کرنے کی اجازت دی۔

دوسری روایت میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عتبہ کو خود آٹھ سو آدمیوں کے ساتھ روانہ کیا، بہر حال عتبہ نے نزل کے مکانات بنوائے اور ایک مسجد تعمیر کروائی، سرکاری کاموں کیلئے قید خانہ، دارالامارہ اور دفتر بھی نزل ہی نے تعمیر کروائے، ایک مدت تک یہ حال رہا کہ جب لوگ جہاد کیلئے روانہ ہوتے تھے تو نزل کو گرا کر ڈھیر لگادیتے تھے، پھر جب لوٹتے تھے تو اس کو مکان کی صورت میں ترتیب دے لیتے تھے، اس کے بعد لوگوں نے الگ الگ مکانات بنوائے اور حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے مسجد اور دارالامارہ کو چکی اینٹ سے تعمیر کروایا، امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانے میں زیاد نے مسجد میں بہت کچھ اصلاح اور اضافہ کیا۔^۳

کوفہ

مدائن فتح ہوا تو وہاں مسلمان آباد ہو گئے اور مسجدیں تعمیر کر لیں لیکن آب و ہوا موافق آئی

۱: ابوداؤد کتاب الایمان والندوب باب فمن نذر ان یصدق بہا۔

۲: استیعاب تذکرہ حضرت ابوالدحداح۔

۳: فتوح البلدان از صفحہ ۳۵۳ تا ۳۵۸۔

تو حضرت سعد بن وقاص ؓ نے حضرت عمر ؓ کو اس کی اطلاع دی، انہوں نے لکھا کہ لوگ دوسری جگہ آباد کرائے جائیں، کوفہ کی زمین جس کو اہل عرب خدا عز و جل یعنی عارض محبوب کہتے تھے، اس غرض کیلئے انتخاب کی گئی اور چالیس ہزار آدمیوں کے رہنے کیلئے مکانات بنوائے گئے جن میں یمن کے بارہ ہزار اور نزار کے آٹھ ہزار آدمی تھے، عمارتیں اول اول نرسل کی بنی ہوئی تھیں لیکن ایک بار آتش زنی ہوئی تو حضرت عمر ؓ کی اجازت سے اینٹ اور گارے کی عمارتیں تیار ہوئیں۔

مسجد جامع کے علاوہ ہر قبیلے کیلئے الگ مسجدیں تعمیر ہوئیں۔

حضرت مغیرہ بن شعبہ ؓ اور زیادہ کے زمانے میں بھی کوفہ کی آبادی میں بعض تغیرات کئے گئے۔^۱

فسطاط

اسکندریہ فتح ہوا تو حضرت عمرو بن العاص ؓ نے وہاں مسلمانوں کو آباد کرنا چاہا لیکن چونکہ اسکندریہ کے بیچ میں دریائے نیل حائل تھا جس کو حضرت عمر ؓ ناپسند فرماتے تھے اس لئے انہوں نے اجازت نہیں دی۔

حضرت عمرو بن العاص ؓ اسکندریہ کی فتح کیلئے روانہ ہوئے تھے تو خیمہ کو خالی چھوڑ گئے تھے، جو اسی طرح کھڑا ہوا وہ پلٹ کر اسی خیمہ میں اترے اور وہیں شہر کی بنیاد ڈالی۔ اسی مناسبت کے لحاظ سے اس کا نام فسطاط پڑ گیا جس کے معنی خیمے کے ہیں۔

قبائل میں باہم جگہ کے انتخاب میں نزاع واقع ہوئی تو حضرت عمرو بن العاص ؓ نے معاویہ بن خدیج، شریک بن سہمی، عمرو بن محزم اور جبرئیل بن ناسرہ مغافری کو متعین کیا کہ ہر قبیلے کو مناسب مقامات پر آباد کریں۔^۲ تمام قبائل نے دریا اور قلعے کے سامنے مویشیوں کیلئے کچھ خالی زمینیں چھوڑ دی تھیں، لیکن امیر معاویہ ؓ کے عہد میں وہاں بھی مکانات تعمیر ہو گئے۔^۳

موصل

یہ شہر اگرچہ پہلے سے آباد تھا، لیکن حضرت عمر ؓ کے زمانے میں حضرت ہرثمہ بن عوف ؓ نے ایک قلعہ، عیسائیوں کے چند گرجے اور ان گرجوں سے متصل چند مکان اور یہودیوں کے ایک محلے کو ملا کر ایک مستقل شہر آباد کیا اور وہاں ایک جامع مسجد بھی تعمیر کروائی۔^۴

۱: کوفہ کی آبادی کا حال مجمع البلدان فتوح البلدان اور طبری میں یہ تفصیل مذکور ہے۔

۲: مجمع ذکر فسطاط۔ ۳: حسن الحاضرہ جلد ۱ صفحہ ۵۸۔

۴: فتوح البلدان صفحہ ۳۴۴۔ متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

جیزہ

حضرت عمرو بن العاص ؓ اسکندریہ سے واپس آئے تو اس خیال سے کہ دشمن کہیں دریا کی رلو سے چڑھ نہ آئے اس مقام پر تھوڑی سی فوج متعین کر دی۔ جس میں قبائل حمیر، ہمدان، آل رعیین، ازد بن حجر اور حبشہ کے لوگ شامل تھے، لیکن جب امن و امان قائم ہو گیا تو انہوں نے ان قبائل کو بلا کر فسطاط میں آباد کرنا چاہا مگر ان لوگوں نے انکار کر دیا، حضرت عمرو بن العاص ؓ نے حضرت عمر ؓ کو اس کی اطلاع دی تو انہوں نے کہا اچھا ان کیلئے ایک قلعہ بنوایا جائے۔ ان لوگوں نے اس کو بھی ناپسند کیا اور کہا کہ ”ہمارا قلعہ خود ہماری تلوار ہے۔“ ان ہی لوگوں کی مجموعی آبادی سے جیزہ نے ایک مختصر شہر کی صورت اختیار کر لی، پہلے ایک قبیلہ دوسرے قبیلہ سے الگ آباد ہوا تھا اس لئے بیچ بیچ میں زمین خالی تھی۔ لیکن حضرت عثمان ؓ کے زمانہ میں جب کثرت سے اہل عرب یہاں آئے تو ہر قبیلہ نے اپنے قبیلے کے آدمیوں کو اپنی طرف کھینچا اس وجہ سے یہ خالی مقامات بھی آباد ہو گئے۔^۱

ارونیل

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے زمانے میں حضرت اشعب بن قیس ؓ ولی آذربائیجان نے اس شہر کو آباد کیا اور بہت سے عرب لا کر یہاں بسائے اور ایک مسجد بھی تعمیر کی۔^۲

مرعش

حضرت امیر معاویہ ؓ نے فوج کیلئے اس شہر کو آباد کر لیا اور یزید کے زمانے تک آباد رہا، یزید کی موت کے بعد رومیوں نے یہاں غارتگری شروع کی تو یہاں کے باشندے اجڑ کر دوسرے دوسرے مقامات پر آباد ہو گئے۔^۳

قیروان

حضرت امیر معاویہ ؓ کے عہد میں سب سے بڑا شہر جو آباد ہوا وہ یہی تھا اس کی آبادی کی تاریخ یہ ہے کہ حضرت امیر معاویہ ؓ نے معاویہ بن خدیج کندی کو معزول کر کے عقبہ بن نافع فہری کو افریقہ کا گورنر مقرر فرمایا تو انہوں نے ایک فوج گراں کے ساتھ حملہ کر کے افریقہ کے تمام بڑے بڑے شہر فتح کر لئے اور یہاں سے لے کر افریقہ تک اسلام پھیل گیا۔ اس موقع پر حضرت عقبہ ؓ نے اپنے تمام رفقاء کو جمع کر کے کہا کہ یہ لوگ مسلمان تو ہو جاتے

۱: معجم ذکر جیزہ، حسن الحاضرہ جلد ۱ صفحہ ۵۹۔

۲: فتوح البلدان صفحہ ۳۳۷۔

۳: فتوح البلدان صفحہ ۱۹۶۔

ہیں، لیکن جب مسلمان یہاں سے واپس جاتے ہیں تو پھر مرتد ہو جاتے ہیں، اس لئے میری رائے یہ ہے کہ میں یہاں مسلمانوں کا ایک شہر آباد کر دوں۔ لوگوں نے ان کی رائے کو پسند کیا تو انہوں نے سب سے پہلے دہرا لامارہ کی بنیاد ڈالی اور لوگوں نے اس کے گرد مکانات بنوائے، انہوں نے ایک جامع مسجد بھی تعمیر کروائی اور اس کے علاوہ اور مسجدیں بھی تعمیر ہوئیں۔^۱

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اور بھی بعض شہر آباد کرائے، مثلاً جزیرہ قبرص فتح ہوا تو وہاں مسجدیں تعمیر کرائیں، عرب کو لا کر بسایا اور ایک شہر آباد کیا جس کو یزید نے ویران کر دیا۔^۲

تعزیر و حدود

رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں اگرچہ بعض صحابہ رضی اللہ عنہم پولیس کی خدمت پر مامور تھے۔ تاہم اس وقت تک پولیس کا کوئی محکمہ قائم نہیں ہوا تھا، حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے اس پر صرف اس قدر اضافہ کیا کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو سپر وڈاری کی خدمت پر مامور فرمایا اور بعض جرائم کی سزائیں متعین کر دیں، مثلاً خمر کی نسبت رسول اللہ ﷺ کا طرز عمل نہایت مختلف تھا، ابو داؤد کی ایک روایت میں ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ کی خدمت میں ایک شرابی کو پکڑ کر لائے، تو آپ ﷺ نے تمام صحابہ رضی اللہ عنہم کو حکم دیا کہ مارتے جاؤ، سب نے جوتے بٹنڈے اور کھجور کی شاخوں سے مارنا شروع کیا، خیر میں آپ ﷺ نے اسکے منہ میں خاک جھونک دی۔^۱

لیکن ابو داؤد کی ایک دوسری روایت میں ہے کہ ایک شرابی جھومتا ہوا جا رہا تھا، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس کو آپ کی خدمت میں حاضر کرنا چاہا، وہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے دروازے کے سامنے آیا تو ان سے لپٹ گیا اور بھاگ نکلا، آپ کو خبر ہوئی تو ہنس پڑے اور کوئی سزا نہیں دی۔^۲

صحیح مسلم کی ایک روایت سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ نے ایک شرابی کو انجیر کی چھڑی سے ۴۰ ضرب کی سزا دی اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے اپنے دور خلافت میں اسی کو لازمی کر دیا، اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے ابتدائی زمانے تک اسی پر عملدرآمد ہوتا رہا۔^۳

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں بعض جدید جرائم بھی پیدا ہوئے، مثلاً حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے ان کو لکھا کہ حولی مدینہ میں ایک شخص میں مبتلا ہے، چونکہ لل عرب کیلئے یہ ایک جدید جرم تھا، اسلئے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے تمام صحابہ رضی اللہ عنہم سے مشورہ کیا، حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے جلانے کی رائے دی اور تمام صحابہ رضی اللہ عنہم نے اس پر اتفاق کیا۔

- ۱: ابو داؤد کتاب الحد و باب الاوقات فی شرب الخمر۔
- ۲: ابو داؤد باب الحد فی الخمر۔
- ۳: مسلم کتاب الحد و باب حد الخمر۔
- ۴: ابو داؤد کتاب الحد و باب الاوقات فی شرب الخمر لیکن بخاری کتاب الحد و میں جو روایت ہے وہ اس کے بالکل مخالف ہے۔ اس روایت کے الفاظ یہ ہیں۔ کنانوتی بالشارب علی عہد رسول اللہ وامرہ ابی بکر و صدرا من خلافة عمر فتقوم الیہ بالمدینا و نہالنا۔
- ۵: الترغیب والترہیب جلد ۳ صفحہ ۱۱۶ الترہیب من اللواط لبد جید۔

تقریر و حدود کے متعلق حضرت ابو بکر ؓ کے زمانے میں اس سے زیادہ کچھ نہیں ہوا، لیکن حضرت عمر ؓ نے پولیس کا ایک مستقل محکمہ قائم کیا، اور اس صیغہ میں متعدد چیزیں ایجا فرمائیں۔ مثلاً

(۱) رسول اللہ ﷺ اور حضرت ابو بکر ؓ کے زمانے تک جیل خانے کی کوئی عمارت تعمیر نہیں ہوئی تھی، لیکن حضرت عمر ؓ نے جیل خانے بنوائے، اول اول مکہ معظمہ میں حضرت صفوان بن امیہ ؓ کا مکان چار ہزار درہم پر خرید لیا اور اس کو جیل خانہ بنوایا۔ پھر اور اضلاع میں جیل خانے بنوائے۔ چنانچہ کوفہ کا جیل خانہ نرسل سے بنا تھا، معین بن زائدہ نے بیت المال سے کچھ روپیہ کاغبین کیا تو ان کو اسی جیل خانہ میں قید کیا گیا۔

(۲) رسول اللہ ﷺ اور حضرت ابو بکر ؓ کے زمانے تک کسی کو سولی کی سزا نہیں دی گئی تھی، لیکن حضرت عمر ؓ نے بعض اشخاص کو سولی کی سزا دی، چنانچہ حضرت ام ورقہ بنت نوفل رضی اللہ عنہا کو ان کے غلاموں نے قتل کر ڈالا، تو حضرت عمر ؓ نے ان کو سولی کا حکم دیا اور یہ پہلی سولی تھی جو مدینہ میں دی گئی۔ ایک ذمی نے بھرا ایک مسلمان عورت کی آبروریزی کی، تو اس کو بھی سولی کی سزا دی اور فرمایا کہ ہم نے اس پر کوئی معاہدہ نہیں کیا ہے۔

(۳) بحرین کی گرفتاری کیلئے اعلان و اشتہار دیا، چنانچہ جن غلاموں نے حضرت ام ورقہ رضی اللہ عنہا کو شہید کیا تھا وہ اعلان و اشتہار ہی کے ذریعہ سے گرفتار ہو کر آئے تھے۔

(۴) تقریر و حدود کیلئے اشخاص متعین کئے جو بحرین کو سزا دیتے تھے، اصحابہ میں ہے کہ انہوں نے حضرت عبداللہ بن ملیک ؓ کو اقامت حدود کی خدمت پر مامور کیا تھا۔

(۵) جلا وطنی کی سزا اگرچہ اسلام میں کوئی جدید سزا نہ تھی، تاہم حضرت عمر ؓ کے عہد میں اس پر اس کثرت سے عمل ہوا کہ گویا وہ ان کی اولیات میں قرار پائی۔

لیکن ایک بار جب انہوں نے ایک شخص کو جلا وطن کیا اور وہ شام میں جا کر عیسائی ہو گیا تو اس وقت سے جلا وطنی کی سزا موقوف کر دی۔

(۶) بعض سزائیں سخت کر دیں، مثلاً حضرت ابو بکر ؓ کے عہد خلافت میں شراب پینے کی سزا ۴۰ درے تھی، ان کے زمانے میں شراب نوشی کی کثرت ہوئی تو انہوں نے صحابہ کرام ؓ کے مشورے سے اسی درے کر دیئے۔

۱: مقریزی جلد ۲ صفحہ ۷۸۔ ۲: فتوح البلدان صفحہ ۶۸۔

۳: ابوداؤد کتاب الصلوٰۃ باب لامۃ التسلیم۔ ۴: کتاب الخرج صفحہ ۱۰۹۔

۵: اصحابہ تذکرہ عبید اللہ بن عبد اللہ بن بلی ملیک۔

۶: بخاری کتاب الحارثین میں ہے ان عمر بن الخطاب غرب ثم لم تزل تلك السنه

۷: مسلم کتاب الحج و باب حد الخمر۔

۷) احتساب کے متعلق جو کام ہیں، مثلاً کوئی شخص بیع و شرا میں خدع و فریب نہ کرے، شراب اعلانیہ نہ پئے، کوئی شخص سڑک پر مکان وغیرہ نہ بنوانے پائے ان کی طرف خاص طور پر توجہ کی، اگرچہ پتہ نہیں چلتا کہ انہوں نے احتساب کا کوئی مستقل صیغہ قائم کیا تھا، تاہم یہ صحیح طور پر معلوم ہے کہ انہوں نے اس کام کیلئے افسر متعین کئے تھے، موطائے امام مالک میں ہے کہ انہوں نے حضرت عبداللہ بن عتبہ ؓ کو بازار کی نگرانی کیلئے مقرر فرمایا تھا اور حضرت سائب بن یزید ؓ کو ان کا مددگار بتلایا تھا۔^۱ ان کے علاوہ اور بھی متعدد اہلکار تھے جو ناجائز تجارت کی روک ٹوک کرتے تھے۔^۲

حضرت عمر ؓ کے بعد حضرت عثمان ؓ اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے دور خلافت میں یہ محکمہ اسی حالت میں قائم رہا، لیکن حضرت امیر معاویہ ؓ کے زمانہ میں زیاد نے اس صیغہ کو نہایت ترقی دی اس نے چار ہزار آدمی پولیس میں بھرتی کئے جن کے افسر عبداللہ بن حصن تھے۔ پانچ سو آدمی خاص طور پر مسجد کا پہرہ دیتے تھے اور وہاں سے کبھی نہیں ملتے تھے۔ اس انتظام کا مقصد کچھ ہی کیوں نہ ہو تاہم اس کی وجہ سے ملک کے امن و امان میں اس قدر ترقی ہوئی کہ کوئی شخص اگر راستہ میں کوئی گری پڑی چیز پاتا تھا، تو لا کر براہ راست اس کے مالک کے حوالے کرتا تھا، زیاد خود کہتا تھا کہ ”اگر کوفہ اور خراسان کے درمیان ایک رسی بھی گم ہو جائے تو مجھ کو اس کے لینے والے کے نام کی خبر ہو جائے گی۔“ ایک دن اس نے ایک گھر میں گھسنے کی آواز سنی، پوچھا تو معلوم ہوا کہ لوگ پہرہ دے رہے ہیں، بولا اس کی ضرورت نہیں، مگر کوئی مال چوری ہو جائے گا تو میں اس کا ضامن ہوں۔“

اسکے زمانے میں عشاء کی نماز کے بعد اگر کوئی شخص گھر سے نکلتا تھا تو قتل کر دیا جاتا تھا۔^۳ حضرت امیر معاویہ ؓ نے اس محکمہ میں ایک جدید ایجاد یہ کی کہ مشتبہ چال و چلن کے دگوں کی جانچ پڑتال کروائی، اور ان کے نام لکھوائے، چنانچہ انہوں نے دمشق میں حضرت بودرداء ؓ کے نام حکم بھیجا تھا کہ وہاں کے بد معاشوں کے نام لکھ بھیجو۔^۴

صحابہ کرام ؓ کے عہد خلافت میں پولیس کے محکمہ میں عہد بہ عہد جو ترقیاں ہوئیں، یہ سکی سادہ تاریخ ہے۔ اب ہم کو اس پر اخلاقی اور مذہبی حیثیت سے نگاہ ڈالنی چاہئے، کیونکہ صحابہ کرام ؓ کے دور خلافت کا طغرائے امتیاز صرف سیاست نہیں، بلکہ اخلاق و مذہب ہے۔

پولیس کا محکمہ اخلاقی اور مذہبی روح کی سب سے بڑی قربان گاہ ہے، لیکن صحابہ کرام ؓ نے اپنے دور خلافت میں اس کو اخلاقی اور مذہبی روح کی سب سے بڑی نمائش گاہ بنادیا تھا اور جہاں

کہیں سیاست اور اخلاق میں باہم تصادم ہو تا تھا وہاں اخلاق کو سیاست پر مقدم رکھتے تھے، ایک بار ایک مجرم نے حضرت عمر ؓ کے سامنے اقرار کیا کہ اس نے اپنی بی بی کے ساتھ ایک شخص کو ملوث پایا اس لئے دونوں کو قتل کر دیا، حضرت عمر ؓ نے اپنے عامل کو لکھا کہ قصاص لیا جائے، لیکن مخفی طور پر ہدایت کی کہ دیت لے کر مجرم کو چھوڑ دیا جائے۔^۱

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں خاص طور پر تجسس کی ممانعت فرمائی ہے۔

لاتجسسوا ولا یغتب بعضکم بعضا۔

عیوب کی جستجو میں نہ رہو اور اگر تم میں سے ایک دوسرے کی غیبت نہ کرے۔
بالخصوص امراء و عمال کیلئے تو حدیث شریف میں خاص طور پر تجسس کی ممانعت آئی ہے۔
قال ان الامیر اذا تبغی الربیة فی الناس افسدھم۔

امیر اگر لوگوں کی برائیاں ڈھونڈھے گا تو ان کو خراب کر دے گا۔

ہمارے زمانے میں اگر اس پر عمل کیا جائے تو دفعتاً پولیس کا نظام درہم برہم ہو جائے، لیکن صحابہ کرام ؓ کے عہد میں حدود اللہ سے آگے کیونکر قدم بڑھایا جاسکتا تھا؟ اس لئے انہوں نے پولیس کے فرائض بھی انجام دیئے اور اس آیت پر بھی عمل کیا۔

ایک بار لوگ حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ کی خدمت میں ایک شرابی کو پکڑ لائے، اور کہا کہ اس کی ڈاڑھی سے شراب ٹپک رہی ہے۔ "بولے تم کو تجسس کی ممانعت کی گئی ہے، ہم صرف ظاہری باتوں پر رد اور دگیر کرتے ہیں۔"

حضرت ابو جحش ثقفی ؓ شراب کے سخت عادی تھے، ایک بار حضرت عمر ؓ کی خدمت میں آئے اور ان کو محسوس ہوا کہ انہوں نے شراب پی ہے، لوگوں سے کہا ان کا منہ تو سونگھو، لیکن سب نے کہا یہ تجسس ہے، آپ کو اس کی ممانعت کی گئی ہے، حضرت عمر ؓ فوراً رک گئے۔^۲

ایک بار حضرت عہد الرحمن بن عوف ؓ کے ساتھ رات کو پہرہ دینے نکلے، ایک جگہ چروغ کی روشنی نظر آئی پاس جا کر دیکھا کہ ایک گھر کا دروازہ بند ہے اور اندر لوگ شور و شغب کر رہے ہیں، حضرت عبدالرحمن بن عوف ؓ سے فرمایا کہ "یہ لوگ شراب پی رہے ہیں، تمہاری کیا رائے ہے؟" بولے "اللہ تعالیٰ نے ہم کو تجسس کی ممانعت فرمائی ہے۔" اسلئے وہاں سے فوراً واپس آئے۔^۳

۱: طبقات ابن سعد تذکرہ ہالی بن حرام۔ ۲: ابوداؤد کتاب الادب باب فی التبی عن التجسس

۳: ابوداؤد کتاب الادب باب فی التبی عن التجسس ۴: اصباہ تذکرہ ابو محجن ثقفی۔

۵: اصباہ تذکرہ ربیعہ بن امیہ۔
محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

ایک بار حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کے پرائیویٹ سیکریٹری نے ان سے کہا کہ میرے پڑوسی شراب پیتے ہیں، میں نے ان کو منع کیا، لیکن نہیں مانتے، اب میں پولیس کو بلاتا ہوں۔“
بولے جانے بھی دو، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جو لوگ عیوب پر پردہ ڈالتے ہیں وہ گویا زندہ درگور لڑکی کو جلا لیتے ہیں۔^۱

پولیس بھمرا جرم کا اقرار کرواتی ہے، لیکن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے سامنے لوگ خود جرائم کا اقرار کرتے تھے، اور وہ ان سے انکار کرواتے تھے، ایک بار ایک شخص نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی خدمت میں آکر کہا کہ ”میں نے چوری کی ہے۔“ انہوں نے پہلی بار ڈانٹا، دوسری بار اس نے پھر اقرار کیا تو بولے تم نے خود اپنے اوپر کامل شہادت دے دی۔ ایک بار ایک عورت نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے چار بار زنا کا اقرار کیا تو بولے اگر وہ انکار کر دیتی تو ہم اس پر حد نہ جاری کرتے۔^۲

پولیس کا محکمہ غنودر گذر کا مذبح ہے، لیکن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اکثر مجرمین سے غنودر گذر فرماتے تھے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی نسبت کہا جاتا ہے کہ وہ نہایت سخت تھے، لیکن ایک بار حضرت حاطب رضی اللہ عنہ کے غلاموں نے کسی کی اونٹنی چرائی اور اس کو ذبح کر ڈالا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں مقدمہ پیش ہوا تو انہوں نے پہلے ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا، پھر فرمایا، یہ بھوکوں مر جائیں گے اس لئے ان کا تالوان دلوادیتا ہوں۔ اونٹنی کے مالک سے پوچھا کہ اس کی قیمت کیا تھی؟ اس نے کہا چار سو درہم ملتے تھے، مگر میں نہیں فروخت کرتا تھا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آٹھ سو درہم دلواد کر غلاموں کو رہا کر دیا۔^۳

یہی وجہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، اگر ذرا سا بھی حیلہ پا جاتے تھے تو سزا نہیں دیتے تھے، بیت المال اگرچہ خلیفہ وقت کی ذمہ داری اور حفاظت میں رہتا ہے، تاہم چونکہ وہ مسلمانوں کا مشترکہ خزانہ تھا اس لئے اس میں بہر حال یہ احتمال قائم رہتا ہے کہ اگر اس میں کسی نے تصرف کیا ہو گا تو اپنا حق سمجھ کر کیا ہو گا، اس بناء پر جب کوفہ کے بیت المال میں چوری ہوئی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مجرم کا ہاتھ نہیں کاٹا۔^۴ غلام اور آقا کے مال میں بھی یہی اشتباہ قائم رہتا ہے، اس لئے جب ان کے سامنے ایک شخص نے اپنے غلام کو پیش کیا کہ اس نے میری بی بی کا آئینہ چر یا ہے جس کی قیمت ۶۰ درہم تھی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کو یہ کہہ کر رہا کر دیا کہ تمہارا غلام تھا

۱: ابوداؤد کتاب الادب باب فی الستر علی المسلم۔

۲: کتاب الخراج للقاظمی ابی یوسف صفحہ ۱۰۳۔

۳: مؤطا امام مالک کتاب الاقضية باب القضاء فی العواری والحریر۔

۴: کتاب الخراج للقاظمی ابی یوسف صفحہ ۱۰۴۔

اور تمہارا ہی مال چرلے۔

عام الرباہ میں جب تمام عرب سخت قحط میں مبتلا تھا تو عام حکم دیا تھا کہ کسی چور کے ہاتھ نہ کانٹے جائیں، لیکن باوجود اس غفو و درگزر کے جب جرم ثابت ہو جاتا تھا اور تمام حیلوں کی رگ کٹ جاتی تھی، تو کوئی چیز صحابہ کرام ؓ کو اقامت حدود سے باز نہیں رکھ سکتی تھی ان معاملات میں انسان فطرتاً ذاتی تعلقات سے متاثر ہوتا ہے، لیکن صحابہ کرام ؓ کی اخلاقی طاقت نے اللہ تعالیٰ کی راہ سے اس سنگ گراں کو بالکل ہٹا دیا تھا۔

ولید حضرت عثمان ؓ کے بھائی اور کوفہ کے گورنر تھے، انہوں نے ایک بار شراب پی اور تحقیقات کرنے پر جرم ثابت ہوا تو حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو حکم دیا کہ ان کو اسی کوڑے لگائیں۔ حضرت قدامہ بن مظعون ؓ بڑے رتبے کے صحابی اور حضرت عمر ؓ کے سالے تھے، انہوں نے شراب پی تو حضرت عمر ؓ نے ان پر حد جاری کرنی چاہی، تمام صحابہ ؓ نے اس کی مخالفت کی تو انہوں نے فرمایا۔

لَا يَلْقَى اللَّهَ تَحْتَ السَّيَاطِ احِبَّ اِلَى اَنْ الْقَاهُ وَهُوَ فِي عُنُقِي اَتَيْنُونِي
بسوط نام

اگر وہ کوڑوں کے نیچے مر جائیں تو یہ مجھے گوارا ہے، لیکن یہ گوارا نہیں کہ میں خدا سے ملوں اور اس کی ذمہ داری میری گردن پر ہو، لاؤ مضبوط کوڑا۔

یہود نے اقامت حدود میں رذیل و شریف کے درمیان سخت ناگوار تفریق قائم کر رکھی تھی، لیکن صحابہ کرام ؓ نے اس پر ہمیشہ عزیز و ذلیل کو برابر سمجھا، صحابہ کرام ؓ میں سب سے زیادہ معزز خود خلیفہ وقت تھا، لیکن اگر اس سے کوئی جرم سرزد ہو جاتا تھا تو رعایا کا ہر فرد اسکی پیٹھ پر کوڑا مار سکتا تھا، ایک بار حضرت ابو بکر ؓ نے اعلان فرمایا کہ ”میں صدقے کے اونٹ تقسیم کروں گا۔“ سب لوگ آئیں مگر ہمارے پاس کوئی بلا اجازت نہ آئے۔ لیکن ایک بدو ہاتھ میں مہار لئے ہوئے آیا اور بلا اجازت ان کے پاس چلا آیا، انہوں نے اسی مہار سے اسے مارا، جب اونٹ کی تقسیم سے فارغ ہوئے تو اس کو بلایا اور کہا کہ ”اسی مہار سے اپنا قصاص لو۔“ حضرت عمر ؓ نے کہا، یہ سنت نہ قائم کیجئے۔“ بولے ”قیامت میں خدا کو کیا جواب دوں گا۔“ ایک بار حضرت عمر ؓ امور خلافت میں مشغول تھے، ایک شخص فریاد لے کر آیا، انہوں

۱: مؤطا امام مالک کتاب الحدود باب ما لا قطع فيه۔

۲: بخاری کتاب المناقب فضائل عثمان ؓ، اگرچہ نفس حدیث میں شراب نوشی کی تصریح نہیں ہے لیکن حواشی میں تصریح ہے۔

۳: اسد الغابہ تذکرہ حضرت قدامہ بن مظعون۔

۴: کنز العمال جلد ۳ صفحہ ۱۷۷۔

نے غصے میں اس پر کوڑا اٹھلایا وہ ناراض ہو کر چلا تو خود بلا کر اس کے سامنے اپنا کوڑا اٹھال دیا اور کہا: ”مجھ سے قصاص لے۔“^۱

خليفة کے بعد امراء و عمال کا درجہ تھا۔ انکی نسبت حضرت عمر ؓ نے عام اعلان فرمایا تھا۔
انی لم ابعث عمالی لیضر بواہلکم ولا لیاخذوا اموالکم فمن فعل به ذالک فلیرفعه الی اقصیه منه۔^۲

میں نے اپنے عمال کو اس لئے نہیں بھیجا ہے کہ وہ لوگوں کو ماریں پٹیں یا بھجمران کا مال لے لیں، اگر کسی کے ساتھ ایسا کیا جائے تو وہ مجھ سے استغاثہ کرے میں اس کا قصاص لوں گا۔ یہ صرف اعلان نہ تھا بلکہ اس پر عمل بھی ہوتا تھا۔ چنانچہ جب یہ اعلان ہوا تو ایک شخص کھڑا ہوا اور کہا کہ ”اے امیر المؤمنین آپ کے عامل نے مجھے سو کوڑے مارے ہیں۔“ فرمایا تم بھی سو کوڑے مارنا چاہتے ہو، اٹھو اور مارو۔“ حضرت عمرو بن العاص ؓ پر یہ واقعہ نہایت گراں گذرا اور بولے کہ اگر یہ طریقہ جاری ہوا تو عمال کو سخت ناگوار ہو گا اور آئندہ کیلئے عام شاہروہ ہو جائے گی۔ لیکن انہوں نے کہا کہ ”اس سے کیونکر اغماض کیا جاسکتا ہے، جب کہ خود رسول اللہ ﷺ اپنے آپ کو لوگوں کے سامنے قصاص کیلئے پیش کرتے تھے۔“ بالآخر حضرت عمرو بن العاص ؓ نے اس کو دو سو دینار دے کر راضی کیا۔^۳

غیر قومیں جب حلقہ اسلام میں داخل ہوتی تھیں تو عدم تہود کی بناء پر ان کو اس مساوات پر سخت تعجب اور تعجب کے ساتھ ناگوار ہوتی تھی، جبکہ بن اسلم غسانی شام کا ایک رئیس تھا جو مسلمان ہو گیا تھا اس نے ایک بار کسی شخص کی آنکھ پر تھپڑ مارا، حضرت عمر ؓ نے اس سے قصاص لینا چاہا تو اس نے کہا، کیا اس کی آنکھ اور میری آنکھ برابر ہے؟ میں اس ملک میں رہنا پسند نہ کروں گا جہاں مجھ کو بھی کوئی دبا سکے۔“ چنانچہ مرتد ہو کر روم کی طرف بھاگ نکلا۔^۴

۱: اسد الغابہ تذکرہ حضرت عمر ؓ۔

۲: ابوداؤد کتاب الحدود باب القود بغیر حدید۔

۳: کتاب الخراج للقاضی ابو یوسف صفحہ ۶۶۔

۴: فتوح البلدان صفحہ ۱۴۲۔

ذمی رعایا کے حقوق

تعصب کی اجتناب تو یہ ہے کہ غیر قوموں کے ساتھ سرنے سے تعلقات ہی نہ رکھے جائیں، لیکن تعصب کی اس سے بھی زیادہ بد نما اور تکلیف دہ شکل یہ ہے کہ غیر قوموں کے ساتھ تعلقات قائم کئے جائیں، لیکن ان تعلقات کو نہایت ذلیل اور یہودہ طریقے پر قائم رکھا جائے۔ صحابہ کرام ؓ کے عہد تک تاریخ نے صرف یہی دو قسم کی مثال قائم کی تھی، لیکن صحابہ کرام ؓ نے غیر قوموں کے ساتھ ہر قسم کے مذہبی، تمدنی اور سیاسی تعلقات قائم کئے اور ان کو اس بے تعصبی کے ساتھ نبھا کہ دنیا کی تاریخ میں اس کی نظیر نہیں ملتی۔

مذہبی تعلقات

مذہبی حیثیت سے قرآن مجید نے اگرچہ صحابہ کرام ؓ کو اور مذاہب کی کتابوں سے بے نیاز کر دیا تھا، تاہم متعدد صحابہ ؓ تھے جنہوں نے قرآن مجید کی طرح تورات اور انجیل کو پڑھا تھا۔ چنانچہ علامہ ذہبی حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص ؓ کے حال میں لکھتے ہیں۔

وكان اصحاب جملة من كتب اهل الكتاب وادمن النظر فيها وراى فيها عجائب و كان فاضلا عالما قرء القرآن و لكتب المتقدمته۔^۱

انہوں نے اہل کتاب کی تمام کتابیں حاصل کی تھیں اور بالاتصال ان کا مطالعہ کیا تھا اور ان میں ان کو عجائبات نظر آئے تھے وہ عالم فاضل تھے اور قرآن کو اور اہل کتابوں کو پڑھا تھا۔ مسند دارمی میں ہے کہ حضرت عمر ؓ تورات کا ایک نسخہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں لائے اور کھول کر پڑھنے لگے، اسد الغابہ میں ہے کہ تورات کا یہ نسخہ ان کے ایک یہودی دوست نے جو بنو قریظہ کا تھا اپنے ہاتھ سے لکھ کر دیا تھا۔^۲

صحیح بخاری میں ہے کہ اہل کتاب عبرانی میں تورات کو پڑھتے تھے اور صحابہ کرام ؓ کے سامنے عربی میں اس کی تفسیر کرتے تھے، رسول اللہ ﷺ کو خبر ہوئی تو فرمایا کہ اہل کتاب کی نہ تصدیق کرو نہ تکذیب، بلکہ یہ کہو کہ ہم خدا پر، اور اس کی کتاب پر، جو ہم پر اور نیز اس کتاب پر جو تم پر نازل ہوئی ایمان لائے۔

۱۔ اسد الغابہ تذکرہ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ۔ ۲۔ مسند دارمی صفحہ ۱۲۔

۳۔ اسد الغابہ تذکرہ حضرت عبداللہ بن ثابتؓ انصاریؓ۔

۴۔ صحیح بخاری باب ما یجوز من تفسیر التوراة و کتب اللہ، بالعربیہ کتاب الرد علی الجہم۔

حضرت زید بن ثابت ؓ نے خود رسول اللہ ﷺ کے حکم سے عبرانی زبان سیکھی تھی اور اس میں خط و کتابت کرتے تھے۔^۱

اسلام میں مذہبی حیثیت سے یہ حکم ہے کہ اگر جتنا سانسے گزرے تو کھڑا ہو جانا چاہئے بعض لوگوں کا خیال تھا کہ یہ حکم صرف مسلمانوں کے ساتھ مخصوص ہے لیکن ایک بار قادیہ میں ایک ذمی کا جنازہ گذرا تو حضرت کھل بن حنیف ؓ اور قیس بن سعد ؓ فوراً کھڑے ہو گئے مایک شخص نے ٹوکا کہ ”یہ تو ذمی کا جنازہ ہے۔“ بولے۔ ”آنحضرت ﷺ کے سامنے بھی یہی واقعہ پیش آیا تو آپ نے فرمایا ”خروجہ بھی تو ایک جان ہے۔“^۲

ان تمام مثالوں سے ثابت ہے کہ صحابہ کرام ؓ نے مذہبی حیثیت سے غیر قوموں کی ساتھ کسی قسم کا تعصب جائز نہیں رکھا۔

تمدنی تعلقات

تمدنی حیثیت سے صحابہ کرام ؓ کے زمانے میں اگرچہ مسلمانوں اور غیر قوموں میں کوئی فرق و امتیاز موجود نہ تھا، صحابہ کرام ؓ یہودیوں سے قرض لیتے تھے ان سے بیع و شرح کرتے تھے اور ان سے ہر قسم کے معاملات رکھتے تھے لیکن ان تعلقات سے بالاتر ایک چیز حسن معاشرت ہے جو تمدن کی روح ہے اور صرف اسی سے یہ معلوم ہو سکتا ہے کہ یہ تعلقات خلوص پر مبنی تھے یا خود غرضانہ فحاش پر، لیکن واقعات سے ثابت ہوتا ہے کہ اگر مذہبی عقائد و اعمال کو الگ کر دیا جائے تو صحابہ کرام ؓ کے غیر متعصبانہ طرز عمل نے مسلمانوں اور غیر قوموں کو ہر حیثیت سے ایک کر دیا تھا۔

حضرت عبداللہ بن عمر ؓ کے پڑوس میں ایک یہودی رہتا تھا۔ ایک بار انہوں نے ایک بکری ذبح کی تو گھروالوں سے پوچھا کہ تم نے ہمارے یہودی ہمسایہ کے پاس گوشت ہدینا بھیجا یا نہیں۔ رسول اللہ نے فرمایا ہے کہ مجھ کو جبرئیل نے ہمسایوں کے ساتھ سلوک کرنے کی اس شدت سے وصیت کی کہ میں نے سمجھا کہ اس کو شریک در امت مٹا دیں گے۔^۳

ایک بار ایک یہودیہ عورت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس آئی اور کوئی چیز مانگی انہوں نے بخوشی دی اور اس نے اس کے بدلے ان کو دعا دی۔^۴

۱: بخاری کتاب الاحکام باب ترجمہ الاحکام۔

۲: بخاری کتاب الجنازہ باب القیام الجنازہ بل شرک و بخاری کتاب الجنازہ۔

۳: ابوداؤد کتاب الادب باب فی حق الجوار۔

۴: نسائی کتاب الجنازہ باب اخوذ من عذاب القبر۔

سیاسی تعلقات

غیر قوموں کے ساتھ سیاسی تعلقات کی ابتداء خود آنحضرت ﷺ کے عہد مبارک میں ہوئی، چنانچہ جب خیبر فتح ہوا تو آپ نے ایک معاہدہ صلح کیا۔ جس کے ذریعہ سے زراعت کا معاملہ یثلیٰ پر طے ہو گیا، اس معاہدہ کے رو سے جب فصل تیار ہوئی تو آپ نے حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کو بھیجا کہ پیداوار تقسیم کرالائیں، انہوں نے پیداوار کے دو حصے لگائے اور کہا کہ ”اگر تم چاہو تو یہ تمہارا ہے مگر نہ میرا۔ لیکن یہود اس سے زیادہ طالب رعایت تھے، اس لئے انہوں نے عورتوں کے زپور جمع کئے اور ان کو بطور رشوت کے دینا چاہا، ایک متدین مذہبی شخص کی یہ سب سے بڑی توہین تھی، لیکن پانہنمہ انہوں نے کہا کہ ”اے گروہ یہود! تم میرے نزدیک مہوض ترین مخلوق ہو، لیکن یہ بغض مجھ کو ظلم اور ناانصافی پر آمادہ نہیں کر سکتا، باقی یہ رشوت تو وہ حرام ہے اور ہم حرام ہل نہیں کھا سکتے۔“ یہودیوں پر اس کا یہ اثر پڑا کہ بے ساختہ جیچ اٹھے کہ آسمان وزمین اسی عدل وانصاف کے بل پر قائم ہیں۔ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے نجران کے عیسائیوں سے ایک معاہدہ صلح کیا جس کے آخری الفاظ یہ تھے۔

علی ان لا یہدم لهم بیعة ولا یعرج لهم قس ولا یفتوا عن دینہم مالم یحلنوا حلثا لو یا کلوا الرباء۔^۱

اس شرط پر کہ ان کا کوئی گرجا نہ گرایا جائے گا، ان کے پاروری کو جلا وطن نہ کیا جائے، ان کو ان کے مذہب سے برگشتہ نہ کیا جائے گا جب تک کہ وہ کوئی فتنہ انگیزی نہ کریں یا سود نہ کھائیں۔

کتاب الخرج میں اس کے آخری الفاظ یہ ہیں۔

علی اموالہم وانفسہم واراضہم وملتہم وغالبہم وشاہدہم وعشیرتہم ویعہم وکل ماتحت اہلہم من قلیل لو کثیر لا یغیر اسقف من اسقفتہ ولا راہب من رہبانیتہ ولا کاهن من کھانتہ۔

یہ معاہدہ ان کے مال، جان، زمین، مذہب، حاضر، قائب، قبیلہ، گرجا، غرض ہر تھوڑی بہت چیز کی حفاظت پر جو ان کے قبضہ میں ہے، شامل ہے، کسی پاروری کو، کسی راہب کو کسی کاهن کو اس کے عہدے سے الگ نہ کیا جائے گا۔

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے اپنے عہد خلافت میں اس معاہدہ کی تجدید کی، اور اس کیلئے ایک

۱: مؤطالام مالک کتاب المساقاة وابوداؤد کتاب المیوع باب ما جاء فی المساقات۔

۲: ابوداؤد کتاب الخرج باب فی اخذ الجزیہ۔

۳: کتاب الخرج صفحہ ۱۳۰۔

ایک حرف کو قائم رکھا۔

ان کے زمانے میں جیہ کے عیسائیوں کے ساتھ حضرت خالد ؓ نے ایک اور معاہدہ کیا جس میں سب سے زیادہ قابل لحاظ شرط یہ تھی۔

ایما شیخ ضعف عن العمل او اصابہ آفة من الافات او کان غنيا فافتقرو
صار اهل دینه يتصلقون علیه فزحت جزیه و عیل من بیت مال المسلمین
و عبالہ۔

جو بوڑھا شخص بیکار ہو جائے گا یا اس کا جسم ماؤف ہو جائے گا یا کوئی متمول شخص اس قدر محتاج ہو جائیگا کہ اسکے ہم مذہب لوگ اس پر صدقہ کرنے لگیں گے تو اس کا جزیہ معاف کر دیا جائے گا اور اسکی اور اسکے اہل و عیال کی کفالت بیت المال سے کی جائے گی۔

حضرت خالد ؓ نے اسی سلسلہ میں اور بھی متعدد معاہدے کئے اور ان معاہدوں کو حضرت ابو بکر ؓ، حضرت عمر ؓ، حضرت عثمان ؓ اور حضرت علی ؓ نے قائم رکھا، ان معاہدوں میں اگرچہ باہم اختلاف ہے لیکن سب میں قدر مشترک یہ ہے۔

لا یهدم لهم بیعة ولا کنیسة و علی ان یضربوا نوا قیسهم فی اے ساعة شایا
من لیل او نهارا الا فی اوقات الصلوة و علی ان یخرجوا العسلبان فی ایام
عیدهم۔

ان لوگوں کے گرجے نہ گرائے جائیں گے اور وہ رات دن میں بجز اوقات نماز کے ہر وقت ناقوس بجاسکیں گے اور اپنے تہوار کے دن صلیب نکالیں گے۔

حضرت ابو بکر ؓ کے بعد حضرت عمر ؓ کے زمانے میں بہ کثرت معاہدے ہوئے۔ ان سب میں سب سے زیادہ مفصل، سب سے زیادہ جامع، اور سب سے زیادہ فیاضانہ وہ معاہدہ ہے جو حضرت ابو عبیدہ ؓ نے شام کے عیسائیوں کے ساتھ کیا اس معاہدے کے الفاظ یہ ہیں۔

واشترط علیهم حین دخلها علی ان تترك کذا الیہم و یعہم علی ان لا
یحدثوا بناء بیعة ولا کنیسة و علی ان علیهم ارشاد العذال و بناء القناطر علی
الانهار من اموالهم و ان یضیفوا من مریوم من المسلمین ثلاثة ایام و علی
ان لا یشتعروا مسلما و یضربوا ولا یرفعوا فی زادی اهل الاسلام صلیباً
ولا یخرجوا خنزیرا امن من انزلهم الی اقبیة المسلمین و ان یوقد و التیران
للغراق فی سبیل اللہ اولاً یدلوا لئلا المسلمین علی غرور و لا یضربوا نوا
قیسهم قبل اذان المسلمین و لافی اوقات اذانهم و لا یخرجوا الرايات فی
ایام عیدهم و لا یلبسوا السلاح یوم عیدهم و لا یتخذوا فی بیوتهم۔

جب وہ شام میں داغ ہوئے تو یہ شرط کر لی کہ ان کے گرجوں سے کچھ تعرض نہ کریں گے بشرطیکہ نئے گرجے نہ تعمیر کریں بھولے بھٹکے مسلمانوں کو راستہ دکھائیں، اپنے مال سے نہروں میں لپ باندھیں، جو مسلمان ان کے پاس سے ہو کر گزریں، تین دن تک ان کی مہمانی کریں، کسی مسلمان کو نہ گالی دیں نہ ماریں نہ مسلمانوں کی مجلس میں صلیب اور نہ مسلمانوں کے احاطہ میں سوز نکالیں، مجاہدین کیلئے راستوں میں آگ جلائیں، مسلمانوں کی جاسوسی نہ کریں، اذان سے پہلے اور اذان کے اوقات میں ناقوس نہ بجائیں، اپنے تہواروں کے دن جہنڈے نہ نکالیں، ہتھیار نہ لگائیں اور اسکو اپنے گمروں میں بھی نہ رکھیں۔

ان لوگوں نے تمام شرطیں منظور کر لیں، صرف یہ درخواست کی کہ سال میں ایک بار بغیر جہنڈیوں کے صلیب نکالنے کی اجازت دی جائے، حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے ان کی یہ درخواست منظور کی۔

قاضی ابو یوسف نے لکھا ہے کہ حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے یہ نرمی اور یہ فیاضی اس لئے اختیار کی تھی کہ اور لوگوں کو صلح کی ترغیب ہو۔ چنانچہ اس معاہدے کے بعد جب رومیوں سے جنگ ہوئی اور فتح کے بعد اطراف و حوالی کے تمام عیسائیوں نے صلح کر لی تو ان لوگوں نے ایک شرط یہ پیش کی کہ جو رومی مسلمانوں کی جنگ کیلئے آئے تھے اور اب وہ عیسائیوں کے پناہ گزین ہیں ان کو امن دیا جائے کہ اپنے اہل و عیال اور مال و اسباب کے ساتھ واپس چلے جائیں اور ان سے کسی قسم کا تعرض نہ کیا جائے، حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے یہ شرط بھی منظور کر لی۔ یہ معاہدہ اور یہ پوری تفصیل کتاب الخراج صفحہ ۸۰ اور ۸۱ میں ہے۔

اب ہم کو صرف یہ دیکھنا ہے کہ ان معاہدوں کی پابندی کی گئی یا نہیں؟ اور کی گئی تو کیونکر؟ اسلام میں معاہدے کی پابندی فرض ہے اور اس میں کسی مذہب کی تخصیص نہیں بلکہ خود معاہدہ کی اخلاقی عظمت کا یہی اقتضاء ہے۔ اس بناء پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ذمیوں کے ساتھ جو معاہدہ کیا تھا ان کا پورا کرنا ان کا مذہب ہی فرض تھا، چنانچہ شام کی فتح کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کو جو فرمان لکھا اس میں یہ الفاظ تھے،

وامنع المسلمین من ظلمهم والا ضرارہم واکل اموالہم ووف لهم بشرطہم الذی شرطت لهم فی جمیع ما اعطیتہم -

مسلمانوں کو ان کے ظلم و نقصان سے روکو اور ان کے مال کھانے سے منع کرو، اور ان کو جو حقوق تم نے جن شرائط پر دیئے ہیں ان کو پورا کرو۔

یہ معاہدہ اور پوری تفصیل کتاب الخراج صفحہ ۸۰-۸۱ میں ہے۔
کتاب الخراج صفحہ ۸۲۔

وفات کے وقت جو وصیت کی اس میں یہ الفاظ فرمائے۔

واوصیۃ بنعمة الله وذمة رسوله ان يوفى لهم بعهدهم وان يقاتل من ورائهم
وان لا يكلفوا فوق طاقتهم۔^۱

اور میں اپنے جانشین کو خدا اور خدا کے رسول ﷺ کے ذمہ کی وصیت کرتا ہوں کہ
ذمیوں کے معاہدے کو پورا کرے اور ان کی حمایت میں لڑے اور ان کو تکلیف مالا یطاق نہ
دے۔

ذمیوں کے معاہدے کی پابندی کا جس قدر خیال رکھا جاتا تھا، اس کا اندازہ صرف اس واقعہ
سے ہو سکتا ہے کہ ایک بار ایک عیسائی رسول اللہ ﷺ کو گالیاں دے رہا تھا، حضرت غزوہ
نے سنا تو اس کے منہ پر ایک طمانچہ مارا، اس نے حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی خدمت میں
استغاثہ کیا تو انہوں نے غزوہ کو بلا کر کہا کہ ہم نے اس سے معاہدہ کیا ہے، حضرت غزوہ
نے کہا (نعوذ باللہ) کیا ہم نے ان سے یہ معاہدہ کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو علانیہ گالیاں دیں، ہم
نے صرف یہ معاہدہ کیا ہے کہ وہ اپنے گرجوں میں جو چاہیں کہیں، حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ
نے کہا یہ سچ ہے۔

خود ذمیوں کو اس پابندی معاہدہ کا اعتراف تھا، ایک بار حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں
ذمیوں کا ایک وفد آیا تو انہوں نے پوچھا کہ غالباً مسلمان تم لوگوں کو ستاتے ہوں گے سب نے
ہمزبان ہو کر کہا،

مانعلم الا وفاء و حسن ملكة۔^۲

ہم پابندی عہد اور شریفانہ اخلاق کے سوا کچھ نہیں جانتے۔

لیکن صرف اسی قدر کافی نہیں، یہ جو کچھ ہے، قول ہے ہم عملاد کھانا چاہتے ہیں کہ ذمیوں
کو جو جو حقوق دیئے گئے ان کو عملاد پورا کیا گیا۔

جان کی حفاظت

رعایا کے تمام حقوق میں سب سے مقدم چیز جان ہے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دور خلافت
میں مسلمانوں اور ذمیوں کی جانیں یکساں عزیز تھیں ایک بار حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں
ایک یہودی قتل کر دیا گیا تو انہوں نے اس کو نہایت اہم واقعہ خیال کیا اور کہا کہ ”میرے دور
خلافت میں انسانوں کا خون ہو گا میں خدا کی قسم دلاتا ہوں کہ جس کو اس کا حال معلوم ہو مجھے

۱: بخاری کتاب المناقب باقتضیۃ الموعود والاقتضی علی عثمان۔

۲: اسد الغابہ تذکرہ حضرت غزوہ بنی مکنہ۔

۳: طبری صفحہ ۲۵۶۰۔

بتائے۔ حضرت بکر بن شراح ؓ نے کہا کہ ”اس کا قاتل میں ہوں“ بولے (اللہ اکبر) تم سے اس کا قصاص لیا جائے گا اپنی برأت ثابت کر سکتے ہو تو کرو۔ انہوں نے کہا فلاں شخص شریک جہاد ہوا اور مجھ کو اپنے گھر کا محافظ بنا گیا میں اس غرض سے اس کے دروازے پر ایک روز آیا تو اس یہودی کو اس کے گھر میں یہ اشعار پڑھتے ہوئے سنا۔

واشعث غره الا سلامه منى

خلوت بعمره ليل التمامه

ایک پر اگندہ مو شخص جس کو اسلام نے مجھ سے غافل کر رکھا ہے

اس کی بی بی کے ساتھ میں نے شب بھر خلوت میں بسر کی

ایبت علی ترابها ویمشی

علی قود الا عنة والحزامه

میں اس کی بی بی کے سینے پر شب بسر کرتا ہوں

اور وہ گھوڑے کی باگ کھینچے کھینچے پھر رہا ہے

اب حضرت عمر ؓ نے ان کو رہا کر دیا۔

ایک بار قبیلہ بکر بن وائل کے ایک شخص نے حیرہ کے ایک عیسائی کو قتل کر دیا تو حضرت عمر ؓ نے قاتل کو مقتول کے درمیان کے حوالے کر دیا اور انہوں نے اس کو قتل دیا۔

حضرت عمر ؓ کی شہادت کی نسبت شبہ تھا کہ یہ ایرانیوں کی سازش کا نتیجہ ہے اس خیال سے حضرت عبید اللہ بن عمر ؓ نے ہرمزان کو قتل کر دیا، حضرت عثمان ؓ خلیفہ ہوئے تو انہوں نے اس کے قصاص میں ان کو قتل کرنا چاہا لیکن حضرت عمرو بن العاص ؓ نے کہا کہ یہ قتل اس وقت ہو جب کوئی خلیفہ نہیں مقرر ہوا تھا، اس لئے وہ بچ گئے، حضرت علی ؓ کا دور خلافت آیا تو انہوں نے بھی ان سے قصاص لینا چاہا لیکن وہ بھاگ گئے۔

ایک بار ایک مسلمان نے ایک ذمی کو قتل کر دیا، حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی خدمت میں یہ معاملہ پیش ہوا تو انہوں نے اس کے قتل کا حکم دیا لیکن مقتول کے بھائی آئے اور کہا کہ ہم نے معاف کر دیا اس پر فرمایا کہ ”تمہیں کسی کی دھمکی دے کر تو معاف کرنے پر مجبور نہیں کیا گیا۔“^۱ ذمیوں کی ویت بھی بالکل مسلمانوں کے برابر مقرر کی گئی تھی ہمارے قلمنی میں ہے،

ان ابا بکر و عمر کانا یجعلان دية اليهودی و النصرانی اذا کان معاهدین

۱: اسد الغابہ تذکرہ حضرت بکر بن شراح ؓ۔

۲: نصب الراية مطبوعہ دہلی صلی ۲۵۹، ۲۶۰۔

دبۃ الحر المسلم -^۱

حضرت ابو بکر ؓ اور حضرت عمر ؓ ذی یہودی اور عیسائی کی ویت آزاد مسلمان کے برابر قرار دیتے تھے۔

اب اس سے زیادہ یومیوں کی جان کا کیا احترام ہو سکتا ہے؟

مال و جائیداد کی حفاظت

مال و جائیداد کی حفاظت اس سے زیادہ کیا ہو سکتی ہے کہ ممالک مفتوحہ کی زمینیں غیر قوموں کے ہاتھ میں رہنے دی گئیں اور ان کا خریدنا بھی مسلمانوں کیلئے ناجائز قرار دیا گیا، چنانچہ حضرت عمر ؓ نے اس میں اس قدر مبالغہ کیا کہ اہل عرب کو زراعت سے بالکل روک دیا اور تمام فوجی افسروں کے نام احکام بھیج دیئے کہ ان لوگوں کے روزے مقرر کر دیئے گئے ہیں اس لئے کوئی زراعت نہ کرنے پائے، مصر میں شریک غطفی نامی ایک شخص نے اس حکم کی خلاف ورزی کی تو حضرت عمر ؓ نے اس سے سخت مواخذہ کیا اور کہا کہ ”میں تجھ کو ایسی سزا دوں گا کہ دوسروں کو عبرت ہو۔“^۲

عدالت میں جائیداد وغیرہ کے متعلق جو مقدمات دائر ہوتے تھے ان میں مسلمانوں کے مقابل میں با تکلف غیر قوموں کو ڈگری دی جاتی تھی، ایک بار حضرت عمر ؓ کی خدمت میں ایک یہودی اور ایک مسلمان کا مقدمہ پیش ہوا تو حضرت عمر ؓ نے یہودی ہی کے حق میں فیصلہ کیا۔^۳

مذہبی آزادی

غیر قوموں کو جو مذہبی آزادی حاصل تھی ان کا اندازہ صرف اس سے ہو سکتا ہے کہ ایک بار حضرت عمر ؓ نے اپنے عیسائی غلام استحق کو دعوت اسلام دی اور اس نے انکار کیا تو فرمایا لا اکراہ فی الدین یعنی مذہب میں کوئی زبردستی نہیں ہے۔^۴

حضرت امیر معاویہ ؓ کے نام سے تمام شام لرزتا تھا لیکن جب انہوں نے دمشق کی مسجد میں کینسہ یوحنا کو شامل کرنا چاہا اور عیسائیوں نے اس پر نارضا مندی ظاہر کی تو ان کو مجبوراً اس کو چھوڑ دینا پڑا۔^۵

حضرت عمر ؓ نے شام کے عیسائیوں کے ساتھ جو یہ شرط کی تھی لا یحدنوا ابنائیکہ

۱: دار قطنی کتاب الحدود صفحہ ۳۴۳۔

۲: حسن المحاضرہ صفحہ ۹۳۔

۳: مؤطا کتاب الاقضية باب الترغیب فی القضاء بالحق۔

۴: کنز العمال جلد ۵ صفحہ ۴۹۔

۵: فتوح البلدان صفحہ ۱۳۱۔

ولا کنبۃ اس کا مطلب صرف یہ تھا کہ مسلمانوں کی آبادی میں نئے گرجے نہ بنائے جائیں۔ خود عیسائیوں کو اپنی آبادی میں گرجا بنانے کی ممانعت نہ تھی، چنانچہ جب قسطنطین مصر میں عیسائیوں نے ایک نیا گرجا بنایا اور فوج نے اس کی مخالفت کی تو حضرت سلمہ بن مہملہؓ نے یہ استدلال کیا کہ یہ تمہاری آبادی سے باہر ہے اور اس پر تمام فوج نے سکوت اختیار کیا۔^۱ ہارون الرشید کی زمانہ خلافت میں مصر کے گورنر عامر بن عمر نے جب عیسائیوں کو گرجوں کے بنانے کی عام اجازت دینا چاہی تو لیث بن سعد اور عبید اللہ بن لہیعہ سے مشورہ لیا ان بزرگوں نے اس کی رائے سے اتفاق کیا اور یہ استدلال پیش کیا کہ مصر کے تمام گرجے صحابہؓ اور تابعین ہی کے زمانے کے بنے ہوئے ہیں۔^۲

جزیرہ کے وصولی میں رعایت و نرمی

ان تمام حقوق کے مقابل میں مسلمانوں کو جزیرہ کی ایک خفیف سی رقم ملتی تھی جو فوجی حفاظت کا معاوضہ تھی، لیکن صحابہ کرامؓ اس معاوضہ کو بھی نہایت لطف و مراعات کے ساتھ وصول کرتے تھے، چنانچہ جو لوگ نادار اور لپانج ہو جاتے تھے ان کا جزیرہ سرے سے معاف ہو جاتا تھا اور ان کو بیت المال سے وظیفہ ملتا تھا، حضرت ابو بکرؓ کے عہد خلافت میں حضرت خالدؓ نے حیرہ کے عیسائیوں کے ساتھ جو معاہدہ کیا تھا اس میں یہ شرط داخل تھی اور حضرت عمرؓ نے اس کو اپنے زمانے میں عملاً قائم رکھا، چنانچہ ایک بار ان کو چند جذامی عیسائی نظر آئے تو بیت المال سے ان کا وظیفہ مقرر کر دیا۔^۳

ایک روز کسی بوڑھے یہودی کو بھیک مانگتے دیکھا تو بیت المال سے اس کا وظیفہ مقرر کر دیا اسکے جزیرہ کی رقم معاف کر دی اور عام حکم دے دیا کہ اس قسم کے تمام لوگوں کا جزیرہ معاف کر دیا جائے۔^۴ جن لوگوں سے جزیرہ وصول کیا جاتا تھا ان پر بھی کسی قسم کی سختی روا نہیں رکھی جاتی تھی، ایک بار حضرت ہشام بن حکیمؓ نے حمص میں دیکھا کہ کچھ قیدی دھوپ میں کھڑے کئے گئے ہیں، بولے یہ کیا ظلم ہے میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے،

ان الله يعذب الذين يعذبون الناس في الدنيا

خدا ان لوگوں کو عذاب دے گا جو دنیا میں لوگوں کو عذاب دیتے ہیں۔

حضرت عمرؓ شام کے سفر سے واپس آرہے تھے، راستے میں دیکھا کہ کچھ لوگ دھوپ میں کھڑے کئے گئے ہیں اور ان کے سر پر زیتون کا تیل ڈالا جا رہا ہے، وجہ پوچھی تو معلوم

۱: حسن المحاضرہ جلد ۲ صفحہ ۵۔ ۲: ولاہ مصر صفحہ ۱۳۲۔

۳: فتوح البلدان صفحہ ۱۳۶۔ ۴: کتاب الخراج صفحہ ۷۲۔

۵: ابوداؤد کتاب الخراج باب المتعبدین فی الجزیرہ۔

ہوا کہ ناداری کی وجہ سے جزیہ نہیں دیتے، فرمایا چھوڑ دو میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے۔

لا تعذبوا الناس فان الذين يعذبون الناس في الدنيا بعهذ بهم الله يوم
القيامة۔^۱

لوگوں کو تکلیف نہ دو کیونکہ جو لوگ لوگوں کو تکلیف دیتے ہیں، خدا ان کو قیامت میں
تکلیف دیتا ہے۔

ملکی حقوق

رعایا کو سب سے بڑا حق جو حاصل ہو سکتا ہے وہ یہ ہے کہ ان کو ملکی انتظامات میں شریک کیا
جائے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے زمانے میں غیر قوموں کو یہ حق حاصل تھا یعنی جن معاملات کا
تعلق غیر قوموں کے ساتھ ہوتا تھا ان میں ان کی رائے مقدم خیال کی جاتی تھی، چنانچہ عراق کا
بندوبست ہوا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے وہاں سے چودھری طلب کئے اور ان سے مال گذاری کے
متعلق رائے لی۔^۲

غیر قوموں میں بہت سے لوگوں کو ملکی عہدے دیئے گئے اور ذمہ داری کی خدمت میں ان کے
متعلق کی گئیں، ایک بار بہت سے عیسائی قیدی آئے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بعض کو مکتب میں
داخل کر دیا اور بعض کے متعلق ایک ملکی کام کیا۔^۳ اصابہ میں ہے کہ ابو زید نامی ایک عیسائی کو
انہوں نے عامل بھی مقرر فرمایا تھا، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے بھی ایک عیسائی کو تعلیم دے کر اپنا
میر منشی بنایا تھا۔^۴ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دربار میں سب سے زیادہ بالقتدار اور بااثر
شخص ابن آہل نصرانی تھا جو ان کا طبیب بھی تھا مترجم بھی تھا، اور حمص کا کلکٹر بھی تھا۔^۵

آزادی تجارت

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے فیاضانہ طرز عمل نے کبھی غیر قوموں کی تجارتی آزادی میں خلل
نہیں ڈالا بلکہ اس کو اور ترقی دی، چنانچہ شام کے پہلی جو روغن زیتون اور گیہوں کی تجارت کرتے
تھے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کے عشر کو نصف کر دیا تھا کہ مدینہ میں کثرت سے غلہ آئے، مصر
کے قبطنی بھی مال تجارت لے کر آتے تھے، لیکن ان سے پورا عشر لیا جاتا تھا۔^۶

- ۱: کتاب الخراج صفحہ ۷۱۔
- ۲: کتاب الخراج صفحہ ۲۱۔
- ۳: فتوح البلدان صفحہ ۱۳۹۔
- ۴: فتوح البلدان صفحہ ۳۶۰۔
- ۵: یعقوبی جلد ۲ صفحہ ۲۶۵ واستیعاب۔
- ۶: مؤطالنام مالک کتاب الزکوۃ باب عشور اهل الذمہ۔

سازش اور بغاوت کی حالت میں ذمیوں کے ساتھ سلوک

غیر قومیں تو بالکل بیگانہ ہوتی ہیں، سازش اور بغاوت کی حالت میں مہذب سے مہذب سلطنت خود اپنی قوم سے کوئی مراعات نہیں کر سکتی لیکن صحابہ کرام ؓ نے اس حالت میں بھی ذمیوں کے ساتھ نہایت نرم برتاؤ کیا، شام کی انتہائی سرحد پر ایک شہر عریسوس تھا جہاں کے عیسائیوں سے معاہدہ صلح ہو گیا تھا لیکن یہ لوگ درپردہ رومیوں سے سازش رکھتے تھے اور مسلمانوں کی خبریں ان تک پہنچایا کرتے تھے، حضرت عمیر بن سعد ؓ نے جو وہاں کے ولی تھے حضرت عمر ؓ کو اس کی اطلاع دی تو انہوں نے لکھ بھیجا کہ ان کے تمام مل و متاع کا شہر کر کے ہر چیز کا دو گنا معاوضہ دے دیا جائے اور اس کے بعد وہ جلاوطن کر دیئے جائیں اگر وہ اس پر راضی نہ ہوں تو ایک سال کی مہلت کے بعد جلاوطن کئے جائیں چنانچہ ایک سال کے بعد وہ لوگ جلاوطن کر دیئے گئے۔

ان مراعات کا ذمیوں پر اثر

ذمیوں پر ان تمام لطف و مراعات کا یہ اثر ہوا کہ وہ خود مسلمانوں کے دست و بازو بن گئے، قاضی ابو یوسف صاحب کتاب الخراج میں لکھتے ہیں۔

فلما رای اهل الذمة وفاء المسلمين لهم وحسن السيرة فيهم صاروا اشداء على عدو المسلمين وعونا للمسلمين على اعدائهم۔

جب ذمیوں نے مسلمانوں کی وفاداری اور ان کے نیک سلوک کو دیکھا تو مسلمانوں کے دشمنوں کے سب سے بڑے دشمن اور ان کے مقابل میں مسلمانوں کے حامی و مددگار بن گئے۔ رومی اگرچہ خود عیسائیوں کے ہم مذہب تھے، لیکن جب رومیوں نے مسلمانوں کے مقابلے میں ایک عظیم الشان فیصلہ کن جنگ کی تیاریاں کیں تو ان ہی ذمی عیسائیوں نے ہر جگہ سے جاسوس بھیجے کہ رومیوں کی خبر لائیں، حضرت ابو عبیدہ ؓ نے ہر شہر پر جو حکام مقرر کئے تھے ان کے پاس ہر شہر کے عیسائی رئیس آئے اور اس جنگی تیزی کی خبر دی، حضرت ابو عبیدہ ؓ کو تمام حکام نے اس کی اطلاع دی تو انہوں نے لکھ بھیجا کہ ذمیوں سے جس قدر جزیہ اور خراج وصول کیا گیا ہے سب واپس کر دیا جائے کیونکہ معاہدے کے رو سے ہم پر انکی حفاظت واجب ہوگی اور ہم اس وقت اس کی طاقت نہیں رکھتے، ان حکام نے جب یہ رقیس واپس دیں تو یہ لوگ سخت متاثر ہوئے اور بے اختیار بول اٹھے کہ ”خدا تم کو واپس لائے اگر خود رومی ہوتے تو اس حالت میں ہم کو کچھ واپس نہ دیتے، بلکہ ہمارے پاس جو کچھ ہوتا لے لیتے۔“ مسلمانوں کی فتح

ہو گئی تو عیسائیوں نے خود واپس شدہ رقم حضرت ابو عبیدہ ؓ کے پاؤں پر ڈال دی۔^۱ کہ دوبارہ اس ابر کرم کے سائے کے نیچے آجائیں۔

اس موقعہ کے علاوہ ہر موقع پر ذمیوں کا طرز عمل نہایت مخلصانہ اور وفادارانہ رہا، حضرت عمر ؓ شام میں آئے تو ذرعات کے عیسائی ہاتھ میں تلوار لئے ہوئے پھول برساتے ہوئے اور باجا بجاتے ہوئے ان کے استقبال کیلئے نکلے، حضرت عمر ؓ نے روکنا چاہا لیکن حضرت ابو عبیدہ ؓ نے کہا یہ ان کا دستور ہے اگر روک ٹوک کی گئی تو سمجھیں گے کہ معاہدہ ٹوٹ گیا۔ شام کے ایک اور عیسائی رئیس نے ان کی دعوت کرنا چاہی اور کہا کہ ”اگر حضور چند اکابر تنابہ ؓ کے ساتھ غریب خانہ پر تشریف لائیں تو میری عزت افزائی ہوگی“ لیکن حضرت عمر ؓ نے فرمایا کہ ”ان گرجوں میں جن میں یہ تصویریں ہیں ہم قدم نہیں رکھ سکتے۔“^۲

عیسائیوں اور یہودیوں کی جلا وطنیاں

منا انہیں نے ذمیوں کے متعلق صحابہ کرام ؓ پر جو اعتراضات کئے ہیں، ان میں یہودیوں اور عیسائیوں کی جلا وطنی کا مسئلہ خاص طور پر قابل بحث ہے۔

یہود خیبر

سب سے پہلے حضرت عمر ؓ کے عہد خلافت میں یہود خیبر کی جلا وطنی عمل میں آئی، لیکن اس کی کیفیت یہ ہے کہ خیبر جب فتح ہوا تو اسی وقت وہاں کے یہودیوں سے کہہ دیا گیا تھا کہ جب مناسب ہو گا تم کو جلا وطن کر دیا جائے گا، ایک حدیث بھی پہلے سے موجود تھی۔

لا یجتمع دینان فی جزیرۃ العرب۔

جزیرۃ عرب میں ایک ساتھ دو مذہب نہیں رہ سکتے۔

بایں ہمہ حضرت عمر ؓ نے ان کے ساتھ کسی قسم کا تعرض نہیں کیا، لیکن یہ لوگ ابتدا ہی سے مسلمانوں پر مخفی حملہ کرنے کے عادی تھے، خود رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں جب انصار کی ایک جماعت وہاں گئی تو یہود نے موقع پا کر ایک انصاری کو مخفی طور پر قتل کر دیا تھا تاہم چونکہ ان لوگوں کے پاس کوئی شہادت نہ تھی اور ان کو یہود کے حلف پر بھی اطمینان نہ تھا۔ اسلئے یہود بالکل بری ہو گئے اور خود آپ نے صدقے کے اونٹوں سے ان کی دیت دلوائی۔^۳

حضرت عمر ؓ کے زمانے میں انہوں نے اور بھی شرارتیں کیں، ایک انصاری شام سے چند غلاموں کو لارہے تھے۔ راہ میں خیبر میں قیام کیا تو یہودیوں نے شہ دے کر ان غلاموں

۱۔ کتاب الخراج صفحہ ۸۰۔ ۲۔ فتوح البلدان صفحہ ۱۴۶۔

۳۔ لب المفرد باب دعوة الذمی۔

۴۔ بخاری کتاب الدیات باب القسامہ۔

سے ان کو قتل کروا ڈالا اور ان کو زور لہو دے کر شام کی طرف واپس کر دیا چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو خبر ہوئی تو ان کو جلاوطن کر دیا۔^۱ یہ روایت اسد الغابہ میں ہے لیکن مسند ابن جنبل میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ اور حضرت مقداد بن اسود رضی اللہ عنہ کی جائیدادیں خیبر میں تھیں اس غرض سے یہ لوگ آئے اور اپنی اپنی جائیداد کی دیکھ بھال کیلئے منتشر ہو گئے رات کے وقت حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ پر حالت خواب میں حملہ ہوا اور ان کا ہاتھ توڑ دیا گیا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو معلوم ہوا تو فرمایا کہ ”یہ یہود کا کام ہے“ اس کے بعد ایک خطبہ دیا، جس میں فرمایا کہ ”رسول اللہ ﷺ نے جب یہود سے مصالحت کی تھی تو کہہ دیا تھا کہ ہم جب چاہیں گے تم کو نکال دیں گے، اب انہوں نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ پر حملہ کیا اور ان کا ہاتھ توڑ ڈالا ہے، اس کے پہلے بھی انہوں نے انصار پر حملہ کیا تھا، تم میں سے خیبر میں جس کا جس کا مال ہو لے میں یہود خیبر کو جلاوطن کروں گا۔“^۲ فتوح البلدان میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جب ان کو جلاوطن کرنا چاہا تو لالحتیمع دینان ولى حدیث کی کافی تحقیقات کر لی، اور ان کو اس کی سخت کا کامل یقین ہو گیا، تب ان کو جلاوطن کیا۔^۳

انصار اے نجران

رسول اللہ ﷺ نے نجران کے عیسائیوں سے جو معاہدہ کیا تھا اس میں ایک شرط یہ تھی کہ سود نہ کھائیں گے، لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد میں اس شرط کی خلاف ورزی کی گئی۔^۴ اس کے ساتھ انہوں نے درپردہ جنگ کی تیاریاں بھی شروع کیں اور بہت سے گھوڑے اور ہتھیار بھی جمع کئے اس لئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انکو جلاوطن کر دیا۔^۵ طبری میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ دونوں نے ان کو جلاوطنی کی وصیت کی تھی۔^۶

انصار اے عربسوس

ان لوگوں نے رومیوں سے درپردہ سازش کی، حضرت عمیر بن سعد رضی اللہ عنہ نے جو وہاں کے حاکم تھے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اطلاع دی تو انہوں نے ان کو جلاوطن کروا دیا۔^۷ ان تمام واقعات سے ثابت ہوتا ہے کہ جو جلاوطنیاں عمل میں آئیں ان کا سبب مذہبی تعصب نہ تھا، بلکہ اس قسم کے پولیٹیکل اسباب جمع ہو گئے تھے کہ کوئی سلطنت اس کے دوسرا طرز عمل اختیار ہی نہیں کر سکتی تھی، البتہ یہ دیکھنا چاہئے کہ اس قسم کے موقعوں پر دوسری

۱۔ اسد الغابہ تذکرہ مظہر بن رافع۔ ۲۔ مسند جلد ۱ صفحہ ۱۵۔

۳۔ فتوح البلدان صفحہ ۳۴۔

۴۔ ابوداؤد کتاب الخراج باب فی الجزیہ و فتوح البلدان صفحہ ۱۶۲۔

۵۔ کتاب الخراج صفحہ ۲۲۔ ۶۔ طبری صفحہ ۲۶۲۔ ۷۔ فتوح البلدان صفحہ ۱۶۳۔

سلطنتیں کیا کرتیں اور صحابہ کرام ؓ نے کیا کیا؟

حضرت عمر ؓ نے بخران کے عیسائیوں کو جلاوطن کیا تو یہ حکم دیا کہ جو لوگ جلاوطن کئے جائیں ان کی زمین کی پیمائش کر لی جائے تاکہ اسی کے مثل ان کو معاوضہ دیا جائے اور ان کو اختیار دیا جائے کہ جہاں چاہیں چلے جائیں، وہ لوگ جلاوطن ہو کر عراق عرب کو چلے تو ان کو جو پروانہ لکھا اس میں یہ فیاضانہ الفاظ رکھے۔

(۱) یہ لوگ شام یا عراق کے جس رئیس کے پاس جائیں اس کا فرض ہو گا کہ وہ زراعت کیلئے ان کو زمین دے۔

(۲) ہر مسلمان کو چاہئے کہ اگر کوئی ان پر ظلم کرے تو وہ ان کی مدد کریں۔

(۳) چوبیس ۲۴ مہینے تک ان کا جزیہ معاف کر دیا جائے۔

فدک کے یہودیوں کو جلاوطن کیا تو ان کی زمین و جائیداد کی قیمت کا تخمینہ کر دیا اور جب قیمت متعین ہو گئی تو بیت المال سے دلوہوی۔^۱ کیا کوئی دوسری قوم ان پولیٹیکل جرائم کے باوجود غیر قوموں کے ساتھ اس قسم کا فیاضانہ برتاؤ کر سکتی ہے؟

۱: طبری صفحہ ۲۱۶۲۔

۲: کتاب الخراج صفحہ ۳۱۔

۳: فتوح البلدان صفحہ ۳۶۔

غلاموں کے حقوق

غلامی کی ابتدا اس طرح ہوتی ہے کہ ایک بد قسمت شخص میدان جنگ میں گرفتار ہو جاتا ہے گرفتاری کے بعد مل غنیمت کے ساتھ اس کی تقسیم ہوتی ہے اور وہ ایک خاص شخص کی ملک بن جاتا ہے اس کے بعد اپنے آقا کی شخص حکومت کے ساتھ اس کو سلطنت کے عام قوانین کے ماتحت زندگی بسر کرنا ہوتی ہے اس لئے اگر کسی قوم کی نسبت یہ سوال ہو کہ غلاموں کے متعلق اس کا کیا طرز عمل تھا؟ تو یہ ترتیب حسب ذیل عنوانات میں یہ سوال کیا جاتا ہے۔

- ۱۔ حالت قید میں ان کے ساتھ کیا برتاؤ کیا گیا۔
 - ۲۔ آقا نے غلام کو غلام بنا کر رکھایا آزاد کر دیا۔
 - ۳۔ غلاموں کو کیا کیا ملکی حقوق دیئے اور بادشاہ کا غلاموں کے ساتھ کیا طرز عمل رہا۔
- صحابہ کرام ؓ کے زمانے میں جو لوگ غلام بنائے گئے ہم ان کے متعلق اسی ترتیب سے بحث کرتے ہیں۔

اسیران جنگ کا قتل نہ کرنا

اسلام سے پہلے مہذب سے مہذب ملکوں میں غلاموں کو قید کر کے بیدار بچ قتل کر دیا جاتا تھا، چنانچہ تاریخ قدیم میں اس کی بہ کثرت مثالیں ملتی ہیں، لیکن قرآن مجید میں اسیران جنگ کے متعلق یہ حکم ہے۔

حتى اذا اتحتتموهم فشدوا الوثاق فاما من بعد واما فداء۔

جب تم لوگ خوب خوزیزی کر چکو تو قیدی بٹولان کے بعد صرف دو صورتیں ہیں یا احسان ان کو آزاد کرو یا فدیہ لے کر ان کو چھوڑ دو۔

اور صحابہ کرام ؓ نے شدت کے ساتھ اس کی پابندی کی، چنانچہ ایک بار حجاج کے پاس ایک اسیر جنگ آیا، اور اس نے حضرت عبداللہ بن عمر ؓ کو اس کے قتل کرنے کا حکم دیا، لیکن انہوں نے کہا ”ہم اس پر مامور نہیں ہیں۔“ اس کے بعد قرآن مجید کی مندرجہ بالا آیت پڑھی۔

اسیران جنگ کو کھانا کھلانا اور ان کے آرام و آسائش کا سامان بہم پہنچانا صحابہ کرام ؓ اسیران جنگ کو اپنے آپ سے بہتر کھانا کھلاتے تھے اور ان کے آرام و

آسائش کے ضروری سامان بہم پہنچاتے تھے۔ خود قرآن مجید نے صحابہ کرام ؓ کی اس فضیلت کو نمایا کیا ہے۔

و يطعمون الطعام على حبه مسكينا و يتيماً و اسيراً۔
 باوجود یہ کہ ان لوگوں کو خود کھانے کی خواہش ہو پھر بھی وہ مسکین کو، یتیم کو اور قیدی کو کھانا کھلاتے ہیں۔

معجم طبرانی میں ہے کہ صحابہ کرام ؓ اسیران جنگ کے ساتھ اس قدر لطف و مراعات کرتے تھے کہ خود کھجور کھا لیتے تھے، مگر ان کو جو کی روٹی کھلاتے تھے۔
 حضرت ابو بکر ؓ کے عہد خلافت میں جب مالک بن نویرہ اپنے رفقا کے ساتھ گرفتار ہوا تو رات کو ان کو سخت سردی محسوس ہوئی، حضرت خالد بن ولید ؓ کو خبر ہوئی تو عام منادی کراوی۔

ادفنوا اسراکم۔^۱
 اپنے قیدیوں کو گرم کپڑے اوڑھناؤ۔

شاہی خاندان کے اسیران جنگ کے ساتھ برتاؤ

اگرچہ صحابہ کرام ؓ تمام قیدیوں کے ساتھ نہایت عمدہ برتاؤ کرتے تھے، لیکن شاہی خاندان کے قیدی اور بھی لطف و مراعات کے مستحق ہوتے تھے، حضرت عمرو بن العاص ؓ نے جب جنگ مصر میں بلیس پر حملہ کیا اور مقوقس شاہ مصر کی بیٹی ارمائوسہ گرفتار ہو کر آئی تو انہوں نے حضرت عمر ؓ کے حکم سے نہایت عزت و احترام کے ساتھ اس کو مقوقس کے پاس بھیج دیا اور مزید احتیاط کیلئے اسکے ساتھ ایک سردار کو کر دیا کہ بحفاظت تمام اسکو پہنچائے۔^۲

اسیران جنگ کو اعزہ و اقارب سے جدانہ کرنا

رسول اللہ ﷺ کا عام حکم یہ تھا کہ قیدی اپنے اعزہ و اقارب سے جدانہ کئے جائیں، صحابہ کرام ؓ اس حکم پر نہایت شدت کے ساتھ عمل فرماتے تھے ایک بار حضرت ابو ایوب انصاری ؓ کسی فوج پر تھے، اسیران جنگ کی تقسیم ہوئی تو بچوں کو ماں سے علیحدہ کر دیا گیا، بچے رونے لگے تو انہوں نے ان کو ماں کی آغوش میں ڈال دیا اور کہا کہ ”رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ جو شخص ماں سے بچوں کو جدا کرے گا خدا قیامت کے دن اس کو اس کے اعزہ و اقارب سے جدا کر دے گا۔“^۳

۱: طبری صفحہ ۱۹۲۵۔ ۲: مقریزی جلد ۱ صفحہ ۱۸۳۔

۳: مسند دارمی کتاب الجہاد باب النبی عن التفریق من الوالد و ولدہا۔

لوٹڈیوں کے ساتھ استبراء کے بغیر جماع کرنا

عرب میں وحشیانہ طریقہ جاری تھا کہ جو لوٹڈیاں گرفتار ہو کر آتی تھیں، ان سے استبراء رحم کے بغیر مباشرت کرنا جائز سمجھتے تھے اور اس میں حاملہ وغیرہ حاملہ کی کوئی تفریق نہیں کرتے تھے، رسول اللہ ﷺ نے اس طریقہ کو بالکل ناجائز قرار دیا اور ان لوٹڈیوں کو مطلقہ عورتوں کے حکم میں شامل کر لیا یعنی جب تک غیر حاملہ لوٹڈیوں پر عدت حیض نہ گذر جائے اور حاملہ لوٹڈیوں کا وضع حمل نہ ہو جائے ان سے اس قسم کا فائدہ اٹھانا جائز نہیں ہو سکتا، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم غزوات میں اس حکم کی شدت کے ساتھ پابندی کرتے تھے، ایک بار حضرت روفیع بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ نے مغرب کے ایک گاؤں پر حملہ کیا، مال غنیمت کی تقسیم کا وقت آیا تو فوج کو یہ ہدایت فرمائی۔

من اصاب من هذا ابسی فلا یطوء ہا حتی تحیطر۔

یہ لوٹڈیاں جن لوگوں کے حصے میں آئیں، جب تک ان کو حیض نہ آجائے، وہ ان سے جماع نہ کریں۔

دوسری روایت میں ہے کہ انہوں نے فرمایا،

ایہا الناس انی لا اقول فیکم الا ما سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول قام فینا یوم حنین فقال لا یحل لا مری یومس باللہ والیوم الآخر ان سبقی ماء زرع غیرہ یعنی اینان احبالی من السبایا وان یصیب امرأہ بشا من ابسی حتی یستبرأ لہا۔

لوگو! میں تم سے وہی بات کہتا ہوں جو میں نے خود رسول اللہ ﷺ سے سنی ہے آپ ﷺ نے حنین کے دن فرمایا جو شخص اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان لایا، اس کیلئے یہ جائز نہیں کہ دوسرے کی کھیتی میں آبپاشی کرے یعنی حاملہ اور شیبہ لوٹڈیوں سے بغیر استبراء رحم جماع کرے۔

غلاموں کی آزادی

یہ وہ احسانات تھے جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حالت قید میں غلاموں کے ساتھ کرتے تھے لیکن ان کا اصلی احسان یہ ہے کہ جو لوگ قید کر کے غلام بنائے جاتے تھے، اکثر ان کو بھی مختلف طریقوں سے آزاد کر دیتے تھے۔

حضرت ام ورقہ بنت نوفل رضی اللہ عنہا ایک صحابیہ تھیں، جنہوں نے دو غلام مدبر

۱: مسند ابن حبیل جلد ۳ صفحہ ۱۰۸، ۱۰۹۔

۲: مدبران غلاموں کو کہتے ہیں جن کی آزادی آقا کی موت کے ساتھ شرط ہوتی ہے۔

کئے تھے، جنہوں نے ان کو شہید کر دیا تھا کہ جلد آزاد ہو جائیں۔^۱

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ایک لونڈی اور ایک غلام کو آزاد کرنا چاہا، مگر چونکہ دونوں کا نکاح ہو گیا تھا، اس لئے آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ پہلے شوہر کو آزاد کر دو تاکہ بی بی کو طلاق لینے کا اختیار باقی نہ رہے۔^۲

ایک بار وہ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے ناراض ہو گئیں اور ان سے بول چال کی قسم کھائی عفو تقصیر کے بعد کفارہ یمین میں ۴۰ غلام آزاد کئے۔^۳

حضرت عبدالرحمن بن ابی بکر رضی اللہ عنہ دفعۃً حالت خواب میں مر گئے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ان کی جانب سے بکثرت غلام آزاد کئے، ان کے پاس اسیران قبیلہ بنو تمیم میں سے ایک لونڈی تھی، آپ نے فرمایا کہ اس کو آزاد کر دو کیونکہ یہ اسماعیل کی اولاد میں سے ہے۔^۴ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کی ایک لونڈی تھی، جس کو انہوں نے آزاد کر دیا، آپ کو معلوم ہوا تو فرمایا کہ خدام کو اس کا اجر دے گا، لیکن اگر اپنے ماموں کو دے دیتیں تو اس سے زیادہ ثواب ملے گا۔

سفینہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی ایک لونڈی تھی، انہوں نے اس کو رسول اللہ ﷺ کی خدمت گزاری کیلئے آزاد کر دیا۔^۵

ایک صحابی نے آپ ﷺ کی خدمت میں بیان کیا کہ میری ایک لونڈی دامن کوہ میں بکریاں چرا رہی تھی، بھیڑیا آیا اور ایک بکری کو اٹھالے گیا، اس پر میں نے اس کو طمانچہ مارے، یہ واقعہ سن کر رسول اللہ ﷺ کو تکلیف ہوئی اور اس کو بلوا کر پوچھا کہ خدا کہاں ہے؟ اس نے کہا ”آسمان پر“ پھر پوچھا میں کون ہوں؟ بولی ”رسول اللہ ﷺ“ اگر شاہد ہوا کہ اس کو آزاد کر دو یہ تو مسلمان ہے۔^۶

مکاتب اس غلام کو کہتے ہیں جس کو ایک رقم معین کے لیا کرنے کے بعد آزادی کا حق حاصل ہو جاتا ہے، حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا اپنے غلاموں کو مکاتب بناتی تھیں، لیکن قبل اسکے کہ

۱: ابوداؤد کتاب الصلوٰۃ باب امامۃ النساء۔

۲: ابوداؤد کتاب الطلاق باب فی المملوکیں یلاحقان معال فی غیر اہل اہل۔

۳: بخاری کتاب الادب باب الجہد۔

۴: مؤطا امام مالک کتاب الفق والاولاد باب عتق النبی عن المیت۔

۵: مسلم کتاب الفضا کل باب من فضا کل غفار واسلم۔

۶: ابوداؤد کتاب الزکوٰۃ باب فی صلۃ الرحم و بخاری کتاب الجہد۔

۷: ابوداؤد کتاب العتق باب فی العتق علی شرط۔

۸: ابوداؤد کتاب الصلوٰۃ باب تسمیۃ العاطس فی الصلوٰۃ۔

پورا معاوضہ یعنی بدل کتابت لیا کریں اس سے کسی قدر رقم لیکر جلد سے جلد آزاد کر دیتی تھیں۔^۱
ایک صحابی نے انتقال کیا تو وارث کی جستجو ہوئی، معلوم ہوا کہ کوئی نہیں ہے، ان کا صرف ایک آزاد کردہ غلام ہے، آپ ﷺ نے اسی کو ان کی وراثت دلوادی۔^۲

ایک غلام دو صحابیوں کے درمیان مشترک تھا، ایک صحابی نے اپنا حصہ آزاد کر دیا، رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں اس کا ذکر ہوا تو آپ ﷺ نے فرمایا ”خدا کا کوئی شریک نہیں“ اور اس غلام کو آزاد کر دیا۔^۳

حضرت حکیم بن حزام رحمہ اللہ نے زمانہ جاہلیت میں سو غلام آزاد کئے تھے، اسلام لائے تو زمانہ اسلام میں بھی سو غلام آزاد کئے۔^۴ ان غلاموں کی آزادی نہایت شان و شوکت کے ساتھ عمل میں آئی، چنانچہ وہ حج کو آئے تو عرفہ کے دن ان غلاموں کے گلے میں چاندی کے طوق ڈال کر لائے جن پر عطاء اللہ عن حکیم بن حزام لکھا ہوا تھا، یعنی یہ حکیم بن حزام کی جانب سے خدا کی رلہ میں آزاد ہیں۔^۵

حضرت عثمان رحمہ اللہ کی شہادت کا وقت آیا تو ۲۰ غلام آزاد کئے۔^۶

حضرت عمر رحمہ اللہ نے انتقال کے وقت جو وصیتیں کیں ان میں ایک یہ تھی، حسن ادرك وفاقى من سبى العرب فهو حر من مال الله یعنی غلامان عرب میں سے جو لوگ میری وفات کا زمانہ پائیں وہ خدا کے مال سے آزاد ہیں۔^۷

حضرت عبداللہ بن مسعود رحمہ اللہ نے ایک غلام کو آزاد کیا تو غلام کے پاس جو مال تھا اگرچہ وہ اس کے مالک ہو سکتے تھے، لیکن مال بھی اسی کو دے دیا۔^۸

حضرت ابوہریرہ کور رحمہ اللہ ایک انصاری صحابی تھے، ان کی جائیداد کی کل کائنات ایک غلام سے زیادہ نہ تھی، لیکن انہوں نے اس کو بھی مدبر کر دیا، لیکن خود رسول اللہ ﷺ نے اس کو پسند نہیں فرمایا اور فروخت کر کے اس کو ان کی قیمت دلا دی۔^۹

ایک اور صحابی کی ملک میں صرف ۶ غلام تھے جن کو انہوں نے مرتے وقت آزاد کر دیا،

۱: مؤطا امام مالک کتاب العتق والوالاء باب القطعۃ فی الکتابۃ۔

۲: ابوداؤد کتاب الفرائض باب فی میراث ذوی الارحام۔

۳: ابوداؤد کتاب العتق باب فیمین احق نصیباً من مملوک۔

۴: مسلم کتاب الایمان باب بیان حکم عمل الکافر فروعاً وسلم بعدہ۔

۵: زہیرۃ الاربر تذکرہ حکیم ابن حزام۔

۶: مسند ابن ضہیل جلد ۱ صفحہ ۷۳، مسند عثمان۔

۷: مسند ابن ضہیل جلد ۱ صفحہ ۲۰۔ ۸: سنن ابن ماجہ ابواب العتق باب من اعق عبد لولہ مال۔

۹: ابوداؤد کتاب العتق باب فی بیع المدبر۔

نیکان وصیت کے قاعدے کے موافق آپ نے صرف دو غلاموں کی آزادی کو جائز رکھا۔^۱
اسیران ہوازن میں سے حضرت عمر ؓ کے پاس ایک لونڈی تھی، رسول اللہ ﷺ نے
انہو آزو لیا تو انہوں نے بھی حکم دیا کہ یہ لونڈی بھی انہی آزو شدہ لوگوں کے ساتھ کر دی جائے۔^۲
رسول اللہ ﷺ نے غلام اور آقا کو بھائی بھائی بنا دیا تھا اسلئے اگر صحابہ ؓ غلاموں کے
ساتھ سختی کے ساتھ پیش آجاتے تھے تو اس جرم کے کفارے میں ان کو آزو کر دیتے تھے۔ حضرت
ابو سعید انصاری ؓ اور حضرت عبداللہ بن عمر ؓ نے اسی طرح ایک ایک غلام آزو کئے تھے۔^۳
ایک صحابی آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی کہ میرے دو غلام ہیں جو
نہایت خائن، کذاب اور نافرمان ہیں، میں جرائم میں ان کو برا بھلا کہتا ہوں اور سزا دیتا ہوں، اس
معاملہ میں میرا کیا انجام ہوگا؟ ارشاد ہوا ان کی خیانت، کذب، نافرمانی اور تمہاری سزا کا حساب
ہوگا، اگر تمہاری سزا ان کے جرائم سے زیادہ ہوگی تو اس زیادتی کا تم سے بدلہ لیا جائے گا یہ سن کر
وہ رونے پٹنے لگے اور کہا کہ بہتر یہی ہے کہ میں ان کو اپنے پاس سے علیحدہ کر دوں، آپ گولو
بنے کہ وہ آزو ہیں۔^۴

ایک بار آپ ﷺ نے ابو لہثم بن العیصان انصاری ؓ کو ایک غلام عنایت فرمایا اور
بایت کی کہ اس کے ساتھ سلوک کرنا ان کی بی بی نے کہا ”تم سے یہ نہ ہو سکے گا، بہتر یہ ہے کہ
اس کو آزو کر دو۔“ انہوں نے اس کو آزو کر دیا۔^۵

ایک بار آپ ﷺ نے حضرت ابوذر ؓ کو ایک غلام دیا اور کہا کہ ”اس کے ساتھ نیکی
کر۔“ انہوں نے یہی نیکی کی کہ اس کو آزو کر دیا۔^۶

حضرت ابوہریرہ ؓ اسلام لانے کیلئے چلے تو ساتھ میں غلام بھی تھا، وہ موقع پا کر راستے
میں بھاگایا بھٹک گیا، وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر اسلام لانے تو اسی حالت
میں غلام بھی آیا، آپ ﷺ نے فرمایا ”ابوہریرہ! لینا تمہارا یہ غلام ہے۔“ بولے ”کہ آپ گولو
رہنے یہ خدا کی راہ میں آزاد ہے۔“^۷

ایک بار کسی شخص نے اپنے غلام سے کسی کام کو کہا وہ سو گیا، وہ آیا تو اس کے چہرے پر آگ
ال دی، غلام کھبرا کر اٹھا تو کنویں میں گر پڑا۔ حضرت عمر ؓ نے اس کے چہرے کی حالت

۱۔ ابو داؤد کتاب العقیق باب فی من یعتق عبید اللہ بن مسعود۔

۲۔ ابو داؤد کتاب انعام باب المعصنات یعود المریض کتاب الجہاد میں ہے کہ ”دو لونڈیاں تھیں۔“

۳۔ ابو داؤد کتاب الادب باب فی حق المملوک

۴۔ ترمذی ابواب تفسیر القرآن تفسیر سورہ انبیاء۔

۵۔ ترمذی ابواب الزہد۔ ۱۔ ابواب المفرد باب العفو عن انحام۔

۶۔ بخاری ابواب الشرک باب ان قتال عبیدہ ہونہ و نودی لعتق و انشاہاد فی العقیق۔

دیکھی تو اس کو آزاد کر دیا۔^۱

صرف یہی نہیں تھا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اپنے مملوکہ اونڈی غلام کو آزاد کرتے تھے، بلکہ یہ اس قدر افضل کام خیال کیا جاتا تھا کہ دوسروں کے غلاموں کو صرف آزاد کرنے کیلئے خریدتے تھے، چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ایک اونڈی کو اس لئے خریدا چاہا کہ اس کو آزاد کرے۔^۲ ابتدائے اسلام میں حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے بھی سات غلام خرید کر آزاد کئے تھے۔

حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ نے ایک غلام خریدا اور اس کو آزاد کر دیا۔^۳ ان کے علاوہ بکثرت غلاموں کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آزاد کیا۔

میر اسماعیل نے بلوغ المرام کی شرح میں نجم الوہاب سے ایک فہرست نقل کی ہے جس کی رو سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے آزاد کردہ غلاموں کی تعداد انتالیس ہزار دو سو سینتیس ۳۹۲۳ تک پہنچتی ہے چنانچہ ان صحابہ رضی اللہ عنہم کے نام اور ان کے آزاد کردہ غلاموں کی تعداد حسب ذیل ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا	۲۷	حضرت عباس رضی اللہ عنہ	۷۰
حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ	۱۰۰	حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ	۱۰۰۰
ذوالکلاع حمیری رضی اللہ عنہ	۸۰۰۰	حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ	۳۰۰۰۰

اس کتاب میں حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے آزاد کردہ غلاموں کی تعداد نہیں بتائی ہے، لیکن لگھا ہے کہ انہوں نے بکثرت غلام آزاد کئے۔^۴

سیاسی حیثیت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے غلاموں کو جو حقوق، ملائے ان کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

عرب کا غلام نہ بنانا

اوپر گذر چکا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس قبیلہ: نجیم کی ایک اونڈی تھی رسول اللہ ﷺ نے دیکھا تو فرمایا کہ اسکو آزاد کر دو کیونکہ یہ اسماعیل کی اولاد میں سے ہے، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ خود آپ ﷺ اہل عرب کا غلام بنانا پسند نہیں فرماتے تھے لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عام قانون بتلایا کہ عرب کا کوئی شخص غلام نہیں بنایا جاسکتا۔ چنانچہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں قبائل مرتدہ کے جو لوگ گرفتار ہوئے تھے۔ ان کو انہوں نے اسی بنا پر آزاد کر لیا۔^۵ اسلام کے پہلے عرب کے جو لوگ اونڈی یا غلام بنائے گئے تھے، ان کو نسبت یہ حکم دیا کہ اگر

۱۔ اب المفرد باب حسن المملکۃ۔

۲۔ ابوداؤد کتاب الفرائض باب فی اولاد۔

۳۔ مؤطا امام مالک کتاب العتق واولاد باب حر العبد واولاد۔

۴۔ بل السلام صفحہ ۳۳۵ کتاب العتق۔

۵۔ یعقوبی جلد ۲ صفحہ ۱۵۸۔

اسی قبیلہ کا کوئی شخص کسی قبیلہ میں غلام بنالیا گیا ہو تو وہ اس کے بدلے میں دو غلام بطور فدیہ کے دے کر آزاد کر سکتا ہے، اسی طرح ایک لونڈی کے عوض میں دو لونڈی دے کر آزاد کرائی جاسکتی ہے۔^۱

غیر قومیں اگرچہ غلام بنائی جاسکتی تھیں، تاہم حضرت عمر ؓ نے ان کو بھی بہت کم غلام بنایا، مصر فتح ہوا تو چھ لاکھ مرد اور عورت مسلمانوں کے قبضہ میں آئے، فوج کے اکثر حصہ کا اصرار تھا کہ ان کو لونڈی غلام بنا کر تمام فوج پر تقسیم کر دیا جائے، لیکن حضرت عمر ؓ نے جزیہ مقرر کر کے ان کو بالکل آزاد کر دیا، چند گاؤں کے لوگوں نے مسلمانوں کے خلاف جنگ کی تھی، وہ گرفتار ہوئے تو لونڈی غلام بنا کر مدینہ میں بھیج دیئے گئے، لیکن حضرت عمر ؓ نے ان کو بھی واپس کر دیا۔^۲

حضرت ابو موسیٰ اشعری ؓ کے نام عام حکم بھیج دیا کہ کوئی کاشتکار یا پیشہ ور غلام نہ بنایا جائے۔^۳

حضرت عمر ؓ کی عہد میں زراعت کو جو ترقی ہوئی اور اس کی وجہ سے محاصل و خراج میں جو اضافہ ہوا اس کی اصل وجہ یہی تھی کہ انہوں نے اکثر مفتوح قوموں کو آزاد رکھا اور وہ آزادی کے ساتھ زراعت کے کاروبار میں مصروف رہیں۔

غلاموں کو مکاتب بنانا

غلاموں کی آزادی کی ایک صورت یہ ہے کہ ان سے یہ شرط کر لی جائے کہ اتنی مدت میں وہ اس قدر رقم ادا کر کے آزاد ہو سکتے ہیں، یہ حکم خود قرآن مجید میں مذکور ہے۔

فکاتبوہم ان علمتہم فیہم خیرا۔

اگر تم کو غلاموں میں بھلائی نظر آئے تو ان سے مکاتبت کر لو،

لیکن حضرت عمر ؓ کی خلافت سے پہلے یہ حکم وجوبی نہیں سمجھا جاتا تھا لیکن آقا کو معاہدہ مکاتبت کرنے یا نہ کرنے کا اختیار تھا، لیکن حضرت عمر ؓ نے عملاً اس حکم کو وجوبی قرار دیا چنانچہ جب سیرین نے اپنے آقا حضرت انس ؓ سے مکاتبت کی درخواست کی اور انہوں نے اس کو منظور کرنے سے انکار کر دیا، تو حضرت عمر ؓ نے ان کو بلوا کر کوڑے لگوائے اور قرآن مجید کی اس آیت کے رو سے ان کو معاہدہ مکاتبت کرنے پر مجبور کر دیا۔^۴

حضرت عمر ؓ ہمیشہ اس قسم کے غلاموں کی آزادی میں آسانیاں پیدا کرتے رہتے تھے

۱: طبقات ابن سعد تذکرہ ریاحین حادث۔

۲: کنز العمال جلد ۲ صفحہ ۳۱۲۔

۳: حسن الحاضرہ جلد ۱ صفحہ ۵۴۔

۴: صحیح بخاری کتاب المکاتب، دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

ایک بار ایک مکاتب غلام نے مال جمع کر کے بدل کتابت لیا کرنا چاہا، لیکن آقا نے ایک بار اس رقم کے لینے سے انکار کر دیا اور باقی لے لینا چاہا، وہ حضرت عمر ؓ کی خدمت میں حاضر ہوا، تو انہوں نے کل رقم لے کر بیت المال میں داخل کر دی اور کہا ”تم شام کو آنا میں تمہیں آزادی کا فرمان لکھ دوں گا، اس کے بعد لینے یا نہ لینے کا تمہارے آقا کو اختیار ہوگا، آقا کو خبر ہوئی تو اس نے آکر یہ رقم وصول کر لی۔“

ام ولد کے بیع و شراء کی ممانعت

آقا سے جس لونڈی کے ولاد پیدا ہو جاتی ہے، اس کو ام ولد کہتے ہیں، حضرت عمر ؓ کے عہد خلافت سے پہلے اس قسم کی لونڈیاں عام لونڈیوں کے برابر سمجھی جاتی تھیں، لیکن حضرت عمر ؓ نے یہ عام قاعدہ مقرر فرمادیا کہ اس قسم کی لونڈیاں نہ فروخت کی جاسکتیں نہ ان میں وراثت جاری ہو سکتی نہ ان کا بے ہو سکتا، بلکہ وہ آقا کی موت کے بعد آزاد ہو جائیں گی۔^۱ اس طرح لونڈیوں کی آزادی کا نیا راستہ نکل آیا۔

اسیران جنگ سے اغرہ و اقارب کو جدا نہ کرنا

اگرچہ صحابہ کرام ؓ مذہباً اور اخلاقاً خود ہی قیدیوں کو ان کے اغرہ و اقارب سے جدا کرنا ناجائز سمجھتے تھے، لیکن حضرت عمر ؓ نے قانوناً و حکماً اس کی ممانعت فرمادی چنانچہ تمام امراء فوج کے نام فرمان بھیجے کہ بھائی کو بھائی سے اور لڑکی کو ماں سے جدا نہ کیا جائے ایک بار بازار میں شور سن کر حضرت عمر ؓ نے اپنے دربان یرقاء کو بھیجا تو معلوم ہوا کہ ایک لونڈی کی ماں فروخت کی جا رہی ہے انہوں نے تمام مہاجرین و انصار کو جمع کیا اور آیات ”ولا تقطعوا ارحامکم“ کو پڑھ کر کہا کہ اس سے بڑھ کر کیا قطع رحم ہو سکتا ہے۔ کہ لڑکی کو ماں سے جدا کیا جائے، چنانچہ اس کے بعد تمام امراء کے نام فرمان بھیج دیا کہ اس قسم کا قطع رحم جائز نہیں۔^۲

غلاموں کے وظیفے

بیت المال سے مسلمانوں کو جو وظیفہ ملتا تھا، اس میں غلام برابر کے شریک تھے اول اول حضرت ابو بکر ؓ نے غلاموں کو بیت المال میں تمام مسلمانوں کا شریک بنایا، ابو داؤد کتاب الخراج میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے۔

كان ابی یقسم للحر والعبد۔

۱: طبقات ابن سعد تذکرہ ابو سعید الخدری۔

۲: مؤطالنام محمد باب بیع امہات الاولاد۔

۳: کنز العمال جلد ۲ صفحہ ۲۲۶۔

میرے باپ غلام اور آزاد کو مال تقسیم فرما دیتے تھے۔

حضرت عمر ؓ نے جب باضابطہ طور پر تمام مسلمانوں کے وظائف مقرر فرمائے تو آقا کے برابر غلاموں کو وظائف بھی مقرر فرمائے۔^۱ ان کو اس بات میں اس قدر کد تھی کہ جب ایک عامل نے غلاموں کو وظیفہ نہیں دیا، تو اس کو لکھ بھیجا کہ کسی مسلمان کا اپنے بھائی مسلمان کو فقیر سمجھنا نہایت بڑی بات ہے۔^۲ حضرت عمر ؓ نے اور مختلف طریقوں سے غلاموں کو مالی اعانتیں دیں۔ اہل کوالی کے مزدوری پیشہ غلاموں کی مردم شماری کرائی اور ان کے روزینے جاری کئے، حضرت عثمان ؓ نے اس کو اور ترقی دی اور خوراک کے ساتھ کپڑے بھی مقرر فرمائے، حضرت عمر ؓ کا معمول تھا کہ ہفتہ کے روز کوالی کو جاتے اور جو غلام ازکار رفتہ نظر آتے ان کے ٹیکس معاف کر دیتے۔

حضرت عثمان ؓ نے عام طور پر یہ ہدایت کی کہ جو لونڈی کوئی پیشہ نہیں جانتی اور جو غلام صغیر السن ہیں ان کو کسی پیشہ کی تکلیف نہ دی جائے ورنہ ناجائز طریقے سے وہ روزینہ پیدا کریں گے، لیکن اس کے ساتھ ان کو عمدہ کھانا دیا جائے۔^۳

غلاموں کی تعلیم

سب سے بڑھ کر یہ کہ صحابہ کرام ؓ نے غلاموں کو تعلیم بھی دلائی، ایک بار چند عیسائی غلام پکڑ کر آئے، تو حضرت عمر ؓ نے ان کو مکتب میں داخل کر دیا۔^۴ حضرت عثمان ؓ نے حمران بن ابان کو خرید کر لکھنا سکھایا اور اپنا میر فحشی بنایا۔^۵ بخاری سے معلوم ہوتا ہے کہ مکاتب میں آزاد بچوں کے ساتھ بہت سے غلاموں کے لڑکے بھی تعلیم پاتے تھے چنانچہ ایک بار حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے ان صاف کرنے کیلئے مکتب سے لڑکے طلب کئے تو کہا ابھیجا کہ آزاد بچے نہ بھیجے جائیں۔^۶

غلاموں کو امان دینے کا حق دینا

امان دینے کا حق صرف فاتح قوم کو حاصل ہوتا ہے لیکن خلفاء نے یہ حق خود غلاموں کو بھی دیا، چنانچہ ایک بار مسلمانوں نے ایک قلعہ کا محاصرہ کیا تو ایک غلام نے محصور فوج کو امان دے دی، تمام مسلمانوں نے کہا اس کا اعتبار نہیں ہے، لیکن ان لوگوں نے کہا ہم آزاد اور غلام

۱: فتوح البلدان صفحہ ۳۵۵۔ ۲: فتوح البلدان صفحہ ۳۶۲۔

۳: موطا امام مالک کتاب الجامع باب الامر بالرفق بالملوک۔

۴: فتوح البلدان صفحہ ۱۳۹۔

۵: فتوح البلدان صفحہ ۳۶۰۔

۶: بخاری کتاب الریات باب من استعاد عبدہ وصیہ۔

کو نہیں جانتے کہ اس باب میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے استصواب کیا گیا تو انہوں نے لکھ بھیجا کہ مسلمانوں کے غلاموں کا معاہدہ خود مسلمانوں کا معاہدہ ہے۔^۱

غلاموں کی عزت و آبرو کی حفاظت

خلفاء راشدین لونڈیوں اور غلاموں کی عزت و آبرو کا اسی قدر پاس کرتے تھے، جس قدر ایک آزاد مرد یا آزاد عورت کا کیا جاسکتا ہے، ایک بار ایک غلام نے کسی لونڈی کی ناموس پر ناجائز کیا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو خبر ہوئی تو غلام کو جلا وطن کر دیا۔^۲

مساوات

ان حقوق کے علاوہ ذاتی طور پر خلفائے راشدین رضی اللہ عنہما غلاموں کو عام مسلمانوں کے برابر سمجھتے تھے، چنانچہ اس کی بعض مثالیں حسن معاشرت کے عنوان میں گزر چکی ہیں۔
ان تمام مراتب کے پیش نظر ہو جانے کے بعد صاف یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے زمانے میں شخصی اور ملکی دونوں حیثیتوں سے غلام غلام نہیں رہے تھے بلکہ مسلمانوں کے ایک فرد بن گئے تھے۔

۱: فتوح البلدان صفحہ ۳۹۸۔

۲: مؤطا امام محمد باب الاصلکونی الزمان۔

رعایا کی آسائش کا انتظام

حضرت ابو بکر ؓ کے زمانے تک یہ معمول تھا کہ خراج وغیرہ کی جو رقم وصول ہوتی تھی، ہر شخص پر تقسیم کر دی جاتی تھی اور اس میں غلام و آزاد کی کوئی تخصیص نہ تھی، ابوداؤد میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے۔

کان ابی یقسم للحر والعبد^۱

میرے باپ غلاموں اور آزادوں پر مال تقسیم کر دیتے تھے۔

لیکن حضرت عمر ؓ نے اس کے ساتھ لوگوں کی خوراک بھی مقرر فرمائی، ہول ہول جب انتظام قائم کرنا چاہا تو دونوں وقت ایک ایک جریب آنا چکولیا اور ۳۰، ۳۰ آدمیوں کو کھلایا، سب کافی ہوا تو ماہوار مرد، عورت اور غلام سب کیلئے دو جریب آنا مقرر کیا، اعلان عام کیلئے پیمانہ ہاتھ لے کر منبر پر چڑھے اور فرمایا کہ ”میں نے تم لوگوں کیلئے اس قدر ماہوار خوراک مقرر کر دی ہے، جو شخص اسکو گھٹائے گا اسکو خدا سمجھے گا“ یہ طریقہ اس قدر مقبول عام ہوا کہ اگر کوئی شخص کسی بد عادت یا تھا تو کہتا تھا کہ ”خدا تمہاری جریب موقوف کر دے یعنی تمہیں موت دے“۔^۲

حضرت عمر ؓ نے وظائف میں خاص موقعوں پر قومیت کی تفریق و امتیاز کو بھی بالکل ادیا، چنانچہ ایک بار مقام جابیہ میں گئے، وہاں چند عیسائی جذامیوں کو دیکھا تو حکم دیا کہ بیت المال سے ان کے وظیفے مقرر کر دیئے جائیں،^۳ ایک بار ایک بوڑھے یہودی کو بھیک مانگتے دیکھا تو اس خود اپنے گھر لائے، اور جو کچھ ہو سکا دیا، پھر بیت المال کے خزانچی کو لکھ بھیجا کہ اس قسم کے ناص کا لحاظ رکھا جائے، قرآن مجید میں صدقہ کے جو حصہ دار ہیں ان میں فقراء سے مسلمانوں مساکین سے اہل کتاب مراوا ہیں۔^۴

ان کے علاوہ جو معزز لوگ کسی وجہ سے مشکوک الحال ہو جاتے تھے، ان کیلئے بھی وہ وظیفے رفر فرماتے تھے، چنانچہ ایک موقع پر خود فرمایا۔

انما فرضت لقوم احصفت بهم الفاقة وهم سادة عشائرهم لما نيو بهم من الحقوق۔^۵

۱۔ ابوداؤد کتاب الخراج والامارۃ باب فی اقسام الفی۔
 ۲۔ فتوح البلدان صفحہ ۳۶۵ و ۳۶۶۔
 ۳۔ کتاب الخراج للفاصلی ابی یوسف صفحہ ۷۷۔
 ۴۔ منہ ابن حنبل جلد ۱ صفحہ ۳۵۔
 ۵۔ محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

میں نے چند فاقہ زدہ لوگوں کیلئے وظیفہ مقرر کر دیا ہے جو اپنے قبیلہ کے سردار تھے لیکن قومی حقوق کی گراں باری نے ان کو مفلوک الحال بنوایا۔

شیر خوار بچوں کے وظیفے

حضرت عمر ؓ نے تمام مجاہدین کے بچوں کیلئے بھی دس دس درہم وظیفہ مقرر فرمائے، پہلے یہ معمول تھا کہ بچے دودھ چھوڑتے تھے تو ان کے وظیفے جاری کئے جاتے تھے، لیکن بعد کو جب معلوم ہوا کہ لوگ حصول وظیفہ کیلئے قبل از وقت بچوں کا دودھ چھڑا دیتے ہیں تو حضرت عمر ؓ نے عام اعلان کر دیا کہ قبل از وقت بچوں کا دودھ نہ چھڑاؤ ہم روز ولادت ہی سے بچوں کے وظائف مقرر کر دیں گے، حضرت عمر ؓ کے بعد اور خلفاء نے اس کو اس قدر ترقی دی کہ اس میں وراثت جاری ہوتی تھی، حضرت عمر بن عبدالعزیز ؓ نے وراثت کے طریقے کو موقوف کرنا چاہا، لیکن پھر رک گئے۔

حضرت امیر معاویہ ؓ نے اپنے زمانہ میں حضرت عمر ؓ کا وہی قدیم نظام پھر قائم کر دیا، یعنی بچے جب دودھ چھوڑ دیتے تھے، اس وقت سے ان کے وظیفے جاری کرتے تھے، اخیر میں عبدالملک ابن مروان نے اس فیاضانہ طریقے کو کلیتہً موقوف کر دیا۔^۱

لاوارث بچوں کے وظیفے

حضرت عمر ؓ نے سن ۸ھ میں یہ حکم دیا کہ جو لاوارث بچے شاہرہ وغیرہ پر پڑے، ان کے ملیں ان کے دودھ پلانے اور دیگر مصارف کا انتظام بیت المال سے کیا جائے، چنانچہ یہ وظیفہ سو درہم سے شروع ہوتا تھا، پھر سال بسال اس میں ترقی ہوتی جاتی تھی۔ موطائے امام مالک میں ہے کہ قبیلہ بنو سلیم کا ایک شخص اسی قسم کا ایک بچہ اٹھا لایا۔ تو حضرت عمر ؓ نے حکم دیا کہ اس کو لے جاؤ، اس کے نفقہ کا بار ہم پر رہے گا۔^۲

قحط کا انتظام

قحط کا عایا کیلئے سب سے بڑی مصیبت ہے، ایک بار حضرت عمر ؓ کے زمانہ میں قحط پڑا، تو انہوں نے اپنے لو پر گھی اور دودھ کو حرام کر لیا اور رعایا کے آرام و آسائش کیلئے ہر ممکن تدبیر کی، تمام امر و عمل کو لکھ بھیجا کہ اہل مدینہ کی مدد کریں، چنانچہ حضرت ابو عبیدہ نے چار ہزار لونٹ غنہ سے لے ہوئے بھیجے۔^۳

۱: فتوح البلدان صفحہ ۴۶۳۔ ۲: یعقوبی جلد ۲ صفحہ ۱۷۱ فتوح البلدان صفحہ ۴۵۔

۳: موطائے مالک کتاب الاقضية باب القضاء فی السنو۔

۴: طبری صفحہ ۲۵۷۶۔

اسکے علاوہ ہر جگہ سے لونٹ، گہیوں اور روغن زیتون منگوا کر بدوؤں میں تقسیم کیا، جب یہ تمام مایہ ختم ہو چکا تو یہ انتظام کرنا چاہا کہ جو لوگ صاحب مقدرت ہوں ان کے گھروں میں جس قدر آدمیوں کی تعداد ہو، اسی تعداد میں محتاجوں کی کفالت ان کے متعلق کی جائے کیونکہ ایب آدمی کا کھانا دو شخصوں کی سدر مق کیلئے کافی ہوتا ہے، لیکن اس کے پہلے باران رحمت کی دعا فرمائی اور اللہ تعالیٰ نے اس کو قبول کر لیا اس لئے اس انتظام کی ضرورت پیش نہیں آئی۔

ہمارے سلاطین و امراء میں کتنے لوگ ہیں جن کے پردہائے گوش فریادیوں کی کرخت آواز کے متحمل ہو سکتے ہیں، لیکن صحابہ کرام ؓ ہمہ وقت رعایا کی آرام و آسائش کی فکر میں مصروف رہتے تھے، اس لئے ان کے در و درکھ سے واقفیت حاصل کرنے کی ہر ممکن تدبیر اختیار کرتے تھے، حضرت ابو بکر ؓ نے اپنے مختصر عہد خلافت میں حج کے موقع پر تمام لوگوں سے عام طور پر پوچھ لیا تھا کہ کسی کو کوئی شکایت تو نہیں؟ حضرت عمر ؓ نے اس کو اور بھی ترقی دی اور خفیہ طور پر متعدد لوگوں کو مقرر فرمایا جو ان تک تمام جزئیات کی خبریں پہنچاتے رہتے تھے کئی سال میں ہے۔

كان لعمر عيون على الناس.

حضرت عمرؓ نے لوگوں پر جاسوس مقرر فرمائے تھے۔

تمام امر او عمال کو حکم دیا تھا کہ لوگوں کے سامنے دروازے بند نہ کریں تاکہ ہر شخص بلا روک ٹوک اپنی شکایتیں پیش کر سکے، اخیر میں تمام ملک کے دورہ کا بھی ارادہ کیا تھا، لیکن شام کے سواموت نے دوسرے مقامات کے دورہ کا موقع نہیں دیا۔

فتوح البلد ان معنی ۲۲۳ و یعقوبی جلد ۲ صفحہ ۷۷۱

٢ باب المفردات باب المواضع في السنة والمجاعة .

۳ کنز العمال جلد ۳ صفحہ ۱۳۱۔ ۴: کنز العمال جلد ۱ صفحہ ۱۳۱۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو رعایا کی خبر گیری کا اس قدر خیال تھا کہ عین خطبہ کی حالت میں لوگوں سے ان کے حالات اور بازار کار نرخ دریافت فرماتے تھے۔

موذی جانوروں کا قتل

مذہب سلطنتیں رعایا کے آرام و آسائش کا جو انتظام کرتی ہیں ان میں ایک یہ ہے کہ موذی جانوروں کو ملک سے فنا کرنے کی کوشش کرتی ہیں، یہی وجہ ہے کہ اس قسم کے جانوروں کے قتل پر انعام دیا جاتا ہے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بھی اس قسم کا انتظام کیا تھا، نصیبین میں بچہ بکثرت تھے، جس سے وہاں کے مسلمانوں کو فوٹیت پہنچتی تھی، وہاں کے عامل نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں اس کی شکایت کی تو انہوں نے لکھا کہ تمام شہر کے لوگوں؛ بچھوؤں کی ایک تعداد مقرر کر دی جائے کہ ہر رات کو پکڑ لائیں، چنانچہ وہ لوگ ان کے پاس پکڑا لاتے تھے اور وہ مار ڈالے جاتے تھے، اس طرح بچھوؤں کی تعداد میں بہت کچھ کمی ہو گئی۔

بجستان میں بکثرت سانپ رہتے تھے، جب حضرت عبدالرحمان بن سمرہ رضی اللہ عنہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں اس کو بصلح فتح کیا تو چونکہ نیولے اور خار پشت سانپ کھا جاتے ہیں، اسلئے معاہدہ صلح اس شرط پر کیا کہ کوئی شخص ان دونوں جانوروں کو نہ مار سکے گا۔

معجم البلد ان ذکر نصیبین۔
طبقات ابن سعد تذکرہ حضرت عبداللہ بن عامر۔

مذہبی خدمات اشاعتِ اسلام

صحابہ کرام ؓ نے آغاز اسلام ہی سے اس نیک کام کو شروع کیا اور اخیر تک اس کو قائم رکھا، سب سے پہلے حضرت ابو بکر ؓ اسلام لائے تو ان کے اخلاقی اثر سے متعدد اکابر صحابہ ؓ دائرہ اسلام میں داخل ہوئے، جن میں پانچ بزرگ عشرہ مبشرہ میں سے تھے، اسد الغابہ تذکرہ حضرت ابو بکر ؓ میں ہے۔

اسلم علی یدہ جماعة لمحبتہم ومیلہم الیہ حتی انہ اسلم علی یہ خمسة من العشرة۔

ان کے ہاتھ پر ایک جماعت جس کو ان کے ساتھ محبت تھی اسلام لائی یہاں تک کہ عشرہ مبشرہ میں سے بھی پانچ بزرگ ان کے ہاتھ پر اسلام لائے۔
حضرت عثمان ؓ کے تذکرے میں صاحب اسد الغابہ نے بعض ناموں کی تفصیل بھی کی ہے چنانچہ لکھتے ہیں۔

کان رجال قریش یاتونہ ویالفونہ نعیر واحد من الہ مرلعلمہ وتجارہ وحسن محالسة فجعل یدعو الی الاسلام من وثق بہ من قومہ ممن یغشاہ ویجلس الیہ فاسلم علی یدیہ فیما یلغنی الذیر بن العوام وعثمان بن عفان وطلحة بن عبید اللہ۔

قریش کے لوگ حضرت ابو بکر ؓ کے پاس آتے تھے اور متعدد وجوہ مثلاً علم، تجربہ اور حسن مجالست کی بنا پر ان سے محبت کرتے تھے، چنانچہ ان آنے والوں اور ساتھ بیٹھنے والوں میں جن لوگوں پر ان کو اعتماد تھا ان کو انہوں نے دعوت اسلام دی اور جیسا کہ مجھے معلوم ہوا ہے ان کے ہاتھ پر حضرت زبیر بن عوام ؓ، حضرت عثمان بن عفان ؓ اور حضرت طلحہ بن عبید اللہ ؓ اسلام لائے۔

تاریخ خمیس میں ان بزرگوں کے ساتھ حضرت سعد بن ابی وقاص ؓ، حضرت عبد الرحمان بن عوف ؓ، حضرت عثمان بن مظعون ؓ، حضرت عبیدہ بن جراح ؓ، حضرت ابوسلمہ بن عبد الاسد ؓ اور ارقم بن ابی الارقم ؓ کا نام بھی لیا ہے۔

حضرت ابو بکر ؓ کے علاوہ اور بھی متعدد صحابہ ؓ کی کوششوں سے قریش میں اسلام پھیلا، حضرت عمیر ؓ ایک صحابی تھے جو ابتداء میں اسلام کے سخت دشمن تھے، غزوہ بدر میں ان کا ایک لڑکا گرفتار ہوا تو وہ اس کی رہائی کے بہانے سے مدینہ میں آئے کہ چل کر (نعوذ باللہ) خود رسول اللہ ﷺ کا خاتمہ کر دیں، لیکن توفیق ایزدی نے یاوری کی اور یہاں آکر مسلمان ہو گئے، پلٹے تو قریش کو دعوت اسلام دی اور ان کے اثر سے بہت سے لوگ مسلمان ہوئے۔^۱

مردوں کے ساتھ عورتیں بھی اس شرف سے محروم نہ رہیں، چنانچہ حضرت ام شریک ؓ اللہ عنہا ایک صحابیہ تھیں جو مخفی طور پر قریش کی عورتوں کو اسلام کی دعوت دیتی تھیں۔ قریش کو ان کی مخفی کوششوں کا حال معلوم ہوا تو ان کو مکہ سے نکال دیا۔^۲

ان بزرگوں کی مساعی جمیلہ کا اثر اگرچہ صرف مکہ بلکہ صرف قریش تک محدود رہا لیکن اور متعدد صحابہ ؓ کو اللہ تعالیٰ نے توفیق عطا فرمائی اور وہ باہر سے آکر رسول اللہ ﷺ کے دست مبارک پر اسلام لائے اور آپ کی خدمت سے واپس جا کر اپنے اپنے حلقہ اثر میں اشاعت اسلام کی مقدس خدمت انجام دی، ان بزرگوں میں حضرت ابوذر غفاری ؓ، حضرت طفیل بن عمرو دوسی ؓ، حضرت انثم ؓ، حضرت عروہ بن مسعود ثقفی ؓ اور انصار کا نام خصوصیت سے قابل ذکر ہے، حضرت ابوذر غفاری ؓ فطرتاً نیکی کے قبول کرنے کا مادہ رکھتے تھے اور رسول اللہ ﷺ کی ملاقات سے پہلے پابند نماز ہو چکے تھے، ایک بار حسن اتفاق سے ان کے بھائی حضرت انیس ؓ مکہ میں آئے اور پلٹ کر ان کو خبر دی کہ ”مکہ میں تمہارا ایک ہم مذہب پیدا ہوا ہے جو اپنے آپ کو خدا کا رسول کہتا ہے لوگ اگرچہ اس کو شاعر، کاہن اور ساحر کہتے ہیں، لیکن مجھ کو اس کا کلام ان سب سے مختلف معلوم ہوتا ہے“ یہ سن کر حضرت ابوذر غفاری ؓ کے دل میں بھی شوق پیدا ہوا اور تحقیق کیلئے خود مکہ تشریف لائے ایک دن رات نور رسول اللہ ﷺ حضرت ابو بکر ؓ کے ساتھ نکلے اور خانہ کعبہ کا طواف کیا، حضرت ابوذر غفاری ؓ بھی وہیں موجود تھے، آپ نماز سے فارغ ہوئے تو انہوں نے آکر اسلامی طریقہ کے موافق سلام کیا، رسول اللہ ﷺ نے ان کے مختلف حالات پوچھے اور حضرت ابو بکر ؓ نے درخواست کی کہ آج کی رات مجھے ان کی دعوت کا شرف حاصل ہو، رسول اللہ ﷺ بھی ساتھ تشریف لے گئے، حضرت ابو بکر ؓ نے گھر کا دروازہ کھولا، اور طائف کے منے پیش کئے اس کے بعد وہ دوبارہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے، آپ نے فرمایا ”مجھے مدینہ کی ہجرت کا حکم ہوا ہے، تم میری طرف سے اپنی قوم کو اسلام کا پیغام پہنچا سکتے ہو؟ شاید تمہاری وجہ سے

۱: اسد الغابہ تذکرہ حضرت عمیر بن دہب ؓ

۲: اسد الغابہ تذکرہ حضرت ام شریک رضی اللہ عنہا۔

خدا ان کو نفع پہنچائے اور تمہیں ثواب دے“ وہ پلٹے تو اپنے بھائی انیس کو دعوت اسلام دی اور انہوں نے بخوشی لبیک کہا اس کے بعد ماں کو مائل بہ اسلام کیا وہ بھی بخوشی حلقہ اسلام میں داخل ہوئیں، پھر تمام قوم کو اسلام کی طرف بلایا، نصف لوگ اسی وقت مسلمان ہو گئے اور نصف لوگوں نے کہا کہ ”رسول اللہ ﷺ کی ہجرت کے بعد ہم لوگ اسلام لائیں گے“ چنانچہ جب آپ مدینہ آئے تو وہ لوگ بھی مشرف بہ اسلام ہوئے، قبیلہ غفار ہی کے متصل اسلم کا قبیلہ آیا تھا، وہ لوگ بھی حاضر خدمت ہوئے اور کہا کہ ”یا رسول اللہ ﷺ! جس چیز پر ہمارے بھائی اسلام لائے ہیں اس پر ہم بھی اسلام لاتے ہیں آپ ﷺ نے یہ سن کر فرمایا۔

غفار غفر اللہ لہا واسلم سلمہا اللہ!

خدا غفار کی مغفرت کرے اور اسلم کو سلامت رکھے۔

حضرت طفیل بن عمرو رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو پہلے ہی سے دل نور ایمان سے لبریز تھا، چاہا کہ خود ان کے وطن کو دارالہجرت بننے کا شرف حاصل ہو، اس عرض سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ آپ ایک محفوظ قلعہ میں پناہ گزین ہونا پسند فرماتے ہیں؟ یہ قلعہ خود ان کی قوم کا تھا، لیکن آپ ﷺ نے انکار کیا، اس لئے وہ واپس گئے اور جب آپ نے مدینہ کی طرف ہجرت کی تو وہ ایک مہاجر کو ساتھ لے کر مدینہ میں آئے اور شرف ہجرت حاصل کیا یہ صحیح مسلم کی روایت ہے جس سے فی الجملہ یہ ثابت ہوتا ہے کہ ان کے اثر سے بعض لوگوں نے اسلام قبول کیا لیکن اسد الغابہ میں ہے کہ وہ آپ کی خدمت سے پلٹ کر متصل اشاعت اسلام کی خدمت انجام دیتے رہے یہاں تک کہ جب آپ ﷺ نے ہجرت فرمائی تو انہوں نے بھی قبیلہ دوس کے ستر ۷۰ یا اسی ۸۰ گھرانوں کے ساتھ ہجرت کی جو سب کے سب ان ہی کے اثر سے مسلمان ہوئے تھے۔

حضرت ائمہ رضی اللہ عنہم کو ظہور اسلام کی خبر ہوئی تو دو شخصوں کو رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں بھیجا کہ تحقیق حال کریں وہ دونوں خدمت مبارک میں حاضر ہوئے تو آپ ﷺ نے ان کو یہ آیت سنائی۔

ان اللہ یاسر بالعدل والا حسان وابتاء ذی القربی وینہی عن الفحشاء والمنکر والبغی یعظکم لعلکم تذكرون۔

خدا، عدل، احسان اور قرابت داروں کے دینے کا حکم کرتا ہے اور فحاشی، برائی اور ظلم سے منع فرماتا ہے خدا ائمہ کو یہ نصیحت کرتا ہے، شاید تم سمجھو اور سوچو۔

۱: صحیح مسلم کتاب الفضائل باب من فضائل ابی ذرؓ۔

۲: صحیح مسلم کتاب الایمان باب اللہ لیل علی ان قاتل نفس لا یمکفر۔

۳: اسد الغابہ تذکرہ حضرت طفیل بن عمرو دوسیؓ۔

ان لوگوں نے جا کر ان سے یہ واقعہ بیان کیا تو انہوں نے تمام قوم کی طرف خطاب کر کے کہا کہ ”اے قوم میری رائے میں یہ پیغمبر مکارم اخلاق کا حکم دیتا ہے اور ذمائم اخلاق سے روکتا ہے، تو لوگ قبول اسلام میں دم نہ بنو، سر بنو، مقدم ہو، موخر نہ ہو، اس کے بعد ہلوم مرگ اس کوشش میں مصروف رہے انتقال ہو تو اہل وعیال کو تقویٰ اور صلہ رحمی کی وصیت کی۔“

حضرت عروہ بن مسعود ثقفی ؓ قبیلہ ثقیف کے سردار اور ان میں نہایت ہر دل عزیز تھے، رسول اللہ ﷺ غزوہ طائف سے فارغ ہو کر مدینہ کو پلٹے تو انہوں نے راستہ ہی میں جا کر اسلام قبول کیا اور وہاں سے آکر اپنے قبیلہ کو دعوت اسلام دی ان کو اگرچہ اس مقصد میں کامیابی نہیں ہوئی بلکہ ان کو خود ان کی قوم نے اشاعت اسلام کے جرم میں قتل کر دیا، تاہم انہوں نے اپنا مذہبی فرض ادا کر دیا۔“

انصار میں اولاً چھ شخص مکہ میں آئے اور اسلام قبول کیا، مکہ سے پلٹ کر انہوں نے خود تبلیغ اسلام کا فرض ادا کرنا شروع کیا اور ان کو اس قدر کامیابی ہوئی کہ انصار کا کوئی گھر کلمہ توحید کی آواز اور رسول ﷺ کے ذکر خیر سے نا آشنا نہ رہا، دوسرے سال بارہ آدمی آئے اور آپ کے دست مبارک پر بیعت کی، جو بیعت عقبہ اولیٰ کے نام سے مشہور ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کے ساتھ حضرت مصعب بن عمیر ؓ کو تعلیم قرآن کیلئے کر دیا اور انہوں نے اس خدمت کے ساتھ اشاعت اسلام کا مقدس فرض بھی ادا کیا، چنانچہ ان کی کوششوں سے بکثرت لوگ مسلمان ہوئے، جن میں انصار کے گل سرسبد حضرت اسید بن خضیر ؓ اور حضرت سعد بن معاذ ؓ بھی شامل تھے، مسلمانوں کی تعداد میں معتد بہ اضافہ ہوا تو انہوں نے ان کے ساتھ باجماعت جمعہ کی نماز ادا کی۔“

حضرت سعد بن معاذ ؓ اسلام لائے تو اپنے قبیلہ سے کہا کہ اب مجھ پر تم سے بات چیت کرنا حرام ہے، چنانچہ اسی روز ان کا تمام قبیلہ مسلمان ہو گیا۔^۱
ان بزرگوں کے علاوہ اور بھی بہت سے صحابہ ؓ ہیں جنہوں نے اپنے اپنے قبائل میں اشاعت اسلام کی، چنانچہ ان کے حالات میں ان کوششوں کا ذکر جا بجا آیا ہے۔ مثلاً صاحب اسد الغابہ حضرت قیس بن غزیہ ؓ کے تذکرہ میں لکھتے ہیں۔

۱۔ اسد الغابہ تذکرہ حضرت اسلم بن صلی۔

۲۔ اسد الغابہ تذکرہ حضرت عروہ بن مسعود۔

۳۔ اسد الغابہ تذکرہ حضرت رافع بن مالک و مسند ابن ضبل ص ۷۳۔

۴۔ اسد الغابہ تذکرہ حضرت مصعب بن عمیر و تاریخ قمی ص ۷۳۔

۵۔ اسد الغابہ تذکرہ حضرت سعد بن معاذ۔

دعا قومہ الی الاسلام۔^۱

اپنی قوم کو اسلام کی دعوت دی۔

حضرت قیس بن یزید ؓ کے حالات میں تحریر فرماتے ہیں۔

فدعا قومہ الی الاسلام فاسلموا۔

انہوں نے اپنی قوم کو اسلام کی دعوت دی اور وہ مسلمان ہو گئے۔

حضرت قیس بن ثسیہ ؓ اسلمی کے تذکرہ میں لکھتے ہیں۔

اسلم ورجع الی قومہ فقال یا بنی سلیم سمعت ترجمة الروم و فارس
واشعار العرب والکھان ومقاول حمیر وما کلام محمد یشبہ من
کلامهم فاطیعونی فی محمد فانکم اخوالہ۔

وہ اسلام آکر پلٹے تو کہا کہ اے بنو سلیم میں نے روم و فارس کے تراجم اور عرب اور کھان
اور حمیر کے بہادروں کے اشعار سنے لیکن محمد کا کلام ان سب سے الگ ہے، پس محمد ؐ
کے معاملے میں میری اطاعت کرو کیونکہ تم ان کے ماموں ہو۔

فتح مکہ کے بعد اس سلسلہ کو اور ترقی ہوئی اور تمام قبائل کے سرداروں نے اشاعت اسلام
میں حصہ لیا، چنانچہ حافظ ابن حجر فتح الباری میں لکھتے ہیں۔

ان مكة لما فتحت بادرث العرب باسلامهم فکان کل قبيلة ترسل کبراها
یسلمو او يتعلموا و يرجعوا الی قومهم فیدعوهم الی الاسلام۔

فتح مکہ کے بعد تمام عرب نے اسلام کی طرف نہایت تیزی سے قدم بڑھایا، ہر قبیلہ اپنے
سرداروں کو بھیجتا تھا کہ جا کر اسلام لائیں اور تعلیم دین حاصل کر کے پلٹیں تو اپنی قوم کو
اسلام کی دعوت دیں۔

اس بناء پر تمام قبائل کا اسلام ان سرداروں کے اسلام اور تبلیغ و دعوت پر موقوف تھا۔
ابوداؤد میں ہے کہ قبیلہ ہمدان نے حضرت عامر بن شہر ؓ کو رسول اللہ ؐ کی خدمت میں
بھیجا کہ جو تمہاری رائے قرار پائے، اس کو ہم سب منظور کر لیں گے، وہ آپ کی خدمت میں
حاضر ہو کر اسلام لائے اور ان کے بعد ان کا تمام قبیلہ مسلمان ہو گیا۔^۲

ایک صحابی کسی چشمے کے مالک تھے جب ان تک دعوت اسلام پہنچی تو انہوں نے اپنی قوم کو
اسلام لانے کیلئے سواونٹ دیئے، لیکن یہ اسلام کا حقیقی معاوضہ نہ تھا، چنانچہ جب وہ لوگ اسلام
میں پختہ ہو گئے تو انہوں نے اونٹوں کو واپس لینا چاہا اور مشورہ کیلئے رسول اللہ ؐ کی خدمت
میں اپنے بیٹے کو بھیجا، آپ ؐ نے فرمایا ان کو واپس لینے یا نہ لینے کا اختیار ہے۔^۳

۱: فتح الباری جلد ۱۰ صفحہ ۲۵۲۔ ۲: ابوداؤد کتاب الخراج باب فی حکم رضایہین۔

۳: ابوداؤد کتاب الخراج باب فی العرافۃ۔

جن لوگوں کو خہ رسول اللہ ﷺ نے اشاعت اسلام کیلئے بھیجا ان کے نام رجال وسیر کی کتابوں میں بکثرت ملتے ہیں، جن میں سے چند یہ ہیں۔

حضرت مالک بن مرارہ الرہاوی ؓ..... انہوں نے عک اور ذی خیوان کو دعوت اسلام دی اور اس کے ساتھ ان کی قوم نے بھی اسلام قبول کیا۔
حضرت احنف بن قیس ؓ..... رسول اللہ ﷺ نے ان کو قبیلہ بنو لیث کی تبلیغ و ہدایت کیلئے بھیجا۔

حضرت عبداللہ بن عویجۃ الہکلی ؓ..... آپ ﷺ نے ان کو قبیلہ بنی حارثہ کے پاس بھیجا۔

حضرت محیصہ بن مسعود ؓ..... آپ ﷺ نے ان کو اہل فدک کی ارشاد و ہدایت کیلئے بھیجا۔

حضرت مسعود بن وائل ؓ..... آپ ﷺ نے ان کے متعلق خود ان کی قوم کی تبلیغ و ہدایت فرمائی۔

حضرت عمرو بن العاص ؓ..... ان کی نانہال قبیلہ بلی میں تھی جو بدوؤں کا ایک قبیلہ ہے اور اس تعلق سے بدوان سے مانوس تھے آپ ﷺ نے ان کو بدوؤں کی تبلیغ و ہدایت کیلئے منتخب فرمایا۔

حضرت مالک بن احمر ؓ..... یہ اسلام لائے اور خود درخواست کی کہ مجھے ایک فرمان لکھ دیا جائے کہ اس کے ذریعے میں اپنی قوم کو دعوت اسلام دوں۔

حضرت ابوزید انصاری ؓ..... آپ ﷺ نے ان کے ذریعہ سے عبیدہ جعفر کو دعوت اسلام دی۔ وہ دونوں اسلام لائے اور وہاں کی تمام عرب کو دعوت اسلام دی جس کو سب نے بخوشی قبول کیا۔

حضرت عطاء بن عبید اللہ الحضرمی ؓ..... آپ ﷺ نے انکو بحرین میں بھیجا کہ وہاں کے لوگوں کو دعوت اسلام دیں اور منذر بن سلوی اور سنجب کے نام خصوصیت کے ساتھ خط دیا۔ وہ دونوں مسلمان ہو گئے اور انکے اثر سے وہاں کے تمام عرب اور بعض عجم نے اسلام قبول کیا۔
حضرت وبرا بن نجس کلی ؓ..... آپ ﷺ نے ان کو یمن میں بھیجا وہ نعمان بن برزخ کی صاحبزادیوں کے یہاں اترے اور وہ سب مسلمان ہو گئیں، انہوں نے فیروز و ملیسی اور مرکنود کو پیغام اسلام کو یا اور وہ بھی مسلمان ہو گئے۔^۱

۱۔ یہ مختصر فہرست اسد القابہ اور فتوح البلدان سے تیار کی گئی ہے۔ ابوداؤد کتاب الخراج میں بھی بن بزرگوں کے نام ملتے ہیں اگر رجال کی کتابوں کا استفسار کیا جائے تو ایک طویل فہرست تیار ہو سکتی ہے۔
محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

و عطا و پند، ارشاد و ہدایت اور تبلیغ و دعوت کے علاوہ صحابہ کرام ؓ کے حسن اخلاق کی خاموش زبان نے بھی بعض قبائل کو اسلام کی طرف مائل کیا اور وہ لوگ بطیب خاطر مسلمان ہوئے۔ ایک غزوہ میں صحابہ کرام ؓ پیاس سے بے تاب ہو کر پانی کی تلاش میں نکلے تو حسن اتفاق سے ایک عورت مل گئی جس کے ساتھ پانی کا مشکیزہ تھا، صحابہ ؓ اس کو رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں لائے اور آپ ﷺ کی اجازت سے پانی کو استعمال کیا۔ اگرچہ آپ ﷺ نے اسی وقت اس کو پانی کا معاوضہ دلویا تاہم صحابہ کرام ؓ پر اس کے احسان کا یہ اثر تھا کہ جب اس عورت کے گاؤں کے آس پاس حملہ کرتے تھے تو خاص اسکے گھرانے کو چھوڑ دیتے تھے۔ اس پر اس منت پذیر ی کا یہ اثر ہوا کہ اس نے اپنے تمام خاندان کو قبول اسلام پر آمادہ کیا اور وہ سب کے سب مسلمان ہو گئے۔^۱

صحابہ کرام ؓ کے یہ وہ مساعی جمیلہ تھے جن کے اثر سے متعدد قبائل نے اسلام قبول کیا۔ لیکن ان قبائل کے علاوہ اور بھی متفرق لوگ ہیں جو صحابہ کرام ؓ کے ذریعہ سے اسلام لائے، حضرت ام حکیم بنت الحارث رضی اللہ عنہا کی شادی عکرمہ بن ابی جہل ؓ سے ہوئی تھی، وہ خود فتح مکہ کے دن اسلام لائیں، لیکن ان کے شوہر بھاگ کر یمن میں چلے آئے، حضرت ام حکیم ؓ نے یمن کا سفر کیا اور ان کو دعوت اسلام دی وہ مسلمان ہو کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ ان کو دیکھ کر خوشی سے اچھل پڑے، بدن پر چادر تک نہ تھی، لیکن ان سے اسی حالت میں بیعت لی۔^۲

حضرت ابو طلحہ ؓ نے حالت کفر میں حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا سے نکاح کرنا چاہا، لیکن انہوں نے کہا کہ تم کافر ہو اور میں مسلمان ہوں نکاح کیونکر ہو سکتا ہے؟ اگر اسلام قبول کر لو تو وہی میرا مہر ہو گا اس کے سوا تم سے کچھ نہ مانگوں گی۔ چنانچہ وہ مسلمان ہو گئے اور اسلام ہی ان کا مہر قرار پایا۔^۳

حضرت جہاد سلمی ؓ نے حالت کفر میں شہدائے بیر معونہ میں سے ایک قاری کو نیزہ مارا تو انہوں نے زخم کھانے کے ساتھ ہی نہایت موثر لہجے میں کہا۔

فزت واللہ۔ خدا کی قسم میں کامیاب ہوا۔

حضرت جہاد ؓ کو تعجب ہوا کہ میں نے تو ان کو قتل کر دیا آخر ان کو کامیابی کیونکر ہوئی؟ بعد کو معلوم ہوا کہ صحابہ کرام ؓ شہادت ہی کو اپنی کامیابی سمجھتے تھے چنانچہ اسی اثر سے انہوں نے اسلام قبول کر لیا۔^۴

۱: بخاری کتاب الغسل باب المصعد الطیب وضو ما مسلم۔

۲: مؤطا امام مالک کتاب النکاح المشرک فلا مسلمۃ زوجہ قبلہ۔

۳: اسد الغابہ تذکرہ حضرت زید بن سہل بن اسود۔ ۴: اسد الغابہ تذکرہ حضرت جہاد بن سلمی۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اگرچہ خود مشرف بہ اسلام ہو چکے تھے لیکن ان کی ماں کافرہ تھیں اس لئے ان کو برابر دعوت اسلام دیتے رہتے تھے۔ ایک روز ان کو اسلام کی ترغیب دی تو انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو برا بھلا کہا، ان کو یہ کیونکر گوارا ہو سکتا تھا، روتے ہوئے آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا کہ آپ ﷺ میری ماں کیلئے دعائے ہدایت فرمائیے، آپ ﷺ نے دعا فرمائی کہ خداوند ابو ہریرہ کی ماں کو ہدایت دے، پلٹے تو دیکھا کہ دروازہ بند ہے اور پانی کرنے کی آواز آرہی ہے، ان کی ماں نے پاؤں کی آہٹ پائی تو کہا ”ابو ہریرہ آگے نہ بڑھو۔“ نہا دھو کر فوراً کپڑے پہن کر دروازہ کھولا اور کلمہ توحید پڑھا، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو اس قدر مسرت ہوئی کہ خوشی کے مارے آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا کہ خدا نے آپ ﷺ کی دعا قبول کر لی۔

وفد بنو تمیم آیا تو رسول اللہ ﷺ نے کہا کہ تمہارا آنے کا کیا مقصد ہے؟ سب نے جواب دیا کہ ”ہم اپنے شاعر اور اپنے خطیب کو لائے ہیں کہ آپ ﷺ سے مفاخرت کریں۔“ ارشاد ہوا کہ ”ہم نہ شاعری کیلئے مبعوث ہوئے نہ ہم کو خدا نے مفاخرت کا حکم دیا۔ تاہم آؤ، اور مفاخرت کرو۔“ اقرع بن حابس ساتھ تھے۔ انہوں نے ایک جوان کی طرف اشارہ کیا اس نے کھڑے ہو کر تقریر کی اور اپنی قوم کے تمام مناخر گنائے، حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کے خطیب تھے آپ ﷺ نے ان کو متا بلے کیلئے کھڑا کیا تو انہوں نے اس کا جواب دیا کہ بعد زرقان بن بدر کے حکم سے ایک نوجوان کھڑا ہوا اور اپنی قوم کی مدح میں چند اشعار سنائے۔ آپ ﷺ نے حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کو جواب دینے کا حکم دیا اور انہوں نے ایک قصیدے میں انصار کے اسلامی کارنامے گنائے، ابھی قصیدہ ختم نہیں ہوا تھا کہ اقرع نے کہا ”یا رسول اللہ میرا مقصد ان سب سے الگ ہے۔“ یہ دو شعر سن لیجئے، اس نے شعر پڑھے تو آپ ﷺ کے حکم سے حضرت حسان رضی اللہ عنہ نے اسکی تردید کی یہ کل دو شعر تھے جس کا آخری مصرع یہ تھا۔

لنا حول من بین ظہر و خادم

تمہارا قبیلہ ہمارا نوکر تھا، عورتیں دایہ اور مرد خادم تھے

آپ ﷺ نے یہ سنا تو فرمایا کہ ”اے بنو دارم کے بھائی (اقرع کا قبیلہ تھا) جب کہ تمام لوگ اس کو بھول گئے تھے مجھ کو اس کی یاد تازہ کرانے کی ضرورت نہ تھی ان لوگوں پر اس کا سخت اثر ہوا، اس جملہ معترضہ کے بعد حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ نے پھر اپنا قصیدہ پڑھنا شروع کیا۔ آخر کار اقرع بول اٹھا کہ ”خدا جانے کیا بات ہے کہ ان کا خطیب ہمارے خطیب سے اور ان کا شاعر ہمارے شاعر سے بہتر ثابت ہوا، یہ کہہ کر آپ ﷺ کے قریب آیا اور کلمہ توحید پڑھ کر

مسلمان ہو گیا۔^۱

خلفائے راشدین ؓ کے زمانے میں اور بھی کثرت سے اسلام پھیلا، حضرت ابو بکر ؓ کے عہد خلافت میں مثنیٰ بن حارثہ شیبانی ایک نہایت مشہور اور بہادر شخص تھا جو خود بخود مسلمان ہو گیا اور اسکے ساتھ اس کی قوم کے بہت سے لوگ بھی اسلام لائے وہ پہلے عراق میں غارنگری کیا کرتا تھا، اب وہ خود حضرت ابو بکر ؓ کی خدمت میں حاضر ہوا اور درخواست کی کہ میری قوم کے جو لوگ مسلمان ہو گئے ہیں مجھ کو ان کا امیر العسکر مقرر فرما دیجئے ان کے ذریعہ سے ایرانیوں پر حملہ کروں گا۔ حضرت ابو بکر ؓ نے اس کو ایک اجازت نامہ لکھ دیا۔ وہ وہاں سے چل کر مقام خفان میں آیا اور بقیہ قوم کو دعوت اسلام دی اور تمام لوگ بخوشی مسلمان ہو گئے۔^۲

حضرت عمر ؓ کے عہد خلافت میں فتوحات کے ساتھ ساتھ اور بھی وسعت اسلام کی اشاعت ہوئی، جب جنگ قادسیہ میں رستم مارا گیا تو اس کے ساتھ ویلم کی جو چار ہزار منتخب فوج تھی اور خسرو پرویز کی باڑی گارڈ ہونے کی وجہ سے چند شہنشاہ کے لقب سے ممتاز تھی کل کی کل مسلمان ہو گئی اور مسلمان ہونے کے بعد مدائن اور جلولاء کے معرکہ میں نمایاں حصہ لیا۔^۳ قادسیہ کی جنگ میں صخم، مسلم، رافع اور عشق بھی اپنے تمام رفقاء کے ساتھ مسلمان ہوئے اور انہی کے مشورے سے مسلمانوں نے جنگی ہاتھیوں پر قابو پایا۔ اصفہان کے حملہ کے بعد جب بے فتح ہوا تو آس پاس کے تمام رؤسا جو اپنے قلعوں میں پناہ گزین تھے مسلمان ہو گئے۔^۴ قزدین پر حملہ ہوا تو ویلم کی جو قوم وہاں آباد تھی کل کی کل مسلمان ہو گئی۔^۵

سیاہ اسواری یزدگرد کے مقدمتہ الحیش کا ایک بڑا افسر تھا، یزدگرد جب اصفہان کو روانہ ہوا تو سیاہ کو تین سو سواروں کے ساتھ جن میں ستر سردار تھے اصطخر کی طرف روانہ کیا اور حکم دیا کہ ہر شہر سے اپنے ساتھ سپاہی منتخب کر کے لیتا چلے وہ اصطخر پہنچا تو معلوم ہوا کہ حضرت ابو موسیٰ اشعری ؓ نے سوس کا محاصرہ کیا ہے اس لئے یزدگرد نے سیاہ کو سوس بھیج دیا، وہ جب فتح ہو گیا تو سیاہ نے تمام سرداروں کو جمع کر کے کہا کہ ”ہم پہلے ہی کہتے تھے کہ یہ قوم اس سلطنت پر غالب ہو جائے گی اور اصطخر کے محل ان کے گھوڑوں کے اصطلبل بن جائیں گے۔ اب بہتر یہی ہے کہ ہم لوگ ان کے مذہب میں داخل ہو جائیں، چنانچہ وہ سب کے سب چند شرائط پر

۱: اسد الغابہ تذکرہ حضرت اقرع بن حابس۔

۲: فتوح البلدان صفحہ ۲۵۰۔

۳: فتوح البلدان صفحہ ۲۸۹ طبری صفحہ ۲۲۶۱ میں ہے کہ ان میں کچھ لوگ جنگ سے پہلے اور کچھ جنگ کے

بعد مسلمان ہو کر شریک جنگ ہوئے اور ان کو مال غنیمت سے حصہ دیا گیا اور دود و دوزخ کا وظیفہ مقرر ہوا۔

۴: حکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

مسلمان ہو گئے اور ان کے ساتھ سیا، بچہ، زبط اور اند غار نے بھی جو ہندوستانی قومیں تھیں اسلام قبول کر لیا۔^۱

جلولاء کی فتح کے بعد اس اطراف کے تمام بڑے بڑے رؤسا مثلاً جمیل ابن بھمیری بسطام بن تری، رفیل اور فیروز مسلمان ہو گئے۔^۲

تستر کا محاصرہ ہوا تو ہر مزان نے اطاعت قبول کر لی اور حضرت ابو موسیٰ اشعری ؓ نے اس کو حضرت عمر ؓ کی خدمت میں بھیج دیا اور وہ ان کی خدمت میں پہنچ کر مسلمان ہو گیا۔ تستر سے فارغ ہو کر حضرت ابو موسیٰ اشعری ؓ نے چند یار پور کارج کیا تو وہاں سے کچھ اوگ بھاگ کر کلبانیہ چلے گئے، حضرت ابو موسیٰ اشعری ؓ نے ربیع بن زیاد کو ان کے تعاقب میں روانہ کیا اور انہوں نے جا کر کلبانیہ کو فتح کر لیا، وہاں کے اسادرہ نے امان طلب کیا اور امان حاصل ہونے کے بعد سب کے سب مسلمان ہو گئے۔^۳

یہ وہ لوگ ہیں جو جماعت کے ساتھ دائرہ اسلام میں داخل ہوئے لیکن ان کے علاوہ تاریخوں میں اور بھی بہت سے نو مسلموں کے نام ملتے ہیں، جو متفرق طور پر اسلام لائے، فتوح البلدان میں ہے کہ ایک شخص حضرت عمر ؓ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا کہ میں مسلمان ہو گیا ہوں میرا خرانج معاف کر دیجئے۔^۴

تستر کی جنگ میں حضرت ابو موسیٰ اشعری ؓ کے پاس ایک عجمی نے آکر امان طلب کی اور مسلمان ہو گیا۔^۵

روز بہ بن برز جمہر بن ساسان ایرانی فوج کا ایک افسر تھا جو رومیوں سے مل گیا تھا، لیکن اس کو رومیوں پر اعتماد نہیں تھا، بلا آخر حضرت سعد بن مالک ؓ نے اس کو ایک خط کے ساتھ حضرت عمر ؓ کی خدمت میں بھیجا جس میں اس کے حالات سے اطلاع دی ہو وہ دربار خلافت میں پہنچ کر مسلمان ہو گیا اور حضرت عمر ؓ نے اس کا وظیفہ مقرر کر دیا۔^۶

دمشق فتح ہوا تو وہاں کا پادری جس کا نام اور کون تھا حضرت خالد ؓ کے ہاتھ پر اسلام لایا۔^۷ حضرت کعب احبار ؓ سفر بیت المقدس میں حضرت عمر ؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اسلام لائے۔^۸

شرح بن ہانی شیبانی ایک شخص تھا جس کی بی بی حضرت عمر ؓ کے ہاتھ پر اسلام لائی اور

۱: فتوح البلدان صفحہ ۳۸۲۔ ۲: فتوح البلدان صفحہ ۲۷۳۔

۳: فتوح البلدان صفحہ ۳۸۹۔ ۴: فتوح البلدان صفحہ ۲۷۷۔

۵: فتوح البلدان صفحہ ۳۸۸۔ ۶: طبری صفحہ ۲۴۵۳۔

۷: معجم البلدان ذکر قطر و شان۔ ۸: وقایع و قباء صفحہ ۴۰۹۔

حضرت عمر ؓ نے ان دونوں میں تفریق کر لوی۔^۱

مصر اور افریقہ میں بھی بکثرت اسلام پھیلا، حضرت عمرو بن العاص ؓ نے جب مصر کے بعض قصبات کے لوگوں کو لونڈی غلام بنا کر عرب میں بھیجا اور وہ فروخت ہو کر عرب میں پھیل گئے تو حضرت عمر ؓ نے ان کو ہر جگہ سے بلا کر مصر بھیج دیا اور لکھا کہ ان کو اختیار ہے خولہ اسلام لائیں خولہ اپنے مذہب پر قائم رہیں۔

چنانچہ ان میں بلبیب کے رہنے والے کل کے کل مسلمان ہو گئے۔ ان کے علاوہ اور بھی بہت سے قیدیوں نے اسلام قبول کیا۔ تاریخ طبری میں ہے کہ جب تمام قیدی اکٹھا کئے گئے تو عیسائیوں کے سامنے ایک ایک قیدی کو لایا گیا اور اس کو عیسائیت پر قائم رہنے یا اسلام قبول کرنے کا اختیار دیا گیا، جب کوئی قیدی اسلام قبول کرتا تھا مسلمان اس زور سے تکبیر کا نعرہ مارتے تھے کہ کسی شہر کے فتح پر بھی تکبیر کی صدا میں یہ غلغلہ انگیزی نہیں پائی جاتی تھی، لیکن اگر وہ عیسائیت پر قائم رہتا تھا تو مسلمانوں کو اس قدر صدمہ ہوتا تھا کہ گویا کوئی آدمی خود ان کی جماعت سے نکل گیا ہے، بعض واقعات نے اسلام اور عیسائیت کی اس کشمکش کو نہایت دلچسپ بنا دیا تھا، ابو مریم ایک عیسائی تھا جس کے سامنے یہ دونوں مذہب پیش کئے تھے، توفیق ایزدی نے اعانت کی اور اس نے اسلام قبول کر لیا اور مسلمانوں نے فوراً اس کو اپنی جماعت میں شامل کر لیا۔ لیکن ابو مریم کے باپ ماں اور بھائی بھی موجود تھے۔ انہوں نے اس کو اپنی طرف کھینچا اور باہم اس قدر کشمکش ہوئی کہ اس کے کپڑے پڑے پڑے ہو گئے۔^۲

دمياط کی فتح کے بعد جب اسلامی فوجیں آگے بڑھیں تو بقرہ اور دراوہ سے لے کر عسقلان تک ہر جگہ اسلام پھیل گیا۔^۳

شطا مصر کا ایک مشہور شہر ہے، وہاں کارنیم پہلے ہی سے مسلمانوں کی طرف مائل تھا، جب اسلامی فوجیں دمياط میں پہنچیں تو دو ہزار آدمیوں کے ساتھ نکل کر مسلمانوں سے جا ملا اور مسلمان ہو گیا۔^۴

ان نو مسلموں کی اس قدر کثرت ہوئی کہ وہ الگ الگ محلوں میں آباد کرائے گئے، چنانچہ فسطاط میں تین محلے قائم کئے گئے جن میں دو محلے یونانی نو مسلموں کے اور ایک یہودی نو مسلموں کا تھا، اور ان کا خاندان اس قدر وسیع تھا کہ ایک ایک معرکہ میں ان کے ہزار ہزار آدمی شریک ہوتے تھے۔^۵

۱: وقاء الوفاء صفحہ ۲۱۳۔ ۲: مقریزی صفحہ ۱۶۶ جلد اول۔

۳: طبری صفحہ ۵۸۳۔ ۴: مقریزی صفحہ ۱۸۳۔

۵: مقریزی جلد ۱، صفحہ ۲۲۶۔ ۶: مقریزی جلد اول صفحہ ۲۹۸۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں بھی بہت کچھ اسلام کی اشاعت ہوئی، انکے زمانے میں جب آذربائیجان والوں نے بغاوت کی اور اشعث بن قیس نے اسکو فتح کر کے انکے ساتھ معاہدہ صلح کیا تو وہاں بہت سے عرب آباد کر دیئے کہ لوگوں کو اسلام کی دعوت دیں، ان لوگوں کی ہدایت و ارشاد کا یہ اثر ہوا کہ اشعث بن قیس دوبارہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی طرف سے آذربائیجان کے گورنر مقرر ہو کر آئے تو ان میں اکثر لوگ مسلمان ہو کر قرآن مجید پڑھ چکے تھے۔^۱

ایک بار بہت سی رومی لونڈیاں گرفتار ہو کر آئیں تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ان کو دعوت اسلام دی اور ان میں سے دو اسلام لائیں۔^۲

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں بھی بہت کچھ لوگ حلقہ بگوش اسلام ہوئے۔ چنانچہ جب انہوں نے افریقہ کو فوج روانہ کی تو نافع بن قیس قریشی نے جو برقہ اور زویہ کے گورنر تھے اس میں ان برابرہ کو بھی داخل کیا جو اسلام لا چکے تھے، اس فوج گراں کے ساتھ جب نافع نے افریقہ کے شہروں پر حملہ کیا تو اور بھی بہت سے برابر اسلام لائے، معجم البلدان میں ہے۔

واسلم علی یدہ بخلق من البربر وفشاقبہم دین اللہ حتی اتصل ببلاد السودان۔^۳

ان کے ہاتھ پر بہت سے برابر اسلام لائے اور ان میں خدا کا دین پھیل گیا، یہاں تک کہ سوڈان تک پہنچ گیا۔

غیر قوموں کے علاوہ عرب نے ابتداء ہی سے نہایت ذوق و شوق کے ساتھ اسلام قبول کرنا شروع کیا، چنانچہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں جب حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے عراق پر حملہ کیا تو ربیعہ وغیرہ کے جو قبائل وہاں آباد تھے سب کے سب مسلمان ہو گئے۔^۴

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں جب حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے قنسرین پر حملہ کیا تو قبیلہ تنوچ کے بہت لوگ مسلمان ہو گئے، جو لوگ عیسائیت پر قائم رہے ان میں بھی ایک جماعت نے خلیفہ مہدی کے زمانے میں اسلام قبول کر لیا، قبیلہ طے کے جو لوگ یہاں آباد تھے ان میں بھی بہت سے لوگ اسلام لائے، جن لوگوں نے جزیہ پر مصالحت کر لی تھی وہ بھی کچھ دنوں کے بعد دائرہ اسلام میں شامل ہو گئے، حلب کے آس پاس جو عرب آباد ہو گئے تھے اسی سلسلہ میں انہوں نے پہلے تو جزیہ پر مصالحت کر لی پھر بعد کو اسلام قبول کر لیا۔^۵ اسی طرح جب مسلمان شام میں آئے تو بہت سے شامی عرب مسلمان ہو گئے۔^۶

۱: فتوح البلدان صفحہ ۳۳۷۔ ۲: ابوب الفرد باب خفض المرأة۔

۳: معجم البلدان ذکر قبر وان۔ ۴: طبری صفحہ ۲۱۲۔

۵: فتوح البلدان صفحہ ۱۵۲۔ ۶: فتوح البلدان صفحہ ۱۵۷۔

تکمریت پر حملہ ہوا تو تغلب، لیا، ثمر وغیرہ کے جو قبائل وہاں آباد تھے سب کے سب اسلام لائے اور مسلمانوں نے انہی کی جاسوسی سے تکمریت کو فسخ کیا۔^۱

ابتدائے اسلام سے خلفاء کے زمانے تک جن قوموں اور جن ملکوں میں اسلام پھیلا۔ یہ اس کی نہایت سادہ تاریخ ہے، اب تاریخی حیثیت سے صرف یہ سوال باقی رہ جاتا ہے کہ صحابہ کرام ؓ کے عہد میں اسلام کیونکر پھیلا؟ یورپ کے نزدیک اس سوال کا جواب ہمیشہ تلوار کی زبان نے دیا ہے، لیکن ہم نے جو واقعات جمع کر دیئے ہیں ان میں ایک واقعہ بھی ایسا نہیں جس سے جبری اسلام کی شہادت مہیا کی جاسکی، عہد نبوت میں صحابہ کرام ؓ کے مساعی جمیلہ سے اسلام کی جو کچھ اشاعت ہوئی، وہ محض ان کے وعظ و پند، ہدایت و ارشاد، فضائل اخلاق اور ذاتی رسوخ و اقتدار کے بدولت ہوئی، عہد خلافت میں بے شبہ فتوحات کے ساتھ ساتھ اشاعت اسلام نے بھی وسعت و عمومیت حاصل کی لیکن اس زمانہ میں بھی کسی سے تلوار کی زبان سے کلمہ نہیں پڑھوایا گیا۔

(۱) بلکہ چند لوگوں نے تو صرف صحابہ ؓ کے فضائل اخلاق کی بناء پر اسلام قبول کیا۔ چنانچہ جنگ قادسیہ میں ایک ایرانی گرفتار ہو کر آیا اور مسلمان ہو گیا، اس کو مسلمانوں کی وفاداری، راست بازی اور ہمدردی کا زمانہ نظر آیا تو بے ساختہ کہنے لگا کہ ”جب تک تم میں یہ لواصف موجود ہیں تم شکست نہیں کھا سکتے، اب مجھے ایرانیوں سے کچھ مطالب نہیں۔“
شطا جو مصر کا ایک بہت بڑا رئیس تھا، مسلمانوں کی اخلاقی حالت کا چرچا سن کر گرویدہ اسلام ہو گیا اور دو ہزار آدمیوں کے ساتھ اسلام قبول کر لیا، تاریخ تشریزی میں ہے۔

فخرج شطا فی الفین من اصحابہ والحق بالمسلمین وقد کان قبل ذالک
یحب الخیر و یعمل الی ما یسمعه من سیر قافل الاسلام۔

شطا دو ہزار آدمیوں کے ساتھ نکلا اور مسلمانوں کی جماعت میں شامل ہو گیا، دو پہلے نیکی کو دوست رکھتا تھا اور مسلمانوں کے محاسن اخلاق کو سن کر ان کی طرف مائل تھا۔

صحابہ ؓ کے محاسن اخلاق میں مساوات ایک ایسا وصف تھا جو خود قلوب کو اپنی طرف مائل کرتا تھا، بالخصوص جب مسلمانوں کی مساویانہ طرز معاشرت کا ایرانیوں کی ناموزن طرز معاشرت سے مقابلہ ہوتا تھا تو یہ وصف خصوصیت کے ساتھ نمایاں ہو جاتا تھا اور حق پسند لوگ خولہ مخولہ ہندوؤں کی غلامی سے رہائی حاصل کرنا چاہتے تھے، چنانچہ ایک بارز ہر دے رستم سے دوران گفتگو میں اسلام کے جو محاسن بتائے ان میں ایک یہ تھا۔

اخراج العباد من عباد ءالعباد الی عبادۃ اللہ تعالیٰ۔

بندوں کو بندوں کی غلامی سے نکال کر خدا کی غلامی میں داخل کرنا اسلام کا اصلی مقصد ہے۔
 رستم نے یہ سن کر کہا لیکن ایرانیوں نے تو ارد شیر کی زمانے سے طبقہ سافلہ کے پیٹھے متعین کر دیئے ہیں اور کہتے ہیں کہ اگر وہ اس دائرے سے نکلے تو شرفاء کے حریف بن جائیں گے۔
 رفیل ایک شخص ابتداء ہی سے اس گفتگو کو سن رہا تھا اس پر اسکا یہ اثر ہوا کہ رستم چلا گیا تو اس نے فوراً اسلام قبول کر لیا۔^۱

(۲) بہت سے لوگ دعوت و تبلیغ سے اسلام لائے، مثلاً ثنی بن حارثہ شیبانی کی کل قوم اس کی دعوت سے اسلام لائی۔ ایک بار بہت سے رومی لونڈیاں آئیں، حضرت عثمان ؓ نے ان کو دعوت اسلام دی اور ان میں سے دو مسلمان ہوئیں۔ قنسرین اور حلب پر حملہ ہوا تو وہاں کے عرب قبائل حضرت ابو عبیدہ ؓ کی دعوت سے اسلام لائے۔
 جب اشعث بن قیس نے حضرت عثمان ؓ کے عہد خلافت میں آذربائیجان کو فتح کیا تو وہاں اہل عرب کی ایک جماعت مقرر کر دی کہ لوگوں کو اسلام کی دعوت دیں، چنانچہ اس مقدس جماعت کے اثر سے چند ہی دنوں میں بہت سے لوگ مسلمان ہو کر قرآن مجید کی تعلیم سے بہرہ اندوز ہو گئے۔

(۳) بہت سے لوگوں نے بطوع و رضا خود اسلام قبول کیا، چنانچہ جنگ اسکندریہ کے بعد جب اسیران جنگ کو اختیار دیا گیا کہ وہ خواہ اسلام قبول کریں خواہ اپنے مذہب پر قائم رہیں، تو ان میں بہت سے قیدیوں نے خود بخود اسلام قبول کر لیا۔

(۴) بعض لوگ بے شبہ مغلوب ہو کر اسلام لائے لیکن ان کو اسلام لانے پر مجبور نہ کیا گیا بلکہ ان کو خود نظر آیا کہ اب ان کی بھلائی اسی میں ہے کہ اسلام کے دائرے میں داخل ہو جائیں۔
 چنانچہ جنگ قادسیہ میں رستم کے قتل کے بعد پرویز کی باڈی گارڈ فوج نے کہا کہ ”ہماری حالت ایرانیوں سے مختلف ہے، اب ہمارا کوئی ٹھکانا نہیں، ہم نے ایرانیوں کیلئے کوئی نمایاں کام نہیں کیا۔ اسلئے بہتر یہی ہے کہ ہم مسلمانوں کے دین میں داخل ہو کر انکے ذریعہ سے عزت حاصل کریں۔“ سیاہ اسواری نے اپنے رفقاء کے ساتھ اسلام قبول کرنے کا ارادہ کیا تو کہا کہ ”ہم سب لوگ پہلے ہی سے کہتے تھے کہ یہ لوگ (مسلمان) اس سلطنت پر غالب ہو جائیں گے اور اصطرخ کے محل ان کے گھوڑوں کے اصطبل بن جائیں گے، اب تم ان کا غلبہ اعلانیہ دیکھ رہے ہو، سو چلو اور ان کے دین میں داخل ہو جاؤ۔“

نومسلموں کا تکفل

اسلام کی ابتداء نہایت غربت کے ساتھ ہوئی اور اس کے ساتھ وہ ابتداء میں اس قدر مبغوض تھا کہ جو شخص اس کو قبول کرتا تھا اس کو مجبوراً اپنے گھریا، بھیل و عیال اور دولت و مال

سے کنارہ کش ہونا پڑتا تھا، اس کا لازمی نتیجہ یہ تھا کہ جو لوگ اسلام کے دائرہ میں داخل ہوتے تھے، اسلام ہی کو ان کے صدر مق کا متکفل ہونا پڑتا تھا اس بناء پر آنحضرت ﷺ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو اس خاص خدمت پر مامور کر دیا تھا کہ جو محتاج آئیں قرض لے کر ان کے کھانے اور کپڑے کا انتظام کر دیں، اس کے بعد جب کہیں سے مل آتا تو وہ قرض لو کر دیا جاتا۔ لیکن صحابہ رضی اللہ عنہم کی ذاتی فیاضیاں بھی بہت کچھ اس کار خیر میں حصہ لیتی تھیں، بالخصوص حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو اکثر اس کی توفیق ہوتی تھی ان کو تجارتی کاروبار نے نہایت دو لہند بنادیا تھا اور ان کی دولت کا بڑا حصہ مسلمانوں کی دستگیری اور اعانت میں مصرف ہوتا تھا، اصابہ میں ہے۔

وعنده اربعون الفا فکان يعتق منها ويعول لمسلمين۔

ان کے پاس چالیس ہزار..... تھے جن سے وہ غلاموں کو آزاد کراتے تھے اور مسلمانوں کا تکفل فرماتے تھے۔

حضرت ام شریک رضی اللہ عنہا ایک نہایت دولت مند اور فیاض صحابیہ تھیں، اس لئے ان کا گھر گویا مسلمانوں کا مہمان خانہ بن گیا تھا، چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت فاطمہ بن قیس رضی اللہ عنہ کو ان کے یہاں صرف اس بناء پر عدت بسر کرنے کی اجازت نہیں دی کہ ان کے گھر میں مہمانوں کی کثرت سے پردہ کا انتظام نہیں ہو سکتا تھا۔ حضرت درہ رضی اللہ عنہا بنت لہب بھی نہایت فیاض تھیں اور مسلمانوں کو کھانا کھلایا کرتی تھیں۔ کبھی کبھی خود رسول اللہ ﷺ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو نو مسلموں کی اعانت کی طرف متوجہ فرماتے اور صحابہ رضی اللہ عنہم بخوشی ان کا تکفل فرماتے، ایک بار قبیلہ بنو عذرہ کے تین شخص آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اسلام قبول کیا، آپ ﷺ نے فرمایا ان کا بار کون اٹھائے گا، حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ نے کہا میں۔

مہاجرین میں جو لوگ مذہبی تعلیم حاصل کرنے کیلئے آتے تھے، آنحضرت ﷺ ان کو صحابہ رضی اللہ عنہم کے حوالے کر دیتے تھے اور صحابہ رضی اللہ عنہم ان کو تعلیم دیتے تھے اور ان کی معاش کے متکفل ہوتے تھے، چنانچہ تعلیم قرآن کے عنوان میں ان کی مثالیں آئیں گی۔

۱: ابو داؤد کتاب الخراج باب فی الامام عقیل ہدیہ الشریکین۔

۲: صحیح مسلم کتاب المظاہر باب المظاہر خلافاً لفقہ لہو کتاب الفتن واثار السوء باب فی خروج الدجال۔

۳: مسند جلد ۱ صفحہ ۱۶۳۔

اقامتِ دین

رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں عقائد و اعمال کی جو سطح قائم ہو چکی تھی، صحابہ کرام نے نہایت مستعدی و سرگرمی کے ساتھ اس کو قائم رکھا۔
عقائد

رسول اللہ ﷺ کے وصال کے بعد جب عرب میں ارتداد کی عام ہوا چل گئی تو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے اس کے دفعیہ کیلئے اپنی پوری طاقت صرف کر دی اور ان کے مساعی جمیلہ نے جو نیک نتائج پیدا کئے، تاریخ میں ان کی تفصیل پڑھ کر اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ ان کے عہد میں اسلام مر کے دوبارہ زندہ ہوا اور کلمہ توحید کی صدا خاموش ہو کر دوبارہ غلغلہ انداز عالم ہوئی۔
حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے اور بھی متعدد صحابہ رضی اللہ عنہم کو اس نیک خدمت کے انجام دینے کی توفیق عطا فرمائی، اور انہوں نے بہت سے لوگوں کو قعر ضلالت سے گرنے سے بچایا۔ چنانچہ جب تمام مکہ عرب کے اس عالمگیر ارتداد کی خبروں سے گونج اٹھا تو حضرت سہیل رضی اللہ عنہ بن عمرو کو خوف ہوا کہ کہیں خود قریشی بھی اس باء میں مبتلا نہ ہو جائیں۔ اس لئے انہوں نے خصوصیت کے ساتھ قریش کی طرف خطاب کر کے ایک طویل خطبہ دیا جس کے چند فقرے یہ ہیں۔

ياسعشر قریش لاتكونوا اخر من اسلم واول من ارتد واللہ ان هذا الدين
ليمتدن امتداد الشمس والقمر من طلوعهما الى غروبهما۔

اے کروہ قریش یہ نہ ہو کہ تم سب کے اخیر میں تو اسلام لائے اور سب سے پہلے مرتد ہو جاؤ، خدا کی قسم یہ دین وہاں تک پھیلے گا جہاں تک چاند اور سورج کے طلوع و غروب کی حد ہے۔
اس خطبے کا یہ اثر ہوا کہ تمام قبیلہ قریش اسلام پر قائم رہا۔

حضرت ثمامہ بن آثال رضی اللہ عنہ یمامہ کے رئیس تھے، آپ کے وصال کے بعد اگرچہ تمام یمامہ مرتد ہو گیا، لیکن ان کے زیر اثر جو لوگ تھے وہ عقیدہ توحید پر قائم رہے اور وہ تمام اہل یمامہ کو مسلمہ کی تقلید سے روکتے رہے، لیکن جب ان کے ارشاد ہدایت کا ان پر اثر نہ ہوا تو ان سے الگ ہو کر ہجرت کا عزم کر لیا۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے بھی بہت سے لوگوں کو اس گمراہی سے نجات دلائی،

۱: اسد الغابہ تذکرہ حضرت سہیل بن عمرو۔ ۲: اسد الغابہ تذکرہ حضرت ثمامہ بن آثال۔

چنانچہ ایک بار وہ بنو حنفیہ کی مسجد سے گزرے تو معلوم ہوا کہ یہ لوگ مسلمانہ کے پیرو ہیں، سب کو طلب کیا اور ان سے توبہ کروائی، ابن النواحة نے انکار کیا تو سر بازار اس کی گردن اڑا دی اور فرمایا جو شخص اس عبرت انگیز منظر کو دیکھنا چاہے وہ بازار میں جا کر دیکھ سکتا ہے۔^۱

نماز

خلفاء نے نماز کی تمام جزئیات و خصوصیات کے قائم رکھنے کیلئے جو انتظامات کئے ان کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

(۱) حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تمام عمال کے نام ایک فرمان لکھا، جس میں نماز کے اوقات کی تفصیل فرمائی اور ان کی پابندی کی طرف توجہ دلائی اس فرمان کے ابتدائی الفاظ یہ ہیں۔

ان هم امرکم عندی الصلوۃ فمن حفظها وحافظ علیها حفظ دینہ ومن ضیعها فهو لما سواها اضيع۔

میرے نزدیک تمہارا سب سے زیادہ اہم کام نماز ہے جس شخص نے اس کی محافظت کی، اس نے اپنے دین کی محافظت کی اور جس شخص نے اس کو ضائع کر دیا وہ اس کے سوا اور چیزوں کو بھی ضائع کرے گا۔

اخیر میں نماز عشاء کا وقت لکھا تو اس کے ساتھ یہ فقرے لکھے۔

فمن نام فلا نامت عینہ فمن نام فلا نامت عینہ فمن نام فلا نامت عینہ۔^۲

جو شخص بغیر نماز عشاء پڑھے ہوئے سو گیا تو اس کی آنکھ نہ سوئے نہ سوئے نہ سوئے۔

(۲) جمعہ کے غسل کے متعلق اختلاف ہے کہ واجب ہے یا سنت، بہر حال جو کچھ بھی ہوا۔ لیکن

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نہایت شدت سے لوگوں کو اس کی پابندی پر مجبور کرتے تھے، ایک بار

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ دیر کر کے آئے اور شریک جمعہ ہوئے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ خطبہ دے

رہے تھے، فرمایا یہ کون سا وقت ہے؟ بولے ”ابھی بازار سے پلٹا تھا کہ لڑان سنی اور وضو کر

کے حاضر ہو گیا۔“ بولے ”صرف وضو، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو غسل کا حکم بھی دیتے تھے۔“^۳

(۳) حضرت عمر رضی اللہ عنہ جماعت کی پابندی کا نہایت خیال رکھتے تھے، ایک دن سلیمان بن ابی خیرہ

رضی اللہ عنہ کو صبح کی جماعت میں نہیں دیکھا تو ان کے گھر گئے اور پوچھا کہ میں نے ان کو نماز صبح

میں نہیں پایا۔ معلوم ہوا کہ وہ تہجد کی نماز پڑھتے پڑھتے سو گئے اور صبح کی آنکھ نہ کھلی، بولے۔

”مجھے شہادت دیتا ہوں کہ جماعت کے ساتھ فجر کی نماز رات بھر کی نماز سے زیادہ مجھے

محبوب ہے۔“^۴

۱: ابوداؤد کتاب الجہاد باب فی الرسل۔ ۲: مؤطا امام مالک کتاب وقوت الصلوۃ۔

۳: مؤطا امام مالک کتاب الصلوۃ باب العمل فی غسل یوم الجمعہ۔

۴: مؤطا امام مالک کتاب الصلوۃ باب ما جاء فی العتمة والصبح۔

- حضرت سعید بن ربیع رضی اللہ عنہ ایک صحابی تھے جن کی آنکھیں جاتی رہی تھیں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کیلئے ایک غلام مقرر کر دیا تھا کہ ان کو مسجد میں لا کر باجماعت نماز پڑھایا کرے۔
- (۴) جن اوقات میں نماز ممنوع ہے ان میں اگر کوئی نماز پڑھتا تھا تو اس کو سزا دیتے تھے۔^۱
- (۵) حضرت عمر رضی اللہ عنہ صف کی ہماری کا اس قدر لحاظ رکھتے تھے کہ خاص اس غرض کیلئے متعدد اشخاص مقرر کر دیئے تھے، جن کا کام صرف صف کو سیدھا کرنا تھا۔^۲
- حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد میں بھی اس قسم کے اشخاص مقرر تھے۔^۳
- (۶) نماز مفروضہ کی امامت اگرچہ خود خلفاء کرتے تھے، لیکن تراویح کی امامت کیلئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دو مستقل امام مقرر فرما دیئے تھے جو اوگوں کو باجماعت تراویح پڑھاتے تھے، عورتوں کی تراویح کیلئے ایک مستقل امام مقرر فرمایا تھا جن کا نام سلیمان بن ابی خثیمہ رضی اللہ عنہ تھا لیکن حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے مردوں اور عورتوں کی ایک مشترک جماعت قائم کی اور حضرت سلیمان بن ابی خثیمہ رضی اللہ عنہ کو دونوں کا امام مقرر فرمایا۔ البتہ یہ انتظام تھا کہ جماعت ہو جانے کے بعد جب مرد مسجد سے نکل جاتے تھے تو عورتوں کو نکلنے کی اجازت دی جاتی تھی۔^۴

زکوٰۃ

اسلام کے ارکان خمسہ میں زکوٰۃ ایک نہایت ضروری رکن ہے، لیکن حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں ارتداد کی وبا، عام پھیلی تو متعدد قبائل نے زکوٰۃ دینا موقوف کر دیا، اس موقع پر اگر انہوں نے اس ستون کو نہ تھاما ہوتا تو اسلام کا یہ رکن اعظم قائم نہ رہتا، لیکن انہوں نے ان لوگوں کے ساتھ جہاد کی تیاریاں شروع کر دیں، اگرچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اول اول اس سے اختلاف کیا اور کہا کہ کلمہ گو یوں سے کیونکر جہاد کیا جاسکتا ہے؟ لیکن حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا

وَاللّٰهُ لَا قَاتِلْنَ مِنْ فِرْقٍ بَيْنَ الصَّلَاةِ وَالزَّكَاةِ فَإِنَّ الزَّكَاةَ حَقُّ الْمَالِ وَاللّٰهُ لَوْ مَنَعَنِي عَقَالًا كَانُوا ابُودُونَهُ إِلَى رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِقَاتِلَتِهِمْ عَلَى مَنَعِهِ۔

خدا کی قسم جو لوگ نماز اور زکوٰۃ میں تفریق کریں گے میں ان سے جہاد کروں گا کیونکہ زکوٰۃ مال کا حق ہے اگر وہ ایک بکری کا بچہ بھی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیتے تھے روک رکھیں گے تو میں اس کے روکنے پر ان سے جہاد کروں گا۔

بالآخر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بھی اعتراض کرنا پڑا کہ انہوں نے جو کچھ کیا حق تھا۔^۵

- ۱: مؤطا امام مالک کتاب الصلوٰۃ باب النبی عن الصلوٰۃ بعد الصبح والعصر۔
- ۲: طبری صفحہ ۲۳۷۔ ۳: مؤطا امام مالک کتاب الصلوٰۃ باب ما جاء فی تصویب الصوف۔
- ۴: طبقات ابن سعد تذکرہ سلیمان بن ابی خثیمہ۔
- ۵: ابوداؤد بخاری کتاب الزکوٰۃ۔

حج

خلفائے راشدین نے حج اور مناسک حج کو نہایت مستعدی کے ساتھ قائم رکھا، بیت الحرام اگرچہ خود مکہ میں تھا لیکن خود اہل مکہ میں حج کا وہ ذوق و شوق نہیں پایا جاتا تھا، جس کے نشہ میں باہر والے مدھوشانہ آتے تھے۔

ایک بار حضرت عمر ؓ نے یہ حالت دیکھی تو اہل مکہ کی طرف خطاب کر کے فرمایا ”اے اہل مکہ یہ کیا ہے کہ لوگ پر اگندہ مو آتے ہیں اور تمہارے سر پر تیل پڑا ہوا ہے، جب پہلی کاچاند دیکھو تو فوراً حرام باندھ لو“۔^۱

جب حج کا زمانہ آتا تو خود قافلہ سالار ہوتے اور تمام لوگوں کو مناسک حج کی تعلیم فرماتے، موطاء امام مالک میں ہے۔

ان عمر بن الخطاب خطب الناس بعرفة و علمهم امر الحج۔^۲

حضرت عمر بن الخطاب نے عرفہ میں خطبہ دیا اور لوگوں کو مناسک حج کی تعلیم دی۔

حج کے زمانے میں بہت لوگوں کو اس خدمت پر مامور فرماتے تھے کہ حاجیوں کو مقام منا میں عقبہ کے پار پہنچا آئیں۔^۳ کیونکہ عقبہ کے اسی طرف ٹھہر جانا مناسک حج میں محسوب نہ تھا۔ جو لوگ احکام حج کی خلاف ورزی کرتے، ان پر عموماً گرفت فرماتے، ایک بار حضرت طلحہ بن عبید اللہ ؓ نے حالت احرام میں رنگین کپڑے پہنے تھے، حضرت عمر ؓ کی نگاہ پڑی تو فرمایا ”آپ لوگ دنیا کیلئے نمونہ و مثال ہیں اگر کوئی جاہل اس کپڑے کو دیکھے گا تو کہے گا کہ حالت احرام میں طلحہ بن عبید اللہ ؓ نے رنگین کپڑے پہنے تھے، اس قسم کا کوئی کپڑا ہرگز نہ پہنوں۔“^۴ ایک بار ایک شخص طواف رخصت کئے بغیر چلا گیا، حضرت عمر ؓ کو معلوم ہوا تو اس کو خود پکڑ کر واپس لائے۔^۵

روزہ

روزہ ایک نہایت خشک اور بے آب و رنگ عبادت ہے، لیکن حضرت عمر ؓ نے اس کو نہایت شاندار اور بار و نق بنا دیا، تراویح کا خاص اہتمام کیا اور اس کو باجماعت کر دیا۔ مسجدوں میں روشنی کروائی اور روزہ داروں کے روزینے مقرر کئے، جس کی مقدار ایک درہم روزانہ

۱۔ موطاء امام مالک باب ابدال اہل مکہ و من غیرہم۔

۲۔ موطاء امام مالک کتاب الحج باب الافاقہ۔

۳۔ موطاء امام محمد کتاب الحج باب التیوۃ بکلمۃ لیلۃ منی۔

۴۔ موطاء امام مالک کتاب الحج باب التیوۃ بکلمۃ لیلۃ منی۔

۵۔ موطاء امام مالک کتاب الحج باب وادع الیہ۔

تھی، حضرت عثمان ؓ نے ترقی دیکر اس مقدار کو دو گنا کر دیا۔ آج رمضان میں جو رونق و شان نظر آتی ہے وہ صحابہ کرام ؓ ہی کے فیض و برکت کا نتیجہ ہے۔

تحریم مدینہ

رسول اللہ ﷺ نے مدینہ کو حرم قرار دیا تھا، یعنی حدود مدینہ کے اندر جانور، درخت اور گھاس بالکل محفوظ تھے اور ان کو کوئی شخص ہاتھ نہیں لگا سکتا تھا، صحابہ کرام ؓ اگرچہ بذات خود اس کی حرمت کا لحاظ رکھتے تھے، تاہم حضرت عمر نے اس کی نگرانی کیلئے ایک خاص عامل مقرر کر دیا تھا، تاکہ علماء ایمان کا ادب و احترام ہمیشہ قائم رہے۔

نکاح و طلاق

نکاح و طلاق کے تمام شرائط و حکام کو صحابہ کرام ؓ نے نہایت سختی کے ساتھ قائم رکھا اور اس کی پابندی کرائی، یام عدت میں نکاح حرام ہے، لیکن ایک عورت نے یام عدت ہی میں نکاح کر لیا۔ حضرت عمر ؓ کو خبر ہوئی تو میاں بیوی دونوں کو سزا دی۔^۱

جو عورتیں بیوہ ہو جائیں، ان کیلئے قبل انقضائے عدت گھر سے نکلنا ناجائز ہے، حضرت عمر ؓ اس سختی کے ساتھ اس حکم کی پابندی کرواتے تھے کہ اس قسم کی عورتوں کو حج کی بھی اجازت نہیں دیتے تھے۔^۲

نکاح متعہ اگرچہ خود رسول اللہ ﷺ ہی کے زمانے میں حرام ہو چکا تھا تاہم حضرت عمر ؓ کے عہد میں شدت کے ساتھ اس کی روک ٹوک کی گئی، ایک بار ان کو معلوم ہوا کہ کسی شخص نے ایک لونڈی کے ساتھ متعہ کیا، گھبرا کر اٹھے اور چادر گھسیٹتے ہوئے پہنچے اور فرمایا کہ ”یہ متعہ ہے۔ اگر میں نے پہلے سے اس کا اعلان کیا ہوتا تو اس شخص کو سنگسار کرتا۔“^۳

غرض احادیث کی کتابوں میں عبادات و معاملات کے سینکڑوں احکام اس قسم کے موجود ہیں کہ اگر صحابہ کرام ؓ نے ان کے استحکام بقاء میں کچھ بھی مدد نہ کی ہوتی تو تمام معالم دین مٹ گئے ہوتے اور آج جو حالت قائم ہے وہ آج سے بہت پہلے قائم ہو چکی ہوتی۔

جمع و ترتیب قرآن

اسلام کا قیام و بقاء تمام تر قرآن مجید کے قیام و بقاء پر موقوف ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے عہد

۱۔ طبری صفحہ ۲۸۴۴۔

۲۔ مؤطا کتاب النکاح باب جامع مالا یجوز من النکاح۔

۳۔ مؤطا کتاب الطلاق باب تمام التولی عنہا زوجہائی یجہاتی تحلل۔

۴۔ مؤطا کتاب النکاح باب نکاح المتعہ۔ متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

مبارک میں جو آیتیں نازل ہوتی تھیں وہ اگرچہ الگ الگ سورتوں میں لکھی جاتی تھیں، لیکن قرآن مجید منظم شکل میں مرتب نہیں ہوا تھا۔

حضرت ابو بکر ؓ کے عہد خلافت میں جب غزوہ یمامہ پیش ہو آیا اور اس میں بہت سے حفاظ قرآن شہید ہوئے تو حضرت عمر ؓ کو قرآن مجید کے جمع و ترتیب کی طرف خاص توجہ ہوئی اور انہوں نے حضرت ابو بکر ؓ کی خدمت میں عرض کیا کہ اگر اسی طرح حفاظ قرآن لڑائیوں میں شہید ہوئے تو قرآن مجید کا بہت بڑا حصہ ضائع ہو جائے گا، اس لئے میری رائے ہے کہ آپ جمع و ترتیب قرآن کا حکم صادر فرمائیے، لیکن چونکہ یہ ایک نئی بات تھی، یعنی رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں یہ کام نہیں ہوا تھا، اس لئے اول اول حضرت ابو بکر ؓ نے تامل کیا، لیکن بالآخر حضرت عمر ؓ کے اصرار سے راضی ہو گئے اور حضرت زید بن ثابت ؓ کو جو رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں کاتب وحی تھے طلب فرمایا اور یہ خدمت ان سے متعلق کی، اول اول انہوں نے بھی اس جدید کام کے شروع کرنے میں تامل کیا، لیکن بعد کو حضرت ابو بکر ؓ کی طرح اللہ تعالیٰ نے ان کے دل کو بھی کھول دیا اور انہوں نے اس آفتاب ہدایت کے ذرہ ہائے پریشاں کو جمع کرنا شروع کیا، فتح الباری میں ہے کہ حضرت ابو بکر ؓ کا حکم تھا کہ صرف وہ آیتیں اور وہ سورتیں جمع کی جائیں جو لکھی ہوئی ہیں، یہی وجہ ہے کہ حضرت زید بن ثابت ؓ نے سورہ براء کی آخری آیتوں کے لکھنے میں تامل کیا کیونکہ وہ لکھی ہوئی موجود نہ تھیں، لیکن خود بخاری میں حضرت زید بن ثابت ؓ کا قول موجود ہے۔

فَتَبِعْتُ الْقُرْآنَ أَجْمَعَهُ مِنَ الْعُسْبِ وَاللَّخَافِ وَصَلُّورِ الرِّجَالِ

میں نے قرآن مجید کی جستجو کی اور کھجور کی چھال وغیرہ اور صحابہ کرام ؓ کے سینوں سے اس کو جمع کیا۔

بہر حال قرآن مجید کی جمع و ترتیب میں نہایت ثبوت و احتیاط سے کام لیا گیا۔ حضرت ابو بکر ؓ نے حضرت عمر ؓ اور حضرت زید بن ثابت ؓ کو حکم دیا کہ مسجد کے دروازے پر بیٹھ جائیں اور جو لوگ قرآن مجید کی آیتوں کو پیش کریں وہ جب تک دو گولہ نہ لائیں وہ قبول نہ کی جائیں۔ اس پر نہایت شدت کے ساتھ عمل ہوا، چنانچہ ایک شخص نے حضرت عمر ؓ کی خدمت میں آیت رجم پیش کی تو چونکہ اس کا کوئی گولہ نہ تھا، انہوں نے اس کو نہیں لکھا۔ اس کے بخلاف حضرت خزیمہ انصاری ؓ نے ایک آیت کا پتہ دیا تو چونکہ رسول اللہ ﷺ نے ان کی شہادت کو دو شخصوں کی شہادت کے برابر قرار دیا تھا اس لئے وہ قبول کر لی گئی اس حزم و احتیاط

۱: فتح الباری جلد ۹ صفحہ ۱۰۔

۲: اتقان صفحہ ۱۳۔

۱: فتح الباری جلد ۹ صفحہ ۲۰۱۰۔

۲: فتح الباری جلد ۹ صفحہ ۱۲۔

کے ساتھ تمام آیتیں جمع ہو کر الگ الگ سورتوں میں کاغذ پر لکھی گئیں، لیکن اس مجموعہ میں سورت کی ترتیب کا لحاظ نہیں رکھا گیا۔

یہ مجموعہ حضرت ابو بکر ؓ کے پاس محفوظ رہا، جب ان کی وفات ہوئی تو حضرت عمر ؓ کے ہاتھ آیا، ان کے بعد حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے اس کو محفوظ رکھا۔

حضرت عثمان ؓ کے عہد خلافت میں قرآن مجید کی قرات میں اختلاف پیدا ہوا تو حضرت حذیفہ بن یمان ؓ نے ان کو اس طرف توجہ دلائی اور کہا کہ قبل اس کے کہ یہود و نصاریٰ کی طرح یہ امت اپنی کتاب میں اختلاف کرے آپ اس کا تدارک فرمائیے، انہوں نے

حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے یہاں سے اس مجموعہ کو منگوا لیا اور حضرت زید بن ثابت ؓ، حضرت عبداللہ بن زبیر ؓ، حضرت سعید بن العاص ؓ اور حضرت عبدالرحمان بن

عاص ؓ کو حکم دیا کہ اس کو قریش کی زبان میں لکھیں۔ ان لوگوں نے اب سورتوں میں بھی ترتیب قائم کی، اس طرح جب قرآن مجید کے چند مجموعے تیار ہو چکے تو

حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کا مصحف واپس کر دیا اور تمام صوبوں میں اس کا ایک ایک نسخہ روانہ فرمایا، صحیح بخاری میں ان مصاحف کی تعداد مذکور نہیں، اور کتابوں میں مختلف تعدادیں

مذکور ہیں، ایک روایت میں ہے کہ ان کی تعداد سات تھی، ایک کو مدینہ میں محفوظ رکھا تھا، بقیہ کو مکہ، شام، یمن، بحرین، بصرہ اور کوفہ کو روانہ کر دیا تھا اور صوبوں کی تعداد کے لحاظ سے یہ

روایت قرین قیاس معلوم ہوتی ہے۔

۱: فتح الباری جلد ۹ صفحہ ۱۶۱۳۔

۲: فتح الباری جلد ۹ صفحہ ۱۶۔

۳: یہ پوری تفصیل صحیح بخاری کتاب ابواب فضائل القرآن میں مذکور ہے، اس کے علاوہ جن کتابوں سے مدد لی گئی ہے ان کے حوالے الگ الگ دیئے ہیں۔

احساب

جو چیز مذہب و اخلاق کو صحیح اصول پر قائم رکھتی ہے۔ شریعت کی اصطلاح میں اس کا نام احساب ہے اور خود رسول اللہ ﷺ نے اس کے مختلف مدارج قائم کر دیے ہیں۔

من رای منکم منکرا فلیغیرہ بیدہ فان لم یستطع فبلسانہ فان لم یستطع فبقلبہ و ذالک اضعف الایمان۔ (مسلم)

تم میں سے جو شخص برائی کو دیکھے اس کو اپنے ہاتھ سے منادے۔ اگر اس میں اس کی طاقت نہیں ہے تو زبان سے اس کا انکار کرے اور اگر یہ بھی نہیں کر سکتا تو دل سے اس کو برا سمجھے اور یہ ایمان کا ضعیف ترین درجہ ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے زمانے میں چونکہ تمام اخلاقی طاقتیں زندہ تھیں۔ اس لئے اس مقدس دور میں آخری درجہ کے سوا احساب کے اور تمام مدارج قائم تھے۔

ایک روز جمعہ کی صبح بندی میں اس قدر کشمکش ہوئی کہ آگے کے لوگ پیچھے اور پیچھے کے لوگ آگے ہو گئے۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے یہ بے ترتیبی دیکھی تو فرمایا کہ ”ہم لوگ عہد نبوت ﷺ میں اس سے احتراز کرتے تھے۔“

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ اپنی قوم کے امام تھے۔ لیکن رسول اللہ ﷺ کی جماعت کا ثواب بھی ضائع نہیں کرنا چاہتے تھے۔ اس لئے پہلے آپ کے ساتھ نماز پڑھ لیتے تھے۔ پھر آکر اپنی مسجد میں لامت کرتے تھے۔ ایک روز اسی طرح لامت کی اور سورہ بقرہ پڑھنا شروع کیا۔ ایک کاروباری صحابی جو تھک کر چور ہو گئے تھے۔ جماعت سے علیحدہ ہو گئے اور الگ نماز پڑھ لی۔ ایک صحابی نے فوراً ان کا ”تم منافق ہو گئے۔“

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ایک دفعہ ایک گھر میں مہمان اتریں۔ صاحب خانہ کی دو لڑکیوں کو جواب جو ان ہو چلی تھیں دیکھا کہ بے چادر لوڑھے نماز پڑھ رہی ہیں۔ تاکید کی کہ آئندہ کوئی لڑکی بے چادر لوڑھے نماز نہ پڑھے۔ آنحضرت ﷺ نے یہی فرمایا ہے۔

ایک بار زیاد بن صبیح اصمعی حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ نماز میں کمر پر ہاتھ رکھ کر

۱: ابو داؤد کتاب الصلوٰۃ باب المصنوف بین السواری۔

۲: ابو داؤد کتاب الصلوٰۃ باب تخفیف الصلوٰۃ۔

۳: مسند جلد ۶ صفحہ ۹۶۔

کھڑے ہوئے۔ بولے کہ نماز میں یہ پھانسی کی وضع؟ رسول اللہ ﷺ اس سے منع فرماتے تھے۔^۱
ایک دفعہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بھائی عبدالرحمان بن ابی بکر رضی اللہ عنہ ان کے پاس آئے اور معمولی طرح سے جھٹ پٹ وضو کر کے چلے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ٹوکا کہ ”عبدالرحمان وضو اچھی طرح کیا کرو۔“ آنحضرت ﷺ کو میں نے کہتے ہوئے سنا ہے کہ وضو میں جو عضو نہ بھیکے اس پر جہنم کی پھٹکار ہو۔^۲

علی بن عبدالرحمان المعادی کا بیان ہے کہ ایک بار میں نماز میں کنکریوں سے کھیل رہا تھا۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے دیکھا تو منع کیا اور فرمایا کہ ”رسول اللہ ﷺ کا طریقہ اختیار کرو۔“ ایک بار انہوں نے ایک آدمی کو دیکھا کہ نماز میں بانیں ہاتھ پر ٹیک لگا کر بیٹھا ہے بولے کہ ”اس طرح نہ بیٹھو، یہ ان لوگوں کی نشست ہے جن کو عذاب دیا جائے گا۔“^۳

حضرت ابو تمیمہ جہمی ایک تابعی تھے۔ ان کا معمول تھا کہ نماز صبح کے بعد بیٹھ کر کچھ وعظ و پند کرتے تھے اور اس میں آیات قرآن کی تلاوت فرماتے تھے اور جب کوئی آیت سجدہ آجاتی تھی تو سجدہ کرتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے دیکھا تو بار بار منع کیا وہ باز نہ آئے تو فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ، حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ نماز پڑھی ہے۔ وہ طلوع آفتاب کے پہلے کوئی سجدہ نہیں کرتے تھے۔^۴

ایک بار ایک صحابیہ خوب خوشبو لگا کر مسجد میں گئیں۔ پلیس تو راہ میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا سامنا ہو گیا۔ خوشبو آئی تو پوچھا کہ یہ خوشبو مسجد میں جانے کے واسطے لگائی تھی۔ بولیں ”ہاں۔“ فرمایا ”میں نے اپنے حبیب رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ جو عورت مسجد میں جانے کیلئے خوشبو لگائے اسکی نماز اسوقت تک مقبول نہیں ہوتی جب تک پلٹ کے غسل جنابت نہ کر لے۔“^۵
عرب میں یہ وحشیانہ طریقہ جاری تھا کہ اسیران جنگ کو باندھ کر قتل کر ڈالتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے اسکی ممانعت فرمائی اور عملاً اسکو مٹا دیا۔ ایک بار حضرت عبدالرحمن بن خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے پاس چار کافر گرفتار ہو کر آئے اور انہوں نے ان کو اسی طرح قتل کر ڈالا۔ حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کو خبر ہوئی تو فرمایا کہ ”آپ ﷺ نے اسکی ممانعت فرمائی ہے۔ اگر مرغیاں بھی بوتیں تو میں ان کو اس طرح نہ مرداتا۔“^۶

۱: جب پھانسی دی جاتی ہے تو مصلوب کے ہاتھ اسی طرح باندھ دیئے جاتے ہیں۔

۲: ابوداؤد کتاب الصلوٰۃ باب التحضر والاقفا۔

۳: مسند جلد ۶ صفحہ ۲۸۵ ۴: ابوداؤد کتاب الصلوٰۃ باب الاشارة فی التمشید۔

۵: ابوداؤد کتاب الصلوٰۃ باب کرہیۃ الاعتماد علی الید فی الصلوٰۃ۔

۶: ابوداؤد کتاب الصوم فیمین قرأ السجدۃ بعد الصبح۔

۷: ابوداؤد کتاب الرجل باب فی طیب المرأة ۸: ابوداؤد کتاب الجہاد باب قتل الاسیر باللیل۔

ایک بار حضرت عبدالرحمن بن عمرو ؓ کابل میں ایک فوج کے ساتھ تھے۔ اہل فوج نے مال غنیمت پایا اور باہم لوٹ مار کر کھا گئے۔ حضرت عبدالرحمن بن عمرو ؓ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے اس کی ممانعت فرمائی ہے۔ سب نے اپنا اپنا حصہ واپس کر دیا اور دو بار وانہوں نے اسکو تقسیم کیا۔^۱

حضرت انس بن مالک ؓ حکم بن ایوب کے پاس آئے دیکھا کہ چند فوجیان مرغی کو باندھ کر تیر کا نشانہ لگا رہے ہیں۔ فرمایا "رسول اللہ ﷺ نے اس سے منع فرمایا ہے۔" حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ایک عورت کو دیکھا کہ اس کی چادر میں صلیب کے نقش و نگار بنے ہوئے۔ دیکھنے کے ساتھ ڈانٹا کہ یہ چادر اتار دو۔ آنحضرت ﷺ ایسے کپڑوں کو دیکھتے تو پھاڑ ڈالتے۔^۲

صحابہ کرام ؓ مرتے دم تک بھی فرض احتساب سے غافل نہیں ہوتے تھے۔ حضرت ابو موسیٰ اشعری ؓ پر آثار موت طاری ہوا تو ان کی بی بی رونے لگی۔ فرمایا کہ "رسول اللہ ﷺ کے ارشاد کی تمہیں خبر نہیں۔" فوراً چپ ہو گئیں۔

ایک بار حضرت ابو حذیفہ ؓ نے مدائن میں ایک چبوترے پر چڑھ کر نماز کی۔ حضرت ابو مسعود ؓ نے ان کا دامن پکڑ کر کھینچ لیا اور وہ نماز سے فارغ ہوئے تو کہا کیا تمہیں خبر نہیں کہ عہد نبوت میں لوگ اس روکے جاتے تھے۔ بولے "تم نے! امن کب چلتا تو مجھے یہ آیا۔" مدائن ہی میں ایک دوسرے موقع پر حضرت عمار بن یاسر ؓ نے بھی ایسا ہی کیا تو حضرت حذیفہ ؓ نے ہاتھ پکڑ کر کھینچ لیا اور وہ چبوترے سے نیچے اتر آئے۔^۳

ایک بار حضرت امام حسن نماز پڑھ رہے تھے۔ حضرت ابو رافع ؓ بھی حسن اتفاق سے آگئے۔ دیکھا کہ ان کے بال گندھے ہوئے ہیں۔ فوراً ہاتھ سے کھول دیئے۔ انہوں نے برہم ہو کر ان کی طرف دیکھا۔ بولے کہ "نماز پڑھئے، برہم نہ ہو جئے، میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ چوٹی شیطانی کاٹھ ہے۔" ایک بار اسی وضع کے ساتھ حضرت عبداللہ بن حارث ؓ نماز پڑھ رہے تھے۔ حضرت عبداللہ بن عباس ؓ پیچھے کھڑے ہو گئے اور بال کھولنے لگے۔ وہ نماز سے فارغ ہوئے تو کہا کہ میرے سر نے آپ کا کیا قصور کیا تھا؟ بولے کہ "رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ جو شخص اس طرح نماز پڑھتا ہے، اس کی حالت بالکل اس شخص کی سی

۱: ابوداؤد کتاب الجہاد باب فی النبی عن النبی توکان فی الطعام قللہ فی ارضہ بعدہ۔

۲: ابوداؤد کتاب البیضا باب فی الرقی بالذبیحہ۔ ۳: مسند جلد ۶ صفحہ ۲۲۵۔

۴: ابوداؤد کتاب الجہاد باب فی النوح۔

۵: ابوداؤد کتاب الصلوٰۃ باب الامام یقوم مکانہ رفع من مکان القوم۔

ہوتی ہے جو نماز پڑھے اور اس کی مشکیں کسی ہوئی ہوں۔“^۱

ایک بار ایک شخص نے جمعہ پڑھا اور اسی جگہ دو رکعت سنت بھی لواکی۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے دیکھا تو دھکیل دیا اور کہا کہ ”چار رکعت جمعہ پڑھتے ہو۔“ اس سرزنش کی وجہ یہ تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گھر میں سنت پڑھتے تھے اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بھی اسی کا اتباع کرتے تھے۔

حضرت قیس بن عبادہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں پہلی صف میں نماز پڑھ رہا تھا کہ حضرت ابی ابن کعب رضی اللہ عنہ نے مجھے پیچھے سے کھینچ کر بٹلایا اور خود میری جگہ کھڑے ہو گئے۔ نماز سے فارغ ہو کر فرمایا کہ ”برانہ مانو، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو یہی وصیت فرمائی ہے۔“ اس کے بعد قبلہ رو کھڑے ہو کر تین بار فرمایا ”خدائے کعب کی قسم نکل عقد ہلاک ہو گئے۔ خدا کی قسم میں عام لوگوں پر افسوس نہیں کرتا۔ ان پر افسوس کرتا ہوں جنہوں نے لوگوں کو گمراہ کیا ہے۔“ قیس ابن عبادہ رضی اللہ عنہ نے پوچھا اہل عقد کون لوگ ہیں؟ بولے امراء۔^۲

ایک بار حضرت ہشام بن حکیم بن حرام رضی اللہ عنہ سورہ فرقان پڑھ رہے تھے۔ حسن اتفاق سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بھی یہی سورت پڑھائی تھی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سنا تو ان کو قرأت میں اختلاف معلوم ہوا۔ چنانچہ ان کو چادر سے باندھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لائے اور کہا کہ ”آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ کو پڑھایا ہے ان کی قرأت اس کے مخالف ہے۔“ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قرآن سات حروف پر نازل ہوا ہے جس طرح ہو سکے پڑھو۔^۳

ایک بار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کسی جنازہ کے ساتھ آہستہ آہستہ جا رہے تھے۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ آئے اور کوڑاٹھا کر کہا کہ ”ہم لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جنازہ میں دوڑتے ہوئے چلتے تھے۔“^۴ ایک بار حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے بازار میں زیتون کا تیل خریدا، اسی جگہ ایک شخص نے اس کو خریدا چاہا، نفع ملتا تھا، انہوں نے اس کے ہاتھ فروخت کر دیا، اسی حالت میں پیچھے سے ایک شخص نے ان کی کلائی پکڑ لی۔ مڑ کر دیکھا تو حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ تھے۔ فرمایا کہ ”جہاں خریدا ہے وہیں نہ بیچو، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی ممانعت فرمائی ہے۔“^۵

حضرت ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ حلقہ قائم کر کے بیٹھے تھے، دو آدمیوں نے کہا اس حلقہ میں کون ہے، جو بہار فیصلہ کرے گا؟ ایک شخص نے کہا ”میں۔“ حضرت ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ

۱: ابوداؤد کتاب الصلوۃ باب الرجل یصلی عاقصا شعرو۔

۲: ابوداؤد کتاب الصلوۃ باب الصلوۃ بعد الجمعہ۔ ۳: نسائی کتاب القبلہ۔

۴: ابوداؤد ابواب کتاب الصلوۃ باب نزول القرآن علی سجدۃ الحرف۔

۵: ابوداؤد کتاب الجنازہ باب الاسراع بالجنازہ۔ ۶: ابوداؤد کتاب المبیوع باب فی الطعام قبل ان یستونی۔

نے کنکری اٹھا کر ماری اور کہا ”چپ! قضا کو جلدی سے قبول کرنا مکروہ ہے۔“

ایک بار حضرت عمر ؓ نے ایک بچے کے پاؤں میں گھونگھروں دیکھا تو کاٹ ڈالا اور فرمایا کہ آپ ﷺ نے فرمایا ہے کہ ”ہر گھونگھرو کے ساتھ شیطان رہتا ہے۔“

اسی طرح حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بھی ایک لڑکی کے گھونگھرو کوٹوا دیے۔^۱

ایک بار ان کی بیٹی حفصہ بنت عبد الرحمان رضی اللہ عنہا نہایت باریک ڈوپٹہ اوڑھ کر سامنے آئیں، دیکھنے کے ساتھ ہی غصہ سے دوپٹہ چاک کر دیا۔ پھر فرمایا، ”تم نہیں جانتیں کہ سورہ نور میں خدا نے کیا احکام نازل کیے ہیں؟“ اس کے بعد گاڑھے کادوسر اوپٹہ منگوا کر اوڑھ لیا۔^۲

ایک شخص نے حضرت عثمان ؓ کے سامنے ان کی تعریف کی۔ حضرت مقداد بن اسود ؓ نے اس کے منہ میں خاک اٹھا کر جھونک دی اور کہا کہ ”رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ مدح کرنے والوں کے منہ میں خاک جھونک دو۔“^۳

سلاطین و امراء کا احتساب در حقیقت جان کی جو کھوں ہے۔ لیکن صحابہ کرام ؓ نے نہایت دلیری اور حق گوئی کے ساتھ اس فرض کو ادا فرمایا۔

عہد نبوت ﷺ میں یہ دستور تھا کہ عید گاہ میں ساتھ منبر نہیں جاتا تھا اور آپ نماز عید کے بعد خطبہ پڑھتے تھے۔ بنو امیہ نے یہ دونوں طریقے بدل دیے۔ چنانچہ ایک بار مروان نے نماز سے پہلے خطبہ پڑھنا چاہا تو ایک شخص کھڑا ہوا اور کہا کہ ”مروان تم نے سنت کی مخالفت کی۔ عید گاہ پر منبر ساتھ لائے اور خطبہ نماز سے پہلے پڑھا۔“ حضرت ابوسعید خدری ؓ بھی موجود تھے۔ بولے ”یہ کون ہے؟ اس نے اپنا حق ادا کر دیا۔“^۴

ایک بار حضرت عثمان ؓ نے منی میں چار رکعت نماز ادا کی۔ حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ نے ٹوکا کہ ”میں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ اس جگہ صرف دو رکعت نماز پڑھی ہے۔ اس کے بعد تم لوگوں نے اور اور طریقے اختیار کر لئے ہیں تو دو رکعت کو محبوب رکھتا ہوں۔“^۵

ایک بار حضرت یحییٰ بن سعید بن العاص ؓ نے بی بی کو طلاق بائن دی۔ مروان بن الحکم نے جو مدینہ کا گورنر تھا ان کو گھر سے رخصت کر دیا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو معلوم ہوا تو کہلا بھیجا کہ ”خدا سے ڈرو، عورت کو سسرال ہی میں رہنے دو۔“ مروان بن

۱: ابوداؤد کتاب الاقضية باب فی طلب القضاء والعسرع الیه۔

۲: ابوداؤد کتاب النکاح باب ما جاء فی الجلاء۔ ۳: موطائے امام مالک کتاب اللباس۔

۴: ابوداؤد کتاب الادب باب فی اکرہیۃ التماوج۔

۵: ابوداؤد کتاب الصلوۃ باب الخطبہ۔

۶: ابوداؤد کتاب المناسک باب الصلوۃ بمنی۔

الحکم نے جواب دیا کہ ”طلاق بائن کے بعد رسول اللہ ﷺ نے تو حضرت فاطمہ بن قیس رضی اللہ عنہا کو گھر میں نہیں رہنے دیا تھا۔“ بولیں کہ ”اگر تم فاطمہ کی حدیث پر عمل نہ کرو تو کوئی حرج نہیں۔“^۱

ایک بار حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے رومیوں کے ساتھ معاہدہ کیا تھا۔ ابھی مدت معاہدہ گزرنے نہ پائی تھی کہ حملہ کی تیاری کر دی کہ مدت معاہدہ گزرنے کے ساتھ ہی حملہ شروع کر دیا جائے۔ فوج روانہ ہوئی تو حضرت عمرو بن غنہ رضی اللہ عنہ گھوڑے پر سوار ہو کر آئے اور کہا ”اللہ اکبر، اللہ اکبر، وفائے عہد کرنے چاہئے بد عہدی جائز نہیں۔“^۲

ایک بار حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ مروان کے گھر میں گئے۔ دیکھا کہ مصور تصویر بنا رہا ہے۔ بولے ”رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ خدا کہتا ہے کہ اس شخص سے زیادہ ظالم کون ہے؟ جو میری طرح مخلوق کو پیدا کرتا ہے، وہ ایک ذرہ، ایک دانہ اور ایک جو تو پیدا کر لے۔“^۳

۱: ابو داؤد کتاب الطلاق باب من اقر ذلک، یہ ایک مختلف فیہ مسئلہ ہے کہ جس عورت کو طلاق بائن دی جائے اس کو سکنی کا حق حاصل ہے یا نہیں۔ قرآن مجید میں تصریح ہے کہ اس کو گھر ہی میں عدت گزارنی چاہئے، لیکن فاطمہ بن قیس کی حدیث اس کے معارض ہے، لیکن حضرت عائشہ کا خیال یہ تھا کہ فاطمہ کا گھر نہایت سنسان اور الگ تھلگ تھا اسلئے رسول اللہ نے ان کو دوسرے گھر میں عدت بسر کرنے کا حکم دیا تھا ورنہ قرآن مجید کا اصل حکم اب تک باقی ہے۔

۲: ابو داؤد کتاب الجہاد باب فی الایام یکون بینہ و بین العہد فیسر نحو۔

۳: مسلم کتاب اللباس و الرمت باب الا تم غل الملا نکتہ، بیتافہ کلب ولا صورۃ۔

تجدید و اصلاح

عقائد و اعمال کی تجدید اور مذہب اور اخلاق کی اصلاح صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا سب سے بڑا فرض تھا اور انہوں نے ہر موقع پر نہایت سرگرمی کے ساتھ اس مقدس فرض کو ادا کیا۔

رسوم جاہلیت کا انسداد

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زمانہ جاہلیت کے جن عقائد و اعمال کو مٹا دیا تھا۔ جب وہ کبھی رونما ہوتے تھے۔ تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نہایت سختی کے ساتھ ان کی مخالفت کرتے تھے۔ جاہلیت کے زمانہ میں بچوں کے سرہانے استرا رکھ دیتے تھے اور سمجھتے تھے کہ اس کے ذریعے سے بچے جنوں کے آسیب سے محفوظ رہیں گے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ایک بار کسی بچے کے سرہانے استرا دیکھا تو منع فرمایا اور کہا کہ ”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ٹوٹکے کو سخت ناپسند فرماتے تھے۔“

عرب میں قاعدہ تھا کہ مردے کی لاش پر نوحہ کرتے تھے۔ اسلام نے اس کی ممانعت کی لیکن بعد کو کوفہ والوں نے جاہلیت کی اس رسم کو تازہ کیا اور قرظہ بن کعب کی لاش پر اسی طریقہ سے نوحہ و بکا کیا۔ حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کو معلوم ہوا تو کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔
 من ینح علیہ فانہ یعذب بما ینح علیہ یوم القیامہ

جن شخص پر نوحہ کیا گیا اس پر قیامت کے دن اس کی وجہ سے عذاب کیا جائے گا۔ ایک بار حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے ایک عورت کو دیکھا کہ خاموش ہے۔ وجہ پوچھی تو معلوم ہوا کہ اس نے خاموش جج کیا ہے اس کو فوراً ممانعت کی اور کہا کہ ”یہ جائز نہیں ہے یہ جاہلیت کا کام ہے۔“ حضرت عروہ بن مسعود رضی اللہ عنہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت سے واپس ہو کر اپنے وطن طائف آئے تو ان کے قبیلے کے تمام لوگ ملاقات کو آئے اور جاہلیت کے طریقے پر سلام کیا انہوں نے اس پر سختی سے اعتراض کیا اور کہا کہ ”تم کو اہل جنت کی طرح سلام کرنا چاہئے۔“

۱: ادب المفرد باب الیطرة من الجن۔

۲: مسلم کتاب الجنائز باب المیت یعذب بکارہلہ علیہ۔

۳: بخاری باب لیام الجاہلیۃ۔

۴: طبقات ابن سعد تذکرہ حضرت عروہ بن مسعود۔

شرک و بدعت کا استیصال

خلفائے راشدین ؓ کے عہد تک یہ معلوم تھا کہ خطبہ عیدین نماز کے بعد دیا جاتا تھا لیکن جب مروان نے اس سنت کو بدل دیا اور خطبہ کے بعد نماز پڑھانا شروع کی تو اسی وقت ایک شخص نے مخالفت کی اور حضرت ابو سعید خدری ؓ نے اس کی تائید کی۔ دوسرے سال مروان عید گاہ میں حضرت ابو سعید خدری ؓ کے ہاتھ میں ہاتھ ڈالے ہوئے آیا اور ان کو پہلے منبر کی طرف لے جانا چاہا لیکن انہوں نے اس کو نماز کیلئے گھسیٹا اور کہا کہ ابتداء نماز کیا ہوئی؟ اس نے کہا آپ کو اس مسئلہ میں جو کچھ معلوم ہے وہ تو ترک کر دیا گیا لیکن انہوں نے تین بار فرمایا کہ مجھ کو جو کچھ معلوم ہے تم اس سے بہتر روش قائم نہیں کر سکتے۔^۱

صحابہ کرام ؓ کو بدعات و محدثات کے استیصال کا اس قدر خیال تھا کہ نہایت چھوٹی چھوٹی باتوں پر وارد گیر کرتے تھے۔ ایک بار حضرت عبداللہ بن مفضل ؓ کے صاحبزادے نے نماز میں سورہ فاتحہ کے ابتداء میں بسم اللہ پڑھ لیا۔ انہوں نے سنا تو فوراً بول اٹھے کہ ”بیٹا یہ بدعت ہے اس سے بچو۔“

شرک و بدعات کی تولید اکثر مذہبی عظمت سے ہوتی ہے۔ جس کے مظہر صحابہ کرام ؓ کے زمانہ میں نہایت کثرت سے موجود تھے لیکن جب کبھی صحابہ کرام ؓ کو یہ خطرہ پیدا ہوا کہ اس عظمت کا عملی اعتراف شرک و بدعت کی صورت اختیار کر لے گا تو فوراً اس کی مخالفت کی۔ ایک بار حضرت عمر ؓ سفر حج سے واپس آرہے تھے۔ راستہ میں دیکھا کہ لوگ ایک مسجد کی طرف دوڑے ہوئے جا رہے ہیں۔ پوچھا یہ کیا ہے؟ لوگوں نے کہا ”ایک مسجد ہے جس میں رسول اللہ ﷺ نے نماز پڑھی تھی۔“ بولے ”تم سے پہلے اہل کتاب اسی طرح مشرک ہو گئے۔ بسکو نماز پڑھنا ہو وہ نماز پڑھ لے ورنہ آگے بڑھے۔“

حضرت عمر ؓ کے زمانے تک شجرۃ الرضوان قائم تھا اور لوگ متبرک سمجھ کر اس کی زیارت کو آتے تھے۔ یہ دیکھ کر انہوں نے اس کو جڑ سے کٹا دیا۔^۲ مسلمانوں میں غلاف کعبہ کی جو عزت و حرمت ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ جب نیا غلاف چڑھایا جاتا ہے تو پرانا غلاف چراچھپا کر، خادموں کچھ کچھ دے دلا کر لے لیتے ہیں اور اسکو تبرک سمجھ کر گھر لے آتے ہیں، اسکو مکانون میں رکھتے ہیں دوستوں کو بطور سوغات کے تقسیم کرتے ہیں، قرآن میں رکھتے ہیں مسجدوں میں لٹکاتے ہیں اور مریض کو اس سے ہوا دیتے ہیں لیکن قرن اول میں یہ حالت نہ تھی، متولی کعبہ صرف یہ کرتا تھا کہ غلاف کو زمین میں دفن کر دیتا تھا کہ وہ ناپاک انسانوں کے مصرف کا نہ

۱: مسلم کتاب الصلوٰۃ العیدین و بخاری کتاب العیدین۔

۲: وفاء الوفاء صفحہ ۴۴۹۔ متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ۔

رہے، شیبہ بن عثمان نے جو اس زمانہ میں کعبہ کے کلید بردار تھے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے یہ واقعہ بیان کیا تو انہوں نے سمجھ لیا کہ یہ تعظیم غیر شرعی ہے، خدا اور رسول نے اس کا حکم نہ دیا اور ممکن ہے کہ آئندہ اس سے سوء اعتقاد اور بدعات کا سرچشمہ پھوٹے، اسلئے شیبہ سے کہا ”یہ تو اچھی بات نہیں تم برا کرتے ہو، جب غلاف کعبہ سے اتر گیا اور کسی نے اس کو نپاکی کی حالت میں استعمال بھی کر لیا تو کوئی مضائقہ نہیں، تم کو چاہئے کہ بیچ ڈالا کرو اور اس کی قیمت غریبوں اور مسافروں کو دیدیا کرو۔“^۱

اصلاح اخلاق

اسلام میں ہر مصلح اخلاق کا پہلا فرض یہ ہے کہ وہ خالص اسلامی اخلاق کو قائم رکھے، اور ان کو غیر قوموں کے اخلاق کے ساتھ مخلوط نہ ہونے دے، دوسرے یہ کہ جو اخلاق اصول مذہب، اصول انسانیت اور اصول شرافت کو صدمہ پہنچاتے ہیں، ان کا استیصال کرے، صحابہ کرام ؓ نے اپنے دور خلافت میں یہ دونوں فرض نہایت مستعدی کے ساتھ لوائے، حضرت عمر ؓ نے تمام عمال کو تحفظ اخلاق عرب کی ہدایت فرمائی اور لکھا کہ ادنوا انحیل وانتضلوا وایاکم واخلق الا عاجم وان لا تحلسوا علی مائدہ یشرب علیہا الخمر ولا یحل لمومن ولا مومنة تدخل الحمام الا بمیزرالا من سقم^۲ گھوڑوں کو قریب رکھو، تیر اندازی کرو اور اخلاق عجم کے اختیار کرنے، اور ایسے دسترخوان پر بیٹھنے سے جو شراب پی جائے احترام کرو، کسی مسلمان مرد یا عورت کیلئے یہ جائز نہیں کہ بغیر کسی بیماری کے حمام میں بلاتہ بند باندھے نہائے۔

فتوحات عجم کے بعد نربازی، شطرنج بازی و مرغ بازی وغیرہ تضرع لوقات کے کھیل ملک میں پھیلے تو صحابہ کرام ؓ نے اس پر اس شدت سے دار و گیر کی، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں کچھ کرایہ دار رہتے تھے، ان کی نسبت معلوم ہوا کہ وہ نربازی کھیلتے ہیں، تو سخت برا فروخت ہوئیں۔ اور کہلا بھیجا کہ اگر نربازی گوئیوں کو میرے گھر سے باہر نہ پھینک دو گے تو میں اپنے گھر سے نکلوا دوں گی، حضرت عبداللہ بن عمر ؓ اپنے خاندان میں کسی کو نربازی کھیلتے ہوئے دیکھتے تو اس کو مارتے اور نربازی ڈالتے۔^۳ ایک بار کچھ لوگ شطرنج کھیل رہے تھے، حضرت علی ؓ نے دیکھا تو فرمایا

۱۔ عین الصحابہ، بحوالہ سنن بیہقی۔

۲۔ اسد الغابہ تذکرہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا۔

۳۔ ادب المفرد باب الادب و اخراج الذین یلعبون باضرود موطا امام مالک کتاب الجامع باب ما جاء فی النرب۔

ماہذہ التماثل التي انتم لعا عاكفون۔^۱

یہ تصویریں کیا ہیں جن کے سامنے تم نے سر جھکا لیا ہے

فتح مجرم کے بعد اہل عرب شراب کے جدید اقسام و نام سے آشنا ہو گئے تھے جن میں سے ایک بندوق بننے والا تھا، چونکہ عربی میں شراب کو خمر کہتے ہیں اور اس کا اطلاق صرف انگوری شراب پر ہوتا ہے اس بنا پر لوگوں کو شبہ تھا کہ ان شرابوں کا کیا حکم ہے، لیکن حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اپنی مجلس میں بالا اعلان کہہ دیا کہ شراب کے برتنوں میں چھوہارے تک نہ بھگوئے جائیں پھر عورتوں کی طرف خطاب کر کے کہا ”اگر تمہارے خم کے پانی سے نشہ آئے تو وہ بھی حرام ہے، آنحضرت ﷺ نے برغشی چیز کو منع فرمایا۔“^۲

ایک دفعہ شام کی چند عورتیں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی زیارت کو آئیں، رومیوں کے اختلاط سے وہاں کی عورتیں بھی حمام میں برہنہ غسل کرتی تھیں، فرمایا کہ ”تم ہی وہ عورتیں ہو جو حماموں میں جاتی ہو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، جو عورت اپنے گھر سے باہر پیرے اٹارنی ہے وہ اپنے اور خدا کے درمیان پردہ پوری کرتی ہے۔“^۳

قدیم زمانے میں یہودیہ عورتوں میں جو بد اخلاقیات پھیل گئی تھیں، ان میں ایک یہ تھی کہ جن عورتوں کے بال گر پڑتے تھے وہ مصنوعی بال لگا لیتی تھیں رسول اللہ ﷺ نے اس کی ممانعت فرمادی تھی، لیکن حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد میں عربی عورتوں نے بھی یہ روش اختیار کر لی، وہ جج کو آئے تو ایک سپاہی کو اس مصنوعی بال کا ایک گھچا دے دیا اور منبر پر خطبہ دینے کے کھڑے ہوئے اور اس کچھے کو ہاتھ میں لے کر فرمایا

يا اهل الامارة اين علماءكم . معت الذی صلی اللہ علیہ وسلم بنہی عن
ما فعلوا و یقول انما ہلکت بنو اسرائیل حین اتخذاہذہ نساء ہم۔

اے اہل مہارت! تمہارے علماء کہاں ہیں میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ بنو اسرائیل
اسی وقت پرہیز کرنے والے جب ان کی عورتوں نے اس اختیار کیا۔

ایک دفعہ کسی عورت نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے کہا کہ میری بیٹی دلہن بنی ہے، لیکن بیماری سے اس کے بال گر گئے ہیں کیا مصنوعی بال جوڑ دوں؟“ فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے اس قسم کی عورتوں پر اذیت سمیٹھی ہے۔^۴

۱۔ سنن ترمذی: حدیث ۲۷۱۰، مسند احمد: ۱/۱۰۰

۲۔ جلد ۶ صفحہ ۷۳۱ مسند۔

۳۔ سنن نسائی: کتاب النحر۔

۴۔ بخاری: کتاب بر الخلق و کتاب الادب۔

۵۔ مسند جلد ۶ صفحہ ۱۱۱۔

عرب میں جو بد اخلاقیات پھیلی ہوئی تھیں، وہ بہت کچھ تو خود بخود اسلام کے اثر سے مٹ گئیں اور جو رہ گئی تھیں، ان کو صحابہ کرام ؓ نے بالکل مٹا دیا، مثلاً ”فخر و غرور“ کہ اس کے اظہار کی ایک صورت یہ تھی کہ لوگ لڑائیوں میں قبائل کی جے پکارتے تھے، حضرت عمر ؓ نے اس کو حکماً منع کر دیا۔^۱

اس سلسلے میں سب سے مقدم چیز شاعری کی اصلاح تھی، کیونکہ شعراء لوگوں کی ہجویں لکھتے تھے اور ان سے سینکڑوں اخلاقی خرابیاں پیدا ہوتی تھیں، حضرت عمر نے اس کو جرم قرار دیا، اور ہجو گوئی پر شعراء کو سزا دی، چنانچہ ایک بار نجاشی نے تمیم بن مقبل کی ہجو لکھی، انہوں نے حضرت عمر ؓ کی خدمت میں استغاثہ کیا تو حضرت عمر ؓ نے اور اشعار پر تو کوئی گرفت نہیں کی لیکن جب یہ شعر سنا

اولیک	اولاد	الہجین	واسرہ
اللیم	ورھط	العاجز	المتلل

یعنی یہ لوگ دو غلے کمینہ خاندان اور عاجز اور ذلیل قبیلہ کے ہیں۔

تو فرمایا کہ ”اب اس شعر پر معاف نہیں رکھ سکتا“ چنانچہ اس کو قید کیا اور کوڑے لگائے۔^۲ حلیہ مشہور ہجو گو شاعر تھا ایک بار اس نے زبرقان بن بدر کی ہجو کہی جس کا ایک شعر یہ تھا

دع	المکارم	لا	ترحل	لبغیہا
واقعد	فانک	انت	الطاعم	الکاسی

فضائل چھوڑ دے اس کے حاصل کرنے کیلئے سفر نہ کر اور بیٹھ جا کیونکہ تو صرف کھانے اور پینے والا آدمی ہے۔

زبرقان نے حضرت عمر ؓ سے شکایت کی تو انہوں نے حضرت ابن عباس ؓ سے پوچھا کہ ”یہ ہجو ہے“ انہوں نے کہا ”ہاں“ اس پر انہوں نے حلیہ کو تہ خانہ میں قید کر دیا، اور جب حضرت عبدالرحمن بن عوف ؓ اور حضرت زبیر ؓ نے سفارش کی تو یہ قول لے کر چھوڑا کہ پھر کسی کی ہجو نہ کہے گا۔^۳

ہجو کے علاوہ شعراء میں علانیہ اپنے معشوقوں کے نام لیتے تھے اور انکے حسن کی تعریف کرتے تھے، جس کو عربی میں تشبیب کہتے ہیں، حضرت عمر ؓ نے تمام شعراء کو حکم دیا لا یشب احد بامراہ الا جلدہ۔

کوئی شخص کسی عورت کی تشبیب نہ کرے ورنہ اس کو سزا دی جائے گی۔

۱: کنز العمال۔ ۲: اصابہ تذکرہ تمیم بن مقبل۔ ۳: اسد الغابہ تذکرہ زبرقان۔ ۴: اسد الغابہ تذکرہ حمید بن ثور۔

اصلاح بین الناس

اسلام نے عرب کے قدیم بغض و کینہ کو مٹا کر تمام مسلمانوں کو اتحاد و اتفاق کی جس سنہری رنجیر میں جکڑ دیا تھا، صحابہ کرام ؓ نے حتی المقدور کبھی اس کی کڑیوں کو جدا نہیں ہونے دیا، حضرت عروہ بن مسعود ؓ کے قبیلے کے لوگوں نے جب ان کے خون کا بدلہ لینا چاہا تو انہوں نے خود نہایت ایثار نفسی کے ساتھ فرمایا

لَا تَقْتُلُوا اَنِي قَدْ تَصَدَّقْتُ بِدَمِي عَلٰی صَاحِبِهِ لَا صَلَاحَ بِذَالِكْ بَيْنَكُمْ۔^۱

میرے بارے میں جنگ و جدل نہ کرو، میں نے اپنا خون معاف کر دیا تاکہ اس ذریعہ سے تم لوگوں میں مصالحت ہو جائے۔

ان کے اصل قاتل حضرت اوس بن عوف ؓ تھے، اسلئے مدت تک انکو عروہ کے بیٹے حضرت ابولح بن عروہ ؓ اور انکے بھتیجے حضرت قارب بن اسود ؓ کی طرف سے انتقام کا کھنکالگا رہا، چنانچہ انہوں نے حضرت ابوبکر ؓ سے اسکی شکایت کی تو انہوں نے ان دونوں صاحبوں کو انتقام سے روکا اور ان سب کو باہم ملا دیا اور سب نے ایک دوسرے سے ہاتھ ملایا۔^۲ حضرت عمر ؓ نے جو یہ اشعار کہنے پر اس قدر سختی اس لئے کی تھی کہ باہم لوگوں میں ناچاقی نہ ہونے چائے، چنانچہ حضرت حسان بن ثابت ؓ نے قریش کی جموں میں جو اشعار خود رسول اللہ ﷺ کے ارشاد سے کہے تھے، قریش کے اسلام لانے کے بعد ان کے پڑھنے کی ممانعت کر دی کہ اس سے پرانی رنجشیں تازہ ہوتی ہیں۔^۳

اصلاح معاش

اصلاح معاش کے یہ معنی ہیں کہ معاش کے ناجائز طریقوں کو مٹا کر جائز طریقوں کو ترقی دی جائے، اور صحابہ کرام ؓ نے یہ دونوں فرض ادا کئے۔

ایک بار حضرت فضالہ بن عبید ؓ کو ایک مجمع میں معلوم ہوا کہ کچھ لوگ کو یہ کھیل رہے ہیں، برہم ہو کر اٹھے اور فرمایا کہ جو لوگ اس کی کمائی کھاتے ہیں سو کا گوشت کھاتے ہیں اور خون سے وضو کرتے ہیں۔^۴

ایک بار دو شخصوں نے ایک مرغ پر بازی لگائی، حضرت عمر ؓ کو خبر ہوئی تو مرغ کو مار ڈالنا چاہا، ایک شخص نے کہا ایسی امت کو قتل کرتے ہو جو خدا کی تسبیح خواں ہے اسلئے چھوڑ دیا۔^۵

۱: طبقات ابن سعد تذکرہ حضرت عروہ بن مسعود۔

۲: طبقات ابن سعد تذکرہ اوس بن عوف۔

۳: انانی تذکرہ حضرت حسان بن ثابت۔

۴: اب المفرد باب الغناء والملبوس۔ ۵: اب المفرد باب قمار الدیک۔

ایک شخص کا یہ معمول تھا کہ جب اس کی گھوڑیاں پچھڑے جنتیں تو اس خیال سے فوج کر دیا کہ جب تک یہ سواری کے قابل ہوں گے میں زندہ کب رہوں گا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو خبر ہوئی تو ایک تحریری حکم بھیجا کہ

اصلحوا ما رزقکم اللہ فان فی الا بر تقسا۔

خدا تم کو جو کچھ دے اس کی اصلاح کرو کیونکہ زندگی میں بڑی وسعت ہے۔

حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو ہدایت کی کہ اگر تم سنو کہ دجال نمودار ہو گیا ہے اور تمہارے ہاتھ میں کھجور کا ایک پودا ہو تو اطمینان سے اس کو لگاؤ کیونکہ اس کے بعد بھی لوگ زندہ رہیں گے۔^۱

ارشاد و ہدایت

دنیا نہ میرے میں بھٹک رہی تھی، نیکی کا چرغ گل ہو گیا تھا، بدی کی گھٹا فاق عالم پر چھا گئی تھی کہ اسی حالت میں غار حرا سے ایک چاند نکلا اور دنیا اجلی ہو گئی لیکن یہ جو کچھ ہوا صرف اللہ رسول ﷺ کی تعلیم و تربیت، وعظ و ہدایت کا نتیجہ تھا اس لئے آپ ﷺ کے بعد دنیا پھر اندھیرہ ہو جاتی اگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس سلسلہ کو قائم نہ رکھا ہوتا۔

پند و نصیحت

رسول اللہ ﷺ اگرچہ ہمہ وقت ارشاد و ہدایت میں مصروف رہتے تھے تاہم یہ ایک ایسا اہم فرض تھا کہ اس کیلئے ایک وقت مخصوص کر لیا تھا، اور ایک روز کا ناغہ دیکر مستر اصحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو وعظ و ہدایت فرمایا کرتے تھے، آپ ﷺ کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بھی یہ روش قائم رکھی، چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے بھی جمعرات کے دن کو وعظ و ہدایت کیلئے مخصوص کر دیا تھا۔^۱

نمونہ و مثال

آفتاب کسی کو اندھیرے میں بھٹکنے نہیں دیتا، لیکن باہمہ زبان سے کچھ نہیں کہتا بلکہ اپنی شعاعوں کو بھیج دیتا ہے، جو نہایت خاموشی کے ساتھ ہر شخص کی انگلی پکڑ کر سیدھی رہ پر لگا دیتی ہیں، خلفاء راشدین بھی آفتاب نبوت کا پروتو تھے، اس لئے وہ ارشاد و ہدایت کیلئے دنیا کے سامنے ایسی روشن مثالیں پیش کرنا چاہتے تھے، جن کو دیکھ کر ہر شخص خود بخود سیدھی رہ پالے۔ ایک دفعہ حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ حالت احرام میں رنگین کپڑے پہنے ہوئے تھے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دیکھا تو فرمایا ”گو! تم تمام ہو اور تمام دنیا تمہاری تقلید کرتی ہے اس لئے اگر کوئی جاہل آدمی اس کپڑے کو دیکھے گا تو کہے گا کہ طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ حالت احرام میں رنگین کپڑے پہنتے تھے پس اے لوگو اس قسم کا کپڑا ہرگز نہ پہنو۔“^۲

وعظ گوئی

رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں تو اسکی ضرورت ہی نہ تھی، حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں بھی اس کا رواج نہیں ہوا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ پہلے شخص تھے، جنکے عہد خلافت میں

۱: مسلم کتاب النفاقین و احکامہم باب الاقتصار فی البوعظ و بحدی کتاب العلم۔

۲: مؤطا امام مالک کتاب الحج باب لبس الثياب المصنوعة فی الاحرام۔

اسکی ایجاد ہوئی اور حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ نے ان کی اجازت سے کھڑے ہو کر وعظ کیا۔^۱
چنانچہ اس طریقہ کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اولیات میں شمار کیا جاتا ہے، لیکن اگر کوئی شخص
وعظ کو محض گرمی محفل کا ذریعہ بنانا چاہتا اور اس میں تکلف و تصنع سے کام لیتا تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم
نہایت سختی کے ساتھ روک ٹوک کرتے واعظین گرمی مجلس کیلئے مٹھی و مسجع دعائیں بنانا کر
پڑھا کرتے اور اپنے تقدس کے اظہار کیلئے موقع بے موقع، ہر وقت وعظ کیلئے آمادہ رہتے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے زمانے میں ابن ابی السائب تابعی نے یہ طریقہ اختیار کیا
تو انہوں نے ان سے خطاب کر کے کہا ”تم مجھ سے تین باتوں کا عہد کرو ورنہ بزور تم سے باز
پرس کروں گی“ عرض کیا ”ام المؤمنین رضی اللہ عنہا! وہ کیا باتیں؟“ فرمایا دعاؤں میں تسبیح
عبارتیں نہ بناؤ، اس لئے کہ آپ اور آپ کے اصحاب ایسا نہیں کرتے تھے، ہفتہ میں صرف ایک
دن وعظ کہا کرو، اگر یہ کافی نہ ہو تو دو دن اور اس سے بھی زیادہ چاہو تو تین دن، لوگوں کو خدا
کی کتاب سے اکتانہ دو، ایسا نہ کرو کہ جہاں لوگ بیٹھے ہوں آکر بیٹھ جاؤ اور قطع کلام کر کے اپنا
وعظ سنانا شروع کر دو، بلکہ جب ان کی خواہش ہو اور وہ درخواست کریں تب کہو۔^۲

کلمات طیبہ

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی زبان سے جو کلمات طیبہ نکل گئے وہ بھی ارشاد و ہدایت کے سلسلے میں
داخل ہیں حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ”لوگوں میں اس طرح رہو جس طرح اڑنے
والی شہد کی کھسی کہ اس کو ہر چڑیا اپنے آپ سے کمزور سمجھتی ہے، لیکن اگر اس کو معلوم ہوتا کہ
اس کے پیٹ میں کیا برکت بھری ہوئی ہے تو وہ ایسا نہ کرتی، لوگوں کے ساتھ جسم اور زبان سے
ملے جلے رہو لیکن دل اور عمل سے الگ رہو۔“^۳

ایک بار حضرت سلیمان فارسی رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ ”علم ایک
پشیم ہے جس پر لوگ آتے ہیں اور اس سے نالیاں نکالتے ہیں اور خدا اس سے بہتوں کو فائدہ
پہنچاتا ہے، لیکن اگر کوئی حکمت خاموش ہو تو وہ جسم بے روح ہے، اگر کوئی علم لٹایا نہ جائے تو وہ
مدفون خزانہ ہے، عالم کی مثال اس شخص کی سی ہے جو تاریک راستے میں چراغ دکھاتا ہے، تاکہ
لوگ اس سے روشنی حاصل کریں اور اس کو دعا دیں۔“^۴

اس کے علاوہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اور بھی بہ کثرت مقولے ہیں، جن کو ہم تطویل کے
لحاظ سے قلم انداز کرتے ہیں۔

۱: مسند ابن حبیل جلد ۳ ص ۴۴۹۔ ۲: مسند احمد جلد ۶ صفحہ ۲۱۷۔ ۳: داری باب ابلاغ رسول اللہ و تعلیم السنن۔ ۴: داری باب فی اجتناب الاہوار۔

جہاد

جہاد کے متعلق صحابہ کرام ؓ کے خدمات کی تفصیل حسب ذیل عنوانات میں کی جا سکتی ہے۔

- ۱۔ جہاد کی حقیقت کے متعلق صحابہ کرام ؓ کا کیا خیال تھا؟
- ۲۔ عہد نبوت کے نظام فوجی میں صحابہ کرام ؓ کی مذہبی اور اخلاقی سرگرمیوں کا کس قدر حصہ شامل تھا؟
- ۳۔ خلفائے راشدین ؓ نے اس نظام کو کس قدر ترقی دی؟

جہاد کی حقیقت

مورخین یورپ کے نزدیک جہاد اسلام کی حقیقت کا لازمی جزو ہے لیکن صحابہ کرام ؓ کے نزدیک اسلام کی حقیقت اس سے بالاتر تھی کہ اس کے مایہ خمیر میں خون کے اجزاء شامل کئے جائیں، چنانچہ کسی نے حضرت عبداللہ بن عمر ؓ سے پوچھا کہ آپ جہاد کیوں نہیں کرتے؟ بولے ”رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے، کلمہ توحید، نماز، زکوٰۃ، روزہ، حج“ یعنی جہاد اسلام کی حقیقت سے خارج ہے، اس کا جزو نہیں ہے۔

عہد نبوت ﷺ میں صحابہ کرام ؓ کا فوجی نظام

عام خیال ہے کہ عہد نبوت ﷺ تک اسلام میں کوئی فوجی نظام نہیں قائم ہوا تھا، یہ صرف رسول اللہ ﷺ کی روحانی آواز کا معجزانہ اثر تھا کہ تمام صحابہ ؓ ایک جھنڈے کے نیچے آکر جمع ہو جاتے تھے، حضرت ابو بکر ؓ کے زمانہ خلافت تک بھی یہی حالت قائم رہی، حضرت عمر ؓ پہلے شخص ہیں، جنہوں نے ایک باضابطہ نظام فوج قائم کیا، لیکن درحقیقت یہ ایک عظیم الشان غلطی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے مدینہ میں آنے کے ساتھ ہی ایک مستقل نظام فوج قائم کر لیا تھا اور صحابہ کرام ؓ کے مذہبی جوش اور اخلاقی طاقت نے اسکو نمایاں ترقی دی تھی۔

تمام قوم کا فوج بنانا

رسول اللہ ﷺ ہر سال انصار کے نوخیز لوگوں کا جائزہ لیتے تھے، اور پانزدہ سالہ نوجوان کو فوج میں داخل کرتے تھے، آج اس تمدنی زمانہ میں بھی جبکہ ہر شخص قومیت و وطنیت کا ترانہ گارہا

ہے اکثر لوگ اس قسم کی جبری خدمت سے انکار کرتے ہیں، لیکن صحابہ کرام ؓ کے جوش مذہبی کے یہ حال تھا کہ بچہ بچہ بشوق فوج میں شامل ہونا چاہتا تھا اور اگر کسی کو اس مذہبی خدمت کے انجام دینے کی اجازت نہیں ملتی تھی تو اس کو سخت ملال ہوتا تھا، ایک بار آپ ﷺ نے انصار کے نوجوانوں کا جائزہ لیا اور ایک نوجوان کو شریک فوج ہونے کی اجازت عطا فرمائی، حضرت سرہ ؓ نے بھی اپنے آپ کو پیش کیا، لیکن آپ ﷺ نے کسی کی وجہ سے ان کی درخواست منظور نہیں کی، اس بنا پر ان کو سخت صدمہ ہوا اور مایوسی کے لہجہ میں کہا ”یا رسول اللہ ﷺ! آپ ﷺ نے اس لونڈے کو اجازت دے دی اور مجھے نہیں قبول فرمایا، حالانکہ اگر کشتی ہو تو میں اس کو پچھاڑ دوں“ اب آپ ﷺ نے دونوں میں کشتی کرائی، اور سرہ نے اس کو پچھاڑ دیا۔ اس لئے آپ ﷺ نے ان کو بھی شرکت جہاد کی اجازت دی۔^۱

صحابہ کرام ؓ جس ذوق و شوق سے شریک جہاد ہوتے تھے، اسکے متعلق احادیث درج ذیل کی کتابوں میں بہ کثرت واقعات مذکور ہیں، ہم نے اس کتاب کے پہلے حصے میں اس قسم کی متعدد مثالیں مختلف عنوانات میں جمع کر دی ہیں، اس موقع پر ان کو بھی پیش نظر رکھنا چاہئے۔

فوجی شعار

مہاجرین و انصار کو اگرچہ اخوت اسلامی کی بنا پر الگ الگ نظر آتے تھے اور یہ ان کے جوش و مسابقت کا بڑا سبب تھا، انصار کا شعار عبدالرحمان اور مہاجرین نے اپنا شعار عبداللہ قرار دیا تھا۔ قرآن مجید کی بعض سورتوں کے ٹکڑوں کو بھی بطور شعار ^۲ کے پڑھا جاتا تھا۔

فوج کا تقسیم

اخیر میں جب اسلام کا فوجی نظام بالکل مکمل ہو گیا، تو میدان جنگ میں فوجوں کی تقسیم بھی قومی حیثیت سے کی گئی، چنانچہ فتح مکہ میں جیسا کہ صحیح بخاری کتاب المغازی میں مذکور ہے تمام قبائل کے دستے الگ الگ قائم کئے گئے تھے۔

فوجی تعلیم و تربیت

رسول اللہ ﷺ کو فوجی تعلیم و تربیت میں کدو کاوش کی ضرورت پیش نہیں آئی، خود صحابہ کرام ؓ میں تیر اندازی کا ذوق اس قدر ترقی کر گیا تھا کہ مغرب کے بعد مسجد میں نکل کر تیر کا نشانہ لگاتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ کی حوصلہ افزائی اس ذوق کو اور بھی ترقی دیتی تھی، ایک بار

۱: استیعاب تذکرہ حضرت سرہ بن جندب۔

۲: ابوداؤد کتاب الجہاد باب فی الرجل یغایر بلعد۔

۳: ابوداؤد کتاب الصلوٰۃ باب وقت المغرب۔

آپ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو تیر اندازی کرتے ہوئے دیکھا تو فرمایا۔

ارموا یا بنی اسماعیل ابا کمکان زالیا۔

اے بنو اسماعیل تیر اندازی کرو کیونکہ تمہارا باپ تیر انداز تھا۔

معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تیر اندازی میں باہم مسابقت کرتے تھے، چنانچہ اسی موقع پر جب آپ نے فرمایا کہ ”میں فلاں قبیلہ کے ساتھ ہوں“ تو دوسرے قبیلہ کے لوگ رک گئے اور کہا کہ ”جب آپ خود ان کے ساتھ ہیں تو ہم مقابلہ کر سکتے ہیں“۔ ارشاد ہوا کہ ”تیر پھینکو میں تم سب کے ساتھ ہوں“۔^۱

تیر اندازی کے علاوہ رسول اللہ ﷺ گھوڑ دوڑ بھی کراتے تھے اور اس میں تمام صحابہ رضی اللہ عنہم شریک ہوتے تھے، بعض صحابہ رضی اللہ عنہم نے پیدل دوڑنے کی مشق کی تھی، چنانچہ اس وصف میں حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ خاص طور پر ممتاز تھے اور اس مشق کی بدولت ان کو مختلف فوجی کامیا بیاں بھی حاصل ہوئیں، شہسواری اور تیر اندازی کے علاوہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے فن جنگ میں اور بھی جدید تر قیاں کیں مثلاً رسول اللہ ﷺ نے حضرت عروہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اور حضرت غیلان بن سلمہ رضی اللہ عنہ کو جرث، بھیجا کہ وہاں سے متجنق اور حبابہ کے استعمال کا طریقہ سیکھ کے آئیں، چنانچہ وہ لوگ وہاں سے تعلیم حاصل کر کے آئے تو طائف کے محاصرہ میں ان آلات کا استعمال کیا گیا۔^۲ یہ عربی کی روایت ہے، لیکن مواہب لدینہ میں ہے کہ فن جنگ میں یہ جدید اضافہ حضرت طفیل بن عمرو دوسی رضی اللہ عنہ کے بدولت ہوا، زر قانی نے اس کی شرح میں یزید بن زمعہ کا نام بھی لیا ہے اور رواقدی کی ایک روایت نقل کی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ متجنق کا استعمال حضرت سلیمان رضی اللہ عنہ کے مشورے سے کیا گیا۔^۳

غزوہ احزاب میں خندق انہی کے مشورے سے کھودی گئی اور کفار نے اس کو اس قدر جدید اور عجیب چیز سمجھا کہ سب کے سب یک زبان ہو کر بول اٹھے

ان زلمکیدہ ما کانت العرب تصنعھا۔^۴

یہ ایک ایسی چال ہے، جس سے اہل عرب بالکل نا آشنا تھے۔

زخمیوں کی مرہم پٹی کا انتظام

جس طرح صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بشوق غزوات میں شریک ہوتے تھے، اسی طرح صحابیات بھی خد کی راہ میں ان سے پیچھے نہیں رہنا چاہتی تھیں، ان کیلئے سب سے زیادہ موزوں کام

۱: بخاری کتاب الجہاد باب التحریض علی الری۔

۲: طبری صفحہ ۶۶ واقعات سن ۸ھ۔

۳: طبقات ابن سعد کتاب المغازی صفحہ ۴۹۔

۴: زر قانی جلد ۳ صفحہ ۳۲۔

زخمیوں کی مرہم پٹی کرنا اور مجاہدین کے آرام و آسائش کا سامان بہم پہنچانا تھا، اور وہ اس خدمت کو نہایت خلوص اور دل سوزی سے انجام دیتی تھیں۔

حضرت ام ورقہ بنت نوفل رضی اللہ عنہا ایک صحابیہ تھیں، جب معرکہ بدر پیش آیا تو انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں درخواست کی کہ مجھے شریک جہاد ہونے کی اجازت دی جائے میں مریضوں کی تیمارداری کروں گی۔^۱

غزوہ خیبر میں بغیر جبر و اکراہ کے متعدد عورتیں شریک جہاد ہوئیں، آپ کو ان کا حال معلوم ہوا تو بلا بھیجا اور ناراضی کے لہجے میں پوچھا تم کس کے ساتھ اور کس کی اجازت سے آئی ہو؟ بولیں ”یا رسول اللہ ﷺ! ہم اون کاتے ہیں اور اس سے خدا کی راہ میں اعانت کرتے ہیں، ہمارے ساتھ زخمیوں کے دوا علاج کا سامان ہے، لوگوں کو تیراٹھا اٹھا کے دیتے ہیں، اور ستو گھول گھول کے پلاتے ہیں۔“^۲

حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا ایک صحابیہ رضی اللہ عنہا تھیں جو آپ کے ساتھ لڑائیوں میں شریک ہوتی تھیں^۳ اور مجاہدین کے اسباب کی نگرانی کرتی تھیں، کھانا پکاتی تھیں، مریضوں کی مرہم پٹی کرتی تھیں۔

غزوہ احد میں خود حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا شریک تھیں، اور وہ اور حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا اپنی پیٹھ پر مشک لاد لاد کے لاتی تھیں اور لوگوں کو پانی پلاتی تھیں۔^۴

حضرت ربیع بنت مسعود رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ ہم سب غزوات میں شریک ہوتے تھے پانی پلاتے تھے مجاہدین کی خدمت کرتے تھے، اور مدینہ تک زخمیوں اور لاشوں کو اٹھا اٹھا کر لاتے تھے۔^۵

حضرت رفیدہ رضی اللہ عنہا نے مسجد نبوی ﷺ میں ایک خیمہ قائم کر رکھا تھا، جو لوگ زخمی ہو کر آتے تھے وہ اسی خیمے میں ان کا علاج کرتی تھیں، چنانچہ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ غزوہ خندق میں زخمی ہوئے، تو ان کا علاج اسی خیمہ میں کیا گیا۔^۶

جہاد کیلئے ساز و سامان

شوق جہاد نے اسلام کے جھنڈے کے نیچے بہادر سپاہی تو جمع کر دیئے لیکن اسلام کی غربت

۱: ابوداؤد کتاب الصلوۃ باب امامۃ النساء۔

۲: ابوداؤد کتاب الجہاد باب فی المرأة والعبد یخدیان من الغنیمۃ۔

۳: مسلم کتاب الجہاد باب النساء الغازیات یرضعن لهن ولا یسہمن والنہی عن قتل صبیان اهل الحرب۔

۴: مسلم کتاب الجہاد باب غزوۃ النساء مع الرجال۔

۵: بخاری کتاب الجہاد باب النساء والقسم۔ ۶: اصابہ تذکرہ رفیدہ رضی اللہ عنہا۔

مصارف جہاد اور آلات ہرب کا کیا سامان کرتی؟ لیکن صحابہ کرام ؓ نے تکمیل مقاصد جہاد کیلئے جان کی طرح مال کو بھی قربان کر دیا، وہ تاریخ اسلام کا مشہور واقعہ ہے ان کے علاوہ اور تمام صحابہ ؓ اس کار خیر میں حصہ لیتے تھے، یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جہاد نفس کے ساتھ جہاد بالمال کا بھی بار بار قرآن مجید میں ذکر کیا ہے، احادیث میں اس قسم کی فیاضیوں کی متعدد مثالیں ملتی ہیں۔ حضرت عمر ؓ نے جہاد کی ضرورت کیلئے ایک شخص کو ایک گھوڑا دیا تھا۔^۱

حضرت ابو معقل ؓ کے پاس ایک جوان اونٹ تھا، انہوں نے اس کو جہاد کیلئے وقف کر دیا تھا۔^۲

ایک صحابی ایک لونہنی کی ناک میں نکیل لگائے ہوئے آئے اور کہا کہ ”یا رسول اللہ ﷺ! اس کو خدا کی رلو میں دیتا ہوں“ کہ شاید ہوا کہ ”قیامت کے دن خدا تم کو اس کے بدلے ستر لونہنیاں دے گا۔“^۳

حضرت خالد بن ولید ؓ کے پاس بہت سی زرہیں تھیں، جن کو انہوں نے جہاد کیلئے وقف کر دیا تھا۔^۴

حضرت نوفل بن حارث ؓ نے غزوہ حنین میں تین ہزار نیزوں سے، رسول اللہ ﷺ کی اعانت کی، چنانچہ آپ نے ان کو دیکھ کر فرمایا ”میں دیکھ رہا ہوں کہ تمہارا تیزے کفار کی ریڑھ کی ہڈیاں توڑ رہے ہیں۔“^۵

عہد نبوت ﷺ میں انفاق فی سبیل اللہ اسلام کی سب سے بڑی علامت تھی۔ حضرت رفاعہ بن زیدہ ؓ ایک صحابی تھے جن پر نفاق کا شبہ کیا جاتا تھا۔ ایک بار ان کے ہتھیار چوری ہو گئے، بعد کو ملے تو انہوں نے ان کو جہاد کیلئے وقف کر دیا، اب لوگوں کے دل سے نفاق کا شبہ دور ہو گیا۔^۶

خلافت راشدہ ؓ میں صحابہ کرام ؓ کا فوجی نظام
خلفائے راشدین ؓ نے جو فوجی نظام قائم کیا، اس پر ملوی اور اخلاقی دونوں حیثیتوں سے نگاہ ڈالنی چاہئے۔

حضرت ابو بکر ؓ کے عہد خلافت میں ملوی حیثیت سے صرف اس قدر ترقی ہوئی کہ

۱: ابوداؤد کتاب الزکوٰۃ باب الرجل ینہا ع صدقۃ بخاری کتاب الزکوٰۃ۔

۲: ابوداؤد کتاب المناہک باب العمرہ۔

۳: مسلم کتاب الامارۃ فضل الصدقۃ فی سبیل اللہ و تصعید۔

۴: ابوداؤد کتاب الزکوٰۃ باب فی تعیل الزکوٰۃ۔

۵: ترمذی ابواب تفسیر القرآن۔

۶: اسد الغابہ جلد ۵ صفحہ ۴۶۔

مساویانہ تعداد میں فوج کے مختلف دستے قائم کئے گئے اور ہر دستے کے الگ الگ سپہ سالار قرار دیئے گئے، چنانچہ ان کے عہد میں بول بول شام کی طرف جو فوج بھیجی گئی اس میں ہر کمانڈر کی ماتحتی میں تین تین ہزار سپاہی دیئے گئے، اس کے بعد متصل کمک نے اس تعداد کو پڑھا کر ساڑھے سات ہزار تک پہنچا دیا، حضرت ابو بکر ؓ نے ان دستوں و قومی حیثیت سے مرتب کیا تھا، اور تمام امراء فوج کو حکم دیا تھا کہ ہر قبیلہ کیلئے الگ الگ جھنڈا قائم کیا جائے انہوں نے امیر الامراء کا ایک نیا عہدہ بھی قائم کیا، جو گویا تمام فوج کا کمانڈر انچیف تھا، اور سب سے پہلے حضرت خالد بن ولید ؓ اس عہدے پر مامور کئے گئے۔

دستہ بندی کی وجہ سے ان کے زمانے میں فن جنگ میں بھی بہت کچھ ترقی ہوئی، عرب کو چونکہ ہمیشہ ایک ہاتر تیب یافتہ فوج سے لڑنا پڑتا تھا، اس لئے حالت جنگ میں فوج کسی ترتیب و نظام کی پابند نہ تھی، غیر مرتب صفیں قائم ہو جاتی تھیں اور ہر صف الگ الگ معرکہ آرا ہوتی تھی، لیکن حضرت ابو بکر ؓ کے عہد میں جب بمقام یرموک رومیوں سے جنگ ہوئی، اور حضرت خالد بن ولید ؓ نے ان کی فوج کے ترتیب و نظام کو دیکھا تو تمام فوج کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا:

ولا تقاتلو اتوما علی نظام و تعبیه علی تسانلوا انتشار۔

ایسی مرتب فوج سے متفرق طور پر نہ لڑو۔

چنانچہ انہوں نے فوج کے ۳۶ دستے قائم کئے اور ہر دستے پر الگ الگ کمانڈر مقرر کئے ابن خلدون نے مقدمہ تاریخ میں لکھا ہے،

واول من ابطل الصف فی الحروب و صار الی التعبیه کرا دیس مروان ابن الحکم۔^۱

پہلا شخص جس نے جنگ میں صرف بندی کے طریقہ کو موقوف کر کے الگ الگ دستے قائم کئے، مروان بن حکم تھا۔

لیکن یہ تاریخی غلطی ہے، اس کی ابتداء خود حضرت ابو بکر ؓ کے عہد خلافت میں ہو گئی تھی، چنانچہ علامہ طبری لکھتے ہیں،

وخرج خالد فی تعبیه لم تعبها العرب قبل ذالک

اور خالد نے فوج کو اس طرح آراستہ کیا کہ عرب نے اس سے پہلے اس قسم کی آراستگی نہیں دیکھی تھی۔

اس ترتیب و نظام سے فوج کے مختلف شعبے مثلاً قلب، ہمینہ اور یرہ قائم ہو گئے اور

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں ان میں اور بھی اضافہ ہوا۔
 اخلاقی حیثیت سے خلفائے راشدین کا سب سے اہم فرض یہ تھا کہ رسول اللہ ﷺ نے
 فوج کو جس قانون جنگ کلابند بنایا تھا اس کو وہ بھی قائم رکھیں اور اس کی محافظت کریں رسول اللہ
 ﷺ نے فوج کو جس اخلاقی قانون کلابند بنایا تھا اس کے دفعات کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

- ۱۔ مال غنیمت میں خیانت نہ کی جائے۔
- ۲۔ بد عہدی نہ کی جائے۔
- ۳۔ مقتولین کے ہاتھ پاؤں اور ناک کان نہ کاٹے جائیں۔
- ۴۔ بچے، عورتیں، بوڑھے اور راہب نہ قتل کئے جائیں۔
- ۵۔ مسلمانوں کی آبادی پر حملہ نہ کیا جائے۔
- ۶۔ لوگوں کی جائیداد اور مویشیوں سے تعرض نہ کیا جائے۔
- ۷۔ اسیران جنگ کو ان کے اغروا قلوب سے جدا نہ کیا جائے۔
- ۸۔ لونڈیوں سے بغیر استبراء رحم کے مباشرت نہ کی جائے۔

خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم نے شدت کے ساتھ اس قانون کی محافظت کی چنانچہ حضرت ابو
 بکر رضی اللہ عنہ نے شام کی طرف فوج بھیجی تو امیر العسکر کو حسب ذیل وصیتیں کیں،

انك تحلقوما زعموا انهم حبسوا انفسهم لله فذرهم، وانی موصيك
 بعشر لا تقتلوا امرأة ولا صبيا ولا كبيرا هرما ولا تقطعن شجرا شمرا ولا
 تحرقن بن عامرا ولا تعقرن شاة ولا بهيرا لا كلة ولا تحرقن نعلا ولا
 تعرفنه ولا تغلل ولا تحبن۔^۱

تم ایک ایسی قوم (راسب) کو پاؤ گے، جنہوں نے اپنے آپ کو عبادت خدا کے لئے وقف کر
 دیا ہے ان کو چھوڑ دو، میں تم کو دس وصیتیں کرتا ہوں عورت، بچے اور بوڑھے کو قتل نہ
 کرو، پھلدار درخت کو نہ کاٹو، آبادی کو دیران نہ کرو، بکری اور اونٹ کو ذبح نہ کرو، نخلستان
 میں آگ نہ لگاؤ مال غنیمت میں بددیانتی نہ کرو اور ہمدرد نہ بنو۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی ان قوانین کا نہایت احترام کیا اور فوج کو عام طوع پر ہدایت
 فرمائی،

فان قاتلوكم فلا تغلروا ولا تغلوا ولا تمثلوا ولا تقتلوا وليدا۔^۲
 اگر وہ تم سے لڑیں تو بد عہدی نہ کرو، خیانت نہ کرو، مقتولین کے اعضا نہ کاٹو اور بچوں کو قتل
 نہ کرو۔

۱: مؤطالام مالک کتاب الجہاد باب النبی عتقل النساء والولدان فی الغزو۔

۲: کتاب الخراج صفحہ ۱۲۰۔

ایک بار ان کو معلوم ہوا کہ فوجی لوگ لہان دے کر بد عہدی کرتے ہیں تو سپہ سالار فوج کو لکھا کہ ”مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم لوگ کفار کا تعاقب کرتے ہو اور جب وہ پہاڑ پر چڑھ جاتے ہیں تو ان سے کہتے ہو کہ ”مترس، یعنی نہ ڈرو، لیکن جب ان پر قابو پا جاتے ہو تو ان کو قتل کر ڈالتے ہو، اگر اب کوئی شخص اس بد عہدی کو مرتکب ہوا تو خدا کی قسم اس کی گردن اڑا دوں گا۔“

لیکن اس اخلاقی قانون کے تحفظ کے ساتھ حضرت عمر ؓ نے ملائی حیثیت سے بھی نئی فوج کو نہایت ترقی دی، چنانچہ ان ترقیوں کی تفصیل یہ ہے،

۱۔ ایک مستقل محکمہ فوج قائم کیا، تمام لوگوں کے نام درج رجسٹر کروائے اور ان کی تنخواہیں مقرر کیں۔

۲۔ جنگ بڑے بڑے اصطلح بنوائے، جن میں چار چار ہزار گھوڑے ہر وقت تیار رہتے تھے کہ بد وقت ضرورت فوجی تیاریوں میں کوئی دشواری پیش نہ آئے، کوفہ میں اس کا اہتمام سلمان بن ربیعہ باملی کے متعلق تھا، اور اس وجہ سے وہ سلیمان النخیل کے لقب سے مشہور تھے۔
گھوڑوں اور اونٹوں کی پرورش و پرداخت کیلئے متعدد چراگاہیں قائم کرائی تھیں جن کو حمی کہتے ہیں۔

۳۔ ملک میں مختلف چھاؤنیاں قائم کیں، بالخصوص سرحدی اور ساحلی مقامات کو نہایت مستحکم اور محفوظ کیا۔

۴۔ مدد کا مستقل محکمہ قائم کیا جس کو ابراہ کہتے تھے۔

۵۔ سپاہیوں کو بہت دیا جس کو عربی میں معونہ کہتے ہیں، جو سپاہی نادار ہوتا تھا اس کو سواری ملتی تھی۔

۶۔ فوج کی صحت اور تندرستی قائم رکھنے کیلئے مختلف تدبیریں کیں، مثلاً،

۱۔ جو سرد ممالک ہوتے تھے وہاں گرمیوں میں اور گرم ممالک میں جاڑوں کے موسم میں فوجیں روانہ کرتے تھے۔

۲۔ فصل بہار میں موہان مقامات میں فوجیں بھیجتے تھے، جن کی آب و ہوا خوشگوار اور وہ سرسبز تھا، اب بول۔

۳۔ بارگاہ کی تعمیر اور چھاؤنیوں کے بنانے میں ہمیشہ عمدہ آب و ہوا کا لحاظ کرتے تھے۔

۴۔ کوچ کی حالت میں فوج کو حکم تھا کہ لوگ جمعہ کے روز شب و روز قیام کر کے دم لیں ہر روز اس قدر مسافت طے کی جائے کہ لوگ تھکنے نہ پائیں اور پڑاؤ اس مقام پر ڈالا جائے جہاں ضروریات کی تمام چیزیں مل سکیں۔

۱۔ موطا امام مالک کتاب الجہاد باب الجاہلی ذوقا بالامان۔

۲۔ اسد الغابہ تذکرہ سلیمان النخیل۔ ۳۔ طبری صفحہ ۲۳۸۶۔

۷۔ رخصت کا باقاعدہ انتظام تھا جو فوجیں دور دراز مقامات پر رہتی تھیں ان کو سال میں ایک دفعہ ورنہ دو دفعہ رخصت ملتی تھی، چنانچہ ایک بار اس میں تاخیر ہوئی تو فوج خود واپس چلی آئی۔^۱
۸۔ فوج کے ساتھ قاضی، افسر خزانہ، محاسب، طبیب، جراح اور مترجم مقرر کئے، جو مال غنیمت حاصل ہوتا تھا پہلے اس کی تفصیل لکھی جاتی تھی، محاسب اسکو تقسیم کرتا تھا، طبری میں ہے
کان الا خماس یکتب و یحسب۔^۲

خمس لکھا جاتا تھا اور اس کا حساب کیا جاتا تھا۔

۹۔ سفر میں انکا انتظام کیا اور یہ کام زیادہ تر ذمیوں سے لیا، وہی پل باندھتے تھے، سڑک بناتے تھے، بازار لگاتے تھے اور یہ تمام خدمتیں مسلمانوں کے حسن سلوک کی بنا پر بخوشی انجام دیتے تھے۔
۱۰۔ ذمی جاسوسی کی خدمت بھی انجام دیتے تھے، لیکن ان کے علاوہ حضرت عمر ؓ نے خود متعدد جاسوس مقرر کر رکھے تھے، جو ان کو ایک ایک جزئیات کی خبر دیتے رہتے تھے، تاریخ طبری میں ہے۔

و کانت تکنون لعمر العیون فی کل حیث۔

ہر فوج میں حضرت عمر ؓ کے جاسوس رہتے تھے،

۱۱۔ مقتولین و مجروحین کو میدان جنگ سے اٹھانے کیلئے خاص خاص اشخاص مقرر کئے جاتے تھے، تاریخ طبری میں ہے

و کل سدر جال ینقل الشہداء۔^۳

حضرت سعد نے شہداء کے اٹھانے کیلئے اشخاص مقرر کئے۔

شہداء کی لاشیں آتی تھیں تو بچے اور عورتیں قبر کھود کھود کر ان کو دفن کرتی تھیں۔^۴

غزوہ بحریہ

بحری جنگ کی تحریک اور ابتداء اول اول حضرت عمر ؓ کے عہد خلافت میں ہوئی، چنانچہ سب سے پہلے حضرت امیر معاویہ ؓ نے ان کو بحری جنگ کی طرف توجہ دلائی لیکن حضرت عمر ؓ کا معمول یہ تھا کہ جب کوئی نیا کام کرنا ہوتا تھا، تو کافی معلومات حاصل کرنے کے بعد اس کی ابتداء فرماتے تھے۔ اسلئے پہلے حضرت عمرو بن العاص ؓ سے بحری حالات دریافت فرمائے اور انہوں نے اسکو ایک پر خطر کام بتایا، حضرت عمر ؓ کو غزوات بحریہ کی مشکلات کا اندازہ ہوا تو اسکی طرف سے توجہ ہٹائی اور مسلمانوں کو اس کی ممانعت فرمائی، لیکن

۱: ابوداؤد کتاب الحراج باب تعقیب الجوش۔

۲: طبری صفحہ ۲۳۸۶۔

۳: طبری صفحہ ۲۳۸۶۔

۴: طبری صفحہ ۲۳۱۷۔

۵: مقدمہ ابن خلدون صفحہ ۷۷ و طبری صفحہ ۲۳۶۔

صحابہ کرام ؓ کے جوش جہاد کے لئے زمین کی وسعت کافی نہ تھی اس لئے باوجود اس ممانعت کے حضرت علماء بن حضرمی ؓ اور حضرت عرفجہ بن ہرثمہ ازدی ؓ نے حضرت عمر ؓ کی اجازت کے بغیر ناکام بحری حملے کئے، حضرت عمر ؓ کو ان کی ناکامی کا حال معلوم ہوا تو سخت زبرد تو بیخ کی اور معزولی کی دھمکی دی۔ اس کے بعد ان کے عہد خلافت میں کوئی بحری جنگ نہیں ہوئی لیکن حضرت عثمان ؓ کے زمانے میں یہ جوش دوبارہ تازہ ہوا، حضرت امیر معاویہ ؓ کو ابتداء ہی سے رومیوں کے ساتھ بحری جنگ کا خیال تھا، انہوں نے حضرت عمر ؓ کی خدمت میں اس خیال کو ظاہر بھی کیا تھا، لیکن انہوں نے اجازت نہیں دی حضرت عثمان کے زمانے میں انہوں نے پھر یہ درخواست کی پہلے تو انہوں نے یہ کہہ کر ٹال دیا کہ ”حضرت عمر ؓ نے تم کو اس سے روکا تھا“ انہوں نے دوبارہ خواہش ظاہر کی تو اجازت دی، چنانچہ انہوں نے سن ۲۸ھ میں انقضاء موسم سرما کے بعد قبرس پر پہلا بحری حملہ کیا، اور وہاں سے چند شرائط پر صلح کر کے واپس آئے سن ۳۲ھ میں ان لوگوں نے بعض شرائط صلح کی خلاف ورزی کی، تو حضرت امیر معاویہ ؓ نے پانچ سو جہازوں کے ساتھ دوبارہ حملہ کر کے قبرس کو فتح کر لیا اور وہاں عرب کی نو آبادیاں قائم کیں، مسجدیں تعمیر کیں اور ایک شہر آباد کیا اس کے بعد غزوات بحریہ کا عام سلسلہ قائم ہو گیا اور برابر قائم رہا، اسد الغابہ میں ہے۔

کان جناده بن امیہ علی غزو الروم فی البحر لمعاویہ من زمن عثمان الی
ایامہ یزید۔^۱

خبادہ بن امیہ حضرت عثمان ؓ کے زمانے سے یزید کے زمانہ تک امیر معاویہ کی جانب سے رومیوں کے ساتھ غزوہ بحریہ میں مشغول رہے۔

طبری نے لکھا ہے کہ حضرت عبداللہ بن قیس رضی اللہ عنہا حارثی کو حضرت امیر معاویہ ؓ نے امیر البحر مقرر فرمایا تھا اور انہوں نے پچاس بحری لڑائیاں کیں جن میں مسلمانوں کا ایک آدمی بھی ضائع نہ ہوا۔^۲

جہاز سازی کا کارخانہ

ایسی عظیم الشان بحری حملے جس میں پانچ پانچ سو جہازوں کا بیڑا سطح سمندر پر تلاطم انداز ہو بغیر جہاز سازی کے کارخانے کے نہیں کئے جاسکتے تھے، اس لئے حضرت امیر معاویہ ؓ نے متعدد جہاز سازی کے کارخانے قائم کئے تھے، جن میں پہلا کارخانہ مصر میں سن ۵۴ھ

۱: فتوح البلد ان ص ۱۵۹ و ۱۶۰۔

۲: اسد الغابہ تذکرہ جنادہ بن امیہ۔

۳: طبری صفحہ ۲۸۲۳۔

میں قائم کیا گیا تھا۔^۱

علامہ بلاذری کی تصریحات سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے اور تمام ساحلی مقامات پر بھی جہاز سازی کے کارخانے قائم کئے تھے، چنانچہ ان کے الفاظ یہ ہیں،

كانت الصناعة بمصر فقط فامر معاوية بجمع الصناع والنجارين فجمعوا وربتهم في السواحل و كانت الصناعة في الاردن لعكا۔

جہاز سازی کا کارخانہ صرف مصر میں تھا، لیکن امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حکم سے کاریگر اور بڑھئی جمع کئے گئے، اور ان کو انہوں نے تمام ساحلی مقامات پر مقرر کیا، اور اردن میں بمقام عکا جہاز سازی کا کارخانہ تھا۔

یہ کارخانہ مدتوں قائم رہا لیکن ہشام بن عبد الملک نے اس کو صورت میں منتقل کر دیا۔^۲

۱: حسن المحاضرہ جلد ۲ صفحہ ۱۹۹۔

۲: فتوح البلد ان صفحہ ۱۲۴، عربی میں صناعت کے لفظ کا معنی ہے کہ علامہ سیوطی نے تصریح کی ہے جہاز سازی کے کارخانہ پر اطلاق کیا جاتا ہے۔

فتوحات صحابہ ﷺ اور ان کے علل و اسباب

اگر صحابہ کرام ﷺ کے نظام اخلاق، نظام عمل اور نظام عقائد کی تحلیل کی جائے تو ان فتوحات کے اہم اور اصولی اسباب حسب ذیل قرار دیئے جاسکتے ہیں۔

(۱) صحابہ کرام ﷺ دنیا کی فتح کیلئے اٹھے تو ان کے سامنے ایک خاص مقصد تھا۔ جسکو خود رسول اللہ ﷺ نے انکا مطمح نظر قرار دیا تھا، چنانچہ بخاری شریف میں ہے کہ جب آپ ﷺ نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو غزوہ خیبر میں علم فتح عنایت فرمایا تو ساتھ ساتھ یہ الفاظ بھی فرمائے۔
لَا يَهْدِي اللَّهُ بَلَك رَجُلًا خَيْرَ لِّلِ مَنْ حَمَرِ النِّعَمِ۔

اگر خدا تمہارے ذریعہ سے ایک شخص کو بھی ہدایت دے دے تو وہ تمہارے لئے سرخ لونوں سے بہتر ہے۔

لیکن جس قوم سے بلاۃ ہدایت کے ان متوالوں کا مقابلہ ہوا ان کے دل اس کیف سے بالکل خالی تھے، ان کا فوجی نظام اگرچہ نہایت مکمل تھا تاہم ان کے سامنے کوئی مقصد نہ تھا، وہ خارجی قوت کڑنا چاہتے تھے۔ حالانکہ فوج صرف اندرونی طاقت سے لڑتی ہے، خود فرانس کا مشہور مورخ لیبن صحابہ کرام ﷺ کی فتوحات کا سبب اسی مقصد جلیل اور اسی قوت ایمانیہ کو قرار دیتا ہے چنانچہ اپنی مشہور فلسفینہ کتاب سر تطور الامم میں لکھتا ہے۔

اگر ہم عرب کی ابتدائی فتوحات کے زمانے کی تاریخ پر غور کریں (حالانکہ ابتدائی فتوحات عادیہ مشکل اور اہم ہوتی ہیں) تو ہم کو معلوم ہو گا کہ ان کا مقابلہ ان حریفوں سے ہوا جن کا نظام فوج اگرچہ نہایت مستحکم تھا، تاہم ان کی اخلاقی طاقت ضعیف ہو گئی تھی عرب کی فوج نے اول اول شام کی طرف پیش قدمی کی، جہاں ان کو بیز نشان فوج سے سابقہ بڑا جو ان افراسے مرکب تھی جو کسی مقصد کیلئے اپنے اندر جان فروشی کا جذبہ نہیں رکھتی تھی، لیکن عرب کی قوت ایمانیہ ان کی تعداد کو کئی گنا بڑھا دیتی تھی۔ اسلئے ان کو ایسی کھوکھلی فوج کے شیرازہ کے پراگندہ کرنے میں کوئی دشواری پیش نہیں آئی۔^۱

(۲) رسول اللہ ﷺ کی ذات پاک خود صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی فتوحات کا ایک عظیم الشان سبب تھی، محبت و اطاعت نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اس شمع ہدایت کا پروانہ بنا دیا تھا، اور وہ صرف جان دے کر اس سے جدا ہو سکتے تھے، چنانچہ صلح حدیبیہ کے موقع پر جب عروہ نے کہا کہ ”میں تمہارے سامنے ایسے چہرے اور ایسے مخلوط آدمی دیکھتا ہوں جو تم کو چھوڑ کر بھاگ جائیں گے“ تو اس طنز آمیز فقرے نے جانثار ابن رسول ﷺ کے دلوں پر نشتر کا کام کیا اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے برہم ہو کر کہا ”ہم اور آپ کو چھوڑ کر بھاگ جائیں گے“۔
غزوہ بدر میں جب آپ نے کفار کے مقابلہ کیلئے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو جوش دلایا تو حضرت مقداد رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ”ہم وہ نہیں ہیں جو موسیٰ کی قوم کی طرح یہ کہہ کر الگ ہو جائیں۔

اذهب انت وربك فقاتلا

تم اپنے خدا کے ساتھ جاؤ اور دونوں مل کر لڑو۔

بلکہ ہم آپ کے دائیں سے، بائیں آگے سے پیچھے سے لڑیں گے“ چنانچہ جان نثار نے فقرے سننے تو فرط مسرت سے آپ کا چہرہ دمک اٹھا۔^۱

غزوہ حنین میں معرکہ کا وقت آیا تو آپ نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ اصحابہ سمرہ کو بلائیں، انہوں نے آواز دی تو وہ لوگ لبیک کہہ کر اس جوش کے ساتھ ٹوٹ پڑے، جس طرح بچے والی گائیں اپنی بچوں پر ٹوٹتی ہیں۔^۲

جان نثاری رسول کے عنوان میں اس قسم کی متعدد مثالیں گزر چکی ہیں اور ان تمام مثالوں کو پیش نظر رکھ کر ہر شخص خود فیصلہ کر سکتا ہے کہ جو قوم اپنے پیغمبر کی اس قدر جان نثار ہو اس کی محبت میں، اس قدر سرشار ہو، اس کی اس قدر اطاعت گزار ہو، اس کی حکومت کا پھر یہ افق عالم پر لہر اسکتا تھا، یا اس قوم کا؟ جس نے اپنے پیغمبر سے صاف صاف کہہ دیا تھا،

اذهب انت وربك فقاتلا انا ههنا قاعدون۔

تم اپنے خدا کے ساتھ جاؤ اور لڑو، ہم تو اسی جگہ بیٹھتے ہیں۔

(۳) صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی فتوحات کا ایک بڑا سبب تحمل مشاق تھا، تحمل مشاق فوج کے نظام اخلاق کا نہایت ضروری عنصر ہے، اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے فوجی خدمات کے ادا کرنے میں جس قدر جسمانی تکلیفیں اٹھائی ہیں، اس کی نظر سے دنیا کی مذہبی اور سیاسی تاریخ خالی ہے بنو اسرائیل کو وادی تہ میں کوئی فوجی خدمت انجام نہیں دینی پڑتی تھی، ان کو بھوک اور پیاس کی شدت کا مقابلہ کرنا نہیں پڑتا تھا ان کیلئے آسمان سے من و سلوی اترتا تھا، اور زمین سے

۱: بخاری کتاب الشروط باب الشرط فی الجہاد و مصالحتہ مع اہل الحرب۔

۲: بخاری کتاب المغازی باب قصۃ غزوہ بدر۔

۳: مسلم کتاب الجہاد باب فی غزوہ حنین۔

چشمے ابلتے تھے، تاہم وہ فوجی زندگی کے ابتدائی امتحان میں بھی پورے نہیں اترے اور گھبرا کر بول اٹھے۔

لن نصبر علی طعام واحد فادع لنا ربك یتخرج لنا معاتینت الارض من بقلما وقتا ئہا و فومہا وعد سہا وبصلہا۔

ہم ایک ہی کھانے پر قناعت نہیں کر سکتے ہمارے لئے خدا سے دعا کرو کہ زمین سے ترکاری، کھیرے، گیہوں، مسور اور پیاز آگائے۔

لیکن صحابہ کرام ؓ کو ایک غزوہ میں فی کس صرف ایک کھجور ملتی تھی، جس کو وہ بچوں کی طرح چوس کے پانی پی لیتے تھے، درخت سے پتے جھڑلاتے تھے اور اس کو پانی میں بھگو کر کھا لیتے تھے۔^۱

ایک غزوہ میں سامان رسد ختم ہو گیا تو صحابہ کرام ؓ کھجور کی گٹھلیاں چوس چوس کر پانی پی لیتے تھے۔^۲

غزوہ احزاب میں سامان رسد اس قدر کم تھا کہ تمام صحابہ ؓ مٹی بھر جو اور سٹری ہوئی چربی پر بسر کرتے تھے۔^۳

ایک غزوہ میں تمام صحابہ ؓ کے درمیان فصر ایک سواری تھی۔ اسلئے پیدل چلتے چلتے تلوؤں میں سوراخ ہو گئے تھے۔ پاؤں کے ناخن گر گر پڑتے تھے۔ مجبوراً تمام صحابہ ؓ کو پاؤں میں چیتھرے پہننے پڑے، اسی مناسبت سے اس غزوہ کا نام ذات الرقاع پڑ گیا جسکے معنی چیتھرے کے ہیں۔^۴

(۴) صحابہ کرام ؓ کی فتوحات کا ایک سبب ان کا یہاں کہہ اقام تھا، چنانچہ صحابہ کرام ؓ نے مدین میں داخل ہونا چاہا تو بیچ میں دریا پڑتا تھا، لیکن اس سیلاب کو یہ دریا کیوں کر روک سکتا تھا؟ تمام صحابہ ؓ نے دریا میں گھوڑے ڈال دیئے اور اسکو عبور کر کے شہر میں داخل ہونا چاہا، ایرانیوں نے اس منظر کو دیکھا تو کہا کہ ”دیوان آمدند“ اور یہ کہہ کر شہر کو خالی کر دیا۔^۵

(۵) فوجی نظام اخلاق کا اصلی عنصر صبر و استقلال ہے، یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جہاد کے ہر موقع پر صبر و استقلال کی تعلیم دی ہے۔

یا ایہا النبی حرض المومنین علی القتال ان یکن منکم عشرون صابرون یغلبوا مائتین و ان یکن منکم مائة یغلبوا الفا من الذین کفروا بانہم قوم لا یفقیہون۔

۱: ابوداؤد کتاب الاطعمہ باب فی دیوان البحر۔

۲: مسلم کتاب الایمان باب من نفی اللہ بالایمان وہو غیر شک فیہ دخل الجنة و حرم علی النار۔

۳: بخاری غزوہ خندق۔ ۴: مسلم کتاب الجہاد باب غزوہ ذات الرقاع۔

۵: طبری صفحہ ۲۳۴۔

اے پیغمبر! مسلمانوں کو جہاد کیلئے ابھادو اگر تم میں میں شخص بھی صاحب استقلال ہوں تو ہوں دو سو پر غالب آجائیں گے اور اگر تم میں سو ہوں تو ہزار کافروں پر غالب ہوں گے، کیونکہ وہ کچھ نہیں سمجھتے۔

فیض تربیت نبوی ﷺ نے اس عنصر کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے نظام اخلاق کا ایک لازمی جزو بتلایا تھا اللہ تعالیٰ خود فرماتا ہے، والصابرین فی الباساء والضراء وحین الباس اولئک الذین صدقوا واولئک ہم المتقون اسلئے سخت سے سخت فوجی مشکلات میں وہ ثابت قدم رہے اور آخر غالب آئے، رسول اللہ ﷺ نے طائف پر چڑھائی کی تو وہاں کے لوگ قلعہ بند ہو گئے، اور آپ واپس پلٹ آئے، حضرت صخر رضی اللہ عنہ مکہ لے کر پہنچے تو معلوم ہوا کہ آپ واپس تشریف لے گئے، لیکن انہوں نے قسم کھالی کہ جب تک قلعہ مسخر نہ ہو جائے گا وہ واپس نہ آئیں گے، چنانچہ انہوں نے محاصرہ کیا اور قلعہ مسخر ہو گیا۔

ایک بار رومیوں نے مسلمانوں کے مقابل میں ایک لشکر گراں جمع کیا، حضرت ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اس خطرے کی اطلاع دی تو انہوں نے لکھا کہ ”مسلمان بندے پر مصیبت نازل ہوتی ہے تو اس کے بعد خدا اس کو اطمینان و سکون عطا فرماتا ہے ایک مشکل دو آسانیوں پر غالب نہیں آسکتی، خداوند تعالیٰ قرآن پاک میں خود کہتا ہے،

یا ایہا الذین آمنوا اصبروا وصابروا ورابطوا واتقوا اللہ لعلکم تفلحون۔

مسلمان صبر کرو، باہم صبر کی تلقین کرو، مستقل اختیار کرو اور خدا سے ڈرو شاید تم کامیاب ہو جاؤ۔ (۶) اگر فوج میں ایک بد دیانت سپاہی بھی شامل ہے، تو وہ پوری فوج کی مادی اور اخلاقی طاقت کو بے اثر کر سکتا ہے، اسکو جس و طمع ہر قسم کی منافقت پر آمادہ کر سکتی ہے، وہ ہر قسم کی نمک حرامی کر سکتا ہے، وہ درپردہ دشمن کا جاسوس بن سکتا ہے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ چند پیسوں پر اپنے فوجی مقصد کو قربان کر سکتا ہے، چنانچہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کا قول ہے،

ما ظہر الغلول فی قوم قط الا القی فی قلوبہم الرعب۔

کوئی قوم ایسی نہیں ہے جس میں خیانت پیدا ہو اور مرعوب نہ ہو جائے۔

لیکن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے قیصر و کسریٰ کے دربار کے سامان دیکھے، دنیا نے ان کے آگے اپنا خزانہ اگل دیا، ان کے سامنے زرو جواہر کے انبار لگ گئے، تاہم ان میں کوئی چیز ان کی دیانت کو صدمہ نہ پہنچا سکی، ایران کی فتح کے بعد جب دربار خلافت میں کسریٰ کی مرصع تلواریں کمر بند آیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو دیکھ کر فرمایا کہ ”جس قوم نے ان چیزوں کو ہاتھ نہیں لگایا وہ ایک متدین قوم ہے۔“

یہی دیانت تھی جس نے صحابہ ؓ کے سامنے فتوحات کے دروازے کھول دیئے تھے چنانچہ جب اصطخر فتح ہوا، اور صحابہ کرام ؓ نے بلا کم و کاست مال غنیمت کو امیر العسکر کے سامنے لا کر رکھ دیا تو اس نے کھڑے ہو کر ایک خطبہ دیا، جس میں کہا ”اسلام اور اہل اسلام کی تمام ترقیاں اسی وقت تک ہیں جب تک لوگ خیانت نہ کریں لیکن جب بددیانتی شروع ہوگی۔ تو نایدنی چیزیں دیکھنے میں آئیں گی، اور بہت، اس قدر کافی نہ ہوگا جتنا تھوڑا ہوتا ہے۔“

(۷) صحابہ کرام ؓ کے فتوحات کا ایک سبب ان کا مساویانہ طرز عمل تھا۔ رومیوں اور ایرانیوں نے انسانوں کے جو مختلف طبقے قائم کر دیئے تھے۔ اس کا ناگوار احساس خود رعایا کو ہو چکا تھا۔ اس لئے ان میں مداخلت کا وہ شریفانہ جذبہ نہیں پیدا ہو سکتا تھا۔ جو خود ارکان سلطنت کے دلوں میں موجود تھا۔ چنانچہ جب حضرت مغیرہ ؓ قید کر کے رستم کے دربار میں پیش کئے گئے تو وہ بے تکلف رستم کے برابر تخت پر جا کر بیٹھ گئے ایرانیوں کو یہ کیونکہ گوارا ہو سکتا تھا؟ خدام بارگاہ جھپٹے اور ان کو فوراً تخت سے اتار دیا اس موقع پر انہوں نے کہا کہ ”ہم پہلے صرف تمہارے قصے سنتے تھے لیکن آج مجھے تم سے زیادہ احمق کوئی قوم نظر نہیں آتی۔ ہم عرب لوگ باہم مساویانہ برتاؤ کرتے ہیں۔ کوئی کسی کو غلام نہیں بناتا۔ میرا خیال تھا کہ تم لوگ ہماری طرح ایک دوسرے کے ساتھ سلوک کرتے رہو گے اس لئے یہ بہت اچھا ہوا کہ تم نے خود مجھے بتا دیا کہ تم میں بعض لوگ بعض لوگوں کے خدا ہیں۔ اب تمہاری سلطنت قائم نہیں رہ سکتی۔ میں نے اس راز کی انکشاف کیلئے خود کوئی کوشش نہیں کی۔ تم نے بلایا تو مجھے معلوم ہوا کہ اب تم لوگ مغلوب ہو گے کیونکہ اس طرز عمل سے کوئی ملک قائم نہیں رہ سکتا“ اس آژوانہ تقریر کو سن کر طبقہ اسفل کے اصلی جذبات ابھر آئے اور سب کے سب ہم زبان ہو کر بول اٹھے کہ خدا کی قسم یہ عرب سچ کہتا ہے۔ دہقانوں نے کہا کہ ”اس نے ہمارے غلاموں کے دل کی بات کہہ دی۔“

اسکے برخلاف اسلامی فوج میں اصول مساوات سے ذرہ برابر تجاوز نہیں کیا جاسکتا تھا۔ جنگ ایران میں حضرت ابو عبیدہ ؓ سپہ سالار تھے ان کے سامنے چند ایرانی رئیسوں نے نہایت لذیذ کھانے پیش کئے تو انہوں نے پوچھا کیا تم نے اسی طرح کھانوں سے تمام فوج کی ضیافت کی ہے؟ بولے ”نہیں۔“ فرمایا ”ابو عبیدہ بدترین شخص ہوگا اگر ایک قوم کو ساتھ لے کر آئے جو اس کے آگے اپنا خون بہائے اور پھر وہ اپنے آپ کو ان پر ترجیح دے۔ وہ وہی کھائے گا جس کو سب لوگ کھاتے ہیں۔“

اس مساوات نے خود مخالفین کو یقین دلایا تھا کہ اس قوم کے سامنے اب ان کے عرش کے پائے متزلزل ہو جائیں گے۔ چنانچہ جب رومیوں سے جنگ ہوئی تو قیہقلاء نے ایک عربی

جاسوس کو بھیجا کہ مسلمانوں کی اخلاقی حالت کا پتہ لگائے۔ اس نے پلٹ کر خبر دی کہ یہ لوگ راتوں کو توراہب رہتے ہیں اور دن کو شہسوار بن جاتے ہیں۔ اگر ان کے بادشاہ کا لڑکا بھی کوئی چیز چرائے تو اس کے ہاتھ کاٹ لیتے ہیں اور اگر زنا کرے تو اس کو سنگسار کرتے ہیں۔ یہ سن کر قینقلار خود بول اٹھا کہ ”اگر یہ سچ ہے، تو میرے لئے یہی بہتر ہے کہ میں پیوند خاک ہو جاؤں۔“^۱

(۸) صحابہ کرام ؓ کی فتوحات کو ذمیوں کی ہمدردی اور اعانت نے بھی بہت کچھ ترقی دی۔ کیونکہ صحابہ کرام ؓ نے ذمیوں کے ساتھ جو سلوک کیا اس نے ان کو اس قدر گرویدہ کر لیا کہ جب یرموک میں رومیوں سے معرکہ آرائی ہوئی اور صحابہ کرام ؓ نے اس خیال سے کہ اب وہ ذمیوں کی جان و مال حفاظت نہیں کر سکتے۔ جزیہ و خراج کی کل رقم ان کو واپس کر دی۔ تو اہل حمص نے کہا کہ ”تمہاری عادلانہ حکومت ہم کو اپنی قدیم ظالمانہ حکومت سے زیادہ پسند ہے۔ ہم تمہارے عامل کے ساتھ ہر قتل کی فوج سے معرکہ آرا ہوں گے۔ یہودیوں نے تورات کی قسم کھا کر کہا کہ ”جب تک ہم مغلوب نہ ہو جائیں ہر قتل کا عامل حمص میں داخل نہیں ہو سکتا۔“^۲

اس گرویدگی کا نتیجہ یہ تھا کہ یہی لوگ تمام فوجی کام جن پر فوج کی کامیابی کا دارومدار ہے۔ انجام دیتے تھے۔ جاسوسی کرتے تھے۔ مینا بازار لگاتے تھے اور دشمنی کی خبریں لاتے تھے۔ منجم البلد ان میں ہے۔

وكان الدهاقين ناصحرا المسلمين ودلوهم على عورات فارس و اهدو
اهم و اقاموا السهم الا سواق۔^۳

دہقانوں نے مسلمانوں کی خیر خواہی کی۔ ان کو ایرانیوں کی کمزوریاں بتائیں۔ ان کو راستہ دکھایا اور ان کیلئے بازار لگائے۔

صحابہ کرام ؓ کے حریفوں کو اس طرز عمل نے خود یقین دلادیا تھا کہ یہ جو قوم معاہدہ کی اس قدر پابند ہو اس کی اخلاقی طاقت کو مقابلہ نہیں کیا جاسکتا۔ چنانچہ جب مسلمانوں کی فوج سے ایک رومی قیدی بھاگ نکلا۔ اور ہر قتل نے اس سے مسلمانوں کے حالات پوچھے تو اس نے کہا کہ ”وہ لوگ دن کو شہسوار اور رات کو راہب ہوتے ہیں۔ جس قوم سے معاہدہ کرتے ہیں۔ اس سے ہر چیز بہ قیمت لیکر کھاتے ہیں اور جس شہر میں داخل ہوتے ہیں امن و امان کے ساتھ داخل ہوتے ہیں۔“ ہر قتل نے یہ سن کر کہا کہ اگر ”یہ سچ ہے تو وہ میرے ان دونوں قدموں کے نیچے کی زمین تک کے مالک ہو جائیں گے۔“^۴

۲: فتوح البلدان صفحہ ۱۳۴۔

۳: طبری صفحہ ۲۳۹۵۔

۱: ایضاً ۲۱۶۔

۳: منجم البلد ان ذکر کوفہ۔

(۹) صحابہ کرام ؓ کی فتوحات کا ایک سبب ان کا اتحاد و اختلاف تھا۔ اللہ تعالیٰ خود قرآن مجید میں فرماتا ہے۔

هو الذي ايدك بنصره وبالمومنين والى بين قلوبهم ولو انفقت مافى الارض جميعا ما الف بين قلوبهم ولكن الله الف بينهم انه عزيز حكيم۔
خدا وہ ہے جس نے اپنی مدد اور مسلمانوں کے ذریعہ سے تمہاری تائید کی۔ اور ان میں اتحاد و اتفاق پیدا کیا۔ اگر تم زمین کا کل خزانہ صرف کر دیتے تب بھی ان کے دلوں کو نہ ملاتے۔ لیکن اللہ نے ان میں اتحاد پیدا کیا اور اللہ غالب اور دانا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی نصرت و تائید اور اس اتحاد نے رسول اللہ ﷺ کو دنیا کی ہر مادی طاقت سے بے نیاز کر دیا تھا۔ چنانچہ خود اللہ تعالیٰ قرآن پاک میں فرماتا ہے،

يا ايها النبي حسبك الله من اتبعك من المومنين
اے پیغمبر تیرے لئے خدا اور مسلمان کافی ہیں۔

رسول اللہ ﷺ کے بعد بھی صحابہ کرام ؓ نے اس اتحاد کو قائم رکھا اور جب اس میں کسی قسم کا ضعف پیدا ہوا تو اس کی اصلاح کی۔ ایک بار حضرت عمر ؓ کو خبر ہوئی کہ قریش نے مختلف مجلسیں قائم کر لی ہیں۔ اور باہم مل جل کر نہیں بیٹھتے تو ان کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا کہ ”مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم لوگوں نے مختلف مجلسیں قائم کر لی ہیں اور اب یہ امتیاز قائم ہو گیا ہے کہ لوگ کہتے ہیں یہ فلاں کا دوست ہے اور وہ فلاں کا ہم نشین ہے۔ خدا کی قسم یہ تمہارے مذہب کو، تمہارے شرف کو اور تمہارے تعلقات کو بہت جلد برباد کر دیگا، اور گویا میں ان لوگوں کو دیکھ رہا ہوں جو اس کے بعد کہیں گے کہ یہ فلاں کی رائے ہے، اور اسلام کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالیں گے۔ ایک ساتھ نشست و برخاست کرو، کیونکہ وہ ہمیشہ تمہاری محبت کو قائم رکھے گا اور دشمن تمہارے اجتماع کو دیکھ کر مرعوب ہوں گے۔“

(۱۰) ان اسباب کے علاوہ اور دوسرے اخلاقی اوصاف۔ مثلاً مذہبی پابندی، وفا، صدق، اصلاح اور مواسات وغیرہ نے بھی صحابہ کرام ؓ کی فتوحات کو بہت کچھ ترقی دی۔ صحابہ کرام ؓ کی مادی طاقت کا غیر قوموں پر کوئی اثر نہیں پڑ سکتا تھا۔ چنانچہ عجمیوں نے جب ان کے تیر دیکھے تو نہایت حقارت آمیز لہجے میں کہا کہ ”یہ تکلے ہیں“ لیکن ان کی روحانیت عجمیوں کے بڑے بڑے جنزلوں کو مرعوب کر دیتی تھی۔ ایک بار بمقام قادسیہ صبح کی اذان ہوئی تو تمام صحابہ ؓ اس تیزی سے نماز ادا کرنے کیلئے دوڑے کہ ایرانیوں کو دھوکا ہوا کہ حملہ کرنا چاہتے ہیں لیکن جب رستم نے دیکھا کہ وہ ایک روحانی آواز پر اس قدر جلد جمع ہو جاتے ہیں تو خود بخود بول اٹھا کہ ”عمر میرا کلیجہ کھا گیا۔“

اسی جنگ میں جب ایک ایرانی گرفتار ہوا اور اس نے مسلمانوں کے اخلاقی منظر کو دیکھا تو مسلمان ہو گیا اور کہا کہ ”جب تک تم میں یہ وفا، یہ صداقت، یہ اصلاح، یہ مساوات ہے تم لوگ شکست نہیں کھا سکتے۔“

(۱۱) بعض اوقات صحابہ کرام ؓ کی ظاہر شان و شوکت، کچھ کم موثر اور ان کا ظاہری جوش و خروش بھی کچھ کم مرعوب کن نہ تھا۔ حضرت حارث بن یزید ؓ بکری کا بیان ہے کہ میں مدینہ آیا تو دیکھا کہ مسجد کچھ بھری ہوئی ہے۔ سیاہ جھنڈیاں لہرا رہی ہیں۔ حضرت بلال ؓ رسول اللہ ﷺ کے سامنے تلوار لگائے ہوئے کھڑے ہیں۔ میں نے پوچھا یہ کیا ہے؟ لوگوں نے کہا آپ عمرو بن العاص ؓ کو ایک مہم پر روانہ فرما رہے ہیں۔ فتح مکہ کے زمانہ میں کفار کو اس جوش اور اس ظاہری شان و شوکت کا نہایت موثر اور مرعوب کن منظر نظر آیا۔ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ دس ہزار جان نثار شریک تھے اور آپ نے ہر قبیلے کے الگ الگ دستے بنائے تھے۔ جب یہ پر جوش فوج روانہ ہوئی تو اس کی روانگی سے پہلے حضرت ابوسفیان ؓ اسلام لاکچے تھے رسول اللہ ﷺ نے ان کو صحابہ کرام ؓ کے جوش سے مرعوب کرنا چاہا اور حضرت عباس ؓ کو حکم دیا کہ ان کو یہ پراثر منظر دکھائیں۔ ابوسفیان کو انہوں نے ایک مقام پر روک لیا۔ جب رسول اللہ ﷺ کے ساتھ یہ دستے ترتیب و نظام کے ساتھ روانہ ہوئے تو ہر دستہ ابوسفیان کے سامنے سے گذرا انہوں نے پہلے دستے کے متعلق حضرت عباس ؓ سے سوال کیا کہ یہ کس قبیلے کے لوگ ہیں؟ بولے ”غفار“ بولے ”مجھے ان سے غرض نہیں“ اسی طرح حمینہ، سعد بن ہذیم اور قبیلہ نسیم کے رستے گذرے اور انہوں نے نام پوچھ کر کہا کہ مجھے ان سے کوئی واسطہ نہیں، سب کے آخر میں ایک عظیم الشان دستہ گذرا جس کے علم بردار حضرت سعد بن عبادہ ؓ تھے ابوسفیان نے ان کا نام پوچھا تو حضرت عباس ؓ نے کہا کہ ”یہ انصار ہیں“ آخر میں ایک چھوٹا سا دستہ گذرا جس کے علم بردار حضرت زبیر بن عوام ؓ تھے اور خود شمع نبوت ﷺ ان ہی پروانوں کے جھرمٹ میں تھی، آپ ﷺ مقام حجون میں پہنچے تو آپ ﷺ کا علم نصب کیا گیا، اور صحابہ کرام ؓ اس جوش سے حملہ آور ہوئے کہ ابوسفیان بول اٹھے کہ ”آج قریش کا بلغ اجڑ گیا۔“

صحابہ کرام ؓ جب کوئی فوجی خدمت انجام دیتے تو یہ جوش اور بھی تازہ ہو جاتا، غزوہ خندق کے زمانہ میں موسم نہایت سرد اور سرد کا سامان اس قدر کم تھا کہ

یوتون بملاء کفی من الشعیر فیصنع لهم باھالة منعة توضع بین یدی
القوم والقوم جیاع وہی بشعة فی الحلق و لھا ریح متن۔

صحابہ ؓ کے پاس مٹی بھر جو آٹا اور سڑی ہوئی، بدبودار بد مزہ چربی کے ساتھ ملا کر پکایا جاتا اور اس گرسنہ قوم کے سامنے یہ بد مزہ اور بدبودار کھانا رکھ دیا جاتا۔ زمین اس قدر سخت تھی کہ بعض پتھروں کے توڑنے میں صحابہ کرام ؓ کی مجموعی طاقت نے جواب دے دیا اور خود رسول اللہ ﷺ کو اپنی معجزانہ طاقت سے کام لینا پڑا لیکن بایں ہمہ صحابہ ؓ کے جوش کا یہ حال تھا کہ نہایت بلند آہنگی کے ساتھ یہ رجز پڑھتے جاتے تھے،

نحن الذين بايعوا محمدا
على الجهاد مابقينا ابدا
ہم نے محمد ﷺ کے ہاتھ پر جہاد کیلئے بیعت کی ہے
اس وقت تک کیلئے جب تک زندہ ہیں
یہ حضرت عبداللہ بن رواحہ ؓ یہ رجز پڑھ کر اس جوش کو تازہ کرتے رہتے ہیں۔

والله لولا الله ما هتدينا
ولا نصلفنا ولا صلينا
خدا کی قسم اگر خدا ہدایت نہ دیتا تو ہم ہدایت نہ پاتے
نہ صدقہ دیتے نہ نماز پڑھتے
فانزلن سكينه علينا

وثبت الاقدام ان لا قينا
پس اے خدا ہم پر اپنا سکینہ نازل فرما
اور اگر دشمن نے مقابلہ ہو تو ہم کو ثابت قدم رکھ
ان الا ولي قد بغوا علينا
اذا ارادوا فتنه ايننا

ان لوگوں نے (کفار نے) ہمارے خلاف بغاوت کی ہے
جب وہ لوگ جنگ کے خواہاں ہوتے ہیں تو ہم ان سے ابا کرتے ہیں
جب اخیر مصرع پر پہنچے تو آواز نہایت بلند ہو جاتی بلور مکرر فرماتے ”ایمانہ، ایمانہ“

(۱۲) صحابہ کرام ؓ کو ان کی مستعدی اور سرگرمی نے بھی غزوات میں بہت کچھ کامیاب کیا اور ان کو مختلف جنگی خطرات سے محفوظ رکھا۔

ایک بار آپ ﷺ سفر میں تھے۔ کفار نے ایک جاسوس کو بھیجا وہ آکر صحابہ کرام ؓ

کے پاس بیٹھا اور چپکے سے نکل گیا۔ آپ ﷺ نے حکم دیا کہ اسکو پکڑ کر قتل کر ڈالو۔ حضرت اکوع رضی اللہ عنہ نہایت مستعد، تیز رو اور سرگرم صحابی تھے۔ سب کے آگے نکل گئے اور اسکو قتل کر ڈالا۔ ایک دوسرے سفر جہاد میں مسلمانوں کی فوجی حالت نہایت ابتر تھی۔ اکثر لوگ پا پیادہ تھے۔ فوج میں بہت سے کمزور لوگ شامل تھے۔ اتفاق سے کفار کا ایک جاسوس آیا اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تمام فوجی کمزوریوں کو دیکھ بھال کر چلتا ہوا۔ قبیلہ اسلم کے ایک مستعد صحابی نے اسکا تعاقب کیا اور اسکو جا لیا۔ حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ بھی پیچھے پیچھے تھے۔ اب انہوں نے آگے بڑھ کر اسکے اونٹ کی مہار پکڑ لی۔ اسکو زمین پر بٹھا دیا اور تلوار کھینچ کر اسکی گردن اڑا دی۔^۱

ایک بار عبدالرحمن بن عینیہ نے سواروں کے ایک دستہ کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کے اونٹوں پر چھاپہ مارا۔ حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ کو خبر ہوئی تو نہایت تیزی کے ساتھ پہلے مدینہ کا رخ کیا اور عرب کے طریقہ پر تین بار یا "صباحہ" کا نعرہ مارا پھر پلٹ کر انکا تعاقب کیا، وہ اگرچہ تنہا تھے اور دشمن تیر پر تیر برساتے تھے اور تلوار پر تلوار چلاتے تھے لیکن نتیجہ یہ ہوا کہ نہ صرف اونٹنیوں کو واپس لیا بلکہ ڈاکو بھاگے اور اس سرعت اور بدحواسی کے ساتھ بھاگے کہ ۳۰ سے زیادہ نیزے اور ۳۰ سے زیادہ چادریں بھی چھوڑتے گئے۔^۲

۱: ابوداؤد کتاب الجہاد باب فی الجاسوس المحتاسن۔

۲: ابوداؤد کتاب الجہاد باب فی السریۃ ترو علی اہل العسکر۔

تعمیر مساجد

مسجد قباء اور مسجد نبوی کی عالمگیر شہرت نے اگرچہ مدینہ منورہ اور اس کے آس پاس کی اور تمام مسجدوں کو گم نام کر دیا ہے۔ تاہم تاریخ رال اور احادیث کی کتابوں سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ ؓ نے مدینہ کے متصل ہر جگہ بہ کثرت مسجدیں تعمیر کی تھیں اور ان میں باجماعت نماز ہوتی تھی فتح الباری میں حضرت جابر ؓ سے مروی ہے۔

لقد لبثنا بالمدينة قبل ان يتقدم علينا رسول الله ﷺ بسنين نعمار المساجد جلدو نقيم الصلوة۔

ہم رسول اللہ ﷺ کی تشریف آوری سے کئی سال پیشتر مدینہ میں مسجدیں تعمیر کرتے تھے اور ان میں نماز پڑھا کرتے تھے۔

دار قطنی میں ہے کہ مسجد نبوی ﷺ کے متصل قبیلہ بنو عمر، بنو ساعدہ، بنو عبیدہ، بنو سلمہ، بنو راج، بنو زریق، اسلم، جہینہ اور بنو سنان کی نو مسجدیں آباد تھیں۔ جن میں حضرت بلال ؓ کی لڑان کی صدا پہنچنے کے ساتھ جماعت شروع ہوتی تھی۔ اس روایت کا ایک راوی یعنی ابو لہیعہ اگرچہ ضعیف ہے لیکن اور روایات سے اس کی تصدیق ہوتی ہے۔ امام بخاری نے ایک مستقل باب باندھا ہے کہ مساجد کو اشخاص کی طرف منسوب کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟ اور اس باب میں جو حدیث لائے ہیں اس میں بہ تصریح مسجد بنو زریق کا نام لیا ہے۔ طبقات ابن سعد میں ہے۔

ولجهة مسجد بالمدينة۔

مدینہ میں جہینہ کی ایک مسجد ہے۔

”صابہ میں ہے کہ خود رسول اللہ ﷺ نے اس مسجد کی داغ بیل ڈالی تھی۔“

صرف انہی قبائل کی خصوصیت نہیں بلکہ کوئی قبیلہ، کوئی محلہ اور کوئی گاؤں مساجد سے خالی نہ تھا۔ مسند ابن جنبل میں ایک مدنی سے روایت ہے کہ میں نے بنو غفار میں نماز پڑھی اور صحیح مسلم میں ہے کہ اس قبیلہ کے امام خفاف بن ایماء ابن رنصہ غفاری تھے۔ ایک راوی کا بیان ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو قبیلہ بنو عبد الاشہل کی مسجد میں دیکھا۔ اسی کتاب میں

۱: فتح الباری جلد ۷ صفحہ ۱۹۱۔ ۲: دار قطنی کتاب الصلوة باب تکرار المساجد۔

۳: طبقات ابن سعد جلد ۴ صفحہ ۶۷۔ ۴: اصابہ تذکرہ حضرت ابو مریم جہنی۔

۵: مسند ابن جنبل جلد ۴ صفحہ ۱۵۷۔

۶: اسد الغابہ تذکرہ حضرت ثابت ابن الصامت انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے حال میں لکھا ہے کہ وہ اپنے قبیلہ بنو خظمہ کی مسجد کے امام تھے۔ ابوسفیان عبدی کے حال میں صاحب اصحابہ نے لکھا ہے کہ وہ بنو صباح کی مسجد کے مؤذن تھے۔ انصار کی جو آبادیاں تھیں۔ سب میں الگ الگ مسجدیں قائم تھیں۔ صحیح مسلم میں ہے کہ حوالہ مدینہ میں انصار کے جو قصبے آباد تھے۔ عاشورہ کے دن رسول اللہ ﷺ ان میں عام منہوی کر لیتے تھے کہ جو لوگ روزہ دار ہیں اپنے روزے پورے کر لیں اور جو افطار کر چکے ہیں وہ بقیہ دن کا روزہ رکھیں۔ چنانچہ صحابہ رضی اللہ عنہ اپنے بچوں کو لے کر مسجدوں میں نکل جاتے تھے۔^۱ موطائے امام مالک میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ ایک گاؤں میں آئے۔ جس میں قبیلہ بنو معاویہ آباد تھا اور پوچھا کہ تمہیں معلوم ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے تمہاری مسجد میں کہاں نماز پڑھی تھی۔

قبائل اور آبادیوں کے علاوہ مدینہ کے راستوں میں بکثرت مسجدیں آباد تھیں اور ان میں رسول اللہ ﷺ نے نماز پڑھی تھی، چنانچہ امام بخاری نے ایک خاص باب باندھا ہے جس کی سرخی یہ ہے (باب المساجد التي على طرق المدينة والمواضع التي صلى فيها النبي ﷺ) اور اس کے تحت میں اس قسم کی متعدد مسجدوں کا نام لیا ہے۔

ان تمام مساجد میں بہت سی مسجدیں حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کے زمانے تک قائم تھیں۔ چنانچہ جن مساجد میں رسول اللہ ﷺ نے نماز ادا فرمائی تھی انہوں نے ان کو دوبارہ منقش پتھروں سے تعمیر کروا دیا۔ کوفاء الوفاء میں ان مسجدوں کا مفصل حال لکھا ہے۔ ہم اس موقع پر ان کی ایک مختصر فہرست درج کرتے ہیں

مسجد جمعہ

چونکہ رسول اللہ ﷺ نے اس میں پہلا جمعہ ادا فرمایا تھا اس لئے وہ مسجد جمعہ کے نام سے موسوم ہو گئی۔

مسجد فضیح

یہ مسجد قبا کے مشرقی جانب ولوی کے کنارے ایک بلند مقام پر واقع تھی اس کا ایک نام مسجد الشمس بھی ہے۔ جس کی وجہ تسمیہ بظاہر یہ ہے کہ بلند مقام پر ہونے سے سورج کی شعاعیں سب سے پہلے اسی مسجد پر پڑتی تھیں۔

۱۔ صحیح مسلم کتاب الصیام باب من اكل في عاشوراء فليكن بقية يومه۔

۲۔ موطا کتاب الصلوٰۃ باب ما جاء في الدعام۔

۳۔ فتح الباری جلد اول صفحہ ۷۱۔

مسجد بنو قریظہ

بنو قریظہ کے مکانات کے کھنڈر اسی کے متصل تھے۔ حافظ ابن حجر نے لکھا ہے کہ محاصرہ کے زمانے میں رسول اللہ ﷺ نے حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کی تیمارداری کیلئے جو مسجد متعین کر دی تھی وہ بظاہر یہی مسجد تھی۔

مشر بہ ام ابراہیم

یہ ایک باغ کے اندر ایک بالا خانہ تھا۔ اور حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا اسی میں رہتی تھیں۔ آپ نے چونکہ اس میں نماز ادا فرمائی تھی اس لئے اخیر میں اس نے مسجد کی صورت اختیار کر لی تاہم کوئی دیوار قائم نہیں کی گئی بلکہ لوہر لوہر سے پتھر کھڑے کر دیئے گئے۔

مسجد بنو ظفر

یہ مسجد نفیج کے مشرقی جانب واقع تھی۔

مسجد بون معاویہ

اس مسجد کا نام مسجد اجابہ بھی ہے جس کی وجہ جیسا کہ صحیح مسلم کتاب الفتن میں ہے کہ اس میں رسول اللہ ﷺ کی ایک دعا مقبول ہوئی تھی۔

مسجد فتح

چونکہ غزوہ احزاب میں رسول اللہ ﷺ نے اس میں فتح کی دعائیں مانگی تھیں اسلئے اس کا ایک نام مسجد احزاب بھی ہے جس کی وجہ تسمیہ ظاہر ہے۔ اسکے آس پاس اور تین مسجدیں تھیں جو اسی نام سے موسوم تھیں۔

مسجد قبلتین

یہ مسجد دہلوی عتیق کے کنارے واقع تھی بعض لوگوں نے نزدیک چونکہ تحویل قبلہ اسی مسجد میں ہوئی تھی اس لئے اس کا یہ نام پڑ گیا۔

مسجد السقیا

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کا ایک قطعہ زمین تھا۔ جس میں ایک کنواں تھا جس کو سقیا کہتے تھے۔ یہ مسجد اسی کنوئیں کے متصل آباد تھی۔

مسجد ذباب

ذباب ایک پہاڑ کا نام ہے جس پر یہ مسجد واقع تھی۔

مسجد احد

یہ مسجد کوہ احد کے متصل واقع تھی۔

ان مساجد کے علاوہ وفاء الوفاء میں مسجدوں کے نام بھی مذکور ہیں جن کو ہم اختصار کے خیال سے نظر انداز کرتے ہیں۔

مدینہ اور حوالی مدینہ کے علاوہ عرب کے جن ممالک میں اسلام پھیلا وہاں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے مسجدیں تعمیر کیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے متعدد صحابہ رضی اللہ عنہم کو بت شکنی کیلئے طائف بھیجا تو حکم دیا کہ جہاں جہاں یہ بت نصب تھا وہیں مسجد تعمیر کی جائے تاکہ خدا وہاں پوجا جائے جہاں پوجا نہیں جاتا تھا۔^۱

آفتاب اسلام کی شعاعیں سواحل یمن پر پڑیں اور یہاں کا ایک قبیلہ عبدالقیس اسلام لایا تو اس قبیلہ نے جو مسجد تعمیر کی اس کو یہ شرف حاصل ہوا کہ مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جمعہ کی سب سے پہلی نماز اسی مسجد میں ادا کی گئی۔^۲

صنعاء میں بھی کوہ ضبیل کے پاس ایک مسجد تھی۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہاں حضرت دبر بن نجس کلبی رضی اللہ عنہ کو اشاعت اسلام کیلئے بھیجا تو فرمایا کہ اس مسجد میں جانا۔^۳ حضرت طلح بن علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب ہماری قوم کا وفد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور رض کیا کہ ہمارے ملک میں ایک گرجا ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں کی درخواست پر اپنے وضو کا پانی عنایت فرمایا اور ہدایت فرمائی کہ گرجے کو توڑ ڈالوں اور اس پانی کو چھڑک کر وہاں مسجد بناؤ۔ چنانچہ ان لوگوں نے واپس جا کر حسب ارشاد مسجد تعمیر کر لی۔ ابو داؤد میں ایک روایت ہے۔

كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يامرتنا بالمساجدان صنعها في
ديارنا ناد نصلح صنعتهما ونطهرها۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم کو حکم دیتے تھے کہ اپنے دیار میں عمدہ مسجدیں بنائیں اور ان کو پاک و صاف رکھیں۔

ابو داؤد کتاب الصلوٰۃ باب اتخذا المساجد فی الدور میں اس حدیث کو درج کیا ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ وہ مسجدیں تھیں جو آپ کے حکم سے صحابہ رضی اللہ عنہم اپنے گھروں میں بنا لیتے تھے لیکن دیار کے لفظ سے بظاہر یہ مفہوم ہوتا ہے کہ یہ حکم باہر کے مسلمانوں کے متعلق ہو گا۔ بہر حال اسلام جہاں جہاں پھیلا وہاں مسجدیں تعمیر ہوئیں۔ یہی وجہ ہے کہ جب آپ کہیں فوج

۱: اسد الغابہ تذکرہ تمیم بن غیلان بن سلمہ القس۔

۲: بخاری کتاب الجمعہ باب الجمعہ فی القری والمدن۔

۳: اصحابہ تذکرہ حضرت دبر بن نجس کلبی رضی اللہ عنہ۔

کرتے کرتے تھے تو ساتھ ساتھ یہ ہدایت بھی کرتے تھے۔

اذا ریتم مسجد او سمعتم موزنا فلا تفتلوا احدا۔^۱
اگر کہیں مسجد دیکھو یا آواز سنو تو وہاں کسی کو قتل نہ کرو۔

خلفاء راشدین ؓ کے زمانے میں فتوحات کے ساتھ ساتھ جا بجا اسلام پور مسلمان دونوں پھیل گئے اور اس لئے خلفاء راشدین ؓ نے بکثرت مسجدیں تعمیر کروائیں۔ حضرت ابو بکر ؓ کا زمانہ تو نہایت مختصر اور پر آشوب تھا لیکن حضرت عمر ؓ کے عہد میں ہر شہر میں کم از کم ایک ورنہ بعض بعض شہروں میں متعدد مسجدیں تعمیر ہوئیں۔ چنانچہ انہوں نے شام کے تمام عمال کو لکھ کہ ہر شہر میں ایک ایک مسجد تعمیر کی جائے۔^۲ کوفہ آباد کیا گیا تو حضرت عمر ؓ کے حکم سے ہر قبیلہ کیلئے الگ الگ مسجدیں تعمیر ہوئیں چنانچہ جب کوفہ واہوں نے حضرت سعد ؓ کی شکایت کی کہ وہ ٹھیک طور پر نماز نہیں پڑھاتے تو حضرت عمر ؓ نے ایک ایک مسجد میں اس کی تحقیقات کروائی۔^۳ اسی طرح بصرہ کی آبادی کے ساتھ ہر قبیلہ کیلئے الگ الگ مسجدیں تعمیر ہوئیں۔^۴

عراق فتح ہوا تو ہر جگہ مسجدیں تعمیری کی گئیں سب سے پہلے حضرت سعد ؓ نے مدائن میں جامع مسجد تعمیر کروائی۔ پھر حضرت حذیفہ بن الیمان ؓ نے اس کی عمارت کو اور وسیع و مستحکم کیا۔ اس کے بعد بہ ترتیب کوفہ اور اہلدار کی مسجدیں تعمیر ہوئیں۔^۵

حضرت عتبہ بن فرقہ ؓ موصل کے گورنر مقرر ہوئے تو انہوں نے ایک مسجد تعمیر کروائی۔^۱ حضرت عمر ؓ نے ان کو معزول کر کے حضرت ہرثمہ بن عرقیہ الباری ؓ کو وہاں کا والی مقرر کیا تو انہوں نے وہاں مسلمانوں کی ایک مستقل آبادی قائم کی اور ان کیلئے ایک جامع مسجد تعمیر کروائی۔^۲

۱: ابو داؤد کتاب الجہاد باب فی دعاء المشرکین۔

۲: حسن المحاضر جلد ۲ ص ۳۳ ذکر جوامع مصر، حسن المحاضرہ کی اصل عبارت یہ ہے لما افتتح عمر البلدان كتب الى ابى موسى وهو على البصرة مامره ان يتخذ مسجد الجماعة ويتخذ للقبائل مساجد فاذا كان يوم الجمعة انضموا الى مسجد الجماعة وكتب الى سعد بن ابى وقاص وهو على كوفة بمثل ذلك وكتب الى عمرو بن العاص وهو على مصر بمثل ذلك وكتب الى امرأ اجناء الشام ان لا يبنوا الى القرامى وان يربوا الحادان وان يتخلوا الى كل مدينة مسجد واحدا ولا يتخذ القبائل مساجد وكان الناس متمسكين بامر عمرو وعهده۔

۳: بخاری کتاب الصلوٰۃ باب وجوب الترتیب والامام والمأموم فی الصلوٰۃ کلہا فی المحضر واسفر

۴: حسن المحاضر جلد ۲ ص ۳۳ ذکر جوامع مصر۔

۵: فتوح البلدان ص ۲۹۸۔ ۶: ا۔ غابہ تذکرہ حضرت عتبہ بن فرقہ۔

۷: فتوح البلدان صفحہ ۳۴۔

حضرت سعید بن عامر بن حذیم ؓ جزیرہ کے ولی مقرر ہوئے تورقہ اور رہا کی مسجدیں تعمیر کرائیں ان کے انتقال کے بعد حضرت عمیر بن سعد ؓ ان کے قائم مقام ہوئے تو دیار ربیعہ اور دیار مصر میں متعدد مسجدیں تعمیر کرائیں۔^۱

مصر فتح ہوا تو حضرت عمرو بن العاص ؓ نے وہاں نہایت عظیم الشان مسجد تعمیر کرائی اور تقریباً اسی صحابہ ؓ نے اس کا قبیلہ سیدہ حاکم اس مسجد میں بخور بھی سلکایا جاتا تھا۔^۲ شام میں لازقیہ فتح ہوا تو حضرت عبادہ بن صامت ؓ کے حکم سے ایک جامع مسجد تیار ہوئی اور بعد کو اس کو اور توسیع دی گئی۔^۳

حضرت عثمان بن العاصی ؓ نے بحری حملہ کر کے توج کو فتح کیا تو وہاں عرب کی ایک نو آبادی قائم کی اور وہاں متعدد مسجدیں بنوائیں۔^۴

حضرت عمر ؓ نے جدید مسجدوں کی تعمیر کے ساتھ مسجد نبوی اور مسجد حرام کی تجدید و توسیع بھی کی۔ ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے حجروں کے علاوہ مسجد نبوی کے آس پاس کے اور تمام مکانات نہایت گراں قیمت پر خرید لئے۔ حضرت عباس ؓ اول لول اپنا مکان دینا نہیں چاہتے تھے لیکن اخیر میں انہوں نے بھی اسکو وقف کر دیا۔ اب حضرت عمر ؓ نے مسجد کو از سر نو اینٹ سے تعمیر کیا۔ ستون پہلے کھجور کے تھے۔ انہوں نے لکڑی کے ستون لگوائے۔^۵ مسجد کا طول پہلے ۱۰۰ گز تھا، انہوں نے ۴۰ گز کر دیا، عرض میں بھی ۲۰ گز کا اضافہ ہوا۔

تجدید عمارت کے ساتھ حضرت عمر ؓ نے مسجد نبوی کے ایک گوشہ میں ایک چبوترہ بھی بنوایا کہ جو لوگ شور و شغب کرتا یا شعار وغیرہ پڑھنا چاہیں وہیں جا کر پڑھیں۔^۶

سن ۷ھ میں حرم کی عمارت کو بھی بہت کچھ وسعت دی جن لوگوں نے بالکل خانہ کعبہ کے متصل مکانات بنوائے تھے۔ حضرت عمر ؓ نے ان سے کہا کہ ”کعبہ خدا کا گھر ہے اور گھر کیلئے صحن چاہئے لیکن تم نے اے کعبہ ہی کو دبا لیا ہے اس نے تم کو نہیں دلیا ہے۔ چنانچہ اس غرض سے تمام مکانات منہدم کر وادیئے۔ پہلے خانہ کعبہ کی کوئی دیوار نہ تھی حضرت عمر ؓ نے اس کے گرد چار دیواری بنوائی اور اس پر چراغ جلوائے۔^۷

کعبہ پر اگرچہ غلاف ہمیشہ سے چڑھایا جاتا تھا۔ چنانچہ جاہلیت میں نطع اور مغافر کا غلاف چڑھاتے تھے اور رسول اللہ ﷺ نے یمنی کپڑوں کے غلاف چڑھوائے لیکن حضرت عمر ؓ

- | | |
|--|---|
| ۱: فتوح البلدان صفحہ ۱۰۶۔ | ۲: حسن المحاضرہ صفحہ ۵۸ جلد اول۔ |
| ۳: فتوح البلدان صفحہ ۱۳۹۔ | ۴: فتوح البلدان صفحہ ۳۹۳۔ |
| ۵: ابوداؤد کتاب الصلوٰۃ باب فی بناء المساجد۔ | ۶: مؤطا کتاب الصلوٰۃ العمل فی جامع الصلوٰۃ۔ |
| ۷: بخاری باب بنیان الکعبہ۔ | ۸: معجم البلدان ذکر مسجد الحرام۔ |

نے قباطی کا غلاف تیار کر دیا جو نہایت عمدہ مصری کپڑا ہوتا ہے۔^۱
حضرت عثمان ؓ کے عہد خلافت میں بہ کثرت نو آبادیاں قائم ہوئیں اور بہ کثرت مسجدیں تعمیر ہوئیں انہوں نے حضرت امیر معاویہ ؓ کو غزوہ بحرہ کی اجازت دی تو ساتھ ساتھ یہ حکم بھی دیا کہ متعینہ فوج کے علاوہ تمام سواحل پر جدید فوجی آدمی آباد کرائے جائیں ان کو جاگیریں اور جلاوطن شدہ لوگوں کے مکانات دیئے جائیں۔ مسجدیں تعمیر کرائی جائیں اور ان کے زمانے سے پیشتر جو مسجدیں تعمیر ہو چکی ہیں ان کو وسعت دی جائے۔^۲

حضرت عثمان ؓ نے مسجد نبوی اور حرم محترم کو بھی بہت کچھ وسعت دی۔ پہلے پہل جب انہوں نے توسیع مسجد نبوی کا ارادہ کیا تو لوگوں نے اگرچہ مخالفت کی اور قدیم ہیئت کو بدلنا پسند نہیں کیا لیکن بلا آخر سب لوگ راضی ہو گئے اور اب حضرت عثمان ؓ نے نہایت اہتمام کے ساتھ ربیع الاول سن ۲۹ھ میں تعمیر کا کام شروع کر دیا اور پورے دس مہینے میں کام ختم ہوا۔^۳ حضرت عمر ؓ کے زمانے تک دیوار کچی اینٹ کی تھی انہوں نے منقش پتھروں کی دیواریں قائم کیں اور اس پر چوڑے کی سفیدی کروائی حضرت عمر ؓ نے لکڑی کے ستون لگوائے تھے انہوں نے منقش پتھروں کے ستون قائم کروائے رسول اللہ ﷺ کے زمانے تک گویا چھپر کی چھت تھی انہوں نے ساکھوں کی چھت بنوائی۔^۴

حضرت عثمان ؓ نے حرم محترم کی عمارت کو اور بھی وسعت دی۔ ارد گرد کے تمام مکانات خرید کر گروائے اور ان کی زمین کو حرم میں شامل کر دیا انہوں نے مسجد حرام میں یہ جدت کی کہ رواق بنوائے جن کو ان کے ولایات میں شہر کیا جاتا ہے۔^۵

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے عہد میں اگرچہ بہت کم مسجدیں تعمیر ہوئیں تاہم یہ سلسلہ بالکل منقطع نہیں ہوا۔ فتوح البلدان میں ہے کہ انہوں نے حضرت اشعث بن قیس ؓ کو آذربائجان کا والی مقرر کیا وہ آئے تو دیکھا کہ وہاں کے لوگ مسلمان ہو کر قرآن مجید پڑھتے ہیں انہوں نے اردنیل ایک نیا شہر آباد کیا وہاں بہت سے عرب بسائے اور ایک مسجد تعمیر کروائی۔^۶ اسکے علاوہ ان کے عہد میں ہم کو اور کسی جدید مسجد کا نام نہیں ملتا۔

حضرت امیر معاویہ ؓ کے زمانے میں بہ کثرت نو آبادیاں قائم ہوئیں اور نو آبادیوں کے ساتھ مساجد کا تعمیر ہونا لازمی تھا۔ انہوں نے جزیرہ قبرس کو فتح کیا تو وہاں ایک شہر آباد کر لیا

- | | |
|---|---------------------------|
| ۱: فتوح البلدان صفحہ ۵۴۔ | ۲: فتوح البلدان صفحہ ۱۳۵۔ |
| ۳: صحیح مسلم باب فضل بناء المساجد۔ | ۴: خلاصۃ الوفاء صفحہ ۱۳۳۔ |
| ۵: ابوداؤد کتاب الصلوۃ باب فی بناء المساجد۔ | ۶: فتوح البلدان صفحہ ۵۳۔ |
| ۷: فتوح البلدان صفحہ ۳۳۔ | |

اور بارہ ہزار فوجی آدمی متعین کئے۔ جنہوں نے وہاں متعدد مسجدیں تعمیر کیں۔ ان کے عہد میں افریقہ فتح ہوا تو عقبہ بن نافع فہری نے جو وہاں کے گورنر تھے وہاں مسلمانوں کی ایک ایک مستقل نو آبادی قائم کی بہت سے مکانات اور ایک جامع مسجد بنوائی۔^۴ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان مسجدوں میں بھی توسیع و اضافہ کیا جو ان سے پہلے تعمیر ہو چکی تھیں مثلاً انہوں نے زیاد کو بصرہ کا گورنر مقرر کیا تو اس نے وہاں کی مسجد کو نہایت وسعت دی اور اس کو اینٹ اور چونے سے بنوایا اور ساکھو کی چھت بنوائی۔^۵

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانے میں فن تعمیر میں بھی ایک جدید ترقی ہوئی یعنی حضرت عبدالرحمن بن سمرہ رضی اللہ عنہ جو ان کی جانب سے بحران کے عامل تھے آئے تو اپنے ساتھ کابل سے چند غلام لائے۔ جنہوں نے ان کے محل میں کابلی طرز کی ایک مسجد تعمیر کی۔ مصر میں جو مسجدیں تعمیر ہوئی تھیں اب تک ان میں منارے نہیں تھے۔ حضرت سلمہ بن مخلد رضی اللہ عنہ نے جو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے مصر کے گورنر تھے۔ سن ۵۳ھ میں مساجد میں منارے بنوائے۔^۶

انصاب حرم

حرم کے حدود سے چونکہ بہت سے شرعی احکام متعلق ہیں اس لئے اس کے ہر طرف پتھر کھڑے کر دیئے گئے تھے۔ جن کو انصاب حرم کہتے تھے۔ ہر زمانے میں ان پتھروں کی تجدید ہوتی رہی۔ سب سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت تمیم بن اسید رضی اللہ عنہ کو اس خدمت پر مامور کیا اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کی تجدید کرائی۔^۷

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانے میں پھر تجدید و اصلاح کی ضرورت پیش آئی تو انہوں نے حضرت کرز بن علقمہ رضی اللہ عنہ سے یہ کام لیا۔^۸

۱: فتوح البلدان صفحہ ۱۶۰۔ ۲: فتوح البلدان صفحہ ۲۳۶۔

۳: فتوح البلدان صفحہ ۳۵۵۔ ۴: فتوح البلدان صفحہ ۳۰۴۔

۵: انصاب تذکرہ سلمہ بن مخلد رضی اللہ عنہ۔

۶: اسد الغابہ تذکرہ حضرت تمیم بن اسید۔

۷: اسد الغابہ تذکرہ حضرت مخرمہ بن نوفل۔

۸: اسد الغابہ تذکرہ حضرت کرز بن علقمہ۔

خدمات متفرقہ

مسجد کی صفائی

ایک بار کسی نے مسجد نبوی ﷺ میں تھوک دیا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے ملاحظہ فرمایا تو اس قدر برہم ہوئے کہ چہرہ مبارک سرخ ہو گیا ایک صحابیہ انھیں اور اس کو منادیا اور اس جگہ خوشبو لگائی۔ آپ نہایت خوش ہوئے اور فرمایا کہ خوب کام کیا۔^۱

ایک صحابیہ تھیں جو ہمیشہ مسجد نبوی میں جھاڑو دیا کرتی تھیں۔ یہ ایک ایسا نیک کام تھا کہ رسول اللہ ﷺ ان کی نہایت قدر فرماتے تھے۔ چنانچہ جب ان کا انتقال ہوا تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ان کو راتوں رات دفن کر دیا اور آپ ﷺ کو اطلاع نہ دی آپ ﷺ کو معلوم ہوا تو فرمایا کہ مجھے کیوں نہیں خبر کی؟ بولے ”حضور ﷺ استراحت فرما رہے تھے ہم نے تکلیف دینا گوارا نہیں کیا۔“^۲

مسجد میں روشنی کا انتظام

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کھجور کی شاخوں کی مشعل بناتے تھے اور مسجد نبوی ﷺ میں روشنی کرتے تھے۔ مدتوں یہی حالت رہی۔ اس کے بعد حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ ایک تجارت پیشہ غلام جس کا نام فتح تھا۔ بیت المقدس سے زیتون کا تیل اور قندیل لایا اور مسجد میں روشنی کی رسول اللہ ﷺ نے دیکھا تو فرمایا کس نے روشنی کی ہے؟ غلام کا نام معلوم ہوا تو اس کا نام فتح کی بجائے سراج رکھ دیا جس کے معنی چراغ جلانے والے کے ہیں۔^۳ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مساجد میں اور بھی وسیع پیمانے پر روشنی کا انتظام کیا۔ چنانچہ ایک دن حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے مسجدوں میں قندیلوں کی جگہ گھٹدیکھی تو بولے کہ ”عمر رضی اللہ عنہ نے جس طرح ہماری مساجد کو روشن کیا اسی طرح خدا ان کی قبر میں بھی روشنی کرے۔“^۴ مسجد میں بخور کا انتظام ایک بار حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس مال غنیمت میں عود کا ایک بٹل آیا جس کو انہوں نے حسب ذیل مسلمانوں میں تقسیم کرنا چاہا لیکن کافی نہ ہوا اسلئے حکم دیا کہ انگیٹھی میں رکھ کر مسجد میں سلگایا جائے تاکہ تمام

۱: نسائی کتاب الصلوٰۃ باب تحسین المسجد۔

۲: سنن ابن ماجہ کتاب الجنائز باب ما جاء فی الصلوٰۃ علی بقرۃ۔

۳: اسد الغابہ تذکرہ سراج۔

۴: اسد الغابہ تذکرہ حضرت عمرؓ۔

مسلمانوں کو اس سے فائدہ ہوا ان کے بعد تمام خلفاء نے اس انتظام کو قائم رکھا۔^۱
مسجد کی نگرانی

حضرت عمر ؓ نہایت اہتمام کے ساتھ مسجد کی نگرانی فرماتے تھے عموماً عشاء کے بعد مسجد میں آتے اور کسی بیکار شخص کو دیکھتے تو نکال دیتے۔ البتہ نمازی اس سے مستثنیٰ تھے حضرت عثمان ؓ کا بھی یہی حال تھا۔ ایک دن عصر کی نماز کیلئے آئے تو دیکھا کہ مسجد کے کسی گوشہ میں ایک درزی بیٹھا ہوا ہے۔ اس کو نکل جانے کا حکم دیا لوگوں نے کہا وہ مسجد میں جھاڑو دیتا ہے دروازے بند کرتا ہے۔ کبھی کبھی چمڑ کاؤ بھی کرتا ہے۔ بولے میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ کارِ یگروں کو مسجد سے الگ رکھو۔^۲

اذان

صحابہ کرام ؓ اذان کو نہایت ثواب کا کام سمجھتے تھے۔ اسلئے اس خدمت کو نہایت شوق کیا تھا انجام دیتے تھے۔ حضرت عمر ؓ فرماتے تھے اگر میں مؤذن ہوتا تو میرا کام مکمل ہو جاتا۔ حضرت ابن ام مکتوم اور حضرت بلال ؓ نے تو اپنی زندگی ہی اس خدمت پر وقف کر دی تھی اور اس کو نہایت مستعدی کے ساتھ انجام دیتے تھے مسجد نبوی کے متصل ایک صحابیہ کا مکان سب سے بلند تر تھا۔ حضرت بلال ؓ صبح تڑکے وہیں آجاتے اور طلوع فجر کا انتظار کرتے۔ جب صبح طلوع ہوتی تو اسی مکان کے اوپر چڑھ کر اذان دیتے اذان دینے کے بعد رسول اللہ ﷺ کا انتظار کرتے۔ جب آپ ﷺ کا شانہ نبوت سے برآمد ہوتے تو اقامت کہتے۔^۳

امامت

اقامت نہایت ذمہ داری کا کام ہے لیکن صحابہ کرام ؓ اس خدمت کو نہایت شوق کے ساتھ انجام دیتے تھے۔ مہاجرین پہلے پہل مدینہ میں آئے تو حضرت سالم مولیٰ نبی حذیفہ ؓ امامت کرتے تھے۔ حضرت عمرو بن سلمہ ؓ کا قبیلہ مسلمان ہوا تو ان لوگوں نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کہ ہم میں کون امامت کرے گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا جس کو قرآن سب سے زیادہ یاد ہو۔ حضرت عمرو بن سلمہ ؓ کا سن اگرچہ صرف سات آٹھ برس کا تھا تاہم ان کو قرآن سب سے زیادہ یاد تھا۔ اس لئے ان لوگوں نے انہی کو امام بنایا اور وہ عمر بھر ان کے امام تھے۔ حضرت ابن ام مکتوم ؓ کو امامت کیلئے رسول اللہ ﷺ نے خود اپنا خلیفہ بنایا تھا۔ حضرت معاذ

۱: خلاصۃ الوفاء صفحہ ۱۷۳۔

۲: خلاصۃ الوفاء صفحہ ۱۷۳۔

۳: ابوداؤد کتاب الصلوٰۃ ابواب الاذان۔

بن جبل ؓ اپنی قوم کے امام تھے لیکن پہلے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ عشاء کی نماز پڑھ لیتے تھے۔ تب اپنی مسجد میں جا کر لامت کرتے تھے۔ حضرت اسید بن حنظلہ ؓ اپنی قوم کے امام تھے وہ بیمار ہوئے تو رسول اللہ ﷺ عیادت کو آئے۔ ان لوگوں نے کہ ”ہمارا امام بیمار ہے۔“ فرمایا ”وہ بیٹھ کر نماز پڑھیں تو تم لوگ بھی بیٹھ کر نماز پڑھا کرو۔“ تمام خلفاء اور فرائض خلافت کے ساتھ یہ فرض بھی پورا کرتے تھے۔

حجاج کی خدمت

صحابہ کرام ؓ حجاج کی خدمت کو بڑے ثواب کا کام سمجھتے تھے اور نہایت فیاضی کے ساتھ ان کے آرام و آسائش کا سامان بہم پہنچاتے تھے۔ حضرت عمر ؓ نے اہل مکہ کو عام حکم دیا تھا کہ وہ اپنے گھروں میں دروازے نہ لگائیں تاکہ تمام حجاج بلا روک ٹوک ان میں قیام کر سکیں۔ مکہ اور مدینہ کے راستہ میں انہوں نے سرائیں، چوکیاں اور کنوئیں تیار کرائے تھے کہ حجاج ان سے مستمع ہو سکیں۔ سقایہ یعنی حاجیوں کو پانی پلانے کی خدمت زمانہ جاہلیت میں حضرت عباس ؓ کے خاندان سے متعلق تھی اور عہد اسلام میں بھی ان کا یہ خاندانی شرف قائم رہا۔ پیام حج میں ان کے خاندان کے لوگ دودھ، شہد اور ستو کی سمیل چلاتے تھے، لیکن حضرت عبداللہ ابن عباس ؓ حاجیوں کو صرف نبیذ پلاتے تھے۔ ایک شخص نے ان سے پوچھا کہ ”آپ کا خاندان بخیل ہے یا محتاج؟“ بولے ”نہ بخیل ہے نہ محتاج۔ وجہ صرف یہ ہے کہ ایک بار رسول اللہ ﷺ نے پانی مانگا۔ تو ہم نے آپ ﷺ کو نبیذ پلائی آپ ﷺ نے فرمایا تم نے خوب کیا ایسا ہی کرتے رہو۔ اسلئے ہم آپ ﷺ کے ارشاد میں کسی قسم کا تغیر کرنا نہیں چاہتے۔“

۱: ابوداؤد کتاب الصلوٰۃ باب الامامۃ۔

۲: ابوداؤد کتاب الناسک باب فی غیذ السقایہ۔

علمی خدمات تعلیم قرآن

اگرچہ صحابہ کرام ؓ نے قرآن مجید کی تعلیم کا سلسلہ رسول اللہ ﷺ کے قیام مکہ معظمہ ہی کے زمانے سے شروع کر دیا تھا۔ چنانچہ آپ ﷺ نے حضرت مصعب بن عمیر ؓ اور حضرت ابن ام مکتوم ؓ کو بیعت عقبہ اولیٰ کے بعد اس غرض سے مدینہ بھیجا تھا کہ لوگوں کو قرآن مجید کی تعلیم دیں۔ لیکن ہجرت کے بعد مسجد نبوی میں ایک مستقل حلقہ درس قائم ہو گیا اور اصحاب صفہ شب و روز قرآن مجید کی تعلیم و تعلم میں مصروف رہنے لگے۔ سنن ابن ماجہ میں ہے کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ کا شانہ نبوت سے برآمد ہوئے تو آپ کو مسجد میں دو حلقے نظر آئے ایک میں لوگ تلاوت و دعا کرتے تھے اور دوسرے حلقے والے تعلیم و تعلم میں مصروف تھے۔ آپ نے فرمایا ”دونوں نیک کام کر رہے ہیں۔ ایک اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہے دوسرا قرآن مجید کی تعلیم کر رہا ہے۔“ میں صرف معلم بنا کر بھیجا گیا ہوں۔“ یہ کہہ کر اسی حلقہ درس میں بیٹھ گئے۔ اُس حلقہ میں درس و تدریس کا طریقہ یہ تھا کہ ایک شخص قرآن مجید پڑھتا جاتا تھا اور دوسرے لوگ سنتے جاتے تھے۔ ایک بار اسی حالت میں رسول اللہ ﷺ آنکھ تو قاری جو قرآن پڑھ رہا تھا رک گیا اور لب سے سلام کیا۔ آپ ﷺ بیچ میں بیٹھ گئے اور ہاتھ سے اشارہ فرمایا۔ لوگ حلقہ قائم کر کے آپ ﷺ کے گرد بیٹھ گئے۔^۱

اصحاب صفہ نہایت نادار اور مفلس تھے اس لئے ان میں کچھ لوگ دن میں شیریں پانی بھر لاتے۔ جنگل سے لکڑیاں چن لاتے اور ان کو بیچ کر جو آمدنی ہوتی اس کو وجہ معاش میں صرف کرتے۔ لیکن اس مصروفیت کی وجہ سے ان کو دن میں تعلیم حاصل کرنے کا موقع نہیں ملتا تھا۔ اس بناء پر تعلیم کا وقت رات کو مقرر کیا تھا۔ مسند ابن حنبل میں ہے۔

فكانوا اذا جنهم الليل انطلقوا الى معلم لهم بالمدينة فيدرسون الليل حتى

۱: مسند جلد ۴ صفحہ ۲۵۱ بخاری کتاب التفسیر صبح اسم ربك الاعلى۔

۲: سنن ابن ماجہ باب فضل العلماء والحث علی طلب العلم۔

۳: ابوداؤد کتاب العلم باب فی القصص۔

۴: صحیح مسلم کتاب الامارۃ باب ثبوت الجنة للشہید۔

بصبر حوا۔^۱

جب رات ہو جاتی تھی تو یہ لوگ ایک معلم کے پاس جاتے تھے اور صبح تک پڑھتے تھے۔ اس طرح جو لوگ تعلیم و تربیت حاصل کر چکے تھے ان کو قرآن لکھا جاتا تھا اور باہر کے مسلمانوں کو مذہبی تعلیم کی ضرورت ہوتی تھی تو یہی لوگ بھیجے جاتے تھے۔ چنانچہ ایک بار کچھ لوگ باہر سے آئے اور رسول اللہ ﷺ سے درخواست کی کہ ہمارے ساتھ کچھ لوگوں کو کر دیجئے کہ ہم کو قرآن اور سنت کی تعلیم دیں۔ آپ نے ستر انصار کو جو قراء کے نام سے مشہور تھے ساتھ کر دیا۔ لیکن ان لوگوں نے دھوکے سے ان کو شہید کر دیا۔^۲

باہر سے جو مہاجرین آتے وہ بھی اہل صفہ میں داخل ہو جاتے اور قرآن مجید کی تعلیم حاصل کر کے اپنی وطن واپس جاتے۔ ابو دؤد میں حضرت عبدالہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے اجمالاً مروی ہے۔

علمت ناسا من اهل الصفة القرآن والكتاب فاهدى الى رجل منهم
فوسا۔^۳

میں نے اصحاب صفہ میں سے چند لوگوں کو قرآن کی اور لکھنے کی تعلیم دی۔ ان میں سے ایک نے مجھے ایک کمان ہدیہ بھیجی۔

لیکن مسند کی روایت میں تصریح ہے کہ یہ شخص مہاجر تھا اور اس نے اپنے وطن میں پہنچ کر ان کی خدمت میں ہدیہ کمان بھیجی تھی۔ اس سلسلہ میں الگ انصار کا ہر گھر مہمان خانہ ہونے کے ساتھ ایک مستقل مکتب ہو گیا تھا۔ باہر سے جو مہاجر آتے۔ رسول اللہ ﷺ ان کو انصار کے سپرد کر دیتے اور وہ لوگ مہمان داری کے ساتھ اس دلسوزی سے ان کو قرآن پاک کی تعلیم دیتے کہ یہ لوگ نہایت شکر گزاری کے ساتھ واپس جاتے۔ چنانچہ وفد عبدالقیس آیا تو اس منت شناسانہ اعتراف کے ساتھ واپس گیا۔

ان الانصار يعلمونا كتاب ربنا وسنت نبينا۔^۴

انصار ہم کو ہمارے خدا کی کتاب اور ہمارے پیغمبر کی سنت سکھاتے ہیں۔

وفد بنو قحیم آیا تو مدت تک مدینہ میں رہ کر قرآن مجید کی تعلیم حاصل کر رہا۔^۵

بعض اوقات مہاجرین کو بھی یہ خدمت انجام دینی ہوتی تھی۔ چنانچہ حضرت دروان رضی اللہ عنہ

۱: مسند جلد ۳ صفحہ ۷۱۳۔

۲: مسلم کتاب الامارۃ باب ثبوت الجنۃ للشہید۔

۳: ابو دؤد کتاب المہاجر باب فی کسب المعلم۔

۴: مسند جلد ۵ صفحہ ۳۲۳۔

۵: مسند جلد ۳ صفحہ ۲۳۲۔ ۶: اسد الغابہ تذکرہ عمرو بن اہتم۔

طائف سے آئے تو آپ نے ان کو حضرت ابان بن سعید ؓ کے حوالے کیا کہ ان کے مصارف کا بار اٹھائیں اور قرآن مجید کی تعلیم دیں۔^۱

نظام حکومت کے قائم ہونے کے بعد رسول اللہ ﷺ نے جو امراء و عمال مقرر فرمائے ان کا سب سے مقدم فرض کتاب اور سنت کی تعلیم دینا قرار دیا۔ چنانچہ استیعاب تذکرہ معاذ بن جبل ؓ میں ہے۔

بعثه رسول الله ﷺ قاضيا الى الحند من اليمن ليعلم الناس القرآن و شرايع الاسلام۔

آپ ﷺ نے کواہن کو یمن کے ایک حصہ کا قاضی مقرر فرما کر بھیجا کہ وہاں کے لوگوں کو قرآن مجید اور احکام اسلام کی تعلیم دیں۔

چنانچہ انہوں نے وہاں پہنچ کر ایک خطبہ دیا جس میں لوگوں کو اسلام اور تفقہ فی القرآن پر آمادہ کیا اور کہا کہ ”جب قرآن مجید پڑھ چکنا تو مجھ سے پوچھنا کہ جنتی کون ہے اور دوزخی کون؟ وہ لوگ قرآن مجید پڑھ چکے تو ان سے یہ سوال کیا۔ اُس کے بعد اگرچہ حضرت عمر ؓ کے زمانے میں تعلیم القرآن کے متعلق کوئی خاص یا جدید انتظام نہیں کیا گیا لیکن حضرت ابو بکر ؓ نے اپنے عہد خلافت میں نہایت وسیع پیمانہ پر تعلیم قرآن کا سلسلہ قائم کیا۔ تمام ممالک مفتوحہ میں تعلیم قرآن کیلئے مکاتب قائم کئے اور بعض حالتوں میں قرآن مجید کی جبری تعلیم کا انتظام کیا۔ چنانچہ ایک شخص کو جس کا نام ابوسفیان تھا۔ خاص اس کام پر مامور کیا کہ بدؤں کے قبائل میں دورہ کر کے ہر شخص کا امتحان لے اور جس کو قرآن مجید یاد نہ ہو اس کو سزا دے۔^۲

حضرت عبادہ بن صامت ؓ جیسا کہ اوپر گذر چکا ہے۔ عہد نبوت ہی میں قرآن کی تعلیم دیا کرتے تھے۔ شام فتح ہوا تو حضرت عمر ؓ نے وہاں کے مسلمانوں کی تعلیم کیلئے انہی کو منتخب کیا اور انکے ساتھ حضرت معاذ بن جبل ؓ اور حضرت ابودرداء ؓ کو بھی کر دیا۔ ان میں حضرت عبادہ ؓ نے حمص میں قیام کیا۔ حضرت ابوالدرداء ؓ دمشق کو گئے اور حضرت معاذ ؓ نے فلسطین میں اقامت اختیار کی۔ اسکے بعد حضرت عبادہ بن صامت ؓ بھی فلسطین چلے گئے۔^۳ حضرت ابو موسیٰ اشعری ؓ کو بصرہ کا گورنر مقرر کر کے بھیجا تو ان کے ساتھ حضرت عمران بن حصین ؓ کو بھی کر دیا کہ لوگوں کو فقہ اور قرآن کی تعلیم دیں۔^۴

۱: اصابہ تذکرہ و ردان جد القرات۔ ۲: دارمی باب الاقداہ بالعلماء صفحہ ۴۰۔

۳: اصابہ تذکرہ اوس بن خالد۔

۴: اسد الغابہ تذکرہ حضرت عبادہ بن صامت۔

۵: فتوح البلدان صفحہ ۸۴۔

حضرت عمر ؓ نے قرآن مجید کی تعلیم کی توسیع اشاعت کیلئے اور بھی مختلف ذرائع اختیار کئے۔ ضروری سورتوں یعنی بقرہ، نساء، مائدہ، حج اور نور کی نسبت حکم دیا کہ تمام مسلمانوں کو ان کا سیکھنا لازمی ہوگا۔ کیونکہ ان میں احکام اور فرائض مذکور ہیں۔^۱ عمال کو لکھ بھیجا کہ جو لوگ قرآن مجید پڑھ چکے ہوں ان کو بھیج دیں کہ ان کی تمنا ہیں مقرر کردی جائیں۔^۲

ان تدابیر سے قرآن مجید کی تعلیم نے بہ تدریج اس قدر وسعت حاصل کی کہ ایک بار خراج کا کچھ مال بیچ گیا تو حضرت عمر ؓ نے حضرت سعد بن وقاص ؓ کو اجازت دی کہ طلبائے قرآن کو تقسیم کر دی جائے۔ دوسرے سال بھی یہ نبوت پیش آئی تو انہوں نے لکھا کہ ”پہلے سال صرف سات آدمی تھے اور اس سال ستر تھیں۔“ ایک بار جب فوجی افسروں کو لکھا کہ میرے پاس حفاظ قرآن کو بھیج دو کہ ان کو جا بجا قرآن کی تعلیم کیلئے بھیج دوں۔ تو حضرت ابو موسیٰ اشعری ؓ نے لکھا کہ صرف میری فوج میں تین سو سے زائد حافظ موجود ہیں۔^۳

حضرت عمر ؓ نے قرآن مجید کی تعلیم کے ساتھ صحت تلفظ کا بھی نہایت اہتمام کیا۔ ہر جگہ تاکید کی کہ قرآن مجید کے ساتھ صحت اعراب کی تعلیم دیجائے۔ اسکے ساتھ یہ حکم دیا کہ جو شخص علم لغت کا ماہر نہ ہو وہ قرآن مجید نہ پڑھانے پائے۔^۴ ان کے بعد اور خلفاء نے بھی اس سلسلہ کو قائم رکھا۔ چنانچہ حضرت عثمان ؓ کے زمانے میں آذربائیجان دوبارہ فتح ہوا۔ تو کچھ لوگ وہاں اشاعت اسلام کیلئے آباد کر دیئے گئے۔ انکی کوششوں کا یہ نتیجہ ہوا کہ حضرت علی ؓ کے زمانے تک یہ لوگ مسلمان ہو کر قرآن مجید پڑھ چکے تھے۔^۵ حضرت علی ؓ کی نسبت ایک روایت ہے کہ انہوں نے طلبائے قرآن کے وظیفے دو دو ہزار مقرر فرمائے۔^۶ حضرت امیر معاویہ ؓ نے جزیرہ قبرس فتح کیا تو مجاہدین حرم کو قرآن مجید کی تعلیم کیلئے متعین کیا۔^۷

بعض صحابہ ؓ ذاتی طور پر بھی لوگوں کو قرآن مجید کی تعلیم دیتے تھے۔ حضرت عمر ؓ کا بیان ہے کہ حضرت عباس ؓ میرے پاؤں میں بیڑیاں ڈال کر قرآن و حدیث کی تعلیم دیتے تھے۔^۸ کوفہ میں حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ کا ایک مستقل حلقہ درس قائم ہو گیا تھا۔ چنانچہ اس حلقے کے کچھ لوگ شام میں آئے تو حضرت ابوالدرداء ؓ نے ان کو قرآن پڑھوا کر سنا۔^۹

۱: کنز العمال جلد ۱ صفحہ ۲۲۴۔ ۲: کنز العمال جلد ۱ صفحہ ۲۱۷۔

۳: اصحابہ تذکرہ بشر بن ربیعہ۔ ۴: کنز العمال جلد ۱ صفحہ ۲۱۷۔

۵: کنز العمال جلد ۱ صفحہ ۲۲۸۔ ۶: فتوح البلدان صفحہ ۳۳۶۔

۷: کنز العمال جلد ۱ صفحہ ۲۳۰۔ ۸: فتوح البلدان صفحہ ۲۴۴۔ ۹: واری صفحہ ۷۳۔

۱۰: بخاری کتاب التفسیر، تفسیر واللیل اذا بغشی۔

تعلیم حدیث

صحابہ کرام ؓ اشاعت حدیث کیلئے تمام ممالک مفتوحہ میں پھیل گئے تھے اور لوگوں کو نہایت شوق کے ساتھ حدیث کی تعلیم دیتے تھے۔ حضرت ابو اور یس خولانی ؓ کا بیان ہے کہ ”میں حمص کی مسجد میں گیا تو ایک حلقہ میں جس میں ۳۲ صحابی تھے بیٹھ گیا۔ ایک شخص روایت حدیث کر چکا تو دوسرے صاحب اس سلسلہ کو شروع کرتے۔ انصر بن عاصم اللیثی کا بیان ہے کہ میں وفہ کی مسجد میں گیا تو ایک حلقہ نظر آیا۔ جو نہایت خاموشی کے ساتھ ایک شخص کی طرف کان لگائے ہوئے تھا۔ دریافت کرنے سے معلوم ہوا کہ حضرت حذیفہ بن یمان ؓ ہیں۔“

حضرت ابو الدرداء ؓ دمشق میں رہتے تھے اور جب درس دینے کیلئے مسجد میں آتے تھے تو ان کے ساتھ طلبہ کا اس قدر ہجوم ہوتا تھا جیسے بادشاہ کے ساتھ ہوتا ہے۔ لیکن علم حدیث کا سب سے بڑا دارالعلم مدینہ تھا۔ حضرت جابر بن عبد اللہ خاص مسجد نبوی میں بیٹھ کر حدیث کا درس دیتے تھے۔ علامہ بیوطی حسن المحاضرہ میں لکھتے ہیں۔

كان لجابر بن عبد الله حلقة في المسجد النبوي يؤخذ عنه العلم۔^۱

جابر بن عبد اللہ کا حلقہ درس مسجد نبوی میں تھا اور لوگ ان سے علم حاصل کرتے تھے۔

ابو العالیہ سے روایت ہے کہ ہم بصرہ میں صحابہ ؓ کے مرویات سنتے تھے لیکن اس پر کافی اعتماد نہیں ہوتا تھا۔ اس لئے خود مدینہ میں آکر ان کی زبان سے ان کو سنتے تھے۔

حضرت عبد اللہ بن عباس ؓ کا بیان ہے کہ اکثر حدیثیں انصار کے یہاں ملیں۔

بعض صحابہ ؓ کو اگرچہ سلطنت کی طرف سے روایت حدیث کی ممانعت تھی لیکن سلطنت کا دباؤ ان کو اس مقدس فرض کے ادا کرنے سے نہیں روک سکتا تھا۔ حضرت ابو ذر غفاری ؓ اسی قسم کے صحابی تھے، لیکن وہ اعلانیہ کہتے تھے کہ ”اگر تم لوگ میری گردن پر تلوار رکھ دو اور مجھے معلوم ہو کہ ایک کلمہ بھی جس کو میں نے رسول اللہ سے سنا ہے ادا کر سکوں گا تو قبل اس کے کہ تلوار اپنا کام کرے“ میں اس کو ادا کروں گا۔

۱: مسند جلد ۵ صفحہ ۳۲۸۔ ۲: مسند ج ۵ صفحہ ۳۸۶۔

۳: تذکرۃ الحفاظ ترجمہ حضرت ابو الدرداء۔ ۴: حسن المحاضرہ ج ۱ ص ۷۸۔

۵: مسند وبری باب الرحلة فی طلب العلم صفحہ ۷۵۷۔

۶: بخاری کتاب العلم باب العلم قبل القول والعمل۔

خود امراء و سلاطین کو ضرورت ہوتی تھی تو وہ صحابہ کرام ؓ کو طلب فرماتے تھے اور روایت حدیث کی درخواست کرتے تھے۔ ایک دن حضرت زید بن ثابت ؓ ٹھیک دوپہر کے وقت مروان کے دربار سے نکلے۔ لوگوں کو تعجب ہوا کہ مروان نے اس وقت ان کو کیوں تکلیف دی؟ ان سے دریافت کیا تو فرمایا کہ ”مجھ سے بعض حدیثوں کے متعلق پوچھنا تھا“۔^۱

حضرت امیر معاویہ ؓ نے حضرت عبدالرحمان بن شبل ؓ کو لکھ بھیجا تھا کہ ”لوگوں کو احادیث کی تعلیم دو اور جب میرے خیمہ کے پاس کھڑے ہو تو مجھے حدیثیں سناؤ“۔^۲

لوگ صحابہ کرام ؓ کی خدمت میں طلب علم کیلئے آتے تھے تو وہ نہایت کشادہ دلی کے ساتھ ان کا خیر مقدم کرتے تھے۔ حضرت ابوہریرہ ؓ کا بیان ہے کہ ہم لوگ حضرت ابوسعید خدری ؓ کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے تو وہ کہتے تھے کہ ”مرحبا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ تمہارے پاس دنیا کے گوشے سے بہت سے لوگ علم حاصل کرنے کیلئے آئیں گے۔ تم لوگ ان کے ساتھ بھلائی کرنا۔“

حضرت حسن بصری ؓ سے روایت ہے کہ ”ہم لوگ ایک بار حضرت ابوہریرہ ؓ کی عیادت کو گئے۔ جب آدمیوں سے ان کا گھر بھر گیا تو انہوں نے خاکساری سے اپنے پاؤں سمیٹ لئے اور فرمایا کہ ”ایک دن ہم لوگ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ لبائے ہوئے تھے۔ ہم لوگوں کو دیکھا تو اسی طرح پاؤں سمیٹ لئے اور فرمایا کہ میرے بعد تمہارے پاس لوگ تحصیل علم کیلئے آئیں گے ان کو مر جبا کہنا تحیت دینا اور علم سکھانا۔“^۳

ایک بار حضرت سعد بن ہشام ؓ مدینہ آئے اور حضرت عبداللہ بن عباس ؓ سے رسول اللہ ﷺ کی وتر کی کیفیت پوچھی۔ انہوں نے کہا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے وتر کی بہت بڑی عالم ہیں۔ انہوں نے حضرت حکیم بن انج ؓ کے ساتھ ان کی خدمت میں حاضر ہونا چاہا۔ انہوں نے انکار کیا تو ان کو قسم دلائی اور اب وہ ساتھ ہو گئے۔ دروازے پر نون طلب کیا۔ بولیں کون؟ بولے حکیم بن انج۔ پھر فرمایا ساتھ میں کون ہے؟ بولے سعد بن ہشام۔ فرمایا: ”ہشام بن عامر جو احد میں شہید ہوئے؟“ بولے: ”ہاں“۔ فرمایا: ”نہایت اچھا آدمی تھا۔“ اس تعریف کے بعد انہوں نے کہا کہ ”آپ ﷺ کے خلق کا حال بیان فرمائیے۔“ بولیں ”آپ

۱: ترمذی ابواب العلم باب فی الحنف علی تبلیغ المسار۔

۲: مسند جلد ۳ صفحہ ۴۴۴۔

۳: ترمذی ابواب العلم ما جاء فی الاستبصاء بمن یطلب العلم ترمذی میں ہے کہ شعبہ نے ہراون عبدی کی تضعیف کی ہے۔

۴: سنن ابن ماجہ باب الوصایہ لطلبة العلم۔

ﷺ کا خلق قرآن تھا، کیا تم قرآن نہیں پڑھتے؟“ پھر پوچھا: ”آپ ﷺ رات کو تہجد کیونکر پڑھتے تھے؟“ بولیں ”کیا تم سورہ مزمل نہیں پڑھتے؟“ اس کے بعد اس تفصیل کے ساتھ ان کے تمام سوالات کے جواب دیئے کہ انہوں نے پلٹ کر حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے کہا خدا کی قسم اس کا نام حدیث ہے۔

اس تمدنی دور میں سب سے پہلے طلبہ کی علمی قابلیت کا امتحان لیا جاتا ہے۔ پھر اس کو اساتذہ کے فیض تعلیم سے مستمع ہونے کا موقع ملتا ہے۔ لیکن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی درس گاہ میں طالبان علم سے صرف غلو ص نیت کا امتحان لیا جاتا تھا۔ ایک بار حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کے پاس مدینہ سے ایک آدمی آیا اور کہا کہ ”میں آپ کی خدمت میں صرف ایک حدیث کیلئے حاضر ہوا ہوں۔ جس کی آپ روایت کرتے ہیں۔“ بولے کسی ضرورت سے تو نہیں آئے؟ تہجد کی غرض سے تو نہیں آنا ہوا؟ اس نے کہا ”نہیں۔“ تو حدیث کی روایت کی۔^۱

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حدیث کی روایت فرماتے تو طالبان حدیث کا ہجوم ہو جاتا۔ ایک بار اشقیاء مکی رضی اللہ عنہ مدینہ آئے تو دیکھا کہ ایک شخص کے گرد بھیڑ لگی ہوئی ہے، پوچھا یہ کون ہیں؟ لوگوں نے کہا ”ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ“ وہ درس دے چکے تو انہوں نے تنہا جا کر ایک حدیث کی درخواست کی۔^۲

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ روایت حدیث کرتے تھے تو سامنے آدمیوں کی دیوار کھڑی ہو جاتی تھی۔^۳

ایک صحابی حدیث بیان کرتے تھے تو ان کے گرد آدمیوں کا اس قدر ہجوم ہو جاتا تھا کہ ان کو کوٹھے پر چڑھ کر حدیث بیان کرنا پڑتا تھا۔

۱: ابوداؤد کتاب الصلوٰۃ باب فی صلاۃ اللیل۔

۲: ترمذی ابواب العلم باب ما جاء فضل الفقہ علی العبادۃ یہ حدیث ابوداؤد ابن ماجہ میں بھی ہے۔

۳: ترمذی ابواب الزہد۔ ۴: مسلم کتاب الصلوٰۃ باب القراءۃ فی الظهر والعصر۔

۵: مسند جلد ۵ صفحہ ۵۸۔

تعلیم فقہ

جس قدر اکابر صحابہ رضی اللہ عنہ تھے تقریباً سب فقہی مسائل کی تعلیم میں مصروف تھے اور اس کو اپنا مذہبی فرض خیال کرتے تھے۔

ایک بار حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے بصرہ کی مسجد میں آخر رمضان میں خطبہ دیا جس میں لوگوں کو صدقہ فطر کی ترغیب دی۔ یہ لوگ احکام شریعت سے اس قدر ناواقف تھے کہ ان کو صدقہ فطر کے تعین و مقدار کا حال بھی معلوم نہ تھا۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کو معلوم ہوا تو بولے یہاں مدینہ کے کون لوگ ہیں؟ انھیں پوچھا کہ آپ نے بھائیوں کو تعلیم دیں۔ کیونکہ انہیں یہ معلوم نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر آزاد، غلام، مرد، عورت اور چھوٹے بڑی پر ایک صاع کھجور یا جو اور نصف صاع گہوں صدقہ فطر میں مقرر فرمایا ہے۔^۱

موطائے امام مالک میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک بار منبر پر چڑھ کر لوگوں کو تشہد سکھایا۔ موطائے امام محمد رضی اللہ عنہ میں ہے کہ انہوں نے عرفات میں خطبہ پڑھا اور حج کے تمام مسائل سکھائے۔ اسی طرح اور متعدد خطبوں میں مسائل فقہ کی تعلیم دی لیکن تمام ممالک مفتوحہ کی فقہی تعلیم کیلئے یہ طریقہ کافی نہیں تھا۔ اس لئے انہوں نے اور بھی متعدد طریقے اختیار کئے۔ مثلاً

- (۱) اکثر علماء و عمال کے پاس ہم مذہبی احکام اور مسائل لکھ لکھ کر روانہ کرتے رہتے تھے۔ چنانچہ نماز پنجگانہ کے متعلق تمام عمال کے نام ایک مفصل ہدایت نامہ بھیجا۔ جسکو امام مالک نے موطا میں نقل کیا ہے۔ اسی طرح عمال کے نام اور بھی مختلف مسائل لکھ کر بھیجا کرتے تھے۔
- (۲) اضلاع کے عمال اور افسر جو مقرر کرتے تھے۔ وہ عالم اور فقیہ ہوتے تھے اور تمام فرائض کی ساتھ ان کو تعلیم فقہ کا فرض بھی ادا کرنا ہوتا تھا۔ چنانچہ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بصرہ کے گورنر ہو کر آئے تو علی الاعلان فرمایا۔

بعثنی الیکم عمر لا علمکم کتاب ربکم و مسعۃ نبیکم۔^۲
مجھ کو عمر رضی اللہ عنہ نے تمہارا پاس اسلئے بھیجا ہے کہ تمہارے خدا کی کتاب اور سنت کی تعلیم دوں۔

۱: ابو داؤد کتاب الزکوٰۃ باب کم یودی فی صدقۃ الفطر۔

۲: موطا امام مالک کتاب الصلوٰۃ باب التشہد فی الصلوٰۃ۔ ۳: موطا امام محمد ۲۲۷۔

۴: دارمی صفحہ ۷۴ باب البلاغ عن رسول اللہ و تعلیم السنن۔

(۳) خاص اس مقصد کیلئے ممالک مفتوحہ میں فقہاء اور معلمین مقرر کئے۔ شام فتح ہوا تو حضرت معاذ بن جبل ؓ، حضرت ابو درداء ؓ اور حضرت عبادہ بن صامت ؓ کو بھیجا کہ لوگوں کو قرآن مجید کی تعلیم دیں اور فقہ کے مسائل سکھائیں۔ حضرت عبدالرحمن بن غنم ؓ کو بھی شام میں یہ خدمت تفویض ہوئی اور انہوں نے شام کے تمام تابعین کو فقہ سکھائی۔^۱ بصرہ کے لوگوں کی تعلیم کیلئے عمران بن حصین ؓ اور حضرت عبداللہ بن معقل ؓ کو روانہ فرمایا اور ان کے ساتھ آٹھ بزرگ اور بھی اسی غرض سے روانہ فرمائے۔^۲ مصر میں تعلیم فقہ کیلئے حضرت حیان بن ابی جبلہ ؓ کو ایک جماعت کے ساتھ روانہ فرمایا۔^۳ مدائن میں حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ اس خدمت پر مامور تھے۔^۴ غرض تمام ممالک میں فقہاء اور معلمین پھیلے ہوئے تھے اور نہایت سرگرمی کے ساتھ مسائل شریعت کی تعلیم دیتے تھے۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ جب کوفہ سے روانہ ہوئے تو اپنے اصحاب و تلامذہ کو جمع کر کے کہا ”خدا کی قسم! میرے خیال میں دین، فقہ اور تعلیم قرآن کی حالت ملک کے اور صوبوں سے تمہارے یہاں بہتر ہو گئی۔“^۵

حضرت امیر معاویہ ؓ نے بھی اپنے عہد میں اس نظام کو قائم رکھا۔ چنانچہ قاضی ابن عبدالبر حضرت ربیعہ بن عمرو الجرحی ؓ کے حال میں لکھتے ہیں۔

کان بفقہ الناس زمن معاویة۔^۶

وہ حضرت امیر معاویہ ؓ کے عہد میں لوگوں کو فقہ کی تعلیم دیتے تھے۔

عملی تعلیم

لیکن اسکے علاوہ صحابہ کرام ؓ عملی طریقہ سے بھی لوگوں کو مسائل شرعیہ کی تعلیم دیتے تھے۔ ایک بار حضرت عثمان ؓ نے وضو کرنا شروع کیا۔ پہلے بالترتیب تین بار ہاتھ دھوئے پھر کلی کی، ناک صاف کی اور تین بار منہ دھویا اس کے بعد تین بار دلیاں ہاتھ اور تین بار بلیاں ہاتھ کہنی تک دھویا، پھر تین بار سر کا مسح کیا، پھر تین بار دلیاں پاؤں، پھر تین بار بلیاں پاؤں دھویا، ان تمام جزئیات کو عملاً نمایاں کر کے فرمایا کہ ”میں نے رسول اللہ ﷺ کو اسی طرح وضو کرتے ہوئے دیکھا ہے اور جو شخص میری طرح وضو کر کے اس خشوع کے ساتھ نماز پڑھے گا کہ اسکے دل میں وسوسے نہ پیدا ہوں تو خدا اسکے تمام اگلے گناہوں کو معاف کر دے گا۔“

- ۱: اسد الغابہ تذکرہ حضرت عبادہ بن صامت۔
- ۲: تذکرۃ الحفاظ ترجمہ عبدالرحمن بن غنم اشعری۔
- ۳: طبقات الحفاظ تذکرہ عمران بن حصین و اسد الغابہ تذکرہ عبداللہ بن معقل۔
- ۴: تہذیب تذکرہ حیان بن ابی جبلہ۔
- ۵: یعقوبی جلد دوم صفحہ ۱۷۳۔
- ۶: مسند جلد اول صفحہ ۴۰۵۔
- ۷: استیعاب تذکرہ ربیعہ بن عمرو الجرحی۔

حضرت علی ؓ نے بھی اسی طرح سنن وضو کی تعلیم فرمائی۔ چنانچہ وہ نماز پڑھ کر آئے تو وضو کا پانی طلب کیا۔ صحابہ ؓ سمجھ گئے کہ اب پانی کیا ہوگا؟ اس سے صرف عملی تعلیم مقصود ہے۔

حضرت عبداللہ بن زید ؓ اور حضرت امیر معاویہ ؓ نے بھی اسی طریقہ سے سنن وضو کی تعلیم دی^۱ اور حضرت عبداللہ بن عباس ؓ نے بھی یہی طریقہ اختیار فرمایا۔^۲ ایک بار حضرت ابومالک اشعری ؓ نے لوگوں کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا ”کیا تمہارے لئے رسول اللہ ﷺ کی نماز کے متعلق روایت کروں۔“ یہ کہہ کر اٹھے اور صف بندی کی، پہلی صف میں مردوں کو اور ان کے پیچھے بچوں کو کھڑا کیا، پھر نماز پڑھائی۔^۳ ایک بار حضرت ابوسلیمان بن مالک حویرث ؓ ایک مسجد میں آئے اور فرمایا کہ میں نماز پڑھنا نہیں چاہتا۔ صرف مقصود یہ ہے کہ تم کو رسول اللہ ﷺ کا طریقہ نماز سکھاؤں۔^۴

۱: ابوداؤد کتاب الطہارۃ باب الوضوء ثلاثا باب صفة وضوء النبیؐ۔

۲: ابوداؤد کتاب الطہارۃ باب الوضوء مرتین۔

۳: ابوداؤد کتاب الصلوۃ باب مقام الصبیان من الصف۔

۴: ابوداؤد کتاب الصلوۃ باب النهوض فی الفرد۔

تعلیم تحریر و کتابت

اسلام آیا تو قریش میں صرف سترہ آدمی لکھنا جانتے تھے جن میں شفاء بنت عدویہ ؓ کے علاوہ سب کے سب مرد تھے۔ ابو داؤد کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ شفاء نے حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کو بھی لکھنا سکھایا تھا۔^۱

انصار اگرچہ مکہ والوں سے زیادہ متدن تھے۔ تاہم ان میں تحریر و کتابت کا رواج مکہ والوں سے بھی کم تھا۔ اوس و خزرج کے قبائل میں صرف چند لوگ لکھنا جانتے تھے اور بعض یہود مدینہ کے بچوں کو لکھنے کی تعلیم دیتے تھے۔ اسی طرح اسلام کے ابتدائی زمانے میں انصار میں حضرت سعد بن عبادہ ؓ، منذر بن عمرو، ابی بن کعب ؓ، زید بن ثابت ؓ، رافع بن مالک ؓ، اسید بن حضیر ؓ، معن بن عدی، بشیر بن سعد، سعد بن ربیع، اوس بن خولی اور عبد اللہ بن ابی لکھنا جانتے تھے۔^۲ لیکن اسلام کے زمانے میں اس کو بہت ترقی ہوئی۔ اسیران بدر گرفتار ہو کر آئے تو ان میں جو لوگ ناداری کی وجہ سے فدیہ ادا نہیں کر سکتے تھے رسول اللہ ﷺ نے ان کا فدیہ یہ قرار دیا کہ یہ لوگ انصار کے بچوں کو لکھنا سکھادیں۔ چنانچہ انصار کے بچوں نے ان سے لکھنا شروع کیا۔ حضرت عبد اللہ بن سعید بن العاصی ؓ بھی جاہلیت میں لکھنا جانتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کو بھی حکم دیا کہ مدینہ کے لوگوں کو لکھنا سکھائیں۔ حضرت عبادہ بن صامت ؓ اہل صفہ کو قرآن مجید کی جو تعلیم دیتے تھے تحریر و کتابت بھی اس کا جزو تھی۔^۳ خلفاء کے زمانے میں اس کو اور بھی ترقی ہوئی۔ چنانچہ حضرت عمر ؓ کے زمانے میں جو مکاتب قائم ہوئے ان میں لکھنا بھی سکھایا جاتا تھا۔ انہوں نے تمام اضلاع میں احکام بھیج دیئے تھے کہ بچوں کو شہسواری اور کتابت کی تعلیم دی جائے۔ ابو عامر سلیم جو روایت حدیث میں ہیں ان کی زبانی روایت ہے کہ میں بچپن میں گرفتار ہو کر مدینہ میں آیا تو مجھ کو مکتب میں بٹھایا گیا۔ معلم مجھ سے جب میم لکھواتا تھا اور میں اچھی طرح نہیں لکھ سکتا تھا تو کہتا تھا کہ گول لکھو جس طرح

۱: فتوح البلدان صفحہ ۷۷۔

۲: ابو داؤد کتاب الطب باب ما جاء فی الرقی۔

۳: فتوح البلدان صفحہ ۷۹۔

۴: اسد الغابہ تذکرہ حضرت عبد اللہ بن سعید بن العاصیؓ۔

۵: مسند جلد ۵ صفحہ ۳۱۵۔

گائے کی آنکھیں ہوتی ہیں۔^۱

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنے دور خلافت میں حمران بن ابان کو جو مسیب بن نجہ فزاری کا غلام تھا خرید لیا اور اس کو لکھنا سکھا کر اپنا میر منشی مقرر کیا۔^۲

۱: معجم البلدان لغت حاضر بحوالہ الفاروق۔

۲: فتوح البلدان صفحہ ۳۶۰۔

افتاء

اگرچہ خود رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک ہی میں مہاجرین میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ ، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ، حضرت علی رضی اللہ عنہ اور انصار میں حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ ، حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ ، حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ اس خدمت کو انجام دینے لگے تھے۔^۱ لیکن آپ کے بعد تمام مسائل شرعیہ کا دار و مدار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ذات پر رہ گیا تھا۔ اس لیے ان بزرگوں کے دروازوں پر تشنگان علم کی بھیڑ لگی رہتی تھی۔ چنانچہ حضرت قرعہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا تو وہ فتویٰ دے رہے تھے اور لوگ ان پر ٹوٹے پڑتے تھے۔ میں نے انتظار کیا، جب بھیڑ بھاڑ چھٹی تو میں نے خود سفر کے روزے کے متعلق سوال کیا۔^۲

خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے عہد میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے زمانے میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ، حضرت علی رضی اللہ عنہ ، حضرت عمر رضی اللہ عنہ ، حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ ، حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ ، حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ یہ خدمت انجام دیتے تھے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے عہد خلافت میں اس صیفہ کو بالکل باضابطہ کر دیا۔
(۱) مثلاً حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں اگرچہ چند منتخب بزرگ اس خدمت کو انجام دیتے تھے۔ تاہم اور لوگوں کو فتوے دینے کی ممانعت نہ تھی۔ لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے چند اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم کو اس خدمت کیلئے مخصوص کر لیا اور بقیہ صحابہ کو فتویٰ دینے کی ممانعت کر دی۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اگرچہ فقہاء صحابہ رضی اللہ عنہم میں تھے اور خود حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان کو خزائنہ العلم کہتے تھے لیکن جب انہوں نے بغیر اجازت فتویٰ دینا شروع کیا تو انہوں نے ان کو روک دیا۔^۳

(۲) جو صحابہ رضی اللہ عنہم جس فن میں ممتاز تھے ان کو اسی شاخ میں فتوے دینے کا مجاز کیا۔ چنانچہ شام کے سفر میں بمقام جابیہ جو خطبہ دیا اس میں یہ الفاظ فرمائے۔

من اراد القرآن فلیات ایبا ومن اراد ان یسأل الفرائض فلیات زیدا ومن اراد ان یسأل الفقه فلیات معاذ۔

۱: اسد الغابہ تذکرہ معاذ بن جبل۔

۲: ابوداؤد کتاب الصیام باب فی الصوم فی السفر۔

۳: مسند وارمی صفحہ ۳۳۔

جن لوگوں کا مقصد قرآن مجید ہو وہ ابی بن کعب کے پاس آئیں جو لوگ فرائض کے متعلق سوال کرنا چاہیں وہ زید کے پاس آئیں۔ جن لوگوں کو فقہ کے متعلق دریافت کرنا ہو وہ معاذ کے پاس جائیں۔

(۲) سوال کرنے والوں کو صرف عملی مسائل کے پوچھنے کی اجازت دی۔ چنانچہ ایک شخص کے متعلق جب معلوم ہوا کہ وہ مسلمانوں کی فوجی چھاؤنیوں میں مشابہات قرآن کے متعلق سوال کرتا ہے تو اس کو سزا دی اور حضرت ابو موسیٰ اشعری ؓ کو لکھ بھیجا کہ ان کے پاس کوئی مسلمان بیٹھنے نہ پائے۔

صحابہ کرام ؓ جن پابندیوں کے ساتھ فتوے دیتے تھے وہ حسب ذیل ہیں۔

(۱) خلیفہ وقت کے فتوے کو اپنے فتویٰ پر نافذ العمل سمجھتے تھے۔ چنانچہ ایک بار حضرت ابو موسیٰ اشعری ؓ نے حج کے متعلق فتویٰ دیا اور بعد کو معلوم ہوا کہ امیر المومنین (عمر ؓ) نے دوسرا تغیر کیا ہے تو لوگوں کو ہدایت فرمائی کہ میرے فتویٰ پر عمل نہ کرو امیر المومنین آرہے ہیں ان کی اقتداء کرو۔

(۲) جو فتوے دیتے تھے دوسرے صحابہ ؓ سے اس کی تصویب کروا لیتے تھے اگر ان کی رائے میں وہ فتوے صحیح نہیں ہوتا تھا تو وہ آزادی کے ساتھ اس کی مخالفت کرتے تھے۔ ایک بار ایک شخص نے حضرت ابو موسیٰ اشعری ؓ اور حضرت سلمان بن ربیعہ ؓ سے ایک مسئلہ پوچھا۔ انہوں نے جواب دے کر کہا کہ حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ کے پاس جاؤ وہ بھی ہماری تائید کریں گے۔ وہ آئے تو انہوں نے کہا کہ اگر اس کی تائید کروں تو گمراہ ہو جاؤں گا میں تمہیں رسول اللہ ﷺ کے فیصلہ کے موافق فتوے دیتا ہوں۔

(۳) صرف انہی مسائل کا جواب دیتے تھے جو عملاً وقوع پذیر ہوتے تھے۔ ہمارے فقہاء کی طرح فرضی مسائل کے جواب نہیں دیتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ کا قول تھا کہ ”جو شخص ہر مسئلہ کا جواب دیتا ہے وہ پاگل ہے۔“ ایک دفعہ ایک شخص نے حضرت ابی بن کعب ؓ سے ایک مسئلہ پوچھا تو انہوں نے کہا ”کیا یہ ہو چکا؟“ بولا ”نہیں۔“ فرمایا انتظار کرو جب ہو چکے تو ہم غور کر کے تمہیں جواب دیں گے اور صحابہ ؓ سے بھی اسی قسم کے اقوال مذکور ہیں۔

(۴) اگر کسی مسئلہ کا جواب معلوم نہ ہوتا تو ہمارے علماء کی طرح حیلہ بازیاں نہیں کرتے تھے بلکہ صاف صاف کہہ دیتے تھے کہ ہمیں معلوم نہیں۔

۱: مسند دارمی صفحہ ۲۳۱۔

۲: نسائی کتاب الحج ترک تسمیہ عند الابلال۔

۳: ابو داؤد کتاب الفرائض باب ما جاء فی الصلب۔

۴: مسند دارمی صفحہ ۳۵۳۔

ایک دفعہ کسی نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے کوئی مسئلہ پوچھا۔ انہوں نے کہا کہ معلوم نہیں! وہ واپس ہوا تو بولے کہ ”ابن عمر رضی اللہ عنہ نے خوب کہا مجھے معلوم نہیں۔“^۱

(۵) مسئلہ کے متعلق جس قدر معلوم ہوتا۔ اس سے زیادہ جواب نہیں دیتے تھے۔ ایک بار کسی نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے پوچھا تو واجب ہے یا نہیں؟ بولے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اور مسلمانوں نے وتر پڑھا ہے۔ وہ بار بار پوچھتا رہا مگر انہوں نے اس فقرے کے سوا یہ نہیں کہا کہ ”واجب ہے۔“

علم التفسیر

احادیث کی کتابوں میں اگرچہ قرآن مجید کی تفسیر کے متعلق صحابہ کرام ؓ سے بہت کم روایتیں منقول ہیں۔ تاہم جو کچھ ہیں وہی قرآن مجید کا مغز ہیں۔ قرآن مجید صرف عقائد، احکام اور اخلاق کا مجموعہ ہے۔ قصص انبیاء نے اگرچہ اس میں تاریخی عنصر بھی شامل کر دیا ہے لیکن ان کا جو حصہ قرآن مجید میں مذکور ہے، وہ نہایت سادہ، مختصر اور صحیح ہے۔ صحابہ کرام ؓ سے ان کے متعلق کوئی صحیح روایت مذکور نہیں، لیکن بعد کو ان کے متعلق بے سروپار روایات کا جو دفتر بے پیاں تیار ہو گیا۔ اس کے متعلق علامہ ابن خلدون لکھتے ہیں۔

وقد جمع المتقدمون في ذلك ولوعوا الا ان كتبهم ومنقولاتهم تشتمل على الغث والسمين والمقبول والمردود والسبب في ذلك ان العرب لم يكونوا اهل كتاب ولا علم انما عليهم البداوة والامية واذا تشوقوا الى معرفة شئ مما تشوق اليه النفوس البشرية في اسباب المكونات وبدء الخليقة واسرار الوجود فانما يساء لون عنه اهل الكتاب قبلهم ويستفيلونه منهم وهم اهل التوراة من اليهود ومن تبغ دينهم من النصارى والهل التوراة الذين بين العرب يومئذ بادية مثلهم ولا يعرفون من ذلك الا ما تعرفه العامة من اهل الكتاب ومعظمهم من حمير الذين اخذوا بدين اليهودية فلما اسلموا بقوا على ما كان عندهم مما لا تعلق له بالاحكام الشرعية التي يحتاطون لما مثل اخبار بدء الخيقة وما يرجع الى الحدثن والملاحم وامثال ذلك وهؤلاء مثل كعب الاخبار ووهب بن منبه وعبد الله بن سلام وامثالهم فامتلات التفاسير من المنقولات عندهم¹

حقہ میں نے ان تمام چیزوں کو اپنی کتابوں میں جمع کر دیا ہے لیکن ان کی کتابوں میں بری بھلی مقبول اور مردود ہر قسم کی روایتیں مذکور ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ عرب اہل کتاب اور اہل علم نہ تھے بلکہ وحشی اور جاہل تھے۔ اس لئے ان کو جب مخلوقات کی تکوین، عالم کی آفرینش اور اسرار کائنات کے جاننے کا شوق ہوتا تھا تو اہل کتاب یعنی یہود اور ان کے مقلدین نصاریٰ سے پوچھتے تھے لیکن اس وقت عرب میں جو یہود آباد تھے۔ وہ بھی انہی کی طرح وحشی تھے۔

ان باتوں کا علم ان کو صرف اتنا ہی تھا جتنا ایک عامی کو ہو سکتا ہے۔ ان میں زیادہ تر قبیلہ حمیر کے وہ لوگ تھے جنہوں نے یہودی مذہب اختیار کر لیا تھا۔ اس لئے جب یہ لوگ اسلام لائے تو جن چیزوں کو احکام شرعیہ سے تعلق نہ تھا ان کو اسی قدیم حالت پر قائم رکھا۔ مثلاً آفریش عالم، واقعات تاریخی اور مذہبی لڑائیوں کے حالات وغیرہ اس قسم کے لوگوں میں کعب احبار، یوسب بن منہ اور عبد اللہ بن سلام وغیرہ ہیں۔ اس بناء پر حقد مین کی تفسیریں ان ہی منقولات سے بھر گئیں۔

لیکن اس نکتہ کو سب سے پہلے صحابہ کرام ؓ ہی نے سمجھا تھا، مثلاً حضرت کعب احبار ؓ کو اگرچہ صحابہ کرام ؓ ثقہ سمجھتے تھے۔ تاہم امیر معاویہ ؓ نے ان کے متعلق صاف الفاظ میں فرمایا تھا۔

ان کان من اصدق هؤلاء المحدثین الذین یحدثون عن اهل الکتاب وان کنا مع ذلك لیتلوا علیہ الکذب۔

اگرچہ ان محدثین میں جو اہل کتاب سے روایت کرتے ہیں وہ سب سے زیادہ سچے ہیں۔ تاہم ان کو جھوٹ سے بری نہیں پاتے۔

حضرت عبد اللہ بن عباس ؓ عموماً لوگوں کو تفسیر کے متعلق اہل کتاب کی طرف رجوع کرنے سے روکتے تھے۔ ایک بار انہوں نے فرمایا ”تم لوگ اہل کتاب سے کیا پوچھتے ہو؟ تمہاری کتاب تو خود تازہ اور غیر مخلوق ہے اور اس میں مذکور ہے کہ یہود نے کتاب اللہ کو بدل دیا تھا اور اس میں اپنے قلم سے تغیرات کر دیئے تھے۔ حضرت ابو ہریرہ ؓ اگرچہ نہایت کثیر الروایہ صحابی تھے لیکن وہ بھی اہل کتاب سے روایت نہیں کرتے تھے۔“

حضرت آدم علیہ السلام نے جنت میں جس درخت کا پھل کھلایا وہ کون سا درخت تھا؟ ءصائے موسیٰ کا طول کیا تھا؟ سفینہ نوح کتنا بڑا تھا؟ یہ اور اسی قسم کی بہت سی بیکار باتوں کے متعلق تفسیروں میں جو دور از کار روایتیں مذکور ہیں وہ انہی تفسیروں کا اندوختہ ہیں۔ لیکن صحابہ کرام ؓ اس قسم کی اوہیٹز بن میں اپنا وقت ضائع نہیں کرتے تھے۔ صحابہ کرام ؓ عرب تھے اور عربی کلام کے رموز و اسرار سے واقف تھے۔ اس لئے قرآن مجید کا اکثر حصہ ان کیلئے متن بھی تھا اور تفسیر بھی۔ البتہ جب کوئی لفظ یا کوئی آیت سمجھ میں نہیں آتی تھی تو ۱۔ رسول اللہ ﷺ سے اس کے متعلق سوال کرتے تھے اور آپ اس کی تفسیر فرمادیتے تھے۔ احادیث میں اس قسم کی بہت سی مثالیں موجود ہیں۔ مثلاً جب قرآن مجید کی یہ آیت نازل ہوئی۔

۱: بخاری الاعتصام باب قول النبی ﷺ تسألوا اهل الکتاب عن شئی۔

۲: فتح الباری جلد ۶ ص ۲۵۶۔

و لم یلبسوا ایمانہم بظلم اور جن لوگوں نے اپنے ایمان کو ظلم سے مخلوط نہیں کیا تو صحابہ ؓ نے پوچھا کہ یا رسول اللہ ﷺ ہم میں کس نے ظلم نہیں کیا؟ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

ان الشرك لظلم عظیم شرک بہت بڑا ظلم ہے۔
جس سے معلوم ہو گیا کہ آیت میں ظلم سے شرک مراد ہے۔

ایک بار حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے
من یعمل سوء ایحزبه جو شخص کوئی برائی کرے گا اس کا بدلہ پائے گا
کے متعلق آپ سے سوال کیا۔ آپ نے فرمایا کہ اس بدلے سے مراد وہ مصیبتیں ہیں جو
بندوں کو بھگتنی پڑتی ہیں۔ یہاں تک کہ اگر انسان کی کوئی چیز گم ہو جائے اور وہ اس کیلئے پریشان
ہو تو وہ بھی اسی میں داخل ہے۔
قرآن مجید کی اس آیت میں

یا ایہا الذین امنوا علیکم انفسکم لا یضرکم من ضل اذا اعتدیتم
مسلمانوں! تم پر صرف تمہاری ذات کی ذمہ داری ہے۔ جب تم نے ٹھیک رہ پھلی تو جو شخص
گمراہ ہو وہ تم کو کچھ نقصان نہیں پہنچا سکتا۔

بظاہر امر بالمعروف والنہی عن المنکر کا سد باب ہو جاتا ہے۔ ایک صحابی کے دل میں یہ بات
کھٹکی اور انہوں نے آپ سے یہ سوال کیا۔ آپ نے فرمایا اس آیت پر صرف اس وقت عمل کرنا
چاہئے جب ہوا پرستی عام ہو جائے اور ہر شخص صرف اپنی رائے پر عمل کرنے لگے ورنہ جب تک
لوگوں میں ہدایت کے قبول کرنے کا مادہ موجود ہے امر بالمعروف کا فرض ساقط نہیں ہو سکتا۔
بعض آیتیں اس قسم کی تھیں جن پر تاریخی حیثیت سے اعتراض ہوتا تھا اور صحابہ کرام
ؓ آپ سے ان کا جواب پوچھتے تھے۔ مثلاً ایک بار آپ ﷺ نے ایک صحابی کو نجران کے
میسائیوں کے پاس بھیجا تو ان لوگوں نے اعتراض کیا کہ قرآن مجید میں حضرت مریم علیہا
السلام کو ہارون کی بہن کہا گیا ہے۔ حالانکہ حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ کے زمانے میں بہت
فصل ہے۔ ان سے اس کا جواب بن نہیں آیا اسلئے انہوں نے واپس آکر آپ سے اس کا ذکر کیا۔
آپ نے فرمایا کہ تم نے یہ کیوں نہیں کہہ دیا کہ یہود اپنے قدیم انبیاء و صلحا کے نام پر اپنی لولاد کا
نام رکھتے تھے۔^۱ اسلئے حضرت مریم کے بھائی کا نام اسی طریقہ پر ہارون رکھا گیا تھا۔

۱: بخاری کتاب التفسیر باب قوله ولم یلبسوا ایمانہم بظلم۔

۲: ترمذی کتاب التفسیر سورہ بقرہ۔ ۳: ترمذی کتاب التفسیر سورہ مائدہ۔

۴: ترمذی کتاب التفسیر سورہ مریم۔

(۲) بعض اوقات خود رسول اللہ ﷺ تفسیر کے متعلق صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا امتحان لیتے تھے اور جب ان سے جواب بن نہیں آتا تھا تو خود آیت کی تفسیر فرمادیتے تھے۔ قرآن مجید میں ایک آیت ہے۔

كشجرة طيبة اصلها ثابت و فرعها في السماء نوتى اكلها كل حين۔
مثل اس پاک درخت کے جس کی جڑ ثابت ہے اور اس کی شاخ آسمان میں ہے اور وہ ہمیشہ پھلتا رہتا ہے۔

ایک بار صحابہ رضی اللہ عنہم کا مجمع تھا آپ نے پوچھا کہ یہ کون سا درخت ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے دل میں اگرچہ اس کا جواب آیا لیکن انہوں نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی موجودگی میں کچھ بولنا خلاف لوب سمجھا۔ بالآخر آپ نے خود بتلایا کہ یہ کھجور کا درخت ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو آپ کی زبان مبارک سے تفسیر سننے کا اس قدر شوق تھا کہ ایک بار جب آپ نے حالت سفر میں بہ آواز بلند یہ آیت پڑھی۔

يا ايها الناس اتقوا ربكم ان زلزلة الساعة شئ عظيم
لو گویا اپنے خدا سے ڈرو۔ قیامت کا زلزلہ بڑی چیز ہے۔

تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اپنی ساریوں کو تیزی کے ساتھ دوڑ لیا کہ آپ اس آیت کے متعلق کچھ کہنا چاہتے ہیں۔ چنانچہ پاس پہنچے تو آپ نے پوچھا تمہیں معلوم ہے کہ کون کون سا دن ہے۔ بولے۔
۱۔ کا علم تو صرف خدا اور خدا کے رسول کو ہے اسکے بعد آپ نے وقائع قیامت کو بیان کیا۔

۳۔ بعض اوقات اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم علمی محبتیں منعقد کرتے تھے اور ان میں قرآن مجید کی تفسیر کے متعلق بہت سے نکتے حل ہو جاتے تھے۔ ایک بار صحابہ رضی اللہ عنہم کا مجمع تھا ایک بار صحابہ رضی اللہ عنہم کا مجمع تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ آیت ابوداؤد احمکم ان نکون له جنة کس کے بارے میں نازل ہوئے صحابہ رضی اللہ عنہم نے کہا اس کا علم تو خدا کو ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سخت برہم ہوئے اور کہا کہ یا تو یہ کہو جانتے ہیں یا یہ کہو کہ نہیں جانتے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ اگرچہ کم سن تھے اور اس لئے کچھ کہتے ہوئے ڈرتے تھے۔ تاہم حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی ہمت افزائی سے اجمالاً اس قدر کہا کہ یہ آیت ایک عمل کی مثال ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مزید تشریح کی اور کہا کہ اس دو لٹمنہ شخص کے عمل کی مثال ہے جس نے اطاعت الہی کی پھر شیطان کے انغوائے گناہوں کا مرکب ہوا۔ اس لئے خدا نے اسکے تمام اعمال کو برباد کر دیا۔

۱۔ بخاری کتاب التفسیر باب قوله كشجرة طيبة اصلها ثابت۔

۲۔ ترمذی کتاب التفسیر، تفسیر سورہ حج۔

۳۔ ترمذی کتاب التفسیر سورہ باب قوله ابوداؤد احمکم ان نکون له جنة۔

ایک بار تمام کبار صحابہ ؓ جمع تھے حضرت عمر ؓ نے اذا جاء نصر اللہ والفتح کی تفسیر پوچھی سب نے کہا کہ جب فتح حاصل ہو تو ہم کو اس آیت میں تسبیح واستغفار کا حکم دیا گیا ہے۔ حضرت عمر ؓ خاموش رہے اور حضرت عبداللہ بن عباس ؓ کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا کہ تم کیا کہتے ہو۔ انہوں نے کہا اس آیت میں رسول اللہ ﷺ کے وصال کی خبر دی گئی ہے۔ حضرت عمر ؓ نے کہا میں بھی یہی جانتا ہوں۔^۱

۲۔ بعض اوقات لوگ صحابہ کرام ؓ سے تفسیر کے متعلق سوال کرتے اور وہ اس کا جواب قرآن مجید میں ہے۔

لا تحسبن الذين يفرحون ان

جو لوگ خوش ہوتے ہیں وہ یہ گمان نہ کریں۔

ایک بار مروان نے اپنے دربان کو حضرت عبداللہ بن عباس ؓ کی خدمت میں بھیجا اور کہا کہ اگر یہ گناہ ہے تو ہر شخص پر عذاب ہونا چاہئے۔ انہوں نے کہا کہ اس آیت کا تم سے تعلق نہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے یہود کو بلایا اور ایک سوال کیا۔ انہوں نے اس کے اصلی جواب کو مخفی رکھ کر دوسری بات بتادی اور جس علم کو مخفی رکھا اس پر خوش ہوئے اور جو جواب دیا اس پر دوا طلب کی۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔^۲

جس آیت میں چار بیویوں تک کی اجازت دی گئی ہے اس کے الفاظ یہ ہیں۔

وان خفتم الا تقسطوا فی البتامی فانکحوا ما طاب لکم من البنساء مثنی و ثلاث و رباع۔

اگر تمہیں ڈر ہو کہ تیسوں کے بارے میں انصاف نہ کر سکو گے تو عورتوں میں سے حسب خواہش دو، تین، چار یا چار سے نکاح کرلو۔

لیکن بظاہر آیت کے پہلے اور پچھلے ٹکڑوں میں ربط معلوم نہیں ہوتا تیسوں کے معاملے میں عدم انصاف اور چار نکاح کی اجازت میں باہم کیا تعلق ہے۔

ایک بار حضرت عروہ رضی اللہ عنہا نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے اس کے متعلق سوال کیا۔ تو انہوں نے کہا کہ بعض اوقات یتیم لڑکیاں جاسیدہ میں ولی کی شریک ہوتی ہیں۔ وہ ان سے نکاح کر لیتا ہے اور مہر اور عورتوں سے کم دیتا ہے۔ ایسی حالت میں ان سے نکاح کرنے کی ممانعت کی گئی ہے^۳ اور دوسری عورتوں سے نکاح کا حکم دیا گیا۔

۱۔ بخاری کتاب التفسیر باب قوله فسیح بحمد ربك

۲۔ بخاری کتاب التفسیر باب قوله لا تحسبن الذين يفرحون بما اتوا

۳۔ بخاری کتاب التفسیر باب وان خفتم ان لا تقسطوا فی البتامی۔

ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن میں جن دویسیوں نے آپ سے مظاہرہ کیا تھا۔ ان کے نام ایک برس سے حضرت عبد اللہ بن عباسؓ، حضرت عمرؓ سے پوچھنا چاہتے تھے۔ بالآخر ایک سفر حج میں یہ موقع ملا اور انہوں نے بتلایا کہ عائشہ رضی اللہ عنہا اور حفصہ رضی اللہ عنہا تھیں۔^۱

مناسک حج میں سے ایک رکن کوہ صفا و مروہ کے درمیان دوڑنا بھی ہے۔ قرآن مجید میں اس کے متعلق حسب ذیل الفاظ ہیں۔

ان الصفا والمروہ من شعایر اللہ فمن حج البيت او اعتمر فلا جناح علیہ ان يطوف بهما۔

صفا و مروہ کی پہاڑیاں شعائر الہی میں سے ہیں پس جو شخص خلد کعبہ کا حج یا عمرہ کرے تو کچھ مضائقہ نہیں اگر ان کا بھی طواف کر لے۔

حضرت عروہ نے اس کے متعلق حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے کہا کہ خالہ جان! اس کے تو معنی یہ ہیں کہ اگر کوئی طواف نہ کرے تب بھی کوئی ہرج نہیں۔ فرمایا بھانجے تم نے ٹھیک نہیں کہا یہ آیت انصار کی شان میں نازل ہوئی ہے۔ اوس و خزرج اسلام سے پہلے منہ کی جے پکڑا کرتے تھے منات مثل میں نصب تھا۔ اسلئے وہ لوگ صفا و مروہ کے طواف کو برا جانتے تھے۔ اسلام لائے تو رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کہ ہم لوگ پہلے ایسا کرتے تھے۔ اب کیا حکم ہے؟ اس پر خدا نے ارشاد فرمایا کہ صفا و مروہ کا طواف کرو۔ اس میں کوئی مضائقہ کی بات نہیں۔^۲

قرآن مجید کی ایک آیت یہ ہے

یستفتونک فی النساء قل اللہ یفتیکم فیہن وما یتلی علیکم فی الكتاب فی یتامی النساء التی لا تو تو نہن ما کتب لهن و ترغبون ان تنکحوهن۔

عورتوں کی نسبت لوگ تجھ سے پوچھتے ہیں کہہ دے کہ خدا ان کے حق میں فیصلہ کرتا ہے اس کتاب یعنی قرآن میں جو کچھ تم لوگوں کو پڑھ کر سنایا گیا ہے ان یتیم لڑکیوں کی نسبت جن کو نہ تم مقررہ حقوق دیتے ہو اور نہ ان سے نکاح کرنا چاہتے ہو۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے حضرت عروہ رضی اللہ عنہا نے اس کا مطلب دریافت کیا تو بولیں کہ اس آیت میں جو یہ ارشاد ہوا ہے کہ اس قرآن میں پہلے جو کچھ ان کے بارے میں پڑھ کر سنایا گیا ہے اس سے وہی پہلی آیت مراد ہے یہ آیت ان اولیاء سے متعلق ہے جو یتیم لڑکیوں کو نہ خود اپنے نکاح میں لاتے کہ وہ دولت حسن سے محروم ہیں اور نہ دوسرے سے ان کا نکاح کرنا پسند کرتے کہ جائداد مشترکہ سے ہاتھ سے نکل جانے کا خوف ہے۔^۳

۱: بخاری کتاب التفسیر باب قولہ وان تظاہر علیہ۔ ۲: بخاری باب وجوب الصفا والمروہ۔

۳: صحیح مسلم کتاب التفسیر و صحیح بخاری کتاب النکاح۔

اس سورہ میں ایک آیت اور ہے

حتى اذا استبأس الرسل وظنوا انهم قد كذبوا جاءهم نصرنا۔

یہاں تک کہ جب پیغمبر امید ہو گئے اور انکو خیال ہوا کہ وہ جھوٹ بولے گئے تو ہماری مدد آگئی۔

حضرت عروہ رضی اللہ عنہا نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کذبوا ہے (جھوٹ بولے گئے یعنی ان سے جھوٹ وعدہ کیا گیا) یا کذبوا؟ (وہ جھٹلائے گئے) فرمایا کذبوا، عروہ نے کہا کہ اس کا تو ان کو یقین تھا کہ وہ جھٹلائے گئے۔ یہ ظن و خیال تو نہ تھا۔ اسلئے کذبوا (ان سے جھوٹ وعدہ کیا گیا) صحیح ہے، بولیں معاذ اللہ پیغمبر ان الہی خدا کی نسبت یہ گمان نہیں کر سکتے کہ اس نے ان سے امداد و نصرت کا جھوٹ وعدہ کیا، عروہ نے پوچھا پھر آیت کا مطلب کیا ہے۔ فرمایا یہ پیغمبروں کے پیروں سے متعلق ہے کہ جب وہ ایمان لائے اور توریت کی تصدیق کی اور ان کی قوم نے ان کو ستایا اور نصرت الہی میں ان کو تاخیر نظر آئی۔ یہاں تک کہ پیغمبر اپنی قوم کے منکرین کے ایمان سے ناامید ہو گئے تو ان کو خیال ہوا کہ شاید اس تاخیر کے سبب مومنین بھی ہماری تکذیب نہ کر دیں کہ اسی حالت میں دفعۃً خدا کی مدد نازل ہوئی۔^۱

اس قسم کی اور بھی متعدد مثالیں احادیث کی کتابوں میں ملتی ہیں۔

۵۔ بعض آیتیں اس قسم کی تھیں جو خاص خاص اشخاص یا خاص خاص قبائل کے متعلق نازل ہوئی تھیں۔ اس لئے وہی لوگ اس کی صحیح تفسیر کر سکتے تھے، مثلاً ایک بار ایک صحابی نے رومیوں پر اس جوش کے ساتھ حملہ کیا کہ ان کی صف جنگ کے اندر گھس گئے اس پر تمام لوگوں نے شور کیا کہ سبحان اللہ وہ اپنی ذات کو ہلاکت میں ڈالتے ہیں جس سے قرآن مجید کی آیت لا تلقوا بایديکم الی التهلكة کی طرف اشارہ تھا اس غزوہ میں حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ بھی موجود تھے انہوں نے کہا تم اس آیت کے یہ معنی سمجھتے ہو۔ حالانکہ یہ ہم انصار کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ جب خدا نے اسلام کو غالب کر دیا اور اس کے بہت سے اعداؤں و انصار پیدا ہو گئے تو ہم میں بعض لوگوں نے چپے چوری کہا کہ ہماری جائیداد برباد ہو گئی۔ اب اسلام کے بہت سے حامی اور انصار پیدا ہو گئے اس لئے اب ہم کو اپنی جائیداد کی اصلاح کی فکر کرنی چاہئے۔ اس لئے خدا نے ہمارے خیال کی تردید کی اور فرمایا۔

وانفقوا فی سبیل اللہ ولا تلقوا بایديکم الی التهلكة

خدا کی راہ میں صرف کرو اور اپنی ذاتوں کو ہلاکت میں نہ ڈالو۔

اس بنا پر جہاد ہلاکت نہیں ہے۔ بلکہ جہاد کو چھوڑ کر معاش کی فکر میں مصروف ہو جانا ہلاکت ہے۔^۲

۶۔ کبھی کبھی بعض اشخاص کسی آیت کی غلط تفسیر کرتے تھے۔ صحابہ کرام ؓ کو خبر ہوتی تھی تو ان کی غلطیوں پر تنبیہ کرتے تھے۔ اس طرح اس آیت کی صحیح تفسیر معلوم ہو جاتی تھی۔ مثلاً قرآن مجید میں ہے۔

فارتقب یوم تاتی السماء بدخان مبین۔

اس دن کا انتظام کر جس دن آسمان سے دھواں نمودار ہوگا۔

ایک بار ایک شخص نے اس کی تفسیر بیان کی کہ قیامت کے دن ایک ایسا دھواں اٹھے گا جو منافقین کو بہر اور اندھا کر دے گا۔ لیکن مسلمانوں کو اس سے صرف اس قدر گلوگر چکی ہوگی جتنی ذکام میں ہوتی ہے ایک شخص نے حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ سے اس کا تذکرہ کیا وہ ٹیک لگائے بیٹھے ہوئے تھے برہم ہو کر اٹھ بیٹھے اور کہا کہ علم رکھتے ہوں وہ بولیں اور جو جاہل ہوں وہ خاموش رہیں یہ کہنا کہ ہم نہیں جانتے یہ بھی علم ہے۔ خدا نے خود اپنے پیغمبر کی نسبت فرمایا ہے کہ کہہ دو کہ میں تم سے معاوضہ نہیں مانگتا اور تم سے بناوٹ کی کوئی بات نہیں کہتا اس آیت کی صحیح تفسیر یہ ہے کہ قریش نے اسلام قبول کرنے میں لیت و لعل کیا اس لئے آپ نے ان کو قحط کی بدد عادی چنانچہ ایسا قحط پڑا کہ سب مردار اور ہڈیاں تک کھانے لگے۔ اسی حالت میں لوگ آسمان کی طرف دیکھتے تھے تو معلوم ہوتا تھا کہ فضا دھوئیں سے بھرا ٹھی ہے۔ چنانچہ یہ آیت اسی کے متعلق ہے۔^۱

ایک بار مروان نے اہل حجاز کو ایک خطبہ میں یزید کے ہاتھ پر بیعت کرنے کی ترغیب دی۔ حضرت عبدالرحمن بن ابی بکر ؓ نے اس پر اعتراض کیا اس نے ان کو گرفتار کرنا چاہا۔ وہ حضرت عائشہ ؓ رضی اللہ عنہا کے گھر میں چھپ گئے تو مروان نے سمجھیں کے طور پر کہا قرآن مجید کی آیت والذی قال لوالدہ اف لکما التعدانی انہی کے بارے میں کوئی آیت نازل ہوتی ہے؟ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے پردہ سے کہ اکہ بجز براۃ الفک نے ہم لوگوں کے بارے میں کوئی آیت نازل نہیں ہوئی۔^۲

۷۔ قرآن مجید کی صحیح تفسیر کا دار و مدار تمام تر عربیت پر ہے لیکن مفسرین نے عربیت کے اصول و قواعد کو چھوڑ کر متعدد غلطیاں کی ہیں۔ مثلاً قرآن مجید میں ہے

اذا اردنا ان نھلك قریة امرنا متر فیہا ففسقوا فیہا۔

جب ہم کسی گاؤں کو برباد کرنا چاہتے ہیں تو اس کے دولت مندوں کو حکم دیتے ہیں اور وہ لوگ فسق و فجور میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔

۱: بخاری کتاب التفسیر، تفسیر الم غلبت الروم۔

۲: بخاری کتاب التفسیر تفسیر سورہ احقاف۔

لیکن اگر اس آیت میں امر کے معنی حکم کیلئے جائیں۔ جیسا کہ عام مفسرین نے لئے ہیں تو اس سے لازم آتا ہے کہ خدائی ان کو فسق و فجور کا حکم دیتا ہے۔ حالانکہ خدا برائیوں کا حکم نہیں دیتا مفسرین کے دل میں یہ اعتراض کھٹکا ہے اور انہوں نے اس کے مختلف جوابات دیئے ہیں لیکن خصائص ابن جنی میں متعدد شواہد سے ثابت کیا گیا ہے کہ امر کے معنی کلام عرب میں کثرت کے بھی آتے ہیں۔ اس آیت کی تفسیر یہ ہوگی۔ کہ جب ہم کسی شہر کو تباہ کرنا چاہتے ہیں تو بہت سے امراء پیدا کر دیتے ہیں اور لہارت کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ جتلائے فسق و فجور ہو جاتے ہیں جو تباہی کا پیش خیمہ ہے اور اس تفسیر پر کوئی اعتراض نہیں پڑتا۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بڑھ کر عربیت کا کون ماہر ہو سکتا تھا؟ اس لئے انہوں نے اس قسم کے موقعوں پر ٹھیک وہی تفسیر کی ہے جو لوب و عربیت کا اقتضاء تھا۔ چنانچہ صحیح بخاری میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے اس آیت کی جو تفسیر منقول ہے اس میں انہوں نے امر کے معنی کثرت ہی کے لئے ہیں اس کے اصلی الفاظ یہ ہیں

كُنَّا نَقُولُ لِلْحَيِّ إِذَا كَثُرُوا أَفَى الْجَاهِلِيَةِ أَمْرُنُو فُلَانٌ۔^۱

زمانہ جاہلیت میں جب کوئی قبیلہ بڑھ جاتا تھا تو ہم کہتے تھے کہ امر بنو فلان۔

لیکن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی بحث و جستجو، تحقیق و تلاش روک و ٹوک جو کچھ تھی اس کا تعلق صرف تفسیر کے اس حصے کے ساتھ تھا جو ضروری، کار آمد اور عملی تھا۔ غیر ضروری مباحث مثلاً تخلیق عالم، امر اور کائنات تاریخ قدیم اور قصص انبیاء سے انہوں نے کبھی اعتنا نہیں کیا۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے متعلق صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بروایت صحیحہ ایک حرف بھی مروی نہیں ہے۔ متاخرین کے دماغ کا سب سے بڑا جولا نگاہ آیات مشابہات ہیں لیکن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس بحث میں پڑنا بہت بڑا گناہ سمجھتے ہیں۔ چنانچہ ایک شخص کو جو آیات مشابہات کے متعلق سوال کرتا پھر تاتھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سخت سزا دی اور حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ کوئی مسلمان اس کے پاس بیٹھنے نہ پائے۔^۲

ان آیات کے علاوہ قرآن مجید کی اور متعدد آیتوں کی تفسیریں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے احادیث کی کتابوں میں منقول ہیں لیکن ہم ان کو نجوف طوالت قلم انداز کرتے ہیں۔

۱: بخاری کتاب التفسیر باب قوله اذا اردنا ان نهلك قرية الخ۔

۲: مسند دارمی صفحہ ۳۱۔

علم حدیث

یہ مسلم ہے کہ حدیث کا مقدس فن تمام تر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا ساختہ و پرداختہ ہے لیکن اگر یہ سوال کیا جائے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس فن کو کیونکر مرتب کیا؟ تو اس کے جواب کے لئے ہم کو اس سوال کے تمام اجزاء کو تحلیل کر کے تفصیل کے ساتھ بتانا ہو گا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے فن حدیث کی کیا ضرورت سمجھی؟ اس کو کیونکر حاصل کیا؟ کیونکر محفوظ رکھا؟ ہم تک اس کو کس حزم و احتیاط کے ساتھ پہنچایا؟ ان کی روایتوں کا مقصد کیا تھا؟ ان کے پاس احادیث کا تحریری ذخیرہ کس قدر تھا؟ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے احادیث کے کس قدر مدارج قائم کئے؟ ان سے جن لوگوں نے روایتیں کیں انہوں نے ان احادیث کا کس قدر تحریری ذخیرہ فراہم کیا؟ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے احادیث کے کس قدر مدارج قائم کیئے؟ فن روایت کو کس حد تک پہنچایا؟ قلت و کثرت روایت کی بنا پر ان کے کس قدر طبقات قائم ہوئے؟ اور ان کی روایات کی تعداد کیا ہے؟ چنانچہ ہم اسی ترتیب کے ساتھ ان سوالات کا جواب دینا چاہتے ہیں۔

فن روایت کی ضرورت

عقائد، عبادات اور اخلاق کے تمام ابواب اگرچہ اصولاً قرآن مجید میں مذکور ہیں لیکن ان کی توضیح، تفصیل اور تحدید و تعیین کیلئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال و افعال کی ضرورت ہے اسلئے وہ بھی قرآن مجید کی طرح مذہبی عقائد و اعمال کا لازمی جزو ہے۔ اسی مقصد کیلئے فن حدیث کی ضرورت ہے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس کی یہی ضرورت سمجھی تھی۔

چنانچہ ایک بار کسی شخص نے حضرت عمران بن حصیب رضی اللہ عنہ سے کہا کہ ”آپ لوگ ایسی حدیثوں کی روایت کرتے ہیں جن کی اصل ہم کو قرآن مجید میں نہیں ملتی وہ سخت برہم ہوئے اور فرمایا ”کیا قرآن مجید میں یہ تفصیل ہے کہ ہر چالیس درہم میں ایک درہم اتنی بکریوں میں اتنی بکری اور اتنے لونٹوں میں اتنے لونٹ زکوہ میں دینے چاہئیں اس نے کہا ”نہیں بولے ”تو پھر تم کو کیونکر یہ معلوم ہوا؟ تم نے ہم سے سیکھا اور ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے۔“

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے علم حدیث کیوں کر حاصل کیا
صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے زیادہ کوئی شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیض صحبت کا مشاق نہ تھا،

لیکن اسکا مقصد صرف یہ ہوتا تھا کہ مشکوٰۃ نبوت سے اقتباس نور کریں۔ حضرت عمر ؓ عموماً میں قیام رکھتے تھے جو مدینہ سے کسی قدر دور اسلئے آپ کی خدمت میں روز حاضر ہونا ناممکن تھا تاہم یہ معمول کر لیا تھا کہ ایک روز خود آتے تھے اور دوسرے روز اپنے پڑوسی حضرت عثمان بن مالک ؓ کو بھیجتے تھے تاکہ خرمن نبوت کی خوشہ چینہ سے کسی دن محروم نہ ہونے پائیں۔^۱ بعض صحابہ ؓ کو اس کا اس قدر شوق تھا کہ ایک ایک بات کیلئے برسوں آپ کی خدمت میں قیام کرتے تھے۔

حضرت نواس بن سمان ؓ کا بیان ہے کہ لوگ جب آپ ﷺ کے پاس رخصت ہوتے تھے تو کچھ پوچھ کر نہیں جاتے تھے، لیکن مجھے گناہ و ثواب کی حقیقت دریافت کرنی تھی اس کیلئے میں نے ایک سال تک قیام کیا۔ اس کے بعد آپ ﷺ سے دریافت کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا ”نیکی حسن خلق کا نام ہے اور گناہ وہ ہے جو خود تمہارے دل میں کھٹکے اور لوگوں پر اس کا افشاء تمہیں ناگوار ہو۔“^۲

اس طرح جن بزرگوں کو آپ کے فیض صحبت سے متمتع ہونے کا جس قدر موقع ملتا تھا اسی قدر ان کے پاس احادیث کا ذخیرہ زیادہ جمع ہو جاتا تھا۔ چنانچہ حضرت ابو ہریرہ ؓ پر جب کثرت روایت حدیث کا الزام لگایا گیا تو انہوں نے اس کا یہ جواب دیا

ان اخوتی من المهاجرین کان شیلهم الصفق بالا سواق و کنت الزم رسول الله صلى الله عليه وسلم على ملاء بطني فاشهدا ذاغابوا واحفظ اذا نسوا و کان يشغل اخوتی من الا نصار عمل الموالهم و کنت امرء مسکینا من مساکین الصفة اعی حین ینسون۔^۳

میرے بھائی مہاجرین تجارت میں اور میرے بھائی انصار کھیتی باڑی میں مصروف رہتے تھے، لیکن میں مساکین صفہ کا ایک فرد تھا اس لئے ہر وقت رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر رہتا تھا۔ اس بنا پر جب وہ لوگ غائب ہوتے تھے تو میں آپ کی خدمت میں موجود رہتا تھا۔ جب یہ لوگ بھولتے تھے تو میں یاد کیا کرتا تھا۔

وہ معاش کی ضرورت کے علاوہ خود حدیث نبوی ﷺ کے نہایت مشتاق تھے اس لئے آپ ﷺ سے سوالات کیا کرتے تھے اور آپ شوق سے ان کا جواب دیتے تھے۔ ایک بار انہوں نے آپ ﷺ سے دریافت کیا کہ قیامت کے دن آپ ﷺ کی شفاعت

۱: بخاری کتاب العلم باب التناذب فی العلم۔

۲: مسلم کتاب البر والصلة والآداب باب تفسیر البر والائتم۔

۳: بخاری کتاب المیوع۔

سے سب سے زیادہ بہرہ اندوز کون ہوگا؟ فرمایا کہ ”میرا خیال تھا کہ تم سے پہلے کوئی اس کا سوال نہ کرے گا کیونکہ تم حدیث کے بڑے حریص ہو۔“^۱

ان بزرگوں سے الگ ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن اور ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہیں جن کو رسول اللہ ﷺ سے سب سے زیادہ تقرب حاصل تھا اس لئے ان کو خصوصیت کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کے اقوال و افعال کے سننے اور دیکھنے کا موقع ملتا تھا۔ احادیث میں نہایت کثرت سے اس قسم کے واقعات ملتے ہیں۔ جن میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اپنی ذاتی واقفیت کی بنا پر اور صحابہ کرام کی روایتوں پر نکتہ چینی کی لائل بیعت میں بھی جو لوگ زیادہ گھس ہوتے تھے وہ ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن ہی کے ذریعہ سے اس مقصد میں کامیاب ہوتے تھے۔ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی خالہ تھیں وہ ان کے یہاں اس غرض سے سوتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ سکی نماز شب کی کیفیت کو ملاحظہ کریں۔^۲

شوق حدیث میں سفر

لیکن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا شوق حدیث صرف رسول اللہ ﷺ کے فیض صحبت تک محدود نہ تھا بلکہ وہ اس روحانی خزانے کی تلاش میں طرح طرح کی مشقیں برداشت کر کے سینکڑوں کوس کا سفر کرتے تھے حضرت فضالہ بن عبیدہ رضی اللہ عنہ مصر کے گورنر تھے۔ ایک صحابی ان کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا کہ ”میں ملاقات کیلئے نہیں آیا میں اور آپ دونوں نے رسول اللہ ﷺ سے حدیث سنی تھی۔ اسلئے مجھے خیال ہوا کہ شاید آپ کے پاس اس کا علم ہو۔“^۳

حضرت عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ مصر میں مقیم تھے۔ وہ قصاص کے متعلق ایک حدیث کی روایت کرتے تھے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کو معلوم ہوا تو بازار میں آکر ایک لونٹ خرید اور اس پر کجلادہ کس کر مصر کو روانہ ہوئے ایک مہینے میں مصر پہنچے اور لوگوں سے پوچھتے ہوئے انکے دروازے پر گئے اور ایک حبشی غلام کے ذریعہ سے ان کو اطلاع دی۔ جب ان کو معلوم ہوا کہ وہ صحابی ہیں تو آکر لپٹ گئے اور پوچھا کہ آپ کیوں تشریف لائے؟ بولے ”قصاص کے متعلق آپ جس حدیث کی روایت کرتے ہیں۔ اب آپ کے سوا اس کا کوئی رلوای نہیں ہے۔ اسلئے میں نے چاہا کہ قبل اسکے کہ ہم دونوں میں سے کسی کو موت آئے میں آپ سے اس حدیث کو سن لوں۔“^۴

۱: بخاری کتاب العلم باب الحرم علی اللہ یث۔ ۲: ابوداؤد کتاب الصلوۃ باب فی صلاۃ اللیل۔

۳: ابوداؤد کتاب الترجل۔

۴: حسن الحاضرہ جلد ۸ صفحہ ۷۸ بخاری کتاب العلم میں بھی اس کا اجمالاً تذکرہ ہے دیکھو باب الخروج فی

ایک موقع پر رسول اللہ ﷺ نے ایک حدیث بیان فرمائی تھی۔ حضرت سہاب بن خالدؓ اور حضرت عقبہ بن عامرؓ جنہی ﷺ اس موقع پر موجود تھے لیکن بعد میں حضرت سہابؓ کو اس حدیث کے متعلق وہم پیدا ہوا اور وہ ازالہ شک کے لئے مصر میں حضرت عقبہؓ کے پاس گئے اور پہلے مسلمہ بن مخلد کے دروازے پر حاضر ہوئے انہوں نے ان کو مہمان بنانا چاہا لیکن انہوں نے کہا کہ ”پہلے عقبہ سے میری ملاقات کروادیتے ہو وہ ایک گاؤں میں تھے۔ وہ وہاں گئے اور اس حدیث کی تصدیق کر کے واپس آئے۔“

اس کے علاوہ صحابہ کرامؓ سینکڑوں طریقے سے احادیث کو جمع کرتے تھے ایک بار حضرت زید بن خالدؓ انجمنی ﷺ آستانہ مبارک پر ٹیک لگا کر سوئے اور آپ کی نماز شب کی کیفیت ملاحظہ فرمائی۔^۱

ایک بار ایک صحابی نماز پڑھ رہے تھے۔ آپ نے ان سے کچھ کہا جس کو اور صحابہؓ نے نہیں سنا جب وہ پلٹے تو تمام صحابہؓ نے ان کو گھیر لیا اور کہا کہ ”آپ نے کیا فرمایا۔“^۲

ایک بار حضرت امیر معاویہؓ نے حضرت مغیرہ بن شعبہؓ کو لکھا کہ نماز کے سلام کے بعد آپ کیا دعا پڑھتے تھے۔ انہوں نے دعا لکھ بھیجی۔^۳

اس تفصیل و تلاش کے ذریعہ سے کان سعادت کے یہ موتی جب دامن میں آجاتے تھے تو صحابہ کرامؓ نشہ مسرت سے بے خود ہو جاتے تھے۔ حضرت ابن الخطلیہؓ ایک خاموش اور گوشہ نشین صحابی تھے۔ ایک روز وہ حضرت ابوالدرداءؓ کے پاس سے ہو کر گذرے تو انہوں نے ان کو دیکھ کر کہا

كَلِمَةً تَنْفَعُنَا وَلَا تَضُرُّكَ

کچھ فرمائیے جو ہم کو نفع دے اور آپ کے لئے مضر نہ ہو۔

انہوں نے ایک حدیث بیان کی۔ حضرت ابوالدرداءؓ اس قدر مسرور ہوئے کہ سر اٹھا کر کہا ”آپ نے رسول اللہ ﷺ سے یہ سنا ہے اور بار بار اس جملے کو دہراتے رہے اسی طرح وہ متعدد بار ان کے پاس سے گذرے اور انہوں نے کلمہ نافعہ کی استدعا کی اور انہوں نے ایک حدیث بیان کر دی۔“^۴

۱: حسن الحاضرہ جلد ۱ صفحہ ۸۶۔

۲: سنن ابن ماجہ کتاب الصلوٰۃ باب ماجاء کم یصلی اللیل۔

۳: سنن ابن ماجہ کتاب الصلوٰۃ باب ماجاء اذا اقمیت الصلوٰۃ فلا صلوا الا المكفوبہ۔

۴: ابوداؤد کتاب الصلوٰۃ باب ما یقول الرجل اذا اسلم۔

۵: ابوداؤد کتاب اللباس باب ماجاء فی اسبال الازار۔

صحابہ کرام ؓ نے احادیث کو کیونکر محفوظ رکھا

دنیا کو تعجب ہے کہ صحابہ کرام ؓ نے احادیث کے ذخیرے کو کیوں کر اس صحت و جامعیت کے ساتھ محفوظ رکھا کہ رسول اللہ ﷺ کی زبان مبارک کا ایک فقرہ بھی ہوا کہ تموج میں جذب ہو کر فنا نہیں ہوا؟ لیکن اگر اس کو یہ معلوم ہوتا کہ صحابہ کرام ؓ نے نہ صرف اس مقدس مجموعہ کی حفاظت کی۔ بلکہ آپ کے ایک ایک اشارے ایک ایک حرکت اور ایک ایک لہو کو محفوظ رکھا تو یہ تعجب خود بخود زائل ہو جاتا۔

ایک بار لوگوں نے حضرت خباب سے پوچھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ظہر و عصر میں قرأت کرتے تھے بولے ہاں لوگوں نے کہا یہ کیونکر معلوم ہوا؟ فرمایا ہم آپ ﷺ کی ریش مبارک کی حرکت سے اس کا پتہ لگا لیتے تھے۔

حضرت ابو سعید خدری فرماتے ہیں کہ ہم نے یہ اندازہ کیا کہ آپ ظہر و عصر کی رکعت میں کتنی دیر تک قیام کرتے ہیں تو معلوم ہوا کہ لول دور کعتوں میں اتنی دیر میں تین آیتیں پڑھ لی جائیں اور اخیر کی دو رکعتوں میں اسکی نصف مدت۔

ایک بار حضرت عبداللہ ؓ نے نماز کا طریقہ بتایا اور کہا کہ ”مجھے رسول اللہ ﷺ کی انگلیوں کی گردش نظر آرہی ہے۔“

پہلے جب نماز میں اشارہ کرنا یا بات چیت کرنا جائز تھا تو رسول اللہ ﷺ لوگوں کو نماز میں سلام کا جواب دیا کرتے تھے۔ ایک صاحب نے حضرت بلال ؓ سے اسکی کیفیت پوچھی تو انہوں نے اسی طرح ہاتھ کو گردش دی جس طرح آپ ہاتھوں کو اس حالت میں گردش دیتے تھے۔ حضرت اغر مونی ؓ فرماتے ہیں کہ ہم نے ایک بار شہد کیا معلوم ہوا کہ آپ نے ایک نشست میں سو ۱۰۰ بار استغفار فرمایا۔

صحابہ کرام ؓ نے جس طرح ان حرکات و اشارات کو محفوظ رکھا تھا اسی طرح بعض احادیث کی روایت میں ان جزئیات کی تفصیل بھی کرتے تھے۔

ایک بار حضرت ابو حمید ساعدی ؓ نے دس صحابہ ؓ کے مجمع میں کہا کہ ”میں تم سے زیادہ رسول اللہ ﷺ کی نماز سے واقف ہوں ان لوگوں نے کہا کیونکر؟ تمہنہ ہم سے زیادہ قبیح

۱: ابوداؤد کتاب الصلوٰۃ باب القراءة فی الظہر۔

۲: ابوداؤد کتاب الصلوٰۃ باب تعذیب الاخرین۔

۳: ابوداؤد کتاب الصلوٰۃ باب تضریع ابواب الركوع والسجود الیدین علی الرکبتین۔

۴: ابوداؤد کتاب الصلوٰۃ باب رد السلام فی الصلوٰۃ۔

۵: ابوداؤد کتاب الصلوٰۃ باب فی الاستغفار۔

سنت تھے نہ ہم سے زیادہ قدیم الصحبت انہوں نے صلوٰۃ نبویہ ﷺ کی ایک ایک جزئیات کو بیان کرنا شروع کیا۔ تو ان لوگوں نے تصدیق کی۔^۱

لیکن احادیث کے محفوظ رکھنے کا اصلی ذریعہ حفظ حدیث تھا۔ یعنی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ان کو یاد بر یاد کرتے تھے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں رات کے تین حصے کرتا تھا ایک میں سوتا تھا ایک میں نماز پڑھتا تھا اور ایک میں احادیث رسول اللہ ﷺ کو یاد کرتا تھا۔^۲

لوگوں نے حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے کہا کہ ”آپ ہم کو احادیث کے لکھنے کی اجازت نہیں دیتے فرمایا۔“ ہم حدیث کو قرآن کی طرح لکھنے کی اجازت نہیں دے سکتے لیکن جس طرح ہم نے رسول اللہ ﷺ سے سن کر حدیثیں یاد کر لی تھیں تم بھی اسی طرح یاد کر لو۔^۳

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کس حزم و احتیاط کے ساتھ

ہم تک احادیث کو پہنچایا

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم روایت حدیث میں نہایت حزم و احتیاط سے کام لیتے تھے۔ بعض صحابہ رضی اللہ عنہم مثلاً حضرت زبیر رضی اللہ عنہ سرے سے روایت ہی نہیں کرتے تھے۔ ایک بار ان سے حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ آپ تمام صحابہ رضی اللہ عنہم کی طرح کیوں نہیں روایت کرتے؟ بولے ”اگرچہ رسول اللہ ﷺ سے مجھ کو امتیاز و خصوصیت حاصل تھی۔ تاہم میں نے آپ ﷺ کو کہتے سنا ہے کہ جو شخص میری طرف جھوٹ کا انتساب کرے اسکو اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالینا چاہئے۔“

بعض صحابہ رضی اللہ عنہم برسوں قال الرسول کے لفظ سے اپنے لب کو آسانک نہیں کرتے تھے۔ امام شعبی کا بیان ہے کہ میں ایک سال تک حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے پاس بیٹھا لیکن انہوں نے کوئی حدیث نہیں بیان کی۔ حضرت سائب بن یزید کا بیان ہے کہ میں نے حضرت طلحہ بن عبداللہ رضی اللہ عنہ، حضرت سعد رضی اللہ عنہ، حضرت مقداد رضی اللہ عنہ اور حضرت عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کی رفاقت کی لیکن طلحہ کے سوا کہ وہ واقعات احد بیان کرتے تھے کسی سے کوئی حدیث نہیں سنی۔^۵

حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے مدینہ سے مکہ تک حضرت سعد بن مالک رضی اللہ عنہ کی رفاقت کی، لیکن میں نے ان کی زبان سے ایک حدیث بھی نہیں سنی۔

۱: ابو داؤد کتاب الصلوٰۃ باب افتتاح الصلوٰۃ۔

۲: مسند دارمی ص ۳۵۔ ۳: دارمی ص ۶۶۔

۴: ابو داؤد کتاب العلم باب فی التشدید فی الکذب علی رسول اللہ۔

۵: بخاری کتاب الجہاد باب من حدث بحشاشہ فی الحرب۔

۶: سنن ابن ماجہ باب التوفی فی الحدیث عن رسول۔

بعض لوگ صحابہ کرام ؓ سے روایت حدیث کی درخواست کرتے تھے لیکن وہ انکار کر دیتے یا ناال دیتے تھے۔ ایک بار لوگوں نے حضرت زید بن ارقم ؓ سے کہا کہ ”حدیث بیان فرمائیے“ بولے ”ہم لوگ بوڑھے ہوئے اور بھول گئے۔ حدیث کی روایت کرنا تو نہایت سخت کام ہے۔“

ایک بار لوگوں نے حضرت انس بن مالک ؓ سے روایت حدیث کی درخواست کی تو فرمایا کہ ”انشاء اللہ“۔^۱

جو صحابہ ؓ روایت کرتے تھے وہ بھی نہایت کم حدیثیں بیان کرتے تھے۔ حضرت انس بن مالک ؓ فرماتے تھے کہ کثرت روایت سے مجھے یہ حدیث روکتی ہے۔
من کذب علی متعمداً لّٰخ۔^۲

حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ مہینے میں صرف دو یا تین حدیثوں کی روایت کرتے تھے۔^۳ حضرت عمر ؓ لوگوں کو خصوصیت کے ساتھ کثرت روایت سے روکتے تھے۔ حضرت قرظہ بن کعب ؓ کا بیان ہے کہ حضرت عمر ؓ نے ہم کو عراق بھیجا تو ہماری مشابعت کی اور کہا کہ تمہیں معلوم ہے کہ میں کیوں تمہارے ساتھ چلتا ہوں؟ سب نے کہا یہ ہماری عزت افزائی ہے بولے ہاں لیکن تم ایسی قوم کے پاس جا رہے ہو جو تلاوت قرآن میں شہد کی مکھیوں کی طرح ترنم ریز ہے پس ان کی تلاوت میں خلل انداز نہ ہونا اور رسول اللہ ﷺ کی حدیثیں کم بیان کرنا، اور میں تمہارا شریک رہوں گا۔^۴

صحابہ کرام ؓ جب حدیث بیان کرتے تھے تو روایت کی ذمہ داری سے گھبراہٹتے تھے۔ حضرت عمرو بن میمون ایک تابعی تھے۔ ان کا بیان ہے کہ میں ہر جمعرات کو بلا ناغہ حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ کی خدمت میں حاضر ہوتا تھا لیکن ان کی زبان سے کبھی قال رسول اللہ ﷺ کا لفظ نہیں سنا ایک دن یہ الفاظ ان کی زبان سے نکلے تو گردن جھکالی۔ میں نے دیکھا تو ان کی قمیص کے تکے کھلے ہوئے تھے آنکھیں ڈبڈبائی ہوئی تھیں گردن رگیں پھول گئی تھی حدیث کی روایت کرتے تھے تو احتیاط کہتے جاتے تھے اس سے کہیں اس سے زیادہ اس کے قریب یا اس کے مشابہ یعنی یقینی طور پر یہ نہیں کہتے تھے کہ یہی الفاظ ہیں۔^۵

۱: واری ص ۴۶۔

۲: بخاری کتاب العلم باب اثم من کذب علی النبی۔

۳: واری صفحہ ۴۶۔

۴: تذکرہ الحفاظ تذکرہ حضرت عمرؓ۔

۵: ابوداؤد باب التوقی فی الحدیث عن رسول اللہ۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ جب حدیث بیان کرتے تھے تو گھبرا اٹھتے تھے اور کہتے تھے کہ یہ الفاظ ہیں۔ یا جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہوگا۔^۱

حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے تھے کہ میں جب حدیث بیان کروں تو مجھے یہ گوارا ہے کہ مجھ پر آسمان پھٹ پڑے بہ نسبت اسکے کہ آپ کی طرف اس حدیث کا انتساب کروں۔^۲ جس کو آپ نے نہیں فرمایا۔

حضرت عبدالرحمن بن ابویہ رضی اللہ عنہ ایک صحابی تھے۔ وہ اپنے بستر پر ایک چھڑی رکھ کر بیٹھتے تھے جب ان کے لڑکے اور بھتیجے علم حدیث کی تعلیم کے لئے آتے اور کہتے کہ ”قال رسول اللہ تو چھڑی اٹھا کر فرماتے کہ تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کیوں کر روایت کر سکتے ہو۔“^۳

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جس حزم و احتیاط کے ساتھ روایت کرتے تھے اسی حزم و احتیاط کے ساتھ ان کو قبول بھی کرتے تھے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ جب میرے سامنے کوئی صحابی روایت کرتے ہیں تو میں ان سے قسم لیتا ہوں۔ جب وہ قسم کھا لیتے ہیں تو میں اس روایت کی تصدیق کرتا ہوں۔^۴

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نہایت نرم خوتھے لیکن روایت کے قبول کرنے میں کسی قسم کی مبالغہ نہیں کرتے تھے۔ ایک بار دہلوی کی میراث کے متعلق حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے ایک روایت کی تو فرمایا کہ ”شاید لاؤ“ حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے شہادت دی تو اس کو قبول کیا۔^۵

تمام صحابہ رضی اللہ عنہم میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سب سے زیادہ مشدد فی الحدیث تھے۔ ایک بار زور کو ب میں کسی عورت کا حمل ساقط ہو گیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کی دیت کے متعلق صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مشورہ فرمایا۔ حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک غلام یا ایک لونڈی اس کی دیت میں دلوائی ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس حدیث پر شہادت طلب فرمائی۔ تو حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے شہادت دی۔^۶

ایک بار حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا کہ ”ابو موسیٰ اجازت چاہتا ہے۔ اشعری لون چاہتا ہے۔ عبد اللہ بن قیس اسعیدان کا خواستگار ہے۔ تین بار کی لون طلبی پر بھی جب باریابی کی اجازت نہ ملی تو واپس آئے۔“ حضرت عمر رضی اللہ عنہ

۱: داری ص ۳۶۔

۲: مسلم کتاب الزکوٰۃ باب التحریض علی قتل الخوارج۔

۳: اسد الغابہ تذکرہ حضرت عبدالرحمن بن ابویہ۔

۴: ابوداؤد کتاب الصلوٰۃ باب فی الاستغفار۔

۵: ابوداؤد کتاب الفرائض باب فی الحجہ۔

۶: ابوداؤد کتاب الدیات باب دینہ الجنین۔

نے بلا کر پوچھا کیوں واپس چلے گئے؟ بولے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ ”اگر تین بار میں وزن نہ ملے تو واپس چلے آؤ۔“ فرمایا اس حدیث پر گولہ لاؤ۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے شہادت دی تو کہا کہ میں تم کو متہم کرنا نہیں چاہتا تھا۔ یہ تشدد صرف اس خوف کی بنا پر تھا کہ لوگ جھوٹی روایتوں کے کرنے پر دلیر نہ ہو جائیں۔ لیکن حضرت ابی ﷺ نے اس تشدد کو دیکھ کر کہا ”عمر! صاحب رسول اللہ ﷺ کی جان کا عذاب نہ بنو۔“^۱

ایک بار حضرت عمرو بن امیہ رضی اللہ عنہ الضمری بازار میں چادر خرید رہے تھے۔ لوگوں نے پوچھا کیا کرو گے۔ بولے اس کو صدقہ میں دوں گا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ سن لیا اور چلے گئے بعد کو ملے تو کہا کہ وہ چادر کیا ہوئی۔ انہوں نے کہا میں نے اپنی بی بی پر صدقہ کر دیا۔ کیوں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ ”بی بی کو جو کچھ دو گے وہ صدقہ ہو گا بولے عمرو! رسول اللہ ﷺ پر افتراء کرو چنانچہ ان کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس لائے اور اس حدیث کی تصدیق کرائی۔“^۲

ایک بار حضرت ابو مسعود رضی اللہ عنہ، حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ اور حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کو اسی تشدد و احتیاط کی بنا پر قید کر دیا اور کہا یہ حدیثیں روایت کرتے ہو۔“^۳

ایک بار کسی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ عہد عمر رضی اللہ عنہ میں بھی تم اسی طرح حدیثوں کی روایت کر سکتے تھے۔ بولے ”اگر ایسا کرتے تو کوڑا کھاتے۔“^۴

اسی تشدد کا نتیجہ یہ ہوا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں روایتیں اس قدر مٹ ہو گئیں کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو حکم دیا تھا کہ صرف حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے کی حدیثیں روایت کی جائیں کیونکہ وہ لوگوں کو مذہبی معاملات میں ڈر لیا کرتے تھے۔“^۵

روایت حدیث کا مقصد

ثواب آخرت کے علاوہ علم حدیث چونکہ دنیوی عزت و جلال کا بھی ذریعہ تھا اسلئے اخیر زمانے میں بہت سے لوگ ایسے پیدا ہو گئے تھے۔ جو صرف حصول عزت کے لئے حدیثیں بناتے تھے اور ان کی روایت کرتے تھے لیکن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی روایت حدیث کا مقصد حصول ثواب اخروی کے سوا اور کچھ نہ تھا۔ یہی وجہ ہے کہ بعض صحابہ رضی اللہ عنہم اس لذت کو اس وقت لیا کرتے

۱: ابوداؤد کتاب الادب فی الاسعیدان و بخاری کتاب الاسعیدان۔

۲: مسند ابوداؤد طرابلسی ص ۱۹۳۔

۳: المحصر من المختصر من مشکل الآثار للطحاوی ص ۲۵۹۔

۴: تذکرہ الحفاظ ترجمہ حضرت عمرؓ۔

۵: مسلم کتاب الزکوٰۃ باب النہی عن المسئلہ۔

تھے جب دنیوی عزت ہر شخص کا ساتھ چھوڑ دیتی ہے اور ہر امین کو خطرہ پیدا ہو جاتا ہے کہ اگر اس نے امانت ادا نہیں کی تو خدا کے نزدیک ماخوذ ہوگا۔ چنانچہ ایک صحابی نے انتقال کے وقت ایک حدیث کی روایت کی اور کہا کہ ”میں صرف حصول ثواب کے لئے اس کی روایت کرتا ہوں۔“^۱

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ جو شخص توحید و رسالت کا اقرار کرے گا وہ جنتی ہوگا لیکن اس کے ساتھ یہ بھی ہدایت کی تھی کہ اس کا عام اعلان نہ کیا جائے۔ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے عمر بھر اس راز کو چھپایا لیکن دم نزع خوف کتمان سے اس راز کو افشا کر دیا۔^۲

عبید اللہ بن زیاد حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ کی عیادت کو آیا تو بولے کہ ”میں تم سے ایک حدیث بیان کرتا ہوں۔ اگر مرض الموت میں مبتلا نہ ہوتا تو نہ بیان کرتا۔ آپ نے فرمایا ہے کہ ”جو امیر مسلمانوں کی خیر خواہی نہ کرے گا وہ ان کے ساتھ جنت میں داخل نہ ہوگا۔“^۳

صحابہ کے پاس حدیث کا تحریری ذخیرہ کس قدر تھا

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اگرچہ زبانی روایتیں کرتے تھے تاہم ان کے پاس حدیث کے بعض تحریری ذخیرے بھی موجود تھے اخیر زمانے میں زکوہ کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو دستور العمل مرتب فرمایا تھا اس کو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے محفوظ رکھا تھا۔ چنانچہ وہ مدتوں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے خاندان میں محفوظ رہا اور وہیں سے حضرت عمر بن عبد العزیز رضی اللہ عنہ نے اس کی نقل لی۔^۴

تذکرہ الحفاظ میں ہے کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے ۵۰۰ حدیثیں بھی لکھی تھیں لیکن پھر اس مجموعہ کو جلا دیا۔

فتح مکہ کی بعد آپ نے جو خطبہ دیا تو اس کے متعلق یمن کے ایک صحابی ابو شاہ نے درخواست کی کہ یا رسول اللہ! یہ میرے لئے لکھو لایا جائے چنانچہ آپ نے اس کو لکھوا دیا۔^۵

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے پاس احکام کا ایک مجموعہ تھا جس کی نسبت وہ فرمایا کرتے تھے کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات میں قرآن مجید اور اس صحیفہ کے سوا اور کچھ نہیں

۱: ابوداؤد باب ما جاء في الهدى في المشى الى الصلوة۔

۲: مسلم کتاب الایمان باب من لقي الله بالايمان وهو غير شاك فيه دخل الجنة وحرم على النار۔

۳: مسلم کتاب الایمان باب استحقاق الوالى انعاش لرعية النار۔

۴: ابوداؤد کتاب الزکوہ باب في زكوة السائمة۔

۵: ابوداؤد کتاب المناسک باب نحریم مکہ و بخاری کتاب العلم۔

۶: ابوداؤد کتاب المناسک باب في تحریم المدینہ۔

لکھا۔ یہ صحیفہ وہ ہمیشہ اپنے پاس رکھتے تھے۔ چنانچہ ایک صحابی کو انہوں نے اپنی تلوار کی میان سے نکال کر اس کو دکھایا۔^۱

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا معمول تھا کہ آپ سے جو کچھ سنتے تھے لکھ لیتے تھے۔ قریش نے ان کو منع کیا کہ آپ مختلف حالتوں میں گفتگو کرتے ہیں۔ اس لئے آپ کا ہر ارشاد حدیث نہیں ہو سکتا انہوں نے آپ کی خدمت میں اس کا تذکرہ کیا تو آپ نے فرمایا کہ ”لکھا کرو اس زبان سے حق کے سوا کچھ نہیں نکل سکتا۔“^۲

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جو کچھ سنتے تھے بیٹھ کر لکھتے جاتے تھے۔ آپ نکلے تو فرمایا کتاب اللہ کے ساتھ دوسری کتاب بھی لکھی جائے گی؟ اسلئے ہم نے جو کچھ لکھا تھا اس کو جمع کر کے جلا دیا۔^۳

فرائین رسول صلی اللہ علیہ وسلم

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف قبائل کے نام جو فرائین لکھوائے تھے وہ اگرچہ زیادہ تر شخصی حیثیت رکھتے تھے۔ تاہم ان سے بھی شرعی مسائل مستنبط ہو سکتے تھے۔ اسلئے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے احادیث کا جو تحریری ذخیرہ جمع کیا تھا اسی سلسلہ میں یہ بھی داخل ہیں اس قسم کے فرمان متعدد صحابہ رضی اللہ عنہم کے پاس محفوظ تھے۔ حضرت مجاہد رضی اللہ عنہ کے بھائی کو قبیلہ بنو سدوس نے قتل کر دیا تھا وہ آپ کے پاس آئے اور دیت طلب کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ”میں مشرک کی دیت تو نہیں دے سکتا لیکن ایک فرمان لکھ دیا کہ مشرکین بنو ذیل کے یہاں سے جو خنس آئے۔ اس میں سے ان کو سولونٹ دیئے جائیں۔ چنانچہ انہوں نے ایک حصہ وصول کر لیا۔ جو باقی تھا اس کے وصول کرنے سے پہلے بنو ذیل نے اس کا معاوضہ دوسرے ذرائع سے پورا کر دیا۔“^۴

حضرت یزید بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ہم لوگ کھڑے تھے کہ ایک پراگندہ مو شخص ہاتھ میں سرخ چمڑہ لئے ہوئے آیا۔ ہم نے اس کو لے کے دیکھا۔ تو وہ فرمان تھا۔ ہم نے پوچھا اس کو کس نے لکھا ہے بولا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے۔^۵

۱: ابوداؤد کتاب الحدود باب ایقاد المسلم من الکافر۔

۲: ابوداؤد کتاب العلم باب فی کتابہ العلم۔

۳: مسند جلد ۳ صفحہ ۱۹۹۔

۴: ابوداؤد کتاب الخراج والامارہ باب فی بیان مواضع قسم الخمس وسهم ذی القربی۔

۵: ابوداؤد کتاب الخراج والامارہ باب مراجاء فی سهم الصفی۔

جن لوگوں نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے روایتیں کیں انہوں نے احادیث کا کس قدر تحریری ذخیرہ فراہم کیا

خود صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے جن لوگوں نے روایتیں کیں ان کو اگرچہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ لکھنے کی اجازت نہیں دیتے تھے^۱ لیکن بہت سے صحابہ رضی اللہ عنہم کتابت حدیث کو جائز سمجھتے تھے۔ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے عام حکم دیا تھا کہ قیدوا العلم بالکتاب یعنی علم کو لکھ لیا کرو۔

بشر بن نہلک کا بیان ہے کہ میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے جو کچھ سنتا تھا لکھ لیتا تھا جب ان سے رخصت ہونے لگا تو اس مجموعہ کو دکھالیا اور انہوں نے اس کی تصدیق کی سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ”میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کیساتھ رات کو مکہ کے راسخ میں چلتا تھا وہ حدیث بیان کرتے تھے ”تو میں اپنے کباڑے کی لکڑی پر لکھ لیتا تھا۔ پھر صبح کو صاف کر لیتا تھا حضرت براء رضی اللہ عنہ کے تمام تلامذہ قلم سے اپنی ہتھیلیوں پر لکھتے تھے۔ حضرت نافع حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی تمام حدیثیں ان کے سامنے لکھ لیا کرتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو خود حدیث لکھوائی اور اس نے لکھ لی۔^۲

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ حدیثوں کے لکھنے کے مخالف تھے لیکن مروان بن حکم نے ان کو اپنے یہاں بلوا کر بیچ میں ایک پردہ ڈال دیا اور ایک شخص کو مقرر کر دیا کہ جو حدیثیں وہ بیان کریں ان کو چپکے سے لکھتا جائے۔ غرض اس طرح صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہی کے زمانے میں فن حدیث مدون ہو چکا تھا اور حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ نے انہی اجزائے پریشان کو ایک مجموعہ کی صورت میں جمع کر دیا۔

مدارج حدیث کی تعین

حدیث کے مختلف مدارج ہیں۔ بعض روایتیں متواتر ہوتی ہیں یعنی ان کی روایت ایک جم غفیر کرتا ہے۔ بعض روایتیں مشہور ہوتی ہیں۔ جو اگرچہ درجہ تواتر کو نہیں پہنچتیں تاہم ہر زمانے میں بہ کثرت لوگ ان کی روایت کرتے ہیں۔ بعض حدیثوں کی روایت کا سلسلہ چند اشخاص تک محدود رہتا ہے یہاں تک کہ بعض اوقات ایک ہی شخص کی حدیث کی روایت کرتا ہے یہی روایتیں ہیں جو کو اصطلاح میں خبر احاد کہتے ہیں اس اختلاف مدارج کا اثر ان فقہی احکام پر

۱: مسند وارمی صفحہ ۶۷ باب من لم یکتبہ الحدیث۔

۲: مسند وارمی صفحہ ۶۸ و ۶۹ باب من رخص فی کتابہ العلم۔

۳: مسند جلد ۲ صفحہ ۱۹۹۔ ۴: مسند وارمی صفحہ ۶۶۔

پڑتا ہے جو ان حدیثوں میں مذکور ہوتے ہیں۔ یا ان سے مستحکم کئے جاتے ہیں۔ قطعیت کے لحاظ سے خبر احلا متواتر یا مشہور روایتوں کے درجہ کو نہیں پہنچ سکتی۔ اس بنا پر فقہاء میں اختلاف ہے کہ خبر احلا کے ذریعہ سے قرآن مجید کے کسی حکم عام کی تخصیص یا تنسیخ ہو سکتی ہے یا نہیں؟ امام شافعی کا مذہب ہے کہ خبر احلا کے ذریعہ سے قرآن مجید کے کسی حکم عام کی تخصیص بلکہ تنسیخ بھی کی جاسکتی ہے اس وقت ہم اس مسئلہ پر بحث کرنا نہیں چاہتے۔ اس موقع پر صرف یہ دکھانا مقصود ہے کہ خود صحابہ رضی اللہ عنہم نے احادیث کے مختلف مدارج قائم کر لئے تھے اور اس اختلاف مدارج کا جو اثر احکام پر پڑ سکتا تھا۔ اسکے متعلق خود انہوں نے اپنی اجتہادی رائے قائم کر لی تھی۔

قرآن مجید میں یہ تصریح مذکور ہے کہ اگر کسی عورت کو طلاق باین دے دی جائے تو جب تک لیام عدت گذرنہ جائیں۔ شوہر بی بی کو گھر سے نکال نہیں سکتا۔

ولا تخریجن من بیوتھن۔

اور ایم عدت میں انکو گھروں سے نہ نکالو۔

اس آیت سے قطعی طور پر ثابت ہوتا ہے کہ لیام عدت میں عورت کو سکنی کا حق حاصل ہے اب صرف یہ بحث ہے کہ اس کو نان و نفقہ کا حق بھی حاصل ہے یا نہیں؟ قرآن مجید میں اگرچہ اس کے متعلق صریح حکم نہیں ہے لیکن قرآن مجید میں حاملہ عورتوں کے متعلق یہ تصریح حکم دیا گیا ہے کہ اگر حاملہ عورتوں کو طلاق دی جائے تو جب تک وضع حمل نہ ہو شوہر کو نان نفقہ دینا ہوگا

انکن او لا تا حمل فانفقوا علیہن حتی یضعن حملہن۔ (قرآن)

اگر وہ حاملہ ہوں تو زمانہ وضع حمل تک ان کے نان و نفقہ کے کفیل رہو۔

حاملہ عورت کے وضع حمل کا زمانہ اس کی عدت کا زمانہ ہوتا ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ زمانہ عدت میں عورت کے نان و نفقہ کا بار شوہر پر ہے۔ اسکے علاوہ عورت کو جب سکنی کا حق حاصل ہے تو اس سے بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ اسکے نان نفقہ کا بار بھی شوہر ہی پر ہوگا۔

قرآن مجید کا یہ حکم قطعی ہے اس لئے صرف قطعی دلائل ہی سے اسکی تنسیخ یا تخصیص ہو سکتی ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں یہ مسئلہ پیش آیا۔ تو حضرت فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا نے شہادت دی کہ ان کے شوہر نے ان کو طلاق باین دی تھی لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو نان و نفقہ اور سکنی کے حق سے محروم کر دیا تھا لیکن چونکہ یہ خبر احلا تھی جسکے ذریعہ سے قرآن مجید کے احکام منسوخ نہیں کیا جاسکتا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے صاف فرمایا تھا۔

ما کننا لنردع کتاب ربنا و سنت نبینا صلعم لقول امراہ لاندیری

احفظت ام لا۔

ہم خدا کی کتاب اور رسول اللہ ﷺ کی سنت کو ایک عورت کے کہنے سے نہیں روک سکتے
خدا جانے اس نے اصل واقعہ کو یاد بھی رکھ لیا کہ نہیں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ہم زبان تھیں۔ ان کا خیال تھا کہ
آپ ﷺ نے حضرت فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا کو اس بنا پر گھر سے منتقل کر دیا تھا کہ ان
کا گھر سنسان اور آبادی سے دور تھا۔ یہ ایک خاص حالت تھی جس پر خاص ضرورت نے مجبور کیا
تھا۔ کوئی عام حکم نہ تھا۔^۱

درایت

حدیثوں کے متعلق روایت کی حیثیت سے بحث صرف روای کے عوارض و خصوصیات کی
بنا پر ہوتی ہے لیکن درایت کی رو سے جب کسی حدیث کی تنقید کی جاتی ہے تو روای بالکل نظر
انداز کر دیا جاتا ہے اور خارجی عوارض و اسباب کو پیش نظر رکھا جاتا ہے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دور
میں اگرچہ درایت کے تمام اصول و قواعد مرتب نہیں ہوئے تھے تاہم اس کے ابتدائے ہو چکی تھی
اور انہوں نے روای سے قطع نظر کر کے اور حیثیتوں سے بھی روایات پر نظر ڈالی تھی۔ ایک بار
حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے روایت کی کہ جو چیز آگ سے پکادی جائے اس کے استعمال سے
وضوء واجب ہو جاتا ہے اس پر حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے اعتراض کیا کہ اس بنا پر تو ہم
کو روغن اور گرمپانی کے استعمال سے بھی وضوء کرنا پڑے گا۔^۲

حدیث شریف میں آیا ہے کہ ”جمعہ کے دن ایک ایسی ساعت آتی ہے کہ جب کوئی
مسلمان اس کو حالت نماز میں پالیتا ہے تو اس وقت خدا سے جو کچھ مانگتا ہے خدا اس کو دے دیتا ہے
صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اس کی جستجو ہوئی اور حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے اس کو معلوم کر لیا
کہ وہ جمعہ کے دن کی سب سے آخری ساعت ہے انہوں نے حضرت ابو ہریرہ سے بیان کیا تو
بولے کہ یہ کیوں کر ہو سکتا ہے؟ آپ ﷺ نے تو فرمایا ہے کہ اگر کوئی مسلمان اس کو حالت نماز
میں پالے۔ حالانکہ دن کی آخری ساعت میں کوئی نماز نہیں پڑھی جاتی۔^۳

اس باب میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا خاص طور پر ممتاز ہیں انہوں نے درایت کے
رو سے جن احادیث پر اعتراضات کئے ہیں ان سے درایت کے بعض اصول بھی قائم ہوتے ہیں
مثلاً ان کے سامنے جب یہ روایت کی گئی کہ مرد سے اس کے اہل و عیال کے رونے سے عذاب
ہوتا ہے تو انہوں نے اس سے انکار کیا اور کہا کہ خود قرآن مجید میں ہے۔

۱: ابو داؤد کتاب الطلاق باب فی نفقۃ المبتوتہ۔

۲: ترمذی کتاب الطہارۃ باب الوضوء مما غیرت الثمار۔

۳: ابو داؤد کتاب الصلوۃ باب تفریع ابواب الجمعہ۔

لا تذر وازره ووزر اخری

ایک کے گناہ کا بوجھ دوسرا نہیں اٹھا سکتا۔

اس سے یہ اصول قائم ہوا کہ کوئی روایت نصوص قرآنی کے مخالف نہیں قبول کی جاسکتی چنانچہ اس اصول کی رو سے انہوں نے متعدد روایتوں پر اعتراضات کئے مثلاً صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دور میں یہ خیال پھیل گیا تھا کہ رسول اللہ ﷺ نے شب معراج میں خدا کو دیکھا تھا لیکن حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے سامنے اس کا ذکر آیا تو بولیں ”جو شخص یہ روایت کرے وہ دروغ گو ہے“ اس کے بعد یہ آیت پڑھی۔

لا تذر کہ الا بصرار و هو يدرك

خدا کو کوئی نگھپا نہیں سکتی اور وہ نگاہوں کو پالیتا ہے۔

الا بصرار و هو اللطيف الخبير۔

وہ لطیف اور خبر ہے۔

ان کے سامنے جب یہ روایت کی گئی کہ نحوست عورت، گھوڑے اور گھر میں ہے تو انہوں نے اس کا انکار کیا اور یہ آیت پڑھی،

ما اصاب من مصيبة في الارض ولا في انفسكم الا في كتاب من قبل ان نبرأها۔

زمین میں یا تمہارے اندر تمہیں جو مصیبتیں پہنچتی ہیں وہ پہلے سے لکھی ہوتی ہیں۔
غزوہ بدر میں جو کفار مارے گئے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کے مدفن پر کھڑے ہو کر فرمایا تھا

هل وجدتم ما وعد ربكم حقا۔

خدا نے جو تم سے وعدہ کیا تھا تم نے اس کو پایا

ایک روایت میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کی کہ یا رسول اللہ ﷺ آپ مردوں کو پکارتے ہیں؟ آپ نے اس کے جواب میں فرمایا

ما انت باسمع منهم ولكن لا يحيييون۔

تم ان سے زیادہ نہیں سنتے لیکن وہ جواب نہیں دے سکتے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے سامنے جب یہ روایت کی گئی تو انہوں نے کہا کہ آپ ﷺ نے یہ نہیں بلکہ یہ ارشاد فرمایا تھا:

۱۔ یہ روایتیں بہ ترتیب عین الاصابہ فیما استدر ركة السيلہ عائشہ علی الصحابہ صفحہ ۸، ۱۸، ۱۸، ۲۱ میں موجود ہیں اخیر روایت کے علاوہ اور روایتیں بخاری میں بھی ہیں۔

انہم لیعلمون الا ان ما کنت اقول لہم حق
وہ اس وقت یقینی طور پر جانتے ہیں کہ میں ان سے جو کچھ کہتا تھا وہ سچ تھا
اس کے بعد انہوں نے قرآن مجید کی یہ آیت پڑھی

انک لا تسمع الموتی و ما انت من فی القبور۔

اے پیغمبر! تو مردوں کو اپنی بات نہیں سنا سکتا اور نہ ان کو جو قبر میں ہیں۔

مطلب یہ ہے کہ اس آیت کی رو سے کفار آپ کی آواز کو سن ہی نہیں سکتے تھے۔^۱
عام طور پر لوگ متعہ کی حرمت میں احادیث پیش کرتے ہیں لیکن حضرت عائشہ رضی اللہ
عہا سے جب ان کے ایک شاگرد نے جواز متعہ کی روایت کی نسبت پوچھا تو انہوں نے اس کا جواب
حدیث سے نہیں دیا۔ بلکہ فرمایا ”میرے تمہارے درمیان خدا کی کتاب ہے پھر یہ آیت پڑھی۔

و الذین ہم لفرو جہم حفظون الا علی ازواجہم او ماملکت ایمانہم
فانہم غیر ملومین۔

جو لوگ کہ اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرتے ہیں بجز اپنی بیویوں یا لونڈیوں کے ان پر کوئی
ملامت نہیں۔

اس لئے ان دو صورتوں کے علاوہ کوئی اور صورت جائز نہیں۔^۲

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایک روایت ہے کہ حرامی لڑکائیوں میں (ماں باپ بچہ) بدتر
ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے سنا تو فرمایا ”یہ صحیح نہیں ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ ایک منافق
تھا جو رسول اللہ ﷺ کو برا بھلا کہا کرتا تھا، لوگوں نے عرض کی کہ ”یا رسول اللہ! اس کے علاوہ
دلہ الزنا بھی ہے۔ آپ نے فرمایا کہ ”وہ تینوں میں بدتر ہے۔ یعنی اپنے ماں باپ سے زیادہ برا
ہے۔ یہ ایک خاص واقعہ تھا عام نہ تھا۔ خدا خود فرماتا ہے۔

و لا تذروا ذرۃ و ذرۃ اخری

کوئی کسی دوسرے کے گناہ کا بوجھ نہیں اٹھاتا

یعنی قصور تو ماں کا ہے بچے کا کیا گناہ ہے۔^۳ جس کی بنا پر وہ ان سے برا قرار دیا جائے۔
احادیث میں اور بھی متعدد مثالیں ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ جن روایات میں کسی
قسم کا اشتباہ ہو سکتا تھا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ان پر تنقید کر کے اس مقدس فن کو اغلاط و لوہام
سے پاک کر دیا۔

۲: اصابہ سیوطی بحوالہ حاکم۔

۱: بخاری غزوہ بدر۔

۳: اصابہ سیوطی بحوالہ حاکم۔

طبقات الصحابہ

اگرچہ محدث ابو زرہ کے قول کے مطابق صحابہ کی تعداد لاکھوں سے متجاوز تھی تاہم علامہ ذہبی نے طبقات الحفاظ میں جن صحابہ کا تذکرہ کیا ہے اور جن کی نسبت لکھا ہے کہ صحاح میں ان سے حدیثیں مروی ہیں انکی تعداد صرف ایک سو پانچ ہے لیکن تفحص و تلاش سے اس پر پور صحابہ کے ناموں کا بھی اضافہ ہو سکتا ہے۔ چنانچہ مسند ابو داؤد طیالسی جو دوسری صدی کے اخیر میں تصنیف ہوئی ہے اس میں تقریباً ۷۰۰ صحابہ سے روایتیں ہیں۔

علامہ ذہبی کی رائے کے مطابق ان ایک سو پانچ صحابہ میں اٹھائیس صحابہ ایسی ہیں جن کے نام سے علم حدیث کے اکثر صفحات مزین ہیں۔ لیکن ان اٹھائیس صحابہ میں عام محدثین کی تصریح کے مطابق ۶ صحابہ سب سے زیادہ اکثر الروایات ہیں اور علم حدیث میں نصف سے زیادہ صرف انہی کی روایتیں ہیں اور چونکہ ایک حدیث میں آیا ہے کہ ”جس نے کم از کم چالیس حدیثیں بھی میری امت کو پہنچادیں اس کا حشر علماء کے ساتھ ہوگا اس لئے محدثین نے یہ فیصلہ کر دیا ہے کہ جن کی روایتیں چالیس سے کم ہوں گی وہ قلیل الروایات شمار کئے جائیں گے۔ اس بنا پر قلت و کثرت روایت کی حیثیت سے محدثین نے صحابہ کے چار طبقے قرار دیئے ہیں۔

- (۱) پہلا طبقہ یعنی وہ صحابہ جن کی روایتیں ہزار یا ہزار سے زیادہ ہیں۔
 - (۲) دوسرا طبقہ یعنی وہ صحابہ جن کی روایتیں پانچ سو سے زیادہ ہیں۔
 - (۳) تیسرا طبقہ یعنی وہ صحابہ جن کی روایتیں چالیس یا چالیس سے زیادہ ہیں۔
 - (۴) چوتھا طبقہ یعنی وہ صحابہ جن کی روایتیں چالیس یا چالیس سے کم ہیں۔
- لیکن چونکہ پانچ سو سے چالیس تک کے رواد زیادہ ہیں۔ اس لئے ہم نے اس کے دو حصے کر دیئے ہیں۔ سو سے پانچ سو تک ایک طبقہ اور چالیس سے سو تک دوسرا طبقہ، اس تفصیل کی رو سے ہم نے صحابہ کے پانچ طبقے قرار دیئے ہیں۔

- (۱) وہ صحابہ جن کی روایتیں ہزار یا ہزار سے زیادہ ہیں۔
- (۲) وہ صحابہ جن کی روایتیں پانچ سو سے پانچ سو سے زیادہ ہیں مگر ہزار سے کم۔
- (۳) وہ صحابہ جن کی روایتیں سو یا سو سے زیادہ ہیں مگر پانچ سو سے کم۔
- (۴) وہ صحابہ جن کی روایتیں چالیس یا چالیس سے زیادہ ہیں مگر سو سے کم۔
- (۵) وہ صحابہ جن کی روایتیں چالیس سے کم ہیں۔

۱: یہ پورا نکلوا مولانا سید سلیمان صاحب ندوی کے مضمون شائع شدہ المندوبہ بابت اگست سن ۱۹۱۹ء سے حرف بحرف منقول ہے۔

عام محدثین اگرچہ پہلے طبقہ میں صرف چھ صحابہ رضی اللہ عنہم یعنی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ ، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ ، حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ اور حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کو داخل کرتے ہیں لیکن شاہ ولی اللہ صاحب نے کثیر الروایہ صحابہ رضی اللہ عنہم میں آٹھ بزرگوں کا نام لیا ہے چنانچہ ازالتہ الخفاء میں لکھتے ہیں،

صحابہ رضوان اللہ علیہم باعتبار کثرت و قلت روایت حدیث بر چہار طبقہ اند مکثرین کہ (۱) مرویات ایشان ہزار حدیث فصاعد لیا زیادہ و متوسطین (۲) کہ مرویات ایشان پانصد حدیث فصاعد باشد مثل ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ وبراء بن عازب رضی اللہ عنہ وجمیعہ کہ مرویات ایشان چہل حدیث باشد فصاعد اتاسہ صد و چہار صد، در حدیث شریف آمدہ است من حفظ علی امتی اربعین حدیثا شریفا مع العلماء او کما قال و مقلین (۳) کہ مرویات ایشان تا چہل می رسد جمہور محدثین گفتہ اند کثیر الروایات کہ مکثرین از صحابہ رضی اللہ عنہم ہشت کس اند، (۱) ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ و (۲) عائشہ رضی اللہ عنہا و (۳) عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ و (۴) عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ و (۵) عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ و (۶) انس رضی اللہ عنہ و (۷) جابر رضی اللہ عنہ و (۸) ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ۔ (صفحہ ۲۱۴ مقصد دوم)

لیکن شاہ صاحب کا دعویٰ محدثین کی تصریحات کے بالکل خلاف ہے، چنانچہ علامہ ابن صلاح لکھتے ہیں۔

عن احمد بن حنبل قال ستة من اصحاب النبي ﷺ اكثر الرواية عنه و عمرو ابو هريره و ابن عمر و عائشه و جابر بن عبد الله و ابن عباس و انس۔

لام احمد بن حنبل نے فرمایا ہے کہ چھ صحابہ رضی اللہ عنہم کثیر الروایت ہیں اور انہوں نے طویل عمریں پائی ہیں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ابن عمر رضی اللہ عنہ ، عائشہ رضی اللہ عنہا ، جابر رضی اللہ عنہ ، ابن عباس رضی اللہ عنہ ، انس رضی اللہ عنہ۔

علامہ عینی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے تذکرہ میں لکھتے ہیں۔

و كانت و احد السنة الذين هم اكثر الصحابة رواية

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ان چھ صحابہ رضی اللہ عنہم میں تھیں جو کثیر الروایت ہیں۔

لیکن اصل یہ ہے کہ عام محدثین نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کا نام کثیر الروایات صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ نہیں لیا حالانکہ ان کی مرویات ایک ہزار سے زیادہ ہیں۔ شاہ صاحب

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص ؓ کو طبقہ اول میں داخل کرتے ہیں حالانکہ ان کی روایتوں کی تعداد صرف سات سو ہے۔ اسلئے کثیر الروایت صحابہ ؓ جن کا نام طبقہ اول میں لیا جاتا ہے سات ہیں۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، حضرت عبداللہ بن عمر ؓ، حضرت عبداللہ ابن عباس ؓ، حضرت جابر بن عبداللہ ؓ حضرت انس بن مالک ؓ، حضرت ابوسعید خدری ؓ۔

شاہ صاحب نے دوسرے طبقہ میں حضرت براء میں عازب ؓ اور حضرت ابو موسیٰ اشعری ؓ کا نام لیا ہے۔ حالانکہ ان دونوں کی حدیثیں پانچ سو سے بہت کم ہیں اس لئے یہ لوگ دوسرے طبقہ میں نہیں بلکہ تیسرے طبقہ میں داخل ہیں۔

مرویات صحابہ ؓ کی تعداد

بہر حال قلت و کثرت روایت کی بنا پر صحابہ ؓ کے پانچ طبقے ہیں جن کے نام اور تعداد روایات کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

طبقہ اول یعنی وہ صحابہ ؓ جن کی روایتیں ہزار یا ہزار سے زیادہ ہیں اس طبقہ میں سات بزرگ ہیں۔

نمبر	نام	تعداد احادیث مرویہ
۱	حضرت ابو ہریرہ <small>ؓ</small>	۵۳۷۴
۲	حضرت عبداللہ بن عباس <small>ؓ</small>	۲۶۶۰
۳	حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا	۲۲۱۰
۴	حضرت عبداللہ بن عمر <small>ؓ</small>	۱۶۳۰
۵	حضرت جابر بن عبداللہ انصاری <small>ؓ</small>	۱۵۴۰
۶	حضرت انس بن مالک انصاری <small>ؓ</small>	۱۲۸۶
۷	حضرت ابوسعید خدری <small>ؓ</small>	۱۱۷۰

طبقہ دوم یعنی وہ صحابہ ؓ جن کی روایتیں پانچ سو یا پانچ سو سے زائد ہیں اس طبقہ میں صرف چار صحابہ ؓ ہیں۔

نمبر	نام	تعداد احادیث مرویہ
۱	حضرت عبداللہ بن مسعود <small>ؓ</small>	۸۴۸
۲	حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص	۷۰۰
۳	حضرت علی کرم اللہ وجہہ	۵۸۶

۵۳۹

حضرت عمر بن الخطاب ؓ

۳

طبقہ سوم یعنی وہ صحابہ ؓ جن کی روایتیں سویا سو سے زیادہ مگر پانچ سو سے کم ہیں اس

طبقہ میں چھبیس ۲۶ صحابہ ؓ ہیں

تعداد احادیث مرویہ

۳۷۸

ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا

نمبر

نام

۳۶۰

حضرت ابو موسیٰ اشعری ؓ

۲

۳۰۵

حضرت براء بن عازب ؓ

۳

۲۸۱

حضرت ابوذر غفاری ؓ

۴

۲۱۵

حضرت سعد بن ابی وقاص ؓ

۵

۱۸۸

حضرت سہل بن سعد انصاری ؓ

۶

۱۸۱

حضرت عبادہ بن صامت ؓ

۷

۱۷۹

حضرت ابو الدرداء ؓ

۸

۱۷۰

حضرت ابو قتادہ انصاری ؓ

۹

۱۶۴

حضرت ابی بن کعب ؓ

۱۰

۱۶۳

حضرت بریدہ بن حبیب اسلمی ؓ

۱۱

۱۵۷

حضرت معاذ بن جبل ؓ

۱۲

۱۵۰

حضرت ابوالیوب انصاری ؓ

۱۳

۱۴۶

حضرت عثمان بن عفان ؓ

۱۴

۱۴۶

حضرت جابر سمرہ ؓ

۱۵

۱۴۲

حضرت ابو بکر صدیق ؓ

۱۶

۱۳۶

حضرت مغیرہ بن شعبہ ؓ

۱۷

۱۳۰

حضرت ابو بکرہ رضی اللہ عنہا

۱۸

۱۳۰

حضرت عمران بن حصین ؓ

۱۹

۱۳۰

حضرت معاویہ بن ابی سفیان ؓ

۲۰

۱۲۷

حضرت ثوبان ؓ مولیٰ النبی ﷺ

۲۱

۱۲۸

حضرت اسامہ بن زید ؓ

۲۲

۱۲۴

حضرت نعمان بن بشیر ؓ

۲۳

۱۲۳

حضرت سمرہ بن جندب فزاری ؓ

۲۴

۱۰۲

حضرت ابو مسعود عقبہ بن عمر ؓ

۲۵

۲۶	حضرت جریر بن عبد اللہ الکلبی ؓ	۱۰۰
طبقہ چہارم یعنی وہ صحابہ ؓ جن کی تعداد چالیس سے سو تک ہے۔ اس طبقہ میں ۳۳ صحابیہ ہیں		
نمبر	نام	تعداد احادیث مرویہ
۱	حضرت عبد اللہ بن ابی اوفیٰ ؓ	۹۵
۲	حضرت زید بن ثابت ؓ	۹۲
۳	حضرت ابو طلحہ زید بن سہل ؓ	۹۲
۴	حضرت زید بن ارقم ؓ	۹۰
۵	حضرت زید بن خالد الجہنی ؓ	۸۱
۶	حضرت کعب بن مالک السلمی ؓ	۸۰
۷	حضرت رافع بن خدیج ؓ	۷۸
۸	حضرت سلمہ بن اکوع ؓ	۷۷
۹	حضرت ابو رافع قبلی ؓ	۶۸
۱۰	حضرت عوف بن مالک الجعی ؓ	۶۷
۱۱	حضرت عدی بن ابی حاتم الطائی ؓ	۶۶
۱۲	حضرت عبد الرحمن بن ابی اوفیٰ ؓ	۶۵
۱۳	ام المومنین حضرت ام حمیمہ رضی اللہ عنہا	۶۵
۱۴	حضرت عمار بن یاسر ؓ	۶۲
۱۵	حضرت سلیمان فارسی ؓ	۶۲
۱۶	ام المومنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا	۶۰
۱۷	حضرت جبیر بن مطعم قرشی ؓ	۶۰
۱۸	حضرت اسماء بنت ابی بکر ؓ	۵۶
۱۹	حضرت وائلہ بن اسقع کنفی ؓ	۵۶
۲۰	حضرت عقبہ بن عامر جہنی ؓ	۵۵
۲۱	حضرت فضالہ بن عبید انصاری ؓ	۵۰
۲۲	حضرت عمرو بن عبسہ ؓ	۴۸
۲۳	حضرت کعب بن عجرہ انصاری ؓ	۴۷
۲۴	حضرت فضلہ بن عبید السلمی ؓ	۴۶
۲۵	ام المومنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا	۴۶

۲۶	حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا	۲۶
۲۵	حضرت ابو حنیفہ بن وہب سوائی ؓ	۲۷
۲۴	حضرت بلال بن رباح ؓ	۲۸
۲۳	حضرت عبداللہ بن مغفل ؓ	۲۹
۲۳	حضرت مقداد بن اسود کوفی ؓ	۳۰
۲۱	حضرت ام عطیہ انصاریہ رضی اللہ عنہا	۳۱
۲۰	حضرت حکیم بن حزام اسدی ؓ	۳۲
۲۰	حضرت سلمہ بن حنیف انصاری ؓ	۳۳

طبقہ پنجم یعنی وہ صحابہ ؓ جن کی روایتیں چالیس یا چالیس سے کم ہیں۔ اس طبقہ میں

پچپن صحابہ ؓ ہیں۔

تعداد احادیث مرویہ

نمبر	نام	تعداد احادیث مرویہ
۱	حضرت زبیر بن عوام ؓ	۳۸
۲	حضرت فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا	۳۴
۳	حضرت خباب بن الارت ؓ	۳۲
۴	حضرت عیاض بن حماد ؓ	۳۰
۵	حضرت مالک بن ربیعہ ساعدی ؓ	۲۸
۶	حضرت عبداللہ بن سلام ؓ	۲۵
۷	حضرت ام قیس بنت محسن رضی اللہ عنہا	۲۴
۸	حضرت فضل بن عباس ؓ	۲۵
۹	حضرت عامر بن ربیعہ ؓ	۲۲
۱۰	حضرت ربیعہ بنت معوذ رضی اللہ عنہا	۲۱
۱۱	حضرت اسید بن حضیر اشہلی ؓ	۱۸
۱۲	حضرت خالد بن ولید ؓ	۱۸
۱۳	حضرت عمرو بن حرث ؓ	۱۸
۱۴	حضرت خولہ بنت حکیم رضی اللہ عنہا	۱۵
۱۵	حضرت ثابت بن ضحاک ؓ	۱۴
۱۶	حضرت معاویہ بن حکیم سلمی ؓ	۱۳
۱۷	حضرت عروہ بن ابی جعد الاسدی ؓ	۱۳
۱۸	حضرت یسیرہ بنت مہفوفان رضی اللہ عنہا	۱۱

۱۰	حضرت عروہ بن مضرؓ	۱۹
۱۰	حضرت مجمع بن یزیدؓ	۲۰
۷	حضرت سلمہ بن قیسؓ	۲۱
۷	حضرت قتادہ بن نعمانؓ	۲۲
۶	حضرت قیسہ بن مخارق عامریؓ	۲۳
۶	حضرت عاصم بن عدی قضائیؓ	۲۴
۵	حضرت سلمہ بن نعیم الجعیؓ	۲۵
۵	حضرت مالک بن صعصعہؓ	۲۶
۵	حضرت یحییٰ بن ادرعؓ	۲۷
۵	حضرت سائب بن فلاحؓ	۲۸
۵	حضرت خفاف غفاریؓ	۲۹
۵	حضرت ذوفجر حبشیؓ	۳۰
۴	حضرت مالک بن ہبیر کندیؓ	۳۱
۴	حضرت زید بن حارثہؓ	۳۲
۲	حضرت ثابت بن ودیعہؓ	۳۳
۲	حضرت کعب بن عیاض اشعریؓ	۳۴
۲	حضرت کلثوم بن حصین غفاریؓ	۳۵
۲	حضرت وحیہ کلبیؓ	۳۶
۲	حضرت جدانہ بنت وہب رضی اللہ عنہا	۳۷
۱	حضرت مالک بن یسارؓ	۳۸
۱	حضرت عبداللہ بن زمعہؓ	۳۹
۱	حضرت کلثوم بن علقمہؓ	۴۰

ان کے علاوہ جو صحابہؓ باقی رہ گئے ہیں چونکہ وہ صغار صحابہؓ ہیں اور ان کی روایت کتب حدیث میں اس قدر کم ہے کہ وہ شمار میں نہیں آئی ہے اس لئے وہ ہم نے ان کا ذکر نہیں کیا۔ مختلف طبقات میں ہم نے جن صحابہؓ کا نام لیا ہے ان کی مجموعی تعداد ایک سو پچیس ہے اور مسلمانوں کے پاس احادیث کا جو سرمایہ باقی ہے وہ انہی بزرگوں کا فیض ہے۔

علم فقہ

علم فقہ کی تدوین و ترتیب میں صحابہ کرام ؓ کے مساعی جلیلہ کا جو حصہ شامل ہے اس کی تاریخ حسب ذیل عنوانات میں بیان کی جاسکتی ہے۔

- (۱) صحابہ کرام ؓ نے رسول اللہ ﷺ سے کیونکر فقہ کی تعلیم حاصل کی؟
 - (۲) فقہائے صحابہ ؓ کے کس قدر طبقات قائم ہوئے؟
 - (۳) انہوں نے تابعین کو کیوں کرفقہ کی تعلیم دی؟ اور فقہ کے مسائل کیوں کرمدون کئے؟
 - (۴) انہوں نے اصول فقہ کے کس قدر مسائل ایجاد کئے؟
 - (۵) صحابہ کرام ؓ کے اختلافی مسائل کا منشا کیا تھا؟
- صحابہ کرام ؓ نے رسول اللہ ﷺ سے کیوں کرفقہ کی تعلیم حاصل کی

عہد نبوت ﷺ میں علم فقہ بلکہ کوئی علم مدون و مرتب نہ تھا کہ صحابہ کرام ؓ باقاعدہ اس کی تعلیم حاصل کرتے۔ سوال و استفادہ کے ذریعہ سے بے شبہ رسول اللہ ﷺ سے مسائل دریافت کئے جاسکتے تھے لیکن صحابہ کرام ؓ کچھ تو فرط لوب سے، اور کچھ اس لئے کہ خود قرآن مجید نے سوالات کرنے کی ممانعت کر دی تھی۔ آپ سے بہت کم مسائل دریافت کرتے تھے۔ مسند واری میں حضرت عبداللہ بن عباس ؓ سے روایت ہے کہ صحابہ ؓ نے رسول اللہ ﷺ سے صرف تیرہ ۱۳ مسائل دریافت کئے تھے جو کل کے کل قرآن مجید میں مذکور ہیں۔^۱ اس بنا پر آپ سے علم فقہ کی تعلیم حاصل کرنے کا صرف یہ طریقہ تھا کہ صحابہ کرام ؓ آپ کے تمام اعمال مثلاً وضو، نماز، روزہ، حج اور زکوہ کا بغور مطالعہ کرتے تھے اور قرآن و لمعات سے ان کے شروط و ارکان کو مباح، واجب اور منسوخ وغیرہ قرار دیتے تھے۔^۲

صحابیات کو بے شبہ اس طریقہ تعلیم سے فائدہ اٹھانے کا کم موقع ملتا تھا اس کے ساتھ بہت سے مخصوص نسوانی مسائل عام طور پر بیان بھی نہیں کئے جاسکتے تھے اس لئے ان کو زیادہ تر آپ سے سوال و استفادہ کی ضرورت پیش آتی تھی اور اس طرح فقہ کے بہت سے مسائل واضح اور منقح ہو جاتے تھے انصاریہ عورتیں اس باب میں خاص طور پر ممتاز تھیں چنانچہ خود حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو اعتراف ہے۔

نعمہ النساء، نساء الا نصار لم یکن منہن الحیاء ان یتفقہن فی الدین۔^۱
 انصاریہ عورتیں کس قدر اچھی ہیں کہ ثقہ فی الدین سے ان کو حیا باز نہیں رکھ سکتی تھی۔
 جو صحابہ رضی اللہ عنہ مدینہ سے باہر رہتے تھے ان کو بھی ہر وقت اس کا موقع نہیں مل سکتا تھا۔
 اسلئے وہ لوگ آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر چند روز قیام کرتے تھے اور فقہی تعلیم حاصل کر
 کے واپس جاتے تھے تو خود اپنی قوم کے معلم بن جاتے تھے۔ چنانچہ قرآن مجید کی یہ آیت انہی
 بزرگوں کی شان میں نازل ہوئی ہے۔

فلولا نفر من کل فرقة منهم طائفة لیتفقہوا فی الدین ولینذر و اقومہم اذا
 رجعوا الیہم لعلہم یحذرون۔^۲

تم میں ہر قوم سے ایک گروہ کیوں نہیں نکلتا جو ثقہ فی الدین حاصل کرے اور جب اپنی قوم
 میں واپس جائے تو ان کو ذرائع شائد وہ لوگ ڈر جائیں۔

چنانچہ احادیث کی کتابوں میں اس قسم کی متعدد سفارتوں کا ذکر ہے جو قبائل عرب سے
 آپ کی خدمت میں آئیں اور مذہبی تعلیم حاصل کر کے واپس گئیں۔ وفد عبدالقیس نے
 خدمت مبارک میں آکر عرض کیا کہ ہم ایک طویل مسافت طے کر کے آئے ہیں۔ درمیان
 میں کفادہ معطر جائل ہیں اس لئے اشہر حرم کے سوا حاضر خدمت نہیں ہو سکتے۔ ہم کو وہ احکام
 سکھائے جائیں جن کی ہم اپنی قوم کو تعلیم دیں۔ آپ نے ایمان، نماز، زکوٰۃ، روزہ اور خمس کا حکم
 دیا اور چند ظروف شراب کے استعمال کی ممانعت فرمائی اور کہا کہ اس کو یاد کر لو اور پلٹ کر اپنی قوم
 کو بھی اس سے مستفید کرو۔^۳

قبیلہ بنو سعد کی طرف سے حضرت ضحام بن ثعلبہ رضی اللہ عنہ آئے اور نماز اور روزے وغیرہ
 کے متعلق چند سوالات کر کے کہا کہ ”میں اپنی قوم کی طرف سے قاصد بن کر آیا ہوں۔“^۴
 غرض اس طرح اکثر صحابہ رضی اللہ عنہم فقہ کے ضروری اور عملی مسائل سے واقف ہو گئے تھے۔

طبقات فقہاء صحابہ رضی اللہ عنہم

فقہائے صحابہ رضی اللہ عنہم کے تین طبقے ہیں۔

- (۱) مکثرین..... یعنی وہ صحابہ رضی اللہ عنہم جن سے بکثرت مسائل منقول ہیں۔
- (۲) مقلین..... یعنی وہ صحابہ رضی اللہ عنہم جن سے بہت کم مسائل مروی ہیں۔

۱: صحیح مسلم کتاب الطہارہ باب استحباب استعمال المفتسلہ من الحيض فرضة من مسك فی
 موضع الرم۔ ۲: تفسیر ابن کثیر ص ۸۸۔

۳: بخاری کتاب العلم باب تحریض النبی صلعم وفد عبدالقیس علی ان یحفظوا الا یمان والعلم۔
 ۴: بخاری کتاب العلم باب القرآء والعرض علی المحدث۔

(۳) متوسطین..... یعنی وہ صحابہ ؓ جو ان دونوں طبقوں کے بین بین ہیں۔ پہلے طبقے میں صرف سات بزرگ یعنی حضرت عمر بن الخطاب ؓ، حضرت علی ؓ، حضرت عبداللہ ابن عباس ؓ، حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، حضرت زید بن ثابت ؓ اور حضرت عبداللہ ابن عمر ؓ داخل ہیں، علامہ ابن حزم کا بیان ہے کہ اگر ان بزرگوں کے فتاوے جمع کئے جائیں تو ہر ایک کے فتوے سے ضخیم جلدیں تیار ہو سکتی ہیں، چنانچہ ابو بکر محمد بن موسیٰ نے حضرت عبداللہ بن عباس ؓ کے فتوے کو بیس جلدوں میں جمع کیا ہے۔

دوسرے طبقے میں بکثرت صحابہ ؓ داخل ہیں اور ان سے صرف دو ایک مسائل منقول ہیں۔ یہاں تک کہ ان سب کے مسائل کو ایک مختصر سے رسالے میں جمع کیا جاسکتا ہے۔ متوسطین میں صرف تیرہ ۱۳ صحابی یعنی حضرت ابو بکر ؓ، حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا، حضرت انس بن مالک ؓ، حضرت ابوسعید خدری ؓ، حضرت ابو ہریرہ ؓ، حضرت عثمان ؓ، حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص ؓ، حضرت عبداللہ بن زبیر ؓ، حضرت ابو موسیٰ اشعری ؓ، حضرت سعد بن ابی وقاص ؓ، حضرت سلیمان فارسی ؓ، حضرت جابر بن عبداللہ ؓ اور حضرت معاذ بن جبل ؓ شامل ہیں اور ان سب کے فتوے کو علیحدہ علیحدہ مختصر رسالوں میں جمع کیا جاسکتا ہے۔

صحابہ کرام ؓ نے تابعین کو کیونکر فقہ کی تعلیم دی؟

موجودہ فقہ کی بنیاد صرف چار صحابہ ؓ، یعنی حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ، حضرت زید بن ثابت ؓ، حضرت عبداللہ ابن عمر ؓ اور حضرت عبداللہ بن عباس ؓ کے فتوے نے ڈالی۔

حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ کو فہ میں باقاعدہ فقہ کی تعلیم دیتے تھے اور ان کے تلامذہ ان کے احکام و فتوے کو لکھ لیا کرتے تھے چنانچہ علامہ ابن قیم اعلام الموقعین میں لکھتے ہیں۔
لم یکن احملہ اصحاب معروفون حرروا اقتیابہ و مذاہبہ فی الفقہ غیر ابن مسعود۔

ابن مسعود کے سوا کسی صحابی کے تلامذہ نے ان کے فتوے اور مذاہب فقہ کو نہیں لکھا۔ ان کے تلامذہ میں حضرت علقمہ ؓ نہایت نامور ہوئے۔ علقمہ کے انتقال کے بعد ان کے شاگرد ابراہیم نخعی مسند نشین ہوئے اور انہوں نے فقہ کو اس قدر ترقی دی کہ ان کے عہد

۱: اعلام الموقعین ص ۱۳ میں یہ پوری تفصیل مذکور ہے۔

۲: اعلام الموقعین ص ۳۲۔

میں فقہ کا ایک مختصر سا مجموعہ تیار ہو گیا۔ جس کے سب سے بڑے حافظ حماد تھے امام ابو حنیفہؒ نے انہی سے تعلیم پائی اس لئے فقہ حنفی کی بنیاد صرف حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے فتاویٰ و احکام پر قائم ہوئی چنانچہ شاہ ولی اللہ صاحب حجتہ اللہ البالغہ میں لکھتے ہیں۔

كان ابو حنيفة رضى الله عنه الذمهم بمذهب ابراهيم واقرا نه لا تحاوزه
الا ماشاء الله۔

امام ابو حنیفہ ابراہیم اور ان کے اقران کے مذہب کے سخت قبیح تھے اور اس سے بہت کم ہتے تھے۔ حضرت زید بن ثابتؓ مدینہ میں رہتے تھے اور ان کا حلقہ درس نہایت وسیع تھا اور ان کے تمام تلامذہ میں حضرت سعید بن مسیب، عطاء بن سيار، عروہ اور قاسم وغیرہ نہایت ممتاز تھے حضرت عبداللہ بن عمرؓ بھی مدینہ میں مقیم تھے اور ان کی روایتوں کے سب سے بڑے جامع حضرت نافع تھے، امام مالک نے انہی دونوں بزرگوں کے تلامذہ یعنی نافع سعید بن حبیب عروہ اور قاسم سے تعلیم حاصل کی تھی۔ آئیے انہوں نے انہی کے مذہب پر اپنی فقہ کا سنگ بنیاد رکھا، چنانچہ شاہ صاحب لکھتے ہیں،

ولذلك نرى مالكا يلزمه محمهم۔

اس لئے مالک اہل مدینہ کی روش کو لازم پکڑتے ہیں۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے تلامذہ نے مکہ کو دارالعلوم بنایا تھا، چنانچہ جب فقہ کی تدوین و ترتیب کی ابتدا ہوئی تو سب سے پہلے انہی مقامات میں کتابیں لکھی گئیں، امام مالک اور عبدالرحمن بن ابی دیب نے مدینہ میں ابن جریج اور ابن عیینہ نے مکہ میں امام ثوری نے کوفہ میں اور ربیع بن صبیح نے بصرہ میں کتابیں لکھیں، جن میں امام مالک کی کتابوں کو نہایت قبول عام حاصل ہو۔

تدوین مسائل

جن مسائل کے متعلق مصرح حدیثیں موجود تھیں اور ان میں باہم کوئی تعارض نہ تھا، ان کی بنا پر فتوے دینا نہایت آسان کام تھا اور اس فرض کو بہت سے صحابہؓ انجام دیتے تھے، لیکن جن مسائل کے متعلق سرے سے حدیث ہی موجود نہیں تھی۔

(۱) ان کی تدوین کا پہلا طریقہ استنباط و اجتہاد تھا اور اس باب میں صرف حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ خاص طور پر ممتاز تھے، چنانچہ شاہ صاحب حجتہ اللہ البالغہ میں لکھتے ہیں۔

۱: حجتہ اللہ البالغہ مطبوعہ مصر ص ۱۱۶۔ ۲: الذی یاجلہ مذہب تذکرہ امام مالک۔

۳: حجتہ اللہ البالغہ ص ۱۱۶۔ ۴: حجتہ اللہ البالغہ ص ۱۱۶۔

واما غیر ہولاء الا ربعة فکانوا یرون دلالة ولكن ماکانوا یمیزون الرکن والشرط من الا داب و السنن ولم یکن لهم قول عند تعارض الاخبار و تقابل الدلائل الا قلیلا کابن عمرو عائشة وزید بن ثابت۔

ان چاروں کے سوا اور صحابہ ؓ مطلب سمجھتے تھے، لیکن ارکان و شروط یعنی آداب و سنن میں امتیاز نہیں کرتے تھے اور جن روایتوں میں تعارض ہوتا تھا یا دلائل متضاد قائم ہوتے تھے ان میں بہت کم دخل دیتے تھے مثلاً ابن عمر ؓ، عائشہ رضی اللہ عنہا اور زید بن ثابت ؓ۔

(۲) دوسرا طریقہ یہ تھا کہ جو مسائل پیش آتے تھے اور ان کے متعلق غور و فکر کرتے رہتے تھے، یہاں تک کہ وہ حل ہو جاتا تھا۔

ایک بار حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ کے سامنے ایک مسئلہ پیش ہوا جس پر وہ فکر کرتے رہے جب کتاب و سنت سے ہدایت نہیں ملی تو خود اپنی رائے قائم کی لیکن بعد کو معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ نے بھی یہی فیصلہ کیا تھا تو بے حد مسرور ہوئے حضرت عمر ؓ ایک مسئلہ کے متعلق مختلف رائے قائم کرتے تھے ان کو بطور یادداشت کے لکھ لیا کرتے تھے اور ان میں محو اثبات کرتے رہتے تھے، چنانچہ پھر بھی کے متعلق ایک یادداشت لکھی تھی جس کو اخیر میں مٹا دیا۔

(۳) بہت سے مسائل تمام صحابہ ؓ کے مشورے سے طے کئے جاتے تھے اور ان پر گویا تمام صحابہ ؓ کا اجماع ہو جاتا تھا، حضرت ابو بکر ؓ نے اس طریقہ کی ابتداء کی اور حضرت عمر ؓ نے اس سے بکثرت کام لیا، شاہ صاحب لکھتے ہیں،

کان من سیرہ عمرانہ کان یشاور الصحابة ویناظرهم حتی تنكشف الغمة ویاتیہ الثلج فصار غالب قضا یالہ وفتاواہ متبعة فی مشارق الارض ومغاربہا۔

حضرت عمر ؓ کا یہ طریقہ تھا کہ صحابہ ؓ سے مسائل فقہیہ کے متعلق مشورہ و مناظرہ کرتے تھے، یہاں تک کہ ان کے دل میں یقین و اطمینان کی کیفیت پیدا ہو جاتی تھی یہی وجہ ہے کہ تمام دنیا میں ان کے فتویٰ کی پیروی کی گئی۔

صحابہ ؓ نے اصول فقہ کے کس قدر مسائل ایجاد کئے؟

صحابہ کرام ؓ نے اگرچہ استنبلا مسائل کے لئے اصول و قواعد منضبط نہیں کئے تھے تاہم ان کے محوئے کلام سے اصول فقہ کے بہت سے قواعد معلوم ہو سکتے تھے مثلاً فقہاء نے ایک اصول یہ قائم کیا ہے العبرہ لعموم اللفظ لا لخصوص السبب یعنی احکام کے استنبلا میں

صرف یہ دیکھنا چاہئے کہ شارع کے الفاظ عام ہیں یا خاص، اس سے بحث نہیں کہ حکم عام ہے یا خاص مثلاً قرآن مجید کی یہ آیت اذا قرى القرآن فاستمعوا له وانصتوا الخ اگرچہ بالتخصیص خطبہ کے متعلق نازل ہوئی ہے لیکن الفاظ میں خطبہ کی تخصیص نہیں ہے بلکہ عام حکم ہے کہ قرآن کو خاموشی کے ساتھ سننا چاہئے اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ اگر لام قرأت فاتحہ کرے تو مقتدی کو خاموش رہنا چاہئے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ اسی اصول کے قائل تھے چنانچہ قرآن کی اس آیت،

والذین یکنزون الذہب والفضۃ ولا ینفقوا فی سبیل اللہ فبشرہم
بعذاب الیم۔

جو لوگ چاندی سونا جمع کرتے ہیں اور اس کو خدا کی راہ میں صرف نہیں کرتے ان کو دردناک عذاب کی شدت دو۔

کے متعلق حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا خیال تھا کہ یہ اہل کتاب کے بارے میں نازل ہوئی ہے اور سونا چاندی کے جمع کرنے پر عذاب انہی کے ساتھ مخصوص ہے، لیکن حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کو اصرار تھا کہ (انہا لفینا و فیہم) وہ ہمارے اور ان کے دونوں کے بارے میں ہے) یہی وجہ ہے کہ ان کے نزدیک روپیہ پیسہ کا جمع کرنا جائز تھا۔

فقہاء کا ایک اصول مفہوم مخالف ہے، مثلاً اگر یہ کہا جائے کہ صرف نمازی لوگ جنت میں داخل ہونگے تو گو اس میں تصریح نہیں ہے کہ بے نمازی لوگ جنت میں نہ داخل ہونگے لیکن خولہ خولہ اس کے مخالف جو نتیجہ نکلے گا وہ یہی ہو گا صحابہ رضی اللہ عنہم نے بعض موقعوں پر اس اصول سے کام لیا ہے ایک موقع پر رسول اللہ علیہ وسلم نے ایک صحابہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ جن لوگوں نے کسی کو خدا کا شریک بنایا وہ مرنے کے بعد دوزخ میں جائیں گے انہوں نے جب یہ روایت بیان کی تو فرمایا کہ یہ تو رسول اللہ ﷺ کا قول ہے لیکن میں کہتا ہوں کہ جن لوگوں نے کسی کو خدا کا شریک نہیں بنایا وہ جنت میں داخل ہوں گے۔^۱

فقہاء کا ایک اصول یہ ہے کہ اصل اشیاء میں اباحت ہے یعنی اصولاً تمام چیزیں مباح ہیں البتہ جب شارع ان کو حرام کر دیتا ہے تو حرام ہو جاتی ہیں، اس لئے جب تک تحریم کا کوئی سبب نہ ہو ہر چیز کو استعمال کیا جاسکتا ہے۔

ایک دفعہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ایک تالاب کے پاس اترے، حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ

۱ بخاری کتاب التفسیر باب قوله والذین یکنزون الذہب، اگر وہ شان نزول ہی کو عام سمجھتے ہوں گے تو یہ مثال صحیح نہ ہوگی۔

۲ بخاری کتاب التفسیر باب قوله ومن الناس من یتخذ من دون اللہ انداداً۔

بھی ہم سفر تھے، انہوں نے لوگوں سے پوچھا کہ اس میں درندے تو پانی نہیں پیتے؟ حضرت عمر ؓ نے کہا کہ یہ نہ بتانا۔^۱ اس سے ثابت ہوا کہ جب حرمت کی کوئی ظاہری وجہ موجود نہ ہو تو اباحت اشیاء کے لحاظ سے ہر چیز سے بے تکلف فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے۔

فقہاء نے ایک اصول یہ قائم کیا ہے کہ حدود شرعیہ شبہات سے زائل ہو جاتی ہیں مثلاً بیٹا اگر باپ کی کوئی چیز چرائے تو اس شبہ کی بنا پر کہ وہ باپ کے مال میں اپنا حق سمجھتا تھا اس کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا، صحابہ کرام ؓ نے بعض موقعوں پر اس اصول سے کام لیا۔

ایک دفعہ ایک شخص نے حضرت عمر ؓ کی خدمت میں استغاثہ کیا کہ میرے غلام نے میری بیوی کا آئینہ چرایا جس کی قیمت ساٹھ ۶۰ درہم تھی، فرمایا تمہارا غلام تھا اور تمہاری ہی چیز چرائی اس پر ہاتھ نہیں کاٹا جاسکتا۔^۲

اصول فقہ میں سب سے اہم چیز قیاس ہے اور درحقیقت موجودہ فقہ کی تمام تر بنیاد قیاس ہی پر قائم ہے، تاہم حضرت ابو بکر ؓ کے زمانے تک مسائل فقہ میں صرف قرآن، حدیث اور اجماع سے کام لیا جاتا تھا، لیکن حضرت عمر ؓ کے عہد خلافت میں جب تمدن کی وسعت نے گونا گوں مسائل پیدا کر دیئے اور قرآن و حدیث کی تصریحات ان جزئیات کے لئے کافی نہ ہوئیں تو قیاس کی ضرورت پیش آئی چنانچہ حضرت عمر نے قضاعت کے متعلق حضرت ابو موسیٰ اشعری ؓ کو جو فرمان لکھا اور اس میں یہ تصریح قیاس سے کام لینے کی ہدایت کی،

الفہم الفہم فیما یختلج فی صدرك معالم یبلغک فی الکتاب والسنة
واعرف الامثال او الاشباه ثم قس الا مور عند ذلک۔

جو مسائل تم کو قرآن و حدیث میں نہ ملیں ان کی نسبت تمہیں خلیجان ہو تو پہلے ان پر غور کرو پھر ان کے مشابہ واقعات کو جمع کر کے ان پر قیاس کرو۔

فقہاء نے قیاس کے لئے دو شرطیں لگائی ہیں، ایک یہ کہ حکم قرآن و حدیث میں منصوص نہ ہو دوسرے یہ کہ مقیس و مقیس علیہ میں کوئی علت مشترک ہو، حضرت عمر ؓ کے فرمان میں یہ دونوں شرطیں موجود ہیں پہلی شرط کے متعلق صاف تصریح ہے (معالیم یبلغک فی الکتاب والسنة) اور دوسری شرط ان الفاظ سے ظاہر ہوتی ہے (واعرف الامثال والاشباه)

صحابہ کرام ؓ کے اختلافی مسائل کا منشا کیا تھا؟

عہد نبوت ﷺ کے بعد جب تمام صحابہ ؓ ممالک مفتوحہ میں پھیلے تو ان کے سامنے نہایت کثرت سے نئے مسائل اور نئے واقعات آئے اس لئے ان بزرگوں کو جو کچھ

حدیثیں یاد تھیں یا جو کچھ قرآن و حدیث سے مستنبط ہو سکتا تھا ان کے مطابق ان کا جواب دیا لیکن جن مسائل کے متعلق ان کا خزانہ معلومات احادیث و روایت سے خالی نہ تھا ان کے متعلق صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے درمیان اختلافات کے مختلف اسباب پیدا ہو گئے۔ مثلاً

(۱) ایک صحابی نے کسی مسئلہ کے متعلق رسول اللہ ﷺ کا فیصلہ سنا تھا لیکن دوسرے صحابی کو اس کے سننے کا اتفاق نہیں ہوا تھا اس لئے انہوں نے اپنے اجتہاد سے کام لیا، جس کی مختلف صورتیں پیدا ہو گئیں ایک یہ کہ یہ اجتہاد بالکل حدیث کے مطابق واقع ہوا مثلاً ایک عورت کا شوہر تعین مہر کے بغیر مر گیا، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے اس کے متعلق استفتا کیا گیا تو انہوں نے کہا کہ اس کے متعلق مجھے رسول اللہ ﷺ کا فیصلہ معلوم نہیں ہے لوگوں نے بہت اصرار کیا تو اس کو مہر مثل اور میراث دلویا اور عدت گزارنے کا حکم دیا معقل بن یسار رضی اللہ عنہ نے اس جواب کے بعد شہادت دی کہ رسول اللہ ﷺ نے بھی ایک عورت کے متعلق اس صورت میں یہی فتویٰ دیا تھا جس سے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نہایت سرور ہوئے دوسری صورت یہ کہ دو صحابیوں میں اختلاف ہوا، اس کے بعد ایک حدیث نکل آئی جس سے ایک صحابی کو اپنے اجتہاد سے رجوع کرنا پڑا، مثلاً حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے نزدیک جو شخص رمضان میں صبح تک حالت جنابت میں رہے اس کا روزہ صحیح نہیں ہو سکتا، لیکن بعض ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے ذریعہ سے ان کو اسکے خلاف روایت مل گئی تو انہوں نے اس مذہب سے رجوع کیا، تیسری صورت یہ کہ حدیث تو ملی لیکن انہوں نے اپنی رائے سے رجوع نہیں کیا، بلکہ خود حدیث کو ناقابل عمل قرار دیا۔

مثلاً ایک بار فاطمہ بن قیس رضی اللہ عنہا نے شہادت دی کہ ان کے شوہر نے ان کو تین طلاق دی لیکن رسول اللہ ﷺ نے نہ اس کو اس سے نفقہ دلویا اور نہ اس کے مکان میں رہنے کی اجازت دی لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس شہادت کو قبول نہیں کیا اور فرمایا کہ ایک عورت کے کہنے سے میں کتاب اللہ کو نہیں چھوڑ سکتا، چوتھی صورت یہ ہے کہ ایک صحابی کو سرے سے حدیث ہی نہیں معلوم ہوئی مثلاً حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ غسل کے وقت عورتوں کو بال کھولنے کا حکم دیتے تھے لیکن حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو یہ معلوم ہوا تو انہوں نے فرمایا کہ ابن عمر عورتوں کو سر منڈوانے ہی کا حکم کیوں نہیں دے دیتے میں خود رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نہ جاتی تھی اور مجھے اس سے زیادہ کچھ نہیں کرنا پڑتا تھا کہ تین بار سر پر پانی ڈال لوں۔

(۲) یا مثلاً رسول اللہ ﷺ نے کوئی کام کیا، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس کو دیکھا تو بعض نے اس کو عبادت پر اور بعض نے اباحت پر محمول کیا، مثلاً زمانہ حج میں نزول تھیب کی متعلق حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا خیال ہے کہ وہ سنن حج میں سے ہے، اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے نزدیک یہ محض ایک

اتفاق واقع تھا۔

(۳) یا مثلاً رسول اللہ ﷺ کے کسی فعل کو مختلف صحابہ ؓ نے دیکھا اور وہم وطن کی بنا پر سب نے اس کی مختلف حیثیتیں قائم کر لیں مثلاً حجۃ الوداع کے متعلق صحابہ ؓ نے مختلف رائیں قائم کی ہیں بعض کے نزدیک آپ ممتنع تھے، بعض کے نزدیک قادر تھے اور بعض کے نزدیک مفرد تھے چنانچہ جس طرح یہ وہم پیدا ہوا حضرت عبداللہ بن عباس ؓ نے اس کی تشریح کی ہے۔

(۴) یہود نسیان کی بنا پر بھی بعض اختلافات پیدا ہوئے، مثلاً، حضرت عبداللہ ابن عمر ؓ کا خیال تھا کہ رسول اللہ ﷺ نے رجب میں عمرہ کیا تھا، لیکن حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس کو یہود نسیان کا نتیجہ قرار دیا۔

(۵) بعض اختلافات روایت کے تمام جزئیات کے محفوظ نہ رکھنے سے پیدا ہوئے مثلاً حضرت عبداللہ بن عمر ؓ خود حضرت عمر ؓ نے یہ روایت کی کہ ”میت پر اس کے اہل و عیال کے رونے سے عذاب ہوتا ہے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس روایت کو سنا تو فرمایا کہ انہوں نے حدیث کو صحیح طور پر یاد نہیں رکھا واقعہ یہ ہے کہ ایک یہودیہ مر گئی تھی اور اس کے اہل و عیال اس پر نوحہ کر رہے تھے، رسول اللہ ﷺ کا گذر ہوا تو فرمایا کہ لوگ اس پر رو رہے ہیں اور اس پر قبر میں عذاب ہو رہا ہے، لیکن حضرت عمر ؓ نے غلطی سے رونے کو عذاب کی علت قرار دیا اور اس کی بنا پر ہر میت کے لئے اس حکم کو عام کر دیا حالانکہ یہ دو الگ الگ واقع تھے اور ان میں باہم علت و معلول کا تعلق تھا۔

(۶) اختلاف کا ایک سبب یہ بھی تھا کہ صحابہ ؓ میں کسی حکم کی علت میں اختلاف پیدا ہوا، اسلئے اسکے نتائج بھی مختلف صورتوں میں ظاہر ہوئے، مثلاً احادیث میں جنازے کیلئے کھڑے ہو جانے کا حکم آیا ہے جسکے مختلف اسباب بتائے جاتے ہیں بعض صحابہ ؓ کے نزدیک اسکی علت تعظیم ملائکہ ہے اور اس صورت میں مسلمان اور کافر دونوں کے جنازے کیلئے کھڑا ہو جانا چاہئے کیونکہ فرشتے دونوں کے ساتھ ہوتے ہیں بعض کے نزدیک خوف موت اس کا سبب ہے اور اس صورت میں بھی یہ حکم کافر اور مومن دونوں کیلئے عام ہے لیکن ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے سامنے سے ایک یہودی کا جنازہ گذرا تو آپ ﷺ نے یہ پسند نہیں کیا کہ وہ آپ ﷺ کے سر کے اوپر سے گذر جائے، اسلئے کھڑے ہو گئے اور اس صورت میں یہ حکم صرف کافر کیلئے مخصوص ہے۔

(۷) اختلاف کا ایک سبب الجمع بین المتضامین ہے یعنی یہ کہ ایک چیز کے متعلق رسول اللہ ﷺ کے دو متضاد حکم موجود ہیں، صحابہ کرام ؓ نے ان دونوں میں تطبیق دی تو باہم اختلاف پیدا ہو گیا، مثلاً رسول اللہ ﷺ نے پہلے غزوہ خیبر میں متعہ کی اجازت دی، پھر غزوہ اوطاس میں اس کا حکم دیا، اس کے بعد اس کی ممانعت کر دی، آپ کے اس طرز عمل کے متعلق

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کا خیال ہے کہ متعہ کا حکم اب تک باقی ہے، اجازت اور ممانعت دونوں ضرورت کی بنا پر تھیں، اور بوقت ضرورت ان دونوں پر عمل کیا جاسکتا ہے لیکن عام صحابہ رضی اللہ عنہ کا فتوے یہ ہے کہ متعہ کی اجازت محض ضرورت تھی، لیکن ممانعت نے اس کو ہمیشہ کیلئے منسوخ کر دیا۔

علم اسرار الدین

صحابہ کرام ؓ کا زمانہ اگرچہ عقلی ترقی کا زمانہ نہ تھا تاہم وہ اتنا جانتے تھے کہ شریعت کے احکام و اوامر مصالح عقلی کی بنا پر ہیں، اس بناء پر ان کو جب کوئی بات خلاف عقل نظر آتی تھی تو اس کے متعلق فوراً رسول اللہ ﷺ سے استفسار کر کے اپنی تشفی کر لیتے تھے ایک بار آپ نے ارشاد فرمایا کہ ”بی بی کے ساتھ مباشرت کرنا ثواب کا کام ہے اس پر صحابہ ؓ نے تعجب سے پوچھا کہ اس میں کون سی ثواب کی بات ہے؟ ارشاد ہوا کہ ”اگر کوئی شخص کسی دوسری عورت سے ملوث ہوتا تو کیا گنہگار نہ ہوتا؟“

ایک بار آپ ﷺ نے فرمایا کہ جب دو مسلمان باہم لڑتے ہیں تو قاتل اور مقتول دونوں جہنمی ہوتے ہیں اس پر ایک صحابی نے پوچھا کہ یا رسول اللہ قاتل کا جہنمی ہونا تو ظاہر ہے، لیکن مقتول کیوں جہنمی ہوگا؟ ارشاد ہوا کہ ”وہ اپنے بھائی کے قتل کا آرزو مند تھا۔“^۱

قرآن مجید میں قصر نماز کے متعلق یہ آیت مازل ہوئی،

ليس عليكم جناح ان تقصروا من الصلوة ان خفتكم الذين كفروا
اگر تم کفار کی فتنہ انگیزی کے خوف سے قصر نماز کرو تو کوئی حرج نہیں۔

لیکن ظاہر ہے کہ یہ رخصت مشروط بہ فتنہ ہے، ہر سفر پر اس آیت کا انطباق نہیں ہو سکتا، چنانچہ عرب میں امن و امان کے قائم ہونے پر بھی یہ حکم باقی رہا تو حضرت عمر ؓ کو اس پر استعجاب ہوا اور انہوں نے آپ سے اس کی وجہ دریافت کی، ارشاد ہوا کہ ”یہ خدا کا صدقہ ہے اور اس کے صدقے کو قبول کرو۔“^۲

صحابہ کرام ؓ کے انہی استفسارات و سوالات نے درحقیقت علم اسرار الدین کی بنیاد ڈالی اور اخیر زمانے میں امام غزالی، خطابی اور ابن عبدالسلام وغیرہ اور سب سے اخیر میں شاہ ولی اللہ صاحب نے اس پر ایک عظیم الشان عمارت قائم کر دی، چنانچہ خود شاہ صاحب لکھتے ہیں۔

بعد مامهد النبي صلعم اصوله وفرع فروعه واقتفى اثره فقهاء الصحابة
کا میری المومنین عمر و علی و کزید و ابن عباس و عایشہ و غیر ہم

۱: ابوداؤد کتاب الصلوة باب صلوة الضحی۔

۲: بخاری کتاب الایمان باب المعاصی من امر الجاهلیہ۔

۳: ابوداؤد کتاب الصلوة باب صلوة المسافر۔

بحثوا عنه و ابرزوا و جوهامنه۔^۱

رسول اللہ ﷺ نے اس فن کے اصول و فروغ مرتب کئے اور فقہاء صحابہ رضی اللہ عنہم، مثلاً امیر المؤمنین عمر رضی اللہ عنہ، علی رضی اللہ عنہ، زید بن ثابت رضی اللہ عنہ، ابن عباس رضی اللہ عنہ، اور عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس کا اتیلع کیا اس سے بحث کی اور اس کے وجوہ بیان کئے۔

شاہ صاحب نے بالخصوص جن صحابہ رضی اللہ عنہم کا نام لیا ہے انہوں نے احکام کے جو علل و اسباب بیان کئے ہیں وہ کتب احادیث میں بہ تفصیل مذکور ہیں، مثلاً آپ صلح حدیبیہ کے بعد عمرہ لو اکر نے کیلئے تشریف لائے تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو طواف کی حالت میں دوڑ کر لو اکر کر چلنے کا حکم دیا۔ جس کی وجہ یہ تھی کہ یہ وہ زمانہ تھا جب کہ مدینہ میں ایک وبائی بخار پھیلا ہوا تھا جس میں اکثر صحابہ رضی اللہ عنہم مبتلا تھے طواف میں ضعف کا اثر محسوس ہوتا تھا تو کفار شہادت کرتے تھے کہ مدینہ کے بخار نے ان کو چور کر دیا۔ اس بناء پر آپ ﷺ نے صحابہ رضی اللہ عنہم کو یہ حکم دیا کہ ضعف کا اثر محسوس نہ ہونے پائے لیکن ظاہر ہے کہ یہ حکم محض ایک وقتی سبب کی بنا پر دیا گیا تھا اور جب وہ زائل ہو گیا تو اس حکم کو بھی بدل جانا چاہئے۔ چنانچہ حضرت عمر نے اس خیال کو یہ کہہ کر ظاہر کر دیا کہ اب اسلام کو قوت حاصل ہو گئی اور کفار فنا ہو گئے تاہم چونکہ یہ عہد نبوت ﷺ کی یادگار ہے اسلئے ہم اس کو قائم رکھتے ہیں۔^۲

حدیث شریف میں آیا ہے کہ جب تک پھل کی حالت قابل اطمینان نہ ہو جا اسکو فروخت نہیں کرنا چاہئے۔ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے اس حکم کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ لوگ عہد رسالت ﷺ میں پھلوں کو فروخت کر ڈالتے تھے، لیکن جب فصل کا زمانہ آتا تھا اور بائع قیمت کا تقاضا کرتا تھا تو مشتری حیلے حوالے کرتا تھا کہ پھل کو فلاں فلاں روگ لگ گئے۔ اس طرح جب رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں بہ کثرت مقدمات آنے لگے تو آپ ﷺ نے یہ حکم دیا۔^۳

ایک شخص نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ غسل جمعہ واجب ہے یا نہیں؟ بولے ”نہیں“ غسل جمعہ کی ابتداء اس طرح ہوئی کہ ابتداء میں تمام صحابہ رضی اللہ عنہم بہت مفلس تھے، کبیل پہنتے تھے اپنی پیٹھ پر بوجھ لاد کر چلتے تھے، مسجد نہایت تنگ تھی، ایک دن تپتے ہوئے دن میں رسول اللہ ﷺ نماز جمعہ کیلئے تشریف لائے، لوگ سینے میں شرابور تھے اور اس کی بو سے ہر شخص کو تکلیف محسوس ہو رہی تھی اسلئے آپ ﷺ نے حکم دیا کہ جمعہ کے دن غسل کرو اور خوشبو لگا کر آؤ، لیکن اب خدا کے فضل سے یہ حالت بدل گئی ہے اب لوگ بال کے کپڑے

۱: حجتہ البالیۃ مطبوعہ مصر صفحہ ۶۔

۲: ابوداؤد کتاب المناسک باب فی الرمل۔

۳: بخاری کتاب البیوع باب بیع الثمار قبل ان یسلو صلاحہا۔

نہیں پہنتے، محنت مزدوری نہیں کرتے، مسجد وسیع ہو گئی ہے اور پسینہ کی بو پھیل کر لوگوں کو لذیت نہیں دیتی۔^۱ اس تقریر کا خلاصہ یہ ہے کہ حکم کا وجود و عدم، علت کے وجود و عدم پر مبنی ہوتا ہے اور اب چونکہ غسل جمعہ کی علت موجود نہیں ہے اس لئے وہ واجب بھی نہیں ہے۔

لیکن ان بزرگوں میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے سب سے زیادہ ان اسرار کی پردہ دری کی ہے، اور بکثرت مسائل کے علل و اسباب بیان کئے ہیں مثلاً عہد نبوت میں عورتوں کی اخلاقی حالت چونکہ قابل اعتماد تھی اس لئے ان کو حضور صلاۃ اور شرکت جماعت کی اجازت تھی، لیکن جب اخیر زمانے میں عورتوں کے نظام اخلاق میں انحطاط پیدا ہو گیا تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے صاف صاف کہہ دیا۔

لو أدرك رسول الله صلعم ما أحدث النساء المنعهن المساجد كما منعه
نساء بنی اسرائیل^۲

عورتوں نے اپنی حالت میں جو تغیرات پیدا کر لئے ہیں اگر رسول اللہ صلعم ان کو دیکھتے تو ان کو مسجد میں آنے سے روک دیتے جیسا کہ بنو اسرائیل کی عورتیں روک دی گئیں تھیں۔
قرآن مجید کی مکی اور مدنی سورتوں میں متعدد فروق و امتیازات ہیں، مثلاً جو سورتیں مکہ میں نازل ہوئیں ان میں زیادہ تر عقائد اور وقایع اخروی کا ذکر ہے اور مدنی سورتوں میں بتدریج لو امر و نواہی کا مطالبہ کیا گیا ہے کیونکہ اسلام ایک جاہل قوم میں آیا، اسلئے اس کو پہلے خطیبانہ اور واعظانہ طریقہ سے جنت اور دوزخ کا حال سنایا گیا۔ جب اس سے لوگ متاثر ہو چکے تو اسلام کے احکام، قوانین اور لو امر و نواہی نازل ہوئے، اگر زنا و شراب خواری وغیرہ سے اجتناب کا پہلے ہی دن مطالبہ کیا جاتا تو دفعتاً کون اس ٹانفوس آواز کو سنتا؟ اس قسم کے امتیازات و فروق کے دریافت کرنے پر یورپ کے علمائے مستشرقین کو بڑا ناز ہے، لیکن حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے پہلے ہی دن اس راز کو فاش کر دیا تھا صحیح بخاری میں ان سے مروی ہے۔

انما نزل اول ما نزل منه سورة من المفصل فيها ذكر الحنة والنار حتى اذا
ثاب الناس الى الا سلام ثم نزل الحرام والحلال و لو نزل اول شى لا
تشرّبوا الخمر لقالوا الا ندع الخمر ابد لو نزل لاتزنوا لقالوا الا ندع الزنا
ابدا لقد نزل بمكة وانا جارية العب بل الساعة موعدهم و الساعة ادهى و
امرو ما نزلت سورة البقره والنساء الا و انا عنده (باب تلایف القرآن)

۱: ابو داؤد کتاب الطہارۃ باب الرخصة فی ترک الغسل یوم الجمعة۔

۲: ماخوذ از سیرت عائشہ رضی اللہ عنہا۔

۳: ابو داؤد کتاب الصلوۃ باب ما جاء فی خروج النساء الى المسجد۔

قرآن کی سب سے پہلی سورت جو نازل ہوئی وہ مفصل کی سورت ہے جس میں جنت و دوزخ کا ذکر ہے یہاں تک کہ جب لوگ اسلام لانے کی طرف مائل ہوئے تو پھر حلال و حرام اتر اگر پہلے یہ اترتا کہ شراب مت پو تو لوگ کہتے کہ ہم ہر گز شراب نہ چھوڑیں گے اور اگر یہ اترتا کہ زنا نہ کرو تو کہتے کہ ہم ہر گز زنا نہ چھوڑیں گے، مکہ میں جب میں کھیلتی تھی تو یہ اترتا کہ ان کے وعدہ کا دن قیامت ہے اور قیامت نہایت سخت اور نہایت تلخ چیز ہے سورہ بقرہ اور سورہ نساء جب اتری تو میں آپ ﷺ کی خدمت میں تھی۔

اسلام کے ظہور سے پہلے مدینہ کے قبائل باہم خانہ جنگیوں میں مصروف تھے جن میں ان کے اکثر ارباب اوعا جو اپنے اقتدار کے تحفظ کے لئے ہر نئی تحریک کی کامیابی میں رکاوٹ پیدا کرتے ہیں قتل ہو گئے۔ انصار ان لڑائیوں سے اس قدر چور ہو گئے تھے کہ اسلام آیا تو سب نے اس کو اپنے لئے رحمت سمجھا چونکہ ارباب اوعا کا طبقہ مفقود ہو چکا تھا۔ اس لئے ان کی رلو میں کسی نے موانع نہیں پیدا کئے۔ اس طریقہ سے خدائے پاک نے ہجرت سے پہلے مدینہ میں اسلام کی ترقی کے راستے صاف کر دیئے تھے۔ یورپ کے فلسفہ تاریخ نے آج اس نکتہ کو حل کیا ہے لیکن حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ان سے پہلے ہم کو بتلویا تھا۔

كان يوم بعثت يوم ما قدم الله الرسول صلعم فقدم رسول الله صلعم وقد افترق ملوهم وقتلف ساداتهم وجرحو فقدمه الله لرسوله في دخولهم الا سلام في الجاهلية۔

جنگ بعثت وہ واقعہ تھا جس کو خدا نے اپنے رسول کیلئے پہلے ہی پیدا کر دیا تھا رسول اللہ ﷺ مدینہ میں آئے تو انصار کی جمعیت منتشر ہو گئی تھی اور ان کے سردار مارے جا چکے تھے۔ اسلئے خدا نے اپنے رسول ﷺ کیلئے ان کے حلقہ اسلام میں داخل ہونے کیلئے یہ واقعہ پہلے ہی سے مہیا کر دیا تھا۔

جن نمازوں میں چار رکعتیں ہوتی ہیں، قصر کی حالت میں ان کی صرف دو رکعتیں ادا کی جاتی ہیں بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ چار میں سے دو سہولت کی خاطر ساقط کر دی گئی ہیں لیکن حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس کی یہ وجہ بتائی ہے،

فرضت الصلوة ركعتين ثم هاجر النبي صلعم ففرضت اربعاً و تركت صلوة السفر على الاول۔ (بخاری باب محرت)

مکہ میں دو رکعتیں نماز فرض تھیں، جب آپ ﷺ نے ہجرت فرمائی تو چار فرض کی گئیں اور سفر کی نماز اپنی حالت پر چھوڑ دی گئی۔

عبادت کا تو خدا نے ہر وقت حکم دیا ہے لیکن احادیث میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نماز عصر اور نماز فجر کے بعد کوئی نماز یعنی نفل و سنت بھی جائز نہیں، اسلئے بظاہر اس ممانعت

کی کوئی وجہ نظر نہیں آتی لیکن حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اسکی یہ وجہ بیان فرماتی ہیں۔
وہم عمر انما نہی رسول اللہ صلعم عن الصلوۃ یتحرى طولع الشمس
وغروبها۔ (مسند احمد ج ۶ ص ۱۱۱)

عمر کو وہم ہوا آپ نے صرف اس طرح نماز سے منع فرمایا ہے کہ کوئی شخص آفتاب کے
طلوع یا غروب کے وقت کو تاک کر نماز نہ پڑھے۔
یعنی آفتاب پرستی کا شبہ نہ ہو، آفتاب پرستوں کے ساتھ وقت عبادت میں تشابہ نہ ہو۔
احادیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ بیٹھ کر نفل پڑھتے تھے اس بنا پر لوگ بغیر کسی عذر کے
بیٹھ کر نفل پڑھنا مستحب سمجھتے ہیں، ایک شخص نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے دریافت
کیا کہ کیا آپ ﷺ بیٹھ کر نماز پڑھتے تھے؟ جواب دیا:

حين حطمه الناس، (ابوداؤد باب صلواته الفائدہ)

یہ اس وقت تھا جب لوگوں نے آپ ﷺ کو توڑ دیا یعنی آپ ﷺ کمزور ہو گئے۔
ابوداؤد اور مسلم میں ان سے اس قسم کی اور روایتیں بھی مروی ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے
کہ آپ کبر سنی اور ضعف کی وجہ سے ایسا کرتے تھے، ہجرت کے بعد جب نمازوں میں دور کعت
کے بجائے چار رکعتیں ہو گئیں تو مغرب میں یہ اضافہ کیوں نہیں کیا گیا، حضرت عائشہ رضی
اللہ عنہا اس کا یہ جواب دیتی ہیں۔

فانها و تر النهار (مسند ج ۶ ص ۲۱۱)

مغرب میں اضافہ نہ ہوا کیونکہ وہ دن کی وتر ہے۔
یعنی جس طرح رات کی نمازوں میں تین رکعتیں وتر کی ہیں، اسی طرح دن کی نمازوں میں
وتر کی یہ تین رکعتیں ہیں۔

نماز فجر میں تو اطمینان زیادہ ہوتا ہے اس لئے اس میں رکعتیں زیادہ ہونی چاہیں، لیکن اور
نمازوں سے کم ہیں، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس کی یہ وجہ بیان فرماتی ہیں۔
وصلوة الفجر لطول قراتهما۔

نماز فجر میں رکعت کا اضافہ اسلئے نہیں ہوا کہ دونوں رکعتوں میں لمبی سورتیں پڑھی جاتی ہیں۔
یعنی رکعتوں کی کمی کو طول قرائت نے پورا کر دیا۔

اہل جاہلیت عاشورہ کا روز رکھتے تھے اور وہ فرضیت صوم سے پہلے اسلام میں بھی واجب رہا۔
حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے اسی قسم کی روایت احادیث میں مذکور ہے، لیکن وہ یہ نہیں
بیان کرتے تھے کہ جاہلیت میں اس دن کیوں روزہ رکھا جاتا تھا لیکن حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا
اس کا سبب یہ بیان فرماتی ہیں،

كانوا يصومون يوم عاشوراء قبل ان يفرض رمضان وكان يوم تستر فيه الكعبة۔ (مسند احمد ج ۶ ص ۲۴۱)

اہل عرب رمضان کی فرضیت سے پہلے عاشوراء کے دن کاروزہ رکھتے تھے، کیونکہ اس روز کعبہ پر غلاف چڑھایا جاتا تھا۔

باوجود یہ کہ آپ ﷺ ہمیشہ تہجد پڑھتے تھے لیکن رمضان کے پورے مہینے میں آپ ﷺ نے تراویح نہیں پڑھی، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس کی وجہ بیان فرماتی ہیں کہ پہلے دن آپ ﷺ نے مسجد میں نماز تراویح ادا فرمائی تو کچھ اور لوگ بھی شریک ہو گئے دوسرے دن اور زیادہ مجمع ہوا تیسرے دن اور بھی لوگ جمع ہوئے، چوتھے دن اتنا مجمع ہوا کہ مسجد میں جگہ نہ رہی، لیکن آپ ﷺ باہر تشریف نہ لائے اور لوگ مایوس ہو کر چلے گئے، صبح کو آپ ﷺ نے لوگوں سے فرمایا:

اما بعد فانه لم يخف على شانكم الليلة ولكني خشيت ان تفرض عليكم صلاة الليل فتحجزوا۔

رات تمہاری حالت مجھ سے پوشیدہ نہ تھی، لیکن مجھے ڈر ہوا کہ کہیں تم پر تراویح فرض نہ ہو جائے اور تم اس کے ادا کرنے سے قاصر رہو۔

حج کے بعض ارکان مثلاً طواف کرنا، بعض مقامات میں دوڑنا، کہیں کھڑا ہونا، کہیں کنکری پھینکنا بظاہر فعل عبث معلوم ہوتے ہیں لیکن حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں۔

انما جعل الطواف بالبيت وبالصفا والمروة ورمي الحجار لا قامة ذكر الله عز وجل۔ (مسند احمد ج ۶ ص ۶۱)

خانہ کعبہ صفا و مروہ کا طواف، کنکریاں پھینکنا تو صرف خدا کے یاد کرنے کے لئے ہے، قرآن مجید کے اشارات سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کے زمانے میں یہ بھی ایک طرز عبادت تھا چونکہ حج یوگار ابراہیمؑ ہے اس لئے وہی طرز عبادت قائم رکھا گیا، مکہ معظمہ کے پاس محصب نام ایک وادی ہے جس میں رسول اللہ ﷺ نے لیام حج میں قیام فرمایا تھا اور آپ کے بعد خلفاء راشدین بھی اس میں قیام فرماتے رہے اور اس بنا پر حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اس کو سنن حج میں شمار کرتے تھے لیکن حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس کو سنت نہیں سمجھتی تھیں اور آپ کے قیام کی یہ وجہ بیان فرماتی تھیں،

انما نزلہ رسول اللہ صلعم لا نہ کان منزلاً اسمع لعروجه۔

آپ ﷺ نے یہاں صرف اس لئے قیام کیا تھا کہ یہاں سے چلنے میں آسانی ہوتی تھی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور حضرت ابو رافع رضی اللہ عنہ بھی اس مسئلہ میں حضرت عائشہ

رضی اللہ عنہا کے ہمزبان ہیں۔^۱

ایک دفعہ آپ ﷺ نے حکم دیا تھا کہ قربانی کا گوشت تین دن سے زیادہ نہ رکھا جائے۔ بہت سے صحابہ رضی اللہ عنہم اس حکم کو دائمی سمجھتے تھے لیکن متعدد صحابہ رضی اللہ عنہم کے نزدیک یہ حکم وقتی تھا، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بھی ان ہی لوگوں میں ہیں اور اس وقتی حکم کا سبب یہ بتاتی ہیں،

لا ولكن لم يكن يضحى منهم الا قليل ففعل ذلك ليطعم من ضحى من لم يضحى۔ (مسند ج ۶ ص ۱۰۲)

یہ نہیں ہے کہ قربانی کا گوشت تین دن کے بعد حرام ہو جاتا ہے بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس زمانہ میں کم لوگ قربانی کر سکتے تھے اس لئے آپ ﷺ نے یہ حکم دیا کہ جو لوگ قربانی کریں وہ ان لوگوں کو کھلائیں جنہوں نے قربانی نہیں کی ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی یہی حدیث امام مسلم نے ایک خبر کی صورت میں بیان کی ہے یعنی یہ کہ ایک سال مدینہ کے آس پاس دیہاتوں میں قحط پڑا اس سے آپ نے یہ حکم دیا اور دوسرے سال جب قحط نہیں پڑا تو اس کو منسوخ فرمایا حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ سے بھی اسی قسم کی روایت ہے۔^۲

کعبہ کے ایک طرف کی دیوار کے بعد کچھ جگہ چھوٹی ہوئی ہے جس کو حطیم کہتے ہیں اور طواف میں اس کو بھی اندر داخل کر لیتے ہیں لیکن ہر شخص کے دل میں یہ سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ جو حصہ کعبہ کے اندر داخل نہیں اس کو طواف میں کیوں شامل کرتے ہیں؟ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے دل میں یہ سوال پیدا ہوا اور انہوں نے آنحضرت ﷺ سے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ یہ دیواریں بھی خانہ کعبہ میں داخل ہیں؟ ارشاد ہوا ”ہاں عرض کی کہ ”پھر بناتے وقت لوگوں نے ان کو اندر کیوں نہیں کیا۔ فرمایا تیری قوم کے پاس سرمایہ نہ تھا اس لئے اتنا کم کر دیا پھر عرض کی کہ اس کا دروازہ اتنا بلند کیوں رکھا؟ فرمایا یہ اس لئے کیا تاکہ ”جس کو چاہیں اندر جانے دیں جس کو چاہیں روک دیں۔“

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ اگر ”عائشہ رضی اللہ عنہا کی یہ روایت صحیح ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے اسی لئے لوہر کے دونوں رکنوں کو بوسہ نہیں دیا لیکن سوال یہ ہے کہ جب آنحضرت ﷺ کو یہ معلوم تھا کہ خانہ کعبہ اپنی اصلی اساس پر قائم نہیں ہے تو شریعت ابراہیمی کے مجدد کی حیثیت سے آپ ﷺ کا فرض تھا کہ اس کو ڈھا کر نئے سرے سے تعمیر کرتے لیکن آپ ﷺ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے خود اس کی وجہ یہ بیان فرما دی کہ ”عائشہ (رضی اللہ عنہا) تیری قوم اگر کفر کے زمانہ سے قریب نہ ہوتی تو میں کعبہ کو ڈھا

کر اس اس ابراہیمی پر تعمیر کرا لے۔

آج کل ہجرت کے یہ معنی سمجھے جاتے ہیں کہ گھربار چھوڑ کر مدینہ میں جا کر آباد ہو جانا، خولہ وہ جہاں پہلے آباد تھے کیسے ہی امن و امان کا ملک ہو لیکن حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ہجرت کی حقیقت یہ بتائی ہے،

لا حجرة اليوم كان المؤمنون يفرحون بدينه الى الله والى رسوله مخالفة
ان يفتن عليه فاما اليوم فقد اظهر الله الا سلام واليوم يعبد ربه حيث شاء
لكن جهاد ونية۔ (بخاری باب الهجرة)

اب ہجرت نہیں ہے، ہجرت اس وقت تھی جب مسلمان اپنے مذہب کو لے کر خدا اور اس کے رسول کے پاس ڈر سے دوڑا آتا تھا کہ اس کو تبدیل مذہب کی بنا پر ستلایا جائے لیکن اب خدا نے اسلام کو غالب کر دیا، اب مسلمان جہاں چاہے اپنے خدا کو پوج سکتا ہے وہاں جہاں اور نیت کا ثواب باقی ہے۔

رسول اللہ ﷺ کے وصال کے بعد صحابہ رضی اللہ عنہم میں اختلاف پیدا ہوا کہ آپ کو کہاں دفن کیا جائے؟ ایک روایت میں ہے کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ”پیغمبر جہاں مرتے ہیں وہیں دفن ہوتے ہیں۔ لیکن اس کا اصلی سبب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں۔

قال رسول الله ﷺ في مرضه الذي لم يقم منه لعن الله اليهود والنصارى
اتخذوا قبور انبيائهم مساجد الا ذلك ابرز قابره غير انه خشي ان يتخذ
مسجدا۔ (بخاری آخر کتاب الجنائز و مسند احمد ج ۶ ص ۱۲۱)

آپ ﷺ نے مرض الموت میں فرمایا کہ خدا یہود و نصاریٰ پر لعنت بھیجے کہ انہوں نے اپنے پیغمبروں کی قبروں کو سجدہ گاہ بنالیا (حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں) کہ اگر یہ نہ ہوتا تو آپ کی قبر کھلے میدان میں ہوتی، لیکن چونکہ اس کا خوف تھا کہ وہ بھی سجدہ گاہ بن جائے اسلئے آپ ﷺ حجرے میں ہی مدفون ہوئے۔

لیکن بایں ہمہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم یہ سمجھتے تھے کہ نظام شریعت میں حکم و مصالح کے ساتھ خود شارع بھی ایک موثر اعظم ہے اور جب وہ خود احکام کی علت بن جاتا ہے تو دوسرے علل و اسباب بیکار ہو جاتے ہیں۔ مثلاً موزہ کا باطنی حصہ گرد و غبار سے آلودہ رہتا ہے اس مسح کا محملک وہی ہو سکتا ہے لیکن احادیث میں موزے کی سطح ظاہری پر مسح کرنے کا حکم ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سمجھتے تھے کہ یہ حکم بالکل الٹا ہے تاہم وہ اس کے ساتھ یہ بھی جانتے تھے کہ شریعت کا دار و مدار بالکل عقلی علل و اسباب پر نہیں ہے بلکہ اس کا سب سے بڑا عمود خود شارع کی ذات پر ہے۔

چنانچہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا قول ہے،

لو كان الدين بالرى لكان اسفل الخف اولى بالمسح من اعلاه^۱۔
اگر دین کا دار و مدار بالکل عقل پر ہوتا تو موزہ کا باطنی حصہ بالائی حصہ سے زیادہ مسح کا مستحق تھا۔
لیکن خود یہ بھی علم اسرار الدین کا ایک اہم اصول ہے، چنانچہ شاہ ولی اللہ صاحب لکھتے ہیں۔
كما اوجبت السنة هذه وانهقد عليها الا جماع فقد اوجبت ايضاً ان
نزول القضاء بالا يحاب و التحريمه سبب عظيم في نفسه مع قطع النظر
عن تلك المصالح لا ثابة المطيع و عقاب العاصي^۲۔
جیسا کہ حدیث واجماع سے ثابت ہوتا ہے کہ احکام مبنی علی المصالح ہیں، اسی طرح احادیث
سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ ان مصالح سے قطع نظر کر کے خود ایجاب و تحریم کا حکم بھی
اطاعت گزار کے ثواب اور نافرمان کے عذاب کا بہت بڑا سبب ہے۔

علم تصوف

صوفی اور تصوف

اسلام میں تصوف ایک نوزائیدہ لفظ ہے اور صوفی کا لقب اہل بغداد کی ایجاد ہے، قرآن مجید نے اہل صفہ کو جن کی طرف اس گروہ کا انتساب کیا جاتا ہے، فقراء کے لقب سے یاد کیا ہے۔

للفقراء المهاجرین الذین اخرجوا من دیارہم۔ الخ
ان فقراء المهاجرین کے جو اپنے گھروں سے نکال دیئے گئے۔

للفقراء الذین احصروا فی سبیل اللہ۔ الخ
ان فقراء کے لئے جو خدا کی راہ میں روک رکھے گئے۔

اور اہل شام بھی اس کو فقراء ہی کے نام سے پکارتے تھے۔ اگرچہ علامہ ابو نصر عبد اللہ بن علی السراج الطوسی اس لقب کو اہل بغداد کی ایجاد نہیں سمجھتے بلکہ ان کو اس کا پتہ نہایت قدیم زمانہ میں ملتا ہے چنانچہ کتاب اللمع میں لکھتے ہیں۔

لیکن یہ کہنا کہ یہ ایک نوپید نام ہے جس کی ایجاد اہل بغداد نے کی ہے محال ہے کیونکہ حسن بصری کے زمانے میں یہ نام مشہور تھا اور حسن بصری نے اصحاب رسول اللہ ﷺ کی ایک جماعت کا زمانہ پایا تھا وہ یہ بھی روایت کرتے ہیں کہ میں نے طواف میں ایک صوفی کو دیکھا اور ان کو کچھ دینا چاہا لیکن انہوں نے نہیں لیا۔ ایک کتاب میں جس میں اخبار مکہ جمع کئے گئے ہیں محمد بن اسحاق بن یسار اور دوسرے لوگوں سے ایک روایت ہے کہ ”اسلام سے پہلے کسی وقت میں مکہ خالی ہو گیا تھا، یہاں تک کہ کوئی شخص خانہ کعبہ کا طواف نہیں کرتا تھا، اس حالت میں کسی دور دراز ملک سے صرف ایک صوفی آتا تھا اور طواف کر کے واپس چلا جاتا تھا۔“

پس اگر یہ روایت صحیح ہے تو اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ قبل از اسلام یہ نام مشہور تھا اور اس کی طرف اہل صلاح منسوب کئے جاتے تھے۔

لیکن جہاں تک تاریخی روایتوں سے ثابت ہے اسلام میں سب سے پہلے ابو ہاشم صوفی کو یہ خطاب ملا جنہوں نے سن ۱۵۰ھ میں وفات پائی اور اس قدر تو اکابر صوفیہ بھی تسلیم کرتے ہیں کہ اس لقب کی بنیاد عہد صحابہ رضی اللہ عنہم کے بعد ہوئی، چنانچہ امام قشیری اپنے رسالے میں لکھتے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ کے بعد صحابہ رضی اللہ عنہم کے سوا اور کوئی لقب ایجاد نہیں ہوا، کیونکہ شرف

۱: کتاب اللمع مطبوعہ یورپ ص ۲۶۔ ۲: کتاب اللمع مطبوعہ یورپ ص ۲۲۔ ۳: کشف الظنون۔

صحبت سے بڑھ کر کوئی شرف نہیں ہو سکتا تھا۔ صحابہ ؓ کے بعد تابعین اور تبع تابعین کا لقب پیدا ہوا اس کے بعد بزرگان دین زاہد و عابد کے لقب سے ممتاز ہوئے لیکن زہد و عبادت کا دعویٰ ہر فرقے کو یہاں تک کہ اہل بدعت کو بھی تھا۔ اس لئے اہل سنت والجماعت میں سے جو لوگ زاہد اور اہل دل تھے وہ صوفی کہلائے اور یہ لقب دوسری صدی ہجری کے ختم ہونے سے پہلے روان چاچکا تھا۔

خود صاحب کتاب اللمع نے بھی اس قدر تسلیم کیا ہے اور لکھا ہے کہ اگر کوئی شخص یہ سوال کرے کہ اصحاب رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں ہم صوفیہ کا ذکر

۱: رسالہ قشیریہ ص ۹۹ ذکر مشائخ طریقت۔

۲: کتاب اللمع ص ۲۲ تصوف کے اشتقاق کے متعلق مختلف آرائیں ہیں، بعض کا قول ہے کہ یہ اصحاب صفہ کی طرف نسبت ہے بعض کے نزدیک اس کا ماخذ صفا اور بعض کے نزدیک صف ہے لیکن قاعدہ اشتقاق کے رو سے یہ تمام اقوال غلط ہیں کتاب اللمع میں ہے کہ صوفی کا لفظ پہلے صفوی تھا، پھر ثقات کی وجہ سے صوفی کر لیا گیا، صوف سے بے شبہ یہ لفظ ماخوذ ہو سکتا تھا جس کے معنی پشینہ کے ہیں، لیکن پشینہ پوش ہونا اس فرقہ کی کوئی خصوصیت نہیں یہ امام قشیری کی رائے ہے لیکن علامہ ابن خلدون نے لکھا ہے کہ اگرچہ پشینہ پوش ہونا اس فرقے کی کوئی عام خصوصیت نہیں، تاہم اکثر یہ لوگ پشینہ پوش ہی ہوتے ہیں اس لئے یہ اشتقاق صحیح ہو سکتا ہے صاحب کتاب اللمع نے لکھا ہے کہ اہل حدیث، حدیث کی طرف اور فقہاء فقہ کی طرف منسوب ہیں، لیکن صوفی کسی خاص وصف یا خاص علم کی طرف منسوب نہیں کیا جاسکتا کیونکہ وہ تمام علوم، تمام صفات حسنہ اور تمام اخلاق فاضلہ کا جامع ہوتا ہے اور اس کو کسی خاص علم خاص وصف اور خاص مقام کے ساتھ خصوصیت حاصل نہیں ہوتی جس کی طرف اس کو منسوب کیا جاسکے اس کے ساتھ اس کے حالات میں ہر وقت تجدید و تغیر ہوتا رہتا ہے اور وہ خدا سے ہمیشہ اضافہ کا خوشگوار رہتا ہے اسلئے اگر اسکو کسی خاص وصف کی طرف منسوب کیا جائے تو ہر وقت ایک نئے وصف کی طرف منسوب کرنا پڑے گا، اس دشواری کی بنا پر اس کو ایک ظاہری خصوصیت یعنی پشینہ پوشی کی طرف منسوب کیا گیا جو کہ انبیاء اور علیہ صلیا کا عام شعار ہے اور اس سے اجمالی طور پر صوفیہ کے تمام علوم تمام اعمال اور تمام اخلاق کا پتہ چل جاتا ہے خدا نے اصحاب عیسیٰ کو بھی ظاہری لباس کی طرف منسوب کیا ہے اور ان کو حواری کہا ہے یہ لوگ سفید کپڑے پہنتے تھے اور خدا نے ان کو اسی طرف منسوب کر دیا اعمال اور اموال کی طرف منسوب نہیں کیا اسی طرح صوفیہ بھی ظاہری لباس کی طرف منسوب کر دیئے گئے (صفحہ ۲۰) ماخذ اور اشتقاق سے قطع نظر کر کے اگر اس لفظ پر تاریخی حیثیت سے نظر ڈالی جائے تو اصل میں یہ لفظ سین سے تھا اور اس کا مادہ سوف تھا جس کے معنی یونانی زبان میں حکمت کے ہیں دوسری صدی میں جب یونانی کتابوں کا ترجمہ ہوا تو یہ لفظ عربی زبان میں آیا اور چونکہ حضرات صوفیہ میں اشرافی حکماء کا انداز پایا جاتا تھا اسلئے لوگوں نے ان کو صوفی یعنی حکیم کہنا شروع کیا رفتہ رفتہ صوفی سے صوفی ہو گیا، یہ تحقیق علامہ ابو ریحان بیرونی نے کتاب البند میں کی ہے اور صاحب کشف الظنون کی عبادت سے بھی اس کا اشارہ نکلتا ہے، چنانچہ وہ تصوف کے عنوان سے لکھتے ہیں،..... (جاری ہے)

نہیں سنتے اور ان کے بعد بھی ہم کو اس لفظ کا پتہ نہیں چلتا، ہم اس زمانے میں عابد، زاہد، سیاح اور فقراء کے لفظ سے تو بے شبہ آشنا ہیں لیکن کوئی صحابہ ؓ صوفی کے لقب سے نہیں پکارا گیا، تو میں اس کے جواب میں کہوں گا کہ رسول اللہ ﷺ کی صحبت کو وہ عظمت اور خصوصیت حاصل ہے کہ جس شخص کو یہ عزت حاصل ہو گئی کہ کوئی دوسرا خطاب جو اس سے بھی معزز ہو نہیں دیا جاسکتا کیا تم کو یہ نظر نہیں آتا کہ وہ زیادہ عباد، متوکلین، فقراء، اہل رضاء، اہل صبر اور اہل تواضع و اخبات کے امام ہیں اور یہ سب کچھ رسول اللہ ﷺ کے فیض صحبت سے حاصل کیا ہے تو جب ان بزرگوں کا انتساب صحبت رسول اللہ ﷺ کی طرف ہے جو بزرگ ترین صفات سے ہے تو یہ محال ہے کہ اس بزرگ ترین صفت کے علاوہ ان کو کوئی دوسری فضیلت دی جاسکے۔

خانقاہیں

اس لقب کی طرح تصوف کی دوسری یادگاریں بھی دور صحابہ ؓ کے بہت بعد عالم وجود میں آئیں، خود صحابہ ؓ کی زمانہ میں ان کا پتہ نہیں چلتا، چنانچہ علامہ ابن تیمیہ لکھتے ہیں۔ زمانہ بہت آگے بڑھ گیا اور امت میں تفریق پیدا ہو گئی اور ہر قوم نے دین کا ایک شعبہ لے لیا جس میں خود اپنی طرف سے اضافے کر لئے، سلاطین و امراء نے قلعے بنوائے حالانکہ قلعے وغیرہ قدیم زمانے میں صرف سرحدوں پر بنائے جاتے تھے، تاکہ ایسا نہ ہو کہ دشمن اچانک حملہ نہ کر دے اور ان کے پاس مدافعت کا سامان نہ ہو اور اہل علم کے لئے مدارس اور اہل عبادت کیلئے خانقاہیں تعمیر کی گئیں۔ میرا خیال ہے کہ سلطنت سلجوقیہ میں ان چیزوں کا عام رواج ہوا اور سب سے پہلے نظام الملک کے زمانہ وزارت میں اہل علم کے لئے مدارس اور مساکین کے لئے رباطات تعمیر کی گئیں اور ان پر اوقاف کئے گئے، اگرچہ اس سے پہلے بھی مدارس اور رباطات کا پتہ چلتا ہے، لیکن میرے خیال میں ان پر کوئی عام وقف نہیں کیا گیا تھا بلکہ یہ مخصوص مقامات میں سے تھے، امام معمر بن زیاد نے اخبار الصوفیہ میں بیان کیا ہے کہ صوفیہ کیلئے پہلی خانقاہ بصرہ میں تعمیر کی گئی۔^۱

(حاشیہ صفحہ گذشتہ)

واعلم ان الاشرافین من الحكماء الالعیین كالصوفیین فی المشرب اولاً اصطلاح ولا یبعد ان یؤخذ هذا الا اصطلاح من اصطلاحهم۔
حکمائے اشراقیہ مشرب اور اصطلاح میں صوفیہ کے مشابہ تھے اور اگر یہ اصطلاح ان کی اصطلاح سے ماخوذ ہو تو کچھ بعید نہیں۔ (الطولی)

(حاشیہ صفحہ ۵۳۰) : فتاویٰ ابن تیمیہ ج ۲ ص ۴۵۹، ۴۶۰۔

اجزائے تصوف کی بے اعتدالی

ان ظاہری یادگاروں کے علاوہ تصوف کے باطنی قوام میں بھی جو غیر معتدل تخیل پیدا ہوا وہ دور صحابہ ؓ کے بعد ہوا خود صحابہ کرام ؓ کی ذات اگرچہ تصوف کے تمام عناصر کا مجموعہ تھی، تاہم ان میں کسی عنصر کی خاصیت حد اعتدال سے آگے نہیں بڑھنے پائی تھی۔ علامہ ابن تیمیہ نے صوفیوں کی جو مخالفت کی ہے وہ انہی عناصر کے غیر معتدل خواص و کیفیات کی بنا پر کی ہے، ورنہ ان کو تصوف کے حقیقی اجزاء سے کوئی اختلاف نہیں، چنانچہ اپنے فتاویٰ کے مختلف مقامات میں اس پر تفصیلی بحثیں کی ہیں، ایک جگہ لکھتے ہیں،

صحابہ ؓ کبھی کبھی جمع ہوتے تھے اور کسی سے قرأت کی فرمائش کرتے تھے اور باقی لوگ سنتے تھے کہ اے ابو موسیٰ ہم کو ہمارے خدا کی یاد دلاؤ تو وہ پڑھتے تھے اور وہ لوگ سنتے تھے بعض صحابہ ؓ کہتے تھے کہ آؤ بیٹھ کر کچھ دیر کے لئے ایمان لائیں۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنے اصحاب کے ساتھ کئی بار نقل باجماعت پڑھی اور اہل صفہ کے پاس آئے ان میں ایک قاری پڑھ رہا تھا آپ ﷺ ان کے ساتھ بیٹھ گئے اور سنتے رہے سماع اور ذکر شروع کے وقت دل میں جو خوف پیدا ہوتا ہے، آنکھوں سے جو آنسو جاری ہو جاتے ہیں بدن کے جو رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں، وہ کتاب و سنت کی تصریحات کے موافق بہترین اوصاف ہیں لیکن یہ سخت بے چینی، غشی موت اور چیخ پکار کی یہ حالت ہے کہ اگر کوئی شخص مجذوب ہو تو اس کو کوئی ملامت نہیں کی جاسکتی جیسا کہ تابعین اور ان کے بعد لوگوں میں، اس کا منشا یہ تھا کہ قلب پر ایک قوت دھکا پہنچاتی تھی اور خود ان کا دل اور ان کی طاقت اس حملے کو برداشت نہیں کر سکتی تھی لیکن اس حالت میں ثم کن و ثبات جیسا کہ رسول اللہ ﷺ اور صحابہ ؓ کا حال تھا افضل ہے البتہ زبردستی، سکون و وقا پیدا کرنا بھی برا ہے اور اس میں کوئی بھلائی نہیں جس سماع سے دل کی اصلاح ہو سکتی ہے وہ کتاب اللہ کا سماع ہے، لیکن بعض فرقوں نے اس سماع کو بھلا کر قصائد سننا شروع کئے تا لیاں بجانے لگے اور الاپنا شروع کیا جو کفار کی سیٹی بجانے کے مشابہ ہے جس کی خدا نے برائی بیان کی ہے۔^۱

ایک دوسرے موقع پر فرماتے ہیں۔

فنا کی تین قسمیں ہیں جن میں ایک قسم کو کامل ترین انبیاء اور اولیاء دوسری قسم کو متوسط درجے کے اولیاء اور صلحاء اور تیسری قسم کو منافقین اہل حدین اور مشبہین نے

اختیار کیا ہے پہلی قسم کی فنا راہ ماسوی اللہ میں اس طرح فنا ہو جاتا ہے کہ خدا کے سوا کسی دوسرے کی محبت کسی دوسرے کی عبادت کسی دوسرے پر توکل اور کسی دوسرے کی تلاش نہ ہو شیخ ابویزید کے اس قول کا کہ ”میں یہ چاہتا ہوں کہ بجز اس چیز کے جس کو وہ چاہتا ہے دوسری چیز کو نہ چاہوں یہی مطلب قرآن مجید کی اس آیت میں اَلَا مَنْ اَتَى اللّٰهَ بِقَلْبٍ سَلِيمٍ میں سلیم سے مراد یہ ہے کہ ماسوائے اللہ سے ماسوائے عبادہ اللہ سے ماسوائے ارادہ اللہ سے ماسوائے محبت اللہ سے محفوظ ہو، بہر حال اگر اسی کا نام فنا ہے، تو یہ اسلام کا لول بھی ہے آخر بھی دین کا باطن بھی ہے اور ظاہر بھی۔

دوسری قسم کی فنا کا منشا یہ ہے کہ ماسوائے کے شہود سے فنا ہو اور جن سالکین کا کمزور دل خدا کے ذکر، خدا کی عبادت اور خدا کی محبت کی طرف کھینچ جاتا ہے، ان کو فنا کا یہ درجہ حاصل ہو جاتا ہے اور وہ خدا کے سوانہ کسی دوسری چیز کو دیکھتے اور نہ کوئی دوسری چیز ان کے دل میں کھٹکتی، اس آیت میں وَاصْبِرْ فُؤَادُ اُمِّ مُؤْمِنِي فَارِغًا میں ان کے نزدیک فارغ سے مراد یہ ہے کہ موسیٰ کی یاد کو سوا ہر چیز سے خالی تھا یہی وہ مقام ہے جہاں ایک قوم کے پاؤں ڈگمگائے ہیں اور اس نے یہ خیال قائم کر لیا ہے کہ یہ اتحاد اور عاشق معشوق کے ساتھ اس قدر متحد ہو گیا ہے کہ دونوں کے وجود میں کوئی فرق نہیں رہا، لیکن یہ غلطی ہے کیونکہ خدا کے ساتھ کوئی چیز متحد نہیں ہو سکتی بہر حال فنا کا یہ درجہ فنا سے خالی نہیں اور اکابر اولیاء مثلاً حضرت ابو بکر ؓ، حضرت عمر ؓ اور مہاجرین اولین اور انصار نے بھی اس درجہ کو اختیار نہیں کیا، یہ درجہ صحابہ ؓ کے بعد پیدا ہوا اسی طرح تصوف کے وہ تمام مدارج جس میں عقل و تمیز گم ہو جائے۔ صحابہ ؓ کے بعد پیدا ہوئے کیونکہ مدارج ایمانیہ میں صحابہ کرام ؓ کامل ترین، قوی ترین اور راسخ ترین تھے، جنون، غشی، بیخودی اور وارفتگی کا ان کے پاس گذر نہیں ہو سکتا تھا ان چیزوں کی ابتدا بصرہ کے عبادت گزار تابعین سے ہوئی کیونکہ انہی میں وہ لوگ تھے جس پر قرآن کے سننے سے غشی طاری ہو جاتی تھی اور انہی میں بعض لوگ ایسے بھی تھے جو اس حالت میں مر جاتے تھے مثلاً ابو جہر الضریز اور زرارہ بن ابی لوفی قاضی بصرہ، شیوخ صوفیہ میں بعض لوگوں نے اسی عالم میں بعض باتیں ایسی کہہ دی ہیں کہ اگر وہ ہوش میں ہوتے تو ان کو معلوم ہوتا کہ انہوں نے غلطی کی ہے مثلاً ابویزید، ابوالحسن نوری، ابو بکر شبلی وغیرہ سے اس قسم کے اقوال مذکور ہیں لیکن ابو سلیمان دارانی، معروف کرخی، فضل بن عیاض بلکہ جنید

وغیرہ کے ہوش و حواس بھی ہمیشہ صحیح رہتے تھے اور وہ فناء کے اس گرداب میں نہیں پڑتے تھے، بلکہ یہ لوگ وسعت علم اور صحت تمیز کی بناء پر ہر چیز کو اس کی اصلی حالت میں دیکھتے تھے اور ان کو نظر آتا تھا کہ تمام مخلوقات حکم خداوندی سے قائم ہیں اس کی مشیت کے ساتھ وابستہ ہیں بلکہ اس کے سامنے سر نیاز خم کئے ہوئے ہیں اس لئے ان کو اس سے بصیرت حاصل ہوتی تھی اور خلوص، توحید اور عبادت کا جو جذبہ ان کے دل کے اندر تھا اس کو ان چیزوں سے اور مدد ملتی تھی قرآن مجید نے اسی حقیقت کی دعوت دی ہے اور کامل ترین مومنین اور اہل عرفان نے اس کو محفوظ رکھا ہے ہمارے پیغمبر رسول اللہ ﷺ ان سب کے امام اور ان سب میں کامل ترین ہیں یہی وجہ ہے کہ شب معراج میں اگرچہ آپ نے خدا کی بہت سی نشانیاں دیکھیں اور خدا نے آپ سے بہت کچھ سرگوشیاں کیں، بایں ہمہ آپ کے حالات میں کسی قسم کا فرق نہیں آیا اور آپ پر اس کا کوئی اثر نہیں طاری ہوا، بخلاف اس کے حضرت موسیٰ پر ایک ہی جھلک میں غشی طاری ہو گئی۔

تیسری قسم کی فنا کا منشا یہ ہے کہ خدا کے سوا کوئی دوسری چیز موجود نہیں، اور خالق کا وجود بعینہ مخلوق کا وجود ہے، اس بنا پر خدا اور بندے میں کوئی فرق نہیں، تو فنا کا یہ درجہ ان گمراہ لوگوں نے اختیار کیا ہے جو حلول و اتحاد میں پڑ گئے ہیں۔

اصطلاحات تصوف

تصوف کی موجودہ اصطلاحات میں بھی عہد نبوت اور عہد صحابہ ﷺ تک کوئی اصطلاح نہیں قائم ہوئی لیکن اگر اس ظاہری لقب، اس رسمی خانقاہ اس بے اعتدالی اور ان ظاہری اصطلاحات سے قطع نظر کر لی جائے تو تصوف کے تمام حقیقی اجزاء خود۔

سلسلہ تصوف

عہد نبوت اور عہد صحابہ ﷺ میں پیدا ہوئے اور تصوف کے ابتدائی سلسلہ کی ظاہری یاد گاریں بھی اسی زمانہ میں قائم ہو گئیں، چنانچہ شاہ ولی اللہ صاحب انتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ میں لکھتے ہیں۔

خرقہ پس اصلش الباس آنحضرت است ﷺ امامہ راہ عبد الرحمن ابن عوف
در وقتیکہ امیر لشکر گردا بند، امام بیعت پس وجود آں و اعتبار بآن از آنحضرت

﴿مستفیض یقینی است کمالاً عظمیٰ﴾^۱

تاہم اس زمانے تک تصوف کا سلسلہ ان ظاہری آداب سے قائم نہیں ہوتا تھا بلکہ صوفیانہ حلقوں کی شیرازہ بندی صرف روحانی رشتوں سے ہوتی تھی، چنانچہ خود شاہ صاحب اسی رسالہ میں تحریر فرماتے ہیں،

پس صوفیہ صافیہ ارتباط ایشان در ز من اول بصحبت و تعلیم ولوب با آداب تہذیب نفس بودہ است نہ خرقہ بیعت و در ز من سید الطائفہ جنید بغدادی رسم خرقہ ظاہر شد و بعد ازاں رسم بیعت پیدا گشت و ارتباط سلسلہ یہیہ این امور محقق است و اختلاف صور ارتباط ضرر نمی کند و خرقہ ہست بیعت را الصلے، از سنت سنہ۔^۲

شاہ صاحب نے ازالۃ الخفاء میں اس نکتے کی اور بھی زیادہ توضیح کی ہے چنانچہ اس کا خلاصہ یہ ہے، اس مقام پر ایک نقطہ ہے جس کو لازمی طور پر پیش نظر رکھنا چاہئے اور وہ یہ کہ عہد صحابہ ؓ عہد تابعین اور عہد تبع تابعین تک مشائخ کے ساتھ تلامذہ کا تعلق بیعت اور خرقہ پوشی کے ذریعہ سے نہ تھا صرف صحبت کے ذریعہ سے تھا اور وہ لوگ ایک شیخ یا ایک سلسلے پر اکتفا نہیں کرتے تھے بلکہ ہر ایک شخص بہت سے مشائخ کی صحبت اختیار کرتا تھا اور بہت سے سلسلوں کے ساتھ تعلق پیدا کرتا تھا، اسلئے ان کا سلسلہ مخصوص طور پر کسی ایک صحابی تک نہیں پہنچایا جاسکتا، بجز اس صورت کے کہ کو ان کو اعتراف ہو کہ ان پر کسی خاص صحابی کی صحبت کا اثر زیادہ پڑا ہے یا انہوں نے ان کا فیض صحبت مدتوں تک اٹھایا ہے یا وہ کسی خاص صحابی کے اصحاب مشہور ہو گئے ہیں اور یہ ان کی ایک علامت قرار پا گیا ہے۔^۳

بایں ہمہ صوفیانہ حلقوں اور صوفیانہ سلسلوں میں خلفائے راشدین اور خلفائے راشدین میں شیخین یعنی حضرت ابو بکر ؓ اور حضرت عمر ؓ کا روحانی فیض سب سے زیادہ نمایاں نظر آتا ہے، چنانچہ شاہ صاحب ازالۃ الخفاء میں لکھتے ہیں،

بعد فقہ اعظم علوم علم احسان (تصوف) است اعنی آنچه امروز باسم علوم سلوک مسمی شود و قوت القلوب و احیاء العلوم و در ان مصنف شدہ است و اعظم توسط کبرائے امت در میان آنحضرت ﷺ و سائر امت او آنست کہ بزبان حال و بزبان قال ہر دو آن علوم را لو آن مقامات و احوال را بمر و مان تعلیم فرماید و تربیت کند یا در ان را بہر دو زبان و از دے آن علوم در آفاق شہرت گردو، ا قاصی و ادوانی ازاں مستفید شوند چنانکہ دریں کتابہاشی کثیر از حضرت شیخین معلوم کردہ باشی۔^۴

۱: کتاب مذکور ص ۳۔ ۲: کتاب مذکور ص ۴، ۵۔

۳: ازالۃ الخفاء مقصد دوم ص ۱۸۵۔ ۴: ازالۃ الخفاء ص ۶۔

ایک دوسرے موقع پر خصوصیت کے ساتھ حضرت عمرؓ کی نسبت لکھتے ہیں:-

الفصل السابع فی بقاء سلسلۃ الصحبة الصوفیۃ المبتداء ہ من النبی صلی اللہ علیہ وسلم ابی یومنا ہذا بوا سبطۃ امیر المومنین عمر بن الخطابؓ و لندکر ہنا سلسلۃ اہل العراق فانہم اکثر المسلمین اعتناء سلسلۃ الصحبة لصوفیۃ۔^۱

ساتویں فصل صوفیہ کے اس سلسلے کے قیام و بقاء میں جو رسول اللہ ﷺ کی ذات سے شروع ہو کر آج تک بالواسطہ امیر المومنین حضرت عمر بن الخطابؓ قائم ہے اور ہم اس موقع پر صرف اہل عراق کا سلسلہ بیان کرتے ہیں کیونکہ وہ لوگ مسلمانوں میں سب سے زیادہ صوفیہ کے سلسلے کا لحاظ کرتے ہیں۔

اس کے بعد شاہ صاحب نے حضرت عمرؓ کے سلسلے تصوف کو حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے شروع کر کے حضرت جنید بغدادیؒ تک پہنچایا ہے اور لکھا ہے۔
وسلسلۃ اشہر من ان یحتاج الی بیان۔

حضرت جنید بغدادیؒ کا سلسلہ اس قدر مشہور ہے کہ اسکے بیان کرنے کی ضرورت نہیں۔ لیکن صوفیہ کے نزدیک تصوف کے اکثر سلسلے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی طرف منسوب ہیں چنانچہ اس موقع پر تمام مشہور سلسلوں کا ایک نقشہ درج کرتے ہیں جس سے اس کا اندازہ ہوگا،

نام سلسلہ	نام مستفید	نام منسوب الیہ	کیفیت
نقشبندیہ	(حسن بصری)	حضرت علی کرم اللہ وجہہ و حضرت ابو بکر صدیقؓ	یہ سلسلہ ہندوستان اور ماوراء النہر میں بہت مشہور ہے اور مکہ و مدینہ میں بھی اس کا رواج ہے۔
قادریہ	//	حضرت علی کرم اللہ وجہہ	یہ سلسلہ عرب اور ہندوستان میں بہت مشہور ہے
چشتیہ	//	حضرت علی کرم اللہ وجہہ	یہ سلسلہ ہندوستان میں بہت مشہور و مقبول ہے
کبرویہ	//	حضرت علی کرم اللہ وجہہ	یہ سلسلہ توران اور کشمیر میں مشہور ہے
شاہ ولیہ	//	حضرت علی کرم اللہ وجہہ	یہ سلسلہ مغرب، مصر اور سوڈان اور مدینہ میں شہرت رکھتا ہے
شطاریہ ^۲	//	حضرت علی کرم اللہ وجہہ	یہ سلسلہ ہندوستان میں مشہور ہے

۱: ازالۃ الخفاء مقصد دوم ص ۱۸۵۔ ۲: یہ نقشہ انتہائی سلاسل اولیاء اللہ سے مرتب کیا گیا ہے۔

یہ تمام سلسلے رسول اللہ ﷺ کی ذات پاک سے شروع ہو کر حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے واسطے سے حضرت حسن بصری تک منتہی ہوتے ہیں اور باتفاق اہل تصوف حضرت حسن بصریؒ نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے استفادہ کیا ہے لیکن اہل حدیث کے نزدیک یہ استفادہ ثابت نہیں ہے، چنانچہ شاہ صاحب انتہاء فی سلاسل اولیاء میں لکھتے ہیں،

والحسن البصری ینسب الی سیدنا علیؑ عند اهل السلوك فاطعة وان كان اهل الحديث لا یثبتون ذلك وقد انتصر الشيخ احمد القشاشی لا هل السلوك بكلام و ان شاف فی الكتاب العقد الفريد فی سلاسل اهل التوحید۔

اور حسن بصری تمام اہل تصوف کے نزدیک حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی طرف منسوب ہیں لیکن اہل حدیث کے نزدیک یہ ثابت نہیں ہے اور شیخ احمد قشاشی نے ایک تشفی بخش بحث کے ذریعہ سے اپنی کتاب العقد الفريد فی سلاسل اهل التوحید میں اہل تصوف کی تائید کی ہے۔ اہل تصوف نے رسم خرقہ پوشی کی ابتدا بھی حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی ذات سے کی ہے لیکن علامہ ابن خلدون کے نزدیک تصوف پر شیعیت کا جو اثر پڑا ہے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی طرف خرقہ کا انتساب بھی اسی کا نتیجہ ہے ورنہ اس کی کوئی اصلیت نہیں چنانچہ مقدمہ تاریخ میں لکھتے ہیں،

حتى انهم كما اسندوا لباس خرقه التصوف جعلوه اصلا لطريقتهم وتخليتهم رفعوه الى عليؑ و هو من هذا المعنى ايضاً ولا فعلى عليؑ لم يختص من بين الصحابة بتخلية ولا طريقة في لباس ولا حال بل كان ابو بكر و عمر رضي الله عنهما ازهد الناس بعد رسول الله ﷺ واكثرهم عبادة ولم يختص احد منهم في الدين بشي يوثر عنه في الخصوص بل كان لصحابه كلهم اسوه في الدين والزهد المحاهدة۔

یہاں تک کہ جب ان لوگوں نے خرقہ پوشی کو اپنے لئے اصل بنانا چاہا تو اس کی سند کو حضرت علیؑ تک پہنچایا لیکن اس کا فلسفہ بھی یہی ہے (یعنی تصوف پر شیعیت کا اثر) ورنہ صحابہؓ میں تخلیہ، بالباس میں حضرت علیؑ کا کوئی خاص طریقہ نہ تھا، بلکہ رسول اللہ ﷺ کی بعد حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ سب سے زیادہ پرہیزگار اور سب سے زیادہ عبادت گذار تھے، لیکن دینی معاملات میں ان کا کوئی قابل روایت مخصوص شیوہ نہ تھا، بلکہ تمام صحابہؓ دین زہد اور مجاہدہ میں نمونہ تھے۔ شاہ صاحب کی عبارت سے بھی اسی کی تائید ہوتی ہے چنانچہ انتہاء میں لکھتے ہیں،

شیخ مجد الدین بغدادی در کتاب تحفۃ البرہ آورده است کہ نسبت خرقہا متصل است بہ پیغامبر ﷺ بہ حدیث درست متصل مستفیض و فرمودہ است کہ مصطفیٰ ﷺ خرقہ پوشا یند امیر المؤمنین علی را کرم اللہ وجہہ و تمام ایں سلسلہ را ذکر کردہ است و المحققون من اهل الحديث ینکرون هذا لا اتصال من النبی ﷺ -^۱

تصوف صحابہ

اس تاریخی تمہید کے بعد اب سوال یہ ہے کہ صحابہ کرام ؓ کا تصوف کن اجزاء پر مشتمل تھا؟ اور اسکو متاخرین کے تصوف پر کیا امتیاز حاصل تھا؟ حقیقت یہ ہے کہ موجودہ تصوف عقائد و اعمال کے مجموعہ کا نام ہے لیکن صحابہ کرام ؓ کے زمانہ تک کوئی خاص صوفیانہ عقیدہ نہیں قائم ہوا تھا۔ غالباً صوفیانہ عقائد کی تولید فلسفہ و حکمت کے رواج اور دوسری قوموں اور فرقوں کے اختلاط اور میل جول سے ہوئی، مثلاً اہل تصوف کا ایک عقیدہ یہ ہے کہ انسان عالم اصغر ہے، لیکن یہ عقیدہ جس طرح فلسفہ کی آمیزش اور اثر سے پیدا ہوا جس طرح اس پر تہہ بتہ گمراہی اور ضلالت کے روئے چڑھتے گئے اور اس کا جو انجام ہوا اس کی نسبت علامہ ابن تیمیہ لکھتے ہیں،

وقد اخذوا من الفلاسفة قولهم الا نسان هو العالم الصغير وهذا قريب و صموا اليه ان الله هو العالم الكبير بناءً على اصلهم الكفري في وحده الوجود وان الله عين وجوه المخلوقات فالانسان من بين المظاهر هو الخليفة الجامع لا سماء والصفات و يتفرع على هذا ما يصيرون اليه من دعوى الربوبية والا لوهية المخرجة لهم الى الفرعونية والقرمطية والباطنية۔

صوفیہ نے فلاسفہ سے یہ مسئلہ اخذ کیا کہ انسان عالم اصغر ہے اور یہ کوئی بڑی بات نہ تھی لیکن ان لوگوں نے اس کے ساتھ اپنی کافرانہ اصل یعنی وحدت الوجود کی بنا پر اس عقیدہ کو بھی ملا لیا کہ خدا عالم اکبر ہے اور انسان تمام مظاہر عالم میں خدا کے اسماء و صفات کا جامع ہے اور یہ لوگ ربوبیت اور الوہیت کا جو ان کو فرعونیت، قرمطیت اور باطنیت تک پہنچا دیتی ہے اسی عقیدہ کی بنا پر دعویٰ کرتے ہیں۔

لیکن صوفیہ کو عقیدہ وحدت الوجود کی تعلیم خود فرقہ باطنیہ نے دی چنانچہ علامہ ابن خلدون مقدمہ تاریخ میں لکھتے ہیں،

ثم ان هؤلاء المتأخرين من المتصوفة المتكلمين في الكشف وفيما وراء الحس توغلوا في ذلك فذهب الكثير منهم الى الحلول والوحده كما

اشرنا الیہ ولعنوا الصحف منه مثل الہدوی فی کتاب المقامات لہ وغیرہ و تبعہم ابن العربی و ابن الفارض و النجم الا سرائیلی فی قصائدہم و کان سلفہم مخارطین للاسماعیلیۃ المتأخرین من الرافضۃ الدائنین ایضا بالحلول والوہیۃ الا ثمة مذهبہا لم یعرف لا ولہم فاشرب کل واحد من الفریقین مذهب الآخر و اختلط کلامہم و تشابہت عقائدہم۔

پھر ان متأخرین صوفیہ نے جو کشف اور عالم تجرید کے متعلق بحث کرتے تھے، اس میں غلو و مبالغہ کیا اس لئے بہت سے لوگوں نے حلول اور وحدت الوجود کا عقیدہ قائم کر لیا اور اپنی کتابوں کو اس سے بھر دیا مثلاً ہر دی نے کتاب القلمات وغیرہ میں ابن عربی، ابن سبعین اور ان دونوں کے تلامذہ ابن عقیف، ابن ابن فارض اور نجم اسرائیلی نے اپنے قصائد میں انہی کی تقلید کی، ان لوگوں کے آباؤ اجداد متأخرین اسماعیلیہ رافضیوں سے میل جول رکھتے تھے، جنہوں نے حول اور اتمہ کی خدائی کا عقیدہ قائم کر لیا تھا، حالانکہ ان کے اسلاف سے یہ عقیدہ منقول نہیں، اس لئے ہر دو فریق نے ایک دوسرے کا مذہب قبول کر لیا، ان کا کلام گنڈا ہو گیا اور ان کے عقائد ایک دوسرے کے مشابہ ہو گئے۔

لیکن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ان گمراہ کن اثرات سے بالکل محفوظ تھے ان کے سامنے صرف رسول اللہ ﷺ کی ذات پاک تھی جو روحانیت اور اخلاق کا سرچشمہ تھی۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے اسی شمع ہدایت سے اقتباس نور کیا تھا، اس لئے ان کے اجزائے تصوف میں روحانیت، اخلاق، عمل، عبادت، زہد، توکل، صبر اور استقامت وغیرہ کے سوا کوئی فلسفیانہ عقیدہ شامل نہیں تھا چنانچہ صوفیہ کرام نے اپنی تصنیفات میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ان روحانی اور اخلاقی خصوصیات کو نہایت اہمیت کے ساتھ نمایاں کیا ہے اور ہم ایک خاص ترکیب کے ساتھ ان کو اس موقع پر درج کرتے ہیں۔

۱: مقدمہ ابن خلدون ص ۵۱۸ھ

۲: اس موقع پر یہ یاد رکھنا چاہئے کہ سادہ تصوف کے تمام عنوانات امام ابو القاسم قشیری نے اپنے مشہور رسالے میں قائم کر دیئے ہیں لیکن ان عنوانات کے تحت میں آنحضرت، صحابہ تابعین اور مشائخ کے جو واقعات درج کئے ہیں ان میں بعض جگر رولہ کے سلسلہ و سند کا ذکر بعض جگہ ان کو مرسل چھوڑ دیا ہے اور زیادہ تر وہ ان واقعات کا ذکر اس طرح کرتے ہیں کہ ”کہا گیا ہے“ جس واقعے کی سند بیان کرتے ہیں وہ بھی کبھی صحیح، کبھی ضعیف اور کبھی موضوع ہوتی ہے غرض تصوف و رقائق کی کتابوں میں جو آثار منقول ہوتے ہیں ان میں صحیح، ضعیف اور موضوع ہر قسم کے آثار ہوتے ہیں (قلوبی ابن تیمیہ جلد ۱ ص ۱۹۸، ۱۹۹) ہم نے اس عنوان میں صحابہ کے متعلق اکثر واقعات کتاب المصنف سے لئے ہیں لیکن تصوف کی عام کتابوں کی طرح اس کا بھی یہی حال ہے اس لئے ہم ان تمام واقعات کی صحت کے ذمہ دار نہیں ہیں ہم نے ان کو صرف اس لئے نقل کر دیا ہے تاکہ یہ معلوم ہو کہ صوفیہ کا صحابہ کرام کے متعلق کیا خیال تھا بایں ہمہ ان میں سے متعدد واقعات احادیث میں بھی مذکور ہیں۔

حضرت ابو بکر صدیق ؓ

تصوف میں حضرات صوفیہ کی سب سے بڑی سند حضرت ابو بکر صدیق ؓ ہیں چنانچہ شاہ ولی اللہ صاحب ازالتہ الخفاء میں لکھتے ہیں۔

صاحب کشف المحجوب در مدح صدیق اکبر ؓ کلمہ داروان الصفاۃ المصدیق ان اروث صوفیا علی التحقيق از آنچہ صفار السی ہست و فرعی اصلش انقطن دل است از اغیار و فر عیش خلود دل است از دنیاے غدار و ایں ہر دو صفت صدیق اکبر است پس امام اہل ایں طریقہ اوست انتہی کلامہ۔

حضرت ابو بکر ؓ واسطی کا قول ہے کہ امت محمدیہ ؓ میں سب سے پہلے تصوف کا راز حضرت ابو بکر صدیق ؓ کی زبان نے اشرار فاش کیا جس سے اہل فہم نے لطائف اخذ کئے اور وہ راز یہ تھا کہ جب وہ اپنی تمام مملوکات سے دست بردار ہوئے تو رسول اللہ ؐ نے فرمایا کہ اپنے اہل و عیال کیلئے کیا چھوڑا؟ تو انہوں نے پہلے خدا کا نام لیا پھر رسول کا اور حقائق تفرید میں اہل توحید کے لئے یہ ایک عظیم الشان اشارہ ہے۔ اس کے علاوہ حضرت ابو بکر صدیق ؓ کے اور بھی بہت سے اشارات ہیں جن سے اور دوسرے لطائف نکلتے ہیں۔ جو اہل حقیقت کو معلوم ہیں، چنانچہ علامہ ابو نصر عبد اللہ ابن علی السراج القوسی کتاب اللمع میں لکھتے ہیں۔

ولا بی بکر ؓ معان اخرهما تعلق بها اهل الحقائق وارباب القلوب وان ذکرنا جميع ذلك طال الكتاب۔

حضرت ابو بکر ؓ کی ذات میں اور بھی متعدد معانی جمع ہو گئے تھے جن کے ساتھ اہل حقیقت اور ارباب قلوب نے تمسک کیا ہے لیکن اگر ہم ان سب کو بیان کریں تو کتاب میں طوالت پیدا ہو جائے گی۔

مثلاً ان کے توکل کا یہ حال تھا کہ تمام مال خدا کی رلا میں دے دیا اور فرمایا کہ اہل و عیال کے لئے میں نے صرف خدا اور اس کے رسول کو چھوڑ دیا ہے درع و تقویٰ کی یہ حالت تھی کہ ایک بار اپنے غلام کے ہاتھ سے دودھ پیا اور جب یہ معلوم ہوا کہ وہ مشتبہ تھا تو حلق میں انگلی ڈال کر قے کر دی خرم و احتیاط کی یہ کیفیت تھی کہ وہ اول شب میں وتر ادا کرتے تھے مباد اسونہ جائیں اور حضرت عمر ؓ آخر شب، رسول اللہ ؐ کو معلوم ہوا تو فرمایا کہ ابو بکر ؓ نے احتیاط کو پیش نظر رکھا اور عمر نے قوت کو، کف لسان کا اس قدر خیال تھا کہ ایک دفعہ وہ اپنی زبان کو پکڑ کر کھینچ رہے تھے۔ حضرت عمر ؓ کا گذر ہوا تو منع فرمایا انہوں نے جواب دیا کہ اسی نے تو مجھ کو کن کن گھاٹوں اتارا ہے خاکسار اتنے بڑے تھے کہ ایک بار ایک امیر کی مشایعت کو گئے تو انہوں

نے کہا کہ یا آپ سوار ہو لیں یا میں خود سواری سے اتر آؤں۔ بولے ”نہ تم کو سواری سے اترنا چاہئے نہ مجھ کو سوار ہونا چاہئے میرے یہ قدم رلہ خدا میں محسوب ہوں گے۔“ زاہد اتنے بڑے تھے کہ مرض الموت میں ان کے جسم پر زعفرانی یا گیر دے رنگ کا جو کرتا تھا اس کو اتر والیا اور کہا اس کو دھو ڈالو حضرت عائشہ نے وجہ پوچھی تو بولے کہ مردے سے زیادہ زندہ لوگوں کو سننے کپڑے کی ضرورت ہے، کبر و غرور سے اس قدر پاک تھے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس شخص نے غرور سے زمین پر اپنا کپڑا الٹا لیا خدا قیامت کے دن اس کی طرف آنکھ اٹھا کے نہیں دیکھے گا تو بولے کہ میرے کپڑے کا ایک جانب اگر احتیاط نہ کروں تو ٹٹکتا ہے لیکن آپ ﷺ نے فرمایا کہ غرور سے ایسا نہیں کرتے یہ بخاری کی روایت ہے لیکن ابو داؤد میں یہ الفاظ ہیں کہ خدا نے تم سے غرور کو نکال لیا ہے، استغفار اور خود داری کا یہ حال تھا کہ اونٹنی کی مہار زمین پر گر پڑتی تھی لیکن کسی سے اٹھانے کی فرمائش نہیں کرتے تھے اور کہتے تھے کہ میرے حبیب محمد ﷺ نے حکم دیا ہے کہ میں کسی سے کسی چیز کا سوال نہ کروں۔ لیکن ان کے تمام روحانی اخلاق میں جو چیز سب سے زیادہ نمایاں ہے وہ ان کا صبر و ثبات ہے چنانچہ رسول اللہ ﷺ کے وصال کے بعد تمام صحابہؓ یہاں تک کہ حضرت عمرؓ تک اس قدر بدحواس ہو گئے کہ ان کو آپ کی وفات کا یقین ہی نہیں آتا تھا لیکن حضرت ابو بکر صدیقؓ اس موقع پر نہ صرف خود ثابت قدم رہے بلکہ تمام صحابہؓ کو ثابت قدم رکھ کر چنانچہ انہوں نے آپ کے وصال کی خبر سنی تو اپنے مکان سے جو مقام رخ میں واقع تھا گھوڑے پر سوار ہو کر چلے اور مسجد میں آئے لیکن کسی سے بات چیت نہیں کی، اس کے بعد حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس جا کر رسول اللہ ﷺ کی لاش مبارک کا رخ کیا اور آپ ﷺ کے چہرے سے کپڑا اٹھا کر بوسہ لیا اور روئے، اس کے بعد لوگوں کی طرف خطاب کر کے فرمایا:-

اما بعد من كان منكم يعبد محمدا فان محمدا قدامت ومن كان منكم يعبد الله فان الله حي لا يموت قال الله و ما محمد الا رسول قد خلت من قبله الرسل۔

لما بعد، تم میں جو لوگ محمد ﷺ کی پرستش کرتے تھے، ان کو معلوم ہو جانا چاہئے کہ محمد ﷺ کا وصال ہو چکا اور جو لوگ خدا کو پوجتے تھے ان کا خدا زندہ ہے مرا نہیں خدا خود کہتا ہے۔ محمد ﷺ صرف ایک پیغمبر ہیں اور ان سے پہلے بہت سے پیغمبر گزر چکے ہیں۔ لوگوں پر اس خطبے کا یہ اثر ہوا کہ سب نے اس آیت کو یاد کر لیا اور کوئی شخص ایسا نہ رہا جو اس

۱: یہ تمام اقوال از الہ الخلفاء مقصد دوم ص ۲۱-۲۲-۲۳ میں بحوالہ مذکور ہیں اور اسوہ صحابہ حصہ اول میں بھی بعض اوقات گزر چکے ہیں۔

کی تلاوت میں مصروف نہ ہو حضرت عمر ؓ کا بیان ہے کہ جب میں نے حضرت ابو بکر ؓ سے یہ آیت سنی تو مجھے معلوم ہوا کہ میرے پاؤں میرے جسم کا بوجھ نہیں اٹھا سکتے اور میں زمین کی طرف جھکا جاتا ہوں۔

کسی نے حضرت ابو العباس بن عطاء رحمہ اللہ سے پوچھا کہ ٹھوٹو اربابین الخ کے کیا معنی ہیں؟ انہوں نے فرمایا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ ابو بکر ؓ کی طرح ہو جاؤ کیونکہ جب رسول اللہ ﷺ کا وصال ہوا تو تمام مسلمانوں کے دل لرز گئے لیکن حضرت ابو بکر ؓ کے دل کو جنبش نہیں ہوئی اور انہوں نے یہ خطبہ دیا کہ ایہا الناس من کان یعبد محمداً الخ اور بانی کا وصف امتیازی صرف یہ ہے کہ وہ حواشیات عالم بھی جو مشرق و مغرب میں انقلاب پیدا کر سکتے ہیں، اس کے دل پر کوئی اثر نہیں ڈال سکتے۔

جب غزوہ بدر میں رسول اللہ ﷺ نے نہایت الحاح و زاری کے ساتھ یہ دعا فرمائی،

اللہم تہلک هذه العصابة لم تعبد فی الارض۔

خداوند اگر مسلمانوں کا یہ چھوٹا سا گروہ ہلاک ہو گیا تو پھر دنیا میں تیری پرستش نہ ہوگی۔
 تو اس موقع پر بھی حضرت ابو بکر ؓ کے صبر و ثابت کی نمائش ہوئی اور انہوں نے فرمایا کہ آپ ﷺ اس طلب و سوال کو چھوڑ دیجئے خدا نے، آپ سے جو وعدہ کیا ہے اس کو پورا کرے گا۔ اس موقع پر بظاہر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ اس حالت میں کیوں رسول اللہ ﷺ کے عزم و استقلال میں فرق آگیا اور حضرت ابو بکر صدیق ؓ ثابت قدم رہے؟ حالانکہ تمام اوصاف میں آپ ﷺ حضرت ابو بکر صدیق ؓ سے زیادہ عالم اور حضرت ابو بکر صدیق ؓ تمام صحابہ ؓ سے زیادہ قوی الایمان تھے۔ اس موقع پر حضرت ابو بکر صدیق ؓ کی ثابت قدمی ان کی قوت ایمانیہ کا نتیجہ ہے اور رسول اللہ ﷺ کا اضطراب آپ ﷺ کے وفور علم کی بنا پر تھا، اسی وفور علم کی یہ نتیجہ تھا کہ جب تیز ہوا چلتی تھی تو آپ کے چہرے کا رنگ متغیر ہو جاتا تھا حالانکہ اور صحابہ ؓ پر اس کا کچھ اثر نہیں پڑتا تھا آپ ﷺ نے خود فرمایا ہے،

لو تعلمون ما اعلم لضحكتم قليل و لبيکتم کثیرا۔

جو کچھ میں جانتا ہوں اگر تم جانتے تو ہنستے کم اور روتے بہت۔

اس موقع پر یہ یاد رکھنا چاہئے کہ مقامات تصوف کا امتیاز نہایت مشکل ہے مثلاً یہی صبر و ثبات جس طرح تصدیق، ایمان اور یقین کامل کا نتیجہ ہے، اسی طرح یہ وصف قساوت اور سنگدلی سے بھی پیدا ہو سکتا ہے چنانچہ شاہ صاحب ازالت الخفا میں لکھتے ہیں۔

وگاہ صورت صبر مثلاً باختی دل مشتبہ گردد و توکل با تہور غلط شود و علی مذالقیاس

محققین صوفیہ علامات و خواص برائے امتیاز کے ارد گرد گھومے بیان کنند۔
لیکن حضرت ابو بکر ؓ کا صبر و ثبات سنگدلی کا نتیجہ نہ تھا بلکہ قوت یقین کا نتیجہ تھا اور نہ وہ فطرۃ نہایت رقیق القلب تھے چنانچہ صحیح بخاری میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے۔

کان ابو بکر رجلاً بکاء اذقراء القرآن لا تملك عينيه۔
ابو بکر بڑے رونے والے آدمی تھے جب قرآن پڑھتے تھے تو اپنی آنکھوں پر قابو نہیں پاتے تھے۔

خود رسول اللہ ﷺ کے وصال کے موقع پر اگرچہ ان کی قوت ایمانیہ کا ظہور غیر معمولی صبر و ثبات کی صورت میں ہوا تاہم ان کی اصلی فطرت نمایاں رہی، اس لئے انہوں نے پہلے آپ ﷺ کے چہرہ مبارک کا بوسہ لیا اور روئے اس کے بعد صحابہ ؓ کی طرف خطاب کیا۔

حضرت عمر فاروق ؓ کتاب للمع میں ہے۔

و لاهل الحقائق اسوہ و تعلق بعمر ؓ بمعانی خص بذلك عمر ؓ
من اختباره لبس المرقعة و الخشونة وترك الشهوات و اجتناب الشبهات
واظهار الكرامات و قلة المبالاة لائمة الخلق عند انتصاب الحق و محق
الباطل و مساوات الاقارب و الا باعد في الحقوق و التمسك بالاشد من
الطاعات و اجتناب ذلك مما روى عنه و بيانه يطول۔

اہل حقیقت کیلئے حضرت عمر ؓ کی ذات ان معانی کی بنا پر جو ان کے ساتھ مخصوص ہیں۔ ایک نمونہ ہے مثلاً پیوند لگے ہوئے موٹے جھوٹے کپڑے کا پہننا خواہشات نفسانی کا ترک کرنا، شبہات سے بچنا، کرامات کا ظاہر کرنا، قیام حق کیلئے ملامت خلق کی بہت کم پرواہ کرنا، حقوق میں قریب و بعدی دونوں کو برابر رکھنا، سخت عبادتوں کو لازم کرنا۔

یہ تمام چیزیں ان سے مروی ہیں، لیکن ان کے بیاں میں طوالت ہے۔

لیکن شاہ ولی اللہ صاحب نے ازالۃ الخفاء میں اس طوالت کو گوارا کر لیا ہے اور تصوف فاروقی پر ایک مستقل رسالہ لکھ دیا ہے، جس کی تمہید دو مقامات پر کی ہے اور پہلے مقدمہ میں تصوف کے تین اصول بتائے ہیں،

(۱) ایک یہ کہ تصوف کا دار و مدار تمام تریقین پر ہے لیکن جو یقین تہلید و استدلال سے حاصل ہوتا ہے وہ تصوف معتبر نہیں بلکہ وہ یقین معتبر ہے جو اعمال خیر مثلاً روزہ، نماز اور ذکر و

تلاوت سے پیدا ہوتا ہے، اگرچہ تمام مسلمان یہ اعمال ادا کرتے ہیں بلکہ یہ یقین ہر شخص کو حاصل نہیں ہوتا بلکہ اس کے لئے تین شرطیں ہیں (۱) اخلاص فی العمل (۲) کثرت مقدار عمل مثلاً تہجد اشراق اور نذکار صبح و شام (۳) کیفیت عمل مثلاً حضور، خشوع ترک حدیث نفس وغیرہ قرآن و حدیث میں علم الاحسان یعنی علم تصوف کی تفسیر انہی اصول مثلاًش کے موافق کی گئی ہے۔

(۲) یقین پیدا ہونے کے بعد یقین طبیعت، نفس اور قلب کے درمیان سے مقامات پیدا ہوتے ہیں، جن میں بہترین مقامات دس ہیں، توبہ، زہد، صبر، شکر، رجا، خوف، توکل، رضا، فقر اور محبت ان کے علاوہ اور مقامات بھی ہیں، مثلاً تشدد و تواضع وغیرہ اور خود آنحضرت ﷺ نے متعدد صحابہ رضی اللہ عنہم کو ان مقامات کی بشارت دی ہے مثلاً صدیقہ، محدثہ، شہید تہ اور حواریت، لیکن یہ مقامات بعض اوقات مشتبہ ہو جاتے ہیں مثلاً صبر اور سنگدلی میں اشتباہ ہو جاتا ہے اور توکل و تہور کی حقیقت ملتبس ہو جاتی ہے۔ اسلئے صوفیہ نے ان کے امتیاز کیلئے ان کے خواص و علامات بتائے ہیں۔

(۳) جب یہ یقین پیدا ہو جاتا ہے تو انسان جو کچھ کہتا ہے اور جو کچھ کرتا ہے اسی یقین سے کرتا ہے اور یہ اس کی ایک مستمر عادت ہو جاتی ہے اور تمام لوگوں کو یہ راز اعلانیہ معلوم ہو جاتا ہے جس کے دوزریعہ ہیں، کرامات اور تربیت مریدین۔

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے تصوف کے یہ تمام مدارج قولاً و فعلاً نہایت تفصیل کے ساتھ بیان کئے ہیں اور مختلف حالات میں مواعظ، پند و نصیحت اور خط و کتابت کے ذریعہ سے صحابہ رضی اللہ عنہم اور تابعین کی صوفیانہ تربیت فرمائی۔ اس لئے شاہ صاحب کے الفاظ میں علمی حیثیت سے ادا علم صوفیہ اس بعلم تصوف درامت مرحومہ دوسرے مقدمے میں عام مشائخ اور حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی کرامات و مقامات میں جو عظیم الشان فرق ہے اسکی تفصیل کی ہے مثلاً عام مشائخ کے مقامات صرف قرآن و اہدات سے معلوم ہو سکتے ہیں فرض کرو کہ ایک شخص پر مصیبت میں رقت طاری نہیں ہوتی اس لئے یا تو ہم خود کہہ سکتے ہیں کہ وہ مقام صبر تک پہنچ گیا ہے یا وہ خود اپنے ذوق و وجدان کی بنا پر اس کی خبر دے سکتا ہے لیکن یہ دونوں صورتیں قابل اطمینان نہیں ہیں بلکہ تصوف میں اکثر مقامات فاضلہ اور صفات طبیعہ میں اشتباہ ہو جاتا ہے اور ایک وصف دوسرے وصف کی شکل میں نظر آتا ہے اسلئے کرامات و مقامات کی شناخت ایک ظنی چیز ہے اس شخص سے حسن عقیدت یار اوپوں کے حسن ظن کی بنا پر تسلیم کی جاسکتی ہے لیکن حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے مقامات تصوف خود رسول اللہ ﷺ کے نص و بشارت سے ثابت ہوئے ہیں اور رعایت متفقہ نے ان کو اس قدر یقینی کر دیا ہے کہ ان پر اجمالاً ایمان لانا فرض ہو گیا ہے اس کے بعد شاہ صاحب نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے مقامات تصوف کو

ایک فلسفیانہ انداز سے بیان کیا ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں:

”خدا نے نفس انسانی کو دو قوتیں عطا فرمائی ہیں ایک قوت عالمہ اور دوسری قوت عاقلہ جب قوت عالمہ کی تہذیب اپنے درجہ کمال کو پہنچ جاتی ہے تو اسی کا نام عصمت ہو جاتا ہے اور قوت عاقلہ کی تہذیب کے درجہ کمال کا نام وحی ہے عام طور پر لوگ ان دونوں قوتوں کے درجہ کمال کو نہیں پہنچ سکتے البتہ ان کے نمونے اور قائم مقام موجود ہیں اور جب یہ دونوں قائم مقام جمع ہو جاتے ہیں تو ان سے مختلف نتائج کا ظہور ہوتا ہے مثلاً ایسا شخص لوگوں کا مرشد یا کسی پیغمبر کا خلیفہ ہو جاتا ہے اس لحاظ سے وحی کی قائم مقام محدثیت فراست اور وحی کے ساتھ موافقت رائے ہے عصمت کا قائم مقام یہ ہے کہ شیطان ایسے کامل ترین شخص کے سائے سے بھی بھاگ جائے اور ان دونوں قائم مقاموں کے اجتماع سے شہیدیت کا درجہ اور پیغمبر کی نیابت کا استحقاق حاصل ہوتا ہے۔“

اس تفصیل کو پیش نظر رکھ کر اگر حضرت عمر ؓ کے فضائل و مناقب پر نظر ڈالی جائے تو معلوم ہو گا کہ ان میں یہ اوصاف کس قدر پائے جاتے ہیں، حدیث شریف میں آیا ہے:-
لقد کان فیما کان قبلکم من الامم محدثون فان یکن فی امتی احد فہو
عمر بن الخطاب۔

تم سے پہلے جو لوگ گزرے ان میں محدثین تھے اگر میری امت میں کوئی محدث ہے تو وہ
عمر بن خطاب ہیں،
ایک اور روایت میں ہے۔

لو کان نبی بعدی لکان عمر بن الخطاب۔

اگر میرے بعد کوئی پیغمبر ہو تا تو وہ عمر بن خطاب ہوتے۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے روایت ہے کہ حضرت عمر ؓ ایک بات کہتے تھے اور اس کی تصدیق میں قرآن نازل ہو جاتا تھا۔

حضرت ابن عمر ؓ کا بیان ہے کہ اصحاب رسول اللہ میں جب اختلاف ہوتا تھا، تو قرآن حضرت عمر ؓ کی رائے کے موافق نازل ہوتا تھا۔

حضرت ابو ہریرہ ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا،

ان اللہ جعل الحق علی لسان عمر و قلبہ۔

خدا نے حق کو عمر کی زبان اور دل پر موقوف رکھ دیا ہے

آپ ﷺ نے فرمایا

یا عمر مالقیك الشیطان سالکا فجالا سلك فجا غیر فحلك۔
اے عمر جب شیطان تم سے کسی راستے میں ملتا ہے تو اپنا راستہ بدل دیتا ہے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے صوفیانہ اخلاق میں تمکین و استقامت شرم و حیا اور دخول فی السعات سب سے زیادہ نمایاں ہیں، ان کی تمکین و استقامت کا یہ حال تھا کہ جس وقت وہ شہید کئے گئے، اپنی جگہ سے مطلق جنبش نہیں کی کسی دوسرے کو مدافعت کرنے کا حکم نہیں دیا، اور قرآن کو اپنے پاس سے جدا نہیں ہونے دیا یہاں تک کہ جب شہید ہوئے تو قرآن مجید شرابور ہو گیا اور آیت فَسَيَكْفِيكَهُمْ اللَّهُ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ پر ان کے خون کے قطرے ٹپکے، شرم و حیا کا یہ حال تھا کہ گھر کا دروازہ بند ہوتا تھا، لیکن کپڑا اتار کر نہیں نہاتے تھے۔^۱ حجتہ اللہ البالغہ میں شاہ صاحب نے ان کے یہ الفاظ نقل کئے ہیں،

انی اغسل فی البیت المظلم فانطوی حیاء من اللہ تعالیٰ
میں تاریک گھر میں بھی نہاتا ہوں تو خدا کی شرم سے بچو خم کھاتا رہتا ہوں۔

اور لکھا ہے کہ

وهو غیر الحیاء الذی هو من مقامات النفس و يتولد من روية عرة اللہ
تعالیٰ و جلالہ مع ملا حظة عجزه عن القيام بحقه و تلبسه بالا دناس
البشریۃ۔^۲

اور یہ حیا اس حیا سے مختلف ہے جو مقامات نفس سے ہے، یہ حیا خدا کی عزت اور جلال کے دیکھنے سے اور اس کے ساتھ یہ خیال کرنے سے کہ میں اس کے حق کے ادا کرنے سے قاصر ہوں، اور انسانی گندگی کے ساتھ ملوث ہوں پیدا ہوتی ہے۔

احادیث میں بھی ان کے جو فضائل و مناقب مذکور ہیں ان میں یہ وصف نمایاں نظر آتا ہے یہی وجہ ہے کہ ان کو صاحب الحیاء والا ایمان کہا جاتا ہے، دخول فی السعۃ انبیاء اور صدیقین کا مخصوص وصف ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ انسان ایک چیز کے اندر داخل بھی ہو اور اس سے خارج بھی ہو، ہر چیز کے ساتھ بھی ہو اور ہر چیز سے الگ بھی ہو، یحییٰ بن معاذ سے صوفی کے اوصاف پوچھے گئے تو انہوں نے کہا کہ لوگوں کے ساتھ بھی ہو اور لوگوں سے جدا بھی ہو، حضرت ابن الجلاء سے پوچھا گیا کہ فقیر صادق کس کو کہتے ہیں؟ بولے کہ وہ جس چیز کو لے غیروں کیلئے لے، اپنے لئے نہ لے، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی بھی یہی حالت تھی، چنانچہ انہوں نے ابتدائے اسلام میں جو فیاضیاں کیں وہ اسی وصف کا نتیجہ تھیں خود ان کا بیان ہے کہ اگر اسلام

۱: مسند ابن ضبل ج ۱ ص ۷۳ مسند عثمان۔ ۲: حجتہ اللہ البالغہ ج ۲ ص ۷۱۔

کی ضروریات کے پورا کرنے کا خیال نہ ہوتا تو میں اس مال و دولت کو ہر گز جمع نہ کرتا۔
 سہل بن عبد اللہ کا قول ہے کہ یہ درجہ صرف اس شخص کو حاصل ہوتا ہے جو خدا کے حکم کو جانتا ہے، خدا جب اور جس قدر مال کے خرچ کرنے کا حکم دیتا ہے وہ خرچ کرتا ہے اور اگر روک دیتا ہے تو رک جاتا ہے وہ مال و دولت کو حقوق کے لئے محفوظ نہ کہ حفظ کے لئے اس کی مثال بعینہ ایک وکیل کی ہوتی ہے جو اپنے موکل کے مال میں مالکنہ تصرف تو کرتا ہے لیکن اس کی اجازت کے بغیر ایسا نہیں کر سکتا۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ

صوفیہ کے نزدیک حضرت علی کرم اللہ وجہہ علم تصوف کا ماخذ ہیں انہوں نے خود ایک موقع پر اپنے قلب کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ ”اس میں ایک علم ہے، کاش میں اس کا حامل پاتا“ جنید بغدادی کا قول ہے کہ اگر وہ لڑائیوں میں مشغول نہ رہتے تو ہم کو اس علم (تصوف) کے بہت سے نکات بتا جاتے، کیونکہ ان کو علم لدنی حاصل تھا، بایں ہمہ انہوں نے بہت سی ایسی باتیں بتائی ہیں جن پر تصوف کی بنیاد قائم ہے مثلاً ایک شخص نے ان سے ایمان کے متعلق سوال کیا تو انہوں نے فرمایا کہ ایمان چار ستونوں پر قائم ہے صبر، یقین، عدل اور جہاد، پھر صبر کے دس مقامات کی تفصیل بیان کی صاحب کتاب الجمع اس واقعہ کو نقل کر کے لکھتے ہیں۔

فان صبح ذلك عنه فهو اول من نكلم في الا حوال والمقامات۔

اگر ان سے یہ روایت صحیح ہے تو وہ پہلے شخص ہیں جس نے مقامات اور احوال کی تفصیل بتائی۔
 صوفیانہ حیثیت سے ان کو تمام صحابہ رضی اللہ عنہم پر یہ فضیلت حاصل ہے کہ انہوں نے بہت سے صوفیانہ نکات بیان کئے ہیں اور بیان کو معانی اور احوال پر فضیلت حاصل ہے، خدا خود کہتا ہے۔
 هذا بيان للناس یہ لوگوں کیلئے بیان ہے۔

علمی حیثیت کے علاوہ عملی اور اخلاقی حیثیت سے بھی وہ صوفیہ کیلئے نمونہ و مثال ہیں، ان کے زہد کا یہ حال تھا کہ ایک بار بیت المال کے دروازے پر کھڑے ہو کر فرمایا کہ ”اے دنیا و درہم تم میرے علاوہ کسی کو اپنا فریفتہ بناؤ“ ایک بار انہوں نے حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے کہا کہ ”اگر اپنے آقا سے ملنا چاہتے ہو تو اپنی قمیص میں پیوند لگاؤ، اپنا جو تانا کھو، اپنے رشتہ امید کو کوتاہ کرو، گور پیٹ بھر کر کھانا نہ کھاؤ، ایک بار انہوں نے مزدوری کر کے کچھ کھجوریں حاصل کیں اور ان کو رسول اللہ ﷺ کے پاس لائے جن کو آپ نے وجہ معاش میں صرف کیا، جب وہ شہید ہوئے تو امام حسن رضی اللہ عنہ نے کوفہ کے ممبر پر چڑھ کر کہا کہ اے کوفہ والو! امیر المومنین تمہارے سامنے شہید ہوئے لیکن خدا کی قسم انہوں نے دنیوی چیزوں میں صرف چار سو درہم

چھوڑے ہیں جن کو انہوں نے ایک غلام کے خریدنے کیلئے علیحدہ کر لیا تھا۔ ان کے خوف خدا کا یہ حال تھا کہ جب نماز کا وقت آتا تھا تو کانپ اٹھتے تھے اور ان کے چہرے کا رنگ بدل جاتا تھا اس حالت میں لوگ ان کا حال پوچھتے تھے تو فرماتے تھے کہ اس لمانت کے ادا کرنے کا وقت آگیا جس کو خدا نے آسمان وزمین اور پہاڑوں کے سامنے پیش کیا لیکن انہوں نے اس کو اٹھانے سے انکار کیا اور ان سے ڈر گئے۔ مگر انسان نے اس کو اٹھا لیا اب میں نہیں جانتا کہ میں اس لمانت کو اچھی طرح ادا کر سکوں گایا نہیں اس قسم کے واقعات کو نقل کر کے صاحب کتاب اللمع لکھتے ہیں۔

ولعلیٰ ﷺ اشباه ذلك كثير من الا احوال والا خلاف والا فعال التي يتعلق بها ارباب القلوب و اهل الاشارات و اهل المواجيد من الصوفية۔
حضرت علی ﷺ کے اس قسم کے بہت سے احوال اخلاق اور افعال ہیں جن کے ساتھ اہل دل، اشارات اور اہل وجد صوفیہ تمسک کرتے ہیں۔

اصحاب صفہ

اکثر صحابہ ﷺ مشاغل دینی کے ساتھ ہر قسم کے کاروبار یعنی زراعت اور تجارت وغیرہ بھی کرتے تھے، لیکن ان بزرگوں نے اپنی زندگی صرف عبادت اور آنحضرت ﷺ کی تربیت پذیری پر وقف کر دی تھی، ان لوگوں کے بال بچے نہ تھے اور جب شادی کر لیتے تھے تو اس حلقہ سے نکل جاتے تھے۔

یہ لوگ دن کو بارگاہ نبوت میں حاضر رہتے اور حدیثیں سنتے رات کو ایک چبوترے پر پڑھتے عربی زبان میں چبوترے کو صفہ کہتے ہیں اور اسی بناء پر ان بزرگوں کو اصحاب صفہ کہا جاتا ہے۔ ان میں سے کسی کے پاس چادر اور تہ بند دونوں چیزیں کبھی ایک ساتھ جمع نہ ہو سکیں۔ چادر کو گلے سے اس طرح باندھ لیتے تھے کہ رانوں تک لٹک آتی، حضرت ابو ہریرہ ؓ انہی بزرگوں میں تھے ان کا بیان ہے کہ میں اہل صفہ میں ستر اشخاص کو دیکھا کہ ان کے کپڑے ان کی رانوں تک بھی نہیں پہنچتے تھے، اس لئے جب نماز پڑھتے تھے اور رکوع میں جاتے تھے تو کپڑوں کو اپنے ہاتھ سے سمیٹ لیتے تھے کہ کشف عورت نہ ہو جائے، ایک بار مسجد نبوی ﷺ میں ان بزرگوں کا حلقہ تلاوت قائم تھا لیکن ان میں ہر شخص دوسرے سے مل کر بیٹھتا تھا تاکہ ایک کی دوسرے کے ذریعہ سے پردہ پوشی ہو۔

معاش کا طریقہ یہ تھا کہ ان میں ایک ٹولی دن کو جنگل سے لکڑیاں چن لاتی اور بیچ کر اپنے بھائیوں کیلئے کچھ کھانا مہیا کرتی۔ اکثر انصار کھجور کی پھلی ہوئی شاخیں توڑ کر لاتے اور مسجد کی حیثیت میں لٹکادیتے، کھجورس جو ٹیک ٹیک کر آتیں۔ لوگ اٹھا کر کھا لیتے کبھی دو دو دن کھانے کو

نہیں ملتا تھا، اکثر ایسا ہوتا تھا کہ رسول اللہ ﷺ مسجد میں تشریف لاتے اور نماز پڑھاتے یہ لوگ آکر شریک نماز ہوتے لیکن بھوک اور ضعف سے عین نماز حالت میں گر پڑتے۔ باہر کے لوگ آتے اور ان کو دیکھتے تو سمجھتے کہ دیوانے ہیں، آنحضرت ﷺ کے پاس جب کہیں سے صدقہ آتا تو مسلم ان کے پاس بھیج دیتے اور جب دعوت کا کھانا آتا تو ان کو بلا لیتے اور ان کے ساتھ بیٹھ کر کھاتے، اکثر ایسا ہوتا کہ راتوں کو آنحضرت ﷺ ان کو مہاجرین و انصار پر تقسیم کر دیتے یعنی اپنے مقدور کے موافق ہر شخص ایک ایک دود کو اپنے ساتھ لے جائے اور کھانا کھلائے۔

حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نہایت فیاض اور دولت مند تھے، وہ کبھی کبھی اسی اسی مہمانوں کو اپنے ساتھ لے کر جاتے۔

آنحضرت ﷺ کو ان کے ساتھ نہایت انس تھا، ان کے ساتھ مسجد میں بیٹھتے ان کے ساتھ کھانا کھاتے اور لوگوں کو ان کی تعظیم و تکریم پر آمادہ کرتے ایک بار اہل صفہ کی ایک جماعت نے بارگاہ نبوی ﷺ میں شکایت کی کہ کھجوروں نے ہمارے پیٹ کو جلادیا، رسول اللہ ﷺ نے ان کی شکایت سنی تو ان کی دل دہی کیلئے ایک تقریر کی جس میں فرمایا یہ کیا ہے کہ تم لوگ کہتے ہو کہ ہمارے پیٹوں کو کھجوروں نے جلادیا۔ کیا تم کو یہ معلوم نہیں کہ کھجور ہی اہل مدینہ کی غذا ہے؟ لیکن لوگ اسی کے ذریعہ سے ہماری مدد کرتے ہیں اور ہم بھی انہی کے ذریعہ سے تمہاری مدد کرتے ہیں۔ خدا کی قسم ایک یادو مہینہ سے رسول اللہ ﷺ کے گھر میں دھواں نہیں اٹھا ہے، صرف پانی اور کھجور پر بسر اوقات ہے۔

آپ ﷺ ان لوگوں کا اس قدر خیال رکھتے تھے کہ جب ایک دفعہ آپ ﷺ سے حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا نے درخواست کی کہ ہاتھوں میں چکی پیتے پیتے نیل پڑ گئے ہیں، مجھ کو ایک کنیر عنایت ہو تو فرمایا کہ یہ نہیں ہو سکتا کہ میں تم کو دوں اور اہل صفہ بھوکوں مریں، خود قرآن مجید میں خداوند تعالیٰ نے ان کا ذکر نہایت غمخواری کے لہجے میں کیا ہے۔

للفقراء الذين احصروا في سبيل الله الآية

صدقہ و زکوہ ان فقراء کیلئے ہے جو خدا کی راہ میں روک رکھے گئے ہیں (اس لئے کس معاش نہیں کر سکتے)۔

و لا تطرد الذين يدعون ربهم الآية

ان لوگوں کو نہ دود کا رو جو صبح و شام خدا کو پکارتے ہیں۔

واصبر نفسك مع الذين يدعون ربهم الآية

تم بھی ان لوگوں کے ساتھ صبر کرو جو اپنے خدا کو پکارتے ہیں۔

ایک بار ان میں ایک بزرگ حضرت ابن مکتوم کے ساتھ ایک خاص موقع پر رسول اللہ

ﷺ نے بہ مصالح بے اعتنائی فرمائی تو یہ عتاب آمیز آیت نازل ہوئی،
عَبَسَ وَ تَوَلَّى - اَنْ جَاءَهُ الْاَعْبٰی -

اس نے منہ بنالیا اور پیٹھ پھیر لی جب کہ اس کے پاس ایک اندھا آیا۔
اس کے بعد جب آپ ان کو دیکھتے تو محبت اور عزت کے لہجے میں فرماتے،
یا من عاتبنی فیہ ربی عزوجل۔

اے وہ شخص جس کے بارے میں مجھ پر میرے خدا نے عتاب کیا۔
ان بزرگوں کا مشغلہ یہ تھا کہ راتوں کو عموماً عبادت کرتے تھے اور قرآن مجید پڑھتے
رہتے، ان کیلئے ایک معلم مقرر تھا جس کے پاس رات کو جا کر پڑھتے، اس بنا پر ان میں سے اکثر
لوگ قاری کہلاتے اور اشاعت اسلام کیلئے کہیں بھی جانا ہوتا تو یہی لوگ بھیجے جاتے۔^۱

عام صحابہ ﷺ

خلفائے راشدین ﷺ اور اہل صفہ کے بعد عام صحابہ ﷺ کا درجہ ہے جن کے متعلق
ساحب کتاب اللمع لکھتے ہیں،

فاما غیر اهل الصفة فقد روی عن كل واحد منهم ما انفردوا به و خصوصاً به
من الاحوال الوضیة و الاعمال الزکیة و مکارم الاخلاق ماتعلق بها اهل
الحقائق من المتصوفتہ، و یكثر ذکر ذالك ولكن نذكر طرفاً نیستدل
بذالك على مالم نذكره۔

اہل صفہ کے علاوہ جو صحابہ ﷺ ہیں ان میں ہر ایک کے متعلق بہت سے پسندیدہ
حالات پاک اعمال اور مکارم اخلاق مروی ہیں اور ان میں سے اہل حقیقت نے استفادہ
کیا ہے، لیکن ان کے ذکر میں طوالت ہے اس لئے ہم صرف اس کا مختصر سا حصہ بیان کر
دیتے ہیں تاکہ جو کچھ بیان نہیں کرتے ان کے ذریعہ سے ان پر استدلال کیا جائے۔

چنانچہ صوفیہ نے اپنے ذوق کے مطابق ان کے جن اقوال و افعال سے استفادہ کیا ہے ان میں
بعض مرقق باتیں حسب ذیل ہیں۔^۲

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ عذاب الہی کے خوف سے فرماتے تھے کہ کاش میں خاک
کا ذرہ ہوتا اور ہوا مجھ کو اڑالے جاتی لیکن میں پیدا نہ ہوا ہوتا،
جب یہ آیت نازل ہوئی،

وان جہنم لمعد ہم اجمعین۔
جنہم ان سب کے اجتماع کی جگہ ہے۔

یہ حالات سیر والنبی اور کتاب اللمع سے لئے گئے ہیں سیر والنبی کے الفاظ میں بھی ہم نے بہت کم تغیر کیا ہے۔
لیکن ان کی صحت کی ذمہ داری ہم پر نہیں ہے خود حضرات صوفیہ پر ہے۔

تو حضرت سلمان فارسی ؓ نے اس کو سن کر ایک چیخ ماری اور سر پر ہاتھ رکھ کر بھاگے اور متصل تین دن تک غائب رہے۔

حضرت ابو الدرداء ؓ کا بیان ہے کہ میں جاہلیت میں ایک تاجر تھا اس کے بعد جب اسلام آیا تو تجارت اور عبادت دونوں ساتھ کرنا چاہا لیکن دونوں چیزیں جمع نہ ہو سکیں اس لئے عبادت کو اختیار کیا۔

حضرت ام الدرداء رضی اللہ عنہا سے پوچھا گیا کہ ابو الدرداء کی بہترین عبادت کیا تھی؟
 بولیں ”تفکر اور اعتبار“۔

حضرت ابو ذر ؓ کا بیان ہے کہ خدا کے تعلق نے میرا کوئی دوست باقی نہیں رکھا۔ قیامت کے خوف نے میرے بدن پر گوشت نہیں چھوڑا اور ثواب آخرت کے یقین نے میرے گھر میں کوئی چیز نہیں رہنے دی۔

جیب بن مسلمہ نے ان کے پاس ایک ہزار درہم بھیجے لیکن انہوں نے واپس کر دیئے اور کہا کہ ہمارے یہاں بکریاں ہیں جن کو ہم دو بتے ہیں ایک سواری ہے جس پر سوار ہوتے ہیں، اس کے علاوہ ہم کو کسی چیز کی ضرورت نہیں۔

ایک شخص نے حضرت ابو عبیدہ ؓ سے سوال کیا لیکن انہوں نے اس کو واپس کر دیا پھر دوبارہ آیا اور سوال کیا تو اس کو کچھ دیا اور فرمایا کہ خدا ہی نے تجھے دیا اور خدا ہی نے تجھے واپس کیا۔
 حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ فرماتے تھے کہ دو مکروہ چیزیں یعنی موت اور فقر کس قدر محبوب ہیں، ان میں سے جس چیز کے ساتھ ابتدا کی جائے میں اسی پر راضی ہوں۔

حضرت انس بن مالک ؓ سے مروی ہے کہ قیامت کے دن سب پہلے حوض پر وہ لاغر اندام لوگ وارد ہوں گے کہ جب رات آتی ہے تو وہ رنج و غم کے ساتھ اسکا استقبال کرتے ہیں۔
 حضرت عبداللہ بن عمر ؓ سے روایت ہے کہ ہم مجرد لوگ عہد نبوت میں صرف مسجد میں سوتے تھے، ہمارے پاس کوئی مکان نہ تھا۔

حضرت حذیفہ بن الیمان ؓ فرماتے تھے کہ میرے لئے سب سے زیادہ خوشگوار دن وہ دن ہے جب میں اہل و عیال کے پاس جاتا ہوں اور وہ اپنی تنگدستی کا گلہ کرتے ہیں، ان کا قول ہے کہ ایک گھنٹے کی خواہش نفسانی انسان کو طویل رنج و غم میں مبتلا کر دیتی ہے۔

حضرت ابو فردہ ؓ ایک میل چلے لیکن اس میں خدا کو یاد نہیں کیا پھر پلٹ کر ایک میل تک خدا کو یاد کرتے ہوئے چلے اور اخیر میں پہنچ کر کہا کہ خداوند ابو فردہ کو نہ بھولنا کیونکہ وہ تجھ کو نہیں بھولتا۔

حضرت عدی بن حاتم ؓ چوٹیوں کو روٹی چورا کر کے کھلایا کرتے تھے کیونکہ ان کو ان

رحم آتا تھا۔

حضرت زرارہ ابن اونی ؓ نے ایک مسجد میں لامت کی اور یہ آیت
فَإِذَا نُفِرَ فِي النَّاقُورِ ۖ فَذَلِكَ يَوْمَئِذٍ يَوْمٌ عَسِيرٌ
جب صور پھونکا جائے گا تو یہ نہایت سخت دن ہوگا۔

پڑھی تو زمین پر گر کر جان دے دی۔

اس قسم کے بہت سے اقوال کتاب اللمع میں مذکور ہیں اور تصوف کی دوسری کتابوں میں
بھی مل سکتے ہیں لیکن محدثانہ حیثیت سے ان کی صحت کا دعویٰ نہیں کیا جاسکتا۔ اس لئے ان کو
قلم انداز کرتے ہیں۔

تصوف صحابہ ؓ کی حقیقت

تصوف کی مختلف تعریفیں کی گئی ہیں، لیکن تصوف کی جو حقیقت صحابہ کرام ؓ کی
روحانیت اور اخلاق کا معیار قرار دی جاسکتی ہے، شاہ ولی اللہ صاحب کے الفاظ میں حسب ذیل ہے۔

شریعت نے جن چیزوں کو واجب یا حرام قرار دیا ہے انہی کا نام عمل ہے لیکن ان اعمال
میں یہ حیثیت ملحوظ ہے کہ وہ ایسے روحانی اوصاف کو پیدا کریں جو قیامت کے دن
روح کیلئے مفید یا مضر ہوں، وہ ان اوصاف کو پڑھائیں اس کی وضاحت کریں اور اس کا
قالب اور مجسمہ بنیں۔ اب ان اعمال پر وہ حیثیتوں سے بحث کی جاسکتی ہے ایک تو یہ
کہ تمام لوگوں کیلئے لازم اور ضروری کر دیئے جائیں، جس کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ
وہ واقع انتخاب کئے جائیں، جہاں ان اعمال سے یہ روحانی اوصاف پیدا ہو سکیں اور ایسا
واضح طریقہ اختیار کیا جائے کہ لوگوں سے علی رؤس الاشہاد ان پر مواخذہ کیا جاسکے
کہ وہ حیلہ حوالہ نہ کر سکیں اس کیلئے یہ ضروری ہے کہ ان کی بنیاد و ضبط و اعتدال پر
قائم کی جائے دوسری حیثیت یہ ہے کہ ان اعمال سے لوگوں کی تہذیب نفس ہو اور
ان سے جن روحانی کیفیات کا پیدا کرنا مقصود ہے وہ پیدا ہو سکیں، اس کا بہترین طریقہ
یہ ہے کہ سب سے پہلے وہ روحانی اوصاف معلوم کرائے جائیں پھر یہ بتلایا جائے کہ یہ
اعمال ان کو کیوں کر پیدا کر سکتے ہیں لیکن اس کی بنیاد ایک توفیق سلیم پر ہے اور
دوسرے اس پر کہ خود صاحب شریعت پر ان کو محمول کر دیا جائے پس پہلی حیثیت
سے جو علم ان اعمال سے بحث کرتا ہے وہ علم شریعت ہے اور دوسری حیثیت سے ان پر
علم الاحسان (علم تصوف) میں بحث کی جاتی ہے، اس بنا پر جو لوگ علم الاحسان کے
مباحث پر نگاہ ڈالنا چاہتے ہیں ان کو دو چیزوں کی ضرورت ہے ایک تو یہ کہ خود ان

اعمال پر نگاہ رکھیں کہ وہ اوصاف مطلوبہ تک پہنچاتے ہیں یا کہ نہیں کیونکہ بسا اوقات یہ اعمال ریاکاری، شہرت طلبی اور الف و عادات کی بنا پر کئے جاتے ہیں اور ان میں اترانے، احسان کرنے اور نوبت دینے کا جذبہ شامل ہو جاتا ہے اور اس حالت میں ان کا مقصد حاصل نہیں ہوتا اور بسا اوقات وہ اس طرح انجام پاتے ہیں کہ نفس کو ان سے ایسا تنبہ نہیں حاصل ہوتا جو محسنین کے شیلان شان ہو (اگرچہ بعض لوگ ان سے بھی تنبہ حاصل کر لیتے ہیں) مثلاً جو شخص صرف فرض کو ادا کر لیتا ہے اور اسکی کیفیت اور مقدار میں کچھ اضافہ نہیں کرتا وہ زکی نہیں کہا جاسکتا، دوسری ضرورت یہ ہے کہ وہ خود ان روحانی اوصاف پر نگاہ رکھیں ان کو جانیں پہچانیں اور علی وجہ البصیرہ اعمال کو بجالائیں، تاکہ وہ اپنے نفس کے طبیب ہوں۔

اسی فن کا نام علم الاحسان ہے۔

اور اس میں جن اصولی اخلاق سے بحث کی جاتی ہے وہ چار ہیں۔

(۱) ایک طہارت جو انسان کو عالم ملکوت سے مشابہ کر دیتی ہے۔

(۲) دوسرے عجز و نیاز جو عالم جبروت کی جھلکیاں دکھاتے ہیں۔

(۳) تیسرے سماحت جس کا منشا یہ ہے کہ قوت ملکیہ، محرکات بہیمیت مثلاً حصول لذت، انتقام،

غصہ، اور بخل اور جاہ وغیرہ کے تابع نہ ہو، سماحت ہی سے متعدد اخلاق پیدا ہوتے ہیں یعنی

اگر شکم پری اور شہوت رانی کی خواہش کے ساتھ کالفاظ کیا جائے تو اس کا نام عفت ہے اور اگر

عیش طلبی کے ساتھ اس کو بلایا جائے تو اس کا نام زہد و تقشف ہے اور اگر پریشانی اور گھبراہٹ

کے ساتھ اس کو مخلوط کیا جائے تو اس کا نام صبر ہے، اگر جذبہ انتقام کے ساتھ اس سے کام

لیا جائے تو اس کا نام سخاوت اور قناعت ہے اور منہیات شریعت کے ساتھ اس کا نام لیا

جائے تو تقویٰ ہے اور صوفیہ کی اصطلاح میں اسی کا نام انقطاع عن الدنیا، فناء عن الخصال

البشریہ یا حریت ہے، غرض وہ لوگ اس خصلت کو مختلف ناموں سے تعبیر کرتے ہیں۔

(۴) چوتھے عدالت اور وہ اس ملک کا نام ہے جس سے ایک عادلانہ نظام قائم ہوتا ہے جس سے

تدبیر منزل اور سیاست مدن وغیرہ کی نہایت آسانی کے ساتھ اصلاح ہوتی ہے اس ملک کی

مختلف حیثیتوں سے مختلف اخلاق پیدا ہوتے ہیں اگر انسان کے معمولی حالات یعنی اٹھنے

بیٹھنے، چلنے پھرنے میں اس کا لحاظ رکھا جائے تو اس کا نام ادب ہے اگر مال و دولت کے جمع

کرنے میں اس کو استعمال کریں تو اس کا نام کفایت شعاری ہے اگر تدبیر منزل میں اس کا لحاظ

رکھیں تو اس کا نام حریت ہے، اگر تدبیر ممالک میں اس کو پیش نظر رکھیں تو اس کا نام

سیاست ہے اگر بھائی بند اور دوست و احباب کی اجتماعی زندگی میں وہ ملحوظ رہے تو اس کا نام حسن معاشرت ہے۔

اب یہ دیکھنا چاہئے کہ یہ اخلاق کیوں کر پیدا ہو سکتے ہیں؟
تو شریعت نے طہارت کیلئے وضوء اور غسل اور عجز و نیاز کیلئے نماز ذکر اور تلاوت کو فرض کیا ہے اور جب یہ تمام چیزیں جمع ہو جاتی ہیں تو اس کو سیکنہ اور وسیلہ کہتے ہیں،
حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی نسبت جو حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ

انه اقربهم الى الله وسيله۔

وہ تمام صحابہ رضی اللہ عنہم میں از روئے وسیلہ کے خدا سے نزدیک تر ہیں۔

اس کا یہی مطلب ہے، شارع علیہ السلام نے اس کو ایمان سے بھی تعبیر کیا ہے، اور فرمایا کہ:

الطهور شطر الايمان

پاکی نصف ایمان ہے

اور عجز و نیاز کی طرف ان الفاظ میں اشارہ کیا ہے،

الا حسان ان تعبد الله كأنك تراه فان لم تكن تراه فانه يراك۔

احسان یہ ہے کہ خدا کی عبادت اس طرح کرو گویا تم اس کو دیکھ رہے ہو کیونکہ اگر تم اس کو نہیں دیکھتے تو وہ تم کو دیکھ رہا ہے۔

طہارت اور عجز و نیاز کے حاصل کرنے کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ سنن انبیاء کا اتباع کیا جائے اور ان کی روح اور ان کی روشنی کا لحاظ رکھا جائے اور ان کے نوکار بہتات کے تحفظ کیساتھ ان کی کثرت کی جائے مثلاً طہارت کی روح باطنی نور ہے، انس ہے، انشراح ہے بیہودہ تخیلات، گھبراہٹ پریشانی اور اضطراب کا دور ہو جاتا ہے اور نماز کی روح حضور قلب، جبروت کا نظارہ، خدا کی محبت آمیز تعظیم اور اطمینان و سکون ہے اور تلاوت کی روح یہ ہے کہ انسان خدا کی طرف شوق و تعظیم کے ساتھ متوجہ ہو اور اس کے مواعظ احکام، امثال اور قصص پر غور کرے اور دعا کی روح یہ ہے کہ تمام قوتوں کا مرجع خدا کی ذات کو سمجھے اور اس کے ہاتھ میں کٹھ پتلی بن جائے اور مناجات کی لذت حاصل کرے، سماعت کے حاصل کرنے کا عمدہ ذریعہ یہ ہے کہ لذت انتقام اور بخل وغیرہ کے مواقع سے زیادہ تر الگ رہے، خدا کا ذکر کرے اور عالم تجرد کی طرف اپنی توجہ کو مبذول رکھے زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کے اس قول میں،

استوی عندي حجرها و ملرہا۔

میرے نزدیک زمین کا ٹکڑا پتھر سب یکساں ہے۔

اسی عالم تجرد کی طرف اشارہ ہے۔

اور عدالت، لطف و کرم، محبت و قوت اور رقیق القلبی سے حاصل ہوتی ہے بشرط یہ کہ امور

کلیہ کا لحاظ رکھا جائے اور انجام پر نظر رہے، لیکن سماعت اور عدالت میں بعض حیثیتوں سے تناقض و تضاد ہے کیونکہ حصول سماعت کا ذریعہ یہ ہے کہ عالم تجرد کی طرف انسان کامیاب ہو اور اس کیلئے قطع تعلق اور تخلیک کی ضرورت ہے لیکن عدالت لطف و کرم اور محبت و مودت سے حاصل ہوتی ہے۔ (جس کیلئے اجتماع و مباشرت ضروری ہیں)

اسلئے اکثر لوگوں کیلئے یہ دونوں چیزیں باہم متضاد ہیں بالخصوص تہذیب کیلئے تو بالکل ایک دوسرے کی تقیض ہیں یہی وجہ ہے کہ بہت سے اہل اللہ اہل و عیال کو چھوڑ کر دنیا سے قطع تعلق کر لیتے ہیں اور عام طور پر جب لوگ بلبچوں سے ملے ہیں تو ان کو خدا بھول جاتا ہے۔ لیکن انبیاء علیہم السلام نے دونوں کا لحاظ رکھا ہے، اس لئے ان دونوں کے قواعد و اصول کو نہایت احتیاط کے ساتھ منضبط کر دیا ہے بہت سے افعال اور بہت سی کیفیات ایسی بھی ہیں جو ان اخلاق یا ان اخلاق کے برعکس اثر کرتی ہیں یعنی وہ فرشتوں یا شیطانوں کا حراج پیدا کرتی ہیں، یہی وجہ ہے کہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ ”شیطان بائیں ہاتھ سے کھانا پیتا ہے“ تم لوگ فرشتوں کی طرح صف کیوں نہیں سیدھی کرتے؟ ان مواقع پر رسول اللہ ﷺ نے ایسی دعائیں سکھائی ہیں جو ہمیشہ عجز و نیاز کو پیدا کرتی رہتی ہیں، صبر اور فیاضی کا حکم دیا ہے، اور موت کے یاد کرنے کی ترغیب دلائی ہے اور دنیا کو حقیر بتلایا ہے اور خدا کی عظمت اور قدرت کے متعلق غور و فکر کی ہدایت کی ہے اور ان سب کا مقصد یہ ہے کہ سماعت حاصل ہو، عبادت، صلہ رحمی، احسان، اقامت حدود، امر بالمعروف، نہی عن المنکر اور سلام کرنے کا حکم اسلئے دیا ہے تاکہ عدالت کا ملکہ پیدا ہو۔

مقامات و احوال

منازل سلوک کے طے کرنے کے بعد انسان کے اندر متعدد روحانی اوصاف پیدا ہو جاتے ہیں، جن کو تصوف کی اصطلاح میں مقامات اور احوال کے لفظ سے تعبیر کرتے ہیں اور یہی اوصاف تصوف اور فلسفہ اخلاق میں ماہرہ الامتیاہ ہیں۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے زمانے تک اگرچہ یہ اصطلاح نہیں پیدا ہوئی تھی تاہم جن چیزوں کو مقامات و احوال کے لفظ سے تعبیر کیا جاتا ہے وہ سب کی سب انکی روحانی دنیا میں موجود تھیں چنانچہ شاہ صاحب نے ان پر تفصیلی بحث کی ہے اور ہر مقام اور حال کی مثال صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اوصاف روحانی سے دی ہے شاہ صاحب کا یہ بیان اگرچہ اہل حدیث اور اہل تصوف دونوں کیلئے نہایت دلآویز ہے، تاہم بخوف طوالت ہم اسکا نہایت اجمالی خلاصہ درج کرتے ہیں، وہ فرماتے ہیں،

علم تصوف کے چند نتائج یعنی مقامات اور احوال اس علم کے حاصل ہونے کے بعد

۱: اس موقع پر حضرت حنظلہؓ کی حدیث کو پیش نظر رکھنا چاہئے تو آگے آئے گی۔

پیدا ہوتے ہیں اور جو حدیثیں اس بارے میں وارد ہوئی ہیں ان کی شرح دو مقدمات پر موقوف ہے، ایک عقل، قلب اور نفس کے اثبات اور ان کی حقیقت کے بیان پر اور دوسرے اس بیان پر کہ یہ مقامات اور احوال ان تینوں چیزوں سے کیوں کر پیدا ہوتے ہیں؟ تو تم کو جاننا چاہئے کہ انسان کے اندر تین لطائف ہیں جو عقل، قلب اور نفس کے نام سے موسوم ہیں اور وہ نقل عقل، تجربہ اور عقلاء کے اتفاق سے ثابت ہیں عقل کے اوصاف اور اس کے افعال میں یقین، شک، وہم ہر نوپیدا چیز کے اسباب و علل کی تلاش، جلب منفعت اور دفع مضرت کی تدبیر وغیرہ داخل ہیں۔

غصہ، دلیری، محبت، بزدلی، رضا مندی، ناراضی، وفاء جاہ پر سی، فیاضی، بخل اور امید و بیم وغیرہ قلب کا وصف اور قلب کا کام ہے نفس کے اوصاف و اعمال میں سب سے زیادہ نمایاں چیز اطعمہ و اثر بہ لذیذہ کی حرص اور عورتوں کی محبت اور ان کا عشق ہے۔ اب مقامات اور احوال کے پیدا ہونے کی صورت یہ ہے کہ:-

جب کوئی شخص خدا کی کتاب اور پیغمبر کی ہدایات پر ایسا مکمل ایمان لاتا ہے جو اس کے تمام قوائے قلبیہ اور نفسیہ کی رگ و پے میں سرایت کر جاتا ہے پھر اس کے بعد مذکور فکر میں مشغول رہتا ہے اور اعضاء و جوارح کے ساتھ حق عبودیت ادا کرتا ہے اور مستمر ان اعمال کو بجالاتا رہتا ہے تو ان تینوں لطیفوں کے اندر عبودیت کی روح حلول کر جاتی ہے گویا خشک پودے کو خوب سیرج دیا جاتا ہے۔ اس لئے اس کی تمام شاخوں اور پتوں میں رطوبت موجزن ہو جاتی ہے، پھر اس سے پھول اور پھل نکلنے لگتے ہیں اسی طرح یہ تینوں لطیفے عبودیت میں شرابور ہو جاتے ہیں اور ان کے رذیل ترین طبعی اوصاف صفات ملوکیت سے تبدیل ہو جاتے ہیں اب اگر ان اوصاف کو ملکاتِ راسخہ کی حیثیت حاصل ہو گئی ہے اور ان کے افعال میں مستمر اہمواری اور یکسر نگہ پائی جاتی ہے تو انہی کا نام مقامات ہے اور اگر وہ بجلی کی طرح کوند کر پھر نظروں سے غائب ہو جاتے ہیں اور ان میں ثبات و قرار نہیں پیدا ہوتا (مثلاً خواب یا غیب کی آواز یا مدہوشی وغیرہ) تو ان کو احوال اور اوقات کہتے ہیں اور چونکہ فطرت انسانی کے غلبہ کی حالت میں عقل کا مقتضی یہ ہے کہ جس چیز کے مناسبات جمع ہو جائیں وہ اس کی تصدیق کرے اس لئے عقل کی تہذیب کا اقتضاء یہ ہے کہ شرعی امور پر اس طرح یقین کرے کہ گویا وہ اس کو علانیہ نظر آتے ہیں مثلاً جب رسول اللہ ﷺ نے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا کہ ہر چیز کی ایک حقیقت ہوتی ہے،

تمہارے ایمان کی کیا حقیقت ہے؟ تو انہوں نے کہا کہ گویا مجھ کو عرش الہی علانیہ نظر آتا ہے اب کہنے کی بات یہ ہے کہ کہ جو مقامات اور احوال عقل سے تعلق رکھتے ہیں ان میں اصلی چیز یقین ہے اور یقین ہی سے مختلف مقامات مثلاً توحید، اخلاص توکل، شکر، انس، ہیبت، تفرید صدیقیت اور محمدییت وغیرہ پیدا ہوتے ہیں، حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ یقین کل ایمان ہے، بہر حال یقین کامل کے بعد بہت سی شاخیں پیدا ہو جاتی ہیں، جن میں ایک شکر ہے اور انسان جب تک اپنی گزشتہ زندگی میں قدرت کے عجائبات سے متنبہ نہ ہوتا رہے شکر کی تکمیل نہیں ہوتی، چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جب اپنے آخری حج سے واپس آنے لگے تو فرمایا کہ خدا کا شکر ہے خدا کے سوا کوئی دوسرا خدا نہیں جس کو جو چاہتا ہے دیتا ہے میں اس دواؤ (ضجنان) میں خطاب کا اونٹ چرایا کرتا تھا جو نہایت سخت تھے، جب میں کام کرتا تھا تو مجھ پر بگڑتے تھے، اور میں کام میں کو تاہی کرتا تھا تو مجھے مارتے تھے لیکن آج یہ حالت ہے کہ خدا کے سوا مجھے کسی کا ڈر نہیں۔

یقین کی دوسری شاخ ہیبت الہی ہے جیسا کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے درخت پر ایک چڑیا کو دیکھ کر کہا کہ ”تجھ کو اے چڑیا یہ حالت مبارک کاش میں تیری طرح ہوتا کہ درخت پر بیٹھ کر پھل کھاتی ہے اور اڑ جاتی ہے، تجھے خدا کو اس کا کچھ حساب دینا نہیں پڑتا۔“

یقین کی تیسری شاخ صدیقیت اور محمدییت ہے اور ان دونوں کی حقیقت یہ ہے کہ کرامت میں بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں جو فطرۃً انبیاء سے مشابہت رکھتے ہیں اب اگر یہ مشابہت قوائے عقلیہ میں ہو تو اس شخص کو صدیق اور محدث کہتے ہیں اور اگر قوائے عملیہ میں ہو تو وہ شہید یا حواری کہا جاتا ہے قرآن پاک کی اس آیت میں والذین آمنوا باللہ ورسلہ اولئک ہم الصدیقون و الشہداء انہی دونوں مقامات کی طرف اشارہ ہے، لیکن صدیق اور محدث میں یہ فرق ہے کہ صدیق کی روح پیغمبر کا اثر نہایت سرعت سے قبول کرتی ہے جس طرح گندھک آگ سے بہت جلد متاثر ہو جاتی ہے، اس لئے جب وہ پیغمبر کی زبان سے کوئی بات سنتا ہے تو وہ اس کو اپنی روحانی شہادت سے فوراً تسلیم کر لیتا ہے گویا اس کا علم تقلیدی نہیں ہوتا بلکہ خود اس کے اندر سے ابال کھاتا ہے، حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی نسبت جو یہ مروی ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل ہوتی تھی تو وہ حضرت جبرئیل کے آواز کی

گنگمبٹ سنتے تھے، اس سے اسی امر کی طرف اشارہ ہے، صدیق کے چند اور خصائص ہیں، ایک تو وہ پیغمبر کی محبت اور ہمدردی میں اپنی جان و مال تک کو قربان کر دیتا ہے، کسی بات میں اس کی مخالفت نہیں کرتا، پیغمبر کی صحبت میں اکثر رہتا ہے، اور خواب کی تعبیر بہت صحیح بیان کرتا ہے، یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے خوابوں کی تعبیر پوچھا کرتے تھے، صدیق کی سب سے بڑی خلافت یہ ہے کہ وہ سب سے پہلے ایمان لاتا ہے اور بغیر معجزہ کے لاتا ہے اور محدث کا خاصہ یہ ہے کہ بہت سے واقعات میں قرآن اس کی رائے کے مطابق نازل ہوتا ہے اور صدیق خلافت کا سب سے بڑا مستحق ہوتا ہے اور اس کے بعد محدث کو یہ استحقاق حاصل ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میرے بعد ابو بکر رضی اللہ عنہ اور عمر رضی اللہ عنہ کی اتباع کرو۔

متل کے احوال میں ایک حیل تجلی ہے جس کی تین قسمیں ہیں ایک تجلی ذات کا نام دکاۓہ ہے دوسری تجلی صفات ذات جو نور کا مقام ہے، تیسری تجلی حکم ذات اور وہ آخرت اور تمام اخروی چیزوں کا انکشاف ہے۔

دکاۓہ کی حالت میں انسان پر یقین کا اس قدر غلبہ ہو جاتا ہے کہ گویا وہ خدا کو دیکھتا ہے اور اس کے علاوہ ہر چیز کو بھول جاتا ہے جیسا کہ خود رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ احسان یہ ہے کہ تم خدا کی عبادت اس طرح کرو گویا تم اس کو دیکھ رہے ہو۔

تجلی نہ ذات کی دو حیثیتیں ہیں ایک یہ کہ انسان مخلوقات میں خدا کے افعال کو نگاہ میں رکھے اور اس کے اوصاف کو پیش نظر کرے اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اس پر خدا کی قدرت کا یقین غالب ہو جائے گا اور وہ عالم اسباب سے نکل کر بے خوف ہو جائے گا اور اسباب سے اعانت نہ حاصل کرے گا اور اس کو یقین آجائے گا کہ خدا اس سے واقف ہے، اسلئے وہ اس کی بارگاہ میں مرعوب و مدہوش ہو جائے گا جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ اگر تم اس کو نہیں دیکھتے تو وہ تم کو دیکھتا ہے یہ درجہ نور کا مقام اس لئے ہے کہ نفس اس حالت میں مختلف افوار سے روشنی حاصل کرتا ہے اور نور کے ایک عالم سے نکل کر نور کے دوسرے عالم میں اور ایک مراقبہ سے دوسرے مراقبہ میں جاتا ہے بخلاف تجلی ذات کے کہ وہاں تعدد اور تغیر نہیں ہوتا دوسری حیثیت یہ

۱: یہ تمام خصائص و علامت حضرت ابو بکر صدیق کی ذات میں جمع تھے۔

۲: یہ حضرت عمر کی خصوصیت ہے۔

ہے کہ انسان کو صف ذات کے یعنی خدا کے وہ افعال جو بواسطہ امر کن کے صادر ہوتے ہیں بلا توسط اسباب خارجیہ کے نظر آئیں اور اس حالت میں نور کا مظہر وہ مثالی صورتیں ہیں جو عارف کو اس وقت نظر آتی ہیں جب وہ اس دنیا سے گم ہو جاتا ہے، تجلی حکم ذات یعنی تجلی آخرت کے معنی یہ ہیں کہ انسان چشم بصیرت سے عذاب اخروی کو دنیا و آخر میں دیکھے اور اسکو اس طرح محسوس کرے جس طرح بھوکا بھوک کی تکلیف کو محسوس کرتا ہے۔ تو پہلی (تجلی ذات یعنی مکاشفہ) کی مثال یہ ہے کہ ایک بار حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ طواف کر رہے تھے۔ اسی حالت میں کسی شخص نے ان کو سلام کیا جس کا انہوں نے جواب نہیں دیا اس نے ان کے بعض رفقاء سے اس کی شکایت کی تو انہوں نے فرمایا کہ ہم اس جگہ خدا کا نظارہ کر رہے تھے۔

تجلی صفات ذات کی دو حیثیتوں میں سے پہلی حیثیت کی مثال حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اور دوسرے اکابر صحابہ رضی اللہ عنہ کا یہ قول ہے کہ مجھ کو طیب ہی نے بیمار بنایا اور دوسری حیثیت کی مثال یہ ہے کہ ایک انصاری نے ایک روحانی سائبان میں چراغ کے مثل روشنیاں دیکھیں، اسکی ایک مثال احادیث میں یہ بھی مروی ہے کہ دو صحابی رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے اندھیری رات میں نکلے تو ان کو اپنے سامنے دو چراغ نظر آئے، یہاں تک کہ جب یہ دونوں بزرگ علیحدہ ہوئے تو ان میں ایک چراغ ہر ایک کے ساتھ ہو گیا اور ایک مثال حدیث میں یہ بھی مروی ہے کہ نجاشی کی قبر کے پاس نور نظر آتا ہے۔

تجلی حکم ذات یعنی تجلی آخرت کی مثال یہ ہے کہ ایک بار حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ حضرت حظلہ رضی اللہ عنہ سے ملے اور پوچھا کہ حظلہ کیسے ہو؟ انہوں نے کہا کہ حظلہ منافق ہو گیا، بولے کہ سبحان اللہ کیا کہتے ہوں؟ بولے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ہوتے ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہم کو جنت اور دوزخ کی یاد دلاتے ہیں تو وہ ہم کو گویا آنکھوں سے نظر آ جاتی ہیں لیکن جب آپ سے الگ ہو کر اہل و عیال سے ملتے ہیں اور کھیتی باڑی کا کام کرتے ہیں تو اکثر ان کو بھول جاتے ہیں حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہمارا بھی یہی حال ہوتا ہے اس خلش کو مٹانے کیلئے دونوں بزرگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور واقعہ بیان کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر ہمیشہ تمہاری یہی حالت رہتی تو فرشتے تم سے آکر مصافحہ کرتے حظلہ کبھی اس میں رہو

۱: یہ حدیث صحیح بخاری میں ہے۔

(یعنی ذکر میں) اور کبھی اس میں (یعنی اہل و عیال میں) اس آخری قول سے گویا آپ ﷺ نے اشارۃً یہ بتلایا کہ احوال میں استمرار اور مداومت نہیں پائی جاتی۔

اس کی ایک مثال حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا خواب میں جنت اور دوزخ کا دیکھنا بھی ہے احوال عقلی کی ایک شاخ فراست صادقہ ہے، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بعض باتیں کہتے تھے اور میں خیال کرتا تھا کہ یوں نہیں بلکہ یوں ہوگی لیکن اس کا وقوع حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے خیال کے مطابق ہوتا تھا۔ احوال عقلی میں ایک چیز محاسبہ بھی ہے، چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے ایک خطبہ میں فرمایا۔

حاسبوا انفسکم قبل ان تحاسبوا۔
حساب لینے سے پہلے اپنے نفس کا حساب کر لو۔

حوال عقلی میں ایک چیز حیا ہے اور وہ اس حیا سے مختلف ہے جو مقامات نفس میں سے ہے اور وہ صرف خدا کی عظمت و جلال اور اپنے عجز و در ماندگی کے اعتراف سے پیدا ہوتی ہے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جو یہ فرمایا ہے کہ میں اندھیری کو ٹھری میں بھی نہاتا ہوں تو خدا کی شرم سے پیچ و تاب کھاتا ہوں، اس سے یہی حیا مراد ہے مقامات قلب میں پہلا مقام جمع ہے اور اس کو صوفیہ ارلہ سے تعبیر کرتے ہیں، اس مقام کی حقیقت یہ ہے کہ انسان کا اصلی مقصد آخرت ہو اور دنیا کو ایک حقیر چیز سمجھے، حدیث شریف میں آیا ہے کہ جس شخص کا مقصد صرف آخرت ہو، خدا اس کے مقصد کی حفاظت کرتا ہے اور جس شخص کے بہت سے مقاصد ہوں تو خدا کو اس کی پرواہ نہیں ہوتی کہ وہ کس میدان میں مرتا ہے، جب یہ مقصد سمٹ جاتا ہے اور انسان ظاہر او باطناً عبودیت پر قائم رہتا ہے، تو خدا اور خدا کے رسول کی محبت پیدا ہوتی ہے اور اس محبت سے ایمان کو صرف اسی قدر ترقی نہیں ہوتی کہ خدا مالک الملک ہے اور پیغمبر سچا ہے اور خدا کی طرف سے بھیجا گیا ہے، بلکہ ایک ایسی حالت پیدا ہو جاتی ہے جو بیا سے کی پانی دیکھ کر ہوتی ہے حدیث شریف میں آیا ہے کہ خداوند اپنی محبت کو میرے لئے سر دپانی سے بھی زیادہ محبوب بنا آپ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ جب تک میں تمہارے لئے تمہاری جان سے بھی محبوب تر نہ ہوں تم مومن نہیں ہو سکتے انہوں نے کہا خدا کی قسم آپ مجھے میری اس روح سے بھی زیادہ محبوب ہیں جو میرے پہلو کے درمیان ہے، آپ نے فرمایا کہ اب تمہارا ایمان مکمل ہو گیا۔

حضرت ابو بکر صدیق ؓ کا قول ہے کہ جس شخص نے خدا کی خالص محبت کا مزہ چکھ لیا، اس کا منہ دنیا سے پھر جائے گا اور اس کو تمام دنیا سے وحشت ہو جائے گی۔ جب خدا کے ساتھ مومن کے محبت اس درجہ مکمل ہو جاتی ہے تو خدا بھی اس کو اپنا محبوب بنالیتا ہے اور اس محبت کے مختلف نتائج پیدا ہوتے ہیں جس میں ایک استجابت سوال اور استجابت دعا ہے، چنانچہ آثار صحابہ ؓ میں استجابت دعا کی متعدد مثالیں ملتی ہیں مثلاً جب حضرت سعد ؓ نے ابو سعدہ کو یہ بد دعا دی کہ خداوند! اگر تیرا یہ بندہ جھوٹا ہو تو اس کی عمر دراز کر (یعنی ارذل عمر تک پہنچا) اس کی احتیاج کو بڑھا اور اس کی عزت و آبرو کو خطرے میں ڈال دے تو انہوں نے جو کچھ کہا وہی ہوا یا جب حضرت سعید ؓ نے اردوی بنت اوس کو بد دعا دی کہ اگر وہ جھوٹی ہے تو خداوند! اس کو اندھا کر دے، اور اسی زمین پر (جس کا اس نے دعویٰ کیا ہے) اس کو مار ڈال تو ان کی یہ دعا حرف بحرف مقبول ہوئی، مقامات قلب میں دو مقام ایسے ہیں جو ان نفوس کے ساتھ مخصوص ہیں جن کو پیغمبروں کے ساتھ مشابہت ہوتی ہے گویا یہ دونوں مقام نمزلہ صدیقیت اور محدثیت کے ہیں البتہ فرق یہ ہے کہ صدیقیت اور محدثیت کا تعلق نفس کی قوت عقلیہ کے ساتھ ہوتا ہے اور یہ قلب کی قوت عملیہ سے پیدا ہوتے ہیں۔

یہ شہید اور حواری کے مقامات ہیں اور ان دونوں میں فرق یہ ہے کہ شہید کفار پر غصہ اور سختی کرتا ہے اور موطن ملکوت میں سے کسی موقع پر جس میں خدا سرکشوں سے انتقام لینا چاہتا ہے دین کی مدد کرتا ہے اور حواری وہ ہے جو پیغمبر سے مخلصانہ محبت رکھتا ہے مگر توں اسکی صحبت میں رہتا ہے اور اسکو پیغمبر سے تعلقات قرابت ہو آتے ہیں، رسول اللہ ﷺ نے حضرت زبیر ؓ کو بشارت دی کہ وہ حواری اور شہید ہیں، پھر حواری کی مختلف قسمیں ہیں، ان میں بعض کو امین اور بعض کو رفیق کہتے ہیں اور بخیاء اور انقیاء بھی انہی لوگوں میں سے پیدا ہوتے ہیں، رسول اللہ ﷺ نے فضائل میں اکثر ان اوصاف کو نمایاں کیا ہے آپ ﷺ نے فرمایا کہ تمام پیغمبروں کے ساتھ بخیاء ہوتے ہیں اور میرے چودہ ہیں لوگوں نے حضرت علی ؓ سے پوچھا وہ کون کون لوگ ہیں؟ فرمایا میں میرے دونوں بیٹے حسن ؓ و حسین ؓ، جعفر ؓ، حمزہ ؓ، ابو بکر ؓ، عمر ؓ، مصعب بن عمیر ؓ، بلال ؓ، سلمان ؓ، عمار ؓ، عبداللہ بن مسعود ؓ، ابوذر ؓ، مقداد ؓ۔

مقامات قلب میں ایک مقام شکر کا ہے یعنی اس مقام میں نور ایمان عقل سے چھن کر دل میں آتا ہے اور انسان تمام دنیوی مصلحتوں کو چھوڑ کر ایسی باتوں کو چاہنے لگتا ہے جن کو لوگ عاذاً نہیں چاہتے کیونکہ اس کی حالت مخمور کی سی ہو جاتی ہے جس کی عقل و عادات میں تغیر پیدا ہو جاتا ہے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے اسی مقام میں فرمایا ہے کہ خدا کے شوق میں موت سے محبت رکھتا ہوں اور مرض کو چاہتا ہوں کہ وہ میرے گناہوں کا کفارہ ہو جائے اور خدا کے سامنے خاکسار بننے کیلئے فقر کو دوست رکھتا ہوں حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ مال و دولت سے جو فطری نفرت رکھتے تھے وہ اسی مقام کا نتیجہ تھی۔

احوال قلب میں ایک حال کا نام غلبہ ہے جس کی دو قسمیں ہیں ایک غلبہ اس وقت پیدا ہوتا ہے جب مومن کا دل نور ایمان سے اس قدر لبریز ہو جاتا ہے کہ وہ چھلک اٹھتا ہے اور قلب اس کو سنبھال نہیں سکتا تو اس حالت میں وہ بعض باتوں کے اظہار پر مجبور ہو جاتا ہے، چاہے وہ شریعت کے موافق ہوں یا نہ ہوں کیونکہ شریعت بہت سے مقاصد پر مشتمل ہوتی ہے اور اس مومن کا قلب ان مقاصد کا احاطہ نہیں کر سکتا، مثلاً کبھی وہ رحم کرنا چاہتا ہے اور شریعت اس موقع پر رحم کی اجازت نہیں دیتی خدا خود کہتا ہے۔

لَا تَأْخُذْكُمْ بِهِمَا رَأْفَةٌ فِي دِينِ اللَّهِ۔

تم کو دینی معاملات میں ان دونوں پر رحم نہیں کرنا چاہئے۔

بعض اوقات اس کے دل میں بغض پیدا ہوتا ہے اور شریعت اس موقع پر لطف و کرم چاہتی ہے جس کی مثال اہل ذمہ ہیں، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے حال میں غلبہ کی اس قسم کی متعدد مثالیں ملتی ہیں، مثلاً جب بنو قریظہ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے حکم سے قلعہ سے نکلے اور انہوں نے حضرت لبابہ بن منذر رضی اللہ عنہ سے مشورہ کیا تو انہوں نے اپنے حلق کی طرف اشارہ کر کے بتلایا کہ ذبح کئے جاؤ گے۔ پھر افشائے راز پر ان کو مذمت ہوئی اور سیدھے مسجد میں جا کر انہوں نے اپنے آپ کو ایک ستون سے باندھ دیا اور کہا کہ جب تک خدا میری توبہ قبول نہ کرے گا میں یہاں سے نہ نلوں گا یا مثلاً مقام حدیبیہ میں جب رسول اللہ ﷺ نے مشرکین سے دبا کر صلح کی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ حمیت عمر رضی اللہ عنہ حمیت اسلام سے از خود رفته ہو گئے اور نہایت تیزی سے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور عرض کیا کہ کیا رسول اللہ

ﷺ خدا کے پیغمبر نہیں ہیں۔ انہوں نے کہا ”ہیں“ بولے کیا ہم مسلمان نہیں ہیں؟ انہوں نے کہا ”ہیں“ بولے کیا یہ لوگ مشرک نہیں ہیں؟ انہوں نے کہا ”ہیں“ بولے تو پھر ہم کیوں مذہبی معاملات میں دب کر صلح کرتے ہیں؟ حضرت ابو بکر ؓ نے کہا کہ عمر رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کرو کیونکہ میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ ﷺ خدا کے پیغمبر ہیں ان کو اس پر بھی تسکین نہیں ہوئی تو خود رسول اللہ ﷺ کے پاس آکر اسی قسم کے سوالات کئے اور آپ ﷺ نے بھی وہی جواب دیا جو حضرت ابو بکر ؓ نے دیا تھا، اور فرمایا کہ میں خدا کا بندہ اور رسول ﷺ ہوں، اس کے حکم کی مخالفت نہیں کر سکتا خدا مجھے ضائع نہ کرے گا۔ حضرت عمر ؓ نے بعد کو اس صلح کے مصالحوں کو سمجھا تو ان کا بیان ہے کہ اس والہانہ بے ادبی کے کفارے میں میں ہمیشہ روزہ رکھتا رہا، صدقہ دیتا رہا، غلام آزاد کرتا رہا، نماز پڑھتا رہا، مثلاً جب ابو طیہ جراح نے آپ کو پچھنا لگایا تو آپ کا خون پی گئے، خون حرام ہے لیکن چونکہ انہوں نے اس کو حالت غلبہ میں پایا تھا اس لئے رسول اللہ ﷺ نے ان کو معذور کہا۔ شریعت میں غلبہ کی ایک اور قسم بھی ہے جو اس سے زیادہ مکمل ہے یعنی جن نفوس کو پیغمبروں نے نفوس سے مشابہت ہوتی ہے، جب وہ فیضان الہی کے قبول کرنے کیلئے آمادہ ہوتے ہیں، تو اگر وہ فیضان ان کی قوت عقلیہ کو پہنچتا ہے تو اس کو فراست اور الہام کہتے ہیں اور اگر قوت عملیہ اس فیضان کو قبول کرتی ہے، تو وہ عزم یا توجہ یا نفرت یا رکاوٹ کی صورت اختیار کر لیتا ہے، مثلاً جب غزوہ بدر میں رسول اللہ ﷺ نے یہ دعا فرمائی کہ خداوند! میں تجھ سے تیرے عہد کے ایفاء کی درخواست کرتا ہوں، خداوند! کیا تو یہ چاہتا ہے کہ تیری پرستش نہ ہو؟ تو حضرت ابو بکر ؓ نے آپ کا ہاتھ پکڑ لیا اور کہا کہ بس! اب رسول اللہ ﷺ یہ آیت پڑھتے ہوئے نکلے۔

لیہزم الجمع ویولون الدبر۔

کفار کی جمعیت ٹوٹ جائے گی اور وہ پیٹھ پھیر لیں گے۔

اس سے معلوم ہوا کہ فیضان الہی کی بنا پر حضرت ابو بکر صدیق ؓ کے قلب میں ایک میلان پیدا ہوا جس سے انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے اس الحاح و زاری کو پسند نہیں کیا اور آپ ﷺ کو روک دیا آپ نے اپنی فہرست سے معلوم کیا کہ یہ ایک سچی خواہش ہے، مسئلے خدا کی مدد کا اظہار کرتے ہوئے اور اس آیت کو پڑھتے ہوئے نکلے۔

اس کی ایک واضح مثال یہ ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے عبد اللہ بن ابی کا جنازہ

پڑھنا چاہا تو حضرت عمر ؓ نے آپ ﷺ کو روک دیا لیکن آپ ﷺ نے فرمایا کہ مجھے جنازہ پڑھنے کا اختیار دیا گیا اور میں نے اسے اختیار کر لیا، لیکن اس کے بعد یہ آیت نازل ہوئی۔

ولا تصل علی احد منہم مات ابدًا۔
ان میں کبھی کسی کی جنازہ کی نماز نہ پڑھو۔

حضرت عمر ؓ فرماتے ہیں کہ مجھ کو خود تعجب ہے کہ میں نے ایسی دلیری کی، حالانکہ رسول اللہ ﷺ مجھ سے زیادہ عالم تھے۔

غلبات کے اقسام میں ایک غلبہ خوف بھی ہے اس حالت میں انسان پر گریہ طاری ہو جاتا ہے اور اس کا جسم کانپنے لگتا ہے۔ حضرت ابو بکر ؓ پر یہ غلبہ اکثر طاری ہو جاتا تھا اور وہ اپنے آنسوؤں کو ضبط نہیں کر سکتے تھے، حضرت جبیر بن مطعم ؓ کا بیان ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے یہ آیت ام خلقوا من غیر شیء ام ہم الخالقون سنی تو میرا دل اڑنے لگا۔

احوال قلب میں سے ایک حال یہ ہے کہ انسان صرف خدا کی اطاعت کو اختیار کر لیتا ہے اور اس کو بقیہ چیزوں سے نفرت ہوتی ہے اس لئے جو چیزیں اس اطاعت میں خلل انداز ہوتی ہیں، ان کو بھی وہ الگ کر دیتا ہے، حضرت ابو طلحہ انصاری ؓ اپنے ایک باغ میں نماز پڑھ رہے تھے، دفعتاً ایک خوش رنگ چڑیا آکر گنجان شاخوں میں الجھ گئی اور پھڑکنے لگی، وہ اس دلچسپ منظر کے دیکھنے میں اس قدر محو ہوئے کہ ان کو یہ نہ معلوم ہوا کہ کتنی رکعتیں پڑھیں، اس لئے اس باغ کو صدقہ کر دیا۔

اس تمام تفصیل سے معلوم ہوا ہو گا کہ اگر تقویٰ، اخلاق، روحانیت اور مقامات اور احوال کا نام ہے تو صحابہ کرام ؓ کا دل اس کا اصلی مآخذ اس کا اصلی منبع اور اس کا اصلی سرچشمہ تھا لیکن اگر صرف جب خرقہ رقص و سرود اور حال و قال اس کے اجزاء ہیں، تو ہندوستان اور دوسرے ممالک اسلامیہ کی خانقاہیں اس کا بہترین مرکز ہیں، صحابہ کرام ؓ کی جھوپڑیوں میں اس کا پتہ نہیں مل سکتا۔

کی تو خود کفار بے اختیار بول اٹھے:-

ان هذه الشعر ما غاب عنه ابن ابی قحافة^۱

ابن ابی قحافہ یعنی حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ ان اشعار سے بے تعلق نہیں ہیں۔

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا درجہ تھا اور اس علم کو انہوں نے اپنے باپ خطاب سے سیکھا تھا چنانچہ جاحظ نے لکھا ہے کہ جب وہ انساب کے متعلق کچھ بیان کرتے تھے تو اپنے باپ خطاب کا حوالہ دیتے تھے۔^۲ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بعد حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ اس فن کے ماہر خیال کئے جاتے تھے اور انہوں نے اس فن کو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سے حاصل کیا تھا، حضرت سعید بن المسیب رضی اللہ عنہ نے حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ سے اس کی تعلیم حاصل کی اور ان سے محمد بن سعید بن المسیب رضی اللہ عنہ نے اس علم کو سیکھا۔^۳ اس طرح اسلام میں اس علم کا سلسلہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی ذات سے قائم ہوا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بھی علم الانساب کی بہت بڑی ماہر تھیں چنانچہ حضرت عروہ رضی اللہ عنہ کا قول ہے،

ما رايت احدا من الناس اعلم بحديث العرب و النسب من عائشة رضی اللہ عنہا۔^۴

میں نے کسی کو یام عرب اور علم نسب کا ماہر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے زیادہ نہیں دیکھا۔

لیکن یہ بھی حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ ہی کا فیض تربیت تھا۔

۱: استيعاب تذکرہ حسان بن ثابتؓ۔

۲: کتاب البيان والتبيين ج ۱ ص ۱۱۷۔

۳: کتاب البيان والتبيين ج ۱ ص ۱۱۷ و ۱۳۲۔

۴: تذکرہ ہی ترجمہ عائشہؓ۔

علم الانساب

علم الانساب اس علم کا نام ہے جس کے ذریعہ سے خاندان اور قبائل کے نسبی تعلقات معلوم ہوتے ہیں، عہد صحابہ ؓ کے بعد جب فتوحات کی غیر معمولی وسعت نے عرب و عجم میں اختلاط پیدا کر دیا تو اس وقت اگرچہ اس فن کی اہمیت زائل ہو گئی، تاہم چونکہ عرب کو اپنے نسب و نسب پر ہمیشہ فخر و غرور رہا، اس لئے زمانہ جاہلیت میں اور زمانہ اسلام دونوں میں یہ فن نہایت ضروری اور اہم خیال کیا جاتا تھا، خود قرآن مجید میں بھی اس فن کی اہمیت اور ضرورت کو بہ تصریح بیان کیا گیا ہے:-

و جعلناکم شعوبا و قبائل لتعارفوا

ہم نے خاندان اور کنہوں میں تمہاری تقسیم اسلئے کی ہے کہ تم ایک دوسرے سے پہچانے جاؤ۔
چونکہ اشعار عرب میں مدح و ذم کے موقعوں پر اکثر حسب و نسب سے تعرض کیا جاتا تھا، اسلئے حضرت عمر ؓ نے حفظ اشعار کو جن اسباب کی بنا پر ضروری قرار دیا ان میں ایک یہ بھی تھا کہ ان کے ذریعہ سے لوگوں کو علم الانساب کی تعلیم ہوتی ہے چنانچہ ایک فرمان میں حضرت ابو موسیٰ اشعری ؓ کو لکھا،

مرمن قبلک يتعلمو الشعر فانه يدل على معالى الاخلاق و صواب الراى
و معرفة الانساب۔

لوگوں کو اشعار یاد کرنے کا حکم دو کیونکہ وہ اخلاق کی بلند باتیں اور صحیح رائے اور انساب کی طرف راستہ دکھاتے ہیں۔

بہر حال جاہلیت اور اسلام دونوں میں یہ علم نہایت اہم خیال کیا جاتا تھا اور تمام صحابہ ؓ میں حضرت ابو بکر ؓ اس علم کے سب سے بڑے ماہر سمجھے جاتے تھے، یہی وجہ ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے حضرت حسان بن ثابت کو کفار کی ججو کہنے کا حکم دیا تو ان کو انساب کے متعلق حضرت ابو بکر ؓ کی طرف رجوع کرنے کی ہدایت فرمائی اور فرمایا،

انت ابا بکر فانه اعلم بانساب القوم منك۔

ابو بکر ؓ کے پاس جاؤ کیونکہ وہ انساب کے تم سے زیادہ عالم ہیں۔

چنانچہ ان کی ہدایت کے بموجب انہوں نے کفار کے حسب و نسب پر طعن و تشنیع شروع

علم تاریخ

اسلام سے پہلے اگرچہ عرب میں اور علوم و فنون موجود نہ تھے تاہم علم الانساب، ایام العرب اور شعر و شاعری نے فن تاریخ کا کافی ذخیرہ فراہم کر دیا تھا، جو اگرچہ اب تک کسی کتاب کی صورت میں حدود نہیں ہوا تھا تاہم عام زبانی روایتوں نے اس کے ایک ایک حرف کو محفوظ رکھا تھا، اسلام کے بعد اگرچہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مختلف مہمات میں مشغول ہو گئے لیکن انہوں نے عرب کے اس علمی سرمایہ کو ضائع نہیں کیا بلکہ اس کو محفوظ رکھا، چنانچہ نماز فجر کے بعد جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حسب معمول طلوع آفتاب تک مصلے پر نشست فرماتے تھے تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اشعار پڑھتے اور زمانہ جاہلیت کے واقعات کا تذکرہ کرتے تھے اس مقدس صحبت کے علاوہ عوامان کی مجلسوں میں ان واقعات کا تذکرہ ہوتا تھا اور اشعار پڑھے جاتے تھے۔^۱

عام صحابہ رضی اللہ عنہم کے علاوہ جیسا کہ ابھی گذر چکا ہے، جو صحابہ رضی اللہ عنہم خاص طور پر علم الانساب اور ایام العرب کے ماہر خیال کئے جاتے تھے ان میں حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سب سے مقدم تھے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا درجہ تھا ان کے بعد حضرت جبیر بن معتم رضی اللہ عنہ تھے۔ جنہوں نے اس فن کو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سے سیکھا تھا، حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے فیض تربیت سے سب سے زیادہ فائدہ اٹھانے کا موقع حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو ملا تھا اس لئے ان کو بھی ان فنون میں بہت بڑی دستگاہ حاصل تھی چنانچہ مسند ابن ہشام میں ہشام بن عروہ سے روایت ہے کہ

كان عروہ يقول لعائشة يا امته لا اعجب من فہك اقول زوجة رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و بنت ابی بکرو لا اعجب من علمك بالشعرو ایام الناس اقول اینه ابی بکرو۔ کان اعلم الناس و من اعلم الناس ولكن اعجب من علمك بالطب کیف هو و من این هو۔

حضرت عروہ رضی اللہ عنہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتے تھے کہ اے ماں مجھے تمہاری سمجھ پر تعجب نہیں آتا کیونکہ آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بی بی اور ابو بکر رضی اللہ عنہ کی بی بی ہیں اور آپ کو ایام العرب اور شاعری کا جو علم حاصل ہے مجھے اس پر بھی تعجب نہیں ہو تا کیونکہ آپ ابو بکر رضی اللہ عنہ کی بی بی ہیں جو لوگوں میں بہت بڑے عالم تھے لیکن میں آپ کے علم طب پر متعجب ہوں

کہ یہ آپ کو کیوں کر آیا؟ اور کہاں سے آیا؟
خود احادیث میں انہوں نے اس کثرت سے تاریخی واقعات کی روایت کی ہے کہ اگر ان کو ایک جگہ جمع کر دیا جائے تو حالات قبل الاسلام، اور واقعات بعد الاسلام کے متعلق ایک متوسط درجہ کا تاریخی رسالہ مرتب ہو سکتا ہے لیکن خلفائے راشدین کے زمانے تک یہ تمام تاریخی معلومات صرف سینوں میں محفوظ تھیں، سفینوں میں نہیں آئی تھیں لیکن حضرت امیر معاویہ ؓ کے دور حکومت میں یہ کمی بھی پوری ہو گئی، حضرت امیر معاویہ اکوفن تاریخ سے نہایت شغف تھا اسلئے معمولاً روزانہ کا تہائی حصہ تاریخی واقعات کے سننے میں بسر کرتے تھے اسکے بعد جو جاتے تھے، پھر اٹھتے تھے تو یہ سلسلہ دوبارہ شروع ہوتا تھا، چنانچہ مسعودی مروج الذهب میں لکھتا ہے،

وسيمر الى ثلث الليل في اخبار العرب و ايامها و المعجم و ملوكها و سياستها
ستهار عتيها و سائر ملوك الامم و حروبها و مكائدها و سياستها لرعيها
و غير ذلك من اخبار الامم السابقة ثم يدخل فينام ثلث الليل ثم يقوم
فيقعد فيحضر الدفاتر فيها سير الملوك و اخبارها و الحروب و المكائد
فيقرأ ذلك عليه غلمان مرتبون۔

وہ ایام عرب، اخبار عرب، اخبار عجم و سلاطین عجم ان کے طریقہ حکمرانی اور تمام قوموں کے بادشاہوں ان کی لڑائیوں کی داد گھات ان کے طرز جہاں بانی اور دوسری گذشتہ قوموں کے حالات تہائی شب تک برابر سنتے تھے، پھر اندر جا کر تہائی شب تک سوتے تھے، پھر اٹھ کر بیٹھتے تھے تو کتابیں لائی جاتی تھیں، جن میں بادشاہوں کے حالات و واقعات درج تھے اور لڑائیوں کے تذکرے درج ہوتے تھے اور ان کو وہ لڑکے پڑھ کر سناتے تھے جو اس کام پر مامور تھے۔

اس تاریخی سلسلے میں حضرت امیر معاویہ ؓ کو قبیلہ حمیر کے حالات کی خاص طور پر جستجو و تلاش تھی چنانچہ ان کو حضرت عمرو بن العاص ؓ نے یہ مشورہ دیا کہ آپ عبید بن شریہ کو بلائیے کہ وہ حمیر کے واقعات اور حالات کا سب سے زیادہ ماہر ہے چنانچہ انہوں نے اس کو طلب کیا تو اس نے ان معلومات کو ایک کتاب کی صورت میں قلم بند کر دیا، اور غالباً یہ پہلی تاریخی کتاب تھی جو اسلام میں لکھی گئی اور اس لحاظ سے اسلام میں فن تاریخی کی ابتدا صحابہ کرام ؓ کے عہد مبارک میں ہوئی۔

شعر و شاعری^۱

صحابہ کرام ؓ اگرچہ اکثر ملکی مہمات، مذہبی خدمات اور علمی مشاغل میں مصروف رہتے تھے، تاہم ان میں شعر و سخن کا مذاق عام طور پر پایا جاتا تھا، اس لئے جب ان مشاغل سے فرصت ہوتی تھی تو خود اشعار پڑھتے تھے دوسروں سے اشعار پڑھا کر سنتے تھے اور ان سے لطف اندوز ہوتے تھے چنانچہ جب رسول اللہ ﷺ حسب معمول بعد نماز فجر طلوع آفتاب تک مصلیٰ پر نشست فرماتے تھے تو اس حالت میں صحابہ کرام ؓ زمانہ جاہلیت کے واقعات کا ذکر کرتے تھے اشعار پڑھتے تھے، ہنستے تھے اور آپ ان تذکروں کو سن کر مسکراتے تھے۔^۲

اس مقدس صحبت کے علاوہ ان کی مجالس میں عام طور پر شعر و شاعری کا چر چار ہوتا تھا، اور یہ ان کی زندگی کی ایک بڑی علامت تھی، چنانچہ ادب المفرد میں ہے،

لم یکن اصحاب رسول اللہ ﷺ متحزقین ولا متمارقین وکانوا تینا شدون الشعر فی محالسم ویدکرون امر جاہلیتہم۔^۳

صحابہ ؓ رسول اللہ مردہ دل اور خشک مزاج نہ تھے وہ اپنی مجلسوں میں اشعار پڑھتے تھے اور زمانہ جاہلیت کے واقعات کا تذکرہ کرتے تھے۔

خلفاء میں حضرت عمر ؓ اگرچہ ہمیشہ بڑی بڑی مہمات ملکی میں مصروف رہتے تھے تاہم جب موقع ملتا تھا تو نہایت شوق سے شعراء کے اشعار سنتے تھے اور ان سے لطف اٹھاتے تھے، ایک بار سفر حج کو نکلے تو قافلہ کے ساتھ حضرت ابو عبیدہ بن جراح ؓ اور حضرت عبدالرحمن بن عوف ؓ بھی تھے لوگوں نے حضرت خوات ؓ سے کہا کہ ”ضرار بن خطاب کے اشعار سناؤ“ لیکن حضرت عمر ؓ نے فرمایا کہ ”ان کو اپنے ہی اشعار سنانے دو“ چنانچہ وہ صبح تک متصل اپنے اشعار پڑھتے رہے، صبح ہوئی تو حضرت عمر ؓ نے فرمایا ”اب بس کرو“۔^۴ ایک دفعہ حضرت عبداللہ بن عباس ؓ سے رات بھر اشعار پڑھوایا گئے جب صبح ہونے لگی تو کہا کہ اب قرآن پڑھو۔

۱: شاعری صحابہ کرام کے مغاخر میں داخل نہیں ہے اس لئے ہم نے اس عنوان کو کسی قدر اختصار کے ساتھ لکھا ہے حسن الصحابہ فی شرح اشعار الصحابہ کے نام سے حال میں ایک کتاب شائع ہوئی ہے جن لوگوں کو صحابہ کرام کے اشعار کا زیادہ شوق ہو وہ اس کو ملاحظہ فرما سکتے ہیں۔

۲: نسائی کتاب الامامۃ باب نعود الامام فی مصلیٰ بعد التسلیم۔

۳: ادب المفرد باب۔ محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

۴: اصحاب تذکرہ حضرت خوات بن جسر

یہ ذوق صرف سنے سنائے اشعار پر موقوف نہ تھا بلکہ ان کو بذات خود ہر قسم کے اشعار اس کثرت سے یاد تھے کہ جب کوئی واقعہ پیش آتا تو اس پر کوئی نہ کوئی شعر ضرور پڑھ دیتے تھے۔^۱ اس کے ساتھ بہت بڑے ناقد فن تھے اور تمام شعراء کے کلام کے متعلق اس قدر صحیح رائیں رکھتے تھے کہ تمام اہل ادب کو عموماً تسلیم ہے کہ ان کے زمانے میں ان سے بڑھ کر کوئی شاعر کا پرکھنے والا نہ تھا، چنانچہ علامہ ابن رشیق القیری والی کتاب العمده میں لکھتے ہیں

وكان من انقد زمانه للشعر وانقدهم فيه معرفته۔^۲

یعنی حضرت عمر ؓ اپنے زمانے میں سب سے بڑھ کر شعر کے نقاد اور روشناس تھے۔
جاہظ نے کتاب البیان والہدیین میں لکھا ہے،

كان عمر بن الخطاب اعلم الناس بالشعر۔^۳

یعنی حضرت عمر بن الخطاب ؓ اپنے زمانے میں سب سے بڑھ کر شعر کے شناسا تھے۔

خود ان کے زمانے کے مشہور شعراء نے ان کی اس خصوصیت کا اعتراف کیا ہے چنانچہ انہوں نے حلیمہ کو جو مشہور ہجو گو تھا، ہجو گوئی کے جرم میں قید کر دیا تھا لیکن جب اس کو رہا کیا تو فرمایا کہ اب ہجو مقذع نہ کہنا اس نے کہا اے امیر المومنین ہجو مقذع کیا چیز ہے؟ بولے یہ کہ تم کسی کو کسی پر ترجیح دو یا ایک شخص کی مدح اور اس کے مقابل میں دوسرے کی ہجو کرو اس نے یہ سن کر کہا اے امیر المومنین آپ تو مجھ سے بھی زیادہ اسالیب شعر کے ماہر ہیں۔^۴ حضرت عمر ؓ کو اگرچہ تمام مشہور شعراء کے کلام پر عبور تھا لیکن تین شاعروں کو انہوں نے سب میں انتخاب کر لیا تھا، امراء القیس، زہیر، نابغہ، ان سب میں وہ زہیر کا کلام سب سے زیادہ پسند کرتے تھے اور اس کو اشعر الشعراء کہا کرتے تھے اہل عرب اور علمائے ادب کے نزدیک اب تک یہ مسئلہ طے نہیں ہوا کہ عرب کا سب سے بڑا شاعر کون تھا؟ لیکن اس پر سب کا اتفاق ہے کہ افضلیت انہی تینوں میں محدود ہے، حضرت عمر ؓ کے نزدیک زہیر کو سب پر ترجیح تھی اور جریر بھی اسی کا قائل تھا ایک دفعہ ایک غزوہ میں حضرت عبداللہ بن عباس ؓ ان کے ساتھ تھے، انہوں نے حضرت عبداللہ بن عباس ؓ سے کہا کہ اشعر الشعراء کے اشعار پڑھو، حضرت عبداللہ بن عباس ؓ نے کہا کہ وہ کون؟ فرمایا زہیر، انہوں نے ترجیح کی وجہ پوچھی، اسکے جواب میں یہ الفاظ فرمائے:-

۱: کتاب البیان والہدیین ج ۱ ص ۹۸۔

۲: کتاب العمده ذکر اشعار الخلفاء ج ۱ ص ۱۲۔

۳: کتاب البیان والہدیین مطبوعہ مصر ص ۹۷۔

۴: کتاب العمده ج ۲ ص ۲۳۸۔

كان لا يعاضل بين الكلام ولا يتبع حوشيه ولا يمدح الرجل الا بما فيه^۱
وہ ٹامانوس الفاظ کی تلاش میں نہیں رہتا، اس کے کلام میں پیچیدگی نہیں ہوتی اور جب کسی
کی مدح کرتا ہے تو انہی اوصاف کا ذکر کرتا ہے جو واقعی اس میں ہوتے ہیں۔

ان ناقدین فن نے بھی زہیر کی جو خصوصیتیں بتائی ہیں وہ یہی ہیں۔
زہیر کے بعد وہ نابغہ کے معترف تھے اور اس کے اکثر اشعار ان کو یاد تھے، امام شععی کا بیان
ہے کہ ایک دفعہ لوگوں سے مخاطب ہو کر کہا کہ سب سے بڑا شاعر کون ہے؟ لوگوں نے کہا آپ
سے زیادہ کون جانتا ہے، فرمایا شعر کس کا ہے؟

ابتك	عاريا	خلقا	بشابی
علی	خوف	تنطن	بی
لوگوں نے کہا نابغہ کا، پھر پوچھا یہ شعر کس کا ہے؟			
حلفت	فلم	اترك	لنفسك
ولیس	وراء	لله	للمثرو
لوگوں نے کہا نابغہ کا، فرمایا یہ شخص اشعر العرب ہے۔ ^۲			

بایں ہمہ وہ امراء القیس کی اوستلوی اور ایجلا مضامین کے منکر نہ تھے ایک دفعہ حضرت
عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے شعراء کی نسبت ان کی رائے پوچھی تو امراء القیس کی نسبت یہ
الفاظ فرمائے،

سابقہم خسف لهم عين الشعر فاقتصر عن معان عور اصبح بصر۔^۳
وہ سب آگے ہے اسی نے شعر کے چشمے سے پانی نکالا، اسی نے اندھے مضامین کو بینا کیا۔
حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ذوق سخن کا یہ حال تھا کہ اچھا شعر سنتے تھے تو بار بار مزے لے لے
کر پڑھتے تھے، ایک دفعہ زہیر کے اشعار سن رہے تھے، یہ شعر آیا

و	ان	الحق	مقطعه	ثلاث
یمین	اونفار	او حلاء		

تو حسن تقسیم پر بہت محظوظ ہوئے اور دیر تک بار بار اس شعر کو پڑھا کئے، ایک اور دفعہ
عبدہ بن الطیب کا لامیہ قصیدہ سن رہے تھے، اس شعر کو سن کر

- ۱: کتاب الحمد باب المشاہیر من الشعراء ج ۱ صفحہ ۲۶۲۔
- ۲: آغانی تذکرہ نابغہ ج ۹ ص ۱۵۵، جن اشعار کے متعلق حضرت عمرؓ نے سوال کیا ہے آغانی میں ان کی
تعدیل زیادہ ہے۔
- ۳: کتاب الحمد ج ۱ ص ۵۹ باب المشاہیر من الشعراء۔

والحرء ساع ل امریس یدرکہ
والعیش شح و الشقاق و نامیل
پھڑک اٹھے اور دوسرا مصرع بار بار پڑھتے رہے اس طرح ابو قیس بن الاصلت کا قصیدہ سنا تو
بعض اشعار کو دیر تک دہرایا کئے۔

حضرت ابو بکر صدیق ؓ اگرچہ زہد مجسم تھے، تاہم شعر و سخن کے بڑے ادا شناس تھے
اور خود شعر کہتے تھے، چنانچہ ایک غزوہ میں ایک مستقل قصیدہ لکھا، جس کے چند شعر یہ ہیں،

امن طیف سلمیٰ بالبطاح الدمائث

ارقت اوامرفی العشیرۃ حادث

تم وادی میں سلمیٰ کے خیال سے

جاگتے رہے یا کوئی واقعہ قبیلہ میں پیش آیا

نری من لوی فرقة لا تصدھا

عن الکفر تذکیرو لا بعث باعث

تم قبیلہ لوی کے ایک گروہ کو دیکھتے ہو

کہ اس کو کفر سے نہ وعظ و پند روک سکتی نہ نبوت و بعثت

رسول انھم صادق فکذبوا

علیہ وقالوا لست فینا بما کث

ان کے پاس ایک سچا پیغمبر آیا جس کو

ان لوگوں نے جھٹلایا اور کہا کہ تم ہم میں ٹھہرنے والے نہیں ہو

اذا ماعدونا ہم الی الحق ادبروا

وہر و اھرید المحجرات اللوائث

جب ہم نے ان کو دعوت حق دی

تو ان لوگوں نے پشت پھیر لی اور کتے کی طرح بھونکنے لگے

حضرت عثمان ؓ کے اخلاقی اشعار کا نمونہ یہ ہے،

غنی النفس بغنی النفس حتی یکفھا

وان اعضھا حتی یضربھا الفقر

نفس کی بے نیازی نفس کو بے نیاز کر دیتی ہے

گو اس کو احتیاج کاٹ ہی کیوں نہ کھائے
و ما عسرة فاصبر لما یقتنها
بکائنة الا مستیہا لیسر
اگر تنگ دستی پر صبر کرو گے
تو فراخ دستی لازمی طور پر حاصل ہوگی
حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے غزوہ صفین کے متعلق نہایت پر جوش اشعار کہے ہیں چنانچہ
اس غزوہ میں قبیلہ ہمدان کی اعانت کا ذکر ان اشعار میں کیا،

ولما رايت الخلیل ترجم بالقنی
نواصبها حمر الخور دوامی
اور جب میں نے ان گھوڑوں کو دیکھا
جن کے سینے سرخ اور خون آلود تھے
واعرض نفع فی السماء کانه
عجاجة دجن ملبس بقتام
اور آسمان کی فضاء
نہایت تاریک اور سیاہ گرد و غبار سے بھر گئی
ونادی ابن هند فی الکلاع، حمیر
و کنده فی لحم و حی جدام
اور ابن ہند نے قبیلہ کلاع، حمیر
کنده، لحم اور جدام کو پکارا
تبع ہمدان الذین ہم، ہم
اذا ناب دهر جنتی و سوامی
تو میں نے ہمدان کی طرف رخ کیا
جو حوادث میں میرے سپر اور میرے تیر ہیں
نجاو بنی من خیل ہمدان عصبتہ
فوارس من ہمدان خیر لبام
تو ہمدان کے ایک گروہ نے
میری صدا پر لبیک کہا جو نہایت شریف سوار تھے

فخا حنوا الظاہاوا مستطارواشراہا
 وکانوالدی ایہجا کشرہ مدم
 وہ لوگ لڑائی کے شعلوں میں گھس گئے
 اور اسکی چنگاریوں کو بکھیر دیا اور جنگ میں شریوں کی طرح متوالے نظر آئے
 فلو کنت بو ابا علی باب جنتہ
 لقلت لہمدان اد خلو البسلام
 تو اگر میں جنت کا دربان ہوتا،
 تو ہمدان سے کہتا کہ اطمینان کے ساتھ اس میں داخل ہو جاؤ
 خلفاء کے علاوہ اور جتنے صحابہ ۱؎ تھے سب کے سب شعر و سخن کا ذوق رکھتے تھے، چنانچہ
 زمانہ حال کے ایک مصنف نے حمیرۃ العرب کے حوالے سے لکھا ہے،
 ولم یبق من الصحابة من لم یقل الشعر او یتمثل بہ۔^۱
 کوئی صحابی ایسا نہ تھا جس نے کوئی نہ کوئی شعر نہ کہا ہو یا نہ پڑھا ہو۔
 اور کتاب المعمدہ میں خود خاندان رسالت کے متعلق تصریح کی ہے،
 و لیس من بنی عبدالمطلب رجالاً و نساء من لم یقل الشعر حاشی النبی
 صلی اللہ علیہ وسلم۔^۲
 بنو عبدالمطلب کے مردوں اور عورتوں میں رسول اللہ ﷺ کے سوا کوئی ایسا نہ تھا جس
 نے شعر نہ کہا ہو۔

اور اس کے بعد حضرت حمزہ ۳؎، حضرت عباس ۴؎، حضرت عبد اللہ بن عباس ۵؎،
 حضرت جعفر بن ابی طالب ۶؎، حضرت ابوسفیان ۷؎، حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا
 وغیرہ کے متعدد اشعار نقل کئے ہیں۔

لیکن تمام صحابہ ۸؎ میں شاعرانہ حیثیت سے چار بزرگ یعنی حضرت حسان بن ثابت
 ۹؎، حضرت کعب بن مالک ۱۰؎، حضرت عبد اللہ بن رواحہ ۱۱؎ اور حضرت کعب بن
 زہیر ۱۲؎ خصوصیت کیساتھ ممتاز ہیں ان چاروں بزرگوں میں حضرت حسان بن ثابت
 مخضرمی شاعر ہیں یعنی انہوں نے جاہلیت اور اسلام دونوں میں شعر کہے ہیں اور دونوں زمانوں
 میں دلو سخن دی ہے، زمانہ جاہلیت میں وہ بہترین شاعر تسلیم کئے جاتے تھے اور ملوک غسان سے

۱: حمیرۃ العرب صفحہ ۱۶ بحوالہ آداب اللغۃ العربیہ للحمزجی زید بن۔

۲: کتاب مذکور ج ۱ ص ۱۵۔

۳: حضرت حسانؓ کے یہ حالات استیعاب و طبقات الشعراء لابن قتیبہ سے ماخوذ ہیں۔

جوان کے مدوح تھے گراں قیمت صلے پاتے تھے، ان سلاطین کی مدح میں انہوں نے جو قصائد لکھے ہیں ان میں عرب کے مشہور شاعر حطیبہ نے اس شعر کو بہترین مدحیہ شعر تسلیم کیا ہے

یغشون حتی ماقمر کلا بہم
لا یستلون عن السوا دا لمقبل

عبدالملک ابن مروان کا قول ہے،

ان امداح بیت قالہ الرعب بیت حسان هذا

اہل عرب نے جو بہترین مدحیہ اشعار کہے ہیں ان میں حسان رضی اللہ عنہ کا یہ شعر سب سے بہتر ہے۔

ابو عبیدہ کا قول ہے کہ شہری باشندوں میں اہل عرب کے نزدیک سب سے بڑے شاعر یثرب کے لوگ تھے اس کے بعد قبیلہ عبدالقیس، پھر قبیلہ ثقیف کے لوگ بڑے شاعر تسلیم کئے جاتے تھے، لیکن ان سب میں حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ سب سے بڑے شاعر تھے، زمانہ اسلام میں وہ خاص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے شاعر تھے اور یہ ان کا سب سے بڑا امتیازی وصف خیال کیا جاتا تھا، ابو عبیدہ کا قول ہے کہ حسان کو تمام شعراء پر جو ترجیح حاصل ہے اس کے تین سبب ہیں ایک یہ کہ وہ زمانہ جاہلیت میں انصار کے شاعر تھے، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے شاعر ہوئے اس کے بعد زمانہ اسلام میں تمام یمن کے شاعر تسلیم کئے گئے لیکن ان میں ان کا اصلی شرف یہ ہے کہ ان کو خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا شاعر منتخب فرمایا، چنانچہ مشرکین قریش میں عبداللہ بن الزبیری ابوسفیان بن حارث، عمرو بن العاص اور ضرار ابن خطاب نے آپ کی ہجو گوئی شروع کی تو آپ نے فرمایا۔

ما یمنع القوم الذین نصر وارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بسلاحتہم ان ینصروہ بالسنتہم۔

جس قوم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد ہتھیار سے کی وہ اپنی زبان سے کیوں آپ کی مدد نہیں کرتی۔

یہ سن کر حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ نے کہا اس کام کیلئے میں تیار ہوں، اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے کفار کی شاعرانہ مدافعت ان کا عام مشغلہ ہو گیا اور بارگاہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں ان کی خدمت کو اس قدر حسن قبول حاصل ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک موقع پر فرمایا،

اھجھم وروح القدس معک

کفار کی ہجو کہو روح القدس تمہارے ساتھ ہے۔

ایک بار یہ دعاوی،

اللهم ابدہ بروح القدس
خداوند ارواح القدس کے ذریعہ سے ان کی تائید کر۔
ایک دفعہ ان کی بجووں کی ان الفاظ میں دلاوی،

ان قوله فيهم اشد من النبل
کفار کے دلوں میں ان کے اشعار تیر سے زیادہ اثر کرتے ہیں۔
آپ ﷺ نے مسجد نبوی میں ان کیلئے ایک منبر بھی بنوایا جس پر بیٹھ کر وہ ان ہجو یہ اشعار
کو سناتے تھے۔

حضرت کعب بن مالک ؓ بھی مخضرمی شاعر ہیں، یعنی وہ زمانہ جاہلیت میں بھی مشہور
شاعر تھی اور اسلام میں بھی رسول اللہ ﷺ کے مخصوص شاعر ہونے کی حیثیت سے صاحب
امتیاز ہوئے چنانچہ استیعاب میں ہے

وانتدب لهجو المشرکین ثلاثة من الانصار حسان بن ثابت وکعب بن
مالک وعبدالله بن رواحه۔

مشرکین کی ہجو گوئی کی خدمت انصار کے تین شخص نے قبول کی، یعنی حسان بن ثابت
ؓ کعب بن مالک ؓ اور عبد اللہ بن رواحہ ؓ نے۔

لیکن ان تینوں بزرگوں کی ہجو گوئی کا موضوع مختلف تھا، حضرت حسان بن ثابت ؓ
مشرکین کے نسب پر حملہ کرتے تھے، حضرت عبد اللہ بن رواحہ ؓ ان پر کفر کا الزام لگاتے
تھے اور حضرت کعب بن مالک ؓ ان کو لڑائی کی دھمکیاں دے دے کر ڈراتے رہتے
تھے، چنانچہ ایک روایت میں ہے کہ قبیلہ دوس نے ان کے ان اشعار سے خوف زدہ ہو کر اسلام
قبول کیا،

قضینا	من	تھامہ	کل	وتر
وخیر	ثم	اغمدنا	اليسوفا	
ہم	نے	تھامہ	اور	خیبر سے
انتقام	لے	کر	تکوار	میان میں کر لی
نخبر	ها	ولو	بطقت	لقلت
قواطعن	دوسا	او	ثقیفا	

اب ہم نے اپنی تکواروں کو قبائل کے انتخاب کا حق دے دیا ہے
اگر وہ بولتیں تو دوس اور ثقیف کا نام لیتیں

۱! استیعاب و آغانی تذکرہ حضرت کعب بن مالکؓ۔

خود جناب رسول اللہ ﷺ ان کے اشعار کو نہایت شوق سے سنتے تھے اور دہل دیتے تھے ایک بار آپ ﷺ ان کے مکان پر تشریف لے گئے، تو انہوں نے گھر سے نکل کر اشعار سنائے، آپ ﷺ نے ان کو سن کر فرمایا ”اور“ انہوں نے پھر اشعار پڑھے، آپ ﷺ نے دوبارہ فرمایا ”اور“ اسی طرح ان سے تین بار فرمائش کی اور اشعار سننے اور اخیر میں فرمایا،

لهذا اشد عليهم من وقع النبل

کفار پر ان کی زد تیر سے بھی زیادہ سخت ہے۔

حضرت عبداللہ بن رواحہؓ نہایت بدیہہ گو شاعر تھے، چنانچہ ایک موقع پر جناب رسول اللہ ﷺ نے مناسب حال اشعار کہنے کی فرمائش کی تو انہوں نے اسی وقت اٹھ کر برجستہ یہ اشعار سنائے،

انی	تفرست	فیث	الخبیرا	عرفہ
واللہ	یعلم	ان	خانی	البصر
میں	نے	آپ	کی ذات	میں نیکی کو دیکھا
اور خدا کی قسم	میری آنکھوں نے	اس میں دھوکا نہیں کھایا		
انت	النبی	ومن	یحرم	شفاعته
یوم	الحساب	لقد ازری	بالقدر	
آپ	پیغمبر ہیں	اور جو	فخص	

قیامت کے دن آپ کی شفاعت سے محروم رہے گا وہ بد قسمت ہے

بخاری میں بھی ان کے متعدد جزو اور متعدد نعتیہ اشعار موجود ہیں، لیکن ان کی شاعری کا اصلی موضوع کفار کی ہجو گوئی تھا، اور اس کی ابتدا اس طرح ہوئی کہ غزوہ احزاب سے واپس آنے کے بعد رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ آج سے کفار تم سے لڑائی نہ کریں گے، بلکہ تمہاری ہجو کہیں گے تو مسلمانوں کی عزت کو تم میں کون محفوظ رکھے گا؟ حضرت عبداللہ بن رواحہؓ یہ سن کر اٹھے اور فرمایا کہ ”میں“ اس کے بعد سے ان کا یہ مخصوص مشغلہ ہو گیا، چنانچہ وہ ہمیشہ کفار کی ہجو کہتے تھے اور ان پر صرف کفر کا الزام لگاتے تھے لیکن ان کے رفقاء یعنی حضرت حسان ابن ثابتؓ اور حضرت کعب بن مالکؓ ان کے نسب پر حملہ کرتے تھے اور جنگ کی دھمکی دیتے تھے جب تک کفر اور زمانہ جاہلیت کا نشہ سر میں تھا کفار پر انہی دونوں بزرگوں کی ہجویں اثر کرتی تھیں، لیکن جب یہ نشہ اتر گیا تو حضرت عبداللہ بن رواحہؓ کے اشعار کفار پر ان سے زیادہ اثر کرنے لگے۔

۱: استیعاب تذکرہ حضرت عبداللہ بن رواحہؓ و تذکرہ حضرت حسان بن ثابتؓ اور آغانی تذکرہ حضرت کعب بن مالکؓ

حضرت کعب بن زہیر رضی اللہ عنہ بھی مخضرمی شاعر ہیں اور ان کا شمار عرب کے بہترین شعراء میں ہے عرب میں اسلام کا چرچا پھیلا تو وہ اور ان کے بھائی نجیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہونے کیلئے روانہ ہوئے، چنانچہ ایک مقام پر پہنچ کر حضرت کعب رضی اللہ عنہ ٹھہر گئے اور نجیر رضی اللہ عنہ نے آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر اسلام قبول کیا، حضرت کعب رضی اللہ عنہ کو ان کے اسلام لانے کا حال معلوم ہوا تو یہ اشعار کہے،

الا ابلفا عنی بحیر ار مسالة
علی اے شی ویب غیرک دلکا
میری طرف سے نجیر کو پیغام پہنچا دو
کہ کس چیز کی طرف تمہاری غیر نے تمہاری رہنمائی کی
علی خلق لم تلف اما ولا ابا
علیہ ولم فدرک علیہ اخالکا
اس خلق کی طرف جس پر نہ تمہاری ماں تھی
نہ تمہارا باپ اور نہ تمہارا بھائی
سفاک ابوبکر بکاس رویة
فانهلك المامون منها وعلکا
ابوبکر رضی اللہ عنہ نے تم کو چھلکتے ہوئے پیالے
بار بار بار پلائے

لیکن اس کے بعد خود مسلمان ہو گئے اور ایک قصیدہ کہہ کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اس وقت آپ مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں تشریف فرما تھے اور ارد گرد صحابہ رضی اللہ عنہم کی صفیں تھیں، حضرت کعب رضی اللہ عنہ صفوں کو چیرتے ہوئے آپ کے پاس پہنچے اور اپنا مشہور قصیدہ بانٹ سعاد پڑھنا شروع کیا جب ان اشعار تک پہنچے،

ان الرسول لسيف يستضاء به
مهند من سیوف اللہ مسلول
رسول اللہ دست خدا کی کھینچی ہوئی
ایک ہندی تلوار ہیں جس سے روشنی حاصل کی جاتی ہے
فی فتية من قریش قال قائلهم
بیطن مكة لما اسلموا ازولوا

قریش کے نوجوانوں میں سے ایک نے مکہ میں اسلام لانے کے بعد کہا ہجرت کر جاؤ تو آپ ﷺ نے صحابہ رضی اللہ عنہم کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا کعب کے ان اشعار کو سنو۔ آپ ﷺ نے اس قصیدہ کو سن کر صلے میں ان کو خود اپنی چادر عطا فرمائی، جس کو امیر معاویہ نے خرید لیا، اور ان کے بعد تمام خلفاء عیدین میں وہی چادر اوڑھ کر نکلتے تھے۔^۱ لیکن اس شاعرانہ ذوق کے ساتھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اپنے اصلی منصب کو فراموش نہیں کیا، اس لئے ابوبی حیثیت کے ساتھ زیادہ تر اخلاقی حیثیت سے اشعار عرب کی ترویج و اشاعت کی، چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو یہ فرمان بھیجا،

مر من قبلک بتعلم الشعر فانه يدل على معالى الاخلاق و صواب الراى و معرفة الانساب۔^۲

لوگوں کو اشعار یاد کرنے کا حکم دو کیونکہ وہ اخلاق کی بلند باتوں صحیح رائے اور انساب کی طرف راستہ دکھاتے ہیں،

تمام اصلاح میں جو حکم بھیجاس کے الفاظ یہ ہیں،

علموا اولادکم العلوم و افروسیۃ و رود ہم ما سار من المثل و حسن من الشعر۔^۳

اپنی اولاد کو تیرا اور شہسوار کی سکھاؤ اور ضرب المثلیں اور عمدہ اشعار یاد کراؤ۔ بعض روایتوں میں یہ الفاظ ہیں

رودامن الشعر اعفہ

ان سے پاکیزہ اشعار کی روایت کرو۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ شعر کو ایک بہترین اخلاقی طاقت سمجھتے تھے اور اسی بنا پر لوگوں کو اس کے یاد کرنے کی ترغیب دیتے تھے، چنانچہ ایک بار فرمایا،

یحب علی الرجل نادیب ولده والشعر اعلى مراتب الادب

اومی پر اپنی اولاد کی تادیب فرض ہے اور ادب کا بلند ترین مرتبہ شعر ہے۔

ایک بار اپنے ذاتی تجربہ کی بنا پر لوگوں کو ہدایت کی،

اجعلوا الشعر اکبر همکم و اکثر و ابکم خلقاء رایتنی لیلۃ الہریر بصفین

وانہ ارید الحرب لتدۃ البلوا فما حملنی علی الاقامة الا ابیات عمرو بن الا

طناب۔

۱: آغانی و استیعاب و احباب تذکرہ کعب ابن زبیر۔

۲: کتاب الحمد ج ۱ صفحہ ۱۰۔

۳: کتاب البیان و التبيين مطبوعہ مصر ج ۱ ص ۲۱۳۔ ۴: کتاب الحمد ج ۱ ص ۱۰۔

شعر کو اپنا سب سے بڑا مطمح نظر بنا لیا اور اس کے عادی ہو جاؤ، کیونکہ جنگ صفین میں لیلۃ الہریر کو میں نے بھاگنا چاہا تو مجھ کو عمرو بن الاطناہ کے اشعار نے ثابت قدم رکھا۔

صحابہ کرام ؓ نے شعر و شاعری کے وہ تمام عیوب بھی مٹا دیئے جو بد اخلاقی کی طرف منجر ہوتے تھے، مثلاً صحابہ کرام ؓ کے زمانے تک تمام عرب میں یہ طریقہ جاری تھا کہ شعراء علانیہ شریف عورتوں کا نام اشعار میں لاتے تھے اور ان سے اپنا عشق جتاتے تھے لیکن حضرت عمر ؓ نے اس طریقہ کو بالکل مٹا دیا، اور اس کی سخت سزا مقرر کی اسی طرح ہجو گوئی کو بھی ایک جرم قرار دیا اور طہیہ کو جو مشہور ہجو گو تھا اس جرم میں تید کر دیا لیکن ان تمام باتوں کے ساتھ اہل لب نے یہ تسلیم کیا ہے کہ زمانہ اسلام میں شاعری دفعۃً اپنی اوج کمال سے گر گئی، اور صحابہ کرام ؓ نے اسکو بحیثیت فن کے کسی قسم کی ترقی نہیں دی جس کا سب سے بڑا سبب یہ تھا کہ عرب میں فخر و غرور جنگجوی، انتقام اور عشق و ہوس وغیرہ شاعری کا اصلی عنصر تھے اور اسلام نے ان تمام اخلاقی برائیوں کو مٹا کر صحابہ کرام ؓ کو خیر مجسم بنادیا تھا، اس لئے ان کی ذات میں خیر و شر کے یہ دونوں متضاد عناصر جمع نہ ہو سکے، چنانچہ اصمعی نے صاف صاف کہہ دیا،

الشعر نکذبہ الشرفا ذاد خل فی الخیر ضعف هذا حسان بن ثابت فحل من فحول الجاهلیة فلما جاء الاسلام سقط شعره۔^۱

شعر کو نیکی سے کوئی تعلق نہیں اس کا دروازہ برائی سے جب وہ نیکی کے دروازے میں داخل ہوتا ہے تو کمزور ہو جاتا ہے، مثلاً حسان بن ثابت کا شمار جاہلیت کے اکابر شعراء میں تھا لیکن جب اسلام آیا تو ان کے اشعار پست ہو گئے۔

خطابت اور زور تقریر

اہل عرب میں ابتدائی سے خطابت اور تقریر کا ملکہ موجود تھا اور خود زمانہ جاہلیت میں بڑے بڑے خطباء گذر چکے تھے لیکن اس قوت سے جو کام لئے جاسکتے تھے زمانہ جاہلیت میں ان کا دائرہ محدود تھا اس لئے اس زمانے میں خطابت اور زور تقریر کو وہ اقتدار و اثر حاصل نہ ہو سکا جو شعر و شاعری کو حاصل تھا لیکن زمانہ اسلام میں یہ حالت بدل گئی اور سیاسی واقعات اور غزوات و فتوحات نے عرب کی پر جوش طبیعتوں کیلئے بہت سے نئے میدان کھول دیئے جن میں ان کو زبان آوری کے جوہر دکھانے کا موقع ملا اس بنا پر اسلام کے بعد اگرچہ عربی شاعری میں زمانہ جاہلیت کا زور باقی نہ رہا تاہم اس کی طاقت خطابت اور تقریر کی طرف منتقل ہو گئی اور صحابہ کرام ؓ کی حقیقی زندگی کے پہلے ہی دن سے اسکے کامیاب نتائج ظاہر ہونے لگے چنانچہ رسول صلی

اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد صحابہ کرام ؓ میں جو خطرناک اضطراری حالت پیدا ہو گئی۔ اس کے مٹانے کیلئے حضرت ابو بکر ؓ نے جو خطبہ دیا وہ صرف چند فقروں پر مشتمل تھا۔

الا من كان يعبد محمد افان محمدا صلعم قدمات ومن كان يعبد الله فان الله حي لا يموت انك ميت وانهم ميتون وما محمد الا رسول قد خلت من قبل الرسل افائن مات او قتل، انقلبتم على اعقابكم ومن ينقلب على عقبيه فلن يضر الله شيئا وسيحزى الله الشاكرين۔

ہاں! جو لوگ پرستار ان محمد ؐ تھے ان کو معلوم ہو جانا چاہئے کہ محمد ؐ وفات پا چکے لیکن جو لوگ پرستار ان خدا ہیں ان کو معلوم ہو جانا چاہئے کہ خدا زندہ ہے مرا نہیں، خدا اپنے پیغمبر سے خود کہتا ہے تو مرے گا اور تمام لوگ مریں گے محمد ؐ تو صرف ایک پیغمبر تھے، ان کے پہلے بھی اور پیغمبر گذر چکے ہیں تو کیا اگر وہ مر گئے یا شہید ہو گئے تو تم لوگ پھر رجعت لہری کر جاؤ گے یقین کرو کہ جو لوگ مرتد ہو جائیں گے وہ خدا کو کچھ نقصان نہ پہنچائیں گے اور خدا شکر کرنے والوں کو جلد جزائے خیر دے گا۔

لیکن ان ہی چند فقروں کا یہ اثر ہوا کہ روتے روتے لوگوں کی ہچکیاں بندھ گئیں اور لوگ نکلے تو اس آیت کو پڑھتے ہوئے نکلے اس کے بعد جب خلافت کیلئے انصار و مہاجرین کے دو جتھے قائم ہو گئے اور انصار نے اعلانہ کیا،

منا امیر ومنکم امیر

ایک امیر ہم میں سے ہو اور ایک تم میں سے۔

تو انکی طرف سے حضرت سعد بن عبادہ ؓ نے ایک پر زور تقریر کی جس کے چند فقرے یہ ہیں،

اما بعد فنحن انصار الله وكتيبة الاسلام وانتم معاشر المهاجرين رهط وقد دفت دافة من قومكم فاذا هم يريدون ان يخذلونا من اهلنا وان يحفونا من الامر۔

ہم خدا کے انصار اور اسلام کی فوج ہیں اور تم گروہ مہاجرین ہمارے یہاں نیلہ مندر آئے اور اب وہی لوگ چاہتے ہیں کہ ہماری بیخ کنی کریں اور خلافت سے ہمیں روک دیں، حضرت عمر ؓ اس موقع پر تقریر کرنے کیلئے پہلے سے تیار تھے، لیکن حضرت ابو بکر ؓ نے ان کو موقع نہیں دیا اور خود تقریر کی جس کے چند فقرے یہ ہیں،

لا ولكننا الامراء وانتم الوزراء فانتم له اهل ولن يعرف هذا الامر الا لهذا الهی من القريش هم اوسط العرب نسباً وداراً۔

بخاری کتاب المناقب باب فضل امی بکر و کتاب الحارین باب رجم الحسلی من الزنی اذا احضرت

نہیں لیکن ہم امراء ہیں اور تم وزراء تم بے شبہ اس کی اہلیت رکھتے ہو تمام عرب صرف قریش کو خلافت کا مستحق سمجھتا ہے کیونکہ وہ خاندان و سب کے لحاظ سے افضل ترین عرب ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اپنی تقریر پر بڑا ناز تھا، لیکن اس تقریر کو سن کر انہوں نے اعتراف کیا، فکان ہوا حلم منی و اوقرو اللہ ما ترک من کلمۃ اعجبتنی فی نزویری الا قال فی بدیہۃ مثلھا او افضل منها۔

وہ تقریر کرنے میں مجھ سے زیادہ حلیم اور باوقار تھے خدا کی قسم جن فقرہوں پر مجھ کو ناز تھا ان میں ایک کو بھی انہوں نے نہیں چھوڑا، بلکہ فی البدیہہ ویسے ہی یا ان سے بہتر فقرے کہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرائض خلافت اور فتوحات کی وسعت کی وجہ سے سیاسی معاملات کے متعلق جو تقریریں کی ہیں، ان میں ایک طرف تو اس قدر جامعیت ساوگی، روانی اور وضاحت پائی جاتی ہے کہ ایک بچہ بھی ان کے مفہوم کو آسانی کے ساتھ سمجھ سکتا ہے، دوسری طرف اس قدر زور قوت اور جوش و اثر پایا جاتا ہے کہ سننے والوں کے دل لرز اٹھتے ہیں،

مسند خلافت پر بیٹھنے کے ساتھ انہوں نے جو خطبہ دیا اس کے ابتدائی فقرے یہ تھے، اللھم انی غلیظ فلینی اللھم انی ضعیف فقولی الا وان العرب حمل انف وقد اعطیت خطامہ الا وانی حاملہ علی المحجۃ،

خداوند! میں سخت ہوں مجھ کو نرم کر میں ضعیف ہوں مجھے قوی بنا ہاں عرب ایک سرکش اونٹ ہے جس کی مہار میرے ہاتھ میں دے دی گئی ہے ہاں میں اس کو سیدھی رلو پر چلاؤں گا۔

ایک بار ایک تقریر کی جس میں امراء و عمال سے ان پر زور الفاظ میں خطاب کیا الا وانی لم ابعثکم امراء ولا حیارین ولكن بعثکم ائمة الھدی یھتدی بکم ولا تغلقوا الابواب دونہم فباکل قویہم ضعیفہم۔ ہاں! میں نے تم کو امیر بنا کر بھیجا نہ ظالم و مستبد میں نے صرف تم کو آئیمہ ہدی بنا کر بھیجا، تاکہ تم سے ہدایت حاصل کی جائے، رعایا پر اپنے دروازے بند نہ کرو کہ قوی ضعیف کو کھا جائے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے مسند خلافت پر بیٹھنے کے ساتھ جب پہلی تقریر کرنا چاہی تو چونکہ پہلے سے تیار نہ تھے اس لئے خاموش ہو گئے اور ان الفاظ میں معذرت کی

انتم احوج الی الامام العادل من الامام الفائل

تم کو بولنے والے خلیفہ سے زیادہ انصاف کرنے والے خلیفہ کی ضرورت ہے۔

۱: کتاب الخراج صفحہ ۲۷، یہ ایک نہایت پر زور اور مطلوب تقریر ہے جس میں خلیفہ، عمال اور رعایا کے حقوق و فرائض بیان کئے ہیں۔

لیکن تمام اہل ادب متفق اللفظ ہیں کہ اس سے زیادہ بلیغ معذرت آج تک کسی نے نہیں کی ہے۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اکثر خطبے زہد و قناعت پر دیئے ہیں، جو اب و محاضرات کی کتابوں میں منقول ہیں، ان خطبوں میں اگرچہ عموماً سلاست و روانی پائی جاتی ہے لیکن زور بلاغت کا عالم وہاں نظر آتا ہے، جہاں انہوں نے پولیٹیکل تقریر کی ہے اور قوم کو جنگ پر ابھارا ہے مثلاً

ایہا الناس المجتمعۃ ابدانہم المختلفۃ اہواءہم کلا مکم یوہن الصم
الصلاب وفعلمکم یطمع فیکم عدوکم ودرت واللہ ان لی بکل عشر
منکم رجلاً من بنی فراس بن غنم صرف الدینار بالدرہم۔^۱

اے وہ لوگوں جن کی جسم تو متحد ہیں، لیکن مقاصد مختلف ہیں تمہاری باتوں سے تو پتھر کی چٹانیں چور چور ہو جاتی ہیں لیکن تمہارے افعال تمہارے دشمنوں کو تم پر چیرہ دستی کی طمع دلاتے ہیں، خدا کی قسم اگر تمہارے دس آدمیوں کے بدلے میں مجھے بنی فراس بن غنم کا ایک آدمی بھی ملتا تو میں اس کے بدلے ایک اشرفی ایک درہم کا ایک آدمی بھی ملتا تو میں اس کے بدلے ایک اشرفی ایک درہم کے بدلے میں دے دیتا۔

صحابہ کرام ؓ نے اپنی اس قوت تقریر سے بڑی بڑی مذہبی خدمتیں انجام دی ہیں، حضرت ثابت ابن قیس بن شماس ؓ کو رسول اللہ ﷺ نے صرف کفار کی تقریروں کے جواب دینے کیلئے مامور فرمایا تھا اس لئے وہ خطیب رسول اللہ ﷺ کے لقب سے پکارے جاتے تھے، مسئلہ کذاب مدینہ میں آیا تو آپ اس کے پاس تشریف لے گئے اور ابتدائی سوال و جواب کے بعد یہ کہہ کر چلے آئے کہ یہ ثابت بن قیس ہیں، جو میری طرف سے تمہارا جواب دیں گے۔^۲ اقرع بن حابس وغیرہ جب اپنے خطباء و شعراء کے ساتھ آپ کی خدمت میں مناظرہ کیلئے آئے تو انہی نے ان کے خطیب کا جواب دیا اور اقرع نے تسلیم کیا کہ وہ غالب رہے۔^۳ حضرت سہیل بن عمرو ؓ نہایت پر جوش خطیب تھے حالت کفر میں وہ اسلام کی مخالفت میں تقریر کیا کرتے تھے ایک بار حضرت عمر ؓ نے رسول اللہ ﷺ سے کہا کہ ان کے نیچے کے اگلے دو دانت توڑوا دیجئے کہ تقریر کرنے میں زبان نہ چلنے پائے، آپ نے فرمایا ”میں مثلاً کرنا نہیں چاہتا، ممکن ہے کہ ان کے تقریر سے کبھی اسلام کو بھی فائدہ پہنچے۔“^۴ چنانچہ وہ اسلام لائے اور رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد جب تمام عرب میں ارتداد کی ہوا چل

۱: عقد الفرید ج ۲ ص ۱۱۵۔

۲: بخاری کتاب المغازی باب قصۃ الاسود العنسی۔

۳: اسد الغابہ تذکرہ اقرع بن حابس۔

۴: کتاب البیان والبیہن للبخاری ج ۲ ص ۲۲۲، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

گنی تو انہوں نے قریش کے سامنے ایک مطلوب تقریر کی جس کے چند فقرے یہ ہیں،
یا معشر قریش لا تکنونوا اخر من اسلم واول من ارتدوا اللہ ان هذا الدین
لیمتدن امتداد الشمس والقمر من طلو عھا الی غرو بہما۔
اے گروہ قریش یہ نہ ہو کہ تم سب کے اخیر میں تو اسلام لائے اور سب سے پہلے مرتد
ہو جاؤ، خدا کی قسم یہ دین وہاں پہنچ جائے گا جہاں سے چاند سورج نکلنے اور ڈوبتے ہیں۔
چنانچہ اسی تقریر کے اثر سے تمام قبیلہ قریش اسلام پر قائم رہا۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہجرت کر کے حبش کو گئے، تو کفار نے ان کو وہاں سے واپس لانے کیلئے
مخفی طور پر بہت سی تدبیریں کیں لیکن حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے نجاشی کے
سامنے اسلام کی تعلیمات کو جس موثر اور واضح طریقہ سے بیان کیا، اس نے ان کی تمام تدبیروں
کو بے اثر کر دیا انہوں نے کہا کہ ”اے بادشاہ! ہم ایک جاہل قوم تھے، بت پوجتے تھے، مردار
کھاتے تھے، بدکاریاں کرتے تھے قطع رحم کرتے تھے اور ہمسایوں کے ساتھ برا سلوک کرتے
تھے ہم میں جو لوگ قوی تھے وہ ضعیف کو کھا جاتے تھے یہ حالت تھی تو خدا نے ہمارے پاس ایک
پیغمبر بھیجا، جو ہمیں میں سے تھا اور ہم اس کے نسب، راستبازی، لمانت اور پاکبازی سے واقف تھے
اس نے ہم کو خدا کی طرف بلایا کہ اس کو ایک سمجھیں، اس کی عبادت کریں اور ہم اور ہمارے آباؤ
اجداد جن پتھروں اور بتوں کو پوجتے تھے، ان کی پرستش چھوڑ دیں، اس نے ہم کو سچائی، لمانت
داری اور صلہ رحمی کی تعلیم دی اور ہمسایوں کے ساتھ سلوک کرنے اور محرمات اور خونریزی
سے بچنے کا حکم دیا، بدکاری اور دروغ گوئی سے روکا اور یتیموں کے مال کھانے اور عقیقہ عورتوں پر
تہمت لگانے سے منع کیا اور ایک خدا کی عبادت کرنے، نماز پڑھنے، زکوٰۃ دینے اور روزہ رکھنے کی
ہدایت کی، پس ہم نے اس کی تصدیق کی، اس پر ایمان لائے، اور اس کا اتباع کیا، اہم نے تنہا خدا کو
پوجا، اس نے جن چیزوں کو ہم پر حرام کیا، ہم نے اس کو حرام سمجھا اور جن چیزوں کو حلال کیا ہم
نے اس کو حلال قرار دیا، اس لئے ہماری قوم نے ہم پر دست تعدی دراز کیا، ہم کو نذیتیں دیں اور
ہم کو ہمارے دین سے برگشتہ کرنا چاہا تاکہ ہم کو خدا کی عبادت سے پھیر کر بتوں کی پرستش کی
طرف لائیں اور جن ناپاک چیزوں کو ہم پہلے حلال سمجھتے تھے اب بھی ان کو حلال سمجھیں، تو
جب انہوں نے ہم پر جبر و ظلم کیا، ہم کو تکلیفیں دیں اور ہمارے مذہب میں دست اندازیاں کیں
تو ہم تیرے ملک میں چلے آئے اور سب لوگوں پر تجھ کو ترجیح دی، تیری ہمسائیگی سے توقعات
قائم کیں اور یہ امید باندھی کہ تیرے پاس ہم پر ظلم نہ کیا جائے گا، اے بادشاہ! نجاشی نے یہ
تقریر سن کر کہا کہ ”تم کو کلام الہی کا کوئی ٹکڑا یاد ہے، حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے سورہ کہعبص کی

چند ابتدائی آیتیں پڑھیں تو نجاشی پر یہ اثر پڑا کہ روتے روتے دھڑھی تر ہو گئی اور بے اختیار بول اٹھا کہ ”خدا کی قسم یہ اور وہ جو موسیٰ علیہ السلام لائے ایک ہی چراغ کے پر تو ہیں، جاؤ میں کبھی تمہیں کفار کو واپس نہیں دے سکتا۔“

خاتمہ

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اثر

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی موثر زندگی کے تمام خال و خط تمہارے سامنے آگئے، ان کے مذہب اخلاق اور معاشرت کی روشن مثالیں تمہاری نگاہ سے گزر چکیں، ان کی حکومت و سیاست کے تمام کارنامے تم نے پڑھ لئے، لیکن تمہارے دل نے ان کا کچھ اثر بھی قبول کیا؟ اگر ان اخترین تابندہ کی روشنی نے تمہاری راتوں کو دن نہیں بنایا تو یہ تمہاری سیاہ بختی کی سب سے بڑی دلیل ہے، لیکن ہر شخص تمہاری طرح یہ گلیم اور یہ بخت نہیں ہو سکتا، آج سے تیرہ سو برس پہلے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مختلف فضائل نے سیکڑوں اشخاص کو اپنا گرویدہ بنایا اور ان کے مذہبی، اخلاقی اور علمی اثر نے دلوں کے اندر کی دنیا کو تہ و بالا کر دیا، اگر تم خود صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مذہب، اخلاق اور معاشرت وغیرہ کا اثر قبول نہیں کرتے تو کم از کم دوسروں کی تقلید و مثال سے تو تم کو عبرت و بصیرت حاصل کر لینا چاہئے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا مذہبی اثر

حضرت جندب بن کعب رضی اللہ عنہ نے ایک جاوگر کو ایک حدیث کے بموجب قتل کر دیا اور اس جرم میں ان کو ولید بن عقبہ بن ابی معیط گورنر کوفہ نے سزائے قید دے دی، لیکن جیلر ان کے صوم و صلوٰۃ کی پابندی سے اس قدر متاثر ہوا کہ خود ان کو رہا کر دیا۔
رسول اللہ ﷺ نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو یمن کا عامل بنا کر روانہ فرمایا، وہاں پہنچ کر انہوں نے نماز فجر میں بلند آہنگی کے ساتھ تکبیر، کہی، تو حضرت عمرو بن میمون رضی اللہ عنہم الازدی پر اس کا جو اثر پڑا اس کو وہ خود بیان کرتے ہیں،

نخالقیبت محبتی علیہ فما فارقة حتی دفنة بالشام

میں ہمہ تن ان کا عاشق ہو گیا اور اس وقت تک ان کی صحبت سے الگ نہ ہوا جب تک شام میں ان کو دفن نہ کر لیا۔

ان کے بعد یہ روحانی اثر ان کو کھینچ کر حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس لایا، اور

۱: مسند ابن ضبل ج ۱ ص ۲۰۲ ۲: اسد الغابہ تذکرہ حضرت جندب بن کعب

تادم مرگ ان کی خدمت سے الگ نہ ہوئے۔^۱

صحابہ کرام ؓ کو جو مذہبی عزت حاصل تھی اس کا یہ اثر تھا کہ لوگ ان کے پاس آکر طالب دعا ہوتے تھے چنانچہ ایک بار حضرت انس بن مالک ؓ کے پاس بصرہ سے کچھ لوگ آکر طالب دعا ہوئے اور انہوں نے دعا کی۔^۲

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں لوگ چھوٹے چھوٹے بچوں کو لاتے تھے اور وہ ان کیلئے دعائے برکت کرتی تھیں۔^۳

امراء بنو امیہ پر صحابہ کرام ؓ کا یہ اثر تھا کہ یہ لوگ مذہبی معاملات میں ان کی اقتداء کو فرض سمجھتے تھے، چنانچہ ایک بار عبدالملک بن مروان نے حجاج کو لکھ بھیجا کہ مناسک حج میں حضرت عبداللہ بن عمر ؓ کی مخالفت نہ کرو، اس حکم کی بنا پر حجاج خود ان کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا کہ کیا ارشاد ہے؟ بولے کہ ”اب چلنا چاہئے“ اس نے کہا اس وقت ”بولے ہاں“ بولا بدن پر پانی ڈال لوں تو حاضر ہوں۔^۴

یہ اثر نہ صرف مسلمانوں پر بلکہ کفار پر بھی پڑتا تھا، حضرت ابو بکر ؓ نے اپنے صحن خانہ میں ایک مسجد بنالی تھی اور اس میں نماز ادا کرتے تھے، لیکن جب وہ نماز میں قرآن پڑھتے تھے تو کفار کے اہل و عیال ان کی رقت خیز آواز سے اس قدر متاثر ہوتے تھے کہ خود کفار کو یہ خوف پیدا ہو گیا کہ کہیں ان کے بچوں اور بی بیوں کو وہ شیدائے اسلام نہ بنا لیں۔^۵

حضرت ابوالیوب انصاری ؓ قسطنطنیہ میں خود رومیوں سے لڑ کر شہید ہوئے تھے، تاہم ان کا یہ اثر تھا کہ جب قحط پڑتا تھا تو رومی ان کی قبر کے واسطے سے پانی برسنے کی دعا مانگتے تھے۔^۶

صحابہ کرام ؓ کا اخلاقی اثر

ہر مقدمہ میں گولہ کی ضرورت ہوتی ہے لیکن صحابہ کرام ؓ کو ان کی دیانت نے اس سے مستثنیٰ کر دیا تھا، حضرت سعید بن زید بن عمرو بن نفیل پر ایک عورت نے غصب کا دعویٰ کیا، انہوں نے کہا جب سے میں نے رسول اللہ ﷺ سے یہ سنا ہے کہ جو شخص بلا استحقاق کسی کی ایک بانٹ بھر زمین لے گا خدا زمین کے ساتوں طبق کو اس کے گلے کا طوق بنائے گا، میں نے اس کی زمین کا کوئی حصہ نہیں لیا، مروان کے یہاں مقدمہ پیش تھا، اس نے کہا اب میں آپ سے گولہ نہیں مانگتا۔^۷

۱: ابوداؤد کتاب الصلوٰۃ باب لزام الامام الصلوٰۃ عن الوقت۔

۲: ابوالمفرد باب۔ ۳: ابوالمفرد باب الطیرہ من الجن۔

۴: نسائی کتاب الحج باب الریح یوم عرفہ۔

۵: بخاری باب الکفالتہ باب جوارہی بکر الصدیق۔

۶: حسن الحاضرہ ج ۱ ص ۱۰۰۔ ۷: مسلم کتاب البیوع باب تحریم الظلم و غصب الارض۔

امرو سلاطین تو پھر بھی مسلمان تھے، سب سے زیادہ یہ اثر کفار پر پڑتا تھا، حضرت ابو بکر ؓ کفر زار مکہ کو چھوڑ کر نکلے تو راہ میں ابن الدغنه مل گیا، جو عرب میں سید القارہ کے خطاب سے ممتاز تھا، اس نے پوچھا ”کہاں جاتے ہو؟“ بولے ”مجھے میری قوم نے نکال دیا ہے، اب سیاحت کر کے خدا کی عبادت کروں گا“ اس نے کہا کہ تم جیسا شخص نہ وطن سے نکل سکتا نہ نکالا جاسکتا، تم غریبوں کیلئے مل پیدا کرتے ہو، صلہ رحمی کرتے ہو، قوم کی دیت و تاوان کا بار اٹھاتے ہو، مہمان نوازی کرتے ہو، مصائب قوی میں اعانت کرتے ہو، میں تمہارا ضامن ہوں، چلو اور اپنے ملک میں خدا کی پرستش کرو۔“ چنانچہ وہ پلٹے اور چند شرائط کے ساتھ کفار نے ان کو عبادت گزاری کی اجازت دے دی۔^۱

حضرت نعیم بن عبداللہ النخام ؓ نہایت فیاض صحابی تھے اور قبیلہ بنو عدی کی بیواؤں اور یتیموں کی پرورش کرتے تھے کفار پر ان کی اس نیکی کا یہ اثر تھا کہ جب انہوں نے ہجرت کا ارادہ کیا تو تمام کفار نے روک لیا اور کہا کہ جو مذہب چاہو اختیار کرو اگر تم سے تعرض کرے گا تو سب سے پہلے ہماری جان تم پر قربان ہوگی۔^۲

صحابہ کرام ؓ کا علمی اثر

صحابہ کرام ؓ کے علمی فیوض و برکات نے ایک چشمہ شیریں بنادیا تھا جس کے گرد تشنگان علم کا ہمیشہ مجمع رہتا تھا، حضرت قزعة ؓ کا بیان ہے کہ ”میں حضرت سعید خدری ؓ کی خدمت میں حاضر ہوا تو وہ فتویٰ دے رہے تھے، اور لوگ ان پر ٹوٹے پڑتے تھے، میں نے انتظار کیا، جب بھیڑ بھاڑ چھٹی تو میں نے خود اپنا سوال پیش کیا۔“^۳

حضرت سبيع بن خالد ؓ کا بیان ہے کہ میں کوفہ میں ایک تجارتی مقصد سے آیا، مسجد میں جا کر دیکھا کہ جوق کے جوق لوگ ایک مشہور اور نمایاں شخص کے گرد بیٹھے ہوئے ہیں، میں نے غور کیا تو معلوم ہوا کہ وہ حجازی آدمی ہے میں نے پوچھا کہ یہ کون بزرگ ہیں؟ لوگوں نے مجھے آنکھیں دکھائیں اور کہا کہ ”تم ان کو نہیں جانتے؟“ یہ حضرت حذیفہ بن الیمان ؓ رسول اللہ ﷺ کے اصحاب میں سے ہیں۔“^۴

حضرت ابو لریس خولانی ؓ کا بیان ہے کہ میں دمشق کی مسجد میں گیا دیکھا کہ ایک جوان جس کے دانت موتی کی طرح چمکتے ہیں لوگوں کا پیشوا ہے لوگ اُر کسی چیز میں اختلاف

۱: بخاری باب الکفالت باب جوارہ بنی بکر الصدیق ؓ فی عہد النبی و عہد۔

۲: اسد الغابہ ج ۵ ص ۳۳ تذکرہ حضرت نعیم بن عبداللہ النخام۔

۳: ابوداؤد کتاب الصیام باب فی السر۔

۴: ابوداؤد کتاب القن۔

کرتے ہیں تو اس کی سند پکڑتے ہیں اور وہ جو کہہ دیتا ہے اس پر رک جاتے ہیں، میں نے پوچھا یہ کون بزرگ ہیں ہلوگوں نے کہا ”معلق بن جبلؓ“۔^۱

صحابہ کرامؓ کی علمی عزت و اثر کا صرف اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ اگر کسی کو صحابہ کرامؓ سے کچھ پوچھنا ہوتا تھا تو وہ دوسروں سے اعانت و سفارش کا خواستگار ہوتا تھا، ہلال غزی کو حضرت انس بن مالکؓ سے ایک حدیث دریافت کرنے کی ضرورت پیش آئی تو انہوں نے حضرت ثابتؓ کو شفیع بنلیا۔^۲

حضرت عائشہ بنت طلحہ رضی اللہ عنہا نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے دامن تربیت میں پرورش پائی تھی، ان کا بیان ہے کہ لوگ دور دور سے ان کے پاس حاضر ہوتے تھے اور چونکہ مجھ کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے تقرب حاصل تھا اس لئے بوڑے بوڑھے لوگ میرے پاس آتے تھے جو ان لوگ مجھ سے بھائی چارہ کرتے تھے اور مجھ کو ہدیہ دیتے تھے اور اطراف ملک سے خطوط بھیجتے تھے، جب میرے پاس کوئی خط آتا تو میں کہتی کہ ”اے خالہ یہ فلاں کا خط ہے اور فلاں کا ہدیہ“ فرماتیں کہ ”جواب لکھ دو اور ہدیہ کا معاوضہ دے دو“۔^۳

عوام تو عوام امر او سلاطین کی مغرور گردن بھی صحابہ کرامؓ کے علمی اثر کے سامنے جھک جاتی تھی ایک بار امیر مکہ نے رویت ہلال کے متعلق خطبہ دیا اور اخیر میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی طرف اشارہ کر کے کہا، کہ تم میں ایک ایسا بزرگ ہے جو خدا اور رسول کے احکام کا مجھ سے زیادہ عالم ہے۔^۴

خلفاء حضرت ایمنؓ کی فصاحت بیانی اور طلاقت لسانی کے اس قدر گرویدہ تھے کہ ان کو خلیل الخلفاء کہا جاتا تھا، باوجود یہ کہ ان کے جسم پر برص کے دغ تھے، تاہم عبدالعزیز بن مروان گورنر مصر ان کو اپنے ساتھ بٹھا کر کھانا کھلاتا تھا۔^۵

صحابہ کرامؓ کا عام اثر

صحابہ کرامؓ اگرچہ دینی حیثیت سے ایک فقیر بنوا تھے لیکن عام اثر نے ان کو بلاشاہ بنا دیا تھا اس لئے جہاں جاتے تھے نہایت دھوم دھام سے ان کا استقبال ہوتا تھا، حضرت انس بن مالکؓ شام کو گئے تو لوگ عین التریک استقبال کو آئے۔^۶

۱: مؤطا امام مالک کتاب الجامع باب ما جاء فی المتحابین فی اللہ۔

۲: مسلم کتاب الطہارۃ باب اثبات الشفاعۃ و اخراج الموحدين من النار۔

۳: اب المفرد باب الکتابۃ النساء و جوابہن۔

۴: ابوداؤد کتاب الصیام باب شہادۃ رجلین علی رویۃ ہلال شوال۔

۵: حسن المحاضرۃ للسیوطی جلد ۱ صفحہ ۱۷۴۔ ۶: حاشیہ اگلے صفحہ پر ملاحظہ کریں۔

ایک شخص حج کو جا رہے تھے، راہ میں حضرت ابوذر ؓ مل گئے اور باہم کچھ سوال و جواب ہوا انہوں نے مکہ پہنچ کر دیکھا کہ لوگوں نے ایک شخص کو گھیر لیا ہے، بھیڑ بھاڑ کو چیرتے پھاڑتے وہاں تک پہنچے تو دیکھا کہ وہی بزرگ ہیں جو مقام ربذہ میں ملے تھے یعنی ابوذر ؓ۔^۱

ایک بار حضرت ابن عمر ؓ کے ہاتھ ایک شخص نے اپنا مریض لونٹ فروخت کیا، اس کا دوسرا شریک آیا تو اس نے کہا کہ میں نے ایک بڑھے کے ہاتھ جو ایسا ایسا تھا لونٹ کو بیچ دیا اس نے کہا کہ ”غضب کیا وہ ابن عمر ؓ تھے، وہاں سے دوڑ آیا اور لونٹ کو لے جانا چاہا مگر حضرت ابن عمر ؓ نے خود ہی واپس کرنا پسند نہیں کیا۔^۲

ایک بار حضرت بلال ؓ کے بھائی نے ایک عرب گھرانے میں شادی کرنا چاہی ان لوگوں نے کہا کہ اگر بلال ؓ آئیں تو ہم شادی کر سکتے ہیں، حضرت بلال ؓ آئے تو کہا کہ ”میں بلال ؓ بن رباح ہوں، اور یہ میرا بھائی ہے، لیکن اس کی مذہبی اور اخلاقی حالت اچھی نہیں ہے اس لئے تمہیں نکاح کرنے یا نہ کرنے کا اختیار ہے، ان لوگوں نے کہا کہ تم جس کے بھائی ہو ہم کو اس کے ساتھ نکاح کرنے میں کیا عذر ہو سکتا ہے۔“^۳

حضرت حارث بن ہشام ؓ ایک بار جہاد کی غرض سے شام کو روانہ ہوئے، تمام مکہ میں کھرام مچ گیا اور تمام لوگوں نے ان کی مشایعت کی، جب وہ مقام بطحاء میں پہنچے تو کھڑے ہو گئے اور لوگ ان کے گرد کھڑے ہو کر رونے لگے۔^۴

حضرت امیر معاویہ ؓ حضرت اکدر ؓ کی نہایت عزت کرتے تھے، بلور چونکہ اپنی قوم پر ان کا نہایت اثر تھا اس لئے ان کے ذریعہ سے ان کی قوم کو اپنے ساتھ ملانا چاہتے تھے، جب مروان نے مصر کا محاصرہ کیا تو انہوں نے اپنی قوم کو اس کے خلاف میدان جنگ میں لا کر کھڑا کر دیا مروان نے اہل مصر سے مصالحت کر لی اور حضرت اکدر ؓ کو ایک حیلہ سے بلا کر قتل کروادیا، جب وہ قتل ہو گئے تو تمام فوج نے شور کیا کہ ”اکدر ؓ قتل ہو گئے“ اس آواز کا سننا تھا کہ اسی ہزار آدمیوں نے مروان کے محل کو گھیر لیا، یہاں تک مروان نے ان کے

(ماہیہ صفحہ ۵۸۷)

۶: مسلم کتاب الصلوٰۃ باب جواز الصلوٰۃ الثلاثۃ علی الدابتۃ فی السفر حیث توجہت۔

(ماہیہ صفحہ ۱)

۱: موطائے امام مالک کتاب الحج باب جامع الحج۔

۲: بخاری کتاب البیوع باب شری الاہل البہم۔

۳: طبقات ابن سعد تذکرہ حضرت بلال۔

۴: استیعاب تذکرہ حضرت حارث بن ہشام۔

خوف سے دروازہ بند کر لیا۔^۱

ایک بار حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ مسجد اقصیٰ میں نماز ادا کرنے کیلئے روانہ ہوئے تو اور لوگ بھی ان کے ساتھ ساتھ ہو گئے انہوں نے پوچھا کہ تم لوگ کیوں آتے ہو؟ بولے صرف اس لئے کہ آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی ہیں، ہم چاہتے ہیں کہ آپ ساتھ چلیں اور آپ کو سلام کریں۔

بدونہایت وحشی، خود غرض اور بے تعلق ہوتے ہیں، لیکن وہ بھی اس شدت کے ساتھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے گرویدہ تھے کہ ایک بار حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ اونٹ کی تلاش میں صحرا میں پہنچے تو بدوؤں نے گھیر لیا اور ان کے گرد طواف کرنے لگے۔^۲

امروا سلاطین کا گروہ سخت مغرور ہوتا ہے، لیکن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے سامنے ان کا ٹھہر غرور بھی باطل اتر جاتا تھا، ایک بار زلمنہ حج میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے پاؤں میں نیزے کی نوک چبہ گئی، حجاج خود عیادت کو آیا اور کہا کہ ”کاش ہم کو اس شخص کا پتہ لگ جاتا، جس کے نیزے سے آپ کے پاؤں میں زخم لگا ہے“ بولے ”یہ تمہارا ہی قصور ہے کہ تم نے حدود حرم میں ہتھیار لانے کی اجازت دے دی۔“^۳

ایک بار انہوں نے عبدالملک بن مروان کو خط لکھا اور طریقہ سنت کے موافق پہلے اپنے نام سے ابتداء کی، عبدالملک کے حاشیہ نشینوں نے کہا کہ ”یہ بے لوثی ہے، عبدالملک نے کہا ”ان کی ذات سے یہی غنیمت ہے۔“^۴

نہ صرف صحابہ رضی اللہ عنہم، بلکہ صحابہ رضی اللہ عنہم کے ادنیٰ درجہ کے متوسلین تک بھی امراء و سلاطین کی نگاہ میں معزز ہو جاتے تھے۔

ایک بار حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ شام میں لوگوں کا وظیفہ تقسیم فرما رہے تھے ایک شخص اس غرض سے حاضر ہوا اور کہا کہ ”میں قریش سے ہوں“ انہوں نے کہا کہ قریش کی کس شاخ سے ہو۔ بولا ”بنو ہاشم سے“ فرمایا بنو ہاشم کے کس خاندان سے؟“ بولا میں ”علی بن ابی طالب کا غلام ہوں۔“ انہوں نے سینہ پر ہاتھ مار کر کہا کہ ”میں بھی علی کا غلام ہوں۔“ پھر اپنے خزانچی سے کہا کہ غلاموں کو کیا وظیفہ دیا جاتا ہے؟ اس نے کہا ”سو سے دو سو درہم۔“ فرمایا ”یہ علی

۱: حسن الحاضرہ جلد ۱ ص ۵۷ حضرت ائدزہ مخضرمی صحابی تھے، یعنی رسول اللہ کو حالت کفر میں دیکھا آپ کے وصال کے بعد اسلام لائے۔
۲: مسند ابن حبیل جلد ۴ ص ۱۳۸۔

۳: ابوداؤد کتاب الحد و باب فی الرجل یزنی بحریرہ۔

۴: بخاری کتاب العیدین باب ما یکرہ من حمل السات فی العید والحرم۔

۵: طبقات ابن سعد تذکرہ حضرت عبداللہ بن عمر۔

بن ابی طالبؑ کا غلام ہے اس کو ۶۰ دینار دو۔ پھر کہا کہ اب اپنے ملک میں جاؤ ہر سال تم کو اس قدر رقم پہنچتی رہے گی، جتنی غلاموں کو ملتی ہے۔^۱

صحابہؓ کا اثر عقائد پر

خوارج کا مذہب ہے کہ گناہ کبیرہ کے مرتکب کی شفاعت قبول نہ ہوگی ایک بار خوارج کا ایک گروہ حج کیلئے روانہ ہوا اور مدینہ پہنچا تو دیکھا کہ حضرت جابر بن عبد اللہؓ حدیث کی روایت کر رہے ہیں، جنہیں کاذب کہا گیا تو انہوں نے کہا کہ رسول اللہؐ نے فرمایا کہ خدا ایک قوم کو شفاعت کے ذریعہ سے جہنم سے نکالے گا۔ یزید فقیر بھی خوارج کے گروہ میں شامل تھے، انہوں نے اعتراض کیا کہ آپ یہ کیا کہہ رہے ہیں۔ خدا خود کہتا ہے۔

انک من تدخل النار فقد اخزیه کلما ارادوا ان یخو جوا منها اعیلوا فیہا۔
تو نے جس کو جہنم میں ڈال دیا پھر اس کو چھوڑ دیا، جب جب وہ لوگ جہنم سے نکلنے کا قصد کریں گے اس میں لوٹا دیئے جائیں گے۔

بولے تم قرآن پڑھتے ہو؟ انہوں نے کہا ہاں، بولے رسول اللہؐ کے اس مقام کو بھی جانتے ہو، جہاں خدا آپ کو مبعوث کرے گا؟ کہا ہاں بولے! یہ آپ کا وہی مقام محمود ہے۔ جس کی برکت سے خدا جس کو چاہے گا۔ جہنم سے نکالے گا، اس کے بعد اور وقائع قیامت کاذب کر کیا، تو لوگوں پر اس تقریر کا یہ اثر ہوا کہ سب نے کہا بھلا یہ بڑھا جھوٹی روایتیں بیان کر سکتا ہے، چنانچہ یہ لوگ پلٹے تو ایک آدمی کے سوا کوئی دوسرا شخص خارجی نہ رہ سکا۔^۲

صحابہ کرامؓ کا اثر سیاست پر

اسلام کی تاریخ میں صحابہ کرامؓ نے اپنی آزادانہ نکتہ چینی اور علمی مخالفت سے مختلف سیاسی انقلابات پیدا کر دیئے ہیں۔

ایک بار حضرت ابو مریم ازدیؓ حضرت امیر معاویہؓ کے دربار میں حاضر ہوئے، ان کو ان کا آنا ناگوار گزرا اور بولے کہ ہم تمہارے کہنے سے کچھ خوش نہیں ہوئے۔ انہوں نے کہا کہ میں نے رسول اللہؐ سے ایک حدیث سنی ہے، میں آپ کے سامنے اس کو بیان کرتا ہوں، آپ نے فرمایا ہے کہ خدا جس کو مسلمانوں کا والی بنادے۔ وہ اگر ان کی حاجتوں، ضرورتوں اور ناداریوں سے آنکھ بند کر کے پردے میں چھپ جائے تو خدا بھی قیامت کے دن اس کی حاجتوں، ضرورتوں اور ناداریوں سے آنکھ بند کر کے آڑ میں چھپ جائے گا، حضرت امیر معاویہؓ پر اس کا یہ اثر ہوا کہ رعایا کی حاجت بر آری کیلئے ایک مستقل شخص کو

۱: اسد الغابہ تذکرہ حضرت عمر بن عبد العزیزؓ

۲: صحیح مسلم کتاب الایمان، باب اثبات الشفاعۃ واخراج الموحدین من النار۔

مقرر کر دیا۔^۱

ایک غلام ایک شخص کے باغ سے کھجور کا پودا چرا لایا، اور اپنے آقا کے باغ میں لگا دیا، مروان بن الحکم اس وقت مدینہ کا گورنر تھا، صاحب باغ نے غلام پر مقدمہ دائر کیا اور مروان نے غلام کو حراست میں لے لیا اور اس کا ہاتھ کاٹنا چاہا، غلام کا آقا حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس معاملہ کے متعلق گفتگو کی، انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ پھل کی چوری میں ہاتھ نہیں کاٹا جاسکتا اس نے کہا تو مروان کو بھی اس حدیث کی خبر کر دیجئے وہ گئے اور مروان کے سامنے یہ حدیث بیان کی تو اس نے غلام کو رہا کر دیا۔^۲

بیت المال سے مسلمانوں کا جو وظیفہ مقرر تھا اخیر زمانے میں اس کی وصولی کیلئے ایک چک ملتی تھی جس پر لکھا ہوتا تھا کہ فلاں شخص کو اس قدر غلہ ملنا چاہئے، چنانچہ بعض لوگ یہ کرتے تھے کہ اس چک ہی کو فروخت کر ڈالتے تھے، چونکہ حدیث میں ہے کہ جب تک مال پر بائع کا قبضہ نہ ہو جائے اس کی بیع جائز نہیں، اسلئے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے اس پر اعتراض کیا اور مروان نے حکم دیا یہ طریقہ موقوف کر دیا جائے راوی کا بیان ہے کہ اس حکم کی اس سختی کے ساتھ تعمیل کی گئی کہ میں نے پولیس کو دیکھا کہ لوگوں کے ہاتھ سے رقعوں کو چھین رہی ہے۔^۳

بِسْمِ اللّٰهِ

۱: ابو داؤد کتاب الخراج والامارہ باب فیما یلزم الامام من امر للرعیتہ۔

۲: ابو داؤد کتاب الحد و دباب الا قطع فیہ۔

۳: مسلم کتاب البیوع باب بطلان المبیع قبل القبض۔

انبیاء علیہم السلام کے بعد دنیا کے ممتاز ترین انسانوں کی سرگزشت حیات

سید الصحابة رضی اللہ عنہم

خلفائے راشدین

۶

www.KitaboSunnat.com

دارالاشاعت کراچی

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

معزز قارئین توجہ فرمائیں!

کتاب وسنت ڈاٹ کام پر دستیاب تمام الیکٹرانک کتب

← عام قاری کے مطالعے کے لیے ہیں۔

← مجلس التحقیق الاسلامی کے علمائے کرام کی باقاعدہ تصدیق و اجازت کے بعد آپ لوڈ (Upload)

کی جاتی ہیں۔

← دعوتی مقاصد کی خاطر ڈاؤن لوڈ، پرنٹ، فوٹوکاپی اور الیکٹرانک ذرائع سے محض مندرجات نشر و اشاعت کی مکمل اجازت ہے۔

☆ تنبیہ ☆

← کسی بھی کتاب کو تجارتی یا مادی نفع کے حصول کی خاطر استعمال کرنے کی ممانعت ہے۔

← ان کتب کو تجارتی یا دیگر مادی مقاصد کے لیے استعمال کرنا اخلاقی، قانونی و شرعی جرم ہے۔

﴿اسلامی تعلیمات پر مشتمل کتب متعلقہ ناشرین سے خرید کر تبلیغ دین کی کاوشوں میں بھرپور شرکت اختیار کریں﴾

← نشر و اشاعت، کتب کی خرید و فروخت اور کتب کے استعمال سے متعلقہ کسی بھی قسم کی معلومات کے لیے رابطہ فرمائیں۔

kitabosunnat@gmail.com

www.KitaboSunnat.com

رضی اللہ عنہم و رضوانہ (القرآن)
اللہ اُن سے راضی ہوا اور وہ اللہ سے راضی ہوئے

مستند حوالوں سے ازواجِ مطہرات، بناتِ طاہرات اور اکابر صحابیاتؓ کے سوانح زندگی اور اُن کے
علمی، مذہبی، اخلاقی کارناموں کی تفصیل

سیر الصحابہ رضی اللہ عنہم

سیر الصحابیات / اسوۂ صحابیات / اہل کتاب صحابہ و تابعین

جلد ششم

حصہ دہم، یازدہم⁽¹¹⁾ و دوازدہم⁽¹²⁾

بمعدہ رسالہ
مسلمان عورتوں کی بہادری
از
سید سلیمان ندوی

تخریر و ترتیب

مولانا سعید انصاری صاحب مرحوم
سابق رفقہ دارالمصلحین اعظم گڑھ

اردو بازار ایم ای جٹ روڈ
کراچی پاکستان 2213768

دارالاشاعت

کمپوزنگ کے جملہ حقوق ملکیت بحق دارالاشاعت کراچی محفوظ ہیں

باہتمام : خلیل اشرف عثمانی
طباعت : ۲۰۰۴ء علمی گرافکس کراچی
ضخامت : ۴۷۷ صفحات

قارئین سے گزارش

اپنی حتی الوسع کوشش کی جاتی ہے کہ پروف ریڈنگ معیاری ہو۔ الحمد للہ اس بات کی نگرانی کے لئے ادارہ میں مستقل ایک عالم موجود رہتے ہیں۔ پھر بھی کوئی غلطی نظر آئے تو ازراہ کرم مطلع فرما کر ممنون فرمائیں تاکہ آئندہ اشاعت میں درست ہو سکے۔ جزاک اللہ

..... ملنے کے پتے.....

ادارۃ المعارف جامعہ دارالعلوم کراچی	ادارہ اسلامیات ۱۹۰۔ انارکلی لاہور
بیت القرآن اردو بازار کراچی	بیت العلوم 20 نا بھ روڈ لاہور
ادارۃ اسلامیات سوہن چوک اردو بازار کراچی	مکتبہ سید احمد شہید اردو بازار لاہور
ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ B-437 ویب روڈ بسیلہ کراچی	مکتبہ امدادیہ فی بی ہسپتال روڈ ملتان
بیت المکتب بالمقابل اشرف المدارس گلشن اقبال کراچی	یونیورسٹی بک انجمن خیبر بازار پشاور
بیت القلم مقابل اشرف المدارس گلشن اقبال بلاک ۲ کراچی	کتب خانہ رشیدیہ۔ مدینہ مارکیٹ راجہ بازار راولپنڈی
مکتبہ اسلامیہ امین پور بازار۔ فیصل آباد	مکتبہ اسلامیہ گامی اڈا۔ ایبٹ آباد

مکتبہ المعارف محمد جنگل۔ پشاور

انگلینڈ میں ملنے کے پتے

Islamic Books Centre
119-121, Halli Well Road
Bolton BL3 3NE, U.K

Azhar Academy Ltd.
At Continenta (London) Ltd.
Cooks Road, London E15 2PW

فہرست مضامین سیر الصحابیات

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۹۰	۲۔ حضرت رقیہؓ	۱۳	دیباچہ طبع اول
۹۲	۳۔ حضرت ام کلثومؓ	۲۳	دیباچہ طبع دوم
۹۳	۴۔ حضرت فاطمہؓ		
	عام صحابیات	۱۵	صحابیاتؓ کے مذہبی کارنامے
۱۰۱	۱۔ حضرت امامہؓ	۱۷	سیاسی کارنامے
۱۰۳	۲۔ حضرت صفیہؓ	۴	علمی کارنامے
۱۰۵	۳۔ حضرت ام ایمنؓ	۱۹	عملی کارنامے
۱۰۷	۴۔ حضرت فاطمہ بنت اسدؓ	۲۰	انتخاب و ترتیب
۱۰۸	۵۔ حضرت ام الفضلؓ		ازواج مطہراتؓ
۱۱۰	۶۔ حضرت ام رومانؓ	۲۵	۱۔ حضرت خدیجہؓ
۱۱۲	۷۔ حضرت سمیہؓ	۳۲	۱۔ حضرت سودہؓ
۱۱۳	۸۔ حضرت ام سلیمؓ	۳۸	۳۔ حضرت عائشہؓ
۱۱۷	۹۔ حضرت ام عمارہؓ	۵۰	۴۔ حضرت حفصہؓ
۱۱۹	۱۰۔ حضرت ام عطیہؓ	۵۵	۵۔ حضرت زینب ام الساکینؓ
۱۲۱	۱۱۔ حضرت ربیعہ بنت معوذ بن عمروؓ	۶	۶۔ حضرت ام سلمہؓ
۱۲۳	۱۲۔ حضرت ام ہانیؓ	۶۸	۷۔ حضرت زینب بنت جحشؓ
۱۲۵	۱۳۔ حضرت فاطمہ بنت خطابؓ	۷۵	۸۔ حضرت جویریہؓ
۱۲۶	۱۴۔ حضرت اسماء بنت عیسؓ	۷۸	۹۔ حضرت ام حبیبہؓ
۱۳۰	۱۵۔ حضرت اسماء بنت ابی بکرؓ	۸۲	۱۰۔ حضرت میمونہؓ
۱۳۵	۱۶۔ حضرت فاطمہ بنت قیسؓ	۸۳	۱۱۔ حضرت صفیہؓ
۱۳۸	۱۷۔ حضرت شفاعہ بنت عبد اللہؓ		بنات طاہرات
۱۴۰	۱۸۔ حضرت زینب بنت ابی معاویہؓ	۸۸	۱۔ حضرت زینبؓ

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۱۵۱	۲۵۔ حضرت ہند بنت عتبہ	۱۴۱	۱۹۔ حضرت اسماء بنت یزید
۱۵۴	۲۶۔ حضرت ام کلثوم بنت عقبہ	۱۴۴	۲۰۔ حضرت ام درداء
۱۵۶	۲۷۔ حضرت زینب بنت ابی سلمہ	۱۴۵	۲۱۔ حضرت ام حکیم
۱۵۷	۲۸۔ حضرت ام ابی ہریرہ	۱۴۶	۲۲۔ حضرت خنساء
۱۵۸	۲۹۔ حضرت خولہ بنت حکیم	۱۴۸	۲۳۔ حضرت ام حرام
۱۵۹	۳۰۔ حضرت حمزہ بنت محض	۱۵۰	۲۴۔ حضرت ام ورقہ بنت عبد اللہ
۱۶۰	خاتمہ		

فہرست مضامین اسوۂ صحابیات

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۱۶۰	نماز اشراق	۱۶۵	قبول اسلام
۶	تہجد و نماز شبانہ	۱۶۶	اعلان اسلام
۶	ابواب الزکوٰۃ والصدقات	۱۶۶	تحمل شدائد
۱۷۱	اعزہ و اقارب پر صدقہ کرنا	۱۶۷	قطع علاقہ
۶	محتاج کی حسب حاجت امداد	۱۶۷	عقائد
۱۷۲	ابواب الصوم	۱۶۷	توحید سے علیحدگی
۶	صائم اللہ ہر رہنا	۱۶۸	زیادہ جاہلیت میں نہ پھرنے کے نیچے استرہ رکھنا
۶	نفل کے روزے رکھنا	۱۶۸	رسول اللہ ﷺ کی نبوت پر ایمان
۶	مردوں کی جانب سے روزہ رکھنا	۱۶۹	عبادات
۶	اعتکاف	۶	ابواب الصلوٰۃ
۱۷۳	ابواب الحج	۶	پابندی جماعت
۶	حج - بچہ کا حج	۶	نماز جمعہ
۶	مال باپ کی شرف سے حج کرنا	۶	

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۱۸۳	خیالتِ رسول	۱۷۴	عمرہ ادا کرنا
۱۸۳	محبتِ رسول	"	ابواب الجہاد
"	شوقِ صحبتِ رسول	"	شوقِ شہادت
"	فضائلِ اخلاق	۱۷۵	عمل بالقرآن
"	استغفار	۱۷۶	منہیاتِ شرعیہ سے اجتناب
"	ایثار	۱۷۶	مزامیر سے اجتناب
۱۸۵	فیاضی	۱۷۶	مشتمہات سے اجتناب
۱۸۷	مخالف سے انتقام نہ لینا	۱۷۶	مذہبی زندگی کے مظاہر مختلفہ کا فروغ
۱۸۶	مہمان نوازی	۱۷۶	کا بدیہ قبول کرنا۔ تبلیغ و تحریک۔
۱۸۷	عزتِ نفس	۱۷۶	مقاماتِ مقدسہ کی زیارت
۱۸۷	صبر و ثبات		فرائضِ مذہبی کے ادا کرنے میں
۱۸۸	شجاعت	۱۷۸	جسمانی تکلیفیں اٹھانا
۱۸۸	زہد و تقشف	۱۷۸	پابندی قسم
۱۸۸	زندہ دلی	۱۷۸	تبجیل الرسول
۱۸۹	رازداری	۱۷۸	برکتِ اندوزی
۱۸۹	عفت و عصمت	۱۷۹	محافظتِ یادگار رسول
۱۹۰	حسن معاشرت	۱۸۰	ادبِ رسول
"	مصالحیت و صفائی	"	حمایتِ رسول
"	صلہ رحم	"	خدمتِ رسول
"	ہدیہ دینا	"	پیٹِ رسول
۱۹۱	خادموں کیساتھ سلوک	۱۸۱	نعتِ رسول
۱۹۱	باہمی اعانت	"	پابندی احکامِ رسول
۱۹۲	عیادت	۱۸۲	رضامندی رسول
"	تہوار داری	۱۸۳	تفویض الی الرسول
"	عزا داری		

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۲۰۳	نو مسلموں کا تکفل	۱۹۳	محبت اولاد
۴	خدمت مجاہدین	۶	بھائی بہن سے محبت
۲۰۴	خدمت مساجد	۱۹۴	حمایت والدین
۲۰۵	بدعات کا استیصال	۶	پرورش یتیمی
۲۰۵	احساب	۶	اموال یتیمی کی نگہداشت
۲۰۶	اخلاقی خدمات	۱۹۵	بچوں کی پرورش
۲۰۶	نردبازی کی روک ٹوک	۱۹۵	شوہر کے مال و اسباب کی حفاظت
۲۰۷	شراب خوری کی روک ٹوک	۱۹۶	شوہر کی رضا جوئی
۲۰۷	مصنوعی بال لگانے کی ممانعت	۱۹۷	شوہر کی محبت
۲۰۷	علمی خدمات	۶	شوہر کی خدمت
۲۰۷	علم تفسیر	۱۹۸	طرز معاشرت
۲۱۳	علم اسرار الدین	۶	غربت و افلاس
۲۱۹	علم حدیث	۶	لباس
۲۲۰	فن درایت	۱۹۹	مکان
۲۲۲	علم فقہ	۶	اثاث البیت
۲۲۳	خاتمہ	۶	زیورات
۲۲۳	مناقب صحابیات	۶	سامان آرائش
۲۲۳		۲۰۰	اپنا کام خود کرنا، پردہ
۲۲۹	مسلمان عورتوں کی بہادری (از علامہ سید سلیمان ندوی)	۲۰۱	معاملات
	مسلمان عورتوں کی ہمت مردانہ کا ایک اور عجیب واقعہ ہے۔	۲۰۱	ادائے قرض کا خیال
۲۵۳		۲۰۲	قرض کا ایک حصہ معاف کر دینا
		۶	تقسیم وراثت میں دیانت
		۶	خدمات
		۶	مذہبی خدمات
		۶	اشاعت اسلام

فہرست مضامین

اہل کتاب صحابہؓ و تابعین

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۲۸۵	یشرب	۲۶۵	پیش لفظ
۲۸۶	بنو قریظہ		علامہ عبد الماجد صاحب دریا بادی
۴	بنو نضیر	۲۶۷	دیباچہ
۵	بنو قیقاع	۴	وجہ تصنیف
۲۸۷	بنو ہمدل	۲۶۸	مآخذ
۶	بنو زنباع		جن بزرگوں کے اہل کتاب ہونے میں
۷	یشرب کے دوسرے یہودی قبائل	۲۶۹	شبہ ہے
۲۸۸	خیبر	۱۷۱	ترتیب اور ناموں کی تعداد
۲۸۹	فدک	۲۷۳	مقدمہ
۸	وادی القرئی	۲۷۵	یہود
۲۹۰	تہاء	۴	یہودیت
۹	نجران	۴	پہلا دور
۲۹۱	اذرح اور جرباء	۲۷۹	دوسرا دور
۱۰	مقنا	۲۸۰	یمن میں یہودیت
۱۱	بحرین		کیا عرب کے یہود ہجرت کر کے نہیں
۲۹۲	مکہ و طائف	۲۸۲	آئے تھے
۲۹۳	تبادلہ و جرش		کیا عرب کے یہود دنیا سے منقطع
	اسلام سے پہلے عربوں اور یہودیوں	۲۸۳	ہو چکے تھے
۲۹۴	کے تعلقات	۲۸۵	یہود کے مرکزی مقامات اور مشہور قبائل

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۳۲۲	ہجرت کے بعد		اسلام سے پہلے ایک دوسرے پر تمدنی
۳۲۳	یہودی اسلام بیزاری کے اسباب	۲۹۶	و معاشرتی اثرات
۳۳۰	یہود مدینہ سے معاہدہ	۲۹۷	یہود کے پیشے
۳۳۲	نقض معاہدہ	۲۹۸	زراعت
"	یہود کا خاتمہ	"	تجارت
۳۳۴	یہود خیبر	۲۹۹	تجارتی بازار
۳۳۵	فتح خیبر اور اس کے اثرات	"	سامان تجارت
۳۳۹	نصاری	۳۰۱	صنعت و حرفت
"	رومیوں اور عربوں کے قدیم تعلقات	"	عربی ادب میں یہود کا حصہ
۳۴۰	رومی عیسائیوں سے تعلقات	۳۰۲	عربی تحریر میں یہود کا اثر
۳۴۱	غسانی حکومت کا قیام	۳۰۳	شعر و شاعری
"	حجاز میں رومی اثرات	۳۰۵	اجتماعی ادارے
۳۴۲	اہل حبشہ اور عربوں کے تعلقات	۳۰۶	مذہبی اثرات
۳۴۳	یمن پر حبشہ کا قبضہ	۳۰۷	قبائلی نظام
۳۴۴	اصحاف فیل، ان کے حملہ کا سبب	"	یہودی دینی اور اخلاقی حالت
	بعث نبوی کے وقت حجازی عربوں کے	۳۰۸	دینی گمراہیاں
۳۴۶	تعلقات	۳۱۲	اخلاق و معاملات
	جزیرہ عرب میں عیسائیوں کے مرکزی	۳۱۳	نفاق
۳۴۷	مقامات	"	حرام خوری
"	عیسائی قبائل	۳۱۴	حرص و طمع
"	نجران	"	خیانت
۳۴۹	قبیلہ غسان	۳۱۵	بغض و حسد
"	بنو تغلب	"	دروغ گوئی اور بد عہدی
۳۵۰	بنو کلب	۳۱۷	یہود اور مسلمانوں کے اجتماعی و سیاسی تعلقات

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۳۵۲	عیسائیوں اور عربوں کے سیاسی تعلق	۳۵۰	قضاء
۳۵۲	اور مذہبی اثرات کے نتائج	۹	ربیعہ
۳۵۳	ثقافتی و تمدنی اثرات	۳۵۱	قبیلہ عبد القیس، ان قبائل کو رومیوں کی
۳۵۳	علمی اثرات	۳۵۱	مالی امداد
۳۵۳	ادب و شعر	۳۵۱	حیرہ میں عیسائیت



فہرست اسماء

صفحہ	مضمون	نمبر شمار	صفحہ	مضمون	نمبر شمار
۳۷۲	حضرت جبارود بن عمروؓ	۱۷	۳۵۷	صحابہؓ	
۳۷۶	حضرت جبرؓ	۱۸	۰	(الف)	
۳۷۷	حضرت جبلؓ	۱۹	۰	حضرت ابرہہؓ	۱
	(ح)		۳۵۹	حضرت ادریسؓ	۲
۳۷۸	حضرت حیر بنجرہؓ	۲۰	"	حضرت اسید بن سعیدؓ	۳
	(د)		۳۶۰	حضرت اسد بن عبیدؓ	۴
۳۷۹	حضرت ذکرا الراہبؓ	۲۱	۳۶۱	حضرت اسد بن کعب القرظیؓ	۵
	(ذ)		۳۶۲	حضرت اسید بن کعب القرظیؓ	۶
۰	حضرت ذود جنؓ	۲۲	۰	حضرت اشرف حبشیؓ	۷
۳۸۰	حضرت ذو حجرؓ	۲۳		(ب)	
۳۸۱	حضرت ذومناحبؓ	۲۴	۳۶۲	حضرت بحیر الحسبیؓ	۸
۳۸۲	حضرت ذومہدمؓ	۲۵	۳۶۳	حضرت بشیر بن معادیہؓ	۹
	(ر)			(ت)	
۰	حضرت رافع القرظیؓ	۲۶	۰	حضرت تمامؓ	۱۰
۳۸۳	حضرت رفاعہ بن السموالؓ	۲۷	۳۶۵	حضرت تمیم الحسبیؓ	۱۱
۳۸۴	حضرت رفاعہ القرظیؓ	۲۸	۰	حضرت تمیم داریؓ	۱۲
	(ز)			(ث)	
۳۸۵	حضرت زید بن سعہؓ	۲۹	۳۶۹	حضرت ثعلبہ بن سعید الہدلیؓ	۱۳
	(س)		۳۷۰	حضرت ثعلبہ بن سلامؓ	۱۴
۳۸۷	حضرت سعد بن وہبؓ	۳۰	۰	حضرت ثعلبہ بن قیسؓ	۱۵
۰	حضرت سعہؓ	۳۱	۳۷۱	حضرت ثعلبہ بن ابی مالکؓ	۱۶
۳۸۸	حضرت سعید بن عامرؓ	۳۲		(ج)	

نمبر شمار	مضمون	صفحہ	نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۳۳	حضرت سلامؓ	۳۸۹	۵۳	حضرت محربؓ	۳۲۵
۳۴	حضرت سلمہ بن سلامؓ	۴	۵۴	حضرت محمد بن عبد اللہ بن سلام	۴
۳۵	حضرت سلمان فارسیؓ	۴	۵۵	حضرت مخزومؓ	۳۲۶
۳۶	حضرت سمعان بن خالدؓ	۴۰۳	۵۶	حضرت میمون بن یامین	۳۲۷
۳۷	حضرت میمونہ بنت قادیؓ	۴۰۴	۵۷	حضرت مابورؓ	۳۲۸
	(ش)			(ن)	
۳۸	حضرت شمعونؓ	۴۰۵	۵۸	حضرت نافعؓ	۴
	(ص)			(ی)	
۳۹	حضرت صالح القرظیؓ	۴۰۷	۵۹	حضرت یامین بن عمیر	۳۲۹
	(ع)		۶۰	حضرت یوسف بن عبد اللہ بن سلام	۳۳۱
۴۰	حضرت عامر الشامیؓ	۴		(الکنی)	
۴۱	حضرت عبد الحارث بن السنیؓ	۴۰۸	۶۱	حضرت ابوسعید بن وہب	۳۳۲
۴۲	حضرت عبد اللہ بن سلام	۴۰۹	۶۲	حضرت ابو مالکؓ	۳۳۳
۴۳	حضرت عبد الرحمن بن زبیر	۴۱۳	۶۳	بارگاہ رسالت کے ایک یہودی خلام	۴
۴۴	حضرت عداسؓ	۴۱۴		تابعین	
۴۵	حضرت عدی بن حاتم	۴۱۵	۶۴	ادیم الغلسیؓ	۳۳۵
۴۶	حضرت عطیہ القرظیؓ	۴۲۱	۶۵	ارمی بن نجاشیؓ	۳۳۶
۴۷	حضرت علی بن رفاعہ	۴	۶۶	اصغ بن عمروؓ	۴
۴۸	حضرت عمرو بن سعدی	۴۲۲	۶۷	اصحٰ بن نجاشیؓ شاہ حبشہ	۳۳۷
۴۹	حضرت عمیر بن أمیہ	۴۲۳	۶۸	بکا مالکؓ	۳۴۰
	(ک)		۶۹	تمام بن یہوداؓ	۴
۵۰	حضرت کثیر بن السائب	۴	۷۰	صبی بن معبدؓ	۳۴۱
۵۱	حضرت کرز بن علقمہ	۴۲۴	۷۱	خفاطر الاسقف الشہیدؓ	۳۴۲
۵۲	حضرت کعب بن سلیم	۴	۷۲	عمیر بن حسینؓ	۴
	(م)		۷۳	کعب احبارؓ	۳۴۳

صفحہ	مضمون	نمبر شمار	صفحہ	مضمون	نمبر شمار
	تابعات		۴۴۵	محمد بن کعب القرظی	۷۴
۴۷۳	تماضر	۸۵	۴۴۸	نعیم الحمر	۷۵
۴	ام محمد القرظی	۸۶	۴۴۹	وہب بن مندبہ	۷۶
	ضمیمہ			صحابیات	
۴۷۵	فردہ بن عمرو	۸۷	۴۵۵	حضرت تمیمہ	۷۷
۴۷۶	ذوالکلاع	۸۸	۴۵۶	حضرت خالدہ	۷۸
۴	ذو عمرو	۸۹	۴	حضرت ریحانہ	۷۹
	قبیلہ بنو غسان کے	۹۰	۴۵۸	حضرت سفانہ	۸۰
۴۷۶	تین نامعلوم	۹۱	۴۵۹	حضرت سیرین	۸۱
	الاسم صحابی	۹۲	۴۶۰	حضرت سفیہ	۸۲
۴۷۷	ایک نامعلوم الاسم تغلی صحابی	۹۳	۴۶۴	حضرت ماریہ قبطیہ	۸۳
			۴۷۰	حضرت ابو ہریرہ کی والدہ	۸۴



دیباچہ طبع اول

بسم الله الرحمن الرحيم

يُسَبِّحُ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ الْمَلِكُ الْقُدُّوسُ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ .
 هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيٰتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ
 وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَإِنْ كَانُوا مِنْ قَبْلُ لَفِي ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ (جمعه)
 اسلام کا مقصد مجید تمام دنیا کو ایک سطح پر لانا تھا۔ اس کی شہنشاہی میں پست و
 بلند شاہ و گدا امیر و غریب، وضع و شریف، عالم و جاہل، عورت و مرد سب میانہ حیثیت رکھتے
 ہیں۔ اس لئے اہل نے اپنی تعلیمات، احکام و قوانین کے ذریعہ سے تمام دنیا کو مساوات کا
 پیغام سنایا۔ جس سے مذہب، اخلاق، تمدن اور سیاست کا قالب بدل گیا اور اس میں وہ نئی روح
 حرکت کرنے لگی جس کے پیدا کرنے کو اسلام اپنا فرض اولین خیال کرتے تھے۔
 اسلام سے پہلے دنیا نے جس قدر ترقی کی تھی، صرف ایک صنف (مرد) کی اخلاقی
 اور دماغی قوتوں کا کرشمہ تھی۔ مصر، بابل، ایران، یونان اور ہندوستان مختلف عظیم الشان تمدن
 کے چمن آرائے تھے۔ لیکن ان میں صنف نازک (عورت) کی آمیاری کا کچھ دخل نہ تھا۔ اسلام
 آیا تو اس نے دو صنفوں (مرد و عورت) کی جدوجہد کو وسائل ترقی میں شامل کر لیا اس لئے
 جب اس کے باغ تمدن میں بہار آئی تو ایک نیارنگ بو پیدا ہو گیا۔
 عورت کو دنیا نے جس نگاہ سے دیکھا وہ مختلف ممالک میں مختلف رہی ہے۔ مشرق
 میں عورت مرد کے دامن تقدس کا دلغ ہے، روم اس کو گھر کا اثاثہ سمجھتا ہے یونان اس کو
 شیطان کہتا ہے تورات اس کو لعنت لبدی کا مستحق قرار دیتی ہے، کلیسا اس کو باغ انسانیت کا
 کانا تصور کرتا ہے۔ یورپ اس کو خدا یا خدا کے برابر مانتا ہے لیکن اسلام کا نقطہ نظر ان سب
 سے جداگانہ ہے، وہاں عورت نسیم اخلاق کی نکستہ اور چہرہ انسانیت کی غازہ سمجھی جاتی ہے۔
 امام بخاریؒ نے صحیح میں حضرت عمرؓ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ مکہ میں ہم لوگ
 عورتوں کو بالکل ہیج سمجھتے تھے۔ مدینہ میں نسبت ان کی قدر تھی، لیکن جب اسلام آیا اور خدا
 نے ان کے متعلق آیتیں نازل کیں تو ہم کو ان کی قدر و منزلت معلوم ہوئی (۱) عرب

جاہلیت کے رسم دختر کشی پر نظر ڈال کر پیغمبر اسلام ﷺ کے اس قول پر

یا انجشة ارویدك بالقوارير (انجشہ! دیکھنا! یہ آنجینے ہیں)

غور کرو تو تم کو حضرت عمرؓ کے قول کی صحیح تشریح معلوم ہوگی۔

اسلام نے صرف یہی نہیں کیا کہ عورتوں کے چند حقوق متعین کر دیئے بلکہ ان کو مردوں کے مساوی درجہ دیکر مکمل انسانیت قرار دیا۔ صحیح بخاری میں وارد ہوا ہے:

الرجل راع على اهله وهو مسئول والمرأة راعية على بيت زوجها وهي مسئولة

مرد اپنے اہل کاراوی بنایا گیا ہے اور اس سے ان کے متعلق جواب طلب ہوگا اور عورت

شوہر کے گھر کی راعیہ ہے اور اس سے اس کے متعلق باز پرس ہوگی (ج ۲ ص ۷۸۳)

سنن ابن ماجہ میں اس کی مزید تشریح ہے:

ليس تملكون منهن شيئاً غير ذلك الا ان ياتين بفاحشة مبينة

تم کو عورتوں پر بجز مخصوص حقوق کے کوئی دسترس حاصل نہیں ہے، لیکن ہاں جب کوئی گناہ کریں۔

اس بناء پر اسلام میں عورت کی جو قدر و منزلت قائم ہوئی وہ ملحوظ نتائج دیگر اقوام و

مذہب سے بالکل مختلف تھی، تمام دنیا اپنی قومی تاریخ پر ناز کرتی ہے اور بجا طور پر کرتی ہے،

لیکن اگر اس سے یہ سوال کیا جائے کہ ان افسانہ نمائے پارینہ میں صنف نازک کی سعی و کوشش

کا کس قدر حصہ تھا؟ تو دفعہ ہر طرف خاموشی چھا جائے گی اور فخر و غرور کا سارا ہنگامہ سرد

ہو کر رہ جائے گا، یونان بلاشبہ اپنی ”ربات النوع“ کو پیش کر سکتا ہے ہندوستان متعدد عصمت و

عفاف کی دیویوں کے نام لے سکتا ہے، یورپ کا ”گولڈن ڈیڈس“ چند جنگ آزما عورتوں کو

منظر عام پر لا سکتا ہے لیکن کیا ان کی وجہ سے دنیا نے کچھ بھی ترقی کی ہے؟ اور تمدن کا قدم ایک

انچ بھی آگے بڑھ سکا ہے؟ تاریخ ان سوالات کا جواب نفی میں دیتی ہے۔

قومی تاریخ کو چھوڑ کر اگر دنیا کی مذہبی تاریخ کا مطالعہ کرو تو صاف نظر آئے گا کہ

اس کے لوراق بھی صنف نازک کے عظیم الشان کارناموں سے خالی ہیں مصر اس سلسلہ میں

آسیہ بنت مزاحم کو پیش کرے گا، تورات مریم اخت ہارون کو آگے بڑھائے گی ناصرہ مریم

عذر اکو سامنے لائے گا ان خاتونوں کی مذہبی بزرگی اور عظمت مسلم ہے، لیکن کیا ان مقدس اور

یاک خاتونوں کا کوئی مذہبی یا اصلاحی کارنامہ تاریخ نے بھی یاد رکھا ہے؟

تخلاف اس کے اسلام نے جن پردہ نشینوں کو اپنے کنار عاطفت میں جگہ دی انہوں نے دنیا میں بڑے بڑے عظیم الشان کام انجام دیے ہیں جو تاریخ کے صفحات میں نمایاں طور پر نظر آتے ہیں۔ لیکن چونکہ یہ کتاب خاص صحابیات کے حالات میں ہے اس لئے ہم صرف ان ہی کارناموں کو پیش کریں گے جو صحابیات سے متعلق ہیں، کیونکہ یہ صنف نازک کا پہلا قدم تھا جو ترقی کی راہ میں اٹھایا گیا۔

صحابیہ کے کارنامے تمدن کے تمام عنوانات پر منقسم ہیں اور ہم ان کو اجمالاً اس مقام پر لکھنا چاہتے ہیں۔
مذہبی کارنامے :

مذہبی خدمات کے سلسلے میں سب سے اہم خدمت جہاد ہے اور صحابیات نے جس جوش، جس خلوص، جس عزم اور جس استقلال سے اس خدمت کو ادا کیا ہے اس کی نظیر مشکل سے مل سکے گی۔ غزوہ احد میں جب کہ کافروں نے عام حملہ کر دیا تھا اور آنحضرت ﷺ کے ساتھ صرف چند جاں نثار رہ گئے تھے حضرت ام عمارہؓ آنحضرت ﷺ کے پاس پہنچیں اور بینہ سپر ہو گئیں کفار جب آپ پر بڑھتے تھے تو تیر اور تلوار سے روکتی تھیں لیکن قہر جب دراتا ہوا آنحضرت ﷺ کے پاس پہنچ گیا تو حضرت ام عمارہؓ نے بڑھ کر روکا چنانچہ کندھے پر زخم آیا اور غار پڑ گیا انہوں نے تلوار ماری، لیکن وہ دہری زرہ پہنے ہوئے تھا اس لئے کارگر نہ ہوئی (۱) جنگ میسلہ میں انہوں نے اس پامردی سے مقابلہ کیا کہ بارہ زخم کائے اور ایک ہاتھ کٹ گیا (ابن سعد ج ۸ ص ۳۰۴)

غزوہ خندق میں حضرت صفیہؓ نے جس بہادری سے ایک یہودی کو قتل کیا اور یہودیوں کے حملہ کو روکنے کی جو تدبیر اختیار کی وہ بجائے خود نہایت حیرت انگیز ہے۔ (۲) غزوہ حنین میں حضرت ام سلیمؓ کا خنجر لیکر ٹکٹنا ایک مشہور بات ہے (۳) جنگ یرموک میں جو خلافت فاروقی میں ہوئی تھی حضرت اسماء بنت ابوبکرؓ، حضرت ام ابانہؓ، ام حکیمؓ، خولہؓ، ہند اور ام المومنین حضرت جویریہؓ نے بڑی دلیری سے جنگ کی تھی اور اسماءؓ بنت یزید نے جو انصار کے قبیلہ سے تھیں خیمے کے چوب سے نورومیوں کو قتل کیا تھا۔ (اصول ج ۸ ص ۱۳)

نہ صرف یری بلکہ عری لڑائیوں میں بھی صحابیات شرکت کرتی تھیں ۲۸ ہجری

(۱) ابن ہشام ص ۸۴ (۲) زرقانی ج ۲ ص ۱۲۹ (۳) صحیح مسلم ج ۲ ص ۱۰۳

میں جزیرہ قبرص پر حملہ ہوا تو حضرت ام حرامؓ اس میں شامل ہوئیں۔ (۱)
 میدان جنگ میں اس کے علاوہ صحابیاتؓ اور خدمات بھی انجام دیتی تھیں مثلاً (۱)
 پانی پلانا (۲) زخمیوں کی مرہم پٹی کرنا (۳) مقتولوں اور زخمیوں کو اٹھا کر میدان جنگ سے لے
 جانا (۴) چرخہ کا تانا (۵) تیراٹھا کر دینا (۶) خورد و نوش کا انتظام کرنا (۷) قبر کھودنا (۸)
 فوج کو ہمت دلانا چنانچہ حضرت عائشہؓ ام سلیمؓ ام سلیطہؓ نے غزوہ احد میں مشک بھر بھر کر
 زخمیوں کو پانی پلایا تھا (۲) ام سلیمؓ اور انصار کی چند عورتیں زخمیوں کی تیمارداری کرتی تھیں اور
 اس مقصد کے لئے وہ ہمیشہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ غزوات میں شریک ہوا کرتی تھیں (۳)
 ربیع بنت معوذہ وغیرہ نے شہداء و مجروحین کو قتل گاہ سے اٹھا کر مدینہ پہنچایا تھا (۴) ام زیاد
 البجعبیہ اور دوسری پانچ عورتوں نے غزوہ خیبر میں چرخہ کات کر مسلمانوں کو مدد دی تھی وہ
 تیراٹھا کر لاتی اور ستوپلاتی تھیں (۵) حضرت ام عطیہؓ نے سات غزوات میں صحابہؓ کے لئے
 کھانا تیار کیا تھا (۱۰) اعواث اور لمارث وغیرہ کی جنگوں میں جو خلافت فاروقی میں ہوئی تھیں
 بچوں اور عورتوں نے گورکنی کی خدمت انجام دی تھی (۷) اور جنگ یرموک میں جب
 مسلمانوں کا سینہ ہٹتے ہٹتے حرم کی خیمہ گاہ تک آگیا تو ہند اور خولہ وغیرہ نے پر جوش اشعار
 پڑھ کر اوگوں کو غیرت دلائی تھی۔ (اسد الغابہ ج ۵ ص ۵۶۳)

اشاعت اسلام بھی مذہب کی ایک بہت بڑی خدمت ہے اور صحابیات نے اس
 سلسلے میں خاص کوششیں کی ہیں چنانچہ حضرت فاطمہؓ بنت خطاب کی دعوت پر
 حضرت عمرؓ نے اسلام قبول کیا تھا۔ (۸) ام سلیمؓ کی ترغیب سے ابو طلحہؓ نے آستانہ اسلام پر سر
 جھکایا تھا۔ (۱۰) مکرّمہ اپنی بیوی ام حکیمؓ کے سمجھانے پر مسلمان ہوئے تھے (۱۱) اور ام شریک
 دوسرے کی وجہ سے قریش کی عورتوں میں اسلام پھیلا تھا جو نہایت مخفی طور پر اس خدمت کو
 انجام دیتی تھیں۔ (موطا امام مالک کتاب النکاح)

اسلام کی حفاظت بھی ایک اہم کام ہے اور متعدد صحابیاتؓ میں سب سے زیادہ
 اس خدمت کو حضرت عائشہ صدیقہؓ نے لوا کیا ہے ۳۵ ہجری میں جب حضرت عثمانؓ

(۱) صحیح بخاری ج ۲ ص ۹۲۹ (۲) صحیح بخاری (۳) ابوداؤد ج ۱ ص ۲۵۲

(۴) بخاری کتاب الطب هل یدای الرجل المرأة (۵) ابوداؤد ج اول ص ۲۷۰

(۶) صحیح مسلم ج ۲ ص ۱۰۵ (۷) طبری ج ۶ ص ۲۳۱۷ (۸) اسد الغابہ ج ۵ ص ۵۶۳

(۹) اسد الغابہ ج ۵ ص ۵۱۹ (۱۰) اصابع ج ۸ ص ۱۰۶

شہید ہوئے اور نظام مذہب درہم برہم ہو گیا تو انہوں نے اصلاح کی گواہی دینے کی جس پر مکہ اور بصرہ کے لوگوں نے لبیک کہا۔

نماز کی امامت بھی ایک اہم کام ہے اور متعدد صحابیات نے اس کو کبھی کبھی عورتوں کے مجمع میں انجام دیا ہے۔ چنانچہ حضرت عائشہؓ، حضرت ام سلمہؓ، ام ورقہؓ، بنت عبد اللہؓ اور سعدہ بنت قمامہؓ عورتوں کی امامت کیا کرتی تھیں۔ ام ورقہؓ کو یہ امتیاز حاصل تھا کہ انہوں نے اپنے مکان کو سجدہ گاہ بنالیا تھا جہاں وہ ہمیشہ امامت کرتی اور لڑائی دیتی تھیں (۱) (عورت کی اقتداء عورت کے پیچھے درست ہے مگر حنفیہ کے نزدیک مکروہ ہے) سیاسی کارنامے :

صحابیات نے متعدد سیاسی خدمتیں بھی انجام دی ہیں چنانچہ حضرت شفاء بنت عبد اللہؓ اس درجہ صائب الرائے تھیں کہ حضرت عمرؓ ان کی تحسین کرتے اور ان سے مشورہ لیتے تھے۔ (۲) حضرت عمرؓ نے سالو قات بازار کا انتظام بھی ان کے سپرد کیا ہے۔ (۳) ہجرت سے قبل جب قریش نے کاشانہ نبوت کا محاصرہ کرنا چاہا تو رقیقہ بنت صبیلی نے جو عبد المطلب کی بھتیجی تھیں، سرور عالم ﷺ کو اس ارلودہ کی اطلاع دی تھی (۴) چنانچہ آپ ﷺ خواب گاہ میں حضرت علیؓ کو چھوڑ کر مدینہ کی طرف روانہ ہو گئے۔ (۵) عورت کے سیاسی اختیارات اس قدر وسیع ہیں کہ وہ دشمنوں کو پناہ دے سکتی ہے اور امام اس کے لٹان کو برقرار رکھ سکتا ہے سنن اہل دلو د میں لکھا ہے کہ فتح مکہ کے زمانے میں ام ہانیؓ نے جو حضرت علیؓ کی ہمیشہ تھیں ایک مشرک کو پناہ دی تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا (۶)

قد اجرنا من اجرت و آمننا من امن

”تم نے جس کو پناہ دیا ان دی ہم نے بھی دی“

علمی کارنامے :

اسلامی علوم یعنی قرأت، تفسیر، حدیث، فقہ، فرائض میں متعدد صحابیات کمال رکھتی تھیں۔ حضرت عائشہؓ حصہ ام سلمہؓ اور ام ورقہؓ نے پورا قرآن مجید حفظ کیا تھا۔ (۷) ہند

(۱) اسد الغابہ ج ۵ ص ۵۹۴ (۲) کتاب الام شامی ج ۱ ص ۱۴۵ و اسد الغابہ ج ۵ ص ۳۷۴
(۳) ایضاً ص ۴۸۷ (۴) اصابع ج ۸ ص ۳۲ (۵) طبقات ابن سعد ج ۸ ص ۳۵ (۶) ابوداؤد ج ۱ ص ۲۷۴ (۷) فتح الباری ج ۹ ص ۷۴۷

بنت اسدؓ ام ہشام بنت حارثؓ رانطہ بنت حیانؓ اور ام سعدؓ بنت سعد بن ربيع بعض حصوں کی حافظہ تھیں ام سعدؓ قرآن مجید کا درس بھی دیتی تھیں (۱)

تفسیر میں حضرت عائشہؓ کو خاص کمال تھا۔ چنانچہ صحیح بخاری کے آخر میں ان کا تفسیر کا معتد بہ حصہ منقول ہے۔

حدیث میں ازواج مطہرات عموماً اور حضرت عائشہؓ اور ام سلمہؓ خصوصاً تمام صحابیات سے ممتاز تھیں (۲) حضرت عائشہؓ کی روایات ۲۲۱۰ ہیں اور حضرت ام سلمہؓ نے ۳۷۸ حدیثیں روایت کی ہیں ان کے علاوہ ام عطیہؓ اور اسماء بنت ابوبکرؓ ام ہانیؓ اور فاطمہؓ بنت قیس بھی کثیر الروایہ گزری ہیں۔

فقہ میں حضرت عائشہؓ کے فتویٰ اس قدر ہیں کہ متعدد ضخیم بلد میں تیار ہو سکتی ہیں (۳) حضرت ام سلمہؓ کے فتوے سے ایک چھوٹا سا رسالہ تیار ہو سکتا ہے حضرت صفیہؓ حصہ ۱ ام حبیبہؓ جویریہؓ میمونہؓ فاطمہ زہراؓ ام شریکؓ ام عطیہؓ اسماء بنت ابوبکرؓ لیلیٰؓ بنت قائفؓ خولہ بنت قویتؓ ام الدرداءؓ عاتکہ بنت زیدؓ سہلہ بنت سہیلؓ فاطمہ بنت قیسؓ زینب بنت ابو سلمہؓ ام ایمنؓ ام یوسفؓ ام سلمہؓ کے فتوے ایک مختصر رسالے میں جمع کئے جاسکتے ہیں۔

فرائض میں حضرت عائشہؓ کو خاص مہارت تھی اور بڑے بڑے صحابہ کرام ان سے فرائض کے متعلق مسائل دریافت کرتے تھے۔ (۴)

اسلامی علوم کے علاوہ اور علوم میں بھی صحابیات دستگاہ رکھتی تھیں مثلاً علم اسرار میں حضرت ام سلمہؓ کو پوری واقفیت تھی (۵) خطابات میں اسماء بنت سکن کا خاص شہرہ تھا۔ تعبیر میں اسماء بنت عیسٰی مشہور تھیں (۶)

طب اور جراحی میں رفیدہ اسلمیہؓ ام مطاعؓ ام کبشہؓ حنہ بنت جحشؓ معاذہؓ لیلیٰؓ امیمہؓ ام زیادؓ ربيع بنت معوذہؓ ام عطیہؓ ام سلیمؓ کو زیادہ مہارت تھی۔ رفیدہ کا خیمہ جس میں جراح خانہ تھا۔ مسجد نبوی ﷺ کے پاس تھا۔ (۷)

شاعری میں خنساءؓ سعدیؓ صفیہؓ عاتکہؓ امامہ مریدیہؓ ہند بنت حارثؓ زینبؓ بنت عوامؓ ارویؓ عاتکہؓ بنت زیدؓ ہند بنت اثاثہؓ ام ایمنؓ قتیلہؓ عبد ربیعہؓ کبشہؓ بنت رافعؓ میمونہؓ

(۱) اسد الغابہ ج ۵ ص ۵۸۶ (۲) ابن سعد ج ۲ ق ۲ ص ۱۲۶ (۳) اعلام الموقعین ابن قیم ج ۱ ص

۱۳ (۴) ابن سعد ج ۲ ق ۲ ص ۱۲۶ (۵) مسند (۶) اصحابہ ج ۸ ص ۱۲ (۷) ایضاً ص ۹

(۸) ابن سعد ج ۸ ص ۲۱۳

بلو یہ 'نعم زقیہ' زیاد نامور ہیں۔ خساء کا جواب آج تک عورتوں میں نہیں پیدا ہوا۔ ان کا دیوان چھپ گیا ہے۔
عملی کارنامے :

اس سے مراد صنعت و حرفت ہے جس میں حیاکت، فلاحیت، کثرت، تجارت اور خیاطت وغیرہ داخل ہیں اسد الغابہ اور مسند امام احمد بن حنبل کی متعدد روایتوں سے ثابت ہوتا ہے کہ صحابیات عموماً کپڑا بنانا کرتی تھیں جو ان کو لور ان کی لولاد کو کافی ہوتا تھا۔ (۱)
کاشت کاری تمام صحابیات نہیں کرتی تھیں بلکہ وہ مدینہ یا دیگر سرسبز مقامات کے باشندوں کے ساتھ مخصوص تھیں۔ مدینہ میں عموماً انصار کی عورتیں کاشت کاری کرتی تھیں مہاجر عورتوں میں حضرت اسماء کا بھی یہی مشغلہ تھا۔ (۲)

لکھنا بہت سی صحابیات جانتی تھیں۔ حضرت شفاء بنت عبد اللہ کو اس میں خاص طور پر شہرت حاصل ہے جنہوں نے پیام جاہلیت میں ہی لکھنا پڑھنا سیکھ لیا تھا شفاء کے علاوہ حضرت حصہ ام کلثوم بنت عقبہ لور کریمہ بنت المقداد بھی لکھنا جانتی تھیں۔ حضرت عائشہ لور حضرت ام سلمہ کو اگرچہ پڑھنا آتا تھا لیکن لکھنا نہیں آتا تھا۔ (۳)
صحابیات میں بعض عورتیں تجارت بھی کرتی تھیں چنانچہ حضرت خدیجہ کی تجارت نہایت وسیع پیمانہ پر شام سے تھی۔ حواء ملیکہ، ثنئیہ لور بنت مخزوم عطر کی تجارت کیا کرتی تھیں۔ (اسد الغابہ ج ۵ ص ۴۳۲، ۴۳۸)

مینا عام تھا چنانچہ فاطمہ بنت شیبہ وغیرہ کے حالات سے اس کا پتہ چلتا ہے۔ شادی میاہ لور خوشی کی تقریبات پر انصار کی لڑکیاں گیت گاتی تھیں بلکہ کبھی کبھی شادی میاہ لور خوشی کے موقع پر آنحضرت ﷺ کے سامنے بھی اشعار گائے ہیں لور فریجہ بنت مویذ نے جو حدیث روایت کی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اس کی اجازت دے دی تھی۔ مدینہ میں ایک نبی بی تھیں جن کا نام ارنب تھا۔ آنحضرت ﷺ کے حکم سے حضرت عائشہ نے ان کو انصار کی بعض شادیوں میں گیت گانے کو بھیجا ہے ارنب کا تذکرہ اصحاب میں آیا ہے۔ (اسد الغابہ ج ۸ ص ۴)

(۲) مسیح بخاری ج ۲ ص ۸۶ (۱) اسکا الغابہ ج ۵ ص ۲۹۸ و مسند ج ۵ ص ۱۶۶ (۳) فوح

البلقان بلاذری ص: ۴۷۷، ۴۸۷ (۴) اصباہ ج ۸ ص ۶۱

ازواج مطہرات میں حضرت ام سلمہؓ لحن کے ساتھ قرآن پڑھتی تھیں اور خاص آنحضرت ﷺ کے طرز پر پڑھ سکتی تھیں۔ (مسند ج ۶ ص ۳۰۰-۳۰۲)

ان صنعتوں کے علاوہ بعض صحابیات اور کام بھی جانتی تھیں، مثلاً حضرت سودہؓ طائف کی کھالیں درست کرتیں اور ان کو دباغت دیتی تھیں (۱) حضرت زینبؓ بھی دست کار تھیں۔ (اسد الغابہ ایضاً ص ۱۶۵)

اس تمام تفصیل کے بعد اب ہم کو اس کتاب کے متعلق عرض کرنا ہے۔
انتخاب و ترتیب :

یہ کتاب صحابیاتؓ کے حالات میں ہے اور سیر الصحابہؓ کی آخری جلد ہے صحابیاتؓ کے حالات میں اگرچہ بعض مخصوص کتابیں لکھی گئی ہیں مثلاً ابن اثیر المتوفی ۶۳۰ھ نے تاریخ النساء کے نام سے ایک کتاب لکھی جو ناپید ہے۔ (۲) اس کے علاوہ اسماء الرجال کی تمام کتابوں میں ان کا خاص طور پر تذکرہ کیا گیا۔ چنانچہ ابن مندہ المتوفی ۳۹۵ھ، ابو نعیم (متوفی ۴۰۳ھ) قاضی ابن عبدالبر (متوفی ۴۶۳ھ) اور ابو موسیٰ اصفہانی (متوفی ۵۸۱ھ) نے اپنی کتابوں میں ان کے حالات لکھے ہیں۔

قاضی ابن عبدالبر کی کتاب کا نام استیعاب ہے، اس میں ۳۹۸ صحابیاتؓ کے حالات ہیں جن میں مکررات ہیں اصابہ میں لکھا ہے کہ استیعاب کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ قاضی صاحب نے اپنے خیال میں تمام صحابہؓ کا استقصاء کر لیا تھا حالانکہ اگر صحابہؓ کو چھوڑ کر صرف صحابیات کو لیا جائے تب بھی یہ خیال غلط ٹھہرتا ہے، طبقات الصحابہؓ میں جو محمد بن سعد زہری کا تب و اقدی کی تصنیف ہے، اور تیسری صدی کے لوائل میں لکھی گئی ہے ۶۲۷ عورتوں کے حالات درج ہیں، جن میں ۹۳ غیر صحابیات ہیں۔ ابن سعد نے اپنی کتاب کی آٹھویں جلد مستقل عورتوں کے حالات میں لکھی ہے۔

قاضی صاحب کے بعد علامہ ابن اثیر جزری المتوفی ۶۳۰ھ نے اسد الغابہ کے نام سے ایک ضخیم کتاب لکھی، جس میں عورتوں کے حالات کا ایک حصہ مخصوص کیا اس میں ۱۰۲۲ صحابیاتؓ کے نام ہیں۔ جن میں مکررات کے علاوہ ۶۷ مجہول عورتیں بھی ہیں۔ نویں صدی میں حافظ ابن حجر عسقلانی المتوفی ۸۵۲ھ نے اسماء الرجال پر دو

نمایت ضخیم کتابیں لکھیں۔ تہذیب التہذیب اور اصالب فی تمیز الصحابہ، تہذیب کی بارہویں جلد کا ایک حصہ عورتوں کے حالات میں ہے جس میں ۳۲۲ عورتوں کے تذکرے ہیں۔ ان میں مکرر نام بھی آگئے ہیں اور تابعیات کے حالات بھی البتہ اصالبہ کی آٹھویں جلد خاص صحابیات کے حالات میں ہے جس میں ۱۵۴۵ عورتوں کا تذکرہ ہے اس میں مکررات بھی ہیں اور کنیتیں بھی۔ اصالبہ میں صحابیات کی سب سے بڑی تعداد مذکور ہے۔ (یہ تعداد تخمینی ہے)

تاہم ان تمام کتابوں میں چند خصائص مشترک ہیں (۱) سب سے پہلی بات یہ ہے کہ اسماء الرجال کے مصنفین کا مقصد محض ناموں کا استقصاء ہوتا ہے ان کو اپنے مقصد کے لحاظ سے اس سے بحث نہیں ہوتی کہ جو واقعات ہاتھ آئے ہیں ان سے کوئی مفید تاریخی نتیجہ نکل سکتا ہے یا نہیں؟ کیونکہ یہ بحث ان کے فن سے خارج ہے (۲) کثرت سے ان کو ایسے نام لکھنے پڑتے ہیں جن کے حالات دوسرے طریقوں سے بالکل معلوم نہیں ہوتے یہ وہ نام ہیں جو بر کبیل تذکرہ کسی حدیث میں آگئے ہیں (۳) بعض جگہ صرف کنیت یا لقب لکھ دیتے ہیں کہ اس سے زیادہ ان کا کوئی حال ان کو معلوم نہ ہو سکا (۴) کہیں بالکل مبہم تذکرہ کرتے ہیں مثلاً امرأت (ایک عورت) اور اس کے بعد کوئی واقعہ لکھتے ہیں اس سے زیادہ کا علم ہی نہیں ہوتا (۵) عموماً جن عورتوں کے حالات پہلے لکھے جاتے ہیں ان کا کنیتوں اور القاب میں دوبارہ تذکرہ کرتے ہیں جس سے تکرار پیدا ہوتی ہے۔

ان کے علاوہ ایک اور مشکل یہ ہے کہ ان تمام کتابوں میں کوئی خاص ترتیب ملحوظ نہیں ہے، تہذیب میں تو تابعیات تک کے حالات ہیں البتہ طبقات لکن سعد اس نکتہ چینی میں شامل نہیں ہے وہ ترتیب کے ساتھ لکھی گئی ہے پہلے آنحضرت ﷺ کی صاحبزادیوں، پھوپھیوں، ان کی لڑکیوں اور ازواج مطہرات کے تراجم ہیں پھر قریش اور عام مہاجرین کا تذکرہ ہے۔ اس کے بعد انصاریات کے حالات ہیں جن میں ہر خاندان کا ذکر جدا جدا ہے۔ آخر میں ان عورتوں کا تذکرہ ہے جنہوں نے آنحضرت ﷺ کے بجائے ازواج مطہرات سے روایت کی ہے اور یہ حصہ صحابیات سے بالکل الگ ہے۔

اس میں شک نہیں کہ صحابیات کے استقصاء اور ان کی سیرتوں کی ترتیب کا اس سے بہتر کوئی طریقہ نہیں ہو سکتا، لیکن موجودہ زمانہ میں فن سیرت نگاری نے جو ترقی کی ہے ان کے لحاظ سے یہ تمام کتابیں ناکافی تھیں، نیز مسلمانوں کا موجودہ تنزل ان کی کتابوں کو

نئے آب و رنگ سے پیش کرنے کا داعی تھا۔ اس بناء پر ہم نے کتب اسماء الرجال کے ساتھ صحاح ستہ اور مسند امام احمد بن حنبل وغیرہ کا مطالعہ کر کے مفید معلومات کا اضافہ کیا اور بالکل جدید انداز سے صحابیات کی سیرتیں مرتب کیں۔

اسماء الرجال کی کتابوں میں مناقب پر زیادہ زور دیا جاتا تھا، ہم نے ان کے بجائے مذہبی، سیاسی، علمی اور اخلاقی کارناموں پر زیادہ توجہ کی اور ان کو زیادہ تفصیل کے ساتھ لکھا کیونکہ یہی وہ چیزیں ہیں جو ایک مردہ قوم کے قالب میں جان ڈال سکتی ہیں۔ یہ وہ خیال تھا جس نے خود بخود صحابیات کی تعداد کو گھٹا دیا جس سے ہمارا لواء انتخاب بھی بہت کچھ محدود ہو گیا۔ اس کتاب میں ۴۵ صحابیات کی سوانح عمریاں ہیں جو شرائط مذکورہ کے ساتھ لکھی گئی ہیں اور اس بنا پر یہ کتاب فن اسماء الرجال میں داخل ہونے کے بجائے صحابیات کی تاریخ بن گئی ہے جس میں ان کے محاسن کمال کا ایک خال و خط نظر آتا ہے۔

واقعات کے انتخاب میں خاص احتیاط مد نظر رکھی گئی ہے اور ان کو روایت و درایت کی کسوٹی پر جانچ لیا گیا ہے اسی بناء پر بہت سے واقعات جو عام کتابوں میں متداول ہیں اس کتاب میں نہیں ملیں گے۔

اس میں ناظرین کو صحابیات کے حالات میں بعض ایسی روایتیں ملیں گی جو مسائل فقہیہ کے معارض ہیں۔ اس لئے یہ بات واضح رہنی چاہیے کہ یہ کتاب مذکورہ و تراجم کی ہے اور اس کا مقصد صرف یہ ہے کہ اس پاکیزہ جماعت کی زندگی کا نقشہ ہمارے سامنے آجائے مسائل فقہیہ کی تشریح اور روایات مختلفہ کی تطبیق و ترجیح اس کا موضوع نہیں ہے۔ اس لئے اختلافی مسائل فقہیہ میں اس کتاب کو اپنے عمل کے لئے سند بنانا صحیح نہ ہوگا۔ ناظرین کی سہولت کے لئے اس قسم کی مندرجہ روایات پر نوٹ دے دیئے گئے ہیں۔ ان تمام باتوں کے ساتھ ممکن بلکہ اغلب ہے کہ مجھ سے تحریر میں کچھ فرد گزشتیں ہو گئی ہوں لیکن انسان اس سے زیادہ اور کیا کر سکتا ہے۔

وقد قال اللہ تعالیٰ: — لَا يُكَلِّفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا

سعید انصاری
دار المصنفین اعظم گڑھ

۵ محرم ۱۴۲۰ھ

بسم الله الرحمن الرحيم
 دیباچہ طبع ثانی
 از علامہ سید سلیمان ندوی

دارالمصنفین نے سیر النحایہ کا جو سلسلہ لکھا اور شائع کیا تھا، اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس نے مسلمانوں میں اس کو مقبولیت بخشی اور بہت سے سعادت مندوں کو اس سے علمی و عملی فائدے پہنچائے اس سے امید ہے کہ اس سلسلہ کے لکھنے والوں کو انشاء اللہ تعالیٰ اجر آخرت بھی ملے گا۔

اس سلسلہ کو دارالمصنفین کے حسب ذیل رفقاء نے لکھ کر پورا کیا ہے۔

(۱) مولانا عبدالسلام صاحب ندوی

(۲) مولانا حاجی معین الدین صاحب ندوی مرحوم سابق صدر مدرس مدرسہ شمس الہدیٰ، پٹنہ

(۳) مولانا شاہ معین الدین احمد صاحب ندوی

(۴) مولانا سعید احمد انصاری صاحب

یہ سیر النحایات آخر الذکر رفیق کے قلم سے نکلی ہے اور یہ پہلی دفعہ آج سے ۲۳ برس پہلے ۱۳۴۱ھ میں چھپی تھی، اور اب وہ دوبارہ شائع کی جا رہی ہے۔ اس دوسرے ایڈیشن پر ہمارے ایک اور رفیق مولانا محمد اویس صاحب نگرانی ندوی نے نظر ثانی کی ہے، دواؤں کی تصحیح، بعض غلطیوں کی اصلاح اور بعض مطالب میں مناسب ترمیم بھی انہوں نے کی ہے جس کے لئے وہ شکریہ کے مستحق ہیں۔ امید ہے کہ یہ کتاب اس کے بعد اپنی افادیت میں پہلے سے بہتر اور انشاء اللہ مؤلف اور مصحح دونوں کے لئے خیر جاری ثابت ہوگی۔ مسلمان عورتیں زمانہ کے نئے حالات سے بدل رہی ہیں ان کے سامنے سعادت مند خواتین کا کوئی اسودہ وجود نہیں اس لئے ان کا راہ سے ہٹنا دور از عقل نہیں۔ لیکن اگر

ہماری بہنیں اور بیایاں اس کتاب کو اپنی زندگی کا نمونہ بنائیں تو انہیں معلوم ہو گا کہ دینداری، خداتری، پاکیزگی، عفت اور اصلاح و تقویٰ کے ساتھ وہ دنیا کو کیونکر نباہ سکتی ہیں اور دنیا و آخرت دونوں کی نیکیوں کو اپنے آنچل میں کیسے سمیٹ سکتی ہیں۔

والسلام

سید سلیمان ندوی
ماظم دارالمصنفین اعظم گڑھ
۴ شعبان ۱۴۲۳ھ

(۱) حضرت خدیجہؓ

نام و نسب :

خدیجہ نام ام ہند کنیت طاہرہ لقب۔ سلسلہ نسب یہ ہے۔ خدیجہ بنت خویلد بن عبد بن عبد العزیٰ بن قصی، قصی پر پہنچ کر ان کا خاندان رسول اللہ ﷺ کے خاندان سے مل جاتا ہے۔ والدہ کا نام فاطمہ بنت زائدہ تھا اور لوی بن غالب کے دوسرے بیٹے عامر کی لولاد تھیں۔

حضرت خدیجہؓ کے والد اپنے قبیلہ میں نہایت معزز شخص تھے مکہ آکر اقامت کی۔ عبدالدار بن قصی کے جوان کے لن عم تھے، حلیف بنے اور یہیں فاطمہ بنت زائدہ سے شادی کی۔ جن کے بطن سے عام الفیل سے ۱۵ سال قبل حضرت خدیجہؓ پیدا ہوئیں۔ (۱) سن شعور کو پہنچیں تو اپنے پاکیزہ اخلاق کی بناء پر طاہرہ کے لقب سے مشہور ہوئیں۔ (۲)

نکاح :

باپ نے ان صفات کا لحاظ رکھ کر شادی کے لئے ورقہ بن نوفل کو جو بر اور زاوہ اور تورات و انجیل کے بہت بڑے عالم تھے، منتخب کیا لیکن پھر کسی وجہ سے یہ نسبت نہ ہو سکی اور ابوہالہ بن یناش تمیمی سے نکاح ہو گیا۔ (۳)

اسی زمانہ میں حرب الحارثی، جس میں حضرت خدیجہؓ کے باپ لڑائی کے لئے نکلے اور مارے گئے۔ (۴) یہ عام الفیل سے ۲۰ سال بعد کا واقعہ ہے۔ (۵) تجارت :

باپ اور شوہر کے مر جانے کے بعد حضرت خدیجہؓ کو سخت دقت واقع ہوئی ذریعہ معاش تجارت تھی جس کا کوئی نگران نہ تھا۔ تاہم اپنے اعزہ کو معاوضہ دیکر مال تجارت بھینجتی تھیں۔ ایک مرتبہ مال کی روانگی کا وقت آیا تو ابو طالب نے آنحضرت ﷺ

(۱) طبقات ابن سعد ج ۸ ص ۱۰۸ (۲) اصباہ ج ۸ ص ۶۰ (۳) استیعاب ج ۲ ص ۳۷۸

(۴) طبقات ج ۸ ص ۹ (۵) ایضاً ص ۸۱ ج ۱ ق ۱

سے کہا کہ تم کو خدیجہؓ سے جا کر ملنا چاہیے ان کا مال شام جائے گا۔ بہتر ہو گا کہ تم بھی ساتھ جاتے۔ میرے پاس روپیہ نہیں اور نہ میں خود تمہارے لئے سرمایہ مہیا کر دیتا۔

رسول اللہ ﷺ کی شہرت ”امین“ کے لقب سے تمام مکہ میں تھی اور آپ ﷺ کے حسن معاملت، راست بازی، صدق و دیانت اور پاکیزہ اخلاقی کا عام چرچا تھا۔ حضرت خدیجہؓ کو اس گفتگو کی خبر ملی تو فوراً پیغام بھیجا کہ ”آپ میرا مال تجارت لیکر شام کو جائیں جو معاوضہ میں اوروں کو دیتی ہوں آپ کو اس کا مضاعف دوں گی“ آنحضرت ﷺ نے قبول فرمایا اور مال تجارت لیکر میسرہ (غلام خدیجہؓ) کے ہمراہ بصرہ تشریف لے گئے اس سال کا نفع سالانہ کزشتہ کے نفع سے مضاعف تھا۔ (۱)

حضرت خدیجہؓ آنحضرت ﷺ کے عقد نکاح میں آتی ہیں :

حضرت خدیجہؓ کی دولت و ثروت اور شریفانہ اخلاق نے تمام قریش کو اپنا گرویدہ بنالیا تھا اور ہر شخص ان سے نکاح کا خواہاں تھا لیکن کارکنان قضا و قدر کی نظر انتخاب کسی اور پر پڑ چکی تھی۔ آنحضرت ﷺ مال تجارت لیکر شام سے واپس آئے تو حضرت خدیجہؓ نے شادی کا پیغام بھیجا۔ نفیسہ بنت مہیہ (یعنی بن امیہ کی ہم شیر) اس خدمت پر مقرر ہوئی آپ ﷺ نے منظور فرمایا اور شادی کی تاریخ مقرر ہو گئی۔ حضرت خدیجہؓ کے والد اگرچہ وفات پا چکے تھے تاہم ان کے چچا عمرو بن اسد زندہ تھے عرب میں عورتوں کو یہ آزادی حاصل تھی کہ شادی سیاہ کے متعلق خود گفتگو کر سکتی تھیں۔ اسی بناء پر حضرت خدیجہؓ نے چچا کے ہوتے ہوئے خود براہ راست تمام مراقب طے کئے۔

تاریخ معین پر ابو طالب اور تمام روسائے خاندان جن میں حضرت حمزہؓ بھی تھے، حضرت خدیجہؓ کے مکان پر آئے۔ حضرت خدیجہؓ نے بھی اپنے خاندان کے چند بزرگوں کو جمع کیا تھا۔ ابو طالب نے خطبہ نکاح پڑھا۔ عمر دین اسد کے مشورہ سے ۵۰۰ طلائی درہم مہر قرار پایا اور خدیجہؓ طاہرہٗ حرم نبوت ہو کر ام المؤمنین کے شرف سے ممتاز ہو گئیں۔ اس وقت آنحضرت ﷺ پچیس سال کے تھے اور حضرت خدیجہؓ کی عمر چالیس برس کی تھی۔ یہ اہم نبوی ﷺ سے پندرہ سال قبل کا واقعہ ہے۔ (۲)

(۱) اطعمات ج ۱ اق ۱ ص ۸۱ (۲) ایضاً ص: ۸۲ (۳) اصباح ج ۸ ص ۶۰

سلام :

پندرہ برس کے بعد جب آنحضرت ﷺ پیغمبر ہونے اور فرائض نبوت کو لو کرنا چاہا تو سب سے پہلے حضرت خدیجہؓ کو یہ پیغام سنایا وہ سننے سے پہلے مؤمن تھیں کیونکہ ان سے زیادہ آپ ﷺ کے صدق دعویٰ کا کوئی شخص فیصلہ نہیں کر سکتا تھا۔ صحیح بخاری باب بدء الوحی میں یہ قصہ تفصیل کے ساتھ مذکور ہے اور وہ یہ ہے۔

عن عائشة انها قالت اول ما بدئ به رسول الله ﷺ من الوحى الرؤيا الصالحة في النوم فكان لا يرى رؤيا الا جاءت مثل فلق الصبح ثم حبب اليه الخلاء وكان يخلو بغار حراء فيتحنث فيه وهو التعبد الليالي ذوات العدد قبل ان ينزع الى اهله و يتزود لذلك ثم يرفع الى خديجة فيتزود لمثلها حتى جاء الحق به في غار حراء فجاءه الملك فقال اقرأ فقلت ما انا بقارئ قال فاخذني فغطني حتى بلغ مني الجهد ثم ارسلني فقال اقرأ فقلت ما انا بقارئ فاخذني فغطني الثانية حتى بلغ مني الجهد ثم ارسلني فقال اقرأ فقلت ما انا بقارئ قال فاخذني فغطني ثالثة ثم ارسلني فقال اقرأ باسم ربك الذي خلق خلق الانسان من علق اقرأ ربك الاكرم.

فرجع بها رسول الله ﷺ يرجف فؤاده فدخل على خديجة بنت خويلد فقال زملوني زملوني فزملوه حتى ذهب عنه الروع فقال لخديجة واخبرها الخبر لقد خشيت على نفسي فقالت خديجة كلا والله ما يخزيك الله ابد انك لتصل الرحم و تحمل الكل و تكسب المعدوم و تقرى الضيف و تعين على نوائب الحق فانطلقت به خديجة حتى اتت به ورقة بن نوفل بن اسد بن عبد العزی ابن عم خديجة و كان امرأ تنصر في الجاهلية و كان يكتب الكتاب العبراني فيكتب من الانجيل بالعبرانية ماشاء الله ان يكتب و كان شيخاً كبيراً قد عمى فقالت له خديجة يا ابن عم اسمع من ابن اخيك فقال له ورقة يا ابن اخي ماذا ترى فاخبر رسول الله ﷺ خبر ما راى فقال له ورقة هذا الناموس الذي نزل الله على موسى يليتني فيها جذعاً يليتني اكون حياً اذ يخرجك قومك فقال رسول الله ﷺ او مخرجي هم قال نعم لم يات رجل قط بمثل ما جئت به الا عودي و ان

بدر کئی یوم تک انصرک نصرامو خرا تم لم ینشب ورقہ ان توفی و فتر الوحی (۱)

حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ آنحضرت ﷺ پر وحی کی ابتداء رؤیائے صادقہ سے ہوئی۔ آپ جو کچھ خواب میں دیکھتے تھے سپیدہ صبح کی طرح نمودار ہو جاتا تھا اس کے بعد آپ خلوت گزین ہو گئے۔ چنانچہ کھانے پینے کا سامان لیکر غار حرا تشریف لے جاتے اور وہاں تحنث یعنی عبادت کرتے تھے جب سامان ہو چکتا تو پھر خدیجہؓ کے پاس تشریف لاتے اور پھر واپس جا کر مراقبہ میں مصروف ہوتے یہاں تک کہ ایک دن فرشتہ غیب نظر آیا کہ آپ سے کہہ رہا ہے پڑھ آپ نے فرمایا میں پڑھا لکھا نہیں اس نے زور سے دہلایا پھر مجھ کو چھوڑ دیا اور کہا پڑھ تو میں نے پھر کہا کہ میں پڑھا لکھا نہیں پھر اس نے دوبارہ زور سے دہلایا اور چھوڑ دیا اور کہا پڑھ پھر میں نے کہا میں پڑھا لکھا نہیں اسی طرح تیسری بار دبا کر کہا پڑھ اس خدا کا نام جس نے کائنات کو پیدا کیا جس نے آدمی کو گوشت کے لو تھڑے سے پیدا کیا۔ پڑھ تیرا خدا کریم ہے آنحضرت ﷺ گھر تشریف لائے تو جلال الہی سے لبریز تھے۔ آپ ﷺ نے حضرت خدیجہؓ سے فرمایا مجھ کو کپڑا لوڑھاؤ مجھ کو کپڑا لوڑھاؤ لوگوں نے کپڑا لوڑھایا تو ہیبت کم ہو گئی۔ پھر حضرت خدیجہؓ سے تمام واقعہ بیان کیا اور کہا ”مجھ کو ڈر ہے“ حضرت خدیجہؓ نے کہا آپ متردد نہ ہوں خدا آپ کا ساتھ نہ چھوڑے گا کیونکہ آپ صلہ رحمی کرتے ہیں بے کسوں اور فقیروں کے معاون رہتے ہیں مہمان نوازی اور مصائب میں حق کی حمایت کرتے ہیں پھر وہ آپ کو اپنے چچا زید بھائی ورقہ بن نوفل کے پاس لے گئیں جو مذہب انصرانی تھے عبرانی زبان جانتے تھے اور عبرانی زبان میں انجیل لکھا کرتے تھے اب وہ بوڑھے اور نابینا ہو گئے تھے حضرت خدیجہؓ نے کہا کہ اپنے بھتیجے (آنحضرت ﷺ) کی باتیں سنو۔ بولے لن الا ختم نے کیا دیکھا؟ آنحضرت ﷺ نے واقعہ کی کیفیت بیان کی تو کہانیہ وہی ناموس ہے جو موسیٰ پر اترا تھا کاش مجھ میں اس وقت قوت ہوتی اور زندہ رہتا جب آپ کی قوم آپ کو شہر بدر کرے گی۔ آنحضرت ﷺ نے پوچھا کہ کیا یہ لوگ مجھے نکال دیں گے؟ ورقہ نے جواب دیا ہاں۔ جو کچھ آپ پر نازل ہو واجب کسی پر نازل ہوتا ہے تو دنیا اس کی دشمن ہو جاتی ہے اور اگر میں اس وقت تک زندہ رہا تو تمہاری وزنی مدد کروں گا۔ اس کے بعد ورقہ کا بہت جلد انتقال ہو گیا اور وحی پانچ دنوں کے لئے رک گئی۔

اس وقت تک نماز بجگانہ فرض نہ تھی، آنحضرت ﷺ نوافل پڑھا کرتے تھے۔

حضرت خدیجہؓ بھی آپ کے ساتھ نوافل میں شرکت کرتی تھیں۔ لیکن سعد کہتے ہیں (۱)

مکث رسول الله ﷺ و خديجة يصليان سرا ما شاء الله

آنحضرت ﷺ اور خدیجہؓ ایک عرصہ تک خفیہ طور پر نماز پڑھتے رہے۔

عقیف کنڈی سامان خریدنے کے لئے مکہ آئے اور حضرت عباسؓ کے گھر میں فروکش ہوئے صبح کے وقت ایک دن کعبہ کی طرف نظر تھی دیکھا کہ ایک نوجوان آیا اور آسمان کی طرف قبلہ رخ کھڑا ہو گیا۔ پھر ایک لڑکا اس کے داہنی طرف آکر کھڑا ہوا۔ پھر ایک عورت دونوں کے پیچھے کھڑی ہوئی۔ نماز پڑھ کر یہ لوگ چلے گئے تو عقیف نے حضرت عباسؓ سے کہا کہ کوئی عظیم الشان واقعہ پیش آنے والا ہے حضرت عباسؓ نے جواب دیا ہاں! پھر کہا جانتے ہو یہ نوجوان کون ہے یہ میرا بھتیجا محمد ہے یہ دوسرا بھتیجا علیؓ ہے اور یہ محمد کی بیوی (خدیجہؓ) ہے میرے بچے کا خیال ہے کہ اس کا مذہب پروردگار عالم کا مذہب ہے اور وہ جو کچھ کرتا ہے اس کے حکم سے کرتا ہے دنیا میں جہاں تک مجھ کو علم ہے اس خیال کے صرف یہی تین شخص ہیں۔ (۲)

عقیلی اس روایت کو ضعیف سمجھتے ہیں لیکن ہمارے نزدیک اس کے ضعیف ہونے کی کوئی وجہ نہیں روایت کے لحاظ سے اس میں کوئی خرابی نہیں روایت کی حیثیت سے اس کے ثبوت کے متعدد طرق ہیں محدثین سعد نے اس کو نقل کیا ہے۔ بغویؒ ابو یعلیٰ اور نسائی نے اس کو اپنی کتابوں میں جگہ دی ہے، حاکم، ابن خثیمہ، ابن مندو اور صاحب غیاثیات نے اسے مقبول مانا ہے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اس کو امام بخاری نے اپنی تاریخ میں درج کیا ہے اور اس کو صحیح کہا ہے۔

حضرت خدیجہؓ نے صرف نبوت کی تصدیق ہی نہیں کی بلکہ آغاز اسلام میں آنحضرت ﷺ کی سب سے بڑی معین و مددگار ثابت ہوئیں آنحضرت ﷺ کو جو چند سال تک کفار مکہ لڑتے دیتے ہوئے ہچکچاتے تھے اس میں بڑی حد تک حضرت خدیجہؓ کا اثر کام کر رہا تھا اور گزر چکا کہ آغاز نبوت میں جب آپ ﷺ کی زبان سے یہ الفاظ نکلے کہ ”مجھ کو ڈرتے“ تو انہوں نے کہا ”آپ متردد نہ ہوں خدا آپ کا ساتھ نہ چھوڑے گا“ دعوت اسلام

کے سلسلے میں جب مشرکین نے آپ کو طرح طرح کی لڑیتیں پہنچائیں تو حضرت خدیجہؓ نے آپ کو تسلی اور تشفی دی۔ استیعاب میں ہے۔^(۱)

فكان لا يسمع من المشركين شيئاً يكره من رد عليه و تكذيب
الافراج الله عنه بما تثبته و تصدقه و تخفف عنه و تهون عليه ما يلقي من قومه
آنحضرت ﷺ کو مشرکین کی تردید یا تکذیب سے جو کچھ صدمہ بھی
حضرت خدیجہؓ کے پاس آکر دور ہو جاتا تھا کیونکہ وہ آپ ﷺ کی باتوں کی تصدیق کرتی
اور مشرکین کے معاملہ کو آپ کے سامنے ہلکا کر کے پیش کرتی تھیں۔

سن ۷ نبوی میں جب قریش نے اسلام کے تباہ کرنے کا فیصلہ کیا تو یہ تدبیر
کہ آنحضرت ﷺ اور آپ کے خاندان کو ایک گھاٹی میں محصور کیا جائے چنانچہ ابو طالب
ہو کر تمام خاندان ہاشم کے ساتھ شعب ابی طالب میں پناہ گزین ہوئے حضرت خدیجہؓ بھی
ساتھ آئیں یہ تین ہشام میں ہے^(۲)

وہی عند رسول اللہ ﷺ و معہ فی الشعب

اور وہ آنحضرت ﷺ کے ساتھ شعب ابی طالب میں تھیں۔

تین سال تک ہاشم نے اس حصار میں بسر کی یہ زمانہ ایسا سخت گزرا کہ طلع کے
پتے کھا کھا کر رہتے تھے تاہم اس زمانہ میں بھی حضرت خدیجہؓ کے اثر سے کبھی کبھی کھانا پہنچ
جاتا تھا چنانچہ ایک دن حکیم بن حزام نے جو کہ حضرت خدیجہؓ کا بھتیجا تھا تھوڑے سے گیہوں
اپنے غلام کے ہاتھ حضرت خدیجہؓ کے پاس بچھے راہ میں ابو جہل نے دیکھ لیا اور چھین لینا چاہا
اتفاق سے ابو البخری کہیں سے آگیا۔ وہ اگرچہ کافر تھا لیکن اس کو رحم آیا ابو جہل سے کہا ایک
شہنشاہ اپنی پھوپھی کو کچھ کھانے کے لئے بھیجتا ہے تو کیوں روکتا ہے۔^(۳)

وفات :

حضرت خدیجہؓ نکاح کے بعد پچیس برس تک زندہ رہیں اور ۱۱ رمضان ۱۰ نبوی
(ہجرت سے تین سال قبل)^(۴) انتقال کیا۔ اس وقت ان کی عمر ۶۴ سال ۶ ماہ کی تھی۔ چونکہ
نماز جنازہ اس وقت تک مشروع نہیں ہوئی تھی اس لئے ان کی لاش مبارک اسی طرح دفن

(۱) طبقات ج ۲ ص ۷۱۰ (۲) سیرت ابن ہشام ج ۱ ص ۱۹۲

(۳) سیرت ابن ہشام ج ۱ ص ۱۹۲ (۴) بخاری ج ۱ ص ۵۵۱

کردی تھی۔

آنحضرت ﷺ خود ان کی قبر میں اترے اور اپنی سب سے بڑی غمگسار کو داعی اجل کے سپرد کیا۔ حضرت خدیجہ کی قبر حجون میں ہے اور زیارت گاہ خلافت ہے۔ (۱)

حضرت خدیجہ کی وفات سے تاریخ اسلام میں ایک جدید دور شروع ہوا۔ یہی زمانہ ہے جو اسلام کا سخت ترین زمانہ ہے اور خود آنحضرت ﷺ اس سال کو عام الحزن (سال غم) فرمایا کرتے تھے کیونکہ ان کے اٹھ جانے کے بعد قریش کو کسی شخص کا پاس نہیں رہ گیا تھا اور اب وہ نہایت بے رحمی اور بے باکی سے آنحضرت ﷺ کو ستاتے تھے۔ اسی زمانہ میں آپ اہل مکہ سے ناامید ہو کر طائف تشریف لے گئے تھے۔

اولاد :

حضرت خدیجہ کے بہت سی اولاد ہوئی۔ ابوہالہ سے جو ان کے پہلے شوہر تھے، دو لڑکے پیدا ہوئے جن کے نام ہالہ اور ہند تھے۔ دوسرے شوہر یعنی عقیق سے ایک لڑکی پیدا ہوئی اس کا نام بھی ہند تھا۔ آنحضرت ﷺ سے چھ (۶) اولادیں ہوئیں۔ دو صاحبزادے جو بچپن میں انتقال کر گئے اور چار صاحبزادیاں۔ نام حسب ذیل ہیں۔ (۲)

(۱) حضرت قائمؑ آنحضرت ﷺ کے سب سے بڑے لڑکے تھے ان ہی کے نام پر آپ ابو القاسم کنیت کرتے تھے صغر سنی میں مکہ میں انتقال کیا۔ اس وقت پیروں چلنے لگے تھے (۲) حضرت زینبؑ آنحضرت کی سب سے بڑی صاحبزادی تھیں (۳) حضرت عبد اللہ نے بہت کم عمر پائی چونکہ زمانہ نبوت میں پیدا ہوئے تھے اس لئے طیب اور طاہر کے لقب سے مشہور ہوئے (۴) حضرت رقیہؑ (۵) حضرت ام کلثومؑ (۶) حضرت فاطمہ زہراؑ ان سب میں ایک ایک سال کا چھوٹا بچہ لایا تھا۔ حضرت خدیجہؑ اپنی اولاد کو بہت چاہتی تھیں اور چونکہ دنیا نے بھی ساتھ دیا تھا یعنی صاحب ثروت تھیں اس لئے عقبہ کی لونڈی سلمہ کو بچوں کی پرورش پر مقرر کیا تھا وہ ان کو کھلاتی تھی اور دودھ پلاتی تھی۔

ازواج مطہرات میں حضرت خدیجہؑ کو بعض خصوصیتیں حاصل ہیں وہ آنحضرت ﷺ کی پہلی بیوی ہیں وہ جب عقد نکاح میں آئیں تو ان کی عمر چالیس برس کی تھی لیکن آنحضرت ﷺ نے ان کی زندگی میں دوسری شادی نہیں کی۔ حضرت ابراہیمؑ کے سوا

آنحضرت ﷺ کی تمام اولاد ان ہی سے پیدا ہوئی۔
فضائل و مناقب :

ام المؤمنین حضرت خدیجہ طاہرہؓ کی عظمت و فضیلت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے جب فرض نبوت ادا کرنا چاہا تو فضائے عالم سے ایک آواز بھی آپ ﷺ کی تائید میں نہ اٹھی۔ کوہ حرا وادی عرفات، جبل فاران، غرض تمام جزیرۃ العرب آپ کی آواز پر ایک پیکر تصویر بنا ہوا تھا۔ لیکن اس عالمگیر خاموشی میں صرف ایک آواز تھی جو فضائے مکہ میں موج پیدا کر رہی تھی یہ آواز حضرت خدیجہؓ طاہرہ کے قلب مبارک سے بلند ہوئی تھی جو اس ظلمت کدہ، کفر و ضلالت میں انوار الہی کا دوسرا تجلی گاہ تھا۔

حضرت خدیجہؓ وہ مقدس خاتون ہیں جنہوں نے نبوت سے پہلے بت پرستی چھوڑ دی تھی۔ چنانچہ مسند امام احمد میں روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت خدیجہؓ سے فرمایا ”خدا میں کبھی ایت و عزی کی پرستش نہیں کروں گا“ انہوں نے جواب دیا کہ ایت کو جانے دیجئے عزی کو جانے دیجئے یعنی انکا ذکر بھی نہ کیجئے۔ (۱) آنحضرت ﷺ نے جب نبوت کی صدا بلند کی تو سب سے پہلے ان ہی نے اس پر لبیک کہا آنحضرت ﷺ اور اسلام کو ان ہی ذات سے جو اقویت تھی وہ سیرت نبوی ﷺ کے ایک ایک صفحہ سے نمایاں ہے لیکن ہشام میں ہے۔

و کانت له وزیر صدق علی الاسلام

وہ اسلام کے متعلق آنحضرت ﷺ کی اپنی مشیر کار تھیں۔

آنحضرت ﷺ سے ان کو جو محبت تھی وہ اس سے ظاہر ہے کہ بلوچوں اور اس قوم اور اس دولت و ثروت کے جو ان کو حاصل تھی حضور ﷺ کی خدمت خود کرتی تھیں چنانچہ صحیح بخاری میں روایت ہے کہ ایک مرتبہ حضرت جبرائیلؑ نے آنحضرت ﷺ سے عرض کی کہ خدیجہؓ برتن میں کچھ لار ہی ہیں آپ ان کو خدا کا اور میرا اسلام پہنچا دیجئے۔ (۲)

آنحضرت ﷺ کو حضرت زید بن حارثہؓ سے سخت محبت تھی لیکن وہ مکہ میں غلام کی حیثیت سے رہتے تھے۔ حضرت خدیجہؓ نے ان کو آزاد کیا اور اب وہ کسی دنیاوی رئیس کے غلام نہ رہے بلکہ شہنشاہ رسالت ﷺ کے غلام تھے۔

آنحضرت ﷺ کو بھی حضرت خدیجہؓ سے بے انتہا محبت تھی آپ ﷺ نے ان کی زندگی تک دوسری شادی نہیں کی ان کی وفات کے بعد آپ کا معمول تھا کہ جب گھر میں کوئی جانور ذبح ہوتا تھا تو آپ ذھونڈ ذھونڈ کر ان کی سیلیوں کے پاس گوشت بھجاتے تھے۔ حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ گو میں نے خدیجہؓ کو نہیں دیکھا لیکن مجھ کو جس قدر ان پر رشک آتا تھا کسی لور پر نہیں آتا تھا جس کی وجہ یہ تھی کہ آنحضرت ﷺ ہمیشہ ان کا ذکر کیا کرتے تھے ایک دفعہ میں نے اس پر آپ ﷺ کو اس پر رنجیدہ کیا لیکن آپ ﷺ نے فرمایا کہ ”خدا نے مجھ کو ان کی محبت دی ہے“ (صحیح مسلم ج ۲ ص ۳۳۳)

ایک دفعہ حضرت خدیجہؓ کے انتقال کے بعد ان کی بہن ہالہ آنحضرت ﷺ سے ملنے آئیں لور استیذان کے قاعدے سے اندر آنے کی اجازت مانگی ان کی آواز حضرت خدیجہؓ سے ملتی تھی آپ کے کانوں میں آواز پڑی تو حضرت خدیجہؓ یاد آگئیں لور آپ جھجک اٹھے لور فرمایا ”کہ ہالہ ہوں گی“ حضرت عائشہؓ بھی موجود تھیں ”ان کو رشک ہوا تو بولیں کہ“ کیا آپ ایک بڑھیا کی یاد کرتے ہیں جو مر چکیں لور خدا نے ان سے اچھی آپ کو بیویاں دیں“ صحیح بخاری میں یہ روایت یہیں تک ہے، لیکن استیعاب میں ہے کہ اس کے جواب میں آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ہرگز نہیں جب لوگوں نے میری تکذیب کی تو انہوں نے تصدیق کی جب لوگ کافر تھے تو وہ اسلام لائیں جب میرا کوئی معین نہ تھا تو انہوں نے میری مدد کی ”لور میری لولاد ان ہی سے ہوئی“ حضرت خدیجہؓ کے مناقب میں بہت سی حدیثیں مروی ہیں۔ صحیح بخاری لور مسلم میں ہے:

خیر نساہا مریم بنت عمران خیر نساہا خدیجۃ بنت خویلد

”عالم میں افضل ترین عورت مریم لور خدیجہؓ ہیں“

ایک مرتبہ حضرت جبرائیلؑ آنحضرت ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے خدیجہؓ آئیں

تو فرمایا:

بشرھا بیت فی الجنة من قصب لا صخب فیہ ولا نصب (۲)

ان کو جنت میں ایسے گھر کی بعثت سنا دیجئے جو موتی کا ہو گا لور جس میں شور و غل

لور محنت مشقت نہ ہوگی۔

(۲) حضرت سودہؓ

نام و نسب :

سودہ نام تھا۔ قبیلہ عامر بن لوی سے تھیں جو قریش کا ایک نامور قبیلہ تھا۔ سلسلہ نسب یہ ہے : سودہ بنت زمعہ بن قیس بن عبد شمس بن عبدود بن نصر بن مالک بن حل بن عامر بن لوی۔ ماں کا نام شمس تھا۔ یہ مدینہ کے خاندان بنو نجار سے تھیں ان کا پورا نام ہونسیب یہ ہے شمس بنت قیس بن زید بن عمرو بن لبید بن فراش بن عامر بن غنم بن النجار۔

نکاح :

سکران بن عمرو سے جو ان کے والد کے لہجہ میں تھے شادی ہوئی۔

قبول اسلام :

ابتداء نبوت میں مشرف بہ اسلام ہوئیں ان کے ساتھ ان کے شوہر بھی اسلام لائے اس بنا پر ان کو قدیم الاسلام ہونے کا شرف حاصل ہے۔ حبشہ کی پہلی ہجرت کے وقت تک حضرت سودہؓ اور ان کے شوہر مکہ ہی میں مقیم رہے لیکن جب مشرکین کے ظلم و ستم کی کوئی انتہاء نہ رہی اور مہاجرین کی ایک بڑی جماعت ہجرت کے لئے آمادہ ہوئی تو اس میں حضرت سودہؓ اور ان کے شوہر بھی شامل ہو گئے۔

کئی برس حبشہ میں رہ کر مکہ کو واپس آئیں اور سکرانؓ نے کچھ دن کے بعد وفات پائی۔

حضرت سودہؓ حرم نبوت بنتی ہیں :

ازواج مطہراتؓ میں یہ فضیلت صرف حضرت سودہؓ کو حاصل ہے کہ حضرت خدیجہؓ کے انتقال کے بعد سب سے پہلے وہی آنحضرت ﷺ کے عقد نکاح میں آئیں حضرت خدیجہؓ کے انتقال سے آنحضرت ﷺ نہایت پریشان و غمگین تھے یہ حالت دیکھ کر نولہ بنت حکیم (عثمان بن مظعون کی بیوی) نے عرض کی کہ آپ کو ایک مونس و رفیق کی ضرورت ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا ہاں گھر یا ربال بھوں کا انتظام سب خدیجہؓ کے متعلق تھا آپ ﷺ کے ایماءات وہ حضرت سودہؓ کے والد کے پاس گئیں اور جاہلیت کے طریقہ پر سلام کیا انعم صباحا پھر نکاح کا پیغام سنایا انہوں نے کہا ہاں محمد (ﷺ) شریف کفو ہیں لیکن

سودہؓ سے بھی تو دریافت کر دو غرض سب مراتب طے ہو گئے تو آنحضرت ﷺ خود تشریف لے گئے اور سودہؓ کے والد نے نکاح پڑھلایا چار سو درہم مهر قرار پایا۔ نکاح کے بعد عبد اللہ بن زید (حضرت سودہؓ کے بھائی) جو اس وقت کافر تھے ائے اور ان کو یہ حال معلوم ہوا تو سر پر خاک ڈال لی کہ یہ کیا غضب ہو گیا چنانچہ اسلام لانے کے بعد اپنی اس حماقت و نادانی پر ہمیشہ ان کو افسوس آتا تھا۔ (زر قالی ج ۳ ص ۲۶۱)

حضرت سودہؓ کا نکاح رمضان ۱۰ھ ہجری میں ہوا اور چونکہ ان کے لور حضرت عائشہؓ کے نکاح کا زمانہ قریب قریب ہے اس لئے مؤرخین میں اختلاف ہے کہ کس کو تقدم حاصل ہے لیکن اسحاق کی روایت ہے کہ سودہؓ کو تقدم ہے اور عبد اللہ بن محمد بن عقیل حضرت عائشہؓ کو مقدم سمجھتے ہیں۔ (طبقات ابن سعد ج ۸ ص ۳۶۳ تا ۳۶۴ و زر قالی ج ۳ ص ۲۶۰)

بعض روایتوں میں ہے کہ حضرت سودہؓ نے اپنے پہلے شوہر کی زندگی میں ایک خواب دیکھا تھا ان سے بیان کیا تو بولے کہ شاید میری موت کا زمانہ قریب ہے اور تمہارا نکاح رسول اللہ ﷺ سے ہو گا چنانچہ یہ خواب حرف بہ حرف پورا ہوا۔ (۱)

عام حالات :

نبوت کے تیرھویں سال جب آپ نے مدینہ منورہ میں ہجرت کی تو حضرت زیدؓ ابن حارثہ کو مکہ بھیجا کہ حضرت سودہؓ وغیرہ کو لے کر آئیں۔ چنانچہ وہ لور حضرت فاطمہؓ زہراؓ حضرت زیدؓ کے ہمراہ مدینہ آئیں۔

۱۰ھ ہجری میں جب آنحضرت ﷺ نے حج کیا تو حضرت سودہؓ بھی ساتھ تھیں چونکہ وہ بلند و بالا لور فرہ اندام تھیں اس وجہ سے تیزی کے ساتھ چل پھر نہیں سکتی تھیں اس لئے آنحضرت ﷺ نے اجازت دی کہ لور لوگوں کے مزدلفہ روانہ ہونے کے قبل ان کو چلا جانا چاہئے کیونکہ ان کو بھیڑ بھاڑ میں چلنے سے تکلیف ہوگی۔ (۲)

وفات :

ایک دفعہ ازواج مطہرات آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر تھیں انہوں نے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ ہم میں سب سے پہلے کون مرے گا؟ فرمایا کہ جس کا ہاتھ

(۱) (زر قالی ج ۳ ص ۲۶۰ و طبقات ابن سعد ج ۸ ص ۲۸ و ۲۹)

(۲) صحیح بخاری ج ۱ ص ۲۲۸

سب سے بڑا ہے لوگوں نے ظاہری معنی سمجھے ہاتھ ناپے گئے تو سب سے بڑا حضرت سودہؓ کا تھا، لیکن جب سب سے پہلے حضرت زینبؓ کا انتقال ہوا تو معلوم ہوا کہ ہاتھ کی بڑائی سے آپ ﷺ کا مقصود سخاوت اور فیاضی تھی۔ بہر حال واقدی نے حضرت سودہؓ کا سال وفات ۵۴ھ ہجری بتایا ہے۔ (۱) لیکن ثقات کی روایت یہ ہے کہ انہوں نے حضرت عمرؓ کے اخیر زمانہ خلافت میں انتقال کیا۔ (۲)

حضرت عمرؓ نے ۲۳ھ ہجری میں وفات پائی ہے اس لئے حضرت سودہؓ کا سال وفات ۲۲ھ ہجری ہوگا خمیس میں یہی روایت ہے لوریکی سب سے زیادہ صحیح ہے (۳) اور اس کو امام بخاریؒ ذہبیؒ جزریؒ ابن عبد البرؒ اور خزرجیؒ نے اختیار کیا ہے۔
اولاد :

آنحضرت ﷺ سے کوئی اولاد نہیں ہوئی پہلے شوہر (حضرت سکرانؓ) نے ایک لڑکا یادگار چھوڑا تھا جس کا نام عبدالرحمن تھا انہوں نے جنگ جلولاء (فارس) میں شہادت حاصل کی۔ (۴)
حلیہ :

ازواج مطہرات میں حضرت سودہؓ سے زیادہ کوئی بلند و بالا نہ تھا حضرت عائشہؓ کا قول ہے کہ جس نے ان کو دیکھ لیا اس سے وہ چھپ نہیں سکتی تھیں (۱) زرقانیؒ میں ہے کہ ان کا ذیل انباتھا۔ (۲)
فضل و کمال :

حضرت سودہؓ سے صرف پانچ حدیثیں مروی ہیں جن میں سے بخاریؒ میں صرف ایک ہے صحابہؓ میں حضرت عباسؓ، لکن زبیرؓ، لوریکیؒ ابن عبدالرحمنؓ (ابن اسعد بن زرارہ) نے ان سے روایت کی ہے۔

اخلاق :

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں (۸)

(۱) طبقات ج ۸ ص ۳۷ (۲) طبقات ابن سعد ج ۸ ص ۳۷ ۳۹ (۳) اسد الغابہ و استیعاب و خلاصہ تہذیب حالات سودہؓ (۴) زرقانی ج ۲ ص ۲۶۲ (۵) زرقانی ج ۱ ص ۲۶۰
(۶) صحیح بخاری ج ۲ ص ۷۰۷ (۷) زرقانی ج ۲ ص ۴۵۹ (۸) طبقات ج ۸ ص ۳۷

ما من الناس امرأ قاحب الى ان اكون في مسلاخها من سودة
 "سودہ" کے علاوہ کسی عورت کو دیکھ کر مجھے یہ خیال نہیں ہوا کہ اس کے قالب
 میں میری روح ہوتی۔"

اطاعت اور فرماں برداری میں وہ تمام ازواج مطہرات سے ممتاز تھیں۔ آپ ﷺ
 نے حجتہ الوداع کے موقع پر ازواج مطہرات کو مخاطب کر کے فرمایا تھا کہ "میرے بعد گھر
 میں بیٹھنا" (۱) چنانچہ حضرت سودہؓ نے اس حکم پر اس شدت سے عمل کیا کہ پھر کبھی حج کے
 لئے نہ نکلیں، فرماتی تھیں کہ میں حج اور عمرہ دونوں کر چکی ہوں اور اب خدا کے حکم کے
 مطابق گھر میں بیٹھوں گی۔ (۲)

سخاوت اور فیاضی بھی ان کا ایک نمایاں وصف تھا اور حضرت عائشہؓ کے سوا وہ اس
 وصف میں بھی سب سے ممتاز تھیں، ایک دفعہ حضرت عمرؓ نے ان کی خدمت میں ایک
 تھیلی بھیجی، لانے والے سے پوچھا، اس میں کیا ہے؟ وہ بولا درہم، یولیس، کھجور کی طرح
 تھیلی میں درہم بچکے جاتے ہیں۔ یہ کہہ کر اسی وقت سب کو تقسیم کر دیا۔ (۳) طائف کی
 کھالیں بناتی تھیں نور اس سے جو آمدنی ہوتی تھی اس کو نہایت آزادی کے ساتھ نیک کاموں
 میں صرف کرتی تھیں۔ (۴)

ایثار میں بھی وہ ممتاز حیثیت رکھتی تھیں وہ اور حضرت عائشہؓ آگے پیچھے نکاح میں
 آئی تھیں لیکن چونکہ ان کا سن بہت زیادہ تھا اس لئے جب یوزہمی ہو گئیں تو ان کو سوء ظن
 ہوا کہ شاید آنحضرت ﷺ طلاق دے دیں اور یہ شرف محبت سے محروم ہو جائیں۔ اس
 بناء پر انہوں نے اپنی باری حضرت عائشہؓ کو دیدی اور انہوں نے خوشی سے قبول کر لی۔ (۵)
 مزاج تیز تھا، حضرت عائشہؓ ان کی بھد معترف تھیں۔ لیکن کہتی ہیں کہ وہ بہت
 جلد غصہ سے بھڑک اٹھتی تھیں ایک مرتبہ قضائے حاجت کے لئے صحران کو جا رہی تھیں،
 راستہ میں حضرت عمرؓ مل گئے چونکہ حضرت سودہؓ کا قد نمایاں تھا انہوں نے پہچان لیا۔
 حضرت عمرؓ کو ازواج مطہرات کا باہر نکلنا ناگوار تھا اور وہ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں پردہ
 کی تحریک کر چکے تھے اس لئے یولے سودہؓ تم کو ہم نے پہچان لیا۔ حضرت سودہؓ کو سخت ناگوار
 گزرا۔ آنحضرت ﷺ کے پاس پہنچیں اور حضرت عمرؓ کی شکایت کی اسی واقعہ کے بعد آیت

(۱) زر لیلی ج ۳ ص ۲۹۱ (۲) طبقات ج ۸ ص ۳۸ (۳) اصلہ ج ۸ ص ۱۸ (۴) ایضاً ص ۶۵
 حالات خلیفہ (۵) صحیح بخاری و مسلم، کتاب النکاح جواز ماہ نوبتھا لمضرتھا

حجاب نازل ہوئی۔ (۱)

بائیں ہمہ ظرافت اس قدر تھی کہ کبھی کبھی اس انداز سے چلتی تھیں کہ آپ ﷺ ہنس پڑتے تھے ایک مرتبہ کہنے لگیں کہ کل رات کو میں نے آپ ﷺ کے ساتھ نماز پڑھی تھی آپ نے (اس قدر دیر تک) رکوع کیا کہ مجھ کو نکسیر پھوٹنے کا شبہ ہو گیا اس لئے میں دیر تک ناک پکڑے رہی۔ آپ ﷺ اس جملہ کو سن کر مسکرائے۔ (۲)

دجال سے بہت ڈرتی تھیں۔ ایک مرتبہ حضرت عائشہؓ اور حصہؓ کے پاس آ رہی تھیں دونوں نے مذاق کے لہجہ میں کہا تم نے کچھ سنا؟ بولیں کیا؟ کہا دجال نے خروج کیا حضرت سودہؓ یہ سن کر گھبرا گئیں۔ ایک خیمہ جس میں کچھ آدمی آگ سلگا رہے تھے قریب تھا فوراً اس کے اندر داخل ہو گئیں حضرت عائشہؓ اور حصہؓ ہنستی ہوئی آنحضرت ﷺ کے پاس پہنچیں اور آپ کو اس مذاق کی خبر کی آپ ﷺ تشریف لائے اور خیمہ کے دروازے پر کھڑے ہو کر فرمایا کہ ابھی دجال نہیں نکلا ہے یہ سن کر حضرت سودہؓ باہر آئیں تو مکڑی کا جال بدن پر لگا ہوا تھا اس کو باہر آکر صاف کیا۔ (۳) میرے نزدیک یہ روایت مشکوک اور سند اضعیف ہے)

(۳) حضرت عائشہؓ

نام و نسب :

عائشہ نام صدیقہ اور حمیر القب ام عبد اللہ کنیت حضرت ابو بکر صدیقؓ کی صاحب زادی ہیں۔ ماں کا نام زینب تھا ام رومان کنیت تھی اور قبیلہ غنم بن مالک سے تھیں۔ حضرت عائشہؓ بعثت کے چار سال بعد شوال کے مہینہ میں پیدا ہوئیں صدیق اکبرؓ کا کاشانہ و درج سعادت تھا جہاں خورشید اسلام کی شعاعیں سب سے پہلے پر تو فگن ہوئیں اس بنا پر حضرت عائشہؓ اسلام کی ان برگزیدہ شخصیتوں میں ہیں جن کے کانوں نے کبھی کفر و شرک کی آواز نہیں سنی خود حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ جب سے میں نے اپنے والدین کو پہچانا ان کو مسلمان پایا۔ (بخاری ج ۱ ص ۲۵۲)

(۱) صحیح بخاری ج ۱ ص ۲۶ (۲) ابن سعد ج ۸ ص ۴۷ (۳) اصحابہ ج ۸ ص ۶۵

حضرت عائشہؓ کو وائل کی بیوی نے دودھ پلایا۔ وائل کی کنیت ابو القیس تھی وائل کے بھائی فلاح حضرت عائشہؓ کے رضاعی چچا کبھی کبھی ان سے ملنے آیا کرتے تھے اور رسول اللہ ﷺ کی اجازت سے وہ ان کے سامنے آتی تھیں (۱) رضائی بھائی بھی کبھی ملنے آیا کرتا تھا۔ (۲)

نکاح :

تمام ازواج مطہراتؓ میں یہ شرف صرف حضرت عائشہؓ کو حاصل ہے کہ وہ آنحضرت ﷺ کی کنواری بیوی تھیں آنحضرت ﷺ سے پہلے وہ جبیر بن مطعم کے صاحبزادے سے منسوب ہوئی تھیں لیکن جب حضرت خدیجہؓ کے انتقال کے بعد خولہ بنت حکیم نے آنحضرت ﷺ سے اجازت لیکر ام رومان سے کہا اور انہوں نے حضرت ابو بکر صدیقؓ سے ذکر کیا تو چونکہ یہ ایک قسم کی وعدہ خلافی تھی، بولے کہ جبیر بن مطعم سے وعدہ کر چکا ہوں، لیکن مطعم نے خود اس بنا پر انکار کر دیا کہ اگر حضرت عائشہؓ ان کے گھر میں گئیں تو گھر میں اسلام کا قدم آجائے گا۔ بہر حال حضرت ابو بکر صدیقؓ نے خولہ کے ذریعہ سے آنحضرت ﷺ سے عقد کر دیا۔ پانچ سو درہم مہر قرار پایا۔ یہ سنہ نبوی کا واقعہ ہے اس وقت حضرت عائشہؓ کی عمر چھ برس تھی۔

یہ نکاح اسلام کی سادگی حقیقی تصویر تھا عطیہ اس کا واقعہ اس طرح بیان کرتی ہیں کہ حضرت عائشہؓ لڑکیوں کے ساتھ کھیل رہی تھیں ان کی لڑائی لڑائی اور ان کو لے گئی۔ حضرت ابو بکرؓ نے آکر نکاح پڑھا دیا۔ حضرت عائشہؓ خود کہتی ہیں کہ جب میرا نکاح ہوا تو مجھ کو خبر تک نہ ہوئی جب میری والدہ نے باہر نکلنے میں روک ٹوک شروع کی تب میں سمجھی کہ میرا نکاح ہو گیا اس کے بعد میری والدہ نے مجھے سمجھا بھی دیا۔ (طبقات ابن سعد ج ۸ ص ۴۰)

نکاح کے بعد آنحضرت ﷺ کا قیام مکہ میں تین سال تک رہا۔ ۱۳۔ نبوی میں آپ ﷺ نے ہجرت کی تو حضرت ابو بکر صدیقؓ ساتھ تھے اور اہل و عیال کو دشمنوں کے زرعہ میں چھوڑ آئے تھے جب مدینہ میں اطمینان ہوا تو حضرت ابو بکر صدیقؓ نے عبد اللہ بن اریظہ کو بھیجا کہ ام رومانؓ اسماءؓ اور عائشہؓ کو لے آئیں مدینہ میں آکر حضرت عائشہؓ سخت بخار میں مبتلا ہوئیں۔ اسمد امراض سے سر کے بال جھڑ گئے۔ (۳) صحت ہوئی تو ام رومان کو رسم

عروسی ادا کرنے کا خیال آیا۔ اس وقت حضرت عائشہؓ کی عمر ۹ سال کی تھی سیلیوں کے ساتھ جھولا جھول رہی تھیں کہ ام رومان نے آکر آواز دی 'ان کو اس واقعہ کی خبر تک نہیں تھی' ماں کے پاس آئیں انہوں نے منہ دھویا بال درست کئے گھر میں لے گئیں۔ انصار کی عورتیں انتظار میں تھیں یہ گھر میں داخل ہوئیں تو سب نے مبارکباد دی۔ تھوڑی دیر بعد خود آنحضرت ﷺ تشریف لائے۔ (۱) شوال میں نکاح ہوا تھا اور شوال ہی میں یہ رسم ادا کی گئی۔

حضرت عائشہؓ کے نکاح سے عرب کے بعض یہودہ خیالات میں اصلاح ہوئی (۱) عرب منہ بولے بھائی کی لڑکی سے شادی نہیں کرتے تھے اسی بناء پر جب خولہؓ نے حضرت ابو بکرؓ سے آنحضرت ﷺ کا ارادہ ظاہر کیا تو انہوں نے حیرت سے کہا کہ "کیا یہ جائز ہے؟" عائشہؓ تو رسول اللہ ﷺ کی بھتیجی ہے لیکن آنحضرت ﷺ نے فرمایا انت اخ فی الاسلام تم تو صرف منہ بولے بھائی ہو (۲) اہل عرب شوال میں شادی نہیں کرتے تھے زمانہ قدیم میں اس مہینہ میں طاعون آیا تھا۔ حضرت عائشہؓ کی شادی اور رخصتی دونوں شوال میں ہوئیں۔

عام حالات :

غزوات میں سے صرف غزوہ احد میں حضرت عائشہؓ کی شرکت کا پتہ چلتا ہے صحیح بخاری میں حضرت انسؓ سے منقول ہے کہ میں نے عائشہؓ کو رام سلیمؓ کو دیکھا کہ مشک بھر بھر کر لاتی تھیں اور زخموں کو پانی پلاتی تھیں۔ (۳)

غزوہ مصطلق میں کہ ۵ ہجری کا واقعہ ہے حضرت عائشہؓ "آپ کے ساتھ واپسی میں ان کا ہار کہیں گر گیا پورے قافلہ کو اترنا پڑا نماز کا وقت آیا تو پانی نہ ملا تمام صحابہؓ پریشان تھے آنحضرت ﷺ کو خبر ہوئی اور تیمم کی آیت نازل ہوئی اس اجازت سے تمام لوگ خوش ہوئے اسید بن حضیرؓ نے کہا "اے آل ابو بکر! تم لوگوں کے لئے سرمایہ برکت ہو۔

اسی لڑائی میں واقعہ افک پیش آیا یعنی منافقین نے حضرت عائشہؓ پر تہمت لگائی احادیث اور سیر کی کتابوں میں اس واقعہ کو نہایت تفصیل کے ساتھ نقل کیا ہے لیکن جس

(۱) صحیح بخاری ترویج عائشہؓ وسیرۃ النبی ج ۲۔

(۲) بخاری ج ۲ ص ۸۱

واقعہ کی نسبت قرآن مجید میں صاف مذکور ہے کہ سننے کے بعد لوگوں نے یہ کیوں نہیں کہہ دیا کہ ”بالکل افتراء ہے“ اسکو تفصیل کے ساتھ لکھنے کی چنداں ضرورت نہیں۔

۹۔ ہجری میں تحریم اور ایلاء و تخیر کا واقعہ پیش آیا اور واقعہ تحریم کی تفصیل حضرت حصہؓ کے حالات میں آئے گی البتہ واقعہ ایلاء کی تفصیل اس مقام پر کی جاتی ہے۔ آنحضرت ﷺ زاہدانہ زندگی بسر فرماتے تھے دودو مہینے گھر میں آگ نہیں جلتی تھی آئے دن فاقے آتے رہتے تھے۔ ازواج مطہرات گو شرف صحبت کی برکت سے تمام لبائے جنس سے ممتاز ہو گئی تھیں تاہم بخریت بالکل معدوم نہیں ہو سکتی تھی خصوصاً وہ دیکھتی تھیں کہ فتوحات اسلام کا دائرہ بڑھتا جا رہا ہے اور غنیمت کا سرمایہ اس قدر پہنچ گیا ہے کہ اس کا کوئی حصہ بھی ان کی راحت و آرام کے لئے کافی ہو سکتا ہے۔ ان واقعات کا اقتضاء تھا کہ ان کے صبر و قناعت کا جام لبریز ہو جاتا تھا۔

ایک مرتبہ حضرت ابو بکرؓ و عمرؓ خدمت نبوی ﷺ میں حاضر ہوئے۔ دیکھا کہ بیچ میں آپ ہیں لوہر لوہر بیویاں بیٹھی ہیں اور توسیع نفقہ کا تقاضا ہے۔ دونوں اپنی صاحبزادیوں کی تنبیہ پر آمادہ ہو گئے لیکن انہوں نے عرض کی کہ ہم آئندہ آنحضرت ﷺ کو زائد مصارف کی تکلیف نہ دیں گے۔

دیگر ازواج اپنے مطالبہ پر قائم رہیں۔ آنحضرت ﷺ کے سکون خاطر میں یہ چیز اس قدر خلل انداز ہوئی کہ آپ نے عہد فرمایا کہ ایک مہینہ تک ازواج مطہرات سے نہ ملیں گے اتفاق یہ کہ اسی زمانہ میں آپ گھوڑے سے گر پڑے اور ساق مبارک پر زخم لیا آپ ﷺ نے بالاخانہ پر تنہا نشینی اختیار کی واقعات کے قرینہ سے لوگوں نے خیال کیا کہ آپ ﷺ نے تمام ازواج کو طلاق دے دی لیکن جب حضرت عمرؓ نے آنحضرت سے دریافت کیا کہ آپ نے ازواج کو طلاق دے دی؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا ”نہیں“ یہ سن کر حضرت عمرؓ اللہ اکبر پکار اٹھے۔

جب ایلاء کی مدت یعنی ایک مہینہ گزر چکا تو آپ بالاخانہ سے اتر آئے سب سے پہلے حضرت عائشہؓ کے پاس تشریف لائے وہ ایک ایک دن گنتی تھیں ”یو لیس یا رسول اللہ ﷺ! آپ نے ایک مہینہ کے لئے عہد فرمایا تھا ابھی تو انتیس دن ہوئے ہیں ارشاد ہوا کہ ”مہینہ کبھی انتیس کا بھی ہوتا ہے“

اس کے بعد آیت تمغیر نازل ہوئی اس آیت کی رو سے آنحضرت ﷺ کو حکم دیا گیا کہ ازواج مطہرات کو مطلع فرمادیں کہ دو چیزیں تمہارے سامنے ہیں 'دنیا اور آخرت' اگر تم دنیا چاہتی ہو تو آؤ میں تم کو رخصتی جوڑے دیکر عزت و احترام کے ساتھ رخصت کر دوں اور اگر تم خدا اور رسول ﷺ اور ابدی راحت کی طلبگار ہو تو خدا نے نیکوکاروں کے لئے بڑا اجر مہیا کر رکھا ہے چونکہ حضرت عائشہؓ ان تمام معاملات میں پیش پیش تھیں آپ نے ان کو ارشاد الہی سے مطلع فرمایا انہوں نے کہا کہ میں سب کچھ چھوڑ کر خدا اور رسول ﷺ کو لیتی ہوں۔ تمام لور ازواج نے بھی یہی جواب دیا۔ (صحیح بخاری ج ۲ ص ۹۲ و صحیح مسلم اب الاطعماء)

ربیع الاول ۱۱ھ ہجری میں آنحضرت ﷺ نے وفات پائی۔ ۳۱ دن علیل رہے جن میں ۸ دن حضرت عائشہؓ کے حجرہ میں اقامت فرمائی۔ خلق عمیم کی بناء پر ازواج مطہرات سے صاف طور پر اجازت نہیں طلب کی بلکہ پوچھا کہ کل میں کس کے گھر میں رہوں گا؟ دوسرا دن (دوشنبہ) حضرت عائشہؓ کے ہاں قیام فرمانے کا تھا ازواج مطہرات نے مرضی اقدس سمجھ کر عرض کی کہ آپ جہاں چاہیں قیام فرمائیں۔

ضعف اس قدر زیادہ ہو گیا تھا کہ چلا نہیں جاتا تھا۔ حضرت علیؓ اور حضرت عباسؓ دونوں بازو تھام کر بہ مشکل حضرت عائشہؓ کے حجرہ میں لائے۔

وفات سے پانچ روز پہلے (جمعرات) کو آپ کو یاد آیا کہ حضرت عائشہؓ کے پاس کچھ اشرفیاں رکھوائی تھیں دریافت فرمایا کہ عائشہ! وہ اشرفیاں کہاں ہیں؟ کیا محمد خدا سے بدگمان ہو کر ملے گا؟ جو ان کو خدا کی راہ میں خیرات کر دو۔ (مسند امام احمد بن حنبل ج ۶ ص ۳۹)

جس دن وفات ہوئی (یعنی دوشنبہ کے روز) بظاہر طبعیت کو سکون تھا لیکن دن جیسے جیسے چڑھتا جاتا تھا آپ پر غشی طاری ہوتی تھی حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں آپ ﷺ جب تندرست تھے تو فرمایا کرتے تھے کہ پیغمبروں کو اختیار دیا جاتا ہے کہ وہ خواہ موت کو قبول کریں یا حیات دنیا کو ترجیح دیں۔ اس حالت میں آپ ﷺ کی زبان مبارک سے اکثر یہ الفاظ ہوتے رہے مع الذین انعم اللہ علیہم اور کبھی فرماتے اللھم فی الرفیق الاعلیٰ وہ سمجھ گئیں کہ اب صرف رفاقت الہی مطلوب ہے۔

وفات سے ذرا پہلے حضرت ابو بکر صدیقؓ کے صاحبزادے عبدالرحمنؓ خدمت اقدس میں آئے آپ حضرت عائشہؓ کے سینہ پر سر ٹیک کر لیٹے تھے عبدالرحمنؓ کے ہاتھ

میں مسواک تھی مسواک کی طرف نظر جما کر دیکھا، حضرت عائشہؓ سمجھیں کہ آپ مسواک کرنا چاہتے ہیں۔ عبدالرحمنؓ سے مسواک لیکر دانتوں سے نرم کی اور خدمت اقدس میں پیش کی آپ ﷺ نے بالکل تندہ ستوں کی طرح مسواک کی حضرت عائشہؓ فخریہ کہا کرتی تھیں کہ ”تمام بیویوں میں مجھی کو یہ شرف حاصل ہوا کہ آخر وقت میں بھی میرا جھوٹا آپ ﷺ نے منہ میں لگایا“

اب وفات کا وقت قریب آرہا تھا۔ حضرت عائشہؓ آپ ﷺ کو سنبھالے بیٹھی تھیں کہ دفعۃً بدن کا بوجھ معلوم ہو لو دیکھا تو آنکھیں پھٹ کر چھت سے لگ گئی تھیں اور روح پاک ﷺ عالم اقدس میں پرواز کر گئی تھی حضرت عائشہؓ نے آہستہ سے سر اقدس تکیہ پر رکھ دیا اور رونے لگیں۔

حضرت عائشہؓ کے ابواب مناقب کے سب سے زریں باب یہ ہے کہ ان کے حجرہ کو آنحضرت ﷺ کا دفن بنانا نصیب ہوا اور نقش مبارک اسی حجرہ کے ایک گوشہ میں سپرد خاک کی گئی چونکہ ازواج مطہرات کے لئے خدا نے دوسری شادی ممنوع کر دی تھی اس لئے آنحضرت ﷺ کے بعد حضرت عائشہؓ نے ۳۸ سال بیوگی کی حالت میں بسر کئے۔ اس زمانہ میں ان کی زندگی کا مقصد وحید قرآن و حدیث کی تعلیم تھا جس کا ذکر آئندہ آئے گا۔

آنحضرت ﷺ کی وفات کے دو برس بعد ۱۳ ہجری میں حضرت ابو بکر صدیقؓ نے انتقال فرمایا اور حضرت عائشہؓ کے لئے یہ سایہ شفقت بھی باقی نہ رہا۔

حضرت ابو بکر صدیقؓ کے بعد حضرت عمرؓ خلیفہ ہوئے انہوں نے حضرت عائشہؓ کی جس قدر دلجوئی کی وہ خود اس کو اس طرح میان فرماتی ہیں ”لن خطابؓ نے آنحضرت ﷺ کے بعد مجھ پر بڑے بڑے احسانات کئے (۱) حضرت عمرؓ نے تمام ازواج مطہرات کیلئے دس دس ہزار درہم سالانہ وظیفہ مقرر فرمایا تھا لیکن حضرت عائشہؓ کا وظیفہ بارہ ہزار تھا جس کی وجہ یہ تھی کہ وہ آنحضرت ﷺ کو سب سے زیادہ محبوب تھیں۔ (۲)

حضرت عثمانؓ کے واقعہ شہادت میں حضرت عائشہؓ مکہ میں مقیم تھیں۔ حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ نے مدینہ سے جا کر ان کو واقعات سے آگاہ کیا تو دعوت اصلاح کے لئے بصرہ گئیں اور وہاں حضرت علیؓ سے جنگ پیش آئی جو جنگ جمل کے نام سے مشہور ہے جمل

لونٹ کو کہتے ہیں، چونکہ حضرت عائشہؓ ایک لونٹ پر سوار تھیں اور اس نے اس معرکہ میں بڑی اہمیت حاصل کی تھی اس لئے یہ جنگ بھی اسی کی نسبت سے مشہور ہو گئی یہ جنگ اگرچہ بالکل اتفاقی طور پر پیش آئی تھی۔ تاہم حضرت عائشہؓ کو اس کا ہمیشہ افسوس رہا۔

بخاری میں ہے کہ وفات کے وقت انہوں نے وصیت کی کہ ”مجھے روضہ نبوی ﷺ میں آپ ﷺ کے ساتھ دفن نہ کرنا بلکہ بقیع میں اور ازدواج کے ساتھ دفن کرنا کیونکہ میں نے آپ ﷺ کے بعد ایک جرم کیا ہے۔ (۱) لکن سعد میں ہے کہ وہ جب یہ آیت پڑھتی تھیں وقرن فی بیوتکن اے پیغمبر ﷺ کی بیویو! اپنے گھروں میں وقار کے ساتھ بیٹھو تو اس قدر روتی تھیں کہ آنچل تر ہو جاتا تھا۔ (۲)

حضرت علیؓ کے بعد حضرت عائشہؓ اٹھارہ برس اور زندہ رہیں اور یہ تمام زمانہ سکون اور خاموشی میں گزرا۔

وفات :

امیر معاویہؓ کا اخیر زمانہ خلافت تھا کہ رمضان ۵۸ھ ہجری میں حضرت عائشہؓ نے رحلت فرمائی اس وقت سڑھ (۶۷) برس کا سن تھا اور وصیت کے مطابق بقیع میں رات کے وقت مدفون ہوئیں قاسم بن محمدؓ عبد اللہ بن عبد الرحمنؓ عبد اللہ بن ابی عقیقؓ عروہ بن زبیرؓ اور عبد اللہ بن زبیرؓ نے قبر میں اتارا اس وقت حضرت ابو ہریرہؓ مروان بن حکم کی طرف سے مدینہ کے حاکم تھے اس لئے انہوں نے نماز جنازہ پڑھائی۔

اولاد :

حضرت عائشہؓ کے کوئی اولاد نہیں ہوئی لکن الاعرابی نے لکھا ہے کہ ایک نام تمام بچہ ساقط ہو گیا تھا اس کا نام عبد اللہ تھا اور اسی کے نام پر انہوں نے کنیت رکھی تھی لیکن یہ قطعاً غلط ہے۔ حضرت عائشہؓ کی کنیت ام عبد اللہ ان کے بھانجے عبد اللہ بن زبیرؓ کے تعلق سے تھی جن کو انہوں نے متبنی بنایا تھا۔

حلیہ :

حضرت عائشہؓ خوش رو اور صاحب جمال تھیں، رنگ سرخ و سفید تھا۔

(۱) کتاب الجنائز و مستدرک حاکم ج ۱ ص ۸

(۲) طبقات ابن سعد جز ثانی

فضل و کمال :

علمی حیثیت سے حضرت عائشہؓ کو نہ صرف عورتوں پر نہ صرف دوسری امہات المؤمنین پر نہ صرف خاص خاص صحابیوں پر بلکہ باسٹھائے چند تمام صحابہؓ پر فوقیت حاصل تھی جامع ترمذی میں حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ سے روایت ہے۔

ما اشکل علینا اصحاب محمد ﷺ حدیث قط

فسألنا عائشة الا وجدنا عندها منه علماً

”ہم کو کبھی کوئی ایسی مشکل بات پیش نہیں آئی جس کو ہم نے عائشہؓ سے

پوچھا ہو اور ان کے پاس اس کے متعلق کچھ معلومات نہ ملے ہوں“

امام زہریؒ جو سرخیل تابعین تھے فرماتے ہیں :

كانت عائشة اعلم الناس يسئلهما الاكابر من اصحاب رسول الله ﷺ (۱)

”عائشہؓ تمام لوگوں میں سب سے زیادہ عالم تھیں۔ بڑے بڑے اکابر صحابہؓ ان سے

پوچھا کرتے تھے“

عروہ بن زبیرؓ کا قول ہے :

مارأت احد العلم بالقرآن ولا بفريضة ولا بحلال ولا بفقه

ولا بشعر ولا بطب ولا بحدیث العرب ولا نسب من عائشة

”قرآن، فرائض، حلال و حرام، فقہ، شاعری، طب، عرب کی تاریخ اور

نسب کا عالم حضرت عائشہؓ سے بڑھ کر کسی کو نہیں دیکھا“

امام زہریؒ کی ایک شہادت ہے :

لو جمع علم الناس كلهم ثم علم ازواج النبی ﷺ فكانت عائشة وسعهم علماً

”اگر تمام مردوں کا اور امہات المؤمنین کا علم ایک جگہ جمع کیا جائے تو

حضرت عائشہؓ کا علم وسیع تر ہوگا“

حضرت عائشہؓ کا شمار مجتہدین صحابہؓ میں ہے اور اس حیثیت سے وہ اس قدر بلند

ہیں کہ بے تکلف ان کا نام حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ، عبداللہ بن مسعودؓ اور عبداللہ بن عباسؓ

کے ساتھ لیا جاسکتا ہے۔ وہ حضرت ابو بکر صدیقؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ کے زمانہ

میں فتویٰ دیتی تھیں اور اکابر صحابہؓ پر انہوں نے جو دقیق اعتراضات کئے ہیں ان کو علامہ سیوطیؒ نے ایک رسالہ میں جمع کر دیا ہے اس رسالہ کا نام عید الاصابہ فی الاستدراکۃ عائشہؓ علی الصحابہؓ ہے۔

حضرت عائشہؓ معترین صحابہؓ میں داخل ہیں۔ ان سے ۲۲۱۰ حدیثیں مروی ہیں جن میں ۱۷۳ حدیثوں پر شیخیں نے اتفاق کیا ہے امام بخاری نے منفرد ان سے ۵۸ حدیثیں روایت کی ہیں۔ ۶۸ حدیثوں میں امام مسلم منفرد ہیں۔ بعض لوگوں کا قول ہے کہ احکام شریعہ میں سے ایک چوتھائی ان سے منقول ہے۔

علم کلام کے متعدد مسائل ان کی زبان سے ادا ہوئے ہیں چنانچہ رویت باری، علم غیب، عصمت انبیاء، معراج، ترتیب خلافت اور سماع موتی وغیرہ کے متعلق انہوں نے جو خیالات ظاہر کئے ہیں انصاف یہ ہے کہ ان میں ان کی دقت نظر کا پلہ بھاری نظر آتا ہے۔

علم اسرار الدین کے متعلق بھی ان سے بہت سے مسائل مروی ہیں چنانچہ قرآن مجید کی ترتیب نزول، مدینہ میں کامیابی اسلام کے اسباب، غسل جمعہ، نماز قصر کی علت، صوم عاشورہ کا سبب حج کی حقیقت اور ہجرت کے معنی کی انہوں نے خاص تشریحات کی ہیں۔

طب کے متعلق وہی عام معلومات تھیں جو گھر کی عورتوں کو عام طور پر ہوتی ہیں البتہ تاریخ عرب میں وہ اپنا جواب نہیں رکھتی تھیں۔ عرب جاہلیت کے حالات، ان کے رسم و رواج، ان کے انساب اور ان کی طرز معاشرت کے متعلق انہوں نے بعض ایسی باتیں بیان کی ہیں جو دوسری جگہ نہیں مل سکتیں۔ اسلامی تاریخ کے متعلق بعض اہم واقعات ان سے منقول ہیں مثلاً آغاز وحی کی کیفیت، ہجرت کے واقعات، واقعہ اہک، نزول قرآن اور اس کی ترتیب، نماز کی صورتیں، آنحضرت ﷺ کے مرض الموت کے حالات، غزوہ بدر، غزوہ احد، خندق، قریظہ کے واقعات، غزوہ ذات الرقاع میں نماز خوف کی کیفیت، فتح مکہ میں عورتوں کی نیت، حجۃ الوداع کے ضروری حالات، آنحضرت ﷺ کے اخلاق و عادات، خلافت صدیقی، حضرت فاطمہؓ اور ازواج مطہرات کا دعویٰ میراث، حضرت علیؓ کا ملال خاطر اور پھر نبوت کے تمام مفصل حالات ان ہی کے ذریعہ سے معلوم ہوئے ہیں۔

لونی حیثیت سے وہ نہایت شیریں کلام اور فصیح اللسان تھیں۔ ترمذی میں موسیٰ بن طلحہ کا یہ قول نقل ہے۔

مارایت افصح من عائشة (مسندك حاکم ج ۴ ص ۱۱)

”میں نے عائشہ سے زیادہ کسی کو فصیح اللسان نہیں دیکھا“

اگرچہ احادیث میں روایت بالمعنی کا عام طور پر رولج ہے اور روایت باللفظ کم اور نہایت کم ہوتی ہیں تاہم جہاں حضرت عائشہؓ کے اصلی الفاظ محفوظ رہ گئے ہیں پوری حدیث میں جان پڑ گئی ہے مثلاً آغاز وحی کے سلسلہ میں فرماتی ہیں

فما رای رویا الا جاءت مثل فلق الصبح

”آپ ﷺ جو خواب دیکھتے تھے سپیدہ سحر کی طرح نمودار ہو جاتا تھا“

آپ ﷺ پر جب وحی کی کیفیت طاری ہوتی تو جبین مبارک پر عرق آجاتا تھا اس کو اس طرح لدا کرتی ہیں۔

مثل الجمال

”پیشانی پر موتی ڈھلکتے تھے“

واقعہ افک میں انہیں راتوں کو نیند نہیں آتی تھیں اس کو اس طرح بیان کرتی ہیں :

ما اکتحل بنوم

”میں نے سرمہ خواب نہیں لگایا“

صحیح بخاری میں ان کے ذریعہ سے ام زرع کا جو قصہ مذکور ہے وہ جان لوب ہے اور اہل لوب نے اس کی مفصل شرحیں اور حاشے لکھے ہیں۔

خطات کے لحاظ سے بھی حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ کے سوا تمام صحابہ کرامؓ میں ممتاز تھیں جنگ جمل میں انہوں نے جو تقریریں کی ہیں وہ جوش اور زور کے لحاظ سے اپنا جواب نہیں رکھتیں ایک تقریر میں فرماتی ہیں :

”لوگو ! خاموش خاموش تم پر میرا لوری حق ہے مجھے نصیحت کی عزت حاصل ہے سو اس شخص کے جو خدا کا فرمان بردار نہیں ہے مجھ کو کوئی الزام نہیں دے سکتا۔ آنحضرت ﷺ نے مہرے سینے پر سر رکھے ہوئے وفات پائی ہے۔ میں آپ ﷺ کی محبوب ترین بیوی ہوں خدا نے مجھ کو دوسروں سے ہر طرح محفوظ رکھا اور میری ذات سے مؤمن و منافق میں تمیز ہوئی اور میرے ہی سبب سے تم پر خدا نے تیمم کا حکم نازل فرمایا۔

پھر میرا باپ دنیا میں تیسرا مسلمان ہے اور غار حرا میں دو کا دوسرا تھا۔ اور پہلا

شخص تھا جو صدیق کے لقب سے مخاطب ہوا۔ آنحضرت ﷺ نے اس سے خوش ہو کر لور اس کو طوق خلافت پہنا کر وفات پائی اس کے بعد اسلام کی رسی جب ہلنے ڈلنے لگی تو میرا ہی باپ تھا جس نے دونوں سرے تھام لئے جس نے نفاق کی باگ روک دی جس نے ارتد لو کا چشمہ خشک کر دیا جس نے یسود کی آتش افروزی سرد کی۔ تم لوگ اس وقت آنکھیں بند کئے غدر و فتنہ کے منتظر تھے لور شور و غوغا پر گوش بر آواز تھے اس نے شکاف کو برہر کیا بیکار کو درست کیا اگر توں کو سنبھالا دلوں کی مدفون ہمساریوں کو دور کیا۔ جو پانی سے سیراب ہو چکے تھے ان کو تھان تک پہنچا دیا جو پیاسے تھے ان کو گھاٹ پر لے آیا لور جو ایک بار پانی پی چکے تھے انہیں دوبارہ پلایا جب وہ نفاق کا سر کچل چکا لور اہل شرک کے لئے آتش جنگ مشتعل کر چکا لور تمہارے سامان کی گٹھڑی کو ڈوری سے باندھ چکا تو خدا نے اسے اٹھالیا۔

ہاں میں سوال کا نشانہ بن گئی ہوں کہ کیوں فوج لے کر نکلی؟ میرا مقصد اس سے گناہ کی تلاش لور فتنہ کی جستجو نہیں ہے جس کو میں پامال کرنا چاہتی ہوں جو کچھ کہہ رہی ہوں سچائی لور انصاف کے ساتھ تنبیہ لور اتمام حجت کے لئے“ (عقد الفرید باب الخلیف ص: ۱۴)

حضرت عائشہؓ گو شعر نہیں کہتی تھیں تاہم شاعرانہ مذاق اس قدر عمدہ پایا تھا کہ حضرت حسان بن ثابتؓ جو عرب کے مسلم الثبوت شاعر تھے ان کی خدمت میں اشعار سنانے کے لئے حاضر ہوتے تھے۔ امام بخاریؒ نے لوب المفرد میں لکھا ہے کہ حضرت عائشہؓ کو اکب بن مالکؓ کا پورا قصیدہ یاد تھا اس قصیدہ میں کم و بیش چالیس شعر تھے۔ کعبہ کے علاوہ ان کا دیگر جاہلی لور اسلامی شعراء کے اشعار بھی بخیر تباد تھے جن کو وہ مناسب موقعوں پر پڑھا کرتی تھیں چنانچہ وہ حدیث کی کتابوں میں منقول ہیں۔

حضرت عائشہؓ نہ صرف ان تمام علوم کی ماہر تھیں بلکہ دوسروں کو بھی ماہر بنادیتی تھیں چنانچہ ان کے دامن تربیت میں جو لوگ پرورش پا کر نکلے اگرچہ ان کی تعداد دو سو کے قریب ہے لیکن ان میں جن کو زیادہ قرب و اختصا ص حاصل تھا وہ حسب ذیل ہیں:

عروہ بن زبیرؓ، قاسم بن محمدؓ، ابو سلمہ بن عبد الرحمنؓ، مسروقؓ، عمرہؓ، صفیہ بنت شیبہؓ،

عائشہ بنت طلحہؓ، معاویہؓ

اخلاق و عادات:

اخلاقی حیثیت سے بھی حضرت عائشہؓ بلند مرتبہ رکھتی تھیں وہ نہایت قانع

تھیں غیبت سے احتراز کرتی تھیں احسانِ تم قبول کرتیں اگرچہ خود ستائی ناپسند تھی تاہم نہایت خوددار تھیں شجاعت اور دلیری بھی ان کا خاص جوہر تھا۔

ان کا سب سے نمایاں وصف جو دو سنا تھا حضرت عبداللہ بن زبیرؓ فرمایا کرتے تھے کہ میں نے ان سے زیادہ سخی کسی کو نہیں دیکھا ایک مرتبہ امیر معاویہؓ نے ان کی خدمت میں لاکھ درہم بھجے تو شام ہوتے ہوتے سب خیرات کر دیئے اور اپنے لئے کچھ نہ رکھا۔ اتفاق سے اس دن روزہ رکھا تھا لونڈی نے عرض کی کہ افطار کے لئے کچھ نہیں ہے فرمایا پہلے سے کیوں نہ یاد دلائیے۔ (تذکرہ حاکم: ۴ ص ۱۳)

ایک دفعہ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ جو ان کے متبنی تھے ان کی فیاضی دیکھ کر گمبہ اگئے اور کہا کہ اب ان کا ہاتھ رد کنا چاہیے حضرت عائشہؓ کو معلوم ہوا تو سخت رہم ہوئیں اور قسم کھائی کہ ان سے بات نہ کریں گی۔ چنانچہ لن زبیرؓ مدت تک معتب رہے اور بڑی دقت سے ان کا غم فرو ہوا۔ (صحیح بخاری باب مناقب)

نہایت خاشع متضرع اور عبادت گزار تھیں چاشت کی نماز برہر پڑھتیں فرماتی تھیں کہ اگر میرا باپ بھی قبر سے اٹھ آئے اور مجھ کو منع کرے تب بھی باز نہ آؤں گی۔ آنحضرت ﷺ کے ساتھ راتوں کو اٹھ کر تہجد کی نماز ادا کرتی تھیں اور اس کی اس قدر پابند تھیں کہ آنحضرت ﷺ کے بعد جب کبھی یہ نماز قضا ہو جاتی تو نماز فجر سے پہلے اٹھ کر پڑھ لیتی تھیں۔ رمضان میں ترلوٹح کا اہتمام کرتی تھیں۔ ذکوان ان کا غلام امامت کرتا اور وہ مقتدی ہوتیں۔

اکثر روزے رکھا کرتی تھیں حج کی بھی شدت سے پابند تھیں اور ہر سال اس فرض کو ادا کرتیں۔ غلاموں پر شفقت کرتیں اور ان کو خرید کر آزاد کرتی تھیں ان کے آزاد کردہ غلاموں کی تعداد سڑسٹھ (۶۷) ہے۔ (شرح بلوغ الرام کتاب العتق)

(۴) حضرت حصہؓ

نام و نسب

حصہؓ نام حضرت عمرؓ کی صاحبزادی تھیں، سلسلہ نسب یہ ہے حصہ بنت عمرؓ ابن خطاب بن اذیل بن عبد العزیٰ بن رباح بن عبد اللہ بن قرط بن رزاح بن عدی بن لوی بن فہر بن مالک۔ والدہ کا نام زینب بنت مظعون تھا جو مشہور صحابی حضرت عثمانؓ بن مظعونؓ کی ہم شیر تھیں اور خود بھی صحابیہ تھیں حضرت حصہؓ اور حضرت عبد اللہ بن عمرؓ حقیقی بھائی بہن ہیں۔ حضرت حصہؓ بعثت نبوی ﷺ سے ۵ سال قبل پیدا ہوئیں اس وقت قریش خانہ کعبہ کی تعمیر میں مصروف تھے۔

نکاح :

پہلا نکاح خیل بن حذافہ سے ہوا جو خاندان بنو سہم سے تھے۔

اسلام :

مالِ باپ اور شوہر کے ساتھ مسلمان ہوئیں۔

ہجرت اور نکاح ثانی :

شوہر کے ساتھ مدینہ کو ہجرت کی غزوہ بدر میں خینسؓ نے زحم کھائے اور واپس آکر ان ہی زخموں کی وجہ سے شہادت پائی۔ عدت کے بعد حضرت عمرؓ کو حصہؓ کے نکاح کی فکر ہوئی اسی زمانہ میں حضرت رقیہؓ کا انتقال ہو چکا تھا۔ اس بنا پر حضرت عمرؓ سب سے پہلے حضرت عثمانؓ سے ملے اور ان سے حضرت حصہؓ کے نکاح کی خواہش کی۔ انہوں نے کہا میں اس پر غور کروں گا چند یوم کے بعد بلاقات ہوئی تو صاف انکار کیا۔ حضرت عمرؓ نے مایوس ہو کر حضرت ابو بکرؓ سے ذکر کیا۔ انہوں نے خاموشی اختیار کی۔ حضرت عمرؓ کو ان کی بے التفاتی سے رنج ہوا اس کے بعد خود رسالت پناہ ﷺ نے حضرت حصہؓ سے نکاح کی خواہش ظاہر کی نکاح ہو گیا تو حضرت ابو بکر صدیقؓ حضرت عمرؓ سے ملے اور کہا کہ جب تم نے مجھ سے حصہؓ کے نکاح کی خواہش کی اور میں خاموش رہا تو تم کو ناگوار گزرا لیکن میں نے اسی بنا پر جواب نہیں دیا کہ رسول اللہ ﷺ نے ان کا ذکر کیا تھا اور میں آپ ﷺ کا راز فاش نہیں کرنا چاہتا تھا اگر رسول اللہ ﷺ کا ان سے نکاح کا قصد نہ

ہوتا تو میں اس کے لئے آمادہ تھا۔ (صحیح بخاری ج ۲ ص ۷۱ و اصابہ ج ۸ ص ۵۱)

وفات :

حضرت حصہؓ نے شعبان ۴۵ھ ہجری میں انتقال کیا۔ یہ امیر معاویہؓ کی خلافت کا زمانہ تھا مروان نے جو اس وقت مدینہ کا گورنر تھا نماز جنازہ پڑھائی۔ اور کچھ دور تک جنازہ کو کاندھا دیا اس کے بعد حضرت ابو ہریرہؓ جنازہ کو قبر تک لے گئے ان کے بھائی حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور ان کے لڑکوں عاصمؓ، سالمؓ عبداللہؓ حمزہؓ نے قبر میں اتارا۔

حضرت حصہؓ کے سن وفات میں اختلاف ہے ایک روایت میں ہے کہ جمادی الاول ۴۱ھ ہجری میں وفات پائی اس وقت ان کا سن ۵۹ سال کا تھا لیکن اگر سن وفات ۴۵ھ ہجری قرار دیا جائے تو ان کی عمر ۶۳ سال کی ہوگی۔ ایک روایت ہے کہ انہوں نے حضرت عثمانؓ کی خلافت میں ۲۰ھ ہجری میں انتقال کیا یہ روایت اس بناء پر پیدا ہو گئی کہ وہب نے ابن مالک سے روایت کی ہے کہ جس سال افریقہ فتح ہوا حضرت حصہؓ نے اسی سال وفات پائی اور افریقہ حضرت عثمانؓ کی خلافت میں ۲۰ھ ہجری میں فتح ہوا لیکن یہ سخت غلطی ہے، افریقہ دو مرتبہ فتح ہوا اس دوسری فتح کا فخر معاویہؓ بن خدیج کو حاصل ہے، جنہوں نے حضرت امیر معاویہؓ کے عہد میں حملہ کیا تھا۔

حضرت حصہؓ نے وفات کے وقت حضرت عبداللہ بن عمرؓ کو بلا کر وصیت کی اور غابہ میں جو جائیداد تھی جسے حضرت عمرؓ ان کی نگرانی میں دیکر گئے تھے، ان کو صدقہ کر کے وقف کر دیا۔ (زرقانی ج ۳ ص ۷۱)

ولاد :

کوئی اولاد نہیں چھوڑی۔

فضل و کمال :

البتہ معنوی یادگاریں بہت سی ہیں اور وہ یہ ہیں، عبداللہ بن عمرؓ حمزہؓ (ابن عبداللہ) صفیہ بنت ابو عبیدہؓ (زوجہ عبداللہ) حارثہ بن وہبؓ، مطلب بن ابی وادعہؓ، ام مبشر انصاریہؓ، عبداللہ بن صفوان بن امیہؓ، عبدالرحمن بن حارث بن ہشامؓ۔ (زرقانی ج ۳ ص ۷۱)

حضرت حصہؓ سے ۶۰ حدیثیں منقول ہیں (۱) جو انہوں نے آنحضرت ﷺ اور

حضرت عمرؓ نے سنی تھیں۔

تھہ فی الدین کے لئے واقعہ ذیل کافی ہے ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ میں امید کرتا ہوں کہ اصحابؓ بدر و حدیبیہ جہنم میں داخل نہ ہوں گے۔ حضرت حصہؓ نے اعتراض کیا خدا تعالیٰ تو فرماتا ہے وان منکم الا واردھا ”تم میں سے ہر شخص وارد جہنم ہوگا“ آپ ﷺ نے فرمایا ہاں، لیکن یہ بھی تو ہے ثم ننجی الذین اتقوا ونذر الظالمین فیہا جثیاً (پھر ہم پر ہیزگاروں کو نجات دیں گے اور ظالموں کو اس میں زانوؤں پر گرا ہوا چھوڑ دیں گے) (مسند امام احمد بن حنبل ج ۶ ص ۲۸۵)

اسی شوق کا اثر تھا کہ آنحضرت ﷺ کو ان کی تعلیم کی فکر رہتی تھی حضرت شفاؓ کو چبوتی کے کانٹے کا منتر آتا تھا ایک دن وہ گھر میں آئیں تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ تم حصہؓ کو منتر سکھا دو۔ (مسند امام احمد ص ۲۸۱)

اخلاق :

لین سعد میں ان کے اخلاق کے متعلق ہے :

انہا صوامیۃ قوامۃ

”وہ (یعنی حصہؓ) صائم النہار اور قائم اللیل ہیں“

دوسری روایت میں ہے :

ماتت حفصۃ حتی ما تفطر (اصابہ ج ۸ ص ۵۲)

”انتقال کے وقت تک صائم رہیں“

اختلاف سے سخت نفرت کرتی تھیں جنگ صفین کے بعد جب حکیم کا واقعہ پیش آیا تو ان کے بھائی عبداللہ بن عمرؓ اس کو فتنہ سمجھ کر خانہ نشین رہنا چاہتے تھے، لیکن حضرت حصہؓ نے فرمایا کہ گو کہ اس شرکت میں تمہارا کوئی فائدہ نہیں تاہم تمہیں شریک رہنا چاہیے کیونکہ لوگوں کو تمہاری رائے کا انتظار ہوگا اور ممکن ہے کہ تمہاری عزت گزینی ان میں اختلاف پیدا کر دے۔ (بخاری ج ۲ ص ۵۸۹)

دجال سے بہت ڈرتی تھیں، مدینہ میں لن صیاد نامی ایک شخص تھا دجال کے متعلق آنحضرت ﷺ نے جو علامتیں بتائی تھیں، اس میں بہت سی موجود تھیں اس سے اور عبداللہ بن عمرؓ سے ایک دن راہ میں ملاقات ہو گئی، انہوں نے اس کو بہت سخت

ست کہا اس پر وہ اس قدر پھولا کہ راستہ بند ہو گیا لکن عمرؓ نے اس کو مارنا شروع کیا حضرت حصہؓ کو خبر ہوئی تو بولیں 'تم کو اس سے کیا غرض؟ تمہیں معلوم نہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ دجال کے خروج کا محرک اس کا غصہ ہوگا۔ (۲)

حضرت حصہؓ کے مزاج میں ذرا تیزی تھی۔ آنحضرت ﷺ سے کبھی کبھی دو بدو گفتگو کرتیں اور برابر کا جواب دیتی تھیں چنانچہ صحیح بخاری میں خود حضرت عمرؓ سے منقول ہے کہ "ہم لوگ جاہلیت میں عورتوں کو ذرا برابر بھی وقعت نہ دیتے تھے اسلام نے ان کو درجہ دیا اور قرآن میں ان کے متعلق آیتیں اتریں تو ان کی قدر و منزلت معلوم ہوئی ایک دن میری بیوی نے کسی معاملہ میں مجھ کو رائے دی "میں نے کہا تم کو رائے و مشورہ سے کیا واسطہ" بولیں "لکن خطاب! تم کو ذرا اسی بات کی بھی برداشت نہیں حالانکہ تمہاری بیٹی رسول اللہ ﷺ کو برابر جواب دیتی ہے یہاں تک کہ آپ دن بھر رنجیدہ رہتے ہیں" میں اٹھا اور حصہؓ کے پاس آیا میں نے کہا بیٹی! میں نے سنا ہے تم رسول اللہ ﷺ کو برابر جواب دیتی ہو "بولیں" ہاں! ہم ایسا کرتے ہیں میں نے کہا خبردار میں تمہیں عذاب الہی سے ڈراتا ہوں تم اس عورت (حضرت عائشہؓ) کی ریس نہ کرو جس کو رسول اللہ ﷺ کی محبت کی وجہ سے اپنے حسن پر ناز ہے۔ (بخاری ج ۲ کتاب التفسیر وفتح البدی ج ۸ ص ۵۰۳)

ترمذی میں ہے کہ ایک دفعہ حضرت صفیہؓ رو رہی تھیں آنحضرت ﷺ تشریف لائے اور رونے کی وجہ پوچھی انہوں نے کہا کہ مجھ کو حصہؓ نے کہا ہے کہ "تم یہودی کی بیٹی ہو" آپ نے فرمایا حصہؓ خدا سے ڈرو پھر حضرت صفیہؓ سے ارشاد ہوا تم نبی کی بیٹی ہو تمہارا چچا پیغمبر ہے اور پیغمبر کے نکاح میں ہو حصہؓ تم پر کس بات میں فخر کر سکتی ہے (۱)

ایک بار حضرت عائشہؓ اور حضرت حصہؓ نے حضرت صفیہؓ سے کہا کہ "ہم رسول اللہ ﷺ کے نزدیک تم سے زیادہ معزز ہیں ہم آپ کی بیوی بھی ہیں اور چچا زاد بہن بھی" حضرت صفیہؓ کو ناگوار گزرا انہوں نے آنحضرت ﷺ سے اس کی شکایت کی آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم نے یہ کیوں نہیں کہا کہ تم مجھ سے زیادہ کیونکر معزز ہو سکتی ہو میرے شوہر محمد ﷺ میرے بلب ہارون اور میرے چچا موسیٰ ہیں

حضرت عائشہؓ اور حضرت حصہؓ حضرت ابو بکر و حضرت عمرؓ کی بیٹی تھیں جو

(۱) ترمذی باب فضل ازواج النبی ﷺ (۱) مستد ج ۶ ص ۲۸۳ و مسلم کتاب الفتن ذکر ابن مباد

تقرب نبوی ﷺ میں دوش بدوش تھے اس بناء پر حضرت حصہؓ اور حضرت عائشہؓ بھی دیگر ازواج کے مقابلہ میں باہم ایک تھیں چنانچہ واقعہ تحریم جو ۹ ہجری میں پیش آیا اسی قسم کے اتفاق کا نتیجہ تھا۔ ایک دفعہ کئی دن تک آنحضرت ﷺ حضرت زینبؓ کے پاس معمول سے زیادہ بیٹھے جس کی وجہ یہ تھی کہ حضرت زینبؓ کے پاس کہیں سے شہد آگیا تھا انہوں نے آپ ﷺ کے سامنے پیش کیا آپ کو شہد بہت مرغوب تھا آپ نے نوش فرمایا اس میں وقت مقررہ سے دیر ہو گئی حضرت عائشہؓ کو رشک ہوا حضرت حصہؓ سے کہا رسول اللہ ﷺ جب ہمارے اور تمہارے گھر میں آئیں تو کتنا چاہیے کہ آپ کے منہ سے مغفیر کی بات آتی ہے (۱) (مغفیر کے پھولوں سے شہد کی کھیاں رس چوستی ہیں) آنحضرت ﷺ نے قسم کھالی کہ میں شہد نہ کھاؤں گا اس پر قرآن مجید کی یہ آیت اتری۔ (صحیح بخاری ج ۲ ص ۷۲۹)۔

یا ایہا النبی لم تحرم ما احل الله لك تبغی مرضات ازواجك
 ”اے پیغمبر! اپنی بیویوں کی خوشی کے لئے تم خدا کی حلال کی ہوئی چیز کو حرام کیوں کرتے ہو“

کبھی کبھی (حضرت حصہؓ اور حضرت عائشہؓ میں) باہم رشک و رقابت کا اظہار بھی ہو جایا کرتا تھا ایک مرتبہ حضرت عائشہؓ اور حصہؓ دونوں آنحضرت ﷺ کے ساتھ سفر میں تھیں رسول اللہ ﷺ راتوں کو حضرت عائشہؓ کے لونٹ پر چلتے تھے اور ان سے باتیں کرتے تھے ایک دن حضرت حصہؓ نے حضرت عائشہؓ سے کہا کہ آج رات کو تم میرے لونٹ پر اور میں تمہارے لونٹ پر سوار ہوں تاکہ مختلف مناظر دیکھنے میں آئیں حضرت عائشہؓ راضی ہو گئیں آنحضرت ﷺ حضرت عائشہؓ کے لونٹ کے پاس آئے جس پر حصہؓ سوار تھیں جب منزل پر پہنچے اور حضرت عائشہؓ نے آپ کو نہیں پایا اپنے پاؤں کو ازخر (ایک گھاس ہے) کے درمیان لٹکا کر کہنے لگیں ”خداوند! کسی ہتھیار یا سانپ کو متعین کر جو مجھے ڈس جائے“ (۲)

(۱) مغفیر کی، کا اظہار کرنا کوئی جھوٹ بات نہ تھی مغفیر کے پھولوں میں اگر کسی قسم کی کڑھکی ہو تو تعجب کی بات نہیں
 (۲) صحیح بخاری و سیرۃ النبی جلد دوم

(۵) حضرت زینبؓ ام المساکین

نام اور نسب :

زینب نام تھا، سلسلہ نسب یہ ہے، زینب بنت خزیمہ بن عبد اللہ بن عمر بن عبد مناف بن ہلال بن عامر بن صعصعہ ”چونکہ فقراء و مساکین کو نہایت فیاضی کے ساتھ کھانا کھلایا کرتی تھیں، اسی لئے ام المساکین کی کنیت کے ساتھ مشہور ہو گئیں، آنحضرت ﷺ سے پہلے عبد اللہ بن جحشؓ کے نکاح میں تھیں عبد اللہ بن جحشؓ نے جنگ احد میں شہادت پائی اور آنحضرت ﷺ نے اسی سال ان سے نکاح کر لیا نکاح کے بعد آنحضرت ﷺ کے پاس صرف دو تین مہینے رہنے پائی تھیں کہ ان کا انتقال ہو گیا۔ آنحضرت ﷺ کی زندگی میں حضرت خدیجہؓ کے بعد صرف یہی ایک بی بی تھیں جنہوں نے وفات پائی۔ آنحضرت ﷺ نے خود نماز جنازہ پڑھائی اور جلتہ البقیع میں دفن ہوئیں وفات کے وقت ان کی عمر ۳۰ سال کی تھی۔

(اصابہ ج ۸ ص ۹۴، ۹۵ (سیرۃ النبی ج ۲)

(۶) حضرت ام سلمہؓ

نام و نسب :

ہند نام، ام سلمہ کنیت، قریش کے خاندان مخزوم سے ہیں، سلسلہ نسب یہ ہے ہند بنت ابی امیہ سہیل بن مغیرہ بن عبد اللہ بن عمر بن مخزوم والدہ بنو فراس سے تھیں، اور ان کا سلسلہ نسب یہ ہے، عاتکہ بنت عامر بن ربیعہ بن مالک بن جذیمہ بن علقمہ بن جذل الطعان بن فراس بن غنم بن مالک بن کنانہ۔

ابو امیہ (حضرت ام سلمہؓ کے والد) مکہ کے مشہور مخیر اور فیاض تھے، سفر میں جاتے تو تمام قافلہ والوں کی کفالت خود کرتے تھے، اسی لئے زوال الراءب کے لقب سے مشہور تھے۔ حضرت ام سلمہؓ نے ان ہی کے آغوش تربیت میں نہایت ناز و نعمت سے پرورش پائی۔ (اصابہ ج ۸ ص ۲۴۰)

نکاح :

عبد اللہ بن عبد الاسد سے جو زیادہ تر ابو سلمہؓ کے نام سے مشہور ہیں اور جوام سلمہؓ

کے چچا زاد اور آنحضرت ﷺ کے رضاعی بھائی تھے نکاح ہوا۔
اسلام :

آغاز نبوت میں اپنے شوہر کے ساتھ ایمان لائیں۔
ہجرت حبشہ :

اور ان ہی کے ساتھ حبشہ کی طرف ہجرت کی، حبشہ میں کچھ زمانہ تک قیام کر کے مکہ واپس آئیں اور یہاں سے مدینہ ہجرت کی ہجرت میں ان کو یہ فضیلت حاصل ہے کہ اہل سیر کے نزدیک وہ پہلی عورت ہیں جو ہجرت کر کے مدینہ میں آئیں۔
ہجرت مدینہ :

ہجرت کا واقعہ نہایت عبرت انگیز ہے، حضرت ام سلمہؓ اپنے شوہر کے ہمراہ ہجرت کرنا چاہتی تھیں (ان کا بچہ سلمہ بھی ساتھ تھا) لیکن (حضرت ام سلمہؓ کے) قبیلہ نے مزاحمت کی تھی۔ اس لئے حضرت ابو سلمہؓ ان کو چھوڑ کر مدینہ چلے گئے تھے اور یہ اپنے گھر واپس آگئی تھیں (ادھر سلمہ کو ابو سلمہؓ کے خاندان والے حضرت ام سلمہؓ کے پاس سے چھین لے گئے) اس لئے ام سلمہؓ کو اور بھی تکلیف تھی۔ چنانچہ روزانہ گھبرا کر گھر سے نکل جاتیں اور ابلیح میں بیٹھ کر رویا کرتی تھیں۔ ۷۔ ۸ دن تک یہ حالت رہی اور خاندان کے لوگوں کو احساس تک نہ ہوا ایک دن ابلیح سے انکے خاندان کا ایک شخص نکلا اور ام سلمہؓ کو روتے ہوئے دیکھا تو اس کا دل بھر آیا۔ گھر آکر لوگوں سے کہا کہ ”اس غریب پر کیوں ظلم کرتے ہو اس کو جانے دو اور اس کا بچہ اسکے حوالہ کر دو روانگی کی اجازت ملی تو بچے کو گود میں لیکر لونٹ پر سوار ہو گئیں اور مدینہ کا راستہ لیا چونکہ وہ بالکل تنہا تھیں، یعنی کوئی مرد ساتھ نہ تھا تنعیم میں عثمان بن طلحہ (کلیدبر اور کعبہ) کی نظر پڑی، بولا ”کدھر کا قصد ہے؟“ کہا ”مدینے کا“ پوچھا ”کوئی ساتھ بھی ہے“ جواب میں بولیں ”خدا اور یہ بچہ“ عثمان نے کہا ”یہ نہیں ہو سکتا، تم تنہا کبھی نہیں جا سکتیں“ یہ کہہ کر لونٹ کی مہار پکڑی اور مدینہ کی طرف روانہ ہوا راستہ میں جب کہیں ٹھہرتا تو لونٹ کو بٹھا کر کسی درخت کے نیچے چلا جاتا اور حضرت ام سلمہؓ اتر پڑتیں، روانگی کا وقت آتا تو لونٹ پر کجاوہ رکھ کر ہٹ جاتا اور ام سلمہؓ سے کہتا کہ ”سوار ہو جاؤ“ حضرت ام سلمہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے ایسا شریف آدمی کبھی نہیں دیکھا، غرض مختلف منزلوں پر قیام کرتا ہوا مدینہ لایا، قبا کی آبادی پر نظر پڑی تو بولا ”اب تم اپنے شوہر کے پاس چلی جاؤ وہ یہیں مقیم ہیں“

یہ لوہر روانہ ہوئیں اور عثمان نے مکہ کا راستہ لیا۔ (زرقانی ج ۳ ص ۲۷۲، ۲۷۳)

قبا پہنچیں تو لوگ ان کا حال پوچھتے تھے اور جب یہ اپنے باپ کا نام بتاتیں تو ان کو یقین نہیں آتا تھا (یہ حیرت ان کے تناسف کرنے پر تھی، شرفاء کی عورتیں اس طرح باہر نکلنے کی جرأت نہیں کرتی تھیں) اور حضرت ام سلمہؓ مجبوراً خاموش ہوتی تھیں، لیکن جب کچھ لوگ حج کے ارادہ سے مکہ روانہ ہوئے اور انہوں نے اپنے گھر رقعہ بھجوا دیا تو اس وقت لوگوں کو یقین ہوا کہ وہ واقعی ابو امیہ کی بیٹی ہیں، ابو امیہ چونکہ قریش کے نہایت مشہور اور معزز شخص تھے اس لئے حضرت ام سلمہؓ بڑی وقعت کی نگاہ سے دیکھی گئیں۔ (۱)

وفات ابو سلمہؓ نکاح ثانی اور خانگی حالات :

کچھ زمانہ تک شوہر کا ساتھ رہا، حضرت ابو سلمہؓ بڑے شہہ سوار تھے بدر اور احد میں شریک ہوئے غزوہ احد میں چند زخم کھائے جن کے صدمہ سے جانبر نہ ہو سکے، جمادی الثانی ۴ ہجری میں ان کا زخم پھٹا اور اسی صدمہ سے وفات پائی۔ (۲) حضرت ام سلمہؓ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں پہنچیں اور وفات کی خبر سنائی اور آنحضرت ﷺ خود ان کے مکان پر تشریف لائے، گھر میں کھرام مچا تھا حضرت ام سلمہؓ کہتی تھیں ”ہائے غربت میں یہ کیسی موت ہوئی“ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ”صبر کرو“ ان کی مغفرت کی دعا مانگو اور یہ کہو کہ خداوند! ان سے بہتر ان کا جانشین عطا کر“ اس کے بعد ابو سلمہؓ کی لاش پر تشریف لائے اور جنازہ کی نماز نہایت اہتمام سے پڑھی گئی۔ آنحضرت ﷺ نے (نو) تکبیریں کہیں لوگوں نے نماز کے بعد پوچھا یا رسول اللہ ﷺ آپ کو سو تو نہیں ہوا؟ فرمایا! یہ ہزار تکبیروں کے مستحق تھے وفات کے وقت ابو سلمہؓ کی آنکھیں کھلی رہ گئیں تھیں آنحضرت ﷺ نے خود دست مبارک سے آنکھیں بند کیں اور ان کی مغفرت کی دعا مانگی۔

ابو سلمہؓ کی وفات کے وقت ام سلمہؓ حاملہ تھیں۔ وضع حمل کے بعد عدت گزر گئی تو حضرت ابو بکر صدیقؓ نے نکاح کا پیغام دیا لیکن حضرت ام سلمہؓ نے انکار کیا ان کے بعد حضرت عمرؓ آنحضرت ﷺ کا پیغام لیکر پہنچے حضرت ام سلمہؓ نے کہا مجھے چند عذر ہیں (۱) میں سخت غیور عورت ہوں (۲) صاحب عیال ہوں (۳) میرا سن زیادہ ہے۔ آنحضرت ﷺ نے ان سب زحمات کو گوارا فرمایا، حضرت ام سلمہؓ کو اب عذر کیا ہو سکتا

(۱) مسند احمد بن حنبل ج ۶ ص ۳۰۷ (۲) زرقانی ج ۳ ص ۲۷۳

تھا؟ اپنے لڑکے سے (جنکا نام عمر تھا) کہا اٹھو اور رسول اللہ ﷺ سے میرا نکاح کرو۔ (۱)
شوال ۴ ہجری کی اخیر تاریخوں میں یہ تقریب انجام پائی حضرت ام سلمہؓ کو
ابو سلمہؓ کی موت سے جو شدید صدمہ ہوا تھا خداوند تعالیٰ نے اس کو بادی مسرت سے
تبدیل کر دیا۔ سنن ابن ماجہ میں ہے :

فلما توفي أبو سلمة ذكرت الذي كان حدثني فقلت فلما اردت ان
اقول اللهم عظمي خيرا منه قلت في نفسي اعاض خيرا من ابى سلمة
؟ ثم قلتها فعاضني الله محمد ﷺ

”جب ابو سلمہؓ نے وفات پائی تو میں نے وہ حدیث یاد کی جس کو وہ مجھ سے زیادہ
میان کرتے تھے اور میں نے دعا شروع کی تو جب میں یہ کہنا چاہتی کہ خداوند! مجھے ابو سلمہؓ
سے بہتر جانشین دے تو دل کہتا کہ ابو سلمہؓ سے بہتر کون مل سکتا ہے؟ لیکن میں نے دعا کو
پڑھنا شروع کیا تو ابو سلمہؓ کے جانشین آنحضرت ﷺ ہوئے۔

آنحضرت ﷺ نے ان کو دو چھیاں گھڑا اور چمڑے کا تکیہ جس میں خرے کی چھال
بھری تھی عنایت فرمایا یہی سامان اور نلی بیوں کو بھی عطا ہوا تھا۔ (مسند ج ۱ ص ۲۹۵)
بہت حیا دار تھیں ابتداء جب آنحضرت ﷺ مکان پر تشریف لاتے تو حضرت
ام سلمہؓ فرط غیرت سے لڑکی (زینبؓ) کو گود میں بٹھالیتیں آپ یہ دیکھ کر واپس جاتے
حضرت عمار بن یاسرؓ کو جو حضرت ام سلمہؓ کے رضاعی بھائی تھے معلوم ہوا تو بہت ناراض
ہوئے اور لڑکی کو چھین لے گئے۔ (ایضاً)

لیکن بعد میں یہ بات کم ہوتی گئی اور جس طرح دوسری بیویاں رہتی تھیں وہ بھی
رہنے لگیں نکاح سے قبل آنحضرت ﷺ نے حضرت عائشہؓ سے ان کا ذکر کیا تو حضرت
عائشہؓ کو بڑا رشک ہوا۔ ابن سعد میں ان سے جو روایت منقول ہے اس میں یہ فقرہ بھی ہے۔

حزنت حزنا شديداً۔ (ایضاً ج ۴ ص ۲۴۱)

”یعنی مجھ کو سخت غم ہوا“

آنحضرت ﷺ کو ان سے بے حد محبت تھی یہی وجہ ہے کہ ایک موقع پر جب
تمام ازواج مطہرات کو (سوائے حضرت عائشہؓ کے) حضور ﷺ کی خدمت میں کچھ عرض

کرنا تھا تو انہوں نے حضرت ام سلمہؓ کو ہی اپنا سفیر بنا کر حضور ﷺ کی خدمت میں بھیجا۔ صحیح بخاری میں ہے کہ ازواج مطہرات کے دو گروہ تھے۔ ایک میں حضرت عائشہؓ حضرت حصہؓ سودہؓ شامل تھیں دوسرے میں حضرت ام سلمہؓ اور باقی ازواج تھیں چونکہ آنحضرت ﷺ حضرت عائشہؓ کو زیادہ محبوب رکھتے تھے اس لئے لوگ ان ہی کی باری میں ہدیے بھیجتے تھے۔ حضرت ام سلمہؓ کی جماعت نے ان سے کہا۔ حضرت عائشہؓ کی طرح ہم بھی سب کی بھلائی کے خواہاں ہیں اس بناء پر رسول اللہ ﷺ جس کے مکان میں بھی ہوں لوگوں کو ہدیہ بھیجنا چاہیے۔ حضرت ام سلمہؓ نے آپ ﷺ سے یہ شکایت کی تو آپ ﷺ نے دو مرتبہ اعراض فرمایا۔ تیسری مرتبہ کہا ”ام سلمہؓ! عائشہؓ کے معاملہ میں مجھے اذیت نہ پہنچو“ کیونکہ ان کے سوا تم میں کوئی بیوی ایسی نہیں ہے جس کے لحاف میں میرے پاس وحی آئی ہو (۱) حضرت ام سلمہؓ نے کہا ”اتوب الی اللہ عزوجل من اذاک یا رسول اللہ“ میں آپ کے اذیت پہنچانے سے پناہ مانگتی ہوں۔

حضرت ام سلمہؓ کے گھر میں آنحضرت ﷺ شب بائیں ہوتے تو ان کا ہنکھونا (حضور ﷺ کی جانب نماز کے سامنے ہنکتا تھا) آنحضرت ﷺ نماز پڑھا کرتے تھے (اور یہ سامنے ہوتی تھیں) (۲)

آنحضرت ﷺ کے آرام کا بہت خیال رکھتی تھیں حضرت سفینہؓ جو آنحضرت ﷺ کے مشہور غلام ہیں اور اصل حضرت ام سلمہؓ کے غلام تھے ان کو آزاد کیا تو یہ شرط کی کہ جب تک آنحضرت ﷺ زندہ رہیں تم پر ان کی خدمت لازمی ہوگی۔ (۳) عام حالات :

حضرت ام سلمہؓ کے مشہور واقعات زندگی یہ ہیں غزوہ خندق میں اگرچہ وہ شریک نہ تھیں تاہم اس قدر قریب تھیں کہ آنحضرت ﷺ کی گفتگو اچھی طرح سنتی تھیں فرماتی ہیں کہ مجھے وہ وقت خوب یاد ہے جب سینہ مبارک غبار سے لٹا ہوا تھا اور آپ ﷺ لوگوں کو اینٹیں اٹھا اٹھا کر دیتے اور اشعار پڑھ رہے تھے کہ دفعۃً عمار بن یاسر پر نظر پڑی فرمایا ”(افسوس) لئن سمیہ! تجھ کو ایک باغی گروہ قتل کرے گا“ (مسند ج ۲ ص ۲۸۹) محاصرہ بنو قریظہ (۵ھ) میں یہود سے گفتگو کرنے کے لئے آنحضرت ﷺ

نے حضرت ابو لبابہؓ کو بھیجا تھا اثنائے مشورہ میں ابو لبابہؓ نے ہاتھ کے اشارہ سے بتلایا کہ تم لوگ قتل کئے جاؤ گے، لیکن بعد میں اس کو افشائے راز سمجھ کر اس قدر نادام ہوئے کہ مسجد کے ستون سے اپنے آپ کو باندھ لیا، چند دنوں تک یہی حالت رہی، پھر توبہ قبول ہوئی آنحضرت ﷺ حضرت ام سلمہؓ کے مکان میں تشریف فرما تھے کہ صبح کو مسکراتے ہوئے اٹھے تو بولیں ”خدا آپ کو ہمیشہ ہنسائے“ اس وقت ہنسنے کا کیا سبب ہے؟ فرمایا ”ابو لبابہؓ کی توبہ قبول ہو گئی“ عرض کی ”تو کیا میں ان کو یہ مژدہ سنا دوں“ فرمایا ”ہاں اگر چاہو“ حضرت ام سلمہؓ اپنے حجرہ کے دروازہ پر کھڑی ہوئیں اور پکار کر کہا ”ابو لبابہؓ! مبارک ہو، تمہاری توبہ قبول ہو گئی اس آواز کا کانوں میں پڑنا تھا کہ تمام مدینہ امنڈ آیا۔ (زر قلی ج ۲ ص ۵۳، سنن سعد ج ۲ ص ۵۴)

اسی سنہ میں آیت حجاب نازل ہوئی اس سے پیشتر ازواج مطہرات بعض دور کے اعزہ و اقارب کے سامنے آیا کرتی تھیں۔ اب خاص خاص اعزہ کے سوا سب سے پردہ کرنے کا حکم ہوا۔ حضرت لن ام مکتوم قبیلہ قریش کے ایک معزز صحابی اور بارگاہ نبوی کے مؤذن تھے اور چونکہ بیٹنا تھے اس لئے ازواج مطہرات کے حجروں میں آیا کرتے تھے ایک دن آئے تو آنحضرت ﷺ نے ام سلمہؓ اور حضرت میمونہؓ سے فرمایا ان سے پردہ کرو، بولیں ”وہ تو بیٹنا ہیں“ فرمایا ”تم تو بیٹنا نہیں ہو تم تو انہیں دیکھتی ہو“ (مسند ج ۶ ص ۲۹۶)

صلح حدیبیہ میں آنحضرت ﷺ کے ساتھ تھیں صلح کے بعد آنحضرت ﷺ نے حکم دیا کہ لوگ حدیبیہ میں قربانی کریں لیکن لوگ اس قدر دل شکستہ تھے کہ ایک شخص بھی نہ اٹھایا تک کہ جیسا کہ صحیح بخاری میں ہے، تین دفعہ بار بار کہنے پر بھی ایک شخص آمادہ نہ ہوا (چونکہ معاہدہ کی تمام شرطیں بظاہر مسلمانوں کے سخت خلاف تھیں اس لئے تمام لوگ رنجیدہ اور غصہ سے بیتاب تھے) آنحضرت ﷺ گھر میں تشریف لے گئے اور حضرت ام سلمہؓ سے شکایت کی انہوں نے کہا ”آپ کسی سے کچھ نہ فرمائیں بلکہ باہر نکل کر خود قربانی کریں اور احرام اتارنے کے لئے بال مندوائیں“ آپ نے باہر آکر قربانی کی اور بال مندوائے اب جب لوگوں کو یقین ہو گیا کہ اس فیصلہ میں تبدیلی نہیں ہو سکتی تو سب نے قربانیاں کیں اور احرام اتارا، جو م کا یہ حال تھا کہ ایک دوسرے پر ٹوٹا پڑتا تھا اور عجلت اس قدر تھی کہ ہر شخص حجامت بنانے کی خدمت انجام دے رہا تھا۔ (صحیح بخاری ج ۲ ص ۳۸۰)

حضرت ام سلمہؓ کا یہ خیال علم النفس کے ایک بڑے مسئلہ کو حل کرتا ہے اور اس

سے معلوم ہوتا ہے کہ جمہور کی فطرت شناسی میں ان کو کس درجہ کمال حاصل تھا۔ امام الحرمین فرمایا کرتے تھے کہ صنف نازک کی پوری تاریخ اصلت رائے کی ایسی عظیم الشان مثال نہیں پیش کر سکتی۔ (ذرقانی ج ۳ ص ۲۷۲)

غزوہ خیبر میں شریک تھیں، مرحب کے دانتوں پر جب تلوار پڑی تو کر کر بہت کی آوازاں کے کانوں تک آئی تھی۔ (استیعاب ج ۲ ص ۸۰۳)

۹۔ ہجری میں ایلاء کا واقعہ پیش آیا۔ حضرت عمرؓ نے حضرت حصہؓ کو تنبیہ کی تو حضرت ام سلمہؓ کے پاس بھی آئے، وہ ان کی عزیز ہوتی تھیں ان سے بھی گفتگو کی، حضرت ام سلمہؓ نے جواب دیا۔ (صحیح بخاری ج ۲ ص ۷۳۰)

عجبالک یا ابن الخطاب دخلت فی کل شیء حتی تبغی

ان تدخل بین رسول اللہ ﷺ وازواجه .

”عمرؓ تم ہر معاملہ میں دخل دینے لگے یہاں تک کہ اب رسول اللہ ﷺ

اور ان کی ازواج کے معاملات میں بھی دخل دیتے ہو۔

چونکہ جواب نہایت خشک تھا اس لئے حضرت عمرؓ چپ ہو گئے اور اٹھ کر چلے آئے رات کو یہ خبر مشہور ہوئی کہ آنحضرت ﷺ نے ازواج کو طلاق دے دی صبح کو حضرت عمرؓ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں آئے اور تمام واقعہ بیان کیا جب حضرت ام سلمہؓ کا قول نقل کیا تو آپ مسکرائے۔

حجۃ الوداع میں جو ۱۰۔ ہجری میں ہوا اگرچہ ام سلمہؓ علیل تھیں تاہم ساتھ آئیں بہان (غلام) لونٹ کی مہار تھامے تھا۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ جب غلام رکاتب کے پاس اس قدر مال موجود ہو کہ وہ اس کو لوہا کر کے آزاد کر سکتا ہو تو اس سے پردہ ضروری ہو جاتا ہے۔ (مسند ج ۶ ص ۳۰۸، ۲۸۹)

طواف کے متعلق فرمایا کہ جب نماز فجر قائم ہو، تم لونٹ پر سوار ہو کر طواف کرنا، چنانچہ ام سلمہؓ نے ایسا ہی کیا۔ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۲۱۹، ۲۲۰)

۱۱۔ ہجری میں آنحضرت ﷺ علیل ہوئے، مرض نے طول کھینچا تو آنحضرت ﷺ حضرت عائشہؓ کے مکان میں منتقل ہو گئے حضرت ام سلمہؓ اکثر آپ کو دیکھنے کے لئے جایا کرتی تھیں ایک دن طبیعت زیادہ علیل ہوئی تو ام سلمہؓ چیخ اٹھیں۔ آنحضرت

ﷺ نے منع کیا کہ یہ مسلمانوں کا شیوہ نہیں۔ (۱) ایک دن مرض میں مبتلا ہو اتنا زوالج نے دوپلائی چاہی چونکہ گوارانہ تھی آپ ﷺ نے انکار فرمایا لیکن جب غشی طاری ہو گئی تو ام سلمہؓ اور (اسماء بنت عمیس نے دوپلا دی) (۲) بعض روایتوں میں ہے کہ ان دونوں نے اس کا مشورہ دیا تھا) اسی زمانہ میں اسی روز حضرت ام سلمہؓ اور ام حبیبہؓ نے جو حبشہ ہو آئی تھیں وہاں کے عیسائی معبدوں کا (جو غالباً رومن کی تھولک گرجوں کے ہوں گے) اور ان کے مجسموں اور تصویروں کا تذکرہ کیا، آپ ﷺ نے فرمایا ان لوگوں میں جب کوئی نیک آدمی مرتا ہے تو اس کے مقبرہ کو عبادت گاہ بنا لیتے ہیں اور اس کلمہ بنا کر اس میں کھرا کرتے ہیں، قیامت کے روز خدائے عزوجل کی نگاہ میں یہ لوگ بدترین مخلوق ہوں گے۔ (۳)

وفات سے پہلے آنحضرت ﷺ نے حضرت فاطمہؓ سے کان میں باتیں کیں تھیں حضرت عائشہؓ اسی وقت بے تابانہ پوچھنے لگیں لیکن حضرت ام سلمہؓ نے توقف کیا اور آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد پوچھا۔ (طبقات ج ۲ ق ۲ ص ۴۰)

۶۱۔ ہجری میں حضرت حسینؓ نے شہادت پائی۔ حضرت ام سلمہؓ نے خواب میں دیکھا کہ آنحضرت ﷺ تشریف لائے ہیں نہایت پریشان ہیں سر لور ریش مبارک غبار آلود ہے پوچھا یا رسول اللہ ﷺ کیا حال ہے ارشاد ہوا، حسینؓ کے مقتل سے واپس آ رہا ہوں، حضرت ام سلمہؓ بیدار ہوئیں تو آنکھوں سے آنسو جاری تھے (۴) اسی حالت میں زبان سے نکلا اہل عراق نے حسینؓ کو قتل کیا اللہ ان کو قتل کرے اور حسینؓ کو ذلیل کیا، خدا ان لوگوں پر لعنت کرے۔ (مسند ج ۶ ص ۲۹۸)

۶۲۔ ہجری میں واقعہ حرہ کے بعد شامی لشکر مکہ آگیا جہاں لنن زبیرؓ جا پناہ گزین تھے چونکہ آنحضرت ﷺ نے ایک حدیث میں ایسے لشکر کا تذکرہ فرمایا تھا بعض کو شبہ ہوا اور حضرت ام سلمہؓ سے دریافت کیا بولیں آنحضرت ﷺ نے یہ فرمایا ہے کہ ایک شخص مکہ میں پناہ لے گا اس کے مقابلہ میں جو لشکر آئے گا بیابان میں وہیں دھنس جائے گا، ام سلمہؓ نے پوچھا جو لوگ جبراً شریک نہ گئے ہوں گے وہ بھی؟ فرمایا ہاں لیکن قیامت کے دن اپنے نیوٹے مطابق انھیں گے (حضرت ابو جعفرؓ) فرماتے ہیں کہ یہ واقعہ مدینہ کے میدان میں

(۱) طبقات ج ۲ ق ۲ ص ۱۳، (۲) صحیح بخاری ج ۲ ص ۶۴۱ و طبقات ج ۲ ق ۲ ص ۲۲

(۳) صحیح بخاری و صحیح مسلم (۴) صحیح ترمذی ص ۲۲۴

پیش آئے گا۔ (صحیح مسلم ج ۲ ص ۴۹۳، ۴۹۴)

وفات :

جس سال حرہ کا واقعہ ہوا (یعنی ۶۳ ہجری) اسی سال حضرت ام سلمہؓ نے انتقال فرمایا اس وقت ۸۴ برس کا سن تھا حضرت ابو ہریرہؓ نے نماز جنازہ پڑھی اور بقیع میں دفن کیا۔ (۱) اس زمانہ میں ولید بن عتبہ (ابو سفیان کا پوتا) مدینہ کا گورنر تھا چونکہ حضرت ام سلمہؓ نے وصیت کی تھی کہ وہ میرے جنازہ کی نماز نہ پڑھائے اس لئے وہ جنگل کی طرف نکل گیا اور اپنے بجائے حضرت ابو ہریرہؓ کو بھیج دیا۔ (طبری کبیر ج ۴ ص ۲۴۴۳)

اولاد :

حضرت ام سلمہؓ کے پہلے شوہر سے جو اولاد ہوئی اس کے نام یہ ہیں۔
سلمہؓ جسٹہ میں پیدا ہوئے آنحضرت ﷺ نے ان کا نکاح حضرت حمزہؓ کی لڑکی امامہ سے کیا تھا۔

عمرؓ آنحضرت سے حضرت ام سلمہؓ کا نکاح ان ہی نے کیا تھا حضرت علیؓ کے زمانہ خلافت میں فارس اور عرین کے حاکم تھے۔

درہ ان کا ذکر صحیح بخاری میں آیا ہے حضرت ام حبیبہؓ نے کہا کہ ازواج مطہرات میں داخل تھیں آنحضرت ﷺ سے کہا ہم نے سنا ہے کہ آپ درہ سے نکاح کرنا چاہتے ہیں؟ فرمایا یہ کیسے ہو سکتا ہے اگر میں نے اس کو پرورش نہ بھی کیا ہوتا تو بھی وہ میرے لئے کسی طرح حلال نہ تھی کیونکہ وہ میرے رضاعی بھائی کی لڑکی ہے۔ (۲)

زینبؓ پہلے برہ نام تھا لیکن آنحضرت ﷺ نے زینبؓ رکھا۔ (۳)

حلیہ :

اصابہ میں ہے :

كانت ام سلمة موصوفة بالجمال البارع
یعنی حضرت ام سلمہؓ نہایت حسین تھیں۔

ابن سعدؒ (۴) نے روایت کی ہے کہ جب حضرت عائشہؓ کو ان کے حسن کا حال

(۱) ذرقانی ج ۳ ص ۲۷۶

(۲) صحیح بخاری ج ۲ ص ۷۶۴ (۳) ذرقانی ج ۳ ص ۲۷۲ (۴) ابن سعد ج ۸ ص ۶۶

معلوم ہوا تو سخت پریشان ہوئیں، مگر یہ واقعہ کی روایت ہے جو چنداں قابل اعتبار نہیں۔
حضرت ام سلمہؓ کے بال نہایت گھنے تھے۔ (مسند ج ۶ ص ۲۸۹)
فضل و کمال :

علمی حیثیت سے اگرچہ تمام ازواج بلند رتبہ رکھتی تھیں، تاہم حضرت عائشہؓ اور
حضرت ام سلمہؓ کا ان میں کوئی جواب نہ تھا، چنانچہ محمود بن لبید کہتے ہیں۔ (۱)
کان ازواج النبی ﷺ يحفظن من حدیث النبی ﷺ
کثیراً ولا مثلاً لعائشۃ و ام سلمۃ
” آنحضرت کی ازواج احادیث کا مخزن تھیں، تاہم عائشہؓ اور ام سلمہؓ کا ان
میں کوئی حریف مقابل نہ تھا“

مروان بن حکم ان سے مسائل دریافت کرتا اور اعلانیہ کہتا تھا۔

کیف نسال احداً و فینا ازواج النبی ﷺ (۲)

” آنحضرت ﷺ کی ازواج کے ہوتے ہوئے ہم دوسروں سے کیوں پوچھیں“

حضرت ابو ہریرہؓ اور ابن عباسؓ سے دریائے علم ہونے کے باوجود ان کے
دریائے فیض سے مستغنی تھے (۲) تاہم کرام کا ایک بڑا گروہ ان کے آستانہ فضل پر سربر تھا۔
قرآن اچھا پڑھتیں اور آنحضرت ﷺ کے ظرر پر پڑھ سکتی تھیں ایک مرتبہ کسی
نے پوچھا آنحضرت ﷺ کیوں کر قرأت کرتے تھے؟ بولیں ایک ایک آیت الگ الگ
کر کے پڑھتے تھے اس کے بعد خود پڑھ کر بتلایا۔ (۳)

حدیث میں حضرت عائشہؓ کے سوال کا کوئی حریف نہ تھا ان سے ۸۷۳ روایتیں
مروی ہیں اس بناء پر وہ محدثین صحابہ کے تیسرے طبقہ میں شامل ہیں۔

حدیث سننے کا بڑا شوق تھا ایک دن بلالؓ گوند ہوا رہی تھیں کہ آنحضرت ﷺ خطبہ
دینے کے لئے کھڑے ہوئے زبان مبارک سے ایہا الناس (اے لوگو!) کا لفظ نکلا تو فوراً
بال باندھ کر اٹھ کھڑی ہوئیں اور کھڑے ہو کر پورا خطبہ سنا۔ (۴)
مجتہد تھیں صاحب اصابہ نے ان کے تذکرہ میں لکھا ہے۔

(۱) طغفان ابن سعد ج ۲ ص ۱۲۶ (۲) مسند ج ۶ ص ۳۱۷

(۳) ایضاً ص ۳۱۲ (۴) ایضاً ص ۳۰۰ (۵) ایضاً ص ۳۰۱

صاحب العقل البالغ والرائى الصائب (اصابہ ج ۸ ص ۲۴)
 ”یعنی وہ کامل العقل اور صائب الرائے تھیں“

علامہ ابن قیم نے لکھا ہے کہ ان کے فتویٰ اگر جمع کئے جائیں تو ایک چھوٹا سا رسالہ تیار ہو سکتا ہے (۱) ان کے فتویٰ کی ایک خاص خصوصیت یہ ہے کہ وہ عموماً متفق علیہ ہیں اور یہ ان کی دقیقہ رسی اور نکتہ سنجی کا ایک کرشمہ ہے۔
 ان کی نکتہ سنجی پر ذیل کے واقعات شاہد ہیں۔

حضرت عبداللہ بن زبیرؓ عصر کے بعد دو رکعت نماز پڑھا کرتے تھے مروان نے پوچھا آپ یہ نماز کیوں پڑھتے ہیں؟ بولے آنحضرت ﷺ بھی پڑھتے تھے چونکہ انہوں نے یہ حدیث حضرت عائشہؓ کے سلسلہ سے سنی تھی مروان نے ان کے پاس تصدیق کے لئے آدمی بھیجا۔

انہوں نے کہا مجھ کو ام سلمہؓ سے یہ حدیث پہنچی ہے
 حضرت ام سلمہؓ کے پاس آدمی گیا اور یہ قول نقل کیا بولیں۔

یغفر الله لعائشة لقد وضعت امری علی غیر موضعه (۲)
 ”یعنی خدا عائشہ کی مغفرت کرے انہوں نے بات نہیں سمجھی“

الم اخبرها ان رسول الله ﷺ قد نهى عنهما (۳)

”کیا میں نے ان سے یہ نہیں کہا تھا کہ آنحضرت ﷺ نے ان کے پڑھنے کی ممانعت فرمائی ہے“

حضرت ابو ہریرہؓ کا خیال تھا کہ رمضان میں جنابت کا غسل فوراً صبح اٹھ کر کرنا چاہیے ورنہ روزہ ٹوٹ جاتا ہے ایک شخص نے جا کر حضرت ام سلمہؓ اور حضرت عائشہؓ سے پوچھا دونوں نے کہا کہ خود آنحضرت ﷺ جنابت کی حالت میں صائم ہوتے تھے حضرت ابو ہریرہؓ نے سنا تو رنگ فق ہو گیا اس خیال سے رجوع کیا اور کہا کہ میں کیا کروں۔ فضل بن عباسؓ نے مجھ سے اسی طرح میان کیا تھا لیکن ظاہر ہے کہ حضرت ام سلمہؓ اور حضرت عائشہؓ کو زیادہ علم ہے (۴) اس کے بعد حضرت ابو ہریرہؓ نے اپنا فتویٰ واپس لے لیا۔ (۵)

(۱) اعلام الموقعین ج ۱ ص ۱۳ (۲) مسند احمد ج ۶ ص ۲۹۹ یہ واقعہ صحیح بخاری میں بھی ہے ج ۲ ص ۲۳۹ (۳) مسند احمد ج ۶ ص ۳۰۳ (۴) ایضاً ج ۶ ص ۳۰۷ (۵) ایضاً ص ۳۰۶

ایک مرتبہ چند صحابہؓ نے دریافت کیا کہ (آنحضرت ﷺ کی اندرونی زندگی) کے متعلق کچھ ارشاد فرمائیے، فرمایا آپ ﷺ کا ظاہر و باطن یکساں تھا۔ آنحضرت ﷺ تشریف لائے تو آپ ﷺ سے واقعہ بیان کیا، فرمایا تم نے بہت اچھا کیا۔ (ایضاً ص ۲۰۹)

حضرت ام سلمہؓ جواب صاف دیتی تھیں اور کوشش کرتی تھیں کہ سائل کو تشفی ہو جائے ایک دفعہ کسی شخص کو مسئلہ بتایا وہ ان کے پاس سے اٹھ کر دوسری ازواج کے پاس گیا سب نے ایک ہی جواب دیا واپس آکر حضرت ام سلمہؓ کو یہ خبر سنائی تو یوں لیں نعم واشفیک اذرا ٹھہرو! میں تمہاری تشفی کرنا چاہتی ہوں میں نے رسول اللہ ﷺ سے اس کے متعلق حدیث سنی ہے۔ (ایضاً ص ۲۹۷)

حضرت ام سلمہؓ کو حدیث وفقہ کے علاوہ اسرار کا بھی علم تھا اور یہ وہ فن تھا جس کے حضرت حذیفہؓ عالم خصوصی تھے۔ ایک مرتبہ حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ ان کے پاس آئے تو یوں لیں آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے کہ بعض صحابی ایسے ہیں جن کو نہ میں اپنے انتقال کے بعد دیکھوں گا اور نہ وہ مجھ کو دیکھیں گے، حضرت عبدالرحمنؓ گھبرا کر حضرت عمرؓ کے پاس پہنچے اور ان سے یہ حدیث میان کی حضرت عمرؓ حضرت ام سلمہؓ کے پاس تشریف لائے اور کہا:

”خدا کی قسم! سچ کہنا میں انہی میں ہوں؟“ حضرت ام سلمہؓ نے کہا نہیں، لیکن تمہارے علاوہ کسی کو مستثنیٰ نہیں کروں گی۔ (مسند احمد ص ۲۰۷ ج ۶)

حضرت ام سلمہؓ سے جن لوگوں نے علم حدیث حاصل کیا ان کی ایک بڑی جماعت ہے، ہم صرف چند ناموں پر اکتفا کرتے ہیں۔

عبدالرحمن بن ابی بکرؓ، اسامہ بن زیدؓ، ہند بنت الحارث الفراءؓ، صفیہ بنت شیبہؓ، عمرؓ، زینبؓ (ولاد حضرت ام سلمہؓ)، مصعب بن عبد اللہ (بر لور زادہ) نہمانؓ (غلام مکاتب) عبد اللہ بن رافعؓ، نافعؓ، شعبہؓ، پسر شعبہؓ، ابو بکرؓ، خیرہ والدہ حسنؓ بصریؓ، سلیمان بن یسارؓ، ابو عثمان النبدیؓ، حمیدؓ، ابو سلمہؓ، سعیدؓ، بن مسیبؓ، ابو وائلؓ، صفیہ بنت محسنؓ، شعبیؓ، عبدالرحمن بن عمارؓ، بن ہشامؓ، عکرمہؓ، ابو بکر بن عبدالرحمنؓ، عثمانؓ، بن عبد اللہ بن مواہبؓ، عروہ بن زبیرؓ، کریمؓ، مولیٰ بن عباسؓ، قیس بن زویبؓ، نافعؓ، موالن عمرؓ، یعلیٰ بن مملکؓ، رضی اللہ تعالیٰ عنہم

اخلاق و عادات :

حضرت ام سلمہؓ نہایت زاہدانہ زندگی بسر کرتی تھیں، ایک مرتبہ ایک ہار پہنا جس میں سونے کا کچھ حصہ شامل تھا آنحضرت ﷺ نے اعراض کیا تو اس کو توڑ ڈالا (۱) ہر مہینہ میں تین دن (دوشنبہ، جمعرات اور جمعہ) روزہ رکھتی تھیں۔ (۲) ثواب کی متلاشی رہتیں۔ ان کے پہلے شوہر کی لولہ ان کے ساتھ تھی لور وہ نہایت عمدگی سے ان کی پرورش کرتی تھیں اس بناء پر آنحضرت ﷺ سے پوچھا کہ مجھ کو اس کا ثواب بھی ملے گا؟ آپ ﷺ

نے فرمایا۔ ہاں! (صحیح بخاری ج ۱ ص ۲۹۸)

اچھے کاموں میں شریک ہوتی تھیں آیت تطہیر ان ہی کے گھر میں نازل ہوئی تھی آنحضرت ﷺ نے حضرت فاطمہؓ اور حسنینؓ کو بلا کر کبل لوڑھایا لور کہا خدایا! یہ میرے اہل بیت ہیں ان سے ہپاکی کو دور کر لور ان کو پاک کر حضرت ام سلمہؓ نے یہ دعا سنی تو بولیں یا رسول اللہ! ﷺ میں بھی ان کے ساتھ شریک ہوں لرشاد ہوا تم اپنی جگہ پر ہو لور اچھی ہو۔ (صحیح ترمذی ص: ۵۳۰)

امربالمعروف لور سی عن المنکر کی پابند تھیں نماز کے لوقات میں بعض امراء نے تغیر و تبدل کیا یعنی مستحب لوقات چھوڑ دیئے تو حضرت ام سلمہؓ نے ان کو تنبیہ کی لور فرمایا کہ آنحضرت ﷺ ظہر جلد پڑھا کرتے تھے لور تم عصر جلد پڑھتے ہو۔ (۳)

ایک دن ان کے بچے نے دو رکعت نماز پڑھی چونکہ سجدہ گاہ غبار آلود تھی وہ سجدہ کرتے وقت مٹی جھاڑتے تھے حضرت ام سلمہؓ نے روکا کہ یہ فعل آنحضرت ﷺ کی روش کے خلاف ہے آنحضرت ﷺ کے ایک غلام نے ایک دفعہ ایسا کیا تھا تو آپ ﷺ نے فرمایا تھا قرب و جھٹ اللہ! یعنی تیرا چہرہ خدا کی راہ میں غبار آلود ہو۔ (۴)

فیاض تھیں لور دوسروں کو بھی فیاضی کی طرف مائل کرتی تھیں ایک دفعہ حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ نے آکر کہا ماں! میرے پاس اس قدر مال جمع ہو گیا ہے کہ اب بربادی کا خوف ہے فرمایا بیٹا اسکو خرچ کرو۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ بہت سے صحابہ ایسے ہیں جو مجھ کو میری موت کے بعد پھر کبھی نہ دیکھیں گے۔ (۵)

(۱) ایضاً ج ۶ ص ۳۱۵-۳۲۲ (۲) ایضاً ص ۲۸۹

(۳) ایضاً ج ۶ ص ۲۸۹ (۴) ایضاً ج ۲ ص ۳۰۱ (۵) ایضاً ص ۲۹۰

ایک مرتبہ چند فقراء جن میں عورتیں بھی تھیں ان کے گھر آئے اور نہایت الحاج سے سوال کیا ام الحسن بیٹھی تھیں انہوں نے ڈانٹا لیکن حضرت ام سلمہؓ نے کہا ہم کو اس کا حکم نہیں ہے اس کے بعد لونڈی سے کہا کہ ان کو کچھ دے کر رخصت کرو کچھ نہ ہو تو ایک ایک چھوہار ان کے ہاتھ پر رکھ دو۔ (استیعاب ج ۲ ص ۸۰۳)

آنحضرت ﷺ سے ان کو جو محبت تھی اس کا یہ اثر تھا کہ آپ کے موئے مبارک تبر کار کھ چھوڑے تھے جن کی وہ لوگوں کو زیارت کراتی تھیں (۱) آنحضرت ﷺ کو ان سے اس قدر محبت تھی کہ ایک مرتبہ انہوں نے کہا یا رسول اللہ ﷺ! اس کا کیا سبب ہے کہ ہمارا قرآن میں ذکر نہیں تو آپ منبر پر تشریف لے گئے اور یہ آیت پڑھی۔
ان المسلمین والمسلمات والمؤمنین والمؤمنات (۲)

مناقب :

ایک مرتبہ حضرت ام سلمہؓ کے پاس بیٹھی تھیں حضرت جبرائیلؑ آئے اور باتیں کرتے رہے ان کے جانے کے بعد آپ نے پوچھا ”ان کو جانتی ہو“ بولیں دجیہ تھے لیکن جب آپ نے اس واقعہ کو لوگوں سے بیان کیا تو اس وقت معلوم ہوا کہ وہ جبرائیلؑ تھے (غالباً یہ نزول حجاب سے قبل کا واقعہ ہے) (صحیح مسلم ج ۲ ص ۲۴۱ مطبوعہ مصر)

(۷) حضرت زینب بنت جحش

نام و نسب :

زینب نام ام الحکم کنیت قبیلہ قریش کے خاندان اسد بن خزیمہ سے ہیں سلسلہ نسب یہ ہے : زینب بنت جحش بن رباب بن عمر بن صبرۃ بن مرہ بن کثیر بن غنم بن دودان بن سعد بن خزیمہ۔ والدہ کا نام امیمہ تھا۔ جو عبدالمطلب جد رسول اللہ ﷺ کی دختر تھیں اس بناء پر حضرت زینبؓ آنحضرت ﷺ کی حقیقی پھوپھی زاد بہن تھیں۔
اسلام :

نبوت کے ابتدائی دور میں اسلام لائیں۔ اسد الغابہ میں ہے۔ (۳)

(۱) مسند احمد ج ۲ ص ۲۹۶ (۲) ابضا ص: ۳۰۱ (۳) اسد الغابہ ج ۵ ص ۱۶۳

کانت قدیمۃ الاسلام ”قدیم اسلام تھیں“

نکاح :

آنحضرت ﷺ نے زید بن حارثہ کے ساتھ جو آپ کے آزاد کردہ غلام اور مقبلی تھے ان کا نکاح کر دیا اسلام نے دنیا میں مساوات کی جو تعلیم رائج کی ہے اور پست و بلند کو جس طرح ایک سطح پر لا کھڑا کر دیا ہے اگرچہ تاریخ میں اس کی ہزاروں مثالیں موجود ہیں لیکن یہ واقعہ اپنی نوعیت کے لحاظ سے ان سب پر فوقیت رکھتا ہے کیونکہ اسی سے عملی تعلیم کی بنیاد قائم ہوتی ہے قریش اور خصوصاً خاندان ہاشم کو تولیت کعبہ کی وجہ سے عرب میں جو درجہ حاصل تھا اس کے لحاظ سے شاہان یمن بھی ان کی ہمسری کا دعویٰ نہیں کر سکتے تھے لیکن اسلام نے محض ”تقویٰ“ کو بزرگی کا معیار قرار دیا اور فخر و ادعاء کو جاہلیت کا شعار ٹھہرایا ہے اس بناء پر اگرچہ حضرت زیدؓ بظاہر غلام تھے تاہم چونکہ (وہ مسلمان اور مرد صالح تھے) اس لئے آنحضرت ﷺ کو ان کے ساتھ حضرت زینبؓ کا عقد کر دینے میں کوئی تکلف نہیں ہوا) تعلیم مساوات کے علاوہ اس نکاح کا ایک مقصد اور بھی تھا جو اسد الغابہ میں مذکور ہے اور وہ یہ ہے۔

تزوجھا لعلہما کتاب اللہ و سنۃ رسولہ (ایضاً ج ۵ ص ۴۶۳)

”یعنی آنحضرت ﷺ نے ان کا نکاح زیدؓ سے اس لئے کیا تھا کہ ان کو قرآن و حدیث کی تعلیم دیں“

تقریباً ایک سال تک دونوں کا ساتھ رہا لیکن پھر تعلقات قائم نہ رہ سکے اور شکر رنجی بڑھتی گئی حضرت زیدؓ نے بارگاہ نبوت میں شکایت کی اور طلاق دے دینا چاہا۔ (صحیح ترمذی ص ۵۳۱)

جاء زید بن حارثۃ فقال یا رسول اللہ ان زینب اشتد علی لسانہا وانا

ارید ان اطلقہا (فتح الباری ج ۸ ص ۴۰۳ تفسیر سورہ احزاب)

زید آنحضرت ﷺ کی خدمت میں آئے اور عرض کی کہ زینب مجھ سے زبان درازی کرتی ہیں اور میں ان کو طلاق دینا چاہتا ہوں۔

لیکن آنحضرت ﷺ بار بار ان کو سمجھاتے تھے کہ طلاق نہ دیں قرآن مجید میں ہے۔

وَإِذَا تَقُولُ لِلَّذِي أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِ وَأَنْعَمْتَ عَلَيْهِ أَمْسِكْ عَلَيْكَ زَوْجَكَ

وَاتَّقِ اللَّهَ (احزاب ۵)

اور جب کہ تم اس شخص سے جس پر خدا نے اور تم نے احسان کیا تھا یہ کہتے تھے کہ اپنی بیوی کو نکاح میں لئے رہو اور خدا سے خوف کرو۔

لیکن یہ کسی طرح صحبت بر آء نہ ہو سکے۔ اور آخر حضرت زیدؓ نے ان کو طلاق دیدی حضرت زینبؓ آنحضرت ﷺ کی بہن تھیں اور آپ ہی کی تربیت سے پلی تھیں آپ کے فرمانے سے انہوں نے یہ رشتہ منظور کر لیا تھا جو ان کے نزدیک ان کے خلاف شان تھا) چونکہ زید غلام رہ چکے تھے اس لئے حضرت زینبؓ کو یہ نسبت گوارا نہ تھی (بہر حال وہ مطلقہ ہو گئیں تو آپ ﷺ نے ان کی دلجوئی کے لئے خود ان سے نکاح کر لینا

چاہا، لیکن عرب میں اس وقت تک متبنی اصلی بیٹے کے برابر سمجھا جاتا تھا اس لئے عام لوگوں کے خیال سے آپ تامل فرماتے تھے لیکن چونکہ یہ محض جاہلیت کی رسم تھی اور اس کا مٹانا مقصود تھا اس لئے یہ آیت نازل ہوئی۔

وَتُخْفِي فِي نَفْسِكَ مَا اللَّهُ مُبْدِيهِ وَتَخْشَى النَّاسَ وَاللَّهُ أَحَقُّ أَنْ تَخْشَاهُ

(احزاب ۵)

”اور تم اپنے دل میں وہ بات چھپاتے ہو جس کو خدا ظاہر کر دینے والا ہے اور تم لوگوں سے ڈرتے ہو حالانکہ ڈرنا خدا سے چاہیے“

آنحضرت ﷺ نے حضرت زیدؓ سے فرمایا کہ تم زینبؓ کے پاس میرا پیغام لیکر جاؤ زیدؓ ان کے گھر آئے تو وہ آنا گوندھنے میں مصروف تھیں چاہا کہ ان کی طرف دیکھیں لیکن پھر کچھ سوچ کر منہ پھیر لیا۔ اور کہا زینبؓ! رسول اللہ ﷺ کا پیغام لایا ہوں ”جواب ملا“ میں بغیر استخارہ کئے کوئی رائے قائم نہیں کرتی ”یہ کہا اور مصلیٰ پر کھڑی ہو گئیں اور رسول اللہ ﷺ پر وحی آئی فَلَمَّا قُضِيَ زَيْدُ مَنَاسِكَهَا وَطَرَّازُ وَجَنَّا كَهَا اور نکاح ہو گیا آنحضرت ﷺ حضرت زینبؓ کے مکان پر تشریف لائے اور بلا استیذان اندر چلے گئے۔

دن چڑھے دعوت ولیمہ ہوئی جو اسلام کی سادگی کی اصلی تصویر تھی اس میں روٹی اور سالن کا انتظام تھا۔ انصار میں حضرت ام سلیمؓ نے جو آنحضرت ﷺ کی خالہ اور حضرت انسؓ کی والدہ تھیں، مالیدہ بھیجا تھا غرض سب چیزیں جمع ہو گئیں تو آنحضرت ﷺ نے حضرت انسؓ کہ لوگوں کے بلانے کے لئے بھیجا، ۳۰۰ آدمی شریک دعوت ہوئے کھانے کے

وقت آنحضرت ﷺ نے دس دس آدمیوں کی ٹولیاں کر دی تھیں باری باری آتے اور کھانا کھا کر واپس چلے جاتے۔ (فتح الباری ج ۸ ص ۴۰۳ تفسیر سورہ احزاب)

اسی دعوت میں آیت حجاب اتری جس کی وجہ یہ تھی کہ چند آدمی مدعو تھے کھا کر باتیں کرنے لگے اور اس قدر دیر لگائی کہ رسول اللہ ﷺ کو تکلیف ہوئی رسول اللہ ﷺ فرط مروت سے خاموش تھے بار بار اندر جاتے اور باہر آتے تھے اسی مکان میں حضرت زینبؓ بھی بیٹھی ہوئی تھیں اور ان کا منہ دیوار کی طرف تھا۔

آنحضرت ﷺ کی آمد و رفت کو دیکھ کر بعضوں کو خیال ہوا اور اٹھ کر چلے گئے حضرت انسؓ نے آنحضرت ﷺ کی جو دوسری ازواج کے مکان میں تھے اطلاع دی آپ باہر تشریف لائے تو وحی کی زبان اس طرح گویا ہوئی۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَدْخُلُوا بُيُوتَ النَّبِيِّ إِلَّا أَنْ يُؤْذَنَ لَكُمْ إِلَى طَعَامٍ غَيْرِ نَظَرٍ فِيهِ أَنْ تَدْخُلُوا فَادْخُلُوا فَإِذَا طَعِمْتُمْ فَانْتَشِرُوا وَلَا مَسْتَانِسِينَ لِحَدِيثٍ .
إِنَّ ذَلِكُمْ كَانَ يُؤْذَى النَّبِيَّ فَيَسْتَحْيِي مِنْكُمْ وَاللَّهُ لَا يَسْتَحْيِي مِنَ الْحَقِّ وَإِذَا سَأَلْتُمُوهُنَّ مَتَاعًا فَسْأَلُوهُنَّ مِنْ وَرَاءِ حِجَابٍ . (احزاب ۷)

”اے ایمان والو! نبی کے گھروں پر مت جایا کرو مگر جس وقت تم کو کھانے کے لئے اجازت دی جائے ایسے طور پر کہ تم اس کی تیاری کے منتظر نہ رہو لیکن جب تم کو بلایا جائے تب جایا کرو پھر جب کھانا کھا چکو تو اٹھ کر چلے جایا کرو اور باتوں میں جی لگا کر مت بیٹھے رہا کرو اس بات سے نبی کو ناگواری پیدا ہوتی ہے سو وہ تمہارا لحاظ کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ صاف بات کہنے سے لحاظ نہیں کرتا ہے اور جب تم ان سے کوئی چیز مانگو تو پردہ کے باہر مانگو۔
آپ نے دروازہ پر پردہ لٹکا دیا اور لوگوں کو گھر کے اندر جانے کی ممانعت ہو گئی یہ واقعہ ذوالقعدہ ۵ ہجری کا ہے۔

حضرت زینبؓ کے نکاح کی چند خصوصیتیں ہیں جو کہیں اور نہیں پائی جاتیں ان کے نکاح سے جاہلیت کی ایک رسم کہ متبہنی اصلی بیٹے کا حکم رکھتا ہے مٹ گئی مساوات اسلامی کا وہ عظیم الشان منظر نظر آیا کہ آزاد و غلام کی تمیز اٹھ گئی پردہ کا حکم ہوا نکاح کے لئے وحی الہی آئی ولیمہ میں تکلف ہوا اسی بناء پر حضرت زینبؓ اور ازواج کے مقابلہ میں فخر کیا کرتی تھیں۔ (ترمذی ص ۵۳۱ اسد الغابہ ج ۵ ص ۱۶۴)

ازواج مطہراتؓ میں جو بیویاں حضرت عائشہؓ کی ہمسری کا دعویٰ رکھتی تھیں ان میں حضرت زینبؓ خصوصیت کے ساتھ ممتاز تھیں خود حضرت عائشہؓ کہتی ہیں۔

ہی التي كانت تساميني منهم في المنزلة عند رسول الله ﷺ (۱)
 ”ازواج میں سے وہی رسول اللہ ﷺ کی نگاہ میں عزت و مرتبہ میں میرا مقابلہ کرتی تھیں“

آنحضرت ﷺ کو بھی ان کی خاطر داری منظور رہتی تھی، یہی وجہ تھی کہ جب چند ازواج نے حضرت فاطمہؓ زہرا کو اپنا سفیر بنا کر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں بھیجا اور وہ ناکام واپس ہوئیں تو سب نے اس خدمت (سفارت) کے لئے حضرت زینبؓ کا انتخاب کیا کیونکہ وہ اس خدمت کے لئے زیادہ موزون تھیں۔ انہوں نے بڑی دلیری سے پیغام ادا کیا اور بڑے زور کے ساتھ یہ ثابت کرنا چاہا کہ حضرت عائشہؓ اس رتبہ کی مستحق نہیں ہیں، حضرت عائشہؓ چپ سن رہی تھیں اور رسول اللہ ﷺ کے چہرہ کی طرف دیکھتی جاتی تھیں حضرت زینبؓ جب تقریر کر چکیں تو مرضی پا کر کھڑی ہوئیں اور اس زور و شور کے ساتھ تقریر کی کہ حضرت زینبؓ لاجواب ہو کر رہ گئیں۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

”کیوں نہ ہو! ابو بکرؓ کی بیٹی ہے“ (۲)

وفات:

آنحضرت ﷺ نے ازواج مطہرات سے فرمایا تھا۔

اسرعن لحاقابی اطولكن يداً

”تم میں مجھ سے جلدی وہ ملے گا جس کا ہاتھ لمبا ہوگا“

یہ استعارۂ فیاضی کی طرف اشارہ تھا، لیکن ازواج مطہرات اس کو حقیقت نہ سمجھیں، چنانچہ باہم اپنے ہاتھوں کو ناپا کرتی تھیں، حضرت زینبؓ اپنی فیاضی کی بناء پر اس پوچھ گوئی کا مصداق ثابت ہوئیں ازواج مطہرات میں سب سے پہلے انتقال کیا، کفن کا خود انتظام کر لیا تھا اور وصیت کی تھی کہ حضرت عمرؓ بھی کفن دیں تو ان میں سے ایک کو صدقہ کر دینا، چنانچہ یہ وصیت پوری کی گئی، حضرت عمرؓ نے نماز جنازہ پڑھائی اس کے بعد ازواج مطہرات سے دریافت کیا کہ کون قبر میں داخل ہوگا؟ انہوں نے کہا کہ وہ شخص جو ان کے گھر میں داخل

(۱) صحیح مسلم باب فضل عائشہؓ (۲) ایضاً

سیر الصحابہ (جلد ششم) ۷۳ سیر الصحابیات (حصہ دوم)

ہوا کرتا تھا چنانچہ اسامہ بن زیدؓ محمد بن عبد اللہ بن حشؓ عبد اللہ بن ابی احمد بن حشؓ نے ان کو قبر میں اتار الور بقیع میں سپرد خاک کیا۔ (۱)

حضرت زینبؓ نے ۲۰ ہجری میں انتقال کیا اور ۵۳ برس کی عمر پائی، وادی نے لکھا ہے کہ آنحضرت ﷺ سے جس وقت نکاح ہوا اس وقت ۳۵ سال کی تھی لیکن یہ عام روایت کے خلاف ہے عام روایت کے مطابق ان کا سن ۳۸ سال کا تھا۔

حضرت زینبؓ نے مال متروکہ میں صرف ایک مکان یادگار چھوڑا تھا جس کو ولید بن عبد الملک نے اپنے زمانہ حکومت میں پچاس ہزار درہم پر خرید کیا اور وہ مسجد نبوی ﷺ میں شامل کر دیا گیا۔ (طبری ص ۲۴۴۹ ج ۱۳) حلیہ :

حضرت زینبؓ کوتاہ قامت لیکن خوبصورت اور موزون اندام تھیں۔ (۲)

فضل و کمال :

روایتیں کم کرتی تھیں، کتب حدیث میں ان سے صرف گیارہ روایتیں منقول ہیں، زویوں میں حضرت ام حبیبہؓ، زینب بنت ابی سلمہؓ، محمد بن عبد اللہ بن حشؓ (برادر زادہ) کلثوم بنت طلحہؓ اور مذکور (غلام) داخل ہیں۔ رضی اللہ عنہم اخلاق :

حضرت ام سلمہؓ فرماتی ہیں۔

كانت زينب صالحة صوامعة قوامعة (۳)

”یعنی حضرت زینب نیک خور و زہ دار اور نماز گزار تھیں“

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں :

لم أر امرأة قط خيراً في الدين من زينب، واتقى الله وأصدق حديثاً، وأوصل للرحم وأعظم صدقة، وأشد ابتداء لنفسها في العمل الذي تصدق به، وتقرب به إلى الله ما عدا سورة من حدة، كانت فيها تسرع منها الفينة (۴)
”یعنی میں نے کوئی عورت زینبؓ سے زیادہ دیندار، زیادہ پرہیزگار، زیادہ راست

(۱) صحیح بخاری ج ۱ ص ۱۹۱، مسلم ص ۳۴۱ ج ۲، اسد الغابہ ص ۴۶۵ ج ۵

(۲) زرقانی ج ۳ ص ۲۸۳ (۳) زرقانی بحوالہ ابن سعد (۴) مسلم ج ۲ ص ۳۳۵ (فضل عائشہ)

گفتار 'زیادہ فیاض' مخیر اور خدا کی رضا جوئی میں زیادہ سرگرم نہیں دیکھی فقط مزاج میں ذرا تیزی تھی ' جس پر ان کو بہت جلد ندامت بھی ہوتی تھی۔ "

حضرت زینبؓ کا زہد و تورع میں یہ حال تھا کہ جب حضرت عائشہؓ پر اہتمام لگایا گیا اور اس اہتمام میں خود حضرت زینبؓ کی بہن حمہ شریک تھیں آنحضرت ﷺ نے ان سے حضرت عائشہؓ کی اخلاقی حالت دریافت کی تو انہوں نے صاف لفظوں میں کہہ دیا۔

ما علمت الا خیراً

"مجھ کو حضرت عائشہؓ کی بھلائی کے سوا کسی چیز کا علم نہیں"

حضرت عائشہؓ کو انکے اس صدق و اقرار حق کا اعتراف کرنا پڑا۔

عبادت میں نہایت خشوع و خضوع کے ساتھ مصروف رہتی تھیں ایک مرتبہ آپ مہاجرین پر کچھ مال تقسیم کر رہے تھے حضرت زینبؓ اس معاملہ میں کچھ بول انھیں حضرت عمرؓ نے ڈانٹا آپ نے فرمایا ان سے درگزر کرو یہ لواہ (۱) ہیں (یعنی خاشع و متضرع ہیں) نہایت قانع اور فیاض طبع تھیں 'خود اپنے دست و بازو سے معاش پیدا کرتی تھیں اور اس کو خدا کی راہ میں لٹا دیتی تھیں 'حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ جب حضرت زینبؓ کا انتقال ہوا تو مدینہ کے فقراء اور مساکین میں سخت کھلبلی پیدا ہو گئی اور وہ گھبرا گئے (۲) ایک دفعہ حضرت عمرؓ نے ان کا سالانہ نفقہ بھیجا انہوں نے اس پر ایک کپڑا ڈال دیا اور بزرہ بنت رافع کو حکم دیا کہ میرے خاندانی رشتہ داروں اور یتیموں کو تقسیم کر دو بزرہ نے کہا آخر ہمارا بھی کچھ حق ہے؟ انہوں نے کہا کپڑے کے نیچے جو کچھ ہے وہ تمہارا ہے دیکھا تو پچاسی درہم نکلے جب تمام مال تقسیم ہو چکا تو دعا کی کہ خدایا! اس سال کے بعد میں عمرؓ کے عطیہ سے فائدہ نہ اٹھاؤں گی اور دعا قبول ہوئی اور اسی سال انتقال ہو گیا۔ (۲)

(۱) اصابہ ج ۸ ص ۹۳

(۲) اصابہ ص: ۱۱۳ ج: ۸ بحوالہ ابن سعد

(۳) ابن سعد ج ۸ ص ۷۸

(۸) حضرت جویریہؓ

نام و نسب :

جویریہ نام قبیلہ خزاعہ کے خاندان مصطلق سے ہیں سلسلہ نسب یہ ہے : جویریہ بنت حارث بن ابی ضرار بن حبیب بن عائد بن مالک بن جذیمہ (مصطلق) بن سعد بن عمرو بن ریعہ بن حارث بن عمرو مزقیاء۔ حارث بن ابی ضرار حضرت جویریہؓ کے والد خاندان بنو مصطلق کے سردار تھے۔ (طبقات ج: ۲ ق: ۱ ص: ۴۵)

نکاح :

حضرت جویریہؓ کا پہلا نکاح اپنے ہی قبیلہ میں مسافع بن صفوان (ذی شفر) سے ہوا تھا۔

غزوہ مریسہ اور نکاح ثانی :

حضرت جویریہؓ کا باپ اور شوہر مسافع دونوں دشمن اسلام تھے چنانچہ حارث نے قریش کے اشارہ سے یا خود مدینہ پر حملہ کی تیاریاں شروع کی تھیں آنحضرت کو خبر ملی تو مزید تحقیقات کے لئے بریدہ بن حبیب اسلمی کو روانہ کیا انہوں نے واپس آکر خبر کی تصدیق کی آپ نے صحابہ کو تیاری کا حکم دیا ۲ شعبان ۵ ہجری کو فوجیں مدینہ سے روانہ ہوئیں اور مریسہ میں جو مدینہ سے ۹ منزل ہے پہنچ کر قیام کیا لیکن حارث کو یہ خبریں پہلے پہنچ چکیں تھیں اس لئے اس کی جمعیت منتشر ہو گئی اور وہ خود بھی کسی طرف نکل گیا لیکن مریسہ میں جو لوگ آباد تھے انہوں نے صف آرائی کی اور دیر تک جم کر تیر برساتے رہے مسلمانوں نے دفعۃً ایک ساتھ حملہ کیا تو ان کے پاؤں اکھڑ گئے ۱۱ آدمی مارے گئے اور باقی گرفتار ہوئے جن کی تعداد تقریباً ۶۰ سو تھی غنیمت میں وہ ہزار لونٹ اور پانچ ہزار بحریاں ہاتھ آئیں۔

لڑائی میں جو لوگ گرفتار ہوئے ان میں حضرت جویریہؓ بھی تھیں ان اسحق کی روایت ہے جو بعض حدیث کی کتابوں میں بھی ہے کہ تمام اسیران جنگ لونڈی غلام بنا کر تقسیم کر دیئے گئے حضرت جویریہؓ ثلاث بن قیس کے حصہ میں آئیں انہوں نے ثابت سے درخواست کی کہ ”مکاتبت کر لو“ یعنی مجھ سے کچھ روپیہ لے کر چھوڑ دو“ ثلاث نے ۹ لوقیہ سونے

پر منظور کیا حضرت جویریہؓ کے پاس روپیہ نہ تھا چاہا کہ لوگوں سے روپیہ مانگ کر یہ رقم ادا کریں، آنحضرت ﷺ کے پاس بھی آئیں، حضرت عائشہؓ بھی وہاں موجود تھیں۔

لن الحق نے حضرت عائشہؓ کی زبانی روایت کی ہے جو یقیناً ان کی ذاتی رائے ہے کہ چونکہ جویریہؓ نہایت شیریں ادا تھیں، میں نے ان کو آنحضرت ﷺ کے پاس جاتے دیکھا تو سمجھا کہ آنحضرت ﷺ پر بھی ان کے حسن و جمال کا وہی اثر ہو گا جو مجھ پر ہوا، غرض وہ آنحضرت کے پاس گئیں آپ ﷺ نے فرمایا تم کو اس سے بہتر چیز کی خواہش نہیں؟ انہوں نے کہا وہ کیا چیز ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا ”کہ تمہاری طرف سے میں روپیہ ادا کر دیتا ہوں اور تم سے نکاح کر لیتا ہوں“ حضرت جویریہؓ راضی ہو گئیں آپ نے تہناوہ رقم ادا کر دی اور ان سے شادی کر لی۔

لیکن دوسری روایت میں اس سے زیادہ واضح بیان مذکور ہے۔

اصل واقعہ یہ ہے کہ حضرت جویریہؓ کا باپ (حارث) رئیس عرب تھا حضرت جویریہؓ جب گرفتار ہوئیں تو حارث آنحضرت ﷺ کی خدمت میں آیا اور کہا کہ ”میری بیٹی کنیز نہیں بن سکتی، میری شان اس سے بالاتر ہے، میں اپنے قبیلے کا سردار اور رئیس عرب ہوں آپ اس کو آزاد کر دیں، آپ نے فرمایا کیا یہ بہتر نہ ہو گا کہ خود جویریہؓ کی مرضی پر چھوڑ دیا جائے حارث نے جا کر جویریہؓ سے کہا کہ محمد ﷺ نے تیری مرضی پر رکھا ہے، دیکھنا، مجھ کو رسوا نہ کرنا انہوں نے کہا ”میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں رہنا پسند کرتی ہوں، چنانچہ آنحضرت ﷺ نے ان سے شادی کر لی۔

لن سعد نے طبقات میں یہ روایت کی ہے کہ حضرت جویریہؓ کے والد نے ان کا زر فدیہ ادا کیا اور جب وہ آزاد ہو گئیں تو آنحضرت ﷺ نے ان سے نکاح کیا۔ (۱)

حضرت جویریہؓ سے جب آپ ﷺ نے نکاح کیا تو تمام اسیران جنگ جو اہل فوج کے حصہ میں آگئے تھے دفعۃً رہا کر دیئے گئے فوج نے کہا کہ جس خاندان میں رسول اللہ ﷺ نے شادی کر لی وہ غلام نہیں ہو سکتا۔ (۲)

حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ میں نے کسی عورت کو جویریہؓ سے بڑھ کر اپنی قوم کے

(۱) ابن سعد ج ۸ ص ۸۴

(۲) ابو داؤد کتاب العتاق ج ۲ ص ۱۰۵، طبقات ج ۲ ق ۱ ص ۴۶، صحیح مسلم ص ۶۱

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

حق میں مبارک نہیں دیکھا ان کے سبب سے بنو مصطلق کے سینکڑوں گھرانے آزاد کر دیئے گئے۔ (اسد الغابہ ج ۵ ص ۴۲۰)

حضرت جویریہؓ کا نام برہ تھا آنحضرت ﷺ نے بدل کر جویریہؓ رکھا کیونکہ اس میں بدقالی تھی۔ (صحیح مسلم ج ۲ ص ۲۳۱)

وفات :

حضرت جویریہؓ نے ربیع الاول ۵۰ھ ہجری میں وفات پائی اس وقت ان کا سن ۶۵ برس تھا مروان نے نماز جنازہ پڑھائی اور جنت البقیع میں دفن ہوئیں۔

حلیہ :

حضرت جویریہؓ خوبصورت اور موزون اندام تھیں حضرت عائشہؓ کہتی ہیں۔ (۱)

كانت امرأة حلوة ملاحاة لا يراها احد الا اخذت بنفسه

فضل و کمال :

آنحضرت ﷺ سے چند حدیثیں روایت کیں ان سے حسب ذیل بزرگوں نے حدیث سنی ہے 'لن عباس' جلد 'لن عمر' عبید بن السباق' طفیل' ابو ایوب' مراغی' کلثوم' لن مصطلق' عبد اللہ بن شداد بن الہاد کرب (رضی اللہ عنہم)

اخلاق :

حضرت جویریہؓ زاہدانہ زندگی بسر کرتی تھیں ایک دن صبح کو مسجد میں دعا کر رہی تھیں آنحضرت ﷺ گزرے اور دیکھتے ہوئے چلے گئے دوپہر کے قریب آئے تب بھی ان کو اسی حالت میں پایا۔ (ترمذی ص ۵۹۰)

جمعہ کے دن آنحضرت ﷺ ان کے گھر تشریف لائے تو روزہ سے تھیں حضرت جویریہؓ نے دریافت کیا کل روزہ سے تھیں؟ بولیں "نہیں" فرمایا "تو کل رکھو گی؟"

جواب ملا "نہیں" ارشاد ہوا "تو پھر تم کو افطار کر لینا چاہیے" (بخاری ج ۱ ص ۲۶۷)

(دوسری روایتوں میں ہے کہ حضور ﷺ ہر مہینہ میں تین دن روزے رکھتے تھے ان تین دنوں میں ایک دن جمعہ کا ضرور ہوتا تھا اس لئے نماز جمعہ کے دن ایک روزہ رکھنے میں علماء کا اختلاف ہے ائمہ حنفیہ کے نزدیک جائز ہے امام مالکؒ سے بھی جواز کی روایت ہے بعض

شافعیہ نے اس سے روکا ہے تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو فتح الباری جلد ۴ ص ۲۰۴ امام ابو یوسف کے نزدیک احتیاط اس میں ہے کہ جمعہ کے روزہ کے ساتھ ایک روزہ اور ملا لیا جایا کرے (بذل الجہود جلد ۳ ص ۱۶۹) یہ بحث صرف جمعہ کے دن روزہ رکھنے کے متعلق ہے اور دنوں سے اس کا تعلق نہیں ہے)

آنحضرت ﷺ کو ان سے محبت تھی اور ان کے گھر آتے جاتے تھے ایک مرتبہ آکر پوچھا کہ کچھ کھانے کو ہے؟ جواب ملا 'میری کنیر نے صدقہ کا گوشت دیا تھا وہی رکھا ہے اس کے سوا اور کچھ نہیں' فرمایا "اے اٹھالاؤ کیونکہ صدقہ جس کو دیا گیا اس کو پہنچ چکا" (۱)

(۹) حضرت ام حبیبہؓ

نام و نسب :

رملہ نام، ام حبیبہ کنیت، سلسلہ نسب یہ ہے : رملہ بنت ابی سفیان صخر بن حرب بن امیہ بن عبد شمس والدہ کا نام صفیہ بنت ابو العاص تھا جو حضرت عثمانؓ کی حقیقی پھوپھی تھیں حضرت ام حبیبہؓ آنحضرت ﷺ کی بعثت سے بے اسال پہلے پیدا ہوئیں۔ (۲)

نکاح :

عبید اللہ بن جحش سے کہ حرب بن امیہ کے حلیف تھے نکاح ہوا۔ (۳)

اسلام :

اور ان ہی کے ساتھ مسلمان ہوئیں اور جحش کو ہجرت کی جحش میں جا کر عبید اللہ نے عیسائی مذہب اختیار کیا ام حبیبہؓ سے بھی کہا لیکن وہ اسلام پر قائم رہیں اب وہ وقت آگیا کہ ان کو اسلام اور ہجرت کی فضیلت کے ساتھ ام المؤمنین بننے کا شرف بھی حاصل ہو عبید اللہ نے عیسائی ہو کر بالکل آزادانہ زندگی بسر کرنا شروع کی سنے نوشی کی عادت ہو گئی آخر ان کا انتقال ہو گیا۔ (۴)

(۱) مسلم ج ۱ ص ۴۰۰ (۲) اصحابہ ج ۸ ص ۸۴

(۳) ایضاً (۴) زرقانی ج ۲ ص ۲۷۶ بحوالہ ابن سعد

نکاح ثانی :

عدت کے دن ختم ہوئے تو آنحضرت ﷺ نے عمرو بن امیہ ضمری کو نجاشی کی خدمت میں بغرض نکاح بھیجا جب وہ نجاشی کے پاس پہنچے تو اس نے ام حبیبہؓ کو اپنی لونڈی ابرہہ کے ذریعہ سے پیغام دیا کہ آنحضرت ﷺ نے مجھ کو تمہارے نکاح کے لئے لکھا ہے انہوں نے خالد بن سعید اموی کو وکیل مقرر کیا اور اس مژدہ کے صلہ میں ابرہہ کو چاندی کے دو کنگن اور انگوٹھیاں دیں جب شام ہوئی تو نجاشی نے جعفر بن ابی طالب اور وہاں کے مسلمانوں کو جمع کر کے خود نکاح پڑھایا اور آنحضرت ﷺ کی طرف سے چار سو دینار ہبہ اور اکیا نکاح کے بعد حضرت ام حبیبہؓ جہاز میں بیٹھ کر روانہ ہوئیں اور مدینہ کی بندرگاہ پر اتریں آنحضرت اس وقت خیبر میں تشریف رکھتے تھے یہ ۷ھ ہجری یا ۶ھ ہجری کا واقعہ ہے۔ (۱) اس وقت حضرت ام حبیبہؓ کی عمر ۳۶، ۷۳ برس کی تھی۔

حضرت ام حبیبہؓ کے نکاح کے متعلق مختلف روایتیں ہیں ہم نے جو روایت لی ہے وہ مسند کی ہے اور مشہور روایتوں کے مطابق ہے البتہ مہر کی تعداد میں کچھ غلطی معلوم ہوتی ہے عام روایت یہ ہے اور مسند میں بھی ہے کہ ازواج مطہرات اور صاحب زانیوں کا مہر چار سو درہم تھا۔ اس بناء پر چار سو دینار رلوی کا سو ہے اس موقع پر ہم کو صحیح مسلم کی ایک روایت کی تنقید کرنا ہے۔

صحیح مسلم میں ہے کہ لوگ ابو سفیان کو نظر اٹھا کے دیکھنا اور اس کے پاس بیٹھنا ناپسند کرتے تھے اس بناء پر انہوں نے آنحضرت ﷺ سے ۳ چیزوں کی درخواست کی جن میں ایک یہ بھی تھی کہ ام حبیبہؓ سے شادی کر لیجئے آنحضرت ﷺ نے ان کی درخواست منظور فرمائی (۲) اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ ابو سفیان کے مسلمان ہونے کے وقت حضرت ام حبیبہؓ ازواج مطہرات میں داخل نہیں ہوئی تھیں لیکن یہ رلوی کا وہم ہے چنانچہ ابن سعد، ابن حزم، ابن جوزی، ابن اثیر، بیہقی اور عبد العظیم منذری نے اس کے خلاف روایتیں کی ہیں اور ابن سعد کے سوا سب نے اس روایت کی تردید کی ہے۔

وفات :

حضرت ام حبیبہؓ نے اپنے بھائی امیر معاویہؓ کے زمانہ خلافت میں ۴۳ھ ہجری

(۱) مسند - ۴۲۷ (و تاریخ طبری : افعات ۶ ہجری) (۲) مسلم ج ۲ ص ۳۶۱

میں انتقال کیا اور مدینہ میں دفن ہوئیں اس وقت ۳۷ برس کا سن تھا۔ قبر کے متعلق اس قدر معلوم ہے کہ امیر المؤمنین حضرت علیؓ کے مکان میں تھی (حضرت علیؓ بن حسینؓ سے منقول ہے کہ ایک مرتبہ میں نے اپنے مکان کا ایک گوشہ گھدولیا تو ایک کتبہ برآمد ہوا کہ ”رملہ بنت صخر کی قبر ہے“ چنانچہ اس کو میں نے اسی جگہ رکھ دیا۔ (۱)

وفات کے قریب حضرت ام حبیبہؓ نے حضرت عائشہؓ اور حضرت ام سلمہؓ کو اپنے پاس بلایا اور کہا کہ سو کنوں میں باہم جو کچھ ہوتا ہے وہ ہم لوگوں میں کبھی ہو جایا کرتا تھا) اس لئے مجھ کو معاف کر دو حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے معاف کر دیا اور ان کے لئے دعائے مغفرت کی (تو بولیں تم نے مجھ کو خوش کیا خدا تم کو خوش کرے۔ (۲)

اولاد :

پہلے شوہر سے دو لڑکے پیدا ہوئے عبداللہ اور حبیبہؓ، حبیبہؓ نے نبوت کی آغوش میں تربیت پائی اور داؤد بن عروہ بن مسعود کو منسوب ہوئیں جو قبیلہ ثقیف کے رئیس اعظم تھے۔

حلیہ :

خوبصورت تھیں، صحیح مسلم میں خود ابو سفیان کی زبانی منقول ہے۔ (۲)

عندی احسن العرب واجملہ ام حبیبہ

”میرے ہاں عرب کی حسین تر اور جمیل تر عورت موجود ہے“

فضل و کمال :

حضرت ام حبیبہؓ سے حدیث کی کتبوں میں (۶۵) روایتیں منقول ہیں راویوں کی تعداد بھی کم نہیں بعض کے نام یہ ہیں حبیبہؓ (دختر) معاویہؓ اور عتبہؓ پسران ابو سفیانؓ عبداللہ بن عتبہؓ ابو سفیان بن سعید ثقفیؓ (خواہر زاوہ) سالم بن سوار (مولیٰ) ابو الجراحؓ صفیہ بنت شیبہؓ زینب بنت ابو سلمہؓ عروہ بن زبیرؓ ابو صالح السمانؓ شہر لکن حوشب

اخلاق :

حضرت ام حبیبہؓ کے جوش ایمان کا یہ منظر قابل دید ہے کہ فتح مکہ سے قبل جب

(۱) استیعاب ج ۲ ص ۷۵۰ (۲) اصابہ جلد ۸ ص ۸۵ بحوالہ ابن سعد (ابن سعد جز نسا ص ۷۱)

(۳) صحیح مسلم ج ۲ ص ۳۶۱

ان کے باپ (ابو سفیان) کفر کی حالت میں آنحضرت ﷺ کے پاس مدینہ آئے اور ان کے گھر گئے تو آنحضرت ﷺ کے بچھونے پر بیٹھنا چاہتے تھے حضرت ام حبیبہؓ نے یہ دیکھ کر بچھونا الٹ دیا ابو سفیان سخت برہم ہوئے کہ بچھونا (اسقدر عزیز ہے! بولیں یہ آنحضرت ﷺ کا فرش ہے اور آپ مشرک ہیں اور اس بناء پر ناپاک ہیں! ابو سفیان نے کہا کہ تو میرے پیچھے بہت بھگوتی) (اصابہ ج: ۸ ص ۸۵ بحوالہ ابن سعد)

حدیث پر بہت شدت سے عمل کرتی تھیں اور دوسروں کو بھی تاکید کرتی تھیں، ان کے بھانجے ابو سفیان بن سعید بن المغیرہ آئے اور انہوں نے ستولیکر کلی کی تو بولیں تم کو وضو کرنا چاہیے، کیونکہ جس چیز کو آگ پکڑے اس کے استعمال سے وضو لازم آتا ہے۔ (۱) یہ آنحضرت ﷺ کا حکم ہے۔

(یہ حکم منسوخ ہے، یعنی پہلے تھا، پھر حضور ﷺ نے اس کو باقی نہیں رکھا حضور ﷺ اور صحابہ کرام آگ پر پکی ہوئی چیزیں کھاتے تھے (اور اگر پہلے سے وضو ہوتا) تو دوبارہ وضو نہیں کرتے تھے بلکہ پہلے ہی وضو سے نماز پڑھ لیا کرتے تھے اسی قسم کی ایک حدیث حضرت فاطمہؓ کے حالات میں آئندہ ملے گی)

ابو سفیان کا انتقال ہوا تو خوشبو لگا کر خساروں پر ملی اور کہا کہ آنحضرت ﷺ کا حکم ہے کہ کسی پر تین دن سے زیادہ غم نہ کیا جائے (البتہ شوہر کے لئے چار مہینہ دس دن سوگ کرنا چاہیے) (بخاری ج ۲ ص ۸۰۳)

آنحضرت ﷺ سے ایک مرتبہ سنا تھا کہ جو شخص بارہ رکعت روزانہ پڑھے گا اس کے لئے جنت میں گھر بنایا جائے گا۔ فرماتی ہیں لہذا بوحث اصلین بعد! میں ان کو ہمیشہ پڑھتی ہوں اس کا اثر یہ ہوا کہ ان کے شاگرد اور بھائی عتبہ اور عتبہ کے شاگرد عمرو بن لوہی اور عمر کے شاگرد نعمان بن سالم سب اپنے اپنے زمانے میں برابر یہ نمازیں پڑھتے تھے۔ (مسند ج ۶ ص ۳۲۷)

فطرۃ نیک مزاج تھیں، ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ سے کہا میری بہن سے آپ نکاح کر لیجئے ”فرمایا کیا یہ تمہیں پسند ہے؟“ بولیں (ہاں میں ہی آپ کی تنہائی نہیں ہوں اس لئے میں یہ پسند کرتی ہوں کہ آپ کے نکاح کے سعادت میں میرے ساتھ

میری بہن بھی شریک ہو) (۱)

(۱۰) حضرت میمونہؓ

نام و نسب :

میمونہ نام قبیلہ قریش سے ہیں سلسلہ نسب یہ ہے : میمونہ بنت حارث بن حزن
لبن خیر بن ہرم بن روبہ بن عبد اللہ بن ہلال بن عامر بن صعصعہ بن معاویہ بن بکر بن ہوازن بن
منصور بن عکرمہ بن خصیفہ بن قیس بن عیلان بن مضر والدہ قبیلہ حمیر سے تھیں ان کا نام و
نسب حسب ذیل ہے :

ہند بنت عوف بن زہیر بن حارث بن حملطہ بن جرش۔

نکاح :

پہلے مسعود بن عمرو بن عمیر ثقفی سے نکاح ہوا (۲) لیکن کسی وجہ سے علیحدگی
اختیار کرنی پڑی پھر ابوہریرہ بن عبد العزیٰ کے نکاح میں آئیں۔ ابوہریرہ نے مکہ ہجری
میں وفات پائی تو لوگوں نے آنحضرت ﷺ سے انتساب کی کوشش کی۔

آنحضرت ﷺ ذوالقعدہ ۷ ہجری میں عمرہ کی نیت سے مکہ روانہ ہوئے اسی
احرام کی حالت میں حضرت میمونہؓ سے نکاح ہوا (۳) حضرت عباسؓ نکاح کے متولی ہوئے
تھے۔ (۴) آنحضرت ﷺ عمرہ سے فارغ ہو کر جب مدینہ واپس ہوئے تو سرف میں جو مدینہ
کے راستے پر مکہ سے دس میل ہے (۵) قیام فرمایا ابو رافع (آنحضرت ﷺ کے غلام)
حضرت میمونہؓ کو لیکر سرف پہنچے اور یہیں رسم عروسی ادا ہوئی (۶) یہ آنحضرت ﷺ کا آخری
نکاح تھا۔ اور حضرت میمونہؓ سب سے آخری بیوی تھیں۔

وفات :

یہ عجیب اتفاق ہے کہ مقام سرف میں ان کا نکاح ہوا تھا اور سرف ہی میں انہوں
نے انتقال بھی کیا (۸) حضرت لبن عباسؓ نے جنازہ کی نماز پڑھائی اور قبر میں اتارا صحاح میں ہے

(۱) بخاری ج ۲ ص ۷۶۴ (باب و امہاتکم النی ارضعکم و یحرم من الرضاۃ ما یحرم من النسب)
(۲) زرقانی ص ۲۸۸ ج ۳ (۳) بخاری ص ۶۱۱ ج ۲ (۴) سنن ص ۵۱۳ (۵) تہذیب ۴۵۳ ج
۱۲ (۶) ابن سعد ص ۸۹ ج ۲ ق ۱ (۷) ذیل المنیل طبری ج ۱۳ ص ۲۴۵ (۸) بخاری ج ۲ ص ۶۱۱ و مستدرک
ج ۶ ص ۳۳۳۔ محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

کہ جب ان کا جنازہ اٹھایا گیا تو حضرت لن عباسؓ نے کہا ”یہ رسول اللہ ﷺ کی بیوی ہیں“ جنازہ کو زیادہ حرکت نہ دو باادب آہستہ لے چلو (۱) ”سال وفات کے متعلق اگرچہ اختلاف ہے لیکن صحیح یہ ہے کہ انہوں نے ۵۱ ہجری میں وفات پائی۔
فصل وکمال:

حضرت میمونہؓ سے (۴۶) حدیثیں مروی ہیں جن میں سے بعض سے ان کی فقہ دانی کا پتہ چلتا ہے۔

ایک مرتبہ حضرت لن عباسؓ پر آگندہ ہوئے تو کہنا بیٹا! اس کا کیا سبب ہے؟ جواب یا ام عمار میری کنگھا کرتی تھیں اور (آج کل ان کے ليام کا زمانہ ہے) یولیں کیا خوب! آنحضرت ﷺ ہماری گود میں سر رکھ کر لیٹتے تھے اور قرآن پڑھتے تھے اور ہم اسی حالت میں ہوتے تھے اسی طرح ہم چٹائی اٹھا کر مسجد میں رکھ آتے تھے بیٹا! کہیں یہ ہاتھ میں بھی ہوتا ہے۔ (۲)

حضرت میمونہؓ سے جن بزرگوں نے روایت کی ہے ان کے نام یہ ہیں:
حضرت لن عباسؓ، عبد اللہ بن شداد بن الہاد، عبد الرحمن بن السائب بن یزید بن اصم (یہ سب ان کے بھانجے تھے) عبید اللہ الخولانی (ریب تھے) مذہب (کنیز تھیں) عطل بن یسار، سلیمان بن یسار (غلام تھے) ابراہیم بن عبد اللہ بن معبد بن عباس، کریب (لن عباس کے غلام) عبیدہ بن سباق، عبید اللہ بن عبد اللہ بن عقبہ، عالیہ بنت سہیل۔
اخلاق:

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں:

انہا كانت اتقانا الله واوصلنا للرحم (اصابہ ج ۸ ص ۱۹۲ بحوالہ ابن سعد)
”میمونہ خدا سے بہت ڈرتی اور صلہ رحمی کرتی تھیں“

احکام نبوی ﷺ کی تعمیل ہر وقت پیش نظر رہتی تھی ایک دفعہ ان کی کنیز بدیہ لن عباسؓ کے گھر گئی تو دیکھا کہ میاں بیوی کے منگھونے دور دور پچھے ہیں خیال ہوا کہ شاید کچھ رنجش ہو گئی ہے لیکن دریافت سے معلوم ہوا کہ لن عباسؓ (بیوی کے ليام کا زمانہ ہے) اپنا بستر ان سے الگ کر لیتے ہیں اگر حضرت میمونہؓ سے بیان کیا تو یولیں ان سے جا کر کہو کہ رسول

اللہ ﷻ کے طریقے سے اس قدر کیوں اعراض ہے؟ آپ برابر ہم لوگوں کے ہتھوڑوں پر آرام فرماتے تھے۔ (مسند ج ۲ ص ۳۳۲)

ایک عورت تھمار پڑی تو اس نے منت مانی کہ شفا ہونے پر بیت المقدس جا کر نماز پڑھے گی، خدا کی شان وہ اچھی ہو گئی اور سفر کی تیاریاں شروع کیں جب رخصت ہونے کے لئے حضرت میمونہؓ کے پاس آئی تو یوں لیں، تم یہیں رہو اور مسجد نبوی ﷺ میں نماز پڑھ لو کیونکہ یہاں نماز پڑھنے کا ثواب دوسری مسجدوں کے ثواب سے ہزار گنا زیادہ ہے۔ (ایضاً ص ۳۳۳)

حضرت میمونہؓ کو غلام آزاد کرنے کا بہت شوق تھا، ایک لونڈی کو آزاد کیا تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ (اللہ تم کو اس کا اجر دے) (ایضاً ص ۳۳۲)

حضرت میمونہؓ کبھی کبھی قرض لیتی تھیں ایک بار زیادہ رقم قرض لے لی تو کسی نے کہا کہ آپ اس کو کس طرح لو ا کریں گی؟ فرمایا ”آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے کہ جو شخص ادا کرنے کی نیت رکھتا ہے خدا خود اس کا قرض ادا کر دیتا ہے“ (ایضاً)

(۱۱) حضرت صفیہؓ

نام و نسب:

اصلی نام زینبؓ تھا، لیکن چونکہ وہ جنگ خیبر میں خاص آنحضرت ﷺ کے حصہ میں آئی تھیں اور عرب میں غنیمت کے ایسے حصہ کو جو امام یا بادشاہ کے لئے مخصوص ہوتا تھا، صفیہؓ کہتے تھے اس لئے وہ بھی صفیہؓ کے نام سے مشہور ہو گئیں یہ زر قانی کی روایت ہے۔ حضرت صفیہؓ کو ماں اور باپ دونوں کی طرف سے سیادت حاصل ہے باپ کا نام حمز بن الخطبؓ تھا جو قبیلہ بنو نضیر کا سردار تھا اور حضرت ہارونؓ کی نسل میں شمار ہوتا تھا ماں جس کا نام ضرہؓ تھا، سوال رئیس قریطہ کی بیٹی تھی اور یہ دونوں خاندان (قریطہ اور نضیر) بنو اسرائیل کے ان تمام قبائل سے ممتاز سمجھے جاتے تھے جنہوں نے زمانہ دراز سے عرب کے شمالی حصوں میں سکونت اختیار کر لی تھی۔

نکاح:

حضرت صفیہؓ کی شادی پہلے اسلام بن مشکم القرظی سے ہوئی تھی اسلام نے طلاق دی تو کنانہ بن ابی الہیثیق کے نکاح میں آئیں جو ابو رافع تاجر حجاز اور رئیس خیبر کا بھتیجا تھا

کنانہ جنگ خیبر میں مقتول ہوا، حضرت صفیہؓ کے بھائی لور باپ بھی کام آئے اور خود بھی گرفتار ہوئیں جب خیبر کے تمام قیدی جمع کئے گئے تو دجیہ کلبی نے آنحضرت ﷺ سے ایک لونڈی کی درخواست کی، آنحضرت ﷺ نے انتخاب کرنے کی اجازت دی انہوں نے حضرت صفیہؓ کو منتخب کیا لیکن ایک صحابی نے آپ کی خدمت میں آکر عرض کی کہ آپ نے ربیبہ بنو نفیر و قریظہ کو دجیہ کو دے دیا وہ تو صرف آپ کے لئے سزاوار ہے، مقصود یہ تھا کہ ربیبہ عرب کے ساتھ عام عورتوں کا سلسلہ ملا مناسب نہیں، چنانچہ حضرت دجیہؓ کو آپ نے دوسری لونڈی عنایت فرمائی اور صفیہؓ کو آزلو کر کے نکاح کر لیا (۱)

خیبر سے رولہ ہوئے تو مقام صہبا میں رسم عروسی لواکی (۲) اور جو کچھ سامان لوگوں کے پاس تھا اس کو جمع کر کے دعوت ولیمہ فرمائی وہاں سے رولہ ہوئے تو آپ نے ان کو خود اپنے لونٹ پر سوار کر لیا اور اپنی عبا سے ان پر پردہ کیا یہ گویا اس بات کا اعلان تھا کہ وہ ازواج مطہرات میں داخل ہو گئیں۔ (طبقات ج ۸ جزء ۸ ص ۸۶)

عام حالات :

حضرت صفیہؓ کے مشہور واقعات میں حج کا سفر ہے جو انہوں نے آنحضرت ﷺ کے ساتھ کیا تھا۔

حضرت عثمانؓ کے لیم محاصرہ میں جو ۳۵ ہجری میں ہوا تھا، حضرت صفیہؓ نے ان کی بھد مدد کی تھی، جب حضرت عثمانؓ پر ضروریات زندگی مسدود کر دی گئیں اور ان کے مکان پر پہرہ بٹھادیا گیا تو وہ خود خچر پر سوار ہو کر ان کے مکان کی طرف چلیں، غلام ساتھ تھا، اشتر کی نظر پڑی تو انہوں نے آکر خچر کو مارنا شروع کیا، حضرت صفیہؓ نے کہا، مجھ کو ذلیل ہونے کی ضرورت نہیں، میں واپس جاتی ہوں، تم خچر کو چھوڑ دو، گھر واپس آئیں تو حضرت حسنؓ کو اس خدمت پر مامور کیا اور وہ ان کے مکان سے حضرت عثمانؓ کے پاس کھانا اور پانی لے جاتے تھے۔ (اصابہ ج ۱ ص ۱۲۷ بحوالہ ابن سعد)

وفات :

حضرت صفیہؓ نے رمضان ۵۰ ہجری میں وفات پائی اور جنت البقیع میں دفن ہوئیں اس وقت ان کی عمر ۶۰ سال کی تھی ایک لاکھ ترکہ چھوڑا اور ایک ٹلٹ کے لئے اپنے یہودی بھانجے کے لئے وصیت کر گئیں۔ (زرقانی ج ۳ ص ۲۹۶)

حلیہ :

کو تاہ قامت اور حسین تھیں۔ (مسلم ج ۱ ص ۵۴۸)

فضل و کمال :

حضرت صفیہؓ سے چند حدیثیں مروی ہیں جن کو حضرت زین العابدینؓ اسحاق بن عبد اللہ بن حارث، مسلم بن صفوان، کنانہ اور یزید بن معتب وغیرہ نے روایت کیا ہے۔

دیگر ازواج کی طرح حضرت صفیہؓ بھی اپنے زمانہ میں علم کا مرکز تھیں، چنانچہ حضرت صہیرہ بنت جیفرج کے حضرت صفیہؓ کے پاس مدینہ آئیں تو کوفہ کی بہت سی عورتیں مسائل دریافت کرنے کی غرض سے بیٹھی ہوئی تھیں صہیرہؓ کا بھی یہی مقصد تھا اس لئے انہوں نے کوفہ کی عورتوں سے سوال کئے ایک فتویٰ نبیذ کا تھا حضرت صفیہؓ نے سنا تو بولیں اہل عراق اس مسئلہ کو اکثر پوچھتے ہیں۔ (۱)

اخلاق :

حضرت صفیہؓ میں بہت سے محاسن اخلاق جمع تھے اسد الغابہ (۲) میں ہے :

كانت عاقلة من عقلاء النساء

”وہ نہایت عاقلہ تھیں۔“

زر قانی میں ہے : (۲)

كانت صفیة عاقلة حلیمة فاضلة

”یعنی صفیہ عاقل، فاضل اور حلیم تھیں“

حلم و تحمل ان کے باب فضائل کا نہایت جلی عنوان ہے، غزوہ خیبر میں جب وہ اپنی بہن کے ساتھ گرفتار ہو کر آرہی تھیں تو ان کی بہن یہودیوں کی لاشوں کو دیکھ دیکھ کر چیخ اٹھتی تھیں حضرت صفیہؓ اپنے محبوب شوہر کی لاش سے قریب ہو کر گزریں لیکن اب بھی اسی طرح پیکر متانت تھیں اور ان کی جبین تحمل پر کسی قسم کی شکن نہیں آئی۔

ایک مرتبہ حضرت حصہؓ نے ان کو یہودیہ کہا ان کو معلوم ہوا تو رونے لگیں حضرت صفیہؓ کے پاس ایک کنیر تھی جو حضرت عمرؓ سے جا کر ان کی شکایات کیا کرتی تھی، چنانچہ ایک دن کہا کہ ان میں یہودیت کا اثر آج تک باقی ہے وہ یوم السبت کو اچھا سمجھتی ہیں اور یہودیوں کے ساتھ صلہ رحمی کرتی ہیں حضرت عمرؓ نے تصدیق کے لئے ایک شخص

کو بھیجا حضرت صفیہؓ نے جواب دیا کہ یوم السبت کو اچھا سمجھنے کی کوئی ضرورت نہیں اس کے بدلے خدا نے ہم کو جمعہ کا دن عنایت فرمایا ہے البتہ میں یہود کے ساتھ صلہ رحمی کرتی ہوں وہ میرے خویش و اقارب ہیں اس کے بعد لونڈی کو بلا کر پوچھا کہ تو نے میری شکایت کی تھی؟ بولی ”ہاں مجھے شیطان نے بھکا دیا تھا“ حضرت صفیہؓ خاموش ہو گئیں اور اس لونڈی کو آزاد کر دیا۔ (۱)

حضرت صفیہؓ کو آنحضرت ﷺ سے نہایت محبت تھی چنانچہ جب آپ علیل ہوئے تو نہایت حسرت سے بولیں ”کاش! آپ کی بیماری مجھ کو مل جاتی“ ازواج نے ان کی طرف دیکھنا شروع کیا تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا یہ سچ کہہ رہی ہیں (۲) یعنی اس میں تصنع کا شائبہ نہیں ہے)

آنحضرت ﷺ کو بھی ان کے ساتھ نہایت محبت تھی اور ہر موقع پر ان کی دلجوئی فرماتے تھے ایک بار آپ سفر میں تھے ازواج مطہرات بھی ساتھ تھیں حضرت صفیہؓ کا لونٹ سوء اتفاق سے ہمارا ہو گیا حضرت زینبؓ کے پاس ضرورت سے زیادہ تھے آپ ﷺ نے ان سے کہا کہ ایک اونٹ صفیہؓ کو دے دو انہوں نے کہا کیا میں اس یہودیہ کو اپنا لونٹ دوں؟ اس پر آنحضرت ﷺ نے ان سے اس قدر ناراض ہوئے کہ دو مہینے تک ان کے پاس نہ گئے (۳) ایک مرتبہ حضرت عائشہؓ نے ان کی قد و قامت کی نسبت چند جملے کہے تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ تم نے ایسی بات کہی ہے کہ اگر سمندر میں چھوڑ دی جائے تو اس میں مل جائے (۴) یعنی سمندر کو بھی گدلا کر سکتی ہے)

ایک بار آپ ﷺ حضرت صفیہؓ کے پاس تشریف لے گئے دیکھا کہ رو رہی ہیں آپ ﷺ نے رونے کی وجہ پوچھی انہوں نے کہا ”عائشہؓ اور حصہؓ کہتی ہیں کہ ہم تمام ازواج میں افضل ہیں ہم آپ ﷺ کی زوجہ ہونے کے ساتھ آپ کی چچا زلو بہن بھی ہیں“ آپ نے فرمایا کہ تم نے یہ کیوں نہ کہا کہ ”ہارونؓ میرے باپ“ موٹی میرے چچا اور محمد ﷺ میرے شوہر ہیں اس لئے تم لوگ کیونکر مجھ سے افضل ہو سکتی ہو۔ (۵)

سفر حج میں حضرت صفیہؓ کا لونٹ بیٹھ گیا تھا اور وہ سب سے پیچھے رہ گئی تھیں آنحضرت ﷺ ادھر سے گزرے تو دیکھا کہ زار و قطار رو رہی ہیں آپ نے رداء اور

(۱) اصباح ج ۸ ص ۱۲۷ زرقانی ج ۳ ص ۲۹۶ (۲) زرقانی ج ۳ ص ۲۹۶ بحوالہ ابن سعد

(۳) اصباح ج ۸ ص ۱۲۶ بحوالہ ابن سعد و زرقانی ج ۳ ص ۲۹۶ (۴) ابوداؤد ج ۲ ص ۱۹۳

(۵) ترمذی ص ۶۳۸ باب فضل ازواج النبی .

دست مبارک سے ان کے آنسو پوچھتے جاتے تھے اور وہ بے اختیار روتی جاتی تھیں۔ (۱)
 حضرت صفیہؓ سیر چشم لور فیاض واقع ہوئی تھیں، چنانچہ جب وہ ام المؤمنین بن کر
 مدینہ میں آئیں تو حضرت فاطمہؓ اور ازولج مطہرات کو اپنے سونے کی جلیاں تقسیم کیں۔ (۲)
 کھانا نہایت عمدہ پکاتی تھیں اور آنحضرت ﷺ کے پاس تھنہ بھیجا کرتی تھیں،
 حضرت عائشہؓ کے گھر میں آنحضرت ﷺ کے پاس انہوں نے پیالہ میں جو کھانا بھیجا تھا اس کا
 ذکر بخاری اور نسائی وغیرہ میں آیا ہے۔

(۱۲) حضرت زینبؓ

نام و نسب:

آنحضرت ﷺ کی سب سے بڑی صاحبزادی ہیں، بعثت سے دس برس پہلے
 جب آنحضرت ﷺ کی عمر ۳۰ سال کی تھی پیدا ہوئیں۔
 نکاح:

ابوالعاص بن ربیع لقیط سے جو حضرت زینبؓ کے خالہ زلو بھائی تھے نکاح ہوا۔

عام حالات:

نبوت کے تیرہویں سال جب آنحضرت ﷺ نے مکہ معظمہ سے ہجرت فرمائی
 تو اہل و عیال مکہ میں رہ گئے تھے حضرت زینبؓ بھی اپنی سرال میں تھیں غزوہ بدر میں ابو
 العاص کفار کی طرف سے شریک ہوئے تھے عبداللہ بن جبیر انصاری نے ان کو گرفتار کیا اور
 اس شرط پر رہائے گئے کہ مکہ جا کر حضرت زینبؓ کو بھیج دیں گے۔ (طبقات ج ۸ ص ۲۰)
 ابو العاص نے مکہ جا کر حضرت زینبؓ کو اپنے چھوٹے بھائی کنانہ کے ساتھ مدینہ
 کی طرف روانہ کیا، چونکہ کفار کے تعرض کا خوف تھا کنانہ نے ہتھیار ساتھ لے لئے تھے
 مقام ذی طویٰ میں پہنچے تو قریش کے چند آدمیوں نے تعاقب کیا، ہمدان بن اسود نے حضرت
 زینبؓ کو نیزہ سے زمین پر گرا دیا وہ حاملہ تھیں، حمل ساقط ہو گیا۔ کنانہ نے ترکش سے تیر
 نکالے اور کہا کہ ”اب اگر کوئی قریب آیا تو ان تیروں کا نشانہ ہوگا“ لوگ ہٹ گئے تو ابو سفیان
 سردار ان قریش کے ساتھ آیا اور کہا: ”تیر روک لو ہم کو کچھ گفتگو کرنی ہے“ انہوں نے تیر

ترکش میں ڈال دیئے ابو سفیان نے کہا محمد ﷺ کے ہاتھ سے جو مصیبتیں پہنچی ہیں تم کو معلوم ہیں اب اگر تم اعلانیہ ان کی لڑکی کو ہمارے قبضہ سے نکال لے گئے تو لوگ کہیں گے کہ ہماری کمزوری ہے، ہم کو زینبؓ کے روکنے کی ضرورت نہیں جب شور و ہنگامہ کم ہو جائے اس وقت چھپے چوری لے جانا، کنانہ نے یہ رائے تسلیم کی اور حضرت زینبؓ کو لے کر مکہ واپس آئے۔ چند روز کے بعد ان کو رات کے وقت لے کر رولہ ہوئے زید بن حارثہ کو آنحضرت ﷺ نے پہلے سے بھیج دیا تھا وہ بطن یا حج میں تھے کنانہ نے زینبؓ کو ان کے حوالہ کیا وہ ان کو لے کر رولہ ہو گئے۔ (۱)

حضرت زینبؓ مدینہ میں آئیں اور اپنے شوہر ابو العاص کو حالت شرک میں چھوڑا جمادی الاول ۶۔ ہجری میں ابو العاص قریش کے ایک قافلہ کے ساتھ شام کی طرف رولہ ہوئے آنحضرت ﷺ نے حضرت زید بن حارثہ کو ۷۰ اسواروں کے ساتھ بھیجا۔ مقام عیص میں قافلہ ملا۔ کچھ لوگ گرفتار کئے گئے اور مال و اسباب لوٹ میں آیا ان ہی میں ابو العاص بھی تھے ابو العاص آئے تو حضرت زینبؓ نے ان کو پناہ دی اور ان کی سفارش سے آنحضرت ﷺ نے ان کا مال بھی واپس کر دیا ابو العاص نے مکہ جا کر لوگوں کی لمانتیں حوالہ کیں اور اسلام لائے۔ اسلام لانے کے بعد ہجرت کر کے مدینہ میں آئے حضرت زینبؓ نے ان کو حالت شرک میں چھوڑا تھا اس لئے دونوں میں باہم تفریق ہو گئی تھی۔ وہ مدینہ آئے تو حضرت زینبؓ دوبارہ ان کے نکاح میں آئیں ترمذی وغیرہ میں حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ کوئی جدید نکاح نہیں ہوا، لیکن دوسری روایت میں تجدید نکاح کی تصریح ہے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی روایت کو اگرچہ اسناد کے لحاظ سے دوسری روایت پر ترجیح ہے لیکن فقہاء نے دوسری صورت پر عمل کیا ہے اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی روایت کی یہ تاویل کی ہے کہ نکاح جدید کے مہر اور شرائط وغیرہ میں کسی قسم کا تغیر نہ ہوا ہوگا، اسی لئے حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے اس کو نکاح اول سے تعبیر کیا اور نہ بعد تفریق نکاح ثانی ضروری ہے۔ ابو العاصؓ نے حضرت زینبؓ کے ساتھ نہایت شریفانہ برتاؤ کیا اور آنحضرت ﷺ نے ان کے شریفانہ تعلقات کی تعریف کی۔ (۲)

وفات :

نکاحِ حدید کے بعد حضرت زینبؓ بہت کم زندہ رہیں اور ۸ ہجری میں انہوں نے انتقال کیا حضرت ام ایمنؓ، حضرت سودہؓ، حضرت ام سلمہؓ، اور ام عطیہؓ نے غسل دیا جسکا طریقہ خود آنحضرت ﷺ نے بتلادیا تھا۔ آنحضرت ﷺ نے نماز جنازہ پڑھائی، خود قبر میں اترے اور اپنے نور دیدہ کو خاک کے سپرد کیا اس وقت چہرہ مبارک پر حزن و ملال کے آثار نمایاں تھے۔ (۱)

لولاد :

حضرت زینبؓ نے دو لولاد چھوڑی، علیؓ اور امامہؓ، علیؓ کی نسبت ایک روایت ہے کہ نخل میں وفات پائی لیکن عام روایت یہ ہے کہ سن رشد کو پہنچے، لیکن عسا کر نے لکھا ہے کہ یرموک کے معرکہ میں شہادت پائی فتح مکہ میں یہی آنحضرت ﷺ کے رویف تھے امامہ عرصہ تک زندہ رہیں اور ان کا حال آگے آئے گا۔

اخلاق و عادات :

آنحضرت ﷺ اور اپنے شوہر سے بہت محبت کرتی تھیں حضرت انسؓ نے ان کو ریشمی چادر اوڑھے دیکھا تھا، جس پر زرد دھاریاں پڑی ہوئی تھیں۔ (۲)

(۱۳) حضرت رقیہؓ

نام و نسب :

مشہور روایت کے مطابق یہ رسول اللہ ﷺ کی دوسری صاحبزادی ہیں جو قبل نبوت پیدا ہوئیں۔

نکاح :

پہلے ابولہب کے بیٹے (عتبہ) سے شادی ہوئی یہ قبل نبوت کا واقعہ ہے آنحضرت ﷺ کی تیسری صاحبزادی ام کلثومؓ کی شادی ابولہب کے دوسرے بیٹے عتیبہ سے ہوئی تھی اسلام :

جب آنحضرت ﷺ کی بعثت ہوئی اور آپ نے دعوت اسلام کا اظہار فرمایا تو

(۱) طبقات ج ۸ ص ۲۴ بخاری ج ۱ ص ۱۶۷ و مسلم ج ۱ ص ۳۴۶ و اسد الغابہ ج ۵ ص ۴۶۸ (۲) طبقات ج ۸ ص ۲۲

لو لب نے بیٹوں کو جمع کر کے کہا ”اگر تم محمد (ﷺ) کی بیٹیوں سے علیحدگی اختیار نہیں کرتے تو تمہارے ساتھ میرا اٹھنا بیٹھنا حرام ہے دونوں بیٹوں نے باپ کے حکم کی تعمیل کی آنحضرت ﷺ نے حضرت رقیہؓ کی شادی حضرت عثمانؓ سے کر دی۔

عام حالات :

نبوت کے پانچویں سال حضرت عثمانؓ نے حبش کی طرف ہجرت کی حضرت رقیہؓ بھی ساتھ گئیں جب واپس آئیں تو مکہ کی سر زمین پہلے سے زیادہ خونخوار تھی چنانچہ دوبارہ ہجرت کی مدت تک آنحضرت ﷺ کو ان کا کچھ حال معلوم نہیں ہوا ایک عورت نے آکر خبر دی کہ ”میں نے ان دونوں کو دیکھا ہے“ آنحضرت ﷺ نے دعا دی اور فرمایا کہ ابراہیمؑ اور لوطؑ کے بعد عثمانؓ پہلے شخص ہیں جنہوں نے نبی ملی کو لیکر ہجرت کی ہے۔^(۱)

اس مرتبہ حبش میں زیادہ عرصہ تک مقیم رہیں جب یہ خبر پہنچی کہ آنحضرت ﷺ مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کرنے والے ہیں تو چند بزرگ جن میں حضرت عثمان بن عفانؓ اور حضرت رقیہؓ بھی تھیں مکہ آئے اور آنحضرت ﷺ کی اجازت سے مدینہ منورہ کو ہجرت کی جہاں انہوں نے حضرت حسانؓ کے بھائی لوس بن ثلتؓ کے گھر میں قیام کیا۔

وفات :

۲۔ ہجری میں جو غزوہ بدر کا سال تھا۔ حضرت رقیہؓ کے دانے نکلے اور نہایت سخت تکلیف ہوئی آنحضرت ﷺ اس زمانہ میں بدر کی تیاریاں کر رہے تھے۔ غزوہ کو روک نہ ہوئے تو حضرت عثمانؓ کو تیمارداری کے لئے چھوڑ دیا^(۲) عین اسی دن جس دن زید بن حارثہؓ نے مدینہ میں آکر فتح کا مژدہ سنایا حضرت رقیہؓ نے وفات پائی آنحضرت ﷺ غزوہ کی وجہ سے ان کے جنازہ میں شریک نہ ہو سکے لیکن جب واپس آئے اور اس واقعہ کی اطلاع ہوئی تو نہایت رنجیدہ ہو کر قبر پر تشریف لائے اور ارشاد فرمایا ”عثمانؓ لکن مظعون پہلے جا چکے لب تم بھی ان کے پاس چلی جاؤ“ اس فقوہ نے عورتوں میں کھرام برپا کر دیا حضرت عمرؓ کو ڈالے کر مارنے کے لئے اٹھے آپ نے ہاتھ پکڑ لیا اور فرمایا ”رونے میں کچھ حرج نہیں لیکن نوحہ دینا شیطانی حرکت ہے اس سے قطعاً بچنا چاہیے“ سیدہ عالم حضرت فاطمہؓ زہراؓ بھی بارگاہ نبوی ﷺ میں حاضر ہوئیں وہ قبر کے پاس بیٹھ کر روتی جاتی تھیں اور آنحضرت ﷺ کپڑے سے ان کے آنسو پونچھتے جاتے تھے۔

لولاد :

جس کے زمانہ قیام میں ایک لڑکا پیدا ہوا تھا جس کا نام عبد اللہ تھا حضرت عثمانؓ کی کنیت ابو عبد اللہ اسی کے نام پر تھی چھ سال تک زندہ رہا ایک مرتبہ ایک مرغ نے اس کے چہرہ پر چونچ ماری اور جاں بحق تسلیم ہو گیا یہ جمادی الاول ۴ ہجری کا واقعہ ہے عبد اللہ کے بعد حضرت رقیہؓ کے کوئی لولاد نہیں ہوئی۔

حلیہ :

حضرت رقیہؓ خوب رولور موزون اندام تھیں۔ زر قانی میں ہے۔ (۱)

كانت بارعة الجمال
”وہ نہایت جمیل تھیں“

(۱۴) حضرت ام کلثومؓ

نام و نسب :

یہ تیسری صاحب زادی ہیں اور کنیت ہی کے ساتھ مشہور ہیں۔

نکاح :

۳ ہجری میں جب حضرت رقیہؓ کا انتقال ہوا تو ربیع الاول میں حضرت عثمانؓ نے حضرت ام کلثومؓ کے ساتھ نکاح کر لیا بخاری میں ہے کہ جب حضرت حصہؓ بیوہ ہوئیں تو حضرت عمرؓ نے حضرت عثمانؓ کے ساتھ نکاح کا پیغام دیا۔ حضرت عثمانؓ نے تامل کیا لیکن دوسری روایتوں میں ہے کہ جب آنحضرت ﷺ کو یہ خبر معلوم ہوئی تو آپ ﷺ نے حضرت عمرؓ سے کہا ”میں تم کو عثمانؓ سے بہتر شخص کا پتہ دیتا ہوں اور عثمانؓ کے لئے تم سے بہتر شخص ڈھونڈتا ہوں تم اپنی لڑکی کی مجھ سے شادی کر دو اور میں اپنی لڑکی کی شادی عثمانؓ سے کر دیتا ہوں“ بہر حال نکاح ہوا اور نکاح کے بعد ام کلثومؓ ۶ برس تک حضرت عثمانؓ کے ساتھ رہیں۔

وفات :

شعبان ۹ ہجری میں وفات پائی آنحضرت ﷺ کو سخت صدمہ ہوا قبر پر بیٹھے تو آنکھوں سے آنسو جاری تھے آپ نے نماز جنازہ پڑھائی اور حضرت ابو طلحہؓ، حضرت علیؓ، فضل

بن عباس لور اسامہ بن زید نے قبر میں اتارا۔ (۱) طبقات ج ۸ ص ۲۵۰ ۲۶۰ بخاری ج ۱ ص ۱۷۱

لولاد :

کوئی لولاد نہیں ہے۔

(۱۵) (۴) حضرت فاطمہ زہراؓ

نام و نسب :

فاطمہؓ نام زہر القب تھا۔ آنحضرت ﷺ کی صاحبزادیوں میں سب سے کم سن تھیں سن ولادت میں اختلاف ہے ایک روایت ہے کہ اسے بعثت میں پیدا ہوئیں۔ لن ائتی نے لکھا ہے کہ ابراہیم کے علاوہ آنحضرت ﷺ کی تمام لولاد قبل نبوت پیدا ہوئی۔ آپ ﷺ کی بعثت چالیس سال کی عمر میں ہوئی تھی اس بناء پر بعضوں نے دونوں روایتوں میں یہ تطبیق دی ہے کہ اسے بعثت کے آغاز میں حضرت فاطمہؓ پیدا ہوئی ہوں گی لور چونکہ دونوں کی مدت میں بہت کم فاصلہ ہے اس لئے یہ اختلاف روایت ہو گیا ہو گا۔ لن جوزی نے لکھا ہے کہ بعثت سے پانچ برس پہلے خانہ کعبہ کی تعمیر جب ہو رہی تھی پیدا ہوئیں بعض روایتوں میں ہے کہ نبوت سے تقریباً ایک سال پیشتر پیدا ہوئیں۔

نکاح :

حضرت فاطمہؓ جب مشہور روایت کے مطابق ۸ سال لور اگر اسے بعثت کو ان کا سال ولادت تسلیم کیا جائے تو پندرہ سال ساڑھے پانچ مہینے کی ہوئیں تو ذی الحج ۲ ہجری میں آنحضرت ﷺ نے حضرت علیؓ کے ساتھ ان کا نکاح کر دیا۔ لن سعد نے روایت کی ہے کہ سب سے پہلے حضرت ابو بکر صدیقؓ نے آنحضرت ﷺ سے درخواست کی آپ ﷺ نے فرمایا کہ جو خدا کا حکم ہو گا پھر حضرت عمرؓ نے جرات کی۔ ان کو بھی آپ ﷺ نے کچھ جواب نہیں دیا بلکہ وہی الفاظ فرمائے لیکن بظاہر یہ روایت صحیح نہیں معلوم ہوتی حافظ لن حجر نے اصالبہ میں لن سعد کی اکثر روایتیں حضرت فاطمہؓ کے حال میں روایت کی ہیں اس کو نظر انداز کر دیا ہے۔

بہر حال حضرت علیؓ نے جب درخواست کی تو آپ ﷺ نے حضرت فاطمہؓ کی مرضی دریافت کی وہ چپ رہیں یہ ایک طرح کا اظہار رضا تھا۔ آپ ﷺ نے حضرت علیؓ سے پوچھا کہ تمہارے پاس مہر دینے کے لئے کیا ہے؟ بولے کچھ نہیں آپ ﷺ نے فرمایا ”اور

وہ حطمیہ زرہ کیا ہوئی؟“ (جنگ بدر میں ہاتھ آئی تھی) عرض کی وہ تو موجود ہے آپ ﷺ نے فرمایا بس وہ کافی ہے حضرت عمرؓ نے حضرت عثمانؓ کے ہاتھ اس کو ۸۰ درہم پر فروخت کیا اور قیمت لا کر آنحضرت ﷺ کے سامنے ڈال دی آنحضرت ﷺ نے حضرت بلالؓ کو حکم دیا کہ بازار سے خوشبو لائیں۔

زرہ کے سوا اور جو کچھ حضرت علیؓ کا سرمایہ تھا وہ ایک بھیڑ کی کھال اور ایک بوسیدہ مینہ چادر تھی، حضرت علیؓ نے یہ سب سرمایہ حضرت فاطمہؓ زہرا کے نذر کیا حضرت علیؓ اب تک آنحضرت ﷺ کے پاس رہتے تھے شادی کے بعد ضرورت ہوئی کہ الگ گھر کر لیں حارثہ بن نعمان انصاریؓ کے متعدد مکانات تھے جن میں سے وہ کئی آنحضرت ﷺ کو نذر کر چکے تھے حضرت فاطمہؓ نے کہا کہ ان ہی سے کوئی مکان دلوا دیجئے آپ ﷺ نے فرمایا کہ کہاں تک اب ان سے کہتے شرم آتی ہے حارثہؓ نے سنا تو دوڑے آئے کہ حضور ﷺ میں اور میرے پاس جو کچھ ہے سب آپ کا ہے خدا کی قسم میرا جو مکان آپ لے لیتے ہیں مجھ کو اس سے زیادہ خوشی ہے کہ وہ میرے پاس رہ جائے غرض انہوں نے اپنا ایک مکان خالی کر دیا حضرت فاطمہؓ اس میں اٹھ گئیں شہنشاہ مدینہ (ﷺ) نے سیدہ عالم کو جو جہیز دنیا و بہان کی چار پائی چٹڑے کا گدا جس کے اندر روئی کے بجائے کھجور کے پتے تھے، ایک چھاگل، دو مٹی کے گھڑے، ایک مشک اور دو چکیاں لوریہ عجیب اتفاق ہے کہ یہی دو چیزیں عمر بھر ان کی رفیق رہیں۔

حضرت فاطمہؓ جب نئے گھر میں جا لیں تو آنحضرت ﷺ ان کے پاس تشریف لے گئے دروازے پر کھڑے ہو کر لڑن مانگا، پھر اندر آئے ایک برتن میں پانی منگولیا دونوں ہاتھ اس میں ڈالے اور حضرت علیؓ کے سینہ اور بازوؤں پر پانی چھڑکا، پھر حضرت فاطمہؓ کو بلایا وہ شرم سے لڑکھڑاتی آئیں۔ ان پر بھی پانی چھڑکا اور فرمایا کہ میں نے اپنے خاندان میں بہتر شخص سے تمہارا نکاح کیا ہے۔ (۱)

داغ بے پداری :

حضرت فاطمہؓ کی عمر مشہور روایت کے مطابق ۲۹ سال کی تھی جب رسالت مآب ﷺ نے رحلت فرمائی حضرت فاطمہؓ آنحضرت ﷺ کی محبوب ترین لولاد تھیں اور اب صرف وہی باقی رہ گئی تھیں اس لئے ان کو صدمہ بھی لوروں سے زیادہ ہوا وفات سے پہلے ایک دن آنحضرت ﷺ نے ان کو بلا بھیجا، تشریف لائیں، تو ان سے کچھ کان میں

(۱) یہ تمام تفصیل جلد ۲ ص ۷۱، طبقات ابن سعد ج ۸، زر کلی ج ۲ اور اصحاب ج ۸ سے ماخوذ ہے۔

باتیں کیں وہ روئے لگیں پھر لاکر کچھ کان میں کما تو ہنس پڑیں حضرت عائشہؓ نے دریافت کیا تو کہا ”پہلی دفعہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں اسی مرض میں انتقال کروں گا جب میں روئے لگی تو فرمایا کہ میرے خاندان میں سب سے پہلے تمہیں مجھ سے آکر ملو گی تو ہنسنے لگی۔“ (۱)

وفات سے پہلے جب بابر آپ ﷺ پر غشی طاری ہوئی تو حضرت فاطمہؓ یہ دیکھ کر یوں واکروب اباہ۔ ہائے میرے باپ کی بے چینی! آپ ﷺ نے فرمایا ”تمہارا باپ آج کے بعد بے چین نہ ہو گا (۲) آپ ﷺ کا انتقال ہوا تو حضرت فاطمہؓ پر ایک مصیبت ٹوٹ پڑی اسد الغابہ میں لکھا ہے کہ جب تک زندہ رہیں کبھی تبسم نہیں فرمایا (۳) بخاری میں لکھا ہے کہ جب صحابہؓ نعش مبارک کو دفن کر کے واپس آئے تو حضرت فاطمہؓ نے حضرت انسؓ سے پوچھا: ”کیا تم کو رسول اللہ ﷺ پر خاک ڈالتے اچھا معلوم ہوا؟“ (۴)

آنحضرت ﷺ کے انتقال کے بعد میراث کا مسئلہ پیش ہوا۔ حضرت عباسؓ حضرت علیؓ ازواج مطہراتؓ۔ یہ تمام بزرگ میراث کے مدعی تھے حضرت فاطمہؓ کا بھی ایک قائم مقام موجود تھا چونکہ آنحضرت ﷺ کی جائیداد خالصہ جائیداد تھی۔ اور اس میں قانون وراثت جاری نہیں ہو سکتا تھا۔ اس لئے حضرت ابو بکر صدیقؓ نے فرمایا کہ میں رسول اللہ ﷺ کے اعزہ کو اپنے اعزہ سے زیادہ محبوب رکھتا ہوں لیکن دقت یہ ہے کہ خود آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ انبیاء جو متروک چھوڑتے ہیں وہ کل کا کل صدقہ ہوتا ہے! اس میں وراثت جاری نہیں ہوتی اس بنا پر میں اس جائیداد کو کیوں کر تقسیم کر سکتا ہوں! البتہ آنحضرت ﷺ کی زندگی میں اہل بیت جس حد تک اس سے فائدہ اٹھاتے تھے اب بھی اٹھا سکتے ہیں۔ صحیح بخاری میں لکھا ہے کہ اس گفتگو کا حضرت فاطمہؓ کو سخت قلق ہوا اور وہ حضرت ابو بکر صدیقؓ سے اس قدر ناراض ہوئیں کہ آخر وقت تک ان سے گفتگو نہیں کی (۵) (طبقات ابن سعد میں ہے کہ حضرت فاطمہؓ بعد کو حضرت ابو بکر صدیقؓ سے راضی ہو گئیں تھیں)

وفات :

آنحضرت ﷺ کے انتقال کو ۶ ماہ گزرے تھے کہ رمضان ۱۱ھ ہجری میں حضرت فاطمہؓ نے وفات پائی اور آنحضرت ﷺ کی یہ پیش گوئی کہ ”میرے خاندان میں سب سے پہلے تم ہی مجھ سے آکر ملو گی“ پوری ہوئی یہ منگل کا دن تھا اور رمضان کی تیسری تاریخ

(۱) بخاری ج ۲ ص ۶۳۸ (۲) بخاری ج ۲ ص ۶۴۱ (۳) اسد الغابہ ج ۵ ص ۵۲۴

(۴) بخاری ج ۲ ص ۶۴۱ (۵) بخاری ج ۲ ص ۵۲۶ ج ۲ ص ۶۰۹

تھی اس وقت ان کا سن ۲۹ سال کا تھا لیکن اگر دوسری روایتوں کا لحاظ کیا جائے تو اس سے مختلف ثابت ہوگا چنانچہ ایک روایت میں ۲۴ سال، ایک میں ۲۵ سال اور ایک میں ۳۰ سال مذکور ہے۔ زر قالی نے لکھا ہے کہ پہلی روایت (۲۹ سال) زیادہ صحیح ہے اگر ۳۱ (محمدی) کو سال ولادت قرار دیا جائے تو اس وقت ان کا یہ سن نہیں ہو سکتا تھا البتہ اگر ۲۴ سال کی عمر تسلیم کی جائے تو اس سن کو سال ولادت قرار دیا جاسکتا ہے لیکن اگر یہ روایت صحیح مان لی جائے کہ پانچ برس قبل نبوت میں پیدا ہوئیں تو اس وقت ان کا سن ۲۹ سال کا ہو سکتا ہے۔

حضرت فاطمہؓ کی تجہیز و تکفین میں خاص جدت کی گئی، عورتوں کے جنازہ پر جو آج کل پردہ لگانے کا دستور ہے۔ اس کی ابتداء ان ہی سے ہوئی۔ اس سے پیشتر عورت اور مرد سب کا جنازہ کھلا ہوا جاتا تھا۔ چونکہ حضرت فاطمہؓ کے مزاج میں انتہاء کی شرم و حیاء تھی اس لئے انہوں نے حضرت اسماء بنت عیس سے کہا کہ کھلے جنازہ میں عورتوں کی بے پردگی ہوتی ہے جس کو میں ناپسند کرتی ہوں اسماءؓ نے کہا جگر گوشہ رسول ﷺ! میں نے حبش میں ایک طریقہ دیکھا ہے آپ کہیں تو اس کو پیش کروں یہ کہہ کر خرے کی چند شاخیں منگوائیں اور ان پر کپڑا تانا جس سے پردہ کی صورت پیدا ہو گئی، حضرت فاطمہؓ بے حد مسرور ہوئیں کہ یہ بہترین طریقہ ہے، حضرت فاطمہؓ کے بعد حضرت زینبؓ کا جنازہ بھی اسی طریقہ سے اٹھایا گیا۔ (اسد الغابہ ج ۵ ص ۵۲۴)

حضرت فاطمہؓ کی قبر کے متعلق بھی سخت اختلاف ہے بعضوں کا خیال ہے کہ وہ بقیع میں حضرت امام حسنؓ کے مزار کے پاس مدفون ہوئیں، لیکن زبالہ نے یہی لکھا ہے اور مؤرخ مسعودی نے بھی اسی قسم کی تصریح کی ہے مؤرخ موصوف نے ۳۳۲ ہجری میں بقیع کی ایک قبر پر ایک کتبہ دیکھا تھا جس میں لکھا تھا کہ ”یہ فاطمہ زہراؓ کی قبر ہے“ (۱) لیکن طبقات کی متعدد روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ دار غقیل کے ایک گوشہ میں مدفون ہوئیں۔ (۲)

ایک روایت یہ ہے کہ وہ خاص اپنے مکان میں دفن کی گئیں، اس پر لن شیبہ نے یہ اعتراض کیا ہے کہ پھر پردہ دار جنازہ کی کیا ضرورت ہے لیکن طبقات کی ایک روایت سے اس کا یہ جواب دیا جاسکتا ہے کہ حضرت فاطمہؓ، سلمیٰ کے گھر میں بے سار ہوئی تھیں وہیں انتقال کیا اور وہیں ان کو غسل دیا گیا پھر حضرت علیؓ جنازہ اٹھا کر باہر لائے اور دفن کیا۔ (۳) آج حضرت

فاطمہؓ کی قبر متفقہ طور پر دار عقیل ہی سمجھی جاتی ہے۔ چنانچہ محمد لیبب بک قبونی نے جو ۱۳۲ ہجری میں خدیو مصر کے سفر حجاز میں ہمرکاب تھے اپنے سفر نامہ میں اس کی تصریح کی ہے۔ (۱)

اولاد :

حضرت فاطمہؓ کے پانچ اولادیں ہوئیں حسنؓ، حسینؓ، محسنؓ، ام کلثومؓ، زینب (رضی اللہ عنہم) محسنؓ نے یمن ہی میں انتقال کیا حضرت زینبؓ، حضرت حسنؓ، حضرت حسینؓ اور ام کلثومؓ اہم واقعات کے لحاظ سے تاریخ میں مشہور ہیں۔ آنحضرت ﷺ کو ان سب سے نہایت محبت تھی اور حضرت علیؓ اور حضرت فاطمہؓ بھی ان کو بہت محبوب رکھتے تھے۔ آنحضرت ﷺ کی صاحب زلیوں میں صرف حضرت فاطمہؓ کو یہ شرف حاصل ہے کہ ان سے آپ ﷺ کی نسل باقی رہی۔
حلیہ :

حضرت فاطمہؓ زہرا کا حلیہ مبارک جناب رسالت مآب ﷺ سے ملتا جلتا تھا حضرت عائشہؓ کا قول ہے کہ فاطمہؓ کی گفتگو لب و لہجہ اور نشست و برخاست کا طریقہ بالکل آنحضرت ﷺ کا طریقہ تھا (۲) اور رفتار بھی بالکل آنحضرت ﷺ کی رفتار تھی۔ (۳)
فضل و کمال :

حضرت فاطمہؓ سے کتب حدیث میں ۱۸ روایتیں منقول ہیں جن کو بڑے جلیل القدر صحابہؓ نے ان سے روایت کیا ہے حضرت علیؓ بن ابی طالب، حضرت حسنؓ، حضرت حسینؓ، حضرت عائشہؓ، حضرت ام کلثومؓ، حضرت سلمیٰؓ، ام رافعؓ اور حضرت انسؓ بن مالک ان سے احادیث روایت کرتے ہیں۔
تھہ پر واقعات ذیل شاہد ہیں :

حضرت علیؓ کسی سفر میں گئے تھے واپس آئے تو حضرت فاطمہؓ نے قربانی کا گوشت پیش کیا۔ انکو عذر ہوا، حضرت فاطمہؓ نے کہا، اس کے کھانے میں کچھ خرچ نہیں۔
آنحضرت ﷺ نے اس کی اجازت دیدی ہے۔ (مسند ج ۶ ص ۲۸۲)
ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ ان کے ہاں گوشت تناول فرما رہے تھے کہ نماز کا

(۱) الرحلة الحجابية (۲) صحیح ترمذی ص ۶۳۶ (۳) بخاری ج ۲ ص ۹۳۰

وقت آگیا آنحضرت ﷺ اسی طرح اٹھ کھڑے ہوئے، چونکہ ایک مرتبہ آپ نے فرمایا تھا کہ آگ پر پکی ہوئی چیز کھانے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے، اس لئے حضرت فاطمہؓ نے دامن پکڑا کہ وضو کر لیجئے، ارشاد ہوا بیٹی! وضو کی ضرورت نہیں ہے، تمام اچھے کھانے آگ ہی پر تو پکتے ہیں۔ (۱)
فضل و کمال:

حضرت فاطمہؓ آنحضرت ﷺ کی محبوب ترین لولاد تھیں۔ (۲) آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ:

فاطمة بضعة منی فمن اغضبها فقد اغضبنی (۳)

”فاطمہ میرے جسم کا ایک حصہ ہے جو اس کو ناراض کرے گا مجھ کو ناراض کرے گا“
 ابو جہل کی لڑکی کو حضرت علیؓ نے نکاح کا پیغام بھیجا تھا بلکہ گاہ نبوت ﷺ میں اطلاع ہوئی تو حضور اکرم ﷺ منبر پر چڑھے اور حسب ذیل خطبہ ارشاد فرمایا:

ان بنی ہشام بن المغیرہ استاذ نونی فی ان ینکحوا ابتہم علی بن ابی طالب فلا آذن ثم لا آذن الا ان یرید ابن ابی طالب ان یطلق ابنتی و ینکح ابتہم فانہا ہی بضعة منی یرینی مارابہا ویوذینی ما اذاھا

”آل ہشام، علی بن ابی طالب سے اپنی بیٹی کا عقد کرنا چاہتی ہے اور مجھ سے اجازت مانگتی ہے لیکن میں اجازت نہیں دوں گا اور کبھی نہ دوں گا۔ البتہ لن ابی طالب میری بیٹی کو طلاق دیکر ان کی لڑکی سے نکاح کر سکتے ہیں، فاطمہ میرے جسم کا ایک حصہ ہے جس نے اس کو لذیت دی اس نے مجھ کو لذیت دی۔ (صحیح بخاری ج ۲ ص ۷۸۷)

ان فاطمة منی و انا اتخوف ان تفتن فی دینہا ثم ذکر صہرا ما من بنی عبد شمس فائنی علیہ فی مصاہرتہ ایاہ قال حدثنی فصدقنی وعدنی فوفی لی وانی لست احرم حلالاً ولا احل حراماً ولكن والله الا تجتمع بنت رسول الله ﷺ و بنت عدو الله ابداً (بخاری ج ۱ ص ۴۳۸)

(اس کے بعد ابو العاص بن ربیع کا جو آپ کے داماد تھے ذکر فرمایا کہ) اس نے مجھ سے جو بات کہی اس کو سچ کر کے دکھلادیا اور جو وعدہ کیا وہاں کیلور میں حلال کو حرام اور حرام کو

حلال کرنے نہیں کھڑا ہوا لیکن خدا کی قسم! ایک پیغمبر اور ایک دشمن خدا کی بیٹیاں ایک ساتھ جمع نہیں ہو سکتیں۔

اس کا اثر یہ ہوا کہ جناب سیدہ کی حیات تک حضرت علیؓ نے دوسری شادی نہیں کی۔ حضرت فاطمہؓ کا شمار آنحضرت ﷺ نے ان چند مقدس خواتین میں فرمایا ہے جو دنیا میں اللہ تعالیٰ کے نزدیک برگزیدہ قرار پائی ہیں جیسا کہ حدیث میں آیا ہے۔

كفاك من نساء العالمين مريم بنت عمران و خديجة بنت خويلد و فاطمة بنت محمد و آسية امرأة فرعون (ترمذی کتاب المناقب)

”تمہاری تقلید کے لئے تمام دنیا کی عورتوں میں مریمؑ، خدیجہؓ، فاطمہؓ اور آسیہؑ کافی ہیں“ (ترمذی کتاب المناقب)

زہد و ورع کی یہ کیفیت تھی کہ گو وہ آنحضرت ﷺ کی محبوب ترین اولاد تھیں اور اسلام میں رہبانیت کا قلع قمع بھی کر دیا گیا تھا اور فتوحات کی کثرت مدینہ میں مال و زر کے خزانے لٹا رہی تھی۔ لیکن جانتے ہو کہ اس میں جگر گوشہ رسول ﷺ کا کتنا حصہ تھا؟ اس کا جواب سننے سے پہلے آنکھوں کو اشک بار ہو جانا چاہیے۔

سیدہ عالمؓ کی خانگی زندگی یہ تھی کہ چکی پیتے پیتے ہاتھوں میں چھالے پڑ گئے تھے مشک میں پانی بھر بھر کر لانے سے سینے پر گھٹے پڑ گئے تھے گھر میں جھاڑو دیتے دیتے کپڑے چیکٹ ہو جاتے تھے۔ چولہے کے پاس بیٹھتے بیٹھتے کپڑے دھوئیں سے سیاہ ہو جاتے تھے لیکن بایں ہمہ جب انہوں نے آنحضرت ﷺ سے ایک بار گھر کے کاروبار کے لئے ایک لونڈی مانگی اور ہاتھ کے چھالے دکھائے تو ارشاد ہوا کہ جان پدر! بدر کے یتیم تم سے پہلے اس کے مستحق ہیں۔ (ابوداؤد)

ایک دفعہ آپ حضرت فاطمہؓ کے پاس تشریف لائے دیکھا کہ انہوں نے ناداری سے اس قدر چھوٹا دوپٹہ لوڑھا ہے کہ سر ڈھانکتی ہیں تو پاؤں کھل جاتے ہیں اور پاؤں چھپاتی ہیں تو سر برہنہ رہ جاتا ہے۔ شعر

یوں کی ہے لال بیتِ مطہرؐ نے زندگی
یہ ماجرائے دخترِ خیرِ الانام تھا
(شبلی)

صرف یہی نہیں کہ آنحضرت ﷺ خود ان کو آرائش یا زیب و زینت کی کوئی چیز نہیں دیتے تھے بلکہ اس قسم کی جو چیزیں ان کو دوسرے ذرائع سے ملتی تھیں ان کو بھی ناپسند فرماتے تھے چنانچہ ایک دفعہ حضرت علیؓ نے ان کو سونے کا ہار دیا۔ آپ کو معلوم ہوا تو فرمایا ”کیوں فاطمہ! کیا لوگوں سے کھلوانا چاہتی ہو کہ رسول اللہ ﷺ کی لڑکی آگ کا ہار پہنتی ہے!“ حضرت فاطمہؓ نے اس کو فوراً پیچ کر اس کی قیمت سے ایک غلام خرید لیا۔

ایک دفعہ آپ کسی غزوہ سے تشریف لائے، حضرت فاطمہؓ نے بطور خیر مقدم کے گھر کے دروازے پر پردے لگائے اور حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ کو چاندی کے کنگن پہنائے آپ حسب معمول حضرت فاطمہؓ کے یہاں آئے تو اس دنیوی ساز و سامان کو دیکھ کر واپس گئے، حضرت فاطمہؓ کو آپ کی ناپسندیدگی کا حال معلوم ہوا تو پردہ چاک کر ڈالا اور بچوں کے ہاتھ سے کنگن نکال ڈالے، بچے آپ کی خدمت میں روتے ہوئے آئے آپ نے فرمایا ”یہ میرے اہل بیت ہیں میں نہیں چاہتا کہ وہ ان زخارف سے آلودہ ہوں“ اس کے بدلے فاطمہؓ کے لئے ایک عصب کا ہار لور ہاتھی دانت کے کنگن خرید لاوا (۱)

صدق و راستی میں بھی ان کا کوئی حریف نہ تھا حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں۔ (۲)

ما رايت احدا كان اصدق بهجة من فاطمة الا ان يكون المذی ولدها ﷺ
”میں نے فاطمہؓ سے زیادہ کسی کو صاف گو نہیں دیکھا البتہ ان کے والد (ﷺ) اس سے مستثنیٰ ہیں“

حد درجہ حیادار تھیں، ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ نے ان کو طلب فرمایا تو وہ شرم سے لڑکھڑاتی ہوئی آئیں اپنے جنازہ پر پردہ کرنے کی جو وصیت کی تھی وہ بھی اسی بناء پر تھی۔ آنحضرت ﷺ سے نہایت محبت کرتی تھیں، جب وہ خود رساں تھیں اور آپ مکہ معظمہ میں مقیم تھے تو عقبہ بن ابی معیط نے نماز پڑھنے کی حالت میں ایک مرتبہ آپ کی گردن پر اونٹ کی اوجھ لا کر ڈال دی۔ قریش مارے خوشی کے ایک دوسرے پر گرے پڑے تھے، کسی نے جا کر حضرت فاطمہؓ کو خبر کی وہ اگرچہ اس وقت صرف ۵-۶ برس کی تھیں لیکن جوش محبت سے دوڑی ہوئی آئیں اور اوجھ ہٹا کر عقبہ کو برا بھلا کہا اور بد دعائیں دیں۔ (۳)

آنحضرت ﷺ بھی ان سے نہایت محبت کرتے تھے، معمول تھا کہ جب کبھی

(۱) یہ تمام واقعات ابو داؤد اور نسائی میں مذکور ہیں (۲) استیعاب ج ۲ ص ۷۷۲ (۳) بخاری ج ۱ ص ۷۴۳۸

سفر فرماتے تو سب سے آخر میں حضرت فاطمہؓ کے پاس تشریف لاتے تو جو شخص سب سے پہلے باریاب خدمت ہوتا وہ بھی حضرت فاطمہؓ ہی ہوتیں، حضرت فاطمہؓ جب آپ کی خدمت میں تشریف لاتیں تو آپ کھڑے ہو جاتے، ان کی پیشانی چومتے اور اپنی نشست سے ہٹ کر اپنی جگہ پر بٹھاتے۔

آپ ہمیشہ حضرت علیؓ اور حضرت فاطمہؓ کے تعلقات میں خوش گواری پیدا کرنے کی کوشش فرماتے تھے، چنانچہ جب حضرت علیؓ اور حضرت فاطمہؓ میں کبھی کبھی خانگی معاملات کے متعلق رنجش ہو جاتی تھی تو آنحضرت ﷺ دونوں میں صلح کرا دیتے تھے ایک مرتبہ ایسا اتفاق ہوا آپ گھر میں تشریف لے گئے اور صفائی کرا دی، گھر سے سرور نکلے، لوگوں نے پوچھا آپ گھر میں گئے تھے تو اور حالت تھی اب آپ اس قدر خوش کیوں ہیں؟ فرمایا میں نے ان دو شخصوں میں مصالحت کرا دی ہے جو مجھ کو محبوب تر ہیں۔

ایک مرتبہ حضرت علیؓ نے ان پر کچھ سختی کی وہ آنحضرت ﷺ کے پاس شکایت لے کر چلیں پیچھے پیچھے حضرت علیؓ بھی آئے حضرت فاطمہؓ نے شکایت کی آپ ﷺ نے فرمایا ”بیٹی! تم کو خود سمجھنا چاہیے کہ کون شوہر اپنی بی بی کے پاس خاموش چلا آتا ہے حضرت علیؓ پر اس کا یہ اثر ہوا کہ انہوں نے حضرت فاطمہؓ سے کہا ”اب میں تمہارے خلاف مزاج کوئی بات نہ کروں گا“

(۱۶) حضرت امامہؓ

نام و نسب :

ابو العاصؓ بن ربیع کی صاحب زادی ہیں، جو زینب بنت رسول اللہ ﷺ کے بطن سے پیدا ہوئیں آبائی شجرہ نسب یہ ہے، امامہ بنت ابو العاص بن ربیع بن عبد العزیٰ بن عبد شمس بن عبد مناف۔

عام حالات :

آنحضرت ﷺ کو امامہؓ سے نہایت محبت تھی، آپ ان کو اوقات نماز میں بھی جدا نہیں کرتے تھے صحیح بخاری میں ہے کہ ایک مرتبہ آپ مسجد میں امامہؓ کو کندھے پر چڑھائے ہوئے تشریف لائے اور اسی حالت میں نماز پڑھائی جب رکوع میں جاتے تو ان کو اتار دیتے

پھر جب کھڑے ہوتے تو چڑھا لیتے اسی طرح پوری نماز ادا فرمائی۔ (۱) اللہ اکبر۔
آنحضرت ﷺ کی خدمت میں ایک مرتبہ کسی نے کچھ چیزیں ہدیے میں بھیجیں، جن میں ایک زریں ہار بھی تھا امامہ ایک گوشہ میں کھیل رہی تھیں آپ نے فرمایا میں اپنے محبوب ترین اہل کو دوں گا۔ ازواج نے سمجھا کہ یہ شرف حضرت عائشہؓ کو حاصل ہوگا لیکن آپ ﷺ نے امامہؓ کو بلا کر وہ ہار خود ان کے گلے میں ڈال دیا۔ بعض روایتوں میں ہار کے بجائے انگوٹھی کا ذکر ہے (۲) پھر اس میں ہدیہ بھیجنے والے کا نام بھی آگیا ہے یعنی نجاشی۔ (۳)

نکاح:

آنحضرت ﷺ کی وفات کے وقت سن شعور کو پہنچ چکی تھیں اس لئے جب حضرت فاطمہؓ نے انتقال فرمایا تو حضرت علیؓ نے امامہؓ سے نکاح کر لیا ابو العاص نے حضرت زبیر بن عوامؓ کو جو عشرہ مبشرہ میں داخل اور آنحضرت ﷺ کے پھوپھیرے بھائی تھے امامہؓ کے نکاح کی وصیت کی تھی چنانچہ یہ تقریب ان ہی کی مرضی سے انجام پائی اور نکاح بھی خود ان ہی نے پڑھ لیا یہ ۱۱ ہجری کا واقعہ ہے۔

۲۰۔ ہجری میں جب حضرت علیؓ نے شہادت پائی تو مغیرہ بن نوفل (عبدالمطلب کے پڑپوتے) کو وصیت کر گئے کہ امامہ سے نکاح کر لیں چنانچہ مغیرہ نے تعمیل کی اس کے قبل امیر معاویہؓ کا پیغام پہنچا تھا اور انہوں نے مروان کو لکھا تھا کہ ایک ہزار دینار (۵ ہزار روپے) اس تقریب میں خرچ کئے جائیں لیکن امامہؓ نے مغیرہ کو اطلاع دی تو انہوں نے فوراً حضرت حسنؓ کی اجازت سے نکاح پڑھا لیا۔ (۴)

وفات:

حضرت امامہؓ نے مغیرہ کے ہاں وفات پائی۔ (۵)

ولاد:

مغیرہ سے ایک لڑکا پیدا ہوا جس کا نام یحییٰ تھا لیکن بعض روایتوں میں ہے کہ امامہؓ کے کوئی اولاد نہیں ہوئی۔

(۱) بخاری ج ۱ ص ۷۴ و زرقانی ج ۳ ص ۲۵۵ (۲) زرقانی ج ۳ ص ۲۲۵ بروایت مسند احمد

بن حنبل (۳) طبقات ابن سعد ج ۸ ص ۲۷

(۴) طبقات ج ۸ ص ۲۷ و اسد الغابہ ج ۵ ص ۴۰۰ و استیعاب ج ۲ ص ۷۲۸

(۵) اصابہ ج ۸ ص ۱۴

(۱۷) حضرت صفیہؓ

نام و نسب :

صفیہ نام 'عبد المطلب' جد رسول اللہ ﷺ کی دختر تھیں، ماں کا نام ہالہ بنت وہب تھا جو حضرت آمنہ (آنحضرت ﷺ کی والدہ ماجدہ) کی ہم شیر ہیں اس بناء پر حضرت صفیہؓ آنحضرت ﷺ کی پھوپھی ہونے کے ساتھ آپ کی خالہ زلو بہن بھی تھیں حضرت حمزہؓ عم رسول اللہ ﷺ بھی ہالہ سے پیدا ہوئے تھے اس لئے وہ لور حضرت صفیہؓ حقیقی بھائی بہن تھے۔
نکاح :

ابوسفیان بن حرب کے بھائی حارث سے شادی ہوئی جس سے ایک لڑکا پیدا ہوا اس کے انتقال کے بعد حضرت خدیجہؓ کے بھائی عوام بن خویلد سے نکاح ہوا جس سے حضرت زبیرؓ پیدا ہوئے۔
اسلام :

۳۰ برس کی عمر ہوئی تو آنحضرت ﷺ مبعوث ہوئے آنحضرت ﷺ کی تمام پھوپھیوں میں یہ شرف صرف حضرت صفیہؓ کو حاصل ہے کہ انہوں نے اسلام قبول کیا۔ اسد الغابہ میں ہے والصحیح انہ لم یسلم غیرہا (۱) یعنی صحیح یہ ہے کہ ان کے سوا آنحضرت ﷺ کی کوئی پھوپھی ایمان نہیں لائیں۔
عام حالات :

حضرت زبیرؓ کے ساتھ ہجرت کی 'غزوہ احد' میں جب مسلمانوں نے شکست کھائی تو وہ مدینہ سے نکلیں، سحابہؓ سے عتاب آمیز لہجہ میں کہتی تھیں کہ "رسول اللہ کو چھوڑ کر چل دیے؟" آنحضرت ﷺ نے ان کو آتے دیکھا تو حضرت زبیرؓ کو بلا کر ارشاد کیا کہ حمزہؓ کی لاش نہ دیکھنے پائیں۔ حضرت زبیرؓ نے آنحضرت ﷺ کا پیغام سن لیا بولیں کہ میں اپنے بھائی کا ماجرا سن چکی ہوں لیکن خدا کی راہ میں یہ کوئی بڑی قربانی نہیں آنحضرت ﷺ نے اجازت دی اٹش پر گئیں خون کا جوش تھا لور عزیز بھائی کے ٹکڑے بکھرے پڑے ہوئے تھے لیکن

(۱) اسد الغابہ ج ۵ ص ۴۹۲ (۲) طبقات ج ۸ ص ۲۸

اناللہ وانا الیہ راجعون کہہ کر چپ ہو گئیں (۱) اور مغفرت کی دعا مانگی، واقعہ چونکہ نہایت درد انگیز تھا اس لئے ایک مرثیہ کہا جس کے ایک شعر میں آنحضرت ﷺ کو اس طرح مخاطب (۲) کرتی ہیں۔

ان یوما اتی علیک لیوم کورت شمسہ وکان مضباء

(آج آپ پر وہ دن آیا ہے جس میں آفتاب سیاہ ہو گیا ہے حالانکہ پہلے وہ روشن تھا)

غزوہ احد کی طرح غزوہ خندق میں بھی انہوں نے نہایت ہمت اور استقلال کا ثبوت دیا انصار کے قلعوں میں فارغ سب سے مستحکم قلعہ تھا اور حضرت حسانؓ کا تھا۔ یہ قلعہ یہود بنو قریظہ کی آبادی سے متصل تھا مستورات اسی میں تھیں اور ان کی حفاظت کے لئے حضرت حسانؓ (شاعر) متعین کر دیئے گئے تھے، یہود نے یہ دیکھ کر کہ تمام جمعیت آنحضرت ﷺ کے ساتھ ہے۔ قلعہ پر حملہ کر دیا ایک یہودی قلعہ کے پھانک تک پہنچ گیا اور قلعہ پر حملہ کرنے کا موقع ڈھونڈ رہا تھا حضرت صفیہؓ نے دیکھ لیا۔ حسانؓ سے کہا کہ اتر کر قتل کر دو ورنہ یہ جا کر دشمنوں کو پتہ دے گا حضرت حسانؓ کو ایک عارضہ ہو گیا تھا جس سے ان میں اس قدر جہن پیدا کر دیا تھا کہ وہ لڑائی کی طرف نظر اٹھا کر بھی نہ دیکھ سکتے تھے اس بناء پر اپنی معذوری ظاہر کی اور کہا کہ میں اس کام کا ہوتا تو یہاں کیوں ہوتا؟ حضرت صفیہؓ نے خیمہ کی ایک چوب اکھاڑ لی اور اتر کر یہودی کے سر پر اس زور سے ماری کہ سر پھٹ گیا حضرت صفیہؓ چلی آئیں اور حسانؓ سے کہا کہ ہتھیار اور کپڑے چھین لاؤ۔ حسانؓ نے کہا جانے دیجئے مجھ کو اس کی کوئی ضرورت نہیں، حضرت صفیہؓ نے کہا۔ اچھا جاؤ اس کا سر کاٹ کر قلعہ کے نیچے پھینک دو تاکہ یہودی مر عوب ہو جائیں لیکن یہ خدمت بھی حضرت صفیہؓ ہی کو انجام دینی پڑی یہودیوں کو یقین ہوا کہ قلعہ میں بھی کچھ فوج متعین ہے اس خیال سے پھر انہوں نے حملہ کی جرات نہ کی۔ (طبقات ابن سعد ج ۸ ص ۲۸۲۷ و اسد الغابہ ج ۵ ص ۴۹۳)

اللہ ہجری میں آنحضرت ﷺ نے انتقال فرمایا، حضرت صفیہؓ کو جو صدمہ ہوا ہوگا، ظاہر ہے نہایت پر درد مرثیہ لکھا جس کا مطلع یہ ہے۔

لفقد رسول اللہ اذہان یومہ فیا عین جودی بالدموع السواجم

(آنحضرت ﷺ کی وفات پر اے آنکھ خوب آنسو بہا)

(۱) اسد الغابہ ج ۵ ص ۴۹۲ (اصابہ ج ۸ ص ۲۲۹) (۲) ایضاً

یہ مرثیہ ابن اسحاق نے اپنی سیرت میں نقل کیا ہے۔ (۱)

وفات :

حضرت صفیہؓ نے ۲۰ ہجری میں وفات پائی اور بقیع میں دفن ہوئیں اس وقت تتر برس کا سن تھا۔
فضل و کمال :

حضرت صفیہؓ نے بقول صاحب اصحابہ کچھ حدیثیں بھی روایت کی ہیں لیکن ہماری نظر سے نہیں گزریں اور نہ مسند میں ان کی حدیثوں کا پتہ چلتا ہے۔ (۲)

(۱۸) حضرت ام ایمنؓ

نام و نسب :

برکت نام ام ایمن کنیت ام الطباء عرف سلسلہ نسب یہ ہے : برکت بنت ثعلبہ بن عمرو بن حصن بن مالک بن سلمہ بن عمرو بن نعمان۔ حبشہ کی رہنے والی تھیں اور حضرت عبداللہ (پدر آنحضرت ﷺ) کی کینز تھیں بچپن سے عبداللہ کے ساتھ رہیں اور جب انہوں نے انتقال کیا تو حضرت آمنہ کے پاس رہنے لگیں اس کے بعد خود سرور کائنات کے حلقہ غلامی میں داخل ہونے کا شرف حاصل کیا۔ آنحضرت ﷺ کی ان ہی نے پرورش اور پرواخت کی تھی۔ (۳)

نکاح :

حارث بن خزرج کے خاندان (۴) میں عبید بن زید ایک شخص تھے ام ایمن کا ان ہی کے ساتھ عقد ہوا لیکن جب انہوں نے وفات پائی تو آنحضرت ﷺ نے حضرت زید بن حارثہ سے کہ محبوب خاص تھے نکاح پڑھایا یہ بعثت کے بعد کا واقعہ ہے۔

اسلام :

حضرت زید چونکہ مسلمان ہو چکے تھے ام ایمن نے بھی اسلام قبول کیا۔

(۱) اصباح ج ۸ ص ۱۲۹ (۲) اصباح ج ۸ ص ۱۲۸

(۳) اصباح ج ۸ ص ۲۱۲-۲۱۳

(۴) بخاری ج ۱ ص ۵۲۹ میں ایمن کے متعلق مذکور ہے وہو رجل من الانصار

عام حالات :

جب مسلمانوں نے حبشہ کی طرف ہجرت کی تو وہ بھی گئیں اور وہاں سے ہجرت کے بعد مدینہ واپس آئیں غزوہ احد میں شرکت کی اس موقع پر وہ لوگوں کو پانی پلاتیں اور زخمیوں کی تیمارداری کرتی تھیں غزوہ خیبر میں بھی شریک ہوئیں۔

۱۱۔ ہجری میں آنحضرت ﷺ نے انتقال فرمایا ام ایمنؓ سخت مغموم تھیں اور رو رہی تھیں حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ نے سمجھایا کہ رسول اللہ ﷺ کے لئے خدا کے پاس بہتر چیز موجود ہے جواب ملا ”یہ خوب معلوم ہے“ اور یہ رونے کا سبب بھی نہیں رونے کا اصلی سبب یہ ہے کہ اب وحی کا سلسلہ منقطع ہو گیا حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ پر اس جواب کا اس قدر اثر ہوا کہ وہ بھی ان کے ساتھ مل کر زار و قطار رونے لگے (۱)

۱۲۔ ہجری میں حضرت عمرؓ نے شہادت پائی ام ایمنؓ کو معلوم ہوا تو بہت روئیں لوگوں نے کہا اب کیوں روتی ہو؟ بولیں ”اب اس کے لئے کہ اسلام کمزور پڑ گیا“ (۲)

وفات :

ام ایمنؓ نے حضرت عثمانؓ کے عہد خلافت میں وفات پائی۔

ولاد :

دو ولادیں ہوئیں۔ ایمنؓ اور اسامہؓ ایمنؓ پہلے شوہر سے تھے صحابی ہیں۔ خیبر میں شہادت پائی اسامہؓ آنحضرت ﷺ کے محبوب خاص تھے اور ان کے والد کو بھی یہی درجہ حاصل تھا۔ نہایت جلیل القدر صحابی تھے آنحضرت ﷺ کو ان سے بے انتہا محبت تھی۔

فضل و کمال :

آنحضرت ﷺ سے چند حدیثیں روایت کی ہیں راویوں میں حضرت انسؓ بن مالکؓ، حش بن عبد اللہ صنعانیؓ اور ابو یزید مدنیؓ داخل ہیں۔

اخلاق :

آنحضرت ﷺ ان کی نہایت عزت کرتے اور فرماتے تھے ام ایمنؓ میری ماں ہیں اکثر ان کے مکان پر تشریف لے جاتے ایک مرتبہ تشریف لائے تو انہوں نے شربت پیش کیا آنحضرت ﷺ (کسی وجہ سے) متردد ہوئے اس پر ام ایمنؓ ناراض ہوئیں (۳) حضرت

(۱) مسلم ج ۲ ص ۳۴۱ (۲) اصابہ ج ۸ ص ۲۱۴ بحوالہ ابن سعد (۳) مسلم ج ۲ ص ۳۴۱

ام ایمنؓ کو حضور ﷺ کی پرورش کرنے کی وجہ سے حضور ﷺ پر ایک قسم کا ناز تھا۔ یہ خفگی اسی محبت کی خفگی تھی۔ (نووی شرح مسلم)

انصار نے آنحضرت ﷺ کو بہت سے نخلستان دیئے تھے جب بنو قریظہ اور بنو نضیر پر فتح حاصل ہوئی تو آپ نے انصار کو ان کے نخلستان واپس کرنا شروع کئے حضرت انسؓ کے کچھ باغ بھی آنحضرت ﷺ کے پاس تھے اور آپ نے ام ایمنؓ کو عطا فرمائے تھے حضرت انسؓ آئے تو حضرت ام ایمنؓ نے ان کے واپس کرنے سے انکار کر دیا اس پر مصررہیں آنحضرت نے یہ دیکھ کر ان کو باغ سے دس گناہ زیادہ عطا فرمایا۔ (بخاری و ذرقانی ج ۲ ص ۳۳۷)

(۱۹) حضرت فاطمہ بنت اسد

نام و نسب :

فاطمہ نام اسد بن ہاشم کی بیٹی تھیں اور عبدالمطلب جد رسول اللہ ﷺ کی بھینچی

تھیں۔

نکاح :

ابوطالب بن عبدالمطلب سے نکاح ہوا جن سے حضرت علیؓ پیدا ہوئے۔

اسلام :

آغاز اسلام میں خاندان ہاشم نے آنحضرت ﷺ کا سب سے زیادہ ساتھ دیا تھا اور ان میں اکثر مسلمان بھی ہو گئے تھے حضرت فاطمہؓ بھی ان ہی لوگوں میں تھیں اور گوان کے شوہر ایمان نہیں لائے تاہم وہ ان کی بعض اولاد مشرف باسلام ہوئی جب ابوطالب کا انتقال ہوا تو ان کے بجائے حضرت فاطمہؓ آنحضرت ﷺ کی دست و بازو رہیں۔

ہجرت اور عام حالات :

جب مسلمان ہو کر ہجرت کی اجازت ملی تو حضرت فاطمہؓ نے مدینہ کی طرف ہجرت کی یہاں حضرت علیؓ کا حضرت فاطمہؓ زہراؓ سے عقد ہوا تو حضرت علیؓ نے اپنی والدہ (حضرت فاطمہؓ بنت اسد) سے کہا کہ رسول اللہ ﷺ کی صاحب زادی آتی ہیں میں پانی بھروں گا اور باہر کا کام کروں گا اور وہ چکی پیسے لور آٹا گوندھنے میں آپ کی مدد کریں گی۔ (۱)

وفات

آنحضرت ﷺ کی زندگی میں وفات پائی۔ بعض کا خیال ہے کہ ہجرت سے قبل فوت ہوئیں لیکن یہ صحیح نہیں آنحضرت ﷺ نے اپنی قمیص اتار کر کفن دیا اور قبر میں اتر کر لیٹ گئے لوگوں نے وجہ دریافت کی تو فرمایا کہ ابو طالب کے بعد ان سے زیادہ میرے ساتھ کسی نے سلوک نہیں کیا تھا اس بناء پر میں نے ان کو قمیص پسایا کہ جنت میں ان کو حلہ ملے اور قبر میں لیٹ گیا کہ شدائد قبر میں کمی واقع ہو۔ (اسد الغابہ ج ۵ ص ۵۱۷)

اولاد :

حسب ذیل اولاد چھوڑی حضرت علیؑ حضرت جعفر طیارؑ طالبؑ عقیل

اخلاق :

اصابہ میں ہے۔

كانت امرأة صالحة وكان النبي ﷺ يزورها ويقبل في بيتها
”وہ نہایت صالح بی بی تھیں آنحضرت ﷺ ان کی زیارت کو تشریف لاتے اور ان کے گھر میں آرام کرتے تھے۔“ (اصابہ ج ۸ ص ۱۶۰)

(۲۰) حضرت ام الفضلؓ

نام و نسب :

لبابہ نام ام الفضل کنیت کبریٰ لقب سلسلہ نسب یہ ہے : لبابہ الکبریٰ بنت الحارث بن حزن بن جبیر بن الہرام بن رویبہ بن عبد اللہ بن بلال بن عامر بن صحصہ والدہ کا نام ہند بنت عوف تھا اور قبیلہ کنانہ سے تھیں لبابہ کی حقیقی اور اخیانی کنی بہنیں تھیں جو خاندان ہاشم اور قریش کے دوسرے معزز گھرانوں میں منسوب تھیں۔ چنانچہ حضرت میمونہؓ آنحضرت ﷺ کو لبابہ حضرت عباسؓ (عم رسول اللہ ﷺ) کو سلمیٰ حضرت حمزہؓ (عم رسول اللہ ﷺ) کو اور اسماء حضرت جعفر طیارؓ (برادر حضرت علیؓ) کو منسوب تھیں اسی بناء پر ان کی والدہ (ہند بنت عوف) کی نسبت مشہور ہے کہ سرالی قرابت میں ان کا کوئی نظیر نہیں۔

نکاح :

حضرت عباسؓ سے جو آنحضرت ﷺ کے عم محترم تھے نکاح ہوا۔

اسلام :

ہجرت سے قبل مسلمان ہوئیں، لیکن سعد کا خیال ہے کہ انہوں نے حضرت خدیجہؓ کے بعد اسلام قبول کیا تھا باقی اور عورتیں ان کے بعد ایمان لائیں اس لحاظ سے ان کے ایمان لانے کا زمانہ بہت قدیم ہو جاتا ہے۔

حالات :

ام الفضلؓ نے آنحضرت ﷺ کے ساتھ حج بھی کیا ہے چنانچہ حجتہ الوداع میں جب لوگوں کو عرفہ کے دن آنحضرت ﷺ کے صائم ہونے کی نسبت شبہ ہوا اور انکے پاس آکر ذکر کیا تو انہوں نے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں ایک پیالہ دودھ بھیجا آپ ﷺ چونکہ روزہ سے نہ تھے دودھ پی لیا اور لوگوں کو تشفی ہو گئی۔ (۱)

وفات :

ام الفضلؓ نے حضرت عثمانؓ کے زمانہ خلافت میں وفات پائی اس وقت حضرت عباسؓ زندہ تھے حضرت عثمانؓ نے جنازہ کی نماز پڑھائی۔

اولاد :

حضرت عباسؓ کی اکثر اولاد ان ہی کے بطن سے پیدا ہوئی اور چونکہ سب بیٹے نہایت قابل تھے اس لئے بڑی خوش قسمت سمجھی جاتی تھیں فضلؓ، عبید اللہؓ، قثمؓ، عبد الرحمنؓ اور ام حبیبہ ان ہی کی یادگار ہیں ان میں حضرت عبد اللہؓ اور عبید اللہؓ آسمان علم کے مرد ماہ تھے۔

فضل و کمال :

آنحضرت ﷺ سے ۳۰ حدیثیں روایت کی ہیں راوی حسب ذیل اصحاب ہیں۔
عبد اللہؓ تمام (پسران عباسؓ) انس بن مالکؓ، عبد اللہ بن حارث بن نوفلؓ، عمیرؓ، کریبؓ، قابوسؓ اخلاق :

عابدہ اور زابدہ تھیں۔ ہر دو شنبہ اور پانچ شنبہ کو روزہ رکھتی تھیں (۲) آنحضرت ﷺ سے محبت کرتی تھیں آپ اکثر ان کے ہاں جاتے اور دوپہر کے وقت آرام فرماتے تھے۔

(۲۱) حضرت ام رومانؓ

نام و نسب :

نام معلوم نہیں۔ ام رومان کنیت ہے، قبیلہ کنانہ کے خاندان فراس^(۱) سے تھیں۔
سلسلہ نسب یہ ہے۔ ام رومان بنت عامر بن عویمر بن عبد شمس بن عتاب بن اذینہ بن سبیح بن
وہبان بن حارث بن غنم بن مالک بن کنانہ۔

نکاح :

عبداللہ بن سخرہ سے نکاح ہوا اور ان ہی کے ہمراہ مکہ آکر اقامت کی عبداللہ
حضرت ابو بکرؓ کے حلیف بن گئے تھے اس بناء پر جب انہوں نے انتقال کیا تو حضرت ابو بکرؓ نے
خود نکاح کر لیا۔

اسلام :

کچھ زمانے کے بعد مکہ سے اسلام کی صدا بلند ہوئی تو حضرت ابو بکرؓ کے ساتھ
انہوں نے بھی اس صدا کو لبیک کہا۔
ہجرت :

ہجرت کے وقت حضرت ابو بکرؓ تنہا آنحضرت ﷺ کی معیت میں مدینہ کو روانہ
ہو گئے تھے لیکن ان کا خاندان مکہ میں مقیم تھا مدینہ پہنچے تو وہاں سے زید بن حارثہ اور ابو رافع
مستورات کو لانے کے لئے بھیجے گئے ام رومان بھی ان ہی کے ہمراہ مدینہ میں آئیں۔
عام حالات :

شعبان ۶ ہجری میں افک کا واقعہ پیش آیا ام رومان کے لئے یہ نہایت مصیبت کا
وقت تھا حضرت عائشہؓ کو اس واقعہ کی خبر ہوئی تو آنحضرت ﷺ سے اجازت لیکر میکہ آئیں
حضرت ابو بکرؓ بالا خانہ پر تھے اور ام رومان نیچے بیٹھی تھیں پوچھا کیسے آئیں؟ حضرت عائشہؓ
نے سارے واقعہ بیان کیا بولیں "بیشی اس میں گھبرانے کی کوئی بات نہیں جو عورت اپنے خاوند
کو زیادہ محبوب ہوتی ہے اس کی سوتیلی حسد کی وجہ سے ایسا کرتی ہیں" لیکن حضرت عائشہؓ کو
اس سے کچھ تسکین نہ ہوئی اور چیخ مار کر روئیں حضرت ابو بکرؓ نے آواز سنی تو بالا خانہ سے اتر آئے

اور خود بھی رونے لگے پھر ان سے کہا کہ تم اپنے گھر واپس جاؤ اس کے ساتھ ہی ام رومان کو لیکر خود بھی رونے ہوئے حضرت عائشہؓ کو چونکہ اس صدمہ سے بخلا آ گیا تھا دونوں نے ان کو گود میں لٹایا، عصر پڑھ کر رسول اللہ ﷺ تشریف لائے اور فرمایا ”عائشہ! اگر واقعی تم سے ایسی غلطی ہوئی تو خدا سے توبہ کرو“ حضرت عائشہؓ نے والدین سے کہا کہ آپ لوگ جواب دیں، لیکن جواب ملا کہ ہم کیا کہہ سکتے ہیں غرض حضرت عائشہؓ نے خود جواب دیا جب آنحضرت ﷺ پر وحی نازل ہوئی جس میں ان کی صاف طور پر برأت کی گئی تھی تو حضرت ام رومان بولیں کہ ”تم اٹھ کر حضرت عائشہؓ کے پاس جاؤ“ حضرت عائشہؓ نے کہا ”میں نہ ان کی مشکور ہوں اور نہ آپ کی میں صرف اپنے خدا کا شکر یہ ادا کرتی ہوں“ (بخاری ج ۲ ص ۵۹۵، ۵۹۶، ۶۹۹، ۷۰۰)

اسی سن کے اخیر میں مہمانوں کا واقعہ پیش آیا حضرت ابو بکرؓ اصحاب صفہ میں سے ۳ صاحبوں کو اپنے گھر لائے تھے آنحضرت ﷺ کے پاس گئے تو واپسی میں دیر ہو گئی گھر آئے تو ام رومان نے کہا مہمانوں کو چھوڑ کر کہاں بیٹھ رہے؟ بولے تم نے کھانا نہیں کھلایا؟ جواب ملا کھانا بھیجا تھا لیکن ان لوگوں نے انکار کر دیا غرض کھانا کھلایا گیا اور اس قدر برکت ہوئی کہ نہایت افراط کے ساتھ بچ گیا تھا حضرت ابو بکرؓ نے حضرت ام رومانؓ سے پوچھا اب کتنا ہے؟ بولیں ۳ گنے سے زیادہ چنانچہ سب اٹھوا کر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں بھیج دیا گیا۔ (۱)

وفات :

حضرت ام رومانؓ نے ۹ ہجری یا اس کے بعد انتقال کیا آنحضرت ﷺ خود قبر میں اترے اور ان کے لئے مغفرت کی دعا کی بعض لوگوں کا خیال ہے کہ ۶ ہجری میں وفات پائی تھی لیکن یہ صحیح نہیں کیونکہ واقعات سے اس کی تردید ہوتی ہے۔

اولاد :

لو پر گزر چکا ہے کہ حضرت ام رومانؓ نے دو نکاح کئے تھے پہلے شوہر سے ایک لڑکا پیدا ہوا جس کا نام طفیل تھا حضرت ابو بکرؓ سے دو اولادیں ہوئیں حضرت عبدالرحمنؓ اور حضرت عائشہؓ

(۲۲) حضرت سمیہؓ

خطاب کی بیٹی اور حضرت عمارؓ بن یاسرؓ کی والدہ ہیں ابو حذیفہ بن مغیرہ مخزومی کی کنیز تھیں۔
نکاح:

یاسر عجمی سے کہ ابو حذیفہ کے حلیف تھے نکاح ہوا حضرت عمارؓ پیدا ہوئے تو ابو حذیفہ نے ان کو آزاد کر دیا۔ (اصابہ ج ۸ ص ۱۱۴ و استیعاب ج ۲ ص ۷۵۹)
اسلام:

ایام پیری میں مکہ سے اسلام کی صدا بلند ہوئی تو حضرت سمیہؓ یاسرؓ اور عمارؓ تینوں نے اس دعوت کو لبیک کہا تاریخ میں ہے کہ حضرت سمیہؓ کا اسلام قبول کرنے والوں میں ساتواں نمبر تھا کچھ دن اطمینان سے گزرے تھے کہ قریش کا ظلم و ستم شروع ہو گیا اور بدرت بڑھتا گیا چنانچہ جو شخص جس مسلمان پر قابو پا تا طرح طرح کی دردناک تکلیفیں دیتا تھا۔ حضرت سمیہؓ کو بھی خاندان مغیرہ نے شرک پر مجبور کر دیا لیکن وہ اپنے عقیدہ پر نہایت شدت سے قائم رہیں جس کا صلہ یہ ملا کہ مشرکین ان کو مکہ کی جلتی تپتی ریت پر لوہے کی زرہ پہنا کر دھوپ میں کھڑا کرتے تھے لیکن ان کے عزم و استقلال کے چھینٹوں کے سامنے یہ آتش کدہ سرد پڑ جاتا تھا آنحضرت ﷺ ادھر سے گزرے تو یہ حالت دیکھ کر فرماتے آل یاسر! صبر کرو۔ اس کے عوض تمہارے لئے جنت ہے۔

شہادت:

دن بھر اس مصیبت میں رہ کر شام کو نجات ملتی تھی ایک مرتبہ شب کو گھر آئیں تو ابو جہل نے ان کو گالیاں دینی شروع کیں اور پھر اس کا غصہ اس قدر تیز ہوا کہ اٹھ کر ایسی برچھی ماری کہ حضرت سمیہؓ جاں بحق تسلیم ہو گئیں انا لله وانا الیہ راجعون۔

بنا کر دند خوش رسمے بخون و خاک غلطیدن

خدا رحمت کن دایں عاشقان پاک طینت را

حضرت عمارؓ کو اپنی والدہ کی اس بے کسی پر سخت افسوس تھا آنحضرت ﷺ سے

آ کر کہا کہ اب حد ہو گئی آنحضرت ﷺ نے صبر کی تاکید فرمائی اور کہا ”خداوند! ال یاسرؓ کو جہنم

سے بچا۔ یہ واقعہ ہجرت نبوی سے قبل کا ہے اس لئے ہر حضرت سنیہ اسلام میں سب سے پہلے شہید ہوئیں۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہما (استیعاب ج ۲ ص ۷۶۰)

غزوہ بدر میں جب ابو جہل مارا گیا تو آنحضرت ﷺ نے حضرت عمارؓ سے فرمایا ”دیکھو تمہاری ماں کے قاتل کا خدا نے فیصلہ کر دیا“ (اصابہ ج ۸ ص ۱۱۴ بحوالہ ابن سعد)

(۲۳) حضرت ام سلیمؓ

نام و نسب :

سلسلہ یار ملہ نام ام سلیم کنیت، غمیصاء اور رمیصاء لقب۔ سلسلہ نسب یہ ہے۔ ام سلیم بنت ملحان بن خالد بن زید بن حرام بن جندب بن عامر بن غنم بن عدی بن نجار ماں کا نام ملیحہ بنت مالک بن عدی بن زید مناة تھا آبائی سلسلہ سے حضرت ام سلیمؓ سلمیٰ بنت زید کی پوتی تھیں سلمیٰ، عبد المطلب جد رسول اللہ ﷺ کی والدہ تھیں۔ اسی بناء پر ام سلیمؓ آنحضرت ﷺ کی خالہ مشہور ہیں۔

نکاح :

مالک بن نضر سے نکاح ہوا۔

اسلام :

مدینہ میں لوائل اسلام میں مسلمان ہوئیں۔ مالک چونکہ اپنے آبائی مذہب پر قائم رہنا چاہتے تھے لہذا ام سلیمؓ تبدیل مذہب پر اصرار کرتی تھیں اس لئے دونوں میں کشیدگی پیدا ہوئی اور مالک ناراض ہو کر شام چلے گئے اور وہیں انتقال کیا۔ ابو طلحہ نے جو اسی قبیلہ سے تھے نکاح کا پیغام دیا لیکن ام سلیمؓ کو اب بھی وہی عذر تھا یعنی ابو طلحہ مشرک تھے اس لئے وہ ان سے نکاح نہیں کر سکتی تھیں۔

غرض ابو طلحہؓ نے کچھ دن غور کر کے اسلام کا اعلان کیا اور ام سلیمؓ کے سامنے آ کر کلمہ پڑھا حضرت ام سلیمؓ نے حضرت انسؓ سے کہا کہ اب تم ان کے ساتھ میرا نکاح کر دو (۱) ساتھ ہی مہر معاف کر دیا اور کہا ”میرا مہر اسلام ہے“ حضرت انسؓ کہا کرتے تھے کہ یہ نہایت عجیب و غریب مہر تھا۔

عام حالات :

نکاح کے بعد حضرت ابو طلحہؓ نے بیعت عقبہ میں شرکت کی چند ماہ کے بعد جناب رسالت مآب ﷺ مدینہ میں تشریف لائے حضرت ام سلیمؓ اپنے صاحبزادے (حضرت انسؓ) کو لیکر حضور ﷺ کی خدمت میں آئیں اور کہا ”انیس کو آپ کی خدمت کے لئے پیش کرتی ہوں یہ میرا بیٹا ہے آپ اس کے لئے دعا فرمائیں“ آنحضرت نے دعا فرمائی۔ (۱)

اسی زمانہ میں آپ نے مہاجرین و انصار میں مواخاۃ کی اور یہ مجمع ان ہی کے مکان میں

ہوا۔ (۲)

غزوات میں حضرت ام سلیمؓ نے نہایت جوش سے حصہ لیا۔ صحیح مسلم میں ہے۔ (۲)
 کان رسول اللہ ﷺ یغزو بام سلیم و نسوة من الانصار معه اذا غزی
 فیسقن الماء ویداوین الجرحی (صحیح مسلم)

”آنحضرت ﷺ حضرت ام سلیمؓ اور انصار کی چند عورتوں کو غزوات میں ساتھ رکھتے تھے جو لوگوں کو پانی پلاتیں اور زخمیوں کو مرہم پٹی کرتی تھیں۔“

غزوہ احد میں جب مسلمانوں کے جے ہوئے قدم اکھڑ گئے تھے وہ نہایت مستعدی سے کام کر رہی تھیں صحیح بخاری میں حضرت انسؓ سے منقول ہے کہ ”میں نے حضرت عائشہؓ اور حضرت ام سلیمؓ کو دیکھا کہ مشک بھر بھر کر لاتی تھیں اور زخمیوں کو پانی پلاتی تھیں مشک خالی ہو جاتی تھی تو پھر جا کر بھر لاتی تھیں۔ (۳)

۵۔ ہجری میں آنحضرت ﷺ نے حضرت زینبؓ سے نکاح کیا۔ اس موقع پر حضرت ام سلیمؓ نے ایک لگن میں مالیدہ بنا کر حضرت انسؓ کے ہاتھ بھجا اور کہا کہ آنحضرت ﷺ سے کہنا کہ اس حقیر ہدیہ کو قبول فرمائیں۔ (۵)

۶۔ ہجری میں خیبر کا واقعہ ہوا۔ حضرت ام سلیمؓ اس میں شریک تھیں آنحضرت ﷺ نے حضرت صفیہؓ سے نکاح کیا تو حضرت ام سلیمؓ (ہی نے حضرت صفیہؓ کو آنحضرت ﷺ کے لئے سنوارا تھا)۔ (۶)

غزوہ حنین میں وہ ایک خنجر ہاتھ میں لئے تھیں۔ ابو طلحہؓ نے دیکھا تو آنحضرت ﷺ

(۱) مسلم ج ۲ ص ۳۵۲؛ بخاری ج ۲ ص ۹۴۴ (۲) بخاری (۳) مسلم ج ۲ ص ۱۰۳ (۴) بخاری کتاب المغازی ج ۲ ص ۵۸۱ (۵) مسلم ج ۱ ص ۱۵۵ (۶) مسلم ج ۱ ص ۵۴۶

سے کہا کہ ام سلیمؓ خنجر لئے ہیں آپ ﷺ نے پوچھا کیا کرو گی؟ یولیس ”اگر کوئی مشرک قریب آئے گا تو اس سے اس کا پیٹ چاک کر دوں گی۔ آنحضرت ﷺ یہ سن کر مسکرائے ”حضرت ام سلیمؓ نے کہا یا رسول اللہ! مکہ کے جو لوگ فرار ہو گئے ہیں ان کے قتل کا حکم دیجئے ”ارشاد ہوا ”خدا نے خود ان کا انتظام کر دیا ہے۔ (مسلم ج ۲ ص ۱۰۳)

وفات :

حضرت ام سلیمؓ کی وفات کا سال اور مہینہ معلوم نہیں، لیکن قرینہ یہ ہے کہ انہوں نے خلافت راشدہ کے ابتدائی زمانہ میں وفات پائی ہے۔

ولاد :

جیسا کہ اوپر معلوم ہوا حضرت ام سلیمؓ نے دو نکاح کئے تھے پہلے شوہر سے حضرت انسؓ پیدا ہوئے حضرت ابو طلحہؓ سے دو لڑکے پیدا ہوئے ابو عمیر اور عبد اللہ، ابو عمیر صغیر سی میں فوت ہو گئے اور عبد اللہ سے نسل چلی۔
فضل و کمال :

حضرت ام سلیمؓ سے چند حدیثیں مروی ہیں جن کو حضرت انسؓ، کنن عباسؓ، زید بن ثلثؓ، ابو سلمہ اور عمرو بن عاصمؓ نے ان سے روایت کیا ہے لوگ ان سے مسائل دریافت کرتے تھے حضرت عبد اللہ بن عباسؓ اور زید بن ثلثؓ میں ایک مسئلہ میں اختلاف ہوا تو ان بزرگوں نے ان ہی کو حکم مانا۔ (مسند ج ۶ ص ۴۳۰، ۴۳۱)

ان کو مسائل کے پوچھنے میں کچھ عار نہ تھا ایک دفعہ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں آئیں اور کہا یا رسول اللہ ﷺ! خدا حق بات سے نہیں شرماتا کیا عورت پر خواب میں غسل واجب ہے؟ ام المؤمنین حضرت ام سلمہؓ یہ سوال سن رہی تھیں پیاسختہ ہنس پڑیں کہ تم نے عورتوں کی بڑی فضیحت کی؟ بھلا کہیں عورتوں کو بھی ایسا ہوتا ہے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کیوں نہیں؟ ورنہ بچے ماں کے ہم شکل کیوں ہوتے ہیں۔ (ایضاً ص ۶۶۹، ۳۰، ۳۷۶ ج ۶)

اخلاق :

حضرت ام سلیمؓ میں بڑے بڑے فضائل اخلاق جمع تھے جوش ایمان کا یہ عالم تھا کہ اپنے پہلے شوہر سے صرف اس بناء پر علیحدگی اختیار کی کہ وہ اسلام قبول کرنے پر رضامند نہ تھے حضرت ابو طلحہؓ نے نکاح کا پیغام دیا تو محض اس وجہ سے رد کر دیا کہ وہ مشرک ہیں اس موقع پر

انہوں نے ابو طلحہؓ کو جس خوبی سے اسلام کی دعوت دی وہ سننے کے قابل ہے مسند احمد میں ہے۔

قالت يا ابا طلحة! الست تعلم ان الهك الذي تعبد بت من الارض قال بلى

قالت افلا تستحي تعبد شجرة (اصابه ج ۸ ص ۲۴۳ بحوالہ مسند)

”ام سلیمؓ نے کہا ابو طلحہؓ! تم جانتے ہو کہ تمہارا معبود زمین سے اگا ہے؟ انہوں نے

جواب دیا ہاں! حضرت ام سلیمؓ بولیں تو پھر تم کو درخت کی پوجا کرتے شرم نہیں آتی؟“

حضرت ابو طلحہؓ پر اس تقریر کا تاثر ہوا کہ فوراً مسلمان ہو گئے۔

آنحضرت ﷺ سے حد درجہ محبت کرتی تھیں آپ اکثر ان کے مکان پر تشریف

لے جاتے اور دوپہر کو آرام فرماتے تھے جب بستر سے اٹھتے تو وہ آپ کے پسینے اور ٹوٹے ہوئے

بالوں کو ایک شیشی میں جمع کرتی تھیں۔^(۱)

ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ نے ان کی مشک سے منہ لگا کر پانی پیا تو وہ انھیں اور

مشک کا منہ کاٹ کر اپنے پاس رکھ لیا کہ اس سے رسول اللہ ﷺ کا دہن مبارک مس ہوا ہے۔^(۲)

آنحضرت ﷺ کو بھی ان سے خاص محبت تھی۔ صحیح مسلم میں ہے۔

كان النبي ﷺ لا يدخل على احد من النساء الا على ارجله الا ام سليم

فانه يدخل عليها فليل له في ذلك فقال اني ارحمها قتل اخوها معي (صحیح مسلم)

”آنحضرت ﷺ ازواج مطہرات کے علاوہ اور کسی عورت کے یہاں نہیں جاتے تھے

لیکن ام سلیمؓ مستثنیٰ تھیں لوگوں نے دریافت کیا تو فرمایا مجھے ان پر رحم آتا ہے ان کے بھائی

(حرامؓ) نے میرے ساتھ رہ کر شہادت پائی ہے“ (مسلم ج ۲ ص ۳۴۱)

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ اکثر اوقات حضرت ام سلیمؓ کے مکان پر تشریف

لے جاتے تھے۔

حضرت ام سلیمؓ نہایت صابر اور مستقل مزاج تھیں ابو عمیر ان کا بہت پیار اور لاڈلا

بیٹا تھا لیکن جب اس نے انتقال کیا تو نہایت صبر سے کام لیا اور گھر والوں کو منع کیا کہ ابو طلحہؓ کو

اس واقعہ کی خبر نہ دیں رات کو ابو طلحہؓ آئے تو ان کو کھانا کھلایا اور نہایت اطمینان سے بستر پر لیٹے

کچھ مدت گزرنے پر ام سلیمؓ نے اس واقعہ کا تذکرہ کیا لیکن عجیب انداز سے کیا بولیں اگر تم کو کوئی

شخص عاریۃً ایک چیز دے اور پھر اس کو واپس لینا چاہے تو کیا تم اس کے دینے سے انکار کرو

(۱) بخاری ج ۲ ص ۹۲۹ (۲) مسند ج ۶ ص ۳۷۶

گئے؟ ابو طلحہؓ نے کہا۔ کبھی نہیں۔ کہا تو اب تم کو اپنے بیٹے کی طرف سے صبر کرنا چاہیے ابو طلحہؓ یہ سن کر غصہ ہوئے کہ پہلے سے کیوں نہ بتلایا صبح اٹھ کر آنحضرت ﷺ کے پاس گئے اور سارا واقعہ بیان کیا آپ نے فرمایا خدا نے اس رات تم دونوں کو بڑی برکت دی۔ (۱)

اسی طرح ایک مرتبہ ابو طلحہؓ آئے اور کہا کہ یا رسول اللہ ﷺ بھوکے ہیں کچھ بھیج دو۔ حضرت ام سلیمؓ نے چند روٹیاں ایک کپڑے میں لپیٹ کر حضرت انسؓ کو دیں کہ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں پیش کر دیں آپ مسجد میں تھے اور صحابہؓ بھی بیٹھے ہوئے تھے حضرت انسؓ کو دیکھ کر فرمایا ابو طلحہؓ نے تم کو بھیجا ہے؟ بولے جی ہاں! فرمایا کھانے کے لئے؟ کہا ہاں آپ ﷺ تمام صحابہؓ کو لیکر ابو طلحہؓ کے مکان پر تشریف لائے ابو طلحہؓ گھبرا گئے اور حضرت ام سلیمؓ سے کہا اب کیا کیا جائے؟ کھانا نہایت قلیل ہے اور آنحضرت ﷺ ایک مجمع کے ساتھ تشریف لائے ہیں حضرت ام سلیمؓ نے نہایت استقلال سے جواب دیا کہ ان باتوں کو خدا اور رسول ﷺ زیادہ جانتے ہیں آنحضرت ﷺ اندر آئے تو حضرت ام سلیمؓ نے وہی روٹیاں اور سالن سامنے رکھ دیا خدا کی شان اس میں بڑی برکت ہوئی اور سب لوگ کھا کر سیر ہو گئے۔ (۲)

حضرت ام سلیمؓ کے مناقب و فضائل بہت ہیں آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ میں جنت میں گیا تو مجھ کو آہٹ معلوم ہوئی میں نے کہا کون ہے؟ لوگوں نے بتایا کہ انسؓ کی والدہ غمیصاء بنت ملحان ہیں۔ (۳)

(۲۴) حضرت ام عمارہؓ

نام و نسب:

لسیہ نام، ام عمارہ کنیت، قبیلہ خزرج کے خاندان نجار سے ہیں نسب نامہ یہ ہے ام عمارہ بنت کعب بن عمرو بن عوف بن منذول بن عمرو بن غنم بن مازن بن نجار۔

نکاح:

پہلا نکاح زید بن عاصم سے ہوا۔ پھر عربہ بن عمرو کے عقد نکاح میں آئیں۔

اسلام:

اور ان ہی کے ساتھ بیعت عقبہ میں شرکت کی سیرت کی کتابوں میں مذکور ہے کہ

بیعت عقبہ میں ۷۳ مرد اور دو عورتیں شامل تھیں حضرت ام عمارہؓ کا بھی ان ہی میں شمار ہوتا ہے۔

غزوات :

غزوہ احد میں شریک ہوئیں اور نہایت پامردی سے لڑیں جب تک مسلمان فتحیاب تھے وہ مشک میں پانی بھر کر لوگوں کو پلا رہی تھیں لیکن جب شکست ہوئی تو آنحضرت ﷺ کے پاس پہنچیں اور سینہ سپر ہو گئیں کفار جب آپ پر بڑھتے تھے تو تیر اور تلوار سے روکتی تھیں آنحضرت ﷺ کا خود میان ہے کہ میں احد میں ان کو اپنے داہنے اور بائیں برابر لڑتے ہوئے دیکھتا تھا۔ ام قتیہ جب دراتا ہوا آنحضرت ﷺ کے پاس پہنچ گیا تو حضرت ام عمارہؓ نے بڑھ کر روکا چنانچہ کندھے پر زخم آیا اور غار پڑ گیا انہوں نے بھی تلوار ماری لیکن وہ دوہری زردہ پہنے ہوئے تھا اس لئے کارگر نہ ہوئی (۱) بھئی روایتوں میں ہے کہ انہوں نے ایک کافر کو قتل کیا تھا احد کے بعد بیت الرضوان خیر اور فتح مکہ میں بھی شرکت کی۔

حضرت ابو بکرؓ کے عہد میں یمامہ کی جنگ پیش آئی مسلمان کذاب سے جو مدعی نبوت تھا مقابلہ تھا حضرت ام عمارہؓ اپنے ایک لڑکے (حبیب) کو لیکر حضرت خالدؓ کے ساتھ روانہ ہوئیں اور جب مسلمان نے ان کے لڑکے کو قتل کر دیا تو انہوں نے منت مانی کہ ”یا مسلمان قتل ہو گا یا وہ خود جان دے دیں گی“ یہ کہہ کر تلوار کھینچ لی اور میدان جنگ کی طرف روانہ ہوئیں اور اس پامردی سے مقابلہ کیا کہ ۲۱ زخم کھائے اور ایک ہاتھ کٹ گرا اس جنگ میں مسلمان بھی مارا گیا۔

وفات :

اس کے بعد معلوم نہیں کب تک زندہ رہیں۔

اولاد :

انتقال کے وقت چار اولادیں یادگار چھوڑیں حبیبؓ عبد اللہؓ (پہلے شوہر سے) تمیمؓ خولہؓ (دوسرے شوہر سے) فضل و کمال :

چند حدیثیں روایت کی ہیں جو عباد بن تمیمؓ (پوتے) لیلہؓ (کنیز) عکرمہؓ حارث بن

کعب لورام سعد بنت سعد بن ربیع سے مروی ہیں۔
اخلاق :

آنحضرت ﷺ نے ان کو جو محبت تھی اس کا اصلی منظر تو غزوہ احد میں نظر آتا ہے لیکن لور بھی چھوٹے چھوٹے واقعات ہیں ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ ان کے مکان میں تشریف لائے تو انہوں نے کھانا پیش کیا ارشاد ہوا تم بھی کھاؤ۔ یوں میں روزہ سے ہوں آنحضرت ﷺ نے کھانا نوش فرمایا لور فرمایا کہ روزہ دار کے پاس اگر کچھ کھایا جائے تو اس پر فرشتے درود بھیجتے ہیں۔ (۱)

جوش اسلام کا نظارہ بھی لو پر کے واقعات سے ہو سکتا ہے۔

(۲۵) حضرت ام عطیہؓ

نام و نسب :

نسب بنت حارث نام انصار کے قبیلہ ابی مالک بن النجار سے تھیں۔ (۲)

اسلام :

ہجرت سے قبل مسلمان ہوئیں۔ آنحضرت ﷺ مدینہ تشریف لائے تو انصار کی عورتوں کو ایک مکان میں بیعت کے لئے جمع کیا لور حضرت عمرؓ کو دروازہ پر بھیجا کہ ان شرائط پر بیعت لیں کہ شرک نہ کریں گی، چوری اور زنا سے بچیں گی، لولاد کو قتل نہ کریں گی کسی پر بہتان نہ باندھیں گی، اچھی باتوں سے انکار نہ کریں گی، عورتوں نے یہ سب تسلیم کیا تو حضرت عمرؓ نے اندر کی طرف ہاتھ بڑھایا لور عورتوں نے اپنے ہاتھ باہر نکالے جو بیعت کی علامت تھی اس کے بعد حضرت ام عطیہؓ نے پوچھا کہ اچھی باتوں سے انکار کرنے کے کیا معنی ہیں؟ حضرت عمرؓ نے فرمایا نوحہ اور بن نہ کرنا۔ (۳)

غزوات اور عام حالات :

حضرت ام عطیہؓ عہد رسالت کے سات معرکوں میں شریک ہوئیں جن میں وہ مردوں کے لئے کھانا پکاتی انکے سامان کی حفاظت کرتی۔ مریضوں کی تیمارداری اور زخمیوں کی مرہم پٹی کرتی تھیں۔ (مسلم ج ۲ ص ۱۰۵)

(۱) مسند ج ۶ ص ۳۶۵ (۲) طبقات ابن سعد ج ۸ ص ۳۲۱، ۳۲۲ (۳) مسند ج ۶ ص ۴۰۹

۸۔ ہجری میں آنحضرت ﷺ کی صاحبزادی حضرت زینب کا انتقال ہوا تو حضرت ام عطیہؓ اور چند عورتوں نے ان کو غسل دیا آنحضرت ﷺ نے ان کو نہلانے کی ترکیب بتلائی۔^(۱)

خلافت راشدہ کے زمانہ میں ان کا ایک لڑکا کسی غزوہ میں شریک تھا، ہمد ہو کر بصرہ آیا حضرت ام عطیہؓ مدینہ میں تھیں خبر ملی تو نہایت غلٹ سے بصرہ روانہ ہوئیں لیکن پہنچنے کے ایک دو دن قبل وہ وفات پا چکا تھا۔ یہاں آ کر انہوں نے بنو خلف کے قصر میں قیام کیا تیسرے روز انہوں نے خوشبو منگا کر ملی اور کہا کہ شوہر کے علاوہ اور کسی کے لئے ۳ دن سے زیادہ سوگ نہیں کرنا چاہیے۔^(۲)

اس کے بعد بصرہ میں مستقل سکونت اختیار کر لی۔^(۳)

وفات :

وفات کی تاریخ اور سنہ معلوم نہیں اور نہ ولاد کی تفصیل کا علم ہے۔

فضل و کمال :

چند حدیثیں روایت کی ہیں، رلو یوں میں حسب ذیل اصحاب ہیں :

حضرت انسؓ، لن سیرین، حصہ بنت سیرین، اسمعیل بن عبد الرحمن بن عطیہ، عبد الملک بن عمیر، علی بن الاقرام شراحیل

صحابہ اور تابعین ان سے میت کے نہلانے کا طریقہ سیکھتے تھے۔^(۴)

اخلاق :

آنحضرت ﷺ سے بہت محبت کرتی تھیں اور آپ ﷺ بھی ان سے محبت کرتے تھے ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ نے ان کے پاس صدقہ کی ایک بکری بھیجی تو انہوں نے اس کا گوشت حضرت عائشہؓ کے پاس روانہ کیا آپ گھر میں تشریف لائے تو کھانے کے لئے مانگا بولیں اور تو کچھ نہیں ہے البتہ جو بکری آپ نے لسیہ کے پاس بھیجی تھی اس کا گوشت رکھا ہے آپ نے فرمایا لاؤ کیونکہ وہ مستحق کے پاس پہنچ چکی۔^(۵)

(۱) بخاری جلد ۱ ص ۱۶۸ و مسلم ج ۱ ص ۳۴۷، ۳۴۶

(۲) بخاری ج ۱ ص ۱۷۰ باب احداد المرأة علی غیر زوجہا (۳) اسد الغابہ ج ۵ ص ۶۰۳

(۴) تہذیب جلد ۱۲ ص ۴۵۵ اصحابہ ج ۸ ص ۲۵۹ (۵) مسلم ج ۱ ص ۴۰۱

آنحضرت ﷺ کے ساتھ آپ کے اعزہ واقارب سے بھی خاص تعلقات تھے چنانچہ ابن سعد نے لکھا ہے کہ حضرت علیؓ حضرت عتیہؓ کے مکان میں قیلولہ فرماتے تھے۔ (۱)

احکام نبوی ﷺ کی پوری پابندی کرتی تھیں، آنحضرت ﷺ نے بیعت میں نوحہ کی ممانعت کی تھی اس پر انہوں نے ہمیشہ عمل کیا چنانچہ بیعت ہی کے وقت آنحضرت ﷺ سے عرض کی کہ فلاں خاندان کے لوگ میرے ہاں رہ چکے ہیں، اس لئے مجھ کو بھی انکے ہاں جا کر رونا ضروری ہے، آپ ﷺ اس خاندان کو مستثنیٰ کر دیجئے چنانچہ آپ نے مستثنیٰ کر دیا۔ (۲)

بعض روایات میں ہے کہ حضور ﷺ نے حضرت ام عطیہؓ کو کوئی جواب نہیں دیا اور جن روایات سے یہ ثابت ہے کہ حضور ﷺ نے ان کو مستثنیٰ کر دیا ان کا مطلب یہ ہے کہ یہ استثناء حضرت ام عطیہؓ کے لئے خاص تھا اور نہ اصلی مسئلہ کہ نوحہ جائز نہیں ہے اپنی جگہ پر ثابت ہے لڑکے کی وفات اور اس پر سوگ کرنے کا حال ابھی گزر چکا ہے۔ (۳)

(۲۶) حضرت ربیع بنت معوذ بن عفراء

نام و نسب :

ربیع نام قبیلہ خزرج کے خاندان نجار سے ہیں سلسلہ نسب یہ ہے ربیع بنت معوذ بن حارث بن رفاعہ بن حارث بن سواد بن مالک بن غنم بن مالک بن نجار والدہ کا نام ام تزیہ تھا جو قیس بن زعور کی بیٹی تھیں حضرت ربیع اور ان کے تمام بھائی عفراء کی لولاد مشہور ہیں عفراء ان لوگوں کی دلوئی تھیں۔ (۴)

اسلام :

ہجرت سے قبل مسلمان ہوئیں۔

نکاح :

ایاس بن بحر لیبی سے شادی ہوئی صبح کو آنحضرت ﷺ ان کے گھر تشریف لائے اور بستر پر بیٹھ گئے لڑکیاں دف بجایا کر شہدائے بدر کے مناقب میں اشعار پڑھ رہی تھیں اس ضمن میں آنحضرت ﷺ کی شان میں بھی کچھ اشعار پڑھے، جن میں ایک مصرع یہ تھا۔

(۱) اصحابہ ج ۸ ص ۲۵۹ (۲) مسند ج ۶ ص ۴۰۷

(۳) مجمع بحار الانوار ج ۲ ص ۱۱۴ (۴) تہذیب التہذیب ج ۱۲ ص ۴۱۸

و فیما نبی یعلم ما فی غد

اور ہم میں وہ نبی ہے جو کل کی بات جانتا ہے۔

آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ یہ نہ کہو (اور اس کے سوا جو کہتی تھیں وہ کہو) (۱)

عام حالات :

غزوات میں شرکت کرتی تھیں، زخمیوں کا علاج کرتیں، لوگوں کو پانی پلاتیں اور مقتولوں کو مدینہ پہنچاتی اور فوج کی خدمت کرتی تھیں۔ (۲)

غزوہ حدیبیہ میں بھی موجود تھیں۔ جب بیعت رضوان کا واقعہ آیا تو انہوں نے بھی آکر بیعت کی۔

۳۵ ہجری میں اپنے شوہر سے علیحدہ ہوئیں شرط یہ تھی کہ جو کچھ میرے پاس ہے اس کو لے کر مجھ سے دست بردار ہو جاؤ چنانچہ اپنا تمام سامان ان کو دے دیا صرف ایک کرتی رہنے دی لیکن شوہر کو یہ بھی گوارا نہ ہوا جا کر حضرت عثمانؓ کی عدالت میں مقدمہ دائر کیا چونکہ ربیع نے کل چیزوں کی شرط کی تھی حضرت عثمانؓ نے فرمایا کہ تمہیں اپنا وعدہ پورا کرنا چاہیے اور شوہر سے فرمایا کہ تم ان کے جوڑا باندھنے کی دھجی تک لے سکتے ہو۔ (۳)

وفات :

حضرت ربیعؓ کی وفات کا سال نامعلوم ہے۔

لولاد :

لولاد میں محمد مشہور ہیں

فضل و کمال :

حضرت ربیعؓ سے ۲۱ حدیثیں مروی ہیں علمی حیثیت سے ان کا یہ پایہ تھا کہ حضرت ابن عباسؓ اور حضرت زین العابدینؓ ان سے مسائل دریافت کرتے تھے (۴) رلو یوں میں بہت سے بزرگ ہیں مثلاً عائشہ بنت انس بن مالک، سلیمان بن یسار، ابو سلمہ بن عبدالرحمن، نافع، عبادہ بن الولید، خالد بن ذکوان، عبداللہ بن محمد بن عقیل، ابو عبیدہ بن محمد (حضرت عمارؓ کے پوتے) محمد بن عبدالرحمن بن ثوبان۔

(۱) بخاری ج ۲ ص ۵۷۰

(۲) مسند ج ۶ ص ۳۵۸ (۳) اصباہ ج ۸ ص ۸۰ بحوالہ ابن سعد (۴) مسند ج ۶ ص ۳۵۸

اخلاق :

جوش ایمان اس سے ظاہر ہے کہ ایک مرتبہ اسماء بنت مخزومہ جو ابو ربیعہ مخزومی کی بیوی تھی اور عطر بیچتی تھی چند عورتوں کے ساتھ ربیع کے گھر آئی اور ان کا نام و نسب دریافت کیا چونکہ ربیع کے بھائی نے ابو جہل کو بدر میں قتل کیا تھا اور اسماء قریش کے قبیلے سے تھی نبویؐ ”تو تم ہمارے سردار کے قاتل کی بیٹی ہو؟“ حضرت ربیع کو ابو جہل کی نسبت سردار کا لفظ نہایت ناگوار ہوا ابو لیس ”سردار کی نہیں بلکہ غلام کے قاتل کی بیٹی ہوں؟“ اسماء کو ابو جہل کی شان میں یہ گستاخی پسند نہ آئی جھنجھلا کر کہا کہ مجھ کو تمہارے ہاتھ سود لپکنا حرام ہے حضرت ربیع نے برجستہ کہا مجھ کو تم سے کچھ خریدنا حرام ہے کیونکہ تمہارا عطر، عطر نہیں بلکہ گندگی ہے۔ (۱)

آنحضرت ﷺ سے بے انتہا محبت تھی آپ ان کے گھر اکثر تشریف لے جاتے تھے (۲) ایک مرتبہ آپ تشریف لائے اور ان سے وضو کے لئے پانی مانگا (۳) ایک مرتبہ دو طباقوں میں چھوہارے اور انگور لے کر گئیں تو آپ نے زیور یا سونا مرحمت فرمایا۔ (۴) آنحضرت ﷺ کا ایک مرتبہ کسی نے حلیہ پوچھا تو بولیں ”بس یہ سمجھ لو کہ آفتاب طلوع ہو رہا ہے۔ (۵)

(۲۷) حضرت ام ہانیؓ

نام و نسب :

فاختہ نام، ام ہانی کنیت، ابو طالب عم رسول اللہ ﷺ کی دختر تھیں، ماں کا نام فاطمہ بنت اسد تھا اس بناء پر حضرت علیؓ حضرت جعفر طیارؓ اور ام ہانیؓ حقیقی بھائی بہن ہیں۔ نکاح :

ہمیرہ بن عمرو (بن عائد) مخزومی سے نکاح ہوا۔

اسلام :

۸۔ ہجری میں جب مکہ فتح ہوا، مسلمان ہوئیں آپ ﷺ نے اس روز ان کے مکان

(۱) اسد الغابہ ج ۵ ص ۴۵۲ (۲) مسند ج ۶ ص ۳۵۸ (۳) ابوداؤد ج ۱ ص ۱۳ (۴) مسند ج ۶

ص ۳۵۹ (۵) اسد الغابہ ج ۵ ص ۴۵۲

میں غسل کیا تھا اور چاشت کی نماز پڑھی انہوں نے اپنے دو عزیزوں کو جو مشرک تھے پناہ دے دی تھی آنحضرت ﷺ نے بھی ان کو پناہ دی (۱) ان کا شوہر ہیرہ فنج مکہ میں نجران بھاگ گیا تھا۔
وفات :

ترمذی کی روایت ہے کہ حضرت علیؓ کی وفات کے بعد مدت تک زندہ رہیں تہذیب میں ہے امیر معاویہؓ کے زمانہ خلافت میں انتقال کیا۔
اولاد :

حسب ذیل اولاد چھوڑی : عمرو ہانی، یوسف، جعدہ

فضل و کمال :

حضرت ام ہانیؓ سے ۴۶ حدیثیں مروی ہیں جن کے راوی حسب ذیل حضرات ہیں۔ جعدہ، یحییٰ، ہارون، ابو مرہ، ابو صالح، حضرت عبداللہ بن عباسؓ، عبداللہ بن حارث بن نوفل، ابن ابی لیلیٰ، مجاہد، عروہ، عبداللہ بن عیاش، شعبی، غطاء، کریب، محمد بن عقبہ (رضی اللہ عنہم) آنحضرت ﷺ سے کبھی کبھی مسائل دریافت کرتی تھیں جس سے ان کی فقہ دانی کا پتہ چلتا ہے، ایک مرتبہ اس آیت کی تفسیر پوچھی تھی و تاتون فی نادیکم المنکر (۲)
اخلاق :

آنحضرت ﷺ سے ان کو جو عقیدت تھی وہ اس سے ظاہر ہے کہ آپ فنج مکہ کے زمانہ میں ان کے مکان پر تشریف لائے اور شربت نوش فرمایا۔ اس کے بعد ان کو دیا انہوں نے کہا میں روزہ سے ہوں لیکن آپ کا جھوٹا واپس نہیں کرنا چاہتی ہوں۔ بعض روایتوں میں ہے کہ انہوں نے پی لیا اور پھر خود ہی عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! میں روزہ سے ہوں حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اگر روزہ رمضان کی قضا کا ہے تو کسی دوسرے دن یہ روزہ رکھ لینا اور اگر محض نفل ہے تو اس کی قضا کرنے یا نہ کرنے کا تم کو اختیار ہے۔ (۳)

آنحضرت ﷺ کو بھی ان سے بہت محبت تھی ایک مرتبہ فرمایا ام ہانی! بکری لے لو، یہ بڑی خیر و برکت کی چیز ہے۔ (۴)

ایک مرتبہ انہوں نے آنحضرت ﷺ سے دریافت کیا کہ اب میں بوڑھی ہو گئی اور چلنے پھرنے میں ضعف معلوم ہوتا ہے اس لئے ایسا عمل بتلایا جائے جس کو بیٹھے بیٹھے انجام دے

(۱) مسند ج: ۶ ص ۳۴۲ (۲) ایضاً ص ۳۴۱ (۳) مسند ج: ۶ ص ۳۴۱ الی ۳۴۴ (۴) ایضاً

سکوں آپ نے ایک وظیفہ بتلایا فرمایا کہ سبحان اللہ ایک سو مرتبہ الحمد للہ ایک سو مرتبہ اللہ اکبر ایک سو مرتبہ اور لا الہ الا اللہ ایک سو مرتبہ کہہ لیا کرو۔ (ایضاً ص ۳۴۴)

(۲۸) حضرت فاطمہ بنت خطاب

نام و نسب :

فاطمہ نام ام جمیل کنیت حضرت عمرؓ کی ہم شیر ہیں۔

نکاح :

حضرت سعید بن زیدؓ سے نکاح ہوا۔

اسلام :

پورانہ نبی کے ساتھ مسلمان ہوئیں یہ اوائل اسلام کا واقعہ ہے ان کے کچھ دنوں کے بعد ان کے بھائی یعنی حضرت عمرؓ مسلمان ہوئے اور انہی کے سبب سے ہوئے اس کا قصہ جیسا کہ حضرت عمرؓ نے خود بیان کیا ہے یہ ہے کہ حضرت عمرؓ حضرت حمزہؓ کے مسلمان ہونے کے بعد آنحضرت ﷺ کے پاس جا رہے تھے راستہ میں ایک مخزومی صحابیؓ سے ملاقات ہوئی پوچھا کہ تم نے اپنا آبائی مذہب چھوڑ کر محمدؐ کا مذہب اختیار کیا ہے؟ بولے ہاں لیکن پہلے اپنے گھر کی خبر لو تمہارے بہن اور بہنوئی نے بھی محمدؐ (ﷺ) کا مذہب قبول کر لیا ہے حضرت عمرؓ سیدھے بہن کے گھر پہنچے دروازہ بند تھا اور وہ قرآن پڑھ رہی تھی ان کی آہٹ پا کر چپ ہو گئیں اور قرآن کے اجزاء چھپا دیئے لیکن آواز ان کے کان میں پڑ چکی تھی پوچھا کہ یہ کیا آواز تھی؟ انہوں نے کہا کچھ نہیں بولے میں سن چکا ہوں کہ تم دونوں مرتد ہو گئے ہو یہ کہہ کر بہنوئی سے دست و گریبان ہو گئے حضرت فاطمہؓ بچانے کے لئے آئیں تو ان کی بھی خبر لی۔ بال پکڑ کر تھپیٹے اور اس قدر مارا کہ ان کا بدن لہو لہان ہو گیا اسی حالت میں ان کی زبان سے نکلا عمرؓ! جو ہو سکے کرو لیکن اب اسلام دل سے نہیں نکل سکتا ان الفاظ نے حضرت عمرؓ کے دل پر ایک خاص اثر کیا بہن کی طرف محبت کی نگاہ سے دیکھا ان کے بدن سے خون جاری تھا یہ دیکھ کر اور بھی رقت ہوئی فرمایا کہ تم لوگ جو پڑھ رہے تھے مجھ کو بھی سنو فاطمہؓ نے قرآن کے اجزاء لا کر سامنے رکھ دیئے حضرت عمرؓ ان کو پڑھتے جاتے تھے اور ان پر رعب چھاتا جاتا تھا یہاں تک کہ ایک آیت پر پہنچ کر

پکارا تھے اشہد ان لا الہ الا اللہ واشہد ان محمد رسول اللہ (۱)
ہجرت :

اپنے شوہر کے ساتھ ہجرت کی۔

وفات :

وفات کا سنہ اور مہینہ معلوم نہیں۔

اولاد :

ایک لڑکا چھوڑا عبدالرحمن نام تھا۔

(۲۹) حضرت اسماء بنت عمیس

نام و نسب :

اسماء نام قبیلہ خثعم سے تھیں، سلسلہ نسب یہ ہے اسماء بنت عمیس بن معد بن حارث بن تیم بن کعب بن مالک بن قحافہ بن عامر بن ربیعہ بن عامر بن معاویہ بن زید بن مالک لکن بصرہ و ہب اللہ بن شہرون بن عفرس بن خلف بن اقبل (خثعم) ماں کا نام ہند (خولہ) بنت عوف تھا، قبیلہ کنانہ سے تھیں اس بناء پر حضرت میمونہ (ام المؤمنین) اور اسماء اخیانی بہنیں تھیں۔

نکاح :

حضرت جعفرؓ سے کہ حضرت علیؓ کے بھائی تھے (اور دس دس بڑے تھے) نکاح ہوا۔

اسلام :

آنحضرت ﷺ کے خانہ ارقم میں مقیم ہونے سے قبل مسلمان ہوئیں۔ حضرت جعفرؓ نے بھی اسی زمانہ میں اسلام قبول کیا تھا۔ (۲)

عام حالات :

حبشہ کا طرہ ہجرت کی اور کئی سال تک مقیم رہیں۔ ہجری میں جب خیبر فتح ہوا تو مدینہ آئیں حضرت حصہ کے گھر گئیں تو حضرت عمرؓ بھی آگئے پوچھا یہ کون ہیں جواب ملا

(۱) اصباہ ج ۸ ص ۱۶۱ و اسد الغابہ ج ۴ ص ۵۴

(۲) سیرت ابن ہشام ج ۱ ص ۱۳۶ اصباہ ج ۸ ص ۹ بحوالہ ابن

اسماءؓ نے ہاں وہ حبش والی وہ سمندر والی "حضرت اسماءؓ نے کہا "ہاں وہی" حضرت عمرؓ نے کہا ہم کو تم پر فضیلت ہے، اس لئے کہ ہم مہاجر ہیں، حضرت اسماءؓ کو یہ فقرہ سن کر غصہ آیا تو لیں "کبھی نہیں! تم آنحضرت ﷺ کے ساتھ تھے آپ ﷺ بھوکوں کو کھلاتے اور جاہلوں کو پڑھاتے تھے، لیکن ہماری حالت بالکل جداگانہ تھی ہم نہایت دور دراز مقام میں صرف خدا اور رسول ﷺ کی خوشنودی کے لئے پڑے رہے اور بڑی بڑی تکلیفیں اٹھائیں" آنحضرت ﷺ مکان پر تشریف لائے تو انہوں نے سارا قصہ بیان کیا۔ ارشاد ہوا انہوں نے ایک ہجرت کی اور تم نے دو ہجرتیں کیں اس لئے تم کو زیادہ فضیلت ہے "حضرت اسماءؓ اور دوسرے مہاجرین کو اس سے اس درجہ مسرت ہوئی کہ دنیا کی تمام فضیلتیں بیچ معلوم ہوتی تھیں مہاجرین حبشہ جو ق درجہ حضرت اسماءؓ کے پاس آتے اور یہ واقعہ دریافت کرتے تھے۔ (۱)

۸۔ ہجری غزوہ موہ میں حضرت جعفرؓ نے شہادت پائی۔ آنحضرت ﷺ کو خبر ہوئی (حضرت اسماءؓ فرماتی ہیں کہ میں حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی دیکھا کہ حضور ﷺ کبدیدہ تھے۔ میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ آپ غمگین کیوں ہیں یا جعفرؓ کے متعلق کوئی اطلاع آئی ہے حضور ﷺ نے فرمایا کہ ہاں وہ لوگ شہید ہو گئے ہیں بچوں کو نسلادھلا کر ہمراہ لے گئی تھی، حضور ﷺ نے بچوں کو اپنے پاس بلایا اور میں بیچ اٹھی) آنحضرت ﷺ اپنے (اہل بیت کے پاس تشریف لے گئے) اور فرمایا جعفرؓ کے بچوں کے لئے کھانا پکاؤ کیونکہ وہ رنج و غم میں مصروف ہیں۔ (۲)

اس کے بعد مسجد میں جا کر غزوہ بیٹھے اور اس خبر کا اعلان کیا اسی حالت میں ایک شخص نے آکر کہا کہ جعفرؓ کی مستورات ماتم کر رہی ہیں اور رو رہی ہیں، آپ نے ان کو منع کرنا بھیجا وہ گئے اور واپس آکر کہا کہ میں نے منع کیا لیکن وہ باز نہیں آتیں آپ نے دوبارہ بھیجا وہ پھر گئے اور واپس آکر عرض کی کہ ہم لوگوں کی نہیں چلتی آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا "تو ان کے منہ میں خاک بھر دو" یہ واقعہ حضرت عائشہؓ سے صحیح بخاری میں منقول ہے صحیح بخاری میں یہ بھی ہے کہ حضرت عائشہؓ نے اس شخص سے کہا کہ "خدا کی قسم! تم یہ نہ کرو گے (منہ میں خاک ڈالنا) تو آنحضرت ﷺ کو تکلیف سے نجات نہ ملے گی" (۳)

(۱) بخاری ج ۲ ص ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، مسند ج ۶ ص ۳۷۰، بخاری ج ۲ ص ۶۱۱

تیسرے دن (۱) آنحضرت ﷺ حضرت اسماءؓ کے گھر تشریف لائے اور سوگ کی ممانعت کی (۲) تقریباً ۶ مہینے کے بعد شوال ۱ھ ہجری میں جو غزوہ حنین کا زمانہ تھا آنحضرت ﷺ نے حضرت ابو بکرؓ سے ان کا نکاح پڑھادیا (۳) جس کے دو برس بعد ذوقعدہ ۱۰ھ میں محمد بن ابو بکرؓ پیدا ہوئے اس وقت حضرت اسماءؓ حج کی غرض سے مکہ آئی تھیں چونکہ محمد ذوالحلیفہ میں پیدا ہوئے تھے اسماءؓ نے دریافت کر لیا کہ میں کیا کروں؟ ارشاد ہوا نہا کر احرام باندھیں۔ (۴)

آنحضرت ﷺ کے مرض الموت میں حضرت ام سلمہؓ اور اسماءؓ نے ذات البجب تشخیص کر کے دوا پلانا چاہی چونکہ گوارا نہ تھی۔ آپ نے انکار فرمادیا۔ اسی ممانعت میں غشی طاری ہو گئی انہوں نے منہ کھول کر پلادی اتفاق کے بعد آپ کو احساس ہوا تو فرمایا ”یہ مشورہ اسماءؓ نے دیا ہو گا وہ حبشہ سے اپنے ساتھ یہی حکمت لائی ہیں عباسؓ کے علاوہ سب کو دوا پلانی جائے“ چنانچہ تمام ازواج مطہرات کو دوا پلانی گئی۔ (۵)

۱۳ھ ہجری میں حضرت ابو بکرؓ نے وفات پائی تو وصیت فرمائی کہ اسماءؓ غسل دیں۔ (۶) حضرت ابو بکرؓ کے بعد اسماءؓ حضرت علیؓ کے عقد میں آئیں محمد بن ابو بکرؓ بھی ساتھ آئے اور حضرت علیؓ کے آغوش تربیت میں پرورش پائی۔ ایک دن عجیب لطیفہ ہوا محمد بن جعفرؓ اور محمد بن ابو بکرؓ نے باہم فخر اکھا کہ ہم تم سے بہتر ہیں اس لئے کہ ہمارے باپ تمہارے باپ سے بہتر تھے۔ حضرت علیؓ نے حضرت اسماءؓ سے کہا کہ اس جھگڑے کا فیصلہ کرو پولیس کہ تمام نوجوانوں پر جعفرؓ کو اور تمام بوڑھوں پر ابو بکرؓ کو فضیلت حاصل ہے حضرت علیؓ بولے ”پھر ہمارے لئے کیا رہا؟“ (۷)

۳۸ھ ہجری میں محمد بن ابو بکرؓ مصر میں قتل ہوئے اور گدھے کی کھال میں ان کی لاش جلائی گئی حضرت اسماءؓ کے لئے اس سے زیادہ تکلیف دہ واقعہ کیا ہو سکتا تھا؟ ان کو سخت غصہ

(۱) مسند ج ۶ ص ۳۶۹ (۲) جس عورت کے شوہر کا انتقال ہو جائے اس کو ۴ ماہ ۱۰ دن سوگ کرنا چاہئے مسئلہ یہی ہے حضرت اسماءؓ کی اس روایت سے شبہ میں نہ پڑنا چاہئے اس لئے کہ یہ روایت تمام صحیح احادیث کے خلاف ہے اور شاذ ہے اور اجماع اس کے خلاف ہے امام طحاوی کے نزدیک یہ روایت منسوخ ہے اور امام بیہقی کے نزدیک منقطع ہے۔ (۳) خطہ: فتح البیہ ج ۹ ص ۲۲۹ کن کے سوا اور بہت سے روایات ہیں جن کی تفصیل کا یہاں موقع نہیں ہے۔

(۴) اصابہ ج ۸ ص ۹ (۵) مسلم ج ۱ ص ۳۸۵ (۶) بخاری ج ۲ و طبقات ج ۲ ق ۲ ص ۳۲۳۱ و مسند ج ۲ ص ۴۳۸ (۷) اصابہ ج ۸ ص ۹ بحوالہ ابن سعد (۷) اصابہ ج ۸ ص ۹

آیا لیکن نہایت صبر سے کام لیا اور مصلے پر کھڑی ہو گئیں۔ (۱)
وفات:

۴۔ ہجری میں حضرت علیؑ نے شہادت پائی اور ان کے بعد حضرت اسماءؓ کا بھی انتقال ہو گیا۔ (۲)
ولاد:

جیسا کہ اوپر گزر چکا ہے کہ حضرت اسماءؓ نے تین نکاح کئے چنانچہ حضرت جعفرؓ سے محمدؐ، عبداللہؓ، عونؓ، حضرت ابو بکرؓ سے محمدؐ اور حضرت علیؓ سے یحییٰؑ پیدا ہوئے۔ (۳)
ریاض النضرۃ میں لکھا ہے کہ حضرت علیؓ کے وہ لڑکے ہوئے تھے، یحییٰؑ اور عونؓ، (۴)
لیکن علامہ لن اثیر نے اس کو غلط کہا ہے اور لکھا ہے کہ یہ لن کلبی کا خیال ہے جو مشہور دروغ گو تھا۔
فضل و کمال:

حضرت اسماءؓ سے ۶۰ حدیثیں مروی ہیں، جن کے رویوں کے نام یہ ہیں، حضرت عمرؓ، ابو موسیٰ اشعریؓ، عبداللہ بن جعفرؓ، لن عباسؓ، قاسم بن محمدؓ، عبداللہ بن شداد بن الہاد، عروہ لن مسیب، ام عون بنت محمد بن جعفرؓ، فاطمہ بنت علیؓ، ابو یزید مدنی۔
آنحضرت ﷺ سے براہ راست تعلیم حاصل کرتی تھیں، آنحضرت ﷺ نے مصیبت اور تکلیف میں پڑھنے کے لئے انکو ایک دعا بتائی تھی۔ (۵)
ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ نے حضرت جعفرؓ کے بچوں کو دبلادیکھا تو پوچھا کہ یہ اس قدر دہلے کیوں ہیں اسماءؓ نے کہا ان کو نظر بہت لگتی ہے، فرمایا تو تم جھاڑ پھونک کرو، حضرت اسماءؓ کو ایک منتر یاد تھا، آنحضرت ﷺ کو سنایا، فرمایا ”ہاں یہی سی“ (۶)
حضرت اسماءؓ کو خواب کی تعبیر میں بھی دخل تھا چنانچہ حضرت عمرؓ اکثر ان سے خوابوں کی تعبیر پوچھتے تھے۔ (۷)

(۱) ایضاً (۲) خلاصہ تہذیب ص ۴۸۸ (۳) استیعاب ج ۲ ص ۷۲۵ (۴) ریاض النضرہ ج ۲ ص ۶۴۹ (۵) مسند ج ۶ ص ۳۶۹ (۶) مسلم ج ۲ ص ۲۲۳ (۷) اصحابہ ج ۸ ص ۹

(۳۰) حضرت اسماءؓ (بنت ابی بکرؓ)

نام و نسب :

اسماء نام ذات النطاقین لقب حضرت ابو بکرؓ کی صاحب زادی ہیں۔
ماں کا نام قلدہ بنت عبدالعزیٰ تھا ہجرت سے ۷ سال قبل مکہ میں پیدا ہوئیں۔
نکاح :

حضرت زبیرؓ بن عوام سے نکاح ہوا۔

اسلام :

اپنے شوہر کی طرح انہوں نے بھی قبول اسلام میں سبقت کی لکن اسحق کے قول کے مطابق ان کا ایمان لانے والوں میں اٹھارہواں نمبر تھا۔
عام حالات :

جب آنحضرت ﷺ نے مدینہ کی طرف ہجرت کی تو حضرت ابو بکرؓ رفیق صحبت تھے آپ ﷺ دوپہر کو ان کے گھر تشریف لائے اور ہجرت کا خیال ظاہر فرمایا حضرت اسماءؓ نے سفر کا سامان کیا دو تین دن کا کھانا ناشتہ دان میں رکھا نطاق جس کو عورتیں کمر میں لپیٹتی ہیں پھاڑ کر اس سے ناشتہ دان کا منہ باندھا یہ وہ شرف تھا جس کی بناء پر آج تک انکو ذات النطاقین کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔ (۱)

حضرت ابو بکر صدیقؓ ہجرت کے وقت کل روپیہ ساتھ لے گئے تھے ابو قحافہؓ کہ ان کے والد تھے معلوم ہوا ابو بکرؓ نے انہوں نے جانی اور مالی دونوں قسم کی تکلیف دی حضرت اسماءؓ نے کماؤہ کثیر دولت چھوڑ گئے ہیں یہ کہہ کر انھیں لور جس جگہ حضرت ابو بکرؓ کا مال رہتا تھا بہت سے پتھر رکھ دیئے لور ان پر کپڑا ڈال دیا پھر ابو قحافہؓ کو لے گئیں لور کہا ٹٹول لیجئے دیکھئے یہ رکھا ہے ابو قحافہؓ ہنسنا ہو گئے تھے اس لئے مان گئے لور کہا کھانے کے لئے بہت ہے حضرت اسماءؓ کا مینا ہے کہ میں نے صرف ابو قحافہؓ کی تسکین کے لئے ایسا کیا تھا ورنہ وہاں ایک حبہ بھی نہ تھا۔ (۲)

آنحضرت ﷺ نے مدینہ پہنچ کر مستورات کو بلوایا تو حضرت اسماءؓ بھی آئیں (۳) قبا

(۱) بخاری ج ۱ ص ۵۵۳-۵۵۵ (۲) مسند احمد بن حنبل ج ۲ ص ۳۵۰

(۳) اصابہ ج ۴ ص ۲۲۹ طبقات ج ۱ ص ۱۶۱ و تہذیب ج ۵ ص ۲۱۴

میں قیام کیا یہاں عبداللہ بن زبیرؓ پیدا ہوئے ان کو لیکر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں آپ نے عبداللہ کو گود میں لیا گھٹی دی اور ان کے لئے دعا فرمائی (۱) عبداللہ بن زبیرؓ جب جوان ہوئے تو حضرت اسماءؓ ان کے پاس رہنے لگیں کیونکہ حضرت زبیرؓ نے ان کو طلاق دیدی تھی۔ (۲)

حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے گھٹی میں آنحضرت ﷺ کا لعاب مبارک پیا تھا اس بناء پر جب بن شعور کو بچے تو فضائل اخلاق کے پیکر مجسم تھے لوہر سلطنت بنو امیہ کا فرماں روا (یزید) سر تاپا فسق و فجور تھا حضرت عبداللہؓ نے اس کی بیعت سے انکار کر دیا مکہ میں پناہ گزیں ہوئے اور وہیں سے اپنی خلافت کی صدامند کی چونکہ حضرت عبداللہؓ کی عظمت و جلالت کا ہر شخص معترف تھا اس لئے تمام دنیا نے اسلام نے اس صدارت پر لبیک کہی اور ملک کا بڑا حصہ ان کے علم کے نیچے آ گیا لیکن جب عبدالملک بن مروان تخت نشین ہوا تو اس نے اپنی حکمت عملی سے بعض صوبوں پر قبضہ کر لیا اور حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کے مقابلہ کی تیاریاں کیں شامی لشکر نے خانہ کعبہ کا محاصرہ کیا تو لکن زبیرؓ حضرت اسماءؓ کے پاس آئے وہ ہمار تھیں پوچھا کیا حال ہے؟ "بھئی" "یہاں ہوں" کہا "آدمی کو موت کے بعد آرام ملتا ہے" حضرت اسماءؓ نے کہا "شاید تم کو میرے مرنے کی تمنا ہے لیکن میں بھی مرنا پسند نہیں کرتی میری آرزو یہ ہے کہ تم لڑکر قتل ہو لو اور میں صبر کروں یا تم کامیاب ہو لو اور میری آنکھیں ٹھنڈی ہوں" لکن زبیرؓ ہنس کر چلے گئے شہادت کا وقت آیا تو دوبارہ ماں کی خدمت میں آئے وہ مسجد میں بیٹھی تھیں صلح کے متعلق مشورہ کیا "بولیں بیٹا! قتل کے خوف سے ذلت آمیز صلح بہتر نہیں کیونکہ عزت کے ساتھ تلوار مارنا ذلت کے ساتھ کوڑا مارنے سے بہتر ہے۔ حضرت لکن زبیرؓ نے اس پر عمل کیا اور لڑکر مردانہ وار شہادت حاصل کی حجاج نے ان کی لاش کو سولی پر لٹکا دیا تین دن گزرنے پر حضرت اسماءؓ کنیز کو ساتھ لیکر اپنے بیٹے کی لاش پر آئیں۔ لاش الٹی لٹکی تھی دل تھام کر اس منظر کو دیکھا اور نہایت استقلال سے کہا "کیا اس سوار کے گھوڑے سے اترنے کا ابھی وقت نہیں آیا" (۳) حجاج کو چھیڑ منظور تھی آدمی بھیجا کہ جا کر لائے حضرت اسماءؓ نے انکار کیا اس نے پھر آدمی بھیجا کہ ابھی خیریت ہے ورنہ آئندہ جو شخص بھیجا جائے گا وہ بال پکڑ کر گھسیٹ لائے گا" حضرت اسماءؓ صرف خدا کی شان جباری کی معترف تھیں جواب دیا میں نہیں جا سکتی حجاج نے مجبوراً خود

(۱) بخاری ج ۱ ص ۵۵۵ (۲) فتح الباری ج ۶ ص ۱۶۳ و اسد الغابہ ج ۵ ص ۳۹۲

(۳) اسد الغابہ ج ۲ ص ۱۶۳ و استیعاب ج ۱ ص ۳۶۶

جو تاپہنلاور حضرت اسماءؓ کی خدمت میں آیا اور حسب ذیل گفتگو ہوئی، حجاج نے کہا ”کسے میں نے دشمن خدا (لن زیرؓ) کے ساتھ کیا سلوک کیا“ حضرت اسماءؓ یوں لیں۔ ”تو نے ان کی دنیا بگاڑی اور انہوں نے تیری عاقبت خراب کی! میں نے سنا ہے کہ تو ان کو طنز اذات الطافین کا بیٹا کہتا ہے، خدا کی قسم ذات الطافین میں ہوں! میں نے نطاق سے آنحضرت ﷺ اور ابو بکرؓ کا کھانا باندھا تھا اور دوسرے کو کمر میں لپیٹتی تھی، لیکن یہ یاد رہے کہ میں نے آنحضرت ﷺ سے سنا ہے کہ ثقیف میں ایک کذاب نور ظالم پیدا ہوگا، چنانچہ کذاب کو دیکھ چکی ہوں اور ظالم تو ہے“ حجاج نے یہ حدیث سنی تو چپکا اٹھ کھڑا ہوا۔ (۱)

چند دنوں کے بعد عبدالملک کا حکم پہنچا تو حجاج نے لاش اتروا کر یسود کے قبرستان میں پھینکوا دی حضرت اسماءؓ نے لاش اٹھوا کر گھر منگولیا اور غسل دلو کر جنازہ کی نماز پڑھی حضرت لن زیرؓ کا جوڑ الگ تھا، نہلانے کے لئے کوئی عضو اٹھایا جاتا تو ہاتھ کے ساتھ چلا آتا تھا، لیکن حضرت اسماءؓ نے یہ کیفیت دیکھ کر صبر کیا کہ خدا کی رحمت ان ہی پارہ پارہ ٹکڑوں پر نازل ہوتی ہے۔

وفات :

حضرت اسماءؓ دعا کرتی تھیں کہ جب تک میں عبداللہ کی لاش نہ دیکھ لوں مجھے موت نہ آئے (۲) چنانچہ ایک ہفتہ بھی نہ گزرا تھا کہ حضرت اسماءؓ نے داعی اجل کو لبیک کہا یہ جمادی الاولیٰ ۳۷ ہجری کا واقعہ ہے اس وقت ان کی عمر سو سال کی تھی۔

لولاد :

حسب ذیل لولاد ہوئی، عبداللہ، منذر، عروہ، مہاجر، خدیجۃ الکبریٰ، ام الحسن،

عائشہ (۳)

حلیہ :

حضرت اسماءؓ بائیں ہبہ کہ سو برس کی تھیں لیکن ایک دانت بھی نہیں گرا تھا اور ہوش و حواس بالکل درست تھے (۴) اور از قد اور کیم شمیم تھیں اخیر عمر میں بینائی جاتی رہی تھی (۵) فضل و کمال :

آنحضرت ﷺ سے حضرت اسماءؓ نے (۵۶) حدیثیں روایت کی ہیں جو صحیحین اور

(۱) مسلم ج ۲ ص ۳۷۵ (۲) استیعاب ج ۱ ص ۳۶۶ (۳) طبری ج ۳ ص ۲۴۶۱ اور الریاض

النضرة ص ۲۷۹، ۲۸۰ (۴) اصباہ ج ۸ ص ۸ (۵) مسند ج ۶ ص ۳۴۸ و اسد العابد ج ۵ ص ۳۹۳

سنن میں موجود ہیں رلو یوں میں حسب ذیل اصحاب ہیں۔

عبداللہ عروہ (پسران) عباد بن عبداللہ عروہ (نبیرگان) فاطمہ بنت المنذر
لن نبیر عبادہ بن حمزہ بن عبداللہ بن نبیر عبداللہ بن کیسان (غلام) لن عباس صفیہ بنت شیبہ
لن ابی ملیحہ وہب بن کیسان ابو بکر و عامر (پسران) لن نبیر مطلب بن حطب محمد بن منکدر
مسلم معری ابو نوفل لن ابو عقر ب
اخلاق :

حضرت اسماءؓ بالطبع نیکی کی طرف مائل تھیں ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ کسوف کی
نماز پڑھا رہے تھے نماز کو بہت طول دیا تو حضرت اسماءؓ نے ادھر ادھر دیکھنا شروع کیا ان کے
پاس دو عورتیں کھڑی تھیں جن میں ایک فربہ اور دوسری لاغر تھی یہ دیکھ کر انہوں نے اپنے
دل کو تسلی دی کہ مجھے ان سے زیادہ دیر تک کھڑا رہنا چاہیے (۱) لیکن چونکہ نماز کئی گھنٹے تک ہوئی
تھی حضرت اسماءؓ کو غش آگیا اور سر پر پانی چھڑکنے کی نوبت آئی۔ (۲) لن ابی ملیحہ کامیان ہے
کہ ان کے سر میں درد ہوتا تو سر پکڑ کر کہتیں یہ میرا گناہ ہے (اور جو گناہ خدا معاف کرتا رہتا ہے
وہ اس سے کہیں زیادہ ہیں)

حق گوئی ان کا خاص شعار تھا اس کی متعدد مثالیں لو پر گزر چکی ہیں۔ حجاج بن یوسف
جیسے ظالم اور جبار کے سامنے وہ جس صاف گوئی سے کام لیتی تھیں وہ بجائے خود اپنی آپ ہی نظیر
ہے ایک دن وہ منبر پر بیٹھا ہوا تھا حضرت اسماءؓ اپنی کنیز کے ساتھ آئیں اور دریافت کیا کہ ”امیر
کہاں ہے؟“ معلوم ہوا تو حجاج کے قریب گئیں اس نے دیکھتے ہی کہا ”تمہارے بیٹے نے خدا کے
گھر میں الحاد پھیلایا تھا“ اس لئے خدا نے اس کو بواور دناک عذاب دیا“ حضرت اسماءؓ نے بر جتہ
جواب دیا تو جھوٹا ہے وہ ملحد نہ تھا بلکہ صائم پار سال اور شب بیدار تھا۔ (۳)

نہایت صابر تھیں حضرت لن نبیرؓ کی شہادت ایک قیامت تھی جو ان کے لئے
قیامت کبریٰ بن گئی لیکن اس میں انہوں نے جس عزم جس استقلال جس صبر اور جس تحمل
سے کام لیا اس کی حازم نہیں بہت کم نظیریں مل سکتی ہیں۔

حد درجہ خوددار تھیں حجاج بن یوسف جیسے امیر کی نخوت بھی ان کی خودداری کی
چٹان سے ٹکرا کر چور چور ہو جاتی تھی۔

بائیں ہمہ نہایت متواضع اور خاکسار تھیں محنت مشقت میں ان کو بالکل عار نہ تھا

چنانچہ جب ان کا نکاح ہوا تو حضرت زبیرؓ کے پاس کچھ نہ تھا، صرف ایک لونٹ اور ایک گھوڑا تھا وہ گھوڑے کو دکنہ دیتی، پانی بھرتی اور ڈول سیتی تھیں، روٹی پکانی نہیں آتی تھی اس لئے آٹا گوندھ کر رکھتی اور انصار کی بعض عورتیں پکادیتی تھیں۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت زبیرؓ کو جو زمین عنایت فرمائی تھی وہاں جا کر وہ چھوہاروں کی گٹھلیاں چنتی اور تین فرلانگ سے سر پر لاد کر لاتی تھیں ایک دن اسی حالت میں آرہی تھیں کہ آنحضرت ﷺ سے ملاقات ہوئی۔ آپ نے اپنے لونٹ کو بٹھایا کہ سوار ہو جائیں، لیکن ان کو شرم معلوم ہوئی اور لونٹ پر نہ بیٹھیں، گھر آ کر حضرت زبیرؓ سے سارا قصہ بیان کیا۔ انہوں نے کہا سبحان اللہ! سر پر جو لادنے سے شرم نہیں آئی؟ کچھ زمانہ کے بعد حضرت ابو بکرؓ نے ان کو ایک غلام دیا جو گھوڑے کی تربیت اور پرداخت کرتا تھا اس وقت حضرت اسماءؓ کی مصیبت کم ہوئی کہتی تھیں فکانما اعقنی یعنی گویا ابو بکرؓ نے مجھ کو آزاد کر دیا۔ (۱)

غربت کی وجہ سے جو کچھ خرچ کرتیں ناپ تول کر خرچ کرتی تھیں، آنحضرت ﷺ نے منع کیا کہ پھر خدا بھی ناپ کر دے گا اس وقت سے یہ عادت چھوڑ دی اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ آمدنی وافر ہو گئی اور پھر کبھی تنگدست نہیں ہوئیں۔ (۲)

حد درجہ فیاض تھیں، عبداللہ بن زبیرؓ فرماتے ہیں کہ میں نے ان سے بڑھ کر کسی کو فیاض نہیں دیکھا، حضرت عائشہؓ نے اپنی وفات کے وقت ترکہ میں ایک جنگل چھوڑا تھا جو ان کے حصہ میں آیا تھا، لیکن انہوں نے اس کو لاکھ درہم پر فروخت کر کے کل رقم عزیزوں پر تقسیم کر دی (۳) پڑتیں تو اپنے تمام غلام آزاد کر دیتی تھیں (۴) حضرت زبیرؓ کا مزاج تیز تھا، اس لئے انہوں نے آنحضرت ﷺ سے پوچھا کہ میں بلا اجازت ان کے مال سے فقراء کو خیرات دے سکتی ہوں؟ آنحضرت ﷺ نے اجازت دی۔ (۵)

ایک مرتبہ ان کی ماں مدینہ میں آئیں اور ان سے روپیہ مانگا، حضرت اسماءؓ نے آنحضرت ﷺ سے دریافت کیا کہ وہ مشرک ہیں، کیا ایسی حالت میں ان کی مدد کر سکتی ہوں؟ ارشاد ہوا ”ہاں (اپنی ماں کے ساتھ صلح رحمی کرو)۔ (۶)

حضرت اسماءؓ نے کئی حج کئے۔ پہلا حج آنحضرت ﷺ کے ساتھ کیا تھا (۷) اس میں

(۱) بخاری ج ۲ ص ۷۵۶ (۲) مسند ج ۶ ص ۳۵۲ (۳) بخاری باب ھبة الواحد للجماعة

(۴) خلاصہ تہذیب ص ۴۸۸ (۵) مسند ج ۶ ص ۳۵۳ (۶) بخاری ج ۲ ص ۸۸۴ (۷) مسلم ج ۱ ص ۴۷۹

جو کچھ دیکھا تھا (۱) ان کو بالکل یاد نہ تھا چنانچہ ایک دفعہ آنحضرت ﷺ کے بعد جب حج کے لئے آئیں اور مزدلفہ میں ٹھہریں تو رات کو نماز پڑھی پھر اپنے غلام سے پوچھا ”چاند چھپ گیا“ اس نے کہا نہیں جب چاند ڈوب گیا بولیں کہ اب رمی کے لئے چلو رمی کے بعد پھر واپس آئیں اور صبح کی نماز پڑھی اس نے کہا آپ نے بڑی عجلت کی فرمایا آنحضرت ﷺ نے پردہ نشینوں کو اس کی اجازت دی ہے (۲) جب کبھی جوں سے گزرتیں کہتیں کہ ہم آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں یہاں ٹھہرے تھے اس وقت ہمارے پاس بہت کم سامان تھا ہم نے لور عائشہؓ اور زبیرؓ نے عمرہ کیا تھا اور طواف کر کے حلال ہوئے تھے۔ (۳)

نہایت بے لور تھیں اخلاقی جرأت کے چند واقعات لو پر تحریر ہو چکے ہیں سعید بن عاص کے زمانہ حکومت میں جب اسلام میں فتنہ پیدا ہوا اور بد امنی شروع ہو گئی تو انہوں نے ایک فخر رکھا تھا لوگوں نے پوچھا اس کا کیا فائدہ ہے؟ بولیں اگر کوئی چور آئے گا تو اس سے اس کا پیٹ چاک کروں گی؟ (۴)

حضرت اسماءؓ کے تقدس کا عام چہ چاہا لوگ ان سے دعا کرتے تھے جب کوئی عورت حار میں مبتلا ہوتی لور دعا کے لئے آتی تو اس کے سینہ پر پانی چھڑکتیں لور کہتیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ اس کو پانی سے ٹھنڈا کرو (۵) حضرت لکن عمرؓ لور حضرت عائشہؓ نے حضور ﷺ سے روایت کیا ہے کہ حار آتش جہنم کی گرمی سے ہے اس کو پانی سے ٹھنڈا کرو (۶) گھر کا کوئی آدمی بیمار ہوتا تھا تو آنحضرت ﷺ کا جبہ (جس کو حضرت عائشہؓ نے وفات کے وقت ان کے سپرد کیا تھا) لور اس کا پانی پلاتی تھیں اس سے بیمار کو شفا ہو جاتی تھی۔ (۷)

(۳۱) حضرت فاطمہ بنت قیسؓ

نام و نسب :

فاطمہ نام سلسلہ نسب ہے : فاطمہ بنت قیس بن خالد اکبر بن وہب ثعلبہ لکن واکدہ بن عمرو بن شیبان بن محارب بن نضر والدہ کا نام امیرہ بنت ربیعہ تھا اور بنی کنانہ سے تھیں۔

(۱) بخاری ج ۱ ص ۲۳۷ (۲) ایضاً (۳) ایضاً (۴) ذیل طبری ج ۱۳ ص ۲۴۶۱
(۵) بخاری ج ۲ ص ۸۵۲ (۶) ایضاً باب الحمی میں فیج جہنم (۷) مسند ج ۶ ص ۳۴۸

نکاح:

ابو عمرو بن حفص بن مغیرہ سے نکاح ہوا۔

اسلام:

اسلام کے ابتدائی دور میں ایمان لائیں۔

ہجرت:

اور ہجرت کی۔

عام حالات:

۱۔ ہجری میں حضرت علیؓ ایک لشکر لے کر یمن گئے تھے، ابو عمرو بھی ان کے ساتھ تھے، چلتے وقت عیاش بن اہلی ربیعہ کی معرفت اپنی بیوی کو آخری طلاق (دو طلاق پہلے دے چکے تھے) اور ۵۵ صاع جو لوہے خرے بچھے حضرت فاطمہؓ نے کھانے اور مکان کا مطالبہ کیا تو عیاش نے کہا کہ جو کچھ دیا گیا محض احسان ہے ورنہ ہمارے ذمہ یہ بھی ضروری نہیں اس جواب پر فاطمہ کو غصہ آیا اور اپنے کپڑے لیکر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں گئیں خالد بن ولیدؓ وغیرہ بھی پہنچے، آپ نے دریافت کیا کہ انہوں نے تم کو کتنے مرتبہ طلاق دی ہو لیں ۳ مرتبہ فرمایا۔ اب تم کو نفقہ نہیں مل سکتا۔ (۱) تم ام شریک کے ہاں عدت کے دن پورے کرو لیکن چونکہ ام شریک کے اعزہ و اقارب ان کے مکان میں آتے جاتے ہیں، آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ”لن مکتوم ناینا اور تمہارے لن عم ہیں اس لئے بہتر ہے کہ تم ان کے ہاں رہو“ عدت کا زمانہ پورا ہوا تو ہر طرف سے پیغام آئے امیر معاویہؓ، ابو جہم اور اسامہ بن زیدؓ نے بھی پیغام دیا لیکن آنحضرت ﷺ نے پہلے دو شخصوں کا پیغام اس لئے مسترد کر دیا کہ اول الذکر مفلس اور دوسرے تند مزاج تھے پھر فاطمہؓ سے فرمایا کہ تم اسامہؓ سے نکاح کر لو چونکہ فاطمہؓ کو خیال تھا کہ خود آنحضرت ﷺ ان کو اپنی زوجیت کا شرف عطا فرمائیں گے اس لئے انکار کیا ارشاد ہوا ”خدا اور رسول ﷺ کی اطاعت کرو اس میں تمہارے لئے بھلائی ہے“ یہ سن کر فاطمہ مجبور ہوئیں اور حضرت اسامہؓ سے نکاح کر لیا، کہتی ہیں کہ پھر میں قابل رشک بن گئی۔ (۲)

۲۳۔ ہجری میں جب حضرت عمرؓ نے انتقال کیا تو مجلس شوریٰ کا اجلاس فاطمہؓ ہی

کے مکان میں ہوتا تھا۔ (۳)

(۱) عدت کے اندر عورت کا کھانا کپڑا اسی مرد کے ذمہ ہے جس نے طلاق دی ہے حضرت فاطمہؓ بنت قیس کی اس روایت کے متعلق بیوی عدت ہے جس کے ذکر کا یہاں موقع نہیں ہے۔ (۲) مسلم ج ۱ ص ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵

مسند ج ۶ ص ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴، (۳) اسد الغابہ ج ۸ ص ۸۲۶

۵۴ ہجری میں حضرت اسامہؓ نے انتقال فرمایا فاطمہؓ کو سخت صدمہ ہوا دوسری شادی نہیں کی اور اپنے بھائی ضحاکؓ کے ساتھ رہیں جب یزید نے اپنے عہد حکومت میں ان کو عراق کا گورنر مقرر کیا تو فاطمہؓ بھی ان کے ساتھ کوفہ چلی آئیں اور یہیں سکونت اختیار کی۔
وفات :

وفات کا سال معلوم نہیں، حضرت ابن زبیرؓ کے زمانہ خلافت تک زندہ تھیں۔ (۱)
حلیہ :

خوبصورت تھیں۔ (۲)

فضل و کمال :

اسد الغابہ میں ہے :

لها عقل و کمال (ص ۵۲۶ ج ۵)
”یعنی وہ عنایت عقیل اور صاحب کمال تھیں۔“

حضرت سعید بن زید کی صاحبزادی، عبداللہ بن عمرو (بن عثمان) کو منسوب تھیں، انہوں نے ان کو تین طلاقیں دیں، فاطمہؓ ان کی خالہ ہوتی تھیں کہلا بھیجا کہ میرے گھر چلی آؤ مروان نے قیصہ کو بھیجا کہ فاطمہؓ سے سبب دریافت کرو، قیصہ نے آکر کہا کہ آپ ایک عورت کو لیام عدت گزرنے سے قبل کیوں گھر سے نکالتی ہیں، یولیں اس لئے کہ آنحضرت ﷺ نے مجھ کو یہی حکم دیا تھا اس کے بعد اپنا واقعہ بیان کیا اور اس کی قرآن مجید سے تائید کی، قرآن مجید میں ہے :

إِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَطَلِّقُوهُنَّ لِعَدَّتِهِنَّ وَأَحْصُوا الْعِدَّةَ وَاتَّقُوا اللَّهَ رَبَّكُمْ لَا تُخْرِجُوهُنَّ مِنْ بُيُوتِهِنَّ وَلَا يَخْرُجْنَ إِلَّا أَنْ يَأْتِيَنَّ بِفَاحِشَةٍ مُبَيَّنَةٍ (طلاق ۱)

”جب تم عورتوں کو طلاق دو تو ان کو عدت کے وقت تک طلاق دو اور عدت کو شمار کرو اور خدا سے ڈرو اور ان کو ان کے گھروں سے نہ نکالو اور نہ وہ نکلیں مگر یہ کہ کھلی ہوئی بے حیائی کی مرتکب ہوں“

یہ مراجعہ کی صورت تھی اس کے بعد ہے۔

فَإِذَا بَلَغْنَ أَجْلَهُنَّ فَأَمِّكُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ أَوْ فَارِقُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ (طلاق ۲)

”پس جب میعاد کو پہنچ جائیں تو ان کو اچھی طرح روکے رکھو یا اچھی طرح جدا کر دو“

اس بناء پر تین مرتبہ کے بعد پھر کسی صورت کا احتمال نہیں ہے اس کے بعد فرمایا کہ چونکہ تمہارے نزدیک عورت جب تک حاملہ نہ ہو اس کا نفقہ نہ دینا چاہیے اس لئے اس کو روک رکھنا بالکل بیکار ہے (جب مروان کو حضرت فاطمہؓ کی اس گفتگو کی اطلاع ہوئی تو کہا کہ یہ ایک عورت کی بات ہے اور ان مطلقہ خاتون کو حکم دیا کہ اپنے گھر واپس آئیں چنانچہ وہ واپس آئیں اور وہیں عدت گزاری) (۱)

فاطمہؓ نے آنحضرت ﷺ سے چند حدیثیں روایت کی ہیں جو متعدد اشخاص کے ذریعہ سے مروی ہیں ان میں سے چند نام یہ ہیں۔

قاسم بن محمد، ابو بکر بن ابوالجهم، ابو سلمہ، سعید بن مسیب، عروہ، عبد اللہ بن عبد اللہ، اسود، سلیمان بن یسار، عبد اللہ الہمی، محمد بن عبد الرحمن بن ثوبان، شعبی، عبد الرحمن بن عاصم، تمیم
اخلاق:

عادات و اخلاق نہایت شریفانہ تھے شعبی جو ان کے شاگرد تھے ملنے کو آئے تو انہوں نے چھوہارے کھلائے اور ستوپلایا۔ (۲)

(۳۲) حضرت شفاء بنت عبد اللہؓ

نام و نسب:

شفاء نام قبیلہ قریش کے خاندان عدی سے ہیں سلسلہ نسب یہ ہے: شفاء بنت عبد اللہ بن عبد شمس بن خلف بن سداؤ بن عبد اللہ بن قرط بن زراح بن عدی بن کعب بن لوی والدہ کا نام فاطمہ بنت وہب بن عمرو بن عائد بن عمر بن مخزوم تھا۔
نکاح:

ابو حشمہ بن حذیفہ عدوی سے نکاح ہوا۔

اسلام:

ہجرت سے قبل مسلمان ہوئیں۔ (۳)

(۱) مسلم ج ۱ ص ۵۸۴ و مسند ج ۶ ص ۴۱۶، ۴۱۵ (۲) مسلم ج ۱ ص ۵۸۵

(۳) اصابت ج ۸ ص ۲۰

عام حالات :

آنحضرت ﷺ سے ان کو بہت محبت تھی آپ ﷺ کبھی ان کے گھر تشریف لے جاتے تھے انہوں نے آپ کے لئے علیحدہ بچھونا اور ایک تہہ رکھ چھوڑی تھی چونکہ ان میں آنحضرت ﷺ کا پسینہ جذب ہوتا تھا یہ بڑی متبرک چیزیں تھیں حضرت شفاءؓ کے بعد ان کی ولاد نے ان تبرکات کو نہایت احتیاط سے محفوظ رکھا لیکن مروان نے ان سے یہ سب چیزیں لے لیں۔ (۱)

آنحضرت ﷺ نے ان کو ایک مکان بھی عنایت فرمایا تھا اور وہ اپنے بیٹے کے ساتھ اسی میں سکونت پذیر تھیں۔ (۲)

حضرت عمرؓ نے اپنے زمانہ خلافت میں ان کے ساتھ خاص رعایتیں کیں۔ چنانچہ لکن سعد میں ہے :-

كان عمر يقدر مهافي الرائي و يوعاها و يفضلها و ربما ولا هاشيئا من امر السوق (۳)
”حضرت عمرؓ ان کو رائے میں مقدم رکھتے ان کی فضیلت کی رعایت کرتے اور ان کو بازار کا اہتمام سپرد کرتے تھے۔“

وفات :

وفات کا سنہ معلوم نہیں۔

ولاد :

ولاد میں دو کا پتہ چلتا ہے، سلیمان اور ایک لڑکی جو شرجیل بن حسنہ کو منسوب تھی۔
فضل و کمال :

جاہلیت میں دو چیزوں میں مشہور تھیں، جھاڑ پھونک اور لکھنا، جھاڑ پھونک کے متعلق آنحضرت ﷺ سے انہوں نے استفسار کیا تھا، آنحضرت ﷺ نے اجازت دی تھی اور فرمایا تھا کہ حصہ کو بھی سکھا دو، لکھنے کے متعلق بھی یہی ارشاد ہوا تھا (۴) چونی کے کالے میں یہ منتر پڑھتی تھیں۔ بسم الله صلب جبر تعوذ امن اقواها فلا مضر احدا اللهم اكشف الباس رب الناس (۵)۔

(۱) اسد الغابہ ج ۵ ص ۴۸۶ (اصابہ ج ۸ ص ۱۲۱) (۲) اسابہ ۱۲۱ بحوالہ ابن سعد

(۳) اسابہ ص ۱۲۱ (۴) مسند ج ۶ ص ۳۷۳ (۵) اسد الغابہ ج ۵ ص ۴۸۷

حضرت شفاءؓ نے آنحضرت ﷺ اور حضرت عمرؓ سے چند حدیثیں روایت کی ہیں جن کی تعداد صاحب خلاصہ کے نزدیک بارہ ہے، رلو یوں میں ان کے بیٹے اور دو پوتے ابو بکر و عثمان اور ابو سلمہ، حضرت حصہؓ ہوا حق شامل ہیں۔
اخلاق :

اسد الغابہ میں ہے: (۱)

كانت من عقلاء النساء و فضلائهن

”یعنی وہ: کی عاقلہ اور فاضلہ تھیں“

حضرت عمرؓ نے ایک۔۔۔ تہ ان کو بلا کر ایک چادر عنایت کی اور عاتکہ بنت اسید کو ان سے بہتر چادر دی، تو یوں اس نے ہمارے ہاتھ غبار آلود ہوں، ان کو مجھ سے بہتر چادر دی حالانکہ میں ان سے پہلے مسلمان ہوئی تمہاری بنت عم بھی ہوں اس کے علاوہ تم نے مجھ کو طلب کیا تھا اور یہ خود چلی آئیں۔ حضرت عمرؓ نے جواب دیا کہ میں تمہیں عمدہ چادر دیتا لیکن جب یہ آگئیں تو مجھے ان کی رعایت کرنی پڑی کیونکہ یہ رسول اللہ ﷺ سے سب اقرب تر ہیں۔ (۲)

(۳۳) حضرت زینبؓ بنت ابی معاویہ

نام و نسب :

زینب نام، رانہ عرف، قبیلہ ثقیف سے تھیں۔ سلسلہ نسب یہ ہے: زینب بنت عبد اللہ، ابی معاویہ بن معاویہ بن عتاب بن اسعد بن غاضرہ بن حطیط بن جشم بن ثقیف۔

نکاح :

حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ سے نکاح ہوا، چونکہ ان کا کوئی ذریعہ معاش نہ تھا اور زینبؓ دستکار تھیں۔ اس لئے اپنے شوہر اور لولاد کی خود کفیل ہوئیں، ایک دن کہنے لگیں کہ تم نے اور تمہاری لولاد نے مجھ کو صدقہ و خیرات سے روک رکھا ہے، جو کچھ کماتی ہوں تم کو کھلا دیتی ہوں، بھلا اس میں میرا کیا فائدہ؟ حضرت ابن مسعودؓ نے جواب دیا تم اپنے فائدہ کی صورت نکال لو، مجھ کو تمہارا نقصان منظور نہیں حضرت زینبؓ آنحضرت ﷺ کے پاس پہنچیں اور عرض کی

(۱) اسد الغابہ ج ۵ ص ۴۸۶ (۲) ایضاً ج ۵ ص ۹۷؛ حالات عاتکہ

کہ میں دست کار ہوں اور جو کچھ اس سے پیدا کرتی ہوں شوہر اور بال بچوں پر صرف ہوتا ہے۔ کیونکہ میرے شوہر کا کوئی ذریعہ معاش نہیں ہے اس بناء پر میں محتاجوں کو صدقہ نہیں دے سکتی۔ اس حالت میں کیا مجھ کو کچھ ثواب ملتا ہے؟ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہاں تم کو ان کی خبر گیری کرنا چاہیے۔ (۱)

عام حالات :

حضرت زینبؓ کے حالات بہت کم معلوم ہیں سال وفات کا بھی یہی حال ہے۔

لولاد :

ابو عبیدہؓ جو اپنے زمانہ کے مشہور محدث گزرے ہیں حضرت زینبؓ کے نور نظر

تھے۔

فضل و کمال :

آنحضرت ﷺ کی حضرت عمرؓ اور ابن مسعودؓ سے چند حدیثیں روایت کیں، رلو یوں میں حسب ذیل اصحاب ہیں۔ ابو عبیدہؓ، عمرو بن حارث بن ابی ضرار، بسر بن سعید، عبید بن سباق، کلثوم، محمد بن عمرو بن حارث۔

اخلاق :

بارگاہ نبوت میں ان کو مخصوص درجہ حاصل تھا۔ اکثر آپ کے مکان میں آتی جاتی تھیں ایک دن وہ آپ کے سر کی جویں دیکھ رہی تھیں، مہاجرین کی لور عورتیں بھی بیٹھی ہوئی تھیں، ایک مسئلہ پیش ہوا تو انہوں نے اپنے کام چھوڑ کر بولنا شروع کیا آنحضرت ﷺ نے فرمایا تم آنکھ سے نہیں بولتی ہو کام بھی کرو لور گفتگو بھی۔ (۲)

(۳۴) حضرت اسماء بنت یزید

نام و نسب :

اسماء نام، ام سلمہ کنیت۔ سلسلہ نسب یہ ہے : اسماء بنت یزید بن السکن بن رافع بن امرء القیس بن زید بن عبد الاشہل بن جشم بن حارث بن خزرج بن عمرو بن مالک بن لوس۔

اسلام :

ہجرت کے بعد مسلمان ہوئیں اور چند عورتوں کے ساتھ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں بیعت کے لئے آئیں۔ آپ صحابہؓ کے مجمع میں تشریف فرماتے انہوں نے عرض کی کہ ”مسلمان عورتوں کی طرف سے ایک پیغام لے کر آئی ہوں خدا نے آپ کو مرد اور عورت سب کی ہدایت کے لئے بھیجا ہے، ہم نے آپ کی پیروی کی ہے اور آپ پر ایمان لائے ہیں لیکن ہماری حالت مردوں سے بالکل جداگانہ ہے، ہم پردہ نشین ہیں اس لئے جمعہ اور جماعت میں شریک نہیں ہو سکتے اور مرد جمعہ و جماعت میں شریک ہوتے ہیں، مریضوں کی عیادت کرتے ہیں، نماز جنازہ پڑھتے ہیں، حج کو جاتے ہیں اور سب سے بڑھ کر یہ کہ جہاد کرتے ہیں لیکن ان تمام صورتوں میں ہم گھر میں بیٹھ کر ان کی لولاد کو پالتے ہیں، گھروں کی حفاظت کرتے ہیں، کمپوزوں کے لئے چرخہ کاتتے ہیں، تو کیا اس صورت میں ہم کو بھی کچھ ثواب ملے گا؟“ آنحضرت ﷺ نے سنا تو صحابہؓ سے فرمایا کہ تم نے کسی عورت سے ایسی گفتگو بھی سنی ہے؟ لوگوں نے کہا نہیں، آپ ﷺ نے اسماء کو جواب دیا نہیں، آپ نے اسماء کو جواب دیا کہ عورت کے لئے شوہر کی رضا جوئی نہایت ضروری چیز ہے، اگر وہ فرائض زوجیت ادا کرتی ہے اور شوہر کی مرضی پر چلتی ہے تو مرد کو جس قدر ثواب ملتا ہے، عورت کو بھی اسی قدر ملتا ہے۔ (۱)

جامع ترمذی، لن سعد اور مسند لن حنبل میں اس بیعت کا کسی قدر تذکرہ آیا ہے۔
مسند میں ہے کہ اس بیعت میں اسماءؓ کی خالہ بھی شریک تھیں جو سونے کے کنگن اور انگوٹھیاں پہنے تھیں، آپ نے فرمایا ان کی زکوٰۃ دیتی ہو؟ بولیں نہیں تو فرمایا تو کیا تم کو یہ پسند ہے کہ خدا آگ کے کنگن اور انگوٹھیاں پہنائے، حضرت اسماءؓ نے کہا خالہ ان کو اتار دو، چنانچہ فوراً تمام چیزیں اتار کر پھینک دیں اسماءؓ نے کہا یا رسول اللہ! ہم زیور نہ پہنیں گے تو شوہر بے وقعت سمجھے گا ارشاد ہوا ”تو پھر چاندی کے زیور، نو لور ان پر زعفران مل لو کہ سونے کی چمک پیدا ہو جائے“
غرض ان باتوں کے بعد جب بیعت کا وقت آیا آنحضرت ﷺ نے زبانی چند اقرار کرائے حضرت اسماءؓ نے کہا یا رسول اللہ! ہم آپ سے بیعت کرتے ہیں، اپنا ہاتھ بڑھائے فرمایا، میں عورتوں سے مصافحہ نہیں کرتا۔

بعض روایتوں میں یہ بھی ہے کہ کنکن کا واقعہ خود حضرت اسماءؓ کا تھا۔ (۱)

عام حالات :

۱۴ ہجری میں حضرت عائشہؓ کی رخصتی ہوئی اور وہ اپنے میکہ سے کاشانہ نبوت میں آئیں، تو جن عورتوں نے ان کو سنوارا تھا ان میں حضرت اسماءؓ بھی داخل تھیں حضرت عائشہؓ کو جلوے میں بٹھا کر آنحضرت ﷺ کو اطلاع کی، آپ ان کے پاس آ کر بیٹھ گئے، کسی نے دودھ پیش کیا تو تھوڑا سا پی کر حضرت عائشہؓ کو دے دیا ان کو شرم معلوم ہوئی اور سر جھکا لیا، حضرت اسماءؓ نے ڈانٹا کہ رسول اللہ ﷺ جو دیتے ہیں، لے لو، حضرت عائشہؓ نے دودھ لے کر کسی قدر پی لیا اور پھر آنحضرت ﷺ کو واپس کر دیا آنحضرت ﷺ نے حضرت اسماءؓ کو دیا انہوں نے پیالہ کو گھٹنے پر رکھ کر گردش دینا شروع کیا کہ جس طرف سے آنحضرت ﷺ نے نوش فرمایا تھا وہاں بھی منہ لگ جائے اس کے بعد آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اور عورتوں کو بھی دو، لیکن سب نے جواب دیا کہ ہم کو اس وقت خواہش نہیں ہے ارشاد ہوا ”بھوک کے ساتھ جھوٹ بھی؟“ (۲)

۱۵ ہجری یرموک کا واقعہ پیش آیا اس میں حضرت اسماءؓ نے اپنے خیمہ کی چوب سے

۹ رومیوں کو قتل کیا۔ (۳)

وفات :

یرموک کے بعد مدت تک زندہ رہیں اور پھر وفات پائی، وفات کا سال معلوم نہیں

فضل و کمال :

حضرت اسماءؓ نے آنحضرت ﷺ سے چند حدیثیں روایت کی ہیں، جن کے رلوی اصحاب ذیل ہیں۔ محمود بن عمرو، انصاری، مہاجر بن ابی مسلم، شہر بن حوشب، مجاہد، ابیحق بن راشد لیکن ان میں سب سے زیادہ شہر بن حوشب نے رلویتیں کی ہیں۔

اخلاق :

استیعاب میں ہے :

كانت من ذوات العقل والدين

(۱) ان واقعات کے لئے دیکھو مسند ج ۶ ص ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۶۰، ۴۶۱ (۲) مسند ج ۶ ص ۴۵۸

(۳) اصباہ ج ۸ ص ۱۳

”یعنی وہ عقل لور دین دونوں سے متصف تھیں“

آنحضرت ﷺ کی خدمت کرتی تھیں (۱) ایک مرتبہ ناقہ غضباء کی مہار تھاے تھیں کہ آنحضرت ﷺ پر وحی نازل ہوئی ان کا مین ہے کہ وحی کا اتنا بار تھا کہ مجھے خوف ہوا کہ کہیں لوٹنی کے ہاتھ پاؤں نہ ٹوٹ جائے (۲) حضرت اسماءؓ اکثر اوقات کا شانہ نبوت میں حاضر ہوتیں ایک مرتبہ بیٹھی تھیں کہ آنحضرت ﷺ نے دجال کا ذکر فرمایا، گھر میں کھرام مچ گیا آنحضرت ﷺ دوبارہ واپس آئے تو وہی حالت قائم تھے فرمایا کیوں روتی ہو؟ حضرت اسماءؓ نے کہا ہماری حالت یہ ہے کہ لونڈی آتا گوندھنے بیٹھی ہے، ہم کو سخت بھوک ہوتی ہے وہ پکا کر فارغ نہیں ہوتی کہ ہم بھوک سے بیتاب ہو جاتے ہیں پھر دجال کے زمانہ میں جو قحط پڑے گا اس پر کیوں کر صبر کر سکیں گے (یعنی فوراً اس کے دام میں پھنس جائیں گے) آنحضرت ﷺ نے فرمایا: اس دن تسبیح و تکبیر بھوک سے بچائے گی پھر کھارونے کی ضرورت نہیں اگر میں اس وقت تک زندہ رہا تو میں خود سینہ سپر ہوں گا ورنہ میرے بعد خدا ہر مسلمان کی حفاظت کرے گا۔ (۳)

مہمان نواز تھیں (ایک بار حضرت) شہر بن حوشبؓ آئے تو (انہوں نے) ان کے سامنے کھانا رکھا (حضرت شہر بن حوشبؓ نے) انکار کیا تو آنحضرت ﷺ کا ایک واقعہ بیان کیا (جس سے یہ اشلہ مقصود تھا کہ انکار کرنا مناسب نہیں انہوں نے کھانا دوبارہ ایسی غلطی نہ کروں گا) (۴)

(۳۵) حضرت ام الدرداءؓ

نام و نسب :

ام الدرداءؓ دو تھیں۔ لور دونوں حضرت ابو الدرداءؓ کے عقد نکاح میں آئیں۔ لیکن جو بڑی تھیں وہ صحابیہ ہیں امام احمد بن حنبل لور یحییٰ بن معین کے قول کے مطابق ان کا نام خیرہ تھا لور ابو حدرداسلمی کی صاحب زلوی تھیں۔

وفات :

حضرت ابو الدرداءؓ سے دو سال قبل شام میں وفات پائی۔ یہ خلافت عثمانی کا زمانہ تھا۔

فضل و کمال :

حافظ لکن عبدالبر لکھتے ہیں :

(۱) مسند ج ۶ ص ۴۵۹ (۲) ایضاً ص: ۴۵۸ (۳) مسند ج ۶ ص ۴۵۳ (۴) ایضاً ۴۵۸

كانت من فضلى النساء و عقلاهن وذوات الراى فيهن (۱)

”وہ بڑی عاقلہ اور فاضلہ اور صاحب الرائے تھیں“

آنحضرت ﷺ اور حضرت ابو الدرداءؓ سے چند حدیثیں روایت کی ہیں ان کے شاگرد میمون بن مران ہیں جن کی سماعت پر جمہور کا اتفاق ہے حافظہ ابن عبد البر نے بعض اور روایوں کے نام بھی لکھے ہیں لیکن یہ سخت غلطی ہے کیوں کہ ان میں سے کسی نے ام الدرداءؓ کا زمانہ نہیں پایا۔

اخلاق:

نہایت عابدہ اور زاہدہ تھیں۔ (۲)

(۳۶) حضرت ام حکیمؓ

نام و نسب:

قریش کے خاندان مخزوم سے تھیں باپ کا نام حارث بن ہشام بن المغیرہ اور ماں کا نام فاطمہ بنت الولید تھا۔ فاطمہ حضرت خالد بن الولید کی ہم شیر تھیں۔

نکاح:

عکرمہ بن ابو جہل سے (جوان کے لن عم تھے) شادی ہوئی۔

عام حالات:

غزوہ احد میں کفار کے ساتھ شریک تھیں۔ لیکن جب ۸ ہجری میں مکہ فتح ہوا تو پھر اسلام سے چارہ نہ تھا ان کا خسر (ابو جہل) مکہ میں اسلام کا سب سے بڑا دشمن اور کفر کا سرغنہ رہ چکا تھا شوہر عکرمہ کی رگوں میں اسی کا خون دوڑتا تھا (ماموں) خالد بھی مدت سے اسلام سے برسر پیکار رہ چکے تھے لیکن بایں ہمہ ام حکیمؓ نے اپنی فطری سلامت روی کی بناء پر فتح مکہ میں اسلام قبول کرنے میں بہت عجلت کی۔ ان کے شوہر جان بچا کر یمن بھاگ گئے تھے ام حکیمؓ نے ان کے لئے امن کی درخواست کی تو رحمت عالم کا دامن عفو نہایت کشادہ تھا غرض یمن جا کر ان کو واپس لائیں اور عکرمہ نے صدق دل سے اسلام قبول کیا حضرت عکرمہؓ نے

(۱) اصباہ ج ۸ ص ۷۳

(۲) اصباہ ج ۸ ص ۷۳

مسلمان ہو کر اپنے تمام گناہوں کا کفارہ لیا کیا نہایت جوش سے غزوات میں شرکت کی اور بڑی پامردی اور جاں بازی سے لڑے حضرت ابو بکرؓ کے زمانہ خلافت میں رومیوں سے جنگ چھڑی۔ حضرت عکرمہؓ ام حکیمؓ کو لے کر شام گئے اور اجنادین کے معرکہ میں دلو شجاعت دیکر شہادت حاصل کی۔ حضرت ام حکیمؓ نے عدت کے بعد خالد بن سعید بن العاص سے نکاح کیا ۴۰۰ سودیہ مرہند حالور رسم عروسی لیا کرنے کی تیاریاں ہوئیں، چونکہ نکاح مرج الصفر میں ہوا تھا جو دمشق کے قریب ہے اور ہر وقت رومیوں کے حملہ کا اندیشہ تھا۔ حضرت ام حکیمؓ نے خالد سے کہا کہ ابھی توقف کرو، لیکن خالد نے کہا کہ مجھے اسی معرکہ میں اپنی شہادت کا یقین ہے، غرض ایک پل کے پاس جواب قطرہ ام حکیمؓ کہلاتا ہے، رسم عروسی لیا ہوئی دعوت ولیمہ سے لوگ فارغ نہیں ہوئے تھے کہ رومی آہنچے اور لڑائی شروع ہو گئی خالد میدان جنگ میں گئے اور شہادت حاصل کی، حضرت ام حکیمؓ اگرچہ عروس تھیں تاہم انھیں کپڑوں کو باندھ لیا اور خیمہ کی چوب اکھاڑ کر کفار پر حملہ کیا، لوگوں کا بیان ہے کہ انہوں نے اس چوب سے سات کافروں کو قتل کیا تھا۔ (۱)

وفات :

حضرت ام حکیمؓ کی وفات کا زمانہ معلوم نہیں، مولاد کا بھی یہی حال ہے۔

(۳۷) حضرت خنساءؓ

نام و نسب :

تماضر نام، خنساء لقب، قبیلہ قیس کے خاندان سلیم سے ہیں، سلسلہ نسب یہ ہے :
خنساء بنت عمرو بن الشریح بن رباح بن یثرب بن عصبہ بن خفاف بن امراء اھیس بن بہثہ بن سلیم بن منصور بن عکرمہ بن حصہ بن قیس بن عیلان بن مضر مجدی رہنے والی تھیں۔
نکاح :

پہلا نکاح قبیلہ سلیم کے ایک شخص رواحہ بن عبد العزیٰ سے ہوا، اس کے انتقال کے بعد مرواس بن ابو عامر کے عقد نکاح میں آئیں۔ (۲)

(۱) اصحابہ ج ۸ ص ۲۲۵ (۲) طبقات الشعراء لابن قتیبہ ص ۱۹۷ اسد الغابہ ج ۵ ص ۴۴۱

اسلام :

ہیری کا زمانہ تھا کہ مکہ کے افق سے ماہتاب رسالت طلوع ہوا، حضرت خنساءؓ کو خبر ہوئی تو اپنی قوم کے کچھ لوگوں کے ساتھ مدینہ میں آئیں اور مشرف باسلام ہوئیں، آنحضرت ﷺ دیر تک ان کے اشعار سنتے اور تعجب کرتے رہے، یہ ہجرت کے بعد کا واقعہ ہے۔
عام حالات :

حضرت عمرؓ کے زمانہ خلافت میں جب قادسیہ (عراق) میں جنگ ہوئی تو حضرت خنساءؓ اپنے چار بیٹوں کو لیکر میدان میں آئیں اور ان کو مخاطب کر کے یہ نصیحت کی، پیارے بیٹو! تم نے اسلام اور ہجرت اپنی مرضی سے اختیار کی ہے، ورنہ تم اپنے ملک کو بھاری نہ تھے، اور نہ تمہارے یہاں قحط پڑا تھا بلکہ جو اس کے تم اپنی بوڑھی ماں کو یہاں لائے اور فارس کے آگے ڈھل دیا خدا کی قسم! تم ایک ماں اور باپ کی ولاد ہو میں نے نہ تمہارے باپ سے خیانت کی اور نہ تمہارے ماموں کو رسوا کیا تم جانتے ہو کہ دنیا فانی ہے اور کفار سے جو جہاد کرنے میں بڑا ثواب ہے خدا تعالیٰ فرماتا ہے یا ایہا الذین امنوا اصبروا و صابروا و رابطوا اس بنا پر صبح اٹھ کر لڑنے کی تیاری کرو اور آخر وقت تک لڑو“ (۲) چنانچہ بیٹوں نے ایک ساتھ باگیں اٹھائیں اور نہایت جوش میں رجز پڑھتے ہوئے بڑھے اور شہید ہوئے حضرت خنساءؓ کو خبر ہوئی تو خدا کا شکر لیا۔

حضرت عمرؓ ان لڑکوں کو ۲۰۰ درہم سالانہ وظیفہ عطا کرتے تھے ان کی شہادت کے بعد یہ رقم حضرت خنساءؓ کو ملتی رہی۔ (۳)

وفات :

اس واقعہ کے دس برس کے بعد حضرت خنساءؓ نے وفات پائی۔ سال وفات ۲۴ھ

ہجری ہے۔

ولاد :

چار لڑکے تھے جو قادسیہ میں شہید ہوئے ان کے نام یہ ہیں ”عبداللہ“ ابو شجرہ (پہلے شوہر سے) زید، معاویہ (دوسرے شوہر سے)“
فضل و کمال :

اقسام سخن میں سے مرثیہ میں حضرت خنساءؓ اپنا جواب نہیں رکھتی تھیں صاحب

اسد الغلبہ لکھتے ہیں۔ (۱)

”اجمع اهل العلم بالشعراء لم تكن امرأة قبلها ولا بعدها اشعر منها
“یعنی ناقدانِ سخن کا فیصلہ ہے کہ خنساء کے برابر کوئی عورت شاعر نہیں پیدا ہوئی“
ایلائے انجیلیہ کو شعراء نے تمام شاعر عورتوں کا سر تاج تسلیم کیا ہے تاہم اس میں
بھی حضرت خنساءؓ کی گئی ہیں (۲) بازارِ عکاظ میں جو شعراء عرب کا سب سے بڑا مرکز
تھا، حضرت خنساءؓ کو یہ امتیاز حاصل تھا کہ ان کے خیمے کے دروازے پر ایک علم نصب ہوتا تھا،
جس پر یہ الفاظ لکھے تھے ارنی العرب یعنی عرب میں سب سے بڑی مرثیہ گو، بیخہ جو اپنے زمانہ
کا سب سے بڑا شاعر تھا اس کو حضرت خنساءؓ نے اپنا کلام سنایا تو بولا کہ اگر میں ابو بصیر (اعشی) کا
کلام نہ سن لیتا تو تجھ کو تمام عالم میں سب سے بڑا شاعر تسلیم کرتا“ (۳)
حضرت خنساءؓ ابتداءً ایک دو شعر کہتی تھیں لیکن صحر کے مرنے سے ان کو جو صدمہ
پہنچا اس نے ان کی طبیعت میں ایک ہیجان پیدا کر دیا تھا چنانچہ کثرت سے مرثیے لکھے ہیں یہ شعر
خاص طور پر مشہور ہیں :-

وان صخر التاتم الهداة به كانه علم في راسه نار

صحر کی بڑے بڑے لوگ اقتدا کرتے ہیں گویا وہ ایک پہاڑ ہے جس کی چوٹی پر آگ روشن ہے
حضرت خنساءؓ کا دیوان بہت ضخیم ہے ۸۸۸ء میں بیروت میں مع شرح کے چھاپا
گیا ہے اس میں حضرت خنساءؓ کے ساتھ ۶۰ عورتوں کے اور بھی مرثیے شامل ہیں ۸۸۹ء
میں اس کا فرنچ زبان میں ترجمہ ہوا اور دوبارہ طبع کیا گیا۔

(۳۸) حضرت ام حرامؓ

نام و نسب :

نام معلوم نہیں، ام حرام کنیت تھی، قبیلہ خزرج کے خاندان بنو نجار سے تھیں
سلسلہ نسب یہ ہے : ام حرام بنت ملحان بن خالد بن زید بن حرام بن جند بن عامر بن غنم بن عدی
بن نجار۔ والدہ کا نام ملیکہ تھا جو مالک بن عدی بن زید بن مناة بن عدی بن عمرو بن مالک بن نجار کی
دختر تھیں۔ اس بناء پر ام حرامؓ حضرت ام سلیمؓ کی بہن اور حضرت انسؓ کی خالہ ہوتی ہیں

(۱) ایضاً ص ۴۴۱ (۲) طبقات الشعراء ص ۲۷۱ (۳) ایضاً ص ۱۹۸

آنحضرت ﷺ سے بھی ان کا یہی رشتہ تھا۔

نکاح:

عمرہ بن قیس انصاریؓ سے ہوا۔^(۱) لیکن جب انہوں نے احد میں شہادت پائی تو حضرت عبادہ بن صامت کے عقد نکاح میں آئیں جو بڑے رتبہ کے صحابی تھے۔

عام حالات اور وفات:

آنحضرت ﷺ جب کبھی قباء کی طرف تشریف لے جاتے تو حضرت ام حرامؓ کے گھر آتے اور کھانا نوش فرماتے تھے حجۃ الوداع^(۲) کے بعد ایک روز آپ ﷺ تشریف لائے اور کھانا کھا کر آرام فرمایا تو حضرت ام حرامؓ نے جویں دیکھنا شروع کیں آپ کو نیند آگئی لیکن تھوڑی دیر کے بعد مسکراتے ہوئے اٹھے اور فرمایا میں نے ایک خواب دیکھا ہے اور وہ یہ کہ ”میری امت کے کچھ لوگ سمندر میں غرودہ کے ارادہ سے سوار ہیں“ حضرت ام حرامؓ نے کہا ”یا رسول اللہ! دعا کیجئے کہ میں بھی ان میں شامل ہوں“ آپ نے دعا کی اور پھر آرام فرمایا۔ کچھ دیر کے بعد پھر مسکراتے ہوئے اٹھے اور اسی خواب کا اعادہ کیا حضرت ام حرامؓ نے پھر اپنی شرکت کے لئے دعا کی درخواست کی فرمایا تم پہلی جماعت کے ساتھ ہو اس خواب کی تعبیر ۲۸ ہجری میں پوری ہوئی۔

حضرت امیر معاویہؓ حضرت عمرؓ کی طرف سے شام کے حاکم تھے انہوں نے متعدد بار جزائر پر حملہ کرنے کی خواہش ظاہر کی، لیکن حضرت عمرؓ نے اجازت نہیں دی حضرت عثمانؓ کے زمانہ خلافت میں انہوں نے اپنا ارادہ ظاہر کیا تو اجازت ملی، انہوں نے جزیرہ قبرس (سائپرس) پر حملہ کرنے کے لئے ایک بیڑا تیار کیا اس حملہ میں بہت سے صحابہ شریک تھے حضرت ابوذرؓ، حضرت ابو الدرداءؓ، حضرت عبادہ بن صامت، حضرت ام حرامؓ بھی ان ہی میں داخل تھیں^(۳) بیڑا حمص^(۴) کے ساحل سے روانہ ہوا اور قبرس فتح ہو گیا واپسی میں حضرت ام حرامؓ سواری پر چڑھ رہی تھیں کہ نیچے گریں اور جاں بحق تسلیم ہوئیں لوگوں نے ان کو وہیں دفن کر دیا۔^(۵)

(۱) تہذیب ج ۱۲ ص ۴۶۲ (۲) ذیلانی ج ۲ ص ۶۶ واصابہ ج ۸ ص ۲۲۲، ۲۲۳

(۳) اسد الغابہ ج ۵ ص ۵۷۵ (۴) ذیلانی ص ۶۱ (۵) بخاری ج ۲ ص ۹۲۹

لولاد :

حضرت ام حرامؓ سے ۳ لڑکے پیدا ہوئے پہلے شوہر سے قیس اور عبد اللہ اور حضرت عبادہؓ سے محمد۔
فضل و کمال :

آنحضرت ﷺ سے چند حدیثیں روایت کیں، رلویوں میں حضرت عبادہؓ، حضرت انسؓ، عمرو بن اسودؓ، عطاء بن یسار اور یعلیٰ بن شداد بن لوس ہیں۔

(۳۹) حضرت ام ورقہ بنت عبد اللہ

نام و نسب :

نام معلوم نہیں، ام ورقہ کنیت اور انصار کے کسی قبیلہ سے تھیں، سلسلہ نسب یہ ہے
ام ورقہ بنت عبد اللہ بن حارث بن عویم بن نوفل۔
اسلام :

ہجرت کے بعد مسلمان ہوئیں۔

غزوات :

غزوہ بدر پیش آیا تو انہوں نے آنحضرت ﷺ سے شرکت کی اجازت مانگی کہ
مریضوں کی تیمارداری کروں گی، ممکن ہے کہ اس سلسلہ میں شہادت نصیب ہو، آنحضرت ﷺ
نے فرمایا ”تم گھر میں رہو خدا تم کو وہیں شہادت عطا فرمائے گا“
شہادت :

چونکہ قرآن پڑھی ہوئی تھیں اور آنحضرت ﷺ نے ان کو عورتوں کا امام بنایا تھا۔
اس لئے درخواست کی کہ ایک مؤذن بھی مقرر فرمائیے چنانچہ مؤذن لڑان دیتا اور عورتوں کی
لامت کرتی تھیں^(۱) راتوں کو قرآن پڑھا کرتیں انہوں نے ایک لونڈی اور ایک غلام کو مدبر بنایا
یعنی اس شرط پر آزادی کا وعدہ کیا تھا کہ میرے بعد تم آزاد ہو ان بد بختوں نے اس وعدے سے
(ناجائز) فائدہ اٹھانا چاہا، اور رات کو ایک چادر ڈال کر ان کا کام تمام کر دیا یہ خلافت فاروقی کا واقعہ
ہے۔ صبح کو حضرت عمرؓ نے لوگوں سے پوچھا ”آج خالہ کے پڑھنے کی آواز نہیں آئی“ معلوم نہیں

(۱) عورتوں کی لامت کے متعلق دیباچہ کے ص ۱۰ پر ایک نوٹ ہے وہ ملاحظہ ہو

کیسی ہیں؟ مکان میں گئے تو دیکھا کہ ایک چادر میں لپیٹی پڑی ہوئی ہیں، نہایت افسوس ہوا اور فرمایا خدا اور رسول ﷺ نے سچ کہا تھا آنحضرت ﷺ فرمایا کرتے تھے ”شہیدہ کے گھر چلو“ اس کے بعد منبر پر چڑھے اور کہا غلام اور لونڈی دونوں گرفتار کئے جائیں، چنانچہ وہ گرفتار ہو کر آئے تو حضرت عمرؓ نے ان کو سولی پر لٹکادیا (یہ دونوں وہ پہلے مجرم ہیں) جن کو مدینہ منورہ میں سولی دی گئی۔^(۱)

(۴۰) حضرت ہند

نام و نسب :

ہند نام قبیلہ قریش سے تھیں، سلسلہ نسب یہ ہے۔ ہند بنت عتبہ بن ربیعہ بن عبد شمس بن عبد مناف، ہند کلاب قریش کا سب سے معزز نہیں تھا۔ نکاح :

فاکہ بن مغیرہ مخزومی سے نکاح ہوا، لیکن پھر کسی وجہ سے جھگڑا ہو گیا، تو ابو سفیان بن حرب کے عقد میں آئیں جو قبیلہ امیہ کے مشہور سردار تھے۔ عام حالات :

عتبہ، ابو سفیان اور ہند تینوں کو اسلام سے سخت عدولت تھی، اور وہ اسلام کی غیر معمولی ترقی کو نہایت رشک سے دیکھتے تھے۔ اور حتی الامکان اس کی راہ میں رکاوٹ پیدا کرتے تھے، ابو جہل ان سب کا سردار تھا لیکن جب بدر کے معرکہ میں جو اسلام اور کفر کا پہلا معرکہ تھا، قریش کے بڑے بڑے سردار مارے گئے اور ابو جہل اور عتبہ وغیرہ بھی قتل ہو گئے تو ابو سفیان، ابن حرب نے جو عتبہ کے دلاوتھے اس کی جگہ لی اور ابو جہل کی طرح مکہ میں ان کی سیادت مسلم ہو گئی چنانچہ بدر کے بعد سے جس قدر معرکے پیش آئے ابو سفیان سب میں پیش پیش تھے۔ غزوہ احد ان ہی کے جوش انتقام کا نتیجہ تھا اس موقع پر ان کے ساتھ ان کی بیوی ہند بھی آئی تھیں، جنہوں نے اپنے باپ کے انتقام میں سنگ دلی اور خون خواری کا ایسا خطرناک منظر پیش کیا جس کے تخیل سے بھی جسم لرز اٹھتا ہے حضرت حمزہؓ آنحضرت ﷺ کے چچا تھے انہوں نے عتبہ کو قتل کیا تھا ہند ان کی فکر میں تھیں۔

چنانچہ انہوں نے وحشی کو جو جبر بن مطعم کے غلام اور حربہ اندازی میں کمال رکھتے تھے حضرت حمزہؓ کے قتل پر آمادہ کیا تھا (یہ حضرت وحشیؓ کے قتل از اسلام کا واقعہ ہے) اور یہ اقرار ہوا کہ اس کارگزاری کے صلہ میں وہ آزلو کر دیئے جائیں گے، چنانچہ حضرت حمزہؓ جب ان کے برابر آئے تو وحشی نے حربہ پھینک کر مارا جو ناف میں لگا اور پار ہو گیا حضرت حمزہؓ نے ان پر حملہ کرنا چاہا لیکن لڑکھڑا کر گر پڑے اور روح پرواز کر گئی۔

خاتونان قریش نے انتقام بدر کے جوش میں مسلمانوں کی لاشوں سے بھی بدلہ لیا تھا ان کے ناک کان کاٹ لئے ہند نے ان پھولوں کا ہار بنایا اور اپنے گلے میں ڈالا حضرت حمزہؓ کی لاش پر گئیں اور ان کا پیٹ چاک کر کے کلیجہ نکالا اور چبا گئیں، لیکن گلے سے نہ اتر سکا۔ اس لئے اگل دینا پڑا (حضرت ابو سفیانؓ اور ہند کے یہ سب واقعات اسلام قبول کرنے سے پہلے کے ہیں) آنحضرت ﷺ کو اس فعل سے جس قدر صدمہ ہوا تھا اس کا کون اندازہ کر سکتا ہے؟ لیکن ایک اور چیز تھی جو ایسے نازک موقعوں پر بھی جبین رحمت کو شکن آلود نہیں ہونے دیتی تھی۔ اسلام:

چنانچہ جب مکہ فتح ہوا اور آنحضرت ﷺ لوگوں سے بیعت لینے کے لئے بیٹھے تو مستورات میں ہند بھی آئیں، شریف عورتیں عموماً نقاب پہنتی تھیں ہند بھی نقاب پہن کر آئیں جس سے اس وقت یہ غرض بھی تھی کہ کوئی ان کو پہچانے نہ پائے۔ بیعت کے وقت انہوں نے نہایت دلیری سے باتیں کیں جو حسب ذیل ہیں۔

ہند: یا رسول اللہ! آپ ہم سے کن باتوں کا اقرار لیتے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ: خدا کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرنا۔

ہند: یہ اقرار آپ نے مردوں سے تو نہیں لیا۔ لیکن بہر حال ہم کو منظور ہے۔

رسول اللہ ﷺ: چوری نہ کرنا۔

ہند: میں اپنے شوہر کے مال میں سے کبھی کچھ لے لیا کرتی ہوں معلوم نہیں۔ یہ بھی جائز ہے یا نہیں؟

رسول اللہ ﷺ: لولاد کو قتل نہ کرنا۔

ہند: رہینا ہم صغار و قتلہم کباراً فانت و ہم اعلم، ہم نے تو اپنے بچوں کو پالا تھا بڑے ہوئے تو جنگ بدر میں آپ نے ان کو مار ڈالا اب آپ لور و مباہم سمجھ لیں۔

(اس دیدہ دلیری کے باوجود) آنحضرت ﷺ نے ہند سے درگزر فرمایا۔ (ہند کے قلب پر اس کا بہت اثر ہوا) اور ان کے دل نے اندر سے گواہی دی کہ آپ سچ پیغمبر ہیں۔ انہوں نے کہا یا رسول اللہ ! اس سے پہلے آپ کے خیمہ سے زیادہ میرے نزدیک کوئی معوض خیمہ نہ تھا لیکن اب آپ کے خیمہ سے زیادہ کوئی محبوب خیمہ میرے نزدیک نہیں ہے۔^(۱)

حضرت ہند مسلمان ہو کر گھر گئیں تو اب وہ ہند نہ تھیں لیکن سعد نے لکھا ہے کہ انہوں نے گھر جا کر بت توڑ ڈالا اور کہا کہ ہم تیری طرف سے دھوکے میں تھے۔^(۲)

(اسد الغلبہ میں ان کے حسن اسلام کے متعلق لکھا ہے کہ اسلمت یوم الفتح و حسن اسلامها)^(۳)

غزوات :

فتح مکہ کے بعد اگرچہ اسلام کو اعلانیہ غلبہ حاصل ہو گیا تھا اور اس لئے عورتوں کو غزوات میں شریک ہونے کی ضرورت باقی نہیں رہی تھی تاہم جب حضرت عمرؓ کے عہد میں روم و فارس کی مہم پیش آئی تو بعض مقامات میں اس شدت کارن پڑا کہ مردوں کے ساتھ ساتھ عورتوں کو بھی تیغ و خنجر سے کام لینا پڑا چنانچہ شام کی لڑائیوں میں جنگ یرموک ایک یادگار جنگ تھی اس میں حضرت ہند اور ان کے شوہر حضرت ابو سفیانؓ دونوں نے شرکت کی اور فوج میں رومیوں کے مقابلہ کا جوش پیدا کیا۔

وفات :

حضرت ہندؓ نے حضرت عمرؓ کے عہد خلافت میں انتقال کیا اسی دن حضرت ابو بکرؓ کے والد ابو قحافہ نے بھی وفات پائی تھی۔ لیکن سعد کی روایت ہے کہ ان کی وفات حضرت عمرؓ کے زمانہ میں نہیں بلکہ حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں ہوئی کتاب الامثل سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے چنانچہ اس میں مذکور ہے کہ جب حضرت ابو سفیانؓ نے وفات پائی (ابو سفیانؓ نے حضرت عثمانؓ کے زمانہ خلافت میں وفات پائی ہے) تو کسی نے حضرت امیر معاویہؓ سے کہا کہ مجھ سے ہندؓ کا نکاح کر دو انہوں نے نہایت متانت سے جواب دیا کہ اب ان کو نکاح کرنے کی ضرورت نہیں۔^(۴)

(۱) صحیح بخاری (۲) اصلہ ج ۸ ص ۲۰۶ (۳) اسد الغلبہ ج ۵ ص ۵۶۲ (۴) اصلہ ج ۸ ص ۲۰۶

لولاد :

لولاد میں حضرت امیر معاویہؓ زیادہ مشہور ہیں۔

اخلاق :

حضرت ہند میں وہ تمام اوصاف موجود تھے جو ایک عرب عورت کے ملبہ الامتیاز ہو سکتے ہیں صاحب اسد الغلبہ نے لکھا ہے :

كانت امرأة لها نفس وانفته وراى و عقل^(۱)

”نفس میں عزت، غیرت، رائے تدبیر اور دانش مندی پائی جاتی تھی“

فیاض تھیں، حضرت ابو سفیانؓ ان کو ان کے صلہ کے مطابق خرچ نہیں دیتے تھے، اسلام لانے کے وقت جب آنحضرت ﷺ نے ان سے عہد لیا کہ چوری نہ کریں، تو انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! ابو سفیانؓ مجھے پورا خرچ نہیں دیتے اگر ان سے چھپا کر لوں تو جائز ہے؟ آپ نے اجازت دی۔^(۲)

(۴۱) حضرت ام کلثومؓ بن عقبہ

نام و نسب اور اسلام :

ام کلثوم کنیت، سلسلہ نسب یہ ہے : ام کلثوم بنت عقبہ بن ابی معیط، لئن ابی عمرو بن امیہ بن عبد شمس بن عبد مناف۔ والدہ کا نام اروی بنت کریم تھا۔ اس بناء پر حضرت عثمانؓ اور حضرت ام کلثومؓ اخیانی بھائی بہن ہیں ام کلثومؓ کا باپ عقبہ بن ابی معیط قبیلہ امیہ کا ایک ممتاز شخص تھا اس کو اسلام سے سخت عدوت تھی، لیکن خدا کی قدرت دیکھو! اس نے اس ظلمت کدہ میں ایمان کا چراغ روشن کیا یعنی اس کی صاحبزادی حضرت ام کلثومؓ مشرف بالاسلام ہوئیں۔ ہجرت :

سے ہجری میں صلح حدیبیہ کے بعد حضرت ام کلثومؓ نے مدینہ کی طرف ہجرت کی خزانہ کے ایک شخص کے ہمراہ مکہ سے پاپیادہ رولہ ہوئیں، چونکہ بھاگ کر نکلی تھیں اس لئے ان کے بھائی پیچھے سے آئے، مدینہ پہنچیں تو دوسرے دن وہ بھی پہنچ گئے، حضرت ام

(۱) اسد الغابہ ج ۵ ص ۶۲، (۲) بخاری

کَلْثُومٌ نے فریاد کی کہ مجھ کو اپنے ایمان کا خوف ہے میں عورت ہوں اور عورتیں کمزور ہوتی ہیں، آنحضرت ﷺ نے صلح نامہ میں یہ شرط کی تھی کہ قریش کا کوئی آدمی مدینہ آئے گا تو واپس کر دیا جائے گا اس لئے آپ کو فکر ہوئی لیکن چونکہ اس میں عورتیں داخل نہ تھیں اس لئے ان کے متعلق خاص یہ آیت اتری۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا جَاءَكُمْ الْمُؤْمِنَاتُ مُهَاجِرَاتٍ فَامْتَحِنُوهُنَّ اللَّهُ أَعْلَمُ

بِأِيمَانِهِنَّ فَإِنْ عَلِمْتُمُوهُنَّ مُؤْمِنَاتٍ فَلَا تَرْجِعُوهُنَّ إِلَى الْكُفَّارِ

”مسلمانو! جب تمہارے پاس مسلمان عورتیں ہجرت کر کے آئیں تو ان کو جانچ لو

خدا ان کے ایمان کو اچھی طرح جانتا ہے اب اگر تم کو معلوم ہو کہ وہ مسلمان ہیں تو ان کو کافروں کے ہاں واپس نہ بھیجو!“

اور آپ ﷺ نے اس کے مطابق حضرت ام کلثومؓ کو واپس کرنے سے انکار کر دیا۔

نکاح:

حضرت ام کلثومؓ اب تک کنواری تھیں اس لئے حضرت زید بن حارثہؓ سے کہ بڑے رتبہ کے صحابی تھے ان کا نکاح کیا گیا لیکن جب زیدؓ نے غزوہ موتہ میں شہادت پائی تو حضرت زبیرؓ بن العوام کے عقد نکاح میں آئیں لیکن انہوں نے طلاق دے دی اور حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ سے نکاح ہوا اور ان کی وفات کے بعد حضرت عمرو بن العاصؓ سے نکاح پڑھایا اور یہ آخری نکاح تھا۔

وفات:

ایک مہینہ کے بعد وفات پائی اس زمانہ میں حضرت عمرؓ والی مصر تھے۔

اولاد:

حضرت ام کلثومؓ کے حضرت زید اور حضرت عمرؓ بن عاصؓ سے کوئی اولاد نہیں پیدا ہوئی، لیکن حضرت زبیرؓ سے زینب اور حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ سے ابراہیم، حمید، محمد اور اسماعیل پیدا ہوئے۔

فضل و کمال:

حمید اور ابراہیم نے ان سے کچھ حدیثیں روایت کی ہیں۔

(۴۲) حضرت زینب بنت ابی سلمہ

نام و نسب :

زینب نام قبیلہ مخزوم سے ہیں۔ سلسلہ نسب یہ ہے: زینب بنت ابی سلمہ عبد اللہ بن عبد الاسد بن عمرو بن مخزوم حبشہ میں حضرت ام سلمہؓ کے بطن سے پیدا ہوئیں اور ان ہی کے ساتھ کچھ زمانہ کے بعد مدینہ کو ہجرت کی حضرت اسماء بنت ابی بکرؓ نے دودھ پلایا^(۱) پہلے برہ نام تھا آنحضرت ﷺ نے زینب نام رکھا۔^(۲)

عام حالات :

۳ ہجری میں ابو سلمہؓ نے وفات پائی تو حضرت ام سلمہؓ آنحضرت ﷺ کے عقد نکاح میں آئیں اس وقت زینب شیر خوار تھیں والدہ ماجدہ کے ساتھ آنحضرت ﷺ کے آغوش تربیت میں آئیں، آنحضرت ﷺ کو ان سے محبت تھی پیروں پر چلنے لگیں تو آنحضرت ﷺ کے پاس آئیں۔ آپ غسل فرماتے تو ان کے منہ پر پانی چھڑکتے تھے لوگوں کا میان ہے کہ اس کی یہ برکت تھی کہ بڑھاپے تک ان کے چہرے پر شباب کا آب درنگ باقی رہا۔ حضرت عبد اللہ بن زمرہ بن اسود اسدی سے شادی ہوئی دو لڑکے پیدا ہوئے جن میں ایک کا نام ابو عبیدہ تھا ۶۳ ہجری میں حرہ کی لڑائی میں دونوں کام آئے اور حضرت زینبؓ کے سامنے ان کی لاشیں لا کر رکھی گئیں۔ انہوں نے انا للہ پڑھا اور کہا کہ مجھ پر بہت بڑی مصیبت پڑی ایک تو میدان میں لڑ کر قتل ہوا، لیکن دوسرا تو خانہ نشین تھا لوگوں نے اس کو گھر میں گھس کر مارا۔

وفات :

بیٹوں کے قتل کے بعد دس برس زندہ رہیں اور ۳۷ ہجری میں انتقال فرمایا یہ طارق کی حکومت کا زمانہ تھا^(۳) حضرت لن عمر جنازہ میں تشریف لائے۔
فضل و کمال :

حضرت زینب فضل و کمال میں شرہ آفاق تھیں اور اس وصف میں کوئی عورت ان

(۱) اصحابہ ج ۸ ص ۹۶ بحوالہ ابن سعد (۲) مسلم ج ۲ ص ۲۳ باب استحباب تفسیر الاسم القبیح
الی حسن (۳) تہذیب جلد ۲ ص ۴۲۱

سے ہمسری کا دعویٰ نہیں کر سکتی تھی۔ اسد الغابہ میں ہے۔

كانت من افقه نساء زمانها^(۱)

”وہ اپنے عصر کی فقیہہ بیوی تھیں“

آنحضرت ﷺ سے کچھ حدیثیں روایت کیں آپ کے علاوہ حضرت ام سلمہؓ، حضرت عائشہؓ، حضرت ام حبیبہؓ اور حضرت زینب بنت جحشؓ سے بھی چند حدیثیں سنیں جن لوگوں نے ان سے یہ حدیث روایت کی ہے ان کے نام یہ ہیں:

امام زین العابدین، ابو عبیدہ، محمد بن عطاء، عراق بن مالک، حمید بن نافع، عروہ، ابو سلمہ، کلیب بن وائل، ابو قلابہ جرمی۔

(۴۳) حضرت ام ابی ہریرہ

نام و نسب:

اسمہ نام تھا باپ کا نام صبح یا صفحہ الحارث تھا۔

اسلام:

اگرچہ حضرت ابو ہریرہؓ جو ان کے صاحبزادے تھے، مسلمان ہو چکے تھے تاہم وہ مشرک تھیں ایک روز انہوں نے آنحضرت ﷺ کی شان میں گستاخی کی، تو حضرت ابو ہریرہؓ کو سخت ہنگوار ہوا، روتے ہوئے خدمت اقدس میں پہنچے اور کہا ”حضور! اب میری ماں کے مسلمان ہونے کے لئے دعا فرمائیے“ آنحضرت ﷺ نے دعا کی، ادھر ان کی حالت میں دفعۃً انقلاب پیدا ہو گیا۔ غسل کر کے کپڑے بدلے اور حضرت ابو ہریرہؓ کے سامنے کلمہ پڑھا حضرت ابو ہریرہؓ فرط مسرت سے کہہ دیا کہ لو کہ آنحضرت ﷺ کو خبر کی، آنحضرت ﷺ نے خدا کا شکر ادا کیا۔^(۲)

وفات:

وفات کی تاریخ معلوم نہیں۔

ولاد:

ولاد میں حضرت ابو ہریرہؓ زیادہ مشہور ہیں۔

(۴۴) حضرت خولہ بنت حکیم

نام و نسب :

خولہ نام ام شریک کنیت قبیلہ سلیم سے تھیں، آنحضرت ﷺ کی خالہ ہوتی ہیں^(۱)۔
نسب نامہ یہ ہے: خولہ بنت حکیم بن امیہ بن حارثہ بن الاوقص بن مرثد بن ہلال بن فالح بن زکوان
بن ثعلبہ بن بہشہ بن سلیم۔

نکاح :

حضرت عثمان بن مظعون سے جو بڑے رتبہ کے صحابی تھے۔ نکاح ہوا۔

عام حالات :

مسلمان ہو کر مدینہ کو ہجرت کی ۲۔ ہجری میں غزوہ بدر کے بعد حضرت عثمان بن مظعون نے وفات پائی تو خولہؓ نے دوسرا نکاح نہیں کیا اکثر پریشان رہتی تھیں صحیح بخاری میں روایت آئی ہے کہ انہوں نے اپنے کو آنحضرت ﷺ کی خدمت میں پیش کیا تھا۔^(۲)
فضل و کمال :

آنحضرت ﷺ سے ۱۵ حدیثیں روایت کیں رلویان حدیث میں حضرت سعد بن ابی وقاص سعید بن مسیب بھثر بن سعید لور عروہ لور ربیع بن مالک داخل ہیں۔
اخلاق :

اسد الغابہ میں ہے کانت امرأة صالحة "وہ ایک نیک بی بی تھیں" مسند میں ہے
تصوم النهار و تقوم الليل یعنی وہ دن کو روزہ رکھتی اور رات کو عبادت کرتی تھیں۔
ابتداء زیور کا بڑا شوق تھا چنانچہ ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ سے عرض کی کہ اگر
طائف فتح ہو تو آپ مجھ کو فلاں عورت کا زیور دے دیجئے گا آنحضرت ﷺ نے فرمایا اگر خدا اس
کی اجازت نہ دے تو پھر میں کیا کر سکتا ہوں۔^(۳)

(۱) مسند ج ۶ ص ۴۰۹ (۲) بخاری ج ۲ ص ۷۶ (باب هل للمرأة ان يهب نفسها لاحد و

تہنّب ج ۲ ص ۲۱۵ (۳) اسابہ ج ۸ ص ۷۰

(۴۵) حضرت حمزہ بنت محش

نام و نسب :

حمزہ نام حضرت زینبؓ کی ہم شیر ہیں سلسلہ نسب لو پر گزر چکا ہے۔

نکاح :

حضرت مصعب بن عمیر سے نکاح ہوا۔

اسلام :

لور ان ہی کے ساتھ دائرہ اسلام میں داخل ہوئیں۔

عام حالات :

مدینہ کی ہجرت کا شرف حاصل کیا اور جب آنحضرت ﷺ نے مہاجرین اور انصار کی عورتوں سے بیعت لی تو اس میں یہ بھی شامل ہوئیں مسند بن ضبل اور بن سعد وغیرہ نے اکثر عورتوں کے تذکرہ میں لکھا ہے کہ کانت من المبیعات اس سے یہی بیعت مراد ہے چنانچہ حضرت اسماء بنت یزید کے حالات میں بھی اس کا ذکر آئے ہیں۔

غزوات میں سے اُحد میں نمیلیں شرکت کی وہ پانی پلاتیں اور زخمیوں کا علاج کرتی تھیں ان کے علاوہ لور عورتیں بھی یہ خدمت انجام دے رہی تھیں چنانچہ رفیدہؓ اور ام کبشہؓ وغیرہ کی نسبت بھی اسی قسم کی تصریحات موجود ہیں۔

اس واقعہ میں حضرت حمزہؓ کے شوہر حضرت مصعب بن عمیر نے شہادت پائی جن کے بعد انہوں نے حضرت طلحہؓ سے کہ عشرہ مبشرہ میں سے تھے نکاح کیا۔

افک کے واقعہ میں منافقین کے ساتھ غلطی سے جو مسلمان شریک ہو گئے تھے ان میں حضرت حسانؓ اور حضرت مسطحؓ کے ساتھ حضرت حمزہؓ بھی تھیں چنانچہ صحیح بخاری میں حضرت عائشہؓ سے منقول ہے۔^(۱)

وطفقت اختها حمزة تحارب لها فهلكت فبمن هلك من اصحاب الافك

”یعنی حضرت زینبؓ کی بہن حمزہؓ برابر میرے خلاف رہیں یہاں تک کہ لور اصحاب

افک کی طرح برباد ہوئیں“

فتح الباری میں ہے کہ حضرت حمزہؓ کے شریک ہونے کی وجہ یہ تھی کہ حضرت عائشہؓ کو آنحضرت ﷺ کی نظروں سے گرا کر حضرت زینبؓ (اپنی بہن) کو بلند کریں^(۱) لیکن تعجب ہے کہ خود حضرت زینبؓ نے اس موقع سے فائدہ نہیں اٹھلایا چنانچہ اس کا تذکرہ ان کے حالات میں آچکا ہے۔

وفات :

وفات کا سنہ صحیح طور پر معلوم نہیں اتنا علم ہے کہ حضرت زینبؓ کی وفات تک زندہ تھیں حضرت زینبؓ نے ۲۰ ہجری میں وفات پائی ہے۔

ولاد :

حضرت طلحہؓ سے حضرت حمزہؓ کے دولڑکے پیدا ہوئے محمد اور عمران، محمد کو سجاد کے لقب سے شہرت تھی۔

تمت بالخیر

یعنی سیر الصحابیات ختم ہوئی
آگے اسوۃ صحابیات شروع ہوتی ہے

رضی اللہ عنہم و رضوانہ (القرآن)
اللہ اُن سے راضی ہوا اور وہ اللہ سے راضی ہوئے

انبیاء کرام کے بعد دنیا کے مقدس ترین انسانوں کی سرگزشت حیات

سید الصحابة

اسوۂ صحابیات

حصہ یازدہم (11)

جس میں خاص طور پر عورتوں اور لڑکیوں کے درس، ہدایت اور مطالعہ کے لئے ازواج مطہرات، بنات طہیات اور اکابر صحابیات کی زندگی کے مذہبی اخلاقی معاشرتی واقعات اور مذہبی اخلاقی اور علمی خدمات کی تفصیل مستند حوالوں سے لی گئی ہے

تحریر و ترتیب
جناب مولانا عبدالسلام ندوی

اردو بازار ایم ایس جیل روڈ
کراچی پاکستان 2213768

دارالاشاعت

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

دیباچہ

الحمد لله رب العلمين والصلاة والسلام على رسوله محمد وآله واصحابه اجمعين

عورتوں کی تعلیم و تربیت کے مسئلہ سے اصولاً کسی کو اختلاف نہیں ہے گفتگو جو کچھ ہے یہ ہے کہ موجودہ دور کی تعلیم و تربیت سے متمتع ہو کر ایک مسلمان عورت مذہب، اخلاق اور معاشرت کے قدیم اصول کو قائم رکھ سکے گی یا نہیں یا دوسرے الفاظ میں قدیم اسلامی روایات کا تحفظ کر سکے گی یا نہیں جن لوگوں کو مسئلہ تعلیم نسوان سے اختلاف ہے وہ اسی شبہ کو اپنی دلیل قرار دیتے ہیں اور موجودہ دور کے تعلیم یافتہ مردوں نے جو مذہبی اخلاقی اور معاشرتی نمونے قائم کئے ہیں ان سے بھی اس شبہ کی تائید ہوتی ہے اور غیر قوموں کی تعلیم یافتہ عورتوں نے بھی ہماری خواتین کے لئے کوئی عمدہ نمونہ نہیں قائم کیا ہے، لیکن اسلام کی قدیم تاریخ ہمارے سامنے مسلمان عورت کا بہترین اور اصلی نمونہ پیش کرتی ہے اور آج جب کہ زمانہ بدل رہا ہے، یورپین تمدن اور یورپین طرز معاشرت سے ہمارے جدید تعلیم یافتہ لوگ بھی بیزاری ظاہر کر رہے ہیں اگر ہماری عورتوں کے سامنے اسلام کی ممتاز اور برگزیدہ خواتین کا نمونہ پیش کر دیا جائے تو ان کی فطرتی تمکک ان سے بھی زیادہ متاثر ہو سکے گی اور موجودہ دور کے مؤثرات سے بیزار ہو کر خالص اسلامی اخلاق، اسلامی معاشرت اور اسلامی تمدن کا نمونہ بن جائے گی۔

اسلام کے ہر دور میں اگرچہ عورتوں نے مختلف حیثیتوں سے امتیاز حاصل کیا ہے لیکن ازواج مطہرات، بنات طیبات اور اکابر صحابیات ان تمام حیثیات کی جامع ہیں اور ہماری عورتوں کے لئے انہی کے مذہبی اخلاقی معاشرتی اور علمی کارنامے اسوۂ حسنہ بن سکتے ہیں اور موجودہ دور کے تمام معاشرتی اور تمدنی خطرات سے ان کو محفوظ رکھ سکتے ہیں، میں نے اسوۂ صحابہ کی دونوں جلدوں میں عمدہ صحابہ کے جو مذہبی اخلاقی معاشرتی اور علمی واقعات جمع کئے ہیں ان میں اگرچہ صحابیات کے یہ تمام کارنامے بھی نمایاں طور پر نظر آتے ہیں لیکن ان کی اہمیت ان کی عظمت اور ان کی اسلامی خدمت کے لحاظ سے میں نے ان واقعات کو جو اس کتاب کی

دونوں جلدوں میں متفرق طور پر موجود تھے متعدد واقعات کے اضافہ کے ساتھ اس مختصر سے رسالے میں الگ جمع کر دیا ہے جس سے ایک طرف تو یہ فائدہ ہوگا جبکہ صحابیاتؓ کی مذہبی، اخلاقی، معاشرتی اور علمی زندگی ایک مستقل حیثیت اختیار کرے گی، دوسری طرف ہماری عورتوں اور لڑکیوں کے درس ہدایت اور مطالعہ کے لئے مستند اور مؤثر واقعات کا ایک مجموعہ مرتب ہو جائے گا جس پر عمل کر کے وہ خالص اسلامی تعلیمات کا بہترین نمونہ بن جائیں گی اور ان کی تعلیم و تربیت کے متعلق جو شبہات ظاہر کئے جا رہے ہیں ان کی عملی تردید کر سکیں گی۔ و ما توفیقی الا باللہ

عبدالسلام ندوی
شبلی منزل، اعظم گڑھ، ۱۳ ستمبر ۱۹۲۲ء

بسم الله الرحمن الرحيم

قبول اسلام

لطافت طبع رقت قلب اور اثر پذیری ایک نیک سرشت انسان کا اصلی جوہر ہیں اور ان ہی کے ذریعہ سے وہ ہر قسم کی پند و موعظت، تعلیم و تربیت اور ارشاد و ہدایت کو قبول کر سکتا ہے پھولوں کی پتھڑیاں، نسیم صبح کی خاموش حرکت سے ہل جاتی ہیں، لیکن تلور درختوں کو باد صرصر کے جھونکے بھی نہیں ہلا سکتے، شعاع نگاہ آئینہ کے اندر سے گزر جاتی ہے لیکن پتھروں پر فولادی تیر بھی نہیں اثر کرتے بعینہ یہی حال انسان کا بھی ہے، لطیف الطبع اور رقیق القلب آدمی ہر دعوت حق کو آسانی سے قبول کر لیتا ہے لیکن سنگ دل اور غلیظ القلب لوگوں پر بڑے بڑے معجزے بھی اثر نہیں کرتے، اس فرق مراتب کی جزئی مثالیں ہر جگہ مل سکتی ہیں لیکن اشاعت اسلام کی تاریخ تمام تراسی قسم کی مثالوں سے لبریز ہے کفار میں ہم کو بہت سے اشیاء کا نام معلوم ہے جنہوں نے ہزاروں کوششوں کے بعد بھی خدائے ذوالجلال کے آگے سر نہیں جھکایا لیکن صحابہ کرامؓ میں سینکڑوں بزرگ ہیں جو توحید کی آواز کے سننے کے ساتھ ہی اسلام کے حلقے میں داخل ہو گئے، صحابہ کے ساتھ صحابیات بھی اس فضیلت میں شریک ہیں اور نہ صرف شریک ہیں بلکہ ان سے اسبق واقدم ہیں، چنانچہ سب سے پہلے حضرت خدیجہؓ نے بغیر کسی قسم کی کد و کاوش اور جبر و اکراہ کے اسلام قبول کیا اور اسلام قبول کرنے کے ساتھ ہی اپنے خدا کے آگے سر جھکایا، تاریخ خلیفہ میں^(۱) حضرت رافعؓ سے مروی ہے۔

قال النبی ﷺ بعثت یوم الاثنين وصلت خدیجة آخر یوم الاثنين و صلی

علی یوم الثلاثاء من الغد ثم زید بن حارثہ ثم ابوبکر .

”رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں دوشنبہ کے دن مبعوث ہوا اور خدیجہؓ نے اس دن کے

آخری حصہ میں نماز پڑھی اور علیؓ نے دوسرے دن منگل کو نماز پڑھی اس کے بعد زید بن حارثہؓ اور ابوبکرؓ شریک نماز ہوئے۔

جس سے ثابت ہوتا ہے کہ آفتاب رسالت سے پہلے دن جو شعاع افتح عالم پر چمکی

وہ ایک رقیق القلب مقدس خاتون کے سینہ پر نور سے چھن کر نکلی۔

اعلان اسلام :

ابتداءً اسلام میں اسلام قبول کرنے سے زیادہ اظہار اسلام کے لئے ہمت، شجاعت اور جسارت کی ضرورت تھی، لیکن باوجود کفار کی روک ٹوک اور روستم کے صحابہؓ کے ساتھ صحابیات نے بھی نہایت جرات و بیباکی کے ساتھ اپنے اسلام کا اظہار کیا، چنانچہ ابتداء میں جن سات بزرگوں نے اپنے اسلام کا اعلان کیا تھا، ان میں چھ آدمی یعنی خود رسول اللہ ﷺ اور حضرت ابو بکرؓ، حضرت بلالؓ، حضرت خبابؓ، حضرت صہیبؓ، حضرت عمارؓ، مرد تھے اور ساتویں ایک غریب صحابیہ یعنی حضرت عمارؓ کی والدہ حضرت سمیہؓ تھیں۔^(۱)

صحابیات نے اپنی نیک طبیعتی سے صرف آسانی کے ساتھ اسلام ہی کو قبول نہیں کیا، بلکہ انہوں نے نہایت آسانی کے ساتھ اسلام کی اشاعت بھی کی، چنانچہ صحیح بخاری کتاب التیمم میں ہے کہ صحابہ کرامؓ نے ایک سفر میں ایک عورت کو پکڑ کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پیش کیا، اس کے پاس پانی کے مشکیزے تھے اور صحابہؓ نے پانی ہی کی ضرورت سے اس کو پکڑا تھا، لیکن رسول اللہ ﷺ نے اس کا پانی لیا، تو اس کی قیمت لا فرمائی، اس کو آپ کی اس دیانت سے اسی وقت آپ کی نبوت کا یقین آگیا، اور اس کے اثر سے اس کا تمام قبیلہ بھی مسلمان ہو گیا۔
تخل شد اند :

صحابہ کرامؓ کے ساتھ صحابیات نے بھی اسلام کے لئے ہر قسم کی تکلیفیں برداشت کیں، اور ان کے ایمان میں ذرہ برابر بھی تزلزل واقع نہیں ہوا۔

حضرت سمیہؓ نے اسلام قبول کیا، تو ان کو کفار نے طرح طرح کی اذیتیں دینا شروع کیں، سب سے سخت اذیت یہ تھی کہ ان کو مکہ کی تپتی ریت میں لوہے کی زرہ پہنا کر دھوپ میں کھڑا کر دیتے تھے، لیکن بلائیں ہمہ وہ اسلام پر ثبات قدم رہتی تھیں، ایک دن کفار نے حسب معمول ان کو لوہے کی زرہ پہنا کر دھوپ میں زمین پر لٹا دیا تھا۔ اسی حالت میں رسول اللہ ﷺ کا گزر ہوا، تو فرمایا ”صبر کرو، تمہارا ٹھکانا جنت میں ہے“، لیکن کفار کی اس پر بھی تسکین نہیں ہوئی، اور ابو جہل نے ان کی ران میں برچھمار کر ان کو شہید کر دیا، چنانچہ اسلام میں سب سے پہلے شرف شہادت ان ہی کو نصیب ہوا^(۲)، اور صحابیات کی یہ سب سے بڑی فضیلت ہے کہ سب سے پہلے ایک صحابیہ نے اسلام قبول کیا، اور سب سے پہلے ایک صحابیہ نے شرف شہادت حاصل کیا۔

حضرت عمرؓ کی بہن جب اسلام لائیں اور حضرت عمرؓ کو اس کا حال معلوم ہوا، تو اس

(۱) تاریخ خمیس ص ۲۵۷ (۲) اسد الغابہ تذکرہ حضرت سمیہؓ ۱۲

قد رما کہ بدن لہو لہان ہو گیا، لیکن انہوں نے صاف صاف کہہ دیا کہ جو کچھ کرنا ہو کرو میں تو اسلام لایچکی^(۱) لینے کو بھی حضرت عمرؓ مارتے مارتے تھک جاتے تو کہتے کہ میں نے رحم کی بناء پر نہیں بلکہ تم کو اس وجہ سے چھوڑ دیا ہے کہ تھک گیا ہوں اسی طرح وہ زہیرہؓ کو جو ان کے گھرانے کی کنیز تھیں نہایت لذیت دیتے تھے۔
قطع علائق :

صحابہ کرامؓ ایمان لائے تو ان کے تمام رشتے ناتے منقطع ہو گئے لیکن اس سے ان کی قوت ایمانی میں کوئی تزلزل واقع نہیں ہوا صحابیات کی حالت اس معاملہ میں صحابہ کرامؓ سے بھی زیادہ نازک تھی انسان اگرچہ اپنے تمام اعزہ و اقارب کی اعانت کا محتاج ہو جاتا ہے لیکن عورت کی زندگی کا تمام تردد و مدار شوہر کی اعانت و امداد پر ہوتا ہے مگر وہ کسی حالت میں بھی اس سے بے نیاز نہیں ہو سکتی باپ بیٹے سے بیٹا باپ سے قطع تعلق کر کے زندگی بسر کر سکتا ہے لیکن عورت شوہر سے جدا ہو کر بالکل عکس و بچہ ہوتی ہے لیکن بائیں ہمہ صحابیاتؓ نے اسلام کے لئے اس نازک رشتے کو بھی منقطع کیا اور اپنے کافر شوہروں سے ہمیشہ کے لئے علیحدہ ہو گئیں چنانچہ صلح حدیبیہ کے بعد جب یہ آیت نازل ہوئی :

وَلَا تُمَسِّكُوا بَعْضَ الْكُوفَرِ
”کافرہ عورتوں سے تعلق نہ رکھو“

تو جس طرح صحابہ کرامؓ نے اپنی کافرہ عورتوں کو طلاق دیدی اسی طرح بہت سی صحابیاتؓ بھی اپنے کافر شوہروں کو چھوڑ کر ہجرت کر آئیں اور ان میں سے ایک بھی اپنے شوہر کے پاس واپس نہ گئی چنانچہ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں :

مَا نَعْلَمُ اِنْ اَحَدًا مِنَ الْمُهَاجِرَاتِ ارْتَدَّتْ بَعْدَ اِيْمَانِهَا^(۲)

”ہم کو کسی ایسی مہاجرہ عورت کا حال معلوم نہیں جو ایمان لا کر پھر مرتد ہوئی ہو“

عقائد

توحید :

کفار نے صحابیاتؓ کو طرح طرح کی لڑیتیں دیں لیکن ان کی زبان سے کلمہ توحید کے سوا کلمہ شرک نہیں نکلا حضرت ام شریکؓ ایمان لائیں تو ان کے اعزہ و اقارب نے ان کو دھوپ

(۱) ابضاء تذکرہ حضرت عمرؓ (۲) بخاری کتاب الشروط ذکر صلح حدیبیہ ۱۲

میں لیجا کر کھڑا کر دیا، اس حالت میں جب کہ وہ دھوپ میں جل رہی تھیں، روٹی کے ساتھ شہد جیسی گرم چیز کھلاتے اور پانی نہیں پلاتے تھے جب ان مصیبت میں تین دن گزر گئے تو ظالموں نے کہا کہ ”جس مذہب پر تم ہو اب اس کو چھوڑ دو“ وہ اس قدر بدحواس ہو گئی تھیں کہ ان جملوں کا مطلب نہ سمجھ سکیں اب ان لوگوں نے آسمان کی طرف انگلی اٹھا کر بتایا تو سمجھیں کہ توحید الہی کا انکار مقصود ہے، یوں خدا کی قسم میں تو اب تک اس عقیدہ پر قائم ہوں۔^(۱) شرک سے علیحدگی:

عورتیں قدیم رسم و رواج اور قدیم عقائد کی نہایت پابند ہوتی ہیں، اور عرب میں مشرکانہ عقائد ایک مدت سے پھیل کر قلوب میں راسخ ہو گئے تھے۔ لیکن صحابیات نے اسلام لانے کے ساتھ ان عقائد کا انکار کیا، عرب کا خیال تھا کہ جو لوگ عوں کی برائی سین کرتے ہیں وہ مختلف امراض میں مبتلا ہو جاتے ہیں، اس لئے حضرت زینہؓ اسلام لانے کے بعد اندھی ہو گئیں تو کفار نے کہنا شروع کیا ان کو لات اور عزیٰ نے اندھا کر دیا لیکن انہوں نے صاف صاف کہہ دیا کہ لات و عزیٰ کو اپنے پوجنے والوں کی کیا خبر، یہ خدا کی طرف سے ہے۔^(۲) زمانہ جاہلیت میں بچوں کے ہنچھونے کے نیچے استرہ رکھنا!

جاہلیت کے زمانہ میں بچوں کے ہنچھونوں کے نیچے استرا رکھ دیتے تھے اور سمجھتے تھے کہ اس طرح بچے آسیب سے محفوظ رہتے ہیں حضرت عائشہؓ نے ایک بار کسی بچے کے سر ہانے استرا دیکھا تو منع فرمایا اور کہا ”رسول اللہ ﷺ ٹوٹنے کو سخت ناپسند فرماتے تھے“^(۳) عرب میں شرک کا اصلی مرکز بت تھے جو گھر گھر میں نصب تھے لیکن صحابیات نے ہر موقع پر ان سے تیری ظاہر کی، چنانچہ حضرت ہند بنت عتبہؓ جب ایمان لائیں تو گھر میں جو بت نصب تھا اس کو توڑ پھوڑ ڈالا اور کہا کہ ”ہم تیری نسبت بڑے دھوکے میں مبتلا تھے“^(۴)

حضرت ابو طلحہؓ نے جب حضرت ام سلمہؓ سے نکاح کی خواہش کی تو انہوں نے کہا ”ابو طلحہ! کیا تم کو یہ خبر نہیں کہ جس خدا کو تم پوجتے ہو وہ ایک درخت ہے (یعنی لکڑی کا بت) جو زمین سے اٹکا ہے اس کو فلاں جہشی نے گڑھ کر تیار کیا ہے“ بولے مجھے معلوم ہے یوں تو کیا

(۱) طبقات ابن سعد تذکرہ حضرت ام شریک (۲) اسد الغابہ تذکرہ حضرت زینہ (۳) ادب الضرر باب الطیر من الجن (۴) طبقات ابن سعد تذکرہ ہند بنت عتبہ

تمہیں اس کی عبادت سے شرم نہیں آتی چنانچہ جب انہوں نے بت پرستی سے توبہ کر کے کلمہ توحید نہیں پڑھا انہوں نے ان سے نکاح کرنا پسند نہیں کیا۔^(۱)

رسول اللہ ﷺ کی نبوت پر ایمان :

رسول اللہ ﷺ کی نبوت کا اعتقاد نہ صرف صحابیات کے لوح دل پر کا نقش فی الحجر تھا بلکہ ان کی چھوٹی چھوٹی لڑکیوں کے دل میں بھی یہ عقیدہ نہایت شدت سے راسخ ہو گیا تھا ایک بار آپ نے ایک لڑکی کو بددعا دی کہ ”تیرا سن زیادہ نہ ہو“ اس نے شدت اعتقاد کی بناء پر اس کا یقین کر لیا اور حضرت ام سلیم کے پاس روتی ہوئی آئی اور کہا کہ آپ نے مجھ کو یہ بددعا دی ہے اب میرا سن نہ بڑھے گا وہ بدحواس آپ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور کہا کہ آپ نے میری قیمتی کویہ بددعا دیدی ”آپ ہنس پڑے اور فرمایا میں بھی آدمی ہوں اور آدمیوں کی طرح خوش اور رنجیدہ ہوتا ہوں پس جس کو میں ایسی بددعا دوں جس کا وہ مستحق نہیں ہے تو یہ اس کے لئے پاکی تزیئہ اور نیکی ہوگی“^(۲)

عبادات ابواب الصلوٰۃ

پابندی جماعت :

اگرچہ عورتوں پر جماعت کی پابندی فرض نہیں ہے اور اس بناء پر بعض غیور صحابہ جماعت میں اپنی عورتوں کی شرکت کو پسند بھی نہیں کرتے تھے تاہم بعض صحابیات پر اس کا کچھ اثر نہیں پڑتا تھا اور وہ مناسب اوقات میں نماز باجماعت لا فرماتی تھیں حضرت عمرؓ کی بی بی برابر عشاء اور فجر کی نماز میں شریک جماعت ہوتی تھیں ایک بار ان سے لوگوں نے کہا کہ تمہیں معلوم ہے کہ عمر اس کو پسند نہیں کرتے پھر کیوں ایسا کرتی ہو؟ لیں تو پھر روک کیوں نہیں دیتے۔^(۳)

نماز جمعہ :

عورتوں پر اگرچہ جمعہ فرض نہیں ہے تاہم صحابیات اس دن کی بہت عزت کرتی تھیں اور اس کی برکتوں میں عمدہ طریقوں سے شریک ہوتی تھیں ایک صحابیہ تھیں جو اپنے کھیتوں

(۱) طبقات ابن سعد تذکرہ حضرت ام سلیم (۲) مسلم کتاب الرد والصلۃ الاداب باب من لعنہ النبی ﷺ وسبہ ودعا علیہ (۳) بخاری باب هل علی من لا یشہد الجمعة غسل من النساء والصبيان وغيرہم

میں چقندر رو دیا کرتی تھیں جب جمعہ کا دن آتا تھا تو اس کو پکا کر نماز جمعہ کے بعد تمام صحابہؓ کو کھلاتی تھیں۔^(۱)
نماز اشراق:

نماز اشراق اگرچہ رسول اللہ ﷺ نے جیسا کہ حضرت ام ہانیؓ سے مروی ہے تمام عمر میں صرف ایک بار پڑھی ہے، لیکن بعض صحابیاتؓ نے اس کا التزام کر لیا تھا، چنانچہ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے اگرچہ رسول اللہ ﷺ کو کبھی نماز اشراق پڑھتے ہوئے نہیں دیکھا لیکن میں خود پڑھتی ہوں، کیونکہ آپ بہت سی چیزوں کو پسند فرماتے تھے لیکن اس پر عمل اس لئے نہیں کرتے تھے کہ امت پر فرض نہ ہو جائیں۔^(۲)
تہجد و نماز شبانہ:

صحابہ کرامؓ تہجد پڑھتے تھے تو اس میں صحابیاتؓ بھی شریک ہوتی تھیں، چنانچہ حضرت عمرؓ رات کو تہجد کے لئے اپنے اہل و عیال کو جگاتے تھے، تو یہ آیت پڑھتے تھے وَأْمُرْ أَهْلَكَ بِالصَّلَاةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا لَا نَسْأَلُكَ رِزْقًا نَحْنُ نَرْزُقُكَ وَالْعَاقِبَةُ لِلتَّقْوَى^(۳)
حضرت ابو ہریرہؓ نے رات کے تین حصے کر دیئے تھے ایک میں خود دوسرے میں ان کی بیوی اور تیسرے میں ان کا خادم تہجد پڑھتا تھا اور ایک دوسرے کو جگاتا تھا۔^(۴)

ابواب الزکوۃ والصدقات

زبور عورتوں کو سب سے زیادہ محبوب ہوتے ہیں، لیکن صحابیاتؓ کو خدا کی مرضی ان سے بھی زیادہ عزیز تھی، ایک بار رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں ایک صحابیہؓ اپنی لڑکی کو لیکر حاضر ہوئیں، لڑکی کے ہاتھ میں سونے کی موٹے موٹے کنگن تھے، آپ نے ان کو دیکھ کر فرمایا کیا تم اس پر زکوۃ دیتی ہو؟ بولیں نہیں! فرمایا: کیا تمہیں یہ اچھا معلوم ہوتا ہے کہ خدا قیامت کے دن اس کے بدلے اس کے ہاتھ میں آگ کے کنگن پہنائے، انہوں نے یہ سنا تو فوراً کنگن آپ کے سامنے ڈال دیئے کہ یہ خدا اور خدا کے رسول کے ہیں۔^(۵)

ایک بار رسول اللہ ﷺ نے خطبہ عید میں صدقہ و خیرات کی ترغیب دی صحابیاتؓ کا مجمع تھا، حضرت عبدال دامن پھیلانے ہوئے تھے اور صحابیاتؓ اپنے کان کی بالیاں سونے کے ہار اور

(۱) بخاری کتاب الجمعہ باب فی قول اللہ عزوجل فاذا قضیت الصلوۃ فانثربوا فی الارض وابتغوا من

فضل اللہ (۲) مسلم کتاب الصلوۃ باب استحباب صلوۃ الضحیٰ (۳) موطا کتاب الصلوۃ باب فی صلوۃ

اللیل (۴) بخاری کتاب الجمعہ باب الحنف (۵) ابو داؤد کتاب الزکوۃ باب الكنز ماہو وزکوۃ الحلی ۱۲

انگلیوں کے چھلے تک پھینکتی جاتی تھیں^(۱)۔ حضرت اسماءؓ کے پاس صرف ایک ہی لونڈی تھی۔ انہوں نے اس کو فروخت کیا اور روپیہ گود میں لیکر بیٹھیں، اسی حالت میں ان کے شوہر حضرت زبیرؓ آئے اور کہا کہ روپیہ مجھے دیدو، بولیں میں نے تو اس کو صدقہ کر دیا۔^(۲) اعزہ واقارب پر صدقہ کرنا:

ایک بار حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی بی بی ملی حضرت زینبؓ نے ان سے کہا کہ تم نادار آدمی ہو، رسول اللہ ﷺ کے پاس جاؤ اگر آپ اجازت دیں تو میں جو صدقہ کرنا چاہتی ہوں تمہیں کو دوں، لیکن حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے کہا کہ تمہیں جاؤ وہ آئیں، تو آستان مبارک پر اسی غرض سے ایک دوسری صحابہ بھی موجود تھیں، دونوں نے حضرت بلالؓ کے ذریعہ سے پوچھ لیا کہ دو عورتیں اپنے شوہروں اور چند یتیموں پر جو ان کی کفالت میں ہیں، صدقہ کرنا چاہتی ہیں، کیا یہ جائز ہے؟ آپؐ نے فرمایا ”ان کو دو دو ثواب ملیں گے، ایک قرأت کالور دوسرا صدقہ کا“ ایک بار حضرت ام سلمہؓ نے پوچھا کہ یا رسول اللہ ﷺ اگر میں ابو سلمہؓ کے لڑکوں پر صدقہ کروں تو مجھ کو ثواب ملے گا، میں ان کو چھوڑ نہیں سکتی، کیونکہ وہ میرے لڑکے ہیں، آپؐ نے فرمایا ہاں تمہیں ثواب ملے گا۔

ایک صحابیہؓ نے اپنی ماں کو ایک لونڈی صدیقہ دی تھی، ماں کا انتقال ہو گیا تو رسول اللہ ﷺ سے اس کی نسبت دریافت کیا آپؐ نے فرمایا ”صدقے کا ثواب تمہیں مل چکا اور اب وہ لونڈی تمہاری وراثت میں داخل ہو گئی“^(۳) محتاج کی حسب حاجت امداد:

صحابیات موت و حیات دونوں حالتوں میں اہل حاجت کی اعانت و امداد فرماتی تھیں، غزوہ احد میں حضرت صفیہؓ آئیں اور اپنے بھائی حضرت حمزہ سید الشہداء کے کفن کے لئے دو کپڑے لائیں، لیکن ان کی لاش کے پاس ایک انصاری کی لاش بھی اسی طرح برہنہ نظر آئی، دل میں شرمائیں کہ حمزہ دو کپڑوں میں کفنائے جائیں اور انصاری کے لئے ایک کپڑا بھی نہ ہو، ناپا تو ایک کا قد بڑا نکلا، مجبوراً کپڑے پر قرعہ ڈالا گیا، اور جو کپڑا جس کے حصہ میں پڑا وہ اسی میں کفنایا گیا۔^(۴)

(۱) ابوداؤد کتاب الصلوٰۃ باب الخطبہ و باب الصلوٰۃ بعد صلوٰۃ العید (۲) مسلم کتاب الاداب باب جواز ارواف المراء الاجنبیۃ (۳) ابوداؤد کتاب الزکوٰۃ باب من تصدق بصدقہ ثم ورثها (۴) مسند

ابواب الصوم

صائم الدہر رہنا:

آج ہماری عورتیں صوم مفروضہ میں بھی لیت و لعل کرتی ہیں لیکن بعض صحابیات صائم الدہر رہتی تھیں یعنی ہمیشہ روزہ رکھتی تھیں، حضرت ابولہامہؓ نے رسول اللہ ﷺ سے بار بار دعائے شہادت کی درخواست کی لیکن آپ نے سلامتی کی دعا فرمائی، اخیر میں عرض کی کہ کسی ایسے عمل کی ہدایت فرمائیے کہ خدا مجھے اس سے نفع دے، آپ نے روزہ رکھنے کا حکم دیا اور انہوں نے متصل روزہ رکھنے کا التزام کر لیا، ان کے ساتھ ان کے خادم اور بی بی نے بھی اس عمل صالح میں شرکت کی اور روزہ ان کے گھر کی امتیازی علامت ہو گئی اگر کسی دن ان کے گھر میں دھواں اٹھتا تو لوگ سمجھتے کہ آج ان کے گھر میں کوئی مہمان آیا ہے، ورنہ اس گھر میں دن کا کھانا کیونکر پک سکتا تھا۔^(۱)

نفل کے روزے رکھنا:

بعض صحابیہؓ نفل کے روزے رکھتی تھیں، جس سے ان کے شوہر کو تکلیف ہوتی تھی انہوں نے روکا تو ان کو سخت ناگوار ہوا اور رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں جا کر شکایت کی، لیکن آپ نے حکم دیا کہ عورت شوہر کی اجازت کے بغیر نفل کا روزہ نہیں رکھ سکتی۔^(۲) مردوں کی جانب سے روزہ رکھنا:

صحابیاتؓ نہ صرف اپنی طرف سے بلکہ اپنے مردوں کی جانب سے بھی روزے رکھتی تھیں، ایک صحابیہؓ نے رسول اللہ ﷺ سے کہا کہ میری ماں کا انتقال ہو گیا ہے اور اس پر روزے فرض تھے کیا میں ان کو پورا کر دوں؟ آپ ﷺ نے ان کو اجازت دیدی۔^(۳) اعتکاف:

صحابیاتؓ کو اعتکاف کا اس قدر شوق تھا کہ ایک بار رسول اللہ ﷺ نے اعتکاف کے لئے خیمہ نصب کرنے کا حکم دیا، تو حضرت عائشہؓ نے اپنا خیمہ الگ نصب کر لیا، ان کی دیکھا دیکھی تمام ازواج مطہراتؓ نے بھی خیمہ نصب کروائے۔^(۴)

(۱) مسند احمد بن حنبل جلد ۵ ص ۲۵۵

(۲) ابوداؤد کتاب الصیام باب المرأة تصوم بغیر اذن زوجها

(۳) بخاری کتاب الصوم باب من مات و علیہ صوم

(۴) ابوداؤد کتاب الصیام باب فی الاعتکاف

ایو اب الحج

حج :

فرائض اسلام میں اگرچہ حج صرف ایک بار فرض ہے لیکن صحابیاتؓ کو ایک بار کے حج سے کیا تسکین ہو سکتی تھی اس لئے تقریباً ہر سال فریضہ حج ادا کرتی تھیں ایک بار حضرت عائشہؓ نے رسول اللہ ﷺ سے جہاد کی اجازت چاہی تو آپ نے فرمایا 'بہترین جہاد حج مبرور ہے' اس کے بعد سے ان کا کوئی سال حج سے خالی نہ گیا۔^(۱)

صحابیاتؓ جس ذوق و شوق سے حج ادا کرتی تھیں اس کا موثر منظر حجتہ الوداع میں دنیا کو نظر آتا رسول اللہ ﷺ نے اعلان حج کیا تو حضرت اسماء بنت عمیسؓ اگرچہ حاملہ تھیں لیکن وہ بھی روانہ ہوئیں۔
بچہ کا حج :

بہت سے صحابہ حجتہ الوداع کی شرکت کے لئے جا رہے تھے راستے میں رسول اللہ ﷺ سے ملاقات ہوئی تو ایک صحابیہ جھپٹ کے آپ کے پاس آئیں اور ہودج سے اپنے بچے کو نکال کر پوچھا کیا اس کا حج بھی ہو سکتا ہے؟ فرمایا ہاں تمہیں اس کا ثواب ملے گا۔^(۲)
صحابیاتؓ فریضہ حج کے ادا کرنے میں طرح طرح کا التزام مالا یلتزم کرتی تھیں ایک صحابیہ نے خانہ کعبہ تک پا پیادہ جانے کی نذر مانی رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا تو آپ نے فرمایا پا پیادہ بھی چلو اور سوار بھی ہو لو (۳) اگر کسی مجبوری سے حج کے فوت ہو جانے کا اندیشہ ہو جاتا تھا تو صحابیات کو سخت صدمہ ہوتا تھا حجتہ الوداع میں حضرت عائشہؓ کو ضرورت نسوانی سے معذوری ہو گئی رسول اللہ ﷺ کا گزر ہوا تو دیکھا کہ رو رہی ہیں فرمایا کیا ماجرا ہے؟ بولیں کہ میں نے اب تک حج نہیں کیا تھا فرمایا سبحان اللہ یہ تو فطری چیز ہے تمام مناسک حج ادا کر لو صرف خانہ کعبہ کا طواف نہ کرو۔^(۴)

مال باپ کی طرف سے حج ادا کرنا :

صحابیاتؓ نہ صرف خود بلکہ اپنے مال باپ کی جانب سے بھی حج ادا کرتی تھیں حجتہ الوداع کے زمانہ میں ایک صحابیہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور کہا کہ میرے

(۱) بخاری کتاب الحج باب حج النساء (۲) ابوداؤد کتاب المناسک باب فی الصی الحج

(۳) بخاری کتاب الحج باب وجوب الحج و فضله (۴) ابوداؤد کتاب الحج مناسک باب فی افراد الحج

باپ پر حج فرض ہو گیا ہے لیکن وہ بڑھاپے کی وجہ سے سواری پر بیٹھ نہیں سکتے ہیں ان کی جانب سے حج ادا کر دوں؟ آپ ﷺ نے ان کو اجازت دیدی^(۱) ایک صحابیہ کی ماں کا انتقال ہو چکا تھا وہ آپ کی خدمت میں آئیں اور کہنا کہ میری ماں نے کبھی حج نہیں کیا کیا میں ان کی جانب سے یہ فرض ادا کر دوں؟ آپ ﷺ نے انکو بھی اجازت دیدی^(۲) عمرہ ادا کرنا:

عمرہ فرض ہو یا نہ ہو، لیکن صحابیات اس کو نہایت پابندی کے ساتھ ادا کرتی تھیں اور جب وہ فوت ہو جاتا تھا تو ان کو سخت قلق ہوتا تھا جب حجتہ الوداع میں رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا کہ جن لوگوں کے پاس ہدی نہ ہو وہ عمرہ ادا کر سکتے ہیں تو خیمے میں آکر دیکھا کہ حضرت عائشہؓ رو رہی ہیں وجہ پوچھی تو بولیں کہ میں ضرورت نسوانی سے مجبور ہوں لیکن لوگ دو فرض (حج و عمرہ) کا ثواب لیکر جاتے ہیں اور میں صرف ایک کا فرمایا کوئی حرج نہیں خدا تم کو عمرہ کا ثواب بھی عطا فرمائیں گے چنانچہ آپ نے حضرت عبدالرحمن بن ابی بکرؓ کو ساتھ کر دیا اور مقام تنعیم میں انہوں نے جا کر عمرہ کا احرام باندھا اور آدھی رات کو فارغ ہو کر آئیں۔^(۳)

ابواب الجہاد

شوق شہادت:

عہد نبوت میں شہادت ایک ابدی زندگی خیال کی جاتی تھی اس لئے ہر شخص اس آب حیات کا پیاسا رہتا تھا حضرت ام ورقہ بنت نوفلؓ ایک صحابیہ تھیں جب غزوہ بدر پیش آیا تو انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کی کہ مجھ کو شریک جہاد ہونے کی اجازت عطا فرمائی جائے میں مریضوں کی تیمارداری کروں گی شاید مجھے بھی درجہ شہادت حاصل ہو جائے آپ نے فرمایا گھر ہی میں رہو خدا تمہیں اسی میں شہادت دے گا یہ معجزانہ پیش گوئی کیونکر غلط ہو سکتی تھی انہوں نے دو غلام مدبر کئے تھے^(۴) دونوں نے انکو شہید کر دیا کہ جلد آزاد ہو جائیں۔^(۵)

(۱) بخاری کتاب الحج باب وجوب الحج و فضله (۲) مسلم کتاب الصوم باب قضاء الصیام من المیت ۱۲۰

(۳) بخاری ابواب العمرہ کتاب الحج (۴) مدرائج الملائمہ کو کہتے ہیں جن سے آقا کریمؐ بچے کہ وہ ان کی موت کے بعد

آزاد ہو جائیں گے اس لئے قدرتی طور پر یہ لوگ آقا کی موت کے متنبی ہوتے ہیں

(۵) ابو داؤد کتاب الصلوٰۃ باب امامۃ النساء

عمل بالقرآن

صحابیاتؓ پر قرآن مجید کا شدت سے اثر پڑتا تھا ایک بار حضرت عائشہؓ نے رسول اللہ ﷺ سے فرمایا کہ قرآن مجید کی یہ آیت:

مَنْ يَعْمَلْ سُوءًا يُجْزَ بِهِ

”جو شخص کوئی بھی برائی کرے گا اس کو اس کا بدلہ دیا جائے گا“

نہایت سخت ہے۔ شاد ہوا کہ عائشہؓ تم کو خبر نہیں کہ مسلمان کے پاؤں میں اگر ایک کانٹا بھی چبھ جاتا ہے تو وہ اس کے اعمال بد کا معاوضہ ہو جاتا ہے بولیں لیکن خدا تو کہتا ہے:

فَسَوْفَ يَحْسَبُ حِسَابًا يَسِيرًا

”خدا فوراً اسی برائی کا بھی حساب لے گا“

فرمایا ”اس کا مطلب یہ ہے کہ ہر عمل خدا کی بارگاہ میں پیش ہوگا عذاب اسی کو دیا جائے گا جس کے حساب میں رد و قدح“^(۱) ہوگی اس اثر پذیر ی کی کا نتیجہ یہ تھا کہ صحابیات نہایت سرعت کے ساتھ قرآن مجید کے احکام پر عمل کرنے کو تیار ہو جاتی تھیں، حضرت ابو حذیفہ بن عتبہؓ نے حضرت سالمؓ کو اپنا منہ بواپٹا بتایا تھا اس لئے زمانہ جاہلیت کے رسم و رواج کے مطابق ان کو حقیقی بیٹے کے حقوق حاصل ہو گئے تھے لیکن جب قرآن مجید کی یہ آیت:

ادْعُوهُمْ لِآبَائِهِمْ

”ان کو ان کے حقیقی باپوں کا بیٹا کہہ کر پکارو“

نازل ہوئی تو ان کی بی بی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور کہا کہ سالم پہلے ہمارے ساتھ گھر میں رہتے تھے اور ان سے کوئی پردہ نہ تھا اب آپ کا کیا حکم ہے؟ فرمایا کہ دودھ پلا دو وہ تمہارے رضاعی بیٹے ہو جائیں گے۔^(۲)

زمانہ جاہلیت میں عرب کی عورتیں نہایت بے پروائی کے ساتھ دوپٹے لوڑھتی تھیں اس لئے سینہ لور سر وغیرہ کھلا رہتا تھا اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلَىٰ جُجُوْبِهِنَّ

”عورتوں کو چاہیے کہ اپنے دوپٹوں کو اپنے سینوں پر ڈال دیں“

اس کا اثر یہ ہوا کہ عورتوں نے اپنے تہ بند اور متفرق کپڑوں کو پھاڑ کر دوپٹے بنائے

(۱) ابو داؤد کتاب الجنائز باب الامراض المكفرة للذنوب (۲) ابو داؤد کتاب النکاح باب من حرم به

لور اپنے آپ کو سیاہ چادروں سے اس طرح ڈھانپ توپ لیا کہ حضرت عائشہؓ کے قول کے مطابق یہ معلوم ہوتا تھا کہ ان کے سر کوؤں کے آشیانے بن گئے ہیں۔^(۱)

منہیات شرعیہ سے اجتناب

مزامیر سے اجتناب :

راگ باجا تو بوی چیز ہے، حضرت عائشہ کا یہ حال تھا کہ لونٹ کی گھنٹی کی آواز سننا بھی پسند نہیں کرتی تھیں اگر سامنے سے گھنٹی کی آواز آتی تو ساربان سے کہتیں کہ ٹھہر جاؤ تاکہ یہ آواز سننے میں نہ آئے اور اگر سن لیتیں تو کہتیں کہ تیزی کے ساتھ لے چلو کہ میں اس آواز کو نہ سن سکوں۔^(۲)

ایک بار ایک لڑکی ان کے گھر میں گھنگھر وپنے ہوئے داخل ہوئی گھنگھر وکی آواز سننے کے ساتھ ہی بولیں کہ گھنگھر وپنے ہوئے وہ میرے پاس نہ آنے پائے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ جس گھر میں اس قسم کی آوازیں آتی ہیں اس میں فرشتے نہیں آتے۔^(۳)

مشتبہات سے اجتناب :

حدیث شریف میں آیا ہے کہ جو چیز مشتبہ ہے اس کو چھوڑ کر وہ چیز اختیار کرو جو غیر مشتبہ ہے، حلال بھی واضح ہے اور حرام بھی لیکن ان کے درمیان مشتبہ چیزیں ہیں، پس جو شخص مشتبہ گناہوں کو چھوڑ دے گا وہ کھلے ہوئے گناہوں کا سب سے زیادہ چھوڑنے والا ہوگا اور جو شخص مشتبہ گناہوں کا مرتکب ہوگا بہت ممکن ہے کہ کھلے ہوئے گناہوں کا مرتکب ہو جائے گناہ خدا کی چراگاہ ہے اور جو شخص چراگاہ کے آس پاس چرے گا، ممکن ہے کہ اس کے مویشی اس میں پڑ جائیں، صحابیات اس حدیث پر نہایت شدت سے عامل تھیں، ایک صحابیہ نے اپنی لونڈی کو اپنی ماں پر صدقہ کر دیا تھا وہ مر گئیں تو اس لونڈی کی حالت مشتبہ ہو گئی، صدقہ کر چکی تھیں اور صدقہ کا مال واپس لینا جائز نہیں، ماں اس کی مالک ہو گئی تھی اور اس کے مرنے کے بعد یہ اس کی وارث ہو گئی تھیں اس لئے وہ ان کو وراثت میں مل سکتی تھی، اس اشتباہ کے رفع کرنے کے لئے وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور واقعہ بیان کیا، آپ نے فرمایا تمہیں صدقہ کا ثواب مل چکا

(۱) ابوداؤد کتاب اللباس باب فی قول اللہ تعالیٰ ولیضربن بخمرهن (۲) مسند احمد بن حنبل جلد

۶ ص ۱۵۲ (۳) مسند احمد بن حنبل جلد ۶ ص ۲۴۲

لور لبوہ تمہاری وراثت میں آگئی ہیں۔^(۱)
کافروں کا ہدیہ قبول کرنا :

حضرت اسماءؓ کی ماں قبیلہ کافرہ تھیں لور حضرت ابو بکرؓ نے زمانہ جاہلیت میں ہی ان کو طلاق دیدی تھی ایک بار وہ حضرت اسماءؓ کے پاس متعدد چیزیں ہدیہ لیکر آئیں چونکہ یہ کافرہ کا ہدیہ تھا اس لئے حضرت اسماءؓ نے ان کو قبول کرنے سے انکار کر دیا لور حضرت عائشہؓ کے ذریعہ سے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کر لیا آپ نے اس کو قبول کرنے کی اجازت دیدی۔^(۲)

مذہبی زندگی کے مظاہر مختلفہ

تبہج و تہلیل :

تبہج و تہلیل پاک مذہبی زندگی کی مخصوص علامات ہیں لور صحابیات میں یہ علامت پائی جاتی تھی ایک صحابیہؓ سامنے کنکری یا کھٹلی رکھ کر تبہج پڑھ رہی تھیں رسول اللہ ﷺ نے دیکھا تو فرمایا کہ اس کی کیا ضرورت ہے ؟ میں اس سے آسان ترکیب بتاتا ہوں اس کے بعد ایک دعا بتادی۔^(۳)

مقامات مقدسہ کی زیارت :

حصول برکت کا شوق صحابیات کو مقامات مقدسہ کی طرف کھینچ لئے جاتا تھا ایک بار ایک صحابیہؓ ہمارے ہوئیں لور یہ نذرمانی کہ اگر خدا شفا دے گا تو بیت المقدس میں جا کر نماز پڑھوں گی صحت یاب ہوئیں تو سامان سفر کیا لور رخصت ہونے کے لئے حضرت میمونہؓ کی خدمت میں حاضر ہوئیں انہوں نے کہا کہ مسجد نبوی ﷺ میں نماز پڑھ لو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ میری مسجد میں ایک نماز دوسری مساجد کی ہزار نمازوں سے بہتر ہے۔^(۴)
ایک صحابیہؓ نے مسجد قبا تک پایادہ جانے کی نذرمانی تھی ابھی نذر پوری ہونے نہیں پائی تھیں کہ انتقال ہو گیا حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے فتویٰ دیا کہ ان کی صاحبزادی نذر پوری کریں۔^(۵)

(۱) ابو داؤد کتاب الوصایا ماجاء فی الرجل یهب لہ تم یوصی لہ (۲) طبقات ابن سعد تذکرہ حضرت اسماءؓ
(۳) ابو داؤد ابواب تضریع شہر رمضان باب التسییح بالحصی (۴) مسلم باب فضل الصلوۃ فی مسجد المدینۃ و مکہ (۵) موطا امام محمد باب الرجل یحلف بالمشی الی بیت اللہ

فرائض مذہبی ادا کرنے میں جسمانی تکلیفیں اٹھانا :

”شوق عبادت ہر قسم کی جسمانی تکلیفوں کو آسان کر دیتا ہے اور صحابیات میں یہ شوق موجود تھا“ اس لئے وہ ہر قسم کی تکلیفیں برداشت کرتی تھیں، اور فرائض اسلام کو بخوشی ادا کرتی تھیں حضرت حمزہ بنت عکشمؓ ایک صحابیہ تھیں، ان کا معمول تھا کہ برابر مصروف نماز رہتی تھیں، جب تھک جاتی تھیں تو ستون مسجد میں ایک رسی باندھ رکھی تھی، اس سے لٹک جاتی تھیں، رسول اللہ ﷺ نے اس رسی کو دیکھا تو فرمایا، ان کو صرف اسی قدر نماز پڑھنی چاہیے جو ان کی طاقت میں ہو، اگر تھک جائیں تو بیٹھ جانا چاہیے، چنانچہ وہ رسی کھلوا کر پھنکوا دی۔^(۱) پابندی قسم :

ہم لوگ بات بات پر قسم کھایا کرتے ہیں اور ہم کو یہ محسوس نہیں ہوتا کہ یہ کس قدر ذمہ داری کا کام ہے، لیکن صحابیات بہت کم قسم کھاتی تھیں اور جس بات پر قسم کھا لیتی تھیں اس کو پورا کرتی تھیں ایک بار حضرت عائشہؓ عبد اللہ بن زبیرؓ سے ناراض ہو گئیں اور قسم کھالی کہ اب ان سے بات چیت نہ کریں گی، لیکن جب حضرت زبیرؓ نے معافی مانگی اور دوسرے صحابہؓ نے بھی ان کی سفارش کی تو رو کر کہنے لگیں :

انی نذرت والنذر شدید

”میں نے نذر مان لی ہے اور نذر کا پورا کرنا نہایت سخت ہے“

بلا آخر اصرار و سفارش سے ان کا قصور معاف کر دیا، تو کفارہ قسم میں ۴۰ غلام آزاد کئے۔^(۲)

تجلیل الرسول

برکت اندوزی :

صحابیات ہمیشہ رسول اللہ ﷺ کی ذات پاک سے برکت اندوز ہوتی رہتی تھیں اس لئے جو بچہ پیدا ہوتا، صحابیات سب سے پہلے اس کو آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر کرتیں، آپ بچے کے سر پر ہاتھ پھیرتے، اپنے منہ میں کھجور ڈال کر اس کے منہ میں ڈالتے اور اس کے لئے برکت کی دعا فرماتے۔^(۳)

(۱) ابو داؤد کتاب الصلوٰۃ باب النعاس فی الصلوٰۃ (۲) بحاری کتاب الادب باب الہجرۃ

(۳) مسلم کتاب الفضائل باب فی قلوب الناس و تبرکهم
محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

محافظت یادگار رسول ﷺ :

صحابیات رسول اللہ ﷺ کی یادگاروں کو جان سے زیادہ عزیز رکھتی تھیں، حضرت عائشہؓ کے پاس آپ کا ایک جبہ محفوظ تھا، جب ان کا انتقال ہوا تو حضرت اسماءؓ نے اسکو لے لیا اور محفوظ رکھا، چنانچہ جب کوئی شخص ان کے خاندان میں بیمار ہوتا تھا تو شفاء حاصل کرنے کے لئے اس کو دھو کر اس کا پانی پلاتی تھیں۔^(۱)

جن کپڑوں میں آپ کا وصال ہوا تھا، حضرت عائشہؓ نے ان کو محفوظ کر رکھا تھا، چنانچہ ایک دن انہوں نے ایک صحابی کو ایک یمنی تہ بند لور ایک کبیل دکھا کر کہا کہ خدا کی قسم آپ ﷺ نے ان ہی کپڑوں میں داعی اجل کو لبیک کہا تھا۔^(۲)

ایک بار ایک صحابیہ نے آپ کی دعوت کی، آپ نے کھانے کے بعد جس مشکیزہ سے پانی پیا اس کو انہوں نے محفوظ رکھا جب کوئی شخص بیمار ہوتا یا رکت حاصل کرنے کا موقع آتا تو وہ اس سے پانی پیتی اور پلاتی تھیں۔^(۳)

جب آپ حضرت انسؓ کے گھر تشریف لاتے تھے تو ان کی والدہ آپ کے پسینے کو نچوڑ کر ایک شیشی میں بھر لیتی تھیں اور اس کو محفوظ رکھتی تھیں۔^(۴)

غزوہ خیبر میں آپ نے ایک صحابیہ کو خود دست مبارک سے ایک ہار پہنایا تھا وہ اس کی اس قدر قدر کرتی تھیں کہ عمر بھر اس کو گلے سے جدا نہیں کیا اور جب انتقال کرنے لگیں تو وصیت کی کہ ان کے ساتھ وہ بھی دفن کر دیا جائے۔^(۵)

ایک دن آپ ام سلیمؓ کے مکان پر تشریف لائے، گھر میں ایک مشکیزہ لٹک رہا تھا، آپ نے اس کا دہانہ اپنے منہ سے لگایا اور پانی پیا، حضرت ام سلیمؓ نے مشکیزے کے دہانے کو کاٹ کر اپنے پاس بطور یادگار رکھ لیا۔^(۶)

آپ حضرت شفا بنت عبد اللہ کے یہاں کبھی کبھی قیلوہ فرماتے تھے، اس غرض سے انہوں نے آپ کے لئے ایک بستر لور ایک خاص تہ بند بنوایا تھا، جس کو پچن کر آپ استراحت فرماتے تھے، یہ یادگاریں ایک مدت تک ان کے خاندان میں محفوظ رہیں، اخیر میں مروان نے ان سے لے لیا۔^(۷)

(۱) مسند احمد بن حنبل جلد ۶ ص ۳۴۸ (۲) ابوداؤد کتاب اللباس باب فی لبس الصوف والتعبر

(۳) طبقات ابن سعد تذکرہ حضرت ام نیاز (۴) بخاری کتاب الاستیذان باب من راقوما فقال عنده

(۵) مسند ابن حنبل جلد ۶ ص ۳۸۰ (۶) ابوداؤد کتاب اللباس باب فی لبس الصوف والشعر

(۷) طبقات ابن سعد تذکرہ حضرت ام سلیم، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

ادب رسول :

صحابیات آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتیں تو دربار نبوت کے ادب و عظمت کے لحاظ سے تمام کپڑے زیب تن کر لیتیں ایک صحابیہ فرماتی ہیں :

جمعت علی ثیابی فاتیبت ^(۱) رسول اللہ ﷺ

”میں نے تمام کپڑے پہن لئے اور آپ کی خدمت میں حاضر ہوئی“

اگر نادانسی کی حالت میں بھی کوئی کلمہ آپ کی شان کے خلاف منہ سے نکل جاتا تو اس کی معافی چاہتیں ایک صحابیہ کا بچہ مر گیا تھا اور وہ اس پر رو رہی تھیں آپ کا گزر ہوا تو فرمایا ”خدا سے ڈرو اور صبر کرو“ بولیں تمہیں میری مصیبت کی کیا پروا ہے؟ آپ چلے گئے تو لوگوں نے کہا کہ یہ رسول اللہ ﷺ تھے دوڑی ہوئی آئیں اور عرض کی کہ میں نے حضور ﷺ کو نہیں پہچانا۔ ^(۲)

حمایت رسول اللہ ﷺ :

صحابیات اپنے دلوں میں نہایت شدت کے ساتھ آپ کی حمایت کی آرزو رکھتی تھیں حضرت طیب بن عمیرؓ اسلام لائے اور اپنی ماں اروی بنت عبدالمطلب کو اس کی خبر دی تو بولیں کہ ”تم نے جس شخص کی حمایت کی وہ اس کا سب سے زیادہ مستحق تھا اگر مردوں کی طرح ہم بھی استطاعت رکھتے تو آپ کی حفاظت کرتے اور آپ کی طرف سے لڑتے“ ^(۳)

خدمت رسول اللہ ﷺ :

صحابیات رسول اللہ ﷺ کی خدمت کو اپنا سب سے بڑا شرف خیال کرتی تھیں حضرت سلمیٰؓ ایک صحابیہ تھیں انہوں نے اس استقلال کے ساتھ آپ کی خدمت کی کہ ان کو خادم رسول اللہ ﷺ کا لقب حاصل ہوا۔ ^(۴)

سفینہ حضرت سلمہؓ کی والدہ کی لونڈی تھیں انہوں نے اس کو اس شرط پر آزاد کرنا چاہا کہ وہ اپنی عمر آپ کی خدمت گزاری میں صرف کرے اس نے کہا ”اگر آپ یہ شرط نہ بھی کرتیں تب بھی میں تانفس واپسین آپ کی خدمت سے علیحدہ نہ ہوتی“ ^(۵)

ہیبت رسول اللہ ﷺ :

رسول اللہ ﷺ کی پر عظمت روحانیت سے صحابیات اس قدر مرعوب ہو جاتی تھیں

(۱) ابو داؤد کتاب الطلاق باب فی عدة الحامل اسد الغابہ تذکرہ حضرت شفا بنت عبد اللہ

(۲) ابو داؤد کتاب الجنائز باب الصبر عند الصدمہ (۳) استیعاب تذکرہ حضرت طیب بن عمیرؓ

(۴) ابو داؤد کتاب الطب باب الحاجۃ (۵) ایضاً کتاب العتق باب فی العتق علی الشرط

کہ جسم میں ریشہ پڑ جاتا تھا ایک بار حضرت خدیجہؓ نے آپ ﷺ کو مسجد میں اکڑ بیٹھے ہوئے دیکھا ان پر آپ کے اس خشوع خضوع کی حالت کا یہ اثر پڑا کہ کانپ اٹھیں۔^(۱)
نعت رسول اللہ ﷺ :

صحابیات کی چھوٹی چھوٹی لڑکیاں تک آپ کی مدح میں رطب اللسان رہتی تھیں، آپ جب ہجرت کر کے مدینہ تشریف لائے تو لڑکیاں دف بجایا کر یہ شعر گاتی پھرتی تھیں۔

نجن جوار من بنی النجار
ہم خاندان بنو نجار کی لڑکیاں ہیں
یا حبذا محمدنا من جبار
محمد ﷺ کتنے اچھے پڑوسی ہیں
پردہ نشین عورتیں یہ اشعار پڑھتی تھیں :

طلع البدر علینا
من ثنات الوداع
ثنیۃ الوداع کی گھانٹوں سے ہم پر چودھویں رات کا چاند طلوع ہوا ہے
وجب الشکر علینا
مادعی اللہ داعی
جب تک دعا کرنے والے دعا کریں
ہم پر خدا کا شکر واجب ہے
حضرت عائشہؓ جب رخصت ہو کر آئیں تو لڑکیاں دف بجایا کر واقعات بدر کے متعلق اشعار گاتی تھیں ان میں سے ایک نے یہ مصرعہ گایا :
وفینا نبی یعلم ما فی غد
ہم میں ایک پیغمبر ہے جو کل کی بات جانتا ہے۔
تو آپ ﷺ نے اسے روک دیا اور کہا کہ وہی گاؤ جو پہلے گارہی تھیں۔^(۲)

پابند کی احکام رسول ﷺ

صحابیاتؓ رسول اللہ ﷺ کے احکام کی نہایت شدت کے ساتھ پابندی کرتی تھیں آپ نے شوہر کے علاوہ اور اعزہ کے ماتم کے لئے صرف تین دن مقرر فرمائے تھے، صحابیات نے اس کی اس شدت کے ساتھ پابندی کی کہ جب حضرت زینب بنت جحشؓ کے بھائی کا انتقال ہوا تو چوتھے دن کچھ عورتیں ان سے ملنے آئیں انہوں نے ان سب کے سامنے خوشبو لگائی اور

(۱) شمائل ترمذی باب ما جاء فی حلیہ رسول اللہ ﷺ

(۲) بخاری کتاب النکاح باب ضرب الدف فی النکاح

کہا کہ مجھے خوشبو کی ضرورت نہ تھی، لیکن میں نے آپ ﷺ سے سنا ہے کہ ”کسی مسلمان عورت کو شوہر کے سوا تین دن سے زیادہ کسی کا ماتم کرنا جائز نہیں“ اس لئے یہ اسی حکم کی تعمیل تھی۔ جب حضرت ام حبیبہؓ کے والد نے انتقال کیا تو انہوں نے تین روز کے بعد تیل لگایا، خوشبو لگائی اور کہا کہ ”مجھے اس کی ضرورت نہیں تھی“ صرف آپ ﷺ کے حکم کی تعمیل مقصود تھی“ (۱)

ایک بار حضرت عائشہؓ کے پاس ایک سائل آیا، انہوں نے ایک روٹی کا ٹکڑا دیدیا، پھر اس کے بعد ایک خوش لباس شخص آیا تو انہوں نے اس کو بٹھا کر خوب کھانا کھلایا، لوگوں نے اس تفریق و امتیاز پر اعتراض کیا، تو بولیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ :

انزلوا الناس علی قدر منازلہم

”لوگوں کو ان کے درجہ پر رکھو“

ایک بار آپ ﷺ مسجد سے نکل رہے تھے، دیکھا کہ راستے میں مرد و عورت مل جل رہے ہیں، عورتوں کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا ”پیچھے رہو تم وسط راہ سے نہیں گزر سکتیں“ اس کے بعد عورتوں کا یہ حال ہو گیا کہ گلی کے کنارے سے اس طرح لگ کے چلتی تھیں کہ ان کے کپڑے دیواروں سے الجھ جاتے تھے۔ (۲)

رضامندی رسول اللہ ﷺ :

صحابیات کو رسول اللہ ﷺ کی رضامندی کی ہمیشہ فکر رہتی تھی، اس لئے اگر آپ کبھی ناراض ہو جاتے تھے، تو ہر ممکن تدبیر سے آپ کے رضامندی کرنے کی کوشش کرتی تھیں، آپ جب حجتہ الوداع کے لئے تشریف لے گئے تو تمام بی بیوں ساتھ تھیں، سوء اتفاق سے راستہ میں حضرت صفیہؓ کا لونٹ تھک کر بیٹھ گیا وہ رونے لگیں، آپ کو خبر ہوئی تو خود تشریف لائے اور دست مبارک سے ان کے آنسو پونچھے، آپ جس قدر ان کو رونے سے منع فرماتے تھے، اسی قدر اور زیادہ روتی تھیں، جب کسی طرح چپ نہ ہوئیں تو آپ نے ان کی سرزنش فرمائی اور تمام لوگوں کو منزل کرنے کا حکم دیا، اور خود بھی اپنا خیمہ نصب کروایا، اب حضرت صفیہؓ کو خیال ہوا کہ آپ ان سے ناراض ہو گئے اس لئے آپ کی رضامندی کی تدبیریں اختیار کیں۔ اس غرض سے حضرت عائشہؓ کے پاس گئیں اور کہا کہ آپ کو معلوم ہے کہ میں اپنی

(۱) ابو داؤد کتاب الطلاق باب اعداد المتوفی عنہا زوجہا

(۲) ابو داؤد کتاب الادب باب فی مشی النساء فی الطريق

بلدی کا دن کسی چیز کے معاوضہ میں نہیں دے سکتی، لیکن اگر آپ رسول اللہ ﷺ کو مجھ سے راضی کر دیں تو میں اپنی باری کا دن آپ کو دیتی ہوں، حضرت عائشہؓ نے آمادگی ظاہر کی، اور ایک دوپٹہ لوڑھا جو زعفرانی رنگ میں رنگا ہوا تھا، پھر اس پر پانی کے چھینٹے دیئے کہ خوشبو خوب پھیلے اس کے بعد آپ کی خدمت میں حاضر ہوئیں، اور خیمہ کا پردہ اٹھلایا تو آپ ﷺ نے فرمایا، عائشہؓ یہ تمہاری باری کا دن نہیں ہے، بولیں۔

ذَٰلِكَ فَضْلُ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَّشَاءُ^(۱) یہ خدا کا فضل ہے جس کو چاہتا ہے دیتا ہے۔
تفویض الی الرسول ﷺ :

عورت کے لئے نکاح کا معاملہ سب سے اہم ہوتا ہے، لیکن صحابیاتؓ نے اپنے آپ کو بالکل رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ میں دیدیا تھا اس لئے آپ جس سے چاہتے تھے ان کا نکاح کر دیتے تھے، اور وہ خوشی اس کو قبول کر لیتی تھیں، حضرت فاطمہؓ بنت قیس ایک صحابیہ تھیں، جن سے ایک طرف تو حضرت عبدالرحمن بن عوف جو نہایت دولت مند صحابی تھے، نکاح کرنا چاہتے تھے دوسری طرف آپ نے حضرت اسامہؓ بن زید کے متعلق ان سے گفتگو کی تھی، لیکن حضرت فاطمہؓ بنت قیس نے آپ کو اپنی قسمت کا مالک بنا لیا تھا اور کہا کہ میرا معاملہ آپ کے ہاتھ میں ہے، جس سے چاہئے نکاح کر دیجئے۔^(۲)
حبیبؓ ایک ظریف الطبع صحابی تھے، جو راستوں میں بھی ظرافت اور مذاق کی باتیں کرتے تھے، اس لئے صحابہ کرامؓ ان کو عموماً ناپسند کرتے تھے، ایک بار آپ نے ان کے لئے ایک انصاری لڑکی سے نکاح کا پیغام دیا، انہوں نے کہا کہ اس کی ماں سے مشورہ کر لوں، ماں نے حبیبؓ کا نام سنا تو انکار کیا، لیکن لڑکی نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ کی بات نامنظور نہیں کی جاسکتی، مجھے آپ کے حوالہ کر دو، خدا مجھے ضائع نہ کرے گا۔ (مسند ج: ۴ ص: ۲۳۲)

ضیافت رسول اللہ ﷺ :

اگر خوش قسمتی سے صحابیاتؓ کو کبھی رسول اللہ ﷺ کی ضیافت کا موقع ملتا تو نہایت عزت، محبت اور لوب کے ساتھ اس فرض کو جالاتیں، ایک بار آپ حضرت ام حرامؓ کے مکان پر تشریف لے گئے تو انہوں نے دعوت کی آپ نے قبول فرمائی اور وہیں قیلولہ فرمایا۔^(۳)
ایک بار ایک صحابی نے آپ کی دعوت کی، دعوت کھا کر آپ رولنہ ہوئے تو ان کی بی بی نے پردے سے سر نکال کر کہا ”یا رسول اللہ ﷺ مجھ پر لور میرے شوہر پر درود بھیجتے جائیے“ آپ نے فرمایا خدا تم پر تمہارے شوہر پر رحمت نازل فرمائے“ (مسند ابن حنبل ج: ۳ ص: ۳۹۸)

(۱) مسند احمد بن حنبل جلد ۶ ص ۳۳۸ (۲) نسائی کتاب النکاح الخطیۃ فی النکاح

(۳) ابو داؤد کتاب الجہاد باب فی رکوب البحر فی الغزو

بعض صحابیات خود کوئی نئی چیز پکا کر آپ ﷺ کی خدمت میں پیش کرتی تھیں۔ ایک بار حضرت ام ایمن نے آٹا چانا لور اس کی روٹیاں تیار کر کے آپ کی خدمت میں پیش کیں آپ نے فرمایا یہ کیا ہے؟ بولیں "ہمارے ملک میں اسی کارولج ہے میں نے چاہا کہ آپ کے لئے بھی اسی قسم کی روٹیاں تیار کروں" لیکن آپ نے کمال زہد و تقشف سے فرمایا "آٹے میں چو کر ملا کر پھر گوندھو" (سنن ابن ماجہ کتاب الاطعمۃ)

محبت رسول اللہ ﷺ: صحابیات کے دل آپ کی محبت سے لبریز تھے لہذا وہ اظہار اس کا مختلف طریقوں سے کرتی تھیں، حضرت ام عطیہ ایک صحابیہ تھیں وہ جب آپ کا ذکر کرتیں تو فرط محبت سے کہتیں بلا یعنی میں آپ پر قربان آپ جب کسی غزوہ میں تشریف لے جاتے تو صحابیات فرط محبت سے آپ کی واپسی اور سلامتی کے لئے نذریں مانتی تھیں۔ ایک بار آپ کسی غزوہ سے واپس آئے تو ایک صحابیہ نے کہا کہ یا رسول اللہ میں نے نذر مانی تھی کہ اگر خدا آپ کو صحیح و سالم واپس لائے گا تو آپ کے سامنے دف بجا جا کر گیت گاؤں گی (ترمذی کتاب المناقب ابی حفص عمر بن خطاب)

شوق محبت رسول: صحابیات کے دل میں آپ کی محبت سے مستفیض ہونے کا شوق نہایت رہتا تھا، حضرت قیلہ بیوہ ہو گئیں تو بچوں کو ان کے چچا نے لے لیا اب وہ تمام دنیاوی جھگڑوں سے آزاد تھیں اس لئے ایک صحابی کے ساتھ خدمت مبارک میں حاضر ہوئی اور آپ کی تعلیمات و تعلیمات سے عمر بھر فائدہ اٹھایا (طبقات ابن سعد تذکرہ حضرت قیلہ)

فضائل اخلاق

استعفاف: فیض تربیت نبوی ﷺ نے صحابیات کے ایک ایک فرد کو غیرت، خودداری اور عزت نفس کا مجسمہ بنا دیا تھا اس لئے وہ کسی کے سامنے دست سوال نہیں پھیلاتی تھیں، ماں باپ سے مانگتے ہوئے کسی کو شرم نہیں آتی، لیکن صحابیات کی غیرت اس کو بھی گوارہ نہیں کرتی تھی کہ ماں باپ سے بھری محفل میں سوال کیا جائے، حضرت فاطمہ گھر کے کام کاج سے تنگ آگئی تھیں رسول اللہ ﷺ کے پاس کچھ لونڈی غلام آئے، حاضر خدمت ہوئیں کہ آپ سے ایک غلام مانگیں، دیکھا کہ آپ سے کچھ لوگ باتیں کر رہے ہیں، شرم کے مارے واپس آئیں۔ (ابوداؤد کتاب الادب باب فی التسیب)

ایثار: ایک اخلاقی وصف ہے، لیکن ایثار فیاضی کی اعلیٰ ترین قسم ہے، لہذا وہ صحابیات میں بدرجہ اتم پائی جاتی تھی، حضرت عائشہؓ نے رسول اللہ ﷺ اور حضرت ابو بکر صدیقؓ کے پہلو میں اپنی قبر کے لئے جگہ مخصوص کر رکھی تھی، لیکن جب حضرت عمرؓ نے ان سے درخواست کی تو انہوں نے یہ تحفہ جنت ان کو دے دیا اور فرمایا:

’كنت اريده لنفسي ولا ولون به اليوم على نفسي‘^(۱)

”میں نے خود اپنے لئے اس کو محفوظ رکھا تھا لیکن آج اپنے لو پر آپ کو ترجیح دیتی ہوں“
ایک دن وہ روزہ سے تھیں گھر میں ایک روٹی کے سوا کچھ نہ تھا ایک مسکین عورت آئی انہوں نے لوٹڈی سے کہا کہ روٹی اس کو دے دو اس نے کہا افطار کس چیز سے کیجئے گا یو لیس دے تو دو! شام ہوئی تو کسی نے بحری کا گوشت بھجوا لیا لوٹڈی کو بلا کر کہا یہ تیری روٹی سے بہتر ہے^(۲)
فیاضی: صحابہ کی طرح اسلام کو صحابیات کی فیاضی سے بھی بہت کچھ ثبات و استحکام حاصل ہوا حضرت ام سلیمؓ نے اپنا نخلستان خاص رسول اللہ ﷺ کے لئے وقف کر دیا تھا۔^(۳)

حضرت عائشہؓ اس قدر فیاض تھیں کہ جو کچھ ہاتھ آجاتا تھا اس کو صدقہ کر دیتی تھیں حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے ان کو فیاضی سے روکنا چاہا تو اس قدر ہم ہوئیں کہ ان سے بات چیت نہ کرنے کی قسم کھالی^(۴) حضرت اسماء ان سے بھی زیادہ فیاض تھیں حضرت عائشہؓ کا معمول یہ تھا کہ جمع کرتی جاتی تھیں جب معتد بہ سر ملایا جمع ہو جاتا تھا تو اسکو تقسیم کر دیتی تھیں لیکن حضرت اسماء کل کے لئے کچھ نہیں رکھتی تھیں روز کے روز خرچ کر دیا کرتی تھیں۔^(۵)

ایک بار حضرت معکد بن عبداللہ حضرت عائشہؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے یو لیس کہ تمہارے کوئی لڑکا ہے انہوں نے کہا نہیں فرمایا اگر میرے پاس درہم ہوتے تو میں تم کو دے دیتی حسن اتفاق سے شام ہی کو حضرت امیر معاویہ نے ان کے پاس روپے بچھے یو لیس کسی قدر جلد میری آزمائش ہوئی فوراً آدمی بصیغہ کر ان کو بلایا اور دس ہزار درہم دے دیئے انہوں نے اس رقم سے ایک لوٹڈی خرید لی اس سے ان کے متعدد بچے پیدا ہوئے۔^(۶)

ازولج مطہرات میں حضرت زینب بنت جحشؓ نہایت فیاض تھیں وہ اپنے ہاتھ سے چمڑے کی دباغت کرتی تھیں اور جو کچھ آمدنی اس سے ہوتی تھی مساکین کو دے دیتی تھیں ایک بار رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تم میں جس کا ہاتھ سب سے لمبا ہو گا وہ مجھ سے سب سے پہلے ملے گا اس بنا پر ازولج مطہرات اپنے ہاتھوں کو ناپتی تھیں حضرت زینب کے ہاتھ سب سے چھوٹے تھے لیکن جب سب سے پہلے ان کا انتقال ہوا تو ازولج مطہرات کو معلوم ہوا کہ لمبے ہاتھ سے فیاضی مروا تھی۔^(۷)

(۱) بخاری کتاب المناقب باب فضیلة الیعة

(۲) مؤطا امام مالک کتاب الجامع باب الترغیب فی الصدقة (۳) صحیح بخاری

(۴) بخاری کتاب المناقب باب مناقب قریش (۵) ادب المفرد باب السخاوة

(۶) طبقات ابن سعد تذکرہ منکر بن عبداللہ (۷) اصحابہ تذکرہ حضرت زینب بنت جحش

مخالف سے انتقام نہ لینا :

اگر مخالف کسی مصیبت میں مبتلا ہو جائے تو انتقام لینے کا اس سے بہتر کوئی اور موقع نہیں مل سکتا، لیکن صحابیات کے دل میں خدا اور رسول کی محبت نے بغض و انتقام کی جگہ کب چھوڑی تھی؟ حضرت عائشہ اور حضرت زینبؓ میں باہم نوک جھونک رہتی تھی، لیکن جب حضرت عائشہؓ پر اہتمام لگایا گیا اور رسول اللہ ﷺ نے حضرت زینبؓ سے ان کی اخلاقی حالت دریافت فرمائی تو بجائے اس کے کہ وہ انتقام لیتیں، بولیں کہ میں اپنے کان اور اپنی آنکھ کی پوری حفاظت کرتی ہوں، مجھے ان کی نسبت بھلائی کے سوا کچھ معلوم نہیں ہے حضرت عائشہؓ کو خود اعتراف ہے کہ :

وہی اللتی تسامینی فعصمها اللہ بالودع^(۱)

”وہ اگرچہ میری حریف تھیں، لیکن خدا نے تو برع کی وجہ سے ان کو چالیا“

انتقام تو بڑی چیز ہے، صحابیات اپنے مخالفوں سے بغض رکھنا بھی پسند نہیں کرتی تھیں، حضرت معاویہؓ بن خدیج نے حضرت عائشہؓ کے بھائی محمد بن ابی بکر کو قتل کر دیا تھا، ایک بار وہ کسی فوج کے سپہ سالار تھے، حضرت عائشہؓ نے ایک شخص سے پوچھا کہ اس غزوہ میں معاویہ کا سلوک کیسا رہا؟ اس نے کہا ”ان میں کوئی عیب نہ تھا“ سب لوگ ان کے مداح رہے، اگر کوئی اونٹ ضائع ہو جاتا تھا تو وہ اس کی جگہ دوسرا اونٹ دے دیتے تھے، اگر کوئی گھڑا مر جاتا تھا تو وہ اس کی جگہ دوسرا گھوڑا دے دیتے تھے، اگر کوئی غلام بھاگ جاتا تھا تو اس کی جگہ دوسرا غلام دیتے تھے، حضرت عائشہؓ نے سن کر کہا ”استغفر اللہ اگر میں ان سے بغض اس بنا پر رکھوں کہ انہوں نے میرے بھائی کو قتل کیا میں نے خود رسول اللہ ﷺ کو یہ دعا مانگتے ہوئے سنا کہ خدا! ”جو شخص میری امت کے ساتھ ملاحظت کرے تو بھی اس کے ساتھ ملاحظت کر اور جو شخص اس پر سختی کرے تو بھی اس پر سختی کر“^(۲)

مہمان نوازی :

حضرت ام شریکؓ نہایت دولت مند اور فیاض صحابیہ تھیں، انہوں نے اپنے مکان کو گویا مہمان خانہ بنا دیا تھا اس لئے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں باہر سے جو مہمان آتے تھے وہ اکثر انہیں کے مکان پر ٹھہرتے تھے۔^(۳)

(۱) بخاری کتاب الشهادات ۲۔ ۲۔ من النساء بعضہن بعضا (۲) اسد الغابہ تذکرہ حضرت معاویہ بن خدیج (۳) نسائی کتاب النکاح باب خطبہ فی النکاح

عزت نفس :

صحابیاتؓ عزت نفس کا مجموعہ تھیں، حضرت عبداللہ بن زبیر جس دن شہید ہوئے اس روز اپنی والدہ حضرت اسماءؓ کے پاس تشریف لے گئے، انہوں نے ان کو دیکھا تو یوں بیٹا قتل کے خوف سے ہر گز ایسی شرط قبول نہ کر لیتا جس پر تم کو ذلت برداشت کرنی پڑے خدا کی قسم عزت کے ساتھ تلوار کھا کر مرجانا اس سے بہتر ہے کہ ذلت کے ساتھ کوڑے کی مار برداشت کر لی جائے۔

صبر و ثبات :

مردوں پر نوحہ کرنا، بابل نوچنا، کپڑے پھاڑ ڈالنا، مدتوں مرثیہ خوانی کرنا عرب کا قومی شعار تھا لیکن فیض تربیت نبویؐ نے صحابیات کو صبر کا اس قدر خوگر بنا دیا تھا کہ حضرت ابو طلحہؓ انصاری کا لڑکھار ہوا وہ صبح کے وقت اس کو بے شمار چھوڑ کر کام کاج کے لئے باہر چلے گئے ان کی عدم موجودگی میں یہاں لڑکا جاں بحق تسلیم ہو گیا لیکن ان کی بی بی نے لوگوں سے کہہ دیا کہ ابو طلحہ سے نہ کہنا وہ شام کو پلٹے تو بی بی سے پوچھا کہ بچہ کیسا ہے؟ بولیں پہلے سے زیادہ سکون کی حالت میں ہے، یہ کہہ کر کھانا لائیں، اور انہوں نے کھانا کھلایا، صبح ہوئی تو کہا کہ اگر ایک قوم کسی کو کوئی چیز عاریتہ دے اور پھر اس کا مطالبہ کرے تو کیا اس کو اس کے رکھنے کا حق حاصل ہے؟ بولے ”نہیں“ بولیں ”تو پھر اپنے بیٹے کو بھی صبر کرو“ (۱)

رسول اللہ ﷺ غزوہ احد سے واپس آئے، تو تمام صحابیات اپنے اپنے اعزہ و اقارب کا حال پوچھنے آئیں، انہی میں حضرت حمنہ بنت جحش بھی تھیں، وہ آئیں تو آپؐ نے فرمایا کہ حمنہ! اپنے بھائی عبداللہ بن جحش کو صبر کرو، انہوں نے انا اللہ پڑھا اور ان کے لئے دعائے مغفرت کی، آپؐ نے پھر فرمایا کہ اپنے ماموں حمزہ بن عبد المطلب کو بھی صبر کرو، انہوں نے اس پر بھی انا اللہ پڑھا اور دعائے مغفرت کر کے خاموش ہو رہیں۔ (۲)

حضرت عبداللہ بن زبیر جب حجاج سے معرکہ آرا ہوئے تو ان کی والدہ حضرت اسماءؓ تھیں وہ ان کے پاس آئے، اور مزاج پر سی کے بعد بولے کہ مرنے پر آم ہے ”بولیں“ شاید تم کو میرے مرنے کی آرزو ہے، لیکن جب تک دوباتوں میں سے ایک نہ ہو جائے، میں مرنا پسند نہ کروں گی، یا تو تم شہید ہو جاؤ، اور میں تم کو صبر کر لوں، یا فتح و ظفر حاصل کرو کہ میری آنکھیں ٹھنڈی ہوں،

(۱) مسلم کتاب الادب باب استحباب تخليك اليهود عند ولاوتہ الخ

(۲) طبقات ابن سعد تذکرہ حضرت حمنہ بنت جحش

چنانچہ جب وہ شہید ہو چکے تو حجاج نے ان کو سولی پر لٹکا دیا، حضرت اسماء باوجود پیرانہ سالی کے یہ عبرت ناک منظر دیکھنے کے لئے آئیں، اور بجائے اس کے کہ وہ روتی پینتیں، حجاج کی طرف مخاطب ہو کر کہا اس سوار کے لئے ابھی تک وہ وقت نہیں آیا کہ اپنے گھوڑے سے نیچے اترے۔^(۱)

شجاعت :

غزوات میں صحابہ کرامؓ نے جس طرح دلو شجاعت دی، صحابیات کے بہادرانہ کارنامے اس سے بھی حیرت انگیز ہیں، غزوہ خنین میں کفار نے اس زور شور سے حملہ کیا تھا کہ میدان جنگ لرز اٹھا تھا، لیکن حضرت ام سلیم کی شجاعت کا یہ حال تھا کہ ہاتھ میں خنجر لئے ہوئے خطر تھیں کہ کوئی کافر سامنے آئے تو اس کا کام تمام کر دیں، چنانچہ حضرت ابو طلحہؓ نے ان کے ہاتھ میں خنجر دیکھا تو پوچھا کہ یہ کیا ہے؟ بولیں کہ چاہتی ہوں کہ کوئی کافر قریب آئے تو پیٹ میں بھونک دوں۔ (ابوداؤد کتاب الجہاد فی السلب يعطى القتال)

غزوہ خندق میں رسول اللہ ﷺ نے تمام عورتوں کو ایک قلعہ میں کر دیا تھا، ایک یہودی آیا، اور قلعہ کے گرد چکر لگانے لگا، حضرت صفیہؓ نے دیکھا تو حضرت حسان بن ثلت سے کہا کہ یہ جاسوس معلوم ہوتا ہے، اس کو قتل کر دو، بولے تمہیں تو معلوم ہے کہ میں اس میدان کا مرد نہیں، لب حضرت صفیہؓ خود اتریں، اور خیمہ کی ایک میخ اکھاڑ کر اس زور سے مارا کہ وہیں ٹھنڈا ہو گیا۔ (اسد الغابہ تذکرہ حضرت صفیہ بنت عبدالمطلب)

زہد و تقشف :

صحابیات نہایت زاہدانہ اور متشفانہ زندگی بسر کرتی تھیں، ایک بار ایک شخص حضرت عائشہؓ کی خدمت میں حاضر ہوا، بولیں ذرا ٹھیر جاؤ میں اپنی نقاب سی لو، اس نے کہا اگر میں لوگوں کو اس کی خبر کر دوں تو لوگ آپ کو غیل سمجھیں گے، بولیں ”جو لوگ پرانا دھڑا کپڑا نہیں پہنتے ان کو آخرت میں نیا کپڑا نصیب نہ ہوگا“^(۲)

زندہ دلی :

صحابیات کے جذبات کو اسلام نے تروتازہ اور شگفتہ کر دیا تھا، اس لئے ان میں زندہ دلی پائی جاتی تھی، عید کے دن معمولاً لڑکے اور لڑکیاں رسول اللہ ﷺ کے پاس جمع ہو کر باجے بجاتے تھے، گور مسرت کے ترانے گاتے تھے۔ بخاری کتاب العیدین باب منۃ العیدین لاهل الاسلام)

(۱) استیعاب تذکرہ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ (۲) ادب المفرد باب الرقی فی المعیشہ

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

رازداری :

صحابیات کا سینہ راز کا مدفن تھا جس سے وہ قیامت تک باہر نہیں نکل سکتا تھا ایک دن آپ کی خدمت میں تمام ازواج مطہرات جمع تھیں حضرت فاطمہ بھی اسی حالت میں آگئیں آپ نے ان کو مر حبا کہا اور اپنے دائیں جانب بٹھالیا اور آہستہ سے ان کے کان میں ایک بات کہی وہ چیخ مد کر رو پڑیں پھر آپ نے آہستہ سے ایک بات کہی جس سے وہ ہنس پڑیں آپ چلے گئے تو تمام بی بیوں نے اس کی وجہ پوچھی یو لیں میں آپ کی زندگی میں آپ کا راز فاش نہیں کر سکتی۔^(۱)

عفت و عصمت :

اسلام نے پاکیزگی اخلاق کی جو تعلیم دی ہے اس نے صحابیات کو عصمت و عفت کا مجسم بنادیا ایک صحابیہ کو جن کی اخلاقی حالت زمانہ جاہلیت میں اچھی نہیں تھی ایک شخص نے اپنی طرف مائل کرنا چاہا تو یو لیں ہٹو تب وہ زمانہ گیا اور اسلام آیا^(۲) اسلام کی تعلیم کا یہ اثر تھا کہ لوٹیں تک بدکاری سے ابا کرنے لگی بسید کہ ایک لوٹدی تھی جس نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آکر شکایت کی کہ میرا آقا مجھ کو بدکاری پر مجبور کرتا ہے اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

لَا تُكْرِهُوا فَتِيَابَكُمْ عَلَى الْبِغَاءِ^(۳)

”اپنی لوٹدیوں کو بدکاری پر مجبور نہ کرو“

اس جرم کا ارتکاب تو صحابیات سے بہت بعید تھا وہ اس کو گورا بھی نہیں کرتی تھیں کہ کسی نامحرم کی نگاہ بھی ان پر پڑے ایک بار حضرت مغیرہ بن شعبہ نے نکاح کرنا چاہا اور رسول اللہ ﷺ سے مشورہ طلب کیا آپ نے فرمایا کہ پہلے عورت کو جا کر دیکھ لو اس غرض سے اس کے گھر گئے عورت نے پردہ سے کہا ”اگر رسول اللہ ﷺ کا حکم ہے تو خیر ورنہ تمہیں خدا کی قسم۔“^(۴)

اس معصیت کا ارتکاب تو بڑی چیز ہے اگر خدا نخواستہ صحابیات پر کبھی اس قسم کا اہتمام بھی لگ جاتا تھا تو ان کے خرم عقل و ہوش پر عجلی گر پڑتی تھی حضرت عائشہ کے کانوں میں جب واقعہ افک کی بھنک پڑتی تو بے ہوش ہو کر گر پڑیں لرزہ چلا آگیا اور آنسوؤں کی جھڑی لگ گئی۔^(۵)

(۱) مسلم کتاب الفضائل مناقب فاطمہ (۲) مسند احمد بن حنبل جلد ۴ ص ۱۸۷ (۳) ابوداؤد کتاب الطلاق باب فی تعظیم الزناء (۴) سنن ابن ماجہ کتاب النکاح باب النظر الی المرأة اذا اراد ان یتزوجھا (۵) بخاری کتاب بدر الخلق باب قول اللہ عز وجل لقد کان فی یوسف و اخوته آیات للسانلین

حسن معاشرت

مصالحات اور صفائی :

اگر بہ مقتضائے فطرت انسانی صحابیات کسی سے ناراض ہو جاتی تھیں، تو ان کو اس چند روزہ ناگواری پر نہایت افسوس ہوتا تھا، ایک معاملہ میں حضرت عائشہؓ حضرت عبداللہ بن زبیر سے ناراض ہو گئیں، کوربات چیت نہ کرنے کی قسم کھالی، عفو تقصیر کے بعد جب ان کو یہ قسم یاد آتی تھی تو اس قدر روتی تھیں کہ دوپٹہ تر ہو جاتا تھا۔^(۱)

صلح رحم :

حضرت زینب اپنے اعزہ و اقارب کے ساتھ ہمسہ رحمی کا سلوک کرتیں تھیں، حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں :

ولم ارا امرأة قط خيرا في الدين من زينب واتقى الله و اصدق حديثا و اوصل للرحم^(۲)

”میں نے زینب سے زیادہ دیندار زیادہ پرہیزگار زیادہ سچی اور زیادہ صلہ رحمی کرنے والی عورت نہیں دیکھی“

حضرت اسماءؓ نے ایک جائیداد اور اہل بیت پائی تھی، اور ان کو ایک لاکھ کی رقم حضرت امیر معاویہ نے دی تھی، لیکن انہوں نے اس مال کو جائیداد کو حضرت قاسم بن محمد اور لن الی عتیق پر جو ان کے قرابت دار تھے، ہیہ کر دیا۔^(۳)

صحابیات کی صلہ رحمی صرف اعزہ کے ساتھ مخصوص نہ تھی بلکہ وہ کافر قرابت داروں کی قرابت کا بھی لحاظ رکھتی تھیں، حضرت اسماءؓ ہجرت کر کے مدینہ آئیں، تو ان کی والدہ کافرہ تھیں، ان کے پاس آئیں، اور مالی مدد مانگی، حضرت اسماءؓ نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت فرمایا کہ کیا وہ ان کے ساتھ صلہ رحمی کر سکتی ہیں آپ نے فرمایا ہاں،^(۴) چنانچہ انہوں نے ان کو مدد دی، حضرت صفیہؓ نے اپنے ایک یہودی قرابت دار کے لئے جائیداد کی وصیت کی تھی۔^(۵)

ہدیہ دینا :

حدیث شریف میں آیا ہے کہ ہدیہ از دیار محبت کا ذریعہ ہے اس لئے ایک دوسرے

(۱) بخاری کتاب الادب باب الهجرة (۲) مسلم کتاب الفضائل باب فضائل عائشہ (۳) بخاری

کتاب الہبة باب هبة الواحد للجماعة (۴) مسلم کتاب الزکوٰۃ باب فضل النفقة والصدقة علی الاقربین

(۵) مسند دارمی کتاب الوصایا باب الوصیۃ لاهل الذمہ پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

کے پاس عموماً ہدیہ بھیجا کرتی تھیں۔

حضرت لسیہ انصاریہؓ اس قدر مفلس تھیں کہ ان پر صدقہ کا مال حلال تھا تاہم اس حالت میں بھی وہ ازولج مطہرات کی خدمت میں ہدیہ بھیجتی تھیں ایک بار ان کے پاس صدقہ کی بحری آئی تو انہوں نے اس کا گوشت حضرت عائشہؓ کے پاس ہدیہ بھیجا^(۱) حضرت بریرہ کے پاس بھی جو صدقہ آتا تھا وہ ازولج مطہرات کو ہدیہ دے دیا کرتی تھیں۔^(۲) خادموں کے ساتھ سلوک :

صحابیات خادموں کے ساتھ جیسا سلوک کرتی تھیں اس کا اندازہ صرف اس واقعہ سے ہو سکتا ہے کہ ایک بار رات کو عبد الملک اٹھالور اپنے خادم کو آواز دی اس نے آنے میں دیر لگائی تو اس نے اس پر لعنت بھیجی، حضرت ام الدرداء اس کے محل میں تھیں صبح ہوئی تو کہا کہ تم نے رات اپنے خادم پر لعنت بھیجی، حالانکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ لعنت بھیجنے والے قیامت کے دن شفعاء یا شہدائے ہوں گے۔^(۳)

باہمی اعانت :

صحابیات مصیبت میں دوسروں کی اعانت فرماتی تھیں، لور ہمسایہ صحابیات اپنی پڑوسنوں کو ہر قسم کی مدد دیتی تھیں، حضرت اسماء کو روٹی پکانا نہیں آتی تھی، لیکن ان کی پڑوسنیں ان کی روٹی پکایا کرتی تھیں۔^(۴)

اگر عورتوں کو اپنے شوہروں سے شکایت پیدا ہوتی، تو وہ حضرت عائشہؓ کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنا درد دکھ سکتی تھیں، وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں نہایت پر زور طریقے سے ان کی سفارش کرتی تھیں، ایک بار ان کی خدمت میں ایک عورت سبز دوپٹہ لوڑھ کر آئی، لور جسم کھول کر دکھایا کہ شوہر نے اس قدر مارا ہے کہ بدن پر نیل پڑ گئے ہیں، رسول اللہ ﷺ تشریف لائے تو حضرت عائشہؓ نے کہا کہ مسلمان عورتیں جو مصیبت برداشت کر رہی ہیں، ہم نے ایسی مصیبت نہیں دیکھی، دیکھئے اس کا چڑا دوپٹہ سبز ہو گیا ہے بخاری کی اس روایت کے آخر میں عموماً عورتوں کی نسبت یہ الفاظ ہیں۔

والنساء ینصرن بعضھن بعضاً

(۱) بخاری کتاب الزکوۃ باب قدر کم یعطی من الزکوۃ والصدقۃ ومن اعطی شاة (۲) مسلم کتاب الزکوۃ باب اباحۃ الہدیۃ للنبی ﷺ ولبنی ہاشم ولبنی عبدالمطلب وان کان المہدی ملکھا بطریق الصدقہ (۳) کتاب البر والصلۃ والآداب باب النہی عن لعن الدواب وغیرھا (۴) مسلم کتاب الآداب باب ارداف المرأة الاجنبیۃ اذا لیت علی الطريق و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

”عورتوں کی یہ فطرت ہے کہ ایک دوسرے کی اعانت کرتی ہیں“^(۱)

ایک شخص کی بی بی بی بیمار تھیں وہ حضرت ام الدرداءؓ کے پاس آئے انہوں نے حال پوچھا تو انہوں نے کہا بی بی بیمار ہے اب انہوں نے ان کو بٹھا کر کھانا کھلایا اور جب تک ان کی بی بی بیمار رہیں حال پوچھتیں اور کھانا کھلاتی رہیں۔^(۲)

عیادت :

صحابیات ہر ممکن طریقہ سے مریضوں کی عیادت کرتی تھیں ایک بار اہل صفہ میں سے ایک صحابی بیمار تھے حضرت ام الدرداءؓ لونٹ پر سوار ہو کر آئیں اور ان کی عیادت کی۔^(۳)

تیمارداری :

صحابیات نہایت دل سوزی سے مریضوں کی تیمارداری کرتی تھیں، حضرت عبداللہ بن مظعونؓ بیمار ہوئے تو حضرت ام الحساءؓ اور ان کے تمام خاندان نے ان کی تیمارداری کی ان کا انتقال ہو گیا تو کفن پہنانے کے بعد حضرت ام الحساءؓ نے محبت کے لہجے میں کہا تم پر خدا کی رحمت ہو میں شہادت دیتی ہوں کہ خدا نے تمہاری عزت کی۔^(۴)

حضرت زینب مرض الموت میں بیمار ہوئیں تو حضرت عمرؓ نے ازواج مطہرات سے پوچھ لیا کہ کون ان کی تیماردار کرے گا؟ تمام بی بیوں نے کہا ”ہم“ ان کا انتقال ہوا تو پھر دریافت کیا کہ کون ان کو غسل و کفن دے گا؟ تمام بی بیوں نے کہا ”ہم“^(۵)

عزاداری :

صحابیات عزاداری کو اپنا فرض خیال کرتی تھیں ایک بار رسول اللہ ﷺ ایک صحابی کو دفن کر کے آرہے تھے راہ میں دیکھا کہ حضرت فاطمہؓ جارہی ہیں پوچھا گھر سے کیوں نکلیں؟ بولیں اس گھر میں عزاداری کے لئے گئی تھی۔^(۶)

عرب جاہلیت میں عزاداری کا یہ طریقہ تھا کہ عورتیں برادری میں جا کر باہم مردوں پر نوحہ کرتی تھیں لیکن اسلام نے جاہلیت کی اس رسم کو منادیا چنانچہ جب عورتیں اسلام لائیں تو ان سے اس رسم کے چھوڑنے کا معاہدہ لیا جاتا تھا ایک بار رسول اللہ ﷺ نے حضرت ام عطیہؓ سے یہ معاہدہ لینا چاہا تو بولیں فلاں خاندان نے زمانہ جاہلیت میں ہمارے مردے پر نوحہ کیا

(۱) بخاری کتاب اللباس باب الثیاب المحضر (۲) ادب المفرد باب عیادت الصبیان (۳) ایضاً باب عیادة النساء الرجل المریض (۴) بخاری کتاب الشهادات باب القرعة فی المشکلات (۵) طبقات ابن سعد تذکرہ حضرت زینب (۶) ابوداؤد کتاب الحناز باب فی التعزیه

ہے، مجھے اس کا معاوضہ لو اگر نا ضروری ہے چنانچہ آپ نے ان کو اس کی اجازت دیدی۔^(۱)
محبت اولاد :

صحابیات اپنے بچوں سے نہایت محبت رکھتی تھیں ایک بار ایک صحابی نے بی بی کو طلاق دیدی اور بچے کو اس سے لینا چاہا وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور کہا کہ ”میرا پیٹ اس کا ظرف میری چھاتی اس کا مشکیزہ اور میری گود اس کا گہوارہ تھا اور اب اس کے باپ نے مجھے طلاق دے دی اور اس کو مجھ سے چھیننا چاہتا ہے آپ نے فرمایا ”جب تک تم دوسرا نکاح نہ کر لو تم بچے کی سب سے زیادہ مستحق ہو“^(۲) اگرچہ یہ وصف عموماً تمام صحابیات میں پایا جاتا تھا لیکن اس باب میں قریش کی عورتیں خاص طور پر ممتاز تھیں، چنانچہ خود آنحضرت ﷺ نے ان کی خصوصیت کی مدح فرمائی۔

نعم النساء نساء قریش احناهن علی الولد وارعاھن علی الزوج^(۳)
”قریش کی عورتیں کس قدر اچھی ہیں بچوں سے محبت رکھتی ہیں اور شوہروں کے مال و اسباب کی نگرانی کرتی ہیں“
بھائی بہن سے محبت :

صحابیات اپنے بھائی اور بہنوں سے نہایت محبت رکھتی تھیں، حضرت عبداللہ بن ابی بکر کا مقام حبش میں انتقال ہوا اور لاش مکہ میں دفن ہوئی تو حضرت عائشہؓ فرط محبت سے ان کی قبر تک آئیں اور ایک مشہور مرثیہ کے چند اشعار پڑھے۔

و کنا کنڈمانی جذیمة حقبة من الدھر حتی قیل لن یتصدعا
اور ہم دونوں ایک مدت تک جذیمہ کے دونوں ہم نشینوں کی طرح ساتھ رہے یہاں تک کہ لوگوں نے کہا کہ ان میں کبھی جدائی نہ ہوگی۔

فلما تفرقنا کان وما لکنا بطول اجتماع لم نبت لیلة معا^(۴)
لیکن جب جدائی ہوئی تو ایسی ہوئی کہ گویا ہم نے اور مالک نے بلو جود طویل ملاقات کے ایک رات بھی ساتھ بسر نہیں کی تھی۔

حضرت حمزہؓ غزوہ احد میں شریک ہوئے تو ان کی بہن حضرت صفیہؓ آئیں کہ مقتل میں ان کا پتہ لگائیں لیکن لوگوں نے ان کی پریشانی کے خیال سے نہیں تالیلا آخر رسول اللہ ﷺ

(۷۱) مسلم کتاب الجنائز باب التشدید فی النیاحۃ (۲) ابوداؤد کتاب الطلاق باب من احق بالولد

(۳) بخاری کتاب النکاح (۴) ترمذی کتاب الجنائز باب ماجاء فی الزیارة للقبور للنساء

کے پاس آئیں تو آپ کو خوف پیدا ہوا کہ اس واقعہ سے ان کی عقل نہ جاتی رہے، اس لئے ان کے سینہ پر ہاتھ رکھا تو انہوں نے انا اللہ پڑھا اور رونے لگیں^(۱)

حضرت رقیہؓ کا انتقال ہوا تو تمام عورتیں رونے لگیں، حضرت فاطمہؓ ان کی قبر کے پاس روتی تھیں تو رسول اللہ ﷺ ہاتھوں سے ان کے آنسو پونچھتے تھے۔^(۲)
حمایت والدین :

صحابیات والدین کی حمایت سے سخت موقعوں پر بھی اغماض نہیں کرتی تھیں ایک بار کفار نے حالت نماز میں رسول اللہ ﷺ کی گردن میں لونٹ کی لوجھ ڈال دی حضرت فاطمہؓ دوڑ کے آئیں اس کو آپ کی گردن سے نکال کر پھینک دیا اور کفار کو برا بھلا کہا۔^(۳)
پرورش یتیمی :

قیموں کی پرورش بڑی نیکی کا کام ہے، حدیث شریف میں آیا ہے :

انا و کافل الیتیم کھاتین فی الجنة

” ہم اور یتیموں کی پرورش کرنے والے جنت میں اس قدر قریب ہوں گے جس قدر یہ دونوں انگلیاں قریب قریب ہیں“

اس لئے صحابیات قیموں کی پرورش اپنا فرض سمجھتی تھیں، حضرت زینبؓ متعدد قیموں کی پرورش کرتی تھیں، ایک بار رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور پوچھا کہ میں اپنے شوہر اور قیموں پر صدقہ کروں تو جائز ہے؟ ایک دوسری صحابیہ بھی اسی غرض سے در دولت پر کھڑی تھیں، حضرت بلالؓ نے اطلاع کی تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس کا دوبرا ثواب ملے گا، ایک قربت کا اور دوسرا صدقہ کا۔^(۴)

حضرت عائشہؓ کے بھائی محمد بن ابی بکرؓ کے بچے یتیم ہو گئے، تو حضرت عائشہؓ ان کی پرورش فرماتی تھیں۔^(۵)

قیموں کے مال کی نگہداشت :

خداوند تعالیٰ نے قرآن مجید میں قیموں کے مال کی حفاظت و نگہداشت کے متعلق ایک نہایت مفصل آیت نازل فرمائی ہے وابتلوا لیتیمی حتیٰ اذا بلغوا النکاح، الخ اس بناء پر صحابیات نہ صرف ان کے مال کی حفاظت کرتی تھیں بلکہ اس کو ترقی دیدی تھیں، حضرت عائشہؓ

(۱) طبقات ابن سعد تذکرہ حضرت حمزہؓ (۲) مسند ابوداؤد و طیالسی صفحہ ۳۵۱ (۳) بخاری

کتاب الصلوٰۃ باب المرأة تطرح عن المصلی شیئاً من الاذی (۴) بخاری کتاب الزکوٰۃ باب الزکوٰۃ علی

الزوج والایتام فی الحجر (۵) موطا امام مالک کتاب الزکوٰۃ باب الزکوٰۃ فیہ من الحلی والنیر والغیر

قیموں کے مال لوگوں کو دیتی تھیں کہ تجارت کے ذریعہ سے ان کو ترقی دیں۔^(۱)
بچوں کی پرورش :

صحابیات بچوں کی پرورش میں اپنے عیش و آرام کو بھی فراموش کر دیتی تھیں حضرت ام سلیمؓ بیوہ ہوئیں تو حضرت انس بن مالکؓ بچے تھے اس لئے انہوں نے یہ عزم بالجزم کر لیا کہ جب تک ان کی نشوونما کامل طور پر نہ ہو جائے گی وہ دوسرا نکاح نہ کریں گی چنانچہ حضرت انسؓ خود سپاس گزار نہ لہجے میں اعتراف کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ میری ماں کو جزائے خیر دے کہ اس نے میری ولایت کا حق ادا کیا۔^(۲)

رسول اللہ ﷺ صحابیات کو دنیا کی تمام چیزوں سے زیادہ محبوب تھے لیکن بایں ہمہ جب آپ نے حضرت ام ہانیؓ سے نکاح کا پیام دیا تو انہوں نے معذرت کی کہ یا رسول اللہ ﷺ آپ مجھے میری آنکھوں سے بھی زیادہ عزیز ہیں لیکن شوہر کا حق بہت زیادہ ہے اس لئے مجھے خوف ہے کہ اگر میں شوہر کا حق لو ا کروں تو بچوں کی طرف سے بے پروائی کرنا پڑے گی اور اگر بچوں کی پرورش میں مصروف رہوں گی تو شوہر (یعنی آپ کا اگر نکاح کر لوں گی) کا حق لو لے کر سکوں گی^(۳) شوہر کے مال و اسباب کی حفاظت :

زن و شوہر کے معاشرتی تعلقات پر اس کا نہایت عمدہ اثر پڑتا ہے کہ بیوی نہایت دیانت کے ساتھ شوہر کے مال و اسباب اور گھریلو کی حفاظت کرے اور صحابیات میں عموماً یہ دیانت پائی جاتی تھی حضرت اسماء بنت ابی بکرؓ کی شادی حضرت زبیرؓ سے ہوئی تھی وہ گھر میں تھیں کہ ایک غریب سوداگر آیا اور کہا کہ اپنے سایہ دیوار کے نیچے مجھ کو سودا بیچنے کی اجازت دیجئے وہ عجیب کشمکش میں مبتلا ہوئی فیاضی اور کشادہ دلی سے اجازت دینا چاہتی تھیں لیکن شوہر کی اجازت کے بغیر اجازت نہیں دے سکتی تھیں بولیں ”اگر میں اجازت دے دوں اور زبیر انکار کر دیں تو مشکل پڑے گی زبیرؓ کی موجودگی میں تو کور مجھ سے سوال کرو“ وہ اسی حالت میں آیا اور کہا یا ام عبد اللہ! میں محتاج آدمی ہوں آپ کی دیوار کے سایہ میں کچھ سود لپکنا چاہتا ہوں بولیں ”تم کو مدینہ میں میرا گھر ہی ملتا تھا“ حضرت زبیرؓ نے کہا تمہارا کیا بھڑتا ہے جو ایک محتاج کو بیع و شراء سے روکتی ہو؟ وہ تو چاہتی ہی تھیں اجازت دے دی^(۴) وہ نہایت فیاض تھیں اس لئے صدقہ و خیرات کرنا بہت پسند کرتی تھیں لیکن شوہر کے مال کے سوالن کے پاس اور کچھ نہ تھا اور شوہر کے مال میں بلا

(۱) موطاء امام مالک کتاب الزکوٰۃ باب اموال البغی والتجارة فیہا (۲) طبقات ابن سعد ذکرہ حضرت ام سلیم

(۳) ایضاً ذکرہ حضرت ام ہانی (۴) مسلم کتاب الآداب باب جواز ارفاق المرأة الاجنبیة اذا عبت فی الطريق

اجازت تصرف نہیں کر سکتی تھیں، مجبوراً رسول اللہ ﷺ سے دریافت فرمایا کہ میں زبیر کی آمدنی میں سے کچھ صدقہ کروں تو کیا کوئی گناہ کی بات ہے؟ ارشاد ہوا کہ جو کچھ ہو سکے، دو^(۱)

ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ نے عورتوں سے بیعت لی تو ان میں سے ایک خاتون انھیں لور کہا کہ ہم اپنے باپ، بیٹے اور شوہر کے محتاج ہیں ان کے مال میں سے ہمارے لئے کس قدر لینا جائز ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس قدر کہ کھاپی لولور ہدیہ دو^(۲)

اگرچہ یہ وصف عموماً تمام صحابیات میں پایا جاتا تھا لیکن اس باب میں قریش کی عورتیں خاص طور پر ممتاز تھیں، چنانچہ خود رسول اللہ ﷺ نے اپنی زبان مبارک سے فرمایا اس خصوصیت کو ان الفاظ میں نمایاں کیا۔

نعم النساء نساء قریش احناهن على الولد وارعاهن على الزوج
”قریش کی عورتیں کس قدر اچھی ہیں بچوں سے محبت رکھتی ہیں لور شوہر کے مال و اسباب کی نگرانی کرتی ہیں“
شوہر کی رضا جوئی :

صحابیات اپنے شوہروں کی رضا مندی اور خوشنودی کا نہایت خیال رکھتی تھیں، حضرت حوالا عطر فروش تھیں، ایک بار حضرت عائشہؓ کی خدمت میں آئیں، لور کہا کہ میں ہر رات کو خوشبو لگاتی ہوں، بناؤ سنگار کر کے دلہن بن جاتی ہوں، لور خالصتہً لوجہ اللہ اپنے شوہر کے پاس جا کر سو رہتی ہوں، لیکن اس پر بھی وہ متوجہ نہیں ہوتے لور منہ پھیر لیتے ہیں، پھر ان کو متوجہ کرتی ہوں لور وہ اعراض کرتے ہیں رسول اللہ ﷺ آئے تو آپ سے بھی اس کا ذکر کیا آپ نے فرمایا جاؤ اپنے شوہر کی اطاعت کرتی رہو۔^(۳)

ایک روز آپ نے حضرت عائشہؓ کے ہاتھ میں چاندی کے چھلے دیکھے تو فرمایا عائشہ یہ کیا ہے؟ بولیں میں نے اسکو اس لئے بنایا ہے کہ آپ کے لئے بناؤ سنگار کروں۔^(۴)
ایک صحابیہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئیں، ان کے ہاتھ میں سونے کے کنگن تھے آپ نے ان کو پہننے سے منع کیا، بولیں، اگر عورت شوہر کے لئے بناؤ سنگار نہ کرے تو اس کی نگاہوں سے گر جائے گی۔^(۵)

(۱) مسلم کتاب الزکوۃ باب الحب علی الصدقة ولو بالقلیل (۲) ابوداؤد کتاب الزکوۃ باب المرأة تصدق من بیت زوجها (۳) اسد الغابہ تذکرۃ حضرت حوالا (۴) ابوداؤد کتاب الزکوۃ باب الکفر ما هو وزکوۃ الحلی (۵) نسائی کتاب الزینۃ

شوہر کی محبت :

صحابیات اپنے شوہروں سے نہایت محبت رکھتی تھیں حضرت زینبؓ کی شادی ابو العاص سے ہوئی تھی وہ حالت کفر میں تھے کہ بدر کا معرکہ پیش آگیا اور وہ گرفتار ہو گئے رسول اللہ ﷺ نے اسیران جنگ کو فدیہ لیکر رہا کرنا چاہا تو حضرت زینبؓ نے اپنا ایک یادگار ہار جس کو حضرت خدیجہؓ نے ان کو رخصتی کے وقت دیا تھا ابو العاص کے فدیہ میں بچھج دیا۔^(۱)

حضرت حمزہؓ بنت قتیس کو اپنے شوہر کی شہادت کا حال معلوم ہوا تو فرط محبت سے چیخ اٹھیں۔^(۲)

حضرت عمرؓ کو اہل و عیال کے ساتھ زیادہ شغف نہ تھا تاہم ان کی بی بی حضرت عاتکہؓ روزے کے دنوں میں بھی فرط محبت سے ان کے سر کاوسہ لیتی تھیں^(۳)

حضرت عاتکہؓ کو اپنے پہلے شوہر حضرت عبداللہ بن ابی بکرؓ سے نہایت محبت تھی چنانچہ جب وہ طائف میں شہید ہوئے تو حضرت عاتکہؓ نے ایک پردہ مرثیہ لکھا جس کا ایک شعر یہ ہے۔

فالیٹ لا تنفک عینی خزینۃ علیک ولا ینفک جلدی اغیر

میں نے قسم کھائی ہے کہ تیرے غم میں میری آنکھ۔ ہمیشہ پر غم لور جسم ہمیشہ غبار آلود رہے گا اس کے بعد حضرت عمرؓ نے ان سے شادی کی دعوت ولیمہ میں حضرت علیؓ بھی شریک تھے انہوں نے عاتکہؓ کو یہ شعر یاد دلایا تو رو پڑیں حضرت عمرؓ کی شہادت ہوئی تو ان کا بھی نہایت پردہ مرثیہ لکھا۔ اس کے بعد ان سے حضرت زبیرؓ نے شادی کے لور وہ بھی شہید ہوئے تو عاتکہؓ نے ان کا بھی مرثیہ لکھا^(۴)

شوہر کی خدمت :

صحابیات شوہر کی خدمت نہایت دلسوزی کے ساتھ کرتی تھیں رسول اللہ ﷺ کمال طہارت کی وجہ سے مسواک کو بار بار دھلویا کرتے تھے لور اس پاک خدمت کو حضرت عائشہؓ کو افرماتی تھیں^(۵) ایک بار آپ کبیل لوڑھ کر مسجد میں آئے ایک صحابی نے کہا یا رسول اللہ ﷺ اس پردہ نظر آتا ہے آپ نے اس کو غلام کے ہاتھ حضرت عائشہؓ کے پاس بھیج دیا حضرت عائشہؓ نے کٹورے میں پانی منگایا خود اپنے ہاتھ سے دھویا لور خشک کیا لور اس کے

(۱) ابو داؤد کتاب الجہاد باب لقاء الاسیر بالمال (۲) سنن ابن ماجہ کتاب الجائز باب ماجاء فی البکاء علی المیت (۳) موطاء کتاب الصیام باب ماجاء فی الرخصة فی القبلۃ للصیام (۴) اسد الغابہ تذکرہ عاتکہ بنت زید (۵) ابو داؤد کتاب الطہارۃ باب غسل المسواک

بعد آپ ﷺ کے پاس بھیج دیا^(۱) جب آپ ﷺ احرام باندھتے یا احرام کھولتے تھے تو حضرت عائشہؓ جسم مبارک میں خوشبو لگاتی تھیں۔^(۲)

جب آپ خانہ کعبہ ہدیٰ بھیجتے تھے تو وہ ان کے گلے کا قلادہ بستی تھیں^(۳)

صحابہ کرامؓ جب تمام دنیا کی خدمت و اعانت سے محروم ہو جاتے تھے تو اس بے کسی کی حالت میں صرف ان کی بی بیایاں ان کا ساتھ دیتی تھیں رسول اللہ ﷺ خلف غزوہ تبوک کی بنا پر حضرت ہلال بن امیہؓ سے ناراض ہوئے اور اخیر میں تمام مسلمانوں کی طرح ان کی بی بی کو بھی تعلقات کے منقطع کر لینے کا حکم دیا تو وہ حاضر خدمت ہوئیں اور کہا کہ وہ بوڑھے آدمی ہیں ان کے پاس نوکر چاکر نہیں مگر میں ان کی خدمت کروں تو آپ پاسبند فرمائیں گے مگر شلو ہوا نہیں“^(۴)

عورت کتنی ہی اطاعت گزار اور فرماں بردار ہو، لیکن اگر اس سے تعلقات منقطع کر لئے جائیں تو وہ شوہر کی طرف مائل نہیں ہو سکتی، لیکن صحابیات نے اس فطرتی اصول کو بھی توڑ دیا تھا ایک صحابی نے اپنی بی بی سے ظہار کیا، یعنی ایک مدت معینہ کے لئے ان کو اپنے لوہے پر حرام کر لیا، تاہم اس حالت میں بھی وہ ان کی خدمت گزاری میں مصروف رہتی تھیں۔

طرز معاشرت

غربت و افلاس :

ابتداءً اسلام میں صحابیات نہایت فقر و فاقہ اور غربت و افلاس کے ساتھ زندگی بسر کرتی تھیں، جس کا اثر ان کے لباس، مکان، اثاثہ البیت اور سامان آرائش غرض ہر چیز سے ظاہر ہوتا تھا۔

لباس :

صحابیاتؓ کو کپڑوں کی نہایت تکلیف تھی، حضرت فاطمہؓ جگر گوشہ رسول ﷺ کی چادر اس قدر چھوٹی تھی کہ ایک بار انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے سامنے لوب و حیا سے جسم کے ہر حصہ کو چھپانا چاہا لیکن ناکامیابی ہوئی، سر ڈھکتی تھیں تو پاؤں کھل جاتے تھے پاؤں ڈھکتی تھیں تو سر کھل جاتا تھا۔^(۵)

(۱) ایضاً باب الإعادة من النجاسة یكون فی الثوب (۲) ابوداؤد کتاب المناسک باب الطیب عند الاحرام (۳) ایضاً باب من بعث بھلبہ (۴) بخاری کتاب المغازی باب غزوہ تبوک (۵) ابوداؤد کتاب اللباس باب فی العبد ینظر الی شعر مولاه .

بعض صحابیات کو تو چادر بھی میسر نہیں تھی، رسول اللہ ﷺ نے صحابیات کو عید گاہ میں جانے کی اجازت دی تو ایک صحابیہ نے کہا کہ اگر کسی عورت کے پاس چادر نہ ہو تو وہ کیا کرے ارشاد ہوا کہ اس کو دوسری عورت اپنی چادر لوڑھا دے۔^(۱)

شادی میاہ میں دو لہن کے لئے غریب سے غریب آدمی بھی اچھا جوڑ لےواتا ہے لیکن صحابیات کو معمولی جوڑا بھی میسر نہ تھا حضرت عائشہ کامیان ہے کہ میرے پاس گاڑھے کی ایک کرتی تھی، شادی میاہ میں جب کوئی عورت سنواری جاتی تھی تو وہ مجھ سے اس کو مستعار منگوا لیتی تھی۔^(۲)

مکان :

غرم و افلاس کی وجہ سے صحابیات کے مکان نہایت مختصر، پست اور کم حیثیت کے ہوتے تھے۔ گھروں میں جائے ضرورت تک نہ تھی^(۳) اس لئے راتوں کو صحرائیں جانا پڑتا تھا، دروازوں پر پردے تک نہ تھے^(۴) راتوں کو جلانے کے لئے چراغ تک میسر نہ تھا۔^(۵)

اثاث البیت :

صحابیات کے گھروں میں نہایت مختصر سامان ہوتے تھے یہاں تک کہ میاں بی بی دونوں کے لئے صرف ایک چھوٹا ہوتا تھا^(۶) کورہ بھی کھجور کے پتوں سے بنایا جاتا تھا۔

زیورات :

صحابیات نہایت معمولی اور سادہ زیور استعمال کرتی تھیں احادیث کی کتابوں کے تتبع استقراء سے بازو بند، کڑے، بالی، ہار، انگوٹھی اور چھلے کا پتہ چلتا ہے لونگ کا ہار بھی پہنتی تھیں جس کو عربی میں سخاب کہتے ہیں، حضرت عائشہ کا ایک ہار جو سفر میں گم ہو گیا تھا وہ مرہ یرانی کا تھا۔^(۷)

سامان آرائش :

صحابیات سرمہ اور مہندی کا استعمال بھی کرتی تھیں، زچہ خانے سے نکلتی تھیں، تو منہ پر درس (ایک قسم کی سرخ گھاس کا نام ہے) کا غازہ ملتی تھیں کہ چہرے سے داغ دھبے مٹ جائیں^(۸) خوشبو میں زعفران، عطر اور سک کا استعمال کرتی تھیں، سک ایک قسم کی

(۱) سنن ابن ماجہ کتاب الصلوۃ باب ماجاء فی خروج النساء فی العیدین (۲) بخاری کتاب الہیہ باب الاستعارة للعروس عند النہاء (۳) بخاری قصۃ الافک (۴) ابوداؤد کتاب الادب باب الاستئذان فی العورات الثلاث (۵) صحیح بخاری (۶) ابوداؤد کتاب الطہارات باب فی الرجل یصیب منها مادون الجماع (۷) ایضاً باب فی الیتیم (۸) ایضاً ماجاء فی وقت النفساء

خوشبو ہے جو ماتھے پر لگائی جاتی ہے۔
اپنا کام خود کرنا:

صحابیات خانہ داری کے کاموں کو خود اپنے ہاتھ سے انجام دیتی تھیں، اور اس میں سخت سے سخت تکلیفیں برداشت کرتی تھیں، حضرت فاطمہؓ رسول اللہ ﷺ کی محبوب ترین صاحبزادی تھیں، لیکن چکی پیٹے پیٹے ہاتھوں میں چھالے پڑ گئے تھے، مشکیزوں میں پانی لاتے لاتے سینہ داغدار ہو گیا تھا، جھاڑو دیتے دیتے کپڑے چیکٹ ہو گئے تھے۔^(۱)

ازواج مطہرات باری باری گھر کا کام دھندا خود کرتی تھیں، ایک دن حضرت عائشہؓ کی باری تھی، جو پیسے اور اس کی روٹی پکائی، اور رسول اللہ ﷺ کا انتظار شروع کیا، آپ کے آنے میں دیر ہو گئی تو سو گئیں آپ آئے تو جگایا،^(۲) حضرت اسماءؓ حضرت ابو بکرؓ کی صاحبزادی تھیں اور ان کی شادی حضرت زبیرؓ سے ہوئی تھی، وہ اس قدر مفلس تھے کہ ایک گھوڑے کے سوا گھر میں کچھ نہ تھا، حضرت اسماءؓ خود باغوں میں جا جا کر گھوڑے کی گھاس لاتی تھیں، حضرت ابو بکرؓ نے سائسی کے لئے ایک غلام بھیجا تو انہوں نے اس خدمت سے نجات پائی رسول اللہ ﷺ نے حضرت زبیرؓ کو ایک قطع زمین بطور جاگیر دیا تھا، جو مدینہ سے تین فرسخ دور تھا، حضرت اسماءؓ روز وہاں جاتیں اور وہاں سے کھجور کی گٹھلیاں اپنے سر پر لاتیں اور ان کو کوٹ کر ان کی پانی کھینچنے والی اونٹنی کو کھلاتی تھیں۔

گھر کے معمولی کاروبار ان کے علاوہ تھے، خود پانی لاتیں، مشک پھٹ جاتی تھی تو اس کو سی لیتیں آٹا گوند حتیٰ روٹی پکاتیں^(۳) گھر کے کام دھندے کے علاوہ صحلیات بعض صنعتی کام بھی کرتی تھیں

حضرت سودہؓ طائف کی ادھوڑی بناتی تھیں جس کی وجہ سے ان کی مالی حالت تمام ازواج مطہرات سے بہتر رہتی تھی،^(۴) بعض صحابیہ اپنے بستی تھیں^(۵)

پردہ

مدن نبوت میں اگرچہ اس زمانہ کا ماحول سخت پردہ رائج تھا تاہم بالکل عورتیں بے پردہ اور آزاد تھیں نہ تھیں۔

گھنہ میں سفر کرتی تھیں^(۶) نقاب پوش رہتی تھیں^(۷) اور غیر محرم سے پردہ کرتی

(۱) کتاب الخرج والامارة باب فی بیان مواضع قسم الخمس ولهم ذی القربی (۲) ادب المفرد باب لایوذی جارہ (۳) مسلم کتاب الآداب باب جواز ارداف المرأة الاجنبیة اذا عبت فی الطريق و بخاری کتاب النکاح (۴) اسد الغابہ تذکرہ فلسفہ ۵۱ بخاری کتاب الیوع باب النساء ۶۱ ابو داؤد کتاب المناسک باب فی الصبی النجج (۷) ابو داؤد کتاب المناسک ما یسأل المحرم

تھیں۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ حجتہ الوداع کے زمانے میں جب لوگ ہمارے سامنے سے گزرتے تھے تو ہم چہرے پر چادر ڈال لیتے تھے لوگ گزر جاتے تو پھر منہ کھول دیتے تھے۔^(۱)

ایک بار حضرت ابن عباسؓ نے ابی اٹھیں حضرت عائشہؓ کی ملاقات کو آئے وہ پردہ میں چھپ گئیں بولے ”تم مجھ سے پردہ کرتی ہو میں تمہارا چچا ہوں بولیں کیونکہ بولے میرے بھائی کی بی بی نے تم کو دودھ پلایا ہے“ بولیں مرد نے تو نہیں پلایا۔^(۲)

ایک صحابیہ کا بیٹا شہید ہوا وہ نقاب پہن کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئیں صحابہ کرامؓ نے ان کو دیکھ کر کہا بیٹے کی شہادت کا حال پوچھنے آئی ہو اور نقاب پوش ہو کر؟ بولیں میں نے اپنے بیٹے کو کھو دیا ہے شرم و حیا کو تو نہیں کھویا۔^(۳)

ہمارے زمانے میں پردہ ایک رسمی چیز ہے مثلاً ایک عورت کسی محرم سے رسماً پردہ کرتی ہے تو اس سے لازمی طور پر ہمیشہ پردہ کرے گی لیکن دو چار بار کسی نامحرم کے سامنے آنے کا اتفاق ہو گیا تو پھر اس کے لئے پردہ کے تمام قیود ٹوٹ جائیں گے لیکن صحابیات رسمی پردے کی پابند نہ تھیں ان کا پردہ بالکل شرعی تھا اگر شریعت اجازت دیتی تھی تو وہ کسی کے سامنے آتی تھیں اور جب شرعی موانع پیدا ہو جاتے تھے تو اس سے پردہ کرنے لگتی تھیں حضرت عائشہؓ کا مذہب ہے کہ غلاموں سے پردہ ضروری نہیں اس لئے وہ حضرت عبداللہؓ سلم کے سامنے جو نہایت متدین غلام تھے آتی تھیں اور ان سے بے تکلف باتیں کرتی تھیں ایک دن وہ آئے اور کہا کہ ”خدا نے آج مجھے آزاد کر دیا چونکہ اب وہ غلام باقی نہیں رہے اس لئے حضرت عائشہؓ نے پردہ گر دیا اور عمر بھر ان کے سامنے نہ ہوئیں۔“^(۴)

معاملات

ادائے قرض کا خیال :

حضرت عائشہؓ اکثر قرض لیا کرتی تھیں ان سے پوچھا گیا کہ آپ قرض کیوں لیتی ہیں؟ بولیں کہ ”رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ جو بندہ قرض ادا کرنے کی نیت رکھتا ہے خدا اپنی جانب سے اس کے لئے مددگار مقرر کر دیتا ہے تو اسی مددگار کی جستجو کرتی ہوں۔“^(۵)

(۱) ابوداؤد کتاب المناسک باب فی المحرم تغطى وجہها (۲) ابوداؤد کتاب النکاح باب فی لبن الفحل

(۳) ابوداؤد کتاب الجہاد باب فضل قتال الروم علی غیرہم من الامم

(۴) نسائی کتاب الطہارۃ باب مسح المرأة رأسها (۵) مسند احمد بن حنبل جلد ۶ ص ۹۹

قرض کا ایک حصہ معاف کر دینا :

حضرت ام سلمہؓ نے ایک غلام کو مکاتب بنایا اس کے جب بدل کلمات ادا کرنا چاہا تو کہا کہ اس میں کچھ کمی کر دیجئے انہوں نے کم کر دیا۔^(۱)
تقسیم وراثت میں دیانت :

حضرت ابو بکرؓ نے حضرت عائشہؓ پر چند کھجور کے درخت بہہ کئے تھے لیکن اب تک ان کا قبضہ نہیں ہوا تھا اس لئے بہہ نامکمل تھا حضرت ابو بکرؓ کا انتقال ہونے لگا تو کہا کہ میں نے تم پر جو درخت بہہ کئے تھے اگر تمہارا ان پر قبضہ ہو جاتا تو وہ تمہاری ملک ہو جاتے لیکن آج وہ میرے ترکہ میں داخل ہیں جس کے وارث تمہارے بھائی اور بہنیں ہیں اس لئے کتاب اللہ کے موافق باہم تقسیم کر لو حضرت عائشہؓ بولیں کہ اگر اس سے بھی زیادہ مال ہوتا تو میں چھوڑ دیتی۔^(۲)

خدمات

سیاسی خدمات میں بھی صحابیات کی کوئی قابل الذکر خدمت نہیں ہے صرف اصحابہ میں تذکرہ شفاء بنت عدویہ میں اس قدر لکھا ہے کہ حضرت عمرؓ ان کی رائے کو مقدم سمجھتے تھے ان کی عزت کرتے تھے اور بازار کی بعض خدمتیں بھی ان سے متعلق تھیں لیکن سیاسی خدمات کے علاوہ صحابیات نے اسلام کی ہر ممکن خدمت کی ہے جس کی تفصیل ذیل کے عنوانات سے معلوم ہوگی۔

مذہبی خدمات

اشاعت اسلام :

مذہبی خدمات میں اشاعت اسلام سب سے اہم ہے اور اس میں ابتدائے اسلام ہی سے صحابیاتؓ کی مساعی جمیلہ کا کافی حصہ شامل ہے چنانچہ حضرت ام شریکؓ ایک صحابیہ تھیں جو آغاز اسلام میں مخفی طور پر قریش کی عورتوں کو اسلام کی دعوت دیا کرتی تھیں قریش کو ان کی مخفی کوششوں کا حال معلوم ہوا تو ان کو مکہ سے نکال دیا۔^(۳)

ایک غزوہ میں مسلمان پیاس سے بے تاب ہو کر نکلے تو حسن اتفاق سے ایک عورت

(۱) طبقات ابن سعد تذکرہ مصباح بن سرحس (۲) موطاء امام مالک کتاب الافضیہ باب مالا یجوز

من النحل (۳) اسد الغابہ تذکرہ حضرت ام شریک

مل گئی، جس کے ساتھ پانی کا ایک مشکیزہ تھا صحابہ اس کو رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں لائے اور آپ کی اجازت سے پانی کو استعمال کیا، اگرچہ آپ نے اسی وقت اس کو پانی کی قیمت دلوادی۔ تاہم صحابہ پر اس کے احسان کا یہ اثر تھا کہ جب اس عورت کے گلوں کے آس پاس حملہ کرتے تھے تو خاص اس کے گھرانے کو چھوڑ دیتے تھے اس پر صحابہ کرام کی اس منت پذیریری کا یہ اثر ہوا کہ اس نے اپنے تمام خاندان کو قبول اسلام پر آمادہ کیا اور وہ سب کے سب مسلمان ہو گئے۔^(۱)

حضرت ام حکیم بنت الحارث کی شادی عکرمہ بن ابی جہل سے ہوئی تھی وہ خود تو فتح مکہ کے دن اسلام لائیں، لیکن ان کے شوہر بھاگ کر یمن چلے گئے، حضرت ام حکیم نے یمن کا سفر کیا اور ان کو دعوت اسلام دی وہ مسلمان ہو کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ دیکھ کر خوشی سے اچھل پڑے۔^(۲)

حضرت ابو طلحہ نے حالت کفر میں حضرت ام سلیم سے نکاح کرنا چاہا، لیکن انہوں نے کہا کہ تم کافر ہو اور میں مسلمان نکاح کیونکر ہو سکتا ہے؟ اگر قبول اسلام کر لو تو وہی میرا مرہوگا اس کے سوا تم سے کچھ نہ مانگوں گی، چنانچہ وہ مسلمان ہو گئے اور اسلام ہی ان کا مرہو قرار پایا۔^(۳) نو مسلموں کا تکفل :

لہذا نئے اسلام میں جو لوگ اسلام لاتے تھے ان کو مجبوراً اپنے گھریلو اہل و عیال اور مال و جائیداد سے کنارہ کش ہونا پڑتا تھا اس بناء پر اس وقت اشاعت اسلام کے ساتھ اسلام کی سب سے بڑی خدمت یہ تھی کہ ان نو مسلموں کی کفالت کی جائے اور صحابیات اس میں نمایاں حصہ لیتی تھیں، چنانچہ حضرت ام شریک کا گھرانہ نو مسلموں کے لئے گویا مہمان خانہ بن گیا تھا یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت فاطمہ بنت قیس کو ان کے یہاں صرف اس بنا پر عدت بسر کرنے کی اجازت نہیں دی^(۴) کہ ان کے گھر مہمانوں کی کثرت سے پردہ کا انتظام نہیں ہو سکتا تھا، حضرت درہنت لب بھی نہایت فیاض تھی اور مسلمانوں کو کھانا کھلایا کرتی تھیں^(۵) خدمت مجاہدین :

جس طرح صحابہ کرامؓ بہ شوق غزوات میں شریک ہوتے تھے اسی طرح صحابیات بھی خدا کی راہ میں ان سے پیچھے رہنا نہیں چاہتی تھیں، ان کے لئے سب سے زیادہ موزوں کام زخمیوں کی مرہم پٹی اور مجاہدین کے آرام و آسائش کا سامان بہم پہنچانا تھا اور وہ اس خدمت کو

(۱) بخاری کتاب الفضل باب صعيد الطيب وضوء المسلم (۲) موطاء امام مالك كتاب النكاح المبرك

اذا ملعت زوجته قبله (۳) اسد الغابہ تذکرہ حضرت زید بن سہل بن اسوہ (۴) مسلم كتاب الطلاق باب

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

نہایت خلوص اور دل سوزی سے انجام دیتی تھیں، غزوہ خیبر میں متعدد صحابیات شریک جہاد ہوئیں رسول اللہ ﷺ کو ان کا حال معلوم ہوا تو ناراضی کے لہجے میں پوچھا کہ تم کس کے ساتھ اور کس کی اجازت سے آئی ہو؟ یولیں یا رسول اللہ! ہم لون کاتتے ہیں اور اس سے خدا کی راہ میں اعانت کرتے ہیں ہمارے ساتھ زخمیوں کے دوا علاج کا سامان ہے لوگوں کو تیراٹھاٹھا کر دیتے ہیں اور ستو گھول گھول کر پلاتے ہیں۔^(۱)

حضرت ام عطیہؓ ایک صحابیہ تھیں جو رسول اللہ ﷺ کے ساتھ سات لڑائیوں میں شریک ہوئیں وہ مجاہدین کے اسباب کی نگرانی کرتی تھیں، کھانا پکاتی تھیں، مریضوں کی مرہم پٹی کرتی تھیں۔^(۲)

غزوہ احد میں خود حضرت عائشہؓ شریک تھیں اور وہ ام سلیم اپنی پیٹھ پر مشک لاد لاد کر لاتی تھیں اور لوگوں کو پانی پلاتی تھیں۔^(۳)

حضرت ریحہ بنت مسعودؓ کامیان ہے کہ ہم سب غزوات میں شریک ہوتے تھے پانی پلاتے تھے مجاہدین کی خدمت کرتے تھے اور مدینہ تک زخمیوں اور لاشوں کو اٹھاٹھا کر لاتے تھے۔^(۴)

حضرت رفیدہ نے مسجد نبوی میں خیمہ کھڑا کر رکھا تھا جو لوگ زخمی ہو کر آتے تھے وہ اسی خیمہ میں ان کا علاج کرتی تھیں چنانچہ حضرت سعد بن معاذؓ غزوہ خندق میں زخمی ہوئے تو ان کا علاج اسی خیمہ میں ہوا۔^(۵)

صحابیات کی یہ خدمات خود صحابہ کرامؓ کے زمانے میں نہایت قابل قدر خیال کی جاتی تھیں اور خود خلفاء بھی ان کا لحاظ رکھتے تھے، چنانچہ ایک بار حضرت عمرؓ نے مدینہ کی عورتوں میں چادر تقسیم فرمائی ایک عمدہ چادر رہ گئی تو کسی نے کہا کہ اپنی بی بی ام کلثومؓ کو دے دیجئے، بولے ام سلیم اس کی زیادہ مستحق ہیں، کیونکہ وہ غزوہ احد میں مشک بھر بھر کر پانی لاتی تھیں اور ہم کو پلاتی تھیں۔^(۶)

خدمات مساجد:

صحابیات مساجد کی صفائی میں نہایت اہتمام کرتی تھیں ایک بار کسی نے مسجد

(۱) ابو داؤد کتاب الجہاد باب فی المرأة والعبد یخلیان من الغنیمۃ (۲) مسلم کتاب الجہاد باب النساء

الغزوات یوضع لهن ولا یھم والنھی عن قتل صبیان اهل الحرب (۳) ایضاً باب غزوۃ النساء مع الرجال

(۴) بخاری کتاب الجہاد باب رد النساء والقبلہ (۵) اصحابہ تذکرہ رفیدہ (۶) بخاری کتاب الجہاد

باب حمل الناس القرب الی الناس فی الغزو

نبوی میں تھوک دیا تھا رسول اللہ ﷺ نے دیکھا تو اس قدر برہم ہوئے کہ چہرہ میلہ ک سرخ ہو گیا ایک صحابیہ انھیں لور اس کو مٹا دیا اور اس کی جگہ خوشبو لگائی آپ نہایت خوش ہوئے اور فرمایا کہ خوب کام کیا۔^(۱)

ایک صحابیہ انھیں جو ہمیشہ مسجد نبوی میں جھاڑ دیا کرتی تھیں یہ ایک ایسا نیک کام تھا کہ رسول اللہ ﷺ نے اس کی نہایت قدر فرمائی چنانچہ جب ان کا انتقال ہو گیا تو صحابہ کرام نے ان کو راتوں رات دفن کر دیا اور آپ کو اس کی اطلاع نہیں دی آپ کو معلوم ہوا تو فرمایا کہ مجھے کیوں نہیں خبر کی تُو لے حضور استراحت فرما رہے تھے ہم نے تکلیف دینا گوارہ نہیں کیا۔^(۲) بدعات کا استیصال :

بدعت مذہب کے لئے بمنزلہ گھن کے ہے اس لئے باثر صحابیات ہمیشہ اس بات کی کوشش کرتی تھیں کہ نخل اسلام میں یہ گھن نہ لگنے پائے مثلاً مسلمانوں میں غلاف کعبہ کی جو عزت و حرمت قائم ہے اس کا نتیجہ یہ ہے کہ جب نیا غلاف چڑھایا جاتا تو اس پرانے غلاف چرا چھپا کر خلاصوں کو کچھ دے دلا کر لے لیتے ہیں اسی کو تبرک سمجھ کر لے آتے ہیں اور مکانوں میں رکھتے ہیں دوستوں کو بطور سوغات کے تقسیم کرتے ہیں قرآن میں رکھتے ہیں مسجدوں میں لٹکاتے ہیں اور مریض کو اس سے ہوا دیتے ہیں لیکن قرن اول میں یہ حالت نہ تھی متولی کعبہ صرف یہ کرتا تھا کہ غلاف کو زمین میں دفن کر دیتا تھا کہ وہ ٹپاک انسانوں کے کام کا نہ رہے شیبہ بن عثمان نے جو اس زمانہ میں کعبہ کے کلیدبردار تھے حضرت عائشہؓ سے اس واقعہ کو بیان کیا تو انہوں نے سمجھ لیا کہ یہ تعظیم غیر شرعی ہے خدا اور رسول ﷺ نے اس کا حکم نہیں دیا اور ممکن ہے کہ آئندہ اس سے سوا اعتقاد اور بدعات کا سرچشمہ پھوٹے اس لئے شیبہ سے کہا کہ یہ اچھی بات نہیں تمہارا کرتے ہو جب غلاف کعبہ سے اتر گیا اور کسی نے اس کو ٹپاکی کی حالت میں استعمال بھی کر لیا تو کوئی مضائقہ نہیں تم کو چاہیے کہ اس کو پھٹا لا کر اور اس کی قیمت غریبوں اور مسافروں کو دے دیا کرو^(۳) احتساب :

جو چیز مذہب اور اخلاق کو صحیح اصول پر قائم رکھتی ہے شریعت کی اصطلاح میں اس کا نام احتساب ہے اور خود رسول اللہ ﷺ نے اس کے تین درجے مقرر فرمادیے ہیں۔

من رای منکم منکرا فلیغیر بیدہ فان لم یستطع فبلسانہ فان لم یستطع فبقلبہ۔

(۱) نسائی کتاب الصلوۃ باب تخلیق المسجد (۲) سنن ابن ماجہ کتاب الجنۃ و باب ماجاء فی الصلوۃ علی القبر (۳) عین الاصابہ بحوالہ سنن بیہقی

وذلك اضعف الايمان (مسلم)

”تم سے جو شخص کسی برائی کو دیکھے اس کو اپنے ہاتھ سے مٹا دے اگر اس میں اس کی طاقت نہیں ہے تو زبان سے اس کا انکار کرے اور اگر یہ بھی نہیں کر سکتا تو دل سے اس کو برا سمجھے اور یہ ایمان کا ضعیف ترین درجہ ہے“

اور با اثر صحابیات نے پہلے دونوں طریقوں سے اس مذہبی خدمت کو انجام دیا ہے ایک دفعہ حضرت عائشہ ایک گھر میں مہمان اتریں، میزبان کی دو لڑکیوں کو جو جوان ہو چکی تھیں دیکھا کہ چادر لوڑھے نماز پڑھ رہی ہیں، تاکید کی کہ آئندہ کوئی لڑکی بے چادر لوڑھے ہوئے نماز نہ پڑھے رسول اللہ ﷺ نے یہی فرمایا ہے۔^(۱)

ایک دفعہ ان کے بھائی عبدالرحمن بن ابی بکر آئے اور معمولی جھٹ پٹ وضو کر کے چلے گئے حضرت عائشہ نے ٹوکا کہ عبدالرحمن وضو اچھی طرح کیا کرو رسول اللہ ﷺ کو میں نے کہتے سنا ہے کہ وضو میں جو عضو نہ بھیجے اس پر جہنم کی پھٹکار ہو۔^(۲)

ایک بار انہوں نے ایک عورت کو دیکھا کہ اس کی چادر میں صلیب کے نقش و نگار بنے ہوئے ہیں دیکھنے کے ساتھ ڈانٹا کہ یہ چادر اتار دو رسول اللہ ﷺ ایسے کپڑوں کو دیکھتے تھے تو پھاڑ ڈالتے تھے۔^(۳)

ایک بار ان کی بھتیجی حصہ بنت عبدالرحمن نہایت باریک دوپٹہ اوڑھ کر سامنے آئیں دیکھنے کے ساتھ ہی غصہ سے دوپٹہ کو چاک کر دیا پھر فرمایا تم نہیں جانتیں کہ سورہ نور میں خدا نے کیا احکام نازل فرمائے ہیں اس کے بعد گاڑھی کا دوسرا دوپٹہ منگوا کر لوڑھ لایا۔^(۴)

اخلاقی خدمات

نزدبازی کی روک ٹوک :

فتوحات عجم کے بعد عرب میں نزدبازی، شطرنج بازی اور مرغ بازی وغیرہ کا رواج ہوا تو صحابیات نے اس پر شدت کے ساتھ وارد گیر کی چنانچہ حضرت عائشہ کے گھر میں کچھ کرایہ دار رہتے تھے ان کی نسبت ان کو معلوم ہوا کہ وہ نزد کھیلتے ہیں تو سخت برا فروختہ ہوئیں اور کہلا بھیجا کہ اگر نزد کی گویوں کو میرے گھر سے باہر نہ پھینک دو گے تو میں اپنے گھر سے نکلوں اور

(۱) مسند جلد ۶ ص ۹۶ (۲) ایضاً ص ۳۸۵ (۳) مسند جلد ۶ ص ۱۴۰ (۴) موطا امام مالک

گی۔^(۱)

شراب خواری کی روک ٹوک :

فتح عجم کے بعد اہل عرب شراب کے جدید اقسام و نام سے آشنا ہوئے جن میں ایک باذوق تھا (یعنی بادہ) چونکہ عربی میں شراب کو خمر کہتے ہیں اور اس کا اطلاق حضرت انگوری شراب پر ہوتا ہے اس بناء پر لوگوں کو شبہ تھا کہ ان شرابیوں کا کیا حکم ہے؟ لیکن حضرت عائشہؓ نے اپنی مجلس میں با اعلان کہہ دیا کہ شراب کے برتنوں میں چھوڑے تک نہ بھگوئے جائیں پھر عورتوں کی طرف خطاب کر کے کہا اگر تمہارے مشکوں کے پانی سے بھی نشہ آئے تو وہ بھی حرام ہے رسول اللہ ﷺ نے ہر منشی چیز سے منع فرمایا ہے۔^(۲)

مصنوعی بال لگانے کی ممانعت :

قدیم زمانہ میں یہودیہ عورتوں میں جو بد اخلاقیات پھیل گئی تھیں ان میں ایک یہ تھی کہ جن عورتوں کے بال جھڑ جاتے تھے وہ مصنوعی بال لگاتی تھیں لیکن رسول اللہ ﷺ نے مسلمان عورتوں کو اسکی ممانعت فرمادی تھی آپ کے بعد جب مسلمان عورتوں نے بھی یہی روش اختیار کی تو صحابیاتؓ نے اس پر شدت سے روک ٹوک کی چنانچہ ایک دفعہ کسی عورت نے حضرت عائشہؓ سے کہا کہ میری بیٹی دلہن بنی ہے لیکن ہماری سے اس کے بال جھڑ گئے ہیں کیا مصنوعی بال جوڑ دوں؟ فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے اس قسم کی عورتوں پر لعنت بھیجی ہے۔ (مسند ج: ۶ ص: ۱۱۱)

علمی خدمات

علم تفسیر :

قرآن مجید ایک ایسی مقدس اور ایک ایسی بزرگ ترین کتاب ہے کہ اگر اس کی ایک آیت کسی کی شان میں نازل ہو جائے تو وہ اس کے شرف کے لئے کافی ہے چنانچہ حضرت زینبؓ کے متعلق قرآن مجید کی جو آیت نازل ہوئی تھی اس پر وہ فخر کیا کرتی تھیں۔ ایک سفر میں حضرت عائشہؓ کا ایک ہار گم ہو گیا رسول اللہ ﷺ نے اس کی تلاش میں چند صحابہ کرام کو بھیجا وہ اس کی تلاش میں نکلے تو راستے میں نماز کا وقت ہو گیا اور لوگوں نے

(۱) ادب المفرد باب واخراج الذین یلعونہ بالنرو (۲) سنن نسائی کتاب الخمر

بغیر وضو کئے نماز پڑھے، واپس آئے تو آپ سے اس کی شکایت کی، اس پر آیت تمیم نازل ہوئی، حضرت اسید بن حضیرؓ نے اس کو حضرت عائشہؓ کی بڑی فضیلت سمجھا اور ان کی طرف مخاطب ہو کر کہا:

جزاك الله خيرا فوالله ما نزل بك امر قط الا جعل الله لك منه مخرجاً و جعل للمسلمين فيه بركة^(۱)

”خدا تم کو جزائے خیر دے تم کو کوئی ایسا حادثہ پیش نہیں آیا جس سے خدا نے تمہارے نکلنے کا راستہ نہیں بنایا اور مسلمانوں کے لئے وہ ایک برکت بن گیا“

حضرت عبادہ بن صامت کی بی بی حضرت خولہ کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی:

قَدْ سَمِعَ اللهُ قَوْلَ الَّتِي تُجَادِلُكَ (مجادلہ)^(۲)

”خدا نے اس عورت کی بات سن لی جو تم سے جھگڑتی تھی“

اور اس نے ان کے رتبے کو اس قدر بلند کیا تھا کہ ایک بار حضرت عمرؓ مسجد سے آرہے تھے راہ میں ان سے ملاقات ہوئی اور انہوں نے ان کو سلام کیا بولیں ”اے عمر! میں نے تمہارا وہ زمانہ دیکھا ہے جب تم کو لوگ بازار عکاظ میں عمر کہتے تھے اور اب تو تمہارا لقب امیر المؤمنین ہے، پس رعایا کے معاملے میں خدا سے ڈرو اور یقین کرو کہ جو شخص عذاب الہی سے ڈرے گا اس پر بعید قریب ہو جائے گا اور جو موت سے ڈرے گا اس کو فوت ہونے کا خوف لگا رہے گا“ ایک شخص جو ساتھ میں تھے بولے بی بی تم نے تو امیر المؤمنین کو بہت کچھ کہہ ڈالا لیکن حضرت عمرؓ نے فرمایا ”جانے دو یہ خولہ بنت حکیم ہیں اور عبادہ بن صامت کی بی بی ہیں، اللہ تعالیٰ نے سات آسمان لو پر سے ان کی بات سن لی تھی، پھر عمرؓ کو تو اور سننا چاہئے۔“^(۳)

لیکن جس کتاب کی ایک آیت بھی انسانی شرف و عزت کے لئے کافی ہے اس کا ایک خاص حصہ صحابیات کے متعلق نازل ہوا ہے، یعنی ایک مستقل سورہ (نساء) خاص طور پر صحابیات کے احکام و معاملات کے متعلق نازل ہوئی ہے سورہ نور کی متعدد آیتیں بھی انہی کے ساتھ مخصوص ہیں ان کے علاوہ اور بھی متعدد آیتیں ان کی شان میں نازل ہوئی ہیں اس بناء پر اگرچہ ان آیتوں اور ان سورتوں کے شان نزول اور ان کی تفسیر سے اکثر صحابیات کو تعلق ہے تاہم عام طور پر تفسیر کے جو معنی سمجھے جاتے ہیں اور جس معنی کی رو سے ایک شخص مفسر کہا

(۱) مسند جلد ۱ ص (۲) بخاری کتاب النکاح باب استعارة الثياب العروس وغیرھا

(۳) اصباہ تذکرہ خولہ

جاتا ہے اس کے لحاظ سے تمام صحابیات میں صرف حضرت عائشہؓ علم تفسیر میں اکابر صحابہ کی ہمسر ہیں اور انہوں نے نہایت دقیق آیتوں کی تفسیریں کی ہیں ان سے احادیث کی کتابوں میں جو تفسیری روایات مذکور ہیں ان کی دو قسمیں ہیں ایک وہ آیتیں ہیں جن کے متعلق ان کے دل میں کوئی بات کھٹکی ہے اور انہوں نے خود رسول اللہ ﷺ سے استفادہ فرمایا ہے اور آپ نے ان کی تفسیر کی ہے مثلاً^(۱) ایک دفعہ آپ نے میان فرمایا کہ من حوسب عذاب قیامت میں جس کا حساب ہو گا اس پر عذاب ہو گیا حضرت عائشہؓ نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ خدا تو فرماتا ہے۔

فَسَوْفَ يُحَاسَبُ جِسَابًا يُسِيرُ

”اور اس سے آسان حساب لیا جائے گا“

آپ ﷺ نے فرمایا ”یہ اعمال کی پیشی ہے لیکن جس کے اعمال میں جرح قدح شروع ہوئی تو وہ ہر بلکہ ہی ہوا ایک دفعہ انہوں نے پوچھا یا رسول اللہ ﷺ خدا فرماتا ہے :

يَوْمَ تُبَدَّلُ الْأَرْضُ غَيْرَ الْأَرْضِ وَالسَّمَوَاتُ وَبَرَزُوا لِلَّهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ

”جس دن زمین دوسری زمین سے بدل دی جائے گی اور آسمان بھی بدل دیا جائے گا اور

تمام مخلوق خدائے واحد قہار کے روبرو ہو جائے گی“

اور ایک دوسری روایت میں ہے کہ یہ آیت پڑھی۔

وَالْأَرْضُ جَمِيعًا قَبْضَتُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَالسَّمَوَاتُ مَطْوِيَّاتٌ يَمِينِهِ

”تمام زمین اس کی مٹھی میں ہوگی اور آسمان اس کے ہاتھ میں لپیٹے ہوں گے“

لیکن جب زمین و آسمان کچھ نہ ہو گا تو لوگ کہاں ہوں گے آپ نے فرمایا صراط پر

قرآن مجید کی ایک آیت پڑھی۔

الَّذِينَ يُؤْتُونَ مَا آتَوْا وَقُلُوبُهُمْ وَجَلَةٌ أَنَّهُمْ إِلَىٰ رَبِّهِمْ رَاجِعُونَ

”جو لوگ جو کام کرتے ہیں خوفزدہ دل سے کرتے ہیں وہ اپنے خدا کی طرف رجوع

کریں گے“

حضرت عائشہؓ کو شک تھا کہ جو چور ہے بدکار ہے شرابی ہے لیکن خدا سے ڈرتا ہے

کیا وہ بھی اس سے مراد ہے آپ نے فرمایا نہیں عائشہؓ اس سے وہ مراد ہے جو نمازی ہے روزہ

دار ہے زکوٰۃ دیتا ہے اور پھر خدا سے ڈرتا ہے دوسری وہ آیتیں ہیں جن کے متعلق دوسروں کے

دل میں کوئی شبہ پیدا ہوا ہے اور انہوں نے حضرت عائشہؓ سے ان کے متعلق سوال کیا ہے

(۱) لما خذنا سیرت عائشہ میں ان تفسیروں کے حوالے بھی مذکور ہیں

جس کا انہوں نے نہایت خوبی کے ساتھ ازالہ کیا ہے۔ مثلاً :-

(۱) اعمال حج میں اسے ایک کوہ صفاء و مروہ کے درمیان دوڑنا بھی ہے، قرآن مجید میں اس کے متعلق حسب ذیل الفاظ ہیں۔

إِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَائِرِ اللَّهِ فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ أَوْ اعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ أَنْ يَطُوفَ بِهِمَا (البقرة)

”صفا و مروہ کی پہاڑیاں شعائر الہی میں سے ہیں، پس جو خانہ کعبہ کا حج یا عمرہ کرے کچھ مضائقہ نہیں اگر وہ ان کا بھی طواف کرے۔“

عروہ نے کہا خالہ جان! اس کے تو یہ معنی ہوئے ہیں کہ اگر کوئی طواف نہ کرے تو بھی کچھ حرج نہیں فرمایا بھانجے تم نے ٹھیک کہا اگر آیت کا مطلب وہ ہوتا جو تم سمجھ رہے ہو تو خدایوں فرماتا۔ لا جناح ان لا يطوف بهما

اگر ان کا طواف نہ کرو تو کچھ حرج نہیں اصل میں یہ آیت انصار کی شان میں نازل ہوئی ہے، اوس و خزرج اسلام سے پہلے منات کی جسے پکارا کرتے تھے منات مثل میں نسب تھا اس لئے صفا و مروہ کے طواف کو وہ برا جانتے تھے اسلام لائے تو آنحضرت ﷺ سے دریافت کیا کہ ہم لوگ پہلے ایسا کیا کرتے تھے اب کیا حکم ہے اس پر خدا نے ارشاد فرمایا کہ صفا و مروہ کا طواف کرو اس میں کوئی مضائقہ کی بات نہیں۔

ابو بکر بن عبد الرحمن ایک محدث تھے ان کو حضرت عائشہؓ کی یہ تقریر معلوم ہوئی تو انہوں نے کہا، علم اس کو کہتے ہیں۔

(۲) قرآن مجید کی ایک آیت ہے۔

حَتَّىٰ إِذَا انشأَيْتُمُ الرُّسُلَ وَظَنُّوْا أَنَّهُمْ قَدْ كُذِّبُوا جَاءَهُمْ نَصْرُنَا

”یہاں تک کہ جب پیغمبر ناامید ہو گئے اور ان کو خیال ہوا کہ وہ جھوٹ بولے گئے تو ہماری مدد آگئی“

عروہ نے پوچھا (کذبوا جھوٹ بولے گئے) یعنی اس سے جھوٹ وعدہ کیا گیا یا کذبوا وہ جھٹلائے گئے فرمایا کذبوا جھٹلائے گئے عروہ نے کہا کہ اس کا تو ان کو یقین ہی تھا کہ وہ جھٹلائے گئے اور ان کی قوم نے ان کی نبوت کی تکذیب کی یہ ظن اور خیال تو نہ تھا اس لئے کذبوا ان سے جھوٹ وعدہ کیا گیا صحیح ہے بولیں معاذ اللہ پیغمبر ان اللہ کی نسبت یہ گمان نہیں کر سکتے کہ اس نے ان سے امداد و نصرت کا جھوٹ وعدہ کیا عروہ نے پوچھا کہ پھر آیت کا مطلب کیا ہے فرمایا کہ یہ پیغمبروں کے پیروں کے متعلق ہے کہ جب انہوں نے ایمان قبول

کیا، اور نبوت کی تصدیق کی اور ان کی قوم نے ان کو ستایا، اور مدد الہی میں ان کو تاخیر نظر آئی، یہاں تک کہ پیغمبر اپنی قوم کے منکرین ایمان سے ناامید ہو گئے، تو ان کو خیال ہوا کہ شاید اس تاخیر کے سبب سے مومنین بھی ہماری تکذیب کر دیں کہ دفعتاً خدا کی مدد آگئی۔

(۳) جس آیت پاک میں چار بیویوں کی اجازت دی گئی ہے اس کے الفاظ یہ ہیں:

وَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تُقْسِطُوا فِي الْيَتَامَىٰ فَانكِحُوا مَا طَابَ لَكُمْ مِنَ النِّسَاءِ مَقْشًى
وَثَلَاثَ وَرُبَاعَ (نساء)

”اگر تمہیں ڈر ہو کہ یتیموں کے بارے میں تم انصاف نہ کر سکو گے تو عورتوں میں سے دو دو تین تین چار چار سے نکاح کرو۔

بظاہر آیت کے پہلے اور پچھلے ٹکڑوں میں ربط نہیں معلوم ہوتا، یتیموں کے حقوق میں عدم انصاف اور چار نکاح کی اجازت میں باہم کیا تعلق ہے، چنانچہ ایک شاگرد نے حضرت عائشہؓ کے سامنے اس اشکال کو پیش کیا تو فرمایا کہ آیت کا شان نزول یہ ہے کہ بعض لوگ یتیم لڑکیوں کے دلی ہو جاتے تھے ان سے موروثی رشتہ داری ہوتی تھی اور وہ پانی ولایت کے زور سے چاہتے ہیں کہ ان سے نکاح کر کے ان کی جائیداد پر قبضہ کر لیں، اور چونکہ ان کی طرف سے کوئی بولنے والا نہیں ہوتا اس لئے مجبوراً اس کو ہر طرح دباتے ہیں، خدا نے پاک انہی لوگوں کو خطاب کرتا ہے کہ اگر تم ان یتیم لڑکیوں کے معاملے میں انصاف سے پیش نہ آ سکو تو ان کے علاوہ اور عورتوں سے دو تین چار نکاح کر لو، مگر ان کو نکاح کر کے اپنے قابو میں نہ لے آؤ۔

(۴) اسی سورہ میں ایک اور آیت ہے :-

يَسْتَفْتُونَكَ فِي النِّسَاءِ قُلِ اللَّهُ يُفْتِيكُمْ فِيهِنَّ وَمَا يُتْلَىٰ عَلَيْكُمْ فِي الْكِتَابِ فِي يَتَامَى النِّسَاءِ الَّتِي لَا تَوْلَوْنَ لَهُنَّ مَا كُتِبَ لَهُنَّ وَ تَرْغَبُونَ أَنْ تَنْكِحُوهُنَّ (نساء)

”ان لڑکیوں کی نسبت لوگ تجھ سے پوچھتے ہیں کہ دے کہ خدا ان کے حق میں فیصلہ کرتا ہے، اس کتاب میں (قرآن) جو کچھ تم لوگوں کو پڑھ کر سنایا گیا ہے، ان یتیم لڑکیوں کی نسبت جن کو نہ تو تم ان کے مقررہ حقوق دیتے ہو، اور نہ خود ان سے نکاح کرنا چاہتے ہو“

کسی سائل نے اس کے بعد اس آیت کا مطلب دریافت کیا تو فرمایا کہ اس آیت میں یہ جوار شاد ہوا ہے کہ قرآن مجید میں پہلے جو کچھ ان کے بارے میں پڑھ کر سنایا گیا ہے اس سے وہی پہلی آیت مراد ہے، یہ حکم ان اولیا سے متعلق ہے جو یتیم لڑکیوں کو نہ خود اپنے نکاح میں لاتے ہیں کہ وہ حسن سے محروم ہیں، اور نہ دوسروں سے ان کا نکاح کر دینا پسند کرتے ہیں کہ جائیداد مشترکہ کے ہاتھ سے نکل جانے کا خوف ہے۔

(۵) اس آیت کے مطلب میں لوگوں کو اختلاف ہے۔

مَنْ كَانَ غَنِيًّا فَلْيَسْتَعِظْ وَمَنْ كَانَ فَقِيرًا فَلْيَأْكُلْ بِالْمَعْرُوفِ

”جو تو گنہگار ہو اس کو اس سے پھینا چاہیے اور جو تنگ دست ہو وہ قاعدہ کے مطابق اس سے لے لے“
یہ آیت لولیاۓ یتامی کی شان میں ہے کہ وہ اگر محتاج ہوں تو یتیموں کے مال میں سے لے کر کھا سکتے ہیں، لیکن حضرت ابن عباسؓ نے مروی ہے کہ یہ آیت حسب ذیل آیت سے منسوخ ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ يَأْكُلُونَ أَمْوَالَ الْيَتَامَىٰ ظُلْمًا إِنَّمَا يَأْكُلُونَ فِي بُطُونِهِمْ نَارًا

”جو لوگ ظلم کر کے یتیموں کا مال کھاتے ہیں وہ اپنے پیٹ میں آگ کھاتے ہیں“
لیکن اس آیت میں تو یہ سزا ان لوگوں کے لئے بیان کی گئی ہے جو ظلم کر کے یتیموں کا مال کھاتے ہیں، حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ جس آیت میں کھانے کی اجازت ہے وہ ان لوگوں کے لئے ہے جو یتیموں کی جائیداد کی دیکھ بھال کرتے ہیں، ان کا کاروبار سنبھالتے ہیں اگر ولی صاحب استطاعت ہے تو اس کو اس خدمت کا معاوضہ لینا چاہیے اور اگر وہ مفلس اور تنگ دست ہے تو قاعدے کے مطابق حسب حیثیت لے سکتا ہے اس تفسیر کی بنا پر دونوں آیتوں میں کوئی تحائف نہیں ہے۔

(۶) عورت کو اگر اپنے شوہر سے شکایت ہو تو اس موقع کی آیت ہے :-

وَإِنْ امْرَأَةٌ خَافَتْ مِنْ بَغْلِهَا نَفْسًا أَوْ اِعْرَاضًا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا أَنْ يُصْلِحَا

بَيْنَهُمَا صُلْحًا وَالصُّلْحُ خَيْرٌ (نساء)

”اگر کسی عورت کو اپنے شوہر کی طرف سے ناراضامندی اور اعراض کا خوف ہو تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں کہ دونوں آپس میں صلح کر لیں اور صلح تو ہر حال میں بہتر ہے“
لیکن دفع ناراضی کے لئے صلح کرنا تو ایک عام ہے اس کے لئے خدا نے پاک کو اس خاص حکم کے نازل کرنے کی کیا حاجت تھی؟ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ یہ آیت اس عورت کی شان میں ہے جس کا شوہر اس کے پاس زیادہ آتا جاتا نہیں، یا بیوی سن سے اتر گئی ہے اور شوہر کی خدمت گزاری کے قابل نہیں رہی ہے، زن و شوئی کے باہمی فرائض انجام دینا ایک فرض دینی ہے لیکن اس خاص حالت میں اگر بیوی طلاق لینا پسند نہ کرے اور اپنے عام حقوق سے شوہر کو بسکدوش کر دے تو یہ باہمی مصالحت بری نہیں بلکہ قطعی علیحدگی سے بہتر ہے۔

ان آیات کے علاوہ حضرت عائشہؓ سے اور آیتوں کی تفسیریں بھی مروی ہیں، لیکن ہم نے جن آیتوں کی تفسیریں درج کی ہیں ان سے وقت نظری کے علاوہ یہ بھی ظاہر ہوتا ہے

کہ جو آیتیں عورتوں کے نکاح و طلاق کے معاملات سے تعلق رکھتی ہیں ان کا مطلب انہوں نے کس قدر صحیح سمجھا ہے اور کس طرح ان کو یاد رکھا ہے اور سچ تو یہ ہے کہ اگر عورتیں اپنے حقوق کا تحفظ کرنا چاہتی ہیں تو ان کو قرآن و حدیث کی صحیح تعلیم کی طرف خصوصیت کے ساتھ توجہ کرنی چاہیے۔

علم اسرار الدین :

علم اسرار الدین اس علم کو کہتے ہیں جن میں احکام شریعت کے علل و اسباب اور ان کے حکم و مصالح بیان کئے جاتے ہیں اور یہ علم اس قدر دقیقہ سنجی پر مبنی ہے کہ صرف چند فقہائے صحابہ یعنی حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ، حضرت زیدؓ اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ وغیرہ نے اس کے اصول و قواعد مہمہ کئے ہیں باقی اس فن میں اور صحابہ کی مساعی جمیلہ کا حصہ بہت کم شامل ہے بالخصوص اس میں صحابیات کے کارنامے تو بالکل نظر نہیں آتے لیکن تھا حضرت عائشہؓ نے شریعت کے جن رموز و اسرار کی گرہ کشائی کر دی ہے وہ صحابیات کی اس کمی کو پورا کر دیتی ہے بلکہ اس فن میں خود صحابہ سے بھی ان کا پلہ بھاری نظر آتا ہے اور صحابہ سے اس علم کے متفرق مسائل احادیث کی کتابوں میں مذکور ہیں لیکن حضرت عائشہؓ کے مسائل کی تعداد سے کئی گنا زیادہ ہے اور انہوں نے مذکورہ بالا صحابیات سے بہت زیادہ شریعت کے اسرار و مصالح کے پردہ کشائی کی ہے۔ اور بجز مسائل کا علل و اسباب بیان کئے ہیں مثلاً عہد نبوت میں عورتوں کی اخلاقی حالت چونکہ قابل اعتماد تھی اس لئے ان کو حضور ﷺ نے صلۃ اور شرکت جماعت کی اجازت تھی لیکن جب اخیر زمانہ میں عورتوں کے نظام اخلاق میں انحطاط پیدا ہو گیا تو حضرت عائشہؓ نے صاف صاف کہہ دیا :-

لواذرك رسول الله ﷺ ما احدث النساء لمنعهن المساجد كما منعه

نساء بنی اسرائیل (۱)

”عورتوں نے اپنی حالت میں جو تغیرات پیدا کر لئے ہیں اگر رسول اللہ ﷺ ان کو دیکھتے تو ان کو مسجد میں آنے سے روک دیتے جیسا کہ بنو اسرائیل کی عورتیں روک دی گئیں“

قرآن مجید کی مکی اور مدنی سورتوں میں متعدد فروق و امتیازات ہیں مثلاً جو سورتیں مکہ میں نازل ہوئیں ان میں زیادہ تر عقائد اور وقائع اخروی کا ذکر ہے اور مدنی سورتوں میں بتدریج اور امر و نواہی کا مطالبہ کیا گیا ہے کیونکہ اسلام ایک جاہل قوم میں آیا ہے

(۱) ابو داؤد کتاب الصلوۃ باب ماجاء فی خروج النساء الی المسجد والتشدید فی ذالک.

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

اس لئے اس کو پہلے خطیبانہ لور و اعظانہ طریقہ سے جنت لور دوزخ کا حال سنایا گیا جب اس سے لوگ متاثر ہو چکے تو اسلام کے احکام و قوانین لور امر و نواہی نازل ہوئے، اگر زنا و شراب خواری وغیرہ سے اجتناب کا پہلے ہی دن مطالبہ کیا جاتا تو دفعۃً کون اس ناموس آواز کو سنتا؟ اس قسم کے امتیازات و فروق کے دریافت کرنے پر یورپ کے علمائے مستشرقین کو بڑا ناز ہے، لیکن حضرت عائشہؓ نے پہلے ہی دن اس راز کو فاش کر دیا تھا، صحیح بخاری میں ان سے مروی ہے :-

‘انما نزل اول ما انزل منه سورة من المفصل فيها ذكر الجنة والنار حتى اذا تاب الناس الى الاسلام ثم نزل الحرام والحلال لو نزل اول شيء لا تشربوا الخمر لقالوا لا ندع الخمر ابداً ولو نزل لا تزنوا لقالوا لا ندع الزنا ابداً لقد نزل بمكة وانا جاريه العب بل الساعة موعدهم والساعة ادهى وامرو ما نزلت سورة البقرة والنساء لا وانا عنده (باب تالیف القرآن)

”قرآن کی سب سے پہلی سورہ جو نازل ہوئی وہ مفصل کی سورہ ہے جس میں جنت و دوزخ کا ذکر ہے، یہاں تک کہ جب لوگ اسلام کی طرف مائل ہوئے تو پھر حلال و حرام اتر آئے اگر پہلے یہ اترتا کہ شراب مت پیو گے تو لوگ کہتے کہ ہم ہر گز شراب نہ چھوڑیں گے اور اگر یہ اترتا کہ زنا نہ کرو تو کہتے کہ ہم ہر گز نہیں زنا چھوڑیں گے مکہ میں جب میں کھیلتی تھی تو یہ اترتا کہ ان کے وعدہ کا دن قیامت ہے، لور قیامت نہایت سخت لور نہایت تلخ چیز ہے، سورہ بقرہ اور سورہ نساء جب اتریں تو میں آپ کی خدمت میں تھی۔“

اسلام کے ظہور سے پہلے مدینہ میں قبائل باہم خانہ جنگیوں میں مصروف تھے جن میں ان کے اکثر ارباب ادعا جو اپنے اقتدار کے تحفظ کے ہر نئی تحریک کی کامیابی میں رکاوٹ پیدا کرتے ہیں، قتل ہو گئے انصار ان لڑائیوں سے اس قدر چور ہو گئے تھے کہ اسلام آیا تو ان سب نے اس کو اپنے لئے رحمت سمجھا، چونکہ ارباب ادعاء کا طبقہ مفقود ہو چکا تھا، اس لئے ان کی راہ میں کسی نے موانع پیدا نہیں کئے، اس طریقہ سے خدائے پاک نے ہجرت سے پہلے ہی مدینہ میں اسلام کی ترقی کے راستے صاف کر دیئے تھے، یورپ کے فلسفہ تاریخ نے آج اس نکتہ کو حل کیا ہے، لیکن حضرت عائشہؓ نے ان سے پہلے ہم کو بتا دیا تھا۔

كان يوم بعث يوم ما قدمه الله لرسوله ﷺ فقدمه رسول الله ﷺ وقد افرق ملوهم وقتلت سروا تهم وجو حوا فقدمه الله لرسوله في دخولهم الاسلام

(بخاری باب القسامه في الجاهلية)

”جنگ بعثت وہ واقعہ تھا جس کو خدا نے اپنے رسول کے لئے پہلے ہی سے پیدا کر دیا

تھا رسول اللہ ﷺ مدینہ میں آئے تو انصار کی جمعیت منتشر ہو گئی تھی، اور ان کے سردار مارے جا چکے تھے، اس لئے خدا نے اپنے رسول کے لئے ان کے حلقہ اسلام میں داخل ہونے کے لئے یہ واقعہ پہلے ہی مسیا کر دیا تھا۔

جن نمازوں میں چار رکعتیں ہوتی ہیں قصر کی حالت میں ان کی صرف دو رکعتیں ادا کی جاتی ہیں، بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ چار میں سے دو سہولت کی خاطر ساقط کر دی گئی ہیں، لیکن حضرت عائشہؓ اس کی وجہ یہ بتاتی ہیں:

فرضت الصلوة رکعتين ثم هاجرا النبي ﷺ ففرضت اربعاً و تركت

صلوة السفر على الاول (بخاری باب ہجرت)

”ہم میں دو رکعتیں نمازیں فرض تھیں جب آپ نے ہجرت فرمائی تو چار فرض کی گئیں، اور سفر کی نماز اپنی قدیم حالت پر چھوڑ دی گئی“

عبادت کا تو خدا نے ہر وقت حکم دیا ہے، لیکن احادیث میں حضرت عمرؓ سے مروی ہے کہ نماز عصر اور نماز فجر کے بعد کوئی نماز یعنی نفل و سنت بھی جائز نہیں، اس لئے بظاہر اس ممانعت کی کوئی وجہ نظر نہیں آئی، لیکن حضرت عائشہؓ اس کی یہ وجہ بیان فرماتی ہیں:

وهم عمرانما نهى رسول الله ﷺ عن الصلوة ان يتحرى طلوع

الشمس و غروبها (مسند احمد جلد ۶ ص ۱۴۴)

”عمر کو وہم ہوا، آپ نے صرف اس طرح نماز سے منع فرمایا ہے کہ کوئی شخص آفتاب کے طلوع یا غروب کے وقت کو تاک کر نماز نہ پڑھے“

یعنی آفتاب پرستی کا شبہ نہ ہو، آفتاب پرستوں کے ساتھ وقت عبادت میں تشبہ نہ ہو، احادیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ بیٹھ کر نفل پڑھتے تھے، اس بناء پر لوگ بغیر کسی عذر کے بھی بیٹھ کر نفل پڑھنا مستحب سمجھتے ہیں، ایک شخص نے حضرت عائشہؓ سے دریافت کیا کہ کیا آپ بیٹھ کر نماز پڑھتے تھے؟ جواب دیا:

حين خطمه الناس (ابوداؤد باب صلوة القاعد)

”یہ اس وقت تھا جب لوگوں نے آپ ﷺ کو توڑ دیا، یعنی آپ کمزور ہو گئے“

ابوداؤد اور مسلم میں ان سے اس قسم کے اور روایتیں بھی مروی ہیں، جن سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ کبر سنی اور ضعف کی وجہ سے ایسا کرتے تھے۔

ہجرت کے بعد جب نمازوں میں دو رکعتوں کے بجائے چار رکعتیں ہو گئیں، تو مغرب میں یہ اضافہ کیوں نہیں کیا گیا؟ حضرت عائشہؓ اس کا جواب یہ دیتی ہیں:

فانھا وتر النهار (مسند جلد ۶ ص ۲۴۱)

”مغرب میں اضافہ نہ ہوا کیونکہ وہ دن کی وتر ہے“

یعنی جس طرح رات کی نمازوں میں تین رکعتیں وتر کی ہیں اسی طرح دن کی نمازوں میں وتر کی یہ تین رکعتیں ہیں۔

نماز فجر میں تواضعینان زیادہ ہوتا ہے اس لئے اس میں رکعتیں اور زیادہ ہونی چاہئیں لیکن اور نمازوں سے کم ہیں حضرت عائشہؓ اس کی وجہ یہ بیان فرماتی ہیں:

وصلوة الفجر بطول قراتھا (مسند جلد ۶ ص ۲۴۱)

”نماز فجر میں رکعات کا اضافہ اس لئے نہیں ہوا کہ دونوں رکعتوں میں لمبی سورتیں پڑھی جاتی ہیں“

یعنی رکعتوں کی کمی کو طول قرأت نے پورا کر دیا۔

اہل جاہلیت عاشوراکا روزہ رکھتے تھے، اور وہ فرضیت صوم سے پہلے اسلام میں بھی واجب رہا، حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے اسی قسم کی روایت احادیث میں مذکور ہے، لیکن وہ نہیں بیان کرتے کہ جاہلیت میں اس دن کیوں روزہ رکھا جاتا تھا، لیکن حضرت عائشہؓ اس کا سبب یہ بیان فرماتی ہیں:

كانوا يصومون يوم عاشورا قبل ان يفرض رمضان وكان يوم تستر فيه

الكعبة (مسند احمد جلد ۶ ص ۲۴۴)

”اہل عرب رمضان کی فرضیت سے پہلے عاشوراکے دن کا روزہ رکھتے تھے، کیونکہ اس روز کعبہ پر غلاف چڑھایا جاتا تھا“

بلوجودیکہ آپ ہمیشہ تہجد پڑھتے تھے، لیکن رمضان کے پورے مہینے میں آپ نے تراتوح نہیں پڑھی، حضرت عائشہؓ اس کی یہ وجہ بیان فرماتی ہیں کہ پہلے دن جب آپ نے مسجد میں نماز تراتوح ادا فرمائی تو کچھ اور لوگ بھی شریک ہو گئے، دوسرے دن اور زیادہ مجمع ہوا، تیسرے دن اور بھی جمع ہوئے، چوتھے دن اتنا مجمع ہوا کہ مسجد میں جگہ نہ رہی، لیکن آپ باہر تشریف نہ لائے اور لوگ مایوس ہو کر چلے گئے صبح کو آپ نے لوگوں سے فرمایا:

اما بعد فانہ لم يخف على شانكم الليلة ولكني خشيت ان تفرض عليكم

صلاة الليل فتعجزوا.

”رات تمہاری حالت مجھ سے پوشیدہ نہ تھی لیکن مجھے ڈر ہوا کہ کہیں تم پر تراتوح فرض نہ ہو جائے اور تم اس کے ادا کرنے سے قاصر رہو“

حج کے بعض ارکان مثلاً طواف کرنا، بعض مقامات میں دوڑنا، کہیں کھڑا ہونا کہیں کنکری پھینکنا بظاہر فعل عبث معلوم ہوتے ہیں لیکن حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں:

انما جعل الطواف بالبيت و بالصفاء و المروة و رمي الجمار لا قامة ذكر

اللہ عزوجل (مسند احمد بن حنبل جلد ۶ ص ۶۴)

”خانہ کعبہ، صفا مروہ کا طواف کنکریاں پھینکنا تو صرف خدا کے یاد کرنے کے لئے

ہے“

قرآن مجید کے اشارات سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانہ میں یہ بھی ایک طرز عبادت تھا چونکہ حج یادگار ابراہیمی ہے اس لئے وہی طرز عبادت قائم رکھا گیا۔

مکہ معظمہ کے پاس محصب نام ایک وادی ہے جس میں رسول اللہ ﷺ نے پیام حج میں قیام فرمایا تھا اور آپ کے بعد خلفائے راشدین بھی اس میں قیام فرماتے رہے اس بناء پر حضرت عبد اللہ بن عمرؓ اس کو سنن حج میں شمار کرتے تھے لیکن حضرت عائشہؓ اس کو سنت نہیں سمجھتی تھیں اور آپ کے قیام کی یہ وجہ بیان فرماتی تھیں:

انما نزلہ رسول اللہ ﷺ لانه كان منزلا اسمعج لخروجه

”آپ نے یہاں صرف اس لئے قیام کیا تھا کہ یہاں سے چلنے میں آسانی ہوتی تھی“

حضرت ابن عباسؓ اور ابو رافعؓ بھی اس مسئلہ میں حضرت عائشہؓ کے ہم زبان ہیں^(۱)

ایک دفعہ آپ نے حکم دیا تھا کہ قربانی کا گوشت تین دن سے زیادہ نہ رکھا جائے بہت سے صحابہ کرام اس حکم کو دائمی سمجھتے تھے لیکن متعدد صحابہ کے نزدیک یہ حکم وقتی تھا حضرت عائشہؓ بھی ان ہی لوگوں میں ہیں اور اس وقتی حکم کا سبب یہ بتاتی ہیں:

لا ولكن لم يكن يضحى منهم الا قليل ففعل ذالك ليطعم من ضحى من لم

يضح (مسند جلد ۶ ص ۱۰۲)

”یہ نہیں ہے کہ قربانی کا گوشت تین دن کے بعد حرام ہو جاتا ہے بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس زمانہ میں کم لوگ قربانی کر سکتے تھے اس لئے آپ نے یہ حکم دیا کہ جو لوگ قربانی کریں وہ ان لوگوں کو کھلائیں جنہوں نے قربانی نہیں کی ہے“

حضرت عائشہؓ کی یہی حدیث امام مسلم نے ایک خبر کی صورت میں بیان کی ہے یعنی یہ

کہ ایک سال مدینہ کے آس پاس دیساتوں میں قحط پڑا، اس سال آپ نے یہ حکم دیا، اور دوسرے سال جب قحط نہیں رہا، اس کو منسوخ فرمادیا، حضرت سلمہ بن اکوع سے بھی اسی قسم کی روایت ہے۔^(۱)

کعبہ کے ایک طرف کی دیوار کے بعد کچھ جگہ چھوٹی ہوئی تھی جس کو حطیم کہتے ہیں اور طواف میں اس کو بھی اندر داخل کر لیتے ہیں، لیکن ہر شخص کے دل میں یہ سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ جو حصہ کعبہ کے اندر داخل نہیں اس کو طواف میں کیوں شامل کرتے ہیں؟ حضرت عائشہؓ کے دل میں یہ سوال پیدا ہوا اور انہوں نے آنحضرت ﷺ سے دریافت کیا یا رسول اللہ ﷺ یہ دیواریں بھی خانہ کعبہ میں داخل ہیں؟ ارشاد ہوا ”ہاں“ عرض کی کہ پھر بناتے وقت لوگوں نے ان کو اندر کیوں نہیں کر لیا؟ فرمایا تیری قوم کے پاس سرمایانہ تھا، اس لئے اتنا کم کر دیا، پھر عرض کی کہ اس کا دروازہ اتنا بلند کیوں رکھا؟ فرمایا یہ اس لئے تاکہ وہ جس کو چاہیں اندر جانے دیں اور جس کو چاہیں روک دیں۔“

حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ اگر عائشہؓ کی یہ روایت صحیح ہے، تو معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے اسی لئے ادھر کے دونوں رکنوں کا بوسہ نہیں دیا، لیکن سوال یہ ہے کہ جب آنحضرت ﷺ کو یہ معلوم تھا کہ خانہ کعبہ اپنے اصلی اساس پر قائم نہیں ہے تو شریعت ہر ایسی کے مجدد کی حیثیت سے آپ کا فرض تھا کہ اس کو ڈھا کر نئے سرے سے تعمیر کرتے، لیکن آپ نے حضرت عائشہؓ سے خود اس کی وجہ یہ بیان فرمادی کہ ”عائشہؓ تیری قوم اگر کفر کے زمانہ سے قریب نہ ہوتی تو میں کعبہ کو ڈھا کر اساس ابراہیمؑ پر تعمیر کراتا۔“

آج کل ہجرت کے یہ معنی سمجھے جاتے ہیں کہ گھریا چھوڑ کر مدینہ جا کر آباد ہو جانا خواہ وہ پہلے جہاں آباد تھے، کیسے ہی امن و امان کا ملک ہو، لیکن حضرت عائشہؓ نے ہجرت کی حقیقت یہ بتائی ہے۔

لا هجرة اليوم كان المومنون يفر احد هم بدینه الى الله والى رسوله
مخافة ان يفتن عليه فاما اليوم فقد اظهر الله الاسلام واليوم يعبد ربه حيث شاع
ولكن جهاد ونية (بخاری باب الهجرة)

”اب ہجرت نہیں ہے، ہجرت اس وقت تھی جب مسلمان اپنے مذہب کو لے کر خدا اور اس کے رسول کے پاس ڈر سے دوڑ آتا تھا کہ اس کو تبدیل مذہب کی بنا پر ستایا نہ جائے

لیکن اب خدا نے اسلام کو غالب کر دیا اب مسلمان جہاں چاہے اپنے خدا کو پوج سکتا ہے، ہاں جہاد اور نیت کا ثواب باقی ہے۔“

رسول اللہ ﷺ کے وصال کے بعد صحابہ کرام میں اختلاف پیدا ہوا کہ آپ کو کہاں دفن کیا جائے، ایک روایت میں ہے کہ حضرت ابو بکرؓ نے کہا کہ پیغمبر جہاں مرے ہیں وہیں دفن ہوتے ہیں، لیکن اس کا اصل سبب حضرت عائشہؓ بیان فرماتی ہیں۔

قال رسول الله ﷺ مرضه الذي لم يقم منه لعن الله اليهود والنصارى اتخذوا قبور انبيائهم مساجد لولا ذلك ابرز قبره غير انه خشي ان يتخذ مسجداً (بخاری آخر کتاب الجنائز و مسند احمد جلد ۶ ص ۱۲۱)

”آپ نے مرض الموت میں فرمایا کہ خدایسود و نصاریٰ پر لعنت بھیجے کہ انہوں نے اپنے پیغمبروں کی قبروں کو سجدہ گاہ بنالیا (حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں) کہ اگر یہ نہ ہوتا تو آپ کی قبر کھلے میدان میں ہوتی لیکن چونکہ اس کا خوف تھا کہ وہ بھی سجدہ گاہ نہ بن جائے اس لئے آپ حجرے ہی کے اندر مدفون ہوئے۔“

علم حدیث :

محدثین نے روایت حدیث کے لحاظ سے صحابہ کے پانچ طبقے قرار دیئے، میں اور تقریباً ہر طبقے میں صحابہ کے ساتھ صحابیات بھی شامل ہیں۔
(۱) اول طبقہ یعنی وہ صحابہ جن کی روایتیں ہزار یا ہزار سے زیادہ ہیں، حضرت عائشہؓ کا شمار اسی طبقے سے ہے۔

(۲) دوسرا طبقہ یعنی وہ صحابہ جن کی روایتیں پانچ سو یا پانچ سو سے زیادہ ہیں، اس میں کوئی صحابیہ شامل نہیں۔

(۳) تیسرا طبقہ یعنی وہ صحابہ جن کی روایتیں سو یا سو سے زیادہ ہیں مگر پانچ سو سے کم ہیں، حضرت ام سلمہؓ اسی میں محسوب ہیں۔

(۴) چوتھا طبقہ یعنی وہ صحابہ جن کی تعداد روایت چالیس سے سو تک ہے اس طبقہ میں بھرت صحابیات شامل ہیں۔ مثلاً ام المؤمنین ام حبیبہؓ، ام المؤمنین میمونہؓ، ام عطیہ انصاریہؓ، ام المؤمنین حصہؓ، اسماء بنت ابی بکرؓ، ام ہانیؓ

(۵) پانچواں طبقہ یعنی وہ صحابہ جن کی روایتیں چالیس یا چالیس سے کم ہیں، اس طبقہ میں بھرت صحابیات شامل ہیں۔ مثلاً حضرت ام قیسؓ، حضرت فاطمہ بنت قیسؓ، حضرت ربیعہ بنت مسعودؓ، حضرت سمرہ بنت صفوانؓ، حضرت کلثوم بنت حسینؓ، حضرت جعدہ بنت وہبؓ وغیرہ۔

قرن روایت :

روایت کے علاوہ حدیث کے متعلق درایت کی ابتداء صحابیات سے ہی ہوئی یعنی حضرت عائشہؓ نے بعض روایتوں پر درایت تنقید کی اور اس سے درایت کے خاص اصول قائم ہوئے مثلاً ان کے سامنے جب روایت کی گئی کہ مردے پر اس کے اہل و عیال کے رونے سے عذاب ہوتا ہے تو انہوں نے درایت اس روایت کے قبول کرنے سے انکار کیا اور کہا کہ قرآن مجید میں ہے۔

لَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرَىٰ

”ایک کے گناہ کا بوجھ دوسرا نہیں اٹھا سکتا“

رونا اہل و عیال کا گناہ ہے اس کا عذاب مردے پر کیوں ہوگا؟ اس سے یہ اصول قائم ہوا کہ جو روایت نصوص قرآنیہ کے خلاف ہو وہ قبول نہیں کی جاسکتی چنانچہ اس اصول کی رو سے انہوں نے متعدد روایتوں کی تنقید کی ہے مثلاً صحابہ کرام کے دور میں یہ خیال پھیل گیا تھا کہ رسول اللہ ﷺ نے شب معراج میں خدا کو دیکھا تھا لیکن حضرت عائشہؓ کے سامنے اس کا ذکر آیا تو یوں لیں جو شخص یہ روایت کرے وہ دروغ گو ہے اس کے بعد یہ آیت پڑھی :

لَا تَلْوُكُ الْأَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْأَبْصَارَ وَهُوَ اللَّطِيفُ الْخَبِيرُ

”خدا کو کوئی نگاہ نہیں پاسکتی اور وہ نگاہوں کو پالیتا ہے وہ لطیف اور خبیر ہے“

ان کے سامنے جب یہ روایت کی گئی کہ نحوست عورت گھوڑے اور گمر میں ہے تو انہوں نے اس سے انکار کیا اور یہ آیت پڑھی :

مَا أَصَابَ مِنْ مُّصِيبَةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي أَنْفُسِكُمْ إِلَّا فِي كِتَابٍ مِنْ قَبْلِ أَنْ نَبْرَأَهَا

”زمین میں یا تمہارے اندر تمہیں جو مصیبتیں پہنچتی ہیں وہ پہلے سے لکھی ہوتی ہیں“

غزوہ بدر میں جو مارے گئے تھے رسول اللہ ﷺ نے ان کے مدفن پر کھڑے ہو کر

فرمایا تھا : هَلْ وَجَدْتُمْ مَا وَعَدَ رَبُّكُمْ حَقًّا

”خدا نے جو تم سے وعدہ کیا تم نے اس کو پایا“

ایک روایت میں ہے کہ حضرت عمرؓ نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! آپ مردوں کو

پکارتے ہیں آپ نے جواب میں فرمایا :

(۱) یہ روایتیں بہ ترتیب عین الاصابہ فیما استدرکتہ السیدۃ عائشہؓ علی الصحابہ صفحہ ۸، ۱۷، ۱۸، ۲۱ میں موجود ہیں

آخر روایت کے علاوہ اور روایتیں بخاری میں بھی ہیں

ما انت باسمع منهم ولكن لا يجيئون

”تم ان سے زیادہ نہیں سنتے لیکن وہ جواب نہیں دے سکتے“

حضرت عائشہؓ کے سامنے جب یہ روایت کی گئی تو انہوں نے کہا کہ آپ نے یہ

نہیں بلکہ یہ ارشاد فرمایا تھا: انهم ليعلمون الآن ما كنت اقول لهم حق

”وہ اس وقت یقینی طور پر جانتے ہیں کہ میں ان سے جو کچھ کہتا تھا وہ سچ تھا“

اس کے بعد انہوں نے قرآن مجید کی یہ آیت پڑھی:

إِنَّكَ لَا تَسْمَعُ الْمَوْتَىٰ، وَمَا أَنْتَ بِمُسْمَعٍ مِّنْ فِي الْقُبُورِ

”اے پیغمبر تو مردوں کو اپنی بات نہیں سنا سکتا اور نہ ان کو جو قبر میں ہیں“

مطلب یہ ہے کہ اس آیت کی رو سے کفار آپ کی آواز سن ہی نہیں سکتے تھے (۱)

عام طور پر لوگ متعہ کی حرمت میں احادیث پیش کرتے ہیں، لیکن حضرت عائشہؓ

کے ایک شاگرد نے جواز متعہ کی روایت کی نسبت ان سے پوچھا تو انہوں نے اس کا جواب

حدیث سے نہیں دیا بلکہ فرمایا میرے تمہارے درمیان خدا کی کتاب ہے، پھر یہ آیت پڑھی:

وَالَّذِينَ هُمْ يَلْعَنُونَ إِلَّا عَلَىٰ أَزْوَاجِهِمْ أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُمْ

فَإِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُومِينَ

”جو لوگ کہ اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرتے ہیں، بجز اپنی بیویوں یا لونڈیوں کے

ان پر کوئی ملامت نہیں“

اس لئے ان دو صورتوں کے علاوہ کوئی اور صورت جائز نہیں (۲)

حضرت ابو ہریرہؓ سے ایک روایت ہے کہ حرامی لڑکا تینوں میں (ماں باپ، بچہ) بدتر

ہے۔ حضرت عائشہؓ نے سنا تو فرمایا یہ صحیح نہیں ہے، واقعہ یہ ہے کہ ایک منافق تھا جو رسول اللہ

ﷺ کو برا بھلا کہا کرتا تھا، لوگوں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! اس کے علاوہ وہ ولد الزنا بھی

ہے آپ نے فرمایا کہ وہ تینوں میں بدتر ہے، یعنی اپنے ماں باپ سے زیادہ برا ہے، یہ ایک خاص

واقعہ تھا، عام نہ تھا خدا فرماتا ہے:

وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرَىٰ

”کوئی کسی دوسرے کے گناہ کا بوجھ نہیں اٹھاتا“

یعنی قصور تو ماں کا ہے، بچہ کا کیا گناہ ہے (۳) جس کی بنا پر وہ ان سے برا قرار دیا جائے۔

(۱) بخاری غزوہ بدر (۲) اصحابہ سیوطی بحوالہ حاکم (۳) ایضاً

علم فقہ :

عہد نبوت میں علم فقہ کوئی مدون و مرتب نہ تھا کہ صحابہ باقاعدہ اس کی تعلیم حاصل کرتے سوال و استفادہ کے ذریعہ ہے شہید رسول اللہ ﷺ سے بہت سے مسائل دریافت کئے جاسکتے تھے لیکن صحابہ کرام کچھ تو فرط لوب سے اور کچھ اس لئے کہ قرآن نے سوال کی ممانعت کر دی تھی آپ سے بہت کم مسائل دریافت کرتے تھے مسند دارمی میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ صحابہ نے رسول اللہؐ سے صرف تیرہ مسائل دریافت کئے جو کل کے کل قرآن مجید میں مذکور ہیں ^(۱) اس بناء پر آپ سے فقہی تعلیم حاصل کرنے کا صرف یہ طریقہ تھا کہ صحابہ کرام آپ کے تمام اعمال مثلاً وضو، نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ کا بغور مطالعہ کرتے تھے اور قرآن و امارات سے ان اعمال کے شروط و ارکان کو مباح و واجب اور منسوخ و غیرہ قرار دیتے تھے ^(۲) لیکن صحابیات کو اس طریقہ سے فائدہ اٹھانے کا بہت کم موقع ملتا تھا اس کے ساتھ جو فقہی مسائل عورتوں کے ساتھ مخصوص ہیں وہ عام طور پر بیان بھی نہیں کئے جاسکتے تھے اس لئے صحابیات کو زیادہ تر آپ سے سوال و استفادہ کی ضرورت پیش آتی تھی چنانچہ خود حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں :

نعم النساء نساء الانصار لم یکن یمنعنہن الحیاء ان یتفقہن فی الدین ^(۳)
 ”انصار یہ عورتیں کس قدر اچھی تھیں کہ تھہ فی الدین سے ان کو حیل باز نہیں رکھتی تھی“
 غرض اس طریقہ سے تعلیم سے صحابیات کو مختلف فوائد پہنچے اور اس طرح ان کے تین طبقے قرار پائے۔

(۱) مٹھریں یعنی وہ لوگ جن سے بکثرت مسائل منقول ہیں (۲) مقلین یعنی وہ لوگ جن سے بہت کم مسائل مروی ہیں (۳) متوسطین یعنی وہ لوگ جو ان دونوں طبقوں کے درمیان میں ہیں اور ان تینوں طبقوں میں صحابہ کرامؓ کے ساتھ جو صحابیات شامل ہیں ان کے نام حسب ذیل ہیں، مٹھریں میں جن کے متعلق علامہ لکن حزم نے لکھا ہے کہ اگر ان کے فتاویٰ جمع کئے جائیں تو ہر ایک کے فتاویٰ سے ضخیم جلدیں تیار ہو سکتی ہیں حضرت عائشہؓ داخل ہیں۔
 متوسطین جن کے فتاویٰ رسالوں کی صورت میں جمع ہو سکتے ہیں حضرت ام سلمہ شامل ہیں۔ مقلین جن سے صرف چند مسائل منقول ہیں ان میں بکثرت صحابیات شامل ہیں

(۱) مسند دارمی ص ۲۹ (۲) حجة الله البالغة مطبوعه مصر ص ۱۱۲

(۳) مسلم کتاب الطہارت باب استحباب استعمال الحسلہ من الحيض قرضہ من مسك فی موضع الدم

مثلاً حضرت ام عطیہؓ حضرت صفیہؓ حضرت حصہؓ حضرت ام حبیبہؓ علی بنت قالفؓ حضرت اسماءؓ حضرت ام شریکؓ حضرت خولہؓ حضرت عاتکہؓ بنت زیدؓ حضرت سہلہؓ حضرت جویریہؓ حضرت میمونہؓ حضرت فاطمہ بنت قیسؓ رضی اللہ عنہن وغیرہ۔

خاتمہ

مناقب صحابیاتؓ

یہ ایک مختلف فیہ مسئلہ ہے، کہ صحابہ کرامؓ میں سب سے افضل کون ہے؟ عام بہست والجماعت کا عقیدہ یہ ہے کہ خلفائے راشدین تمام صحابہ میں افضل ہیں اور خود خلفاء میں فضیلت کے مدارج ترتیب خلافت کی رو سے قائم ہوئے ہیں، لیکن علامہ ابن حزم ظاہری کے نزدیک ازواج مطہرات تمام صحابہ سے افضل ہیں اور اس مسئلہ کو انہوں نے اپنی کتاب مل والنخل میں نہایت تفصیل کے ساتھ لکھا ہے، اور اسی سلسلہ میں ان آیات وحدیث کے جو بات بھی دیئے ہیں جن سے بظاہر یہ ثابت ہوتا ہے کہ عورتوں کا درجہ عموماً مردوں سے کم ہے، لیکن اس وقت ہم ان مباحث میں پڑنا نہیں چاہتے، بلکہ مذہبی اور اخلاقی حیثیت سے جو وجوہ فضیلت قائم ہو سکتی ہیں ان کو پیش نظر رکھ کر صحابیات کے مناقب میں صحیح حدیثیں نقل کر دیتے ہیں جن سے یہ ثابت ہوگا کہ جن وجوہ کی بنا پر صحابہ کرامؓ کے فضائل کی بنیاد قائم ہوئی ہے، ان میں ان کے ساتھ صحابیاتؓ بھی شامل ہیں۔

اسلام میں سب سے بڑی فضیلت تقدم فی الاسلام ہے، اور حضرت ابو بکر صدیقؓ کے فضائل میں یہ فضیلت سب سے نمایاں ہے، لیکن اس فضیلت میں ان کے ساتھ دو عورتیں بھی شامل ہیں، یعنی حضرت خدیجہؓ اور حضرت سمیہؓ یا ام ایمنؓ، چنانچہ صحیح بخاری مناقب ابو بکرؓ میں حضرت عمارؓ سے مروی ہے:

رأيت رسول الله ﷺ ومعه الاخمسة اعدوا امرأتان وابوبكر
”میں نے رسول اللہ ﷺ کو اس حالت میں دیکھا ہے کہ آپ کے ساتھ صرف پانچ غلام دو عورتیں اور حضرت ابو بکرؓ تھے۔“

تقدم فی الاسلام کے بعد سب سے بڑی فضیلت تقدم فی الجہت ہے، اور اس فضیلت میں تمام مہاجرات ولات صحابہ کی شریک ہیں، چنانچہ علامہ ابن حزم ظاہری مل والنخل میں لکھتے ہیں:

فلنسائنشك ان المهاجرات الاولات من نساء الصحابة رضى الله عنهم
 يشاركن الصحابة في الفضل ففاضلة و مفضولة و فاضل و مفصول ففيهن من يفضل
 كثيراً من الرجال وفي الرجال من يفضل كثيراً منهن وما ذكر الله تعالى منزلة من
 الفضل الاوترون النساء مع الرجال فيها كقوله تعالى ان المسلمين والمسلمات
 ”ہم کو اس میں شک نہیں ہے کہ صحابہ کی بیویوں میں مہاجراتِ اولات فضیلت میں
 صحابہ کی شریک ہیں ان میں کسی عورت پر اور کسی مرد کو کسی مرد پر فضیلت حاصل ہے
 عورتوں میں بعض عورتیں بہت سے مردوں پر فضیلت رکھتی ہیں اور اسی طرح مردوں میں
 بعض مرد بہت سی عورتوں پر فضیلت رکھتے ہیں خدا نے فضیلت کا کوئی درجہ ایسا نہیں بیان کیا
 جس میں مردوں کے ساتھ عورتوں کو شامل نہ کیا ہو مثلاً خدا کا یہ قول کہ مسلمان مرد
 اور مسلمان عورتیں۔“

اسلام میں سب سے پہلی ہجرت حبشہ کی ہجرت ہے اور اس ہجرت میں ایک
 صحابیہ کو ایک ایسا شرف حاصل ہوا جس پر تمام مہاجرین حبشہ کو ناز تھا چنانچہ حضرت موسیٰ
 اشعری سے روایت ہے کہ جب ہم کو مدینہ کی طرف رسول اللہ ﷺ کی ہجرت کا سال معلوم
 ہوا تو ہم نے بھی اپنی قوم کے ۵۳ یا ۵۲ آدمی کے ساتھ ہجرت کا ارادہ کیا اور اس غرض سے
 کشتی پر سوار ہو کر مدینہ کی طرف روانہ ہوئے سوء اتفاق سے کشتی حبش میں جا پڑی اور ان
 لوگوں کی ملاقات حضرت جعفر بن ابی طالب اور ان کے رفقاء سے ہو گئی چنانچہ حضرت جعفر
 نے ان لوگوں سے کہا کہ ہم کو رسول اللہ ﷺ نے یہاں بھیجا ہے اور یہیں اقامت کا حکم دیا ہے
 تم لوگ بھی ہمارے ساتھ اقامت کرو ان لوگوں نے وہاں اقامت اختیار کی یہاں تک کہ جب
 خیبر فتح ہوا تو سب کے سب ایک ساتھ آئے اور خیبر ہی میں رسول اللہ ﷺ سے ملے اس
 موقع پر ان لوگوں کو یہ فضیلت حاصل ہوئی کہ جو لوگ غزوہ خیبر میں شریک نہ تھے ان میں
 ان کے سوا رسول اللہ ﷺ نے کسی کو مال غنیمت سے حصہ نہیں دیا ان لوگوں سے بعض صحابہ
 نے کہا کہ ہم نے تم سے پہلے ہجرت کی ہے حضرت اسماء بنت عمیس بھی ان ہی لوگوں کے ساتھ
 ہی حبشہ سے آئیں تھیں وہ ایک روز حضرت حصہ کی ملاقات کو گئیں تو حضرت عمرؓ بھی آگئے
 اور ان کو دیکھ کر پوچھا کہ یہ کون ہے؟ حضرت حصہ نے جواب دیا کہ اسماء بنت عمیسؓ ان کا نام
 سن کر حضرت عمرؓ نے فرمایا حبشہ ہے یہ بحریہ (یعنی سمندر کی رہنے والی) ہے حضرت اسماء

بنت عیسٰیؑ نے کہا کہ ہاں ہم ہیں، اب حضرت عمرؓ نے کہا کہ ہم نے تم سے پہلے ہجرت کی ہے، ہم تم سے زیادہ رسول اللہ ﷺ کے مستحق ہیں، یہ سن کر حضرت اسماءؓ برہم ہوئیں اور کہا کہ عمر تم غلط کہتے ہو، خدا کی قسم تم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ رہتے تھے اور ہم تمہارے بھوکے کو کھانا کھلاتے تھے اور تمہارے جاہل کو نصیحت کرتے تھے اور ہم حبش کے دور ترین مہوض زمین میں پڑے ہوئے تھے، ہم کو ایذا دی جاتی تھی، ہم خائف رہتے تھے اور یہ سب کچھ صرف خدا اور خدا کے رسول کی ذات کے لئے تھا خدا کی قسم تم نے جو کچھ کہا ہے، جب تک اس کا ذکر رسول اللہ ﷺ سے نہ کر لوں گی، نہ کھاؤں گی نہ پانی پیوں گی خدا کی قسم کسی قسم کا جھوٹ نہ بولوں گی، کجروی نہ اختیار کروں گی اور اس واقعہ میں کوئی اضافہ نہ کروں گی، چنانچہ جب آپ تشریف لائے تو انہوں نے اس واقعہ کو بیان کیا، اور آپ نے اس کو سن کر فرمایا وہ تم سے زیادہ میرے مستحق ہیں عمر اور ان کے اصحاب کی صرف ایک ہجرت ہے، اور تم اہل کشتی کی دو ہجرتیں ہیں، حضرت اسماءؓ کا بیان ہے کہ ابو موسیٰؓ اور دوسرے کشتی والے جوق در جوق میرے پاس آتے تھے، اور اس حدیث کو پوچھتے تھے، ان کے لئے دنیا کی کوئی چیز اس سے زیادہ مسرت خیز اور با عظمت نہ تھی حضرت ابو موسیٰؓ بار بار مجھ سے اس حدیث کو پوچھتے تھے۔^(۱)

فضیلت کی ایک بڑی وجہ محبت رسول ہے، اور اس محبت کی وجہ سے بعض صحابیات کو وہ درجہ تقرب رسول حاصل ہوا جو صرف مخصوص صحابہ کو حاصل تھا، صحیح مسلم میں روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ازواج مطہرات کے سوا بجز حضرت ام سلیمؓ و حضرت انسؓ کی ماں کے کسی عورت کے پاس تشریف نہیں لے جاتے تھے، چنانچہ آپ سے اس کی وجہ پوچھی گئی، تو آپ نے فرمایا مجھے ان پر رحم آتا ہے، کیونکہ ان کے بھائی میرے ساتھ شہید ہوئے تھے۔^(۲) جس لطف و محبت کے ساتھ آپ ان کے گھر تشریف لے جاتے تھے، اسی لطف و محبت کے ساتھ وہ آپ کی خدمت گزاری بھی کرتی تھیں، بخاری کتاب الاستیذان میں ہے کہ جب آپ ان کے گھر تشریف لے جاتے تھے تو وہ آپ کے لئے چھوٹا بچھا دیتیں، آپ آرام فرماتے، جب سو کر اٹھتے تھے تو وہ آپ کا پینہ ایک شیشی میں جمع کر لیتیں، مرتے وقت وصیت کی کہ کفن میں حنوط کے ساتھ عرق مبارک بھی شامل کر لیا جائے، حضرت انس بن مالکؓ کی خالہ ام حرامؓ کو بھی اکثر یہ شرف حاصل ہوتا تھا، چنانچہ معمول تھا کہ جب آپ قباء کو تشریف

(۱) مسلم باب من فضائل جعفر بن ابی طالب و اسماء بنت عیسٰی و اہل سفینہم (۲) صحیح مسلم

باب من فضائل ام انسؓ ابن مالک و ہلالؓ

لے جاتے تو ان کے پاس ضرور جاتے وہ اکثر کھانا لے کر پیش کرتیں، اور آپ نوش فرماتے۔ آپ سو جاتے تو وہ آپ کے بالوں سے جو نیس نکالتیں^(۱) مخصوص صحابیات کے علاوہ قومی حیثیت سے بھی بعض صحابیات کو بعض معاشرتی فضائل حاصل ہیں اور ان فضائل میں اس قبیلے کی تمام صحابیات شامل ہیں، مثلاً ایک بار رسول اللہ ﷺ نے حضرت ام ہانیؓ سے نکاح کی خواہش کی تو انہوں نے یہ معذرت کی کہ میرا سن زیادہ ہو گیا اور میرے لڑکے ہیں (جن کی پرورش میرے لئے ضروری ہے اس موقع پر آپ نے عموماً قریشی عورتوں کی یہ فضیلت بیان کی)

خیر نساء رکن الابل نساء قریش احناہ علی یتیم فی صغره ورعاه علی زوج فی ذات یدہ^(۲)

”شتر سوار عورتوں میں سب سے بہتر قریش کی عورتیں ہیں، بچپن میں اپنے یتیم بچے سے محبت رکھتی ہیں اور اپنے شوہر کے مال کی بہت زیادہ حفاظت کرتی ہیں“
انصاریہ کا قبیلہ اسلام میں ایک خاص درجہ فضیلت رکھتا ہے اور اس قبیلہ کے مرد اور عورت دونوں رسول اللہ ﷺ کو یکساں محبوب تھے، چنانچہ حضرت انس بن مالکؓ سے مروی ہے کہ ایک بار انصار کی عورتیں اور انصار کے لڑکے ایک شادی کی تقریب سے واپس آرہے تھے، آپ ﷺ نے ان کو دیکھا تو کھڑے ہو گئے اور تین بار فرمایا کہ ”تم لوگ میرے نزدیک تمام لوگوں سے زیادہ محبوب ہو“

دوسری روایت میں ہے کہ ایک انصاریہ صحابہ اپنے بچے کو ساتھ لیکر آئیں اور آپ نے ان سے گفتگو فرمائی اور اسی سلسلہ میں دوبارہ فرمایا کہ ”اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے تم تمام لوگوں میں مجھے سب سے زیادہ محبوب ہو“۔

ان فضائل کی بنیاد پر رسول اللہ ﷺ کے وصال کے بعد خلفائے راشدینؓ نے بھی صحابیات کی قدر و منزلت کو قائم رکھا، چنانچہ صحیح مسلم میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ حضرت ام ابیہؓ کی ملاقات کو تشریف لے جایا کرتے تھے، آپ کی وفات کے بعد حضرت ابو بکرؓ نے حضرت عمرؓ سے فرمایا کہ آؤ چلیں، جس طرح رسول اللہ ﷺ ان کی ملاقات کو جایا کرتے تھے اسی طرح ہم بھی ان کی ملاقات کر آئیں، چنانچہ جب ان کے پاس پہنچے تو وہ روپڑیں، ان لوگوں نے کہا کیوں روتی ہو، خدا کے پاس رسول اللہ ﷺ کا جو درجہ ہے وہ نہایت بہتر ہے بولیں میں

(۱) بخاری کتاب الجہاد ص ۳۹۱ (۲) مسلم باب من فضائل نساء قریش (۳) بخاری کتاب

النساق باب قول النبی ﷺ لانا نصار انتم احب الناس الی

اس لئے نہیں روتی کہ میں اس سے ناواقف ہوں بلکہ اس لئے روتی ہوں کہ وحی کا آسمانی سلسلہ ٹوٹ گیا اس پر یہ دونوں بزرگ بھی رو پڑے۔

عام صحابیات کے علاوہ ازواج مطہرات کو جو عزت حاصل تھی عورتوں کی تاریخ میں اس کی نظیر نہیں مل سکتی۔ نبی رسول اللہ ﷺ کی ایک حرم محترم نے انتقال کیا تو حضرت عبداللہ بن عباس سجدے میں گر پڑے لوگوں نے کہا کہ آپ اس وقت سجدہ کرتے ہیں؟ بولے جب قیامت کی کوئی نشانی دیکھو تو سجدہ کر لیا کرو پھر ازواج مطہرات کی موت سے بڑھ کر قیامت کی کون سی نشانی ہوگی (۱) 'مقام' سرف میں حضرت میمونہؓ نے وفات پائی تو حضرت عبداللہ بن عباس بھی ساتھ تھے بولے کہ یہ میمونہ ہیں ان کا جنازہ اٹھاؤ تو مطلق حرکت و جنبش نہ دو (۲) (۳)

بعض صحابہ عزت و محبت کی وجہ سے ازواج مطہرات پر اپنی جائیدادیں وقف کرتے تھے۔ چنانچہ حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ نے ازواج مطہرات کے لئے باغ کی وصیت کی تھی جو چار ہزار پر فروخت کیا گیا۔ (۴)

خلفاء ازواج مطہرات کا نہایت ادب و احترام کرتے تھے حضرت عمرؓ نے اپنے زمانہ خلافت میں ازواج مطہرات کی تعداد کے لحاظ سے نو پیالے تیار کرائے جب ان کے پاس کوئی میوہ یا اور کوئی کھانے کی عمدہ چیز آتی تو ان پیالوں میں کر کے تمام ازواج مطہرات کی خدمت میں بھیجتے تھے۔ (۵)

۲۳ ہجری میں جب حضرت عمرؓ امیر الحاج بن گئے تو ازواج مطہرات کو بھی نہایت عزت کے ساتھ ہمراہ لے گئے حضرت عثمانؓ اور حضرت عبداللہ بن عوفؓ کو سوار یوں کے ساتھ کر دیا تھا یہ لوگ آگے پیچھے چلتے تھے اور کسی کو سوار یوں کے قریب آنے نہیں دیتے تھے ازواج مطہرات منزل پر اترتی تھیں تو حضرت عثمانؓ اور حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ کسی کو قیام گاہ کے متصل آنے کی اجازت نہیں دیتے تھے۔ (۶)

عام مسلمان ازواج مطہرات کے ساتھ جو حسن عقیدت رکھتے تھے اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ لوگ عام طور پر حضرت عائشہؓ کی خدمت میں چھوٹے چھوٹے بچوں کو لاتے تھے اور وہ ان کے لئے دعائے برکت فرماتی تھیں (۷) حضرت عائشہؓ بنت طلحہؓ نے

(۱) مسلم باب من فضائل ام ایمن (۲) ابوداؤد کتاب الصلوۃ باب السجود عنہ الآلات (۳) نسائی کتاب

النکاح ذکیر امیر رسول اللہ ﷺ فی النکاح وازواجه وماباح اللہ عروجل نبیہ ﷺ (۴) ہرمذی کتاب المناقب

حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ (۵) موطاء امام مالک کتاب الزکوۃ باب حرمة اجل الکتاب والمجوس

(۶) طبقات ابن سعد تذکرہ حضرت عبدالرحمن ابن عوفؓ (۷) ادب المفرد باب الطیرۃ من الجن

حضرت عائشہؓ کے دامن تربیت میں پرورش پائی تھی ان کا بیان ہے کہ لوگ دور دور سے میرے پاس آتے تھے اور چونکہ مجھ کو حضرت عائشہؓ سے تقرب حاصل تھا اس لئے بوڑھے بوڑھے لوگ میرے پاس آتے تھے جو ان لوگ مجھ سے بھائی چارہ کرتے تھے اور مجھ کو ہدیہ دیتے تھے اور اطراف ملک سے خطوط بھیجتے تھے۔^(۱)

، غرض ان تمام واقعات سے ثابت ہوتا ہے کہ اسلام نے عورت اور مرد دونوں کا درجہ یکساں بلند کیا اور خلفائے راشدینؓ اور عام مسلمانوں نے اس درجہ کو قائم رکھا، لیکن صحابیات کو یہ درجہ صرف مذہب، اخلاق اور حسن معاشرت کی بنا پر حاصل ہوا تھا اور آج بھی ان ہی چیزوں سے عورتیں اپنے درجے کو بلند کر سکتی ہیں۔

تمت بالخير

(۱) ادب المفرد باب الکتابت فی النساء وجوابهن

مسلمان عورتوں کی بہادری

از
علامہ سید سلیمان ندویؒ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ مسلمان عورتوں کی بہادری

از
علامہ سید سلیمان ندوی

یورپ کے گولڈن ڈیڈس میں سب سے زریں کارنامہ ایک بہادر عورت کا واقعہ ہے جس نے موقع جنگ پر نیولین کے مقابلہ میں ایک سپاہی کا کام انجام دیا تھا۔ ۱۸۰۸ء میں جب نیولین بوناپاٹ پر تگال کی مہم سر کر چکا تو اپنے بھائی جوزف کو اپنا بیباں اپنا قائم مقام چھوڑ کر اسپین کی طرف بڑھا، دارالسلطنت آرگان کے شہر زرگوزا (سرقوسہ) میں دونوں فوجوں کا مقابلہ ہوا اسپین نے جنگی طاقت کے علاوہ قومی جوش سے بھی اس فتنہ کو فرو کرنا چاہا تمام ملک میں وطن اور قوم کی بے پکاری جانے لگی اور ہر شخص اپنے ملک پر جان فدا کرنے پر مستعد ہو گیا اس موقع پر جنس انسانی کے ایک کمزور اور نازک طبقہ نے بھی حتی الامکان وطن کے لئے جان فروشی کی۔

عورتوں اور ضعیف بچوں کی سرفروشی اور کیا ہو سکتی تھی؟ انہوں نے مجروح سپاہیوں کی خدمت کی، کونٹسٹ بیوریا نے عورتوں اور بچوں کی ایک جماعت ترتیب دی جن کے متعلق یہ خدمت سپرد کی کہ موقع جنگ پر سپاہیوں کو کھانا پہنچائیں، زخمی سپاہیوں کو میدان کارزار سے اٹھا کر لائیں اور ان کی تیمارداری لریں اور ان کی مرہم پٹی کریں۔ اسی جنگی تاریخ کا ایک پر فخر واقعہ یہ ہے کہ اگسٹنا زرالوزا ایک ایک سپاہی کا کھانا لے جاتی تھی کہ اٹھائے راہ میں ایک خوفناک سین (منظر) ان کو نظر آیا، عین معرکہ میں ایک گولہ انداز سپاہی کو گولی لگی اور وہ مر گیا دوسرے سپاہی کھڑے ہیں اور ہمت کرتے ہیں کہ مقتول سپاہی کی جگہ کھڑے ہو کر دشمن کو ادھر آنے سے روکیں، مگر بندوق کی گولیاں ان زوروں سے برس رہی تھیں کہ آگے بڑھتے ہوئے لوگوں کے قدم ڈگمگارے تھے، بہادر اگسٹنا دوڑ کر مقتول سپاہی کی جگہ پر پہنچی اور اس توپ میں جس کو مقتول سپاہی نے ٹھیک دشمنوں کے نشانے پر رکھا تھا، دیا سلائی لگا دی

اور اخیر معرکہ تک اس کا دست ہمت شل نہ ہوا اور وہ برابر کام کرتی رہی۔

اختتام جنگ پر اکیٹنا کو معلوم ہوا کہ اس نے اپنے شوہر کی طرف سے یہ خدمت ادا کی، جس کی مردہ لاش توپ کے پیچھے پڑی تھی۔ ملک و قوم نے اکیٹنا کی اس خدمت کو اس نگاہ عزت سے دیکھا کہ جب تک وہ زندہ رہی سلطنت سے اس کو وظیفہ ملتا رہا یورپین ارباب قلم نے گولڈن ڈیڈس کے سب سے قیمتی اور قابل عزت سلسلہ واقعات میں اس کا ذکر کیا۔

جان آف آرک یورپ کی ایک بہادر عورت تھی جس نے مردانہ لباس پہن کر بطور سپہ سالار کے ۱۴۲۸ء میں آئرلینڈ کا محاصرہ کیا۔ پینے کی لڑائی میں انگریزوں کو شکست دی اور چارلس ہفتم کو تخت پر بٹھایا۔ ۱۴۳۱ء میں اس جرم پر کہ اس میں یہ مافوق الفطرت قوت بزورِ سحر ہے جلادی گئی جان کے کارناموں کی انتہائی شہرت یہ ہے کہ اسکول کا بچہ اس سے واقف ہے اور اب ۱۹۲۰ء میں یورپ نے اس کے ولید ہونے کو تسلیم کر لیا ہے۔

اس کے مقابلہ میں ہماری قومی تاریخوں میں اس قسم کے بیسیوں واقعات ہیں۔ لیکن افسوس ہے کہ ہمارے کان ان سے آشنا نہیں ہیں اور افسوس ہے کہ نہیں ہیں اسلام سے پہلے بھی عرب میں یہ دستور تھا کہ معرکہ میں عورتیں بھی مردوں کے ساتھ شریک رہتی تھیں، عورتوں اور بچوں کی جماعت صفِ جنگ سے پیچھے رہتی تھی ان کا کام یہ ہوتا تھا کہ مجروح سپاہیوں کی تیمارداری کریں، گھوڑوں کی خدمت کریں اپنے بہادر شوہروں کو آرام پہنچائیں اسلاف کے تاریخی کارناموں کے رجز سے جوش پیدا کریں غنیم کے مقتول سپاہیوں کے ہتھیار کھول لیں یا بھاگتوں کو گرفتار کریں اور قیدیوں کی حفاظت کریں۔

عرب کا مشہور شاعر عمرو بن کلثوم فخر کے لہجہ میں کہتا ہے:

علی اثارنا بیض حسان	نحاذران تقسم او تھونا
اخذن علی بعولتھن عھدا	اذا لا قوا کتاب معلمینا
لکی یسلبن افراساً و بیضاً	واسری فی الجبال مقرنینا
ضعائن من بنی چشم بن بکر	خلطن بمیسم حسابو دینا

يَقْتَنُ جِيَادَنَا وَيَقْلَنُ لِسْتُمْ بِعَوْلَتِنَا اِذَا لَمْ تَمْنَعُونَا

”ہماری صف کے پیچھے حسین گوری عورتیں ہیں ہم کو برابر ڈر رہتا ہے کہ ان کی اہانت نہ ہو اور دشمن ان پر قبضہ نہ پائیں ان عورتوں نے میدانِ قتال میں جان بازی کا اپنے شوہروں سے عہد لے لیا ہے کہ ہمارے ساتھ اس لئے رہتی ہیں تاکہ دشمنوں کے گھوڑے اور ہتھیار لے لیں اور دشمنوں کو گرفتار کر لیں یہ جسم بن بکر کے خاندان کی عورتیں ہیں جن میں حسن کے ساتھ خاندانی عزت اور مذہب بھی ہے ہمارے گھوڑوں کی خدمت کرتی ہیں اور ان کا قول ہے کہ اگر تم ہمیں دشمنوں سے نہ بچا سکو تو تم ہمارے شوہر نہیں۔“

اسلام میں بھی یہ قدیم دستور قائم رہا جہاد میں برابر مردوں کے ساتھ ان کی عورتیں شریک رہتی تھیں۔ بخاری شریف میں ہے کہ غزوہ احد میں ام المؤمنین حضرت عائشہؓ اپنے ہاتھ سے مشک بھر بھر کر زخمی سپاہیوں کو پانی پلاتی تھیں ان کے ساتھ ام سلیمؓ اور ام سلیطہؓ دو اور صحابیہ بھی اس خدمت میں شریک تھیں۔

محدث ابو نعیمؒ نے روایت کی ہے کہ جنگ خیبر میں فوج کے ساتھ چھ عورتیں بھی مدینہ سے چلی تھیں، رسول اللہ ﷺ کو اس کی خبر نہ تھی جب معلوم ہوا تو رسول اللہ ﷺ نے غضب و نفرت کے لہجے میں ان سے فرمایا کہ تم کو کس نے فوج کے ساتھ آنے کی اجازت دی؟ ان عورتوں نے عرض کی کہ یا رسول اللہ ﷺ! ہمارے ساتھ دوائیں ہیں ہم زخمیوں کو مرہم لگائیں گی، بدن سے تیر نکالیں گی، کھانے کا انتظام کریں گی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: خیر ٹھہرو! جب خیبر فتح ہوا تو اور سپاہیوں کے ساتھ ان عورتوں کو بھی رسول اللہ ﷺ نے مالِ غنیمت سے حصہ دیا۔^۱

ام سلیمؓ اور انصار کی عورتیں انہیں خدمات کے لئے اکثر غزواروں میں شریک رہی ہیں تاریخِ بنت معوذہ اور دوسری عورتوں نے شہداء اور مجروحین کو احد کے میدان میں جنگ سے اٹھا کر مدینہ لانے کی خدمت انجام دی تھی تمام رفیدہ صحابیہ کا ایک خیمہ تھا جس میں وہ زخمیوں کی مرہم پٹی کرتی تھیں۔^۲

۱: ابوداؤد، فتح خیبر، ۲: ابوداؤد، جلد ۲ صفحہ ۲۵۲۔ ۳: بخاری کتاب الطب، ۴: ابوداؤد، ج ۵ ص ۲۷۰۔

ام زیادہ شجعیہ اور دوسری پانچ عورتوں نے غزوہ خیبر میں چرخہ کات کر مسلمانوں کو مدد دی تھی وہ میدان سے تیراٹھا کر لاتی تھیں اور سپاہیوں کو ستوپلاتی تھیں۔ حضرت ام عطیہؓ نے سات غزوات میں صحابہ کرامؓ کے لئے کھانا پکایا تھا۔

ابن جریر طبری ایک موقع پر لکھتا ہے کہ مسلمانوں نے اپنے مقتولین کو ایک جگہ جمع کر کے صف کے پیچھے ڈال دیا اور جو لوگ مقتولین کی تجہیز و تکفین کے لئے متعین تھے وہ مجروحوں کو عورتوں کے سپرد کرتے اور جو شہداء ہوتے ان کو دفن کر دیتے۔ اغواٹ اور ارمات کی لڑائیوں میں جو فتح قادسیہ کے سلسلے میں لڑی گئی تھیں عورتیں اور بچے قبر کھودتے تھے۔

قادسیہ کی لڑائی کا واقعہ ایک عورت جو موقع جنگ پر موجود تھیں اس طرح بیان کرتی ہے کہ جب لڑائی کا خاتمہ ہو چکا تو ہم اپنے کپڑے گس گس کر رزم گاہ کر طرف چلے، ہمارے ہاتھوں میں لٹھیاں تھیں، میدان میں جہاں کوئی مسلمان مجروح سپاہی نظر آیا اس کو اٹھالیا۔

مذکورہ بالا واقعات سے مذہبی ولولہ، قومی ہمدردی، غیرت اور بہادری کے علاوہ ان خدمات کی بھی تفصیل معلوم ہوتی ہے جو لڑائیوں میں عورتوں کے متعلق تھیں۔

(۱)..... زخمیوں کو پانی پلانا۔

(۲)..... فوج کے کھانے کا انتظام۔

(۳)..... قبر کھودنا،

(۴)..... مجروح سپاہیوں کو معرکہ جنگ سے اٹھالانا۔

(۵)..... زخمی سپاہیوں کی تیمارداری کرنا۔

(۶)..... ضرورت کے وقت فوج کو ہمت دلانا اور ان کی امداد کرنا۔

قرن اول کی تمام لڑائیوں کا مرقع ایک ایک کر کے تم اپنے سامنے رکھو عموماً صف جنگ کے پیچھے تم عورتوں کو اپنے ادائے فرض میں مشغول پاؤ گے مسلمان عورتوں کی سب سے آخری خدمت کے متعلق تفصیلی واقعات کی ضرورت ہے جس سے یہ معلوم ہوگا کہ مسلمانوں

۱۔ الصحیح مسلم، ج ۲ ص ۱۰۵، مصر۔ ۲۔ طبری مطبوعہ یورپ، جلد ۶ ص ۱۳۱۔ ۳۔ ایضاً ج ۶ ص ۲۳۲۔ ۴۔ طبری مطبوعہ یورپ ج ۶ ص ۲۶۳۔

کا یہ کمزور طبقہ اس نازک خدمت کو کس خوبی سے انجام دیتا تھا۔

حضرت انس بن مالکؓ خادم رسول اللہ ﷺ کی والدہ ام سلیمؓ عموماً غزوات میں آنحضرت ﷺ کے ساتھ رہا کرتی تھی۔ حضرت طلیب بن عمیرؓ جب اسلام لائے اور اپنی ماں ارؤی بنت عبدالمطلبؓ کو اس کی خبر دی تو بولیں کہ تم نے جس شخص کی نصرت و مدد کی وہ اس کا سب سے زیادہ مستحق تھا اگر مردوں کی طرح مجھ میں بھی استطاعت ہوتی تو میں آپ کی حفاظت کرتی اور آپ کی طرف سے لڑتی۔^۱

غزوہ خندق میں رسول اللہ ﷺ اور تمام صحابہؓ یہودیوں سے لڑ رہے تھے کہ بنو قریظہ لڑتے لڑتے اس مقام کے قریب پہنچ گئے جہاں مسلمان عورتیں اور بچے چھپے تھے بنو قریظہ اور مسلمان عورتوں کے درمیان کوئی ایسی فوج نہ تھی جو عورتوں کی حفاظت کر سکے اسی اثناء میں ایک یہودی ان عورتوں کی طرف نکل آیا خوف یہ تھا کہ اگر یہ یہودی بنی قریظہ سے کہہ آیا کہ ادھر عورتیں ہیں تو میدان خالی پا کر وہ عورتوں پر حملہ کر دیں گے حضرت صفیہؓ نے جو رسول اللہ کی پھوپھی اور حضرت زبیرؓ کی والدہ تھیں حضرت حسان بن ثابتؓ سے کہا کہ اس یہودی کو قتل کر دو، حضرت حسانؓ نے عذر کیا، آخر حضرت صفیہؓ کا ایک ستون لے کر خود اتریں اور اس یہودی کو اسی ستون سے وہی مار کر گرا دیا۔ مؤرخ ابن اثیر جزری نے لکھا ہے کہ یہ پہلی بہادری تھی جو ایک مسلمان عورت سے ظاہر ہوئی۔^۲

حضرت ام عمارہؓ ایک مشہور صحابیہ تھیں قبل از ہجرت مقام عقبہ میں جب مدینہ کے مسلمانوں نے کفار قریش سے چھپ کر رسول اللہ ﷺ کی امداد اور اسلام کی اشاعت کے لئے رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کی تھی تو اس مختصر جماعت میں جو اسلام کی سب سے پہلی جماعت تھی حضرت ام عمارہؓ بھی شریک تھیں۔ اسلامی تاریخ میں اسی واقعہ کو بیعت عقبہ کہتے ہیں ۶ھ میں جب رسول اللہ ﷺ نے حج کی نیت سے مکہ معظمہ کا ارادہ کیا اور مکہ میں داخل ہونے کے لئے قریش سے آپ ﷺ نے اجازت مانگی اور حضرت عثمانؓ مسلمانوں کی طرف سے سفیر بن کر مکہ گئے تو یہ خبر مشہور ہوئی کہ قریش نے حضرت عثمانؓ کو قتل کر ڈالا اس

۱: اسد الغابہ جلد ۵ ص ۵۹۱۔ ۲: استیعاب تذکرہ حضرت طلیب بن عمیرؓ۔ ۳: اسد الغابہ تذکرہ حضرت صفیہؓ۔

وقت تمام صحابہ کرامؓ سے رسول اللہ ﷺ نے کفار قریش سے لڑنے اور مرنے پر بیعت لی جو تاریخ اسلام میں بیعت رضوان کے نام سے مشہور ہے حضرت ام عمارہؓ اس بیعت رضوان میں شریک تھیں مسلمانوں کی طرف سے اپنے شوہر زید بن عاصم کے ساتھ جنگ احد میں بھی موجود تھیں بلکہ عین اس وقت جب احد میں عام مسلمانوں کے پاؤں اکھڑ گئے تھے اور آنحضرت ﷺ پر کفار بڑھ بڑھ کر وار کر رہے تھے اور جانثار آگے آ کر اپنی جانیں قربان کر رہے تھے یہ بہادر خاتون بھی تیغ بدست حملہ آوروں کو مار مار کر پیچھے ہٹا رہی تھیں اس دن کئی زخم ان کے دست و بازو میں آئے تھے اسی طرح دیگر غزوات میں بھی ان سے بے مثال بہادری کے کارنامے ظہور میں آئے ہیں۔

حضرت ابوبکرؓ کے زمانے میں مسلمانوں نے ادعائے نبوت کیا اور مقام یمامہ میں ایک خونریز لڑائی کے بعد مسلمانوں کے ہاتھ سے مارا گیا۔ اس جنگ میں جو جنگ یمامہ کے نام سے مشہور ہے حضرت ام امارہؓ بھی شریک تھیں اور جب تک ان کا ہاتھ زخمی نہ ہوا دشمنوں سے لڑتی رہیں۔ اس دن حضرت ام عمارہؓ کو بارہ زخم لگے تھے۔

حضرت فاروق اعظمؓ کے زمانے میں اسلام کو جزیرہ نمائے عرب سے باہر قدم رکھنے کے لئے مشرق کی ان دو پرزور طاقتوں سے مقابلہ کرنا پڑا جو دنیا میں روم اور ایران کے مہیب ناموں سے مشہور ہیں، رومیوں کا وہ سب سے خونریز معرکہ جس پر ان کی قسمت کا آخری فیصلہ ہوا، جنگ یرموک ہے، اور ایرانیوں کی وہ سب سے آخری پرزور کوشش جس سے زیادہ زور و قوت صرف کرنا تخت کیانی کے امکان میں نہ تھا، جنگ قادسیہ ہے۔ یہ دونوں معرکے تاریخ اسلام کے بہترین کارنامے ہیں جنہوں نے دنیا میں پھیلنے کے لئے اسلام کا راستہ صاف کر دیا۔

لیکن ان دونوں واقعوں میں مسلمانوں کی فتح یا بی مغلدر است اسلام کے زور بازو اور آتش بیانی کی ممنون ہے۔ محرم ۱۴ھ میں مسلمانوں اور ایرانیوں میں مقام قادسیہ پر مقابلہ ہوا، ایرانیوں کی جمعیت ایک لاکھ سے زیادہ تھی اور مسلمان کچھ اوپر تیس ہزار تھے۔ اس معرکہ میں کئی ہزار مسلمان شہید اور زخمی ہوئے۔ عورتوں اور بچوں نے شہداء کی قبریں کھودیں، اور مجروحوں کو میدان جنگ سے اٹھالائے، اور ان کی تیمارداری کی۔

۱۔ فتوحات اسلامیہ سید و سلطان ص ۶۴۔

قادیہ کی لڑائی میں عورتوں کو کس قدر جوش تھا، اس کا اظہار ذیل کی تقریر سے ہوگا۔
جو قبیلہ نخع کی ایک بوڑھی عورت نے اپنے بیٹوں کو میدان جنگ میں بھیجتے وقت کی تھی۔

انکم اسلمتم فلم تبدلوا وهاجرتم فلم تشربوا ولم تنب بکم
البلاد ولم تقحمکم السنة ثم جئتم بامکم عجز کبیرة
فوضعتموها بین ایدی اهل فارس واللہ انکم بنور جل
واحد کما انکم منو امریة واحدة ما خنت اباکم ولا
فضحت خالکم انطلقوا واشهدوا اول القتال و اخره ۱

”پیارے بیٹو! تم اسلام لائے پھر، پھرے نہیں، تم نے ہجرت کی، تو تم کو کسی نے
ملامت نہ کی، تمہارا وطن تمہارے ناموافق تھا نہ تم پر قحط پڑا تھا، تم نے اپنی بوڑھی ماں
کو اپنے ساتھ لا کر اہل فارس کے سامنے ڈال دیا، خدا کی قسم! تم ایک باپ کی اولاد
ہو، جس طرح تم ایک ماں کی اولاد ہو، نہ میں نے تمہارے باپ سے خیانت کی، اور
نہ میں نے تمہارے ناموں کی فضیحت کی، جاؤ اور شروع سے اخیر تک لڑو!“

بیٹوں نے ایک ساتھ دشمنوں پر حملہ کیا، اور بڑی بہادری سے لڑے، جب نظروں سے
غائب ہو گئے، تو اس بوڑھی عورت نے دُعا کو ہاتھ اٹھایا، کہ خدایا! میرے بچوں کو بچانا، اختتام
جنگ پر بہادر بیٹے صحیح و سالم اپنی ماں کے پاس آئے اور غنیمت کا مال ماں کے آگے ڈال دیا۔
جنگ قادیہ میں عرب کی مشہور شاعرہ خنساء بھی شریک تھی۔ خنساء کے ساتھ اس کے
چاروں بیٹے بھی شریک تھے، شب کے ابتدائی حصہ میں جب ہر سپاہی صبح کے ہولناک منظر
پر غور کر رہا تھا، آتش بیاں شاعرہ نے اپنے بیٹوں کو یوں جوش دلانا شروع کیا۔ ۲

۱۔ طبری جلد ۶ ص ۲۳۰: یہ دونوں واقعے موقع جنگ، تعداد مالا اور بعض الفاظ کے اتحاد سے ایک ہی
معلوم ہوتے ہیں لیکن بعض اختلافات بھی ایسے ہیں جو ایک واقعہ نہیں ہونے دیتے۔ پہلی عورت قبیلہ نخع کی ہے
، خنساء قبیلہ مسلم کی ہے، پہلی عورت کی مختصر اور سادہ تقریر ہے دوسری عورت کی تقریر طویل اور فصاحت اور جوش سے
لبریز ہے جو خنساء کے شایان شان ہے، طبری نے پہلی عورت کے متعلق لکھا ہے کہ اس کے بیٹے مال غنیمت لے
کر صحیح و سالم واپس آ گئے۔ ابن اثیر نے دوسری عورت کے متعلق لکھا ہے کہ اس کے بیٹے شہید ہوئے اور ان کی تحواہ
حضرت عمرانؓ کی ماں کو دیا کرتے تھے، واللہ اعلم۔

یا بنی انکم اسلمتم وهاجرتم مختارین ووالله الذی لا اله غیره
انکم بنورجل واحد کما انکم بنو امرأة واحدة ما خنت اباکم
ولا فضحت خالکم ولا هجنت حسبکم ولا غیرت سبکم وقد
تعلمون ما اعد الله لمسلمین من الثواب الجزیل فی حرب
الکافرین واعلموا ان الدار الباقیة خیر من الدار الفانیة یقول
الله عزوجل یا ایها الذین امنوا واصبروا وصابروا ورابطوا
واتقوا الله لعلکم تفلحون "فاذا اصبحتم غدا ان شاء الله
سالمین فاغدوا الی قتال عدوکم مستصرین وباللہ علی اعدائه
مستصرین واذارایتهم الحرب قد شмот عن ساقها واضطربت
لظى علی ساقها وحللت نارا علی رواقها فمیموا وطمسها
وجالد واریسها عند احتدام حمیها تظفر وابلغم والکرامة
فی دار الخلد والمقامة . (اسد الغابہ ابن اثیر جزری ج ۵ ص ۳۳۲)

پیارے بیٹو! تم اپنی خواہش سے مسلمان ہوئے اور تم نے ہجرت کی، وحدہ
لا شریک کی قسم! کہ تم جس طرح ایک ماں کے بیٹے ہو، ایک باپ کے بھی بیٹے
ہو، میں نے تمہارے باپ سے بددیانتی نہیں کی، اور نہ تمہارے ماموں کو
ذلیل کیا، اور نہ تمہارے حسب و نسب میں داغ لگایا، جو ثواب عظیم خدا نے
کافروں سے لڑنے میں مسلمانوں کے لئے رکھا ہو، تم اس کو خود جانتے
ہو، خوب سمجھ لو کہ آخرت جو ہمیشہ رہنے والی ہے اس دار فانی سے بہتر ہے،
خدائے پاک فرماتا ہے "مسلمانو! صبر کرو اور استقلال سے کام لو، خدا سے
ڈرو تا کہ تم کامیاب ہو۔" کل جب خیریت سے تم انشاء اللہ صبح کرو، تو تجربہ
کاری کے ساتھ اور خدا سے نصرت کی دعا مانگتے ہوئے دشمنوں پر جھپٹ پڑنا
، اور جب دیکھنا کہ لڑائی زوروں پر ہے اور ہر طرف اس کے شعلے بھڑک رہے
ہے تو تم خاص آتش دان جنگ کی طرف رخ کرنا، اور جب دیکھنا کہ فوج غصہ

سے آگ ہو رہی ہے تو غنیمت کے سپہ سالار پر نوٹ پڑنا، خدا کرے کہ تم دنیا میں مال غنیمت اور عقبیٰ میں عزت پاؤ۔

صبح کو جنگ چھڑتے ہی حضرت خنساء کے چاروں بیٹے یکبارگی دشمنوں پر جھپٹ پڑے، اور آخر کو بڑی بہادری سے چاروں لڑکر شہید ہوئے حضرت خنساء کو جب یہ خبر پہنچی، تو اس نے کہا اس خدا کا شکر ہے جس نے بیٹوں کی شہادت کا مجھے شرف بخشا۔ حضرت عمرؓ آٹھ سو دینار حضرت خنساء کو اس کے چاروں بیٹوں کی تنخواہ کے دیا کرتے تھے۔

واقعہ جسر کے بعد جس میں مسلمانوں کو ایرانیوں کے مقابلہ میں سخت ہزیمت اٹھانی پڑی تھی ایک دوسرا ہولناک معرکہ ہوا، جو جنگ بویب کے نام سے مشہور ہے۔ جنگ بویب میں جس کو قادیسیہ کی تمہید سمجھنا چاہئے، مسلمانوں کو ایرانیوں کا بہت سامان رسد ہاتھ آ گیا۔ مسلمان عورتوں کو روزمگاہ سے بہت پیچھے چھوڑ آئے تھے، کھانے کا انتظام چونکہ عورتوں ہی سے متعلق تھا اس لئے مثنیٰ نے جو فوج کا سپہ سالار تھا، یہ سارا سامان فوج کے ایک رسالہ کی حفاظت میں عورتوں کے پاس بھیج دیا، یہ رسالہ گھوڑے دوڑاتا ہوا عورتوں کی فرودگاہ کی طرف چلا۔ عورتیں سمجھیں کہ دشمن چڑھ آئے ہیں، عورتوں کے خیموں میں اسلحے کہاں سے آتے، بچوں کو پیچھے کھڑا کیا، اور خود پتھر اور خیمہ کی چوبیس لے لے کر حملہ کے لئے کھڑی ہو گئیں۔ عمر بن عبدالمسح جو اس رسالہ کا افسر تھا، پکارا اسلامی فوج کی عورتوں کو بے شک ایسا ہی بہادر ہونا چاہیے یہ کہہ کر اس نے عورتوں کو مسلمانوں کی فتح کی خوش خبری سنائی، اور وہ چیزیں ان کے سپرد کیں۔^۱

میسان کی لڑائی میں اس سے بھی ایک عجیب بہادری عورتوں سے ظاہر ہوئی۔ دریائے دجلہ کے قریب اہل میسان اور مسلمانوں کا سامنا ہوا، مغیرہ جو اس وقت فوج کے سپہ سالار تھے۔ میدان جنگ سے عورتوں کو بہت پیچھے چھوڑ آئے تھے۔ دونوں فوجوں میں گھمسان کی لڑائی ہو رہی تھی، اروۃ بنت حارث نے جو طبیب العرب کلدہ کی پوتی تھیں، عورتوں سے کہا کہ اگر ہم مسلمانوں کی مدد کریں تو نہایت مناسب ہوتا۔ یہ کہہ کر انہوں نے اپنے اپنے دوپٹے کا ایک بڑا علم بنایا، اور عورتوں نے بھی اپنے اپنے دوپٹوں کی جھنڈیاں بنائیں، دونوں طرف

سیر الصحابہ (جلد ششم) ۲۳۰ مسلمان عورتوں کی بہادری (حصہ یازدہم)

کے بہادر دل توڑ حملے کر رہے تھے۔ کہ اس سامان کے ساتھ عورتیں پرچم اڑاتی ہوئی فوج کے قریب پہنچ گئیں۔ یہ سمجھ کر کہ مسلمانوں کی امداد کو ایک تازہ دم فوج اور پہنچ گئی، غنیم کے بازو سست پڑ گئے اور آن کی آن میں یہ سیاہ بادل چھٹ گیا۔

عہد صدیقی میں اول ۱۳ھ میں مسلمانوں نے دمشق پر لشکر کشی کی، چند معرکوں کے بعد اہل دمشق قلعہ بند ہو گئے۔ مسلمان دمشق کا محاصرہ کئے ہوئے پڑے تھے۔ کہ معلوم ہوا کہ نوے ہزار رومی بڑے سروسامان کے ساتھ اجنادین میں جمع ہو رہے ہیں، مسلمانوں کی فوج منتشر طور سے تمام ملک شام میں پھیلی ہوئی تھی۔ حضرت ابو عبیدہ اور خالد بن ولیدؓ کی جو عراق کو پامال کر کے دمشق میں آ کر مل گئے تھے۔ یہ رائے قرار پائی کہ اسلامی فوج کو سمیٹ کر ایک جگہ جمع ہونا چاہیے، ان فوجیوں کی مجموعی تعداد چوبیس ہزار تھی، کل افسران اسلام جہاں جہاں تھے اپنی اپنی فوجیں لئے ہوئے اجنادین کی طرف بڑھے۔

حضرت ابو عبیدہ اور خالد بن ولیدؓ نے بھی دمشق کا محاصرہ چھوڑ کر اجنادین کی طرف باگ اٹھائی، حضرت خالد بن ولیدؓ کے آگے آگے جارہے تھے اور حضرت ابو عبیدہؓ تھوڑی سی فوج کے ساتھ عورتوں اور بچوں کو لئے ہوئے مع خیمے اور سامان رسد کے پیچھے پیچھے جارہے تھے۔ اہل دمشق نے دیکھا کہ مسلمان ڈیرے خیمے اٹھائے لدے پھندے جارہے ہیں۔ ان کو انتقام کا موقع نہایت مناسب معلوم ہوا قلعہ کے پھانگ کھول کر فوراً پیچھے سے حملہ کر دیا۔ قیصر روم نے دمشق کے لئے کچھ امدادی فوجیں بھیجی تھیں اتفاق سے عین وقت پر وہ آ پہنچیں اور آتے ہی انہوں نے مسلمانوں کا آگاہ روک لیا، اس وقت مسلمانوں میں جس انتہا کی بدحواسی پیدا ہوئی چاہیے تھی، وہ ظاہر ہے، مگر اس کے برخلاف انہوں نے نہایت پامردی اور استقلال کے ساتھ دونوں طرف سے حملے روکے لیکن زیادہ تر ان کی توجہ سامنے کی فوج کی طرف منعطف تھی، اتنا موقع بھی اہل دمشق کو غنیمت معلوم ہوا اور مسلمان عورتوں کو اپنی حراست میں لے کر قلعہ دمشق کی طرف رخ کیا۔

عورتوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا، خولہ بنت ازور نے کہا ”بہنو! کیا تمہاری

غیرت یہ گوارا کر سکتی ہے کہ مشرکین دمشق کے قبضہ میں آ جاؤ؟ کیا تم عرب کی شجاعت و حمیت کے دامن میں داغ لگانا چاہتی ہو؟ میرے نزدیک تو مرجانا اس ذلت سے کہیں بہتر ہے۔ ان چند فقروں نے ایک آگ سی لگا دی، خیموں کی چوبیس لے لے کر باقاعدہ ہاتھ باندھ کر آگے بڑھیں۔ سب سے آگے خولہ بنت ازور ضرار کی بہن تھیں۔ اور ان کے پیچھے عفیرہ بنت عفار، ام ابان بنت عتبہ، سلمہ بنت نعمان بن مقرن وغیرہ تھیں۔ کچھ دیر کے لئے حیرت نے دمشقوں کے ہاتھ پاؤں باندھ دیئے اور اتنی دیر میں عورتوں نے تمیں لاشیں گرا دیں، اور آخر کو پھر انہوں نے بھی حملہ کر دیا، دمشقوں کے قدم اکھڑنے کو تھے کہ مسلمان بھی ادھر سے فارغ ہو کر آ گئے۔ دمشقی فوج میں جو رقی جان باقی تھی وہ بھی ان حملوں سے نکل گئی۔ باقی فوج بھاگ کر دمشق میں قلعہ بند ہو گئی اور اسلامی فوج کی عنان عزیمت پھر اجنادین کی طرف مڑی۔

اڈورڈ کین صاحب نے اپنی تاریخ میں اس واقعہ کو نقل کر کے مسلمان عورتوں کی عفت، عصمت، دلیری و بہادری کی تعریف کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ”یہ وہ عورتیں ہیں جو شمشیر زنی، نیزہ بازی، تیر اندازی میں نہایت ماہر تھیں یہی وجہ ہے کہ نازک سے نازک موقع پر بھی یہ اپنے دامن عفت کے محفوظ رکھنے میں کامیاب ہوتی تھیں۔“

جنگ یرموک مسلمانوں کی سب سے پہلی باقاعدہ جنگ تھی، اس معرکہ میں مسلمان کل چالیس ہزار تھے مگر جو تھے عرب میں انتخاب تھے رومیوں کی جمعیت دو لاکھ سے زائد تھی اور یہ آدمیوں کا طوفان اس جوش و خروش کے ساتھ آگے بڑھ رہا تھا کہ گمان تھا کہ ایک ٹکر میں یہ مسلمانوں کو جڑ سے اکھاڑ دے گا یرموک میں دونوں فوجوں کا مقابلہ ہوا مسلمان اور عیسائیوں کی تعداد میں جو گنے کا فرق تھا ان کے جوش کا یہ عالم تھا کہ بیس ہزار رومیوں نے پاؤں میں بیڑیاں ڈال لی تھیں کہ ہٹنا چاہیں بھی تو نہ ہٹ سکیں۔

دو لاکھ کانڈی دل اس زور و شور سے مسلمانوں پر ٹوٹ پڑا، کہ اسلامی فوج کا داہنا بازو ہٹتے ہٹتے عورتوں کے خیمہ گاہ تک آ گیا لحم و جذام کے قبیلے ایک مدت تک ان عیسائیوں کے ماتحت رہے اور اب مسلمان ہو گئے تھے۔ میسرہ (بایاں حصہ) میں زیادہ تر یہی لوگ تھے۔ رومیوں

نے ان کی طرف رخ کیا تو یہ مرعوب ہو کر نہایت بے ترتیبی سے بھاگ کھڑے ہوئے، رومی تعاقب کرتے ہوئے خیموں تک پہنچ گئے۔ عورتوں کے غصہ کی انتہا نہ رہی فوراً خیموں سے باہر نکل آئیں اور اس زور سے حملہ کیا، کہ رومیوں کا سیلاب جو نہایت سرعت سے آگے بڑھ رہا تھا۔ دفعۃً تھم کر پیچھے ہٹ گیا۔ اب خواتین نے بھاگتوں کو روک کر پھر آگے بڑھایا فوج کی پشت پر آ کر مسلمانوں کو غیرت دلادلا کر جوش پیدا کرنے لگیں۔ عورتوں کی ان کوششوں کا یہ اثر ہوا کہ مسلمانوں کے اکھڑے ہوئے پاؤں پھر سنبھل گئے، قریش کی عورتیں گھسیٹ گھسیٹ کر دشمنوں پر ٹوٹ پڑیں اور حملہ کرتے ہوئے مردوں سے آگے نکل گئیں حضرت معاویہؓ کی بہن جویریہ عورتوں کا ایک دستہ لے کر آگے بڑھیں اور نہایت دلیری سے لڑ کر زخمی ہوئیں حضرت معاویہؓ کی ماں ہند بن عتبہ مردوں کو مخاطب کر کے یہ کہتی تھیں۔^۲

يا معشر العرب عضدوا الغلفان بسيوفكم

عربو! نامرد بن جاؤ تا مرد

ا ز ر کی بہن خولہ یہ شعر پڑھ کر مسلمانوں کو غیرت دلاتی تھیں۔

يا هاربه عن نسوة تقيات رميت بالسهم والمنيات

اے پاکدامن عورتوں کو چھوڑ کر بھاگنے والو! تم موت اور تیر کے نشانہ نہ بنو،

مؤرخ طبری نے اس جنگ میں ام حکیم بنت حارث کا نام خصوصیت سے لیا ہے ابن اثیر جزری نے لکھا ہے کہ حضرت معاذ بن جبلؓ کی پھوپھی زاد بہن اسماء بنت یزید نے تنہا فوریوں کو مار ڈالا جو عورتیں مردانہ وار جنگ یرموک میں لڑی ابن عمر و اقدی ان میں بعض کے یہ نام بتاتا ہے اسماء بنت ابوبکر صدیقؓ، عبادہ بن صامتؓ کی بیوی خولہ بنت ثعلبہ، کعب بنت مالک، سلمیٰ بنت ہاشم، نعم بنت قناس، عفرہ بنت عفارہ۔

جنگ یرموک کے بعد پھر مسلمانوں کی فوج رومیوں کے مقابلہ پر جا رہی تھی ایک روز اس نے دمشق کے قریب مرج الصفر میں قیام کیا، خالد بن سعید نے جنھوں نے حال ہی میں ام حکیم بنت حارث سے نکاح کیا تھا یہیں مسلمانوں کی دعوت ولیمہ کی ایک پل کے

۱: تاریخ طبری، جلد ۶ ص ۲۳۳، طبری، جلد ۵ ص ۳۲۶-۳: بلاذری ص ۱۴۱، ۴: اسد الغابہ، ج ۵ ص ۳۹۸

قریب ام حکیم کا خیمہ نصب ہوا جو اسی مناسبت سے اب تک ام حکیم کا پل کہلاتا ہے ابھی لوگ کھانے سے فارغ بھی نہ ہوئے تھے کہ رومی پہنچ گئے مسلمانوں نے بھی لڑائی کی تیاریاں شروع کر دیں اور اس زور سے حملہ کیا کہ رومیوں کو پسپا ہو جانا پڑا۔ ام حکیم بھی نہایت دلیری سے لڑیں، رومیوں کے ساتھ آدمی ان کے ہاتھ سے ہلاک ہوئے۔

جنگ جمل میں گو حضرت عائشہؓ کا فوج لے کر حضرت علیؓ کے مقابلہ میں آنا ہم ایک اجتہادی غلطی سمجھتے ہیں لیکن اس سے عورتوں کے استقلال، دلیری، ثابت قدمی کا اظہار ہوتا ہے۔

فتوحات واقدی کی روایتیں اگر تسلیم کر لی جائیں تو یہ ماننا پڑے گا کہ شام کی فتوحات میں عورتوں کا بہت بڑا حصہ ہے۔ خصوصاً ام حکیم، ہند، ام کثیر، اسماء، ام ابان، ام عمارہ، خولہ، لبنی، عفیرہ، ان عورتوں نے بعض بعض موقعوں پر اس مردانگی سے جنگی خدمات انجام دی ہیں کہ مردوں سے بن نہیں آسکتیں۔

حضرت عتبہ بن غزوہ حضرت عمرؓ کی طرف سے امیر تھا ازدہ بنت حارث جو طبیب عرب کلدہ کی پوتی تھی، عتبہ کی بیوی تھی عتبہ جب اہل مدینہ القرات سے سرگرم تھا تو اس کی بیوی ازدہ اپنی تقریر سے لوگوں کو ابھارتی تھی اور جوش دلاتی تھی۔

دمشق کے حملہ میں جب ابان بن سعید، تو ما حاکم دمشق کے ہاتھ سے شہید ہوئے تو ان کی بیوی ام ابان بنت عتبہ اپنے مقتول شوہر کے سارے جنگی اسلحے لگا کر قصاص لینے کو نکلیں اور دیر تک دشمنوں کا مقابلہ کرتی رہیں اہل دمشق کو محصور تھے لیکن شہر پناہ کے برجوں سے برابر مسلمانوں کا جواب دیتے تھے۔ سب کے آگے ایک مقدس شخص ہاتھ میں طلائی صلیب لئے ہوئے ارباب ثلثہ سے دعائے فتح مانگ رہا تھا ام ابان کو تیر اندازی میں بڑی قدرت تھی، ایسا ناک کر تیر مارا کہ صلیب اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر قلعہ کے نیچے گر پڑی مسلمانوں نے دوڑ کر صلیب اٹھائی، عیسائیوں سے صلیب اعظم کی یہ تذلیل دیکھی نہ گئی ”توما“ غصہ سے شہر کا دروازہ کھول کر باہر نکل آیا اور پھر اس زور کارن پڑا کہ مسلمان گھبرا اٹھے رومیوں نے

صلیب کی واپسی کے لئے لاکھ کوششیں کیں، مگر ایک بھی کارگر ثابت نہ ہوئی جس نے ادھر کا رخ کیا ام ابان نے اس کو تیروں پر دھر لیا۔ ”تو ما جو کسی طرح پیچھے ہٹنے کا نام نہ لیتا تھا ام ابان نے اس کی آنکھ میں ایسا دیکھ کر تیر مارا کہ وہ چیختا ہوا بھاگا اس وقت ام ابان رجز کے یہ شعر پڑھ رہی تھی۔

لم ابان فاطلی ثیارك ☆ صولی علیہم صولة المتدارك ☆ قد ضج جمع القوم من نبالك
ام ابان تو نے اپنا انتقام لے ☆ اور ان پر پے در پے وار کئے جا ☆ رومی تیرے تیروں سے پیچ اٹھے
یرموک کی سب سے خوفناک لڑائی یوم النور مسلمان عورتوں کی بہادری کا عجیب
وغریب نمونہ تھی، مسلمانوں کو ہزیمت ہو جاتی، اگر عورتیں تلواریں کھینچ کر رومیوں کے منہ
نہ پھیر دیتیں۔ ہند، خولہ، ام حکیم اور بہت سی قریش کی عورتوں نے مردانہ وار حملے کئے، اسماء
بنت ابی بکر گھوڑے پر سوار ہو کر اپنے شوہر حضرت زبیرؓ کے ساتھ تھیں، اور برابر حضرت
زبیرؓ کے دوش بدوش لڑتی جاتی تھیں۔

صفین میں بہت سی مسلمان عورتیں حضرت علیؓ کی طرف سے شریک جنگ تھیں، لڑتی
تھیں پرزور تقریروں سے فوج کو ابھارتی تھیں، زرقاء، عکرشہ، ام الخیر نے میدان کارزار میں
وہ تقریریں کی ہیں کہ فوج کی فوج میں ایک آگ لگ گئی۔

۹۰ھ میں ولید بن عبد الملک کے عہد خلافت میں مسلمانوں نے بخارا پر فوج کشی کی،
قتیبہ کو اس فوج کا سپہ سالار بنا کر بھیجا گیا عرب میں ازد کا قبیلہ بہادری اور شجاعت میں
ضرب الثقل تھا اسلامی فتوحات میں اس کے کارنامے نہایت روشن ہیں بخارا کے ترک بھی
بڑے ساز و سامان سے مسلمانوں کے مقابلہ کو نکلے قبیلہ ازد نے کہا کہ پہلے تنہا ہم کو
زور آزمائی کرنے دو، حضرت قتیبہ نے ان کو آگے بڑھنے کی اجازت دی، ازدی بڑھے، اور
نہایت بہادری سے حملے کئے لیکن مقابلہ معمولی لوگوں سے نہ تھا ترکوں نے اس ثابت قدمی
سے جواب دیا کہ ازدی ہتے ہتے اپنی قیام گاہ تک آگئے ترکوں نے بڑھ کر اور زور سے

۱۔ اس قسم کے اور بہت سے واقعات اس فتوح الشام میں مذکور ہیں جو ابن عمرو اقدی کی طرف منسوب ہے۔ مگر
چونکہ فتوح الشام ازدی وغیرہ میں ان کا مطلق ذکر نہیں ہے اس لئے ہم ان کو قلم انداز کرتے ہیں۔ ج: عقد الفرید ج ۱
از ص ۱۲۱ تا ص ۱۲۳۔

سورہ البقرہ پڑھی اور دوسری رکعت میں آل عمران، جن سے بڑی کوئی سورت قرآن پاک میں نہیں ہے دو دو اور ڈھائی ڈھائی پاروں میں تمام ہوتی ہیں۔ غزالہ نماز سے فارغ ہو کر اپنے فرود گاہ کو چلی گئی اور حجاج کی ساری فوج دیکھتی کی دیکھتی رہ گئی۔ جب لڑائی کی نوبت آئی تو حجاج کوفہ، بصرہ اور شام کی فوج لے کر نکلا شیب کی جمعیت کو اس کے مقابلہ میں نہایت کم تھی لیکن بہادری سے لڑی۔ حجاج اپنی فوج کے پیچھے کھڑا ہو کر خود جوش دلارہا تھا اس کی فوج برابر بڑھتی گئی یہاں تک کہ حجاج نے خوارج کی مسجد پر قبضہ کر لیا، غزالہ اور حمزہ بھی لڑائی میں مشغول تھیں کہ حجاج نے چپکے سے چند آدمی بھیجے جنہوں نے پیچھے سے جا کر غزالہ کو مار کر ادیا، شیب اپنے مقتولین کو چھوڑ کر ہوا کی طرف چلا گیا۔

ابن خلکان نے لکھا ہے کہ حمزہ بھی اس لڑائی میں ماری گئی لیکن ابن اثیر اور طبری نے لکھا ہے کہ اس کے کچھ دن بعد جب شیب کا گھوڑا ٹھوکر کھا کر پل سے نیچے دریائے دجلہ میں گر پڑا اور شیب آہنی زرہ اور ہتھیاروں کے بوجھ سے ڈوب کر مر گیا تو اس نے کہا یہ ممکن ہے اس واقعہ سے اس کی ماں کی بہادری کے علاوہ یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس وقت تک زندہ تھی۔

بعض لڑائیوں میں حجاج اور غزالہ کا سامنا ہو گیا، حجاج مقابلہ نہ کر سکا اور بھاگ نکلا، حالانکہ یہ وہی حجاج تھا جس سے سارا عراق اور حجاز کا عہتا تھا ایک شاعر اسی واقعہ کو لکھ کر حجاج کو عار دلاتا ہے۔^۱

اسد علی وفي الحروب نعامۃ فتخاء تصفر من صفیر الصافر
هلا برزت الی غزالۃ فی الوغی بل کان قبلک فی جناح اطائر
حجاج مجھ پر تو شیر ہے، لیکن معرکوں میں بزدل اور ست شتر مرغ کی طرح بزدل ہو جاتا ہے، حجاج تو لڑائی میں غزالہ کے مقابلے میں کیوں نکلا؟ اور نکلتا کیونکر؟ تیرا دل تو دھڑک رہا تھا۔

۱۳۹ھ میں منصور کے ایام خلافت میں قیصر روم نے ملطیہ پر فوج کشی کر کے اس کو بالکل ویران کر دیا۔ منصور نے قیصر کی تادیب کو فوجیں روانہ کیں، صالح بن علی اور عباس بن محمد سپہ

۱: ابن خلکان، ج ۱ ص ۲۲۳، تفصیل اور تاریخوں سے لی گئی ہے۔

سالار تھے، ان لوگوں نے جا کر پہلے ملطیہ کو از سر نو آباد کیا، اور پھر قسطنطنیہ کی طرف فوجیں بڑھائیں اور قیصر کے بہت سے شہروں پر قبضہ کر لیا، ام عیسیٰ بنت علی اور لبابہ بنت علی، صالح کی بہنیں اور خلیفہ منصور کی پھوپھیاں تھیں۔ انہوں نے یہ نذر مانی تھی کہ جب بنو امیہ کی حکومت برباد ہو جائے گی، تو ہم جہاد کریں گی، چنانچہ ایقائے نذر کے لئے وہ بھی اس جہاد میں شریک تھیں۔

۸۷ھ ہجری میں ہارون رشید کے زمانہ میں ولید بن طریف خارجی نے خابور اور نصیبین میں علم بغاوت بلند کیا، دربار کا ایک مشہور سردار یزید شیبانی اس بغاوت کے فرو کرنے کو بھیجا گیا، چند مقابلوں کے بعد خوراج نے شکست کھائی اور ولید مارا گیا، ولید کی بہن فارعہ کو جب اپنے بھائی کا حال معلوم ہوا، تو اس نے زرہ پہنی، سارے ہتھیار لگائے، اور گھوڑے پر سوار ہو کر شاہی فوج پر حملہ آور ہوئی، یزید دوسروں کو ہٹا کر خود اس کے مقابلہ میں آیا، اور فارعہ کے گھوڑے کو ایک نیزہ مارا، اور فارعہ سے کہا، تم کیوں اپنے خاندان کو بدنام کرتی ہو، جاؤ اور واپس جاؤ، فارعہ میدان سے پھری لیکن اس کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ اور اس زبان پر خود اس کی تصنیف کے یہ دردناک اشعار تھے۔

فیاشجر الخابور مالک مورقا کانک لم تجزع علی بن طریف
اے خابور (نام مقام) کے درخت! تم کیوں سرسبز ہو؟ گویا تم ولید کی موت پر بے قرار ہی نہ ہوئے۔

فتی لا یحب الزاد الا من التقی ولا المال الا من قنا و سیوف
ولید ایک ایسا جوان تھا جو صرف زاد تقویٰ اور تیغ و نیزہ کی دولت پسند کرتا تھا۔
فقد ناک فقدان الشباب ولینا فدیناک من فتیاننا بالوف
اے ولید! ہم نے تجھ کو اس طرح کھو دیا ہے، جس طرح جوانی کو کھودے، کاش ہم اپنے ہزار جوان تیری ایک ذات پر فدا کرتے۔

علیہ سلام اللہ وقفا فانی ارى الموت وقاعاً بكل شریف

ولید پر خدا کی رحمت ہو، موت ایک دن ہر شریف کو آنے والی ہے۔

یہ پورا مرثیہ اس قدر بلند اور پردرد ہے کہ اکثر علمائے ادب اس کو چشم ادب سے دیکھتے ہیں، ابوعلی قالی نے اپنی امالی میں اس کو نقل کیا ہے، ابن خلکان نے لکھا ہے کہ فارغہ کے مرثیہ غمخیز خنساء کے ہم پلہ ہیں، اس مرثیہ کا پہلا شعر اس قدر مقبول ہے، کہ عموماً علمائے بدیع اس کو تجاہل عارفانہ کی مثال میں پیش کرتے ہیں۔

ولید کی اس بہن کا نام ابن خلکان نے فارغہ اور فاطمہ لکھا ہے، لیکن ابن اثیر نے اس کا نام لیلیٰ بتایا ہے، ابن خلدون نے اس واقعہ کو تو ذکر کیا ہے، لیکن اس کا کچھ نام نہیں لکھا ہے، بہر حال، کچھ کام سے غرض ہے، نام کچھ بھی ہو۔

قرون وسطیٰ میں صلیبی جنگ کا نہ صرف عیسائی مردوں پر نشہ چھایا تھا بلکہ عیسائی عورتیں تک جوش میں بھری ہوئی تھیں، اور بقول عماد کاتب مینوں عیسائی عورتیں میدان جنگ میں شریک تھیں، عام مسلمانوں میں صلیبی جنگ کے مقابلہ کے لئے جو جوش پھیلا تھا، عورتیں بھی اس سے بے اثر نہ تھیں اسامہ ایک مسلمان امیر تھا، جب وہ صلیبی جنگ میں شریک ہونے کو آیا تھا تو اس کی ماں اور بہنیں بھی اس کے ساتھ تھیں۔ دونوں برابر ہتھیار لگا کر اسامہ کے ساتھ رہتی تھیں، اور عیسائیوں پر حملہ کرنے میں اس کو مدد دیتی تھیں۔

مسلمان ماؤں کے اسی مذہبی جوش کا اثر تھا کہ بچہ بچہ تک اس سے متاثر تھا، عیسائی ایک مدت سے عکا کا محاصرہ کیے ہوئے پڑے تھے۔ جب وہ تھک گئے اور ایک زمانے کی معیت کی وجہ سے مسلمانوں سے راہ و رسم پیدا ہو گئی تو انہوں نے یہ خواہش ظاہر کی کہ عیسائی اور مسلمان بچوں میں آپس میں مقابلہ ہونا چاہئے۔ کچھ عیسائی بچے ادھر سے اور کچھ بچے ادھر سے نکلے۔ دیر تک مقابلہ رہا، آخر اسلام کے ننھے ننھے ہاتھوں نے مسیحی بھینڑوں کے میمنوں کو رسیوں میں جکڑ کر باندھ دیا۔

اسلام کے تاریخی محاسن کے ذکر میں عموماً ہندوستان کا نام نہیں آتا لیکن اس خاص مضمون میں ایک جگہ نہیں بیسیوں جگہ ہندوستان کا نام آئے گا، ہندوستان کی اسلامی تاریخ میں

۱: یہ واقعہ احمد یک آجائف روسی کی کتاب حقوق المرأة والاسلام سے لیا گیا ہے۔ ۲: اللع القسی فی الفتح القدسی۔

مسلمانوں پر حملے کئے، عورتوں نے دیکھا کہ مسلمانوں کو شکست ہی ہوا چاہتی ہے وہ اٹھ کھڑی ہوئیں اور مار مار کر گھوڑوں کے رخ پھر میدان جنگ کی طرف پھیر دیئے اور ایک عام شور برپا کر دیا مسلمانوں کی ہمت بندھی اور سنبھل گئے اور پلٹ کر اس زور و شور سے حملے کئے کہ ترک پھر نہ جم سکے گو اس موقع پر عورتوں نے تلواریں نہیں اٹھائیں لیکن یہ فتح بالکل عورتوں کی کوشش سے ہوئی اگر عورتیں ہمت نہ کرتیں تو مسلمان میدان جنگ چھوڑ چکے تھے۔

اسلام میں خوارج کا فرقہ اپنی تاریخی حیثیت نہایت شہرت رکھتا ہے جن کے کارنامے بعض اسلامی فرقوں کی طرح صرف خوفناک سازشیں نہیں ہیں بلکہ بارہا حکومتوں اور جابرانہ شخصیتوں کے مقابلہ میں اس نے تلواریں بلند کی ہیں، گو طلب مساوات آزادی بیان اور تمنائے حریت کی بنا پر اس کی گردن ہمیشہ تلوار کے نیچے رہی لیکن اس کی اولوالعزمی اور شجاعت نے اس کو بہت دنوں تک زندہ رکھا اور اب تک ہے سلطنت کے متعلق اس کے خیالات بالکل آج کل کے نہلسٹ فرقوں کے مشابہ تھے۔

۶۳ھ میں جب عبدالملک شام میں خلیفہ تھا اور حجاج ثقفی عراق کا گورنر تھا، شیبہ خارجی نے موصل میں سلطنت کے خلاف سر اٹھایا، غزالہ شیبہ کی بیوی اور حبزہ شیبہ کی ماں بھی شریک جنگ رہتی تھیں، حجاج نے شیبہ کے دبانے کو یکے بعد دیگرے پانچ سردار بھیجے، مگر ایک بھی میدان جنگ سے پھر کر واپس نہ آیا۔ آخر عبدالملک نے شام سے فوجیں بھیجیں اور حجاج خود ان کو لے کر نکلا۔

شیبہ موصل سے کوفہ چلا لیکن حجاج اس سے پہلے کوفہ پہنچ کر ”قصر الامارۃ“ میں اتر چکا تھا غزالہ نے نذر مانی تھی کہ کوفہ کی جامع مسجد میں دو رکعت نفل پڑھوں گی، کچھ دن چڑھے غزالہ اپنے شوہر کے ساتھ صرف ستر آدمی لے کر جامع مسجد آئی حالانکہ سارا شہر دشمن تھا اور خود شامی فوجیں کوفہ میں بھری پڑی تھیں، شیبہ تلوار کھینچ کر مسجد کے دروازے پر کھڑا ہو گیا اور غزالہ نے اندر جا کر اطمینان سے دو رکعت نماز پڑھی اور پھر معمولی نماز نہیں پہلی رکعت میں

اکثر ایسی مسلمان عورتوں کے نام نظر آتے ہیں، جن کی بہادری، شجاعت، اولوالعزمی مردوں کے مقابلہ میں کسی قدر مرجح ثابت ہوتی ہے۔

شاہ التمش کی بیٹی رضیہ سلطانہ جس نے اسلامی خواتین میں گو کم سلطنت کی مگر سب سے بہترین کی، ابن بطوطہ جو محمد تغلق کے زمانہ میں ہندوستان آیا تھا، لکھتا ہے، کہ ”رضیہ مردانہ لباس میں تمام ہتھیار لگا کر گھوڑے پر سوار باہر نکلتی تھی۔“ شاہان ہند کا معمول تھا کہ جب وہ شکار کو جاتے تھے۔ تو کل بیگمات اور کنیریں بھی ساتھ ہوتی تھیں۔ ایک مرتبہ التمش شیر کے شکار کو گیا تھا، بیگمات پیچھے تھیں، ایک شیر نکل کر بادشاہ پر جھپٹا، اگر رضیہ نہ پہنچ گئی ہوتی تو بادشاہ بری طرح زخمی ہو گیا ہوتا، لیکن شیر دل رضیہ نے جھپٹ کر کموار کے ایسی تابڑ توڑ وار کیے، کہ شیر نیم جان ہو کر گر پڑا۔

تختِ حکومت پر بیٹھ کر رضیہ نے وہ رعب قائم کیا کہ اعیانِ دولت تک کانپتے تھے، بعض امراء نے یہ دیکھ کر کہ اب ان کا کوئی زور نہیں چلتا، مخالفت پر آمادہ ہو گئے اور صرف لفظی مخالفت نہیں، بلکہ فوجیں لئے ہوئے دہلی کے باہر پڑے تھے، رضیہ کی مدد کو جو باہر سے آتا تھا اس کو بھی توڑ کر ملا لیتے تھے۔ لیکن رضیہ نے تنہا اپنی تدبیر و دلیری سے ان کو ایسا پریشان کیا کہ وہ اوہرا دھر ٹھو کریں کھاتے پھرتے تھے۔ لیکن ان کو پناہ نہیں ملتی تھی۔ ۶۳۷ء میں جب حاکم لاہور نے سراٹھایا تو خود فوج لے کر گئی، اس کے بعد بھٹنڈہ کے گورنر نے جب سرکشی کی تو پھر خود فوج لے کر نکلی، لیکن اپنے نوکروں کی سازش سے راستہ میں گرفتار ہو گئی، اور اس کی جگہ پر دہلی میں اس کے بھائی معزالدین کو لوگوں نے بادشاہ بنایا، رضیہ قید سے چھوٹی، تو نئے سرے سے ایک لشکر ترتیب دے کر دو تین مرتبہ تختِ دہلی کے لئے لڑی، لیکن چونکہ رضیہ کی فوج بالکل نئی اور بھرتی کی تھی ہمیشہ شکست کھاتی رہی تھی۔

اس سلسلہ میں سلطان علاؤ الدین کے عہد کا ایک عجیب و غریب واقعہ یہ ہے جس سے اسلامی ہندوستان کی تاریخ عظمت کسی قدر بڑھ جاتی ہے شاہان ہند کے مرقع میں علاؤ الدین خلجی کی تصویر ایک خاص امتیاز رکھتی ہے جسکے چہرے سے اولوالعزمی، بلند خیالی،

جلالتِ شان کے آثار نمایاں ہوتے ہیں، سلطان نے جب سیلِ تاتار کو روک کر پیچھے ہٹا دیا، جس کو نہ بغداد و خوارزم کے مستحکم قلعے ہٹا سکے تھے، اور چین کی بلند دیواریں روک سکیں تھیں، اور نہ ایران و روس کی طاقتیں دبا سکیں تھیں تو سلطان کو سکندر اعظم کی عالمگیر حکومت کا خیال پیدا ہوا اس نے ایک دن برسہیل تذکرہ کہا کہ اب ہندوستان میں کو ایسی ریاست نہیں ہے جو مجھ سے سرکشی کر سکے۔ قلعہ جالور کا راجہ کانیر دیو دربار میں حاضر تھا۔ اس نے نہایت بددماغی سے متکبرانہ لہجہ میں کہا کہ جالور کا قلعہ کبھی مطیع نہیں ہو سکتا۔

سلطان برہم تو ہوا لیکن اس وقت اس نے ایک لفظ بھی نہیں کہا، دو تین دن کے بعد راجہ کو دہلی سے رخصت کر دیا، اور مہلت دی کہ قلعہ جالور کو جس قدر محفوظ کر سکتا ہے کر لے، اور دو تین مہینے کے بعد سلطان نے اپنی ایک لونڈی کو جس کا نام گل بہشت تھا، سپہ سالار بنا کر جالور کی مہم پر روانہ کیا، گل بہشت اپنی فوج لئے ہوئے برق و باد کی طرح جالور پہنچی راجہ مقابلہ نہ کر سکا اور قلعہ بند ہو گیا، گل بہشت نے راجہ کو محصور کر لیا، اور اس بہادری اور دلیری سے اس نے قلعہ پر حملہ کرنا شروع کیا، کہ راجہ کو اس کا گمان تک نہ تھا، قلعہ فتح ہونے میں کچھ ہی دیر تھی کہ یک بیک گل بہشت بیمار پڑی اور ایسی شدید بیمار پڑی کہ پھر نہ اٹھی، گل بہشت سب کچھ کر سکتی تھی، لیکن موت کا حملہ نہیں روک سکتی تھی۔

گل بہشت کے مرنے پر راجہ شیر ہو گیا، اور قلعہ کھول کر شاہی فوج کو اس نے بہت پیچھے بنا دیا، گل بہشت کا لختِ جگر شاہین راجہ کے ہاتھ سے مارا گیا، آخردہلی سے ایک نئے سپہ سالار کمال الدین نے پہنچ کر جالور فتح کر لیا۔^۱

ساتویں صدی کے اختتام اور آٹھویں صدی کی ابتداء میں دنیا میں ایک عجیب انقلاب پیدا ہوا، امیر تیمور کیا تھا ترکستان کے حدود میں ایک آندھی اٹھی تھی۔ جس سے ترکوں کی مضبوط سلطنت ہل گئی۔ دمشق و عرب متزلزل ہو گیا، تغلق خاندان کی شمع حیات بجھ گئی، اور مغل اعظم کی اس عظیم الشان سلطنت کی بنیاد قائم ہوئی، جس سے بہتر کوئی حکومت ہندوستان میں قائم نہیں ہوئی، گو اس فتح کا ثمرہ خود تیموری نسل کو پورے سو سو برس کے بعد

حاصل ہوا۔ لیکن دراصل اس مدت میں سیدوں اور لودھیوں کا دور حکومت اس تیموری تاریخ کی تمہید تھا، جس کا سرنامہ ظہیر الدین شاہ بابر کے طغرے مزین ہے۔

لیکن کیا ان فتوحات میں عورتوں کی کوئی کوشش شامل نہ تھی؟ امیر تیمور کے کشورستان لشکر میں بہت سی عورتیں تھیں جو میدانوں میں لڑتی تھیں، اور معرکوں میں گھسٹی تھیں۔ بہادروں سے مقابلہ کرتی تھیں، تلواریں چلاتی تھیں، نیزے لگاتی تھیں، تیرماری تھیں، غرض کسی بات میں وہ مردوں سے کم نہ تھی، کیا تیموری کارناموں میں ان عورتوں کو کوئی حصہ نہ ملے گا۔^۱

تیموری نسل کا ہر ایک شاہزادہ شجاعت مجسم تھا لیکن کیا تم یہ نا انصافی کر سکتے ہو کہ تیموری شاہزادیوں کو ان کی وراثت سے الگ کر دو؟ بابر نامہ، ہمایوں نامہ، ترک جہانگیر دیکھو ہر جگہ نظر آئے گا، کہ تیموری خواتین برابر ہتھیار لگاتی تھیں، گھوڑوں پر سوار ہوتی تھیں، شکار کھیلتی تھیں، شیرماری تھیں، چوگان کھیلتی تھیں، تیر چلاتی تھیں، غرض فن سپہ گری سے خوب واقف تھیں، ترک بابری کے مطالعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ بابر کو جو فتوحات کابل، سمرقند، فرغانہ وغیرہ میں حاصل ہوئیں، ان میں عورتوں کو بھی دخل تھا۔

نور جہاں تیمور و بابر کی بیٹی نہ تھی لیکن بہو تھی، اکثر نور جہاں ہاتھی پر سوار ہو کر سیر و شکار کو نکل جاتی تھی، اور ایک ایک گولی میں شیر کو ٹھنڈا کر دیتی تھی، جہانگیر ترک جہانگیری میں نور جہاں کے شکاروں کا بڑی مسرت سے تذکرہ کرتا ہے، اور ایک جگہ لکھتا ہے

”ایک مرتبہ میں شکار کو نکلا ایک ہاتھی پر رستم خان اور میں تھا، اور دوسرے ہاتھی پر نور جہاں تھی، سامنے جھاڑیوں میں شیر تھا، ہاتھی شیر کی بو پا کر کاپنے لگتا ہے، اس اضطراب و جنبش میں نشانہ ٹھیک لگنا، اور پھر عماری میں بیٹھ کر نہایت مشکل ہے، قدر اندازی میں میرے بعد رستم خاں کا کوئی ثانی نہیں ہے، مگر ہاتھی پر بیٹھ کر اکثر اس کے تین تین اور چار چار نشانے خطا کر جاتے ہیں، لیکن نور جہاں نے عماری میں بیٹھے بیٹھے پہلی ہی آواز میں شیر کو ٹھنڈا کر دیا۔“^۲

ایک مرتبہ نور جہاں جہانگیر کے ساتھ شکار کھیلنے گئی، ہاتھی پر سوار تھی، سامنے سے چار شیر

۱: عجائب المتقدرا ابن عرب شاہ ص ۲۳۳۔ ۲: ترک جہانگیری ص ۲۷۹۔

نکلے، لیکن نور جہاں کی پیشانی پر تل تک نہ آیا، اس نے نہایت اطمینان سے بندوق چلائی، اور دو شیروں کو ایک ایک گولی میں اور دو کو دو گولیوں میں ٹھنڈا کر دیا، جہانگیر نہایت خوش ہوا، اور چند بیش قیمت زیور نور جہاں کو انعام دیئے، اس موقع پر ایک شاعر نے ہر جت یہ شعر پڑھا۔

نور جہاں گر چہ بصورت زن است در صف مرداں ”زن شیراقلن“ است
نور جہاں چونکہ پہلے علی قلی خاں شیراقلن کی بیوی تھی، اس لئے ”زن شیراقلن“ کی ترکیب نے اس شعر کو با مزہ کر دیا ہے۔

جہانگیر کے اخیر عہد میں نور جہاں کے بھائی آصف خاں کے سبب سے نور جہاں اور جہانگیر دونوں کے دل مہابت خاں کی طرف سے صاف نہ تھے، آصف خاں کی کوشش تھی۔ کہ مہابت خاں ذلیل ہو، جہانگیر دریائے بھٹ کے قریب خیمہ زن تھا، آصف خاں ایک دن پہلے فوج سمیت دریا کر اس پار چلا گیا تھا، مہابت خاں نے اس موقع کو غنیمت سمجھا، اور جہانگیر کو گرفتار کر لیا، نور جہاں کو موقع ملا، تو وہ دریا سے اس پار جا کر فوج سے مل گئی، اور وہاں اس نے امراء و اعیان دولت کو بلا کر سخت ملامت کی، کہ صرف تمہاری بے احتیاطی سے بادشاہ گرفتار ہو گیا، انہوں نے بالاتفاق کہا کہ مناسب یہ ہے کہ کل حضور کی رکاب میں کل فوج شاہی دریا کے اس پار جا کر جس طرح ہو بادشاہ کی قدم بوسی حاصل کرے۔

صبح کو کل فوج تیار ہوئی، مہابت خاں نے پل تو پہلے ہی جلادیا تھا، سواروں نے اپنے اپنے گھوڑے اور ہاتھی دریا میں ڈال دیے، نور جہاں بھی ایک ہاتھی پر سوار تھی، نور جہاں کے ساتھ شہزادہ شہریار کی بہن اور شاہنواز خاں کی بیٹی بھی تھی، ابھی فوج دریا ہی میں تھی، کہ مہابت خاں نے حملہ کر دیا، ایک تو فوج دریا میں منتشر تھی ہی اور منتشر ہو گئی، عجیب ابتری پھیل گئی، نور جہاں نے خواجہ ابوالحسن اور معتمد خاں کو کہلا بھیجا کہ دیکھتے کیا ہو؟ تم بھی جواب دو، اتنے میں مہابت خاں کے سواروں نے آ کر نور جہاں کے ہاتھی کو گھیر لیا، نور جہاں کی عماری تیروں کا نشانہ بن گئی، یہاں تک کہ ایک تیر عماری کے اندر بھی چلا آیا، اور شہزادی کے

بازو میں آکر لگا، تمام کپڑے خون میں تر ہو گئے، نور جہاں نے اپنے ہاتھ سے تیر نکال کر باہر پھینک دیا، نور جہاں کے ساتھ جو خوبہ سراسیمہ تھے، وہ بھی تمام آئے، نور جہاں کا ہاتھی زخموں سے چور چور ہو کر بھاگ نکلا، آخر بڑی مشکل سے وہ اپنے فرود گاہ کو پہنچ سکی، اگر ہاتھی سنبھلا رہتا، تو ممکن تھا کہ نور جہاں لڑنے میں بھی دروغ نہ کرتی۔^۱

مرزا ہادی نے تزک جہانگیری کے خاتمہ میں ایک عورت کی بہادری کا عجیب واقعہ لکھا ہے، گو اس کے اخلاق کی مذمت بھی کی ہے۔

جہانگیر کے زمانہ میں دولت آباد کا قلعہ نظام الملک سے تعلق رکھتا تھا، حمید خاں حبشی نظام الملک کے دربار کا وکیل تھا، اور محل میں بالکل حمید خاں کی بیوی کا عمل دخل تھا، گو ایک معمولی عورت تھی، لیکن رفتہ رفتہ نظام الملک کے دربار میں اس کا اتنا رسوخ بڑھا، کہ جس پر یہ سوار ہو کر نکلتی تھی، تو سرداران فوج و امراء دولت پیادہ اس کے رکاب میں چلتے تھے، نظام الملک ان دنوں میاں بیوی کے ہاتھوں میں ایک کٹھ پتلی تھا۔

اسی زمانہ میں عادل خاں نے ایک بڑی فوج نظام الملک سے لڑنے کو بھیجی، نظام الملک کو فکر ہوئی کہ اس کے مقابلہ میں کس کو بھیجا جائے؟ حمید بیگم نے کہا کہ میں خود جاؤں گی، اگر جیتی، جیتی، اور اگر ہاری تو عورتوں کا اعتبار ہی کیا؟ چنانچہ نظام الملک کی رضامندی سے حمید بیگم فوج لے کر روانہ ہوئی، راستہ بھرا اپنے سپاہیوں کو انعام و اکرام سے خوش کرتی گئی، جب دونوں فوجوں کا مقابلہ ہوا، تو حمید بیگم خود تمام ہتھیار سے مسلح ہو کر میدان میں آئی، اور پہاڑ کی طرح عرصہ کارزار میں کھڑی رہی، اور اس بہادری اور دلیری سے اپنی فوج کو لڑاتی رہی کہ تھوڑی ہی دیر میں عادل کا شاہی لشکر اس بے سروسامانی سے بھاگا، کہ تمام ہاتھی اور توپ خانے میدان جنگ میں چھوڑ گیا۔

مرزا کے خاص الفاظ یہ ہیں

”نقاب بر قامت رعنا افگندہ بر اسپ سواری شد، خنجر و شمشیر مرصع بکمری بست، بعد از نکلہ تلاقی صفین و محاذات فتنین اتفاق افتاد از علو ہمت و علو جرات دلیرانہ بالشکر

۱: تزک جہانگیری، ص ۴۰۴، ۴۰۵۔

عادل خوانی مصاف دادہ سپاہ و سرداران را بقتل و حرب و ضرب ترغیب و تحریص نموده، قدم مردانگی را در آں بحر و غا و لجمہ بیجان چوں کوه استوار بر جاداشت، و آں غنیم و دشمن عظیم را شکست فاش دادہ جمع فیلان و توپ خانہ در ابدست آورده سالما و غانما مراجعت برافراخت۔“

مسلمان عورتوں کی ہمت مردانہ کا ایک اور عجیب واقعہ ہے

عادل شاہی خاندان جس کے دائرہ حکومت کا مرکز شہر بیجا پور تھا، پونجی خاتون اس کے سب سے پہلے بادشاہ یوسف عادل شاہ کی بیوی تھی، یوسف عادل شاہ نے ۹۱۶ھ میں وفات پائی اس کا نابالغ فرزند اسماعیل عادل شاہ تخت پر بیٹھا، کمال خاں دکنی نائب السلطنت مقرر ہوا، گو نام اسماعیل عادل شاہ کا تھا، لیکن سلطنت کمال خاں کرتا تھا، اس کو ایک دن خیال ہوا کہ اس نام کو کیوں نہ مٹا دیا جائے؟

پونجی خاتون کمال خاں کے اس ارادے سے غافل نہ تھی، اس نے کمال خاں کے برطرف کرنے کی کوشش شروع کی، لیکن وہ کیا کر سکتی تھی، تمام اعیان دربار و سرداران فوج کمال خاں کے قبضہ میں تھے، پونجی خاتون نے اس کے سوا کوئی چارہ نہ دیکھا، کہ یا کمال خاں معدوم کر دیا جائے یا عادل شاہی خاندان معدوم ہو، اس نے موقع دیکھ کر یوسف ترک کو جو اسماعیل عادل شاہ کو کہتا تھا، کل مراتب سمجھا بجھا کر کمال خاں کے پاس بھیجا، یوسف نے چپ چاپ ایک ہی خنجر میں کمال خاں کا کام تمام کر دیا، یوسف گرفتار ہو گیا، اور آخر وہ بھی وہیں ڈھیر کر دیا گیا۔

کمال خاں کی ماں نے اسی وقت کمال خاں کے بیٹے صفدر خاں کو بلا کر معاملہ سے خبردار کیا، اور کہا ابھی اسماعیل عادل شاہ اور پونجی خاتون کو قتل کر کے تخت پر بیٹھ جاؤ، تمام فوج تمہارا ساتھ دے گی، صفدر خاں باپ کی لاش دیکھ کر چاہتا تھا کہ چیخ مارے، ماں نے کہا خبردار! کمال کے مرنے کی خبر نہ پھیلے، لوگوں سے جا کر کہہ! کہ کمال خاں کہتا ہے، کہ اسماعیل عادل شاہ کا سر چاہیے۔

پونجی خاتون پہلے سے سمجھتی تھی کہ یہ آفت آنے والی ہے، قلعہ میں اس وقت کمال خاں کی طرف سے تین سو مغل، اور دو تین سو دکنی اور حبشی سپاہی تھے، پونجی خاتون نے ان کو بلا کر کہا کہ تم جانتے ہو کہ یہ تخت عادل شاہ کا ہے، اسماعیل ابھی بچہ ہے، کمال خاں ہم کو الگ کر کے خود بادشاہ بننا چاہتا ہے، تم میں جو عادل شاہی تخت کا وفادار ہو، وہ ہمارے ساتھ قلعہ میں رہے، اور ہماری مدد کرے، اور جس کو اپنی جان عزیز ہو، وہ قلعہ سے نکل جائے، تم دشمنوں کی کثرت سے نہ ڈرو، کمال خاں کو کفرانِ نعمت کی سزا ضرور ملے گی، ظاہر ہے کہ ایسی مایوسی کی حالت میں کمال خاں کو چھوڑ کر کون پونجی خاتون کا ساتھ دیتا؟ تین سو مغلوں میں سے ڈھائی سو، اور دو تین سو حبشیوں اور دکنیوں میں سے صرف سترہ سپاہیوں نے پونجی خاتون کی معیت گوارا کی، اور باقی قلعہ سے نکل کر صفدر خاں سے مل گئے، پونجی خاتون نے یہ بھی بڑی عقل مندی کی، کہ غداروں سے پہلے ہی قلعہ پاک کر لیا، عین موقع پر اگر یہ دشمنوں سے مل جاتے تو کیا ہوتا؟

پونجی خاتون پہلے چاروں طرف سے اپنے کو قلعہ بند کر لیا، اور انہی دو تین سو سپاہیوں کو محل کی چھت پر کھڑا کر دیا، اور خود پونجی خاتون، دل شاد آغا، یوسف عادل شاہ کی بہن اور چند عورتیں اسماعیل عادل شاہ کے ساتھ تیر و کمان ہاتھ میں لے کر چھت پر کھڑی ہو گئیں، صفدر خاں ایک بڑی جمعیت سے قلعہ کی طرف آیا، پونجی خاتون، دل شاد آغا اور سپاہیوں نے صفدر خاں کو تیر اور پتھروں پر ڈھرایا، اور اتفاق سے اسی وقت مصطفیٰ آقا عادل شاہی خاندان کا ایک قدیم نمک خوار پچاس تو مچھیوں کو لے کر خاتون کی مدد کو آیا، ان تو مچھیوں نے اوپر پہنچ کر گولے اڑانے شروع کر دیے، صفدر خاں اپنی ماں کے حکم سے پھرا کہ بڑی توپیں لگا کر ابھی قلعہ ریزہ ریزہ کر دیا جائے، پونجی خاتون اور عورتوں نے کہا کہ اگر توپیں آگئیں، تو پھر کچھ نہ ہو سکے گا، اس سے پہلے کوئی تدبیر بن جائے، تو بن جائے، رائے یہ ہوئی کہ سپاہیوں کو چھپ جانا چاہیے، اور تمام عورتیں یہیں کھڑی رہیں، دشمن سمجھیں گے کہ سپاہی ان عورتوں کو قلعہ میں چھوڑ کر بھاگ گئے، چنانچہ ایسا ہی کیا، سپاہی سب ادھر ادھر چھپ گئے اور عورتیں کھڑی رہیں، غنیم، جب نظر پڑی تو دیکھا کہ صرف عورتیں ہیں، ان کی ہمت ہوئی اور

پلٹ کر انہوں نے دوبارہ حملہ کیا، قلعہ کا دروازہ توڑ ڈالا عورتوں نے انگلی تک نہ ہلائی اور کھڑی دیکھتیں رہیں صفدر خان چاہتا تھا کہ پہلا دروازہ توڑ کر دوسرا دروازہ بھی توڑ ڈالے کہ سپاہیوں نے نکل کر اس زور سے حملہ کیا کہ دشمن پھر نہ بھتم سکے۔^۱

دو تین سو آدمیوں سے فوج کا مقابلہ کرنا کوئی معمولی بات نہیں ہے نظام شاہی خاندان جس نے دکن میں تقریباً سو برس تک نہایت کامیابی سے حکومت کی اور جس کا دارالحکومت شہر احمد نگر تھا اس کی ایک شہزادی نے جس دلیری اور استقلال کے ساتھ اکبر اعظم کی فوج کا مقابلہ کیا وہ قابل حیرت امر ہے چاند خاتون نظام شاہی خاندان کی چشم و چراغ اور عادل شاہی خاندان کی بہو تھی، حسین نظام شاہ بحری (احمد نگری) اس کا باپ تھا اور علی عادل شاہ بیجا پوری اس کا شوہر تھا علی عادل شاہ کے مرنے پر بیجا پور سے احمد نگر چلی آئی تھی اور یہیں رہتی تھی۔

اکبر کو جب ہندوستان کی مہمات سے فرصت ملی تو اس کو تسخیر دکن کی فکر ہوئی شہزادہ مراد اور خانخانان اس مہم پر بھیجے گئے اس وقت تخت احمد نگر پر برہان نظام شاہ جلوہ افروز تھا، نظام شاہ نے صوبہ برار اکبر کو پیش کر دیا لیکن اس معاملہ سے انتقام سے پہلے برہان شاہ کا انتقال ہو گیا اور برار پر اکبر کا قبضہ نہ ہو سکا، شہزادہ مراد اور خانخانان موقع کی تاک میں گجرات میں فوج لئے ہوئے پڑے تھے اسی اثناء میں برہان کا جانشین ابراہیم شاہ امراء کے ہاتھ سے مارا گیا۔ منجھو خان وکیل سلطنت اور آہنگ خان اور اخلاص تینوں میں تخت نشینی کے لئے جھگڑا ہوا ہر ایک نے اپنا ایک جدا جدا بادشاہ بنالیا آخر آپس کا نفاق بڑھا اور خون ریزیوں تک نوبت پہنچی منجھو خان نے جل کر شہزادہ مراد کو لکھ دیا کہ نظام شاہی قوت فنا ہو چکی ہے آپ ادھر کا رخ کیجئے میں بلا تامل احمد نگر کا قلعہ آپ کے حوالے کر دوں گا مراد چل کھڑا ہوا۔ خانخانان بھی شاہ رخ مرزا والی، بدخشاں، شہباز خان، راجہ جگن ناتھ، راجہ درگاہ، راجہ رام چندر اور دیگر امراء کو لے کر روانہ ہوا جب یہ لوگ احمد نگر کے قریب پہنچ گئے تو منجھو خاں کو اپنی عجلت کاری پر سخت ندامت ہوئی کیونکہ اس اثنا میں منجھو خان تمام مخالف قوتوں کو دبا کر خود مختار ہو

۱۔ تاریخ فرشتہ، جلد ۲ ص ۱۶ اور ۱۷۔

چکا تھا نا چار قلعہ چیموز کر نکل گیا۔

چاند خاتون نے دیکھا کہ ہماری آبائی حکومت معدوم ہوا چاہتی ہے اس نے عزم کر لیا کہ جس طرح ہوگا میں سلطنت کو بچاؤں گی۔ اس نے خود پہلے اپنے بعض مخالف امراء کو قلعہ سے علیحدہ کیا اور بعض کو توز جوز کر کے ملا لیا۔ قطب شاہ (گوکنڈہ) اور عادل شاہ (بیجاپور) سے امدادیں طلب کیں اور قلعہ کو ہر طرف سے مضبوط کر کے شہزادہ مراد اور خانخاناں کی منتظر رہی۔ شہزادہ مراد نے ۲۳ ربیع الثانی ۱۰۰۳ھ کو اپنی فوج قلعہ کی طرف بڑھائی، چاند خاتون نے بھی حکم دیا کہ ہماری توپوں کے منہ کھول دیئے جائیں تمام دن مراد کو شش کرتا رہا کہ قلعہ پہنچ جائے مگر چاند خاتون نے ایک قدم بھی آگے بڑھنے نہ دیا شام کو مراد تھک کر خود ہٹ گیا دوسرے دن شہزادہ مراد، شاہ رخ، مرزا، خانخاناں، شہباز خان، راجہ جگن ناتھ وغیرہ نے مورچہ ڈال کر چاروں طرف سے قلعہ کا محاصرہ کر لیا بعض نظام شاہی امراء نے لڑ بھڑ کر چاند خاتون کی مدد کو قلعہ میں جانا چاہا مگر خانخاناں نے جانے نہ دیا۔ شہزادہ مراد اور خانخاناں مہینوں قلعہ کا محاصرہ کئے پڑے رہے مگر وہ قلعہ کو نہیں بھی نہ لگا سکے۔

ادھر چاند خاتون کی حسب درخواست عادل شاہ نے پچیس ہزار سوار چاند خاتون کی مدد کو بھیجے، قطب شاہ نے پانچ چھ ہزار اور کچھ پیادے روانہ کئے منجھو خان، اخلاص خاں، آہنگ خاں، امراء نظام شاہی بھی اسی فوج کے ساتھ ہو گئے، غرض اس طرح مل ملا کر ایک زبردست فوج تیار ہو گئی، شہزادہ مراد کو اس فوج کا جب حال معلوم ہوا، تو گھبرا گیا، تمام فوج میں عملیاتی مچ گئی، آخر رائے یہ قرار پائی کہ اس فوج کے آنے سے پہلے پہلے قلعہ لے لینا چاہیے، یوں لڑ کر قلعہ میں دس جانا تو ممکن نہ تھا، تین مہینے میں یہاں سے لے کر قلعہ کے برج تک پانچ سرنگیں کھودی گئی، اور ان میں بارود بچھا دی گئی، کہ آگ لگا کر قلعہ اڑا دیا جائے۔

چاند خاتون کو ان سرنگوں کی خبر لگ گئی، اس نے اسی وقت بارود نکال کر سرنگوں کو بھرنا شروع کر دیا، شہزادہ مراد کو تو اس کی جلدی تھی کہ اس قلعہ کی فتح میرے نام لکھی جائے، خانخاناں کا اس میں ہاتھ بھی نہ لگنے پائے، دوپہر کو خانخاناں کے سوا تمام امراء اور فوج کو لے کر قلعہ کے رخ پر مستعد کھڑا ہو گیا، کہ ادھر بارود سے قلعہ اڑا اور ادھر پہنچا، چاند خاتون

اس وقت تک دوسرنگیں بھروا چکی تھیں، اور تیسری کھودی جا رہی تھی، کہ شہزادہ نے سرنگوں میں آگ لگانے کا حکم دیا، اس زور کی ایک آواز ہوئی اور ایک دھماکہ ہوا کہ لوگ سمجھے کہ آسمان پھٹ پڑا، یا بجلی ٹوٹ پڑی، اور قلعہ کی پچاس گز دیوار دھم سے گر پڑی، سامنے شہزادہ اپنے خون خوار راجپوتوں اور مغلوں کے ساتھ کھڑا نظر آیا، قیامت ہو گئی، لوگوں کے دل بیٹھ گئے، کام کرنے والوں نے کام چھوڑ دیا، سپاہیوں کے ہاتھ پاؤں پھول گئے، فوج کے سردار بھاگ کھڑے ہوئے، غرض سارے قلعہ میں عجیب سراسیمگی اور بدحواسی پھیل گئی۔

چاند خاتون کی ہمت دیکھو، اسی وقت گھوڑے پر سوار، مسلح، ہاتھ میں تلوار لئے ہوئے سراپردہ سے باہر نکل آئی، شہزادہ اس فکر میں تھا کہ باقی دوسرنگیں بھی اڑیں تو حملہ کیا جائے، لیکن وہ سرنگیں ہوں بھی، چاند خاتون نے اتنی ہی دیر میں جلدی جلدی کر کے بیسیوں آتش بارتوپیں اس شگاف میں کھڑی کر دیں، تمام فوج کو تسکین دے کر پھر لڑنے پر آمادہ کر دیا، مغلوں اور راجپوتوں نے جان توڑ کر حملے کئے شہزادہ مراد نے سر پٹک پٹک مارا، مگر چاند خاتون نے ایک انچ بھی قلعہ نہ دیا، اور اس ہمت اور دلیری سے فوج کو لڑاتی رہی کہ قلعہ کی خندق شام تک مغلوں اور راجپوتوں کی لاشوں سے پٹ گئی، شام کو شہزادہ ناکام پلٹا، رات بھر میں چاند خاتون نے خود مسلح کھڑی ہو کر پچاس گز قلعہ کی دیوار تین گز بلند کر دی، صبح کو مراد نے دیکھا تو پھر وہی پہلی دیوار حائل تھی، موافق اور مخالف دونوں کے منہ سے چاند خاتون کی اس اولوالعزمی، استقلال اور بہادری پر صدائے آفرین و تحسین بلند ہو گئی، اور اسی وقت سے چاند خاتون کا لقب چاند سلطان ہو گیا۔

اس ماکامی سے شہزادہ کا دل چھوٹ گیا، امرائے اکبری میں مقابلہ کی قوت نہ رہی، ناچار صلح کرنی چاہی، اول تو چاند سلطان نے انکار کیا، کہ غنیم بے دل ہو چکے ہیں، تھوڑی سی کوشش سے ان کو ہزیمت ہو سکتی ہے، لیکن چونکہ لوگ قلعہ میں بند بند گھبرا گئے تھے، اس لئے چاند سلطان نے بھی آخر صلح منظور کر لی، اور حسب قرار داد برابر کا صوبہ شاہزادہ مراد کے حوالہ کر دیا۔^۱

غور کرو! کیا اس بھی زیادہ کسی عورت کی بہادری ہو سکتی ہے؟ سلطنت کی بنیاد کمزور، امراء، میں نفاق اور خانہ جنگی، قلعہ میں فوج نہیں، سامانِ رسد نہیں، قلعہ کی دیوار شکستہ اور منہدم، پہلے سے حفاظتِ قلعہ کا خیال نہیں، اور پھر مقابلہ اکبر اعظم اور خانخانان سے، ایسی حالت میں غنیم کو ہٹا کر قلعہ کو بچالینا مسلمان عورتوں کا کوئی معمولی کارنامہ نہیں ہے۔

ہم نے اپنی یہ داستان جس سرزمین اقدس سے شروع کی تھی، آخر میں ہم پھر اسی کے ایک گوشہ میں آکر پناہ لیتے ہیں، یہ گوشہ عرب یمن کے نام سے مشہور ہے، پانچویں صدی ہجری کے وسط میں یہ علاقہ خلافت عباسیہ کے احاطہ اقتدار سے نکل کر دولتِ فاطمیہ مصر کے قبضہ میں چلا گیا، اور اس کی صورت یہ ہوئی کہ یمن میں ایک مقام خزار ہے، وہاں مشہور قدیم قاضیوں کا خاندان تھا، جو آلِ صلح کے نام سے مشہور تھا، وہاں فاطمیوں کی طرف سے ایک داعی و مبلغ پہنچا، اس نے اس خاندان کے ایک نوجوان لڑکے میں نجابت اور اولوالعزمی کے غیر معمولی آثار دیکھ کر اس کو اپنے رنگ میں لانا شروع کیا، اور اسماعیلی مذہب کی اس کو تلقین کی، اس کا نام علی بن محمد صلیحی تھا، علی نے جوان ہو کر حوصلہ مند یوں اور اولوالعزمیوں کے پروبال پیدا کئے، علی کی چچا زاد بہن تھی جس کا نام اسماء تھا، یہ لڑکی حسن و جمال، تدبیر و دانش، علم و فضل، مردانگی و شجاعت میں بے مثال تھی، علی کی شادی اسماء سے ہوئی، قدرتِ الہی نے اس طرح گویا دو قوتوں کو باہم منضم کر کے یمن کی آئندہ قسمت کا ہیولی تیار کر دی، اور ان دونوں کی ہمتوں اور تدبیروں سے پورا ملک یمن ان کے قبضہ اختیار میں آ گیا۔

خلی صلیحی کو دشمنوں سے جو معرکے پیش آئے، اس میں اسماء اس کی دست و بازو تھی، ایک دفعہ جب وہ اپنے شوہر کے ساتھ مکہ معظمہ کی طرف کوچ کر رہی تھی کہ دفعہ دشمنوں نے چھاپا مارا، صلیحی کے ساتھ آدمی کم تھے، اس کو شکست ہوئی، اور اسماء دشمنوں کے ہاتھوں میں گرفتار ہو گئی، اور ایک زمانہ تک ان کے پاس قید رہی، اور بالآخر خود اپنی ہی تدبیروں سے قید و بند کے دروازے کو توڑ کر باہر نکل آئی، اس نے سخت چوکی پہرہ کے باوجود، روٹی کے اندر ایک خط رکھ کر قاصد کو جو ایک سائل کی صورت میں تھا، اپنے بیٹے کے پاس روانہ کیا، وہ ایک فوج لڑاں لے کر موقع پر آ پہنچا، اور اسماء آزاد تھی، جب تک زندہ رہی یمن کی ملکہ وہی

تھی، ۳۹ھ میں اس نے وفات پائی۔

اسماء کے آغوش تربیت میں دو اور بہادر خاتون اب اسلام پل کر جوان ہوئی، ایک اس کی لڑکی فاطمہ اور دوسری اس کی بہو سیدہ۔ فاطمہ نے تو اپنے شوہر کی قید سے جس نے دوسری شادی کر لی تھی، مردانہ ارگلو خلاص حاصل کی، چپکے سے اپنی ماں کو پیغام بھیجا اور وہاں سے فوج منگوا کر مردانہ بھیس بدل کر چل کھڑی ہوئی۔

سیدہ اپنی ساس اسماء کی وفات کے بعد یمن کی ملکہ ہوئی، اس کا شوہر مکرم عیاش اور راحت طلب تھا، سیدہ نے سلطنت کے بار کو نہایت عمدگی سے اٹھایا، بہت سی عمارتیں بنوائیں، شہر آباد کئے، فوج کشیاں کیں، دشمنوں کو تلواروں اور تہ پیروں دونوں سے زیر کیا، دولت فاطمیہ کی طرف سے جو مراسلے آتے تھے۔ ان میں اس کے لئے بڑے بڑے القاب شاہی استعمال کئے جاتے تھے۔^۱

ابھی ہم کو بیسیوں اسلامی ممالک اور سیکڑوں اسلامی شاہی خاندانوں کے تاریخی اوراق الٹنے باقی ہیں، ایران و ترکستان و روم و افریقہ و مراکش و اندلس کے اسلامی خاندانوں کی بہادر خواتین کے متعلق حالات اس مختصر رسالہ میں نہیں آئے، حالانکہ ان ملکوں اور خاندانوں میں بہادر خواتین اسلام کی کمی نہیں، لیکن افسوس کہ دوسرے ضروری کاموں کی مصروفیت مزید تفصیل کی اجازت نہیں دیتی، مگر جاتے جاتے ہم خواتین اسلام کی ایک روحانی شجاعت و بہادری کا ذکر کرنا چاہتے ہیں، جو اس جسمانی شجاعت و بہادری سے بدرجہا بلند و برتر ہے، اس سے مراد ان کی اخلاقی و روحانی شجاعت و جرأت ہے۔

آغاز اسلام میں متعدد خواتین نے اپنے دین و ایمان کی خاطر سخت سے سخت تکلیفیں اٹھائی ہیں، مگر کبھی جادہ حق سے روگردانی نہیں کی، حضرت سُمیہ حضرت عمار بن یاسر مشہور صحابی کی والدہ تھیں، ان کو ابو جہل نے اسلام لانے کے جرم میں ایسی برچھی ماری کہ وہی جانبر نہ ہو سکیں۔ ام قُلبیہ ایک صحابیہ تھیں، حضرت عمرؓ اپنے اسلام سے پہلے ان کو مارتے مارتے تھک جاتے تو کہتے ”میں نے رحم کھا کر تجھ کو نہیں چھوڑا ہے، بلکہ اس لئے چھوڑا ہے کہ تھک گیا ہوں“ وہ

۱۔ یمن کے یہ تمام واقعات تاریخ عمار بن زیدؓ، ابو حذافہؓ و افسانہ اندان میں مذکور ہیں۔

نہایت استقلال سے جواب دیتیں کہ ”عمر! اگر تم مسلمان نہ ہو گے تو خدا تم سے ان بے رحمیوں کا انتقام لے گا“ حضرت زبیرؓ ایک اور صحابیہ تھیں، وہ بھی اسلام کی راہ میں بے حد ستائی گئیں، ابو جہل نے ان کو اس قدر مارا کہ ان کی آنکھیں جاتی رہیں، نہ ہیہ اور ام عیسٰیؓ یہ دونوں بھی صحابیہ تھیں، یہ بھی اسلام لانے کے جرم میں سخت سے سخت مصیبتیں جھیلی تھیں۔^۱

حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے جب بنو امیہ کے مقابلہ میں حجاز میں اپنی خلافت قائم کی، اور حجاج نے ان پر بڑے سروسامان سے فوج کشی کی، تو ان کے رفقاء نے ان سے علیحدہ ہونا شروع کر دیا، مخلصوں کی ایک بہت چھوٹی سی جماعت ان کو ساتھ رہ گئی، اس وقت حضرت ابن زبیرؓ گھبرا کر اپنی ماں حضرت اسماء بنت ابی بکر صدیقؓ کے پاس گئے اور اجازت طلب کی کہ اگر مناسب ہو تو ”میں حجاج سے صلح کر لوں؟“ بہادر ماں نے جواب دیا ”فرزند من! اگر تم باطل پر ہو تو آج سے بہت پہلے تم کو صلح کر لینی چاہیے تھی، اور اگر حق پر ہو تو رفقاء کی کمی سے دل برداشتہ نہ ہو، حق کی رفاقت خود کیا کم نصرت ہے؟“ حضرت ابن زبیرؓ ماں کے پاس سے واپس آئے اور تمام ہتھیاروں سے سج کر ماں سے رخصت ہونے آئے، ماں نے سینہ سے لگایا تو جسم بہت سخت نظر آیا، پوچھا کیا واقعہ ہے؟ فرمایا میں نے دوہری زرہ پہن لی ہے، بولیں یہ شہدائے حق کا شیوہ نہیں، ابن زبیرؓ نے زرہ اتار ڈالی، پھر کہا مجھے ڈر ہے کہ دشمن میری لاش کے ٹکڑے ٹکڑے نہ کریں؟ ماں نے جواب دیا۔ ”بیٹا! جب بکری ذبح ہو جاتی ہے، تو اس کی کھال کھینچنے کی تکلیف نہیں ہوتی“ اور اس طرح ماں نے بیٹے کو قتل میں بھیجا، اور حق و صداقت کی قربان گاہ پر اپنے دل بند کو نثار کر دیا۔

حضرت ابن زبیرؓ کی شہادت کے بعد حجاج نے ان کی لاش کو برسرِ راہ سولی پر لٹکا دیا، کچھ دنوں کے بعد حضرت اسماءؓ کا جب ادھر سے گزر رہا تو بیٹے کی لاش سولی پر لٹکی نظر آئی۔ کون ایسی ماں ہوگی جو اس پر اثر منظر کو دیکھ کر تڑپ نہ جائے گی لیکن وہ نہایت بے پرواہی کے ساتھ ادھر سے گزر گئیں اور لٹکی لاش کی طرف اشارہ کر کے یہ بلیغ فقرہ کہا ”کیا اب تک یہ سوار اپنے گھوڑے سے اتر نہیں؟“^۲

۱۔ یہ تمام واقعات سیرت کی کتابوں میں مذکور ہیں۔ ۲۔ بطبری۔

اس روحانی شجاعت، اخلاقی جرأت، اور بے مثال صبر و استقلال کا نمونہ کہاں نظر آ سکتا ہے؟۔

ناظرین سے رخصت ہو کے اس منظر کو ان کے سامنے کرتے جاتے ہیں جب غرناطہ کا آخری سلطان ابو عبد اللہ اپنے آخری قلعہ کی کنجیاں عیسائی فاتحوں کے سپرد کر رہا تھا اور اپنی تھوڑی سی جماعت کے ساتھ اس سرزمین پر جہاں مسلمانوں نے ۶۰۰ برس حکومت کی آخری نظر ڈالتے ہوئے آنسوؤں کے تار اس کی دونوں آنکھوں سے جاری ہو جاتے ہیں اس وقت سلطان کی والدہ عائشہ آگے بڑھ کر کہتی ہے کہ ”فرزند من! جس چیز کو تم مرد بن کر نہ بچا سکے اب اس کیلئے عورتوں کی طرح خوب لڑو“ اس ایک فقرہ میں استقلال و جرأت کی کتنی روح بھری ہے۔ یہ گزشتہ بہادر خواتین اسلام کے کارناموں کا ایک دھندلا سا خاکہ تھا اب سوال یہ ہے کہ موجود خواتین اسلام آئندہ کی تاریخ اسلام کے لئے کیا کارنامہ دنیا میں چھوڑ جانا چاہتی ہیں؟۔



رضی اللہ عنہم و رضوانہ (القرآن)
اللہ ان سے راضی ہوا اور وہ اللہ سے راضی ہوئے

انبیاء کرام کے بعد دنیا کے مقدس ترین انسانوں کی سرگزشت حیات

سید الصحابة

اہل کتاب صحابہ و تابعین

حصہ دوازدہم (12)

جس میں ترانوے ۹۳ ایسے صحابہ، صحابیات، تابعین اور تابعات کے سوانح اور کارنامے درج ہیں، جو مذہباً یہودی یا نصرانی تھے اور مشرف باسلام ہوئے۔ شروع میں ایک مقدمہ ہے، جس میں جزیرہ عرب میں یہود و نصاریٰ کی قدیم تاریخ، ان کے تمدنی و سیاسی اثرات اور ان کی دینی و اخلاقی حالت کی تفصیل بیان کی گئی ہے

تحریر و ترتیب
مولانا حافظ مجیب اللہ صاحب ندوی
ریش دارالمصنفین

دارالاشاعت
اڈو بازار ایم ای جیل روڈ
کراچی پاکستان 2213740

پیش لفظ

موضوع کی ندرت یقین ہے کہ ہر پڑھنے والے کے دلکش ثابت ہوگی۔ کس کو خیال تھا کہ یہ بھی موضوع کسی مستقل کتاب کا بن سکتا ہے؟

فاطر کائنات کے انعامات اور نوازش کسی خاص عہد و زمانہ تک محدود نہیں۔ صدیوں پر صدیاں گزر گئیں، صحابیوں پر بہتر سے بہتر اور کیسی کیسی جامع کتابیں مرتب ہو گئیں۔ اس پہلو کی طرف کسی کا ذہن بھی منتقل نہ ہوا کہ جو اہل کتاب میں سے صحابہ ہوئے ہیں، مخصوص ان کا تذکرہ یکجا کر دیا جائے۔ یہ سعادت چودھویں صدی ہجری کے وسط کے عہد کے ایک فرزندندوہ کے لئے اٹھ رہی تھی، ذلک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء۔

خیال کو عمل میں لانا آسان نہ تھا۔ کتنی ہی کتابیں غور و استیعاب کے ساتھ پڑھنی پڑیں، اور پھر حالات و تفصیلات خاطر خواہ بہم نہ پہنچ سکے۔ سمندر کے کھنگالنے پر جتنے بھی موتی ہاتھ آ گئے بہت غنیمت ہیں۔ ۶۳ صحابی، ۸ صحابیات، ۱۳ تابعی، ۲ تابعات کے نام اور کم و بیش حالات کا فراہم ہو جانا تھوڑی بات نہ ہوئی۔ فرط احتیاط سے مؤلف سلمہ خود ہی کچھ رُک گئے، ورنہ چند نام تو اور اس فہرست میں بڑھ سکتے تھے۔

دتیا کس طرف جا رہی ہے۔ روشن خیال دنیا، قلم ہاتھ میں لئے ہوئے، نفس پرستی کے کیسے کیسے نئے عنوانوں کی طرف ہر روز لپک رہی ہے، اور کچھ اللہ کے بندے، اللہ اور رسول کے نام دیوانے اب بھی پڑے ہوئے ہیں کہ دن رات اللہ والوں اور اللہ والیوں ہی کے حالات کی ادھیڑ بن میں لگے ہوئے ہیں۔ نفع خوری اور صلہ عاجل حاصل ہونا، ”اجر غیر ممنون“ کی توقع انہیں۔۔۔ بنائے رکھنے کے لئے کافی ہے۔

شروع کتاب میں عرب میں یہودیت و نصرانیت کی اجمالی تاریخ اور جغرافیائی نقشے بڑے کام کی چیزیں ہیں۔۔۔ رسالہ بحیثیت مجموعی ”بہ قامت کہتر“ ہونے کے ساتھ صحیح معنی میں ”بہ قیمت بہتر“ ہے۔ اور بڑی خوشی کی بات ہے کہ اس کی طبع و اشاعت کا سامان بھی اسی ادارہ کی طرف سے ہو رہا ہے، جو سیرت کے سلسلہ میں خدمات خصوصی کا امتیاز حاصل کئے ہوئے ہے۔

از مولانا عبد الماجد دریابادی

۲۰۔ اپریل ۱۹۵۱ء

ذاتِ اللہ علیہ السلام

ویباچہ

وجہ تصنیف :

ندوہ کی تعلیم کا آخری سال تھا۔ علامہ بخش ریکی کی کشف میں سورہ آل عمران درس میں تھی۔ مومنین اہل کتاب کے متعلق جب کوئی آیت سامنے آتی تو اس کے شان نزول اور مصداق کے سلسلہ میں بار بار حضرت عبداللہ بن سلام یا ایک دو اور صحابی کا نام آتا۔ جب سورہ کی آخری آیت ”وَإِنَّ مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ لَمَنْ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَمَا أُنْزِلَ إِلَيْكُمْ وَمَا أُنْزِلَ إِلَيْهِمْ“ (الایہ)

”اہل کتاب میں سے بعض ہیں، جو اللہ پر ایمان لاتے ہیں اور جو کتاب تمہاری طرف نازل کی گئی (قرآن) اور جو کتاب ان کی طرف نازل کی گئی، اس پر یقین رکھتے ہیں۔“

کی تفسیر شروع تو حضرت عبداللہ بن سلامؓ کے ساتھ اصفیٰ النجاشی اور حبشہ اور نجران کے وفود کا ذکر بھی آیا۔ اس وقت میرے دل میں یہ سوال پیدا ہوا کہ تفسیر کی جتنی کتابیں اب تک نظر سے گزر چکی ہیں، ان سب میں یہ چیز مشترک ہے کہ جن مومنین اہل کتاب کا ذکر آتا ہے تو ارباب تفسیر دو چار مخصوص اہل کتاب صحابہ کے علاوہ کسی اور کے نام کا ذکر نہیں کرتے، تو آخر اس کی کیا وجہ ہے؟ میں نے اپنی اس خلش کا اظہار حضرت الاستاد جناب مولانا شاہ حلیم عطا صاحب سے کیا۔ انہوں نے مذکورہ ناموں کے علاوہ دو چار اور نام بتائے۔ اس وقت میں خاموش ہو گیا، اتفاق سے اسی روز یا اس کے دوسرے روز بخاری شریف کے درس میں یہ حدیث

”لَوْ اَمِنَ بِيْ عَشْرَةَ مِنَ الْيَهُودِ لَا مَنَ بِي الْيَهُودُ“

”اگر دس یہود بھی مجھ پر ایمان لاتے تو ان کی کافی تعداد ایمان لے آتی۔“

سامنے آئی، (حضرت شاہ صاحب ہی کے یہاں بخاری کا درس بھی تھا)۔ میں نے ان سے پھر دریافت کیا کہ دس یہود بھی ایمان نہیں لائے تھے؟ یہ تو اسلام کی بڑی ناکامی اور بے اثری کی

دلیل ہے کہ اس نے اہل کتاب میں کوئی مقبولیت حاصل نہیں کی۔ جبکہ وہ اس سے بڑی حد تک قریب بچتے تھے^۱۔ شاہ صاحب نے ارشاد فرمایا کہ اس سے بہت زیادہ اہل کتاب یعنی یہود و نصاریٰ ایمان لائے تھے۔ اس حدیث میں عام یہود نہیں، بلکہ علماء اور خواص مراد ہیں^۲۔ اس جواب سے گو تھوڑی سی تسکین ضرور ہوگئی، لیکن پورے طور پر میری خلش رفع نہیں ہوئی اور بالآخر عہد طالب علمی کی یہی خلش اس کتاب کی تصنیف کا باعث ہوئی۔

ندوہ کی تعلیم کے ختم کرنے کے بعد جب میں دارالمصنفین آیا تو رہ رہ کر یہ خلش مجھے بے چین کرتی تھی۔ اتفاق سے ایک نیا ابن ہشام دیکھ رہا تھا کہ غزوہ بنی قریظہ اور غزوہ بنی نضیر کے سلسلہ میں دو چار اہل کتاب صحابہ کے ناموں پر نظر پڑی۔ اس سے مجھے مزید تسکین ہوئی۔ میں نے استاذ الاساتذہ حضرت سید صاحب قبلہ سے دریافت کی کہ کیا اہل کتاب صحابہ کے حالات کہیں یکجا مل سکتے ہیں؟ انہوں نے فرمایا کہ یکجا تو نہیں ملیں گے، ہاں ہشام، سہلی اور دوسری سیر کی کتابوں کا مطالعہ کرو تو متفرق طور پر ان کے نام اور حالات مل جائیں گے۔ میں نے تلاش و جستجو شروع کر دی۔

بہت دنوں تک مغازی سیر کی کتابوں کی ورق گردانی کرتا رہا۔ لیکن میں نے اپنے ذہن میں جو طویل خاکہ بنایا تھا، اس میں رنگ بھرنے کا خاطر خواہ سامان ان کتابوں سے بھرم نہ پہنچ سکا۔ پھر یہ خیال پیدا ہوا کہ طبقات در جال کی کتابیں دیکھی جائیں۔ پہلے تو اس بحرِ خار میں گوہر مقصود پر طبیعت آمادہ نہیں ہوئی، لیکن پھر اللہ تعالیٰ نے ہمت عطا فرمائی اور تحقیق و تلاش شروع کر دی۔ برسوں کی محنت و جانفشانی کے بعد جو کچھ حاصل ہو سکا وہ پیش کشِ ناظرین ہے۔

ماخذ! سیر کے بعد در جال کی کتابوں میں سب سے پہلے حافظ ذہبی کی ”تجريد اسماء الصحابة“ شروع سے آخر تک پڑھی۔ پھر استیعاب اور اسد الغابہ اور ان سب کے بعد اصحابہ کی ورق گردانی کی۔ اس سلسلہ میں قبائل اور مقامات کی تحقیق کی ضرورت پڑی، تو اس کے لئے کتاب الانساب سمعانی اور معجم البلدان کی طرف رجوع کیا گیا۔

۱۔ بعد میں یہ علم ہوا کہ اسی حدیث کے پیش نظر بعض مستشرقین خصوصیت سے تاریخ الیہود کے مصنف اسرائیل ولفسون نے یہ ثابت کیا ہے کہ یہود میں اسلام بہت زیادہ غیر مقبول رہا۔ (ص ۳۷)

۲۔ یہی جواب عام شرح حدیث حافظ ابن حجرؒ نے دیا ہے۔ واقعات سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے کہ چند سردارانِ یہودی عام یہود کے حلقہ مجوس اسلام ہونے میں سدا رہے۔ حافظ ابن حجرؒ نے ان کے نام بھی لکھے ہیں۔

شروع میں تو یہ کتاب اہل کتاب صحابہ کے حالات تک محدود تھی لیکن جب میں نے اصابہ کا بالاستیعاب مطالعہ شروع کیا تو اس میں بعض اہل کتاب تابعین کے ناموں پر بھی نظر پڑی۔ جن کو میں جمع کرنا گیا۔ چونکہ یہ تھوڑے تھے اس لئے ان کو بھی اس کتاب کے آخر میں شامل کر دیا گیا۔

جن بزرگوں کے اہل کتاب ہونے میں شبہ ہے :

جب تک اس قبیلہ کے کسی بزرگ کے متعلق مخصوص طور پر معلوم نہیں ہو گیا کہ وہ اہل کتاب میں سے تھے، اس وقت تک ان کو فہرست میں نہیں لیا گیا۔ مثلاً بنو تغلب کے متعلق اسد الغابہ میں تصریح ہے کہ

”لان بنی تغلب کانوا نصروی“۔

”اس لئے کہ بنو تغلب نصاریٰ تھے“۔ (۱۵ ص ۵۷)

اسد الغابہ میں دوسری جگہ ہے،

”ان کثیرا من العرب قد تنصر کغلب“۔ (جلد ۳ ص ۲۲۲)

”بہت سے عربی قبائل عیسائی ہو گئے تھے۔ مثلاً تغلب“۔

لیکن بہت سے تغلبیوں کو اس فہرست میں اس لئے نہیں لیا گیا کہ خاص طور پر ان کے عیسائی ہونے کی کوئی تصریح نہیں مل سکی۔

اسی طرح حضرت تمیم داریؓ شام کے رہنے والے تھے اور شام میں عموماً عیسائی ہی آباد تھے۔ حضرت تمیم داریؓ جب خدمت نبویؐ میں آئے تو ان کے اہل خاندان کا ایک وفد بھی ان کے ساتھ تھا۔ لیکن ان سب میں صرف حضرت تمیمؓ اور ان کی ایک عزیزہ کو اس فہرست میں لیا گیا۔ اس لئے کہ دوسروں کے عیسائی ہونے کی کوئی تصریح نہیں مل سکی۔

اسی طرح مصر کے قبطی عام طور پر عیسائی تھے، لیکن بہت سے قبطی صحابہؓ کو اس لئے چھوڑ دیا گیا کہ ان کی قومی نسبت کے علاوہ اور کوئی ثبوت ان کے عیسائی ہونے کا نہیں مل سکا۔

جن بزرگوں کے اہل کتاب ہونے میں شبہ ہے ان کے نام درج کئے جاتے ہیں :

۱۔ ابو ہند الداری

یہ حضرت تمیم داریؓ کے چچا زاد بھائی تھے۔ معلوم نہیں، انہوں نے عیسائیت قبول کی تھی یا نہیں۔

۲۔ احمد بن عبد اللہ بن سلام

ان کا تذکرہ ابن ندیم نے کیا ہے۔^۱ لیکن رجال کی کتابوں میں حضرت عبد اللہ بن سلام کے دو صاحبزادوں حضرت یوسف اور حضرت محمد کا نام تو مذکور ہے، جو شرف صحابیت سے بھی بہرہ ور تھے، لیکن احمد نام کے کسی صاحبزادے کا تذکرہ نہیں مل سکا۔ ہو سکتا ہے کہ یہ محمد کی تصحیف ہو۔ واللہ اعلم

۳۔ تبع بن امرہ کعب الاحبار

یہ کعب احبار کے مدعیب تھے۔

۴۔ ذکوان بن یامین

ان کے اسلام میں اختلاف ہے۔

۵۔ سلمہ بن سعد

اصابہ میں ہے کہ یہ حضرت شعیبؓ کی قوم سے تھے۔

۶۔ سلمہ بن عیاض

ان کے اشعار سے پتہ چلتا ہے کہ یہ اہل کتاب میں سے تھے، لیکن تصریح نہیں ملتی۔

۷۔ فیروز الدیلمی

کسریٰ کے اسیر تھے، ممکن ہے کہ رومی عیسائی ہوں۔

۸۔ ابن التیہان

ابن ندیم نے ان کو اہل کتاب میں شمار کیا ہے۔^۲ اگر اس سے مراد ابو الہشیم بن التیہان ہیں تو وہ اہل کتاب میں نہیں، بلکہ انصاری تھے اور اگر کوئی اور ابن التیہان ہیں تو کتبہ جاہل میں ان کا تذکرہ نہیں ملتا۔

۹۔ اُم لمہا جرالرومیہ

رومیہ کی نسبت کی وجہ سے ان کی عیسائی ہونے کا امکان ہے۔

۱۰۔ ابن جرتج تابعی

تذکرۃ الحفاظ وغیرہ میں ان کو رومی بتایا گیا ہے۔ چنانچہ اسی بنا پر صاحب فخر الاسلام نے ان کو نصرانی لکھا ہے۔^۳ لیکن اس قومی نسبت کے علاوہ ان کے عیسائی ہونے کا اور کوئی ثبوت رجال کی کتابوں میں نہیں مل سکا۔ اس لئے ان کا نام اس فرست میں لیا گیا ہے۔

۱۱۔ انبیہ عم صفیہ

ابن سعد نے طبقات میں اور امام محمد نے السیر الکبیر میں ان کا تذکرہ کیا ہے۔ امام محمد نے لکھا ہے کہ غزوہ خیبر میں حضرت صفیہؓ اور ان کی ایک چچا زاد بہن گرفتار ہوئیں۔ حضرت صفیہؓ حضرت دحیہ کلبیؓ کے حصے میں آئی تھیں، مگر بعض اہم مصالح کے تحت آپؐ نے ان کو ان سے واپس لے لیا اور ان کے بجائے ان کی چچا زاد بہن کو انہیں دے دیا۔ چونکہ ان کے اسلام لانے کا کوئی تذکرہ موجود نہیں ہے، اس لئے ہم نے ان کا ذکر اس فہرست میں نہیں کیا ہے۔ (السیر الکبیر۔ جلد اول۔ ص ۱۸۷)

حبشہ کے وفد میں عیسائیوں کی ایک بڑی تعداد خدمت نبویؐ میں حاضر ہوئی اور مشرف باسلام ہوئی۔ اس کے علاوہ نعیم الحجر کے ہاتھ پر جن تذکرہ آپکا ہے، چالیس علمائے یہود نے اسلام قبول کیا تھا، لیکن افسوس کہ ان کے حالات تو کیا پورے نام بھی سیرور جال کی کتابوں میں نہیں ملتے۔

ترتیب اور ناموں کی تعداد :

کتاب میں پہلے صحابہ کے حالات حروف تہجی کے اعتبار سے درج ہیں۔ پھر اسی ترتیب سے تابعین اور ان کے بعد صحابیات اور پھر تابعات کا تذکرہ کیا گیا ہے۔

پوری کتاب میں ترتیب (۶۳) صحابہ، سات (۷) صحابیات اور تیرہ (۱۳) تابعین اور دو (۲) تابعات کے حالات درج ہیں۔ جن میں سے صحابہ میں ۳۹ یہودی اور ۲۳ عیسائی اور تابعین میں ۴ یہودی اور ۹ نصرانی اور صحابیات میں ۳ یہودیہ اور ۳ نصرانیہ اور تابعات میں ایک یہودی اور ایک عیسائی ہیں۔ کتاب کے شروع میں ایک مقدمہ ہے، جس میں جزیرہ عرب کے یہودی و نصاریٰ کی تاریخ اور ان کے سیاسی، تمدنی اور اخلاقی حالات پر تفصیل سے بحث کی گئی ہے۔ آخر میں ایک نقشہ بھی ہے جس میں ان کے مرکزی مقامات اور قبائل کا جائے وقوع دکھایا گیا ہے۔

خادم

مجیب اللہ ندوی

بَیِّنَاتِ حَقِّیَّة

مقدمہ

کتاب میں بہت سے مقامات اور قبائل کے نام اور یہود و نصاریٰ کی تمدنی اور اخلاقی حالت اور ان کے قبول اور عدم قبول اسلام کے سلسلہ میں متعدد واقعات ایسے سامنے آئیں گے جن کے سمجھنے کے لئے ضروری ہے کہ جزیرہ عرب کے یہود و نصاریٰ کی تاریخ پر ایک نظر ڈالی جائے، تاکہ موضوع کا پورا پس منظر سامنے آجائے اور کتاب کے بعض گوشے جو اس سے تھنہ بیان رہ جاتے ہیں وہ واضح ہو جائیں۔

اسی ضرورت کے ماتحت یہاں یہود و نصاریٰ کی تمدنی، مذہبی اور اخلاقی حالت کا ایک مختصر خاکہ پیش کیا جاتا ہے، لیکن چونکہ اس میں قصد استقصاء اور اعتواء کے بجائے اختصار سے کام لیا گیا ہے، اس لئے ممکن ہے کہ موضوع کے بعض پہلو پورے طور پر سامنے نہ آسکیں۔ اس سلسلہ میں اگر کوئی فروگزاشت ہوئی ہو تو اہل علم سے درخواست ہے کہ وہ مجھے اس پر متنبہ فرما کر ممنون کرم فرمائیں، و فوق کل ذی علم علیم۔

عام طور پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ اسلام سے پہلے جزیرہ عرب کے باشندوں کا دنیا کے دوسرے ملکوں اور قوموں سے کوئی خاص تعلق نہ تھا اور نہ انہوں نے کسی ملک یا کسی قوم کا کوئی اثر قبول کیا تھا۔ لیکن جزیرہ عرب کی تاریخ کے مطالعہ سے یہ بات صحیح نہیں معلوم ہوتی۔ بلکہ اس کے برعکس یہ پتہ چلتا ہے کہ عربوں کے سیاسی، تمدنی اور تجارتی ہر قسم کے تعلقات ان کے پڑوسی ملکوں اور قوموں سے تھے اور قوموں کے آپس کے اختلاط اور ارتباط اور ان کے باہمی سیاسی اور تمدنی تعلقات کے جو اثرات ایک دوسرے پر پڑتے ہیں، وہ سب اہل عرب پر بھی پڑے تھے۔

عربوں اور دوسرے ملکوں اور قوموں میں باہم اختلاط اور تعلقات کے تین بڑے ذریعے یہ تھے :

- ۱۔ تجارت
- ۲۔ ایران و روم کے ماتحت عربوں کی سرحدی حکومتیں یعنی غسان اور حیرہ وغیرہ۔
- ۳۔ یہودیت اور نصرانیت۔

پہلی دونوں شقیں ہمارے موضوع سے خارج ہیں۔ اس لئے صرف تیسری شق کے متعلق کچھ تفصیل ہم پیش کرتے ہیں۔ اس میں دکھانا ہے کہ جزیرہ عرب میں ان مذاہب کی ابتداء کب سے ہوئی اور ان کو یہاں کیا کامیابی حاصل ہوئی۔ کن قبائل نے انہیں قبول کیا اور ان کے مرکزی مقامات کون کون سے تھے اور عہد جاہلیت میں عربوں کی مذہبی اور تمدنی زندگی پر ان قبائل کا کیا کا اثر پڑا اور پھر اسلام کے بعد مسلمانوں پر ان کے کیا اثرات پڑے اور انہوں نے مسلمانوں سے کیا اثرات قبول کئے پھر مجملہ یہ بھی ذکر آئے گا کہ ظہور اسلام سے پہلے اور اس کے بعد ان کی اخلاقی حالت اور دینی سطح کیا تھی اور قرآن مجید نے اس کے متعلق کیا اشارے کئے ہیں۔

مؤخر الذکر شق میں سے پہلے ہم یہودیت، اس کے بعد نصرانیت کی تاریخ بیان کریں گے۔



یہود

یہودیت :

جزیرہ عرب میں یہود کی تاریخ دو دوروں پر منقسم ہے۔ پہلا دور ۵۰۰ ق م جسے یہود باندہ کا دور کہا جاتا ہے۔ اور دوسرا دور ۵۰۰ ق م سے ظہور اسلام تک۔ پہلے دور میں جو یہود جزیرہ عرب آئے، ان کے متعلق قدیم صحیفوں اور عربی تاریخوں میں متعدد روایتیں ملتی ہیں، لیکن یہ صحیح طور سے نہیں بتایا جاسکتا کہ کب سے ان کو وجود یہاں ملتا ہے۔ بعض عربی تاریخوں کی روایتوں سے تو یہ پتہ چلتا ہے کہ حجاز میں ان کی آمد حضرت موسیٰ کے زمانہ یعنی ۵۰۰ ق م سے ہی شروع ہو گئی تھی۔ یا قوت نے بنجم البلد ان میں مدینہ کے باشندوں کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے : کہ

”حين اظهره الله تعالى (موسى) على فرعون فوطى الشام واهلك من كان بها منهم ثم بعث بعثاً آخر الى الحجاز الى العماليق وامرهم ان لا يستبقوا احداً ممن بلغ الحكم الا من دخل فى دينه فقد موا عليهم فقاتلوهم فاظهرهم الله عليهم فقتلوهم وقتلوا ملكهم لارقم واسروا ابناله شاباً جميلاً كا حسن من رأى فى زمانه فضوا به عن القتل وقالوا نستحيه حتى تقدم به على موسى فيرى فيه رايه فاقبلوا وهو معهم وقبض الله موسى قبل قد رمهم فلما قربوا وسمع بنو اسرائيل بذلك تلقوهم واستلوهم عن اخبارهم فاخبروهم بما

۱۔ اس وقت حضرت موسیٰ کے ماننے والے کو یہود کہا جاتا تھا۔ لیکن ان کا قدیم اور اصلی نام بنی اسرائیل تھا۔ (یعنی حضرت یعقوب جن کا عبرانی نام اسرائیل تھا، ان کی اولاد بنی اسرائیل کے بجائے ان کا نام یہود حضرت موسیٰ کے بہت بعد غالباً حضرت سلیمان کے بعد پڑا۔ حضرت سلیمان کے بعد یہود دو حصوں میں بٹ گئے تھے۔ ایک گروہ موحّد تھا۔ یہ گروہ حضرت سلیمان کے فرزند دلی عہد کے ماتحت تھا۔ اصل میں یہود ان ہی کا لقب تھا۔ اس لئے یہود کا لفظ ہود سے مشتق ہے۔ جس کے معنی رجوع کے ہیں۔ چونکہ یہ لوگ اللہ کی طرف رجوع ہوئے، اس لئے ان کا نام یہود پڑ گیا۔ واللہ اعلم

دوسرا گروہ ہمیں حضرت موسیٰ سے پہلے بنی اسرائیل سے نہیں بلکہ ان کے امتی اور ماننے والے جو اس وقت یہود کے نام سے مشہور ہیں، ان سے بحث کرنی ہے۔ اس لئے ہم نے ہر جگہ یہودی کا لفظ استعمال کیا ہے، اس لئے غلط فہمی نہ ہونی چاہئے۔ قرآن پاک میں ان کا تذکرہ ان کے قدیم اور جدید دونوں ناموں سے کیا گیا ہے۔

فتح الله عليهم قالوا فما هذا الفتى الذى معلم فاخبروهم بقصة فقالوا ان هذه معصية منكم لمخالفتكم امر نبيكم والله لا دخلتم علينا بلادنا ابدا فحاولوا بينهم وبين الشام فقال ذالك الحيش ما بلد اذا منعتم بلدكم خير لكم من البلدى فتحتموه وقتلتم اهله نار جمعوا اليه فعادوا اليها فاقاموا بها فهذا كان اول سكنى اليهود الحجاز والمدينة“ - (جلد ۷ - ص ۳۲۷)

”جب اللہ نے حضرت موسیٰؑ کو فرعون پر غالب کیا تو انہوں نے فرعون کے اعموان و انصار کو ختم کرنے کے بعد ایک فوج حجاز عمالیق کی سرکوبی کے لئے بھیجی اور فوج کو حکم دیا کہ ان میں سے جو لوگ دین میں داخل ہو جائیں، ان کے علاوہ ہر بالغ کو ختم کر دیا جائے۔ چنانچہ وہ فوج حجاز گئی اور اس کو عمالقہ پر غلبہ حاصل ہو گیا اور وہاں کا بادشاہ ارقم قتل کیا گیا۔ اس کا ایک لڑکا گرفتار ہوا چونکہ وہ بہت خوبصورت اور معصوم تھا، اس لئے فوج اس کو اپنے ساتھ شام لیتی آئی۔ اس لڑکے کے بارے میں وہ غور کر رہے تھے کہ حضرت موسیٰؑ کے پاس اسے لے جایا جائے یا نہیں۔ آخر کار اسے وہ شام لے کر واپس آئے۔ اس وقت حضرت موسیٰؑ کی وفات ہو چکی تھی۔ بنو اسرائیل نے فوج سے حجاز کے حالات دریافت کئے۔ انہوں نے اپنی فتح کا واقعہ ان کے سامنے سنایا۔ پھر اس نوجوان کے بارے میں دریافت کیا تو انہوں نے صورت حال بتائی۔ اس پر بنو اسرائیل فوج پر خفا ہوئے کہ تم نے حضرت موسیٰؑ کے قول کی خلاف ورزی کی، اس لئے تم شام میں نہیں رہ سکتے۔ چنانچہ وہ شام میں داخل نہیں ہو سکے۔ یہ صورت حال دیکھ کر فوج کے سردار نے کہا کہ فوجیو! شام کے بعد تمہارے لئے حجاز ہی کی سرزمین بہتر ہے، تو بہتر دہیں واپس چلو۔ چنانچہ وہ حجاز واپس آئے۔ مدینہ اور حجاز میں یہودی کی یہ پہلی آبادی تھی جو یہاں آباد ہوئی“۔

اس روایت کے متعلق تاریخ الیہود کے مصنف اسرائیل دلفسون نے لکھا ہے کہ یہ روایت قابل اعتبار نہیں ہے۔ اس لئے صحف قدیم میں اس کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ لیکن ظاہر ہے کہ اس کی تردید کے لئے صرف اتنا ثبوت کافی نہیں ہے کہ ”صحف قدیم میں اس کا تذکرہ نہیں ہے“۔

۱۔ حجاز میں اس وقت عمالقہ کی حکومت تھی، جن کا ظلم و ستم فرعون سے کچھ کم نہ تھا۔

۲۔ اس روایت کو اعانی نے (جلد ۱۱- ص ۹۱) میں اور سمودی نے وفا الوفاء (ص ۱۱۱) میں اور ابن خلدون نے اپنی تاریخ (جلد ۲- ص ۲۸۷) میں نقل کیا ہے۔

بہت سے ایسے قدیم تاریخی واقعات ملیں گے، جو مسلمات کی حیثیت اختیار کر چکے ہیں۔ مگر صحف قدیم ان کے تذکرہ سے خالی ہیں تو کیا یہ سب ناقابل اعتبار ہیں؟ اور پھر مصنف کو بھی یہ تسلیم ہے کہ ۱۲۰۰ ق م سے پہلے حجاز میں یہود کی آمد شروع ہو گئی تھی، تو پھر اس روایت کے عدم قبولیت کا سبب اس کے علاوہ کچھ نہیں کہ وہ اپنی یہودی عصبیت کی بنا پر عربی مآخذ کی روایت کو کمزور کرنا چاہتا ہے۔ جیسا کہ اس نے کتاب میں متعدد جگہ اس کا اظہار کیا ہے۔^۱

اس کے بعد جزیرہ عرب میں یہودی دوسری آمد شمعون کی ہجرت قرار پا سکتی ہے۔ اس کے متعلق صحف قدیم کا بیان ہے کہ وہ چراگاہ کی تلاش کے لئے طور سینا تک گئے اور وہاں ان سے اور قبائل معان سے جو وہاں کے قدیم باشندے تھے جنگ ہوئی، جس میں بنی شمعون غالب رہے۔ وہ پورا بیان یہ ہے:

۳۸۔ یہ جن کے نام مذکور ہوئے اپنے اپنے گھرانے کے سردار تھے اور ان کا آبائی گھرانہ بہت بڑھ گیا۔

۳۹۔ اور وہ جدور کی درآمد تک اس وادی سے پورب تک اپنے گلوں کے لئے چراگاہ ڈھونڈنے گئے۔

۴۰۔ وہاں انہوں نے سحری اور اچھی چراگاہ پائی کہ وہ زمین وسیع اور چکنی اور سکھ کی جگہ تھی۔ آحام کے لوگ قدیم مدت سے اس میں رہتے تھے۔

۴۱۔ اور وہ جن کے نام لکھے گئے ہیں، شاید یہود اور حزیقہ کے ذنوں میں چڑھ آئے اور انہوں نے ان کے پڑاؤ پر قبضہ کیا اور معونیم^۲ جو وہاں ملے قتل کیا۔ ایسا کہ وہ آج کے دن تک نابود ہیں اور ان کے گھروں میں آپ رہے، کیونکہ ان کے گلے کے لئے وہاں چرائی تھی۔

۴۲۔ اور ان میں سے یعنی بنو شمعون کے بیٹوں میں سے پانچ سو مرد شیر کے پہاڑ پر گئے اور یسعی کے خلطیہ اور نعر ماہ اور رفاہ اور غرییل ان کے سردار تھے۔

۱۔ اس روایت کو ناقابل اعتبار ٹھہرانے میں مصنف کی غلط فہمی کا سبب شاید یہ ہو کہ اس روایت کا مآخذ اس نے صرف اعانی کو سمجھا ہے۔ حالانکہ دوسری مستند کتابوں جن کا تذکرہ اوپر آچکا ہے، ان میں بھی یہ روایت موجود ہے۔

۲۔ معونیم یعنی قبائل معان یا معین جو مکہ اور یثرب کے اطراف میں آباد تھے۔ تاریخ الیہود (ص ۵) اس بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ بنی اسرائیل سے اور قبائل معان میں جو جنگ ہوئی، اس میں بنی اسرائیل غالب رہے اور انہوں نے معان کو قتل کر کے اس زمین پر قبضہ کر لیا۔ یہ قبائل عرب کے بہت قدیم قبائل ہیں۔ انہوں نے کئی برس تک جزیرہ عرب میں حکومت کی ہے۔ تفصیل کے لئے دیکھئے ارض القرآن، جلد اول۔

سیر الصحابہ (جلد ششم) ۲۷۸ اہل کتاب صحابہ و تابعین (حصہ دوازدہم)۔

۴۳۔ اور ان باقی عمالیقوں کو جو بھاگ نکلے تھے قتل کیا اور آج کے دن تک وہاں بستے ہیں۔
(تاریخ اول۔ باب ۴)

اس ہجرت کی سنہ کی تعیین میں اختلاف ہے۔ ڈوزی (DOZIY) نے اپنی کتاب ”بنی اسرائیل مکہ میں“ میں یہ ثابت کیا ہے کہ یہ ہجرت حضرت داؤد کے زمانہ سے کچھ پہلے یعنی ۱۰۰۰ ق م کے قریب ہوئی۔ لیکن مارگولیتھ (MORGOLOUTH) نے ڈوزی سے اختلاف کیا ہے اور اپنی کتاب ”عربوں اور بنی اسرائیل کے تعلقات“ میں یہ ثابت کیا ہے کہ یہ ہجرت حزقیل کے وقت میں ہوئی، جنہوں نے ۶۹۱ ق م سے ۶۸۷ ق م تک بلادِ یہود پر حکومت کی ہے۔

خود بائبل کے مترجمین نے اس ہجرت کے سنہ کی جو تعیین کی ہے، اس سے بھی مارگولیتھ کے خیال کی تائید ہوتی ہے۔ یعنی انہوں نے اس کو ۵۱۵ ق م کا واقعہ قرار دیا ہے۔

تاریخ الیہود کے مصنف کا خیال ہے کہ کم از کم اس ہجرت کا زمانہ ۱۲۰۰ ق م ہے۔ لیکن اس نے کوئی ثبوت پیش نہیں کیا ہے۔ غالباً اس نے یہ رائے اس لئے قائم کی ہے کہ بائبل میں اس واقعہ کا سنہ ۵۱۵ ق م درج ہے، لیکن اس واقعہ سے پہلے اور بعد کے جتنے واقعات ہیں وہ سب ۱۳۰۰ ق م کے تحت درج ہیں۔ صرف اس واقعہ کے سامنے ۵۱۵ ق م درج ہے۔

بہر حال اس سے اتنا تو ثابت ہوتا ہے کہ ۵۰۰ ق م سے پہلے شمعون عرب میں آباد ہو چکے تھے۔ اسی اختلافِ روایت کی بنا پر بعض مستشرقین نے بنی شمعون کے وجود ہی سے انکار کر دیا ہے۔ لیکن کتاب یوشع بن نون کے دیکھنے سے ان کے خیال کی تردید ہو جاتی ہے۔ اس میں ان قبائل کے نام اور ان کے جائے قیام کے حدود مفصل درج ہیں۔

اس کے علاوہ صحیفہ قدیم کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ عرب تاجر برابر کنعان اور بنی اسرائیل کے دوسرے شہروں تک سامان تجارت لے کر جایا کرتے تھے اور یہود تجارت سب تک برابر تجارتی سفر کرتے رہتے تھے۔ اوپر یہود اور عمالقہ کی جنگ کا ذکر آچکا ہے۔ اس کے علاوہ متعدد بار عمالقہ اور عربی قبائل میں لڑائیاں ہوئی ہیں۔ جو یہود کے عرب میں متوطن ہونے کا بڑا سبب ہوئیں۔

غرض ان ہی مذکورہ اسباب کی بنا پر حجاز میں یہود کی آمد رفت اور بود باش شروع ہوئی۔ لیکن اس دور کے یہود کے تاریخی آثار باقی نہیں رہ گئے ہیں۔ اس لئے ان کو یہودِ باندہ (یعنی مٹ جانے والے) کہا جاتا ہے۔

دوسرا دور :

(دوسرے دور میں جو یہود حجاز آئے، وہ زیادہ تر شام و فلسطین کے باشندے تھے۔ وہ کیا اسباب تھے جن کی بنا پر انہوں نے اپنے سرسبز و شاداب وطن کو چھوڑ کر جزیرہ عرب جیسی بے آب و گیاہ سرزمین کا رخ کیا۔ ان کی تفصیل کا یہ موقع نہیں ہے۔ مختصر طور پر ان کی ہجرت کے تین قوی سبب یہ تھے۔

۱۔ فلسطین میں یہود کی آبادی بہت زیادہ بڑھ گئی تھی۔ چنانچہ اس وقت ان کی تعداد چالیس لاکھ بتائی جاتی ہے۔ ظاہر ہے کہ فلسطین جیسی چھوٹی جگہ میں اتنی کثیر آبادی کا فراغت اور خوشحالی کے ساتھ رہنا اور پھر اس کے ذرائع معاش کا مہیا ہونا دشوار ہوگا۔ اس لئے عرب اور عراق کا رخ کرتے تھے، جہاں کی آبادی ان کے رقبہ کے اعتبار سے بہت کم تھی اور پھر جیسا کہ اوپر ذکر آچکا ہے، یہود کی آبادیاں متفرق طور سے جزیرہ عرب میں پھیلی ہوئی تھیں جو یہاں ان کی آمد کا ایک بڑا سبب بن گئیں۔

۲۔ پہلی صدی ہجری میں رومیوں نے متعدد بار فلسطین پر حملہ کیا۔ یہاں تک کہ یہود کو زمام حکومت ان کے ہاتھ میں دے دینا پڑی۔ لیکن ظاہر ہے کہ فلسطین یہود کا صرف وطن ہی نہیں تھا بلکہ وہ ان کی سب سے مقدس عبادت گاہ بھی تھی۔ اس لئے وہ چین سے نہیں بیٹھے اور بغاوت کے فتنے برابر اٹھاتے رہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ رومیوں نے ان پر ہر قسم کے ظلم توڑنے شروع کر دیئے۔ اب ان کے لئے اس کے سوا کوئی چارہ کار نہیں تھا کہ فلسطین چھوڑ کر ہجرت کر جاتے۔ جس کے لئے ان کو سب سے قریب آزاد سرزمین جزیرہ عرب ہی کی مل سکتی تھی۔

۳۔ اس کے بعد پہلی صدی ہجری یعنی ۶۰ء میں رومیوں اور یہودیوں میں ایک زبردست جنگ ہوئی۔ جس میں پورا فلسطین تہ و بالا ہو گیا۔ یہاں تک کہ بیت المقدس کی مشہور عبادت گاہیں تک برباد کر دی گئیں۔ اس جنگ میں یہودیوں کو شکست اٹھانا پڑی اور اس شکست کے بعد خاص طور سے ان کے قافلے فلسطین سے نکلنے لگے اور ان کو جہاں جائے پناہ ملی، وہاں چلے گئے۔ ان تارکین وطن میں ایک بڑی تعداد نے عرب کا رخ کیا۔ جہاں ایک کثیر تعداد میں یہود پہلے سے موجود تھے۔ یہود کی اس ہجرت کی پوری تفصیل یہودی مؤرخ یوسف جو ان جنگوں میں شریک بھی رہا ہے، اس کے بیان سے معلوم ہوتی ہے۔

۱۔ رومیوں اور یہودیوں کی جنگ اور یہود کی جزیرہ عرب کی طرف ہجرت کے متعلق بہت سی مفید باتیں عربی مصادر میں بھی مل جاتی ہیں۔ چنانچہ صاحب اغانی نے بنو قریظہ اور بنو نضیر کی ہجرت کے سلسلہ میں لکھا ہے :

”لما ظهرت الروم على بنى اسرائيل جميعا بالشام فوطنوهم وقتلوهم ونكحوا نساءهم خرج بنو نضير بنو قريظة وبنو هذيل هاربين منهم الى من بالحجاز من بنى اسرائيل“^۱۔

”جب رومیوں نے شام کے بنو اسرائیل (یہود) پر غلبہ پایا تو ان کو خوب برباد کیا، ان کو قتل کیا۔ ان کی عورتوں کو اپنے حوالہ عقد میں لے آئے۔ اس ظلم و ستم سے بچنے کے لئے، بنو نظیر، بنو قریظہ اور بنو ہذیل وغیرہ حجاز میں اپنے دوسرے یہودی بھائیوں کے یہاں چلے آئے۔“

بہر نوع یہی اسباب تھے جن کی بنا پر یہود حجاز میں آئے۔

جزیرہ عرب اپنی طبعی تقسیم کی بناء پر تو کئی حصوں پر مشتمل ہے، لیکن تمدنی اور سیاسی اعتبار سے دو حصوں میں منقسم ہے، حجاز اور یمن۔ اب تک زیادہ تر بحث حجاز میں یہود کی آمد اور اس سے ان کے قدیم و جدید تعلقات پر تھی۔ اب ہم عرب کے دوسرے حصہ یمن سے یہود کے تعلقات پر بھی ایک نظر ڈال لینا چاہتے ہیں۔

یمن میں یہودیت :

یمن گو جزیرہ عرب ہی کا حصہ ہے، لیکن سیاسی اور تجارتی اہمیت کے اعتبار سے ہمیشہ وہ ایک مستقل ملک رہا ہے۔ اس کی اہمیت کی بنا پر اس کا تذکرہ ہم علیحدہ کرتے ہیں۔

اہل یمن سے بھی یہود کے تعلقات قدیم زمانہ سے شروع ہو چکے ہیں۔ اوپر آچکا ہے کہ حضرت سلیمانؑ کے وقت یعنی ۱۰۰۰ ق م میں عرب اور یہود میں تجارت ہوتی تھی جس کا سب سے بڑا مرکز سبأ تھا، جو یمن کا دارالسلطنت تھا۔

اس کے علاوہ قرآن پاک میں حضرت سلیمانؑ اور ملکہ سبا کا جو واقعہ ذکر فرمایا گیا ہے، اس سے بھی یہود اور اہل یمن کے تعلقات پر کافی روشنی پڑتی ہے۔ معین جو یمن کے بیچ میں واقع تھا، اس کا تذکرہ تحریری طور پر ۸۰۰ ق م میں ملتا ہے^۲۔

۱۔ اغانی۔ جلد ۱۹۔ ص ۹۰۵ ۲۔ تاریخ دوم۔ آیت ۲۶-۸ یہ بڑی ترقی یافتہ حکومت تھی۔ جدید اثری تحقیقات نے اس کے بارے میں بہت کچھ معلومات فراہم کر دیے ہیں۔

یمن میں یہودیت کو اصل فروغ حمیری حکومت کے بعد ہوا۔ اس لئے کہ یہودیت حمیری حکومت کا تقریباً سرکاری مذہب ہو گیا تھا۔ اس کے فرمانرواؤں میں ایک ستارہ پرست، ایک دو عیسائی، بقیہ سب یہود تھے۔ لیکن حمیری حکومت کی ابتداء کب ہوئی، اس کے بارے میں مؤرخین کی بہت مختلف اور متضاد رائیں ہیں۔

حضرت الاستاذ سید سلیمان صاحب ندوی نے ارض القرآن میں اس پر مفصل بحث کی ہے۔ ڈاکٹر ہالولے نے اس کی ابتداء ۱۱۵ ق م قرار دی ہے۔ لیکن سید صاحب نے اس پر نقد کیا ہے اور مختلف دلائل سے یہ ثابت کیا ہے کہ حمیری حکومت کی ابتداء ۲۰ ق م سے آگے نہیں بڑھتی۔ بہر نوع اس سے ثابت ہوتا ہے کہ دوسری صدی قبل مسیح یا پہلی صدی کے وسط میں یمن میں یہودیت کو فروغ ہونا شروع ہو گیا تھا اور ۵۵۰ برس تک وہاں اس کو فروغ حاصل رہا۔ لیکن حمیری حکومت کے آخری فرمانروا ذونواس کی موت ۵۲۵ء کے بعد یمن میں یہودیت کا زور ٹوٹ گیا اور اس کی جگہ عیسائیت نے لے لی، جس کا تذکرہ آگے آتا ہے۔

جزیرہ عرب میں یہودیت کا ذکر کرتے ہوئے یعقوبی نے لکھا ہے :

”فاما من تہود منہم فالیمن باسرها“^۱

”جزیرہ عرب میں جو لوگ یہودی ہوئے، ان میں یمن بھی ہے۔ یمن پورے کا پورا یہودی تھا۔“

پھر اس کے بعد یعقوبی نے یمن میں یہودیت کی ابتداء کے سلسلہ میں لکھا ہے :

”کان تبع حمل حبرین من احبار الیہود الی الیمن فابطل الارثان و

تہود من بالیمن“^۲ (جلداول۔ ص ۲۹۸)

”ملک تبع نے دو یہودی عالموں کو یمن بھیجا، انہوں نے وہاں سے بت پرستی کو مٹایا اور ان

کے اثر سے یمن کے باشندوں نے یہودیت قبول کر لی۔“

جدید اثری تحقیقات کے مطابق متابعہ کا زمانہ تیسری صدی عیسوی سے آگے نہیں بڑھتا۔ اس

لئے یعقوبی کے بیان کے مطابق یمن میں یہودیت کو پورا فروغ تیسری صدی میں ہوا

اوپر یمن میں یہودیت کی جو قدامت دکھائی گئی ہے، اس سے یہ بیان کچھ مختلف معلوم ہوتا

ہے۔ مگر اس میں تضاد نہیں ہے۔ ممکن ہے کہ وہاں یہودیت بہت قدیم زمانے سے موجود ہو مگر اہل یمن

کا وہ عام مذہب تیسری صدی میں ہوا ہو۔

کیا عرب کے یہود ہجرت کر کے نہیں آئے تھے ؟

اوپر ذکر آچکا ہے کہ مختلف اسباب کی بنا پر یہود شام و فلسطین کی سرسبز و شاداب سرزمین چھوڑ کر جزیرہ عرب جیسے بے آب و گیاہ مقام کا رخ کرتے تھے۔ لیکن مؤرخین کا خیال ہے کہ یہود کہیں باہر سے نہیں آئے تھے، بلکہ یہ عرب ہی نسل تھے، جنہوں نے یہودیت قبول کر لی تھی۔ یعقوبی کا رجحان بھی یہی معلوم ہوتا ہے۔ چنانچہ وہ بنی نضیر کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے :

”وہم فخذ من جذام الا انہم تہودا ووزلوا یقال لہ النضیر فسموا بہ“

(جلد ۲- ص ۴۹)

”یہ جذام کی ایک شاخ تھی، مگر یہ یہودی ہو گئے تھے اور جہاں یہ آباد ہوئے، اس مقام کا نام نضیر تھا۔ اسی لئے وہ اس نام سے مشہور ہو گئے۔“

پھر بنو قریظہ کے متعلق لکھتا ہے :

”وہی فخذ من جذام اخوة النضیر و یقال انہم تہود وافی ایام

عادیا بن سمنویل ثم نزلوا ابجیل یقال لہ قریظہ فنسبوا الیہ“

(جلد ۲- ص ۵۴)

”یہ بھی جذام کی ایک شاخ ہے۔ بنو نضیر کے بھائی بند تھے۔ کہا جاتا ہے کہ یہ عادیا بن سمنویل کے زمانہ میں یہودی ہوئے۔ پھر جبل قریظہ کے پاس آباد ہوئے اور اسی نسبت سے ان کا یہ نام پڑ گیا۔“

جو لوگ اس خیال کے مؤید ہیں۔ یعقوبی کے بیان کے علاوہ ان کا قیاسی استدلال یہ ہے کہ دنیا کے دوسرے حصوں کے یہود اپنے عادات و اطوار اور اپنے تمدنی اثرات کے اعتبار سے وہاں کے باشندوں سے ہمیشہ ممتاز رہے۔ لیکن عرب کے یہود کسی حیثیت سے بھی عربوں سے ممتاز نہیں تھے اور نہ انہوں نے کوئی تمدنی یا علمی یادگار چھوڑی ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے وہ عربی ہی جنس سے تھے۔ صرف انہوں نے کسی وجہ سے اپنا مذہب تبدیل کر لیا تھا۔

لیکن صرف یعقوبی کے بیان اور فرضی قیاسات پر یہ فیصلہ کر لینا کہ عرب کے تمام کے تمام یہود عرب النسل تھے، صحیح نہیں ہے۔

اوپر جن واقعات کا تذکرہ آچکا ہے، ان ہی سے اس کی پوری تردید ہو جاتی ہے۔ لیکن اس سلسلہ میں دو تین باتیں قابل لحاظ ہیں :

سیر الصحابہ (جلد ششم) ۲۸۳ اہل کتاب صحابہ و تابعین (حصہ دوازدہم)

یعقوبی نے بنی قریظہ اور بنو نضیر کے متعلق جو کچھ بیان کیا ہے وہ صحیح نہیں ہے۔ انشاء اللہ ان قبائل کے تذکرے کے وقت اس کے دلائل ہم پیش کریں گے۔

۲۔ یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ عرب کے یہود دنیا کے دوسرے حصوں کے یہود سے ممتاز نہیں تھے، یا ان کا کوئی تمدنی امتیاز نہیں تھا۔ اس گوشہ پر ”یہود کے تمدنی اثرات“ کے تحت آئندہ ہم مفصل بحث کریں گے۔ لیکن یہاں دو ایک باتیں سرسری طور سے کہی جاتی ہیں :

پہلی بات تو یہ ہے کہ یہود کو دنیا کے کسی گوشہ میں کوئی امتیاز کبھی بھی حاصل نہیں تھا۔ اس لئے ان کے پاس دو اسباب و ذرائع (خصوصیت سے حکومت) موجود ہی نہیں تھے، جن کی بنا پر قومیں امتیاز حاصل کرتی ہیں۔ اس لئے یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ کہیں بھی ممتاز تھے۔

دوسری بات یہ ہے کہ عرب یہود کو شاید سب سے زیادہ امتیازی حیثیت حاصل تھی۔ اس لئے کہ قرآن نے زیادہ تر ان ہی کے عقائد اور اخلاق و معاملات سے بحث کی ہے۔ اس خیال کی زیادہ تر تائید غالباً یہودی مستشرقین نے بھی کی ہے۔ اس سے ان کا مقصد یہ ہے کہ قرآن کے ان بیانات کی اہمیت گھٹائی جائے۔ جن کا تعلق یہود سے ہے، لیکن خیال تاریخی حیثیت سے صحیح نہیں ہے۔

یہ بات کہ یہود باہر سے نہیں آئے۔ پورے جزیرہ عرب کے متعلق یہ کہنا صحیح نہیں ہے۔ لیکن یہ ضرور ہے کہ جزیرہ عرب کے باشندوں کی ایک بڑی آبادی نے یہودیت قبول کر لی تھی۔ خصوصیت کے ساتھ یمن کے یہود تو اکثر بیشتر عرب ہی تھے۔ اس لئے اس سلسلہ میں صحیح مسلک یہ ہے کہ یہود باہر سے بھی آئے اور خود عربوں کے بعض قبائل اور افراد نے بھی اسے قبول کیا۔ جن کا تذکرہ آگے آئے گا۔ خصوصیت سے شمالی حجاز کے یہود زیادہ تر باہر سے آئے تھے۔

کیا عرب کے یہود دنیا سے منقطع ہو چکے تھے ؟

تاریخ الیہود کے مصنف اسرائیل دلفسنو نے لکھا ہے کہ عراق، مصر، یونان اور اس کے علاوہ جہاں بھی یہودیوں کی آبادی تھی، وہاں کے یہود کی تاریخ کا پتہ چلتا ہے۔ یہ نہیں بلکہ انہوں نے تاریخ میں اپنے سیاسی و تمدنی آثار کے گہرے نقوش چھوڑے ہیں اور دنیا کی دوسری قوموں سے ان کے گونا گوں تعلقات تھے۔ لیکن جزیرہ عرب کے یہود دنیا سے بالکل منقطع ہو گئے تھے اور عربوں میں اس طرح گھل مل گئے تھے کہ دونوں کی تہذیب و معاشرت میں کوئی فرق باقی نہیں تھا اور نہ دوسرے سے مماثلت کے یہود کی طرح ان کے کوئی قابل ذکر تمدنی اور علمی آثار موجود تھے۔ لیکن واقعات کی روشنی میں یہ خیال صحیح نہیں معلوم ہوتا۔

۱۔ ایک بات کہ وہ عربوں میں بالکل گھل مل گئے تھے اور دونوں میں کوئی نمایاں فرق نہیں تھا، بالکل صحیح نہیں ہے۔ جزیرہ عرب میں جہاں یہود منتشر طور پر موجود تھے۔ وہاں واقعی ان کی کوئی نمایاں حیثیت نہیں تھی، جو ان کے مرکزی مقامات مثلاً یثرب، خیبر، وادی القریٰ اور یتھام وغیرہ تھے، وہاں وہ ہر نقطہ نظر سے عربوں سے ممتاز تھے۔ پوری تفصیل آگے آتی ہے۔

۲۔ دنیا کے دوسرے حصوں سے ان کا تعلق نہیں تھا۔ یہ غلط فہمی ویسی ہی ہے، جیسے کو خود عربوں کے متعلق یہ خیال کہ وہ دنیا سے الگ تھلگ تھے، لیکن یہ خیال نہ تو عربوں کے متعلق صحیح ہے اور نہ یہود کے متعلق۔ عربوں اور حجاز یمن کے یہود کے تجارتی اور معاشرتی تعلقات دوسرے ملکوں سے قدیم زمانہ سے تھے۔ ذکر آچکا ہے کہ یمن کے یہود تجارت کی غرض سے برابر شام کا سفر کرتے رہتے تھے۔ جزیرہ عرب کے جتنے تجارتی مرکز تھے وہ سب یہودیوں کے قبضہ میں تھے۔ یمن کی حمیری حکومت اور حبشہ کی عیسائی حکومت کے درمیان آنحضرت ﷺ کی بعثت تک برابر سیاسی چشمک جاری رہی۔ خصوصیت سے شام کے یہودیوں سے تو بعض معاشرتی تعلقات بھی تھے۔ شام کے یہودی مدینہ کے یہودیوں سے آنحضرت ﷺ کے حالات دریافت کیا کرتے تھے۔

بنو قینقاع جلاوطن کئے گئے تو وہ یہاں سے ازراعات جو شام کے علاقہ میں ہے، چلے گئے۔ اسی طرح دوسرے یہودی قبائل کا بھی شام کی طرف جانا ثابت ہے۔ حجاز سے مدینہ کو جو راستہ جاتا ہے، اس شاہراہ پر جتنے مرکزی مقامات تھے، ان میں یہودیوں کی آبادیاں ملتی ہیں اور پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ قریش تو تجارت کے لئے شام تک سفر کریں اور یہود جو جزیرہ عرب کے سب سے زیادہ تاجر اور مالدار باشندے تھے، شام کا تجارتی سفر نہ کرتے ہوں۔ اور پھر مزید برآں یہ کہ شام ہی میں ان کا قبلہ اور سب سے مقدس عبادت خانہ تھا۔ ان وجوہ کی بنا پر یہ خیال کرنا صحیح نہیں معلوم ہوتا کہ یہود منقطع ہو کر بالکل قبائلی زندگی گزار رہے تھے۔

۳۔ تمدنی اور علمی حیثیت سے بھی عرب کے یہودی ممتاز تھے۔ ان کے تمدنی و سیاسی اثرات پر بحث آگے آئے گی۔ البتہ علمی حیثیت کے متعلق کچھ باتیں یہاں کہی جاتی ہیں۔

جزیرہ عرب کے یہودی علمی امتیاز کے لئے یہی ثبوت بہت ہے کہ ان میں حضرت عبداللہ ابن اسلام، حضرت زید بن سعہ، حضرت مخزوم بن یامین، کعب احبار، محمد بن کعب القرظی، وہب بن منبہ جیسے علماء اور کعب بن اشرف اور سموئل جیسے شعراء موجود تھے۔

سیر الصحابہ (جلد ششم) ۲۸۵ اہل کتاب صحابہ و تابعین (حصہ دوازدہم)

حضرت عبداللہ بن سلام کے صاحبزادے حضرت یوسفؑ نے اپنی ایک علمی یادگار بھی چھوڑی تھی ان کے متعدد مدارس قائم تھے۔ خود مدینہ میں بیت المدارس کے نام سے ان کی ایک مشہور درسگاہ تھی۔

جزیرہ عرب میں سب سے زیادہ لکھے پڑھے یہودی ہوتے تھے۔ مدینہ میں غالباً سب سے پہلے تحریر کا رواج یہودی کے ذریعہ ہوا۔ وہ صرف اپنی مذہبی زبان عبرانی ہی نہیں بلکہ عربی سے بھی بخوبی واقف تھے اور اپنے بچوں کو اس کی تعلیم دیتے تھے اور روزمرہ کی زبان بھی یہی تھی۔ پوری تفصیل آگے آئے گی۔

غالباً یہ یہودی کا اثر تھا کہ ظہور اسلام کے وقت متعدد صحابہ لکھنا پڑھنا جانتے تھے۔ بعض صحابہ تو عربی کے ساتھ عبرانی سے بھی واقف تھے۔

بہر نوع یہ کسی طرح صحیح نہیں ہے کہ عرب کے یہود تمدنی اور سیاسی حیثیت سے کوئی ممتاز حیثیت نہیں رکھتے تھے یا وہ علمی حیثیت سے دوسرے مقامات کے یہود سے پست تھے۔

یہود کے مرکزی مقامات اور ان کے مشہور قبائل :

یوں تو جزیرہ عرب کے ہر حصہ میں یہودیوں کی آبادیاں موجود تھیں۔ لیکن خصوصیت سے شمالی عرب سے تمام مرکزی مقامات پر یہود قبائل آباد تھے اور ان میں اکثریت ان یہودیوں کی تھی جو باہر سے ہجرت کر کے آئے تھے۔ ان قبائل کے نام، ان کی آمد اور ہجرت کے سلسلہ میں جو معلومات مل سکی ہیں وہ درج ذیل ہیں :

یثرب : ظہور اسلام کے وقت جزیرہ عرب میں یہود کی سب سے بڑی آبادی یثرب اور خیبر میں تھی۔ اس لئے سب سے پہلے ان ہی مقامات کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔ یثرب کی وجہ تسمیہ کے سلسلہ میں صاحب معجم البلدان نے لکھا ہے کہ یہ یثرب بن قانیہ کا آباد کیا ہوا تھا۔ اس لئے اس کا نام یثرب پڑ گیا۔ یثرب بن قانیہ حضرت نوحؑ کی اولاد کی ساتویں پشت میں تھا۔ اگر یہ بیان صحیح ہے تو بہت قدیم آبادی ہے۔ آنحضرت ﷺ کی بعثت کے وقت بھی یہی نام رائج تھا۔ مگر آپ ﷺ نے طابہ اور طیبہ نام رکھا۔ پھر آپ کی ہجرت کے بعد وہ مدینہ النبی ﷺ کے نام سے پکارا جانے لگا اور آخر میں یہی نام مخفف ہو کر زبان زد خاص ہو گیا۔

۱۔ بعثت نبوی سے ایک سو سال پہلے یہودیت کا سب سے بڑا مرکز یمن تھا۔ لیکن حمیری حکومت کی شکست اور ذونواس کے قتل کے بعد یمن میں یہودیت کی جگہ نصرانیت نے لے لی تھی۔ تفصیل آگے آئے گی۔

مدینہ میں جو یہود قبیلے آباد تھے۔ اس کی تفصیل یہ ہے :

بنو قریظہ : یہ نہایت قدیم قبیلہ تھا، جو اپنے وطن شام کو چھوڑ کر یہاں آیا اور وادی مہرزور کے قریب جو مدینہ کے مشرق میں واقع ہے، آباد ہو گیا۔ یہ وادی بعد میں ان ہی کے نام سے مشہور ہو گئی اور رفتہ رفتہ ان کی ملک میں آ گئی۔

رسول اللہ ﷺ جب مدینہ تشریف لائے تو آپ نے جن قبائل سے معاہدہ کیا تھا، ان میں بنو قریظہ کا قبیلہ بھی تھا۔ معاہدہ کی رو سے مسلمان اور یہود ایک دوسرے کے خلاف کسی جنگ میں شریک نہیں ہو سکتے تھے۔ لیکن ۵ھ میں انہوں نے معاہدہ شکنی کی۔ اس سے پہلے غزوہ احزاب وغیرہ میں یہ مسلمانوں کے خلاف سازش کر چکے تھے۔ اس لئے ان کو اس جرم کی سزا بھگتنی پڑی۔ حضرت ثعلبہؓ، حضرت زید بن سہلؓ، حضرت سعیدؓ، حضرت عطیہؓ، حضرت ریحانہ وغیرہ اہل کتاب صحابہ اسی قبیلہ سے تعلق رکھتے تھے۔

بنو نضیر : اس خاندان نے بھی بنو قریظہ کے ساتھ ہی اپنا آبائی وطن چھوڑا اور مدینہ کے جنوب مشرق میں وادی بطحان کے پاس آ کر آباد ہو گئے۔ یہ مدینہ کی سب سے بڑی آبادی تھی۔ یا قوت نے بطحان کی تشریح کرتے ہوئے لکھا ہے کہ بنو نضیر اسی وادی کے قریب آ کر آباد ہوئے، لیکن ایک جگہ ایک مقام بوریہ کو ان کی طرف منسوب کیا ہے اور اس کی تشریح کرتے ہوئے لکھا ہے : کہ ”ہو موضع منازل بنی نضیر“۔
”بنو نضیر کی آبادی اسی جگہ پر ہے۔“

بوریہ ایک کنوئیں کا نام ہے۔ ہو سکتا ہے یہ کنواں وادی بطحان کے قریب ہی رہا ہو۔ اس بنا پر دونوں روایتوں میں کوئی تضاد نہیں ہے۔

آنحضرت ﷺ نے اس قبیلہ سے بھی معاہدہ کیا تھا۔ لیکن انہوں نے بھی معاہدہ شکنی کی اور اس کی پاداش میں ۴ھ میں جلا وطن کئے گئے۔ حضرت مخزومؓ، حضرت یامینؓ، حضرت ابوسعیدؓ وغیرہ اسی قبیلہ سے تھے۔

بنو قینقاع : اس قبیلہ کے متعلق یہ نہیں معلوم ہو سکا کہ یہ باہر سے ہجرت کر کے آیا تھا یا یہیں کا کوئی عرب قبیلہ تھا۔ جس نے یہودیت قبول کر لی تھی۔ اس قبیلہ کے لوگ عام طور پر صنائع اور

زراعت پیشہ تھے۔ خصوصیت سے آہنگری اور زرگری ان کا خاص پیشہ تھا۔ خود ان کا نام بھی ان کے پیشوں کے طرف راہنمائی کرتا ہے۔ قین عربی میں لوہار کہتے ہیں اور قاع اس ہموار اور نرم زمین کو کہتے ہیں، جس میں کھیتی کی جاسکے۔ جن سے ان کی دونوں خصوصیتیں معلوم ہوتی ہیں۔ مدینہ کے دوسرے یہودی قبائل کے مقابلہ میں یہ زیادہ مضبوط اور طاقتور تھے۔ سب سے پہلے اسی قبیلہ نے معاہدہ شکنی کی اور اس کے نتیجہ میں جلاوطن کئے گئے۔ مدینہ سے نکل کر ارضیات میں، جو شام کا ایک ضلع ہے، چلے گئے۔

بنو ہدل : یہ قبیلہ بھی بنو قریظہ کے ساتھ اپنے وطن سے ہجرت کر کے مدینہ آیا تھا اور ان ہی کے ساتھ آبادی مہرزور میں آباد ہو گیا تھا۔ یہ قبیلہ اپنی کوئی الگ حیثیت نہیں رکھتا تھا۔ بلکہ ہر معاملہ میں بنو قریظہ ہی شریک تھا۔ بعض کتابوں میں اس کا نام بہد لکھا ہوا ہے۔ سمودی نے لکھا ہے کہ ان کو ہدل اس لئے کہتے تھے کہ عام طور پر ان کے ہونٹ موٹے اور لٹکے ہوئے ہوتے تھے۔ عربی میں ایسے آدمی کو ہدل کہتے ہیں۔ حضرت ثعلبہؓ، حضرت اسد بن کعب اور عبداللہ بن سلام اسی قبیلہ سے تھے۔

بنو زنباع : یہ قبیلہ بنو قریظہ ہی کی ایک شاخ اور اس کے ماتحت تھا۔ بنو قریظہ سے اس کے تعلق کی بنا پر یہ تو معلوم ہے کہ یہ قبیلہ بھی ہجرت کر کے آیا تھا۔ مگر اس کی جائے قیام کے بارے میں کوئی تفصیل نہیں ملتی۔ حضرت رافعؓ کا نسب تعلق اسی قبیلہ سے تھا۔

یثرب کے دوسرے یہودی قبائل :

مذکورہ قبائل کے علاوہ مدینہ منورہ میں اور بھی متعدد یہودی قبائل تھے، جن کو خود کوئی ممتاز حیثیت حاصل نہیں تھی، بلکہ وہ ہر معاملہ میں ان ہی یہودی قبائل کے پابند تھے۔ مثلاً بنو عریض جبل احد کے قریب آباد تھے۔ بنو ظفروادی مہرزور کے آخر سرے پر آباد تھے۔ بنو اشہل اور بنو حارثہ مدینہ کے بالکل مشرق میں آباد تھے۔ ان کے علاوہ چند اور قبائل کے نام اس معاہدہ میں آئے ہیں جو آنحضرت ﷺ نے یہود سے کیا تھا۔

۱۔ یہود بنی عوف ۲۔ یہود بنی نجار ۳۔ یہود بنی ساعدہ ۴۔ یہود بنی الاوس

۵۔ یہود بنی ثعلبہ ۶۔ بنو جفہ ۷۔ بنو الشطیہ ۸۔ بنو حارث۔ اس معاہدہ میں ان قبائل کے ذکر کے بعد یہ دفعہ بھی ہے : کہ

”وان بطانة يهود کا نفسہم“

”اور یہودیوں (کے قبائل) کی ذیلی شاخوں کو بھی وہی حقوق حاصل ہوں گے، جو اصل کو حاصل ہیں۔“

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہود کے اور بھی دوسرے ذیلی قبائل تھے۔ چنانچہ اس کی تائید سمودی کے بیان سے بھی ہوتی ہے۔ وہ مدینہ کے یہودی قبائل کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

”ان يهود كانوا نيفا وعشرين قبيلة“^۱۔

”مدینہ میں یہود قبائل بیس (۲۰) سے زیادہ تھے۔“

ان ذیلی قبائل میں بیشتر ایسے تھے، جن کا تعلق اوس و خزرج سے تھا۔ مگر انہوں نے یہودیت قبول کر لی تھی۔ اس لئے وہ یہودی قبائل میں شمار ہوتے تھے۔ مثلاً بنو اشہل، بنو حارثہ، بنو غوف وغیرہ قبیلہ اوس کی شاخیں تھیں۔ اس طرح بنو نجار، بنو حارث، بنو ساعد وغیرہ خزرج کے تحتی قبائل تھے۔

خیبر : شمالی حجاز میں یہود کا دوسرا بڑا مرکز خیبر تھا، جو شام کے راستہ میں مدینہ منورہ سے تقریباً آٹھ منزل پر واقع ہے۔ یہ نہیں معلوم ہو سکا کہ یہاں کی یہودی آبادی کہیں سے ہجرت کر کے آئی تھی یا یہیں کی خود عرب آبادی۔ یہ یہودیت قبول کر لی تھی۔ بعض قرآن سے پتہ چلتا ہے کہ یہ قدیم آبادی ہے۔ معجم البلدان نے خیبر کی وجہ سے تسمیہ کے سلسلہ میں لکھا ہے کہ یہ بستی خیبر بن قانیہ کی طرف منسوب ہے۔ اس لحاظ سے ان کے اور انصار کے جدِ اعلیٰ ایک ہی ہیں۔ انصار کے جدِ اعلیٰ یثرب بن قانیہ کا ذکر اوپر آچکا ہے۔

اس بیان سے یہ پتہ نہیں چلتا کہ یہاں یہودیت کا فروغ کب سے ہوا۔ اس سلسلہ میں عاجز کی رائے یہ ہے کہ خیبر عبرانی لفظ ہے، جس کے معنی قلعہ کے ہیں۔ یہ لفظ خود اشارہ کر رہا ہے کہ اس بستی کو یہود سے بڑا قدیم تعلق ہے اور پھر اس سرزمین کو قلعوں کی سرزمین کہا جائے تو صحیح بھی ہے۔ اس لئے یہاں بہت سے قلعے تھے، جن کی یادگار آج تک باقی ہے۔

خیبر حجاز کا بڑا زرخیز علاقہ ہے، جس کو تجارتی لحاظ سے بھی بڑی اہمیت حاصل تھی۔ یہاں کے یہود اقتصادی حیثیت سے بہت ممتاز تھے۔ انہوں نے متعدد جنگی قلعے بنائے تھے، جن میں سات قلعے بہت مشہور تھے۔ ۱۔ ناعم، ۲۔ قوس، ۳۔ حصن اشق، ۴۔ حصن العطا، ۵۔ حصن السالم، ۶۔ حصن الوطع، ۷۔ حصن الکلیہ۔^۲ یعقوبی کا بیان ہے کہ اس میں بیس ہزار سپاہی رہتے تھے۔^۳ یعقوبی کے اس بیان سے خیبر کی وسعت اور اس کی آبادی کی کثرت کا اندازہ ہوتا ہے۔

دوسرے یہود کی طرح اسلام کے خلاف ان کی ریشہ دوانیاں جب بہت بڑھ گئیں تو مکہ میں آنحضرت ﷺ نے ان کے خلاف جارحانہ کارروائی کر کے ان کو شکست دی۔ پوری تفصیل آگے آئے گی۔ حضرت صفیہؓ کا وطن خیبر ہی تھا۔

فدک : خیبر اور مدینہ کے درمیان فدک کی بستی تھی۔ یہاں بھی یہودیوں کی آبادی تھی اور دوسرے مقامات کی طرح یہاں کے یہود بھی نہایت خوش حال تھے۔ یہ بستی بھی پرانی ہے، مگر یہاں یہود کب آباد ہوئے، اس کی کوئی تصریح نہیں ملتی۔ آنحضرت ﷺ نے خیبر کے آس پاس جن قبائل سے صلح کی تھی، ان میں اہل فدک بھی تھے۔ تاریخوں میں ان کا تذکرہ اسی حیثیت سے آتا ہے۔

وادی القریٰ : شام اور مدینہ کے درمیان ایک وادی ہے، جس میں بہت سی بستیاں آباد تھیں۔ اس کو ”وادی القریٰ“ (بستیوں کی وادی) کہتے ہیں۔ یہ نہایت ہی قدیم آبادی ہے۔ قدیم زمانہ میں یہاں عاد و ثمود آباد تھے۔ یہ بستیاں اپنی سرسبز و شادابی کے لحاظ سے ہمیشہ سے ضرب المثل تھیں۔ قرآن مجید کی ان آیات میں انہی بستیوں کی طرف اشارہ ہے۔

”اَلتَّرْكُوَانِ فِی مَا هُنَا اٰمِنِیْنَ اٰی جَنَّتْ وَغُیُوْنٌ وَّزُرُوْعٌ وَّنَخْلٌ طَلْعُهَا هَضِیْمٌ“ - (شعراء)

”کیا تم کو ان ہی چیزوں میں بے فکری سے رہنے دیا جائے گا، جو یہاں موجود ہیں، یعنی باغوں، چشموں اور کھیتوں میں اور ان کھجوروں میں جن کے گچھے خوب گندھے ہوئے ہیں۔“

ارباب تاریخ و جغرافیہ لکھتے ہیں کہ عاد و ثمود کی تباہی کے بعد دوسرے عربی قبائل بھی یہاں آباد ہوئے، مگر وہ سب یہود کے زیر اثر رہے۔ قضاعہ، جہینہ اور عذرہ وغیرہ قبائل اسی وادی میں آباد تھے۔ اس تفصیل سے ہمارا مقصود یہ ہے کہ یہاں کے یہود جزیرہ عرب میں ہجرت کر کے آئے تھے اور بہت قدیم زمانہ سے یہاں آباد تھے۔

آنحضرت ﷺ خیبر اور فدک سے واپس ہوئے تو یہاں کے باشندوں نے بھی خیبر کے شرائط صلح کے تحت صلح کر لی۔

عہد اسلام کے بعد بھی کئی صدیوں تک یہودیوں کے وجود کا پتہ چلتا ہے۔ تاریخ الیہود کے مصنف کا بیان ہے کہ گیارہویں صدی عیسوی تک یہود موجود تھے (ص ۱۸۶)۔ یا قوت نے اپنے زمانہ یعنی ساتویں صدی ہجری میں اس کا حال ابن الفاظ میں لکھا ہے۔ ”اس وقت سید مین بالکل ویران ہے۔“

۱۔ معجم البلدان۔ جلد ۷ ص ۷۴ یہود اور مسلمانوں میں جتنی جنگیں ہوئیں، ان سب میں یہ قبائل یہود کے ساتھ نظر آتے ہیں۔

سیر الصحابہ (جلد ششم) ۲۹۰ اہل کتاب صحابہؓ و تابعینؓ (حصہ دوازدہم)

کنہ وں اور چشموں کا پانی اب تک ویسے ہی جاری ہے، مگر اس سے فائدہ اٹھانے والا کوئی موجود نہیں۔^۱
ان دونوں بیانونوں سے پتہ چلتا ہے کہ پانچویں اور ساتویں صدی ہجری مطابق گیارھویں اور تیرھویں صدی عیسوی کے درمیان یہود نے اس سرزمین کو چھوڑا ہے، لیکن یہ نہیں معلوم ہو سکا کہ ان کے ترک وطن کے اسباب کیا تھے اور وہ یہاں سے کہاں گئے۔

بلاذری کی ایک روایت ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ نے خیبر کے یہود کے ساتھ وادی القرئی کے یہودیوں کو بھی جلا وطن کر دیا تھا۔^۲ لیکن یہ بیان محل نظر ہے۔ دوسرے یہ روایت ”قیل“ کے لفظ سے مروی ہے، جو اس کے مصنف پر دال ہے۔ اس کے علاوہ کچھ اور بھی دلائل ہیں، جس کی بنا پر بلاذری کی یہ روایت صحیح نہیں معلوم ہوتی۔ واللہ اعلم

یتماء : وادی القرئی سے قریب ہی یتماء کی بستی تھی۔ فذک اور وادی القرئی کی طرح یتماء بھی مدینہ اور شام کے راستے پر واقعہ تھا۔ یہاں بھی یہود کی آبادی تھی۔ ظہور اسلام سے پہلے یہاں بنو عادیا کا خاندان حکمران تھا۔^۳ اس خاندان کا ایک ممتاز فرد سمول بن عادیا تھا، جو اپنی شاعری اور وفا شعاری میں ضرب المثل تھا۔ حضرت رفاعہؓ کا جن کا تذکرہ اس کتاب میں موجود ہے، اسی کے لڑکے تھے۔ یہ حضرت صفیہؓ کے ماموں ہوتے تھے۔

بلاذری نے لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب وادی القرئی سے واپس ہوئے تو اہل یتماء نے صلح کی درخواست کی اور آپ نے قبول کر لی۔^۴ مگر یہ بیان بھی قابل غور ہے۔ تفصیل آگے آئے گی۔
نجران : بعض واقعات سے پتہ چلتا ہے کہ نجران میں بھی قدیم زمانہ سے یہود آباد تھے، لیکن یمن کی یہودی سلطنت کے زوال کا اثر نجران کے یہودیوں پر بھی پڑا، اور آہستہ آہستہ ان کی آبادی وہاں سے ختم ہو گئی اور ان کی جگہ نصرانیوں نے لے لی۔

ظہور اسلام سے پہلے نجران میں یہودی موجودگی کے واقعات کے سلسلہ میں یہ واقعہ ارباب تاریخ اور مفسرین عام طور پر لکھتے ہیں کہ ”عیسائیوں نے نجران کے کسی یہودی کے دو لڑکوں کو کسی وجہ سے قتل کر دیا۔ یہودی نے یمن کے یہودی حکمران ذونواس سے دادرسی کی۔ اس نے نجران پر حملہ کیا^۵ اور

۱۔ معجم البلدان۔ جلد ۳ ص ۷۳ ۲۔ فتوح البلدان۔ ص ۴۱ ۳۔ کتاب شعر و اشعار۔ ص ۴۲ ۴۔ فتوح البلدان۔ ص ۴۳
۵۔ اس حملہ کے سلسلہ میں یہ بات بھی کہی گئی ہے کہ نجران کے عیسائیوں کا رجحان اور ان کا تعاون دینی رشتہ کی بنا پر حبشہ کی عیسائی حکومت کے ساتھ زیادہ تھا اور یمن کے یہودی حکمرانوں اور حبشہ کے عیسائی حکمرانوں میں برسوں سے سیاسی کشمکش چلی آرہی تھی۔ اس کشمکش کی موجودگی میں نجران کی یہودیوں کے لئے سیاسی حیثیت سے خلش کا سبب بنی ہوئی تھی۔ حبش پر براہ راست حملہ کرنا ان کے بس سے باہر تھا۔ اس لئے انہوں نے نجران ہی کو اپنی دشمنی کا نشانہ بنایا۔ ممکن ہے یہودی بچوں کے قتل ہی کو یہودیوں نے نجران پر حملہ کرنے کا ایک سیاسی اور قانونی بہانہ بنایا ہو۔ جس طرح یمن کے عیسائیوں نے کعبہ پر حملہ کے لئے ایک معمولی بہانہ نکال لیا تھا۔

سیر الصحابہؓ (جلد ششم) ۲۹۱ اہل کتاب صحابہؓ و تابعینؓ (حصہ دوازدہم)

وہاں کی عیسائی آبادی کا قتل عام کیا، جس کی طرف قرآن کی اس آیت میں اشارہ ہے۔

”قَتَلَ أَصْحَابُ الْأُخُذِ ذَاتِ النَّارِ ذَاتِ الْوَقُودِ“۔ (بورج)

”خندق والے یعنی بہت سی ایندھن کی آگ رکھنے والے ملعون ہوئے۔“

یہ واقعہ اسلام سے ایک صدی پہلے کا ہے۔ اس کے بعد ہی یمن کی یہودی سلطنت ذونواس کے بعد ختم ہو گئی اور پھر یہودیوں کو جزیرہ عرب میں سیاسی غلبہ نہیں ہوا۔ اس زوال کا اثر یہودیوں کی تمام آبادیوں پر پڑا۔ ظہور اسلام کے وقت نجران میں عیسائیوں کے ساتھ یہودی بھی آباد تھے۔ مگر تاریخ کی عام کتابوں میں اس کا ذکر نہیں ملتا۔ البتہ ابوداؤد کی ایک روایت سے ان کی آبادی کا پتہ چلتا ہے اور ہو یہ ہے کہ نجران میں یہودی آبادی تھی، جو حضرت عمرؓ کے زمانہ تک باقی رہے اور آپ ہی کے زمانہ میں بعض سیاسی مصلحتوں کی بنا پر جلاوطن کر دیئے گئے۔

آئندہ اوراق میں ”جزیرہ عرب میں عیسائیت“ کے عنوان کے تحت اس کی پوری تفصیل آئے گی۔

اذرح اور جرباء : جزیرہ عرب کی سرحد پر یہ بستیاں پاس ہی پاس واقع تھیں، جن میں یہود آباد تھے اور ان ہی کا غلبہ تھا۔ آنحضرت ﷺ تبوک سے واپس ہوئے تو یہاں کے باشندوں نے صلح کی درخواست کی۔ اہل اذرح نے سودینار سالانہ اور اہل جرباء نے جزیرہ کے طور پر کچھ متعین رقم دینے کی خواہش ظاہر کی۔ اس پر آپ ﷺ نے ان سے صلح کر لی۔

مقنا : یہ بستی خلیج عقبہ (ایلہ) کے کنارے آباد تھی۔ اس کی حیثیت ایک بندرگاہ کی تھی۔ یا قوت اور بلاذری دونوں نے لکھا ہے کہ یہاں کے باشندے یہودی تھے، مگر یہ کسی نے نہیں لکھا کہ وہ یہاں کب آباد ہوئے۔ آنحضرت ﷺ نے ان سے جو معاہدہ کیا تھا، اس سے پتہ چلتا ہے کہ شکار ماہی، کتاہی اور زراعت ان کا خاص پیشہ تھا۔

اہل مقنا کے معاہدہ کے سلسلہ میں کچھ قابل غور باتیں ہیں، جن کا تذکرہ آگے آئے گا۔

بحرین : بحرین، فارس اور جزیرہ عرب کی سرحد پر واقع ہے، جو فارس کے ماتحت تھا۔ یہاں کے باشندے نہ خالص عربی تھے اور نہ عجمی۔ بلکہ یہ مقام مختلف اور متضاد مذہب اور تہذیب و تمدن رکھنے والی

۱۔ اس آیت کے شان نزود کے سلسلہ میں تفسیروں میں متعدد واقعات مذکور ہیں۔ ممکن ہے ایک ہی واقعہ نے متعدد جگہ پر مختلف شکلیں اختیار کر لی ہوں۔ جیسا کہ عام طور پر اس قسم کے واقعات میں ہوتا ہے۔ ۲۔ ابوداؤد، جلد ۲۔ باب اخراج الیہود۔ ۳۔ فتوح البلدان۔ ص ۶۶۔ فی الضم ۶۷۔

قوموں کا سنگم تھا۔ عرب و عجم، یہود و نصاریٰ اور مجوس و آتش پرست سب ہی یہاں موجود تھے۔ عربوں، جن مقامات پر دوسری قوموں سے ملنے اور قریب سے ان کی تہذیب و ثقافت سے واقف ہونے موقع ملا۔ ان میں ایک بحرین بھی ہے۔ فتوح البلدان میں ہے : کہ

”اہل الارض من المجوس والیہود والنصری“۔ (۸۶)

”اہل بحرین کی آبادی مجوس، یہود اور نصاریٰ پر مشتمل تھی۔“

عرب کے مشہور قبائل عبدالقیس، بکر بن وائل، تمیم وغیرہ یہیں آباد تھے۔

افسوس ہے کہ بحرین کی قدیم تاریخ پردہ اخفا میں ہے۔ ظہور اسلام کے وقت منذر بن ساوی وہاں کا حکمران تھا۔ غالباً یہ عرب تھا۔ آنحضرت ﷺ نے ۶ھ میں جب قریب کے ملوک و سلاطین کو دعوتی خطوط لکھے تو ایک خط منذر والی بحرین کو بھی لکھا اور حضرت علاء ابن عبداللہ کے ہاتھ روانہ فرمایا۔ منذر پر اس خط کا بہت اچھا اثر پڑا اور وہ حلقہ بگوش اسلام ہو گیا۔ اس کے ساتھ اہل بحرین کی ایک بڑی تعداد بھی دائرۂ اسلام میں داخل ہو گئی۔ آنحضرت ﷺ نے منذر کو اس عہدہ پر جوں کا توں باقی رکھا۔

۸ھ میں منذر نے تحریری طور پر آنحضرت ﷺ سے دریافت کیا کہ یہاں یہود کے ساتھ کیا برتاؤ کیا جائے۔ آپ ﷺ نے جواب لکھا کہ جو لوگ تبلیغ اسلام کے بعد بھی اسلام قبول کریں، ان سے فی کس ایک دینار سالانہ جزیہ لیا جائے۔

آنحضرت ﷺ کے دور سعادت کے بعد یہاں کے باشندے عام طور پر مرتد ہوئے۔ لگے تو حضرت بشر بن جارود جن کا تذکرہ اس کتاب میں موجود ہے، انہوں نے اہل بحرین کو ارتداد سے باز رکھنے کی پوری کوشش کی۔

مکہ و طائف : مکہ اور طائف میں خالص عرب مشرکین کی آبادی تھی، مگر مکہ کی قدیم تاریخوں میں عربوں اور خصوصیت سے قریش اور یہود میں تجارتی و تمدنی تعلقات کے بیان کے سلسلہ میں یہود کا ذکر بھی آتا ہے۔ جس سے یہ بحث پیدا ہوتی ہے کہ آیا مکہ و طائف میں عرب مشرکین کے ساتھ یہود آباد تھے یا نہیں۔ بعض مستشرقین نے یہ ثابت کیا ہے کہ اسلام سے پہلے مکہ میں عربوں کے سب یہود بھی آباد تھے۔ مگر عربی تاریخوں سے اس کا کوئی ثبوت نہیں ملتا اس لئے اس کی صحت میں ہم کو ہٹل ہے۔

۱۔ فتوح البلدان۔ ص ۸۶ ۲۔ ایضاً۔ ص ۹۱ اور سیاسی زندگی ڈاکٹر حمید اللہ۔ ص ۳۵۰

۳۔ فتوح البلدان۔ ص ۹۱ ۴۔ تاریخ الیہود۔ ص ۹۲

سیر الصحابہ (جلد ششم) ۲۹۳ اہل کتاب صحابہ و تابعین (حصہ دوازدہم)

اس سلسلہ میں قابل غور بات یہ ہے کہ اگر مکہ میں یہود موجود ہوتے تو قریش کا وفد مکہ کے یہودیوں کو چھوڑ کر مدینہ کے یہود کے پاس کیوں جاتا۔ جیسا کہ ابن ہشام اور دوسرے ارباب سیر نے تصریح کی ہے کہ قریش نے نضر بن حارث اور عقبہ بن معیط وغیرہ کو آنحضرت ﷺ کی نبوت کے بارے میں کچھ باتیں دریافت کرنے کے لئے مدینہ بھیجا تھا۔ چنانچہ مفسرین نے لکھا ہے کہ اصحاب کہف، روح اور ذوالقرنین کے سلسلے میں جو آیات نازل ہوئیں، ان سب کا نزول یہی واقعہ ہے۔

یہ ضرور ہے کہ اہل مکہ اور یہود میں گونا گوں تعلقات تھے۔ مکہ کے عکاظ اور مجنہ کے بازاروں میں یہود تاجر اور کارکن شریک ہوتے تھے، جہاں کہانت کی شعبہ بازیاں زیادہ تر ان ہی کے دم سے قائم تھیں۔ مکہ میں بعض یہودی غلاموں کا تذکرہ بھی ملتا ہے۔ پھر مکہ کے قریب ہی بنو کنانہ آباد تھے، جس میں یہودیت موجود تھی۔ میں سمجھتا ہوں کہ ان وجوہ کی بناء پر یہ خیال قائم کر لیا گیا کہ یہاں یہود موجود تھے، حالانکہ یہ صحیح نہیں ہے۔

البتہ طائف کے متعلق یہ کہنا صحیح ہے کہ یہاں قدیم زمانہ سے یہودیوں کی ایک نو آبادی موجود تھی۔ فتوح البلدان میں ہے :

”کان بمخلاف الطائف قوم من اليهود طرد من الیمن و یثرب

فاقامها بها للتجارة“ (ص ۶۳)

”طائف کے ایک حصہ میں یہودیوں کی آبادی تھی۔ جو یمن و یثرب سے نکال دیئے گئے

تھے اور بسلسلہ تجارت یہاں آکر آباد ہو گئے تھے۔“

جب طائف پر مسلمانوں کا قبضہ ہوا تو وہاں کے یہودیوں پر جزیہ لگایا گیا۔ بلاذری کی ایک روایت سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت معاویہؓ نے یہاں کے بعض یہودیوں کی جائیداد خریدی تھی۔ اس سے زیادہ یہاں کے یہودیوں کے وجود کے متعلق کچھ معلوم نہیں ہو سکا۔

تبالہ و جرش : تبالہ و جرش طائف کے جنوب میں واقع ہیں۔ تاریخوں میں ہے کہ ان بستیوں میں بھی عربوں کے ساتھ اہل کتاب آباد تھے۔ یہ بصراحت معلوم نہیں ہو سکا کہ اہل کتاب سے یہود نصاریٰ دونوں مراد ہیں یا صرف یہود۔ لیکن ہمارا قیاس ہے کہ دونوں مراد ہیں اور دونوں آباد ہوں گے۔ اس لئے کہ اکثر مرکزی مقامات میں دونوں کے آباد ہونے کا پتہ چلتا ہے، جیسا کہ مقنا اور بحرین کے سلسلہ میں ذکر آچکا ہے۔

یہ بہت ہی قدیم اور زرخیز بستیاں تھیں اور خصوصیت سے تبالہ کے بارے میں تو یاقوت نے لکھا ہے: ”اس کی زرخیزی ضرب المثل ہے“^۱۔

۱۰ھ میں یہاں کے عرب باشندوں نے تو اسلام قبول کر لیا، لیکن اہل کتاب اپنے دین پر قائم رہے اور انہوں نے جزیہ دینا قبول کیا۔ آنحضرت ﷺ نے یہاں کی امارت پر حضرت سفیانؓ کا تقرر فرمایا تھا^۲۔

یہودیوں کی ان یکجا آبادیوں کے علاوہ عرب کے مختلف قبائل میں ایک ایک دو دو اشخاص ملتے ہیں، جنہوں نے یہودیت قبول کر لی تھی اور بعض ایسے عربی قبائل کا بھی پتہ چلتا ہے جو پورے پورے دائرۃ یہودیت میں داخل ہو گئے تھے۔ مثلاً حمیر، بنو کنندہ، بنو کنانہ، بنو الحارث، قضاعہ^۳۔ غسان اور جذام کے بعض خاندانوں میں بھی یہودیت تھی^۴۔

یہودی قبائل اور ان کی آبادیوں کا ذکر اس وسعت کے ساتھ اس لئے کیا گیا ہے کہ یہ معلوم ہو جائے کہ جزیرہ عرب کے اندر جتنے بھی تجارتی، زراعتی، سیاسی، مرکزی مقامات تھے، تقریباً ان سب پر یہودیوں کا قبضہ تھا یا کم از کم وہاں ان کا اثر و رسوخ تھا۔ دوسرے آئندہ جو مباحث آنے والے ہیں، ان میں بھی اس تفصیل سے واقعات کے سمجھنے میں بہت کافی مدد ملے گی۔

اسلام سے پہلے عربوں اور یہودیوں کے تعلقات اور اس کی نوعیت :

جزیرہ عرب میں یہودیوں کی آمد اور ان کی آبادیوں کی جو تفصیل بیان کی گئی ہے، اس سے اجمالاً عربوں اور یہودیوں کے تعلقات پر بھی روشنی پڑتی ہے۔ مگر پھر بھی اس سلسلہ میں مزید تفصیل کی ضرورت ہے تاکہ ان کے تعلقات کی تمام جہتیں اور نوعیتیں پورے طور سے سامنے آجائیں۔

اسلام سے پہلے عربوں اور یہودیوں میں گونا گوں معاشرتی اور تمدنی تعلقات تھے۔ مگر ان کے باوجود ذہنی طور پر ان میں ایک طرح کی اجنبیت اور مغایرت بھی موجود تھی۔ مگر وہ وطنی اور معاشرتی نہیں تھی۔ بلکہ معاشی اور مذہبی تفوق یا افضلیت و مفضولیت کی تھی۔

یہود دین الہی کے ماننے والے اور صحف سماوی کے حامل تھے۔ پھر بھی اسی کے ساتھ ان کو پورے جزیرہ میں معاشی غلبہ حاصل تھا۔ اس لئے وہ عام عربوں کے مقابلہ میں اپنے آپ کو افضل اور بہتر سمجھتے تھے۔

۳۔ معارف بن ختمیہ۔ ص ۲۶۶

۲۔ فتوح البلدان۔ ص ۶۶

۱۔ معجم البلدان۔ جلد ۲۔ ص ۲۵۶

۴۔ یعقوبی۔ جلد ۱۔ ص ۲۹۸

، غالباً اسی تفوق پسندی ہی کا نتیجہ تھا کہ یہود خالص عرب آبادی میں بہت کم آباد تھے اور جہاں عربوں کے ساتھ وہ آباد بھی تھے تو وہاں انہوں نے اپنا تفوق قائم رکھنے کے لئے کوئی نہ کوئی امتیاز بھی باقی رکھا۔ یہودی آبادیوں کے نقشے پر آپ نظر ڈالیں گے تو عاجز کے اس خیال کی پوری تائید ہوگی۔

مگر چونکہ ان کو پورے جزیرہ میں عدوی اکثریت حاصل نہیں تھی اور دوسرے ان کے تجارتی اسباب و سامان اور زرعتی پیداوار اور حاصلات کی منڈی زیادہ تر عرب ہی آبادیاں تھیں۔ اس لئے وہ عربوں سے بالکل منقطع اور بے تعلق ہو کر نہیں رہ سکتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ اس تفوق کے باوجود انہوں نے ہمیشہ عربوں سے اپنے تعلقات استوار رکھنے کی کوشش کی، جیسا کہ ہر تجارت پیشہ اور کاروباری قوم کا شیوہ ہوتا ہے۔

اس کے مقابلہ میں عام اہل عرب مذہبی اور معاشی دونوں حیثیت سے اپنے کو کمتر سمجھتے تھے اور وہ شاید سمجھنے پر مجبور بھی تھے، اس لئے کہ ان نعمتوں سے جو یہودیوں کو حاصل تھیں، ان کا دامن قریب قریب خالی تھا۔ نہ تو ان کے پاس کوئی کتاب الہی تھی اور نہ معاشی حیثیت سے وہ مطمئن تھے۔

قریش جو تجارت میں معروف و مشہور تھے اور جن کو کعبہ کے کلید بردار اور نگران ہونے کی وجہ سے سارے عرب کی سیادت ہی نہیں بلکہ پورے جزیرہ عرب کی بے تاج بادشاہی بھی حاصل تھی، وہ بھی یہودی مذہبی افضلیت و تفوق کے معترف اور ان کی معاشی برتری کے ماننے پر مجبور تھے۔

قرآن مجید نے متعدد جگہ اس طرف اشارہ کیا ہے کہ ”اگر تم کو (اہل عرب) رسول کی سچائی اور دین حق میں شبہ ہو تو اہل کتاب سے پوچھ لو“۔ حدیث دسیر کی کتابوں سے ثابت ہے کہ قریش نے متعدد بار اپنے خود مدینہ کے یہود کے پاس اس لئے بھیجے کہ وہ آپ ﷺ کی بنوت اور آپ ﷺ کے صفات کتب سابقہ کی روشنی میں ان سے دریافت کریں۔ اسی تفوق و افضلیت ہی کا اثر تھا کہ جب لوگوں کے بچے زندہ نہیں رہتے تھے تو وہ منت مانتے تھے کہ بچہ زندہ رہ جائے گا تو اسے یہودی بنادین گے۔ چنانچہ مدینہ میں اس طرح کے بہت سے جدید الیہودیہ افراد موجود تھے۔ تفصیل آگے آئے گی۔

معاشی حیثیت سے بھی یہود کو عربوں پر عام طور پر تفوق حاصل تھا۔ مدینہ کی بیشتر آبادی ان کی مقروض تھی۔ خیبر کا بھی یہی حال تھا۔ وہاں وہ عربوں سے مزدوری کراتے تھے۔ جس وقت خیبر فتح ہوا، اس وقت بہت سے عرب خدمت گاران کے پاس موجود تھے۔ قریش جو پورے عرب میں ممتاز

اور صاحب ”رحلۃ الشتاء والصیف“ تھے، وہ بھی شادی بیاہ کے موقع پر خیبر کے یہودیوں سے زیورات کرایہ پر لے جاتے تھے۔ ایک مرتبہ اسی طرح کے مستعار زیورات گم ہوئے تو قریش نے یہودیوں کو دس ہزار دینار ہر جانہ ادا کیا۔^۱

کہنا یہ ہے کہ اسلام سے پہلے عربوں اور یہودیوں میں باہم معاشی اور معاشرتی تعلقات تھے اور باوجود تفوق و مذہبی مغائرت کے جنگ وغیرہ کے مواقع پر اپنے مصالح کے ماتحت عربی قبائل سے وہ تحلیف و معاہدہ کرتے تھے اور اس میں شریک ہوتے تھے۔

مدینہ کے مشہور عربی قبائل اوس و خزرج میں جتنی لڑائیاں ہوئیں۔ ان میں وہاں کے یہودی قبائل کسی نہ کسی کے حلیف تھے۔ اسی طرح خیبر کے یہودیوں سے آس پاس کے تمام قبائل سے معاہدہ جنگ تھا۔ چنانچہ اسلامی غزوات کے مواقع پر انہوں نے اس حلف و معاہدہ سے پورا فائدہ اٹھایا۔^۲

یہی نہیں بلکہ بعض عربی قبائل اور یہودیوں میں شامل شادی بیاہ کے رشتے بھی شروع ہو گئے تھے۔ کعب جو یہود مدینہ کا اشعر الشعراء اور سب سے بڑا دشمن اسلام تھا، اس کا باپ قبیلہ طے اور بعض روایتوں میں ہے کہ بنو نہماں سے تھا، جس نے مدینہ میں آکر اپنا اثر و رسوخ پیدا کیا اور سردار بنو نضیر ابورافع کی لڑکی سے شادی کر لی تھی۔^۳ اس طرح مدینہ کے یہود اور عربی قبائل میں بھی غالباً اسی قسم کے تعلقات تھے اور خصوصیت سے وہ قبائل جو جدید الیہود یہ تھے۔^۴

ظہور اسلام سے پہلے یہود اور عرب کے ایک دوسرے پر تمدنی اور معاشرتی اثرات :

یہ تو اب تسلیم شدہ حقیقت ہے کہ عرب اسلام سے پہلے دنیا سے بالکل منقطع نہیں ہو گئے تھے، بلکہ دنیا کے دوسرے ملکوں سے ان کا ہمیشہ واسطہ رہا اور دنیا کی مختلف قوموں کے تمدنی اور مذہبی اثرات بھی ان پر پڑے تھے۔ اسی طرح ان ملکوں اور قوموں پر بھی انہوں نے اپنے اثرات ڈالے، جن سے ان کا واسطہ رہا یا جزیرہ عرب میں آباد تھیں۔

یہود ایک قدیم قوم تھی جو دنیا کے ہر خطہ میں آباد تھی۔ خصوصیت سے عراق، ایران، مصر، یونان اور شام کے علاقہ میں ان کی کثیر آبادی تھی، لیکن اس قدامت کے باوجود ان کی قسمت میں زیادہ تر

۱۔ السیر الکبیر۔ جلد ۱۔ ص ۱۸۶ تقریباً ۲۵ ہزار روپے ہوئے۔ ۲۔ مثلاً جنگ فجار اور جنگ بعاث وغیرہ

۳۔ مثلاً غزوہ بدر، غزوہ خندق، غزوہ خیبر وغیرہ ۴۔ زرقاتی۔ جلد ۲۔ ص ۹ ۵۔ ان قبائل کا ذکر اوپر آچکا ہے۔

سیر الصحابہ (جلد ششم) ۲۹۷ اہل کتاب صحابہ و تابعین (حصہ دوازدہم)

ہجرت ہی مقدر تھی، یا ان کی طبیعت ہی ایسی واقعہ تھی کہ ایک جگہ جم کر نہیں رہ سکتے تھے۔ جو بات بھی ہو، بہر حال ایسا ضرور ہوا کہ وہ جہاں بھی آباد ہوئے وہاں سے انہیں ہجرت ضرور کرنی پڑی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان کو دنیا کی مختلف قوموں اور ان کے تمدنوں اور تہذیبوں سے واسطہ پڑا۔ کسی کو کچھ دیا اور کسی سے کچھ لیا۔

عرب میں جو یہود آباد تھے، جیسا کہ ہم نے اوپر ذکر کیا ہے کہ ان کی اکثر آبادی باہر سے اور خصوصیت سے شام و فلسطین کے علاقوں سے ہجرت کر کے آئی تھی۔ ظاہر ہے کہ وہ جب یہاں آئے تو ان ملکوں اور قوموں کے تمدنی اور مذہبی اثرات بھی اپنے ساتھ لائے، جن سے ان کا واسطہ رہ چکا تھا اور چونکہ یہ جزیرہ عرب کے ہر خطہ میں آباد تھے، اس لئے انہوں نے پورے جزیرہ کی عرب آبادی کو اس سے کم و بیش متاثر کیا۔ لیکن یہ اثرات صرف ایک ہی طرف نہیں، ہر دو طرف سے پڑے تھے۔ بلکہ بعض حیثیتوں سے تو عرب کے اثرات ان پر زیادہ معلوم ہوتے ہیں۔ اسی بنا پر بعض مستشرقین نے یہ رائے قائم کر لی کہ جزیرہ عرب کے یہود دنیا سے بالکل منقطع ہو چکے تھے اور ان میں یہودی خصوصیت باقی نہیں رہ گئی تھی اور بعض نے یہ خیال قائم کر لیا کہ جزیرہ عرب کے یہود باہر سے ہجرت کر کے سرے سے آئے ہی نہیں تھے۔

اب ہم مختصر طور سے یہود کے اثرات کا ذکر کرتے ہیں، جس کے ضمن میں عربوں کے بعض اثرات کا ذکر بھی آئے گا۔ اوپر ذکر آچکا ہے کہ یہود کو عربوں پر مختلف حیثیتوں سے تفوق حاصل تھا، جس کا عرب بھی اعتراف کرتے تھے اور بہت سے معاملات میں انہی کی اقتداء کرتے تھے۔ ابن عباسؓ کے اثر سے بھی اس پر روشنی پڑتی ہے۔ وہ فرماتے ہیں :

”کان هذا الحی من الانصار وهم اهل وثن مع هذا الحی وهم اهل الكتاب فكانوا يرون فضلا عليهم في العلم وكانوا يقتلون في كثير من فعلهم“۔ (ابوداؤد)

”یہ انصار کے قبائل اہل کتاب کے قبائل کے ساتھ آباد تھے۔ انصار ان کو علم و فضل میں اپنے سے افضل سمجھتے تھے اور اکثر معاملات زندگی میں ان کی اقتداء کرتے تھے۔“

یہود کے پیشے :

جزیرہ عرب میں جہاں یہود آباد تھے، عموماً ان کے خاص تین پیشے تھے، زراعت، تجارت اور

صنعت و حرفت۔

زراعت : بعض مستشرقین کا خیال ہے کہ زراعت میں یہود عربوں کے استاد تھے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ عرب یہود کی آمد سے پہلے زراعت کرنا نہیں جانتے تھے۔ اور یہود نے آکر ان کو سکھایا۔ بلکہ انہوں نے زراعت کے نئے نئے طریقے اور اس کے لئے جدید قسم کے آلات عربوں کو بتائے اور بعض نئے قسم کے پودوں اور درختوں سے ان کو آگاہ کیا۔ جن سے پہلے یہاں کے لوگ واقف نہیں تھے۔ اسی طرح یہودیوں کو پرندوں اور جانوروں کے پالنے کا بھی شوق تھا۔

حجاز کے یہود عموماً شام و فلسطین سے آئے تھے۔ جہاں کی زمین زرخیزی اور زراعت کی موزونیت کے لحاظ سے ضرب المثل تھی۔ اس لئے وہاں سے آنے والے یہودیوں نے اگر عربوں کو نئے طریقہ زراعت سے آگاہ کیا تو اس میں تعجب کی کوئی بات نہیں ہے۔ پھر شام کی سرزمین کو صحف قدیم میں ”نسن و ذیتون“ کی زمین کہا گیا ہے۔ بہت ممکن ہے کہ یہ اور اسی قسم کے اور دوسرے درخت بھی یہودیوں کے ذریعہ جزیرہ میں آئے ہوں۔

لیکن جانوروں کے پالنے کا شوق تو اس میں دونوں شریک ہیں۔ بلکہ کہنا چاہئے کہ یہودیوں سے کہیں زیادہ عربوں میں تھا۔ اس لئے کہ جزیرہ عرب کی بیشتر آبادی کا مدار زندگی جانوروں کے دودھ ہی پر تھا۔ دوسرے وہاں کی زیادہ تر آبادی خانہ بدوش تھی۔ جن کو ایک جگہ سے دوسری جگہ جانے اور اسباب لے جانے کے لئے بھی جانوروں کی ضرورت ہوتی تھی۔ یہ بات ضرور ہے کہ عرب زیادہ تر نقل و حمل اور دودھ اور غذا کے لئے جانوروں کی پرورش کرتے تھے۔ ہو سکتا ہے کہ زراعت اور اس کی سیرابی وغیرہ کے لئے جانوروں کی پرورش اور ان کا گونا گوں استعمال عربوں نے یہود سے سیکھا ہو۔

تاریخ الیہود کے مصنف نے ابن ہشام کے حوالے سے لکھا ہے کہ بعض یہود مرغیاں بھی پالتے تھے مگر مجھے ابن ہشام میں یہ واقعہ نہیں مل سکا۔ اگر صحیح ہے تو یہ یہود کی خصوصیت تھی۔

تجارت : ظہور اسلام کے وقت اور اس سے بہت پہلے یہود اور عرب دونوں جزیرہ میں اور جزیرہ سے باہر تجارت کرتے نظر آتے ہیں اور خصوصیت سے قریش تو اس حیثیت سے پورے عرب میں ممتاز تھے۔ اس لئے ان میں سے کسی ایک کو مقدم یا موخر کرنا بہت دشوار ہے۔ تاہم یہ صحیح ہے کہ یہود کئی سو برس قبل مسیح سے تجارت کرتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں اور جہاں بھی وہ رہے، یہ پیشہ ان کے ساتھ رہا۔

۱۔ تاریخ الیہود۔ ص ۱۷۱-۱۸۱ ۲۔ ابن ہشام بحوالہ تاریخ الیہود ۳۔ فتوح البلدان۔ ص ۶۷-۶۸

۴۔ انجیل اور زیتون، قرآن میں بھی سورہ تین میں ان چیزوں کا تذکرہ کیا ہے۔

جزیرہ عرب میں آئے تو یہاں بھی انہوں نے یہی پیشہ اختیار کیا، جیسا کہ ہم اوپر ذکر کر چکے ہیں۔ دوسرے اپنی سکونت و رہائش کے لئے بھی انہوں نے خاص طور پر جزیرہ کے ان ہی خطوں اور علاقوں کو پسند کیا، جن میں پہلے سے کچھ زرعی و کاروباری صلاحیت موجود تھی۔

بغلاف اس کے عربوں کی عام بستیوں اور آبادیوں کو اس طرح کی کوئی خصوصیت حاصل نہیں تھی۔ ہاں مکہ کو کعبۃ اللہ اور بیت المحرام کی وجہ سے دینی اہمیت و مرکزیت ضرور حاصل تھی اور اسی کی کشش دور دور سے لوگوں کو یہاں کھینچ لاتی تھی اور اس طرح وہ سال کے کچھ مہینوں میں تجارتی منڈی بن جاتا تھا۔ لیکن بذات خود اس میں کوئی زرعی یا تجارتی صلاحیت نہیں تھی اور اسی لئے رب کعبہ نے اس کو قرآن پاک میں واوی ”غیر ذمی زرع“ سے تعبیر کیا ہے۔

پورے حجاز میں طائف اور مدینہ دو ایسے مقامات تھے، جنہیں تجارتی اور زرعی اہمیت بھی حاصل تھی اور جہاں عربوں کی عددی اکثریت بھی تھی اور یہود اقلیت میں تھے، مگر وہاں کی تجارت و زراعت پر یہودی ہی چھائے ہوئے تھے۔ ان دونوں مقامات کا تذکرہ اوپر آچکا ہے۔

یہ وجہ ہیں جن کی بنا پر ہمارا قیاس ہے کہ یہ پیشہ عربوں میں یہودیوں ہی کے ذریعہ آیا تھا۔ تجارتی بازار : عربوں کی ہر مشہور بستی میں چھوٹے بڑے میلے اور بعض جگہ ہفتہ وار بازار لگتے تھے۔ ان کے علاوہ سال میں بعض اور بھی بڑے بڑے بازار اور میلے لگتے تھے، جہاں یہود کی شرکت کی تصریح کم ملتی ہے، مگر وہ ان میں شریک ضرور ہوتے ہوں گے۔ اس لئے کہ جزیرہ عرب کے ۲۰ مشہور شہروں میں سے تقریباً دس گیارہ شہروں میں یہود کا معاشی و اقتصادی غلبہ تھا۔

محمد بن حبیب نے لکھا ہے کہ بحرین اور کومۃ الجندل میں جہاں یہود آباد تھے، دو مشہور میلے لگتے تھے۔^۱ یقیناً ان میلوں میں ان کی موثر شرکت ہوتی ہوگی۔ مدینہ میں ایک بازار سوق نبی قبیقاع تو یہود کے مشہور قبیلہ قبیقاع ہی کے نام سے مشہور تھا۔ جس کا تذکرہ سیر کی کتابوں میں موجود ہے۔

سامان تجارت : سامان تجارت میں عموماً غلے، کھجوریں، اسلحہ اور کپڑے وغیرہ ہوتے تھے۔ جنہیں یہ بیچنے کے لئے باہر لے جاتے تھے، بعض حصوں کے یہود پھلی کی بھی تجارت کرتے تھے۔ مثلاً مقنا کے یہودیوں سے آنحضرت ﷺ نے جو معاہدہ کیا تھا، اس میں جو چیزیں بطور ٹیکس لینا پائی تھیں، ان میں مچھلیاں بھی تھیں۔^۲

ظہور اسلام کے وقت جزیرہ سے باہر یہود سے زیادہ عرب اور ان میں بھی خصوصیت سے اہل مکہ ہم کو تجارتی سفر کرتے نظر آتے ہیں۔ ہم نہیں کہہ سکتے کہ یہود جن کا قدیم زمانہ سے عرب سے باہر بھی کاروبار تھا اور جن کا ایک فرد، ابورافع یہودی آخری دور میں بھی بہت زیادہ مشہور تھا، یہاں تک کہ اس کا لقب ہی تاجر الحجاز والشام پڑ گیا تھا۔ ظہور اسلام کے وقت دفعہ ان کی برآمدی تجارت کیوں کم ہو گئی اور ان کا کاروبار اندرون ملک تک کیوں محدود ہو کر رہ گیا۔

ہم اسی کے ساتھ یہ بھی قابل ذکر امر ہے کہ پورے جزیرہ عرب میں ربایعنی سود خوری کا بھی رواج تھا، جس میں یہود و نصاریٰ اور مشرکین عرب سب برابر کے شریک تھے۔ خصوصیت سے اہل طائف سودی کاروبار میں زیادہ مشہور تھے۔ معجم البلدان میں ہے :

”کانوا اصحاب ربا“۔ ”اہل طائف بڑے سود خوار تھے۔“

مشرکین عرب اگر سودی کاروبار کرتے تھے تو کچھ زیادہ تعجب خیز نہیں تھا، لیکن یہود و نصاریٰ کی سود خوری البتہ حیرت انگیز ہے کہ وہ صاحب شریعت اور اہل کتاب تھے اور قرآن کی تصریح ہے کہ ان کو جہاں اور بہت سی باتوں پر ملامت کی گئی تھی اور ان سے روکا گیا تھا، ان میں ایک سود بھی تھا، مگر وہ باز نہ آئے۔

”وَ اكْتَلِبْهُمْ الرِّبَا وَقَدْ نُهُوا عَنْهُ“

”اور ان کے سود لینے کی وجہ سے (لامت کی گئی) حالانکہ وہ اس سے روکے گئے تھے۔“

البتہ عربوں کا خیال تھا کہ ربا بھی ایک قسم کی تجارت ہے۔ قرآن میں ہے :

”قَالُوا إِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبَا“

”ان لوگوں نے کہا بیع مثل ربا کے ہے۔“

بہر حال یا تو یہ لعنت یہود کے ذریعہ عربوں میں آئی۔ یا عربوں کے اثر سے یہود اس میں مبتلا ہوئے، دونوں باتوں کا امکان ہے۔

لیکن سورہ مائدہ میں جہاں یہود کے ان مصائب کا جو بہت قدیم زمانہ سے ان میں موجود تھے، تذکرہ ہے۔ ان میں ایک سود خوری بھی ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ بہت قدیم زمانہ سے وہ اس میں مبتلا تھے۔ اس کے برخلاف عربوں کی تجارت کی تاریخ زیادہ قدیم نہیں ہے۔ اس لئے غالب گمان یہ ہے کہ اس طریق تجارت کو یہودی نے فروغ دیا ہوگا، جس کا ایک ثبوت یہ ہے

کہ رہا کا جتنا عام رواج یہود میں تھا اور اس کی جتنی سخت سے سخت شرحیں وہ مقرر کرتے تھے، عرب اس میں ان سے پیچھے تھے۔

مدینہ منورہ رہن وارتھان کا طریقہ بھی یہود اور عرب دونوں میں رائج تھا۔ خصوصیت سے مدینہ اور خیبر کے یہودیوں میں یہ بہت عام تھا۔ یہ بھی سود خواری ہی کی ایک شاخ تھی، مگر اس کو بھی وہ ایک قسم کی تجارت سمجھتے تھے۔

صنعت و حرفت : صنعت و حرفت کا رواج اگرچہ جزیرہ عرب کے تمام باشندوں میں تھا، مگر یہود اس میں بہت ممتاز تھے اور وہ عموماً کپڑے، اسلحے، سونے اور لوہے کا کام کرتے تھے اور بعض حصوں کے یہودیوں میں لکڑی کی صنعت بھی تھی۔ روئی کی کٹائی اور کپڑے کی بنائی میں مردوں کے ساتھ عورتیں بھی حصہ لیتی تھیں۔ یثرب کے یہودیوں میں تو کپڑے کی صنعت بہت کم تھی، مگر مرقا، دومۃ الجندل اور یمن کے یہودی اس میں بڑی مہارت رکھتے تھے۔

اسلحہ سازی یہود کا خاص پیشہ تھا۔ یہود جس جگہ بھی آباد تھے، یہ صنعت ان میں موجود تھی۔ مدینہ میں بنو قینقاع اور خیبر کے یہودی اس میں بہت ممتاز تھے۔ اس زمانہ کے ہر قسم کے مروج اسلحے مثلاً تلوار، نیزے، ڈھال، خود اور زرہ وہ تیار کرتے تھے۔ خیبر کے یہود تو شاید منجیق تک جو اس وقت کا سب سے ترقی یافتہ اسلحہ تھا، تیار کرتے تھے۔ غزوہ خیبر میں انہوں نے مسلمانوں کے خلاف اسے استعمال بھی کیا تھا۔ کیا عجب ہے کہ مسلمانوں کو منجیق یہیں سے ہاتھ لگی ہو، جس کو انہوں نے بعد میں طائفہ وغیرہ کی جنگ میں استعمال کیا۔

اس صنعت کو وجہ سے یہود اپنے کو دفاعی حیثیت سے بہت زیادہ مضبوط اور مامون تصور کرتے تھے اور اس کی وجہ سے ان میں ایک قسم کا غرور و تکبر بھی پیدا ہو گیا تھا۔ چنانچہ بنو قینقاع نے آنحضرت ﷺ سے بطور تحدی کے کہا تھا کہ ہم سے مقابلہ ہوگا تو معلوم ہوگا۔

فن تعمیر میں بھی عربوں کے مقابلہ میں یہود زیادہ ترقی یافتہ تھے۔ مدینہ اور خیبر کے یہودیوں کے بعض مکانات قلعوں کے نشانات بھی باقی ہیں، جو ان کے ذوق تعمیر کے شہادت دیتے ہیں۔

عربی ادب میں یہود کا حصہ :

یہود کی مادری زبان عبرانی تھی، مگر جزیرہ عرب میں آکر ان کی زبان رفتہ رفتہ بالکل عربی ہو گئی تھی۔ ان میں عبرانی زبان مذہبی حیثیت سے اب بھی باقی تھی، جس کو ان کے علماء و احبار جانتے تھے۔

سیر الصحابہ (جلد ششم) ۳۰۲ اہل کتاب صحابہ و تابعین (حصہ دوازدہم)

اس میں مذہبی کتابیں تھیں اور اسی زبان میں وہ ان کی تلاوت کرتے تھے، مگر عوام شاید اس قدر عبرانی نہیں جانتے تھے۔

سیدنا "لا تعلمون الكتاب الا اعانی"

"ان میں بعض ہیں جو کتاب کا علم نہیں رکھتے، مگر صرف خواہشات۔"

بخلاف اس کے ان کی روزمرہ کی زبان اور ان کی شاعری کی زبان عربی تھی اور اسی میں وہ کاروبار اور معاہدہ صلح و جنگ کرتے تھے۔ یہ ضرور ہے کہ عبرانی زبان کی سینکڑوں ترکیبیں، مذہبی اصطلاحیں اور تمدنی و معاشرتی الفاظ ان کی زبان پر چڑھے ہوئے تھے، جو ان کے ذریعہ سے عربی زبان میں داخل ہوئے۔ خود قرآن مجید میں ایسے متعدد الفاظ موجود ہیں، جن کے متعلق مفسرین نے لکھا ہے کہ عبرانی زبان سے عربی میں آئے ہیں۔

مثلاً جر کا لفظ عربی لوب اور خود قرآن میں مستعمل ہے۔ عبرانی میں ابتدا اس کے معنی رفیق (٦٣٣) کے تھے۔ پھر یہ گروہ اور مذہبی فرقہ کے معنی میں استعمال ہونے لگا۔ اس کے بعد عالم کے معنی میں استعمال ہوا، اور اس وقت عربی زبان میں اسی معنی میں مستعمل ہے۔ اسی طرح نسیئ کے لفظ کے متعلق بعض متشرقین نے لکھا ہے کہ یہ عبرانی لفظ ہے۔ عبرانی میں الناسی (دن - N) اس شخص کو کہتے ہیں جو مہینوں کو مقدم و مؤخر کرتا تھا۔ عربی مؤرخین لکھتے ہیں کہ عربوں میں نسیئ کا رواج سب سے پہلے بنو کنانہ میں شروع ہوا۔ اوپر ذکر آچکا ہے کہ بنو کنانہ میں یہودیت موجود تھی۔ اس لئے ممکن ہے کہ یہ طریقہ انہوں نے یہودیوں سے سیکھا ہو۔ اور پھر عربوں میں اس کو رواج دیا ہو۔ اسی خیال کی تائید مقریزی اور بیرونی کے بیان سے بھی ہوتی ہے۔ انہوں نے لکھا ہے کہ عمل کبسیہ اہل عرب یہود سے دو سو برس قبل اسلام سیکھا تھا۔

لفظ اطام کے متعلق بھی بحث ہے کہ یہ خالص عربی لفظ ہے، یا عبرانی۔ اس لفظ کے جتنے عربی مشتقات ہیں، ان سب میں ارتفاع، بلندی، حفاظت اور بند کرنے کے معنی پائے جاتے ہیں۔ جو اس بات کی دلیل ہے کہ یہ عبرانی سے عربی میں آیا ہے، اس لئے کہ عربی میں اطم تقریباً ان ہی مذکورہ معنوں میں مستعمل ہے۔ ظہور اسلام کے وقت یہ لفظ عام طور پر قلعوں اور اونچے ٹیلوں کے معنی میں بولا جاتا تھا۔ مگر یہود خصوصیت سے اطم کو قلعہ کے علاوہ ان مقامات کے لئے بھی استعمال کرتے تھے، جن میں وہ جمع ہو کر مشورہ کرتے تھے۔ یہ لفظ زیادہ تر شمالی حجاز میں مستعمل تھا۔ عرب کے دوسرے حصوں میں

سیر الصحابہ (جلد ششم) ۳۰۳ اہل کتاب صحابہ و تابعین (حصہ دوازدہم)

اس کا استعمال شاید نہیں تھا اور اگر تھا تو بہت کم، جو اس بات کا ثبوت ہے کہ یہ یہود کے ذریعے یہاں آیا۔ ان وجوہ کی بنا پر اسے عبرانی کہنا زیادہ صحیح ہے۔

امام سیوطی نے قرآن کے ان جملوں کو عبرانی سے ماخوذ بتایا ہے۔
 کفر عنہم سیاتہم اس کے معنی عبرانی میں معانہم ہیں۔ اخلد الی الارض کے معنی عبرانی میں رکن ہیں۔ انا هدنا الیک کے معنی ثنا الیک ہیں۔

ان الفاظ کو بھی عبرانی الاصل بتایا گیا ہے :

رمز ، مرقوم ، آواہ ، یم ، حطۃ ، اسباط ، راعنا ، بعیر ، لینۃ ، قیسس ، ابلیس ، جہنم ، شیطان ۔

ان میں بعض لفظ ایسے ہیں، جن کے ساتھ ایک دینی اصطلاح اور تاریخ وابستہ ہے۔ ظاہر ہے کہ ان اصطلاحوں اور ان واقعات کی تفصیل سے زیادہ تر یہودی واقف تھے۔ اس لئے اہل عرب ان کے متعلق سوالات کرتے ہوں گے اور وہ ان کی تشریح کرتے ہوں گے، جس سے کتنے نئے واقعات اور کتنے تصورات، کتنے جدید الفاظ سے عربی زبان کا دامن مالا مال ہوتا ہوگا۔ اسی بنا پر اہل عرب یہود کے بارے میں کہتے تھے۔

”لکم علم لیس لنا“۔

”تم لوگوں کے پاس علم ہے، جس سے ہم بے بہرہ ہیں۔“

تحریر کاروانج : اس سلسلہ میں یہ بحث بھی آتی ہے کہ عربی تحریر کاروانج سب سے پہلے کس کے ذریعہ ہوا؟ صاحب فتوح البلدان نے عربی خط پر بحث کرتے ہوئے لکھا ہے کہ سب سے پہلے قبیلہ طے کے چند افراد نے عربی خط ایجاد کیا اور اس کے حروف تہجی کی بنیاد انہوں نے سریانی زبان پر رکھی۔ اس کے بعد ان سے اہل انبار نے اور اہل انبار سے اہل حیرہ نے سیکھا۔ پھر اہل حیرہ سے دومۃ الجندل کے حکمران بشر بن عبد الملک نصرانی نے سیکھا اور انہی نے اس کو مکہ میں روانج دیا۔ پھر آگے لکھا ہے کہ قبیلہ طے کے ان ہی افراد سے بنو کلب اور اہل وادی القرئی نے بھی عربی تحریر سیکھی۔

اس بیان سے اتنا تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ عربوں ہی کی ایجاد ہے، مگر اس کی ایجاد کا جو زمانہ اس میں بیان کیا گیا ہے، وہ ظہور اسلام کے کچھ ہی پہلے کا ہے۔ حالانکہ عربی خط کی تاریخ اس سے قدیم ہے۔

سیر الصحایہ (جلد ششم) ۳۰۴ اہل کتاب صحابہؓ و تابعینؓ (حصہ دوازدہم)

منجم البلدان کا ایک دوسرا بیان یہ ہے :

”كان الكتاب (الكتابة) بالعربية في الاوس والخزرج قليلا وكان بعض اليهود قد علم كتاب العربية وكان تعلمه الصبيان بالمدينة في الزمن الاول“^۱۔

”قبیلہ اوس اور خزرج کے لوگ عربی میں لکھنا پڑھنا بہت کم جانتے تھے۔ مدینہ کے بعض یہود نے بہت قدیم زمانہ سے عربی میں لکھنا پڑھنا سیکھ لیا تھا اور اپنے بچوں کو بھی اس کی تعلیم دیتے تھے۔“

اس بیان کو سامنے رکھ کر تاریخ الیہود کے مصنف نے لکھا ہے کہ :

”ان يهود يشرب كانوا اساتذة العرب في تعلم الكتاب العربية“۔

(ص ۲۰)

”شرب کے یہود عربی تحریر میں عربوں کے استاذ تھے۔“

بلاذری کے بیان سے یہ تو نہیں معلوم ہوتا کہ پورے جزیرہ عرب میں یہود کے ذریعہ عربی تحریر کا رواج ہوا، مگر اتنی بات ضرور ثابت ہوتی ہے کہ شمالی حجاز میں یہودی ہی کے ذریعہ اسے فروغ ہوا۔ یہ قرین قیاس بھی ہے۔ اس لئے کہ تحریر کی ترویج و ترقی تمدن و حضارت کے سایہ میں ہوتی ہے اور وہ اہل عرب میں مفقود تھی، بخلاف یہود کے کہ وہ عربوں کے مقابلہ میں زیادہ متمدن تھے۔ پھر ان کو تجارتی کاروبار میں بھی اس کی ضرورت پڑتی رہی ہوگی۔ ظہور اسلام کے وقت مکہ مدینہ میں جو چند پڑھے لکھے لوگ ملتے ہیں، وہ خود اس بات کا ثبوت ہے کہ تمدنی ضروریات نے انہیں لکھنے پڑھنے پر مجبور کیا۔ ورنہ اس سے پہلے یہ چیز ان میں ناپید تھی۔^۲

شعر و شاعری : شعر و شاعری اہل عرب کے خمیر میں تھی۔ اس کا چرچا ہر محفل اور ہر گھر میں تھا۔ اس کے ذریعہ بڑے بڑے معرکہ سر ہوتے تھے اور اسی کے سہارے قبیلوں اور خاندانوں کی سیادت و قیادت ملتی تھی۔ جزیرہ میں جتنی قومیں آباد تھیں، یہودی، نصرانی یا مجوسی، وہ سب عربوں کے شعر و شاعری سے متاثر ہوئیں اور انہوں نے خود بھی اس میں حصہ لیا اور اس طرح سے عربوں کے بہت سے اخلاق و عادات اور تصورات غیر محسوس طور پر ان میں رواج پا گئے۔

جزیرہ عرب کے یہود میں متعدد خطباء و شعراء پیدا ہوئے۔ ابن سلام نے طبقات الشعراء میں ان کا تذکرہ کیا ہے، مگر ان میں کسی قدیم شاعر کا نام نہیں ہے۔ ان میں بیشتر ظہور اسلام کے وقت موجود تھے، یا اس سے کچھ پہلے گزر چکے تھے، ان کے نام یہ ہیں :

۱۔ فتوح البلدان۔ ص ۲۷۹ ۲۔ اس کی تفصیل کا موقع نہیں، ورنہ اس کے دلائل پیش کئے جاتے۔

۱۔ سمحہ بن عادیہ۔ یہ یہود کے صاحب دیوان اور فحول شعراء میں تھا۔ اس کا دیوان الالب شیخو صاحب المنجد نے بڑے اہتمام سے چھپوایا ہے۔ اس کا زمانہ ظہور اسلام سے کچھ پہلے ہے۔ اس کے لڑکے حضرت رفاعہؓ بھی صحابی ہیں، جن کا تذکرہ اس کتاب میں موجود ہے۔

۲۔ رافع بن الحقیق۔ قبیلہ بنو نضیر سے اس کا تعلق تھا۔ اس نے اسلام کے خلاف اپنے اشعار میں بہت نہر افشانی کی ہے۔ سیرت اور طبقات کی کتابوں میں اس کے بہت سے اشعار موجود ہیں۔

۳۔ کعب بن اشرف۔ یہود مدینہ کا سب سے مشہور شاعر اور ان کا سرگروہ تھا۔ اس کو شاعری پر پوری قدرت تھی۔ اسلام سے اس کو طبعی بغض تھا۔ اس لئے یہ اپنے اشعار کے ذریعہ اسلام کے خلاف خوب زہر اُگلاتا تھا۔ مقتولین بدر کا مرثیہ لکھ کر اس نے قریش سے خراج تحسین وصول کیا۔ ادب و سیرت کی کتابوں میں اس کے طرائی اور دوسرے اشعار کثرت سے ملتے ہیں۔

ان کے علاوہ شریح بن عمران، شعبہ بن غریض، ابوقیس بن رفاعہ، ابوالذیال، درہم بن زید وغیرہ یہودی شعراء کا تذکرہ بھی ابن اسلام نے کیا ہے۔ بعض یہودی شعراء کا تذکرہ اس کتاب میں بھی موجود ہے۔ افغانی میں ایک یہودی شاعر کا تذکرہ موجود ہے۔ جس میں یہودی مقتولین کا مرثیہ کہا تھا۔ اسی طرح صاحب تاریخ انجیس نے ایک خاتون شاعرہ عصماء کا تذکرہ کیا ہے۔

طوالت کے خیال سے ان شعراء کے اشعار نقل نہیں کئے گئے۔ لیکن ان کے اشعار کے مطالعہ سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ عربی شاعری کی عام خصوصیات ان کی شاعری میں بھی بڑی حد تک پائی جاتی ہیں۔ خصوصیت سے سمحہ اور کعب اس حیثیت سے بہت زیادہ ممتاز ہیں۔

شعراء یہود کی شاعری اس حیثیت سے عام عرب شعراء سے ممتاز ہے کہ ان کے اشعار میں مذہبی اصطلاحیں، مذہبی تصورات، انبیاء اور کتب مقدسہ کے نام، خدا و آخرت کے تذکرے کثرت سے ملتے ہیں، جس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ ان کے بہت سے تمدنی اور مذہبی تصورات شاعری کے ذریعہ بھی عربوں میں آگئے ہوں گے۔

اجتماعی ادارے : عربی تاریخوں سے پتہ چلتا ہے کہ بعض مقامات پر یہود کے اجتماعی ادارے بھی قائم تھے۔ خود مدینہ میں بیت المدارس کے نام سے ان کا ایک ادارہ تھا، جس میں ان کے احبار اور صاحب امر یکجا ہو کر آپس میں صلاح و مشورہ کرتے تھے۔ ممکن ہے کہ مراسم عبادت بھی وہ یہیں ادا کرتے ہوں

۱۔ اس کے یہودی یا نصرانی ہونے کی بحث کتاب میں موجود ہے۔ اس لئے ہم یہاں نظر انداز کرتے ہیں۔

۲۔ طبقات الشعراء۔ ص ۱۰۹-۱۱۰ افغانی۔ جلد ۱۹۔ ص ۹۶ ۳۔ جلد ۱۔ ص ۳۰۶

اور یہیں پران کی مذہبی کتابیں بھی محفوظ رہتی ہوں۔ آنحضرت ﷺ اور صحابہ کرامؓ کئی بار بغرض تبلیغ یہاں تشریف لے گئے تھے۔ خصوصیت سے حضرت عمر فاروقؓ کے بارے میں مذکور ہے کہ وہ اکثر مدارس میں جاتے رہتے تھے، جس کی بنا پر یہود ان سے کہتے تھے کہ ہم کو آپ سے بہت انس ہے۔

اس کے علاوہ ان کے قلعے بھی اجتماعی کاموں میں استعمال کئے جاتے تھے۔ خیبر میں ان کے فوجی اور مالی دونوں الگ الگ ادارے تھے اور ان کے علیحدہ علیحدہ ذمہ دار تھے۔

مذہبی اثرات : اوپر ذکر آچکا ہے کہ اہل عرب یہود کو علمی اور مذہبی حیثیت سے ممتاز سمجھتے تھے اور بہت سے امور میں ان کی اقتداء بھی کرتے تھے۔ یہ بھی بیان ہو چکا ہے کہ ادب و شاعری کے ذریعہ ان کی بہت سی مذہبی اصطلاحیں، الفاظ اور تصورات عربی زبان میں داخل ہو گئے تھے۔ اس سلسلہ میں حضرت سلمہؓ نے ظہور اسلام سے قبل کا ایک واقعہ جو قابل ذکر ہے۔ بیان کیا ہے، فرماتے ہیں :

”میرے پڑوس میں قبیلہ بنو اشہل کا ایک یہودی رہتا تھا۔ اس نے ایک دن تمام بنو اشہل کو جمع کیا اور ان کے سامنے قیامت، بعثت بعد الموت، حساب کتاب، میزان، جنت اور دوزخ وغیرہ کے متعلق ایک وعظ کیا اور آخر میں کہا کہ یہ اہل شرک اور بت پرست سے لوگ موت کے بعد دوبارہ زندہ ہونے کے قائل نہیں ہیں۔ اس پر حاضرین نے کہا کہ تم کیا بک رہے ہو؟ کیا مرنے کے بعد ہم لوگ پھر زندہ کئے جائیں گے اور ہمارے اعمال کا محاسبہ ہوگا؟ یہودی نے پھر مجمع کو اس کے بارے میں سمجھایا۔ مجمع نے اس سے دوبارہ مطالبہ کیا کہ وہ اس کی کوئی دلیل اور نشانی بتائے۔ اس نے کہا کہ اس زمین سے ایک نبی پیدا ہوں گے اور وہ اس کے بارے میں بتائیں گے“۔

قرآن مجید سے پتہ چلتا ہے کہ اہل عرب عام طور پر آخرت اور بعثت بعد الموت کے قائل نہیں تھے۔ اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اگرچہ وہ اس کے قائل تو نہیں تھے لیکن یہود کے ذریعہ ان سے آگاہ ضرور ہو گئے تھے۔

سیر کی کتابوں سے پتہ چلتا ہے کہ یہود تین وقت کی نماز پڑھتے تھے۔ ابن الہیسان یہودی عالم جس کا تذکرہ اس کتاب میں آیا ہے۔ اس کے متعلق کتابوں میں ہے کہ وہ پانچ وقت کی نماز پڑھتا تھا۔

نماز کے اعلان کے لئے وہ بوقؑ بجاتے تھے، وہ روزے بھی رکھتے تھے۔

۱۔ روض الانف۔ جلد ۳۔ ص ۳۸ ۲۔ تفسیر طبری۔ جلد ۱۔ ص ۳۲۶ ۳۔ ابن ہشام بحوالہ تاریخ الیہود ۴۔ ایضاً ۵۔ تاریخ الیہود۔ ص ۸۷ ۶۔ سینگ کی طرح کی کوئی چیز ہوتی ہے ۷۔ عام کتب حدیث

ظاہر ہے یہود کے ان مذہبی مراسم کو عرب اپنی آنکھوں سے دیکھتے رہے ہوں گے، ان میں اس کا چرچا رہتا ہوگا اور اس کا اثر بھی ان پر پڑتا رہا ہوگا۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ جہاں جتنے زیادہ یہود آباد تھے، وہاں اسی قدر ان کے اثرات بھی عربوں پر نمایاں تھے۔ مثلاً مدینہ کے عرب یہود رام و رواج اور مذہبی امور سے سب سے زیادہ واقف اور متاثر نظر آتے ہیں اور غالباً اسی تاثر کا نتیجہ تھا کہ انصار نے بہت آسانی سے اسلام قبول کر لیا۔ اس لئے کہ آنحضرت ﷺ کی بعثت اور اسلام کی بنیادی تعلیمات کی حقانیت سے وہ پہلے سے آگاہ ہو چکے تھے۔

سوال یہ ہے کہ عقائد کے لحاظ سے اسلام سے اس درجہ قریب ہونے کے باوجود یہودیوں نے اسلام کے قبول کرنے میں کیوں تاخیر کی اور کیوں لیت و لعل سے کام لیا۔ واقعات سے پتہ چلتا ہے کہ یہود کا صالح طبقہ آپ ﷺ کی نبوت اور اسلام کی حقانیت کا قائل اور اس کی قبولیت کی طرف مائل ضرور تھا، لیکن ان کے کچھ موانع تھے۔ جن کی وجہ سے وہ اس سعادت ابدی سے محروم رہے۔ پھر بھی ان میں جو صاحب عزم اور صاحب ہمت تھے اور ان موانع کا ڈٹ کر مقابلہ کر سکتے تھے، وہ قبول اسلام سے باز بھی نہیں رہے۔ تفصیل آگے آئے گی۔

قبائلی نظام : اوپر یہودیوں کے علمی و تمدنی اثرات کی جو تفصیل پیش کی گئی ہے، اس سے یہ اندازہ ہو گیا ہوگا کہ یہود عربوں کے مقابلہ میں زیادہ متمدن اور صاحب علم تھے، مگر اس کے ساتھ جب ہم ان کی معاشرتی زندگی پر غور کرتے ہیں تو وہ عربوں سے کچھ مختلف نظر نہیں آتے۔ عربوں کی طرح وہ بھی مختلف قبائل میں بٹے ہوئے تھے۔ ہر قبیلہ کا ایک جد اسردار اور علیحدہ نظام تھا اور صلح و جنگ کے مواقع پر وہ اپنی قبائلی مصلحتوں کے تحت ایک دوسرے سے معاملہ کرتے تھے۔ اسی کا اثر تھا کہ متعدد جاہلی اور اسلامی لڑائیوں میں وہ ایک دوسرے کے مقابلہ میں یا ایک دوسرے کے خلاف مدد کرتے نظر آتے ہیں۔ تفصیل آگے آئے گی۔ اسی طرح یہود کا رہن سہن، معاشرت اور وضع و لباس وغیرہ بھی تقریباً وہی تھا جو عربوں کا تھا۔ ان باتوں سے اندازہ ہوتا ہے کہ عربوں کی قبائلی زندگی کا ان پر اچھا خاصا اثر پڑا تھا۔

یہود کی دینی اور اخلاقی حالت :

قرآن مجید نے یہود کی دینی حالت اور اخلاقی معائب کا جو نقشہ کھینچا ہے، اس میں دنیا کے تقریباً تمام یہود مبتلا تھے۔ مگر ہمارا موضوع بحث صرف جزیرہ عرب کے یہود ہیں۔ اس لئے قرآن مجید نے ان کے جن معائب کی نشان دہی کی ہے، ہم اس کی تفصیل پیش کرتے ہیں۔

دینی گمراہیاں : تمام انبیاء کرام کی تعلیم میں یہ بات مشترک رہی ہے کہ عزت و شرافت اور آخرت کی فلاح و سعادت کا مدار اور خدا کے نزدیک محبوبیت اور مقبولیت کا معیار ایمان و عمل ہے نہ کہ نسل و ذات۔ مگر یہودیوں کی ایک بنیادی غلطی اور گمراہی یہ تھی کہ انہوں نے شرافت و نجابت کا معیار ہی سرے سے بدل دیا۔ اس کا مدار ایمان و عمل کے بجائے نسل و ذات پر رکھا۔ ان کے نزدیک یہودی گھرانے میں پیدا ہونا ہی دنیا کا سب سے بڑا شرف اور نجات آخرت کے لئے کافی تھا۔ کہتے تھے ، کہ

”نَحْنُ أَبْنَاءُ اللَّهِ وَأَحِبَّاءُهُ“۔ (مامدہ)

”ہم اللہ کے لڑکے اور اس کے محبوب ہیں۔“

اور ہم سمجھتے تھے ، کہ

”لَنْ تَمْسَنَا النَّارُ إِلَّا أَيَّامًا مَّعْدُودَةً“۔ (بقرہ)

”ہم دوزخ میں چند دن کے لئے ڈالے جائیں گے۔“

ان کے بارے میں نبی کو خطاب کر کے فرمایا گیا :

”قُلْ إِنْ كَانَتْ لَكُمْ الدَّارُ الْآخِرَةُ عِنْدَ اللَّهِ خَالِصَةً مِّنْ دُونِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ“۔ (بقرہ)

”آپ ﷺ کہہ دیجئے ، کہ اگر تمہارے لئے (اے یہود) آخرت کی فلاح مخصوص ہے تو پھر موت کی تمنا کر کے دکھاؤ۔ اگر تم سچے ہو۔“

دوسری جگہ قرآن مجید نے ان کو خطاب کر کے فرمایا ہے :

”قُلْ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ هَادُوا إِنْ زَعَمْتُمْ أَنَّكُمْ أَوْلِيَاءُ لِلَّهِ مِنْ دُونِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ“۔ (جمہ)

”آپ فرما دیجئے کہ اے یہود! اگر تم کو زعم ہے کہ تم اللہ کے محبوب ہو، تو موت کی تمنا کرو، اگر تم سچے ہو۔“

اسی غلط تصور کا نتیجہ تھا کہ ان کے نزدیک کسی بد عقیدگی، بد معاملگی اور بد اخلاقی کی کوئی اہمیت باقی نہیں رہ گئی تھی۔ یہودیت کی سند مل جانے کے بعد وہ سمجھتے تھے کہ ان کی کوئی برائی برائی نہیں رہ جاتی۔ یہی وجہ تھی کہ ان میں وہ تمام برائیاں گھس آئیں، جن کا کم از کم ایک صاحب شریعت قوم میں

۱۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے اس سلسلہ میں متعدد یہود مدینہ کا نام بھی لیا ہے۔ طبری میں ان کا قول ہے کہ آنحضرت ﷺ مدینہ تشریف لائے تو یہود میں عام طور پر یہ خیال تھا۔

سیر الصحابہ (جلد ششم) ۳۰۹ اہل کتاب صحابہؓ و تابعینؓ (حصہ دوازدہم)

تصور تک نہیں کیا جاسکتا۔ عقائد میں سب سے اہم اور اساسی چیز عقیدہ توحید ہے۔ اسی کی صحت اور اسی میں اخلاص کی بنیاد پر سارے دین کی عمارت تعمیر ہوتی ہے۔ اگر اس میں کہیں سے کوئی نقص اور کمی آجاتی ہے تو پھر دین کمزور اور اس کے دوسرے اقدار بالکل بے روح ہو کر رہ جاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ تمام انبیاء کی بنیادی تعلیم یہی رہی : کہ

”لَا إِلَهَ إِلَّا أَنَا فَاعْبُدُونِ“^۱

”میرے سوا کوئی معبود نہیں۔ تو تم میری ہی عبادت کرو۔“

یہود ایک صاحب شریعت قوم تھی۔ جس کو حضرت موسیٰؑ کے ذریعہ پہلے ہی دن یہ سبق

دیا گیا تھا : کہ

”لَا إِلَهَ إِلَّا أَنَا فَاعْبُدْنِي وَأَقِمِ الصَّلَاةَ لِذِكْرِي“ (طہ)

”میرے سوا کوئی معبود نہیں۔ تو تم میری ہی عبادت کرو اور میری ہی یاد کے لئے نماز

پڑھا کرو۔“

مگر یہود کی تاریخ بتاتی ہے کہ انہوں نے ہمیشہ عقیدہ توحید میں رخسہ اندازی کی اور اس چشمہ صافی کو کفر و شرک اور فسق و فجور سے گدلا کرنے کی برابر کوشش کی۔ جزیرہ عرب کے یہود بھی اس جرم میں دنیا کے دوسرے یہود سے پیچھے نہیں تھے۔ قرآن مجید تو واضح طور پر ان پر کفر و شرک کے ارتکاب کا الزام عائد کرتا ہے۔

”لَعَنَهُمُ اللَّهُ بِكُفْرِهِمْ“^۱۔ (نساء)

”ان کے کفر کی وجہ سے اللہ نے ان پر لعنت کی۔“

سورہ نساء کے آخر میں ان کے بارے میں و بکفرهم کے الفاظ بار بار دہرائے گئے ہیں۔ گویا کفر، کفر باللہ نہ ہو۔ مگر کفر باحکام اللہ تو ضرور تھا۔ جیسا کہ ایک جگہ قرآن مجید نے ان کے بارے میں ”وَ أَكْثَرُ هُمْ الْفَاسِقُونَ“^۲ اور ان میں سے اکثر فاسق ہیں۔ اسی بنا پر قرآن مجید ان سے کہتا ہے : کہ

”تَعَالَوْا إِلَى كَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ أَلَّا نَعْبُدَ إِلَّا اللَّهَ“ (آل عمران)

”(اے اہل کتاب) آؤ ایک ایسی بات کی طرف جو ہمارے اور تمہارے درمیان برابر

ہے۔ یہ کہ بجز اللہ کے کسی اور کی عبادت نہ کریں۔“

وہ شرک میں بھی مبتلا تھے، جیسا کہ قرآن مجید میں ہے کہ وہ عزیر کو خدا کو بیٹا کہتے تھے۔
 ”وَقَالَتِ الْيَهُودُ عُزَيْرٌ ابْنُ اللَّهِ“
 ”اور یہود نے کہا کہ عزیر خدا کے بیٹے ہیں۔“

انہوں نے اپنے علماء اور احبار کو وہ مرتبہ اور درجہ دے دیا تھا جو صرف اللہ ہی کے لئے مخصوص ہے۔

”اتَّخِذُوا أَحْبَارَهُمْ وَرُهَبَانَهُمْ أَرْبَابًا مِنْ دُونِ اللَّهِ“ (توبہ)
 ”انہوں نے خدا کو چھوڑ کر اپنے علماء و مشائخ کا اپنا رب بنا رکھا ہے۔“

یہ آیت یہود اور انصار دونوں کو بارے میں ہے۔ انصاری کے سوء اعتقاد کے بارے میں حضرت عدی بن حاتم کی روایت حدیث کی تمام کتابوں میں مذکور ہے۔ یہود سے متعلق اس آیت کی تفسیر میں طبری میں یہ روایت ہے : کہ

”قَالَ الرَّبِّيعُ قُلْتُ لِأَبِي الْعَالِيَةِ كَيْفَ كَانَتِ الرُّبُوبِيَّةُ فِي بَنِي إِسْرَائِيلَ
 قَالَ مَا أَمْرُونَا أَنْتُمْ نَا فَانْهَوْنَا عَنْهُ انْتِهَيْنَا لِقَوْلِهِمْ وَهُمْ يَجِدُونَ فِي
 كِتَابِ اللَّهِ مَا أَمْرُوهُ وَمَا نَهَوْا عَنْهُ فَاسْتَنْصَحُوا الرِّجَالَ“۔

”ربیع نے ابی العالیہ سے پوچھا کہ بنو اسرائیل نے کس طرح سے اپنے احبار کو ارباب بنالیا تھا۔ انہوں نے فرمایا کہ جس چیز کا وہ احبار حکم دیتے تھے، اس کو ہم کرتے تھے اور جس بات سے وہ روکتے تھے، ہم رک جاتے تھے۔ یہ سب ان کے کہنے کی وجہ سے کرتے تھے۔ حالانکہ وہ باتیں کتاب میں موجود ہوتی تھیں۔ چنانچہ اس طرح انہوں نے احبار و علماء کے اقوال و افعال کو اختیار کر لیا اور کتاب اللہ کو پس پشت ڈال دیا۔“

اس کفر و طغیان نے ان کے قلوب کو اتنا سخت اور ان کے ذہن و دماغ کو اس قدر ماؤف کر دیا کہ وہ خدائے قدوس کے بارے میں گستاخانہ اور طنز آمیز الفاظ استعمال کرنے لگے تھے۔

۱۔ بعض مستشرقین نے لکھا ہے کہ صحف قدیم میں اس کا کوئی تذکرہ نہیں ہے اور نہ اس وقت یہود کا یہ عقیدہ ہے۔ یہ بحث طویل ہے۔ اس لئے ہم نظر انداز کرتے ہیں۔ مختصراً اتنا لکھ دینا کافی ہے کہ یہودیوں میں یہ خیال عیسائیوں کے اثر اور ان کی ضد سے پیدا ہوا ہے اور عرب یہودیوں میں ظہور اسلام کے وقت یہ عقیدہ تھا۔ چنانچہ طبری وغیرہ نے متعدد یہود کا نام بھی لیا ہے۔ مثلاً فتاح، سلام بن مشکم وغیرہ۔ پھر ان کے اس قول نحن ابناء الله واحباءه اور اتخذوا احبارهم وغیرہ کو سامنے رکھا جائے تو اس میں کوئی تعجب باقی نہیں رہ جاتا۔

۲۔ اس انداز بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ ابوالعالیہ بھی اہل کتاب میں تھے۔ یہ غلام تھے۔ اس لئے ان کے اہل کتاب ہونے کا اور بھی قوی امکان ہے۔ ج طبری۔ جلد ۱۰۔ ص ۷۰

”وَقَالَتِ الْيَهُودُ يَدُ اللَّهِ مَغْلُولَةٌ“

”یہود کہتے تھے کہ اللہ کا ہاتھ تنگ ہو گیا ہے۔“

۔۔ یہی نہیں بلکہ وہ کہتے تھے :

”إِنَّ اللَّهَ فَقِيرٌ وَنَحْنُ أَغْنِيَاهُ“

”اللہ فقیر اور ہم غنی ہیں۔“

کتاب الہی (توراة) کے بارے میں بھی ان کا عقیدہ کچھ اچھا نہیں تھا۔ وہ کتاب کی تاویل و تفسیر اپنی خواہشات اور دنیاوی اغراض کے تحت کرتے تھے۔ قرآن مجید میں ہے :

”يُحَرِّفُونَ مِنْ بَعْدِ مَا عَقَلُوهُ يَكْتُبُونَ الْكِتَابَ بِأَيْدِيهِمْ ثُمَّ يَقُولُونَ هَذَا

مِنْ عِنْدِ اللَّهِ لِيَسْتَرْوَاهُ ثَمَنًا قَلِيلًا“ (بقرہ)

”پھر اس کو بدل ڈالتے تھے۔ اس کے سمجھنے کے بعد، اپنے ہاتھوں سے لکھتے ہیں اور کہتے ہیں

کہ اللہ کی طرف سے ہے۔ اس سے غرض یہ ہوتی ہے کہ کچھ روپے پیسے حاصل کریں۔“

جب اس معنوی تحریف کے کام نہ چلتا تو کلام الہی کو چھپا دیتے، (ماندہ)۔ اگر ضرورت پڑتی تو لفظی تحریف بھی کر ڈالتے۔

”يُحَرِّفُونَ الْكَلِمَ مِنْ بَعْدِ مَوَاضِعِهِ“ (ماندہ)

”کلام الہی کا اس کے موقع و محل سے بدل دیتے ہیں۔“

”يُحَرِّفُونَ الْكَلِمَ عَنْ مَوَاضِعِهِ“ (ماندہ)

”وہ کلام الہی کو اس کے موقع سے بدلتے رہتے ہیں۔“

یہ تو پڑھے لکھے یہودی کا حال تھا، جو اپنی ہر خواہش اور غرض کی تکمیل کے لئے کتاب اللہ کا آلہ کار بناتے تھے اور اس کی من مانی تفسیریں کرتے تھے، لیکن ان کے عوام جو اس اسلحہ کا استعمال نہیں جانتے تھے، وہ صرف اپنی خواہشوں اور تمناؤں ہی کو آخری سند سمجھتے تھے۔

”وَمِنْهُمْ أُمِّيُونَ لَا يَعْلَمُونَ الْكِتَابَ إِلَّا أَمَانِي“ (بقہ ۱۰)

”اور ان میں بہت سے ناخواندہ ہیں، جو کتابی علم نہیں رکھتے، لیکن دل خوش کن کی باتیں۔“

ختم رسل ﷺ کی بعثت کے بارے میں توہرات میں جو پیش گوئیاں اور بشارتیں تھیں اور جن کو پڑھ کر متعدد صالح الفطرت یہود حلقہ بگوش اسلام ہوئے، ان کو انہوں نے چھپانے کی کوشش کی۔

۱۔ اس سلسلہ میں متعدد واقعات عہد نبوی میں پیش آئے، جن میں سے بعض کا تذکرہ اوپر آچکا ہے۔

سیر الصحابہؓ (جلد ششم) ۳۱۲ اہل کتاب صحابہؓ و تابعینؓ (حصہ دوازدہم)

اسی طرح احادیث میں آتا ہے کہ رجم کے متعلق تورات کے حکم کو بھی انہوں نے پوشیدہ رکھنا چاہا۔ مگر بعض حق پرست علمائے یہود نے اسے آپ پر ظاہر کر دیا اور آپ نے اس کے مطابق عمل کیا۔

(بخاری و مسلم)

انبیاء و رسل کے ساتھ بھی انہوں نے ہمیشہ طغیان و سرکشی ہی کی روش اختیار کی، یہاں تک کہ ان نفوس قدسیہ میں سے بعض کو انہوں نے قتل کر ڈالا۔ اسی وجہ سے حضرت داؤد اور حضرت عیسیٰؑ نے ان پر لعنت کی۔ (مائدہ)

جزیرہ عرب کے یہود بھی اس بارے میں اپنے پیشرروں سے کچھ مختلف نہیں تھے۔ وہ حضرت ابراہیم کے بارے میں کہتے تھے کہ وہ یہودی تھے (آل عمران)۔ قرآن نے ان کے اس خیال کی تردید کی (آل عمران)۔ نبوت و رسالت صرف یہود کے لئے مخصوص سمجھتے تھے (جمہ)۔ آنحضرت ﷺ کے ساتھ بھی انہوں نے وہ سب کچھ کیا، جو ان کے پیش روؤں نے اپنے وقت کے انبیاء کرام علیہم السلام کے ساتھ کیا، تفصیل آگے آتی ہے۔

فرشتوں کے متعلق ان کے خیالات عربوں سے بالکل مختلف تھے۔ عرب ان کو خدا کا شریک ٹھہراتے تھے اور یہ ان سے دشمنی و عداوت رکھتے تھے۔ خصوصیت سے حضرت جبرائیل کے بارے میں وہ کہتے تھے کہ یہ ان کا قدیم دشمن ہے۔ قرآن نے ان کے اس خیال کی شدت سے تردید کی۔

مشرکانہ اوہام و خرافات جادو گنڈا، اور عملیات وغیرہ پر ان کا اعتقاد تھا۔ لبید، عاصم وغیرہ بہت سے یہودی عامل تھے، جو کنگھیوں اور بالوں میں منتر پڑھ کر پھونکتے تھے۔ یہ ان کے دینی مصائب کا ایک مختصر خاکہ ہے۔ جن میں وہ دور رسالت ﷺ تک مبتلا تھے۔ اب ان کے اخلاق و معاملات پر روشنی ڈالی جاتی ہے۔

اخلاق و معاملات : اخلاق و معاملات کے اعتبار سے جزیرہ عرب کے یہود نہایت ہی گرے ہوئے تھے۔ یہ اخلاقی گراؤ ان ہی تک محدود نہیں تھی، بلکہ اس میں ہر جگہ کے یہود برابر کے شریک تھے۔ ان کے اخلاق و اعمال حد درجہ متبدل، رکیک اور قابل نفیس تھے۔ جن کا انسانیت، شرافت اور فضائل اخلاق سے کوئی دور کا بھی تعلق باقی نہیں رہ گیا تھا۔ سورہ بقرہ اور آل عمران میں خاص طور سے ان کے ایک ایک عیب کی نشاندہی کی گئی ہے۔ ذیل کی سطروں میں ان کے چند بنیادی عیوب کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔

۱۔ اس سلسلہ میں طبری نے آنحضرت ﷺ اور حضرت عمرؓ سے یہود کی گفتگو کو نقل کیا ہے۔ جلد ۱۔ ص ۳۲۷

۲۔ صحیح بخاری۔ جلد ۲۔ کتاب الطب۔

سیر الصحابہؓ (جلد ششم) ۳۱۳ اہل کتاب صحابہؓ و تابعینؓ (حصہ دوازدہم)

نفاق : یہود حجاز جن اخلاقی کمزوریوں کا شکار تھے۔ ان میں سب سے اہم منافقت ہے۔ یہ روح انسانی کے لئے ایسا روگ ہے، جو انسان کی تمام اخلاقی خوبیوں اور فطری صلاحیتوں کو ختم کر دیتا ہے۔ جس فرد یا جماعت میں یہ مرض پیدا ہو جائے، اس سے کسی خیر کی امید نہیں کی جاسکتی۔ چنانچہ یہود حجاز کی تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ ان میں بھی نفاق نے اچھی طرح گھر کر لیا تھا۔ انھوں نے اسلام کے بارے میں مسلسل نفاق کا ثبوت دیا اور ان کی وجہ سے مدینہ منورہ میں ایک ایسا گروہ تیار ہو گیا تھا جو مرتے دم تک اس روگ میں مبتلا رہا اور اسلام اور مسلمانوں کو نقصان اور اذیت پہنچاتا رہا۔ قرآن کہتا ہے :

”وَإِذَا لَقَوْكُمْ قَالُوا آمَنَّا وَإِذَا خَلَوْا عَضُّوا عَلَيْكُمُ الْأَنَامِلَ مِنَ الْغَيْظِ قُلْ مُوتُوا بِغَيْظِكُمْ“۔ (آل عمران)

”وہ لوگ جب تم سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے اور جب تم سے جدا ہوتے ہیں تو تم پر اپنی اپنی انگلیاں کاٹ کاٹ کر کھاتے ہیں مارے غصہ کے۔ آپ کہہ دیجئے کہ مر رہو اپنے غصہ میں۔“

سورہ بقرہ (ع-۸) میں اسی طرح کی ایک آیت موجود ہے۔ ”دوسروں کو بھی اس نفاق

پر ابھارتے تھے۔

”وَقَالَتْ طَائِفَةٌ مِّنْ أَهْلِ الْكِتَابِ آمَنُوا بِالَّذِي أُنْزِلَ عَلَى الَّذِينَ آمَنُوا وَجَهَ النَّهَارِ وَكَفَرُوا بِالْآخِرَةِ لَعَلَّهُمْ يُوجِعُونَ“۔ (آل عمران)

”بعض اہل کتاب نے کہا کہ ایمان لے آؤ اس پر جو مسلمانوں پر نازل ہوا، (یعنی قرآن) اور صبح کے وقت اور شام تک اس سے انکار کر دو۔ شاید کہ وہ پھر جائیں۔“

آنحضرت ﷺ اور اسلام کے ساتھ انھوں نے مستقلاً جو منافقانہ طرز عمل اختیار کر رکھا تھا، اس کی پوری تصویر ان آیتوں میں آگئی ہے۔ وہ مسلمانوں ہی کے ساتھ نفاق نہیں برتتے تھے، بلکہ اس عادت بد کی وجہ سے انہوں تک سے منافقانہ پیش آتے تھے اور ایک دوسرے کو دھوکا اور فریب دیتے تھے۔ غزوات کے سلسلہ میں متعدد مواقع پر انھوں نے خود ایک دوسرے کو دھوکا دیا۔

حرام خوری : حرام خوری بھی ان کا شاید قومی خاصہ ہو گیا تھا۔

”اَكْلُونَ لِلشُّحِّ“۔ (مائدہ) ”یہ بڑے حرام کھانے والے ہیں۔“

سورہ مائدہ میں ان کی حرام خوری کو متعدد بار دہرایا گیا ہے۔

۱۔ مثلاً غزوہ بنی نضیر اور غزوہ خندق وغیرہ کے مواقع پر۔

سیر الصحابہؓ (جلد ششم) ۳۱۴ اہل کتاب صحابہؓ و تابعینؓ (حصہ دوازدہم)

ان کے سودی کاروبار کا ذکر آچکا ہے۔ رشوت ستانی اور ناجائز طریقہ پر شکم پری کے بھی یہ عادی ہو گئے تھے۔

”وَ أَكْلِهِمْ أَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ“۔ (نساء)

”اور ان کے ناحق طریقہ سے مال کھانے کی وجہ سے۔“

دوسروں کا حق مارنے کے لیے جھوٹی قسمیں کھا جاتے تھے۔

”إِنَّ الَّذِينَ يَشْتَرُونَ بِعَهْدِ اللَّهِ وَأَيْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِيلًا“۔

”یقیناً جو لوگ حقیر رقم لے لیتے ہیں بمقابلہ اس عہد کے جو انہوں نے اللہ سے کیا ہے اور

بمقابلہ اپنے قسموں کے۔“

اس سلسلہ میں حضرت اشعثؓ اور ایک یہودی کا واقعہ تفسیروں میں ملتا ہے۔ ان کے علماء

واجباً بھی دوسروں کا مال ہڑپ کر لیتے تھے۔ (توبہ)

حرص و طمع : یہ مالدار اور خوش حال تھے، مگر ان کی حرص و طمع کا یہ حال تھا کہ دو دو چار چار روپے کے لئے معصوم بچوں کو ہلاک کر ڈالتے تھے۔ سودی قرضوں میں بچوں اور عورتوں کو رہن رکھ لیتے تھے۔ ان کے پاس سونے چاندی کا ڈھیر تھا، مگر راہ حق میں ایک پیسہ بھی نہیں خرچ کر سکتے تھے۔

”وَالَّذِينَ يَكْنِزُونَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يَنْفِقُونَهَا فِي سَبِيلِ اللَّهِ“۔ (توبہ)

”(حرص کی وجہ سے) جو لوگ سونا چاندی جمع کر رکھتے ہیں اور ان کو اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے۔“

”أَمْ لَهُمْ نَصِيبٌ مِّنَ الْمُلْكِ فَإِذَا أَلَا يُوْتُونَ النَّاسَ نَقِيرًا“۔ (نساء)

”کیا ان کے پاس سلطنت کا کوئی حصہ ہے، اگر ہوتا تو وہ ایک ذرہ برابر اس میں سے دوسروں کو نہ دیتے۔“

خیانت : خیانت حرص و طمع ہی کا نتیجہ ہے۔ چنانچہ ان میں یہ عیب بھی موجود تھا۔

”وَمِنْهُمْ مَنْ إِن تَأْمَنهُ بِدِينَارٍ لَا يُوَدِّهِ إِلَيْكَ إِلَّا مَا ذُمَّتْ عَلَيْهِ فَإِنَّمَا“۔

(آل عمران)

”ان میں بعض ہیں کہ تم اگر ان کے پاس ایک دینار بھی امانت رکھو تو تم کو وہ ادا نہ کریں گے، جب تک تم ان کے سر پر سوار نہ ہو جاؤ۔“

سیر الصحابہ (جلد ششم) ۳۱۵ اہل کتاب صحابہ و تابعین (حصہ دوازدہم)

۱۰۰ پھر اس خیانت کو اپنے لئے جائز اور اپنا پیدائشی حق سمجھتے تھے۔
 ”قَالُوا لَيْسَ عَلَيْنَا فِي الْأَمِينِ سَبِيلٌ“۔ (آل عمران)
 ۱۰۱ ”(یہ خیانت) اس لئے ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ غیر اہل کتاب (کے مال) کے بارے میں ہم پر کوئی جرم نہیں۔“

بغض و حسد : بغض و حسد کا جذبہ ایک بدترین جذبہ ہے۔ اس کی موجودگی میں کبھی حق و انصاف کا جذبہ آدمی کے دل میں پرورش نہیں پاتا۔ جس کے اندر یہ جذبہ موجود ہوتا ہے، اس کو دوسروں کی خوبیاں اور بھلائیاں نظر ہی نہیں آتیں، یا اگر نظر آتی ہیں تو وہ ان کی طرف سے صرف نظر کر لیتا ہے۔ اگر کسی کو کوئی شرف اور فضل حاصل ہو جاتا ہے تو ایسے شخص کو انتہائی تکلیف ہوتی ہے۔ یہودی زندگی اس بُرے جذبہ کا مکمل نمونہ تھی۔

”أَمْ يَحْسُدُونَ النَّاسَ عَلَى مَا آتَاهُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ“۔ (نساء)
 ”کیا دوسرے آدمیوں سے ان چیزوں پر جلتے ہیں، جنہیں اللہ نے ان کو اپنے فضل سے عطا کی ہیں۔“

”هَآ أَنْتُمْ أَوْلَاءُ تُحِبُّونَهُمْ وَلَا يُحِبُّونَكُمْ“۔ (آل عمران)
 ”ہاں تم ایسے ہو کہ ان لوگوں سے محبت رکھتے ہو اور یہ تم سے قطعاً محبت نہیں رکھتے۔“
 قرآن نے ان کے اسی بغض و حسد کی بنا پر فرمایا : کہ
 ”مَوْتُوا بِبَغْضِكُمْ“۔ ”اپنے غم سے مر رہو۔“

دروغ گوئی اور بد عہدی : دروغ بد عہدی اور جھوٹی قسمیں کھانا ان کا شیوہ تھا۔
 ”سَمْعُونَ لِلْكَذِبِ“۔ (مائدہ)

”یہ لوگ غلط باتوں کے سننے کے عادی ہیں۔“

”اتَّخَذُوا أَيْمَانَهُمْ جُنَّةً“۔ (مجادلہ)

”انہوں نے اپنی قسموں کا ڈھال بنا رکھا ہے۔“

عہد نبوی میں ایک دروغ گوئی اور بد عہدی کی بے شمار مثالیں ملتے ہیں۔ معاہدہ کے ذکر میں اس کی تفصیل آئے گی۔

اسی طرح وہ فواحش اور بے حیائی سے بھی باز نہیں رہتے تھے، عرب عورتوں کو چھیڑا کرتے تھے اور ان سے کھلا ہوا مذاق کرتے تھے۔ کعب بن اشرف ان کا مشہور شاعر تھا، جس کا یہ شعر تھا۔

ایک مرتبہ ایک انصاری نے اس سے قرض مانگا تو اس نے ان سے برجستہ کہا اس کے بدلے اپنی بیوی کو میرے یہاں گزوی رکھ دو۔ اس کی دناؤ اور اس کا سفلہ پن اس حد تک پہنچ گیا تھا کہ ازواج مطہرات اور صحابیات کا نام لے کر تشبیہ کرتا تھا۔^۱

ایک بُرائی ان میں یہ بھی تھی کہ اگر کوئی شریف و معزز آدمی زنا کرتا تو اس کو چھوڑ دیتے اور اگر کوئی معمولی اور کم رتبہ آدمی اس کا ارتکاب کرتا تو اس کو سزا دیتے۔^۲

ان میں خود غرضی اور قساوت قلبی بھی حد درجہ تھی، جس کا مظاہرہ دن رات ہوتا رہتا تھا۔ حتیٰ کہ وہ اپنے یہودی بھائیوں کے گھر سے نکال دیتے۔ اسی خود غرضی کی وجہ سے وہ آپس میں برابر لڑتے رہتے تھے۔ یہی نہیں بلکہ ایک دوسرے کے خلاف اپنے دشمنوں تک کو مدد دیتے تھے۔^۳

قرآن نے ان کے معائب کی تصویر ان الفاظ میں کھینچی ہے :

”تَقْتُلُونَ أَنْفُسَكُمْ وَتُخْرِجُونَ فَرِيقًا مِّنْكُمْ مِّنْ دِيَارِهِمْ“۔ (بقرہ)

”تم ایک دوسرے سے قتل قتال بھی کرتے ہو اور ایک دوسرے کو گھروں سے نکال دیتے ہو۔“

”لَنَحْشَبَهُمْ جَمِيعًا وَقُلُوبُهُمْ شَتَّى“۔ (حشر)

”تم ان کو متفق خیال کرتے ہو، حالانکہ ان کے دل آپس میں متفق نہیں ہیں۔“

اس سلسلہ میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی یہ روایت مسند احمد میں ہے۔ آپ نے فرمایا کہ جاہلیت میں یہود دو گروہ میں بٹ گئے تھے۔ ان میں ایک غالب تھا اور دوسرا مغلوب۔ جب غالب گروہ کا کوئی آدمی قتل کیا جاتا تو اس کی دیت مغلوب کو زیادہ دینی پڑتی اور اگر مغلوب کا کوئی آدمی قتل ہو جاتا تو اس کی دیت کم ملتی۔ جاہلیت میں تو مغلوب گروہ اس ظلم کو برداشت کرتا رہا، مگر رحمت عالم ﷺ کی بعثت کے بعد ایک بار جب ایسا واقعہ پیش آیا تو اس نے زیادہ دیت دینے سے انکار کر دیا اور غالب گروہ کے پاس کہلا بھیجا کہ اب بنی موعود ﷺ کی آمد کے بعد یہ ظلم و ستم سہنے کے لئے تیار نہیں۔^۴

پھر ان تمام اخلاقی جرائم پر وہ خوش ہوتے اور چاہتے تھے کہ جو خوبیاں ان میں نہیں ہیں ان پر ان کی تعریف و تحسین کی جائے۔

۱۔ وہ اشعار جن میں حسن و عشق کے جذبات ظاہر کئے جائیں۔ ۲۔ طبقات الشعراء۔ ص ۱۱۰

۳۔ صحیح مسلم۔ باب رجم یہود ۴۔ اوپر ذکر آچکا ہے ۵۔ مسند۔ جلد ۱۔ ص ۲۴۶

”الَّذِينَ يَفْرَحُونَ بِمَا آتَوْا وَيُحِبُّونَ أَنْ يُحْمَلُوا بِمَا لَمْ يَفْعَلُوا“۔

(آل عمران)

”یہ لوگ اپنے اخلاق و کردار پر خوش ہیں اور جو کام انہوں نے نہیں کیا اس پر چاہتے ہیں کہ ان کی تعریف کی ہو۔“

ان کے دینی اور اخلاقی انحطاط کا یہ بہت مجمل خاکہ ہے۔ اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ جس قوم میں اتنا زیادہ دینی انحطاط اور اتنے زیادہ ذمائم اخلاق ہوں، اس کی موجودگی میں کوئی صالح معاشرہ اور سکون ماحول کیسے پیدا ہو سکتا ہے۔ چنانچہ جب تک یہودیوں کا معاشی، اقتصادی، سیاسی تقب اور ان کا زور باقی رہا، پورے حجاز اور خصوصیت سے مدینہ سکون و اطمینان کی فضا پیدا نہ سکی۔ مگر جوں جوں ان کا زور ختم ہوتا گیا، امن و سلامتی کی فضا پیدا ہوتی گئی۔ تا آنکہ پورا حجاز ریشہ دوانیوں اور فتنہ انگیزیوں سے پاک و صاف ہو گیا۔

ایسے معائب، مثالب اور ذمائم اخلاق میں گھرے ہونے پر بھی اس بد باطن اور کج فطرت قوم کے جتنے افراد بھی حلقہ بگوش اسلام ہو گئے، وہ اسلام کی بڑی کامیابی ہے۔ ورنہ ایسا دین جس کے قبول کرنے میں کوئی جبر و سختی نہ ہو۔ اس میں ایسی تیرہ بخت اور دون فطرت قوم کے ایک دو فرد کا داخل ہونا بھی درحقیقت اسلام کا ایک معجزہ ہے۔

بعثت نبوی کے بعد یہود اور مسلمانوں کے

اجتماعی اور سیاسی تعلقات کی نوعیت :

بعثت نبوی سے قبل یہودیوں کے سیاسی، تمدن اثرات کا جائزہ لینے اور ان کی اخلاقی اور دینی حالت کا تذکرہ کرنے کے بعد مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ظہور اسلام کے بعد اور مسلمانوں میں باہم جو سیاسی و اجتماعی تعلقات پیدا ہوئے اور اس سے جو فوائد اور مفاسد منبج ہوئے اس پر بھی ایک نظر ڈالی جائے۔

رسول اللہ ﷺ کی بعثت مکہ میں ہوئی اور ذکر اوپر آچکا ہے کہ مکہ میں یہود نہیں تھے۔ اس لئے کئی زندگی میں براہ راست ان سے کوئی سیاسی و اجتماعی تعلق نہیں پیدا ہوا۔ لیکن دعوت و تبلیغ کے سلسلہ میں جو ابتدائی سورتیں نازل ہوئیں، ان میں حسب ضرورت اگلے انبیاء خصوصاً موسیٰؑ کا ذکر ملتا ہے۔

۱۔ لا اکسراہ فی الدین دین میں کوئی جبر نہیں ہے۔ چنانچہ مدینہ سے یہودی قبائل کے اخراج کے بعد متعدد یہودی موجود تھے، جنہوں نے اسلام قبول نہیں کیا تھا۔ لیکن ان سے کوئی تعارض نہیں کیا گیا۔ بعض کا تذکرہ اس کتاب میں آیا ہے کہ حضرت صفیہؓ نے اپنی ایک جائیداد کے متعلق اپنے یہودی رشتہ داروں کا وصیت کی تھی۔

مثلاً سورہ مزمل میں جو بالکل ابتدائی سورتوں میں ہے، حضرت موسیٰؑ اور فرعون کا ذکر ملتا ہے۔ پھر سورہ اعلیٰ میں صحف موسیٰؑ کا تذکرہ بھی آتا ہے۔ اسی طرح اس کے بعد نازل ہونے والی سورتوں مثلاً سورہ قمر، سورہ بروج وغیرہ میں بھی حضرت موسیٰؑ کی کامیابی اور فرعون کے بُرے انجام کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

غرض مکہ کے ابتدائی سالوں میں براہ راست یہود قرآن نے خطاب نہیں کیا، محض دعوت و تبلیغ کے نقطہ نظر سے اس نے ان مشہور واقعات کی طرف اشارہ کر دیا۔ جس سے اہل عرب مکہ واقف تھے تاکہ وہ عبرت حاصل کریں۔

مکی سورتوں میں سب سے پہلے سورہ اعراف میں ذرا تفصیل سے ”بنی اسرائیل“ کے نام سے ان کا تذکرہ ملتا ہے۔ جس میں متعدد انعامات الہی کو گنایا گیا ہے اور ان کی بار بار ناشکری و احسان ناشناسی کا ذکر کیا گیا ہے۔ اسی سورہ میں یہ بھی ذکر آیا ہے کہ تورات میں آنحضرت ﷺ کی پیش گوئی موجود ہے۔

ان واقعات کی تفصیل اس سورہ کے رکوع ۱۲ سے ۱۸ تک میں موجود ہے، اگر ان سے ان آیتوں کا نکال دیا جائے جن کو تفسیرین مدنی بتاتے ہیں تب بھی یہود کی ابتدائی تاریخ کا خلاصہ مکہ میں نازل ہو چکا تھا۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ رفتہ رفتہ قرآن میں بنی اسرائیل کا تذکرہ وسیع ہوتا جاتا رہا تھا۔

اب رسول اللہ ﷺ کی بعثت اور دعوت کو کئی برس گزر چکے تھے، لیکن معلوم ہوتا ہے کہ ابتداء اہل مکہ نے قرآن کے بیان کردہ واقعات خصوصاً وہ جو یہود سے متعلق تھے، ان کی طرف کچھ زیادہ دھیان نہیں دیا۔ لیکن جب قرآن نے بار بار ان کا اعادہ کیا تو ان کی تردید کا خیال پیدا ہوا ہوگا۔ مدینہ اور خیبر کے یہودیوں سے ان کے قدیم تعلقات تھے۔ اس لئے انہوں نے ان سے یا طائف اور بنو کنانہ کے یہود سے جو ان کے قریب ہی رہتے تھے، ان واقعات کی صداقت اور عدم صداقت اور آپ ﷺ کی نبوت کے بارے میں سوالات کرتے رہے ہوں گے۔

۱۔ ابن جریج قتادہ وغیرہ سے مروی ہے کہ اس سورہ میں یہ آیت الذین یبغون الرسول الامی الذی یجعلون مکتوباً (الایہ) ان یہود کے بارے میں نازل ہوئی جنہوں نے اس سے پہلی والی آیت کے بارے میں تقویٰ اور زکوٰۃ کا ذکر ہے، کہا تھا کہ ہم بھی تو تقویٰ کے حامل ہیں اور زکوٰۃ نکالتے ہیں۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اب براہ راست بھی یہود بحث مباحثہ کرنے لگے تھے۔ مگر اس کے علاوہ دوسری کوئی شہادت ہم کو نہیں ملی، جس سے مکہ میں براہ راست ان سے سوال و جواب کی تائید ہوتی ہو۔ اس لئے حاشیہ میں اس کا ذکر ہے۔

جیسا کہ مفسرین اور بعض محدثین نے لکھا ہے کہ روح، اصحاب کہف اور ذوالقرنین وغیرہ کے بارے میں جو آیات نازل ہوئیں، وہ درحقیقت کفار عرب کے ان سوالات کے جوابات ہیں جو انہوں نے یہود سے پوچھ کر آنحضرت ﷺ سے ان کے متعلق کئے تھے۔ اصحاب کہف کے تعلق تو حضرت عبداللہ بن عباس کی روایت ہے کہ خود یہود مدینہ نے اہل مکہ سے کہا تھا کہ محمد (ﷺ) سے ان کے بارے میں سوال کرو، اگر وہ نبی ہوں گے تو جواب دیں گے۔

لیکن اب تک یعنی سورہ بنی اسرائیل کے نزول تک جو کچھ ان کے بارے میں کہا گیا یا تو عرب کو براہ راست خطاب کر کے کہا گیا یا پھر غائب کے صیغہ سے کہا گیا۔ خود یہودیوں کو براہ راست خطاب نہیں کیا گیا، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ واقعہ معراج سے پہلے تک یہود سے براہ راست تعلق میں پیدا ہوا تھا۔ سورہ اسراء کے بعد سورہ یونس کا نزول ہوتا ہے۔ اس میں بھی یہود کی پچھلی تاریخ و دہرایا گیا اور مزید یہ بتایا گیا کہ انہوں نے دین کے بارے میں علم الہی آجانے کے بعد بھی خلاف کیا۔ پھر آنحضرت ﷺ کے واسطے سے ان قرآنی قصوں میں شک کرنے والوں کو خطاب کر کے ارشاد ہوا۔

”فَسْئَلُ الَّذِينَ يَقْرَأُونَ الْكُتُبَ مِنْ قَبْلِكَ“۔ (یونس)

”تو آپ ان لوگوں سے دریافت کیجئے جو آپ سے پہلے نازل ہونے والی کتابوں کو پڑھتے ہیں“۔ (یعنی تورات و انجیل)

اس آیت سے دو باتیں معلوم ہوتی ہیں، ایک تو یہ کہ یہود میں اس وقت ایسے صالح الفطرت ب موجود تھے جو اظہار حق کر سکتے تھے اور دوسری یہ کہ اب ان میں اور مسلمانوں میں براہ راست ال و جواب کے امکانات پیدا ہو گئے تھے۔ لیکن ان امکانات کے لئے قرآن کی اندرونی شہادت ریح نزول قرآن اور بعض واقعات کی ترتیب کے علاوہ کوئی خارجی ثبوت نہیں ملتا۔ اس لئے سلسلہ میں جو کچھ بھی لکھا جائے گا۔ اس میں غلطی کا امکان ہے، مگر عاجز قرآن و سیرت کے

روح کے سلسلہ میں عبداللہ بن مسعود کی روایت ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ سوال مدینہ میں کیا گیا تھا۔ مگر ری میں ابن عباس سے مروی ہے کہ اہل مکہ نے یہود سے کہا ہم کو کچھ ایسی باتیں بتاؤ جن کے متعلق ہم محمد (ﷺ) سے سوال کریں۔ اس کے جواب میں یہود نے ان سے کہا کہ روح کے بارے میں ان سے سوال کرو! فتح الباری جلد ۸ ص ۳۰۳) اصحاب کہف کے سلسلہ میں طبری میں حضرت عباس سے مروی ہے کہ خود یہود نے اہل مکہ سے ان وں کے بارے میں سوالات کرنے کے لئے کہا تھا۔ بہر نوع دونوں باتیں بیک وقت ممکن ہیں۔ اس میں کوئی تضاد ہے۔ سیر کی کتابوں میں تذکرہ آتا ہے کہ قریش نے ایک وفد بھی یہود مدینہ کے پاس آپ ﷺ کی نبوت کے بارے میں دریافت کرنے کے لئے بھیجا تھا۔ ممکن ہے یہ اسی وقت کا واقعہ ہو۔

طبری۔ جلد ۱۵۔ ص ۱۱۸

مطالعہ سے اپنی حد تک جو کچھ بھی اخذ کر سکا، اس پر اسے وثوق ہے۔ اس لئے اسے پیش کرنے کی جرأت کر رہا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

صحیح روایتوں کے مطابق معراج کا واقعہ ہجرت سے ڈیڑھ سال پہلے پیش آیا۔ ظاہر ہے کہ سورہ اسراء (یعنی بنی اسرائیل) اس کے بعد ہی نازل ہوئی۔ اور سورہ یونس جس میں اُپر والی آیت مذکور ہے، سورہ اسراء کے بعد نازل ہوئی۔

اہل مدینہ کے متعلق تمام ارباب سیر لکھتے ہیں کہ ہجرت سے تین سال پہلے یعنی ۱۰ھ میں ان کے چھ آدمیوں نے اسلام قبول کیا، جو نزول سورہ اسراء سے پہلے کا واقعہ ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ لوگ اسلام قبول کرنے کے بعد مدینہ میں جا کر خاموش نہیں بیٹھے ہوں گے۔ اسلام کا پیغام دوسروں تک پہنچایا ہوگا۔ عام طور سے ان کے اسلام کا چرچا ہوا ہوگا۔ عام اہل مدینہ، جس میں یہود بھی تھے، اس جانا بھی ہوگا۔ ہمارے نزدیک اس کا اثر تھا کہ دوسرے سال ۱۱ھ میں یہ تعداد دگنی ہوگئی۔ اور ۱۲ آدمیوں نے آکر آنحضرت ﷺ سے بیعت کی اور خواہش ظاہر کی کہ ہمارے ساتھ کسی کو کر دیا جائے، جو رہ کر ہم کو اسلام کی تعلیم دے۔ چنانچہ آپ ﷺ نے حضرت مصعب بن عمیرؓ مدینہ پہنچے تو گھر گھر جا کر اسلام کا پیغام پہنایا، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جلد ہی مسلمانوں کی تعداد پہلے سے کئی گنا زیادہ ہوگئی۔

یہود جو مدینہ میں ہر طرف پھیلے ہوئے تھے، جن سے انصار کا دن رات کا تعلق تھا خود بھی ایک مذہب اور شریعت کے حامل تھے۔ ان کی حیثیت کی بنا پر آنحضرت ﷺ کے بارے میں اہل مکہ بغرض تحقیق ان کے پاس آ بھی چکے تھے۔ انہوں نے اس نئے دین کے بارے میں اگر انصار سے سوال و جواب اور بحث و مباحثہ شروع کر دیا ہو تو کوئی تعجب نہیں، اور بعض روایتوں سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ وہ آپ ﷺ کی نبوت کے منتظر تھے۔ جیسا کہ کتب سیر میں ہے کہ آپ نے اہل مدینہ کے سامنے عقبہ میں سب سے پہلے اسلام پیش کیا تو وہ یہ کہہ کر اسلام لائے کہ ایسا نہ کہ یہود ہم سے اس فضل میں سبقت لے جائیں۔^۱

ان وجوہ کی بنا پر عاجز کا خیال ہے کہ اس آیت کی تفسیر میں بعض مفسرین نے جو مومنین اہل کتاب کا نام لیا ہے، وہ صحیح نہیں ہے۔ اور نہ یہ صحیح ہے کہ مکہ میں بھی یہود تھے۔^۲ بلکہ صحیح بات یہ ہے کہ

۱۔ بعض مفسرین نے اس سلسلہ میں عبد اللہ بن سلام وغیرہ کا نام لیا ہے۔ صاحب روح المعانی نے اس کی تردید کی ہے۔

۲۔ اس کتاب میں متعدد جگہ اس کا ثبوت ملے گا۔ سیرۃ النبی - جلد ۱ - ص ۱۶۲ بحوالہ زرقانی اور ابن سعد۔

۳۔ جیسا کہ اس سلسلہ میں مفسرین نے عبد اللہ بن سلام اور تمیم داری کا نام لیا ہے۔ مگر ظاہر ہے کہ یہ سورت اور پھر یہ آیت کی ہے اس لئے اس سے ان کو مراد لینا صحیح نہیں ہو سکتا۔ بعض مستشرقین کا یہی خیال ہے۔ اس کی تفصیل اوپر آچکی ہے۔

ہجرت سے پہلے ہی انصار مدینہ اور یہود کے درمیان اسلام کے بارے میں گفتگو اور بحث مباحثہ کا آغاز ہو چکا تھا اور انہوں نے ان کی کچھ نہ کچھ مخالفت بھی شروع کر دی تھی۔ جیسا کہ آیت کے سیاق و سباق سے بھی پتہ چلتا ہے۔ ان ہی تعلقات کی بنا پر آیت میں کہا جا رہا ہے کہ آپ ان لوگوں سے (مسلمانوں کے ذریعہ) تحقیق کر لیجئے جو کتاب عالم ہیں۔

۱۔ بیان مذکورہ بالا سے واضح ہوا ہوگا کہ ابتداً اسلام کے مقابلہ میں یہود کا رویہ معاندانہ نہیں تھا بلکہ بڑی حد تک وہ اسلام کی صداقت کے معترف بھی تھے۔ مگر جوں جوں اسلام کی تعلیمات سے واقف ہوتے گئے ان کی مخالفت اور دشمنی بڑھتی گئی۔ سورہ یونس کے بعد ہود اور حم، سجدہ وغیرہ سورتیں نازل ہوئیں، جن میں ان کے متعلق بار بار یہ بات دہرائی گئی کہ یہ جان بوجھ کر قرآن کا انکار کر رہے ہیں۔

ان سورتوں کے بعد سورہ عاشیہ کا نزول ہوا۔ اس میں بھی قریب قریب وہی بات دہرائی گئی، پھر سورہ صافات نازل ہوئی، جس میں ان کی کتاب تورات کو امانا و رحمۃ کے الفاظ سے یاد کیا گیا اور قرآن کو اس کا حریف نہیں بلکہ موید قرار دیا گیا۔ پھر سورہ انبیاء اتری، اس کو "الفرقان اور ضیا" کہا گیا، لیکن اس ترہیب و ترغیب کے باوجود یہود کی روش میں کوئی تبدیلی پیدا نہیں ہوئی بلکہ اسلام اور مسلمانوں کی مخالفت میں وہ اور زیادہ سخت ہو گئے اور اہل مکہ کو جیسا کہ قرآن میں ہے پہلے سے زیادہ اسلام کے خلاف اُکسانے اور اعتراض کے لئے ابھارنے لگے۔ چنانچہ سورہ انعام میں کھانے پینے سے متعلق محرکات کے سلسلہ میں ان کے اعتراضات کا جواب ذرا سخت انداز سے اور خاص طور سے ان کی طرف اشارہ کر کے دیا گیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے :

”وَعَلَى الَّذِينَ هَادُوا حَرَّمْنَا كُلَّ ذِي ظُفْرٍ“۔

”اور یہودیوں پر ہم نے تمام ناخن والے جانور حرام کر دیئے تھے۔“

سورہ نحل میں مکرر ارشاد ہے :

”وَعَلَى الَّذِينَ هَادُوا حَرَّمْنَا مَا قَصَصْنَا عَلَيْكَ مِنْ قَبْلُ“۔

”اور یہودیوں پر ہم نے وہ چیزیں حرام کر دی تھیں، جن کا بیان ہم اس سے قبل آپ سے کر چکے ہیں۔“

ان دونوں آیتوں میں ”الَّذِينَ هَنُّوا“ کے الفاظ خاص طور سے قابل غور ہیں اس سے پہلے ان الفاظ کے ساتھ ان کو یاد نہیں کیا گیا تھا۔ پھر دونوں آیتوں کے آخر میں کہا گیا۔

”ذَلِكَ جَزَيْنَاهُمْ بِبَغْيِهِمْ“۔ (انعام)

”ان کی شرارت کے سبب ہم نے ان کو یہ سزا دی تھی“۔

”وَمَا ظَلَمْنَاهُمْ وَلَكِنْ كَانُوا أَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ“۔ (نحل)

”ہم نے ان پر کوئی زیادتی نہیں کی، لیکن وہ خود اپنے اوپر زیادتی کرتے تھے“۔

یہود اور مسلمانوں کے درمیان تعلقات کا جو ارتقاء قرآن کی آیات سے دکھایا گیا ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہجرت سے پہلے ہی چند حق پسند اور صالح فطرت افراد کے علاوہ پوری قوم یہود میں رفتہ رفتہ اسلام و شارع اسلام ﷺ اور مسلمانوں کی مخالفت کا جذبہ پیدا ہونا شروع ہو گیا تھا اور اس مخالفت کا اظہار بھی کبھی اہل مکہ کے ذریعے ہوتا اور کبھی اہل مدینہ کے ذریعے، جن سے ان کا دن رات کا سابقہ تھا، مگر ابھی تک یہ مخالفت صرف چنی اور زبانی تھی۔

ہجرت کے بعد : یہود کا یہ حال تھا کہ آفتاب اسلام کی کرنیں اہل مدینہ پر چمکیں یعنی ختم رسل ﷺ مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ تشریف فرما ہوئے، یہود کے بعض صالح اور سلیم الفطرت افراد مثلاً عبداللہ بن سلام اور مامون بن یامین وغیرہ جن کو تورات کی پیشن گوئی علماء و احبار کی بار بار یاد دہانی اور انصار کی مکہ میں آمد رفت کے ذریعے آپ کی بعثت کا علم ہو چکا تھا۔ بڑی بے چینی سے آپ کی ہجرت اور مدینہ میں آپ کا انتظار کر رہے تھے۔ جونہی آپ ﷺ جلوہ فرمائے مدینہ ہوئے، وہ حلقہ بگوش اسلام ہو گئے۔ ان کے ساتھ بعض اور افراد نے بھی آپ کی نبوت کی صداقت کو تسلیم کیا۔ مگر ان کی تیرہ سختی نے نور حق کو ان کے تاریک قلوب تک پہنچنے نہیں دیا اور مسلمان نہ ہو سکے۔

۱۔ اس پر بہت کچھ لکھا جا چکا ہے۔

۲۔ ابن ابیہان نے خاص طور پر ان کو جمع کر کے اس پیشن گوئی کو یاد دلایا تھا۔ کتاب میں حضرت اسیدؓ کے حالات میں یہ پورا قصہ مذکور ہے۔ انصار کے سامنے آپ ﷺ نے پہلی بار اسلام پیش کیا تو انہوں نے آپس میں مشورہ کیا اور کہا ایسا نہ ہو کہ اس فضل میں یہود ہم سے سبقت لے جائیں اور ہم رہ جائیں۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہود جانتے تھے کہ خاک بطحا سے وہ نبی عنقریب مبعوث ہونے والا ہے، جس کی بشارت حضرت موسیٰؑ نے بنی اسرائیل کی دو تھی۔ ابھی اوپر حضرت سلمہؓ کی روایت گزری ہے، جس میں ایک یہودی عالم نے یہود کے پورے مجمع میں آپ ﷺ کے مبعوث ہونے کا اعلان کیا تھا۔

۳۔ مثلاً ابوباسر بن الخطب نے جب قرآن کی آیتیں سنیں تو اپنے قبیلہ کے پاس آیا اور کہا کہ ہم جس نبی کا انتظار کر رہے تھے وہ آگئے۔ ان کی اطاعت کرو۔ مگر اس کے بھائی جی بن الخطب نے اس کی مخالفت کی، چونکہ یہ قبیلہ کا سردار تھا، اس لئے پوری قوم اس کی ہم آہنگ ہو گئی (فتح الباری۔ جلد ۸۔ ص ۲۱۲)۔ اس سلسلہ میں بعض واقعات کا تذکرہ آگے آئے گا۔

عبداللہ بن سلام اور ابن یاسین کے اسلام لانے کا یہود پر بجائے اچھا اثر پڑنے کے اور اُلٹا اثر پڑا، بلور انھوں نے اس اقدام حق پران کو حد درجہ مطعون اور لعنت طامت کی۔

سرور دو عالم ﷺ کو ہجرت سے پہلے مکہ ہی میں یہود کی مخالفت اور دشمنی کا علم ہو چکا تھا۔ مدینہ آنے کے بعد اس کا عینی مشاہدہ بھی ہوا۔ اس لئے آپ ﷺ نے مسجد نبوی اور کاشانہ نبوت کی تعمیر کے بعد ہی پہلا جو کام کیا وہ انصار اور یہود مدینہ کے ایک ایک قبیلہ سے معاہدہ امن و صلح تھا۔ تاکہ یہود کی مخالفت اور زیادہ آگے بڑھنے نہ پائے اور آپ کے اور مسلمانوں کے بارے میں ان کو جو غلط فہمی ہو گئی ہے اس کا ازالہ ہو جائے۔ چنانچہ آپ ﷺ نے قبائل یہود سے صرف معاہدہ امن و صلح ہی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ آپ ﷺ نے اور آپ کے ساتھ صحابہ کرام نے ان کے ساتھ اپنا رویہ نہایت مصالحانہ خیر خواہانہ اور روادارانہ رکھا۔

آپ ﷺ بہ نفس نفیس ان کے مریضوں کی عیادت کرتے تھے ان کے جنازے میں جاتے تھے تو آپ ﷺ احتراماً کھڑے ہو جاتے تھے۔ آپ ﷺ کی مجلس میں ان کو چھینک آتی تو آپ دعائیہ کلمات ارشاد فرماتے۔ جب تک کسی مسئلہ میں قرآن کا صریح حکم نازل نہ ہو جاتا، آپ ﷺ تورات کے حکم پر عمل فرماتے اور اس میں یہود سے مشورہ کرتے تھے۔ آپ ﷺ خود اور صحابہ ان ہی کی اتباع میں عاشورہ کا روزہ رکھتے تھے۔ یہود آپ ﷺ سے اور مسلمانوں سے بحث مباحثہ کرتے۔ مگر آپ ﷺ کبھی ناگواری کا اظہار نہ فرماتے۔

ایک مرتبہ حضرت سلمان قاری اور چند یہودیوں میں باہم اس بات پر کہ حضرت موسیٰ افضل ہیں یا حضور انور ﷺ، بحث گفتگو ہو گئی۔ یہود خدمت نبوی میں شکایت لے کر آئے۔ آپ ﷺ نے صحابہ سے مخاطب ہو کر فرمایا، مجھے موسیٰ پر فضیلت نہ دو۔ اسی طرح ایک مرتبہ حضرت یونسؑ کا ذکر آیا تو اس وقت بھی آپ ﷺ نے یہی فرمایا کہ مجھے ان پر فضیلت نہ دو۔

ایک طرف یہ لطف و کرم اور اخلاق کی محبت کی بارش تھی کہ بچہ بچہ اس سے سیراب تھا۔ دوسری طرف یہود کا طرز عمل یہ تھا کہ آپ ﷺ کی مجلسوں میں آتے تو السلام علیکم کے بجائے السلام علیکم (تم پر موت آئے) کہتے۔ آپ کی توہین کے لئے راعناؑ کا لفظ استعمال کرتے۔ آپ ﷺ سے

۱۔ ترمذی شریف۔ باب اذا اعطس اليهود۔

۲۔ راعنا کے معنی ہیں میری رعایت کیجئے۔ مگر یہود اس کو زبان دابا کر رہینا کہتے تھے، جس کے معنی عربی میں ہمارے چرواہے کے ہیں۔ ان کی اس روش کو دیکھ کر مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ نے ہدایت کی کہ تم راعنا کے بجائے ”انظرنا“ کا لفظ استعمال کرو، تاکہ ان کو آپ کی لہانت کا موقع نہ ملے۔

اور مسلمانوں سے خواہ مخواہ بحث و مباحثہ کرتے۔ آپ ﷺ کی شان میں گستاخیاں اور آپ ﷺ کی نبوت کی تکذیب کرتے۔ مسلمانوں کو طرح طرح سے ستانے کی کوشش کرتے۔ ان سے بدکلامیاں کرتے۔ لیکن ان کی مسلسل ایذا رسانیوں، گستاخیوں، شرارتوں، ریشہ دوانیوں، فتنہ آرائیوں اور شرانگیزیوں کے باوجود مسلمانوں کے ہاتھ سے صبر و تحمل کا دامن کبھی نہیں چھوٹا اور ہمیشہ ان کے مقابلے میں وہ حلم و بردباری اور صبر و ضبط اور اسلام کے اعلیٰ اخلاق کا اظہار کرتے رہے، اور انہوں نے اس کا خاص طور سے خیال رکھا ان کی طرف سے کوئی ایسی بات نہ ہو، جو صلح و امن کے لئے مضر اور اس معاہدہ کے خلاف ہو، جو ان کے اور مسلمانوں کے درمیان ہو چکا تھا۔ چنانچہ قرآن یہود کے اس طرز عمل کے بارے میں مسلمانوں کو ہدایت دیتا ہے :

”وَلِتَسْمَعَنَّ مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ وَمِنَ الَّذِينَ أَشْرَكُوا إِذَا كَثِيرَةٌ وَإِنْ

تَضَيَّرُوا وَتَتَّقُوا فَإِنَّ ذَلِكَ مِنْ عَزْمِ الْأُمُورِ“۔ (آل عمران)

”اور تم بہت سی دلازاری کی باتیں اہل کتاب (یہود) اور مشرکین سے سنو گے تو تم اگر ان

پر صبر کرو گے اور تقویٰ کا طرز عمل اختیار کرو گے تو یہ عزیمت کا کام ہوگا۔“

شروع سے یہود کے ساتھ مسلمانوں کا جو محبت آمیز برتاؤ تھا اور جس رفیق ولینیت اور حسن سلوک کے ساتھ وہ ان سے پیش آرہے تھے، اس کا تقاضا یہ تھا کہ وہ مسلمانوں سے قریب ہوتے، ان کی دعوت کو قبول کرتے، ان کے معاون و مددگار بنتے۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ ان سب کے باوجود وہ اسلام سے بیزار اور مسلمانوں سے دن بدن دور ہوتے جا رہے تھے۔ اس کے اسباب اور موانع کیا تھے، اس کو ہم ذرا تفصیل سے یہاں لکھتے ہیں۔

۱۔ یہود میں متعدد طبقے اور ان سے ہر ایک کا بعثت نبوی کے متعلق الگ الگ نظریہ اور خیال تھا۔ (الف) ایک طبقہ تو یہ سمجھتا تھا کہ حضرت موسیٰؑ کی بعثت اور تورات کے نزول کے بعد اب کسی کی بعثت یا کسی کتاب الہی کا نزول نہیں ہوگا۔ لیکن یہ بہت محدود تھا۔ اس خیال کے یہود عرب میں زیادہ نہ تھے۔

(ب) دوسرے کا خیال یہ تھا کہ ایک اور نبی کی بعثت تو ہونے والی ہے، مگر وہ بنی اسرائیل سے ہوگا اور اگر بنی اسرائیل سے نہ بھی ہو تو ہر معاملہ میں کم از کم ان کی تائید ضرور کرے گا۔ چنانچہ انہوں نے بارہا آپ ﷺ کے سامنے اس کا اظہار کیا۔

سیر الصحابہ (جلد ششم) ۳۲۵ اہل کتاب صحابہ و تابعین (حصہ دوازدہم)

حدیث کی کتابوں میں ہے کہ ایک بار یہودی آپ ﷺ کی خدمت میں آئے اور آپ ﷺ سے چند سوالات کئے۔ آپ ﷺ نے جواب دیا تو کہا کہ بے شک آپ نبی ہیں۔ ارشاد ہوا کہ پھر میرے اتباع سے کیوں گریز کرتے ہو۔ کہا حضرت داؤد نے دعا کی تھی کہ نبوت ان ہی کی اولاد (بنی اسرائیل) میں رہے گی۔ اگر ہم آپ کا اتباع کریں گے تو یہود ہم کو قتل کر دیں گے۔

اس خیال کے یہود بکثرت تھے اور یہی مخالفت میں پیش پیش تھے۔

(ج) تیسرا گروہ وہ تھا جو نہ نبوت کو حضرت موسیٰؑ پر ختم سمجھتا تھا اور نہ اس کو بنی اسرائیل میں محدود، بلکہ وہ انبیاء کی اصل پٹن کوئی اور تورات کے بیان کے مطابق یہ سمجھتا تھا کہ ایک نبی آنے والا ہے، خواہ وہ عرب میں ہو یا عجم میں۔ یہی یہود کا اعتدال گروہ تھا اور یہی آپ ﷺ کی بعثت کا منتظر تھا اور اسی کے بعض افراد نے اسلام قبول کیا۔ مگر بعض ذاتی مصالح کے تحت بیشتر افراد نے دوسرے گروہ کے راستہ اختیار کیا اور ان کے ساتھ رہا اور دولت، ایمانی سے محروم رہا۔

۲۔ عام طور پر یہود یہ سمجھتے تھے کہ جو نبی بھی آئے گا، ان کے ہر خیال اور ان کی زندگی کے ہر معاملہ میں ان کی تائید کرے گا۔ لیکن جب ان کی یہ توقع پوری ہوتی ہوئی نظر نہیں آئی تو انہوں نے مخالفت شروع کر دی۔

حضرت عیسیٰؑ کے بارے میں یہود جو غلط اور فاسد عقیدہ رکھتے تھے، قرآن نے ابتدائے نزول ہی میں اس کا ابطال کیا اور حضرت عیسیٰؑ کو راست باز اور ان کو مجرم ٹھہرایا۔ دوسرے انبیاء کرام علیہم السلام کے متعلق بھی ان کی دینی کتابوں میں ایسی بے سرو پا باتیں اور ان کے درمیان ایسے قصے عام طور پر مشہور تھے، جن سے ان کے دامن عفت پر نعوذ باللہ من ذالک داغ ہی نہیں آتا تھا، بلکہ ان کے فساد عقیدہ کا بھی پتہ چلتا تھا۔ قرآن نے اس طرح کے قصوں اور افسانوں کی بھی تردید کی اور انبیاء کی عصمت و عفت کی شہادتیں پیش کیں۔

سورہ انعام سورہ مریم، سورہ صافات میں ایک ایک کا نام لے کر کسی کو ضِدِّ یَقَانِیًّا کسی کو کَانَ مِنَ الْمُخْلِصِیْنَ وغیرہ اور سورہ انعام میں تمام مشہور انبیاء کے ذکر کے بعد کہا کَلَّمَ مِنَ الصَّالِحِیْنَ، سب کے سب صالح اور نیکوکار تھے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کو خصوصیت کے ساتھ

۱۔ مسند طحاوی۔ جلد ۵۔ ص ۱۶ نسائی باب تحریم الدم۔

۲۔ تفسیر و سیرت میں یہود کے بارے میں بظاہر مختلف و متضاد روایتیں ملتی ہیں۔ اس لئے مطالعہ کرنے والوں کے لئے پریشانی اور انتشار خیال کا باعث بن جاتی ہیں۔ لیکن اگر یہ تقسیم پیش نظر رہے تو انشاء اللہ ان روایتوں میں کوئی تضاد نظر نہ آئے گا۔

سیر الصحابہؓ (جلد ششم) ۳۲۶ اہل کتاب صحابہؓ و تابعینؓ (حصہ دوازدہم)

انہوں نے بہت زیادہ متہم کیا تھا اور عجیب و غریب واقعات بلکہ کفر و شرک تک کو ان کی طرف منسوب کر دیا تھا۔ قرآن نے سورہ نحل، پھر سورہ بقرہ میں اس کی تردید کی اور ان کو ان چیزوں سے منزہ قرار دیا۔ اسی طرح دوسرے واقعات و قصص و حکایات کو بھی قرآن نے رد کیا ظاہر ہے کہ یہ ساری باتیں یہودی توقعات کے خلاف تھیں، اس لئے ان کا برا فروختہ ہونا بالکل طبعی تھا اور وہ برا فروختہ ہوئے۔

۳۔ یہود جیسا کہ ہم اوپر لکھ چکے ہیں۔ ہر طرح کے اخلاق ذمیرہ اور معائب سنیہ میں مبتلا تھے، مگر اس کے باوجود اہل عرب میں عزت و شرف کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔ اس لئے وہ اپنی موجودہ اخلاقی حالت و روش پر مطمئن ہی نہیں تھے بلکہ دینی حیثیت سے اس کو اپنے لئے جائز بھی سمجھتے تھے، جیسا کہ اہل کتاب کے اموال کے بارے میں انہوں نے اپنے خیال کا اظہار کیا تھا۔ (آل عمران)

اسلام اس کے برخلاف مکارم اخلاق، فضائل و محاسن کی تعلیم دیتا تھا، جس کے فروغ کا لازمی نتیجہ یہودیوں کے موجودہ حالت کا زوال تھا۔ خصوصیت سے ان کی اقتصادی زندگی تو قطعی موت تھی اور چونکہ وہ اپنی روش کو بدل نہیں سکتے تھے اس لئے انہوں نے مہربانیت ہی پر خاک ڈالنی شروع کر دی۔ چنانچہ یہود کے جس طبقہ اور قبیلہ میں جتنی بھی اخلاقی کمزوریاں زیادہ تھیں، اتنا ہی وہ اسلام کی دشمنی میں پیش پیش تھا۔

۴۔ یہود نے شرف و نجابت کا مدار ایمان و عمل کے بجائے نسل و ذات پر رکھا تھا۔ اسلام آیا تو اس نے شرف و عزت، نجابت و بخشائش کا مدار ایمان و عمل قرار دیا۔ اس نے یہ اصول بتایا۔

”وَمَا تَقْدِمُوا لِأَنفُسِكُمْ مِنْ خَيْرٍ تَجِدُوهُ عِنْدَ اللَّهِ هُوَ خَيْرٌ وَأَعْظَمُ أَجْرًا“^۱۔ (مزل۔ ۲)

”اور جو نیک عمل اپنے لئے آگے بھیج دو گے اس کو اللہ کے پاس پہنچ کر اس سے اچھا اور ثواب میں بڑا پاؤ گے۔“

شرف و عزت کا یہ معیار قرار دیا۔

”إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ أَتْقَى“۔ (حجرات۔ ۲)

”تم سب میں بڑا شریف ہے جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہو۔“

چونکہ قرآن کے ان اعلیٰ اخلاقی اصولوں سے ان کے مزعومہ شرف و عزت کے قلعہ کی دیواریں مسمار ہو رہی تھیں، اس لئے وہ چراغ پا ہو گئے۔

۱۔ یہ سورہ مزل کی ہے، جو ابتدائی سورتوں میں ہے۔

سیر الصحابہ (جلد ششم) ۳۲۷ اہل کتاب صحابہ و تابعین (حصہ دوازدہم)

۵۔ اسلام سے پہلے اہل عرب عام طور سے علمی اور دینی اعتبار سے بالکل بے مایہ تھے اور یہودیوں میں علم بھی تھا اور مذہب بھی۔ اس لئے وہ قدرتی طور پر عربوں کو اپنے سے کمتر، حقیر اور بے مایہ سمجھتے تھے۔ خود عربوں کو بھی ان کی برتری کا اعتراف تھا۔ ان میں اسلام آیا اور انہوں نے اس کی تعلیمات کو قبول کیا تو ان کی دینی اور علمی بے مائے گی دور ہونے لگی اور ان کا احساس برتری خود بخود بیدار ہونے لگا۔

قاعدہ ہے کہ جب کوئی قوم کسی شرف و فضل کی حامل ہوتی ہے تو طبعاً کسی دوسری قوم کو اس کا شریک بننا پسند نہیں کرتی چاہے اس کی عزت و شرف کی خصوصیات کا کوئی ادنیٰ شائبہ بھی اس میں باقی رہ گیا ہو۔ اس بنا پر یہود اپنے فضل و شرف میں عربوں کو شریک اور اپنے اوصاف و خصوصیات ان کی طرف منتقل ہوتے ہوئے کیسے دیکھ سکتے تھے۔

۶۔ ظہور اسلام سے پہلے عربوں میں آپس میں نہ کوئی وحدت تھی نہ اخوت۔ بلکہ ہر طرف اختلاف، انتشار اور ظلم و ستم کا دور دورہ تھا۔ وہ بے شمار قبیلوں میں خاندان میں بٹے ہوئے تھے۔ جب اسلام آیا تو اس نے ان چیزوں کو مٹایا۔ اس نے اختلاف کو اتحاد سے، انتشار کو وحدت سے بدلا۔ ظلم و ستم کے بجائے اخوت و مساوات کی تعلیم دی۔ جس کی وجہ سے عربوں میں اخوت و مساوات اور اتحاد و اتفاق کی نئی روح دوڑنے لگی۔ پھر مدینہ پہنچ کر آپ نے اس کا علمی نمونہ پیش کیا کہ انصار کے ان قبائل کو جو برسوں سے آپس میں لڑتے آرہے تھے، ان کو شیر و شکر کر دیا۔ پھر اس سے بھی بڑھ کر مہاجرین اور انصار میں آپ ﷺ نے مواخات یعنی بھائی چارہ کرادیا۔ انصار کے قبائل سے اہل مکہ اور اہل مدینہ میں صدیوں سے اختلاف چلا آرہا تھا اور یہود اس سے برابر فائدہ اٹھاتے رہتے تھے اس لئے ان کو متحد و متفق ہوتے اور گلے ملتے یہ کیسے دیکھ سکتے تھے۔

پھر اسی اخوت و مساوات کی فضا سے عربوں ہی کو فائدہ نہیں پہنچا، بلکہ خود یہود مدینہ میں ضعیف اور کمزور طبقہ تھا، اس کے دلوں میں بھی نئے حوصلے اور انقلابی عزائم کروٹ لینے لگے۔ حضرت عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں کہ یہود مدینہ دو طبقوں میں بٹ گئے تھے۔ ایک غالب اور مضبوط تھا۔ دوسرا مغلوب اور مقہور۔

غالب طبقہ ان غریب یہودیوں پر ہمیشہ ظلم و ستم کرتا رہتا تھا۔ حتیٰ کہ اگر غالب گروہ کا کوئی آدمی مغلوب گروہ کے ہاتھوں مارا جاتا تو ان کو سووق دیت دینی پڑتی اور اگر اس کے برعکس ہوتا تو وہ ان کو صرف پچاس وق دیت دیتے۔ یہ ظلم و ستم کا بازار اسی طرح گرم تھا کہ آپ ﷺ ہجرت کر کے مدینہ

سیر الصحابہ (جلد ششم) ۳۲۸ اہل کتاب صحابہ و تابعین (حصہ دوازدہم)

تشریف لائے۔ آپ ﷺ کی آمد کے بعد ایک بار اسی طرح کا ایک معاملہ پیش آیا تو مغلوب گروہ نے دیت دینے سے انکار کیا، اور غالب گروہ کے پاس کہلا بھیجا : کہ

” انا انما اعطينا کم هذا ضیماً منکم و فرقا منکم فاما اذا قدم محمد

فلا نعطیکم ذلک “۔ (مسند احمد۔ جلد ۱۔ ص ۲۳۶)

” ہم اب تک زیادہ دیت صرف تمہارے ظلم اور خوف کی وجہ سے دیتے رہے ہیں۔

اب جبکہ محمد (ﷺ) کے آنے کے بعد (ظلم و زیادتی کا خوف نہیں ہے) تو ہم زیادہ دیت

نہیں دے سکتے۔“

ظاہر ہے کہ یہ چیزیں یہود کے لئے کس قدر سوہان روح ہوئی ہوں گی۔

۷۔ یہود کی مخالفت کے اسباب میں ایک سبب تحویل قبلہ بھی ہے۔ جب تک مسلمانوں کا قبلہ

بیت المقدس تھا۔ عام عربوں اور مسلمانوں میں اس کی وجہ سے ان کی ایک عظمت باقی تھی، مگر جب

تحویل کعبہ ہوا تو ان کی اس عظمت کو ایک اور دھکا لگا۔ ان کی مخالفت پہلے ہی سے کیا کچھ کم تھی۔ اب اس

میں اور اضافہ ہو گیا۔ پہلے وہ یہ کہہ کر لوگوں کے سامنے اسلام کی اہمیت کم کرتے تھے کہ محمد (ﷺ) تو

ہمارے قبلہ کی طرف نماز پڑھتے ہیں۔

اب وہ یہ کہہ کر مخالفت کرنے لگے کہ یہ نبی عجیب دین لے کر آئے ہیں کہ جن کا قبلہ بھی بدلتا

رہتا ہے اور پھر یہ کہتے کہ جو لوگ اس سے پہلے والے قبلہ کی طرف رخ کر کے عبادت کر چکے ہیں خواہ وہ

زندہ ہوں یا مردہ ان کی تمام عبادتیں اکارت گئیں۔ چنانچہ ان کے کہنے سننے کا اثر مسلمانوں پر بھی پڑا۔

اس لئے قرآن نے ان کے تمام اعتراضات کا جواب دیا۔ سورہ بقرہ (رکوع ۱۷-۱۸) میں اس کی پوری

تفصیل موجود ہے۔

اس تحویل قبلہ کا اثر ان پر اس قدر پڑا کہ جو اسلام کے سب سے بڑے دشمن تھے۔ مثلاً

کعب بن اشرف، رفاعہ بن قیس اور قردوم بن عمرو وغیرہ آپ کی خدمت میں آئے اور کہا کہ یا محمد (ﷺ)

یہ کیا بات ہے کہ تم نے قبلہ تبدیل کر دیا۔ اگر پہلے قبلہ کی طرف پھر لوٹ جاؤ تو ہم تمہاری تصدیق اور

اتباع کریں گے۔

ظاہر ہے کہ یہ بات انہوں نے کسی اخلاص کی بنا پر نہیں کہی تھی، نہ یہ منشاء تھا کہ وہ دین اسلام

کو قبول ہی کر لیں گے۔ بلکہ اس تحویل قبلہ سے ان کے وقار اور ان کی دینی عظمت کو جو دھکا لگا تھا،

۱۔ طبری میں اس کی پوری تفصیل موجود ہے۔

چاہتے تھے کہ اس طرح اس کو سنبھال لیں اور پھر ان کو یہ بھی خیال تھا کہ اگر وہ دوبارہ بیت المقدس کو قبلہ بنانے میں کامیاب ہو جائیں گے تو عام عربوں اور کمزور مسلمانوں کو برگشتہ کرنے کا ان کو موقع مل جائے گا۔

۸۔ ان موانع کے باوجود جو نیک فطرت اور حق پسند افراد تھے، وہ اسلام کی حقانیت کے قائل بلکہ اس کے قبول کر لینے کی طرف بھی مائل تھے۔ مگر چونکہ عام یہودی آبادی اس کی مخالف تھی اس لئے وہ ان کے خوف سے قدم آگے نہیں بڑھا سکے۔ اس سلسلہ میں احادیث و سیر میں متعدد واقعات ملتے ہیں۔

مسند طرابلسی اور نسائی میں ہے کہ کچھ یہود آپ ﷺ کے پاس آئے اور انہوں نے آپ ﷺ سے تسعینات^۱ کے متعلق سوال کیا۔ ارشاد ہوا کہ شرک نہ کر، آپس میں قتل و خونریزی نہ کرو، چوری اور زنا سے پرہیز کرو اور سود خواری سے باز آ جاؤ۔ پاکباز عورتوں پر تہمت نہ لگاؤ، بزدلی نہ دکھاؤ، کسی کمزور کو بے قصور کو ناحق کوئی الزام رکھ کر قتل کرنے یا اس کے مال کے لینے کی کوشش نہ کرو۔ آپ ﷺ جب یہ سب کچھ ارشاد فرما چکے تو انہوں نے آپ ﷺ کے ہاتھوں اور پیروں کو بوسہ دیا اور پکارا اٹھے :

”نَشْهَدُ اَنْكَ نَبِيٌّ“

”ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ (ﷺ) بے شک نبی ہیں۔“

آپ ﷺ نے فرمایا جب تمہیں میری نبوت تسلیم ہے تو میرا اتباع کرنے میں کیا چیز مانع ہے۔ انہوں نے کہا :

”اَنَا نَحْشَى تَبْعَاكَ اِنْ يَقْتُلُنَا الْيَهُودُ“۔ (مسند طرابلسی۔ ص ۱۶۰ جزہ و نسائی)

”ہم کو ڈر ہے کہ ہم نے آپ (ﷺ) کا اتباع کیا تو ہمیں یہودی مار ڈالیں گے۔“

اسی طرح کعب بن اشرف جو بڑا مالدار یہودی تھا۔ اس کے متعلق زرقانی میں ہے کہ اس کے یہاں سے تمام یہودی علماء و احبار کو وظیفے ملتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ کے مدینہ تشریف لانے کے بعد جب وہ ایک بار اس کے پاس اپنے وظائف لینے آئے تو اس نے کہا کہ اس شخص محمد (ﷺ) کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے۔ انہوں نے کہا کہ

۱۔ قرآن میں ہے کہ ”وَلَقَدْ اَتَيْنَا مُوسٰی بِسَعَةِ اٰیٰتٍ بَيِّنٰتٍ“ اس روایت میں اسی طرف اشارہ ہے۔ تسع آیات کیا ہیں، اس میں اختلاف ہے۔

۲۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ یہ تمام عیوب ان میں موجود تھے۔

”هُوَ الَّذِي كُنَّا نَنْتَظِرُ“.

”یہ وہی ہیں جن کا ہم انتظار کر رہے تھے۔“

چونکہ یہ جواب اس کی توقع کے خلاف تھا، اس لئے یہ کہہ کر کہ میرے پاس مال میں اور بہت سے لوگوں کے حقوق ہیں، وظیفہ دینے ہے انکار کر دیا۔ علماء و احبار یہاں سے لوٹے تو ان کو اپنے اظہار حق پر بڑا رنج ہوا۔ دوبارہ واپس آئے اور کعب سے عرض کیا کہ ہم نے عجلت میں جواب دے دیا۔ بعد میں جب ہم نے غور کیا تو معلوم ہوا کہ جواب میں غلطی کی۔ یہ محمد (ﷺ) وہ مُنْتَظَر نبی نہیں ہیں۔ اس کے بعد کعب نے ان کے وظائف جاری کر دیئے اور یہ اعلان کر دیا کہ

”لِكُلِّ مَنْ تَابَعَهُمُ مِنَ الْاَحْبَارِ شَيْئًا مِنْ مَالِهِ“۔ (جلد ۲ ص ۹-۱۰)

”جو علمائے یہود (آپ کی نبوت کی تکذیب میں) ان حبار کا اتباع کریں ان کو بھی کچھ نہ کچھ وظیفہ ملے گا۔“

اوپر جو اسباب و موانع بیان کئے گئے ہیں، ان سے یہ اندازہ ہو گیا ہوگا کہ یہود کی مخالفت اور اسلام دشمنی کسی حقانیت اور کسی ٹھوس بنیاد پر نہیں تھی، بلکہ اس میں صرف ان کی نفسانیت خود غرضی اور دنیاوی مصلحتیں کام کر رہی تھیں اور اس کو چھپانے کے لئے وہ مذہب کی آڑ لے رہے تھے۔

یہود سے معاہدہ : اوپر ان کے اور مسلمانوں کے تعلقات کے سلسلہ میں ہم معاہدہ کا ذکر کر رہے تھے کہ ضمناً ان اسباب و موانع کا ذکر کر دینا مناسب معلوم ہوا، جن کی وجہ سے یہود اسلام کی طرف بڑھنے کے بجائے اس سے دور ہوتے جا رہے تھے۔ اب پھر اس سلسلہ بحث کو ہم شروع کرتے ہیں۔ معاہدہ انصار اور یہود دونوں سے ہوا تھا، جو حصہ یہود سے متعلق ہے، اس کا خلاصہ یہ ہے :

- ۱۔ یہود کو مذہبی آزادی حاصل ہوگی اور ان کے مذہبی امور سے کوئی تعرض نہیں کیا جائے گا۔
- ۲۔ یہود اور مسلمان باہم دوستانہ برتاؤ رکھیں گے۔
- ۳۔ یہود یا مسلمانوں کو کسی سے لڑائی پیش آئے گی تو ایک فریق دوسرے کی مدد کرے گا۔
- ۴۔ قریش اور ان کے حلیف قبائل کو کوئی امان نہ دے گا۔
- ۵۔ کسی دشمن سے اگر ایک فریق صلح کرے گا تو دوسرا بھی شریک صلح ہوگا۔ مذہبی لڑائی اس سے مستثنیٰ ہوگی۔

۶۔ مدینہ پر کوئی حملہ کرے گا تو دونوں فریق مل کر مقابلہ کریں گے۔

۷۔ خون بہا اور فدیہ کا جو طریقہ پہلے سے چلا آ رہا تھا، وہ بدستور قائم رہے گا۔

سیر الصحابہ (جلد ششم) ۳۳۱ اہل کتاب صحابہ و تابعین (حصہ دوازدہم)

۸۔ یہود اور انصار میں اگر کوئی اختلاف ہوگا تو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف رجوع کیا جائے گا۔

یہ آخری دفعہ انصار اور یہود دونوں کے معاہدات میں موجود ہے۔ یہ معاہدہ ۷۷۲ء دفعات پر مشتمل ہے، جن میں تقریباً بائیس دفعات یہود کے متعلق ہیں۔ جس کا خلاصہ یہاں بیان کر دیا گیا ہے۔ یہود کے معاہدہ میں یہ بات کئی بار دہرائی گئی ہے کہ جو کوئی شخص یا قبیلہ عہد شکنی یا ظلم کرے گا اس کو وبال اٹھانا پڑے گا۔

اس معاہدہ کے سلسلہ میں دو باتیں قابل غور ہیں۔ ایک یہ کہ یہ کس سنہ میں ہوا اور دوسری یہ کہ اس میں یہود کے مشہور قبائل مثلاً بنو قریظہ، بنو نضیر اور بنو قریظہ کا ذکر کیا گیا ہے؟ تمام ارباب سیر معاہدہ کا ذکر ہجرت کے پہلے سال کے سلسلہ میں کرتے ہیں۔ لیکن حمید اللہ صاحب نے اپنی کتاب ”عہد نبوی میں نظام حکمرانی“ کے صفحہ ۸۵-۸۶ میں یہود کے معاہدہ کے بارے میں لکھا ہے کہ یہ غزوہ بدر کے بعد یعنی ۳ھ میں مرتب ہوا۔ اس پر انہوں نے علمی طور پر کچھ دلائل بھی دیئے ہیں، مگر عاجز کو ڈاکٹر صاحب موصوف کے رائے سے اختلاف ہے اور اس کے لئے اس کے پاس دلائل بھی ہیں، جن کی تفصیل کا یہ موقع نہیں ہے۔

اس سلسلہ میں صرف اتنا اشارہ کافی ہے کہ معاہدہ کا انعقاد اگر غزوہ بدر تسلیم کیا جائے تو پھر بنو قریظہ کے زمانہ اخراج کے کچھ آگے بڑھانا پڑے گا۔ اس لئے کہ ۲ھ کے رمضان میں غزوہ بدر پیش آتا ہے اور شوال کے مہینہ میں بنو قریظہ کا اخراج عمل میں آتا ہے۔ ظاہر ہے کہ ان سے معاہدہ کرنے اور ان کے اخراج میں اتنا کم فصل کی طرح قرین قیاس نہیں ہو سکتا۔

اس معاہدہ میں یہود کے کسی مشہور قبیلہ کا ذکر نہیں ہے۔ بلکہ یادہ تر ان ذیلی قبائل کا ذکر ہے جو جدید الیہود یہ تھے۔ اس لئے خیال ہوتا ہے کہ یہ یا تو ان سے اس سے الگ کوئی دوسرا معاہدہ ہوا یا پھر ان قبائل میں سے ہر ایک سے علیحدہ علیحدہ معاہدہ ہوا۔

یہ بات اس لئے اور بھی قرین قیاس ہے کہ اس معاہدہ میں دس یہودی قبائل کا الگ الگ ذکر کیا گیا ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہود کا ہر قبیلہ اپنی ایک علیحدہ وحدت اور جداگانہ حیثیت کے ساتھ شریک ہوا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ جب ان میں سے کسی قبیلہ نے مسلمانوں سے جنگ کی تو دوسرے خاموش رہے، بلکہ مواقع پر تو انہوں نے اپنے ہم مذہبوں کے علی الرغم مسلمانوں کی مدد بھی کی۔ اگر یہ تمام قبائل کا یہ متحدہ معاہدہ ہوتا تو کسی ایک سے جنگ چھڑ جانے پر دوسرے خاموش نہ رہتے۔

یہود مدینہ کا نقض معاہدہ جنگ اور ان کا خاتمہ :
اب تک ان کی جو روش تھی، اس سے مسلمانوں کو ہر وقت یہ خطرہ لاحق تھا کہ معلوم نہیں کس وقت وہ نقض عہد کر کے ان پر حملہ کر دیں۔ اسی خطرہ کی وجہ سے جب تک یہود مدینہ میں رہے، آپ ﷺ جب کسی غزوہ میں مدینہ سے باہر تشریف لے جاتے تو مدینہ کی حفاظت کا پورا انتظام فرما جاتے۔ یہی نہیں، بلکہ آہستہ آہستہ وہ معاہدہ کی ان رعایتوں کو بھی ختم کرتے جاتے تھے۔ جن کا مرعی رکھنا ان کے لئے ضروری تھا۔

غزوہ بدر میں معاہدہ کی رو سے ان کو مسلمانوں کی مدد کرنی چاہئے تھی۔ مگر انہوں نے کوئی مدد نہیں کی۔ پھر بھی ان کو اس پر کوئی شرمندگی ہوئی اور نہ ان کے طرز عمل میں کوئی فرق آیا، بلکہ بنو قریظہ نے تو غزوہ بدر کے فوراً بعد ہی نقض معاہدہ کا اعلان کر دیا اور اس کا مظاہرہ بھی شروع کر دیا، یعنی یہ کہ ایک مسلمان عورت کی کھلے بازار انہوں نے بے حرمتی کی۔

لیکن آپ ﷺ نے نقض معاہدہ اور اس واقعہ کے بعد بھی ان کے خلاف جارحانہ اقدام نہیں کیا۔ بلکہ اتمام حجت کے طور پر ان کو جمع کر کے سمجھانے کی کوشش کی اور ان کے سامنے اسلام کی دعوت پیش کی، لیکن وہ کسی طرح نہ مانے اور انکار و خود پر قائم رہے تو آخر میں آپ ﷺ نے فرمایا کہ خدا سے ڈرو، کہیں ایسا نہ ہو کہ قریش کی طرح عذاب الہی تم کو بھی پالے۔ انہوں نے کہا، ہم قریش نہیں ہیں، ہم سے جنگ ہوگی تو معلوم ہوگا۔ چونکہ اس افہام و تفہیم کے بعد اب مزید مہلت کا موقع باقی نہیں رہ گیا تھا اس لئے مسلمانوں نے ان کے مکانوں کا محاصرہ کر لیا۔ آخر کار انہوں نے مدینہ چھوڑ دینے پر اپنی رضا مندی کا اظہار کیا اور وہاں سے وادی القرئی، پھر کچھ دنوں بعد شام چلے گئے۔

اس قبیلہ کے بعض افراد کا اس کے بعد بھی مدینہ میں پتہ چلتا ہے۔ ممکن ہے جن لوگوں نے معافی مانگ لی ہو، ان کو رہنے کی اجازت مل گئی ہو۔

بنو قریظہ کے اخراج کے بعد بھی یہود کے دوسرے قبائل کو کوئی عبرت حاصل نہیں ہوئی اور نہ کوئی اپنی روش میں کوئی تبدیلی پیدا کی، بلکہ اب پہلے سے بھی زیادہ انہوں نے اسلام کے خلاف ریشہ دو انیاں شروع کر دیں۔ خفیہ ساز باز کی، قریش کو درپردہ مدد دی۔ آنحضرت ﷺ کے قتل کی سازش کی۔ غرض معاہدہ کی ایک ایک دفعہ کو انہوں نے عملاً توڑ ڈالا، تو ان کے خلاف جنگ کا اعلان کر دیا گیا اور

۱۔ غزوہ بدر کے بعد فوراً نقض معاہدہ کی وجہ سے اس کے کچھ سمجھ میں نہیں آئی کہ انہوں نے سمجھا کہ مسلمان اس وقت کمزور ہیں۔ اگر ان پر حملہ کر دیا جائے تو آسانی ختم ہو سکتے ہیں۔ ۲۔ وادی القرئی میں ۱۸ اور ۲۶۲

ان کو اس کی سزا بھگتنی پڑی۔ اس لئے کہ معاہدہ میں بار بار یہ بات دہرائی گئی تھی کہ جو ظلم یا نقص معاہدہ کرے گا اس کو اس کا وبال اٹھانا پڑے گا۔ یعنی ۴ھ میں بنو نضیر کا مدینہ سے اخراج ہوا اور ۵ھ میں بنو قریظہ استیصال کیا گیا۔

ہم نے یہاں قصداً بہت اختصار سے کام لیا ہے۔ اس لئے کہ اس مختصر مقدمہ میں ان واقعات کی پوری تفصیل کی گنجائش نہیں ہے۔ حالانکہ اس سلسلہ میں عاجز کے مطالعہ میں بعض ایسی چیزیں بھی آئی ہیں، جو سیرت کی متداول کتابوں میں نہیں ملتیں، مگر یہاں ان کے تذکرہ کا بھی موقع نہیں ہے۔

۴ھ میں بنو نضیر کے اخراج کے بعد مدینہ کی داخلی فضا بڑی حد تک پُر سکون ہو گئی، مگر مدینہ کے باہر کی فضا مسلمانوں کے حق میں پہلے سے بھی زیادہ خراب ہو گئی۔ یہود مدینہ سے نکلے تو بنو قریظہ تو وادی القریٰ ہوتے ہوئے شام چلے گئے، مگر بنو نضیر خیبر میں قیام پذیر ہو گئے۔ خیبر مدینہ کے بعد یہود کا دوسرا بڑا مرکز تھا۔

یہاں پہنچ کر وہ خاموش نہیں بیٹھے بلکہ اپنی ریشہ دوانیاں برابر جاری رکھیں۔ انہوں نے خیبر کی یہود اور آس پاس کے تمام عرب قبائل کو مدینہ پر حملہ کے لئے تیار کیا۔ ان کا ایک وفد قریش کے پاس بھی گیا۔ اس وفد کا سرکردہ حی بن اخطب تھا۔ اس سے اور قریش سے جو گفتگو ہوئی اسے ہم یہاں نقل کرتے ہیں، تاکہ ان کی ریشہ دوانیوں کا پورا اندازہ ہو جائے۔

قریش : بنو نضیر کے لوگ کہاں ہیں اور کیا کر رہے ہیں؟

حی بن اخطب : ”کر کھم بین خیر والمدينة یترد فون حتی تاتوہم فیسروا معہم الی محمد الی محمد واصحابہ“۔^۱

ترجمہ : ”میں نے ان کو خیبر اور مدینہ کے درمیان چھوڑ دیا ہے۔ وہ گشت کر رہے ہیں اور تمہاری آمد کا انتظار کر رہے ہیں۔ تم ان کو محمد (ﷺ) اور ان کے اصحاب پر حملہ میں اپنے ساتھ پاؤ گے۔“

قریش : بنی قریظہ کا کیا حال ہے؟

حی بن اخطب : ”اقاموا بالمدينة مکرا بمجد حتی تاتوہم فیمیلوا معکم“۔

ترجمہ : ”بنو قریظہ مدینہ میں محمد (ﷺ) کو دھوکا دینے کی غرض سے مقیم ہیں۔ جب تم مدینہ پہنچو گے تو وہ تمہارے ساتھ حملہ کر دیں گے۔“

اس نے دو باتوں کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ ایک یہ کہ ان کی سازش کا جال کتنی دور تک پھیلا ہوا تھا۔ دوسری یہ کہ بنو نضیر کے اخراج کے وقت بنو قریظہ جو خاموش تھے تو درحقیقت اس میں ان کی ایک سیاسی چال اور سازش پوشیدہ تھی، جو غزوہ خندق کی صورت میں ظاہر ہوئی، جس میں حجاز کے تمام مشہور قبائل شریک تھے۔ لیکن نصرت خداوندی اور مسلمانوں کے حسن تدبیر سے ان کو زبردست شکست ہوئی۔

بنو قریظہ جس مقصد سے اب تک مدینہ میں رہے ہوئے تھے۔ اس کا اس موقع پر انہوں نے درپردہ اظہار بھی کیا تھا، مگر ناکامی کے آثار دیکھ کر وہ مکمل کر سامنے نہیں آئے۔ آنحضرت ﷺ کو ان کی درپردہ کباہیوں اور فساد انگیزیوں کا چونکہ علم ہو چکا تھا، اس لئے خندق کے فوراً بعد مدینہ سے ان کا بالکل استیصال کر دیا گیا۔

یہود خیبر سے جنگ :

غزوہ خندق عبرتناک شکست اور بنو قریظہ کی شدید ناکامی کے بعد بھی یہود کو تنہیہ نہیں ہوئی اور وہ دوبارہ خیبر اور اس کے آس پاس کے قبائل میں جنگ کی آگ بھڑکانے کی فکر میں لگ گئے۔ اس وقت یہود خیبر کا سردار اسیر بن رزام تھا۔ اس نے تمام عرب قبائل میں دورہ کیا اور مدینہ پر حملہ کرنے کے لئے ان کو ابھارا۔ یہود کے سامنے تقریر کی کہ ہمارے چشموں نے محمد (ﷺ) کے مقابلے کے لئے جو تدبیریں اختیار کیں، وہ غلط تھیں۔ صحیح تدبیر یہ ہے کہ خود محمد (ﷺ) کے مرکب حکومت پر حملہ کیا جائے اور میں یہی طریقہ اختیار کروں گا۔

امام سرخسیؒ کے ایک بیان سے پتہ چلتا ہے کہ یہود خیبر اور اہل مکہ کے درمیان بھی ایک خفیہ معاہدہ ہوا تھا۔ ان کے الفاظ یہ ہیں :

”لما کان بین اہل مکة و اہل خیبر من المواخاة علی ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا توجه الی احد القریقین اغار القریق الآخر“۔

”اہل مکہ اور اہل خیبر (یہود) کے درمیان یہ معاہدہ تھا اگر رسول اللہ ﷺ دونوں میں سے کسی فریق پر حملہ کریں تو دوسرا فریق اس کی جنگی مدد کرے گا۔“

ایک طرف یہود کے مکرو فریب کا یہ جال بچھا ہوا تھا۔ دوسری طرف خود اہل غزوہ خندق کی ذلت انگیز شکست کے بعد انتقام کی تیاریاں کر رہے تھے۔ جس کی اطلاعات برابر بارگاہ رسالت ﷺ میں

سیر الصحابہ (جلد ششم) ۳۳۵ اہل کتاب صحابہؓ و تابعینؓ (حصہ دوازدہم)

پہنچتی تھیں۔ ظاہر ہے کہ مسلمانوں کے لئے بیک وقت دونوں دشمنوں سے مقابلہ کرنا آسان نہ تھا۔ دوسرے اس وقت اہل مکہ سے کہیں زیادہ اہل خیبر کی طرف سے حملہ کا خطرہ تھا۔ اس لئے آنحضرت ﷺ نے تو اہل مکہ سے حدیبیہ میں صلح کر لی تھی تاکہ دشمن کا ایک بازو بے کار ہو جائے۔ امام سرخسیؒ لکھتے ہیں :

”فواد ع اہل مکہ حتیٰ یا من جانبہم“۔

”اہل مکہ سے آپ نے معاہدہ صلح کر لیا۔ جس سے آپ کو غنیم کے ایک گروہ کی طرف سے اطمینان ہو گیا۔“

اور اہل خیبر کے خلاف جارحانہ اقدام کر دیا۔ چونکہ یہ معرکہ مختلف حیثیتوں سے بہت سخت تھا، اس لئے آپ نے مدینہ میں یہ اعلان فرما دیا : کہ

”لا یخرجن معنا الا راغب الجہاد“۔

”صرف وہی لوگ ساتھ چلیں جن کی نیت جہاد کی ہو۔“

اس کے دو مقصود تھے۔ ایک یہ کہ بزدل، غنیمت کے حریص اور منافقین نہ جانے پائیں اور دوسرا یہ کہ لوگوں کو یہ معلوم ہو جائے کہ یہ اقدام ملک گیری کے لئے نہیں، بلکہ اعلاء کلمۃ اللہ اور حفاظت خود اختیاری کے لئے ہے۔

مسلمان مدینہ سے خیبر کے لئے روانہ ہوئے تو یہود کے بعض قبیلوں نے راستہ میں ان سے چھیڑ چھاڑ کرنی چاہی، مگر مسلمان ان تمام موانع سے بچتے ہوئے خیبر پہنچ گئے۔ اوپر ہم لکھ چکے ہیں کہ خیبر کے یہود نہایت مالدار اور جنگی حیثیت سے نہایت مضبوط تھے۔ ان کے پاس متعدد نہایت مضبوط اور مستحکم قلعے تھے۔ جن میں یعقوبی کے بیان کے مطابق بیس ہزار مسلح سپاہی موجود تھے۔ اس سے پہلے مسلمانوں کو اتنا سخت کوئی معرکہ پیش نہیں آیا تھا۔ تقریباً تین ہفتہ تک مسلسل جنگ ہوتی رہی۔ مسلمانوں کو بہت سخت مقابلہ کرنا پڑا۔ یہود قلعہ بند ہو کر لڑ رہے تھے، پھر ان کے پاس منجیقیں تھیں جنہیں وہ اس موقع پر استعمال کر رہے تھے، لیکن آخر کار یہود یہ تمام قلعے جن پر ان کو ناز تھا، یکے بعد دیگرے فتح ہو گئے اور ان کو شکست فاش اٹھانی پڑی۔

خیبر کے یہود کی گزشتہ ریشہ دوانیاں تو ایسی تھیں کہ وہ کسی رعایت اور مروت کے مستحق نہیں تھے، مگر رحمت عالم ﷺ نے نہ صرف یہ کہ ان کے ساتھ کوئی سختی نہیں کی بلکہ ان کے ساتھ بہت خیر خواہانہ اور فیاضانہ سلوک کیا۔ ان کے قلعے، مکانات، باغات سب واپس کر دیئے۔

سیر الصحابہ (جلد ششم) ۳۳۶ اہل کتاب صحابہ و تابعین (حصہ دوازدہم)

ان کی زمینیں ان کے پاس رہنے دیں اور طے کیا کہ ان میں جو پیداوار ہوگی اس کا نصف حصہ وہ برابر حضور ﷺ کو دیتے رہیں گے۔

اس ضمن میں دوایک واقعے قابل ذکر ہیں۔ اثنائے جنگ میں یہودیوں کا ایک چرواہا جس کے ساتھ جانوروں کا ریوڑ بھی تھا، آکر مسلمان ہو گیا۔ آنحضرت ﷺ نے اس سے فرمایا کہ جاؤ، جانوروں کو ان کے مالک کے پاس پہنچا آؤ۔

دوران جنگ میں تورات کے کچھ نسخے مسلمانوں کے ہاتھ آ گئے تھے، وہ ان کو واپس کر دیئے گئے۔^۱

یہاں تک رعایت کی گئی کہ خیبر میں کوئی مسلمان امیر تک مقرر نہیں کیا گیا۔ بلکہ مسلمان تحصیلدار سال بسال وہاں جاتے تھے اور غلہ وصول کرتے تھے۔ وہ غلہ کی وصولی میں اس قدر عدل و انصاف برتتے تھے کہ غلہ کو دو حصوں میں برابر تقسیم کر دیتے تھے اور یہودیوں سے کہتے تھے کہ ان میں سے جو چاہو لے لو۔ یہ دیکھ کر یہود کہتے کہ اسی عدل و انصاف کی وجہ سے زمین و آسمان قائم ہیں۔^۲ اس موقع پر ایک طویل بحث یہود کے خیبر چھوڑنے کی بھی ہے، مگر ہم اس کو خوف طوالت نظر انداز کرتے ہیں۔

حجاز کے دوسرے حصوں کے یہود جنگ خیبر کے نتیجے کا انتظار کر رہے تھے جو ان کے ہم مذہبوں کی صورت میں برآمد ہوا۔ ان کی شکست اور سقوط خیبر کے بعد ہمیشہ کے لئے حجاز سے یہود کا سیاسی اور جنگی زور ختم ہو گیا۔ امام سرخسی لکھتے ہیں :

”ان اليهود بالحجاز كانوا ينظرون ما يؤل اليه حال النبي صلى الله عليه وسلم مع اهل خيبر فقد كانوا عز اليهود بالحجاز فلما صاروا مقهورين ذلت سائر اليهود وانقادوا“۔

”حجاز کے تمام یہود اہل خیبر اور رسول اللہ ﷺ کے درمیان جنگ تھی اس کے نتیجے کا انتظار کر رہے تھے۔ اس لئے کہ خیبر کے یہود حجاز کے یہودیوں میں سب سے زیادہ غالب، معزز اور صاحب اثر تھے، جب وہ مغلوب ہو گئے تو سارے یہودی منقاد و مطیع ہو گئے۔“

چنانچہ اس کے بعد ہی فدک، تیماء، وادی القرئی اور بنو عذرہ کے یہودیوں نے یکے بعد دیگرے اطاعت قبول کر کے صلح کر لی۔

حجاز سے باہر مقناہ جرباء، اذرح وغیرہ میں جو یہود تھے، ان میں سے بیشتر نے ۸ھ کے درمیان اطاعت قبول کی۔ غرض یہ ہے کہ خیبر کی شکست کے بعد یہود کی قوت و عزت کا خاتمہ ہو گیا اور پھر ان کے مسلمانوں کے درمیان کوئی اور جنگ نہیں ہوئی۔

ابھی یہود بعد از اسلام کی تاریخ کے بہت سے گوشے، مثلاً اسلامی علوم و فنون کی ترقی و خدمت میں انہوں نے کیا حصہ لیا۔ اس کے کیا مفید و مضر اثرات مرتب ہوئے۔ مسلمانوں کے تمدن و معاشرت پر انہوں نے کیا اثر ڈالا اور اسلامی تمدن و معاشرت کے انہوں نے کیا اثرات قبول کئے وغیرہ تشنہ تفصیل ہیں۔ لیکن ہم کو ناظرین کتاب کی واما ندگی نظر کا احساس ہے۔ اس لئے اس موضوع کو کسی اور فرصت کے لئے اٹھار کھتے ہیں اور نصاریٰ کی تاریخ کی طرف توجہ کرتے ہیں، جو مقدمہ کا دوسرا اہم حصہ ہے۔



نصاری

اوپر ہم لکھ چکے ہیں کہ عربوں سے دوسری قوموں کے جو تین بڑے ذریعے تھے ان میں ایک عیسائیت بھی تھی۔ جزیرہ عرب میں اس کی ابتداء کب اور کس طرح ہوئی۔ اس کو سب سے پہلے عرب کے کن قبائل قبول کیا۔ صحیح طور سے ان کی نشان دہی مشکل ہے۔ تاہم عرب کے نصاریٰ کی تاریخ سے اتنا پتہ چلتا ہے کہ یہود کے برخلاف جزیرہ میں ان کی آمد اور عیسائیت کی ترویج و ترقی کے اسباب زیادہ تر سیاسی اور کسی حد تک تبلیغی اور تجارتی تھے۔ یہود یا تو یہاں ہجرت کر کے آئے تھے، یا تجارت کی غرض سے آئے اور پھر یہاں آکر آباد ہو گئے۔ جس کی وجہ سے یہودیت کو فروغ ہوا۔

اس کے برعکس یہاں عیسائیت کی ابتدا اور اس کی اشاعت زیادہ تر حکومت کے سایہ میں ہوئی۔ تجارتی آمد رفت سے بھی کسی قدر اس میں مدد ملی اور عیسائیت مشزیوں اور پادریوں نے بھی اس کی اشاعت میں حصہ لیا۔ مگر یہ سب حکومت کے کارندے تھے۔ تاریخ سے یہ بالکل پتہ نہیں چلتا کہ خود عیسائیوں کا کوئی طبقہ یا قبیلہ کہیں باہر سے ہجرت کر کے جزیرہ میں آیا ہو، اور یہاں بس گیا ہو۔ اس لئے یہ سمجھنا چاہیے کہ عرب میں جو عیسائی تھے وہ سب خالص عربی النسل تھے۔

عرب کے پڑوس میں روم و حبشہ و عیسائی حکومتیں قائم تھیں۔ جن کے اثرات سے یہاں عیسائیت فروغ ہوا۔ اس لئے پہلے ان کے اور عربوں کے تعلقات پر ایک سرسری نظر ڈالنی چاہیے۔

رومیوں اور عربوں کے قدیم تعلقات :

قدیم زمانہ سے عربوں کی تجارت تقریباً تمام قریب و بعید ملکوں میں تھی۔ چین، ہندوستان اور افریقہ اور یورپ تک عرب اپنا مال تجارت لے جاتے تھے۔ خصوصیت سے ایشیائے کوچک اور رومیوں کے تعلقات کے ذریعہ تو عرب تاجر ہی تھے^۱۔ لیبان نے لکھا ہے کہ ۳^۲ صدی قبل مسیح سے پہلے رومیوں اور عربوں کے تعلقات کا پتہ چلتا ہے۔ مگر رومی و یونانی مورخین اس سے بہت کم واقف تھے۔ یہی وجہ ہے کہ مسالے، عطریات، ملبوسات اور جوہرات وغیرہ کی قسم کی جو ہندوستان و چین سے

۱۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ماننے والوں کو عیسائی اور نصرانی دونوں کہتے ہیں۔ نصاریٰ اسی نصرانی کی جمع ہے۔ جب حضرت عیسیٰ کے نام کی طرف ان کی نسبت ہوتی ہے تو عیسائی کہے جاتے ہیں اور جب آپ کے وطن ناصرہ کی طرف نسبت ہوتی ہے تو نصرانی کہلائے جاتے ہیں۔
۲۔ حمدان عرب۔ ص ۸۵

آتی تھیں اور عربوں کے ذریعہ دوسرے ممالک کو جاتی تھیں، وہ عرب ہی کی پیداوار اور حاصلات سمجھتے تھے۔ اسی لالچ میں رومیوں نے کئی بار جزیرہ عرب کو فتح کرنے کی کوشش کی مگر کامیاب نہیں ہوئے۔^۱

عربوں اور رومیوں کے یہ تعلقات اس وقت تھے جب رومی صرف رومی تھے، عیسائی نہیں ہوئے تھے۔ لیکن ان کے عیسائی ہو جانے کے بعد ان میں اور عربوں میں جو تعلقات پیدا ہوئے اس کی تفصیل یہ ہے :

رومی عیسائیوں سے تعلقات :

قدیم زمانہ میں یمن کے متعدد عربی قبیلے ترک وطن کر کے دمشق و کوفہ میں آباد ہو گئے تھے۔ سنہ عیسوی کی ابتدائی صدیوں میں ان قبائل نے یہاں اپنی متعدد نوآبادیاں اور قبائلی ریاستیں قائم کر لی تھیں۔ ایک طرف اگر ایرانی سرحد کے قریب حیرہ (کوفہ) میں ان کی ایک ریاست تھی تو دوسری طرف دمشق میں رومی اور عربی سرحد پر قبیلہ سلج جن کو ضجاعمہ اور ضجاعم بھی کہتے ہیں۔ ان کی نوآبادی قائم تھی۔ ان کے علاوہ سرحدی علاقہ میں اور بھی متعدد قبائل آباد تھے۔

عربوں کو ایرانیوں اور رومیوں دونوں سے نفرت تھی اور پھر معاشی حیثیت سے بھی مطمئن نہیں تھے۔ اس لئے اپنے ملحقہ رومی اور ایرانی علاقوں میں برابر لوٹ مار کرتے رہتے تھے۔ رومیوں اور ایرانیوں میں صدیوں سے سیاسی چشمک تھی۔ اس لئے دونوں کچھ تو اپنے سیاسی مصالح اور دوسرے عربوں کی آئے دن کی غارت گری اور لوٹ مار کی وجہ سے ان کو اپنی طرف مائل کرنے کی کوشش کرتے رہے۔ جس میں دونوں کا کامیابی ہوئی۔ ایک طرف اگر ایرانیوں نے آہستہ آہستہ حیرہ کو اپنا ہمنوا بنا لیا۔^۲ تو دوسری طرف رومی دمشق کے عربی قبائل کی حمایت حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے اور وہاں اپنی ایک باجگذاہر ریاست بنالی۔^۳

دمشق میں پہلے قبیلہ صجعم جو یہاں کا سب سے طاقتور قبیلہ تھا، باجگذاہر حکومت قائم ہوئی۔ سرد مارب کے نوٹنے کے بعد قبیلہ غسان جب یمن سے ہجرت کر کے دمشق آیا تو صجعمیوں نے رومی سلطنت کی طرف سے ان پر فی کس ڈیڑھ دینار سالانہ ٹیکس مقرر کیا۔ پہلے تو اس کے ادا کرنے میں انہوں نے پس و پیش کیا، مگر پھر راضی ہو گئے اور کچھ دنوں تک ٹیکس دیتے رہے، پھر اس کے دینے سے انکار کر دیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ دونوں میں جنگ ہوئی۔ جس میں صجعمیوں کو شکست ہوئی اور انہوں نے یہاں اپنی حکومت قائم کر لی جس کا سردار یا حکمران ثعلبہ تھا۔

غسانی چونکہ رومیوں کے ٹیکس سے عاجز آ کر لڑائی پر اتر آئے تھے۔ اس لئے غالباً رومی حکومت کو خطرہ پیدا ہوا ہوگا کہ کہیں یہ ایرانیوں سے نمل جائیں۔ اس لئے انہوں نے غسانی سردار ثعلبہ کے پاس پیام بھیجا کہ ”تم بڑے بہادر لوگ ہو، تم نے عرب کے سب سے طاقتور کو شکست دے دی۔ اس لئے مجھ رومیوں کی جگہ تمہیں حاکم مقرر کیا جاتا ہے۔ تم پر کوئی حملہ آور ہوگا تو رومی حکومت چالیس ہزار فوج سے تمہاری مدد کرے گی اور اگر ہم پر کوئی حملہ آور ہو تو تم لوگ بیس ہزار مسلح فوج سے ہماری مدد کرو گے۔ اسی کے ساتھ ہمارے اور ایرانیوں کے باہمی معاملات میں تمہیں زدی دخل نہ ہوگا۔ چنانچہ طرفین میں یہ معاہدہ ہو گیا اور غسانیوں کی حکومت یہاں قائم ہو گئی۔“

غسانی حکومت کس صدی میں قائم ہوئی؟ مختلف فیہ ہے۔ عام مؤرخین اور انسائیکلو پیڈیا آف اسلام کے مرتبین کے بیان کے مطابق یہ چھٹی صدی عیسوی کا ابتدائی واقعہ ہے۔ مگر صاحب کتاب الحجر کا بیان ہے کہ غسانی حکومت کی ابتدا تیسری صدی کے ابتدائی سالوں میں ہوئی۔ محمد بن حبیب نے لکھا ہے کہ غسانیوں سے جس رومی شہنشاہ نے معاہدہ کیا تھا اس کا نام دی قیوس (DECIUS) تھا۔ جس کی وفات ۲۵۱ء میں ہوئی۔ اس سے ظاہر ہے کہ غسانیوں کی آمد اس سے پہلے ہوئی ہوگی۔ غرض غسانیوں نے ہمیشہ عربی حمیت و وفاداری کی لاج رکھی اور سخت سے سخت وقت میں بھی رومیوں کا ساتھ نہیں چھوڑا اور ان کے دمساز رہے، یہاں تک کہ ان کے اثر سے خود بھی عیسائی ہو گئے۔“

عربوں کی یہی سرحدی ریاست جزیرہ عرب میں عیسائیت کا سوغات لائی اور پورے جزیرہ عرب میں اس کو لے جا کر تقسیم کیا۔ اس کے بعد رومیوں کے اثرات بتدریج بڑھتے گئے، یعنی ان کی اسی حکمران داری کے سایہ میں ان کا تمدن، ان کا علم اور مذہب بھی آیا۔ جس سے عربوں کے دل و دماغ اثر پذیر ہونے لگے۔

چنانچہ تھوڑے ہی عرصہ میں سرحدی عربوں کی متعدد چھوٹی چھوٹی قبائلی ریاستیں پورے طور پر رومیوں کے سیاسی اثر کے ماتحت آ گئیں اور متعدد قبائل نے عیسائیت قبول کر لی۔ ان کے یہ تمدنی اور علمی اور مذہبی اثرات صرف سرحدی مقام و قبائل ہی تک محدود نہیں رہے، بلکہ انہوں نے اس کو شمالی حجاز کے مرکزی شہروں مکہ، یثرب اور وادی القرئی تک پھیلانے کی کوشش کی۔

۱۔ کتاب الحجر (ص ۱ و ۳) کی تاریخ جتنی آ جا کر ہے اتنی ہی غسانیوں کی تاریخ ابھی ہوئی ہے۔ یہ بیان ہم نے ڈاکٹر حمید اللہ کے اتباع میں کتاب الحجر سے لیا ہے، جو بہت واضح ہے اور جس سے غسانیوں کی تاریخ پر پوری روشنی پڑتی ہے۔
۲۔ ڈاکٹر حمید اللہ صاحب نے لکھا ہے کہ محمد بن حبیب کے اس بیان کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ اب تک یہ خیال تھا کہ ۵۱۸ء کا واقعہ ہے۔ ساسی زندگی ص ۲۶۵ میں، متنوع و مشرقی موضوعات پر مسلسل مفت آن لائن مکتبہ۔

کعبہ کی وجہ سے مکہ کو مذہبی تقدس حاصل تھا اور اس کی تولیت پورے عرب کی سیادت کے ہم معنی تھی۔ اس لئے ہر زمانہ میں ہر طاقتور قبیلہ نے اس پر قبضہ کرنے کی کوشش کی۔ پہلے جب ہم اس پر قابض تھے۔ اس کے بعد خزاعہ قابض ہوئے۔ آنحضرت ﷺ کے پردادا کے دادا قصی نے خزائی سردار حلیل جو اس وقت کعبہ کا متولی تھا، اس کی لڑکی سے شادی کر لی، قصی نہایت ہوش مند اور صاحب صلاحیت تھے۔ اس لئے حلیل جب مرنے لگا تو کعبہ کی تولیت کے لئے ان سے وصیت کر گیا۔ لیکن بنو خزاعہ نے اس کے مرنے کے بعد قصی کو متولی تسلیم کرنے سے انکار کر دیا، اور جنگ تک نوبت پہنچ گئی اور قصی کامیاب ہو گئے۔ ابن قتیبہ نے لکھا ہے : کہ

”اعانہ قیصر علیہا“ - (ص ۱۷۹)

”قیصر روم نے اس اقتدار کے حصول میں قصی کو مدد دی۔“

بعثت نبوی سے دو سو برس پہلے یثرب میں ایک مرتبہ یہودیوں اور اوس و خزرج میں جنگ ہوئی تو غسانوں نے ان قبیلوں کی مدد کی تھی^۱۔ ظاہر ہے کہ رومیوں اور غسانوں کی قصی اور اوس و خزرج کے ساتھ یہ ہمدردی اور امداد و اعانت یونہی نہیں تھی، بلکہ اس میں ان کی ایک سیاسی غرض پوشیدہ تھی۔ یعنی وہ چاہتے تھے کہ سرحدی مقامات کی طرح جزیرہ کے اندرونی مقامات خصوصیت سے حجاز میں بھی ان کا کچھ نہ کچھ عمل دخل ہو جائے اور وہ اس میں کسی حد تک کامیاب بھی ہوئے۔ تفصیل آگے آئے گی۔

اہل حبشہ اور عربوں کے تعلقات :

سرحدی مقامات اور شمالی حجاز میں عیسائی اثرات رومی حکومت یا اس کے زیر اثر سرحدی ریاستوں کے ذریعہ پھیلے۔ مگر جزیرہ کے جنوبی حصہ یعنی یمن اور اس سے ملحقہ علاقوں میں عیسائیت کے فروغ کا سب سے بڑا ذریعہ حبشہ کی عیسائی حکومت تھی۔ اس لئے اس کے اور عربوں کے قدیم تعلقات پر بھی ایک نظر ڈال لینی چاہئے۔

بعض مستشرقین حبشہ (ابی سینیا) کے صوبہ امہرہ کا تعلق یمن کے قدیم قبیلہ مہرہ سے ثابت کیا ہے^۲۔ ابن خلدون نے مہرہ کے متعلق تو نہیں مگر اس سلسلہ کی دوسری شاخوں کے بارے میں لکھا ہے کہ یہ مصر و حبشہ تک پھیل گئے تھے^۳۔ ممکن ہے اسی تعلق کی بنا پر مستشرقین نے یہ رائے قائم کر لی ہو۔

سیر الصحابہ (جلد ششم) ۳۴۳ اہل کتاب صحابہ و تابعین (حصہ دوازدہم)

اگر ابن خلدون اور مستشرقین کے بیان کو تسلیم کر لیا جائے تو تیسری صدی عیسوی سے پہلے عربوں اور اہل حبشہ میں تعلقات قائم ہو چکے تھے۔

یمن میں عیسائیت کا سب سے بڑا مرکز نجران تھا۔ پانچویں صدی عیسوی سے پہلے یہاں عیسائیت آچکی تھی۔ اس وقت یہاں حمیری حکومت تھی۔ جس کے فرمانروا عموماً یہودی تھے۔ آخری فرمانروا ذونواس تو غالی یہودی تھا۔ یمن کی اس حمیری حکومت اور حبشہ کی عیسائی حکومت میں برسوں کشمکش تھی۔ یمن میں عیسائیت کے فروغ سے حمیری حکومت اپنے لئے خطرہ محسوس کر رہی تھی۔ اس لئے وہ اس ملک میں اس کے خاتمہ کی فکر میں تھی۔

اسی اثناء میں ایک اتفاقی واقعہ پیش آ گیا کہ دو یہودی نجران میں قتل کر دیئے گئے، ذونواس کا اس کی اطلاع ہوئی تو اس کو ایک بہانہ ہاتھ آ گیا۔ پوری ایک فوج کے ساتھ نجران گیا اور عیسائیوں کا قتل عام شروع کر دیا۔ مفسرین لکھتے ہیں کہ قرآن کی اس آیت ”فَبَلَ أَصْحَابُ الْأَخْلُودِ“ میں ذونواس کے اسی حملہ اور قتل عام کی طرف اشارہ ہے۔

جو نجرانی عیسائی قتل ہونے سے بچ گئے۔ وہ حبشہ کے عیسائی بادشاہ کے دربار میں فریاد لے کر پہنچے اور اس کے سامنے انجیل مقدس کی جلی ہوئی جلدیں پیش کیں۔ غالباً وہ تنہا یمنی حکومت سے ان مظالم کا انتقام نہیں لے سکتا تھا، اس لئے اس نے قیصر روم سے مدد چاہی۔ بعض مؤرخین کا بیان ہے کہ خود نجران کے فریادی ہی قیصر روم کے پاس گئے تھے۔ بہت ممکن ہے کہ ان میں سے کچھ حبشہ گئے ہوں اور کچھ روم، اور مدد کی خواستگار ہوئے ہوں۔

بہر حال قیصر متاثر ہوا، اور کئی سو کشتیاں تیار کر کے حبشہ روانہ کیں۔ خود نجاشی شاہ حبشہ نے بھی سات سو کشتیاں تیار کرائیں اور ان پر ایک لاکھ یا اس سے زیادہ فوج سوار ہوئی اور یہ فوج ان ہی کشتیوں کے ذریعہ آبنائے باب المندب کو عبور کر کے یمن کے ساحل پر اتر گئی اور یمن پر حملہ کر دیا۔ جس میں ابتداً ان کو شکست اٹھانی پڑی۔ فوراً ہی حبشہ سے کمک آ گئی اور اس نے حمیری حکومت کو شکست دے دی۔ ان کے فرمانروا ذونواس نے خودکشی کر لی۔

یہ واقعہ ۳۶۶ء کا ہے۔ ذونواس کی شکست و خودکشی کے بعد پورا یمن حبشہ کی عیسائی حکومت کے تحت آ گیا اور اس کے زیر سایہ عیسائیت کو یہاں بڑا فروغ ہوا اور تقریباً سو برس تک اس کا زور قائم رہا۔

اس لئے کہ جن قبائل کا ذکر ابن خلدون نے کیا ہے، وہ مارب ٹوٹنے سے پہلے یمن سے باہر جا چکے تھے اور سد مارب کے متعلق اُد پر ثابت ہو چکا ہے۔ یہ واقعہ تیسری صدی کی ابتدا میں پیش آیا۔ اس آیت کی تفسیر و تشریح یہود کے ذکر میں آچکے ہے۔

یہ اصحاب (جلد ششم) ۳۴۴ اہل کتاب صحابہ و تابعین (حصہ دوازدہم)

اس کے بعد ایرانیوں کا قبضہ ہوا۔ جس سے عیسائیت کا زور تو گھٹ ضرور گیا، مگر ختم نہیں ہوا۔ ہم نے اوپر یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ جزیرہ عرب میں عیسائیت کو فروغ ہمیشہ حکومت کے زیر سایہ، یا عیسائیوں کے سیاسی تغلب کے تحت ہوا ہے۔ اس واقعات سے ہمارے اس خیال کی تائید ہوتی ہے۔ یمن پر حبشہ کے تسلط کے بعد اس طرف سے برابر گورنروں ہاں جاتے تھے۔ یمن میں حبشہ کی حکومت کا ایک عیسائی گورنر ابرہہ گذرا ہے۔ جو بڑا مذہبی تھا اور جس نے وہاں تاریخی و تمدنی کارنامے انجام دیئے ہیں، جن کی وجہ سے اس کا نام اب تک زندہ ہے۔ مثلاً سد مارب کی مرمت اور متعدد گرجوں کی تعمیر وغیرہ۔

اصحاب الفیل :

اسی ابرہہ کے زمانے کا ایک واقعہ کعبہ کے انہدام کی غرض سے خود اس کی سرکردگی میں اصحاب فیل کی مکہ پر چڑھائی کا بھی ہے۔ جس کا عربوں سے بڑا گہرا تعلق ہے، اور قرآن میں اس کا ذکر آ جانے کی وجہ سے اس کو بڑی اہمیت حاصل ہو گئی ہے۔ اس حملہ کے مفسرین نے متعدد اسباب بیان کئے ہیں۔ جن میں سے ایک یہ ہے کہ۔

ابرہہ نے یمن کے دار السلطنت صنعاء میں ایک کلیسا تعمیر کرایا اور شاہ حبشہ کو لکھا کہ اس کلیسا کی تعمیر سے میرا مقصد یہ ہے کہ کعبہ کے بجائے لوگ یہاں آئیں اور اس کو کعبہ بنائیں۔ کسی طرح عربوں کو اس کا علم ہو گیا اور اس کا خط ان کے ہاتھ لگ گیا، جس سے ان کو بڑا اشتعال پیدا ہوا اور ایک شخص نے صنعاء جا کر کلیسا کو گندا کر دیا۔ ابرہہ نے اس پر کعبہ کے انہدام کا فیصلہ کیا اور مکہ پر حملہ کر دیا۔ دوسرا یہ کہ کچھ عربوں کی غلطی کی وجہ سے کلیسا میں آگ لگ گئی۔ جس سے مشتعل ہو کر ابرہہ نے مکہ پر چڑھائی کر دی۔

امام طبری نے لکھا ہے کہ ابرہہ کے یہاں سے بہت سے عربوں کو وظیفہ اور روزیہ ملتا تھا۔ ایک مرتبہ خزاعہ کے چند افراد اس کے دربار میں آئے۔ جن میں محمد بن الحزاعی اور اس کا بھائی قیس بھی تھا۔ ابرہہ نے ان سے کہا کہ میں یہاں ایک کلیسا بنوایا ہے اور چاہتا ہوں کہ تم تمام قبائل میں گھوم گھوم کر اعلان کر دو کہ وہ یمن کے اس کعبہ کے حج کے لئے آئیں۔ یہ دونوں اس مہم پر روانہ ہو گئے۔ جب یہ قبیلہ بنو کنانہ میں پہنچے تو اس کے چند افراد نے انہیں قتل کر دیا۔ اس پر ابرہہ نے حملہ کی تیاری شروع کر دی۔

۱۔ پوری تفصیل طبری تفسیر سورہ فیل میں موجود ہے۔

سیر الصحابہ (جلد ششم) ۳۳۵ اہل کتاب صحابہ و تابعین (حصہ دوازدہم)

و عموماً ان ضمنی باتوں کو جو اصلی سبب کے ضمن میں پیش آئیں، حملہ کا سبب بنا دیا جاتا ہے۔ جس کی وجہ سے ان واقعات کے پڑھنے والے کو تشویش ہوتی ہے۔ لیکن اگر غائر نظر سے دیکھا جائے تو کلیسا میں گندگی کرنے، آگ لگ جانے یا خزاہی سردار کے قتل کے واقعات درحقیقت حملہ کا سبب نہیں۔ بلکہ اس کا بہانہ بن گئے۔ اصلی سبب سیاسی اور مذہبی تغلب تھا۔ جیسا کہ نجران پر حملہ کرنے کے ذوالو اس نے یہودیوں کے قتل کو بہانہ بنالیا تھا، حالانکہ اپنے سیاسی مصالح کے تحت وہ پہلے سے اس پر حملہ کرنا چاہتا تھا۔

بات یہ ہے کہ کعبہ کی وجہ سے رومیوں کو قدیم زمانے سے حجاز اور خصوصیت سے اس کے مرکزی شہر مکہ پر قبضہ کرنے کی خواہش تھی اور اس کے لئے انہوں نے کئی بار کوشش بھی کی مگر ناکام رہے۔ اس کے بعد انہوں نے غیر جنگی طریقہ اختیار کیا۔ یعنی اقتصادی و سیاسی مراعات و فوائد کے نام سے انہوں نے عربوں کی استمالت شروع کر دی۔

اوپر یہ آچکا ہے کہ قصی کو قیصر نے مکہ پر قبضہ کرنے میں مدد دی اور ان کے حوصلہ مند پوتوں کو رومیوں اور حبشیوں نے اپنے اپنے ملکوں میں تجارت اور آمد رفت کی سہولتیں فراہم کیں۔ ہاشم کے چار لڑکے تھے۔ ہاشم، عبد شمس، نوفل، المطلب۔ ان میں ہر ایک نے جزیرہ عرب کے قریب کے ملکوں سے تعلقات پیدا کئے اور ان ممالک میں تجارتی سہولتیں حاصل کیں۔

عبد شمس نے قیصر روم اور شاہ غسان سے، نوفل نے شاہ ایران سے، مطلب نے یمن کے حمیری بادشاہ سے اور ہاشم نے نجاشی شاہ حبشہ سے ملاقات کی۔ ابن سعد میں ہے کہ قیصر روم نے تو ان کے لئے نجاشی کے نام ایک سفارشی خط بھی لکھا تھا۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ اگر سختی اور جبر سے ان پر قابو نہیں پایا جاسکتا تو اسی ذریعہ سے ان پر اپنا سیاسی و مذہبی اقتدار قائم کیا جائے اور سرحد پر اس کا کامیاب تجربہ ان کو ہو بھی چکا تھا۔ مگر حجازی عرب ان سے کہیں زیادہ ہوش مند نکلے اور ان کی ہوس اقتدار پوری نہ ہو سکی۔

جب حبشہ پر رومیوں کا اقتدار ہوا اور حبشہ کے ذریعے یمن قبضہ میں آیا تو ان کے دل میں حجاز کر سر کر لینے کی پھر خواہش پیدا ہوئی تو تعجب نہیں اور کیا عجب ہے کہ اپنی اسی دیرینہ آرزو کی تکمیل ہی کی غرض سے انہوں نے یمن کو فتح کرنے میں حبشہ کی مدد کی ہو۔

۱۔ محمد بن حبیب ایلاف کے معنی انہود یعنی پروانے لکھے ہیں۔ کتاب الحجر۔ ص ۱۶۲، اس واقعہ کی تفصیل کے لئے دیکھئے یعقوبی۔ جلد ۱۔ ص ۱۲۸، ابن سعد۔ جلد ۱۔ ص ۳۳۔ ۳۵، بعض مفسرین نے سورۃ ایلاف کی تفسیر میں اس طرف اشارہ کیا ہے۔

لیکن اس راہ میں سب سے بڑی جو چیز حائل تھی وہ کعبہ کا تقدس اور اس کی وجہ سے مکہ اور اہل مکہ کی مرکزیت تھی۔ اس کو ختم کرنے کے لئے ابرہہ نے دو کلیسہ بنوائے۔ ایک صنعاء میں اور دوسرا نجران میں، اور سارے عرب قبائل میں ان کی زیارت کے لئے فوج بھیجے۔ مگر اس کو ان تمام کوششوں میں سخت ناکامی ہوئی۔ نہ کعبہ کی تقدیس کو وہ صدمہ پہنچا سکا اور نہ ہو مکہ کی مرکزیت و اہل مکہ کی مرجعیت کا خاتمہ کر سکا۔ اس بنا پر اس کی آتش غضب بھڑک اٹھی ہوگی۔ اسی اثنا میں کلیسا میں نجاست ڈالنے اور آگ لگنے کے واقعات پیش آ گئے ہوں گے جن کو اس نے اپنے حملہ کا بہانہ بنالیا۔ جیسا کہ آجکل کی حکومتیں ایک دوسرے پر حملہ کرنے کے لئے اس طرح کے بہانوں کی تلاش میں رہتی ہیں۔

اس حملہ میں ابرہہ کو سخت ناکامی ہوئی۔ یہ واقعہ ۶۱۵ء میں ہوا۔ اسی سال رحمت عالم ﷺ کی ولادت باسعادت ہوئی۔

جشہ اور عربوں کے تعلقات میں تجارتی کاروبار اور ایک دوسرے کے ملک میں آمد و رفت کو بھی دخل تھا۔ جس کا سلسلہ قدیم زمانہ سے قائم تھا۔ عرب تاجر اپنے ملک سے چمڑے، گوند، لوبان اور اونی کپڑے لے جاتے تھے اور وہاں سے غلہ لاتے تھے۔

بعثت نبوی کے وقت رومیوں اور حجازی عربوں کے تعلقات کشیدہ نظر آتے ہیں، اور ان کا میلان رومیوں سے زیادہ ایرانیوں کی طرف معلوم ہوتا ہے۔ چنانچہ قریشی تاجروں کو رومیوں کے مقبوضات میں جو سہولتیں حاصل تھیں وہ غالباً ختم ہو گئی تھیں۔ بلکہ رومی ان پر بڑے سخت ٹیکس عائد کرنے لگے تھے۔ ہمارا قیاس ہے کہ رومیوں کی کشیدگی کا سبب تو حجاز میں ان کی سیاسی ناکامی ہوگی اور ان کی طرف سے عربوں کی رنجش اور کدورت کا سبب ابرہہ کا حملہ ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ حجاز کے علاوہ دوسرے حصہ کے عربوں اور رومیوں میں اب بھی تعلقات ویسے ہی قائم تھے۔ ایرانیوں کی طرف ان کے میلان کی کوئی وجہ بظاہر سمجھ میں نہیں آئی۔ بجز اس کے کہ وہ بھی بت پرست تھے اور عرب بھی۔

غرض ظہور اسلام کے وقت عام طور پر مشرکین حجاز رومیوں کو ناپسند اور ایرانیوں کو پسند کرتے تھے۔ چنانچہ بعثت نبوی کے کئی سال بعد رومیوں اور ایرانیوں میں ایک زبردست جنگ ہوئی، جس میں

عام مفسرین یہی وجہ بتاتے ہیں۔ لیکن اگر یہی وجہ تسلیم کر لی جائے تو جشہ سے بھی ان کے تعلقات کشیدہ ہونے چاہئیں، مگر ایسا نہیں تھا۔ بلکہ جشہ کی حکومت سے اہل مکہ کے تعلقات ظہور اسلام کے وقت بالکل استوار تھے۔ ممکن ہے کہ اس میں نجاشی کی طبیعت کی دشرافت کو بھی دخل ہو۔

رومیوں کو بڑی سخت شکست ہوئی۔ اس شکست سے اہل مکہ بہت خوش ہوئے مگر مسلمانوں کو اس سے بڑا رنج ہوا۔ جس کی وجہ سے سورہ روم میں یہ آیتیں نازل ہوئیں۔

”الْم غَلِبَتِ الرُّومُ فِي ادْنٰی الْاَرْضِ وَهُمْ مِنْ بَعْدِ غَلِبِهِمْ سَيَغْلِبُونَ فِي بَضْعِ سَنِينَ“

”اہل روم مغلوب ہو گئے۔ ایک قریب کے ملک میں اور اس کے بعد غلبہم سیغلبون فی بضع سنین“

چنانچہ قرآن کی یہ پیش گوئی پوری ہوئی، یعنی یہ کہ چند برس کے بعد پھر رومیوں اور ایرانیوں کو شکست ہوئی۔ آپ ﷺ اس وقت مدینہ میں جلوہ فرماتے اور عین غزوہ بدر کے روز یہ خوشخبری مسلمانوں کو ملی۔

مختصر یہ کہ ان ہی قدیم و جدید تعلقات کی بنا پر جزیرہ عرب کے تقریباً ہر حصہ میں عیسائیت پھیل گئی۔ اب ہم ان مقامات اور قبائل کا نام بنام ذکر کرتے ہیں، جن میں ظہور اسلام کے وقت عیسائیت موجود تھی۔

بحران : بحران یمن میں ایک مشہور مقام تھا۔ یہ اپنی زرخیزی و شادابی اور صنعت و حرفت اور تجارت کی وجہ سے پورے یمن میں مشہور تھا۔ سب سے پہلے یہاں کون لوگ آباد ہوئے، اس میں اختلاف ہے۔ تاہم یہ مسلم ہے کہ بنو اسماعیل یہاں قدیم زمانہ سے آباد تھے۔ اس کے بعد یہاں یہودیت اور پھر عیسائیت پھیلی۔ عیسائیت کی ابتدا کب ہوئی، اس کا صحیح تعین مشکل ہے۔ مجسم البلد ان میں ہے کہ فیمنون ایک نصرانی عابد تھا۔ اسی کے ذریعے یہاں عیسائیت کی ابتدا ہوئی۔ لیکن اس سے سنہ کا تعین نہیں ہوتا۔

۱۔ یورپین مؤرخین متفقہ لکھتے ہیں کہ روم زوال و انحطاط کی آخری حد تک پہنچ چکا تھا اور ایرانیوں سے شکست کھانے کے بعد اس کی رہی سہی قوت بھی ختم ہو گئی تھی۔ ایسی حالت میں قرآن کا چند سال میں دوبارہ غالب آنے کی پیش گوئی کرنا اور پھر اس کا پورا ہونا تو آن کا کھلا معجزہ ہے۔

اس سلسلہ میں مفسرین نے لکھا ہے کہ جب ایرانیوں کو فتح ہوتی تو اہل مکہ خوش ہوتے مگر مسلمانوں کو اس بنا پر کہ یہ اہل کتاب ہیں، اس سے رنج ہوتا۔ ۶۱۳ء میں بعثت نبوی کے چھ برس بعد رومیوں کو سخت ہزیمت ہوئی اور قیصر روم کو قسطنطنیہ میں پناہ لینی پڑی۔ مشرکین عرب کو ایرانیوں کی اس فتح کی اطلاع ہوئی تو وہ بہت خوش ہوئے۔ بعض مشرکین نے حضرت ابوبکر صدیقؓ سے کہا کہ آج ہمارے بھائی ایرانیوں نے تمہارے بھائی رومیوں پر فتح پائی ہے۔ کل ہم بھی تمہیں اسی طرح منادیں گے۔ قرآن نے اسباب ظاہری کے خلاف یہ پیش گوئی کی۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اس بنا پر مشرکین مکہ سے یہ شرط لگائی کہ اگر نو برس کے اندر رومی دوبارہ ایرانیوں پر فتحات نہ ہوئے تو میں تم کو سواؤنٹ دوں گا، اور اگر کامیاب ہوئے تو تم لوگ مجھے اتنے ہی اؤنٹ دو گے۔ چنانچہ ۷ برس کے اندر رومیوں نے فتح پائی اور حضرت ابوبکر صدیقؓ نے ان سے سواؤنٹ لئے۔ (طبری تفسیر سورہ روم)

البتہ اوپر یمن کے سلسلہ میں جو کچھ لکھا گیا ہے، اس سے سنہ کا تو نہیں مگر زمانہ کا تعین کیا جاسکتا ہے۔ یعنی یہ کہ اس کی ابتدا اہل بیت نبویؐ سے ایک صدی پہلے ہو چکی تھی۔

سیاسی اور اقتصادی اہمیت کی بنا پر یمن ہمیشہ سیاسی تغیرات و انقلابات کا آماجگاہ رہا۔ نجران چونکہ اس کا ایک حصہ تھا، اس لئے لازمی طور پر اس کا اثر اس پر بھی پڑتا تھا۔ حمیری حکومت کے زمانہ میں یہاں یہودیت کو فروغ ہوا۔ یمن میں عیسائی حکومت قائم ہوئی تو نجران عیسائیت کا سب سے بڑا مرکز بن گیا۔ یہاں ایک بہت بڑا کلیسا تھا، جس کو عبد امان نے بنوایا تھا اور جو ”کعبہ نجران“ کے نام سے مشہور تھا^۱۔ اس کی تعمیر کا بھی وہی مقصد تھا جو صنعا میں ابرہہ کے تعمیر کردہ کلیسا کا تھا۔

اسلام کے ظہور کے وقت نجران میں ایک چھوٹی سی عیسائی ریاست قائم تھی، جس کا یمن کی مرکزی حکومت سے کوئی تعلق نہیں تھا۔ بلکہ وہ براہ راست قیصر روم کے ماتحت تھی۔ اس کا نظم تین شعبوں میں منقسم تھا اور ان میں سے ہر ایک کا علیحدہ ذمہ دار تھا۔ خارجی اور جنگی امور جس سے متعلق ہوتے اس کو سید کہتے تھے۔ دنیاوی داخلی امور جس کے سپرد ہوتے اس کو عاقب، اور دینی امور کا جو ذمہ دار ہوتا اس کو اسقف کہتے تھے۔ ان عہدیداروں کا تقرر خود قیصر کرتا تھا^۲۔

اس وقت سید کے عہدے پر ابو حارثہ نامی ایک شخص قابض تھا۔ جس کا نسب تعلق بکر بن دائل سے تھا۔ زرقانی نے لکھا ہے کہ عربوں میں سے جب کوئی آدمی نصرانیت قبول کر لیتا تھا تو قیصر کو اس سے بڑی خوشی ہوتی تھی۔ چنانچہ جب ابو حارثہ نے نصرانیت قبول کی تو وہ اس قدر خوش ہوا کہ اس کے سامنے مال و دولت کا ایک ڈھیر لگادیا اور غالباً اسی وقت یہ عہدہ پر سرفراز کیا گیا۔

یہ عہدہ میں ساٹھ آدمیوں پر مشتمل ایک وفد نجران سے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں آیا، جس میں اس ریاست کے متینوں ذمہ دار عہدار بھی تھے۔ آنحضرت ﷺ نے اسلام کی دعوت ان کے سامنے پیش کی۔ مگر انہوں نے قبول نہیں کی۔

سالانہ ٹیکس کی ادائے گی کے وعدہ پر آپ ﷺ نے ان سے مصلحت کر لی اور ان سے ایک معاہدہ ہو گیا۔ مگر واپسی میں اس وفد کے دو ارکان ابو حارثہ اسقف نجران اور اس کے بھائی کرز بن علقمہ میں کچھ ایسی باتیں ہو گئیں کہ راستہ ہی سے ابن علقمہ مدینہ واپس آئے حلقہ بگوش اسلام ہو گئے۔ ان کا تذکرہ اس کتاب میں موجود ہے۔ ان کے علاوہ نجران کے اور افراد نے بھی اسلام قبول کر لیا۔ ان کا بھی ذکر اس کتاب میں ہے۔

نجران کی اہمیت کی وجہ سے اس کا ذکر ذرا تفصیل سے کیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ دومہ الجندل، بحرین، معان، ایلہ، اذرح، جربا، مقنا، عمان وغیرہ میں بھی عیسائیت موجود تھی، جن میں سے اکثر کی جغرافیائی اور تاریخی حیثیت کا ذکر یہود کے سلسلے میں آچکا ہے۔ ان میں سے بعض ماتحت عیسائی حکومتیں بھی قائم تھیں۔ ان مقامات کے علاوہ جزیرہ عرب کی تقریباً تمام مشہور بستیوں میں عیسائی موجود تھے۔ مثلاً مکہ، طائف، مدینہ اور وادی القریٰ وغیرہ۔ وادی القریٰ میں تو ان کے متعدد گرجے بھی تھے۔ (نجر الاسلام، ص ۲۹)

جن قبائل میں عیسائیت فروغ پا چکی تھی یا پارہی تھی۔ ان کے نام یہ ہیں :

قبیلہ غسان : یہ یمنی قبیلہ ہے۔ سد مارب کے ٹوٹنے کے بعد جزیرہ عرب کے شمال مغربی سرحدی مقام پر آباد ہو گیا تھا۔ مزید تفصیل آچکی ہے۔

بنو تغلب : مشہور عدنانی قبیلہ ربیعہ کی ایک شاخ ہے۔ اسی کے قریب عرب کا ایک مشہور قبیلہ بکر بھی آباد تھا۔ بکر و تغلب کی لڑائی، عرب جاہلیت تاریخ کا ایک مشہور واقعہ ہے۔

یہ قبیلہ جزیرہ عرب کے شمال مشرق میں اس تجارتی راستہ پر آباد تھا جو عرب سے عراق کو جاتا ہے۔ یہ مقام اپنے جائے وقوع اور تجارتی اعتبار سے بہت اہم تھا اور ایران کی سرحد کے قریب پڑتا تھا۔ بہت ممکن ہے اسی وجہ سے نصرانیوں نے اس کو اپنانے اور زیر اثر لانے کی کوشش کی ہو۔ بہر حال اس میں عیسائیت موجود تھی۔ یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ یہاں عیسائیت کی ابتدا کب ہوئی۔ ارباب سیر و طبقات صرف اتنا لکھتے ہیں کہ یہ قبیلہ نصرانی ہو گیا تھا۔ اسد الغابہ میں ہے :

”ان کثیراً من العرب قد تنصروا کتغلب“^۱

”بہت سے عرب قبائل نے نصرانیت قبول کر لی تھی۔ ان میں بنو تغلب کا قبیلہ بھی تھا۔“

ابن قتیبہ اور یعقوبی^۲ وغیرہ نے بھی اس کے نصرانی ہونے کی توثیق کی ہے۔ اس قبیلہ کے متعدد افراد مشرف بہ اسلام ہوئے۔ جن کے تذکرے اس کتاب میں موجود ہیں۔

ظہور اسلام کے بعد مدینہ نبوی اور عہد صدیقی میں اس قبیلہ کا ذکر بہت کم بلکہ بالکل نہیں ملتا۔ البتہ ابن قتیبہ کے بیان سے اتنا معلوم ہوتا ہے کہ عہد فاروقی تک یہ لوگ مذہب نصرانیت پر قائم رہے۔ حضرت عمرؓ نے اس بنا پر ان پر جزیہ عائد کرنا چاہا تو وہ بھاگ کھڑے ہوئے۔ زرعہ بن نعمان بارگاہ خلافت میں آئے اور عرض کیا کہ یہ عرب ہیں۔ اس لئے ان کو جزیہ دینا گوارا نہیں ہے۔ دوسرے شجاع

اور طاقتور ہیں۔ ان کو دشمنوں کے ہاتھ نہ جانے دیں (یعنی اگر آپ جزیہ لگائیں گے تو یہ رومیوں سے مل جائیں گے)۔ بلکہ ان پر زیادہ سے زیادہ صدقہ دوگنا کر دیں اور ارشاد فرمائیں کہ آئندہ اپنی اولاد کو نصرانی نہ بنائیں! چنانچہ حضرت عمر فاروقؓ نے زرعہ کے حسب مشورہ اسی پر عمل کیا۔

بنو کلب : یہ قبیلہ بھی نصرانی تھا اور دومۃ الجندل کا عیسائی حاکم اکیدر تھا۔ اس میں متعدد ایسے قبائل تھے جو بڑے اثر و رسوخ کے مالک تھے۔ قبیلہ کلب خاص طور سے بہت ممتاز اور حکومت کا حریف تھا۔ اس کا اثر تبوک تک پھیلا ہوا تھا۔ ظہور اسلام کے وقت اس قبیلہ کے سردار صبیغ تھے، جو حضرت عبدالرحمن بن عوف کی کوششوں سے حلقہ بگوش اسلام ہو گئے تھے اور اپنی صاحبزادی تماضر کو حضرت عبدالرحمن بن عوف کے حبلہ عقد میں دے دیا تھا۔ ان کے اور ان کی صاحبزادی کے حالات اس کتاب کے آئندہ صفحات میں درج ہیں۔

ابن خلدون نے لکھا ہے کہ بنو کلب کی ایک کثیر تعداد اس وقت بھی (یعنی آٹھویں صدی ہجری میں) خلیج قسطنطنیہ کے ساحل پر آباد ہے۔ اس میں سے کچھ مسلمان ہیں اور کچھ عیسائی۔

قضاہ : پورے قبیلہ میں تو نہیں مگر اس کے بعض خاندانوں میں نصرانیت تھی۔ یہ حجاز و شام کے تجارتی راستہ پر تبوک کے قریب آباد تھا۔ کثرت تعداد اور فوجی قوت کی وجہ سے اس کو بڑی اہمیت حاصل تھی اور جس مقام پر آباد تھا وہ مقام بھی جغرافیائی حیثیت سے بڑا اہم تھا۔ یہ قبیلہ رومیوں کے زیر اثر تھا۔

اسی طرح بنو تمیم کے بعض افراد نے عیسائیت قبول کر لی تھی۔ عرب کا مشہور اور جرم مسلحہ کا صدر نشین شاعر امرؤ القیس اسی قبیلہ سے تھا۔ جس کی بنا پر بعض عیسائی مستشرقین نے یہ ثابت کیا ہے کہ یہ عیسائی تھا۔ حالانکہ یہ صحیح نہیں ہے۔ البتہ اس کے خاندان کے بعض افراد نصرانی ضرور تھے۔

ربیعہ : جس کی ایک شاخ بنو تغلب تھی، جس کا ذکر اوپر آچکا ہے۔ اس کے بعض دوسرے خاندانوں میں بھی نصرانیت تھی۔

اسی طرح یمن کے مشہور قبیلہ طے میں بھی نصرانیت کا پتہ چلتا ہے۔ حضرت عدی بن حاتم اور ان کی ایک بہن کا تذکرہ اس کتاب میں آیا ہے۔ یہ دونوں اسی قبیلہ سے تعلق رکھتے تھے اور عیسائی تھے۔

سیر الصحابہ (جلد ششم) ۳۵۱ اہل کتاب صحابہ و تابعین (حصہ دوازدہم)

قبیلہ عبدالقیس : جو عمان کے قریب آباد تھا۔ اس میں بھی نصرانیت موجود تھی۔ حضرت جارودؓ جن کا تذکرہ اس کتاب میں موجود ہے، اسی قبیلہ سے تھے۔

ان کے علاوہ تنوع، نخم، مذحج، بہرا، سلج وغیرہ قبائل نے بھی نصرانیت قبول کر لی تھی، اور ان میں سے بیشتر رومیوں کے زیر اثر تھے۔ جنگ موئہ میں یہ سب کے سب رومیوں کی حمایت میں مسلمانوں کے خلاف صف آرا تھے۔ ان میں سے بیشتر کو قیصر روم کی طرف سے سالانہ پندرہ سیر سونا بطور وظیفہ ملتا تھا۔

اس تفصیل سے اندازہ ہو گیا ہوگا کہ پورے جزیرہ میں نصرانیت کی ترقی و فروغ کے لئے عیسائی حکومتوں نے کتنا سبب جال بچھا رکھا تھا۔ اس کے لئے کیا کیا تدبیریں وہ اختیار کر رہی تھیں اور کتنی رشوتیں دے رہی تھیں اور یہ سلسلہ برسوں سے نہیں صدیوں سے جاری تھا۔ لیکن ان تمام کوششوں اور تدبیروں کے باوجود کم سے کم حجاز میں تو عیسائیت کا اثر برائے نام ہی پیدا ہو سکا۔ جس سے قبضہ میں لانے اور اپنا اثر قائم کرنے کے لئے انہوں نے کیا کیا جتن نہ کر ڈالے تھے۔

اس مقابلہ میں اسلام نے پورے جزیرہ میں چند برسوں میں عظیم الشان اور حیرت انگیز انقلاب برپا کر دیا۔ جس نے چشم زون میں پورے عرب کی کایا پلٹ دی۔ اس کے لئے نہ تو یہ سیاسی چال چلی، نہ کوئی اقتصادی دباؤ ڈالا گیا اور نہ جبر و زور سے کام لیا گیا۔ بلکہ اس کی دعوت، تبلیغ اور اعلیٰ اخلاقی تعلیمات اور پھر اس کے مظاہر سے سارا عرب مسحور اور حلقہ بگوش اسلام ہو گیا۔

حیرہ : عیسائیت کے مذہبی اثرات جزیرہ عرب کے اندرونی مرکزی مقامات کے علاوہ ایک سرحدی مقام حیرہ میں بھی کچھ نہ کچھ موجود تھے۔ حالانکہ وہ ایرانیوں کے باجگزار ریاست تھی۔ جہاں قبیلہ نخم کی حکومت تھی۔

نخم کے متعلق اوپر آچکا ہے کہ اس میں نصرانیت تھی۔ اس کے حکمران نعمان کے متعلق لکھا ہے کہ عدی بن زید ایک نصرانی شاعر نے اس کو ایک دن نصیحت کی۔ اس نصیحت کا اس پر ایسا اثر ہوا کہ اس نے فوراً نصرانیت قبول کر لی اور تخت و تاج کو خیر باد کہہ دیا۔ اسی طرح نعمان خاس کی بیوی بھی عیسائی ہو گئی تھی، اس کا نام ہمد تھا۔ اس نے اپنے نام سے ایک کلیسا ”دی ہند“ بنوایا تھا۔

طبری نے لکھا ہے کہ یہ ہمارے زمانے تک (یعنی تیسری صدی ہجری تک) موجود تھا۔ اس کے علاوہ حیرہ میں اور بھی متعدد گرجے تھے۔ خصوصیت سے ”دیر حنظلہ“ بہت مشہور تھا۔ جس کو حیرہ کے ایک حکمران ایاس بن قبیصہ کے چچا حنظلہ نے بنوایا تھا۔

حیرہ کا ذکر یہاں اس لئے کیا گیا کہ یہ جزیرہ کا سرحدی مقام تھا۔ جہاں عرب آباد تھے۔ اور وہی حکمران بھی تھے۔ پورے عرب میں غالباً حیرہ ہی ایک ایسا مقام تھا، جہاں عیسائیت نے کسی مادی سہارے اور حکومت کی پشت پناہی کے کسی قدر رواج پایا۔

عیسائیوں اور عربوں کے سیاسی تعلقات اور مذہبی اثرات کے نتائج :

اوپر جو تفصیل کی گئی ہے اس سے جزیرہ عرب میں عیسائیوں کے سیاسی اور مذہبی اثرات کا اندازہ ہو گیا ہوگا۔ لیکن اس کا ایک پہلو اب بھی تشنہ تفصیل ہے۔ وہ یہ ہے کہ عربوں کے ذہن و دماغ و تمدن پر اس کا مجموعی اثر کیا مرتب ہوا؟ یہاں مختصر اس پر کچھ روشنی ڈالی جاتی ہے۔

نصرانیت کے فروغ سے جاہلی عربوں کے تمدن اور ان کے ذہن و دماغ میں جو تغیر ہوا، اس کی پوری نشان دہی تو مشکل ہے تاہم ان کی تاریخ کے قدیم واقعات، ان کے علوم و فنون اور ادب و شاعری کے جو نمونے اب تک محفوظ رہ گئے ہیں، ان کے کچھ نہ کچھ عکاسی ضرور ہوتی ہے۔

ثقافتی و تمدنی اثرات :

اوپر قصی کے مکہ پر قابض ہونے کا ذکر آچکا ہے۔ قصی سے پہلے غالباً یہاں کوئی نظم و نسق اور کسی قسم کی سیاسی وحدت نہ تھی۔ مگر انہوں نے مکہ پر قبضہ کرنے کے بعد اس کو س ایک چھوٹی سی باقاعدہ ریاست میں تبدیل کر دیا۔ جس کے متعدد شعبے اور عہدے تھے اور جن میں سے اکثر ظہور اسلام تک باقی تھے۔ اس مختصر سی ریاست کا سیکریٹریٹ یا مرکزی دفتر دارالندوہ تھا۔ جہاں ریاست سے متعلق جملہ مہمات امور طے ہوتے تھے۔

قصی کا یہ نظام حکومت خود ساختہ نہیں، بلکہ بڑی حد تک ان تعلقات کا رہن منت معلوم ہوتا ہے، جو ان کے اور رومیوں کے درمیان قائم ہو چکے تھے۔ اس نظام حکومت کے بارے میں ڈاکٹر حمید اللہ صاحب لکھتے ہیں :

”اہل شہر پر سالانہ ٹیکس اندازی وغیرہ فیتھی اور اس سے زیادہ یونانی شہری مملکتوں سے ملے کی شہری مملکت غیر مشابہت رکھتی ہے۔“ (سیاسی زندگی۔ ص ۲۵۹)

ظہور اسلام سے پہلے عربوں کے سماجی نظام اور آس پاس کے ملکوں اور قوموں سے ان کے تجارتی اور سفارتی تعلقات کے جو واقعات و حالات تاریخوں میں محفوظ ہیں وہ بھی نصرانیوں کے تمدنی اثرات کی غمازی کرتے ہیں۔

علمی اثرات : نصرانیت یونان و اسکندریہ میں پروان چڑھی تھی۔ اس لئے وہ جہاں بھی گئی اپنے ساتھ وہاں کے علوم و فنون مثلاً نجوم اور مابعد الطبیعات افکار بھی لیتی گئی۔ نصرانیت کو ان علوم کی اور خصوصیت سے فلسفہ اور نجوم کی مذہبی حیثیت سے بھی ضرورت تھی۔ چنانچہ آپ دیکھیں گے کہ عیسائیوں کے علماء اور مذہبی پیشوا، مذہبی حیثیت سے زیادہ فلسفی ہوتے تھے۔ اس لئے کہ نصرانی ثقافت اور مذہب کی اشاعت میں ان کو ان علوم سے بہت کافی مدد ملتی تھی۔ ظاہر ہے کہ عرب میں اس کے قدم آئے ہوں گے تو یہ علوم بھی اس کے ساتھ لگے لپٹے آئے ہوں گے۔

خیال ہوتا ہے کہ بعثت نبوی سے پہلے عربوں میں علم نجوم، طب اور مابعد الطبیعاتی تصورات و افکار کے جو اثرات بھی نظر آتے ہیں۔ اس کے فروغ میں نصرانیت کو ضرور دخل تھا۔ اس خیال کی مزید تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ عہد اسلام کے بعد یونانی علوم و فنون جو سریانی عربی میں ہوا، وہ زیادہ تر نصرانی ہی علماء و مترجمین کی سرکردگی میں ہوا۔ خصوصیت سے فلسفہ و طب کا شعبہ تو کئی صدی تک ان ہی کے زیر اثر رہا۔

ادب و شعر : عربی ادب و شاعری میں بے شمار ایسے الفاظ، جملے، ترکیبیں اور خیالات ملتے ہیں جو نصرانیت کے اثر کا بین ثبوت ہیں۔

جانبی ادب و شعر کا اگر ہم لغوی جائزہ لیں تو زمین کی پستی و بلندی، پہاڑ کے نشیب و فراز، راستوں کی فراخی و تنگی۔ صحرا کی خشکی و ویرانی کے لئے سینکڑوں ہزاروں الفاظ مل جائیں گے، جن سے ان مناظر و کیفیات کا پورا نقشہ کھینچ جاتا ہے۔ لیکن اگر آپ سمندر اور اس کے متعلقات کے الفاظ کے لئے عربی لغت کھنگالیں تو مشکل سے چند الفاظ ملیں گے۔ ان بھی خالص عربی تو بہت کم ہوں گے۔

اُونٹ، تلوار، اور سانپ کے نام اور ان کے متعلقات کے لئے عربی لغت کا دامن تو بڑا وسیع ہے، لیکن کشتی، کشتی رانی، سمندری سفر اور اس کے لوازم ضروریات کے لئے مشکل سے دس بیس الفاظ ملیں گے، اور جو ہوں گے وہ دوسری زبانوں سے مستعار ہوں گے۔ یہ تو محسوسات کا حال ہے۔ لیکن معنوی کیفیات کا حال اس سے کچھ زیادہ مختلف نہیں ہے۔ خوشی و مسرت، لہو و لعب، عیش و تنعم کے حالات و جذبات کے اظہار کے لئے عربی لغت میں الفاظ کی اتنی بہتات نہیں ہے، جتنی بہتات فقر و فاقہ، حزن و ملال اور قتل و خونریزی کے الفاظ و محاورات کی ہے۔

سیر الصحابہ (جلد ششم) ۳۵۴ اہل کتاب صحابہ و تابعین (حصہ دوازدہم)

غرض یہ ہے کہ عربی ادب و شاعری کا نشوونما جس سرزمین میں ہوا، اس میں اس کے اثرات زیادہ نمایاں ہیں۔ لیکن جوں جوں عربوں کا اختلاط ان قوموں سے بڑھتا گیا جو علم و تمدن میں ان سے ترقی یافتہ تھیں تو ان کے ادب و شعر میں بھی ان کے آثار نمایاں ہوتے چلے گئے اور ظاہر کے کہ عربوں کو سب سے زیادہ جن ترقی یافتہ قوموں سے اختلاط کا موقع ملا، ان میں ایرانی، یہودی اور نصرانی سب سے زیادہ نمایاں ہیں۔

ایرانیوں کے اثرات کی بحث تو ہمارے موضوع سے خارج ہے اور یہودیوں کے اثرات کی طرف اشارہ کیا جا چکا ہے۔ اب چند سطریں نصرانیوں کے اثرات پر لکھی جاتی ہیں۔

غسانی گونسلا عرب تھے۔ مگر رومیوں سے صدیوں کے تعلقات کے وجہ سے بہت زیادہ گھل مل گئے تھے اور ان کا علم و تمدن کا اتنا گہرا اثر قبول کیا تھا کہ ظہور اسلام کے وقت وہ عرب سے زیادہ رومی معلوم ہوتے تھے۔ مگر اس کے باوجود بھی ان کا تعلق جزیرہ عرب سے منقطع نہیں ہوا تھا، اس لئے اس دو گونہ تعلق کی وجہ سے نصرانی علم و تمدن کے عرب میں فروغ پانے کا بہت بڑا ذریعہ بن گئے۔

جزیرہ کے ہر حصہ کے عربی شعراء اپنے ان عیسائیوں کے پاس جاتے تھے، ان کو اپنا کلام سناتے تھے۔ انعام و اکرام حاصل کرتے تھے اور ان کے عیش و تنعم سے متاثر ہوتے تھے۔ نابغذ بیانی، اُشی، المرش الکبر اور علقمہ الفحل جیسے مشہور روزگار و صاحب کمال شعراء غسانیوں کے دربار میں گئے اور ان سے خراج عقیدت وصول کیا۔ ان ہی کے بارے میں حضرت حسانؓ نے جاہلیت کے زمانہ میں کہا تھا :

لله در عصابة نادمتهم يوماً بخلق في الزمان الاول

خود حضرت حسانؓ کو غسانیوں نے ایک دعوت میں جو وہاں کے حکمران جبلة بن اسہم کے اہتمام میں ہوئی تھی مدعو کیا تھا۔ جب وہ وہاں سے واپس آئے تو لوگوں سے کہا کہ نہ میری آنکھوں نے ایسا منظر اس سے پہلے دیکھا اور نہ میرے کانوں نے سنا تھا۔ پھر انہوں نے اس مجلس کی ایک ایک چیز کی شاعرانہ زبان میں تعریف کی۔ اس سے غسانیوں کے تمدن و تہذیب کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ ان کے متعلق لاتعداد قصص و امثال اور ان کے عیش و تنعم و عمران کے سینکڑوں واقعات عربی ادب و شاعری میں ملیں گے۔

نصرانی اور ان سے متاثر شعراء کے کلام پر آپ نظر ڈالیں گے تو آپ کو اس اثر کی بہت سی مثالیں ملیں گی۔

سیر الصحابہ (جلد ششم) ۳۵۵ اہل کتاب صحابہؓ و تابعینؓ (حصہ دوازدہم)

امیہ بن الصلت نے سب سے پہلے بامسمک اللہم کے لفظ سے عربوں کو روشناس کیا۔ اسی طرح ابابعد کو سب سے پہلے قس بن مسعدہ نے استعمال کیا۔ امیہ صحیف قدیم کا عالم تھا وہ اپنے اشعار میں ایسے بہت سے الفاظ استعمال کرتا تھا۔ جو اس سے پہلے عربی زبان میں رائج نہیں تھے۔ مثلاً ”قمر و ساہور“، ”یُسْلُ و یغمد“۔ اسی طرح اللہ کے لئے ”سلیط“ اور تفرور وغیرہ کے الفاظ اس نے استعمال کئے۔

مفسرین نے لکھا ہے کہ قرآن میں عبرانی، سریانی، رومی اور حبشی زبان کے متعدد الفاظ اور ترکیبیں استعمال ہوئی ہیں۔ عبرانی الفاظ کی تفصیل تو یہودیت کی تاریخ کے سلسلہ میں اوپر آچکی ہے کہ یہ زبان زیادہ تر یہودی سے مخصوص تھی، مگر نصرانیوں میں ان کے مختلف علاقوں میں مختلف زبانیں رائج تھیں۔ مثلاً سریانی، رومی، حبشی وغیرہ۔ ان زبانوں کے جو الفاظ اور فقرے قرآن پاک میں آئے ہیں وہ یہ ہیں :

سریانی الفاظ : فردوس ، طہ ، طور ، ہیت لک ، ولات حین مناص میں ولات ، رَبَّانِیُّونَ ، رَبِّیُّونَ ، رَہو ، الیم ، صلوات ، (کنالیس) قنطار ۔ ان کے علاوہ متعدد الفاظ ایسے ہیں جو اشتقاق کے لحاظ سے تو عربی ہیں، مگر ان کے بہت سے معانی سریانی سے آئے ہیں ، مثلاً قیوم ، اسفار ، آخر ، قمل ، سُجَّدُ وغیرہ ۔

رومی الفاظ : قسطاس رقیم ، طفق اور قسطاس وغیرہ ۔

حبشی الفاظ : جبت ، طاغوت ، حوب ، طوب ، طوبی ، سکر ، سجل ، مشکوۃ ، منساۃ ، اس کے علاوہ اور بھی متعدد الفاظ کو حبشی بتایا گیا ہے۔

یہ ساری تفصیل امام سیوطی کی کتاب التوکل اور ابن درید کی کتاب الاشتقاق میں ملے گی۔

ابھی بعث نبوی کے بعد مسلمانوں اور نصرانیوں کے اجتماعی اور سیاسی تعلقات ان کی اخلاقی اور دینی حالت، قرآن و حدیث کی روشنی میں مومنین اہل کتاب کے فضائل و مناقب وغیرہ کی تفصیل باقی تھی، مگر مجبوراً یہ سلسلہ ختم کیا جاتا ہے۔ اس لئے کہ ۱۵۰ ختم ہو رہا ہے اور حسب تجویز سال کے اندر اندر اس کتاب کا شائع ہو جانا ضروری ہے اور ابھی کتاب کے نقشے اور ضمیمہ کی طباعت بھی باقی ہے۔ اب اگر چند صفحے اور بڑھائے گئے تو کتاب اس سال شائع نہ ہو سکے گی۔

آخر میں اہل علم حضرات سے گزارش ہے کہ اگر مقدمہ یا نفس کتاب میں کوئی تاریخی غلطی یا میرے ان قیاسات میں جو میں نے واقعات کی روشنی میں کئے ہیں، کوئی تضاد نظر آئے تو راقم السطور کو اس سے مطلع فرما کر ممنون احسان فرمائیں گے۔

اس میں غلطی اور ترمیم و اضافہ کا اس لئے اور زیادہ امکان ہے کہ اس سے پہلے اس نفس پر کوئی کتاب نہیں لکھی گئی۔ بلکہ یہ نقش اول ہے۔ جس کو ایک نو مشق طالب علم نے اپنی کم سوادى اور علمى بے بضاعتى کے باوجود صفحہ قرطاس پر ثبت کرنے کی کوشش کی ہے۔

یہ کتاب صرف ایک دینی خدمت اور ایک علمی کمی کو پورا کرنے کے لئے لکھی گئی ہے۔ خدائے قدوس سے دعا ہے کہ اسے قبول اور اس کی جزاء آخرت میں عطا فرمائے۔

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا إِنَّكَ أَنْتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ط

خادم

محیب اللہ ندوی
شبلی منزل، اعظم گڑھ

۱۶۔ صفر ۱۴۷۱ھ مطابق ۱۷۔ نومبر ۱۹۵۱ء

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

الصحابة

(الف)

(۱) حضرت ابرہہؓ

نام و نسب : ابرہہ نام ہے۔ شام یا حبشہ کے رہنے والے اور مذہباً عیسائی تھے۔ نام و نسب کے متعلق اور کوئی تفصیل کتب رجال میں نہیں ملتی۔

اسلام : ان کے قبول اسلام کے متعلق یہ تو متعین طور پر نہیں بتایا جاسکتا کہ کب اور کہاں قبول کیا۔ مگر قرآن سے اتنا پتہ چلتا ہے کہ جب بہت سے صحابہ مکہ سے ہجرت کر کے حبشہ گئے اور ان کو نجاشی کے دربار میں درخور حاصل ہوا اور ان کے ذریعہ اہل حبشہ کو اسلام سے واقف ہونے کا موقع ملا تو خود نجاشی اور ان کے ساتھ بہت سے علمائے نصاریٰ نے اسلام قبول کیا۔ غالباً انہی اسلام قبول کرنے والوں میں حضرت ابرہہؓ اور ان کے دوسرے رفقاء بھی تھے۔

خدمت نبوی میں حاضری :

اہل حبشہ میں سے جن لوگوں نے اسلام قبول کر لیا تھا۔ ان کے دل میں رسول اللہ ﷺ کی زیارت کا بے حد اشتیاق تھا۔ اتفاق سے اسی درمیان میں مہاجرین حبشہ جعفرؓ کے ساتھ مدینہ واپس آرہے تھے۔ اسی قافلہ کے ساتھ حضرت ابرہہؓ بھی مدینہ آئے اور زیارت نبوی سے مشرف ہوئے۔

۱۔ حافظ ابن حجر نے اصحاب میں اس نام کو دو نام شمار کر کے ایک جگہ ”ابریہہ حبشی“ اور دوسری جگہ ”ابریہہ آخر“ کی سرخی قائم کی ہے۔ لیکن غالباً صحیح نہیں ہے۔ اس لئے اسد الغابہ تحریر اور دوسری کتب طبقات میں ایک ہی نام شمار کیا گیا ہے۔ (اصابہ ص ۱۰)

۲۔ اکثر طبقات میں ان کا نام شامی ہونا درج ہے۔ حافظ حجر نے بھی اصابہ میں اثنی عشریہ الشامین لکھا ہے۔ مگر جہاں انہوں نے ان کے احباب کے حالات لکھے ہیں، وہاں ان کو شامی کے بجائے حبشی لکھا ہے۔ مثلاً اشرف کے تذکرہ میں لکھتے ہیں :

اهد الثمانیہ اللین قلعوا من رہبان الحبشة یا اور لیس کے تذکرہ میں لکھتے ہیں : احد الثمانیہ المعہاجرین من الحبشة ، اس سے قیاس ہوتا ہے کہ غالباً ان کے اجداد شامی ہوں گے اور اہل حبشہ کے ہم عقیدہ ہونے کی وجہ سے عارضی طور سے یا مستلاً حبشہ آ گئے ہوں گے، اور وہیں اسلام قبول کیا ہوگا۔ یمن سے ملوک حمیر کا جو وفد رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آیا تھا، اس میں بھی ایک ابرہہ کا ذکر آتا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ یہ وہی ہوں۔ واللہ اعلم بالصواب (خس العلوم ص ۳۳)

۳۔ چالیس آدمیوں تک کے اسلام قبول کرنے کا ذکر ہے۔ اگرچہ ان کے ناموں کی تصریح بہت کم ملتی ہے۔ (اصابہ ص ۱۷)

۴۔ آپ کے دوسرے رفقاء کے تذکرے آگے آتے ہیں۔ حالات لکھتے وقت اشارہ کر دیا جائے گا۔

غزوات : کسی غزوہ میں شرکت صحیح طور پر ثابت نہیں ہے۔^۱

فضائل : آپ کا شمار ان اہل کتاب صحابہ میں ہے جن کے بارے میں یہ آیتیں نازل ہوئی ہیں :

”الَّذِينَ آمَنُوا بِالْكِتَابِ مِنْ قَبْلِهِ هُمْ بِهِ يُؤْمِنُونَ..... أُولَٰئِكَ يُؤْتَوْنَ أَجْرَهُمْ مَرَّتَيْنِ بِمَا صَبَرُوا“۔ (قصص)

”جن لوگوں کو ہم نے قرآن سے پہلے کتابیں دیں وہ اس پر ایمان لاتے ہیں (اور قرآن پر بھی ایمان رکھتے ہیں)۔۔۔۔۔ یہی لوگ ہیں جن کو ان کے صبر کی وجہ سے دوہرا ثواب ملے گا۔“

گو آپ کے نام کی تصریح نہیں ہے مگر مفسرین لکھتے ہیں کہ حبشہ سے علمائے نصاریٰ کا جو وفد آیا تھا، اسی کے بارے میں یہ آیتیں بھی نازل ہوئیں اور آپ بہر حال اسی وفد میں تھے۔^۲

”وَلَتَجِدَنَّ أَقْرَبَهُمْ مَوَدَّةَ لِلَّذِينَ آمَنُوا الَّذِينَ قَالُوا إِنَّا نَصَارَىٰ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ قَبْسِيَّيْنِ وَرُءُوبَانَا وَأَنَّهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُونَ . وَإِذَا سَمِعُوا مَا أُنْزِلَ إِلَى الرَّسُولِ تَرَىٰ أَعْيُنُهُمْ تَفِيضُ مِنَ الدَّمْعِ مِمَّا عَرَفُوا مِنَ الْحَقِّ“۔

(مائده - ۱۱)

”مسلمانوں سے محبت رکھنے میں قریب تر آپ ان لوگوں کو پائیں گے جو اپنے آپ کو نصاریٰ کہتے ہیں۔ یہ اس لئے کہ ان میں بہت سے عالم اور بہت سے زاہد و درویش ہیں اور اس لئے کہ وہ تکبر نہیں کرتے، جب وہ سنتے ہیں اس کو جو رسول ﷺ کی طرف اتارا گیا (قرآن) تو آپ دیکھیں گے کہ ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے ہیں اور اس کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے حق کو پہچان لیا۔“

سنہ وفات اور زندگی کے دوسرے حالات معلوم نہیں ہو سکے۔

۱۔ اسد الغابہ میں ہیکہ جب غزوہ بدر میں مسلمانوں کو فتح نصیب ہوئی اور اس کی خبر حبشہ تک پہنچی تو جو لوگ اہل حبشہ میں اسلام لائے تھے انہوں نے مدینہ جا کر نبی ﷺ کی زیارت کرنے کی خواہش نجاشی سے ظاہر کی۔ چنانچہ وہ اجازت لے کر مدینہ آئے اور غزوہ احد میں شرکت بھی کی۔ اس میں حضرت ابراہہؓ بھی تھے۔ اصابہ میں بھی اس قسم کی ایک روایت ہے۔ مگر امام ذہبی نے تجریدی میں یہ تصریح کی ہے کہ عن مقاتل انہ اشہد احد او هذا لا یثبت روایت ہے کہ وہ احد میں شریک ہوئے، مگر یہ صحیح نہیں ہے۔ بعض روایتوں میں حضرت جعفرؓ کے آنے سے پہلے ایک وفد کے آنے کا ذکر ہے۔ مگر اہل رجال نے یہ تصریح کر دی ہے کہ وہ مدینہ پہنچنے سے پہلے ہی دریا میں غرق ہو گیا۔ (اسد الغابہ۔ جلد ۱۔ ص ۶۲)

۲۔ بعض روایتوں سے پتہ چلتا ہے کہ یہ روایت رفاعہ القرظی اور ان کے ساتھ اسلام قبول کرنے والوں کے بارے میں نازل ہوئی اور بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سے حضرت سلمان فارسیؓ اور عبد اللہ ابن سلام مراد ہیں۔ بعض روایتوں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس کا نزول عام ہے اور یہی صحیح ہے۔

۳۔ اصابہ۔ جلد ۱۔ ص ۱۷۱ و اسد الغابہ۔ جلد ۱۔ ص ۶۲

(۲) حضرت ادریسؑ

نام و نسب : ادریس نام ہے۔ شام یا حبشہ کے رہنے والے تھے۔ حضرت جعفرؑ کے ساتھ حبشہ کے جو عیسائی مدینہ آئے تھے، ان میں یہ بھی تھے۔

اسلام : آپ نے بھی حضرت ابرہہؑ کے ساتھ ہی اسلام قبول کیا۔

زیارت نبوی ﷺ : حبشہ کے وفد کے ساتھ مدینہ آئے اور حضور ﷺ کی زیارت کی دولت سے بہرہ مند ہوئے۔

فضائل : آپ بھی ان خوش قسمت اہل کتاب صحابہ میں ہیں، جن کے بارے میں قرآن کی متعدد آیتیں نازل ہوئیں اور اس انعام کے بھی مستحق ہوئے۔

”اُولَئِكَ يُؤْتُونَ اَجْرَهُمْ مَرَّتَيْنِ“

”یہی لوگ ہیں جن کو دو ہر اثواب ملے گا۔“

آپ کی زندگی کے عام حالات اور وفات کے متعلق اور کوئی تفصیل نہیں مل سکی۔

(۳) حضرت اسید بن سعیدؓ

نام و نسب : اسید نام ہے۔ باپ کا نام سعید تھا۔ قبیلہ ہذل^۱ جو بنو قریظہ^۲ ہی کی ایک شاخ تھی اس سے آپ کا نسب تعلق تھا۔

اسلام : بنو قریظہ کا معاملہ ان کی خواہش کے مطابق رسول اللہ ﷺ نے سعد بن معاذ کے سپرد کر دیا تھا کہ وہ جو فیصلہ کریں گے، اسی کے مطابق عمل کیا جائے گا۔ حضرت سعد بن معاذؓ نے یہ فیصلہ کیا کہ قبیلہ کے جتنے بالغ مرد ہیں وہ سب قتل کئے جائیں اور عورتیں اور بچے اور لونڈی غلام بنائیں جائیں۔ جب اس فیصلہ کی خبر حضرت اسیدؓ کو ہوئی تو وہ اپنے چند احباب کے ساتھ بنو قریظہ کے پاس گئے اور

۱۔ اصحاب، جلد ۱۔ ص ۲۷ ادریسؑ کے تذکرہ میں شامی یا حبشہ ہونے کی تحقیق گزر چکی ہے۔ ۲۔ ایضاً ۳۔ ایضاً
۴۔ اکثر لوگوں نے آپ کا نام اسد بغیری 'ی' کر لکھا ہے۔ مگر استیعاب اور اسد الغابہ میں یہ تصریح ہے کہ صحیح اسید ہے۔ ابن ہشام نے بھی اسید ہی لکھا ہے۔ (ابن ہشام۔ جلد ۲۔ ص ۱۶۹ و اصحاب۔ جلد ۱۔ ص ۳۳)

۵۔ ہدلی، هذه النمة الى الهدال اخوة بنی قریظہ و دعوتهم (ای نسبہم - جلد ۱۸۔ ص ۲۳۶ لسان)
من قریظہ (سمعانی) بنو ہذل بنی قریظہ ہی کی شاخ ہے۔ ۱۔ ابن ہشام۔ جلد ۲۔ ص ۱۶۹

سیر الصحابہ (جلد ششم) ۳۶۰ اہل کتاب صحابہ و تابعین (حصہ دوم)

ان سے کہا کہ تم لوگوں کو ابن الہبیان کی بات یاد نہیں ہے کہ تم نے کیا وعدہ کیا تھا؟ اے یہود! اللہ سے ڈرو! اور اس نبی برحق کا اتباع کرو۔ مگر یہود نے اتباع کرنے اور اسلام قبول کرنے سے گریز کیا۔ حضرت اسیدؓ نے اپنے چند ساتھیوں کے ساتھ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اسلام قبول کیا اور اپنے اہل و عیال اور مال و دولت کو اللہ کی حفاظت میں دے کر بچا لیا۔

وفات : آپ کے سنہ وفات کی تصریح تو نہیں ملتی، مگر بخاری کے بیان سے اتنا پتہ چلتا ہے کہ عہد بنوی ﷺ میں اس دار فانی کو چھوڑ چکے تھے۔

فضل و کمال : جب رسول اللہ ﷺ کے متعلق ان کو پورے طور سے یقین ہو گیا کہ نبی موعود آپ ہی ہیں تو آپ کے اتباع سے کوئی تعلق اور رشتہ نہ روک سکا۔ گو آپ کو اس راہ میں نشانہ کلامت و مصیبت بننا پڑا۔ چنانچہ جب آپ اسلام لائے تو یہود نے مختلف طریقے سے آپ کو ستانا شروع کیا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

”لَيْسُوا سَوَاءً مِّنْ أَهْلِ الْكِتَابِ أُمَّةٌ قَائِمَةٌ يَتْلُونَ آيَاتِ اللَّهِ آنَاءَ اللَّيْلِ وَهُمْ يَسْجُدُونَ“ (ال عمران)

”سب اہل کتاب برابر نہیں ہیں، ان میں جماعت ہے جو (دین) پر قائم ہے اور رات کے اوقات میں وہ اللہ کی آیات کی تلاوت کرتی ہے اور وہ نمازی بھی ہیں۔“

زندگی کے اور حالات پردہ اخفا میں ہیں۔ ثعلبہ آپ کے عیسائی بھائی تھے، جن کا ذکر آئے گا۔

(۴) حضرت اسد بن عبید

نام و نسب : اسد نام ہے۔ باپ کا نام عبید تھا۔ آپ بھی قبیلہ ہدل کے ایک فرد تھے۔

اسلام : بنو قریظہ کو آپ نے بھی بہت کچھ سمجھایا، مگر جب وہ اپنے ضد پر اڑے رہے تو حضرت اسید کے ساتھ انہوں نے بھی اہل خاندان سے رشتہ توڑ کر اسلام سے جوڑ لیا اور اس سے کبھی علیحدہ نہیں ہوئے۔

۱۔ ابن الہبیان ایک یہودی عالم تھا، جو شام سے مدینہ چلا آیا تھا۔ مدینہ کے یہود قحط اور دوسری مصیبتوں کے وقت اس سے دعائیں کراتے تھے۔ جب اس کے انتقال کا وقت قریب تو اس نے یہود کو جمع کیا اور کہا تمہیں معلوم ہے کہ شام جیسی سرسبز و شاداب جگہ چھوڑ کر مدینہ جیسی غیر شاداب جگہ کیوں چلا آیا؟ میں یہاں اس لئے آیا تھا کہ مجھے ایک نبی کا انتظار تھا، جو یہاں ہجرت کر کے آئے گا۔ میں اگر زندہ رہتا تو اس کا اتباع کرتا۔ دیکھو! تم لوگ ان کی اطاعت سے گریز نہ کرنا، ورنہ یہ اعراض تمہارے قتل کا سبب بنے گا۔ چنانچہ بنو قریظہ نے اس سے وعدہ کیا کہ ہم لوگ ایسا ہی کریں گے۔ جنگ قریظہ کے روز حضرت اسید نے اسی وعدہ کی طرف اشارہ کیا تھا۔ (اصابہ۔ جلد ۱۔ ص ۳۳ وابن ہشام۔ جلد ۱۔ ص ۹۱۷)

۲۔ استیعاب ذکر اسید۔ جلد ۱۔ ص ۳۶ ایضاً ۳۔ استیعاب۔ جلد ۱۔ ص ۳۶ و اصابہ۔ جلد ۱۔ ص ۱۳

۴۔ استیعاب۔ جلس ۱۔ ص ۳۸ ۵۔ اصابہ ، استیعاب وابن ہشام۔ جلد ۲۔ ص ۱۶۹

وفات : آپ کی وفات کے متعلق کوئی تصریح نہیں مل سکی۔
عام حالات : زندگی کے عام حالات کے متعلق بھی کوئی اور تفصیل نہیں مل سکی۔ صاحب تجرید^۱ نے لکھا ہے : کہ

”لہ ذکر من رجه عجیب“۔

”عجیب و غریب طور سے ان کا ذکر ملتا ہے۔“

غالباً اس سے ابن الہییمان کے واقعہ کی طرف اشارہ ہے^۲۔ واللہ اعلم بالصواب
فضائل : آپ بھی ان صحابہ میں ہیں جن کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی تھی۔
”لَيُسْوَآءُ مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ أُمَّةٌ قَائِمَةٌ يَتْلُونَ آيَاتِ اللَّهِ“۔ (ال عمران)
”سب اہل کتاب برابر نہیں ہیں، ان میں سے ایک جماعت (دین) پر قائم ہے جو رات کے اوقات میں وہ اللہ کی آیات کی تلاوت کرتی ہے۔“

(۵) حضرت اسد بن کعب القرظی

نام و نسب : اسد نام ہے۔ باپ کا نام کعب^۳ بن اسد تھا۔ یہود مدینہ کے مشہور قبیلہ بنو قریظہ سے
آپ کا نسب تعلق تھا۔ حافظ ابن حجر کے علاوہ ارباب رجال میں سے کسی نے آپ کا ذکر مستقل طور سے نہیں
کیا ہے^۴۔ البتہ ابن جریر میں تفسیر میں اس آیت کے ضمن میں آپ کا اور آپ کے بھائی اسید کا نام لیا ہے۔
”من اهل الكتب امة قائمة يتلون آيات الله“۔ (الخ)

”رات میں سے ایک جماعت جو اللہ کی آیات رات کے اوقات میں پڑھتی ہے۔“

اسلام : زمانہ قبول اسلام کے متعلق کوئی تفصیل نہیں ملتی۔ غالباً قریظہ کے روز یا اس کے بعد اسلام
قبول کیا۔ آپ کا تذکرہ عموماً حضرت عبداللہ بن سلام وغیرہ کے ساتھ آتا ہے۔

فضل و کمال : آپ بھی ان آیات کے مورد اور مصداق ہیں جو دوسرے اہل کتاب صحابہ کے
بارے میں نازل ہوئی ہیں۔ قبول اسلام کے بعد یہود نے آپ کو طعن و تشنیع کا ہدف بنا لیا تھا۔ لیکن یہ

۱۔ تجریدی تذکرہ اسد ۲۔ جس کا ذکر اوپر چکا ہے ۳۔ استیعاب۔ جلد ۱۔ ص ۳۶
۴۔ غالباً یہ وہی کعب ہے، جس نے غزوہ خندق میں قریش میں قریش سے مدد دینے کا وعدہ کیا تھا اور قریظہ کے روز قتل کیا
گیا تھا۔ یہ وہ کعب نہیں ہے جو محمد بن کعب القرظی مشہور تابعی کے والد ہیں۔ جن کے بارے میں روایتوں سے پتہ چلتا ہے
کہ وہ بنو قریظہ کے روز نابالغوں میں شمار کر کے چھوڑ دیئے گئے تھے اور بعد میں مسلمان ہو گئے۔ (اصابہ۔ جلد ۱۔ ص ۳۳)
۵۔ استیعاب میں ثعلبہ بن سلام کے حالات کے ضمن میں آپ کا نام بھی آیا ہے۔ (جلد ۱۔ ص ۷۸)

سب کچھ آپؐ نے خندہ پیشانی کے ساتھ برداشت کیا، مگر اپنا رشتہ اسلام سے جوڑنے کے بعد پھر کبھی نہیں توڑا، گو تمام رشتے ٹوٹ گئے۔ یہ آپؐ کی سب سے بڑی فضیلت ہے۔

(۶) حضرت اسیدؓ بن کعب القرظی

نام و نسب : اسید نام ہے۔ باپ کا نام کعب بن اسد تھا۔ آپؓ بھی بنو قریظہ ہی کے ایک فرد تھے اور حضرت اسدؓ کے جن کا تذکرہ اوپر ہوا ہے۔ بڑے یا چھوٹے بھائی تھے۔

اسلام : ان کے قبول اسلام کے متعلق بھی متعین طور سے نہیں بتایا جاسکتا کہ کب قبول کیا۔ غالباً دونوں بھائی ساتھ ہی دائرہ اسلام میں داخل ہوئے ہوں گے۔ بھائی کی طرح زندگی کے دوسرے حالات پردہ اخفا میں ہیں۔ آپؓ بھی ان تمام افضال و انعام الہی کے مورد مستحق ہیں، جن کے مستحق آپؐ کے بھائی حضرت اسیدؓ ہیں۔

ابن جریرؒ نے اس آیت کے ضمن میں آپؐ کا نام بھی لیا ہے۔

”مَنْ أَهْلُ الْكُنْبِ أُمَّةٌ يَتْلُونَ آيَاتِ اللَّهِ“

”اہل کتاب میں ایک جماعت ہے جو اللہ کی آیات کی تلاوت کرتی ہے۔“

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپؓ بھی ان مصائب کا شکار ہوئے ہوں گے، جن کے آپؐ کے بھائی حضرت اسدؓ اور دوسرے اہل کتاب صحابہ ہوئے تھے۔

(۷) حضرت اشرف حبشیؓ

نام و نسب : اشرف نام ہے۔ حبشہ یا شام کے رہنے والے اور عقیدہ عیسائی تھے۔

اسلام : اپنے دوسرے رفقاءؓ، حضرت ابرہہؓ اور حضرت ادیسؓ وغیرہ کے ساتھ اسلام لائے۔

خدمت بنو نبیؐ میں آمد :

حضرت ”عمرؓ“ کے ساتھ اہل حبشہ کا جو وفد خدمت بنو نبیؐ میں آیا تھا، اس میں آپؐ بھی تھے۔

وفات : وفات کے متعلق کوئی تفصیل نہیں مل سکی۔

۱: ص ۵۰۔ جلد ۱۔ ۲: تفسیر طبری تفسیر آیت مذکورہ سورہ آل عمران

۳: سابقہ ابن حجر نے صحابی کی چار قسمیں قرار دی ہیں۔ ان کو قسم اول میں شمار کیا ہے۔ جس سے ان کا اہمیت کی طرف اشارہ ہوتا ہے۔ ۴: اوپر ان کا تذکرہ آچکا ہے

سیر الصحابہ (جلد ششم) ۳۶۳ اہل کتاب صحابہ و تابعین (حصہ دوازدہم)

فضل و کمال : آپ علمائے نصاریٰ میں سے تھے۔ حافظ ابن حجر نے آپ کے اوصاف کے سلسلے میں لکھا ہے : کہ

”من رهبان الحبشة“۔ (ترجمہ) ”حبشہ کے راہبوں میں سے تھے۔“

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کا شمار علمائے نصاریٰ میں تھا۔ لیکن اسلام قبول کرنے کے بعد اسلامی علوم سے کہاں تک واقف ہوئے اس کی تفصیل نہیں ملتی اور نہ آپ سے کوئی روایت ہے۔

(۸) حضرت بحیرا الحبشیؓ

نام و نسب : بحیراؓ نام ہے۔ شام یا حبشہ کے رہنے والے اور عقیدتہ نصرانی تھے۔ اسلام : غالباً آپ نے بھی اپنے احباب حضرت اشرف و شامؓ وغیرہ کے ساتھ اسلام قبول کیا ہوگا۔ زیارت نبوی کا شرف : حضرت جعفرؓ کے ساتھ آپ بھی حبشہ سے مدینہ آئے اور زیارت نبوی ﷺ سے مشرف ہوئے۔

وفات : وفات کا سنہ یا تاریخ معلوم نہیں ہو سکی۔

روایت : ابن عدی نے ایک ضعیف واسطہ سے یہ ایک روایت نقل کی ہے۔

”عن جعفر بن محمد بن علی بن ابیہ عن جدہ قال سمعت بحیرا الراہب

يقول سمعت رسول الله اذا شرب الرجل كأساً من خمر“۔ (بخاری)

”جعفر بن محمد اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے بحیرا سے سنا، وہ بیان کرتے

تھے کہ میں نے آنحضرت ﷺ سے سنا کہ اگر کسی شخص کو شراب کا ایک پیالہ پلایا جائے۔

اور روایت کرنے کے بعد خود ہی جرح بھی کی ہے جرح کے الفاظ یہ ہیں۔

”هذا حديث منكر و لم اسمع به حيرا عند غير هذا“۔

”یہ منکر حدیث ہے ان کے علاوہ بحیرا کی کوئی اور حدیث نہیں۔“

۱۔ اصابہ۔ جلد ۱۔ ص ۵۱

۲۔ یہ وہ بحیراؓ راہب نہیں ہیں جو رسول اللہ ﷺ سے قبل نبوت شام میں ملے تھے۔ ابن اثیر نے دونوں کو ایک شمار کیا ہے اس پر

حافظ ابن حجر نے حضرت ابراہیمؓ کے حالات میں بحث کرتے ہوئے لکھا ہے، یہ دوسرے بحیرہ ہیں۔ ابن اثیر کو غلط فہمی ہوئی

ہے اور اسی لئے بحیراؓ راہب کو انہوں نے قسم رابع میں داخل کیا ہے اور انہیں قسم اول میں۔ (اصابہ۔ ص ۳۶)

۳۔ بقیہ الفاظ حدیث جتود غلطی کے بعد بھی نہیں ملے۔ (تجرید۔ جلد ۱۔ ص ۳۶)

۴۔ حافظ ابن حجر نے لکھا ہے کہ بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ صاحب حدیث بحیراؓ راہب شامی ہیں۔ یہ غلط ہے۔ اگر حدیث صحیح

ہے تو یہ وہی بحیراؓ ہیں جو حبشہ سے حضرت ابراہیمؓ کے ساتھ آئے تھے۔ (اصابہ۔ جلد ۱۔ ص ۱۳۹)

سیرہ (۹) حضرت بشیر بن معاویہؓ

نام و نسب : بشیر نام ہے۔ ابو علقمہ کنیت۔ باپ کا نام معاویہ تھا۔ اسقف نجران کے بھائی تھے۔ اسلام : اہل نجران کے پاس جب آنحضرت ﷺ کا نام مبارک پہنچا تو انہوں نے ایک وفد آپ ﷺ کی خدمت میں دریافت حال کے لئے بھیجا۔ یہ وفد مدینہ سے نجران واپس ہوا تو راستے میں اسقف رئیس وفد نے آنحضرت ﷺ کے اس نام مبارک کو پڑھنا شروع کیا۔ اتفاق سے اسی اثنا میں بشیر کی اونٹنی کو ٹھوکر لگی۔ اس پر انہوں نے آنحضرت ﷺ کی شان میں کچھ ناملائم الفاظ استعمال کئے۔ اسقف نے ڈانٹا اور کہا وہ نبی صادق ہیں۔ حضرت بشیرؓ کے دل میں یہ بات گھر کر گئی۔ انہوں نے فرمایا، کہ جب وہ نبی صادق ہیں تو خدا کی قسم جب تک ان کی خدمت میں نہ پہنچ جاؤں، اونٹنی کا کجاوہ نہ کھولوں گا۔ چنانچہ شوق و بارگاہی میں یہ اشعار پڑھتے ہوئے وہاں سے پھر مدینہ واپس ہوئے۔

الیک تغدوا قلقا و ضینہا معترضا فی بطنہا فیہا

مخالفا دین النصاری دینہا

اور خدمت نبوی میں پہنچ کر اسلام قبول کیا اور ساری زندگی دربار رسول کی غلامی میں گزار دی۔ شہادت : غزوہ کی تصریح تو نہیں مل سکی، لیکن کسی غزوہ ہی میں شہادت پائی۔

(ت)

(۱۰) حضرت تمامؓ

نام و نسب : تمام نام ہے۔ شام یا حبشہ کے رہنے والے اور عقیدہ کے اعتبار سے نصرانی تھے۔ اسلام : اوپر جن لوگوں کا تذکرہ ہوا ہے، غالباً اپنے ان ہی رفقاء کے ساتھ انہوں نے بھی اسلام قبول کیا ہوگا۔

شرف زیارت : آپ بھی حضرت جعفرؓ کے ساتھ حبشہ سائے لہذیات نبوی ﷺ سے ہر ہند ہوئے۔ وفات : وفات اور دوسرے حالات کے متعلق کوئی تصریح نہیں مل سکی۔ تجرید میں آپ کے متعلق یہ بھی ہے کہ بحیرہ اور ابرہہ کے ساتھ آئے۔

۱۔ قریب قریب ان ہی کے واقعہ سے ملتا جلتا کرز بن علقمہ کا واقعہ بھی ہے۔ لیکن صاحب اصابہ نے ان کو دو شمار کیا ہے اور یہ دو اس لئے بھی ہیں کہ کرز کا واقعہ مدینہ جاتے ہوئے پیش آیا تھا اور بشیر کا واقعہ وہاں سے واپسی پر۔ (اصابہ جلد اول ص ۱۶۰)

سیر الصحابہ (جلد ششم) ۳۶۵ اہل کتاب صحابہ و تابعین (حصہ دوازدہم)

”وقد مع بحیرا و ابرہہ فی حدیث ساقط تمرہ“۔

”بحیر اور ابرہہ کے ساتھ یہ بھی ساقط تمرہ والے واقعے میں تھے۔“

آپ بھی ان تمام فضائل اور انعام کے مورد ہیں، جس کے مورد دوسرے اہل کتاب صحابہ ہیں۔

(۱۱) حضرت تمیم الحبشیؓ

نام و نسب : تمیم نام شام یا حبشہ کے رہنے والے اور عقیدہ کے اعتبار سے عیسائی تھے۔

اسلام : آپ کے چند احباب کا تذکرہ ہو چکا ہے غالباً آپ نے بھی حبشہ میں ان کے ساتھ اسلام قبول کیا ہوگا۔

شرف زیارت : حبشہ کے وفد کے ساتھ آپ بھی مدینہ آئے اور شرف زیارت نبوی سے بہرہ فرما ہوئے۔
روایت : آپ سے کوئی روایت نہیں ہے۔

وفات و عام حالات کے متعلق کوئی تفصیل نہیں ملتی۔

(۱۲) حضرت تمیم داریؓ

نام و نسب : تمیم نام ابورقیہ کنیت واری نسبت ہے پورا سلسلہ نسب یہ ہے تمیم بن اوس بن حارثہ ابن سور بن خزیم بن ذراع بن عدی بن الدار بن ہانی بن حبیب بن تمارہ بن نعم بن عدی بن عمر بن سباء بن ہشام نے عمرو سباء کے درمیان دو ایک نام اور بڑھائے ہیں شام کے رہنے والے تھے قبیلہ لخم سے ہی تعلق تھا اور مذہباً عیسائی تھے۔

اسلام : ۹ھ میں اپنے بھائی نعیم کے ساتھ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں آئے اور مشرف باسلام ہوئے۔

۱۔ حدیث کا پورا متن بڑی کاوش کے بعد بھی نہیں مل سکا۔ (اصابہ۔ جلد ۱۔ ص ۱۸۳ و تجرید۔ جلد ۱۔ ص ۶۱)
۲۔ اصابہ اور اسد الغابہ ۳۔ حافظ ابن عدی نے واری کی نسبت کی یہ وجہ بتائی ہے کہ لخم کی ایک شاخ دار ہے اور یہ نسبت اسی کی طرف ہے، مگر یہ تو جیہد صحیح نہیں ہے، بلکہ صحیح یہ ہے کہ ان کے اجداد میں ایک شخص کا نام دار ہے۔ جیسا کہ سلسلہ نسب میں مذکور ہے۔ یہ نسبت اسی کی طرف ہے۔ اس کی تائید سماعی کے اس بیان سے بھی ہوتی ہے : لما بالنسبۃ ای الجند لمنہم ابورقیہ الداری۔ (سماعی۔ ص ۲۱۹ ذکر واری) ۴۔ نعم و ہذا مومن کے رہنے والے تھے، جو شام میں آکر اقامت پذیر ہو گئے تھے۔ (سماعی ذکر لخم۔ ص ۳۹۵) ۵۔ اصابہ و استیعاب و ابن سعد

سیر الصحابہؓ (جلد ششم) ۳۶۶ اہل کتاب صحابہؓ و تابعینؓ (حصہ دوازدہم)

غزوات: اسلام لانے کے بعد جتنے غزوات پیش آئے، سب میں شریک ہوئے۔ رسول اللہ ﷺ نے کفالت کے لئے شام میں قریہ عینوں کا ایک حصہ آپ کو دے دیا تھا اور اس کی تحریری سند بھی لکھ دی تھی، مگر دیار محبوب کی محبت نے وطن کی محبت فراموش کر دی۔ چنانچہ عہد نبوی ﷺ کے بعد خلفائے ثلاثہ کے زمانہ تک مدینہ ہی میں رہے۔ حضرت عثمان غنیؓ کی شہادت کے بعد ملی فتنہ و فساد شروع ہوا تو آپ بادلِ نخواستہ مدینہ چھوڑ کر اپنے وطن شام چلے گئے۔

۱۸۰: آپ جب شام سے مدینہ آئے تو آپ ساتھ کچھ قندیلیں اور تھوڑا سا تیل بھی لیتے آئے۔ مدینہ پہنچ کر قندیلوں میں تیل ڈال کر مسجد نبوی ﷺ میں لٹکائیں اور جب شام ہوئی تو انہوں نے انہیں جلا دیا۔ اس سے پہلے مسجد میں روشنی نہیں ہوتی تھی۔ آنحضرت ﷺ مسجد میں تشریف لائے اور مسجد کو روشن پایا تو دریافت فرمایا کہ مسجد میں روشنی کس نے کی ہے۔ صحابہ کرام نے حضرت تمیمؓ داری کا نام بتایا۔ آپ بے حد خوش ہوئے۔ ان کو دعائیں دیں اور فرمایا اگر میری کوئی لڑکی ہوتی تو میں تمیمؓ سے اس کا نکاح کر دیتا۔ اتفاق سے اس وقت نوفل بن حارث موجود تھے۔ انہوں نے اپنی بیوہؓ صاحبزادی اُم المغیرہ کو پیش کیا۔ آپ نے اسی مجلس میں اُم المغیرہ سے حضرت تمیمؓ داری کا نکاح کر دیا۔

وفات: مدینہ سے واپسی کے بعد گوشہ نشینی اختیار کر لی اور آخر عمر تک زاہدانہ اور درویشانہ زندگی بسر کی۔ ۴۰ھ میں داعی اجل کو لبیک کہا اور بہت جبرون میں مدفون ہوئے۔

اولاد: آپ کے کوئی اولاد نہ تھی۔ صرف ایک صاحبزادی رقیہ تھیں، جن کی نسبت سے آپ کی کنیت ابورقیہ ہے۔

علم و فضل: اسلام سے پہلے آپ کا شمار علمائے نصاریٰ میں تھا۔ قبول اسلام کے بعد علمی ذوق قرآن مجید کی جانب منتقل ہو گیا اور اس سے پوری واقفیت پیدا کی۔ قنادہ کا قول ہے: کہ

”کان من علماء اہل الکتابین“

”آپ کا شمار انجیل و قرآن کے علماء میں تھا۔“

۱۔ ابن سعد و اسد الغابہ ج ۲ اسد الغابہ کے بیان سے پتہ چلتا ہے کہ آپ مستقل طور پر شام ہی میں رہتے تھے۔ مگر ابن سعد کا بیان زیادہ صحیح ہے کہ اسلام لانے کے بعد مدینہ ہی میں قیام پذیر ہو گئے تھے۔ حضرت عثمانؓ کے بعد مستقل طور پر شام واپس چلے گئے۔ (ابن سعد - جلد ۲ - قسم ۲ - ص ۱۱۳) ۲۔ پہلے ان کا نکاح براہ یا ابوالبراء سے ہوا تھا۔ ۳۔ اسد الغابہ - جلد ۵ - ص ۱۳۵ ۴۔ ارباب طبقات میں آپ کا سن وفات نہیں ہے البتہ تہذیب التہذیب میں ہے کہ آپ کی وفات ۴۰ھ میں ہوئی۔ (تہذیب - جلد ۱ - ص ۵۱۲) ۵۔ اصحابہ میں جبرین ہے اور تہذیب میں جبرون۔ میں نے تہذیب ہی کے بیان کو اختیار کیا ہے۔ (تہذیب - جلد ۱ - ص ۵۱۳ و سماعی - جلد ۱ - ص ۲۱۹) ۶۔ تہذیب ایضاً

یہ الصحابہ (جلد ششم) ۳۶۷ اہل کتاب صحابہ تابعین (حصہ ۱۰ از ۱۰۰ ج ۱)

بعض لوگوں نے آپ کا شمار ان صحابہ میں کیا ہے جنہوں نے عہد نبوی میں قرآن جمع کیا تھا۔
تراویح کی امامت : فتح الباری میں ہے کہ جب حضرت عمر فاروقؓ نے تراویح باجماعت قائم کی تو مردوں کا امام ابی بن کعبؓ کو اور عورتوں کا امام تمیم داریؓ کو مقرر کیا۔
ایک روایت : آپ کا سب سے بڑا شرف یہ ہے کہ خود رسول اللہ ﷺ نے ان سے ایک واقعہ (مسلم میں موجود ہے) روایت کیا ہے۔ اس کے علاوہ بہت سے کبار صحابہ اور تابعین نے بھی آپ سے روایتیں کی ہیں۔ مثلاً عبد الرحمن بن عمرؓ، ابن عباسؓ، ابو ہریرہؓ، انس بن مالکؓ، زرارہ بن عونیؓ، وروح بن زباعؓ، عبد اللہ ابن مویہؓ، عطاء بن یزید اللیشؓ، شہر بن جوشبؓ، عبد الرحمن بن غنمؓ، سلیم بن عامرؓ، شرجیل بن مسلمؓ، قیسہ بن ذویبؓ، کثیر بن مرہؓ، ازہر بن عبد اللہؓ وغیرہ۔
چونکہ آپ متاخر الاسلام تھے، اس لئے آپ کی روایتوں کی تعداد کچھ زیادہ نہیں ہے۔
مسند میں ۱۲ حدیثیں آپ کی سند سے درج ہیں۔

اتباع سنت اور مواظبت عمل :

آپ کو اتباع سنت کا بڑا لحاظ تھا، اور جس سنت پر ایک مرتبہ عمل شروع کر دیتے، اس پر ہمیشہ مواظبت کرتے۔ چنانچہ معمول تھا کہ نماز عصر کے بعد دو رکعت نماز نفل ادا فرماتے تھے۔ حضرت عمرؓ کا دستور تھا کہ جن لوگوں کو نماز عصر کی ادائے گی کے بعد نفل پڑھتے دیکھتے انہیں منع فرماتے اور بعض اوقات سزا بھی دیتے۔ ایک مرتبہ تمیم داریؓ سے بھی اس کے متعلق فرمایا تو آپ نے حضرت عمرؓ کو درشت لہجہ میں جواب دیا : کہ

”لا ادعہا علیہما مع من ہو خیر منک رسول اللہ ﷺ۔“

”میں ان دو رکعتوں کو ہرگز نہیں چھوڑوں گا۔ میں نے تو یہ دو رکعتیں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ

پڑھی ہیں جو تم سے بہتر ہیں۔“

یہ سن کر حضرت عمرؓ نے پھر کوئی باز پرس نہیں کی اور فرمایا کہ اگر تمام لوگ تمہاری ہی طرح ہو جائیں تو مجھے کوئی پرواہ نہیں ہے۔

۱۔ ابن سعد۔ جلد ۲۔ ق ۲۔ ص ۱۳۷ ۲۔ بعض روایتوں میں تمیم داری کے بجائے سلمان بن شہد کا نام ہے۔ احمد مدیث نے اس کی یہ توجیہ کی ہے کہ دونوں آدمی مختلف اوقات میں اس خدمت پر متعین ہوئے۔ (فتح الباری۔ جلد ۱۔ ص ۲۱۹)
۳۔ محدثین نے اسی روایت سے روایۃ الکبار عن اصفاء ایک مستقل اصول روایت بنالیا ہے اور یہی اس کی پہلی مثال ہے۔ ۴۔ مسلم شریف ذکر جاسہ۔ ص ۴ ۵۔ تہذیب اتہذیب۔ ص ۵۱۱
۶۔ یہ تین نام استیعاب میں درج ہیں۔ ۷۔ مسند۔ جلد ۲۔ ص ۱۰۳
محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

حصول ثواب کے لئے کام :

ایک مرتبہ روح بن زباع آپ کی خدمت میں گئے تو دیکھا کہ گھوڑے کے لئے جو صاف کر رہے ہیں اور گھر کے تمام لوگ آپ کے گرد بیٹھے ہوئے ہیں۔ روح نے عرض کیا، کیا ان لوگوں میں سے کوئی شخص ایسا نہیں ہے جو اس کام کو کر سکے۔ آپ نے فرمایا یہ ٹھیک ہے، لیکن میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے : کہ

”ما من امرء مسلم ینقی لفرسہ شعیراً ثم یعلفہ علیہ کتباً لہ بكل حبة حسنة“۔

”جب کوئی مسلمان اپنے گھوڑے کے لئے دانہ صاف کرتا ہے اور پھر اس کو کھلاتا ہے تو ہر دانہ کے بدلے ایک نیکی ملتی ہے۔“

عبادت : آپ کا شمار ان صحابہ میں تھا جو زہد و تقویٰ، عبادت و ریاضت میں ضرب المثل تھے۔ مشکل ہی سے کبھی آپ کی نماز تہجد ناغہ ہوتی۔ تہجد میں بسا اوقات ایک آیت اتنی بار دہراتے کہ پوری رات ختم ہو جاتی۔ ایک مرتبہ آپ تہجد میں جب اس آیت :

”ام حسب الذین اجتر حوا السیئات ان نجعلہم کالذین امنوا و عملوا الصلحت سواء محیاهم و مماتہم“۔ (جاثیہ)

”جو لوگ بُرے کام کرتے ہیں کیا وہ گمان کرتے ہیں کہ ہم ان کو ان کے برابر رکھیں گے جنہوں نے ایمان و عمل صالح کو اختیار کیا کہ ان سب کا مرنا جینا برابر ہو جائے۔“

پر پہنچتے تو اسی کو رات بھر دہراتے رہے، یہاں تک کہ صبح ہو گئی۔

محمد بن سیرین بیان فرماتے ہیں کہ کبھی کبھی ایک رکعت میں پورا قرآن ختم کر دیتے تھے۔

انہوں نے ایک بہت قیمتی جوڑا خریدا تھا۔ جس روز ان کو شب قدر کی توقع ہوتی تھی اسے

روز پہنچتے تھے۔

ریا سے پرہیز : بایں ہمہ اپنی عبادت کو لوگوں پر ظاہر نہیں ہونے دیتے تھے۔ ایک مرتبہ ایک شخص نے آپ سے سوال کیا کہ آپ رات میں کتنی نمازیں پڑھتے ہیں۔ آپ اس سوال پر بہت ناراض ہوئے اور فرمایا کہ ایک رکعت نماز جسے میں رات کی تنہائی میں پڑھوں، وہ مجھے اس بات کی سے زیادہ محبوب ہے کہ میں رات بھر نماز پڑھوں اور صبح کو سب سے بیان کرتا پھروں۔

۱۔ مسند۔ جلد ۴۔ ۱۰۲ ۲۔ اصحابہ و اسد الغابہ و نسائی میں بھی یہ روایت ہے۔ ۳۔ تہذیب المعاد ذکرہ

۴۔ صفوۃ الصفوۃ۔ جلد ۱۔ ص ۳۱۰ ۵۔ ایضاً

مسجد میں روشنی کی ابتداء :

یہ آپ کا بہت بڑا شرف ہے کہ آپ نے مسجد میں روشنی کی سنت حسنہ جلدی کی ابو سعید خدریؓ فرماتے ہیں کہ تمیم داریؓ پہلے شخص ہیں جنہوں نے مسجد میں چراغاں جلانے اور روشن کرنے کی ابتداء کی۔^۱

ایک کرامت : حضرت عمرؓ کے زمانہ خلافت میں ایک مرتبہ مقام حرہ میں آگ لگی۔ حضرت عمرؓ حضرت تمیم داریؓ کے پاس آئے اور ان سے واقعہ بیان کیا۔ حضرت تمیم داریؓ وہاں گئے اور بے خطر آگ میں گھس گئے اور اسے بجھا کر صحیح و سالم واپس چلے آئے۔ حضرت عمرؓ نے آپ کو خیر الہی (مدینہ) کے سب سے اچھے اور نیک آدمی (فرمایا کرتے تھے)۔^۲

حلیہ و لباس : خوش پوش، خوش وضع اور خوبصورت آدمی تھے۔^۳

(ث)

(۱۳) حضرت ثعلبہ بن سعید الہدلی

نام و نسب : ثعلبہ نام ہے۔ باپ کا نام سعید، قبیلہ ہدلی۔ جو بنو قریظہ کی ایک شاخ تھی، اس سے نسب تعلق تھا۔ حضرت اسید بن جن کا اوپر ذکر آچکا ہے، ان کے حقیقی بھائی تھے۔

اسلام : جب بنو قریظہ کے قتل کا فیصلہ ہوا تو حضرت ثعلبہؓ قبیلہ کے دو تین نوجوانوں کے ساتھ اہل قبیلہ کے پاس گئے اور ان کو ابن ابیہانؓ کی وصیت اور اس کا وعدہ یاد دلایا کہ سمجھانے کی کوشش کی اور اسلام قبول کرنے کی ترغیب دی۔ لیکن جب یہ کوشش بے سود رہی تو اپنے بھائی حضرت اسیدؓ اور قبیلہ کے ایک اور نوجوان اسد بن عبید کے ساتھ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر خود اسلام قبول کیا۔^۱

آپ کی زندگی کے اور دوسرے حالات نہیں مل سکے۔

وفات : سنہ وفات کی تصریح نہیں مل سکی۔ البتہ امام بخاری کے بیان سے اتنا پتہ چلتا ہے کہ حیات نبوی ہی میں وہ اس دار فانی کو چھوڑ چکے تھے۔^۲

۱۔ ابن ماجہ باب المساجد۔ ص ۵۶ ۲۔ اصابہ۔ جلد ۳۔ ص ۴۹۷ ۳۔ اسد الغابہ۔ جلد ۱۔ ص ۲۱۵

۴۔ اس کی تحقیق حضرت اسیدؓ کے حالات میں گزر چکی ہے۔ ۵۔ پورا قصہ حضرت اسیدؓ کے حالات میں لکھا جا چکا ہے۔

۶۔ اصابہ ذکر اسید (جلد ۱۔ ص ۲۳) بعض لوگوں کا خیال ہے کہ حضرت عبد اللہ بن اسلام کے ساتھ اسلام لائے، مگر صاحب اسد الغابہ نے اس ک تردید کی ہے۔ ابن ہشام وغیرہ کا بیان بھی اس کے خلاف ہے۔ (اسد الغابہ۔ جلد ۱۔ ص ۲۳۱ و ابن ہشام۔ جلد ۲۔ ص ۱۶۹) ۷۔ اسد الغابہ۔ جلد ۲۔ ص ۲۳۱

سیر الصحابہ (جلد ششم) ۳۷۰ اہل کتاب صحابہ و تابعین (حصہ دوازدہم)

فضل و کمال : اہل کتاب صحابہ کے عام فضائل و محامد کے ساتھ حضرت ثعلبہؓ ابن سعیدہ کو یہ شرف بھی حاصل ہوا کہ جب حضرت ریحانہؓ جو غزوہ بنو قریظہ میں گرفتار ہو کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آئیں تو آپ کی خواہش تھی کہ وہ اسلام قبول کر لیں، مگر وہ کسی وجہ طرح اس راضی نہ ہوئیں۔ رسول اللہ ﷺ کو ان کے اسلام نہ لانے کا بے حد رنج تھا۔

ایک روز آپ صحابہ کرامؓ کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے کہ حضرت ثعلبہؓ ابن سعیدہ آئے اور آہستہ سے آپ سے حضرت ریحانہؓ کے اسلام قبول کر لینے کی خوش خبری سنائی۔ آنحضرت ﷺ نے مسرت کا آمیز لہجہ میں حاضرین سے فرمایا کہ ثعلبہ ریحانہ کے اسلام لے آنے کی خوشخبری لے کر آئیں ہیں۔

(ابن ہشام۔ جلد ۲)

(۱۴) حضرت ثعلبہ بن سلام

نام و نسب : ثعلبہ نام ہے۔ باپ کا نام سلام۔ حضرت عبداللہ بن سلام کے بھائی تھے پورا سلسلہ نسب عبداللہ بن سلام کے تذکرے میں آئے گا۔

اسلام : آپ کے اسلام لانے کا زمانہ متعین نہیں کیا جاسکتا، مگر اتنا معلوم ہے کہ آپ عبداللہ بن سلام کے بعد اسلام لائے۔

وفات : آپ کی وفات کے بارے میں بھی کوئی تصریح نہیں ملتی اور نہ آپ کی زندگی کے عام حالات اور کارنامہ کے متعلق کوئی تذکرہ ملتا ہے۔

(۱۵) حضرت ثعلبہ بن قیس

نام و نسب : ثعلبہ نام ہے۔ باپ کا نام قیس۔ یہود مدینہ سے تھے، مگر یہ تصریح نہیں مل سکی کہ کس قبیلہ سے تعلق تھا۔

اسلام : صحیح طور سے نہیں کہا جاسکتا کہ آپ نے کب اسلام قبول کیا۔ لیکن چونکہ ان آیتوں کی تفسیر کے ضمن میں جو اہل کتاب صحابہ کے بارے میں نازل ہوئیں۔ آپ کا نام عبداللہ بن سلام وغیرہ کے ساتھ آتا ہے۔ اس لئے یہ کہا جاسکتا ہے کہ آپ مقدم الاسلام ہوں گے۔

وفات : سنہ وفات کے متعلق بھی کوئی تصریح نہیں مل سکی۔

سیر الصحابہ (جلد ششم) ۳۷۱ اہل کتاب صحابہ و تابعین (حصہ دوازدہم)

فضائل : یوں تو ان تمام فضائل و انعام کے آپ بھی مستحق ہیں، جن کے دوسرے اہل کتاب صحابہ مستحق ہیں۔ لیکن ذیل کی دو آیتوں کے ضمن میں خصوصیت سے آپ کا نام بھی مفسرین لیتے ہیں، جب کفار قریش آنحضرت ﷺ اور قرآن کے متعلق مختلف قسم کے شکوک و شبہات پیدا کرنے لگے تو اس کے لئے ایک ثبوت یہ بھی پیش کیا گیا :

”أَوَلَمْ يَكُنْ لَهُمْ آيَةٌ أَنْ يَعْلَمَهُ عُلَمَاءُ بَنِي إِسْرَءِيلَ“۔

”کیا ان کے لئے یہ بات دلیل نہیں ہے کہ اس کو (قرآن) علمائے بنی اسرائیل جانتے ہیں۔“

علماء سے جو لوگ مراد ہیں، مفسرین ان میں حضرت ثعلبہؓ کا نام بھی لیتے ہیں۔ اب عباسؓ کی روایت ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عبداللہؓ سلام اور حضرت ثعلبہؓ وغیرہ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انہوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! ہم لوگ آپ پر، قرآن پر، حضرت موسیٰؑ اور توریت اور حضرت عزیرؑ پر تو ضرور ایمان لاتے ہیں مگر اس کے علاوہ تمام کتب و رسل کو ماننا ضروری نہیں سمجھتے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی :-

”يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَالْكِتَابِ الَّذِي نَزَّلَ عَلَى رَسُولِهِ
وَالْكِتَابِ الَّذِي أَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ“۔ (نساء)

”اے ایمان والو! ایمان لاؤ اللہ اور اس کے رسول پر اور اس کی کتاب پر جو اللہ نے اپنے رسول پر اتاری اور ان کتابوں پر جن کو اللہ نے اس سے پہلے اتارا ہے۔“

زندگی کے دوسرے حالات و کمالات پر وہ اخفا میں ہیں۔

(۱۶) حضرت ثعلبہ بن ابی مالک

نام و نسب : ثعلبہ نام ہے۔ ابو یحییٰ کنیت۔ حضرت ابو مالک صحابی کے (جن کا تذکرہ آگے آئے گا) صاحبزادے تھے۔ آپ کے والد ترک وطن کر کے مدینہ آئے اور یہیں سکونت اختیار کر لی۔

۱۔ سورہ شعراءؑ میں لکھا ہے۔ مگر اس کی پانچ آیتوں کے نزول کے بارے میں مفسرین کے مختلف اقوال ہیں، جو لوگ اس آیت کو بھی مدنی کہتے ہیں، ان کے نزدیک تو کوئی اشکال نہیں ہے۔ لیکن جو لوگ اس کو مکی کہتے ہیں ان کے سامنے یہ اشکال آتا ہے کہ مکہ میں علمائے بنی اسرائیل کہاں تھے۔ اس کا انہوں نے یہ جواب دیا ہے کہ کفار مکہ نے مدینہ کے علمائے یہود سے آنحضرت ﷺ کے متعلق دریافت کرایا تھا تو انہوں نے جواب دیا کہ وہ زمانہ یہی ہے اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ بہر حال دونوں صورتوں میں آیت مخاطب یہی حضرات ہیں۔

سیر الصحابہ (جلد ششم) ۳۷۲ اہل کتاب صحابہ و تابعین (حصہ دوازدہم)

اسلام : اپنے والد کی طرح خود بھی حلقہ گوش اسلام ہوئے، اور بہ اختلاف روایت شرف صحبت سے بھی سرفراز ہوئے۔

اصابہ میں مصعب الزبیری کی ایک روایت سے پتہ چلتا ہے کہ غزوہ بنی قریظہ کے روز جو بچے نابالغ ہونے کی وجہ سے چھوڑ دیئے گئے تھے، ان میں حضرت ثعلبہؓ بھی تھے۔ امام بخاریؒ نے تاریخ الکبیر میں لکھا ہے : کہ

”كَانَ كَبِيرًا اَيَّامَ بَنِي قَرِيظَةَ“ (جلد ۱ ص ۱۷۳)

”غزوہ قریظہ کے زمانے میں وہ بڑے تھے۔“

بخاری کی اس روایت سے پتہ چلتا ہے کہ وہ بالکل بچے نہیں تھے، بلکہ سن شعور کو پہنچ چکے تھے۔ لیکن بہر حال ان کے زمانہ قبول اسلام کے متعلق کوئی صحیح تعیین نہیں کیا جاسکتا۔

وفات : سند وفات کا علم نہیں ہو سکا۔

اولاد : ان کی دعا و اولاد ابو مالک اور منظور کا ذکر حافظ ابن حجر نے تہذیب میں کیا ہے، لیکن دوسرے ارباب رجال نے صرف ابو مالک کا نام لیا ہے۔

علم و فضل : حضرت ثعلبہؓ کا گھرانہ علم و فضل میں ممتاز تھا۔ آپ کے والد حضرت ابو مالکؓ عہد عتیق کے عالم تھے۔ آپ کے دونوں صاحبزادے اور ایک بھتیجے محمد بن عقبہ صاحب علم و فضل اور صاحب روایت تھے۔ خود حضرت ثعلبہؓ نے رسول اللہ ﷺ اور بڑے بڑے صحابیؓ سے روایتیں کی ہیں۔ مثلاً

۱۔ ان کے صحابی ہونے میں ارباب رجال کی روایتیں مختلف ہیں۔ اصابہ اور تاریخ کبیر کی روایتوں سے پتہ چلتا ہے کہ وہ غزوہ بنی قریظہ کے وقت اچھے خاصے بڑے تھے۔ جس کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ جب انہوں نے اسلام قبول کیا ہوگا تو وہ سن شعور کو پہنچ گئے تھے۔ اس القاب میں ہے کہ ولد علی عہد النبی صلی اللہ علیہ وسلم (آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں پیدا ہوئے)۔ جس سے ان کی صحابیت اور عدم صحابیت دونوں کا احتمال ہے۔ ابن حاتم اور ابن حبان نے ان کو زمرہ تابعین میں شمار کیا ہے۔ یحییٰ ابن یعین فرماتے ہیں لہ روایۃ (انہیں دیدار نبوی ﷺ حاصل ہوا)۔ حافظ ابن حجر نے اصابہ میں تو احتمال کا اظہار کیا ہے، لیکن تہذیب و تہذیب میں لکھا ہے کہ حضرت ثعلبہؓ نے آنحضرت ﷺ کی زیارت کی ہے اور ان سے بغیر کسی واسطہ کے روایت بھی کی ہے۔

ان تمام بیانات سے اندازہ ہوتا ہے کہ زیادہ تر ارباب رجال کا رجحان ان کے صحابیت کی طرف ہے، گو تابعین میں داخل کرنے والے حضرت کے اقوال بھی بالکل نظر انداز نہیں کئے جاسکتے۔ لیکن میں نے حافظ ابن حجر کی اتباع میں انہیں صحابہ کی فہرست میں رکھا ہے۔

۲۔ تاریخ الکبیر میں امام کا لفظ ہے۔ لیکن حافظ ابن حجر نے امام بخاریؒ کا یہی قول تہذیب میں نقل کیا ہے، جس میں ایام بنی قریظہ ہے۔ اگر ایام کا لفظ صحیح ہے تو معنی یہ ہوئے کہ وہ غزوہ قریظہ کے وقت اچھی خاصی عمر کے تھے اور اگر امام لفظ مانا جائے تو اس مشہور روایت سے تطابق ہو جائے گا، جس میں ہے کہ وہ بنی قریظہ کے امام تھے۔

سیر الصحابہ (جلد ششم) ۲۷۳ اہل کتاب صحابہ و تابعین (حصہ دوازدہم)

حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت حارثہ بن نعمانؓ، حضرت جابرؓ^۱ اور ابن عمرؓ^۲ وغیرہ۔ ان سے حسب ذیل حضرات نے روایتیں کی ہیں۔ ان کے دونوں صاحبزادے، امام زہری، مسور بن رفاعہ، محمد بن عقیقہ، صفوان بن سلیمؓ^۳، ابن الہباتؓ^۴۔ امامت : قبیلہ بنو قریظہ کے جو لوگ مسلمان ہو گئے تھے، ان کی نماز کی امامت کم عمری کے باوجود حضرت ثعلبہؓ کی سپرد تھی۔ تہذیب میں ہے۔

”وكان ثعلبة يوم بنى قريظة غلاماً“

”حضرت ثعلبہؓ بچپن کے باوجود بنی قریظہ کی امامت کرتے تھے۔“
اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ وہ غزوہ بنی قریظہ کے وقت کم سن تھے۔

(ج)

(۱۷) حضرت جارود بن عمرو

نام و نسب : بشر نام ہے۔ ابو منذر کنیت۔ جارود لقب۔ نسب نامہ یہ ہے : جارود بن عمرو بن معلى عبدی قبیلہ عبد قیس کے سردار تھے۔ جارود کا لقب ایک خاص واقعہ کی یادگار ہے۔ زمانہ جاہلیت میں انہوں نے قبیلہ بکر بن وائل کو لوٹ کر بالکل صاف کر دیا تھا۔ ”جرود“ کے معنی بے برک و بار کے ہیں۔ اس لئے جارود ان کا لقب پڑ گیا۔ اسی واقعہ کو بطور مثال شاعر کہتا ہے :

فدسناهم بالخیل من کل جانب کما جرد الجارود بکر بن وائل

”ہم نے ہر طرف دشمن کو اپنے لشکر کے ذریعہ روند ڈالا۔ جس طرح کہ جارود نے بکر بن وائل کو صاف کیا تھا“

اسلام : جلد و مذہب اعمیائی تھے۔ قبیلہ عبد قیس کے وفد کے ساتھ مدینہ آئے۔ آنحضرت ﷺ نے ان کے سامنے اسلام پیش کیا۔ انہوں نے کہا محمد ﷺ میں ایک مذہب پر تھا، اب تمہارے

۱۔ تہذیب ذکر ثعلبہ ۲۔ تاریخ الکبیر ذکر ثعلبہ ۳۔ تہذیب ذکر ثعلبہ ۴۔ تاریخ الکبیر ایضاً

۵۔ اسد الغابہ۔ جلد ۱۔ ص ۲۶۱ و اصحابہ اول تذکرہ جارود

۶۔ بعض روایتوں میں ہے کہ جب وہ آئے تو رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا کہ جارود تم نے اور تمہاری قوم نے آنے میں بہت دیر کی۔ جارود نے معذرت پیش کی اور کہا کہ اب میں آپ کے پاس آیا ہوں۔ میں نے آپ کی صفات انجیل میں دیکھی ہیں۔ عیسیٰ علیہ السلام نے آپ کے آنے کی خوشخبری دی ہے۔ پھر آپ نے آنحضرت ﷺ سے کہا کہ آپ اپنا ہاتھ پھیلا میں، پھر آپ نے کلمہ پڑھا اور دائرہ اسلام میں داخل ہو گئے۔ (سیرت ابن ہشام۔ جلد ۲۔ ص ۲۶۶ و تاریخ ابن عساکر۔ ص ۳۵۶)

سیر الصحابہ (جلد ششم) ۳۷۴ اہل کتاب صحابہ و تابعین (حصہ دوازدہم)

مذہب کے لئے اپنے مذہب کو چھوڑنے والا ہوں۔ میرے تبدیل مذہب کے بعد تم میرے ضامن ہو گے؟ فرمایا: ”ہاں میں تمہارا ضامن ہوں، خدا نے تم کو تمہارے مذہب سے بہتر مذہب کی ہدایت کی ہے۔“ اس مختصر سوال و جواب کے بعد جارود اسلام کے حلقہ بگوش ہو گئے۔ ان کے ساتھ ان کے اور ساتھی بھی مشرف بہ اسلام ہوئے۔ آنحضرت ﷺ کو ان کے اسلام لانے پر بڑی مسرت ہوئی، آپ نے ان کی بڑی عزت و توقیر کی۔

قبول اسلام کے بعد وطن لوٹنے کا قصد کیا اور آنحضرت ﷺ سے سواری مانگی۔ لیکن سواری کا انتظام نہ ہو سکا تو جارود نے اجازت مانگی کہ یا رسول اللہ! راستے میں ہم کو دوسروں کی بہت سواریاں ملیں گی، ان کے استعمال میں لانے کی اجازت ہے؟ فرمایا: ”نہیں انہیں آگ سمجھو۔“ غرض جارود خلعت اسلام سے فراز ہونے کے بعد وطن واپس گئے۔

فتنہ ارتداد: فتنہ ارتداد میں ان کے قبیلہ کے بہت سے آدمی مرتد ہو گئے، لیکن ان کے استقامت ایمانی میں کوئی تزلزل نہ آیا۔ چونکہ سردار قبیلہ تھے، اس لئے اپنے اسلام کا اعلان کر کے دوسروں کو ارتداد سے روکتے تھے۔

شہادت: حضرت عمر فاروقؓ کے زمانہ میں بصرہ میں اقامت اختیار کر لی اور ایران کی فوج کشی میں مجاہدانہ شریک۔ باختلاف روایت فارس یا نہاند کے معرکہ میں شہید ہوئے۔

اولاد: آپ کے ایک صاحبزادہ منذر تھے، جن کی نسبت سے آپ کی کنیت ابو منذر ہے۔
فضل و کمال: ابولہجذی، ابو القموس، زین بن علی اور محمد بن سیرین نے ان سے روایت کی ہے۔
جارود شاعر تھے۔ اشعار ذیل بارگاہ نبوی ﷺ میں بطور نذر عقیدت پیش کئے تھے۔

شہدت بان الله حق و سامحت بنات فوادی بالشهادة والنهضی
”میں نے گواہی دی کہ اللہ حق ہے اور میرے جذبات نے بھی اس شہادت اور عمل میں میرا ساتھ دیا۔“
فابلغ رسول الله انی رسالة بانی حنیف حیث کنت من الارض
”میری طرف سے رسول اللہ ﷺ کو یہ پیغام پہنچاؤ کہ میں زمین کے جس حصہ پر بھی رہوں گا سوجد رہوں گا۔“
واجعل لنفسی دون کل ملمة لکم جنة من عرضکم عرضی
”ہر مصیبت کے وقت میں اپنی جان پیش کر دوں گا مائے مسلمانو! تمہاری عزت کے لئے میری عزت ذوال ہے۔“
فان لم تکن داری بیثرب فیکم فانی لکم عند الاقامة والحفضر
”اگر چہ میرا مستقل قیام بیثرب میں نہیں ہے مگر اس عارضی اقامت میں بھی میں تمہارا ہی ہوں۔“

۱۔ اسد الغابہ۔ جلد ۱۔ ص ۲۶۱ ۲۔ سیرت ابن ہشام۔ جلد ۲۔ ص ۳۶۶ ۳۔ ایضاً
۴۔ اصابہ۔ جلد ۱۔ ص ۲ ۵۔ تہذیب المعجم ابن ہشام۔ جلد ۲۔ ص ۵۴ ۶۔ اصابہ۔ جلد ۱۔ ص ۲۲۶

اخلاق : جارود کے صحیفہ کمال میں آزادی، جرأت اور اظہار حق میں بیباکی کا عنوان نہایت جلی تھا۔ جس بات کو حق سمجھتے تھے، پھر اس کے اظہار میں وہ کسی کی پرواہ نہیں کرتے تھے۔

ایک مرتبہ بحرین کے گورنر قدامہ بن مظعون کو بعض رومیوں نے شراب پیتے ہوئے دیکھا۔ جارود کو اس کا علم ہوا تو حضرت عمرؓ کے پاس آکر کہا کہ امیر المومنین قدامہ نے شراب پی ہے، ان پر شرعی حد جاری کیجئے۔

آپ نے شہادت طلب کی جارود نے ابو ہریرہؓ کو پیش کیا۔ حضرت ابو ہریرہؓ نے شہادت دی کہ میں نے نشہ کی حالت میں قے کرتے ہوئے دیکھا ہے۔ حضرت عمرؓ نے قدامہ کو طلب کیا۔ وہ آئے ان کے آنے کے بعد جارود نے پھر کہا، امیر المومنین کتاب اللہ کی رو سے حد جاری کیجئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا، تمہیں اتنا اصرار کیوں ہے؟ تم گواہ ہو مدعی نہیں ہو تمہارا کام شہادت دینا تھا، جسے تم پورا کر چکے۔

اس وقت جارود خاموش ہو گئے۔ لیکن دوسرے دن پھر اصرار کیا۔ شہادت نا کافی تھی، اس لئے حضرت عمرؓ کو جارود کا بے جا اصرار ناگوار ہوا اور فرمایا تم تو مدعی بنے جاتے ہو، شہادت صرف ایک ہے۔ اس اعتراض پر جارود نے کہا، عمرؓ میں تم کو خدا کی قسم دلاتا ہوں کہ حد میں تاخیر نہ کرو۔ آخر میں جارود کی بے جا ضد پر حضرت عمرؓ کو تنبیہ کرنا پڑی کہ جارود خاموش رہو، ورنہ میں بُری طرح پیش آؤں گا۔

اس تنبیہ پر جارود نے غضب آلود ہو کر کہا، عمرؓ حق اس کا نام نہیں کہ تمہارا ابن عم شراب پئے اور تم اُلٹا مجھے بُرے سلوک کی دھمکی دو۔ آخر میں جب قدامہ کی بیوی نے شہادت دی تو حضرت عمرؓ نے حد جاری کرائی۔

روایت : آپ چونکہ متاخرالا اسلام تھے۔ اس لئے آپ کی روایتوں کی تعداد بہت ہی کم ہے۔ مسند میں یہ ایک روایت ہے۔

”ضالة المومن حرق النار“^۱۔

”مومن کی گم شدہ چیز کو جس نے اپنی ملکیت بنایا اس نے اپنے کو آگ میں جلایا۔“

آپ سے صحابہ میں حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص اور تابعین میں ابو مسلم الحجازی و مطرف ابن عبداللہ بن ثخیر وزید بن علی و ابوالفحوص بن سیرین وغیرہ نے روایت کی۔

۱۔ اس واقعہ کو تمام باب سیر نے قدامہ کے حالات میں لکھا ہے۔ ۲۔ مسند جلد ۵۔ ص ۸۶۔ یہ روایت کئی طرق سے مروی ہے۔

(۱۸) حضرت جبرؓ

نام و نسب : جبر نام ہے۔ عبداللہ بن الحضرمی کے غلام اور مذہباً یہودی تھے۔
اسلام : خدمت نبوی ﷺ میں اکثر ان کی آمد و رفت رہا کرتی تھی۔ ایک روز رسول اللہ ﷺ نے ان کے سامنے سورہ یوسف تلاوت فرمائی۔ ان پر کلام الہی کا ایسا اثر ہوا کہ اسی وقت حلقہ بگوش اسلام ہو گئے۔
تعذیب اور کتمان اسلام :

لیکن چونکہ وہ ابن حضرمی کے خاندان کے غلام تھے اور اس خانوادہ نے ابھی تک اسلام قبول نہیں کیا تھا، اس لئے ان کو ڈرتھا کہ اگر وہ اسلام کا اظہار کرتے ہیں تو ان کی جان کی خیر نہیں۔ اس بنا پر انہوں نے اسلام قبول کیا، لیکن آنحضرت ﷺ کے یہاں آمد و رفت یا کسی اور ذریعہ سے جب انہیں ان کے اسلام قبول کر لینے کی اطلاع ہوئی تو انہوں نے ان پر سختی شروع کی اور ان کو دائرہ اسلام سے خارج ہونے پر مجبور کیا۔

لیکن اسلام کی تاثیر ایسی نہیں تھی کہ وہ ایک بار دل میں گھر کر جانے کے بعد زائل ہو سکے۔ چنانچہ ظاہری طور پر تو انہوں نے اسلام سے برأت کا اظہار کر دیا، لیکن قلب کے سوز و گداز کا حال ویسا ہی تھا۔ چنانچہ قرآن نے ان کے متعلق فرمایا :

”و قلبہ مطمئن بالا یمان“

”(اس کو کفر کے اظہار پر مجبور کیا گیا) لیکن اس کا قلب ایمان پر مطمئن ہے۔“

فتح مکہ اور آزادی : رسول اللہ ﷺ جب مکہ میں تھے، اسی وقت انہوں نے اسلام قبول کر لیا تھا۔ لیکن فتح مکہ تک اپنے اسلام کو چھپاتے رہے۔ جب مکہ فتح ہو گیا تو آنحضرت ﷺ کی خدمت میں آئے اور اپنی تکالیف اور گزشتہ مشقتوں کا اظہار کیا۔ آنحضرت ﷺ نے خرید کر آزاد کر دیا۔ آزادی کے بعد انہوں نے پوری زندگی بڑی فارغ البالی سے گزاری۔

نکاح : بنی عامر کی کسی معزز عورت سے ان کی شادی ہوئی تھی۔

ذریعہ معاش : تلواریں برتن وغیرہ کی صفائی اور قلعی کا کام ان کا ذریعہ معاش تھا۔

سیر الصحابہؓ (جلد ششم) ۳۷۷ اہل کتاب صحابہؓ و تابعینؓ (حصہ دوم از دہم)

فضائل : بہت سی آیتوں کے سبب نزول کے ضمن میں ان کا نام بھی آتا ہے۔ طبری نے اس آیت کے ضمن میں

”وَلَقَدْ نَعْلَمُ أَنَّهُمْ يَقُولُونَ إِنَّمَا يُعَلِّمُهُ بَشَرٌ لِّسَانُ الَّذِي يُلْحِدُونَ إِلَيْهِ أَعْجَمِي وَهَذَا لِسَانٌ عَرَبِيٌّ مُبِينٌ“۔

”اور ہم کو معلوم ہے کہ یہ لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ، ان کو تو آدمی سکھاتا ہے، جس شخص کی طرف اس کی نسبت کرتے ہیں اس کی زبان تو عجمی ہے اور یہ قرآن صاف عربی ہے۔“

خصوصیت کے ساتھ ان کا نام لیا ہے۔

(۱۹) حضرت جبلؓ

نام و نسب : جبل نام ہے۔ قبیلہ ذبیان سے نسبی تعلق تھا، مگر یہود بنی قریظہ کے ساتھ مدینہ میں رہتے تھے۔ پورا سلسلہ نسب یہ ہے : جبل بن جوال بن صفوان بن بلال بن اصرم بن لویاس بن عبد غضم بن جہاش بن مجالہ بن مازن بن ثعلبہ بن سعد بن ذبیان النشاء الذبیانی ثم العلیؓ۔
اسلام : آپ کے قبول اسلام کا زمانہ صحیح طور پر معلوم نہیں، ارباب رجال صرف اتنا کہتے ہیں :
”کان یہود یا مع بنی قریظہ فاسلم“۔

”یہود تھے، بنی قریظہ کے ساتھ رہتے تھے۔ پھر اسلام لائے۔“

مگر قرآن سے پتہ چلتا ہے کہ وہ غزوہ بنی قریظہ کے بعد اور غزوہ خیبر سے پہلے اسلام لا چکے تھے۔ اس لئے کہ بنو قریظہ کا جب استیصال کیا گیا تو جبل نے حبشی بن اخطب کا مرثیہ کہا اور بنو قریظہ کی حمایت میں یہ اشعار کہے :
 الا یا سعد ، سعد بنی معاذ
 ترکم قلرکم لاشنی فیہا
 ولکن لا خلود مع المنایا
 لما فعلت قریظہ والنظیر
 وقلر القوم القوم حلیۃ نفور
 تخطف ثم نضمہا الغیور

جس کا جواب حضرت حسان بن ثابتؓ نے اسی بحر قافیہ میں دیا :

تعاهد معشر نصر وعلینا
 ہم اوتوا الکتاب فضیعوہ
 کذبتم بالقران وایبتم
 فلیس لہم ببلدتہم نصیر
 فہم عن التوراة بور
 بتصدیق الذی وقال النذیر

ظاہر بات ہے کہ وہ اسلام لائے ہوئے تو بنو قریظہ کی حمایت میں یہ اشعار نہ کہتے اور نہ حضرت حسان بن ثابت کو جواب دینے کی ضرورت پیش آتی۔

انہوں نے ایک شعر میں خیبر میں اپنی بہادری اور شرکت کا ذکر کیا ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ وہ خیبر کے وقت اسلام قبول کر چکے تھے۔ وہ شعر یہ ہے :

رمیت نطاة من النبی بضلیق شہبا ذات مناقب ووقار

”میں نے نطاة (جہاگاہ یا کوئی خاص جگہ) پر نبی ﷺ کے ایک بہادر مسلح اور بڑے محاسن والے لشکر کے ذریعہ حملہ کیا“

وفات : وفات کے متعلق ارباب رجال نے کوئی تصریح نہیں کی ہے۔

(ح)

(۲۰) حضرت حیرنجرہؓ

نام و نسب : حیرنجرہ نام ہے۔ نسباً اور عقیدۃً یہودی تھے، لیکن یہ نہیں پتہ چلا کہ یہود کے کس قبیلہ آپ کا تعلق تھا اور کہاں کے باشندے تھے۔ آگے جو واقعات آتے ہیں، ان سے قیاس ہوتا ہے کہ یہود مدینہ ہی کے کسی قبیلہ سے رہے ہوں گے۔

اسلام : رسول اللہ ﷺ نے حیرنجرہ سے کچھ رقم بطور قرض لی تھی۔ انہوں نے آپ ﷺ سے تقاضا کیا۔ رسول اللہ ﷺ کے پاس ادائے گی کے لئے رقم موجود نہیں تھی۔ اس لئے آپ ﷺ نے مہلت چاہی، مگر نجرہ نہ مانے اور کہا کہ آپ (ﷺ) جب تک مجھے میرا قرض نہ ادا کر دیں گے، میں آپ (ﷺ) کو نہیں چھوڑوں گا۔ چنانچہ وہ آنحضرت ﷺ سے بالکل چمٹ کر بیٹھ گئے۔ صحابہ کو ان کا یہ طرز عمل برا معلوم ہوا۔ انہوں نے حیرنجرہ کو کچھ لعنت ملامت کرنی شروع کی، مگر آنحضرت ﷺ نے انہیں منع کیا اور فرمایا کہ ”میرے رب نے مجھے اس سے روکا ہے کہ میں اپنے کسی معاہدہ پر کسی قسم کا ظلم کروں۔“ پھر دن ڈھلتے ڈھلتے حیرنجرہ نے آپ کے اس حلیمانہ طرز عمل سے متاثر ہو کر اسلام قبول کر لیا۔

وفات اور زندگی کے دوسرے حالات کے متعلق کوئی تصریح نہیں ملتی۔

فضائل : آپ کے صحیفہ فضائل میں یہ واقعہ بہت ہی درخشاں طور سے درج ہے کہ جب آپ نے اسلام قبول کیا تو اپنی دولت کا ایک بڑا حصہ برضاً راہِ خدا میں خرچ کر ڈالا۔

۱۔ بعض لوگوں نے حیرنجرہ لکھا ہے، مگر حیرنجرہ صحیح ہے۔ ۲۔ اصابہ۔ جلد ۱۔ ص ۳۶۶ ج

(۵)

(۲۱) حضرت درید الراہبؓ

نام و نسب : درید نام ہے۔ حبشہ کے رہنے والے اور مذہباً عیسائی تھے۔ حضرت نجاشیؓ نے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں جو وفد بھیجا تھا اس میں حضرت دریدؓ بھی تھے۔
 فضل و کمال : راہب ان کے نام کا جز ہو گیا تھا، جس سے ان کے فضل و کمال پر روشنی پڑتی ہے۔ اس آیت کے جو لوگ مصداق ہیں، ان میں حضرت دریدؓ کا نام بھی لیا گیا ہے۔
 ”وَإِذَا سَمِعُوا مَا أُنْزِلَ إِلَى الرَّسُولِ تَرَىٰ أَعْيُنُهُمْ تَفِيضُ مِنَ الدَّمْعِ“
 ”رسول اللہ کی طرف جو کچھ نازل ہوا جب انہوں نے اسے سنا تو تم دیکھو گے کہ ان کی آنکھیں بہہ نہم ہو گئیں۔“

(۵)

(۲۲) حضرت ذودجنؓ

نام و نسب : علقمہ نام ہے۔ ذودجنؓ کے نام سے مشہور ہیں۔ حبشہ سے بہتر (۲۷) آدمیوں کا جو وفد رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں مدینہ آیا تھا، اس میں آپؐ بھی تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان لوگوں سے ان کا نسب دریافت کیا تو ان میں ایک نے کچھ اشعار پڑھے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ حضرت ہود علیہ السلام کی اولاد سے ہیں۔

اسلام : قبول اسلام کے متعلق کوئی تصریح نہیں ملی، مگر اتنا معلوم ہے کہ اس وفد کے تمام افراد شرف صحبت سے سرفراز ہوئے تھے۔ اسد الغابہ میں ہے :

”وَصَحِبُوا كُلَّهُمُ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ“۔ ترجمہ : ”سب کے سب صحابی تھے۔“

اس سے قیاس ہوتا ہے کہ یہ لوگ حبشہ میں اسلام لا چکے تھے۔ اگر مدینہ میں اسلام لاتے تو جس طرح نسب کے متعلق رسول اللہ ﷺ کے سوال اور ان کے جواب کا ذکر ہے، اسلام لانے کا ذکر ضرور ہوتا۔ واللہ اعلم

زندگی کے دوسرے حالات اور وفات وغیرہ کے متعلق کوئی تفصیل نہیں معلوم ہو سکی۔

(۲۳) حضرت ذومحرمؓ

نام و نسب : ذومحرم یا ذومحرم نام ہے۔ شاہ جہشی نجاشی کے بھتیجے تھے۔ نجاشی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں خود تونہ آ سکے، مگر ان کو آپ کی خدمت کے لئے بھیجا۔
خدمت نبوی ﷺ میں آمد :

حبشہ کے بہتر آدمیوں کے ساتھ بھی خدمت نبوی میں حاضر ہوئے۔

اسلام : اس کی تصریح تو نہیں ملتی کہ مدینہ پہنچ کر اسلام لائے یا حبشہ ہی میں اسلام قبول کر چکے تھے۔ مگر حضرت نجاشیؓ حضرت ذومحرمؓ کے آنے سے پہلے اسلام قبول کر چکے تھے۔ اس سے یہ قیاس ہوتا ہے کہ چچا کے ساتھ حضرت ذومحرمؓ نے بھی اسلام قبول کیا ہوگا اور مدینہ بحالت اسلام آئے ہوں گے۔

غزوات : غزوات میں شرکت کی کوئی تصریح نہیں ملتی۔ البتہ مسند کی ایک روایت سے اتنا پتہ چلتا ہے کہ آپ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ سفر میں بھی شریک رہتے تھے۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ ہم لوگ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ایک سفر میں تھے۔ آپ کی عادت شریف یہ تھی کہ تیز چل کر لوگوں سے آگے نکل جایا کرتے تھے (اور ایسا سامان سفر کی قلت کی وجہ سے کیا کرتے تھے کہ راستہ میں زیادہ دیر لگے گی تو زور اور راہ سفر زیادہ چاہئے)۔ چنانچہ اس سفر میں بھی وہ آگے نکل گئے، تو ایک شخص نے کہا یا رسول اللہ! بہت سے لوگ پیچھے چھوٹ گئے ہیں، آپ ٹھہر گئے۔

جب سب لوگ جمع ہو گئے تو آپ نے فرمایا : اگر تم لوگ چاہو تو تھوڑا سا آرام کر لو۔ پھر فرمایا کہ رات کے وقت نگرانی کون کرے گا؟ حضرت ذومحرمؓ نے فرمایا کہ میں نے اس خدمت کے لئے اپنے کو پیش کیا۔

آپ ﷺ نے اونٹنی کی ٹکلیں میرے ہاتھ میں دے دی اور فرمایا کہ غلطی سے بے خبر نہ ہو جانا۔ میں آپ ﷺ کی اور اپنی اونٹنی کی ٹکلیں پکڑ کر وہاں سے کچھ دُور لے گیا اور دونوں کو چرنے کے لئے چھوڑ دیا۔ میں : ابراہونٹیوں کو دیکھتا رہا۔ اسی اثنا میں مجھے نیند آگئی اور ایسی گہری نیند آئی کہ جب اٹھا تو سورج کی کرنیں میرے اوپر پڑ رہی تھیں۔ میں نے دیکھا کہ دونوں اونٹنیاں چر رہی ہیں۔ میں نے دونوں کی

۱۔ امام اوزاعی ہمیشہ آپ کا نام ذومحرمؓ (۲) کے ساتھ لیا کرتے تھے۔ ابن سعد نے بھی اس کو اختیار کیا ہے، البتہ امام ترمذی ذومحرمؓ (ب) کے ساتھ ان کا ذکر کرتے تھے۔ ترمذی اور ابوداؤد النہایہ۔ جلد ۵۔ ص ۲۲۲ و تہذیب الجہذیب۔ جلد ۳۔ ص ۲۲۲

تکمیل پکڑے ہوئے جہاں سب لوگ سو رہے تھے، آیا اور کنارے سے ایک شخص کو جگایا اور پوچھا کہ تم لوگوں نے نماز پڑھ لی؟ اس نے کہا نہیں! پھر اس نے سب لوگوں کو جگایا۔ رسول اللہ ﷺ بھی اٹھے اور آپ نے اور تمام صحابہ نے وضو کیا اور باجماعت نماز فجر کی قضا کی۔

اس واقعہ سے پتہ چلتا ہے کہ یہ سفر کسی غزوے ہی کے لئے رہا ہوگا۔ رسول اللہ ﷺ کی وفات تک آپ مدینہ میں رہے، بعد شام منتقل ہو گئے اور غالباً وہیں سکونت بھی اختیار کر لی۔ اس لئے اہل طبقات آپ کو شامین میں شمار کرتے ہیں۔

وفات : وفات کے متعلق اہل طبقات نے کوئی تصریح نہیں کی ہے۔ البتہ تہذیب الہندیہ میں یہ ہے کہ

”نزل الشام ومات بہ“۔ ترجمہ : ”شام گئے اور وہیں وفات پایہ“۔

علم و فضل : آپ سے مسند میں متعدد روایتیں ہیں۔ ابو داؤد اور ابن ماجہ میں بھی آپ کی روایتیں موجود ہیں۔ حسب ذیل حضرات نے آپ سے روایتیں کی ہیں : ابو حنیٰ المؤمن، جابر بن عبد اللہ، عباس بن عبد الرحمن، عمرو بن عبد الرحمن الحضرمی وغیرہ۔

خدمت نبوی ﷺ : ذو حمر کا سب سے بڑا شرف یہ ہے کہ آپ کا شمار رسول اللہ ﷺ کے خدام میں ہے۔ اس شرف میں آپ اس قدر مشہور ہوئے کہ بعض لوگوں نے آنحضرت ﷺ کے موالیؓ کی فہرست میں آپ کو بھی شمار کیا ہے۔

(۲۴) حضرت ذومناحبؓ

نام و نسب : آپ کے نام میں تھوڑا سا اختلاف ہے۔ بعض لوگوں نے مناحب (غ) اور بعض لوگوں نے ذومنارح (ح) اور بعض نے ذومناحب لکھا ہے۔

زیارت نبوی ﷺ : آپ بھی حبشہ کے وفد کے ساتھ خدمت نبوی ﷺ میں حاضر ہو کر زیارت سے مشرف ہوئے اور دوسرے حالات حضرت ذوجنؓ کے تذکرہ میں گزر چکے ہیں۔

۱۔ البدایہ۔ جلد ۵۔ ص ۳۳۳ ۲۔ استیعاب۔ جلد ۱۔ ص ۱۷۴

۳۔ موالی جن کو اردو میں غلام کہا جاتا ہے۔ اس سے وہ لوگ مراد ہوتے ہیں، جو جنگ میں گرفتار ہو کر آتے تھے اور ہر خادم ہر وہ شخص ہے جو کسی کی خدمت کرتا ہو۔ موالی خاص ہے اور خادم عام۔

۴۔ بعض لوگوں نے ذومناحب اور ذومنارح کو دو سمجھا ہے۔ مگر اسم الغابہ نے یہ تصریح کی ہے کہ ذومنارح اور ذومناحب ہما واحد (دونوں ایک ہیں)۔ ص ۱۴۵

(۲۵) حضرت ذومہدمؓ

نام و نسب : ذومہدم نام ہے۔ آپ بھی حبشہ کے وفد کے ساتھ مدینہ آئے تھے۔
خدمتِ نبوی ﷺ میں آمد : جب حبشہ کا وفد آنحضرت ﷺ کی خدمت میں آیا اور وہ آنحضرت ﷺ نے ان کا نسب دریافت کیا تو حضرت ذومہدمؓ نے ان اشعار میں جواب دیا :

على عهد ذي القرنين كانت سيوفنا صوارم يغلقن الحديد المذاكرا
وهود ابونا الناس كلهم وفي ذمن الاحقان غذا مدخرا
فمن كان يعمى عن ابيه فاننا فجدنا ابانا العذ على المذاكرا
اور دوسرے حالات پردہ اخفا میں ہیں۔

(۲۶) حضرت رافع القرظیؓ

نام و نسب : رافع نام ہے۔ بخاریؒ کی ایک شاخ زنباع تھی۔ آپ کا سببی تعلق ہی قبیلہ زنباع سے تھا۔
اسلام : اس کی تصریح نہیں مل سکی کہ آپ کب اسلام لائے۔
خدمتِ نبوی ﷺ میں درخواست :

آپ کو اپنے متعلق غالباً کٹھ خطرہ تھا۔ اس لئے آپ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور امان کی ایک تحریر لکھ دینے کی درخواست کی۔ آنحضرت ﷺ نے انہیں یہ تحریر لکھ کر دی :

”انه لا يجنى عليه احد الا يده“۔

”(اپنے کئے پر ماخوذ ہوں گے) اس کے علاوہ کوئی دار و گیر نہیں کر سکتا۔“
وقات اور دوسرے حالات کی کوئی تصریح نہیں ملتی۔

۱۔ اسد الغابہ میں ان اشعار کے نقل کرنے کے بعد لکھا ہے کہ وہود ابونا کامل غور ہے۔ اس لئے کہ اہل حبشہ ہود ملیہ اسلام کی اواد سے نہیں ہیں۔ پھر خود ہی جواب دیا ہے کہ عرب باشندے ہوں اور حبشہ میں سکونت اختیار کر لی ہو۔
واللہ اعلم (۱۔ اسد الغابہ۔ جلد ۲۔ ص ۱۳۵)

۲۔ تجرید میں رافع ابن القرظی درج ہے۔ مگر اور کتب طبقات میں رافع القرظی ہے۔ اس لئے ہم نے اسی کو ترجیح دے دی ہے۔
اصلاً۔ جلد ۱۔ ص ۱۰۵

(۲۷) حضرت رفاعہ بن السموال

نام و نسب : رفاعہ نام ہے۔ باپ کا نام سموالؓ یہودی مدینہ کے مشہور قبیلہ بنو قریظہ سے آپ کا نسب تعلق تھا۔ سموال کی ایک لڑکی سبرۃ حنی بنی اخطب حضرت صفیہ کے باپ سے منسوب تھی اور اسی رشتہ سے حضرت رفاعہؓ حضرت صفیہ کے ماموں ہوتے تھے۔

اسلام : آپ کے اسلام لانے کے متعلق کوئی تفصیل کتابوں میں مذکور نہیں ہے۔ غزوہ بنی قریظہ کے روز ایک عورت کے کہنے پر رسول اللہ ﷺ نے ان کو قتل سے بری کر دیا تھا۔

(البدایہ۔ جلد ۴۔ ص ۱۳۶)

آپ کا نکاح اور طلاق :

عائشہ یا تمیمہؓ نام ایک صحابیہ سے شادی کر لی تھی، لیکن کسی وجہ سے انہیں طلاق دے دی حضرت تمیمہؓ نے ایک یہودی صحابی عبدالرحمنؓ سے نکاح کر لیا۔ مگر عبدالرحمنؓ بن زبیر سے بھی کسی خاص وجہ سے تعلقات خوشگوار نہیں رہے، اس لئے انہوں نے ان سے بھی علیحدگی کرالی۔ اس کے بعد

۱۔ سموال فیاضی اور سخاوت کے علاوہ شاعری میں بھی ممتاز تھا۔ اس کے یہودی یا نصرانی ہونے میں تھوڑا سا اختلاف ہے۔ الابیشخو جنہوں نے سموال کا دیوان شائع کیا ہے۔ اس کے مقدمہ میں لکھا ہے کہ وہ نصرانی تھا اور اس کے ثبوت میں دو باتیں خاص طور سے پیش کی ہیں۔ ایک یہ کہ سموال غسان کی طرف منسوب ہے اور ظاہر ہے کہ غسان نصرانی تھے۔ دوسری یہ کہ سموال کے بعض اشعار میں مسیح سید اور حواری وغیرہ کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں، جن سے پتہ چلتا ہے کہ وہ نصرانی تھا۔ لیکن جن اشعار سے الابیشخو نے ان کے عیسائی ہونے پر استدلال کیا ہے، ہمارے شارح نے لکھا ہے کہ یہ اشعار سموال کے نہیں بلکہ عبداللہ الحارثی کے ہیں۔ اب رہی اسکی نسبی حیثیت تو اہل انساب میں اختلاف ضرور ہے، لیکن یہ کہیں سے پتہ نہیں چلتا کہ وہ نصرانی تھا اور اگر اس کو غسانی بھی مان لیا جائے تو یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ وہ نصرانی بھی تھا۔ نیز یہ کہ خود اس کے بھائی شعبہ بن عریض کے متعلق سب یہ کہتے ہیں کہ وہ یہودی تھا۔ اس کے علاوہ سموال کے عزیزانہ تعلقات سے بھی پتہ چلتا ہے کہ وہ یہودی تھا۔ چنانچہ حضرت صفیہؓ کی ماں اسی سموال ہی لڑکی تھیں اور حضرت صفیہؓ کے متعلق معلوم ہے کہ وہ مدینہ کے مشہور یہودی حنی بنی اخطب کی صاحبزادی تھیں۔ محمد بن سلام نے بھی اپنی کتاب طبقات الشعراء میں جو شعراء کا سب سے قدیم تذکرہ ہے، لکھا ہے کہ حناء کا یہودی تھا۔ (ص ۱۰۹)

۲۔ مسعودی وغیرہ کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت رفاعہؓ کا آبائی وطن حناء اور نسبی تعلق عادیہ سے تھا۔ چونکہ ان کی بہن سبرۃ حنی بنی اخطب سے منسوب تھی۔ شاید اسی ذریعہ سے یہ لوگ مدینہ چلے گئے ہوں گے۔ اس کا ثبوت اس سے بھی ملتا ہے کہ حضرت رفاعہؓ کا باپ سموال ابن عادیہ کے نام سے مشہور ہے اور ظہور اسلام کے وقت بنو عادیہ کا خاندان حناء پر حکمران تھا۔ (العقیدۃ والاشرف۔ ص ۲۵۸ بحوالہ سیاسی زندگی۔ ص ۳۳۶ ارڈاکٹر حمید اللہ) ج ۳ اسد الغابہ، جلد ۲۔ ص ۱۵۱

۳۔ آپ کے نام میں بڑا اختلاف ہے۔ ان دو ناموں کے علاوہ سمیمہ، رمیماء (سمیمہ)، غمیمہ اسماء مذکور ہیں۔ مگر زیادہ تر روایتوں میں عائشہ یا تمیمہ آتا ہے۔ اسد الغابہ۔ جلد ۵۔ ص ۱۸۵

پھر دوبارہ حضرت رفاعہؓ سے نکاح کا خیال ظاہر کیا، لیکن آنحضرت ﷺ نے ان کو اس ارادے سے باز رکھا۔ اس آیت

”فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدِ حَتَّى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ“۔

”جب وہ طلاق دے دے تو جب تک عورت دوسرے شوہر سے نکاح نہ کرے اس کے لئے حلال نہیں ہوتی۔“

کے نزول کا سبب یہی واقعہ ہے۔

اسد الغابہ میں ہے کہ آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد وہ حضرت ابو بکر صدیقؓ کی خدمت میں آئیں اور حضرت رفاعہؓ سے نکاح کا خیال ظاہر کیا، مگر انہوں نے بھی روکا۔ حضرت ابو بکرؓ کے بعد حضرت عمر فاروقؓ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور ان سے نکاح کی اجازت چاہی۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اس کے بعد تم اس ارادہ سے باز نہ رہو گی تو تم کو رجم کر دوں گا۔ چنانچہ پھر وہ اس ارادہ سے باز رہیں۔

عہد صدیقی اور عہد فاروقی :

اس مذکور واقعہ سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت عمرؓ کے زمانہ خلافت تک حضرت رفاعہؓ زندہ رہے، لیکن اس کے بعد وہ کب تک اس دار فانی میں رہے اور کب داعی اجل کو لبیک کہا، تذکروں میں اس کی تصریح نہیں ملتی۔

(۲۸) حضرت رفاعہ القرظیؓ

نام و نسب : رفاعہ نام ہے۔ باپ کا نام قرظہ تھا۔ سبایہودی تھے۔ جب بنی قرظہ کے لوگوں کو قتل کرنے کا فیصلہ ہوا تو یہ تاکید تھی کہ نابالغ بچے نہ قتل کئے جائیں۔ حضرت رفاعہؓ اس وقت کمسن تھے، اس لئے قتل نہیں کئے گئے۔

۱۔ چونکہ یہ صورت حلالہ کی تھی اور حضرت عبدالرحمن اب تک ان سے متمتع نہیں ہو سکے تھے، اس لئے آپ ﷺ نے اس ارادہ سے باز رکھا۔ (روح المعانی۔ جلد ۲۔ ص ۱۴۲)

۲۔ اسد الغابہ میں یہی واقعہ رفاعہ بن ذہب کے تذکرہ میں بھی درج ہے۔ مگر آخر میں انہوں نے یہ تصریح کر دی ہے کہ یہ دونوں واقعہ ایک ہی ہے۔ حافظ ابن حجر نے بھی ایک ہی واقعہ تسلیم کیا ہے۔ ۳۔ اصابہ۔ جلد ۱۔ ص ۵۱۹

۴۔ بعض لوگوں نے رفاعہ بن اسماءؓ ال اور ان کو ایک تصور کیا ہے۔ مگر اصابہ میں اس کی تردید ہے۔ (اصابہ۔ جلد ۱۔ ص ۵۰۹)

۵۔ البدایہ والنہایہ۔ جلد ۵۔ ص ۱۱۵

سیر الصحابہ (جلد ششم) ۳۸۵ اہل کتاب صحابہ و تابعین (حصہ دوازدہم)

اسلام : قبول اسلام کے بارے میں کوئی تفصیل نہیں معلوم ہو سکی۔ اصابہ میں اس قدر ہے کہ ”ان کو دیدار نبوی حاصل ہوا تھا“۔ آپ کے صاحبزادے علی کا بیان ہے : کہ

”کان ابی من وفد الذین اسلمو من اهل الکتاب“۔

”اہل کتاب کے اس وفد میں جنہوں نے اسلام قبول کیا، میرے باپ بھی تھے۔“

فضل و کمال : آپ کا شمار اہل کتاب صحابہ میں ہے جن کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی :

”وَلَقَدْ وَصَّلْنَا لَهُمُ الْقَوْلَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُونَ الَّذِينَ اتَّيْنَهُمُ الْكِتَابُ مِنْ قَبْلِهِ هُمْ بِهِ يُؤْمِنُونَ“۔

”ہم نے اس کلام کو وقتاً فوقتاً کیے بعد دیگرے بھیجا تا کہ وہ لوگ نصیحت پکڑیں اور جن کو ہم

ہم نے اس پہلے کتاب دی وہ اس پر بھی ایمان لاتے ہیں (اور قرآن پر بھی)۔“

حضرت رفاعہؓ خود فرماتے تھے کہ یہ آیت جن دس آدمیوں کے بارے میں نازل ہوئی، ان

میں ایک میں بھی تھا۔

دین کی راہ میں آپ کو بار بار ہاشق ستم بننا پڑا۔ مگر آپ کے قدم میں کبھی لغزش نہیں آئی۔ آپ

کے صاحبزادے علی فرماتے ہیں کہ جب یہود میرے والد کے پاس سے گزرتے تو ان کا مذاق اڑاتے۔

اس پر یہ آیت نازل ہوئی :

”أُولَئِكَ يُؤْتُونَ أَجْرَهُمْ مَرَّتَيْنِ بِمَا صَبَرُوا“۔

”یہی لوگ ہیں جنہیں ان کے صبر کی وجہ سے دہرا ثواب ملے گا۔“

(ز)

(۲۹) حضرت زید بن سعنے

نام و نسب : زید نام ہے۔ باپ کا نام سعنے تھا۔ آپ کا شمار علمائے یہود میں تھا۔ یہ معلوم نہ ہو سکا کہ آپ کا نسب تعلق کس قبیلہ سے تھا۔

اسلام : زید بن سعنے نے اپنے اسلام لانے کے واقعہ کو خود بیان کیا ہے۔ فرماتے ہیں کہ توریت میں آنحضرت ﷺ کی جتنی نشانیاں بتائی گئی تھیں وہ سب کی سب میں نے آپ کے چہرہ نور پر دیکھ لیں۔ صرف دو چیزوں کا مجھے تجربہ کرنا تھا۔ جب ان کا بھی تجربہ ہو گیا تو اسلام قبول کر لیا۔ چنانچہ

میں نے آپ سے ملنا جلنا شروع کر دیا کہ آپ کے علم کا اندازہ کروں۔

فرماتے ہیں کہ ایک روز رسول اللہ ﷺ اپنے حجرے سے باہر نکلے۔ آپ کے ہمراہ حضرت علیؓ بھی تھے۔ اسی وقت ایک دیہاتی شخص آپ کے پاس آیا اور اس نے آپ سے کہا کہ فلاں بستی کے لوگوں نے اسلام قبول کر لیا ہے۔ میں ہمیشہ ان سے یہ کہتا تھا کہ اسلام قبول کر لو تو رزق کی فراوانی ہوگی، لیکن اللہ کا کیا دیکھئے کہ اس سال سخت قحط پڑا ہے، بارش بالکل نہیں ہوئی ہے۔ یا رسول اللہ ﷺ میں ڈرتا ہوں کہ کہیں وہ اسلام چھوڑ نہ دیں۔ اگر آپ ان کی مدد کے لئے کچھ غلہ وغیرہ بھیجتے تو بہتر ہوتا۔ وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ حضرت علیؓ کی طرف متوجہ ہوئے اور کچھ فرمایا، حضرت علیؓ نے جواب دیا یا رسول اللہ ﷺ اس میں سے تو کوئی چیز باقی نہیں رہ گئی۔

حضرت زید بن سعہ کہتے ہیں کہ میں آپ کے قریب گیا اور کہا کہ آپ فلاں باغ کی کھجوریں، کی رعایت کے ساتھ فروخت کریں گے؟ آپ نے فرمایا کہ کچھ کھجوریں فروخت تو ضرور کرنا چاہتا ہوں، مگر کسی باغ کی شرط نہیں لگا سکتا۔ میں نے کہا اچھی بات ہے۔ پھر میں نے اپنی روپیوں کی تھیلی کھولی اور اتنی (۸۰) مثقال سونا ایک متعین مدت کے لئے دے دیا۔

جب مدت ختم ہونے میں دو تین روز رہ گئے تو میں آپ کے پاس آیا اور آپ کا گریبان پکڑ کر اپنی طرف کھینچا اور غصہ آلود نگاہوں سے آپ کی طرف دیکھتے ہوئے کہ اب تک تم نے قرض ادا نہیں کیا۔ خدا کی قسم بنو عبدالمطلب ہمیشہ ایسے ہی حیلہ حوالہ کرتے رہتے تھے، مجھے کئی بار لین دین کا تجربہ ہو چکا ہے۔ حضرت عمرؓ بھی موجود تھے۔ یہ دیکھ کر غصہ سے بیتاب ہو گئے اور کہا کہ اود دشمن خدا ! رسول اللہ ﷺ سے گستاخی کر رہا ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے تبسم فرمایا اور کہا کہ ”اے عمرؓ! تم سے ہم کو یہ توقع تھی کہ تم اس سے کہتے نرمی سے تقاضہ کرو اور مجھ سے کہتے کہ میں وقت پر اس کا قرض ادا کر دوں۔ عمرؓ! جاؤ اس کا قرض ادا کرنے کے بعد بیس صاع کھجوریں اور زیادہ دے دو۔“

حضرت زیدؓ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عمرؓ سے پوچھا کہ یہ زیادہ کیوں دینے کو کہتے ہیں۔ حضرت عمرؓ نے کہا کہ میں نے جو تم سے سخت کلامی کی ہے، یہ اس کا کفارہ ہے۔ پھر میں نے کہا کہ عمرؓ! تم نے مجھے پہچانا، انہوں نے کہا نہیں۔ میں نے کہا میں زید بن سعہ ہوں۔ حضرت عمرؓ نے کہا کہ وہ جو زید البحر (عالم) مشہور ہیں۔ پھر انہوں نے کہا کی بات تھی کہ تم نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ایسا کیا زید بن سعہ نے کہا کہ بنوت کی اور تمام نشانیاں تو آنحضرت ﷺ کے چہرے شرے سے ظاہر تھیں۔ صرف ان دو باتوں کا تجربہ کرنا تھا۔

”هل يستبق حلمه جهلا ولا تزيد شدة جهل الاحلما“۔
 ”کیا اس کا حلم اس کے غصہ سے سبقت لے جاتا ہے اور جاہل انہر کتیں حلم و تحمل کو اور بڑھادیتی ہیں۔“
 ان باتوں کا تجربہ ہو گیا۔ اس لئے اب اسلام کا حلقہ بگوش ہوتا ہوں۔ چنانچہ وہ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اس اسلام قبول کیا۔
 وفات : آخری مرتبہ زیدؓ غزوہ تبوک میں شریک ہوئے۔ پوری شجاعت سے لڑے۔ مدینہ واپس ہوتے ہوئے راستہ میں شہادت نصیب ہوئی۔
 غزوات : اسلام لانے کے بعد جتنے غزوات ہوئے سب میں شریک ہوئے۔
 انفاق فی سبیل اللہ : آپ کے صحیفہ اخلاق میں انفاق فی سبیل اللہ نمایاں طور سے نظر آتا ہے۔ چنانچہ جب آپ نے اسلام قبول کیا تو اپنا نصف مال راہِ خدا میں صدقہ کر دیا۔

(س)

(۳۰) حضرت سعد بن وہبؓ

نام و نسب : سعد نام ہے۔ باپ کا نام وہب تھا۔ قبیلہ بنو نضیر سے نسب تعلق تھا۔
 اسلام : بنو نضیر جب اپنی بد عہدی کی وجہ سے مدینہ جلاوطن کئے گئے تو ان میں سے جو دو آدمی اسلام کی دولت سے بہرہ ور ہوئے، ان میں ایک حضرت سعد بن وہب بھی تھے۔
 بنو نضیر نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ بد عہدی اور دشمنی کی حد کر دی تھی۔ چنانچہ جب وہ جلاوطن کئے گئے تو ان کا مال اور ان کی جائیداد بھی ضبط کر لی گئی۔ مگر حضرت سعدؓ چونکہ اسلام لا چکے تھے، اس لئے ان کی تمام چیزیں محفوظ رہیں۔^۱

(۳۱) حضرت سعہؓ

نام و نسب : سعہ نام ہے۔ پورا سلسلہ نسب یہ ہے : سعہ بن عریض بن عادیا المتماوی^۱ اور عقیدۃ یہودی تھے۔
 اسلام : زمانہ قبول اسلام کی کوئی تصریح نہیں ملتی۔ حضرت علیؓ کے معاونین میں تھے اور ان سے خاص تعلق تھا۔

۱۔ مستدرک۔ جلد ۳۔ ص ۶۰۵ ۲۔ ایضاً ۳۔ ایضاً ۴۔ اصحابہ تجرید وغیرہ ۵۔ البدایہ۔ جلد ۴۔ ص ۷۶
 ۶۔ تمام شام اور حجاز کے درمیان ایک مقام ہے۔ اصحابہ۔ جلد ۲۔ ص ۴۲

حضرت معاویہؓ سے آپ کی گفتگو :

ایک مرتبہ حضرت معاویہؓ حج کے لئے تشریف لائے تو مسجد میں حضرت سعدؓ سے ملاقات ہوئی۔ آپ نے ان سے دریافت فرمایا کہ ارض تہام کا کیا حال ہے۔ انہوں نے جواب دیا کہ وہ صحیح و سالم باقی ہے۔ حضرت معاویہؓ نے کہ اسے میرے ہاتھ فروخت کر دو۔ آپ نے نہایت صفائی سے فرمایا کہ اگر مجھے ضرورت بھی ہوتی تو میں اسے فروخت نہ کرتا۔

پھر آپ سے اور حضرت امیر معاویہؓ میں بہت سی باتیں ہوئیں۔ اثنائے گفتگو میں حضرت علیؓ کا ذکر بھی آگیا۔ حضرت سعدؓ نے حضرت امیر معاویہؓ کی شان میں کچھ سخت الفاظ استعمال کئے۔ حضرت امیر معاویہؓ نے کہا کہ چھوڑو، بڑھا سٹھیا گیا ہے۔ حضرت سعدؓ نے فوراً کہا، اے معاویہ! تمہیں یاد نہیں کہ ایک روز ہم سب لوگ آنحضرت ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ حضرت علیؓ آگئے۔ آپ نے ان کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا :

”قاتل اللہ من یقاتلک“۔ ترجمہ : ”اللہ تعالیٰ اسے ہلاک کرے جو تجھ سے لڑے۔“

حضرت امیر معاویہؓ اس کے بعد موضوع گفتگو بدل کر دوسری گفتگو فرمانے لگے۔

وفات : حضرت امیر معاویہؓ کے آخری عہد خلافت میں آپ نے وفات پائی۔^۱ لیکن یہ نہ معلوم ہو سکا کہ وفات کہاں ہوئی۔

حلیہ : بڑھاپے کے آثار کے باوجود اپنے ہم عمروں میں نہایت ہی خوش صورت وضع و خوش لباس تھے۔ اصابت میں ہے : ”کان احسن الشیوخ سمنا وانظفہم ثوبا“^۲۔

(۳۲) حضرت سعید بن عامر

نام و نسب : آپ کا نام سعید ہے۔ باپ کا نام عامر تھا۔ صاحب تجرید نے آپ کو قبیلہ لخم کی طرف منسوب کیا ہے۔ اصابت میں ہے کہ یہود میں جن لوگوں نے اسلام قبول کیا تھا، ان میں حضرت سعیدؓ بھی ہیں۔ طبری نے اس آیت کی تفسیر میں آپ کا نام بھی لیا ہے۔^۳

”الَّذِينَ آمَنُوا بِالْكِتَابِ يَتْلُونَهُ حَقَّ تِلَاوَتِهِ“

”جن کو ہم نے کتاب دی ہے، وہ اس کے حق کے مطابق اس کی تلاوت کرتے ہیں۔“

۱۔ حافظ ابن حجرؒ نے لکھا ہے کہ میرا خیال تھا کہ یہ محضر ہیں مگر میں نے ابن ابی طی کا لکھا ہوا رجال سجدہ امامیہ کا نسخہ پایا، جس میں تحریر تھا کہ یہ صحابی ہیں۔ جلد ۲۔ ص ۴۲

۲۔ ایضاً ۳۔ اصابت۔ جلد ۲۔ ص ۱۱۳

۴۔ ح ۲، ص ۵۹ طبری تفسیر امت ہذا

(۳۳) حضرت سلامؓ

نام و نسب : سلام نام ہے۔ سلسلہ نسب کی تصریح نہیں مل سکی۔ مگر اتنا معلوم ہے کہ حضرت عبداللہ ابن سلام کے بھانجے تھے۔

اسلام : اسلام لانے کی کوئی تصریح کتب طبقات میں نہیں ملتی۔ البتہ مفسرین اس آیت کے ضمن میں حضرت عبداللہ بن سلام وغیرہ کے ساتھ آپ کا نام بھی لیتے ہیں۔

”يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا آمِنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَالْكِتَابِ الَّذِي نَزَّلَ عَلَىٰ

رَسُولِهِ وَالْكِتَابِ الَّذِي أَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ“ - (نساء)

”اے ایمان والو! ایمان لاؤ اور اس کے رسول پر اور جو کتاب اس پر نازل کی گئی اور جو کتاب اس سے پہلے اللہ نے نازل کی۔“

اس سے یہ قیاس ہوتا ہے کہ ان کے ساتھ اسلام لائے ہوں گے۔

(۳۴) حضرت سلمہ بن سلامؓ

نام و نسب : سلمہ نام ہے، باپ کا نام سلام تھا۔ مشہور صحابی عبداللہ بن سلام کے بھائی تھے۔

اسلام : عبداللہ بن عباس سے روایت ہے کہ جب سلمہ بن سلام اور عبداللہ بن سلام وغیرہ اہل کتاب صحابہ نے اسلام قبول کیا تو ان کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی :

”يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا آمِنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ“ -

”اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ۔“

اس میں گمان ہوتا ہے کہ آپ نے بھی ہجرت کے ابتدائی سالوں میں اسلام قبول کیا ہوگا۔

زندگی کے اور حالات معلوم نہ سکے۔

(۳۵) حضرت سلمان فارسیؓ

نام و نسب : نسبی تعلق اصفہان کے آب الملک کے خاندان سے تھا۔ مجوسی نام ماہ تھا اسلام کے

بعد سلمان رکھا گیا اور بارگاہ نبوت سے سلمان الخیر لقب ملا۔ ابو عبداللہ کنیت ہے۔ سلسلہ نسب یہ ہے :

بعض لوگوں نے لکھا ہے کہ ان کے بھتیجے تھے۔ صحیح یہی ہے کہ ان کے بھائی تھے۔ اسد الغابہ جلد ۲ ص ۳۳۶

بابہ ابن ذیشان بن مورسلان بن یہودزان بن فیروز ابن سہرک۔
 قبل اسلام : سلمان کے والد اصفہان کے جی نامی قریہ کے باشندہ اور وہاں کے زمیندار و کاشتکار تھے۔ ان کو حضرت سلمان سے اس قدر محبت تھی کہ ان کو لڑکیوں کی طرح گھر کی چار دیواری سے نکلنے نہ دیتے تھے۔ آتشکدہ کی دیکھ بھال ان ہی کے متعلق رکھی تھی۔ چونکہ مذہبی جذبہ سلمان میں ابتداء سے تھا، اس لئے جب تک آتش پرست رہے اس وقت تک آتش پرستی میں سخت غلو رہا اور نہایت سخت مجاہدات کئے۔ شب و روز آگ کی نگرانی میں مشغول رہتے تھے، حتیٰ کہ ان کا شمار ان پجاریوں میں ہو گیا تھا جو کسی وقت آگ کو بجھنے نہ دیتے تھے۔

مجوسیت سے نفرت اور عیسویت کا میلان :

زمین ہی ان کے باپ کے معاش کا ذریعہ تھی۔ اس لئے زراعت کی نگرانی وہ بذات خود کرتا تھا۔ ایک دن وہ گھر کی مرمت میں مشغولیت کی وجہ سے کھیت پر خود نہ جاسکا اور اس کی دیکھ بھال کے لئے سلمان کو بھیج دیا۔ ان کو راستہ میں ایک گر جا ملا۔ اس وقت اس میں عبادت ہو رہی تھی۔ نماز کی آوازیں سن کر دیکھنے کے لئے چلے گئے۔ نماز کے نظارہ سے ان کے دل پر خاص اثر ہوا اور مزید حالات کی جستجو ہوئی۔ عیسائیوں کا طریقہ اس قدر بھایا کہ بے ساختہ زبان سے نکل آیا کہ یہ مذہب ہمارے مذہب سے بہتر ہے۔ چنانچہ کھیتوں کا خیال چھوڑ کے اسی میں محو ہو گئے۔ عبادت ختم ہونے کے بعد عیسائیوں سے پوچھا کہ اس مذہب کا سرچشمہ کہاں ہے۔ انہوں نے کہا کہ شام میں، پتہ پوچھ کر گھر واپس آئے۔

باپ نے پوچھا کہ اب تک کہاں رہے؟ جواب دیا کہ کچھ لوگ گرے میں عبادت کر رہے تھے، مجھ کو ان کا طریقہ ایسا بھلا معلوم ہوا کہ غروب آفتاب تک وہیں رہا۔ باپ نے کہا، وہ مذہب تمہارے مذہب کا پاسنگ بھی نہیں ہے۔ جواب دیا، بخدا وہ مذہب ہمارے مذہب سے کہیں برتر ہے۔ اس جواب سے ان کے باپ کو خطرہ پیدا ہو گیا کہ کہیں یہ خیال تبدیل مذہب کی صورت میں نہ ظاہر ہو۔ اس لئے بیڑیاں پہنا کر مقید کر دیا۔

مگر ان کے دل میں تلاش حق کی تڑپ تھی۔ اس لئے عیسائیوں کے پاس کہلا بھیجا کہ جب شام کے تاجر آئیں تو مجھ کو اطلاع دینا۔ چنانچہ جب وہ آئے تو ان کو خبر کر دی۔ انہوں نے کہا کہ جب وہ واپس ہوں تو مجھے بتانا۔ چنانچہ جب کارواں تجارت واپس لوٹنے لگا، ان کو خبر کی گئی۔ یہ بیڑیوں کی قید سے نکل کر ان کے ساتھ ہو گئے۔ شام پہنچ کر دریافت کیا کہ یہاں سب بڑا مذہبی شخص کون ہے۔

لوگوں نے وہاں کے پادری کا پتہ دیا۔ اس سے جا کر کہا کہ مجھ کو تمہارا مذہب بہت پسند ہے، اس لئے چاہتا ہوں کہ تمہارے پاس رہ کر مذہبی تعلیم حاصل کروں اور مجھ کو اس مذہب میں داخل کرو۔

تبدیل مذہب : چنانچہ وہ مجوسیت کے آشکدے سے نکل کر آسمانی باپ کی بادشاہت کی پناہ میں آگئے۔ مگر پادری بہت بدکردار اور بداخلاق تھا۔ لوگوں کو صدقہ کرنے کی تلقین کرتا اور جب اس کے قبضہ میں آ جاتا تو فقراء اور مساکین کو دینے کے بجائے خود لے لیتا۔ حتیٰ کہ سونے اور چاندی کے سات مکے اس کے پاس جمع ہو گئے۔

حضرت سلمانؓ اس کی حرص اور آزر کو دیکھ کر بیچ و تاب کھاتے تھے، مگر زبان سے کچھ نہ کہہ سکتے تھے۔ اتفاق سے وہ مرگیا، عیسائی شان و شوکت سے اس کی تجہیز و تکفین کرنے کو جمع ہو گئے۔ اس وقت انہوں نے سارا اعمال نامہ ان لوگوں سامنے کھول کر رکھ دیا۔ انہوں نے ان کو لے جا کر اس کے اندوختہ کے پاس کھڑا کر دیا۔ تلاشی لی گئی تو واقعی سات مکے سونے چاندی سے بھرے ہوئے برآمد ہوئے۔ عیسائیوں نے اس کی سزا میں دفن کرنے کے بجائے نعش کو صلیب پر لٹکا کر سنگسار کیا۔

اس کی جگہ دوسرا پادری مقرر ہوا۔ یہ بڑا عابد و زاہد اور تارک الدنیا تھا۔ شب و روز عبادتِ الہی میں مشغول رہتا۔ سلمان اس سے بہت مانوس ہو گئے اور دلی محبت کرنے لگے اور آخر تک اس کی صحبت سے فیض ہوتے رہے۔ جب اس کی موت کا وقت قریب آیا تو اس کے کہا میں آپ کے پاس عرصہ تک نہایت لطف و محبت کے ساتھ رہا۔ اب آپ کا آخری وقت ہے، اس لئے آئندہ کے لئے مجھ کو کیا ہدایت ہوتی ہے۔ اس نے کہا کہ میرے علم میں کوئی ایسا عیسائی نہیں ہے جو مذہب عیسوی کا سچا پیرو ہو۔ سچے لوگ مر کھپ گئے اور موجودہ عیسائیوں نے مذہب کو بہت کچھ بدل دیا ہے، بلکہ بہت سے اصول تو سرے سے چھوڑ ہی دیئے ہیں۔ ہاں موصل میں فلاں شخص ہے جو دین حق سچا پیرو ہے تم جا کر اس سے ملاقات کرنا۔

موصل کا سفر : اس پادری کی موت کے بعد حق کی جستجو میں وہ موصل پہنچے اور تلاش کر کے اس سے ملے اور اپنا واقعہ بیان کیا کہ فلاں پادری نے مجھ کو ہدایت کی تھی کہ آپ کے یہاں ابھی تک حق کا سرچشمہ اُبلتا ہے اور میں آپ سے مل کر اپنی تشنگی فرو کرنا چاہتا ہوں۔ اس نے ان کو ٹھہرا لیا۔

پہلے پادری کی رائے کے مطابق یہ پادری درحقیقت بڑا متقی اور پاکباز تھا۔ اس لئے انہوں نے اس کے پاس مستقل قیام کر لیا۔ مگر تھوڑے دنوں کے بعد اس کا وقت بھی آ گیا۔ آئندہ کے متعلق حضرت سلمانؓ نے اس سے بھی وصیت کی خواہش کی۔ اس نے نصیبین میں ایک شخص کا پتہ بتایا۔

سیر الصحابہ (جلد ششم) ۳۹۲ اہل کتاب صحابہ و تابعین (حصہ دوازدہم)

نصیبین کا سفر: چنانچہ اس کی موت کے بعد آپ نصیبین پہنچے اور اس پادری سے مل کر دوسرے پادری کی وصیت بتائی۔ یہ اسقف بھی پہلے دونوں کی طرح بڑا عابد اور زاہد تھا۔ سلمان یہاں مقیم ہو کر اس سے روحانی تسکین حاصل کرنے لگے۔ ابھی کچھ ہی دن اس کی صحبت سے فیض اٹھایا تھا کہ اس کا وقت بھی آخر ہو گیا۔ حضرت سلمانؓ نے گذشتہ اسقفوں کی طرح اس سے بھی آئندہ کے متعلق مشورہ طلب کیا۔ اس نے عمور یہ میں گوہر مقصود کا پتہ دیا۔

عمور یہ کا سفر: چنانچہ اس کی موت کے بعد انہوں نے عمور یہ کا سفر کیا اور وہاں کے اسقف سے مل کر پیام سنایا اور اس کے پاس مقیم ہو گئے۔ کچھ بکریاں خرید لیں، اس سے مادی غذا حاصل کرتے تھے۔ اور صبر و شکر کے ساتھ روحانی غذا اسقف سے حاصل کرنے لگے۔ جب اس کا پیمانہ حیات بھی لبریز ہو گیا تو حضرت سلمانؓ نے اپنی سرگذشت سنائی کہ اتنے مراتب طے کرنا ہوا آپ کے پاس پہنچا تھا۔ آپ بھی آخرت کا سفر کرنے کو آمادہ ہیں، اس لئے میرا کوئی سامان کرتے جائیے۔

اس نے کہ بیٹا میں تمہارے لئے کیا سامان کروں۔ آج دنیا میں کوئی شخص ایسا باقی نہیں ہے کہ جس سے ملنے کا میں تمہیں مشورہ دوں، البتہ اب اس نبی کا ظہور کا زمانہ قریب جو ریگستانِ عرب سے اٹھ کر دین ابراہیمؑ کو زندہ کرے گا اور کھجوروں والی زمین کی طرف ہجرت کرے گا۔ اس کی علامات یہ ہیں کہ وہ ہدیہ قبول کرے گا۔ لیکن صدقہ کو اپنے لئے حرام سمجھے گا۔ اس کے دونوں شانوں کے درمیان مہر نبوت ہوگی، اگر تم اس سے مل سکو تو ضرور ملنا۔

اسقف کی بشارت اور عرب کا سفر

اس پادری کے مرنے کے بعد کچھ عرصہ تک عمور یہ میں رہے، کچھ دنوں بعد بنو کلب کے تاجر ادھر سے گزرے۔ آپ نے ان سے کہا کہ اگر تم مجھ کو عرب پہنچا دو تو میں اپنی گائیں اور بکریاں تمہاری نذر کر دوں گا۔ وہ لوگ تیار ہو گئے اور زبانِ حال یہ شعر۔

چلتا ہوں تھوڑی دُور ہر اک راہرو کے ساتھ پہنچا نہ نہیں ہوں ابھی راہبر کو میں
پڑھتے ہوئے ساتھ ہو لئے۔

غلامی: لیکن ان عربوں نے وادی القریٰ میں پہنچ کر ان کو دھوکا دیا اور ایک یہودی کے ہاتھ غلام بنا کر فروخت کر ڈالا۔ کھجور کے درخت نظر آئے تو آس بندھی کی شاید یہی وہ منزل مقصود ہے جس کا اسقف نے پتہ دیا تھا۔ تھوڑے دن قیام کیا تو یہ امید بھی منقطع ہو گئی۔ آقا کا چچا زاد بھائی مدینہ سے ملنے آیا، اس نے سلمانؓ کو اس کے ہاتھ بچا دیا۔

سیر الصحابہؓ (جلد ششم) ۳۹۳ اہل کتاب صحابہؓ و تابعینؓ (حصہ دوازدہم)

غلامی اور مدینہ کا سفر :

وہ اپنے ساتھ ان کو مدینہ لے چلا اور سلمان غلامی در غلامی کی رسوائی سہتے ہوئے مدینہ پہنچے، مگر ہاتھ غیب تسکین دے رہا تھا کہ یہ غلامی نہیں ہے۔

اسی سے ہوگی تیرے غمکدہ کی آبادی تری غلامی کے صدقے ہزار آزادی

در حقیقت اس غلامی پر جو مقصود دو عالم کے آستانے تک پہنچانے کا ذریعہ بن جائے ہزاروں آزادیاں قربان ہیں۔ جوں جوں محبوب کی منزل قریب آتی جاتی تھی کشش بڑھتی جاتی تھی اور آثار و علامات بتاتے تھے کہ شاید مقصود کی جلوہ گاہ یہی ہے۔ اب ان کو پورا یقین ہو گیا اور دیدار جمال کی آرزو میں یہاں دن کاٹنے لگے۔

اس وقت آفتاب رسالت مکہ پر تو افگن ہو چکا تھا، لیکن جو رستم کے بادلوں میں چھپا تھا۔ سلمانؓ کو آقا کی خدمت سے اتنا وقت نہ ملتا تھا کہ خود اس کا پیہ لگاتے۔ آخر انتظار کرتے کرتے وہ روزِ مسعود بھی آ گیا کہ مکہ کا آفتاب عالم تاب مدینہ کے افق پر طلوع ہوا۔ حرمِ نصیب سلمان کی شبِ ہجر تمام ہوئی اور صبحِ اُمید کا اُجالا پھیلا، یعنی سرکارِ دو عالم ﷺ ہجرت کر کے مدینہ تشریف لائے۔ سلمان کھجور کے درخت پر چڑھے ہوئے کچھ درست کر رہے تھے اور آقاؐ نیچے بیٹھا ہوا تھا کہ اس کے چچا زاد بھائی نے آکر کہا کہ خدائی قیلہ کو غارت کرے۔ سب کے سب قبائلی ایک شخص کے پاس جمع ہیں، جو مکہ سے آیا ہے۔ یہ لوگ اس کو نبی سمجھتے ہیں۔

سلمان کے کانوں تک اس خبر کا پہنچنا تھا کہ یارائے ضبط باقی نہ رہا۔ صبر و شکیب کا دامن چھوٹ گیا، بدن میں سنسناہٹ پیدا ہو گئی اور قریب تھا کہ کھجور کے درخت سے فرشِ زمین پر آ جائیں، اسی مدہوشی کے عالم میں جلد از جلد درخت سے نیچے اترے اور بدحواسی میں بے تحاشہ پوچھنے لگے، تم کیا کہتے ہو۔ آقاؐ نے اس سوال پر گھونسا مار کر ڈانٹا کہ تم کو اس سے کیا غرض، تم اپنا کام کرو۔

اس وقت سلمان خاموش ہو گئے۔ لیکن اب صبر کسے تھا کھانے کی کچھ چیزیں پاس تھیں، ان کو لے کر دربارِ رسالت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ میں نے سنا ہے کہ آپ خدا کے برگزیدہ بندے ہیں اور کچھ غریب الدیار اور اہل حاجت آپ کے ساتھ ہیں، میرے پاس یہ چیزیں صدقہ کے لئے رکھی تھیں، آپ لوگوں سے زیادہ ان کا مستحق کون ہو سکتا ہے۔ اس کو قبول فرمائیے۔ آنحضرت ﷺ نے دوسرے لوگوں کو کھانے کا حکم دیا، مگر خود نوش نہ فرمایا۔ اس طرح سے سلمانؓ کو نبوت کی ایک علامت کا مشاہدہ ہو گیا کہ نبی صدقہ نہیں قبول کرتا۔

دوسرے دن پھر ہدیہ لے کر حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ کل آپ نے صدقہ کی چیزیں نہیں نوش فرمائی تھیں، آج یہ ہدیہ قبول فرمائیے۔ آپ نے قبول فرمایا خود بھی نوش کیا اور دوسروں کو بھی دیا۔ اس طرح سے دوسری نشانی یعنی مہربوت کی بھی زیارت کی اور باچشمہ زخم آپ کی طرف بوسہ دینے کو جھکے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا سامنے آؤ۔ وہ سامنے آئے اور اپنی ساری سرگذشت سنائی۔ پھر آنحضرت ﷺ نے یہ دلچسپ داستان اپنے تمام اصحاب کو سنوائی۔

اسلام : حضرت سلمان جب اپنا گوبر مقصود پا چکے تو اس دولت کو اپنے دل کے خزانے میں رکھ کر آقا کے گھر واپس آئے۔ اتنے مرحلوں کے بعد وہ دین سے ہم آغوش ہوئے۔

آزادی : غلامی کی مشغولیت کے باعث فرائض مذہبی ادا نہ کر سکتے تھے۔ اسی وجہ سے غزوہ بدر احد میں شریک نہ ہو سکے۔ اس لئے آنحضرت ﷺ نے ان سے فرمایا کہ اپنے آقا کو معاوضہ دے کر آزادی حاصل کر لو۔ تین سو کھجور کے درخت اور چالیس اوقیہ سونے پر معاملہ طے ہوا۔ آنحضرت ﷺ نے عام مسلمانوں سے سفارش فرمائی کہ اپنے بھائی کی مدد کرو۔

سب نے حسب حیثیت کھجور کے درخت دیئے، اس طریقے سے تین سو درخت ان کو مل گئے اور آنحضرت ﷺ کی مدد سے ان کو بٹھایا اور زمین، ہموار کر کے ایک شرط پوری کر دی۔ اب سونے کی ادائے گی باقی رہ گئی، اس کا سامان مجھی خدا نے کر دیا۔ آنحضرت ﷺ کو کسی غزوہ میں مرغی کے بیضہ کے برابر سونا مل گیا۔ آپ نے سلمان کو دے دیا۔ یہ وزن میں ٹھیک چالیس اوقیہ تھا۔ اس سے گلو خلاصی حاصل کی اور آنحضرت ﷺ کی خدمت میں رہنے لگے۔

مواخاۃ : غلامی سے آزادی کے بعد مسلمانوں کے ساتھ مستقل اقامت اختیار کی۔ اس وقت بالکل غریب الدیار تھے کوئی شناسا نہ تھا۔ آنحضرت ﷺ نے مکی مہاجرین کی طرح ان سے اور ابوذرؓ سے مواخاۃ کرادی۔

غزوات : بدر واحد کی لڑائیاں ان کی غلامی کے زمانہ میں ختم ہو چکی تھیں۔ آزادی کے بعد پہلا غزوہ خندق پیش آیا۔ اس میں انہوں نے اپنے حسن تدبیر سے دونوں لڑائیوں کی تلافی کر دی۔ غزوہ خندق میں تمام عرب ٹڈی دل مسلمانوں کے خلاف اُمنڈ آیا تھا کہ ان کا کامل استیصال کر دے۔ حملہ خود مدینہ پر تھا، جس کے چاروں طرف نہ قلعہ تھا نہ فصیل تھی، اور مقابلہ بھی سخت تھا۔ ایک طرف کفار کی

۱۔ قبل اسلام سے آزادی تک کے کل حالات مسند احمد بن حنبل جلد ۵۔ ص ۳۱-۳۲ سے ماخوذ ہیں۔

۲۔ بخاری۔ جلد ۲۔ ص ۸۹۸ مواخاۃ کے معنی بھائی چارہ کے ہیں۔

تعداد اور یگستان عرب کے ذروں کے برابر تھی اور دوسری طرف مٹی بھر مسلمان تھے۔ آنحضرت ﷺ نے عام مسلمانوں سے مشورہ کیا۔

سلمانؓ فارسی چونکہ ایران کی صف آریاں دیکھے ہوئے تھے، اس لئے جنگی اصولوں سے اچھی طرح واقف تھے۔ چنانچہ انہوں نے مشورہ دیا کہ اس انبوه کا کھلے میدان میں مقابلہ کرنا اچھا نہیں ہے۔ بلکہ مدینہ کے چاروں طرف خندق کھود کر شہر کو محفوظ کر دینا چاہئے۔ یہ تدبیر مسلمانوں کو بہت پسند آئی۔ اور اسی پر عمل کیا گیا۔ خندق کی کھودائی میں آنحضرت ﷺ بھی بہ نفس نفیس شریک ہوئے تھے اور مٹی ڈھوتے ڈھوتے شکم مبارک مٹی سے اٹ گیا تھا، اور جزیہ اشعار زبان مبارک پر جاری تھے۔ ذیقعدہ ۵ھ میں طرفین میں جنگ شروع ہوئی۔ عربوں کو اس طریقہ جنگ سے واقفیت نہ تھی، وہ آئے تو تھے مدینہ کی اینٹ سے اینٹ بجادیں گے، مگر یہاں آ کر دیکھا کہ ان کے اور مدینہ کے بیچ میں خندق کی فصیل حائل ہے۔ وہ ۲۲ دن تک مسلسل محاصرہ کئے پڑے رہے، مگر شہر تک پہنچنا ان کو نصیب نہ ہوا اور آخر کار نا کام واپس پھر گئے۔

غزوہ خندق کے علاوہ حضرت سلمانؓ تمام لڑائیوں میں مسلمانوں کے دوش بدوش شریک رہے۔ اور غزوہ خندق کے بعد کوئی غزوہ ایسا نہیں ہوا، جس میں شریک ہو کر داو شجاعت نہ دی ہو۔
عہد صدیقی اور عراقی : آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد آپ عرصہ تک مدینہ میں رہے۔ عہد صدیقی کے آخر یا عہد فاروقی کی ابتداء میں انہوں نے عراق کی اور ان کو اسلامی بھائی ابودرداءؓ نے شام کی سکونت اختیار کر لی۔ یہاں کی اقامت کے بعد ابودرداءؓ کو خدا نے مال اور اولاد کی حیثیت سے بہت نواز۔ انہوں نے سلمانؓ کو خط لکھا کہ تم سے جدا ہونے بعد خدا نے مجھ کو مال و دولت اور اہل و عیال سے سرفراز کیا اور ارض مقدس کی سکونت کاشرف بخشا۔ انہوں نے جواب دیا کہ یاد رکھو مال و دولت اور اولاد کی کثرت کوئی خیر نہیں ہے۔ بلکہ خیر اس میں ہے کہ تمہارا علم زیادہ ہو اور تمہارا علم تم کو نفع پہنچائے۔ محض ارض مقدس کا قیام کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتا، جب تک تمہارا عمل اس قابل نہ ہو اور عمل بھی اس طرح کا ہو کہ گویا خدا تم کو دیکھ رہا ہے اور تم اپنے کو مردہ سمجھو۔

عہد فاروقی : ایران کی فوج کشی میں مجاہدانہ شریک ہوئے، اور چونکہ خود ایرانی تھے اس لئے فتوحات میں بہت قیمتی امداد پہنچائی، مگر اصول اسلام کو ہمیشہ پیش نظر رکھا۔ ایک ایرانی قصر کے

۱۔ ابن سعد۔ جلد ۲۔ قسم ۱۔ ص ۲۸ ۲۔ بخاری۔ جلد ۲۔ کتاب المغازی غزوہ خندق ۳۔ مسند ابن فضال۔ جلد ۵۔ ص ۲۲

۴۔ اسد الغابہ۔ جلد ۲۔ ص ۳۳۰ ۵۔ اسد الغابہ۔ جلد ۲۔ ص ۲۳۱

محاصرہ کے وقت جارحانہ حملے کے پہلے محصورین کو سمجھا دیا کہ میں بھی تمہارا ہم قوم تھا، لیکن خدا نے مجھ کو اسلام سے نوازا۔ تم لوگ عربوں کی اطاعت گزاری سے کسی طرح نہیں بچ سکتے۔ تم کو سمجھائے دیتا ہوں کہ اگر تم اسلام لا کر ہجرت کر کے ہم میں مل جاؤ تو تم کو اہل عرب کے حقوق دیئے جائیں گے اور جو قانون ان کے لئے ہے وہی تم پر جاری کیا جائے گا اور اگر اسلام نہیں قبول کرتے اور صرف جزیہ منظور کرتے ہو تو ذمیوں کے حقوق تم کو ملیں گے اور ان کا قانون تم پر نافذ کیا جائے گا۔ تیس دن تک برابر تبلیغ کا فرض ادا کرتے رہے جب کوئی اثر نہ ہوا تو حملہ کا حکم دے دیا اور مسلمانوں نے قصر مذکور بزدور شمشیر فتح کر لیا۔^۱

فتح جلولا میں بھی شریک تھے اور وہاں مشک کی ایک تھیلی ان کے ہاتھ آئی تھی۔^۲ جس کو اپنی زندگی کے آخری لمحات میں کام میں لائے۔

گورنری : حضرت عمرؓ کے عہد خلافت میں مدائن کی حکومت پر سرفراز ہوئے۔ اس کی تفصیلات آئندہ اخلاق و عادات میں آئیں گی۔

چونکہ حضرت سلمان مقررین بارگاہ نبویؐ میں سے تھے۔ اسی لئے حضرت عمرؓ کا بہت احترام کرتے تھے۔ ایک دفعہ یہ حضرت عمرؓ کے پاس گئے۔ اس وقت آپ ایک گدے پر ٹیک لگائے بیٹھے تھے۔ سلمانؓ کو دیکھ کر گدے ان کی طرف بڑھا دیا۔^۳

علالت : حضرت عثمانؓ کے عہد خلافت میں بیمار پڑے۔ سعد بن ابی وقاص عیادت کو گئے تو رونے لگے۔ سعد نے کہا ابو عبد اللہؓ رونے کا کون سا مقام ہے۔ آنحضرتؐ تم سے خوش خوش دنیا سے اٹھے۔ تم ان سے حوض کوثر پر ملو گے۔ پچھڑے ہوئے ساتھیوں سے ملاقات ہوگی۔ کہا خدا کی قسم میں موت سے نہیں گھبراتا اور نہ دنیا کی حرص باقی ہے۔ رونا یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہم سے عہد کیا تھا کہ ہمارا دنیاوی ساز و سامان ایک مسافر کے زادراہ سے زیادہ نہ ہو، حالانکہ میرے گرد اس قدر سانپ (اسباب) جمع ہیں۔

سعدؓ کہتے ہیں کل سامان جس کو سانپ سے تعبیر کیا تھا ایک بڑے پیالے، ایک لگن اور ایک تسلیہ سے زیادہ نہ تھا۔ اس کے بعد سعدؓ نے خواہش کی کہ مجھ کو کچھ نصیحت کیجیے فرمایا کسی کام کا قصد کرتے وقت فیصلہ کرتے وقت اور تقسیم کرتے وقت خدا کو یاد رکھا کرو گے۔ اس بیماری کے دوران میں اور

۱۔ مسند ابن فضال۔ جلد ۵۔ ص ۴۴۱ ۲۔ ابن سعد۔ جلد ۴۔ قسم ۱۔ ص ۶۶ ۳۔ مستدرک حاکم۔ جلد ۳۔ ص ۵۹۹

۴۔ ابن سعد۔ جلد ۴۔ قسم ۲۔ ص ۶۵

سیر الصحابہؓ (جلد ششم) ۳۹۷ اہل کتاب صحابہؓ و تابعینؓ (حصہ دوازدہم)

احباب نے بھی نصیحت اور وصیت کی خواہش کی، فرمایا تم میں سے جس سے ہو سکے اس کی کوشش کرے کہ وہ حج، عمرہ، جہاد یا قرآن پڑھتے ہوئے جان دے دے اور فتنہ و فجور اور خیانت کی حالت میں نہ مرے۔^۱

وقتِ آخر آیا تو اپنی بیوی سے وہی مشک کی تھیلی منگائی اور اپنے ہاتھ سے پانی میں گھول کر اپنے چاروں طرف چھڑکوا دیا اور سب کو اپنے پاس سے ہٹا دیا، لوگ تنہا چھوڑ کر ہٹ گئے، تھوڑی دیر کے بعد پھر گئے تو دیکھا کہ مرغِ روح قفسِ خاکی سے پرواز کر چکا تھا۔

فضل و کمال : حضرت سلمانؓ کے دن کا بڑا حصہ رسول اللہ ﷺ کی صحبت میں گزرتا تھا۔ اس لئے قدرتِ آپ علوم و معارفِ نبوی سے کافی بہرہ ور ہوئے۔ حضرت علیؓ سے آپ کے مبلغِ علم کے متعلق پوچھا گیا تو فرمایا، ان کو علمِ اول اور علمِ آخر سب کا علم تھا اور وہ خود ایسا دریا تھے، جو پایابی سے نا آشنا رہا وہ ہمارے اہل بیت میں تھے۔

دوسری روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا کہ وہ علم و حکمت میں لقمان حکیم کے برابر تھے۔^۲ علمِ اول سے مراد کتبِ سابقہ کا علم اور علمِ آخر سے مقصود آخری کتابِ الہی یعنی قرآن کا علم ہے اور اہل بیت سے ہونا آنحضرت ﷺ سے قربت و اختصاص کی بنا پر اور اس لئے کہ عربوں میں ان کا کوئی خاندان نہ تھا۔ آپ نے ان کو یہ شرف بخشا کہ اعزازِ اپنے اہل بیت میں داخل کر لیا۔

حضرت معاذ بن جبلؓ جو خود بھی بہت بڑے عالم اور صاحبِ کمال صحابی تھے، ان کے کمالِ علم کے معترف تھے۔ چنانچہ ایک مرتبہ اپنے ایک شاگرد سے کہا کہ چار آدمیوں سے علم حاصل کرنا ان میں ایک سلمانؓ کا نام بھی تھا۔^۳ ایک موقع پر خود زبانِ نبوت نے ان کے علم و فضل کی ان الفاظ میں تصدیق کی ہے کہ سلمانؓ "علم سے لبریز ہیں۔"

صاحبِ اسد الغابہ لکھتے ہیں کہ سلمانؓ "فضلاً صحابہ میں تھے۔ آپ کی کوششوں سے حدیث کا کافی حصہ اشاعت پذیر ہوا۔ آپ کے مرویات کی تعداد ۶۰ ہے ان میں سے تین حدیثیں متفق علیہ ہیں۔ ان کے علاوہ ایک میں مسلم اور تین میں بخاری منفرد ہیں۔"

حضرت ابوسعید خدریؓ، ابوالطفیلؓ، ابن عباسؓ، اوس بن مالکؓ اور ابن عمرؓ وغیرہ آپ کے زمرہ تلامذہ میں ہیں۔

۱۔ ابوسعیدؓ ص ۶۶ ۲۔ استیعاب۔ جلد ۲۔ ص ۵۷۲ ۳۔ ابن سعد۔ جلد ۱۔ ص ۶۱ ۴۔ ایضاً ۵۔ اسد الغابہ۔ جلد ۲۔ ص ۳۳۱ ۶۔ تہذیب الکمال۔ ص ۱۴

گو حضرت سلمانؓ علمِ اول اور آخر کے امین تھے۔ تاہم حدیث بیان کرنے میں بہت محتاط تھے۔ اس لئے ان کی مرویات کی تعداد ۶۰ سے زیادہ متجاوز نہ ہوئیں۔ حضرت حذیفہؓ مدائن میں لوگوں سے ایسی باتیں بیان کرتے تھے، جو آنحضرت ﷺ نے غصہ کی حالت میں کسی سے فرمائی تھیں۔ لوگ اس کی تصدیق کے لئے سلمانؓ کے پاس آئے۔ آپ نے صرف اس قدر جواب دیا کہ حذیفہؓ خود زیادہ اچھا جانتے ہیں۔ لوگوں نے حضرت حذیفہؓ سے آکر کہا کہ ہم نے آپ کے بیان کردہ حدیث سلمانؓ کو سنائی وہ نہ اس کی تصدیق کرتے ہیں اور نہ تردید۔

حضرت حذیفہؓ نے آکر سلمانؓ سے کہا کہ جو کچھ تم نے آنحضرت ﷺ سے سنا، اس کی تصدیق کیوں نہیں کرتے۔ فرمایا بعض اوقات آنحضرت ﷺ لوگوں کو کچھ غصہ میں کہہ دیتے تھے اور بعض اوقات آنحضرت ﷺ خوش ہو کر کچھ فرما دیتے تھے۔ معلوم ہوتا ہے کہ تم اس قسم کی باتوں کو بیان کر کے کسی کو کسی کا دوست اور کسی کو دشمن بنا دو گے۔ کیا تمہیں معلوم نہیں کہ آنحضرت ﷺ فرمایا کرتے تھے کہ خداوند غصہ کی حالت میں اگر کسی کے متعلق کوئی بُرا کلمہ نکل جائے تو اس کو بھی اس کے حق میں خیر کر دینا۔ پھر ان سے کہا کہ تم اس قسم کی باتوں سے باز آ جاؤ، نہیں تو میں عمرؓ کو آگاہ کر دوں گا۔^۱

چونکہ وہ اسلام سے قبل عرصہ تک نصرانی رہ چکے تھے، اس لئے عیسائی مذہب کے متعلق بھی کافی معلومات رکھتے تھے۔ حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے تھے کہ سلمانؓ دو کتابوں کا علم رکھتے ہیں، کلام اللہ اور انجیل کا۔

مذہب عیسوی کے مسائل محض پادریوں کی زبانی نہیں سنے تھے، بلکہ خود انجیل کا مطالعہ کیا تھا۔ چنانچہ ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ سے عرض کیا کہ میں نے توراۃ میں دیکھا ہے کہ کھانے کے بعد وضو کرنے سے برکت ہوتی ہے۔^۲

عام حالات میں تقرب بارگاہِ نبوی :

حضرت سلمانؓ صحابہ کرام کے اس مخصوص زمرے میں تھے، جس کو بارگاہِ نبوی میں خاص تقرب حاصل تھا۔ مخصوص صحابہ کرام کے علاوہ کم لوگ ایسے تھے جو بارگاہِ موت کی پذیرائی میں حضرت سلمانؓ کی ہمسری کر سکتے ہوں۔

غزوہ خندق کے موقع پر جب مہاجرین اور انصار علیحدہ علیحدہ جمع ہوئے تو مہاجرین کہتے تھے کہ سلمانؓ ہمارے زمرہ میں ہیں، انصار کہتے تھے کہ ہماری جماعت میں ہیں۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ سلمانؓ ہمارے اہل بیت میں ہیں۔

ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ فرماتی ہیں کہ سلمانؓ کی شب کی تنہائی کی صحبت آنحضرت ﷺ کے پاس اتنی لمبی ہوتی تھی کہ ہم لوگوں (ازواج) کو خطرہ پیدا ہو گیا تھا کہ کہیں ہماری باری کی رات بھی اس نشست میں نہ گزر جائے۔ انس بن مالکؓ روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ فرماتے تھے کہ جنت تین آدمیوں کی مشاق ہے۔ علیؓ، عمارؓ اور سلمانؓ کی۔

آپ کے تقرب کی آخری مثال یہ ہے کہ ایک موقع پر آنحضرت ﷺ صدیق اکبرؓ جیسے فدائی اسلام اور جلیل القدر صحابی سے حضرت سلمانؓ اور ان کے بعض رفقاء کے بارے میں رنجیدہ ہو گئے۔ اس کا واقعہ یہ ہے کہ ایک مرتبہ ابوسفیانؓ چند آرمیوں کے ساتھ حضرت صہیبؓ، حضرت بلالؓ اور حضرت سلمانؓ کے پاس سے گزرے۔ ان تینوں بزرگوں نے کہا کہ خدا کی کوئی تلواری خدا کے دشمن (ابوسفیانؓ) کی گردن پر نہیں پڑی۔ حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا کہ تم لوگ سردارِ قریش کے متعلق زبان سے ایسا کلمہ نکالتے ہو، اور آنحضرت ﷺ سے آکر واقعہ بیان کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ شاید تم نے ان لوگوں کو ناراض کر دیا۔ اگر تم نے ان لوگوں کو ناراض کر دیا، گویا خدا کو ناراض کیا۔ حضرت ابوبکرؓ بہت نام نہ ہوئے اور آکر ان بزرگوں سے معذرت کی۔

اخلاق و عادات : حضرت سلمان فارسیؓ میں مذہبی جذبہ کی شدت فطری تھی۔ جس طرح آتش پرستی کے زمانہ میں سخت آتش پرست اور نصرانیت کے زمانہ میں سخت عابد و زاہد نصرانی تھے۔ اسی طرح مشرف بہ اسلام ہونے کے بعد مکمل ترین نمونہ بن گئے۔ ان کے اصل فضل و کمال کا میدان یہیں ہے۔

زہد و تقویٰ : ان کا زہد و دورِ اس حد تک پہنچ گیا تھا، جس کے بعد رہبانیت کی حد شروع ہو جاتی ہے۔ اس کی ادنیٰ مثال یہ ہے کہ عمر بھر گھر نہیں بنایا۔ جہاں کہیں دیوار یا درخت کا سایہ ملتا پڑا رہتے۔ ایک شخص نے اجازت چاہی کہ میں آپ کے لئے مکان بنا دوں بغیر مایا مجھ کو اس کی حاجت نہیں۔ وہ پیہم اصرار کرتا رہا یہ برابر انکار کرتے رہے۔ آخر میں اس نے کہا کہ آپ کی مرضی کے مطابق بناؤں گا۔ فرمایا وہ کیسا! عرض کیا کہ اتنا مختصر کہ کھڑے ہوں تو سر چھت سے مل جائے اور اگر لیشیں تو پیر دیواروں سے لگیں۔ فرمایا خیر اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔ چنانچہ اس نے ایک جھونپڑی بنادی۔

۔ اس زہد کا اثر زندگی کے ہر شعبہ میں نمایاں تھا۔ مخرقات دنیاوی کو کبھی پاس نہ آنے دیا۔ وفات کے وقت گھر کا پورا اثاثہ بیس بائیس درہم سے زیادہ کا نہ تھا۔ بستر میں معمولی سا بچھونا تھا اور دو اینٹیں جن کا تکیہ بناتے تھے، اس پر بھی روتے تھے اور فرماتے تھے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ انسان کا ساز و سامان ایک مسافر سے زیادہ نہ ہونا چاہئے، اور میرا یہ حال ہے۔

یہ حالت زندگی ہر دور میں قائم رہی۔ جب امارت کے عہدے پر ممتاز تھے، اُس وقت بھی فرق نہ آیا۔ حسن بیان کرتے ہیں کہ سلمانؓ جب پانچ ہزار تنخواہ پاتے تھے اور میں ہزار نفوس پر حکومت کرتے تھے، اس وقت بھی صرف ان کے پاس ایک عبا تھی، جس میں لکڑیاں جمع کرتے تھے۔ اس کا آدھا حصہ بچھاتے تھے اور آدھا حصہ اوڑھتے تھے۔ زہد و ورع کا یہ حال تھا کہ خادم کو گوشت کی بوٹیاں گن کر دیا کرتے تھے کہ مبادا اس کی طرف سے سوء ظن نہ پیدا ہو۔

رہبانیت سے اجتناب :

اس سے یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ وہ اسلام کی تعلیم کے خلاف رہبانیت کی طرف مائل تھے۔ مذہبی تشدد کے ساتھ ساتھ دنیاوی حقوق کا بھی پورا پورا لحاظ رکھتے تھے اور دوسروں کو بھی اس کی تلقین کرتے تھے۔ ان کے اسلامی بھائی حضرت ابوذرؓ بڑے عابد و زاہد تھے۔ رات بھر نماز پڑھتے تھے اور دن بھر روزہ رکھتے تھے۔ حضرت سلمانؓ نے ان سے ملنے ان کے گھر جایا کرتے تھے۔

ایک مرتبہ ابوذرؓ کی بیوی کو بہت خراب حالت میں دیکھا۔ پوچھا تم نے کیا صورت بنا رکھی ہے۔ انہوں نے کہا کس کے لئے کروں بناؤ سنگار۔ تمہارے بھائی کو تو دنیا کی ضرورت باقی نہیں رہی ہے۔ حضرت ابوذرؓ جب گھر آئے تو بڑے تپاک سے ملے اور کھانا منگوایا، مگر خود معذرت کی کہ میں روزے سے ہوں۔ فرمایا جب تک تم کھاؤ گے میں بھی نہ کھاؤں گا۔ پھر رات کو حضرت سلمانؓ ان کے پاس ہی لیٹے اور ان کو دیکھتے رہے۔ جب وہ عبادت کو اٹھے تو روک کر فرمایا کہ تم پر تمہارے رب، تمہاری آنکھ اور تمہاری بیوی سب کا حق ہے۔ روزوں کے ساتھ افطار اور شب بیداری کے ساتھ سونا بھی ضروری ہے۔ اس کے بعد دونوں نے یہ معاملہ آنحضرت ﷺ کے پاس پیش کیا۔ آپ ﷺ نے ابوذرؓ کو مخاطب کر کے فرمایا کہ سلمانؓ تم سے زیادہ مذہب کے واقف کار ہیں۔

سادگی : حضرت سلمانؓ کی تصویر حیات میں تکلف کے آب و رنگ کے بجائے سادگی بہت غالب تھی جو ہر زمانہ میں یکساں قائم رہی۔ مدائن کی امارت کے زمانہ میں جب کہ شان و شوکت اور

خدم و حشم وغیرہ تمام لوازم ان کے لئے مہیا ہو سکتے تھے۔ اس وقت بھی ان کی سادگی میں کوئی فرق نہیں آیا۔ لباس میں ایک عبا اور ایک معمولی سی جانگیا اور ایک اونچا پانجامہ ہوتا تھا۔ چونکہ ان کے سر کے بال گھنے اور کان لمبے لمبے تھے، اس لئے اس ایرانی ہیئت کو دیکھ کر لوگ ”گرگ آمد، گرگ آمد“ کہتے تھے۔

ایک مرتبہ اسی امارت کے زمانہ میں اس شان و شوکت سے نکلے کہ سواری میں بلا زین کا گدھا تھا۔ لباس میں ایک تنگ اور چھوٹی قمیض تھی، جو سواری پر سے کسی وجہ سے اٹھ گئی تھی۔ جس سے گھٹنے بھی نہ چھپتے تھے، ٹانگیں کھلی ہوئی تھیں۔ لڑکے اس ہیئت کدائی میں دیکھ کر ان کے پیچھے لگ گئے۔ لوگوں نے یہ طوفان بدتمیزی دیکھا تو ڈانٹ کر ان کو ہٹایا کہ امیر کا پیچھا کیوں کرتے ہو۔

ایک دستہ فوج کی سرداری سپرد ہوئی۔ فوجی امارت کی شان و شوکت کا تو کیا ذکر، یہاں معمولی سپاہی کی بھی وضع نہ تھی۔ چنانچہ فوجی ان کو دیکھ کر ہنستے اور کہتے کہ یہی امیر ہیں۔ حضرت ابو ذرؓ کی والدہ فرماتی ہیں کہ حضرت سلمانؓ ایک مرتبہ مدائن سے شام آئے۔ اس وقت وہ وہاں کے گورنر تھے، مگر اپنی سادگی کی وجہ سے معمولی لباس اور ابتر حالت میں تھے۔ ان سے کہا گیا کہ آپ نے اپنے کو اس قدر ابتر کیوں بنا رکھا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ آرام و راحت تو صرف آخرت کے لئے ہے۔

ابو قلابہ راوی ہیں کہ ایک شخص سلمانؓ کے یہاں گیا۔ دیکھا تو بیٹھے آٹا گوندھ رہے ہیں۔ پوچھا خادم کہاں ہے؟ کہا کام سے بھیجا ہے، مجھ کو یہ اچھا نہیں معلوم ہوتا کہ دودو کاموں کا بار اس پر ڈالوں۔

اس غیر معمولی سادگی کی وجہ سے لوگوں کو ان پر اکثر مزدور کا دھوکا ہو جایا کرتا تھا۔ ایک مرتبہ ایک عیسیٰ نے جانور کے لئے چارہ خریدا۔ حضرت سلمانؓ کھڑے تھے، ان سے کہا کہ اس کو گھر تک پہنچا دو، وہ اٹھا کر لے چلے۔ راستہ میں لوگوں نے دیکھا تو کہنے لگے لایئے ہم پہنچا دیں۔ یہ حال دیکھ کر عیسیٰ نے پوچھا یہ کون ہیں؟ لوگوں نے کہا آنحضرت ﷺ کے صحابی ہیں۔ وہ سن کر بہت نادام ہوا اور کہا کہ آپ تکلیف نہ کیجئے۔ آپ نے فرمایا، اس میں مجھے نیت کا ثواب ملتا ہے۔ اب میں اس بوجھ کو بغیر پہنچائے ہوئے نیچے نہیں رکھ سکتا۔

فیاضی : فیاضی اور انفاق فی سبیل اللہ بھی آپ کا نمایاں وصف تھا۔ جو کچھ آپ کو خواہ ملتی تھی وہ کل کی کل مستحقین میں تقسیم کر دیتے تھے اور خود چٹائی بن کر معاش پیدا کرتے تھے اور چٹائی کی آمدنی کا بھی ایک تہائی اصل سرمایہ کے لئے رکھ لیتے تھے۔ ایک تہائی بال بچوں پر خرچ کرتے۔ اور ایک تہائی

سیر الصالحین (جلد ششم) ۴۰۲ اہل کتاب صحابہؓ دُعا بعین (حصہ دوازدہم)

خیرات کرتے تھے۔ اربابِ علم کے بڑے قدردان تھے۔ جب کوئی رقم ہاتھ آ جاتی تو حدیث نبوی ﷺ کے شائقین کو کھلا دیتے تھے۔

صدقات سے اجتناب :

صدقات سے بہت سخت پرہیز کرتے تھے۔ اگر کسی چیز میں صدقہ کا ادنیٰ شائبہ ہوتا تو اس سے احتراز کرتے۔ ایک غلام نے خواہش کی کہ مجھ کو مکاتب بنادیتے۔ فرمایا تمہارے پاس کچھ ہے۔ کہ میں لوگوں سے مانگ کر ادا کر دوں گا۔ فرمایا تم مجھ کو لوگوں کے ہاتھ کا دھوون کھلانا چاہتے ہو۔ (حالانکہ اس کا مانگنا ان کے لئے صدقہ نہ رہ جاتا)۔

حلیہ : بال گھنے، کان لمبے اور دراز قامت تھے۔

زریر اقوال : حضرت سلمانؓ کے بہت سے حکیمانہ تجلے اور زریر اقوال کتب احادیث میں منقول ہیں۔ ان میں سے چند جو اہریریز ہم یہاں نقل کرتے ہیں :

ایک مرتبہ دجلہ کے کنارے جانے کا اتفاق ہوا۔ ایک شاگرد بھی ساتھ تھا۔ حضرت سلمانؓ نے اس سے کہا کہ گھوڑے کو پانی پلاؤ۔ اس نے حکم کی تعمیل کی۔ آپ نے فرمایا خوب اچھی طرح پلاؤ۔ جب وہ سیراب ہو گیا تو شاگرد سے مخاطب ہو کر حضرت سلمانؓ نے فرمایا کہ کیا اس جانور کے پانی پینے سے دجلہ میں کوئی کمی واقع ہوئی؟ اس نے کہا جی نہیں! پھر آپ نے فرمایا کہ علم کی مثال بھی ایسی ہی ہے۔ اس میں سے جتنا بھی خرچ کیا جائے گھٹتا نہیں، چاہئے کہ علم نافع طلب کرو۔

آپ نے فرمایا کہ علم بہت ہے اور عمر تھوڑی۔ تو بقدر علم دین پہلے حاصل کر لو اور ساری دنیا کے علوم کے پیچھے نہ پڑو۔

فرمایا مومن کی مثال ایک مریض کی ہے اور اس کے پاس طبیب موجود ہے جو مرض اور اس کے علاج سے بخوبی واقف ہے۔ مریض کو جب کوئی ایسی چیز کی خواہش ہوتی ہے جو اس کے لئے مضر ہوتی ہے تو وہ اس کو روکتا ہے۔ اسی طرح وہ برابر اس کی دیکھ بھال کرتا رہتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ بالکل تندرست ہو جاتا ہے۔ اسی طرح مومن کی خواہشات بھی بہت ہوتی ہیں۔ مگر اللہ تعالیٰ اس کو بُری اور مضر خواہشات سے بچاتا رہتا ہے۔ تا آنکہ اسے موت آ جاتی ہے اور وہ جنت کی تمام نعمتوں سے بہرہ ور ہوتا ہے۔ اگر وہ پہلے باز نہ رکھا گیا ہوتا تو اس کو یہ نعمتیں کیسے ملتیں۔

سیر الصحابہ (جلد ششم) ۴۰۳ اہل کتاب صحابہؓ و تابعینؓ (حصہ دوم وازدہم)

ابودرداءؓ نے ایک مرتبہ ان کو لکھا کہ آپ ارض مقدس (عالم البیت المقدس) میں چلے آئے۔ حضرت سلمانؓ نے ان کو جواب میں لکھا کہ کوئی زمین انسان کو مقدس نہیں بناتی، بلکہ اس کو خود اس کا عمل مقدس بناتا ہے۔ پھر آپ نے لکھا کہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم کسی جگہ کے قاضی بنادیئے گئے ہو تو اگر تمہارے فیصلوں سے لوگوں میں انصاف ہو تو اچھا ہے اور اگر تم مصنوعی قاضی ہو تو پھر ایسا نہ ہو کہ اپنے فیصلوں سے تمہیں دوزخ میں جانا پڑے۔

حضرت یحییٰ بن سعید بیان کرتے ہیں کہ اس کے بعد ابودرداءؓ کا یہ حال ہو گیا کہ جب دو آدمیوں میں فیصلہ کرتے اور فریقین واپس جانے لگتے تو ان کی طرف ایک نظر ڈالتے اور ان سے کہتے کہ واقعی میں مصنوعی قاضی ہوں۔ واپس آؤ اور پھر مجھ سے اپنا مقدمہ بیان کرو، شاید فیصلہ میں غلطی ہو گئی ہو۔

فرماتے کہ مجھے تین آدمیوں پر بڑا تعجب ہوتا ہے۔ ایک وہ جو دنیا کی طلب میں پڑا ہوا ہے اور موت اسے طلب کر رہی ہے۔ دوسرا وہ جو موت سے غافل ہے حالانکہ موت اس سے غافل نہیں ہے۔ تیسرا وہ جو قہقہے مار کر ہنستا ہے اور نہیں سمجھتا کہ اللہ تعالیٰ اس سے راضی ہے یا ناراض۔ فرمایا تین چیزیں مجھے اس قدر غمگین کرتی ہیں کہ میں روتا ہوں۔ ایک تو آنحضرت ﷺ اور ان کے اصحاب کی جدائی۔ دوسری عذاب قبر۔ تیسری قیامت کا خطرہ۔

آپ کے پاس ایک شخص آیا اور اس نے آپ سے نصیحت کی خواہش ظاہر کی۔ آپ نے فرمایا، بولو نہیں۔ اس نے کہا لوگوں میں رہ کر یہ کیسے ممکن ہے۔ آپ نے فرمایا کہ اگر بولو تو صحیح اور مناسب بات کہو۔ اس نے کہا کہ کچھ اور ارشاد ہو۔ فرمایا کہ غصہ نہ کرو۔ اس نے کہا کہ میں غصہ میں قابو سے باہر ہو جاتا ہوں۔ فرمایا کہ اپنے ہاتھ اور زبان کو قابو میں رکھو۔ اس نے کہا کچھ اور ارشاد فرمائیے۔ فرمایا کہ لوگوں سے ملو جلو نہیں۔ اس نے کہا یہ کیسے ممکن ہے کہ لوگوں سے ملا جلا نہ جائے۔ آپ نے فرمایا اگر ملتے جلتے ہو تو پھر بات میں سچائی کے کام لو اور امانت ادا کر دیا کرو۔

(۳۶) حضرت سمعان بن خالد

صاحب صاب نے ان کے تذکرہ میں صرف اتنا لکھا ہے کہ یہ بنو قریظہ سے تھا آنحضرت ﷺ کی خدمت میں آئے۔ آپ نے ان کے لئے برکت کی دعا کی اور ان کے سر پر اپنا دستِ شفقت پھیرا۔

۱۔ یہ تمام اقوال مفعول الصغیر سے لئے گئے ہیں۔ ۲۔ اصحاب۔ جلد ۲۔ ۸۰۔

سیر الصحابہؓ (جلد ششم) ۴۰۴ اہل کتاب صحابہؓ و تابعینؓ (حصہ دوازدہم)

صاحبِ تجرید نے اتنا اور اضافہ کیا ہے کہ ان سے کچھ احادیث بھی مروی ہیں، جو ان کی اولاد کے پاس موجود ہیں۔^۱

(۳۷) حضرت سیمونہ بلقاویؓ

نام و نسب : سیمونہؓ یا سیمانام ہے۔ نسباً اور عقیدۃً نصرانی، بلقاء کے رہنے والے تھے اور ان کا شمار عبادِ نصاریٰ میں تھا۔

اسلام : یہ تصریح نہیں مل سکی کہ کب اسلام لائے۔ اربابِ رجال صرف اتنا لکھتے ہیں :
”کان نصرانیاً شماساً فاسلم“^۲۔
”ایک نصرانی عابد شخص تھے، پھر اسلام لائے۔“

مدینہ سے تجارتی تعلقات :

حضرت سیمونہؓ کو تجارت کے سلسلہ میں مختلف جگہ جانے کا اتفاق ہوتا تھا۔ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ ہم چند آدمی بلقاء سے گہوں لے کر مدینہ آئے اور یہاں اسے فروخت کیا اور اس کی قیمت میں مدینہ سے کھجوریں بلقاء لے جانے کا خیال ہوا۔ مدینہ سے لوگوں نے کھجوریں دینے سے انکار کیا۔ یہ معاملہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پیش ہوا۔ رسول اللہ ﷺ نے اہل مدینہ سے فرمایا کہ یہ لوگ اپنا گہوں ستادیتے ہیں اور کھجوریں گراں خریدتے ہیں، اس پر بھی تمہیں اطمینان نہیں ہے۔ تم لوگ انہیں کھجوریں لے جانے کے لئے دو۔^۳

وفات : آپ کی عمر میں اللہ تعالیٰ نے برکت دی تھی۔ ایک سو بیس برس کی عمر میں وفات پائی۔ سنہ وفات کی تصریح نہیں مل سکی۔

فضائل : شرفِ صحبت کے علاوہ رسول اللہ ﷺ سے روایت کا شرف بھی حاصل ہے۔ فرماتے ہیں :
”رايت النبی صلی اللہ علیہ وسلم من فیہ اذنی“^۴۔

”میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا اور ان کے دہن مبارک سے خود میرے کانوں نے سنا۔“

منصور بن صحیح نے جو رجیع بن صبیح مشہور تابعی کے بھائی ہیں، حضرت سیمونہؓ سے روایت کی ہے۔^۵

۳۔ اسد الغابہ۔ جلد ۳۔ ص ۲۸۳

۲۔ تجرید۔ جلد ۱۔ ص ۲۷۰

۱۔ تجرید۔ جلد ۱۔ ذکر سمعان بن خالد

۴۔ اصابہ۔ جلد ۲۔ ص ۱۰۴

۵۔ ایضا

۶۔ ایضاً

(ش)

(۳۸) حضرت شمعونؓ

نام و نسب : شمعون نام ہے۔ ابوریحانہ کنیت۔ پورا سلسلہ نسب یہ ہے : شمعون بن یزید بن خنقہ القرظیؓ۔ ام المؤمنین حضرت ریحانہؓ کے والد تھے۔

اسلام : یہ تو نہیں معلوم ہو سکا کہ کب اسلام لائے، مگر حافظ ابن عبدالبر نے یہ تصریح کی ہے :
”لہ صحبة و سماع و روایۃ“۔

”صحابی ہیں۔ سماع اور روایت کا شرف بھی حاصل ہے۔“

غزوات : نسائی اور طبرانی کی ایک روایت سے پتہ چلتا ہے کہ آپ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ کسی غزوہ میں بھی شریک ہوئے تھے۔

”کان مع النبی صلی اللہ علیہ وسلم الغزوۃ“۔

”رسول اللہ ﷺ کے ساتھ کسی غزوہ میں شریک تھے۔“

اگرچاس کی تصریح نہیں ملتی کہ کسی غزوہ میں شریک ہوئے تھے۔

عہد فاروقی : عہد فاروقی میں تو آپ کا ذکر کہیں نہیں آتا، مگر عہد فاروقی میں جب دمشق فتح ہوا تو آپ بھی اس شرف جہاد میں شریک رہے۔

شام کا قیام : آپ مستقل طور سے شام میں رہتے تھے۔ لیکن کچھ دنوں کے لیے مصر میں چلے آئے تھے، مگر وہاں تھوڑے روز رہ کر پھر واپس چلے آئے۔

وفات : سندوفات معلوم نہیں ہے۔

فضل و کمال : آپ کا شمار عباد اور زہاد صحابہ میں تھا۔ حافظ ابن عبدالبر لکھتے ہیں :

۱۔ استیعاب۔ جلد ۲۔ ص ۶۰۳ ۲۔ ایضاً۔ ابن سعد نے حضرت ریحانہؓ کے تذکرہ میں لکھا ہے کہ یہ نہا بنو قریظہ سے تھیں، لیکن شادی بنو نضیر کے ایک شخص کے ساتھ ہوئی تھی۔ اس بنا پر حضرت شمعونؓ کو بھی نصیری سمجھنا چاہئے۔ لیکن یہ بھی متیقن کے ساتھ تمام ارباب رجال لکھتے ہیں کہ حضرت ریحانہؓ بنو قریظہ کی جنگ گرفتار ہوئی تھیں۔ اس بنا پر وہ قرظی ہوئیں اور بنو نضیر کی جلا وطنی تو اس سے ایک سال پہلے ہو چکی تھی۔ ان دونوں روایتوں کی کوئی تعارض نہیں ہے۔ ہو سکتا ہے کہ حضرت شمعونؓ نصیری ہوں اور حضرت ریحانہؓ کی شادی بنو قریظہ میں کر دی ہو اور دوسرے تعلقات کی بنا پر وہ ان ہی کے ساتھ رہنے لگے ہوں۔ ۳۔ اصحاب۔ جلد ۲۔ ص ۱۵۶ ۴۔ ایضاً ۵۔ اسد الغابہ۔ جلد ۳۔ ص ۴

”کان من فضلاء الاخيار الزاهدين في الدنيا الراجين مع عند الله“۔
(استيعاب۔ جلد ۲۔ ص ۶۱۰)

”اغیار علماء میں تھے۔ دنیا سے بالکل بے تعلق اور اللہ پر متوکل تھے۔“
اسد الغابہ میں ہے :

”کان من صالحی الصحابة وعبادهم“۔ (جلد ۳۔ ص ۴)
”صالح، نیک اور عبادت گزار صحابہ میں شمار تھا۔“
اصابہ میں ہے :

”کان یكثر اسجود“۔

”نمازیں بہت پڑھتے تھے۔“

قرآن سے شغف : قرآن مجید سے بے حد شغف تھا۔ بسا اوقات آپ قرآن پاک پڑھنے میں ایسا نہمک ہو جاتے تھے کہ آرام کرنے کا بھی خیال نہ رہتا تھا۔

ایک مرتبہ آپ کسی غزوہ سے واپس ہوئے کھانا کھایا اور وضو کر کے اپنے پروردگار کے سامنے سجدہ شکر ادا کرنے کے لئے مسجد میں حاضر ہوئے، کوئی سورت پڑھنی شروع کی اور رات بھر اسی کو پڑھتے رہے۔ صبح کی نماز پڑھ کر جب گھر تشریف لائے تو بیوی نے کہا کہ غزوہ سے تھکے ماندے واپس آئے تھے، کچھ آرام تو کر لینا چاہئے تھا۔ آپ نے فرمایا، ہاں یہ تو ٹھیک ہے۔

”ان ذکر تک لکان علی حق“۔

”اگر تم یاد آگئی ہو تیں تو ضرور مجھ پر تمہارا حق ہوتا مگر یاد الہی میں دوسری یاد آتی ہی نہیں۔“

بیوی نے پوچھا آخر کس چیز نے آپ کو اس قدر مشغول کر لیا تھا؟ آپ نے فرمایا :

”التفکر فیما وصف الله فی جنة و لذاتها حتی سمعت المودن“۔

(اصابہ۔ جلد ۲۔ ص ۱۵۶)

”اللہ تعالیٰ نے جو جنت اس کی لذات کی تعریف کی ہے، اسی میں غور و فکر کرتا رہا، یہاں تک کہ صبح کی اذان ہو گئی۔“

آپ قرآن مجید یاد کرنے کی بے حد کوشش کرتے تھے، مگر وہ زیادہ یاد نہیں رہتا تھا۔ آپ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں تشریف لائے اور قرآن مجید کے بار بار بھول جانے اور اپنے یاد کرنے کی محنت کا ذکر کیا تو آپ نے فرمایا : کہ

سیر الصحابہ (جلد ششم) ۴۰۷ اہل کتاب صحابہؓ و تابعینؓ (حصہ دوازدہم)

”لا متحمل ما لا تطیق علیک بالسجود“۔ (کتاب الاسماء والکنی للذولابی۔ جلد ۱۔ ص ۳۰)

”اپنی یادداشت بھریا د کرو۔ نماز کی پابندی زیادہ رکھو، (یعنی جب نماز زیادہ پڑھو گے تو قرآن بھی بار بار پڑھو گے) اس طرح وہ یاد رہے گا۔“

(ص)

(۳۹) حضرت صالح القرظیؓ

صالح نام تھا۔ قبیلہ قرظی^۱ سے آپ کا نسب تعلق تھا۔ جب مقوقس شاہ مصر نے ماریہ قبطیہ کو آنحضرت ﷺ کی خدمت میں بھیجا تو آپ بھی ان ہی کے ساتھ مدینہ تشریف لائے۔ اسی وجہ سے بعض لوگوں کو یہ دھوکا ہو گیا ہے کہ ان کو بھی مقوقس ہی نے بھیجا تھا، مگر صاحب اصحابہ نے اس کی تردید کی ہے^۲۔

رسول اللہ ﷺ نے ان لوگوں کو حضرت ابویوب انصاری کے مکان میں ٹھہرایا^۳۔ زندگی کے اور دوسرے حالات نہیں معلوم ہو سکے۔

(ع)

(۴۰) حضرت عامر الشامیؓ

عامر نام تھا۔ شام یا حبشہ کے رہنے والے تھے۔

اسلام : اس کے متعلق کوئی تصریح نہیں ملی کہ کب اسلام لائے، مگر جب حضرت جعفرؓ حبشہ سے واپس آئے تو ان کے ساتھ حبشہ سے کچھ لوگ جو اسلام لا چکے تھے، خدمت نبوی میں مدینہ آئے۔ ان ہی آنے والوں میں حضرت عامرؓ بھی تھے۔ ان آنے والوں کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی^۴ :

۱۔ اصحابہ میں ہے الصواب قطعی، مگر اور دوسرے ارباب طبقات قرعی لکھتے ہیں۔ (تجرید۔ جلد ۱۔ ص ۲۸۱،

اسد الغابہ۔ جلد ۳۔ ۱۰) ۲۔ اصحابہ۔ جلد ۲۔ ۱۷۳ ۳۔ ایضا

۴۔ پوری تفصیل حضرت اشرفؓ کے حالات میں گزر چکی ہے۔ ۵۔ طبری

چنانچہ بہت سے لوگ آپ کی کوشش کی وجہ سے ارتداد سے باز آ گئے۔ وفات وغیرہ کے متعلق تفصیل نہیں معلوم ہو سکی۔

(۴۲) حضرت عبداللہ بن سلام

نام و نسب : جاہلی نام حصین تھا۔ اسلام کے بعد آنحضرت ﷺ نے عبداللہ نام رکھا۔ ابو یوسف کنیت ہے۔ یہود مدینہ کے خاندان قینقاع سے تھے۔ مشہور ہے کہ ان کا سلسلہ نسب حضرت یوسف علیہ السلام تک منتہی ہوتا ہے۔ مختصراً آپ کا شجرہ نسب یہ ہے : عبداللہ بن سلام بن حارث۔ قبیلہ خزرج میں ایک خاندانی عوف کے نام سے مشہور ہے، اس میں ایک شاخ کا نام قو اقل ہے۔ حضرت عبداللہ اسی قو اقل کے حلیف تھے۔

اسلام : آنحضرت ﷺ ہجرت کر کے مدینہ تشریف لائے اور مالک بن نجار کے محلہ میں ناقہ سے اترے تو عبداللہ کو خبر ہوئی۔ وہ اپنے بچوں کے لئے باغ میں پھل چٹنے گئے تھے۔ جلدی سے خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور کہا کہ آپ سے تین باتیں دریافت کرتا ہوں جو انبیاء کے سوا کسی کو معلوم نہیں۔ آنحضرت ﷺ نے ان کا جواب دیا تو فوراً بول اٹھے اشہد ان لا الہ الا اللہ واشہد انک رسول اللہ اس بعد کہا کہ یہود افتراء پر داز قوم ہے اور میں عالم بن عالم اور رئیس بن رئیس ہوں۔ آپ ان کو بلا کر میری نسبت دریافت کیجئے، لیکن میرے مسلمان ہونے کی خبر نہ دیجئے گا۔

آنحضرت ﷺ نے یہود کو بلا کر اسلام کی دعوت دی اور کہا عبداللہ بن سلام کون شخص ہیں؟ بولے ہمارے سردار اور ہمارے سردار کے بیٹے ہیں۔ فرمایا وہ مسلمان ہو سکتے ہیں؟ جواب ملا، کبھی نہیں۔ عبداللہ بن سلام مکان کے گوشے میں چھپے ہوئے تھے۔ آنحضرت ﷺ نے آواز دی تو کلمہ پڑھتے ہوئے باہر نکل آئے اور یہودیوں سے کہا :

ذرا خدا سے ڈرو ! تمہیں خوب معلوم ہے کہ یہ رسول ہیں اور ان کا مذہب بالکل سچا ہے اور بایں ہمہ ایمان لانے پر تم لوگ آمادہ نہیں ہوتے۔ یہود کو خلاف توقع جو نصبت نصیب ہوئی اس نے ان کو آتش زیر پا کر دیا اور غصہ میں کہا، تم جھوٹے ہو اور ہماری جماعت کے بدترین شخص ہو اور تمہارا باپ بھی بدترین شخص تھا۔ حضرت عبداللہ نے کہا، یا رسول اللہ ﷺ! آپ نے دیکھا، مجھ کو اسی کا خوف تھا۔

”الَّذِينَ اتَّيْنَهُمُ الْكِتَابُ مِنْ قَبْلِهِ هُمْ بِهِ يُؤْمِنُونَ وَإِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ قَالُوا
أَمَّا بِهِ إِنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَبِّنَا إِنََّّا كُنَّا مِنْ قَبْلِهِ مُسْلِمِينَ“

”جن لوگوں کو ہم نے اس سے پہلے کتاب دی وہ اس پر ایمان رکھتے ہیں۔ جب ان کے سامنے قرآن کی آیات پڑھی جاتی ہیں تو وہ کہتے ہیں کہ ہم اس پر ایمان لائے۔ بے شک یہ حق ہے ہمارے رب کی طرف سے، ہم اس کے نزول کے پہلے سے مسلمان ہیں۔“

(۴۱) حضرت عبدالحارث بن السنی

نام و نسب: عبدالحارث یا عبد الرحمن نام ہے۔ پورا سلسلہ نسب یہ ہے۔ عبدالحارث بن السنی ابن الدیان الحارثیؓ۔ آپ کا شمار نجران کے ممتاز لوگوں میں تھا۔ جب رسول اللہ ﷺ کی وفات کی خبر نجران پہنچی اور وہاں فتنہ ارتداد اٹھا تو آپ نے روک تھام کی پوری کوشش کی۔ آپ نے اہل نجران کے سامنے ایک بہت بلند خطبہ دیا۔ جس کے الفاظ یہ ہیں:

”یا اهل نجران من امرکم بالثبات علی هذا الدین لقد نصحکم و
من امرکم ان تزیغوا فقد غشکم الی ان قال واما کان بنی اللہ
عارية بین اظهرکم فاتی علیہ اجلہ وبقی الکتاب الذی جاء به فامرہ
ونہیہ نہی الی یوم القیامة“

”اے اہل نجران! جس نے تم کو اس دین اسلام پر جم جانے کے لئے کہا، وہ تمہارا خیر خواہ ہے اور جس نے کج روی کی تلقین کی وہ تمہارا بد خواہ اور تم دھوکہ دے رہے ہو۔ یہ اللہ کے نبی محمد ﷺ تھوڑے سے زمانے کے لئے تمہارے پاس آئے تھے۔ اب ان کی وفات ہو چکی ہے، مگر جو کتاب وہ لے کر آئے تھے۔ وہ اب بھی باقی ہے۔ اس کا حکم حکم ہے۔ اس کی نہیں نہیں ہے۔ اس کے اوامر اور منہیات قیامت تک باقی رہیں گے۔“

اور پھر یہ اشعار پڑھے:

نحز بحمد اللہ ہامۃ مذجع بنو الحرث الخیر الذین ہم مدد
ونحن علی دین النبی مزی الذی نہانا حرامامنہ والامر ما امر

۱۔ تجرید میں آپ کا نام عبد الرحمن درج ہے۔ حافظ ابن حجرؒ نے اسبابہ میں لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے عبدالحارث سے آپ کا نام تبدیل کر کے عبد الرحمن رکھ دیا ہو۔ اسبابہ جلد ۲۔ ص ۳۸۸

سیر الصحابہؓ (جلد ششم) ۴۱۰ اہل کتاب صحابہؓ و تابعینؓ (حصہ دوازدہم)

غزوات : غزوہ بدر واحد کی شہرت کے متعلق اختلاف ہے۔ صاحب طبقات کے نزدیک خندق ان کا پہلا غزوہ تھا۔ اس لئے انہوں نے صحابہؓ کے تیسرے طبقہ یعنی خندق میں ان کا تذکرہ لکھا ہے کہ خندق کے بعد جو معرکے پیش آئے وہ ان میں شامل ہوئے۔ امام سرخسی نے لکھا ہے کہ بنو نضیر کے محاصرہ کے وقت ضرورتوں کی بنا پر جب ان کے نخلستان صاف کئے جانے لگے تو اس کام پر جو لوگ متعین تھے ان میں عبداللہ بن سلام بھی تھے۔^۱

عہد فاروقی : عہد نبوت کے بعد خلافت فاروقی میں جب حضرت عمرؓ صلح بیت المقدس کے لئے مدینہ سے شام روانہ ہوئے تو حضرت عبداللہؓ بھی ساتھ تھے۔

عہد عثمانی : حضرت عثمانؓ کے زمانہ خلافت میں جب باغیوں نے آستانہ خلافت کا محاصرہ کر کے آپ کے قتل کی تیاریاں کیں تو عبداللہؓ بن سلام حضرت عثمانؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا کہ آپ کی مدد کے لئے تیار ہوں۔ فرمایا تمہارا مکان کے اندر رہنا ٹھیک نہیں، باہر جا کر جمع کو منتشر کرو۔ حضرت عبداللہؓ بن سلام باہر تشریف لائے اور ایک مختصر تقریر کی جس کا ترجمہ درج ذیل ہے :

”لوگو! میرا نام جاہلیت میں فلا تھا (حصین)۔ آنحضرت ﷺ نے عبداللہ رکھا۔ میرے

متعلق قرآن مجید میں کئی آیتیں نازل ہوئیں : شہدنا اھد من بنی اسرائیل اور

قل کفی باللہ شہیذا بینی ومن عنده علم الکتاب میری ہی شان میں اُتری

ہیں۔ خدا کی تلواریں اب تک نیام میں ہے اور فرشتوں نے تمہارے شہر کو جو رسول اللہ ﷺ کا

دارالہجرت ہے، اپنا نشیمن بنا لیا ہے۔ پس ڈرو، خدا سے ڈرو! اور ان کو (حضرت عثمان)

قتل نہ کرو۔ خدا کی قسم اگر تم قتل پر کمر بستہ ہوئے تمہارے ہمسایہ فرشتے مدینہ چھوڑ دیں

گے اور خدا کی وہ تلواریں نکل پڑے گی جو اس وقت نیام میں بند ہے اور پھر قیامت تک نیام

میں واپس نہ جائے گی۔“

لیکن سنگدلوں پر اس پر زور تقریر کا کچھ اثر نہ ہوا۔ بلکہ اس کے خلاف شقاوت اور زیادہ ترقی کر گئی۔ بولے کہ اس یہودی اور عثمانؓ دونوں کو قتل کر ڈالو۔^۲

عہد مرتضوی : حضرت علیؓ نے اپنے زمانہ خلافت میں مدینہ سے کوفہ دار الخلافہ تبدیل کرنا چاہا تو انہوں نے آپ کو کہلایا، رسول اللہ ﷺ کا منبر نہ چھوڑیے ورنہ پھر اس کی زیارت نہ کر سکیں گے۔ لوگوں نے حضرت علیؓ کو خبر کی تو فرمایا، وہ بچارے نہایت نیک آدمی ہیں۔^۳

وفات : ۳۳ھ میں مدینہ میں انتقال ہوا۔ یہ امیر معاویہؓ کا زمانہ خلافت تھا۔

اولاد : دو (۲) بیٹے یادگار چھوڑے۔ یوسف اور محمد۔ دونوں آنحضرت ﷺ کے زمانے میں پیدا ہوئے تھے۔ یوسف بڑے تھے۔ آنحضرت ﷺ نے ان کو اپنی گود میں بٹھایا۔ سر پر ہاتھ پھیرا اور یوسف نام رکھا۔

علم و فضل : توراۃ اور انجیل کے عالم تھے۔ اسلام لانے کے بعد قرآن و حدیث کی طرف توجہ کی اور آپ کا شمار ان لوگوں میں ہوا، جن کی طرف مسائل میں فتویٰ لیا جاتا تھا۔ حضرت معاذ بن جبل سے لوگوں نے مرض الموت میں وصیت کی خواہش کی تو آپ نے فرمایا میں نہ رہوں گا، مگر علم اپنی جگہ پر باقی رہے گا اور جو اس کی جستجو کرے گا خصوصیت سے چار آدمیوں کے پاس پائے گا۔ پھر آپ نے ابو درداءؓ، سلمان فارسیؓ، عبد اللہ بن مسعودؓ اور عبد اللہ بن سلامؓ کے متعلق یہ فرمایا :

”کان یهودیاً فاسلم فانی سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

يقول انه عاشر عشر الجنة“

”یہ یہودی تھے۔ مسلمان ہوئے، میں نے رسول اللہ ﷺ کو کہتے سنا ہے کہ وہ دسویں جنتی ہیں۔“

حضرت ابو ہریرہؓ باوجودیکہ خود بہت بلند پایہ کے تھے، مگر بعض مسائل آپ سے پوچھا کرتے تھے۔ جمعہ کے روز ایک گھڑی ایسی ہے، جس میں نمازی کی دعا قبول ہوتی ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ نے عبد اللہ بن سلامؓ سے دریافت کیا کہ وہ کبھی گھڑی ہے؟ آپ نے فرمایا کہ وہ عصر کے بعد کا وقت ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ نے فرمایا کہ یہ ذکر تو حالت نماز کا ہے۔ حضرت عبد اللہ بن سلامؓ نے فرمایا کہ کیا وہ حدیث پیش نظر نہیں، جس میں آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ بندہ جب تک نماز کے انتظار میں رہتا ہے وہ گویا نماز میں ہوتا ہے تو حضرت ابو ہریرہؓ نے فرمایا کہ آپ ٹھیک کہتے ہیں۔

روایت حدیث : آپ سے صرف ۲۵ روایتیں منقول ہیں۔ راویوں میں بعض صحابہ کرام بھی ہیں، جن کے نام یہ ہیں : آپ کے دونوں صاحبزادے یوسف و محمد، ازہرہ بن اوفی، ابو ہریرہؓ، عبد اللہ بن معقل، عبد الرحمن بن حنظلہ، تابعین میں سے حسب ذیل لوگوں نے آپ سے روایتیں کی ہیں : خربہ بن الحمر، قیس بن عبادہ، ابوسلمہ بن عبد الرحمن، حمزہ بن یوسف۔ آپ کے پوتے، عمر بن محمد (پوتے)، عوف بن مالک، ابو بردہ بن موسیٰ، ابوسعید المقبری، عبادۃ الزرقی، عطاء بن یسار، عبید اللہ بن حبیش غفاریؓ۔

سیر الصحابہؓ (جلد ششم) ۴۱۲ اہل کتاب صحابہؓ و تابعینؓ (حصہ دوازدہم)

اتباع سنت: عطاء بن یسار فرماتے ہیں: آپ ان صحابہ میں تھے جو رفتار، گفتار، نشست و برخاست ہر چیز میں رسول اللہ ﷺ کا اتباع کرتے تھے۔ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کو جمع کر کے ان کے سامنے سَبَّحَ اللہ مَافِی السَّمَوَاتِ (الایہ) تلاوت فرمائی، تو حضرت عبداللہ بن سلام کا دستور تھا کہ وہ بھی لوگوں کے سامنے یہ آیت تلاوت کیا کرتے تھے اور یہ طریقہ امام اوزاعی تک برابر جاری رہا۔

تواضع و خاکساری: زندگی ہی میں جنت کی بشارت مل چکی تھی۔ علم و فضل اور تقویٰ و دیانت میں بھی آپ اپنی نظیر آپ تھے۔ لیکن اس فضل و کمال کے باوجود مزاج میں انتہائی تواضع و خاکساری تھی۔ حضرت عبادہؓ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ آپ مسجد نبوی میں آئے۔ آپ کے چہرے سے خشوع خضوع کا اظہار ہو رہا تھا۔ آپ نے دو رکعت نماز ادا کی اس اثنا میں لوگوں نے یہ کہنا شروع کیا یہ شخص جنتی ہے۔ جب وہ نماز ادا کر چکے تو میں بھی ان کے ساتھ ہولیا گھر پہنچ کر کچھ باتیں کیں جب ذرا آپ مجھ سے مانوس ہو گئے تو میں نے کہا کہ مسجد میں لوگ آپ کے متعلق ایسا کہہ رہے تھے۔ آپ نے فرمایا کہ لوگوں کو جو بات معلوم نہ ہو وہ بات نہیں کہنی چاہئے۔ پھر فرمایا کہ میں نے ایک مرتبہ خواب دیکھا تھا جس کی تعبیر رسول اللہ ﷺ نے یہ بتائی کہ تمہارا خاتمہ اسلام پر ہوگا۔

یہ بات آپ نے انکساری کی وجہ سے فرمائی، ورنہ اوپر گزر چکا ہے کہ معاذ بن جبل فرماتے تھے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے یہ الفاظ سنے ہیں کہ۔

”انہ عاشر عشرة الجنة“

اسی طرح کی ایک روایت سعد بن عبادہ سے بخاری میں ہے:

”ما سمعت النبی صلی اللہ علیہ وسلم یقول لاحد یمشی علی الارض
انہ من اهل الجنة الا لعبد اللہ ابن سلام“^۱

”موجودہ لوگوں میں میں نے عبد اللہ بن سلام کے علاوہ کسی کے متعلق رسول اللہ ﷺ سے یہ کہتے نہیں سنا ہے کہ وہ اہل جنت میں سے ہیں۔“

۱۔ مسند۔ جلد ۵۔ ص ۴۸۶ ۲۔ اس روایت میں اشکال یہ ہے کہ ان کے علاوہ اور بھی بعض لوگ ہیں جن کو زندگی ہی میں بشارت دے دی گئی تھی اور اس روایت سے پتہ چلتا ہے کہ صرف عبد اللہ بن سلام ہی اس فضل کے مستحق ہیں۔ حافظ ابن حجر نے اس اشکال کے مختلف جوابات دیئے ہیں۔ ان میں سب سے صحیح بات یہ ہے کہ سعد بن عبادہ نے دوسرے حضرات کی وفات کے بعد یہ کہا تھا۔ سعد بن عبادہ خود انبی مبشرین میں ہیں، لیکن انہوں نے انکاری سے اپنا نام نہیں لیا۔

ایک مرتبہ لکڑیوں کا گٹھا اٹھا کر لا رہے تھے۔ لوگوں نے کہا آپ کو خدا نے اس سے مستغنی کیا ہے۔ فرمایا۔ یہ ٹھیک ہے، لیکن میں اس سے کبر و غرور کا قلع قمع کرنا چاہتا ہوں۔^۱

اس خاکساری و تواضع کے ساتھ حق و صداقت کا جوش بھی بے اندازہ تھا۔ فرماتے تھے کہ تم کو ایک بار قریش سے لڑائی پیش آئے گی، اس وقت اگر مجھ کو قوت نہ ہو تو تخت پر بٹھا کر مجھ کو فریقین کی صفوں کے درمیان رکھ دینا۔^۲

(۴۳) حضرت عبدالرحمن بن زبیر

نام و نسب : عبدالرحمن نام ہے۔ باختلاف روایت^۳ پورا سلسلہ نسب یہ ہے : عبدالرحمن بن زبیر ابن باطیاء القرظی۔ یہود کے قبیلہ بنو قریظہ سے تھے۔

اسلام : یہ معلوم نہ ہو سکا کہ کب اسلام لائے۔

کتب حدیث میں یہ واقعہ درج ہے :

حضرت رفاعہؓ نے اپنی بیوی کی طلاق دیدی تھی۔ جن سے عبدالرحمن بن زبیر نے شادی کر لی۔ مگر حضرت عبدالرحمنؓ کی کچھ طبعی قوت کی کمزوری کی وجہ سے نباہ نہ ہو سکا۔ تمیمیہ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور علیحدگی کی درخواست کی۔ آنحضرت ﷺ نے ان کچھ باتیں دریافت کی۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا کی حلالہ کی شرط جب تک پوری نہ ہو جائے گی، اس وقت تک تم کو علیحدگی کا اختیار نہیں ہے۔ اس کے کچھ روز بعد پھر وہ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں آئیں، مگر آپ ﷺ نے پھر بھی علیحدگی کی اجازت نہیں دی۔ پورا واقعہ حضرت رفاعہؓ کے تذکرہ میں آچکا ہے۔

وفات : آپ کی وفات کی اگرچہ کوئی تصریح نہیں ملتی، مگر حضرت رفاعہؓ کے حالات میں گزر چکا ہے کہ تمیمیہ حضرت عمر فاروقؓ کے زمانہ تک چاہتی رہیں کہ حضرت عبدالرحمن بن زبیر سے علیحدگی ہو جائے۔ اس سے قیاس ہوتا ہے کہ غالباً حضرت عبدالرحمنؓ عہد فاروقی تک زندہ رہے۔ واللہ اعلم

اس آیت کا شان نزول آپ ہی کے نکاح کا واقعہ ہے :

۱۔ تذکرہ الحفاظ۔ جلد ۱۔ ص ۲۳ ۲۔ استیعاب۔ جلد ۱۔ ص ۳۹۶

۳۔ ابن مندہ نے آپ کا سلسلہ نسب یہ لکھا ہے : عبدالرحمن بن زبیر بن یزید بن امیہ بن زید بن مالک بن عوف بن عمرو بن مالک بن اوس۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اوس کی تہذیب کے تھے۔ مگر حلقہ ابن حجر نے اس کی تردید کی ہے اور لکھا ہے کہ زبیر بن باطیاء تو بنو قریظہ کے مشہور و معروف لوگوں میں ہیں۔ یہ ہو سکتا ہے کہ قبیلہ اوس کے وہ جنہی ہوں اور اس حیثیت سے اوس بھی مشہور ہو گئے ہوں۔ (اصابہ۔ جلد ۲۔ ص ۳۹۸ و اسد الغابہ۔ جلد ۲۔ ص ۱۸۶)

”فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدُ حَتَّى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ“۔
 ”پس جب تک دوسرا شوہر نکاح نہ کرے دوسرا نکاح جائز نہیں ہے۔“

(۴۴) حضرت عداسؓ

عداس نام ہے۔ شیبہ بن ربیعہ کے غلام تھے۔ نینوا کے مشہور مقام موصل کے کسی گاؤں کے رہنے والے تھے۔ مذہباً عیسائی تھے۔

جب رسول اللہ ﷺ اہل طائف کو اسلام کی دعوت دینے کے لئے طائف تشریف لے گئے اور ان لوگوں نے آپ ﷺ کے ساتھ بدسلوکی کی اور وہاں سے واپس ہوئے تو راستہ میں شیبہ اور عتبہ نے جو آپ ﷺ کی یہ حالت دیکھ رہے تھے، عداسؓ کو انگور کے کچھ خوشے دے کر آپ ﷺ کے پاس بھیجا۔ جب عداسؓ آپ ﷺ کے پاس انگور لائے تو آپ ﷺ نے بسم اللہ فرمایا اور لے لیا۔

حضرت عداسؓ نے تعجب سے کہا کہ یہ تو ایک نیا طرز کلام سن رہا ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ کہاں کے رہنے والے ہو۔ عداسؓ نے بتایا کہ نینوا کا رہنے والا ہوں۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا، جہاں کے حضرت یونسؑ رہنے والے تھے۔ عداسؓ نے کہا کہ آپ ﷺ کو کیسے معلوم ہوا کہ یونسؑ کون ہیں آپ ﷺ نے فرمایا کہ وہ بھی نبی تھے اور میں بھی نبی ہوں۔

اسلام : عداسؓ نے نبوت کے یہ آثار و صفات دیکھ کر آپ ﷺ کے دست مبارک اور پیروں کا بوسہ لیا اور کہہ اٹھے :

”اشھد انک عبد اللہ ورسولہ“۔

”میں گواہی دیتا ہوں کہ بے شک آپ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔“

شیبہ و عتبہ دور سے حضرت عداسؓ کی یہ کیفیت دیکھ رہے تھے۔ جب وہ واپس ہوئے تو انہوں نے کہا کہ تم نے دست بوسی کیوں کی۔ حضرت عداسؓ نے کہا کہ یہ دنیا کے بہترین شخص ہیں۔ یہ سن کر دونوں نے کہا کہ کہیں وہ تمہیں تمہارے دین سے برگشتہ نہ کر دیں۔ تمہارا دین ان کے دین سے بہتر ہے۔ (البدایہ۔ جلد ۳)

۱۔ اصابہ۔ جلد ۲۔ ص ۴۶۶ ۲۔ اسد الغابہ۔ جلد ۳۔ ص ۳۹۰ ایک روایت میں ہے کہ بسم اللہ الرحمن الرحیم فرمایا۔

۳۔ اصابہ۔ جلد ۲۔ ص ۴۶۶

زرقانی۔ ص ۲۵۶

سیر الصحابہ (جلد ششم) ۴۱۵ اہل کتاب صحابہ و تابعین (حصہ دوازدہم)

بدر کے روز جب دونوں طرف سے تیاریاں ہو رہی تھیں تو حضرت عداسؓ ایک ٹیلہ پر بیٹھ گئے۔ جب شیبہ اور ربیعہ ادھر سے گزرے تو آپؓ نے ان دونوں کا پیرتھام لیا اور فرمایا کہ خدا کی قسم تم لوگ نبی سے لڑنے کے لئے جا رہے ہو۔ تم لوگوں کا بچ کر واپس آنا بہت مشکل ہے۔ حضرت عداسؓ کو ان دونوں سے ایک گونہ تعلق تھا۔ اس لئے بہت کچھ سمجھایا، مگر وہ نہ مانے تو آپؓ الگ غمگین ہو کر بیٹھ گئے۔

زندگی کے دوسرے واقعات کا ذکر رجال کی کتابوں میں نہیں ملتا۔

(۴۵) حضرت عدیؓ بن حاتم

نام و نسب : عدی نام ہے۔ ابو طریف کنیت۔ نسب نامہ یہ ہے : عدی بن حاتم عبداللہ بن سعد بن مشرج بن امراء القیس ابن عدی بن ربیعہ بن جزول بن ثعل بن عمرو بن نفیث بن طے بن اود بن زید بن کہلان۔ عدی مشہور حاتم طائی کے جن کی فیاضیاں ضرب المثل ہیں، بیٹے ہیں۔ عقیدہ کے اعتبار سے عیسائیوں کے مد کوئی فرقہ سے تعلق رکھتے تھے۔

عدی کا خاندان مدت سے قبیلہ طے پر حکمران چلا آتا تھا اور ظہور اسلام کے وقت وہ خود تخت فرمانروائی پر تھے۔ جب آنحضرت ﷺ کو مسلسل فتوحات ہوئیں اور اس کے ساتھ ساتھ آپ ﷺ کا اثر اقتدار اور اسلام کا دائرہ وسیع ہونے لگا اور عدیؓ کو نظر آیا کی کچھ دنوں میں ان کو بھی آنحضرت ﷺ کے سامنے سر اطاعت خم کئے بغیر چارہ کار نہیں رہ جائے گا، تو دوسرے فرمانرواؤں کی طرح ان کی نخوت کو بھی ایک معمولی قریشی کی ماتحتی اور حکومت گوارانہ ہوئی، لیکن ایک طرف اسلام کے بڑھتے ہوئے سیلاب کا روکنا ان کے بس سے باہر تھا اور دوسری طرف حکمرانی کا غرور اسلام کے سامنے سر جھکانے کی اجازت نہ دیتا تھا۔ اس لئے انہوں نے ترک وطن کا فیصلہ کر لیا اور سامان سفر درست کر کے اسلامی فوجوں کی آمد کا انتظار کرنے لگے کہ ادھر وہ ان کی حدود کی طرف بڑھیں اُدھر یہ اپنا وطن چھوڑ کر نکل جائیں۔ جب اسلامی شہ سوار قبیلہ طے میں پہنچے تو عدیؓ اپنے اہل و عیال کو لے کر اپنی عیسائی برادری کے پاس شام چلے گئے۔

اتفاق سے عدیؓ کی ایک عزیزہ چھوٹ گئی تھیں۔ وہ مسلمانوں کے ہاتھ آئیں اور عام قیدیوں کے ساتھ ایک مقام پر منتقل کر دی گئیں۔

آنحضرت ﷺ کا ادھر سے گزر ہوا تو ان خاتون نے عرض کیا، یا رسول اللہ ﷺ! آپ مرچکے ہیں۔ چھڑانے والا اس وقت موجود نہیں۔ مجھ پر احسان کیجئے۔ خدا آپ پر احسان کرے گا۔ آنحضرت ﷺ نے پوچھا، چھڑانے والا کون ہے؟ عرض کیا عدی بن حاتم۔ فرمایا وہی عدی جس نے خدا اور رسول ﷺ سے فرار اختیار کی۔ یہ کہہ کر چلے گئے۔

دوسرے دن پھر گزرے، اسیر خاتون نے پھر بھی درخواست کی اور پھر وہی جواب ملا۔ تیسری مرتبہ اس نے حضرت علیؓ کے مشورے سے درخواست کی۔ اس مرتبہ قبول ہوئی اور آنحضرت ﷺ نے رہا فرمادیا، لیکن چونکہ بڑے گھر کی عورت تھیں اس لئے ان کے رتبہ اور اعزاز کا لحاظ کر کے ارشاد ہوا کہ ابھی جانے میں جلدی نہ کرو۔ جب تمہارے قبیلہ کا کوئی معتبر آدمی مل جائے تو مجھے خبر کرو۔ چند دنوں بعد قبیلہ بلی اور قضاہ کے کچھ لوگ مل گئے۔ طائی خاتون نے آنحضرت ﷺ کو اطلاع دی۔

آپ نے شایان شان سواری لباس اور اخراجات سفر کا انتظام کر کے بحفاظت تمام روانہ کیا۔ یہاں سے یہ خاتون براہ راست عدی کے پاس شام پہنچیں اور ان کی نہایت بُری طرح خبر لی کہ تم سے قاطع رحم کون ہوگا۔ اپنے اہل و عیال کو لے آئے اور مجھ کو تنہا چھوڑ دیا۔ عدی نے ندامت اور شرمساری کے ساتھ اپنی غلطی کا اعتراف کیا۔ چند دنوں کے بعد عدیؓ نے ان سے پوچھا۔

تم، وشیار اور عاتکہ، ہو تم نے اس شخص (آنحضرت ﷺ) کے متعلق کیا رائے قائم کی انہوں نے کہا کہ میری یہ رائے ہے کہ جس قدر جلدی ہو سکے تم ان سے ملو اور اگر وہ نبی ہیں تو ان سے ملنے میں سبقت کرنا شرف و سعادت ہے اور اگر بادشاہ ہیں تو بھی یمن کا ایک باعزت فرمانروا ان کا کچھ نہیں ہاں سکتا!

جہاں یہ بات عدیؓ کی سمجھ میں آگئی۔ چنانچہ وہ شام سے مدینہ آئے اور مسجد نبوی میں آنحضرت ﷺ سے ملے۔ آپ ﷺ نے ان کا نام پوچھا اور ان کو لے کر شانہ اقدس کی طرف چلے۔ راستہ میں ایک بوڑھی عورت ملی۔ اس نے آپ ﷺ کو روک لیا۔ آپ ﷺ دیر تک اس سے باتیں کرتے رہے۔ اس کا عدیؓ نے دل پر خاص اثر ہوا اور انہوں نے کہا کہ یہ طرز دنیاوی بادشاہ کا نہیں ہو سکتا۔ گھر پہنچ کر آنحضرت ﷺ نے بااصرار عدی کو ایک گدے پر بٹھایا اور خود زمین پر بیٹھے۔ اس اخلاق کا عدی کے دل پر اور اثر ہوا، اور انہیں یقین ہو گیا کہ آنحضرت ﷺ کسی طرح دنیاوی بادشاہ نہیں ہو سکتے۔

امیر العسکر ثنی کے ساتھ حیرہ کے معرکہ میں شریک ہوئے۔ اس معرکہ میں مسلمانوں کو کامیابی ہوئی اور ایرانیوں نے شکست کھائی۔ اس کے بعد نہر ثنی پر صف آرائی، اس میں بھی عدی شریک تھے اور ایرانی ناکام رہے۔ اس کے بعد جسر کے معرکہ میں شرکت کی۔ اس میں ثنی کی غلطی سے مسلمانوں کو شکست ہوئی۔ اس سلسلہ کی سب سے بڑی جنگ قادسیہ میں بھی عدی نے داد شجاعت دی۔

سب سے آخر میں کوئی اور مدائن پر فوج کشی ہوئی۔ عدی اس میں بھی شریک ہوئے اور مدائن کے فاتحین میں تھے۔ ان کے سامنے کسریٰ کا خزانہ مسلمانوں کے قبضے میں آیا اور انہوں نے اپنی آنکھوں سے آنحضرت ﷺ کی پٹن گوی پوری ہوتی ہوئی دیکھ لی۔ ان لڑائیوں کے علاوہ تستر اور نہاوند کے معرکوں میں بھی شریک تھے۔ شام کی بعض جنگوں میں بھی وہ حضرت خالد بن ولید کے ہمراہ تھے۔ غرض اس عہد کی اکثر لڑائیوں میں انہوں نے شرکت کی سعادت اور فتوحات حاصل کیں۔

عہد مرتضوی : حضرت عثمان غنی کی شہادت کے طرز عمل سے عدی کو اختلاف تھا۔ اس لئے ان کے زمانہ میں بالکل خاموش رہے۔ ان کی شہادت کے بعد حضرت علی اور دوسرے اکابر صحابہ میں اختلاف ہوا تو عدی نے حضرت علی کی نہایت پر جوش حمایت کی۔ چنانچہ جنگ جمل میں وہ حضرت علی کے ساتھ تھے۔

بصرہ کے قریب جب حضرت علی نے اپنی فوج کو مرتب کیا تو قبیلہ طے کا علم عدی کو عنایت کیا۔ وہ جنگ جمل میں حضرت علی کی حمایت میں نہایت جانبازی کے ساتھ لڑے۔ جس میں ان کی ایک آنکھ کام آگئی۔ جنگ جمل کے بعد صفین میں بھی وہ اسی جوش و خروش کے ساتھ حضرت علی کی حمایت میں نکلے۔ اس جنگ میں بنو قضامہ کی کمان حضرت عدی کے ہاتھوں میں تھی۔ صفین کا معرکہ مدتوں جاری رہا۔ شروع میں فریقین کے بہادر ایک ایک دستے لے کر میدان میں اترتے تھے۔ ایک دن حضرت خالد کے صاحبزادے شامیوں کی جانب میدان میں اترے۔ حضرت علی کی جانب سے جناب عدی ان کے مقابلہ کو نکلے اور صبح سے شام تک مقابلہ کرتے رہے۔

ایک دن جبکہ گھمسان کی لڑائی ہو رہی تھی اور عراقی فوجیں پر آگندہ ہو رہی تھیں۔ حضرت علی علیہ السلام ایک دستہ کو لئے صف آراء تھے۔ عدی کو حضرت علی کی نظر نہ آئے تو آپ کی تلاش

۱ ابن اثیر۔ جلد ۲۔ ص ۲۳۱ ۲ اسد الکتاب۔ جلد ۲۔ ص ۱۲۹۳ ۳ اسد الغابہ۔ جلد ۲۔ ص ۳۹۳

۴ مسند احمد بن حنبل۔ جلد ۴۔ ص ۲۵۷ ۵ ابن اثیر۔ جلد ۲۔ ص ۲۳۱ ۶ اخبار الطوال۔ ص ۱۵۵ ۷ ایضاً

۸ ایضاً۔ ص ۱۹۸ ۹ ایضاً

اس کے بعد آنحضرت ﷺ نے عدیؓ کے سامنے اسلام پیش کیا۔ انہوں نے لکھ میں تو ایک مذہب کا پیرو ہوں۔ آپ نے فرمایا، میں تمہارے مذہب سے تم سے زیادہ واقف ہوں۔ عدیؓ نے متعجبانہ پوچھا۔ آپ میرے مذہب سے مجھ سے زیادہ واقف ہیں؟ فرمایا، بیشک۔ کیا تم رکومی نہیں ہو؟ اور مال غنیمت کا چوتھا حصہ نہیں لیتے ہو۔ عدیؓ نے اقرار کیا۔ ان کے اقرار کے بعد آنحضرت ﷺ نے اعتراضاً فرمایا کہ یہ تو تمہارے مذہب میں جائز نہیں ہے۔ یہ حقیقت سن کر عدیؓ کمزور پڑ گئے۔ پھر آنحضرت ﷺ نے فرمایا، میں سمجھتا ہوں کہ کیا چیز تمہارے اسلام قبول کرنے میں مانع ہوتی ہے؟

اسلام کے متعلق تمہارا خیال ہوگا کہ اس کے پیرو کمزور اور ناتواں لوگ ہیں جن کے پاس نہ کوئی طاقت ہے اور نہ کوئی بڑا سانِ حال۔ پھر پوچھا، تم حیرہ کو جانتے ہو۔ عدیؓ نے کہا دیکھا تو نہیں ہے، لیکن نام سنا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے۔ ایک دن خدا اسلام کو تکمیل کے درجہ تک پہنچائے گا اور (اس کی برکت سے) ایک تنہا عورت بلا کسی حفاظت کے حیرہ سے آکر کعبہ کا طواف کرے گی اور کسریٰ بن ہرمز کا خزانہ فتح ہوگا۔ عدیؓ نے استعجاباً پوچھا کسریٰ بن ہرمز! فرمایا، ہاں! کسریٰ بن ہرمز، اور مال کی اتنی فراوانی ہوگی کہ لوگوں کو دیا جائے گا اور وہ لینے سے انکار کریں گے۔ اس گفتگو کے بعد عدیؓ آنحضرت ﷺ کے دستِ حق پرست پر مسلمان ہو گئے۔

امارت : آنحضرت ﷺ ہر نئے مسلمان سے اس کے رتبہ کے مطابق کام لیتے تھے اور اسلام سے پہلے جن کا جو رتبہ تھا، اس کو اسلام کے بعد برقرار رکھتے تھے۔ عدیؓ قبیلہٴ طے کے حکمران تھے۔ اس لئے اسلام کے بعد آنحضرت ﷺ نے ان کو طے کی امارت پر ممتاز فرمایا۔

عہدِ صدیقی : حضرت ابو بکر صدیقؓ کے زمانہ میں جب ارتداد کا فتنہ اٹھا تو بہت سے عرب قبائل نے زکوٰۃ دینی بند کر دی۔ اس موقع پر عدیؓ کی کوششوں سے ان کا قبیلہ اس فتنہ سے محفوظ رہا۔ اور عدیؓ برابر زکوٰۃ وصول کر کے دربار خلافت میں پہنچاتے رہے۔

عہدِ فاروق : ۳ھ میں جب حضرت عمر فاروقؓ نے عراق کی فتوحات کی تکمیل کے لئے تمام ممالک محروسہ سے فوجیں طلب کیں تو عدیؓ بھی اپنے قبیلہ کے آدمیوں کو لے کر شرکتِ جہاد کے لئے پہنچے اور

۱۔ رکومی عیسائی مذہب کا ایک فرقہ ہے۔ ۲۔ مسند احمد بن حنبل۔ جلد ۲۔ ص ۴۵۷۔ مسند میں یہ حالات دستہ بستہ ہیں۔ ہم نے انہیں جمع کر کے ایک سلسلہ میں لکھ دیا ہے۔ ۳۔ سیرت ابن ہشام۔ جلد ۲۔ ص ۳۸۷۔ ۴۔ استیعاب۔ جلد ۲۔ ص ۵۱۶۔

ضرورت نہیں پڑی۔ ہر وقت نماز میں دل لگا رہتا تھا اور نہایت اشتیاق سے نماز کا انتظار کرتے تھے۔
روزہ کے شرائط کی اسی سختی سے پابندی کرتے تھے کہ جب یہ آیت :

”حَتَّى يَبَيِّنَ لَكُمْ الْخَيْطُ الْأَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْأَسْوَدِ“

”یہاں تک کہ ظاہر ہو جائے تمہارے لئے سفید دھاگہ سیاہ دھاگے سے۔“

نازل ہوئی تو سوتے وقت سفید و سیاہ عقالی تکیہ سر کے نیچے رکھ لیتے تھے اور اس سے سحری کے وقت کا اختتام کا اندازہ لگاتے تھے، لیکن سیاہی اور سفیدی میں کوئی امتیاز نہیں ہوتا تھا۔ اس لئے آنحضرت ﷺ سے اس کا تذکرہ کیا تو آپ نے ہنس کر فرمایا کہ معلوم ہوتا ہے تمہارا تکیہ بہت لمبا چوڑا ہے۔ اسود و ابیض سے مراد رات دن ہیں۔

فیاضی : سخاوت و فیاضی روایت ملی تھی۔ ان کا دروازہ ہر وقت ہر شخص کے لئے کھلا رہتا تھا۔ ایک مرتبہ اشعث بن قیس نے دیکھیں مانگ بھیجیں، حضرت عدیؓ نے انہیں بھروا کر بھیجا۔ اشعث کے کہلا بھیجا کہ میں نے تو خالی مانگی تھیں۔ جواب میں کہلا بھیجا کہ میں عاریۃ بھی خالی دیک نہیں دیتا۔

ایک مرتبہ ایک شاعر سالم بن عامر نے آکر کہا، میں نے آپ کی مدح اشعار کہے ہیں۔ حضرت عدیؓ نے کہاڑک جاؤ، میں ذرا اپنے مل و سہل کی تفصیل تو تمہیں بتا دوں، اس کے بعد سنانا۔ میرے پاس ایک ہزار بچہ والے موسیقی جو ہزار ہا غلام اور ایک گھوڑا ہے اس کے بعد شاعر نے مدحیہ قصیدہ سنایا۔

جو شخص ان کے رتبہ سے کم سوال کرتا اسے نہ دیتے تھے۔ صحیح مسلم میں بروایت صحیح مروی ہے کہ ایک شخص نے سو درہم کا سوال کیا۔ اتنی کم رقم کا سن کر بولے میں حاتم کا بیٹا ہوں اور تم مجھ سے صرف سو درہم مانگتے ہو۔ خدا کی قسم ہرگز نہ دوں گا۔

ان کی فیاضی سے انسان تو انسان حیوان تک مستفید ہوتے تھے۔ چوٹیوں کی غذا مقرر تھی۔ ان کے لئے روٹیاں توڑ کر ڈالتے تھے، کہتے تھے کہ یہ بھی حقدار ہیں۔

بارگاہِ نبوت میں عزت :

حضرت عدیؓ اپنے ذاتی اور خاندانی فضائل کی وجہ سے بڑی عزت و وقعت کی نظر سے دیکھے جاتے تھے۔ جب آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر تو آپ ان کے لئے جگہ خالی کر دیتے^۱۔ خلفاء کے

۳ ابوداؤد کتاب الصوم باب وقت السحور

۲ استیعاب۔ جلد ۲۔ ص ۵۱۶

۱ اصابہ۔ جلد ۳۔ ص ۲۲۸

۱ مسلم۔ جلد ۲۔ ص ۲۲ مصر مطبوعہ مصر

۵ استیعاب۔ جلد ۲۔ ص ۵۱۶

۲ اسد الغابہ۔ جلد ۳۔ ص ۳۹۳

۸ استیعاب۔ جلد ۲۔ ص ۵۱۷

۳ اسد الغابہ۔ جلد ۲۔ ص ۳۹۳

میں نکلے اور ڈھونڈ کر عرض کیا کہ اگر آپ صحیح و سالم ہیں تو معرکہ سر کر لینا کچھ دشوار نہیں ہے۔ میں آپ کی تلاش میں لاشوں کو روندتا ہوا آپ تک پہنچا ہوں۔ اس دن سب سے زیادہ ثابت قدمی عدیؓ نے دکھائی تھی۔ ان کا ماتحت دستہ ربیعہ اس بہادری سے لڑا کہ حضرت علیؓ کو کہنا پڑا کہ ربیعہ میری زرہ اور تلوار ہیں۔^۱

صفین کے بعد نہروان کا معرکہ گرم ہوا۔ اس میں بھی عدیؓ حضرت علیؓ کے دست راست تھے۔ غرض شروع سے آخر تک وہ برابر حضرت علیؓ کے جانثارانہ شریک رہے۔^۲

وفات : مختار ثقفی کے خروج تک عدیؓ کی موجودگی کا پتہ چلتا ہے۔ اس اعتبار سے وہ جنگ صفین کے بعد ۳۰ سال تک زندہ رہے، مگر اس میں سالہ زندگی کے واقعات پردہ اخفا میں ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ حضرت علیؓ کے فدائیوں میں تھے، اور آپ کے بعد انہوں نے گوشہ نشینی اختیار کر لی تھی۔ ابن سعد کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ کوفہ میں عزلت کی زندگی بسر کرتے تھے اور یہیں ۶۶ھ میں وفات پائی۔^۳

فضل و کمال : عدیؓ کو آخری زمانہ میں مشرف باسلام ہوئے۔ تاہم چونکہ وہ آنحضرت ﷺ اور شیخینؓ کے پاس برابر آتے جاتے رہتے تھے۔ خصوصاً حضرت علیؓ سے ان کے تعلقات بہت زیادہ تھے۔ اس لئے وہ مذہبی علوم سے بھی واقف تھے۔ چنانچہ ان کی ۶۶ روایتیں حدیث کی کتابوں موجود ہیں۔

ان میں سے چھ (۶) متفق علیہ ہیں اور تین (۳) امام بخاریؒ اور دو (۲) میں امام مسلم منفرد ہیں۔ ان کے تلامذہ میں عمرو بن حریش، عبداللہ بن معقل، تمیم بن طرفہ، خثیمہ بن عبدالرحمن، محل بن خلیفہ طائی، عامر الشعمی، عبداللہ بن عمرو، ہلال بن منذر، سعید بن جبیر، قاسم عبدالرحمن، عبادہ بن حبیش وغیرہ قابل ذکر ہیں۔ علامہ ابن عبدالبرؒ نے ان کمالات کے متعلق یہ رائے ظاہر کی ہے :

”کان سیداً شریفاً فی قومہ خطیباً حاضر الجواب فاضلاً کریمًا“۔^۴

”وہ اپنی قوم کے معززین میں تھے خطیب، حاضر جواب، فاضل اور کریم تھے۔“

مذہبی زندگی : یوں تو عدیؓ کی پوری زندگی خالص مذہبی زندگی تھی، لیکن نماز اور روزوں کے ساتھ شغف تھا۔ نماز کے لئے یہ اہتمام تھا کہ ہر وقت با وضو رہتے تھے۔ کبھی اقامت کے وقت وضو کی

۱۔ اخبار الطولی۔ ص ۱۹۸

۲۔ استیعاب۔ جلد ۳۔ ص ۵۱۷

۳۔ اخبار الطولی۔ ص ۱۹۸

۴۔ استیعاب۔ جلد ۲۔ ص ۵۱۶

۵۔ تہذیب التہذیب۔ جلد ۷۔ ص ۱۶۷

۶۔ تہذیب الکمال۔ ص ۲۶۳

سیر الصحابہؓ (جلد ششم) ۴۲۱ اہل کتاب صحابہؓ و تابعینؓ (حصہ دوازدہم)

یہاں بھی یہی وقت قائم تھی۔ ایک مرتبہ حضرت عمر فاروقؓ کے زمانہ میں مدینہ آئے اور ان سے مل کر پوچھا، آپ نے مجھے پہچانا۔ فرمایا، پہچانتا کیوں نہیں، تم اس وقت ایمان لائے، جب لوگ کفر میں مبتلا تھے۔ تم نے اس وقت حق کا جانا۔ لوگ حق کے منکر تھے اور تم نے اس وقت وفا کی کی جب لوگ دھوکہ دے رہے تھے اور تم اس وقت آئے جب لوگ پیٹھے پھیر رہے تھے۔ سب سے پہلا صدقہ جس نے رسول اللہ ﷺ کے اصحاب کے چہروں کو بشاش کیا وہ تمہارے قبیلہ کا تھا۔

(۴۶) حضرت عطیہ القرظیؓ

نام و نسب : نام عطیہ ہے۔ باپ کے نام کے متعلق کوئی تصریح نہیں ملی۔ قبیلہ بنو قرظہ کے یہود تھے۔

اسلام : بنو قرظہ کے روز جو لوگ نابالغ سمجھے کر چھوڑ گئے تھے اور بعد میں مسلمان ہو گئے، ان میں حضرت عطیہؓ بھی تھے۔

زندگی کے عام حالات اور وفات کے متعلق کوئی تصریح نہیں ملی۔

علم و فضل : کتب احادیث میں آپ کی ایک روایت مجاہد عبد الملک بن عمیرہ وغیرہ کے واسطے سے مروی ہے۔

(۴۷) حضرت علیؓ بن رفاعہؓ

نام و نسب : علی نام ہے۔ رفاعہؓ صحابی کے صاحبزادے اور نہبا یہودی تھے۔

اسلام اور شرف صحبت :

غالباً اپنے والد حضرت رفاعہؓ کے ساتھ اسلام لائے ہوں گے۔ اپنے والد کے بارے میں فرماتے ہیں کہ اہل کتاب میں سے جو لوگ اسلام لائے تھے، اُن میں میرے والد بھی تھے۔ اسی روایت کی بنا پر صاحب تجرید اور ابو موسیٰ وغیرہ کا خیال ہے کہ ان کو شرف صحبت حاصل نہیں ہے۔ لیکن حافظ ابن حجرؒ نے اس کی تردید کی ہے اور لکھا ہے کہ ابو حاتمؒ نے ایک روایت نقل کی ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ صحابی ہیں۔ وہ روایت یہ ہے :

۱۔ اصابہ۔ جلد ۲۔ ص ۲۲۹ خفیف تغیر کے ساتھ یہ روایت بخاری کتاب المغازی میں بھی ہے۔

۲۔ استیعاب۔ ص ۵۱۸ ۳۔ اسد الغابہ۔ جلد ۳۔ ص ۴۱۳ ۴۔ ایضاً ۵۔ اسد الغابہ۔ جلد ۲۔ ص ۱۵

عمر و کہتے ہیں کہ مجھے طاؤس نے لکھا کہ مخبرہؓ کے متعلق انصار سے دریافت کرو۔ میں نے علی بن رفاعہ سے دریافت کیا تو انہوں نے فرمایا : کہ

”ہو کراً الارض بالثلث او الربع“۔

”مخبرہ نام ہے زمین کو تہائی یا چوتھائی پیداوار اٹھانے کا۔“

علم و فضل : مذکورہ روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ انہیں دینی مسائل اور احکام میں کافی درک تھا اور لوگ ان سے مسائل پوچھتے تھے۔

(۴۸) حضرت عمرو بن سعدی

نام و نسب : عمرو نام ہے۔ باپ کا نام سعدی تھا۔ قبیلہ قرظہ سے نسب تعلق تھا۔ اسلام : بنو قرظہ جس روز جلاوطن کئے گئے، آپ یہود کے پاس آئے اور ان سے کہا کہ اے یہود تم لوگوں نے محمد ﷺ سے نقض عہد کیا ہے، ان سے غداری کی، ان سے تم نے معاہدہ کیا تھا کہ ان کے دشمنوں کی مدد نہ کرو گے۔ مگر تم نے اس کی خلاف ورزی کی۔ میں نے اس وقت بھی گریز کیا تھا اور اب بھی تم سے بالکل علیحدہ ہوں۔

البدایہ والنہایہ میں ہے کہ انہوں نے یہ بھی کہا : کہ

”یا قوم رایتہم مار ایتہم فاتبعونی وتعالوا انتبع محمداً واللہ انکم

تعلمون انہ نبی قد بشرنا بہ وبامرہ ابن الہیان وعمیر ابن

الحراش ہوا علم یہود“۔

”اے قوم جو کچھ پیش آیا، وہ تم دیکھ چکے۔ اب آؤ محمد ﷺ کا اتباع کریں۔ خدا کی قسم تمہیں

معلوم ہے کہ ابن الہیان اور ابن الحراش جو ہم سب سے بڑے عالم تھے ان کی آمد اور اس

واقعہ کی خبر دے چکے تھے۔“

اس کے بعد وہ مسجد میں آئے اور رات وہیں بسر کی اور اسلام قبول کیا اور پھر دوسرے دن مدینہ سے باہر کہیں چلے گئے۔ ان کے جانے کے بعد رسول اللہ ﷺ نے فرمایا :

۱۔ مزارعہ اور مخبرہ میں فرق ہے۔ مزارعہ میں بیج مالک کا ہوتا ہے اور مخبرہ میں عامل کا۔ دوسرا فرق صاحب مجمع بحار الانوار نے یہ بیان کیا ہے : مزارعہ اکثر اکرأ العال ہے۔ بعض یخرج والخاصیرہ اکثرأ العال الارض بعض یخرج۔ جلد ۱۔ لفظ ”خبر“ یہ لفظ خبر یا خبر سے مشتق ہے۔ ۲۔ ص ۵۳۸۔ ۳۔ البدایہ۔ جلد ۴۔ ص ۸۰

سیر الصحابہ (جلد ششم) ۴۲۳ اہل کتاب صحابہ و تابعین (حصہ دوازدہم)

”ذالک رجل نجاه الله بصدقه“۔

”اللہ تعالیٰ نے اس شخص کو اس کی سچائی کی وجہ سے نجات دی۔“

(۴۹) حضرت عمیر بن اُمیہ

نام و نسب : عمیر نام ہے۔ باپ کا نام اُمیہ تھا۔ پورا سلسلہ نسب معلوم نہیں۔ ذیل کے واقعہ سے پتہ چلتا ہے کہ وہ یہودی تھے۔

ان کی ایک بہن تھی جو رسول اللہ ﷺ کو مختلف طریقہ سے تکلیف دیتی تھی اور سخت وست کہا کرتی تھی۔ حضرت عمیرؓ کو ایک روز بہت غصہ آیا اور چپکے سے اسے قتل کر دیا۔ جب اس کے لڑکوں کو خبر ہوئی تو بہت برہم ہوئے اور آپ کے بجائے ایک دوسرے شخص کو قاتل سمجھ کر اس سے بدلہ لینا چاہا۔ حضرت عمیرؓ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ میں نے قتل کیا ہے۔ فرمایا، اپنی بہن کو قتل کر ڈالا؟ کہا ہاں یا رسول اللہ ﷺ! وہ آپ کو بہت تکلیف دیا کرتی تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کے لڑکوں کو بلوایا اور واقعہ پوچھا۔ انہوں نے ایک اور شخص کا نام لیا۔ لیکن آپ نے انہیں عمیرؓ کا نام بتلادیا اور ان کو سمجھا بجھا کر معاملہ رفع دفع کر دیا۔

جس عورت کو انہوں نے قتل کیا تھا، اس کے متعلق تصریح ہے کہ وہ یہودیہ تھی۔ اور چونکہ وہ آپ کی بہن تھی، اس لئے آپ بھی یہودی رہے ہوں گے۔ واللہ اعلم

(ک)

(۵۰) حضرت کثیر بن السائبؓ

نام و نسب : کثیر نام ہے۔ باپ کا نام سائب تھا، جو خاندان قرظہ سے تھے۔ غزوہ قرظہ میں جو لوگ نابالغ سمجھے کر چھوڑ دیئے گئے تھے۔ ان میں حضرت کثیرؓ بھی تھے۔ نسائی نے ان سے صرف ایک روایت کی ہے۔ لیکن ابو نعیم اور ابن مندہ وغیرہ نے متعدد روایتوں کی تصریح کی ہے۔ زندگی کے اور حالات معلوم نہیں ہو سکے۔

۱۔ اصابہ۔ جلد ۲۔ ص ۵۳۸ ۲۔ اسد الغابہ۔ جلد ۲۔ ص ۱۴۰ ۳۔ بعض ادگوں نے ان کو زمرہ تابعین میں شمار کیا ہے۔ لیکن حافظ ابن حجر نے اصابہ میں ابو نعیم ابن شاہین اور ابن مندہ وغیرہ کے اقوال نقل کئے ہیں۔ جن سے آپ کا صحابی ہونا ثابت ہوتا ہے۔ اللہ اعلم بالصواب ۴۔ اصابہ ذکر کثیر بن السائب۔

(۵۱) حضرت کرز بن علقمہ

نام و نسب : کرز یا کوز نام ہے۔ باپ کا نام علقمہ تھا۔ آپ کا نسب تعلق بکر بن وائل سے تھا۔ آپ نے اپنے بھائی ابو حارثہ کے ساتھ نصرانیت قبول کر لی تھی اور نجران میں مقیم ہو گئے تھے۔ اس لئے نجرانی مشہور ہیں۔

اسلام : جب نجران کے عیسائیوں کا وفد آنحضرت ﷺ کی خدمت میں مدینہ آیا تو اس میں آپ کا بھائی ابو حارثہ بن علقمہ بھی تھا۔ دونوں بھائی ایک ہی سواری پر سوار تھے۔ راستہ میں جب کہیں سواری کو ٹھوکر لگتی تو کرز کہتے کہ نفس الا بعد (دور رہنے والے محمد ﷺ) کا بُرا ہو۔ ابو حارثہ نے کہ سنا تو کہا کہ تمہارا بُرا ہو۔ کرز نے بھائی سے کہا ایسا کیوں کہتے ہیں بھائی نے جواب دیا : کہ ”قلو الله النبی الذی کنا ننظره۔“

”خدا کی قسم یہ وہی نبی ہیں جس کا ہم لوگ انتظار کر رہے تھے۔“

پھر کرز نے کہا، تو تم ان کا اتباع کیوں نہیں کرتے ہو؟ ابو حارثہ نے کہا کہ یہ مال و دولت اور عزت و عظمت جو کچھ حاصل ہے سب چھین جائے گی۔ ابو حارثہ کا یہ جملہ حضرت کرز کے دل میں نور یقین پیدا کر دینے کا سبب ہو گیا۔ اس وقت تو وہ خاموش رہے مگر کچھ روز کے بعد آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اسلام قبول کر لیا۔

متاخر الاسلام تھے۔ اس لئے زندگی کے زیادہ تر واقعات پردہ اخفا میں ہیں۔

(۵۲) حضرت کعب بن سلیم

نام و نسب : کعب نام ہے۔ باپ کا نام سلیم تھا۔ یہود مدینہ کے مشہور قبیلہ بنو قریظہ سے تھے۔ چونکہ قریظہ اوس کے حلیف تھے۔ اس لئے کعب قرظی اور اوسى دونوں مشہور ہیں۔

اسلام : بنو قریظہ کے روز جو لوگ نابالغ سمجھے کر چھوڑ دیئے گئے تھے، ان میں حضرت کعب بھی تھے اور اپنے دوسرے احباب کی طرح بعد میں دائرہ اسلام میں داخل ہو گئے۔

وفات : وفات کا سنہ معلوم نہیں۔

نام میں تھوڑا سا اختلاف ہے۔ بعض لوگوں نے کرز اور بعض لوگوں نے کوز لکھا ہے۔

۲۔ البدایہ والنہایہ۔ جلد ۵۔ ص ۵۶ ۳۔ اصابہ۔ جلد ۳۔ ص ۲۹۲

سیر الصحابہ (جلد ششم) ۴۲۵ اہل کتاب صحابہؓ و تابعینؓ (حصہ دوم)

اولاد : دینی و مذہبی فضل و کمال کے علاوہ آپ کا اضافی فضل یہ ہے کہ محمد بن کعب القرظی مشہور تابعی آپ ہی کے صاحبزادے ہیں۔

(۴)

(۵۳) حضرت محربؓ

نام و نسب : محرب نام ہے۔ الرباب الشنی مشہور عیسائی کاہن کے لڑکے تھے۔
صاحبِ اصابہ نے آپ کو صحابہ میں شمار کیا ہے۔
رسول اللہ ﷺ نے آپ کو عمان کے والی ابن الجندی کے پاس بطور سفیر بھیجا تھا۔
آپ کے ایک صاحبزادے ثنی بڑے صاحبِ فضل و کمال ہوئے ہیں۔

(۵۴) حضرت محمد بن عبد اللہ بن سلام

نام و نسب : محمد نام ہے۔ حضرت عبد اللہ بن سلام کے صاحبزادے تھے۔
اسلام : آپ کے اسلام لانے کی کوئی تصریح نہیں ملتی ہے۔ غالباً حضرت عبد اللہ بن سلام کے ساتھ اسلام لائے ہوں۔ آپ کو شرفِ صحبت اور روایت دونوں حاصل ہیں۔
کتبِ رجال میں ہے : کہ

”لہ روایۃ وروایۃ محفوظۃ“۔

”ان کو صحبت اور روایت دونوں حاصل ہیں۔“

مسند میں آپ سے دو روایتیں مروی ہیں۔ ان میں ایک روایت بہت مشہور ہے۔

وہ یہ ہے :

”عن محمد بن عبد اللہ بن سلام لما قدم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

علینا یعنی قبلہ قال ان اللہ عزوجل قد انشی علیکم فی الطہور“۔

وفات اور زندگی کے دوسرے حالات کتبِ رجال مذکور نہیں ہیں۔

(۵۵) حضرت مخریقؓ

نام و نسب : مخریق نام ہے۔ قبیلہ نصیر سے نسب تعلق تھا۔ آپ کا شمار علمائے یہود میں تھا۔
اسلام : اسلام قبول کرنے کے معلق کتب رجال و سیر میں صرف اتنا مذکور ہے :
”کان خیرا عالما فامن بالنبی ﷺ علیہ وسلم“^۱۔
”نہایت صالح اور عالم تھے۔ رسول اللہ ﷺ پر ایمان لائے۔“

غزوہ احد میں شرکت اور شہادت :

غزوہ احد پیش آیا تو حضرت مخریقؓ یہود مدینہ کے پاس آئے اور ان سے کہا کہ تم لوگوں کو محمد (ﷺ) کی ہر طرح مدد کرنی چاہئے۔ جبکہ تمہیں یہ علم ہے کہ ان کی مدد تم پر ضروری ہے۔ یہود نے کہا آج یوم السبت (سنچر) ہے۔ ہم کیسے لکوار اٹھا سکتے ہیں فرمایا السبت وغیرہ کیا چیز ہے؟ فوراً لکوار ہاتھ میں لی اور سر بکف خدمت نبی میں حاضر ہوئے اور تمام مسلمانوں کے ساتھ شریک ہو کر پامردی سے لڑے اور شہادت پائی۔^۲

فضل و کمال : آپ نے جب شہادت پائی تو آنحضرت نے فرمایا : کہ
”مخروج سائق یهود“^۳۔

”مخریق یہود میں سب سے آگے جانے والے ہیں۔“

مدینہ میں آپ کے کئی باغات تھے۔ جب غزوہ احد میں آپ زخمی ہوئے تو اپنی ساری جائیداد اور مال و اسباب آنحضرت ﷺ کو وصیت کر گئے۔ آپ نے جو باغات آنحضرت ﷺ کو دیئے، ان کے نام یہ ہیں :

المیث، الصائفہ، الدلال، حسن، اجرف، الاعواف، مشربام براہیم۔

حضور ﷺ مخریق کی اسی جائیداد سے عام مسلمانوں کی مدد اور صدقات وغیرہ کیا کرتے تھے۔^۴

۱۔ تجرید۔ جلد ۲۔ ص ۷۰ اصابع میں ہے کہ انہ کان بقایا بنی لینیقاع مگر حافظ ابن حجر کا رجحان آپ کے نظری ہونے کی طرف ہے۔ کیونکہ انہوں نے ”مخریق النصیری“ سرخی قائم کی ہے۔ ۲۔ تجریدی۔ جلد ۲۔ ص ۷۰
۳۔ اصابع۔ جلد ۳۔ ص ۳۹۳ ۴۔ اصابع۔ جلد ۳۔ ص ۳۹۳ ۵۔ ایک روایت میں المیث کے بجائے المیثر ہے اور الاعواف کی جگہ المعوال ہے۔ اصابع۔ جلد ۳۔ ص ۳۹۳ ۶۔ ایضاً

۵۶) حضرت میمونؓ بن یامین

نام و نسب : میمون نام ہے۔ باپ کا نام یامین تھا۔ یہود کے مشہور قبیلہ قرظہ سے تھے۔ اسلام لانے سے پہلے اپنے قبیلہ میں بہت ممتاز تھے اور آپ کا شمار احبار یہود میں تھا۔

اسلام : رسول اللہ ﷺ ہجرت کر کے مدینہ تشریف لائے تو میمون خدمت نبوی ﷺ میں حاضر ہوئے اور اسلام قبول کیا۔ لیکن دل میں یہ تڑپ تھی کہ ان کی قوم سے دوسرے لوگ بھی اس دولتِ سرمدی و سعادتِ ابدی سے بہرہ ور ہوتے تو اچھا تھا۔

آنحضرت ﷺ سے عرض کیا کہ آپ یہود کو بلوائیں اور ان سے فرمائیں کہ وہ آپ کے اور اپنے درمیان کوئی حکم مقرر کر لیں۔ جس کے فیصلہ پر دونوں فریق گرد جھکادیں۔ رسول اللہ ﷺ نے یہود کو بلوایا اور میمون سے کہا تم مکان کے اندر چلے جاؤ۔

یہود آئے تو آپ نے ان سے فرمایا کہ تم لوگ اپنے اور میرے درمیان ایک حکم مقرر کر لو۔ جس کی تصدیق و عدم تصدیق کے فیصلہ پر ہم دونوں سر جھکادیں۔ سب نے یک زبان ہو کر کہا کہ ہم میمون بن یامین کو اپنا حکم مقرر کرتے ہیں۔ اگر انہوں نے آپ کی تصدیق کر لی تو ہم بھی تصدیق کریں گے۔ آنحضرت ﷺ نے میمون کو آواز دی۔ وہ مکان سے باہر نکلے اور فرمایا :

”اشہد ان محمداً رسول اللہ“۔

”آپ بے شک اللہ کے بھیجے ہوئے رسول ہیں۔“

لیکن یہود نے قبولِ حق کے بجائے حضرت میمونؓ پر طعن و تشنیع شروع کر دی اور واپس چلے گئے۔

آپ کی شان میں یہ آیت نازل ہوئی :

”قُلْ أَرَأَيْتُمْ إِنْ كُنَّا مِنْ عِنْدِ اللَّهِ وَكَفَرْتُمْ بِهِ ؕ وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِنْ

بَنِي إِسْرَءِیْلَ ؕ“

۱۔ اسد الغابہ۔ جلد ۴۔ ص ۴۲۷ لیکن یہ واقعہ بابِ رِجَال حضرت عبداللہ بن سلام کے بارے میں بھی نقل کرتے ہیں اور آیت کا شانِ نزول ان ہی کو بتلاتے ہیں۔ مگر اس میں کوئی استبعاد نہیں ہے۔ ہو سکتا ہے کہ دونوں کے ساتھ یہ واقعہ پیش آیا ہو اور دونوں منشاءِ نزول ہوں۔ جیسا کہ فتح الباری میں دونوں آدمیوں کے قبولِ اسلام کا واقعہ اس آیت کے تحت درج ہے۔ (اصابہ۔ جلد ۲۔ ص ۴۲۷) اسد الغابہ۔ جلد ۴۔ ص ۴۲۷ (موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ)

”آپ کہہ دیجئے کہ تم مجھ کو بتلاؤ کہ اگر یہ قرآن من جانب اللہ ہو اور تم اس کے منکر ہو اور بنی اسرائیل سے کوئی گواہ اس جیسی کتاب پر گواہی دے کر ایمان لے آوے۔“
زندگی کے بقیہ حالات کے متعلق ارباب رجال خاموش ہیں۔

(۵۷) حضرت مابورؓ

نام و نسب : مابور نام ہے۔ اور خاصی عرف تھا۔ حضرت ماریہؓ کے چچا زاد یا ماموں زاد بھائی تھے اور ان ہی کے ساتھ مقوقش شاہ مصر نے انہیں بھی آنحضرت ﷺ کی خدمت میں تحفہ بھیجا تھا۔
اسلام : حضرت ماریہؓ اور ان کی بہن حضرت سیرینؓ نے تو شروع ہی میں اسلام قبول کر لیا تھا۔ لیکن مابور نے کچھ دنوں کے بعد اسلام قبول کیا۔ حضرت ماریہؓ سے بہت زیادہ مانوس تھے اور ان کی کافی خدمت کیا کرتے تھے۔ ان کو لکڑی اور پانی وغیرہ کی ضرورت ہوتی تو ۲۰ کثر یہی مہیا کیا کرتے تھے۔

(ن)

(۵۸) حضرت نافعؓ

نام و نسب : نافع نام ہے۔ حبشہ کے رہنے والے اور علمائے نصاریٰ میں تھے۔
اسلام : غالباً اپنے دوسرے احباب کے ساتھ حبشہ میں اسلام لائے۔
خدمت نبوی ﷺ میں حاضری :

جب مہاجرین حبشہ سے مدینہ واپس آنے لگے تو آپ بھی مدینہ آئے، اور زیارت نبوی سے مشرف ہوئے۔

زندگی کے دوسرے سوانح و حالات نہیں مل سکے۔ لیکن آپ کا شمار بھی ان صحابہ میں ہے، جن کے بارے میں سورہ مائدہ کی یہ آیتیں نازل ہوئی ہیں۔

”وَلْتَجِدَنَّ أَقْرَبَهُمْ مَوَدَّةَ لِلدِّينِ أَمَّنُوا الدِّينَ قَالُوا إِنَّا نَصْرِي ذَلِكَ
بِأَنَّهُ مِنْهُمْ قَسِيصِينَ وَ رُحْبَانَا أَنَّهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُونَ“ - (مائدہ)

۱۔ اصحابہ۔ جلد ۳۔ ص ۴۳۴ ۲۔ ایضاً۔ جلد ۴۔ ذکر ماریہ ۳۔ ایضاً
۴۔ آپ کے ساتھ اور کئی آدمی حبشہ سے آئے تھے۔ جن کا تذکرہ پہلے ہو چکا ہے۔ ان ہی کے تذکرہ میں آپ کے فضائل اور حالات بھی آچکے ہیں۔

”دوستی رکھنے کے قریب تر آپ ان لوگوں کو پائیں گے، جو اپنے کو نصاریٰ کہتے ہیں۔ یہ اس سبب سے ہے کہ ان میں بہت سے علم دوست عالم ہیں اور بہت سے تارک دنیا درویش ہیں، اور اس سبب سے ہے کہ لگے متکبر نہیں ہیں۔“

(۵)

(۵۹) حضرت یامین بن عمیر

نام و نسب : یامین نام ہے۔ باپ کے نام میں تھوڑا سا اختلاف ہے اور بعضوں نے باپ کا نام بھی یامین ہی لکھا ہے، مگر عام ارباب رجال کا رجحان عمیر ہی کی طرف ہے۔ پورا سلسلہ نسب یہ ہے : یامین بن عمیر بن کعب بن عمرو بن جاش، بنو نضیر سے نسب تعلق تھا۔

اسلام : یہود مدینہ کی مسلسل سازشوں، شرارتوں، کبا دیوں اور منافقوں کے باوجود آنحضرت ﷺ غزوہ بدر سے کام لیتے تھے۔ مگر جب پانی سر سے اونچا ہو گیا ان کے یکے بعد دیگرے سرزنش شروع کر دی گئی۔ بنی قریظہ کے بعد جب بنو نضیر نے بد عہدگی کی اور رسول اللہ ﷺ کے قتل کی سازش شروع کر دی تو ان کو مدینہ چھوڑ دینے کا حکم دیا گیا۔

امید تھی کہ اس سزا کے بعد وہ اپنے گزشتہ اعمال سے تائب ہو کر غلامان نبی میں شامل ہو جائیں گے، مگر ان کج فطرتوں نے جس طرح پہلے روز قبول حق سے گریز کیا تھا، اسی طرح آخر وقت تک گریز کرتے رہے۔ لیکن ان ہی کج فطرتوں میں کچھ نیک فطرت بھی تھے، جن کے دل میں قبول حق کی کسی قدر صلاحیت باقی تھی۔

انہوں نے جب دیکھا کہ اسلام کی صداقت کے لئے مزید ثبوت کی ضرورت باقی نہیں رہی تو فوراً اسلام قبول کر لیا اور اپنی قوم کا ساتھ چھوڑ دیا کہ وہ دیدہ دانستہ راست سے بھاگ رہے تھے۔ ان ہی مسلمان ہونے والوں میں حضرت یامینؓ بھی تھے۔

۱۔ اسد الغابہ۔ جلد ۵۔ ص ۵۹ (ایضاً استیعاب۔ جلد ۲۔ ص ۶۳۶) حافظ ابن حجر نے یامین بن یامین اور یامین بن عمیر کو دو شمار کیا ہے اور دونوں کا ترجمہ الگ الگ لکھا ہے۔ مگر صاحب اسد الغابہ اور صاحب استیعاب نے دونوں کو ایک شمار کر کے ایک ترجمہ لکھا ہے۔ ۲۔ ابن ابی شیبہ نے یہود مدینہ کو وصیت کے طور پر لکھا تھا کہ عنقریب ایک نبی مدینہ میں ہجرت کر کے آئے گا۔ اگر تم نے اس کا اتباع نہ کیا تو بہت سے مصائب پیش آئیں گے، جس میں ایک جلا وطنی ہے۔ ۳۔ اسد الغابہ۔ جلد ۵۔ ص ۹۹

نبی ﷺ کے دشمن سے بدلہ :

عمر بن حجاج، یامینؓ کا چچا زاد بھائی تھا۔ اس نے سازش کی تھی کہ رسول اللہ ﷺ کو دھوکہ سے ایک مکان کے نیچے بلایا جائے اور ادھر سے کوئی وزنی چیز گرا کر کام تمام کر دیا جائے (معاذ اللہ)، لیکن کامیاب نہ ہو سکا۔

حضرت یامینؓ مسلمان ہوئے تو آنحضرت ﷺ نے یامینؓ سے فرمایا، ”اپنے چچا زاد بھائی کی حرکت دیکھتے ہو، وہ دھوکے سے مجھے قتل کر دینا چاہتا ہے۔ مگر اللہ تعالیٰ نے جبرائیل کے ذریعہ مجھے اس کے ارادہ سے آگاہ کر دیا۔“ یامینؓ فوراً اپنی جگہ سے اٹھے اور اس دشمن رسول کی فکر میں لگ گئے اور ایک روز موقع پا کر اس کو واصل جہنم کر دیا۔

غزوہ تبوک میں مدد :

غزوہ تبوک پیش آیا تو چند صحابہ بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے اور سوار یوں کی درخواست کی۔ مگر اتفاق سے اس وقت سواریاں موجود نہ تھیں۔ اس لئے معذوری ظاہر کی۔ وہ لوگ پچشمہ برنم مایوس واپس گئے۔ قرآن نے ان کی مایوسی اور رنج و ملال کا نقشہ کھینچا ہے :

”إِذَا مَا اتَّوَكَّ تَحْمِلُهُمْ قُلْتُ لَا أَجِدُ مَا أَحْمَلُكُمْ عَلَيْهِ
تَوَلَّوْا وَأَعْيَنَهُمْ تَفِئُضُ مِنَ الدَّمْعِ حَزَنًا . إِلَّا يَجِدُوا مَا يُنْفِقُونَ
“ (توبہ)

”جس وقت وہ آپ کے پاس آتے ہیں کہ آپ ان کو کوئی سواری دے دیں اور آپ ان سے کہہ دیتے ہیں کہ میرے پاس کوئی چیز نہیں، جس پر میں تم کو سوار کر دوں، تو وہ نا کام واپس چلے جاتے ہیں کہ ان کی آنکھوں سے آنسو رواں ہو جاتے ہیں، اس غم میں کہ افسوس ان کو خرچ کرنے کو کچھ بھی میسر نہیں۔“

ان ہی میں حضرت ابولیلیؓ اور حضرت عبداللہ بن مغفلؓ بھی تھے۔ جنہیں لڑائی میں شریک نہ ہوسکنے کا بے حد افسوس تھا۔ یہ رو رہے تھے کہ یامینؓ کا ادھر سے گزر ہوا۔ انہوں نے رونے کی وجہ دریافت کی تو انہوں نے سارا قصہ کہہ سنایا۔ حضرت یامینؓ نے فوراً دو سواریاں اور

سیر الصحابہ (جلد ششم) ۴۳۱ اہل کتاب صحابہ و تابعین (حصہ دوم و ازوہم)

کچھ سامان سفر پیش کیا اور وہ دونوں غزوہ میں شریک ہوئے۔^۱
 وفات اور زندگی کے دوسرے واقعات اور حالات کے بارے میں ارباب سیر خاموش ہیں۔
فضائل : حافظ ابن عبد البر لکھتے ہیں :
 ”وہو من كبار الصحابة“ - ترجمہ : ”آپ کا شمار کبار صحابہ میں ہوتا ہے۔“
 جن لوگوں کے بارے میں یہ آیت :
 ”يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا آمِنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ“
 ”اے اہل ایمان اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ۔“
 نازل ہوئی ان میں ایک حضرت یامینؓ بھی تھے۔

(۶۰) حضرت یوسفؓ بن عبد اللہ بن سلام

نام و نسب : یوسف نام ہے۔ ابو یعقوب کنیت۔ حضرت عبد اللہ بن سلام کے صاحبزادے تھے۔
 جن کا اوپر ذکر آچکا ہے۔
 تعلیم و تربیت : آپ جب پیدا ہوئے تو گھر کے اندر اور باہر ہر طرف اسلام کی آواز گونج رہی تھی۔
 آپ نے اسی ماحول میں آنکھیں کھولیں اور تعلیم و تربیت پائی۔ صحابہ کا معمول تھا کہ ان کے یہاں کوئی
 بچہ پیدا ہوتا تو آنحضرت ﷺ کی خدمت میں دعا و برکت کے لئے لاتے۔ یہ پیدا ہوئے تو ان کو بھی
 بارگاہ نبوت میں لایا گیا۔ آپ ﷺ نے ان کو گود میں بٹھایا اور سر پر دست شفق پھیرا اور ان کا نام
 یوسف تجویز فرمایا۔ خود یوسف بن عبد اللہ فرماتے ہیں : کہ
 ”اجلسنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی حجرہ ومسح علی
 راسی وسمانی یوسف“ -

۱۔ بالکل یہی واقعہ حافظ ابن حجر نے ذکوان بن یامین کے تذکرے میں بھی لکھا ہے۔ لیکن دونوں واقعے ایک ہی معلوم ہوتا
 ہے۔ اس لئے کہ دوسرے تمام ارباب رجال و سیر نے اس واقعہ کو حضرت یامینؓ کی طرف منسوب کیا ہے۔ چونکہ حضرت
 یامینؓ کے نام اور ان کے باپ کے نام بڑا اختلاف ہے۔ اس لئے یہ واقعہ کئی ناموں کی طرف منسوب ہو گیا ہے۔ چنانچہ تحریذ
 نے آپ کا نام یاسر بن یامین لکھا ہے اور سلسلہ نسب کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ ذکوان حضرت یامینؓ کے بیٹے تھے۔ اس
 لئے ہو سکتا ہے کہ واقعہ کے وقت وہ بھی موجود رہے ہوں اور راوی نے ان کی طرف بھی اسی واقعہ کو منسوب کر دیا ہو۔
 ۲۔ (استیعاب۔ جلد ۲۔ ص ۶۳۶) حافظ نے اصحابہ کی اس آیت کا فشاے نزول یامین بن یامین کو لکھا ہے۔ مگر جیسا کہ
 اوپر اسد الغابہ کے حوالہ سے لکھا جا چکا ہے کہ یہ دونوں ایک ہی ہیں۔ ۳۔ مسند۔ جلد ۴۔ ص ۳۵

سیر الصحابہؓ (جلد ششم) ۴۳۲ اہل کتاب صحابہؓ و تابعینؓ (حصہ دوازدہم)

”رسول اللہ ﷺ نے مجھے اپنی گود میں بٹھایا اور میرے سر پر دستِ شفقت پھیرا اور میرا نام یوسف رکھا۔“

شرفِ صحبت : فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ کو دیکھا کہ ایک کھجور کو روٹی کے ایک ٹکڑے کے اوپر رکھا اور فرمایا کی یہ کھجور اس روٹی کا سالن ہے۔
وفات : حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ کے زمانہ خلافت میں وفات پائی۔
آنحضرت ﷺ کے علاوہ حضرت علیؓ اور حضرت عمرؓ سے بھی روایتیں کی ہیں۔
علم و فضل : ترمذی، ابوداؤد و مسند احمد میں ان کی متعدد روایتیں موجود ہیں۔ بعض لوگوں نے ان کا شمار ان صحابہ میں کیا ہے، جنہوں نے اپنی کوئی تحریری یادگار چھوڑی ہے۔

(۶۱) حضرت ابوسعیدؓ بن وہب

نام و نسب : ابوسعید نام یا کنیت ہے۔ باپ کا نام وہب تھا۔ تھے تو قبیلہ بنو نفیر سے مگر غلطی سے بنو قرظہ کی طرف منسوب ہو کر قرظی مشہور ہیں۔
اسلام : بنو نفیر کی جلاوطنی کے روز ۵ حضرت یامینؓ کے ساتھ انہوں نے بھی یہودیت سے اپنا رشتہ توڑ کر ہمیشہ کے لئے اسلام سے جوڑ لیا۔

مسلمانوں کی آپ کے مال و جائداد سے دست برداری :

بنو نفیر کے متروکہ مال و جائداد پر مسلمانوں نے قبضہ کر لیا۔ مگر یامینؓ اور حضرت ابوسعیدؓ چونکہ اسلام لا چکے تھے، اس لئے کسی نے ان کے مال و جائداد کو ہاتھ نہیں لگایا۔
وفات : سنہ وفات معلوم نہیں ہو سکا۔

علم و فضل : آپ نے رسول اللہ ﷺ سے روایت کی ہے اور آپ سے آپ کے صاحبزادے روایت کرتے ہیں۔

۱۔ بعض لوگوں نے آپ کی صحابیت سے انکار کیا ہے۔ اس روایت سے اس کی تردید ہو جاتی ہے۔ (اصابہ۔ جلد ۳۔ ص ۶۷۱)
 ۲۔ ایضاً ۳۔ اصابہ۔ جلد ۳۔ ص ۶۷۱ ۴۔ حافظ ابن عبد البر نے ان کے قرظی ہونے کی تردید کی ہے۔
 استیعاب۔ جلد ۲۔ ص ۷۱۳ ۵۔ بعض لوگوں نے لکھا ہے کہ غزوہ قرظہ کے روز اسلام لائے۔ مگر حافظ نے اس کی تردید کی ہے۔ اصابہ۔ جلد ۳۔ ص ۸۷ ۶۔ استیعاب۔ جلد ۲۔ ص ۷۱۳ ۷۔ اصابہ۔ جلد ۳۔ ص ۸۷
 ۸۔ اسد الصحابہ۔ جلد ۵۔ ص ۵۱۰

(۶۲) حضرت ابو مالکؓ

نام و نسب : عبد اللہ نام ہے۔ ابو مالک کنیت۔ اسلام سے پہلے آپ علمائے یہود میں تھے۔ اصل وطن یمن تھا، لیکن کسی وجہ سے ترک وطن کر کے یثرب چلے آئے تھے اور یہیں قبیلہ قریظہ میں کسی عورت سے شادی کر لی تھی۔ اس وجہ بجائے یمنی کے قرظی مشہور ہیں۔

وفات : وفات کی تصریح نہ مل سکی۔

رسول اللہ ﷺ کی جو صفات توراۃ میں مذکور ہیں، ان کے متعلق دریافت کیا گیا تو فرمایا :

”صفته فی کتاب بنی ہارون الذی لم یبدل ولم یغیر احمد من ولد اسمعیل یاتی بدین الحنیفہ دین ابراہیم یأزر علی وسطہ ویغسل اطرافہ و هو آخر الانبیاء“۔

”آنحضرت ﷺ کی صفت ہارون کی کتاب میں موجود ہے، جس میں اب تک کوئی تبدیلی اور تحریف نہیں ہوئی ہے۔ اس میں یہ ہے کہ احمد نام کے ایک نبی دین حنیف کو جو حضرت ابراہیمؑ کا دین ہے لے کر آئیں گے۔ تمہہ بدناف سے اوپر باندھتے ہوں گے۔ اپنے اعضا کو پاک صاف رکھتے ہوں گے اور یہ آخری نبی ہوں گے۔“

آپ سے کوئی روایت مروی نہیں ہے۔

(۶۳) آنحضرت ﷺ کے ایک یہودی خادم

نام و نسب تو معلوم نہ ہو سکا۔ لیکن حاکم نے مستدرک میں حضرت انسؓ سے روایت نقل کی ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کے ایک یہودی خادم بھی تھے، جو اپنی زندگی کے آخری ایام میں مسلمان ہو گئے تھے۔ پوری روایت یہ ہے کہ حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ ایک یہودی غلام آپ کی خدمت کیا کرتا تھا۔

ایک مرتبہ وہ بیمار پڑا تو آنحضرت ﷺ اس کی عیادت کے لئے تشریف لے گئے۔ عیادت کے بعد آپ نے قبول اسلام کی دعوت دی۔ اس کے باپ وہاں موجود تھے، اس نے باپ کی طرف نگاہ

اٹھا کر دیکھا۔ باپ نے کہا جو کچھ نبی اُمی فرما رہے ہیں اس کی تعمیل کرو۔ اس نے فوراً کلمہ طیبہ پڑھا اور مسلمان ہو گیا۔

غالباً اسی مرض میں ان کی وفات ہوئی۔ آنحضرت ﷺ نے صحابہ کے ساتھ ان کے جنازہ کی نماز پڑھی۔

اس روایت سے دو خاص باتیں معلوم ہوتی ہیں۔ ایک تو یہودی خادم رسول کا شرف باسلام اور صحابی ہونا اور دوسرے آنحضرت ﷺ کی وسعتِ قلب اور وسعتِ اخلاق کہ جن یہودیوں نے اسلام کی بیخ کنی اور آپ کے دشمنی میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا، ان ہی کے ایک فرد کے ساتھ آپ کا یہ سلوک تھا کہ اس نے پوری زندگی آپ کے ساتھ گزار دی۔ مگر آپ نے ایک روز بھی اس کو اسلام لانے پر مجبور نہ کیا۔ حالانکہ اس وقت بڑی آسانی سے اسلام کا قلابہ اطاعت اس کی گردن میں ڈالا جاسکتا تھا۔ لَا اِكْرَاهَ فِي الدِّينِ کا اس سے بڑھ کر ثبوت اور کیا ہو سکتا ہے!



۱۔ اس روایت کو ذہبی نے تلخیص میں دوسری سند سے ذکر کیا ہے۔ اور حاکم کی روایت پر کوئی جرح نہیں کی ہے۔

تابعینؓ

ادیم التغلبیؓ

ادیم ہذیمؓ^۱ یا ہریم نام ہے۔ باپ کا نام عبد اللہ تھا۔ خاندان تغلب کے نصرانیوں^۲ سے نسبی تعلق تھا۔ زمانہ قبول اسلام کے متعلق کوئی تصریح نہیں مل سکی۔

یہ صحابی یا تابعی اس کے بارے میں ارباب رجال کے درمیان اختلاف ہے۔ صاحب اسد الغابہ اور صاحب استیعاب نے ان کو صحابہ میں شمار کیا ہے اور صاحب اصابہ نے اپنی کتاب کی تیسری قسم یعنی مختصر میں داخل کیا ہے۔ جو لوگ ان کو صحابہ کی فہرست میں داخل کرتے ہیں غالباً ان کے پیش نظر ابو داؤد کی وہ روایات ہے جس میں ایک تابعی صبی بن معید نے ان سے حج میں قرآن کے متعلق دریافت کیا تھا۔ تو انہوں نے صبی کو ان کی اجازت دے دی تھی۔

حدیث کی کتابوں میں یہی ایک روایات ان سے مروی ہے لیکن ابو موسیٰ نے لکھا ہے کہ کسی نے اس روایت کی سند رسول اللہ ﷺ تک نہیں پہنچائی ہے اور یہی سبب ہے کہ صاحب اصابہ نے ان کو صحابی شمار نہیں کیا ہے۔ خود صاحب اسد الغابہ نے بھی ابو موسیٰ کا یہ قول نقل کر کے ان کی روایت کا

۱۔ نام میں اختلاف ہونے کی وجہ سے بعض لوگوں نے ایک کے بجائے دو آدمیوں کو شمار کیا ہے۔ چنانچہ جب بذل الجہود نے عین المعبود کے مولف پر یہ استدراک کیا ہے کہ وہ ان دونوں آدمیوں کو ایک سمجھتے ہیں۔ حالانکہ ایک نہیں دو ہیں۔ ہریم تابعی ہیں۔ اور ہذیم صحابیؓ، لیکن یہ استدراک میرے خیال میں صحیح نہیں ہے۔ ارباب رجال نے ان کو ایک ہی شمار کیا ہے۔ اسد الغابہ میں ہے کہ ادیم اور ہذیم ایک ہی ہیں۔ صاحب اصابہ نے بھی اسی کی تائید کی ہے۔ رہا ہریم تو ہریم ابن عبد اللہ انصاری کا نام کتب رجال میں ملتا ہے۔ لیکن ان سے بھی ابن سعید کی روایت ثابت نہیں ہے۔ اور اس نام کا کوئی دوسرا شخص جس سے صبی کی روایت بھی ثابت ہو۔ کتب رجال میں نہیں ملتا۔

یہ روایت نسائی اور سنن بیہقی میں بھی ہے، لیکن اس میں ادیم، ہذیم یا ہریم کے واسطے سے روایت نہیں ہے۔ ابو داؤد میں ہریم کا نام آیا ہے۔ لیکن نسخوں کے اختلاف کی وجہ سے ان کے نام میں بھی کافی اختلاف ہے اس لئے ہم نے بھی ارباب رجال کے اتباع میں ان کو ایک ہی شمار کیا ہے۔

۲۔ ان کی نصرانیت کی کوئی تصریح نہیں ملتی، لیکن دو قائل ترجیح قرینے موجود ہیں، جن کے پیش نظر ہم نے ان کو اس فہرست میں لے لیا ہے۔ ایک یہ کہ اسد الغابہ میں ہے کہ ان بنی تغلب کا نو انصاری (بنو تغلب انصاری تھے) اور اس لئے ان کا تغلبی ہونا بجا ہوتا ہے۔ دوسرے یہ کہ صبی ابن معید نے اپنی روایت میں یہ تصریح کی ہے کہ ادیم ان کے خاندان اور قوم کے آدمی تھے اور صبی ابن معید کے متعلق معلوم ہے کہ وہ نصرانی اور تغلبی تھے۔

سلسلہ سند آنحضرت ﷺ تک نہیں پہنچتا۔ ان کے صحابی ہونے میں شک ظاہر کیا ہے۔
بہر حال اس اختلاف رائے کے باعث ان کی صحابیت کی تعیین نہیں ہو سکی اور اسی بناء پر ہم نے ان کو بجائے صحابہ کے زمرہ میں شمار کرنے کے تابعین کی فہرست میں داخل کیا ہے۔ زندگی کے دوسرے حالات دستیاب نہیں ہو سکے۔

(۱) ارمی بن النجاشی

ارمی، ارہی یا اریحانام ہے۔ نجاشی شاہ حبشہ کے صاحبزادے تھے۔
خدمت نبوی ﷺ میں آمد سے پہلے وفات :
آنحضرت ﷺ نے جب تمام بادشاہوں کو دعوت اسلام کے خطوط لکھے تو شاہ نجاشی کے پاس عمرو بن امیہ کو پیغام دے کر بھیجا۔ شاہ نجاشی نے اس پیغام کا خیر مقدم کیا اور ساٹھ آدمیوں کے ساتھ اپنے صاحبزادے ارمی کو خدمت نبوی ﷺ میں روانہ کیا۔ لیکن یہ قافلہ راستہ ہی میں، جبکہ وہ ایک دریا کو عبور کر رہا تھا۔ اس کی ہلاکت خیز موجوں کی نظر ہو گیا۔ اور منزل مقصود کو نہ پہنچ سکا۔ اکسھ (۶۱) آدمیوں کے اس قافلہ میں صرف ارمی بن النجاشی کا پتہ چل سکا۔ ع

”خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را“

بقیہ قافلہ تو ان کے وجود کے ساتھ ان کے نام و نشان بھی ہمیشہ کے لئے مٹ گئے۔

(۳) اصمغ بن عمرو

نام و نسب : اصمغ نام ہے۔ باپ کا نام عمرو تھا۔ سلسلہ نسب یہ ہے : اصمغ بن عمرو بن ثعلبہ بن حصین ابن ضمضم بن عدی بن خباب، قضاء کی ایک شاخ بنو کلب سے تھے۔ یہ قبیلہ دومۃ الجندل کے قریب رہتا تھا۔ اصمغ مذہباً عیسائی اور اپنے قبیلہ کے سردار اور حکمران تھے۔

اسلام : رسول اللہ ﷺ نے دعوت اسلام کے لئے حضرت عبدالرحمن بن عوف کو دومۃ الجندل بھیجا تھا۔ حضرت عبدالرحمنؓ نے وہاں پہنچ کر اہل دومۃ کو اسلام کا پیغام سنایا۔ پہلے روز ان پر کوئی اثر نہیں ہوا، دوسرے روز بھی انہوں نے دعوت دی، لیکن ان لوگوں نے کوئی توجہ نہیں کی۔ تیسرے روز پھر حسب دستور انہوں نے ان کے سامنے اسلام کا پیغام پیش کیا تو اصمغ پر ان کی دعوت کا اثر ہوا اور انہوں نے

نصرانیت کا قلابہ گردن سے اتارا اور حلقہ بگوش اسلام ہو گئے۔

اصبغؓ کی صاحبزادی سے حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ کا نکاح :

حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ نے آنحضرت ﷺ کو اصبغؓ کی اطلاع دی اور اس قبیلہ سے تعلقات قائم رکھنے کے متعلق بھی دریافت کیا، تو آپؐ نے ان کو تعلقات کی استواری کے خیال سے اس قبیلہ میں شادی کرنے کی ترغیب دی۔ حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ نے قبل ارشاد میں اصبغؓ کی صاحبزادی تماشہ سے نکاح کر لیا۔ مزید تفصیل تماشہ کے حالات میں آئے گی۔

اس سے پہلے قریش اور بنو کلب وغیرہ میں باہم شادی بیاہ کے تعلقات نہیں تھے اس لئے کہ قریش اپنی شرافت نسب کے سامنے ان قبائل کو بہت ادنیٰ اور فروتر سمجھتے تھے۔ لیکن اسلام نے ان معمولی رشتوں اور اضافی اوصاف سے بلند و کردینی اخوت اور اخلاق و کردار کو شرافت اور رشتہ کا معیار قرار دیا۔ یہ شادی اس اسلامی مساوات کی پہلی مثال تھی۔ اصبغؓ آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں موجود تھے لیکن شرف زیارت سے سرفراز نہیں ہوئے۔ اسی لئے ان کا شمار تابعین میں کیا جاتا ہے۔ اس سے زیادہ ان کے حالات نہیں معلوم ہو سکے۔

(۴) اصمہ نجاشیؓ شاہ حبشہ

نام و نسب : اصمہ نام ہے۔ باپ کا نام ابجر نجاشی تھا۔ شاہی لقب حبشہ (ابی سینا) کے بادشاہ تھے۔ عرب میں عطیہ کے نام سے بھی مشہور ہیں۔

مسلمانوں کی پہلی ہجرت گاہ :

قریش کے ظلم و ستم کا بادل جب برس کرنے کھلا تو رحمت عالم ﷺ نے مسلمانوں کو حبشہ ہجرت کر جانے کا حکم دیا چنانچہ مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد مکہ سے حبشہ ہجرت کر گئی حبشہ میں اس وقت یہی اصمہؓ۔ النجاشی بادشاہ تھے جن کے سائبہ عاظفت میں پہنچ کر جان نثاران اسلام نے اطمینان کا سانس لیا نجاشی نے مسلمانوں کے ساتھ بڑا اچھا سلوک کیا قریش کو اسی احسان و سلوک کا حال معلوم ہوا تو بڑا ہیچ و تاب کھایا آخر میں طے کیا کہ شاہ نجاشیؓ پاس ایک وفد جائے اور یہ عرضداشت پیش کرے کہ ہمارے مجرموں (مسلمانوں) کو ہمارے حوالے کر دے اس مہم کے لیے عمرو بن العاص اور عبداللہ بن ربیعہ منتخب ہوئے یہ لوگ حبشہ پہنچے تو پہلے تمام پادریوں سے ملے اور تحفے و تحائف پیش کئے

اور مقصد کی تکمیل کے لیے ان کو ہموار کر لیا پھر شاہ نجاشی اصمہ کے دربار میں باریابی حاصل کی اور نذرانہ پیش کیا نجاشی نے آمد کی وجہ دریافت کی انہوں نے اپنا مطالبہ ظاہر کیا نجاشی نے پادریوں سے دریافت کیا انہوں نے بھی ایک زبان ہو کر ان کے مطالبہ کی تائید کی لیکن شاہ نجاشی نے کہا میں ان لوگوں سے خود بلشافہ گفتگو کروں گا اگر وہ لوگ جیسا کہ تم کہتے ہو مجرم ثابت ہوئے تو ان کو واپس کر دوں گا ورنہ جو میری پناہ میں آگیا ہے اس پر ظلم روا نہیں رکھا جاسکتا۔

مسلمان دربار میں بلائے گئے تو اصمہ نے پوچھا کہ تم نے کونسا دین اختیار کیا ہے جو نہ نصرانیت ہے نہ بت پرستی اور نہ کسی دوسری قوم کا دین ہے؟ مسلمانوں کی طرف سے حضرت جعفرؓ نے وکالت کی اور برسر دربار ایک بہت ہی منوثر اور دلنشین تقریر کی جس میں آنحضرت ﷺ کے اوصاف اور اسلام کی اخلاقی خوبیاں کیں۔ اس کے بعد شاہ نجاشی نے حضرت جعفرؓ کے قرآن کا کچھ حصہ پڑھنے کی فرمائش کی انہوں نے سورہ مریم کی چند ابتدائی آیات تلاوت کیں نجاشی پر رقت طاری ہو گئی اور آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ اس کے بعد انہوں نے ان فدائیان اسلام کو قریش کے حوالے کرنے سے صاف انکار کر دیا اور مسلمان زبان حال سے یہ شعر پڑھتے ہوئے دربار سے نکل آئے۔

تھی خبر گرم کہ غالب کے اڑیں گے پرزے دیکھنے ہم بھی گئے تھے یہ تماشا نہ ہوا
جب قریش کے وفد کو پہلے روز ناکامیابی ہوئی تو انہوں نے دوسرے روز پھر کسی طرح دربار میں رسائی حاصل کی اور شاہ نجاشی کے سامنے یہ عرضداشت پیش کی کہ ان مسلمانوں سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق دریافت فرمایا جائے مسلمان پھر بلائے گئے ان کے لیے یہ بڑی آزمائش کا وقت تھا اگر سچ کہتے ہیں تو شاہ نجاشی ناخوش ہوتا ہے اور اس کے خلاف کہتے ہیں تو دین کے وقار کو صدمہ پہنچتا ہے آخر کار انہوں نے یہ طے کیا کہ چاہے جو کچھ بھی ہو انہیں سچ ہی بولنا چاہیے اس روز بھی حضرت جعفرؓ ہی گفتگو کے لیے منتخب ہوئے انہوں نے فرمایا ہمارے نبی نے ہمیں بتایا ہے کہ حضرت عیسیٰ خدا کے بندے اس کے کلمہ اور اس کی روح ہیں نجاشی نے زمین سے ایک تیکا اٹھایا اور کہا خدا کی قسم حضرت عیسیٰؑ اس تیکے کے برابر بھی اس سے زیادہ نہیں ہیں دربار کے بطریق اور پادری اس پر بہت ناراض ہوئے لیکن ناراضگی کا ان پر کوئی اثر نہ ہوا قریش نے جو تحفے تحائف نجاشی کے حضور میں پیش کیے تھے نجاشی نے سب واپس کر دیے اور وفد وہاں سے نامراد مکہ واپس چلا آیا۔

اسلام : یہ واقعہ بجائے خود نجاشی کے اسلام پر شاہد ہے لیکن اس کے علاوہ ابوداؤد میں حضرت ابو ہریرہؓ سے ایک روایت ہے کہ

یہ الصحابہ (جلد ششم) ۲۳۹ اہل کتاب صحابہ و تابعین (حصہ دوم)

”قال النجاشی اشهد انه رسول الله وانه الذي بشر به عيسى ابن مريم“
 ”نجاشی نے کہا کہ میں شہادت دیتا ہوں کہ آنحضرت ﷺ بے شک اللہ کے رسول ہیں
 اور وہی ہی ہیں جن کی بشارت حضرت عیسیٰ نے دی ہے۔“

بعض روایتوں میں ہے کہ انہوں نے حضرت جعفرؓ کے ہاتھ پر بیعت اسلام بھی کی تھی۔
 خدمت نبوی کی تڑپ : جب رسول اللہ ﷺ نے تمام ملوک و سلاطین کو دعوت اسلام بھیجی تو
 شاہ نجاشی کے پاس بھی اپنا قاصد بھیجا شاہ نجاشی نے آپ کے قاصد کا پر تپاک خیر مقدم کیا آپ ﷺ کی
 رسالت کا اقرار کیا اور اپنے لڑکے ارمی کو آپ کی خدمت کے لیے بھیجا اور لکھا کہ اگر سلطنت کی ذمہ داری
 کا بوجھ میرے اوپر نہ ہوتا تو میں خود بھی بارگاہ رسالت میں حاضر ہو کر حضور ﷺ کی کنش برداری کی
 سعادت حاصل کرتا۔

وفات : مسلمانوں کے اس غمخوار اور محسن نے ۹ھ میں داعی اجل کو لبیک کہا آنحضرت ﷺ کو
 وحی کے ذریعے اسی روز ان کی موت کی اطلاع مل گئی اور آپ نے بڑے رنج و غم کے ساتھ مدینہ میں
 ان کی موت کا اعلان کیا فرمایا مسلمانوں تمہارے برادر صالح احمہ نے انتقال کیا ان کے لیے دعا
 واستغفار کرو پھر صحابہ کے ساتھ ان کی غائبانہ نماز جنازہ پڑھی۔
 فضائل : تفسیر کی روایتوں میں ہے کہ قرآن کی ان آیات۔

وَاِنْ مِنْ اَهْلِ الْكِتَابِ لَمَنْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَمَا اُنْزِلَ الْيَكُمُ وَمَا اُنْزِلَ إِلَيْهِمْ
 خَاشِعِينَ لِلّٰهِ وَاِذَا سَمِعُوا مَا اُنْزِلَ اِلَى الرَّسُولِ تَرَى اَعْيُنُهُمْ تَفِيضُ مِنَ
 الدَّمْعِ مِمَّا عَرَفُوا مِنَ الْحَقِّ

”بعض اہل کتاب ہیں جو ایمان لائے ہیں اللہ پر اور جو تمہاری طرف نازل ہوا ہے اور جو ان کی

۱۔ ابوداؤد - بخاری اور تمام کتب حدیث میں یہ روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو اسی روز ان کی موت کی خبر مل گئی
 تھی۔ اسی روز غزوہ موتہ میں بھی آپ کو سب سالاران اسلام کی شہادت اور حضرت خالدؓ کے ہاتھوں اس میں فتح کی خبر بھی
 کسی مادی ذریعہ اطلاع کے بغیر پہنچ چکی تھی۔ اور آپ نے ان کے بارے میں جو کچھ فرمایا تھا۔ بعد میں حرف بحرف اس کی
 تصدیق ہوئی۔

۲۔ غائبانہ نماز جنازہ پڑھنے کے بارے میں فقہاء کے درمیان تھوڑا سا اختلاف ہے بعض لوگ اس کو عام حکم سمجھتے ہیں۔ اور
 اب بھی غائبانہ نماز جنازہ پڑھنے کو جائز کہتے ہیں اور بعض اسے آپ کی خصوصیت بتلاتے ہیں۔ اور بعض لوگوں کا خیال ہے
 کہ اگر ایسی ہی کسی اجنبی جگہ میں کسی مسلمان کا انتقال ہو تو اس کی غائبانہ نماز جنازہ پڑھی جاسکتی ہے۔

مسلم کی روایت سے پتہ چلتا ہے کہ یہ وہ نجاشی نہیں ہیں جن کی آپ نے نماز جنازہ پڑھی تھی لیکن حافظ ابن قیم نے
 اسے راوی کا وہم بتایا ہے۔
 محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

طرف اللہ سے دُرتے ہوئے جب وہ سختے ہیں جو کچھ رسول اللہ ﷺ کی طرف نازل ہوا تو تم دیکھو گے کہ ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے ہیں یہ اس وجہ سے کہ انہوں نے حق کو پہچان لیا ہے۔

میں دوسرے اہل کتاب کے ساتھ شاہ نجاشی بھی مراد لئے گئے ہیں۔

اخلاق : شاہانہ انصاف، مدد و انصاف، رحم و کرم اور رعایا پروری عام انسانی اخلاق و اوصاف سے بھی متصف تھے اپنے ملک میں ظلم و ستم رسیدہ مسلمانوں کے ساتھ انہوں نے جو حسن سلوک کیا اس احسان سے امت محمدیہ ہمیشہ گراں بار رہے گی۔

(۵) بکاء الراہب

نام و نسب : بکا نام شام اصلی وطن تھا ایک گوشہ نشین اور تارک الدنیا بزرگ تھے مشہور ہے کہ چالیس برس تک عبادت گاہ سے باہر قدم نہیں رکھا آنحضرت ﷺ کے زمانے میں موجود تھے لیکن شرف زیارت سے مشرف نہ ہو سکے ذیل کی روایت سے اس کی تفصیل معلوم ہو جائے گی۔

حضرت سعد بن العاص صحابی بیان کرتے ہیں کہ میں چھوٹا تھا کہ میرے چچا ابان بن سعید رسول اللہ ﷺ کو ہمیشہ برا بھلا کہا کرتے تھے ایک مرتبہ وہ بغرض تجارت شام گئے وہاں بکا الراہب سے جو چالیس برس کے بعد عبادت گاہ سے نکلے تھے ملاقات ہوئی انہوں نے جا کر ان سے کہا کہ میری قوم کے ایک فرد نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے بکا، نے نام دریافت کیا کہا محمد (ﷺ) پھر پوچھا کتنے زمانہ سے وہ اپنے آپ کو نبی کہتے ہیں؟ جواب دیا کہ بیس برس سے اس کے بعد بکا، نے کہا کہ کہو تو میں ان کے صفات بیان کر دوں ابان کہتے ہیں کہ انہوں نے ان کی تمام صفات بیان کیں اور ذرا غلطی نہیں کی اس کے بعد کہا کہ خدا کی قسم وہ نبی برحق ہیں اللہ تعالیٰ ان کو ضرور غالب کرے گا میرا سلام ان کو پہنچا دینا یہ کہہ کر وہ پھر گرجا میں چلے گئے۔

اس ملاقات کا یہ اثر ہوا کہ ابان جب مکہ واپس آئے تو سب سے پہلے آنحضرت ﷺ کے حالات دریافت کیے اور بکا، سے ملاقات کا سارا واقعہ بیان کیا اس کے بعد ابان نے آنحضرت ﷺ کو برا بھلا کہنا چھوڑ دیا اور پھر کچھ روز کے بعد مسلمان ہو گئے۔

(۶) تمام بن یہودا

صاحب اصحابہ نے لکھا ہے کہ احبار یہود میں سے جو لوگ اسلام لائے تھے ان میں تمام بن یہودا بھی تھے اور اس بنا پر ان کو اپنی کتاب کی قسم اول (صحابہ میں داخل کیا ہے) جس کی کسی

دوسرے ماخذ سے تائید نہیں ہوتی اور خود انھوں نے بھی یعنی صاحب اصابہ نے آنحضرت ﷺ سے ان کی ملاقات و روایت کا کوئی ذکر نہیں کیا ہے اس بنا پر ہم نے ان کو صحابہ کے بجائے تابعین کی فہرست میں داخل کیا ہے۔

(۷) صبی بن معبد

نام و نسب : صبی نام باپ کا نام معبد تھا نسباً تغلوسی اور مذہباً عیسائی تھے۔

اسلام : نصرانیت ترک کر کے اسلام قبول کیا اور پھر اسی پر خاتمہ ہوا حدیث کی کتابوں میں ان سے قرآن کے بارے میں ایک مشہور حدیث مروی ہے وہ یہ ہے۔

فرماتے ہیں کہ میں ابھی جدید الاسلام تھا اور مجھے جہاد کا بڑا شوق تھا لیکن مجھ پر حج اور عمرے کی ادائیگی بھی فرض تھی اس لیے میں نے چاہا کہ اسے ادا کر لوں (پھر جہاد میں شرکت کروں) میں اپنی قوم کے ایک بزرگ ۱؎ ہذیم بن عبداللہ ثنابی کے پاس گیا اور ان سے مسئلہ قرآن کے متعلق دریافت کیا انھوں نے مجھ کو اس کی اجازت ۲؎ دی حج کے ارکان ادا کر چکا تو مقام عذیب میں سلمان بن ربیعہ اور زید بن صوحان ۳؎ سے ملاقات ہوئی ان میں سے ایک نے دوسرے سے میرے بارے میں کہا کہ یہ شخص تمہارے اونٹ سے بھی زیادہ فقیہ ہے (یہ طنزیہ جملہ تھا کہ مناسک حج سے ناواقف ہے) میں وہاں سے سیدھا حضرت عمرؓ کے پاس پہنچا اور ان سے یہ سارا واقعہ بیان کیا انھوں نے فرمایا تم نے سنت نبوی کے بالکل مطابق حج کیا ہے ۴؎۔

اسی روایت کو ان کی سوانح حیات کا سرمایہ سمجھنا چاہیے اس سے زیادہ ان کی زندگی کے حالات پر کوئی روشنی نہیں پڑتی۔

روایت : حسب ذیل حضرت نے ان سے روایت کی ہے۔

ابو اہل، مسروق، ابواسحاق السبئی، زبیر بن حبیش، امام شعبی، ابراہیم النخعی، مجاہد، ابن حبان نے ان کو ثقات میں شمار کیا ہے حسم بن حاتم بھی فرماتے ہیں۔

”تابعی“ ثقہ ۵؎ یعنی ”ثقتا تابعین تھے۔“

۱؎ ان کا ذکر پہلے آچکا ہے۔ ۲؎ حج عمرہ ساتھ کرنے کی اجازت دے دی۔ ۳؎ یہ دونوں آدمی بھی ان ہی کے ہم قوم تھے۔ ۴؎ اسد الغابہ۔ ۵؎ تہذیب المعجم۔

(۸) ضغاطر الاسقف الشہید

نام و نسب : ضغاطر نام روم اصلی وطن تھا منہ بایسائی تھے ہر قل کے خاص معتمد اور مشیر اور قوم کے بڑے پادری تھے۔

اسلام : ہر قل شہنشاہ روم کو آنحضرت ﷺ نے وحیۃ الہی کے ذریعہ نامہ اسلام بھیجا تو ہر قل نے کہا کہ محمد (ﷺ) یقیناً نبی ہیں لیکن میں ڈرتا ہوں کہ اگر میں نے اسلام قبول کیا تو اہل ملک مجھے زندہ نہ چھوڑیں گے پھر اس نے حضرت وحیۃ " کو ضغاطر الاسقف کے پاس بھیجا کہ وہ کیا رائے دیتے ہیں حضرت وحیۃ ان کے پاس آئے تو انھوں نے آپ کی رسالت کی تصدیق کی اور فرمایا لعرفہ باسمہ وو صفہ (ہم ان کے نام اور ان کے صفات سے واقف ہیں) پھر وہ اندر گئے اپنا مخصوص لباس اتارا اور سفید لباس پہن کر باہر واپس آئے اور اسی وقت اہل روم کے پاس گئے اور آنحضرت ﷺ کی نبوت اور اسلام کی سچائی کا اعلان کیا یہ اعلان کرنا تھا کہ چاروں طرف سے ان کی قوم نے ان پر نرغہ کیا اور ان کو شہید کر ڈالا۔

”خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را“

بعض روایتوں میں ہے کہ ہر قل سے کہا کہ خدا کی قسم یہ وہی نبی ہیں جن کا ہمیں انتظار تھا اس پر ہر قل نے آپ کے قتل کا ارادہ ظاہر کیا تو انھوں نے کہا کہ کچھ بھی ہو میں تو اتباع حق سے بھاگ نہیں سکتا ذرا صابر ذکر ضغاطر

(۹) عمیر بن حسین

نام و نسب : عمیر نام نجران اصلی وطن تھا منہ بایسائی تھے رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں اسلام قبول کر چکے تھے لیکن شرف زیارت سے سرفراز نہیں ہو سکے۔

اسلام پر استقامت : آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد جب نجران میں ارتداد کا فتنہ شروع ہوا تو عمیر نے بڑی استقامت دکھائی خود اسلام پر آخری وقت تک جمے رہے اور اہل نجران کو ارتداد سے باز رکھنے کی پوری کوشش کی انھوں نے ان کے سامنے یہ پُر اثر تقریر فرمائی کہ

اے اہل نجران اس وقت اسلام پر زیادہ جمنے کی ضرورت تھی اور تم اس میں کوتاہی کر رہے ہو یقین کے بعد شک اور کل کے دین کے بعد آج (یعنی نصرانیت کے بعد اسلام) کے دین میں زیادہ

سیر الصحابہ (جلد ششم) ۴۴۳ اہل کتاب صحابہ و تابعین (حصہ دوازدہم)

سوچنے کی ضرورت تھی، تم کو چاہئے تھا کہ اسلام پر جسے رہتے کہ اللہ تعالیٰ کی رضا اور اسی کی روشنی تمہیں نصیب ہوتی۔ پھر اس کے بعد یہ اشعار پڑھے۔^۱

یا اہل نجران امسکوا بھدی اللہ کو نو ایداً علی الکفار
لا تکنونوا بعد الیقین الی الشک وبعد الرضا الی الکفار
واستقیموا علی الطریقة فیہ و کونوا کھنیۃ الانصار^۲

(۱۰) کعب احبار

نام و نسب : کعب نام، ابو اسحق کنیت نسباً یمن کے مشہور حمیری خاندان کی شاخ آل ذی رو عین سے تھے۔ نسب نامہ یہ ہے کعب بن مافع بن ینیع بن قیس بن معن بن جشم ابن وائل بن عوف بن جہر بن عوف بن زہیر بن ایمن بن حمیر بن سبا بن حمیری۔

اسلام اور ورود مدینہ : کعب مشہور تابعی ہیں۔ قبول اسلام سے پہلے یہود کے حمید علماء میں شمار کئے جاتے تھے۔ عہد رسالت میں موجود تھے۔ لیکن صحیح روایت کے مطابق اس عہد بابرکت میں وہ اسلام کی سعادت حاصل نہ کر سکے۔ اور ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ اسی زمانہ میں مشرف باسلام ہو گئے تھے۔ کعب کا بیان ہے کہ علیؑ جب یمن آئے تو ان کی خدمت میں حاضر ہو کر میں نے رسول اللہ ﷺ کے اوصاف پوچھے تو انہوں نے بتائے تو میں مسکریا علیؑ نے مسکرانے کا سبب پوچھا۔ میں نے کہا ہمارے یہاں (نبی آخر الزمان کے) جو علامات بتائے گئے ہیں وہ رسول اللہ ﷺ پر صادق آتے ہیں۔ اسی لئے مجھے ہنسی آگئی۔ اس سوال و جواب کے بعد میں مسلمان ہو گیا۔ اور لوگوں کو اسلام کی دعوت دینے لگا۔ لیکن قیام یمن ہی میں رہا۔ عمرؓ کے عہد میں ہجرت کر کے مدینہ گیا۔ کاش میں نے اس سے پہلے ہجرت کی ہوتی۔^۳ ایک روایت یہ ہے کہ وہ حضرت ابو بکرؓ کے زمانہ میں اسلام لائے۔^۴

لیکن یہ دونوں روایتیں کمزور ہیں۔ اس باب میں صحیح ترین روایت وہ ہے جو طبقات ابن سعد میں کعب کے حلیف حضرت عباسؓ سے مروی ہے جس سے خود کعب کی زبان سے حضرت عمرؓ کے زمانہ خلافت میں ان کا اسلام لانا ثابت ہوتا ہے۔ سعید بن مسیب کا بیان ہے کہ حضرت عباسؓ نے

۱۔ اصابہ۔ جلد ۲۔ ۲۔ یہاں غالباً انصار سے حواری مراد لیا ہے۔ مدینہ کے مسلمانوں کا مخصوص گروہ مراد نہیں ہے۔

۳۔ اصابہ۔ جلد ۵۔ ص ۳۲۲ کعب کے حالات ”تابعین“ سے نقل کئے گئے ہیں۔ آخر میں اور کہیں کہیں ذکر میں کچھ محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

کعب کے اسلام لانے کے بعد ان سے پوچھا کہ رسول اللہ ﷺ اور ابو بکرؓ کے زمانہ میں قبول اسلام میں کیا چیز مانع تھی کہ عمرؓ کے زمانے میں اسلام لائے جواب دیا کہ میرے والد نے مجھ کو توراۃ سے ایک تحریر نقل کر کے دی تھی۔ اور ہدایت کی تھی کہ اس پر عمل کرنا، دوسرے اپنی تمام مذہبی کتابوں پر مہر لگا کر مجھ سے حق ابوت کا دوا۔ بلکہ دلا کر وعدہ کیا تھا کہ اس کو نہ توڑنا، تو میں نے اس کو نہیں توڑا اور والد جو تحریر دے گئے تھے، اس کے مطابق میں عمل کرتا رہا۔

جب اسلام کی اشاعت اور اس کا غلبہ ہونے لگا اور کسی کا خوف باقی نہیں رہ گیا تو اسی وقت میں نے دل میں خیال کیا کہ معلوم ہوتا ہے کہ والد نے مجھ سے کچھ علم چھپایا ہے، مجھ ان کتابوں کو کھول کر دیکھنا چاہئے چنانچہ میں نے مہر توڑ کر کتابیں پرچھیں تو مجھ کو نظر آیا کہ ان میں محمد (ﷺ) اور ان کی امت کے اوصاف لکھے ہیں۔ اس وقت مجھ پر اصل حقیقت روشن ہوئی اور آ کر مسلمان ہو گیا۔ قبول اسلام کے بعد وہ آنحضرت ﷺ کے چچا حضرت عباسؓ کے حلیف بن گئے تھے۔

فضل و کمال : کعب یہود کے بڑے ممتاز اور نامور علماء میں ہے۔ یہودی مذہب سے متعلق ان کی معلومات نہایت وسیع تھیں، حافظ ذہبی لکھتے ہیں کہ وہ علم کا ظرف اور اہل کتاب کے علمائے کبار میں تھے۔ امانووی لکھتے ہیں کہ وہ علم اور توثیق پر سب کا اتفاق ہے وہ اپنی وسعت علم کی وجہ سے کعب اہبار اور کعب الجسر کہے جاتے تھے ان کے مناقب بکثرت ہیں اور ان کے اقوال و حکم بہت مشہور ہیں۔ اکابر صحابہ ان کی وسعت نظر کے حریف تھے ابو درداءؓ انصاری کا حصص میں بڑا ساتھ رہا تھا فرماتے تھے کہ ابن حمیرہ کے پاس بڑا علم ہے۔ امیر معاویہؓ کہتے تھے کہ ابو درداءؓ حکماء میں ہیں اور کعب علمائے ان کے پاس سمندر جیسا تھا علم تھا۔ چونکہ ایک مذہب کے وہ ایک بڑے عالم تھے اس لیے اسلامی علوم کے ساتھ بھی انہیں خاص مناسبت ہو گئی تھی مدینہ میں صحابہ سے انھوں نے کتاب و سنت کی تعلیم حاصل کی تھی اور صحابہ نے ان سے اہل کتاب کے علوم سیکھے تھے۔

کتاب و سنت میں انھوں نے حضرت عمرؓ صہیبؓ اور حضرت عائشہؓ سے استفادہ کیا تھا اور اسرائیلیات میں صحابہ میں ابو ہریرہؓ معاویہؓ ابن عباسؓ اور تابعین میں مالک بن ابی عامرؓ عطاء بن ابی رباحؓ عبد اللہ بن رباحؓ انصاریؓ عبد اللہ بن حمزہؓ سلولیؓ ابورافعؓ صانعؓ عبد الرحمن بن شعیبؓ اور ایک کثیر جماعت ان سے فیض یاب ہوئی تھی۔

۱۔ ابن سعد۔ جلد ۷۔ ص ۱۵۶۔ ۲۔ تذکرۃ الحفاظ۔ جلد ۱۔ ص ۴۵۔ ۳۔ تہذیب الاسماء۔ جلد ۱ ص ۶۹۔
 ۴۔ ابن سعد۔ جلد ۷۔ ق ۲۔ ص ۱۶۔ ۵۔ اصحابہ۔ جلد ۵۔ ص ۲۲۳۔ ۶۔ تذکرۃ الحفاظ۔ جلد اول۔ ص ۴۵۔
 ۷۔ تہذیب التہذیب۔ جلد ۵۔ ص ۲۲۸۔

علم اور علماء اور زوالِ علم : ایک مرتبہ عبداللہ بن سلامؓ نے ان سے پوچھا کہ کعب علماء کون لوگ ہیں جواب دیا جو علم جانتے ہیں ابن سلام نے پوچھا کون سی شے علماء کے دلوں سے علم کو زائل کر دے گی فرمایا طمع حرص اور لوگوں کے سامنے اپنی حاجت پیش کرنا عبداللہ بن سلامؓ نے کہا تم نے سچ کہا۔

شام کا قیام : کعبؓ کا آبائی مذہب یہودیت تھا اس لئے پہلے سے ان کو ارضِ شام کے ساتھ دلی لگاؤ تھا مسلمانوں کے نزدیک بھی یہ سرزمین مقدس و محترم ہے اس لیے چند دن مدینہ میں قیام کرنے کے بعد کعبؓ شام چلے گئے اور حمص میں جا کر سکونت اختیار کر لی۔

مواعظ : شام کے زمانہ قیام میں ان کا مشغلہ زیادہ تر اسرائیلی قصص کے مواعظ تھے ایک مرتبہ عمو بن مالک نے دورانِ وعظ ان سے کہا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ امیر مامور اور مکلف کے علاوہ لوگوں کے سامنے اور کسی کو مواعظ و قصص نہ بیان کرنے چاہئیں یہ سن کر کعبؓ نے وعظ کوئی چھوڑ دی لیکن پھر امیر کے حکم سے دوبارہ وہ سلسلہ جاری کر دیا۔

اسلامی روایات میں اسرائیلیات کا شمول :

کعب کی علمی جلالت میں کوئی شک نہیں وہ یہودی مذہب کے بڑے نامور عالم تھے لیکن چونکہ خود یہودیوں کا سرمایہ علم زیادہ تر قصص و حکایات تھیں اس لیے کعب کا سرمایہ معلومات بھی تمام تر یہی تھا اس سے ایک نقصان یہ ہوا کہ بہت سی بے سرو پا اسرائیلی روایات ان کے ذریعے اسلامی لٹریچر میں داخل ہو گئیں اسی بنا پر بعض ائمہ حدیث کعبؓ کو روایت میں ساقط الاعتبار سمجھتے ہیں۔

وفات : حضرت عثمانؓ کے عہد خلافت ۳۲ھ میں شام میں وفات پائی۔

(۱۱) محمد بن کعب القرظیؓ

نام و نسب : محمد نام ابو حمزہ کنیت نسب نامہ یہ ہے محمد بن کعب بن حبان بن سلیم بن اسد قرظی ان کے والد کعب بنی قریظہ کے یہودی اور انصار کے قبیلہ اوس کے حلیف تھے غزوہ قریظہ میں گرفتار ہوئے لیکن بہت کم سن تھے اس لیے چھوڑ دیے گئے۔

فضل و کمال : محمد بن کعب بڑے فاضل اور بلند مرتبہ تھے ابن حبان کا بیان ہے کہ وہ علم و فقہ میں مدینہ کے فاضل ترین علماء میں تھے۔ امام نووی لکھتے ہیں کہ وہ بڑے علماء اور ائمہ تابعین میں تھے۔

۱۔ اصابہ۔ جلد ۵۔ ص ۲۲۲۔ ۲۔ ابن سعد جلد ۷۔ ق ۲۔ ص ۱۵۶۔ ۳۔ اصابہ۔ جلد ۵۔ ص ۳۲۳۔

۴۔ ابن سعد۔ جلد ۷۔ ق ۲۔ ص ۱۵۶۔ ان کے حالات تابعین سے نقل کئے گئے ہیں۔

۵۔ تہذیب التہذیب۔ جلد ۹۔ ص ۴۲۱۔ ۶۔ تہذیب الاسماء۔ جلد اول۔ ق ۱۔ ص ۹۰۔

قرآن : ان کو قرآن و حدیث دونوں میں یکساں کمال حاصل تھا عجلی ان کو ثقہ و جل صالح اور عالم قرآن لکھتے ہیں^۱۔ عون بن عبد اللہ کا بیان ہے کہ میں نے تاویل قرآن کا ان سے بڑا عالم نہیں دیکھا^۲۔ حافظ ذہبی ان کو مفسر قرآن لکھتے ہیں^۳۔

قرآن میں تدبر و تفکر : قرآن کے معنی میں تدبر و تفکر بھی آپ کی خصوصیت تھی ایک مرتبہ رات میں سورہ زلزال اور سورہ القارعہ پڑھنا شروع کیں اور پوری رات ان کی سورتوں کے معانی و مطالب میں تدبر و تفکر کرتے رہے یہاں تک کہ سفیدہ نمودار ہو گیا^۴۔

فرماتے تھے قرآن کے معنی کا مجھ پر اس قدر درود اور ہجوم ہوتا ہے کہ رات کی رات کٹ جاتی ہے پھر بھی معانی کا ہجوم اور آمد ختم نہیں ہوتی^۵۔

تفسیر کی کتابوں میں صد ہا آیتوں کی تفسیر میں ان کے اقوال ملیں گے ان میں سے بیشتر میں کوئی نہ کوئی لفظی یا معنوی ندرت ضرور ہوگی۔

حدیث : حدیث کے بھی وہ ممتاز حافظ تھے علامہ ابن سعد ان کو ثقہ عالم اور کثیر الحدیث لکھتے ہیں^۶۔ حدیث میں انھوں نے معاویہ کعب بن عجرہ ابو ہریرہ زید بن ارقم عبد اللہ ابن عبد اللہ بن عمرو بن العاص عبد اللہ بن یزید خطمی عبد اللہ بن جعفر بن ابی طالب براء بن عازب جابر اور انس بن مالک سے استفادہ کیا تھا۔

ان سے فیض اٹھانے والوں میں ان کے بھائی عثمان، حکم بن عتبہ، یزید بن ابی زیاد، ابن عثمان، موسیٰ بن عبیدہ، ابو معشر، ابو جعفر حطمی، یزید بن الہاد، ولید بن کثیر، محمد بن المنکدر، عاصم بن کلب، ایوب بن موسیٰ، ابن ابی الموالی، ابن المقدام اور ہشام بن زیاد وغیرہ لائق ذکر ہیں^۷۔
فقہ : فقہ میں مدینہ کے ممتاز فقہاء میں شمار تھا۔

کان من افاضیل اهل المدینۃ علماً و فقہاً^۸

علم و فقہ کے اعتبار سے مدینہ کے فضلاء میں تھے۔

زہد و ورع : زہد و ورع کی دولت سے بھی بہرہ مند تھے ابن سعد ان کو علماء متورعین^۹ میں شمار کرتے ہیں اور حافظ ذہبی^{۱۰} زہد ابن عماد حنبلی لکھتے ہیں کہ کعب علم صلاح اور ورع سے متصف تھے^{۱۱}۔

۱۔ تہذیب المعجم - جلد ۹ - ص ۴۲۱۔ ۲۔ تہذیب المعجم - جلد ۹ - ص ۴۲۱۔ ۳۔ ایضاً۔ ۴۔ ایضاً۔ ۵۔ دول الاسلام ذہبی - جلد ۱ - ص ۵۶۔ ۶۔ تہذیب المعجم - جلد ۹ - ص ۴۲۱۔ ۷۔ ایضاً۔ ۸۔ ایضاً۔ ۹۔ ایضاً۔ ۱۰۔ ایضاً۔ ۱۱۔ دول الاسلام - جلد ۱ - ص ۵۶۔

ان کی پاکبازی کی شہادت ان کی والدہ کی زبانی :

زندگی کے ہر زمانہ میں نہایت پاک نفس رہے با ایں ہمہ دعائے مغفرت و توبہ و استغفار میں ہر وقت مشغول رہتے تھے یہ دیکھ کر ان کی والدہ فرماتی تھیں ”محمد اگر تمہاری پاکبازانہ زندگی میرے سامنے نہ ہوتی تو تمہاری دن رات کی گریہ زاری اور توبہ و استغفار سے میں سمجھتی کہ تم نے کوئی بہت بڑا گناہ کیا ہے لیکن میں نے تمہیں بچپن میں بھی پاک بنا دیا اور پاک نفس پایا اور بڑے ہونے پر بھی ویسا ہی پارہی ہوں۔“

حضرت محمد بن کعب نے فرمایا : ”اماں جان آپ جو سمجھتی ہیں وہ ٹھیک ہے لیکن میں اپنے کو گناہوں سے مامون نہیں پاتا ہو سکتا ہے کہ مجھ سے کوئی ایسی لغزش ہو گئی ہو جو خدائے تعالیٰ کے غضب اور ناراضگی کا باعث ہو اسی وجہ سے میں ہر وقت استغفار کیا کرتا ہوں۔“

زریں اقوال : فرماتے تھے اللہ تعالیٰ جب کسی بندہ کو بھلائی کی توفیق دیتا ہے تو اس میں تین خصلتیں پیدا کر دیتا ہے دین میں سمجھ دنیا سے بے رغبتی اور عیب پوشی۔

فرمایا جو قرآن پڑھے گا وہ عقل کی دولت سے ضرور بہرہ ور ہوگا چاہے اس کا سن سو برس کا کیوں نہ ہو گیا۔

فرمایا کہ کچھ لوگوں کے اوپر اور کچھ لوگوں کے واسطے زمین روتی ہے، پھر فرمایا جو لوگ بھلائی کرتے ہیں ان کے واسطے زمین روتی ہے اور دعا کرتی ہے اور جو لوگ برائی کرتے ہیں ان کے اوپر زمین روتی ہے اور بد دعا کرتی ہے پھر یہ آیت تلاوت فرمائی۔

فَمَا بَكَتْ عَلَيْهِمُ السَّمَاءُ وَالْأَرْضُ۔

زمین و آسمان ان پر نہیں روئے۔

رونے سے مراد ہمدردی و شہادت ہے اسی لئے کہ قیامت میں ہمارے اعمال کے بارے میں ہر چیز سے شہادت لی جائے گی۔

آپ سے پوچھا گیا کہ خذلان اور حرمان کی علامت کیا ہے؟ فرمایا کہ اچھے کو برا اور برے کو

اچھا کہنا۔

ذکر الہی : فرماتے تھے کہ اگر ترک ذکر کی رخصت دی جاسکتی تو سب سے پہلے حضرت زکریا کو رخصت ملتی۔ (کیونکہ ان کو اللہ تعالیٰ نے تین دن تک بولنے سے منع کر دیا تھا۔ مگر اسی کے ساتھ یہ حکم بھی تھا کہ ذکر الہی کثرت سے کرو)۔ پھر یہ آیت تلاوت کی۔

”اَيُّكَ اَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ ثَلَاثَةَ اَيَّامٍ اِلَّا رَمَزًا وَاذْكُرْ رَبَّكَ كَثِيْرًا“۔

”تمہارے لئے نشانی یہ ہے کہ تین روز تک کسی شخص سے بجز اشارے کے بات نہ کرو۔ اور اللہ تعالیٰ کا ذکر زیادہ کرو۔“

پھر فرمایا کہ دوسرے مجاہدین فی سبیل اللہ کو اس کی رخصت مل سکتی تھی۔ لیکن ان کے متعلق فرمایا ہے۔ پھر یہ آیت پڑھی۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا لَقِيتُمْ فِئَةً فَاثْبُتُوا وَاذْكُرُوا اللَّهَ كَثِيرًا

اے ایمان والوں جب تم سے دشمن کی کسی جماعت سے منڈ بھیڑ ہو جائے تو ثابت قدم رہو اور ذکر الہی زیادہ کرو۔

وفات : ۱۰۸ھ میں وفات پائی۔

(۱۲) نعیم الجبرم

نعیم نام تھا، شام کے رہنے والے اور مذہباً عیسائی تھے۔ کعب احبار کی طرح ان کا شمار بھی علمائے اہل کتاب میں تھا۔ چنانچہ حبر (عالم) ان کے نام کا جز ہو گیا تھا۔ مزدوری کر کے گزر اوقات کرتے تھے۔

حضرت مطرف بن مالک تابعی بیان کرتے ہیں کہ عہد فاروقی میں جب تستر فتح ہوا تو مال غنیمت میں ایک برتن ہاتھ آیا۔ جس میں ایک کتاب تھی۔ ہمارے ساتھ ایک نصرانی مزدور تھا۔ جس کا نام نعیم تھا۔ اس نے ہم لوگوں سے کہا کہ یہ برتن مع کتاب میرے ہاتھ فروخت کر دو۔ ابو موسیٰ اشعریؓ اور دوسرے صحابہ کتاب فروخت کرنا نہیں چاہتے تھے۔ لیکن ہم لوگوں نے برتن کو اس کے ہاتھ فروخت کر دیا، اور کتاب ہدیہ دے دی۔ ابو موسیٰ اشعریؓ نے حضرت عمرؓ کو اطلاع دی حضرت عمرؓ نے لکھا کہ یہ کسی نبی کی کتاب ہے اس کو دفن کر دینا چاہیے بعض روایتوں میں ہے کہ نعیم خود اس برتن کو فروخت کرنے کے لیے مسلمانوں کے پاس آئے انہوں نے برتن خرید لیا اور کتاب ان کو ہدیہ کر دی۔

قبول اسلام : مطرف بن مالک ہی راوی ہیں کہ مجھے بیت المقدس جانے کا اتفاق ہوا وہاں نعیم سے ملاقات ہوئی میں نے ان سے پوچھا کہ تمہاری نصرانیت کا کیا حال ہے نعیم نے کہا کہ میں تو اب دین حنیف (یعنی اسلام) میں داخل ہو گیا ہوں۔

سیر الصحابہ (جلد ششم) ۴۴۹ اہل کتاب صحابہؓ و تابعینؓ (حصہ دوازدہم)

بیت المقدس میں نعیم اور کعب کی۔ دعوت اسلام اور علمائے اہل کتاب کا قبول اسلام :

حضرت مطرف بیان کرتے ہیں کہ اس سفر میں نعیم کے ساتھ کعب احبار بھی تھے جب ان کی آمد کی اطلاع یہود کو ملی تو وہ ان کے گرد جمع ہو گئے کعب احبار کو جو کتاب تستر میں ملی تھی انھوں نے اس کو یہود کے سامنے پیش کیا اور کہا کہ یہ ایک قدیم کتاب ہے جو تمھاری کتاب (غالباً عبرانی) میں ہے اس کو پڑھو ایک شخص نے پڑھنا شروع کیا جب وہ ایک خاص جگہ پر پہنچا تو اس نے کتاب زمین پر پٹک دی نعیم اس کی حرکت سے بہت ناخوش ہوئے اور کتاب کو انھوں نے اپنی گود میں اٹھا لیا اور ان سے کہا اب میں ہرگز اس کتاب کو تمھیں نہیں دوں گا لیکن انھوں نے جب بہت منت سماجت کی تو نعیم نے کہا کہ اچھا میں اسے اپنے زانوں پر رکھ کر بیٹھتا ہوں تم میں سے کوئی شخص پڑھے چنانچہ کتاب ان کے ہاتھ میں تھی اور ایک شخص اسے پڑھ رہا تھا جب وہ پڑھتے پڑھتے اس آیت۔

وَمَنْ يَتَّبِعْ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِينًا فَلَنْ يُقْبَلَ مِنْهُ ۔

جو اسلام کے علاوہ کوئی دوسرا دین چاہے گا اس سے وہ قبول نہیں کیا جائے گا۔

پر پہنچا تو تقریباً بیس علمائے یہود اسی جگہ حلقہ بگوش اسلام ہو گئے۔ افسوس ہے کہ اس سے زیادہ ان کے حالات معلوم نہیں ہو سکے۔

(۱۳) وہب بن منبہ

وہب بن منبہ کی عام کتب سماوی خصوصاً تورات اور انجیل سے واقفیت اور ان سے متعلق ان کے معلومات کی کثرت سے پتہ چلتا ہے کہ وہ اہل کتاب میں سے تھے لیکن چونکہ ارباب رجال میں سے کسی نے ان کے اہل کتاب ہونے کی تصریح نہیں کی ہے اس لیے مجھے ان کو اس فہرست میں داخل کرنے سے تامل تھا لیکن ابن ندیم کی یہ تصریح مل جانے کے بعد کہ اہل کتاب میں سے جو لوگ ایمان لائے تھے ان میں وہب بن منبہ بھی تھے۔^۱ - زمرہ اہل کتاب تابعین میں داخل کر لیا گیا۔

۱۔ اس سے پہلے والے شخص نے غالباً اسی آیت پر پہنچ کر غصہ میں کتاب پھینک دی تھی۔ یہ آیت قرآن کی ہے لیکن اسی واقعہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ کتب قدیم میں اس آیت کی پیشین گوئی موجود تھی، نعیم نے دوسرے سے اسی لیے پڑھوایا کہ ان کے پڑھنے سے یہود کو شبہ ہوتا۔
۲۔ فہرست ابن ندیم۔ ص ۳۲۔

سیر الصحابہ (جلد ششم) ۴۵۰ اہل کتاب صحابہؓ و تابعینؓ (حصہ دوازدہم)

مگر اس کے بعد ایک دوسرا سوال کہ وہ عیسائی تھے یا یہودی باقی رہ جاتا ہے ان میں سے کسی ایک کی تصریح نظر سے کہیں نہیں گذری لیکن کتب تفسیر میں عام طور پر اور ابو نعیم نے حلیۃ الاولیاء میں خاص طور پر ان کے جو اقوال نقل کیے ہیں ان سے پتہ چلتا ہے کہ وہ عیسائی لٹرچر کے مقابلہ میں یہودی لٹرچر سے زیادہ واقف تھے نیز سیف بن ذی یزن یمنی یہودی سے ان کا عزیزانہ تعلق بھی تھا اس سے قیاس ہوتا ہے کہ وہ یہودی رہے ہوں گئے۔

اب اس مختصر تمہید کے بعد ان کے حالات لکھتے جاتے ہیں۔

نام و نسب : وہب^۱ نام، ابو عبد اللہ کنیت نسب نامہ یہ ہے وہب بن منبہ بن کامل بن مسیح ابن ذی کناز یمنی صنعانی ایک روایت یہ ہے کہ وہب بنی النسل تھے ان کے والد منبہ سری کے زمانہ میں جب اس نے سیف بن ذی یزن حمیری کی قیادت میں حبشہ پر مہم بھیجی تھی یمن آئے تھے اور پھر یہیں آباد ہو گئے اور عہد نبوی میں مشرف باسلام ہو گئے۔

پیدائش : ۳۳ھ میں پیدا ہوئے^۲۔

فضل و کمال : اسلامی علوم میں وہب کا کوئی خاص درجہ نہ تھا بلکہ جیسا کہ آگئے پل کر علوم ہوگا کہ بمقابلہ اس کے وہ دوسرے مذاہب کی کتابوں اور صحیفوں کے عالم تھے تاہم وہ اسلامی علوم سے بیگانہ نہ تھے تابعین میں ممتاز شخصیت کے مالک تھے علامہ نووی لکھتے ہیں کہ وہ جلیل القدر تابعی ہیں ان کی توثیق پر سب کا اتفاق ہے^۳۔

حدیث : حدیث میں متعدد صحابہ سے فیضیاب ہوئے تھے حضرت ابو ہریرہؓ جابر بن عبد اللہؓ عبد اللہ بن عباسؓ عبد اللہ بن عمرو بن العاصؓ ابوسعید خدریؓ انس بن مالکؓ اور نعمان ابن بشیرؓ سے ان کی روایت ملتی ہیں^۴۔ ان کے صاحبزادے عبد اللہ و عبد الرحمنؓ اور بھتیجے عبد الصمدؓ اور عقیلؓ اور عام لوگوں میں عمرو بن دینارؓ ساک بن فضلؓ اسرائیلؓ وغیرہ نے ان سے سماع حدیث کیا تھا^۵۔

فقہ : ان کے تفقہ کے سلسلہ میں صرف اس قدر معلوم ہے کہ حضرت عمر بن عبد العزیزؓ کے زمانہ میں صنعاء کے عہدہ قضاء پر مامور تھے^۶۔

غیر مذاہب کے صحیفوں کا علم : وہب دوسرے مذاہب کے صحیفوں کے بڑے مامور عالم تھے بلکہ اس بارے میں ان کی جماعت میں ان کا کوئی مقابل نہ تھا امام نووی لکھتے ہیں کہ وہ گذشتہ کتابوں

۱۔ یہ حالات زیادہ تر "تابعین" سے ماخوذ ہیں۔ ۲۔ تذکرۃ الحفاظ۔ جلد اول۔ ص ۸۸۔ ۳۔ تہذیب الاسماء۔ جلد اول۔ ص ۱۳۹۔ ۴۔ تہذیب التہذیب۔ جلد ۱۱۔ ص ۱۶۷۔ ۵۔ ایضاً۔ ۶۔ تذکرۃ الحفاظ۔ جلد ۱۱۔ ص ۸۵۔ ۷۔ تہذیب الاسماء۔ جلد اول۔ ص ۱۳۹۔

کے علم و معرفت میں مشہور ہیں۔ حافظ ذہبی لکھتے ہیں کہ وہ بڑے وسیع العلم تھے اور اپنے زمانہ میں کعب احبار کے نظیر مانے جاتے تھے۔ استفصا سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے بانوے الہامی کتابوں کا مطالعہ کیا تھا جن میں سے بعض ایسی تھیں جن کے متعلق لوگوں کو کم واقفیت ہے۔ اود بن قیس صنعانی کا بیان ہے کہ میں نے وہب سے سنا وہ کہتے تھے کہ میں نے بانوے آسمانی کتابیں پڑھیں جن میں سے ۲۷ بہتر کنیسوں میں اور لوگوں کے پاس موجود ہیں اور بائیس ۲۲ کتابوں کا علم بہت کم لوگوں کو ہے۔

ان تمام کتابوں میں یہ مضمون مشترک ہے کہ جو انسان مشیت کی نسبت اپنی طرف کرتا ہے وہ کافر ہے بعض روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ میں کتابیں ایسی پڑھی تھیں جو تیس نبیوں پر اتھ تھیں ان دونوں روایتوں میں کوئی تضاد نہیں ہے بلکہ دونوں صحیح ہیں میں کتابیں ایسی رہی ہوں گی جن کی حیثیت مستقل مصاحف کی ہوگی اور بقیہ مستقل کتابیں نہ رہی ہوں گی اس قدر مسلم ہے کہ وہ کتب ماضیہ کے سب سے بڑے عالم تھے اور قدیم صحیفوں کے مشہور اور نامور علماء کعب احبار اور عبد اللہ بن سلام دونوں کا مجموعی علم ان کی تنہا ذات میں جمع تھا۔

تصنیفات : عہد اسلام میں فن تاریخ پر سب سے پہلی کتاب حضرت معاویہؓ کے زمانہ میں اخبار الماضیین لکھی گئی اس کے بعد وہب بن منبہ کو یہ فخر حاصل ہے کہ انھوں نے اس فن میں ایک مفید کتاب ذکر الملوک لکھی یہ اس وقت ناپید ہے لیکن ساتویں صدی تک موجود تھی علامہ ابن خلکان نے اس کتاب کو دیکھا تھا انھوں نے لکھا ہے کہ اس میں یمن کے متعلق بہت مفید معلومات ہیں اور اس میں ملوک حمیر کے اخبار و انساب اور ان کے مقابر و اشعار کا تذکرہ تفصیل سے موجود ہے۔ (ابن خلکان ص ۱۸۶ ج ۲)

اس کتاب کے علاوہ صاحب کشف المظنون نے ان کی ایک کتاب کا تذکرہ کیا ہے کشف المظنون کی عبارت یہ ہے۔

”اول من صنف فی المغازی عروہ بن الزبیر و جمعہا ایضا وہب

بن منبہ۔“

”مغازی میں سب سے پہلے عروہ بن زبیر نے تصنیف کی اس کے بعد اس فن کو وہب

ابن منبہ نے جمع کیا۔“

اس کتاب کا ایک نسخہ ہیڈن برگ (جرمنی) میں موجود ہے اس نسخہ پر سنہ کتابت ۲۲۸ھ

درج ہے اور راوی کا نام محمد بن بکر عن ابی طلحہ عن عبد الحمیم عن ابیہ عن ابی الیاس عن وہب درج ہے۔

وہبؓ نے اپنی عادت کے مطابق اس میں بھی اسناد کا استعمال نہیں کیا ہے اس کتاب کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں انھوں نے کہیں اسرئلیات کو داخل نہیں کیا ہے (صحیح اسلام ج ۲ ص ۲۲۲) فضائل اخلاق: وہبؓ فطرۃ نہایت صالح تھے دینی کتابوں کے مطالعہ نے ان کو اور زیادہ حلیم اور عبادت گزار بنا دیا تھا وہ عابد شب زندہ ار تھے ساری ساری رات عبادت کرتے تھے کامل بیس سال تک انھوں نے عشاء کے وضو سے فجر کی نماز پڑھی طبیعت میں نرمی اس قدر تھی کہ کسی ذی روح کے لیے ان کی زبان سے گالی یا درشت کلمہ نہ نکلا۔

غیر معتبر روایات: لیکن کعب احبار کی طرح ان کی ذات بھی مسلمانوں میں غیر معتبر اسرئلیت کی اشاعت کا باعث ہوئی۔

حکیمانہ مقولے: حلیۃ الاولیاء میں وہب بن منہ کے بہت سے حکیمانہ اقوال درج ہیں ان میں سے چند یہاں نقل کیے جاتے ہیں فرمایا کہ بے عمل اور آوارہ آدمی حکماء میں نہیں ہو سکتا (ج ۳ ص ۲۷) فرمایا کہ حضرت لقمانؑ نے اپنے صاحبزادے کو نصیحت کی کہ اے نور چشم اہل ذکر اور اہل غفلت کی مثال نور اور ظلمت کی ہے یعنی اہل ذکر میں خدا کا نور ہوتا ہے اور اہل غفلت میں ظلمت ہوتی ہے۔

ایک بار نصیحت کرتے ہوئے فرمایا کہ ترازو کے پلڑوں کی طرح ہر چیز کے دو کنارے ہوتے ہیں اگر ایک کو پکڑو گئے تو دوسرا جھک جائے گا اس لیے چاہیے کہ وسط کو پکڑو تا کہ دونوں میں سے کوئی نہ جھکنے پائے یعنی ہر کام میں اعتدال ملحوظ رکھنا چاہیے۔ (ج ۳ ص ۲۵)

فرمایا ہر چیز ابتداء میں چھوٹی ہوتی ہے پھر آہستہ آہستہ بڑی ہو جاتی ہے لیکن مصیبت کا حال اس کے بالکل برعکس ہے وہ ابتداء میں بڑی ہوتی ہے پھر آہستہ آہستہ چھوٹی ہو جاتی ہے یعنی اس کا اثر گھٹ جاتا ہے۔ (ج ۳ ص ۶۳)

فرمایا جو شخص علم حاصل کرتا ہے اور اس پر عمل نہیں کرتا اس کی مثال اس طبیب کی سی ہے جس کے پاس دوا اور شفا کا سامان موجود ہے لیکن وہ انھیں استعمال نہیں کرتا۔ (ج ۳ ص ۷۱)

کسی نے ان سے دریافت کیا کہ ایک شخص نماز میں قیام کرتا ہے اور دوسرا سجدہ میں دونوں میں کون افضل ہے فرمایا جو اللہ تعالیٰ سے زیادہ تعلق اور محبت رکھتا ہو۔ (۱ ص ۲۲)

فرمایا منافق کی ایک پہچان یہ ہے کہ وہ تعریف کو پسند کرتا ہے اور تنقید کو نا پسند۔ (۲ ص ۴۱) فرمایا اگر کسی بچہ میں دو وصف موجود ہیں تو اس سے رشد و صلاح کی توقع ہے ایک حیا۔

دوسرے خوف۔ (۳ ص ۳۶)

سیر الصحابہ (جلد ششم) ۴۵۳ اہل کتاب صحابہؓ و تابعینؓ (حصہ دوازدہم)

ایک مرتبہ فرمایا کہ ہر چیز کی کوئی نہ کوئی علامت اور شناخت ہوتی ہے دین کی علامت تین چیزیں ہیں ایمان علم اور عمل پھر ایمان کی بھی تین علامتیں ہیں اللہ پر ملائکہ پر اور اس کے رسولوں اور اس کی کتابوں پر ایمان عمل کی بھی تین شناخت ہے نماز روزہ زکوٰۃ علم کی تین علامتیں یہ ہیں اللہ کا اور اس کی رضا اور عدم رضا کا علم تصنع اور تکلف کرنے والوں کی تین پہچان ہے جو اس سے اونچے ہوتے ہیں ان کا ہر چیز میں وہ مقابلہ کرتا ہے اور جو چیز اسے معلوم نہیں ہوتی اس کے بارے میں وہ اپنی معلومات کا اظہار کرتا ہے اور جو چیز اللہ نے اسے فطرۃً دی نہیں یا وہ پانہیں سکتا اس کے حصول کی کوشش کرتا ہے۔

منافق کی شناخت کی تین صورتیں ہیں جب وہ تنہا ہوتا ہے تو کسل مند ہوتا ہے اور جب اس کے یہاں کوئی جاتا ہے تو نشاط اور چستی کا اظہار کرتا ہے اور ہر کام میں تعریف کا خواہاں ہوتا ہے حاسد کے پہچاننے کی تین صورتیں ہیں جن سے وہ حسد کرتا ہے جب وہ غائب ہوتا ہے تو اس کی غیبت کرتا ہے اور جب وہ سامنے موجود ہوتا ہے تو اس کی خوشامد کرتا ہے اور مصیبت کے وقت گالی گفٹہ کرتا ہے سرف کی تین عادتیں ہوتی ہیں وہ اس چیز کو خریدتا ہے جو اس کے لائق اور اس کے لیے مفید نہیں ہے کھانا وہ کھاتا ہے جو اس کے لیے نہیں کپڑے وہ پہنتا ہے جو اس کے لیے نہیں ہیں یعنی ہر کام میں اپنا معیار بلند کرتا ہے۔ (۱-ص ۴۷)

ان اقوال میں انھوں نے مختصر طور سے اخلاق و عمل کے تمام پہلوؤں پر روشنی ڈال دی ہے اللہ ہمیں اس کی توفیق دے۔

وفات : ہشام بن عبد المالك کے عہد میں ۱۱۰ھ میں صنعاء میں وفات پائی۔
اولاد : کتب رجال میں اولاد کی کوئی تصریح نہیں ملتی لیکن ابن ندیم نے ان کے پر نواسے عبد المعنم کا ذکر کیا ہے جنھوں نے تاریخ کی ایک کتاب ”کتاب المبتدا“ کے نام سے تصنیف کی تھی اس سے معلوم ہوا کہ ان کے ایک صاحبزادی تھیں۔ (ص ۱۳۸)



”صحایات“

(۱) حضرت تمیمہؓ

نام و نسب : تمیمہ نام ہے۔ باپ کا نام وہب تھا۔ بنو قریظہ سے نسب تعلق تھا۔
اسلام : اسلام لانے کے متعلق کوئی تصریح نہیں مل سکی۔
شادی اور طلاق کا قصہ :

شادی حضرت رفاعہؓ (جن کا تذکرہ اوپر آچکا ہے) سے ہوئی تھی، مگر نباہ نہ ہو سکا۔ اسی لئے حضرت رفاعہؓ نے طلاق دے دیا اس کے بعد حضرت عبدالرحمن بن زبیر سے شادی ہوئی لیکن بعض وجوہ کی بنا پر عبدالرحمن بن زبیر سے بھی علیحدگی اختیار کرنا چاہی مگر حلالہ کے لیے مباشرت ضروری تھی اور وہ غالباً ممکن نہ تھی اس لیے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں آئیں اور عرض کی کہ علیحدگی کی اجازت مرحمت فرمائی جائے مگر اجازت نہیں ملی اور آنحضرت ﷺ کے عہد سعادت تک عبدالرحمن بن زبیر کے ساتھ رہیں حضرت ابوبکرؓ کے عہد خلافت ہی میں انھوں نے پھر حضرت ابوبکر سے علیحدگی کی اجازت چاہی لیکن آپ نے بھی اجازت نہیں دی حضرت عمرؓ خلیفہ ہوئے تو ان سے بھی اجازت چاہی حضرت عمرؓ نے بڑی سختی سے فرمایا کی اگر اب آؤ گی تو رجم کر دوں گا۔

آپ کی زندگی کا یہی واقعہ تمام ارباب رجال لکھتے ہیں، اس کے علاوہ اور حالات نہیں مل سکے۔
وفات : وفات کی تصریح نہیں ملی، لیکن اوپر کے واقعہ سے پتہ چلتا ہے کہ عہد فاروقی تک زندہ رہیں۔

فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدُ حَتَّى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ۔ (بقرہ۔ ۲۹)
پھر اگر مرد طلاق دے دے عورت کو تو پھر اس کے لئے حلال نہ رہے گی اس کے بعد یہاں تک کہ وہ اس کے سوا ایک اور خاوند کے ساتھ نکاح کرے۔

اس آیت کے اسباب نزول میں ایک سبب حضرت تمیمہؓ کا یہ واقعہ نکاح بھی تھا۔

۱۔ آپ کے نام میں بڑا اختلاف ہے اس کے علاوہ آپ کے حسب ذیل نام ہیں، سمیمہ، رمیمہ، امیمہ، عمیمہ، مگر زیادہ تر روایتوں میں عائشہ یا تمیمہ آیا ہے۔ اسد الغابہ۔ جلد ۲۔ ص ۱۸۱۔ ۲۔ اسد الغابہ ایضاً۔

(۲) حضرت خالدہؓ

نام و نسب : خالدہ یا خلدہ نام، باپ کا نام حارث، حضرت عبداللہ بن سلام کی چچی ہوتی تھیں۔
 اسلام : حضرت عبداللہ بن سلام فرماتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کی آمد کے منتظر تھے کہ ایک شخص نے آپ کی آمد کا مژدہ سنایا۔ میں بے تابی سے اٹھا۔ میری چچی خالدہ میرے پاس بیٹھی ہوئی تھیں۔ میری بے تابی دیکھ کر انہوں نے کہا کہ موسیٰ بن عمران کا اگر ظہور ہوتا تو کیا تمہیں اس سے زیادہ مسرت نہ ہوتی۔ حضرت عبداللہ بن سلام نے فرمایا، خدا کی قسم یہ تو نبوت میں موسیٰ کے ساتھی ہیں۔ دونوں کی بعثت کا مقصد ایک ہے۔ اس پر ان کی چچی نے تعجب سے کہا کہ کیا یہ وہی نبی تو نہیں ہیں جن کی بعثت کے ہم سب منتظر تھے، حضرت عبداللہ بن سلام نے انہیں اثبات میں جواب دیا، اور وہاں سے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں آنے اور اسلام کی دولت سے بہرہ اندوز ہوئے اور پھر گھر آ کر گھر کے سارے افراد کو جن میں حضرت خالدہؓ بھی شامل تھیں اس سے بہرہ اندوز کیا۔
 زندگی کے دوسرے کارنامے اور وفات وغیرہ کے متعلق کوئی تصریح نہیں مل سکی۔

(۳) حضرت ریحانہؓ

نام و نسب : ریحانہ نام، باپ کا نام شمعون یا زید تھا۔ باختلاف روایت سلسلہ نسب یہ ہے ریحانہ بنت شمعون بنت زید، بعض روایتوں میں ریحانہ بنت زید بن عمر بن جثافہ بن شمعون ابن زید ہے۔ قبیلہ بنو قریظہ سے تھیں۔

نکاح : پہلے بنو قریظہ کے ایک شخص حکم سے نکاح ہوا تھا غزوہ بنو قریظہ کے دن دوسرے یہودیوں کے ساتھ حکم بھی قتل کر دیا گیا۔ اس روز جو عورتیں اور بچے اسیر ہو کر آتے تھے، ان ہی میں حضرت ریحانہؓ بھی تھیں۔

۱۔ میرے خیال میں ریحانہ بنت شمعون ہی آپ کا صحیح سلسلہ نسب ہے اس لئے کہ ان کے والد شمار صحابہ میں ہے حافظ ابن عبد البر نے استیعاب میں آپ کا سلسلہ نسب شمعون بن زید لکھنے کے بعد لکھا ہے کہ یہ حضرت ریحانہ کے والد تھے اسی لئے جس سلسلہ میں شمعون کا نام کئی ناموں کے بعد ہے وہ صحیح نہیں ہے۔
 ۲۔ بعض لوگوں نے لکھا ہے کہ بنو نضیر سے تھیں، لیکن یہ صحیح نہیں ہے جیسا کہ حضرت شمعونؓ کے حالات میں تفصیل آچکی ہے۔ حافظ ابن عبد البر نے شمعون کے حالات میں لکھا ہے کہ وہ قرظی تھے اور انصار خزرج کے حلیف تھے۔ اس لئے ہو سکتا ہے کہ اسی طرح بنو نضیر سے بھی ان کے عزیزانہ تعلقات رہے ہوں۔

سیر الصحابہ (جلد ششم) ۲۵۷ اہل کتاب صحابہ و تابعین (حصہ دوم)

آحضرت ﷺ نے انہیں بڑی احتیاط کے ساتھ امام المذہب قیس کے گھر میں ٹھہرایا۔
اسلام : ان سے فرمایا تمہیں اختیار ہے چاہے اسلام قبول کر لیا اپنے مذہب (یہودیت) پر قائم رہو۔ انہوں نے اپنے قدیم دین پر رہنا پسند کیا۔ لیکن آنحضرت ﷺ کو ان کے اسلام نہ لانے کا بڑا رنج ہوا، اور دوبارہ فرمایا، اگر تم اسلام قبول کر لو تو میں تمہیں اپنے پاس رکھوں گا، لیکن انہوں نے پھر انکار کیا۔ یہ مزاج اقدس پر اور زیادہ گراں گزرا، خاموشی اختیار فرمائی گئی۔ ایک دن آپ مجلس میں تشریف فرما تھے کہ یکا یک ایک شخص کے پیر کی چاپ سنائی دی، آپ نے فرط مسرت سے تمام حاضرین سے فرمایا کہ یہ ثعلبہ بن سعید ہیں، جو یہ خانہ کے اسلام لانے کی خوشخبری لے کر آ رہے ہیں۔^۱

دوسری روایت یہ ہے کہ آپ نے ان سے فرمایا اگر تم اللہ اور رسول (اسلام) کو اختیار کرتی ہو تو میں تمہیں اپنے لئے خاص کر لوں گا، اس پر حضرت ریحانہ نے کہا ہاں میں اللہ اور اس کے رسول کو اختیار کرتی ہوں۔^۲

ہو سکتا ہے کہ ابتداء میں انہوں نے اسلام قبول کرنا اپنی قدیم دینی اور قومی حمیت کے خلاف سمجھا ہو، اور بعد میں جب اس کی خوبیوں سے واقف ہو گئیں تو قبول کر لیا ہو۔

قبول اسلام کے بعد آنحضرت ﷺ نے انہیں اپنی ملک میں رکھا اور بعض روایتوں کے مطابق آپ نے انہیں آزاد کر کے اپنے حوالہ عقد میں لے لیا اور وہ ازواج مطہرات میں داخل ہوئیں۔^۳
ابن سعد اور حافظ ابن حجر نے انہیں ازواج مطہرات میں اور اکثر اہل سیر اور اہل رجال نے انہیں سراری میں شمار کیا ہے لیکن ابن اسحاق کی ایک روایت سے صاف پتہ چلتا ہے کہ آپ نے ان سے نکاح نہیں کیا تھا بلکہ انہیں یہ اختیار بخشا تھا کہ اگر وہ چاہیں تو آپ ان سے نکاح فرمائیں اور انہیں ازواج مطہرات میں شامل کر لیں۔ لیکن انہوں نے فرمایا کہ یا رسول اللہ! اگر آپ اپنی ملک ہی میں رکھیں تو میرے اور آپ دونوں کے لئے آسانی ہو چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے انہیں اپنی ملک ہی میں رکھا۔ (اصابہ جلد ۲، ص ۲۰۹)
وفات : آنحضرت ﷺ کے دنیا سے تشریف لے جانے سے چند مہینے پہلے ہی اس دار فانی کو چھوڑ کر دار بقاء میں پہنچ گئیں۔^۴

۱۔ ابن سعد۔ ۲۔ ابن سعد۔ جلد ۸، ص ۹۳۔ ان کے اسلام کے سلسلہ میں پہلی روایت زیادہ صحیح معلوم ہوتی ہے۔ اس لئے کہ ثعلبہ بن سعید کے ذکر میں تمام اہل رجال نے اس روایت کا ذکر کیا ہے۔ ۳۔ ابن سعد ایضاً۔ ۴۔ بعض روایتوں میں ہے کہ آپ کی وفات سے چھ مہینے پہلے آپ کا انتقال ہوا اور بعض روایتوں میں ہے کہ آپ نے حجۃ الوداع سے واپس آنے کے بعد آپ کی وفات ہوئی (اصابہ جلد ۲، ص ۳۰۹)۔ ۵۔ بعض روایتوں میں ہے کہ آپ کی وفات کے چھ مہینے پہلے آپ کا انتقال ہوا۔ اور بعض روایتوں میں ہے کہ آپ نے حجۃ الوداع سے واپس آنے کے بعد آپ کی وفات ہوئی۔ (اصابہ جلد ۲، ص ۳۰۹)

سیرت ابن سعد (جلد ششم) ۲۵۸ اہل کتاب سنا بنو تاملین (حصہ دوم)

تدفین : جدہ البقیع میں سپرد خاک کی گئیں۔

حلیہ : خدا تعالیٰ نے حسن صورت اور حسن سیرت دونوں سے نوازا تھا۔

قیام کاہ : ابتداء میں ام المندر کے مکان میں ٹھرائی گئیں۔ اس کے بعد غالباً دار قیس بن فہد مستقل قیام کاہ رہی۔ اور وہیں وفات پائی۔

فضائل : آنحضرت ﷺ کو ان سے بڑی صحبت تھی، جب وہ کوئی فرمائش کرتی تھیں تو آپ ﷺ پوری کرتے تھے، ابن سعد میں ہے کہ ازواج مطہرات کی طرح ان کی بھی باری کا دن مقرر تھا اور بپا رہتی تھیں۔

(۴) حضرت سفانہؓ

نام و نسب : سفانہ نام، حضرت عدی بن حاتم مشہور صحابی کی بہن تھیں اوپر آپ پڑھ چکے ہیں کہ اب اسلام اسلامی لشکر قبیلہ طے میں پہنچا تو اس وقت حضرت عدی قبیلہ کے سردار تھے وہ اپنے اہل و عیال کو لے کر اپنی عیسائی برادری کے پاس شام چلے گئے۔ لیکن اتفاق سے سفانہ چھوٹ گئیں اور وہ مسلمان کے ہاتھ گئیں، امام قیدیوں کے ساتھ وہ مدینہ لائی گئیں، اور ایک خاص مقام پر رکھیں گئیں، آنحضرت ﷺ کا ادھر سے گذر ہوا تو سفانہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! میرے والد کا انتقال ہو چکا ہے اور ان کے علاوہ جو چیز انے والے ہے وہ اس وقت موجود نہیں ہے۔ مجھ پر احسان کیجئے، خدا آپ پر احسان کرے گا، جعفر رضی اللہ عنہ نے پوچھا چھڑانے والا کون۔ عرض کیا عدی بن حاتم، فرمایا وہی تو نہیں جس نے خدا اور رسول ﷺ سے فرار اختیار کر لیا۔ دوسرے دن پھر آپ کا گذر ہوا، اسیر خاتون نے پھر وہی درخواست کی اور پھر وہی جواب ملا۔ تیسری مرتبہ انہوں نے حضرت علیؓ کے مشورہ سے درخواست کی۔ اس مرتبہ قبول ہوئی اور رہا کر دی گئیں۔

لیکن چونکہ بڑے گھر کی عورت تھیں اس لئے ان کے رتبہ اور اعزاز کے پیش نظر ارشاد ہوا کہ ابھی جانے میں جلدی نہ کرو جب تمہارے قبیلہ کا کوئی معتبر آدمی مل جائے تو مجھے خبر کرو، چند دنوں کے بعد قبیلہ بلی اور قضاعہ کے کچھ لوگ ملے۔ سفانہ نے آنحضرت ﷺ کو اطلاع دی۔ آپ نے ان سے شایان شان سواری لباس اور اخراجات سفر کا انتظام کر کے بحفاظت تمام ان کو روانہ کر دیا۔ یہاں

سیر الصحابہؓ (جلد ششم) ۴۵۹ اہل کتاب صحابہؓ و تابعینؓ (حصہ دوازدہم)

سے یہ براہ راست عدی کے پاس شام پہنچیں اور ان کو بہت ملامت کی کہ تم سے زیادہ قاطع رحم کون ہوگا اپنے اہل و عیال کو تو لے آئے اور مجھ کو تنہا چھوڑ دیا۔ عدی نے ندامت اور شرمساری کے ساتھ اپنی غلطی کا اعتراف کیا، اور چند دنوں کے بعد عدی نے ان سے پوچھا کہ تم ہوشیار اور عاقلہ ہو، تم نے اس شخص (آنحضرت ﷺ) کے متعلق کیا رائے قائم کی۔ انہوں نے کہا کہ میری یہ رائے ہے کہ جس قدر جلد ممکن ہو ان سے ملو، اگر وہ نبی ہیں تو ان سے ملنے میں سبقت کرنا شرف و سعادت ہے اور اگر بادشاہ ہے تو بھی یمن کا ایک باعزت فرمانروا ان کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔

اسلام : اس کے بارے میں صاحب اصابہ لکھتے ہیں۔

”وكانت اسلمت واحنت اسلامها“۔

”وہ اسلام لائیں اور حسن و خوبی سے اسے نباہا۔“

وفات اور زندگی کے دوسرے حالات معلوم نہیں ہو سکے۔

(۵) حضرت سیرینؓ

حضرت سیرینؓ اور ماریہ قبطیہ بہنیں نہیں تھیں۔ ان کو متقوس شاہ مصر نے بارگاہ رسالت میں ہدیہ بھیجا تھا، حضرت ماریہؓ تو حرم نبوی میں داخل ہوئیں اور حضرت سیرینؓ ”حضرت حسان مشہور صحابی و شاعر کے حوالہ عقد میں آئیں جن کے لطن سے حضرت عبدالرحمن بن حسان پیدا ہوئے۔ حضرت سیرینؓ بڑی صابر اور شاکر تھیں۔ جب آنحضرت ﷺ کے صاحبزادے حضرت ابراہیم کا جو حضرت ماریہؓ کے لطن سے تھے۔ انتقال ہوا تو حضرت ماریہؓ سخت جگر کی جدائی سے بے قابو ہو کر رونے لگیں۔ حضرت سیرینؓ ”کو اگر چہ اپنی محبوب بہن کے بچے کے مرنے کا غم کم نہ تھا۔ لیکن انہوں نے اپنے جذبات پر قابو رکھا اور حضرت ماریہؓ کو سمجھاتی رہیں۔“

حضرت ملیہؓ اور حضرت سیرینؓ کے متعلق اگرچہ جلیل اور سیر کی کتابوں میں اس کی تصریح نہیں ملتی کہ وہ عیسائی تھیں لیکن بعض قرآن کی بنا پر انہیں اہل کتاب صحابیات کے زمرہ میں لے لیا گیا ہے۔

پہلا قرینہ یہ ہے وہ قبطی تھیں، اور معلوم ہے کہ مصر کے قبطی عموماً عیسائی تھے۔ چنانچہ زرقانی نے حضرت ماریہؓ کے حالات میں قبطی کے لفظ کی تشریح کرتے ہوئے لکھا ہے۔

”نسبة الى القبط ای نصاریٰ مصر“ (قبطی مصر کے عیسائی تھے)

دوسرا یہ کہ ان کے ساتھ ایک بھائی مایور بھی آئے تھے ارباب سیر و رجال لکھتے ہیں کہ بہنوں نے تو اسلام قبول کر لیا۔ لیکن یہ اس وقت اپنے قدیم دین پر قائم رہے اور کچھ دن کے توقف کے بعد مسلمان ہوئے۔ ہمارا خیال ہے کہ دین سے نصرانیت ہی کی طرف اشارہ ہوگا۔

مایور کا ذکر پہلے آچکا ہے۔

(۵) حضرت صفیہؓ

نام و نسب : اصلی نام زینب تھا۔ لیکن چونکہ وہ جنگ خیبر میں خاص آنحضرت ﷺ کے حصہ میں آئی تھیں۔ اور عرب میں مال غنیمت کے ایسے حصے کو جو امام یا بادشاہ کے لئے مخصوص ہوتا تھا۔ صفیہ کہتے تھے۔ اس لئے وہ بھی صفیہ کے نام سے مشہور ہو گئیں۔ یہ زرقانی کی روایت ہے۔

حضرت صفیہؓ کو باپ اور ماں دونوں کی جانب سے سیادت حاصل تھی باپ کا نام حبی بن اخطب تھا جو قبیلہ بنو نضیر کا سردار تھا اور ہارن علیہ اسلام کی نسل میں شمار ہوتا تھا ماں جس کا نام ضرہ تھا سہول رئیس قریظہ کی بیٹی تھی اور یہ دونوں خاندان (قریظہ اور نضیر) بنو اسرئیل کے اُن تمام قبائل سے ممتاز سمجھے جاتے تھے جنہوں نے زمانہ دراز سے عرب کے شمالی حصوں میں سکونت اختیار کر لی تھی۔

نکاح : حضرت صفیہؓ کی شادی پہلے سلام بن مشکم القرظی سے ہوئی تھی سلام نے طلاق دی تو کنانہ بن ابی الحقیق کے نکاح میں آئیں جو ابورافع تاجر حجاز اور رئیس خیبر کا بھتیجا تھا کنانہ جنگ خیبر میں قتل ہوا۔ حضرت صفیہؓ کے باپ اور بھائی بھی کام آئے اور خود بھی گرفتار ہوئے۔ جب خیبر کے تمام قیدی جمع کئے گئے تو دجیہ کلبیؓ نے آنحضرت ﷺ سے ایک لونڈی کی درخواست کی۔ آنحضرت ﷺ نے انتخاب کرنے کی اجازت دے دی۔ انہوں نے حضرت صفیہؓ کو منتخب کیا۔ لیکن ایک صحابی نے آپ کی خدمت میں آ کر عرض کیا کہ آپ نے رئیسہ بنو نضیر و قریظہ کو دجیہ کو دے دیا۔ وہ تو صرف آپ کے لئے سزاوار ہے مقصود یہ تھا کہ رئیسہ عرب کے ساتھ عام عورتوں کا سا برتاؤ ٹھیک نہیں۔ چنانچہ حضرت دجیہؓ کو آپ نے دوسری لونڈی عنایت فرمائی اور صفیہؓ کو آزاد کر کے خود نکاح کر لیا۔ خیبر سے روانہ ہوئے تو مقام صہبا میں رسم عروسی ادا کی۔ اور جو کچھ سامان لوگوں کے پاس تھا اس کو جمع کر کے دعوت

۱۔ ان کے حالات کی قدر اضافے کے ساتھ حرف بحرف سیر الصحابیات از لیشن اول مؤلفہ مولانا سعید انصاری سابق رفق دار المصنفین سے منقول ہیں۔ ۲۔ صحیح بخاری کتاب الصلوٰۃ باب ما یذکر فی الفخذ صحیح مسلم۔ جلد ۱۔ ص ۵۴۶۔

سیر الصحابہؓ (جلد ششم) ۳۶۱ اہل کتاب صحابہؓ و تابعینؓ (حصہ دوم از دہم)

ولیمہ فرمائی۔ وہاں سے روانہ ہوئے تو آپؐ نے ان کو خود اپنے لونٹ پر سوار کر لیا۔ اور اپنی عبا سے ان پر پردہ کیا۔ مدینہ پہنچے کر آپؐ نے حضرت صفیہؓ کو حارث بن نعمان کے مکان پر اتارا۔ جب ازواج مطہرات کو ان کی آمد کی اطلاع ملی تو حضرت عائشہؓ، حضرت زینبؓ، حضرت حفصہؓ وغیرہ انصار کی چند عورتوں کے ساتھ ان کو دیکھنے آئیں۔ حضرت عائشہؓ جب دیکھ کر واپس ہوئیں تو آنحضرت ﷺ نے ان سے پوچھا ”کیف رایتہا یا عائشہ“ عائشہؓ نے ان کو کیسا پایا۔ حضرت عائشہؓ بولیں ”یہودیہ ہے“ فرمایا، یہ نہ کہو، وہ تو مسلمان ہو گئی ہیں اور ان کا اسلام بہتر ہے۔

عام حالات: حضرت صفیہؓ کے مشہور واقعات میں حج کا سفر ہے جو انہوں نے ۳ھ میں آنحضرت ﷺ کے ساتھ کیا تھا۔

حضرت عثمانؓ کے لیام محاصرہ میں جو ۳۵ھ میں ہوا تھا۔ حضرت صفیہؓ نے ان کی بے حد مدد کی تھی۔ جب حضرت عثمانؓ پر ضروریات زندگی مسدود کر دی گئی اور ان کے مکان پر پہرہ بٹھا دیا گیا تو وہ خود خچر پر سوار ہو کر ان کے مکان کی طرف چلیں۔ غلام ساتھ تھا۔ اشتر کی نظر پڑی تو انہوں نے آ کر خچر کو مارنا شروع کیا۔ حضرت صفیہؓ نے کہا کہ مجھ کو ذلیل ہونے کی ضرورت نہیں۔ میں واپس جاتی ہوں۔ تم خچر کو چھوڑ دو گھر واپس آئیں تو حضرت امام حسن علیہ السلام کو اس خدمت پر مامور کیا۔ وہ ان کے مکان سے حضرت عثمانؓ کے پاس کھانا اور پانی لے جاتے تھے۔

وفات: حضرت صفیہؓ نے رمضان ۵۵ھ میں وفات پائی اور حینہ البقیع میں دفن ہوئیں اس وقت ان کی عمر ۶۷ سال کی تھی۔ ایک لاکھ تر کہ چھوڑا اور ایک ٹکٹ کی اپنے ایک یہودی بھانجے کے لئے وصیت کر گئیں۔

حلیہ: کوتاہ قامت اور حسین تھیں۔

فضل و کمال: حضرت صفیہؓ سے چند حدیثیں مروی ہیں جن کو امام زین العابدین رضی اللہ عنہ اسحاق بن عبد اللہ بن عارث، مسلم، صفوان، کنانہ اور یزید بن معتب، صہیرہ بنت جعفر وغیرہ نے روایت کیا ہے۔

دیگر ازواج کی طرح حضرت صفیہؓ بھی اپنے زمانہ میں علم کا مرکز تھیں۔ چنانچہ جب صہیرہ بنت جعفر حج کر کے حضرت صفیہؓ کے پاس مدینہ آئیں تو کوفہ کی بہت سی عورتیں مسائل دریافت

سیر الصحابہ (جلد ششم) ۳۶۳ اہل کتاب صحابہ و تابعین (حصہ دوازدہم)

کرنے کی غرض سے بیٹھی ہوئی تھیں۔ صہبرہ کا بھی یہی مقصد تھا۔ اس لئے انہوں نے کوفہ کی عورتوں سے سوال کرائے ایک فتویٰ نیند کے متعلق تھا۔ حضرت صفیہؓ نے سنا تو بولیں۔ اہل عراق اس مسئلہ کو اکثر پوچھتے ہیں۔

اخلاق : حضرت صفیہؓ میں بہت سے محاسن اخلاق جمع تھے اسد الغابہ میں ہے۔

”کانت عاقلہ من عقلاء النساء“۔ یعنی ”وہ نہایت عاقلہ تھیں۔“

زرقاتی میں ہے۔

”کانت صفیة عاقلہ حلیمہ فاضلہ“۔ یعنی ”صفیہ عاقل، فاضل اور حلیم تھیں۔“

علم و تحمل ان کے باب فضائل کا نہایت جلی عنوان ہے۔ غزوہ خیبر میں جب وہ اپنی بہن کے ساتھ گرفتار ہو کر آ رہی تھیں۔ تو ان کی بہن یہودیوں کی لاشوں کو دیکھ کر چیخ اٹھتی تھی، حضرت صفیہؓ نے اپنے محبوب شوہر کی لاش سے قریب ہو کر گزریں لیکن اب بھی اس طرح پیکر متانت تھیں۔ اور ان کی جبین تحمل پر کسی قسم کی شکن نہیں آئی۔

ایک مرتبہ حضرت حفصہؓ نے ان کو یہودیہ کہا ان کو معلوم ہوا تو رونے لگیں۔

حضرت صفیہؓ کے پاس ایک کنیز تھی، جو حضرت عمرؓ کے پاس جا کر ان کی شکایت کیا کرتی تھیں۔ چنانچہ ایک دن کہا کہ ان میں یہودیت کا اثر آج تک باقی ہے۔ تصدیق کے لئے ایک شخص کو بھیجا۔ حضرت صفیہؓ نے جواب دیا کہ یوم السبت کو اچھا سمجھنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ اس کے بدلے میں خدا نے ہم کو جمعہ کا دن عنایت فرمایا ہے۔ البتہ میں یہود کے ساتھ صلہ رحمی کرتی ہوں۔ وہ میرے خویش اور اقارب ہیں۔ اس کے بعد لونڈی کو بلا کر پوچھا کہ تو نے میری شکایت کی تھی؟ بولی ”ہاں مجھ کو شیطان نے بہکا دیا تھا۔“ حضرت صفیہؓ خاموش ہو گئیں اور اس کو آزاد کر دیا۔

حضرت صفیہؓ کو آنحضرت ﷺ سے نہایت محبت تھی۔ چنانچہ جب آپ علیل ہوئے تو نہایت حسرت سے بولیں ”کاش، آپ کی بیماری مجھ کو ہو جاتی۔“ ازواج نے ان کی طرف دیکھنا شروع کیا تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔ ”یہ سچ کہہ رہی ہے“۔ یعنی اس میں تصنع کا شائبہ نہیں ہے۔

آنحضرت ﷺ ایک مرتبہ کسی بات پر کبیدہ خاطر ہو گئے یہ حضرت عائشہؓ کے پاس آئیں اور ان سے کہا کہ میں آپ کو آج کی اپنی باری جو میرے نزدیک سب سے محبوب چیز ہے، دیتی ہوں۔

آپ ﷺ کو راضی کر دیں۔ حضرت عائشہؓ جب آنحضرت ﷺ کے پاس آئیں تو آپ نے فرمایا کہ یہ تمہاری باری کا دن نہیں ہے حضرت عائشہؓ نے فرمایا ”یہ اللہ کا فضل ہے جسے چاہے دے“۔ اس کے بعد واقعہ بیان کیا۔ آنحضرت ﷺ یہ سن کر حضرت صفیہؓ سے راضی ہو گئے۔

آنحضرت ﷺ کو بھی ان کے ساتھ نہایت محبت تھی اور ہر موقع پر ان کی دلجوئی فرماتے تھے۔ ایک بار آپ سفر میں تھے۔ ازواج مطہرات بھی ساتھ تھیں۔ حضرت صفیہؓ کا اونٹ سوء اتفاق سے بیمار ہو گیا۔ حضرت زینبؓ کے پاس ضرورت سے زیادہ اونٹ تھے۔ آپ نے ان سے کہا کہ ایک اونٹ عقیقہ کو دے دو۔ انہوں نے کہا میں اس یہودیہ کو اپنا اونٹ دوں؟ اس پر آنحضرت ﷺ ان سے اس قدر ناراض ہوئے کہ دو مہینے تک ان کے پاس نہ گئے۔

ایک مرتبہ حضرت عائشہؓ نے ان کے قد و قامت کی نسبت چند جملے کہے، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم نے یہ ایسی بات کہی کہ اگر سمندر میں چھوڑ دی جائے تو اس میں ٹل جائے۔ (یعنی سمندر کو بھی گدلا کر سکتی ہے)۔

ایک بار آپ حضرت صفیہؓ کے پاس تشریف لے گئے۔ دیکھا کہ رو رہی ہیں۔ آپ نے رونے کا سبب پوچھا۔ انہوں نے کہا کہ ”عائشہ اور زینب کہتی ہیں کہ ہم تمام ازواج میں افضل ہیں۔ ہم آپ کی زوجہ ہونے کے ساتھ آپ کی چچا زاد بہن بھی ہیں۔“ آپ نے فرمایا ”تم نے یہ کیوں نہ کہہ دیا کہ ہارون میرے باپ، موسیٰ میرے چچا اور محمد (ﷺ) میرے شوہر ہیں۔ اس لئے تم لوگ کیونکر مجھ سے افضل ہو سکتی ہو۔“

سفر حج میں حضرت صفیہؓ کا اونٹ بیٹھ گیا تھا۔ اور وہ سب سے پیچھے رہ گئی تھیں۔ آنحضرت ﷺ ادھر سے گذرے تو دیکھا کہ زار و قطار رو رہی ہیں۔ آپ نے ردا اور دست مبارک سے ان کے آنسو پونچھے آپ آنسو پونچھتے جاتے تھے او وہ بے اختیار روتی جاتی تھیں۔ آخر کار آپ نے تمام قافلہ کو رک جانے کا حکم دیا۔

حضرت صفیہؓ شیر چشم اور فیاض واقع ہوئی تھیں۔ چنانچہ جب وہ ام المومنین بن کر مدینہ میں آئیں تو حضرت فاطمہؓ اور ازواج مطہرات کو اپنی سونے کی بجلیاں تقسیم کیں۔

۳۔ ابوداؤد۔ جلد ۲۔ ص ۱۹۳

۴۔ اصبا۔ جلد ۸۔ ص ۱۲۶ بحوالہ ابن سعد

۱۔ مسند۔ جلد ۶۔ ص ۱۳۵

۶۔ مسند۔ جلد ۶۔ ص ۳۳۶

۵۔ زرقانی۔ جلد ۳۔ ص ۲۹۶

۲۔ صحیح ترمذی۔ ص ۶۳۹

۷۔ زرقانی۔ جلد ۳۔ ص ۲۹۶

کھانا نہایت عمدہ پکاتی تھیں۔ اور آنحضرت ﷺ کے پاس تحفہ بھیجا کرتی تھیں۔ حضرت عائشہؓ کے گھر میں آنحضرت ﷺ کے پاس انھوں نے پیالہ میں جو کھانا بھیجا تھا اس کا ذکر بخاری اور نسائی وغیرہ میں آیا ہے۔

(۷) حضرت ماریہ قبطیہؓ

نام و نسب : ماریہ نام، ام ابراہیم کنیت۔ قبطیہ^۱۔ ان کی قومی نسبت تھی۔ مصر کے ایک ضلع انصایا انص کا ایک گاؤں حفن ان کا آبائی وطن تھا۔

خدمت نبوی میں آمد : ﷺ میں رسول اللہ ﷺ نے دعوت اسلام کے لئے شاہان وقت کو جو خطوط لکھے تھے۔ ان میں ایک خط مقوقس عزیز مصر کے نام بھی تھا۔ جس کو حضرت حاطبؓ ابن بلتعہ لے کر مصر گئے تھے۔ مقوقس نے اسلام قبول نہیں کیا۔ لیکن حضور ﷺ کے پیام اور پیامبر کی بڑی پذیرائی کی اور قیمتی ساز و سامان کے علاوہ دو لڑکیاں جن کے ساتھ ان کے بھائی مابور بھی تھے۔ خدمت نبوی ﷺ میں تحفہ بھیجیں^۲۔ ان لڑکیوں میں ایک تو سیرین^۳ تھی۔ جن کا ابھی ذکر آچکا ہے دوسری یہی حضرت ماریہ قبطیہؓ تھیں۔

اسلام : حضرت ماریہ مصر سے حضرت حاطبؓ کے ساتھ آئی تھیں۔ اس لئے وہ ان سے بہت زیادہ مانوس ہو گئی تھی۔ حضرت حاطب نے اس انس سے فائدہ اٹھا کر ان کے سامنے اسلام پیش کیا۔ حضرت ماریہؓ اور ان کی بہن حضرت سیرینؓ نے تو اسلام قبول کر لیا۔ لیکن ان کے بھائی مابور اپنے قدیم دین عیسائیت پر قائم رہے۔

قیام گاہ : حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ ماریہ کو پہلے ہمارے پڑوس میں حارثہ بن نعمانؓ کے مکان پر ٹھہرایا گیا اور ہم لوگ برابر ماریہ کے پاس آیا جایا کرتے تھے۔ لیکن جب آنحضرت ﷺ کی آمد و رفت ان کے پاس زیادہ ہونے لگی۔ تو ہم لوگوں نے ان کے پاس آنا جانا کم کر دیا (کہ آنحضرت ﷺ کے سکون میں فرق نہ آئے)۔ وہ تنہائی کی وجہ سے گھبرانے لگیں، تو آنحضرت ﷺ نے انھیں مقام العالیہ میں جو اس وقت مشربہ ام ابراہیم کے نام سے مشہور ہے منتقل کر دیا^۴۔

۱۔ حضرت ماریہؓ کے ساتھ قبطی کی نسبت ہی اگرچہ ان کی عیسائیت کی دلیل کے لئے کافی ہے۔ لیکن میں نے اسی پر اکتفا نہیں کیا، بلکہ صاحب زرقانی کی تصریح اور بعض دوسرے قرآن کی بناء پر ان کو اس فہرست میں داخل کیا ہے۔ سیرین کے حالات میں اس کی تصریح آچکی ہے۔ ۲۔ اصحابہ۔ جلد ۴۔ ۳۰۵۔ ۳۔ فتح الباری۔ جلد ۸۔ ص ۵۱۳

سیر الصحابہ (جلد ششم) ۴۶۵ اہل کتاب صحابہ و تابعین (حصہ دوازدہم)

۹۔ میں ایلا کا واقعہ پیش آیا۔ جس سے حضرت ماریہؓ کا خاص تعلق ہے۔ اس کی تفصیل آخر میں آئے گی۔

عہد صدیقی و فاروقی : حضرت ماریہؓ "گوازر ج مطہرات میں نہیں تھیں، لیکن رحمت عالم ﷺ کے ساتھ ازواج مطہرات ہی کے ایسا سلوک کرتے تھے۔ آپ کے بعد حضرت ابوبکرؓ نے بھی ان کے اعزاز و احترام کو باقی رکھا اور ہمیشہ ان کے نان نفقہ کا خیال کرتے رہے۔ حضرت صدیقؓ کے بعد حضرت فاروقؓ نے بھی ان کے ساتھ یہی سلوک مرعی رکھا۔

وفات : حضرت عمرؓ ہی کے زمانہ خلافت میں محرم ۱۶ھ میں داعی اجل کو لبیک کہا۔

تدفین : حضرت عمرؓ گوان کی وفات کی اطلاع ہوئی تو انھوں نے خود تمام اہل مدینہ کو جمع کیا اور ان کے جنازہ کی نماز پڑھائی مدینہ کے عام قبرستان بقیع میں سپرد خاک کی گئیں۔

اولاد : آنحضرت ﷺ کی جتنی اولادیں ہوئیں وہ سب حضرت خدیجہؓ کے لطن سے ہوئیں ان کے بعد صرف حضرت ماریہؓ کو یہ شرف حاصل ہوا کہ ان کے لطن سے حضرت ابراہیم پیدا ہوئے اور عایا ۱۸ ماہ زندہ رہ کر داغ مفارقت دے گئے۔ آنحضرت ﷺ کو ان کی وفات کا بحد غم ہوا تھا۔

حلیہ : قدرت نے حسن باطن کے ساتھ ساتھ حسن ظاہر سے بھی نوازا تھا بال نہایت گھنے اور خوب صورت تھے حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ مجھے جتنا رشک ان پر آتا تھا کسی دوسرے پر نہیں۔
رقت قلب : نہایت رقیق القلب تھیں حضرت ابراہیمؓ کا جب انتقال ہوا تو رقت قلب کی وجہ سے ان کو اپنے اوپر قابو نہیں رہا اور بے اختیار رونے لگیں۔

فضائل : رسول اللہ ﷺ کو حضرت ماریہؓ سے بحد محبت تھی اور اس وجہ سے ان کے پاس آپ کی آمد رفت بہت زیادہ رہتی تھی گودہ کنیز ۵ تھیں۔ لیکن ازواج کی طرح ان کو بھی آپ نے پردے میں رہنے کا حکم دیا تھا۔ ان کے فضل کے لئے آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد مبارک کافی ہے : کہ

"استوصو بالقبط فان لهم ذمۃ ورحمۃ ورحمہم ان ام اسمعیل بن ابراہیم

وامہ ابرہیم بن النبی منہم" - (ابن سعد۔ جلد ۸۔ ص ۱۵۴)

۱۔ ابن سعد۔ جلد ۸۔ ص ۱۵۶۔ بعض روایتوں میں ہے کہ آنحضرت ﷺ کی وفات کے ۵ برس بعد ان کی وفات ہوئی۔ اس حساب سے ان کی وفات ۱۵ھ میں ہوئی۔ لیکن دونوں روایتوں میں کوئی تضاد نہیں ہے۔ اس لئے کہ ۱۶ھ کے پہلے مہینے میں ان کی وفات ہوئی ہے۔ اس لئے ۵ برس کا عین غلط نہیں ہے۔ ۲۔ اصابہ ۳۔ ابن سعد۔ جلد ۸۔ ص ۱۵۴ ۴۔ ایضاً۔ ص ۱۵۵ ۵۔ جاریات یعنی کنیزوں کے لئے پردہ کی ضرورت نہیں ۶۔ اصابہ وابن سعد

”قبیلوں کے (مصر کے عیسائی) ساتھ حسن سلوک کرو، اس لئے کہ ان سے عہد اور نسب دونوں کا تعلق ہے۔ ان سے نسب کا تعلق تو یہ ہے کہ حضرت اسماعیلؑ کی والدہ (حضرت ہاجرہ) اور میرے لڑکے براہیمؑ دونوں کی ماں ہی قوم سے ہیں اور عہد کا تعلق یہ ہے کہ ان سے معاہدہ ہو چکا ہے۔“

حافظ ابن کثیرؒ نے لکھا ہے :

”كانت مارية هذا من الصالحات الخيرات الصان“ -

(البدایہ - جلد ۷ - ص ۷۷)

”اور ماریہؓ نہایت صالح، پاکیزہ اور نیک سیرت تھیں۔“

ایلا : ۹۔ میں رسول اللہ ﷺ نے بعض خانگی اور ازواجی معاملات کی بنا پر ازواج مطہرات سے علیحدگی اختیار کر لی تھی اسی واقعہ کو ایلا کہتے ہیں جن اسباب کی بنا پر آپ نے علیحدگی کا فیصلہ کیا تھا اس کے بارے میں مفسرین و محدثین میں باہم اختلاف ہے اور انھوں نے ایک دوسرے سے بہت متضاد اور مخالف باتیں کہی ہیں۔

ان اسباب میں ایک سبب حضرت ماریہؓ کے واقعہ کو بھی جس کا ذکر آگے آتا ہے قرار دیا گیا ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ ایلا کے واقعہ سے حضرت ماریہؓ کے واقعہ کا کوئی تعلق نہیں ہے بلکہ وہ صرف حضرت ماریہؓ اور حضرت حفصہؓ کا معاملہ تھا۔ روایتوں میں دونوں واقعے غلط ملط ہو گئے ہیں۔ جس کی وجہ سے واقعات کی اصل نوعیت سامنے نہیں آنے پاتی۔ اب ہم اس کی تفصیل کرتے ہیں تاکہ واقعہ کی اصل حقیقت واضح ہو جائے۔

بات یہ تھی کہ ازواج مطہرات میں سے ہر ایک کو آنحضرت ﷺ سے غایت درجہ تعلق اور محبت تھی۔ اس وجہ سے ہر ایک آپ کی صحبت کو باعث سعادت سمجھتیں تھیں۔ ان میں سے جن کو بھی تقرب و اختصاص کا موقع ملتا تھا۔ اس میں کسی کی شرکت کا شائبہ بھی ان کو بہت گراں گذرتا تھا اور پھر باقتضائے بشریت آپس میں کچھ جذبہ رشک و مسابقت بھی موجود تھا۔ اس وجہ سے کبھی کبھی آپس میں شکر رنجی بھی ہو جایا کرتی تھی، اور اس مصیبت میں ایک مرتبہ حضرت ماریہؓ ”بھی بتلا ہو گئیں۔ جس کا واقعہ یہ ہے کہ حضرت حفصہؓ کی باری کا دن تھا۔ آنحضرت ﷺ حسب معمول ان کے پاس تشریف لے گئے تو حضرت حفصہؓ موجود نہیں تھیں۔ اس اثناء میں آنحضرت ﷺ حضرت ماریہؓ سے جو حضرت حفصہؓ کے پڑوس ہی میں رہتی تھیں باتیں کرنے لگے۔ تھوڑی دیر کے بعد حضرت حفصہؓ واپس آئیں تو آپ کو اپنے گھر میں حضرت ماریہؓ سے گفتگو کرتے ہوئے دیکھا، باقتضائے بشریت ان کو بڑا رنج ہوا اور

سیر الصحابہ (جلد ششم) ۴۶۷ اہل کتاب صحابہؓ و تابعینؓ (حصہ دوازدہم)

حضور ﷺ سے فرمایا کہ اپنی تمام بیویوں میں آپ صرف میرے ہی ساتھ ایسا کرتے ہیں۔ اس پر آنحضرت ﷺ نے ماریہؓ سے کنارہ کشی کا عزم کر لیا۔ بعض روایتوں میں آتا ہے کہ حضرت حفصہؓ نے آنحضرت ﷺ سے غصہ میں بات کی، اس پر آپ نے حضرت ماریہؓ سے علیحدگی کی قسم کھالی، جس پر سورہ تحریم کی ابتدائی آیتیں نازل ہوئیں۔

لیکن صحیح یہ ہے کہ سورہ تحریم کی یہ ابتدائی آیتیں آپ کی شہد نوشی اور اس کو اپنے اوپر حرام کر لینے کی وجہ سے نازل ہوئیں۔ لیکن جیسا کہ بخاری وغیرہ میں تصریح موجود ہے۔ یہ ہو سکتا ہے کہ کہ ایلاء کا واقعہ بھی اسی زمانہ میں پیش آیا ہو، جس زمانہ میں آپ نے حضرت ماریہؓ سے کنارہ کشی کر لی تھی۔ اود دونوں واقعے نزول آیات کا سبب بنے ہوں، جیسا کہ حافظ ابن حجر نے تمام روایتوں کے نقل کرنے کے بعد لکھا ہے۔

”ان تكون الاية نزلت في سببين“

”ہو سکتا ہے کہ آیت کے نزول کا سبب دونوں واقعے ہوں۔“

بہر حال حضرت ماریہؓ سے علیحدگی اذایلاء کے واقعہ میں ان کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ علامہ شبلی رحمۃ اللہ علیہ نے سیرت میں حضرت ماریہؓ کے واقعہ کے سلسلہ میں جتنی روایتیں ہیں۔ ان سب پر جرح کی ہے اور لکھا ہے کہ یہ واقعہ سرے سے صحیح ہی نہیں ہے لیکن جہاں تک میری تحقیق کا تعلق ہے اس کے لحاظ سے یہ تو صحیح ہے کہ آیت کے نزول کا سبب حضرت ماریہؓ کا واقعہ نہیں ہے، لیکن نفس واقعہ کے عدم وقوع و عدم صحت کا ثبوت نہیں ملتا۔ انھوں نے اس سلسلہ میں دو تین باتیں کہی ہیں۔ ایک تو یہ کہ یہ روایت صحاح ستہ میں نہیں ہے دوسرے یہ کہ امام نووی نے اس کی صحت پر کلام کیا ہے۔ تیسری یہ کہ یورپ کے اکثر مورخوں نے اسی قسم کی روایتوں کی بنا پر آنحضرت ﷺ کے اخلاق پر حرف گئیاں کی ہیں۔

۱۔ صحاح کی پانچ کتابوں میں تو یہ روایت یقیناً نہیں ہے لیکن نسائی باب الفیۃ میں حضرت انسؓ سے یہ روایت موجود ہے۔ اگرچہ اس میں بھی حضرت ماریہؓ کا نام نہیں ہے لیکن روایت کے سیاق و سباق اور دوسرے قرائن سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت ماریہؓ ہی کے واقعہ کی طرف اشارہ ہے اس روایت میں چار راوی ہیں۔ اور ان میں سے کسی کی بھی وثاقت اور عدالت پر کلام نہیں کیا گیا ہے۔

۱۔ فتح الباری۔ جلد ۸ ص ۵۰۲ ۲۔ ابراہیم اور ان کے والد یونس، حماد بن عمار، ثبات بن سلم، ابی ہانی

تہذیب میں ان سب کا تذکرہ موجود ہے۔ ائمہ رجال نے ان میں سے کسی کو مجروح یا غیر ثقہ قرار نہیں دیا ہے۔

سیر الصحابہ (جلد ششم) ۴۶۸ اہل کتاب صحابہ و تابعین (حصہ دوازدہم)

بالکل یہی روایت حاکم نے بھی اپنی مستدرک میں نقل کی ہے اس روایت کے اوپر کے دو راوی حضرت انسؓ اور ثابت البنانی ہیں۔ لیکن اس کے بعد چار راوی دوسرے ہیں حاکم نے اس روایت کے متعلق لکھا ہے۔

”هذا حديث صحيح على شرط مسلم“۔ (جلد ۳۔ ص ۴۹۳)

”یہ حدیث صحیح ہے اور مسلم کی شرط پر پوری اترتی ہے۔“

حافظ ذہبی نے مستدرک کی تالیف میں اس روایت پر کوئی جرح نہیں کی ہے جو اس بات کا ثبوت ہے کہ روایت میں کوئی سقم نہیں ہے۔

نسائی اور مستدرک میں ماریہؓ کے حضرت حفصہؓ کے گھر میں موجود ہونے کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ اس کے علاوہ طبرانی اور بزار نے بھی اس روایت کی تخریج کی ہے بزار کی روایت کے متعلق حافظ نور الدین ہیشمی نے مجمع الزوائد میں لکھا ہے کہ

”رجال البزار رجال الصحيح غير بشر بن ادم الاصفرو هو ثقة“۔

(ج ۷۔ ص ۱۲۶)

”بزار کے تمام رواۃ صحیح حدیث کے رواۃ ہیں۔ بجز بشر بن آدم کے لیکن ان کے ثقہ ہونے میں کوئی کلام نہیں ہے۔“

حافظ ابن حجرؒ نے اس روایت کے بعد اور طرق ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے کہ ہذا طرق یقوی بعضها بعضاً۔ یہ روایت بہت سے طریقوں سے مروی ہے اور ان میں ایک روایت دوسری روایت کو قوی کرتی ہے (یعنی غیر صحیح نہیں ہے)۔

امام نووی نے یقیناً لکھا ہے۔

”ولم تات قصة مارية من طريق صحيح“

”ماریہ کا قصہ صحیح طریق سے ثابت نہیں ہے۔“

لیکن اس کے ساتھ حافظ ابن کثیرؒ ابن حجرؒ، ابو بکر ہثمیؒ، امام ذہبیؒ اس کماحت کے قائل ہیں۔ دوسرے بزرگوں کی رائے کو بھی آسانی سے رد نہیں کیا جاسکتا۔

”ان ذلک فی تحریم الاصل“۔

”آیت کے نزول کا سبب آپؐ شہد کو حرام کر لیا تھا۔“

لیکن حضرت ماریہؓ کے واقعہ سے انہوں نے انکار کیا ہے۔

اس بحث کا خلاصہ یہ ہے :

۱۔ ایلا کا مشہور واقعہ جس میں ازواج مطہرات سے کنارہ کشی اختیار کر لی تھی اور حضرت ماریہؓ کا واقعہ دونوں الگ الگ ہیں۔ حضرت ماریہؓ کے قصہ کا تعلق حضرت حفصہؓ یا بعض روایتوں کے مطابق حفصہؓ اور حضرت عائشہؓ دونوں سے تھا۔

۲۔ سورہ تحریم کی ابتدائی آیتوں کے نزول کا اصلی سبب آپؐ کی شہد نوشی اور اس کی تحریم ہے۔ لیکن یہ ممکن ہے کہ اسی زمانہ میں حضرت ماریہؓ کا واقعہ بھی پیش آیا ہو، اور بعضوں نے اس کو ان آیات کا سبب نزول سمجھ لیا ہو۔

۳۔ حضرت ماریہؓ سے آپؐ کی کنارہ کشی کا واقعہ صحیح روایتوں سے ثابت ہے۔ یہ ضرور ہے کہ صحیح روایات میں لغو واقعات شمول نہیں ہیں۔ چنانچہ نسائی اور مستدرک کی روایات اس سے خالی ہیں۔

۴۔ اگر امام نوویؒ نے اس روایت کی صحت پر کلام کیا ہے تو دوسرے ائمہ حدیث نے اس کی صحت کو تسلیم کیا ہے۔

۵۔ اس قسم کی روایات پر یورپین مورخین کو اگر آنحضرت ﷺ پر حرف گیری کا موقع ملتا ہے تو اس سے آنحضرت ﷺ کی بلندی و نزہت اخلاق پر کس کا سارا زمانہ گواہ ہے، کہاں حرف آ سکتا ہے۔ قرآن کی صفت پر کس کو کلام ہے۔ لیکن کیا وہ ان کی خروہ گیری کی زد سے بچ گیا۔ آنحضرت ﷺ کے اخلاق حسنہ کی تعریف آپؐ کے زمانہ کے دشمنوں نے کی ہے۔ لیکن یورپ کو آپؐ میں (نعوذ باللہ) کوئی نیکی نظر نہیں آتی۔ آپؐ کے معیار اخلاق پر حرف گیری کے لئے اس قسم کی روایات تو الگ رہیں، جن کا بیشتر حصہ موضوع جعلی، ناقابل اعتبار ہے۔ خود تعداد ازواج اور کنیزوں سے انتفاع جنسی جیسے معلم و محقق مسائل تک کو لے لیا گیا ہے۔

”ہنر پنجم عداوت بزرگتر ہے است“

ان کے مقابلہ میں سکوت ہی اولیٰ تر کافی ہے۔

بہر حال کسی روایت کو اس نقطہ نظر سے نہیں دیکھنا چاہئے کہ اس سے غیروں کو اعتراض کا موقع ملتا ہے۔ پھر اس واقعہ کو معاشرتی اور ازدواجی نقطہ نظر سے دیکھا جائے اور پیش نظر رکھا جائے کہ آپؐ کی صحبت میں متعدد ازواج کے ساتھ جاریات بھی تھیں۔ تو اس میں کوئی قابل اعتراض بات نظر نہیں آئی۔ صورت واقعہ کو ایک بار پھر اپنے سامنے لائے تو اس کی صحیح نوعیت سامنے آ جائے گی۔

سیر الصحابہؓ (جلد ششم) ۴۷۰ اہل کتاب صحابہؓ و تابعینؓ (حصہ دوازدہم)

۶۔ جس دن یہ واقعہ پیش آیا، اس دن حضرت حفصہؓ کی باری کا دن تھا۔ لیکن اس روز وہ گھر میں موجود نہیں تھیں۔ بعض روایتوں میں ہے کہ وہ اپنے والد حضرت عمرؓ سے ملنے گئیں تھیں۔ آنحضرت ﷺ حسب معمول ان کے ہاں تشریف لے گئے تو مکان خالی پایا۔

حضرت ماریہؓ جیسا کہ اوپر حضرت عائشہؓ کا بیان گزر چکا ہے، حضرت حفصہؓ کے پڑوس میں ہی رہتی تھیں۔ قیاس ہے کہ وہ آنحضرت ﷺ کو دیکھ کر یا اسی طرح کسی ضرورت سے حضرت حفصہؓ کے مکان پر آئی ہوں گی، اور آنحضرت ﷺ ان سے گفتگو فرمانے لگے ہوں گے، اس اثنا میں حضرت حفصہؓ آگئیں۔ انہوں نے آنحضرت ﷺ کو حضرت ماریہؓ کے ساتھ تنہا دیکھ کر تقاضائے صنف لطیف ناراضگی کا اظہار کیا اور آنحضرت ﷺ نے ان کی خاطر کچھ دنوں کے لئے حضرت ماریہؓ سے کنارہ کشی اختیار کر لی۔ تو اس میں کوئی بات یا اخلاقی معیار سے گری ہوئی ہے، یا اس میں ازواجی نقطہ نظر سے کونسا استبعاد نظر آتا ہے۔

(۸) حضرت ابو ہریرہؓ کی والدہ

امام بخاریؒ نے ادب المفرد میں ایک بات ”عرض الاسلام علی ام النصرانیہ“ باندھا ہے۔ جس کے تحت حضرت ابو ہریرہؓ کی والدہ کے قبول اسلام کا ذکر کیا ہے۔ پورا واقعہ یہ ہے۔ ابو کثیر بیان کرتے ہیں :

”سمعت ابی ہریرۃ یقول ماسمع بی احد یهودی ولا نصرانی

الاجنبی ان امی کنت اریدها علی الاسلام فابی“۔

”میں نے ابو ہریرہؓ سے یہ واقعہ سنا وہ فرماتے تھے کہ جس یہودی یا نصرانی نے یہ بات سنی

کہ میں اپنی والدہ کو حلقہ اسلام میں لے آنا چاہتا ہوں مگر وہ انکار کرتی ہیں (اور میں برابر

ان کی خدمت کرتا رہتا ہوں اور کچھ نہیں کہتا۔ تو اس نے میرے اس طرز عمل کو پسند کیا“۔

صحیح مسلم اور مسند میں بھی ان کے اسلام کا ذکر موجود ہے۔ مگر اس میں ان کے نصرانی ہونے اور اس واقعہ کے ابتدائی ٹکڑے کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ ارباب رجال نے بھی ”ام ابی ہریرہؓ“ کے عنوان سے حضرت ابو ہریرہؓ کی والدہ کا تذکرہ کیا ہے لیکن ان میں سے کسی نے بھی ان کے نصرانی ہونے کی طرف اشارہ نہیں کیا۔ مگر امام بخاریؒ نے ان کے نصرانی ہونے کی تصریح کر دی ہے اس لئے ان کا ذکر اس کتاب میں کیا گیا ہے۔

سیر الصحابہ (جلد ششم) ۴۷۱ اہل کتاب صحابہؓ و تابعینؓ (حصہ دوازدہم)

حضرت ابو ہریرہؓ کا نسبى تعلق قبیلہ دوس سے تھا۔ جو یمن کا ایک ممتاز قبیلہ تھا اور معلوم ہے کہ یمن کے متعدد ممتاز قبائل نے نصرانیت قبول کر لی تھی۔ اس لئے ممکن ہے کہ دوس میں بھی کچھ لوگوں نے نصرانیت اختیار کر لی ہو۔ جن میں یہ خاتون بھی شامل ہوں۔ جیسا کہ اس واقعہ کے ابتدائی ٹکڑے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان کے پاس پڑوس میں کچھ یہودی و نصرانی آباد تھے۔ واللہ اعلم بالصواب



”تابعات“

تماضرؓ

نام و نسب : تماضر نام تھا۔ حضرت اصبحؑ تابعی کی جو دومتہ الجندل کے حکمران اور مذہباً عیسائی تھے۔ صاحبزادی تھیں۔ آنحضرت ﷺ نے حضرت عبدالرحمنؓ بن عوف کو تماضر کے قبیلہ میں تبلیغ اسلام کے لئے بھیجا تھا۔ اس قبیلہ میں سب سے پہلے تماضر کے والد اصبحؑ مشرف بہ اسلام ہوئے اور آنحضرت ﷺ کے مشورہ سے انہوں نے حضرت عبدالرحمنؓ سے تماضر کا نکاح کر دیا۔ حضرت عبدالرحمنؓ کچھ دن دومتہ الجندل ہی میں رہے پھر وہاں سے اپنی بیوی تماضر کے ساتھ مدینہ چلے آئے۔

تماضر ان کے عقد نکاح میں آخر وقت تک رہیں لیکن مرض الموت میں میاں بیوی میں کچھ شکر رنجی ہو گئی۔ جس کی وجہ سے حضرت عبدالرحمنؓ نے انہیں اپنے حوالہ بحقد سے آزاد کر دیا۔ ان کی وفات کے بعد انہوں نے حضرت زبیرؓ سے شادی کر لی۔ لیکن تھوڑے ہی دنوں کے بعد ان سے بھی جدائی ہو گئی۔

عہدِ صدیقی اور عہدِ فاروقی میں تو کہیں ان کا تذکرہ نہیں ملتا۔ لیکن حضرت عثمانؓ کے دور خلافت میں اس حیثیت سے ان کا تذکرہ ملت ہے کہ حضرت عثمانؓ نے انہیں حضرت عبدالرحمنؓ کے ترکہ سے حصہ دیا تھا۔

وفات کی تصریح نہیں ملتی لیکن یہ معلوم ہے کہ حضرت معاویہؓ کے عہد تک زندہ ہیں۔

اولاد : حضرت عبدالرحمنؓ کے صلب سے ان کے ایک صاحبزادے ابو سلمہ تھے۔

اُم محمد القرظیؓ

اہل رجال نے صحابیات یا تابعات کے ذکر میں ان کا نام نہیں لیا۔ ہے لیکن اصابعہ اور صفوة الصفوة کی بعض روایتوں سے قیاس ہوتا ہے کہ وہ صحابیات میں ہوں گی۔ لیکن ان کا صحابیات میں ہونا مشتبہ تھا۔ اس لئے ان کا تذکرہ آخر میں کیا جاتا ہے۔

سیر الصحابہ (جلد ششم) ۴۷۴ اہل کتاب صحابہ و تابعین (حصہ دوازدہم)

حضرت کعبؓ کے حالات زندگی اور نیز ایک ضعیف روایت سے یہ پتہ چلتا ہے کہ وہ یہود کے قبیلہ نضیر سے تھے۔ وہ روایت یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا تھا کہ دو کامنوں میں سے ایک بڑا عالم پیدا ہوگا تو بڑے عالم سے مراد محمد بن کعب ہیں اور دو کامنوں سے مراد بنو قریظہ اور بنو نضیر ہیں۔ محمد بن کعب کے والد تو بنو قریظہ سے تھے اور ان کی والدہ ام محمد بنو نضیر سے۔

بہر حال اس روایت کی ہنا پر ان کا نام اس فہرست میں داخل کیا گیا ہے۔ زندگی کے اور حالات معلوم نہیں ہو سکے۔

”رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا إِنَّكَ أَنْتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ“



”ضمیمہ“

مقدمہ سے متعلق بعض چیزوں کے تلاش و تفحص کے سلسلہ میں کتابوں میں چند اور اہل کتاب بزرگوں کے ناموں پر نظر پڑی جو عہد نبوی میں اسلام لائے تھے۔ مگر چونکہ اس وقت تک کتاب چھپ چکی تھی اس لئے انکا تذکرہ بطور ضمیمہ آخر میں شامل کتاب کیا جاتا ہے۔

فروہ بن عمرو حاکم معان :

فروہ معان اور اس کے قرب و جوار کے علاقہ میں قیصر روم کے عامل تھے ان کے پاس براہ راست اگرچہ اسلام کی دعوت نہیں بھیجی گئی مگر ان کو جب کسی ذریعہ سے بعثت نبوی اور دعوت حق کا علم ہوا تو بغیر کسی پس و پیش کے اس کو لبیک کہا اور حلقہ مجوش اسلام ہو گئے اس کے بعد اپنے خاص قاصد مسعود بن سعید کے ذریعہ بارگاہ رسالت میں اپنے اسلام کی اطلاع دی اور متعدد سواریاں عمدہ چادریں۔ اور قیمتی قبائیں خدمت اقدس میں تحفہ بھیجیں رسول نے ﷺ ان کو قبول کیا اور قاصد کو اپنی طرف سے کچھ تحائف دے کر رخصت فرمایا۔

فروہ کے اسلام لانے کا معان اور اس کے ملحقہ علاقوں میں جہاں کے وہ حاکم تھے کیا رد عمل ہوا۔ اس کا ذکر کتابوں میں نہیں ملتا۔ مگر ظاہر ہے حاکم کی حیثیت سے ان کے اسلام کا کافی چرچا ہوا ہوگا۔ بہت سے خواص اور عوام نے ان کے اثر سے اسے قبول کیا ہوگا اور کتنوں کے عقائد و ایمانیات میں زلزلہ آگیا ہوگا۔ جس کو قیصر روم برداشت نہیں کر سکتا تھا۔

چنانچہ جونہی اس کو ان چیزوں کی اطلاع ہوئی۔ اس نے فروہ کو دھوکے سے دربار میں طلب کیا۔ پہنچتے ہی ان کو جیس دوام کی سزا کا جابرانہ حکم سنایا گیا۔ جسے انہوں نے نہایت خندہ پیشانی سے قبول کیا۔ اور اسی قید کی حالت میں جان جان آفرین کے سپرد کردی۔ قیصر کو اس پر بھی تسکین نہیں ہوئی تو اس نے لاش شارع عام پر لٹکوا دی۔

اس کی تصریح نہیں ملتی کہ وہ نصرانی تھے مگر وہ قبیلہ جذام سے تعلق رکھتے تھے۔ جو معان کے قریب آباد تھا اور اس کے متعلق اوپر آچکا ہے کہ وہ نصرانی ہو گیا تھا اس بنا پر وہ بھی نصرانی رہے

۱۔ ہم نے ابن سعد کے بیان کو ترجیح دی ہے۔ زرقانی وغیرہ میں ہے کہ ان کو سولی دے کر شہید کر دیا گیا۔ ابن سعد۔ جلد ۷۔ ق ۲۔ ص ۱۳۸، زرقانی۔ جلد ۴۔ ص ۵۲

ہوں گے۔ دوسرے معان چونکہ بری بحری دونوں حیثیتوں سے بڑا اہم مقام تھا اس لئے قیصر کا ایسی جگہ پر کسی غیر نصرانی کو عامل مقرر کرنا کسی طرح قرین قیاس نہیں ہو سکتا۔

ذوالکلاع اور ذوعمرہ :

یہ دونوں بزرگ حمیری خاندان کے ممتاز لوگوں میں سے تھے۔ جن کے ہاتھ میں حکومت تو نہیں تھی مگر اس کا اثر ان میں باقی تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت جریر بن عبد اللہ الجلی کو اسلام کا پیغام دے کر ان کے پاس بھیجا۔ ایک دن حضرت جریر ان کو احادیث نبوی ﷺ سنارہے تھے کہ ذوعمرہ نے کہا تم جن کی حد شیش سنارہے ہو، ان کا تو انتقال ہو گیا۔ جریرؓ یہ اندھناک خبر سنتے ہی وہاں سے روانہ ہو گئے۔ راستہ میں کچھ سوار ملے، جن سے اس کی تصدیق ہو گئی۔ حضرت جریرؓ وہیں سے پھر واپس لوٹ آئے اور ان دونوں آدمیوں نے ان کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا۔ ذوالکلاع کے متعلق ذکر ہے کہ وہ ایک بار حضرت عمر فاروقؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ نے ان کو شام کی مہم پر بھیج دیا۔

محمد بن حبیب نے ذوعمرہ کے متعلق لکھا ہے کہ یہودی تھے، لیکن ذوالکلاع کے مذہب و عقیدہ کے متعلق کوئی تصریح نہیں کی ہے۔ مگر حمیری خاندان سے ان کا تعلق ان کی یہودیت کے ثبوت کے لئے کافی ہے۔

غسان : عہد نبوی میں غسانیوں کے کسی فرد کے اسلام قبول کرنے کا تذکرہ عام طور سے کتابوں میں نہیں ملتا۔ مگر زرقانی اور ابن سعد نے نام کی تصریح کئے بغیر لکھا ہے کہ تین نیک فطرت غسانی (غالباً اہل میں) حضور ﷺ کی خدمت اقدس میں آئے اور یہ کہہ کر کہ آپ جو تعلیم لائے ہیں، وہ حق پر ہے، مشرف باسلام ہو گئے۔ جب واپس جانے لگے تو حضور نبوی ﷺ میں عرض کیا کہ جس دن کو ہم نے قبول کیا ہے اس کو ہم اپنی قوم کے پاس لئے جا رہے ہیں، معلوم نہیں وہ قبول کرے گی یا نہیں۔ پھر انہوں نے اپنی قوم کی ذنی اور اخلاقی حالت کا ان لفظوں میں نقشہ کھینچا :

”وہم یحبون بقاء ملکهم و قرب قیصر“۔

”ان کا حال یہ ہے کہ اپنے ملک کی بقاء اور قیصر کے تقرب کو ہر چیز سے زیادہ محبوب رکھتے ہیں۔“

آنحضرت ﷺ نے ان کو نہایت اعزاز و اکرام کے ساتھ رخصت فرمایا۔ وطن پہنچے تو قوم کے سامنے اسلام کی دعوت پیش کی۔ مگر اس کے دل و دماغ پر مائیت کے اتنے توبہ تو پر دے پڑے تھے کہ نور حق سے وہ اپنے دل و دماغ کو روشن نہ کر سکے، اور اسلام کی رحمت عام سے محروم رہ گئے۔

سیر الصحابہ (جلد ششم) ۴۷۷ اہل کتاب صحابہ و تابعین (حصہ دوازدہم)

غسانوں نے ان داعیانِ حق کے ساتھ کچھ بُرا سلوک بھی کیا ہو تو تعجب نہیں ہے۔ اس لئے کہ وہ رومیوں کے زیرِ اثر تھے اور رومی اپنے مقبوضات میں اسلام قبول کرنے والوں کے ساتھ بُرا سلوک کرتے تھے۔ غزوہ بن عمرو کا واقعہ اوپر گزر چکا ہے۔ ان ہی بدسلوکیوں اور مظالم کے ڈر سے ان حضرات نے اپنے اسلام کو چھپانا مناسب سمجھا اور دعوتِ ترکِ کردی۔ ان میں سے دو بزرگ اسی غربت و اجنبیت کی حالت میں جان بحق ہو گئے اور ایک صاحبِ عہد فاروقی تک زندہ رہے اور جنگِ یرموک کے دن حضرت ابوعبیدہؓ سپہ سالار لشکرِ اسلام کی خدمت میں آئے اور اپنے اسلام کی آپ کو اطلاع دی۔ حضرت ابوعبیدہؓ نے ان کا بڑا اعزاز و اکرام کیا اور یہ سلوک ان کے ساتھ آخر تک قائم رکھا۔

بنو تغلب: بنو تغلب کے چند افراد کا تذکرہ کتاب میں موجود ہے۔ مسند احمد اور طبقات ابن سعد میں حرب بن ہلال کی روایت سے یہ واقعہ درج ہے کہ ایک تعلی بزرگ آنحضرت ﷺ کی خدمتِ بابرکت میں آئے۔ آپ ﷺ نے انہیں شرائعِ اسلام سکھائے۔ اس کے بعد انہوں نے اسلام قبول کرنے والوں پر جزیہ لگانے کے متعلق دریافت کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا، جزیہ یہود و نصاریٰ پر عائد ہوتا ہے۔ ان میں سے مسلمان ہو جانے والوں پر نہیں۔

ان بزرگ کے مذہب کے متعلق کوئی تصریح نہیں مل سکی۔ مگر بنو تغلب کے متعلق آچکا ہے کہ یہ قبیلہ نصرانی تھا۔

دوسرے یہ کہ اسلام لانے کے بعد انہوں نے آنحضرت ﷺ سے اپنے اہل وطن موئنین اہل کتاب پر جزیہ لگانے کے متعلق استفسار کیا۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ سمجھتے تھے کہ جو اہل کتاب اسلام قبول کر لیں، ان پر بھی جزیہ لگتا ہے۔ مگر آپ ﷺ نے نفی فرمادی۔

تمت

انبیاء علیہم السلام کے بعد دنیا کے ممتاز ترین انسانوں کی سرگزشت حیات

سید الصحابة رضی اللہ عنہم

خلفائے راشدین

④

www.KitaboSunnat.com

دارالاشاعت کراچی

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

معزز قارئین توجہ فرمائیں!

کتاب وسنت ڈاٹ کام پر دستیاب تمام الیکٹرانک کتب

← عام قاری کے مطالعے کے لیے ہیں۔

← مجلس التحقیق الاسلامی کے علمائے کرام کی باقاعدہ تصدیق و اجازت کے بعد آپ لوڈ (Upload)

کی جاتی ہیں۔

← دعوتی مقاصد کی خاطر ڈاؤن لوڈ، پرنٹ، فوٹوکاپی اور الیکٹرانک ذرائع سے محض مندرجات نشر و اشاعت کی مکمل اجازت ہے۔

☆ تنبیہ ☆

← کسی بھی کتاب کو تجارتی یا مادی نفع کے حصول کی خاطر استعمال کرنے کی ممانعت ہے۔

← ان کتب کو تجارتی یا دیگر مادی مقاصد کے لیے استعمال کرنا اخلاقی، قانونی و شرعی جرم ہے۔

﴿اسلامی تعلیمات پر مشتمل کتب متعلقہ ناشرین سے خرید کر تبلیغ دین کی کاوشوں میں بھرپور شرکت اختیار کریں﴾

← نشر و اشاعت، کتب کی خرید و فروخت اور کتب کے استعمال سے متعلقہ کسی بھی قسم کی معلومات کے لیے رابطہ فرمائیں۔

kitabosunnat@gmail.com

www.KitaboSunnat.com

رضی اللہ عنہم و رضوانہ (القرآن)
اللہ ان سے راضی ہوا اور وہ اللہ سے راضی ہوئے

انبیاء کرام کے بعد دنیا کے مقدس ترین انسانوں کی سرگزشت حیات

سید الصحابة

تابعین کرام

جلد ہفتم

حصہ سیزدہم (13)

۹۶ مشہور اکابرین، تابعین کے مفصل سوانح زندگی اور ان کے علمی وادبی کارناموں کا بیان

تحریر و ترتیب

الحاج مولانا شاہ معین الدین احمد ندوی مرحوم
سابق رفیق دارالصفین

مقدمہ

نواب صدرباکر جنگ مولانا حبیب الرحمان خان شروانی

اڈو وٹا زار ایم ایس جیل روڈ
کراچی پاکستان 2213768

دارالاشاعت

کمپوزنگ کے جملہ حقوق ملکیت بحق دارالاشاعت کراچی محفوظ ہیں

باہتمام : خلیل اشرف عثمانی
طباعت : ۲۰۰۲ء علمی گرافکس کراچی
صفحات : 470 صفحات

تقریریں سے گزارش

اپنی حتی الوسع کوشش کی جاتی ہے کہ پروف ریڈنگ معیاری ہو۔ الحمد للہ اس بات کی نگرانی کے لئے ادارہ میں مستقل ایک عالم موجود رہتے ہیں۔ پھر بھی کوئی غلطی نظر آئے تو ازراہ کرم مطلع فرما کر ممنون فرمائیں تاکہ آئندہ اشاعت میں درست ہو سکے۔ جزاک اللہ

﴿..... ملنے کے پتے﴾

ادارہ المعارف جامعہ دارالعلوم کراچی	ادارہ اسلامیات ۱۹۰۔ انارکلی لاہور
بیت القرآن اردو بازار کراچی	بیت العلوم 20، بھروڈ لاہور
ادارہ اسلامیات مونی چوک اردو بازار کراچی	مکتبہ سید احمد شہید اردو بازار لاہور
ادارہ القرآن والعلوم الاسلامیہ B-437 ویب روڈ سبیلہ کراچی	مکتبہ امدادیہ لی بی ہسپتال روڈ ملتان
بیت انکتبہ بالمقابل اشرف المدارس گلشن اقبال کراچی	یونیورسٹی بک انجمن خیبر بازار پشاور
بیت انکلم مقابل اشرف المدارس گلشن اقبال بلاک ۲ کراچی	کتب خانہ رشیدیہ۔ حدیث مارکیٹ راجہ بازار راولپنڈی
مکتبہ اسلامیہ امین پور بازار۔ فیصل آباد	مکتبہ اسلامیہ محامی اڈا۔ ایبٹ آباد

مکتبہ المعارف محالہ جنگلی۔ پشاور

﴿انگلینڈ میں ملنے کے پتے﴾

فہرست اسماء تا بعینؓ

صفحہ	مضمون	شمار	صفحہ	مضمون	شمار
۶۸	جعفر صادقؑ	۱۴	۷	مقدمہ جناب نواب صدر یاد جنت بہادر	
	” ح “		۷	مولانا حبیب الرحمن خاں شروانی	
۷۲	حسن بن حسنؑ	۱۵	۷	صدر نشین دارالمصنفین	
۷۵	حسن بصریؑ	۱۶	۹	دیباچہ	
۹۱	حکم بن عتیہؑ	۱۷		” الف “	
	” خ “		۱۵	ابراہیم بن یزید تیمیؑ	۱
۹۲	خارجہ بن زیدؑ	۱۸	۱۷	ابراہیم بن یزید النخعیؑ	۲
۹۳	خالد بن معدانؑ	۱۹	۲۳	احنف بن قیسؑ	۳
	” د “		۳۳	اسمعیل بن ابی خالد الحمسیؑ	۴
۹۵	داؤد بن دینارؑ	۲۰	۳۵	اسود بن یزیدؑ	۵
	” ر “		۳۷	اعمش (سلیمان بن مہران)	۶
۹۷	ربیع بن عظیمؑ	۲۱	۴۱	اولیس بن عامر قرنیؑ	۷
۱۰۴	ربیعہ رائیؑ	۲۲	۵۳	ایاس بن معاویہؑ	۸
۱۱۰	رجاء بن حیوۃؑ	۲۳	۵۶	ایوب بن ابی تمیمہؑ سختیانی	۹
	” ز “			” ب “	
۱۱۲	زر بن حبیشؑ	۲۴	۶۰	بسر بن سعیدؑ	۱۰
۱۱۳	زید بن اسلمؑ	۲۵	۶۱	بکر بن عبداللہ مرنیؑ	۱۱
	” س “			” ث “	
۱۱۵	سالم بن عبداللہؑ	۲۶	۶۳	ثابت بن اسلم بنانیؑ	۱۲
۱۱۹	سعید بن جبیرؑ	۲۷		” ج “	
۱۳۳	سعید بن مسیبؑ	۲۸	۶۵	جابر بن زیدؑ	۱۳

صفحہ	مضمون	شمار	صفحہ	مضمون	شمار
۲۴۰	علی بن حسین	۵۰	۱۵۲	سلمہ بن دینار	۲۹
۲۵۵	علی بن عبد اللہ بن عباس	۵۱	۱۵۳	سلمان بن طرخان تمیمی	۳۰
۲۵۷	عمر بن عبد العزیز	۵۲	۱۵۷	سلمان بن یسار	۳۱
۲۹۶	عمر بن مرہ	۵۳		”ش“	
۲۹۷	علقمہ بن قیس	۵۴	۱۵۹	قاضی شریح بن حارث	۳۲
	”ق“			”ص“	
۳۰۲	قاسم بن محمد بن ابی بکر	۵۵	۱۷۱	صفوان بن سلیم زہری	۳۳
۳۰۸	قبیصہ بن ذویب	۵۶	۱۷۳	صفوان بن محرز	۳۴
۳۰۹	قتادی بن دعامہ سدوسی	۷۵		”ط“	
	”ک“		۱۷۵	طاؤس بن کيسان	۳۵
۳۱۲	کعب احبار	۵۸		”ع“	
۳۱۵	کعب بن سور	۵۹	۱۷۶	عامر بن شریل شععی	۳۶
	”م“		۱۶۰	عامر بن عبد اللہ	۳۷
۳۱۷	مجاہد بن جبر	۶۰	۲۰۰	عبد اللہ بن عتبہ بن مسعود	۳۸
۳۱۹	محمد بن الحنفیہ	۶۱	۲۰۱	عبد اللہ بن عون	۳۹
۳۲۳	محمد بن حنفیہ	۶۲	۲۰۶	عبید اللہ بن عبد اللہ	۴۰
۳۳۶	محمد بن سیرین	۶۳	۲۰۹	عبد الرحمن بن اسود	۴۱
۳۵۷	محمد بن عجلان	۶۴	۲۱۰	عبد الرحمن بن ابی لیلیٰ	۴۲
۳۵۸	محمد بن علی امام باقر	۶۵	۲۱۳	عبد الرحمن بن غنم	۴۳
۳۶۰	محمد بن کعب	۶۶	۲۱۵	عبد الرحمن بن قاسم	۴۴
۳۶۱	محمد بن مسلم (امام زہری)	۶۷	۲۱۶	عروہ بن زبیر	۴۵
۳۶۸	محمد بن منکدر	۶۸	۲۲۳	مطام بن ابی رباح	۴۶
۳۷۰	مسروق بن اجدع	۶۹	۲۲۷	عمر بن شریل	۴۷
۳۷۷	مسعر بن کدام	۷۰	۲۲۹	عمر بن دینار	۴۸
۳۸۱	مسلم بن یسار	۷۱	۲۳۱	طرہ مولیٰ ابن عباس	۴۹

صفحہ	مضمون	شمار	صفحہ	مضمون	شمار
	کنیت		۳۸۳	مطرف بن عبد اللہ	۷۲
۳۱۳	ابوادرئیس خولانی	۸۵	۳۸۷	مکحول الدمشقی	۷۳
۳۱۴	ابوالخنی سمعی	۸۶	۳۹۰	منصور بن زاذان	۷۴
۳۱۶	ابوبردہ بن ابی موسیٰ اشعری	۸۷	۳۹۲	میمون بن مہران	۷۵
۳۱۸	ابوبکر بن عبد الرحمن	۸۸		” ن “	
۳۲۰	ابورجاء عطاروی	۸۹	۳۹۳	نافع بن جبیر	۷۶
۳۲۲	ابوالترناد	۹۰	۳۹۶	نافع بن کاؤس	۷۷
۳۲۳	ابوسلمہ بن عبد الرحمن	۹۱		” و “	
۳۲۵	ابوالعالیہ ریاحی	۹۲	۳۹۹	دہب بن منبہ	۷۸
۳۳۰	ابوعبد الرحمن اسلمی	۹۳		” ۵ “	
۳۳۱	ابوعثمان نہدی	۹۴	۴۰۱	ہرم بن حیان عبیدی	۷۹
۳۳۳	ابوقلابہ جری	۹۵	۴۰۲	ہشام بن عروہ	۸۰
۳۳۶	ابووائل بن سلمہ	۹۶		” ی “	
۴۴۳	امام ابوحنیفہ (نعمان بن ثابت)	۹۷	۴۰۵	یحییٰ بن سعید	۸۱
			۴۰۷	یحییٰ بن عمر	۸۲
			۴۰۹	یزید بن ابی حبیب	۸۳
			۴۱۰	یونس بن عبید	۸۴



بسم الله الرحمن الرحيم

مقدمہ

از

جناب نواب صدر یار جنگ مولانا حبیب الرحمن خان شروانی
صدر نشین دارالمصنفین

اسلام بنی نوع انسان کے واسطے ایک قانون حیات لایا تھا، جس میں علم و عمل دونوں شامل تھے۔ علم کی معراج معرفت ربانی تھی۔ عمل کا اعلیٰ پایہ صدق و دل کی تکمیل تمت کلمت ربک صدقاً وعدلاً اس حیات طیبہ کا کامل نمونہ ذات اقدس تھی لَقَدْ كَانَ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ حیات انسانی کے جتنے اعلیٰ شعبے ہو سکتے ہیں ان سب کے کامل سبق آزمودہ و نمونے حیات مبارکہ میں موجود تھے۔

آپ کے نمونے کی پیروی سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس امانت حیات کے امین ہوئے بقدر قوت و استعداد ان حضرات میں سے ہر ایک بزرگ نے حصہ پایا مظہر اتم خانقاہ راشدین تھے۔ صحابہ کرامؓ سے یہ امانت تابعینؓ والا مقام کو پہنچی یہی وہ امانت تھی جس نے محل سے زمین و آسمان گھبراٹھے تھے۔ ان بزرگوں نے جس عزم اور ہمت و استقامت سے حق امانت ادا کیا وہ تاریخ انسانی کا ایک روشن اور حیات آفریں باب ہے بالآخر حق امانت ادا کر کے تبع تابعین کے سپرد فرما گئے انسانی بہترین خدمتوں میں سے ایک خدمت بزرگان موصوف کے صحیح اور مستند حالات کی اشاعت ہے۔ دارالمصنفین کو جزائے خیر ہو کہ اس سے پہلے سیرۃ مبارک اور صحابہ کرامؓ کے حالات میں متعدد جلدیں شائع کر چکا ہے اب نوبت حالات تابعینؓ کی ہے اسی سلسلے میں رفیق دارالمصنفین مولوی معین الدین احمد صاحب نے یہ جلد تالیف کر کے مسلمانوں پر خصوصاً اور سارے انسانوں پر عموماً لطف و کرم فرمایا ہے۔ جزاہ اللہ تعالیٰ -

اس کتاب کو پڑھ کر اور مختلف مقامات کو بار بار دیکھ کر میں کہہ سکتا ہوں کہ حق محنت و سعی ادا کیا گیا ہے مستند اور معتمد ماخذوں سے حالات لے کر صاف دلنشین پیرائے میں قلمبند کیے ہیں۔ ۱۹۶۱ کا برتابلعین لے حالات ہیں۔ ظاہر ہے کہ کل کے مقابلے میں یہ ایک جز ہے۔ تاہم جز اعظم ہے۔ میرا خیال ہے کہ ایک جلد اور شائع ہوگی جس میں بقیہ اکابر کے حالات ہوں گے زیادہ نمایاں امام اعظم کا عدم ذکر ہے جو امید ہے کہ اپنے موقع سے ہوگا، کوتاہی ہوگی اگر ایک اہم امر کی جانب توجہ مبذول نہ کروں وہ یہ کہ ہر بیان اور ذکر کا ایک پیرایہ اور اسلوب ہے شاید پیرایہ اور بلیغ اسلوب۔ اس کا لحاظ تالیف و تصنیف کی تہذیب و شائستگی ہے اکابر مذہب کا ذکر صدیوں سے ایک خاص اسلوب سے ہوتا ہی آیا ہے جو شائستگی اور ادب کا نمونہ ہے اس کا ترک نگاہ اور قلب دونوں کو زحمت رسان ہے اس سے بھی زیادہ نظر کو بلند کیجئے مذہب حق کا فیض تاثر و تقدس سے وابستہ ہے یعنی قلب مذہب حق کے تقدس سے اس وقت فیض یاب ہوگا کہ شان تقدس آشنائی اپنے اندر پیدا کرے۔

تانا گرد ہی آشنا از پر وہ رمزے نشوی گوش نامحرم نہ باشد جائے پیغام ہریش
تقدس سے لگاؤ اس وقت ہوگا کہ ادب و عظمت کا اہتمام ہو یہ اہتمام چاہتا ہے کہ اکابر مذہب کا ذکر بھی عظمت و ادب کے اہتمام و اظہار کے ساتھ ہو۔
کم سے کم میں نے یہ امر محسوس کیا ہے کہ بزرگان دین کے ذکر و بیان کا جو اسلوب سلف صالحین نے قائم کیا ہے جب دوران بیان میں اس کا لحاظ نہ رہے تو بعینہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ نظر کو ایک دھکا لگا اور بلندی سے پستی پر آ رہی تقدس بیان کا جو اثر دل پر ہو رہا تھا اس کا سلسلہ درہم برہم ہو گیا۔
خلاصہ اکابر تابعین کے ناموں کے ساتھ مقررہ اسلوب کے مطابق امام وغیرہ الفاظ کا عدم استعمال اسلوب ادب کے خلاف محسوس ہوتا ہے^۱۔

حبیب الرحمن

۲۷/۴/۱۳۵۶ھ ----- حبیب رحیم

۱۔ اعتذار از مؤلف حضرت مولانا نے جو کچھ تحریر فرمایا ہے وہ بالکل صحیح ہے لفظ امام و میرہ اگرچہ میں نے جابجا کتاب میں لکھا ہے مگر اس کا ترک بھی ہوا ہے اس عدم التزام کے سبب میں ان برہمگوں کی روحوں۔ شرمندہ ہوں ان شاء اللہ طبع ثانی میں اس کا پورا لحاظ رہے گا۔ (معین الدین احمد)

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ
نَحْمَدُهُ وَنُصَلِّي عَلَى رَسُولِهِ الْكَرِيمِ

وِیَباچہ

ایمانی قوت دینی حمیت مذہبی و اخلاقی روح اور علمی و عملی خدمتوں کے اعتبار سے اسلام کے خیر القرون کے بہ ترتیب تین زرین دور یا تین طبقے ہیں صحابہؓ، تابعینؓ اور تبع تابعینؓ ان ہی تین دوروں میں مسلمان دینی اور دنیوی سعادت و فلاح کی معراج کمال کو پہنچا اس کے بعد جو ترقیاں ہوئیں وہ صرف ایوان تمدن کے نقش و نگار ہیں۔

ان تینوں طبقوں میں سے دوسرا طبقہ یعنی تابعینؓ جو اس کتاب کا موضوع ہے اس حیثیت سے نہایت اہم ہے کہ وہ صحابہ کرامؓ کی جو دین کا اصل سرچشمہ تھے اور تبع تابعینؓ کی جس میں تمام بڑے بڑے ائمہ پیدا ہوئے درمیانی کڑی ہے اسی نے صحابہ کی علمی اور اخلاقی برکتوں کو سارے عالم میں پھیلایا۔

کلام اللہ اور احادیث نبویؐ دونوں ان کے فضائل پر شاہد ہیں کلام اللہ میں ان کے فضائل و امتیازات یہ بتائے گئے ہیں اور مہاجرین و انصار کے ساتھ انہیں بھی رضوان الہی کی دولت سے سرفراز کیا گیا ہے :

”وَالسَّابِقُونَ الْأَوَّلُونَ مِنَ الْمُهَاجِرِينَ وَالْأَنْصَارِ وَالَّذِينَ اتَّبَعُوهُمْ
بِإِحْسَانٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ وَأَعَدَّ لَهُمْ جَنَّاتٍ عَذْنٍ تَجْرِي
مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ“۔

”اور مہاجرین و انصار میں سے جن لوگوں نے، قبول اسلام میں سبقت کی اور جن لوگوں نے خوشدلی کے ساتھ ان کا اتباع کیا خدا ان سے خوش اور وہ خدا سے خوش ہیں اور خدا نے ان کے لئے باغ تیار کئے ہیں جن کے نیچے نہریں رواں ہیں۔“

ظاہر ہے کہ اس آیت پاک کا مصداق تابعین کرام ہی ہیں کہ وہی عمل میں مہاجرین و انصار کے تابع اور زمانہ کے لحاظ سے ان کے بعد تھے اور اسی لیے عرف عام میں ان کا لقب تابعی رکھا گیا ہے۔
احادیث میں اس سے زیادہ صریح اور واضح الفاظ میں ان کا تعارف ہے اور ان کو خیر کے لقب سے سرفراز فرمایا گیا ہے :

”خیر امتی القرون الذین یلونی ، ثم الذین یلو نھم ثم الذین یلو نھم“۔
میری امت میں اس زمانہ کے لوگ بہتر ہیں جو مجھ سے ملا ہوا ہے (صحابہؓ)۔ پھر وہ لوگ جو ان سے ملے ہوئے ہیں (تابعین)۔ پھر وہ لوگ جو ان سے ملے ہوئے ہیں (تابع تابعین)۔
(مسلم کتاب الفضائل)

دوسری روایت کے الفاظ یہ ہیں۔

”خیر الناس قرنی ثم الذین یلو نھم ثم الذین یلو نھم“۔ الخ (ایضاً)
”سب سے بہتر لوگ میرے زمانہ کے ہیں (صحابہ کرام) پھر وہ جو ان سے متصل ہیں۔
(تابعین) پھر وہ لوگ جو ان سے متصل ہیں (تابع تابعین)۔“

یہ تینوں اپنے اپنے زمانہ کے لئے باعث خیر و برکت تھے اسلام کو ان ہی کی خیر و برکت سے روحانی اور مادی فتوحات حاصل ہوتی تھیں۔

”عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال یا نبی علی الناس یغزو فنام
من الناس فیقال لھم فیکم من رای رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
فیقولون نعم فیفتح لھم ثم یغزو فنام من الناس فیقال لھم فیکم
من رای من صحب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فیقولون نعم
فیفتح“۔ (مسلم کتاب الفضائل)

”نبی ﷺ نے فرمایا کہ لوگوں پر ایک ایسا زمانہ آئے گا کہ ایک جماعت جہاد کرے گی اس سے پوچھا جائے گا کہ تم میں کوئی ایسا شخص ہے جس نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا ہو وہ لوگ کہیں گے ہاں (انکی برکت سے) ان کے لئے فتح دی جائے گی پھر ایک جماعت جہاد کرے گی، ان سے پوچھا جائے گا کہ تم میں کوئی ہے جس نے اس شخص کو دیکھا ہو جو رسول اللہ ﷺ کے ساتھ رہا ہو تو وہ کہیں گے ہاں تو (ان کی برکت سے) فتح دی جائے گی۔“

(مسلم کتاب الفضائل)

یہ مقدس جماعت علم و عمل میں صحابہ رسول ﷺ کا عکس و پرتو تھی، اس نے رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات اور صحابہ کی علمی اور اخلاقی وراثت کو مسلمانوں میں پھیلایا۔ عہد رسالت کے بعد اور شخصی حکومت کے اثر سے اسلامی نظام میں جو خرابیاں پیدا ہو گئی تھیں ان کی اصلاح کی اور اگر اصلاح نہ کر سکی تو ان خرابیوں کے مقابلہ میں اسلام کے مصفا سرچشمہ کو باہر کے گرد و غبار اور کدورت سے اپنی کوششوں سے محفوظ رکھا۔ مذہبی علوم کی حفاظت و اشاعت کی نئے علوم کی بنیاد رکھی۔ اسلامی سلطنت کی حدود کو وسیع کیا، اسلام کو پھیلایا۔ فرض ان تمام برکتوں کا جن کا عہد صحابہ میں آغاز ہوا تھا تکمیل تک پہنچایا اور جو پوری ہو چکی تھیں ان کی حفاظت کی۔

امام زہری، کحول، شامی ابراہیم نخعی، قاضی شریح، عکرمہ، سالم بن عبد اللہ رضی اللہ عنہم وغیرہ نے علم کا پایہ سنبھالا۔ محمد بن سیرین، سعید بن مسیب، محمد بن جبیر، امام زین العابدین وغیرہم نے (خدا ان سے راضی ہو) اخلاق کا درس تازہ کیا۔ حسن بصری، اویس قرنی اور عامر بن عبد اللہ رضوان اللہ علیہم نے عشق و محبت کی آگ سوزاں رکھی۔ عمر بن عبد العزیز نے خلافت راشدہ کے نمونہ کو زندہ کیا۔ غرض تابعین کرام نے علم و عمل کے ہر شعبہ میں مسلمانوں کے لئے بہترین اسوہ چھوڑا۔ علم اور اخلاق وغیرہ کی یہ تقسیم محض اعتباری اور وصف غالب کی بنا پر ہے۔ ورنہ علم و اخلاق کے سارے محاسن کم و بیش ان تمام بزرگوں میں مشترک تھے۔

ان سب کا مشترک اور اہم کارنامہ دینی علوم کی جس پر مذہب اسلام کا دار و مدار ہے، حفاظت و اشاعت اور قرآن و حدیث سے متفرع علوم کی تاسیس ہے۔ اگر ان بزرگوں نے جانکاہ تکلیفیں اور مشقتیں اٹھائیں تو اس خزانہ کو محفوظ نہ کیا ہوتا، تو اس کا بڑا حصہ برباد ہو جاتا (اس کے حالات اصل کتاب میں آئیں گے)۔ تبع تابعین کے دور کے تمام بڑے بڑے آئمہ جن کے فیض سے آج مذہبی علوم زندہ ہیں، سب تابعین ہی کے حلقہ درس کے فیض یافتہ تھے۔

یوں تو تابعی ہر وہ شخص ہے، جس نے کسی صحابی کی صحبت اٹھائی ہو یا اُسے دیکھا ہو۔ لیکن جس طرح ہر صحابی صحابیت کا مکمل نمونہ نہیں اور اس کی تکمیل کے لئے کچھ شرائط ہیں۔ اسی طرح ہر تابعی بھی حقیقی تابعی نہیں۔ صحابہ میں ابو بکر صدیقؓ بھی تھے اور ابوسفیانؓ بھی۔ یہی فرق مراتب خدمات اور کارناموں کے اعتبار سے تابعین میں بھی ہے۔ تابعین میں امام زین العابدینؓ بھی ہیں اور یزید بن معاویہؓ بھی۔ لیکن مستان بینہما اس لحاظ سے ان بے شمار تابعین کو اس کتاب سے خارج کر دیا گیا ہے جن کی زندگی میں ہمارے لئے کوئی نمونہ عمل نہیں کہ ع

”محفل خاص ہے یہ رہ گزر عام نہیں“

ان کے علاوہ تابعین میں بڑے بڑے فاتحین اور کشور کشا بھی ہیں، جن کی تلواروں نے مشرق و مغرب کے ڈانڈے ملا دیئے۔ کچھ سلاطین و فرمانروا بھی ہیں، جن کی تمدن نوازی نے اسلامی حکومت کو تمدن کا تماشا گاہ بنا دیا۔ ان سب کی اچھی کوششیں امت مرحومہ کے شکر یہ کی مستحق ہیں۔ لیکن اس کتاب کا مقصد ان ہی برگزیدہ نفوس کے حالات پیش کرنا ہے جنہوں نے مسلمانوں کے لئے کوئی اخلاقی یا مذہبی نمونہ چھوڑا ہے اور جن کے اخلاقی نمونوں سے اسلام کی روح زندہ اور جن کی علمی کوششوں سے اسلامی علوم و فنون کی عمارت قائم ہے۔ اس لئے فاتحوں اور کشور کشاؤں اور بادشاہوں اور فرمانرواؤں کو بھی اس زمرہ سے علیحدہ رکھا گیا ہے کہ ان کی تو کسی زمانہ میں کمی نہیں۔ عبد الملک، ولید، سلیمان اور قتیبہ بن مسلم، موسیٰ بن نصیر، مسلمہ، مہلب بن ابی صفرة تو ہر زمانہ میں پیدا ہوتے ہیں۔ لیکن حسن بصری، اویس قرنی، سعید بن مسیب، ابن شہاب زہری اور محمد بن سیر بن کے پیدا ہونے کے لئے صدیاں درکار ہیں۔

سالہا باید کہ تا یک سنگ اصلی ز آفتاب
لعل گرد در بد خشاں یا عقیق اندر یمن
قرنہا باید کہ تا یک کود کے از لطف طبع
عالمے گویا شود یا فاضلے صاحب سخن
نفس کتاب کے متعلق گزارش ہے کہ اس کی کوشش کی گئی ہے کہ اس میں اکابر تابعین کرام کے علمی اخلاقی اور مذہبی کارناموں کو اس طرح پیش کیا جائے کہ اس عہد کی پوری علمی و اخلاقی تاریخ سامنے آجائے۔

دوسری قابل ذکر بات یہ ہے کہ سیر الصحابہ کے چھٹے حصہ میں حضرت عبد اللہ بن زبیر کے حالات کے سلسلہ میں ضمناً حضرت محمد بن حنفیہ کے کچھ حالات بھی آگئے تھے۔ اب تابعین کے سلسلہ میں ان کے مستقل حالات لکھنے کا اتفاق پیش آیا ہے۔ ان دونوں کتابوں کے مواقعات میں کم اور ”نقطہ نظر“ اور نتائج میں زیادہ فرق ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ سیر الصحابہ لکھتے وقت حضرت محمد بن حنفیہ کے حالات کے بعض ماخذ میرے پیش نظر نہ تھے۔ جدید ماخذوں کو دیکھنے کے بعد بہت سے ایسے حالات معلوم ہوئے، جن سے نقطہ نظر میں بھی تبدیلی پیدا ہوگئی۔ اس لئے آخری تحقیق تابعین کے حالات ہیں۔ ان شاء اللہ اگر سیر الصحابہ کے دوسرے ایڈیشن کی نوبت آئی تو اس کی تصحیح کر دی جائے گی۔

کتاب میں بعض کتابت و طباعت کی معمولی غلطیاں رہ گئی ہیں، جن سے کوئی کتاب مستثنیٰ نہیں اور بعض ایسی غلطیاں ہیں جنہیں جان بوجھ کر ناگزیر اسباب کی بنا پر گوارا کرنا پڑا۔ مثلاً حضرت

عمر بن عبد العزیز کے حالات میں صفحات کے شمار کے ہندسوں کا تسلسل قائم نہیں رہ سکا۔ اس کی وجہ یہ ہوئی کہ دارالمصنفین سے چونکہ حضرت عمر بن عبد العزیزؓ کی مستقل سیرت شائع ہو چکی ہے اس لئے ان کے حالات شامل کرنے کا ارادہ نہ تھا، لیکن پھر دوران طباعت میں خیال بدل گیا اس وقت ترتیب کے لحاظ سے کتاب کی طباعت ان کے نام تک پہنچ چکی تھی، اس لئے ان کے حالات کے صفحات کا تخمینہ کر کے دو جز چھوڑ کر کتاب کی طباعت جاری رہی لیکن حالات اندازہ سے تقریباً دو چاند ہو گئے۔ اس لئے صفحات کے نمبروں کا تسلسل قائم نہ رہ سکا اور ان کو ملانے کے لئے کچھ ہندسے مکرر ہو گئے۔ لیکن اس سے نفس صفحات کی ترتیب میں کوئی فرق نہیں پیدا ہوا، وہ ویسے ہی مرتب ہیں، صرف کچھ نمبر مکرر ہو گئے۔ اسی سلسلہ میں حروف ”ع“ کے ناموں کی بجائی ترتیب میں کچھ خفیف سا فرق ہو گیا ہے۔ اس کے علاوہ فروگزاشتوں کی تصحیح کے لئے آخر میں استدراک لگا دیا گیا ہے۔

آخر میں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا ہے کہ تابعین کی سیرت کی تکمیل کے بعد کاتب سطور کو اکابر تبع تابعین کی سیرت نگاری کی سعادت بھی عطا فرمائے کہ اس کے ناچیز ہاتھوں سے سیر الصحابہ سے لے کر تابعین کی سیرت تک کا سلسلہ الذہب پورا ہو جائے اور ان نفوس قدسیہ کے طفیل میں اوراق کو مؤلف کے لئے پروانہ مغفرت بنادے۔ وَمَا ذَالِكَ عَلَى اللَّهِ بِعَزِيزٍ

فقیر معین الدین احمد ندوی

دارالمصنفین اعظم گڑھ

۱۸۔ رمضان المبارک ۱۴۵۶ھ

مطابق ۲۴۔ نومبر ۱۹۳۷ء

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

(۱) ابراہیم بن یزید تیمی

نام و نسب : ابراہیم نام ہے۔ ابو اسماء کنیت۔ نسب نامہ یہ ہے : ابراہیم بن یزید بن شریک بن تیم الرباب تیمی۔ ابراہیم کوفہ کے عابد وزہد تابعین میں تھے۔
فضل و کمال : فضل و کمال کے لحاظ سے کوئی ممتاز شخصیت نہ رکھتے تھے۔ تاہم کوفہ کے علمائے باعمل میں شمار تھے۔

حدیث : حافظ ذہبی انہیں حفاظ میں شمار کرتے ہیں۔ حدیث میں انہوں نے انس بن مالک، حارث بن سوید عمرو بن میمون اور اپنے والد یزید سے استفادہ کیا تھا۔ حضرت عائشہؓ سے بھی روایت کی ہے لیکن یہ روایت مرسل ہیں۔ بیان بن بشر، حکم بن عتبہ، زبید بن حارث، مسلم البطحین اور یونس بن عبید وغیرہ ان کے زمرہ تلامذہ میں ہیں۔

زہد و عبادت : ان کا امتیازی وصف زہد و تقویٰ ہے۔ ان کے والد یزید بن شریک بڑے عابد وزاہد تابعی تھے۔ انہوں نے بڑی دولت پیدا کی، لیکن دنیا سے کبھی آلودہ نہ ہوئے۔ ان کے لباس تک پر ان کی ثروت کا اثر ظاہر نہ تھا۔ ایک مرتبہ ابراہیم نے ان کے جسم پر روئی کا معمولی کرتہ جس کی آستینیں ہتھیلیوں تک لٹکی تھیں دیکھ کر کہا، ابا کوئی قرینہ کا لباس کیوں نہیں پہن لیتے؟ جواب دیا۔ بیٹا جب میں بصرہ میں آیا اس وقت ہزاروں پیدا کئے، لیکن اس سے میری خوشی اور مسرت میں کوئی اضافہ نہیں ہوا، اور نہ اسے دوبارہ حاصل کرنے کی خواہش پیدا ہوئی ہے۔ میں یہ چاہتا ہوں کہ جو پاک لقمہ میں کھاتا ہوں وہ اس شخص کے منہ میں جائے جو مجھے سب سے زیادہ مبغوض ہو کیونکہ میں نے ابودرداءؓ سے سنا ہے کہ قیامت میں ایک درہم رکھنے والے سے زیادہ دودرہم رکھنے والے سے حساب ہوگا۔

ایسے زاہد باپ کی تعلیم و تربیت نے ابراہیمؒ کو ابتداء ہی سے دنیا سے بے نیاز اور زہد و عبادت کی جانب مائل کر دیا تھا۔ چنانچہ آگے چل کر وہ اپنے عہد کے ممتاز ترین عباد میں ہوئے۔ حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں کہ وہ بڑے عابد وزاہد تھے اور فاقہ کشی پر ان کو بھی قدرت تھی۔

عبادت میں اس قدر اہتمام تھا کہ تکبیر اولیٰ کبھی قضا نہ ہوتی تھی اور اس سے غفلت کرنے والے کو گیارہ گز را بکھتے تھے۔ چنانچہ فرماتے تھے کہ جسے تکبیر اولیٰ میں تساہل کرتے دیکھو اس سے ہاتھ دھو ڈالو۔^۱

نماز میں کیف و استغراق کا یہ عالم تھا کہ جبکہ کی حالت میں چڑیاں پیٹھ پر اڑ اڑ کے بیٹھتی تھیں اور چونچیں مارتی تھیں۔^۲ دودھ دینے مسلسل روزے رکھتے تھے۔^۳ اور محض ایک انگور روزانہ پر پورا چلے گذر دیتے تھے۔^۴ لیکن اس زہد و عبادت پر بھی اپنے اعمال کو قابل اعتناء نہ سمجھتے تھے اور فرماتے تھے کہ جب اپنے قول و عمل میں موازنہ کرتا ہوں تو جھوٹا بننے سے خوف معلوم ہوتا ہے۔^۵

ایثار کا بے مثل نمونہ اور شہادت ایثار اور قربانی کا مجسم پیکر تھے۔ اس کی آخری حد یہ ہے کہ دوسروں کے لئے جان تک دینے میں دریغ نہ کیا۔ انہوں نے ایثار قربانی کا ایسا نمونہ پیش کیا جس کی مثالیں کم ملتی ہیں۔ حجاج ثقفی ابراہیم نخعی کا جو بڑے ممتاز عالم تابعی ہیں۔ سخت دشمن تھا اور ان کے درپے آزار رہا کرتا تھا۔ لیکن دست رس حاصل نہ ہو سکا۔ اس کے آدمی ہمیشہ ان کی تلاش میں رہتے تھے۔

ایک مرتبہ وہ ابراہیم نخعی کو تلاش کر رہے تھے۔ ابراہیم تیمی کو دونوں کی مخالفت کا علم تھا۔ اس علم کے باوجود انہوں نے ان کے بچانے کے لئے کہہ دیا کہ ”ابراہیم میں ہوں“ تلاش کرنے والے آدمی ابراہیم نخعی کو پہنچانے نہ تھے۔ اس لئے ان کے اقرار پر انہی کو پکڑ لے گئے۔ حجاج نے زنجیروں میں جکڑوا کے دیماں کے قید خانہ میں جس کو اس نے سنگین مجرموں کے لئے خاص طور سے بنوایا تھا ڈلوادیا۔ یہ قید خانہ کیا تھا، موت کا گھر تھا۔ اس میں سردی اور گرمی پانی اور دھوپ سے بچنے کا بھی کوئی انتظام نہ تھا۔ اس پر محض قید نے چند ہی دنوں میں ابراہیم کا رنگ و روپ ایسا بدل دیا کہ ان کی ماں تک ان کو نہ پہچان سکیں، لیکن وہ نہایت صبر و استقلال کے ساتھ ان مصائب کا مقابلہ کرتے رہے۔ اور ان کو جھیلنے جھیلنے بالآخر انتقال کر گئے۔

ان کی شب وفات کو حجاج نے خواب میں دیکھا کہ آج شہر میں ایک جنتی مر گیا ہے۔ صبح کو اس نے پوچھا تو معلوم ہوا کہ ابراہیم نے قید خانہ میں انتقال کیا۔ یہ سن کر اس جفا شعار نے کہا خواب شیطانی و سوسہ معلوم ہوتا ہے اور ابراہیم کی لاش گھور پر پھٹکوا دی۔^۶

۱۔ طبقات کبریٰ شعرائی۔ ص ۳۶ ۲۔ ایضاً ۳۔ ایضاً ۴۔ ایضاً ۵۔ طبقات کبریٰ۔ ص ۳۶

۶۔ ابن سعد۔ جلد ۶۔ ص ۱۹۹

بعض اقوال : ابراہیم کے بعض اقوال نہایت حکیمانہ ہیں۔ فرماتے تھے کہ انسان کے لئے علم کے نتائج میں سے خشیت الہی اور جہل کے نتائج میں سے اپنے عمل پر غرور کافی ہے اور طمعیں انسان کو بدکرداریوں پر آمادہ کرتی ہیں۔

(۲) ابراہیم بن یزید نخعیؒ

نام و نسب : ابراہیم نام ہے۔ ابو عمران کنیت۔ نسب نامہ یہ ہے : ابراہیم بن یزید بن اسود بن عمرو بن حارثہ ابن سعد بن مالک بن نخعی نخعی قبیلہ مذحج کی ایک شاخ تھا اور کوفہ میں آباد تھا۔
فضل و کمال : فضل و کمال کے لحاظ سے ابراہیم نخعی کوفہ کے ممتاز ترین تابعین میں تھے۔ ان کا گھرانہ علم و عمل کا گہوارہ تھا۔ ان کے چچا علقمہ اور ماموں اسود دونوں کوفہ کے ممتاز محدثین میں تھے۔ ابراہیمؒ نے انہی کے دامن میں پرورش پائی۔ علقمہ کا حلقہ درس اتنا وسیع تھا کہ محمد بن سیرین جیسے اکابر ان میں شریک ہوتے تھے۔ ابراہیمؒ بھی اسی حلقہ کے فیض یافتہ تھے۔ اس کے علاوہ علقمہ اور اسود کے سلسلہ سے ابراہیمؒ کو اس عہد کی بڑی بڑی ممتاز ہستیوں سے ملنے کا اتفاق ہوتا تھا۔ چنانچہ بچپن میں وہ حضرت عائشہؓ کی خدمت میں آتے جاتے تھے۔

ابو معشر کا بیان ہے کہ ابراہیمؒ رسول اللہ ﷺ کی بعض ازواج (حضرت عائشہؓ) کے پاس آتے جاتے تھے۔ ایوب نے اعتراض کیا کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ بچپن میں بلوغ کے پہلے اپنے چچا اور ماموں علقمہ اور اسود کے ساتھ حج کو جاتے تھے اور ان لوگوں کو اُم المؤمنین حضرت عائشہؓ سے عقیدت و ارادت اور ان کی مجلسوں میں ان صاحبوں کی آمد و رفت تھی۔ گو حضرت عائشہؓ سے ابراہیمؒ کا سامع ثابت نہیں ہے لیکن ان کی جیسی برگزیدہ ہستیوں کی مجلس میں شریک ہو جانا ہی حصول برکت و سعادت کے لیے کافی تھا۔

ان بزرگوں کے فیض صحبت نے ابراہیمؒ کا دامن دولت علم سے مالا مال کر دیا تھا اور وہ اپنے عہد کے ممتاز ترین علماء میں شمار ہوتے تھے۔ امام نوویؒ لکھتے ہیں کہ ان کی توثیق جلالت اور فقہی کمال پر سب کا اتفاق ہے۔ ابو زرہؒ نخعی کہتے ہیں کہ وہ اعلام اہل اسلام میں ایک علم تھے۔ ان کو حدیث وقفہ دونوں علوم میں بڑی دست گاہ حاصل تھی۔

۱۔ طبقات کبریٰ شعرائی۔ ص ۳۶ ۲۔ ابن سعد۔ جلد ۶۔ ص ۱۹ ۳۔ ایضاً ۴۔ تہذیب التہذیب ۱۱۱-۱۱۲

ق اول۔ جلد اول۔ ص ۱۰۴

حدیث : حدیث کے وہ ممتاز حفاظ میں تھے۔ حافظ ذہبی ان کو دوسرے طبقہ کے حفاظ میں شمار کرتے ہیں۔ حدیث میں انہوں نے اپنے دونوں ماموں اسود اور عبد الرحمن بن یزید اور مسروق علقمہ، ابو معمر، ہمام، ابن حارث، قاضی شریح اور سکیم بن منجاب وغیرہ سے استفادہ کیا تھا اور اعمش، منصور، ابن عون، زبید الیمامی، حماد بن سلیمان اور مغیرہ بن مقسم صبی وغیرہ ان کے زمرہ تلامذہ میں تھے۔^۱

حدیث میں ان کی معلومات اس قدر وسیع تھیں کہ اعمش کا بیان ہے کہ میں نے جب کبھی ابراہیم کے سامنے کوئی حدیث بیان کی تو انہوں نے اس حدیث کے بارہ میں میری معلومات میں اور اضافہ کر دیا۔^۲ ابن معین ان کی مرسل حدیثوں کو امام شعیبی کی مرسل روایت سے زیادہ پسند کرتے تھے۔^۳

روایت بالمعنی:

روایت حدیث میں الفاظ کی پابندی ضروری نہیں سمجھتے اور بالمعنی روایت کافی سمجھتے تھے۔^۴

انتساب رسول ﷺ میں احتیاط:

لیکن اسی کے ساتھ وہ روایت کو رسول اللہ ﷺ کے ساتھ منسوب کرنے میں بڑے محتاط تھے اور مرفوع روایات کے حفظ کے باوجود انہیں روایت نہ کرتے تھے۔ ابو ہاشم کا بیان ہے کہ میں نے ابراہیم سے پوچھا آپ کو رسول اللہ ﷺ سے کوئی حدیث نہیں پہنچی ہے جس کو آپ بیان کریں؟ جواب دیا کیوں نہیں! لیکن عمرؓ عبد اللہ علقمہ اور اسود سے روایت کرنا اپنے لئے زیادہ آسان معلوم ہوتا ہے۔^۵

فقہ : فقہ ابراہیم کا خاص فن فقہ تھا۔ اس فن کے وہ امام تھے۔ ان کے فقہی کمال پر سب کا اتفاق ہے۔^۶ حافظ ذہبی انہیں فقیہ عراق اور امام نووی فقیہ کوفہ لکھتے ہیں۔ امام شعیبی نے ان کی وفات کے وقت کہا کہ ابراہیم نے اپنے بعد اپنے سے بڑا عالم اور اپنے سے بڑا فقیہ نہیں چھوڑا۔ لوگوں نے کہا حسن بصری اور ابن سیرین بھی نہیں؟ شعیبی نے جواب دیا۔ نہ صرف حسن بصری اور ابن سیرین بلکہ اہل بصرہ، کوفہ، حجاز اور شام میں کوئی بھی نہیں ہے۔ بڑے بڑے علماء فقہی مسائل کے ساکین کو ان کے پاس بھیج دیتے تھے۔ سعید بن جبیر کے پاس جب کوئی فتویٰ پوچھنے کے لئے آتا تو اس سے کہتے ابراہیم کی موجودگی میں مجھ سے پوچھتے ہو۔^۷ ابو وائل کے پاس جب کوئی مستفتی جاتا تو اس کو ابراہیم کے پاس بھیج دیتے کہ وہ جو جواب دیں مجھے بتانا۔^۸

۱۔ تہذیب التہذیب۔ جلد اول۔ ص ۱۷۷ ۲۔ ابن سعد۔ جلد ۶۔ ص ۱۸۹ ۳۔ تہذیب التہذیب۔ جلد اول۔ ص ۱۷۷
۴۔ ابن سعد۔ جلد ۶۔ ص ۱۹ ۵۔ ایضاً ۶۔ تہذیب الاسماء۔ ق اول۔ جلد اول۔ ص ۱۰۳ ۷۔ تہذیب الاسماء۔ ق اول۔ جلد اول۔ ص ۱۰۳ ۸۔ ابن سعد۔ جلد ۶۔ ص ۱۸۹ ۹۔ ایضاً۔ ص ۱۹۰

اظہار علم سے احتراز:

ان کمالات کے باوجود وہ علم کا اظہار کرنا اچھا نہ سمجھتے تھے۔ چنانچہ بغیر سوال کئے ہوئے کبھی خود سے کوئی علمی تذکرہ نہ کرتے تھے^۱۔ اور سوالات سے بھی گھبراتے تھے۔ زبید کا بیان ہے کہ جب کبھی میں نے ابراہیمؓ سے کسی چیز کے متعلق کچھ پوچھا تو ان میں ناگواری کے آثار نظر آئے۔^۲

ذمہ داری کا احساس اور احتیاط:

اس کا ایک بڑا سبب یہ تھا کہ وہ علم کی بڑی ذمہ داری محسوس کرتے تھے۔ چنانچہ فرماتے تھے کہ ایک زمانہ وہ تھا، جب لوگ قرآن کی تفسیر کرتے ہوئے ڈرتے تھے اور اب یہ زمانہ ہے کہ جس کا دل چاہتا ہے مفسر بن بیٹھا ہے۔ مجھے یہ زیادہ پسند ہے کہ میں علم کے متعلق ایک کلمہ بھی منہ سے نہ نکالوں۔ جس زمانہ میں میں فقیہ ہوا وہ بہت ہی بُرا زمانہ ہے^۳۔ میں نے ایسے لوگوں کو بھی دیکھا ہے کہ جب وہ مجموعوں میں ہوتے تھے تو اپنی بہترین احادیث بھی نہ بیان کرتے تھے۔

اس ذمہ داری اور احتیاط کی وجہ سے مسائل کے جوابات میں بڑے محتاط تھے۔ اعمش کا بیان ہے کہ میں نے ایک مرتبہ ابراہیمؓ سے کہا کہ میں چند مسائل آپ کے سامنے پیش کرنا چاہتا ہوں۔ فرمایا ”میں یہ ناپسند کرتا ہوں کہ میں کسی شے کے متعلق کہوں کہ وہ اس طرح ہے اور وہ اس کے خلاف ہو“^۴۔

دوسرا سبب یہ تھا کہ وہ شہرت اور ریاء کو سخت ناپسند کرتے تھے۔ چنانچہ فرماتے تھے کہ جو شخص علم کا ایک کلمہ بھی اس نیت سے منہ سے نکالتا ہے کہ اس سے لوگوں کو اپنی طرف مائل کرے تو وہ اس کے وسیلہ سے سیدھا جہنم میں گرتا ہے نہ کہ جس کی شروع سے آخر تک یہی نیت ہو^۵۔

استفادہ کے مخصوص اوقات :

لیکن اس احتیاط کے باوجود انہوں نے اپنی ذات سے استفادہ کا دروازہ بند نہیں کر دیا تھا۔ وہ مسائل بتاتے تھے اور اس کے لئے خاص اوقات مقرر تھے۔ جن میں ہر شخص مسائل پوچھ سکتا تھا اور آپ اس کے جواب دیتے تھے۔ حسن بن عبید اللہ کا بیان ہے کہ میں نے ابراہیمؓ سے کہا کہ آپ ہم لوگوں سے حدیث نہ بیان کریں گے۔ جواب دیا کیا تم چاہتے ہو کہ میں فلاں شخص کی طرح ہو جاؤں۔ اگر تم کو اس کی خواہش ہے تو قبیلہ کی مسجد میں آیا کرو وہاں جب کوئی شخص کچھ پوچھے گا تو تم بھی جواب سن لو گے^۶۔

۱ تذکرہ الحفاظ۔ جلد اول۔ ص ۶۲ ۲ طبقات ابن سعد۔ جلد ۶۔ ص ۱۸۹ ۳ طبقات کبریٰ امام شریفی۔ جلد اول۔ ص ۳۶۷

۴ ابن سعد۔ جلد ۶ ص ۱۹۰

۵ ایضاً

تحریر پر حفظ کو ترجیح :

بعض قدماء اسلاف کی طرح ابراہیم کو علم سفینہ سے زیادہ علم سینہ پر اعتماد تھا۔ چنانچہ وہ لکھتے نہ تھے۔ فضیل کا بیان ہے کہ میں نے ابراہیم سے کہا کہ میں نے مسائل کو کتاب میں جمع کیا تھا، لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ خدا نے اس کو مجھ سے چھین لیا۔ انہوں نے کہا کہ جب انسان لکھ لیتا ہے تو اس پر اس کو اعتماد ہو جاتا ہے اور جب انسان علم کی جستجو کرتا ہے تو خدا اس کو بقدر کفایت علم عطا فرماتا ہے۔

فضائل اخلاق :

اس علم کے ساتھ وہ عمل اور فضائل اخلاق کی دولت سے بھی مالا مال تھے۔

عبادت و ریاضت :

نہایت عابد و زاہد اور متورع تھے۔ راتوں کی تنہائی میں لوگوں کی آنکھوں سے چھپ کر عبادت کرتے تھے۔ طلحہ کا بیان ہے کہ جب لوگ سو جاتے تھے اس وقت ابراہیم ایک عمدہ حلہ پہن کر خوشبو لگا کر مسجد چلے جاتے تھے، صبح تک وہیں رہتے، صبح کو حلہ اتار کر پھر معمولی لباس پہن لیتے تھے۔ عبادت کے اثر سے بالکل چور اور خستہ ہو جاتے تھے۔ اعمش کا بیان ہے کہ ابراہیم اکثر نماز پڑھ کر ہمارے یہاں آتے تھے۔ دن چڑھے تک یہ حال رہتا تھا کہ بیمار معلوم ہوتے تھے۔ ایک دن ناغہ دے کر پابندی کے ساتھ روزہ رکھتے تھے۔

صحت عقیدہ : عقیدہ میں سلف کے عقائد سے سرمو تجاوز کرنا پسند نہ کرتے تھے۔ چنانچہ ار جاء کا عقیدہ رکھنے والوں کے جو کوئی اہم شے نہیں ہے بعض تابعین بھی اس عقیدہ کے تھے سخت خلاف تھے۔ فرماتے تھے ار جاء بدعت ہے تم لوگ ہمیشہ اس سے بچتے رہو۔ مرجہ کے پاس نہ بیٹھو۔ ان کے پاس آنے والوں میں جس کے خیالات میں ار جاء کا ادنیٰ سا شائبہ بھی نظر آتا ان کو آنے سے منع کر دیتے۔

انتہائی احتیاط : صلحاء اور خیار امت سے طلب دعا کی ممانعت نہیں ہے اور اس پر سحاح تابعین کا عمل بھی رہا ہے، لیکن چونکہ اس سے بعض بدعات کا دروازہ کھلتا ہے اور عوام کے عقیدوں میں راز سے ضعف پیدا ہوتا ہے اسلئے اسے بھی پسند نہ کرتے تھے۔

ایک مرتبہ ایک شخص نے آپ سے درخواست کی کہ ابو عمر ان دعا کیجئے کہ خدا مجھے شفا عطا فرمائے۔ ان کو یہ درخواست گراں گزری اور اس شخص سے کہا کہ ایک مرتبہ ایک شخص نے حذیفہ سے

مغفرت کی دعا کی درخواست کی۔ انہوں نے دعا کے بجائے کہا کہ خدا تمہاری مغفرت نہ فرمائے۔ یہ سن کر وہ شخص الگ ہٹ گیا۔

تھوڑی دیر کے بعد حذیفہؓ نے اس کو بلا کر دعا کی کہ خداتم کو حذیفہؓ کی جگہ داخل کر دے۔ اس دعا کے بعد اس شخص کو بلا کر پوچھا کہ اب تم راضی ہو تم میں سے بعض اشخاص ایک شخص کے پاس اس عقیدہ کے ساتھ جاتے ہیں کہ اس نے تمام مراتب حاصل کر لئے ہیں اور وہ کوئی بلند ہستی بن گیا ہے۔ یہ واقعہ سنا کر ابراہیمؑ نے سنت کا تذکرہ کر کے اس کی پابندی کی تلقین کی اور بدعتوں کا ذکر کر کے ان سے ناپسندیدگی کا اظہار کیا۔

مساحت :

لیکن چھوٹی چھوٹی باتوں میں سخت گیر نہ تھے اور ان میں سختی ناپسند کرتے تھے۔ ایک دن آپ کے یہاں دو آدمی آئے، ان میں سے ایک کا بند کھلا ہوا تھا اور دوسرے کے بال گندھے ہوئے تھے۔ قرقدنخی نے ابراہیمؑ سے کہا کہ ابو عمر ان اس شخص کو بند کھولنے اور اس شخص کو بال گوندھنے سے منع نہیں کرتے۔ ابراہیمؑ نے کہا میری سمجھ میں نہیں آتا کہ تم میں بنی اسد کی سنگدلی پیدا ہو گئی ہے یا بنی تمیم کی سختی۔ ان میں سے ایک شخص کو گرمی معلوم ہو رہی تھی اس نے بند کھول دیا اور دوسرا شخص نماز کے وقت بال کھول دیتا ہے۔

اختلاف صحابہ میں سکوت :

صحابہ کرام کے اختلافات پر تنقید اظہار رائے اور فریقین میں سے کسی کی جانب داری ناپسند کرتے تھے اور ان مسائل میں سکوت سے کام لیتے تھے۔ ان کے ایک شاگرد نے حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کے اختلاف کے بارہ میں سوال کیا۔ انہوں نے کہا نہ میں سبائی ہوں نہ مرجی۔

اسی طرح ایک مرتبہ ایک اور شخص نے ان سے کہا مجھے ابو بکرؓ و عمرؓ کے مقابلہ میں علیؓ سے زیادہ محبت ہے۔ انہوں نے کہا اگر علیؓ تمہارا یہ خیال سنتے تو تم کو سزا دیتے۔ اگر تم کو اس قسم کی باتیں کرنی ہیں تو میرے پاس نہ بیٹھا کرو۔ فرماتے تھے مجھ کو عثمانؓ کے مقابلہ میں علیؓ سے زیادہ محبت ہے لیکن میں آسمان سے منہ کے بل گرنا پسند کرتا ہوں اور یہ گوارا نہیں ہے کہ عثمانؓ کے ساتھ کسی قسم کا سوئے نظن رکھوں۔

تواضع و خاکساری :

ابراہیم باین جلالت شان نہایت خاموش، عزلت نشین، بے تکلف اور سادہ مزاج تھے۔ تواضع اور خاکساری کا یہ حال تھا کہ ٹیک لگا کر بیٹھنے تک کا امتیاز بھی گوارا نہ تھا۔^۱ کبھی کبھی حصول اجر کے لئے دوسروں کا بوجھ تک اٹھا لیتے تھے۔ اعمش کا بیان ہے کہ میں نے بسا اوقات ابراہیم کو بوجھ اٹھائے ہوئے دیکھا ہے۔ وہ کہتے تھے کہ میں حصول اجر کے لئے ایسا کرتا ہوں۔^۲

ہیبت : لیکن اس خاکساری کے باوجود لوگوں کے دلوں پر ان کی ہیبت چھائی رہتی تھی مغیرہ بیان کرتے ہیں کہ ہم لوگ حکام اور امرا کی طرح ابراہیم سے ڈرتے تھے۔^۳

سلاطین اور امراء سے تعلقات :

سلاطین اور امراء کے ساتھ ابراہیم کے دوستانہ تعلقات تھے اور دونوں میں باہم ہدایا و تحائف کا تبادلہ ہوا کرتا تھا۔ اکثر ممتاز امراء ان کی خدمت کیا کرتے تھے۔^۴ یہ اس کو قبول کرنے میں مضائقہ نہ سمجھتے تھے اور اسے برا سمجھتے تھے کہ خدا کسی کی کوئی شے عطا فرمائے اور وہ اس سے انکار کرے۔^۵ لیکن وہ ہدایا لینے کے ساتھ ان کا بدلہ بھی کرتے تھے۔^۶

ظالم امراء کی مخالفت :

البتہ ظالم اور جفا کار امراء کے سخت خلاف رہتے تھے۔ اسی لئے ان میں اور حجاج میں کبھی نہ بنتی تھی۔ وہ آپ کا سخت دشمن تھا۔ ابراہیم اسے برا بھلا کہا کرتے تھے۔ اس پر لعنت بھیجنے میں بھی مضائقہ نہ سمجھتے تھے۔^۷ ایک مرتبہ ایک شخص نے حجاج اور اس کے جیسے دوسرے ظالموں پر لعنت بھیجنے کے بارہ میں سوال کیا۔ آپ نے جواب دیا خدا خود قرآن میں فرماتا ہے۔ حجاج کی موت پر اس قدر مسرور ہوئے کہ سجدہ میں گر پڑے اور آنکھوں سے اشک سرت رواں ہو گئے۔^۸

وفات : حجاج کی موت کے چند مہینے بعد بیمار پڑے دم آخر نہایت مضطرب و بے قرار تھے۔ لوگوں نے اس کا سبب پوچھا فرمایا اس سے زیادہ خطرہ کا وقت کون ہوگا کہ خدا کا قاصد جنت یا دوزخ کا پیام لے کر آئے گا میں اس پیام کے مقابلہ میں قیامت تک موجودہ صحت کا قائم رہنا پسند کرتا ہوں۔^۹ اسی علالت میں آغاز ۹۶ھ میں انتقال کیا۔ باختلاف دئے انتقال کے وقت انچاس یا پچاس یا اس سے کچھ اوپر عمر تھی۔^{۱۰}

۱۔ تہذیب امتہ ذیہ۔ جلد اول۔ ص ۷۷ و تذکرۃ الحفاظ۔ جلد اول۔ ص ۷۲ ۲۔ ایضاً ۸۳ ۳۔ تذکرۃ الحفاظ۔ جلد اول

۶۲۳۔ ص ۶۲ ۴۔ ابن سعد۔ جلد ۶۔ ص ۱۹۳ ۵۔ ایضاً۔ ص ۱۹۳ ۶۔ تذکرۃ الحفاظ۔ جلد اول۔ ص ۶۲

۷۔ ابن سعد۔ جلد ۶۔ ص ۱۹۵ ۸۔ ایضاً ۹۔ ابن خلیقان۔ جلد اول۔ ص ۳ ۱۰۔ ابن سعد۔ جلد ۶۔ ص ۱۹۹

حلیہ و لباس: ابراہیم نہایت خوش لباس تھے۔ رنگین اور بیش قیمت پوشاک پہنتے تھے۔ زعفرانی اور سرخ رنگ کا لباس استعمال کرنے میں بھی مضائقہ نہ سمجھتے تھے۔ جاڑوں کے لباس میں سمور کی سنجاف لگی ہوتی تھی۔ سمور کی ٹوپی پہنتے تھے۔ عمامہ بھی باندھتے تھے۔ لوہے کی انگوٹھی پہنتے تھے۔ اس کا نقش ذباب اللہ و نوحن لہ تھا۔ امام شعرانی کا بیان ہے کہ اپنے کو چھپانے کے لئے رنگین کپڑے پہنتے تھے تاکہ یہ نہ معلوم ہو کہ قراء کی جماعت سے ہیں یا دنیا داروں کی۔

حکیمانہ اقوال: آپ کے بعض اقوال نہایت حکیمانہ اور موعظت ہیں۔ فرماتے تھے کہ

- (۱) انسان چالیس سال تک جس سیرت پر قائم رہے پھر وہ نہیں بدل سکتی۔
- (۲) ایمان کے بعد آدمی کو سب سے بڑی دولت تکلیفوں پر صبر کی عطا کی گئی ہے۔ اسی لئے بیماری کا حال بیان کرنا بھی پسند نہ کرتے تھے۔ فرماتے تھے کہ جب مریض سے اس کی حالت پوچھی جائے تو اس کو چاہئے کہ پہلے اچھا کہے، اس کے بعد اصل حالت بیان کرے کہ شکوہ غم بھی شان صبر کے خلاف ہے۔
- (۳) انسان کے لئے یہ معصیت کافی ہے کہ لوگ دنیا یا دین کے معاملہ میں اس پر انگشت نمائی کریں۔

(۳) احنف بن قیسؓ

نام و نسب: ضحاک نام ہے۔ ابو بحر کنیت۔ عربی نام احنف ہے۔ اس کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ احنف کے پیروں میں خلعتی کچی تھی عربی میں اس کو حنف کہتے ہیں۔ اس لئے وہ احنف مشہور ہو گئے۔ نسب نامہ یہ ہے، احنف ابن قیس بن معاویہ بن حصین بن حفص بن عبادہ بن نزال بن مرہ بن عبید بن مقاعس بن عمرو بن کعب بن سعد بن زید مناۃ بن تمیم کے سرداروں میں تھے۔

عہد رسالت: احنف عہد رسالت میں موجود تھے۔ ابن عماد حنبلی کے مطابق وہ اسی عہد میں مشرف باسلام ہوئے اور ان کا قبیلہ انہی کی تحریک پر اسلام لایا۔ لیکن اور تمام ارباب طبقات و رجال کا بیان اس کے خلاف ہے۔ چنانچہ ابن سعد نے ان کے حالات تابعین ہی کے زمرہ میں لکھے ہیں۔ حافظ ابن عبد البر بھی جنہوں نے احتیاطاً ان کے حالات صحابہ کے زمرہ میں اس لئے لکھ دیئے ہیں

کہ انہوں نے آنحضرت ﷺ کا زمانہ پایا تھا، مگر شرف دیدار سے محروم رہے۔ تابعین ہی میں شمار کرتے ہیں۔ حافظ ابن حجر لکھتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کا زمانہ پایا مگر اسلام نہیں لائے۔

جس روایت سے ان کے اسلام کا نتیجہ نکالا جاتا ہے وہ یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک صحابی کو قبیلہ بنی سعد (احنف کا قبیلہ) میں تبلیغ اسلام کے لئے بھیجا، انہوں نے جا کر اسلام پیش کیا۔ احنف بھی موجود تھے۔ انہوں نے اسلامی تعلیمات سن کر کہا کہ یہ شخص بھلائی کی طرف بلاتا ہے اور اچھی باتیں سناتا ہے۔ مبلغ صحابی نے جا کر یہ واقعہ آنحضرت ﷺ سے بیان کیا آپ نے سن کر دعا فرمائی کہ خدایا احنف کی مغفرت فرما۔

لیکن بولانا اس روایت کی صحت محل نظر ہے۔ لیکن اگر اسے صحیح بھی مان لیا جائے تو اس میں اسلام کی کوئی تصریح نہیں، اس سے صرف اسی قدر معلوم ہوتا ہے کہ وہ حق شناس تھے اور ان کے دل میں قبول حق کا مادہ موجود تھا۔

آنحضرت ﷺ کی دعا قبول اسلام کا ثبوت نہیں۔ آپ نے یہ دعا ان کی حق شناسی پر فرمائی تھی، اور اگر بالفرض اسلام بھی مان لیا جائے تو آنحضرت ﷺ کو دیکھنا، آپ سے ملنا، آپ کی صحبت اٹھانا تو قطعی ثابت نہیں، جو صحابیت کے لئے ضروری ہے۔ لیکن ان کا یہی شرف کیا کم ہے کہ وہ اسلام سے پہلے بھی حق شناس تھے، اور ان کو آنحضرت ﷺ اور اسلام سے کوئی عناد نہ تھا۔

اسلام : قیاس یہ ہے کہ وہ شیخین کے زمانے میں کسی وقت اسلام سے مشرف ہوئے۔

عہد فاروقی :

حضرت عمرؓ کے عہد خلافت میں مدینہ آئے۔ حضرت عمرؓ کو قبیلہ بنی تمیم کے ساتھ سوئے خن تھا، اس لئے آپ اکثر اس کی مذمت کیا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ احنف کی موجودگی میں نبی تمیم کا کچھ تذکرہ آیا، آپ نے حسب معمول اس کی مذمت کی۔ احنف مذمت سن کر کھڑے ہو گئے اور عرض کی مجھے کچھ کہنے کی اجازت ہو۔ آپ نے اجازت دی۔ احنف نے کہا آپ نے بلا استئذان پورے قبیلہ بنی تمیم کی بُرائی کی، حالانکہ وہ بھی عام انسانوں کی طرح ہیں۔ ان میں اچھے بُرے ہر قسم کے لوگ ہیں۔ حضرت عمرؓ نے سچی بات سن کر فرمایا، تم نے سچ کہا اور ذکر خیر سے گزشتہ مذمت کی تلافی فرمائی۔ احنف کے بعد اسی قبیلہ کے ایک اور آدمی حنات نے کچھ کہنا چاہا، مگر حضرت عمرؓ نے روک دیا کہ تم بیٹھ جاؤ تمہاری جانب سے تمہارے سردار فرض ادا کر چکے۔

حضرت عمرؓ کی صحبت :

اگرچہ حضرت عمرؓ نے احنف کی اصولی بات کی وجہ سے اس کا اعتراف کر لیا تھا لیکن ان کے قبیلہ کے ساتھ ان کو سوء ظن تھا۔ اس لئے بہ تقاضائے احتیاط احنف کی سیرت کا اندزہ لگانے کے لئے ان کو ایک سال تک اپنے ساتھ مدینہ میں رکھا اور تجربہ کے بعد ان سے کہا کہ میں نے ایک سال تک تمہارا تجربہ کیا، مجھ کو تم میں بھلائی کے سوا اور کوئی قابل اعتراض شے نظر نہ آئی۔ تمہارا ظاہر اچھا ہے امید ہے کہ باطن بھی اچھا ہوگا، میں نے یہ اس لئے کیا تھا کہ رسول اللہ ﷺ نے ہم لوگوں کو ڈرایا تھا کہ اس امت کی ہلاکت باخبر منافقین کے ہاتھوں ہوگی۔

ابو موسیٰ اشعریؓ والی بصرہ کو احنف کے بارہ میں حضرت عمرؓ کی ہدایت :

اس تجربہ کے بعد حضرت عمرؓ کو جب ان پر کامل اعتماد ہو گیا تو انہیں ان کے وطن بصرہ واپس کر دیا اور ابو موسیٰ اشعریؓ والی بصرہ کو ہدایت کر دی کہ ان کو اپنے ساتھ رکھنا، ان سے مشورہ لینا اور ان کے مشوروں اور ہدایتوں پر عمل کرنا۔ احنف اہل بصرہ کے سردار تھے۔ حضرت عمرؓ کے اس حکم کے بعد سے احنف کے مراتب روز بروز بلند ہونے لگے۔

فارس کی مہم میں شرکت :

اس وقت ایران پر فوج کشی ہو چکی تھی بصرہ واپس جانے کے بعد احنف اس میں شریک ہوئے چنانچہ اے اہل فارس کی مہم میں نظر آتے ہیں۔

اہل بصرہ کی نمائندگی :

احنف بڑے عاقل و مدبر تھے۔ اس لئے قومی و ملکی مہمات میں ان کا نام سرفہرست ہوتا تھا اور اکثر قوم کی نمائندگی کی خدمت ان کے سپرد ہوتی تھی۔ چنانچہ اسی زمانہ میں وہ بصرہ کے وفد میں مدینہ آئے۔ حضرت عمرؓ نے وفد سے اہل بصرہ کی شکایتیں اور ضرورتیں پوچھیں۔ احنف نے جو ضروریات تھیں وہ پیش کیں۔ حضرت عمرؓ نے ان کی تقریر بہت پسند کی اور خاندان کسریٰ کی بعض مفتوحہ جاگیریں انہیں عطا کیں اور والی بصرہ کو لکھ بھیجا کہ وہ انتظامی امور میں احنف سے صلاح و مشورہ کیا کریں اور ان پر عمل کیا کریں۔ پھر اہواز کی فتح کے بعد مشہور ایرانی افسر ہرمزان کو جس نے خوزستان کی مہم میں سپردال دی تھی لے کر مدینہ آئے۔

۱۔ ابن سعد۔ جلد ۷۔ ق اول۔ ص ۶۶ ۲۔ اسد الغابہ۔ جلد اول۔ ص ۵۵ ۳۔ ابن اثیر۔ جلد ۲۔ ص ۳۳۰
۴۔ ایضاً۔ جلد ۲۔ ص ۲۲۳-۲۲۵ ۵۔ ابن اثیر۔ ص ۳۳۹-۳۴۰

ایران پر عام فوج کشی کا مشورہ :

اس وقت عراق فتح ہو چکا تھا، لیکن ایران پر عام فوج کشی نہ ہوئی تھی اور مفتوحہ علاقے بار بار باغی ہو جاتے تھے۔ اسی زمانہ میں مجاہدین کا وفد مدینہ آیا۔ حضرت عمرؓ نے ان سے پوچھا کہ ایرانی بار بار باغی کیوں ہو جاتے ہیں، معلوم ہوتا ہے مسلمان انہیں ستاتے ہیں۔ مسلمانوں نے اس کی تردید کی، لیکن کوئی حضرت عمرؓ کے سوال کا تشفی بخش جواب نہ دے سکا۔

احنف کا دماغ نہایت نکتہ رس تھا۔ یہ اصل تہہ تک پہنچ گئے۔ انہوں نے کہا، اس کی وجہ یہ ہے کہ امیر المومنین نے مسلمانوں کو ایران کے اندرون ملک فوج کشی سے روک دیا ہے اور سلطنت کا وارث تاج و تخت ملک میں موجود ہے۔ جب تک وہ باقی رہے گا، ایرانی اس کے سہارے پر برابر بغاوت کرتے رہیں گے، کیونکہ ایک ملک میں دو حکومتیں ایک ساتھ جمع نہیں ہو سکتیں۔ ایران کا بادشاہ ایرانیوں کو ابھارتا رہتا ہے، اس لئے جب تک ہم لوگ ایران کے اندر فوج کشی کر کے اس کو ختم نہ کر دیں گے اس وقت تک ایرانیوں کی ہی روش رہے گی۔ جب وہ لوگ اپنی حکومت سے بالکل مایوس ہو جائیں گے، اس وقت خاموش ہوں گے۔

حضرت عمرؓ نے ان کی تقریر کو سن کر فرمایا تم سچ کہتے ہو اور ان کے مشورہ کے مطابق ایران پر عام فوج کشی کے انتظامات شروع کر دیئے اور ہر ہر صوبے پر علیحدہ علیحدہ فوجیں روانہ کیں۔

یزدگرد کا استیصال :

چونکہ یزدگرد کے استیصال کا مشورہ احنف ہی نے دیا تھا اور وہ اپنے دل دماغ کے لحاظ سے اس مہم کے لئے سب سے زیادہ موزوں تھے۔ اس لئے خراسان کی مہم جہاں یزدگرد پناہ گزیں تھا، حضرت عمرؓ نے انہی کے سپرد کی۔ یہ ۲۲ھ میں خراسان کی طرف بڑھے اور طہسین ہو کر ہرات پہنچے اور اس کو فتح کر کے مردشاہ جہاں کا جہاں یزدگرد مقیم تھا زخ کیا۔

وہ ان کی پیش قدمی کی خبر سن کر مروا لروز چلا گیا۔ یہاں پہنچ کر خاقان چین اور دوسرے سرحدی حکمرانوں کو مدد کے لئے خطوط لکھے یزدگرد کے مروا لروز جانے کے بعد احنف مردشاہ جہاں میں حارثہ بن نعمان باہلی کو چھوڑ کر مرو کی طرف بڑھے۔ ان کا رخ دیکھ کر یزدگرد یہاں سے بھی بھاگا اور بلخ پہنچا اس دوران میں کوفہ سے تازہ دم امدادی فوجیں آ گئیں، احنف نے انہیں لے کر بلخ پر حملہ کر دیا۔

یزدگرد شکست کھا کر دریا پار خاقان کے حدود حکومت میں چلا گیا۔ اس کے بعد اخف نے خراسان کے تمام علاقوں میں فوجیں پھیلا دیں خراسانی انہیں نہ روک سکے اور نیشاپور سے طخارستان تک کا پورا علاقہ صلحا فتح ہو گیا اور اخف نے مروالروذ واپس ہو کر حضرت عمرؓ کو فتح کا مژدہ لکھا۔ آپ فتوحات کا دائرہ ایران سے آگے نہیں بڑھانا چاہتے تھے، اس لئے دریا پار پیش قدمی کرنے سے روک دیا۔

یزدگرد کے حدود چین میں داخل ہونے کے بعد خاقان چین نے اس کی بڑی پذیرائی کی اور ایک لشکر جرار کے ساتھ اس کی مدد کے لئے خراسان پہنچا اور سیدھا بلخ کی طرف بڑھا بلخ کی اسلامی فوجیں اخف کے ساتھ مروالروذ واپس جا چکی تھیں، اس لئے یزدگرد اور خاقان دونوں بلخ ہوتے ہوئے مرو کی طرف بڑھے۔ یزدگرد شاہجہاں جہاں اس کا خزانہ تھا چلا گیا، اخف اور یزدگرد کا مقابلہ ہوا، اخف نے پہاڑ کے دامن میں صف آرائی کی۔ فریقین میں عرصے تک صبح شام معمولی جھڑپ ہوتی رہی۔

ایک دن اخف خود میدان میں نکلے، خاقان کی فوج سے ایک بہادر ترک طبل اور دمامہ بجاتا ہوا مقابل میں آیا۔ اخف نے اس کا کام تمام کر دیا، اس کے بعد دو اور بہادر یکے بعد دیگرے مقابلہ میں آئے مگر دونوں اخف کی تلوار کا لقمہ بنے۔ اس کے بعد ترکوں کا پورا لشکر آگے بڑھا، خاقان کی نظر لاشوں پر پڑی اس نے فال بد لی، یزدگرد کی حمایت میں اس کا کوئی خاص فائدہ نہ تھا اور مسلمانوں کو زیر کرنا بھی آسان نہ تھا، اس لئے اس نے کہا ہم کو یہاں آئے ہوئے بہت دن ہو گئے ہیں، ہمارے بہت سے نامور بہادر قتل ہو چکے ہیں، ہم کو ان لوگوں سے لڑنے میں کوئی فائدہ نہیں نظر آتا اور فوج کو کوچ کا حکم دیدیا۔

اس وقت یزدگرد مرو شاہجہاں میں تھا۔ اس کو خاقان کی واپسی کی خبر ملی تو اس کی ہمت چھوٹ گئی اور اس نے خزانہ لے کر ترکستان نکل جانا چاہا ایرانیوں نے اس کو اس ارادہ سے روکا اور کہا کہ ترکوں کا کوئی دین و مذہب نہیں ہے اور نہ ان کے عہد و پیمان کا ہمیں کوئی تجربہ ہے۔ مسلمان بہر حال مذہب اور عہد کے پابند ہیں۔ اس لئے اگر آپ کو ملک ہی چھوڑنا ہے تو مسلمانوں سے صلح کر لیجئے۔ لیکن یزدگرد نے اس مشورہ کو قبول کرنے سے انکار کیا۔ ایرانیوں نے جب دیکھا کہ ان کے ملک کی دولت دوسرے ملک میں نکلی جا رہی ہے تو لڑ کر یزدگرد سے کل خزانہ چھین لیا اور وہ شکست کھا کر ترکستان چلا گیا اور حضرت عمرؓ کے زمانہ تک خاقان کے پاس مقیم رہا۔

یزدگرد کے ترکستان چلے جانے کے بعد ایرانیوں کا آخری سہارا بھی جاتا رہا اور انہوں نے مایوس ہو کر احنف سے صلح کر لی اور یزدگرد کا کل خزانہ ان کے حوالہ کر دیا۔ احنف نے ان کے ساتھ ایسا شریفانہ برتاؤ کیا کہ انہیں اس کا فسوس ہوا کہ وہ اب تک مسلمانوں کی حکومت سے کیوں محروم رہے۔

ایک پُر اثر تقریب :

اس مصالحت کے بعد احنف نے حضرت عمرؓ کو فتح کی اطلاع بھجوائی اور مسلمانوں کو جمع کر کے ایک پُر اثر تقریر کی، جو اپنی اثر پذیری کے اعتبار سے آج بھی مسلمانوں کے لئے درس بصیرت ہو سکتی ہے تقریر یہ تھی :

”مسلمانو! آج جو مجوسیوں کی حکومت برباد ہو گئی اور اب ان کے قبضہ میں ان کے ملک کا ایک چپہ بھی باقی نہیں رہا کہ وہ مسلمانوں کو کسی قسم کا نقصان پہنچا سکیں۔ خدا نے اب تم کو ان کی زمین، ان کے ملک اور ان کے اہل ملک کا وارث بنایا ہے، تاکہ تمہارا امتحان لے۔ اگر تم بدل گئے تو خدا بھی تمہاری جگہ دوسری قوم کو بدل دے گا۔ مجھے مسلمانوں ہی کے ہاتھوں سے ان کی بربادی کا خوف ہے۔“

عہد عثمانی : حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں جب ایران میں بغاوت ہوئی اور خراسان مسلمانوں کے قبضہ سے نکل گیا اس وقت احنف ہی نے فوج کشی کر کے دوبارہ اس پر قبضہ کیا۔

خانہ جنگی سے اجتناب اور حضرت علیؓ کے ہاتھوں پر بیعت :

”حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد جب مسلمانوں میں خانہ جنگی کا سلسلہ شروع ہوا اور

اس وقت احنف نے اپنی تلوار میان میں کر لی۔ چنانچہ جب حضرت علیؓ اور حضرت عائشہؓ میں اختلاف شروع ہوئے اس وقت احنف نے جو مکہ میں تھے، حضرت عائشہؓ ”طلحہ اور زبیرؓ سے مل کر اصل حقیقت کا اندازہ کر کے حضرت علیؓ کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ لیکن جنگ میں کسی جانب سے حصہ نہ لیا۔ حضرت عائشہؓ نے بھی انہیں اپنے ساتھ آنے کی دعوت دی، لیکن اس وقت وہ بیعت کر چکے تھے۔

جنگ صفین میں شرکت :

البتہ جب حضرت علیؓ اور امیر معاویہؓ میں جنگ چھڑی اس وقت ان کی حق شناس تلوار میان میں نہ رہ سکی اور انہوں نے حضرت علیؓ کی حمایت میں نہایت پر جوش حصہ لیا اور اہل بصرہ کو ان کی امداد و اعانت پر آمادہ کیا۔

جنگ صفین کے التواء پر جب حکیم کا مسئلہ پیش ہوا اور حضرت علیؑ کی جانب سے ابو موسیٰ اشعریؓ کا نام لیا گیا اس وقت احنف نے سخت مخالفت کی اور کہا آپ کو عرب کے مدبر اعظم سے سابقہ پڑا ہے، ابو موسیٰ کا مجھ کو خوب تجربہ ہے وہ اس اہم کام کے اہل نہیں ہیں۔ اس کے لئے نہایت چالاک اور عاقل شخص کی ضرورت ہے۔ اگر ہو سکے تو آپ مجھے حکم بنائیے اور اگر اس کے لئے صحابی ہونا ضروری ہے تو آپ کسی اور صحابی کو منتخب کیجئے اور مجھ کو اس کا شیر بنائیے۔

لیکن عراقی قوم کا فیصلہ ابو موسیٰ کے حق میں تھا اس لئے حضرت علیؑ احنف کے خیر خواہانہ اور زرین مشورہ پر عمل پیرا نہ ہو سکے۔ جب صفین کے بعد خوارج پر فوج کشی میں بھی حضرت علیؑ کے ساتھ تھے اور کئی ہزار اہل بصرہ آپ کی مدد کے لئے گئے۔

امیر معاویہؓ کی اطاعت اور آزادی کے رائے :

حضرت علیؑ کی شہادت کے بعد امیر معاویہؓ کی خلافت تسلیم کر لی، لیکن اس وقت بھی انہوں نے آزادی اور حق گوئی کا جو ہر قائم رکھا اور امیر معاویہؓ کی ہر جائز و ناجائز خواہش کے سامنے سر تسلیم خم نہیں کرتے تھے، بلکہ ان کے نزدیک ان کا جو فعل درست نہیں ہوتا تھا اس پر نہایت جرأت کے ساتھ اپنی رائے ظاہر کرتے تھے۔ امیر معاویہؓ نے جب یزید کی ولیعہدی کے لئے تمام ممالک محروسہ سے وفود طلب کئے تو احنف بھی بصرہ کے وفد کے ساتھ آئے۔ امیر معاویہؓ نے ان سے بھی یزید کی ولیعہدی کے بارہ میں پوچھا۔

انہوں نے کہا امیر المومنین آپ یزید کے شبانہ یوم کے مشاغل، اس کے ظاہر اور مخفی حالات، اس کے آنے جانے کے مقامات سے اچھی طرح واقف ہیں۔ اگر اس واقفیت کے بعد بھی آپ اس کو خدا اور امت محمدی کے لئے بہتر سمجھتے ہیں تو اس میں مشورہ کی ضرورت نہیں۔ اور اگر بہتر نہیں سمجھتے تو ایسی حالت میں کہ آپ کو عنقریب آخرت کا سفر پیش آنے والا ہے، یزید کو دنیا کا توشہ نہ دیجئے۔ ورنہ یوں ہمارا فرض ہے کہ آپ جو کچھ فرمائیں ہم اس کو بجالائیں۔

امیر معاویہؓ پر ان کا اثر :

لیکن ان کی حق پرستی اور صاف گوئی کے باوجود امیر معاویہؓ ان کی بڑی قدر و منزلت کرتے تھے، اور بڑے بڑے عمال کو ان کی اشارہ پر معزول کر دیتے تھے۔ عبید اللہ بن زیاد امیر معاویہؓ کے نہایت معتمد عالیہ اور ان عمال میں تھا، جنہوں نے اموی حکومت کی بنیاد مستحکم کی تھی۔ اس کا طرز عمل احنف کے ساتھ

پسندیدہ نہ تھا۔ ۹۵ھ میں عبید اللہ چند عمائد کوفہ کے ساتھ جس میں احنف بھی تھے، امیر معاویہ کے پاس شام آیا۔ امیر معاویہ حسب معمول احنف کے ساتھ بڑے تپاک سے پیش آئے اور انہیں اپنے ساتھ تخت شاہی پر بیٹھایا۔ عمائد بصرہ نے عبید اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے امیر معاویہ کے سامنے اس کی بڑی تعریفیں کیں۔ احنف کی رائے ان سب کے خلاف تھی۔ اس لئے وہ خاموش رہے۔

امیر معاویہ نے پوچھا ! ابو محترم کیوں نہیں بولتے۔ انہوں نے جواب دیا، مگر میں بولوں گا تو قوم کی مخالفت ہوگی۔ ان کا خیال سن کر امیر معاویہ نے اسی وقت عبید اللہ کو معزول کر دیا اور اہل بصرہ سے کہا تم لوگ جس والی کو پسند کرتے ہو، اس کو پیش کرو، ان لوگوں نے امیر معاویہ کی خوشامد میں اموی خاندان اور شامیوں میں سے انتخاب کیا۔ احنف اس وقت بھی خاموش رہے اور کسی کو پیش نہیں کیا۔ امیر معاویہ نے پیش کرنے والوں سے پوچھا، تم نے کسے منتخب کیا، چونکہ ان میں سے ہر شخص کا انتخاب جدا گانہ تھا اس لئے کسی ایک شخص پر اتفاق نہ ہو سکا۔ احنف بالکل خاموش تھے۔ امیر معاویہ نے ان سے کہا تم کیوں نہیں بولتے۔

یہ منتخب کرنے والوں کا رنگ دیکھ چکے تھے، اس لئے انہوں نے کہا اگر آپ کو اپنے خاندان والوں میں سے کسی کو والی بنانا ہے تو ایسی صورت میں ہم عبید اللہ ہی کو ترجیح دیں گے اور اگر کسی تیسرے شخص کو بنانا ہو، اس میں جو آپ کی رائے ہو۔ ان کا غشاء بن کر معاویہ نے عبید اللہ ہی کو برقرار رکھا اور اس کو احنف کے نظر انداز کرنے پر ملامت اور آئندہ ان کے ساتھ حسن عمل کی تاکید کی^۱۔

یزید کی خلافت :

امیر معاویہؓ کی وفات کے بعد احنف نے یزید کی خلافت تسلیم کر لی۔ حضرت امام حسینؓ جب یزید کے مقابلہ کے لئے اٹھے تو احنف کو بھی امداد کے لئے خط لکھا^۲۔ لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے آپ کا ساتھ نہیں دیا اور یزید کی بیعت پر قائم رہے۔

ابن زبیرؓ کی حمایت :

یزید کی موت کے بعد جب اموی حکومت میں انقلاب برپا ہوا اور عرق سے اموی حکومت اٹھ گئی اس وقت بصریوں کی رہنمائی کرتے رہے اس سلسلہ میں ان کے قبیلہ بنی تمیم اور بعض دوسرے قبائل میں کچھ ہنگامہ آرائیاں ہوئیں، پھر جب عراق عبد اللہ بن زبیرؓ کے قبضہ میں آ گیا، اس وقت احنف ان کے ساتھ ہو گئے۔ ان کے زمانہ میں بھی احنف کا قندیمہ اعزاز و وقار قائم رہا۔

ابن زبیرؓ کے حکام ان سے صلاح و مشورہ کرتے تھے اور اس پر عمل کرتے تھے۔ چنانچہ جب عراق میں خوارج کا زور بڑھا اور اس کا اثر بصرہ تک پہنچا، اس وقت احنف بن علیؓ کی تحریک سے مشہور سپہ سالار مہلب بن ابی صفرہ خوارج کے مقابلہ پر مامور کئے گئے۔

عبداللہ بن زبیرؓ کے دور خلافت میں مختار ثقفی نے جب عراق پر قبضہ کرنے کی کوشش کی اس وقت احنف نے ابن زبیرؓ کی حمایت میں مختار کے داعی ثنی کو عراق سے نکالا۔ لیکن رفتہ رفتہ جب عراق میں مختار کا اثر نفوذ کرنے لگا، اس وقت احنف نے ابن زبیرؓ کے بھائی مصعب کے ساتھ مل کر مختار کے آدمیوں کا مقابلہ کیا۔

اسی زمانہ میں عبداللہ بن زبیرؓ کے اصل حریف عبدالملک اموی نے احنف کو اپنے ساتھ ملانے کی کوشش کی، لیکن گزشتہ تجربات کے بعد سے یہ امویوں کے سخت خلاف ہو گئے تھے۔ اس لئے انہوں نے نہایت سخت جواب دیا کہ ابن زرقاء مجھے شامیوں کی دوستی کی دعوت دیتا ہے، خدا کی قسم میں چاہتا ہوں کہ میرے اور اس کے درمیان آگ کا پتھر حائل ہو جاتا کہ نہ اُس کے آدمی ادھر آسکتے اور نہ میرے آدمی ادھر جاسکتے۔

وفات : عبداللہ بن زبیرؓ کے بھائی مصعب والی کوفہ کے ساتھ دوستانہ مراسم تھے۔ احنف ان سے ملنے کے لئے کوفہ گئے، یہیں انتقال ہو گیا۔ ابن عماد حنبلی کے مطابق یہ ۲۷ھ تھا۔

فضل و کمال : علمی اعتبار سے احنف کوئی قابل ذکر شخصیت نہ رکھتے تھے، تاہم اکابر صحابہ کی صحبت اٹھائی تھی، اس لئے علم سے تہی دامن نہ تھے۔ حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت سعد بن ابی وقاصؓ، حضرت عبداللہ بن سعدؓ اور حضرت ابوذرؓ جیسے اجل صحابہ سے انہوں نے سماع حدیث کیا تھا اور ان سے ان کی روایت موجود ہیں۔ خود ان سے استفادہ کرنے والوں میں حسن بصری، ابوالعلاء بن شخیر اور طلق بن حبیب وغیرہ لائق ذکر ہیں۔

عقل و دانش : ان کی فضیلت کا میدان مسند علم کے بجائے خارزار سیاست تھا۔ وہ اپنے عہد کے بڑے عاقل مدبر حلیم تھے۔ ان کے بارہ میں لوگوں کی رائے تھی کہ کسی قوم میں احنف سے بہتر شریف نہیں دیکھا گیا۔ جب ان کی وفات ہوئی تو مصعب نے کہا آج سے حرم اور دوائے کا خاتمہ ہو گیا۔

۱۔ اخبار الطوال۔ ص ۲۸۱ ۲۔ ابن اثیر۔ جلد ۴۔ ص ۲۰۳ ۳۔ اخبار الطوال۔ ص ۲۱۲ ۴۔ ابن سعد۔ جلد ۷۔ ق اول۔ ص ۶۸ ۵۔ ایضاً۔ ص ۶۹ ۶۔ شذرات الذهب۔ جلد اول۔ ص ۷۸ ۷۔ تہذیب المعجم۔ جلد اول۔ ص ۱۹۱ ۸۔ استیعاب۔ جلد ۵۵ ۹۔ ابن سعد۔ جلد ۷۔ ق اول۔ ص ۶۷ ۱۰۔ تہذیب المعجم۔ جلد اول۔ ص ۹۱

عبادت و ریاضت :

عام طور سے غیر معمولی عقل و دانش اور تدبیر کے ساتھ زہد و تقویٰ اور عبادت و ریاضت کا اجتماع کم ہوتا ہے، لیکن احنف جس درجہ کے مدبر تھے اسی درجہ کا ان میں زہد و تقویٰ تھا۔ ان کی عبادت کا خاص وقت پردہ شب تھا۔ جب دنیا خواب شیریں کے مزے لیتی تھی، اس وقت وہ اپنے رب کے حضور میں اظہار عبودیت کرتے تھے، اسی وقت وہ اپنے اعمال کا جائزہ بھی لیتے تھے۔ ابو منصور کا بیان ہے کہ احنف کی نماز کا وقت عموماً رات کو ہوتا تھا۔ وہ چراغ جلا کر اس کی لو پر انگلی رکھتے اور نفس سے خطاب کر کے کہتے ”تجھ کو فلاں فلاں دن فلاں فلاں کام کرنے پر کس چیز نے آمادہ کیا“۔^۱

ضعف پیری میں جب کہ قوی روزے کے متحمل نہ رہ گئے تھے، ان کے ایک ملنے والے یزید نے کہا کہ اب آپ کے قوی بہت ضعیف ہو گئے ہیں، روزے آپ کو اور زیادہ کمزور کر دیں گے۔ جواب دیا، میں اس کو ایک بہت لمبے سفر کے لئے تیار کرتا ہوں۔^۲

قرآن : قرآن کی تلاوت سے خاص شغف تھا۔ جب تنہائی ہوتی فوراً قرآن لے کر بیٹھ جاتے۔^۳ ان عبادتوں پر بھی پورا اعتماد نہ تھا۔ خدا سے عرض کیا کرتے تھے، خدایا اگر تو میری مغفرت کر دے تو یہ تیری رحمت ہے اور اگر سزا دے تو میں اس کا مستحق ہوں۔^۴

طہارت میں غلو :

طہارت میں اتنا غلو تھا کہ سخت موسم میں بھی تیمم نہ کرتے تھے اور برف آلود پانی کی ٹھنڈک برداشت کر لیتے تھے۔ خراسان کی مہم کے زمانہ میں ایک شب کو نہانے کی حاجت ہو گئی، سردی کا موسم تھا وہ بھی خراسان کی سردی، رات بھی ٹھنڈی تھی۔ احنف نے کسی خادم اور سپاہی تک کو نہ جگایا اور اسی وقت تن تنہا پانی کی تلاش میں نکل کھڑے ہوئے۔ راستہ میں کانٹے وار جھاڑیاں تھیں، ان کو روندتے ہوئے آگے بڑھے، کانٹوں کی خراش سے دونوں پاؤں لہو لہان ہو گئے، بالا آخر ایک برف کی تہ تک پہنچے اور اس کو توڑ کر برف آلود پانی سے غسل کیا۔^۵

حق گوئی : نہایت حق گو اور حق پرست تھے۔ سلاطین اور امراء کے سامنے بھی ان کی زبان اظہار حق میں باک نہ کرتی تھی۔ یزید کی ولیعهدی کے مسئلہ میں اظہار رائے کا واقعہ اوپر گزر چکا ہے۔ ایک اور

۱۔ ابن سعد۔ جلد ۷۔ ق اول۔ ۶۷ ۲۔ ایضاً۔ ۶۸ ۳۔ ایضاً۔ ۶۷ ۴۔ ابن سعد۔ جلد ۷۔ ق اول۔ ص ۶۸

۵۔ ایضاً۔ ۶۷

کسی موقع پر اسی قبیل کا کوئی اختلافی مسئلہ پیش آیا تھا اور لوگ اپنی اپنی رائے ظاہر کرتے تھے، لیکن احنف خاموش تھے۔ امیر معاویہؓ نے ان سے کہا ابو بکر تم بھی کچھ بولو۔ انہوں نے کہا، کیا بولوں اگر جھوٹ بولتا ہوں تو خدا کا خوف ہے اور اگر سچ بولتا ہوں تو تم لوگوں کا ڈر ہے۔^۱

حلم : ضبط و تحمل ان کا خاص وصف تھا۔ علامہ ابن حجر لکھتے ہیں کہ ان کے مناقب بہ کثرت ہیں ان کا حلم ضرب الشمل تھا۔^۲ لیکن خود ہمیشہ انکسار ا کہتے تھے کہ میں حقیقتہً حکیم نہیں ہوں بلکہ اپنے کو حکیم دکھانا چاہتا ہوں۔^۳

بعض اصول : احنف کے بعض اصول ایسے تھے کہ وہ ہر شخص کے لئے لائق عمل ہیں۔ فرماتے تھے کہ میں تین کاموں کے کرنے میں زیادہ جلدی کرتا ہوں۔ نماز پڑھتے میں، جب اس کا وقت آجائے۔ جنازہ دفن کرنے میں اور لڑکی کی شادی کرنے میں، جب اس کی نسبت ہو جائے۔^۴

اجمال تبصرہ : ابن عماد حنبلی لکھتے ہیں کہ وہ سادات تابعین میں تھے۔ ان کا حکم مثلاً پیش کیا جاتا تھا۔ حسن بھری فرماتے تھے کہ میں نے کسی قوم کے شریف کو احنف سے افضل نہیں پایا۔ انہوں نے متعدد خلفاء کا عہد پایا تھا۔^۵

ان میں سے کسی خلیفہ نے ایک شخص سے ان کے اوصاف پوچھے، اس نے کہا اگر آپ ایک وصف سننا چاہتے ہوں تو ایک بتاؤں، اگر دو چاہتے ہوں تو دو بتاؤں، اگر تین چاہتے ہوں تو تین بتاؤں۔ خلیفہ نے کہا دو بتاؤ۔ اس شخص نے کہا وہ بھلائی کرتے تھے اور بھلائی کو پسند کرتے تھے اور شر سے بچتے تھے اور اس سے بغض رکھتے تھے۔ خلیفہ نے کہا اچھا تین اوصاف بتاؤ اس شخص نے کہا کسی پر بیجا زیادتی اور ظلم نہیں کرتے تھے اور کسی کو اس کے حق سے نہیں روکتے تھے۔ خلیفہ نے کہا ایک وصف بیان کرو اس شخص نے کہا کہ وہ اپنے نفس کے سب سے بڑے حکم ان تھے۔^۶

(۴) اسمعیل بن ابی خالد حمسیؓ

نام و نسب : اسمعیل نام ہے۔ ابو عبد اللہ کنیت۔ قبیلہ بجیلہ کی شاخ بنی حمس کے غلام تھے۔ اسی نسبت سے حمسی کہلاتے ہیں۔ ابن سعد کی روایت کے مطابق چھ صحابہ کو دیکھا تھا۔

۱۔ ابن سعد۔ جلد ۷۔ ق ۱۰۷۔ ص ۶۷ ۲۔ تہذیب الجہیز۔ جلد ۱۔ ص ۹۱ ۳۔ ابن سعد۔ جلد ۷۔ ق ۱۰۷۔ ص ۶۷
۴۔ شذرات الذهب۔ جلد اول۔ ص ۷۸ ۵۔ ابن سعد۔ جلد ۲۔ ص ۲۳۰ ۶۔ ایضاً۔ ص ۱۶۵

انس بن مالک، ابن ابی اوفی، ابوکاہل، ابو جحیفہ، عمرو بن حرث اور طارق بن شہابؓ۔ اور ابو نعیم کی روایت کے مطابق بارہ کو^۱۔

فضل و کمال : فضل و کمال کے اعتبار سے کبار تابعین میں تھے۔ عامر کہتے تھے، انہوں نے علم کو پی لیا ہے^۲۔ امام نوویؒ لکھتے ہیں کہ ان کی توثیق و جلالت پر سب کا اتفاق ہے^۳۔

حدیث : حدیث میں ان کا پایہ نہایت بلند تھا۔ حافظ ذہبی لکھتے ہیں کہ وہ حجت تھے، متقن تھے، مکثر تھے اور عالم تھے^۴۔ تمام بڑے بڑے علماء ان کے حفظ حدیث کے معترف تھے۔ سفیان ثوریؒ کہتے تھے کہ حفاظ ہمارے نزدیک چار ہیں۔ عبد الملک بن ابی سلیمان، اسمعیل بن ابی خالد، عاصم الاخول اور یحییٰ ابن سعد انصاریؒ۔ امام شعبی کے تمام ساتھیوں میں ابو حاتم ان پر کسی کو ترجیح نہیں دیتے تھے^۵۔ اپنی صداقت کی وجہ سے میزان کہے جاتے تھے^۶۔

صحابہ میں انہوں نے اپنے والد ابو خالدؒ اور ابو جحیفہؒ، عبد اللہ بن ابی اوفی، عمرو بن حرث اور ابوکاہلؒ سے سماع کیا تھا اور غیر صحابہ میں زید بن وہب، محمد بن سعد، ابی بکر بن عمارہ، قیس بن ابی حازم، اسمعیل بن عوف، حارث بن شبیل، طارق بن شہاب اور شعبی وغیرہ سے۔ ان سے روایت کرنے والوں میں شعبہ دونوں سفیان، زائدہ، ابن مبارک، ہشیم، یزید بن ہارون اور یحییٰ القطان وغیرہ کے نام قابل ذکر ہیں^۷۔

ابن مدائن کے مطابق ان کے مرویات کی تعداد تین سو ہے^۸۔ اور عجل کے بیان کے مطابق پانچ سو کے قریب^۹۔

عمل کا درجہ : علم کے ساتھ عمل کے لباس سے بھی آراستہ تھے۔ حافظ ذہبی لکھتے ہیں کہ وہ باعمل علماء میں تھے^{۱۰}۔ ابن حبان کا بیان ہے کہ وہ شیخ صالح تھے^{۱۱}۔

کسب حلال : علمائے اسلام کا یہ خاص امتیاز رہا ہے کہ انہوں نے علم کو کسب معاش کا ذریعہ نہیں بنایا۔ اسمعیل بھی انہی علماء میں تھے اور آٹا پیسنے کی چکی چلا کر رزق پیدا کرتے تھے^{۱۲}۔

وفات : ۱۴ھ میں وفات پائی^{۱۳}۔

۱۔ تہذیب التہذیب۔ جلد ۱۔ ص ۲۹۲ ۲۔ ابن سعد۔ جلد ۶۔ ص ۲۶۰ ۳۔ تہذیب الاسماء۔ جلد ۱۔ ص ۱۲۱
 ۴۔ ابن سعد۔ جلد ۶۔ ص ۲۳۰ ۵۔ تہذیب التہذیب۔ جلد ۱۔ ص ۲۹۱ ۶۔ تہذیب الاسماء۔ ص ۱۲۱
 ۷۔ ابن سعد۔ جلد ۶۔ ص ۲۳۰ ۸۔ تہذیب الاسماء۔ جلد ۱۔ ص ۱۲۱ ۹۔ تہذیب التہذیب۔ جلد ۱۔ ص ۲۹۲
 ۱۰۔ تذکرۃ الحفاظ۔ جلد ۱۲۸ ۱۱۔ تہذیب التہذیب۔ جلد ۱۔ ص ۲۹۳ ۱۲۔ تذکرۃ الحفاظ۔ جلد ۱۔ ص ۱۳۸
 ۱۳۔ ابن سعد۔ جلد ۶۔ ص ۲۳۰

(۵) اسود بن یزیدؓ

نام و نسب : اسود نام ہے۔ ابو عمر کنیت۔ والد کا نام یزید تھا۔ نسب نامہ یہ ہے : اسود بن یزید بن قیس بن عبد اللہ بن مالک بن علقمہ بن سلامان بن کہیل بن بکر بن عوف بن نضج نضجی۔
فضل و کمال : فضل و کمال اور زہد و عبادت کے لحاظ سے اسود کوفہ کے ممتاز ترین علماء میں تھے۔ حافظ ذہبی انہیں زہد و عابد اور کوفہ کا عالم لکھتے تھے^۱۔ امام نووی لکھتے ہیں کہ ان کی توثیق و جلالت پر سب کا اتفاق ہے^۲۔

حدیث : حدیث کے ممتاز حفاظ میں تھے۔ حضرت ابو بکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ، عبد اللہ بن مسعودؓ، حضرت عائشہ صدیقہؓ، حذیفہؓ، ابو مخنفؓ اور موسیٰؓ جیسے اکابر کی صحبت اور ان سے استفادہ کا موقع ملا تھا^۳۔ حضرت عمرؓ اور عائشہؓ کے ساتھ خصوصیت کے ساتھ زیادہ تعلقات تھے۔ حضرت عمرؓ کے ساتھ زیادہ رہتے تھے^۴۔ حضرت عائشہؓ سے عقیدت مندانہ تعلقات تھے^۵۔ مذکورہ بالا تمام بزرگوں سے انہوں نے روایتیں کی ہیں۔

تلامذہ : ان کی ذات سے ان کا پورا گھرانہ دولت علم سے مالا مال ہو گیا تھا۔ ان کے بھانجے ابراہیم نضجی، بھائی عبد الرحمن اور چچیرے بھائی علقمہ جو آسمان علم کے روشن ستارے تھے، ان ہی کے فیض یافتہ تھے۔ ان کے علاوہ دوسرے لوگوں میں عمارہ بن عمیر، ابواسحق سبیعی، ابو بردہ بن ابوموسیٰ، محارب بن دثار اور اشعث بن ابی الشقاء وغیرہ نے ان سے سماع حدیث کیا تھا^۶۔

فقہ : فقہ میں بھی درک حاصل تھا۔ ابن حبان کا بیان ہے کہ وہ فقیہ تھے^۷۔ حافظ ذہبی اور ابن حجر وغیرہ سب آپ کے ثقہ کے معترف ہیں۔

عبادت و ریاضت :

علم سے بڑھ کر آپ کا عمل یعنی زہد و تقویٰ اور عبادت و ریاضت تھی۔ تابعین کی جماعت میں آٹھ بزرگ زہد و عبادت میں زیادہ ممتاز اور مشہور تھے۔ ان میں ایک نام اسود کا ہے^۸۔ حافظ ذہبی لکھتے ہیں کہ عبادت میں وہ بڑے درجہ پر تھے^۹۔

۱۔ تذکرۃ الحفاظ۔ جلد ۱۔ ص ۳۳ ۲۔ تہذیب الاسماء۔ جلد ۱۔ قی اول۔ ص ۱۲۲ ۳۔ تہذیب المعجم۔ جلد ۱۔ ص ۳۳۲

۴۔ ابن سعد۔ جلد ۶۔ ص ۴۸ ۵۔ ایضاً ۶۔ تہذیب المعجم۔ جلد ۱۔ ص ۳۳۲ ۷۔ ایضاً

۸۔ ابن عساکر۔ جلد ۳۔ ص ۱۰۰۸ ۹۔ تذکرۃ الحفاظ۔ جلد اول۔ ص ۳۳

نماز : نماز مشغلہ زندگی تھا۔ سات سو نوافل روزانہ پڑھتے تھے۔ نماز ہمیشہ اول وقت ادا کرتے تھے۔ اس میں اس قدر اہتمام تھا کہ کسی کام اور کسی حالت میں بھی ہوتے، نماز کا وقت آتے ہی کام چھوڑ کر فوراً نماز ادا کرتے۔ ان کے سفر کے ہمراہیوں کا بیان ہے کہ سفر کی حالت میں بھی خواہ کیسے ہی دشوار گزار راستے سے جا رہے ہوں، نماز کا وقت آنے کے ساتھ سواری روک کر نماز پڑھتے، تب آگے بڑھتے۔

روزے : روزوں سے بھی یہی شغف و انسہاک تھا۔ قریب قریب ہمیشہ روزہ رکھا کرتے تھے۔ ایسے سخت موسم میں بھی روزہ نہ چھوٹا، جب سرخ اونٹ جیسا قوی اور گرمی برداشت کرنے والا جانور گرمی کی شدت سے بے حال ہو جاتا ہے۔ سفر میں روزوں کا سلسلہ جاری رہتا تھا۔ بعض اوقات سفر کی تکالیف اور پیاس کی شدت سے رنگ بدل جاتا تھا اور زبان سوکھ کر کانٹا ہو جاتی تھی، لیکن روزہ نہیں چھوٹا تھا۔ اس عبادت شاقہ کی وجہ سے آنکھ جاتی رہی تھی۔ اگر لوگ کہتے کہ جسم کو اتنی تکلیف نہیں دیتے تو جواب دیتے تکلیف نہیں بلکہ راحت پہنچانا چاہتا ہوں۔

حج : حج کے ذوق کا یہی حال تھا۔ حجوں کی تعداد سے معلوم ہوتا ہے کہ زندگی کا شاید کوئی سال حج سے ناغہ نہیں ہوا۔ باختلاف روایت آپ کے حجوں اور عمروں کی مجموعی تعداد ستر سے اسی تک ہے۔ کبھی کبھی ولولہ شوق میں کوفہ ہی سے احرام باندھ کر ”لیک غفار الذنوب اور لیک وحنانیک“ کی صدا لگاتے ہوئے روانہ ہوتے تھے لیکن یہ دائمی عمل نہ تھا، بلکہ مختلف اوقات میں مختلف مقامات میں احرام باندھنے کا ثبوت ملتا ہے۔ مکہ میں عموماً شب کے وقت داخل ہوتے تھے۔ آپ کو طواف کوئے محبوب سے ایسا والہانہ شغف تھا، اور اس بارہ میں اس قدر متشدد تھے کہ جو شخص حج کی استطاعت رکھتے ہوئے حج نہیں کرتا تھا، اس کے جنازے کی نماز نہ پڑھتے تھے۔

تلاوت قرآن : قرآن کی تلاوت کا ہمیشہ معمول تھا۔ رمضان کے مہینہ میں قرآن کا ورد بہت بڑھ جاتا تھا۔ مغرب عشاء کے درمیان سوتے رہتے تھے۔ اس کے بعد اٹھ کر ساری رات قرآن پڑھتے تھے اور دور اتوں میں قرآن ختم کر دیتے تھے۔

اختلاف مسلک اور اتحاد روابط :

آج ادنیٰ سے اختلاف مسلک پر ہر قسم کے معاشری اختلافات پیدا ہو جاتے ہیں۔ ان بزرگوں کا یہ اسوہ لائق تقلید ہے کہ اختلاف مسلک کے باوجود ان میں باہم روابط قائم رہتے تھے،

۱۔ تذکرۃ الحفاظ۔ جلد اول۔ ص ۴۳ ۲۔ ابن سعد۔ جلد ۶ ص ۴۷ ۳۔ ایضاً۔ ص ۴۸

۴۔ ابن سعد۔ جلد ۶ ص ۴۷۔ ۴۸ ۵۔ ایضاً

اسود حضرت عمرؓ کی خدمت میں زیادہ رہنے کی وجہ سے ان کے تبع تھے اور علقمہ عبداللہ بن مسعودؓ کے اصحاب میں تھے لیکن جب دونوں میں ملاقات ہوتی تھی تو ادنیٰ اختلاف بھی نہ ہوتا تھا۔^۱

وفات : ۵۷ھ میں وفات پائی معمولات کی پابندی میں یہ اہتمام تھا کہ مرض الموت میں بھی تلاوت قرآن میں فرق نہ آیا چنانچہ اس وقت بھی جب جنبش کرنے کی سلت باقی نہ تھی اپنے بھانجے ابراہیم نخعی کا سہارا لے کر قرآن پڑھتے تھے دم آخر ہدایت کی کہ مجھے کلمہ طیبہ کی تلقین کرنا تا کہ میری زبان سے آخری کلمہ لا الہ الا اللہ نکلے۔^۲

حلیہ اور لباس : آخر عمر میں بال سفید ہو گئے تھے سر اور داڑھی دونوں میں زرد خضاب کرتے تھے اونچی ٹوپی پہنتے تھے سیاہ رنگ کا عمامہ باندھتے تھے۔ اس کا شملہ پیچھے پڑا رہتا تھا۔^۳

(۶) اعمش (سلیمان بن مہران)

نام و نسب : سلیمان نام ہے۔ ابو محمد کنیت۔ اعمش کے لقب سے زیادہ مشہور ہیں۔ ان کے والد کا نام مہران تھا، مہران عجمی النسل تھے۔ ان کا آبائی وطن طبرستان تھا۔ ایک روایت یہ ہے کہ مہران وکیلیم کے کسی معرکہ میں گرفتار ہوئے۔ دوسرا بیان یہ ہے کہ اعمش کو کوفہ کے بنی کاہل کے ایک شخص نے خریدا تھا اور خرید کر آزاد کر دیا۔ بہر حال اتنا مسلم ہے کہ اعمش ابتدا میں غلام تھے، اور اس غلامی کی نسبت سے وہ کاہلی اور اسدی کہلاتے ہیں۔

پیدائش : اعمش حضرت حسینؓ کی شہادت کے دن یعنی عاشورہ ۶۱ھ میں پیدا ہوئے۔^۴

فضل و کمال :

اگرچہ اعمش کا آغاز غلامی سے ہوا لیکن ان میں تحصیل علم کی فطری استعداد تھی۔ خوش قسمتی سے مرکز علم کوفہ میں ان کی نشوونما ہوئی، اس لیے آگے چل کر وہ کوفہ کی مسند علم و افتاء کی زینت بنے ان کے علمی کمالات پر تمام ارباب سیر و طبقات کا اتفاق ہے، ابن حجر اور حافظ ذہبی ان کو عابد مرتاض الاسلام کے لقب سے یاد کرتے ہیں۔^۵ عیسیٰ بن یونس کہتے تھے کہ ہم نے اور ہمارے قبل والے قرن کے لوگوں نے اعمش کا مثل نہیں دیکھا۔^۶

۱۔ ابن سعد۔ جلد ۶۔ ص ۲۸ ۲۔ ایضاً۔ ص ۵۰ ۳۔ ایضاً۔ ص ۵۹

۴۔ طبقات ابن سعد۔ جلد ۶۔ ص ۲۲۹ ۵۔ تذکرۃ الحفاظ۔ جلد اول۔ ص ۱۳۸ ۶۔ تہذیب التہذیب۔ جلد ۴۔ ص ۲۲۳

۷۔ تاریخ خطیب۔ جلد ۹۔ ص ۸

ان کو جملہ مذہبی علوم میں یکساں دستگاہ حاصل تھی، ابن عیینہ کا بیان ہے کہ اعمش کتاب اللہ کے بڑے قاری احادیث کے بڑے حافظ اور علم فرائض کے ماہر تھے۔^۱

قرآن کے ساتھ ان کو خاص ذوق تھا، اور علوم قرآنی میں وہ اس العلم شمار کئے جاتے تھے۔^۲ ہشیم کا بیان ہے کہ میں نے کوفہ میں اعمش سے بڑا قرآن کا قاری نہیں دیکھا۔^۳ قرآن کا مستقل درس دیتے تھے۔ لیکن آخر عمر میں کبرسنی کی وجہ سے چھوڑ دیا تھا، لیکن شعبان میں تھوڑا قرآن ضرور سناتے تھے۔ قرأت میں وہ عبداللہ بن مسعود کے پیرو تھے۔ ان کی قرأت اتنی مستند تھی کہ لوگ اس کے مطابق اپنے قرآن درست کرتے تھے۔^۴

حدیث: حدیث رسول میں ان کے معلومات کا دائرہ نہایت وسیع تھا حافظ ذہبی انہیں شیخ الاسلام لکھتے ہیں۔ ابن مدائنی کا بیان ہے کہ محمد ﷺ کی امت میں چھ آدمیوں نے علم (حدیث) کو محفوظ کیا مکہ میں ابن دینار، مدینہ میں زہری، کوفہ میں ابوالخق سمعی اور اعمش اور بصرہ میں قتادہ اور یحییٰ بن کثیر نے۔ ابو بکر عیاش کا بیان ہے کہ ہم لوگ اعمش کو سید المحدثین کہتے تھے۔^۵

ان کی مرویات کی تعداد ہزاروں تک پہنچتی ہے، ابن مدائنی کے بیان کے مطابق انکی تعداد تیرہ سو ہے۔^۶ اور بعض دوسری روایات کے مطابق چار ہزار۔ محدث زہری اہل عراق کے علم کے قائل نہ تھے۔ الخق بن راشد نے ایک مرتبہ ان سے کہا کہ کوفہ میں اسد کا ایک غلام ہے، جس کو چار ہزار حدیثیں یاد ہیں۔ زہری نے تعجب سے پوچھا چار ہزار، الخق نے کہا ہاں چار ہزار، اگر آپ کہیں تو میں اس کا کچھ حصہ لا کر آپ کے سامنے پیش کروں۔

چنانچہ انہوں نے اعمش کی مرویات کا کچھ حصہ ان کے سامنے پیش کیا۔ زہری اس کو پڑھتے جاتے تھے، اور حیرت سے ان کا رنگ بدلتا جاتا تھا مجموعہ ختم کرنے کے بعد بولے خدا کی قسم اسے علم کہتے ہیں مجھے یہ نہ معلوم تھا کہ کسی کے پاس اتنا علم محفوظ ہوگا۔^۷ شعبہ کہتے تھے کہ حدیث میں مجھ کو جوشفی اعمش سے ہوئی وہ کسی سے نہیں ہوئی۔^۸ عبداللہ ابن مسعودؓ کی احادیث خصوصیت کے ساتھ ان کے حافظہ میں زیادہ محفوظ تھیں۔ قاسم بن عبد الرحمن کہتے تھے کہ کوفہ میں اعمش سے زیادہ عبداللہ بن مسعودؓ کی احادیث کا جاننے والا نہیں ہے۔^۹

۱۔ تذکرۃ الحفاظ۔ جلد اول ص ۱۳۸ ۲۔ تہذیب التہذیب۔ جلد ۴ ص ۲۲۳ ۳۔ تاریخ خطیب۔ جلد ۹ ص ۶
۴۔ ابن سعد۔ جلد ۶ ص ۲۳۸ ۵۔ تہذیب التہذیب۔ جلد ۴ ص ۲۲۳ ۶۔ خطیب بغدادی۔ جلد ۹ ص ۱۱
۷۔ شذرات الذہب۔ جلد اول ص ۲۳۱ ۸۔ ابن سعد۔ جلد ۶ ص ۲۳۹ ۹۔ تاریخ خطیب۔ جلد ۹ ص ۱۰
۱۰۔ تاریخ خطیب۔ جلد ۹ ص ۱۰

مرویات کا پایہ :

ان کی مرویات کیفیت کے اعتبار سے بھی اعلیٰ درجہ کی تھیں چنانچہ وہ اپنی صداقت اور روایتوں کے معیار کی بلندی کے اعتبار سے مصحف کہے جاتے تھے^۱۔ ابن عمار کہتے تھے کہ محدثین میں اعمش سے زیادہ اثبت کوئی نہیں^۲۔ جریران کی روایات کو دیباۓ خسروانی کہتے تھے^۳۔

احتیاط : اس علم کے باوجود وہ روایت حدیث میں بڑے محتاط تھے، اور زیادہ حدیث بیان کرنا اچھا نہ سمجھتے تھے، لوگوں سے کہتے تھے کہ جب تم لوگ (حدیث سننے کے لئے) کسی کے پاس جاتے ہو تو اُس کو جھوٹ بولنے پر آمادہ کرتے ہو۔ خدا کی قسم یہ لوگ اشر الناس ہیں۔

شیوخ و تلامذہ :

حدیث میں انہوں نے زیادہ تر عبداللہ بن مسعودؓ ان کے بعد انس بن مالکؓ، عبداللہ ابن ابی اوفیٰ، زید بن وہب، ابو وائل، ابو عمر شیبانی، قیس بن ابی حازم، اسمعیل بن رجاء، ابو حزرہ، جامع بن شداد، ابو ذبیان بن جندب، امام شعی، ابراہیم نخعی اور مجاہد بن جبر وغیرہ سے استفادہ کیا تھا۔ ان کے تلامذہ میں حکم بن عتیہ، زبید الیمامی، ابو اسحق سمعی، سلیمان تمیمی، سہیل بن ابوصالح، محمد بن واسع، شعیبہ ابراہیم بن طہسان اور جریر بن حازم وغیرہ قابل ذکر ہیں۔

محدثین کے مراتب پر نظر :

حدیث میں ان کے کمال کی ایک سند یہ بھی ہے کہ وہ اس عہد کے بڑے بڑے محدثین کے علم پر ناقہ اند نظر رکھتے تھے، اور ان کے نزدیک سب کا ایک خاص درجہ متعین تھا، ابو بکر بن عیاش کا بیان ہے کہ ہم لوگ اور محدثین کے پاس سے ہو کر آخر میں اعمش کے پاس جاتے تھے، وہ ہم سے سوال کرتے کس کے پاس سے آئے ہو؟ ہم بتاتے کہ فلاں شخص کے پاس سے نام سن کر وہ کہتے وہ پھٹا ہوا طبل ہے۔ پھر پوچھتے، ان کے بعد کہاں گئے۔ ہم لوگ بتاتے فلاں کے پاس۔ وہ کہتے وہ اڑنے والے طائر ہیں۔ پھر پوچھتے، ان کے بعد ہم لوگ نام بتاتے وہ فرماتے وہ دف ہیں^۴۔

فقہ و فرائض : فقہ و فرائض میں بھی پورا درک رکھتے تھے، فقہاء ان کو اپنا سردار کہتے تھے^۵۔ فرائض میں خصوصیت کے ساتھ بڑی مہارت رکھتے تھے، ابن عیینہ کا بیان ہے کہ وہ فرائض کے بڑے عالم تھے۔

۱۔ تذکرہ الحفاظ۔ جلد اول۔ ص ۱۳۸ ۲۔ تہذیب التہذیب۔ جلد ۴۔ ص ۲۲۳ ۳۔ تاریخ خطیب۔ جلد ۹۔ ص ۱۰

۴۔ تاریخ خطیب۔ جلد ۹۔ ص ۱۱ ۵۔ ایضاً۔ ص ۸

ان سے پہلے ابراہیم فرانس کے عالم مانے جاتے تھے اور لوگ اس فن میں ان کی طرف رجوع کرتے تھے ان کی وفات کے بعد اعمش کی ذات مرجوعہ بن گئی تھی۔^۱

عباد و ریاضت :

علم کے ساتھ وہ عمل میں بھی یہی درجہ رکھتے تھے۔ یحییٰ قطان کا بیان ہے کہ وہ عابد و زاہد تھے۔^۲ یحییٰ بن سعید انہیں عباد و وقت میں شمار کرتے تھے۔ خریبی کا بیان ہے کہ اعمش نے اپنے بعد کسی کو اپنے سے بڑا عبادت گزار نہیں چھوڑا۔^۳ حافظ ذہبی لکھتے ہیں کہ وہ علم نافع اور عمل صالح دونوں کے سردار تھے۔^۴ نماز باجماعت میں یہ اہتمام تھا کہ سترہ سال تک تکبیر اولیٰ تک قضا نہیں ہوئی۔^۵

امراء سے استغناء اور بے نیازی :

اعمش خاصان خدا اور صلحائے امت کی طرح دولت دنیا سے بالکل تہی دامن تھے معیشت کی طرف سے بھی ان کو پورا اطمینان نہ تھا، لیکن اس فقر و احتیاج کے باوجود امراء اور ارباب دول سے نہ صرف بے نیاز تھے بلکہ ان کو نہایت حقارت کی نظروں سے دیکھتے تھے عیسیٰ بن یونس کا بیان ہے کہ اعمش کے فقر و احتیاج کے باوجود میں نے ان سے زیادہ امراء اور سلاطین کو کسی کی نگاہ میں حقیر نہیں پایا۔^۱ امام شعرانی لکھتے ہیں کہ اعمش کو روٹی تک میسر نہ تھی، لیکن ان کی مجلس میں اغنیاء اور سلاطین سب سے بڑے فقیر معلوم ہوتے تھے۔^۲

ان کی جرأت کا ایک واقعہ :

امراء کے مقابلہ میں ان کی جرأت و بے باکی کا یہ واقعہ لائق ذکر ہے۔ خلیفہ ہشام نے ایک مرتبہ ان کو لکھا کہ عثمانؓ کے فضائل اور علیؓ کی برائیاں میرے لئے قلمبند کر دیجئے۔ انہوں نے شاہی قاصد کے سامنے اس خط کو بکری کو ٹھلا دیا اور قاصد سے کہا یہ تمہاری تحریر کا جواب ہے۔ جب قاصد نے جواب کے لئے زیادہ اصرار کیا تو یہ جواب لکھا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم ! اما بعد، اگر عثمانؓ کی ذات میں ساری دنیا کے انسانوں کی خوبیاں جمع ہوں تو بھی اس سے تمہاری ذات کو کوئی فائدہ نہیں پہنچ سکتا، اور اگر علیؓ کی ذات میں دنیا بھر کی برائیاں جمع ہوں تو اس سے تم کو کوئی نقصان نہیں پہنچ سکتا، تم کو صرف اپنے نفس کی خبر رکھنی چاہئے۔^۳

۱۔ تاریخ خطیب جلد ۹۔ ص ۹
۲۔ ایضاً۔ ص ۸
۳۔ تہذیب التہذیب۔ جلد ۴۔ ص ۲۲۴
۴۔ تذکرہ الحفاظ۔ جلد اول۔ ص ۱۳۸
۵۔ تاریخ خطیب۔ جلد ۹۔ ص ۸
۶۔ تہذیب التہذیب۔ جلد ۴۔ ص ۲۲۴
۷۔ طبقات کبریٰ امام شعرانی۔ جلد اول۔ ص ۳۸
۸۔ شذرات الذہب۔ جلد اول۔ ص ۲۲۱
محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

فیاضی : طبعاً بڑے فیاض تھے، ابو بکر بن عیاش کا بیان ہے کہ ہم لوگ جب اعمش کے پاس جاتے تھے تو ہم کو کچھ نہ کچھ کھلاتے تھے۔

نفس کی تحقیر :

ان ظاہری و باطنی کمالات کے باوجود وہ اپنی ذات کو بالکل حقیر اور ہیچ سمجھتے تھے چنانچہ وصیت کی تھی کہ جب میں مر جاؤں تو کسی کو میری موت کی اطلاع نہ دی جائے۔ اور مجھ کو مرے رب کے پاس لے جا کر لحد میں پھینک دیا جائے میں اس سے بھی فروتر اور حقیر ہوں کہ لوگ میرے جنازہ میں شرکت کریں۔

وفات : باختلاف روایت ۱۴ھ یا ۱۵ھ میں وفات پائی۔

(۷) خیر التابیین حضرت اولیس بن عامر قرنیؓ

نام و نسب : سرخیل تابیین حضرت اولیس قرنی وطنائینی اور نسبا قبیلہ مراد سے تھے ان کو بارگاہ رسالت سے غائبانہ خیر التابیین کا لقب ملا تھا نسب نامہ یہ ہے اولیس بن جزء بن مالک ابن عمرو بن سعد بن عصفوان بن قرن بن دودمان بن ناجیہ بن مراد بن مالک بن ادم راوی مزحجی۔

حضرت اولیس ان برگزیدہ وارفتگان محبت میں تھے جن کی تخلیق ہی عشق و محبت کے خمیر سے ہوئی تھی۔ وہ نادیدہ جمال نبوی کے پروانوں میں تھے کہ

نہ تنہا عشق از دیدار خیزد بسا کین دولت از گفتار خیزد

انہوں نے اپنی ہستی کو راہ خدا میں ایسا گم کر دیا تھا کہ ظاہر بین نگاہوں میں ان کی شخصیت ہی مشکوک ہو گئی۔ اگرچہ اولیس عہد رسالت میں موجود تھے لیکن لقائے ظاہری سے محروم رہے۔ مگر عالم باطن کے قوانین اس دنیائے آب و گل کے قوانین سے ماوراء ہیں۔

وہاں قرب و بعد منزل کا کوئی سوال نہیں چشم حقیقت نگر لاکھ حجابوں پر بھی محروم تماشا نہیں رہتی۔ ربط باطن بعد مسافت میں بھی قرب محسوس کرتا ہے۔ خود اس دنیائے آب و گل میں بھی ظاہری بعد اور دوری ایک بے حقیقت شے ہے۔ اصل شے قوت تاثیر اور جذب و کشش ہے۔

آفتاب کروڑوں منزلوں کی مسافت کے باوجود عالم کے ذرے ذرے کو منور کرتا ہے۔ قطرات شبنم اڑ کر آفتاب کی حرارت میں تحلیل ہو جاتے ہیں۔ موسم گل کی نگہت منزلوں تک کوہ دواوی کو

معطر کر دیتی ہے اس لئے اولیس بھی بعد مسافت کے باوجود آفتاب نبوت کی کرنوں سے مستنیر اور بہار مدینہ کی نگہت باریوں سے مست و بخود تھے۔ اگرچہ وہ یمن میں تھے لیکن ان کی محبت کی لہریں جہاز تک رواں دواں تھیں۔

حضرت عمرؓ سے غائبانہ تعارف اور ملاقات :

یہ محض شاعری نہیں بلکہ حقیقت ہے۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ نے حضرت عمرؓ کو اس نادیدہ وارفتہ محبت کی ایک علامت بتادی تھی۔ صحیح مسلم میں ہے کہ ”خیر التابیعین قبیلہ مراد کا ایک شخص ہے، اس کا نام اولیس ہے۔ وہ تمہارے پاس یمن کی امداد میں آئے گا۔ اس کے جسم پر برص کے داغ ہیں، سب مٹ چکے ہیں، صرف ایک درہم کے برابر باقی ہے۔ اس کی ماں بھی ہے، جس کی وہ خدمت کرتا ہے۔ جب وہ خدا کی قسم کھاتا ہے تو اس کو پوری کرتا ہے۔ اگر تم اس کی دعائے مغفرت حاصل کر سکو تو حاصل کرتا۔“

اس کے بعد سے حضرت عمرؓ برابر اولیسؓ کی تلاش میں رہے۔ چنانچہ آپ کے عہد خلافت میں جب یمن سے فوجی مدد آئی تو آپ تلاش کرتے کرتے اولیس کے پاس پہنچے اور پوچھا تم ہی اولیس بن عامر ہو، انہوں نے اثبات میں جواب دیا۔ حضرت عمرؓ نے سوال کیا تمہاری ماں زندہ ہے۔ انہوں نے جواب دیا، ہاں۔

ان علامات کو معلوم کرنے کے بعد حضرت عمرؓ نے ان سے کہا، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ تمہارے پاس اہل یمن کی مدد کے ساتھ قبیلہ مراد اور قرن کا ایک شخص اولیس بن عامر آئے گا جس کے جسم پر برص ہوگا، لیکن ایک درہم کے برابر کے سوا سب مٹ چکا ہوگا۔ اس کے ایک ماں ہوگی جس کے ساتھ وہ نیکی کرتا ہوگا۔ جب وہ خدا کی قسم کھاتا ہے تو اس کو پوری کرتا ہے۔ اگر تم اس کی دعائے مغفرت لے سکو تو لینا۔ اس لئے آپ میرے لئے دعائے مغفرت فرمائیں۔

یہ سن کر اولیسؓ نے حضرت عمرؓ کے لئے دعا کی۔ پھر آپ نے ان سے پوچھا اب کہاں کا قصد ہے۔ انہوں نے کہا کوفہ کا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا، میں آپ کے متعلق وہاں عامل کے پاس ہدایت لکھ دیتا ہوں۔ اولیس نے کہا اس کی ضرورت نہیں، مجھے عوام کے زمرہ میں رہنا زیادہ پسند ہے۔

اس واقعہ کے دوسرے سال کوفہ کا ایک معزز شخص حج کے لئے آیا۔ حضرت عمرؓ نے اس سے اولیس کا حال پوچھا۔ اس نے بتلایا کہ وہ نہایت تنگدستی میں ہیں۔ ایک بوسیدہ جھوپڑے میں رہتے ہیں۔ حضرت عمرؓ نے اس سے اولیس کے متعلق آنحضرت ﷺ کا ارشاد بیان کیا۔ چنانچہ یہ شخص بھی واپس

جا کر اولیس سے دعائے مغفرت کا طالب ہوا۔ انہوں نے فرمایا کہ تم ابھی تازہ تازہ ایک مقدس سفر سے آرہے ہو، اس لئے تم میرے لئے دعا کرو۔ پھر پوچھا تم عمرؓ سے ملے تھے۔ اس نے کہا ہاں، اس گفتگو کے بعد اولیس نے اس شخص کے لئے دعائے مغفرت کی۔^۱

ہرم بن حیان اور اولیس کی پر اثر ملاقات کے حالات :

اولیس اپنے کو دنیا سے چھپانے کے لئے نہایت خستہ حال رہتے تھے۔ اکثر بدن تک ڈھانپنے کے لئے پورا کپڑا تک نہ ہوتا تھا۔ لوگ نگاہ بدن دیکھ کر کپڑا اوڑھ دیتے۔ ان کی ظاہری حالت پر بے بصر عوام ان کا مذاق اڑاتے اور انہیں پریشان کرتے۔^۲

لیکن اہل نظر کی نگاہوں سے وہ نہ چھپ سکے۔ ان کی شیم رُوحانیت اہل دل لوگوں کو دور دور سے کھینچ بلاتی تھی۔ ایک صاحب دل تابعی ہرم بن حیان اور اولیس کی ملاقات کے پر تاثر واقعات خود ہرم بن حیان کی زبان سے سننے کے قابل ہیں۔

ان کا بیان ہے کہ میں اولیس قرنی کی زیارت کی تمنا میں کوفہ گیا اور تلاش کرتے کرتے فرات کے کنارہ پہنچا۔ وہاں دیکھا کہ ایک شخص تنہا بیٹھا نصف النہار کے وقت وضو کر رہا ہے اور کپڑے دھو رہا ہے۔ میں اولیسؓ کے اوصاف سن چکا تھا۔ اس لئے فوراً پہچان گیا۔ وہ فربہ اندام تھے، رنگ گندم گوں تھا۔ بدن پر بال زیادہ تھے۔ سر منڈا ہوا تھا، داڑھی گھنی تھی۔ بدن پر ایک صوف کا ازار اور ایک صوف کی چادر تھی۔ چہرہ بہت بڑا اور مہیب تھا، قریب پہنچ کر میں نے سلام کیا۔ اولیس نے جواب دیا اور میری طرف دیکھ کر کہا خدام کو زندہ رکھے۔ میں نے مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھایا۔ انہوں نے مصافحہ کرنے سے انکار کیا اور پھر کہا خدام کو زندہ رکھے۔ میں نے کہا، اولیس تم پر خدا رحمت نازل کرے، اور تمہاری مغفرت فرمائے، تمہارا کیا حال ہے۔ غایت محبت میں ان کی ظاہری حالت پر میرے آنسو نکل آئے۔

مجھے روتا دیکھ کر وہ بھی رونے لگے اور مجھ سے فرمایا، ہرم بن حیان خدام پر رحم کرے، میرے بھائی تم کیسے ہو، تم کو میرا پتہ کس نے بتایا۔ میں نے کہا خدا نے۔ اس جواب پر انہوں نے فرمایا، "لا الہ الا اللہ سبحان ربنا ان کان وعلربنا لمفعولا حین سمانی۔"

ہرم بن حیان کہتے ہیں کہ اس سے پہلے نہ کبھی میں نے ان کو دیکھا تھا، نہ انہوں نے مجھے دیکھا تھا۔ اس لئے میں نے ان سے پوچھا، آپ نے میرا اور میرے باپ کا نام کیسے جان لیا۔

۱۔ یہ تمام واقعات مسلم کتاب الفضائل باب فضائل اولیس قرنی سے ماخوذ ہیں ۲۔ ابن سعد۔ جلد ۶۔ ص ۱۱۴-۱۱۵

خدا کی قسم آج سے پہلے کبھی میں نے آپ کو نہ دیکھا تھا۔ فرمایا علیم خیر نے مجھے بتایا۔

جب تمہارے نفس نے میرے نفس سے باتیں کیں، اسی وقت میری روح نے تمہاری روح کو پہچان لیا۔ زندہ اور چلتے پھرتے لوگوں کی طرح رُوحوں کی بھی جان ہوتی ہے۔ مومنین خواہ کبھی آپس میں نہ ملے ہوں اور ان میں کوئی تعارف نہ ہو اور نہ ان کو ایک دوسرے سے باتیں کرنے کا اتفاق ہوا ہو، پھر بھی سب ایک دوسرے کو پہچانتے ہیں، اور خدا کی روح کے وسیلہ سے باتیں کرتے ہیں خواہ وہ ایک دوسرے سے کتنے ہی دُور کیوں نہ ہوں۔

میں نے درخواست کی کہ آپ رسول اللہ ﷺ کی کوئی حدیث سنائیے کہ میں آپ کی زبان سے سن کر اس کو یاد کر لوں۔ فرمایا میں نے رسول اللہ ﷺ کو پایا اور نہ آپ کی صحبت سے بہرہ ور ہوا، البتہ آپ کے دیکھنے والوں کو دیکھا ہے اور تم لوگوں کی طرح مجھے بھی آپ کی حدیثیں پہنچی ہیں، لیکن میں اپنے لئے یہ دروازہ کھولنا نہیں چاہتا کہ محدث قاضی یا مفتی بنوں۔ ہرم بن حیان مجھے خود اپنے نفس کے بہت سے کام ہیں۔

یہ جواب سن کر میں نے عرض کیا کہ پھر قرآن ہی کی کچھ آیات سنا دیجئے۔ مجھے آپ کی زبان سے قرآن سننے کی خواہش ہے۔ میں خدا کے لئے آپ کو محبوب رکھتا ہوں میرے لئے دعا فرمائیے اور کچھ وصیتیں کیجئے تاکہ میں ان کو ہمیشہ یاد رکھوں۔

میری درخواست سن کر میرا ہاتھ پکڑ لیا اور ”اعوذ باللہ السميع العليم من الشيطان الرجيم“ پڑھ کر چیخ مار کر رونے لگے، اور فرمایا میرے رب کا ذکر بلند ہے سب سے زیادہ حق اس کا قول ہے۔ سب سے زیادہ سچی بات اس کی بات ہے، سب سے زیادہ اچھا کلام اس کا کلام ہے۔ یہ کلمات فرما کر ”ما خلقنا السموات والارض“ سے ”هو العزيز الرحيم“ تک تلاوت کر کے چیخ مار کر ایسے خاموش ہوئے کہ میں سمجھا بے ہوش ہو گئے۔ پھر مجھ سے فرمایا،

ہرم بن حیان تمہارے باپ مرچکے، غمگین تم کو بھی مرنا ہے۔ ابو حیان مرچکے، مان کے لئے یا جنت ہے یا دوزخ، ابن حیان آدم مر گئے حوا مر گئیں۔ ابن حیان نوح اور ابراہیم خلیل الرحمن مر گئے ابن حیان موسیٰ نجی الرحمان مر گئے۔ ابن حیان داؤد خلیفہ الرحمان مر گئے۔ ابن حیان محمد رسول الرحمان مر گئے۔ ابن حیان ابوبکر خلیفہ المسلمین مر گئے، ابن حیان میرے بھائی عمر بن الخطاب مر گئے۔

یہ کہہ کر وعمرہ کا نعرہ لگایا، اور ان کے لئے رحمت کی دعا کی۔ عمر فاروق اس وقت تک زندہ تھے اور ان کی خلافت کا آخری زمانہ تھا، اس لئے میں نے کہا، خدا آپ پر رحم کرے عمر بن الخطاب تو زندہ ہیں۔

فرمایا، ہاں جو کچھ میں نے کہا ہے اگر تم اس کو پوری طرح سمجھ لو تو تم کو معلوم ہو جائے گا کہ ہمارا تمہارا شمار مردوں ہی میں ہے، ہونے والی بات ہو چکی۔ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ پر درود بھیجا اور چند مختصر دعائیں پڑھ کر کہا، ہرم بن حیان کتاب اللہ، صلحائے اُمت کی ملاقات اور نبی ﷺ پر درود سلام میری وصیت ہے۔ میں نے اپنی خبر موت دی اور تمہاری خبر موت دی، آئندہ ہمیشہ موت کو یاد رکھنا، اور ایک لمحہ کے لئے بھی اس نے غافل نہ ہونا، واپس جا کر اپنی قوم کو ڈرانا اور اپنے ہم مذہبوں کو نصیحت کرنا، اور اپنے نفس کے لئے کوشش کرنا۔ خبردار جماعت کا ساتھ نہ چھوڑنا، ایسا نہ ہو کہ بے خبری میں تمہارا دین چھوٹ جائے اور قیامت میں تم کو آتش دوزخ کا سامنا ہو۔ پھر فرمایا،

خدایا اس شخص کا گمان ہے کہ وہ تیرے لئے مجھ سے محبت کرتا ہے، اور تیرے لئے مجھ سے ملاقات کی۔ اس لئے خدایا جنت میں اس کا چہرہ مجھے پہنچوانا اور اپنے گھر دار السلام میں مجھے اس سے ملانا، وہ دنیا میں جہاں کہیں بھی رہے اس کو اپنے حفظ و امان میں رکھنا۔ اس کھتی باڑی کو اس کے قبضہ میں رہنے دے۔ اس کو تھوڑی دنیا پر خوش رکھ اور دنیا سے تو نے جو حصہ اس کو دیا ہے وہ اس کے لئے آسان کر، اور اپنے عطایا اور نعمتوں پر اس کو شاکر بنا اور اس کو جزائے خیر دے۔

یہ دعائیں دیکر مجھ سے خطاب فرمایا کہ ہرم بن حیان اب میں تم کو خدا کے سپرد کرتا ہوں، اچھا سلام علیک و رحمۃ اللہ۔ اب میں تم کو آج سے نہ دیکھوں، میں شہرت ناپسند کرتا ہوں، اور تنہائی اور عزت کو دوست رکھتا ہوں۔ جب تک میں دنیا میں لوگوں کے ساتھ زندہ رہوں گا۔ انتہائی غم و الم میں مبتلا رہوں گا، اس لئے آئندہ نہ تم مجھے پوچھنا اور نہ تلاش کرنا تمہاری یاد میرے دل میں ہمیشہ رہے گی، لیکن اس کے بعد نہ میں تم کو دیکھوں گا اور نہ تم مجھے دیکھ سکو گے۔ مجھے یاد کرتے رہنا، اور میرے لئے دعائے خیر کرنا، میں بھی انشاء اللہ تم کو یاد اور تمہارے لئے دعائے خیر کرتا رہوں گا۔ یہ کہہ کر وہ ایک سمت چلے، میں بھی ساتھ ہولیا کہ ایک ہی ساعت اور ساتھ ہو جائے لیکن اس پر بھی وہ راضی نہ ہوئے اور ہم دونوں روتے ہوئے ایک دوسرے سے جدا ہو گئے۔

میں حد نظر تک دیکھتا رہا تا آنکہ وہ ایک گلی میں چلے گئے، اس کے بعد میں نے ان کو بہت تلاش کیا، اور لوگوں سے پوچھا لیکن کسی سے کچھ سراغ نہ ملا۔ خدا ان پر رحمت نازل کرے اور ان کی مغفرت فرمائے اس ملاقات کے بعد سے کوئی ہفتہ ایسا نہیں جاتا کہ میں ان کو ایک دو مرتبہ خواب میں نہ دیکھتا ہوں۔^۱

۱۔ یہ تمام حالات متدرج حاکم۔ جلد ۳۔ ص ۳۰۶۔ ۳۰۷ سے ماخوذ ہیں

شہادت : اولیس کو جب تک ظاہر میں دنیا نے نہ پہچانا تھا۔ اس وقت تک وہ اہل دنیا میں نظر آتے تھے، لیکن جب سے ان کی حقیقت آشکارا ہوئی اس وقت سے وہ ایسے روپوش ہوئے کہ پھر کسی نے نہ دیکھا۔ اس کے بعد جنگ صفین میں ان کی شہادت کا پتہ چلتا ہے۔ ان کو راہ خدا میں شہادت کی بڑی تمنا تھی، اور اس کے لئے وہ دعا کرتے تھے۔ خدا نے جنگ صفین میں یہ آرزو پوری کر دی اور حضرت علیؓ کی حمایت میں شہادت پائی۔

علم ظاہر : اگرچہ اولیس سر تاج تابعین ہیں، اور ان کی ذات جملہ فضائل و کمالات کی جامع تھی، لیکن اس کے باوجود علمائے ظاہر کے زمرہ میں ان کا کہیں ذکر نہیں، حتیٰ کہ ان سے کوئی روایت تک مروی نہیں ہے، لیکن اس سے یہ قیاس کرنا صحیح نہیں ہے کہ وہ علوم ظاہری سے بے گانہ تھے۔ ان کی ذات علم باطن کے ساتھ علم ظاہر کی بھی جامع تھی، اس کی دو وجہیں تھیں۔

سب سے بڑا سبب یہ تھا کہ ان کو اپنی اصلاح نفس، تزکیہ روح اور مجاہدات و ریاضات سے اتنی فرصت نہ تھی کہ علم ظاہر کو مشغلہ حیات بناتے۔ اور حجرہ عبادت سے نکل کر مسند علم پر بیٹھتے۔ دوسرے انہیں شہرت اور نمود سے اتنی نفرت تھی کہ قاضی مفتی اور محدث کے لقب سے مشہور ہونا بھی پسند نہ کرتے تھے، جیسا کہ انہوں نے خود ایک موقع پر فرمایا ہے کہ مجھے رسول اللہ ﷺ کی احادیث اسی طرح پہنچی ہیں، لیکن میں اپنے اوپر ان کا دروازہ کھول کر محدث قاضی اور مفتی بننا پسند کرتا نہیں کرتا۔ مجھے خواہ اپنے تزکیہ نفس کے بہت سے کام ہیں۔ اسی طرح آپؐ نے فرمایا کہ میں شہرت نا پسند کرتا ہوں اور تنہائی اور عزت کو دوست رکھتا ہوں، اور مسند علم پر بیٹھنے کے بعد نہ وہ شہرت سے بچ سکتے تھے اور نہ ان کی عزت نشینی قائم رہ سکتی تھی، اس لئے انہوں نے سرے سے اس دروازہ ہی کو بند رکھا۔

علم باطن : آپ کے کمالات کا منبع اور سرچشمہ کاغذ کے اوراق کے بجائے صحیفہ قلب تھا آپ کی ذات گرامی علوم باطن کا سرچشمہ تھی، اور تابعین میں خواجه حسن بھری کے بعد آپ ہی کی ذات تصوف کا مرجع ہے۔ اور صوفیائے کرام کے بہت سے سلاسل آپ کی ذات تک منہمی ہوتے ہیں۔

عبادت و ریاضت :

آپ نے راہ سلوک میں بڑے بڑے مجاہدات کئے۔ ساری ساری رات پلک سے پلک نہ ملتی تھی۔ معمول تھا کہ ایک شب قیام میں گزارتے تھے، دوسری رکوع میں اور تیسری سجدہ میں۔ اکثر رات کے ساتھ دن بھی عبادت ہی میں گزر جاتا تھا۔

ربیع بن خثیم کا بیان ہے کہ ایک دن میں اویس سے ملنے گیا۔ دیکھا کہ فجر کی نماز میں مشغول ہیں، میں اس خیال سے کہ ان کی تسبیح و تہلیل میں حرج نہ ہو، اس سے فارغ ہونے کا انتظار کرنے لگا۔ وہ ظہر کی نماز تک برابر مشغول رہے۔ پھر ظہر سے عصر تک اور عصر سے مغرب تک یہی حال رہا۔

میں نے خیال کیا کہ مغرب کے بعد شاید افطار کے لئے جائیں، لیکن وہ برابر عشاء تک مشغول رہے۔ پھر عشاء سے صبح تک یہی کیفیت رہی دوسرے دن نماز فجر کے بعد کچھ نیند کا غلبہ ہوا، لیکن پھر فوزا متنبہ ہو گئے اور دعا کی کہ خدایا میں سونے والی آنکھ اور نہ بھرنے والے پیٹ سے پناہ مانگتا ہوں۔ یہ حال دیکھ کر میں نے کہا جو کچھ میں نے دیکھا ہے اس قدر کافی ہے۔^۱

ہمیشہ روزہ رکھتے تھے۔ اکثر ایسا ہوتا تھا کہ افطار کے لئے کچھ میسر نہ آتا تو کھجور کی گٹھلیاں جن کر بیچتے، اور اس کی قیمت سے قوت لایموت حاصل کرتے۔ اگر خشک خرما مل جاتا تو اس کو افطار کے لئے رکھ لیتے، اگر زیادہ مقدار میں مل جاتا تو گٹھلیاں بیچ کر اس کی قیمت خیرات کر دیتے۔^۲

حلقہ ذکر : کوفہ میں ذکر و شغل کا ایک حلقہ تھا۔ جس میں بہت سے سالکین جمع ہوتے تھے۔ اویس بھی اس حلقہ میں شرکت کرتے تھے۔ اسیر بن جابر کا بیان ہے کہ ہم چند لوگ کوفہ میں ذکر و شغل کے ایک حلقہ میں جمع ہوتے تھے۔ اویس بھی ہمارے ساتھ شریک ہوتے تھے۔ اس حلقہ میں دلوں پر سب سے زیادہ اویس کے ذکر کا اثر پڑتا تھا۔^۳ بعض روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ذکر و شغل نماز اور تلاوت قرآن تھی۔^۴

زہد عن الدنيا :

زہد کا یہ عالم تھا کہ گھریاں، لباس اور کھانے پینے وغیرہ جملہ علائق دنیاوی سے ہمیشہ آزاد رہے ایک نہایت بوسیدہ اور شکستہ مکان میں رہتے تھے۔^۵ کھانے پینے کا یہ حال تھا کہ کبھی اونٹ چرا کر اور کبھی کھجور کی گٹھلیاں بیچ کر قوت لایموت حاصل کرتے تھے۔^۶ حضرت عمرؓ نے سلوک کرنا چاہا مگر انکار کر دیا۔^۷ لباس میں ایک صوف کی چادر اور ایک صوف کا ازار ہوتا تھا۔^۸ اور اکثر وہ بھی میسر نہ آتا تھا۔ لوگ ننگے بدن دیکھ کر چادر دیتے۔^۹ پیٹ کے کھانے اور بدن کے کپڑے کے عداوہ

۱۔ ابن عساکر۔ جلد ۳۔ ص ۱۷۳ ۲۔ تذکرہ الاولیاء۔ جلد اول۔ ص ۲۲ ۳۔ مستدرک حاکم۔ جلد ۳۔ ص ۴۰۴
 ۴۔ ایضاً۔ ص ۴۰۸ ۵۔ ابن سعد۔ جلد ۶۔ ص ۱۱۳ ۶۔ تذکرہ اولیاء فرید الدین عطار حالات اویس
 ۷۔ ابن سعد۔ جلد ۶۔ ص ۱۱۳ ۸۔ مستدرک حاکم۔ جلد ۲۔ ص ۴۰۶ ۹۔ ابن سعد۔ جلد ۶۔ ص ۱۱۳

کوئی چیز پاس نہ رکھتے تھے۔ فرمایا میں تجھ سے بھوکے جگر اور ننگے بدن کی معذرت چاہتا ہوں لباس جو میرے جسم پر اور غذا جو میرے پیٹ میں ہے اس کے علاوہ میرے پاس کچھ نہیں ہے۔

آپ کی اس مجذوبانہ شان کی وجہ سے ظاہر میں عوام آپ کو راہ چلتے پریشان کرتے۔

ایک مرتبہ آپ کپڑا نہ میسر ہونے کی وجہ سے حلقہ ذکر سے غیر حاضر ہو گئے۔ آپ کے شریک حلقہ اسیر بن جابر یہ سمجھ کر کہ آپ بیمار ہو گئے ہیں، آپ کے گھر پہنچے اور کہا خدا تم پر رحم کرے تم نے ہمیں چھوڑ کیوں دیا۔ آپ نے جواب دیا میرے پاس چادر نہیں تھی اس لئے میں نہ آسکا۔ اسیر بن جابر کہتے ہیں کہ یہ سن کر میں نے اپنی چادر ان کو دے دی، ماںہوں نے واپس کر دی۔

میں نے اصرار کیا تو انہوں نے کہا کہ اگر میں چادر لے کر اوڑھ لوں اور میرے ہم قوم مجھے دیکھ لیں تو کہیں گے۔ اس ریا کار کو دیکھو ایک آدمی کے ساتھ لگ گیا، اور دھوکا دے کر اس کی چادر لے لی، لیکن میں نے اصرار کر کے چادر انہیں دے دی اور کہا ہمارے ساتھ چلو دیکھو وہ لوگ کیا کہتے ہیں۔ چنانچہ وہ چادر اوڑھ کر ہمارے ساتھ ہو لئے۔

جیسے ہی ایک مجمع کے سامنے سے گزرے مجمع نے کہا، ذرا اس ریا کار کو دیکھو ایک شخص کے ساتھ چمنار ہا اور دھوکا دیکر اس کی چادر لے لی۔ یہ الفاظ سن کر میں نے ان لوگوں سے کہا تم کو شرم نہیں آتی، خدا کی قسم میں نے جب انہیں چادر دینا چاہی تو انہوں نے انکار کر دیا تھا۔

غرض وہ اپنی ظاہری حالت کی وجہ سے ہر قسم کے تمسخر اور استہزاء کا نشانہ بنتے تھے، اور اس کو نہایت خندہ پیشانی کے ساتھ برداشت کرتے تھے اور اسی عالم میں مست رہتے۔

شہرت سے اجتناب :

آپ فنا کے اس درجہ پر تھے، جہاں شہرت، نمود اور اہل دنیا سے اختلاط کی کوئی گنجائش نہیں۔ اس لئے شہرت اور ناموری سے بہت بھاگتے تھے۔ حضرت عمرؓ نے چاہا کہ والی کوفہ کے نام خط لکھ کر آپ کا تعارف کرا کے آپ کے ساتھ حسن سلوک کی ہدایت کر دیں مگر آپ نے منظور نہ کیا اور جواب دیا کہ میں زمرہ عوام میں رہنا پسند کرتا ہوں۔ لوگوں کے ساتھ ملنے جلنے سے بہت گھبراتے، لیکن آپ کی عزت پسندی زیادہ دنوں تک قائم نہ رہ سکی۔ آپ کی شمیم روحانیت نے خلق اللہ کو خود اپنی طرف متوجہ کر لیا، اور لوگوں کا رجحان آپ کی طرف بڑھنے لگا۔

اسیر بن جابر بیان کرتے ہیں کہ میرے ایک ساتھی مجھے اولیس کے پاس لئے گئے۔ وہ دو رکعت نماز تمام کرنے کے بعد ہماری طرف متوجہ ہوئے، اور فرمایا آپ لوگوں کا بھی میرے ساتھ عجیب معاملہ ہے، آپ لوگ میرے پیچھے پیچھے کیوں چلتے ہیں۔ میں ایک ضعیف انسان ہوں میری بہت سی ضروریات ہیں، جنہیں میں آپ کی وجہ سے پوری نہیں کر سکتا۔ آپ لوگ ایسا نہ کیجئے، خدا آپ پر رحم کرے، مگر کسی کو مجھ سے کوئی ضرورت ہو تو وہ عشا کے وقت مل لیا کرے۔

اس مجلس میں تین قسم کے لوگ آتے ہیں۔ سمجھ دار مومن، بے سمجھ مومن اور منافق۔ ان تینوں کی مثال درخت اور بارش کے سی ہے۔ اگر سرسبز و شاداب اور پھل دار درخت پر پانی برستا ہے تو اس کی تراوٹ و شادابی اور حسن و خوبصورتی میں اور زیادہ اضافہ ہوتا ہے، اور اگر شاداب مگر بے پھل والے درخت پر برستا ہے تو اس کے پتوں میں خوبصورتی پیدا ہوتی ہے۔ اور وہ پھل دینے لگتا ہے اور اگر خشک گھاس اور کمزور شاخ پر برستا ہے تو اسے توڑ پھوڑ ڈالتا ہے۔ یہ مثال دے کر یہ آیت پڑھی :

”و نزل من القرآن ما هو شفاء للناس ورحمة للمؤمنین ولا یزید

الظلمین الا خساراً“

امر بالمعروف :

لیکن اس عزالت پسندی اور تنہا نشینی کے باوجود امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے فریضہ سے کبھی غافل نہ رہے، اور اس کی ادائے گی میں لوگ ان کے دشمن ہو جاتے تھے۔ ابوالاحوص روایت کرتے ہیں کہ میرے ایک ساتھی کا بیان ہے، کہ قبیلہ مراد کا ایک شخص اولیس کے پاس گیا، اور سلام کے بعد پوچھا کہ اولیس تمہارا کیا حال ہے۔ فرمایا، الحمد للہ پھر پوچھا ز مانہ کا تمہارے ساتھ کیا طرز عمل ہے۔ فرمایا، ”یہ سوال اس شخص سے کرتے ہو جس کو شام کے بعد صبح ملنے کا یقین نہیں اور صبح کو شام کے ملنے کی امید نہیں۔ میرے مرادی بھائی موت نے کسی شخص کے لئے خوشی کا محل باقی نہیں رکھا، مراد بھائی خدا کے عرفان میں مومن کے لئے چاندی سونے کی کوئی قیمت باقی نہیں رکھی۔ مراد بھائی خدا کے کاموں میں مومن کے فرض کی ادائیگی نے ان کا کوئی دوست باقی نہیں چھوڑا ہے۔ خدا کی قسم چونکہ ہم لوگ لوگوں کو اچھے کاموں کی تلقین کرتے ہیں اور بُرے کاموں سے روکتے ہیں۔ اس لئے انہوں نے ہم کو دشمن سمجھ لیا ہے، اور اس میں ان کو فاسق مددگار مل گئے ہیں۔ جو ہم پر تہمتیں رکھتے ہیں۔ لیکن خدا کی قسم ان کا یہ رویہ مجھ کو حق بات کہنے سے باز نہیں رکھ سکتا“۔

شرف جہاد : اگرچہ آپ گمناہی کی خاطر گوشہ عزلت سے بہت کم قدم نکالتے تھے لیکن جہاد کے شرف کے حصول کے لئے کبھی کبھی وہ گوشہ عزلت کو چھوڑتے تھے۔ اگرچہ صحیح مسلم میں اس کی تصریح نہیں لیکن قیاس بلکہ یقین یہ ہے کہ حضرت عمرؓ سے آپ سے یمن کی جس امداد میں ملاقات ہوئی تھی۔ وہ تھینا جنگی سلسلہ میں آئی ہوگی۔ اس کے علاوہ اصابہ کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ آذربائیجان کے معرکہ میں شریک تھے۔

ماں کی خدمت : دنیاوی تعلقات میں اولیس کے لئے کرایہ تھا ماں تھیں۔ ان کی خدمت کو سب سے بڑی سعادت اور عبادت سمجھتے تھے۔ چنانچہ جب تک وہ زندہ رہیں ان کی تنہائی کے خیال سے حج نہیں کیا۔ اور ان ہی کی وجہ سے وہ جمال نبوی کے دیدار سے محروم رہے۔ ان کی وفات کے بعد فریضہ حج ادا کرنے کا موقع ملا۔ لیکن ان کے پاس کیا تھا چند لوگوں نے سامان سفر پیش کیا۔ اس وقت وہ فریضہ حج سے فارغ ہو سکے۔

بعض اقوال : فرماتے تھے خدا کے کاموں میں ایسے ہو گیا تم نے تمام انسانوں کو قتل کر دیا ہے۔ لوگوں کے لئے عتابانہ دعا کرنا ان کی ملاقات سے بہتر ہے۔ کیونکہ اس میں کبھی نمائش اور ریاء پیدا ہو جاتا ہے۔

بعض خاص فضائل :

تابعین میں اولیس کے بعض فضائل ایسے ہیں جو مخصوص ان کے طفرائے امتیاز میں اور ان کے علاوہ کسی کے حصہ میں نہیں آئے، آپ کی دستار فضیلت کا سب سے نمایاں طرہ سرکار رسالت کا عطا کردہ، خیر الالبین، کالقب ہے، عبد اللہ ابن ابی لوفی روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے تھے کہ میری امت کے ایک شخص کی شفاعت سے نبی تمیم کی بڑی تعداد جنت میں داخل ہوگی، حسن کے نزدیک اس سے مراد اولیس قرنی ہیں۔ اگرچہ اس قلیل کی روایت زیادہ لائق اعتبار نہیں، تاہم ان سے اولیس کے درجہ کا پتہ چلتا ہے۔

اولیس کی شخصیت میں غلک کے اسباب :

یہ عجیب حیرت انگیز امر ہے کہ خیر الالبین، کے ان فضائل و مناقب اور اخلاقی و روحانی کمالات کے باوجود بعض ایسی روایتیں بھی ملتی ہیں جن سے ان کا وجود مشتبہ ہو جاتا ہے کہ اولیس نام

۱۔ اصابہ۔ جلد اول۔ ص ۱۲۰ ۲۔ مستدرک حاکم۔ جلد ۳۔ ص ۴۰۷ ۳۔ مستدرک حاکم۔ جلد ۳۔ ص ۴۰۵

۴۔ ایضاً۔ ص ۴۰۵ ۵۔ صغوة الصفوہ۔ ص ۲۳۷ ۶۔ اصابہ۔ جلد اول۔ ص ۱۱۹۔ بحوالہ دلائل ہیثمی

ان اوصاف کے کوئی تابعی تھے بھی یا نہیں، مثلاً ابن عدی کا یہ بیان کہ امام مالکؒ ان کے وجود کے منکر تھے، یا سمعانی کی یہ روایت کہ ابن حبان کا بیان ہے کہ ہمارے بعض اصحاب ان کے وجود کے منکر تھے، یا سمعانی کی یہ روایت کہ ابن حبان کا بیان ہے کہ ہمارے بخاری کے نزدیک ان کے اسناد محل نظر ہیں۔

لیکن دوسرے علماء و محدثین اور کتب احادیث و طبقات کے ان کثیر بیانات کے مقابلہ میں جن کے بعد خیر التابعین کی شخصیت میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں رہتی، ان چند کمزور روایتوں کی کوئی حیثیت نہیں، اس سلسلہ میں چند امور قابل غور ہیں، ایک یہ کہ جن روایات سے اولیس قرنی کا وجود مشتبہ معلوم ہوتا ہے ان کی روایتی حیثیت کیا ہے؟ پھر ان کی صحت کی صورت میں ان سے اولیس کے عدم وجود کا نتیجہ نکالنا کہاں تک صحیح ہے اور ان کے مقابلہ میں دوسرے علماء اور کتب احادیث و طبقات کی شہادت کیا ہے۔

روایتی حیثیت سے اس قسم کی تمام روایتیں ناقابل اعتماد ہیں، حافظ ابن حجر اور سمعانی نے اگرچہ یہ روایتیں نقل کی ہیں لیکن ان کی کوئی سند نہیں دی ہے اس لئے محدثانہ اصول سے وہ ساقط الاعتبار اور ناقابل استناد ہیں۔

لیکن اگر انہیں صحیح بھی مان لیا جائے تو بھی ان سے اولیس قرنی کے نہ ہوئے کا نتیجہ نکالنا صحیح نہیں ہے اس لئے کہ جن جن لوگوں نے ان کے وجود میں شک ظاہر کیا ہے یا اس سے انکار کیا ہے وہ صرف اس بنا پر کہ انہوں نے اس عہد میں ان کا ذکر نہیں سنایا ان کے حالات ان کے علم میں نہیں آئے، لیکن ان میں سے ایک چیز بھی ان کے نہ ہونے کا ثبوت نہیں۔

اصولاً ہر زمانہ میں انہی اشخاص کے حالات کا لوگوں کو علم ہوتا ہے، جو کسی حیثیت سے نمایاں ہوتے ہیں عزت نشین اور خاموش اشخاص سے واقفیت نہیں ہوتی، خود صحابہ کے متعلق یہ دعویٰ نہیں کیا جا سکتا کہ ہر صحابی سے اس عہد کے لوگ واقف تھے یا ان سب کے حالات لکھے گئے عموماً انہی صحابہ کے معلوم ہیں، جنہوں نے کوئی علمی کام کئے یا سلسلہ روایت میں کہیں ان کا نام آگیا ہے، بعضوں کا صرف نام ہی معلوم ہے اور کسی حالات کا علم نہیں، ایسی حالت میں مکنا نام تابعین کا کیا ذکر۔

اس اصول کو پیش نظر رکھتے کے بعد اولیس قرنی کے حالات پر نظر ڈالنی چاہئے، جیسا کہ ان کے حالات سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ نہ صرف عملی دنیا سے الگ تھلگ اور گوشہ نشین تھے، بلکہ اپنے انخلاء میں ان کو اتنا اہتمام تھا کہ اہل دنیا کی نگاہوں سے چھپتے پھرتے تھے، اور اس کے انہوں نے محدث اور

مفتی بننا تک گوارا نہ کیا کہ اس صورت میں وہ مرکز توجہ ہو جاتے۔ انہوں نے اپنی زندگی ایسی بنائی تھی کہ بعض خواص کے علاوہ خود ان کے اہل وطن تک ان سے واقف نہ تھے، اور جو لوگ جانتے بھی تھے۔ وہ محض ایک وارفتہ مزاج سودائی کی حیثیت سے۔

ایسی حالت میں اس عہد کے بعض علماء کا ان سے واقف نہ ہونا کوئی تعجب انگیز نہیں کہ علماء کی واقفیت کے لئے علمی اور عملی امتیاز ضروری تھا۔

لیکن بہر حال ان کی شخصیت چھپنے والی نہ تھی اس لئے بہت سے خواص پر ان کی حقیقت آشکارا ہو گئی جس کے حالات اور پرگز رکھ چکے ہیں، پھر جب ہم کتب احادیث و طبقات پر نظر ڈالتے ہیں تو صحیح مسلم تک میں ان کے مستقل فضائل ملتے ہیں، بلکہ حدیث کی کتابوں میں ان کے حالات طبقات و جہل سے زیادہ ہیں، حدیث کی حسب ذیل کتابوں میں ان کے حالات ہیں یا کسی نہ کسی حیثیت سے ان کا ذکر آیا ہے۔

- (۱) مسند احمد بن حنبل (۲) صحیح مسلم (۳) دلائل نبیہ (۴) حلیۃ الاولیاء ابو نعیم (۵) مسند ابو یعلیٰ (۶) مسند ابو عونہ (۷) مستدرک، حاکم وغیرہ۔

ان میں سے اکثروں کے حوالے حافظ ابن حجر نے اصابہ میں دیئے ہیں۔ ممکن ہے ان کے علاوہ بعض اور کتابوں میں بھی ان کے حالات ہوں۔ طبقات و رجال کی کتابوں میں ان کا ذکر کم ہونے کا سبب یہ ہے کہ ان میں عموماً انہی لوگوں کے تفصیلی حالات ہیں، جن کا تعلق علمی یا عملی دنیا سے رہا ہے۔ اس کے باوجود طبقات ابن سعد، اصابہ اسد الغابہ، حلیۃ الاولیاء ابن عساکر، تہذیب، میزان الاعتدال، لسان، المیزان وغیرہ قریب قریب تمام متداول کتابوں میں ان کے حالات موجود ہیں۔ پھر جن علماء نے ان کے وجود کے انکار کی روایتیں نقل کی ہیں، انہیں خود ان پر اعتماد نہیں اور وہ اویس قرنی کی شخصیت کو مانتے ہیں۔

چنانچہ حافظ ابن حجر امام مالک کے انکار کی روایت نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ ان کی (اویس قرنی) شہرت اور ان کے حالات اتنے ہیں کہ ان کے ہوتے ہوئے ان کے وجود میں شک و شبہ کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ ان بیانات کے بعد اویس قرنی کی شخصیت میں کوئی شک و شبہ نہیں رہ جاتا۔ تذکروں میں ان کے حالات بہت ملتے ہیں، لیکن ان میں ہر قسم کی رطب و یابس روایتیں ہیں، اس لئے ہم نے تذکرۃ الاولیاء کے ایک دو بیانوں کے علاوہ انہیں ہاتھ نہیں لگایا ہے۔

(۸) ایاس بن معاویہ

نام و نسب : ایاس نام ہے۔ ابو داؤد کثرت۔ نسب نامہ یہ ہے : ایاس بن معاویہ بن قرہ بن ایاس بن بلال بن رباب بن عبید بن سواۃ بن ساریہ بن ذبیان بن ثعلبہ بن سلیم بن اوس بن فرینہ مزی۔
فضل و کمال : ایاس اس عہد کے مشہور قضاۃ میں تھے۔

حدیث : حدیث میں ان کا کوئی قابل ذکر پایہ نہ تھا، تاہم اس سے بالکل تہی دامن بھی نہ تھے۔ ابن سعد لکھتے ہیں کہ احادیث^۱ میں انہوں نے اپنے والد معاویہ، انس بن مالک، سعید بن مسیب، سعید بن جبیر اور ابی مجلز وغیرہ سے خوشہ چینی کی تھی اور ایوب داؤد بن ابی ہند، حمید الطویل، حماد، شعبان، شعبہ اور معاویہ بن عبد الکریم وغیرہ ان کے تلامذہ میں ہیں۔

فقہ : فقہ ان کا خاص فن تھا، اس میں وہ امتیازی درجہ رکھتے تھے، عجل ان کو فقیہ لکھتے ہیں۔
عہدہ قضاء :

اپنے فقہی کمال کی وجہ سے وہ اموی دور میں بصرہ کے عہدہ قضا پر مامور ہوئے، ان کے تقرر کے وقت حضرت حسن بصریؒ ان کے پاس تشریف لے گئے، انہیں دیکھ کر ایاس رونے لگے۔
فہم و فراست :

ایاس کو فہم و فراست سے غیر معمولی حصہ ملا تھا اور وہ عقل و دانش کا پیکر تھے، ابن سعد لکھتے ہیں۔ کان عاقل من الرجال فطنا^۲۔ ابن سیرین کے سامنے جب ان کا ذکر آتا تو کہتے تھے، وہ مجسم فہم ہیں۔ ان کے عہد کے لوگ کہتے تھے کہ ہر صدی میں ایک بڑا عاقل پیدا ہوتا ہے، اور اس صدی کے عاقل ایاس ہیں۔ ابن عماد حنبلی لکھتے ہیں کہ ان کی ذکاوت اور فطانت ضرب المثل تھی، ابو تمام کا ایک شعر ہے^۳۔

اقدام عمرو فی شجاعة غنتر

فی حلم احنف فی ذکاء ایاس

۱۔ ابن سعد۔ جلد ۷۔ ق ۲۔ ص ۵ ۲۔ تہذیب۔ جلد اول ص ۳۹۰ ۳۔ ایضاً۔ ۴۔ ابن سعد۔ جلد ۷۔ ق ۲۔ ص ۵

۵۔ ایضاً ص ۶ ۶۔ تہذیب التہذیب۔ جلد اول ص ۳۹۰ ۷۔ تہذیب التہذیب۔ جلد اول ص ۳۹۰

۸۔ شذرات الذہب۔ جلد اول ص ۱۶۰

ذہانت و ذکاوت کے بعض واقعات :

قضا میں مہارت بڑی حد تک ذہانت اور ذکاوت پر منحصر ہے اس لئے ایسا اس عہد کے ممتاز ترین قضا میں تھے، اس موقع پر ان کی ذہانت کے بعض واقعات نقل کئے جاتے ہیں۔

ایک مرتبہ کسی مقدمہ کے سلسلہ میں چار عورتیں ان کی عدالت میں آئیں۔ انہوں نے ان کو دیکھ کر کہا کہ ان میں سے ایک حاملہ ہے، ایک دودھ پلاتی ہے، ایک شادی شدہ ہے اور ایک کنواری۔

لوگوں نے تحقیقات کی تو معلوم ہوا ان کا قیاس صحیح تھا۔ ان سے پوچھا گیا آپ کو اس کا کیسے اندازہ ہو گیا۔ انہوں نے کہا حاملہ جس وقت گفتگو کر رہی تھی تو اس کا کپڑا پیٹ سے اٹھ جاتا تھا، اس سے میں نے جانا کہ وہ حاملہ ہے۔ اور دودھ پلانے والی کی چھاتیاں ہلٹی تھیں، اس لئے میں نے قیاس کیا کہ وہ دودھ پلاتی ہے۔ شادی شدہ آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر باتیں کرتی تھی، یہ اس کے شادی شدہ ہونے کا ثبوت تھا اور باکرہ آنکھیں نیچی کر کے باتیں کرتی تھیں۔

دوسرا واقعہ یہ ہے کہ ایک شخص نے ایک شخص کے پاس کچھ مال امانت رکھوایا تھا۔ جب اس نے واپس مانگا تو امانت دار نے انکار کر دیا۔ مال کے مالک نے لیا س کی عدالت میں دعویٰ کیا۔ انہوں نے کہا اس وقت لوٹ جاؤ، اس واقعہ کو پوشیدہ رکھنا۔ اس شخص کو یہ نہ معلوم ہونے پائے کہ تم میرے پاس آئے تھے، دو دن کے بعد پھر آنا۔

اس کو لوٹ کر لیا س نے امانت دار کو بلوایا، اور اس سے کہا کہ میرے پاس بہت سا مال آگیا ہے، میں اس کو تمہارے پاس رکھوانا چاہتا ہوں، تمہارا گھر محفوظ ہے۔ اس نے کہا، ہاں۔ لیا س نے کہا تو مال رکھنے کے لئے کوئی جگہ منتخب کر لو، اور دوبارہ بردار لے آؤ۔

اس گفتگو کے بعد لیا س نے مال کے مالک کو بلوا کر کہا کہ اب جا کر تم اس شخص سے اپنا مال مانگو اگر دے دے تو نبھا ورنہ اس سے کہنا کہ میں جا کر قاضی کو اطلاع دے دوں گا۔ اس شخص نے جا کر کہا کہ میرا مال دو، ورنہ قاضی کو جا کر اطلاع دیتا ہوں،۔ یہ سن کر اس نے کل روپیہ واپس کر دیا، اور صاحب مال نے آکر قاضی لیا س کو اطلاع دے دی کہ میرا مال مجھ کو مل گیا۔ اس کے بعد سابق قرار داد کے مطابق وہ شخص لیا س کے پاس روپے لینے کے لئے آیا انہوں نے اس کو ڈانٹ کر نکال دیا۔

قضاۃ سے واقفیت :

کسی شعبہ اور صنف کے اشخاص کا اس شعبہ کے متعلق ایک کمال یہ بھی ہے کہ وہ اپنے ہم پیشہ اشخاص کی خصوصیات پر پوری نظر رکھتے ہوں۔ یاس اس عہد کے تمام مفتوں اور قضاۃ کے محاسن معائب اور خصوصیات سے پورے طور سے واقف تھے۔ حبیب بن شہید کا بیان ہے کہ ایک شخص یاس کے پاس ایک مقدمہ میں مشورہ کے لئے آیا کہ وہ اس میں کس کی طرف رجوع کرے۔ انہوں نے کہا اگر تم اس کا صحیح فیصلہ چاہتے ہو تو عبدالمالک بن عقیل کے پاس جاؤ جو صحیح معنوں میں قاضی ہیں، بلور اگر محض فتویٰ لینا ہے تو حسن بصری کے پاس جاؤ جو میرے اور میرے باپ کے استاد ہیں، بلور اگر صلح مقصود ہے تو حمید الطویل کی طرف رجوع کرو وہ اس طریقہ سے صلح کرادیں گے کہ تم اپنے حق کا کچھ حصہ لے لو اور کچھ چھوڑ دو اور اگر مقدمہ بازی کرنا ہے تو صالح المدوی کے پاس جاؤ جو وہ تم کو رائے دیں گے کہ دوسرے کے حق سے بالکل باز کار کرو۔ اپنے حق سے زیادہ کا مطالبہ کرو اور جو لوگ موجود نہیں ہیں ان کو گواہ بناؤ۔

صحت عقائد اور مبتدعین سے مناظرہ :

لیاس بایں ہمہ ذہانت عقائد میں جدت، اختراع اور مویشکانیوں کو سخت ناپسند کرتے تھے اور ان کی ذہانت اس کی تردید میں صرف ہوتی تھی۔ وہ مبتدعین خصوصاً قدریوں سے مناظرہ کیا کرتے تھے۔ قدریہ کا عقیدہ ہے کہ خدا عادل ہے، یہاں تک تو بالکل صحیح ہے۔ لیکن اس اصول کے نتیجہ میں وہ ان افعال کو جو بظاہر ظلم معلوم ہوتے ہیں، خدا کی جانب منسوب نہیں کرتے اور اس میں یہاں تک شدت برتتے ہیں کہ خدا کی قدرت مسلوب ہو جاتی ہے۔

ایک مرتبہ ان میں اور قدریوں میں مناظرہ ہوا۔ انہوں نے قدریہ سے پوچھا ظلم کسے کہتے ہیں۔ انہوں نے کہا کسی کا ایسی چیز کو لے لینا جو اس کی نہیں ہے۔ انہوں نے کہا کہ خدا کی تو تمام چیزیں ہیں۔ یعنی جب وہ تمام چیزوں کا مالک ہو تو پھر اس کے کسی فعل پر ظلم کا اطلاق صحیح نہیں ہے۔^۱

بعض اقوال : ان کے بعض اقوال نہایت دلچسپ ہیں۔ کہتے تھے کہ جس میں کوئی عیب نہیں وہ احق ہے۔ کسی نے پوچھا آپ میں کیا عیب ہے۔ کہا فضول کوئی۔^۲ کہتے تھے کہ میں نے انسان کی تمام فضیلتوں کو آزمایا ان سب میں اشرف زبان کی سچائی ہے۔^۳

وفات : ۱۳ھ میں وفات پائی۔^۴

۱۔ تہذیب المعجزات۔ جلد اول۔ ص ۳۹۱

۲۔ تہذیب المعجزات۔ جلد اول۔ ص ۳۹۱

۳۔ ایضاً۔ ص ۳۹۰

۴۔ تہذیب المعجزات۔ جلد اول۔ ص ۳۹۱

۵۔ لکن سعد۔ جلد ۷۔ ق ۲۔ ص ۵

(۹) ایوب بن ابی تمیمہ سختیانیؓ

نام و نسب : ایوب نام، ابو بکر کنیت، والد کا نام کیسان تھا، لیکن وہ کنیت سے زیادہ مشہور ہیں، ایوب قبیلہ عنزہ کی غلامی میں تھے۔

فضل و کمال : ایوب اگرچہ غلام تھے، لیکن اقلیم علم و عمل کے تاجدار تھے، علامہ ابن سعد لکھتے ہیں، کان ثقة ثبنا فی الحدیث جامعاً عدلاً و رعا کثیر العلم حجة^۱۔ امام نووی لکھتے ہیں کہ ان کی جلالت، ان کی امامت ان کے حفظ، ان کی توثیق، ان کے وفور علم ان کی فہم اور ان کی سر بلندی پر سب کا اتفاق ہے۔^۲ ابن عماد حنبلی ان کو علمائے غلام میں لکھتے ہیں۔^۳

اکابر علماء کا اعتراف :

ان کے عہد کے تمام اکابر علماء ان کے علمی اور اخلاقی کمالات کے معترف اور ان کی جلالت شان پر متفق ہیں۔ شعبان کو سید العلماء کے لقب سے ملقب کرتے تھے۔ ابن عیینہ کہتے تھے کہ میں چھپسی (۸۶) تابعین سے ملا، مگر ان میں سے کسی کو ایوب کے مثل نہ پایا۔ حماد بن زید کا بیان ہے کہ انہیں جن جن محدثین اور علماء کے پاس بیٹھنے کا اتفاق ہوا، ایوب ان سب سے افضل اور پابند سنت تھے۔ ایوب جھبذ العلماء کہلاتے تھے، ہشام بن عروہ کہتے تھے کہ بصرہ میں ایوب کا مثل نہ تھا۔ حضرت حسن بصری ان کو نو جوانان بصرہ کا سردار کہتے تھے۔ ابن عون کہتے تھے کہ ابن سیرین کی موت کے بعد ہم لوگوں کے سامنے سوال پیدا ہوا کہ اب کون باقی رہ گیا؟ لیکن پھر خود ہی جواب مل گیا کہ ایوب موجود ہیں۔^۴

حدیث : بصرہ کے ممتاز ترین حفاظ حدیث تھے، امام ذہبی لکھتے ہیں کہ وہ حافظ اور اعلام میں تھے۔^۵ حدیث میں انہوں نے بڑے بڑے تابعین سے فیض پایا تھا، عمر بن سلمہ جرمی، ابورجاء عطار دی۔ ابوعثمان تہذیبی، ابوالشعثا، جابر بن زید، حسن بصری، ابن سیرین، سالم بن عبد اللہ، نافع بن ابی ملیکہ، ابن منکدر، حمید بن بلال، ابوقلابہ جرمی، قاسم بن محمد، عبد الرحمن بن قاسم، عکرمہ اور عطاء وہ غیرہ جیسے اکابر علماء سے سماع حدیث کیا تھا، حدیث میں ان کی وسعت علم کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ ان کی مرویات کی تعداد آٹھ سو اور بعض روایات کے مطابق دو ہزار تک پہنچتی ہے۔^۶

۱۔ ابن سعد۔ جلد ۷۔ ق ۲۔ ص ۱۳ ۲۔ تہذیب الاسماء۔ جلد اول۔ ق اول۔ ص ۱۳۱ ۳۔ شذرات الذہب۔

جلد اول۔ ص ۱۸۰ ۴۔ تہذیب الاسماء۔ جلد اول۔ ص ۱۳۲ و تذکرۃ الحفاظ۔ جلد اول۔ ص ۱۳۱

۵۔ تذکرۃ الحفاظ۔ جلد ۱۔ ص ۱۳۱ ۶۔ تہذیب۔ ص ۳۹۷، ۳۹۹۔ تہذیب الاسماء۔ جلد ۱۔ ق ۱۔ ص ۱۳۲

امام مالک سفیان ثوری، ابن عیینہ، ابن ابی عروبہ، معمر، عثمٰش، قتادہ اور شعبہ وغیرہ جیسے اکابر علماء اور آئمہ آپ کے خوشہ چینوں میں تھے۔^۱

ارباب فن میں آپ کی مرویات کا پایہ :

کیفیت کے اعتبار سے ان کی روایت کا جو پایہ تھا اس کا اندازہ ذیل کی رايوں سے ہوگا۔ ابو حاتم کا ان کی روایت کے متعلق خیال تھا کہ ان کے جیسے شخص کے متعلق پوچھنے پچھنے کی ضرورت نہیں۔ ابن سیرین ان کو مثبت کہتے تھے۔ مسلم بن اکیس کا بیان ہے کہ میں نے ابن اسیر بن سے پوچھا کہ آپ سے فلاں فلاں حدیث کس نے بیان کی، انہوں نے جواب دیا مثبت ایوب نے۔^۲ ابن مدائنی، نسائی اور ابن خثیمہ وغیرہ سب ان کی روایت کو اعلیٰ درجہ کی سمجھتے تھے، شعبہ ان کی ان روایات کو جن میں انہیں خود کچھ شک ہوتا دوسروں کی یقینی اور غیر مشتبہ روایات پر ترجیح دیتے تھے، ایک مرتبہ انہوں نے ان سے ایک حدیث پوچھی انہوں نے جواب دیا مجھے اس میں شک ہے، شعبہ نے کہا آپ کا شک مجھے دوسروں کے یقین سے زیادہ پسند ہے۔^۳

فقہ : فقہ میں بھی پورا کمال حاصل تھا، شعبہ انہیں سید الفقہاء کہتے تھے، لیکن انتہائی احتیاط کی وجہ سے ان کے کمالات فقہی ظاہر نہ ہو سکے۔^۴

احتیاط : ان محدثانہ اور فقہی کمالات کے باوجود وہ حدیث بیان کرنے اور فقہی مسائل بتانے میں بڑے محتاط تھے۔ حماد بن یزید بیان کرتے ہیں کہ ایوب اور یونس سے زیادہ میں نے سوالات کے جوابات میں لاعلمی ظاہر کرنے والا نہیں دیکھا۔ جواب بھی دیتے تھے تو جواب دینے سے پہلے سائل کے حافظہ کا امتحان کر لیتے تھے، کہ وہ ان کے جواب کو غلط نقل نہ کر لے۔

حماد بن یزید بیان کرتے ہیں، کہ جب کوئی شخص ایوب سے کسی چیز کے متعلق پوچھتا تھا، تو پہلے اس کا سوال دہراتے تھے، اگر وہ بعینہ پہلی مرتبہ کی طرح دہراتا تو جواب دیتے، اور اگر ذرا بھی تغیر و تبدل اور غلط ثلث کرتا تو جواب نہ دیتے اور جواب میں اپنی رائے کو دخل نہ دیتے تھے، بلکہ صرف احادیث و سنن کا حکم بتا دیتے اور اگر کوئی سند نہ ہوتی تو لاعلمی ظاہر کر دیتے۔

ایک مرتبہ ایک شخص نے کسی چیز کے متعلق سوال کیا، جواب دیا مجھے کوئی علم نہیں، سائل نے کہا اپنی رائے سے بتائیے۔ فرمایا میری رائے بھی کوئی نہیں ہے۔^۵

۱۔ تہذیب المعجم حوالہ مذکور ۲۔ تہذیب الاسماء۔ جلد اول۔ ق۔ اول۔ ص ۱۳۱-۱۳۲
۳۔ تہذیب۔ جلد اول۔ ص ۳۹۸ ۴۔ تہذیب الاسماء۔ جلد اول۔ ق۔ اول۔ ص ۱۳۱ ۵۔ ابن سعد۔ جلد ۷۔ ق۔ ۲۔ ص ۱۳

رائے کو وہ ایک باطل شے سمجھتے تھے، کسی نے ان سے کہا، آپ مسائل میں رائے کیوں نہیں دیتے، آپ نے یہ تمثیلی جواب دیا کہ کسی نے گدھے سے کہا تم جگالی کیوں نہیں کرتے، اس نے کہا باطل شے کا چبانا پسند نہیں کرتا۔^۱

پندار علم کا خوف اور اس سے احتراز :

انسان کی مرتبہ اور درجہ پر پہنچ کر مشکل ہی سے عجب و غرور سے بچ سکتا ہے اس لئے ایوب ہمیشہ اس سے خائف رہتے تھے اور کہا کرتے تھے کہ کون انسان اس سے محفوظ رہ سکتا ہے جب کہ ایک شخص حدیث بیان کرتا ہے اور اس کی بنا پر قوم کے دل میں وہ ایک مقام حاصل کر لیتا ہے اس وقت اس کے دل میں بعض چیزوں (عجب و غرور وغیرہ) کی آمیزش ہو جاتی ہے۔^۲

لیکن ان کا دامن اس سے محفوظ تھا۔ علم کا ایک پنداریہ بھی ہے کہ صاحب علم اپنی لاعلمی دوسروں پر ظاہر نہ ہونے دے اور گزر چکا ہے کہ وہ بہترے سائلوں کو صاف جواب دیتے تھے کہ مجھے نہیں معلوم بعض سائلوں سے کہہ دیتے کہ کسی دوسرے صاحب علم سے پوچھ لو۔^۳

اہل علم کی عزت : اہل علم کی بڑی عزت و محبت کرتے تھے خواہ وہ کیسے ہی معمولی حالت میں کیوں نہ ہو اس کی وقعت میں فرق نہ آتا ریح بن مسلم بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں ایوب سختیانی کا ہم سفر تھا اٹح میں ایک کیم شمیم شخص سے جس کے جسم پر نہایت موٹا لباس تھا ملاقات ہوئی وہ ایوب کو پوچھ رہا تھا۔ میں نے ان کو اطلاع دی کہ ایک شخص آپ کو تلاش کر رہا ہے جیسے ہی ایوب نے اس شخص کو دیکھا دوڑ کر گلے لپٹ گئے، لوگوں نے پوچھا یہ کون شخص ہے معلوم ہوا سالم بن عبد اللہ ہیں۔^۴

زہد و عبادت : ایوب میں جس درجہ کا علم تھا اس سے کچھ بڑھ کر زہد و تقویٰ تھا، امام مالک کا بیان ہے کہ وہ علمائے باہل صاحب خشوع بڑے عبادت گزار اور اختیار لوگوں میں تھے۔^۵ چالیس مرتبہ حج کے شرف سے مشرف ہوئے۔^۶

عبادت کا اختفاء : لیکن ہمیشہ عبادت و ریاضت کو چھپاتے تھے فرماتے تھے کہ آدمی کے لئے اپنے زہد کا چھپانا ظاہر کرنے سے بہتر ہے۔^۷ ساری ساری رات عبادت کرتے تھے لیکن لوگوں سے چھپانے کے لئے صبح کو اس طرح آواز بلند کرتے کہ سننے والوں کو معلوم ہو کہ ابھی سو کر اٹھے ہیں۔^۸

۱۔ تذکرۃ الخلفاء۔ جلد ۱۔ ص ۱۱۷
 ۲۔ ابن سعد۔ جلد ۷۔ ق ۲۔ ص ۱۳
 ۳۔ ایضاً۔ ص ۱۵
 ۴۔ تہذیب المعذیب۔ جلد اول۔ ص ۳۹۸
 ۵۔ تذکرۃ الخلفاء۔ جلد اول۔ ص ۱۱۷
 ۶۔ ابن سعد۔ جلد ۷۔ ق ۲۔ ص ۱۶
 ۷۔ تذکرۃ الخلفاء۔ جلد اول۔ ص ۱۱۷
 ۸۔ ایضاً۔ ص ۱۵

ذات نبوی سے عقیدت و محبت :

ذات نبوی کے ساتھ والہانہ شیفنگی تھی، حدیث نبوی سن کر ایسا زار زار روتے کہ دیکھنے والوں کو رحم آ جاتا۔ امام مالک کا بیان ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ان کے اجلال کو دیکھ کر ان سے حدیثیں لکھنی شروع کر دی تھیں۔^۱

اتباع رسول : اس عقیدت و محبت کا ایک نتیجہ اتباع سنت میں اہتمام تھا حماد بن زید بیان کرتے ہیں کہ جن جن لوگوں کے پاس میں بیٹھا ان سب میں زیادہ افضل اور قبیح سنت ایوب کو پایا۔^۲

شہرت سے نفرت اور اہل دنیا سے اجتناب :

ان اوصاف اور کمالات کی وجہ سے ان کی ذات مرجع خلافت بن گئی تھی لیکن دنیا اہل دنیا اور شہرت و نمود سے دور بھاگتے تھے، عام مجموعوں اور لوگوں کی نظروں سے بچنے کے لیے راستہ چلتے میں عام مالوف راستوں کو چھوڑ کر نامانوس اور دور دراز راستہ اختیار کرتے۔ حماد بن زید بیان کرتے ہیں کہ راہ چلتے میں ایوب مجھے دور کے راستوں سے لے جاتے۔ میں ان کو قریب کا راستہ بتاتا تو کہتے میں ان مجالس سے بچنا چاہتا ہوں۔

ایک دوسری روایت میں حماد بیان کرتے ہیں مجھے ایسے راستوں سے لے جاتے کہ ان کی تلاش پر تعجب ہوتا اور محض لوگوں کی نگاہ سے بچنے کے لئے لیکن جب کسی کا سامنا ہو جاتا تو خود سلام میں پیش قدمی کرتے، ان کی شخصیت کی وجہ سے لوگ ان کے سلام کے جواب میں بہت کچھ اضافہ کرتے، ان کو یہ امتیاز بھی گوارا نہ تھا۔ چنانچہ ان کے جوابات سن کو فرماتے، خدایا تو خوب جانتا ہے کہ یہ میری خواہش نہیں ہے، خدایا تو خوب جانتا ہے کہ یہ میری خواہش نہیں ہے۔

لوگوں کی نظر بچانے کے لئے اکثر دوسرے کو اپنے ساتھ چلنے کی اجازت نہ دیتے، شعبہ بیان کرتے ہیں کہ بسا اوقات میں اپنی ضرورت سے ان کے ساتھ جانا چاہتا تو وہ مجھے اجازت نہ دیتے اور گھر سے نکل کر مختلف گلیوں میں ادھر ادھر نکل جاتے تاکہ لوگ انہیں جاننے نہ پائیں۔^۳

اس غرض کے لئے اپنے طبقہ کی مالوف وضع چھوڑ دی تھی کہ لوگوں کی نظر نہ پڑنے پائے۔ اس زمانہ کے عابدوں اور زاہدوں کے پیراہن کا دامن چڑھا رہتا تھا، اور یہ ان کا امتیازی نشان تھا۔ اس لئے وہ اپنے پیراہن کا دامن لٹکاتے تھے۔ معبد بیان کرتے ہیں کہ میں نے ایوب کی قمیص کا دامن

۱۔ تذکرۃ الحفاظ۔ جلد اول۔ ص ۱۲۷ ۲۔ تہذیب المعذیب۔ جلد اول۔ ص ۳۹۷ ۳۔ تہذیب الاسماء۔

۴۔ ابن سعد۔ جلد ۷۔ ق ۲۔ ص ۱۵۷۔ ۱۶۷

لٹکتا ہوا دیکھ کر ان پر اعتراض کیا۔ انہوں نے کہا، ابو عمروہ اگلے زمانہ میں دامن لٹکا کر چلنے میں شہرت تھی، اور اب سمیٹ کر چلنے میں ہے۔

ارباب دول و ثروت سے گریز :

ارباب دول سے ملنے میں بہت گریز کرتے تھے، اور اپنے گھر میں خلفاء و سلاطین تک کے آنے کے روادار نہ تھے، فرماتے تھے کہ مجھے اپنا لڑکا بکر دنیا میں سب سے زیادہ محبوب ہے لیکن مجھ کو اسے دفن کر دینا پسند ہے، لیکن خلفاء کا پاس آنا پسند نہیں ہے۔

خوش اخلاقی : اس سے یہ نہ قیاس کرنا چاہئے کہ وہ مردم بیزار اور کج خلق تھے۔ وہ صرف اپنے کو چھپانے کے لئے لوگوں کے میل جول سے بچتے تھے، ورنہ طبعاً نہایت خوش خلق تھے۔

حماد بن زید کا بیان ہے کہ میں نے ایوب سے زیادہ کسی کو لوگوں سے تبسم اور خندہ پیشانی کے ساتھ ملتے نہیں دیکھا۔ جب کوئی بیمار ہوتا، یا کسی کے یہاں موت ہو جاتی تو وہ عیادت اور تعزیت کے لئے ضرور جاتے اور یہ معلوم ہوتا کہ وہ شخص ان کی نگاہ میں سب سے زیادہ معزز اور محترم ہے۔ ایسے موقعوں پر وہ معمولی معمولی درجہ کے آدمیوں کے یہاں بھی ضرور حاضری دیتے تھے۔ یعلیٰ بن حکم نامی ایک غلام ان کا ہم محلہ تھا وہ مر گیا، اس کی صرف ایک ماں تھی۔ ایوب اس کے یہاں تین دن تک برابر گئے اور اس کے دروازے پر بیٹھتے تھے۔

وفات : ۳۱ھ میں بصرہ میں طاعون کے مرض میں وفات پائی ۶۳ سال کی عمر تھی۔ ایک سرخ چادر انہوں نے عرصہ سے کفن کے لئے مخصوص کر دی تھی اور اس کو وہ حرام کی حالت میں اور رمضان کی تیسویں شب کو اوڑھتے تھے لیکن یہ چادر مرنے سے پہلے چوری ہو گئی تھی۔

حلیہ : سر پر ٹٹھے تھے جو سال میں ایک مرتبہ (غالباً حج کے موقع پر) منڈوا یا کرتے تھے سر اور داڑھی دونوں کے بال سپید ہو گئے تھے، ان میں کبھی کبھی سرخ خضاب کرتے تھے۔

(۱۰) بسر بن سعیدؓ

نام و نسب : بسر نام، والد کا نام سعید تھا، حضرمیوں کے غلام تھے، مدینہ الرسول میں بنی جدیلہ کے محلہ میں رہتے تھے۔ زہد و ورع کے اعتبار سے مدینہ کے ممتاز بزرگوں میں تھے۔

فضل و کمال : علمی اعتبار سے ان کا شمار علمائے ربانین میں تھا، حافظ ذہبی لکھتے ہیں : بسریں سعید العالم الربانی المجاب الدعوة احدا لنا بعین^۱۔ حدیث رسول کی معتد بہ تعداد ان کے حافظہ میں محفوظ تھی۔ ابن سعد لکھتے ہیں : کان ثقة کثیر الحدیث^۲۔ حدیث میں وہ حضرت سعید بن ابی وقاص، زید بن ثابتؓ، عبداللہ بن عمرؓ اور سعید بن مالکؓ جیسے اجلہ صحابہ سے فیضاب ہوئے تھے، اور سالم ابوالنصر بکر بن الاشج، محمد بن ابراہیم، یعقوب بن اشج، ابوسلمہ بن عبدالرحمن اور یزید بن حصیفہ وغیرہ ان کے خوشہ چینیوں میں تھے۔^۳

زہد و ورع : ان کے دستار فضیلت کا نمایاں طرہ زہد و ورع تھا، ابن سعد لکھتے ہیں ، ”کان بسر من العباد المنقطعين و اهل الزهد فی الدنيا“^۴۔ ابن عماد حنبلی لکھتے ہیں ، ”بسریں سعید الملنی الزهد العابد المجاب الدعوة“^۵۔

حضرت عمرؓ بن عبدالعزیز پر اثر :

ان کے زہد و ورع کے بڑے بڑے تقیاء اور صلحائے امت معترف تھے، حضرت عمرؓ بن عبدالعزیز جیسے بزرگ انہیں تمام اہل مدینہ سے افضل سمجھتے تھے۔ ایک مرتبہ ولید بن عبدالملک نے ان سے پوچھا کہ اہل مدینہ میں سب سے افضل کون ہے، فرمایا بنی حضرنی کا غلام پسر^۶۔

وفات : ۵۰ھ میں مدینہ الرسول میں وفات پائی انتقال کے وقت اٹھتر (۷۸) سال کی عمر تھی۔ زہد کا یہ عالم تھا کہ مرتے وقت کفن تک نہ چھوڑا، اسی زمانہ میں عبدالملک کے لڑکے عبداللہ کا انتقال ہوا تھا۔ اس نے اسی مدسونا چھوڑا، حضرت عمرؓ بن عبدالعزیز نے اس تفاوت راہ پر فرمایا کہ اگر دونوں کے جانے کی جگہ ایک ہوتی تو میں دنیا میں عبداللہ کی جیسی عیش و آرام کی زندگی پسند کرتا۔ اس تعریض پر عبداللہ کے بھائی مسلمہ نے کہا، امیر المؤمنین آپ نے اپنے خاندان پر چوٹ کی۔ فرمایا میں صاحب فضل کی فضیلت کا ذکر نہیں چھوڑ سکتا۔^۷

(۱۱) بکر بن عبداللہ مزی

نام و نسب : بکر نام باپ کا نام عبداللہ تھا نسبی تعلق قبیلہ مزینہ سے تھا۔

۱۔ دول الاسلام ذہبی۔ جلد اول۔ ص ۵۱ ۲۔ ابن سعد۔ جلد ۵۔ ص ۲۰۸ ۳۔ تہذیب اچھڑیب۔ جلد اول۔ ص ۳۳۷

۴۔ ابن سعد۔ جلد ۵۔ ص ۲۰۸ ۵۔ شذرات الذہب۔ جلد اول۔ ص ۱۱۸ ۶۔ تہذیب اچھڑیب۔ جلد اول۔ ص ۳۳۷

۷۔ ابن سعد۔ جلد ۵۔ ص ۲۰۸

حدیث: حدیث کے ممتاز حفاظ میں تھے۔ علامہ ابن سعد لکھتے ہیں، کان ثقة ما مونا ثبنا ما امر
کثیر الحدیث حجة ۱۔ صحابہ میں انہوں نے عبداللہ بن عمرؓ، عبداللہ بن عباس اور مغیرہ بن شعبہؓ۔
اور تابعین میں ابورافع، صالح، ابوتیمہ جمحی وغیرہ سے سماع حدیث کیا تھا۔ ثابت البنانی سلیمان جمحی
، قتادہ، غالب القطان، عاصم الاحول، سعید بن عبداللہ اور مطر الوراق ان کے تلامذہ میں ہیں۔ ان کی
مرویات کی تعداد پچاس تک پہنچتی ہے۔

فقہ : فقہ میں بھی درک تھا۔ علامہ ابن سعد ان کے حفظ حدیث کے ساتھ انہیں فقیہ بھی لکھتے ہیں۔
عہدہ قضاء کی پیشکش سے انکار :

ان کے فقہی کمال کی بنا پر عہدہ قضاء ان کے سامنے پیش کیا گیا مگر یہ اس کی ذمہ داریوں سے بہت گھبراتے تھے، اس لئے قبول کرنے پر آمادہ نہ ہوئے، اور یہ معقول منطقی دلیل پیش کی کہ خدائے وحدہ لا شریک کی قسم مجھے قضاء میں کوئی درک نہیں ہے، اگر میں سچ کہتا ہوں تو ظاہر ہے کہ اس عہدہ کا اہل نہیں اور اگر غلط کہتا ہوں تو جھوٹا شخص قاضی بنائے جانے کے لائق نہیں۔

متب حانہ عقائد سے نفرت :

عقائد میں بکر صحابہ کرام کے صاف اور سادہ عقیدہ کے پابند تھے، عقلی موشگافیوں کو سخت ناپسند اور جدت طرازیوں سے سخت نفرت کرتے تھے، اس زمانہ میں قدر کا مسئلہ چھڑ چکا تھا، اگر بکر کبھی اس کا ذکر بھی سن لیتے تو اس کے کفارہ میں دو رکعت نماز ادا کرتے تھے۔^۱

فارغ البالی اور تحدیثِ نعمت :

خدا نے بکر کو دنیاوی حیثیت سے بہت فارغ البال بنایا تھا۔ اور وہ تحدیثِ نعمت کے لئے امیرانہ اور عیش و راحت کی زندگی بسر کرتے تھے، اچھے لباس کے بڑے شائق تھے، چار چار ہزار تک کی قیمت کا لباس استعمال کرتے تھے، مزاج میں بڑی نفاست تھی، ایک مرتبہ چار سو کی ایک چادر خریدی، درزی نے لباس قطع کرنے کے لئے اس پر مٹی سے نشان لگانا چاہا، بکر نے روک دیا اور کافور پسوا کر اس سے نشان لگوا دیا۔

۱۔ ابن سعد۔ جلد ۷۔ ق اول۔ ص ۱۵۲ ۲۔ ایضاً ۳۔ تہذیب الفہم۔ جلد اول۔ ص ۴۸۴

۴۔ ابن سعد۔ جلد ۷۔ ص ۱۵۲ ۵۔ ابن سعد۔ جلد ۷۔ ص ۱۵۳ ۶۔ ایضاً۔ ص ۱۵۲ ۷۔ ایضاً۔ ص ۱۵۲۔ ۱۵۳

فروغی اور تواضع :

لیکن اس لہارت میں عجب وغرور مطلق نہ تھا بلکہ اس قیمتی ملبوس میں وہ بے تکلف غربا کے مجموعوں میں حدیث سنانے کے لئے چلے جاتے تھے۔

بارگاہ ایزدی میں الجاح :

اس فراغت و اطمینان کی حالت میں بھی وہ اپنے کو خدا کی بارگاہ کا ایک گدائے بنوا سمجھتے تھے، اور ہمیشہ اس کے فضل و کرم کے طالب رہا کرتے تھے، چنانچہ دعا کیا کرتے تھے خدایا مجھے اپنے فضل و کرم سے مدد عطا فرما تاکہ میں اور زیادہ شکر گزار ہوں صرف تیری ہی احتیاج ہے، تیرے ماسوا سے استغنا ہے خدایا نہ میری امیدیں اور آرزوئیں میرے اختیار میں ہیں، اور نہ پسندیدہ باتوں کا روکنا میرے بس میں ہے، میرے تمام معاملات کسی اور کے ہاتھ میں ہیں، دنیا میں کوئی محتاج مجھ سے زیادہ محتاج نہیں، یہ دعا کر کے فرماتے لے ابن آدم لہی امید و آرزو نہ کر جو خدا کی نیرنگی سے بے خوف کر دے اور نہ ایسا خوف دہراں طاری کر جو خدا کی رحمت سے مایوس کر دے۔

شرط رفاقت :

آپ کے بعض مصلیٰ ہر انسان کے لئے لائق عمل ہیں شرط رفاقت کے سلسلہ میں فرماتے تھے کہ اگر تمہارے ساتھی کے جوتے کا تسمیٹوٹ جائے اور تم اس کا بھی انتظام نہ کرو کہ وہ اپنا تسمہ درست کر لے یا وہ پیشاب کے لئے بیٹھے ہو تو تم اس کے فارغ ہونے کا انتظام نہ کرو تو تم اس کے ساتھی نہیں ہو۔

زیادہ باتیں مضر ہیں :

فرماتے تھے زیادہ باتیں نہ کیا کرو، مگر تم نے صحیح اور درست باتیں کیں تو اس کا کوئی اجر نہ ملے گا اور اگر غلط کیں تو تم سے ان کا مواخذہ ہوگا۔

وفات: ۱۸۰ھ میں بصرہ میں وفات پائی، مقبولیت کا یہ عالم تھا کہ جنازہ پر خلعت ٹوٹی پڑتی تھی۔

(۱۲) ثابت بن اسلم بنانیؓ

نام و نسب: ثابت نام، ابو محمد کنیت، نسبا قریشی کی شاخ بنی سعد سے اور بصرہ کے صاحب علم و عمل تابعین میں تھے۔

فضل و کمال : علمی اعتبار سے وہ بصرہ کے ممتاز علماء میں تھے۔ حافظ ذہبی انہیں امام و حجت اور ابن عساکر جلی علم و فضل اور عبادت میں سادات تابعین میں لکھتے ہیں^۱۔

حدیث : انس بن مالکؓ کے خاص اصحاب میں تھے ان کی صحبت نے اُن کو بڑا حافظ حدیث بنادیا تھا۔ ان کی مرویات کی تعداد ابن ماجہ کے بیان کے مطابق ڈھائی سو تک پہنچی ہے^۲۔ صحابہ میں انہوں نے انسؓ بن مالکؓ، عبداللہ بن عمرؓ، عبداللہ بن ابی لیلیٰؓ، مطرف بن عبداللہؓ، ابورافع عمرو بن ابوسلمہؓ، شعیبؓ، عبداللہ بن رباحؓ، عبدالرحمن بن ابی لیلیٰؓ، مطرف بن عبداللہؓ، ابورافع صلیحؓ سے سماع حدیث کیا تھا^۳۔ حمید الطویل شعبہ، جریر بن ابی حازم، معمر، ہمام، ابو عوانہ، جعفر بن سلیمان، سلمان مغیرہ، داؤد بن ابی ہند، عطاء بن ابی رباحؓ، عبداللہ بن عبید وغیرہ ان کے زمرہ تلامذہ میں ہیں^۴۔

زہد و ورع : ان کی شہرت ان کے علم سے زیادہ ان کے عمل اور زہد و ورع اور عبادت و ریاضت کی وجہ سے ہے، صحابہ تک ان کے مذہبی اور اخلاقی اوصاف کے معترف تھے، حضرت انسؓ فرماتے تھے کہ ہر شے کی ایک کنجی ہوتی ہے۔ ثابت خیر کی کنجی ہیں^۵۔ بکر بن عبداللہ کہتے تھے کہ جسے دنیا کا سب سے بڑا عابد دیکھنا ہو وہ ثابت کو دیکھ لے، میں نے ان سے بڑا عابد نہیں دیکھا^۶۔

سوز و گداز : ان کا دل سوز و گداز کی آتش سوزاں تھا، گداز قلب سے ان کی آنکھیں ہر وقت اشکبار رہتی تھیں، اور اس بے قراری کے ساتھ روتے تھے کہ معلوم ہوتا تھا پسلیاں الٹ جائیں گیں شدت گریہ سے آنکھیں خراب ہو گئی تھیں اور ان کے بے نور ہو جانے کا خطرہ پیدا ہو گیا تھا، لوگوں نے اتنی اشکباری پر عرض کیا تو فرمایا، آنکھوں کی بھلائی اسی میں ہے کہ روتی رہیں اور علاج کرنے سے انکار کر دیا^۷۔

عبادت و ریاضت :

ان کی زندگی کا سب سے محبوب مشغلہ عبادت تھا فرماتے تھے کہ کسی شخص میں خواہ ساری دنیا کی بھلائیاں کیوں نہ ہوں لیکن جب تک وہ روزے نماز کا پابند نہیں ہے اس وقت تک وہ عابد نہیں ہو سکتا جس مسجد کی طرف سے گزرتے تھے اس میں نماز ضرور پڑھتے تھے، تہجد کی نماز میں یہ پر موعظت آیت ،

۱۔ تذکرۃ الحفاظ۔ جلد اول۔ ص ۱۱۱ و شذرات الذهب۔ جلد اول۔ ص ۱۶۱ ۲۔ تہذیب المعجزات۔ جلد ۲۔ ص ۲

۳۔ ایضاً ۴۔ ایضاً ۵۔ ابن سعد جلد ۷۔ ق ۲۔ ص ۳ ۶۔ تذکرۃ الحفاظ۔ جلد اول۔ ص ۱۱۲ ۷۔ ایضاً

”اکفرت بالذی خلقک من تراب ثم نطفة“۔

”اے انسان تو اس سے کفر کرتا ہے جس نے تجھ کو مٹی پھر نطفہ سے پیدا کیا۔“

بار بار تاثر کے ساتھ پڑھتے تھے، اور زار زار روتے تھے۔^۱

صائم الدہر تھے، کبھی روزہ ناغہ نہ ہوتا تھا۔^۲ ایک شبانہ یوم میں پورا قرآن ختم کرتے تھے۔^۳

توبہ اور استغفار :

غفار الذنوب کی بارگاہ میں توبہ اور استغفار بہت پسند تھا، فرماتے تھے، مجھ سے یہ پسند ہے کہ مجھ سے گناہ کبیرہ سرزد ہوں، اور خدا سے استغفار کر کے اس گناہ کو چھوڑ دوں، اس کے مقابلہ میں کہ صغیرہ سرزد ہو اور استغفار اور اس کو چھوڑنے کی توفیق نہ ہو۔^۴

موت کی یاد کا عمل پر اثر پڑتا ہے :

فرماتے تھے کہ جو شخص موت کو زیادہ یاد کرتا ہے، اس کے اعمال پر اس کا نمایاں اثر پڑتا ہے۔^۵

وفات : ۱۲۳ھ میں وفات پائی، وفات کے وقت اسی سال سے اوپر عمر تھی۔^۶

(۱۳) جابر بن زید^۷

نام و نسب : جابر نام، ابواسعنا، کنیت، نسباً قبیلہ ازد سے تھے۔

فضل و کمال : جابر نے بہت سے علماء صحابہ سے استفادہ کیا تھا، لیکن حمزہ الامت حضرت عبداللہ ابن عباسؓ کی صحبت میں زیادہ رہے تھے، اس تعلق سے وہ صاحب ابن عباس، یعنی ابن عباس کے ساتھی کہلاتے تھے۔ ان کے فیض صحبت نے جابر کا دامن علم نہایت وسیع کر دیا تھا، اور وہ اپنے عہد کے ممتاز ترین علماء میں تھے، حافظ ذہبی انہیں علمائے اعلام میں لکھتے ہیں۔^۸ علامہ نووی لکھتے ہیں کہ ان کی توثیق اور جلالت پر سب کا اتفاق ہے۔ وہ آمر اور فقہائے تابعین میں ہیں۔^۹

قرآن : قرآن، حدیث فقہ، جملہ علوم میں انہیں یکساں کمال تھا، علوم قرآنیہ میں خاص مہارت تھی ان کے استاد حضرت عبداللہ بن عباس جو خود قرآن کے بہت بڑے عالم تھے، فرماتے تھے اگر اہل بصرہ جابر بن زید کا قول اختیار کریں تو کتاب اللہ کے بارہ میں ان کا علم نہایت وسیع ہو جائے۔^{۱۰}

۱۔ ابن سعد۔ جلد ۷۔ ق۔ ۲۔ ص ۳ ۲۔ تذکرۃ الحفاظ۔ جلد اول۔ ص ۱۱۲ ۳۔ ایضاً ۴۔ ابن سعد۔ جلد ۷۔ ق۔ ۲۔ ص ۳

۵۔ ایضاً۔ جلد ۷۔ ق۔ ۲۔ ص ۳ ۶۔ تذکرۃ الحفاظ۔ جلد اول۔ ص ۱۱۲ ۷۔ تذکرۃ الحفاظ۔ جلد اول۔ ص ۶۲

۸۔ ایضاً ۹۔ تہذیب الاسماء جلد اول۔ ق۔ اول۔ ص ۱۳۲ ۱۰۔ تہذیب التہذیب۔ جلد ۲۔ ص ۳۸

حدیث : حدیث کے بھی بڑے حافظ تھے، حافظ ذہبی حفاظ حدیث میں انہیں علمائے اعلام کا درجہ دیتے ہیں، حدیث میں انہوں نے عبداللہ بن عباس، عبداللہ بن عمرؓ، ابن زبیرؓ، حکم بن عمروؓ وغفاری، اور امیر معاویہؓ وغیرہ سے استفادہ کیا تھا، اور عمرو بن دینار، یعلیٰ بن مسلم، ایوب سختیانی اور عمرو بن حزم وغیرہ ان کے زمرہ تلامذہ میں ہیں۔

فقہ : فقہ میں بھی ان کو پوری مہارت تھی، علامہ نووی انہیں آئمہ اور فقہائے تابعین میں لکھتے ہیں۔ صحابہ اور تابعین ان کے تفقہ کے معترف تھے، ایک مرتبہ عبداللہ بن عمرؓ نے ان سے فرمایا کہ تم بصرہ کے فقہا میں ہو، اور لوگوں کو فتویٰ دیتے ہو، اس کا ہمیشہ خیال رکھنا کہ کبھی نص قرآنی اور سنت کے خلاف فتویٰ نہ دینا، ورنہ تم خود ہلاک ہو گے، اور دوسروں کو ہلاک کرو گے۔

ایوب حیرت آمیز استعجاب کے ساتھ ان کا ذکر کرتے تھے۔ ایاس بن معاویہ جو بصرہ کے نامور قاضی تھے کہتے تھے کہ جابر کے علاوہ اہل بصرہ کا کوئی حقیقی مفتی نہ تھا۔ حضرت حسن بصری کی عدم موجودگی میں جابر افتاء میں ان کی قائم مقامی کرتے تھے۔

جابر ایک مرتبہ کسی سلسلہ میں قید ہو گئے تھے، قیاس یہ ہے کہ حجاج کے زمانہ میں جبکہ بہت سے صلحا و اختیار امت قید و بند کا شکار ہوئے تھے جابر بھی اس کے مظالم کا نشانہ بنے ہوں گے، اہل بصرہ کو ان کے علم پر اتنا اعتماد تھا کہ قید کی حالت میں بھی انہی کی طرف رجوع کرتے تھے، قتادہ کا بیان ہے کہ جابر بن زید قید کیے گئے تھے، لوگوں نے خنثی کی میراث کی بارے میں ان کے پاس استفتاء بھیجا، انہوں نے کہا کہ تم لوگ بھی خوب ہو مجھ کو قید کراتے ہو اور پھر مجھ ہی سے فتویٰ پوچھتے ہو، یہ جتا کر فتویٰ کا جواب دیا۔

جامعیت : جابر کی شخصیت جامع العلم تھی وہ اپنے عہد کے بہت بڑے عالم تھے، عمرو بن دینار کہتے تھے کہ میں نے ابوالشعراء سے زیادہ جاننے والا نہیں دیکھا۔ ان کی موت کے وقت قتادہ کی زبان پر یہ جملہ تھا کہ، آج روئے زمین کا علم فن ہو گیا۔

کتابت پسند نہ تھی :

اس عہد کے بعض بزرگوں کی طرح جابر بھی علم کو قلم بند کرنا پسند نہ کرتے تھے عمرو بن دینار بیان کرتے ہیں کہ جابر بن زید سے بعض لوگوں نے کہا کہ لوگ آپ سے جو سنتے ہیں اس کو لکھ لیتے ہیں۔

۱۔ تہذیب اجتہاد - جلد ۲ - ص ۳۸ ۲۔ تہذیب الاسماء - جلد اول - ق اول - ص ۱۳۲ ۳۔ تذکرۃ الحفاظ - جلد اول - ص ۶۲ ۴۔ ابن سعد - جلد ۴ - ق ۱ - ص ۱۳۱ ۵۔ ایضاً ۶۔ تہذیب اجتہاد - جلد ۲ - ص ۳۸ ۷۔ ابن سعد - جلد ۴ - ق اول - ص ۱۳۱ ۸۔ ایضاً ۹۔ تذکرۃ الحفاظ - جلد اول - ص ۶۲

انہوں نے یہ سن کر کہا انا للہ وہ لوگ لکھ لیتے ہیں، ان کی ناپسندیدگی دیکھ کر ان کے بعض تلامذہ نے لکھنا ترک کر دیا۔

فضائل اخلاق :

اس علم کے ساتھ وہ فضائل اخلاق سے بھی آراستہ تھے، عمل خیر کے مقابلہ میں دنیا کی نعمت کو کوئی وقعت نہ دیتے تھے، فرماتے تھے کہ ساٹھ برس کی عمر ہونے کو آئی، اس طویل مدت میں بہت کچھ ملا، اور خدا نے بہت سی نعمتیں عطا فرمائیں، لیکن اس خیر کے علاوہ جسے میں نے کیا ہے، باقی اور تمام نعمتیں میرے نزدیک جوتے سے بھی فروتر ہیں۔

دولت کے مقابلہ میں بھی ان سے لغزش نہ ہوتی تھی محمد بن حسین کہتے تھے کہ خدا جابر پر رحم کرے وہ درہم کے مقابلہ میں بھی مسلمان تھے۔

ایک الزام سے برأت :

جابر کے پاس فرقہ لباضیہ (خارجی فرقہ کی ایک شاخ) کے افراد کی آمد و رفت رہتی تھی۔ اس لئے بعض لوگوں کو یہ گمان پیدا ہو گیا تھا کہ وہ بھی اس جماعت سے تعلق رکھتے ہیں یا کم از کم ان کے خیالات سے متاثر ہیں۔ لیکن اس کی کوئی اصلیت نہ تھی۔ وہ بارہا اپنی زندگی میں اور آخر وقت مرض الموت میں لباضیہ کے عقائد سے اپنی برأت ظاہر کی۔

جب ان کی حالت زیادہ خراب ہوئی تو ثابت البنائی نے پوچھا کہ آپ کی کوئی خواہش ہے۔ کہا حسن بصری کو ایک نظر دیکھنا چاہتا ہوں۔ اس وقت وہ (غالباً حکومت) کے خوف سے ابی خلیفہ کے گھر میں روپوش تھے۔ ان کو جابر کی خواہش کی اطلاع دی گئی، وہ فوراً آنے کے لئے آمادہ ہو گئے۔ ثابت نے روکا کہ پکڑ جانے کا خوف ہے آپ نے جواب دیا، خدا مجھ کو دشمنوں کی نظر سے بچائے گا۔ چنانچہ اسی وقت جابر کے پاس پہنچے۔

جابر میں اٹھنے کی طاقت نہ تھی، دوسرے کا سہارا لے کر اٹھے۔ حسن بصری نے انہیں کلمہ طیبہ پڑھنے کی تلقین کی۔ انہوں نے کلام اللہ کی آیات تلاوت کیں۔ حسن بصری نے دم آخر لباضیہ کے مسئلہ کو صاف کرنے کے لئے پوچھا۔ لباضیہ تم سے دوستی رکھتے ہیں۔ جابر نے کہا میں خدا سے ان سے برأت چاہتا ہوں۔ حسن بصری نے سوال کیا، نہروانیوں کے بارہ میں تمہارا کیا خیال ہے؟ جابر نے ان سے بھی برأت ظاہر کی۔ جابر کی حالت بہت نازک تھی۔ اس لئے حسن بصری صبح تک انہیں رخصت

کرنے کا انتظار کرتے رہے، لیکن ابھی وقت موعود پورا نہیں ہوا تھا، اس لئے صبح کے آثار نمودار ہونے کے بعد نماز جنازہ کے طور پر چار تکبیریں کہہ کے ان کے حق میں دعائے مغفرت کی اور صبح ہونے سے پہلے اپنے قیام گاہ لوٹ گئے۔

وفات: اسی بیماری میں ۱۰۳ھ میں وفات پائی۔

(۱۴) جعفر بن محمد المقلب بہ صادقؑ

نام و نسب: جعفر نام، ابو عبد اللہ کنیت، صادق لقب، آپ امام محمد المقلب بہ باقر کے صاحبزادے اور فرقہ امامیہ کے چھٹے امام ہیں۔ نسب نامہ یہ ہے: جعفر بن محمد بن علی بن ابی طالب، آپ کی ماں فردہ حضرت ابو بکر صدیقؓ کے پر پوتے قاسم بن محمد کی لڑکی تھیں۔ نخیالی شجرہ یہ ہے: اُم فروہ بنت قاسم بن محمد بن عبد الرحمن بن ابی بکرؓ، اس طرح جعفر صادق کی رگوں میں صدیقی خون بھی شامل تھا۔

پیدائش: ۸۰ھ میں مدینہ میں پیدا ہوئے۔

فضل و کمال: آپ اس خانوادہ علم و عمل کے چشم و چراغ تھے، جس کے ادنیٰ ادنیٰ خدام مسند علم کے وارث ہوئے آپ کے ولد امام باقر اس پایہ کے عالم تھے کہ امام اعظم ابو حنیفہ انعمان جیسے اکابر امت ان کے شاگرد تھے۔ اس لئے جعفر صادق کو علم گویا وراثتہ ملا تھا۔ فضل و کمال کے لحاظ سے آپ اپنے وقت کے امام تھے۔ حافظ امام ذہبی آپ کو امام اور احد السادات الاعلام لکھتے ہیں۔ اہل بیت کرام میں علم میں کوئی آپ کا ہمسر نہ تھا۔ ابن حبان کا بیان ہے کہ فقہ، علم اور فضل میں سادات اہل بیت میں تھے۔ امام نووی لکھتے ہیں کہ آپ کی امامت، جلالت اور سیادت پر سب کا اتفاق ہے۔

حدیث: حدیث آپ کے جد امجد علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اقوال ہیں، اس لئے آپ سے زیادہ اس کا کون مستحق تھا، چنانچہ آپ مشہور حفاظ حدیث میں تھے، علامہ ابن سعد لکھتے ہیں، کان کثیر الحلیث۔ حافظ ذہبی آپ کو سادات اور اعلام حفاظ میں لکھتے ہیں۔ حدیث میں اپنے والد بزرگوار حضرت امام باقرؑ بن منکدر عبید اللہ بن ابی رافع، عطاء عروہ، قاسم بن محمد، نافع اور زہری وغیرہ سے فیض پایا تھا، شعبہ دونوں سفیان بن عیینہ جرح، ابو عاصم، امام مالک، امام ابو حنیفہ وغیرہ آپ کے تلامذہ میں تھے۔

۱۔ ابن سعد۔ جلد ۱۔ ق ۱۔ ص ۳۲ ۲۔ ایضاً ۳۔ صحیح نسب نامہ یوں ہے: جعفر بن محمد بن علی بن حسین بن علی بن ابی طالب (خورشید) ۴۔ تذکرۃ الحفاظ۔ جلد اول۔ ص ۱۵۰ ۵۔ ایضاً۔ ص ۱۳۹ ۶۔ تہذیب المعجم۔ جلد ۲۔ ص ۱۰۴ ۷۔ تہذیب الاسماء۔ ص ۱۵۰ ۸۔ تہذیب المعجم۔ جلد ۲۔ ص ۱۰۴ ۹۔ تذکرۃ الحفاظ۔ جلد اول۔ ص ۱۵۰ ۱۰۔ تہذیب المعجم۔ جلد ۲۔ ص ۱۰۴ بحوالہ ابن سعد

احترام حدیث : حدیث رسول ﷺ کا اتنا احترام تھا کہ ہمیشہ طہارت کی حالت میں حدیث بیان کرتے تھے۔

فقہ : فقہ میں اتنا کمال حاصل تھا کہ افتہ الفقہاء امام زمن امام ابوحنیفہ فرماتے تھے کہ میں نے جعفر بن محمد سے بڑا فقہی نہیں دیکھا۔

علماء کا مرتبہ : آپ فرماتے تھے کہ علماء انبیاء کے امین ہیں جب تک وہ سلاطین کی آستان بوسی نہ کریں۔
اقوال : آپ کے اقوال و کلمات طیبات، تہذیب اخلاق، علم و حکمت اور پند و موعظت کا دفتر ہیں۔ سفیان ثوری سے آپ نے ایک مرتبہ فرمایا، سفیان جب خدام کو کوئی نعمت عطا کرے اور تم اس کو ہمیشہ باقی رکھنا چاہو تو زیادہ سے زیادہ شکر ادا کرو، کیونکہ خدائے تعالیٰ نے اپنی کتاب میں فرمایا ہے کہ، اگر تم شکر ادا کرو گے تو میں تم کو زیادہ دوں گا، جب رزق ملنے میں تاخیر ہو رہی ہو، تو استغفار زیادہ کرو۔ اللہ عزوجل اپنی کتاب میں فرماتا ہے۔

”استغفروا ربکم انه کان غفار ایو سل السماء علیکم ملرار او یملدکم

باموال و بنین و یجعل لکم جنت و یجعل لکم انہارا“۔ (سورہ نوح)

”اپنے رب سے مغفرت چاہو وہ بڑا مغفرت کرنے والا ہے تم پر آسمان سے موسلا دھار پانی برسائے

گا اور دنیا میں مال اور اولاد سے تمہاری مدد کریگا اور آخرت میں تمہارے لئے جنت اور نہریں بنائیگا۔“

جب تمہارے پاس سلطان وقت یا اور کسی کا کوئی حکم پہنچے تو لا حول ولا قوۃ الا باللہ زیادہ پڑھو، وہ کشادگی کی کنجی ہے۔

جو شخص اپنی قسمت کے حصہ پر قناعت کرتا ہے وہ مستغنی رہتا ہے، اور جو دوسرے کے مال کی طرف نظر اٹھاتا ہے وہ فقیر مرتا ہے۔ جو شخص خدا کی تقسیم پر راضی نہیں ہوتا وہ خدا کو اس کے فیصلہ پر مہتمم کرتا ہے۔ جو شخص دوسرے کی پردہ داری کرتا ہے، خدا اس کے گھر کے خفیہ حالات کی پردہ داری کر دیتا ہے۔ جو بغاوت کے لئے تلوار کھینچتا ہے، وہ اسی سے قتل کیا جاتا ہے۔ جو اپنے بھائی کے لئے گڈھا کھودتا ہے، وہ خود اس میں گرتا ہے۔ جو سفیہوں کے پاس بیٹھتا ہے، وہ حقیر ہو جاتا ہے۔ جو علماء سے ملتا جلتا ہے وہ معزز ہو جاتا ہے۔ جو بڑے مقامات پر جاتا ہے، وہ بدنام ہو جاتا ہے۔ ہمیشہ حق بات کہو، خواہ تمہارے موافق ہو یا مخالف۔ آدمی کی اصل اس کی عقل ہے اس کا حسب اس کا دین ہے اس کا کرم اس کا تقویٰ ہے۔ تمام انسان آدم کی نسبت میں برابر ہیں۔ سلامتی بہت نادر چیز ہے۔ یہاں تک کہ

اس کے تلاش کرنے کی جگہ بھی مخفی ہے، اگر وہ کہیں مل سکتی ہے تو ممکن ہے گوشہ گمنامی میں ملے۔ اگر تم اس کو گوشہ گمنامی میں تلاش کرو اور نہ ملے، تو ممکن ہے تنہا نشیمنی میں ملے۔ گوشہ تنہائی گوشہ گمنامی سے مختلف ہے، اگر گوشہ تنہائی میں بھی تلاش سے نہ ملے تو سلف صالحین کے اقوال میں ملے گی۔

استغفار : فرماتے تھے جب تم سے کوئی گناہ سرزد ہو تو اس کی مغفرت چاہو، انسان کی تخلیق کے پہلے سے اس کی گردن میں خطاؤں کا طوق پڑا ہے، گناہوں پر اصرار ہلاکت ہے۔

یہ : فرماتے تھے خدا نے دنیا کی طرف وحی کی ہے کہ جو شخص میری خدمت کرتا ہے تو اس کی خدمت کر اور جو تیری خدمت کرتا ہے، اسے تھکا دے۔

اچھے کاموں کے شرائط :

فرماتے تھے بغیر تین باتوں کے عمل صالح مکمل نہیں ہوتا۔ جب تم اسے کرو تو اپنے نزدیک اسے چھوٹا سمجھو، اس کو چھپاؤ اور اس میں جلدی کرو، جب تم اس کو چھوٹا سمجھو گئے تب اس کی عظمت بڑھے گی، جب تم اس کو چھپاؤ گے اس وقت اس کی تکمیل ہوگی۔ اور جب تم اس میں جلدی کرو گے تو خوشگواہی محسوس کرو گئے۔

حسن ظن : فرماتے تھے جب تمہارے بھائی کی جانب سے تمہارے لئے کوئی ناپسندیدہ بات ظاہر ہو تو اس کے جواز کے لئے ایک سے ستر تک تاویلیں تلاش کرو، اگر پھر بھی نہ ملے تو سمجھو کہ اس کا سبب اور اس کی کوئی تاویل ضرور ہوگی، جس کا تم کو علم نہیں۔

اگر تم کسی مسلمان سے کوئی کلمہ سنو تو اس کو بہتر سے بہتر معنی پر محمول کرو جب وہ محمول نہ ہو سکے تو اپنے نفس کو ملامت کرو۔

تہذیب و اخلاق :

فرماتے تھے چار چیزوں میں شریف کو عار نہ کرنا چاہئے، اپنے باپ کی تعظیم میں اپنی جگہ سے اٹھنے میں، مہمان کی خدمت کرنے اور خود اس کی سواری کی دیکھ بھال کرنے میں خواہ گھر میں سو غلام کیوں نہ ہوں، اور اپنے استاد کی خدمت کرنے میں۔

ایک نکتہ : جب دنیا کسی کے موافق ہوتی ہے تو دوسروں کی بھلائیاں بھی اسے دے دیتی ہے اور جب منہ پھیر لیتی ہے تو خود اس کی خوبیاں بھی چھین لیتی ہے۔

فضائل اخلاق : آپ کی ذات فضائل اخلاق کا زندہ پیکر تھی، آپ کا ایک نظر دیکھ لینا آپ کی خاندانی عظمت کی شہادت کے لئے کافی تھا، عمرو بن المقدام کا بیان ہے کہ جب میں

جعفر بن محمد کو دیکھتا تھا تو نظر پڑتے ہی معلوم ہو جاتا تھا کہ وہ نبیوں کے خاندان سے ہیں^۱۔ عبادت و ریاضت: عبادت آپ کے شبانہ یوم کا مشغلہ تھی، آپ کا کوئی دن اور کوئی وقت عبادت سے خالی نہ ہوتا تھا، امام مالک کا بیان ہے کہ میں ایک زمانہ تک آپ کی خدمت میں آتا جاتا رہا آپ کو ہمیشہ یا نماز پڑھتے پایا یا روزہ رکھتے ہوئے یا قرآن کی تلاوت کرتے ہوئے^۲۔

انفاق فی سبیل اللہ :

انفاق فی سبیل اللہ اور فیاضی و سرچشی اہل بیت کرام کا امتیازی اور مشترک وصف رہا ہے، جعفر صادق کی ذات اس وصف کا مکمل ترین نمونہ تھی، ہیاج بن بسطام روایت کرتے ہیں کہ جعفر صادق بسا اوقات گھر کا کل کھانا دوسروں کو کھلاتے تھے، اور خود ان کے اہل و عیال کے لئے کچھ نہ باقی رہ جاتا تھا^۳۔

لباس امارت میں خرقہ فقر :

آپ بظاہر اہل دنیا کے لباس میں رہتے تھے، لیکن اندر لباس فقر مخفی ہوتا تھا، سفیان ثوری کا بیان ہے کہ میں ایک مرتبہ جعفر بن محمد کے پاس گیا۔ اس وقت ان کے جسم پر خز کا ہبہ اور دخانی خز کی چادر تھی، میں نے کہا یہ آپ کے بزرگوں کا لباس نہیں ہے، فرمایا وہ لوگ افلاس اور تنگ حالی کے زمانہ میں تھے، اور اس زمانے میں دولت بہہ رہی ہے یہ کہہ کر انہوں نے اوپر کا کپڑا اٹھا کر دکھایا تو خز کے نیچے پشمینہ کا جبہ تھا۔ اور فرمایا ثوری یہ ہم نے خدا کے لئے پہنا ہے، اور وہ تم لوگوں کے لئے جو خدا کے لئے پہنتا تھا۔ اس کو پوشیدہ رکھا ہے۔ اور جو تم لوگوں کے لئے تھا، اس کو اوپر رکھا ہے^۴۔

مذہبی اختلافات سے بچنے کی ہدایت :

مذہب میں جھگڑنا سخت ناپسند کرتے تھے، تم لوگ خصومت فی الدین سے بچو، اس لئے کہ وہ قلب کو مشغول کر دیتی ہے، اور انفاق پیدا کرتی ہے^۵۔

جرات : نہایت جری، بڑا اور بے خوف تھے، بڑے بڑے جابر کے سامنے ان کی بے باکی قائم رہتی تھی، ایک مرتبہ منصور عباسی کے اوپر ایک مکھی آ کر بیٹھی وہ بار بار ہنکا کاٹا تھا اور مکھی بار بار آ کر بیٹھتی تھی، منصور اس کو ہنکاتے ہنکاتے عاجز آ گیا مگر وہ نہ ہٹی اتنے میں جعفر پہنچ گئے۔ منصور نے ان سے کہا ابو عبد اللہ مکھی کس لئے پیدا کی گئی ہے، فرمایا جبارہ کو ذلیل کرنے کے لئے^۶۔

۱۔ تہذیب الاسماء۔ جلد اول۔ ص ۱۵۰

۲۔ تہذیب۔ جلد ۲۔ ص ۱۰۴

۳۔ تذکرۃ الحفاظ۔ جلد اول۔ ص ۱۵۰

۴۔ صفوۃ الصفوہ۔ ص ۱۴۱

۵۔ ایضاً

۶۔ ایضاً

حضرت ابوبکرؓ کے متعلق عقیدہ :

گو تمام حق پرست اہل بیت کرام کو خلفائے اربعہ کے ساتھ یکساں عقیدت تھی لیکن جعفر صادق کی رگوں میں صدیقی خون بھی شامل تھا، اس لئے آپ کو حضرت ابوبکرؓ کے ساتھ خاص تعلق تھا، اور وہ اپنے جد امجد حضرت علیؓ کی طرح ان پر بھی اپنا حق سمجھتے تھے، چنانچہ فرماتے کہ مجھے علیؓ سے جس قدر شفاعت کی امید ہے، اتنی ہی ابوبکرؓ سے ہے۔^۱

وفات : ۱۳ھ میں وفات پائی۔^۲

(۱۵) حسن بن حسنؓ

نام و نسب : حسن نام ہے۔ خاندان نبوت کے چشم و چراغ، یعنی حضرت امام حسن بن علی علیہما السلام کے فرزند ارجمند اور آپ کے جانشین تھے۔ ماں کا نام خولہ تھا۔ ننھیالی نسب نامہ یہ تھا : خولہ بنت منظور بن زبان بن سیار بن عمرو بن جابر بن عقیل بن ہلال بن سبی بن مازن فزاری۔

فضل و کمال : فضل و کمال کے لحاظ سے حسن کا کوئی قابل ذکر پایہ نہ تھا۔ تاہم اپنے جد امجد کی باتوں یعنی احادیث نبوی کے امین تھے، اور اس کو اپنے والد بزرگوار حضرت حسنؓ اور عبد اللہ بن جعفرؓ سے سنا تھا۔ آپ کے صاحبزادے ابراہیم، عبد اللہ، حسن اور چچیرے بھائی حسن بن محمد بن حنفیہ اور حباب بن سدید کوئی، سعید بن ابی سعید، عبد الرحمن بن حفص اور ولید بن کثیر وغیرہ سے آپ نے روایتیں کی ہیں۔^۳

خلافت کے بارہ میں باطل عقائد کی تردید :

حسن خلق میں اپنے بے نیاز عالم والد بزرگوار حضرت حسنؓ کے خلف الصدق تھے، نبی فخر و غرور کا ادنیٰ شائبہ نہ تھا، بعض سادات کرام، حالی مدعیان محبت اہل بیت کے فریب میں پھنس جاتے تھے، اگرچہ ان کے عقائد و خیالات سے ان کا دامن پاک ہوتا تھا، لیکن بعض حالات کی وجہ سے وہ ان کے ہنوت کو انگیز کر لیتے تھے۔

لیکن حسن اس باپ کے بیٹے تھے، جس نے ملتی ہوئی خلافت چھوڑ دی۔ اس لئے وہ خلافت کے بارہ میں گمراہ کن خیالات کو سخت ناپسند کرتے تھے، اور برملا ان کی تردید کرتے تھے۔

ایک مرتبہ آپ نے ایک غالی مدعی محبت سے فرمایا تم لوگوں کو دعویٰ ہے کہ تم ہم سے خدا کے لئے محبت کرتے ہو، اگر یہ دعویٰ صحیح ہے تو ہم جب تک خدا کی اطاعت کریں تم ہم سے محبت کرو، اور جب اس کی نافرمانی کریں تو ہم سے دشمنی کرو آپ کے یہ خیالات سن کر ایک شخص نے کہا کہ آپ لوگ تو رسول اللہ ﷺ کے قرابت دار اور اہل بیت میں سے ہیں آپ نے فرمایا تجھ پر افسوس ہے اگر اللہ تعالیٰ بغیر اپنی اطاعت کے محض قرابت رسول کی وجہ سے کسی سے رکنے والا ہوتا تو سب سے زیادہ ان لوگوں کو فائدہ پہنچتا جس کے مادری اور پدری سلسلے ہم سے زیادہ رسول اللہ ﷺ سے قریب ہیں، خدا کی قسم مجھ کو خوف ہے کہ ہم میں (اہلبیت) کے گنہگار کو عام گنہگاروں سے دگنا عذاب دیا جائے گا اور یہ امید بھی ہے کہ ہماری جماعت کے مطیع اور محسن کو اجر بھی دو گنا ملے گا، تم لوگوں کی حالت پر افسوس ہے خدا سے ڈرو اور ہمارے بارے میں قول حق کہو، کیونکہ وہ اس چیز کو جسے تم چاہتے ہو بدرجہ اتم پورا کرنے والا ہے اور ہم بھی قول حق ہی سے تم سے راضی ہو سکتے ہیں۔

پھر فرمایا جو کچھ تم لوگ کہتے ہو، اگر وہ خدا کے دین کی بات ہے تو ہمارے بزرگوں نے ہمارے ساتھ بڑی برائی کی کہ انہوں نے اس کو نہ ہمیں بتایا اور نہ اس کی جانب رغبت دلائی یہ سن کر اس رافضی نے کہا کیا مولا علیؑ کے بارہ میں رسول اللہ ﷺ نے ارشاد نہیں فرمایا ہے کہ من كنت مولاه فعلي مولاه فرمایا ہاں کہا ہے لیکن اگر اس سے مراد خلافت اور حکومت ہوتی تو نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ وغیرہ اسلامی ارکان کی طرح اس کی بھی وضاحت اور تصریح فرمادیتے اور صاف صاف ارشاد فرماتے کہ لوگو میرے بعد یہ تمہارے ولی ہیں، کیونکہ مسلمانوں کے سب سے بڑے خیر خواہ رسول ﷺ تھے (اس لئے آپ کو ایک دینی مسئلہ میں صریح حکم دینا چاہئے تھا) اگر تم لوگوں کے قول کے مطابق یہ صحیح مان لیا جائے کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے علیؑ کو خلافت اور رسول اللہ کے بعد ان کی جانشینی کے لئے منتخب فرمایا ہے۔ تو ایسی صورت میں علیؑ سب سے بڑے مجرم اور خطا کار ٹھہرتے ہیں کہ انہوں نے اس چیز کو جس کے قیام کا رسول اللہ نے حکم دیا تھا چھوڑ دیا۔

ابوالعباس سفاح سے تعلقات و مراسم :

ابوالعباس سفاح عباسی، حسن اور ان کے بھائی عبداللہ دونوں کو بہت ماننا تھا۔ یہ دونوں تابعینؓ کی جماعت کے ساتھ اس کے پاس جاتے تھے، وہ ان کی خدمت کرتا تھا، عبداللہ پر اتنا مہربان تھا کہ دربار میں جانے کے لئے ان پر پورے لباس کی پابندی نہ تھی، اور وہ بلا تکلف محض

معمولی کرتا پہن کر سفاح کے سامنے چلے جاتے تھے۔ ان کے ساتھ یہ غیر معمولی برتاؤ دیکھ کر لوگ ان سے کہتے تھے کہ امیر المومنین تمہارے علاوہ کسی کو اس لباس میں نہیں دیکھتے، تم کو انہوں نے اپنا فرزند تصور کیا ہے۔

لیکن ان تعلقات و مراسم اور اس شفقت و کرم کے باوجود سفاح کو ان کے لڑکوں محمد اور ابراہیم کی جانب سے اپنی مخالفت کا بڑا خطرہ تھا، ایک دن اس نے عبد اللہ سے پوچھا کہ تمہارے دونوں لڑکے اپنے خاندان والوں کے ساتھ میرے پاس کیوں نہیں آتے، عبد اللہ خاموش رہے، سفاح نے دوبارہ پھر پوچھا، عبد اللہ نے حسن سے اس کا تذکرہ کیا انہوں نے کہا، اگر اب وہ سوال کرے تو کہہ دینا کہ ان کے چچا (یعنی خود حسن) کو ان کا حال معلوم ہے ان سے پوچھئے، عبد اللہ نے کہا تم میرے لیے اتنی بڑی ذمہ داری برداشت کرو گے انہوں نے کہا ہاں

چنانچہ سفاح نے جب دوبارہ پھر پوچھا تو عبد اللہ نے کہہ دیا کہ امیر المومنین ان کے چچا کو ان کا علم ہے۔ سفاح نے حسن کو بلا کر ان سے پوچھا، انہوں نے جواب دیا کہ پہلے آپ یہ بتائیے کہ میں آپ سے کس طرح کی گفتگو کروں۔ خلافت کی عظمت و جلالت کو ملحوظ رکھ کر یا چخیرے بھائی کی طرح۔ سفاح نے کہا بالکل بے تکلف جیسے بھائی بھائی سے کرتا ہے۔

حسن نے کہا میں آپ کو خدا کا واسطہ دلا کر آپ سے سوال کرتا ہوں کہ اگر خدا نے خلافت کا کوئی حصہ محمد اور ابراہیم کے لئے مقدر کر دیا ہے تو کیا آپ اور آپ کے ساتھ ساری روئے زمین کی طاقت اور کوشش خدا کی تقدیر کو روک سکتی ہے۔ سفاح نے کہا نہیں، حسن نے کہا میں آپ کو خدا کا واسطہ دلا کر پوچھتا ہوں کہ اگر خدا نے ان کی قسمت میں کچھ نہیں لکھا ہے تو کیا وہ دونوں سارے روئے زمین کی حمایت اور کوشش سے کچھ پالیں گئے۔ سفاح نے کہا نہیں، حسن نے کہا تو پھر آپ ان پیر و مرد (عبد اللہ) کی ان نعمتوں اور الطاف و عنایات کو جو آپ ان پر کرتے ہیں بے لطف اور مکدر کیوں کرتے ہیں۔ حسن کی اس گفتگو کے بعد سفاح نے وعدہ کیا کہ وہ آئندہ کبھی ان دونوں کا تذکرہ نہ کریگا، اور مرتے وقت تک اس عہد پر قائم رہا۔

قید اور وفات :

لیکن اس کے جانشین منصور نے اس کا لحاظ نہیں رکھا، اور محمد اور ابراہیم کے جرم میں حسن اور عبد اللہ دونوں بھائیوں کو گرفتار کر کے قید کر دیا، چنانچہ دونوں نے قید ہی میں ۱۳۵ھ میں وفات پائی، وفات کے وقت حسن کی عمر اٹھاسی سال کی تھی۔

(۱۶) حسن بصریؒ

نام و نسب : حسن نام، ابوسعید کنیت، والد کا نام یسار تھا، علمی کمالات کے لحاظ سے سرخیل علماء اور اخلاقی و روحانی فضائل کے اعتبار سے سر تاج اولیاء تھے۔

ان کے والدین غلام تھے، ان کی غلامی کے بارہ میں مختلف بیانات ہیں، ایک روایت یہ ہے کہ ان کے والد بیان کے قیدیوں میں تھے، انس بن مالک کی پھوپھی ربیع بنت نصر نے خرید کر آزاد کیا تھا۔ دوسری روایت یہ ہے کہ ان کے والد اور والدہ دونوں بنی نجاریہ یعنی ایک انصاری کی غلامی میں تھے، انہوں نے بیوی کے مہر میں بنی سلمہ کو دیدیا تھا، بنی سلمہ نے ان کو آزاد کر دیا، تیسری روایت یہ ہے کہ ان کے والد حضرت زید بن ثابتؓ کے غلام تھے، اور ان کی ماں اُم المومنین حضرت سلمہؓ کی لونڈی تھیں، ان اختلافات سے قطع نظر کر کے اتنا مسلم ہے کہ یسار اور ان کی بیوی لونڈی غلام تھے، اور جیسا کہ آگے چل کر معلوم ہوگا آخری روایت زیادہ مستند ہے۔

اُم المومنین اُم سلمہؓ کی رضاعت :

حسن بصریؒ آخری عہد فارقی میں جب کہ حضرت عمرؓ کی خلافت کو دو سال باقی رہ گئے تھے یعنی ۱۲ھ میں پیدا ہوئے، اُم المومنین اُم سلمہؓ کی غلامی کی نسبت سے ان کو وہ شرف میسر ہوا جو کم خوش قسمتوں کے حصہ میں آیا ہوگا۔ ان کی ماں لونڈی تھیں۔ اس لئے اکثر گھر کے کام کاج میں لگی رہتی تھیں۔ جب وہ حسن بصریؒ کو چھوڑ کر کسی کام میں لگ جاتیں اور وہ رونے لگتے تو حضرت اُم سلمہؓ ان کو بہلانے کے لئے چھاتی منہ میں دے دیتیں، پھر ان کی ماں لوٹ کر دودھ پلاتیں، اس طرح ان کو اُم المومنین کی رضاعت کا شرف حاصل ہوا۔

حسن بصریؒ حضرت اُم سلمہؓ کے سدیہ شفقت میں پلے تھے ان کے علاوہ دوسری ازواج مطہرات کے گھروں میں بھی ان کی آمد رفت رہتی تھی۔ ان کا خود بیان ہے کہ حضرت عثمانؓ کے عہد خلافت تک جب کہ ان کی عمر تیرہ چودہ سال کی تھی وہ بے تکلف ازواج مطہرات کے گھروں میں آتے جاتے تھے۔^۱

علمی کمالات : حسن بصریؒ ایسے زمانہ میں پیدا ہوئے تھے جب کہ صحابہ کرام کی بڑی تعداد موجود تھی اور ایسے مقام پر ان کی نشوونما ہوئی تھی جہاں کی گلی گلی علوم نبوی کا محزن تھی، پھر انہیں صحبت ایسے

بزرگوں کی میسر آئی جو تعلیمات اسلامی کا زندہ نمونہ اور اخلاق نبوی کی مجسم تصویر تھے، اس لئے ان کا دامن علم و عمل، فضل و کمال اور زہد و ورع جملہ اخلاقی اور روحانی فضائل سے مالا مال ہو گیا، علامہ ابن سعد لکھتے ہیں، ”کان الحسن جامعاً عالماً علیاً رفیعاً فقیہاً، ماموناً، عابداً، ناسکاً، کبیر العلمہ فصیحاً جمیلاً و سفیاً“۔^۱

حسن بصری جامع کمالات تھے۔ عالم تھے، بلند مرتبت رفیع المنزلت تھے، فقیہ تھے، مامون تھے، عابد و زاہد تھے، وسیع العلم تھے، فصیح و بلیغ اور حسین و جمیل تھے، غرض وہ جملہ ظاہری اور باطنی نعمتوں سے مالا مال تھے، حافظ ذہبی لکھتے ہیں، حافظ، علامۃ من بحور العلم، فقیہ النفس، کبیر لسان، عذیم النظیر، ملیح التذکیر، بلیغ الموعظۃ، راس فی انواع الخیر۔^۲ علامہ نووی لکھتے ہیں کہ وہ مشہور عالم تھے، ان کی جلالت شان پر سب کا اتفاق ہے۔^۳

اکابر علماء کی رائے :

اس عہد کے تمام علماء اور ارباب کمال کا ان کی جلالت شان پر اتفاق ہے۔ امام شعبی کہتے تھے کہ میں نے اس ملک (عراق) کے کسی شخص کو بھی ان سے افضل نہیں پایا۔ قتادہ لوگوں کو ہدایت کرتے تھے کہ اس شخص (حسن بصری) کا دامن پکڑو، میری رائے میں اس سے زیادہ کسی شخص کو عمر بن الخطابؓ کے مشابہ نہیں دیکھا۔ اعمش کہتے تھے کہ حسن حکمت کو محفوظ رکھتے تھے بلور اس کو بولتے تھے۔

امام باقرؑ فرماتے تھے کہ ان کی باتیں انبیاء کی باتوں کے مشابہ ہیں۔ غالب القطان کہتے تھے کہ اس عہد کے علماء پر حسن کو ایسی ہی فضیلت حاصل تھی جیسے پیور میں بازو گویوں پر ہوتی ہے، جو شخص اس زمانہ کے سب سے بڑے عالم کو دیکھنا چاہے اسے حسن کو دیکھنا چاہئے۔ عمرو بن مرہ کہتے ہیں کہ مجھے اہل بصرہ پر حسن اور محمد دوشنوں کی وجہ سے رشک ہے، یونس بن عبید اللہ اور حمید الطویل کہتے تھے کہ میں نے بہت سے فقہاء کو دیکھا لیکن حسن سے زیادہ کسی کو کامل المردتہ نہیں پایا، عطاء بن ابی رباح لوگوں کو ہدایت کرتے تھے کہ تم لوگ اس شخص (حسن) کی طرف مسائل میں رجوع کیا کرو، وہ بہت بڑے عالم، امام اور مقتدا ہیں۔

امام مالکؑ فرماتے تھے کہ تم لوگ حسن بصری سے مسائل پوچھا کرو کیونکہ انہوں نے محفوظ رکھا اور ہم نے بھلا دیا۔ بعض لوگ یہاں تک کہتے تھے کہ اگر حسن نے سن شعور میں عہد صحابہ پایا ہوتا تو یہ بزرگوار رائے میں ان کے کھتان ہوتے۔^۴

۱۔ ابن سعد۔ جلد ۷۔ ق ۲۔ ص ۱۱۵ ۲۔ تذکرۃ الحفاظ۔ جلد اول۔ ص ۶۲ ۳۔ تہذیب الاسماء۔ جلد اول۔

ق ۱۔ ص ۱۶۱ ۴۔ ابن سعد۔ جلد ۷۔ ق ۲۔ تذکرہ حسن بصری

اگرچہ حسن بصری جامع العلوم تھے، لیکن ان کی زندگی زیادہ تر زہد و عبادت اور روحانی مشاغل میں بسر ہوتی تھی، اس لئے ان کے روحانی مرتبہ کے مقابلہ میں ان کے علم کی تفصیلات بہت کم ملتی ہیں، تاہم جتنے حالات ملتے ہیں وہ سرسری اندازہ لگانے کے لئے کافی ہیں، ان کو تفسیر فقہ اور حدیث جملہ مذہبی علوم میں یکساں دستگاہ حاصل تھی۔

تفسیر: مفسر کی حیثیت سے انہوں نے کوئی خاص شہرت حاصل نہیں کی، لیکن تفسیر کی تعلیم انہوں نے بڑی محنت سے حاصل کی تھی، بارہ برس کے سن میں وہ حافظ قرآن ہو گئے تھے، ابو بکر الہندالی کا بیان ہے کہ جب تک وہ ایک سورۃ کی تفسیر و تاویل اور شان نزول وغیرہ سے پوری واقفیت نہ حاصل کر لیتے تھے، اس وقت تک آگے نہ بڑھتے تھے،^۱ اس محنت نے ان کو قرآن کا بڑا عالم بنا دیا تھا اور وہ تفسیر کا درس دیتے تھے۔^۲

حدیث: حدیث میں ان کا جو درجہ کا اندازہ حافظ ذہبی کے ان الفاظ سے ہو سکتا ہے کہ وہ علامہ اور علم کے سمندروں میں تھے۔^۳ حدیث میں انہوں نے ان بزرگوں سے فیض پایا تھا جن میں سے اکثر اس فہم کے اساطین اور رکن اعظم تھے چنانچہ صحابہ میں حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ، ابو موسیٰ اشعریؓ، عبد اللہ بن عمرؓ، عبد اللہ بن عباسؓ، عبد اللہ بن عمرو بن العاصؓ، انس بن مالکؓ، جابر بن معاویہؓ، معقل بن یسار، ابی بکرؓ، عمران بن حصینؓ۔ اور جندب بجلیؓ سے براہ راست استفادہ کیا تھا اور عمر بن الخطابؓ، ابن کعب، سعد بن عبادہؓ، عمار بن یاسرؓ، ابو ہریرہؓ، ثوبان عثمان بن ابی العاصؓ اور معقل بن سنانؓ سے بالواسطہ مستفید ہوئے، صحابہ کے علاوہ اکابر تابعین کی ایک بڑی جماعت سے سماع حدیث کیا تھا۔^۴

منافقین حدیث کا مرجوعہ :

جہاں تک ان کے حالات سے پتہ چلتا ہے، غالباً ان کا کوئی خاص حلقہ درس نہ تھا اور وہ اس سلسلہ کو اپنے لئے پسند نہ کرتے تھے اور حدیث بہ درجہ مجبوری بیان کرتے تھے، چنانچہ فرماتے تھے، کہ اگر خدا نے اہل علم سے عہد نہ لیا ہوتا تو میں تم لوگوں کے سب سوالات میں حدیث نہ بیان کرتا۔^۵

لیکن ان کی شخصیت ایسی تھی کہ لوگ ان کا دامن نہ چھوڑتے تھے۔ اکثر شائقین علم خود ان کی خدمت میں حاضر ہو کر مستفید ہوتے تھے، اور جہاں وہ جاتے تھے خلق اللہ کا مرجع بن جاتے تھے۔ مکہ تک میں جو مدینہ کے بعد علم کا دوسرا مرکز تھا لوگوں کا ہجوم لگ جاتا تھا۔ اہل مکہ آپ کو تخت پر بٹھا کر

۱۔ شذرات الذہب۔ جلد اول۔ ص ۱۳۶

۲۔ تہذیب التہذیب تذکرہ جابر بن زید۔

۳۔ ایضاً

۴۔ تہذیب التہذیب۔ جلد ۲۔ ص ۲۶۳

۵۔ تذکرہ الحفاظ۔ جلد اول۔ ص ۶۲

حدیثیں سنتے تھے، اور مجاہد، عطاء اور طاؤس جیسے اکابر علماء سننے والوں میں ہوتے تھے، اور ان کی زبان پر یہ کلمہ ہوتا تھا کہ ہم نے اس شخص کا مثل نہیں دیکھا۔

روایت بالمعنی : احادیث کو بالفاظِ ظہار روایت کرنا ضروری نہیں سمجھتے تھے، صرف معنی اور مطلب کے ادا ہو جانے کو کافی سمجھتے تھے عموماً ان کی روایات بالمعنی ہوتی تھیں، بعض الفاظ میں اختلاف اور کمی و بیشی ہو جاتی تھی، لیکن معنی ایک ہی رہتے تھے۔

تلامذہ : روایت حدیث میں احتیاط کے باوجود آپ کے تلامذہ کا دائرہ نہایت وسیع تھا۔ ان کی مختصر فہرست یہ ہے، حمید الطویل، یزید بن ابی مریم، ایوب، قتادہ، ابوبکر بن عبد اللہ مرفی، جریر بن ابی حام، ابوالاشہب، ربیع بن صبیح، سعد بن ابراہیم، سماک بن حرب، ابن عدن، خالد الخذاء، عطاء بن سائب، عثمان (لمیتی) قرہ بن خالد، مبارک بن فضالہ، یعلیٰ بن زیاد، ہشام بن حسان، یونس بن عبید، منصور بن زاذان، سعید بن ہلال، مجاہد اور عطاء اور طاؤس وغیرہ۔

فقہ : فقہ کے امام اور بصرہ کے مفتی اعظم تھے۔ قتادہ کا بیان ہے کہ حسن حلال و حرام کے سب سے بڑے عالم تھے۔ ایوب کا بیان ہے کہ حسن سے بڑا فقیہ میری آنکھوں نے نہیں دیکھا ربیع بن انس کا بیان ہے کہ میں کمال دس سال تک حسن کے پاس آتا جاتا رہا، اور ان سے ہمیشہ نئے نئے مسائل معلوم ہوتے تھے۔

بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے حدیث و فقہ میں بعض کتابیں بھی لکھی تھیں۔ اس تفقہ کے لئے مجتہدانہ نظر ضروری تھی۔ چنانچہ جن مسائل میں روایتی سند نہ ہوتی تھی، اس میں رائے اور قیاس سے اجتہاد کرتے تھے، ایک مرتبہ ابوسلمہ بن عبد الرحمن نے پوچھا کہ آپ جن مسائل میں لوگوں کو فتویٰ دیتے ہیں کیا ان سب میں آپ کے پاس سماعی سند ہوتی ہے۔ فرمایا نہیں خدا کی قسم سب میں سماعی سند نہیں ہوتی لیکن ہماری رائے سائلوں کی رائے سے ان کے لئے بہتر ہوتی ہے۔

ان کی رائے اصابت و صحت میں اصحابِ رائے صحابہ کے برابر ہوتی تھی، ابوقتادہ لوگوں کو مسائل میں ان کی طرف رجوع کرنے کی ہدایت کرتے تھے اور کہتے تھے خدا کی قسم میں نے ان کی رائے سے زیادہ کسی کی رائے کو عمرو بن الخطاب کی رائے کے مشابہ نہیں دیکھا۔ بعض ارباب علم تو

۱۔ تہذیب المعجم - جلد ۲ - ص ۲۶۴ ۲۔ ابن سعد - جلد ۱ - ق اول - ص ۱۱۵ ۳۔ ایضاً
۴۔ تہذیب المعجم - جلد ۲ - ص ۲۲۴ ۵۔ ابن سعد - جلد ۱ - ق اول - ص ۱۱۸ ۶۔ تہذیب المعجم -
جلد ۲ - ص ۲۶۵ ۷۔ ابن سعد - جلد ۱ - ق اول - ص ۱۲۰ ۸۔ ایضاً - ص ۱۱۷

یہاں تک ان کی اصابت رائے اور وقتِ نظر کے معترف تھے اور کہتے تھے کہ اگر حسن بن شعور میں عہدِ صحابہ میں ہوتے تو وہ بزرگوار رائے میں ان کے محتاج ہوئے۔^۱

زبان و ادب : ان مذہبی علوم کے علاوہ وہ زبان و ادب کے بڑے ماہر اور فصیح و بلیغ تھے، ابنِ عماد حنبلی لکھتے ہیں کہ وہ فصاحتِ زبان اور عربیت میں روبہ بن عجاج کے مشابہ تھے۔^۲

اربابِ علم کی صحبت :

اربابِ علم کی صحبت اور ان سے علمی مذاکرہ اور ذکر و فکر کا شغل بہت مرغوب خاطر تھا، ایک مرتبہ چند اہل علم آپ سے ملنے کے لئے آئے، باتوں باتوں میں دوپہر کا وقت آگیا، بلکہ اس سے بھی زیادہ بڑھ گیا۔ ان کے صاحبزادے نے حاضرین سے کہا آپ نے والد پر بہت بار ڈالا، آپ انہیں آرام لینے دیجئے، ابھی تک انہوں نے کھایا تک نہیں ہے، یہ سن کر آپ نے صاحبزادے کو تنبیہ فرمائی کہ ان لوگوں کی دید سے زیادہ میرے لئے کوئی آنکھوں کی ٹھنڈک نہیں۔ جب دو مسلمان آپس میں ملتے ہیں تو باہم حدیث بیان کرتے ہیں خدا کا ذکر اور اس کی تحمید و تقدیس کرتے ہیں، یہاں تک کہ قیلول کا موقع بھی نہیں ملتا۔^۳

حقیقی عالم : آپ کے نزدیک تنہا بار علم سے کوئی شخص عالم کہلانے کا مستحق نہ ہوتا تھا، بلکہ اس کے لئے بہت سے شرائط تھے۔ ایک مرتبہ مطر الوارق نے آپ سے ایک مسئلہ پوچھا اور عرض کیا، فقہا آپ کی مخالفت کرتے ہیں، فرمایا تیری ماں تجھ کو روئے، تو نے فہمیہ دیکھا بھی ہے، اور جانتا بھی ہے فہمیہ کسے کہتے ہیں، فہمیہ وہ ہے جو زاہد و متورع ہو، اپنے سے بلند مرتبہ کی پرواہ نہ کرتا ہو، اور اپنے سے کم رتبہ والے کا مذاق نہ اڑاتا ہو، اور خدا نے اس کو جو علم عطا کیا ہے اس سے قلیل دنیاوی منفعت نہ حاصل کرتا ہو۔^۴

علم باطن : گو حسن بصری علوم ظاہری میں بھی شیخ الاسلام کا درجہ رکھتے تھے، لیکن یہ علوم ان کے لئے سرمایہٴ فخر و امتیاز نہ تھے، ان کا اصل اور حقیقی مقام عرفان و حقیقت کا کنگرہ تھا ان کی ذات تصوف کا منبع اور علم باطن کا سرچشمہ تھی، تصوف کی تمام نہریں اسی سرچشمہ سے پھوٹی ہیں، چنانچہ تصوف کے اکثر بڑے بڑے سلاسل آپ ہی کے واسطے سے حضرت علیؓ تک منتہی ہوتے ہیں، اس طرح گویا آپ ہی کے واسطے سے دنیا میں یہ دریاں نور وارد ہوا۔

۱۔ ابن سعد تذکرہ حسن بصری ۲۔ شمذرات الذہب۔ جلد اول۔ ص ۱۳۸ ۳۔ ابن سعد۔ جلد ۷۔ ق اول۔ ص ۱۳۳

۴۔ ایضاً۔ ص ۱۲۹

اگرچہ محدثین کے نزدیک حضرت علیؑ سے آپ کا استفادہ روحانی ثابت نہیں ہے لیکن ارباب تصوف کا اس پر اتفاق ہے کہ حسن بصری حضرت علیؑ ہی کے فیض یافتہ تھے۔ چنانچہ شاہ ولی اللہ صاحب لکھتے ہیں کہ وہ ارباب طریقت کے نزدیک حسن بصری حضرت علیؑ کی جانب یقینی منسوب ہیں، محدثین کے نزدیک یہ انتساب ثابت نہیں ہے، لیکن شیخ احمد قسٹاشی نے اپنی کتاب عقد الفریدی سلاسل اہل التوحید میں ایک تشفی بخش بحث کے ذریعہ سے اہل تصوف کی تائید کی ہے، ایک دوسرے مقام پر لکھتے ہیں کہ صوفیہ کا اس پر اتفاق ہے کہ حسن بصری نے حضرت علیؑ سے فیض پایا ہے۔^۱

سلف سے لے کر خلف تک تمام اکابر صوفیہ حضرت حسن بصری کو اس سلسلہ نورانی کا سر چشمہ اور شیخ الشیوخ مانتے ہیں، ان کے اقوال سے سند لاتے ہیں، صوفیہ کے تذکروں میں ان کا نام سر فہرست ہوتا ہے، ان کے اقوال تعلیم تصوف کا انصاب مانے جاتے ہیں۔

شیخ فرید الدین ان الفاظ کے ساتھ ان کا ذکر شروع کرتے ہیں، ان پروردہ نعمت آن خو کردہ فوت، آن کعبہ علم و عمل، آن خلاصہ ورع و حلم، آن سبق بروہ بک صاحب صدری صدر سنت حسن بصری رضی اللہ عنہ مناقب او بسیار است و محامد او بے شمار۔^۲

شیخ علی بن عثمانہ جویری المتوفی ۳۶۵ھ^۳ اپنی کتاب کشف المحجوب میں جو فارسی میں تصوف کی سب سے قدیم کتاب ہے لکھتے ہیں، امام عصر فرید دہر ابو علی الحسن بصری رضی اللہ عنہ، دے راقدرے و خطرے بزرگ است نزدیک اہل طریقت لطیف الاشارہ بودہ است اندر علم و معاطت۔^۴

شیخ ابو نصر سراج المتوفی ۴۰۰ھ^۵ اور شیخ شہاب الدین سہروردی وغیرہ اکابر صوفیہ نے اپنی کتابوں کتاب المجمع اور عوارف المعارف میں حسن بصری کے اقوال سے استناد کیا ہے۔^۶

فضائل اخلاق :

روحانی اور اخلاقی کمالات کے اعتبار سے حسن بصری زہد و ورع کا مجسم پیکر اور فضائل اخلاق مجسم تصویر تھے، اگرچہ انہوں نے رسالت کا مقدس زمانہ نہیں دیکھا تھا، اور آنحضرت ﷺ کی صحبت سے مشرف نہ ہوئے تھے، لیکن ان کے اخلاق اسی مقدس سانچے میں ڈھلے ہوئے تھے، تابعین کی جماعت میں ان سے زیادہ کوئی شخص صحابہ رسول سے مشابہ نہ تھا، ان کی ہر ادا سے شان صحابیت آشکارا تھی اکابر تابعین کو اس کا اعتراف تھا، حضرت ابو بردہ جو ایک بلند مرتبہ تابعی ہیں فرماتے تھے کہ میں نے کسی

۱۔ ایضاً فی سلاسل اولیاء اللہ۔ ص ۳۱۔ ص ۱۸

۲۔ تذکرۃ الاولیاء فرید الدین عطار۔ جلد اول ص ۳۲۴

۳۔ ان کے سزوفات میں اختلاف ہے ۳۵۶ تک کسی سنہ میں وفات پائی

۴۔ کشف المحجوب نسخہ قلمی دارالمصنفین

۵۔ دیکھو کتاب المجمع و عوارف المعارف

غیر صحابی کو حسن سے زیادہ اصحاب رسول سے مشابہ نہیں دیکھا۔ امام شعبی نے ستر صحابہ کرام کو دیکھا تھا، اور اس شرف میں وہ شاید حسن بصری سے بھی ممتاز تھے، لیکن اس کے باوجود ان کی بڑی عظمت کرتے تھے۔

ایک مرتبہ ان کے صاحبزادے نے ان سے پوچھا، ابا میں دیکھتا ہوں کہ جیسا برتاؤ آپ اس شیخ (حسن بصری) کے ساتھ کرتے ہیں ویسا کسی دوسرے شخص کے ساتھ نہیں کرتے ہیں۔ شعبی نے جواب دیا بیٹا میں نے رسول اللہ ﷺ کے ستر اصحاب کو دیکھا ہے، اور حسن سے زیادہ کسی کو ان سے مشابہ نہیں پایا۔

سوز و گداز : روحانیت سرچشمہ سوز و گداز قلب ہے، اسی سے عبادت و ریاضت زہد و ورع وغیرہ تمام اخلاقی اور روحانی فضائل کے سوتے پھوٹتے ہیں، حسن کا دل ایسا شکستہ ساز تھا، جس سے درد کے سوا کوئی نغمہ نہ نکلتا تھا، یونس کا بیان ہے کہ ان پر ہمیشہ حزن اور غمگینی چھائی رہتی تھی ان کے لب ہنسی سے بالکل نا آشنا تھے، فرماتے تھے کہ مومن کی ہنسی قلب کی غفلت کا نتیجہ ہے زیادہ ہنسنے سے دل مرجاتا ہے۔ کلام پاک کی آیات پڑھ کر شدت تاثر سے زار زار رو دیا کرتے تھے۔

خشیت الہی : خشیت الہی کا اس قدر غلبہ تھا کہ ہر آن لرزاں رہتے تھے، یونس بن عبید کا بیان ہے کہ جب حسن آتے تھے تو معلوم ہوتا تھا کہ اپنے کسی عزیز قریب کو دفن کیے ہوئے آرہے ہیں۔ جب بیٹھتے تھے تو معلوم ہوتا تھا کہ وہ ایسے قیدی ہیں جس کی گردن مار دے جانے کا حکم دیا جا چکا ہے، اور جب دوزخ کا ذکر کرتے تھے تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ دوزخ صرف انہی کے لیے بنائی گئی ہے۔

زہد و ورع : ان کی زندگی سر تا پا زہد و ورع میں ڈوبی ہوئی تھی، ان کی ذات عبادت و ریاضت اور زہد و ورع کا مجسم پیکر تھی، حجاج الاسود کا بیان ہے، کہ ایک شخص آرزو کیا کرتا تھا کہ کاش مجھے حسن کا زہد، ابن سیرین کا ورع، عامر بن عبد قیس کی عبادت اور سعید بن مسیب کا تفقہ میسر آئے لوگوں نے دیکھا تو یہ تمام اوصاف حسن کی تنہا ذات میں جمع تھے۔

ان کی مجلس میں آخرت کے علاوہ کسی شے کا ذکر نہ ہوتا تھا، اشعث کا بیان ہے کہ ہم جب حسن کی خدمت میں حاضر ہوتے تو ہم سے نہ کوئی دنیاوی خبر پوچھی جاتی اور نہ کوئی خبر دی جاتی، بس صرف آخرت کا ذکر رہتا تھا۔

عبادت کے بعض خاص احوال :

فرائض و سنن کے علاوہ آپ کی خاص عبادت تنہائی میں ہوتی تھی۔ اس وقت آپ، کسی اور عالم میں ہوتے تھے۔ حمید کا بیان ہے کہ ہم ایک مرتبہ مکہ میں تھے کہ شعبی نے حسن سے تخلیک کی ملاقات کی خواہش ظاہر کی۔ میں نے حسن سے اس کا ذکر کیا، انہوں نے کہا جب دل چاہے آئیں ملاقات ہو جائے گی۔ چنانچہ وہ ایک دن آ گئے، میں دروازے پر موجود تھا۔ میں نے ان سے کہا اس وقت حسن گھر میں تنہا موجود ہیں اندر جاؤ لیکن تنہا جانے کی ان کی ہمت نہ پڑی۔ اس لئے انہوں نے مجھ سے بھی ساتھ چلنے کی خواہش کی، میں بھی ساتھ ہولیا۔

جس وقت ہم لوگ اندر پہنچے اس وقت حسن قبلہ رو ایک عجیب عالم میں کہہ رہے تھے، ابن آدم تو نیست تھا ہست کیا گیا تو نے مانگا تجھ کو دیا گیا، لیکن جب تیری باری آئی اور تجھ سے مانگا گیا تو تو نے انکار کر دیا، افسوس تو نے کتنا بُرا کام کیا۔ یہ کہہ کر وہ بے خبر ہو جاتے تھے، پھر ہوش میں آ کر یہی کلمات دہراتے۔ یہ رنگ دیکھ کر شعبی نے مجھ سے کہا کہ لوٹ چلو اس وقت شیخ کسی اور عالم میں ہے^۱۔

عمل اور اخلاص فی العمل :

آپ کے نزدیک زہد محض زبانی دعوؤں اور ظاہری وضع بنانے کا نام نہ تھا بلکہ اصل شے عمل و اخلاص تھا، فرماتے تھے کہ انسان جو کچھ کہتا ہے اگر اس کو کچھ کرتا بھی ہے تو یہ فضیلت ہے اور اگر کرنے سے زیادہ کہتا ہے تو وہ عار ہے^۲۔

آپ کی زندگی سر تا پا عمل تھی۔ ابو بکر ہذلی کا بیان ہے کہ وہ جب تک خود ایک کام نہ کر لیتے تھے، اس وقت تک دوسروں کو اس کے کرنے کی ہدایت نہ کرتے تھے اور جب تک خود کسی کام کو چھوڑ نہ دیتے تھے اس وقت تک دوسرے کو اس سے منع نہ کرتے، یونس بن عبد سے کسی نے پوچھا تم کسی ایسے شخص کو جانتے ہو جو حسن بھری کے ایسے اعمال کرتا ہو انہوں نے کہا ان کے جیسے اعمال کرنا تو کجا میں کسی ایسے شخص کو بھی نہیں جانتا جو زبان سے ان کی باتیں کہتا ہو^۳۔

بغیر اخلاص کے محض حلقہ نشینی اور گلیم پوشی کو فریب تصور کرتے تھے، چنانچہ فرمایا کرتے تھے کہ ہمارے حلقہ میں بہت سے لوگ بیٹھتے ہیں لیکن اس سے ان کی غرض دنیا ہوتی ہے، ایک مرتبہ آپ کے سامنے گلیم پوشوں کا تذکرہ کیا گیا فرمایا یہ لوگ دل کی گہرائیوں میں غرور کے بت چھپائے ہیں اور

ظاہری لباس سے تواضع اور فروتنی ظاہر کرتے ہیں بخدا یہ اپنی گلیم گدائی میں بیش قیمت ردائوں سے زیادہ مغرور ہیں۔

بزیردلیق مرقع کمانہا وارند

کلاہ تتری : اس پر فریب وضع سے بچنے کے لئے آپ کبھی کبھی اچھا لباس بھی پہن لیتے تھے کلثوم بن جوشن کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ حسن یمنی جبہ اور زداء اوڑھ کر نکلے اس پوشاک میں دیکھ کر فرقہ نے اعتراض کیا کہ آپ جیسے شخص پر یہ لباس زیب نہیں دیتا آپ نے جواب دیا ابن ام مرقد تم کو یہ معلوم نہیں کہ دوزخیوں کا بڑا حصہ گلیم پوشوں میں سے ہوگا۔^۱

اے باخرقہ کہ مستوجب آتش باشد

فریب نفس کا خوف :

انسان کا سب سے بڑا دشمن خود اس کا نفس ہے جو اس کو کبھی قبولیت عامہ اور شہرت طلبی کبھی ریا کاری اور کبھی عجب و غرور کے قریب میں مبتلا کر کے برباد کر دیتا ہے حضرت حسن بصری اس پر فریب اور چمکیلے سراب سے بہت خائف رہتے تھے اور اٹھتے بیٹھتے یہ دعا کرتے تھے خدا یا شرک، غرور، نفاق، ریا، فریب، شہرت طلبی اور اپنے دین میں شک و شبہ سے ہمارے قلوب کو بچا اے مقلب القلوب ہمارے دلوں کو اپنے دین پر قائم اور استوار رکھ اور اسلام قیم کو ہمارا دین بنا۔^۲

عوام کی عقیدت کو بڑا ابتلا سمجھتے تھے غالب القطان کا بیان کہ ایک مرتبہ حسن مسجد آئے ان کی سواری کا گدھا واپس جا چکا تھا اس لئے انہیں واپس پہنچانے کے لئے میں نے اپنا گدھا منگالیا اس کی عادت تھی کہ اکثر سواری کی ٹانگ پکڑ لیا کرتا تھا اس لئے میں نے حفاظت کے خیال سے اس کی لگام پکڑ لی حسن کی سواری تھی اس لئے بہت سے آدمی ساتھ ہو گئے انہیں دیکھ کر حسن نے کہا تمہارا برا ہو اگر مسلمان اپنے نفس کا جائزہ نہیں لیتا ہے اور وہ اپنی حقیقت سے آگاہ نہیں کہ وہ بالکل تہی دامن ہے تو ان لوگوں کے جوتوں کی چاپ ضعیف انسان کے دل کو برباد کرنے کے لئے کافی ہے۔^۳

فریب نفس اور عجب و غرور سے بچنے کے لئے اپنی تعریف سننا پسند نہ کرتے تھے سعید بن محمد ثقفی کا بیان ہے کہ اگر کوئی شخص حسن کے منہ پر ان کی تعریف کرتا تھا تو وہ انہیں سخت ناگوار ہوتی تھی اور اگر لوگ ان کے لئے دعا کرتے تو وہ اس سے خوش ہوتے تھے۔^۴

۱ ابن سعد۔ جلد ۷۔ قی اول۔ ص ۱۲۲۳ ۲ ابن سعد۔ جلد اول۔ ۷۔ ص ۱۲۸ ۳ ایضاً۔ ص ۱۲۲ ۴ ایضاً۔ ص ۱۲۹

جہاد فی سبیل اللہ :

عموماً حجروں کی برودت راہ خدا میں جانبازی کی حرارت کو سرد کر دیتی ہے لیکن حسن بصری کی رگوں کا خون ہمیشہ جہاد فی سبیل اللہ میں گرنے کے لئے جوش زن رہتا تھا اگرچہ چند مہمات کے علاوہ جہاد میں ان کی شرکت کی تصریح نہیں ملتی لیکن ارباب سیر کا اس پر اتفاق ہے کہ بچپن سے ان کے دل میں جہاد فی سبیل اللہ کا دلولہ موجزن تھا اور انہوں نے سن شعور کو پہنچنے کے بعد جہاد کو مشغلہ حیات بنا لیا تھا۔^۱

اس بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ اکثر مہمات میں شریک رہے ہوں گے۔ لیکن تصریح کے ساتھ کابل، اندکان اور زابلستان کی مہمات کے علاوہ اور دوسری مہمات میں شرکت کا پتہ نہیں چلتا، غالباً اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ ایک خاموش اور شہرت سے نفور نزرگ تھے جہاد سے غرض نام و نمود نہیں بلکہ حصول شرف تھا، اس لئے عام سپاہی کی حیثیت سے شریک ہوتے رہے ہوں گے، جن کا تذکرہ عموماً تاریخوں میں نہیں ہوتا۔^۲

ظلم کی تلوار کے مقابلہ میں توبہ کی سپر :

ظالم حکومتوں اور جابر امراء کے مقابلہ میں اعلان حق اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر صحائے امت کا خاص طفرائے امتیاز رہا ہے، لیکن اس باب میں حسن بصری کا طرز عمل ان سے مختلف تھا، وہ ان کے مقابلہ میں سکوت افضل سمجھتے تھے، عمارہ بن مہران کا بیان ہے کہ حسن بصری سے لوگوں نے کہا آپ امراء کے پاس جا کر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کیوں نہیں فرماتے۔ جواب دیا، مومن کو اپنا نفس ذلیل نہ کرنا چاہئے۔ اس زمانہ کے امراء کی تلواریں ہماری زبانوں سے آگے بڑھ گئی ہیں۔ جب ہم ان سے گفتگو کرتے ہیں تو وہ ہمیں تلواروں سے جواب دیتے ہیں۔^۳ ان حالات میں آپ ظلم کی تلوار کے مقابلہ میں توبہ کی ڈھال استعمال کرنے کی ہدایت کرتے تھے۔

ابو مالک کا بیان ہے کہ حسن سے جب کہا جاتا کہ آپ میدان میں نکل کر ان حالات کو بدلتے کیوں نہیں تو فرماتے کہ اللہ تعالیٰ تلوار سے نہیں بلکہ توبہ سے بدلتا ہے۔^۴ آپ فرمایا کرتے تھے کہ جب لوگ اپنے حکمران کی جانب سے آزمائش میں مبتلا کئے جائیں اور اس پر صبر کریں تو خدا ان کو جلد اس مصیبت سے نکال دیگا، لیکن جو تلوار نکال لیتے ہیں اور اس پر اعتماد کرنے لگتے ہیں، خدا کی قسم اس کا کبھی کوئی اچھا نتیجہ نہیں نکلتا۔

۱۔ تذکرۃ الحفاظ۔ جلد ۱۔ ص ۶۱ ۲۔ ابن سعد۔ جلد ۷۔ ق ۲۔ ص ۱۱۵ ۳۔ ایضاً۔ ص ۱۲۸ ۴۔ ایضاً۔ ص ۱۲۵

شور و فتن سے کنارہ کشی :

اسی لئے آپ ہمیشہ شور و فتن اور انقلاب سے علیحدہ رہتے تھے۔ اُمویوں کے زمانہ میں بڑے سیاسی انقلاب ہوئے۔ مختلف اوقات میں مختلف جماعتیں ان کے خلاف اُٹھیں، لیکن حضرت حسن بصری اپنے اصول کی بنا پر کبھی ان میں شریک نہ ہوئے، بلکہ دوسروں کو بھی اس میں پڑنے سے روکتے تھے۔

عبدالملک کے زمانہ میں جب ابن اشعث نے اور یزید ابن عبدالملک کے زمانہ میں ابن مہلب نے علم بغاوت بلند کیا تو کچھ آدمیوں نے حضرت حسن بصری سے پوچھا کہ ان فتنوں میں شرکت کے بارہ میں آپ کا خیال کیا ہے فرمایا فریقین میں سے کسی کا ساتھ نہ دو۔ ایک شامی نے کہا امیر المومنین کا بھی ساتھ نہ دیں۔ آپ نے شامی کو ہاتھوں سے دھکا دے کر اس کا جملہ دھرا کر فرمایا، ہاں امیر المومنین کا ساتھ بھی نہیں۔

ابن اشعث حجاج کے خلاف اٹھا تھا، اور ایک بڑی جماعت جس میں بعض اکابر تابعین بھی تھے، اس کے ساتھ ہو گئی تھی عقبہ بن عبدالغافر، ابوالجوزاء، اور عبداللہ بن غالب چند سربراہ آوردہ آدمیوں نے آکر ان سے پوچھا، ابوسعید اس طاغیہ (حجاج) سے جو خون ناحق بہاتا ہے، حرام مال لیتا ہے، تارک نماز ہے، ایسا ہے ویسا ہے، لڑنے کے بارہ میں آپ کا کیا خیال ہے فرمایا میرے نزدیک نہ لڑنا چاہئے۔ اس لئے کہ اگر وہ خدا کا عذاب ہے تو تم اسے تلوار سے نہیں دور کر سکتے اور اگر یہ آزمائش ہے تو اس پر صبر کرنا چاہئے تاکہ خدا خود اس کا فیصلہ کر دے۔ خدا بڑا فیصلہ کرنے والا ہے۔

ابن اشعث کی شورش کے زمانہ میں حسن بصری خود بڑی آزمائش میں پھنس گئے تھے۔ لیکن جان پر کھیل کر کسی نہ کسی طرح اپنے کو اس سے نکالا۔ آپ کی شخصیت ایسی تھی کہ بھرہ کیا سارے عراق پر آپ کا اثر تھا۔ اس انقلاب میں آپ کی علیحدگی کی وجہ سے بہت سے محتاط ابن اشعث کا ساتھ دینے میں پہلو پچاتے تھے۔ اس لئے لوگوں نے اس سے کہا تم چاہتے ہو کہ جس طرح لوگ جنگ جمل میں حضرت عائشہ کے اُٹنے کے گرد جانبازی دکھاتے تھے اسی طرح تمہارے لئے جان دیں تو حسن کو کسی نہ کسی طرح میدان میں لاؤ۔

اس مشورہ پر ابن اشعث زبردستی آپ کو کھینچ لے گیا۔ آپ جبراً قہراً چلے تو گئے لیکن جیسے ہی لوگ آپ کی طرف سے غافل ہوئے آپ جان پر کھیل کر ایک دریا میں پھاند پڑے اور کسی نہ کسی طرح جان بچا کر نکل آئے۔

اسی زمانہ میں ایک شخص سعید بن ابی الحسن نے جو حجاج کے مخالفین میں تھا۔ اور لوگوں کو اس کے خلاف ابھارا کرتا تھا حسن بصری سے پوچھا کہ ہم نے نہ امیر المومنین کی اطاعت سے منہ موڑا ہے اور نہ ان کو تخت سے اتارنا چاہتے ہیں بلکہ ہم کو صرف اس لئے امیر المومنین سے برہمی ہے کہ انہوں نے حجاج جیسے جابر شخص کو حاکم بنایا ہے ایسی صورت میں آپ کی کیا رائے ہے اور اہل شام کے بارہ میں آپ کا کیا خیال ہے، آپ نے حمد و ثنا کے بعد فرمایا، لوگو خدا نے حجاج کو محض عقوبت کے لئے مسلط کیا ہے، اس لئے تم لوگ اس سے عقوبت خداوندی کا مقابلہ نہ کرو، بلکہ صبر و سکون اور خاموشی اور بارگاہ خداوندی میں سکون اور تضرع سے کام لو تم نے شامیوں کے بارہ میں میری رائے پوچھی ہے میرا خیال ہے کہ حجاج انہیں دنیا کا لقمہ تر دے کر ان سے ہر کام کرا سکتا ہے۔

اظہار حق: لیکن حکام اور سلاطین کے مقابلہ میں وہ ہر موقع پر خاموشی ہی سے کام نہیں لیتے تھے، بلکہ جب کبھی ان کے سامنے خیالات کے اظہار کا موقع آ جاتا تھا تو وہ بلا خوف و خطر اپنے حقیقی خیالات ظاہر کر دیتے تھے، یزید بن عبد الملک کے زمانے میں جب عمر بن ہبیرہ خراسان اور عراق کا والی مقرر ہوا تو اس نے عراق کے اکابر علماء حسن بصری، محمد بن سیر بن اور امام شیعہ کو بلا کر ان سے بطور استفتاء سوال کیا کہ یزید خدا کا خلیفہ ہے، خدا نے اس کو بندوں پر اپنا نائب بنایا ہے، اور ان سے اس کی اطاعت اور ہم (حکام) سے اس کے احکام کی تکمیل کا وعدہ لیا ہے، آپ لوگوں کو معلوم ہو کہ اس نے ہم کو والی بنایا ہے، اور ہمارے پاس احکام بھیجتا ہے، میں اس کی تعمیل کرتا ہوں ان حالات میں آپ کی اس بارہ میں کیا رائے ہے، ابن سیرین اور شیعہ نے گول جواب دیا حسن بالکل خاموش تھے، ابن ہبیرہ نے ان سے پوچھا آپ اپنا خیال ظاہر کیجئے، انہوں نے جواب دیا۔

ابن ہبیرہ یزید کے بارہ میں خدا کا خوف کر اور خدا کے معاملہ میں اس کا خوف نہ کیا کر خدا تجھ کو یزید سے بچا سکتا ہے لیکن یزید تجھ کو خدا سے نہیں بچا سکتا، وہ زمانہ قریب ہے کہ خدا تیرے پاس ایسا فرشتہ بھیجے گا جو تجھ کو تخت حکومت سے اتار کر اور قصر کی وسعت سے نکال کو قبر کی تنگی میں ڈال دے گا اس وقت تیرے اعمال کے سوا کوئی اور شے تجھ کو نجات نہ دلا سکے گی خدا نے بادشاہ اور حکومت کو اپنے دین اور اپنے بندوں کی امداد و اعانت کے لئے بنایا ہے، اس لئے خدا کی دی ہوئی حکومت کے ذریعہ سے تم خدا کے دین اور اس کے بندوں پر سوار نہ ہو جاؤ، خدا کی معصیت میں کسی مخلوق کی اطاعت نہ کرنی چاہئے۔

مسئلہ تقدیر: بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حسن بصری قدری تھے۔ جو صحیح نہیں ہے، اس شہرت کی وجہ غالباً یہ ہے کہ بعض اکابر تابعین اس باب میں اتنے تشدد تھے کہ قدریوں سے ملنا بھی پسند نہ کرتے تھے، اور حسن بصری ان سے ملنے جلنے میں کوئی مضائقہ نہ سمجھتے تھے، اس لئے ناواقفوں نے اس میل جول کی وجہ سے قدریوں کے خیالات کو ان کی طرف منسوب کر دیا۔ حالانکہ ان کا دامن اس سے پاک تھا۔ عمر کا بیان ہے کہ قدری حسن کے پاس آتے جاتے تھے۔ لیکن ان کے خیالات ان کے مخالف تھے۔ حسن کہتے تھے۔

ابن آدم خدا کو ناراض کر کے کسی انسان کی خوشنودی حاصل نہ کر خدا کی نافرمانی میں کسی کی اطاعت نہ کر خدا کے افضال پر کسی انسان کی تعریف نہ کر جو شے خدا نے تجھے نہیں دی اس پر کسی انسان کو ملامت نہ کر خدا نے خلق اور خلایق کو پیدا کر دیا، اور وہ اپنی تخلیق کے اصول پر چل رہے ہیں، جو شخص یہ گمان کرتا ہے کہ اپنی حرص سے اپنے رزق میں اضافہ کر سکتا ہے تو اگر اس کا یہ گمان صحیح ہے تو ذرا اپنی عمر بڑھا کر دکھا دے اپنا رنگ بدل دے اپنے اعضا و جوارح میں کوئی اضافہ کر دے۔ جب ایسا نہیں کر سکتا تو معلوم ہوا انسان کا کوئی دخل نہیں ہے۔ ہر شے تقدیر الہی پر چل رہی ہے۔

اصل یہ ہے کہ ان کے بعض مشتبہ اقوال سے یہ غلط نتیجہ نکالا گیا ہے، اگر کسی حد تک وہ اس سے متاثر بھی تھے تو آخر میں اس سے رجوع کر لیا تھا، اصمعی اپنے والد کے واسطے سے بیان کرتے ہیں کہ حسن کبھی قدر کے بعض حصوں پر گفتگو کرتے تھے، لیکن پھر اس سے رجوع کر لیا تھا قاضی عطاء بن یسار قدری تھے، ان کی زبان میں جادو کا اثر تھا، وہ اور سعید جہنی حسن کے پاس آتے تھے، اور ان سے سوالات کرتے تھے اور کہتے تھے، ابو سعید یہ سلاطین و فرمان روا مسلمانوں کا خون بہاتے ہیں اور انکا مال لیتے ہیں کہتے ہیں کہ ہمارے یہ اعمال خدا کی تقدیر کے مطابق ہیں، حسن یہ سن کر کہتے وہ دشمنان خدا جھوٹے ہیں اس تردید اور بعض اس قبیل کے دوسرے واقعات سے لوگوں نے ان کے قدری ہونے کا نتیجہ نکالا ہے۔ حالانکہ ظاہر ہے کہ یہ ایک خاص موقع تھا جس کو عقیدہ قدر سے کوئی تعلق نہیں۔

بعض اقوال اور کلمات طیبات :

بے کار اور بے نتیجہ باتیں بہت کم کرتے تھے، ان کی گفتگو کا بیشتر حصہ حکمت اور موعظت کے موتی ہوتے تھے۔ ان کے حکیمانہ اقوال معنویت اور بلاغت ادا کے اعتبار سے پند و موعظت اور

علم و حکمت کا دفتر ہیں، جن سے بہت سے اخلاقی اور روحانی اسرار و حکم پر روشنی پڑتی ہے۔ ان میں سے بعض اقوال یہاں نقل کئے جاتے ہیں :

(۱) فرماتے تھے جو دوسو سے ایسے ہیں کہ پیدا ہوتے ہیں اور نکل جاتے ہیں وہ شیطان کی جانب سے ہیں ان کے ازالہ میں ذکر خدا اور تلاوت قرآن سے مدد لینی چاہیے، اور جو پیدا ہو کہ قائم ہو جاتے ہیں وہ نفس کی جانب سے ہیں، ان کے دور کرنے میں نماز، روزہ اور ریاضت سے مدد لینی چاہئے۔

(۲) خدا جس بندہ کے ساتھ بھلائی چاہتا ہے، اس کو اہل و عیال کی بندشوں میں نہیں پھنساتا ہے۔

(۳) متواضع ہونے کی یہ شرط ہے کہ گھر سے باہر کسی سے بھی ملے تو اس کو اپنے سے افضل اور برتر سمجھے۔

(۴) جب بندہ گناہ کے بعد توبہ کرتا ہے تو اس سے خدا کے ساتھ اس کی قربت میں اضافہ ہوتا ہے۔

(۵) ایک شخص نے آپ سے اپنے قلب کی قسادت کی شکایت کی، فرمایا اس کو ذکر و فکر کے مقامات میں لے جایا کرو۔

(۶) مردہ کے لئے سب سے بڑے خود اس کے گھر والے ہوتے ہیں کہ اس پر روتے ہیں، حالانکہ

اس کے مقابلہ میں اس کے قرض کا ادا کرنا ان پر آسان نہیں ہوتا۔

(۷) ایک شخص کی عداوت کے بدلہ میں ہزار آدمیوں کی دوستی بھی نہ خریدو۔

(۸) طمع عالم کو رسوا کر دیتی ہے۔

(۹) انسان کا علانیہ اپنے نفس کی مذمت کرنا درحقیقت اس کی مدح ہے،

(۱۰) اپنے بھائیوں کی عزت کرو تو ہمیشہ ان کے ساتھ تمہاری دوستی قائم رہے گی۔

(۱۱) اگر اپنی موت کی رفتار پر ابن آدم کی نظر ہوتی ہے تو وہ اپنے فریب امید کا دشمن بن جاتا۔

(۱۲) جو شخص عاجزی کے لئے خدا کے سامنے صوف پہنتا ہے تو خدا اس کی نگاہ اور قلب کا نور بڑھاتا

ہے، اور جو پندار کے لئے پہنتا ہے وہ سرکشوں کے ساتھ جہنم میں پھینک دیا جائے گا۔

(۱۳) کاش میں کوئی ایسا کھانا کھا لیتا جو میرے پیٹ میں اینٹ بن جاتا کیونکہ میں نے سنا ہے

کہ اینٹ پانی میں تین سو برس تک باقی رہتی ہے۔

(۱۴) ایک مرتبہ تذکرہ ہو رہا تھا کہ فقیہ ایسا ایسا کہتے ہیں، فرمایا تم لوگوں نے فقیہ دیکھا بھی

ہے، فقیہ وہ ہے جو دنیا سے کنارہ کش ہو، دین میں بصیرت رکھتا ہو، خدائے عز و جل کی

عبادت پر مداومت کرتا ہو۔

(۱۵) خدا کی قسم کھا کر کہا کرتے تھے کہ جس شخص نے مال و زر کو عزت دی خدا نے اس کو ذلیل کیا۔
 (۱۶) عقلمند کی زبان قلب کے پیچھے ہے، جب وہ کچھ کہنا چاہتا ہے تو قلب کی طرف رجوع کرتا ہے، اگر وہ بات اس کے فائدہ کی ہوتی ہے تو کہتا ہے، ورنہ رک جاتا ہے اور جاہل کا قلب اس کی زبان کی نوک پر رہتا ہے، وہ قلب کی طرف رجوع نہیں کرتا جو زبان پر آتا ہے بک جاتا ہے۔

(۱۷) دنیا در حقیقت تمہاری سواری ہے، اگر تم اس پر سوار ہو گئے تو وہ تمکو (اپنی پیٹھ پر) اٹھائے گی اور اگر وہ تم پر سوار ہو گئی تو تم کو ہلاک کر ڈالے گی۔

(۱۸) جب تم کسی شخص سے دشمنی کرنا چاہو تو پہلے اس پر نظر کرو اگر وہ خدا کا مطیع ہے تو اس سے بچو، کیونکہ خدا اس کو کبھی تمہارے قبضہ میں نہ دے گا اور تمہارے لئے اس کو تنہا نہ چھوڑے گا اور اگر وہ خدا کا نافرمان ہے تو تم کو اس کی عداوت کی ضرورت ہی نہیں اپنے نفس کو خواہ مخواہ اس عداوت میں پریشان نہ کرو یعنی وہ خود ہلاک ہو جائے گا خدا کی دشمنی اس کے لئے کافی ہے۔

(۱۹) جو شخص خدا کی اطاعت کرتا ہے اس سے دوستی تم پر ضروری ہے کیونکہ جو شخص صالح آدمی کو دوست رکھتا ہے وہ گویا خدا کو دوست رکھتا ہے۔

(۲۰) میں نے کسی ایسے شخص کو نہیں دیکھا جس نے دنیا چاہی ہو اور اسے آخرت ملی ہو اس کے برخلاف جو آخرت چاہتا ہے اسے دنیا بھی مل جاتی ہے، یعنی پھر ایسی چیز کیوں نہ چاہی جائے، جس سے دونوں چیزیں مل جائیں۔

(۲۱) اسلام یہ ہے کہ تم اپنے قلب کو خدا کے سپرد کر دو اور ہر مسلمان تمہارے ہاتھوں سے محفوظ رہے۔

(۲۲) محبت کا متوالا ہمیشہ مست و بے خود رہتا ہے اسے صرف محبوب کا مشاہدہ جمال ہوشیار کرتا ہے!

وفات : بعض خاصان حق کے دنیا چھوڑنے سے پیشتر وصل محبوب کے اشارات مل جاتے ہیں خود قرآن نے وفات نبوی کا اشارہ کر دیا تھا بعض آدمیوں کو عالم رویا میں حسن بصری کی وفات کا بھی اشارہ مل گیا تھا چنانچہ ان کی وفات سے چند دنوں پیشتر ایک شخص نے خواب دیکھا کہ ایک طائر نے مسجد کی سب سے خوبصورت کنکری اٹھالی مشہور معبر خواب ابن سیرین نے اس کی یہ تعبیر دی کہ حسن کا انتقال ہو جائے گا!

اس خواب کے چند ہی دنوں کے بعد حسن بصری مرض الموت میں مبتلا ہوئے، دورانِ علالت میں فرماتے تھے کاش انسان نے اپنی صحت و تندرستی کے زمانہ میں بیماری کے دن کے لئے کچھ رکھ چھوڑا ہوتا۔ وقتِ آخر اپنے صاحبزادے کو اپنی کتابیں اکٹھا کرنے کا حکم دیا، انہوں نے حکم کی تعمیل کی۔ اس کے بعد خادم کو تنور جلانے کا حکم دیا، اس نے جلا دیا اور چشم زون میں علوم و فنون کا سارا دفتر جل کر خاکستر ہو گیا کہ اب اس کا وقت آ گیا تھا۔

صد کتاب و صد ورق در تار کن جان و دل را جانب ولد ار کن

صرف ایک کتاب باقی رہنے دی^۱۔ ممکن ہے یہ قرآن کے متعلقات میں رہی ہو جس کو احتراماً چھوڑ دیا ہو۔

دم آخر کاتب کو بلا کر لکھوایا کہ حسن اس کی شہادت دیتا ہے کہ لا الہ الا اللہ وان محمداً رسول اللہ جس نے موت کے وقت صدق دل سے اس کی شہادت دی وہ جنت میں داخل ہو گیا^۲۔

ان تیاریوں سے فراغت کے بعد ۱۱۲ھ میں شب جمعہ کو سفر آخرت کیا محدث ایوب اور حمید الطویل نے غسل دیا^۳۔ دوسرے دن بعد نماز جمعہ عاشق کا جنازہ تھا بڑی دھوم سے اٹھا ساری خلقت جنازہ پر ٹوٹ پڑی شہر اتنا خالی ہو گیا کہ اس دن جامع بصرہ میں کوئی عصر کی نماز پڑھنے والا نہ تھا^۴۔

حلیہ : حضرت حسن بصری جمال معنوی کے ساتھ حسن ظاہر سے بھی آراستہ تھے۔ صورتِ نہایت حسین و جمیل تھے^۵۔ اس حسن کے ساتھ خدا نے وجاہت اور رعب بھی عطا فرمایا تھا جس مجمع میں بیٹھتے تھے سب میں ممتاز نظر آتے تھے، عاصم احوال کا بیان ہے کہ انہوں نے ایک مرتبہ بصرہ جاتے وقت امام شععی سے پوچھا کہ بصرہ میں آپ کی تو کوئی ضرورت نہیں ہے شععی نے کہا حسن کو میرا سلام پہنچا دینا عاصم نے کہا میں ان کو پہنچاتا نہیں ہوں۔ شععی نے یہ نشان بتایا کہ بصرہ میں داخل ہونے کے بعد تم کو جو سب سے زیادہ حسین شخص نظر آئے اور تمہارے دل پر جس کا سب سے زیادہ رعب پڑے اسی کو سلام پہنچانا، اس نشان پر شععی نے سلام پہنچایا جو ٹھیک حسن بصری کو پہنچا^۶۔

لباس : اس حسن ظاہری کے ساتھ بڑے خوش لباس اور جامہ زیب تھے۔ چنانچہ ظاہری وضع و قطع میں زیادہ تفتش کو پسند نہ کرتے بلکہ اس کو جملہ ریا سمجھتے تھے، اسی لئے نہایت بیش قیمت اور خوبصورت

۱۔ ابن سعد۔ جلد ۷۔ ق ۱۔ ص ۱۲۷ ۲۔ ایضاً۔ ص ۱۲۶ ۳۔ ایضاً۔ ص ۱۲۹ ۴۔ ابن خلکان۔ جلد اول۔ ص ۱۲۸

۵۔ ابن سعد۔ جلد ۱۔ ص ۱۱۵ ۶۔ تہذیب المعتمد۔ جلد ۲۔ ص ۲۶۳

کپڑے استعمال کرتے تھے مشہور مشہور مقامات کے عمدہ کپڑے منگاتے تھے، شگاہ کا کتان یمن کی چادر اور پھول دار چادریں استعمال کرتے تھے لباس میں جبہ رداء اور عمامہ پورے کپڑے ہوتے تھے، بغیر عمامہ کے گھر سے باہر نہ نکلتے تھے^۱۔

(۱۷) حکم بن عمتبہؓ

نام و نسب : حکم نام ابو عبد اللہ کنیت، کندہ کے غلام تھے۔

فضل و کمال : علمی اعتبار سے کوفہ کے ممتاز ترین علماء میں تھے، علامہ ابن سعد لکھتے ہیں۔

کان الحکم بن عتیبۃ ثقة فقیہا عالما رفیعاً کثیراً لحدیث^۲۔ اکابر علماء ان کے کمالات کے معترف تھے۔ ابن عیینہ کا بیان ہے کہ کوفہ میں حکم کا مثل نہ تھا، اس عہد کے تمام علماء ان کی دوات علم کے سامنے دامن احتیاط پھیلاتے تھے، مجاہد بن رومی کہتے تھے کہ مجھ کو حکم کے حقیقی کمال کا پورا اندازہ اس وقت ہوتا تھا، جب بڑے بڑے علماء مسجد منی میں جمع ہو جاتے تھے، اور وہ سب ان کی دولت علم کے دست نگر معلوم ہوتے تھے^۳۔

حدیث : کوفہ کے ممتاز حفاظ حدیث میں تھے، حافظ ذہبی انہیں حافظ اور شیخ کوفہ^۴۔ اور علامہ ابن سعد ثقہ اور کثیر الحدیث لکھتے ہیں^۵۔ حدیث میں انہوں نے صحابہ میں ابو جحیفہ زید بن ارقمؓ، عبد اللہ بن اوفیٰؓ اور تابعین میں قاضی شریح، قیس ابن حازم، موسیٰ بن طلحہ، زید بن شریک، یحییٰ، عبد اللہ ابن شداد، سعید بن جبیر، مجاہد، عطاء، طاؤس، قاسم بن خیر، مصعب بن سعد، محمد بن کعب قرظی اور ابن ابی لیلیٰ وغیرہ سے فیض اٹھایا تھا۔

آپ کے تلامذہ میں، عمار، منصور، ابو اسحاق سمعی، ابو اسحاق شیبانی، قتادہ، لیان ابن صالح، حجاج بن دینار اور اوزاعی، مسعر شعبہ، ابو عوانہ جیسے علماء تھے^۶۔

فقہ : ابراہیم نخعی ائمہ فقہ میں تھے، حکم ان کے خاص اصحاب میں تھے^۷۔ ان کے فیض صحبت نے ان کو کوفہ کا بہت بڑا فقیہ بنادیا تھا، عبدہ بن ابی لبانہ کہتے تھے کہ میں نے دونوں کناروں کے درمیان حکم سے بڑا فقیہ نہیں دیکھا، لیث بن سلیم کہتے تھے کہ حکم امام شععی سے بھی بڑے فقیہ تھے^۸۔

۱۔ ابن سعد۔ جلد ۷۔ ق اول۔ تذکرہ حسن بھری ۲۔ ابن سعد۔ جلد ۱۶۔ ص ۲۳۱ ۳۔ تذکرۃ الحفاظ۔

جلد ۱۔ ص ۱۰۴ ۴۔ ایضاً۔ جلد ۱۔ ص ۱۰۴ ۵۔ ابن سعد۔ جلد ۱۔ ص ۲۳۱ ۶۔ تہذیب التہذیب۔ جلد ۲۔ ص ۲۳۲

۷۔ تہذیب التہذیب۔ جلد ۲۔ ص ۲۳۲ ۸۔ تذکرہ الحفاظ۔ جلد ۱۔ ص ۱۰۴

شععی کی جانشینی :

سنت شععی کے بعد کوفہ کی مسند علم انہی کے حصہ میں آئی، اسرائیل بیان کرتے ہیں۔ کہ حکم کو میں نے سب سے پہلے شععی کی موت کے دن جانا، ان کی موت کے بعد ایک شخص کوئی مسئلہ پوچھنے آیا، لوگوں نے اس سے کہا حکم بن عتیہ کے پاس جاؤ۔^۱

عبادت و ریاضت : اس علم کے ساتھ وہ بڑے عبادت گزار بھی تھے، عباس مروزی کا بیان ہے کہ وہ صاحب عبادت و فضل تھے، پابندی سنت میں خاص اہتمام تھا۔^۲

عظمت و احترام :

ان کے علمی و اخلاقی کمالات کی وجہ سے لوگوں کے دلوں میں ان کی بڑی عظمت تھی۔ مغیرہ بیان کرتے ہیں کہ جب وہ مدینہ آتے تھے تو لوگ ان کے لئے رسول اللہ ﷺ کا ساریہ خالی کر دیتے تھے، اس میں وہ نماز پڑھتے۔^۳

وفات : ہشام بن عبد الملک کے عہد خلافت ۱۰۵ھ میں وفات پائی۔^۴

(۱۸) خارجہ بن زید

نام و نسب : خارجہ نام، ابو زید کنیت، مشہور صحابی زید بن ثابتؓ کے صاحبزادے ہیں نسب نامہ یہ ہے، خارجہ بن زید بن ثابت بن ضحاک بن زید بن لؤذان بن عمرو بن عبد مناف بن، مالک بن امرأ القیس بن مالک بن ثعلبہ خزرجی۔

فضل و کمال : خارجہ کے والد حضرت زید بن ثابتؓ علماء صحابہ میں تھے، خصوصاً حفظ قرآن میں جماعت صحابہ میں ممتاز تھے، کلام اللہ انہی کی زیر نگرانی مدون ہوا تھا، خارجہ نے اسی آغوش علم میں پرورش پائی تھی، باپ کے فیض تعلیم سے ان کا شمار ان کے عہد کے کبار علماء میں ہو گیا تھا حافظ ذہبی لکھتے ہیں کہ وہ کبار علماء میں تھے۔^۵ امام نووی لکھتے ہیں کہ وہ علم میں امام بارع تھے، اور ان کی توثیق و جلالت پر سب کا اتفاق ہے۔^۶

حدیث : حدیث میں انہوں نے اپنے والد زیدؓ، اپنے چچا زیدؓ، اسامہ بن زیدؓ، ہبل بن سعدؓ، عبد الرحمن ابن ابی عمرہؓ سے سماع حدیث کیا تھا، خود ان سے روایت کرنے والوں میں ان کے لڑکے

۱۔ ابن سعد۔ جلد ۶۔ ص ۲۳۱ ۲۔ تہذیب التہذیب۔ جلد ۲۔ ص ۴۳۳ ۳۔ تذکرۃ الحفاظ۔ جلد اول۔ ص ۱۰۴

۴۔ ابن سعد۔ جلد ۶۔ ص ۲۳۱ ۵۔ تذکرۃ الحفاظ۔ جلد ۱۔ ص ۸۰-۸۱ ۶۔ تہذیب الاسماء نووی۔ جلد ۱۔ ص ۱۷۲

سلیمان، بھتیجے سعید اور قیس بن سعد اور عام لوگوں میں عبد اللہ بن عمرو بن عثمان مطلب عبد اللہ اور یزید ابن قسیط وغیرہ لائق ذکر ہیں۔

فقہ : فقہ ان کا امتیازی فن تھا، اس میں وہ امامت اور اجتہاد کا درجہ رکھتے تھے، چنانچہ مدینہ کے سات مشہور فقہاء میں ایک ان کا نام بھی تھا۔

فرائض : حضرت زید بن ثابت فرائض کے بھی بڑے عالم تھے، اس لئے خارجہ کو یہ دولت گویا وراثہ ملی تھی، چنانچہ علمائے مدینہ میں وہ اور طلحہ بن عبد اللہ بن عوف میراث تقسیم کرتے تھے اور تقسیم کے وثیقے لکھتے تھے، اور اس میں ان کا قول سند مانا جاتا تھا۔

وفات : حضرت عمر بن عبد العزیز کے عہد خلافت ۵۰ھ میں وفات پائی، وفات سے کچھ دنوں پہلے خواب دیکھا کہ ستر سیڑھیاں بنائی ہیں، انہیں بنانے کے بعد گر پڑے۔ اسی سال انتقال ہو گیا۔ وفات کے وقت پورے ستر سال کی عمر تھی۔ ابو بکر بن محمد والی مدینہ نے جنازہ کی نماز پڑھائی۔

حلیہ اور لباس :

خارجہ کا جسم نہایت سُرول اور خوبصورت تھا، خز کی چادر اوڑھتے تھے۔ پید عمامہ باندھتے تھے اور بائیں ہاتھ میں انگٹھی پہنتے تھے۔

اولاد : وفات کے بعد متعدد اولادیں یادگار چھوڑیں، لڑکوں میں زید، عمر، عبد اللہ، محمد اور لڑکیوں میں حبیبہ، حمیدہ، ام یحییٰ اور ام سلیمان تھیں، اور یہ سب اولادیں ام عمرو بنت حزم کے بطن سے تھیں۔

(۱۹) خالد بن معدان

نام و نسب : خالد نام، ابو عبد اللہ کنیت، نسب نامہ یہ ہے، خالد بن معدان بن ابی کریب کلابی۔
فضل و کمال : خالد کو علم و فن کے ساتھ خاص ذوق و شغف تھا اور وہ ان کا مشغلہ حیات بن گیا تھا، بحیر کا بیان ہے کہ میں نے ان سے زیادہ علم سے چسپاں رہنے والا نہیں دیکھا۔ اس ذوق نے ان کو محض کا ممتاز عالم بنادیا تھا۔

حدیث: حدیث کے وہ بڑے حافظ تھے۔ (۷۰) ستر صحابہ سے ملاقات کا شرف حاصل تھا۔ ان میں سے ثویان ابن عمرو، ابن عمرو بن العاص، عتبہ بن عبدالمسلمی، معاویہ بن ابی سفیان، مقدم بن معدیکرب اور ابوامامہ سے سماع حدیث کیا تھا، عبادہ بن ثابت ابودرداء، معاذ بن جبل ابوعبیدہ ابوزر غفاری اور عائشہ صدیقہ سے مرسل روایات کی ہیں۔

فقہ: فقہ میں بھی انہیں پورا درک تھا صحابہ کرام کی جماعت کے بعد فقہائے شام کے تیسرے طبقہ میں ان کا شمار تھا۔

حلقہ درس: ان کا حلقہ درس بھی تھا، لیکن شہرت سے اس قدر گھبراتے تھے کہ جب حلقہ زیادہ بڑھا تو شہرت کے خوف سے درس و تدریس کی مسند اٹھادی۔

تلامذہ: ان کے تلامذہ میں بحیر بن سعید محمد بن ابراہیم تیمی ثور بن یزید حرید بن عثمان عامر بن شیبہ حسان بن عطیہ اور فضیل بن فضالہ وغیرہ لائق ذکر ہیں۔

کتابت علم: انہوں نے اپنے تمام معلومات قلم بند کر لئے تھے، ان کے تلمیذ بحیر کا بیان ہے کہ ان کا سارہ علم ایک مصحف میں تھا۔

ارباب علم کا اعتراف:

اس عہد کے بڑے بڑے ائمہ ان کے علمی کمالات کے معترف تھے سفیان ثوری کہتے تھے کہ میں خالد بن معدان پر کسی کو ترجیح نہیں دیتا۔ امام اوزاعی ان کی بڑی عظمت کرتے تھے، اور لوگوں کو ان کی لڑکی عبدہ کے پاس بھیج کر ان کے طریقے معلوم کراتے تھے۔

عبادت: اس علم کے ساتھ وہ عمل کی دولت سے بھی مالا مال تھے، ابن حبان ان کو بہترین خدا کے بندوں میں لکھتے ہیں۔ دن بھر میں ستر ہزار تسبیحیں پڑھتے تھے۔ عبادت و ریاضت کا نشان پیشانی پر تاباں تھا۔

موت کا ذوق: موت خاصان خدا کے لئے پیام وصل ہے، اس لئے خالد اس سے خوفزدہ ہونے کے بجائے اس کے شائق رہتے تھے، چنانچہ کہتے تھے اگر موت کوئی ایسا علم ہوتی جس کی جانب

۱۔ تذکرہ الحفاظ - جلد اول - ص ۱۸ ۲۔ تہذیب التہذیب - جلد ۳ - ص ۱۱۹ ۳۔ ایضاً
۴۔ تذکرہ الحفاظ - جلد ۱ - ص ۸۱ ۵۔ تہذیب التہذیب - جلد ۳ - ص ۱۱۸ ۶۔ تذکرہ الحفاظ - جلد اول - ص ۸۱
۷۔ ایضاً ۸۔ تہذیب التہذیب - جلد ۳ - ص ۱۱۹ ۹۔ ایضاً ۱۰۔ تذکرہ الحفاظ - جلد ۱ - ص ۸۱
۱۱۔ ابن عبد - جلد ۷ - ص ۸۷ ۱۲۔

مسابقت کی جاسکتی تو میں سب سے پہلے اس کے پاس پہنچتا اور اس شخص کے سوا جو اپنی قوت سے آگے بڑھ جاتا، اور کوئی مجھ سے بازی نہ لے جاسکتا۔^۱

وفات : یزید بن عبد الملک کے عہد میں یہ ذوق پورا ہوا اور ۱۰۳ھ میں وفات پائی وفات کے دن روزے سے تھے۔^۲

(۲۰) داؤد بن دینارؓ

نام و نسب : داؤد نام، ابو بکر کنیت، طہمان القسیری کے غلام تھے، اصل وطن سرخس تھا، لیکن بصرہ میں سکونت اختیار کر لی تھی۔

فضل و کمال : داؤد کا پیشہ خیاطی تھا۔^۳ لیکن یہ پیشہ انہیں تحصیل علم اور کسب کمال سے نہ روک سکا، انہوں نے خیاطی کے ساتھ قرآن، حدیث اور فقہ میں اتنا کمال کر لیا کہ حافظ ذہبی انہیں امام حافظ اور مفتی لکھتے ہیں۔^۴

تعلیم قرآن : قرآن کے ساتھ انہیں خاص شغف تھا، اس شغف کا باعث ایک خاص واقعہ ہوا جو خود انہی کی زبان میں یہ ہے کہ میں ایک مرتبہ طاعون میں مبتلا ہوا، بے ہوشی کی حالت میں مجھے نظر آیا کہ میرے پاس دو آدمی آئے ہیں، ان میں سے ایک نے میری زبان کی جڑ کو اور دوسرے نے میرے تلوے کو دبایا کہ میں نے دوسرے سے پوچھا کیا چیز معلوم ہوتی ہے دوسرے نے جواب دیا تسبیح تکبیر اور کچھ مسجد کی طرف چلنا اور تھوڑی سی قرآن کی قرأت میں نے اس وقت تک قرآن حاصل نہ کیا تھا، بیماری سے اٹھنے کے بعد ہمہ تن تعلیم قرآن کی طرف متوجہ ہو گیا اور اس کو حاصل کر لیا۔^۵

حدیث : حدیث کے وہ ممتاز حفاظ میں تھے، علامہ ابن سعد لکھتے ہیں کان ثقہ کثیر الحدیث حافظ ذہبی امام حافظ اور ثبت لکھتے ہیں حدیث میں انہوں نے ابو العالیہ سعید بن مسیب، ابو عثمان نہدی شعنی، عکرمہ، عزہ بن عبد الرحمن، محمد بن سیرین، ابو الزبیر، مکحول شامی وغیرہ سے سماع کیا تھا اور شعبہ، ثوری، مسلمہ بن علقمہ، ابن جریج، حماد، وہیب بن خالد، عبد الوارث ابن سعید، عبد الاعلیٰ ابن الاعلیٰ، یحییٰ القطان، یزید بن زریع اور یزید بن ہارون وغیرہ ان کے زمرہ تلامذہ میں تھے۔^۶

۱۔ ابن سعد۔ جلد ۷۔ ص ۱۶۲ ۲۔ ایضاً ۳۔ تہذیب المعجم۔ جلد ۳۔ ص ۲۰۲ ۴۔ تذکرۃ الحفاظ۔ جلد ۱۔ ص ۱۳۱
۵۔ ابن سعد۔ جلد ۷۔ ص ۲۰ ۶۔ ایضاً ۷۔ تذکرۃ الحفاظ۔ جلد اول۔ ص ۱۳۱

ان کے مرویات کی تعداد دو سو تک پہنچتی ہے^۱۔ کیفیت کے اعتبار سے ان کی مرویات کے متعلق ائمہ فن کی یہ رائے تھی، امام احمد ابن حنبل فرماتے تھے کہ وہ ثقہ ہے، ایک مرتبہ کسی نے داؤد کے بارے میں آپ سے پوچھا، آپ نے فرمایا داؤد جیسے شخص کے متعلق بھی پوچھنے کی ضرورت ہے^۲۔ ابن حبان لکھتے ہیں کہ وہ متقنین فی الروایہ میں تھے^۳۔ عجل کہتے ہیں کہ وہ ثقہ، جید الاسناد اور رفیع تھے^۴۔ ان کی روایات صحاح کی تمام کتابوں میں ہیں۔

فقہ : ان کے تفقہ کے لئے یہ سند کافی ہے کہ بصرہ جیسے علمی مرکز کے مفتی تھے^۵۔
قوت استدلال :

اس علم کے ساتھ ان کا دماغ نہایت عقلی تھا، قوت استدلال ایسی زبردست تھی کہ بڑے سے بڑے معترضین کو دو جملوں میں خاموش کر دیتے تھے۔ ایک مرتبہ شام گئے، وہاں غیلان قدری سے ملاقات ہوئی اس نے کہا میں آپ سے چند مسائل پوچھنا چاہتا ہوں، آپ نے جواب دیا تم پچاس مسائل پوچھ سکتے ہو، لیکن مجھے دو سوالوں کی اجازت دو۔ غیلان نے کہا فرمائیے۔ آپ نے سوال کیا خدا نے انسان کو سب سے افضل کون سی شے عطا کی ہے۔ غیلان نے کہا عقل۔ فرمایا، اچھا بتاؤ عقل اختیاری شے ہے کہ جس کا دل چاہے لے اور جس کا دل چاہے نہ لے، یا خدا کی جانب سے تقسیم ہوتی ہے۔ غیلان ان چند جملوں کو سن کر خاموشی سے چلا گیا، اور کوئی جواب نہ دے سکا۔

اس وقت داؤد نے کہا عقل ہی کی طرح خدا نے ایمان و مذہب ہر شے تقسیم فرمائی ہے۔ خدا ہی کی قوت اصل ہے^۶۔ اور جب تمام امور خدا کی طرف سے ہوئے تو پھر قدر کہاں رہ گیا۔
عمل : اس علم کے ساتھ داؤد نے عمل کی دولت سے بھی وافر حصہ پایا تھا، حافظ ذہبی لکھتے ہیں کہ وہ اس فی العلم والعمل تھے^۷۔ حافظ ابن حجر لکھتے ہیں کہ وہ صالح آدمی تھے^۸۔ راستہ چلتے بھی خدا کا ذکر جاری رہتا تھا^۹۔ چالیس سال تک مسلسل روزے رکھے اور لوگوں کو خبر تک نہ ہونے پائی۔ صبح کو گھر سے کھانا لے کر دکان چلے جاتے تھے، پھر راستہ میں اس کو خیرات کر دیتے تھے اور شام کو گھر واپس ہو کر انتظار کرتے تھے^{۱۰}۔
وفات : ۱۳۹ھ میں حج سے واپسی میں راستہ میں وفات پائی^{۱۱}۔

۱۔ تہذیب الکمال۔ ص ۱۱۱ ۲۔ تہذیب المعجم۔ جلد ۳۔ ص ۲۰۴ ۳۔ ایضاً ۴۔ ایضاً ۵۔ تذکرۃ الحفاظ۔ جلد اول۔ ص ۱۱۳۱ ۶۔ تذکرۃ الحفاظ۔ جلد ۱۔ ص ۱۳۱ ۷۔ ایضاً ۸۔ تہذیب المعجم۔ جلد ۳۔ ص ۲۰۴ ۹۔ تذکرۃ الحفاظ۔ جلد ۱۔ ص ۱۳۲ ۱۰۔ ایضاً۔ ص ۱۳۱ ۱۱۔ ایضاً ابن سعد۔ جلد ۷۔ ق ۲۔ ص ۲۰

(۲۱) ربیع بن خثیمؓ

نام و نسب : ربیع نام، ابو یزید کنیت، نسباً قبیلہ ثعلبہ کی ایک شاخ ثور سے تھے، نسب نامہ یہ ہے۔ ربیع بن خثیم بن عائد بن عبد اللہ بن منذ بن ثور ثوری، ربیع ان تابعین میں ہیں، جنہوں نے رسالت کا مقدس دور پایا تھا، لیکن شرف صحابیت سے محروم رہے، تاہم وہ اس عہد کے برکات سے مالا مال تھے، اور عمل و علم اور زہد و تقویٰ کے اعتبار سے ممتاز ترین تابعین میں ہیں۔

فصل و کمال : وہ صاحب علم تابعین میں تھے، لیکن ان کے علم کی روشنی کو زہد و ورع کے نور نے مدہم کر دیا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ وہ علم سے زیادہ تقویٰ میں مشہور ہیں، ورنہ جہاں تک ان کے علمی کمالات کا تعلق ہے اس میں بھی وہ اپنے اقران میں ممتاز تھے۔ انہوں نے زمانہ ایسا پایا تھا جب علماء صحابہ کی بڑی جماعت موجود تھی۔ چنانچہ صحابہ میں انہوں نے عبد اللہ بن مسعودؓ اور ابو ایوب انصاریؓ سے فیض اٹھایا تھا۔

عبد اللہ بن مسعودؓ سے خصوصیت کے ساتھ زیادہ مستفید ہوئے تھے، ان کی بارگاہ میں ربیع کو اتنا تقرب حاصل تھا کہ جب وہ ان کی خدمت میں حاضر ہوتے تو جب تک دونوں کی تنہائی کی صحبت ختم نہ ہو جاتی اور دونوں کی ضرورتیں پوری نہ ہو جاتیں، اس وقت تک کسی کو اندر داخل ہونے کی اجازت نہ ملتی، ابن مسعودؓ پر ان کے فضائل و کمالات کا اتنا اثر تھا کہ وہ ان سے فرمایا کرتے تھے کہ ابو یزید اگر تم کو رسول اللہ ﷺ دیکھتے تو تم سے محبت فرماتے، جب میں تم کو دیکھتا ہوں تو متواضعین یاد آتے ہیں۔

عبد اللہ بن مسعودؓ کی صحبت وہ تھی جس نے معمولی معمولی انسانوں کو صیقل علم سے جلادے کر چمکادیا۔ ربیع تو فطرۃ نہایت صالح اور صاحب استعداد تھے اس لئے وہ ابن مسعودؓ کے علمی برکات سے زیادہ سے زیادہ مستفید ہوئے۔

قرآن : ربیع کو قرآن، حدیث، فقہ جملہ علوم میں درک حاصل تھا، عملی حیثیت سے قرآن کے ساتھ زیادہ شغف کا بڑا ملکہ تھا، جس کا ذکر آئندہ آئے گا، قرآن کی تفسیر و تاویل و آیات قرآنی سے استدلال کا بڑا ملکہ تھا، اپنی واعظانہ تقریروں میں وہ نہایت موزونیت سے آیات قرآنی کو کھپاتے تھے، جس کا اندازہ ان کے مواعظ سے ہوتا ہے ان کا وعظ عموماً یہ ہوتا تھا۔

اے خدا کے بندے ہمیشہ بھلی بات کہا کر، اور بھلائی پر عمل کیا کر، ہمیشہ بھلی خصلتوں پر رہا کر، اپنی مدت (حیات) کو زیادہ نہ سمجھ، اپنے قلب کو سخت نہ بنا، اور ان لوگوں کا مصداق نہ بن جو کہتے ہیں ہم نے سنا، حالانکہ وہ نہیں سنتے۔

”لَا تَكُونُ كَالَّذِينَ قَالُوا سَمِعْنَا وَهُمْ لَا يَسْمَعُونَ“ (انفال-۳)

”ان لوگوں کی طرح نہ ہو جو کہتے ہیں کہ ہم نے سنا حالانکہ وہ نہیں سنتے۔“

اے خدا کے بندے اگر تو اچھے کام کرتا ہے تو ایک بعد دوسرا برابر کیے جا، کیونکہ عنقریب تجھے وہ دن پیش آنے والا ہے، جب تجھ کو یہ حسرت رہ جائے گی کہ کاش زیادہ اچھے کام کئے ہوتے اگر تجھ سے کچھ برائیاں سرزد ہو چکی ہیں تو بھی اچھے کام کر کہ خدا فرماتا ہے۔

”أَنْ الْحَسَنَاتِ يَذْهَبْنَ السَّيِّئَاتِ ذَالِكُ ذِكْرِي لِلذَّاكِرِينَ“ (ہود-۱۰)

”بھلائیاں برائیوں کو دور کر دیتی ہیں اور یہ نصیحت حاصل کرنے والوں کے لئے نصیحت ہے۔“

اے بندہ خدا خدا نے اپنی کتاب میں جو علم تجھے عطا کیا ہے، اس پر اس کا شکر ادا کر، اور اس نے تجھ کو نہیں دیا بلکہ اپنے لئے مخصوص رکھا ہے اس کو اس کے جاننے والے کے سپرد کر اور بناوٹ نہ کر کیونکہ خدا فرماتا ہے۔

”قُلْ مَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ وَمَا أَنَا مِنَ الْمُتَكَلِّفِينَ“ (ہود-۱۰)

”اے پیغمبر! کہہ دے کہ میں اس پر تجھ سے کوئی اجر نہیں مانگتا اور میں تکلیف کرنے

والوں میں نہیں ہوں، قرآن دونوں عالموں کے لئے نصیحت ہے اور ایک وقت آئے گا،

جب تم کو اس کی حقیقت معلوم ہوگی۔“

حدیث: حدیث میں ہے انہیں حافظ ذہبی امام اور قد وہ لکھتے ہیں۔ عبد اللہ بن مسعود، ابو ایوب انصاری، عمرو بن مسمون اور عبد الرحمن بن ابی لیلیٰ وغیرہ سے سماع حدیث کیا تھا، اور ابراہیم نخعی، امام شافعی، منذر ثوری، ہالاب بن یساف اور بکر بن ماغر وغیرہ جیسے اکابر ان کے تلامذہ میں ہیں۔ معیار کے اعتبار سے ان کی روایات کا جو پایہ تھا اس کا اندازہ ان آراء سے ہو سکتا ہے امام شافعی کہتے تھے کہ ربیع سجائی کا معدن ہیں، ابن معین کا قول تھا کہ ربیع جیسے شخص کے متعلق کچھ پوچھنے کی ضرورت نہیں۔

فقہ : اگرچہ ربیع نے فقیہ کی حیثیت سے کوئی شہرت حاصل نہیں کی، لیکن ان کے تفقہ کے لئے یہ سند کافی ہے کہ وہ فقیہ الامت عبد اللہ بن مسعود کے جن کے فتاویٰ پر عراقی فقہ کی بنیاد ہے، تربیت یافتہ اور خاص اصحاب میں تھے، لیکن جیسا کہ اوپر گزر چکا ہے ان کی ان حیثیتوں کو ان کی زہد و ورع نے بالکل دبا دیا تھا۔

بنی ثور کی بعض خصوصیات :

عموماً ہر خاندان میں کچھ نہ کچھ خصوصیات ایسی ہوتی ہیں جو کم و بیش اس کے تمام افراد میں پائی جاتی ہیں۔ کوئی خاندان علم و فن میں ممتاز ہوتا ہے کوئی زہد و ورع میں۔ کوئی اور کسی خاص وصف میں۔ ربیع کا خاندان یعنی بنی ثور عبادت و ریاضت میں نمایاں اور ممتاز تھا۔

شبرمہ کا بیان ہے کہ میں نے کوفہ میں بنی ثور سے زیادہ فقیہ اور عبادت گذار شیوخ اور کسی قبیلہ میں نہیں دیکھے، ابی بکر زبیدی اپنے باپ کی زبانی بیان کرتے ہیں کہ میں نے ثوریوں اور غریبوں سے زیادہ مسجد میں بیٹھنے والا کوئی خاندان نہیں دیکھا۔^۱

زہد و ورع : ربیع اسی عبادت گذار قبیلہ کے فرد تھے جو مذہبی اور روحانی کمالات میں سب سے زیادہ نمایاں اور ممتاز تھا، وہ نہ صرف اپنے قبیلہ بلکہ جماعت تابعین کے عابد ترین افراد میں تھے ان کا شمار ان چند تابعین میں تھا جو زہد و ورع کے لحاظ سے پوری جماعت میں ممتاز تھے۔^۲

ان کے زہد و ورع اور عبادت و ریاضت پر تمام علماء اور مصنفین کا اتفاق عام ہے امام شععی کا بیان ہے کہ ربیع اپنی جماعت میں سب سے زیادہ متوزع تھے۔^۳

ابی عبیدہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے ربیع سے زیادہ لطیف العبادہ نہیں دیکھا۔^۴ حافظ ابن حجر لکھتے ہیں کہ ربیع کا زہد اور ان کی عبادت اس قدر مشہور ہے کہ اس کے متعلق کچھ لکھنے کی ضرورت نہیں۔^۵

خشیت الہی : اعمال حسنہ کا اصل سرچشمہ خشیت الہی ہے۔ ربیع پر خشیت اتنی طاری رہتی تھی کہ روتے روتے داڑھی آنسوؤں سے تر ہو جاتی تھی۔ حذاب دوزخ کا معمولی نمونہ کیا کہ بیہوش ہو جاتے تھے، اعمش بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ ربیع لوہار کی بھٹی کی طرف سے گزرے تو بھٹی دیکھ کر بیہوش ہو گئے۔^۶

۱۔ ابن سعد۔ جلد ۶۔ ص ۱۳۳ ۲۔ تہذیب التجارب۔ جلد ۳۔ ص ۲۴۲ ۳۔ تذکرۃ الحفاظ۔ جلد اول۔ ص ۵۰
۴۔ ابن سعد۔ جلد ۶۔ ص ۱۳۴ ۵۔ تہذیب التجارب۔ جلد ۳۔ ص ۲۴۲ ۶۔ ابن سعد۔ جلد ۶۔ ص ۱۳۱

شب بیداری : ان کی عبادت کا خاص وقت شب کی تاریکی تھا، ساری رات عبادت کرتے تھے۔
 پر موعظت آیات پڑھتے تھے، اور شدتِ تاثر میں ان کو دہراتے دہراتے صبح کر دیتے ان کے غلام نسیر بن
 ذُعلوق بیان کرتے ہیں کہ ربیع رات کی تاریکی میں تہجد پڑھتے ہوئے جب اس آیت پر پہنچے :
 ”ام حسب الذین اجترحوا السيئات ان نجعلهم كالذین امنوا و عملوا
 الصالحات سواء محياهم ومماتهم ساء ما يحكمون“۔ (جاثہ-۲)
 ”کیا جنہوں نے برائیاں کی ہیں یہ گمان کرتے ہیں کہ ان کو ان لوگوں کے برابر کریں گے
 جنہوں نے اچھے اعمال کیے جن کی زندگی اور موت برابر ہے، وہ لوگ کیا ہی برا فیصلہ
 کرتے ہیں۔“

تو اس کو دہراتے دہراتے صبح کر دیتے تھے۔

جماعت کا اہتمام :

نماز باجماعت کبھی ناغہ نہ ہوتی تھی۔ آخر عمر میں فالج کے اثر سے چلنے پھرنے سے معذور ہو گئے
 تھے، لیکن اس وقت بھی نماز باجماعت قضا نہ ہوتی تھی دوسرے کے سہارے یا گھسٹتے ہوئے مسجد پہنچتے تھے۔
 ابو حیان اپنے والد کی زبانی بیان کرتے ہیں کہ ربیع فالج سے معذور ہو گئے تھے۔ لیکن نماز کے لئے پیروں
 سے گھسٹتے ہوئے یا دوسروں کا سہارا لے کر مسجد میں آتے تھے۔ لوگ کہتے ابو یزید اس مجبوری کی حالت میں تو
 گھر پر نماز پڑھنے کی اجازت ہے۔ جواب دیتے حی علی الصلوٰۃ اور حی علی الفلاح سننے کے بعد
 جہاں تک ہو سکے اس کا جواب دینا چاہئے، خواہ گھسنے کے بل چلنا پڑے۔

جہاد لوجہ اللہ : اگر ربیع ایک زاہد گوشہ نشین تھے اسی لئے وہ خلافت راشدہ کے دور میں موجود ہونے
 کے باوجود اس عہد کی عملی زندگی میں نہیں نظر آتے۔ لیکن جہاد فی سبیل اللہ کے لئے گوشہ عزلت سے باہر
 نکل آتے تھے، اور یہ جہاد اس قدر خالص اور لوجہ اللہ ہوتا تھا، کہ مال غنیمت بھی اپنے تصرف میں نہ لاتے
 تھے، بلکہ جو کچھ ملتا تھا، اس کو خدا ہی کی راہ میں صرف کر دیتے تھے۔

عبد خیر بیان کرتے ہیں کہ میں ایک جنگ میں ربیع کا رفیق جہاد تھا، اس میں انہیں غنیمت
 میں بہت سے غلام اور مویشی ملے، چند دنوں کے بعد مجھے اُن کے پاس جانے کا اتفاق ہوا تو ان میں سے
 کوئی چیز نظر نہ آئی، میں نے پوچھا غلام اور مویشی کیا ہوئے؟ اس مرتبہ انہوں نے اس کا کوئی جواب نہ دیا،
 جب میں نے دوبارہ پوچھا تو فرمایا۔

امر بالمعروف ونهى عن المنكر:

پندارتقوی سے احتراز :

اس راہ کی سب سے کٹھن منزل پندار تقویٰ ہے، جس میں بڑے بڑے زاہدوں کے قدم ڈمگے جاتے ہیں اور عبائے زہد کا دامن پندار کے داغ سے داغدار بن جاتا ہے ربيع کا یہ خاص کمال تھا کہ

وہ تقویٰ کے اعلیٰ درجہ پر فائز ہونے کے باوجود گنہگاروں کے لئے بھی اپنی زبان سے کوئی نارا و کلمہ نہ نکالتے تھے، نسر بن ذعلوق کا بیان ہے کہ کسی نے ربیع سے پوچھا کہ آپ لوگوں کو برا نہیں کہتے۔ آپ نے جواب دیا خدا کی قسم مجھے خود اپنے نفس پر اطمینان نہیں ہے۔ کہ دوسروں کو برا کہوں، لوگوں کا عجیب حال ہے کہ وہ دوسروں کے گناہوں پر تو خدا سے ڈرتے ہیں لیکن خود اپنے گناہوں کی جانب سے بے خوف ہیں۔^۱

شدت احتیاط : ربیع کو اوامر و نواہی کی پابندی میں اتنا اہتمام تھا اور وہ چھوٹی چھوٹی اور معمولی معمولی باتوں میں اتنی احتیاط برتتے تھے کہ ہر شخص کا ذہن بھی ان کی طرف منتقل نہیں ہو سکتا۔ بکر بن معز کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ ربیع کی بچی نے ان سے کہا، ابا میں کھیلنے جاتی ہوں، فرمایا جاؤ، اچھی باتیں کہو، چھوٹی بچی اس کو کیا سمجھتی وہ سر ہو گئی کہ میں کھیلنے جاتی ہوں لوگوں نے ربیع سے کہا آپ اسے کھیل کے لئے کیوں نہیں جانے دیتے۔ فرمایا میں یہ نہیں چاہتا کہ میرے آج کے نامہ اعمال میں یہ لکھا جائے کہ میں نے کھیل کا حکم دیا۔^۲ ز شیر کا کھیل لہو و لعب میں ہے اور اس کی ممانعت کی حیثیت بھی اسی حد تک ہے لیکن ربیع شدت احتیاط میں کہتے تھے کہ میں ز شیر کے پانسوں کو اپنے ہاتھوں سے الٹنے کے مقابلہ میں سور کے گوشت کو اٹھا لینا زیادہ پسند کرتا ہوں۔^۳

انکسار و تواضع : ان کمالات پر انکسار و تواضع کا یہ حال تھا کہ پاخانہ تک اپنے ہاتھوں سے صاف کرتے تھے، ایک شخص نے کہا اس کام کے لئے دوسرے لوگ موجود ہیں جواب دیا میں چاہتا ہوں کہ گھر کے کاروبار میں بھی حصہ لوں، ان کی خاکساری کو دیکھ کر حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے تھے کہ تم کو دیکھ کر متواضعین کی یاد آ جاتی ہے۔^۴ کسی موقع پر بھی ان کی زبان سے برا کلمہ نہ نکلتا تھا، کسی سے تکلیف پہنچتی تو اس کو دعا دیتے، ایک مرتبہ مسجد میں نمازیوں کا ہجوم زیادہ تھا، جب جماعت کھڑی ہونے لگی اور لوگ آگے بڑھے تو ایک شخص نے جو ربیع کے پیچھے تھا، ان سے کہا کہ آگے بڑھو لیکن کثرت اثر دہام سے آگے راستہ نہ تھا، انہوں نے صرف اس قدر کہا، خدا تم پر رحم کرے اس شخص نے آنکھ اٹھا کر دیکھا تو ربیع تھے انہیں دیکھ کر وہ فرط ندامت سے رونے لگا۔^۵

مجمعوں سے احتراز :

ربیع نہایت تنہائی پسند تھے، نہ کہیں آتے جاتے تھے، نہ کسی مجمع میں بیٹھتے تھے، امام شعبی کا بیان ہے کہ ربیع جب سے سن شعور کو پہنچے نہ کسی مجلس میں بیٹھے نہ کسی شاہراہ پر گئے، اس کی وجہ وہ یہ بیان

کرتے تھے کہ میں اسے پسند نہیں کرتا کہ میں کسی مقام پر جاؤں اور وہاں کوئی ایسی چیز دیکھوں جس میں شہادت میں بلایا جاؤں اور شہادت نہ دے سکوں، یا کسی گرانبار آدمی کو دیکھوں اور اس کی مدد نہ کر سکوں یا مظلوم کو دیکھوں اور اس کی اعانت نہ کر سکوں۔

سکوت و خاموشی :

آپ گھر میں بھی عموماً خاموش رہتے تھے بہت کم باتیں کرتے تھے، فضول کلمہ تو زبان سے نکلتا ہی نہ تھا ایک شخص کا جو آپ کی خدمت میں بیس سال تک رہا تھا، بیان ہے کہ میں نے بیس سال کی طویل مدت میں ان کی زبان سے کوئی ایسا کلمہ نہیں سنا جس پر نکتہ چینی کی جاسکے۔ اسی شخص کا بیان ہے کہ میں نے بیس سال کے عرصہ میں ربیع کو کلمہ خیر کے علاوہ دوسرا کلمہ زبان سے نکالتے ہوئے نہیں دیکھا۔

ایک تبی کا بیان ہے کہ میں دو سال تک ربیع کے پاس بیٹھا اس دوران میں انہوں نے مجھ سے انسانوں کے دنیاوی حالات کے متعلق کوئی سوال نہیں کیا، صرف ایک مرتبہ اتنا پوچھا کہ تمہاری ماں زندہ ہیں۔ اور تمہارے محلہ میں کتنی مسجدیں ہیں۔

”دوسروں کو بھی فضول گوئی سے منع کرتے تھے، اور فرماتے تھے کہ باتیں کم کیا کرو، اگر ہو سکے تو فضول باتوں کے بجائے سبحان اللہ، الحمد للہ، لا الہ الا اللہ، اللہ اکبر کا ورد کیا کرو، لوگوں کو اچھی باتیں کرنے کی تلقین کیا کرو، بڑی باتوں سے روکا کرو، قرآن پڑھا کرو، خدا سے بھلائی کی درخواست کیا کرو، اور شر سے پناہ مانگا کرو۔“

دوسروں پر اخلاق کا اثر :

ربیع گو خاموش اور عزالت نشین تھے، لیکن پھول کی خوشبو اور آفتاب کی روشنی قید نہیں کی جاسکتی، اس لئے ان کی گوشہ گیری کے باوجود ان کی نگہبخت اخلاق ہر طرف پھیل گئی، اور ہر شخص ان کے اخلاقی فضائل سے متاثر ہو گیا، شفیق روایت کرتے ہیں کہ ہم عبد اللہ بن مسعود کے پند اصحاب کے ساتھ ربیع کی ملاقات کو گئے، ایک شخص نے راستہ میں پوچھا کہاں جاتے ہو، ہم نے کہا ربیع سے ملنے کے لئے، اس نے کہا تم لوگ ایسے شخص کے پاس جا رہے ہو کہ جب وہ کوئی بات کہتا ہے تو جھوٹ نہیں کہتا، جب وہ وعدہ کرتا ہے تو وعدہ خلافی نہیں کرتا اگر اس کے پاس امانت رکھو تو اس میں خیانت نہیں کرتا۔

کسی انسان کی حقیقی عظمت اس کے معاصرین کا اعتراف ہے، ربیع کے معاصرین ان سے اتنا متاثر تھے کہ ان کے مقابلہ میں ذہنی بڑائی بھی اپنی طرف منسوب کرنا پسند نہ کرتے تھے۔ ایک شخص نے ابو وائل سے پوچھا کہ تم بڑے ہو یا ربیع، انہوں نے جواب دیا کہ سن میں ان سے بڑا ہوں لیکن وہ عقل میں مجھ سے بڑے ہیں۔

توکل علی اللہ: توکل اور اعتماد علی اللہ کے اصل معنی ہیں کوشش کر کے کسی کام کی کامیابی اور ناکامی کو خدا کے حوالہ کر دینا، لیکن توکل کا ایک درجہ اس سے بھی بلند ہے جو صرف خاصانِ خدا کا حصہ ہے۔ وہ یہ ہے کہ دنیاوی وسائل ہی نہ اختیار کئے جائیں اور اس کو بھی خدا کے حوالہ کر دیا جائے، ربیع اس درجہ قصویٰ پر فائز تھے کہ وہ موت و زیست کے سوال کے موقع پر دنیاوی وسائل نہ اختیار کرتے تھے۔ فالج جیسے موذی اور زندہ درگور کر دینے والے مرض میں مبتلا تھے، لیکن کسی طرح علاج نہیں کرتے تھے۔ لوگ ان سے کہتے، کاش آپ علاج کرتے فرماتے، عادیثہ و انصار اس سب گزر گئے، ان کے درمیان بہت سے قرن تھے اور ان میں علاج کرنے والے بھی موجود تھے، لیکن نہ تو علاج کرنے والے ہی باقی رہ گئے اور نہ علاج کرانے والے، سب مٹ گئے۔

وفات: اس توکل کا نتیجہ یہ ہوا کہ بالآخر فالج نے مرض الموت کی شکل اختیار کر لی دم آخر انہوں نے لوگوں کے روبرو یہ اعترافات کیے کہ میں اپنے نفس پر اللہ کو گواہ بناتا ہوں، وہ اپنے نیک بندوں کی شہادت، انہیں بدلہ دینے اور ثواب دینے کے لئے کافی ہے، میں خدا کی ربوبیت، دین اسلام، محمد ﷺ کی نبوت اور رسالت اور قرآن کی امامت سے راضی ہوں اور اپنی ذات اور اس شخص سے جو میری اطاعت کرے، اس بات پر راضی ہوں، کہ ہم سب عابدین کے زمرہ میں خدا کی عبادت کریں، اور حمد کرنے والوں میں اس کی حمد کریں اور مسلمانوں کی خیر خواہی کریں۔ ان وصیتوں کے بعد واصل بحق ہوئے، یہ کوفہ پر عبیدہ اللہ بن زیاد کی ولایت کا زمانہ تھا۔

(۲۳) ربیعہ بن فروخ المقلب بہ رائے

نام و نسب: ربیعہ نام، ابو عثمان کنیت، رائے لقب، باپ کا نام فروخ اور کنیت ابو عبد الرحمن تھی، فروخ قبیلہ بنی تمیم بن جرہ کے غلام تھے، اس غلام کے گھروں میں ربیعہ پیدا ہوئے جو آگے چل کر اقلیم علم کے تاجدار بنے۔

فضل و کمال :

فضل و کمال کے اعتبار سے ربیع ائمہ تابعین میں تھے، ان کی علمی جلالت تمام علماء و محدثین میں مسلم تھی، علامہ نووی لکھتے ہیں کہ ربیع کی توثیق جلالت اور علمی اور عقلی عظمت پر تمام علماء اور محدثین کا اتفاق ہے^۱۔ حافظ ذہبی لکھتے ہیں کہ وہ امام تھے، حافظ تھے، فقیہ تھے، مجتہد تھے، اور رائے میں انہیں خاص بصیرت تھی، اس لیے ربیعہ الرائے کہلاتے تھے^۲۔ خطیب بغدادی لکھتے ہیں کہ وہ فقیہ تھے، اور فقہ و حدیث کے حافظ تھے^۳۔

پیدائش و تعلیم :

ربیعہ کے ابتدائی اور تعلیمی حالات نہایت سبق آموز اور دلچسپ ہیں۔ ابھی وہ شکم مادر میں تھے کہ ان کے والد فروخ کو خراسان کی مہم میں چلا جانا پڑا اور کچھ ایسے اتفاقات پیش آتے گئے کہ وہ کامل ستائیس برس تک وطن نہ آ سکے۔ ربیعہ کی ماں نہایت عاقلہ اور عاقبت اندیش خاتون تھیں۔ ربیعہ کی پیدائش کے بعد ان کی تعلیم و تربیت کا بڑا خیال رکھا۔

چنانچہ شوہر کی عدم موجودگی میں انہوں نے پوری توجہ سے لڑکے کی تعلیم و تربیت دلائی اور شوہر کا کل اندوختہ جس کی تعداد تیس ہزار اشرفی تھی، ربیعہ کی تعلیم پر صرف کر دیا۔ ربیعہ خود نہایت ذہین طباع اور شائق تھے، اس لئے انہوں نے بہت جلد تعلیم حاصل کر لی، اور آغاز شباب ہی میں وہ جملہ علوم میں کامل ہو گئے، چھبیس ستائیس سال کی عمر میں ان کا شہر دور دور تک پھیل گیا، اور ان کی ذات مرجع خلایق بن گئی۔

ستائیس سال کے بعد ان کے والد گھر واپس آئے۔ گھر پہنچ کر دروازہ کھٹکھٹایا۔ باپ بیٹے دونوں ایک دوسرے سے ناواقف تھے۔ ربیعہ باہر نکلے تو دروازہ پر ایک اجنبی کو دیکھ کر سخت برہم ہوئے اور کہا دشمن خدا تو میرے گھر پر حملہ کرتا ہے۔ فروخ نے جواب دیا دشمن خدا تو میرے حرم میں گھسا ہوا ہے۔ دونوں میں یہاں تک گفتگو بڑھی کہ باہم دست و گریبان ہو گئے۔ یہ شور ہنگامہ سن کر پاس پڑوس کے آدمی جمع ہو گئے، یہاں آ کر دیکھا تو دونوں آدمی گتھے ہوئے تھے۔ ربیعہ فروخ سے لپٹے ہوئے کہہ رہے تھے کہ خدا کی قسم تجھ کو حاکم شہر کے پاس لے جائے بغیر نہ چھوڑوں گا۔ فروخ کی زبان پر بھی یہی کلمات تھے۔

۲ تذکرۃ الحفاظ - جلد اول - ص ۴۱

۱ تہذیب و تمدن - جلد اول - ق اول - ص ۱۵۹

۳ تاریخ خطیب - جلد ۸ - ص ۴۲۱

اتنے میں حضرت انس بن مالک پہنچ گئے، اور فروخ سے کہا، بڑے میاں آپ کسی دوسرے گھر میں ٹھہر جائیے۔ اس وقت فروخ نے اپنا تعارف کرایا کہ میں بنی فلاں کا غلام ہوں میرا نام فروخ ہے، اور یہ میرا گھر ہے۔ ان کی آواز سن کر ان کی بیوی گھر سے نکل آئیں اور انہیں پہچان کر بیٹے سے کہا کہ یہ تمہارے باپ ہیں اور شوہر کو بتایا کہ یہ تمہارا فرزند ہے، جسے تم حمل کی حالت میں چھوڑ گئے تھے۔

یہ پردہ اٹھنے کے بعد دونوں باپ بیٹے گلے مل کر خوب روئے۔ گھر میں داخل ہونے کے بعد فروخ نے بیوی سے اندوختہ کے متعلق پوچھا اور کہا میرے پاس چار ہزار دینار اور ہیں۔ بیوی کل روپے بیٹے کی تعلیم میں صرف کر چکی تھیں۔ جواب دیا ابھی ایسی جلدی ہی کیا ہے۔ روپیہ حفاظت سے دفن ہے، اطمینان سے نکالوں گی۔ اس وقت ربیعہ کی ذات طالبان علم کا مرجع بن چکی تھی۔ مسجد نبوی میں ان کا حلقہ درس قائم تھا، جس میں مدینہ کے بڑے بڑے ارباب علم، علماء اور اشراف شریک ہوتے تھے۔ ربیعہ معمول کے مطابق وقت پر مسجد چلے گئے۔ ان کی ماں نے درس کا وقت پہچان کر شوہر سے کہا، ذرا مسجد نبوی میں جا کر نماز پڑھاؤ۔

فروخ مسجد گئے تو دیکھا کہ ایک شخص کے گرد لوگوں کا ہجوم لگا ہوا ہے۔ امام مالک، حسن بن زید، ابن ابی علی، ابی اور مساحقی وغیرہ مدینہ کے شرفاء اور اکابر حلقہ درس میں شریک ہیں۔ فروخ یہ ہجوم دیکھ کر قریب چلے گئے، لوگوں نے راستہ دے دیا۔ ربیعہ نے درس میں خلل پڑنے کے خیال سے سر جو کا لیا۔ فروخ نے لوگوں سے پوچھا یہ کون بزرگ ہیں۔ انہوں نے بتایا، ربیعہ بن ابی عبد الرحمن فروخ یہ سن کر فوراً سرست میں بول اٹھے، خدا نے میرے بیٹے کو یہ رتبہ عطا کیا، اور گھر جا کر بیوی سے کہا، میں نے تمہارے لڑکے کو ایسے رتبہ پر دیکھا کہ اس سے قبل کسی صاحب علم فقیہ کو نہ دیکھا تھا۔ شوہ کی زبان سے یہ اعتراف سننے کے بعد بیوی نے کہا، اب بتاؤ کیا چاہتے ہو۔ بیٹی کی یہ عظمت و شان یا تمہیں ہزار اشرافیاں۔ فروخ نے جواب دیا، خدا کی قسم لڑکے کی عظمت و شان۔ بیوی نے کہا تو پھر تم کو معلوم ہوتا چاہئے کہ میں نے تمہاری کل دولت اس کی تعلیم میں صرف کر دی۔ فروخ نے کہا خدا کی قسم تمہارے لگی۔

حدیث: ربیعہ کی شہرت زیادہ تر ان کے فقہی کمال کی وجہ سے ہے لیکن وہ حدیث کے بھی ممتاز حفاظ میں تھے، ان کے حفظ حدیث پر تمام ائمہ کا اتفاق ہے، علامہ ابن سعد انہیں ثقہ اور کثیر الحدیث کہتے ہیں۔

خطیب بغدادی حافظ فقہ و حدیث^۱ اور حافظ حدیث لکھتے ہیں^۲ ان کی حدیث دانی ان کے معاصرین میں مسلم تھی۔ ایک مرتبہ عبدالعزیز بن ابی سلمہ عراق گئے، عراقیوں نے ان سے کہا کہ ربیعہ ”رائے“ کی حدیث سنی ہیں۔ انہوں نے کہا تم لوگ ان کو ”ربیعہ رائے“ کہتے ہو، خدا کی قسم میں نے ان سے زیادہ کسی کو سنت پر حاوی نہیں دیکھا۔^۳

حدیث میں ان کے درجہ کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ یحییٰ بن سعید جوان کے تلمیذ رشید تھے۔ ان کی زندگی ہی میں صاحب درس ”محدث“ بن گئے تھے اور ربیعہ کی عدم موجودگی میں حدیث کا درس دیتے تھے۔^۴

صحابہ میں ربیعہ نے انس بن مالک اور سائب بن یزید اور تابعین میں محمد بن یحییٰ بن حبان، ابن مسیب، قاسم بن محمد، ابن ابی لیلیٰ، اعرج، مکحول، حنظلہ بن قیس اور عبداللہ بن یزید وغیرہ جیسے محدثین سے استفادہ کیا تھا اور یحییٰ بن سعید، ان کے بھائی عبد ربہ، سلیمان التیمی مالک شعبہ، دونوں سفیان، حماد بن سلمہ اور لیث وغیرہ کا بر محمد میں ان کے تلامذہ میں تھے۔^۵

فقہ : لیکن ربیعہ کا خاص اور امتیازی فن فقہ تھا، اس میں وہ امامت و اجتہاد کا درجہ رکھتے تھے اور اپنے تمام معاصرین پر فائق تھے ان کے فقہی کمالات میں ان کی فطری استعداد کو بہت بڑا دخل تھا۔ وہ نہایت ذہین اور طباع تھے۔ یحییٰ بن سعید کہتے تھے کہ میں نے ان سے زیادہ زیرک نہیں دیکھا، دوسری روایت میں ہے کہ میں نے ان سے زیادہ صحیح عقل والا نہیں دیکھا۔^۶

اس ذہانت و ذکاوت نے ان میں اجتہاد، استنباط اور تفریح مسائل کا خاص ملکہ پیدا کر دیا تھا۔ حافظ ذہبی لکھتے ہیں کہ ربیعہ امام، حافظ فقیہ اور مجتہد تھے، رائے میں انہیں اتنی بصیرت حاصل تھی کہ ”رائے“ ان کا لقب ہو گیا تھا۔^۷

اس فقہی کمال کی وجہ سے وہ مدینۃ العلم مدینہ کی مسند افتا پر فائز ہو گئے، کان صاحب الفتویٰ بالمدينة^۸۔ عباسی حکومت کے قیام کے بعد سفاح عباسی نے ان کو بلا کر عہدہ قضا پر ممتاز کیا۔ امام مالک ان کے تلامذہ خاص میں تھے۔ ربیعہ کی موت کے بعد ان کی زبان پر یہ حسرت کلمہ تھا کہ ربیعہ کے بعد فقہ کا مزاجا تار ہا۔^۹

۱۔ تاریخ بغداد۔ جلد ۸۔ ص ۴۲۱ ۲۔ تذکرۃ الحفاظ۔ جلد اول۔ ص ۱۴۱ ۳۔ تاریخ بغداد۔ جلد ۸۔ ص ۴۲۲

۴۔ تاریخ بغداد۔ جلد ۸۔ ص ۴۲۳ ۵۔ تہذیب التہذیب۔ جلد ۳۔ ص ۲۵۰ ۶۔ تاریخ بغداد۔ جلد ۸۔ ص ۴۲۳

۷۔ تذکرۃ الحفاظ۔ جلد اول۔ ص ۱۴۱ ۸۔ تاریخ خطیب۔ جلد ۸۔ ص ۴۲۱ ۹۔ تاریخ بغداد۔ جلد ۸۔ ص ۴۲۶

امام ابو حنیفہؒ جو فقہ رائے اور قیاس کے امام اعظم ہیں، ربیعہ کی خدمت میں استفادہ کے لئے آتے تھے، اور ان کے اقوال و آراء کو سمجھنے کی کوشش کرتے تھے۔

فتاویٰ میں احتیاط :

لیکن اس قوت اجتہاد اور رائے اور قیاس میں اس ملکہ کے باوجود وہ اس قدر محتاط تھے کہ مسائل میں اپنی رائے اور قیاس کو کم دخل دیتے تھے اور بغیر سند کے جواب دینا سخت ناپسند کرتے تھے، عبدالعزیز بن ابی سلمہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے ربیعہ کے مرض الموت میں ان سے کہا کہ ہم لوگوں نے آپ ہی سے فیض پایا ہے اکثر ایسا ہوتا ہے کہ لوگ ایسے مسائل پوچھتے ہیں جس کے بارے میں ہمارے پاس کوئی سند نہیں ہوتی اور ہم کو یہ یقین ہوتا ہے کہ اس مسئلہ میں ہماری رائے ان کی رائے سے بہتر ہوگی۔ ایسی حالت میں کیا ہم اپنی رائے سے فتویٰ دیا کریں۔

یہ سن کر ربیعہ سہارا لے کر اٹھ بیٹھے، اور فرمایا عبدالعزیز تم پر افسوس ہے کسی مسئلہ میں بغیر علم کے جواب دینے سے یہ بہتر ہے کہ تم جاہل مر جاؤ، اس جملہ کو تین مرتبہ دہرایا۔

حلقہ درس : ربیعہ کی ذات مرجع خلّاق تھی، ان کا حلقہ درس نہایت وسیع تھا، اس میں مدینہ کے تمام بڑے بڑے علماء، عمائد اور شرفاء شریک ہوتے تھے، امام مالک یحییٰ انصاری امام اوزاعی اور شعبہ وغیرہ ائمہ اسی حلقہ درس کے فیض یافتہ تھے، خطیب کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ شمار کیا گیا تو چالیس بڑے بڑے عمامہ پوش ان کے حلقہ درس میں تھے۔

تلامذہ : ربیعہ کے تلامذہ کا دائرہ نہایت وسیع تھا، ممتاز تلامذہ میں امام مالک، یحییٰ انصاری، سفیان ثوری، شعبہ، لیث، اوزاعی، ابن عیینہ، سلیمان بن ہلال وغیرہ لائق ذکر ہیں۔ عام تلامذہ کی فہرست نہایت طویل ہے۔

ربیعہ کے معاصرین کا اعتراف :

ربیعہ کے تمام معاصرین میں ان کی علمی فضیلت مسلم تھی۔ عبید اللہ بن عمر کہتے تھے کہ ربیعہ ہماری مشکلات کے عقدہ کشا، ہمارے عالم اور ہم سب میں افضل تھے۔

معاذ بن معاذ کا بیان ہے کہ سوار بن عبد اللہ کہتے تھے کہ میں نے کسی کو ربیعہ رائے سے بڑا عالم نہیں دیکھا۔ میں نے ان سے پوچھا، حسن اور ابن سیرین کو بھی نہیں۔ انہوں نے کہا، حسن اور

۱۔ تاریخ بغداد۔ جلد ۸۔ ص ۲۲۲ ۲۔ تہذیب التہذیب۔ جلد ۲۔ ص ۲۵۹ ۳۔ ایضاً تہذیب التہذیب۔

جلد ۳۔ ص ۲۵۸ ۴۔ تاریخ خطیب۔ جلد ۸۔ ص ۲۲۳ ۵۔ تاریخ خطیب۔ جلد ۸۔ ص ۲۲۳

ابن سیرین کو بھی نہیں۔^۱ یحییٰ بن سعید انصاری اگرچہ ربیعہ کے خوشہ چینوں میں تھے لیکن عمر میں اُن کے برابر تھے اور صاحب درس و افتاء تھے، لیکن ربیعہ کی موجودگی میں درس نہیں دیتے تھے۔^۲

معاصرین تو پھر بھی برابر کے لوگ تھے، ربیعہ کے شیوخ تک ان کی وسعت علم کے قائل تھے، چنانچہ قاسم بن محمد سے جو ان کے شیوخ میں ہیں جب کوئی مسئلہ پوچھا جاتا تو اگر قرآن و حدیث میں اس کا جواب مل جاتا تو وہ خود بتا دیتے ورنہ سائل کو ربیعہ کے پاس بھیج دیتے۔^۳

زہد و عبادت: اس علم کے ساتھ وہ بڑے عابد و زاہد تھے ابن زید کا بیان ہے کہ ربیعہ بن ابی عبد الرحمن ایک مدت دراز تک عبادت گزار رہے، رات دن نمازیں پڑھتے تھے لیکن پھر جب انہوں نے علمی مجلسوں میں شرکت شروع کی اس وقت ان کا یہ رنگ قائم نہ رہ سکا۔^۴

بے نیازی: ربیعہ زرو مال کی جانب سے بڑے بے نیاز تھے سلاطین اور خلفاء تک کا احسان اٹھانا پسند نہ کرتے تھے، ایک مرتبہ وہ سفاح عباسی کے پاس غالباً عہدہ قضاء کے سلسلے میں ابنار گئے سفاح نے بطور نذر ایک رقم پیش کی ربیعہ نے اسے قبول نہ کیا ان کے انکار پر سفاح نے لونڈی کی خریداری کے نام سے پانچ ہزار کی رقم دینی چاہی انہوں نے اسے بھی نہیں لیا۔^۵

فیاضی: لیکن اپنے مال میں بڑے فیاض و سیرچشم تھے اور ان کے مال دوسروں کے لئے وقف تھا ابن زید کا بیان ہے کہ مدینہ میں ربیعہ سے زیادہ دوستوں، دوست کے لڑکوں اور عام سائلین کے لئے اپنے مال میں فیاض نہ تھا۔^۶

گویائی کا لطیفہ: ربیعہ بڑے گویا اور لسان تھے کہا کرتے تھے کہ خاموش آدمی خواب آور گونگے پن کی حالت میں ہوتا ہے وہ ہر وقت باتیں کیا کرتے تھے ایک دن حسب معمول اپنی مجلس میں باتوں کی پھلجھڑی چھوڑ رہے تھے کہ ایک اعرابی آیا اور دیر تک خاموشی کے ساتھ ان گلفشانیوں کو سنتا رہا، ربیعہ سمجھے کہ وہ ان کی باتوں سے مسحور ہو رہا ہے اعراب کی فصاحت و بلاغت مشہور و مسلم ہے، ربیعہ نے غالباً داد لینے کے لئے اس سے سوال کیا کہ تم لوگوں کے نزدیک بلاغت کی کیا تعریف ہے؟ اس نے جواب دیا اُدائے معنی کے ساتھ الفاظ میں اختصار، ربیعہ نے پوچھا اور بحز بیان کس کہتے ہیں اعرابی نے جواب دیا جس میں تم مبتلا ہو یہ پر لطف جواب سن کر ربیعہ سخت شرمندہ ہوئے۔^۷

۱۔ تاریخ خطیب۔ جلد ۸۔ ص ۲۷۰ ایضاً ۲۷۱ ایضاً ۲۷۲ ایضاً۔ ص ۲۷۳

۲۔ ابن خلکان۔ جلد اول۔ ص ۸

۳۔ ایضاً۔ ص

وفات : ربیعہ کے سند وفات اور جائے وفات دونوں کے بارے میں دو بیانات ہیں۔ سنہ کے بارہ میں یہ اختلاف ہے کہ ۱۳۰ھ یا ۱۳۶ھ میں وفات پائی۔ جائے وفات کے بارے میں یہ اختلاف ہے کہ ایک بیان کے مطابق انبار میں اور دوسرے بیان کے مطابق مدینہ الرسول میں انتقال کیا۔ ۱۳۶ھ والی روایت زیادہ مستند ہے^۱۔

(۲۳) رجاء بن حیوۃؓ

نام و نسب : رجاء نام، ابو نصر کنیت، نسب نامہ یہ ہے رجاء بن حیوۃ بن جروہ بن الاحنف ابن السمط بن امرؤ القیس بن عمرو الکندی اردنی رجاء کے دادا جروہ صحابی تھے۔

فضل و کمال : فضل و کمال کے اعتبار سے رجاء شام کے اکابر علماء میں تھے۔ علامہ ابن سعد لکھتے ہیں، کان ثقة عالما فاضلا کثیر العلم^۲۔ علامہ نووی لکھتے ہیں، ان کی جلالت اور ان کی شخصی اور علمی فضیلت پر سب کا اتفاق ہے^۳۔

حدیث : آپ حدیث اور فقہ دونوں میں یکساں کمال رکھتے تھے، حافظ ذہبی انہیں امام اور شیخ اہل الشام لکھتے ہیں^۴۔ مطر الو راق کہتے تھے کہ رجاء بن حیوۃ سے افضل شامی اور ان سے زیادہ روایات میں رفیقہ شخص سے نہیں ملا^۵۔ عبد اللہ بن عمرو بن العاص، عدی عمیرہ، عبادہ بن صامت، عبد الرحمن بن غنم، معاویہ نو اس بن سمعان، ابودرداء، ابوسعید، خدری، ابوامامہ، مسور بن مخرمہ، قبیصہ بن ذویب، ابو صالح السمان اور وراد کاتب وغیرہ سے سماع حدیث کیا تھا، اور عدی بن عدی، ابن عجلان، ثور بن یزید ابن عون، مطر الو راق، زہری، محمد بن حجاج اور حمید الطویل وغیرہ آپ کے زمرہ تلامذہ میں ہیں^۶۔

روایت میں الفاظ کی پابندی :

روایت حدیث میں محتاط تھے۔ حدیثوں کو الفاظ کی پابندی کے ساتھ روایت کرتے تھے^۷۔
فقہ : حدیث سے زیادہ فقہ میں ان کو دستگاہ تھی، مطر الو راق کہتے تھے کہ میں نے کسی شامی کو ان سے زیادہ فقیہ نہیں دیکھا^۸۔ ابن حبان انہیں فقہائے شام میں لکھتے ہیں^۹۔ ان کے تفقہ کی ایک سند یہ بھی ہے کہ وہ منصب قضاء پر ممتاز تھے^{۱۰}۔

۱۔ تاریخ خطیب۔ جلد ۸۔ ص ۴۲۶ ۲۔ ابن سعد۔ جلد ۷۔ ق ۲۔ ص ۱۶۱ ۳۔ تہذیب الاسماء۔ جلد اول۔ ص ۱۹۰
 ۴۔ تذکرۃ الحفاظ۔ جلد اول۔ ص ۱۰۴ ۵۔ تہذیب التہذیب۔ جلد ۳۔ ص ۲۶۵ ۶۔ ایضاً۔ ص ۲۶۵
 ۷۔ ابن سعد۔ جلد ۳۔ ق ۲۔ ص ۱۶۱ ۸۔ تذکرۃ الحفاظ۔ جلد اول۔ ص ۱۰۵ ۹۔ تہذیب التہذیب۔ جلد ۱۔ ص ۲۶۶
 ۱۰۔ تہذیب الاسماء۔ جلد اول۔ ص ۹۰

علماء میں رجاء کا درجہ :

اپنے ہمعصر علماء میں ممتاز درجہ رکھتے تھے، اس عہد کے تمام علماء ان کے کمالات علمی کے معترف تھے، مکحول جو شام کے بڑے نامور عالم تھے، ان کو اپنا شیخ اپنا آقا اور سارے اہل شام کا سردار کہتے تھے۔ ان کی موجودگی میں مکحول خود کسی مسئلہ کا جواب نہ دیتے تھے۔ موسیٰ بن یسار کا بیان ہے کہ ایک شخص نے مکحول سے مسجد میں کوئی مسئلہ پوچھا انہوں نے اس سے کہا ہمارے شیخ اور ہمارے سردار رجاء بن حیوۃ سے پوچھو۔ ابن عونؒ کہتے تھے کہ رجاء کا مثل شام میں نہیں دیکھا، ابن سیرین کا مثل عراق میں اور قاسم کی مثل حجاز میں نہیں دیکھا۔

زہد و عبادت :

اس علم کے ساتھ وہ بڑے عابد و زاہد تھے، ابن حیان لکھتے ہیں کہ وہ شام کے عبادت گزار اور زاہد لوگوں میں تھے ان کے زہد و تقویٰ کی وجہ سے مسلمہ بن عبد الملک کہتا تھا کہ کندہ کے تین آدمیوں کے طفیل میں خدا پانی برساتا ہے اور دشمنوں پر مدد دیتا ہے ان میں ایک رجاء ہیں۔

امراء سے استغناء :

اس زہد و تقویٰ کی وجہ سے وہ امراء اور سلاطین سے ہمیشہ بے نیاز رہے اور کسی کے آستانہ پر حاضری نہیں دی، ایک مرتبہ ان سے کسی نے پوچھا کہ آپ حاکم وقت کے پاس کیوں نہیں جاتے، جواب دیا میرے لئے اس رب العالمین کی ذات کافی ہے۔ جس کے لئے میں نے ان کو چھوڑا ہے۔

ایک اہم کارنامہ :

ان کا سب سے اہم کارنامہ اور سب سے بڑی مذہبی خدمت یہ ہے کہ انہی نے سلیمان بن عبد الملک کو عمر بن عبد العزیزؒ کو خلیفہ بنانے کا مشورہ دیا۔ اس لئے الداعی الی الخیر کفلاء کے مطابق وہ بھی اس کار خیر میں شریک ہیں۔

وفات : ۱۱۳ھ میں وفات پائی۔

حلیہ : آخر عمر میں سر اور داڑھی کے بال سپید ہو گئے تھے، سر میں خضاب لگاتے تھے، اور داڑھی کو نورانی چھوڑ دیا تھا۔

۱۔ تہذیب التجزئہ - ج ۳ - ص ۲۱۱
۲۔ ایضاً
۳۔ تذکرۃ الخلفاء - ج ۱ - ص ۱۰۵
۴۔ تہذیب التجزئہ - ج ۳ - ص ۲۱۱
۵۔ تذکرۃ الخلفاء - ج ۱ - ص ۱۰۵
۶۔ ایضاً

(۲۴) زر بن حبیشؓ

نام و نسب: زرتام، ابو مریم کنیت، نسباً اسدی تھے، نسب نامہ یہ ہے، زر بن حبیش بن حباشہ ابن اوس بن بلال اسدی۔

فضل و کمال: زر خضریٰ تھے، یعنی انہوں نے جاہلیت اور اسلام دونوں کا زمانہ پایا تھا، اس لیے ان کو کبار صحابہ کی صحبت کا موقع ملا، ان کے فیض نے انہیں خلیل القدر تابعی بنا دیا، امام نووی لکھتے ہیں کہ وہ کبار تابعین میں تھے، ان کی توثیق و جلالت پر سب کا اتفاق ہے^۱۔ حافظ ذہبی ان کو امام اور قد وہ لکھتے ہیں^۲۔

قرآن: قرآن کے ممتاز قاری اور عالم تھے، حافظ ابن عبد البر لکھتے ہیں، کان عالماً بالقرآن قارئاً فاضلاً^۳۔ قرآن کا درس بھی دیتے تھے، عاصم بن بہدلہ انہی کے حلقہ درس کے فیض یافتہ تھے^۴۔

حدیث: حدیث کے بڑے حافظ تھے، علامہ ابن سعد لکھتے ہیں کان ثقتہ کثیر الحدیث^۵۔ حافظ ذہبی ائمہ حفاظ میں لکھتے ہیں، حدیث میں انہوں نے حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ، ابوذرؓ، عبد اللہ بن مسعودؓ، عبد الرحمن بن عوفؓ، عباس بن مطلبؓ، سعید بن زیدؓ، جزیفہ بن یمانؓ، ابی ابن کعبؓ وغیرہ جیسے اکابر صحابہ سے روایتیں کی ہیں۔

حضرت ابراہیم نخعیؓ، عاصم بن بہدلہؓ، منہال بن عمروؓ، عیسیٰ بن عاصمؓ، عدی بن ثابتؓ، امام شعبیؓ، زبید الیسامیؓ اور ابو اسحق شیبانیؓ وغیرہ آپ کے خوشہ چینوں میں تھے^۶۔

ادب: مذہبی علوم کے علاوہ زر عربی زبان کے بھی بڑے فاضل تھے، اس میں حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ جیسے بزرگ ان سے استفادہ کرتے تھے^۷۔

اختلاف رائے کے ساتھ اتحاد عمل:

ان لوگوں کے لئے جن کی زبانیں ادنیٰ ادنیٰ اختلاف پر آپس میں تیر و نشتر چلاتی ہیں، بلکہ اس سے بھی بڑھ کر جنگ و جدال تک نوبت آ جاتی ہے۔ ان بزرگوں کا یہ نمونہ قابل تقلید ہے کہ اختلاف مسلک کے باوجود بشرطیکہ اس کا تعلق اصول اسلام سے نہ ہوتا تو سب دشمن کجا اس کا اثر ان کے

۱۔ تہذیب الاماء۔ جلد اول۔ ص ۱۹ ۲۔ تذکرۃ الحفاظ۔ جلد اول۔ ص ۴۹ ۳۔ استیعاب۔ جلد اول۔ ص ۲۱۴

۴۔ تذکرۃ الحفاظ۔ جلد ۶۔ ص ۷۱ ۵۔ ابن سعد۔ جلد ۶۔ ص ۱۰۱ ۶۔ تہذیب

۷۔ تہذیب۔ جلد ۳۲۱ ص ۱۷۱ تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۴۹

تعلقات تک پر نہ پڑتا، اور ایک دوسرے کا احترام میں سر مو فرق نہ آنے دیتے، زرعلوی تھے اور ایک دوسرے تابعی ابو وائل عثمانی دونوں ایک ساتھ اٹھتے بیٹھتے تھے، اور باہم اس اختلاف مسلک کا تذکرہ تک نہ کرتے تھے، دونوں ایک ہی مسجد میں نماز پڑھتے تھے، ابو وائل زر کا بڑا احترام کرتے تھے۔

تو بین مذہب پر غیظ و غضب :

لیکن اگر کسی چیز میں کسی دینی شعار کی تو بین کا ادنیٰ شائبہ بھی نکلتا تو یہ مصالحت اور درگزر غیظ و غضب میں بدل جاتا تھا، ایک مرتبہ ذرا اذان دے رہے تھے، ایک انصاری کا ادھر سے گزر رہا اس نے کہا ابو مریم میں تم کو اس سے بالاتر سمجھتا تھا، اذان کی یہ تو بین سن کر انہوں نے کہا جب تک میں زندہ رہوں گا تم سے ایک لفظ نہ بولوں گا۔

وفات : زرنے بڑی طویل عمر پائی۔ آخر عمر میں اعضاء میں رعشہ پیدا ہو گیا تھا۔ باختلاف روایت ۸۱ھ یا ۸۲ھ یا ۸۳ھ میں وفات پائی۔ وفات کے وقت ۱۲۲ سال کی عمر تھی۔

(۲۵) زید بن اسلمؓ

نام و نسب : زید نام ہے، ابو اسامہ کنیت۔ حضرت عمرؓ کی غلامی کا شرف رکھتے تھے۔

فضل و کمال : زید اس بزرگ اور محترم ہستی کے غلام تھے۔ جس کے ادنیٰ صحبت یافتہ علم و عمل کے پیکر بن گئے۔ زید تو خاص غلاموں میں سے تھے، انہوں نے آقا سے زیادہ آقا زادہ یعنی حضرت عبداللہؓ کے سرچشمہ علم سے فیض حاصل کیا۔ ان کے فیض صحبت نے زید کو دولت علم سے مالا مال کر دیا تھا، اور ان کا شمار علماء مدینہ میں ہونے لگا تھا۔

تفسیر قرآن : زید کو قرآن حدیث، فقہ، جملہ مذہبی علوم میں پورا درک تھا، وہ قرآن کی تفسیر کے بڑے عالم تھے۔ ابن حجر لکھتے ہیں، کان عالما بتفسیر القرآن۔

حدیث : حدیث میں بھی ان کے علم کا دائرہ وسیع تھا، علامہ ابن سعد لکھتے ہیں، کان ثقہ کثیر الحدیث۔ صحابہ میں انہوں نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ، انس بن مالکؓ، جابر بن عبداللہؓ، عائشہ صدیقہ، ربیعہ بن عبادہ وائلؓ، سلمہ بن اکوعؓ، اور تابعین میں ابوصالح الحسان عطاء بن یسارؓ،

۱۔ ابن سعد۔ جلد ۶۔ ص ۷۱ ۲۔ تہذیب التہذیب۔ جلد ۳۔ ص ۳۲۲ ۳۔ ابن سعد۔ جلد ۶۔ ص ۷۱

۴۔ تہذیب التہذیب۔ جلد ۳۔ ص ۳۲۲ ۵۔ تہذیب التہذیب۔ جلد ۳۔ ص ۳۹۶ ۶۔ ایضاً

۷۔ ایضاً۔ بحوالہ ابن سعد

حمران علی بن حسین، بسر بن سعید، اعرج، عبدالرحمن بن وعلہ، عبدالرحمن بن سعید، قعقاع بن حکیم، اور عیاض، ابن عبداللہ بن سعد وغیرہ سے سماع کیا تھا^۱۔

ان کے لڑکے عبداللہ، عبدالرحمن اور اسامہ، مالک بن انس، ابن عجلان، ابن جریج، سلمان بن بلال، حفص بن میسرہ، داؤد بن قیس، الفراء، ایوب سختیانی، جریر بن حازم، عبید اللہ بن عمر، ابن اسحاق، محمد بن جعفر بن ابی کثیر وغیرہ ان کے تلامذہ میں تھے^۲۔

فقہ : فقہ میں خصوصیت کے ساتھ زیادہ درک تھا، حافظ ذہبی، امام نووی، حافظ ابن حجر سب ان کو بالا تفاق فقیہ مدینہ لکھتے ہیں^۳۔

حلقہ درس : مسجد نبوی میں زید کا حلقہ درس تھا جس میں بڑے بڑے فقہاء اور اکابر مدینہ شریک ہوتے تھے، اعرج اس حلقہ کے ایک رکن تھے، بیان ہے کہ زید بن اسلم کے حلقہ درس میں چالیس بڑے بڑے فقہاء شریک ہوتے تھے، ان میں باہم اتنی ہمدردی تھی کہ ہر شخص کا مال دوسرے کی ضرورت کے لئے وقف تھا، اس درس میں ایسی حدیثوں پر بحث و مباحثہ میں وقت ضائع نہیں کیا جاتا تھا، جس میں کوئی افادی پہلو نہ ہو^۴۔

امام زین العابدین اپنے خاندانی حلقہ کو چھوڑ کر اس حلقہ میں شریک ہوتے تھے نافع بن جبیر نے ان پر اعتراض کیا کہ آپ اپنی خاندانی مجلس کو چھوڑ کر ابن خطاب کے غلام کے درس میں شریک ہوتے ہیں، آپ نے جواب دیا آدمی اسی مجلس میں شریک ہوتا ہے، جس سے اس کے دین کو کوئی فائدہ پہنچتا ہو^۵۔

وقار و ہیبت : زید اگرچہ غلام تھے، لیکن ان کی علمی جلالت کی وجہ سے سب پر ان کی ہیبت چھائی رہتی تھی، مالک بن عجلان بیان کرتے ہیں کہ مجھ پر کسی کا اتنا رعب نہ تھا، جس قدر زید ابن اسلم کا، ہیبت سے لوگوں کو سوال کرنے اور پوچھنے تک کی ہمت نہ پڑتی تھی، جب ان کا دل چاہتا خود سے حدیثیں بیان کرتے۔ جب خاموش ہو جاتے تو پھر کسی کو سوال کرنے کی ہمت نہ ہوتی^۶۔

محبوبیت : اس ہیبت کے ساتھ ان کو بڑی محبوبیت اور مقبولیت حاصل تھی، وہ لوگوں کے محبوب القلوب تھے، ان کے صاحبزادے عبدالرحمن کا بیان ہے کہ میرے والد کبھی کبھی مجھ کو اپنے کسی ہم جلس

۱۔ تہذیب المعتمدیہ۔ جلد ۳۔ ص ۳۹۵ و تہذیب الاسماء ۲۔ تہذیب المعتمدیہ۔ جلد ۳۔ ص ۳۹۵

۳۔ تذکرۃ الحفاظ۔ جلد اول۔ ص ۱۱۸ و تہذیب المعتمدیہ حوالہ مذکور ۴۔ تہذیب الاسماء۔ جلد اول۔ ق اول۔ ص ۲۰۰

۵۔ تذکرۃ الحفاظ۔ جلد ۱۔ ص ۱۱۹ ۶۔ تہذیب المعتمدیہ۔ جلد ۳۔ ص ۳۹۶

کے پاس کام سے بھیج دیتے تھے۔ یہ میرا سر چومتے اور سہلا کر کہتے، خدا کی قسم تمہارے والد مجھے میری اولاد اور میرے گھر والوں سے بھی زیادہ محبوب ہیں، اگر خدا ان دونوں میں سے کسی ایک کو اٹھانا چاہے اور ہم کو انتخاب کا اختیار دے تو ہم زید کی زندگی اور سلامتی کے مقابلہ میں اپنی اولاد اور اپنے اہل و عیال کا اٹھ جانا پسند کریں گے۔ ابو حازم دعا کیا کرتے تھے کہ خدایا مجھے زید کی موت کا دن نہ دکھانا۔ ان کے سوا میری ذات اور میرے مذہب کے لئے کوئی پسندیدہ اور نفع بخش باقی نہیں رہا ہے۔^۱

اخلاق : علمی کمالات کے ساتھ زید اخلاقی فضائل سے بھی آراستہ تھے، امام نووی لکھتے ہیں کہ وہ صالح تابعی تھے۔^۲ ان کو ایک نظر دیکھ لینے سے عبادت کی قوت پیدا ہوتی تھی، ابو حازم کہتے تھے، خدایا تو خوب جانتا ہے کہ میں زید کو اس لئے دیکھتا ہوں کہ اُن کو دیکھنے سے تیری عبادت کی طاقت آتی ہے۔ جب ان کی نظر کا یہ اثر ہے تو ان سے ملاقات اور گفتگو کا کیا اثر ہوگا۔^۳

وفات : ۳۲ھ میں انتقال کیا۔

(۲۶) سالم بن عبد اللہؓ

نام و نسب : سالم نام ہے۔ ابو عمر کنیت۔ حضرت عمرؓ کے نامور فرزند حضرت عبد اللہ کے خلف الصدق تھے۔ دھیال کی طرح ان کا انھیال بھی روشن و تاباں تھا۔ حضرت عمرؓ کے عہد خلافت میں یزدگرد شاہنشاہ ایران کی جو لڑکیاں گرفتار ہوئی تھیں، ان میں سے ایک عبد اللہ کو دی گئی تھی۔ سالم اسی کے بطن سے تھے، اس طرح ان کی رگوں میں ایران کے شاہی خاندان کا خون بھی شامل تھا۔^۴

فضل و کمال : سالم کے والد حضرت عبد اللہؓ ان بزرگوں میں سے تھے جو علم و عمل کا پیکر اور زہد و ورع کی تصویر تھے، ان کی تعلیم و تربیت نے انہیں بھی اپنا شئی بنادیا تھا، ارباب سیر کا متفقہ بیان ہے کہ عمرؓ کی تمام اولادوں میں سب سے زیادہ ان سے مشابہ عبد اللہ تھے، اور عبد اللہ کی اولادوں میں اُن کے مشابہ سالم تھے۔^۵ اس طرح سالم کو یا عمر فاروق کا نقشِ ثانی تھے۔

ان کا شمار مدینہ کے ان تابعین میں تھا جو اقلیم و عمل دونوں کے فرماں روا تھے۔ علامہ ذہبی لکھتے ہیں کہ سالم فقیہ، حجت اور ان مخصوص علماء میں تھے جن کی ذات علم و عمل دونوں کی جامع تھی۔^۶

۱۔ تہذیب الجہد۔ جلد ۳۔ ص ۳۹۶ ۲۔ تذکرۃ الحفاظ۔ جلد ۱۔ ص ۱۸ ۳۔ تہذیب الامم جلد اول۔ ج ۱۔ ص ۳۹

۴۔ ایضاً ۵۔ تہذیب الجہد۔ جلد ۳۔ ص ۲۳۸ ۶۔ ابن سعد۔ جلد ۵۔ ص ۱۳۵

۷۔ تذکرۃ الحفاظ۔ جلد اول۔ ص ۷۷

امام نووی لکھتے ہیں کہ سالم کی امامت، جلالت، زہد و ورع اور علوئے مرتبت پر سب کا اتفاق ہے^۱۔
تفسیر: تفسیر، حدیث، فقہ، جملہ فنون میں ان کو یکساں درک تھا، لیکن شدت احتیاط کی وجہ سے قرآن کی تفسیر نہ بیان کرتے تھے^۲۔ اسی لئے مفسر کی حیثیت سے انہوں نے کوئی خاص شہرت نہیں حاصل کی۔

حدیث: حضرت عبداللہ بن عمرؓ حدیث کے رکن اعظم تھے۔ سالم نے زیادہ تر انہی کے خرمن سے خوشہ چینی کی تھی، ان کے علاوہ اکابر صحابہ میں ابو ہریرہؓ، ابوالیوب انصاریؓ اور عائشہؓ صدیقہ وغیرہ سے بھی استفادہ کیا تھا^۳۔ ان بزرگوں کے فیض سے ان کا دامن علم نہایت وسیع ہو گیا تھا۔ علامہ ابن سعد لکھتے ہیں کہ سالم ثقہ، کثیر الحدیث اور عالی مرتبہ لوگوں میں تھے^۴۔

تلامذہ: حدیث میں عمرو بن دینار، امام زہری، موسیٰ بن عقبہ، حمید الطویل، صالح بن کیسان عبید اللہ بن عمرو بن حفص، ابو واقد لیثی، عاصم بن عبداللہ، عبداللہ بن ابی بکر، اور ابو قلابہ جرمی جیسے اکابر محدثین ان کے تلامذہ میں تھے^۵۔

فقہ: سالم کا خاص اور امتیازی فن فقہ تھا، اس میں وہ امامت کا درجہ رکھتے تھے، بعض آئمہ جن میں ایک ابن مبارک بھی ہیں ان کو مدینہ کے مشہور سات فقہا میں شمار کرتے تھے^۶۔ گوساتویں فقیہ کی تعیین میں اختلاف ہے، مختلف اشخاص نے اپنی اپنی نظر و بصیرت کے مطابق مختلف نام لئے ہیں۔ لیکن ہر سال اس زمرہ میں سالم کا نام بھی لیا جاتا ہے ان کے فقہی کمالات کی سب سے بڑی سند یہ ہے کہ مدینہ کی صاحب افتاء جماعت کے وہ ممتاز رکن تھے^۷۔

زہد و تقویٰ: سالم علم کے ساتھ عمل کے بھی اسی درجہ پر تھے، امام مالک فرماتے تھے کہ سالم کے زمانہ میں ان سے زیادہ زہد و ورع میں سلف صالحین سے مشابہ کوئی نہ تھا^۸۔ امام نووی اور حافظ ذہبی وغیرہ جملہ ارباب سیر ان کے زہد و ورع پر متفق البیان ہیں۔

صحت عقیدہ: عقائد میں وہ سلف صالحین کے سادہ اور بے آمیز عقیدہ کے پابند تھے اور بعد میں جو نکتہ آفرینیاں ہوئیں انہیں سخت ناپسند کرتے تھے، چنانچہ قدریوں پر جو قدر کی بنا پر خیر و شر کا عقیدہ رکھتے ہیں لعنت بھیجتے تھے^۹۔

۱۔ تہذیب الاسماء۔ جلد اول۔ ق اول۔ ص ۲۷ ۲۔ ابن سعد۔ جلد ۵۔ ص ۱۳۸ ۳۔ تہذیب المعجم۔ جلد ۳۔ ص ۳۳۸ ۴۔ ابن سعد۔ جلد ۵۔ ص ۱۳۵ ۵۔ تہذیب المعجم۔ جلد ۳۔ ص ۳۳۷ ۶۔ تہذیب الاسماء۔ جلد اول۔ ق اول۔ ص ۲۰۸ ۷۔ اعلام الموقعین۔ جلد ۱۔ ص ۲۵ ۸۔ تذکرۃ الحفاظ۔ جلد ۱۔ ص ۷۷ ۹۔ ابن سعد۔ جلد ۵۔ ص ۱۳۸

رتبیل کے حدود حکومت میں پہنچ کر بہت سے علاقوں کو فتح کر لیا، اور مزید پیش قدمی ایک سال کے لئے روک کر حجاج کو اس کی اطلاع دے دی۔ حجاج رتبیل سے بہت برا فرد خستہ تھا، اس لئے اس نے لکھا کہ یہ آرام کا موقع نہیں ہے، میرا حکم پہنچتے ہی فوراً پیش قدمی شروع کر دو، اور اگر تم سے یہ کام نہیں ہو سکتا تو فوج کی کمان اپنے بھتیجے اسحاق کے سپرد کر دو۔ ابن اشعث نے مصلحتاً پیش قدمی روکی تھی، اس لئے وہ اس حکم پر بگڑ گیا، اور رتبیل سے مصالحت کر کے حجاج کے خلاف اٹھ کھڑا ہوا۔

فوج تمام تر عراقی تھی جو حجاج کے مظالم سے پہلے سے برہم تھی، اس لئے اس نے ابن اشعث کا پورا ساتھ دیا اور رفتہ رفتہ حجاج کی مخالفت نے عبدالملک کی مخالفت کی شکل اختیار کر لی۔ ابن جبیر نے بھی ابن اشعث کا ساتھ دیا۔ ابن اشعث سیرستان سے عراق پہنچا، حجاج بھی مقابلہ کے لئے نکلا دونوں میں مہینوں جنگ جاری رہی، اور ابن اشعث نے عراق کے بڑے حصہ پر قبضہ کر لیا۔ اس مخالفت میں کوفہ کے بہت سے علماء اور فراء بھی ابن اشعث کے ساتھ ہو گئے۔

حضرت ابن جبیر اس جماعت کے سرگرم تھے، اور میدان جنگ میں لوگوں کو حجاج اور بنی امیہ کے خلاف یہ کہہ کر ابھارتے تھے کہ ان کی ظالمانہ حکومت ان کی بے دینی، خدا کے بندوں پر ان کے مظالم، نمازوں میں تاخیر اور مسلمانوں کی تذلیل و تحقیر پر ان کا مقابلہ کرو۔

لیکن اس جوش مخالفت میں بھی حق کا دامن ہاتھ سے نہ چھوٹا تھا، ایک غلام زبیر قان اسدی کا آقا حجاج کے حامیوں میں تھا۔ غلام مذکور نے ابن جبیر سے پوچھا ایسی حالت میں کہ میرا آقا حجاج کے ساتھ ہے، اگر میں ابن اشعث کے ساتھ ہو جاؤں اور لڑ کر جان دے دوں تو مجھ پر اس کا مواخذہ تو نہ ہوگا، ابن جبیر نے جواب دیا تم مت لڑو اگر تمہارا آقا یہاں موجود ہوتا تو تم کو لے کر حجاج کی طرف سے لڑتا۔

شکست اور گرفتاری :

اگرچہ ابتداء میں ابن اشعث کی قوت نہایت مضبوط تھی۔ اور اس نے عراق کا بڑا حصہ فتح کر لیا تھا۔ لیکن اس مخالفت میں اس نے حکومت کو بھی شامل کر لیا تھا۔ اس لئے زیادہ دنوں تک مقابلہ دشوار تھا، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ دیر جماعہ کے معرکہ میں اس کو نہایت فاش شکست ہوئی اس کی قوت بالکل پاش پاش ہو گئی، اور وہ شکست کھا کر سیرستان بھاگ گیا۔

اس شکست کے بعد ابن جبیر مکہ چلے آئے۔ یہاں کے والی خالد بن عبداللہ قسری نے انہیں گرفتار کر کے حجاج کے پاس بھجوا دیا۔ وہ ان سے خار کھائے ہوئے تھا، اس لئے انہیں دیکھتے ہی اس کی آنکھوں میں خون اُتر آیا۔ اور دونوں میں حسب ذیل مکالمہ ہوا :

حجاج تمہارا کیا نام ہے۔؟

ابن جبیر سعید بن جبیر۔

حجاج نہیں بلکہ اس کے برعکس شقی بن کسیر۔

ابن جبیر میری ماں تم سے زیادہ میرے نام سے واقف تھی۔

حجاج تمہاری ماں بھی بد بخت تھی اور تم بھی بد بخت ہو۔

ابن جبیر غیب کا علم دوسری ذات کو ہے۔

حجاج میں تمہاری دنیا کو دہکتی ہوئی آگ سے بدل دوں گا۔

ابن جبیر اگر مجھ کو یقین ہوتا کہ یہ تمہارے اختیار میں ہے تو میں تم کو معبود بنا لیتا۔

حجاج محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے۔؟

ابن جبیر وہ امام ہدیٰ اور بنی رحمت تھے۔

حجاج علیؑ اور عثمانؓ کے بارے میں کیا رائے ہے، وہ جنت میں ہیں یا دوزخ میں۔؟

ابن جبیر اگر میں وہاں گیا ہوتا، اور وہاں کے رہنے والوں کو دیکھا ہوتا تو بتا سکتا تھا۔

(غیب کے سوال کا میں کیا جواب دے سکتا ہوں)

حجاج خلفاء کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے ؟

ابن جبیر میں ان کا وکیل نہیں ہوں۔

حجاج ان میں سے تم کس کو زیادہ پسند کرتے ہو ؟

ابن جبیر جو میرے خالق کے نزدیک سب سے زیادہ پسندیدہ تھا۔

حجاج خالق کے نزدیک کون سب سے پسندیدہ تھا ؟

ابن جبیر اس کا علم اس ذات کو ہے جو بھیدوں اور ان کی پوشیدہ باتوں کو جانتا ہے۔

حجاج عبدالملک کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے۔؟

ابن جبیر تم ایسے شخص کے متعلق کیا پوچھتے ہو جس کے گناہوں میں سے ایک گناہ تمہارا وجود ہے۔

گوشت بہت کم کھاتے تھے، اور لوگوں کو منع کرتے تھے کہ گوشت کم کھایا کرو اس میں شراب جیسی تیزی ہوتی ہے۔^۱

لیکن اس غذا کے باوجود جسم نہایت تروشا داب تھا، ایک مرتبہ ہشام نے حج کے موقع پر جب کہ لباس میں صرف احرام ہوتا ہے، ان کے جسم کی تازگی دیکھ کر پوچھا ابو عمیر کیا کھاتے ہو انہوں نے کہا روٹی اور روغن زیتون، اس نے کہا یہ غذا کیسے کھائی جاتی ہے فرمایا اسے ڈھک کر رکھ دیتا ہوں جب بھوک معلوم ہوتی ہے اس وقت کھا لیتا ہوں۔^۲

اولاد : اپنے بعد کئی اولادیں یادگار چھوڑیں، عمر، ابوبکر، عبداللہ، عاصم، جعفر، عبدالعزیز، فاطمہ اور حفصہ۔

(۲۷) سعید بن جبیرؓ

نام و نسب : سعید نام، ابو عبداللہ کنیت، بنی والہ بن حارث اسدی کے غلام تھے، اس نسبت سے وہ والہی کہلاتے تھے، ان کا شمار ان تابعین میں ہے، جو علم و عمل کے مجمع البحرین تھے۔

فضل و کمال :

حضرت سعید کا آغاز اگرچہ غلامی سے ہوا، لیکن آگے چل کر وہ اقلیم علم کے تاجدار بنے حافظ ذہبی انہیں علمائے اعلام میں لکھتے ہیں۔^۳ امام نووی کا بیان ہے کہ سعید تابعین کے ائمہ کبار میں تھے، تفسیر، حدیث، فقہ، عبادت، اور زہد و رِع جملہ کمالات میں وہ کبار آئمہ اور سرگردہ تابعین میں تھے۔^۴

تعلیم : سعید نے گواں زمانہ میں ہوش سنبھالا، جب اکابر صحابہ کی بڑی تعداد اٹھ چکی تھی، پھر بھی باقیات صالحات میں عبداللہ بن عمرؓ، عبداللہ بن عباسؓ، عبداللہ بن زبیرؓ، ابو سعید خدریؓ، ابو ہریرہؓ، عائشہ صدیقہؓ اور انس بن مالکؓ وغیرہ علمائے صحابہ موجود تھے، سعید بن جبیر ان کے فیضان علم سے پورے طور سے مستفید ہوئے۔^۵ خیر الامۃ عبداللہ بن عباس کے خرمین کمال سے خصوصیت کے ساتھ زیادہ خوشہ چینی کی تھی۔^۶

۱۔ ابن خلکان۔ جلد اول۔ ص ۱۹۸ ۲۔ ابن سعد۔ جلد اول۔ ص ۱۳۸ ۳۔ تذکرۃ الحفاظ۔ جلد اول۔ ص ۶۵

۴۔ تہذیب الاسماء۔ جلد اول۔ ق اول۔ ص ۲۱۶ ۵۔ تہذیب التہذیب۔ جلد ۳۔ ص ۱۱

۶۔ ابن خلکان۔ جلد اول۔ ص ۲۰۴

حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا حلقہ درس اتنا وسیع اور جامع تھا کہ اس میں قرآن تفسیر، حدیث فقہ، فرائض ادب و انشاء اور شعر و شاعری جملہ علوم و فنون کا دریا بہتا تھا^۱۔ سعید بن جبیر اس بحر بے کراں سے زیادہ سیراب ہوئے۔ وہ نہایت پابندی سے اس حلقہ میں شریک ہوتے تھے۔

ان کے تعلیم حاصل کرنے کا یہ طریقہ تھا کہ باہر کے سائلین جو سوالات کرتے تھے اور جو مسائل پوچھتے تھے اور ابن عباس ان کے جو جوابات دیتے تھے، سعید خاموشی کے ساتھ ان کو سنا کرتے تھے اور کبھی کبھی خود بھی کچھ پوچھ لیتے تھے۔ ان سوالات میں حدیثیں بھی ہوتی تھیں اور فقہ کے مسائل بھی ہوتے تھے لیکن انہیں قلمبند کرنے کے بارہ میں ابن عباسؓ کی ممانعت تھی، اس لئے کچھ دنوں تک ابن جبیر بغیر لکھے ہوئے زبانی یاد کر لیا کرتے تھے، لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ پھر لکھنے کی اجازت مل گئی تھی۔

چنانچہ انہوں نے لکھنا شروع کر دیا تھا۔ بعض بعض دن اس کثرت سے مسائل پیش ہوتے تھے کہ لکھتے لکھتے ابن جبیر کی بیاض بڑھ جاتی تھی، اور انہیں کپڑوں اور ہتھیاروں پر لکھنے کی نوبت آ جاتی تھی، کبھی ایسا بھی اتفاق ہوتا کہ سائل نہ آتا اس دن ایک حدیث بھی لکھنے کی نوبت نہ آتی تھی، اور یوں ہی لوٹ آتے تھے۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے بعد انہوں نے ابن عمرؓ سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھایا تھا، ان سے استفادہ کا سلسلہ ابن جبیر کے قیام کوفہ تک جب کہ وہ خود صاحب افتاء ہو گئے تھے، قائم رہا، چنانچہ ان کا خود بیان ہے کہ جب کسی مسئلہ میں علماء کوفہ میں اختلاف ہوتا تھا تو میں اسے لکھ لیتا تھا اور ابن عمرؓ سے پوچھتا تھا۔

ان بزرگوں کے فیض نے انہیں قرآن، تفسیر، حدیث، فقہ اور فرائض وغیرہ جملہ مذہبی علوم کا دریا بنادیا تھا۔

قرأت :

قرآن کے نہایت اچھے قاری تھے۔ قرأت ترجیع کے ساتھ کرتے تھے، لیکن گا کر قرآن پڑھنا سخت ناپسند کرتے تھے۔ تمام مشہور قراتوں کے عالم تھے۔ اسماعیل بن عبد الملک کا بیان ہے کہ سعید بن جبیر رمضان میں ہماری امامت کرتے تھے۔

۱۔ مستدرک حاکم۔ جلد ۳ ص ۵۳۸ ۲۔ ابن سعد۔ جلد ۶ ص ۱۷۹ ۳۔ ایضاً۔ ص ۱۸۰ ۴۔ تہذیب الاسماء۔ جلد اول۔ ق اول۔ ص ۲۱۶ ۵۔ ابن سعد۔ جلد ۶ ص ۱۸۱

معمول تھا کہ ایک شب کو عبد اللہ بن مسعودؓ کی قرأت کے مطابق قرآن سناتے تھے، ایک شب کو زید بن ثابت کی قرأت کے مطابق اسی طریقہ سے ہر شب کو باری باری سے تمام مشہور قاریوں کی قرأت سناتے تھے^۱۔

تفسیر: قرأت اور تفسیر دونوں فنون کی تعلیم انہوں نے اس فن کے امام حضرت عبد اللہ بن عباسؓ سے حاصل کی تھی^۲۔ آیات قرآنی کے شان نزول اور ان کی تفسیر و تاویل پر پوری نظر تھی، جب ان کے سامنے قرآن کی کوئی آیت پڑھی جاتی تھی تو وہ اس کا پورا مالہ و ماعلیہ بتا دیتے تھے، ابو یونس قزوی کا بیان ہے کہ میں نے ایک مرتبہ سعید بن جبیر کے سامنے یہ آیت:

”المستضعفين من الرجال والنساء والولدان“

”مگر ناتواں مردوں عورتوں اور لڑکوں میں سے“

پڑھی تو انہوں نے کہا، اس میں جن کا تذکرہ ہے وہ مکہ کے کچھ مظلوم تھے، میں نے کہا میں ایسے ہی لوگوں (یعنی حجاج کے ستم رسیدہ) کے پاس آیا ہوں، سعید نے کہا، بھتیجے ہم لوگوں نے اس کے خلاف بڑی کوشش کی لیکن کیا کیا جائے خدا کی مرضی یہی ہے^۳۔

حضرت اعمش روایت کرتے ہیں کہ سعید بن جبیر ان ارضی واسعة کی تفسیر میں بیان کرتے تھے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ جب اس میں گناہ کیا جائے تو اس سے نکل جاؤ^۴۔

تفسیر کا درس:

حضرت ابن جبیر تفسیر کا درس بھی دیتے تھے، وقاء بن ایاس بیان کرتے ہیں کہ عرزہ تفسیر کی کتاب (غالباً کاپی اور بیاض) اور روایات لے کر ابن جبیر کے پاس آتے جاتے تھے^۵۔ لیکن بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ تفسیر کا قلمبند کرنا ناپسند کرتے تھے، چنانچہ ایک مرتبہ ایک شخص نے اپنے لئے آپ سے تفسیر قلمبند کرنے کی درخواست کی، آپ نے فرمایا تفسیر قلمبند کرنے کے مقابلہ میں مجھے یہ پسند ہے کہ میرا ایک پہلو مفلوج ہو جائے^۶۔

حدیث: حدیث کے اکابر حفاظ میں تھے، صحابہ میں انہوں نے ابن عباسؓ، ابن عمرؓ، ابن زبیرؓ، انس بن مالکؓ، ابو سعید خدریؓ، ابو موسیٰ اشعریؓ، ابو ہریرہؓ، ابو مسعود بدریؓ، عائشہ صدیقہؓ اور عدی بن حاتم وغیرہ سے سماع حدیث کیا تھا^۷۔

۱۔ ابن خلکان۔ جلد اول۔ ص ۴۰۵ ۲۔ ایضاً۔ ص ۴۰۴ ۳۔ ابن سعد۔ ص ۱۸۴ ۴۔ ایضاً ۵۔ ایضاً۔ ص ۱۸۶

۶۔ ابن خلکان۔ جلد اول۔ ص ۴۰۵ ۷۔ تہذیب احمدیہ۔ جلد ۳۔ ص ۱۱

حضرت عبداللہ بن عباس کے حلقہ درس سے خصوصیت کے ساتھ زیادہ مستفید ہوئے تھے، ان کے علمی استعداد کی وجہ سے عبداللہ بن عباس ان پر بڑی شفقت کرتے تھے، اور ان کی تعلیم میں خصوصیت برتتے تھے۔ ان کی خامیوں کو دور کرنے کے لئے کبھی کبھی وہ امتحان ان سے حدیثیں سنتے تھے۔ مجاہد کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ ابن عباسؓ نے ابن جبیر سے کہا کہ حدیثیں سناؤ۔ انہوں نے عرض کیا آپ کی موجودگی میں حدیث سناؤں۔ ابن عباسؓ نے کہا کہ یہ بھی خدا کی نعمت ہے کہ تم میرے سامنے حدیث بیان کرو، اگر صحیح بیان کرو گے تو فیہا اور اگر کہیں غلطی ہوئی تو میں اس کی تصحیح کروں گا۔

بنی وداعہ کے موذن کا بیان ہے کہ میں ایک مرتبہ ابن عباس کے پاس گیا۔ وہ حریر کے گدے پر ٹیک لگائے بیٹھے تھے، اور سعید ان کے پیروں کے پاس بیٹھے تھے۔ ابن عباس ان سے کہہ رہے تھے کہ تم نے مجھ سے بہت سی حدیثیں حفظ کی ہیں، دیکھو ان کو کیسے روایت کرتے ہو۔

ان کی اس توجہ نے ابن جبیر کو حفاظ حدیث کا امام اور سرگروہ بنا دیا تھا ان کی مرویات کا بڑا حصہ ابن عباسؓ کی احادیث پر مشتمل ہے، اس سے حدیث میں ان کے درجہ کا اندازہ ہو جاتا ہے۔

فقہ : فقہاء کی جماعت میں بھی انہیں امتیازی درجہ حاصل تھا۔ اس فن کی تعلیم بھی انہوں نے ابن عباسؓ ہی سے حاصل کی تھی اور اس میں ان کو اتنا کمال حاصل تھا کہ مرکز فقہ کوفہ کے صاحب افتاء تابعین میں ہو گئے تھے۔ کوفہ کے عہدہ قضاء پر بھی کچھ دنوں تک ممتاز رہے۔ پھر ابو ہریرہ ابن موسیٰ اشعری قاضی کوفہ کے مشیر ہو گئے تھے۔ مرکز علم و افتاء مکہ میں جب آنا ہوتا تھا تو یہاں بھی افتاء کا سلسلہ جاری رہتا تھا۔ حضرت عبداللہ بن عباس کو ان کے فتوؤں پر اتنا اعتماد تھا کہ اگر کوفہ کا کوئی آدمی آپ سے فتویٰ پوچھنے کے لئے آتا تو آپ اس سے فرماتے کیا سعید بن جبیر تمہارے یہاں نہیں ہیں؟ مسائل طلاق کے خصوصیت کے ساتھ بڑے عالم تھے، کان اعلم التابعین بالطلاق سعید بن جبیر۔^۸

فرائض : ریاضی کے بڑے ماہر تھے اس لئے فرائض میں خاص ملکہ تھا، اکابر صحابہ فرائض کے سالمین کو ان کے پاس بھیجتے تھے، ایک مرتبہ ابن عمرؓ کے پاس فرائض کا ایک سائل آیا آپ نے اس سے کہا ابن جبیر کے پاس جاؤ وہ مجھ سے زیادہ حساب جانتے ہیں، وہ تم کو وہی بتائیں گے جو فرض مقرر ہے۔ جب انہیں مدینہ جانے کا اتفاق ہوتا تھا تو علمائے مدینہ ان سے فرائض سیکھتے تھے۔

۱۔ ابن سعد۔ جلد ۶۔ ص ۱۷۹ ۲۔ ایضاً ۳۔ تہذیب الاسماء۔ جلد ۱۔ ق ۱۔ ص ۲۱۶ ۴۔ ایضاً
۵۔ ابن خلکان۔ جلد ۱۔ ص ۲۰۴ ۶۔ ابن سعد۔ جلد ۶۔ ص ۱۸۴ ۷۔ تہذیب الاسماء۔ ق ۱۔ ص ۲۱۶
۸۔ شذرات الذہب۔ جلد ۱۔ ص ۱۰۸ ۹۔ ابن سعد۔ ص ۱۸۰

امام زین العابدین کا بیان ہے کہ سعید بن جبیر جب ہمارے یہاں سے گزرتے تھے۔ تو ہم لوگ ان سے فرائض اور ان باتوں کو پوچھتے تھے جن سے خدا ہم کو فائدہ پہنچاتا تھا۔^۱

جامعیت : غرض سعید بن جبیر کی ذات جملہ علوم و فنون کی جامع تھی، جو کمالات دوسرے علماء میں فرداً فرداً تھے، وہ ان کی ذات میں تنہا مجتمع تھے، نہیف کا بیان ہے کہ مسائل طلاق کے سب سے بڑے عالم سعید بن مسیب تھے، حج کے عطاء تھے، حلال و حرام کے طاووس تھے۔ اور تفسیر کے مجاہد تھے، اور ان سب کی جامع سعید بن جبیر کی ذات تھی۔^۲

وہ علم کا ایسا سرچشمہ تھے جس کی اس عہد کے تمام علماء کو احتیاج تھی، میمون بن مہران کا بیان ہے کہ سعید نے ایسے وقت میں انتقال کیا کہ روئے زمین پر کوئی ایسا شخص نہ تھا جو ان کے علم کا محتاج نہ رہا ہو۔^۳

اشاعت علم : علم و فن کا یہ ذخیرہ انہوں نے اپنی ذات تک محدود نہ رکھا، بلکہ جہاں تک ہو سکا اس سے دوسروں کو فائدہ پہنچایا، آپ کے بعض کوتاہ نظر اصحاب آپ کو حدیث بیان کرنے پر ملامت کرتے تھے، آپ انہیں جواب دیتے، مجھے تم سے اور تمہارے ساتھیوں سے حدیث بیان کرنا زیادہ پسند ہے، بہ نسبت اس کے کہ میں اسے اپنی قبر میں ساتھ لے جاؤں۔^۴

تلامذہ : آپ کے تلامذہ کا دائرہ نہایت وسیع تھا، بعضوں کے نام یہ ہیں، آپ کے صاحبزادگان عبد الملک اور عبد اللہ، یعلیٰ بن حکیم، یعلیٰ بن مسلم، ابوالخضر سبعی، ابوالزبیر کئی، آدم بن سلیمان اشعث بن ابی الشعثا، ذر بن عبد اللہ مرہبی، سالم الافطس سلمہ بن کہیل، طلحہ بن مصرف اور عطاء بن سائب وغیرہ۔^۵

ناقدروں سے بخل :

لیکن یہ علمی فیاضی انہی لوگوں کے لئے تھی، جو اس کے مرتبہ شناس اور قدردان ہوتے تھے۔ ورنہ نااہلوں سے وہ اسے چھپاتے تھے، محمد بن حبیب کا بیان ہے کہ سعید بن جبیر کے اصفہان کے قیام کے زمانہ میں جب لوگ ان سے حدیثیں پوچھتے تو وہ نہ بتاتے۔ لیکن جب کوفہ آئے تو فیض جاری کر دیا۔ لوگوں نے پوچھا، ابو محمد کیا بات ہے، اصفہان میں تو آپ حدیثیں نہیں بیان کرتے تھے، اور کوفہ میں بیان کرتے ہیں۔ جواب دیا اپنی متاع وہاں پیش کرو جہاں اس کے قدر شناس ہوں۔^۶

۱۔ ابن سعد۔ جلد ۶۔ ص ۸۰ ۲۔ ابن خلکان۔ جلد اول۔ ص ۲۰۵ ۳۔ ابن سعد۔ جلد ۲۔ ص ۱۸۶ ۴۔ ایضاً

۵۔ ابن خلکان۔ جلد اول۔ ص ۲۰۴

۶۔ تہذیب التہذیب۔ جلد ۴۔ ص ۱۲

مذہبی کمالات : مذہبی کمالات میں بھی تابعین میں ابن جبیر کا درجہ نہایت بلند تھا، وہ عبادت و ریاضت اور زہد و ورع کا مجسم پیکر تھے۔

سوزِ قلب و خشیتِ الہی :

ابن جبیر کا دل اتنا پرسوز تھا، اور ان پر خشیتِ الہی کا اتنا غلبہ تھا کہ ہر وقت ان کی آنکھیں اشکبار رہتی تھیں۔ پردہ شب کی تاریکی میں جو ان کی عبادت اور راز و نیاز کا خاص وقت تھا، زار زار روتے تھے۔ روتے روتے ان کی آنکھوں کی بینائی کم ہو گئی تھی، اور ان سے پانی بہنے لگا تھا۔

نماز میں تاثر اور خشوع :

ان کی نماز تاثر اور خشوع و خضوع کی تصویر ہوتی تھی، کبھی کبھی ایک ایک رکعت میں پورا قرآن ختم کر دیتے تھے، پر موعظت آیات کو بار بار دہراتے تھے سعید بن عبید کا بیان ہے کہ میں نے جبیر کو امامت کی حالت میں اس آیت :

”اذا لا غلال فی اعناقہم والسلاسل یسحبون فی الحمیم“۔ (مومن۔ ۸)

”جبکہ طوق ان کی گردنوں میں ہوں گئے اور زنجیریں اور وہ کھولتا ہوا پانی پینے کے لئے گھسیٹے جاتے ہوں گے۔“

کو بار بار دہراتے سنا ہے۔ قسم بن ایوب بیان کرتے ہیں کہ میں نے ان کو یہ آیت :

”واتقوا یوما ترجعون فیہ الی اللہ“۔ (بقرہ۔ ۳۸)

”اس دن سے ڈرو جس دن خدا کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔“

میں مرتبہ سے زیادہ دہراتے سنا ہے۔

ذکر و شغل : صبح صادق سے لے کر نماز فجر تک ذکر و شغل میں مصروف رہتے تھے، اس وقت خدا کے ذکر کے علاوہ کسی سے نہ بولتے تھے۔

رمضان میں عبادت :

رمضان میں ان کی عبادت بہت بڑھ جاتی تھی۔ مغرب سے عشاء تک کا وقت جو عموماً روزہ داروں کے آرام و سکون کا وقت ہوتا ہے۔ تلاوت قرآن میں گزرتا تھا۔ رمضان کے زمانہ میں کبھی کبھی ایک نشست میں پورا قرآن ختم کر دیتے تھے۔ اپنے قبیلہ کی مسجد میں اعتکاف کرتے تھے۔

حج : حجوں کی صحیح تعداد نہیں بتائی جاسکتی، لیکن مختلف روایات سے اتنا معلوم ہوتا ہے کہ اکثر حج کرتے تھے، اور وفور شوق میں کوفہ ہی سے احرام باندھ کر نکلتے تھے^۱۔ مکہ کے قیام کے زمانہ میں طواف کبھی ناغہ نہ ہوتا تھا، گرفتاری کے زمانہ میں جس کے حالات بعد میں آئیں گئے پابجولاں طواف کرتے تھے^۲۔

تلاوت قرآن :

تلاوت قرآن سے خاص شغف تھا۔ عموماً دورات میں پورا قرآن ختم کر دیتے تھے، سفر اور بیماری کی حالت میں صرف اس معمول میں فرق آتا تھا^۳۔

تحقیر نفس :

اپنے نفس کو اس قدر حقیر سمجھتے تھے کہ گنہگاروں کو بھی ان کے گناہوں پر ٹوکتے ہوئے شرماتے تھے، فرماتے تھے کہ میں ایک شخص کو گناہ میں مبتلا دیکھتا ہوں، لیکن خود اپنا نفس اپنی نگاہ میں اتنا حقیر ہے کہ دوسرے کو ٹوکتے ہوئے شرم معلوم ہوتی ہے^۴۔

غیبت سے احتراز :

غیبت کرنا اور غیبت سننا دونوں باتیں سخت ناپسند تھیں، مسلم البطلین کا بیان ہے، کہ سعید اپنے سامنے کسی کو کسی کی غیبت نہ کرنے دیتے تھے غیبت کرنے والے سے فرماتے کہ جو کچھ تم کو کہنا ہے اس شخص کے منہ پر کہو^۵۔

عبادت کے معنی :

عبادت آپ کے نزدیک محض روزہ نماز اور تسبیح و تہلیل کا نام نہ تھا، بلکہ اس کے ایک خاص معنی اور اس کا ایک جامع مفہوم تھا، آپ کے نزدیک اطاعت سب سے اہم عبادت تھی، فرماتے تھے کہ جو شخص خدا کی اطاعت کرتا ہے، وہ ذکر ہے، اور جو نافرمانی کرتا ہے وہ ذکر نہیں ہے، خواہ وہ کتنی ہی تسبیح اور تلاوت قرآن کیوں نہ کرے۔

آپ سے کسی نے سوال کیا سب سے بڑا عبادت گزار کون ہے، فرمایا جو شخص گناہوں میں مبتلا ہو کر پھر اس سے تائب ہو گیا، اور جب اس نے اپنے گناہوں کو یاد کیا تو اس کے مقابلہ میں اپنے اعمال کو بے حقیقت سمجھا۔

۱۔ ابن سعد۔ جلد ۶۔ ص ۱۸۳

۲۔ ایضاً

۳۔ ایضاً

۴۔ ابن سعد۔ جلد ۶۔ ص ۱۸۳

۵۔ ابن سعد۔ جلد ۶۔ ص ۱۸۳

علمائے سوء کا خطرہ :

امت مسلمہ کے لئے سب سے بڑا خطرہ علماء سوء کو سمجھتے تھے، ہلال بن خباب نے ایک مرتبہ آپ سے پوچھا، لوگوں کی ہلاکت کہاں سے ہوگئی، فرمایا ان کے علماء کے ہاتھوں!۔

سیر و سیاحت :

حضرت سعید بن جبیر ایک زمانہ تک مدینہ میں رہے، پھر یہاں سے نکل کر عجم چلے گئے۔ کچھ دنوں عراق کے مختلف شہروں میں پھرتے رہے، پھر کوفہ میں سکونت اختیار کر لی!۔ کوفہ کے زمانہ قیام میں کچھ دنوں عبداللہ بن عتبہ بن مسعود قاضی کوفہ کے کاتب اور کچھ دنوں ابو بردہ بن ابوموسیٰ اشعری کے کاتب رہے!۔

حجاج پر اثر : حجاج انہیں بہت ماننا تھا، ان کی بڑی عزت کرتا تھا، اور انہیں جامع کوفہ کا امام مقرر کیا تھا، اور کوفہ کے عہدہ قضاء پر بھی ممتاز کر دیا تھا، لیکن پھر اہل کوفہ کے اس احتجاج پر کہ قاضی کسی عربی النسل کو ہونا چاہئے، ابن جبیر کو علیحدہ کر کے ابو بردہ بن ابوموسیٰ اشعری کو ان کی جگہ مقرر کیا، لیکن ان کو ہدایت کردی کہ وہ بغیر ابن جبیر کے مشورہ کے کوئی کام نہ کیا کریں گے۔

حجاج کی مخالفت :

لیکن ابن جبیر حجاج کی اس توجہ کے باوجود اس سے مطلق متاثر نہ تھے۔ اور برابر دل میں اس کے مظالم کو برا سمجھتے رہے، چنانچہ جب ابن اشعث نے اس کے خلاف علم مخالفت بلند کیا تو ابن جبیر اس کیساتھ ہو گئے۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ عبدالملک کے زمانہ سیستان کے فرمان روائ تبیل کی روش باغیانہ ہو چلی تھی اور وہ کبھی کبھی خراج روک لیتا تھا۔ اس لئے حجاج نے عبید اللہ بن ابی بکرہ کو اس کی تنبیہ پر مامور کیا۔ انہوں نے ۷۹ھ میں سیستان پر فوج کشی کی اور بہت دور تک آگے بڑھتے چلے گئے، لیکن غلطی سے پیچھے کی حفاظت کا کوئی سامان نہ کیا۔ اس لئے تبیل نے ہر طرف سے گھیر کر بڑی سخت شکست دی، اور مسلمانوں کو بڑا مالی اور جانی نقصان اٹھانا کرنا کام واپس آنا پڑا۔

حجاج کو اس شکست کا بڑا غم ہوا۔ اس نے دوبارہ محمد بن عبدالرحمن بن اشعث کو چالیس ہزار فوج کے ساتھ روانہ کیا، اور سعید بن جبیر کو فوج کی تنخواہ تقسیم کرنے کی خدمت سپرد کی۔ ابن اشعث نے

رتیل کے حدود حکومت میں پہنچ کر بہت سے علاقوں کو فتح کر لیا، اور مزید پیش قدمی ایک سال کے لئے روک کر حجاج کو اس کی اطلاع دے دی۔ حجاج رتیل سے بہت برا فرد خستہ تھا، اس لئے اس نے لکھا کہ یہ آرام کا موقع نہیں ہے، میرا حکم پہنچے ہی فوراً پیش قدمی شروع کر دو، اور اگر تم سے یہ کام نہیں ہو سکتا تو فوج کی کمان اپنے بھتیجے اسحاق کے سپرد کر دو۔ ابن اشعث نے مصلحتاً پیش قدمی روکی تھی، اس لئے وہ اس حکم پر بگڑ گیا، اور رتیل سے مصالحت کر کے حجاج کے خلاف اٹھ کھڑا ہوا۔

فوج تمام تر عراقی تھی جو حجاج کے مظالم سے پہلے سے برہم تھی، اس لئے اس نے ابن اشعث کا پورا ساتھ دیا اور رفتہ رفتہ حجاج کی مخالفت نے عبدالملک کی مخالفت کی شکل اختیار کر لی۔ ابن جبیر نے بھی ابن اشعث کا ساتھ دیا۔ ابن اشعث سیرستان سے عراق پہنچا، حجاج بھی مقابلہ کے لئے نکلا دونوں میں مہینوں جنگ جاری رہی، اور ابن اشعث نے عراق کے بڑے حصہ پر قبضہ کر لیا۔ اس مخالفت میں کوفہ کے بہت سے علماء اور فراء بھی ابن اشعث کے ساتھ ہو گئے۔

حضرت ابن جبیر اس جماعت کے سرگروہ تھے، اور میدان جنگ میں لوگوں کو حجاج اور بنی امیہ کے خلاف یہ کہہ کر ابھارتے تھے کہ ان کی ظالمانہ حکومت ان کی بے دینی، خدا کے بندوں پر ان کے مظالم نمازوں میں تاخیر اور مسلمانوں کی تذلیل و تحقیر پر ان کا مقابلہ کرو۔

لیکن اس جوش مخالفت میں بھی حق کا دامن ہاتھ سے نہ چھوٹا تھا، ایک غلام زبیر قان اسدی کا آقا حجاج کے حامیوں میں تھا۔ غلام مذکور نے ابن جبیر سے پوچھا ایسی حالت میں کہ میرا آقا حجاج کے ساتھ ہے، اگر میں ابن اشعث کے ساتھ ہو جاؤں اور لڑ کر جان دے دوں تو مجھ پر اس کا مواخذہ تو نہ ہوگا، ابن جبیر نے جواب دیا، تم مت لڑو اگر تمہارا آقا یہاں موجود ہوتا تو تم کو لے کر حجاج کی طرف سے لڑتا۔

شکست اور گرفتاری :

اگرچہ ابتداء میں ابن اشعث کی قوت نہایت مضبوط تھی۔ اور اس نے عراق کا بڑا حصہ فتح کر لیا تھا۔ لیکن اس مخالفت میں اس نے حکومت کو بھی شامل کر لیا تھا۔ اس لئے زیادہ دنوں تک مقابلہ دشوار تھا، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ دیر جمائم کے معرکہ میں اس کو نہایت فاش شکست ہوئی اس کی قوت بالکل پاش پاش ہو گئی، اور وہ شکست کھا کر سیرستان بھاگ گیا۔

اس شکست کے بعد ابن جبیر مکہ چلے آئے۔ یہاں کے والی خالد بن عبداللہ قسری نے انہیں گرفتار کر کے حجاج کے پاس بھجوا دیا۔ وہ ان سے خار کھائے ہوئے تھا، اس لئے انہیں دیکھتے ہی اس کی آنکھوں میں خون اُتر آیا۔ اور دونوں میں حسب ذیل مکالمہ ہوا :

حجاج تمہارا کیا نام ہے۔؟

ابن جبیر سعید بن جبیر۔

حجاج نہیں بلکہ اس کے برعکس شقی بن کسیر۔

ابن جبیر میری ماں تم سے زیادہ میرے نام سے واقف تھی۔

حجاج تمہاری ماں بھی بد بخت تھی اور تم بھی بد بخت ہو۔

ابن جبیر غیب کا علم دوسری ذات کو ہے۔

حجاج میں تمہاری دنیا کو دہکتی ہوئی آگ سے بدل دوں گا۔

ابن جبیر اگر مجھ کو یقین ہوتا کہ یہ تمہارے اختیار میں ہے تو میں تم کو معبود بنا لیتا۔

حجاج محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے۔؟

ابن جبیر وہ امام ہدی اور بنی رحمت تھے۔

حجاج علیؑ اور عثمانؓ کے بارے میں کیا رائے ہے، وہ جنت میں ہیں یا دوزخ میں۔؟

ابن جبیر اگر میں وہاں گیا ہوتا، اور وہاں کے رہنے والوں کو دیکھا ہوتا تو بتا سکتا تھا۔

(غیب کے سوال کا میں کیا جواب دے سکتا ہوں)

حجاج خلفاء کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے ؟

ابن جبیر میں ان کا وکیل نہیں ہوں۔

حجاج ان میں سے تم کس کو زیادہ پسند کرتے ہو ؟

ابن جبیر جو میرے خالق کے نزدیک سب سے زیادہ پسندیدہ تھا۔

حجاج خالق کے نزدیک کون سب سے پسندیدہ تھا ؟

ابن جبیر اس کا علم اس ذات کو ہے جو بھیدوں اور ان کی پوشیدہ باتوں کو جانتا ہے۔

حجاج عبدالملک کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے۔؟

ابن جبیر تم ایسے شخص کے متعلق کیا پوچھتے ہو جس کے گناہوں میں سے ایک گناہ تمہارا وجود ہے۔

حجاج تم ہنتے کیوں نہیں؟
ابن جبیر وہ کس طرح ہنس سکتا ہے، جو مٹی سے پیدا کیا گیا ہے، اور مٹی کو آگ کھا جاتی ہے۔
حجاج پھر ہم لوگ تفریحی مشاغل سے کیوں ہنتے ہیں؟
ابن جبیر سب کے دل یکساں نہیں ہوتے۔
حجاج تم نے کبھی تفریح کا سامان دیکھا بھی ہے۔

یہ پوچھ کر حجاج نے عود اور بانسری بجانے کا حکم دیا۔ اس کا نغمہ سن کر ابن جبیر رو دیئے۔
حجاج نے کہا یہ رونے کا کیا موقع ہے، موسیقی تو ایک تفریح کی چیز ہے۔ ابن جبیر نے جواب دیا، نہیں وہ نغمہ غم ہے، بانسری کی پھونک نے مجھے وہ آنے والا بڑا دن یاد دلایا، جس دن صور پھونکا جائے گا اور عود ایک کالے ہوئے درخت کی لکڑی ہے، جو ممکن ہے ناحق کالی گئی ہو، اور اس کے تار ان بکریوں کے پٹھوں کے ہیں، جو ان کے ساتھ قیامت کے دن اٹھائی جائیں گی۔

یہ سن کر حجاج بولا، سعید تمہاری حالت بھی افسوس کے قابل ہے۔ انہوں نے جواب دیا، وہ شخص افسوس کے قابل نہیں ہے۔ جو آگ سے نجات دے کر جنت میں داخل کیا گیا۔ اس گفتگو کے بعد پھر مکالمہ شروع ہو گیا :

حجاج کیا میں نے تم کو کوفہ کا امام نہیں بتایا تھا؟
ابن جبیر ہاں بتایا تھا۔
حجاج کیا میں نے تم کو عہدہ قضاء پر نہیں ممتاز کیا۔ اور جب کوفہ والوں نے تمہاری مخالفت کی کہ قاضی عربی النسل ہونا چاہئے تو میں نے ابو بردہ کو قاضی بتایا اور ان کو ہدایت کردی کہ وہ بغیر تمہارے مشورہ کے کوئی کام نہ کریں۔

ابن جبیر یہ بھی صحیح ہے۔
حجاج کیا میں نے تم کو اپنا ندیم خاص نہیں بتایا حالانکہ وہ سب سرداران عرب تھے؟
ابن جبیر ہاں یہ بھی درست ہے۔

حجاج کیا میں نے تم کو ایک لاکھ کی خطیر رقم حاجت مندوں میں تقسیم کرنے کے لئے نہیں دی، اور پھر اس کا کوئی حساب کتاب نہیں مانگا؟
ابن جبیر ہاں دی۔

حجاج ان احسانات کے بعد پھر تم کو کس چیز نے میری مخالفت پر آمادہ کیا۔؟
 ابن جبیر میری گردن میں ابن اشعث کی بیعت کا طوق تھا۔
 حجاج ایک دشمن خدا کی بیعت کا اتنا پاس تھا اور امیر المؤمنین کی بیعت اور خدا کا کوئی پاس نہ تھا، خدا کی قسم میں تم کو قتل کر کے واصل جہنم کئے بغیر اس جگہ سے نہ ہٹوں گا۔ بتاؤ تم کس طرح قتل کیا جانا پسند کرتے ہو۔؟
 ابن جبیر خدا کی قسم تم دنیا میں جس طرح مجھے قتل کرو گے خدا تم کو آخرت میں اسی طرح قتل کرے گا۔
 حجاج کیا تم چاہتے ہو کہ میں تم کو معاف کر دوں۔
 ابن جبیر اگر تم معاف کر دو گے تو وہ خدا کی جانب سے ہوگا (تمہارا احسان نہ ہوگا)۔
 حجاج تو میں تم کو قتل کر دوں گا۔
 ابن جبیر اللہ تعالیٰ نے میرا ایک وقت مقرر کر دیا ہے، اس وقت تک پہنچنا ضروری ہے، اس کے بعد اگر میرا وقت آگیا ہے تو پھر وہ ایک فیصل شدہ امر ہے، اس سے مفر نہیں ہے، اور اگر عافیت مقدر ہے، تو وہ بھی خدا کے ہاتھ میں ہے۔

قتل کا حکم اور استقلال و استقامت :

اس گفتگو کے بعد حجاج نے جلاؤ قتل کرنے کا حکم دیا۔ یہ حکم سن کر حاضرین میں سے ایک شخص رونے لگا، ابن جبیر نے اس سے پوچھا تم کیوں روتے ہو اس نے کہا آپ کے قتل پر، فرمایا، اس کے لئے رونے کی ضرورت نہیں، یہ واقعہ تو خدا کے علم میں پہلے سے موجود تھا۔ پھر یہ آیت تلاوت کی :

”ما اصاب من مصیبة فی الارض ولا فی انفسکم الا فی کتاب قبل ان نبراها“۔

”تم کو زمین اور اپنی جانوں میں جو مصیبتیں پہنچیں ان کو پیدا کرنے سے پہلے ہم نے لکھ رکھا ہے۔“
 مقتل میں جانے سے پہلے اپنے صاحبزادے کو دیکھنے کے لئے بلایا، وہ بھی آکر رونے لگے آپ نے ان سے فرمایا تم کیوں روتے ہو، ستاون سال کے بعد تمہارے باپ کی زندگی تھی ہی نہیں، پھر رونے کا کون سا مقام ہے۔

غرض نہایت صبر و استقلال کے ساتھ ہتے ہوئے مقتل کی طرف چلے حجاج کو اطلاع دی گئی کہ اس وقت بھی ابن جبیر کے لبوں پر ہنسی ہے اس نے واپس بلا کر پوچھا تم ہنس کس بات پر رہے تھے۔

فرمایا، خدا کے مقابلہ میں تمہاری جراتوں اور تمہارے مقابلہ میں اس کے حکم پر۔

آخری مشاغل :

یہ سن کر حجاج نے اپنے سامنے ہی قتل کا چڑا بچھانے کا حکم دیا، اور قتل کا ارشاد دیا، ابن جبیر نے کہا اتنی مہلت دو کہ میں دو رکعت نماز پڑھ لوں، حجاج نے کہا اگر مشرق کی سمت رخ کرو تو اجازت مل سکتی ہے، فرمایا کچھ ہرج نہیں۔ اینما تو لو افتم وجہ اللہ، پھر یہ آیت تلاوت کی :

”انی وجہت وجہی للذی فطر السموات والارض حنیفاً وما انا من المشرکین“۔ (انعام۔ ۹)

”میں نے یکسو ہو کر اپنا رخ اس ذات کی طرف کیا ہے، جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا، اور میں مشرکوں میں نہیں ہوں۔“

حجاج نے حکم دیا سر کے بل جھکا دو، یہ حکم سن کر ابن جبیر نے راہ تسلیم و رضا میں خود سر کو ختم کر دیا اور یہ آیت پڑھی۔

”منہا خلقنکم وفيہا نعیدکم ومنہا نخرجکم تارۃ اخری“۔

(حکم۔ ۳)

”اس زمین، سے ہم نے تم کو پیدا کیا اور اسی میں تم کو لوٹائیں گے، پھر اسی میں سے تم کو دوبارہ نکالیں گے۔“

اور کلمہ شہادت پڑھ کر بارگاہ ایزدی میں دعا کی کہ، خدایا میرے قتل کے بعد پھر اس کو (حجاج) کسی کے قتل پر قادر نہ کرنا۔

شہادت : جلاد شمشیر برہنہ موجود تھا۔ حجاج کے حکم پر دفعۃً تلوار چمکی اور ایک کشتہ حق کا سر زمین پر تڑپنے لگا۔ زمین پر گرنے کے بعد زبان سے آخری کلمہ لا الہ الا اللہ نکلا۔

ایک تعجب انگیز امر :

اس سلسلہ میں یہ واقعہ لائق ذکر ہے کہ ابن جبیر کے جسم سے عام قتل ہونے والوں سے بہت زیادہ خون نکلا تھا۔ حجاج نے اطباء کو بلا کر اس کا سبب دریافت کیا کہ دوسرے مقتولوں کے جسم سے خون بہت کم نکلتا ہے، اور ان کے جسم سے خون کے فوارے رواں تھے۔ اطباء نے جواب دیا کہ خون روح کے تابع ہے۔ جن لوگوں کو پہلے قتل کیا گیا۔ ان کی روح قتل سے پہلے ہی اس کے حکم ہی سے تحلیل

ہو چکی تھی، اور ابن جبیر کی روح پر اس کا کوئی اثر نہ تھا^۱۔ یہ واقعہ شعبان ۹۴ھ میں پیش آیا، اس وقت ابن جبیر کی عمر باختلاف روایت۔ ۵۰ یا ۴۹ سال کی تھی۔

حسن بصری پر اثر :

حضرت سعید بن جبیر کی شخصیت ایسی تھی کہ تمام اکابر تابعین اس واقعہ سے سخت متاثر ہوئے۔ حضرت حسن بصری نے فرمایا، خدایا ثقیف کے فاسق (حجاج) سے اس کا انتقام لے۔ خدا کی قسم اگر سارے روئے زمین کے باشندے بھی ان کے قتل میں شریک ہوتے۔ تو خدا ان سب کو منہ کے بل دوزخ میں جھونک دیتا^۲۔

حلیہ : حلیہ یہ تھا، رنگ سیاہ، سر اور داڑھی دونوں سپید، خضاب لگانا پسند نہ کرتے تھے، کسی نے دسمہ کے خضاب کے بار کسمیں پوچھا، فرمایا خدا تو بندہ کے چہرے کو نور سے روشن کرتا تھا، اور بندہ اس کو سیاہی سے بھادیتا ہے^۳۔

حجاج کا انجام :

حضرت سعید کی بددعا بے اثر نہ رہی، ان کا خون ناحق رنگ لایا۔ چنانچہ ان کے مقتول ہونے کے بعد ہی حجاج سخت دماغی امراض اور توہم میں مبتلا ہو کر چند ہی دنوں کے بعد بستر مرگ پر لیٹ گیا۔ بیماری کی حالت میں اس کو بے ہوشی کے دورے ہوتے تھے۔ بے ہوشی اور غنودگی کی حالت میں اسے نظر آتا تھا کہ ابن جبیر اپنے کپڑے سمیٹے ہوئے اس سے پوچھ رہے ہیں کہ دشمن خدا تو نے مجھے کس جرم میں قتل کیا؟ یہ خواب پریشان دیکھ کر وہ گھبرا کر اٹھ بیٹھتا تھا، اور کہتا تھا، مجھے سعید سے کیا واسطہ۔ اسی مجنونانہ حالت میں ۹۵ھ میں مر گیا۔ اس طرح ابن جبیر کے قتل کے بعد اسے دوسرے آدمیوں کے قتل کرنے کا موقع نہ مل سکا^۴۔

حجاج کی موت کے بعد اس کو ایک شخص نے خواب میں دیکھا۔ پوچھا خدا نے تمہارے ساتھ کیا سلوک کیا۔ اس نے کہا ہر مقتول کے بدلہ میں مجھے ایک ایک مرتبہ قتل کیا گیا اور ابن جبیر کے انتقام میں بستر مرتبہ^۵۔

۱۔ یہ تمام حالات ابن خلکان۔ جلد اول۔ ص ۲۰۵۔ ص ۲۰۶، و شذرات الذهب۔ جلد اول۔ ص ۱۰۹۔ ص ۱۱۰۔ اور ابن سعد۔ جلد ۶۔ ص ۱۸۴۔ ص ۱۸۵۔ کی مختلف روایات میں غیر مرتب طور سے ہیں، ہم نے انہیں سلسلہ وار کر دیا۔

۲۔ ابن خلکان۔ جلد اول۔ ص ۲۰۶۔ ابن سعد۔ جلد ۶۔ ص ۱۸۶۔ ابن خلکان۔ جلد اول۔ ص ۲۰۶۔ ۵۔ ایضاً

(۲۸) سعید بن مسیبؓ

نام و نسب: سعید نام ہے۔ ابو محمد کنیت۔ نسب نامہ یہ ہے، سعید بن مسیب بن حزن بن ابی وہب بن عمرو بن عائد بن عمران بن مخزوم بن یقطہ بن مرہ بن کعب بن لوی بن غالب قرشی مخزومی ان کی ماں قبیلہ اسلم سے تھیں، نانہالی شجرہ یہ ہے، ام سعید بنت حکم بن امیہ بن حارثہ بن الاوقص اسلمی۔

حضرت ابن مسیب بڑے جلیل القدر تابعی اور ان نفوس قدسیہ میں تھے، جو اپنے علم و عمل کے اعتبار سے ساری دنیائے اسلام کے امام اور مقتدی مانے جاتے تھے۔ ان کے والد مسیب اور دادا حزن دونوں صحابی تھے۔ فتح مکہ کے دن مشرف باسلام ہوئے تھے۔

آنحضرت ﷺ ایسے ناموں کو جن کے معنی میں رائی کا پہلو نکلتا ہو پسند نہ فرماتے تھے، اس لئے حزن کا نام جس کے معنی غم کے ہیں بدل کر سہیل رکھنا چاہا لیکن حزن نے جن میں اس وقت تک قدامت پرستی کا جذبہ باقی تھا، یہ عذر کیا کہ یا رسول اللہ یہ نام والدین کا رکھا ہوا ہے، اور اس نام سے مشہور بھی ہو چکا ہوں، اس لئے اس کو نہ بدلے۔ ان کے عذر پر آنحضرت ﷺ نے رہنے دیا، لیکن اس نام کی نحوست کا یہ اثر تھا کہ سعید بن مسیب کا بیان ہے کہ ہمارے گھر میں ہمیشہ غمگینی چھائی رہی۔^۱

پیدائش: باختلاف روایت ۲ھ یا ۴ھ جلوس عمری میں سعید بن مسیب پیدا ہوئے ایک بیان یہ بھی ہے کہ حضرت عمرؓ کی وفات سے دو سال پہلے تولد ہوئے، لیکن پہلی روایت زیادہ معتبر ہے۔^۲

عہد معاویہ: ابن مسیب خلافت راشدہ کے آخری دور میں بالکل کم سن تھے، اس لئے اس عہد کا ان کا کوئی واقعہ قابل ذکر نہیں ہے، امیر معاویہ کے زمانہ میں بھی وہ عملی زندگی میں کہیں نظر نہیں آتے، بعض روایات سے اس قدر معلوم ہوتا ہے کہ وہ تحصیل علم سے فارغ ہو کر مسند علم و افتا کی زینت بن چکے تھے۔^۳

ابن زبیر کی بیعت سے اختلاف:

حضرت عبداللہ بن زبیر کے زمانہ سے ان کے حالات کا چھاپہ چلتا ہے اور اس کا آغاز ان کی حق گوئی سے ہوتا ہے جو ایسے حق گو اور حق پرست تھے کہ خلفاء اور سلاطین کے مقابلہ میں بھی ان کی زبان خاموش

نہ رہتی تھی۔ چنانچہ ان کی تاریخ کا آغاز ہی خلفاء کے ساتھ اختلاف سے ہوتا ہے۔ عبداللہ بن زبیرؓ نے جب خلافت کا دعو کیا اور جابر بن اسود مائل مدینہ سے ان کی بیعت لینے کو آیا تو ابن مسیب نے اختلاف کیا اور کہا جب تک تمام مسلمانوں کا کسی شخص پر اتفاق نہ ہو جائے اس وقت تک کسی کے ہاتھ پر بیعت نہیں کرنی چاہئے۔^۱

کوڑوں کے مقابلہ میں اعلان حق :

ابن مسیب مدینہ کے ممتاز ترین بزرگ تھے۔ ان کی مخالفت کے معنی یہ تھے کہ مدینہ سے ایک ہاتھ بھی بیعت کے لئے نہ بڑھتا، اس لئے جابر نے حکومت کے گھمنڈ میں آپ کو کوڑوں سے پٹوایا، لیکن آپ کی حق گو زبان جبر و تشدد سے رکنے والی نہ تھی۔ چنانچہ وہ عین سزا کی حالت میں بھی اعلان حق کرتی رہی۔

جابر کے چار بیویاں تھیں ایک کو اس نے طلاق دے کر عدت گزرنے سے پہلے پانچویں شادی کر لی تھی، جو صریحاً حرام ہے۔ چنانچہ ٹھیک اس وقت جب ان پر کوڑے برس رہے تھے، وہ کہہ رہے تھے کہ کتاب اللہ کا حکم سننے سے مجھے کوئی چیز نہیں روک سکتی۔ خدا فرماتا ہے، انکحوا ما طاب لکم من النساء مثنیٰ وثلاث وربیع اور تو نے چوتھی کی عدت ختم ہونے سے قبل پانچویں عورت سے شادی کر لی جو تیرے دل میں آئے کر گزر عنقریب تجھ پر بُرا وقت آنے والا ہے۔ اس واقعہ کے تھوڑے ہی دنوں کے بعد عبداللہ بن زبیرؓ قتل ہو گئے۔^۲ ابن زبیرؓ کو اپنے مقتول ہونے سے پہلے ابن مسیب کے ساتھ جابر کی اس گستاخی کا علم ہو چکا تھا، وہ ان کے مرتبہ شناس تھے، اس لئے انہوں نے جابر کو خط لکھ کر سخت تنبیہ کی اور لکھا کہ ان سے کوئی تعرض نہ کرو۔^۳

عبدالملک سے اختلاف :

حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کے بعد عبدالملک خلیفہ ہوئے، اس کے ساتھ بھی ابن مسیب کا اختلاف قائم رہا، اس کی تفصیل یہ ہے کہ اموی حکومت کا بانی اور مجدد مروان بن حکم اپنے بعد علی الترتیب عبدالملک اور اس کے بعد اس کے بھائی عبدالعزیز کو خلیفہ بنا گیا تھا۔ مروان کے بعد عبدالملک کی نیت میں فتور پیدا ہوا، اس نے عبدالعزیز کو ولی عہد سے خارج کر کے اپنے لڑکوں ولید اور سلیمان کو ولی عہد بنانا چاہا، لیکن پھر قبیصہ بن ذویب کے سمجھانے سے کہ اس میں آپ کی بڑی بدنامی ہے، رک گیا، عبدالملک کی خوش قسمتی سے چند ہی دنوں بعد عبدالعزیز کا انتقال ہو گیا۔^۴

عبدالعزیز کے انتقال کے بعد عبدالملک کے لئے میدان بالکل صاف ہو گیا، اور اس نے ولید اور سلیمان کو ولی عہد بنا کر ان کی بیعت کے لئے صوبہ داروں کے نام فرمان جاری کر دیئے، چنانچہ ہشام بن اسماعیل والی مدینہ نے اہل مدینہ سے بیعت لے کر سعید بن مسیب کو بلایا۔ انہوں نے کہا میں بغیر سوچے سمجھے بیعت نہیں کر سکتا، ایک بیان یہ ہے کہ انہوں نے جواب یہ دیا کہ میں عبدالملک کی زندگی میں دوسری بیعت نہیں کر سکتا۔

کوڑوں کی مار اور قید کی سزا :

ان کے اس جواب پر ہشام نے انہیں کوڑوں سے پٹوایا، اور تشہیر کرتے ہوئے اس المینہ تک جہاں مجرموں کو سولی دی جاتی تھی، بھیجا، سعید بن مسیب سولی کے لئے تیار ہو گئے تھے، چنانچہ سولی کے وقت ستر کھل جانے کے خیال سے جاکھیا پہن لی تھی، اس المینہ لے جانے کا منشا غالباً محض تخویف تھا، اس لئے وہاں لے جا کر واپس لے آئے ابن مسیب نے پوچھا۔ اب کہاں لئے جاتے ہو؟ جواب ملا قید خانہ چنانچہ واپس لا کر قید کر دیئے گئے، اور ہشام نے اپنی اس کارگزاری کی اطلاع بارگاہ خلافت بھجوا دی۔

استقلال : قید خانہ میں انہیں سمجھا بچا کر رام کرنے کی کوشش کی گئی، چنانچہ ابو بکر بن عبدالرحمن نے ان سے مل کر کہا سعید تم بالکل سٹھیا گئے ہو، انہوں نے جواب دیا ابو بکر خدا سے ڈرو اور اس کو اب قوتوں سے بڑھ کر سمجھو، ابو بکر برابر یہی کرتے رہے کہ تم تو اور زیادہ سٹھیا گئے ہو کسی طرح نرم ہی نہیں پڑتے، آخر میں ابن مسیب نے جواب دیا خدا کی قسم تمہارے دل اور آنکھ دونوں کی روشنی جاتی رہی ہے، یہ جواب سن کر ابو بکر واپس چلے گئے، ہشام نے پچھوا بھیجا کہ سعید مار کے بعد کچھ نرم پڑے۔ ابو بکر نے جواب دیا تمہارے اس سلوک کے بعد سے خدا کی قسم وہ پہلے سے بھی زیادہ سخت ہو گئے ہیں باب اپنا ہاتھ روک لو۔

رہائی : قبیصہ بن ذویب عبدالملک کے پرائیویٹ سیکرٹری تھے۔ تمام شاہی ڈاک پہلے ان کے پاس آتی تھی۔ یہ پڑھنے کے بعد اس کو عبدالملک کے سامنے پیش کرتے تھے۔ چنانچہ ہشام کا خط بھی جس میں اس نے عبدالملک کو اپنی کارگزاریوں کی اطلاع دی تھی، پہلے قبیصہ کے ہاتھ میں پڑا۔ یہ بڑے عاقبت اندیش، مصلحت شناس، اور سعید بن مسیب کے مرتبہ شناس تھے اس لئے ہشام کی کارگزاری پڑھ کر بہت برہم ہوئے اور اسی وقت عبدالملک کے پاس خط لے جا کر کہا امیر المومنین ہشام خود رانی سے

جو چاہتا ہے، کرتا ہے۔ ابن مسیب کو اس طرح ملتا اور ان کی تشہیر کرتا ہے۔ خدا کی قسم وہ اس تشدد اور مار سے اور زیادہ سخت ہو جائیں گے مگر وہ بیعت نہ کریں تب بھی ان سے کوئی خطرہ نہیں ہے۔ وہ ان لوگوں میں نہیں ہیں جن سے رخنہ اندازی یا اسلام اور مسلمانوں کے ساتھ کسی قسم کی برائی کا خطرہ ہو۔ وہ اہل سنت والجماعت میں ہیں۔ آپ خود سعید کو اس کی معذرت لکھئے۔

عبدالملک نے کہا تم ہی اپنی طرف سے لکھ دو اور یہ ظاہر کر دو کہ ہشام نے میرے منشاء کے خلاف یہ کاروائی خود کی ہے۔ چنانچہ قبیسہ نے اسی وقت ابن مسیب کو خط لکھ دیا۔ انہوں نے اسے پڑھ کر کہا کہ جس نے مجھ پر ظلم کیا ہے اس کے اور میرے درمیان خدا ہے۔

ابن مسیب کو خط بھجوانے کے بعد عبدالملک نے ہشام کو بھی ایک تنبیہ اور ملامت آمیز خط بھیجا اور لکھا کہ خدا کی قسم ابن مسیب مارے جانے کے بجائے صلح رحم کے زیادہ مستحق ہیں۔ مجھ کو خوب معلوم ہے کہ ان سے کسی مخالفت اور تفرقہ کا خطرہ نہیں ہے۔ یہ خط پڑھ کر ہشام سخت نادام اور شرمسار ہوا اور ابن مسیب کو رہا کر دیا۔

ولید کا زمانہ : ولید کے ساتھ ابن مسیب کی کوئی مخالفت نہیں ہوئی، لیکن جیسا کہ آئندہ چل کر معلوم ہوگا، کہ انہوں نے کبھی اس کے سامنے سر بھی نہیں جھکایا۔

حجاج کا طرز عمل :

یہ عجیب حیرت انگیز بات ہے کہ اموی خلفاء کے مقابلہ میں اس بے نیازی اور خودداری کے باوجود حجاج نے جو ہر شخص کا جو امویوں کا بندہ فرمان نہ ہو سخت دشمن تھا۔ ابن مسیب کے ساتھ کوئی بد سلوکی نہیں کی، لوگوں کو اس پر سخت حیرت تھی، چنانچہ بعض آدمیوں نے ابن مسیب سے پوچھا بھی کہ کیا بات ہے کہ حجاج نہ آپ کے پاس کسی کو بھیجتا ہے، نہ آپ کو اپنی جگہ سے ہٹاتا ہے۔ نہ کوئی تکلیف پہنچاتا ہے۔ آپ نے فرمایا خدا کی قسم مجھے خود اس کا سبب نہیں معلوم، ایک واقعہ البتہ اس کے ساتھ پیش آیا ہے، ایک مرتبہ وہ اپنے والد کے ساتھ مسجد میں نماز پڑھ رہا تھا، اور رکوع اور سجدہ ٹھیک نہیں کرتا تھا۔ میں نے تنبیہ کے لئے ایک مٹھی کنکریاں اس پر ماری تھیں، لوگوں کا خیال ہے کہ اس کے بعد سے اس کی نماز درست ہو گئی۔

وفات : ولید ہی کے عہد ۹۳ھ میں سعید بن مسیب مرض الموت میں مبتلا ہوئے دم آخرت اپنے صاحبزادے محمد کو بلا کر تجھیز و تکفین وغیرہ کے متعلق وصیت کی کہ جنازہ پر سرخ چادر نہ اڑھائی جائے،

جنازہ کے پیچھے آگ نہ لے جائی جائے۔ ایسے بن کرنے والے ساتھ نہ ہوں جو وہ اوصاف بیان کریں جو مجھ میں نہیں ہیں۔ کسی کو جنازہ اٹھنے کی اطلاع نہ دی جائے، صرف چار آدمی اٹھانے کے لئے کافی ہیں۔ قبر پر خیمہ نہ لگایا جائے۔

اختصار کی حالت میں نافع بن جبر نے محمد سے کہا کہ بستر کو قبلہ رخ کر دو، ابن مسیب نے سن کر کہا اس کی ضرورت نہیں، میں اسی (قبلہ) پر پیدا ہوا ہوں، اسی پر مردوں گا، پورا انشاء اللہ تعالیٰ قیامت میں اسی پر اٹھوں گا۔ تھوڑی دیر کے بعد غشی طاری ہو گئی، اس وقت نافع نے بستر کو قبلہ رخ کر دیا، ابن مسیب کو ہوش آیا تو پوچھا بستر کو کس نے پھیرا، کسی کو جواب دینے کی ہمت نہ ہوئی، لیکن ہوش کی حالت میں نافع کو کہتے سن چکے تھے، اس لئے خود ہی جواب دیا کہ نافع نے کیا ہوگا، پھر فرمایا اگر میں مسلمان ہوں تو خواہ کسی سمت مروں قبلہ ہی کی جانب رخ رہے گا، پورا اگر ملت اسلام پر نہیں ہوں پورا دل قبلہ کی جانب نہیں ہے تو پھر رخ کو قبلہ کی طرف پھیرنے سے کوئی فائدہ نہیں، میں مسلمان ہوں جس سمت بھی رخ ہو قبلہ ہی کی طرف ہوگا۔ اینما تولوا فثم وجہ اللہ۔

وفات کے وقت آلائش دنیا سے کچھ دینار پاس تھے، ان کے متعلق بارگاہ ایزدی میں معذرت کی، خدا یا تو خوب جانتا ہے کہ میں نے ان کو محض اپنی آبرو اور اپنے دین کی حفاظت کے لئے رکھ چھوڑا تھا۔

اسی مرض میں ۹۳ھ میں وفات پائی۔ وفات کے وقت پچھتر سال کا سن شریف تھا۔ یہ عجیب اتفاق ہے کہ اس سال بہت بڑے بڑے فقہاء کا انتقال ہوا، اسی لئے اس سن کو سنة الفقہاء کہا جاتا تھا۔

فضل و کمال :

سعید بن مسیب گویا ایسے زمانہ میں پیدا ہوئے، جب رسالت کا مقدس دور ختم ہو چکا تھا۔ لیکن ابھی اس بہار کو گزرے ہوئے زیادہ زمانہ نہیں ہوا تھا، مدینہ کی گلی گلی عہد رسالت کے پھولوں سے بھری ہوئی تھی، دو چار کے سوا اکثر اکابر صحابہ جو علوم نبوی کے وارث تھے، مدینہ العلم کے زیب مند تھے، ابن مسیب کا علم کا فطری ذوق تھا، اس لئے ان بزرگوں کے فیض نے انہیں علم و عمل کا مجمع البحرین بنا دیا، وہ بالا اتفاق اپنے زمانہ میں علم و عمل اور جملہ علمی اور اخلاقی فضائل و کمالات میں یگانہ و یکتا تھے، امام نوویؒ لکھتے ہیں کہ ان کی امامت و جلالت، علمی فضیلت اور جملہ اعمال خیر میں ان کے

معاصرین پر ان کے تفوق اور برتری پر تمام علماء کا اتفاق ہے، ابن حبان لکھتے ہیں کہ وہ اپنے زمانہ میں تمام اہل مدینہ کے سردار تھے^۱۔ حافظ ذہبی ان کو امام شیخ الاسلام اور اجلہ تابعین میں لکھتے ہیں^۲۔ ابن عماد حنبلی لکھتے ہیں کہ ان کی ذات میں حدیث، تفسیر، فقہ زہد و ورع اور عبادت جملہ علمی اور عملی کمالات جمع تھے^۳۔

تفسیر قرآن :

جیسا کہ عماد کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ تفسیر قرآن میں بھی ان کو پورا کمال حاصل تھا، لیکن قرآن میں شدت احتیاط کی وجہ سے انہوں نے بحیثیت مفسر کوئی شہرت نہیں حاصل کی قرآن کی تفسیر میں وہ اتنے محتاط اور قشدد تھے کہ آیات قرآنی کی تفسیر و تاویل میں کبھی لب کشائی نہ کرتے تھے، جب ان سے کچھ پوچھا جاتا تو جواب دیتے کہ میں قرآن کے بارہ میں کچھ نہ کہوں گا^۴۔ اسی احتیاط کی وجہ سے ان کی قرآنی مہارت ظاہر نہ ہو سکی۔

حدیث : حدیث رسول کا انہیں خاص ذوق تھا۔ ایک ایک حدیث کے لئے وہ کئی کئی رات اور کئی کئی دن کا سفر کرتے تھے^۵۔ ایک طرف ان کا یہ ذوق تھا، دوسری طرف ان کا مولد و منشا یعنی مدینہ الرسول اکابر صحابہ سے جو علم حدیث کے اساطین تھے معمود تھا اور حضرت عثمانؓ، علیؓ، سعد بن ابی وقاصؓ، عبداللہ بن عمرؓ، ابن عباسؓ، ابن عمرو بن العاصؓ، زید بن ثابتؓ، حسان ابن ثابتؓ ابو موسیٰ اشعریؓ ابو درداءؓ انصاریؓ، ابوذر غفاریؓ، ابو قتادہ انصاریؓ، حکیم حزامؓ، جیسیر بن مطعمؓ، عبداللہ بن زبیرؓ، صفوان بن امیہؓ، مسور بن مخرمہؓ، جابر بن عبداللہؓ، ابوسعید خدریؓ، معاویہ بن ابی سفیانؓ، معمر بن عبداللہؓ، عبداللہ بن زید حارثیؓ، عتاب بن اسیدؓ، عثمان ابی العاصؓ وغیرہ صحابہ کرام کی بڑی جماعت موجود تھی۔

ابن مسیب نے ان تمام خرمونوں سے خوشہ چینی کی۔ مشہور حافظ حدیث صحابی حضرت ابو ہریرہؓ ان کے خسر تھے، اس تعلق سے ان خصوصیت کے ساتھ زیادہ فیض یاب ہوئے تھے۔ چنانچہ ان کی مرویات کا بڑا حصہ ابو ہریرہؓ ہی کی احادیث پر مشتمل ہے^۶۔ حافظہ اتنا قوی تھا کہ ایک مرتبہ جو بات کانوں میں پڑ جاتی تھی، وہ ہمیشہ کے لئے محفوظ ہو جاتی تھی^۷۔ اس حافظہ اور ذوق نے حدیث میں سعید بن مسیب کا دامن علم نہایت وسیع کر دیا تھا۔

۱۔ تہذیب الاسماء۔ جلد اول۔ ص ۲۲۰ ۲۔ تذکرۃ الحفاظ۔ جلد اول۔ ص ۴۶ ۳۔ شذرات الذهب۔

جلد اول۔ ص ۱۰۳ ۴۔ ابن سعد۔ جلد ۵۔ ص ۱۰۱ ۵۔ ایضاً۔ ص ۸۹ ۶۔ تہذیب و تہذیب۔ جلد ۴۔ ص ۸۴۔

۷۔ ابن سعد۔ جلد ۵۔ ص ۹۰

علماء کا اعتراف :

ان کے عہد کے تمام علماء ان کے کمال حفظ حدیث کے معترف تھے۔ مکحول جو خود بڑے امام اور محدث تھے کہتے تھے کہ میں نے علم کی تلاش میں ساری دنیا کا سفر کیا، لیکن سعید بن مسیب جیسا عالم کوئی نہیں ملا۔^۱ امام زین العابدین فرماتے تھے کہ سعید بن مسیب گذشتہ آثار کے سب سے بڑے واقف کار تھے۔^۲ علی بن مدائنی کہتے ہیں کہ تابعین کی جماعت میں سعید بن مسیب سے زیادہ وسیع العلم کسی کو نہیں جانتا۔^۳

روایات کا پایہ : محدثین اور ارباب فن کے نزدیک ان کی مرویات کا پایا اتنا بلند تھا کہ امام احمد بن حنبل وغیرہ ان کی مراسلات کو بھی صحاح کا درجہ دیتے تھے۔^۴ امام شافعی فرماتے تھے کہ سعید بن مسیب ہمارے نزدیک حسن ہیں۔^۵ اگرچہ حضرت عمرؓ سے سعید کا سماع ثابت نہیں ہے، لیکن امام احمد ان سے بھی ان کی روایت کو حجت سمجھتے تھے۔^۶ یحییٰ بن معین ان کی مراسلات کو حسن بصری کی مراسلات پر ترجیح دیتے تھے۔^۷ علی بن مدائنی کہتے تھے کہ کسی مسئلہ میں سعید بن مسیب کا صرف یہ کہہ دینا کہ اس بارہ میں سنت موجود ہے۔ کافی ہے۔^۸

فقہ : سعید بن مسیب کا خاص فن فقہ تھا، وہ اس عہد کے مدینہ کے ان سات مشہور فقہاء میں سے تھے، جو اس فن کے امام مانے جاتے تھے۔^۹ اور ان میں بھی بلکہ پوری جماعت تابعین میں ابن مسیب کا سب سے بلند تھا، ابن حبان کا بیان ہے، نہ سعید بن مسیب اپنے زمانہ میں اہل مدینہ کے سردار اور فتویٰ میں ان سب پر فائق تھے۔ ان کو فقہ الفقہاء کہا جاتا تھا۔ قوادہ کہتے تھے کہ میں نے ابن مسیب سے زیادہ حلال و حرام کا جاننے والا نہیں دیکھا۔ سلیمان بن موسیٰ کا بیان ہے کہ سعید بن مسیب افتہ التابعین تھے۔^{۱۰} باہر کے جو طالبین فقہ مدینہ آتے تھے، انہیں سیدھے ان کا گھر بتا دیا جاتا تھا۔ میمون ابن مہران کا بیان ہے کہ میں جب مدینہ گیا اور وہاں کے سب سے بڑے فقیہ کا پوچھا تو لوگوں نے سعید بن مسیب کے گھر پہنچا دیا۔^{۱۱}

عبد الرحمن بن زید بن اسلم کا بیان ہے کہ عبادلہ اربعہ یعنی عبداللہ بن عمرؓ عبداللہ بن عباس۔ عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ اور عبداللہ بن زبیرؓ کے بعد دنیا کے اسلام میں فقہ کی مسند موالی کے

۱۔ تہذیب الاسماء۔ جلد اول۔ ق اول۔ ص ۲۲۰ ۲۔ ابن سعد۔ جلد ۵۔ ص ۹۰ ۳۔ تہذیب الاسماء۔ جلد اول۔ ق اول۔ ص ۲۲۰ ۴۔ تذکرۃ الحفاظ۔ جلد اول۔ ص ۴۷ ۵۔ تہذیب المعجم۔ جلد ۲۔ ص ۸۶ ۶۔ ایضاً۔ ص ۸۵ ۷۔ تہذیب المعجم۔ جلد ۲۔ ص ۸۶ ۸۔ تہذیب الاسماء۔ جلد ۱۔ ق ۱۔ ص ۲۲۰ ۹۔ اعلام الموقعین۔ جلد اول۔ ص ۲۵ ۱۰۔ تہذیب الاسماء۔ جلد اول۔ ق اول۔ ص ۲۲۰ ۱۱۔ ابن سعد۔ جلد ۵۔ ص ۹۰

قبضہ میں آگئی تھی، مکہ کے فقیر عطاء تھے۔ یمن کے طاؤس یمامہ کے یحییٰ بن ابی کثیر، بصرہ کے حسن بصری، کوفہ کے ابراہیم نخعی، شام کے مکحول، اور خراسان کے عطاء خراسانی، صرف مدینہ کی مسند ایک قرشی یعنی سعید بن مسیب کے حصہ میں رہی۔

شیخین کے فیصلوں سے واقفیت :

اگرچہ سعید بن مسیب نے آنحضرت ﷺ اور حضرت ابو بکرؓ کا زمانہ نہیں پایا، عہد فاروقی میں بہت صغیر السن تھے، لیکن تلاش و جستجو سے وہ آنحضرت ﷺ اور ابو بکرؓ و عمرؓ کے فیصلوں کے سب سے بڑے واقف کار بن گئے تھے۔ وہ فرماتے تھے کہ اب مجھ سے زیادہ رسول اللہ ﷺ اور ابو بکرؓ و عمرؓ کے فیصلوں کا جاننے والا کوئی نہیں ہے، حضرت عمرؓ کے فیصلوں سے خصوصیت کے ساتھ زیادہ واقفیت رکھتے تھے، اسی لئے وہ روایہ عمرؓ کہلاتے تھے۔

حضرت عمرؓ کے احکام اور فیصلوں کے بارہ میں ان کا علم اتنا وسیع تھا کہ حضرت عمرؓ کے صاحبزادے عبداللہ تک جو خود حمر الامۃ تھے اپنے والد بزرگوار کے بعض حالات کے متعلق ان سے معلومات حاصل کرتے تھے۔

فقہ میں حضرت عمرؓ کا مرتبہ محتاج بیان نہیں، آپ کے زمانہ میں صد ہائے مسائل پیدا ہوئے آپ نے ان جدید مسائل کے متعلق قوانین بنائے اور فیصلے دیے، یہ سارا ذخیرہ معلومات ابن مسیب کے حصہ میں آیا، حضرت عثمانؓ کے فیصلوں سے بھی واقفیت تھی۔

صحابہ کا اعتراف :

یہ خصوصیت و جامعیت تابعی کیا کسی صحابی میں بھی مشکل سے نکل سکتی تھی اسی لئے وہ عہد صحابہ ہی میں صاحب افتاد ہو گئے تھے۔ اور بڑے بڑے صحابہ ان کی اس اہلیت کو تسلیم کرتے تھے، حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے تھے واللہ وہ مفتیوں میں سے ایک ہیں۔ کبھی کبھی سائلین کو ان کے پاس بھیج دیتے تھے، ایک مرتبہ ایک شخص نے آپ سے کوئی مسئلہ پوچھا آپ نے اس سے کہا سعید بن مسیب کے پاس جاؤ اور وہ جو جواب دیں وہ مجھے بھی آکر بتانا، اس نے اس حکم کی تعمیل کی، ابن عمرؓ نے جواب سن کر فرمایا میں تم لوگوں سے نہیں کہتا ہوں کہ وہ علماء میں ہیں۔

۱۔ شذرات الذہب۔ جلد ۱۔ ص ۱۰۳ ۲۔ شذرات الذہب۔ جلد ۱۔ ص ۸۹ ۳۔ تہذیب احمدیہ۔ جلد ۴۔ ص ۸۶

۴۔ ابن سعد۔ جلد ۵۔ ص ۸۹ ۵۔ ابن سعد۔ جلد ۵۔ ص ۸۹ ۶۔ تہذیب احمدیہ۔ جلد ۴۔ ص ۸۲

۷۔ ابن خلکان۔ جلد اول۔ ص ۲۰۶

اکابر علماء اور تابعین کا اعتراف و استفادہ :

اس عہد کے تمام بڑے بڑے علماء اور اکابر تابعین ان کے کمالات کے اتنے معترف تھے کہ مشکل مسائل میں وہ خود ان کی طرف رجوع کرتے تھے، اور دوسروں کو ان سے استفادہ کرنے کی ہدایت کرتے تھے، حضرت حسن بصری جیسے بزرگ کو جب کسی مسئلہ میں اشکال پیش آتا تھا تو وہ ان کے پاس لکھ بھیجتے تھے۔

امام ابن شہاب زہری کا بیان ہے کہ عبد اللہ بن ثعلبہ نے مجھ کو ہدایت کی تھی کہ اگر تم فقہ حاصل کرنا چاہتے ہو تو اس شیخ (سعید بن مسیب) کا دامن پکڑو۔ حضرت عمر بن عبد العزیز بغیر ان سے پوچھے ہوئے کوئی فیصلہ نہیں کرتے تھے، اور ان کا اتنا احترام کرتے تھے، کہ انہیں اپنے پاس بلانے کی زحمت نہ دیتے تھے، بلکہ آدمی کے ذریعہ سے پچھوا بھیجتے تھے، فرماتے تھے کہ مدینہ میں کوئی عالم ایسا نہ تھا جو اپنے علم کو لے کر خود میرے پاس نہ آیا ہو، لیکن ابن مسیب کا علم میرے پاس لایا جاتا تھا۔

ایک مرتبہ ایک شخص کو ابن مسیب کے پاس کوئی مسئلہ پوچھنے کے لئے بھیجا، وہ پوچھنے کے بجائے انہیں بلا لے گیا۔ عمر بن عبد العزیز نے انہیں دیکھ کر فرمایا، اس نے غلطی سے آپ کو تکلیف دی میں نے تو صرف پوچھنے کے لئے بھیجا تھا۔

تلامذہ : ابن مسیب کے تلامذہ کا دائرہ نہایت وسیع تھا، بعض مشہور اور ممتاز تلامذہ کے نام یہ ہیں، سالم بن عبد اللہ بن عمر، زہری، قتادہ، شریک بن ابی نمیر۔ ابوالثرناد، سعد بن ابراہیم، عمرو بن مرہ، یحییٰ بن سعید انصاری۔ داؤد بن ابی ہند۔ طارق بن عبد الرحمن۔ عبد الحمید بن جبیر، شعبہ عبد الحلق بن سلمہ، عبد المجید بن سہیل۔ عمرو بن مسلم، امام باقر، ابن منکدر، ہاشم بن ہاشم بن عتبہ اور یونس بن یوسف وغیرہ۔

ذوق سخن : سعید بن مسیب اگرچہ خالص مذہبی بزرگ تھے، اس کے باوجود ان کو شعر و سخن کا بھی مذاق تھا، وہ اسے خلاف تقویٰ نہیں سمجھتے تھے، کسی نے ان سے کہا کہ عراق میں کچھ لوگ ایسے ہیں جو شعر و شاعری کو برا سمجھتے ہیں، فرمایا ان لوگوں نے عجی تشقף اختیار کر لیا ہے۔ آپ خود تو شعر نہیں کہتے تھے، لیکن شعر سننا پسند کرتے تھے۔

۱۔ تذکرۃ الحفاظ۔ جلد اول۔ ص ۹۷ ۲۔ تہذیب المعجم۔ جلد ۴۔ ص ۸۴ ۳۔ ابن سعد۔ جلد ۵۔ ص ۹۰

۴۔ ایضاً ۵۔ تہذیب المعجم۔ جلد ۴۔ ص ۸۵ ۶۔ کتاب المعجم۔ ابن رشتہ۔ ص ۱۱

تعبیر خواب : آپ کے صحیفہ کمال کا ایک نمایاں باب تعبیر خواب بھی ہے، آپ کو اس سے فطری مناسبت بھی، اس فن کو آپ نے حضرت ابوبکرؓ کی صاحبزادی اسماء سے سیکھا تھا۔ جنہوں نے اپنے والد بزرگوار سے حاصل کیا تھا۔

آپ کی تعبیروں کی بڑی شہرت تھی، اور بکثرت لوگ آپ کے پاس تعبیر لینے کے لئے آتے تھے، جب کوئی شخص آتا اور تعبیر کے لئے خواب بیان کرتا تو آپ تقاضا پہلے فرماتے کہ تم نے اچھی بات دیکھی ہے۔ اس موقع پر ہم یہاں چند خواب اور ان کی تعبیریں نقل کرتے ہیں۔

حضرت عبداللہ بن زبیرؓ اور عبدالملک کی جنگ کے زمانہ میں ایک شخص نے آپ سے بیان کیا کہ میں نے خواب دیکھا ہے کہ عبدالملک کو میں نے حت لٹا کر پھر منہ کے بل کر کے ان کی پیٹھ میں چار میخیں ٹھونک دی ہیں، یہ خواب سن کر انہوں نے اس شخص سے کہا تم نے خود یہ خواب نہیں دیکھا ہے، اس نے کہا نہیں میں نے ہی دیکھا ہے، سعید نے کہا اگر تم صحیح نہیں بیان کرتے تو میں خود بتائے دیتا ہوں، ان کے اس کہنے پر اس شخص نے اقرار کیا کہ میں نے نہیں بلکہ ابن زبیرؓ نے دیکھا ہے، اور مجھے آپ کے پاس تعبیر کے لئے بھیجا ہے، فرمایا اگر تم نے خواب صحیح بیان کیا ہے تو عبدالملک ابن زبیر کو قتل کر دے گا۔ اور اس کی صلب سے چار خلیفہ ہوں گے۔

ایک اور شخص نے خواب دیکھا کہ عبدالملک نے چار مرتبہ مسجد نبوی کے سامنے پیشاب کیا ہے۔ حضرت سعید بن مسیب نے اس کی یہ تعبیر دی کہ عبدالملک کی صلب سے چار خلیفہ ہوں گے، ان دونوں خوابوں کی تعبیر بالکل صحیح نکلی، ابن زبیرؓ عبدالملک کے مقابلہ میں مقتول ہوئے۔ اور عبدالملک کے چار لڑکے خلیفہ ہوئے۔ ولید، سلیمان، یزید ثانی، اور ہشام۔

حضرت شریک بن نمیر نے اپنا خواب بیان کیا کہ میں نے دیکھا کہ میرے دانت میرے ہاتھوں میں گر گئے ہیں، اور میں نے انہیں دفن کر دیا، ابن مسیب نے اس کی تعبیر دی کہ تم اپنے خاندان کے اپنے ہم سنوں کو دفن کرو گے۔

ایک اور شخص نے بیان کیا کہ میں نے خواب دیکھا کہ اپنے ہاتھ میں پیشاب کر رہا ہوں، سعید نے تعبیر دی کہ تمہاری بیوی تمہاری محرم ہے، تحقیقات کی تو واقعی اس کی بیوی اس کے رضائی محرمات میں نکلی۔

مسلم الخياط کا بیان ہے کہ ایک شخص نے یہ خواب بیان کیا کہ ایک کبوتر مسجد کے منارہ پر آکر بیٹھ گیا۔ آپ نے تعبیر دی کہ حجاج، جعفر بن ابی طالب کی پوتی سے شادی کرے گا۔

ایک اور شخص نے اپنا خواب بیان کیا، کہ ایک بکر لٹھیہ الودع سے دوڑتا ہوا آیا اور کہنے لگا مجھے ذبح کرو، ابن مسیب نے تعبیر دی کہ ابن صلاء مرجائیں گئے، ابن صلاء مدینہ کے موالیٰ میں تھے، اور لوگوں کے ساتھ سعی کیا کرتے تھے۔

عبدالرحمن بن سائب کا بیان ہے کہ قبیلہ فہم کے ایک آدمی نے بیان کیا کہ اس نے خواب میں دیکھا کہ وہ آگ میں گھس رہا ہے۔ ابن مسیب نے تعبیر دی کہ تم اپنی موت سے پہلے بحری سفر کرو گے اور تمہاری موت قتل کے ذریعہ سے ہوگی۔ عبدالرحمن کا بیان ہے کہ واقعی اس شخص نے سمندر کا سفر کیا اور دوران سفر میں ہلاک ہوتے ہوئے بچا، پھر قدید کے معرکہ میں مقتول ہوا۔

حصین بن عبداللہ کا بیان ہے کہ میری خواہش کے باوجود میرے کوئی اولاد نہ ہوتی تھی، میں نے خواب دیکھا کہ میری گود میں کسی نے ایک انڈا پھینک دیا ہے۔ میں نے ابن مسیب سے بیان کیا، انہوں نے کہا وہ انڈا عجی مرغی کا ہے۔ تم عجم میں رشتہ پیدا کرو چنانچہ میں نے ایک عجی لونڈی کو بیوی بنالیا، اس کے بطن سے لڑکا پیدا ہوا۔

ایک شخص نے بیان کیا کہ میں نے خواب دیکھا ہے کہ میں سایہ میں بیٹھا ہوں۔ پھر اٹھ کر دھوپ میں چلا گیا، ابن مسیب نے کہا خدا کی قسم اگر تمہارا خواب سچا ہے تو تم اسلام کے دائرہ سے نکل جاؤ گے، یہ سن کر اس شخص نے اپنے بیان کی تصحیح کی کہ مجھے زبردستی دھوپ میں لایا گیا۔ لیکن پھر میں موقع پا کے نکل آیا، اس وقت ابن مسیب نے تعبیر میں یہ ترمیم کر دی کہ تم کفر پر مجبور کئے جاؤ گے، یہ تعبیر بالکل صحیح نکلی، یہ شخص عبدالملک کے زمانہ میں کسی جنگ میں قید ہو کر زبردستی کفر پر مجبور کیا گیا، لیکن پھر چھوٹ کر مدینہ واپس آیا یہ واقعہ خود یہ شخص بیان کرتا تھا۔

کلمات طیبات :

سعید بن مسیب کے کلمات طیبات اور حکیمانہ اقوال بڑے سبق آموز ہیں فرماتے تھے کہ شیطان جب کسی کام میں انسان سے مایوس ہو جاتا ہے تو اس کو عورتوں کے ذریعہ سے پورا کرتا ہے۔ میں اپنے نفس کے بارہ میں سب سے زیادہ عورتوں سے خوف کرتا ہوں، لوگوں نے عرض کیا ابو محمد آپ جیسے ضعیف العمر آدمی کو تو عورتوں کی خواہش باقی نہیں رہ جاتی، اور نہ

۱۔ یہ تمام خواب اور اس کی تعبیریں ابن سعد نے نقل کی ہیں دیکھو۔ جلد ۵۔ ص ۹۱ تا ۹۳ ۲۔ مختصر منقوۃ الصحفہ۔ ص ۱۳۰

خود عورتیں ایسے شخص کی خواہش مند ہوتی ہیں۔ (پھر کیا خطرہ) فرمایا لیکن جو کچھ میں تم سے کہتا ہوں وہ واقعہ ہے۔^۱

فرماتے تھے کہ خدا کی اطاعت کرنا بندوں کے لئے اپنے نفس کی سب سے بڑی عزت کرنا ہے اور اس کی سب سے بڑی تحقیر خدا کی نافرمانی ہے۔

دنیا ایک فرد مایہ شے ہے اور ہر اس فرد مایہ کی طرف مائل ہوتی ہے۔ جو بغیر حق کے اسے حاصل کرتا ہے بے جا وسیلوں سے طلب کرتا ہے، اور بے محل صرف کرتا ہے۔

اس دولت دنیا میں کوئی خیر نہیں ہے جس کو انسان اس نیت سے حاصل نہیں کرتا کہ اس کے ذریعہ۔ وہ اپنے مذہب اور اپنی شرافت کو بچائے اور صلہ رحم کرے۔ ظلم کے احوال و انصار کو جب بھی دیکھو تو دل سے ان کے مظالم سے نفرت کرو تا کہ تمہارے اچھے اعمال برباد نہ ہو جائیں۔

تمام انسان خدا کی پناہ و نگرانی میں اعمال کرتے ہیں، جب خدا انہیں رسوا کرنا چاہتا ہے تو ان کو اپنی پناہ و نگرانی سے نکال دیتا ہے۔ اس وقت لوگوں میں اس کا پردہ فاش ہو جاتا ہے۔

کوئی شریف کوئی عالم اور کوئی باکمال ایسا نہیں ہے، جس میں کوئی نہ کوئی عیب نہ ہو۔ لیکن ان میں سے کچھ لوگ ایسے ہیں جن کے عیوب بیان نہ کرنا چاہئیں، اور یہ وہ ہیں جن کی بھلائیاں ان کی خامیوں سے زیادہ ہوں، ان کی خامیوں سے ان بھلائوں کی وجہ سے درگزر کرنا چاہئے۔^۲

آپ کے غلام برد نے ایک مرتبہ آپ سے بعض آدمیوں کی کثرت عبادت کا تذکرہ کیا کہ وہ لوگ ظہر سے عصر تک برابر عبادت کرتے رہتے ہیں، آپ نے فرمایا برد خدا کی قسم یہ عبادت نہیں ہے، تم جانتے بھی ہو عبادت کسے کہتے ہیں، عبادت کہتے ہیں امور الہی میں غور فکر کرنے اور اس کے محارم سے بچنے کو۔^۳

فضائل اخلاق : علمی کمالات کے ساتھ سعید بن مسیب فضائل اخلاق کی دولت سے بھی مالا مال تھے، اور اقلیم علم و عمل دونوں پر اس کی فرماں روائی یکساں تھی۔

زہد و ورع : وہ بڑے عابد و زاہد بزرگ تھے، ابن حبان لکھتے ہیں کہ ابن مسیب فقہ دین داری زہد و ورع، عبادت و ریاضت جملہ فضائل میں سادات تابعین میں تھے۔^۴ امام نووی لکھتے ہیں کہ ان کی علمی جلالت و امامت اور ان کی دینی و بزرگی پر سلف و خلف کے اقوال متفق ہیں۔^۵

۱۔ ابن سعد۔ جلد ۵۔ ص ۱۰۰ ۲۔ یہ تمام اقوال مختصر صفۃ الصوفیہ۔ ص ۱۳۹ سے ماخوذ ہیں ۳۔ ابن سعد۔ جلد ۵۔ ص ۱۰۰

۴۔ تہذیب التہذیب۔ جلد ۴۔ ص ۸۷ ۵۔ تہذیب الاسماء۔ جلد اول۔ ق اول۔ ص۔

جماعت کا اہتمام: نماز باجماعت میں اتنا اہتمام تھا کہ چالیس ۴۰ سال اور ایک روایت کے مطابق پچاس ۵۰ سال تک ایک وقت بھی نماز باجماعت مانع نہ ہوئی۔ کبھی ایسے وقت مسجد آنے کا اتفاق نہیں ہوا، جب لوگ نماز تمام کر کے واپس جا رہے ہوں۔

ان پُر آشوب زمانوں میں بھی جب کہ مدینہ میں گھر سے باہر قدم نکالنا اپنے کو ہلاکت میں ڈالنا تھا، ابن مسیب سے مسجد نہ چھوٹی، مدینہ کی تاریخ میں حرہ کا واقعہ نہایت مشہور واقعہ ہے، یہ واقعہ یزید اور عبداللہ بن زبیرؓ کے اختلاف کے زمانہ میں پیش آیا تھا اہل مدینہ نے جب عبداللہ بن زبیرؓ کی حمایت میں عبداللہ بن حنظلہ کو سردار بنا کر یزید کی بیعت توڑ دی تھی اس وقت یزید کی فوجیں تین دن تک برابر مدینہ الرسول میں قتل عام کرتی اور اس کو لوٹی رہیں۔ اس پر آشوب زمانہ میں کوئی شخص گھر سے باہر قدم رکھنے کی ہمت نہ کرتا تھا، مسجدوں میں بالکل سناٹا رہتا تھا، ایسے نازک وقت میں بھی سعید بن مسیب مسجد ہی میں جا کر نماز پڑھتے تھے، بنی امیہ انہیں دیکھ کر کہتے ذرا اس بوزھے مجنون کو دیکھو (کہ اس حالت میں بھی مسجد نہیں چھوڑتا)۔

نماز باجماعت کے خیال سے علاج اور صحت کے لئے بھی ایسے مقامات پر نہ جاتے تھے جہاں نماز باجماعت کا انتظام نہ ہو سکتا ہو، آپ کی آنکھ میں شکایت پیدا ہو گئی تھی، لوگوں نے مشورہ دیا کہ مدینہ سے باہر عقیق چلے جاؤ، وہاں کے سبزہ زار سے آپ کی آنکھوں کو فائدہ پہنچے گا، فرمایا رات اور صبح کی نماز کی حاضری کو کیا کروں۔

ابن شہاب زہری کا بیان ہے کہ میں نے ایک مرتبہ ابن مسیب سے دیہات کی خوبیوں اور اس کی پر لطف زندگی کا تذکرہ کر کے ان سے کہا کیا اچھا ہوتا آپ کچھ دنوں کے لیے دیہات چلے جاتے، فرمایا رات کی نماز کی حاضری کس طرح ہوگی۔

عبادت شب اور محاسبہ نفس:

آپ کی عبادت کا اصل وقت تاریکی شب میں تھا، اس وقت اپنے نفس کا محاسبہ کرتے تھے، روزانہ رات گئے اپنے نفس سے خطاب کرتے کہ برائیوں کا سرچشمہ اٹھ میں تجھ کو اس اونٹ کی طرح خستہ کر کے چھوڑوں گا جو خشکی اور ماندگی سے چلنے میں لڑکھڑاتا ہے۔ یہ کبریا کرتہ میں شغل ہو جاتے تھے بلور صبح تک پڑھتے رہتے، رات بھر کھڑے کھڑے دنوں پاؤں سوچ جاتے تھے۔ صبح کو پھر

۱۔ ابن سعد۔ جلد ۵۔ ص ۹۷

۲۔ ابن سعد۔ جلد ۵۔ ص ۹۷

۳۔ ایضاً۔ ص ۹۰

۴۔ مغنۃ الصلوٰۃ۔ ص ۱۳۰

۵۔ ابن سعد۔ جلد ۵۔ ص ۱۹۷

نفس سے مخاطب ہو کر فرماتے، تجھے اسی کا حکم دیا گیا ہے، اور تو اسی کے لیے پیدا کیا گیا ہے۔
روزے : ممنوعہ دنوں کے علاوہ ہمیشہ روزہ رکھتے تھے، مغرب کے وقت افطار کے لیے گھر سے
پینے کی کوئی چیز آجاتی تھی اسی سے مسجد میں افطار کرتے تھے۔

حج : قریب قریب ہر سال حج کرتے تھے۔ بعض روایتوں کے مطابق آپ کے حجوں کی مجموعی تعداد
پچاس تک پہنچتی ہے۔ بنی امیہ نے خلافت کی وجہ سے درمیان میں کچھ دنوں کے لئے ان کو حج سے
روک دیا تھا۔ علی بن زید نے ایک مرتبہ ان سے کہا کہ آپ کی قوم کا خیال ہے کہ آپ کو حج سے اس لئے
روکا گیا ہے کہ آپ نے اپنے اوپر یہ لازم کر لیا تھا کہ جب کعبہ کو دیکھیں گے تو آل مردان کے لئے
بدعا کریں گے۔ فرمایا صحیح نہیں ہے۔ لیکن میں ہر نماز میں ان کے لئے بدعا کرتا ہوں۔

ساری عمر میں صرف ایک حج یا عمرہ فرض ہے، اور میں بیس حج سے زیادہ کر چکا ہوں۔ تمہاری
قوم میں بہترے ایسے آدمی ہیں، جنہیں دینداری کا دعویٰ ہے، اور وہ حج اور عمرہ کر کے مرجاتے ہیں،
لیکن ان کا حج نہیں ہوتا۔ میں تو نفل کے حج اور عمرہ سے جمعہ کی نماز کو زیادہ ترجیح دیتا ہوں۔

تلاوت : قرآن کی تلاوت کبھی مانع نہ ہوتی تھی، سفر کی حالت میں سواری پر تلاوت کرتے تھے۔
محرمات الہی کا احترام :

آپ تمام محترم چیزوں کی بڑی عظمت کرتے تھے۔ انبیاء و رسل کا اتنا احترام تھا کہ ان کے
نام پر اپنے لڑکوں کے نام رکھنا پسند نہ کرتے تھے۔ قرآن اور مسجد کی اتنی عظمت کرتے تھے کہ اس کی تصغیر
بھی گوارہ نہ تھی۔

ابن حرمہ کا بیان ہے کہ سعید بن مسیب کہتے تھے کہ مصحف اور مسجد یعنی چھوٹا قرآن اور
چھوٹی مسجد نہ کہا کرو۔ خدا نے جس چیز کو بڑائی بخشی ہے اس کی عظمت کیا کرو، خدا نے جس کو بڑائی دی
ہے وہ بڑی اور اچھی ہے۔

بیماری کی حالت میں بھی حدیث سناتے وقت اٹھ کر بیٹھ جاتے تھے۔ ایک مرتبہ کسی شخص
نے بیماری کی حالت میں آپ سے ایک حدیث پوچھی، آپ لیٹے ہوئے تھے، فوراً اٹھ کر بیٹھ گئے، سائل
نے کہا میں چاہتا تھا کہ آپ زحمت نہ اٹھاتے، آپ نے فرمایا میں لیٹے لیٹے رسول اللہ ﷺ کی حدیث
بیان کرنا برا سمجھتا ہوں۔

اخلاق و آداب : عادات و خصائل میں سعید بن مسیب صحابہ کرام کا نمونہ تھے۔ بڑے بڑے صحابہ ان کے اخلاقی کمالات کے معترف تھے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے تھے کہ اگر رسول اللہ ﷺ ان کو دیکھتے تو خوش ہوتے۔

نرمی و صلح پسندی :

طبعاً بڑے نرم اور صلح پسند تھے، اختلاف اور جنگ و جدال کو سخت نا پسند کرتے تھے، عمران بن عبداللہ خزاعی کا بیان ہے کہ سعید بن مسیب کسی سے جھگڑتے نہ تھے اگر کوئی شخص ان کی چادر چھینتا چاہتا تو وہ اس کو خود اس کی طرف پھینک دیتے۔

شدت احتیاط :

منہیات کے بارے میں اس قدر محتاط تھے کہ بچوں کے کھیل تک میں اس کا لحاظ رکھتے تھے۔ چنانچہ اپنی لڑکی کو ہاتھی دانت کی گڑیا کھیلنے کی اجازت نہ دیتے تھے۔

جرات و حق گوئی :

لیکن اعلان حق میں یہ نرمی درستی اور سختی سے بدل جاتی تھی، حافظ ذہبی لکھتے ہیں کہ سعید بن مسیب بڑے حق گو تھے۔ حق کے مقابلہ میں وہ کبھی خاموش نہ رہتے تھے، اس سلسلہ میں انہوں نے جو سختیاں جھیلیں اس کے حالات اوپر گزر چکے ہیں، بنی امیہ کے مقابلہ میں ان کی تیغ زبان ہمیشہ بے نیام رہتی تھی۔ کسی موقع پر بھی ان کی عیب چینی سے باز نہ رہتے تھے۔

مطلب بن سائب کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ میں ابن مسیب کے ساتھ بازار میں بیٹھا ہوا تھا کہ بنی مروان کا ہرکارہ لادھر سے گزرا۔ سعید نے پوچھا، تم بنی مروان کے ہرکارے ہو۔ اس نے کہا، ہاں! پوچھا تم نے ان کو کس حال میں چھوڑا۔ اس نے کہا، اچھے حال میں۔ ابن مسیب نے کہا وہ انسانوں کو بھوکا رکھتے ہیں اور کتوں کا پیٹ بھرتے ہیں۔ یہ سن کر ہرکارہ سخت غضبناک ہوا۔

میں نے سمجھا بجھا کر کسی طرح اسے واپس کیا اور سعید سے کہا کہ خدا تمہاری مغفرت کرے، تم کیوں اپنی جان کے پیچھے پڑے ہو۔ انہوں نے کہا، احمق چپ رہ۔ خدا کی قسم جب تک میں خدا کے حقوق کی حفاظت کرتا ہوں، اس وقت تک وہ مجھے ان کے قبضہ میں نہ دے گا۔

۱۔ ابن خلکان۔ جلد اول۔ ص ۲۰۶ ۲۔ ابن سعد۔ جلد ۵۔ ص ۱۹۹ ۳۔ ایضاً ۴۔ تذکرۃ الحفاظ۔ جلد اول۔ ص ۹۴ ۵۔ تذکرۃ الحفاظ۔ جلد اول۔ ص ۴۷

خلفاء اور سلاطین سے بے نیازی :

خلفاء اور سلاطین کے مقابلہ میں سعید بن مسیب کی بے نیازی بے اعتنائی کے درجہ تک پہنچی ہوئی تھی، انہوں نے متعدد اموی خلفاء کا زمانہ پایا، لیکن ان میں سے کسی کے سامنے سر خم نہیں کیا بلکہ، ان کو قابل التفات بھی نہیں سمجھا، عبد الملک کے ساتھ ان کے کئی واقعات اس قسم کے پیش آئے جن سے ان کی عظمت کا اندازہ ہوتا ہے۔ اگر عبد الملک کبھی ان سے ملنے کی خواہش بھی کرتا تھا۔ تو وہ انکار کر دیتے تھے۔

ایک مرتبہ وہ مدینہ گیا اور مسجد نبوی کے دروازہ پر کھڑے ہو کر انہیں ملنے کے لیے بلا بھیجا، عبد الملک کے آدمی نے ان کے پاس جا کر کہا امیر المؤمنین دروازہ پر کھڑے ہیں، آپ سے کچھ باتیں کرنا چاہتے ہیں، انہوں نے جواب دیا نہ امیر المؤمنین کو مجھ سے کوئی ضرورت ہے اور نہ مجھے ان سے اگر امیر المؤمنین کی کوئی ضرورت ہو بھی تو وہ پوری نہیں ہو سکتی۔ آدمی نے جا کر عبد الملک کو یہ جواب سنایا، اس نے پھر اس کو واپس کیا کہ وہ دوبارہ جا کر کہے لیکن اگر وہ نہ آئیں تو زبردستی نہ کرنا آدمی نے دوبارہ جا کر کہا پھر وہی جواب ملا۔ عبد الملک کے آدمی نے یہ خشک جواب سن کر کہا اگر امیر المؤمنین نے ہدایت نہ کر دی ہوتی تو میں تمہارا سر لے جاتا۔ امیر المؤمنین تم کو بار بار بلا بھیجتے ہیں اور تم اس قسم کا جواب دیتے ہو۔

حضرت ابن مسیب نے کہا اگر وہ میرے ساتھ کوئی بھلائی کرنا چاہتا ہے تو وہ تمہیں بخشا ہوں اور اگر اس کا کچھ اور ارادہ ہے تو میں اس وقت تک بیوہ^۱ نہ کھو لوں گا، جب تک وہ جو کچھ کرنا چاہتا ہے، اسے کرنے گزرے۔ عبد الملک کے آدمی نے پھر واپس جا کر یہ جواب سنایا۔ اس نے سن کر کہا، خدا ابو محمد پر رحم کرے، ان کی سختی بڑھتی ہی جاتی ہے۔

ایک مرتبہ اور عبد الملک مدینہ آیا ہوا تھا۔ ایک رات اسے خیند نہیں آئی، اس نے حاجب کو حکم دیا کہ مسجد میں جا کر دیکھو اگر مدینہ کا کوئی تہ۔ خوان مل جائے تو لے آؤ۔ حاجب مسجد گیا مگر ایسے وقت یہاں کون ملتا۔ سعید بن مسیب: لرو شغل میں مشغول تھے۔ حاجب انہیں پہچانتا نہ تھا، ان کے سامنے جا کر کھڑا ہو گیا اور اشارہ سے ان کو بلایا۔ یہ اپنی جگہ بیٹھ رہے۔

حاجب نے یہ خیال کر کے کہ یہ شخص عوام متوجہ نہیں ہو رہا ہے قریب با کر اشارہ کیا اور کہا میں نے تم کو اشارہ کیا تھا، تم نے دیکھا نہیں۔ ابن مسیب نے کہا اپنی ضرورت بیان کرو۔ حاجب نے کہا

امیر المومنین کی آنکھ کھل گئی ہے، انہوں نے مجھے حکم دیا ہے کہ کسی باتیں کرنے والے کو لے آؤں۔ اس لئے تم چلو۔ ابن مسیب نے پوچھا کیا مجھ کو بلایا ہے۔ حاجب نے کہا نہیں۔ انہوں نے کہا تھا کہ جا کر دیکھو اگر اہل شہر میں سے کوئی قصہ خوان ہو تو لے آؤ۔ میں نے تم سے زیادہ مستعد کسی کو نہیں پایا۔

یہ سن کر ابن مسیب نے کہا، امیر المومنین سے جا کر کہہ دو کہ میں ان کا قصہ خوان نہیں ہوں۔ یہ جواب سن کر حاجب سمجھا کہ یہ کوئی دیوانہ آدمی ہے، اس لئے لوٹ گیا، اور عبدالملک سے کہا کہ مسجد میں صرف ایک بوڑھا شخص نظر آیا میں نے اس کو اشارہ کیا، مگر وہ اپنی جگہ سے نہ ہلا۔ پھر میں نے اس کے پاس جا کر کہا کہ امیر المومنین نے مجھے کسی باتیں کرنے والے کو بلانے کے لئے بھیجا ہے اس شخص نے جواب دیا کہ امیر المومنین سے جا کر کہہ دو کہ میں ان کا قصہ خوان نہیں ہوں۔ عبدالملک ان کے مزاج سے خوب واقف تھا، اس لئے یہ واقعہ سن کر اس نے کہا وہ سعید بن مسیب ہیں انہیں چھوڑ دو۔

امیر عبدالملک کو ایسے ایسے تلخ جواب دیتے تھے کہ معمولی آدمیوں کو بھی نہیں دیئے جاسکتے ایک مرتبہ اس نے ان سے کہا ابو محمد اب میری یہ حالت ہو گئی ہے کہ اگر اچھا کام کرتا ہوں تو اس کی کوئی خوشی نہیں ہوتی برا کام کرتا ہوں تو اس کا کوئی رنج نہیں ہوتا، فرمایا اب تمہارا قلب پوری طرح سے مر گیا ہے۔

امیر عبدالملک کے بعد ولید کے ساتھ بھی یہی طرز عمل رہا۔ مسجد نبوی کی تعمیر تو وسیع کرانے کے بعد جب ولید اس کے معائنہ کے لیے آیا تو مسجد میں جس قدر آدمی تھے سب ہٹا دیئے گئے۔ ابن مسیب بھی مسجد کے ایک گوشہ میں تھے، انہیں اٹھانے کی کسی کوشش نہ ہوئی۔ ایک شخص نے صرف اتنا کہا کہ اس وقت اگر آپ ہٹ جاتے تو اچھا ہوتا۔ آپ نے جواب دیا، میرے اٹھنے کا جو وقت ہے اس سے پہلے نہ اٹھوں گا۔ عرض کیا گیا، اچھا نہ اٹھیے۔ لیکن کم از کم اتنا کیجئے کہ جب امیر المومنین ادھر سے گزریں تو سلام کے لئے کھڑے ہو جائیے۔

فرمایا، خدا کی قسم میں اس کے لئے نہیں کھڑا ہو سکتا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز ولید کو مسجد کا معائنہ کر رہے تھے۔ یہ ابن مسیب کے مرتبہ شناس اور ان کی طبیعت سے واقف تھے۔ اس لئے ولید کی نظر سے بچانے کے لئے اس کو دوسری سمتوں میں ادھر ادھر پھراتے رہے لیکن جب وہ قبلہ کی طرف

بڑھا تو اس کی نظر ابن مسیب پر پڑ گئی۔ اس نے پوچھا، یہ شیخ کون ہیں؟ سعید تو نہیں ہیں۔ عمر بن عبدالعزیز نے جواب دیا، ہاں! اور ان کی جانب سے معذرت کے طور پر ان کی مجبوریاں بیان کرنے لگے کہ اب وہ بہت ضعیف ہو گئے ہیں، آنکھوں سے کم دکھائی دیتا ہے اگر وہ آپ کو پہچانتے تو سلام کے لئے ضرور اٹھتے۔ ولید نے کہا، ہاں! میں ان کی حالت سے واقف ہوں۔ میں خود ان کے پاس چلتا ہوں۔ چنانچہ گھومتا پھرنا سعید کے پاس پہنچا اور پوچھا، شیخ کیسا مزاج ہے؟ شیخ نے اپنی جگہ بیٹھے بیٹھے جواب دیا، الحمد للہ اچھا ہوں، لیکن اتنا اخلاق برتا کہ جواب میں ولید کا مزاج پوچھ لیا۔ اس مختصر گفتگو کے بعد ولید یہ کہتا ہوا لوٹ گیا کہ یہ پرانی یادگار ہیں!۔

پردہ پوشی : اگرچہ سعید احکام خداوندی کے باب میں متشدد تھے لیکن کسی کے گناہ کی پردہ در پی پسند نہ کرتے تھے اور دوسروں کو پردہ پوشی کی تلقین کرتے تھے۔ ابن حرمہ کا بیان ہے کہ ایک دن میں صبح کو باہر نکلا تو ایک شخص کونشہ کی حالت میں پایا۔ اس کو زبردستی اپنے گھر گھسیٹ لایا اس کے بعد سعید سے ملاقات ہوئی، ان سے میں نے پوچھا کہ ایک شخص نے ایک شخص کونشہ کی حالت میں پایا اس صورت میں وہ کیا کرے۔ اس کو حاکم کے سپرد کر کے اس پر حد جاری کرائے؟

حضرت ابن مسیب نے جواب دیا اگر تم اس کو اپنے کپڑے سے چھپا سکو تو چھپالو۔ یہ سن کر میں گھر واپس آیا، اس وقت وہ شخص ہوش میں آچکا تھا۔ مجھ پر نظر پڑتے ہی اس کے چہرہ پر شرمندگی طاری ہو گئی۔ میں نے اس سے کہا کہ کوئی شرم نہیں آتی۔ اگر تم صبح اس حالت میں پکڑ لئے جاتے اور تم پر حد جاری کی جاتی تو لوگوں کی نگاہوں میں تمہاری کیا آبرورہ جاتی۔ تم زندگی ہی میں مردہ ہو جاتے۔ تمہاری شہادت تک قبول نہ کی جاتی۔ یہ نصیحت سن کر اس شخص نے کہا، خدا کی قسم آئندہ کبھی ایسا نہ کروں گا۔ اس پردہ پوشی کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ ہمیشہ کے لئے تائب ہو گیا۔

ایک سبق آموز واقعہ :

حضرت ابن مسیب کی لڑکی کی شادی کا واقعہ ایثار، ہمدردی، غربت پسندی اور سادگی مختلف حیثیتوں سے نہایت سبق آموز ہے۔ ان کی ایک لڑکی بڑی حسین و جمیل اور تعلیم یافتہ تھی۔ عبدالملک اس کو اپنی بہو بنانا چاہتا تھا۔ اس نے اپنے ولی عہد کے ساتھ اس کی نسبت کا پیغام بھیجا۔ ابن مسیب نے انکار کر دیا۔ عبدالملک نے بہت دباؤ ڈالا اور مختلف قسم کی سختیاں کیں۔ ابن مسیب برابر انکار پر قائم رہے اور چند دنوں کے بعد قریش کے ایک نہایت معمولی اور غریب آدمی ابووداعہ کے ساتھ اس کی شادی کر دی۔

اس واقعہ کے بارے میں خود ابووداعہ کا یہ بیان ہے کہ میں سعید بن مسیب کے پاس پابندی کے ساتھ جا کر بیٹھتا تھا۔ ایک مرتبہ چند دن غیر حاضری کے بعد جانے کا اتفاق ہوا۔ ابن مسیب نے پوچھا اتنے دن کہاں غائب رہے۔ میں نے کہا میرے بیوی کا انتقال ہو گیا تھا اس لئے حاضر نہ ہو سکا۔ فرمایا، مجھے کیوں نہ خبر دی، میں بھی تجھیز و تکلف میں شریک ہوتا۔

تھوڑی دیر بعد جب میں اٹھنے لگا تو انہوں نے کہا تم نے دوسری بیوی کا کوئی انتظام کیا۔ میں نے جواب دیا میں غریب نادار دو چار پیسے کی حیثیت کا آدمی ہوں، میرے ساتھ کون شادی کرے گا۔ فرمایا میں کروں گا، تم تیار ہو۔ میں نے کہا بہت خوب۔ سعید نے اسی وقت دو یا تین درہم پر میرے ساتھ اپنی لڑکی کا نکاح پڑھا دیا۔ میں وہاں سے اٹھا تو فرط مسرت میں میری سمجھ میں نہ آتا تھا کہ کیا کروں۔ گھر پہنچ کر رخصتی کے لئے قرض کی فکر میں پڑ گیا۔

شام کے وقت سعید بن مسیب نے اپنی لڑکی کو اپنے ساتھ چلنے کا حکم دیا۔ پہلے دو رکعت نماز خود پڑھی اور دو رکعت لڑکی سے پڑھوائی۔ اس کے بعد اس کو لئے ہوئے میرے گھر پہنچے۔ میں مغرب کے بعد روزہ افطار کرنے جا رہا تھا کہ کسی نے دروازہ کھٹکھٹایا، میں نے پوچھا کون ہے؟ جواب ملا سعید۔ میں سوچنے لگا سعید بن مسیب تو اپنے گھر کے اور مسجد کے علاوہ کہیں آتے جاتے نہیں، یہ سعید کون ہیں۔ اٹھ کر دروازہ کھولا تو دیکھا سعید بن مسیب تھے۔ انہیں دیکھ کر میں نے کہا، آپ نے کیوں زحمت گوارا کی مجھے بلا بھیجا ہوتا۔ فرمایا نہیں مجھے تمہارے پاس آنا چاہئے تھا۔ میں نے عرض کیا فرمائیے کیا ارشاد ہے۔ فرمایا،

تم تنہا آدمی تھے اور تمہاری بیوی موجود تھی، میں نے خیال کیا کہ تنہا کیوں رات بسر کرو اس لئے تمہاری بیوی کو لے کر آیا ہوں، وہ ان کے پیچھے کھڑی ہوئی تھی۔ انہوں نے اس کو دروازے کے اندر کر کے باہر سے دروازہ بند کر لیا۔ میری بیوی شرم سے گر پڑی۔ میں نے اندر سے دروازہ بند کر لیا، اس کے بعد چھت پر چڑھ کر پڑوسیوں میں اعلان کیا کہ آج سعید بن مسیب نے اپنی لڑکی کا عقد میرے ساتھ کر دیا ہے اور اسے میرے گھر پہنچا گئے۔ میری ماں نے تین دن تک دستور کے مطابق اس کو بنایا سنوارا۔ بننے سنوارنے کے بعد میں نے اس کو دیکھا تو وہ نہایت حسین، کتاب اللہ کی حافظ، سبت رسول اللہ ﷺ کی عالم، اور حقوق شوہر کی واقف کار عورت تھی۔

ذریعہ معاش :

اگرچہ ابن مسیب بڑے عابد و زاہد اور دنیا سے کنارہ کش بزرگ تھے۔ اس قدر ترک دنیا ناپسند کرتے تھے جس سے فسان یا اپنی عزت نہ قائم رکھ سکے اور دوسروں کے ساتھ سلوک نہ کر سکے۔ اس لئے کسب معاش کے لئے تجارت کا پاک شغل اختیار کیا تھا۔ روغن زیتون وغیرہ کی تجارت کیا کرتے تھے۔^۱

ایک زمانہ میں حکومت کی طرف سے وظیفہ ملتا تھا لیکن پھر اسے لینا بند کر دیا تھا ان کے وظیفہ کتنے ہزار سے زیادہ رقم بیت المال میں جمع تھی۔ کئی مرتبہ انہیں اس لئے لینے کے لئے بلایا گیا لیکن انہوں نے انکار کر دیا اور کہا مجھے اس وقت تک اس کی حاجت نہیں جب تک خدا میرے اور بنی مروان کے درمیان فیصلہ نہ کر دے۔^۲

حلیہ و لباس :

آخر عمر میں سر اور ڈاڑھی دونوں کے بال سپید ہو گئے تھے جو کبھی یوں ہی رہتے تھے اور کبھی ڈاڑھی میں خضاب کرتے تھے۔ مونچھیں کبھی بہت باریک اور کبھی ذرا موٹی کترواتے تھے۔ لباس میں کوئی خاص اہتمام نہ تھا لیکن بالعموم اچھا لباس پہنتے تھے۔ سپید لباس زیادہ مرغوب خاطر تھے، عمامہ البتہ سیاہ ہوتا تھا، کبھی سپید عمامہ بھی باندھ لیتے تھے، کبھی کبھی کلاہ بھی استعمال کرتے تھے، طیلسانی کپڑا زیادہ مرغوب تھا اس میں کتان کی گھنڈی ہوتی تھی، کبھی باریک ابریشم کی چادر استعمال کرتے تھے، کپڑے پورے پہنتے تھے ازار قمیص، کرتا، موزہ اور عمامہ۔ کبھی کبھی پاجامہ بھی پہنتے تھے۔^۳

(۲۹) سلمہ بن دینار^۴

نام و نسب : سلمہ نام، ابو حازم کنیت، نسلاً عجمی تھے۔ ان کے والد ایرانی تھے اور ان کی ماں رومی تھیں۔ ابن سعد بن ابی سفیان مخزومی کے غلام تھے اس نسبت سے مخزومی کہلاتے۔

فضل و کمال : اگرچہ وہ ماں باپ دونوں کی جانب سے عجمی نژاد تھے لیکن اسلام کے فیض مساوات نے ان کے مدینہ کے شیوخ اور وہاں کے عابد و زاہد علما کے گروہ میں شامل کر دیا تھا۔ حافظ ذہبی لکھتے ہیں : الواعظ الزاہد عالم المدینۃ و شیخہا^۵۔ امام نووی لکھتے ہیں ان کی توثیق و جلالت اور مدح و ثناء پر سب کا اتفاق ہے۔^۶

۱ مختصر صفوۃ الصفوۃ۔ ص ۱۳۰ ۲ تذکرۃ الحفاظ۔ جلد اول۔ ص ۴۷ ۳ ایضاً۔ ص ۹۵ ۴ ایضاً۔ ص ۱۰۲/۱۰۳

۵ تذکرۃ الحفاظ۔ جلد اول۔ ص ۱۱۹ ۶ تہذیب الاسماء۔ جلد ۲۔ ص ۲۰۸

حدیث : حدیث کے بڑے حافظ تھے علامہ ابن سعد لکھتے ہیں : "كان ثقة كبير الحديث"۔ حدیث میں انہوں نے صحابہ میں سہیل بن سعد الساعدي، عبد اللہ بن عمر، عبد اللہ بن عمرو بن العاص کے خرمین علم سے خوشہ چینی کی تھی لیکن محدثین کے نزدیک آخر الذکر دونوں بزرگوں سے ان کا سماع ثابت نہیں ہے۔ غیر صحابی علماء میں ایک جماعت کثیر سے روایتیں کی ہیں۔ ان میں سے بعض کے نام یہ ہیں : ابوامامہ بن سہل بن حنیف، سعید بن مسیب، عامر بن عبد اللہ بن زبیر، عبد اللہ بن ابی قتادہ، نعمان بن ابی عیاش، یزید بن رومان، عبید اللہ بن مقسم، ابراہیم بن عبد الرحمن، نوحہ بن عبد اللہ، ابوصالح السمان، ابوسلمہ بن عبد الرحمن اور ابن منکدر وغیرہ۔

زہری، عبید اللہ بن عمرو بن اسحق، ابن عجلان، ابن ابی ذئب، مالک، حماد، سفیان، سلیمان، ابن بلال، سعید بن بلال، عمر بن علی، ابوغسان المدنی، ہشام بن سعد، وہیب بن خالد، ابو صخر حمید بن زیادہ الخراط، اسامہ بن زید لیشی، محمد بن جعفر بن ابی کثیر اور اراج بن سلیمان النمری وغیرہ آپ کے حلقہ تلامذہ میں ہیں۔^۱

فقہ : فقہ میں بھی انہیں پورا ادراک تھا اور وہ مدینہ کے مشہور فقیہ تھے۔ حافظ ذہبی اور امام نووی سب انہیں فقہاء میں لکھتے ہیں۔^۲ حافظ ذہبی لکھتے ہیں کہ وہ فقیہ النفس تھے ان کے مناقب بہت ہیں۔ وہ فقیہ ثبت اور بلند مرتبہ تھے۔^۳ ان کے ثقہ کی ایک سند یہ ہے کہ وہ مدینہ الرسول کے قاضی تھے۔^۴ وعظ وپند : مدینہ میں وعظ وپند کے فرائض بھی انجام دیتے تھے۔^۵

زہد وعبادت : عبادت وریاضت کے لحاظ سے ان کا شمار صلحائے مدینہ میں تھا۔ ابن حبان کا بیان ہے کہ وہ مدینہ کے عابد و زاہد لوگوں میں تھے۔^۶ حافظ ذہبی، امام نووی اور ابن حجر وغیرہ سب ان کے نام کے ساتھ "زاہد" کا لقب لکھتے ہیں۔ غرض جماعت تابعین میں وہ ہر اعتبار سے نہایت ممتاز تھے۔ محمد بن اسحق بن خزیمہ کا بیان ہے کہ ان کے زمانہ میں کوئی ان کا مثل نہ تھا۔^۷

امراء اور سلاطین سے بے نیازی :

امراء و سلاطین سے ہمیشہ بے نیاز رہے۔ کبھی ان کی آستان بوسی کا ٹک گوارا نہ کیا، سلیمان بن عبد الملک نے ایک مرتبہ ان کو امام زہری کی وساطت سے بلا بھیجا، انہوں نے زہری سے

۱۔ تہذیب التہذیب۔ جلد ۲۔ ص ۱۳۳۔ بحوالہ ابن سعد

۲۔ تذکرۃ الحفاظ۔ جلد ۱۔ ص ۱۱۹

۳۔ تذکرۃ الحفاظ۔ جلد اول۔ ص ۱۱۹

۴۔ تہذیب التہذیب۔ جلد ۲۔ ص ۲۰۸

۵۔ تہذیب التہذیب۔ جلد ۲۔ ص ۱۳۳

۶۔ دیکھو تذکرۃ الحفاظ و تہذیب الاسماء بحوالہ مذکور

۷۔ تہذیب التہذیب۔ جلد ۲۔ ص ۱۳۳

۸۔ تہذیب التہذیب۔ جلد ۲۔ ص ۱۳۳

کہا اگر اس کو مجھ سے کوئی ضرورت ہے تو اس کو خود میرے پاس آنا چاہئے، اور میری اس سے کوئی ضرورت نہیں ہے۔

حکمت و دانائی :

مذہبی اور اخلاقی کمالات کے ساتھ ان کو حکمت سے بھی وافر حصہ ملا تھا۔ عبدالرحمن بن زید بن اسلم کا بیان ہے کہ میں نے کسی ایسے شخص کو نہیں دیکھا جس کے منہ سے ابو حازم کے منہ سے زیادہ حکمت قریب ہو۔ ابن خزیمہ کا بیان ہے کہ حکم و مواعظ میں ان کے زمانہ میں کوئی ان کا مثل نہ تھا۔ حکیمانہ مقولے :

آپ کے بعض حکیمانہ مقولوں سے آپ کی حکمت کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ فرماتے تھے کہ وہ تمام اعمال جن کی وجہ سے موت کا آنا گراں گزرتا ہو ان کو چھوڑ دو۔ پھر جس وقت بھی موت آجائے تم کو کوئی نقصان نہیں پہنچ سکتا۔ جو بندہ اپنے اور اپنے رب کے درمیان فرائض و تعلقات کو اچھا اور درست رکھتا ہے تو خدا اس کے اور دوسرے بندوں کے تعلقات کو درست رکھتا ہے اور جو بندہ اپنے اور خدا کے فرائض میں کوتاہی کرتا ہے تو خدا اس کے اور دوسرے بندوں کے درمیان فرائض میں کوتاہی پیدا کرتا ہے۔ ایک شخص سے تعلقات خوش گوار رکھنا بہت سے لوگوں کے ساتھ تعلقات خوشگوار رکھنے سے زیادہ آسان ہے۔ یعنی اگر ایک خدا سے تعلقات خوشگوار ہوں تو ساری دنیا سے خوشگوار ہو جائیں گے۔

ایک مرتبہ خلیفہ ہشام نے آپ سے پوچھا کہ میں حکومت کی ذمہ داریوں کے مواخذہ سے کس طرح بچ سکتا ہوں؟ فرمایا، بہت آسان ہے۔ ہر چیز کو طریقہ سے لو، اور جائز مصرف میں اس کو صرف کرو۔ ہشام نے کہا یہ وہی شخص کر سکتا ہے جس کو ہوائے نفس سے بچنے کی خدا کی جانب سے توفیق حاصل ہو۔

وفات: ۱۴۰ھ میں وفات پائی۔

(۳۰) سلیمان بن طرخان تیمی

نام و نسب: سلیمان نام، ابو محترم کنیت، نسبا مری تھے، بنی تمیم میں بود و باش، اختیار کر لینے کی وجہ سے تیمی مشہور ہو گئے تھے، بصرہ کے بڑے عابد و زاہد تابعین میں تھے۔ کان من العباد المجتہدین۔

فضل و کمال : اگرچہ سلیمان کا طغرائے کمال ان کا زہد و ورع اور ریاضت و عبادت ہے، لیکن علمی حیثیت سے بھی وہ بصرہ کے بڑے علمائے میں تھے، حافظ ذہبی حافظ امام، اور شیخ الاسلام کے القاب کے ساتھ ان کا تذکرہ کرتے ہیں^۱۔

حدیث : حدیث کے وہ ممتاز حفاظ میں تھے، علامہ ابن سعد انہیں ثقہ اور کثیر الحدیث لکھتے ہیں^۲۔ اس عہد کے اکابر محدثین ان کی فقط حدیث دانی کے معترف تھے، سفیان ثوری لکھتے ہیں کہ بصرہ کے حفاظ تین ہیں، ان میں ایک سلیمان کا نام تھا^۳۔

صحابہ میں انہوں نے انس بن مالک اور تابعین میں حسن بصری، اعمش، قتادہ طاؤس ابوالخق، سبعمی، ابو عثمان نہدی، ابونضرہ عبدی، نعیم بن ابی ہند، ابی المنہال، ثابت، البتانی، ابوجبلو یزید بن عبد اللہ بن شحر، معبد بن ہلال اور یحییٰ بن معمر وغیرہ سے استفادہ کیا تھا^۴۔

ان کی مرویات کی تعداد دوسو تک پہنچتی ہے^۵۔ شعبہ ان سے زیادہ کسی کو سچا نہ سمجھتے تھے^۶۔ اور ان کے شک کو بھی یقین کا درجہ دیتے تھے^۷۔

احتیاط فی الروایہ : اس حفظ کے باوجود حدیث بیان کرنے میں اتنے محتاط تھے کہ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے وقت ان کا رنگ بدل جاتا تھا^۸۔

ان کے تلامذہ کا دائرہ خاصہ وسیع تھا، ان میں معتمر، شعبہ، دونوں سفیان، زاہدہ، زبیر، حماد بن سلمہ، ابن علیہ، ابن مبارک، عبد اللوارث بن سعید، ابراہیم بن سعد، جریر، حفص بن غیاث، عیسیٰ بن یونس، معاذ بن معاذ، ہشیم، قطان اور محمد بن عبد اللہ انصاری لائق ذکر ہیں^۹۔

زہد و ورع : لیکن ان کا اصل طغریٰ کمال ان کا زہد و ورع اور ان کی عبادت و ریاضت ہے۔ علامہ ابن سعد لکھتے ہیں کہ وہ بڑے سخت عبادت گزار لوگوں میں تھے^{۱۰}۔ ابن عماد حنبلی لکھتے ہیں کہ وہ عابد و زاہد قائم اللیل صائم النہار اور خدا کے مطیع لوگوں میں تھے^{۱۱}۔

خشیت الہی : خدا کا خوف ان کی رگ و پے میں جاری و ساری تھا، یحییٰ القطان کہتے تھے کہ میں نے سلیمان سے زیادہ خدا کا خوف کرنے والا نہیں دیکھا^{۱۲}۔

۱۔ تذکرۃ الحفاظ۔ جلد اول۔ ص ۱۳۵ ۲۔ ابن سعد۔ جلد ۷۔ ق اول۔ ص ۱۸ ۳۔ تہذیب التہذیب۔

جلد ۳۔ ص ۲۰۲ ۴۔ ایضاً۔ جلد ۴۔ ص ۲۰۶ ۵۔ ایضاً ۶۔ تذکرۃ الحفاظ۔ جلد اول۔ ص ۳۳۵ ۷۔ تہذیب التہذیب۔

جلد ۳۔ ص ۳۰ ۸۔ تذکرۃ الحفاظ۔ جلد اول۔ ص ۱۳۵ ۹۔ تہذیب التہذیب۔ جلد ۴۔ ص ۲۰۱

۱۰۔ ابن سعد۔ جلد ۷۔ ق ۲۔ ص ۱۸ ۱۱۔ شذرات الذہب۔ جلد اول۔ ص ۱۲ ۱۲۔ تذکرۃ الحفاظ۔ جلد ۱۔ ص ۱۲۵

عبادت و ریاضت :

ساری رات عبادت کرتے تھے، اکثر عشاء کے وضو سے فجر کی نماز پڑھتے تھے، ان کے صاحبزادے معتمر بھی باپ کا صحیح نمونہ تھے۔ دونوں باپ بیٹے رات بھر گھوم گھوم کر مختلف مسجدوں میں نماز پڑھتے تھے۔ معتمر کا بیان ہے کہ چالیس سال تک انہوں نے عشاء کے وضو سے فجر کی نماز پڑھی، ہر سجدہ میں ستر مرتبہ سبحان ربی الاعلیٰ کہتے تھے، پورے عصر سے لے کر مغرب تک تسبیح پڑھتے تھے۔

روزوں سے بھی یہی شغف تھا، ہم بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ ہمیشہ روزہ رکھتے اور بعض سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک دن ناغہ دے کر۔

صدقہ و خیرات :

صدقہ بکثرت کرتے تھے، جریر کا بیان ہے کہ سلیمان ہر وقت صدقہ کیا کرتے تھے، جب صدقہ کے لیے کوئی چیز نہ ملتی تھی، تو اس کے بدلے میں دو رکعت نماز ہی پڑھ لیتے۔

حسنِ عمل : غرض ان کی زندگی کا ہر لمحہ حسنِ عمل میں گزرتا تھا، حماد بن سلمہ کا بیان ہے کہ جب ہم خدا کی عبادت کے اوقات میں سلیمان کے پاس جاتے تو ان کی اطاعت ہی کرتے پاتے، معلوم ہوتا تھا کہ ان میں معصیت کا مادہ ہی نہ تھا۔

مواخذہ کا خوف :

لیکن اس زندگی کے باوجود انہیں اپنے اعمال پر اعتماد نہ تھا کہ خدا کے یہاں کیا معاملہ پیش آنے والا ہے۔ فضیل بن عیاض کا بیان ہے کہ سلیمان سے کسی نے کہا کہ آپ ہی ہیں، آپ کے مثل کون ہے، فرمایا ایسا نہ کہو مجھے نہیں معلوم کہ میرا رب میرے ساتھ کیا معاملہ کریگا، اس نے خود فرمایا ہے کہ **بَدَّ اللَّهُ مَالَهُ يَكُونُوا يَحْتَسِبُونَ**۔ ان کے لیے اللہ کی جانب سے ایسی بات ظاہر ہو گئی جس کا وہ لوگ گمان بھی نہ کرتے تھے۔

ادنیٰ ادنیٰ باتوں میں مواخذہ کا خوف کرتے تھے، سعید بن عامر کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ سلیمان بیماری کی حالت میں رونے لگے، کسی نے پوچھا رونے کا کیا سبب ہے، فرمایا ایک مرتبہ میں ایک قبر کے پاس سے گزرا تھا تو اسے سلام کیا تھا مجھے خوف ہے کہ اس کا مجھ سے مواخذہ نہ کیا جائے۔

۱ ابن سعد۔ جلد ۷۔ ق ۲۔ ص ۱۸ ۲ تذکرۃ الخطا۔ جلد اول۔ ص ۱۳۵ ۳ ایضاً ۴ تذکرۃ الخطا۔ جلد اول۔ ص ۱۳۵ ۵ ایضاً ۶ ایضاً ۷ ایضاً

امر بالمعروف ونہی المنکر:

امر بالمعروف اور نہی المنکر بھی حسن عمل کا ایک بڑا درجہ ہے۔ سلیمان اس کو ایک ضروری فرض سمجھتے تھے اور امراء کے قصور و محلات میں جا کر اس فرض کو ادا کرتے تھے۔^۱

ایک نکتہ : مانا کہ کوئی دور سہولت پسند افراد بلکہ جماعتوں تک سے خالی نہیں رہا ہے۔ اور آج کل تو ہر شخص مذہب میں آسانی ڈھونڈھتا ہے۔ اس قبیل کے اشخاص آسانی کے لئے، کسی خاص مسلک کی پابندی ضروری نہیں سمجھتے اور دلیل یہ دیتے ہیں کہ جب تمام آئمہ برحق ان کی رائیں صحیح اور ان کے مسلک درست ہیں تو پھر کسی خاص امام اور خاص مسلک کی پابندی کیوں ضروری ہے، اور ”الدین یسر“ کے ماتحت ان سب کے آسان مسائل کیوں نہ اختیار کئے جائیں۔

سلیمان اس قسم کی سہل پسندی کے مفاسد میں ایک دلچسپ نکتہ ارشاد فرماتے تھے کہ اگر تمام علماء کی رخصتوں، یعنی جائز کردہ چیزوں اور ان کی لغزشوں کو تم اختیار کر لو تمہاری ذات میں ساری برائیاں جمع ہو جائیں گی۔^۲

وفات : ۱۳۳ھ میں وفات پائی۔^۳ وفات کے وقت ستاون سال کی عمر تھی۔

(۳۱) سلیمان بن یسارؓ

نام و نسب : سلیمان نام، ابو تراب کنیت، أم المؤمنین حضرت میمونہؓ کی غلامی کا شرف رکھتے تھے، پھر انہوں نے ان کو مکاتب بنادیا تھا، اس غلامی نے سلیمان کو علم و عمل کی دولت سے مالا مال کر دیا تھا۔

حرم نبویؐ میں آمد و رفت :

حضرت میمونہؓ کی غلامی کے تو سل سے سلیمان حضرت عائشہؓ وغیرہ کی خدمت میں آتے جاتے تھے، اور وہ ان کی غلامی کے زمانہ تک ان سے پردہ نہ کرتی تھیں خود سلیمان کا بیان ہے کہ میں نے ایک مرتبہ حضرت عائشہؓ کی خدمت میں حاضر ہو کر باریابی کی اجازت چاہی۔ آپ نے آواز پہچان کر فرمایا تم نے آزادی کے متعلق جو طے کیا تھا، اسے پورا کیا۔ میں نے عرض کیا، ہاں لیکن ابھی تھوڑا سا باقی

۱۔ طبقات کبریٰ امام شمرانی۔ جلد اول۔ ص ۲۳۔ ۲۔ تذکرۃ الخلفاء۔ جلد اول۔ ص ۱۳۵۔ ۳۔ ابن سعد۔

جلد ۷۔ ق ۲۔ ص ۱۸۔ ۴۔ تہذیب و تمدن۔ جلد ۲۔ ص ۲۰۱۔ ۵۔ ابن سعد۔ جلد ۵۔ ص ۱۳۰۔

ہے، فرمایا تو اندر چلے آؤ تم اس وقت تک غلام ہو جب تک تمہارے ذمہ کچھ بھی باقی ہے۔
فضل و کمال :

سلیمان اولاً خود ذاتی صلاحیت اور استعداد کے لحاظ سے نہایت ذہین اور سمجھدار تھے۔
 پھر انہیں امیر المؤمنین کی غلامی کے تعلق سے مدینہ رہنے والے صحابہ کرام کی صحبت سے فیض یاب
 ہونے کا موقع ملا تھا، اس لیے وہ مدینہ کے ممتاز ترین علماء میں ہو گئے۔ امام نووی لکھتے ہیں کہ جلالت
 اور علمی کمال پر سب کا اتفاق ہے۔^۱

قرآن : ان کو قرآن مجید، حدیث نبوی، فقہ جملہ علوم میں درک تھا، قرآن کے ممتاز قاریوں
 میں تھے۔^۲

حدیث : جس گھر کے وہ خادم تھے، وہ حدیث نبوی کا سرچشمہ تھا، اس لئے قدرۃ احادیث نبوی کا
 معتدبہ ذخیرہ ان کے حصہ میں آیا تھا، علامہ ابن سعد لکھتے ہیں، کہ وہ عالی مرتبہ ارفع المنزلت فقیہ، اور کثیر
 الحدیث تھے۔^۳

انہوں نے حدیث میں ام المؤمنین عائشہ صدیقہؓ اور میمونہؓ کے خرمن کمال سے زیادہ
 خوشہ چینی کی تھی، ان کے علاوہ اکابر صحابہ میں زید بن ثابتؓ، عبداللہ بن عباسؓ، فضل ابن
 عباسؓ، ابو ہریرہؓ، ابوسعید خدریؓ، مقداد بن اسودؓ، عبداللہ بن خذافہؓ، اور عامر محدثین میں جعفر بن
 امیہ ضمریؓ، عبداللہ بن حارث نوفلؓ، عبدالرحمن بن جابر، عراق بن مالک، مالک بن عامر اصبہی وغیرہ
 سے فیضیاب ہوئے تھے۔^۴

تلامذہ : حدیث میں ان کے تلامذہ کا دائرہ نہایت وسیع تھا، بعض کے نام یہ ہیں، عمر بن دینار
 عبداللہ بن دینار، عبداللہ بن فضل ہاشمی، ابولزناد، بکیر بن الاشج، جعفر بن عبداللہ بن حکم، سالم، ابوالنصر،
 صالح بن کیسان عمرو بن میمون، محمد بن ابی حرمہ، ازہری، مکحول، نافع، یحییٰ بن سعید انصاری،
 یعلیٰ بن حکیم، اور یونس بن سیف وغیرہ۔^۵

فقہ : مگر ان کا خاص اور امتیازی فن فقہ تھا، اس میں وہ امامت اور اجتہاد کا درجہ رکھتے تھے، حافظ ذہبی
 لکھتے ہیں کہ وہ فقیہ علم اور آئمہ اجتہاد میں تھے۔^۶ وہ مدینہ کے ان سات مشہور فقہاء میں تھے، جو اس عہد کے

۱ تذکرۃ الحفاظ۔ جلد اول۔ ص ۷۹ ۲ تہذیب الاسماء۔ جلد اول۔ ق اول۔ ص ۲۲۸ ۳ ایضاً۔ ص ۳۵
 ۴ تہذیب التہذیب۔ جلد ۴۔ ص ۲۲۹ ۵ ابن سعد۔ جلد ۵۔ ص ۱۳۰ ۶ تہذیب التہذیب۔ جلد ۴۔ ص ۲۲۸
 ۷ ایضاً ۸ تذکرۃ الحفاظ۔ جلد اول۔ ص ۷۹ ۹ تہذیب الاسماء تذکرۃ الحفاظ حوالہ مذکور

امام فقہ مانے جاتے تھے۔ مسائل طلاق کے خصوصیت کے ساتھ بڑے بڑے عالم تھے۔
 قتادہ کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ مدینہ گیا اور لوگوں سے پوچھا کہ یہاں طلاق کے مسائل کا
 سب سے بڑا عالم کون ہے، لوگوں نے سلیمان بن یسار کا نام بتایا۔
 بعض علماء فقہ میں انہیں ان آئمہ پر جن کی علمی عظمت مسلم تھی ترجیح دیتے تھے۔ چنانچہ محمد
 بن حنفیہ کے صاحبزادے حسن انہیں سعید بن مسیب سے زیادہ فہیم سمجھتے تھے۔ خود ابن مسیب ان کے
 اتنے معترف تھے کہ جب ان کے پاس کوئی مستفتی آتا تھا، تو اسے سلیمان کے پاس بھیج دیتے تھے۔
 اور فرماتے تھے، موجودہ لوگوں میں سب سے بڑے عالم وہی ہیں۔

زہد و ورع : زہد و عبادت کے اعتبار سے بھی ممتاز شخصیت رکھتے تھے، ابو زرہ کا بیان ہے کہ سلیمان
 بن یسار مدنی فاضل اور عبادت گزار تھے۔ عجل ان کے فضائل علمی کے ساتھ ان کی عبادت و ریاضت کی
 بھی شہادت دیتے ہیں۔

عفت : بڑے عقیف و پاک دامن تھے، اگرچہ تابعین کی مقدس جماعت کے لیے عفت و پاک
 دامن کوئی بڑا وصف نہیں ہے، لیکن ترغیبات اور آزمائش و امتحان کے موقع پر پورا اترنا ہر شخص کے لئے
 کمال ہے، سلیمان نہایت حسین و جمیل تھے، ایک مرتبہ ایک عورت نے آپ کے گھر کے اندر آ کر دام
 ڈالنا چاہا آپ گھر سے نکل کر بھاگ گئے۔

وفات : آپ کے زمانہ وفات کے بارہ میں کئی روایتیں ہیں، ان سب میں زیادہ معتبر یہ ہے کہ
 ۶۰ھ میں وفات پائی، وفات کے وقت ۳۷ سال کی عمر تھی۔

(۳۲) قاضی شریح بن حارثؓ

نام و نسب : شریح نام، ابو امیہ کنیت، نسب نامہ یہ ہے: شریح بن حارث بن قیس بن الجهم بن
 معاویہ بن عامر بن رئاش بن حارث بن معاویہ بن ثور بن مرقع بن کنده کندی، بعض روایتوں میں نسب
 نامہ کے اوپر کے ناموں میں تھوڑا سا اختلاف ہے، ایک روایت یہ بھی ہے کہ شریح نسلًا عرب نہ تھے
 بلکہ عجم کے ان خانوادوں میں سے تھے، جو کنده کے حلیف بن کر یمن میں آباد ہو گئے تھے۔

۱۔ ابن خلکان جلد ۱۔ ص ۲۱۳ ۲۔ ابن خلکان۔ جلد اول۔ ص ۲۱۳ ۳۔ تذکرۃ الحفاظ۔ جلد اول۔ ص ۷۹
 ۴۔ شذرات الذہب۔ جلد اول۔ ص ۳۳ ۵۔ تہذیب الاسماء۔ جلد اول۔ ق اول۔ ص ۲۳۵ ۶۔ تہذیب المعجم۔ ص ۱۳۰
 جلد ۲۔ ص ۲۳۰ ۷۔ تذکرۃ الحفاظ۔ جلد اول۔ ص ۸۰ ۸۔ ابن سعد۔ جلد ۵۔ ص ۱۳۰

عہد رسالت :

شیخ عہد رسالت میں موجود تھے، اور بعض روایتوں کے مطابق وہ آنحضرت ﷺ کے شرف زیارت سے بھی مشرف ہوئے، لیکن یہ بیان صحیح نہیں ہے۔ اسلام کے شرف سے تو بیشک وہ اسی عہد میں مشرف ہو گئے تھے، لیکن دولت دیدار سے محروم رہے حافظ ابن حجر کا بھی یہی فیصلہ ہے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ خلفاء اربعہ کے زمانہ کے شرح کے حالات بہت ملتے ہیں، لیکن کوئی ایسا واقعہ نہیں ملتا، جس سے رسول اللہ ﷺ سے ان کی ملاقات ثابت ہوتی ہو۔

علامہ ابن سعد اور حافظ بن عبد البر وغیرہ تمام ارباب سیر و طبقات اسی کے قائل ہیں اور شرح کو تابعین ہی میں شمار کرتے ہیں، البتہ تابعین کے زمرہ میں وہ نہایت ممتاز شخصیت رکھتے تھے، اور تاریخ اسلام کے مشہور قاضی تھے۔

فضل و کمال : شرح نے بہت سے اکابر صحابہ کو پایا تھا، اور ان کی صحبت اٹھائی تھی۔ پھر وہ فطرۃ نہایت ذہین و طباع تھے۔ اس لیے علمی اعتبار سے انہوں نے اپنے اقران میں نہایت ممتاز حیثیت حاصل کر لی تھی، امام نووی لکھتے ہیں کہ شرح کی توثیق، دینداری فضل و کمال ذکاوت اور ان کی روایات سے احتجاج پر سب کا اتفاق ہے۔ حافظ صفی الدین خزر جی لکھتے ہیں کہ وہ بڑے جلیل القدر اور ذکی علماء میں تھے۔

حدیث : بصرہ کے ممتاز حفاظ حدیث میں تھے، انہوں نے حضرت عمرؓ، علیؓ و عبد اللہ بن مسعودؓ، زید بن ثابتؓ جیسے اکابر سے استفادہ کیا تھا، امام شعبی، ابو داؤد، قیس بن ابی حازم، ملائین سیرین، عبد العزیز بن رفیع، مجاہد بن جبر، عطاء بن سائب بن انس بن سیرین اور ابراہیم نخعی جیسے آئمہ ان کے زمرہ تلامذہ میں تھے۔

فقہ : شرح حدیث کے بھی حافظ تھے، لیکن ان کا خاص فن فقہ تھا، حافظ ذہبی اور ابن حجر وغیرہ ان کا خصوصی فن فقہ ہی کا شمار کرتے ہیں، اور ان کے نام کے ساتھ فقیہ کا لقب لکھتے ہیں۔ وہ مرکز فقہ کوفہ کی جماعت افتاء کے ایک رکن تھے۔

قیافہ و شاعری : حدیث و فقہ کے علاوہ وہ عرب کے مروجہ فنون قیافہ اور شاعری میں بھی دستگاہ رکھتے تھے۔ شاعری میں اتنا کمال حاصل تھا کہ ایک مرتبہ انہوں نے نظم میں فیصلہ دیا تھا۔

۱۔ اصابہ۔ جلد ۲۔ ص ۲۰۲ ۲۔ استیعاب۔ جلد ۲۔ ص ۶۷ ۳۔ تہذیب الاسماء۔ جلد اول۔ ق اول۔ ص ۲۳۳
 ۴۔ تہذیب الکمال۔ ص ۱۶۵ ۵۔ تہذیب الاسماء۔ جلد اول۔ ق اول۔ ص ۲۳۳ ۶۔ تذکرۃ الحفاظ۔ جلد اول۔
 ص ۵۱ و تہذیب التہذیب حوالہ مذکور ۷۔ اعلام الموقعین۔ جلد اول۔ ص ۲۷ ۸۔ ابن سعد۔ جلد ۶۔ ص ۹۰

اس کا واقعہ یہ ہے کہ ایک مرتبہ ایک عورت کے خلاف جس کے ایک لڑکا تھا اور اپنے شوہر کی موت کے بعد اس نے دوسری شادی کر لی تھی، اس کی ساس نے قاضی شریع کے یہاں دعویٰ دائر کیا، عورت کا دعویٰ تھا کہ لڑکے کی دلی وہ ہے۔ کیونکہ اس کے باپ کی ماں ہے اور ساس کا دعویٰ تھا کہ بہو کے عقد ثانی کے بعد حق تولیت اسے ملنا چاہیے، ساس نے نظم میں دعویٰ پیش کیا۔

یا ابا امیتہ اتیناک وانت المرء ناتیہ
اتا ک ابنی واماہ وکلتا نافقد یہ
تزوجت فہا تیہ ولا یذهب بک الیہ
فلو کنت تابیت مماناز عتنی فیہ

یعنی ابو امیہ ہم آپ کے پاس انصاف کے لئے آئے ہیں، میرا لڑکا (پوتا) اور اس کی ماں تیرے پاس آئے ہیں اور ہم دونوں اس پر فدا ہیں (بہو سے خطاب) جب تم نے دوسری شادی کر لی تو لڑکا مجھے دے دو، زبردستی مت کرو، بیوہ ہو جانے کے بعد تم اس کے بارہ میں مجھ سے کیوں جھگڑا کرتی ہو، (قاضی سے خطاب) قاضی صاحب لڑکے کے بارہ میں ہم دونوں کا قصہ یہ ہے۔
بہو نے ساس کے دعویٰ کا یہ جواب دیا۔

یا ایہا القاضی قد قلت لک اجدہ
وقولا فاستمع منی ولا تبطنی ردہ
اعزى النفسى عن ابن وکلبى حملت کبدہ
فلما کانافی حجری یثیما ضانعا و حدہ
تزوجت رجاء الخیر من یکفینی فقدہ
ومن یظہر لی ودہ ومن یکفل لی رفدہ

قاضی صاحب دادی یعنی میری ساس کا بیان آپ نے سن لیا، اب میرا بھی سنئے اور اس کو رد نہ کیجئے، میں اپنے لڑکے سے اپنے دل کو تسلی دیتی ہوں، میں نے ہمیشہ اس کو کلیجے سے لگائے رکھا ہے، میری بیوہ نے تنہائی کی وجہ سے اس یتیم کے ضائع جانے کا خطرہ تھا۔ اس لئے میں نے اس کی بھلائی اور اس کی نگہداشت کے خاطر ایسے شخص سے شادی کر لی جو اس کو ضائع نہ ہونے دے، اور اس کی کفالت کر سکے۔ چونکہ ساس بہو دونوں نے نظم میں دعویٰ پیش کیا تھا، اس لئے قاضی شریع نے نظم ہی میں اس کا فیصلہ دیا۔

قد فهم القاضی ما قلتما وقضا بینكما ثم فصل
 بقضاء بین بینكما وعلى القاضی جهداً ن عقل
 قال للجدہ بنی بالصبی وخذی ابنک من ذات العلل
 انها لو صبرت کان لها قبل دعواها تبغیها لبدل
 تم دونوں نے جو کچھ کہا قاضی نے اسے سمجھا، اور دونوں کے درمیان ایک واضح فیصلہ کر دیا
 اگر قاضی سمجھدار ہے تو اس پر کوشش کرنا فرض ہے پھر داوی سے کہا لڑ کے کو اس حیلہ ساز
 سے لے کر الگ ہو جا اگر وہ نکاح نہ کرتی تو بچہ اس کے پاس رہتا۔

قضا کی استعداد و قابلیت :

ایک قاضی کے لئے جن اوصاف اور صلاحیتوں کی ضرورت ہوتی ہے، وہ تمام شریع کی
 ذات میں بدرجہ اتم موجود تھیں، فضل و کمال کا حامل، پور گزر چکا، طبعاً و نہایت ذہین، بڑی، طبعاً، فریسی،
 اور فہیم تھے۔ پیچیدہ سے پیچیدہ اور ظاہر فریب سے ظاہر قریب معاملات کی تہہ تک پہنچ جاتے تھے، اس
 کی مثالیں آئندہ آئیں گی، ان اوصاف نے ان میں قدرۃ قضاء کی نہایت اعلیٰ استعداد پیدا کر دی
 تھی، حضرت علیؑ جن کو زبان رسالت سے افضا ہم علیؑ کی سند ملی تھی، شریع کو اقصیٰ العرب، عرب
 کا سب سے بڑا قاضی فرماتے تھے۔

عہدہ قضاء پر تقرر :

عہدہ قضا پر تقرر سے پہلے، ان کی یہ استعداد و صلاحیت مشہور ہو چکی تھی اور لوگ متنازعہ فیہ
 معاملات میں ان کو حکم دیتے تھے، چنانچہ اس سلسلہ میں حضرت عمرؓ نے ان کے ایک فیصلہ کو دیکھ کر انہیں
 کوفہ کا قاضی بنا دیا۔

اس کا واقعہ یہ ہے کہ حضرت عمرؓ نے ایک شخص سے بشرط پسندگی ایک گھوڑا خریدا اور امتحان
 کے لئے ایک سوار کو دیا، گھوڑا سواری میں چوٹ کھا کر داغی ہو گیا، حضرت عمرؓ نے اس کو واپس کرنا چاہا،
 گھوڑے کے مالک نے لینے سے انکار کر دیا، اس پر نزاع ہوئی، اور شریع ثالث بنائے گئے، انہوں
 نے یہ فیصلہ دیا کہ اگر گھوڑے کے مالک سے اجازت لے کر سواری کی گئی تھی تو گھوڑا واپس کیا جاسکتا
 ہے، ورنہ نہیں۔

۱۔ ابن سعد۔ جلد ۱۔ ص ۹۴

۲۔ استیعاب۔ جلد ۲۔ ص ۶۷

۳۔ تہذیب الاسلام۔ جلد اول۔ ص ۲۴۳

۴۔ کتاب الاوائل الباب السابع ذکر القضاة

ایک دوسری روایت میں اس واقعہ کی شکل یہ ہے کہ گھوڑا امتحان میں ہلاک ہو گیا، حضرت عمرؓ نے اس کو واپس کرنا چاہا، اس پر تنازعہ ہوا، اور شریعہ حکم مقرر ہوئے انہوں نے فیصلہ کیا کہ جس کو خریدا ہے اسی کو لینا ہوگا یا جس حالت میں لیا تھا اسی حالت میں واپس کرنا ہوگا، اس فیصلہ پر حضرت عمرؓ نے ان کو کوٹہ کا قاضی بنادیا۔^۱

قاضی شریعہ نے اس خدمت کو اس قابلیت، اس خوش اسلوبی اور دیانت سے ادا کیا کہ حضرت عمرؓ کے زمانہ سے لے کر عبدالملک کے زمانہ تک مسلسل ساٹھ برس قاضی رہے۔^۲ اس طویل مدت میں بڑے بڑے انقلابات و حوادث ہوئے، خلافت راشدہ کا دور ختم ہو کر اموی حکومت کا آغاز ہوا، ابن زبیرؓ اور امویوں میں خون ریز معرکہ آرائیاں ہوئیں، ساری دنیائے اسلام میں انقلاب برپا ہوا، لیکن شریعہ بدستور مسند قضا پر متمسک رہے، ابن زبیرؓ اور عبدالملک کی جنگ کے زمانہ میں اپنا دامن بچانے کے لئے صرف چند برسوں کے لئے مستعفی ہو گئے تھے۔^۳

فیصلوں میں عدل :

ایک قاضی کا سب سے مقدم فرض اور سب سے بڑا وصف یہ ہے کہ وہ فیصلہ کرنے میں کسی خارجی اور داخلی اثر سے متاثر نہ ہو، اور کسی حالت میں بھی حق و انصاف کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑنے پائے، شریعہ میں یہ وصف اس حد تک تھا کہ وہ قانون اور حق و انصاف کے مقابلہ میں بڑی سے بڑی شخصیت اور بڑے سے بڑے تعلق کی پردہ نہ کرتے تھے۔ ایک معمولی شخص کے مقابلہ میں حضرت عمرؓ کے خلاف فیصلہ دینے کا واقعہ اوپر گزر چکا ہے۔ اگر ان کا لڑکا بھی قانون کی زد میں آ جاتا تھا تو اس کی بھی پرواہ نہ کرتے تھے۔

ایک مرتبہ ان کے ایک لڑکے نے ایک ملزم کی ضمانت دی، ملزم بھاگ گیا۔ شریعہ نے اس کے بدلہ میں لڑکے کو قید کر دیا۔^۴ ایک مرتبہ ان کے اردلی نے ایک شخص کو کوڑوں سے مارا، انہوں نے مضروب سے اس کو کوڑے لگوائے۔^۵

ایک مرتبہ ان کے ایک ہم خاندان نے ایک شخص پر کچھ نادر و ظلم کیا، شریعہ نے اس کو ایک ستون میں بندھوا دیا۔ جب وہ فیصلہ کر کے اٹھے تو اس شخص نے کچھ کہنا چاہا، شریعہ نے کہا مجھ سے کچھ کہنے سننے کی ضرورت نہیں ہے۔ اس لئے کہ میں نے تم کو نہیں قید کیا ہے، بلکہ حق نے قید کیا ہے۔^۶

۱ ابن سعد - جلد ۶ - ص ۹۱

۲ استیعاب - جلد ۲ - ص ۶۷

۳ ابن سعد - جلد ۶ - ص ۹۱

۴ ایضاً - ص ۹۳

۵ ایضاً - ص ۹۵

۶ ابن سعد - جلد ۶ - ص ۹۲

اس حد تک انصاف عدل گستری کا کوئی غیر معمولی نمونہ نہیں ہے۔ شریعت کے بعض ایسے واقعات بھی ہیں، جن کی مثالیں مشکل سے مل سکتی ہیں۔ ان کے ایک لڑکے اور بعض دوسرے اشخاص کے درمیان کسی حق کے بارے میں تنازعہ تھا، لڑکے نے ان سے واقعات بتا کر پوچھا کہ اگر میرا حق نکلتا ہوا اور مقدمہ میں کامیابی کی امید ہو تو میں دعویٰ کر دوں ورنہ خاموش رہوں۔

شریعت نے مقدمہ کی نوعیت پر غور کر کے دعویٰ کرنے کا مشورہ کیا، لیکن جب مقدمہ ان کے سامنے پیش ہوا، تو لڑکے کے خلاف فیصلہ دیا۔ فیصلہ دے کر جب گھر واپس آئے تو لڑکے نے کہا اگر میں نے پہلے آپ سے مشورہ نہ کر لیا ہوتا، تو مجھ کو آپ سے کوئی شکایت نہ ہوتی۔ لیکن مشورہ دینے کے بعد آپ نے مجھے ذلیل کیا۔ شریعت نے جواب دیا،

جان پدر تو مجھے ان لوگوں کے جیسے روئے زمین بھر کے آدمیوں سے زیادہ عزیز ہے، لیکن خدا مجھے تجھ سے بھی زیادہ عزیز ہے۔ جب تو نے مجھ سے مشورہ کیا تو مقدمہ دیکھنے کے بعد مجھے ان لوگوں کا حق نظر آیا، اگر میں اس وقت تجھ سے اس کو ظاہر کر دیتا تو ان سے صلح کر لیتا، اور ان لوگوں کا حق ضائع ہو جاتا۔

شہادت میں سچائی کا اہتمام یوں تو نہ کبھی جھوٹی شہادتوں کا انسداد ہوا ہے اور نہ ہو سکتا ہے لیکن شریعت حتی الامکان اخلاقی حیثیت سے جھوٹی شہادتوں کو روکنے کی کوشش کرتے تھے، اور گواہوں کو سمجھا کر جھوٹی شہادت سے روکتے تھے۔ اگر اس میں ناکامی ہوتی تو اسی شہادت پر فیصلہ دے دیتے، کیونکہ شہادت کے مقابلہ میں ذاتی علم کی کوئی حیثیت نہیں۔

علامہ ابن سیرین کا بیان ہے کہ شریعت کو جب ثبوت کے گواہ مشکوک نظر آتے، مگر ان کی ظاہری صداقت پر کوئی گرفت نہ ہو سکتی، تو وہ پہلے گواہوں سے کہتے کہ میں نے تم کو طلب نہیں کیا اگر تم واپس جانا چاہو تو میں تم کو نہیں روکوں گا۔ تمہاری شہادت پر اس مقدمہ کا فیصلہ ہوگا، تمہاری شہادت سے میرا دامن محفوظ ہو جاتا ہے۔ لیکن تم بھی اپنے کو بچاؤ۔ اگر گواہ سمجھانے سے باز نہ آتا تو مجبوراً اس کی شہادت پر فیصلہ کر دیتے کہ مجھ کو یقین ہے کہ تم اس معاملہ میں ظالم ہو مگر میں اپنے خیال و گمان پر فیصلہ نہیں کر سکتا، بلکہ ثبوت کے مطابق فیصلہ کرنے پر مجبور ہوں مگر یہ حقیقت اپنی جگہ پر ہے کہ جو چیز خدا نے تم پر حرام کی ہے میرا فیصلہ اسے حلال نہیں کر سکتا۔

عزیز قریب کی شہادت کا قانون :

حدیث میں اعزہ قریب کی شہادت کی کوئی ممانعت نہیں ہے، اس لئے ایک عزیز کے مقدمہ میں دوسرے ثقہ عزیز کی شہادت قبول کرنے میں کوئی قانونی رکاوٹ نہیں ہے۔ ابن ابی شیبہ کا بیان ہے کہ قاضی شریح نے عزیز کے مقابلہ میں عزیز کی شہادت ناقابل اعتبار قرار دی، اور یہ قانون بنادیا کہ لڑکے کی شہادت باپ کے متعلق باپ کی شہادت پر گئے لڑکے کی جیسی کہ شہادت ہوگی مثلاً بیوی کے متعلق اور غلام کی شہادت آقا کے متعلق اور اجیر کی شہادت اس شخص کے متعلق جس نے اس کو اجرت پر کیا ہو، قبول نہیں کی جاسکتی۔ اس اصول پر وہ اس سختی سے عامل تھے کہ حضرت علیؑ کے مقابلہ میں حضرت امام حسنؑ کی شہادت مسترد کر دی۔

اس کا واقعہ یہ ہے کہ ایک مرتبہ حضرت علیؑ کی زرہ کہیں گر پڑی اور ایک ذمی کے ہاتھ لگی۔ حضرت علیؑ نے شریح کی عدالت میں دعویٰ کیا۔ شریح نے ذمی سے پوچھا تم کیا کہتے ہو، اس نے کہا میری ملکیت کا ثبوت یہ ہے کہ زرہ میرے قبضہ میں ہے۔

حضرت شریح نے حضرت علیؑ سے پوچھا کہ آپ کے پاس اس کی کوئی شہادت ہے کہ زرہ گر گئی تھی انہوں نے حضرت حسنؑ اور قنبر کو شہادت میں پیش کیا۔ شریح نے کہا قنبر کی شہادت تو قبول کرتا ہوں، لیکن حسنؑ کی شہادت مسترد کرتا ہوں۔ حضرت علیؑ نے فرمایا، آپ نے رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد نہیں سنا ہے کہ الحسن والحسين سيدا شباب الجنة۔ شریح نے کہا سنا ہے، لیکن میں باپ کے مقابلہ میں لڑکے کی شہادت معتبر نہیں سمجھتا، اس فیصلہ کو حضرت علیؑ نے تسلیم کر لیا، اور زرہ یہودی کے پاس رہنے دی۔

اس واقعہ کا یہودی پر اتنا اثر ہوا کہ اس نے خود اقرار کر لیا کہ زرہ آپ ہی کی اور تمہارا دین سچا ہے۔ مسلمانوں کا قاضی امیر المؤمنین کے خلاف فیصلہ کرتا ہے، اور وہ بلاچون وچہ اسر خم کر دیتا ہے۔ میں شہادت دیتا ہوں کہ محمد خدا کے سچے رسول تھے، حضرت علیؑ کو اس کے اسلام سے اتنی مسرت ہوئی کہ اس یادگار میں انہوں نے زرہ اپنی طرف سے اس کو دے دی۔

فقہ کی کتابوں میں یہ قانون حدیث کے حوالے سے منقول ہے، لیکن صاحب نصب الراية نے تصریح کر دی ہے، کہ یہ حدیث نہیں بلکہ شریح کا قول ہے۔

خفیہ تحقیقات :

شرع سے پہلے اسلامی عدالت میں خفیہ تحقیقات کا طریقہ رائج نہ تھا۔ سب سے پہلے اس کو شرع نے جاری کیا۔ چونکہ یہ نئی بات تھی اس لئے لوگوں نے اس پر اعتراض کیا کہ تم نے یہ بدعت کیوں جاری کی۔ انہوں نے جواب دیا، جب لوگوں نے نئی نئی باتیں جاری کیں تو میں نے بھی نئی بات جاری کی۔^۱ (یعنی جب نئے نئے جرائم ہونے لگے تو مجھ کو بھی نئے طریقے اختیار کرنے پڑے)۔

جھوٹے حلف پر سچی شہادت کو ترجیح :

ثبوت کو قسم سے زیادہ اہم سمجھتے تھے، اور تبہا حلف کو چنداں اہمیت نہ دیتے تھے، بلکہ ثبوت کے ساتھ قسم لیتے تھے۔^۲ ایک مقدمہ میں ایک مدعی نے اپنے فریق سے قسم لے لی، قسم لینے کے بعد اس کے خلاف ثبوت پیش کیا، شرع نے کہا عادل ثبوت جھوٹی قسم سے زیادہ معتبر ہے۔^۳

اہل مقدمہ کو صفائی اور ثبوت کا موقع :

مدعی کو ثبوت اور ملزم کو صفائی کا پورا موقع دینا ہر عدالت کا فرض ہے، شرع اس کا اتنا لحاظ رکھتے تھے کہ مقدمہ فیصلہ کر دینے کے بعد بھی اگر فریقین کچھ کہنا چاہتے تو اس کا موقع دیتے تھے، اخف کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ اس شرع کی عدالت میں گیا۔ انہوں نے ایک شخص کے خلاف فیصلہ دیا۔ اس نے کہا ابھی جلدی نہ کیجئے میں کچھ کہنا چاہتا ہوں، شرع نے اسے موقع دیا جب وہ کہہ چکا تو کہا کیا میں چھوڑ دوں تم نے بہت فضول باتیں کیں تم نے جو کچھ کہا ہے اس پر ثبوت پیش کرو۔^۴

وہ خود اپنے فیصلے کے خلاف اپیل سننے کے لئے تیار رہتے تھے، چنانچہ کہا کرتے تھے کہ جو شخص میرے فیصلے کے خلاف دعویٰ کرے تو میرا فیصلہ اس وقت تک قائم رہے گا، جب تک مدعی اپنے دعویٰ کو ثابت نہ کر دے، حق بہر حال میرے فیصلے کے مقابلہ میں زیادہ حق ہے۔^۵

غیر جانبداری : مقدمات غیر جانبدارانہ کرتے تھے، کسی فریق کے ساتھ کوئی رعایت نہ کرتے تھے، نہ کسی فریق سے جرح میں کمی کرتے تھے، اور نہ کسی فریق کو کوئی پوائنٹ بتاتے تھے۔^۶

۱۔ محاضرات الاوائل۔ ص ۹۷ ۲۔ ابن سعد۔ ص ۹۶ ۳۔ ایضاً ۴۔ ابن سعد۔ جلد ۶۔ ص ۹۲

۵۔ ایضاً۔ ص ۹۳ ۶۔ ابن سعد۔ جلد ۶۔ ص ۹۲

راز داری : مقدمات میں پوری راز داری سے کام لیتے تھے، اور اس کی روداد کسی پر بھی ظاہر نہ کرتے تھے۔ ایک مرتبہ ان کے لڑکے نے اپنے ایک مقدمہ کے سلسلہ میں کچھ پوچھا، انہوں نے جواب دیا کہ تم چاہتے ہو کہ میں تم کو تمہارے فریق پر بھڑکاؤں۔^۱

خاندانی رواج :

مقدمات میں خاندانی رواج کو قبول نہ کرتے تھے، ایک مرتبہ چند غزالوں نے ایک مقدمہ دائر کیا ان میں سے بعض نے کہا کہ اس حقیقہ میں معاملہ خاندانی دستور سے پہلے ہے، شرع نے کہا تمہارے خاندانی دستور تمہارے گھر تک ہیں۔^۲

داللوں کی مخالفت :

اہل مقدمہ کے داللوں کے سخت مخالف تھے، انہیں اپنی عدالت سے نکلوا دیتے تھے اور لوگوں کو ان سے بچنے کی ہدایت کرتے تھے۔^۳

رشوت میں احتیاط :

رشوت سے کوئی زمانہ خالی نہیں رہا ہے، مہذب دور میں رشوت ہدایا و تحائف کی شکل اختیار کر لیتی ہے۔ جس سے بچنا بہت مشکل ہے، اس لئے شرع ہدیہ تو قبول کر لیتے تھے، لیکن رشوت سے محفوظ رہنے کے لئے فوراً اس کا بدل کر دیتے تھے۔^۴

آداب قضا : جب گھر سے عدالت جانے لگتے تو یہ کلمات کہتے، غنقریب ظالم اس حصہ کو جان لے گا، جو اس نے کم کیا ہے، اور ظالم کو سزا کا اور مظلوم کو مدد کا انتظار کرنا چاہئے۔^۵ بھوک اور غصہ کی حالت میں مقدمہ نہ کرتے تھے، بلکہ عدالت سے اٹھ جاتے تھے۔^۶

فیصلوں کی مقبولیت :

عموماً عدالت کے حکام جمہور کو خوش نہیں رکھ سکتے، عام حالات میں ان کے فیصلوں سے کسی نہ کسی جماعت کو شکایت ضرور رہتی ہے۔ لیکن شرع کے فیصلوں سے پبلک بہت مطمئن رہتی تھی، جابر بن زیاد کا بیان ہے کہ شرع ہمارے یہاں بصرہ میں قریب قریب ایک سال تک قاضی رہے، اس قلیل مدت میں انہوں نے ایسی بے مثل قضات کی کہ اس کے قبل اور مابعد کی تاریخ میں اس کی نظیر نہیں ملتی۔^۷

۱۔ ایضاً۔ ص ۹۹

۲۔ ایضاً

۳۔ ابن سعد۔ جلد ۶۔ ص ۹۲

۴۔ ابن سعد ترجمہ شرع

۵۔ ایضاً۔ ص ۹۵

۶۔ ابن سعد۔ جلد ۶۔ ص ۹۲

۷۔ ایضاً۔ ص ۹۳

ان کے فیصلے علمی درس ہوتے تھے :

ان کے فیصلے اس قدر ہر از معلومات اور فاضلانہ ہوتے تھے کہ ان کی عدالت فقہاء کی درس گاہ بن گئی تھی، بڑے بڑے علماء فقہی واقفیت حاصل کرنے کے لئے ان کے فیصلے سننے کو آتے تھے۔ مکحول کا جو خود بہت بڑے عالم تھے۔ بیان ہے کہ میں چھ مہینہ تک شرح کی عدالت میں معلومات حاصل کرنے کے لئے جاتا رہا، میں ان سے کچھ پوچھتا تھا، ان کے فیصلے میری معلومات کے لئے کافی ہوتے تھے^۱۔

نکتہ رسی اور دقیقہ سنجی :

چونکہ شرح نہایت ذہین اور طباع تھے، اس لئے اہل مقدمہ کی ظاہری حالت سے دھوکا نہ کھاتے تھے، ایک مرتبہ ایک عورت نے ایک مرد پر استغاثہ دائر کیا، اور عدالت میں آکر زار و قطار رونے لگی، امام شعی بھی موجود تھے۔ انہوں نے شرح سے کہا یہ عورت مظلوم معلوم ہوتی ہے۔ شرح نے کہا رونا مظلومیت کا ثبوت نہیں ہے، برادران یوسف بھی باپ کے پاس روتے ہی ہوئے آئے تھے^۲۔

عبادت : علمی کمالات کے ساتھ وہ فضائل اخلاق سے بھی آراستہ تھے، بڑے دیندار اور عبادت گزار تھے، قضاء کی ذمہ داریوں اور مشغولیتوں کے باوجود ان کا بھائی وقت عبادت میں گزرتا تھا ان کے غلام ابو طلحہ کا بیان ہے کہ جب وہ صبح کی نماز پڑھ کر واپس آتے تھے تو گھر کے دروازے بند کر کے قریب قریب آدھے دن تک نوافل میں مشغول رہتے تھے^۳۔

سلام میں سبقت : طبعاً نہایت خوش اخلاق اور منکسر مزاج تھے، سلام میں ہمیشہ خود سبقت کرتے تھے، قاسم کا بیان ہے کہ کوئی شخص سلام میں شرح پر سبقت نہیں کر سکتا تھا، عیسیٰ بن حارث کا بیان ہے کہ میں ہمیشہ سبقت کرنے کی کوشش کرتا تھا، مگر کبھی کامیاب نہ ہوا^۴۔ میرا ان کا اکثر راہ میں سامنا ہوتا تھا، میں اس انتظار میں رہتا کہ اب سلام کروں اب سلام کروں کہ اتنے میں وہ قریب پہنچ کر السلام علیکم کہہ دیتے^۵۔

فتنہ سے کنارہ کشی :

وہ فتنہ و فساد ناپسند کرتے تھے، ان کی زندگی میں بڑے بڑے سیاسی انقلابات ہوئے، عبدالملک اور ابن زبیرؓ کا ہنگامہ برسوں جاری رہا، جس کی لپیٹ سے بہت کم لوگ محفوظ رہ سکے،

۱۔ ابن سعد۔ جلد ۶۔ الطریق الحکمۃ ابن قیم۔ ص ۲۵

۲۔ تہذیب الاسماء۔ جلد ۱۔ ص ۲۲۴

۳۔ ایضاً۔ ص ۹۷

۴۔ ایضاً

۵۔ ابن سعد۔ جلد ۶۔ ص ۹۸

لیکن شریح کا دامن اس سے بھی بچا رہا، اس ہنگامہ کے زمانہ میں وہ چند برسوں کے لئے مستغنی ہو گئے تھے۔ اس میں پڑنے سے وہ اتنی احتیاط برتتے تھے کہ کسی سے اس کے حالات تک نہ پوچھتے تھے، لوگ بھی ان کی بے تعلقی دیکھ کر ان سے کوئی تذکرہ نہ کرتے تھے۔

دوسروں کی راحت کا خیال :

دوسروں کی راحت کا اتنا خیال تھا کہ اپنے لئے کسی کو ادنیٰ تکلیف دینا بھی پسند نہ کرتے تھے، اپنے گھر کے تمام پرنا لے اندر لگاتے تھے کہ اس کے پانی سے دوسروں کو تکلیف نہ پہنچے۔ اس معاملہ میں اتنے مبالغہ سے کام لیتے تھے کہ اگر ان کے گھر میں کوئی موت ہوتی تو دوسروں کی زحمت کے خیال سے کسی کو خبر نہ کرتے، اور راتوں رات دفن کر دیتے، اگر کوئی شخص مریض کی حالت پوچھتا تو کہہ دیتے اب سکون ہے، اپنے لڑکوں تک کو انہوں نے بغیر اطلاع دیئے ہوئے دفن کر دیا۔

ظرافت و خوش طبعی :

طبیعت میں ظرافت و خوش طبعی کا مادہ زیادہ تھا۔ کان رجلا مزاحاً کبھی کبھی سنجیدہ مواقع پر بھی ان کی ظرافت گلفشانی کر جاتی تھی۔ ایک مرتبہ عدی بن ارطاة نے ان کے سامنے ایک دعویٰ پیش کیا دونوں میں حسب ذیل گفتگو ہوئی۔

عدی : میں آپ کے سامنے کچھ باتیں پیش کرنا چاہتا ہوں۔

شریح : فرمائیے، میں سننے کے لئے تیار ہوں۔

عدی : میں شام کا رہنے والا ہوں۔

شریح : اتنے دور دراز مقام کے (مزاحاً)۔

عدی : میں نے آپ کے یہاں شادی کی ہے۔

شریح : ابالوفاء والبنین شادی مبارک ہو۔

عدی : میں اپنی بیوی کو ساتھ لے جانا چاہتا ہوں۔

شریح : شوہر اپنی بیوی کا حق دار اور مختار ہے۔

عدی : لیکن اس نے اپنے گھر میں رہنے کی شرط کر لی تھی۔

شریح : تو پھر شرط پوری کرنی چاہئے۔

عدی : آپ ہمارا فیصلہ کر دیجئے۔

شریح : فیصلہ کر دیا۔

عدی : کس کے خلاف۔

شریح : تمہاری ماں کے لڑکے کے (یعنی تمہارے)

عدی : کس کی شہادت پر۔

شریح : تمہارے ماموں کی بہن کے لڑکے کی شہادت پر (یعنی خود تمہاری شہادت پر) کیونکہ عدی نے خود اقرار کر لیا تھا کہ بیوی سے گھر میں رہنے کی شرط کر لی تھی۔

لطائف : ان کی ظرافت اور بذلہ سخی کی وجہ سے بعض اوقات دلچسپ لطائف پیش آ جایا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ بدوی نے ان سے پوچھا تم کس خاندان سے ہو، انہوں نے جواب دیا ان لوگوں میں سے ہوں جن کو خدا نے اسلام کے انعام سے نوازا ہے۔ یہ جواب سن کر وہ اعرابی ان کے پاس سے چلا گیا، اور لوگوں سے کہا، خدا کی قسم تمہارا قاضی اپنا خاندان بھی نہیں جانتا۔ ایک روایت یہ ہے کہ اس نے کہا کہ تم لوگوں نے مجھ کو ایک غلام کے پاس بھیج دیا۔ (کیونکہ عموماً غلام یا وہ لوگ جن کا کوئی قابل ذکر نسب نہ ہوتا تھا اسلام کی طرف اپنا انتساب کرتے تھے)۔

ان میں اور ابن زیاد میں سخت اختلاف تھا۔ ابن زیاد ایک مرتبہ طاعون میں مبتلا ہوا، اس کی سمیت کا اثر دہنے ہاتھ پر زیادہ تھا۔ اطباء نے اس کو کٹوانے کا مشورہ دیا۔ اس نے شریح سے مشورہ کیا۔ انہوں نے اس سے اختلاف کیا۔ ان سے کچھ ان کے مشورے اور کچھ خوف سے ہاتھ نہیں کٹوایا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس کی سمیت کے اثر سے مر گیا۔ لوگوں نے شریح کو بڑی ملامت کی کہ تم نے محض دشمنی کی وجہ سے ہاتھ نہیں کٹوانے دیا۔ انہوں نے جواب دیا کہ مشیر امین ہوتا ہے اس لئے اگر مجھے اس کی خیر خواہی کا خیال نہ ہوتا تو میں تو یہ چاہتا کہ ایک دن اس کا ہاتھ کاٹا جائے ایک دن پاؤں کاٹا جائے۔ اسی طریقہ سے روزانہ اس کے تمام اعضاء جوڑ جوڑ اور بند بند کاٹ کر الگ کر دیئے جائیں گے۔

ایک مرتبہ ان کی عدالت میں ایک شخص نے ایک گواہ کو جس کا نام ربیعہ تھا پکارا۔ اس نے کوئی جواب نہ دیا۔ اس کی خاموشی پر پکارنے والے نے جھلا کر دوبارہ کافر کہہ کر پکارا۔ اس خطاب پر وہ بول اٹھا، شریح نے اس پر یہ طریقہ الزام لگایا کہ تم نے کفر کا اقرار کر لیا۔ اس لئے تمہاری شہادت قبول نہیں کی جاسکتی۔

وفات : آخر میں ضعف پیری کی وجہ سے مستغنی ہو گئے تھے۔ استعفا کے کچھ دنوں بعد بیمار پڑے عمر ایک سو سال سے تجاوز ہو چکی تھی، زیست کی امید باقی نہ تھی، اس لئے دم آخر لوگوں کو ہدایت کی قبر بغلی

کھودی جائے، جنازہ کی اطلاع کسی کو نہ دی جائے، جنازہ کے ساتھ نوحہ نہ کیا جائے، جنازہ کو آہستہ آہستہ لے جایا جائے، قبر پر چادر نہ ڈالی جائے، مان و صایا کے بعد انتقال فرمایا، وفات میں اختلاف ہے۔ ۶۷ سے لے کر ۷۹ تک کسی سن میں انتقال کیا۔
حلیہ: شریح اطلس تھے، یعنی پیدائشی طور پر ڈاڑھی مونچھ نہ تھی۔
تنخواہ: پانسو ماہوار تنخواہ پاتے تھے۔

(۳۳) صفوان بن سلیم زہریؓ

نام و نسب: صفوان نام، ابو عبد اللہ کنیت، والد کے نام میں اختلاف ہے۔ بعض سلیم اور بعض سلام لکھتے ہیں، مدینہ کے ممتاز تابعین میں تھے۔

فصل و کمال: اگرچہ صفوان کا اصل طفرے کمال ان کا زہد و ورع تھا۔ لیکن فضائل علمی سے بھی وہ تہی دامن نہ تھے۔ حافظ ذہبی ان کو ثقہ حجة اور اعلام میں لکھتے ہیں۔

حدیث: حدیث میں انہوں نے عبد اللہ بن عمرؓ بن مالکؓ ابو امامہؓ سعید بن مسیبؓ عبد الرحمن بن اعثمؓ، ابو سلمہ بن عبد الرحمنؓ سعید بن سلمہؓ عبد اللہ بن سلیمان الاغرؓ عبد الرحمن ابن سعدؓ اور عطاء بن یسار وغیرہ سے فیض اٹھایا تھا۔ اور زید بن اسلمؓ ابن منکرؓ موسیٰ بن عقبہؓ ابن جریجؓ یزید بن حبیبؓ مالک بن انسؓ اکابر علماء کی بڑی جماعت ان کے تلامذہ میں تھی۔

فقہ: فقہ میں بھی انہیں درک تھا اور ان کا شمار مدینہ الرسول کے فقہاء میں تھا۔ ابن عداد حنبلی انہیں فقیہ القدوہ کے لقب سے یاد کرتے ہیں۔

عبادت و ریاضت: ان کا امتیازی وصف ان کا زہد و ورع اور عبادت و ریاضت ہے اس کے علاوہ ان کا اور کوئی مشغلہ نہ تھا۔ احمد بن حنبلؓ فرماتے تھے کہ وہ خدا کے بہترین بندوں میں تھے، ان کے وسیلہ سے پانی کی دعا کی جاتی تھی۔

بڑی سخت عبادتیں کرتے تھے، نیند کے خوف سے جاڑوں کے موسم میں کھلی چھت پر اور گرمیوں میں بند مکان میں عبادت کرتے تھے کہ سردی اور گرمی کے غلبہ سے نیند نہ آنے پائے،

۱ ابن سعد - جلد ۶ - ص ۹۹
۲ ابن خلکان - جلد اول - ص ۲۲۳
۳ ابن سعد - جلد ۶ - ص ۹۵
۴ تذکرۃ الحفاظ - جلد اول - ص ۱۲۰
۵ تہذیب المعجم - جلد ۴ - ص ۳۲۵
۶ ایضاً
۷ شذرات الذہب - جلد اول - ص ۱۸۹
۸ ایضاً

نمازیں پڑھتے پڑھتے دونوں پاؤں سوچ جاتے تھے اور تھک کر گر پڑتے تھے۔ سجدوں کی کثرت سے پیشانی زخمی ہو گئی تھی۔

عبادت کی معراج کمال :

کمال کی آخری حد یہ ہے کہ پھر اس میں مزید ترقی کی گنجائش باقی نہ رہے۔ صفوان عبادت کے اسی ذرہ کمال پر فائز تھے، ابو حمزہ کا بیان ہے کہ میں نے صفوان کو عبادت کے اس درجہ پر دیکھا کہ اگر ان سے کہا جاتا کہ کل قیامت ہے تو جس حد تک وہ پہنچ چکے تھے اس میں مزید اضافہ ہو سکتا تھا۔

انفاق فی سبیل اللہ :

خدا کی راہ میں انفاق کا یہ حال تھا کہ بدن کے کپڑے تک اتار کر دے دیتے تھے۔ ایک شب کو مسجد سے نکلے، سردی سخت تھی، مسجد کے باہر ایک آدمی ننگے بدن نظر آیا۔ صفوان نے اسی وقت اپنے جسم کے کپڑے اتار کر دے دیئے۔

دولت دنیا سے بے نیازی :

استغناء اور بے نیازی کے اس درجہ پر تھے کہ سلاطین اور فرماں رواں کی خدمت کرنا چاہتے تھے، مگر وہ قبول نہ کرتے تھے، مسجد نبوی میں عبادت کیا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ سلیمان بن عبد الملک مدینہ آئے، اور عمر بن عبد العزیزؓ کے ہمراہ مسجد نبوی دیکھنے کے لئے گیا، ظہر کی نماز پڑھنے کے بعد مقصورہ کا دروازہ کھولا تو اس میں صفوان نظر آئے سلیمان انہیں پہچانتا نہ تھا، عمر بن عبد العزیز سے پوچھا یہ کون بزرگ ہیں، ان کے بشرہ سے بہتر آثار میں نے نہیں دیکھے۔ عمر بن عبد العزیز نے کہا امیر المؤمنین یہ صفوان بن سلیم ہیں، ان کا نام سن کر اس نے غلام کو پانسودینار کی تھیلی ان کی خدمت میں پیش کرتے کا حکم دیا، غلام نے لے جا کر پیش کی کہ یہ امیر المؤمنین کی جانب سے نذر ہے، وہ یہاں موجود ہیں۔ صفوان نے کہا تم کو دھوکا ہوا ہے، کسی اور کے پاس بھیجی ہوگی۔ غلام نے عرض کیا آپ صفوان نہیں ہیں، فرمایا ہوں تو میں ہی۔ غلام نے کہا تو آپ ہی کو دیا ہے، فرمایا جاؤ، دوبارہ پوچھ آؤ۔ جیسے ہی غلام پوچھنے کے لئے لوٹا، صفوان فوراً جوتا اٹھا کر مسجد سے نکل گئے اور پھر جتنی دیر سلیمان مسجد میں رہا نہ دکھائی دیئے۔

وفات : ۱۳۲ھ میں وفات پائی۔

(۳۴) صفوان بن محرزؓ

نام و نسب : صفوان نام، نسبی تعلق قبیلہ بنی تمیم کی شاخ بنی مازن سے تھا۔ بصرہ کے عابد و زاہد تابعین میں تھے۔

فضل و کمال : علم میں کوئی امتیازی حیثیت نہ رکھتے تھے تاہم اس سے بالکل تہی دامن بھی نہ تھے بصرہ کے علماء باعمل میں شمار تھے۔ علامہ ابن سعد لکھتے ہیں، کان لہ فضل و ورع۔ حافظ ذہبی لکھتے ہیں، مصفوان بن محرز المازنی احد العلماء العاملين۔^۱

حدیث میں انہوں نے عبد اللہ بن عمرؓ، ابن مسعودؓ، ابن عباسؓ، ابو موسیٰ اشعریؓ، عمران بن حصینؓ اور حکیم بن حزام وغیرہ اکابر صحابہ سے استفادہ کیا تھا۔^۲

ابو حمزہ، جامع بن شداد، خالد بن عبد اللہ الاشج، عاصم الاحول، قتادہ، محمد بن واسع اور علی بن زید بن جعدان وغیرہ آپ کے زمرہ تلامذہ میں تھے۔^۳

عمل کا درجہ : صفوان کے نزدیک تنہا علم کی کوئی حیثیت نہ تھی جب تک اس کے ساتھ عمل نہ ہو۔ فرماتے تھے کہ ہم کو علم سے کوئی فائدہ نہیں پہنچ سکتا جب تک اس پر عمل نہ کریں، کاش میں کچھ نہ جانتا ہوتا۔^۴

زہد و عبادت : ان کی پوری زندگی اس اصول کا عملی نمونہ تھی۔ حافظ ابن حجر لکھتے ہیں کہ وہ بڑے عابد تابعین میں تھے۔^۵

گداز قلب : روح کا آئینہ نگار اشک سے چلا پاتا ہے اور دل کی کھیتی آنسوؤں کی آبیاری سے ہری ہوتی ہے۔ صفوان کی آنکھیں شمع سوزان تھیں، انہوں نے ایک کنج یا غار بنا لیا تھا جس میں بیٹھ کر رویا کرتے تھے اور صرف نماز کے اوقات میں اس سے باہر نکلتے تھے۔ نماز پڑھنے کے بعد پھر فوراً اسی میں چلے جاتے تھے۔^۶

ذکر و شغل : آپ کا ذکر و شغل حدیث خوانی تھا۔ جریر کا بیان ہے کہ صفوان اور ان کے بھائی مذاکرہ حدیث کے لئے جمع ہوتے تھے، اس حلقہ میں جب کیفیت اور رقت قلب محسوس نہ ہوتی تو

۱۔ ابن سعد۔ جلد ۷۔ ق ۱۔ ص ۱۰۷

۲۔ تذکرۃ الحفاظ۔ جلد اول۔ ص ۵۲

۳۔ تہذیب التہذیب۔ جلد ۴۔ ص ۴۳۰

۴۔ صفوة الصفوة۔ ص ۱۵۹

۵۔ ابن سعد۔ جلد ۷۔ ق ۱۔ ص ۱۰۷

۶۔ ایضاً۔ ص ۱۹۵ تہذیب التہذیب۔ جلد ۴۔ ص ۴۳۰

حاضرین ان سے حدیث بیان کرنے کی درخواست کرتے۔ ان کی زبان سے جیسے ہی الحمد للہ نکلتا حاضرین پر عجیب کیفیت طاری ہو جاتی اور مشکیزہ کے منہ کی طرح ان کے آنکھوں سے آنسو پھوٹ نکلتے۔

قیام لیل : آپ کی عبادت کا خاص وقت شب کا تھا۔ تہجد پابندی کے ساتھ پڑھتے تھے۔

دنیا سے کنارہ کشی :

دنیا اور اس کی نعمتوں سے کبھی دامن آلود نہ ہوا۔ فرماتے تھے، اگر مجھے کھانے کے لئے روٹی کا ایک ٹکڑا جس سے توانائی قائم رہ سکے اور پینے کے لئے پانی کا ایک کوزہ مل جائے تو پھر مجھے دنیا اور اہل دنیا کی ضرورت نہیں۔

دنیا کو کارواں سے زیادہ نہ سمجھتے تھے۔ چنانچہ مستقل گھر نہیں بنایا۔ رہنے کے لئے ایک چھپر تھا۔ اس کی مرمت تک نہ کراتے تھے۔

ایک مرتبہ اس کی ایک لکڑی ٹوٹ گئی لوگوں نے کہا اس کو درست کر لیجئے فرمایا کل مرنا ہے اگر گھر کا حقیقی مالک اس میں زیادہ ٹھہرنے کا موقع دیتا تو درست کر لیتا۔

خانہ خدا کا احترام :

خانہ خدا میں ہنگامہ آرائی مسجد کے احترام کے خلاف سمجھتے تھے اور ایسے موقع پر مسجد سے چلے جاتے تھے۔ ایک مرتبہ کچھ لوگ مسجد میں لڑ رہے تھے آپ یہ کہہ کر وہاں سے ہٹ گئے کہ ”تم لوگ جنگجو ہو“۔

فرمان رسول ﷺ کا پاس :

فرمان رسول ﷺ کا مرتے دم تک پاس رہا۔ مرض الموت میں گھر والوں سے فرمایا: رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان پیش نظر رہے کہ ”چلا کر بین کرنے والا، سرنو چنے والا اور کپڑے پھاڑنے والا ہماری جماعت میں نہیں ہے“۔

وفات : اس مرض میں وفات پائی۔ سنہ وفات معین طور پر نہیں بتایا جاسکتا۔ ابن حبان نے ۴۷ھ لکھا ہے لیکن یہ قابل اعتبار نہیں۔

(۳۵) طاؤس بن کیسانؓ

نام و نسب : طاؤس نام، عبدالرحمن کنیت، بحیر بن ريسان حمیری کے غلام تھے۔ ان کے والد نسلاً عجی تھے لیکن آل حمد ان سے تعلقات پیدا کر کے یمن کے شہر جند میں بود و باش اختیار کر لی تھی۔

فضل و کمال : فضل و کمال کے اعتبار سے طاؤس کا شمار کبار تابعین میں تھا۔ علامہ نووی لکھتے ہیں: طاؤس صاحب علم و فضل اور کبار تابعین میں تھے ان کی جلالت، فضیلت و فوہ علم اور صلاح و حفظ پر سب کا اتفاق ہے۔ ابن عساکر حبلی لکھتے ہیں کہ وہ امام اور علم و عمل کے اعتبار سے علماء اعلام میں تھے۔^۱

حدیث : حدیث کے اعتبار سے وہ بڑے حافظ تھے۔ ان کا حفظ حدیث ارباب علم میں مسلم تھا۔^۲ پچاس صحابہ کے دیدار کا شرف حاصل تھا، ان میں عبداللہ بن عمرؓ، عمروؓ بن عباسؓ، ابن عمر بن العاصؓ، ابن زبیرؓ، زید بن ارقمؓ، زید بن ثابتؓ، ابو ہریرہؓ، عائشہ صدیقہؓ، سراقہ بن مالکؓ، صفوان بن امیہؓ اور جابرؓ وغیرہ صحابہ کرام کے سرچشمہ علم سے سیراب ہوئے تھے۔ حبر الامۃ عبداللہ بن مسعودؓ سے خصوصیت کے ساتھ زیادہ استفادہ کیا تھا۔^۳

فقہ : فقہ میں بڑا پایہ تھا۔ علامہ ابن خلکان لکھتے ہیں : کان فقیہا جلیل القدر رفیع الذکر۔^۴ تلامذہ : تلامذہ کا دائرہ بھی خاصا وسیع تھا۔ ان میں سے بعض کے نام یہ ہیں، آپ کے صاحبزادے عبداللہ، وہب بن میسرہ، حبیب بن ابی ثابت، امم بن عتیبہ، حسن بن مسلم، سلیمان بن موسیٰ، عبدالکریم حرزی، عبدالملک بن میسرہ، عمرو بن شعیب، عمرو بن دینار، عمرو بن مسلم، قیس بن سعد، مجاہد، لیث، ابو سلیم اور ہشام وغیرہ۔^۵

معاصر علماء میں ان کا درجہ :

علمی اعتبار سے ان کا شمار اس عہد کے اکابر علماء کے زمرہ میں تھا۔ ابن عیینہ کا بیان ہے کہ میں نے عبداللہ بن زید سے پوچھا کہ تم کن لوگوں کے ساتھ ابن عباسؓ کے پاس جاتے تھے۔ انہوں نے جواب دیا، عطاء اور ان کی جماعت کے ساتھ۔ میں نے کہا اور طاؤس، انہوں نے کہا وہ خواص کے ساتھ جاتے تھے۔^۶

۱۔ تہذیب الاماء۔ جلد اول۔ ق اول۔ ص ۲۵۱

۲۔ شذرات الذہب جلد اول۔ ص ۱۳۳

۳۔ تہذیب الاماء۔ جلد اول۔ ق اول۔ ص ۲۵۱

۴۔ تہذیب الاماء۔ جلد اول۔ ص ۲۹۱

۵۔ تہذیب الاماء۔ جلد اول۔ ق اول۔ ص ۲۵۱

۶۔ ابن خلکان۔ جلد اول۔ ص ۲۳۲

۷۔ ایضاً

ارباب علم کا اعتراف :

اس عہد کے تمام ارباب علم ان کے کمال علم کے معترف تھے۔ عمرو بن دینار کہتے تھے کہ میں نے کسی شخص کو طاؤس کے برابر نہیں دیکھا۔ بعض لوگوں کے نزدیک وہ یمن کے ابن سیرین تھے، سعید بن ابی سیرین کا بیان ہے کہ قیس بن سعد کہتے تھے کہ طاؤس ہمارے یہاں کے ابن سیرین ہیں^۱۔ بعض علماء انہیں حضرت ابن جبیر کا ہم پایہ سمجھتے تھے۔ عثمان داری کا بیان ہے کہ میں نے ابن معین سے پوچھا کہ آپ کو طاؤس زیادہ پسند ہیں یا سعید بن جبیر؟ انہوں نے کسی کو ترجیح نہیں دی^۲۔

زہد و عبادت : اس علم کے ساتھ طاؤس میں اسی درجہ کا عمل بھی تھا۔ ابن حبان کا بیان ہے کہ وہ یمن کے عبادت گزار لوگوں میں تھے^۳۔ کثرت عبادت سے پیشانی پر نشانِ سجدہ تاباں تھا، بستر مرگ پر بھی کھڑے ہو کر نماز پڑھتے تھے^۴، چالیس حج کئے^۵۔ طواف میں خاموش رہتے تھے کسی بات کا جواب نہ دیتے تھے اور فرماتے تھے کہ طواف نماز ہے^۶۔

انفاق فی سبیل اللہ : خدا کی راہ میں بھی حسب استطاعت صرف کرتے تھے۔ ایک مرتبہ ایک سزا یاب کو اس کا جرم ادا کر کے چھڑایا^۷۔

دولت دنیا سے بیزاری : دنیا اور اس کی خواہشوں سے بالکل بے نیاز تھے۔ کبھی دنیاوی نعمتوں کی خواہش نہیں کی ہمیشہ یہی دعا کرتے تھے کہ ”خدا یا مجھے مال اور اولاد سے محروم رکھ اور اس کے بدلہ میں ایمان و عمل کی دولت عطا فرما“^۸۔

اہل دنیا سے بے تعلقی ارباب حکومت اور ثروت سے ہمیشہ گریز کرتے تھے اور ان کے شر سمجھتے تھے۔ ابن عیینہ کا بیان ہے کہ حکومت اور حکمرانوں سے گریز کرنے والے تین آدمی تھے، ابوذر صحابی اپنے زمانے میں اور طاؤس و ثوری اپنے زمانے میں^۹۔ فرماتے تھے ارباب شرف و دول سے زیادہ کسی کو شر نہیں دیکھا^{۱۰}۔

امراء اور سلاطین کا معمولی احسان اٹھانا بھی پسند نہ کرتے تھے۔ ایک مرتبہ وہب بن منبہ کے ہمراہ حجاج بن یوسف کے بھائی محمد کے یہاں گئے۔ اس وقت سردی زیادہ تھی، اس لئے محمد بن

۱۔ ابن سعد۔ جلد ۵۔ ص ۳۹۲ ۲۔ تہذیب اجتہاد۔ جلد ۵۔ ص ۹ ۳۔ ایضاً ۴۔ ابن سعد۔ ۵۔ جلد ۵۔ ص ۳۹۳ ۶۔ تہذیب اجتہاد۔ جلد ۵۔ ص ۹ ۷۔ ابن سعد۔ جلد ۵۔ ص ۳۹۳ ۸۔ ایضاً۔ ص ۳۹۲ ۹۔ تہذیب اجتہاد۔ جلد ۵۔ ص ۱۰ ۱۰۔ ابن سعد۔ جلد ۵۔ ص ۳۹۲

یوسف نے ان کے اوپر ایک چادر ڈلوادی مگر انہوں نے کندھا ہلا کر گرا دیا۔ محمد کو یہ بہت ناگوار ہوا، یہاں سے اٹھنے کے بعد ان کے ہمراہی وہب نے ان سے کہا کہ اگر تم کو چادر کی ضرورت نہ تھی تو بھی لوگوں کو محمد کے غصہ سے بچانے کے لئے تم کو اس وقت لے لینا چاہئے تھا۔ زیادہ سے زیادہ اسے بیچ کر اس کی قیمت مساکین میں تقسیم کر دیتے۔ انہوں نے جواب دیا، اگر اس کا خیال نہ ہوتا کہ میرے بعد لوگ میرے اس فعل کو سند جواز بنائیں گے تو ایسا کرتا۔

تحصیل داری کا عہدہ :

ایک مرتبہ محمد بن یوسف نے انہیں چند دنوں کے لئے تحصیل داری کے عہدہ پر مامور کر دیا، ان کے جیسے شخص کو اس عہدہ سے کیا مناسبت ہو سکتی تھی وہ جس طرح اس کام کو کرتے تھے اس کی تفصیل خود ان کی زبان سے یہ ہے ابراہیم بن میسرہ نے ان سے پوچھا آپ تحصیل داری کے زمانہ میں کیا کرتے تھے، فرمایا میں باقی دار سے کہتا تھا خدا تم پر رحم کرے اس نے تم کو جو عطا کیا، اس کو (شریعت کا حق دے کر) پاک کرو، اگر وہ اس کہنے پر خراج دے دیتا تھا تو لے لیتا تھا اور اگر کوئی اعراض کرتا تھا تو میں اسے بلاتا تھا۔

خلفاء کو نصیحت :

قیام عدل و خدمت خلق کا دار و مدار صالح عہدہ داروں پر ہے اس لئے طاؤس سلاطین اور خلفاء کو حکام کے انتخاب کے باب میں نصیحت کیا کرتے تھے۔ عمر بن "عبدالعزیز جب مسند خلافت پر متمکن ہوئے تو انہیں لکھ بھیجا کہ اگر آپ چاہتے ہیں کہ آپ کے تمام کام اچھے ہوں تو اچھے لوگوں کو عہدہ دار بنائیں، انہوں نے جواب میں لکھا کہ میری بھلائی کے لئے آپ کی نصیحت کافی ہے۔

ان کے صاحبزادے عبداللہ بھی بالکل ان کے ہم رنگ تھے۔ ایک مرتبہ ابو جعفر منصور عباسی نے انہیں اور امام مالک کو بلا بھیجا یہ دونوں گئے، منصور نے عبداللہ سے کہا کہ اپنے والد کی کوئی حدیث سنائیے، انہوں نے یہ حدیث سنائی کہ "قیامت کے دن سب سے زیادہ عذاب اس شخص پر ہوگا جو خدا کی حکومت میں شرک کرے گا"، یعنی اس میں ظلم کو شریک بنائے گا۔ یہ نصیحت آموز حدیث سن کر منصور خاموش ہو گیا، تھوڑی دیر خاموشی کے بعد منصور نے تین مرتبہ عبداللہ سے دوات اٹھانے کے لئے کہا مگر انہوں نے تعمیل نہیں کی۔ منصور نے کہا دوات کیوں نہیں اٹھاتے؟ انہوں نے کہا اس لئے کہ اگر تم اس سے کوئی ظالمانہ حکم لکھو گے تو اس میں میری شرکت بھی ہو جائے گی۔

ان کی یہ کھری باتیں سن کر منصور نے دونوں کو اٹھا دیا، عبد اللہ نے کہا کہ ہم تو یہی چاہتے تھے، امام مالک کا بیان ہے کہ اس واقعہ کے بعد سے میں عبد اللہ کے فضل کا معترف ہو گیا۔

قرآن کا احترام :

وہ کلام الہی سے مالی فائدہ اٹھانے کو نہایت برا اور احترام قرآن کے منافی سمجھتے تھے، ایک مرتبہ کچھ لوگوں کو قرآن مجید کا ہدیہ کرتے سنا تو اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ پڑھنے لگے۔

نوجوانوں کی اصلاح :

نوجوانوں کی جدت آمیز وضع قطع اور چال ڈھال کو سخت ناپسند کرتے تھے، ایک مرتبہ قریش کے چند خولیش پوش اور جدت پسند نوجوانوں کو طواف کی حالت میں دیکھ کر ٹوکا کہ تم لوگ ایسا لباس پہنتے ہو جو تمہارے اسلاف نہ پہنتے تھے، اور ایسی اٹھلائی ہوئی چال چلتے ہو کہ بچے بھی نہیں چل سکتے۔

عید المومنین :

عید کی خوشی منانا ضروری سمجھتے تھے، اس دن اپنی تمام لونڈیوں کے ہاتھوں اور پیروں پر مہندی لگواتے تھے اور فرماتے تھے یہ عید کا دن ہے۔

وفات : جیسا کہ اوپر گزر چکا ہے وہ حج بکثرت کرتے تھے اس کا سلسلہ آخر عمر تک جاری رہا، خدا نے ان کے اس ذوق کو حسن قبول بخشا، چنانچہ ۱۰ھ کے حج کے موسم میں مکہ ہی میں ترویہ سے ایک دن پہلے انتقال کیا، اس طرح وہ ہمیشہ کے لئے ارض مکہ میں مقیم ہو گئے۔ حج کی وجہ سے جنازہ میں اتنا ہجوم تھا کہ جنازہ لے جانا دشوار ہو گیا، ابراہیم بن ہشام مخزومی نے انتظام کے لئے پولیس بھیجی، پھر اتنا مجمع تھا کہ جنازہ اٹھانے والوں کے کپڑے ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے، اور ہزاروں حاجیوں کے ہاتھوں مدفون ہوئے۔

(۳۶) عامر بن شراحیل الشعمیؓ

نام و نسب : عامر نام، ابو عمر کنیت، شعمی قبیلہ کی نسبت ہے لیکن شہرت کی وجہ سے اس نسبت نے لقب کی حیثیت اختیار کر لی ہے۔ یمن کے نامور میری خاندان میں حبان بن عمرو ایک مشہور اور تاریخی

۳۔ ایضاً۔ ص ۳۹۵

۲۔ ابن سعد۔ جلد ۵۔ ص ۳۹۳

۱۔ ابن خلکان۔ جلد اول۔ ص ۲۳۳

۱۔ ابن خلکان۔ جلد اول۔ ص ۲۳۳

۵۔ ایضاً۔ ص ۳۹۵

۴۔ ایضاً۔ ص ۳۹۳

شخص گزرا ہے۔ یہ شخص یمن کی ایک پہاڑی ذوالشبنین میں پیدا ہوا تھا اور مرنے کے بعد یہیں دفن ہوا اس لئے وہ خود ذوالشبنین مشہور ہو گیا۔ اس کے بعد اس نسل میں بھی یہ نسبت قائم رہی، اس کی نسل کی ایک شاخ فتوحات اسلامی سے قبل ہمدان میں آباد تھی پھر اسلامی عہد میں کوفہ میں بس گئی۔ یہ شاخ شععی کہلاتی تھی، عامر بن شراحیل اسی شاخ سے تھے۔ حسان بن عمرو کے اوپر اس خاندان کا نسب نامہ یہ ہے: بنی حسان بن عمرو بن قیس بن معاویہ بن جشم بن عبد شمس بن وائل بن غوث بن قطن بن عریب بن زہیر بن ایمن بن ہبیس بن حمیر۔

پیدائش: عامر الشععی کے سنہ ولادت کے بارہ میں مختلف روایات ہیں۔ خود ان کا بیان ہے کہ وہ جنگ جلولاء کے سال پیدا ہوئے۔ ایک بیان یہ بھی ہے کہ ان کی ماں جلولاء کے قیدیوں میں تھیں جو ان کے والد شراحیل کے حصہ میں پڑی تھیں۔ اس حساب سے ان کی پیدائش ۱۹۰ء میں ہوئی۔

تعلیم: عامر کے ہوش سنبھالنے کے وقت صحابہ کرام کی بہت بڑی جماعت موجود تھی، اور ان کی بود و باش بھی ایسے مرکزی مقام پر تھی، جہاں بہت سے صحابہ اقامت پذیر تھے اور ان کی آمد و رفت رہتی تھی۔ اس لئے انہیں پانچ سو ۵۰۰ صحابہ کو دیکھنے کا شرف حاصل ہوا تھا۔ ان میں اڑتالیس ۳۸ سے فیض اٹھایا تھا۔ حمر الامت عبداللہ بن عمرؓ کی خدمت میں آٹھ ۸ دس مہینہ مستقل قیام کر کے ان کے کمالات سے فیضیاب ہوئے تھے۔ ان بزرگوں کے فیض نے ان کو امام عصر بنا دیا۔

فضل و کمال: علمی لحاظ سے وہ اپنے عہد کے امام تھے، حافظ ذہبی ان کو امام، حافظ، فقیہ، اور متقن ۲ اور ابن عماد حنبلی امام البحر العلماء لکھتے ہیں ۳۔ انہیں جملہ علوم میں یکساں کمال حاصل تھا، ابوالخلق الحبال کا بیان ہے کہ شععی جملہ علوم میں یگانہ عصر تھے قرآن، حدیث، فقہ، مغازی، ریاضی اور ادب و شاعری سب میں انہیں یکساں دستگاہ حاصل تھی ۴۔

قرآن: قرآن کے اتنے ممتاز قاری تھے کہ زعمی القرائی کہلاتے تھے ۵۔ تفسیر میں بھی انہیں پورا درک تھا، لیکن احتیاط کی وجہ سے انہوں نے مفسر کی حیثیت سے کوئی شہرت نہیں حاصل کی، وہ تفسیر قرآن میں بڑے محتاط تھے، ہر شخص کو اس کا مجاز نہیں سمجھتے تھے، ذکر یا بن ابی زائدہ کا بیان ہے کہ شععی ابوصالح کے پاس سے گزرتے تو ان کے کان پکڑ کر کہتے کہ تم قرآن نہیں پڑھتے، اور اس کی تفسیر بیان کرتے ہو ۶۔

۱۔ ابن سعد۔ ص ۱۷۲

۲۔ تہذیب التہذیب۔ جلد ۵۔ ص ۶۷

۳۔ ابن سعد۔ جلد ۶۔ ص ۱۷۲

۴۔ شذرات الذہب۔ جلد ۱۔ ص ۱۲۶

۵۔ تذکرۃ الحفاظ۔ جلد اول۔ ص ۶۹

۶۔ تہذیب التہذیب۔ جلد ۵۔ ص ۶۹

۷۔ تہذیب التہذیب۔ جلد ۵۔ ص ۶۳

۸۔ تذکرۃ الحفاظ۔ جلد اول۔ ص ۷۳

حدیث : حدیث کے جلیل القدر حافظ بلکہ امام العصر تھے۔ انہوں نے صحابہ کرام اور تابعین کی بڑی جماعت سے سماع حدیث کیا تھا۔ صحابہ میں حضرت علیؓ، سعد بن ابی وقاصؓ، سعید ابن زیدؓ، زید بن ثابتؓ، قیس بن عبادہ قریظ بنؓ، کعب، عبادہ بن صامتؓ، ابو موسیٰ اشعریؓ، ابو مسعود انصاریؓ، ابو ہریرہؓ، مغیرہ بن شعبہؓ، نعمان بن بشیرؓ، ابو ثعلبہ خثنیؓ، جریر بن عبد اللہ طحیانیؓ، بریدہ ابن حبیبؓ، براء بن عازبؓ، معاویہؓ، جابر بن عبد اللہؓ، جابر بن سمرہؓ، حارث بن مالکؓ، حبشی ابن جنادہؓ، حسین بن علیؓ، زید بن ارقمؓ، ضحاک بن قیسؓ، سمرہ بن جندبؓ، عامر بن شہرؓ، عبد اللہ بن عمرؓ، ابن عباسؓ، ابن زبیرؓ، ابن عمرو بن العاصؓ، عبد اللہ بن مطیعؓ، عبد الرحمن بن سمرہؓ، عدی بن حاتمؓ، عروہ بن جعد البعاریؓ، عروہ بن مضرؓ، عمرو بن امیہؓ، عمرو بن حریشؓ، عمران بن حصینؓ، عوف بن مالکؓ، عیاض اشعریؓ، کعب بن عجرہؓ، محمد بن سیفؓ، مقدم بن معد یکربؓ، والبصہ بن معبدؓ، ابی جبیرہ بن ضحاکؓ، ابوسریجہؓ، غفاریؓ، ابوسعید خدریؓ، اور صحابیات میں ام سلمہؓ، میمونہ بنت حارثؓ، اسماء بنت انیسؓ، فاطمہ بنت قیسؓ اور ائمہ ہانی وغیرہ سے سماع حدیث کیا تھا۔ ان میں سے بعض مرسل روایات ہیں۔ صحابہ کے علاوہ تابعین کی بہت بڑی تعداد سے استفادہ کیا تھا۔

تلاش حدیث میں مشقت :

حدیث کا انہیں خاص ذوق تھا اور اس کو انہوں نے بڑی مشقت سے حاصل کیا تھا۔ ایک شخص نے ان سے پوچھا کہ آپ نے اتنا علم کہاں سے حاصل کیا۔ انہوں نے جواب دیا، غم و اندوہ کو بھلا کر ملکوں کی سیاحت کر کے گدھوں کی طاقت برداشت اور کوؤں کی سحر خیزی کے ذریعہ۔

قوتِ حافظہ :

حافظہ اتنا قوی تھا کہ کبھی کاغذ قلم اور دوات کے شرمندہ احسان نہیں ہوئے ایک مرتبہ جو حدیث سن لی وہ ہمیشہ کے لئے سینہ میں محفوظ ہو گئی۔ ان کا خود بیان ہے کہ میں نے کبھی بیاض کو کتابت سے سیاہ نہیں کیا یعنی کبھی لکھا نہیں۔ جب کسی نے کوئی حدیث سنائی تو وہ میرے سینہ میں محفوظ ہو گئی اور اسکے دوبارہ سننے کی ضرورت محسوس نہ ہوئی۔

اخذ حدیث میں احتیاط :

لیکن دوسروں سے حدیثوں کے لینے میں وہ بڑے محتاط تھے ان ہی لوگوں سے احادیث لیتے تھے جو علم کے ساتھ عقل و تقویٰ کے زیور سے آراستہ ہوتے۔ اس میں ان کا اصول یہ تھا کہ علم اسی

شخص سے حاصل کرنا چاہئے جس میں زہد و عبادت اور عقل و دانش دونوں جمع ہوں۔ تنہا عقل یا تنہا تقویٰ رکھنے والا علم کی حقیقت کو نہیں پاسکتا۔

حدیث میں وسعتِ علم :

حدیث میں ان کے علم کا دائرہ نہایت وسیع تھا۔ ان کا بیان ہے کہ میں نے بیس سال کے عرصہ میں کسی سے کوئی ایسی نئی حدیث نہیں سنی جس سے میں بیان کرنے والے سے زیادہ واقف نہ رہا ہوں۔ اہل حجاز، بصرہ اور کوفہ تینوں علمی مرکزوں کے محدثین کی احادیث کا ان سے بڑا کوئی حافظ نہ تھا۔ سنن کے بھی بڑے عالم تھے۔ مکحول کا بیان ہے کہ میں نے شعی سے زیادہ سنتِ ماضیہ کا عالم نہیں دیکھا۔ ابن ابی لیلیٰ کہتے تھے کہ شعی صاحب آثار تھے اور ابراہیم صاحب قیاس^۵۔

احتیاط فی الحدیث :

لیکن اس وسعتِ علم کے باوجود وہ خود روایتِ حدیث میں بڑے محتاط تھے۔ زیادہ روایت کرنا پسند نہ کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ گذشتہ صلحاء زیادہ حدیثیں بیان کرنا برا سمجھتے تھے اگر مجھے یہ پہلے سے معلوم ہوتا جو بعد میں معلوم ہوا تو میں صرف محدثین کی متفقہ حدیثیں بیان کرتا ہے۔

روایت بالمعنی :

لیکن روایت بالمعنی کو خلاف احتیاط نہیں سمجھتے تھے۔ یعنی روایت میں الفاظ کی پابندی ضروری نہیں سمجھتے تھے۔ ابن عون کا بیان ہے کہ شعی حدیثیں بالمعنی روایت کرتے تھے۔

فقہ : اگرچہ ان کو جملہ علوم و فنون میں یکساں درک حاصل تھا لیکن ان کا خاص اور امتیازی فن فقہ تھا۔ اس میں ان کا پایہ اتنا بلند تھا کہ اپنے عہد کے سب سے بڑے فقیہ سمجھے جاتے تھے۔ ابوالحسن کہتے تھے کہ میں نے کسی کو شعی سے بڑا فقیہ نہیں پایا۔ بعض علماء تو انہیں اس عہد کے کل آئمہ پر ترجیح دیتے تھے۔ ابوجلز کہتے تھے کہ میں نے سعید بن مسیب، طاؤس، عطاء، حسن بصری اور ابن سیرین کسی کو بھی شعی سے بلند مرتبہ فقیہ نہیں پایا۔

حضرت ابراہیم نخعی جو بہت بڑے فقیہ تھے ان کے تفقہ کے اتنے قائل تھے کہ جو مسئلہ ان کو نہ معلوم ہوتا اس کے سائل کو شعی کے پاس بھیج دیتے تھے۔ ایک مرتبہ ایک شخص نے ان سے ایک مسئلہ پوچھا،

۱۔ تذکرۃ الحفاظ۔ جلد اول۔ ص ۷۳ ۲۔ ایضاً۔ ص ۷۳

۳۔ ایضاً۔ ص ۷۳ ۴۔ ابن سعد۔ جلد ۱۔ ص ۱۷۷ ۵۔ تذکرۃ الحفاظ۔ جلد اول۔ ص ۷۱

۶۔ ایضاً۔ ص ۱۷۲ ۷۔ ابن سعد۔ جلد ۶۔ ص ۱۷۳ ۸۔ تذکرۃ الحفاظ۔ جلد اول۔ ص ۷۰

انہوں نے لاعلمی ظاہر کی، اسی درمیان میں شععی گزرتے ہوئے دکھائی دیئے، ابراہیم نخعی نے مستفتی سے کہا ان شیخ کے پاس جا کر پوچھو اور وہ جو جواب دیں اسے مجھے بتاؤ۔ چنانچہ سائل نے جا کر ان سے دریافت کیا انہوں نے بھی لاعلمی ظاہر کی، نخعی کو یہ جواب معلوم ہوا تو انہوں نے کہا واللہ یہ فقہ ہے۔

ان کا فقہی کمال اتنا مسلم تھا کہ صحابہ کرام کی موجودگی میں جو علوم نبوی کے حقیقی وارث تھے وہ مسند افتاء پر بیٹھ گئے تھے۔ ابو بکر ہذلی کا بیان ہے کہ ابن سیرین نے مجھے ہدایت کی تھی کہ شععی کے ۱۰۰ ان سے وابستہ رہو کیونکہ وہ صحابہ کی بڑی تعداد کی موجودگی میں فتویٰ دیتے تھے۔

جواب میں احتیاط :

حدیث کی طرح وہ فقہ میں بھی محتاط تھے اور اس احتیاط کی بنا پر عموماً مسائل کے جواب میں اپنی لاعلمی ظاہر کر دیتے تھے۔ صلت بن بہرام کا بیان ہے کہ میں نے کسی ایسے شخص کو جو علم میں شععی کا ہم پایہ ہو، ان سے زیادہ ”لا ادری“ کہنے والا نہیں دیکھا۔

ابن عون کا بیان ہے کہ شععی کے پاس جب کوئی سائل آتا تھا تو وہ حتی الامکان جواب سے بچتے تھے، اور ابراہیم برابر جواب دیتے چلے جاتے تھے۔ شععی فطرۃ خندہ جبیں اور ابراہیم خشک مزاج تھے لیکن جب دونوں کے سامنے کوئی فتویٰ پیش ہوتا تھا تو دونوں کے اوصاف بدل جاتے، شععی میں انقباض پیدا ہو جاتا تھا اور ابراہیم میں انبساط۔

لیکن بہر حال وہ ایک ممتاز عالم اور بلند پایہ فقیہ تھے کوفہ کی مسند افتاء پر تھے ان کی ذات مرجع خلافت تھی اس لئے ہمیشہ لا ادری تو کہہ نہیں سکتے تھے بہت سے مسائل کا جواب دینا ہی پڑتا ہے۔ پھر بھی وہ اتنی احتیاط ہر حالت میں قائم رکھتے تھے کہ ان کے جواب کی بنیاد احادیث و سنن پر ہوتی تھی۔^۵ جواب میں اپنی رائے کو مطلق داخل نہ دیتے تھے۔ محمد بن حجاج کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ شععی سے ایک مسئلہ پوچھا گیا جس کے بارے میں ان کے پاس کوئی مسند نہ تھی، کسی نے کہا اپنی رائے سے جواب دے دیجئے، فرمایا میری رائے کیا کرو گے اس پر پیشاب کرو۔

قیاس کی عقلی بے حقیقتی :

وہ نہ صرف مذہباً و عقیدۃ امور شریعہ میں قیاس کو برا سمجھتے تھے بلکہ عقلاً بھی اس کے قائل نہ تھے۔ ایک مرتبہ انہوں نے ابو بکر ہذلی کو اس کی حقیقت سمجھانے کے لئے ان سے پوچھا کہ اگر اخف بن قیس

۱۔ ابن سعد۔ جلد ۶۔ ص ۱۷۴ ۲۔ تذکرۃ الحفاظ۔ جلد اول۔ ۱۷۱ ۳۔ ابن سعد۔ جلد ۶۔ ص ۱۷۴ ۴۔ تذکرۃ الحفاظ۔ جلد اول۔ ص ۱۷۴ ۵۔ ابن سعد۔ جلد ۶۔ ص ۱۷۴ ۶۔ تذکرۃ الحفاظ۔ جلد اول۔ ص ۱۷۶

(تابعی جن کے حالات اُوپر گزر چکے ہیں۔ اس عہد کے ایک نامور مدبر) قتل کر دیئے جائیں اور انہی کے ساتھ ایک چھوٹا بچہ بھی قتل کر دیا جائے تو دونوں کی دیت برابر ہوگی یا احنف کی دیت ان کے عقل اور علم کی وجہ سے زیادہ ہوگی۔ ابو بکر نے جواب دیا برابر ہوگی۔ (حالانکہ قیاس کے اقتضاء یہ تھا کہ احنف کی دیت زیادہ ہوتی)۔

علم میں خوف و خشیت :

اس علم کے باوجود خوف و خشیت کا یہ حال تھا کہ کہا کرتے تھے کہ کاش میں اس علم سے براہ سرابر پر چھوٹ جاتا نہ مجھ سے اس کا مواخذہ ہوتا اور نہ مجھ کو اس کا صلہ ملتا، اگر میں ننانوے سوالوں کا صحیح جواب دوں اور صرف ایک غلط ہو جائے تو لوگ اس پر گرفت کریں گے۔

مغازی : مغازی کے ممتاز عالم تھے۔ خود وہ صحابہ جنہوں نے غزوات میں شرکت کی تھی ان کی علمی واقفیت کے معترف تھے۔ عبدالملک بن عمیر کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ شعی مغازی بیان کر رہے تھے کہ ابن عمرؓ ادھر سے گزرے، انہوں نے سن کر کہا اگرچہ میں بذات خود مغازی میں شریک ہوا ہوں لیکن جہاں تک علم کا تعلق ہے یہ مجھ سے زیادہ مغازی سے واقف ہیں۔

ریاضی : مذہبی ذوق کے علماء کو عموماً ریاضیات سے کم لگاؤ ہوتا ہے لیکن شعی اس فن کے بھی ماہر تھے اس کی تعلیم انہوں نے مشہور ریاضی حارث الاغور سے حاصل کی تھی۔

فرائض : ریاضی میں مہارت کی وجہ سے فرائض میں پورا درک تھا اور اس کو غالباً انہوں نے حضرت علیؓ سے سیکھا تھا۔ بعضوں کے نزدیک آپؓ نے سیکھا نہ تھا بلکہ آپؓ کے اقوال سے استنباط کیا تھا۔

شاعری : شاعری کا نہایت سحرانہ مذاق رکھتے تھے۔ شعرائے قدیم کے ہزاروں اشعار حفظ تھے ان کا دعویٰ تھا کہ اگر میں چاہوں تو مسلسل ایک مہینہ تک اشعار سناتا رہوں اور کوئی شعر مکرر نہ ہونے پائے۔ خود بھی شعر کہتے تھے۔

حلقہ درس : صحابہ کی موجودگی ہی میں ان کا حلقہ درس قائم ہو گیا تھا۔ ابن سیرین کا بیان ہے کہ جس زمانہ میں میں کوفہ آیا اس وقت شعی کا حلقہ درس قائم تھا اور اصحاب رسول ﷺ کی بڑی تعداد

۱۔ ابن سعد۔ جلد ۶۔ ص ۱۷۴ ۲۔ تذکرۃ الحفاظ۔ جلد اول۔ ص ۷۲ ۳۔ تہذیب المعجم۔ جلد ۵۔ ص ۶۶

۴۔ ابن سعد۔ جلد ۶۔ ص ۱۷۳ ۵۔ ابن سعد۔ جلد ۶۔ ص ۱۷۳ ۶۔ تہذیب المعجم۔ جلد ۵۔ ص ۶۷

۷۔ تذکرۃ الحفاظ۔ جلد اول۔ ص ۷۳

موجود تھی^۱۔ حلقہ درس میں زیادہ مجمع پسند نہ کرتے اور فرماتے تھے کہ حلقہ جب بہت زیادہ بڑھ جاتا ہے تو شور و شغب بن جاتا ہے^۲۔

اور جن مساجد کے حلقہائے درس میں ہنگامہ ہوتا تھا انہیں چھوڑ دیتے تھے۔ صالح بن کیسان کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ ہم اور شععی ہاتھ میں ہاتھ دیئے ٹہلتے ٹہلتے مسجد میں پہنچے، حماد کے گرد ان کے اصحاب کا مجمع تھا اور بڑا شور و غوغا مچا ہوا تھا۔ شععی نے سن کر کہا خدا کی قسم ان بازار یوں نے اس مسجد کو میرے لئے مبغوض بنا دیا ہے اور یہ کہہ کر لوٹ آئے^۳۔

تلامذہ : ان کے تلامذہ کا دائرہ نہایت وسیع تھا صرف حدیث میں ان کے تلامذہ کی مختصر فہرست یہ ہے۔ ابو اسحق سمیعی، سعید بن عمرو بن اشوع، اسمعیل بن ابی خالد، بیان بن بشر، حصین بن عبد الرحمن، داؤد بن ابی ہند، زبید الیمامی، زکریا بن ابی زائدہ، سعید بن مسروق، سلمہ بن کہیل، ابو اسحق شیبانی، اعمش، منصور، مغیرہ، ساک بن حرب، عاصم الاحول ابو الرقاد، ابن عون، عبد الملک بن سعید بن الجبر، عون بن عبد اللہ بن قتادہ، مجالد بن سعید، مطرب بن طریف اور ابو حیان تمیمی وغیرہ^۴۔

اکابر علماء اور آئمہ کا اختلاف :

اس عہد کے تمام بڑے بڑے علماء اور آئمہ میں ان کی علمی منزلت مسلم تھی۔ حسن بصری ان کو کثیر العلم فرماتے تھے^۵۔ امام زہری کہتے تھے کہ علماء صرف چار ہیں، مدینہ میں ابن مسیب، کوفہ میں شععی، بصرہ میں حسن بصرہ اور شام میں مکحول^۶۔ ابن عیینہ کا بیان ہے کہ لوگ کہتے تھے کہ صحابہ کے بعد ابن عباس اپنے زمانہ میں، شععی اپنے زمانہ میں اور ثوری اپنے زمانہ میں یگانہ تھے^۷۔

مذہب : شععی ابتدا میں شیعہ تھے، لیکن پھر ان کے اعمال دیکھ کر ان کے خیالات اور ان کی غیر معتدل باتیں سن کر اس مذہب سے تائب ہو گئے اور اس کی مذمت کرنے لگے تھے۔ لیکن اہل سنت کے عقائد اختیار کرنے کے بعد بھی انہوں نے عام تبدیل مذہب کرنے والوں کی طرح جاوہ اعتدال سے باہر قدم نہ نکالا۔ چنانچہ فرماتے تھے کہ صالحؓ مومنین اور صالح بنی ہاشم کو دوست رکھو لیکن شیعہ نہ بنو^۸۔

جو چیز تمہارے علم میں نہیں ہے۔ اس میں بھلائی کی امید رکھو لیکن رُجی نہ بنو۔ اس کا یقین رکھو کہ بھلائیاں خدا کی جانب سے ہیں اور برائیاں تمہارے نفس کی جانب سے، لیکن قدری نہ بنو۔

۱ تذکرۃ الخطاط - جلد اول - ص ۷۳ ۲ ایضاً ۳ ابن سعد - جلد ۶ - ص ۱۷۷ ۴ ایضاً - ص ۱۷۵

۵ تفصیل کے لئے دیکھو تہذیب اجتہاد - جلد ۵ - ص ۶۶ ۶ ایضاً - ص ۶۷ ۷ ابن خلکان - جلد اول - ص ۲۳۴

۸ تہذیب اجتہاد - جلد ۵ - ص ۶۷ ۹ ابن سعد - جلد ۶ - ص ۱۷۳

جس شخص کو تم اچھے اعمال کرتے دیکھو، خواہ وہ تک چٹا سندھی ہی کیوں نہ ہو اسے دوست رکھو^۱۔
بعض حکیمانہ مقولے :

فرماتے تھے کہ فقیہ وہ ہے جو خدا کے محارم سے بچتا رہے اور عالم وہ ہے جو خدا کا خوف کرتا ہے تم لوگ کم استعداد علماء اور جاہل عبادت گزاروں سے بچتے رہو^۲۔

عادات و خصائل :

شعی طبعاً نہایت نرم و حلیم تھے۔ حضرت حسن بصری فرماتے تھے کہ واللہ شعی بڑے صاحب علم اور بڑے حلیم الطبع تھے۔ نرم خو ایسے تھے کہ کبھی اپنے غلام تک کو نہ مارتے تھے، صاحبِ پورا عزم و شہادت تھے جب ان کا کوئی عزیز قرض چھوڑ کر مر جاتا تھا تو اپنی جیب سے اس کا قرض ملا کرتے تھے۔

ظرافت و خوش طبعی :

علمی مکمل کے ساتھ وہ بڑے ظریف و خوش طبع اور بذلِ سنخ تھے۔ گمانِ مزاحاً^۳، ظرافت کا مادہ اتنا غالب تھا کہ بات بات میں لطائف پیدا کرتے تھے۔ ان کے بہت سے لطائف کتابوں میں مذکور ہیں۔

ایک مرتبہ ایک شخص نے ان سے پوچھا ایلیس کی بیوی کا کیا نام ہے؟ جواب دیا میں اس کی شادی میں شریک نہیں ہوا تھا کہ معلوم ہوتا ہے۔ ایک مرتبہ ایک شخص نے حرامی لڑکے کے بارے میں پوچھا کہ کیا تینوں (ماں باپ خود) میں سب سے زیادہ شروہی ہوتا ہے۔ جواب دیا اگر سب میں زیادہ شروہی ہوتا تو اس کے پیٹ ہی میں ہونے کی حالت میں اس کی ماں سنگسار کر دی جاتی۔

حضرت عمرو بن سعید کا بیان ہے کہ میں نے ایک مرتبہ شعی سے کہا کہ آپ نے مجھ سے ایک حدیث بیان کی تھی وہ اب میرے حافظہ سے جاتی رہی۔ انہوں نے کہا کچھ بتاؤ تو معلوم ہو، میں نے کہا کچھ بھی یاد نہیں۔ شعی نے ایک حدیث سنا کر کہا کہ یہ تو نہیں ہے، میں نے کہا نہیں، انہوں نے دوسری بیان کر کے کہا شاید یہ ہو، میں نے کہا یہ بھی نہیں، آخر میں انہوں نے یہ عاشقانہ شعر پڑھ کر کہا ممکن ہے یہ ہو۔

ہنیا مر یا غیر داء مخام لعزۃ من اعواننا استحللت

۱۔ ابن سعد۔ جلد ۶۔ ص ۱۷۳ ۲۔ شذرات الذہب۔ جلد اول۔ ص ۱۲۷ ۳۔ تہذیب التہذیب۔ جلد ۵۔ ص ۶۷
۴۔ تذکرۃ الحفاظ۔ جلد ۷۔ ص ۷۰ ۵۔ ایضاً ۶۔ ابن خلکان۔ جلد اول۔ ص ۲۳۳ ۷۔ تذکرۃ الحفاظ۔ جلد اول۔ ص ۷۰ ۸۔ تذکرۃ الحفاظ۔ جلد اول۔ ص ۷۰ ۹۔ ابن سعد۔ جلد ۶۔ ص ۱۷۳

ایک مرتبہ حجاج نے پوچھا کم عطاؤک فی السنة سال میں تمہارا وظیفہ کتنا ہے (زبان کے لحاظ سے اس موقع پر فی السنة کہنا درست نہیں ہے) اس لئے شععی نے بھی غلط جواب دیا۔ الفین (دو ہزار) حالانکہ الفین کے بجائے الفان کہنا چاہئے تھا۔ اس ٹوکے پر حجاج نے اپنی غلطی محسوس کر کے فوراً اس کی صحیح کی کم عطاؤک تمہارا وظیفہ کتنا ہے، اس وقت شععی نے بھی صحیح جواب دیا کہ الفان، حجاج نے کہا پہلے تم نے عربی میں کیوں غلطی کی، جواب دیا، امیر نے غلطی کی جب امیر نے صحیح کہا تو میں نے بھی صحیح کر لی میری یہ مجال نہ تھی کہ امیر تو غلط بولیں اور میں صحیح بولوں۔^۱

ایک مرتبہ ایک شخص ان کے گھرانے سے ملنے گیا۔ گھر میں میاں بیوی دونوں تھے شععی خلعت نہایت کمزور اور پست قد تھے اس لئے آنے والے نے مذاق سے پوچھا، شععی ان میں سے کون سے ہیں، شععی نے بیوی کی طرف اشارہ کر دیا۔^۲

ایک مرتبہ ایک درزی سے مذاقاً پوچھا میرے پاس ایک ٹوٹا ہوا دانہ ہے اس کو سی سکتے ہو۔ درزی بھی حاضر جواب تھا، بولا اگر آپ کے پاس ہوا کا ٹاگا ہو تو سی دوں گا۔^۳

ایک مرتبہ ایک نصرانی کو السلام علیکم ورحمۃ اللہ اسلامی سلام کیا، ایک شخص نے اعتراض کیا، شععی نے جواب دیا کہ اگر اس پر اللہ کی رحمت نہ ہوتی تو وہ ہلاک ہو گیا ہوتا، اس لئے میں نے رحمۃ اللہ کہنے میں کیا غلطی کی۔^۴

اپنے بعض معاصرین کو جن سے زیادہ بے تکلفی تھی اپنی بذلہ سخی سے اس قدر پریشان کرتے تھے کہ وہ ان کے پاس جاتے ہوئے گھبراتے تھے۔ ایک مسئلہ کی تحقیق کے سلسلہ میں غیاث کے لڑکے حفص نے غیاث سے کہا آپ جا کر شععی سے پوچھ لیجئے۔ غیاث نے کہا ان کے پاس کیسے جاؤں، وہ جب مجھے دیکھتے ہیں میرا مذاق اڑانا شروع کر دیتے ہیں اور مجھ سے کہتے ہیں تمہاری جو ہیئت ہے علماء کی یہی ہیئت ہوتی ہے، یہ تو جلاہوں کی ہیئت ہے اور جب میں ابراہیم کے پاس جاتا ہوں تو وہ میری عزت کرتے ہیں۔^۵

شععی کا تعلق دولت بنی اُمیہ سے :

اموی حکومت میں شععی مختلف اوقات میں مختلف خدمات اور عہدوں پر مامور ہوتے رہے۔ حجاج انہیں نہت ماننا تھا اس لئے اپنے دور امارت میں ان کو بہت آگے بڑھایا۔ ان کے وظیفہ

۱۔ ابن خلکان۔ جلد ۱۔ ص ۳۳۲

۲۔ ایضاً

۳۔ شذرات الذهب۔ جلد اول۔ ص ۱۲۷

۴۔ ایضاً۔ ص ۷۱

۵۔ تذکرۃ الحفاظ۔ جلد اول۔ ص ۷۶

میں اضافہ کیا، انہیں ان کے قبیلہ کا امام اور عریف (چودھری) بنایا اور سرکاری وفود میں عبد الملک کے پاس بھیجتا تھا۔ ایک مرتبہ رتبیل والی بستان کے یہاں سفیر بنا کر بھیجا جہاں انہیں انعام و اکرام ملا۔

ایک اہم سفارت :

ان کے فہم و تدبیر کی وجہ سے خود عبد الملک بعض اہم خدمات ان کے متعلق کرتا تھا اور بڑی سفارتوں میں ان کو بھیجتا تھا۔ خود سعی کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ عبد الملک نے مجھ کو ایک سفارت میں قیصر روم کے پاس بھیجا۔ قیصر نے مجھ سے جس قدر سوالات کئے، میں نے سب کے شافی جواب دیئے۔ عموماً وہاں سفراء کے زیادہ دنوں تک ٹھہرنے کا دستور نہ تھا، لیکن اس نے مجھ کو بہت دنوں تک روکے رکھا، یہاں تک کہ میں گھبرا کر لوٹنے کے لئے آمادہ ہو گیا۔

اس وقت اس نے مجھ سے پوچھا کیا تم شاہی گھرانے سے ہو؟ میں نے کہا نہیں، بلکہ عام عربوں میں سے ہوں۔ یہ سن کر اس نے زیر لب کچھ کہا اور ایک رقعہ مجھے دیا کہ اپنے بادشاہ کو میرے پیغامات پہنچانے کے بعد یہ رقعہ دے دینا۔ میں نے واپس ہو کر پیغامات تو پہنچا دیئے مگر رقعہ دینا بھول گیا۔ دار الخلافہ سے نکلتے وقت رقعہ یاد آیا، میں نے واپس جا کر اس کو عبد الملک کے حوالے کیا۔

اس نے رقعہ پڑھ کر مجھ سے پوچھا، قیصر نے رقعہ دینے سے پہلے تم سے کچھ کہا بھی تھا۔ میں نے کہا ہاں! اس نے مجھ سے پوچھا تھا کہ کیا تم شاہی خاندان سے ہو، میں نے جواب دیا نہیں میں عام عربوں میں سے ہوں۔ یہ کہہ کر میں واپس ہو گیا۔ دروازہ تک پہنچا تھا کہ عبد الملک نے پھر بلا لیا اور پوچھا تم کو رقعہ کا مضمون معلوم ہے۔ میں نے کہا نہیں، اس نے پڑھنے کو کہا، میں نے اسے پڑھا تو اس میں لکھا تھا کہ ”مجھے اس قوم پر حیرت ہوتی ہے کہ ایسے شخص کے ہوتے ہوئے اس نے ایک دوسرے شخص کو بادشاہ کیسے بنایا۔“

یہ تحریر پڑھ کر میں نے عبد الملک سے کہا، خدا کی قسم اگر مجھے پہلے اس مضمون کا علم ہوتا تو میں کبھی اسے نہ لاتا، اس نے ایسا اس لئے لکھا کہ آپ کو اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھا۔ عبد الملک نے مجھ سے پوچھا تم سمجھے اس لکھنے کا مقصد کیا ہے؟ میں نے کہا نہیں۔ عبد الملک نے کہا مجھے تمہارے خلاف بھڑکا کر تمہارے قتل پر آمادہ کرنا چاہا ہے۔ قیصر کو عبد الملک کا یہ قیاس معلوم ہوا تو اس نے کہا واقعی میرا یہی مقصد تھا۔

حجاج اور عبد الملک کی مخالفت :

لیکن اُموی حکومت کے ساتھ ان کے یہ روابط زیادہ عرصہ تک قائم نہ رہ سکے۔ ابن اشعث کے ہنگامہ کے زمانہ میں شععی نے حجاج اور عبد الملک کی مخالفت کے زمانہ میں ابن اشعث کا ساتھ دیا، اس واقعہ کے متعلق ان کا بیان ہے کہ حجاج نے مجھ کو میری قوم کا عریف اور پورے ہمدان کا معتمد بنایا، اور وظیفہ مقرر کیا تھا، ابن اشعث کے ہنگامے تک اس کے یہاں میری قدر و منزلت قائم رہی ابن اشعث کے انقلاب میں کوفہ کے قاریوں نے آکر مجھ سے کہا کہ آپ قاریوں کے زعم ہیں، اس لئے ہمارا ساتھ دیجئے، اور اتنا اصرار کیا کہ مجھے اگر ان کے ساتھ ہو جانا پڑا، چنانچہ میدان جنگ میں صفوان کے درمیان کھڑے ہو کر حجاج کے عیوب بیان کر کے لوگوں کو اس کے خلاف ابھارتا تھا^۱۔

شکست اور روپوشی :

دیر جماعہ کے معرکہ میں ابن اشعث کو فاش شکست ہوئی اور اس کی قوت پارہ پارہ ہو گئی اس وقت شععی روپوش ہو گئے، ایک روایت یہ ہے کہ وہ حجاج کی سفاکیوں کے خوف سے نومہینہ تک اپنے گھر کے دروازے بند کئے بیٹھے رہے، نومہینہ کے بعد قتیبہ بن مسلم نے خراسان پر فوج کشی کا ارادہ کیا، اور لوگوں کو اس میں شرکت کی ترغیب دینے کے لئے اعلان کر دیا کہ جو شخص فوج میں بھرتی ہو جائے گا اس کی گزشتہ خطائیں معاف کر دی جائیں گی۔

اس اعلان پر شععی فوج میں شامل ہو گئے، اور فرغانہ پہنچے، قتیبہ انہیں پہچانتا تھا، ایک دن وہ مجلس عام میں بیٹھا ہوا تھا شععی نے اپنی علمی خدمات اس کے سامنے پیش کیں کہ مجھے علم و فن میں درک ہے، قتیبہ نے پوچھا تم کون ہو وہ اگرچہ انہیں پہچانتا تھا لیکن نام سے واقف تھا، اس لئے شععی نے کہا یہ نہ پوچھو، قتیبہ نے بھی زیادہ اصرار نہیں کیا، اس کو حجاج کے پاس فتوحات کی اطلاع بھیجی تھی، اس نے ان کو مسودہ لکھنے کا حکم دیا انہوں نے کہا مجھے لکھنے کی ضرورت نہیں اور اسی وقت زبانی بول کر لکھوا دیا، قتیبہ نے اس تحریر کو بہت پسند کیا اور اس کے صلہ میں ان کو ایک خچر اور حریری کا ایک حلہ دیا، اس کے بعد شععی بڑی قدر و منزلت کے ساتھ رہنے لگے، رات کو قتیبہ انہیں اپنے ساتھ دسترخوان پر کھلاتا تھا۔

گرفتاری : حجاج شععی کا انداز تحریر پہچانتا تھا، قتیبہ کے خط دیکھ کر پہچان گیا کہ شععی کے علاوہ اور کوئی اس کا لکھنے والا نہیں ہو سکتا، چنانچہ فوراً قتیبہ کو لکھا کہ تمہارا خط لکھنے والے شععی ہیں انہیں فوراً گرفتار کر لو،

اگر وہ بچ کر نکل گئے تو تمہیں معزول کر کے تمہارے ہاتھ پاؤں کٹوا دوں گا، یہ حکم پڑھ کر قتیبہ نے شععی سے کہا کہ میں نے اب تک آپ کو نہ پہچانا تھا، آپ آزاد ہیں جہاں آپ کا دل چاہے چلے جائے، میں حجاج کے سامنے ہر قسم کی قسم کھالوں گا۔ شععی نے کہا اگر میں چلا بھی جاؤں تو میرا جیسا شخص چھپا نہیں رہ سکتا۔ قتیبہ نے کہا اسے آپ زیادہ بہتر سمجھ سکتے ہیں۔

غرض ان کے انکار پر اس نے ان کو حجاج کے پاس بھجوا دیا واسطہ کے قریب ان کے پیروں میں بیڑیاں ڈال دی گئیں۔ کوفہ میں یزید بن ابی مسلم سے جوان سے ملنے کو آئے تھے ملاقات ہوئی، انہوں نے ان سے کہا کہ ابو عمرو جب تم امیر کے سامنے پیش کئے جاؤ تو تم اس سے اس طرح سے اور یہ کہنا امید ہے کہ تمہاری جان بچ جائے گی، غرض وہ بحولاں حجاج کے سامنے پیش کئے گئے۔

دوسری روایت میں اس واقعہ کی شکل یہ ہے کہ دیر جماعہ کے معرکہ کے بعد شععی عرصہ تک روپوش رہے اور یزید بن ابی مسلم کو لکھا کہ تم حجاج سے میری صفائی کراؤ، انہوں نے جواب دیا مجھ میں اتنی جرأت نہیں ہے، میرا یہ مشورہ ہے کہ تم خود چلے آؤ اور دربار عام کے وقت امیر کے سامنے دفعہ جا کر اپنی غلطیوں کا اعتراف کر کے معذرت پیش کرو، اس کا میں وعدہ کرتا ہوں کہ تم مجھے جس چیز کا شاہد بناؤ گے میں تمہاری صفائی میں گواہی دوں گا۔

رہائی : شععی نے اس مشورہ پر عمل کیا اور ایک دن دفعہ حجاج کے سامنے پہنچ گئے اس نے دیکھتے ہی کہا اھا شععی ہیں پھر ان کے سامنے اپنے تمام احسان جوان پر کئے تھے گنائے، یہ احسان کا اقرار کرتے جاتے تھے آخر میں حجاج نے پوچھا تم نے عدو الرحمن (عبدالرحمن بن اشعث) کا ساتھ کیوں دیا شععی نے اپنی غلطیوں کا اعتراف کر کے ندامت ظاہر کی، ان کے اعتراف اور انفعالی پر حجاج نے ان کی خطا معاف کر دی۔

قضات : عمر بن عبدالعزیز کے زمانہ میں کوفہ کے منصب قضاء پر مامور ہوئے۔

وفات : باختلاف روایت ۱۰۳ھ یا ۱۰۴ھ میں دفعہ انتقال کیا، انتقال کے وقت ستر سال کی عمر تھی۔ لیکن ستر ۷۷ سال کی عمر صحیح نہیں معلوم ہوتی، اس لئے کہ وہ جلواء کے سال یعنی ۱۹ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۰۳ھ، ۱۰۴ھ میں انتقال ہوا، اس حساب سے ستر سال سے کچھ اوپر عمر رہی ہوگی۔

حلیہ : توام پیدا ہوئے تھے، اس لئے خلقت نہایت کمزور اور نحیف تھے۔

(۳۷) عامر بن عبد اللہؓ

نام و نسب: عامر نام، ابو عمر کنیت، نسب نامہ یہ ہے عامر بن عبد اللہ بن قیس بن ثابت بن اسامہ بن حذیفہ بن معاویہ تمیمی غنوی۔

تابعین کرام کا نمایاں اور مشترک وصف ان کا علم و عمل اور خدمتِ علم و دین تھا۔ لیکن ان میں ایک مختص جماعت ایسی بھی تھی جس نے نہ صرف تمام دنیاوی علائق کو چھوڑ دیا تھا۔ بلکہ علم کی بساط بھی نہ کر کے محض عبادت ریاضت، یادِ الہی اور تزکیہ روح کو اپنا مقصد قرار دیا تھا، عامر بھی اسی مقدس جماعت کے ایک ممتاز فرد تھے، حافظ ابن حجر لکھتے ہیں کہ وہ بڑے بلند مرتبہ اور مرتاض تابعین میں تھے کعب احبار جو خود ایک تارک الدنیا تابعی تھے، عامر کو ”امت محمدیہ کے راہب“ کے لقب سے یاد کرتے تھے۔

عامر پر یہ رنگ ایسا گہرا تھا اور ان کے ہر عمل میں ایسا نمایاں تھا کہ ان کی زندگی کے دوسرے حالات کو زہد و ورع سے جدا کر کے دکھانا مشکل ہے ان کا کوئی عمل اس روح سے خالی نہ تھا۔

عہدِ فاروقی: عامر گوزاہدِ ظلوت نشین تھے، لیکن شرفِ جہاد کے حصول کے لئے جنگی مہمات میں شریک ہوتے تھے، سب سے اول وہ عہدِ فاروقی میں مدائن کی مہم میں نظر آتے ہیں۔ اگرچہ تصریح کے ساتھ دوسری مہمات میں ان کی شرکت کا پتہ نہیں چلتا لیکن اس قدر معلوم ہوتا ہے کہ وہ اکثر مہمات میں شریک رہتے تھے قادیان کا بیان ہے کہ عامر جب غزوات میں جاتے اور راستہ میں جھاڑیاں ملتی اور ان سے کہا جاتا اس میں شیر کا خوف ہے، تو جواب دیتے کہ مجھے خدا سے شرم معلوم ہوتی ہے کہ اس کے علاوہ کسی اور کا خوف کروں۔

حضرت عثمانؓ کی مخالفت:

حضرت عثمانؓ کے خلاف جو انقلاب برپا ہوا تھا، اس کے تین بڑے مرکز تھے بصرہ کے کوفہ اور مصر اس انقلاب کے شعلوں کی لپیٹ میں بعض بڑے صحابہ تک آ گئے تھے، بصرہ عامر کا وطن تھا، گو وہ اس فتنہ میں مبتلا نہ ہوئے تاہم ان کا دامن اس سے پاک نہ رہ سکا اور وہ بھی مخالفین عثمان کے دام میں پھنس کر ان کے ساتھ ہو گئے۔ ایک موقع پر اہل بصرہ نے انہیں حضرت عثمانؓ کے پاس اپنا نمائندہ بنا کر بھیج دیا، انہوں نے مدینہ جا کر حضرت عثمانؓ کے سامنے بر ملا اپنے خیالات ظاہر کئے کہ

”مسلمانوں کی ایک جماعت نے آپ کے اعمال کا جائزہ لیا تو معلوم ہوا کہ آپ سے بہت سے برے افعال سرزد ہوئے ہیں، اس لئے خدا کا خوف کیجئے اور اس کے سامنے آئندہ کے لئے توبہ کیجئے حضرت عثمانؓ ان کے حقیقی حالات سے اب تک ناواقف تھے، اس لئے ان کی باتیں سن کر فرمایا، لوگو! ذرا انہیں دیکھو یہ چھوٹی چھوٹی باتوں پر گفتگو کرنے کے لئے آئے ہیں، لوگ انہیں قاری سمجھتے ہیں حالانکہ انہیں یہ بھی خبر نہیں کہ خدا ہے کہاں، عامر نے یہ کلمات سن کر قرآن کی اس آیت :

”إِنَّ رَبَّكَ لَبَاعِرٌ صَادٌ“ ”تمہارا رب تاک میں ہے۔“

کی طرف اشارہ کر کے کہا خدا کی قسم میں خوب جانتا ہوں وہ نافرمانوں کی تاک میں ہے۔ اس گفتگو کے بعد عامر بصرہ واپس چلے آئے۔

بعض مذہبی الزامات :

خليفة وقت کے ساتھ اس سیاسی اختلاف کے علاوہ عامر پر بعض مذہبی الزام بھی تھے، یا ان کی طرف منسوب کئے جاتے تھے۔ کہ وہ شادی نہیں کرتے، گوشت نہیں کھاتے، اپنے کو حضرت ابراہیم سے بہتر یا ان کا مثل سمجھتے ہیں۔

حکومت کے ساتھ ان کا اختلاف ہو ہی چکا تھا، اس لئے ان کے بعض مخالفین نے والی بصرہ کو ان باتوں کی خبر کر دی۔ اس نے حضرت عثمانؓ کو اطلاع دے دی، وہاں سے تحقیقات کا حکم آیا اور صحت کی صورت میں شام بھیج دیئے جانے کی ہدایت ملی۔ اس حکم پر والی بصرہ نے عامر کے سامنے ان الزاموں کو پیش کر کے ان کا جواب طلب کیا۔

انہوں نے جواب دیا کہ میں نے عورتوں کو اس لئے چھوڑا ہے کہ جب بیوی ہوگی تو اولاد بھی ہوگی اور اولاد دھوئی تو دنیا میرے دل میں بس جائے گی۔ گوشت اس لئے نہیں کھاتا کہ میں مجوسیوں کے ملک میں رہتا ہوں اور اسکی کوئی ضمانت و شہادت نہیں ہوتی کہ ذبیحہ صحیح ہے۔ اس لئے مجھے اس پر اطمینان نہیں ہوتا۔

حضرت ابراہیمؑ سے برتر ہونے کا سوا، میں اس کے علاوہ کوئی جواب نہ دوں گا کہ میری آرزو ہے کہ کاش میں ان کے پاؤں کی خاک ہوتا، جو ان کے قدموں سے لگ کر جنت میں جائے گی۔ ایک سیاسی الزام امراء و حکام دولت سے نہ ملنے کا تھا، اس کا جواب یہ دیا کہ تم لوگوں کے دروازوں پر حاجت مندوں کا ہجوم رہتا ہے ان کی حاجت روائی کیا کرو، اور بے غرض لوگوں کو ان کے حال پر رہنے دو۔

جلاوطنی : اگرچہ مذہبی الزامات تحقیقات کے بعد غلط نکلے لیکن سیاسی اور انتظامی حیثیت سے عامر بصرہ سے شام بھیج دیئے گئے۔ امیر معاویہؓ نے انہیں نہایت عزت و احترام کے ساتھ ٹھہرایا، ان کی خدمت کے لئے ایک لوٹھی مقرر کر کے اس کو ہدایت کر دی کہ ان کے حالات و مشاغل دیکھ کر انہیں اطلاع دیتی رہے۔

شام آنے کے بعد بھی ان کے معمولات و مشاغل میں کوئی فرق نہ آیا تھا۔ چنانچہ وہ روزانہ صبح سویرے گھر سے نکل جاتے تھے اور شام کی تاریکی میں واپس آتے۔ امیر معاویہؓ ان کے لئے کھانا بھیجتے تھے، عامر اس کو مطلق ہاتھ نہ لگاتے۔ کہیں سے روٹی کا ایک ٹکڑا لے کر آتے اسی کو پانی میں بھگو کر کھا لیتے اور وہی پانی اوپر سے پی کر عبادت میں مصروف ہو جاتے اور رات سے صبح تک مصروف رہتے۔ لوٹھی نے امیر معاویہؓ کو یہ حالات بتائے۔ انہوں نے حضرت عثمانؓ کو لکھ بھیجا۔

جب آپ کو عامر کی اصل حقیقت معلوم ہوئی تو امیر معاویہؓ کو انہیں مقرب بنانے اور دس غلام اور دس سواریاں آپ کی خدمت میں پیش کرنے کا حکم دیا۔ امیر معاویہؓ نے عامر کو اطلاع دی کہ امیر المومنین نے مجھے آپ کی خدمت میں دس غلام اور دس سواریاں پیش کرنے اور آپ کو مقرب بنانے کا حکم دیا ہے۔ انہوں نے جواب دیا،

ایک شیطان پہلے سے مساط ہے اسی کا بار کیا کم ہے کہ دس غلاموں کا بار اٹھاؤں ایک خچر میرے پاس ہے، وہ سواری کے لئے کافی ہے۔ مجھ کو خوف ہے کہ قیامت کے دن خدا مجھ سے فاضل سواریوں سے متعلق بھی باز پرس کرے گا۔ ربی عزت و تقرب تو اس کی مجھ کو کوئی خواہش نہیں ہے۔

وائپسی سے انکار اور شام کی مستقل اقامت :

عامر کے اصل حالات معلوم ہونے کے بعد امیر معاویہؓ نے ان سے کہا اگر چاہیں تو آپ بصرہ واپس جاسکتے ہیں انہوں نے جواب دیا اب میں ایسے شہر میں واپس نہ جاؤں گا جہاں کے باشندوں نے میرے ساتھ ایسا سلوک کیا اور شام ہی میں قیام کیا، لیکن حکومت کی نگرانی ان پر سے اٹھ گئی اور وہ ساحلی علاقے کی طرف نکل گئے کبھی کبھی امیر معاویہؓ سے ملنے کو چلے آتے تھے امیر معاویہؓ ان سے ان کی ضروریات پوچھا کرتے، یہ ہمیشہ یہی جواب دیتے کہ میری کوئی ضرورت ہی نہیں ہے جب معاویہؓ کا اصرار بڑھا تو یہ فرمائش لی کہ ”شام کے سرد موسم کی وجہ سے روزہ کی شدت اور چاشنی کا لطف جاتا رہا اگرچہ ہوسکتا تو بصرہ کی جیسی گرمی یہاں پیدا کر دوں۔“

وطن سے بے تعلقی :

عامر جیسے بے نیاز شخص کے لئے وطن اور پردیس سب برابر تھے۔ وطن میں ان کے لئے کوئی خاص کشش نہ تھی، پھر شام جیسی مقدس اور انبیاء و صلحاء کا موطن و مدفن سرزمین مل گئی تھی، اس رہا سہا وطن سے جو تعلق باقی تھا وہ بھی منقطع کر لیا اور وطن اور اہل وطن سب کو بھلا کر یاد الہی میں مصروف ہو گئے۔ بصرہ سے جو لوگ شام آتے تھے اور ملنے کے لئے ان کے پاس جاتے ان کی ملاقات بھی عامر کے لئے خوشگوار باقی نہ رہ گئی تھی۔

قاضی عبید اللہ بن حسن کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ شام گیا تو عامر سے ملاقات کے لئے انہیں تلاش کیا، معلوم ہوا کہ وہ ایک مقام پر ایک بوڑھی عورت کے یہاں آتے جاتے ہیں۔ میں اس عورت کے یہاں پہنچا، اس نے کہا کہ وہ شب و روز اس پہاڑ کے دامن میں روزہ نماز میں مشغول رہتے ہیں، اگر تم ان سے ملنا چاہتے ہو تو افطار کے وقت جاؤ اس وقت وہ ضرور ملیں گے۔

چنانچہ میں افطار کے وقت پہاڑ کے دامن میں پہنچا۔ عامر موجود تھے، میں نے سلام کیا انہوں نے صرف ایک شخص کا اور وہ بھی ایسے شخص کا حال پوچھا جس سے میں صرف ایک دن قبل مل چکا تھا۔ اپنے وطن اور اہل وطن کا کوئی حال نہیں دریافت کیا۔ یہ بھی نہیں پوچھا کہ کون زندہ ہے کون مر گیا۔ کھانے تک کا اخلاق نہیں کیا۔

یہ خلاف امید باتیں دیکھ کر میں نے کہا میں آپ میں عجیب باتیں پاتا ہوں۔ فرمایا کیا؟ میں نے کہا کہ آپ کو ہم لوگوں سے جدا ہوئے مدت گزر گئی، لیکن آپ نے ان میں سے کسی کا حال نہیں پوچھا اور پوچھا بھی تو ایک ایسے شخص کا جس سے میں صرف ایک دن پہلے ملا تھا۔ فرمایا، میں نے تم کو صالح پایا، اس لئے تمہارے متعلق کچھ پوچھنے کی ضرورت نہ تھی۔ میں نے عرض کیا کہ وطن سے تازہ وارد تھا، آپ نے یہ بھی نہ پوچھا کہ کون مر گیا کون زندہ ہے۔ فرمایا، ایسے لوگوں کے متعلق کیا پوچھتا جو مر چکے وہ ختم ہو چکے اور جو نہیں مرے ہیں وہ عنقریب مرنے والے ہیں۔ میں نے کہا آپ نے شب کے کھانے کے متعلق بھی مجھ سے اخلاق نہیں کیا۔ فرمایا، میں جانتا تھا کہ تم عمدہ غذا کھاتے ہو اس لئے خشک اور روکھی سوکھی روٹی کے لئے کیا پوچھتا۔

مجاہدات و نفس کشی :

عامر عبادت و ریاضت زہد و ورع اور مجاہدہ نفس کشی کی اس معراج تک پہنچ گئے تھے جہاں کسی دنیاوی دل فریبی اور آرام و راحت کا گزر نہ تھا انہوں نے نفس کشی اور مجاہدات کو اپنا مقصد

حیات بنالیا تھا۔ ایک زمانہ میں فرمایا کرتے تھے کہ اگر ہوسکا تو زندگی کا صرف ایک مقصد بتالوں گا^۱۔ انہوں نے اس عزم کو اس کامیابی کے ساتھ پورا کیا کہ دنیا کی ان تمام نعمتوں اور لذتوں کو جن سے اس مقصد عظیم میں خلل پڑنے کا احتمال تھا چھوڑ دیا۔ وہ خدا سے دعا کیا کرتے تھے کہ میرے دل سے عورتوں کی خواہش دور کر دے کہ یہ شے میرے دین کے لئے سب سے زیادہ خطرناک ہے۔ اپنے ماسوا کا خوف دل سے نکال دے اور آنکھوں سے نیند اڑا دے کہ جس طرح چاہوں آزادی سے رات دن تیری عبادت کر سکوں^۲۔

خدا نے ان کی پہلی دعائیں قبول کیں، لیکن ایک عرصہ تک نیند پر پورا قابو حاصل نہ ہوسکا آپ فرماتے تھے کہ دنیا چار چیزوں کا نام ہے۔ خواب و خور، دولت اور عورت، دو چیزوں یعنی عورت اور مال سے میں نے نفس کو روک لیا ہے۔ مال کی مجھے حاجت نہیں اور عورت اور دیوار میرے نزدیک برابر ہیں البتہ نیند اور کھانے پر ابھی پورا قابو نہیں ہے لیکن خدا کی قسم میں ان دونوں خواہشوں کو مٹانے میں پوری کوشش صرف کروں گا۔ چنانچہ نیند اڑانے اور بھوک کو بہلانے کی یہ تدبیر نکالی تھی کہ رات بھر جاگ کر عبادت کرتے تھے اور دن کو روزہ رکھ کر سوتے تھے^۳۔

شام کے زمانہ قیام میں سارا دن روزے میں گزارتا تھا اور پوری رات نماز میں بسر ہوتی تھی۔ غذا میں صرف روکھی روٹی ہوتی تھی جس کو پانی میں بھگو کر کھا لیتے تھے۔ اس مجاہدہ و ریاضت نے جسم کو ایسا زار و زار کر دیا تھا کہ دیکھنے والوں کو حرم آتا تھا^۴۔

ایک مرتبہ کسی نے کہا کہ اپنے اوپر آپ بڑا ظلم کرتے ہیں^۵۔ آپ نے اپنے ہاتھوں کا چمڑا پکڑ کر فرمایا، خدا کی قسم اگر ہوسکا تو اس کو ایسا بنادوں گا کہ زمین کو اس سے بہت کم خمی تری ملے^۶۔

ماسوا اللہ سے بے خوفی کا یہ حال تھا کہ وحشی حیوانوں تک سے نہیں ڈرتے تھے۔ قنادہ کا بیان ہے کہ عامر جب غزوات میں شریک ہوتے تھے اور راستہ میں جھاڑیاں ملتی اور ان سے کہا جاتا کہ ان میں شیر کا ڈر ہے، تو جواب دیتے کہ مجھے خدا سے شرم معلوم ہوتی ہے کہ اس کے سوا کسی کا خوف کروں^۷۔

عبادت میں اخفا :

عبادت میں ہمیشہ اخفا کا اہتمام رکھتے اور عام نگاہوں سے چھپ کر عبادت کرتے تھے۔ ان کے ایک شریک سفر کا جو کسی جہاد میں ہمراہ تھے بیان ہے کہ ایک مہم میں میرا اور عامر کا ساتھ ہو گیا۔

۱ ابن سعد۔ جلد ۷۔ ق اول۔ ص ۷۸، ۷۹ ۲ ایضاً۔ ص ۷۶ ۳ ایضاً۔ ص ۷۵ ۴ ایضاً۔ ص ۸۰
۵ ایضاً۔ ص ۷۷ ۶ ابن سعد۔ جلد ۷۔ ق اول۔ ص ۷۶ ۷ ایضاً

ایک جھاڑی کے پاس منزل ہوئی، عامر نے اپنا سامان ایک جگہ جمع کیا اور گھوڑے کو باندھ کر اس کے سامنے چارہ ڈال کر جھاڑی میں گھس گئے۔ میں نے طے کیا کہ آج میں ان کو ضرور دیکھوں گا کہ وہ رات کو کیا کرتے ہیں۔ چنانچہ ان کی نگرانی شروع کی، وہ جا کر ایک ٹیلہ پر نماز میں مشغول ہو گئے اور صبح تک نماز پڑھتے رہے۔

طلوع صبح کے وقت انہوں نے یہ دعا مانگی، خدایا میں نے تجھ سے تین چیزیں مانگی تھیں دو تو نے عطا فرمائیں اور ایک نہیں دی، خدایا دے دے کہ میں حسب خواہش تیری عبادت کر سکوں۔ یہ دعا کرتے کرتے صبح ہو گئی۔ اس وقت مجھ پر ان کی نظر پڑی، مجھے دیکھ کر کہا معلوم ہوتا ہے تم رات بھر میری نگرانی کرتے رہے، میں ابھی تم کو بتاتا ہوں۔

یہ کہہ کر وہ مجھ پر بڑے زور سے بگڑے۔ میں نے بھی درشت لہجہ میں جواب دیا کہ اس ہنگامہ آرائی کو جانے دیجئے، آپ نے دعا میں خدا سے جن باتوں کے چاہنے کا ذکر کیا ہے، ان کو بتائیے ورنہ رات کا سارا ماجرا لوگوں پر ظاہر کر دوں گا۔ انہوں نے کہا دیکھو ایسا نہ کرنا، میں نے کہا، نہیں ایسا ضرور کروں گا۔ جب انہوں نے دیکھا کہ میں باز آنے والا نہیں ہوں تو کہا اچھا میں بتائے دیتا ہوں، لیکن جب تک میں زندہ ہوں اس وقت تک کسی سے اس کا تذکرہ نہ کرنا۔ میں نے خدا کو درمیان میں ڈال کر رازداری کا وعدہ کیا۔

اس وقت انہوں نے کہا، میں نے اپنے رب سے چاہا تھا کہ وہ میرے دل سے عورت کی خواہش نکال دے، جو میرے دین کے لئے سب سے زیادہ خطرناک ہے۔ خدا نے اسے قبول کر لیا، اور اب میرے نزدیک عورت اور دیوار دونوں برابر ہیں۔ دوسری دعا یہ تھی کہ میرے دل میں اس کے علاوہ اور کسی کا خوف باقی نہ رہے، چنانچہ اب میں کسی سے نہیں ڈرتا۔ تیسری دعا یہ تھی کہ میری نیند اڑ جائے تاکہ رات دن جب چاہوں عبادت کر سکوں، یہ دعا قبول نہ ہوئی!۔

بعض شکوک کا ازالہ :

اگرچہ بظاہر اس نفس کشی کی سرحد رہبانیت سے ملتی ہوئی معلوم ہوتی ہے، لیکن مقررین بارگاہ کے لئے یہ منزل بھی ابتدائی ہے۔ ”جن کے رتبے ہیں سوالن کو سوا مشکل ہے“۔ خود ان کے زمانہ میں لوگوں نے ان کے اس راہبانہ تقشف پر اعتراضات کئے تھے اور انہوں نے اس کے جو جوابات دیئے تھے ان سے بڑی حد تک ظاہری شکوک رفع ہو جاتے تھے۔ ایک شخص نے ان کی تجرذ زندگی کے خلاف دلیل پیش کی :

”قَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّن قَبْلِكَ وَجَعَلْنَا لَهُمْ أَزْوَاجًا وَذُرِّيَّةً“۔

”ہم نے تمہارے پہلے بہت سے رسول بھیجے اور ان کے جوڑے اور اولاد بنائی۔“

یعنی جب انبیاء علیہم السلام نے جو خدا کے سب سے بڑے عبادت گزار بندے تھے، ازواج نہیں چھوڑیں تو ایک معمولی انسان کے لئے اس کا جواز کیوں کر ہو سکتا ہے؟

عامر نے قرآن ہی سے اس کا جواب دیا۔

”وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ“۔

”ہم نے جن اور انس کو صرف عبادت ہی کے لئے پیدا کیا ہے“

ایک اور شخص نے کہا کہ آپ شادی کیوں نہیں کرتے۔ انہوں نے اس کی یہ نفسیاتی توجیہ بیان کی کہ مجھے میں نہ نشاط و مانگ ہے اور نہ مال و دولت۔ ایسی حالت میں میں کیوں کسی مسلمان عورت کو دھوکا دوں؟^۱

ایک مرتبہ کچھ لوگ موقع پر کہہ رہے تھے کہ عامر گوشت اور چربی نہیں کھاتے، مسجد میں نماز نہیں پڑھتے، شادی نہیں کرتے، آج تک ان کے جسم نے دوسرے جسم کو مس نہیں کیا ہے، اور وہ اپنے کو ابراہیم علیہ السلام کے مثل سمجھتے ہیں۔ سوکل بن یسار نے یہ باتیں سنیں تو وہ اس کی تصدیق یا تردید کے لئے عامر کے پاس گئے اور ان سے کہا کہ آپ کے متعلق لوگ ایسا ایسا کہتے ہیں آپ کیا فرماتے ہیں۔

انہوں نے جواب دیا کہ جب مجھے گوشت کھانے کی خواہش ہوتی ہے تو خود بکری ذبح کر کے کھاتا ہوں، چربی بھی کھاتا ہوں مگر وہاں سے (بادیہ کی طرح اشارہ کر کے بتایا) آئی ہوئی رواز نہ کی نماز میں مسجد میں نہیں پڑھتا لیکن جمعہ کی نماز باجماعت پڑھتا ہوں۔ بقیہ نمازیں یہاں اپنے مقام پر ادا کرتا ہوں۔

شادی اس لئے نہیں کرتا کہ میرا ایک ہی نفس ہے، مجھے ڈر ہے کہ شادی کے بعد وہ مجھے مغلوب نہ کر لے۔ میں یہ نہیں کہتا کہ میں ابراہیمؑ کے مثل ہوں، البتہ یہ ضرور کہتا ہوں کہ مجھ کو خدا سے امید ہے کہ وہ مجھے نبیوں، صدیقیوں، شہداء اور صلحاء کے ساتھ رکھے گا۔ یہ لوگ بہترین رفیق ہیں^۲۔ ان اعتراضوں کے انہوں نے اور بھی جواب دیئے ہیں جو اوپر گزر چکے ہیں۔

جہاد فی سبیل اللہ :

اگرچہ عام گوشہ عزلت کے خیال سے پہاڑوں کے دامنوں میں ویرانوں میں اور نامعلوم مقامات پر عبادت کیا کرتے تھے، لیکن اس عزلت نشینی نے انہیں محض حجرہ نشین زلمہ نہ بنادیا تھا، بلکہ ان کی رگوں میں جہاد کا خون دوڑنا رہتا تھا۔ چنانچہ بعض مہمات میں ان کی شرکت کے واقعات اُوپر مختلف سلسلوں کے ماتحت گزر چکے ہیں۔

ان کا معمول تھا کہ جب وہ کسی جہاد میں جانے لگتے تو پہلے موافق مزاج رفیق تلاش کرتے۔ جب وہ مل جاتا تو اس سے کہتے کہ میں اس شرط پر تمہارے ساتھ رہنا چاہتا ہوں کہ تم تین باتوں کی مجھے اجازت دو۔ ایک یہ کہ میں تمہارا موزن مرد ہوں، دوسرے یہ کہ خدمت گزاری کروں اور اس میں کوئی شخص ظلم اندازی نہ کرے، تیسرے اپنی حیثیت اور استطاعت کے مطابق تم پر صرف کروں اگر وہ ان باتوں کو مان لیتا تو عامر اس کے ساتھ ہو جاتے ورنہ اس کا ساتھ چھوڑ کر دوسرا ساتھی تلاش کرتے۔ اپنی سواری پر دوسرے مجاہدین کو باری باری سے سوار کرتے تھے۔

ان کا جہاد خلاصۃً لعلہ اللہ ہوتا تھا، اسامہ بن عبیدہ کا بیان ہے کہ عامر غیری ایک مہم میں تھے، جنگ میں ایک بڑے دشمن کی لڑکی ہاتھ آئی لوگوں نے عامر کے سامنے اس کے اوصاف بیان کیے، انہوں نے سن کر کہا میں بھی مرد ہوں مجھے یہ لڑکی دے دو، ان کی اس غیر متوقع خواہش پر لوگوں نے نہایت مسرت کے ساتھ لوٹھی ان کے حوالے کر دی جب وہ ان کے قبضہ میں آگئی تو اس سے کہا تم لعلہ اللہ آزاد ہو، لوگوں نے ان سے کہا آپ اس کے بدلہ میں دوسری لوٹھی آزاد کر سکتے تھے۔ انہوں نے جواب دیا کہ میں اپنے رب سے ثواب چاہتا ہوں۔

امر بالمعروف ونہی عن المنکر :

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے جہاد میں بھی ان کی تیغ زبان بے نیام رہتی تھی اور خدا اور رسول کے احکام کی پامالی پر جوش غضب سے لبریز ہو جاتے تھے ایک مرتبہ حد میں ایک راستہ سے گزر رہے تھے کہ دیکھا ایک ذمی کو لوگ پکڑے ہوئے اس پر ظلم کر رہے ہیں پہلے انہوں نے زبانی نصیحت کر کے ان کو روکنے کی کوشش کی مگر جب وہ باز نہ آئے تو عامر کو غصہ آ گیا انہوں نے کہا تم لوگ جھوٹ کہتے ہو میں اپنی زندگی میں ذمہ اللہ کے ساتھ بد عہدی نہیں دیکھ سکتا اور ذمی کو زبردستی چھڑا لیا۔

امراء و سلاطین سے بے نیازی :

امراء اور ارباب دول سے ان کی بے نیازی و بیزاری کی حد تک پہنچی ہوئی تھی وہ ان سے ملنا بھی پسند نہ کرتے تھے، ان پر جو الزام قائم کئے گئے تھے ان میں ایک الزام امراء اور حکام سے نہ ملنے کا بھی تھا جس کا انہوں نے یہ جواب دیا تھا کہ تم لوگوں کے یہاں خود ہی حاجتمندوں کا ہجوم رہتا ہے ان کی حاجتیں پوری کیا کرو اور بے غرض لوگوں کو ان کے حال پر چھوڑ دو۔ وہ خلفاء و سلاطین کسی سے مرعوب نہ ہوتے تھے۔

حضرت عثمانؓ کے مقابلہ میں انہوں نے جس جرأت اور بے باکی کے ساتھ اپنے خیالات کا اظہار کیا تھا، اس کا تذکرہ اوپر گزر چکا ہے، اسی طرح امیر معاویہ کے عہد خلافت میں بصرہ کے قراء کا ایک وفد شام بھیجا گیا اس میں ایک عامر بھی تھے مضارب بن حزن نے جو وفد بھیجنے والوں میں تھے امیر معاویہ سے پوچھا آپ نے ہمارے قراء کو جنہیں ہم نے وفد میں بھیجا تھا کیسا پایا انہوں نے کہا ایک شخص کے علاوہ باقی سب جھوٹی تعریفیں اور فضول گوئی کرتے ہیں جھوٹ لے کر آتے ہیں اور خیانت لے کر واپس جاتے ہیں صرف ایک شخص طبیعت کا مرد ہے۔ ہم لوگوں نے پوچھا امیر المومنین وہ کون شخص، جواب دیا عامر بن قیسؓ۔

اگر کبھی کوئی امیر یا عہدہ دار خود ان کے پاس آتا تو اس کے ساتھ بھی یہی طرز عمل رہتا۔ ایک مرتبہ کسی غزوہ میں گئے ہوئے تھے راستہ میں ایک مقام پر منزل ہوئی۔ عامر ایک کنیہ کے احاطہ میں اترے اور ایک آدمی کو متعین کر دیا کہ کوئی شخص اندر نہ آنے پائے۔ تھوڑی دیر کے بعد اس شخص نے آکر اطلاع دی کہ امیر آنے کی اجازت چاہتے ہیں۔ عامر نے اندر بلا لیا، جب وہ آیا تو اس سے کہا میں تم کو خدا کی قسم دلاتا ہوں کہ تم مجھ کو دنیا کی ترغیب نہ دلانا، اور آخرت کو میری نگاہ سے نہ کرانا۔

دوست :

حقیقت یہ ہے کہ عامر جس عالم میں تھے وہاں تعلقات و مراسم دنیاوی کا گزر ہی نہ تھا، چنانچہ ان کی نہ صرف امراء بلکہ کسی سے بھی رسم و راہ نہ تھی، ساری دنیا میں ان کی محبت صرف مطرف بصری کے حصہ میں آئی تھی، عورتوں میں ایک ادنیٰ درجہ کی بکری چرانے والی عورت سے اس کے اوصاف کی بنا پر ہمدردی ہو گئی تھی لیکن اس سے ربط بھی قائم نہ ہونے پایا تھا کہ وہ مر گئی۔

مطرف کے ساتھ مجذوبانہ محبت تھی، چنانچہ بصرہ چھوڑتے وقت ان سے رخصت ہونے کے لئے ایک شب میں کئی مرتبہ مطرف کے گھر گئے اور ہر مرتبہ ان سے کہتے تھے کہ ”میرے ماں باپ تم پر قربان ہوں خدا کی قسم تمہاری محبت مجھ کو بار بار تمہارے پاس لاتی ہے۔“

عورت کا قصہ یہ ہے کہ ایک مسکین اور عابدہ عورت چند بدویوں کی بکریاں چرایا کرتی تھی اور ان کی ہر قسم کی وحشیانہ سختیاں جھیلی تھی۔ عامر کے ساتھ اس مصنوعی مماثلت کی وجہ سے بعض لوگوں نے عامر سے کہا کہ فلاں عورت تمہاری بیوی ہے اور جنتی ہے عامر اس کی تلاش میں نکلے۔

اس عورت کی زندگی یہ تھی کہ دن بھر وحشی اور بدخودویوں کی بکریاں چراتی تھی، شام کو جب بکریاں لے کر واپس آتی تو بدوی گالیوں کی بوچھاڑ سے اس کا استقبال کرتے اور اس کے سامنے روٹی کے دو ٹکڑے پھینک دیتے۔ یہ انہیں اٹھالیتی اور ان میں سے ایک لے جا کر اپنے گھر والوں کو دیتی تھی، خود دن روزے سے رہتی تھی، شام کو دوسرے ٹکڑے سے افطار کرتی۔

عامر تلاش کر کے اس کے پاس پہنچے۔ جب بکریاں چرانے کے لئے نکلی تو عامر بھی ساتھ ہو گئے۔ ایک مقام پر پہنچ کر اس عورت نے بکریوں کو چھوڑ دیا، اور نماز میں مصروف ہو گئی۔ عامر نے اس سے کہا کہ اگر تمہاری کوئی ضرورت ہو تو مجھ سے بیان کرو۔ اس نے کہا میری کوئی ضرورت ہی نہیں ہے، جب عامر کا اصرار بڑھا تو اس نے کہا میری یہ خواہش ہے کہ میرے پاس دو سپید کپڑے ہوتے جو میرے کفن کے کام آتے۔

عامر نے اس سے پوچھا وہ لوگ (بدوی) تم کو گالیاں کیوں دیتے ہیں؟ اس نے جواب دیا اس میں مجھے خدا سے اجرت کی توقع ہے۔

اس گفتگو کے بعد عامر اس کے آقاؤں کے پاس گئے اور ان سے کہا تم لوگ اپنی لونڈی کو گالیاں کیوں دیتے ہو؟ انہوں نے جواب دیا کہ اگر ہم ایسا نہ کریں تو وہ ہمارے کام کی نہ رہے۔ عامر نے کہا اچھا اس کو تم لوگ بچو گے؟ انہوں نے کہا ہم کسی قیمت پر بھی اسے الگ نہ کریں گے۔

یہ جواب سن کر عامر لوٹ گئے اور لونڈی کی خواہش کے مطابق دو سپید کپڑے مہیا کر کے اس کے پاس گئے، لیکن یہ عجیب اتفاق کہ اس وقت لونڈی اس دنیا سے رخصت ہو چکی تھی۔ عامر نے اس کے آقاؤں سے اجازت لے کر اس کی تجہیز و تکفین کی۔ اس طرح دنیا میں انہیں ایک عورت سے ہمدردی بھی پیدا ہوئی تو یوں ختم ہو گئی۔

صدقات و خیرات :

عامر بڑے مخیر و فیاض تھے۔ مجاہدین کی مالی خدمت کا واقعہ اوپر گزر چکا ہے۔ ان کو دو ہزار وظیفہ ملتا تھا۔ جس وقت ملتا اسی وقت سے راستے میں انہیں جس قدر سائل ملتے انہیں تقسیم کرتے ہوئے گھر آتے۔

دشمن کے لئے دعا :

ان کی زبان کسی کی بدی سے آلودہ نہ ہوئی اور نہ کسی کے لئے ان کی زبان سے کبھی بددعا نکلی اپنے دشمنوں کے لئے بھی دعا ہی کرتے تھے، چنانچہ جن لوگوں نے انہیں وطن سے نکلویا تھا۔ ان کے حق میں بھی دعا کرتے تھے کہ خدایا جن لوگوں نے میری چٹائی کھائی ہے اور مجھے کو میرے وطن سے نکلویا ہے اور میرے بھائیوں سے مجھ کو جدا کر دیا ہے ان کے مال اور ان کی اولاد میں ترقی دے، انہیں تندرست رکھ اور ان کی عمر بڑھا۔

ایک قابل ذکر خواب :

ان کے متعلق ایک شخص کا خواب لائق ذکر ہے جس سے ان کے روحانی مرتبہ کا اندازہ ہوتا ہے سعید جزری کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ ایک شخص کو خواب میں جمال نبوی کی زیارت کا شرف حاصل ہوا، اس شخص نے آپ سے التجا کی کہ حضور ﷺ میرے لئے مغفرت کی دعا فرمائیں آپ ﷺ نے فرمایا تمہارے لئے عامر دعا کر رہے ہیں، اس شخص نے عامر سے یہ خواب بیان کیا، یہ لطف و کرم سن کر ان پر اتنی رقعت طاری ہوئی کہ بچی بند گئی۔

(۳۸) عبد اللہ بن عتبہ بن مسعودؓ

نام و نسب : عبد اللہ نام ابو عبد الرحمن کنیت، مشہور صحابی حضرت عبد اللہ بن مسعود کے بھتیجے تھے۔ نسب نامہ یہ ہے، عبد اللہ بن عتبہ بن مسعود بن عافل بن حبیب بن شمع بن قار بن مخزوم بن صلبہ بن کابل بن الحارث بن تمیم بن سعد بن ہذیل ہذلی۔

عبد اللہ عہد رسالت میں پیدا ہو چکے تھے اور بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حیات نبوی میں اتنا ہوش بھی ہو گیا تھا کہ آپ کو دیکھتا تھا، اور آپ کے متعلق بعض واقعات ان کے حافظہ میں محفوظ تھے، اسی لئے عقلی نے ان کو صحابہ میں شمار کیا ہے لیکن یہ صحیح نہیں ہے وہ عہد رسالت میں پیدا

ضرور ہوئے لیکن حیات نبوی میں بالکل بچہ تھے، اکثر ارباب سیر کا فیصلہ یہی ہے کہ وہ تابعی ہیں، چنانچہ علامہ ابن سعد نے تابعین ہی کے زمرے میں ان کے حالات لکھے ہیں۔ حافظ ابن عبد البر نے اگرچہ احتیاطاً استیعاب میں ان کے حالات لکھ دیئے ہیں، لیکن ان کے نزدیک بھی وہ صحابی نہیں ہیں چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ عقیلی نے صحابہ میں ان کا ذکر کیا ہے لیکن یہ سراسر غلط ہے البتہ وہ کبار تابعین میں ہیں۔ بعض لوگ ان کی صحابیت پر یہ دلیل لاتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے ان کو والی بنایا تھا، اور وہ غیر صحابی کو کسی عہد پر مقرر نہیں کرتے تھے لیکن یہ کوئی قطعی دلیل نہیں ہے۔

فضل و کمال : حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی ذات سے ان کا گہر علم و عمل کا گہوارہ تھا عبداللہ بن عقبہ نے اسی گہوارہ میں پرورش پائی تھی اس لئے گہر کی یہ دولت ان کے حصہ میں بھی آئی، چنانچہ وہ مدینہ کے ممتاز علماء میں تھے اور حدیث فقہ وغیرہ مذہبی علوم میں پوری دستگاہ رکھتے تھے۔ علامہ ابن سعد لکھتے ہیں، کان لفقہ رفیعاً، کثیر الحدیث والفقہاء فقیہاً۔ حدیث میں انہوں نے اپنے چچا عبداللہ بن مسعودؓ، عمرؓ، عمار بن یاسرؓ ابوذرؓ ہریرہؓ وغیرہ سے روایتیں کی ہیں، ان سے روایت کرنے والوں میں ان کے لڑکے عبید اللہ، عون اور حمید بن عبد الرحمن، معاویہ بن عبداللہ بن جعفر، ابواسحاق سبیعی، عامر الشعمی۔ عبداللہ بن معید زبانی اور محمد بن سیرین وغیرہ قابل ذکر ہیں۔

وفات : عبدالملک کے عہد خلافت میں بشر بن مروان کی ولایت عراق کے زمانہ میں وفات پائی۔
اولاد : عبداللہ اولاد کی جانب سے بڑے خوش قسمت تھے، ان کے ایک لڑکے مدینہ کے بڑے نامور عالم اور وہاں کے سات مشہور فقہاء میں سے ایک تھے، ان کے حالات آئندہ آئیں گے اور عون زہد و ورع میں مشہور تھے۔

(۳۹) عبداللہ بن عونؓ

نام و نسب : عبداللہ نام، ابو عون کنیت عبداللہ بن درہ حرنی کے غلام تھے۔

پیدائش : میل جارف کے تین سال قبل پیدا ہوئے۔

فضل و کمال : علمی اعتبار سے کوفہ کے اکابر علماء میں تھے۔ امام ثوری کہتے تھے کہ میں نے ایوب یونسؓ کی اور ابن عونؓ جیسے فضلا کسی ایک شہر میں اکٹھے نہیں دیکھے۔

۱۔ استیعاب۔ جلد اول۔ ص ۳۹۰ ۲۔ ابن سعد۔ جلد ۵۔ ص ۴۲ ۳۔ تہذیب المعجم۔ جلد ۵۔ ص ۳۱۱

۴۔ ابن سعد۔ جلد ۵۔ ص ۱۳۲ ۵۔ تہذیب الاسماء۔ جلد اول۔ ص ۲۷۸ ۶۔ ابن سعد۔ جلد ۷۔ ق ۲۔ ص ۲۵

۷۔ تہذیب المعجم۔ جلد ۵۔ ص ۳۳۷

حدیث : اگرچہ عبداللہ جملہ مذہبی علوم میں دستگاہ رکھتے تھے لیکن حدیث نبوی سے ان کو خاص ذوق تھا اور اس میں امتیازی پایہ رکھتے تھے۔ علامہ ابن سعد لکھتے ہیں، کان ثقتہ کثیر الحدیث^۱۔

انہوں نے اس عہد کے تمام اکابر محدثین کا علم اپنے دامن میں سمیٹ لیا تھا۔ ابن مدائنی کا بیان ہے کہ ابن عون نے ایسی مستند احادیث محفوظ کی تھیں جو ان کے کسی ساتھی کے حصہ میں نہ آئی ہوں گئی۔ مدینہ کے ممتاز محدثین میں انہوں نے سالم اور قاسم، بصرہ کے محدثین میں حسن بصری اور ابن سیرین اور کوفہ کے محدثین میں امام شعی اور امام نخعی، مکہ کے محدثین میں عطاء اور مجاہد اور شام کے محدثین میں مکحول اور رجاء بن حیوۃ سے سماع حدیث کیا تھا۔ اس طرح اس عہد کے تمام مراکز حدیث کے اکابر محدثین کی حدیثیں انہوں نے حاصل کر لی تھیں۔

ان کے علاوہ اور بہت سے علماء سے بھی وہ مستفید ہوئے تھے، ان میں بعضوں کے نام یہ ہیں، شامہ بن عبداللہ، بن انس، انس بن سیرین، زیاد بن جبیر بن حبہ، عبدالرحمن ابن ابی بکرہ موسیٰ بن انس بن مالک، ہشام بن زید بن انس، سعید بن جبیر اور نافع وغیرہ^۲۔

ان بزرگوں کے فیض نے ابن عون کا دامن علم نہایت وسیع کر دیا تھا، ابن مہدی کا بیان ہے کہ عراق میں ابن عون سے بڑا سنت کا عالم کوئی نہ تھا^۳۔

ابن مبارک کہتے تھے کہ میں نے ملاقات سے پہلے جن جن لوگوں کا تذکرہ سنا تھا ان میں ابن عون، حیوہ اور سفیان کے علاوہ باقی سب کو ملنے کے بعد کم پایا، مگر ابن عون سے ملنے کے بعد دل چاہتا تھا کہ ہمیشہ کے لیے ان کے دامن سے وابستہ ہو جاؤں اور مرتے دم تک جدا نہ ہوں^۴۔

ایک مرتبہ ہشام بن حسان نے ایک حدیث بیان کی، کسی نے پوچھا یہ حدیث کس سے سنی جواب دیا، اس شخص سے جس کا مثل میری آنکھوں نے نہیں دیکھا انہوں نے حسن بصری اور ابن سیرین کو بھی مستثنیٰ نہیں کیا^۵۔

روایت حدیث میں خوف و احتیاط : اس وسعت علم کے باوجود حدیث بیان کرنے میں بڑے محتاط تھے۔ انہوں نے روایت حدیث کے خوف سے راستہ نکلنا چھوڑ دیا تھا۔ بکار بن محمد کا بیان ہے کہ ابن عون نے مجھ سے کہا کہ بھتیجے لوگوں نے میرا راستہ بند کر دیا، میں اپنی ضرورت کے لئے بھی گھر سے باہر نہیں نکل سکتا۔ بکار کہتے ہیں کہ اس سے ان کی مراد یہ تھی کہ لوگ ان سے حدیثیں پوچھتے تھے^۶۔

۱۔ ابن سعد۔ جلد ۷۔ ق ۲۔ ص ۳۲
۲۔ تہذیب المعذیب۔ جلد ۵۔ ص ۳۴۷
۳۔ ایضاً
۴۔ ایضاً۔ ص ۳۳۸
۵۔ ایضاً
۶۔ ابن سعد۔ جلد ۷۔ ق ۲۔ ص ۲۷
۷۔ ایضاً۔ ص ۲۵

تاہم انہوں نے روایت حدیث کا دروازہ بالکل بند نہیں کر دیا تھا اور علما کی مصدقہ حدیثیں بیان کرتے تھے۔ بکار روایت کرتے ہیں کہ ابن عون نے کوفہ میں بڑا علم حاصل کیا اور اس کو محمد کے سامنے پیش کیا، محمد نے سن کر جس حدیث پر پسندیدگی ظاہر کی اس کو ابن عون نے بیان کیا باقی احادیث چھوڑ دیں۔^۱

تلامذہ : ان کے تلامذہ میں بڑے بڑے آئمہ تھے۔ اعمش، سفیان ثوری، شعبہ اور ابن مبارک وغیرہ عام تلامذہ کا دائرہ نہایت وسیع تھا ان میں سے بعض کے نام یہ ہیں، داؤد بن ابی ہند، یحییٰ القطان، عباد بن العوام، ہشیم، یزید بن زریع، ابن علیہ، بشر بن مفضل، معاذ بن معاذ، یزید بن ہارون، ابو عاصم اور محمد بن عبد اللہ انصاری وغیرہ۔^۲

فضائل اخلاق :

علم سے زیادہ ان کا طفرائے کمال ان کا زہد و ورع اور ان کے اخلاقی و روحانی فضائل تھے۔ ابن حبان کا بیان ہے کہ ابن عون عبادت دریاضت، زہد و ورع، فضل و کمال، پابندی سنت اور اہل بدعت پر تشدد میں اپنے زمانہ کے سرداروں میں تھے۔^۳

عقیدہ میں تشدد :

عقائد میں صحابہ کرام کے پاک اور صاف عقیدہ کے پابند تھے اور اس میں مبتدعانہ خیالات کی آمیزش کو سخت ناپسند کرتے تھے اور ایسے لوگوں کو سلام تک نہ کرتے تھے۔^۴ ایک مرتبہ ان کے سامنے قدر کا ذکر آیا انہوں نے کہا میری عمر اس عقیدہ کی عمر سے زیادہ ہے میں نے سعید جہنی اور سنہویہ کے علاوہ اسلاف میں کسی کو اس کا ذکر کرتے ہوئے نہیں سنا یہ خیال شر ہے۔^۵

عبادت : ان کے زہد و ورع اور عبادت دریاضت نے ابن سیرین کو بھلا دیا تھا۔ قرہ کا بیان ہے کہ ہم لوگوں کو ابن سیرین ہی کے ورع پر حیرت ہوتی تھی، ابن عون نے انہیں بھی بھلا دیا۔^۶ ان کا سب سے بڑا شغل عبادت تھا، نماز فجر کے بعد قبلہ رو بیٹھ کر ذکر کرتے تھے، طلوع آفتاب کے بعد اشراق کی نماز پڑھ کر لوگوں سے مخاطب ہوتے۔^۷ ہر رات کو کئی سورتیں پڑھتے تھے، اگر کسی شب کو مانع ہو جاتا تو دن کو پورا کرتے۔^۸

۱۔ ابن سعد۔ جلد ۷۔ ق ۲۔ ص ۲۷
۲۔ ابن سعد۔ جلد ۷۔ ق ۲۔ ص ۲۵
۳۔ ابن سعد۔ جلد ۷۔ ق ۲۔ ص ۲۵
۴۔ ابن سعد۔ جلد ۷۔ ق ۲۔ ص ۲۵
۵۔ تہذیب احمدیہ۔ جلد ۵ ص ۳۷۷
۶۔ ایضاً۔ ص ۳۳۸
۷۔ شذرات الذہب۔ جلد ادا۔ ص ۲۳۰
۸۔ ایضاً۔ ص ۲۸

گھر کے احاطہ میں ایک خاص مسجد تھی، مغرب اور عشاء کے علاوہ باقی تین نمازیں اپنے لڑکوں، بھائیوں اور دوسرے حاضرین کے ساتھ اسی مسجد میں پڑھتے تھے، جمعہ اور عیدین میں بڑا اہتمام کرتے تھے، غسل کر کے بہترین لباس زیب تن کرتے، خوشبو لگاتے، کبھی سواری پر اور کبھی پاپیادہ مسجد جاتے، جمعہ کی نماز پڑھ کر گھر لوٹ جاتے اور سختیں وغیرہ گھر ہی پر پڑھتے، رمضان کے زمانہ میں عبادت بہت بڑھ جاتی تھی۔ فرض نماز وغیرہ باجماعت پڑھ کر گھر چلے آتے اور تنہائی میں عبادت کرتے تنہائی میں الحمد للہ رہنا کے درد میں مشغول رہتے تھے۔ ایک دن درمیان دے کر میسر ہو کر رکھتے تھے ہاں معمول میں مرتے دم تک فرق نہ آیا۔

جہاد فی سبیل اللہ کے لئے خاص طور سے ایک نوٹنی پال رکھی تھی جس کو بہت محبوب رکھتے تھے، بعض مہمات میں ان کی شرکت کی تصریح ملتی ہے۔ چنانچہ روم کی کسی جنگ میں شریک ہوئے تھے اور ایک دوی سے مبارز طلبی کر کے اس کو قتل کیا تھا۔

اصلاح نفس :

اپنے نفس کی اصلاح کے علاوہ دنیا کے اور مشغلوں سے کوئی دلچسپی نہ تھی بکار بن محمد روایت کرتے ہیں کہ ابن عون نے کسی سے مذاق کرتے تھے، نہ کسی سے بحث و مناظرہ کرتے تھے، نہ شعر خوانی کرتے تھے بس انہیں اپنے نفس کی اصلاح سے کام تھا۔

احسان میں اخفاء :

کسی کے ساتھ احسان کر کے اس کا اظہار نہ سمجھتے تھے، بکار بن محمد کا بیان ہے کہ ابن عون جب کسی کے ساتھ کوئی سلوک تو اس مخفی طریقہ سے کسی کو خبر نہ ہونے پائے۔ دوسروں پر اس کا اظہار نہایت انداز جانتے تھے۔

قسم سے احتراز :

قسم کھانا اچھا نہ سمجھتے تھے، چنانچہ کبھی سچی قسم بھی نہ کھاتے تھے، بکار بن محمد بیان کرتے ہیں کہ میں ایک زمانہ دراز بلکہ ان کی موت تک ان کے ساتھ رہا، اس طویل مدت میں میں نے کبھی ان کو جھوٹی سچی قسم کی قسم کھاتے نہیں دیکھا۔

اخلاق : نہایت خوش اخلاق، حلیم الطبع اور نرم خوتھے، کسی موقع پر بھی ان کی زبان سے کوئی ناروا کلمہ نہیں نکلتا تھا، بکار کا بیان ہے کہ میں نے ابن عون سے زیادہ زبان پر قابو رکھنے والا آدمی نہیں دیکھا، وہ اپنے لوٹڈی غلاموں بلکہ بکری اور مرغی تک کو کبھی گالی نہ دیتے تھے۔ جہاد کی جس اونٹنی کو بہت محبوب رکھتے تھے۔

ایک مرتبہ ایک غلام کو اس پر پانی ملا دکر لانے کا حکم دیا اس نے اس کو ایسی بے دردی کے ساتھ مارا کہ اس کی آنکھ بہہ گئی، لوگوں کو خیال ہوا کہ اگر انہیں کسی بات پر غصہ آسکتا ہے تو غلام کی اس حرکت پر ضرور آئے گا، لیکن جب ان کی نظر اونٹنی پر پڑی تو غلام سے صرف اس قدر کہا سبحان اللہ خدام کو برکت دے کیا تم کو مارنے کے لئے چہرہ کے علاوہ اور کوئی عضو نہ ملتا تھا، اور اس کو گھر سے نکال کر آزاد کر دیا۔ ان کی انتہائی خلگی تھی اپنے دشمنوں کو بھی جن کے ہاتھوں ایذا پہنچی تھی نہ کہتے تھے۔

ایک مرتبہ انہوں نے ایک عربی عورت سے شادی کی۔ بلال بن ابی بردہ نے اس عصیت میں کہ ایک غلام نے ایک عربی عورت سے شادی کی انہیں کڑوں سے پٹولیا۔ بکار کا بیان ہے کہ میں نے اس واقعہ کے بعد بھی ابن عون کی زبان سے بلال کے متعلق ایک لفظ نہیں سنا، ایک مرتبہ بعض لوگوں نے کہا کہ بلال نے آپ کے ساتھ نہایت برا سلوک کیا، فرمایا ایک آدمی مظلوم ہوتا ہے لیکن پھر وہی ظلم کی شکایت کر کے ظالم بن جاتا ہے تم میں سے کوئی بھی بلال کے لئے مجھے سے زیادہ سخت نہیں ہے۔ (لیکن میں اس کی شکایت کر کے ظالم نہ بنوں گا)۔

حب رسول : ذات نبوی ﷺ کے ساتھ والہانہ شیئگی رکھتے تھے، چنانچہ ان کی سب سے بڑی تمنا یہ تھی کہ ایک مرتبہ خواب ہی میں رُخ انور کی زیارت ہو جاتی، خدا نے ان کی یہ تمنا پوری کی وفات سے کچھ دنوں پہلے خواب میں دیدار جمال نبوی سے مشرف ہوئے اس شرف پر ایسے وارفتہ ہوئے کہ بالا خانہ سے اتر کر فوراً مسجد میں آئے اور انتہائی مسرت میں گر پڑے پیروں میں چوٹ آئی لیکن ایک بابرکت یادگار کی حیثیت سے اس چوٹ کا علاج نہ کیا کہ۔

زخمِ دل مظہر مبادا بہ شود ہشیار باش کیں جراحت یادگار نادک مرثیہ کا است
وفات : بالآخر یہی چوٹ مرض الموت کا سبب بن گئی، لیکن ابن عون نے نہایت صبر و استقلال کے ساتھ اس مرض کی تکلیفوں کا مقابلہ کیا، بکار بن محمد کا بیان ہے کہ بیماری کی حالت میں وہ شیر سے زیادہ ضابط و صابر تھے۔ دورانِ علالت میں مطلق حرف شکایت زبان پر نہ لائے، ہوش و حواس

آخر دم تک قائم رہے، اپنی پھوپھی ام محمد بنت عبد اللہ کے کہنے پر میں نے ابن عون کی حالت نزع میں سورہ یسین پڑھی تھی میں نے موت کے وقت ان سے زیادہ عاقل کسی کو نہیں دیکھا، جب تک آخری سانس آتی رہی اس وقت تک وہ قبلہ رو خدا کا ذکر کرتے رہے، بالآخر خدا نے ان کی مشکل آسان کی اور رجسٹر ۱۵ھ میں وہ واصل بحق ہو گئے، جنازہ میں لوگوں کا اتنا ہجوم تھا کہ مسجد کا صحن اور اس کی عمارت نا کافی ثابت ہوئی، اور محراب میں جنازہ رکھ کر نماز پڑھائی گئی، جمیل بن محفوظ از دی نے نماز جنازہ پڑھائی۔

ترکہ : ابن عون کے پاس نقد روپیہ نہ تھا، ترکہ میں دو مکانات چھوڑے مرض الموت میں پانچویں حصہ کی وصیت اپنے اعزہ اقرباء کے لئے کر گئے تھے۔ دس ہزار سے کچھ اوپر قرض تھا۔ اس کو ادا کرنے کے بعد وصیت پوری کی گئی۔

حلیہ : نہایت خوش جمال آدمی تھے، نصف کانوں تک پٹے تھے، مونچھیں زیادہ گہری نہیں کترواتے تھے۔

نفاست : خوش جمالی کے ساتھ بڑے نفاست پسند، لطیف مزاج اور خوش لباس تھے، کپڑے نہایت نرم و باریک پہنتے تھے، خوشبو زیادہ اگاتے تھے، پورا لباس پہن کر گھر سے باہر نکلتے تھے، وضو اور کھانے کے وقت خادم رومال پیش کرتا تھا اس سے ہاتھ منہ صاف کرتے، لہسن وغیرہ بدبودار چیزوں سے سخت نفرت تھی جس کھانے میں لہسن ہوتا تھا اس کو ہاتھ نہ اگاتے تھے ایک مرتبہ اونڈی نے کھانا پکایا سامنے لگایا اس میں لہسن کی بو معلوم ہوئی اونڈی سے پوچھا اس نے اقرار کیا لیکن طبیعت میں ضبط و تحمل بہت تھا اس لئے ہم اس قدر کہ خدا تجھ و برکت دے اس کو میرے سامنے سے لے جاؤ۔

(۴۰) عبید اللہ بن عبد اللہ

نام و نسب : عبید اللہ نام، ابو عبد اللہ کنیت، مشہور صحابی حضرت عبد اللہ بن مسعود کے بھائی عتبہ کے پوتے تھے۔ نسب نامہ یہ ہے۔ عبید اللہ بن عبد اللہ بن عتبہ بن مسعود بن غافل بن حبیب بن سحج بن قار بن مخزوم مخزومی۔

فضل و کمال : عبید اللہ کا علم و عمل کا گوارہ تھا، اس ماحول نے اس کو علم و عمل کا مجمع البحرین بنادیا، فضل و کمال کے لحاظ سے وہ ممتاز ترین تابعین میں شمار ہوتے تھے انہیں حدیث، فقہ، شعر و شاعری

اور دوسرے مروجہ علوم میں پورا درک تھا۔ علامہ ابن سعد لکھتے ہیں : كان ثقة كثير الحديث العلم شاعراً۔ علامہ نووی لکھتے ہیں کہ ان کی جلالت امامت اور عظم منزلت پر سب کا اتفاق ہے۔^۱

حدیث : حدیث کے وہ ممتاز حفاظ میں تھے، صحابہ میں انہوں نے ابن عمرؓ، ابن عباسؓ، ابو ہریرہؓ، ابو سعید خدریؓ، ابو داؤد لمیؓ، زید بن خالدؓ، نعمان بن بشیرؓ، عمار بن یاسرؓ، ابو طلحہ انصاریؓ، ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ اور فاطمہ بنت قیسؓ اور تابعین میں ایک کثیر جماعت سے فیض اٹھایا تھا۔^۲

حافظہ اتنا قوی تھا کہ ایک مرتبہ جو حدیث سن لیتے تھے، وہ ہمیشہ کے لئے دماغ میں محفوظ ہو جاتی تھی اس حافظہ نے ان کے علم کا دائرہ نہایت وسیع کر دیا تھا۔^۳ امام زہری کا بیان ہے کہ میں جن جن علماء کے پاس بیٹھا ان کے پاس جو کچھ تھا سب حاصل کر لیا لیکن عبید اللہ علم کا بحر بے پایاں تھے، ان کے پاس جب آتا تھا تو ہمیشہ تازہ علم حاصل ہوتا تھا۔^۴ میں نے بہت علم حاصل کیا، اور ایک حد پر پہنچنے کے بعد خیال ہوا کہ جو کچھ میں حاصل کر چکا ہوں وہ بہت کافی ہے لیکن جب عبید اللہ سے ملا تو معلوم ہوا کہ میرا علم کچھ بھی نہیں ہے۔^۵

تلامذہ : حدیث میں ان کے تلامذہ کا دائرہ نہایت وسیع ہے بعض کے نام یہ ہیں عون، سعید بن ابراہیم، ابو الزناد، صالح بن کیسان، عراک بن مالک، بن مالک، موسیٰ بن ابی عائشہ، ابو بکرہ بن ابی الجهم، عدویٰ ضمہ بن سعید، طلحہ بن یحییٰ، عبید اللہ بن عبدہ بن عبدہ، عبد المجید بن سمیل وغیرہ۔^۶ امام زہری ان کے حلقہ درس کے ممتاز طالب علم اور ان کے مخصوص تلامذہ میں تھے، ان سے ان کا استفادہ ہمیشہ جاری رہا، امام مالک کا بیان ہے کہ ابن شہاب زہری اس وقت بھی جب کہ وہ عالم ہو چکے تھے عبید اللہ کے پاس آتے جاتے تھے۔ عبید اللہ ان سے حدیثیں بیان کرتے تھے اور وہ ان کے لئے کنوئیں سے پانی بھرتے تھے۔^۷

فقہ : فقہ میں خصوصیت کے ساتھ ان کا پایہ نہایت بلند تھا۔^۸ امام ابو جعفر طبری کا بیان ہے کہ علم احکام اور حلال و حرام کی معرفت میں ان کا پایہ نہایت بلند تھا ان کے فقہ کی سب سے بڑی سند یہ ہے کہ وہ مدینہ کے سات مشہور فقہاء میں سے ایک تھے حافظ ابن عبد البر کا بیان ہے کہ وہ مدینہ کے ان دس پھر ان کے بعد ان سات فقہاء میں سے تھے جو فقہ و فتاویٰ کا محور تھے وہ بڑے صاحب علم، فاضل اور فقہ میں بڑے بلند پایہ تھے۔^۹

۱۔ ابن سعد۔ جلد ۵۔ ص ۱۸۵ ۲۔ تہذیب الاسماء۔ جلد ۱۔ ق ۱ ص ۳۱۲ ۳۔ تہذیب التہذیب۔ جلد ۷۔ ص ۲۲۳
 ۴۔ ایضاً۔ ص ۲۲۳ ۵۔ تہذیب التہذیب۔ جلد ۱۔ ق ۱ ص ۳۱۲ ۶۔ ابن خلکان۔ جلد ۱۔ ص ۲۷۱
 ۷۔ تہذیب التہذیب۔ جلد ۷۔ ص ۲۳ ۸۔ تذکرۃ الحفاظ۔ جلد اول۔ ص ۶۸ ۹۔ تہذیب التہذیب۔ جلد ۷۔
 ۱۰۔ ایضاً بحوالہ ابن عبد البر

شاعری : شاعر بھی تھے۔ ابن عبدالبر کا بیان ہے کہ وہ نہایت اچھے شاعر تھے، میرے علم میں دور صحابہ سے اس وقت تک قضاء میں ان سے بڑا شاعر اور شاعروں میں اتنا بڑا فقیہ کوئی نہ تھا۔

وہ حقیقی شاعر تھے، ان کی شاعری تفنن طبع کے لئے نہ ہوتی تھی بلکہ سوزِ قلب سے مجبور ہو کر شعر لکھتے تھے جب ان کی شعر گوئی پر کوئی اعتراض کرتا تو جواب دیتے کہ ایک درد مند اور دل کا بیمار اگر سانس نہ لے تو کیسے زندہ رہ سکتا ہے۔ ابوتام نے حماسہ میں ان کے اشعار نقل کئے ہیں :

شقق القلب ثم زردت فيه هواك فليم فالتام الفتور
میں نے اپنا دل چیر کر اس میں تیری محبت کا بیج بویا، بونے کے بعد شکافِ قلب برابر ہو گیا۔

تغلغل حب عثمة في قواذی فیا ديه مع الحافی بسیر
عثمہ کی محبت میرے قلب میں ساری اور پیوست ہو گئی، وہ محبت جو علانیہ نظر آتی ہے اس محبت سے کم ہے جو مخفی ہے۔

تغلغل حيث لم يبلغ شرابا ولا حزن ولم يبلغ سرور
وہ دل کی اس گہرائی میں پہنچ گئی ہے جہاں شراب، غم اور خوشی کوئی شے نہیں پہنچ سکتی۔
بعض لوگوں نے ان اشعار پر اعتراض کیا کہ آپ ایسے رنگین اور عاشقانہ اشعار کہتے ہیں فرمایا جو دل کے بیمار کو لدود (ایک تلخ دوا جو منہ میں لگائی جاتی ہے) سے راحت ہوتی ہے۔
زہد و عبادت :

اس دردِ دل اور سوزِ باطن نے ان کو بڑا عابد و متورع بنا دیا تھا۔ امام نووی انہیں صلحائے تابعین میں اور ابن خلکان عبادت گزار لکھتے ہیں۔ ان کی نمازیں بڑی طویل اور سکون و اطمینان کی ہوتی تھیں، امام مالک کا بیان ہے کہ عبید اللہ بڑی طویل نمازیں پڑھتے تھے اور کسی شخص کے لئے بھی اس میں جلدی نہ کرتے تھے۔

ایک مرتبہ علی بن حسین (امام زین العابدین) ان کے پاس آئے، اس وقت عبید اللہ نماز پڑھ رہے تھے، وہ بدستور نماز میں مشغول رہے، علی دیر تک ان کا انتظار کرتے رہے، نماز تمام کرنے کے بعد لوگوں نے اعتراض کیا کہ تمہارے پاس رسول اللہ ﷺ کے نواسے آئے اور تم نے اتنی دیر تک ان کو انتظار کرایا، فرمایا خدا میری مغفرت فرما جس کو علم کی تلاش ہو اسے تکلیف اٹھانا چاہیے۔

۱۔ تہذیبِ احمدیہ۔ جلد ۷۔ ص ۲۳ ۲۔ ابن سعد۔ جلد ۵۔ ص ۱۸۴ ۳۔ ابن خلکان۔ جلد اول۔ ص ۳۷۲

۴۔ تہذیبِ الاسماء۔ جلد اول۔ ص ۳۱۲ ۵۔ ابن خلکان۔ جلد اول۔ ص ۲۷۱ ۶۔ تذکرۃ الحفاظ۔ جلد اول۔ ص ۶۸

اگر درخت اپنے پھل سے پہچانا جاتا ہے تو عبید اللہ کے اخلاقی فضائل و کمالات کا اندازہ کرنے کے لئے یہ مثال کافی ہے کہ حضرت عمر بن عبد العزیز ان ہی کے تربیت یافتہ تھے، ان پر ان کے اخلاقی کمالات کا اتنا اثر تھا کہ وہ کہا کرتے تھے کہ عبید اللہ کی ایک صحبت اور تھوڑی دیر ان کے ساتھ ہم نشینی مجھے دنیا و مافیہا سے عزیز ہے، خدا کی قسم ان کی ایک رات میں بیت المال کے ایک ہزار دینار سے خریدنے کو تیار ہوں۔ لوگوں نے کہا امیر المومنین بیت المال کے تحفظ میں شدت و اہتمام کے باوجود آپ ایسا فرماتے ہیں، جواب دیا خدا کی قسم میں ان کی رائے، ان کی نصیحت اور ان کی نصیحت کے وسیلہ سے ایک ہزار کے بجائے بیت المال میں ہزاروں ہزار داخل کروں گا، باہمی گفتگو سے عقل میں تازگی پیدا ہوتی ہے۔ قلب کو راحت ملتی ہے۔ غم دور ہوتا ہے اور ادب سدھر جاتا ہے۔^۱

وفات : باختلاف روایت ۹۸ یا ۹۹۔ میں مدینہ میں وفات پائی۔^۲

(۴) عبد الرحمن بن اسودؓ

نام و نسب : عبد الرحمن نام، ابو حفص کنیت، نسب نامہ یہ ہے۔ عبد الرحمن بن اسود بن یزید بن قیس بن عبد اللہ بن مالک بن علقمہ بن سلامان بن سہل بن بکر بن عوف بن نضج بن نضج بن نضج بن نضج۔ ان کے والد اسود بن یزید بڑے صاحب علم اور عابد و زاہد تابعی تھے۔ ان کے حالات اوپر گزر چکے ہیں۔

فضل و کمال : اگر علم میں عبد الرحمن کا کوئی قابل ذکر پایہ نہ تھا لیکن وہ اس سے تہی دامن بھی نہ تھے۔ حضرت عائشہؓ کے ساتھ ان کے والد کے عقیدت مندانہ مراسم تھے۔ اس سلسلہ میں ان کا حضرت عائشہؓ کی خدمت میں بھی حاضری کا اتفاق ہوتا تھا۔ ان کا بیان ہے کہ جب تک میں نابالغ تھا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں بغیر حصول اجازت چلا جاتا، بلوغ کے بعد پھر اجازت لینے لگا۔^۳

حدیث : ان تعلقات کی بناء پر ان کو حضرت عائشہؓ سے استفادہ کا موقع ملتا تھا چنانچہ حدیث میں انہوں نے حضرت عائشہؓ، انس بن مالکؓ، عبد اللہ بن زبیرؓ اور اپنے والد اور والد کے چچا علقمہ بن قیسؓ سے فیض اٹھایا تھا اور ان سے ابو اسحق سمیعی، ابو اسحق شیبانی، مالک بن مغول ہارون بن عسثرہ، عاصم بن کلیب، لیث بن ابی مسلم اور محمد بن اسحق ابن یسار وغیرہ نے سماع حدیث کیا تھا۔^۴

۱۔ ابن خلکان۔ جلد اول۔ ص ۲۷۱

۲۔ ابن سعد۔ جلد ۵۔ ص ۱۸۶

۳۔ ابن سعد۔ جلد ۶۔ ص ۲۰۲

۴۔ تہذیب الفہم۔ جلد ۶۔ ص ۱۳۰

فقہ : حدیث سے زیادہ ان کو فقہ میں درک تھا۔ حافظ ابن حجر ان کو فقیہ لکھتے ہیں۔
عبادت و ریاضت :

گو علم میں اپنے والد کے برابر نہ تھے لیکن عمل میں ان کے خلف الصدق تھے، رات رات بھر عبادت کرتے تھے۔ محمد بن اسحاق روایت کرتے ہیں کہ عبد الرحمن حج کے سلسلہ میں ہمارے یہاں آئے ان کے ایک پاؤں میں کچھ تکلیف تھی مگر اس حالت میں بھی وہ صبح تک نمازیں پڑھتے رہے اور عشاء کے وضو سے فجر کی نماز پڑھی۔ زندگی بھر میں علیحدہ علیحدہ ہاتھی حج اور اسی عمرے کئے۔

رمضان میں اپنے قبیلہ کی امامت کرتے تھے اور اہل قبیلہ کے ساتھ بارہ ترویج پڑھتے تھے اور اس میں ایک تہائی قرآن سناتے تھے ان کے علاوہ خود علیحدہ ایک ترویج میں بارہ بارہ کعتیں پڑھتے تھے۔

بلا تفریق مذہب سلام :

سلام اسلام کی نشانی سمجھتے تھے اور بلا قید مذہب و ملت مسلم اور غیر مسلم سب کو سلام کرتے تھے۔ سنان بن حبیب سلمی کا بیان ہے کہ میں عبد الرحمن بن اسود کے ساتھ پل کی طرف گیا۔ راستہ میں جو بھی یہودی اور نصرانی ملتا تھا، سب کو سلام کرتے تھے۔ میں نے کہا آپ ان شرکوں کو سلام کرتے ہیں؟ جواب دیا سلام مسلم کی نشانی ہے، اس لئے میں چاہتا ہوں کہ لوگ پہچان لیں کہ میں مسلمان ہوں۔

تعلقات کا لحاظ :

قدیم تعلقات اور بزرگوں کے مراسم و تعلقات کا بڑا لحاظ رکھتے تھے۔ ابی عنام بن طلق کا بیان ہے کہ جاہلیت کے زمانہ میں ہم میں اور اسود بن یزید میں ہمسنی کے تعلقات تھے۔ عبد الرحمن اس کا اتنا لحاظ کرتے تھے کہ جب کسی سفر میں جاتے یا سفر سے آتے تو ہم لوگوں کو آکر سلام کرتے تھے۔
وفات : سند وفات میں بڑا اختلاف ہے۔

حلیہ و لباس : حنا کا خضاب لگاتے تھے اور خز کی چادر اوڑھتے تھے۔

(۴۲) عبد الرحمن بن ابی لیلیٰؓ

نام و نسب : عبد الرحمن نام ہے۔ ابو یسیٰ کنیت۔ والد کا نام یسار اور کنیت ابی لیلیٰ تھی۔ اس نے نام کی جگہ لے لی۔ نسب نامہ یہ ہے، عبد الرحمن بن یسار بن بلال بن بلیل بن اجمہ بن احنان بن

۱۔ تہذیب المعتمدیہ۔ جلد ۶۔ ص ۱۳۰ ۲۔ ایضاً ۳۔ تہذیب الکمال۔ ص ۲۲۳ ۴۔ ابن سعد۔ جلد ۶۔ ص ۲۰۳
۵۔ ایضاً۔ ص ۲۰۳ ۶۔ ایضاً

الخیر ش ابن حجاب بن کلفہ بن عوف بن عمرو بن عوف اوسى انصارى۔

ابن ابی لیلیٰ علمی اعتبار سے ممتاز تابعین میں تھے ان کے والد ابی لیلیٰ صحابی تھے اور متعدد غزوات میں آنحضرت ﷺ کی ہمرکابی اور جہاد کا شرف حاصل کیا تھا۔ کوفہ آباد ہونے کے بعد یہاں بودوباش اختیار کر لی تھی جب حنین میں حضرت علیؓ کی حمایت میں شہید ہوئے۔^۱

پیدائش : عبدالرحمن حضرت عمرؓ کے وسط عہد خلافت میں پیدا ہوئے۔^۲

فضل و کمال :

علمی اعتبار سے عبدالرحمن بلند مرتبہ تھے خوش قسمتی سے انہوں نے زمانہ ایسا پایا تھا جب صحابہ کرام کی بڑی تعداد موجود تھی۔ چنانچہ انہوں نے ایک سو بیس انصار صحابی کو دیکھا تھا^۳ اور ان میں بہتوں سے فائدہ اٹھایا۔ ان کے فیض و برکات نے عبدالرحمن کو دولتِ علم سے مالا مال کر دیا۔ علامہ نووی لکھتے ہیں کہ ان کی توثیق و جلالت پر سب کا اتفاق ہے انہیں قرآن و حدیث اور فقہ جملہ فنون میں درک تھا۔^۴

قرآن : قرآن کی قرأت کا خاص ذوق تھا، ان کے یہاں ہر وقت قراء کا مجمع لگا رہتا تھا۔ مجاہد کا بیان ہے کہ عبدالرحمن کے ایک خاص مکان میں بہت سے مصاحف رکھے رہتے تھے، یہاں ہر وقت قراء کا مجمع رہتا تھا صرف کھانے کے اوقات میں یہ لوگ یہاں سے ہٹتے تھے۔^۵

حدیث : حدیث کے وہ ممتاز حفاظ میں تھے۔ حافظ ذہبی انہیں امام لکھتے ہیں۔^۶ صحابہ میں انہوں نے اپنے والد ابولیلیٰ، عمرؓ، علیؓ، سعدؓ، حذیفہؓ، معاذ بن جبلؓ، مقداد بن اسودؓ، عبداللہ بن مسعودؓ، ابوذر غفاریؓ، ابی بن کعبؓ، بلال بن رباحؓ، سہل بن حنیفؓ، ابن عمرؓ، عبدالرحمن بن ابی بکرؓ، قیس بن سعدؓ، ابوالیوب انصاریؓ، کعب بن عجرہؓ، عبداللہ بن زیدؓ، ابوسعید خدریؓ، ابو موسیٰ اشعریؓ، انس بن مالکؓ، براء بن عازبؓ، زید بن ارقمؓ، سمرہ بن جندبؓ، صہیبؓ، عبدالرحمن بن سمرہؓ، عبداللہ بن حکم اور اسید بن حضیر وغیرہ سے استفادہ کیا تھا، ان میں بعضوں سے سماع ثابت نہیں ہے۔^۷

حلقہ درس : حدیث میں ان کا عالم اتنا وسیع اور مسلم تھا کہ صحابہ تک ان کے حلقہ درس میں شریک ہو کر ان کی احادیث سنتے تھے۔ عبد الملک بن عمیر کا بیان ہے کہ میں نے عبدالرحمن کے

۱۔ تہذیب التہذیب۔ جلد اول۔ ق اول۔ ص ۳۰۳ ۲۔ تہذیب التہذیب۔ جلد ۶۔ ص ۲۶۰

۳۔ ابن سعد۔ جلد ۲۔ ص ۷۶ ۴۔ تہذیب التہذیب۔ جلد اول۔ ق اول۔ ص ۳۰۳ ۵۔ تذکرۃ الحفاظ۔ جلد اول۔ ص ۵۰

۶۔ تہذیب التہذیب۔ جلد ۶۔ ص ۲۶۰ ۷۔ ایضاً۔ ص ۲۶۱

حلقہ درس میں متعدد صحابہؓ کو دیکھا جن میں ایک براء تھے، یہ لوگ خاموشی کے ساتھ عبدالرحمن کی احادیث سنتے تھے۔^۱

مذکر اہ حدیث :

حفظ حدیث کے لئے مذاکرہ ضروری سمجھتے تھے چنانچہ خود ان کے یہاں برابر مذاکرہ حدیث جاری رہتا تھا اور دوسروں کو بھی ہدایت کرتے تھے کہ حدیث کی زندگی اس کے مذاکرہ میں ہے۔^۲

فقہ : فقہ میں بھی پوری دستگاہ حاصل تھی۔ حافظ ذہبی انہیں امام وفقیہ لکھتے ہیں۔^۳

عہدہ قضاء : ان کا فقہی کمال اتنا مسلم تھا کہ جب حجاج نے کوفہ کے عہدہ قضا کا انتظام کرنا چاہا تو اس کی نظر انہی پر پڑی اس کے پولیس افسر حوشب نے مخالفت بھی کی اور کہا کہ اگر آپ علی بن ابی طالب کو قاضی بنانا چاہتے ہیں تو انہیں بنائیے۔^۴ (یعنی وہ ان ہی کی طرح تمہاری مخالفت کریں گے) لیکن حجاج نے اس کے باوجود ان ہی کو قاضی بنایا پھر کچھ دنوں کے بعد اختلاف کی بناء پر جس کا تذکرہ آگے آئے گا معزول کر دیا۔^۵

احتیاط : فتاویٰ کے جوابات دینے میں بڑے محتاط تھے کہا کرتے تھے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کے ایک سو بیس انصاری اصحاب کو دیکھا ہے کہ جب ان میں سے کسی سے کوئی مسئلہ پوچھا جاتا تھا تو وہ اپنا پہلو بچا کر چلتا تھا کہ دوسرا شخص جواب دے دے اور اب یہ حال ہے کہ لوگ ایک دوسرے پر ٹوٹے پڑتے ہیں۔^۶

تلامذہ : ان کے تلامذہ کا دائرہ خاص وسیع تھا۔ ان میں ان کے لڑکے عیسیٰ، پوتے عبداللہ بن عمرو بن میمون شععی ثابت النبائی، حکم بن عتبہ، حسین بن عبدالرحمن، عمرو بن مرہ، مجاہد بن جبر، یحییٰ بن الجوزاء، ہلال الوزان، یزیدی بن ابی زیاد، ابوالحق شیبانی، نہال بن عمرو، عبدالملک بن عمیر، اعمش اور اسمعیل بن ابی خا لد وغیرہ لائق ذکر ہیں۔^۷

سادگی : طبعاً نہایت سادہ مزاج تھے۔ تکلفات کو سخت ناپسند کرتے تھے۔ ایک مرتبہ وضو کے بعد منہ پونچھنے کے لئے رومال پیش کیا۔ انہوں نے پھینک دیا۔^۸

۱۔ ابن سعد۔ جلد ۶۔ ص ۷۶ ۲۔ ایضا۔ ص ۷۶ ۳۔ تذکرۃ الحفاظ۔ جلد اول۔ ص ۵۰

۴۔ ابن سعد۔ جلد ۶۔ ص ۷۶ ۵۔ تذکرۃ الحفاظ۔ جلد ۱۔ ص ۵۰ ۶۔ ابن سعد۔ جلد ۶۔ ص ۷۶

۷۔ تہذیب المعاد۔ جلد ۶۔ ص ۲۶۱ ۸۔ ابن سعد۔ جلد ۵۔ ص ۷۵

بہیمیت : لیکن اس سادگی کے باوجود لوگوں کے دلوں میں ان کی اتنی عظمت ہیبت تھی کہ ان کے ساتھ امراء کی جیسی عظمت کرتے تھے۔

ایک آزمائش :

ان کے دور قضاوت میں انہیں ایک سخت آزمائش سے دوچار ہونا پڑا۔ ان کا پورا گھر حضرت علیؓ کے فدائیوں میں تھا۔ ان کے والد ابولہبلی حضرت علیؓ کی حمایت میں جنگ صفین میں مارے گئے تھے۔ خود یہ جنگ جمل میں حضرت علیؓ کے پر جوش حامیوں میں تھے اور ان کی فوج کا علم ان کے ہاتھ میں تھا۔ خارجیوں کے مقابلہ میں نہروان کے معرکہ میں بھی حضرت علیؓ کے ساتھ تھے۔ اس فدویت کی بنا پر حجاج نے ان پر دباؤ ڈالا کہ وہ حضرت علیؓ پر تبرا کریں، تو یہ تو یہ کرتے تھے صاف برانہ کہتے تھے اس لئے حجاج نے ان کو معزول کر کے انہیں مارا۔

ایک بہترین اسوہ : عبدالرحمنؓ علوی تھے۔ یعنی حضرت عثمانؓ کے مقابلہ میں حضرت علیؓ کی فضیلت کے قائل تھے۔ ان کے دوسرے معاصر عبداللہ بن حکیم عثمانی تھے۔ لیکن اس اختلاف عقیدہ کے باوجود دونوں ایک مسجد میں نماز پڑھتے تھے۔ اور کبھی حضرت عثمانؓ اور علیؓ کی فضیلت پر بحث و مناظرہ نہ کرتے تھے۔

وفات : حجاج کے ان مظالم سے تنگ آکر اس کی مخالفت میں ابن اشعث کے ساتھ ہو گئے تھے، اور اسی جنگ میں وہ کام آئے یا ڈوب کر انتقال کیا۔

(۴۳) عبدالرحمن بن غنمؓ

نام و نسب : عبدالرحمن نام ہے۔ والد کا نام غنم تھا۔ نسب نامہ یہ ہے، عبدالرحمن بن غنم بن کریم ابن ہانی بن ربیعہ بن عامر بن عدی بن وائل بن ناجیہ بن انخفیل بن جماہر بن اوغم بن اشعر اشعری۔

بعض علماء انہیں صحابی بتاتے ہیں، اور اس کے ثبوت میں یہ واقعہ پیش کرتے ہیں کہ وہ ابو موسیٰ اشعری کے ساتھ آئے تھے، لیکن یہ بیان صحیح نہیں ہے، وہ عہد رسالت میں موجود ضرور تھے۔

۱۔ تذکرۃ الحفاظ۔ جلد اول۔ ص ۵۰ ۲۔ تہذیب الاسماء۔ جلد اول۔ ص ۴ ۳۔ ابن خلکان۔ جلد اول۔ صفحہ ۲۷۵
۴۔ تاریخ خطیب۔ جلد ۱۰۔ ص ۲۰۰ ۵۔ تذکرۃ الحفاظ۔ جلد ۱۔ ص ۵۰ ۶۔ تاریخ خطیب بغدادی۔
جلد ۱۰۔ ص ۲۰۱ ۷۔ ایضاً۔ ص ۲۰۱-۲۰۲

اور اسی عہد میں مشرف بہ اسلام بھی ہوئے تھے لیکن آنحضرت ﷺ کے شرف زیارت سے محروم رہے۔ یہ روایت تقریباً متفق علیہ ہے۔^۱

فضل و کمال :

فضل و کمال کے لحاظ سے عبدالرحمن مختار تابعین میں تھے، ابومسیر غسانی انہیں راس التابعین کہتے تھے حافظ ذہبی لکھتے ہیں۔ کان کثیر القدر صادقاً فصلاً^۲۔ ابن سعد نے انہیں شام کے تابعین طبقہ اول میں لکھا ہے عجل کبار تابعین میں لکھتے ہیں حافظ ابن حجر لکھتے ہیں کہ وہ صاحب جلالت اور ذی مرتبہ تھے۔^۳

حدیث : انہوں نے جاہلیت اور اسلام دونوں کا زمانہ پایا، اس لئے انہیں صحابہ کبار کی ایک بڑی جماعت سے استفادہ کا موقع ملا۔ چنانچہ حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ، ابوذر غفاریؓ، ابو داؤد، ابوعبیدہ بن جراحؓ، ابومالک اشعریؓ، ابوموسیٰ اشعریؓ، ابوہریرہؓ، عبادہ بن صامتؓ، ثوبانؓ اور معاویہ وغیرہ سے انہوں نے سماع حدیث کیا تھا۔^۴

حضرت معاذ بن جبلؓ کی صحبت سے خصوصیت کے ساتھ زیادہ مستفید ہوئے تھے ان کی ہم جلسی اور صحبت کی وجہ سے صاحب معاذ ان کا لقب ہو گیا تھا۔^۵

خود ان سے فیض پانے والوں میں ان کے لڑکے محمد بن عبدالرحمن، عطیہ بن قیس ابوسلام الاسود، مکحول شامی، شہر بن حوشب، رجا بن حیوۃ، عبادہ بن نسی، مالک بن ابی مریم اور صفوان بن سلیم وغیرہ لائق ذکر ہیں۔^۶

فقہ : عبدالرحمن کا خاص فن فقہ تھا، اس میں ان کو بڑی بصیرت حاصل تھی، ان کے تفقہ کی بڑی سند یہ ہے کہ حضرت عمرؓ نے ان کو فقہ کی تعلیم دینے کے لئے بھیجا تھا، شام کے تمام تابعین نے فقہ ان ہی سے حاصل کی تھی۔^۷

وفات : ۷ھ میں شام ہی میں وفات پائی۔^۸

۱۔ تفصیل کے لئے دیکھو تہذیب التہذیب جلد ۶۔ ص ۲۵۰ ۲۔ تذکرۃ الحفاظ۔ جلد اول۔ ص ۱۲۴
 ۳۔ تہذیب التہذیب جلد ۶۔ ص ۲۵۱ ۴۔ ایضاً۔ ص ۲۵۰ ۵۔ تہذیب الاسماء۔ جلد اول۔ ص ۳۰۳
 ۶۔ تہذیب التہذیب جلد ۶۔ ص ۲۵۰ ۷۔ تذکرۃ الحفاظ۔ جلد اول۔ ص ۳۴ ۸۔ تہذیب الاسماء۔ جلد اول۔ ص ۳۰۳
 ۹۔ ایضاً

(۴۴) عبدالرحمن بن قاسمؓ

نام و نسب : قاسم نام ہے۔ ابو محمد کنیت۔ مشہور تابعی قاسم بن محمد بن ابی بکر کے صاحبزادے ہیں۔ نسب نامہ یہ ہے۔ عبدالرحمن بن قاسم بن ابی بکر بن عثمان بن عامر بن عمرو بن کعب بن سعد بن تیم بن مرہ، ماں کا نام قریبہ تھا، یہ عبدالرحمن بن ابی بکر کی صاحبزادی تھیں، اس طرح عبدالرحمن کی رگوں میں دادھیال اور نانہال دونوں جانب سے صدیقی خون تھا۔

پیدائش : حضرت عائشہؓ کی زندگی میں پیدا ہو چکے تھے۔

فضل و کمال :

عبدالرحمن کے والد قاسم بن محمد فضل و کمال اور زہد و ورع کے لحاظ سے بڑے رتبہ کے تابعی تھے۔ اس لئے یہ دونوں کمالات گویا انہیں وارثہ ملے تھے۔

امام نوویؒ لکھتے ہیں کہ ان کی جلالت، امامت فضیلت اور صلاح پر سب کا اتفاق ہے۔ حافظ ذہبیؒ انہیں ثقہ امام متورع اور بلند مرتبت لکھتے ہیں۔ ابن حبانؒ، علم، دیانت، حفظ اور اتقان میں سادات اہل مدینہ میں شمار کرتے ہیں۔

حدیث : مدینہ کے بڑے حفاظ میں تھے۔ علامہ ابن سعدؒ لکھتے ہیں، کان ورع کثیر الحدیث۔ حافظ ذہبیؒ امام اور حجت لکھتے ہیں، حدیث میں انہوں نے اپنے والد قاسم، ابن مسیب عبداللہ بن عبداللہ بن عمر، سالم بن عبداللہ بن عمر، نافع اور محمد بن جعفر بن زبیر وغیرہ بڑے بڑے تابعین سے استفادہ کیا تھا۔ اور سماک بن حرب، امام زہری، عبید اللہ بن عمرو بن عجلان، شام بن عروہ، منصور بن زاذان، یحییٰ بن منصور، یحییٰ بن سعید انصاری، موسیٰ بن عقبہ، ایوب سختیانی، حمید الطویل، مالک شعبہ، حماد بن سلمہ، ثوری، اوزاعی، ابن جریج اور لیث وغیرہ جیسے اکابر آپ کے فیض یافتہ تھے۔

فقہ : فقہ میں بھی ممتاز پایہ رکھتے تھے۔ ابن حبانؒ انہیں مدینہ کے سادات فقہاء میں لکھتے ہیں۔ امام نوویؒ رضی اللہ عنہ اور فقیہ ابن الفقیہ کے لقب سے یاد کرتے ہیں۔

۱۔ تذکرۃ الحفاظ۔ جلد ۱۔ ص ۱۱۲ ۲۔ تہذیب الاسماء۔ جلد اول۔ ص ۳۰۳ ۳۔ تذکرۃ الحفاظ۔ جلد اول۔ ص ۱۱۲

۴۔ تہذیب التہذیب۔ جلد ۶۔ ص ۲۵۲ ۵۔ تہذیب الاسماء بحوالہ ابن سعد ۶۔ تذکرۃ الحفاظ۔ جلد اول۔ ص ۱۱۲

۷۔ تہذیب التہذیب۔ جلد ۶۔ ص ۲۵۵ ۸۔ تہذیب الاسماء۔ جلد ۱۔ ص ۳۰۳

زہد و ورع : زہد و ورع میں بھی ممتاز پایہ رکھتے تھے۔ ابن سعد، حافظ ذہبی ابن حجر اور امام نووی تمام ارباب سیر و طبقات ان کے زہد و ورع پر متفق البیان ہیں، مصعب خیار مسلمین میں لکھتے ہیں مردہ کا بیان ہے کہ مدینہ میں ان سے افضل کسی کو نہیں پایا^۱۔ ابن عیینہ انہیں اس عہد کا افضل ترین شخص کہتے تھے^۲۔

وفات : ان کی جائے وفات اور سن وفات دونوں میں ارباب سیر کا اختلاف ہے، ابن سعد کا بیان ہے کہ شام میں ۱۲۶ھ میں وفات پائی، خلیفہ کی روایت کے مطابق سن یہی ہے لیکن جائے وفات مدینہ ہے بعض ۱۳۱ھ لکھتے ہیں^۳۔

۳۵) عروہ بن زبیرؓ

نام و نسب : عروہ نام، ابو عبد اللہ کنیت، مشہور صحابی حواری رسول حضرت زبیر بن عوامؓ کے فرزند تھے، ان کی ماں اسماء حضرت ابو بکر صدیقؓ کی صاحبزادی تھیں، اس طرح عروہ کی رگوں میں ایک جانب حواری رسول اور دوسری جانب صدیق رسول کا خون تھا۔
پیدائش : حضرت عمرؓ کے آخر یا حضرت عثمانؓ کے آغاز عہد خلافت میں پیدا ہوئے، پہلی روایت زیادہ مرجح ہے^۴۔

جنگ جمل و صفین :

جنگ جمل میں اپنی خالہ حضرت عائشہ کے ساتھ نکلنا چاہا، لیکن ان کی عمر اس وقت کل تیرہ سال کی تھی اس لئے شریک نہیں کئے گئے^۵۔ حضرت علیؓ اور امیر معاویہؓ کی جنگ میں وہ کسی جانب نہ تھے۔

بھائی کی حمایت :

اپنے بھائی عبد اللہ بن زبیر اور عبد الملک کی معرکہ آرائیوں میں اپنے بھائی کے ساتھ تھے۔ عبد اللہ کے مقتول ہونے کے بعد حجاج نے ان کی لاش سولی پر لٹکوا دی تھی، اور تجہیز و تکفین کے لئے حوالہ نہ کرتا تھا۔ اس وقت عروہ ہی عبد الملک کے پاس شام گئے تھے۔ وہ بڑی محبت اور عزت سے پیش آیا۔ عروہ کو گلے لگا کر اپنے ساتھ تخت پر بٹھایا اس وقت تک اس کو عبد اللہ بن زبیرؓ کے قتل ہونے کی

خبر نہ پہنچی تھی۔ عروہ بنی کی زبانی اسے معلوم ہوا یہ خبر سن کر اس نے سجدہ شکر ادا کیا اور عروہ کی درخواست پر فوراً حجاج کے نام لاش حوالہ کرنے کا حکم جاری کر دیا، اور اس کی اس حرکت پر سخت ناپسندیدگی ظاہر کی۔

عبدالملک کی بیعت :

ادھر مکہ میں عبداللہؓ کے قتل کے بعد حجاج عروہ کی تلاش میں تھا۔ جب ان کا پتہ نہ چلا تو اس نے عبدالملک کو لکھا کہ عروہ اپنے بھائی کے ساتھ تھے۔ ان کے قتل ہونے کے بعد خدا کا مال لے کر بھاگ گئے۔ اس وقت عروہ شام میں موجود تھے۔

اس لئے عبدالملک نے جواب دیا کہ وہ بھاگے نہیں ہیں، بلکہ میری بیعت کر لی ہے۔ میں نے ان کی خطاؤں کو معاف کر کے انہیں امان دے دی ہے۔ وہ مکہ واپس جاتے ہیں وہاں ان کے ساتھ کسی قسم کی بدسلوکی نہ کی جائے غرض وہ عبدالملک سے بیعت کر کے مکہ واپس آئے ان کی واپسی کے بعد ان کے بھائی کی لاش دفن کی گئی۔

عقیق کا قیام :

اگرچہ عروہ نے عبدالملک کی بیعت کر لی تھی اور دونوں میں کوئی ناخوشگوار باقی نہ رہ گئی تھی، مگر وہ امویوں کی بے عنوانیوں اور جابرانہ طریق حکومت کو سخت ناپسند کرتے تھے، لیکن ان کا روکنا بھی ان کے بس میں نہ تھا، اس لئے انہوں نے شہر کا قیام ترک کر کے مدینہ کے قریب عقیق کے دیہات میں سکونت اختیار کر لی۔

عبداللہ بن حسن کا بیان ہے کہ علی بن حسین (زین العابدین) اور عروہ روزانہ بعد عشاء مسجد نبوی کے ایک گوشہ میں بیٹھتے تھے۔ میں بھی ان کے ساتھ بیٹھتا تھا۔ ایک دن گفتگو میں بنی اُمیہ کے مظالم کا تذکرہ آیا اور یہ خیال ظاہر کیا گیا کہ جب کسی میں ان مظالم کو روکنے کی طاقت نہیں ہے تو ان کے ساتھ رہنا کہاں تک مناسب ہے۔ خدا ان مظالم کی سزا میں ایک نہ ایک دن ان پر عذاب نازل کرے گا۔

عروہ نے علی بن حسین سے کہا کہ جو شخص ظالموں سے علیحدہ رہے گا اور خدا اس کی بیزاری سے واقف ہوگا۔ تو امید ہے کہ جب خدا ان کو کسی مصیبت میں مبتلا کرے گا تو ظالموں سے علیحدہ رہنے والا شخص خواہ ان سے تھوڑے ہی فاصلے پر ہو، اس مصیبت سے محفوظ رہے گا۔ اس گفتگو کے بعد

عروہ مدینہ چھوڑ کر عقیق چلے گئے۔ لوگوں نے اس کا سبب پوچھا تو فرمایا ان کی مسجد میں لہو و لعب اور ان کے بازار لغویات کا گہوارہ ہیں اور ان کے راستوں میں بے حیائی کی گرم بازاری ہے۔

مصر کا قیام : ابن یونس کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ عروہ سات سال تک مصر میں بھی رہے۔
فضل و کمال : عروہ ان اسلاف اور ان بزرگوں کی یادگار تھے، جو علم و عمل کا مجمع البحرین تھے۔ ان کے والد زبیر بن عوام حواری رسول تھے۔ ان کے نانا صدیق خلیل رسول تھے۔ ان کی خالہ عائشہ اُم المؤمنین تھیں۔ ان کی ماں اسماء کوزبان رسالت سے ذات لطائفین کا خطاب ملا تھا۔ ان کے بڑے بھائی عبداللہ بڑے صاحب علم صحابی تھے۔

غرض ان کا سارا گھرانہ علم و عمل اور مذہبی اور اخلاقی فضائل و کمالات کا پیکر تھا۔ عروہ نے اسی ماحول میں آنکھ کھولی اور اسی پرورش پائی اس لئے یہ دولت انہیں وارثہ ملی تھی اور ان کا دامن جملہ علمی اور اخلاقی فضائل سے معمور تھا۔

امام نوویؒ لکھتے ہیں کہ ان کے مناقب بے شمار ہیں۔ ان کی جلالت، علوے مرتبت اور فور علم پر سب کا اتفاق ہے۔ حافظ ذہبی انہیں امام اور عالم مدینہ لکھتے ہیں۔ انہیں حدیث اور فقہ دونوں میں یکساں کمال حاصل تھا۔ علامہ ابن سعدؒ لکھتے ہیں : کان ثقة کثیر الحدیث فقیہا عالیا مامو نا ثنا^۵۔

حدیث : عروہ نے اپنے والد، بھائی، ماں، خالہ سب سے حدیث میں فیض اٹھایا تھا۔ حضرت عائشہؓ کے خرمین کمال سے خصوصیت کے ساتھ خوش چینی کی تھی۔

قبیصہ کا بیان ہے کہ عروہ حضرت عائشہؓ کے پاس ہم سب سے زیادہ آتے جاتے تھے، اور حضرت عائشہؓ ”علم الناس تھیں۔ انہوں نے قریب قریب حضرت عائشہؓ کا پورا علمی ذخیرہ اپنے سینہ میں محفوظ کر لیا تھا۔

ان کا خود بیان ہے کہ میں نے حضرت عائشہؓ کی وفات سے چار پانچ سال پہلے ان کی کل حدیث محفوظ کر لی تھیں۔ اگر ان کا انتقال اسی وقت ہو گیا ہوتا تو مجھے ان کی کسی حدیث کے باقی رہ جانے کا فسوس نہ ہوتا کیونکہ ان کی کل احادیث میرے سینہ میں محفوظ ہو چکی تھیں۔

۱۔ ابن سعد۔ جلد ۵۔ ص ۱۳۷ ۲۔ مختصر صفوة الصفوة۔ ص ۳۲ ۳۔ تہذیب التہذیب۔ جلد ۷۔ ص ۱۸۵
 ۴۔ تہذیب التہذیب۔ جلد ۱۔ ص ۳۲۲ ۵۔ تذکرۃ الحفاظ۔ جلد اول۔ ص ۵۳ ۶۔ ابن سعد۔ جلد ۵۔ ص ۱۳۲
 ۷۔ تہذیب التہذیب۔ جلد ۷۔ ص ۱۸۲ ۸۔ ایضاً

حضرت عائشہؓ کے علاوہ اکابر صحابہؓ میں زید بن ثابتؓ، عبد اللہ بن عباسؓ، عبد اللہ بن عمرؓ ابن عمرو بن العاصؓ، اسامہ بن زیدؓ، ابویوب انصاریؓ، ابو ہریرہؓ، سعید بن زیدؓ، عمرو بن نفیلؓ، حکیم بن حزامؓ، ہشام بن حکیمؓ، جابر بن عبد اللہؓ، مسور بن مخرمہؓ، حسن بن علیؓ، نعمان بن بشیرؓ، عمرو بن العاصؓ، معاویہ بن ابی سفیانؓ، عمرو بن سلمہؓ، أم المؤمنین أم سلمہؓ، اور أم حبیبہؓ وغیرہ تابعین کی ایک بہت بڑی جماعت سے فیضیاب ہوئے تھے۔

ان بزرگوں کے فیض نے عروہ کا دامن علم نہایت وسیع کر دیا تھا، ابن شہاب زہری کہتے تھے کہ عروہ حدیث کا بحرِ ذخار تھے۔ عروہ کے صاحبزادے ہشام جو خود بڑے محدث تھے کہتے کہ ہم نے والد کی احادیث کے دو ہزار حصوں میں ایک حصہ بھی حاصل نہ کیا۔

فقہ : مگر ان کا خاص اور امتیازی فن فقہ تھا۔ اس فن کو بھی انہوں نے اپنی خالہ حضرت عائشہؓ سے حاصل کیا تھا، اور اس میں ان کو اتنا کمال تھا کہ مدینہ کے سات مشہور فقہاء میں سے ایک فقیہ مانے جاتے تھے۔ فقیہ المدینہ احد الفقہاء السبعة فقہا المدینہ۔

فقہ میں تصانیف :

آپ نے فقہ میں کتابیں بھی تالیف کی تھیں۔ ان میں سے بعض حرہ کے ہنگامہ کے زمانہ میں جب یزیدی لشکر نے مدینہ الرسول کو لوٹا تھا، خود جلا دیں۔ مگر بعد میں ان کے جلانے کا افسوس ہوا۔

چنانچہ فرماتے تھے کہ ہم لوگ کتاب اللہ کی موجودگی میں دوسری کتاب نہیں لکھتے تھے۔ اس لئے میں نے اپنی کتاب ضائع کر دیں۔ لیکن اب خدا کی قسم میری یہ خواہش ہے کہ میری کتابیں میرے پاس موجود ہوں اور خدا کی کتاب اپنی جگہ پر دائم و قائم رہتی ہے۔

بعض اقوال :

فرماتے تھے کہ جس آدمی میں تم ایک اچھائی دیکھو تو اس سے محبت کرو اور یقین کرو کہ اس میں اور اچھائیاں بھی ہوں گی اور اگر کوئی برائی دیکھو تو اس سے نفرت کرو اور یقین رکھو کہ اس میں ایسی اور برائیاں بھی ہوں گی۔

۱۔ تہذیب المعجم - جلد ۷ - ص ۱۸۲ ۲۔ ایضاً ۳۔ تہذیب الاسماء - جلد ۱ - ص ۳۳۲ ۴۔ تذکرۃ الحفاظ - جلد اول - ص ۵۲ ۵۔ تہذیب الاسماء - جلد اول - ق اول - ص ۳۳۱ ۶۔ ابن سعد - جلد ۵ - ص ۱۳۳ ۷۔ تہذیب المعجم - جلد ۷ - ص ۱۸۳ ۸۔ مختصر صفوۃ الصفوہ - ص ۱۳۱

صحابہ کا استفادہ :

ان کا فقہی کمال اس قدر مسلم تھا کہ بڑے بڑے صحابہ رسول مسائل میں ان کی طرف رجوع کرتے تھے۔^۱

احتیاط : لیکن اس کمال کے باوجود عروہ اس قدر محتاط تھے کہ کوئی مسئلہ محض رائے سے نہ بیان کرتے تھے۔^۲

ترغیب علم : یہ کہہ کر نوجوان کو تحصیل علم کی ترغیب دلاتے تھے کہ ہم لوگ بھی ایک زمانہ میں چھوٹے تھے، آج وہ دن آیا کہ ہمارا شمار بڑوں میں ہے تم بھی گواہ آج کم سن ہو لیکن ایک زمانہ آئے گا جب بڑے ہو گے اس لئے علم حاصل کر کے سردار بن جاؤ کہ لوگوں کو تمہاری احتیاج ہوئے۔^۳

فضائل اخلاق : اس علم کے ساتھ عروہ عمل کے زیور سے بھی آراستہ تھے، وہ اپنے اسلاف کرام کا نمونہ تھے۔ عجل کا بیان ہے کہ عروہ صالح آدمی تھے۔^۴ ابن شہاب زہری کا قول ہے کہ وہ علماء خیر میں تھے۔^۵

عبادت و ریاضت :

بڑے عابد و زاہد تھے۔ ابن عماد حنبلی لکھتے ہیں کہ ان کی ذات میں علم سیاست اور عبادت سب جمع تھیں۔^۶ تہجد اس التزام کے ساتھ پڑھتے تھے کہ ایک شب کے سوا جب ایک مرض کے سلسلہ میں ان کا پاؤں کاٹا گیا اور کبھی ناغہ نہ ہوئی۔ عید الفطر اور عید الاضحیٰ کے ممنوعہ ایام کے علاوہ باقی بارہون مہینے روزے رکھتے تھے سفر کی حالت میں بھی نہ چھوٹا تھا۔ مرض الموت میں بھی اس معمول میں فرق نہ آتا۔ چنانچہ انتقال کے دن بھی روزے سے تھے۔^۷

تلاوت قرآن محبوب ترین مشغلہ تھا۔ ایک چوتھائی قرآن دن میں ناظرہ پڑھتے تھے، باقی رات کو تہجد میں تمام کرتے تھے۔^۸

صبر و استقامت :

صبر و استقامت کا مجسم پیکر تھے۔ بڑی سے بڑی آزمائش اور تکلیف کے موقع پر زبان سے اُف نہ نکلتی تھی۔ ایک مرتبہ عبدالملک کے پاس شام گئے ہوئے تھے، ان کے لڑکے محمد بھی ساتھ تھے۔ وہ شاہی اصطبل دیکھنے گئے۔ ایک جانور نے ان کو ٹنچ دیا، اس کے صدمہ سے وہ اسی وقت جان بحق

۱۔ تہذیب التہذیب۔ جلد ۷۔ ص ۱۸۳ ۲۔ ایضاً ۳۔ ایضاً۔ ص ۱۸۴ ۴۔ ایضاً ۵۔ ابن خلکان۔ جلد ۱۔ ص ۵۴ ۶۔ شذرات الذہب۔ جلد ۱۔ ص ۱۰۳ ۷۔ تذکرۃ الحفاظ۔ جلد ۱۔ ص ۵۴ ۸۔ ابن سعد۔ جلد ۵۔ ص ۱۳۴ ۹۔ تہذیب التہذیب۔ جلد ۷۔ ص ۱۸۳

ہو گئے۔ اس کے بعد ہی عروہ کے پاؤں میں ایک خراب قسم کا زہریلا زخم پیدا ہو گیا۔ اطباء نے پاؤں کاٹے جانے کا مشورہ دیا اور نہ کاٹے جانے کی صورت میں تمام جسم میں زہر پھیلا جانے کا اندیشہ ظاہر کیا۔ عروہ اگرچہ اس وقت ضعیف ہو چکے تھے لیکن انہوں نے جوانوں سے زیادہ ہمت و استقلال سے کام لیا۔

پاؤں کاٹنے سے پہلے طبیب نے کہا، تھوڑی سی شراب پی لیجئے تاکہ تکلیف کا احساس کم ہو۔ فرمایا، جس مرض میں مجھ کو صحت کی امید ہو اس میں بھی حرام شے سے مدد نہ لوں گا۔ اس نے کہا تو پھر غافل کر دینے والی دوا ہی استعمال کر لیجئے۔ فرمایا، میں یہ بھی نہیں پسند کرتا کہ میرے جسم کا ایک عضو کاٹا جائے اور میں اس کی تکلیف محسوس نہ کروں۔

آپریشن کے وقت چند آدمی سنبھالنے کے لئے آئے، عروہ نے پوچھا تمہارا کیا کام ہے۔ انہوں نے کہا زیادہ تکلیف کے وقت صبر کا دامن ہاتھ سے چھوٹ جاتا ہے، اس لئے آپ کو سنبھالنے کے لئے آئے ہیں۔ فرمایا، مجھ کو امید ہے کہ تمہاری امداد کی ضرورت نہ ہوگی، اور نہایت استقلال کے ساتھ پاؤں کٹوا دیا۔

جس وقت پاؤں ٹخنوں سے الگ کیا گیا۔ اس وقت زبان پر تسبیح و تہلیل تھی۔ جب خون بند کرنے کے لئے زخم کو داغا گیا، تو شدت تکلیف سے بے ہوش ہو گئے، لیکن جلد ہی ہوش آ گیا اور چہرہ کا پسینہ پونچھ کر کٹے ہوئے پاؤں کو منگا کر دیکھا اور اس کو الٹ پلٹ کر کے اس سے خطاب کر کے فرمایا، اس ذات کی قسم جس نے تجھ سے میرا بوجھ اٹھوایا وہ خوب جانتا ہے کہ میں کسی حرام راستہ پر گامزن نہیں ہوا۔

صبر و شکر : ان حوادث اور مصائب کے باوجود زبان شکر و شکایت سے آلودہ نہ ہوئی اور ہمیشہ خدا کا شکر ہی ادا کرتی رہی چنانچہ فرمایا کرتے تھے کہ خدایا تیرا شکر ہے کہ میرے چار ہاتھ پاؤں میں سے تو نے ایک ہی کو لیا، اور تین باقی رکھے اور چار لڑکوں میں سے ایک ہی کو لیا اور تین باقی رکھے اگر تو نے کچھ لیا ہے تو بہت کچھ باقی رکھا ہے اگر کچھ مصیبت میں مبتلا کیا ہے تو بہت دنوں عافیت میں بھی رکھ چکا ہے۔

دولت دنیا سے بے نیازی :

ان کی نگاہ میں دولت دنیا اور چند روزہ عیش و تنعم کی کوئی وقعت نہ تھی۔ اس کے لئے انہوں نے خدا سے کبھی دنیا نہیں مانگی۔ ایک مرتبہ امیر معاویہ کے زمانہ میں یہ ان کے بھائی عبداللہؓ اور مصعب بن زبیرؓ اور عبدالملک چاروں آدمی مسجد حرام میں جمع تھے کسی نے تجویز پیش کی کہ ہم لوگ اس

گھر میں خدا کے روبرو اپنی اپنی آرزوئیں پیش کریں۔ سب نے اسے پسند کیا سب سے پہلے عروہ کے بھائی عبداللہ نے کہا کہ میری آرزو یہ ہے کہ میں حرم کا بادشاہ ہو جاؤں اور مجھے تخت خلافت ملے ان کے بعد ان کے دوسرے بھائی مصعب نے کہا کہ میری تمنا یہ ہے کہ قریش کی دونوں حسین عورتیں سلیمہ بنت حسین اور عائشہ بنت طلحہ میرے عقد میں آجائیں ان کے بعد عبدالملک نے کہا میری آرزو یہ ہے کہ میں کل روئے زمین کا بادشاہ ہو جاؤں اور امیر معاویہ کا جانشین بنوں سب سے آخر میں عروہ نے کہا کہ مجھے تم لوگوں کی خواہشات میں سے کچھ نہ چاہئے، میں دنیا میں زہد و آخرت میں کامیابی اور علم چاہتا ہوں۔^۱

خدا نے ان چاروں کی دعا قبول کی ابن زبیرؓ حرم کے سات برس تک خلیفہ رہے سلیمہ اور عائشہ دونوں مصعب کے عقد میں آئیں۔ عبدالملک سندھ سے لے کر اسپین تک کافر ماں روا ہوا اور امیر معاویہ کی قائم کردہ سلطنت کا وارث بنا اور عروہ کو خاصان خدا کا مرتبہ ملا۔

تمول اور فارغ البالی :

اگرچہ عروہ دولت دنیا سے بے نیاز اور بے پرواہ تھے، لیکن خدا نے ان کو اس سے وافر حصہ دیا تھا۔ وہ بڑے صاحب ثروت تھے۔ ان کے والد حضرت زبیر بن عوام بن عرب کے بڑے متمول لوگوں میں تھے۔ اپنے بعد کئی کروڑ دولت چھوڑی۔ یہ دولت ان کے بیٹوں کو ملی، جن میں ایک عروہ بھی تھے۔ حضرت زبیر کی دولت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ ان کی چار بیویوں کو آٹھویں حصہ میں بارہ بار ملا تھا۔^۲

فیاضی و سیر چشمی :

خدا نے عروہ کو جس طرح دولت عطا فرمائی تھی ویسے ہی وہ فیاض بھی تھے ان کے کھجوروں کے باغات تھے۔ کھجوروں کی فصل میں باغ کی دیوار توڑ دیتے تھے اور ہر شخص کے لئے صدائے عام ہوتی تھی لوگ آکر کھاتے تھے اور باندھ باندھ کر ساتھ لے جاتے تھے۔^۳

خوش لباسی اور نفاست :

حضرت عروہ اگرچہ بڑے عابد و زاہد تھے لیکن مزاج میں بڑی نفاست تھی روزانہ غسل کرتے تھے کپڑے نہایت بیش قیمت پہنتے تھے گرمیوں میں جسم پر سندس کی قبا ہوتی تھی جس میں حریر کا استر ہوتا تھا۔ خزا کی چادر اوڑھتے تھے۔^۴

وفات : ۹۳ھ میں نواح مدینہ میں اپنے محتاج میں انتقال کیا۔^۵

(۴۶) عطاء بن ابی رباح^۱

نام و نسب : عطاء نام ہے۔ والد کا نام اسلم اور ابو رباح کنیت۔ عطاء کی کنیت ابو محمد تھی۔ یمن کے مردم خیز قصبہ جند میں حضرت عثمان کے آغاز خلافت میں پیدا ہوئے اور مکہ میں نشوونما پائی۔ میسرہ بن ابی عظیم فہری کے غلام تھے۔

فضل و کمال : فضل و کمال اور زہد و ورع کے لحاظ سے عطاء بڑے جلیل القدر تابعی تھے۔ حافظ ابن حجر لکھتے ہیں کہ عطاء فقہ، علم و ورع اور فضل و کمال کے لحاظ سے سادات تابعین میں تھے۔ حجت امام اور کبیر الشان تھے۔^۲ علامہ نووی لکھتے ہیں کہ وہ مکہ کے مفتی اور مشہور آئمہ میں تھے۔ بڑے بڑے آئمہ ان کے علمی کمالات کے معترف تھے۔ امام احمد بن حنبل فرماتے تھے کہ علم کا خزانہ خدا ہی کو دیتا ہے، جسے محبوب رکھتا ہے۔ اگر علم کسی کے ساتھ مخصوص ہوتا تو عالی نسب اس کے زیادہ حقدار تھے، لیکن عطاء حبشی غلام تھے، یزید بن حبیب نووی تھے۔ حسن بصری اور ابن سیرین غلام تھے۔^۳

امام اوزاعی کہتے تھے کہ عطاء نے جس وقت انتقال کیا، اس وقت وہ لوگوں میں روئے زمین کے سب سے زیادہ پسندیدہ آدمی تھے۔^۴

قرآن : ان کو قرآن۔ حدیث۔ فقہ، جملہ مذہبی علوم میں پوری دستگاہ حاصل تھی۔^۵ کان ثقة فقیہا عالما کثیر الحدیث کان یعلم القرآن قرآن کا مستقل درس دیتے تھے۔

حدیث : کے مشہور حفاظ تھے۔ حافظ ذہبی نے ان کے حالات طبقہ اول کے حفاظ میں لکھتے ہیں۔ علامہ ابن سعد کثیر الحدیث لکھتے ہیں۔ حدیث میں انہوں نے صحابہ میں عبداللہ بن عباسؓ، ابن عمرؓ، ابن عمرو بن العاصؓ، ابن زبیرؓ، معاویہؓ، اسامہ بن زیدؓ، جابر بن عبداللہؓ، زید بن ارقمؓ، عبداللہ بن سائبؓ، مخزومیؓ، عقیل بن ابی طالبؓ، عمرو بن ابی سلمہؓ، رافع بن خدیجؓ، ابودرداءؓ، ابوسعید خدریؓ، ابو ہریرہؓ، ام المؤمنین عائشہ صدیقہؓ اور ام ہانیؓ کے خرمین سے خوشہ چینی کی تھی۔

عام علماء میں ابوصالح اسمان، سالم بن شوال، صفوان بن علی بن اُمیہ، عبید بن عمیر، عروہ بن زبیر، ابن ابی ملکیہ، عطاء بن ابی عمار ابوالزبیر، موسیٰ بن انس، حبیب بن ابی ثابت وغیرہ سے سماع حدیث کیا تھا۔^۶

۱ تہذیب المعجم پب۔ جلد ۷۔ ص ۲۰۳ ۲ تہذیب الاسماء نووی۔ جلد ۱۔ ص ۳۳۳ ۳ مختصر صفوة الصلوۃ۔ ص ۱۵۸

۴ تذکرۃ الحفاظ۔ جلد ۱۔ ص ۸۶ ۵ ابن سعد۔ جلد ۵۔ ص ۳۳۳

تلامذہ : حدیث میں ان سے فائدہ اٹھانے والوں کی فہرست بہت طویل ہے۔ بعض کے نام یہ ہیں : ابوالفتح سبعمی، زہری، مجاہدہ، ایوب سختیانی، اعمش، اوزاعی، ابن جریج، ابوالزبیر، حکم بن عتبہ، ابوحنیفہ وغیرہ۔

آداب سامع حدیث :

حدیث رسول اللہ کا اتنا احترام تھا کہ تذکرہ حدیث کے درمیان میں بولنا سخت ناپسند تھا اور اس پر برہم ہوتے تھے۔ معاذ بن سعید الاغور کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ ہم لوگ عطاء کے پاس تھے، ایک شخص نے حدیث بیان کی۔ ایک دوسرا شخص درمیان میں بولا، عطاء سخت برہم ہوئے اور کہا یہ کون سا اخلاق اور کون سی طبیعت ہے۔ خدا کی قسم آدمی حدیث اس لئے بیان کرتا ہے کہ اس سے ہم کو علم حاصل ہو، اگر کوئی حدیث سناتا ہے تو خواہ وہ حدیث مجھ سے سُنی ہوئی ہو، میں اس کو خاموشی سے سُنتا ہوں کہ بیان کرنے والے کو یہ معلوم ہو کہ میں نے اس سے پہلے نہیں سُنی تھی۔ عمرو بن عاصم کہتے ہیں کہ میں نے عطاء کی باتیں عبد اللہ بن مبارک سے نقل کیں تو انہوں نے سُن کر کہا کہ میں اس وقت تک جو تاناہ اُتاروں گا جب تک خود جا کر اس مہدی سے نہ سنوں گا۔

ان کی روایات کے بارے میں آئمہ کی رائے :

حضرت امام باقرؑ لوگوں کو ہدایت کرتے تھے کہ جہاں تک ہو سکے عطاء سے حدیث لیا کرو۔ فقہ : آپ کا خاص اور امتیازی فن فقہ تھا۔ آپ کے تفقہ پر تمام فقہائے محدثین اور آئمہ فن کا اتفاق ہے۔ حافظ ابن حجر لکھتے ہیں کہ وہ فقہ میں سادات تابعین میں تھے۔ ربیعہ جو خود بہت بڑے فقیہ تھے، کہتے تھے کہ عطاء فتاویٰ میں تمام اہل مکہ پر فائق تھے، محمد بن عبد اللہ الدیاج کہتے ہیں کہ میں نے عطاء سے بہتر مفتی نہیں دیکھا۔ امام الشافعی حضرت امام اعظم فرماتے ہیں کہ میں نے عطاء سے افضل کسی کو نہیں پایا۔ اکابر صحابہ تک ان کے تفقہ کے معترف تھے۔ حضرت عبد اللہ ابن عباسؓ اور ابن عمرؓ جب مکہ تشریف لاتے اور سائلین ان کی خدمت میں پہنچتے تو عبد اللہ بن عباسؓ ان سے کہتے کہ عطاء تمہارے یہاں موجود ہیں اور تم میرے پاس آتے ہو۔ حضرت ابن عمرؓ فرماتے کہ تم میں ابن ابی رباح موجود ہیں اور تم مجھ سے پوچھنے کے لئے مسائل اٹھا رکھتے ہو۔

۱۔ تہذیب التہذیب۔ جلد ۷۔ ص ۱۹۹ ۲۔ ایضاً ۳۔ ابن سعد۔ جلد ۵۔ ص ۲۳۵ ۴۔ تہذیب الاما۔ جلد ۱۔ ص ۲۳۲ ۵۔ تہذیب التہذیب۔ جلد ۷۔ ص ۲۰۳ ۶۔ ایضاً۔ ص ۲۰۱ ۷۔ تذکرۃ الحفاظ۔ جلد ۱۔ ص ۸۶ ۸۔ تہذیب التہذیب۔ جلد ۵۔ ص ۲۰۱

ان کے زمانہ میں صرف دو شخص مکہ کی مسجدِ اقصیٰ کی زیارت تھے۔ ایک یہ اور دوسرے مجاہد۔ لیکن ان دونوں میں امتیاز انہی کو حاصل تھا۔^۱

احتیاط فی الفتویٰ : لیکن اس کمال کے باوجود وہ اتنے محتاط تھے کہ مسائل میں کبھی اپنی رائے نہ دیتے تھے۔ اگر اس کے متعلق کوئی سند نہ ہوتی تو صاف کہہ دیتے کہ مجھے نہیں معلوم۔ عبدالعزیز ابن رفیع کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ عطاء سے کوئی مسئلہ پوچھا گیا۔ انہوں نے جواب دیا مجھے نہیں معلوم۔ لوگوں نے کہا اپنی رائے سے کیوں نہیں جواب دیتے؟ فرمایا، مجھے خدا سے شرم معلوم ہوتی ہے کہ اس کی زمین میں میری رائے کی اطاعت کی جائے۔^۲

لیکن ایک فقیہ اور مفتی کے لئے رائے سے کام لینا ناگزیر ہے۔ اس لئے عطاء جب کبھی رائے سے کام لیتے تھے تو اس کو ظاہر کر دیتے تھے۔ ابن جریج کا بیان ہے کہ عطاء جب کوئی بات بیان کرتے تھے تو میں ان سے پوچھتا تھا کہ یہ علم ہے یا رائے۔ اگر انہوں نے اثر کی سند پر کہا ہوتا تو کہہ دیتے اثر ہے اور اگر رائے ہوتی تو کہہ دیتے رائے ہے۔^۳

مناسک حج کا علم :

مناسک حج کے بڑے عالم تھے۔ امام باقرؑ فرماتے تھے کہ عطاء سے زیادہ مناسک حج کا جاننے والا کوئی باقی نہیں۔^۴ اموی فرزند ان سے حج کی تعلیم حاصل کرتے تھے۔ علامہ ابن جوزی لکھتے ہیں کہ ایک مرتبہ سلیمان بن عبد الملک آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے اس کو مناسک حج بتائے۔^۵ امویوں کے زمانہ میں حج کے موقع پر منادی کر دی جاتی تھی کہ حج کے مسائل میں عطاء کے علاوہ دوسرا شخص فتویٰ نہ دے۔^۶

معمولی معمولی درجہ کے لوگ جنہیں حج کے ایام میں انہیں دیکھنے کا، ان کے ساتھ رہنے کا یا ان کی خدمت کرنے کا موقع ملتا تھا، مسائل کے واقف کار بن جاتے تھے۔ اس سلسلہ میں یہ حکایت مشہور ہے کہ امام ابو حنیفہؒ فرماتے تھے کہ حج کے موقع پر ایک حجام نے جس نے عطاء کو دیکھا تھا۔ مجھے پانچ موقعوں پر مناسک حج کی تعلیم دی۔

بال ترشوانے سے پہلے میں نے اس سے حجامت کی بنوائی طے کرنے چاہی۔ اس نے کہا، عبادت میں شرط نہیں کی جاتی، بیٹھ جاؤ بن جائے گی۔ میں قبلہ رخ سے ذرا ہٹ کر بیٹھا تھا۔ اس نے

۱۔ تہذیب الاسماء لودوی۔ جلد ۱۔ ص ۳۳۳ ۲۔ ابن سعد۔ جلد ۵۔ ص ۲۳۶ ۳۔ تہذیب المعجم۔ جلد ۷۔ ص ۲۰۳
۴۔ ابن سعد۔ جلد ۵۔ ص ۳۳۵ ۵۔ ایضاً ۶۔ مختصر صفوة الصوفیہ۔ ص ۱۵۹ ۷۔ تہذیب الاسماء۔ جلد ۱۔ ص ۳۳۳

قبلہ رخ بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ میں نے بائیں جانب سے سر منڈانا چاہا۔ اس نے کہا داہنی سمت پھيرو۔ میں نے پھيرو دیا، وہ سر موٹنے لگا۔ میں بالکل خاموش تھا۔ اس نے کہا تکبیر کہتے جاؤ۔

حجامت بنوانے کے بعد جب میں جانے لگا تو اس نے پوچھا، کہاں جاتے ہو؟ میں نے کہا اپنے قیام گاہ پر۔ اس نے کہا پہلے دو رکعتیں پڑھ لو، اس کے بعد جاؤ۔ میں نے خیال کیا کہ حجام خود اس قسم کے مسائل نہیں جان سکتا۔ جب تک اس نے کسی سے معلوم نہ کیا ہو۔ میں نے اس سے پوچھا، تم نے جن باتوں کی مجھ کو تعلیم دی ہے، وہ تمہیں کہاں سے معلوم ہوئیں؟ اس نے کہا میں عطاء بن ابی رباح کو ایسا کرتے دیکھا تھا۔

علم میں للہیت :

عطاء اپنے علم سے کوئی دنیاوی فائدہ حاصل نہ کرتے تھے۔ بلکہ ان کا علم خالصہ لوجہ اللہ تھا۔ سلمہ کا بیان ہے کہ میں نے عطاء طاؤس اور مجاہد کے علاوہ کسی کو نہیں دیکھا، جس کا مقصد علم سے خالص لوجہ اللہ ہو۔

زہد و تقویٰ : علم کے ساتھ ان میں اسی درجہ کا عمل بھی تھا۔ زہد و ورع کے لحاظ سے وہ جماعت تابعین میں ممتاز تھے۔ حافظ اب حجر لکھتے ہیں کہ وہ علم اور ورع میں سادات تابعین میں تھے۔ حافظ ذہبی لکھتے ہیں کہ عطاء کے علم، زہد اور خدا پرستی کے مناقب بہت ہیں۔

قوت ایمانی : عطاء ایمان کے جس درجہ پر تھے، اس کے متعلق عبدالرحمن کا بیان ہے کہ سارے اہل مکہ کا ایمان مل کر بھی عطاء کے ایمان کے برابر نہ تھا۔

عبادت و ریاضت :

عبادت کا یہ حال تھا کہ کامل بیس سال تک مسجد کافرش ان کا بستر رہا۔ تہجد میں روزانہ دو سو یا اس سے زیادہ آیتیں پڑھتے تھے۔ اکثر عبادت سے بیشانی پر نشان سجدہ تاباں تھا۔ ان کا کوئی وقت ذکر الہی سے خالی نہ ہوتا تھا۔ عبد اللہ بن عمرو بن عثمان بیان کرتے ہیں کہ میں نے عطاء سے بہتر مفتی نہیں دیکھا۔ ان کی مجلس میں بروقت خدا کا ذکر ہوتا رہتا تھا، اور لوگ علمی مباحثہ کرتے تھے۔ عطاء جب کچھ بولتے، یا جب کوئی سوال کیا جاتا تو نہایت خوبی سے اس کا جواب دیتے۔

۱۔ ابن خلکان۔ جلد ۱۔ ص ۳۱۹	۲۔ ابن سعد۔ جلد ۵۔ ص ۳۳۵	۳۔ تہذیب التہذیب۔ جلد ۷۔ ص ۲۰۳
۴۔ تذکرۃ الحفاظ۔ جلد اول۔ ص ۸۶	۵۔ تہذیب التہذیب۔ جلد ۷۔ ص ۲۰۳	۶۔ ایضاً
۷۔ مختصر صفوة الصفوة۔ ص ۱۵۸	۸۔ ابن سعد۔ جلد ۷۔ ص ۳۳۶	۹۔ ایضاً۔ ص ۳۵۴

حج : آپ کا قیام مکہ ہی میں تھا اس لئے کسی سال حج ناغہ نہ ہوا تھا۔ چنانچہ آپ نے ستر (۷۰) حج کئے۔^۱
اتباع حدیث : اتباع حدیث میں بڑا اہتمام تھا۔ امام شافعی کا بیان ہے کہ تابعین میں عطاء
سے زیادہ کوئی متبع حدیث نہ تھا۔^۲

عزالت گزینی : طبیعت میں عزالت پسندی تھی۔ لوگوں سے زیادہ ملنا جلنا پسند نہ تھا۔ دروازہ بند
کئے گھر میں بیٹھے رہتے تھے۔ جب کوئی اندر آنے کی اجازت چاہتا تو پوچھتے، کس نیت سے آئے ہو۔
اگر آنے والا کہتا کہ آپ کی زیارت کے لئے تو جواب دیتے کہ میرے جیسے شخص کی زیارت نہیں کی جاتی۔
پھر فرماتے وہ زمانہ کیسا خبیث ہے، جس میں میرے جیسے شخص کی زیارت کی جائے۔^۳ لیکن اچھی
مجلسوں کو جن میں خدا کا ذکر ہوتا، پسند کرتے تھے۔ فرماتے تھے کہ جو شخص اس مجلس میں بیٹھتا ہے، جس
میں خدا کا ذکر ہوتا ہے تو خدا اس مجلس کو دس باطل مجلسوں کا کفارہ بنادیتا ہے۔^۴

خاموشی : جب مجمع میں بیٹھنے کا اتفاق ہوتا تو زیادہ تر خاموش ہی رہتے۔ اسماعیل بن اُمیہ کا بیان ہے
کہ عطاء عموماً خاموش رہتے تھے۔ جب کچھ بولتے تھے تو ہم لوگوں کو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ان پر الہام
ہو رہا ہے۔^۵

وفات : بروایت صحیح ۱۱۴ھ میں وفات پائی۔^۶

(۴۷) عمرو بن شریبیلؓ

نام و نسب : عمرو نام ہے۔ ابو میسرہ کنیت۔ نسبا قبیلہ ہمدان سے تعلق رکھتے تھے۔

فضل و کمال : علمی اعتبار سے فضلاء تابعین میں تھے۔ حافظ صفی الدین خزرجمی ان الفاظ کے

ساتھ ان کا تذکرہ کرتے ہیں عمرو بن شریبیل الہمدانی ابو میسرہ الکوفی احد الفضلاء،

کوئی شخص ابو میسرہ کا مثل نہ تھا۔ کسی نے کہا مسروق ابو دائل نے جواب دیا مسروق بھی نہیں ہے۔

تفسیر : آیات قرآنی کی تفسیر و تاویل پر پوری نظر تھی اور بعض آیات کی تفسیر میں ان کا خیال

مشہور صحابی حضرت عبداللہ بن مسعود سے متوارد ہو جاتا تھا۔ ایک مرتبہ ابن مسعود نے ان سے پوچھا

”الخنس الجوارى الكنس“ کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے؟ انہوں نے کہا کہ میرے

نزدیک نیل گاؤں میں ہے۔ ابن مسعود نے کہا میری بھی یہی رائے ہے۔^۷

۱۔ مختصر صفوة الصفوة۔ ص ۱۵۸ ۲۔ تہذیب الاماء۔ جلد اول۔ ص ۲۲۲ ۳۔ مختصر صفوة الصفوة۔ ص ۱۵۸ ۴۔ ایضاً

۵۔ تذکرۃ الحفاظ۔ جلد اول۔ ص ۸۶ ۶۔ ایضاً ۷۔ تہذیب الکمال۔ ص ۲۹۰ ۸۔ ابن سعد۔ جلد ۶۔ ص ۷۲

حدیث : حفظ حدیث کے لحاظ سے اوسط درجہ کے حفاظ میں شمار تھا۔ حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ، عبداللہ ابن مسعودؓ، حذیفہؓ، سلمانؓ، قیس بن سعد بن عبادہؓ، معقل بن مقرن مزیؓ، نعمان ابن بشیرؓ اور ام المؤمنین عائشہ صدیقہؓ وغیرہ اکابر صحابہ سے سماع حدیث لیا تھا۔^۱

ابو وائل، ابوالخق سمعی، ابوعمار ہمدانی، قاسم بن خمیرہ، محمد بن منشر اور مسروق وغیرہ ان کے زمرہ تلامذہ میں تھے۔^۲

عبادات و ریاضت :

علم کے ساتھ اسی درجہ کا عمل بھی تھا۔ بڑے عابد و زہد بزرگ تھے۔ ابن حبان لکھتے ہیں کہ وہ عبادت گزار لوگوں میں تھے۔ نمازوں کی کثرت سے (ان کے جوڑوں پر) اونٹوں کی طرح گئے پڑ گئے تھے۔^۳

عبادت میں طہارت کا لحاظ :

عبادت میں طہارت اور پاکی کا بڑا لحاظ رکھتے تھے۔ فرماتے تھے کہ خدا کا ذکر پاک ہی مقام پر کرنا چاہئے۔^۴

صدقات : اپنی حیثیت کے مطابق مخیر اور فیاض بھی تھے۔ اپنی آمدنی کا کچھ نہ کچھ حصہ ضرور خیرات کرتے تھے۔ یونس کا بیان ہے کہ جب ان کو وظیفہ ملا تھا تو اس میں سے وہ خیرات کیا کرتے تھے۔^۵

وفات : ۳۶ھ میں وفات پائی۔^۶ مرض الموت میں لوگوں سے فرمایا، مرنے کے لئے بالکل آمادہ ہوں۔ پیش آنے والے مرحلہ کے علاوہ اور کسی شے کا خوف دل میں نہیں ہے، نہ میرے پاس مال و دولت ہے، (کہ اس کا افسوس ہو) اور نہ مجھ پر کسی کا قرض ہے، (کہ اس کی فکر ہو) نہ میرے پاس عیال ہیں، (کہ اپنے بعد ان کی فکر ہو)۔

میرے مرنے کی خبر کسی کو نہ دی جائے۔ جنازہ لے چلنے میں جلدی کرنا۔ قبر پر ہری شلخ رکھنا کہ مہاجرین اس کو مستحب سمجھتے تھے۔ قبر اونچی نہ کرنا کہ اس کو وہ ناپسند کرتے تھے۔ آخر وقت لا الہ الا اللہ کی تلقین کرنا۔ ان ہدایات کے بعد وفات پائی۔ قاضی شریح نے نماز جنازہ پڑھائی۔^۷

۱۔ تہذیب محمدیہ۔ جلد ۸۔ ص ۴۷ ۲۔ ایضاً ۳۔ ابن سعد۔ جلد ۶۔ ص ۷۲ ۴۔ ایضاً ۵۔ تہذیب محمدیہ۔ جلد ۸۔ ص ۴۷ ۶۔ ابن سعد۔ جلد ۶۔ ص ۷۳ ۷۔ ایضاً

(۴۸) عمرو بن دینارؓ

نام و نسب : عمرو نام ہے ابو محمد کنیت، باذان عجمی غلام تھے۔

پیدائش : ۳۶ھ میں پیدا ہوئے۔

فضل و کمال : علمی اعتبار سے مکہ کے اکابر علماء میں تھے۔ حافظ ذہبی انہیں حافظ، امام اور عالم حرم لکھتے تھے۔ امام نووی کا بیان ہے کہ ان کی جلالت، امامت اور توثیق پر سب کا اتفاق ہے۔ وہ آئمہ تابعین میں تھے۔

حدیث : حدیث کے بڑے حافظ تھے علامہ سعد لکھتے ہیں کان عمرو ثقة ثبتا کثیر الحدیث۔ صحابہ میں انہوں نے ابن عمرؓ، ابن زبیرؓ، ابن عمرو بن العاصؓ، ابو ہریرہؓ، جابر عبد اللہ ابو الطفیلؓ، سائب بن یزید اور تابعین میں سعید بن مسیب، سعید بن جبیر، سالم بن عبد اللہ، طاؤس، عطاء محمد بن علی، مجاہد، ابن ابی ملیکہ، سلیمان بن یسار، وہب بن عقبہ اور امام زہری وغیرہ ایک کثیر جماعت سے استفادہ کیا تھا۔

وسعت علم : حدیث میں ان کا علم نہایت وسیع تھا۔ اس عہد کے تمام علماء کا علم ان کے سینہ میں محفوظ تھا۔ طاؤس اپنے لڑکے کو ہدایت کرتے تھے کہ جب مکہ جانا تو ابن دینار کے پاس ضرور جانا، ان کے کان علماء کا خریطہ تھے۔

مرویات کا پایہ : ان کی روایات کا پایہ، ارباب فن کے نزدیک نہایت بلند تھا۔ امام زہری کہتے تھے کہ میں نے اعلیٰ درجہ کی حدیثوں میں اس شیخ سے زیادہ انص نہیں دیکھا۔ سفیان نے ایک مرتبہ سعد سے سوال کیا کہ تم نے حدیثوں میں سب سے زیادہ متقن کس کو دیکھا؟ انہوں نے کہا عمرو بن دینار اور قاسم بن عبد الرحمن کو یا ابن عقبہ اور عمرو بن حریر انہیں ثقہ ثبت صدوق اور کثیر الحدیث کہتے تھے۔

روایت بالمعنی :

روایت میں احتیاط کے باوجود احادیث کے الفاظ کی پابندی ضروری نہیں سمجھتے تھے اور بالمعنی حدیثیں روایت کرتے تھے۔

۱۔ تذکرۃ الحفاظ۔ جلد اول۔ ص ۱۰۰	۲۔ ایضاً	۳۔ تہذیب الاسماء۔ جلد اول۔ ق ۲۔ ص ۲۷
۴۔ ابن سعد۔ جلد ۵۔ ص ۲۵	۵۔ تہذیب التہذیب۔ جلد ۸۔ ص ۲۹	۶۔ ابن سعد۔ جلد ۵۔ ص ۲۵۲
۷۔ تہذیب التہذیب۔ جلد ۸۔ ص ۳۰		

محدثین کا مرجوعہ :

حدیث میں ان کے وسعت علم کی بناء پر ان کی ذات شائقین حدیث کا مرجع بن گئی تھی۔ لوگ دوسروں سے پوچھ پوچھ کر ان کی مرویات لکھتے تھے۔ سفیان کا بیان ہے کہ ایوب مجھ سے پوچھا کرتے تھے کہ عمرو بن دینار نے فلاں شخص سے کون سی حدیث بیان کی ہیں۔ میں ان کو بتا کر پوچھتا کیا آپ لکھنا چاہتے ہیں۔ وہ کہتے، ہاں۔

تلامذہ : ان کے فیض عام نے ان کے تلامذہ کا دائرہ خاصہ وسیع کر دیا تھا۔ اکابر علماء میں جعفر صادق ابوقنادہ، مسعر، ابن ابی نجیح، حماد اور سفیان وغیرہ کے نام لائق ذکر ہیں۔ ان کے علاوہ عام تلامذہ کا دائرہ نہایت وسیع تھا۔

فقہ : فقہ میں بھی ان کو بڑی دستگاہ حاصل تھی۔ تفریع و استنباط مسائل میں انہیں درجہ امامت و اجتہاد حاصل تھا۔ امام نووی لکھتے ہیں کہ وہ اصحاب مذاہب کے مجتہدوں میں تھے۔ مرکز علم مکہ کے ممتاز مفتی تھے۔ بعض علماء انہیں طاؤس، عطاء اور مجاہد جیسے اکابر علماء پر بھی ترجیح دیتے تھے۔ چنانچہ ابن ابی دینار ان کو تینوں سے بڑا فقیہ مانتے تھے۔ ابن عیینہ کہتے تھے کہ ہم لوگوں کے نزدیک عمرو بن دینار سب سے بڑا فقیہ، ان سے بڑا عالم اور حافظ حدیث کوئی نہ تھا۔

احتیاط : احتیاط کی بنا پر حدیث اور فقہی مسائل کی کتابت پسند نہ کرتے تھے۔ فرماتے تھے کہ لوگ ہم سے سوالات کرتے ہیں۔ ہم انہیں بتاتے ہیں تو وہ اس کو لکھ کر پتھر پر نقش بنا لیتے ہیں۔ ممکن ہے کل کو ہم ان سے رجوع کر لیں، (اس وقت وہ غلط نقوش باقی رہ جائیں گے)۔ ایک مرتبہ کسی نے آپ سے پوچھا کہ سفیان آپ سے جو کچھ سنتے ہیں، اس کو لکھ لیتے ہیں۔ یہ سن کر آپ رونے لگے، اور کہا جو شخص مجھ سے لکھتا ہے، وہ مجھ پر بڑی زیادتی کرتا ہے۔

ایک مرتبہ کسی نے آپ سے کسی چیز کے متعلق کچھ پوچھا۔ آپ نے کوئی جواب نہ دیا۔ سائل نے کہا، اس کے بارے میں میرے دل میں بعض شکوک ہیں۔ اس لئے جواب مرحمت ہو۔ آپ نے کہا خدا کی قسم تمہارے دل میں ابوقیس (پہاڑ) کے برابر شک ہونا مجھے اس کے مقابلہ میں زیادہ پسند ہے کہ میرے دل میں بال برابر بھی شک ہو۔ (یعنی اس کے جواب میں)

۱۔ ابن سعد۔ جلد ۵۔ ص ۳۵۳ ۲۔ تہذیب۔ جلد ۸۔ ص ۳۰ ۳۔ تہذیب الاسماء۔ جلد ۱۔ ص ۲۷
۴۔ ایضاً۔ جلد ۱۔ ق ۱۔ ص ۲۷ ۵۔ تذکرۃ الحفاظ۔ جلد ۱۔ ص ۱۰۰ ۶۔ ابن سعد۔ جلد ۵۔ ص ۳۵۳
۷۔ ابن سعد۔ جلد ۵۔ ص ۳۵۳

عبادت و ریاضت :

بڑے عبادت گزار تھے۔ رات کا بیشتر حصہ عبادت میں گزارتا تھا۔ ایک تہائی شب سوتے تھے۔ ایک تہائی حدیثیں پڑھتے تھے اور تہائی نماز میں بسر ہوتی تھی۔

جماعت کا اہتمام :

جماعت کی پابندی میں اتنا اہتمام تھا کہ عالم پیری میں بھی جب چلنے پھرنے کی طاقت نہ رہ گئی تھی، مسجد ہی میں جوان کے گھر سے کافی فاصلہ پر تھی نماز پڑھتے تھے۔ سفیان کا بیان ہے کہ عمرو نے کسی زمانہ میں مسجد کا آنا نہیں چھوڑا۔

پیری کے زمانہ میں بھی جب وہ اٹھا کر سواری پر بٹھائے جاتے تھے، میں نے ان کو ہمیشہ مسجد جانے کے انتظار ہی میں بیٹھا ہوا پایا ہے۔ صغریٰ میں انہیں اٹھا کر سواری پر بٹھانے کے قابل نہ تھا لیکن پھر چند دنوں کے بعد ہو گیا تھا۔ ان کا گھر مسجد سے دور تھا۔

مذہبی خدمات کا معاوضہ نہ لیتے تھے :

مذہبی خدمات پر معاوضہ لینا اچھا نہ سمجھتے تھے، اور انہیں حبیۃ للہ انجام دیتے تھے۔ ابن ہشام نے آپ سے خواہش کی کہ میں آپ کا وظیفہ مقرر کئے دیتا ہوں۔ آپ اطمینان کے ساتھ بیٹھ کر افتاء کی خدمت انجام دیتے تھے۔ آپ نے منظور نہ کیا۔ اور یوں ہی بلا معاوضہ جس طرح انجام دیتے چلے آ رہے تھے، انجام دیتے رہے۔

وفات : ۱۶ھ میں وفات پائی۔

(۴۹) عکرمہ مولیٰ ابن عباسؓ

نام و نسب : عکرمہ نسلاً بربری اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے نامور غلام ہیں۔ ابتداء میں حصین بن الحمر العتیری کی غلامی میں تھے۔ انہوں نے ان کو ابن عباسؓ کو دے دیا تھا۔ عکرمہ اس وقت بہت کم سن تھے، اس لئے ابن عباسؓ ہی کے دامن تربیت میں ان کی پرورش ہوئی۔ ان کی تعلیم و تربیت کے اثر سے وہ اس درجہ کو پہنچ گئے کہ ان کی شخصیت بڑے بڑے آزاد علماء کے لئے باعث رشک بن گئی۔

تعلیم : عکرمہ میں تحصیل کی استعداد اور اس کا ذوق و شوق فطری تھا۔ وہ ہر شے سے سبق لیتے تھے۔ ان کا بیان ہے کہ جب میں بازار جاتا تھا اور کوئی بات سنتا تھا تو اس سے میرے لئے علم کے پچاسوں دروازے کھل جاتے تھے^۱۔

اس مناسبت طبع کے ساتھ ان کو ابن عباسؓ جیسا حرم اور شفیق آقا مل گیا، جس نے بڑی محنت سے ان کو تعلیم دی^۲۔ عکرمہ کو علم کی اتنی پیاس تھی کہ وہ ناعمر اس سے سیر نہ ہوئے۔ مسلسل چالیس برس تک تعلیم حاصل کرتے رہے^۳۔

فضل و کمال : ان کے ذاتی ذوق و شوق اور ابن عباسؓ کی توجہ نے ان کو علم کا دریا بنا دیا۔ علامہ ابن سعد لکھتے ہیں کہ وہ (علم) سمندروں میں سے ایک سمندر تھے^۴۔ حافظ ذہبی ان کو حرم العالم کے لقب سے یاد کرتے ہیں^۵۔ ان کے زمانہ میں غلاموں میں کیا بڑے بڑے شرفاء اور نجباء میں بھی کوئی ان کا ہمسرنہ تھا۔ تفسیر، حدیث، فقہ، جملہ علوم میں انہیں درجہ امامت حاصل تھا۔

تفسیر : حضرت عبداللہ بن عباسؓ تفسیر کے اتنے بڑے عالم تھے کہ کم صحابہ اس فن میں ان کا مقابلہ کر سکتے تھے۔ انہوں نے بڑی توجہ اور کوشش سے عکرمہ کو تفسیر پڑھائی تھی^۶۔ اور اپنا سارا علم ان کے سینہ میں منتقل کر دیا تھا ابن عباسؓ کے تلامذہ میں تفسیر میں کوئی ان کا ہم سر نہ تھا۔ عباسؓ بن مصعب مروزی کا بیان ہے کہ ابن عباسؓ کے تلامذہ میں عکرمہ سب سے بڑے عالم تھے۔ قتادہ کہتے تھے کہ علم التابعین چار ہیں۔ عطاء سعید بن جبیر اور عکرمہ اور ان چاروں میں عکرمہ تفسیر کے سب سے بڑے عالم ہیں۔ امام شعبی کہتے تھے کہ عکرمہ سے زیادہ کتاب اللہ کا جاننے والا اب باقی نہیں ہے۔ جب تک عکرمہ بصرہ میں رہتے تھے، اس وقت تک حسن بصری تفسیر نہیں بیان کرتے تھے^۷۔

ابن عباسؓ کی زندگی میں عکرمہ بڑے مفسر ہو گئے تھے۔ ابن عباسؓ ”کبھی کبھی ان کا امتحان لیتے تھے اور ان کے عالمانہ جواب سن کر اظہار خوشنودی کرتے تھے ایک مرتبہ انہوں نے یہ آیت :

”لَمْ تَعْظُون قَوْمَ اللَّهِ مَهْلِكُهُمْ أَوْ مُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا شَدِيدًا“

”تم ایسے لوگوں کو کیوں نصیحت کرتے ہو، جن کو اللہ ہلاک کرنے والا یا سخت عذاب دینے والا ہے۔“

۱۔ ابن سعد۔ جلد ۵۔ ص ۲۱۲ ۲۔ ابن خلکان۔ جلد اول۔ ص ۳۱۹ (ابن سعد حوالہ مذکور)

۳۔ تذکرۃ الحفاظ۔ جلد ۱۔ ص ۸۳ ۴۔ ابن سعد۔ جلد ۵۔ ص ۲۱۶ ۵۔ تذکرۃ الحفاظ۔ جلد ۱۔ ص ۸۳

۶۔ ابن سعد۔ جلد ۵۔ ص ۲۱۲ ۷۔ تہذیب التہذیب۔ جلد ۷۔ ص ۲۶۵ ۸۔ ایضاً۔ ص ۲۶۶

پڑھ کر فرمایا کہ اس آیت میں جن لوگوں کی طرف اشارہ ہے معلوم نہیں انہوں نے نجات پائی یا ہلاک ہو گئے۔ عکرمہ نے نہایت وضاحت اور تشریح سے ثابت کر دیا کہ نجات پائی ابن عباس نے خوش ہو کر ان کو ایک حلبہ بتایا۔

تفسیر کا درس : مجاہد اور ابن جبیر جیسے فضلاء ان سے تفسیر میں استفادہ کرتے تھے۔ یہ دونوں ان سے سوالات کرتے تھے، عکرمہ ان کا جواب دیتے تھے۔ ان کے سوالات ختم ہونے کے بعد پھر اپنی جانب سے بہت سی آیات کی شان نزول بتاتے^۱۔ ان کے فیض سے مجاہد امام تفسیر بن گئے تھے۔

حدیث : ان کا خاص فن حدیث تھا۔ اس کے وہ بحر بیکر ان تھے۔ حدیث میں انہوں نے زیادہ تر ابن عباس سے فیض پایا تھا۔ ان کے علاوہ صحابہ میں حضرت علیؓ، ابو ہریرہؓ، ابن عمرؓ، عمرو بن العاصؓ، ابوسعید خدریؓ، عقبہ بن عامرؓ، حجاج بن عمرو بن غزیہ، معاویہ بن ابی سفیان، صفوان بن اُمیہؓ، یعلیٰ بن اُمیہؓ، جابرؓ، ابو قتادہؓ، اُم المؤمنین عائشہ صدیقہؓ اور حمزہ بنت محض وغیرہ سے استفادہ کیا تھا^۲۔

حدیث میں ان کی^۳ علم کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے، کہ ابن عباسؓ کی مرویات جن کی تعداد ہزاروں تک پہنچی ہے زیادہ تر انہی سے مروی ہیں۔ علامہ ابن سعد ان کو کثیر الحدیث لکھتے ہیں^۴۔ شہر بن حوشب کہتے تھے کہ ہر قوم کا ایک حرم ہوتا ہے، اس امت کا حرم ابن عباسؓ کا غلام ہے۔

طالبان حدیث کا مرجوعہ : ان کی ذات مرجع خلاق تھی۔ طالبان حدیث دور دور سے ان سے استفادہ کے لئے آتے تھے۔ جدھر سے وہ گزر جاتے تھے، شایقین کا ٹھٹھ لگ جاتا تھا۔ ایوب کا بیان ہے کہ میں نے یہ ارادہ کیا تھا کہ عکرمہ دنیا کے جس حصہ میں بھی ہوں گئے ان سے جا کر ملوں گا۔ اتفاق سے ایک دن بصرہ کے بازار میں مل گئے۔ ان کے گرد آدمیوں کا ہجوم جمع ہو گیا۔ میں قریب گیا لیکن ہجوم کی کثرت سے کچھ پوچھ نہ سکا۔ یہ دیکھ کر میں ان کی سواری کے پہلو میں کھڑا ہو گیا۔ لوگ ان سے جو کچھ پوچھتے تھے اور وہ جو جوابات دیتے تھے، میں ان کو یاد کرتا جاتا تھا^۵۔ ایوب کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ عکرمہ ہمارے یہاں آئے، ان کے پاس لوگوں کا اتنا ہجوم ہو گیا کہ انہیں مجبور ہو کر چھت پر چڑھ جانا پڑا^۶۔

عکرمہ پر جرح : ان بیانات کے ساتھ ساتھ رجال کی کتابوں میں عکرمہ کے بارہ میں ایسی تنقیدیں بھی ملتی ہیں، جن سے ان کی روایات کی صداقت بہت کچھ مشکوک ہو جاتی ہے۔ وہ تنقیدیں یہ ہیں :

۱ ابن سعد۔ جلد ۵۔ ص ۲۱۲۔ ۲ تہذیب التہذیب۔ جلد ۷۔ ص ۲۶۶۔ ۳ ایضاً۔ ۴ ابن سعد۔ جلد ۷۔ ص ۲۱۲۔ ۵ ایضاً۔

۶ ایضاً۔ ۷ تہذیب التہذیب۔ جلد ۷۔ ص ۲۶۵۔ ۸ ابن سعد۔ جلد ۵۔ ص ۲۱۳۔ ۹ ایضاً۔

۱۔ ابوالاسود دؤیلی کہتے ہیں کہ عکرمہ میں فہم و انائی کم تھی۔ جب ان سے کوئی حدیث پوچھی جاتی جس کو انہوں نے دواؤ دمیوں سے سنا ہوتا تو وہ اس کو کبھی ایک کی طرف منسوب کر دیتے کبھی دوسرے کی طرف، لیکن یہ تنقید آپ اپنی تردید کرتی ہے۔ جب انہوں نے ایک روایت دو راویوں سے سنی تو انہیں اختیار ہے، جس کی جانب چاہیں منسوب کریں۔ اس سے ان کی فہم پر کس طرح حرف آ سکتا ہے۔

۲۔ ابو خلف الخرار۔ مکی البرکاء سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے ابن عمرؓ سے سنا تھا، وہ اپنے غلام نافع سے کہتے تھے، نافع خدا سے ڈرو اور مجھ پر اس طرح بہتان نہ باندھو، جس طرح عکرمہ ابن عباسؓ پر باندھتے تھے۔

۳۔ جریر بن عبد الحمید، یزید بن ابی زیاد سے روایت کرتے ہیں کہ ابن عباسؓ کے صاحبزادے عکرمہ کو ابن عباسؓ پر جھوٹ باندھنے کے جرم میں سزا دیے تھے۔

۴۔ ہشام بن سعد، عطاء خراسانی سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے سعید بن مسیب سے کہا کہ عکرمہ کا گمان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حالت احرام میں میمونہؓ کے ساتھ شادی کی۔ انہوں نے جواب دیا کہ انہوں نے جھوٹ کہا۔

۵۔ فطر بن خلیفہ کا بیان ہے کہ میں نے عطاء سے کہا کہ عکرمہ کہتے ہیں کہ موزوں پر مسح کو قرآن کے احکام نے باطل اور منسوخ کر دیا ہے۔ عطاء نے کہا انہوں نے جھوٹ کہا۔ میں نے ابن عباسؓ سے سنا ہے، وہ کہتے تھے کہ خفین پر مسح کرو۔ اگرچہ تم بیت الحلاء سے نکلو۔

۶۔ اسرائیل، عبد الکریم جرزی سے روایت کرتے ہیں کہ عکرمہ زمین کے لگان کو مکروہ سمجھتے تھے، انہوں نے سعید بن جبیر سے اس کا تذکرہ کیا، انہوں نے کہا عکرمہ نے جھوٹ کہا۔

۷۔ وہیب بن خالد، یحییٰ بن سعید انصاری سے روایت کرتے ہیں کہ وہ انہیں جھوٹ کہتے تھے۔ ابراہیم بن منذر معن بن عیسیٰ سے روایت ہے کرتے ہیں کہ امام مالک، عکرمہ کو ثقہ نہیں سمجھتے تھے اور ان سے روایت کی ممانعت کرتے تھے، اور اس قبیل کے بعض بیانات ہیں۔^۱

ان بیانات کی حیثیت : لیکن ان میں سے کوئی روایت بھی لائق اعتماد نہیں، اس لئے کہ اولاً تو اس کی سندیں مسلسل نہیں ہیں، دوسرے ان کے راوی لائق اعتماد نہیں۔

ابوالاسود دؤیلی میں شیعیت تھی۔^۲ اگرچہ شیعہ ہونا بے اعتمادی کی دلیل نہیں۔ لیکن جیسا کہ آگے چل کر معلوم ہوگا خارجیوں کے بعض خیالات عکرمہ کی جانب منسوب تھے، ایسی صورت میں ان کے

۱۔ یہ تمام روایتیں تہذیب المعجزہ ص ۱۱۰۔ جلد ۷ تذکرہ عکرمہ میں ہیں۔ ۲۔ تہذیب المعجزہ ص ۱۱۰۔ جلد ۱۲ ص ۱۱۰۔

بارے میں ایک شیعہ کا بیان لائق اعتبار نہیں رہ جاتا۔

دوسری روایت میں یحییٰ البکار باتفاق ارباب فن لائق اعتماد نہیں^۲۔ تیسری روایت کا ایک راوی یزید شیعہ ہے۔ اس کے علاوہ اس نے خود عکرمہ سے روایت کی ہے^۳۔ ایسی صورت میں اس کا بیان خود اس کے عمل کے خلاف ہو جاتا ہے، پھر پہلا راوی جریر بن عبد المجید بھی کچھ زیادہ لائق اعتبار نہیں^۴۔ چوتھی روایت میں ہشام بن سعد کی روایات پایہ اعتبار سے ساقط ہیں۔ محتاط محدثین ان سے روایت نہیں لیتے تھے^۵۔

پانچویں روایت میں فطر بن خلیفہ بعض لوگوں کے نزدیک قابل اعتبار نہیں ہے۔ چھٹی روایت کا راوی اسرائیل بالکل مجہول ہے، پھر اس میں جس بناء پر عکرمہ کی تکذیب کی گئی ہے۔ اس کی حیثیت یہ ہے کہ گوبروایت صحیحہ عہد رسالت میں لگان لیا جاتا تھا، لیکن بعض صحابہ کولاعلمی یا غلط فہمی کی بناء پر اس کے جواز میں شک تھا،

چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کو اگرچہ اس کا ذاتی علم تھا کہ عہد رسالت میں برابر لگان لیا جاتا تھا، لیکن بعض صحابہ کولاعلمی یا غلط فہمی کی بناء پر اس کے جواز میں شک تھا، اس لئے ابن عمرؓ نے بھی اس خیال سے لگان لینا ترک کر دیا تھا کہ ممکن ہے انہوں نے آنحضرت ﷺ کی ممانعت نہ سنی ہو^۶۔ ایسی حالت میں عکرمہ کا خیال بالکل بے بنیاد نہیں تھا۔ ساتویں روایت میں خالدہ عفاء میں ہے^۷۔ آٹھویں روایت میں ابراہیم بن منذر کی روایت متکلم فیہ ہیں^۸۔

غرض روایتی حیثیت سے یہ تمام بیانات اعتبار کے قابل نہیں ہیں۔ پھر ان بیانات کے خلاف اتنی روایتیں ہیں کہ ان کے ہوتے ہوئے عکرمہ پر حرف نہ کھنا قیاس ہی میں نہیں آسکتا مثلاً :

علماء اور محدثین کا اتفاق :

اسحق بن عیسیٰ الطباع کا بیان ہے کہ میں نے مالک بن انسؒ سے پوچھا کہ آپ کو ابن عمرؓ کے اس قول کا علم ہے کہ ”مجھ پر اس طرح کا جھوٹ نہ باندھو جس طرح عکرمہ ابن عباسؓ پر جھوٹ باندھتے ہیں“۔ مالک نے کہا نہیں، مجھے اس کا علم نہیں۔ البتہ سعید بن مسیب اپنے غلام برد سے ایسا کہتے تھے۔ اس میں شک نہیں کہ سعید بن جبیر دوسروں کی زبانی سنی ہوئی عکرمہ کی بعض روایات میں شبہ ظاہر کرتے تھے، لیکن جب ان کو خود ان کی زبان سے سن لیتے تھے تو ان کا شبہ دور ہو جاتا تھا۔

۱۔ تہذیب احمدیہ۔ جلد ۱۱۔ ص ۲۷۹ ۲۔ ایضاً۔ ص ۳۲۹ ۳۔ ایضاً۔ جلد ۲۔ ص ۱۷۶ ۴۔ ایضاً۔ جلد ۷۔ ص ۲۱۳
۵۔ ایضاً۔ جلد ۸۔ ص ۳۰۲ ۶۔ بخاری۔ جلد ۱۔ ص ۲۱۵ ۷۔ تہذیب احمدیہ۔ جلد ۱۱۔ ص ۱۷۶ ۸۔ ایضاً۔ جلد ۱۔ ص ۲۱۷

ابو اسحق کا بیان ہے کہ میں نے ایک مرتبہ ابن جبیر کو یہ کہتے ہوئے سنا، کہ تم لوگ عکرمہ سے ایسی حدیثیں روایت کرتے ہو کہ اگر میں ان کے پاس ہوتا تو شاید ان کو وہ نہ بیان کرتے۔ اتفاق سے اس کے بعد ہی عکرمہ آگئے اور انہوں نے وہی حدیثیں بیان کیں۔ تمام حاضرین خاموشی کے ساتھ سنا۔ سعید بھی کچھ نہ بولے۔ جب عکرمہ اٹھ گئے تو لوگوں نے ابن جبیر سے پوچھا۔ ابو عبد اللہ یہ کیا اب آپ کیوں خاموش رہے؟ انہوں نے کہا عکرمہ نے صحیح بیان کیں۔ تمام محدثین ان کی صداقت اور ان کے کمالات علمی کے معترف تھے۔ اور ان کی روایات قبول کرتے تھے۔ چنانچہ عطاء اور سعید دونوں ان کی حدیثیں بلا تکلف قبول کرتے تھے۔

حبیب "کا بیان ہے ایک مرتبہ عکرمہ اور عطاء سعید کے یہاں گئے اور ان کو حدیثیں سنائیں۔ جب وہ حدیث بیان کر کے اٹھ گئے تو میں نے دونوں سے پوچھا کہ عکرمہ نے جو کچھ بیان کیا ہے، اس میں کسی چیز سے آپ کو انکار ہے؟ انہوں نے کہا نہیں۔ ابن جبیر جو خود بہت بڑے عالم تھے، عکرمہ کو اپنے سے بڑا عالم مانتے تھے۔ ابن جریج جو تبع تابعین میں نہایت بلند مرتبہ محدث تھے، عکرمہ کے اتنے معترف تھے کہ انہوں نے ایک مرتبہ یحییٰ بن ایوب مصری سے پوچھا کہ تم لوگوں نے عکرمہ سے کچھ لکھا؟ انہوں نے کہا نہیں۔ ابن جریج نے کہا تو تم نے دو تہائی علم ضائع کر دیا۔

حضرت قتادہ چار آدمیوں کو بڑا عالم مانتے تھے۔ ان میں ایک عکرمہ تھے۔ ابن سیرین نے ابن عباسؓ کی تمام روایتیں عکرمہ ہی کے واسطے سے لی ہیں۔ امام احمد بن حنبل ان کی روایات لائق احتجاج سمجھتے تھے۔ ابن معین ثقافت میں عکرمہ کو ابن جبیر کے برابر سمجھتے تھے۔ ان سے اتنی عقیدت تھی کہ ان کے متعلق کسی قسم کا سؤ ظن روانہ نہ کرتے تھے بلکہ کہا کرتے تھے کہ جب میں کسی شخص کو عکرمہ اور حماد بن سلمہ کے بارے میں عیب چینی کرتے ہوئے سنتا ہوں تو مجھے اس کے اسلام میں شک ہو جاتا ہے۔

علامہ ابن مائنی کا بیان ہے کہ ابن عباسؓ کے غلاموں میں عکرمہ سے زیادہ وسیع العلم دوسرا نہ تھا۔ عکرمہ اہل علم میں تھے۔ امام بخاری کہتے تھے کہ ہمارے تمام اصحاب عکرمہ سے احتجاج کرتے ہیں۔ امام نسائی انہیں ثقہ کہتے ہیں۔ ابن ابی حاتم کا بیان ہے کہ میں نے اپنے والد سے سوال کیا کہ عکرمہ کیسے ہیں؟ انہوں نے جواب دیا ثقہ ہیں۔ میں نے پوچھا ان کی احادیث لائق احتجاج ہیں؟ انہوں نے فرمایا، ہاں! جب وہ ثقات سے روایت کریں۔

یحییٰ بن سعید اور امام مالک نے ان کی روایت کا نہیں بلکہ ان کی رائے کا انکار کیا ہے۔ ان سے پوچھا گیا، ابن عباسؓ کے اور غلاموں کا کیا حال ہے بخرمایا عکرمہ ان سب میں بلند مرتبہ ہیں۔ اس موقع پر ان کی کوئی حدیث بیان کرنے کی ضرورت نہیں۔ ثقات ان سے جو روایت کرتے ہیں وہ سب روایات صحیح اور درست ہیں۔ ائمہ حدیث نے ان کی روایت سے منع نہیں کیا اور اصحاب صحاح نے ان کی روایات کو صحاح میں داخل کیا ہے۔ ان کی شخصیت اس سے بلند ہے کہ میں ان کی احادیث کو ثبوت میں پیش کروں۔

ابن مندہ کا بیان ہے کہ اکابر تابعین کی بڑی تعداد اور تبع تابعین نے عکرمہ کی تعدیل کی ہے۔ ان سے احادیث روایت کی ہیں۔ ان کی منفرد روایتوں سے صفات سنن اور احکام میں احتجاج کیا ہے۔ ان سے تین سو (۳۰۰) سے زیادہ اشخاص نے روایتیں کی ہیں۔ جن میں سے ستر سے زیادہ بڑے اور خیار تابعین ہیں۔ یہ وہ مرتبہ ہے جو کسی تابعی کو حاصل نہیں۔ جن ائمہ نے ان پر جرح کی ہے وہ بھی ان کی احادیث قبول کرنے سے بے نیاز نہ رہ سکے۔ ان کی احادیث حسن قبول کے ساتھ لی جاتی ہیں۔ ابتداء یعنی تابعین کے دور سے لے کر آئمہ اربعہ یعنی بخاری، مسلم، ابوداؤد اور نسائی کے زمانہ تک آئمہ نے ان کی صحیح روایات لے کر ثابت و تقیم اور صحیح روایات میں امتیاز قائم کیا ہے اور ان کی روایات سے قرناً بعد قرن اور اماما بعد امام احتجاج ہوتا چلا آیا ہے اور چاروں آئمہ نے ان کی روایات لی ہیں اور ان سے احتجاج کیا ہے امام مسلم ان کے متعلق اچھی رائے نہ رکھتے تھے۔ اس کے باوجود انہوں نے ان کی روایتیں لی ہیں اور جرح کے بعد تعدیل کی ہے۔

ابو عبد اللہ محمد بن نصر المروزی کا بیان ہے کہ عکرمہ احادیث سے احتجاج پر تمام علمائے حدیث کا اجماع ہے۔ ہمارے زمانہ کے تمام ممتاز محدثین، احمد بن حنبل، ابن راہویہ، یحییٰ ابن معین اور ابو ثور وغیرہ کا اس پر اتفاق ہے۔ میں نے ابن راہویہ سے ان کی روایت سے احتجاج کے بارے میں پوچھا، انہوں نے میرے سوال پر متعجب ہو کر کہا، ”عکرمہ ہمارے نزدیک ساری دنیا کے امام ہیں۔“ بعض لوگوں نے یحییٰ بن معین سے یہی سوال کیا تو انہوں نے بھی اس سوال پر تعجب کا اظہار کیا۔

جابر بن زید کہتے ہیں کہ عکرمہ علم الناس ہیں، جو شخص ذرا بھی شیم علم کا راتھ شناس ہے، اس کو یزید بن ابی زیاد اس باب میں قائل احتجاج نہیں ہیں اور ایک مجروح کے قول سے ایک عدل

مجموع نہیں ہو سکتا۔ عکرمہ وہ شخص ہیں، جن کے سرچشمہ علم سے اہل علم نے ساری دنیا میں حدیث اور فقہ پھیلائی ہے۔ مجھان میں سوائے تھوڑی سی طرفت کے اور کسی برائی کا علم نہیں۔

غرض چند غیر مستند بیانات کے علاوہ جن کی حیثیت اوپر ظاہر کی جا چکی ہے، تمام علماء و محدثین کا عکرمہ کی جلالت شان اور ان کی صداقت پر اتفاق ہے۔ ان کی صداقت کی ناقابل انکار شہادت یہ ہے کہ خود حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے جن کے دامن میں عکرمہ نے تعلیم فرمائی کہا، مجھ سے جو روایت کریں اسے سچ سمجھو۔ ان تمام اقوال و اسناد کے بعد عکرمہ کی علمی عظمت میں کسی شک و شبہ کی گنجائش باقی نہیں رہ جاتی۔

تلامذہ : ان بیانات کے علاوہ ان کے علمی مرتبہ کا اندازہ ان لاتعداد طالبان حدیث سے ہو سکتا ہے، جنہوں نے ان سے سماع حدیث کیا تھا اور اس میں بہت سے آئمہ تھے۔ ان کی فہرست نہایت طویل ہے بعض ممتاز اور لائق ذکر نام یہ ہیں :

ابراہیم نخعی، جابر بن زید امام شعبی، ابو اہلق سبعمی، ابوالزبیر، قتادہ، سماک بن حرب، عاصم الاحول، حصین بن عبد الرحمن، ایوب خالد الخداء، داؤد بن ابی ہند، عاصم بن بہدلہ، عبد الکریم الجزری، حمید الطویل، موسیٰ بن عقبہ، عمرو بن دینار، عطاء بن سائب، یحییٰ بن سعید انصاری، یزید بن ابی حبیب، ابوالفتح شیبانی، ہشام بن حسان یحییٰ بن کثیر، حکم بن عیینہ، خسیف الجزری، اور داؤد بن الحسین وغیرہ۔^۱

فقہ : عکرمہ کا اصل فن حدیث تھا، لیکن فقہ میں بھی وہ امتیازی درجہ رکھتے تھے۔ ابن حبان لکھتے ہیں کہ عکرمہ اپنے زمانہ کے فقہ اور قرآن کے بڑے علماء میں تھے۔^۲ ان کے تفقہ کی بڑی سند یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے اپنی زندگی ہی میں ان کو افتاء کا مجاز بنا دیا تھا۔

ان کا خود بیان ہے کہ ابن عباسؓ نے مجھ سے فتویٰ دینے کو کہا، میں نے دو مرتبہ معذرت کی کہ اگر اس زمانہ کے لوگ صالحین کی طرح ہوتے تو مجھے تامل نہ ہوتا۔ یہ عذر سننے کے بعد بھی انہوں نے اصرار کیا کہ جو شخص تم سے ضروری مسائل پوچھا کرے اس کو بتا دیا کرو اور جو غیر ضروری سوالات کرے اس کا جواب نہ دیا کرو۔ اس طریقہ عمل سے تم بار بار تباہی بوجھ پا کا ہو جائے گا۔ ان کا فقہی کمال اتنا مسلم تھا کہ جب وہ بصرہ جاتے اور جتنے دنوں رہتے، اتنے دنوں تک حسن بصرہ فتویٰ دیتے تھے۔ ان کے

انتقال کے وقت خلق خدا کی زبان پر تھا کہ آج افقہ الناس دنیا سے اٹھ گیا۔

ان کے معاصرین مسائل میں ان کی طرف رجوع کرتے تھے۔ عمرو بن دنیار کا بیان ہے کہ جابر بن زید نے مجھ سے چند مسائل عکرمہ سے پوچھنے کے لئے کہا اور ہدایت کی کہ ابن عباسؓ کا یہ غلام دریا ہے، اس سے پوچھا کرو۔

مغازی : حدیث وفقہ کے علاوہ تاریخ میں بھی آپ کو درک تھا۔ مغازی کے ممتاز عالم تھے۔ اس پر اتنا عبور تھا کہ مغازی بیان کرتے وقت اپنی قوت گویائی سے میدان جنگ کا سماں باندھ دیتے تھے۔ ابن عیینہ کا بیان ہے کہ عکرمہ جب مغازی بیان کرتے تھے تو سننے والے کو معلوم ہوتا کہ وہ مجاہدوں کے سامنے موجود ہیں اور ان کو دیکھ رہے ہیں۔

وفات : باختلاف روایت ۱۰۶ھ یا ۱۰۷ھ میں وفات پائی۔ حافظ ذہبی کے نزدیک ۱۰۷ھ میں مدینہ میں انتقال ہوا۔ ایک روایت قیروان (افریقہ) میں بھی ملتی ہے، لیکن یہ لائق اعتماد نہیں۔ بعض شکوک کا ازالہ :

بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ عکرمہ کا رجحان خارجی فرقہ صفریہ اور اباضیہ کی طرف تھا اور نجدہ خارجی کے ساتھ ان کے تعلقات و مراسم تھے۔ وہ ان کے پاس چھ مہینہ تک رہے بھی تھے۔ مغرب کے خارجیوں نے ان سے علمی استفادہ کیا تھا، لیکن ان بیانات کی صداقت بڑی حد تک مشکوک ہے۔

ابن سعد میں جو سب سے قدیم ماخذ ہے، صرف اس قدر ملتا ہے۔ یعنی گمان کیا جاتا ہے کہ خارجیوں کی رائے رکھتے تھے۔ اس بیان کی جو حیثیت ہے وہ ظن اور گمان کے الفاظ سے ظاہر ہوتی ہے۔ بعض لوگ سرے سے اس بیان ہی کے منکر ہیں۔ چنانچہ عجلی کہتے ہیں کہ وہ مکی تابعی اور ثقہ ہیں اور خارجیت کی تہمت سے جو لوگ ان پر لگاتے ہیں بری ہیں۔

ان بیانات کے علاوہ قرآن بھی اس کے خلاف ہیں۔ ان کی نشوونما حضرت عبداللہ ابن عباسؓ کے دامن میں ہوتی تھی، جو خارجیوں کے دشمن تھے۔ ان کا پہلا آقا حصین بن الحر العنبری بھی محبت اہل بیت تھا۔ ایسی حالت میں خارجیت کی طرف ان کے میلان کا کم امکان ہے۔ اس کے مقابلہ میں اگر شیعیت کی طرف ان کا رجحان بیان کیا جاتا تو زیادہ قرین قیاس ہو سکتا تھا۔

۱۔ ابن سعد۔ جلد ۵۔ ص ۲۱۶ ۲۔ ایضاً۔ ص ۲۱۳ ۳۔ تہذیب المعجم۔ جلد ۷۔ ص ۲۶۶

۴۔ تذکرۃ الحفاظ۔ جلد ۱۔ ص ۱۸۳ ۵۔ تہذیب المعجم۔ جلد ۷۔ ص ۲۷۰

مختلف بیانات کے پڑھنے سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ عکرمہ عام مسلمانوں کی طرح خوارج کے بارہ میں متشدد نہ تھے اور ان سے رسم و راہ رکھتے تھے اور چونکہ ان کا یہ طرز عمل عام مسلمانوں کے طریقہ کے خلاف تھا اور وہ اسے پسند کرتے تھے، اس لئے ان کی خارجیت کی شہرت ہو گئی۔ یہ بھی ممکن ہے کہ کسی خاص مسئلہ میں وہ خوارج کے ہم خیال رہے، اس لئے ان کو خارجی مشہور کر دیا گیا ہو ورنہ ان کو اس جماعت سے کوئی تعلق نہ تھا۔

سیر و سیاحت : عکرمہ کو سیر و سیاحت کا بڑا شوق تھا۔ وہ ہمیشہ سیر و سیاحت میں مصروف رہتے تھے۔ مشرق میں ان کی سیاحت کا دائرہ سمرقند تک اور مغرب میں مصر و افریقہ تک وسیع تھا۔

(۵۰) علی بن حسینؑ

نام و نسب : علی نام ہے، ابو الحسن کنیت۔ ذین العابدین لقب۔ حضرت امام حسینؑ کے فرزند اصغر اور ریاض بنوت کے گل تر تھے۔ کربلا کے میدان میں اہل بیت نبویؐ کا چمن اجڑنے کے بعد یہی ایک پھول باقی رہ گیا تھا جس سے دنیا میں شمیم سیادت پھیلی اور حسینؑ کا نام باقی رہا۔

داد ہالی شجرہ آفتاب سے زیادہ روشن اور ماہتاب سے زیادہ منور ہے۔ نہیالی شجرہ بہت مختلف فیہ ہے۔ مشہور عام روایت یہ کہ آپ ایران کے آخری تاجدار یزدگرد کے نواسے تھے۔

اس کی تفصیل یہ بیان کی جاتی ہے کہ جب حضرت عمر فاروقؓ کے عہد خلافت میں یزدگرد کو شکست ہوئی تو اور قیدیوں کے ساتھ اس کی تین لڑکیاں بھی گرفتار ہوئیں۔ حضرت عمر فاروقؓ نے دوسرے قیدیوں کی طرح انہیں بھی بیچنے کا حکم دیا۔ لیکن حضرت علیؑ نے اختلاف کیا کہ شاہزادیوں کے ساتھ عام لڑکیوں کا سا سلوک نہ کرنا چاہئے اور یہ تجویز پیش کی کہ ان کی قیمت لگوائی جائے۔ جو قیمت لگے گی، جو شخص لے گا اسے اتنی قیمت ادا کرنا ہوگی۔

چنانچہ قیمت لگوا کر تینوں لڑکیوں کو خود خرید لیا اور ایک حضرت ابو بکر صدیقؓ کے صاحبزادے محمد کو دیدی، دوسری حضرت عمر فاروقؓ کے فرزند حضرت عبداللہ کو عطا فرمائی اور تیسری اپنے صاحبزادے حضرت حسینؑ کو۔ ان تینوں کے بطن سے حضرت قاسم بن محمد، حضرت سالم بن عبداللہ اور حضرت علی بن حسینؑ پیدا ہوئے۔

قدیم مورخ ابن قتیبہ المتوفی ۲۷۶ھ نے معارف میں لکھا ہے^۱ کہ زین العابدین کی ماں سندھ کی تھیں اور ان کا نام سلافہ یا غزالہ تھا۔ ابن سعد نے غزالہ اختیار کیا ہے لیکن سلسلہ نسب نہیں دیا ہے اور نہ یزدگرد کے شاہی نسب کی طرف اشارہ کیا ہے۔ پہلی روایت مختلف حیثیتوں سے غیر معتبر ہے۔ علامہ شبلی نے الفاروق میں اس پر تفصیلی تنقید کی ہے۔ جس سے اس کی بے اعتباری واضح ہو جاتی ہے، مگر ان روایات سے اتنا بہر حال ظاہر ہوتا ہے کہ وہ کسی غیر قوم کی خاتون تھیں۔

ولادت : حضرت زین العابدین ۲۸۱ھ میں پیدا ہوئے^۲۔

واقعہ کربلا : اپنے جد امجد حضرت علیؑ کے عہد میں بچہ تھے۔ اس لئے اس عہد کا کوئی واقعہ لائق ذکر نہیں ہے۔ سن رشد کو پہنچنے کے بعد کربلا کا واقعہ پیش آیا۔ اس سفر میں آپ اپنے والد بزرگوار کے ساتھ تھے۔ مگر علالت کی وجہ سے شریک جنگ نہ ہو سکے۔ حضرت حسینؑ کی شہادت کے بعد شمر ذی الجوشن نے آپ کو قتل کر دینا چاہا، لیکن خود اس کے ایک ساتھی کے دل میں خدا نے رحم ڈال دیا۔ اس نے کہا، سبحان اللہ ہم اس نوخیز اور بیمار نو جوان کو جس نے جنگ میں بھی کوئی حصہ نہیں لیا قتل نہیں کر سکتے۔ عمرو بن سعد بھی پہنچ گئے۔ اس نے شامیوں کو روک دیا کہ اس بیمار اور عورتوں سے کوئی شخص تعرض نہ کرے^۳۔

قید : اہل بیتؑ کا ایک عقیدت مند شامی آپ پر مہربان ہو گیا تھا۔ اس نے آپ کو چھپا لیا۔ وہ آپ کی خدمت کرتا تھا۔ اس درجہ آپ کے ساتھ تعلق خاطر تھا کہ آپ کے پاس روتا ہوا آتا تھا اور روتا ہوا واپس جاتا تھا۔ اس کے اس شریفانہ برتاؤ سے آپ بہت متاثر ہوئے۔ لیکن شامیوں کی طرح دولت کے مقابلہ میں اس کی عقیدت بھی شقاوت سے بدل گئی۔ ابن زیاد نے آپ کی گرفتاری کے لئے اشرفی کا انعام مقرر کیا۔ اس کی طمع میں شامی نے آپ کو باندھ کر ابن زیاد کے آدمیوں کے حوالے کر دیا^۴۔

ابن زیاد سے مکالمہ :

گرفتاری کے بعد دوسرے حسینی قیدیوں کے ساتھ آپ بھی ابن زیاد کے سامنے پیش کئے گئے۔ اس نے پوچھا تمہارا نام کیا ہے؟ آپ نے فرمایا، علی۔ نام سن کر اس نے کہا، کیا خدا نے علی کو قتل نہیں کر دیا؟ آپ نے خاموش رہے۔ ابن زیاد نے کہا جواب کیوں نہیں دیتے؟ فرمایا، میرے دوسرے بھائی کا نام علی تھا۔ ان کو لوگوں نے قتل کر دیا۔ ابن زیاد بولا، لوگوں نے نہیں، بلکہ خدا نے قتل کیا۔ حضرت امامؑ خاموش رہے۔ ابن زیاد نے پھر پوچھا، آپ نے جواب میں یہ دو آیتیں تلاوت فرمائیں :

۱۔ معارف ابن قتیبہ۔ ص ۹۴

۲۔ ابن خلکان۔ جلد اول۔ ص ۳۲۱

۳۔ ابن سعد۔ جلد ۵۔ ص ۱۵۷

۴۔ ابن سعد۔ جلد ۵۔ ص ۱۵۷

”اللَّهُ يُتَوَفَّى الْأَنْفُسَ حِينَ مَوْتِهَا، وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ أَنْ تَمُوتَ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ“
(آل عمران - آیت ۱۵)

”اللہ ہی نفوس کو ان کی موت کے وقت وفات دیتا ہے اور کسی نفس کو بغیر خدا کے اذن کے مرنے کا اختیار نہیں ہے۔“

یہ جواب سن کر ابن زیاد نے کہا، تم بھی انہی لوگوں میں ہو، اور آپ کے قتل کا حکم دیدیا۔ حکم سن کر حضرت زین العابدینؑ نے فرمایا، ان عورتوں کو کس کے سپرد کرو گے۔ آپ کی پھوپھی حضرت زینبؓ یہ ظالمانہ حکم سن کر رڑپ گئیں اور حضرت زین العابدینؑ سے چمٹ گئیں اور ابن زیاد سے کہا اگر تو انہیں بھی قتل کرنے پر آمادہ ہے تو ان کے ساتھ مجھے بھی قتل کر دے۔ مگر حضرت امام زین العابدینؑ پر مطلق کوئی خوف و ہراس طاری نہ ہوا۔ آپ نے نہایت سکون و اطمینان کے ساتھ فرمایا کہ اگر مجھے قتل کرنا ہے تو کم از کم کسی آدمی کو ان عورتوں کے ساتھ کر دو، جو انہیں حفاظت کے ساتھ وطن پہنچا دے۔ ان کا یہ استقلال دیکھ کر ابن زیاد ان کا منہ تکتے لگا اور اس کے دل میں خدا نے رحم ڈال دیا۔ چنانچہ اس نے عورتوں کے ساتھ رہنے کے لئے آپ کو چھوڑ دیا۔

شام کا سفر اور یزید سے مکالمہ :

اس کے بعد ابن زیاد نے اہل بیت کرام رضی اللہ عنہم کو یزید کے پاس شام بھیجوا دیا۔ شام پہنچنے کے بعد یہ لوگ یزید کے سامنے پیش کئے گئے۔ اس نے حضرت امام حسینؑ کا سر مبارک دیکھ کر حضرت زین العابدینؑ سے کہا، علی! جو کچھ تم دیکھ رہے ہو یہ اس کا نتیجہ ہے کہ تمہارے باپ نے مجھ سے قطع رحم کیا۔ میرے حق میں غفلت کی اور حکومت میں جھگڑا کیا۔ امام ممدوح نے اس کے جواب میں یہ آیت پڑھی :

”مَا أَصَابَ مِنْ مُصِيبَةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي أَنْفُسِكُمْ إِلَّا فِي كِتَابٍ مِّنْ قَبْلِ أَنْ نَبْرَأَهَا“ -

”تم کو زمین اور اپنی جانوں میں جو مصیبتیں پہنچیں، ان کو پیدا کرنے سے پہلے ہم نے لکھ رکھا ہے۔“

یزید نے اپنے لڑکے خالد سے جو پاس بیٹھا تھا کہا تم اس کا جواب دو۔ مگر وہ جواب نہ دے سکا، تو یزید نے کہا تم یہ آیت پڑھو۔

”وَمَا أَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ أَيْدِيكُمْ وَيَعْفُوا عَنْ كَثِيرٍ“۔

”اور تم کو جو مصیبت بھی پہنچتی ہے وہ تمہارے ہی ہاتھوں کی کمائی ہوئی ہے اور اللہ تعالیٰ بہتوں سے معاف کر دیتا ہے۔“

اس مجلس میں ایک شامی نے کہا یہ قیدی ہمارے لئے حلال ہیں۔ حضرت علی بن حسینؑ نے فرمایا تو جھوٹ بکنا ہے۔ اگر تو مر بھی جائے تب بھی تیرے لئے یہ جائز نہیں، جب تک کہ تو ہمارے مذہب سے نکل نہ جائے، (یعنی اسلام پر قائم رہتے ہوئے کسی مسلمان کے لئے مسلمان قیدی عورت جائز نہیں ہے)۔ یزید نے شامی کو خاموش کر کے بٹھا دیا۔

اہل بیت کا معائنہ کرنے کے بعد یزید نے ان کو شامی حرم سرا میں ٹھہرا دیا۔ یہ سب عورتیں عزیز ہی تھیں۔ اس لئے تین دن تک یزید کے محل میں ماتم پیار ہا۔ جب تک یہ لوگ رہے یزید ان کے ساتھ نہایت شریفانہ سلوک کرتا رہا۔ زین العابدینؑ کو اپنے ساتھ دسترخوان پر کھلاتا تھا۔ مدینہ سے واپسی اور یزید کے وعدے :

چند دنوں تک قیام کے بعد جب اہل بیت کو کسی قدر سکون ہوا تو یزید نے زین العابدینؑ سے کہا اگر تم ہمارے ساتھ رہنا چاہو تو یہیں رہو۔ میں صلہ رحمی سے پیش آؤں گا اور تمہارا پورا حق ادا کروں گا اور اگر واپس جانا چاہو تو واپس جاسکتے ہو۔ میں تمہارے ساتھ سلوک کرتا رہوں گا۔ زین العابدینؑ نے واپس جانے کی خواہش کی۔

ان کی خواہش پر یزید نے سرکاری فوج کی نگرانی میں انہیں بحفاظت واپس کر دیا اور رخصت کرتے وقت زین العابدینؑ سے کہا ابن مرجانہ پر خدا کی لعنت ہو اگر میں ہوتا تو حسینؑ جو کہتے مان لیتا اور ان کی جان نہ جانے دیتا۔ خواہ اس میں میری اولاد ہی کیوں نہ کام آجاتی۔ بہر حال اب تو قضائے الہی پوری ہو چکی۔ آئندہ جب بھی تم کو کسی قسم کی ضرورت پیش آئے، مجھے فوراً لکھنا۔

مدینہ کا قیام اور عزلت گزینی :

اعزہ کی شہادت، گھر کی بربادی اور اپنی بے کسی پر زین العابدینؑ کا دل ایسا ٹوٹ گیا تھا کہ مدینہ آنے کے بعد انہوں نے عزلت نشینی اختیار کر لی اور آئندہ کسی تحریک میں حصہ نہ لیا، اور ہر قدم انگیز تحریک سے اپنا دامن بچاتے رہے۔ یزید نے بھی ہر موقع پر ان کا بڑا لحاظ رکھا۔

ابن زبیر کا ہنگامہ اور زین العابدینؑ کی کنارہ کشی :

حضرت امام حسینؑ کی شہادت کے بعد ہی عبداللہ بن زبیرؓ کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے۔ اہل حجاز نے ان کے ہاتھوں پر بیعت کر لی۔ مکہ اور مدینہ کے باشندوں نے اپنے یہاں سے اُموی عمال کو نکال دیا۔ یزید نے ان کی تنبیہ کے لئے مسلم بن عقبہ کو ایک لشکر جرار کے ساتھ روانہ کیا اور امیر عسکر کو ہدایت کردی کہ زین العابدینؑ کو کوئی گزند نہ پہنچنے پائے۔

اہل مدینہ مقابلہ پر آئے، لیکن شکست کھائی، ہزاروں آدمی مارے گئے اور یزیدی فوج کئی دن تک مدینہ الرسول کو لوٹتی رہی۔ اس جنگ میں زین العابدینؑ اور ان کے اعزہ نے کوئی حصہ نہیں لیا اور مدینہ چھوڑ کر عقیق چلے گئے۔

مدینہ کو ویران کرنے کے بعد مسلم عقیق گیا اور زین العابدینؑ کو پوچھا، معلوم ہوا موجود ہیں۔ زین العابدینؑ کو خبر ہوئی تو وہ خود اس سے ملنے آئے اور اپنے ساتھ اپنے چچا زاد بھائیوں ابو ہاشم، عبداللہ اور حسن بن محمد بن حنیفہ کو بھی لیتے آئے۔ مسلم بڑی عزت و تکریم کے ساتھ ان سے ملا۔ اپنے تخت پر بٹھایا اور مزاج پرسی کے بعد کہا کہ امیر المومنین نے مجھے آپ کے ساتھ حسن سلوک کی ہدایت فرمائی تھی۔

آپ نے فرمایا، خدا ان کو اس کا صلہ دے۔ مسلم نے دونوں لڑکوں کے متعلق پوچھا، زین العابدینؑ نے کہا میرے چچیرے بھائی ہیں۔ یہ سن کر مسلم نے ان سے ملنے پر بھی مسرت ظاہر کی۔ اس خوش آئند ملاقات کے بعد زین العابدینؑ واپس گئے۔

مختار کا خروج اور زین العابدینؑ کی علیحدگی :

اسی زمانہ میں ایک حوصلہ مند ملحد مختار بن ابی عبید ثقفی حصول حکومت کے لئے محبت اہل بیت کے نام پر خون حسین کے انتقام کی دعوت لے کر اٹھا۔ ہزاروں آدمی اس کے ساتھ ہو گئے۔ اس نے مقصد برآری کے لئے زین العابدینؑ کے پاس ایک گراں رقم نذر بھیج کر درخواست کی آپ ہمارے امام ہیں۔ ہم سے بیعت لے کر ہماری سرپرستی قبول فرمائیے۔ لیکن آپ اس کی حقیقت سے آگاہ تھے۔ اس لئے اس کی درخواست ٹھکرا دی اور مسجد نبوی میں جا کر اس کے فسق و فجور اور کفر و الحاد کا پردہ فاش کر کے فرمایا کہ اس نے محض لوگوں کو دھوکہ دینے کے لئے اہل بیت کو آڑ بنایا ہے۔ اس کے فریب میں نہ آنا چاہئے۔

۱۔ ابن سعد میں ”مصرف“ لیکن اور تمام تاریخوں میں مسلم نام ہے۔ ۲۔ اخبار الطوال۔ ص ۲۷۵-۲۷۶ و ابن سعد۔

ان سے مایوس ہو کر مختار نے محمد بن حنیفہ کی طرف رجوع کیا۔ یہ اس کے دام میں آ گئے۔ زین العابدینؑ نے انہیں بھی روکا، اور ان سے کہا کہ اہل بیت کی محبت میں اس کا مظاہر اس کے باطن سے مختلف ہے۔ وہ محض محبانِ اہل بیت کا مائل کرنے کے لئے محبت کا جھوٹا دعویٰ کرتا ہے، حقیقت میں اس کو اہل بیت کی دوستی سے کوئی تعلق نہیں، بلکہ وہ ان کا دشمن ہے۔ اس لئے میری طرح آپ کو بھی اس کا پردہ فاش کرنا چاہئے۔

ابن حنیفہ نے ابن عباسؓ سے اس کا تذکرہ کیا۔ لیکن حضرت حسینؑ کی دردناک شہادت سے تمام محبانِ اہل بیت خصوصاً اہل ہاشم کے دل زخمی ہو رہے تھے۔ اس لئے ابن عباسؓ نے بھی مختار کی حمایت کی اور ابن حنیفہ کو زین العابدینؑ کا کہنا ماننے سے روکا۔

اس کے بعد بنی اُمیہ اور ابن زبیرؓ کے ساتھ مختار کی بڑی بڑی معرکہ آرائیاں ہوئیں، لیکن حضرت امام بالکل کنارہ کش رہے اور مختار کے قتل ہو جانے کے بعد بھی اس پر لعنت بھیجتے رہے۔ ابو جعفر کا بیان ہے کہ علی بن حسینؑ باب کعبہ پر کھڑے ہو کر مختار پر لعنت بھیجتے تھے۔ ایک شخص نے کہا کہ خدا مجھے آپ پر فدا کرے۔ آپ ایسے شخص پر لعنت بھیجتے ہیں، جو آپ کے خاندان کی محبت میں مارا گیا۔ فرمایا، وہ کذاب تھا اور خدا اور رسول پر بہتان باندھتا تھا۔

ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی اس عزت نشینی اور کنارہ کشی کے باوجود ابتداء میں عبد الملک کو آپ کی جانب سے دعویٰ خلافت کا خطرہ تھا۔ چنانچہ آپ کو مدینہ سے شام بھر بلوایا تھا۔ لیکن پھر امام زہریؒ نے آپ کی جانب سے صفائی پیش کی اور کہا، زین العابدینؑ کی جانب سے آپ کی بدگمانی غلط ہے۔ انہیں دن رات اپنی ذات اور خدا کی عبادت سے کام ہے۔ وہ کسی جھگڑے میں نہ پڑیں گے۔ زہریؒ کی اس سفارش پر اس نے رہا کر دیا۔

لیکن غالباً یہ بالکل ابتداء کا واقعہ ہے۔ بعد میں دونوں کے تعلقات نہایت خوشگوار ہو گئے۔ مروان اور عبد الملک دونوں کو بہت مانتے تھے۔ امام زہریؒ کا بیان ہے کہ زین العابدینؑ اپنے خاندان میں سب سے زیادہ سلامت مددگار مطیع تھے۔ مروان اور عبد الملک تمام اہل بیت ان کو سب سے زیادہ مانتے تھے۔

وفات : ۵۴ھ مدینہ الرسول میں وفات پائی اور جنت البقیع میں اپنے بابا حسنؑ اور حضرت عباسؓ کے درخہ میں دفن کئے گئے۔

فضل و کمال : آپ جس خانوادہ علم کے چشم و چراغ تھے، وہ علوم دینی کا سرچشمہ تھا۔ آپ کے امجد علم و عمل کے مجمع البحرین تھے۔ اس لئے علم آپ کے گھر کی دولت تھی۔ لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ واقعہ کر بلانے ایسا افسردہ خاطر اور دنیا کی ہر شے سے دل ایسا اچاٹ کر دیا تھا کہ علم و فن کی کتاب بھی آپ نے تہہ کر دی تھی۔ اس لئے آپ کے علمی کمالات ظاہر نہ ہو سکے۔ لیکن آپ کا علمی پایہ مسلم تھا۔ امام زہریؒ کہتے تھے کہ میں نے مدینہ میں ان سے افضل کسی کو نہیں پایا^۱۔ امام نوویؒ لکھتے ہیں کہ ہر شے میں ان کی جلالت و عظمت پر سب کا اتفاق ہے^۲۔

حدیث : اگرچہ آپ کا شمار حفاظ حدیث میں نہیں ہوتا۔ تاہم حفظ حدیث میں امتیازی درجہ رکھتے تھے۔ علامہ ابن سعد لکھتے ہیں : ”کان ثقة مامونا کثیر الحلیث عالیہ فیہا“^۳۔

حدیث میں اپنے والد بزرگوار حضرت حسینؒ، اپنے بابا حسنؒ، اپنے چچیرے دادا ابن عباسؒ۔ اپنی دادی عائشہؓ، ام سلمہؓ اور صفیہؓ اور اپنے خاندانی غلام ابورافعؓ (مولی رسول اللہ ﷺ) ان کے لڑکے عبید اللہ، حضرت عائشہؓ کے غلام ذکوانؓ اور دوسرے بزرگوں میں مسور بن مخرمہ اور سعید بن مسیب سے استفادہ کیا تھا^۴۔

روایت میں آپ کے والد اور جد امجد کا سلسلہ الذہب سمجھا جاتا ہے۔ ابو بکر شیبہ کا بیان ہے کہ زہری کی وہ روایات جو علی بن حسینؒ ان کے والد اور ان کے دادا کے سلسلہ سے مروی ہیں۔ اصح الاسانید ہیں^۵۔

تلامذہ : خود آپ سے فیض اٹھانے والوں کا دائرہ بھی خاصہ وسیع تھا۔ آپ کے صاحبزادوں میں محمد، زید، عبد اللہ، اور عمر عام رواۃ میں ابو سلمہ بن عبد الرحمن، طاؤس بن کيسان، امام زہری، ابوالثرناد، عاصم بن عمر بن قتادہ، عاصم بن عبد اللہ، قعقاع بن حکیم، زید بن اسلم، حکم بن عقبہ، حبیب بن ابی ثابت، ابوالاسود محمد بن عبد الرحمن۔ مسلم البطين، یحییٰ بن سعید انصاری، ہشام بن عروہ، علی بن زید جدعان وغیرہ لائق ذکر ہیں^۶۔

فقہ : فقہ میں آپ کا پایہ نہایت بلند تھا۔ امام زہریؒ کہتے تھے کہ میں نے علی بن حسینؒ سے زیادہ کسی کو فقہ نہیں دیکھا^۷۔ آپ کے فقہی کمال کی بڑی سند یہ ہے کہ مدینہ کے مشہور سات فقہاء کے بعد آپ ہی کا نمبر تھا^۸۔

۱۔ تہذیب الاسماء نووی۔ جلد ۱۔ ص ۳۳۳ ۲۔ ایضاً ۳۔ ابن سعد۔ جلد ۵۔ ص ۱۶۴ ۴۔ تہذیب التہذیب۔ جلد ۷۔ ص ۳۰۴

۵۔ ایضاً۔ ص ۳۰۵ ۶۔ ایضاً۔ ص ۳۰۵ ۷۔ تذکرۃ الحفاظ۔ جلد ۱۔ ص ۶۵ ۸۔ اعلام الموقعین۔ جلد ۱۔ ص ۲۶

حکیمانہ اقوال : آپ کے اقوال آپ کے علمی کمالات کا آئینہ اور پند و مواعظت کے سبق ہیں۔ فرماتے تھے، مجھے اس مغرور اور فخر کرنے والے پر تعجب آتا ہے جو کل ایک حقیر نطفہ تھا اور کل مردار ہو جائے گا اور اس شخص پر حیرت ہوتی ہے، جو خدا کی ہستی میں شک کرتا ہے۔ حالانکہ خود اس کی پیدائش اس کے سامنے ہے اور اس شخص پر تعجب آتا ہے جو قیامت کے دن دوبارہ پیدائش کا انکار کرتا ہے۔ جبکہ پہلی تخلیق اس کے سامنے ہے، اور اس شخص پر تعجب آتا ہے، جو ایک فانی مقام کے لئے عمل کرتا ہے اور دار بقا کو چھوڑ دیتا ہے۔ احباب کا کھودینا مسافرت ہے۔ خدایا میں تجھ سے اس امر کی پناہ مانگتا ہوں کہ تو لوگوں کی نگاہ میں میرے ظاہر کو تو اچھا دکھا، لیکن میری اندرونی حالت کو خراب کر دے۔ خدایا میں نے جب کوئی بُرائی کی تو تو نے میرے ساتھ بھلائی کی۔ آئندہ جب میں ایسا کروں تو تو بھی ایسا ہی کر۔

کچھ لوگ خوف سے خدا کی عبادت کرتے ہیں۔ یہ غلاموں کی عبادت ہے۔ کچھ (جنت کی) طمع میں عبادت کرتے ہیں۔ یہ تاجروں کی عبادت ہے۔ کچھ خالص شکر الہی میں عبادت کرتے ہیں۔ یہی آزادوں کی عبادت ہے۔

آپ کے صاحبزادے محمد روایت کرتے ہیں کہ میرے والد نے مجھے وصیت کی تھی پانچ آدمیوں کے ساتھ کبھی نہ رہنا۔ میں نے عرض کیا کون سے؟ فرمایا، فاسق کے ساتھ، وہ تم کو ایک لقمہ بلکہ اس سے بھی کم میں بیچ دے گا۔ میں نے پوچھا، اس سے کم کیا چیز کیا ہو سکتی ہے؟ فرمایا، ایک لقمہ کی طمع کی جائے اور وہ بھی نہ ملے۔ میں نے پوچھا دوسرا کون؟ فرمایا، بخیل۔ وہ اس چیز کو جس کی تم کو زیادہ ضرورت ہوگی، تم سے علیحدہ کر دے گا۔ میں نے پوچھا، تیسرا کون؟ فرمایا، کذاب۔ وہ سراب کی طرح تم کو قریب سے دور اور دور سے قریب کر دے گا۔ میں نے عرض کیا چوتھا کون؟ فرمایا، احمق۔ وہ فائدہ پہنچانا چاہے گا، مگر اُلٹے نقصان پہنچائے گا۔ میں نے کہا، پانچواں کون؟ فرمایا قاطع رحم۔ میں نے اس کو کتاب اللہ میں تین مقام پر ملعون پایا۔

فرماتے ہیں، وہ شخص کس طرح تمہارا دوست ہو سکتا ہے کہ جب تم اس کی تھیلی سے اپنی ضرورت لے لینا چاہو تو اس کو خوشی نہ ہو۔

فضائل و اخلاق :

آپ کی ذات گرامی فضائل اخلاق کی ایسی نورانی شمع تھی جس سے دوسرے مستفیض ہوتے تھے۔ آپ خلقِ نبوی ﷺ کے مجسم تصویر تھے۔ خاندانِ نبی ہاشم میں آپ سے افضل کوئی نہ تھا۔

خشیت الہی :

آپ کا دل خشیت سے لرز رہتا تھا، اور اکثر وہ اس خوف سے بیہوش ہو جاتے تھے۔ ابن عیینہ کا بیان ہے کہ علی بن حسینؑ حج کو گئے۔ احرام باندھنے کے بعد جب سواری پر بیٹھے تو مارے خوف کے ان کا رنگ زرد پڑ گیا اور ایسا لرزہ طاری ہوا کہ زبان سے لبیک تک نہ نکل سکا۔ لوگوں نے کہا آپ لبیک کیوں نہیں کہتے؟ فرمایا: ”معلوم ہوتا ہے کہ ایسا نہ ہو کہ ادھر سے جواب ملے ”لا لبیک“ تیری حاضری قبول نہیں۔

لوگوں نے کہا، مگر لبیک کہنا تو ضروری ہے۔ لوگوں کے اصرار سے کہا، مگر جیسے ہی زبان سے لبیک نکلا، بے ہوش ہو کر سواری سے گر پڑے۔ اسی طرح جب زور سے ہوا چلتی تھی اور آندھی آتی تھی تو عذاب الہی کے خوف سے بے ہوش ہو جاتے تھے۔

عبادت و ریاضت :

آپ کی رگوں میں ان بزرگوں کا خون تھا، جن کی عبادت زیر شمشیر جفا بھی نہ چھوٹی۔ اس لئے آپ بھی زہد و عبادت کا پیکر تھے۔ سعید بن مسیب جو خود بڑے عابد و زاہد بزرگ تھے۔ فرماتے تھے کہ علی بن حسینؑ سے زیادہ ورع میری نظر سے نہیں گزرا۔ عبادت آپ کی زندگی کی مشغلہ تھی۔ اوقات کا بیشتر حصہ عبادت میں گزرتا تھا۔ شبانہ یوم میں ایک ہزار رکعتیں پڑھتے تھے اور آخر دم تک اس معمول میں فرق نہ آیا۔ اس عبادت کی وجہ سے زین العابدین لقب ہو گیا تھا۔ قیام لیل و حضر کسی حالت میں مانع نہ ہوتا تھا۔

اخلاص فی العبادت کا یہ حال تھا کہ حضوری کے وقت سارے بدن میں لرزہ طاری ہو جاتا تھا۔ عبد اللہ بن سلمان کا بیان ہے کہ جب وہ نماز کے لئے کھڑے ہوتے تھے تو سارے بدن میں لرزہ طاری ہو جاتا تھا۔ لوگوں نے پوچھا، آپ کو یہ کیا ہو جاتا ہے؟ فرمایا، تم لوگ کیا جانو میں کس کے حضور میں کھڑا ہوں اور کس سے سرگوشی کرتا ہوں؟

محویت کا یہ عالم تھا کہ نماز کی حالت میں کسی چیز کی خبر نہ ہوتی تھی۔ ایک مرتبہ سجدہ میں تھے کہ کہیں پاس ہی آگ لگ گئی۔ لوگوں نے آپ کو بھی پکارا، یا ابن رسول اللہ! یا ابن رسول اللہ! آگ لگی ہے۔ لیکن آپ نے سجدہ سے سر نہ اٹھایا، تا آنکہ آگ بجھ بھی گئی۔ لوگوں نے بعد میں پوچھا کہ آپ کو

۱۔ مختصر صفوة الصفوة۔ ص ۱۳۳ ۲۔ ابن سعد۔ جلد ۵۔ ص ۱۶۰ ۳۔ تذکرۃ الحفاظ۔ جلد ۱۔ ص ۶۵

۴۔ مختصر صفوة الصفوة۔ ص ۱۳۷ ۵۔ ابن سعد۔ جلد ۵۔ ص ۱۶۰

آگ کی جانب سے کس چیز نے اس قدر بے پرواہ کر دیا تھا۔ فرمایا دوسری آگ (آتش دوزخ) نے^۱۔
آپ اور سلیمان بن یسار روزانہ مسجد نبوی میں قبر نبوی اور منبر نبوی کے درمیان دن چڑھے
تک نماز حدیث میں مشغول رہتے تھے۔ اٹھتے وقت عبد اللہ بن ربیع سلمہ قرآن کی ایک سورۃ سناتے
تھے۔ قرآن سننے کے بعد دعا کرتے تھے^۲۔

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر :

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر میں اتنا ہتمام تھا کہ اس غفلت کو کتاب اللہ سے غفلت شمار کرتے
تھے۔ فرماتے تھے، کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا تارک کتاب اللہ کو پس پشت ڈالنے والے کی
طرح ہے۔ بشرطیکہ وہ اپنے بچاؤ کے لئے نہ چھوڑے۔ لوگوں نے بچاؤ کا مطلب پوچھا، فرمایا، جب
کسی ظالم اور سرکش کی زیادتی کا خوف ہو^۳۔

انفاق فی سبیل اللہ :

انفاق فی سبیل اللہ، فیاضی اور دریادلی آپ کا خاص وصف تھا۔ خدا کی راہ میں بے دریغ
صرف کرتے تھے۔ فقراء اور اہل حاجت کی دستگیری کے لئے ہمیشہ دست کرم دراز رہتا تھا۔ مدینہ کے
معلوم نہیں کتنے گھرانے آپ کی ذات سے پرورش پاتے تھے اور کسی کو خبر تک نہ ہونے پائی تھی۔ آپ کی
وفات کے بعد معلوم ہوا کہ خفیہ مستقل ہو گھرانوں کی کفالت کرتے تھے^۴۔

انفاء کے لئے بہ نفس نفیس خود راتوں کو جا کر ان کے گھروں پر صدقات پہنچاتے تھے۔ مدینہ
میں بہت سے لوگ ایسے تھے، جن کی معاش کا کوئی ظاہری وسیلہ نہ تھا۔ آپ کی وفات کے بعد معلوم ہوا
کہ آپ رات کی تاریکی میں خود جا کر ان کے گھروں پر دے آتے تھے^۵۔

غلہ کے بورے اپنی پیٹھ پر لاد کر غریبوں کے گھر پہنچاتے تھے۔ وفات کے بعد جب غسل دیا
جانے لگا تو جسم مبارک پر نیل کے داغ نظر آئے۔ معلوم ہوا آٹے کی بوریوں کے بوجھ کے داغ ہیں
جنہیں آپ راتوں کو لاد کر غرباء کے گھر پہنچاتے تھے^۱۔

آپ کی وفات کے بعد اہل مدینہ کہتے تھے کہ خفیہ خیرات زین العابدینؑ کے دم سے تھی۔
سائلین کا بڑا احترام کرتے تھے، جب کوئی سائل آتا تو میرے توشہ کو آخرت کی طرف لے جانے والے
مرحبا کہہ کر اس کا استقبال کرتے۔ سائل کو خود اٹھ کر دیتے اور فرماتے تھے صدقات سائل کے ہاتھ میں

۱۔ مختصر صفۃ الصوفیہ۔ ص ۱۳۳ ۲۔ ابن سعد۔ جلد ۵۔ ص ۱۶۰ ۳۔ ایضاً ۴۔ تہذیب الاسماء۔ جلد ۱۔ ص ۲۳۳

۵۔ مختصر صفۃ الصوفیہ۔ ص ۱۳۲ ۶۔ ایضاً

جانے سے پہلے خدا کے ہاتھ میں جاتے ہیں۔

عمر میں دوسرے اپنا کل مال و متاع آدھا آدھا خدا کی راہ میں دے دیا۔ پچاس پچاس دینار کی قیمت کا لباس صرف ایک موسم میں پہن کر فروخت کرتے اور اس کی قیمت خیرات کر دیتے تھے۔
اکل حلال : اکل حلال میں اتنا اہتمام تھا کہ رسول اللہ کی نسبت یا نام سے ایک درہم کا فائدہ اٹھانا بھی پسند نہ کرتے تھے۔

حلم و بردباری : تحمل اور بردباری میں اپنے بابا حضرت حسینؑ کے مشابہ تھے۔ زبان کے تیز سے تیز نشتروں کا بھی اثر نہ لیتے تھے۔ ناگوار اور تلخ سے تلخ باتیں سن کر پی جاتے تھے۔ آپ کے تحمل کا یہ اثر ہوتا تھا کہ جب مسجد سے اٹھ کر آنے لگتے تو گالی دینے والے روتے ہوئے آپ کے ساتھ ہو جاتے اور کہتے اب آئندہ آپ کبھی زبان سے ایسا کلمہ نہ سنیں گے جو آپ کو برا معلوم ہو۔

اکثر ایسا ہوتا کہ آپ بیہودہ بکنے والوں کی جانب متوجہ ہی نہ ہوتے۔ بعض گستاخ ایسے جری اور بے باک تھے کہ آپ کو جتلانے کے لئے کہتے کہ میں تم ہی کو کہہ رہا ہوں آپ اس کے جواب میں فرماتے ہیں۔ چشم پوشی کرتا ہوں۔

کبھی جواب بھی دیتے تو اس طرح کا کہ کہنے والا خود منفعل ہو جاتا۔ ایک مرتبہ آپ مسجد سے نکلے راستہ میں ایک شخص نے آپ پر گالیاں برسائی شروع کر دیں۔ آپ کے غلام اور خدام اس کی طرف لپکے، آپ نے روک دیا اور اس شخص سے فرمایا، میرے جو حالات تم سے مخفی ہیں وہ اس سے زیادہ ہیں جو تم کہہ رہے ہو۔ تمہاری کوئی ضرورت ہے جس میں تمہاری مدد کر سکتا ہوں۔ یہ جواب سن کر وہ شخص سخت شرمندہ ہوا۔ آپ نے اپنا کرتہ اتار کر اسے دے دیا اور ایک ہزار درہم سے زیادہ نقد عطا فرمائے اس شخص پر آپ کے اس حسن انتقام کا اتنا اثر ہوا کہ بے اختیار اس کی زبان سے نکل گیا، میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ رسول اللہ ﷺ کی اولاد سے ہیں۔

ایک مرتبہ ایک شخص نے آپ سے کہا کہ فلاں شخص آپ کو برا بھلا کہتا ہے۔ آپ اس کو لے کر اس شخص کے پاس پہنچے۔ یہ سمجھتا تھا کہ آپ نے اس کو مدد کے لئے ساتھ لیا ہے۔ برا کہنے والے شخص کے پاس پہنچ کر فرمایا، تم نے جو کچھ میرے بارہ میں کہا ہے، اگر وہ صحیح ہے تو خدا میری مغفرت فرمائے اور اگر جھوٹ ہے تو خدا تمہاری مغفرت فرمائے۔

عفو و درگزر : ان کینہ پروردشمنوں سے بھی جن سے آپ کو بڑی بڑی تکلیفیں پہنچی تھیں، موقع ملنے کے بعد انتقام نہ لیتے تھے۔ ہشام بن اسماعیل والی مدینہ آپ کو اور آپ کے اہل بیت کو سخت اذیت پہنچاتا تھا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ پر علانیہ سب و شتم کرتا تھا۔ ولید بن الملک نے اپنے زمانہ میں اسے معزول کر کے حکم دیا کہ مجمع عام میں اس کو کھڑا کیا جائے اور لوگ اس سے اپنا اپنا بدلہ لیں ہشام کا بیان ہے کہ مجھے سب سے زیادہ خطرہ علی بن حسین کی جانب سے تھا مگر انہوں نے اپنے لڑکوں اور حامیوں کو منع کر دیا کہ کوئی شخص مجھ سے تعرض نہ کرے آپ کے صاحبزادے عبد اللہ نے عرض کیا خدا کی قسم اس نے ہمارے ساتھ بہت برائیاں کی ہیں ہم کو تو ایسے وقت کا انتظار ہی تھا فرمایا ہم اس کو خدا کے سپرد کرتے ہیں آپ کے اس ارشاد کے بعد ان میں سے کسی نے اس کے متعلق ایک لفظ منہ سے نہ نکالا ہشام پر اس کا اتنا اثر ہوا کہ اس کو زین العابدین کے فضل کا اعتراف کرنا پڑا۔

نرمی و ملاطفت : فطرۃ بڑے نرم خوتھے۔ درشتی اور سختی کا نام تک نہ تھا۔ جانوروں تک کو مارتے اور جھڑکتے نہ تھے۔ ہشام بن عروہ کا بیان ہے کہ علیؑ سواری پر مکہ جا کر واپس آتے تھے اور اس سفر میں کبھی اپنی سواری کو نہ مارتے تھے۔

محبوبیت و جلالت :

اس تحمل، عفو و درگزر اور نرمی و ملاطفت کا یہ نتیجہ تھا کہ آپ کی محبت لوگوں کے دلوں میں اتنی جاگزیں ہو گئی تھی کہ جدھر نکل جاتے تھے آپ کو راستہ دینے کے لئے ہجوم چھٹ جاتا تھا۔ اس سلسلہ میں آپ اور ہشام بن عبد الملک کا ایک واقعہ لائق ذکر ہے۔

ہشام بن عبد الملک ایک دفعہ اپنی ولی عہدی کے زمانہ میں عمائد شام کے ساتھ حج کو گیا۔ طواف کرنے کے بعد حجر الاسود کو بوسہ دینے کے لئے بڑھا۔ مگر ہجوم اتنا تھا کہ کوشش کے باوجود نہ پہنچ سکا۔ مجبوراً رک گیا اور اڑھام کا تماشہ دیکھنے کے لئے پاس ہی اس کے لئے ایک کرسی بچھا دی گئی۔ ابھی وہ تماشہ دیکھ رہا تھا کہ اتنے میں امام زین العابدینؑ آگئے اور طواف کر کے حجر اسود کی طرف بڑھے۔ انہیں دیکھ کر خود بخود بھیڑ چھٹ گئی اور انہوں نے آسانی کے ساتھ حجر اسود کا بوسہ لیا۔

یہ منظر دیکھ کر ایک شامی نے ہشام سے پوچھا یہ کون شخص ہے۔ جس کی لوگوں کے دلوں میں اتنی ہیبت ہے؟ ہشام آپ کو پوری طرح پہچانتا تھا۔ مگر ان کی جانب سے شامیوں کی توجہ ہٹانے کے لئے کہا میں نہیں پہچانتا۔ فرزدق شاعر بھی موجود تھا۔ یہ تجاہل عارفانہ سن کر اس کی شراب عقیدت

جوش میں آگئی۔ اس نے کہا میں ان کو جانتا ہوں۔ شامی نے پوچھا کون ہیں؟ فرزدق نے اسی وقت زین العابدینؑ کی شان میں ایک ہزور مدحیہ قصیدہ پڑھا۔ جس کے بعض اشعار یہ ہیں :-

هذا الذي تعرف البطحاء وطاة	و البيت يعرفه والحل والحرم
هذا ابن خير عباد الله كلهم	هذا التقى النقى الطاهر العلم
اذا جاءته قريش قال ثلها	الى مكارم هذا ينتهى الكرم
وليس قولك من هذا بصائر	العرب تعرف من انكرت والعجم
ما قال لا قط الا في تشهده	لولا التشهد كانت لاءه نعم
يكا ديمسكم عرفان راحته	ركن الحطيم اذا اما جاء يستلم
مقدم بعد ذكر الله ذكرهم	فى كل امر ومخترم به الكلم
يفضى حياء ويفضى من مهابة	ولا يكلم الا حين يتبسم
هذا ابن فاطمة ان كنت جاهله	يجد انبياء الله قد ختموا

یہ قصیدہ سن کر ہشام فرزدق سے برہم ہو گیا اور اس کو قید کر دیا۔ امام زین العابدینؑ نے اس کے صلہ میں فرزدق کو بارہ ہزار درہم عطا فرمائے۔ اس نے یہ کہہ کر واپس کر دیئے کہ میں نے خدا اور رسول کی خوشنودی کے لئے مدح کی تھی، انعام کی طمع میں نہیں۔ امام زین العابدینؑ نے پھر اس کے پاس بھجوا دیئے اور کہلا بھیجا کہ ”ہم اہل بیت جب کسی کو کچھ دیتے ہیں تو پھر واپس نہیں لیتے، خدا تمہاری نیت سے واقف ہے۔ وہ اس کا اجر علیحدہ دے گا، خدا تمہاری سعی مشکور فرمائے۔“ اس پیام کے بعد تعمیل ارشاد میں فرزدق نے وہ درہم لے لئے۔

غرور سے نفرت : اس عظمت و جلالت کے باوجود بڑے متواضع اور منکسر تھے۔ غرور سے سخت نفرت کرتے تھے۔ فرماتے تھے، مجھے اس متکبر اور مغرور انسان پر تعجب آتا ہے جو کل ایک حقیر نطفہ اور کل پھر مُردار ہو جائے گا۔ آپ کی چال ایسی خاکسارانہ تھی کہ چلنے میں دونوں ہاتھ رانوں سے آگے نہ بڑھنے پاتے تھے۔

مساوات : غرور نسب کو مٹانے اور مساوات کی عملی مثال قائم کرنے کے لئے اپنی ایک لڑکی کی شادی اپنے ایک غلام سے کر دی تھی اور لونڈی کو آزاد کر کے اس کے ساتھ خود عقد کر لیا تھا۔ عبد الملک کو

۱۔ یہ واقعہ نہایت مشہور ہے اور بہت سی تاریخوں میں ہے۔ ۲۔ مختصر صفوة الصفوة۔ ص ۱۳۶ ۳۔ ایضاً

اس کی خبر ہوئی تو اس نے خط لکھ کر اس فعل پر ملامت کی۔ آپ نے جواب میں لکھا کہ رسول اللہ ﷺ کی ذات تمہارے لئے نمونہ ہے۔ آپ نے صفیہ بنت حبیبی کو (جو لونڈی تھیں) آزاد کر کے اپنے عقد میں لے لیا تھا اور اپنے غلام زید بن حارثہؓ کو آزاد کر کے ان سے اپنی پھوپھی زاد بہن زینب بنت جحش کی شادی کر دی تھی۔

محبت اہل بیت میں اعتدال کی ہدایت :

بعض مدعیان محبت اہل بیت شدت غلو میں اہل بیت کرام کو کہیں سے کہیں پہنچا دیتے ہیں۔ امام زین العابدینؑ اس قسم کی گمراہ کن اور غیر معتدل محبت کو سخت ناپسند فرماتے تھے اور انہیں اس سے روکتے تھے۔ فرماتے تھے، کہ ”تم لوگ ہمارے ساتھ اسلام کی بتائی ہوئی حد تک محبت کرو، خدا کی قسم لوگ ہمارے متعلق اتنا کچھ کہتے رہے کہ بہت سے لوگوں کی نظروں میں ہم کو منہخوس بنا دیا۔“ کبھی فرماتے، ہمارے ساتھ خدا کے لئے اسلام کی بتائی ہوئی محبت کیا کرو تمہاری محبت تو ہمارے لئے عار بن گئی۔

خلفائے ثلاثہ کے ساتھ حسن عقیدت :

اپنے حق پرست اسلاف کی طرح خلفائے ثلاثہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے ساتھ امام زین العابدینؑ بھی سچی عقیدت رکھتے تھے۔ ان کی بُرائی سنا پسند نہ فرماتے تھے اور بُرائی کرنے والوں کو اپنے یہاں سے نکال دیتے تھے۔ ایک مرتبہ چند عراقی آپ کے پاس آئے اور شاید اس غلط فہمی میں کہ آپ بھی ان کے گمراہ کن خیالات میں ان کے ہمنوا ہوں گے۔ آپ کے سامنے خلفائے ثلاثہ کے متعلق کچھ نازیبا باتیں کہیں۔ آپ نے کلام اللہ کی ان آیات کی طرف :

”للفقراء المهاجرين الذين اخرجوا من ديارهم واموالهم يبتغون فضلا من الله ورضوانا وينصرون الله ورسوله اولئك هم الصادقون“

”مال غنیمت میں ان محتاج مہاجرین کا بھی حق ہے جو اپنے وطن سے نکالے گئے اور اپنے مال سے محروم کئے گئے اور وہ خدا کے فضل اور اس کی رضامندی کے طالب ہیں اور اللہ اور اس کے رسول کی مدد کرتے ہیں یہی لوگ سچے ہیں۔“

جس میں مہاجرین کے فضائل بیان کئے گئے ہیں اشارہ فرما کر پوچھا کیا تم ان مہاجرین اولین میں سے ہو، جو اپنے وطن سے نکالے گئے اور اپنی جائیداد اور دولت سے محروم کئے گئے، اور خدا

کے فضل اور اس کی رضامندی کے متلاشی ہیں اور اس کی اور اس کے رسول کی مدد کرتے ہیں۔
عراقیوں نے کہا نہیں۔ پھر آپ نے اسی آیت کے دوسرے ٹکڑے کی طرف :

”وَالَّذِينَ تَبَوَّءُوا الدَّارَ وَالْإِيمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ يَحِبُّونَ مَنْ هَاجَرَ إِلَيْهِمْ وَلَا يَجِدُونَ فِي صُورِهِمْ حَاجَةً مِمَّا أُوتُوا وَيُؤْثِرُونَ عَلَىٰ أَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ وَمَنْ يُوقِ شَحْنُفَهِ فَاُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ“۔

”اور ان لوگوں کا بھی حق ہے جو ان کے (مہاجرین) پہلے سے مدینہ میں رہتے ہیں اور اسلام میں داخل ہو چکے ہیں اور جو ان کی طرف ہجرت کر کے آتا ہے، اس سے محبت کرتے ہیں اور (مال غنیمت) جو مہاجرین کو دیا جاتا ہے۔ اپنے دل میں اس کی خواہش نہیں پاتے، اور خواہ ان پر تنگی کیوں نہ ہو۔ (مہاجرین) کو اپنے اوپر مقدم رکھتے ہیں، جو اپنے نفس کو بخل سے بچائے گا وہی لوگ فلاح پائیں گے۔“

جوانصار کے فضائل میں ہے، اشارہ کر کے پوچھا کیا تم ان لوگوں میں ہو جو ان لوگوں (مہاجرین) کی ہجرت کے پہلے سے (مدینہ میں) گھر رکھتے ہیں اور ایمان لا چکے ہیں اور جو ان کے یہاں ہجرت کر کے جاتا ہے، اس سے محبت کرتے ہیں۔

عراقیوں نے کہا، ان میں سے بھی نہیں ہیں۔ فرمایا، تم کو خود اعتراف ہے کہ تم دونوں جماعتوں میں سے نہیں ہو۔ اب میں تم کو بتاتا ہوں کہ تم اس جماعت میں بھی نہیں ہو، جن کے متعلق خدا فرماتا ہے :

”يَقُولُونَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِأَخْوَانِنَا الَّذِينَ سَبَقُونَا بِالْإِيمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِي قُلُوبِنَا غِلًّا لِلَّذِينَ آمَنُوا رَبَّنَا إِنَّكَ رَؤُوفٌ رَحِيمٌ“۔

”اور وہ لوگ جو ان کے (مہاجرین) بعد آئے اور کہتے ہیں کہ ہمارے رب ہماری اور ہمارے ان بھائیوں کی جو ہم سب سے پہلے ایمان لا چکے ہیں، مغفرت فرما اور ہمارے دلوں میں ان لوگوں کے لئے جو ایمان لائے کینہ نہ رکھ۔ اے ہمارے رب تو رؤوف و رحیم ہے۔“

جب تم ان تینوں اسلامی جماعتوں میں سے کسی میں بھی نہیں ہو تو خدا تم کو غارت کرے، میرے یہاں سے نکل جاؤ۔ حضرت عثمان غنیؓ کے متعلق ارشاد فرماتے تھے کہ خدا کی قسم وہ ناحق شہید کئے گئے ہیں۔

حلیہ : صورت نہایت حسین و جمیل تھے۔ بدن سے خوشبو پھوٹی تھی^۱۔ شانوں تک زلفیں تھیں۔ مانگ نکلی رہتی تھی^۲۔ خضاب کبھی سیاہ اور کبھی سرخ دونوں استعمال کرتے تھے۔

لباس : نہایت خوش لباس تھے۔ خز کا جو ایک بیش قیمت کپڑا ہے جبہ اور اسی کی چادر استعمال کرتے تھے۔ ایک ایک چادر کی قیمت پچاس پچاس اشرفی تک ہوتی تھی اور محض ایک موسم میں استعمال کر کے اس کو بیچ کر قیمت خیرات کر دیتے تھے۔ سردیوں میں لومڑیوں کا سمورا استعمال کرتے تھے۔ رنگوں میں سپید، سرخ، زرد اور سیاہ ہر قسم کا رنگ پسند تھا۔ گول سر کی جوتی پہنتے تھے^۳۔

نفاست : مزاج میں بڑی لطافت و نفاست تھی۔ گندگی کو مطلق برداشت نہ کر سکتے تھے۔ بہت چیزوں کو محض دوسروں کی خاطر انگیز کرتے تھے۔

حضرت ابو جعفر کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ علی بن حسینؑ بیت الخلاء گئے۔ میں ہاتھ دھونے کے لئے پانی لئے ہوئے دروازے پر کھڑا تھا۔ بیت الخلاء سے نکلنے کے بعد فرمایا، میں نے بیت الخلاء میں ایسی شے دیکھی، جس نے مجھے شک میں ڈال دیا۔ میں نے پوچھا وہ کیا؟ فرمایا میں نے دیکھا کھیاں غلاظت پر بیٹھتی ہیں، پھر اڑ جاتی ہیں اور آدمی کی جلد پر بیٹھ جاتی ہیں۔ اس لئے میں نے ارادہ کیا ہے کہ بیت الخلاء جانے کے لئے ایک خاص لباس بناؤں۔ پھر سوچ کر فرمایا کہ جس چیز کو لوگوں کی استطاعت نہ ہو اسے مجھے بھی نہ کرنا چاہئے^۴۔

(۵۱) علی بن عبد اللہ بن عباسؑ

نام و نسب : علی نام ہے۔ ابو محمد کنیت، سجاد لقب۔ مشہور صحابی حضرت عبد اللہ بن عباسؑ کے سب سے چھوٹے صاحبزادے ہیں۔ نسب نامہ یہ ہے : علی بن عبد اللہ بن عباسؑ بن عبد المطلب قریشی ہاشمی۔ ماں کا نام زرعہ تھا۔ ننھیالی شجرہ یہ ہے : زرعہ بنت مشرح بن معد یکرب بن ولیعہ ابن شریل بن معاویہ بن شریل بن معاویہ بن حجر القرد بن الحارث الولادہ بن عمرو بن معاویہ بن الحارث بن معاویہ بن ثور بن مرتع بن ثور۔ علی دولت عباسیہ کے بانی سفاح کے دادا تھے۔

پیدائش : حضرت علیؑ کی شب شہادت کو رمضان ۳۰ھ میں پیدا ہوئے۔ اس لئے یادگار کے طور پر انہی کے نام پر علی نام اور ابو الحسن کنیت رکھی گئی۔ لیکن عبد الملک نے اپنے زمانہ میں کہا کہ

میں علی کا نام اور کنیت دونوں ایک ساتھ برداشت نہیں کر سکتا۔ ان میں سے ایک کو بدلو۔ اس لئے ابوالحسن چھوڑ کر ابو محمد کنیت اختیار کی۔^۱

فضل و کمال : علمی اعتبار سے کوئی قابل ذکر شخصیت نہ رکھتے تھے۔ درحقیقت ان کے عمل نے ان کے علم کو دبا دیا تھا۔ پھر بھی ابن عباس کے فرزند تھے۔ اس لئے علم کی دولت سے تہی دامن نہ تھے۔ احادیث نبوی کا ایک حصہ ان کے حافظہ میں محفوظ تھا۔ ابن سعد ان کو قلیل الحدیث تابعین لکھتے ہیں۔^۲

حدیث میں انہوں نے اپنے والد بزرگوار حضرت عبداللہ بن عباسؓ ابو سعید خدریؓ، ابو ہریرہؓ، عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ، عبداللہ بن جبیرؓ اور عبدالملک سے استفادہ کیا تھا اور ان کے صاحبزادے محمدؓ، عیسیٰؓ، عبدالصمدؓ، سلیمانؓ، داؤدؓ اور منہال بن عمروؓ سعدیہ اہم، امام زہریؓ، حبیب بن ابی ثابتؓ، آبان بن صالحؓ، عبداللہ بن طاؤسؓ اور منصور بن معتمرؓ وغیرہ ان کے خوشہ چینوں میں تھے۔^۳

زہد و عبادت : ان کا میدان عمل حجرہ عبادت تھا۔ اپنے عہد کے بڑے عابد و مرتاض بزرگ تھے۔ کثرت عبادت کی وجہ سے سجاد لقب پڑ گیا تھا۔ شبانہ یوم میں ایک ہزار رکعتیں پڑھتے تھے۔ عبادت کا یہ ذوق و انسہاک آخر لمحہ حیات تک قائم رہا۔ زبیر بن بکار کا بیان ہے کہ موت کے وقت تک ان کی عبادت و ریاضت میں فرق نہ آیا۔^۴

کبھی کبھی معمولی واقعات زندگی میں عظیم الشان انقلاب پیدا کر دیتے ہیں۔ علی کے ساتھ بھی اسی قسم کا واقعہ پیش آیا۔ ابتداء میں وہ کوئی عابد و زاہد نہ تھے۔ ابان بن عثمان کے لڑکے عبدالرحمن کی عبادت و ریاضت کو دیکھ کر ان کے دل پر نہایت گہرا اثر پڑا۔ انہوں نے کہا میں ان سے زیادہ رسول اللہ ﷺ کا قریب عزیز ہوں۔ اس لئے مجھے ان سے زیادہ عبادت کرنے کا حق ہے۔ چنانچہ اسی وقت سے ہمہ تن عبادت کرنے لگ گئے۔^۵

قریش میں عظمت و عزت :

ان کے مذہبی کمالات کی وجہ سے قریش میں ان کی بڑی عظمت تھی۔ جب وہ مکہ جاتے تو ان کے احترام میں سارا خاندان قریش ان پر ٹوٹ پڑتا تھا۔^۶

ولید سے اختلاف :

انہوں نے عبدالملک کی مطلقہ لباہ سے شادی کر لی تھی۔ اس لئے ولید ان کے سخت خلاف ہو گیا تھا۔ اس کی سزا میں اس نے ان کو کوڑے لگوا کر بقاء جلاوطن کر دیا تھا۔^۷

۱۔ ابن سعد۔ جلد ۵۔ ص ۱۲۲ ۲۔ ایضاً۔ ص ۱۳۹ ۳۔ تہذیب التہذیب۔ جلد ۷۔ ص ۲۵۷ ۴۔ ابن سعد۔ جلد ۵۔ ص ۱۲۹

۵۔ تہذیب الاسماء۔ جلد ۱۔ ص ۳۱۵ ۶۔ تہذیب التہذیب۔ جلد ۷۔ ص ۲۵۸ ۷۔ شذرات الذهب۔ جلد ۱۔ ص ۱۳۹

ہشام سے تعلقات : لیکن ہشام کے ساتھ ان کے تعلقات اچھے تھے اور وہ ان کا بڑا احترام کرتا تھا۔ ایک مرتبہ ان سے ملنے گئے تو ہشام نے اپنے ساتھ تخت شاہی پر بٹھایا اور تیس ہزار اشرفیاں نذر کیں۔

وفات : ابن سعد کی روایت کے مطابق ۱۱۷ھ یا ۱۱۸ھ میں وفات پائی۔ لیکن بعض روایات ۱۱۴ھ کی بھی ملتی ہیں۔

حلیہ : نہایت حسین و جمیل تھے۔ علامہ ابن سعد لکھتے ہیں کہ روئے زمین پر ایسا حسین و جمیل قریشی نہ تھا۔ قد نہایت بلند و بالا تھا۔

اولاد : علی کی بہت سی اولادیں تھیں۔ ۱۔ داؤد ۲۔ عیسیٰ ۳۔ محمد ۴۔ احمد ۵۔ بشر ۶۔ مبشر ۷۔ اسماعیل ۸۔ عبدالصمد ۹۔ عبداللہ الاکبر ۱۰۔ عبداللہ الاضر ۱۱۔ عبید اللہ ۱۲۔ عبدالملک ۱۳۔ عثمان ۱۴۔ سلیمان ۱۵۔ صالح ۱۶۔ عبدالرحمن ۱۷۔ عبداللہ ۱۸۔ یحییٰ ۱۹۔ اسحاق ۲۰۔ فاطمہ ۲۱۔ ام عیسیٰ کبریٰ ۲۲۔ ام عیسیٰ صغریٰ ۲۳۔ لبابہ ۲۴۔ بریہ کبریٰ ۲۵۔ بریہ صغریٰ ۲۶۔ میمونہ ۲۷۔ ام علی ۲۸۔ عالیہ اور ۲۹۔ ام حبیب۔ اس کثرت کے ساتھ علی کی اولاد پھلی پھوٹی بہت۔ عباسی خلفاء انہی کی نسل سے تھے۔

(۵۶) عمر بن عبدالعزیزؓ

نام و نسب : عمر نام ہے۔ ابو حفص کنیت۔ نسب نامہ یہ ہے : عمر بن عبدالعزیز بن مروان بن حکم بن العاص بن امیہ بن عبد شمس اموی۔ ماں کا نام ام عاصم تھا۔ یہ حضرت عمر فاروقؓ کے فرزند عاصم کی صاحبزادی تھیں۔

اس طرح عمر بن عبدالعزیز کی رگوں میں حضرت عمر فاروقؓ کا خون بھی شامل ہو گیا تھا۔ اسی کا یہ نتیجہ تھا کہ مروان جیسے بدنام شخص کی نسل سے عمر بن عبدالعزیز جیسا مجدد ملت پیدا ہوا، جو صدق میں ابوبکر صدیقؓ، عدل میں عمر فاروقؓ، حیا میں عثمان غنیؓ اور زہد میں علی مرتضیٰؓ کا مثل تھا جس نے اپنے مجددانہ کارناموں سے ملت اسلامیہ کی روح کو جو امویوں نے مردہ کر دی تھی، دوبارہ زندہ کر دیا۔

عمر کے والد عبدالعزیز مروان کے چھوٹے لڑکے تھے۔ مروان نے عبدالملک کے بعد انہیں ولی عہد نامزد کیا تھا۔ لیکن وہ عبدالملک کی زندگی ہی میں وفات پا گئے۔^۱

عبدالعزیز اپنے خاندانی اوصاف و کمالات کے پورے حاصل تھے، اور اپنے والد کی مہمات میں ان کے دست راست رہے۔ عبداللہ بن زبیرؓ کی وفات کے بعد مروان نے جب مصر پر قبضہ کرنے کے لئے فوج کشی کی تو عبدالعزیز کو ایلہ پر متعین کیا۔^۲

مصر پر قبضہ حاصل کرنے کے بعد مروان دو مہینہ یہاں مقیم رہا۔ دو مہینہ بعد عبدالعزیز کو یہاں کا گورنر بنا کر شام واپس ہوا۔^۳

مروان کے بعد عبدالملک نے بھی عبدالعزیز کو مصر کی حکومت پر برقرار رکھا اور انہوں نے یہاں کامل اکیس سال حکومت کرنے کے بعد ۸۶ھ میں انتقال کیا۔ تاریخ اسلام میں اتنی طویل مدت کم کسی والی کو نصیب ہوئی ہوگی۔

عبدالعزیز نے مصر اور حلوان میں اپنی حکومت کی بہت سی یادگاریں چھوڑی ہیں۔ ایک زرنگار منل تعمیر کرایا، حلوان میں متعدد محلات اور مسجدیں بنوائیں۔ مصر کی جامع مسجد منہدم کرا کے اس کو از سر نو تعمیر کرایا۔ خلیج مصر پر پل بنوائے، انگور اور خرے کے باغات لگوائے۔^۴

علماء اور ارباب کمال کا بڑا قدر دان تھا۔ قاضی عبدالرحمن بن حنبلہ خولانی کا ایک ہزار اشرفی سالانہ وظیفہ مقرر کیا۔^۵ شعراء کے ساتھ اتنی داد دہش کرتا تھا کہ بعض شعراء نے اس کے بعد شاعری چھوڑ دی۔ کثیر سے کسی نے پوچھا، اب شعر کیوں نہیں کہتے جواب دیا، عبدالعزیز کے بعد صلہ کی توقع کس سے کی جائے۔^۶

پیدائش : اس نامور شخص کے گھر میں پیدا ہوئے۔ ان کے سنہ پیدائش کے بارہ میں بیانات مختلف ہیں۔ بروایت صحیح یزید کے عہد میں مدینہ میں پیدا ہوئے۔^۷

تعلیم و تربیت :

عمر بن عبدالعزیز کا بچپن والد کے ساتھ مصر میں گذرا۔^۸ اور غالباً ابتدائی تعلیم وہیں حاصل کی۔ جب ہوش سنبھالا تو عبدالعزیز نے ان کو ملی تعلیم کے لئے مدینہ جو علم و علماء کا مرکز تھا، بھیج دیا۔ یہاں محدث صالح بن کیسان کی نگرانی میں ان کی تعلیم و تربیت ہوئی۔

۱۔ کتاب الواۃ کندی۔ ص ۵۳۔ ۵۸ ۲۔ ایضاً۔ ص ۲ ۳۔ ایضاً۔ ص ۳۷ ۴۔ کتاب الواۃ کندی۔ ص ۵۵

۵۔ ایضاً۔ جلد ۲۔ ص ۲۴۳ ۶۔ ایضاً۔ جلد ۱۔ ص ۱۸۸ ۷۔ تذکرۃ الحفاظ۔ جلد ۱۔ ص ۱۰۵ ۸۔ ایضاً

صالح بن کیسان اس اہتمام کے ساتھ ان کی مذہبی اور اخلاقی نگرانی کرتے تھے کہ ایک مرتبہ عمر بن عبدالعزیزؓ نے نماز میں دیر کر دی۔ صالح نے باز پرس کی۔ عمر بن عبدالعزیزؓ نے جواب دیا کہ بال سنوار نے میں دیر ہو گئی۔ صالح نے کہا، بالوں کی آرائش میں اتنا شغف ہو گیا ہے کہ اس کو نماز پر ترجیح دی جاتی ہے، اور عبدالعزیزؓ کو یہ واقعہ لکھ بھیجا۔ انہوں نے فوراً ایک آدمی روانہ کیا، جس نے پہلے عمر کے بال موٹھے۔ اس کے بعد کسی سے بات چیت کی۔^۱

اس اہتمام سے ان کی تعلیم و تربیت ہوئی۔ انہیں خود تحصیل علم کا ذوق تھا۔ ان کا بیان ہے کہ میں مدینہ کے عام لڑکوں کی طرح ایک لڑکا تھا۔ پھر عربی اور شعر کا شوق پیدا ہوا۔^۲ چنانچہ انہوں نے بڑے ذوق و شوق سے تحصیل علم کی۔

ان کی تعلیم کا یہ دور ابتدائی تھا۔ وہ دور جس نے ان کو امام وقت بنایا۔ مدینہ کی گورنری کا عہد تھا، جس میں اکابر علماء سے ان کی صحبتیں اور علمی بحث و مباحثے رہتے تھے۔ ان کا خود بیان ہے کہ جب مدینہ سے نکلا ہوں، اس وقت مجھ سے بڑا عالم کوئی نہ تھا۔^۳ ان کے علمی کمالات کے حالات آخر میں آئیں گے۔

شادی : ان کے والد کی وفات کے بعد ان کے چچا عبدالملک نے اپنی لڑکی فاطمہ کے ساتھ ان کی شادی کر دی۔^۴

خناصرہ کی حکومت :

عمر بن عبدالعزیزؓ درحقیقت مسند درس کے لئے زیادہ موزوں تھے۔ لیکن شاہی خاندان کی رکنیت نے ان کو ایوان حکومت میں پہنچا دیا۔ چنانچہ سب سے اول وہ خناصرہ کے والی مقرر ہوئے۔

مدینہ کی گورنری :

امیر عبدالملک کے بعد ولید نے ان کو مدینہ کا گورنر مقرر کیا۔ انہیں اس کے قبول کرنے میں تاہل ہوا۔ ولید نے حاجب سے پوچھا، عمر کیوں نہیں جاتے؟ اس نے کہا وہ کچھ شرائط کے ساتھ جانا چاہتے ہیں۔ ولید نے بلا کر پوچھا۔ انہوں نے کہا، مجھے پہلے والیوں کی طرح ظلم پر مجبور نہ کیا جائے۔ ولید نے منظور کر لیا، اور یہ کہ تم حق پر عمل کرنا، خواہ ایک درہم بھی خزانے میں داخل نہ ہو۔^۵

۱۔ سیرت عمر بن عبدالعزیز ابن جوزی۔ ص ۹ ۲۔ ایضاً ۳۔ تذکرۃ الحفاظ۔ جلد ۱۔ ص ۱۰۶

۴۔ سیرت عمر بن عبدالعزیز۔ ص ۳۲-۳۳

۵۔ تاریخ الخلفاء۔ ص ۲۳۰

اس شرط کے ساتھ وہ مدینہ روانہ ہوئے۔ اس وقت کے عمر بن عبد العزیز درویش ابن عبد العزیز نہ تھے، بلکہ شاہی خاندان کے رکن اور شان و شکوہ والے عمر بن عبد العزیز تھے۔ چنانچہ میں اونٹوں پر ان کا ذاتی ساز و سامان بار تھا۔
علمائے مدینہ سے مشورہ :

لیکن فطرت سلیم تھی۔ اس لئے مدینہ پہنچنے کے بعد یہاں کے دس بڑے فضلاء کو بلا کر ان کے سامنے ایک مختصر تقریر کی کہ ”میں نے آپ کو ایک ایسے کام کے لئے بلایا ہے، جس میں آپ کو ثواب ملے گا اور آپ حامی حق قرار پائیں گے۔ میں آپ لوگوں کے مشورہ کے بغیر کوئی فیصلہ کرنا نہیں چاہتا۔ اس لئے جب آپ لوگ کسی کو ظلم کرتے ہوئے دیکھیں یا آپ کو میرے کسی عامل کے ظلم کی اطلاع ہو تو آپ خدا کی قسم مجھ کو ضرور اس کی خبر کیجئے۔“ یہ تقریر سننے کے بعد فقہاء ان کو دعائے خیر دیتے ہوئے واپس گئے۔

تعمیر مسجد نبوی : مدینہ کی گورنری کے زمانہ میں عمر بن عبد العزیز نے یہاں بہت سی اصلاحیں اور مفید کام کئے۔ ان میں ان کا ناقابل فراموش کارنامہ مسجد نبوی کی تعمیر اور اس کی تزئین و آرائش ہے۔

ولید کے پیشتر خلفاء نے وقتاً فوقتاً مسجد نبوی میں ترمیمیں کرائی تھیں، لیکن ولید نے بڑے اہتمام کے ساتھ اس کو نہایت عظیم الشان پیمانہ پر تعمیر کرانے کا ارادہ کیا اور ۸۸ھ میں عمر بن عبد العزیز کو لکھا کہ مسجد نئے سرے سے تعمیر کی جائے۔ اس سے متصل ازواج مطہرات کے حجرے اور دوسرے جو مکانات ہیں ان کا معاوضہ دے کر ان کو مسجد میں شامل کر لیا جائے جو لوگ قیمت لینے سے انکار کریں، ان کے مکانات زبردستی گرائے جائیں اور ان کی قیمت فقیروں کو خیرات کر دی جائے۔

قیصر روم کو خط لکھ کر بہت سے رومی کاریگر، مزدور، مینا کاری اور بچہ کاری کا سامان کئی ہزار مثقال سونا منگایا گیا۔ اور مختلف مقامات سے مختلف قسم کے تعمیری سامان جمع کئے اور فقہائے مدینہ کی موجودگی میں مسجد کی پرانی عمارت گروا کر ان بزرگوں کے متبرک ہاتھوں سے عمارت کی بنیاد ڈالی۔

عمر بن عبدالعزیز کو اس عمارت سے ذاتی دلچسپی تھی۔ اس لئے بڑے انتہاک اور حسن مذاق سے اس کو تعمیر کرایا۔ ساری عمارت نفیس پتھروں کی تھی۔ دیواریں اور چھتیں منقش مٹلا اور مینا کار تھیں۔ جھاڑ کے ایک نقش پر کاریگروں کو ۳۰ درہم انعام دیتے تھے۔

اس اہتمام سے تین سال میں عمارت بن کر تیار ہوئی۔ ۹۱ھ میں ولید نے مدینہ جا کر اس کا معائنہ کیا اور عمر بن عبدالعزیز کی کارگزاری پر خوشنودی ظاہر کی۔

اطرافِ مدینہ کی مساجد کی تعمیر :

مسجد نبوی کے علاوہ اپنے عہد گورنری میں اطرافِ مدینہ میں بہت سی مسجدیں بنوائیں۔ آنحضرت ﷺ نے اطرافِ مدینہ میں جہاں جہاں نمازیں پڑھیں تھیں، مسلمانوں نے یادگار کے طور پر وہاں معمولی مسجدیں بنالی تھیں۔ عمر بن عبدالعزیز نے اس قسم کی تمام مسجدوں کو منقش پتھروں سے تعمیر کرایا۔

کنوؤں اور راستوں کی تعمیر :

رفاہ عام کے سلسلہ میں ولید کے حکم سے مدینہ میں بہت سے کنوئیں کھدوائے، اور دشوار گزار پہاڑی راستے درست کرائے۔

معزولی : اگرچہ عمر بن عبدالعزیز نے تقرری کے وقت یہ شرط منظور کرائی تھی کہ وہ گزشتہ والیوں کی طرح ظلم نہ کریں گے۔ لیکن بنی اُمیہ کا نظام کچھ ایسا تھا کہ یہ شرط قائم نہیں رہ سکتی تھی۔ اس لئے ایک روایت یہ ہے کہ حجاج کی شکایت پر وہ معزول کر دیئے گئے۔ دوسرا بیان ہے کہ عبداللہ بن زبیرؓ کے صاحبزادے ضبیب کو جو اُمیہ کے مخالفین میں تھے، ولید کے حکم سے مجبور ہو کر سزا دی، جس کے صدمہ سے وہ مر گئے۔ اس کی ندامت میں خود مستعفی ہو گئے۔

سلیمان کے مزاج میں رسوخ :

عمر بن عبدالعزیز اپنے اوصاف اور حسن خلق کی بنا پر خاندان بھر میں محبوب تھے، خصوصاً سلیمان بن عبدالملک ان کو بہت مانتا تھا۔ انہیں اپنا وزیر و مشیر بنایا تھا اور امورِ خیر میں ان کے مشوروں پر عمل کرتا تھا۔ اس لئے سلیمان کے عہد کی اصلاحات درحقیقت عمر بن عبدالعزیز ہی کے فیض کا نتیجہ تھیں۔

سلیمان کی وفات اور خلافت :

۹۹ھ میں سلیمان مرض الموت میں مبتلا ہوا اور اپنے نابالغ لڑکے ایوب کو ولی عہد نامزد کیا۔ رجاء بن حیوۃ نے جو سلیمان کے ندیم خاص تھے، اس سے اختلاف کیا اور کہا، ”امیر المومنین خلیفہ ایسے صالح آدمی کو بنائیے جس سے آپ قبر میں محفوظ رہیں۔“ سلیمان نے کہا، ”یہ میرا قطعی فیصلہ نہیں ہے، میں اس پر غور کروں گا اور خدا سے استخارہ کروں گا۔“

چنانچہ دو دن غور کرنے کے بعد وصیت نامہ چاک کر ڈالا، اور رجاء بن حیوۃ سے پوچھا کہ میرے لڑکے داؤد کے بارے میں کیا رائے ہے؟ رجاء نے کہا وہ اس وقت قسطنطنیہ میں ہیں اور معلوم نہیں زندہ ہیں یا نہیں۔ سلیمان نے کہا، پھر کیا رائے دیتے ہو؟ رجاء نے کہا، اصل رائے تو آپ کی ہے۔ آپ نام لیجئے میں غور کروں گا۔ سلیمان نے کہا، عمر بن عبدالعزیز کے متعلق تمہارا کیا خیال ہے۔ رجاء نے کہ میرے نزدیک وہ نہایت فاضل اور برگزیدہ مسلمان ہیں۔ سلیمان نے کہا، خدا کی قسم وہ ایسے ہی ہیں۔

لیکن اگر میں عبدالملک کی اولاد کو بالکل نظر انداز کر کے عمر بن عبدالعزیز کو خلیفہ بنادوں تو ایک فتنہ پیا ہو جائے گا۔ جب تک ان کے بعد عبدالملک کی کسی اولاد کا نام نہ رکھوں گا، اس وقت تک وہ لوگ ان کو خلافت پر قائم نہ رہنے دیں گے۔ اس لئے میں یزید کو ان کے بعد خلیفہ بنائے دیتا ہوں۔ اس سے وہ لوگ ٹھنڈے ہو جائیں گے اور راضی رہیں گے۔ رجاء نے بھی اس سے اتفاق کیا۔ اس کے بعد سلیمان نے خود اپنے قلم سے یہ وصیت نامہ لکھا :

بسم الله الرحمن الرحيم

”یہ تحریر خدا کے بندے سلیمان امیر المومنین کی جانب سے عمر بن عبدالعزیز کے لئے ہے۔ میں نے اپنے بعد تم کو خلیفہ بنایا، اور تمہارے بعد یزید بن عبدالملک۔“

مسلمانو ! ان کا کہنا سنو اور ان کی اطاعت کرو، خدا سے ڈرو، اختلاف نہ پیدا کرو کہ دوسرے تم پر حرص و طمع کی نگاہ ڈالیں۔“

اور اس پر مہر کر کے اپنے خاندان والوں کو بلا کر رجاء کو حکم دیا کہ اس وصیت نامہ کو لے جا کر خاندان والوں سے کہو کہ میں نے جس کو خلیفہ بنایا ہے، وہ لوگ اس کی بیعت کریں۔ رجاء نے اس کی

۱۔ ایک روایت یہ ہے کہ رجاء ہی نے عمر بن عبدالعزیز کا نام پیش کیا تھا۔

تعمیل کی۔ سب نے بالاتفاق سمعنا و طعنا کہا۔ پھر ان کی خواہش پر انہیں سلیمان کو دیکھنے کی اجازت دی گئی۔ جب یہ لوگ اندر گئے تو سلیمان نے وصیت نامہ کی طرف جو رجاء کے ہاتھ میں تھا، ان لوگوں سے کہا، ”اس میں میں نے جس کو خلیفہ بنایا ہے، اس کی بیعت کرو اور اس کے مطیع رہو۔ سلیمان کے کہنے پر دوبارہ سب نے فردا فردا بیعت کی۔

حضرت عمر بن عبد العزیز کو ظن تھا کہ سلیمان نے ان کو خلافت کے لئے نامزد کیا ہے۔ وہ بارِ عظیم کو اٹھانا نہ چاہتے تھے۔ اس لئے رجاء سے جا کر کہا، ”میرے اوپر سلیمان کی جو شفقتیں اور مہربانیاں ہیں، ان سے مجھے اندیشہ ہے کہ انہوں نے خلافت کے لئے مجھے نامزد کیا ہو۔ اگر ایسا ہو تو مجھے بتا دیجئے تاکہ قبل اس کے کہ میں مجبور ہو جاؤں ابھی اس سے استعفاء دے دوں۔“ لیکن رجاء نے بتانے سے انکار کر دیا۔

نامزدگی کے مرحلے سے فراغت کے بعد سلیمان کا انتقال ہو گیا۔ رجاء نے بڑی ہوشیاری کے ساتھ موت کی خبر مخفی رکھی اور شاہی خاندان کے ارکان کو جمع کر کے دوبارہ ان سے بیعت لی۔ بیعت کو موکد کرنے کے بعد سلیمان کی موت کا اعلان کیا اور وصیت نامہ پڑھ کر سنایا۔

عمر عبد العزیز کا نام سن کر عبد الملک کے لڑکے ہشام نے کہا ہم کبھی ان کی بیعت نہیں کر سکتے۔ رجاء نے کہا، ”اٹھ کر خاموشی کے ساتھ بیعت کر لو، ورنہ ابھی سر قلم کر دوں گا۔“ اور عمر بن عبد العزیز کا ہاتھ پکڑ کر منبر پر بٹھا دیا۔ انہوں نے اس بارِ عظیم کی ذمہ داری پر اور ہشام نے اپنی محرومی قسمت پر اللہ پڑھا۔ اس کے بعد سلیمان کی تجہیز و تکفین ہوئی اور عمر بن عبد العزیز نے نماز جنازہ پڑھائی۔

خلفائے راشدین کا پہلا اسوہ :

تختِ خلافت پر قدم رکھتے ہی عمر بن عبد العزیز بالکل بدل گئے اور اب نماز پر وہ عمر نے ابوذر غفاریؓ اور ابو ہریرہؓ کا قالب اختیار کر لیا۔ سلیمان کی تجہیز و تکفین سے فراغت کے بعد حسب معمول عمر بن عبد العزیز کے سامنے شاہی سواریاں پیش کی گئیں۔ انہوں نے پوچھا یہ کیا ہے؟ عرض کیا گیا، شاہی سواریاں۔ فرمایا، میرے لئے میرا خیر کافی ہے۔ اور کل سواریاں واپس کر دیں۔

ابھی سلیمان کے اہل و عیال قصرِ خلافت میں تھے، اس لئے اپنے خیمہ میں فروکش ہوئے۔ گھر آئے تو اس بارِ عظیم کی ذمہ داری سے چہرہ پریشان تھا۔ لونڈی نے پوچھا، آپ شاید کچھ متفکر ہیں۔

فرمایا، اس سے بڑھ کر تشویش کی بات کیا ہوگی کہ مشرق و مغرب میں اُمتِ محمدیہ کا کوئی فرد ایسا نہیں ہے جس کا مجھ پر حق نہ ہو۔ اور بغیر مطالبہ اور اطلاع کے اس کا ادا کرنا مجھ پر فرض نہ ہو۔

خلافت سے دستبرداری کا اعلان اور مسلمانوں کا اصرار :

حضرت عمر بن عبدالعزیز کو خلافت کی ذمہ داریوں کے بارگراں کا پورا احساس تھا۔ اگر نامزدگی کے وقت ان کو اس کا علم ہو گیا ہوتا تو وہ اسی وقت اپنا نام واپس لے لیتے۔ لیکن اب یہ بار پڑ چکا تھا۔ تاہم انہوں نے ایک مرتبہ اس سے سبکدوش ہونے کی کوشش کی اور لوگوں کو جمع کر کے تقریر کی۔

”لوگو! میری خواہش اور عام مسلمانوں کی رائے لئے ہوئے بغیر، مجھے خلافت کی ذمہ داریوں میں مبتلا کیا گیا ہے۔ اس لئے میری بیعت کا جو طوق تمہاری گردن میں ہے، میں خود اس کو اتار دیتا ہوں۔ تم جس کو چاہو اپنا خلیفہ منتخب کر لو۔“

یہ خطبہ سن کر مجمع سے شورا اٹھا۔

”ہم نے آپ کو خلیفہ منتخب کیا ہے اور آپ کی خلافت پر راضی ہیں، آپ خدا کا نام لے کر کام شروع کر دیجئے۔“

پہلا خطبہ : جب اس کا یقین ہو گیا کہ آپ کی خلافت سے کسی کو اختلاف نہیں ہے تو آپ نے ایک تقریر کی جس میں لوگوں کو تقویٰ، فکرِ آخرت اور ذکرِ موت کی طرف توجہ دلائی۔ آخر میں باواز بلند فرمایا :

”لوگو! جو شخص خدا کی اطاعت کرے اس کی اطاعت فرض ہے اور جو شخص خدا کی نافرمانی کرے، اس کی اطاعت واجب نہیں۔ جب تک میں خدا کی اطاعت کروں، اس وقت تک تم میری اطاعت کرو، اور جب میں خدا کی نافرمانی کروں تو میری اطاعت تم پر فرض نہیں۔“

طبقات ابن سعد میں یہ الفاظ ہیں :

”اما بعد تمہارے نبی کے بعد دوسرا نبی اور اس پر جو کتاب نازل ہوئی ہے، اس کے بعد کوئی دوسری کتاب نہیں ہے۔ خدا نے جو چیز حلال کر دی وہ قیامت تک لئے ہے اور جو حرام کر دی، وہ قیامت تک کے لئے حرام رہے گی۔ میں (اپنی جانب سے) کوئی فیصلہ کرنے والا نہیں ہوں

بلکہ صرف (احکام الہی کو) نافذ کرنے والا ہوں۔ میں خود کوئی بات شروع کرنے والا نہیں ہوں۔
صرف پیرو ہوں۔ کسی کو یہ حق نہیں ہے کہ خدا کی نافرمانی میں اس کی اطاعت کی جائے۔ میں
تمہاری جماعت کا بہتر آدمی بھی نہیں ہوں۔ بلکہ ایک معمولی فرد ہوں۔ البتہ خدا نے مجھ کو تم سے
زیادہ گراں بار کر دیا ہے۔“

عبدالعزیز بن عبد الملک کی بیعت :

یہاں دمشق میں یہ سب کچھ ہو چکا تھا۔ لیکن عبدالعزیز بن عبد الملک کو جو کہیں باہر تھا، ان
واقعات کی خبر نہیں ہوئی تھی۔ اس لئے سلیمان کی موت کی خبر سن کر اس نے اپنے ہمراہیوں سے اپنی
بیعت لے لی اور دمشق کے ارادہ سے بڑھا۔ راستہ میں اسے سلیمان کی وصیت اور عمر بن عبدالعزیز کی
بیعت کا حال معلوم ہوا۔

یہ سن کر وہ سیدھا ان کے پاس پہنچا۔ ان کو اس کے بیعت لینے کی خبر ہو چکی تھی۔ انہوں نے
اس سے کہا مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم نے اپنی بیعت لے کر دمشق میں داخل ہونا چاہتے تھے۔ عبدالعزیز
نے کہا، مجھے اس کا علم نہ تھا کہ سلیمان نے آپ کو خلیفہ نامزد کر دیا ہے۔ اس لئے مجھے خوف تھا کہ لوگ
خزانہ نہ لوٹ لیں۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز نے فرمایا، اگر لوگ تمہارے ہاتھ پر بیعت کر لیتے اور تم بار خلافت کو
سنجھال لیتے تو میں تم سے جھگڑانہ کرتا اور اپنے گھر میں بیٹھ جاتا۔ عبدالعزیز نے کہا آپ کے ہوتے
ہوئے میں دوسرے کا خلیفہ ہونا پسند ہی نہیں کرتا اور آپ کے ہاتھوں پر بیعت کر لی۔

خلافتِ راشدہ کا احیاء

ان مراحل سے فراغت کے بعد امور خلافت کی طرف متوجہ ہوئے۔ خلافت کے باب میں
عمر بن عبدالعزیز کا نقطہ نظر گزشتہ خلفاء سے بالکل مختلف تھا۔ ان کے پیش نظر خلافت میں عظیم الشان
انقلاب برپا کرنا تھا۔ وہ سلطنت کی ظاہری ترقیوں یعنی فتوحات اور عمارتوں میں اضافہ کرنا چاہتے تھے،
اموی حکومت کو ”خلافتِ راشدہ“ میں بدل دینا چاہتے تھے۔ یہ اقدام ایسا اہم اور خطرناک تھا، جس میں
ہر طرف مخالفتوں کی طوفان کا مقابلہ تھا۔ لیکن عمر بن عبدالعزیز نے تمام خطرات سے بے پرواہ ہو کر
نہایت جرأت سے انقلاب شروع کر دیا۔

غصب کردہ مال و جائیداد کی واپسی :

اسی سلسلہ میں سب سے اہم اور نازک کام رعایا کی املاک کی واپسی تھی، جس کو شاہی خاندان نے اپنی جاگیر بنالیا تھا۔ اس میں سارے خاندان کی مخالفت کا مقابلہ کرنا تھا، لیکن عمر بن عبدالعزیز نے سب سے پہلے یہی کارِ خیر کیا اور سب سے اول اپنی ذات اور اپنے خاندان سے شروع کیا۔ جس وقت آپ نے اس کا ارادہ ظاہر فرمایا، اس وقت بعض ہوا خواہوں نے دبی زبان سے عرض کیا کہ اگر آپ جاگیریں واپس کر دیں گے تو اپنی اولاد کے لئے کیا انتظام کریں گے؟ فرمایا، ان کو خدا کے سپرد کرتا ہوں۔^۱

اس عزمِ راسخ کے بعد خاندان والوں کو جمع کر کے فرمایا :

”بنی مروان تم کو شرف اور دولت کا بڑا حصہ ملا ہے۔ میرا خیال ہے کہ امت مسلمہ کا نصف یا دو تہائی تمہارے قبضہ میں ہے۔“

یہ لوگ اشارہ سمجھ گئے اور جواب میں کہا :

”خدا کی قسم جب تک ہمارے سر تن سے جدا نہ ہوں گے، اس وقت تک یہ نہیں ہو سکتا، خدا کی قسم نہ ہم اپنے آباؤ اجداد کو کافر بنا سکتے ہیں (عمر بن عبدالعزیز اپنے اسلاف کے افعال کو حرام کہتے تھے) اور نہ اپنی اولاد کو مفلس بنائیں گے۔“

عمر بن عبدالعزیز نے فرمایا :

”خدا کی قسم اس حق میں تم میری مدد نہ کرو گے تو میں تم لوگوں کو ذلیل اور رسوا کر ڈالوں گا۔ تم لوگ میرے پاس سے چلے جاؤ۔“^۲

اس کے بعد مسلمانوں کو مسجد میں جمع کر کے تقریر کی :

”ان لوگوں (بنی امیہ) نے ہم کو عطا یا اور جاگیریں دیں۔ خدا کی قسم نہ انہیں ان کو دینے کا حق تھا اور نہ ہمیں لینے کا۔ اب میں ان سب میں ان کے اصلی حق داروں کو واپس کرتا ہوں اور اپنی ذات اور اپنے خاندان سے شروع کرتا ہوں۔“

یہ کہہ کر اسناد شاہی کا خربطہ منگایا، مزاحم سب کو پڑھ پڑھ کر سناتے جاتے تھے اور عمر بن عبدالعزیز ان کو لے لے کر قینچی سے کاٹتے جاتے تھے۔ صبح سے لے کر ظہر کی نماز تک یہ سلسلہ جاری رہا۔^۳

۱۔ سیرۃ عمر بن عبدالعزیز ابن جوزی۔ ص ۱۰۸ ۲۔ سیرت عمر بن عبدالعزیز ابن جوزی۔ ص ۱۱۵ ۳۔ ایضاً۔ ص ۲۰۸

اس طرح اپنی اور اپنے پورے خاندان کی کل جاگیریں واپس کر دیں اور اپنے ایک نگینہ تک باقی نہ رہنے دیا۔ ان کی بیوی فاطمہ کو ان کے باپ عبدالملک نے ایک قیمتی پتھر دیا تھا۔ عمر بن عبدالعزیز نے اپنی بیوی سے کہا، اس کو بیت المال میں داخل کر دیا جائے۔^۱

سب سے اہم معاملہ فدک کا تھا، جو مدقوں سے خلفاء اور اہل بیت کے درمیان ممتاز عہد فیہ چلا آتا تھا اور اب عمر بن عبدالعزیز کے قبضہ میں تھا اور اسی پر ان کی اور ان کے اہل و عیال کی معاش کا دارومدار تھا۔ اس کے متعلق انہوں نے رسول اللہ اور خلفاء راشدین کے طرز عمل کی تحقیقات کر کے آل مروان سے کہا، ”فدک رسول اللہ ﷺ کا خاصہ تھا۔ جس کی آمدنی آپ ﷺ اپنی اور بنی ہاشم کی ضروریات میں صرف فرماتے تھے۔ خود فاطمہ الزہراءؑ نے آپ ﷺ سے اس کو مانگا تھا، لیکن آپ ﷺ نے دینے سے انکار فرمایا۔“

حضرت عمر فاروقؓ کے زمانہ تک اسی پر عمل ہوتا رہا۔ آخر میں مروان نے اس کو اپنی جاگیر بنالیا اور اب و درامتہ میرے قبضہ میں ہے، لیکن جو چیز رسول اللہ نے فاطمہ الزہراءؑ کو نہیں دی، اس پر میرا کوئی حق نہیں ہے۔“ اس لئے تم لوگوں کو گواہ بنانا ہوں کہ فدک کی جو صورت رسول اللہ کے زمانہ میں تھی اس کو اسی حالت پر لوٹانا ہوں۔“^۲

اپنی اور اپنے خاندان کی جاگیروں کو واپس کرنے کے بعد عام غصب شدہ مال کی طرف متوجہ ہوئے اور امیر معاویہ کے زمانہ سے لے کر اس وقت تک ظالمانہ طریقوں سے جس قدر غصب کردہ مال و جائیداد تھی۔ سب ایک ایک کر کے واپس کرا دی اور معاویہ اور یزید کے وارثوں سے لے کر ان کے اصل مالکوں کے حوالہ کی گئے۔

شام کے علاوہ سارے ممالک محروسہ کے عمال کے پاس غصب شدہ مال کی واپسی کے متعلق تاکیدی احکام بھیجے۔ عراق میں اس کثرت سے مال واپس کیا گیا کہ صوبہ کی حکومت کا خزانہ خالی ہو گیا اور عمر بن عبدالعزیز کو وہاں کے اخراجات کے لئے دمشق سے روپیہ بھیجنا پڑا۔^۳

مال کی واپسی کے لئے ہر طرح کی آسانیوں کا لحاظ رکھا گیا۔ ملکیت کے ثبوت کے لئے کوئی بڑی شہادت کی ضرورت نہ تھی۔ معمولی شہادت پر مل جاتا تھا۔^۴ جو لوگ مرچکے تھے، ان کے ورثاء کو واپس کیا گیا۔^۵ اور یہ سلسلہ عمر بن عبدالعزیز کی وفات تک برابر قائم رہا۔^۶

۱۔ ابن سعد جلد ۵۔ ص ۲۵۲ ۲۔ تاریخ الخلفاء۔ ص ۲۳۳ ۳۔ ابوداؤد کتاب الخراج والامارۃ باب فی صفایا رسول اللہ ﷺ وطبقات ابن سعد تذکرہ عمر بن عبدالعزیز ۴۔ ابن سعد جلد ۵۔ ص ۲۵۲ ۵۔ ایضاً ۶۔ ایضاً ۷۔ تہذیب الاسماء جلد ۱۔ ص ۲۰ ۸۔ ابن سعد جلد ۵۔ ص ۱۵۱

اہلِ خاندان کی برہمی :

حضرت عمرؓ بن عبدالعزیز نے نہ صرف علاقے اور جاگیریں چھین کر بنی اُمیہ کو تہی دست کر دیا، بلکہ ان کے سارے امتیازات مٹا کر ان کی نخوت اور غرور کو خاک میں ملا دیا۔ اس لئے خاندان میں ان کے خلاف سخت برہمی پھیل گئی اور انہوں نے ان کو ہر طریقہ سے اس عادلانہ طریقے سے ہٹانے کی کوشش کی۔

عمر بن ولید نے نہایت غضب آلود خط لکھا : کہ

”تم نے گزشتہ خلفاء پر عیب لگایا ہے۔ اُن کی اور ان کی اولاد کی دشمنی میں ان کے خلاف روش اختیار کی، تم نے قریش کی دولت اور ان کی میراث ظلم و جور سے بیت المال میں داخل کر کے قطع رحم کیا۔ عمرؓ بن عبدالعزیز خدا سے ڈرو اور اس کا خیال کرو کہ تم نے زیادتی کی ہے۔ تم ابھی منبر پر اچھی طرح بیٹھے بھی نہ تھے کہ اپنے خاندان والوں کو جور و ظلم کا نشانہ بنادیا۔ اس ذات کی قسم جس نے محمد ﷺ کو بہت سی خصوصیت کے ساتھ مختص فرمایا، تم اس حکومت میں جس کو تم اپنے لئے آزمائش اور مصیبت کہتے ہو، خدا سے بہت دور ہو گئے ہو۔ اس لئے اپنی خواہشوں کو روکو اور اس کا یقین رکھو کہ تم ایک جبار کی نگاہ کے سامنے اور اس کے قبضہ میں ہو اور اس حالت میں چھوڑے نہیں جاسکتے۔“

حضرت عمرؓ بن عبدالعزیز نے بھی اس کا نہایت سخت جواب دیا۔

آل مروان نے ہشام کو اپنا وکیل بنا کر ان کے پاس بھیجا، اس نے ان کی جانب سے کہا : کہ ”آل مروان کہتے ہیں کہ ان امور میں جن کا تعلق آپ کی ذات سے ہے، جو چاہے کیجئے۔ لیکن گزشتہ خلفاء جو کچھ کر گئے ہیں، اس کو اسی حالت پر رہنے دیجئے۔ عمرؓ بن عبدالعزیز نے اس کے جواب میں پوچھا، اگر ایک ہی معاملہ کے متعلق تمہارے پاس دو دستاویزیں ہوں، ایک امیر معاویہؓ کی دوسری عبدالملک کی، تو تم کسے قبول کرو گے؟ ہشام نے کہا جو قدیم ہوگی۔

حضرت عمر بن عبداللہ العزیزؓ نے کہا تو میں نے کتاب اللہ کو قدیم دستاویزی پایا، اس لئے میں ہر اس چیز میں جو میرے اختیار میں ہے، خواہ وہ میرے زمانہ کی ہو یا گزشتہ زمانے سے متعلق ہو اسی کے مطابق عمل کروں گا۔ یہ سن کر سعید بن خالد نے کہا، امیر المومنین جو چیز آپ کی ولایت میں ہے اس میں آپ حق و انصاف کے ساتھ اپنی رائے سے فیصلہ کیجئے، لیکن گزشتہ خلفاء اور ان کی بھلائوں اور بُرائیوں کو

ان کے حال پر رہنے دیجئے، اس قدر آپ کے لئے کافی ہے۔ عمر بن عبد العزیز نے کہا میں خدا کی قسم دے کر تم سے پوچھتا ہوں کہ اگر ایک شخص چھوٹے بڑے لڑکوں کو چھوڑ کر مر جائے، اس کے بعد بڑے لڑکے اپنی قوت سے چھوٹے لڑکوں کے مال پر قبضہ کر کے کھا جائیں اور وہ تمہارے پاس مدد کے لئے آئیں تو تم کیا کرو گے۔ سعید نے کہا ان کے حقوق واپس دلاؤں گا۔ عمر بن عبد العزیز نے کہا یہی تو میں بھی کر رہا ہوں۔ مجھ سے پہلے خلفاء نے ان لوگوں کو اپنی قوت سے دبایا۔ ان کے ماتحتوں نے بھی ان کی تقلید کی۔ اب جب میں خلیفہ ہوا تو یہ کمزور لوگ میرے پاس آئے، اس لئے میرے پاس اس کے سوا چارہ کار کیا ہے کہ طاقتور سے کمزور کا اور اعلیٰ سے ادنیٰ کا حق دلاؤں۔

ایک مرتبہ تمام آل مروان نے آپ کے دروازہ پر جمع ہو کر آپ کے صاحبزادے عبد الملک سے کہا کہ ”یا ہم لوگوں کو اندر جانے کی اجازت دلو او یا اپنے باپ کو جا کر پیام دو کہ ان سے پہلے جو خلفاء تھے وہ ہم کو لیتے دیتے تھے، ہمارے مراتب کا لحاظ رکھتے تھے اور تمہارے باپ نے ہم کو بالکل محروم کر دیا۔ عبد الملک نے جا کر حضرت عمر بن عبد العزیز کو یہ پیام سنایا۔ انہوں نے کہا جا کر ان لوگوں سے کہہ دو کہ اگر میں خدا کی نافرمانی کروں تو عذاب قیامت سے ڈرتا ہوں۔“ خود آپ کے گھر والوں کو آپ سے شکایت ہو گئی۔

اوزاعی کا بیان ہے کہ جب عمر بن عبد العزیز نے اپنے گھر والوں کے گزارے بند کر دیئے تو عنبسہ بن سعد نے آپ سے شکایت کی کہ امیر المؤمنین آپ پر ہم لوگوں کا حق قرابت ہے۔ آپ نے جواب دیا، میرے ذاتی مال میں تمہارے لئے گنجائش نہیں ہے اور اس مال (بیت المال) میں تمہارا اس سے زیادہ حق نہیں ہے، جتنا برک غماد کے آخری حدود کے رہنے والے کا بخدا اگر ساری دنیا تم لوگوں کی رائے کی ہو جائے تو ان پر خدا کا عذاب نازل ہوئے۔

اس قبیل کے اور بہت سے واقعات ہیں، مگر ان میں سے کوئی شے عمر بن عبد العزیز کو قیام عدل سے نہ روک سکی۔

ظالم عہدہ داروں کا تذکرہ :

مال مغصوبہ کی واپسی کے بعد دوسری اہم اصلاح عمال کے ظلم و جور کا تذکرہ تھا، جس کے وہ خوگر ہو رہے تھے۔ اگرچہ آپ کے مشورہ سے سلیمان ہی کے زمانہ میں بڑی حد تک اس کا تذکرہ ہو چکا تھا۔ پھر بھی کچھ آثار باقی رہ گئے تھے۔ اموی حکومت میں سب سے زیادہ جفا کار حجاج کے

خاندان والے اور اس کے ماتحت عہد دار تھے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے حجاج کے پورے خاندان کو یمن کی طرف جلائے وطن کر دیا اور وہاں کے عامل کو لکھا کہ میں تمہارے پاس آل عقیل کو بھیج رہا ہوں جو عرب میں بدترین خاندان ہے۔ اس کو اپنی حکومت میں ادھر ادھر منتشر کر دو۔^۱ جو لوگ حجاج کے ہم قبیلہ یا اس کی ماتحتی میں کام کر چکے تھے ان کو ہر قسم کے ملکی حقوق سے محروم کر دیا۔

مظالم کا انسداد : اموی دور میں بدگمانی اور سوائے ظن پر دار و گیر اور سزاعام تھی، حضرت عمر بن عبدالعزیز نے اسے بالکل بند کر دیا۔ موصل میں چوری اور نقب زنی کی وارداتیں بکثرت ہوتی تھیں۔ یہاں کے والی یحییٰ غسانی نے لکھا ہے، جب تک لوگوں کو شبہہ پر پکڑا نہ جائیگا اور سزا دی جائے گی اس وقت تک یہ وارداتیں بند نہ ہوں گی۔ آپ نے لکھا کہ صرف شرعی ثبوت پر مواخذہ کرو، اگر حق کی اصلاح نہیں کر سکتا تو خدا ان کی اصلاح نہ کرے۔^۲

اسی طرح سے جرج بن عبداللہ بن حکمی والی خراسان نے لکھا کہ اہل خراسان کی روش نہایت خراب ہے۔ ان کو کوڑے اور تلوار کے علاوہ اور کوئی چیز درست نہیں کر سکتی۔ اگر امیر المؤمنین مناسب سمجھیں تو اس کی اجازت مرحمت فرمائیں۔ آپ نے جواب میں لکھا تھا۔ تمہارا خط پہنچا تمہارا یہ لکھنا کہ اہل خراسان کو کوڑے اور تلوار کے سوا کوئی شے درست نہیں کر سکتی بالکل غلط ہے۔ ان کو عدل و حق درست کر سکتا ہے اسی کو عام کرو۔^۳

عمال کو رعایا کا مال کم قیمت پر خریدنے کی سختی سے ممانعت کر دی۔ عدی بن ارطاط والی فارس کو لکھا کہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ تمہارے عمال پھلوں کا تخمینہ کر کے عام نرخ سے کم قیمت لگا کر اس کو خریدتے ہیں اور کڑوؤں کے قبیلے مسافروں سے عشر وصول کرتے ہیں، اگر یہ معلوم ہو گیا کہ یہ تمہارے ایمانے ہوتا ہے یا اسے تم پسند کرتے ہو تو میں تم کو مہلت نہ دوں گا۔ میں بشر بن صفوان، عبداللہ بن عجلان اور خالد بن سالم کو اس کی تحقیقات کے لئے بھیجتا ہوں۔ اگر وہ اس خبر کو صحیح پائیں گے تو پھلوں کو ان کے مالکوں کو واپس کر دیں گے۔ اس کے علاوہ جن جن باتوں کی مجھے اطلاع ملی ہے، سب کی تحقیقات کریں گے تم ان لوگوں سے کوئی مزاحمت نہ کرنا۔^۴

وفاً فوقاً عمل کو قیام عدل اور انسداد مظالم کے احکام بھیجتے رہتے تھے۔ ایک مرتبہ ایک گشتی فرمان تمام سربراہ کے نام بھیجا کہ ”لوگ بڑے غل کی وجہ سے جنہوں نے بڑے دستور قائم کئے اور کبھی

۱۔ سیرت عمر بن عبدالعزیز۔ ص ۱۱۳-۱۱۵ ۲۔ تاریخ الخلفاء۔ ص ۲۳۸ ۳۔ ایضاً۔ ص ۲۳۳

۴۔ ابن سعد۔ جلد ۵۔ ص ۲۰۹، ۲۲۹ محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

انصاف، نرمی اور احسان کا ارادہ نہیں کیا۔ احکام الہی میں سخت مصیبت سختی اور ظلم و جور میں مبتلا ہو گئے۔^۱
ایک والی عبدالحمید کو پہلا خط لکھا کہ ”دوسرے شیطانی اور حکومت کے بعد انسان کی بقا نہیں ہو سکتی۔ اس لئے جب تم کو میرا خط ملے، اس وقت ہر حقدار کو اس کا حق ادا کرو، جس قدر ناجائز ٹیکس تھے سب موقوف کر دیئے۔ ان کے علاوہ اور تمام ظالمانہ طریقوں کو روکا۔

بیت المال کی آمدنی کی اصلاح :

اموی دور میں بیت المال کے مدخل اور مخارج میں بڑی بے عنوانیاں تھیں۔ جائز اور ناجائز آمدنی میں کوئی تفریق نہ تھی۔ ہر طرح کی ناجائز آمدنیوں سے خزانہ بھرا جاتا تھا۔ پھر اسی بے عنوانی سے اسے خرچ کیا جاتا تھا۔ بیت المال جو ایک قومی امانت ہے، ذاتی خزانہ بن گیا تھا اور اس کا بڑا حصہ خلفاء کے ذاتی مصارف اور ان کے تعیش میں صرف ہوتا تھا۔ حضرت عمرؓ بن عبدالعزیز نے دونوں بے عنوانیوں کا تدارک کیا۔^۲

شاہی خاندان کے تمام مخصوص وظیفے بند کر دیئے۔ خلافت کے شکوہ و تجمل کے مصارف بالکل ختم کر دیئے۔ ان کی تخت نشینی کے بعد جب شاہی اصطبل کے داروغہ نے سواریوں کے اخراجات طلب کئے تو حکم دیا کہ انہیں بچ کر ان کی قیمت بیت المال میں داخل کر دی جائے۔ میرے لئے میرا خیر کافی ہے۔^۳

بیت المال کی آمدنی بڑھانے کے لئے حجاج نو مسلموں سے بھی جزیہ لیتا تھا۔ آپ نے حکم جاری کر دیا کہ جو لوگ مسلمان ہو جائیں ان کا جزیہ ساقط کر دیا جائے۔ اس حکم پر اتنے آدمی مسلمان ہوئے کہ جزیہ کی آمدنی گھٹ گئی۔ حیان بن شریح نے شکایت لکھ بھیجی کہ اس کثرت کے ساتھ لوگ مسلمان ہوئے ہیں کہ مجھے قرض لے کر مسلمانوں کے وظیفے دینے پڑے۔ آپ نے ان کو نہایت سخت خط لکھا کہ جزیہ بہر حال موقوف کرو، رسول اللہ ﷺ ہادی بنا کر بھیجے گئے تھے، محصل خراج بنا کر نہیں بھیجے گئے تھے۔^۴

اور اس سلسلہ میں یہ فرمان عام جاری کر دیا کہ اگر جزیہ ترازو میں رکھا جا چکا ہو اور اس حالت میں بھی ذمی اسلام قبول کر لے یا آغاز سال سے ایک دن پہلے جبکہ پورے سال کا جزیہ عائد ہو جاتا ہے اسلام لے آئے تو بھی جزیہ نہ لیا جائے۔^۵

۱۔ یعقوبی۔ جلد ۲۔ ص ۳۶۲ ۲۔ ابن سعد۔ جلد ۵۔ ص ۲۷۱ ۳۔ ایضاً۔ ص ۲۸۳ ۴۔ تاریخ الخلفاء۔ ص ۲۳۱

۵۔ مقریزی۔ جلد ۲۔ ص ۱۲۵ ۶۔ ابن سعد۔ جلد ۵۔ ص ۲۶۲

خراج کی اصلاح کے متعلق عبدالحمید بن عبدالرحمن کو فرمان لکھا :

”زمین کا معائنہ کرو، بنجر زمین کا بار آباد زمین پر، اور آباد زمین کا بار بنجر زمین پر نہ ڈالو۔ بنجر زمین کا معائنہ کرو، اگر اس میں صلاحیت ہو تو بھدر گنجائش خراج لو اور ان کی اصلاح کرو کہ وہ آباد ہو جائیں۔ جن آباد زمینوں میں پیداوار نہیں ہوتی، ان سے خراج نہ لو اور جو زمینیں قحط زدہ ہو جائیں، ان کے مالکوں سے نہایت نرمی سے خراج وصول کرو۔ خراج میں صرف وزن جمعہ لو، جن میں سونانہ ہو، ٹکسال اور چاندی پگھلانے والوں سے۔ نوروز اور مہرجان کے ہدیے، عرائض نویسی اور شادی کا ٹیکس، گھروں کا ٹیکس اور نکاحانہ نہ لو۔ جو ذی مسلمان ہو جائیں، ان پر خراج نہیں ہے۔ اس طرح انہوں نے بیت المال سے ہر قسم کی ناجائز آمدنیاں بند کر دیں۔“

بیت المال کی حفاظت کا انتظام :

اس کی حفاظت کا نہایت سخت انتظام کیا۔ ایک مرتبہ یمن کے بیت المال سے ایک دینار گم ہو گیا۔ حضرت عمرؓ بن عبدالعزیز نے یہاں کے افسر خزانہ کو لکھا کہ میں تمہاری امانت کو متہم نہیں کرتا، لیکن تمہاری لاپرواہی کو جرم قرار دیتا ہوں اور مسلمانوں کی طرف سے ان کے مال کا مدعی ہوں۔ تم پر فرض ہے کہ تم شرعی قسم کھاؤ۔

یزید بن مہلب بن ابی صفرہ والی خراسان کو خیانت کے جرم میں معزول کر کے قید کر دیا۔^۱

ابوبکر بن حزم نے سلیمان کے آخری عہد میں، کاغذ، دوات اور روشنائی کے دفتری اخراجات کے اضافہ کے لئے لکھا تھا۔ ابھی اس کا کوئی انتظام نہ ہوا تھا کہ عمرؓ بن عبدالعزیز خلیفہ ہو گئے۔ انہوں نے ابوبکر کو لکھا، ”وہ دن یاد کرو جب تم اندھیری رات میں بغیر روشنی کے کیچڑ میں اپنے گھر سے مسجد نبوی ﷺ جاتے تھے اور آج بخدا تمہاری حالت اس سے کہیں بہتر ہے۔ قلم باریک کرو اور سطریں قریب قریب لکھا کرو، اپنی ضروریات میں کفایت شعاری سے کام لو، میں مسلمانوں کے خزانہ سے ایسی رقم صرف کرنا پسند نہیں کرتا، جس سے ان کو کوئی فائدہ نہ پہنچے۔“ دوسرے عمال کو بھی ہدایت لکھی کہ کوئی عامل بڑے کاغذ پر جلی قلم سے نہ لکھے۔ خود آپ کے فرامین ایک بالشت سے زیادہ نہ ہوتے تھے۔^۲

بیت المال کی آمدنیوں اور مصارف کی علیحدہ علیحدہ مدیں قائم کیں۔ صدقہ کی علیحدہ، خمس کی علیحدہ، مالی غنیمت کی علیحدہ^۱۔ گزشتہ خلفاء خمس کے مقررہ مصارف کی پابندی نہیں کرتے تھے۔ عمر بن عبدالعزیز نے خمس کو اس کے صحیح مصارف میں لگایا^۲۔

بیت المال کے مصارف :

بیت المال کو پھر مسلمانوں کی امانت بنادیا اور اس کو ان کی ضروریات کے لئے مخصوص کر دیا۔ چنانچہ اس کی آمدنی کا بڑا حصہ خالص رعایا کے مفاد کے کاموں میں صرف کیا جانے لگا۔ ملک میں جتنے اپانچ تھے، سب کے نام درج رجسٹر تھے، ان کو وظیفہ ملتا تھا^۳۔ جو عمال اس میں ذرا بھی غفلت یا ترمیم کرتے تھے، ان کو تنبیہ کی جاتی تھی۔ دمشق کے بیت المال سے ایک اپانچ کے وظیفہ کے تقرر کے سلسلہ میں میمون بن مہران نے کہا، ان لوگوں کے ساتھ سلوک تو کیا جاسکتا ہے لیکن ان کو صحیح و تندرست آدمی کے برابر وظیفہ نہیں دیا جاسکتا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز کو اس کی اطلاع ہوئی تو نہایت غضب آلود خط لکھا^۴۔

بہتوں کو نقد کے بجائے جنس ملتی ہے اور فی کس ساڑھے چار روپ کے حساب سے غلہ دیا جاتا تھا۔ قرضداروں^۵ کی قرض کی ادائیگی کے لئے بھی ایک مدد تھی^۶۔ شیرخوار بچوں کے وظائف مقرر تھے^۷۔ ایک عام لنگر خانہ تھا۔ جس سے فقراء و مساکین کو کھانا ملتا تھا^۸۔

عام مستحقین میں صدقات و خیرات تقسیم ہوتی تھی۔ ایک مرتبہ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے ایک شخص کو تقسیم مال کے لئے رقعہ بھیجا، اس نے عذر کیا کہ آپ مجھے ایسی جگہ بھیج رہے ہیں جہاں میں کسی کو نہیں پہچانتا، ان میں امیر و غریب سب ہیں۔ فرمایا، جو شخص تمہارے سامنے ہاتھ پھیلائے اسے دو^۹۔ اس کے علاوہ اور سینکڑوں قسم کے مفید مصارف میں صرف کرتے تھے، اس فیاضانہ داد و بخش کا بیت المال پر بہت بار پڑتا تھا۔ بعض عمال نے اس کی طرف توجہ دلائی، تو جواب میں لکھا گیا کہ جب تک ہے دیتے چلے جاؤ۔ جب خالی ہو جائے تو کوڑا کرکٹ بھر دو^{۱۰}۔

ذمیوں کے حقوق :

کسی حکومت کے عدل و انصاف اور ظلم و جور کا ایک بڑا معیار دوسری اقوام اور مذہب کے ساتھ اس کا سلوک اور طرز عمل ہے۔ اس معیار سے بھی عمر بن عبدالعزیز کا دور سراپا عدل تھا۔ انہوں نے

۱۔ ابن سعد۔ جلد ۵۔ ۲۹۵ ۲۔ ایضاً۔ ص ۲۵۷ ۳۔ اصحابہ۔ جلد ۵۔ ص ۸۰ ۴۔ طبقات ابن سعد۔ جلد ۵۔ ص ۸۱
۵۔ ایضاً۔ ص ۲۵۵ ۶۔ ایضاً۔ ص ۲۵۷ ۷۔ ایضاً۔ ص ۲۵۵ ۸۔ ایضاً۔ ص ۲۵۷ ۹۔ ایضاً۔ ص ۲۷۲ ۱۰۔ ایضاً۔

جس طرح ذمیوں کے حقوق کی حفاظت کی اور ان کے ساتھ نرمی برتی اس کی مثال عہد فاروقی کے علاوہ اور کسی دور میں نہیں مل سکتی۔ مسلمانوں کی طرح ان کی جان اور مال کی حفاظت کی، ان کے مذہب میں کسی قسم کی دست اندازی نہیں کی۔ جذبہ کی وصولی میں نرمی اور آسانیاں پیدا کیں۔ اس کا اندازہ ذمیوں کے ساتھ ان کے طرز عمل اور احکام سے ہوگا جو عمال کو بھیجتے رہتے تھے۔

عدی بن ارطاط کو لکھا کہ ذمیوں کے ساتھ نرمی کرو، ان میں جو بوڑھا اور نادار ہو جائے، اس کی کفالت کرو۔ اگر اس کا کوئی رشتہ دار ہو تو اس کی کفالت کا حکم دو۔ جس طرح تمہارا کوئی غلام بوڑھا ہو جائے تو اسے آزاد کرنا پڑے گا یا مرتے دم تک اس کی کفالت کرنی پڑے گی۔

ذمی کے خون کی قیمت مسلمان کے خون کے برابر قرار دی۔ ایک بار حیرہ کے ایک مسلمان نے ایک ذمی کو قتل کر دیا۔ عمر بن عبدالعزیز نے وہاں کے عامل کو لکھا کہ قاتل کو ورثہ کے حوالہ کر دو، وہ چاہیں قتل کریں، چاہیں معاف کر دیں۔ چنانچہ قاتل حوالہ لیا گیا اور ذمیوں نے اسے قتل کر دیا۔

کوئی مسلمان ان کے مال پر دست اندازی نہیں کر سکتا تھا۔ جو شخص ایسا کرتا تھا، اسے پوری سزا ملتی تھی۔ ایک مرتبہ ایک مسلمان ربیعہ شعوذی نے ایک سرکاری کام کے لئے ایک قبطنی کا سموزا بیکار میں پکڑ لیا اور اس پر سواری کی۔ عمر بن عبدالعزیز نے اس کو چالیس کوزے لکوائے۔

مال مغسوبہ کے وقت شاہی خاندان سے ذمیوں کی زمینیں بھی واپس دلائیں۔ اس سلسلہ میں ایک ذمی نے دعویٰ دائر کیا کہ عباس بن ولید نے میری زمین پر غاصبانہ قبضہ کر لیا ہے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے عباس سے فرمایا، تم اس کا کیا جواب دیتے ہو؟ انہوں نے کہا، ولید نے مجھے جاگیر میں دے دیا ہے اور میرے پاس اس کی سند موجود ہے۔ ذمی نے عمر بن عبدالعزیز کے کہا آپ سے کتاب اللہ کے موافق اس کا فیصلہ چاہتا ہوں۔ آپ نے فرمایا، خدا کی کتاب ولید کی سند پر مقدم ہے اور ذمی کو زمین واپس دلا دی گئی۔

ان کے مذہبی حقوق کو جو مذہبی خفایا کے زمانے میں ختم ہو گئے تھے، از سر نو قائم کئے، دمشق میں ایک گرجا غاصبہ سے ایک مسلمان خاندان کی جاگیر چڑا آتا تھا۔ عیسائیوں نے عمر بن عبدالعزیز کے پاس اس کا دعویٰ کیا، آپ نے واپس دلا لیا۔ ایک مسلمان نے ایک گرجے کی نسبت دعویٰ کیا کہ وہ

از زرقانی شرح موضح جلد ۲ ص ۲۳۷ ۲۔ سیرۃ عمر بن عبدالعزیز ص ۸۷ ۳۔ ابن سعد جلد ۵ ص ۲۸
۴۔ نصب الراية ص ۳۶۰ ۵۔ ابن سعد جلد ۵ ص ۲۷۹ ۶۔ سیرۃ عمر بن عبدالعزیز ص ۱۰۲

اس کی جاگیر میں ہے۔ حضرت عمرؓ بن عبدالعزیز نے فرمایا، اگر یہ عیسائیوں کے معاہدہ میں ہے، تم اس کو نہیں پاسکتے۔^۱

جزیرہ کی وصولی میں آسانیاں پیدا کیں اور اس سلسلہ میں جتنی بے عنوانیاں پیدا ہوئی تھیں سب کو بند کر دیا۔ حجاج نے ابن اشعث کی حمایت کے الزام میں عراق کے ذمیوں کے جزیرہ کی مقدار بڑھا دی تھی۔ عمر بن عبدالعزیز نے اس کو گھٹا دیا۔^۲

آپ کے زمانہ میں ذمیوں کے ساتھ اتنی نرمی برتی گئی کہ اس کا عام لوگوں کو نقصان اٹھانا پڑا۔ چنانچہ غلہ کا نرخ گراں ہو گیا۔ ایک شخص نے آپ سے اس کا سبب پوچھا۔ آپ نے فرمایا، پہلے خلفاء ذمیوں کو جزیرہ کی وصولی میں ناقابل برداشت تکلیفیں دیتے تھے، اس لئے وہ جس نرخ پر بھی ہو سکتا تھا، فروخت کر ڈالتے تھے، اور میں ہر شخص کو اسی قدر تکلیف دیتا ہوں، جس قدر وہ تحمل ہو سکے، اس لئے ہر شخص جس طرح چاہتا ہے فروخت کرتا ہے۔^۳

شاہی خاندان کے ارکان اور ذمیوں میں مساوات قائم کی۔ ایک مرتبہ ہشام بن عبدالملک نے ایک عیسائی پر مقدمہ دائر کیا۔ عمر بن عبدالعزیز نے دونوں کو برابر کھڑا کیا۔ ہشام نے غرور و تمناست میں عیسائی سے سخت کلامی کی۔ عمر بن عبدالعزیز نے ان کو ڈانٹا اور سزا دینے کی دھمکی دی۔^۴

محاصل میں اضافہ :

یہ عمر بن عبدالعزیز کی برکت تھی کہ ناجائز آمدنیوں کے سد باب اور مصارف خیر کی کثرت کے باوجود بیت المال پر کوئی خاص اثر نہیں پڑا، بلکہ بعض بعض ملکوں کے محاصل میں حیرت انگیز اضافہ ہو گیا۔ چنانچہ عراق کی آمدنی حجاج کے ظالمانہ دور سے بھی بڑھ گئی۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز فرمایا کرتے تھے کہ خدا حجاج پر لعنت کرے، اس کو نہ دین کا سلیقہ تھا نہ دنیا کا۔ حجاج کے زمانہ میں باوجود ظالمانہ طریقوں کے عراق سے صرف دو کروڑ اسی لاکھ درہم وصول ہوتے تھے۔ اس نے کاشتکاروں کو بیس لاکھ درہم زمین کی آبادی کے لئے بطور قرض دیئے تو ایک کروڑ سات لاکھ کا اضافہ ہوا۔ اس ویرانی کے بعد جب عراق میرے قبضہ میں آیا تو میں نے بغیر جبر کے بارہ کروڑ چالیس لاکھ درہم وصول کئے اور اگر زندہ رہا تو عمر بن الخطاب کے زمانہ سے بھی زیادہ وصول کروں گا۔^۵

۱ فتوح البلدان۔ ص ۱۳۰ ۲ ایضاً۔ ص ۱۳۰ ۳ کتاب الخزانہ۔ ص ۹ ۴ حوالہ ابن خلدون ۵ فتح البلدان ذکر سوا

رعایا کی خوشحالی : مظالم کے انسداد، ناجائز ٹیکسوں کی منسوخی، ذمیوں کے ساتھ مراعات اور عام داد و دہش کی وجہ سے ملک نہایت فارغ البال اور رعایا آسودہ حال تھی۔ ملک کے طول و عرض میں افلاس کا نشان باقی نہ رہ گیا تھا۔ مہاجرین یزید کا بیان ہے کہ ہم لوگ صدقہ تقسیم کرتے تھے۔ ایک سال کے بعد دوسرے سال وہ جو پہلے صدقہ لیتے تھے خود دوسروں کو صدقہ دینے لگتے تھے۔^۱

عمر بن عبدالعزیز نے صرف ڈھائی سال حکومت کی۔ اس مختصر مدت میں یہ حالت ہو گئی کہ لوگ ان کے عمال کے پاس فقراء میں تقسیم کرنے کے لئے صدقہ کا مال لے کر آتے تھے، لیکن کوئی صاحب حاجت نہ ملتا تھا اور مال واپس لے جانا پڑتا تھا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے سب کو اس قدر مالا مال کر دیا تھا کہ کوئی حاجت مند باقی نہ رہ گیا تھا۔^۲

آپ کے زمانہ میں رعایا کی خوش حالی اس درجہ کو پہنچ گئی تھی کہ اس کے نشہ میں کبر و نخوت میں اس کے مبتلا ہو جانے کا خطرہ پیدا ہو گیا تھا۔ چنانچہ عدی بن ارطاط نے آپ کو لکھا کہ اہل بصرہ اس قدر خوشحال ہو گئے ہیں کہ مجھے خوف ہے کہ وہ فخر و غرور نہ کرنے لگیں۔ آپ نے جواب دیا کہ خدا جب اہل جنت کو جنت میں داخل کرے گا کہ وہ الحمد للہ کہیں اس لئے تم بھی لوگوں کو حکم دو کہ وہ خدا کا شکر بجالائیں۔^۳

رفاہ عام کے کام : آپ نے جس قدر اصلاحیں کیں، وہ سب درحقیقت رفاہ عام ہی کے کام ہیں۔ لیکن ان کے علاوہ مروجہ اصلاح میں بھی آپ نے بہت رفاہ عام کے کام کئے۔

سارے ممالک محروسہ میں نہایت کثرت سے سرائیں بنوائیں، خراسان کے عامل کو لکھا کہ وہاں کے تمام راستوں میں سرائیں تعمیر کرائی جائیں۔^۴ سمرقند کے والی سلیمان بن ابی السری کے پاس بھیجا کہ وہاں کے شہروں میں سرائیں تعمیر کراؤ، جو مسلمان ادھر سے گزریں ایک شبانہ یوم ان کی مہمان نوازی کرو، ان کی سواریوں کی حفاظت کرو، جو مسافر مریض ہو، اس کو دو دن اور دو رات مقیم رکھو۔ اگر کسی کے پاس گھر تک پہنچنے کا سامان نہ ہو تو وطن تک پہنچنے کا سامان کر دو۔^۵ ایک عام لنگر خانہ قائم کیا، جس میں فقراء اور مساکین کو کھانا ملتا تھا۔^۶

مذہبی خدمات : گویہ تمام اصلاحات درحقیقت مذہب پرستی ہی کا نتیجہ تھیں۔ ایک حیثیت سے وہ سب مذہبی خدمات کے دائرہ میں داخل ہیں۔ اس کے علاوہ انہوں نے بہت سی خالص مذہبی خدمات

۱۔ ابن سعد۔ جلد ۵۔ ص ۲۵۶ ۲۔ فتح الباری۔ جلد ۶۔ ص ۴۵۱ ۳۔ ابن سعد۔ جلد ۵۔ ص ۲۸۲ ۴۔ ایضاً

۵۔ طبری۔ ص ۱۳۲۳ ۶۔ طبری۔ ص ۲۷۹

بھی انجام دیں اور شریعتِ اسلامی میں جو اموی خلفاء کی غفلت شعاری سے بالکل مردہ ہو چکی تھیں، دوبارہ جان ڈالی۔ امویوں کے زمانہ میں کوئی شے جادۂ شریعت پر نہ رہ گئی تھی۔ عمر بن عبد العزیز نے سب کو پھر صراطِ مستقیم پر لگایا۔ اعمال کے نام جو فرامین جاتے تھے، ان سب میں احیائے شریعت استیصالِ بدعت کی تاکید ہوتی تھی۔^۱

عدی بن ارطاة کو ایک فرمان لکھا کہ ”ایمان چند فرائض، چند احکام اور چند سنن کا نام ہے۔ جس نے ان اجزاء کی تکمیل کر لی، اس نے ایمان کو مکمل کر دیا اور جس نے اس کی تکمیل نہیں کی اس نے ایمان کو مکمل نہیں کیا۔ اگر میں زندہ رہا تو ان تمام اجزاء کو تمہارے سامنے واضح کر دوں گا تاکہ تم لوگ اس پر عمل کرو، اور اگر مر گیا تو مجھے تمہارے ساتھ رہنے کی حرص بھی نہیں ہے۔“^۲

آپ نے جس طرح ان اجزاء کا تحفظ کیا اور ان کی تبلیغ و اشاعت میں جیسی جدوجہد کی اس کی نظیر نہیں مل سکتی۔ اس کی تفصیلات نہایت طویل ہیں۔ مختصر یہ ہے کہ مذہبی روح آپ کے عہد کی امتیازی خصوصیت بن گئی تھی۔ طبری کا بیان ہے کہ

”ولید عمارتوں کا بانی تھا، اس لئے اس کے زمانہ میں یہی عام مذاق ہو گیا تھا اور لوگ آپس میں صرف عمارتوں کا تذکرہ کرتے تھے۔ سلیمان کو عورتوں اور نکاح کا شوق تھا۔ اس لئے اس کے زمانہ میں لوگ لونڈیوں اور شادیوں کا چرچا کرتے تھے۔ لیکن جب عمر بن عبد العزیز نے تختِ خلافت پر قدم رکھا تو لوگوں کا موضوع بدل کر مذہب و عبادت کی تفصیلات ہو گئیں۔“^۳

مذہبی تعلیم کی اشاعت :

احیائے شریعت کے لئے عمر بن عبد العزیز نے مذہبی تعلیم کی اشاعت کا خاص اہتمام کیا۔ قاضی ابوبکر بن حرم کو لکھا کہ لوگوں کو چاہئے کہ عام طور پر علم (علم شریعت) کی اشاعت کریں، تعلیم کے لئے حلقہ درس میں بیٹھیں تاکہ جو لوگ نہیں جانتے وہ جان لیں۔

ایک اور عامل کو لکھا کہ لوگوں کو حکم دو کہ وہ اپنی مسجدوں میں علم کی اشاعت کریں، کیونکہ سنتِ مردہ ہو چکی ہے۔^۴

جو علماء اس مقدس کام میں مصروف تھے، ان کو فکرِ معاش سے مطمئن کر دیا۔ حمص کے گورنر کو لکھا۔ ”جن لوگوں نے دنیا کو چھوڑ کر اپنے کو فقہ کی تعلیم کے لئے وقف کر دیا ہے، بیت المال سے سو سو

۱۔ ابن سعد۔ جلد ۵۔ ص ۲۵۲ ۲۔ بخاری کتاب الایمان باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔ فی الاسلام علی نفس

۳۔ طبری۔ ص ۱۲۷۲، ۱۲۷۳ ۴۔ سیرت عمر بن عبد العزیز۔ ص ۴

دینار ان کا وظیفہ مقرر کرو، تاکہ وہ اس حالت کو قائم رکھ سکیں^۱۔ علماء کے علاوہ طلباء کے وظائف مقرر کئے^۲۔

دور افتادہ ممالک میں تعلیم کی اشاعت کے لئے علماء بھیجے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے غلام نافع کو جو بڑے نامور عالم تھے، تعلیم حدیث کے لئے مصر بھیجا^۳۔ قاری جعفل بن عامان کو قرأت کی تعلیم دینے کے لئے مصر و مغرب بھیجا^۴۔ یزید بن ابی مالک دمشقی اور حارث بن یحجد الاشعری کو بدوؤں کی تعلیم کے لئے مقرر کیا^۵۔ یہ صرف چند نام ہیں، ورنہ جن جن مقامات پر ضرورت تھی، سب جگہ علماء بھیجے۔ اشاعت اسلام : سلطنت میں تو سب کے بجائے اسلام کی توسیع و اشاعت کو اپنا مقصد قرار دیا اور اس کے لئے ہر قسم کے مادی اور اخلاقی ذرائع اختیار کئے۔

امرائے فوج کو خاص طور سے ہدایت تھی کہ ”رومیوں کے کسی حلقہ اور ان کی کسی جماعت سے اس وقت تک جنگ نہ کرو، جب تک اسلام کی دعوت نہ دیدو“^۶۔

تمام عمال کو حکم دیا کہ ذمیوں کو اسلام کی دعوت دی جائے، جو ذمی اسلام قبول کر لیں ان کا جزیہ معاف کر دیا جائے۔ اس طریقہ سے اسلام کی بڑی اشاعت ہوئی۔ تنہا جراح بن عبداللہ حکمی ولی خراسان کے ہاتھوں چار ہزار ذمی مسلمان ہوئے^۷۔ اسماعیل بن عبداللہ بن ابی المہاجر والی مغرب کی تبلیغ سے سارے مغرب میں اسلام پھیل گیا^۸۔ اور مختلف ملکوں میں اس کثرت سے ذمی مسلمان ہوئے کہ متعدد والیوں نے خراج کی آمدنی گھٹ جانے کی شکایت کی۔ لیکن حضرت عمرؓ محمد العزیز نے مطلق اس کی پرواہ نہ کی۔ بعضوں کو جواب دیا کہ ”رسول اللہ ﷺ ہادی بنا کر بھیجے گئے تھے“^۹۔ بعض کو لکھا کہ ”میں یہ پسند کرتا ہوں کہ سارے ذمی مسلمان ہو جائیں اور ہماری تمہاری حیثیت صرف ایک کاشتکار کی رہ جائے کہ اپنے ہاتھوں سے کمائیں کھائیں“^{۱۰}۔ بعض عمال نے تجویز پیش کی کہ ذمی جزیہ کے خوف سے مسلمان ہوتے ہیں، اس لئے ختم کر کے ان کا امتحان لیا جائے۔ آپ نے لکھا کہ رسول اللہ ﷺ ہادی و رہنما تھے، خاتم نہ تھے“^{۱۱}۔

آپ کے محاسن اخلاق کی شہرت اور تبلیغ اسلام سے آپ کا شغف سن کر بعض ممالک نے خود اپنے یہاں مبلغ اسلام بھیجنے کی درخواست کی۔ چنانچہ تبت کے وفود کی درخواست پر آپ نے سلیط بن

۱۔ سیرت عمر بن عبدالعزیز۔ ص ۹۵

۲۔ جامع بیان العلم۔ ص ۸۸

۳۔ حسن المحاضرہ سیوطی۔ جلد اول۔ ص ۱۱۹

۴۔ سیرت عمر بن عبدالعزیز۔ ص ۷۴

۵۔ ایضاً

۶۔ ابن سعد۔ ترجمہ عمر بن عبدالعزیز

۷۔ فتوح البلدان۔ ص ۳۵۷

۸۔ ابن سعد۔ جلد ۵۔ ص ۲۸۵

۹۔ مقرر ی۔ جلد اول۔ ص ۱۲۵

۱۰۔ ابن سعد۔ جلد ۵۔ ص ۲۸۵

۱۱۔ سیرت عمر بن عبدالعزیز۔ ص ۹۹

عبداللہ خنی کو تبت روانہ کیا۔ اس طرح آپ کے زمانہ میں اسلام کی غیر معمولی اشاعت ہوئی۔ خلافت کو جمہوری بنانا چاہتے تھے :

حضرت عمر بن عبدالعزیز کا دل منشاء خلافت کو جمہوری شکل میں تبدیل کرنا تھا۔ لیکن یہ مستقل تغیر ان کے بس میں نہ تھا۔ اس لئے کہ اب شاہی خاندان میں موروثی بادشاہت اصولی حیثیت سے مسلم ہو چکی تھی اور عام مسلمان بھی اس کے خوگر ہو گئے تھے۔ عمر بن عبدالعزیز نے بعض مواقع پر اپنے اس خیال کا اظہار بھی کر دیا کہ ”اگر خلافت کا معاملہ میرے اختیار میں ہوتا تو میں قاسم بن عبداللہ کو خلیفہ بنادیتا“^۱۔ بلکہ ایک مرتبہ آل مروان کو اس کی دھمکی بھی دی۔ اس کا واقعہ یہ ہے کہ انہوں نے جمع ہو کر آپ سے کہا کہ گذشتہ خلفاء ہمارے ساتھ جو کچھ کرتے تھے، وہ سب آپ نے ختم کر دیا اور اس پر بڑی برہمی ظاہر کی۔ آپ نے فرمایا: ”اگر آئندہ پھر تم نے میرے سامنے اس قسم کی باتیں کیں تو میں چھوڑ کر مدینہ چلا جاؤں گا اور خلافت کو شوریٰ پر چھوڑ دوں گا۔ میں اس کے اہل (قاسم بن عبداللہ) کو پہچانتا ہوں“^۲۔

بادشاہت کے امتیازات کا استیصال :

لیکن سلیمان آپ کے بعد یزید بن عبدالملک کو نامزد کر گیا تھا۔ اس لئے یہ انقلاب آپ کے اختیار میں نہ تھا۔ تاہم جہاں تک ہو سکا آپ نے شاہنشاہیت کا زور توڑنے اور اس مفاسد کو دور کرنے کی پوری کوشش کی اور ہر شعبہ سے ملوکیت کے اثرات کو بالکل مٹا دیا۔

خلفاء کے ساتھ نقیب و علمبردار چلتے تھے نماز کے بعد رسول اللہ ﷺ کی طرح ان پر درود و سلام بھیجا جاتا تھا۔ اسلام میں خاص امتیاز برتا جاتا تھا۔ عمر بن عبدالعزیز نے ان تمام امتیازات کو مٹا دیا۔ چنانچہ پہلی مرتبہ جب کو تو ال نے حسب دستور نیزہ لے کر آپ کے ساتھ چلنا چاہا تو آپ نے روک دیا کہ مسلمانوں کا ایک معمولی فرد ہوں گے۔ سلام کے متعلق ہدایت فرمائی کہ عام طریقہ سے سلام کیا جائے^۳۔ عمال کو فرمان لکھا کہ پیشہ ور و اعظ خلفاء پر درود و سلام بھیجتے ہیں، انہیں روک دو اور حکم دو کہ وہ عام مسلمانوں کے لئے دعا کریں، باقی چھوڑ دیں^۴۔ مخصوص میرے لئے کوئی دعا نہ کرو، بلکہ تمام مسلمانوں، مردوں اور عورتوں کے لئے دعا کرو۔ اگر میں ان میں ہوں گا تو میں بھی شامل ہو جاؤں گا^۵۔

۱۔ یعقوبی۔ جلد ۲۔ ص ۳۶۲ ۲۔ ابن سعد۔ جلد ۵۔ ص ۲۵۳ ۳۔ ایضاً۔ ص ۲۵۳ ۴۔ سیرت عمر بن عبدالعزیز۔ ص ۵۲

۵۔ طبقات ابن سعد۔ جلد ۵۔ ص ۲۸۳ ۶۔ سیرت عمر بن عبدالعزیز۔ ص ۲۳۶ ۷۔ ابن سعد۔ جلد ۵۔ ص ۳۷۸

شاہی خاندان کے متعلق ابو بکر بن محمد کو لکھا کہ کسی کو صرف اس لئے ترجیح نہ دو کہ وہ خاندانِ خلافت سے تعلق رکھتا ہے۔ میرے نزدیک یہ لوگ عام مسلمانوں کے برابر ہیں۔ اور اسے عملاً کر کے دیکھایا۔

ایک مرتبہ مسلمہ بن عبد الملک ایک مقدمہ میں فریق کی حیثیت سے آپ کے اجلاس میں آیا اور فرش پر بیٹھ گیا۔ آپ نے اس سے کہا کہ ”اپنے فریق کی موجودگی میں تم فرش پر نہیں بیٹھ سکتے۔ یا تو عام لوگوں کے برابر بیٹھو یا کسی دوسرے کو اپنا وکیل مقرر کر دو۔“ شاہی خاندان کے وظائف عام مسلمانوں کے برابر کر دیئے۔ غرض ملوکیت کے کنگرے کو پست کر کے عام سطح کے برابر کر دیا۔

فتوحات : حکومت اور سلطنت کے باب میں آپ کا نقطہ نظر دوسرے خلفاء سے بالکل جداگانہ تھا۔ آپ کا مقصد اس کی توسیع نہیں بلکہ اس کی اصلاح تھی۔ اس لئے آپ کے زمانہ میں جو چیز سب سے آخری درجہ پر نظر آتی ہے، وہ فوجی سرگرمی ہے۔ چنانچہ سلطنت کی بقاء تحفظ اور قیام امن کی ضروریات کے علاوہ جارحانہ اقدام بہت کم ہوا۔ صرف اندلس کے بعض علاقوں کی بعض فتوحات کے علاوہ کوئی قابل ذکر فتوحات نہیں ہوئیں۔

خوارج کا مقابلہ : حضرت عثمانؓ کے عہد خلافت سے لے کر اس وقت تک کی تاریخ مسلمانوں کے خون سے رنگین تھی۔ اس لئے حضرت عمرؓ بن عبد العزیز نے اس میں اتنی احتیاط برتی کہ مفسدہ پرواز فتنہ پرست اسلامی فرقوں کے خلاف بھی تلوار نہ اٹھائی۔ خوارج اُمویوں کے پرانے دشمن تھے۔ ان کی مخالفانہ روش حضرت عمرؓ بن عبد العزیز کے عہد میں بھی قائم رہی۔ اپنے ہر ممکن طریقہ سے ان کو سمجھا بچھا کر باز رکھنے کی کوشش کی۔ عبد الحمید والی کوفہ جو خوارج کے مقابلہ میں تھے لکھا کہ ”جب تک یہ لوگ خون ریزی اور فساد نہ کریں ان سے کسی قسم کا تعرض نہ کیا جائے۔ ایک دور اندیش اور مستقل مزاج آدمی کو میرا یہ حکم سنا کر تھوڑی سی فوج کے ساتھ بھیج دو۔“ اس حکم کے مطابق عبد الحمید نے محمد بن جریر بنجلی کو دو ہزار سپاہیوں کے ساتھ روانہ کر دیا۔

اس سے زیادہ احتیاط یہ فرمائی کہ خوارج کے سردار بطام کو خط لکھ کر اصلاح و مناظرہ کی دعوت دی کہ ”آؤ ہم تم مناظرہ کر لیں۔ اگر ہم حق پر ہوں تو تم عام لوگوں کی طرح حلقہ اطاعت میں داخل ہو جاؤ۔ اگر تم حق ہو تو ہم اپنے معاملہ پر غور کریں۔ اس دعوت پر بطام نے دو شخصوں کو مناظرہ کے لئے بھیجا اور فریقین میں مناظرہ ہوا۔ اس کی تفصیلات کتابوں میں مذکور ہیں۔ حضرت عمرؓ بن عبد العزیز نے

انہیں ہر طرح سمجھانے کی کوشش کی، لیکن ان پر افہام و تفہیم کا کوئی اثر نہ ہوا اور وہ اپنی مفسدانہ روش سے باز نہ آئے۔ اس لئے حضرت عمرؓ بن عبد العزیز کو آخر میں مجبور ہو کر ان شرائط کے ساتھ ان سے جنگ کرنے کی اجازت دینا پڑی کہ

- ۱۔ عورت، بچے اور قیدی قتل نہ کئے جائیں، زخمیوں کا تعاقب نہ کیا جائے۔
 - ۲۔ فتح کے بعد جو مال غنیمت ہاتھ آئے، وہ ان کے اہل و عیال کو واپس کر دیا جائے۔
 - ۳۔ قیدی اس وقت تک مقید رہیں جب تک راہ راست پر نہ آجائیں۔
- ان پابندیوں کے ساتھ عبد الحمید نے ان پر حملہ کیا، لیکن شکست کھائی۔ حضرت عمرؓ بن عبد العزیز کو اس کی اطلاع ہوئی تو مسلمہ بن عبد الملک کو روانہ کیا۔ انہوں نے چند دنوں میں قابو حاصل کر لیا۔

خصوصیات حکومت پر اجمالی تبصرہ :

اوپر کے حالات سے حضرت عمرؓ بن عبد العزیز کی خلافت کی خصوصیات کا پورا اندازہ ہو جاتا ہے۔ اس لئے اس کی بنیادی خصوصیت پر اجمالی تبصرہ کیا جاتا ہے۔ آپ کی خلافت کی بنیاد کتاب اللہ، سنت رسول اللہ ﷺ اور خدا کی اطاعت پر تھی۔ ان بنیادی اصولوں اور اپنی حیثیت کو اپنی پہلی تقریر میں ان الفاظ میں واضح فرمایا :

”اما بعد لوگو ! تمہارے نبی کے بعد کوئی دوسرا نبی نہیں ہے اور اس پر جو کتاب نازل ہوئی ہے اس کے بعد کوئی دوسری کتاب نہیں ہے۔ خدا نے جو چیز حلال کر دی، وہ قیامت تک حلال رہے گی، اور جو چیز حرام کر دی، وہ قیامت تک حرام رہے گی۔ میں (اپنی جانب سے) کوئی فیصلہ کرنے والا نہیں ہوں۔ بلکہ (احکام الہی کو) نافذ کرنے والا ہوں۔ میں خود کوئی بات شروع کرنے والا نہیں ہوں، بلکہ محض پیرو ہوں۔ کسی کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ خدا کی نافرمانی میں اس کی اطاعت کی جائے۔ میں تم میں سے بہتر آدمی نہیں ہوں، البتہ خدا نے مجھ کو تمہارے مقابلہ میں زیادہ گراں بار کیا ہے۔“

امور خلافت میں خلافت فاروقی کو اپنے لئے نمونہ عمل بنایا۔ چنانچہ حضرت عمر فاروقؓ کے پوتے سالم بن عبد اللہؓ بن عمر کو لکھا :

۱۔ تاریخوں میں ان کی تفصیلات بہت طویل ہیں۔ ہم نے مختصر خلاصہ نقل کیا ہے۔ طبری اور ابن اثیر وغیرہ سب میں یہ حالات ہیں۔ ۲۔ ابن سعد۔ جلد ۵۔ ص ۲۵۶۔ ۲۵۱۔

”میں چاہتا ہوں کہ اگر خدا کو منظور ہو اور مجھ میں اس کی استطاعت ہو تو رعایا کے معاملہ میں عمر بن خطاب کی روش اختیار کروں۔ اس لئے تم میرے پاس عمر کی تحریریں اور ان کے فیصلے جو انہوں نے مسلمانوں اور ذمیوں کے بارے میں کئے ہیں، بھیج دو۔ اگر خدا کو منظور ہو گا تو ان کے نقش قدم پر چلوں گا۔“

لیکن اب زمانہ بدل چکا تھا۔ عہد رسالت پر مدت گزر چکی تھی صحابہ اٹھ چکے تھے۔ بنی امیہ کی حکومت نے اسلامی حکومت کے بارے میں عام مسلمانوں کا نقطہ نظر بدل دیا تھا۔ اس لئے اس زمانہ میں عہد فاروقی کو زندہ کرنا بہت مشکل تھا۔ سالم نے بھی ان دشواریوں کو محسوس کیا اور آپ کو لکھا کہ

”عمر نے جو کچھ کیا وہ دوسرے زمانہ میں اور دوسرے آدمیوں کے ذریعہ سے۔ اگر تم نے اس زمانہ میں اور ان آدمیوں کے ذریعہ سے عمر بن الخطاب کی پیروی کی تو تم ان سے افضل ہو گئے۔“

لیکن حضرت عمر بن عبدالعزیز نے اس تغیر حالات اور ہر طرح کے موانع و مشکلات کے باوجود ایک مرتبہ پھر فاروقی خلافت کا نمونہ دنیا کو دکھا دیا۔ اسی لئے بعض محدثین آپ کو پانچواں خلیفہ راشد مانتے ہیں۔

علامت : لیکن افسوس مسلمانوں کو ڈھائی سال سے زیادہ اس سراپا خیر و برکت، ہستی سے مستفیض ہونے کا موقع نہ ملا، اور جب اس عہد میں مجدد خلافت نے داعی اجل کو لبیک کہا۔

آپ کے سبب وفات کے بارے میں دو روایتیں ہیں۔ ایک یہ کہ آپ کی موت طبعی تھی۔ دوسرا بیان یہ ہے کہ بنی امیہ نے جب محسوس کیا کہ اگر آپ کی خلافت کا زمانہ زیادہ بڑھا تو اموی خاندان کی قوت ہمیشہ کے لئے توڑ دیں گے، تو انہوں نے آپ کے ایک غلام کو ایک ہزار اشرفی دے کر خفیہ زہر ڈاوا دیا۔ آپ کو اس کا علم ہو گیا۔ لیکن غلام پر کوئی سختی نہیں کی، بلکہ اشرفیاں واپس لے کر بیت المال میں داخل کر دیں اور غلام کو آزاد کر دیا۔

طیب نے بھی زہر تجویز کیا مگر آپ نے علاج کرنے سے انکار کر دیا اور فرمایا اگر ”مجھے یہ بھی یقین ہو جاتا کہ میرے کان کی او کے پاس میری شفا ہے تو بھی میں ہاتھ نہ بڑھاتا۔“

۱۔ سیرت عمر بن عبدالعزیز۔ ص ۱۳۱-۱۳۲ ملاحظہ و ابن سعد۔ جلد ۵۔ ص ۲۹۲

۲۔ ابوداؤد کتاب السنن باب فی السنن ص ۲۳۷ تاریخ الخلفاء۔ ص ۲۳۷ سیرت عمر بن عبدالعزیز۔ ص ۲۷۶

یزید بن عبد الملک کو وصیت نامہ :

زندگی سے مایوسی کے بعد اپنے بعد ہونے والے خلیفہ یزید بن عبد الملک کو یہ وصیت نامہ لکھا :

میں تم کو یہ وصیت نامہ اس حالت میں لکھ رہا ہوں کہ مرض سے لاغر ہو گیا ہوں۔ تم کو معلوم ہے کہ امور خلافت کے متعلق مجھ سے سوال کیا جائے گا اور خدا مجھ سے اس کا حساب لے گا اور میں اس سے اپنا کوئی کام نہ چھپا سکوں گا۔ خدا خود فرماتا ہے :

”فلنقصن علیہم بعلم و ما کنا غائبین“۔

”ہم ان کو علم سے قصہ سناتے ہیں اور ہم غیر حاضر نہ تھے۔“

”اگر خدا مجھ سے راضی ہو گیا تو میں کامیاب ہوا اور ایک طویل عذاب سے نجات پائی اور اگر مجھ سے ناراض ہوا تو افسوس ہے میرے انجام پر۔ میں اس خدا سے جس کے سوا کوئی خدا نہیں، دعا کرتا ہوں کہ مجھے اپنی رحمت سے دوزخ سے نجات دے اور اپنی رضا مندی سے جنت عطا کرے، تم کو تقویٰ اختیار کرنا چاہئے اور رعایا کا خیال رکھنا چاہئے۔ کیونکہ میرے بعد تم بھی تھوڑے ہی دن زندہ رہو گے۔ تم کو اس سے بچنا چاہئے کہ تم سے غفلت میں ایسی لغزش سرزد ہو جائے جس کی تلافی نہ کر سکو۔“

”سلیمان بن عبد الملک خدا کا بندہ تھا۔ خدا نے اسے وفات دی اور اس نے مجھ کو خلیفہ بنایا اور میرے بعد تم کو ولی عہد مقرر کیا۔ میں جس حالت میں تھا اگر وہ اس لئے ہوتی کہ میں بہت سی بیویوں کا انتخاب کروں اور مال و دولت جمع کروں تو خدا نے مجھ کو اس سے بہتر سامان دیئے تھے جو کسی بندہ کو دے سکتا تھا، لیکن میں سخت اور نازک سوال سے ڈرتا ہوں، بجز اس کے خدا میری دستگیری فرمائے۔“

اپنی اولاد کے متعلق ارشاد :

آپ کے اہل و عیال کے متعلق مسلمہ نے آپ سے کہا : ”امیر المومنین آپ نے ہمیشہ اپنی اولاد کا منہ اس مال و دولت سے خشک رکھا اور ان کو ایسی حالت میں چھوڑے جاتے ہیں کہ ان کے پاس کچھ نہیں ہے۔ کاش آپ ان کے متعلق مجھے یا اپنے خاندان کے کسی اور شخص کو کچھ وصیت کرتے جاتے۔“ یہ سن کر فرمایا، مجھے ٹیک لگا کر بٹھا دو، پھر فرمایا : ”تمہارا یہ کہنا کہ اس مال سے میں نے ہمیشہ

اپنی اولاد کا منہ خشک رکھا، تو خدا کی قسم میں نے ان کا کوئی حق تلف نہیں کیا، البتہ جس میں ان کا حق نہیں تھا وہ ان کو نہیں دیا۔ تمہارا یہ کہنا کہ میں تم کو یا کسی اور اہل خاندان کو وصیت کرتا جاؤں، تو اس معاملہ میں میرا وحی اور ولی صرف خدا ہے، جو صلحاء کا ولی ہوتا ہے۔ میرے لڑکے خدا سے ڈریں گے تو خدا ان کے لئے کوئی سبیل نکال دے گا اور گناہ میں مبتلا ہوں گے تو میں ان کو گناہ کرنے کے لئے قوی بناؤں گا۔^۱ اس کے بعد لڑکوں کو بلا کر باچشمہ پر نم فرمایا :

”میری جان تم پر قربان جن کو میں نے خالی ہاتھ چھوڑا ہے۔ لیکن خدا کا شکر ہے کہ میں نے تم کو اچھی حالت میں چھوڑا، میرے بچو! تم کسی ایسے عرب اور ذمی سے نہ ملو گے جس کا تم پر حق ہو، بچو دو باتوں میں سے ایک بات تمہارے باپ کے اختیار میں تھی، ایک یہ تم دولت مند ہو جاؤ اور تمہارا باپ دوزخ میں جائے۔ دوسرے یہ کہ تم محتاج رہو اور تمہارا باپ جنت میں داخل ہو۔ ان دونوں میں اس کو یہ زیادہ پسند تھا کہ تم محتاج رہو اور وہ جنت میں جائے۔ اچھا اب جاؤ، خدا تم کو حفظ و امان میں رکھے۔“^۲

آخری وصیتیں اور وفات :

بعض لوگوں نے عرض کیا، آپ مدینہ منتقل ہو جاتے اور روضہ نبوی ﷺ میں جو چوتھی جگہ خالی ہے اس میں رسول اللہ ﷺ، ابو بکرؓ و عمرؓ کے ساتھ دفن ہوتے۔ یہ سن کر فرمایا: خدا کی قسم آگ کے سوا اگر خدا مجھے ہر قسم کے عذاب دے تو میں انھیں بخوشی منظور کر لوں گا۔ لیکن یہ گوارا نہیں کہ خدا کو یہ معلوم ہو کہ میں اپنے آپ کو رسول اللہ ﷺ کے پہلو میں دفن ہونے کے قابل سمجھتا ہوں۔“^۳

اس کے بعد ایک ذمی سے قبر کے لئے زمین خریدی۔ اس نے قیمت لینے میں عذر کیا، اور کہا یہ میرے لئے خیر و برکت کا باعث ہے کہ آپ میری مملوکہ زمین میں دفن ہوں۔ لیکن آپ نے اسے منظور نہ کیا اور بہ اصرار قیمت حوالہ کی۔ پھر کفن اور دفن کے متعلق ضروری وصیتیں کیں اور آنحضرت ﷺ کے ناخن اور موئے مبارک منگا کر انہیں کفن میں رکھنے کی ہدایت کی۔^۴

دم آخر زبان پر یہ آیت تھی :

”تِلْكَ الدَّارُ الْآخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِينَ لَا يُرِيدُونَ عُلُوًّا فِي الْأَرْضِ وَلَا

فَسَادًا وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِينَ“

۱۔ سیرت عمر بن عبد العزیز۔ ص ۵۴ ۲۔ طبقات ابن سعد۔ جلد ۵۔ ص ۲۸۳ ۳۔ سیرت عمر بن عبد العزیز۔ ص ۲۳۶

۴۔ ایضاً۔ ص ۲۵۲

۵۔ ابن سعد۔ جلد ۵۔ ص ۲۷۸

”یہ آخرت کا گھر ہم ان لوگوں کے لئے بناتے ہیں جو زمین میں نہ تو برتری چاہتے ہیں اور نہ فساد کرتے ہیں اور عاقبت پرہیزگاروں کے لئے ہے۔“

یہی آیت تلاوت کرتے ہوئے واصل بحق ہوئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون^۱۔ یہ رجب کا مہینہ اور ۱۰؍ تھا۔ تاریخوں میں اختلاف ہے۔ وفات کے وقت انتالیس یا چالیس سال عمر تھی، درسمعان میں دفن کئے گئے۔

ازواج و اولاد : حضرت عمرؓ بن عبدالعزیز کی چار بیویاں تھیں اور ان سب سے اولادیں ہوئیں۔ لمیس بنت علی : ان سے تین لڑکے تھے۔ عبداللہ، بکر اور ام عمار۔ ام عثمان بنت شعیب : ان سے ایک لڑکا ابراہیم تھا۔ فاطمہ بنت عبدالملک : ان سے تین لڑکے تھے، اسحاق، یعقوب اور موسیٰ۔ ام ولید سے نو اولادیں تھیں، عبداللہ، ولید، عاصم، یزید، عبداللہ، عبدالعزیز، زبانا، اُمّہ اور ام عبداللہ۔
حلیہ : صورتہ پختل تھے۔ رنگ گورا اور چہرہ نازک تھا۔ خلافت سے پہلے عیش و تنعم کی زندگی کی وجہ سے جسم نہایت تروتازہ تھا۔ ازار بند پیٹ کے بنوں میں غائب ہو جاتا تھا، لیکن خلافت کے بعد زہدانہ زندگی نے رنگ روپ بالکل بدل دیا تھا۔ سوکھ کر لاغر ہو گئے تھے۔ پسلیاں بغیر چھوئے گئی جاسکتی تھیں۔^۲

فضل و کمال : حضرت عمرؓ بن عبدالعزیز کو اگر سیاسی حالات تختِ خلافت پر نہ بٹھا دیتے تو وہ مسندِ درس کی زینت ہوتے۔ علمی اعتبار سے وہ آئمہ کبار میں تھے، تمام علماء و مصنفین کا ان کی جلالتِ علمی پر اتفاق ہے۔ حافظ ذہبی لکھتے ہیں، ”کان فقیہا مجتهدا عارفاً بالسنن و کبیراً الشان ثبتاً حجة حافظاً قانتاً للہ او مأمناً“۔ ترجمہ : ”عمر بن عبدالعزیز امام فقیہ، مجتہد، عالم، سنت، کبیر الشان، مثبت، حجت، حافظ (حدیث) خدا کے فرماں بردار، نرم دل اور خدا کی طرف رجوع کرنے والے تھے۔ امام نووی لکھتے ہیں کہ ان کی جلالتِ فضیلت، وفور علم، صلاح، زہد و ورع، عدل، شفقت علی المسلمین، حسن سیرت، خدا کی راہ میں ان تھک کوشش، سنت نبوی اور آثار نبوی کے اتباع اور خلفاء راشدین کی اقتداء میں سب کا اتفاق تھا۔“^۳

معاصر علماء میں درجہ :

اس عہد کے اکابر علماء ان کے علمی کمالات کے مقابلہ میں طفلِ دبستان تھے۔ میمونہ بن مہران کہتے تھے کہ علماء عمرؓ بن عبدالعزیز کے سامنے شاگرد معلوم ہوتے تھے۔ ایک دوسری روایت کے

۱۔ ابن سعد۔ جلد ۵۔ ص ۲۷۱ ۲۔ تاریخ الخلفاء۔ ص ۲۳۴ ۳۔ تہذیب الاسماء۔ جلد اول ص ۱۷

۴۔ تذکرۃ الحفاظ۔ جلد اول۔ ص ۱۰۶

الفاظ ہیں کہ وہ علماء کے معلم تھے۔ چنانچہ جو علماء انھیں تعلیم دینے کے خیال سے ان کے پاس آتے تھے، وہ خود ان سے تعلیم حاصل کرتے تھے۔ مجاہد کا جو بڑے جلیل القدر تابعی عالم تھے، بیان ہے کہ ہم لوگ ان کے پاس تعلیم دینے کے لئے جاتے، لیکن کچھ دنوں بعد ہم خود ان سے تعلیم حاصل کرنے لگے۔
تفسیر: تفسیر قرآن میں نہایت وسیع نظر تھی۔ بڑے بڑے علماء قرآنی مشکلات میں آپ کی طرف رجوع کرتے تھے۔ ایک مرتبہ جاز اور شام کے کچھ علماء نے آپ کے صاحبزادے عبد الملک سے کہا کہ اپنے والد سے قرآن کی اس آیت:

”انی لهم التناوش من مكان بعيد“۔

”وہ دُور سے کیوں کر پا سکتے ہیں“۔

کے متعلق پوچھا کہ اس سے کیا مراد ہے۔ انہوں نے پوچھا۔ حضرت عمر بن عبد العزیز نے جواب دیا، اس سے مراد توبہ ہے۔ جس کی خواہش اس وقت کی جائے، جس وقت انسان اس پر قادر نہ ہو۔
حدیث: حدیث کے اجلہ حفاظ میں تھے۔ حافظ ذہبی ان کو امام، عارف سنت، حجت اور حافظ لکھتے ہیں۔^۱ امام مالک اور ابن عیینہ آپ کو امام وقت کہتے ہیں۔^۲

جتنی مرفوع حدیثیں ان کے حافظہ میں محفوظ تھیں اتنی کسی تابعی کے علم میں نہ تھیں۔ ایوب سختیانی کہتے تھے کہ میں جن جن لوگوں سے ملا، ان میں سے کسی کو عمر بن عبد العزیز سے زیادہ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرنے والا نہیں دیکھا۔^۳

احادیث نبوی کا تحفظ:

حدیث نبوی کی انہوں نے بڑی خدمت کی۔ ہر ممکن طریقہ سے اس کی اشاعت کی اور اس کو محفوظ کیا۔ ان کا سب سے بڑا کارنامہ احادیث نبوی کی تدوین اور اس کا تحفظ ہے۔ اگر آپ نے اس کی طرف توجہ نہ کی ہوتی تو احادیث نبوی ﷺ کا بڑا حصہ ضائع ہو جاتا۔

آپ کے زمانہ میں مرور زمانہ کے ساتھ اکابر علماء اور حفاظ حدیث اُٹھتے جاتے تھے۔ جب آپ نے دیکھا کہ یہ بہار آخری ہو رہی ہے، اگر احادیث کی حفاظت نہ کی گئی تو اس کا بڑا حصہ علماء کے ساتھ دفن ہو جائے گا، تو قاضی ابو بکر بن حزم گورنر مدینہ کو لکھا کہ احادیث نبوی تلاش و جستجو کر کے ان کو لکھ لو کیونکہ مجھے علم کے مٹنے اور علماء کے فنا ہونے کا خوف ہے۔ لیکن صرف رسول اللہ ﷺ کی احادیث قبول کی جائیں۔^۴

۱۔ تذکرۃ الحفاظ۔ جلد اول۔ ص ۱۰۶ ۲۔ سیرت عمر بن عبد العزیز۔ ص ۲۸ ۳۔ تذکرۃ الحفاظ۔ جلد اول۔ ص ۱۰۵ ۴۔ تہذیب الاسماء۔ جلد اول۔ ص ۱۸ ۵۔ بخاری کتاب العلم باب کیف یقبض العلم

حافظ ابن حجر کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ تمام صوبوں کے گورنروں کے نام اسی مضمون کا فرمان بھیجا تھا۔

اس حکم کی تعمیل ہوئی اور جمع شدہ احادیث کے مجموعے تیار کرا کے تمام ممالک محروسہ میں بھیجے گئے۔ سعد بن ابراہیم کا بیان ہے کہ ہم کو عمر بن عبدالعزیز نے حدیث جمع کرنے کا حکم دیا۔ ہم نے دفتر کی حدیثیں لکھیں اور انہوں نے ایک ایک مجموعہ جہاں جہاں ان کی حکومت تھی بھیجا۔

فقہ : فقہ میں امامت واجتہاد کا درجہ رکھتے تھے حافظ ذہبی لکھتے ہیں، ”کان اماماً فقیہاً مجتہداً“ انہوں نے حضرت عمرؓ کے ان تمام فقہی فیصلوں کو جو انہوں نے رعایا کے متعلق جمع کئے تھے، جمع کرایا تھا۔

شاعری : حضرت عمر بن عبدالعزیز کو اگرچہ مروجہ شاعری سے ذوق نہ تھا، لیکن اخلاقی اشعار پسند کرتے تھے اور کبھی کبھی خود بھی اس رنگ کے اشعار کہتے تھے۔ ابن جوزیؒ نے سیرت میں ان کے اشعار نقل کئے ہیں۔ ایک راگ بھی جو مدینہ میں بہت مقبول تھا، آپ کی جانب منسوب تھا۔ ممکن ہے مدینہ کی گورنری کے زمانہ میں جب کہ آپ کی طبیعت عیش و تنعم کی طرف راغب تھی یہ راگ ایجاد کیا ہو۔

خطابت : اگرچہ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے بحیثیت خطیب کے کوئی شہرت حاصل نہیں کی، لیکن آپ کے خطبات نہایت موثر اور دل پذیر ہوتے تھے۔ ابن جوزی نے آپ کے متعدد خطبات لکھے ہیں۔ حافظ نے کتاب البیان والتبيين میں جو بلیغ خطبات کا بہترین مجموعہ ہے، آپ کے ایک دو خطبے نمونہ نقل کئے ہیں۔

علماء کی قدردانی : گذشتہ خلفاء کی بزم طرب کی زینت شعراء، خطباء اورادیبوں سے تھی، لیکن عمر بن عبدالعزیز کا ذوق ان سے مختلف تھا۔ اس لئے ان کے زمانہ میں شعراء کا جوم چھٹ گیا اور اس کی جگہ علمائے دین نے لے لی۔

ان کی تخت نشینی کے بعد حسب معمول حجاز اور عراق کے مشہور شعراء میں نصیب جزیر، فرزدق، احوص، کثیر اور انھل قصیدے لے لے کر پہنچے اور عرصہ تک ٹھہرے رہے۔ لیکن کسی کو باریابی کی اجازت نہیں ملی۔ ان کے بجائے علماء و فقہاء کو بلاتے تھے اور ان کی قدردانی کرتے تھے۔ شعراء کی یہ کمپری دیکھ

۱۔ فتح الباری۔ جلد اول۔ ص ۱۷۴ ۲۔ جامع بیان العلم۔ ص ۳۸ ۳۔ تذکرۃ الحفاظ۔ جلد اول۔ ص ۱۰۵
۴۔ سیرت عمر بن عبدالعزیز ۵۔ ایضاً۔ ص ۲۳۸ ۶۔ کتاب البیان والتبيين۔ جلد اول۔ ص ۱۹۳

کرایک دن جریر نے عون بن عبد اللہ کے ذریعہ جو ایک ممتاز فقیہ تھے، یہ اشعار کہہ کر حضرت عمرؓ بن عبد العزیز کی خدمت میں بھیجے^۱ :

یایہا القاری المرخی عمامتہ ہذا زمانک انی ندمضی زمنی
اے وہ قاری جس کے عمامہ کا شملہ لنگ رہا ہے یہ تیرا زمانہ ہے، میرا زمانہ گزر گیا
ابلع خلیفتنا ان کنت لاقیہ انی لدی الباب کالمصور فی قرن
اگر ہم نے خلیفہ سے ملاقات ہو تو میرا یہ پیغام پہنچا دے کہ میں دروازہ پر بیڑیوں میں جکڑا ہوں

عون بن عبد اللہ نے عمرؓ بن عبد العزیز سے کہا کہ جریر سے میری آبرو بچائیے۔ آپ نے جریر کو باریابی کی اجازت دی۔ اس نے قصیدہ سنایا، جس میں اہل مدینہ کے مصائب و مشکلات کا حال تھا۔ حضرت عمرؓ بن عبد العزیز نے ان کے لئے کپڑا، غلہ اور نقد روپیہ بھیجا اور جریر سے پوچھا بتاؤ، ”تم کس جماعت سے ہیں، وہاں جرین میں، انصار میں۔ ان کے اعزہ میں، مجاہدین میں؟“ اس نے کہا کسی میں نہیں۔ فرمایا، ”پھر مسلمانوں کے مال میں تمہارا کیا حق ہے۔“

اس نے کہا خدا نے میرا حق مقرر کیا ہے، بشرطیکہ آپ اس کو نہ روکیں، میں ابن سبیل (مسافر) ہوں، دُور دراز کا سفر کر کے آپ کے آستانہ پر ٹھہرا ہوں۔ آپ نے فرمایا، ”اگر تم میرے پاس آنے ہو تو میں اپنی جیب سے تم کو بیس درہم دیتا ہوں، اس حقیر رقم پر خواہ میری تعریف کرو یا مذمت۔“ جریر نے اسے بھی غنیمت سمجھا اور اسے لے کر باہر آیا۔ دوسرے شعراء نے لپک کر پوچھا، کہو ابو حرزہ کیا معاملہ رہا۔ اس نے جواب دیا اپنا اپنا رستہ لو، یہ شخص شاعروں کو نہیں بلکہ گداگروں کو دیتا ہے۔

مگر علماء، فقہاء اور قراء کی بڑی قدر دانی تھی۔ ان کو دُور دُور سے بلا کر خواص میں داخل کرتے تھے^۲۔

زام خلافت ہاتھوں میں لینے کے بعد سالم بن عبد اللہ بن عمر، محمد بن کعب قرظی اور رجا، بن حیوۃ، رباح ابن عبیدہ سے امور خلافت میں مشورہ لیتے تھے^۳۔ میمون بن مہران، رجا، بن حیوۃ، رباح ابن عبیدہ آپ کے ندیم خاص تھے۔ ان کے علاوہ اور متعدد علماء آپ کے ہم جلس تھے^۴۔

فضائل اخلاق : اگرچہ حضرت عمرؓ بن عبد العزیز کے مجددانہ کارناموں کے بعد ان کے فضائل اخلاق لکھنے کی چنداں ضرورت نہیں کہ اس گلستان سے اس بہار کا پورا اندازہ ہو جاتا ہے،

۱۔ سیرت عمرؓ بن عبد العزیز۔ ص ۱۶۶۔

۲۔ ایضاً۔ ص ۱۶۶۔

۳۔ سیرت عمرؓ بن عبد العزیز۔ ص ۱۶۷-۱۶۸۔

۴۔ ابن سعد۔ ج ۵۔ ص ۲۹۲۔

تاہم اس پر بھی ایک سرسری نظر ڈال لینا مناسب ہوگا۔

خلافت سے پہلے آپ فطرۃ صالح اور سعید تھے۔ اس لئے زندگی کے کسی دور میں بھی آپ کا دامن اخلاق و انداز نہ تھا۔ لیکن خلافت سے پہلے آپ کی زندگی بڑے عیش و تنعم اور شان و شکوہ کی تھی۔

ان کا خود بیان ہے کہ مجھے لباس، عیش پرستی اور عطریات کا جب شوق ہوا، تو میں نے اسے اس قدر پورا کیا کہ میرے علم میں میرے خاندان بلکہ دوسرے خاندانوں میں بھی ایسی زندگی کسی کو نصیب نہ ہوئی ہوگی۔^۱

ان کے شوق اور نفاس مزاج کا یہ حال تھا کہ جب ان کے کپڑوں پر ایک مرتبہ دوسروں کی نظر پڑ جاتی تھی تو پھر انہیں وہ نہ آتا سمجھتے تھے۔^۲ ولید کے زمانہ میں ان کو چار چار سو درہم کی قیمت کا کپڑا سخت و کرخت معلوم ہوتا تھا، لیکن پھر چودہ درہم کا کپڑا بھی نرم و ملیح معلوم ہونے لگا تھا۔^۳ خوشبو کے لئے ڈاڑھی پر عنبر چھڑکتے تھے۔^۴ رجاء بن حیوۃ کا بیان ہے کہ عمر بن عبدالعزیز سب سے زیادہ خوش لباس، سب سے زیادہ معطر اور سب سے زیادہ بتختر کی چال چلنے والے تھے۔^۵

لیکن تختِ خلافت پر قدم رکھنے کے بعد زندگی یکسر بدل گئی۔ عیش و تنعم کے سارے سامان چھوٹ گئے اور عیش پروردہ عمر بن عبدالعزیز نے ابوذر غفاریؓ اور حسن بصریؒ کا قالب اختیار کر لیا۔ انہوں نے جس طرح دنیا سے دامن جھاڑا، اس کے کچھ حالات اوپر گزر چکے ہیں۔ ساری املاک بیت المال کو واپس کر دی۔ لونڈی غلام، فرش فروش، لباس و عطریات عیش و تجمل کے جملہ سامانوں کو بیچ کر اس کی قیمت بیت المال میں داخل کر دی۔^۶ بیت المال سے گزارہ کے لئے چار سو دینار سالانہ لیتے تھے اور بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ کچھ نہ لیتے تھے۔^۷ لباس بقدر ستر پوشی اور غذا بقدر لایموت سے زیادہ نہ ہوتی تھی۔

لباس : لباس میں عموماً صرف ایک جوڑا رہتا تھا، اسی کو دھو کر پہنتے تھے۔^۸ مرض الموت میں ایک قمیض کے علاوہ دوسری قمیض نہ تھی۔ آپ کے سارے مسلمہ بن عبد الملک نے اپنی بہن فاطمہ سے کہا کہ قمیض میلی ہو گئی ہے، لوگ عیادت کے لئے آتے ہیں، اس لئے دوسری بدلوا دو۔

۳۔ تہذیب الاسماء۔ جلد اول۔ ص ۲۰

۲۔ ایضاً۔ ص ۱۳۶

۱۔ سیرت عمر بن عبدالعزیز۔ ص ۵۶۶

۵۔ تہذیب الاسماء۔ جلد اول۔ ص ۲۱

۵۔ ایضاً

۲۔ سیرت عمر بن عبدالعزیز۔ ص ۱۵۱

۸۔ ایضاً۔ ص ۱۹۷

۷۔ سیرت عمر بن عبدالعزیز۔ ص ۲۷۲

۶۔ ابن سعد۔ ص ۲۹۶

وہ خاموش رہیں۔ مسلمہ نے دوبارہ کہا۔ فاطمہ نے جواب دیا، خدا کی قسم اس کے علاوہ دوسرا کپڑا نہیں ہے۔ پھر ایک جوتا بھی سالم نہ ہوتا تھا، اس میں بھی پیوند لگے ہوتے تھے۔ بچے بھی اسی تنگی سے بسر کرتے تھے۔

ایک مرتبہ آپ کی بچی کے پاس کپڑا نہ تھا۔ آپ نے حکم دیا کہ فرش پھاڑ کر تہ بنادیا جائے۔ آپ کی بہن کو خبر ہوئی تو انہوں نے ایک تھان بھجوادیا اور منع کر دیا کہ عمر سے نہ مانگنا۔

ایک مرتبہ آپ کے صاحبزادے نے کپڑے مانگے۔ آپ نے فرمایا میرے کپڑے خیار بن ریاح کے پاس رکھے ہیں، ان سے جا کر لے لو۔ وہ ان کے پاس گئے، انہوں نے گاڑھے کے کپڑے نکال کر دیئے۔ عبید اللہ نے کہا یہ تو ہمارے پہننے کے لائق نہیں ہیں۔ خیار نے کہا، میرے پاس تو امیر المومنین کے یہی کپڑے ہیں۔ عبید اللہ نے واپس جا کر حضرت عمر بن عبد العزیز سے بھی وہی سذر کیا۔ آپ نے فرمایا، میرے پاس تو یہی کپڑے ہیں۔ یہ جواب سن کر وہ لوٹنے لگے تو حضرت عمر بن عبد العزیز نے واپس بلا کر کہا کہ اگر اپنے وظیفہ سے پیشگی لینا چاہو تو لے سکتے ہو۔ چنانچہ سو درہم دلوادے، اور وظیفہ تقسیم ہونے کے وقت کاٹ لئے گئے۔

غذا : غذا نہایت معمولی اور سادہ ہوتی تھی۔ روٹی اور روغن زیتون یا دال روٹی کھاتے تھے۔ آپ کے غلاموں کو بھی یہی ملتا تھا۔ ایک مرتبہ ایک غلام نے شکایت کی کہ روز روز دال روٹی ملتی ہے۔ آپ کی بیوی نے جواب دیا، امیر المومنین کی یہی غذا ہے اور یہ غذا بھی پیٹ بھر کر نہ کھاتے تھے۔ آپ کے غلام کا بیان ہے کہ جب سے آپ خلیفہ ہوئے اس وقت سے وفات تک کبھی شکم سیر ہو کر کھانا نہیں کھایا۔

اگر کبھی کوئی اچھی چیز کھانے کی خواہش بھی ہوتی تھی تو اس کی قدرت نہ تھی۔ ایک مرتبہ انگور کھانے کو دل چاہا۔ بیوی سے پوچھا، تمہارے پاس ایک درہم ہے، میں انگور کھانا چاہتا ہوں۔ انہوں نے جھٹاکر جواب دیا، امیر المومنین ہو کر تم کو ایک درہم کی استطاعت نہیں۔ فرمایا، یہ جہنم کی آگ لڑیوں سے میرے لئے زیادہ آسان ہے۔

ان کی یہ زندگی دیکھ کر ان کی بیوی فاطمہ نے (جنہوں نے امارت کے گہوارے میں پرورش پائی تھی) بھی اسی رنگ میں اپنے کو رنگ لیا تھا اور بناؤ سنگار با اکل ترک کر دیا تھا۔

۱۔ سیرت عمر بن عبد العزیز - ص ۸۰ ۲۔ ایضاً - ص ۲۷۵ ۳۔ ایضاً - ص ۲۹۸ ۴۔ سیرت عمر بن عبد العزیز - ص ۲۷۳ ۵۔ ابن عساکر - جلد ۵ - ص ۲۷۴ ۶۔ سیرت عمر بن عبد العزیز - ص ۲۵۲

ایک مرتبہ ایک دولت مند گھرانے کی خاتون نے اس حالت میں دیکھ کر پوچھا تو انہوں نے کہا کہ میرے شوہر کی یہی پسند ہے۔^۱

ذمہ داری کا احساس اور خشیت الہی :

حکومت اور سلطنت دلوں کو سخت اور مواخذہ سے بے خوف بنادیتی ہے، لیکن عمر بن عبدالعزیز کے دل کو اس نے خشیت الہی سے لبریز کر دیا تھا۔ وہ خلافت کی ذمہ داریوں کے احساس سے لرزہ بر اندام رہتے تھے۔

آپ کا معمول تھا کہ عشا کے بعد تنہائی میں مسجد میں بیٹھ کر رورو کر دعائیں کرتے تھے اور اسی حالت میں آنکھ لگ جاتی تھی۔ آنکھ کھلتی تو پھر یہی مشغلہ جاری ہو جاتا۔ اسی طرح روتے دعائیں کرتے اور جاگتے سوتے ساری رات گزر جاتی تھی۔

یہ مشغلہ کبھی گھر میں بھی تنہائی میں ہوتا تھا۔ ایک دن بیوی نے دیکھ لیا، اس کی وجہ پوچھی۔ آپ نے ٹالنا چاہا، مگر بیوی نے اصرار کیا اور کہا میں بھی اس سے نصیحت حاصل کرنا چاہتی ہوں۔ اس وقت آپ نے بتایا کہ

”میں نے اپنے بارے میں غور کیا تو معلوم ہوا کہ میں اس امت کے چھوٹے بڑے اور سیاہ سپید جملہ امور کا ذمہ دار ہوں، اس لئے جب میں بیکس، غریب محتاج، فقیر، گم شدہ قیدی اور اس قبیل کے دوسرے آدمیوں کو یاد کرتا ہوں جو سارے ملک میں پھیلے ہوئے ہیں، جن کی ذمہ داری مجھ پر ہے اور خدا ان کے بارے میں مجھ سے سوال کرے گا اور رسول اللہ ﷺ ان کے متعلق مجھ پر دعویٰ کریں گے، اگر میں خدا کے سامنے کوئی عذر اور رسول اللہ ﷺ کے سامنے کوئی دلیل نہ پیش کر سکوں تو مجھے خوف پیدا ہو جاتا ہے اور میرے آنسو نکل آتے ہیں اور جس قدر میں ان چیزوں پر غور کرتا ہوں اسی قدر میرا دل خوفزدہ ہوتا ہے۔“^۲

بعض لوگ آپ کے گریہ و بکا پر ملامت کرتے۔ آپ جواب دیتے تم لوگ مجھے رونے پر ملامت کرتے ہو، حالانکہ اگر فرات کے کنارے بکری کا ایک بچہ بھی ہلاک ہو جائے تو فراس کے بدلہ میں پکڑا جائے گا۔^۳

۱۔ تاریخ طبرستان، ج ۱، ص ۱۵۸۔ ۲۔ تاریخ طبرستان، ج ۱، ص ۱۵۸۔ ۳۔ تاریخ طبرستان، ج ۱، ص ۱۵۸۔

ایک مرتبہ آپ نے ایک فوجی افسر سلیمان بن ابی کریمہ کو لکھا :
 ”خدا کی تعظیم و خشیت کا سب سے زیادہ مستحق وہ بندہ ہے، جس کو اس نے اس آزمائش
 میں ڈالا، جس میں میں ہوں۔ خدا کے نزدیک مجھ سے زیادہ سخت حساب دینے والا اور اگر
 اس کی نافرمانی کروں تو مجھ سے زیادہ ذلیل کوئی نہیں ہے۔ میں اپنی حالت سے سخت دل
 گرفتہ ہوں۔ مجھے خوف ہے کہ میرے یہ حالات مجھے ہلاک نہ کر دیں۔ مجھے معلوم ہوا ہے
 تم جہاد فی سبیل اللہ کے لئے جانے والے ہو، تو برادر من جب تم میدان جہاد میں پہنچ جاؤ
 تو خدا سے دعا کرو کہ وہ مجھے شہادت عطا فرمائے۔ اس لئے کہ میری حالت نہایت سخت اور
 میرا خطرہ بہت بڑا ہے۔“^۱

موت اور قیامت کا خوف :

سلاطین کی بزم طرب میں موت اور قیامت کے ذکر اور خوف کا گزر بھی نہیں ہوتا۔ لیکن عمرؓ
 بن عبدالعزیز کی مجلس بزم عزاء ہوتی تھی۔ رات کو علماء جمع ہو کر موت اور قیامت کا ذکر کر کے اس طرح
 روتے تھے جیسے ان کے سامنے جنازہ رکھا ہے۔^۲

رات رات بھر جاگ کر موت پر غور و فکر کیا کرتے تھے اور قبر کی ہولناکیوں کا ذکر کر کے بے ہوش
 ہو جاتے تھے۔ ایک مرتبہ اپنے ایک ہم جلس سے فرمایا، میں رات بھر غور و فکر میں جاگتا رہا۔ اس نے
 پوچھا کس چیز کے متعلق؟ فرمایا، قبر اور اہل قبر کے متعلق۔ اگر تم مردے کو تین دن بعد قبر میں دیکھو تو انس
 و محبت کے باوجود اس کے پاس جاتے ہوئے خوفزدہ ہو گے۔ تم ایسا گھر دیکھو گے جس میں خوش لباس
 اور خوشبو کے بجائے کٹرے رینگ رہے ہوں گے۔ پیپ بہر رہی ہوگی اور اس میں کٹرے تیر رہے
 ہوں گے، بد بو پھیلی ہوگی، کفن بوسیدہ ہو چکا ہوگا۔ یہ کہہ کر ہنسی بندھ گئی اور بے ہوش ہو کر گر پڑے۔ ان
 کی بیوی پانی چھڑک کر ہوش میں لائیں۔^۳

یزید بن حوشب کا بیان ہے کہ میں نے حسن بصری اور عمرؓ بن عبدالعزیز سے زیادہ کسی شخص کو
 قیامت سے ڈرنے والا نہیں دیکھا۔ معلوم ہوتا تھا، گویا دوزخ ان ہی کے لئے بنائی گئی ہے۔^۴

آیات قرآنی سے تاثر :

قرآن مجید کی موعظت آیات پڑھ کر بے حال ہو جاتے، ایک شب کو یہ آیت :

۱۔ ابن سعد۔ جلد ۵۔ ص ۲۹۲ ۲۔ تاریخ الخلفاء۔ ص ۲۳۷ ۳۔ سیرت عمرؓ بن عبدالعزیز۔ ص ۱۸۷

۴۔ ابن سعد۔ جلد ۵۔ ص ۲۹۲

”یوم یکون الناس کالفراش المبتوت وتکون الجبال کالعہن المنفوش“۔

”جس دن لوگ بکھرے ہوئے پروانوں کے ہوں گے اور پہاڑ مثل دھنکے ہوئے اون کے ہوں گے“۔

سلاوت کر کے زور سے چیخے و سوء صبا حاہ اور اُچھل کر اس طرح گرے کہ معلوم ہوتا تھا کہ دم نکل جائے گا، پھر اس طرح ساکن ہو گئے کہ معلوم ہوتا تھا ختم ہو گئے، پھر ہوش میں آ گئے^۱۔

ایک دن نماز میں یہ آیت :

”وفقواہم انہم مسئولون“۔

”ان کو بتادو کہ ان سے باز پرس کی جائے گی“۔

پڑھی تو اتنے متاثر ہوئے کہ اسی کو بار بار دہراتے رہے، اور اس سے آگے نہ بڑھ سکے^۲۔

دیانت : آپ کے فضائل اخلاق میں دیانت کا وصف سب سے زیادہ نمایاں ہے۔ مسلمانوں کے مال کی حفاظت میں آپ نے دیانت کا جو نمونہ پیش کیا، اس کی مثال کسی قوم کی تاریخ میں مشکل سے مل سکتی ہے۔

بیت المال سے کبھی معمولی فائدہ اٹھانا بھی گوارا نہ کیا۔ رات کو جب تک خلافت کے کام انجام دیتے تھے، اس وقت تک بیت المال کی شمع جلاتے تھے، اس کے بعد گل کر کے اپنا ذاتی چراغ جلواتے تھے^۳۔

بیت المال کی جانب سے فقراء اور مسکین کے لئے جو مہمان خانہ تھا، اس کے باورچی خانہ سے اپنے لئے پانی بھی گرم نہ کراتے تھے۔ ایک مرتبہ غفلت میں آپ کا ملازم ایک مہینہ تک اس مطبخ سے آپ کے وضو کا پانی گرم کرتا رہا۔ آپ کو معلوم ہوا تو اتنی لکڑی خرید کر باورچی خانہ میں داخل کرادیں^۴۔

ایک بار غلام کو گوشت کا ٹکڑا بھوننے کا حکم دیا، وہ اسی مطبخ سے لایا آپ نے اسے ہاتھ نہ لگایا، اور غلام سے فرمایا تم ہی کھاؤ، میری قسمت کا نہ تھا^۵۔

خلافت کے کاموں کے سلسلہ میں جو لوگ آتے تھے وہ اسی مہمان خانہ میں ٹھہرتے تھے۔ حضرت عمرؓ بن عبدالعزیز ان کے ساتھ کھانا نہ کھاتے تھے۔ ایک مرتبہ چند مہمانوں نے کھانے سے

۱۔ سیرت عمرؓ بن عبدالعزیز۔ ص ۱۹۰ ۲۔ ایضاً۔ ۱۹۱ ۳۔ تاریخ الخلفاء۔ ص ۲۳۷ وابن سعد۔ جلد ۵۔ ص ۲۹۵

۴۔ ابن سعد۔ جلد ۵۔ ص ۲۹۵ ۵۔ سیرت عمرؓ بن عبدالعزیز۔ ص ۶

انکار کر دیا کہ جب تک آپ نہ کھائیں گے ہم بھی نہ کھائیں گے۔ اس دن مجبور ہو کر مہمانوں کے ساتھ کھانے لگے، مگر اس کا معاوضہ دے دیتے تھے۔^۱

ایک مرتبہ بہت سے سیب آئے۔ آپ انہیں عام مسلمانوں میں تقسیم فرما رہے تھے۔ آپ کا چھوٹا بچہ ایک سیب اٹھا کر کھانے لگا، آپ نے اس کے منہ سے چھین لیا۔ وہ رونے لگا اور جا کر اپنی ماں سے شکایت کی۔ ماں نے بازار سے سیب مزگا کر دیئے۔ عمر بن عبد العزیز گھر آئے تو انہیں سیب کی خوشبو معلوم ہوئی۔ پوچھا فاطمہ کوئی سرکاری سیب تو تمہارے پاس نہیں ہے۔ انہوں نے سارا واقعہ بیان کر دیا۔ آپ نے فرمایا، ”خدا کی قسم اس کے منہ سے نہیں چھینا تھا، اپنے دل سے چھینا تھا۔ لیکن مجھے یہ پسند نہ تھا کہ میں مسلمانوں کے حصہ کے ایک سیب کے بدلہ میں اللہ تعالیٰ کے حضور میں اپنے نفس کو برباد کروں۔“

آپ کو لبنان کا شہد بہت مرغوب تھا۔ ایک مرتبہ آپ نے اس کی خواہش ظاہر کی۔ آپ کی بیوی نے وہاں کے حاکم ابن معدیکرب کے پاس کہلا بھیجا، انہوں نے بہت سا بھجوا دیا۔ فاطمہ نے حضرت عمر بن عبد العزیز کے سامنے پیش کیا۔ آپ نے شہد دیکھ کر فرمایا، معلوم ہوتا ہے تم نے ابن معدیکرب کے پاس کہلا بھیجا تھا، ان ہی نے بھیجا ہے۔ چنانچہ کل شہد بکوا کر اس کی قیمت بیت المال میں داخل کر دی، اور ابن معدیکرب کو لکھ بھیجا کہ تم نے فاطمہ کے کہلانے پر شہد بھیجا ہے، خدا کی قسم اگر آئندہ ایسا کیا تو اپنے عہدے پر نہ رہو گے، اور تمہارے چہرے پر نظر نہ ڈالوں گا۔^۲

ایک مرتبہ آپ کی حاملہ بیوی کے لئے تھوڑے سے دودھ کی ضرورت تھی۔ لونڈی مہمان خانہ سے ایک پیالہ دودھ لے آئی۔ آپ نے پوچھا یہ کیا ہے؟ اس نے کہا بی بی کے لئے دودھ کی ضرورت تھی، اگر اس وقت دودھ نہ دیا جائے گا تو اسقاط کا اندیشہ ہے۔ اس لئے یہ دودھ داراضیافہ سے لے آئی ہوں۔ یہ سن کر لونڈی کا ہاتھ پکڑا اور چلاتے ہوئے بیوی کے پاس لائے اور کہا، اگر حمل فقراء و مساکین کے کھانے کے علاوہ اور کسی چیز سے قائم نہیں رہ سکتا تو خدا اس کو قائم نہ رکھے۔ یہ برہمی دیکھ کر بیوی نے دودھ واپس کرادیا۔^۳

احتیاط کا آخری نمونہ یہ ہے کہ ایک مرثبہ بیت المال کا مشک آپ کے سامنے لایا گیا۔ آپ نے ناک بند کر لی کہ اس کی خوشبو نہ آنے پائے۔ لوگوں نے عرض کیا امیر المؤمنین اس کی خوشبو سونگھ لینے میں کیا ہرج ہے۔ فرمایا، مشک کا انتفاع یہی ہے۔^۴

۱۔ سیرت عمر بن عبد العزیز۔ ص ۱۶۲ ۲۔ ایضاً ۳۔ ایضاً۔ ص ۵۸ ۴۔ ابن سعد۔ جلد ۵۔ ص ۲۷۹

۵۔ سیرت عمر بن عبد العزیز۔ ص ۱۶۰

تحت خلافت پر قدم رکھنے کے بعد ہدایا و تحائف کا سلسلہ بند کر دیا تھا۔ ایک مرتبہ کسی شخص نے آپ کو سیب اور دوسرے میوے ہدیہ میں بھیجے۔ آپ نے واپس کر دیئے۔ بھیجنے والے نے آپ سے کہا ہدیہ تو رسول اللہ ﷺ قبول فرماتے تھے۔ آپ نے جواب دیا، لیکن ہمارے لئے اور ہمارے بعد والوں کے لئے وہ رشوت ہے^۱۔ ابن جوزی نے اس قبیل کے اور بہت سے واقعات لکھے ہیں۔

توکل : توکل اور اعتماد علی اللہ نے تمام خطرات سے بے پرواہ کر دیا تھا۔ جس زمانہ سے امیر معاویہ پر حملہ ہوا تھا، اس زمانہ سے خلفاء کی حفاظت کا بڑا اہتمام رہتا تھا۔ سینکڑوں سپاہی پہرہ پر متعین رہتے تھے۔ عمر بن عبدالعزیز نے دوسرے سامان تجل اس کو بھی ختم کر دیا۔

ایک مرتبہ بعض ہوا خواہوں نے عرض کیا کہ گذشتہ خلفاء کی طرح آپ بھی دیکھ بھال کر کھایا کیجئے اور حملہ کی حفاظت کے لئے نماز میں پہرہ کا انتظام رکھا کیجئے۔ طاعون میں ہٹ بایا کریں۔ یہ سن کر فرمایا، اس حفاظت کے باوجود آخر وہ لوگ کیا ہوئے۔ جب لوگوں نے زیادہ اصرار کیا تو فرمایا، خدایا اگر میں تیرے علم میں روز قیامت کے علاوہ اور کسی دن سے ڈروں تو تو میرے خوف کو اطمینان نہ دلانا^۲۔

تواضع و مساوات :

ترفع، کبر، خودنمائی اور عدم مساوات وغیرہ امارت کے لوازم میں ہیں۔ خود حضرت عمر بن عبد العزیز میں خلافت سے پہلے بڑی تمکنت تھی۔ لیکن خلافت کے بعد سراپا عجز و انکساری اور مساوات کا نمونہ بن گئے تھے۔

اوپر گزر چکا ہے کہ خلافت کے بعد انہوں نے تمام شاہی امتیازات مٹا دیئے تھے اور فرمایا تھا کہ ”میں بھی عام مسلمانوں کی طرح ایک مسلمان ہوں“۔ سرکاری پہرہ داروں کو تعظیم کے لئے اٹھنے کی ممانعت کر دی اور خود ان کے ساتھ برابر بیٹھتے تھے^۳۔

لوٹڈی غلاموں کے ساتھ برتاؤ اتنا مساویانہ تھا کہ کبھی کبھی آپ خود بھی ملازمین کی خدمت کرتے تھے۔ ایک مرتبہ پنکھا جھلٹے جھلٹے ایک لوٹڈی کی آنکھ لگ گئی۔ آپ نے پنکھا لے کر اس کو جھلٹا شروع کر دیا۔

اس کی آنکھ کھلی تو گھبرا کر چلائی۔ آپ نے فرمایا، آخر تم بھی میری طرح انسان ہو، تم کو بھی گرمی لگتی ہوگی، جس طرح تم مجھے پنکھا جھل رہی تھیں، میں نے تم کو جھلٹا مناسب سمجھا^۴۔

۱۔ سیرت عمر بن عبدالعزیز۔ ص ۱۶۰ ۲۔ ابن سعد۔ جلد ۵۔ ص ۲۹۴ ۳۔ سیرت عمر بن عبدالعزیز ۴۔ ایضاً۔ ص ۵۷

جنازہ میں شرکت کے وقت خلفاء کے لئے علیحدہ چادر بچھائی جاتی تھی۔ چنانچہ حسب معمول جب آپ کے لئے پہلی مرتبہ بچھائی گئی تو آپ نے اس کو پیروں سے ہٹا دیا۔^۱

ملازموں کے آرام میں خلل نہ ڈالتے تھے اور ان کے آرام کے اوقات میں خود اپنے ہاتھ سے کام کر لیتے تھے۔ ایک مرتبہ رجاہ بن حیوۃ سے گفتگو میں رات گزر گئی اور چراغ جھلملانے لگا۔ پاس ہی ملازم سویا ہوا تھا۔ رجاہ نے کہا اسے جگا دوں۔ فرمایا سونے دو۔

رجاہ نے خود چراغ درست کرنے کا ارادہ کیا۔ آپ نے روک دیا کہ مہمان سے کام لینا مروت کے خلاف ہے اور خود اٹھ کر زیتون کا تیل لیا اور چراغ ٹھیک کر کے پلٹ کر فرمایا، جب میں اٹھا تھا تب بھی عمر بن عبدالعزیز تھا اور اب بھی عمر بن عبدالعزیز ہوں۔^۲

اس تو اضع اور مساوات کی وجہ سے ان لوگوں کو جو خلیفہ میں جاہ و جلال دیکھنے کے عادی تھے، آپ کے پیچانے میں وقت ہوتی تھی۔ حکم بن عمرو الریمی کا بیان ہے کہ عمر بن عبدالعزیز ایک حلقہ سے اٹھ کر دوسرے حلقہ میں بیٹھ جاتے تھے اور وہ اجنبی جو آپ کو پہچانتے نہ تھے، انہیں جب تک اشارہ سے بتایا نہ جاتا، اس وقت تک وہ پہچان نہ سکتے تھے۔^۳

اس مختصر تذکرہ میں ان کے اخلاق کمال کا احاطہ مشکل ہے۔ اس لئے صرف چند نمونے پیش لئے گئے ہیں۔

۷۱ (۵۳) عمرو بن مرہ

نام و نسب : عمرو نام ہے۔ ابو عبد اللہ کنیت۔ نسب نامہ یہ ہے : عمرو بن مرہ بن عبد اللہ بن طارق بن الحارث ابن سلمہ بن کعب بن وائل بن جمل بن کنانہ بن نابہ بن مراد جمل مرادی۔

فضل و کمال : علمی اعتبار سے کوفہ کے ممتاز علماء میں تھے۔ حافظ ذہبی لکھتے ہیں، کان ثقة ثبتا اماما مسعر کہتے ہیں کہ میں نے ان سے افضل کسی کو نہیں پایا۔^۴

حدیث : حفظ حدیث کے لئے یہ سند کافی ہے کہ حافظ ذہبی ان کو حافظ کا لقب دیتے ہیں۔ عبد الرحمن بن مہدی انہیں حفاظ کوفہ میں شمار کرتے تھے۔^۵

۱۔ سیرت عمر بن عبدالعزیز۔ ص ۱۷۲

۲۔ ایضاً۔ ص ۱۷۳

۳۔ ایضاً۔ ص ۱۷۳-۱۷۴

۴۔ ایضاً

۵۔ تذکرۃ الحفاظ۔ جلد اول۔ ص ۱۰۸

حفص بن غیاث کا بیان ہے کہ میں نے اعمش سے عمرو بن مروہ کے علاوہ کسی کی تعریف نہیں سنی۔ وہ کہتے تھے کہ ابن مروہ اپنی روایات میں مامون تھے۔ شعبہ کہتے تھے کہ تمام راویان حدیث سے حدیثوں میں کچھ نہ کچھ روو بدل ہو جاتا ہے۔ صرف ابن عون اور عمرو بن مروہ اس سے مستثنیٰ ہیں۔ مسعر کہتے ہیں کہ وہ صدق کی کان ہیں۔^۱

حدیث میں انہوں نے عبد اللہ بن اوفی، ابو وائل، مرۃ الطیب، سعید بن مسیب، عبد الرحمن ابن ابی لیلیٰ، عبد اللہ بن حارث نجرانی، عمرو بن میمون ادوی، عبد اللہ بن سلمہ، حسن بن مسلم، خثیمہ بن عبد الرحمن، سعد بن عبیدہ، سعید بن جبیر اور ابراہیم نخعی جیسے علماء سے استفادہ کیا تھا۔ ابو اسحق سبعی اعمش، منصور، زید بن ابی ایسہ، مسعر، علاء بن مسیب، اوزاعی، ابن ابی لیلیٰ، ثوری، شعبہ وغیرہ آپ کے زمرہ تلامذہ میں تھے۔^۲

نماز میں اخلاص :

اس علم کے ساتھ وہ عمل کے زیور سے آراستہ تھے۔ نماز اس خضوع سے پڑھتے تھے کہ معلوم ہوتا تھا پڑھتے ہی مغفرت ہو جائے گی۔ شعبہ بیان کرتے ہیں کہ جب جب میں نے عمرو بن مروہ کو نماز پڑھتے دیکھا، ہمیشہ یہی خیال ہوا کہ نماز سے لوٹنے سے قبل ہی ان کی قبولیت ہو جائے گی۔^۳ ایک روایت میں ہے کہ ان کی مغفرت ہو جائے گی۔^۴

وفات : ۱۱۶ھ میں وفات پائی۔ جنازہ میں عبد الملک بن مسیرہ کی زبان پر یہ کلمہ تھا کہ وہ خیر البشر تھے۔^۵

(۵۴) علقمہ بن قیسؓ

نام و نسب : علقمہ نام ہے۔ ابوشلی کنیت، مشہور محدث ابراہیم نخعی کے ماموں اور اسود بن یزید کے چچا تھے۔ نسب نامہ یہ ہے : علقمہ بن قیس بن عبد اللہ بن مالک بن علقمہ بن سلمان بن کہیل بن بکر بن عوف بن نخع نخعی۔

پیدائش : آنحضرت ﷺ کے عہد میں پیدا ہوئے۔

۳ ابن سعد جلد ۶۔ ص ۲۲۰

۲ ایضاً۔ ص ۱۰۲

۱ تہذیب التہذیب۔ جلد ۸۔ ص ۱۲-۱۳

۵ ابن سعد۔ جلد ۶۔ ص ۲۲۰

۲ تذکرۃ الحفاظ۔ جلد اول۔ ص ۱۰۸

فضل و کمال : فضل و کمال اور زبرد و ورع کے لحاظ سے ممتاز تابعین میں تھے۔

انہوں نے زمانہ ایسا پایا کہ بہت سے اکابر صحابہ سے استفادہ کا موقع ملا۔ حضرت عمر فاروقؓ، حضرت علی مرتضیٰؓ، عبداللہ بن مسعودؓ، حذیفہ بن یمانؓ، سلمان فارسیؓ، ابی مسعود بدریؓ، ابودرداء انصاریؓ وغیرہ اکابر صحابہؓ موجود تھے۔ ان سے انہوں نے روایتیں کی ہیں۔ لیکن فقیہ الامت عبداللہ بن مسعودؓ کے سرچشمہ فیض سے خصوصیت کے ساتھ زیادہ مستفید ہوئے تھے۔ انہوں نے ان کو ابتداء سے انتہا تک تعلیم دی۔

اسود کا بیان ہے کہ عبداللہ بن مسعودؓ علقمہ کو جس طرح قرآن کی تعلیم دیتے تھے، اسی طرح تشہد کی تعلیم دیتے تھے۔ ان کی اس توجہ اور فیض بخشی سے علقمہ، ابن مسعودؓ کا مثنیٰ بن گئے تھے۔ ابن مسعودؓ خود فرمایا کرتے تھے کہ میں جو کچھ پڑھتا اور جانتا ہوں وہ سب علقمہ پڑھتے اور جانتے ہیں۔ ان کے علمی کمالات پر تمام علماء و محدثین کا اتفاق ہے۔ حافظ ذہبی لکھتے ہیں کہ وہ فقیہ اور امام بارع تھے۔ علامہ نووی لکھتے ہیں کہ علقمہ بلند مرتبہ جلیل القدر اور صاحب کمال فقیہ تھے۔

قرآن : علقمہ کو قرآن، حدیث اور فقہ جملہ علوم میں یکساں کمال حاصل تھا۔ قرآن کی تعلیم مسعودؓ سے حاصل کی تھی۔ کان جود القرآن علی مسعودؓ ابن مسعودؓ کبھی کبھی اپنے قرأت کی صحت کے لئے خود علقمہ کو قرآن پڑھ کر سنا تے تھے۔

علقمہ کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ ابن مسعودؓ نے مجھ سے کہا کہ تم سورہ بقرہ میں میری گرفت کرو، چنانچہ اسے سنا کر مجھ سے پوچھا، میں نے کچھ چھوڑا تو نہیں۔ میں نے کہا ایک حرف چھوٹ گیا ہے۔ انہوں نے خود ہی کہا فلاں حرف، میں نے کہا، ہاں۔

نہایت خوش گلو اور شیریں آواز تھے۔ اس لئے ابن مسعودؓ انہیں ترتیل کے ساتھ قرآن پڑھنے کی ہدایت کرتے تھے۔ ان کا خود بیان ہے کہ خدا نے مجھے خوش آوازی عطا فرمائی ہے۔ عبداللہ بن مسعودؓ مجھ سے قرآن پڑھوا کر سنتے اور فرماتے، میرے ماں باپ تم پر فدا ہوں، خوش آوازی کے ساتھ پڑھا کرو۔ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے۔ آپ فرماتے تھے کہ حسن صوت قرآن کی زینت ہے۔

۱۔ تاریخ عمر بن عبد العزیز ۱۷۳-۱۷۴ ۲۔ طبقات ابن سعد۔ جلد ۶۔ ص ۵۹ ۳۔ تذکرۃ الحفاظ۔ جلد اول۔ ص ۱۴۱

۴۔ ایضاً۔ ص ۱۴۲ ۵۔ تہذیب الاماء۔ جلد اول۔ ص ۳۳۲ ۶۔ تذکرۃ الحفاظ۔ جلد اول۔ ص ۱۴۱

۷۔ ابن سعد۔ جلد ۶۔ ص ۶۰ ۸۔ ایضاً

حدیث : حدیث کے وہ نہایت ممتاز حفاظ میں تھے۔ حافظہ نہایت قوی تھا۔ جو چیز ایک دفعہ یاد کر لی وہ گویا کتاب میں محفوظ ہو گئی۔ ان کا بیان ہے کہ میں نے جو چیز جوانی کے زمانہ میں یاد کی اس کو اس طرح پڑھتا ہوں گویا ورق میں لکھی ہوئی تحریر کو پڑھتا ہوں۔ اس حافظہ کے ساتھ انہیں حضرت عمر فاروقؓ، حضرت عثمان غنیؓ، حضرت علی مرتضیٰؓ، سعدؓ، حذیفہ بن یمانؓ، ابو درداءؓ، حضرت عائشہ صدیقہؓ اور عبد اللہ بن مسعودؓ جیسے اکابر اور علماء صحابہ سے استفادہ کا موقع ملا^۱۔

ان بزرگوں کے فیض نے انہیں حدیث کا بڑا حافظ بنادیا۔ علامہ ابن سعد ان کو کثیر الحدیث^۲ اور حافظ ذہبی امام بارع لکھتے ہیں^۳۔ عبد اللہ بن مسعودؓ کی احادیث کو بیشتر حصہ بلکہ قریب قریب کل علقمہ کے سینہ میں محفوظ تھا^۴۔

روایت حدیث میں احتیاط :

لیکن اس وسعت علم کے باوجود وہ محدث بننا اور اس کے ذریعہ عظمت و جاہ حاصل کرنا پسند نہ کرتے تھے۔ ابن مسعودؓ کے انتقال کے بعد لوگوں نے ان سے درخواست کی کہ اب آپ سنت کی تعلیم کے لئے بیٹھئے۔ انہوں نے جواب دیا کہ تم لوگ چاہتے ہو کہ لوگ میرے پیچھے چلیں^۵۔

تلامذہ : حدیث میں ان کے تلامذہ کا دائرہ بہت وسیع تھا۔ عبد الرحمن بن یزید، ابراہیم ابن سعد، امام شعبی، ابو قادنحی، شقیق بن سلمہ بن کہیل، قیس رومی، قاسم بن خمیرہ، ابو الخنسی سہمی وغیرہ ان کے تلامذہ میں ہیں۔ ان میں ان کے بھانجے ابراہیم نخعی اور بھتیجے اسود بن یزید خصوصیت کے ساتھ لائق ذکر ہیں^۶۔

فقہ : فقہ کا فن بھی انہوں نے فقیہ الامت ابن مسعودؓ سے حاصل کیا تھا۔ اس لئے اس میں امامت و اجتہاد کا درجہ رکھتے تھے۔ کان فقیہا اما ما بارعاً^۷۔ امام نووی صاحب کمال فقیہ لکھتے ہیں^۸۔

وسعت علم : وسعت علم کے اعتبار سے علقمہ ابن مسعودؓ کے ممتاز اصحاب میں سے تھے۔ ابن مدائنی کا بیان ہے کہ عبد اللہ بن مسعودؓ کے علم کے بڑے حاملین علقمہ، اسود عبیدہ اور حارث تھے^۹۔ ان میں علقمہ سب پر فائق تھے۔ ابراہیم کا بیان ہے کہ ابن مسعود کے چھ اصحاب لوگوں کو درس اور

۱۔ ابن سعد۔ جلد ۶۔ ص ۶۲ ۲۔ ایضاً ۳۔ تذکرۃ الحفاظ۔ جلد اول۔ ص ۱۴۱ ۴۔ ابن سعد۔ جلد ۶۔ ص ۶۰
۵۔ تہذیب التہذیب۔ جلد ۷۔ ص ۲۷۷ ۶۔ تذکرۃ الحفاظ۔ جلد اول۔ ص ۱۴۱ ۷۔ تہذیب التہذیب۔ ص ۱۴۱
۸۔ تہذیب التہذیب۔ جلد ۷۔ ص ۲۷۷ ۹۔ تہذیب التہذیب۔ جلد ۷۔ ص ۲۷۷

سنت کی تعلیم دیتے تھے۔ ان میں دو علقمہ اور اسود تھے۔ ابوالہذیل نے پوچھا، ان دونوں میں کون افضل تھا۔ انہوں نے علقمہ کا نام لیا۔ عبد اللہ بن مسعودؓ کی یہ سند کہ جو کچھ میں پڑھتا ہوں اور جانتا ہوں، وہ سب علقمہ پڑھتے اور جانتے ہیں۔ ان کے وسعتِ علم کے لئے کافی ہے۔

صحابہ کا استفادہ :

ان کا علمی کمال اتنا مسلم تھا کہ صحابہ رسول ﷺ تک ان سے استفادہ کرتے تھے۔ جو ایک تابعی کے لئے بہت بڑا طغراء امتیاز ہے۔ ابوظہبان کا بیان ہے کہ میں نے متعدد صحابہ رسول ﷺ کو دیکھا ہے کہ وہ علقمہ سے مسائل پوچھتے تھے اور استفادہ کرتے تھے۔

فضائل اخلاق :

عادات و خصائل اور اخلاق میں علقمہ ذاتِ نبوی کا نمونہ تھے۔ ابراہیم کا بیان ہے کہ عبد اللہ بن مسعودؓ طور طریق اور عادات و خصائل میں نبی کریم ﷺ کے مشابہ تھے، اور علقمہ عبد اللہ بن مسعودؓ کے مشابہ تھے۔ اس طرح گویا علقمہ رسول اللہ ﷺ کے مشابہ تھے۔ علقمہ عادت و خصائل میں ابن مسعودؓ سے اس درجہ مشابہ تھے کہ جن لوگوں نے ان کو نہیں دیکھا تھا وہ علقمہ کو آئینہ عمل میں ان کی تصویر دیکھ سکتے تھے۔^۵

زہد و عبادت : یہ مشابہت محض علم اور ظاہری خصائل تک محدود نہ تھی۔ بلکہ عمل میں بھی وہ ابن مسعودؓ کے ساتھ کامل مشابہت رکھتے تھے۔ ان کا شمار علمائے ربانین میں تھا۔^۶ حافظ ذہبی لکھتے ہیں کہ وہ صاحبِ خیر و ورع تھے۔^۷

تلاوتِ قرآن : قرآن کے ساتھ ان کو غیر معمولی شغف و انہماک تھا۔ معمولاً چھ دن میں ایک قرآن ختم کرتے تھے۔^۸ کبھی کبھی ایک رات میں پورا قرآن پڑھ ڈالتے تھے۔

ابراہیم کا بیان ہے کہ علقمہ ایک مرتبہ مکہ گئے۔ شب کے وقت انہوں نے طواف شروع کیا۔ پہلے سات پھیروں میں انہوں نے طواف ختم کیں، دوسرے سات پھیروں میں میمن، تیسرے سات پھیروں میں مثانی اور چوتھے میں بقیہ سورتیں ختم کیں۔ اس طرح انہوں نے ایک شب میں طواف کی حالت میں پورا قرآن تمام کر دیا۔^۹

۱۔ تہذیب التہذیب۔ جلد ۷۔ ص ۲۷۷ ۲۔ تذکرۃ الحفاظ۔ جلد اول ص ۳۱ ۳۔ تہذیب التہذیب۔ جلد ۷۔ ص ۲۷۸ ۴۔ ابن سعد۔ جلد ۶۔ ص ۵۸ ۵۔ تہذیب التہذیب۔ جلد ۷۔ ص ۲۷۷ ۶۔ ابن سعد۔ جلد ۶۔ ص ۶۱ ۷۔ تذکرۃ الحفاظ۔ جلد اول۔ ص ۳۲ ۸۔ ابن سعد۔ جلد ۶۔ ص ۶۰ ۹۔ ایضاً۔ ص ۵۹

قرآن کے ساتھ اس شیخگی کا یہ نتیجہ تھا کہ آیات قرآنی ان کی زبان پر اس قدر جاری ہو گئی تھیں کہ عموماً ہر کام آیت قرآنی کے اشارے سے شروع کرتے تھے۔ کھانے کے وقت قرآن کی اس آیت فان طبن لکم عن شیء منہ نفساً فکلوه ہنينا مرنیا کی طرف اشارہ کر کے بیوی سے کھانا مانگتے کہ مجھے ان لذیذ اور خوشگوار کھانوں میں سے کھلاؤ۔

رکاب پر پاؤں رکھتے ہوئے پڑھتے، الحمد للہ سبحان الذی مسخر لنا هذا وما کنا له مقرنین و انا الی ربنا لمنقلبون۔

جہاد فی سبیل اللہ :

اس علم کے ساتھ جہاد کا بھی ولولہ رکھتے تھے۔ چنانچہ ۳۲ھ میں امیر معاویہ کے ساتھ قسطنطنیہ کی مہم میں شریک ہوئے۔ اس مہم کے اکثر شرکاء آنحضرت ﷺ کی ایک پٹن گولی کا مصداق بننے کے لئے جذبہ شہادت سے محو تھے۔ ایک مجاہد معصود نے ایک برج پر حملہ کرتے وقت سر پر باندھنے کے لئے علقمہ سے چادر مستعار لی تھی۔ وہ خلعت شہادت سے سرفراز ہوئے۔ علقمہ کی چادر ان کے خون سے تر ہو گئی۔ اس چادر کو بہت متبرک سمجھتے تھے اور اس کو اوڑھ کر جمعہ میں جاتے تھے اور کہتے تھے کہ میں نے اس کو اس لئے اوڑھتا ہوں کہ اس میں معصود کا خون ہے۔

شہرت سے نفرت : شہرت سے بہت گھبراتے تھے۔ اس سے بچنے کے لئے تعلیم و تعلم کے سلسلے میں کسی خاص مقام میں بیٹھنا پسند نہ کرتے تھے۔ عبدالرحمن بن زبیر کا بیان ہے کہ ہم لوگوں نے علقمہ سے درخواست کی کہ آپ مسجد میں نماز پڑھتے اور بعد نماز وہاں بیٹھتے، تاکہ لوگ آپ سے مسائل پوچھا کرتے۔ فرمایا، میں یہ پسند نہیں کرتا کہ لوگ اشارہ کریں کہ یہ علقمہ ہے۔

امراء دولت سے دامن کشی :

امراء اور ارباب دول سے نہ صرف بے نیاز تھے اور ان سے دامن بچاتے تھے۔ بلکہ ان سے میل جول اور آمد و رفت رکھنا، اخلاقی نقصان تصور کرتے تھے۔ ایک مرتبہ لوگوں نے کہا کہ آپ امراء کے یہاں جایا کیجئے کہ وہ آپ کی حقیقت سے آگاہ ہوں اور آپ کا مرتبہ پہچانیں۔ فرمایا میں ان سے جتنی باتیں دور کروں گا اور جتنی چیزیں کم کروں گا، اس سے زیادہ چیزیں وہ مجھ سے گھٹا دیں گے۔ یعنی میں جتنی ان کی بُرائیاں دور کروں گا، اتنی وہ میری بھلائیاں دور

کر دیں گے۔ وہ نہ صرف خود امراء سے نہیں ملتے تھے، بلکہ دوسروں کو بھی اس سے روکتے تھے۔
ابوداؤد کا بیان ہے کہ جب کوفہ اور بصرہ دونوں کی ولایت ابن زیاد سے متعلق ہوئی تو اس نے مجھ سے کہا کہ تم بھی میرے ساتھ چلنا۔ میں نے جا کر علقمہ سے پوچھا، انہوں نے کہا، ان لوگوں (امراء) سے تم کو جو حاصل ہوگا، اس سے زیادہ بہتر چیز وہ تم سے لیں گیں۔ وفود وغیرہ کے سلسلے میں بھی وہ امراء کے دربار میں جانا پسند نہ کرتے تھے۔ ایک مرتبہ ایک وفد میں جو امیر معاویہ کے پاس جانے والا تھا، ان کا نام لکھ دیا گیا۔ انہیں معلوم ہوا تو فوراً ابو بردہ کو لکھا کہ میرا نام کاٹ دو۔^۱

وفات : ۶۲ھ میں کوفہ میں وفات پائی۔ مرض الموت میں وصیت کی تھی کہ دم آخر کلمہ طیبہ کی تلقین کی جائے تاکہ میری زبان سے آخر کلمہ لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ نکلے۔ کسی کو موت کی خبر نہ دی جائے، ورنہ وہ زمانہ جاہلیت کا اشتہار بن جائے گی۔ دفن کرنے میں جلدی کی جائے۔ بین کرنے کو رانے والی عورتیں ساتھ نہ ہوں۔^۲

(۵۵) قاسم بن محمد بن ابی بکرؓ

نام و نسب : قاسم نام ہے۔ ابو محمد کنیت۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ کے صاحبزادے محمد بن ابی بکرؓ کے فرزند ہیں۔ ان کی ماں سودہ ام ولد تھیں۔ قاسم اپنے علمی اور اخلاقی لحاظ سے مدینہ کے ممتاز ترین بزرگوں میں تھے۔

قیسی اور پھوپھی کی آغوش میں پرورش :

حضرت عثمان غنیؓ کی محببت اور شہادت کے سلسلہ میں محمد بن ابی بکرؓ کا نام تاریخ اسلام میں بڑی شہرت رکھتا ہے۔ وہ حضرت عثمان غنیؓ کے شدید ترین مخالفین میں سے تھے۔ بلکہ قاتلین عثمان کے سلسلہ میں ان کا نام پایا جاتا ہے۔^۱

حضرت عثمان غنیؓ کی شہادت کے بعد حضرت علی مرتضیٰؓ کے ساتھ ہو گئے، اور ان کے اوامیر معاویہؓ کے اختلافات میں حضرت علی مرتضیٰؓ کے پرجوش حامیوں میں رہے۔ ان کی ان خدمات کے صدر میں حضرت علیؓ نے ان کو سب کا امیر بنا دیا۔ جب امیر معاویہؓ کی جانب سے عمرو بن العاصؓ نے سرِ پونج شمش کی، اس وقت محمد بن ابی بکرؓ کا مہم آگئے۔

قاسم اس وقت بہت کم سن تھے۔ اس لئے ان کی پھوپھی اُم المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ نے ان کو اپنے آغوشِ شفقت میں لے لیا اور بڑے لاڈ پیار سے پالا۔ قاسم اس زمانہ کے بعض واقعات جو ان کے حافظہ میں رہ گئے تھے بیان کرتے تھے۔ چنانچہ کہتے تھے کہ ہماری پھوپھی عائشہؓ عرفہ کی شب کو ہم لوگوں کے سر منڈواتی تھیں اور ہمیں ٹوپی پہنا کر مسجد بھیجتی تھیں اور دوسرے دن صبح کو ہم لوگوں کی طرف سے قربانی کرتی تھیں۔

فصل و کمال : حضرت عائشہ صدیقہؓ وہ مخدومہ علم تھیں، جن کے ادنیٰ ترین خدام مسند علم و عمل کے وارث ہوئے، قاسم تو گویا محبوب فرزند تھے۔ ان کی تربیت نے ان کو علم و عمل کا مجمع البحرین بنا دیا تھا۔ علامہ ابن سعد لکھتے ہیں کہ وہ رفیع المنزلت و عالی مرتبت فقیہ، امام اور بڑے حافظ حدیث اور متورع تھے۔ امام نووی لکھتے ہیں کہ وہ بڑے جلیل القدر تابعی ہیں۔ ان کی جلالت و یشق اور امامت پر سب کا اتفاق ہے۔

تفسیر : انہیں جملہ علوم میں پورا درک تھا، لیکن کلام الہی کی تفسیر میں بڑے محتاط تھے۔ اس لئے انہوں نے بحیثیت مفسر کے کوئی شہرت حاصل نہیں کی۔ وہ غایت احتیاط میں تفسیر ہی نہ بیان کرتے تھے۔

حدیث : حضرت عائشہ صدیقہؓ کی ذات سرچشمہ حدیث تھی۔ قاسم زیادہ تر اسی سرچشمہ سے سیراب ہوئے تھے۔ ان کے علاوہ انہوں نے دوسرے سامعین حدیث میں ابن عباسؓ، ابن عمرؓ اور ابو ہریرہؓ سے بھی پورا استفادہ کیا تھا۔ ان کا خود بیان ہے کہ میں بحر ابن عباسؓ کے پاس بیٹھتا تھا۔ ابن عمرؓ اور ابو ہریرہؓ کے پاس بیٹھتا تھا اور ان سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھایا۔ ابن عمرؓ کے پاس ایسا علم و ورع تھا اور ایسی نادور معلومات تھیں جو اور کہیں نہیں حاصل ہو سکتی تھیں۔

ان بزرگوں کے علاوہ ابن عمرو بن العاصؓ، عبد اللہ بن جعفرؓ، معاویہؓ، عبد اللہ بن جنابؓ، رافع بن خدیجؓ، اسلم مولیٰ عمرو غیرہ سے بھی سماع حدیث کیا تھا۔ ان بزرگوں کے فیض نے ان کو ممتاز حافظ حدیث بنا دیا تھا۔ ابن سعد لکھتے ہیں کہ وہ کثیر الحدیث تھے۔ حافظ ذہبی انہیں حفاظ حدیث میں امام اور قدوة لکھتے ہیں۔ ابوالزناد کہتے تھے کہ میں نے قاسم سے زیادہ سنت کا عالم نہیں دیکھا۔

۱۔ ابن سعد۔ جلد ۵۔ ص ۱۳۹ ۲۔ ایضا ۳۔ تہذیب الاسماء۔ جلد اول۔ ص ۵۵ ۴۔ ابن سعد۔ جلد ۵۔ ص ۱۳۹
۵۔ تہذیب الاسماء۔ جلد اول۔ ص ۵۵ ۶۔ تہذیب المتذیب۔ جلد ۸۔ ص ۳۳۳ ۷۔ ابن سعد۔ جلد ۵۔ ص ۱۳۹
۸۔ تذکرۃ الحفاظ۔ جلد اول۔ ص ۸۳ ۹۔ تذکرۃ الحفاظ، جلد اول۔ ص ۸۳

حضرت عائشہ صدیقہؓ کی احادیث کے خصوصیت کے ساتھ بڑے حافظ تھے۔ خالد بن بزاز کا بیان ہے کہ حضرت عائشہؓ کی احادیث کے قین بڑے واقف کا رتھے۔ قاسم، عروہ اور عمرہؓ۔

ان کی روایات کا درجہ :

محدثین اور ارباب فن کے نزدیک حضرت عائشہ صدیقہؓ سے ان کی روایات طلائے خالص کا حکم رکھتی ہیں۔ ابن معین کا بیان ہے کہ عبید اللہ بن عمر عن قاسم عن عائشہؓ کا سلسلہ روایت طلائے خالص ہے۔^۱

مذاکرہ حدیث :

روزانہ شب کو بعد عشاء وہ اور ان کے ساتھی مل کر حدیث خوانی کرتے تھے۔^۲

روایت حدیث میں احتیاط :

روایت حدیث کے باب میں اتنے محتاط تھے کہ روایت میں الفاظ کی پابندی ضروری سمجھتے تھے۔ اسی احتیاط کی بناء پر وہ حدیثوں کو قلم بند کرنا پسند نہ کرتے تھے۔^۳

تلامذہ : حدیث میں ان کے تلامذہ میں بڑے بڑے ممتاز آئمہ تھے۔ ان میں سے بعض کے نام یہ ہیں : عبد الرحمن بن قاسم، امام شعی، سالم بن عبد اللہ بن عمر، سعید انصاری کے لڑکے یحییٰ سعید بن ابی ملیک، نافع مولیٰ ابن عمر، امام زہری، عبید اللہ بن عمر، ایوب ابن جون اور مالک بن دینار وغیرہ۔^۴

فقہ : قاسم کا خاص فن فقہ تھا۔ اس میں ان کو درجہ امامت و اجتہاد حاصل تھا۔ ان کے فقہی کمال کی سب سے بڑی سند ہے کہ وہ مدینہ کے سات مشہور اور ممتاز فقہاء میں سے ایک تھے۔^۵

فقہ بھی انہوں نے اپنی پھوپھی حضرت عائشہ صدیقہؓ، ابن عمرؓ، اور ابن عباسؓ سے حاصل کی تھی۔ فرماتے تھے کہ حضرت ابو بکر صدیقؓ و حضرت عمر فاروقؓ کے زمانہ میں حضرت عائشہ صدیقہؓ مستقل فتویٰ دیتی تھیں اور میں ان کے ساتھ رہتا تھا۔ اس عہد کے تمام علماء ان کے تفقہ کے معترف تھے۔ ابی الزناد کہتے تھے کہ میں نے قاسم سے بڑا فقیہ نہیں دیکھا۔ امام مالک فرماتے تھے کہ قاسم اس امت کے فقہاء میں تھے۔^۶

۱۔ تہذیب التہذیب۔ جلد ۸۔ ص ۳۳۲ ۲۔ تہذیب الاسماء۔ جلد اول۔ ص ۵۵ ۳۔ ابن سعد۔ جلد ۵۔ ص ۱۴۰

۴۔ ایضاً ۵۔ تہذیب التہذیب۔ جلد ۸۔ ص ۳۳۳ ۶۔ تہذیب الاسماء۔ جلد اول۔ ص ۵۵

۷۔ ایضاً۔ جلد اول۔ ق ۲۔ ص ۵۵ ۸۔ تذکرۃ الحفاظ۔ جلد اول۔ ص ۸۵

فتاویٰ میں احتیاط :

اس فقہی کمال کے باوجود وہ حدیث کی طرح فقہ میں بھی بڑے محتاط تھے اور بغیر علم کے کوئی بات کہنا یا کسی مسئلہ کا جواب دینا نہایت بُرا سمجھتے تھے۔ فرماتے تھے کہ خدا کے فرض احکام جان لینے کے بعد انسان کا جاہل رہنا، اس سے بہتر ہے کہ وہ بغیر علم کے کوئی بات کہے۔ جو مسئلہ ان کے علم میں نہ ہوتا اس کے جواب میں بلا تکلف لاعلمی ظاہر کر دیتے۔

ایک مرتبہ ان سے کوئی مسئلہ پوچھا گیا۔ انہوں نے جواب دیا، مجھے اس کے متعلق کوئی واقفیت نہیں ہے۔ صرف عیان اور کھلے ہوئے مسائل کا جواب دیتے تھے۔ جن مسائل کا اپنی رائے سے جواب دیتے اس میں یہ صراحت کر دیتے کہ یہ میری رائے ہے۔ یہ نہیں کہتا کہ یہ حق ہے۔

حلقہ درس : مسجد نبوی میں قاسم کا حلقہ درس تھا۔ ان کی اور سالم بن عبد اللہ بن عمر کی مجلس ایک ہی تھی۔ ان کے بعد ان کے لڑکے عبدالرحمن سالم کے بھائی عبید اللہ بن عمر اس مجلس میں بیٹھتے تھے۔ پھر ان دونوں کے بعد اس مقام پر امام مالک کی مسند چھتی۔ یہ جگہ وضہ نبوی اور منبر نبوی کے درمیان خونہ عمر کے سامنے تھی۔ قاسم صبح سویرے درس و افتاء کے لئے مسجد میں آ جاتے تھے اور دور کعتیں پڑھ کر مجلس میں بیٹھتے تھے اس وقت لوگوں کو جو کچھ پوچھنا ہوتا پیش کرتے۔

معاصرین کا اعتراف کمال :

اس عہد کے تمام علماء اور ارباب کمال قاسم کے کمالات علمی کے معترف تھے۔ یحییٰ بن سعید انصاری کہتے تھے کہ ہم نے مدینہ میں کسی ایسے شخص کو نہیں پایا جس کو قاسم پر فضیلت دی جاسکے۔ ابوالخضاد کہتے تھے کہ قاسم اپنے زمانہ کے سب سے بڑے جاننے والے تھے۔ ایوب سختیانی کہتے تھے کہ میں نے قاسم سے افضل آدمی کسی کو نہیں دیکھا۔

علمی انکساری اور معاصرین کا احترام :

اس عملی علوئے مرتبت کے باوجود انہیں اپنی برتری کا مطلق احساس نہ تھا۔ وہ اپنے سے کم پایہ معاصرین کا اتنا لحاظ رکھتے تھے کہ کسی موقع پر بھی ان کی زبان سے کوئی کلمہ ایسا نہ نکلنے پاتا جس سے ان کے کسی معاصر کی خفیف سی سبکی کا بھی احتمال ہو سکتا ہو۔ اس احتیاط کی وجہ سے وہ بعض مواقع پر عجب نازک صورت حال میں پھنس جاتے تھے۔

ایک مرتبہ ایک اعرابی نے ان سے سوال کیا، آپ بڑے عالم ہیں یا سالم۔ اس سوال کے جواب دینے میں بڑی کشمکش پیش آئی۔ اگر اظہار واقعہ کرتے تھے تو اپنی زبان سے اپنی تعریف ہوتی تھی اور اگر سالم کو کہتے تو جھوٹ ہوتا تھا۔ اس لئے پہلے تو انہوں نے سبحان اللہ کہہ کر ٹالا۔ لیکن جب اعرابی نے دوبارہ پوچھا تو آپ نے کہا سالم موجود ہیں ان سے جا کر پوچھ لو۔^۱

فضائل اخلاق : قاسم میں جس پایہ کا علم تھا، اسی درجہ کا عمل بھی تھا۔ اُن کی ذات جملہ فضائل کی جامع تھی۔ وہ اپنے جدِ بزرگوار حضرت ابوبکر صدیقؓ کا شئی تھے۔ زبیر کہتے تھے کہ ابوبکرؓ کی اولاد میں میں نے اس نو جوان (قاسم) سے زیادہ ان سے مشابہ کسی کو نہیں پایا۔^۲

حضرت عمرؓ بن عبدالعزیز ان کے علمی اور اخلاقی کمالات کے اتنے معترف تھے کہ فرماتے تھے، کاش خلافت قاسم کے لئے ہوتی۔ ایک دوسری روایت میں ہے کہ اگر خلافت کا فیصلہ میرے اختیار میں ہوتا تو میں قاسم کو خلیفہ بنا دیتا۔^۳ عمرؓ بن عبدالعزیز کے ساتھ ان کے تعلقات بڑے دوستانہ اور بے تکلفانہ تھے۔ قاسم بہت کم گو، کم سخن اور خاموش طبیعت تھے۔ جب عمرؓ بن عبدالعزیز خلیفہ ہوئے تو اہل مدینہ نے کہا اب کنواری (قاسم) بولے گی۔^۴

زہد و ورع : زہد و ورع کے اعتبار سے بھی ممتاز ترین تابعین میں تھے۔ علامہ ابن سعد ان کو ورع عجبیٰ خیار تابعین میں اور رجل صالح لکھتے ہیں۔ ابن حبان ان کو سادات تابعین میں اور افضل زمانہ میں شمار کرتے ہیں۔^۵

عالم پیری میں بھی رمی جمار کے لئے پایادہ جاتے تھے۔ ربیعہ بن ابی عبدالرحمن کا بیان ہے کہ قاسم جب زیادہ ضعیف ہو گئے تھے، اس وقت وہ اپنی اقامت گاہ سے منیٰ تک سواری پر آتے، پھر یہاں سے جمار تک پایادہ جاتے تھے۔ رمی کرنے کے بعد مسجد تک پیدل واپس آتے تھے، پھر یہاں سے سوار ہو کر گھر واپس جاتے۔^۶

دولت سے بے نیازی :

دولت دنیا سے وہ اتنے بے نیاز تھے کہ اس کے لئے کسی عزیز کا احسان بھی لینا گوارا نہ کرتے تھے۔ سلیمان بن قتیبہ کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ عمر بن عبید اللہ نے عبداللہ بن عمرؓ اور قاسم بن محمد کے پاس میرے ہاتھ ایک ہزار دینار بھیجے۔ ابن عمرؓ نے لے لئے اور شکریہ ادا کیا کہ عمر بن عبید نے

۱۔ تہذیب التہذیب۔ جلد ۸۔ ص ۳۳۴

۲۔ ایضاً

۳۔ تذکرۃ الحفاظ۔ جلد اول۔ ص ۸۵

۴۔ ابن سعد۔ جلد ۵۔ ص ۱۴۱

۵۔ تہذیب التہذیب۔ جلد ۸۔ ص ۳۳۵

۶۔ تہذیب التہذیب۔ جلد اول۔ ص ۵۵

صلہ حم سے کام لیا اس وقت مجھ کو اس کی ضرورت تھی۔ لیکن قاسم نے قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ ان کی بیوی کو معلوم ہوا تو انہوں نے کہا کہ عمر بن عبید اللہ کے ساتھ ہم دونوں کا رشتہ برابر کا ہے مگر قاسم ان کے چچیرے بھائی ہیں تو میں ان کی پھوپھی بھیری بہن ہوں، ان کے اس کہنے پر میں نے ان کو روپیہ دے دیا۔

اعترافِ حق : حق پرست ایسے تھے کہ اپنے باپ کی غلطی کو بھی غلطی سمجھتے تھے اور ان کی مغفرت کے لئے خدا سے دعا کرتے تھے۔ یہ اوپر معلوم ہو چکا ہے کہ ان کے والد محمد بن ابی بکرؓ حضرت عثمان غنیؓ کے شدید مخالفین میں تھے اور باغیوں کے ساتھ کاشانہ خلافت میں گھس گئے تھے۔ قاسم ان کی اس غلطی کو مانتے تھے اور ان کے لئے سجدہ میں بارگاہِ الہی میں دعا کرتے تھے کہ خدایا عثمان کے معاملہ میں میرے والد کے گناہ بخش دے۔

وفات : باختلاف روایت ۶۷ھ یا ۷۸ھ میں انتقال کیا۔ مرض الموت میں کاتب کا بلا کر وصیت لکھنے کو کہا۔ اس نے بغیر بتائے ہوئے لکھ دیا کہ قاسم بن محمد وصیت کرتے ہیں کہ ”سوائے خدا کوئی معبود نہیں“۔ قاسم نے سنا تو کہا کہ اگر آج کے دن سے پہلے ہم نے اس کی شہادت نہیں دی تو کتنے بد قسمت ہیں۔ کفن کے متعلق وصیت کی کہ میں جن کپڑوں میں نماز پڑھتا ہوں، اسی میں کفنایا جاؤں۔ اس میں قمیض، ازار بند اور چادر وغیرہ کفن کے تمام کپڑے ہیں۔ آپ کے صاحبزادے نے کہا کیا آپ اور دو نئے کپڑے پسند نہیں کرتے۔ فرمایا، ابو بکرؓ ”بھی تین کپڑوں میں کفنائے گئے تھے۔ مردوں کے مقابلہ میں زندوں کو نئے کپڑوں کی زیادہ ضرورت ہے۔ ان وصایا کے بعد قدید میں انتقال کیا اور اس سے تین میل فاصلہ پر مقام مشلل میں سپرد خاک کئے گئے۔ انتقال کے وقت ستر یا بہتر سال کی عمر تھی۔

ترکہ : وفات کے وقت ایک لاکھ نقد چھوڑا۔ جس میں ناجائز آمدنی کا ایک حصہ بھی نہ تھا۔

حلیہ و لباس : آخر عمر میں آنکھوں سے معذور ہو گئے تھے۔ سر اور ڈاڑھی میں حنا کا خضاب کرتے تھے۔ چاندی کی انگٹھی پہنتے تھے، جس پر ان کا نام کندہ تھا۔ لباس نفیس اور خوش رنگ استعمال کرتے تھے۔ جبہ، اعمامہ اور رداء وغیرہ سارے کپڑے عموماً خز کے ہوتے تھے۔ خز کے علاوہ قیمتی کپڑے استعمال کرتے تھے۔ چادر بونے دار اور رنگین ہوتی تھی۔ عمامہ سپید ہوتا تھا۔ زعفرانی رنگ زیادہ پسند خاطر تھا۔ کبھی کبھی سبز بھی استعمال کرتے تھے۔

(۵۶) قبیصہ بن ذویبؓ

نام و نسب : قبیصہ نام ہے۔ ابو الحق کنیت۔ نسب نامہ یہ ہے : قبیصہ بن ذویب بن طلحہ بن عمرو بن کلیب بن حرام بن عبد اللہ بن قمر بن حبشہ بن سلول بن کعب بن عمرو خزاعی۔
پیدائش : فتح مکہ کے سال پیدا ہوئے۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ ہجرت کے سال ولادت ہوئی، لیکن پہلی روایت زیادہ مشہور ہے۔^۱

عبدالملک کا عہد : شروع میں مدینہ میں رہتے تھے، پھر شام میں سکونت اختیار کر لی تھی۔ عبدالملک کے زمانہ میں ان کو بڑا عروج حاصل ہوا۔ خاتم برداری اور برید دو^۲ دو^۳ عہدے ان سے متعلق تھے۔ ممالک محروسہ سے جو خطوط اور خبریں موصول ہوتی تھیں، ان کو پڑھ کر عبدالملک کے سامنے پیش کرتے تھے۔^۴

فضل و کمال : قبیصہ مدتوں مدینہ میں رہے تھے۔ ان کے زمانہ میں وہاں صحابہ کی بڑی جماعت موجود تھی۔ اس کے فیض سے محروم نہ رہے۔ ان کا شمار علمائے تابعین میں ہے۔
علامہ نووی لکھتے ہیں کہ ان کی توثیق اور علمی جلالت پر سب کا اتفاق ہے۔^۵ بڑے بڑے ہمعصر علماء ان کے علمی کمالات کے معترف تھے۔ مکحول شامی کہتے تھے کہ میں نے قبیصہ سے بڑا جاننے والا نہیں دیکھا۔ ابن شہاب زہری کہتے تھے کہ وہ اس امت کے علماء میں تھے۔^۶

حدیث : حدیث میں علامہ ابن سعد ثقہ مامون اور کثیر الحدیث لکھتے ہیں۔^۷ حدیث میں انہوں نے بلالؓ، عثمانؓ بن عفان، حذیفہ بن یمانؓ، عبدالرحمن بن عوفؓ، زید بن ثابتؓ، عبادہ بن صامتؓ، عمرو بن العاصؓ، محمد بن سلمہؓ، تمیم داریؓ، ابودرداءؓ، انصاریؓ، مغیرہ بن شعبہؓ، ابو ہریرہؓ، ام المومنین عائشہ صدیقہؓ اور ام سلمہؓ وغیرہ سے استفادہ کیا تھا۔

ان سے استفادہ کرنے والوں میں امام زہریؒ، رجاء بن حیوہؒ، عبداللہ بن ابی مریمؒ، مکحول اور ابو قلابہ جرمی وغیرہ لائق ذکر ہیں۔^۸

۱۔ تہذیب الاسماء۔ جلد اول۔ ص ۶۵

۲۔ ابن سعد، جلد ۵۔ ص ۱۳۱

۳۔ تہذیب الاسماء۔ جلد اول۔ ص ۶۵

۴۔ ابن سعد۔ جلد ۵۔ ص ۱۳۱

۵۔ تہذیب الاسماء۔ جلد ۸۔ ص ۳۳۶

۶۔ ایضاً

۷۔ تہذیب الاسماء۔ جلد ۸۔ ص ۳۳۶

فقہ : فقہ میں بھی درک رکھتے تھے۔ ابن حبان لکھتے ہیں کہ وہ مدینہ کے فقہاء اور صالحین میں تھے۔
ابوالترناد انہیں فقہاء میں شمار کرتے تھے۔ زید بن ثابت کے فیصلوں کے بڑے عالم تھے، شععی کا بیان ہے کہ وہ زید بن ثابت کے سب سے بڑے عالم تھے۔
وفات : ابن سعد کے بیان کے مطابق ۸۶ھ میں وفات پائی۔

(۵۷) قتادہ بن دعامہ سدوسی

نام و نسب : قتادہ نام ہے۔ ابو الخطاب کنیت۔ نسب نامہ یہ ہے : قتادہ بن دعامہ بن قتادہ بن عزیز بن عمرو بن ربیعہ بن عمرو بن حارث بن سدوس سدوسی۔
قتادہ علمی اعتبار سے اجلہ تابعین میں تھے۔
پیدائش : ۶۱ھ میں پیدا ہوئے۔

ذوقِ علم : قتادہ کو علم کے ساتھ فطری مناسبت تھی۔ حصولِ علوم کا ذوق بچپن سے لے کر بڑھاپے تک یکساں رہا۔ مطر الوراق کا بیان ہے کہ قتادہ مرتے دم تک طالبِ علم رہے۔
قوتِ حافظہ : اس ذوق و شوق کے ساتھ انہوں نے حافظہ نہایت قوی پایا تھا۔ ایک مرتبہ جو چیز سن لیتے تھے وہ ہمیشہ کے لئے محفوظ ہو جاتی تھی۔ ایک مرتبہ حدیث سننے کے بعد کبھی کسی محدث سے دوبارہ اس کو سننے کی خواہش نہیں کی۔ ایک مرتبہ جو بات کانوں میں پڑ گئی، وہ ہمیشہ کے لئے قلب کے خزانہ میں محفوظ ہو گئی۔ ان کے حافظہ کی نہایت حیرت انگیز واقعات کتابوں میں مذکور ہیں۔ ان میں سے ایک واقعہ لائق ذکر ہے۔

عمران بن عبد اللہ کا بیان ہے کہ قتادہ ایک مرتبہ سعید بن مسیب کے پاس آئے اور چند دنوں قیام کر کے ان سے دل کھول کر اچھی طرح حدیثیں پوچھتے اور بکثرت سوالات کرتے رہے۔ ایک دن ابن مسیب نے ان سے پوچھا کہ تم نے جو باتیں مجھ سے پوچھیں ہیں کیا وہ سب تم کو یاد ہیں۔ انہوں نے اثبات میں جواب دیا اور پوچھے ہوئے مسائل کو دہرانا شروع کیا کہ میں نے آپ سے یہ پوچھا تھا، آپ نے یہ جواب دیا تھا۔ میں نے یہ سوال کیا تھا، آپ نے یہ بتایا تھا

۱۔ تہذیب المعجم - جلد ۸ - ص ۳۳۷ ۲۔ تذکرۃ الحفاظ - جلد اول - ص ۵۲ ۳۔ ابن سعد - جلد ۵ - ص ۱۳۶
۴۔ تہذیب المعجم - جلد ۸ - ص ۳۵۰ ۵۔ ایضاً - ص ۳۵۳ ۶۔ تذکرۃ الحفاظ - جلد اول - ص ۱۰۹

اور حسن بصری نے یہ جواب دیا تھا۔ اس طریقہ سے انہوں نے ان حدیثوں کا بیشتر حصہ جو ان سے سنا تھا ہر ادا کیا۔ ابن مسیب کو اس وقت قوتِ حافظہ پر سخت حیرت ہوئی۔ فرمایا میں نہیں گمان کر سکتا تھا کہ خدا نے تمہارے جیسا شخص بھی پیدا کیا ہے۔

فضل و کمال : اس ذوق و شوق، تلاش و جستجو اور قوتِ حافظہ نے ان کو قرآن، حدیث فقہ، زبان، لغت، ایام عرب اور نسب وغیرہ، اس عہد کے جملہ مذہبی اور غیر مذہبی علوم کا دریا بنادیا تھا۔ علامہ نووی لکھتے ہیں کہ ان کی جلالتِ شان اور فضیلت علمی پر سب کا اتفاق ہے۔

قرآن : قرآن کے حافظ تھے اور نہایت اچھا یاد تھا۔ بڑی بڑی سورتوں میں ایک لفظ کی غلطی نہ ہوتی تھی۔ معمر کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ قتادہ نے سعد بن ابی عروبہ کو قرآن دے کر سورہ بقرہ سنائی اور اس میں ایک حرف کی غلطی نہیں کی۔ سنانے کے بعد ان سے پوچھا، کیوں میں نے ٹھیک یاد کیا۔ انہوں نے کہا۔ ہاں۔^۱

تفسیر : تفسیر قرآن کے وہ بہت بڑے عالم تھے۔ آیات قرآنی کی تفسیر و تاویل میں ان کی نظر نہایت وسیع تھی۔^۲ وہ خود کہتے تھے کہ قرآن میں کوئی آیت ایسی نہیں ہے، جس کے متعلق میں نے کچھ نہ کچھ نہ سنا ہو۔ امام احمد بن حنبل فرماتے تھے کہ قتادہ تفسیر کے بڑے عالم تھے۔ ابن حبان کا بیان ہے کہ وہ قرآن کے سب سے بڑے جاننے والے تھے۔^۳ ابن ناصر الدین ان کو مفسر الکتاب لکھتے ہیں۔^۴

حدیث : قتادہ کا اصل فن حدیث تھا۔ اس میں وہ نہایت بلند پایہ رکھتے تھے۔ علامہ ابن سعد لکھتے ہیں کہ حدیث میں وہ ثقہ مامون اور حجت تھے۔^۵ حافظ ذہبی انہیں حافظ و علامہ کے نام سے یاد کرتے ہیں۔^۶ عراق کے سب سے بڑے حافظ مانے جاتے تھے۔

ابن مسیب کہتے تھے کہ ہمارے ہاں قتادہ سے بڑا عراق کا کوئی حافظ نہیں آیا۔ سفیان کہتے تھے کہ دنیا میں قتادہ کا مثل نہ تھا۔ بکر بن عبد اللہ کہتے تھے کہ جو شخص سب سے بڑے حافظ اور ایسے شخص کو دیکھنا چاہے جو حدیث کو بعینہ اسی طرح جس طرح اس نے سنا ہے، روایت کرنا ہو تو اسے قتادہ دیکھنا چاہئے۔

۱۔ ابن سعد جلد ۶۔ ق ۲۔ ص ۲
۲۔ تذکرہ الحفاظ۔ جلد اول۔ ص ۱۰۹
۳۔ ابن سعد، جلد ۷۔ ق ۲۔ ص ۱
۴۔ ایضاً ۵۔ تہذیب التہذیب۔ جلد ۸۔ ص ۳۵۵
۵۔ تذکرات الذہب۔ جلد اول۔ ص ۱۵۳
۶۔ ابن سعد۔ جلد ۷۔ ق ۲۔ ص ۱
۷۔ تذکرہ الحفاظ۔ جلد اول۔ ص ۱۰۹

عبدالرحمن بن مہدی کہتے تھے کہ قتادہ حمید کے جیسے پچاس آدمیوں سے زیادہ بڑے حافظ ہیں^۱۔ امام احمد بن حنبل فرماتے تھے کہ قتادہ باشندہ گان بصرہ میں سب سے بڑے حافظ تھے جو چیز بھی سنتے تھے، اس کو یاد کر لیتے تھے۔

ایک مرتبہ ان کے سامنے جابر کا صحیفہ پڑھا گیا۔ ایک ہی مرتبہ سن کر اس کو یاد کر لیا^۲۔ ابن حبان ان کو ان کے عہد کا سب سے بڑا حافظ حدیث شمار کرتے ہیں۔ سلیمان تمیمی اور ایوب سختیانی جیسے محدثین ان کی احادیث کے محتاج تھے، اور ان سے پوچھا کرتے تھے^۳۔ شیوخ: قتادہ کے اصل شیخ حسن بصری تھے۔ زیادہ تر وہ انہیں کے سرچشمہ فیض سے سیراب ہوئے تھے۔ بارہ سال تک ان کی خدمت میں رہے۔ خود ان کا بیان ہے کہ میں بارہ برس تک حسن بصری کی خدمت میں بیٹھا اور تین برس تک نماز فجر ان کے ساتھ پڑھی۔ میرے جیسے شخص نے ان کے جیسے شخص سے علم حاصل کیا ہے۔ حسب بصری کے سب سے ممتاز تلامذہ میں یہی تھے۔ ابو حاتم کہتے تھے کہ حسن کے سب سے بڑے اصحاب میں قتادہ تھے^۴۔

حضرت حسن بصری کے علاوہ اس عہد کے تمام ممتاز محدثین انس بن مالک، ابوسعید خدری، عمران ابن حصین، سعید بن مسیب، عکرمہ، ابو بردہ بن ابی موسیٰ، شعبی، عبداللہ بن عتبہ بن مسعود، مطرف بن ثثیرہ وغیرہ صحابہ اور تابعین کی ایک کثیر جماعت سے سماع حدیث کیا تھا^۵۔

ان کا یہ خاص کمال تھا کہ جس محدث کے پاس پہنچ جاتے تھے، چند ہی دنوں میں اس کا علم پی لے لیتے تھے۔ ایک مرتبہ سعید بن مسیب کے پاس جا کر چند دنوں کے لئے قیام کیا اور ان سے اس قدر سوالات کئے کہ انہوں نے آٹھ ہی دن کے اندر گھبرا کر ان سے کہا کہ اب جاؤ تم نے۔ میرا سارا علم خالی کر لیا^۶۔

تلامذہ: ان کے کمالات کی وجہ سے ان کی ذات مرجع خلافت بن گئی تھی۔ سینکڑوں تشنگان علم ان کے حلقہ درس سے سیراب ہوئے۔ ان کی فہرست نہایت طویل ہے۔ بعض قابل ذکر نام یہ ہیں: ایوب سختیانی، سلیمان تمیمی، جریر بن حازم، شعبہ، مسعر، ابوبلال راسبی، مطر الوراق، ہمام بن منکب، عمرو بن حارث الحمیری، شیبان نخوی، سلام بن ابی المطیع، سعید بن ابی عروبہ ابان، ابن یزید العطار، حصین بن ذکوان، حماد بن سلمہ، اوزاعی، عمرو بن ابراہیم عبدی اور عمران القطان وغیرہ^۷۔

۱۔ تہذیب الاسماء۔ جلد اول۔ ق ۲۔ ص ۵۷-۵۸ ۲۔ تذکرۃ الحفاظ۔ جلد اول۔ ص ۱۱ ۳۔ تہذیب المعجم۔ ص ۲۵۱

جلد ۸۔ ص ۵۵۳ ۴۔ ابن سعد۔ جلد ۷۔ ق ۲۔ ص ۱ ۵۔ تہذیب المعجم۔ جلد ۸۔ ص ۲۵۱

۶۔ ابن سعد۔ جلد ۷۔ ق ۲۔ ص ۲ ۷۔ تہذیب المعجم۔ جلد ۸۔ ص ۲۵۲

فقہ : فقہ میں بھی اجتہاد پایہ رکھتے تھے۔ ابن حبان لکھتے ہیں کہ وہ قرآن اور فقہ کے بڑے علماء میں تھے۔ امام احمد بن حنبلؒ ان کے تفسیر و حدیث کے کمال کے ساتھ ان کے فقہی کمال کے بھی معترف تھے۔ بصرہ کی جماعت افتاء کے ایک معزز رکن تھے۔

رائے سے احترام : ان کے کمالات کے باوجود فتویٰ دینے میں بڑے محتاط تھے۔ جو مسئلہ نہ معلوم ہوتا نہایت صفائی کے ساتھ اپنی لاعلمی ظاہر کر دیتے۔ اپنی رائے سے کبھی جواب نہ دیتے۔ ابو ہلال کا بیان ہے کہ میں نے ایک مرتبہ قتادہ سے ایک مسئلہ پوچھا۔ انہوں نے کہا اپنی رائے بتا دیجئے، جواب دیا کہ ”میں نے چالیس سال سے اپنی رائے سے کوئی جواب نہیں دیا ہے۔“

جامعیت : قتادہ کی جیسی جامعیت کم تابعین میں تھی۔ وہ تنہا مذہبی علوم کے عالم نہ تھے بلکہ اس عہد کے دوسرے مروجہ فنون مثلاً عربی، لغت، ایام عرب اور نسابی کے بھی بڑے ماہر تھے۔ ابو عمر کا بیان ہے کہ وہ بڑے نساب تھے۔ ابو عبیدہ کا بیان ہے کہ بنی اُمیہ کے پاس سے روزانہ کوئی نہ کوئی آدمی قتادہ کے پاس خبر، نسب یا شعر کے متعلق کچھ نہ کچھ پوچھنے کے لئے آتا تھا۔ ابن ناصر الدین ان الفاظ میں ان کی جامعیت پر تبصرہ کرتے تھے۔

”ابو الخطاب الضریح الا کملہ مفسر الكتاب اية في الحفظ اما ما

في النسب راسا في العربية واللغة وايام العرب“۔

وفات : باختلاف روایت ۷۱۱ھ یا ۱۱۸ھ میں وفات پائی۔

(۵۸) کعب احبارؒ

نام و نسب : کعب نام ہے۔ ابو اہلق کنیت۔ نساب میں کے مشہور حمیری خاندان کی شاخ آل ذی روعین سے تھے۔ نسب نامہ یہ ہے: کعب بن مانع بن ہبوع بن قیس معن بن حشم بن عبد شمس بن وائل بن عوف بن حمیر بن عوف بن زبیر بن اہمن بن حمیر بن سہام حمیری۔

اسلام اور رور و مدینہ : کعب مشہور تابعی ہیں۔ قبول اسلام سے پہلے وہ یہود کے جید علماء میں تھے۔ عہد رسالت میں موجود تھے۔ بروایت صحیح اس زمانہ میں اسلام کی سعادت سے محروم رہے۔

۱۔ تہذیب المعجم۔ جلد ۸۔ ص ۳۵۵ ۲۔ تذکرۃ الحفاظ۔ جلد اول۔ ص ۱۰۹ ۳۔ ایضاً

۴۔ اعلام الموقعین۔ جلد اول۔ ص ۲۷ ۵۔ ابن سعد۔ جلد ۷۔ ق ۲۔ ص ۱ ۶۔ تذکرۃ الحفاظ۔ جلد اول۔ ص ۱۰۹

۷۔ ابن سعد۔ جلد ۷۔ ق ۲۔ ص ۳۲ ۸۔ شذرات الذهب۔ جلد اول۔ ص ۱۹۳

ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ اسی عہد میں مشرف باسلام ہو گئے تھے۔ بروایت کعب شاطبی کا بیان ہے کہ حضرت علیؓ جب یمن آئے تو میں نے ان کے پاس جا کر رسول اللہ ﷺ کے اوصاف پوچھے۔ انہوں نے بتائے۔ میں سن کر مسکرایا۔ علیؓ نے مجھ سے مسکرانے کا سبب پوچھا۔ میں نے کہا، ہمارے یہاں (نبی آخر الزمان کے) جو علامات بتائے گئے ہیں (رسول اللہ ﷺ) کے ساتھ اس کی مطابقت پر مسکرایا۔ یہ سننے کے بعد میں مسلمان ہو گیا اور لوگوں کو اسلام کی دعوت دینے لگا۔ لیکن قیام یمن ہی میں رہا۔ حضرت عمر فاروقؓ کے عہد میں ہجرت کر کے مدینہ گیا۔ کاش میں نے اس سے پہلے ہجرت کی ہوتی۔ ایک روایت یہ ہے کہ وہ حضرت ابو بکر صدیقؓ کے زمانہ میں اسلام کے شرف سے مشرف ہوئے۔

لیکن دونوں روایتیں نہایت کمزور ہیں۔ اس باب میں صحیح ترین روایت وہ ہے جو ابن سعد میں کعب کے خلیف حضرت عباسؓ سے مروی ہے۔ جس سے خود کعب کی زبان سے عہد فاروقی میں ان کا اسلام لانا ثابت ہے۔

سعد بن مسیب کا بیان ہے کہ حضرت عباسؓ نے کعب کے اسلام کے بعد ان سے پوچھا کہ رسول اللہ ﷺ اور ابو بکر صدیقؓ کے زمانہ میں قبول اسلام سے تمہارے لئے کیا چیز مانع تھی کہ اب عمر فاروقؓ کے زمانہ میں اسلام لائے؟ انہوں نے جواب دیا، میرے والد نے مجھ کو تورات سے ایک تحریر لکھ کر دی تھی اور ہدایت کر دی تھی کہ اس پر عمل کرنا، اور اپنی جملہ مذہبی کتابوں پر مہر لگا کر حق ابوت کا واسطہ دلا کر مجھ سے وعدہ لیا تھا کہ مہر کو کبھی نہ توڑوں۔ اس لئے میں نے اُن کو نہیں توڑا اور والد جو تحریر دے گئے تھے اس کے مطابق عمل کرتا رہا۔

جب اسلام کی اشاعت اور اس کا غلبہ ہونے لگا اور کسی قسم کا خوف باقی نہیں رہ گیا، اس وقت میں نے دل میں خیال کیا کہ معلوم ہوتا ہے کہ مجھ سے والد نے کچھ علم چھپایا ہے۔ مجھے ان کتابوں کو کھول کر دیکھنا چاہئے۔ چنانچہ مہر توڑ کر کتابیں پرچھیں تو اُن میں (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) اور اُن کی اُمت کے اوصاف نظر آئے۔ اُس وقت مجھ پر اصل حقیقت روشن ہوئی۔ اس لئے اب آ کر میں مسلمان ہوا۔

قبول اسلام کے بعد وہ آنحضرت ﷺ کے چچا حضرت عباسؓ کے خلیف بن گئے تھے۔

فضل و کمال : کعب یہود کے بڑے ممتاز اور نامور علماء میں تھے۔ یہودی مذہب کے متعلق ان کی معلومات نہایت وسیع تھیں۔ حافظ ذہبی لکھتے ہیں کہ وہ علم کا ظرف اور اہل کتاب کے علمائے کبار میں تھے۔ امام نووی لکھتے ہیں کہ ان کے ذہن اور توشیح پر سب کا اتفاق ہے۔ وہ اپنی وسعت علم کی وجہ سے ”کعب الحمر“ کہے جاتے تھے۔ ان کے مناقب بکثرت ہیں اور ان کے اقوال و حکمت بہت مشہور ہیں۔ اکابر صحابہ ان کی وسعت نظری کے معترف تھے۔

حضرت ابو درداء انصاریؓ جن کا حص میں کعب کا بڑا ساتھ رہا تھا، فرماتے تھے کہ ابن حمیرہ کے پاس بڑا علم ہے۔ امیر معاویہ کہتے تھے کہ ابو درداء حکماء میں ہیں اور کعب علماء میں ان کے پاس سمندر جیسا بے تھاہ علم تھا۔

چونکہ ایک مذہب کے وہ بڑے عالم تھے۔ اس لئے اسلامی علوم کے ساتھ بھی انہیں خاص مناسبت تھی۔ انہوں نے کتاب و سنت کی تعلیم صحابہ سے مدینہ میں حاصل کی تھی اور صحابہ نے ان سے اہل کتاب کے علوم سیکھے تھے۔

کتاب و سنت میں انہوں نے حضرت عمر فاروقؓ، حضرت صہیبؓ اور حضرت عائشہ صدیقہؓ سے استفادہ کیا تھا، اور اسرائیلیات میں صحابہ میں ابو ہریرہؓ، معاویہؓ، ابن عباسؓ اور تابعین میں مالک بن ابی عامر اصبہیؓ، عطاء بن ابی رباحؓ، عبد اللہ بن رباح انصاریؓ، عبد اللہ بن حمزہ سلولؓ، ابو رافعؓ، صالحؓ، عبد الرحمن بن شعیبؓ ایک کثیر جماعت ان سے فیضیاب ہوئی تھی۔

علم و علماء اور زوالِ علم :

ایک مرتبہ عبد اللہ بن سلام نے ان سے پوچھا کہ کعب، علماء کون لوگ ہیں؟ جواب دیا جو علم جانتے ہیں۔ ابن سلام نے پوچھا کہ کون سی شے علماء کے دلوں سے علم زائل کر دے گی؟ فرمایا، طمع حرص اور لوگوں کے سامنے اپنی حاجت پیش کرنا۔ عبد اللہ بن سلام نے کہا تم نے سچ کہا۔

شام کا قیام : کعب کا آبائی مذہب یہود تھا۔ اس لئے پہلے سے ان کو ارض شام کے ساتھ دلی لگاؤ تھا۔ اسلام کے نزدیک بھی یہ سرزمین مقدس و محترم ہے۔ اس لئے چند دنوں مدینہ میں قیام کرنے کے بعد شام چلے گئے تھے اور حمص میں سکونت اختیار کر لی تھی۔

۱ تذکرۃ الحفاظ - جلد اول - ص ۴۵ ۲ تہذیب الاسماء - جلد اول - ص ۹ ۳ ابن سعد - جلد ۷ - ق ۲ - ص ۱۵۶

۴ اصابہ - جلد ۵ - ص ۳۲۲ ۵ تذکرۃ الحفاظ - جلد اول - ص ۴۵ ۶ تہذیب التہذیب - جلد ۵ - ص ۲۳۸

۷ اصابہ - ص ۳۲۲ ۸ ابن سعد - جلد ۷ - ق ۲ - ص ۱۵۶

مواعظ : شام کے زمانہ قیام میں ان کا مشغلہ زیادہ تر اسرائیلی قصص کے مواعظ تھے۔ ایک مرتبہ عوف بن مالک نے دوران وعظ میں ان سے کہا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ امیر مامور اور مکلف کے علاوہ لوگوں کے سامنے اور کسی کو مواعظ و قصص نہ بیان کرنے چاہئیں، یہ سن کر کعب نے وعظ چھوڑ دیا۔ لیکن پھر امیر کے حکم سے کہنے لگے۔^۱

اسلامی روایات میں اسرائیلیات کا شمول :

کعب کی علمی جلالت میں کوئی شک نہیں۔ وہ یہودی مذہب کے بڑے نامور عالم تھے، لیکن خود یہودیوں کا سرمایہ علم زیادہ تر قصص و حکایات تھیں۔ اس لئے کعب کا سرمایہ معلومات بھی اسی پر مشتمل تھا۔ اس سے ایک نقصان یہ ہوا کہ بہت سی بے سرو پا اسرائیلی روایات اسلامی لٹریچر میں بھی سرایت کر گئیں۔ اسی بناء پر بعض آئمہ کعب کی روایات ساقط الاعتبار سمجھتے ہیں۔

وفات : حضرت عثمان غنیؓ کے عہد خلافت ۳۲ھ میں شام میں وفات پائی۔^۲

(۵۹) کعب بن ثورؓ

نام و نسب : کعب نام ہے۔ نسب نامہ یہ ہے : کعب بن سور بن بکر بن عبد بن ثعلبہ بن سلیم ابن ذیل بن لقیط بن حارث بن مالک بن فہیم بن غنم بن اوس بن عدنان بن عبد اللہ ابن زہران بن کعب بن عبد اللہ بن مالک بن نصر۔

قضاءت بصرہ : کعب سے کوئی حدیث مروی نہیں ہے اس لئے ارباب رجال نے ان کے حالات نہیں لکھے ہیں۔ لیکن وہ ایک ممتاز تابعی ہیں۔ حضرت عمر فاروقؓ کے ہم صحبت و ہم جلس اور نہایت ذہین اور طباع تھے۔ ان کی ذہانت اور طباعی کی وجہ سے حضرت عمر فاروقؓ نے ان کو عہدہ قضاء پر مامور کیا تھا۔

ان کے تقرر کا واقعہ یہ ہے کہ کعب ایک مرتبہ حضرت عمر فاروقؓ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک عورت آپ کے پاس حاضر ہوئی اور کہا کہ میں آپ کے پاس دنیا کے ایک بہترین آدمی کی شکایت لے کر حاضر ہوئی ہوں۔ کوئی آدمی عمل میں اس پر سبقت نہیں لے جاسکتا، اور اس کے جیسا عمل نہیں کر سکتا۔ وہ قیام لیل میں صبح کر دیتا ہے۔ روزے میں سارا دن گزار دیتا ہے۔ اتنا کہنے کے بعد اس

عورت کو شرم دامنگیر ہوئی، اور اس کے آگے وہ اس کے سوا اور کچھ نہ کہہ سکی کہ امیر المومنین مجھے معاف فرمائیے۔ آپ نے فرمایا، خدا تم کو جزائے خیر دے۔ تم نے اچھی تعریف کی، میں نے تم کو معاف کیا اس کے بعد وہ عورت چلی گئی۔

اس کے واپس جانے کے بعد کعب نے حضرت عمرؓ سے کہا کہ امیر المومنین، اس عورت نے آپ کے سامنے نہایت بلیغ پیرایہ میں شکایت پیش کی ہے۔ فرمایا، کیسی شکایت۔ کعب نے کہا اپنے شوہر کی (یعنی وہ رات دن عبادت میں مشغول رہتا ہے، اور اس کی طرف ملتفت نہیں ہوتا) یہ سن کر حضرت عمرؓ نے عورت کو بلوا کر کعب سے کہا، تم دونوں کا فیصلہ کر دو۔

کعب نے عرض کیا آپ کی موجودگی میں فیصلہ کروں؟ فرمایا، جس چیز کو تم نے سمجھ لیا میں نہ سمجھ سکا، اس کا فیصلہ بھی تم ہی کو کرنا چاہئے۔ چنانچہ کعب نے کلام پاک کی اس آیت،
”فَانْكحُوا مَا طَابَ لَكُمْ مِنَ النِّسَاءِ“۔

”تم کو جو عورتیں پسند ہوں ان سے نکاح کرو دو ۲ تین ۳ اور چار ۴ تک“۔

سے اس استدلال پر کہ جب قرآن میں چار بیویوں کی اجازت ہے تو اس کے یہ معنی ہوئے کہ ہر چار شبانہ یوم میں ایک شبانہ یوم ہر بیوی کا حق ہوا تو تنہا ایک بیوی کا کم سے کم یہی حق ہوگا۔ اس عورت کے شوہر کو تین دن روزہ رکھنے اور ایک دن بیوی کے لئے افطار کرنے، اور تین رات عبادت کرنے اور ایک رات بیوی کے پاس رہنے کا حکم دیا۔

حضرت عمر فاروقؓ یہ استدلال سن کر بہت مسرور ہوئے اور فرمایا کہ یہ (استدلال) میرے لئے پہلے (ذہانت) سے بھی زیادہ تعجب انگیز ہے۔ چنانچہ اسی وقت ان کو بصرہ کا قاضی بنا کر بھیج دیا۔

فتنہ سے اجتناب :

کعب بصرہ جانے کے بعد حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں نہایت خوش اسلوبی کے ساتھ اپنے فرائض انجام دیتے رہے۔ حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد جب حضرت عائشہؓ اور حضرت علیؓ میں اختلاف رونما ہوئے، اور حضرت عائشہؓ حضرت علیؓ سے مقابلہ کی تیاری کے لئے طلحہ اور زبیرؓ کے ساتھ بصرہ آئیں، تو کعب اس خانہ جنگی سے اپنے کو محفوظ رکھنے کے لئے ایک گھر میں خلوت نشین ہو گئے، اور کھانے پینے کا سامان لینے کے لئے اس میں ایک سوراخ بنا لیا، لوگوں نے حضرت عائشہؓ سے عرض کیا کہ اگر کعب آپ کے ساتھ ہو جائیں تو پورا قبیلہ ازداپ کے ساتھ ہو جائے گا۔ یہ سن کر آپ

کعب کے پاس تشریف لے گئیں، اور باہر سے پکار کر کعب سے گفتگو کرنی چاہی، انہوں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ آخر میں حضرت عائشہؓ نے فرمایا، کعب کیا میں تمہاری ماں نہیں ہوں اور تم پر میرا حق نہیں ہے یہ سن کر کعب جواب دینے پر مجبور ہو گئے، اور حضرت عائشہؓ سے گفتگو کی۔ انہوں نے فرمایا، میں چاہتی ہوں کہ تم لوگوں کو سمجھا کر اصلاح کی کوشش کرو۔ اس حکم کی تعمیل میں کعب کو کیا عذر ہو سکتا تھا۔ چنانچہ وہ قرآن لے کر لوگوں کو سمجھانے کے لئے نکلے، اور جب دونوں فوجیں بالمقابل ہوئیں تو وہ صفوں کے درمیان گھس کر قرآن کھول کر فریقین کو سمجھاتے تھے اور قرآن کی طرف بلاتے تھے۔

شہادت : لیکن یہ معاملہ افہام و تفہیم کے حدود سے بہت آگے بڑھ چکا تھا۔ اس لئے ان کی کوششیں بے کار ثابت ہوئیں، اور جنگ شروع ہو گئی، اور یہ اپنا فرض ادا کرتے ہوئے کسی شقی کے تیر سے ہلاک ہو گئے۔^۱

فضائل و اخلاق : ان کے حالات کتابوں میں بہت کم ہیں۔ صرف اتنا معلوم ہوتا ہے کہ وہ بڑے نیک سیرت اور نیکو کار لوگوں میں تھے۔ علامہ ابن سعدؒ لکھتے ہیں کہ وہ خیر اور صلاح میں مشہور تھے۔^۲

(۶۰) مجاہد بن جبر

نام و نسب : مجاہد نام ہے۔ ابوالحجاج کنیت۔ قیس بن مخزومی کے غلام تھے۔

فضل و کمال : اگرچہ مجاہد غلام تھے، لیکن اقلیم علم کے تاجدار تھے۔ علمی اعتبار سے وہ امام وقت تھے۔ علامہ ابن سعدؒ لکھتے ہیں۔ کان فقیہا عالما ثقة کثیر الحدیث۔ حافظ ذہبی کا بیان ہے کہ وہ علم کا ظرف تھے۔^۳ امام نوویؒ لکھتے ہیں کہ ان کی جلالت اور امامت پر سب کا اتفاق ہے۔^۴ ان کو تفسیر، حدیث اور فقہ جملہ علوم میں درجہ امامت حاصل تھا۔

قرأت و تفسیر : قرأت اور تفسیر کے اس عہد کے نہایت نامور عالم تھے۔ تفسیر انہوں نے حبر الامۃ ابن عباسؓ سے حاصل کی تھی، اور پورے تیس مرتبہ ان سے قرآن کا دورہ کیا تھا^۵۔ اور اس محنت اور تحقیق کے ساتھ کہ ہر ایک سورہ پر رک کر اس کی شان نزول اور اس کے جملہ متعلقات پوچھتے جاتے تھے۔^۶

۱۔ ابن سعد۔ جلد ۷۔ ق ۱۔ ص ۶۲ و ۶۵ ۲۔ ایضاً۔ ص ۶۶ ۳۔ تذکرۃ الحفاظ۔ جلد اول۔ ص ۸۰

۴۔ تہذیب الاسماء۔ جلد اول۔ ق ۲۔ ص ۸۳ ۵۔ ابن سعد۔ جلد ۵۔ ص ۳۳۳

۶۔ تہذیب التہذیب۔ جلد ۱۰۔ ص ۴۳

اس محنت اور ابن عباسؓ جیسے مفسر قرآن کی تعلیم نے ان کو بہت بڑا مفسر بنادیا۔ خسیف کا بیان ہے کہ مجاہد تفسیر کے سب سے بڑے عالم تھے۔^۱ قتادہ کہتے تھے کہ اس وقت کے باقیات صالحات میں مجاہد تفسیر کے سب سے بڑے عالم ہیں۔^۲ قرآن کے قاری بھی تھے۔

حدیث: حدیث کے بھی وہ نہایت مشہور حافظ تھے۔ امام ذہبی ان کو مفسر اور حافظ حدیث، ابن سعد کثیر الحدیث اور امام نووی امام حدیث لکھتے ہیں۔^۳ حبر الامۃ عبداللہ بن عمرؓ ان کے حفظ کے اتنے معترف تھے کہ فرماتے تھے کہ کاش نافع کا حفظ بھی تمہاری طرح ہوتا۔^۴

اکابر صحابہ میں انہوں نے حضرت علیؓ، ابن عمرؓ، ابن عباسؓ، عبداللہ بن زبیرؓ، عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ، ابوسعید خدریؓ، ابو ہریرہؓ، سعد بن ابی وقاصؓ، رافع بن خدیجؓ، عائشہ صدیقہ جویریہ بنت حارثؓ، ام ہانیؓ اور تابعین میں عبدالرحمن بن ابی لیلیٰؓ، طاؤسؓ، عبداللہ بن سائبؓ، عبداللہ بن سجرہؓ، عبدالرحمن بن صفوانؓ، عمر بن اسودؓ، مروق العجلیؓ، ابو عیاش الزرقیؓ اور ابو عبیدہ ابن عبداللہ بن مسعود وغیرہ سے استفادہ کیا تھا۔^۵

ان کے تلامذہ کا دائرہ بھی خاصہ وسیع تھا۔^۶ ایوب سختیانیؓ، عطاءؓ، عکرمہ بن عونؓ، عمرو بن دینارؓ، ابو اسحق سبیعیؓ، ابو الزبیرؓ، قتادہ حبیب بن ابی ثابتؓ، حسن بن عمروؓ، سلمہ بن کہیلؓ، سلیمان الاحولؓ، سلیمان الاعمشؓ، مسلم البطینؓ، طلحہ بن مصرفؓ اور عبداللہ بن کثیر قاری وغیرہ لائق ذکر ہیں۔^۷

فقہ: فقہ میں انہیں امامت و اجتہاد کا درجہ حاصل تھا۔^۸ حافظ ذہبیؓ، ابن حجر اور امام نووی سب ان کے تفقہ پر متفق البیان ہیں۔ ان کے فقہی کمال کے لئے یہ سند کافی ہے کہ مخزن علوم مکہ کی جماعت افتاء کے ایک معزز رکن تھے۔^۹

اخلاص فی العلم :

علم کا مقصد کسی نہ کسی دنیاوی منفعت سے کم خالی ہوتا ہے لیکن مجاہد کا دامن ان تمام آمیزشوں سے بالکل پاک تھا۔ مسلمہ بن کہیل کا بیان ہے کہ عطاء طاؤسؓ اور مجاہد کے علاوہ میں نے کسی کو نہیں پایا، جس کا مقصد علم سے خلصتہً لوجہ اللہ رہا ہو۔^{۱۰}

۱۔ تہذیب الاسماء۔ جلد اول۔ ق ۲۔ ص ۸۳ ۲۔ تذکرۃ الحفاظ۔ جلد اول۔ ص ۸۰ ۳۔ تہذیب التہذیب۔ جلد ۱۰۔ ص ۴۴

۴۔ دیکھو کتب مذکور حالات مجاہد ۵۔ شذرات الذہب۔ جلد اول۔ ص ۱۲۵ ۶۔ تہذیب التہذیب۔ جلد ۱۰۔ ص ۴۲

۷۔ تہذیب الاسماء۔ جلد اول۔ ق ۲۔ ص ۸۳ ۸۔ اعلام الموقعین۔ جلد اول۔ ص ۲۶

۹۔ تہذیب التہذیب۔ جلد ۱۰۔ ص ۴۴

زہد و ورع : علم کے ساتھ ان میں زہد و ورع بھی اسی درجہ کا تھا۔ ابن حبانؒ لکھتے ہیں کہ مجاہد فقیر متورع اور عابد و زاہد تھے^۱۔

دنیا سے بے تعلق :

وہ دنیا سے ہمیشہ بے تعلق اور بیگانہ رہے۔ اس سے ان کا دل اس قدر برداشتہ تھا کہ کسی دنیاوی چیز سے دلچسپی نہ لیتے تھے۔ ہمیشہ مغموم رہا کرتے۔ اعمش کا بیان ہے کہ مجاہد کو جب ہم دیکھتے مغموم پاتے۔ ان سے کسی نے اس کا سبب پوچھا، جواب دیا کہ عبد اللہ بن عباسؓ نے میرا ہاتھ پکڑ کر کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے میرا ہاتھ پکڑ کر فرمایا تھا کہ عبد اللہ دنیا میں اس طرح رہو کہ معلوم ہو کہ مسافر یا راہ رو ہو^۲۔

سادگی : ظاہری زیب و زینت سے اتنے بے پروا تھے کہ ان میں اور ادنیٰ درجہ کے آدمیوں میں امتیاز مشکل تھا۔ اعمشؒ کا بیان ہے کہ جب میں مجاہد کو دیکھتا تھا تو (ان کی ظاہری حالت سے) ان کو نہایت حقیر سمجھتا تھا، وہ اپنی ظاہری وضع سے سائنس معلوم ہوتے تھے، جس کا گدھا گم ہو گیا ہو، اور وہ حالت پریشانی میں اس کو تلاش کر رہا ہو^۳۔ لیکن اس سے ان کی علمی عظمت میں کوئی فرق نہ آتا تھا۔ جب وہ بولتے تھے تو منہ سے موتی ٹپکتے تھے^۴۔ بڑے بڑے صحابہ ان کی عظمت و وقعت کرتے تھے۔ حضرت عبد اللہ بن عمرؓ جیسے بزرگ ان کی سواری کی رکاب تھام لیتے تھے^۵۔

سیر و سیاحت : مجاہد کو سیر و سیاحت اور عجائبات عالم دیکھنے کا بہت شوق تھا۔ انہوں نے آس پاس کے تمام عجائبات دیکھے تھے^۶۔

وفات : سنہ وفات کے بارے میں روایت مختلف ہیں۔ باختلاف روایت ۱۰۲ھ یا ۱۰۳ھ میں وفات پائی۔ عین سجدہ کی حالت میں سفر آخرت کیا۔ وفات کے وقت ستر اسی سال کی عمر تھی^۷۔

(۶۱) محمد بن اسحاقؒ

نام و نسب : محمد نام ہے۔ ابو عبد اللہ کنیت۔ والد کا نام اسحاق تھا۔ ان کے دادا یسار بن اتمر کے قیدیوں میں تھے اور غالباً اسی تعلق سے ابن اسحاق بھی غلامی کے سلسلہ میں منسلک تھے۔ چنانچہ وہ قیس بن مخزوم بن مطلب بن عبد مناف کے غلام تھے۔

۱۔ تہذیب المتذہب۔ جلد ۱۰۔ ص ۴۴

۲۔ شذرات الذہب۔ جلد اول ص ۱۲۵

۳۔ ایضاً

۴۔ ایضاً

۵۔ ایضاً

۶۔ تذکرۃ الحفاظ۔ جلد اول۔ ص ۸۰

فضل و کمال : علمی اعتبار سے ابن اسحاق ممتاز تابعین میں تھے۔ خصوصاً فن مغازی اور سیرت کے امام تھے۔

حدیث میں ان کا پایہ :

حدیث کے اکابر حفاظ میں تھے۔ اگرچہ امام مالک اور بعض دوسرے علماء نے ان پر جرح کی ہے، لیکن ایک دو کے علاوہ اور باقی تمام آئمہ اور ارباب کمال کا ان کے حفظ پر اتفاق ہے۔ ابو زرہ عبد الرحمن بن عمرو انصاری روایت کرتے ہیں کہ محمد بن اسحاق ایسے شخص ہیں جن سے اخذ حدیث میں تمام بڑے بڑے اہل علم سفیان ثوری، شعبہ، ابن عیینہ، حماد بن زید، حماد بن سلمہ، ابن مبارک اور ابراہیم بن سعد وغیرہ کا اتفاق ہے۔ اکابر میں یزید بن ابی حبیب نے ان سے روایت کی ہے۔ اہل حدیث نے ان کا امتحان لیا تو انہیں سچا اور خیر پایا۔^۱

علماء کا اعتراف : شعبہ ان کو ”امیر المؤمنین فی الحدیث“ اور امیر المحدثین کہتے تھے۔ لوگوں نے پوچھا کیوں؟ جواب دیا ان کے حفظ کی وجہ سے^۲۔ یزید بن ہارون کہتے ہیں کہ میرے ہاتھوں میں حکومت ہوتی تو محمد بن اسحاق کو محدثین کا سردار بناتا۔ ابو معاویہ انہیں حفظ الناس اور یحییٰ بن معین انہیں ثقہ اور حسن الحدیث کہتے تھے^۳۔ علی بن مدائنی کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی احادیث کا مدار چھ شخصوں پر تھا۔ پھر ان چھ آدمیوں کا علم بارہ میں منتقل ہو گیا تھا، ان میں ایک ابن اسحاق تھے^۴۔

امام زہری کا طرز عمل :

خود ان کے استاد امام زہری کو ان کے علم پر اس قدر اعتماد تھا کہ فرماتے تھے، جب تک محمد بن اسحاق موجود ہیں، اس وقت تک اہل مدینہ میں علم رہے گا^۵۔ چنانچہ جب وہ مدینہ کے باہر جاتے تھے، تو ان کو اپنا قائم مقام بنا جاتے تھے۔ ایک مرتبہ باہر جا رہے تھے، بعض شائقین علم نے بھی ساتھ جانا چاہا۔ زہری نے ان سے کہا کہ احول غلام، (ابن اسحاق) کو تم میں چھوڑے جاتا ہوں^۶۔ ان کی یہ جانشینی زہری کے تلامذہ میں مسلم تھی۔ چنانچہ ان کے بعد وہ لوگ ان کی روایات کی تصدیق کے لئے ابن اسحاق کی طرف رجوع کرتے تھے^۷۔

امام زہری انہیں اس قدر مانتے تھے کہ دربانوں کو خاص ہدایت دے رکھی تھی کہ ابن اسحاق جس وقت بھی آئیں آنے دیا جائے۔ ایک مرتبہ ابن اسحاق نے آنے میں معمول سے دیر کی۔ زہری نے پوچھا

۱۔ تاریخ خطیب بغدادی۔ جلد اول۔ ص ۲۲۳ ۲۔ ایضاً۔ ص ۲۲۸ ۳۔ تذکرۃ الحفاظ۔ جلد اول۔ ص ۱۵۶

۴۔ تاریخ خطیب بغدادی۔ جلد اول۔ ص ۲۱۸ و ص ۲۲ ۵۔ ایضاً۔ ص ۲۱۹ ۶۔ ایضاً

۷۔ ابن خلکان۔ جلد اول۔ ص ۴۸۴

کہاں تھے؟ انہوں نے کہا، حاجیوں اور دربانوں کی وجہ سے کوئی شخص آپ تک پہنچ سکتا ہے؟ زہری نے اسی وقت دربان کو بلا کر حکم دیا کہ ابن اہلق جس وقت بھی آئیں، انہیں روکا نہ جائے۔^۱

مالک اور ہشام کی جرح اور اس کے اسباب :

ان محامد اور کمالات کے ساتھ ابن اہلق پر امام مالک اور ہشام کی جرح بھی ملتی ہے۔ خصوصاً امام مالک کی رائے ان کے بارے میں زیادہ سخت تھی، اور وہ ان کے متعلق ناپلائم الفاظ تک استعمال کر جاتے تھے۔

حضرت ہشام بھی انہیں لائق اعتماد نہ سمجھتے تھے۔ لیکن محدثین نے خود ان دونوں کی جرح کے اسباب بیان کر دیئے ہیں۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ امام مالک اتنے متشدد تھے اور ان کا معیار اتنا بلند تھا کہ اگر کسی میں ادنیٰ خامی بھی ہوتی تھی تو وہ اس کے متعلق سخت الفاظ استعمال کرنے میں دریغ نہ کرتے تھے۔ خطیب بغدادی لکھتے ہیں کہ بعض علماء کا بیان ہے کہ امام مالک کے ہمعصر علماء نے ان لوگوں پر جو صلاح، تقویٰ، دینداری، ثقاہت اور امامت میں مشہور تھے امام مالک کی درشتی زبان پر نکتہ چینی کی ہے۔^۲

دوسری وجہ یہ تھی کہ ابن اہلق خود امام مالک پر طعن کیا کرتے تھے اور لوگوں سے کہتے تھے کہ مالک کی حدیثیں مجھے سنایا کرو، میں ان کے امراض کا طبیب ہوں۔^۳ ایسی حالت میں اگر امام مالک نے ان کے متعلق درشت الفاظ استعمال کئے تو اس سے ابن اہلق کی ثقاہت مجروح نہیں ہو سکتی۔

تیسرا سبب یہ تھا کہ ابن اہلق غزوات کی روایت قبول کرنے میں محتاط نہ تھے۔ اس لئے امام مالک ان کے مغازی پر طعن کرتے تھے۔ ان کی احادیث کو اس جرح سے کوئی تعلق نہ تھا۔

علامہ ابن حبان لکھتے ہیں کہ مالک نے صرف ایک مرتبہ محمد بن اہلق کے بارے میں کہا تھا، پھر ان کے رتبہ کے مطابق ان سے برتاؤ کرتے تھے۔ مالک ان کی احادیث کی وجہ سے نہیں، بلکہ مغازی کی وجہ سے ان پر جرح کرتے تھے۔ کیونکہ ابن اہلق غزوہ خیبر وغیرہ کے حالات یہودیوں کی نو مسلم اولادوں سے سنتے تھے، جن کو وہ اپنے بزرگوں سے سن کر بیان کرتے تھے۔ گو ابن اہلق ان بیانات سے حجت نہیں لاتے تھے، لیکن امام مالک متقن کے علاوہ کسی دوسرے سے روایت لینا جائز ہی نہ سمجھتے تھے۔^۴

۱ تاریخ خطیب بغدادی۔ جلد اول۔ ص ۲۱۹

۲ ایضاً۔ ص ۲۲۳

۳ ابن خلکان۔ جلد اول۔ ص ۲۸۴

۴ تہذیب التہذیب۔ جلد ۹۔ ص ۳۵

بعض علماء کا بیان ہے کہ مالک کی جرح مغازی کی بناء پر بھی نہ تھی بلکہ بعض عقائد کی بناء پر تھی۔ عبدالرحمن بن عمرو النصری کا بیان ہے کہ میں نے وحیم کے سامنے ابن اہلق کے بارے میں مالک کی جرح کا تذکرہ کیا تو انہوں نے کہا، یہ احادیث کی وجہ سے نہ تھی بلکہ اس لئے تھی کہ امام مالک انہیں قدر کے عقیدے سے متہم سمجھتے تھے۔^۱

بہر حال ان تمام روایات سے اتنا معلوم ہو گیا کہ امام مالک کی جرح کا سبب ابن اہلق کی بے اعتباری اور ان کا ضعف نہ تھا، بلکہ اس کے اسباب دوسرے تھے۔ اس لئے اس جرح سے ان کی مرویہ احادیث پر کوئی اثر نہیں پڑ سکتا۔ اسی لئے امام مالک کے علاوہ آئمہ اور علماء ان کی روایت قبول کرتے تھے۔ خود امام ابن حنبل جو عقیدہ کے تشدد میں امام مالک سے کم نہ تھے ابن اہلق کی روایات قبول کرتے تھے۔ امام احمد بن حنبل کے صاحبزادے عبداللہ نے ایک شخص کے جواب میں جس نے ابن اہلق کے بارے میں ان سے پوچھا تھا کہ میرے والد ان کی روایات جانچ کر قبول کرتے تھے اور مسند میں لیتے تھے۔ لیکن سنن میں ان سے احتجاج نہیں کرتے تھے۔^۲

امام مالک کے بعد ابن اہلق پر جرح کرنے والوں میں دوسرا نام ابن ہشام کا ہے۔ اس کی حقیقت یہ ہے کہ ہشام کو محض اس لئے لائق اعتماد نہ سمجھتے تھے کہ انہوں نے ان کی بیوی فاطمہ بنت منذر سے بعض روایتیں کی ہیں۔ ہشام کہتے تھے کہ انہوں نے میرے بیوی سے جو ایک پردہ نشین خاتون تھیں اور جن پر نو سال کی عمر سے موت تک کسی مرد کی نظر نہیں پڑی، کیسے احادیث سنیں۔ لیکن جیسا کہ بعض محدثین نے لکھا ہے کہ محض اس دلیل پر ابن اہلق کی روایات کو غلط کہنا صحیح نہیں ہے، کیونکہ وہ پردہ کی آڑ سے سن سکتے تھے۔

ابن حبان لکھتے ہیں کہ محمد بن اہلق کے بارے میں ہشام اور مالک دو آدمیوں نے کلام کیا ہے۔ لیکن ہشام کے قول سے کوئی انسان بھی مجروح نہیں ہو سکتا۔ تابعین بغیر چہرے پر نظر ڈالے ہوئے حضرت عائشہ صدیقہؓ سے احادیث سنا کرتے تھے۔ اسی طریقہ سے ابن اہلق نے فاطمہ سے سنا ہوگا۔ درمیان میں پردہ حائل رہا ہوگا۔^۳

شیوخ : ابن اہلق خاص شاگرد تو امام زہری کے تھے، لیکن ان کے علاوہ بھی انہوں نے بہت سے شیوخ سے استفادہ کیا تھا۔ چنانچہ ان کے شیوخ میں عبید اللہ بن عبد اللہ بن عمرو ابن مالک، محمد بن ابراہیم تیمی، قاسم بن محمد بن ابی بکر، محمد بن جعفر بن زبیر، عاصم بن عمرو بن قتادہ، عباس بن سہل بن سعد،

ابن منکدر، مکحول، ابراہیم بن عقبہ، حمید الطویل، سالم ابی النضر، سعید مقبری، سعید بن ابی ہند، ابی الزناد، عبدالرحمن بن اسود نخعی، عطاء بن ابی رباح، عکرمہ ابن خالد، علاء بن عبدالرحمن وغیرہ جیسے اکابر علماء تھے۔^۱

تلامذہ : خود ابن اہلق سے فیض اٹھانے والوں کی فہرست نہایت طویل ہے۔ ان میں بعض ممتاز تلامذہ کے نام یہ ہیں، جریر بن حازم، عبداللہ بن سعید، ابن عون، ابراہیم بن سعد شعبہ سفیان، زہیر بن معاویہ، ابن ادریس، ابو عوانہ، عبدالاعلیٰ، عبیدہ بن سلیمان، جریر بن عبد الحمید اور زیاد البرکائی وغیرہ۔^۲

سیرت و مغازی : ابن اہلق کا اصل فن مغازی و سیرت تھا۔ اس کے وہ امام تھے۔ حافظ ذہبی لکھتے ہیں کہ وہ مغازی اور سیرت کی معرفت میں حبر تھے۔^۳

امام شافعی کہتے تھے کہ جو شخص مغازی میں تبحر حاصل کرنا چاہتا ہے، وہ ابن اہلق کا دست نگر ہے۔^۴ خطیب بغدادی لکھتے ہیں کہ وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے اس علم کی طرف توجہ کی اور اس کو اتنا بڑھایا کہ ان کے بعد پھر کوئی اس پر اضافہ نہ کر سکا اور سلاطین اور امراء کی توجہ بے نتیجہ اور لایعنی قصص و حکایت سے تاریخ کی طرف پھیر دی۔

اس طرح انہوں نے سب سے پہلے تاریخ کا مذاق پیدا کیا۔ ابن عدی کا بیان ہے کہ اگر اس فضیلت کے علاوہ ابن اہلق میں اور کوئی فضیلت نہ ہوتی کہ انہوں نے سلاطین کا مذاق بدل کر ان کی توجہ اور مشغولیت لا حاصل کتابوں سے رسول اللہ ﷺ کے مغازی آپ کی سنت اور آغازِ عالم کی تاریخ کی جانب پھیر دی تو تنہا یہی کارنامہ اور اولیت کا یہ فخر ہی ان کی فضیلت کے لئے کافی تھا۔

ان کے بعد بہت سے لوگوں نے اس فن پر کتابیں لکھیں، لیکن کوئی ان کے درجہ کو نہ پہنچ سکا۔^۵ خود امام زہری جن سے انہوں نے اس فن کو حاصل کیا، اس میں ان کی وسعتِ علم کے معترف تھے۔^۶

تاریخ : اگرچہ مغازی اور سیرت تاریخ ہی کی ایک شاخ ہے، لیکن اس کے علاوہ ابن اہلق تاریخ عام کے بھی عالم تھے۔ خطیب لکھتے ہیں کہ وہ سیرت، مغازی، ایام ناس، آغازِ خلق اور قصص انبیاء کے عالم تھے۔^۷

۱۔ تہذیب المعجم۔ جلد ۹۔ ص ۳۸

۲۔ ایضاً۔ ص ۳۹

۳۔ تذکرۃ الحفاظ۔ جلد اول۔ ص ۱۵۶

۴۔ تہذیب المعجم۔ جلد ۹۔ ص ۴۲

۵۔ تاریخ خطیب۔ جلد اول۔ ص ۲۱۹

۶۔ ایضاً۔ ص ۲۵

جلد اول۔ ص ۲۱۹

تصانیف : انہوں نے تاریخ اور سیرت پر متعدد مستقل تصانیف کی تھیں۔ ابن ندیم لکھتے ہیں :
 ”وله من الكتب الخلفاء رواه عنه الامري كتاب السيرة والمبتداء والمغازي“^۱۔

ان کی سب سے مشہور اور قدیم ترین کتاب سیرت ابن اہلق ہے۔ یہ کتاب صدیوں سے ناپید ہو گئی ہے، لیکن اس لحاظ سے اس کی روایات اب تک محفوظ ہیں کہ ابن ہشام کی سیرت کا سب سے بڑا ماخذ یہی ہے۔ اس لئے اس کی تمام روایتیں اس میں محفوظ ہو گئی ہیں۔ موجودہ سیرت ابن ہشام درحقیقت ابن اہلق کی سیرت کا ثمنی ہے۔

علامہ ابن اہلق نے یہ کتاب خلیفہ مہدی عباسی کے کسی لڑکے کے لئے لکھی تھی۔ اس کی تالیف کا واقعہ یہ ہے کہ ایک مرتبہ مہدی کے دربار میں گئے۔ اس وقت مہدی کا لڑکا بھی موجود تھا۔ مہدی نے ابن اہلق سے پوچھا، اس کو جانتے ہو؟ انہوں نے کہا امیر المومنین کے صاحبزادے ہیں۔ مہدی نے فرمائش کی کہ ان کے لئے ایک ایسی کتاب لکھو جس میں خلق آدم سے لے کر اس وقت تک کے حالات ہوں۔ اس حکم کے مطابق انہوں نے کتاب لکھ کر پیش کی۔ مہدی نے دیکھ کر کہا یہ تو بہت طویل ہے۔ اس کو مختصر کرو، چنانچہ انہوں نے دوبارہ اس کو مختصر کیا اور پہلی کتاب مہدی کے کتب خانہ میں رکھ دی۔^۲

عقیدہ قدر : بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ ابن اہلق قدری تھے، لیکن کچھ روایات اس کے خلاف بھی ہیں۔ محمد بن عبد اللہ بن نمیر کا بیان ہے کہ ابن اہلق قدر سے متہم کئے جاتے تھے۔ حالانکہ ان کو اس سے ذور کا لگاؤ بھی نہ تھا۔^۳

وفات : ابتداء میں وہ مدینہ میں رہتے تھے، پھر یہاں کا قیام ترک کر کے کوفہ، جزیرہ اور رے وغیرہ مختلف مقامات میں پھرتے رہے۔ آخر میں بغداد چلے گئے تھے اور یہیں ۶۵۶ھ میں وفات پائی اور ہارون رشید کی ماں خیزران کے قبرستان میں دفن ہوئے۔^۴

۶۲) محمد بن حنفیہؒ

نام و نسب : محمد نام ہے۔ ابو القاسم کنیت۔ حضرت علی مرتضیٰؑ کے فرزند اور حضرت حسینؑ کے سوتیلے بھائی تھے۔ حضرت علی مرتضیٰؑ نے حضرت فاطمہؑ کے لڑکے ہرہ کے انتقال کے بعد کئی شادیاں کیں۔

۱۔ فہرست ابن ندیم۔ ص ۱۳۶ طبع مصر

۲۔ تاریخ خطیب۔ جلد اول۔ ص ۲۲۱

۳۔ ایضاً۔ ص ۲۲۲

۴۔ ابن سعد۔ جلد ۷۔ ق ۲۔ ص ۲۷

ان بیویوں میں ایک خاتون خولہ المعروف بہ حنیفہ تھیں۔ خولہ کے نسب کے بارے میں مورخین کے بیانات مختلف ہیں۔ بعض انہیں جنگ یمامہ کے قیدیوں میں لکھتے ہیں، بعض سندھی النسل بتاتے ہیں، بعض بنی حنیفہ کی لونڈی بتاتے ہیں، لیکن صحیح یہ ہے کہ وہ بنی حنیفہ کی معزز خاتون تھیں۔ محمد انہی کے بطن سے پیدا ہوئے۔ خولہ کا نسب نامہ یہ ہے، خولہ بنت جعفر بن قیس بن سلمہ بن ثعلبہ ابن یربوع بن ثعلبہ بن الاول بن حنیفہ بن کحیم بن صعب بن علی بن بکر بن وائل، محمد بن حنیفہ، علم تقویٰ کے اعتبار سے کبار تابعین میں تھے۔

پیدائش : عہد فاروقی کے اختتام کے دو سال پہلے پیدا ہوئے^۱۔ اس لحاظ سے ان کی پیدائش ۲۱ھ کے آخر یا ۲۲ھ کے شروع میں ہوئی ہوگی۔

جنگ جمل : ان کے بچپن کے حالات پردہ اخفا میں ہیں۔ جنگ جمل سے ان کا پتہ چلتا ہے۔ شجاعت و بہادری پدربزگوار سے ورثہ ملی تھی۔ اس لئے وہ بچپن ہی سے نہایت جری بہادر اور شجاع تھے۔ جنگ جمل میں جب ان کی عمر مشکل سے پندرہ سولہ سال کی تھی، حضرت علی مرتضیٰ نے ان کو فوج کا نشان مرحمت فرمایا تھا^۲۔

جنگ کے ابتدائی انتظامات کے بعد حضرت علیؑ نے انہیں آگے بڑھنے کا حکم دیا۔ انہوں نے حکم کی تعمیل کی اور بے محابہ علم لے کر آگے بڑھے۔ اہل بصرہ نیزے اور تلواریں سنبھال کر ان کی طرف لپکے، ابھی وہ کم سن تھے، اس لئے زیادہ بڑھنے کی ہمت نہ ہوئی۔ حضرت علیؑ نے ان کے ہاتھوں سے علم لے کر خود حملہ کیا۔ دوسرے سرفروشنوں نے بھی آپؐ کا ساتھ دیا اور جنگ شروع ہو گئی۔ آغاز جنگ کے بعد حضرت علیؑ نے پھر محمد بن حنیفہ کو علم دے دیا^۳۔

یہ واقعہ خود محمد بن حنیفہ کی زبانی بھی منقول ہے۔ ان کا بیان ہے کہ جنگ جمل میں ہماری فوجیں صف آراء ہوئیں تو والد نے علم مجھے مرحمت فرمایا، پھر جب دونوں فوجیں بالمقابل ہوئیں اور ایک دوسرے کی طرف بڑھیں اور والد نے مجھ میں پسپائی کے آثار دیکھے تو علم میرے ہاتھ سے لے کر جنگ شروع کر دی۔ میں نے بڑھ کر ایک بصری پر حملہ کیا۔ جب وہ زہر دہرا گیا تو پکارا کہ میں ابی طالب کے مذہب پر ہوں۔ یہ سن کر میں رُک گیا۔ ان لوگوں کے شکست کھانے کے بعد والد نے منادی کرادی کہ کوئی شخص زخمیوں کو پامال نہ کرے میدان چھوڑنے والوں کا تعاقب نہ کیا جائے۔ اختتام جنگ کے بعد وہ گھوڑے اور اسلحہ جو دشمنوں نے جنگ میں استعمال کئے تھے والد نے بطور غنیمت کے تقسیم کر دیئے^۴۔

۱۔ ابن خلکان۔ جلد اول۔ ص ۳۵۰ ۲۔ اخبار الطوال۔ ص ۱۵۶ ۳۔ ایضاً۔ ص ۱۵۸ ۴۔ ابن سعد۔ جلد ۵۔ ص ۶۷

جنگ صفین : جنگِ جمل کے بعد ہی جنگِ صفین کے مقدمات شروع ہو گئے تھے۔ محمد بن حنفیہ اس جنگ میں شروع سے آخر تک اپنے والد بزرگوار کے ساتھ رہے۔ چنانچہ صفین کے ابتدائی حالات ان سے اس طرح منقول ہیں کہ میرے والد معاویہ اور اہلِ شام سے جنگ کرنے کا ارادہ کرتے تھے، اور جنگی علم تیار کر کے قسم کھاتے کہ جب تک یہ میدان جنگ میں نہ آئے گا، اس وقت تک اس کو نہ کھولوں گا۔ لیکن ان کے آدمی ان کی مخالفت کرتے تھے۔ ان کی رائیں مختلف ہو جاتی تھیں، اور وہ جنگ سے پہلو تہی کرنے لگتے۔ ان کی مخالفت دیکھ کر والد علم کھول دیتے اور قسم کا کفارہ ادا کرتے۔

اس طریقہ سے انہوں نے چار مرتبہ علم تیار کیا اور چار مرتبہ کھولا۔ مجھے یہ بات پسند نہ آئی۔ میں نے مسور بن مخرمہ سے کہا کہ آپ والد سے کہتے ہیں کہ ان حالات میں وہ کہاں کا قصد کر رہے ہیں۔ خدا کی قسم مجھے ان لوگوں سے کسی فائدہ کی امید نظر نہیں آتی۔ مسور نے کہا، انہوں نے جس کام کا ارادہ کر لیا ہے، وہ یقینی اور طے شدہ ہے۔ میں نے ان سے گفتگو کی تھی، وہ جانے کا تہیہ کر چکے ہیں۔ بہر حال جب جنگ کسی طرح نہ ٹلی اور حضرت علی مرتضیٰ امیر معاویہؓ سے لڑنے کے لئے صفین روانہ ہوئے تو محمد بھی ان کے ہمراہ تھے، اور حضرت علیؓ نے جنگِ جمل کی طرح صفین میں بھی علم مرحمت فرمایا۔

جنگِ صفین کا سلسلہ مدتوں قائم رہا تھا۔ ابتداء میں تو عرصہ تک متحدہ اور فیصلہ کن جنگ کے بجائے فریقین کے ایک ایک دو دو دستے میدان میں آتے تھے۔ ایک دن محمد بن حنفیہ ایک دستہ کو لے کر نکلے۔ شامی فوج سے عبید اللہ بن عمران کے مقابلہ میں آئے اور محمد بن حنفیہ کو لاکارا۔ انہوں نے کہا گھوڑے سے اترو۔ اس لاکار پر دونوں گھوڑے سے اتر پڑے۔

حضرت علیؓ نے دیکھا تو گھوڑا بڑھا کر ابن حنفیہ کے پاس پہنچے اور گھوڑا انہیں دے کر خود عبید اللہ کے مقابلہ کے لئے بڑھے۔ وہ انہیں دیکھ کر ہٹ گئے اور کہا، میں آپ سے نہیں بلکہ آپ کے لڑکے سے مقابلہ کرنا چاہتا تھا۔

عبید اللہ کے چلے جانے کے بعد ابن حنفیہ نے حضرت علیؓ سے کہا کہ اگر آپ نے مجھے مقابلہ کرنے دیا ہوتا تو مجھے امید تھی کہ میں ان کو قتل کر دیتا۔ حضرت علیؓ نے فرمایا، امید تو مجھے بھی یہی تھی، لیکن خطرہ سے خالی نہ تھی۔ مجھے خوف تھا کہ تمہاری جان کو کوئی صدمہ نہ پہنچ جائے۔ اس کے بعد فریقین کے سوار دو پہر تک لڑتے رہے، لیکن کوئی ایک دوسرے کو مغلوب نہ کر سکا۔

ایک موقع پر حضرت علیؑ نے ان کوشامیوں کے ایک دستہ کی طرف بڑھنے کا حکم دیا اور ہدایت کی کہ ان کے سینوں میں نیزے پیوست کرنے کے بعد ہاتھ روک لینا اور میرے دوسرے حکم کا انتظار کرنا۔ انہوں نے اس حکم کی تعمیل کی۔ حضرت علیؑ نے ایک اور دستہ ان کی مدد کے لئے بھیجا۔ اس نے ابن حنفیہ کی قیادت میں شامی دستے کو مار کر اس کی جگہ سے ہٹا دیا۔^۱

جنگ صفین میں بہت سے نازک مواقع پر ابن حنفیہ اپنے والد بزرگوار کی حفاظت میں اپنے برادرانِ محترم (حسن و حسین) کے دوش بدوش سینہ سپر ہوئے۔ چنانچہ جب حضرت علیؑ پر ہر طرف سے تیروں کی بارش ہو رہی تھی اور تیر آپ کے کانوں اور شانے کے پاس سے اڑتے ہوئے گزر جاتے تھے، محمد بن حنفیہ اور حسنینؑ ان تیروں کو اپنے جسم سے روکتے تھے۔^۲

ابن حنفیہ کے متعلق حضرت علیؑ کی آخری وصیت :

جنگ صفین کے تھوڑے ہی عرصہ کے بعد حضرت علیؑ کی شہادت کا حادثہ پیش آ گیا۔ دمِ آخر آپ نے جب حضرت حسنینؑ کو وصیتیں فرمائیں تو محمد بن حنفیہ سے ارشاد ہوا کہ میں نے تمہارے بھائیوں کو جو وصیتیں کی ہیں وہی تمہارے لئے بھی ہیں۔ میرے بعد تم دونوں بھائیوں کی جن کا تم پر بڑا حق ہے۔ پوری عظمت و توقیر کرنا، ان کے کاموں کو سنوارنا، ان کے مشورے کے بغیر کوئی کام نہ کرنا۔ پھر حسنینؑ سے فرمایا کہ ان کے (محمد بن حنفیہ) بارے میں میری یہ وصیت ہے کہ وہ تمہارے حقیقی بھائی کے برابر اور تمہارے باپ کے لڑکے ہیں۔ اس کو ہمیشہ یاد رکھنا کہ تمہارے باپ ان سے محبت کرتے تھے۔^۳

حضرت حسنینؑ کی وصیت :

حضرت حسنینؑ نے اس وصیت کو پورے طور پر ملحوظ رکھا، اور کسی موقع پر بھی ابن حنفیہ کو نظر انداز نہ ہونے دیا۔ چنانچہ جب حضرت حسنؑ کا وقتِ آخر ہوا تو حضرت حسنینؑ سے فرمایا کہ میں تم کو تمہارے بھائی محمد کے ساتھ حسن سلوک کی وصیت کرتا ہوں۔ وہ دونوں آنکھوں کے درمیان چمڑے کی طرح عزیز ہیں۔ پھر محمد بن حنفیہ سے فرمایا کہ تم کو بھی یہ وصیت کرتا ہوں کہ ضرورت کے وقت حسنینؑ کے گرد جمع ہو کر ان کی مدد کرنا۔^۴

یزید کے مطالبہ بیت پر حضرت حسین کو مشورہ :

حضرت حسینؑ کے بعد محمد بن حنفیہ حضرت حسینؑ کو اپنا بڑا بھائی سمجھتے رہے، اور ان کی مشکلات میں ایک وفادار بھائی کی حیثیت سے ان کے مخلص و نمکسار رہے۔ امیر معاویہ کی وفات کے بعد یزید کے حکم پر ولید حاکم مدینہ نے حضرت حسینؑ سے بیعت کا مطالبہ کیا، اور اس کے رد و قبول کے بارے میں کشمکش میں مبتلا ہوئے، اور اس سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لئے مدینہ چھوڑ دینا چاہا تو اس انت محمد بن حنفیہ نے آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ بھائی آپ مجھ کو سب سے زیادہ محبوب و عزیز ہیں۔ دنیا میں کوئی ایسا شخص نہیں ہے، جس کا میں آپ سے زیادہ خیر خواہ ہوں۔ میرا مشورہ یہ ہے کہ اس موقع پر جہاں تک آپ سے ہو سکے یزید کی بیعت اور کسی خالص شہر میں جانے کے ارادہ سے بالکل الگ رہنے اور اپنے ذمہ داری کو اپنی خلافت کی دعوت دیتے ہوئے۔

اگر وہ بیعت کر لیں تو ہمارے لئے موجب شکر ہوگا اور اگر آپ کے علاوہ کسی اور شخص پر مسلمانوں کا اتفاق ہو جائے تو اس سے آپ کے مذہب اور آپ کی عقل میں کوئی کمی نہ آئے گی اور آپ کے فضائل پر اس کا کوئی اثر نہ پڑے گا اور اگر آپ کسی متعین شہر اور متعین مقام پر جائیں گے تو مجھے ڈر ہے کہ وہاں کے لوگوں میں اختلاف ہو جائے گا۔

ان میں ایک جماعت تو آپ کا ساتھ دے گی، لیکن ایک جماعت آپ کے خلاف ہو جائے گی۔ پھر یہ کہ دونوں جماعتیں باہم لڑیں گی اور درمیان میں آپ کی ذات ان کے نیزوں کا نشانہ بنے گی۔ اگر یہ صورت پیدا ہوگئی تو نسب اور ذاتی اوصاف کے اعتبار سے اس امت کا معزز اور بلند ترین شخص سب سے زیادہ ذلیل اور پست ہو جائے گا اور اس کا خون سب سے زیادہ ارزاں ہوگا۔

یہ مشورہ سن کر حضرت حسینؑ نے فرمایا، پھر کہاں جاؤں؟ ابن حنفیہ نے کہا مکہ جائیے، اگر وہاں آپ کو اطمینان سے بیٹھنے کا موقع مل جائے تو خود ہی کوئی سبیل نکل آئے گی اور اگر حالات خلاف ہوئے تو ریگستان اور پہاڑی علاقوں میں نکل جائیے گا اور جب تک ملک کوئی فیصلہ نہ کر لے اس وقت تک برابر ایک شہر سے دوسرے شہر منتقل ہوتے رہئے۔ اس دوران میں آپ کی کوئی نہ کوئی رائے قائم ہو جائے گی اور آپ کسی نہ کسی نتیجہ پر پہنچ جائیں گے۔ کیونکہ جب حالات کا سامنا ہو جاتا ہے، اس وقت آپ کی رائے نہایت صائب اور آپ کا عمل نہایت محتاط ہو جاتا ہے۔ یہ باتیں سن کر حضرت حسینؑ نے فرمایا تم نے بہت محبت آمیز نصیحت کی ہے۔ مجھ کو امید ہے کہ تمہاری رائے صائب ہوگی۔

حضرت حسینؑ نے ایک حد تک ان کے مشورہ پر عمل بھی کیا۔ چنانچہ مدینہ سے مکہ چلے گئے، پھر کوفیوں کی پیہم دعوت پر چند دنوں کے بعد کوفہ روانہ ہو گئے۔ لیکن تقدیر الہی کچھ اور ہی تھی۔ اس لئے آپ کی شہادت کا حادثہ عظمیٰ پیش آ گیا۔ محمد بن حنفیہ اس حادثہ میں آپ کے ساتھ نہ تھے۔

مختار بن ابی عبید ثقفی کا خروج اور ابن حنفیہ کی سرپرستی :

حضرت امام حسینؑ کی شہادت کے بعد حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے بنی اُمیہ کے مقابلہ میں خلافت کا دعویٰ کیا اور اس سلسلہ میں برسوں دونوں میں جنگ جاری رہی۔

عین اسی زمانہ میں بنی ثقیف کا ایک نہایت معمولی اور گمنام شخص مختار بن ابی عبید جو کسی وقت اُموی عمال کے ہاتھوں سزایاب ہو چکا تھا۔ وجاہت دنیاوی کی طمع میں ابن زبیرؓ کے ساتھ ہو گیا اور چند دنوں تک ان کے ساتھ رہا، لیکن جب اس کو یہاں امید پوری ہوتی ہوئی نظر نہ آئی تو اس نے ان سے الگ ہو کر قسمت آزمائی کا ارادہ کیا۔ لیکن اس کے جیسے فرد مایہ شخص کے لئے بغیر کسی امداد و سہارے کے اپنے ارادہ میں کامیاب ہونا مشکل تھا۔ اس لئے اس نے حضرت حسینؑ کے خون بے گناہی کے انتقام کو آڑ بنایا۔ چونکہ یہ حادثہ ابھی تازہ تھا۔ مسلمانوں کی ایک بڑی جماعت اس سے متاثر تھی۔ اس لئے بہت سے لوگ اس کے دام میں آ گئے۔

اس دعوت کے ساتھ ہی اس نے حضرت امام حسینؑ کے جانشین امام زین العابدینؑ کے پاس نذرانہ بھیج کر ان سے سرپرستی کی درخواست کی کہ آپ ہمارے امام ہیں۔ ہم سے بیعت لے کر ہماری سرپرستی قبول فرمائیے۔ لیکن امام موصوف اس کی حقیقت سے آگاہ تھے۔ اس لئے اس کے فریب میں نہ آئے اور نہایت حقارت سے اس کی درخواست ٹھکرا دی اور مسجد نبوی ﷺ میں علی الاعلان اس کے فسق و فجور کا پردہ چاک کر کے فرمایا کہ یہ شخص محض لوگوں کو دھوکا دینے کے لئے اہل بیت کو آڑ بنانا چاہتا ہے۔ حقیقت میں اس کو اس سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

یہ وہ زمانہ تھا جب مطالبہ بیعت کے سلسلہ میں ابن زبیرؓ اور محمد بن حنفیہ میں ناخوشگوار پید ا ہو چکی تھی۔ مختار نے اس سے فائدہ اٹھایا اور امام زین العابدینؑ سے مایوس ہو کر ابن حنفیہ کے پاس پہنچا۔ امام زین العابدینؑ کو معلوم ہوا تو انہوں نے ان کو بھی روکا اور فرمایا کہ مختار اہل بیت کی محبت کا دعویٰ محض لوگوں کو اپنی طرف مائل کرنے کے لئے کرتا ہے، حقیقت میں اس کو اس سے کوئی تعلق نہیں۔ بلکہ وہ ان کا دشمن ہے۔ میری طرح آپ کو بھی اس کا پردہ فاش کرنا چاہئے۔ محمد بن حنفیہ نے ابن عباسؓ سے اس کا

تذکرہ کیا۔ ان کو ابن زبیرؓ کی جانب سے خطرہ تھا۔ اس لئے انہوں نے ابن حنفیہ سے کہا کہ اس معاملہ میں تم زین العابدین کا کہنا نہ مانو^۱۔

محمد بن حنفیہ بھی مختار کو اچھا آدمی نہ سمجھتے تھے اور انہیں اس پر مطلق اعتماد نہ تھا، لیکن ابن زبیرؓ کے مقابلہ میں اس کی امداد و اعانت حاصل کرنے کے لئے (ابن زبیرؓ محمد بن حنفیہ کو اپنی بیعت کے لئے مجبور کر رہے تھے) اس کی سرپرستی قبول کر لی۔

محبان اہل بیعت کا اصل مرکز عراق تھا۔ اس لئے محمد بن حنفیہ کو سرپرست بنانے کے بعد مختاران سے اجازت لے کر عراق روانہ ہو گیا، لیکن چونکہ ابن حنفیہ کو اس پر اعتماد نہ تھا اور وہ اس کے متعلق اچھی رائے نہ رکھتے تھے، اس لئے انہوں نے اپنا ایک آدمی عبداللہ بن کامل ہمدانی اس کے ساتھ کر دیا اور اس کو خفیہ ہدایت کر دی کہ مختار زیادہ لائق اعتماد نہیں ہے اس سے بچتے رہنا۔ اب تک ابن زبیرؓ کو اس ساز باز کا علم نہ ہوا تھا اور وہ بدستور مختار کو اپنا خیر خواہ سمجھ رہے تھے۔ اس نے جا کر ان سے کہا کہ میرا قیام مکہ سے زیادہ آپ کے لئے عراق میں مفید ہوگا۔ اس لئے میں وہاں جا رہا ہوں۔ ابن زبیرؓ نے بخوشی اجازت دے دی اور مختار، عبداللہ بن کامل کے ساتھ عراق روانہ ہو گیا۔ مقام غدیب میں ایک شخص سے ملاقات ہوئی۔ اس سے مختار نے پوچھا، عراق میں لوگوں کا کیا حال ہے۔ اس نے کہا وہ بغیر ملاح کی کشتی کی طرح جھکولے لے رہے ہیں۔ مختار نے کہا میں بن کاسلح بنوں گا^۲۔

عراق میں ورود اور ابن حنفیہ کی دعوت :

محبان اہل بیت کی سب سے بڑی تعداد کوفہ میں تھی۔ اس لئے مختار سیدھا کوفہ پہنچا اور اپنے کو محمد بن حنفیہ کا داعی ظاہر کر کے ان کے زہد و ورع کی تبلیغ اور ابن زبیرؓ کی مذمت اور ان کی تشہیر شروع کر دی کہ ابن زبیرؓ درحقیقت محمد بن حنفیہ کے کارکن تھے اور ابتداء میں وہ ان ہی کے لئے کوشش کرتے تھے، لیکن پھر خود اس پر غاصبانہ قابض ہو گئے۔ اس لئے ابن حنفیہ نے مجھے اپنا داعی بنا کر بھیجا ہے۔ ان کے دست و قلم کی لکھی ہوئی سند بھی میرے پاس موجود ہے۔ جن لوگوں پر اسے اعتماد ہوتا تھا، انہیں یہ تحریر پڑھ کر بھی سنا دیتا تھا۔

غرض اس چالاکی سے بہت سے محبان اہل بیت اس کے فریب میں آ گئے اور ایک اچھی خاصی جماعت نے اس کے ہاتھوں پر بیعت کر لی، لیکن کچھ لوگوں کو شک ہوا۔ وہ ابن حنفیہ کے پاس مکہ پہنچے اور ان سے مختار کے بیانات کی تصدیق چاہی۔ یہ نہ صاف اقرار ہی کر سکتے تھے اور نہ انکار۔

اقرار اس لئے نہیں کر سکتے تھے کہ مختار کے بیانات بہت کچھ مبالغہ آمیز بلکہ جھوٹ تھے، لیکن اس حد تک صحیح تھا کہ ابن حنفیہ نے اس کی سرپرستی قبول کر لی تھی، لیکن ان کو اس کی صداقت پر خود اعتماد نہ تھا۔ اس لئے جواب دیا کہ ”تم لوگ خود دیکھتے ہو کہ ہم لوگ (اہل بیعت) صابر و شاکر بیٹھے ہیں۔ میں کسی مسلمان کا خون گرا کر دنیاوی حکومت نہیں چاہتا، لیکن اسے ہم پسند کرتے ہیں کہ اللہ نے جس بندے سے چاہا ہماری مدد کی۔ البتہ تم لوگ کذابین سے ڈرتے رہو اور اپنی جان اور دین کی حفاظت کرو۔“ یہ سن کر یہ لوگ عراق لوٹ گئے۔ کوفہ میں ابراہیم بن اشتر نخعی بڑے بااثر محبان اہل بیت میں تھے۔ مختار نے محمد بن حنفیہ کی جانب سے ان کو ایک فرضی خط دے کر انہیں اپنا حامی و مددگار بنالیا۔

کوفہ پر قبضہ اور قاتلین حسین کا قتل :

ابراہیم نخعی کی حمایت سے مختار کی قوت بہت بڑھ گئی اور وہ اعلانیہ میدان میں آ گیا۔ ابن زبیرؓ کے پولیس افسر یاس بن فزار نے روک ٹوک شروع کی تو ابراہیم بن اشتر نے اُسے قتل کر دیا۔ عبد اللہ بن مطیع کو جو ابن زبیر کی جانب سے کوفہ کے والی تھے، خبر ہوئی تو انہوں نے مختار کا مقابلہ کرنے کی کوشش کی۔ مگر ناکام رہے اور مختار اور ابراہیم دونوں نے اس کو نہایت فاش شکست دی۔ ابن مطیع نے ان سے اپنی جان بخشی کر اُسے کوفہ چھوڑ دیا۔ اور یہاں مختار کی حکومت قائم ہو گئی۔

کوفہ پر قابض ہونے کے بعد مختار کی وقعت بڑھ گئی۔ اس وقت اسے اپنی کارگزاری دکھانے کا موقع ملا۔ چنانچہ اس نے حضرت حسینؓ کے قاتلوں اور ان کے معاونوں کو قتل کرنا شروع کیا اور چند دنوں کے اندر ان سب کا صفایا کر دیا۔ ابن زیاد کا سر قلم کر کے محمد بن حنفیہ اور امام زین العابدینؑ کی خدمت میں بھیجا۔ مختار کے مکر و فریب کے باوجود اس کی یہ کارگزاری ایسی تھی کہ قدرۃً یہ بزرگوار اس سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے اور ان کی زبان نے بے ساختہ اس کی خدمات کا اعتراف کیا۔

ابن حنفیہ کی قید و رہائی :

ابن زبیرؓ نے ابتداء میں ابن حنفیہ پر اپنی بیعت کے لئے زیادہ زور نہ ڈالا تھا۔ مگر جب کوفہ وغیرہ پر مختار کا قبضہ ہو گیا اور اس کی قوت میں اضافہ کے ساتھ عراق میں ابن حنفیہ کے بیعت کرنے والوں کا دائرہ زیادہ وسیع ہو گیا تو ابن زبیرؓ کو ان کی جانب سے خطرات بڑھ گئے۔ اس وقت انہوں نے ابن حنفیہ اور ان کے ساتھ ابن عباسؓ پر بھی دباؤ ڈالنا شروع کیا۔ لیکن یہ لوگ بیعت کے لئے آمادہ نہ ہوئے۔ آخر میں

انہوں نے ان کے تمام اہل خاندان کو مکہ کی ایک گھاٹی میں نظر بند کر دیا۔ ایک روایت یہ ہے کہ ابن حنفیہ کو چاہ زمزم کی چار دیواری میں قید کر کے لکڑیوں کا انبار لگوادیا اور دھمکی دی کہ اگر وہ بیعت نہ کریں گے تو انہیں پھونک دیا جائے گا۔

یہ نازک صورت پیدا ہونے کے بعد ابن حنفیہ نے ابن عباسؓ سے پوچھا کہ اب کیا رائے ہے۔ انہوں نے کہلا بھیجا کہ ہرگز ہرگز اطاعت نہ کرنا، اپنی بات پر قائم رہنا۔ لیکن مکہ میں رہتے ہوئے انکار پر قائم رہنا مشکل تھا۔ اس لئے ابن حنفیہ نے مکہ چھوڑ کر کوفہ چلے جانے کا ارادہ کیا۔

مختار کو اس ارادہ کی اطلاع ہوئی تو اسے بہت گراں گزرا کہ ابن حنفیہ کے عراق پہنچ جانے کے بعد اس کی ہستی ختم ہوئی جاتی تھی۔ کیونکہ وہ محض آپ کا نام استعمال کرنا چاہتا تھا۔ چنانچہ اس نے ان کو روکنے کے لئے اہل کوفہ سے کہنا شروع کیا کہ مہدی کی نشانی یہ ہے کہ جب وہ تمہارے یہاں آئیں گے تو ایک شخص بازار میں ان پر وار کرے گا۔ لیکن اس سے مہدی کو کوئی صدمہ نہیں پہنچے گا۔ ابن حنفیہ کو اپنے متعلق اس کرامت کی خبر ہوئی تو انہوں نے کوفہ جانے کا عزم ترک کر دیا اور ابوالطفیل عامر بن واہلہ کی زبانی اپنے عراقی قبیعین کے پاس اپنے حالات کہلا بھیجے۔ عامر نے وہاں پہنچ کر تفصیلی حالات سنائے۔ یہ حالات سن کر مختار نے ابو عبد اللہ دجلی کو چار ہزار فوج کے ساتھ محمد بن حنفیہ کو چھڑانے کے لئے بھیجا اور ہدایت کر دی کہ اگر بنی ہاشم زندہ مل جائیں تو ان کی ہر قسم کی مدد اور ان کے احکام کی تعمیل کرنا اور اگر قتل کئے جا چکے ہوں تو جس طرح بھی ممکن ہو آل زبیرؓ کا خاتمہ کر دینا۔

حضرت ابن زبیرؓ میں مختار کے فرستادہ دستہ کے مقابلہ کی طاقت نہ تھی۔ اس لئے ایک بیان یہ ہے کہ اس کے ورود مکہ کے وقت وہ دارالندوہ چلے گئے اور دوسری روایت یہ ہے کہ انہوں نے خانہ کعبہ میں پناہ لی اور عراقی دستہ نے مکہ پہنچ کر ابن حنفیہ اور ابن عباسؓ کو لکڑیوں کے انبار سے نکالا۔ اس دوران میں ابن زبیرؓ کے آدمی پہنچ گئے، لیکن جنگ کی نوبت نہیں آئی۔ عراقیوں نے ابن عباسؓ سے کہا اگر اجازت ملے تو ہم ابن زبیرؓ کا خاتمہ کر کے لوگوں کو ان کی مصیبت سے نجات دلا دیں۔ لیکن ابن عباسؓ نے کہا نہیں اس شہر کو خدا نے حرمت دی ہے۔ صرف نبی ﷺ کی خاطر چند ساعتوں کے لئے اس کی حرمت اٹھ گئی تھی ورنہ نہ اس سے پہلے کسی کے لئے اٹھی تھی نہ اس کے بعد اٹھے گی۔ بس اتنا کافی ہے کہ ہمیں بچا کر نکال لے چلو۔ چنانچہ عراقی ان لوگوں کو قید سے نکال کر منی لے آئے۔ چند دن یہاں ٹھہرنے کے بعد یہ لوگ ابن زبیرؓ کے جبر سے بچنے کے لئے طائف چلے گئے۔

امارت حج : یہ طوائف اہلو کی کا دور تھا۔ متعدد اشخاص خلافت کے مدعی تھے۔ چنانچہ اس سال حج چار امراء کے زیر امارت ہوا۔

محمد بن حنفیہ اہل طائف کے ساتھ۔ ابن زبیرؓ اپنے قبیعین کے ساتھ، نجدہ بن عامر حروری خوارج کے ساتھ اور بنی امیہ اہل شام کے ساتھ حج کے لئے آئے۔ ایک ساتھ چاروں کا اجتماع خطرہ سے خالی نہ تھا اور ارض حرم میں خونریزی کا اندیشہ تھا۔ اس لئے محمد بن جبیر نے چاروں جتھوں کے امراء کے پاس جا کر انہیں سمجھایا۔

سب سے پہلے ابن حنفیہ کے پاس گئے اور ان سے کہا، ”ابوالقاسم خدا کا خوف کرو۔ ہم لوگ مشعر حرام اور بلد حرام میں ہیں۔ حجاج خانہ کعبہ میں خدا کے فود اور اس کے مہمان ہیں۔ اس لئے ان کا حج نہ خراب کرو۔“ انہوں نے کہا، ”خدا کی قسم میں خود یہ نہیں چاہتا اور میں کسی مسلمان کو بیت اللہ سے نہ روکوں گا اور نہ میری جماعت کا کوئی حاجی جائے گا۔ میں تو اپنی مدافعت کرتا ہوں، اور صرف اس صورت میں خلافت کا خواہاں ہوں، جب دو آدمیوں کو بھی میری خلافت سے اختلاف نہ ہو۔ میری طرف سے پورا اطمینان رکھئے۔ میرے بجائے ابن زبیرؓ اور نجدہ حروری سے جا کر گفتگو کیجئے۔“

ان کا جواب سننے کے بعد ابن جبیرؓ ابن زبیرؓ کے پاس گئے اور ان سے بھی وہی کہا جو ابن حنفیہ سے کہہ چکے تھے۔ انہوں نے جواب دیا، ”میری خلافت پر مسلمانوں کا اجماع ہو گیا ہے۔ سب نے میری بیعت کر لی ہے۔ صرف یہ لوگ (بنی ہاشم) میری مخالفت کر رہے ہیں۔“ ابن جبیرؓ نے کہا جو کچھ بھی ہو، ہر حال میں اس وقت آپ کے لئے ہاتھ روک دیکھنا مناسب ہے۔ انہوں نے کہا بہتر ہے، میں اس پر عمل کروں گا۔

ان کے بعد وہ نجدہ حروری کے پاس پہنچے۔ اس نے کہا، ”میں اپنی جانب سے ابتداء نہ کروں گا۔ لیکن جو شخص ہم لوگوں سے لڑے گا ہم بھی اس کا مقابلہ کریں گے۔“

اس کے بعد ابن جبیرؓ بنی امیہ کے پاس گئے۔ انہوں نے بھی یہی جواب دیا کہ ”ہم تو اپنے علم کے پاس ہیں۔ جب تک خود کوئی ہم سے نہ لڑے گا اس وقت تک ہم ابتداء نہ کریں گے۔“

حضرت ابن جبیرؓ کا بیان ہے کہ ان چاروں جماعتوں کے پرچموں میں سب سے زیادہ اُسن و پُرسکون پرچم ابن حنفیہ کا تھا^۱۔ اس طرح ابن جبیرؓ کی کوششوں سے ایک بڑا خطرہ ٹل گیا۔

مختار کا خاتمہ اور ابن حنفیہ کے پاس ابن زبیرؓ کا پیام :

اسی سنہ یعنی ۶۸ھ میں ابن زبیرؓ کے بھائی معصب نے بڑی معرکہ آرائیوں کے بعد مختار کا خاتمہ کر دیا۔ ان تمام معرکوں میں ابن حنفیہ نے عملاً کوئی حصہ نہیں لیا اور نہ ان کو اس سے کسی قسم کا تعلق تھا۔ اس لئے ان کی تفصیلات کی ضرورت نہیں۔

مختار کے خاتمہ کے بعد ابن حنفیہ کا کوئی سہارا باقی نہ رہ گیا اور وہ بے یار و مددگار ہو گئے۔ اس لئے ابن زبیرؓ نے پھر ان سے بیعت کا مطالبہ شروع کیا اور اپنے بھائی عروہ کو ان کے پاس بھیجا۔ انہوں نے جا کر ان کی جانب سے ابن حنفیہ کو یہ پیام دیا کہ میں تم کو بغیر بیعت لئے ہوئے چھوڑنے والا نہیں ہوں۔ اگر بیعت نہ کرو گے تو پھر قید کر دوں گا۔ جس کذاب کی امداد و اعانت کا تم کو سہارا تھا، اس کو خدا نے قتل کر دیا اور اب عرب و عراق کا میری خلافت پر اتفاق ہو گیا ہے۔ اس لئے تم بھی میری بیعت کر لو۔ ورنہ جنگ کے لئے تیار ہو جاؤ۔

ابن حنفیہ نے اس تہدید کی پیام کا یہ جواب دیا کہ تمہارے بھائی (ابن زبیرؓ) قطع رحم اور استحقاق حق میں کتنے تیز اور خدا کی عقوبت سے کتنے غافل ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ انہیں دنیا میں ہمیشہ رہنا ہے۔ ابھی تھوڑے دنوں پیشتر (جب تک مختار ان کا حامی تھا) وہ مختار اور اس کی روش کے مجھ سے زیادہ مداح و معترف تھے۔ خدا کی قسم نہ مختار کو میں نے اپنا داعی بنایا تھا اور نہ مددگار۔ ابھی کچھ ہی دنوں کا ذکر ہے کہ وہ مجھ سے زیادہ خود ان کی طرف مائل تھا اور ان کے ساتھ تھا۔ اس لئے اگر وہ کذاب تھا تو انہوں نے مدتوں تک اس کذاب کو اپنے ساتھ رکھا اور اگر وہ کذاب نہیں تھا تو ابن زبیرؓ مجھ سے زیادہ اس سے واقف ہیں کہ میں ان کا (ابن زبیرؓ) کا مخالف نہیں ہوں۔ اگر مخالف ہوتا تو ان کے قریب نہ رہتا اور جو لوگ مجھے بلاتے ہیں ان کے یہاں چلا جاتا، لیکن میں نے کسی کی دعوت قبول نہیں کی۔

تمہارے بھائی کا ایک اور حریف عبدالملک ہے، جو تمہارے بھائی کی طرح دنیا کا طالب ہے۔ اس نے اپنی قوتوں سے تمہارے بھائی کی گردن پکڑ لی ہے۔ میرے نزدیک عبدالملک کا جوار تمہارے بھائی کے جوار سے میرے لئے زیادہ بہتر ہے۔ عبدالملک نے مجھے خط لکھ کر اپنے یہاں آنے کی دعوت دی ہے۔ یہ سن کر عروہ نے کہا، پھر اس کے پاس جانے سے کون امر مانع ہے۔ ابن حنفیہ نے جواب دیا، میں اس بارہ میں عنقریب خدا سے استخارہ کروں گا۔ یہ صورت (یعنی میرا یہاں سے چلا جانا) تمہارے بھائی کے لئے زیادہ پسندیدہ اور خوش آئند ہوگا۔ عروہ نے کہا، میں بھائی سے اس کا تذکرہ کروں گا۔ اس گفتگو کے بعد عروہ لوٹ گئے۔

ابن حنفیہ کے بعض آدمی عروہ کو قتل کرنا چاہتے تھے۔ لیکن انہوں نے ان کو روک دیا تھا۔ عروہ کے واپس جانے کے بعد ان لوگوں کو بڑا فسوس ہوا۔ انہوں نے ابن حنفیہ سے کہا، اگر آپ نے ہمارا کہنا مانا ہوتا تو ہم ان کی گردن اڑا دیے ہوتے۔ ابن حنفیہ نے کہا۔

آخر کس قصور میں، وہ تو محض اپنے بھائی کے قاصد بن کر آئے تھے اور ہمارے جوار میں تھے۔ ہمارے اور ان کے درمیان میں گفتگو ہوئی، گفتگو کے بعد ان کو ان کے بھائی کے پاس واپس کر دیا۔ تم لوگ جو کچھ کہتے ہو، وہ فریب ہے اور فریب میں کوئی بھلائی نہیں ہے۔ اگر میں تمہارے کہنے پر عمل کرتا تو مکہ میں خون ریزی ہوتی اور اس بارے میں تم لوگ میرے خیالات سے واقف ہو۔ اگر سارے مسلمان میری خلافت پر متفق ہو جائیں اور صرف ایک شخص کا اختلاف باقی رہے تو بھی میں اس ایک شخص سے لڑنا پسند نہ کروں گا۔

حضرت عروہ نے واپس جا کر اپنے بھائی کو ابن حنفیہ کا جواب سنایا اور انہیں مشورہ دیا کہ میری رائے میں آپ ان سے کوئی تعرض نہ کیجئے۔ ان کو آزاد کر دیجئے۔ تاکہ وہ ہمارے یہاں سے نکل جائیں۔ اور ہم سے دور ہو جائیں۔ عبدالملک بغیر ان سے بیعت لئے ہوئے کبھی ان کو شام میں نکلنے نہ دے گا اور وہ جب تک عبدالملک پر اجماع نہ ہو جائے کبھی اس کی بیعت نہ کریں گے۔ ایسی صورت میں عبدالملک یا انہیں قتل کر دے گا یا قید کر لے گا، اس طرح آپ کا کام اس کے ہاتھوں میں انجام پا جائے گا اور آپ کا دامن بالکل محفوظ رہے گا۔ ابن زبیرؓ نے عروہ کا مشورہ قبول کر لیا، اور پھر محمد بن حنفیہ سے کوئی تعرض نہیں کیا۔

عبدالملک کی دعوت اور ابن حنفیہ کا سفر شام اور واپسی :

عبدالملک ابن زبیرؓ کے مقابلہ میں ابن حنفیہ کی حمایت حاصل کرنے کے لئے عرصہ سے ان کو اپنے یہاں شام چلے آنے کی دعوت دے رہا تھا۔ محمد بن حنفیہ کے یہاں سے عروہ واپسی کے بعد پھر ابن حنفیہ کے پاس عبدالملک کا بلاوے کا خط پہنچا کہ مجھے معلوم ہوا کہ ابن زبیرؓ بیعت لینے کے لئے آپ کو تنگ اور پاس عزیز داری کو چھوڑ کر آپ کے حقوق پامال کر رہے ہیں۔ آپ نے جو کچھ کیا وہ اپنی جان اور اپنے مذہب کو ملحوظ رکھ کر کیا ہے۔ شام کا ملک آپ کے لئے موجود ہے۔ یہاں آپ جس جگہ چاہیں قیام فرمائیں، ہم لوگ آپ کی بزرگداشت اور عزیز داری کا پورا خیال رکھیں گے اور آپ کے حقوق ادا کریں گے۔

یہ خط پا کر ابن حنفیہ شام روانہ ہو گئے اور شب سے پہلے ایلہ میں اترے۔ یہاں کے باشندوں نے ان کے ہمراہیوں کا بڑے جوش سے استقبال کیا اور ابن حنفیہ کے ساتھ بڑی عقیدت ظاہر کی وہ نہایت عزت و توقیر کے ساتھ یہاں ٹھہر گئے اور دو ہی چار دن میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی تبلیغ و اشاعت شروع کر دی کہ ان کے لواحقین پر اور ان کی نگاہوں کے سامنے کسی پر ظلم نہ کیا جائے۔

عبد الملک کو محمد بن حنفیہ کی پذیرائی اور مقبولیت کی خبر ہوئی اور اس پر سخت گراں گزرا، اور اس نے اپنے اہل الرائے مشیر کار قبیصہ بن ذویب اور روع بن زنباع جذافی سے اس کا تذکرہ کیا۔ ان دونوں نے کہا کہ بغیر بیعت لئے ہوئے انہیں اتنے قریب اس طرح آزاد نہ چھوڑنا چاہئے، یا تو وہ بیعت کریں، ورنہ حجاز واپس کر دیجئے۔

اس مشورہ کے بعد عبد الملک نے ابن حنفیہ کو پھر خط لکھا کہ آپ ہمارے ملک میں آکر ٹھہرے ہیں۔ ہم میں اور ابن زبیرؓ میں جنگ چھڑی ہوئی ہے۔ آپ کا ایک خاص مرتبہ اور اعزاز ہے، اس لئے میرے ملک میں بغیر میری بیعت کے آپ کا قیام میرے مصالح کے خلاف ہے۔ اگر آپ بیعت کے لئے تیار ہیں تو آپ کی خدمت میں سو کشتیاں مع ساز و سامان کے جو ابھی بحر قلزم سے آئی ہیں اور بیس لاکھ درہم نذر کئے جاتے ہیں۔ ان میں سے پانچ لاکھ فوراً پیش کر دیئے جائیں گے اور پندرہ لاکھ بعد میں بھجوادئے جائیں گے۔ اس نذرانے کے علاوہ آپ جس قدر فرمائیں گے، آپ کی اولاد، آپ کے اعزہ اور آپ کے موالی اور آپ کے ساتھیوں کا وظیفہ مقرر کر دیا جائے گا۔ اور اگر بیعت نہیں کرتے تو فوراً میرا ملک چھوڑ دیجئے اور میری حدود حکومت سے نکل جائیے۔

ابن حنفیہ نے اس تحریر کا یہ جواب دیا :

بسم الله الرحمن الرحيم

محمد بن علی مرتضیٰؓ کی جانب سے عبد الملک کو سلام پہنچے !

میں اس خدا کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں، حمد کرتا ہوں ، اما بعد

”تم کو خلافت کے بارے میں میرے خیالات معلوم ہیں۔ اس معاملہ میں کسی کو بیوقوف

بنا کر دھوکہ نہیں دیتا۔ خدا کی قسم اگر ساری امت اسلامیہ میری خلافت پر متفق ہو جائے اور

صرف اہل زرقاء باقی رہ جائیں تو بھی میں اس سے جنگ نہ کروں گا، اور نہ انہیں چھوڑ کر

علیحدہ ہوں گا تا آنکہ وہ سب متفق ہو جائیں۔ مدینہ کے پر آشوب حالات کی وجہ سے

مکہ چلا آیا تھا اور ابن زبیرؓ کے جوار میں ٹھہرا تھا۔ لیکن انہوں نے میرے ساتھ بدسلوکی کی، مجھ سے بیعت لیتی چاہی۔ میں نے انکار کیا کہ جب تک تمہارے اور ان کے اختلافات میں عام مسلمانوں کا کوئی متفقہ فیصلہ نہ ہو جائے اس وقت تک میں بیعت نہ کروں گا۔ وہ جو فیصلہ کریں گے، میں بھی ان کے ساتھ ہوں گا۔ ان حالات اور کشمکش میں تم نے مجھے اپنے یہاں آنے کی دعوت دی۔ میں نے قبول کر لی اور تمہارے ملک کے ایک گوشہ میں اتر گیا۔ خدا کی قسم مجھ میں مخالفت کا کوئی جذبہ نہیں ہے۔ میرے تمام آدمی میرے ساتھ تھے، میں نے دیکھا کہ یہ مقام ارزاں زندگی کا ہے، اس لئے خیال کیا کہ اچھا ہے تمہارے جوار میں قیام کر کے تمہارے تعلقات سے فائدہ اٹھاؤں۔ لیکن اب تم وہ لکھتے ہو جو تم کو نہ لکھنا چاہئے۔ اس لئے ہم انشاء اللہ لوٹ جائیں گے“۔

یہ جواب بھیج کر محمد بن حنفیہ نے اپنے سات ہزار ساتھیوں کے سامنے یہ تقریر کی :

”خدا جملہ امور کا والی اور حاکم ہے، وہ اچاہتا ہے، ہوتا ہے اور جو نہیں چاہتا نہیں ہوتا۔ جو باتیں ہونے والی ہیں، اس کا وقوع قریب ہے۔ تم لوگوں نے امر (خلافت) میں اس کے پیش آنے سے قبل جلدی کی۔ اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے ہم لوگوں کی پشت میں وہ جان بثار پنہاں ہیں، جو آل محمد کی حمایت میں لڑیں گے۔ آل محمد کا حق اہل شرک پر مخفی نہ ہے گاہ دیر میں سہی مگر پورا ہو گا۔ اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں محمد کی جان ہے، جس طرح یہ امر (خلافت) شروع میں تم میں تھا، ایک دن پھر تم میں لوٹ کر آئے گا۔ اس خدا کا شکر ہے جس نے تمہارے خون کو بچایا اور تمہارے دین کی حفاظت کی۔ تم میں سے جو شخص امن و حفاظت کے ساتھ اپنے شہر اور اپنے مقام پر واپس جانا چاہتا ہو، وہ جاسکتا ہے۔ اس اجازت پر ابن حنفیہ کے بیشتر ساتھی چلے گئے۔ سات ہزار میں سے صرف نو سو باقی رہ گئے۔ اُن کو لے کر وہ مکہ واپس ہوئے“۔

ایک سے واپسی کے بعد ابن حنفیہ کے حالات کے متعلق دو روایتیں ہیں۔ ایک یہ کہ یہ حج کا زمانہ تھا۔ اس لئے ابن حنفیہ عمرہ کی نیت سے احرام باندھ کر اور قربانی کے جانوروں کو لے کر سیدھے مکہ پہنچے۔ لیکن جب حرم میں داخل ہونا چاہا تو ابن زبیرؓ کے سواروں نے روکا۔ ابن حنفیہ نے ابن زبیرؓ کے پاس کہلا بھیجا کہ مکہ سے جاتے وقت بھی لڑنے کے ارادہ سے نہیں نکلا تھا اور اب واپسی کے بعد بھی

اس کا کوئی خیال نہیں ہے۔ اس لئے ہمارا راستہ چھوڑ دو کہ ہم بیت اللہ جا کر مناسک حج ادا کر لیں۔ انہیں پورا کرنے کے بعد یہاں سے چلے جائیں گے۔ لیکن ابن زبیرؓ نے بیت اللہ میں داخل ہونے کی اجازت نہ دی اور ابن حنفیہ سواری کے جانوروں کو یوں ہی لئے ہوئے مدینہ چلے گئے۔^۱

دوسری روایت یہ ہے کہ مکہ پہنچ کر منیٰ کی گھاٹی میں ٹھہرے۔ دو ہی دن کے بعد ابن زبیرؓ نے کہلا بھیجا کہ یہاں سے ہٹ جاؤ۔ ہمارے قریب نہ ٹھہرو۔ یہ پیام سن کر ابن حنفیہ نے کہا ”جب تک خدا ہمارے لئے کوئی راہ نہ پیدا کر دے اس وقت تک ہم چارونا چار صبر کرتے ہیں۔ خدا کی قسم میں نے اب تک تلوار اٹھانے کا ارادہ نہیں کیا، اگر تلوار اٹھالیتا تو خواہ تنہا ہی کیوں نہ ہوتا اور ان کے ساتھ پوری جماعت نہ ہوتی تو وہ میرے ساتھ اس طرح نہیں کھل سکتے تھے، لیکن میں تلوار اٹھانا نہیں چاہتا۔ ابن زبیرؓ ”ہمسایہ آزادی سے باز آنے والے نہیں“۔ یہ کہہ کر وہ طائف چلے گئے۔ ان کے یہاں آنے کے چند مہینوں بعد حجاج نے ۲۷ھ میں ابن زبیر کا خاتمہ کر دیا۔^۲

ایک روایت یہ بھی ہے کہ ابن زبیرؓ کے حصار کے زمانہ میں ابن حنفیہ مکہ ہی میں تھے۔ چنانچہ حجاج نے ان کے پاس عبدالملک کی بیعت کے لئے کہلا بھیجا۔ انہوں نے جواب دیا کہ ”تم کو میرے مکہ کے قیام، طائف اور شام کے سفر کے حالات معلوم ہیں۔ تمام زحمتیں میں نے صرف اس لئے اٹھائی تھیں کہ میں اس وقت کسی کے ہاتھ پر بیعت کرنا نہیں چاہتا تھا۔ جب تک ان میں سے کسی ایک پر سب کا اتفاق نہ ہو جائے۔ مجھ میں مخالفت کا کوئی جذبہ نہیں ہے۔ لیکن جب میں نے دیکھا کہ خلافت کے بارے میں لوگوں کی رائیں مختلف ہیں تو میں نے اس وقت تک ان معاملات سے الگ رہنے کے لئے، جب تک کسی پر اجماع نہ ہو جائے۔ خدا کے اس شہر میں جس کی حرمت سب سے بڑی اور سب سے زیادہ ہے اور جس میں طیور تک کے لئے امان حاصل ہے، پناہ لی ہے۔ ابن زبیرؓ نے میرے ساتھ بدسلوکی کی، اس لئے شام چلا گیا، لیکن وہاں عبدالملک نے بھی میرا قرب پسند نہ کیا، اس لئے پھر مکہ چلا آیا۔ اب اگر ابن زبیرؓ قتل ہو جائیں گے اور عبدالملک پر مسلمانوں کا اتفاق ہو جائے گا تو میں تمہارے ہاتھوں پر بیعت کر لوں گا۔“

لیکن حجاج نے ذرا توقف بھی گوارہ نہ کیا اور بیعت کے لئے برابر مصر رہا۔ لیکن محمد بن حنفیہ کسی نہ کسی طرح مالتے رہے تا آنکہ ابن زبیر قتل ہو گئے۔^۳

عبدالملک کی بیعت اور دورِ سکون :

ابن زبیرؓ کے قتل ہو جانے کے بعد عبدالملک نے حجاج کو لکھا کہ محمد بن حنفیہ میں مخالفت کا کوئی جذبہ نہیں ہے۔ امید ہے کہ اب وہ تمہارے پاس آ کر بیعت کر لیں گے۔ ان کے ساتھ زمری کا برتاؤ کرنا۔ محمد بن حنفیہ خود بھی شروع سے یہی کہتے چلے آ رہے تھے کہ جس کسی ایک شخص پر مسلمانوں کا اتفاق ہو جائے گا تو میں بھی اس کو تسلیم کر لوں گا۔ چنانچہ عبدالملک پر اتفاق عام کے بعد جب عبداللہ بن عمرؓ نے اس کی بیعت کر لی تو محمد بن حنفیہ سے بھی کہا کہ اب کوئی اختلافی مسئلہ باقی نہ رہا، اس لئے تم بھی بیعت کر لو۔ ان کا پہلے سے یہی خیال تھا۔ اس لئے آمادہ ہو گئے اور حجاج کے ہاتھ پر بیعت کر کے عبدالملک کو حسب ذیل خط لکھا :

بسم الله الرحمن الرحيم

محمد بن علی مرتضیٰ کی جانب سے، خدا کے بندے عبدالملک کو، اما بعد

”اس وقت جب تک امت میں خلیفہ کے بارے میں اختلاف تھا میں لوگوں سے کنارہ کش رہا۔ اب جب کہ خلافت تم کو مل گئی ہے اور مسلمانوں نے تمہاری بیعت کر لی ہے تو میں بھی اس جماعت میں شامل ہوں، اور بھلائی میں جس میں وہ سب داخل ہوئے، میں بھی داخل ہوتا ہوں۔ میں نے حجاج کے ہاتھوں پر تمہاری بیعت کر لی ہے اور اب یہ تحریری بیعت تم کو بھیجتا ہوں۔ کیوں کہ تم پر مسلمانوں کا اجماع ہو گیا ہے۔“

”اب میں یہ چاہتا ہوں کہ تم لوگوں کو امان اور ایقائے عہد کا یقین دلاؤ۔ فریب میں کوئی بھلائی نہیں ہے، اور اگر اب بھی تم کو اس میں تاثر یا انکار ہے تو خدا کی زمین وسیع ہے۔“

عبدالملک کو یہ خط ملا تو اس نے اپنے مشیروں قبیصہ بن ذویب اور روع بن ذنباع جذالی سے مشورہ کیا۔ انہوں نے کہا، ابن حنفیہ پر آج بھی آپ کو کوئی قابو حاصل نہیں ہے۔ وہ جس وقت چاہیں جنگ و فساد برپا کر سکتے ہیں۔ ایسی حالت میں جب کہ انہوں نے آپ کی خلافت تسلیم کر کے بیعت کر لی ہے۔ میری رائے میں آپ فوراً ان کو جان بخشی و امان کا عہد و پیمان لکھ دیجئے، اور ان کے ساتھیوں کے لئے بھی وعدہ کر لیجئے۔ ان کے مشورہ پر عبدالملک نے یہ جواب لکھا،

”آپ میرے نزدیک اائق ستائش، مجھ کو زیادہ محبوب اور ابن زبیرؓ سے زیادہ میرے قریب عزیز ہیں۔ اس لئے میں خدا کو حاضر و ناظر جان کر وعدہ کرتا ہوں کہ آپ اور آپ

کے تمام ساتھیوں کو کسی ایسے طرزِ عمل سے جسے آپ ناپسند کرتے ہیں پریشان نہ کیا جائے گا آپ اپنے شہر واپس جائیے اور جہاں دل چاہے اطمینان کے ساتھ رہئے۔ میں جب تک زندہ ہوں رہوں گا عزیز داری کا پورا لحاظ رکھوں گا اور آپ کی مدد سے کبھی دستکش نہ ہوں گا۔“

اس خط کے ساتھ ہی حجاج کے نام علیحدہ ان کے ساتھ حسن جوار اور ان کے اعزاز و احترام ملحوظ رکھنے کا حکم بھیجا۔ اس خوش آئند مصالحت کے بعد ابن حنفیہ مدینہ واپس گئے اور اطمینان و سکون کے ساتھ رہنے کا موقع ملا۔

شام کا سفر اور عبد الملک کا حسن سلوک :

چند برسوں کے بعد ابن حنفیہ نے عبد الملک کو خط لکھ کر اس کے پاس جانے کی اجازت چاہی۔ اس نے نہایت خوشی سے منظور کیا۔ چنانچہ انہوں نے ۸۷ھ میں شام کا سفر کیا۔ عبد الملک نے بڑی خندہ پیشانی سے ان کا استقبال کیا اور ان کے شایانِ شان ان کی بدیرائی اور بزرگداشت کی۔ اپنے محل کے قریب ہی ٹھہرایا۔ ان کے اور ان کے جملہ ہمراہیوں کی میزبانی کے لئے شاہی خزانہ کھول دیا۔ ایک مہینہ سے کچھ زیادہ ابن حنفیہ دمشق میں رہے۔ اس دوران میں وہ وقتاً فوقتاً عبد الملک سے ملتے رہے۔ دربار کے داخلہ میں شاہی خاندان والوں کے بعد ان کا نمبر تھا۔

ایک دن تنہائی میں عبد الملک کے سامنے اپنے قرض کا تذکرہ کیا۔ عبد الملک نے اسے ادا کرنے کا وعدہ کیا اور ان سے ان کی ضروریات پوچھیں۔ انہوں نے قرض کی ادائیگی اور بعض اور ضروریات کے ساتھ اپنی اولاد اپنے خواص اور اپنے غلاموں کے وظائف مقرر کئے جانے کی خواہش کی۔

عبد الملک نے غلاموں کے وظائف کے علاوہ ان کی جملہ ضرورتیں اور خواہشیں پوری کر دیں، پھر ان کے اصرار پر غلاموں کے وظائف بھی مقرر کر دیئے۔ لیکن ان کی مقدار کم رکھی، اس پر ابن حنفیہ کا اصرار اتنا بڑھا کہ عبد الملک کو ان وظائف کی مقدار بھی پوری کرنی پڑی۔ ان ضروریات کے پورا ہونے کے بعد ابن حنفیہ مدینہ واپس ہوئے۔ اور تادمِ آخر ان کے اور عبد الملک کے تعلقات نہایت خوش گوار رہے۔

وفات: محمد بن حنفیہ کے سن وفات اور جائے وفات کے بارے میں مختلف روایتیں ہیں۔ لیکن صحیح تر روایت یہ ہے کہ ۸۱ھ میں انہوں نے مدینہ میں وفات پائی اور جنت البقیع میں دفن کئے گئے۔

گذشتہ حالات پر تبصرہ :

اوپر جو حالات لکھے گئے ہیں، ان کی حیثیت محض سوانح ہے۔ جن میں واقعات کو صرف واقعات کی حیثیت سے لکھ دیا گیا ہے اور ان پر کوئی نقد و تبصرہ نہیں کیا گیا ہے۔ لیکن ان میں بہت سے واقعات و مسائل نقد و نظر کے محتاج ہیں، ورنہ محض اوپر کے واقعات کے آئینہ میں ابن حنفیہ کی تصویر حیات و اغدار نظر آتی ہے۔ اس لئے آئندہ سطور میں مذکورہ بالا واقعات پر تنقیدی نظر ڈالی جاتی ہے۔

حضرت امام حسینؑ کے حقیقی وارث اور جانشین امام زین العابدین تھے، لیکن اپنے والد بزرگوار کی شہادت کے بعد وہ دنیا سے ایسے برداشتہ خاطر ہو گئے تھے کہ خلافت اور امامت کے جھگڑوں سے کنارہ کش ہو کر گوشہ عزلت کی زندگی اختیار کر لی تھی۔ شیعیان علیؑ نے انہیں بہت میدان میں لانا چاہا، لیکن وہ ایسے دل شکستہ تھے کہ گھر سے باہر قدم نہ نکالا۔ ان سے مایوس ہونے کے بعد شیعیان علیؑ نے ابن حنفیہ کو اس بار امامت کا حامل بنا دیا۔ اس لئے خلافت، امامت اور اہل بیت وغیرہ اہل بیت کو سوالات اور اس سے متفرع عقائد و خیالات اور مسائل کا تعلق ابن حنفیہ کی ذات سے ہو گیا اور اس سلسلہ میں بعض افعال ابن حنفیہ سے ایسے سرزد ہو گئے اور بہت سے ایسے عقائد و خیالات ان کی جانب غلط منسوب ہو گئے، جو بظاہر ان کی ذات سے فروتر ہیں۔ انہی واقعات پر تنقید مقصود ہے۔

شیعی تحریک اور اہل بیت وغیرہ مسائل کی بنیاد تمام تر پروپیگنڈے پر ہے۔ اس جماعت نے اپنی تحریک اور اپنے مقاصد کو کامیاب بنانے کے لئے بہت سے ایسے عقائد و خیالات بزرگان اہل بیت کی جانب منسوب کر دیئے ہیں، جن کی وجہ سے وہ حرص خلافت کا مجسم پیکر معلوم ہوتے ہیں۔ ان میں سے بعض خیالات تو ایسے گمراہ کن ہیں کہ اگر وہ ان بزرگوں کے زمانہ میں ظاہر کئے جاتے یا ان کو معلوم ہو جاتے تو وہ ان کے اختراع کرنے والوں کو اپنے اتباع کی جماعت سے خارج کر دیتے۔

۱۔ یہاں شیعیت سے مراد اثنا عشری نہیں ہے، کیونکہ اس دور میں اس کا وجود ہی نہ تھا۔ پھر ان کا سلسلہ امامت امام زین العابدین سے چلتا ہے۔ امام حسینؑ کے بعد زین العابدین ان کے بعد ان کے فرزند امام باقر اور جعفر صادق وغیرہ۔ اثنا عشری جماعت کے آئندہ زین العابدین کی نسل سے پورے ہوتے ہیں۔ بلکہ اس عہد کی وہ سیاسی جماعت مراد ہے جو غیر فاطمی خلفاء کے مقابلہ میں ان کی پشت و پناہ تھی۔

اس میں شبہ نہیں کہ ”خلافت اسلامیہ“ نے جب دنیاوی حکومت کا قالب اختیار کر لیا، اس وقت اہل بیت کرام میں حصول خلافت کا جذبہ ضرور ہو گیا تھا۔ جو بڑی حد تک درست تھا۔ اس لئے کہ ”اسلامی حکومت، اسی وقت تک نیابت الہی اور خلافت نبوی ﷺ ہے، جب تک وہ جمہوری ہے اور اسی وقت تک وہ جمہوری ہے، جب تک وہ خلافت ہے۔“

شخصی حکومت کا قالب اختیار کر لینے کے بعد اس کی حیثیت مذہبی باقی نہیں رہتی۔ اس وقت اگر اس حکومت کے بانی کے ورثہ کے دلوں میں اس کے حصول کا جذبہ پیدا ہو یا کوئی جماعت ان کی حمایت کے لئے کھڑی ہو جائے، تو یہ دونوں امور قابل اعتراض نہیں کہے جاسکتے۔ لیکن اس سلسلہ میں مدعیان محبت اہل بیت نے عجیب گمراہ کن عقائد اختراع کر کے ان بزرگوں کی جانب منسوب کر دیئے ہیں، جس سے ان کا دامن بالکل پاک ہے۔

محمد بن حنفیہ اس موحد اعظم کی نسل میں تھے، جس نے اپنے متعلق غلط عقیدہ رکھنے والوں کو زندہ جلادیا تھا۔ اس لئے ان کا دامن فاسد عقائد سے آلودہ ہو ہی نہیں سکتا تھا۔ ان کے کانوں میں جب اس قبیل کے خیالات پڑتے تھے تو وہ اس کی پوری تردید کرتے تھے۔

ایک مرتبہ ان کو معلوم ہوا کہ مختار کے قبیعین کہتے ہیں کہ ان کے (ابن حنفیہ) کے پاس قرآن کے علاوہ علم (سینہ) کا کچھ حصہ ہے۔ یہ روایت سن کر انہوں نے مخصوص تقریر کی کہ ”خدا کی قسم اس کتاب کے علاوہ جو دو لوحوں کے درمیان ہے (قرآن پاک) رسول اللہ ﷺ سے وراثت میں ہم کو اور کوئی علم نہیں ملا۔“^۱

ان کے بہت سے عقیدت مند انہیں مہدی کہہ کر سلام کرتے تھے کہ ”السلام علیک یا مہدی“ یہ جواب دیتے، میں اس معنی میں بے شک مہدی ہوں کہ میں لوگوں کو نیکی اور بھلائی کی ہدایت کرتا ہوں۔ لیکن میرا نام نبی اللہ کے نام پر اور میری کنیت بنی اللہ کی کنیت پر ہے۔ اس لئے جب تم لوگ سلام کیا کرو تو مہدی کے بجائے ”السلام علیک یا محمد اور السلام علیک یا ابا القاسم“ کہا کرو۔^۲

عام لوگوں نے قریش کے دو خانوادوں بنی اُمیہ اور بنی ہاشم کا رتبہ ایک دنیاوی وجاہت کی بناء پر اور دوسرے کا مذہبی سیادت کی بناء پر پرستش کی حد تک پہنچا دیا تھا۔ ابن حنفیہ اس کو سخت ناپسند کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ ہمارے قریش کے دو گھرانوں کو خدا کے علاوہ اس کا ایک مثل ٹھہرایا گیا ہے۔ ہم لوگ (اہل بیت) اور بنی اُمیہ کو۔^۳

بعض فرقہ حضرت علی مرتضیٰؑ کو الوہیت کے درجہ تک پہنچا دیتے ہیں۔ لیکن ابن حنفیہ انہیں بندگی ہی کے درجہ میں رکھتے ہیں۔ چنانچہ فرماتے تھے کہ میں رسول اللہ ﷺ کے بعد کسی انسان کی نجات اور اس کے جنتی ہونے کی یقینی شہادت نہیں دے سکتا۔ حتیٰ کہ اپنے باپ علی مرتضیٰؑ کے متعلق بھی جنہوں نے مجھے پیدا کیا ہے۔ یقین کے ساتھ نہیں کہہ سکتا۔^۱

مختار ثقفی کی سرپرستی کے اسباب :

غرض ان کا عقیدہ صحیح عقائد اسلامی کے خلاف نہ تھا۔ مختار ثقفی کے دام تزویر میں پھنس جانا ضرور بظاہر نظر کھٹکتا ہے۔ لیکن یہ فطرت انسانی کا تقاضہ تھا۔

امیر معاویہؓ نے زندگی بھر اہل بیت کے حقوق اور ان کے مراتب کا خیال رکھا۔ ان کے بعد یزید سے لے کر عبدالملک کے زمانہ تک ان بزرگوں کے ساتھ اموی خلفاء کا جو طرزِ عمل رہا وہ بالکل عیاں ہے۔ امام حسینؑ اور نبوت کے سارے کنبہ کو جس بے دردی کے ساتھ شہید کیا گیا وہ اموی حکومت کے دامن کا ایسا داغ ہے جو کبھی نہیں مٹ سکتا۔

ان حالات میں نہ صرف ابن حنفیہ بلکہ سارے بنی ہاشم کے دل امویوں کی طرف سے پھرے ہوئے تھے۔ اس کے علاوہ ابن زبیرؓ کا خطرہ علیحدہ ان کے سروں پر مسلط تھا۔ ان حالات میں مختار خونِ حسینؑ کے انتقام کی دعوت لے کر اٹھا اور قاتلین حسینؑ کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر قتل کیا اور بنی امیہ اور ابن زبیرؓ دونوں کے مقابلہ میں ابن حنفیہ کا پشت پناہ بنا۔ ایسی حالت میں اگر ابن حنفیہ فطرت انسانی کے مطابق یا کسی مصلحت کی بناء پر اس سے متاثر ہو گئے تو ایک حد تک معذور تھے۔ پھر بھی انہوں نے کبھی اس پر اعتماد نہیں کیا اور اس کو اکہ کار سے زیادہ حیثیت نہیں دی۔

اوپر گزر چکا ہے کہ جب مختار نے ابن حنفیہ سے عراق جانے کی اجازت چاہی تھی تو انہوں نے اجازت دے دی، لیکن چونکہ اس پر اعتماد نہ تھا اس لئے اپنے ایک آدمی عبداللہ ابن کامل ہمدانی کو اس کے ساتھ کر دیا اور اس کو ہدایت کر دی کہ یہ شخص لائق اعتماد نہیں ہے۔ اس سے بچتے رہنا۔^۲ یا جب عروہ بن زبیرؓ کی جانب سے ابن حنفیہ کے پاس پیام لے کر آ گئے تو انہوں نے اس سے کہا کہ میں نے نہ اس کو اپنا داغی بنایا تھا، نہ مددگار۔^۳ یا جب بعض اہل عراق کو مختار کے بیانات پر شبہ ہوا اور وہ ابن حنفیہ کے پاس اس کی تصدیق کے لئے گئے تو انہوں نے کہا کہ ”اے ہم پسند کرتے ہیں کہ اللہ نے جس بندے کے ذریعہ سے چاہا ہماری مدد کی۔“^۴

البتہ تم لوگ کذاہین سے ڈرتے رہو اور ان سے اپنی جان اور اپنے دین کی حفاظت کرو۔
لیکن ابن حنفیہ پر خاندانی عصبیت اور حصول خلافت کی فطری خواہش ضرور تھی اور اس کا باعث بھی بنی اُمیہ کی غیر محتاط روش اور ان کا جابرانہ طرزِ عمل تھا۔ ابن حنفیہ زبیرؓ اور عبد الملک کے اختلافات اور ابن حنفیہ ابن زبیرؓ کے جبر نے اس جذبہ کو اور زیادہ قوی کر دیا تھا۔ لیکن اس کے لئے بھی انہوں نے کوئی عملی کوشش نہیں کی، بلکہ ہمیشہ یہی کہتے رہے کہ میں خلافت ضرور چاہتا ہوں مگر اس صورت میں کہ کسی ایک مسلمان کو بھی اس سے اختلاف نہ ہو۔ یہ جذبہ بنی اُمیہ کے مقابلہ میں کسی طرح ناروا نہیں کہا جاسکتا۔

ابن حنفیہ کی پیرو ایک جماعت :

اگرچہ ابن حنفیہ فرقہ اثنا عشری کے امام نہیں ہیں۔ ان کے تمام آئمہ حضرت فاطمہ الزہراءؓ کی اولاد سے ہیں۔ لیکن شیعوں کی ایک جماعت حضرت حسینؓ کے بعد انہی کو امام تسلیم کرتی ہے، اس جماعت کا نام کیسانیہ ہے۔

اس کا عقیدہ ہے کہ ابن حنفیہ نے وفات نہیں پائی۔ بلکہ اپنے چالیس اصحاب کے ساتھ کوہ رضوی میں چلے گئے تھے اور اب تک وہاں موجود ہیں۔ ایک شیر اور ایک چیتا ان کی پاسبانی کرتا ہے اور ان کی سیرابی کے لئے ایک شہد اور پانی کا چشمہ رواں ہے۔ خدا انہیں اس گوشہ میں روزی پہنچاتا رہتا ہے۔ ایک دن وہ اس دنیا میں آئیں گے اور اس کو عدل و انصاف سے معمور کر دیں گے۔ ابن حنفیہ کے بعد ان کے صاحبزادے عبد اللہ ان کے جانشین ہوئے تھے۔

فضل و کمال : ابن حنفیہ علی مرتضیٰؓ جیسے مجمعِ اعلم باپ کے فرزند تھے۔ اس لئے علم کی دولت ان کو ورثہ میں ملی تھی۔ علامہ ابن سعد لکھتے ہیں کہ وہ بڑے صاحبِ علم تھے۔ ابن حبان ان کو ان کے خاندان کے فاضل ترین افراد میں شمار کرتے ہیں۔^۱ لیکن اس کی تفصیل کتابوں میں مذکور نہیں۔

حدیث : حدیث میں انہوں نے اپنے والد بزرگوار اور حضرت عثمان غنیؓ، عمار بن یاسرؓ، معاویہؓ، بن ابی سفیانؓ، ابو ہریرہؓ اور ابن عباسؓ سے فیض اٹھایا تھا۔ بعض محدثین کے نزدیک حضرت علی مرتضیٰؓ کی مستند ترین روایات انہی سے مروی ہیں۔^۲

۱۔ ابن خلکان۔ جلد اول۔ ص ۴۵ ۲۔ ابن سعد۔ جلد ۵۔ ص ۶۷ ۳۔ تہذیبِ امتہ یب۔ جلد ۹۔ ص ۳۵۵

۴۔ تہذیبِ امتہ یب۔ جلد ۹۔ ص ۴۵۴

ان کے تلامذہ کا دائرہ بھی خاصہ تھا۔ آپ کے چار صاحبزادے، ابراہیم، حسن، عبد اللہ اور عون۔ بھتیجے محمد بن عمر بن علی، بھائی کے پوتے محمد بن علی بن حسن۔ بھانجے عبد ابن محمد بن عقیل اور بیرونی اشخاص میں عطاء بن ابی رباح، منہال بن عمرو، محمد بن قیس بن مخرمہ، منذر بن یعلیٰ، محمد بن بشیر ہمدانی، سالم بن ابی الجعد اور عمرو بن دینار آپ کے فیض یافتگان میں تھے۔

کلمات طیبات : آپ کے مختصر کلمات طیبات نہایت پُر حقیقت اور سبق آموز ہیں۔ فرماتے تھے، ”جس کا نفس اس کی نگاہ میں معزز ہوا، اس کی نگاہ میں دنیا کی کوئی قیمت باقی نہیں رہتی۔۔۔۔۔“

”جو شخص ان لوگوں کے ساتھ جن کے ساتھ زندگی بسر کرتا ہے، نہیں نباہ سکتا وہ عقل مند نہیں ہے۔۔۔۔۔“

”خدا نے جنت کو تمہارے نفس کی قیمت قرار دیا ہے، اس لئے اس کو دوسری چیز کے بدلہ میں فروخت نہ کرو۔۔۔۔۔“

”جو چیز لوہہ اللہ نہیں کی جاتی وہ فنا ہو جاتی ہے۔“ ۲۔

عبادت و ریاضت : علم کے ساتھ وہ بڑے عابد و زاہد تھے۔ ابن عماد حنبلی لکھتے ہیں کہ وہ علم اور عبادت دونوں میں انتہائی درجہ پر تھے۔

ماں کی خدمت : ماں کے بڑے خدمت گزار تھے۔ اپنے ہاتھوں سے ان کے بالوں میں خضاب لگاتے تھے، کنگھی کرتے تھے، چوٹی گوندھتے تھے۔ ایک مرتبہ گھر سے نکلے، ہاتھوں میں مہندی کا اثر تھا، کسی نے پوچھا یہ کیا ہے؟ فرمایا، ماں کے بالوں میں خضاب لگا رہا تھا۔

قوت و شجاعت : اسد اللہ الغالب کے خلف الصدق تھے۔ اس لئے علم کے ساتھ قوت و شجاعت بھی ورثہ میں ملی تھی۔ اتنے قوی اور طاقتور تھے کہ زرہ کو دونوں ہاتھوں سے کھینچ کر چیر ڈالتے تھے۔

حضرت علیؓ کی ایک زرہ آپ کے جسم سے زیادہ لمبی تھی، آپ نے بقدر زیادتی نشان لگا کر ان کو دیا کہ اس نشان سے کم کر دو۔ انہوں نے ایک ہاتھ سے زرہ کا دامن پکڑا اور دوسرے ہاتھ سے بڑھا ہوا حصہ کھینچ کر دو ٹکڑے کر دیئے۔ ابن زبیرؓ جسمانی طاقت میں ان کے حریف تھے۔ ان کے سامنے جب اس واقعہ کا تذکرہ کیا جاتا تھا تو وہ غصہ سے کانپنے لگتے۔

ایک مرتبہ قیصر روم نے اپنے یہاں کے دو پہلوان امیر معاویہؓ کے پاس قوت آزمائی کے لئے بھیجے۔ ان میں سے ایک کو قمیص نے زیر کیا، دوسرے کے مقابلہ کے لئے امیر معاویہ نے ابن خنیفہ کو بلا یا۔

۱۔ تہذیبِ اہمہ۔ جلد ۹۔ ص ۲۵۲ ۲۔ مختصر صفوہ الصفوۃ۔ ص ۱۳۲ ۳۔ شذرات الذهب۔ جلد اول

۸۹- ص ۸۸

انہوں نے مقابلہ کی یہ صورت پیش کی کہ رومی پہلوان بیٹھ کر اپنے ہاتھ کو ان کے ہاتھ میں دے۔ دونوں زور کریں، یا وہ دونوں کھینچ کر انہیں بٹھا دے یا یہ بیٹھ کر زور کریں۔ دونوں پہلوانوں نے پہلی صورت پسند کی۔ چنانچہ دونوں میں مقابلہ ہوا، رومی نے ہر چند زور لگایا، لیکن ان کو نہ بٹھاسکا اور انہوں نے کھینچ کو اس کو کھڑا کر دیا۔ اس کے بعد یہ خود بیٹھے رومی نے کھڑا کرنے کی ہر چند کوشش کی مگر ناکام رہا، مگر انہوں نے اس کو کھینچ کر بٹھا دیا۔

اس طاقت کی وجہ سے وہ ہمیشہ اپنے والد بزرگوار کے دست راست اور پشت و پناہ رہے۔ ہر میدان میں ان کے دوش بدوش داد شجاعت دیتے تھے۔ جمل اور صفین کے معرکوں میں علوی علم انہی کے ہاتھ میں تھا۔ ایک مرتبہ کسی نے ان سے سوال کیا کیا بات ہے کہ تمہارے والد خطرات کے موقع پر تم ہی کو آگے بڑھاتے تھے، اور حسن و حسینؑ کو علیحدہ رکھتے تھے۔ جواب دیا، وہ دونوں ان کی آنکھ کے بجائے تھے اور میں ان کا دست و بازو تھا۔ اس لئے وہ ہاتھ سے آنکھوں کی حفاظت کرتے تھے۔

حلیہ و لباس : میانہ قد تھا۔ آخر عمر میں بال سفید ہو گئے تھے۔ بالوں میں مہندی کا خضاب کرتے تھے۔ خز کا لباس پہنتے تھے۔ سیاہ عمامہ باندھتے تھے۔ ہاتھ میں انگٹھی پہنتے تھے۔

اولاد و ازواج : آپ نے متعدد شادیاں کیں اور ان سے بہت سی اولادیں ہوئیں۔ ان کی تفصیل یہ ہے : ۱۔ ابو ہاشم ۲۔ عبداللہ ۳۔ حمزہ ۴۔ علی ۵۔ جعفر اکبر۔ یہ چاروں ایک اُم ولد کے بطن سے تھے۔ ۶۔ حسن جنہوں نے سب سے پہلے رجا کا عقیدہ ایجاد کیا۔ یہ عبدالملک کی پوتی جمال کے بطن سے تھے۔ ۷۔ ابراہیم یہ مسرہ بنت عباد کے بطن سے تھے۔ ۸۔ قاسم ۹۔ عبدالرحمن۔ یہ دونوں برہ بنت عبد الرحمن بن حارث مطلبی کے بطن سے تھے۔ ۱۰۔ جعفر اصغر ۱۱۔ عون ۱۲۔ عبداللہ الاصغر یہ تینوں جعفر بن ابی طالب کی پوتی اُم کلثوم کے بطن سے تھے۔ عبداللہ اور فیہ یہ دونوں اُم ولد سے تھے۔

(۶۳) محمد بن سیرینؒ

نام و نسب : محمد نام ہے۔ ابو بکر کنیت۔ والد کا نام سیرین تھا۔ سیرین جرجریا (عراق) کے باشندے تھے اور ٹھٹھیرے کا کام کرتے تھے، عین التمر میں ان کی دوکان تھی۔ حضرت عمر فاروقؓ کے عہد خلافت میں عین التمر کے معرکہ میں اور مجیسوں کے ساتھ سیرین بھی گرفتار ہوئے اور کسی مجاہد کے

۱۔ یہ تمام واقعات ابن خلکان۔ جلد اول۔ ص ۸۴۹ سے ماخوذ ہیں ۲۔ ایضاً ۳۔ ابن سعد۔ جلد ۵۔ ص ۸۴-۸۵

۴۔ ایضاً۔ ص ۶۷

حصہ میں پڑے۔ بعد میں وہ انس بن مالکؓ کی غلامی میں تھے۔ اس سے قیاس ہوتا ہے کہ شاید وہ ان ہی کے حصہ میں پڑے ہوں گے یا انہوں نے کسی مجاہد سے خرید لیا ہوگا۔ بہر حال وہ انسؓ بن مالک کی غلامی میں تھے۔ سیرین بڑے صنّاع تھے۔ کافی کماتے تھے۔ اس لئے انسؓ نے بیس^{۲۰} یا چالیس ہزار لے کر انہیں کچھ عرصہ کے بعد آزاد کر دیا۔^۱

ان کی بیوی صفیہ حضرت ابو بکر صدیقؓ کی لونڈی تھیں، اور ایسی لونڈی تھیں جن کی ذات آزاد عورتوں کے لئے قابل رشک ہے۔ ان کے نکاح میں تین اُمہات المؤمنین نے ان کو سنوارا تھا اور اٹھارہ بدری صحابہ شریک نکاح تھے، اور ان کے لئے دعائے خیر کی تھی۔^۲

پیدائش: ان دونوں کی شخصیت سے مل کر محمد بن سیرین کی ذات وجود میں آئی۔ وہ ۳۳ھ میں تولد ہوئے۔^۳

فضل و کمال: حضرت انس بن مالکؓ کی ذات وہ تھی، جن کے معمولی تربیت یافتہ علم و عمل کے وارث ہوئے۔ ابن سیرین نے انہی کے دامن علم میں تربیت پائی تھی۔ اور مدتوں ان کے ساتھ رہے تھے۔ انس بن مالکؓ کے علاوہ اکابر صحابہ میں انہوں نے ابو ہریرہؓ کی زیادہ صحبت اٹھائی تھی اور ان کے اصحاب میں ان کا شمار تھا۔ تابعین میں وہ مدتوں سر تاج تابعین حضرت حسن بصری کی صحبت میں رہے۔^۴

ان بزرگوں کے فیض صحبت نے ابن سیرین کو پیکر علم و عمل بنادیا۔ علامہ ابن سعد لکھتے ہیں۔ کان ثقة مامونا عالیا ر فیعا اماما کثیرا لعلم و رعا حافظا تواری لکھتے ہیں۔ کان فقیہا اماما عزیز العلم ثقة ثبتا علامة التفسیر راسا فی الودع۔

تفسیر: انہیں جملہ علوم میں یکساں کمال حاصل تھا۔ امام نووی لکھتے ہیں کہ وہ تفسیر، حدیث، فقہ، لغت، تاریخ، روایات وغیرہ فنون میں امام تھے۔^۵

حدیث: ابن سیرین حضرت انسؓ کے تربیت یافتہ، ابو ہریرہؓ کے شاگرد اور حسن بصری کے ہم جلس تھے۔ جن میں سے ہر ایک حدیث کا رکن اعظم تھا۔ ان تینوں بزرگوں کے علاوہ انہوں نے اس فن شریف میں صحابہ میں زید بن ثابتؓ، حذیفہ بن یمانؓ، ابن عمرؓ، ابن عباسؓ، حسن بن علیؓ،

۱۔ ابن خلکان۔ جلد ۴۔ ص ۴۵۳ ۲۔ ابن سعد۔ جلد ۷۔ ق اول۔ ص ۱۴۰ ۳۔ ایضاً ۴۔ تہذیب و تذکرۃ
الخطاط ابن سعد وغیرہ ۵۔ تہذیب و تہذیب۔ جلد ۹۔ ص ۲۱۵ ۶۔ ابن خلکان۔ جلد اول۔ ص ۴۵۱
۷۔ ابن سعد۔ جلد ۷۔ ق اول۔ ص ۱۴۰ ۸۔ تذکرۃ الخطاط۔ جلد اول۔ ص ۶۷ ۹۔ تہذیب الاسماء۔
جلد اول۔ ق اول۔ ص ۸۲

جندب بن عبد اللہ بکلیؓ، رافع بن خدیجؓ، سلیمان بن عامرؓ، سرہ بن جندبؓ، عثمان بن ابی العاصؓ، عمران بن حصینؓ، کعب بن عجرہؓ، معاویہؓ، ابو درداءؓ، ابو سعید خدریؓ، ابو قتادہ انصاریؓ، ابو بکر ثقفیؓ، اُم المؤمنین عائشہ صدیقہؓ۔ اور غیر صحابہ علماء میں عکرمہ، شریح، حمید بن عبد الرحمن الجعفی، عبد اللہ ابن شفیق، عبد الرحمن بن ابی بکرہ، قیس بن عباد، مسلم بن یسار، یونس بن جبیر، عمرو بن وہب، یحییٰ بن ابی اسحق حضری، خالد الخدا وغیرہ ایک بڑی جماعت سے روایتیں کی ہیں۔^۱

ان بزرگوں کے فیض نے ان کو علم حدیث کا دریا بنادیا تھا۔ ابن سعد، حافظ ذہبی، امام نووی ابن حجر انہیں امام الحدیث لکھتے ہیں۔

احتیاط: اس وسعت علم کے باوجود وہ بڑے محتاط تھے۔ اور سماع اور روایت دونوں میں انتہائی احتیاط برتتے تھے۔ معمولی درجہ کے اشخاص سے تحصیل علم اور اخذ حدیث خلاف احتیاط سمجھتے تھے۔ چنانچہ فرماتے تھے کہ علم دین ہے۔ اس لئے اس کو حاصل کرنے سے پہلے اس شخص کو خوب اچھی طرح سے پرکھ لو، جس سے اس کو حاصل کرنا ہے۔^۲

روایت میں اتنے محتاط تھے کہ احادیث کو بالفاظ ظہار روایت کرتے تھے۔ تنہا معنی بیان کرنا کافی نہ سمجھتے تھے۔^۳ حدیث اس احتیاط سے بیان کرتے تھے کہ معلوم ہوتا تھا کہ کوئی چیز صاف کر رہے ہیں، یا کسی چیز کا خوف ہے۔^۴ انتہائی احتیاط کی بناء پر حدیثوں کا قلم بند کرنا پسند نہ تھا۔ فرماتے تھے کہ کتاب سے بچو۔ تمہارے اگلے لوگ کتابوں ہی سے سرگرداں اور گمراہ ہوئے ہیں۔ اگر میں کسی چیز کو کتاب بناتا تو رسول اللہ ﷺ کے خطوط کو بناتا۔ لیکن حدیثوں کو حفظ کرنے کے لئے اس شرط پر ان کا قلم بند کرنا جائز سمجھتے تھے کہ حفظ کرنے کے بعد وہ مٹا دی جائیں۔^۵

روایت اور کتب حدیث کے سلسلہ میں ایک باریک نکتہ ارشاد فرماتے تھے کہ اگر کسی بات کرنے والے کو یہ معلوم ہو جائے کہ اس کی باتیں مواخذہ کے لئے قلم بند کی جاتی ہیں تو وہ گفتگو کم کرے گا۔^۶

اس کا مقصد یہ ہے کہ جب معمولی باتوں میں باتیں کرنے والے مواخذہ کے خوف سے احتیاط کرنے لگتے ہیں تو حدیثوں کی کتابت میں تو بدرجہ اولیٰ احتیاط کرنی چاہئے کہ اس کی بھول چوک میں زیادہ مواخذہ ہے اور کتابت کی بھول چوک کو دوام حاصل ہو جاتا ہے۔^۷

۱۔ تہذیب التہذیب۔ جلد ۹۔ ص ۱۴۴ ۲۔ ابن سعد۔ جلد ۷۔ ق ۱۰۱۔ ص ۱۴۱ ۳۔ ایضاً ۴۔ ایضاً۔ ص ۱۴۲ ۵۔ ایضاً۔ ص ۱۴۲ ۶۔ ایضاً۔ ص ۱۴۲ ۷۔ ایضاً۔ ص ۱۴۲

ان کی مرویات کا پایہ :

اس احتیاط کی بناء پر اباب فہن کے نزدیک وہ بڑے صادق القول اور ان کی روایات نہایت معتبر مانی جاتی تھیں۔ ہشام بن حسام کہتے تھے کہ میں نے انسانوں میں سب سے زیادہ سچا ابن سیرین کو پایا۔ بڑے بڑے آئمہ حدیث شائقین علم کو ان کا دامن پکڑنے کی ہدایت کرتے تھے۔ شعیب بن حجاب کا بیان ہے کہ شععی ہم لوگوں سے کہتے تھے کہ تم لوگ ابن سیرین کا دامن پکڑو۔

(تذکرۃ الحفاظ۔ جلد اول۔ ص ۶۸)

تلامذہ : حدیث میں ان کے تلامذہ کا دائرہ نہایت وسیع تھا۔ بعضوں کے نام یہ ہیں : امام شعبی، ثابت، خالد الخذاء، داؤد بن ابی ہند، ابن عون، جریر بن حازم، ایوب، عاصم الاحول قتادہ، سلیمان التیمی۔ مالک بن دینار، امام اوزاعی، قرہ بن خالد، ہشام بن حسان اور ابو ہلال رابسی وغیرہ۔

فقہ : فقہ میں بھی ان کا پایہ نہایت بلند تھا۔ وہ بالاتفاق اپنے عہد کے اکابر فقہاء میں تھے۔ ابن سعد، حافظ ذہبی، امام نووی اور ابن حجر وغیرہ تمام آئمہ فقہ میں ان کی امامت کے معترف ہیں۔ ابن حبان کہتے ہیں کہ ابن سیرین فقیہ، فاضل حافظ اور متقن تھے۔

مہارت قضاء اور اس سے گریز :

فقہی کمال کی بناء پر انہیں قضاء میں بڑی مہارت تھی۔ عثمان الہتبی کا بیان ہے کہ اس علاقہ میں ابن سیرین سے زیادہ قضاء کا عالم نہ تھا۔ ان کی مہارت قضاء کی وجہ سے ان کے سامنے عہدہ قضاء پیش کیا گیا۔ یہ اس کے خوف سے شام بھاگ گئے، پھر عرصہ بعد وہاں سے مدینہ واپس آئے۔

فتاویٰ میں احتیاط :

مسائل اور فتاویٰ کے جواب میں اتنے محتاط تھے کہ جواب دیتے وقت شدت احتیاط یا خوف سے گھبرا جاتے اور ان کی حالت بدل جاتی۔ اشعث کا بیان ہے کہ ہم لوگ جب ابن سیرین کے پاس بیٹھتے تھے تو وہ باتیں بھی کرتے تھے، ہنستے بھی تھے، حالات بھی پوچھتے تھے، لیکن جہاں ان سے فقہ کا کوئی مسئلہ یا حرام و حلال کے متعلق کچھ پوچھا جاتا تو ان کا رنگ متغیر ہو جاتا اور یہ معلوم ہی نہ ہوتا کہ تھوڑی دیر پہلے وہ ہنس بول رہے تھے۔

۱۔ تہذیب التہذیب۔ جلد ۹۔ ص ۲۱۳ ۲۔ ایضاً ۳۔ دیکھو کتب مذکور حالات ابن سیرین ۴۔ تہذیب التہذیب۔

جلد ۹۔ ص ۲۱۶ ۵۔ ابن سعد۔ جلد ۷۔ ق اول۔ ص ۱۳۳ ۶۔ شذرات الذہب۔ جلد اول۔ ص ۱۳۹

۷۔ ابن سعد۔ جلد ۷۔ ق اول۔ ص ۱۳۲ ۸۔ مکمل دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

ابن عون کا بیان ہے کہ میں نے ایک مسئلہ میں ابن سیرین کی طرف رجوع کیا۔ انہوں نے جواب میں کہا میں یہ نہیں کہتا کہ اس میں کوئی حرج نہیں ہے، بلکہ میں اس میں کوئی حرج نہیں سمجھتا۔
معاصر علماء کا اعتراف :

اس عہد کے بڑے بڑے علماء اور ارباب کمال انہیں ان کے زمانہ کا ممتاز فاضل سمجھتے تھے۔ ابن عون کہتے تھے کہ ساری دنیا میں تین آدمیوں کا مثل نہیں مل سکتا۔ عراق میں ابن سیرین کا۔ حجاز میں قاسم بن محمد کا۔ اور شام میں رجاء بن حیوۃ کا اور پھر ابن سیرین ان تینوں میں فائق تھے۔ ابن حبان لکھتے ہیں کہ محمد بن سیرین بصرہ کے سب سے بڑے متورع، فقیہ، فاضل، حافظ، متقن اور معتبر خواب تھے۔

زہد و ورع : ان کی ذات جامع العلم والعمل تھی۔ ان میں جس درجہ کا علم تھا، اسی درجہ کا عمل بھی تھا۔ وہ اپنے عہد کے بڑے عابد و متورع بزرگ تھے۔ ابن سعد لکھتے ہیں کہ وہ کثیر العلم اور متورع تھے۔ حافظ ذہبی لکھتے ہیں کہ وہ اس المتورعین تھے۔ خطیب کا بیان ہے کہ وہ متورع فقہاء میں تھے۔ عجل کا بیان ہے کہ میں نے کسی کو ورع میں ان سے بڑا فقیہ اور فقہ میں ان سے زیادہ متورع نہیں دیکھا۔ فرماتے تھے کہ ورع نہایت آسان شے ہے۔ کسی نے پوچھا وہ کیسے فرمایا، جس چیز میں شک معلوم ہو اس کو چھوڑ دو۔

خشیتِ الہی اور رقتِ قلب :

طبعاً نہایت خندہ جبیں اور خوش مزاج تھے۔ لیکن ان کا دل خشیتِ الہی سے لبریز تھا۔ یونس کا بیان ہے کہ ابن سیرین، فس کھ اور پُر مذاق آدمی تھے، لیکن گدازِ قلب اور خشیتِ الہی کا یہ حال تھا کہ جلوت میں ان کے لب ہنستے تھے، لیکن خلوت میں ان کی آنکھیں اشکبار رہتی تھیں۔ ہشام بن حسان کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ ہم لوگ ابن سیرین کے ساتھ مقیم تھے۔ دن میں انہیں ہنستادیکھتے تھے اور رات کی تاریکی میں ان کے گریہ کی آواز سنتے تھے اور موت کے ذکر سے ان پر موت کی سی کیفیت طاری ہو جاتی تھی۔ زہیر الاقطع کا بیان ہے کہ ابن سیرین جب موت کا ذکر کرتے تھے تو ان کا ہر عضو بدن جیسے مرجاتا تھا۔

۱۔ ابن سعد۔ جلد ۷۔ واول۔ ص ۱۳۲ ۲۔ تہذیب التہذیب۔ جلد ۹۔ ص ۲۱۶ ۳۔ ایضاً ۴۔ ابن سعد۔ جلد ۷۔ ق اول۔ ص ۱۳۰ ۵۔ تذکرہ الحفاظ۔ جلد اول۔ ص ۷۶ ۶۔ تہذیب الاسماء۔ جلد اول۔ ص ۸۳ ۷۔ ابن سعد۔ جلد ۷۔ ق اول۔ ص ۱۳۲ ۸۔ شذرات الذہب۔ جلد اول۔ ص ۱۳۹ ۹۔ تذکرہ الحفاظ۔ جلد اول۔ ص ۶۸ ۱۰۔ تہذیب الاسماء۔ جلد اول۔ ق اول۔ ص ۸۳

صحت عقیدہ : عقائد میں وہ سلف صالحین کے سادہ اور بے آمیز عقیدہ کے پابند تھے۔ اس میں عقلی موشگافیوں اور جدتوں کو سخت ناپسند کرتے تھے۔ قدر کا مسئلہ ان کے زمانہ میں چھڑ چکا تھا۔ ابن سیرین کو اس سے سخت نفرت تھی، اس کو وہ سننا بھی گوارہ نہ کرتے تھے^۱۔ ابن عون کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ ایک شخص ابن سیرین کے پاس آیا اور ان سے قدر کے متعلق کچھ باتیں کیں۔ انہوں نے اس کے جواب میں یہ آیت تلاوت کی :

”ان الله يامر بالعدل والاحسان وايتاء ذى القربىٰ وبهى عن الفحشاء والمنكر والبغى يعظكم لعلكم تذكرون“ -

”اللہ تعالیٰ عدل، احسان اور قرابت مندوں کو دینے کا حکم دیتا ہے اور بے حیائی اور ناشائستہ باتوں اور زیادتی کرنے سے منع کرتا ہے۔ تم لوگوں کو نصیحت کرتا ہے کہ اس کو یاد رکھو“۔

یہ آیت سنا کر انہوں نے کانوں میں انگلیاں دے لیں اور باتیں کرنے والے شخص سے کہا تم میرے پاس سے چلے جاؤ، یا میں خود اٹھ جاتا ہوں۔ یہ نفرت دیکھ کر وہ شخص چلا گیا۔ اس کے جانے کے بعد ابن سیرین نے کہا کہ میرا دل میرے اختیار میں نہیں ہے۔ مجھے ڈر تھا کہ وہ میرے دل میں ایسا خیال نہ پھونک دے، جس کے ذور کرنے پر مجھ کو قدرت نہ ہو۔ اس لئے میرے لئے یہی مناسب تھا کہ میں اس کی باتیں نہ سنوں^۲۔

اسی طریقہ سے ایک مرتبہ آپ کے پاس ایک اعرابی آیا اور مذہب کے متعلق کچھ باتیں پوچھنے لگا۔ آپ اس کے جوابات دیتے رہے۔ کسی نے اس شخص سے کہا کہ ذرا قدر کے متعلق دریافت کرو، دیکھو کیا کہتے ہیں۔ اس نے پوچھا، ابو بکر قدر کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟ انہوں نے کہا، تم سے یہ کن لوگوں نے کہا ہے۔ پھر چند ساعت خاموش رہ کر فرمایا، کسی کے اوپر شیطان کا بس نہیں ہے۔ جو شخص خود اس کی اطاعت کر لیتا ہے، اس کو وہ ہلاک کر دیتا ہے^۳۔

عبادت : ان کا سب سے محبوب مشغلہ عبادت تھا اور وہ بڑی سخت عبادتیں کرتے تھے۔ ابن عماد حنبلی لکھتے ہیں کہ وہ علم اور عبادت دونوں میں انتہائی کمال پر تھے^۴۔

روزانہ شب کو سات ورد پڑھتے تھے۔ اگر ان میں سے کوئی باقی رہ جاتا تھا، تو اسے دن میں پورا کرتے تھے۔ تنہائی میں تسبیح کا شغل رہتا تھا^۵۔ سوتے وقت نفس کو ذکر الہی کی طرف متوجہ

۱۔ تذکرۃ الحفاظ۔ جلد اول۔ ص ۶۷ ۲۔ ابن سعد۔ جلد ۷۔ ق اول۔ ص ۱۳۳ ۳۔ ایضاً

۴۔ شذرات الذہب۔ جلد اول۔ ص ۱۳۹ ۵۔ ابن سعد۔ جلد ۷۔ ق اول۔ ص ۱۳۵

کر لیتے تھے۔ اس طرح گویا ساری رات عبادت میں بسر ہوتی تھی۔ ایک دن درمیان دے کر ہمیشہ روزہ رکھتے تھے اور اس میں اس قدر سختی برتتے تھے کہ اگر روزہ کا دن یوم شک میں پڑتا، یعنی شعبان اور رمضان کا فیصلہ ہو سکتا تو شک سے روزہ نہ چھوڑتے۔

علامہ ابن سیرین کے گھر کے احاطہ میں ایک مسجد تھی۔ جس میں بچہ کو جانے کی اجازت نہ تھی۔ زکوٰۃ کے باب میں اتنا اہتمام تھا کہ بغیر اس کو نکالے ہوئے عید کی نماز کے لئے گھر سے نہ نکلتے تھے۔ ابن عون کا بیان ہے کہ ہم کو کبھی ایسا اتفاق نہیں ہوا کہ عید کے دن ابن سیرین کے پاس گئے ہوں اور انہوں نے ہم کو خبیص (ایک قسم کا کھانا) یا فالودہ نہ کھلایا ہو۔ وہ بغیر زکوٰۃ ادا کئے ہوئے عید کے لئے گھر سے نہ نکلتے تھے۔ پہلے زکوٰۃ نکال کر جامع مسجد بھجوا دیتے تھے۔ اس کے بعد عید کی نماز کے لئے نکلتے تھے۔

احترام شعائر اللہ : شعائر اللہ کا بڑا اہتمام کرتے تھے۔ چنانچہ تلاوت قرآن کے درمیان باتیں کرنا پسند نہ کرتے تھے۔ مسجد کو اپنے کپڑے سے صاف کرتے تھے۔

محرمات سے اجتناب :

یہ ایک پہلو یعنی اوامر کی پابندی کا حال تھا۔ نواہی میں وہ اس سے بھی زیادہ متشدد تھے۔ مشتمہات تک سے اس قدر بچتے تھے کہ اس کے لئے بڑے سے بڑا نقصان گوارا کر لیتے تھے۔ بکار ابن محمد اپنے باپ کی زبانی روایت کرتے ہیں کہ ابن سیرین نے جو جرایا کے پرگنہ میں ایک قطعہ زمین خریدی اور اس کی مالکداری وصول، اس میں انگوروں کی کافی مقدار تھی۔ کچھ لوگوں نے افشردہ نکالنے کا ارادہ کیا۔ ابن اسیرین نے منع کیا اور کہا انہیں یوں ہی بچو۔ لوگوں نے کہا، اس طرح ان کی نکاسی نہیں ہو سکتی۔ فرمایا تو انہیں خشک کر کے منقہ بنالو۔ لوگوں نے کہا، ان انگوروں سے منقہ نہیں بن سکتے۔ جب نکاسی کی کوئی صورت بھی نہ نکلی تو اس کا افشردہ نکالنے کے مقابلہ میں ان کو ضائع کر دینا بہتر سمجھا۔ اور تمام انگور پانی میں پھینک دیئے۔

شدت احتیاط میں مالی نقصان :

تجارت ایک ایسا شغل ہے، جس میں زیادہ احتیاط برتنا خسارہ میں پڑنا ہے۔ ابن سیرین کا شغل تجارت تھا۔ وہ احتیاط کے سلسلہ میں خندہ پیشانی کے ساتھ نقصان اٹھاتے تھے، لیکن مشتبہ اشیاء کو ہاتھ نہیں لگاتے تھے۔ ایک مرتبہ انہوں نے بیج کے طور پر غلہ خریدا۔ اس میں اتنی ہزار کا فائدہ ہوا،

لیکن ان کے دل میں شک پیدا ہوا کہ اس منافع میں سود کا شائبہ ہے۔ اس لئے پوری رقم چھوڑ دی۔ حالانکہ اس میں مطلق ربوانہ تھا۔^۱

بعض مرتبہ اس احتیاط کی وجہ سے انہیں قید تک کی سزا اٹھانی پڑی۔ اس کا واقعہ یہ ہے کہ ایک مرتبہ انہوں نے چالیس ہزار کاغذ خریدا۔ بعد میں انہیں اس کے متعلق کچھ ایسی باتیں معلوم ہوئیں، جنہیں وہ مکروہ سمجھتے تھے، اس لئے غلہ چھوڑ دیا یا خیرات کر دیا اور اس کی قیمت باقی رہ گئی، جس کے بدلہ میں انہیں قید ہونا پڑا۔^۲

اس واقعہ کے سلسلہ میں ایک روایت یہ بھی بیان کی جاتی ہے کہ چالیس ہزار کاروغن زیتون خریدا تھا۔ اس کے پیپوں میں چوہا نکلا۔ معلوم ہوا کہ یہ چوہا کولہو میں پڑ گیا تھا۔ یہ معلوم کر کے انہوں نے کل تیل پھینکوا دیا۔ لیکن اتنی بڑی رقم نہ ادا کر سکے اور اس کی سزا میں قید کی مشقت اٹھانی پڑی۔^۳

ایک روایت یہ ہے کہ عبداللہ بن عثمان بن ابی العاص ثقفی کی لڑکی نے ام محمد کے ہاتھ ایک لونڈی بیچی تھی۔ اس نے شکایت کی ام محمد اس کو تکلیف پہنچاتی ہے۔ اس لئے لونڈی کو واپس کر لیا۔ لیکن قیمت خرچ ہو چکی تھی۔ اس لئے سزا کاٹنی پڑی۔^۴

جو سودا بیچتے تھے، اسے گاہک کو اچھی طرح دکھا کر خریداری پر لوگوں کو گواہ بناتے تھے۔ میمون بن مہران کا بیان ہے کہ میں کچھ کپڑے خریدنے کے لئے کوفہ گیا۔ اور محمد بن سیرین کی دکان پر پہنچا۔ جب میں بھاؤ کر کے کوئی کپڑا خریدا تھا وہ مجھ سے تین مرتبہ پوچھتے تھے کہ تم اس کی خریداری پر راضی ہو۔ اس کے بعد بھی تشفی نہ ہوتی تھی اور دو آدمیوں کو بلا کر گواہ بناتے تھے۔ ان مراحل کے بعد کہتے اب سامان لے جاؤ۔ حجاجی درہم سے سودا نہیں بیچتے تھے۔ یہ احتیاط دیکھ کر میں اپنی ضروریات کا کل سامان انہی کے یہاں سے خریدتا تھا۔ یہاں تک کہ کپڑا لپٹنے کا سامان بھی انہی کے یہاں سے لیتا تھا۔^۵

اس زمانہ میں چونکہ وزن کرنے کے پیمانوں کی مقدار گھٹتی بڑھتی رہتی تھی۔ اس لئے جب کسی سے مال قرض لیتے تھے تو رائج پیمانوں اور اوزان کے علاوہ کسی اور چیز سے تول کر مال لیتے تھے اور جس چیز سے تولتے اس کو مہر کر کے محفوظ کر دیتے تھے۔ پھر جب مال واپس کرنے لگتے تھے تو اسی مہر کردہ شے سے تول کر واپس کرتے اور فرماتے کہ وزن گھٹتا بڑھتا رہتا ہے۔^۶

۱۔ ابن سعد۔ جلد ۷۔ ق اول۔ ص ۱۳۴ ۲۔ تہذیب الاسماء۔ جلد اول۔ ق اول۔ ص ۸۴ ۳۔ ابن سعد۔ جلد ۷۔

ق اول۔ ص ۱۳۴ ۴۔ تہذیب الاسماء۔ جلد اول۔ ق اول۔ ص ۸۴ ۵۔ ابن سعد۔ جلد ۷۔ ق اول۔ ص ۱۳۴

۶۔ ایضاً۔ ص ۱۳۶ کے ایضاً

تجارت کے سلسلہ میں اکثر ان کے پاس کھوٹے سکے آجاتے۔ یہ احتیاط کی بناء پر سب کو بے کار کر دیتے۔ ابن عون کا بیان ہے کہ جب ابن سیرین کے پاس کھوٹا سکہ آجاتا تو وہ اس سے کوئی چیز نہ خریدتے۔ چنانچہ ان کی وفات کے وقت اس قسم کے بیکار سکے پانچ سو کی تعداد میں جمع ہو گئے تھے۔

کسبِ حلال کی تلقین :

دوسروں کو بھی کسبِ حلال کی تلقین کرتے تھے۔ لوگوں سے فرمایا کرتے تھے کہ خدا کی جانب سے حلال روزی تمہارے لئے مقدر ہو چکی ہے۔ اسی کو تلاش کیا کرو۔ اگر تم حرام کے ذریعہ اس کو حاصل کرو گے تو بھی زیادہ نہ ملے گی۔ جو تمہارے لئے مقدر ہو چکی ہے۔ دوسروں کو حرام مال سے بچانے کے لئے یہاں تک کرتے کہ اگر آپ سے کوئی ناجائز مال حاصل کرنا چاہتا تو شخص اس شخص کو مال حرام سے بچانے تک کی قسم کھا لیتے۔

ایک مرتبہ ایک شخص نے آپ پر دو درہم کا دعویٰ کیا۔ آپ نے انکار کیا۔ مدعی نے کہا قسم کھاؤ۔ ابن سیرین تیار ہو گئے۔ لوگوں نے کہا، دو درہم کے لئے قسم کھاتے ہیں۔ جواب دیا، میں جان بوجھ کر اس شخص کو حرام نہیں کھلا سکتا۔

امراء و سلاطین کے ہدایا سے اعتراض :

غالباً اسی احتیاط کی بناء پر وہ امراء و سلاطین کے ہدایا نہ قبول کرتے تھے۔ ایک مرتبہ عمر بن عبدالعزیز جیسے بزرگ نے ان کے اور حسن بصری کے پاس کچھ بھیجا۔ حسن بصری نے قبول کر لیا۔ لیکن انہوں نے قبول نہ کیا۔

خیانت سے احتراز :

خیانت سے اس قدر بچتے تھے کہ ان جائز فوائد کو بھی جن میں خیانت کا کوئی خفیف پہلو بھی تصور کیا جاسکتا تھا۔ محض احتیاط کی وجہ سے چھوڑ دیتے تھے۔ ان کے قید کے زمانہ میں اتفاق سے جیل کا محافظ ان کا مرتبہ شناس تھا۔ اس نے ان سے کہا کہ آپ رات کو گھر چلے جایا کیجئے اور صبح ہوتے ہی پھر لوٹ آیا کیجئے۔ فرمایا، میں سلطانی خیانت میں تمہاری مدد نہیں کر سکتا۔

۱۔ ابن سعد۔ جلد ۷۔ ق اول۔ ص ۱۳۷ ۲۔ ایضاً ۳۔ تہذیب الاسماء۔ جلد اول۔ ق اول۔ ص ۸۴

۴۔ ابن سعد۔ جلد ۷۔ ق اول۔ ص ۱۳۷ ۵۔ تہذیب الاسماء۔ جلد اول۔ ص ۸۷

شہرت سے نفرت : شہرت سے بہت گھبراتے تھے اور اس سے بچنے کے لئے وہ عام مجلسوں میں نہیں شریک ہوتے تھے۔ فرماتے کہ ”میں صرف شہرت کے خوف سے تمہاری مجلسوں میں نہیں آتا“۔^۱ وہ ہر ایسے امتیاز سے جس سے لوگوں کی توجہ ان کی طرف منعطف ہوتی بچتے تھے۔ اکثر نماز میں اپنے کم درجہ کے لوگوں کو امامت کے لئے بڑھا دیتے۔ ابن عون کا بیان ہے کہ ابن زبیرؓ کے خروج کے زمانہ میں میں بھی ابن سیرین کے ساتھ نکلا، نماز کا وقت آیا تو انہوں نے مجھے نماز پڑھانے کا حکم دیا، میں نے اس کی تعمیل تو کی لیکن نماز پڑھانے کے بعد میں نے ان سے کہا کہ آپ تو فرمایا کرتے تھے کہ نماز اسی شخص کو پڑھانا چاہئے، جس کو قرآن زیادہ یاد ہو۔ فرمایا مجھے یہ اچھا نہیں معلوم ہوتا کہ میں نماز پڑھانے کے لئے آگے بڑھوں اور لوگ یہ کہیں کہ محمدؐ لوگوں کی امامت کرتے ہیں۔^۲

ماں کی اطاعت : ماں کے بڑے مطیع اور خدمت گزار تھے۔ ان کی بہن کا بیان ہے کہ ان کی ماں حجازی تھیں۔ اس لئے ان کو رنگین اور نفیس کپڑوں کا بڑا شوق تھا۔ ابن سیرین اس شوق کا اتنا لحاظ رکھتے تھے کہ جب ان کے لئے کپڑا خریدتے تھے تو محض کپڑے کی لطافت اور نرمی کو دیکھتے، اس کی مضبوطی کا مطلق خیال نہ کرتے تھے۔ عید کے لئے خود اپنے ہاتھوں سے ماں کے کپڑے رنگتے۔ میں نے ان کو کبھی ماں کے مقابلہ میں آواز بلند کرتے نہیں سنا۔ جب ماں سے باتیں کرتے تو اس آہستگی کے ساتھ، جیسے کوئی راز کی بات کہہ رہے ہیں۔ ابن عون کا بیان ہے کہ ابن سیرین جس وقت اپنی ماں کے سامنے ہوتے تھے تو ان کی آواز اتنی پست ہوتی تھی کہ ناواقف آدمی انہیں بیمار سمجھتا تھا۔^۳

عجز اور فروتنی : اپنے کو نہایت حقیر سمجھتے تھے۔ اپنی ذات کے لئے کسی قسم کا امتیاز پسند نہ کرتے تھے۔ چنانچہ کسی کو اپنے ساتھ چلنے نہ دیتے تھے۔ اگر کوئی شخص ساتھ چلنا چاہتا تو فرماتے، اگر تم بلا ضرورت چل رہے ہو تو لوٹ جاؤ۔ فرماتے تھے کہ اگر گناہوں میں ہو تو کوئی شخص ہو کی شدت سے میرے قریب نہیں آ سکتا تھا۔^۴

بے باکی اور بے خوفی :

لیکن اس فروتنی اور تواضع کے ساتھ بڑے بے باک اور بے خوف تھے۔ بڑے سے بڑے خطرہ کو وہ دھیان میں نہ لاتے تھے۔ ابو قلابہؓ کہا کرتے تھے کہ محمدؐ کے برابر کون طاقت رکھتا ہے، وہ نیزے کی نوک پر چڑھ جاتے تھے۔^۵

۱ ابن سعد۔ جلد ۷۔ ص ۱۳۵

۲ ایضاً۔ ص ۱۳۳

۳ ایضاً

۴ ابن سعد۔ جلد ۷۔ ق اول۔ ص ۱۳۳

صاف دلی : بڑے صاف دل تھے۔ کبھی کسی پر رشک و حسد نہ کرتے تھے۔ خود فرمایا کرتے تھے کہ میں نے بھلے بڑے کسی پر حسد نہیں کیا۔^۱

اجمالی رائے : غرض وہ اخلاقی اور مذہبی محاسن کا ایک مکمل ترین نمونہ تھے۔ ابو عوانہ کا بیان ہے کہ ابن سیرین کو دیکھ کر خدا یاد آتا تھا۔^۲

صحابہ اور تابعین پر ابن سیرین کا اثر :

ان کے محاسن کا بڑے بڑے صحابہ اور تابعین پر اتنا اثر تھا کہ وہ ان سے جنازہ کی نماز پڑھانا باعث برکت سمجھتے تھے۔ انس بن مالکؓ نے مرض الموت میں وصیت کی تھی کہ ابن سیرین انہیں غسل میت دیں اور ان کی جنازہ کی نماز پڑھائیں۔ اتفاق سے انس بن مالکؓ کی وفات کے زمانہ میں وہ قید تھے۔ اس لئے حاکم شہر سے حصول اجازت کے بعد وہ لائے گئے اور غسل، تجہیز و تکفین اور نماز جنازہ کے بعد پھر قید خانہ واپس کئے گئے۔^۳

علامہ ابن عون کا بیان ہے کہ حسن بصریؒ کی رُوپوشی کے زمانہ میں ان کی ایک لڑکی کا انتقال ہو گیا۔ میں نے جا کر ان کو اطلاع دی۔ مجھے خیال تھا کہ وہ مجھ ہی کو نماز جنازہ پڑھانے کا حکم دیں گے۔ لیکن انہوں نے ضروری ہدایت دینے کے بعد ابن سیرین سے نماز جنازہ پڑھانے کا حکم دیا۔^۴

وصیت و وفات : ۱۱۰ھ میں مرض الموت میں مبتلا ہوئے۔ آخر عمر میں چالیس ہزار کے مقروض ہو گئے تھے۔ اس کی بڑی فکر تھی۔ آپ کے صاحبزادے نے ادائیگی کی ذمہ داری اپنے اوپر لی۔ اس سعادت مندی پر ان کے لئے دعائے خیر کی۔ پھر وصیت فرمائی کہ تم لوگ خدا کا خوف کرتے رہنا۔ آپس میں صلح و مسالمت سے رہنا۔ اَلرَّموں ہونے کا دعویٰ ہے تو خدا اور رسول کی اطاعت کرنا۔ خدا نے تمہارے لئے ایک دین منتخب کیا ہے۔ اسی پر مرنا۔ اس کا دعویٰ نہ کرنا کہ تم دین میں انصار کے بھائی اور موالی ہو۔ اور عناف، زنا اور جھوٹ سے زیادہ بہتر اور پاکدار ہیں۔ ان وصایا کے بعد جمعہ کے دن انتقال فرمایا۔ اس وقت اسی سے اوپر عمر تھی۔^۵

حلیہ اور لباس : بالوں میں کتم اور حنا کا خضاب کرتے تھے۔ مونچھیں بہت ہلکی کترواتے تھے۔ لباس اچھا پہنتے تھے۔

اولاد : آپ کے تیس اولادیں ہوئیں۔ لیکن عبد اللہ کے علاوہ کوئی زندہ نہ رہی۔

۱۔ ابن سعد۔ جلد ۷۔ ق اول۔ ص ۱۳۳ ۲۔ تذکرۃ الحفاظ۔ جلد اول۔ ص ۶۸ ۳۔ ابن خلکان۔ جلد اول۔

ص ۳۵۳ ۴۔ ابن سعد۔ جلد ۷۔ ق اول۔ ص ۱۳۸ ۵۔ ابن سعد۔ جلد ۷۔ ق اول۔ ص ۱۳۹۔ ۱۵۰

(۶۳) محمد بن عجلان^{۷۲}

نام و نسب: محمد نام ہے۔ ابو عبد اللہ کنیت۔ باپ کا نام عجلان تھا۔ فاطمہ بنت ولید بن ربیعہ قرشی کے غلام تھے۔

فضل و کمال: علم اور تقویٰ کے اعتبار سے ممتاز تابعی تھے۔ امام نووی لکھتے ہیں، کان اماما فقیہا عابدا ان کی ہر ادا علم میں ڈوبی ہوئی تھی۔ ابن مبارک کہتے تھے کہ ابن عجلان سے زیادہ کوئی شخص اہل علم سے مشابہ نہ تھا۔ میں ان کو علماء میں یا قوت سے تشبیہ دیتا تھا۔

حدیث شریف: حدیث کے وہ ممتاز حافظ تھے۔ حافظ ذہبی انہیں امام اور قدوہ لکھتے ہیں۔ صحابہ میں انس بن مالک اور ابو الطفیلؓ سے سورتا بعین میں عکرمہ، نافع، سعید مقبری، سلیمان بن ابی حازم، شعبی، ابراہیم بن عبد اللہ، درجاء بن حیوۃ، عامر بن عبد اللہ بن زبیر، اعرج، ابی الزناد، یزید بن اسلم، عبید بن مقسم، یکر بن ملائح، علی بن یحییٰ، محمد بن یحییٰ بن حبان اور ابو الخلیف سمعی وغیرہ سے استفادہ حدیث کیا تھا۔ عبید اللہ بن عمر، منصور بن معمر، مالک بن انس، لیث، سفیان ثوری، ابن عیینہ، حیوۃ ابن شریح، شعبہ، قطان اور عبد اللہ بن ادریس وغیرہ جیسے اکابر آپ کے خوشہ چینوں میں تھے۔ قفہ و فتاویٰ: قفہ و فتاویٰ میں پوری دستگاہ رکھتے تھے۔ حافظ ذہبی ان کو مفتی اور فقیہ لکھتے ہیں۔ مسجد نبوی میں افتا کی خدمت انجام دیتے تھے۔

حلقہ درس: اسی میں ان کا حلقہ درس تھا۔ جس میں بڑے بڑے تابعین شریک ہوتے تھے۔ زہد و ورع: زہد و ورع ان کا مخصوص طغریٰ کمال تھا۔ حافظ ذہبی لکھتے ہیں کہ وہ عالم عامل ربانی اور کبیر القدر تھے۔ ابن سعد کا بیان ہے کہ وہ عابد مرتاض تھے۔ اپنے مذہبی کمالات کی وجہ سے مدینہ کے حسن بصری شمار کئے جاتے تھے۔ ایک مرتبہ ایک معاملہ میں جعفر بن سلیمان نے ان کو کوڑے لگوانے کا ارادہ کیا۔ اہل مدینہ نے اس سے کہا اگر حسن بصری سے اس قسم کا فعل سرزد ہو جاتا تو کیا تم ان کو مارتے ہو۔ جعفر نے کہا نہیں، لوگوں نے کہا تو وہ مدینہ کے حسن بصری ہیں۔

وفات: ۲۸ھ میں وفات پائی۔

۱۔ تہذیب الاسماء۔ جلد اول۔ ق ۲۔ ص ۱۸۷	۲۔ تذکرۃ الحفاظ۔ جلد اول۔ ص ۱۹۳	۳۔ ایضاً۔ ص ۱۴۸
۴۔ تہذیب المجتہب۔ جلد ۹۔ ص ۲۳۱	۵۔ تذکرۃ الحفاظ۔ جلد اول۔ ص ۱۴۸	۶۔ تہذیب الاسماء۔
جلد اول۔ ق ۲۔ ص ۸۷	۷۔ تذکرۃ الحفاظ۔ جلد اول۔ ص ۱۳۹	۸۔ ایضاً۔ ۱۴۸
جلد ۹۔ ص ۲۳۱ بحوالہ ابن سعد	۹۔ تذکرۃ الحفاظ۔ جلد اول۔ ص ۱۳۹	۱۰۔ ایضاً

(۶۵) محمد بن علی بن حسین الملقب بہ باقر

نام و نسب : محمد نام ہے۔ ابو جعفر کنیت۔ باقر لقب، حضرت امام زین العابدین کے فرزند ارجمند تھے۔ ان کی ماں اُم محمد حضرت امام حسنؑ کی صاحبزادی تھیں۔ اس لئے آپ کی ذات گویا ریاض نبوی کے پھولوں کا دو آتشہ عطر تھی۔

پیدائش : صفر ۵۵ھ میں مدینہ میں پیدا ہوئے۔ اس حساب سے ان کے جد بزرگوار حضرت امام حسینؑ کی شہادت کے وقت ان کی عمر تین سال کی تھی۔

فضل و کمال : باقر اس معدن کے گوہر شب چراغ تھے۔ جس کے فیض سے ساری دینا میں علم و عمل کی روشنی پھیلی، پھر حضرت امام زین العابدین جیسے مجمع البحرین باپ کے آغوش میں پرورش پائی تھی۔ ان مورثی اثرات کے علاوہ خود آپ میں فطرۃً تحصیل علم کا ذوق تھا۔ ان اسباب نے مل کر آپ کو اس عہد کا ممتاز ترین عالم بنادیا تھا۔ وہ اپنے وفور علم کی وجہ سے باقر کے لقب سے ملقب ہو گئے تھے۔ ”بقر“ کے معنی عربی میں پھاڑنے کے ہیں اسی سے البقر العلم ہے۔ یعنی وہ علم کو پھاڑ کر اس طرح جڑ اور اندرونی اسرار سے واقف ہو گئے تھے۔

بعض علماء ان کا علم ان کے والد بزرگوار سے بھی زیادہ وسیع سمجھتے تھے۔ محمد بن منکدر کا بیان ہے کہ میری نظر میں کوئی ایسا صاحب علم نہ تھا۔ جسے علی ابن حسینؑ پر ترجیح دی جاسکتی ہے۔ یہاں تک کہ ان کے صاحبزادے محمد کو دیکھا۔ وہ اپنے عہد میں اپنے خاندان بھر کے سردار تھے۔ علامہ ذہبی لکھتے ہیں، ”کان سید بنی ہاشم فی زمانہ“۔ امام نووی لکھتے ہیں کہ وہ جلیل القدر تابعی اور امام بارع تھے۔ ان کی جلالت پر سب کا اتفاق ہے۔ ان کا شمار مدینہ کے فقہاء اور ائمہ میں تھا۔

حدیث : حدیث ان کے گھر کی دولت تھی۔ اس لئے وہ اس کے سب سے زیادہ مستحق تھے۔ علامہ ابن سعید لکھتے ہیں، ”کان ثقة کثیر الحدیث والعلم“۔

اس گنج گراں مایہ کو انہوں نے اپنے والد محترم زین العابدین، اپنے نانا حضرت امام حسنؑ اور اپنے دادا حضرت علیؑ۔ اپنے چچیرے دادا محمد بن حنفیہ اور اپنے جد امجد کے چچیرے بھائی عبداللہ بن جعفر اور عبداللہ بن عباس، اپنی دادی حضرت عائشہؓ اور اُم سلمہؓ وغیرہ کے مخزن سے بالواسطہ حاصل کیا تھا۔

یعنی ان بزرگوں سے ان کی روایات مرسل ہیں۔ اپنے گھر کے باہر، انس بن مالک، سعید بن مسیب، عبد اللہ بن رافع، حرمہ، عطاء بن یسار، یزید بن ہریر اور ابو مرہ وغیرہ سے مستفید ہوئے تھے۔

تلامذہ : اس عہد کے بڑے آئمہ امام اوزاعی، اعمش، ابن جریج، امام زہری، عمرو بن دینار اور ابو اطلق، سبعی وغیرہ اکابر تابعین اور تبع تابعین کی بڑی جماعت آپ کے خرمین کمال کی خوشہ چین تھی۔

فقہ : فقہ میں آپ کو خاص دستگاہ حاصل تھی۔ ابن برقی آپ کو فقیہ و فاضل کہتے ہیں۔ امام نسائی فقہائے تابعین میں، امام نووی مدینہ کے فقہا اور آئمہ میں شمار کرتے ہیں۔

زہد و عبادت : آپ نے ان بزرگوں کے دامن میں پرورش پائی تھی جن کا مشغلہ ہی عبادت تھا اور ایسے ماحول کی نشوونما ہوئی تھی جو ہر وقت خدا کے ذکر اور اس کی تسبیح و تحمید سے گونجا کرتا تھا۔ اس لئے عبادت کی وہی روح آپ کے رگ و پے میں سرایت کر گئی تھی۔ عبادت و ریاضت آپ کا محبوب مشغلہ تھا۔ شبانہ یوم میں ڈیڑھ سو رکعتیں نماز پڑھتے۔ سجدوں کی کثرت سے پیشانی پر نشان سجدہ تاباں تھا۔ لیکن زیادہ گہرا نہ تھا۔

شیخین کے ساتھ عقیدت :

اپنے اسلاف کرام اور بزرگان عظام کی طرح شیخین کے ساتھ قلبی عقیدت رکھتے تھے۔ جابر کا بیان ہے کہ میں نے ایک مرتبہ محمد بن علی سے پوچھا کہ آپ کے اہل بیت میں کوئی ابو بکر و عمر کو گالیاں بھی دیتا تھا بغرمایا نہیں۔ میں انہیں دوست رکھتا ہوں اور ان کے لئے دعائے مغفرت کرتا ہوں۔

حضرت سالم بن ابی حفصہ کا بیان ہے کہ میں نے امام باقر اور ان کے صاحبزادے جعفر صادق سے ابو بکر و عمر کے بارے میں پوچھا، انہوں نے فرمایا، سالم میں انہیں دوست رکھتا ہوں اور ان کے دشمنوں سے تمیزی کرتا ہوں۔ یہ دونوں امام ہدی تھے۔ میں نے اپنے اہل بیت میں سے ہر شخص کو ان کے ساتھ تولا ہی کرتے پایا۔

صحت عقیدہ : بعض جماعتوں نے بہت سے ایسے غلط عقائد ان بزرگوں کی طرف منسوب کر دیئے ہیں، جن سے ان کا دامن بالکل پاک تھا۔ وہ امور دین میں خالص اور بے آمیز اسلامی

۱۔ تہذیب الاسماء۔ جلد اول۔ ق اول۔ ص ۸۷ ۲۔ ابن سعد۔ جلد ۵۔ ص ۲۳۸ ۳۔ تہذیب المعجم۔ جلد ۱۔ ص ۲۳۶

۴۔ تہذیب الاسماء۔ جلد ۱۔ ص ۲۳۶ ۵۔ ایضاً ۶۔ تذکرہ الحفاظ۔ جلد اول۔ ص ۱۱۱ ۷۔ ابن سعد۔ جلد ۵۔ ص ۲۳۶

عقائد کے علاوہ کوئی جدید عقیدہ نہ رکھتے تھے۔ جائز روایت کرتے ہیں کہ میں نے محمد بن علی سے پوچھا کہ کیا اہل بیت کرام میں سے کسی کا یہ خیال تھا کہ کوئی گناہ شرک ہے؟ فرمایا نہیں۔ میں نے دوسرا سوال کیا، ان میں کوئی رجعت کا قائل تھا؟ فرمایا نہیں۔

وفات : مقام حمیہ میں انتقال فرمایا۔ لاش مدینہ لا کر جنت البقیع میں دفن کی گئی۔ سنہ وفات کے بارے میں بیانات مختلف ہیں۔ بعض ۱۱۴ھ، بعض ۱۱۷ھ اور بعض ۱۱۸ھ بتاتے ہیں۔ عمر کے بارے میں دو روایتیں ہیں۔ ایک یہ کہ وہ اٹھاون سال کے تھے۔ دوسری یہ کہ وہ ۷۳ سال کے تھے۔ لیکن دوسری روایت قطعاً غلط ہے۔ پہلی اقرب الصحیحہ ہے۔ اس لئے کہ ان کی پیدائش بالاتفاق ۵۷ھ ہوئی۔ اس حساب سے آپ کی عمر پہلے سن وفات کے مطابق اکٹھ سال سے زیادہ ہوگی۔

اولاد : امام باقر کی کئی اولادیں تھیں۔ جعفر، عبداللہ، یہ دونوں حضرت ابو بکر صدیقؓ کی پوتی ام فروہ کے بطن سے تھے۔ ابراہیم، یہ ام حکیم بنت اسید کے بطن سے تھے۔ علی اور زینب، یہ دونوں ام ولد سے تھے۔ ام سلمہ، یہ بھی ام ولد سے تھیں۔ ان میں جعفر الملقب بہ صادق سب میں نامور ہیں اور آپ کے جانشین تھے۔

لباس : امام باقر نہایت خوش لباس تھے۔ خز جو ایک بیش قیمت کپڑا ہے اور سادہ اور رنگین دونوں طرح کا لباس استعمال کرتے تھے۔ ابریشم کے بوٹے دار کپڑے بھی پہنتے تھے اور رومہ اور کثم کا خضاب لگاتے تھے۔

(۶۶) محمد بن کعبؓ

نام و نسب : محمد نام ہے۔ ابو حمزہ کنیت۔ نسب نامہ یہ ہے : محمد بن کعب بن حبان بن سلیم بن اسد قرظی ان کے والد کعب بنی قرظہ کے یہودی اور انصار کے قبیلہ اوس کے حلیف تھے۔ غزوہ قرظہ میں گرفتار ہوئے۔ لیکن بہت کم سن تھے اس لئے چھوڑ دیئے گئے۔

فضل و کمال : محمد بن کعب بڑے فاضل اور بلند مرتبہ تابعی تھے۔ ابن حبان کا بیان ہے کہ وہ علم و فقہ میں مدینہ کے فاضل ترین علماء میں تھے۔ امام نووی لکھتے ہیں کہ وہ بڑے اور آئمہ تابعین میں تھے۔

۱۔ ابن سعد۔ جلد ۵۔ ص ۲۳۶	۲۔ ابن خلکان۔ جلد اول۔ ص ۲۵۰	۳۔ ابن سعد۔ جلد ۵۔ ص ۲۳۸
۴۔ ابن سعد۔ جلد ۵۔ ص ۲۳۵	۵۔ ایضاً۔ ص ۲۳۶	۶۔ تہذیب المعتمد۔ جلد ۹۔ ص ۴۲۱
۷۔ تہذیب الاسماء۔ جلد اول۔ ق اول۔ ص ۹۰		

قرآن : ان کو قرآن اور حدیث دونوں میں یکساں کمال حاصل تھا۔ عجل ان کو ثقہ رجل صالح اور عالم قرآن لکھتے ہیں^۱۔ عون بن عبد اللہ کا بیان ہے کہ میں نے تاویل قرآن کا ان سے بڑا عالم نہیں دیکھا^۲۔ حافظ ذہبی مفسر قرآن لکھتے ہیں^۳۔

حدیث : حدیث کے ممتاز حافظ تھے۔ علامہ ابن سعد ثقہ عالم اور کثیر الحدیث لکھتے ہیں^۴۔ حدیث میں انہوں نے مغیرہ بن شعبہ، معاویہ بن کعب بن عجرہ۔ ابو ہریرہ، زید بن ارقم، ابن عباس، ابن عمرو بن العاص، عبد اللہ بن یزید خطمی، عبد اللہ بن جعفر بن ابی طالب، براء بن عازب، جابر اور انس بن مالک سے استفادہ کیا۔

ان سے فیض اٹھانے والوں میں ان کے بھائی عثمان، حکم بن عیینہ، یزید بن ابی زیاد، ابن عجلان، موسیٰ بن عبیدہ، ابو معشر، ابو جعفر خطمی، یزید بن الہاد، ولید بن کثیر، محمد بن المنکدر، عاصم ابن کلب، ایوب بن موسیٰ، ابن ابی الموال، ابی المقدام اور ہشام بن زیاد وغیرہ لائق ذکر ہیں^۵۔

فقہ : فقہ میں مدینہ کے ممتاز فقہاء میں شمار تھا۔ ”کان من افاضل اهل المدينة علماء وفقہا“^۶۔

زہد و ورع : زہد و ورع کی دولت سے بھی بہرہ مند تھے، ابن سعد ان کو علماء متورعین میں۔ حافظ ذہبی زہد اور ابن عماد حنبلی علم صلاح اور ورع سے متصف لکھتے ہیں^۷۔

وفات : ۱۸۸ھ میں وفات پائی^۸۔

(۷۷) محمد بن مسلم السمری ابن شہاب زہریؒ

نام و نسب : محمد نام ہے، ابو بکر کنیت۔ نسب نامہ یہ ہے : محمد بن مسلم بن عبید اللہ بن عبد اللہ بن شہاب ابن حارث بن زہرہ بن کلاب بن قریش۔ زہری کے والد کا نام مسلم تھا، لیکن وہ اپنے دادا شہاب بن حارث کی نسبت سے ابن شہاب مشہور ہوئے۔ ان کے پردادا عبد اللہ بن شہاب آغاز اسلام میں دوسرے عمائد قریش کی طرح آنحضرت ﷺ کے سخت دشمن تھے اور بدر و احد کے مشہور معرکوں میں مشرکین کے ساتھ استیصال کے لئے نکلے تھے اور شرکائے احد کے ان پر جوش مشرکین میں تھے، جنہوں نے رسول اللہ ﷺ کو قتل کر دینے یا خود لڑ کر مر جانے کا عہد کیا تھا^۹۔

۱۔ تہذیب التہذیب۔ جلد ۹۔ ص ۴۲۱ ۲۔ ایضاً
۳۔ تہذیب التہذیب۔ جلد ۹۔ ص ۴۲۱ بحوالہ ابن سعد
۴۔ شذرات الذہب۔ جلد اول۔ ص ۱۳۶ ۵۔ ایضاً
۶۔ دول الاسلام ذہبی۔ جلد اول۔ ص ۶۵
۷۔ ایضاً ۸۔ دول الاسلام۔ جلد اول۔ ص ۵۶
۹۔ ابن خلکان۔ جلد اول۔ ص ۴۵۱

اسی دشمن اسلام کی نسل میں محمد بن مسلم پیدا ہوئے۔ جن کی دینی خدمات کو اسلامی تاریخ کبھی فراموش نہیں کر سکتی۔ وہ ان چند آئمہ اسلام میں سے ایک ہیں، جن کی ذات سے اسلام کے مذہبی علوم میں زندگی پیدا ہوئی اور اس کی روشنی سے ساری دنیائے اسلام منور ہوئی۔

حصولِ علم کی استعداد :

علمی کمالات کے اعتبار سے ابن شہاب کا کوئی معاصر ان کا ہم پلہ نہ تھا۔ حصولِ علم کی استعداد ان میں فطری تھی۔ ذہانت، ذکاوت اور قوتِ حافظہ بے نظیر پائی تھی۔ ذہن ایسے تھے کہ کسی مسئلہ کو دوبارہ سمجھنے کی ضرورت نہ پیش آتی تھی۔ حافظہ اتنا قوی تھا کہ ایک مرتبہ جو بات سن لی وہ ہمیشہ کے لئے لوحِ دل پر نقش ہو گئی اور دوبارہ پوچھنے کی ضرورت نہ پڑی۔ ان کی قوتِ حافظہ کی یہ ادنیٰ مثال ہے کہ اسی دن میں پورا کلام اللہ حفظ کر لیا تھا۔ ساری عمر میں صرف ایک مرتبہ ایک حدیث میں کچھ شبہ پیدا ہوا تھا، لیکن پوچھنے کے بعد معلوم ہوا کہ جس طریقہ سے ان کو یاد تھی ویسی ہی تھی۔

ذوق و طلب : اس ذہن اور حافظہ کے ساتھ ان کے ذوق اور طلب و جستجو کا بھی یہی حال تھا۔ علم و فن کا کوئی خرمن ایسا نہ تھا، جس سے انہوں نے خوشہ چینی نہ کی ہو۔ آٹھ سال تک امام مدینہ سعید بن مسیب کی خدمت میں رہے تھے۔ اس عہد کا مدینہ وہ تھا، جس کی گلی گلی علم و فن کا مرکز تھی۔ یہاں کے تمام زن و مرد اور بوڑھے بچے ایک علمی درس گاہ تھے۔ ابن شہاب گھر گھر آکر سب سے استفادہ کرتے تھے۔ ابوالزناد کا بیان ہے کہ ہم لوگ زہری کے ساتھ علماء کے گھروں کا چکر لگاتے تھے۔ زہری کے ساتھ تختیاں اور بیاضیں ہوتی تھیں۔ وہ جو کچھ سنتے جاتے تھے، اس کو قلم بند کرتے جاتے تھے۔

علمی مجلسوں میں وہ سب سے پہلے جاتے اور بلا امتیاز بوڑھوں اور بچوں سب سے استفادہ کرتے تھے۔ ان مجلسوں سے نکلنے کے بعد وہ مدینہ کی گلیوں کا طواف کرتے اور تمام بچوں اور بوڑھوں اور عورتوں تک سے استفادہ کرتے۔

سعد بن ابراہیم کا بیان ہے کہ میں نے اپنے والد سے پوچھا کہ زہری علم میں آپ لوگوں پر کیسے فائق ہو گئے؟ انہوں نے جواب دیا کہ وہ علمی مجالس میں سب سے پہلے آتے تھے۔ یہاں سے اٹھ کر وہ انصار کے گھروں پر جاتے اور کوئی جوان نوخیز، ادھیڑ عمر اور بوڑھی عورتیں باقی نہ رہتیں، جس سے وہ فائدہ نہ حاصل کرتے ہوں۔ یہاں تک کہ پردہ نشین عورتوں تک کے پاس چلے جاتے تھے۔

جہاں کسی فاضلہ خاتون کا پتہ چلتا، فوراً اس کے پاس پہنچتے۔ ان کا خود بیان ہے کہ ایک مرتبہ قاسم بن محمد نے مجھ سے کہا کہ تم میں علم کی بڑی حرص ہے، اس لئے میں تم کو علم کے طرف کا پتہ بتاتا ہوں۔ انہوں نے کہا ضرور بتائیے۔ قاسم نے کہا، عبدالرحمن کی لڑکی کے پاس جاؤ۔ انہوں نے اُم المومنین حضرت عائشہؓ کی آغوشِ تربیت میں پرورش پائی ہے۔ چنانچہ ان کے پاس گیا۔ واقعی وہ علم کا بحرِ بیکراں تھیں۔

ہمہ گیری: ان کا ذوق ہمہ گیر تھا۔ کسی خاص علم و فن کی تخصیص نہ تھی، بلکہ وہ ہر علم یکساں ذوق سے حاصل کرتے تھے، اور جو کچھ سنتے تھے سب کچھ لکھ لیتے تھے، ابوالثراد کا بیان ہے کہ ہم لوگ صرف حلال و حرام کے مسائل قلمبند کرتے تھے اور زہری جو کچھ سنتے تھے سب کچھ لکھ لیتے تھے، جب آگے چل کر ضرورت پڑی تو معلوم ہوا کہ وہ سب سے بڑے عالم ہیں۔

جامعیت: ان کے ذوق کی اس ہمہ گیری کی وجہ سے انہیں جملہ علوم و فنون میں یکساں دستگاہ حاصل تھی، جس فن پر وہ گفتگو کرتے تھے، معلوم ہوتا تھا کہ یہی ان کا خاص فن ہے۔ لیٹ کا بیان ہے کہ میں نے زہری سے زیادہ جامع شخصیت نہیں دیکھی۔ جب وہ ترغیب پر گفتگو کرتے تو معلوم ہوتا کہ وہ اسی کے بڑے عالم ہیں۔ جب عرب اور انساب عرب پر روشنی ڈالتے تو معلوم ہوتا کہ یہی ان کا خاص فن ہے۔ معمر کا بیان ہے کہ جن جن فنون میں ان کو درک تھا۔ ان میں وہ اپنا مثل نہ رکھتے تھے۔

قرآن: قرآن کے وہ بڑے حافظ تھے اور اس کے متعلقات پر ان کی نظر اتنی وسیع تھی کہ کلام اللہ ان کا خاص موضوع معلوم ہوتا تھا۔ نافع نے جو حضرت عبداللہ بن عمرؓ جیسے حبر الامۃ کے تربیت یافتہ تھے، ان سے قرآن کا دورہ کیا تھا۔

حدیث: اگرچہ ان کو جملہ فنون میں یکساں کمال حاصل تھا۔ لیکن ان کا خاص فن حدیث و سنت تھا۔ اس کا انہیں جتنا ذوق تھا، اور جس مشقت سے انہوں نے صد ہا خرمیوں سے ایک ایک دانہ چن کر علم کا انبار لگایا تھا، اس کے حالات اوپر گزر چکے ہیں۔ انہوں نے اس عہد کے تمام آئمہ اور اکابر علماء کا علم اپنے دامن میں سمیٹ لیا تھا۔ ابن مدینی کا بیان ہے کہ حجاز میں ثقات کا سارا علم زہری اور عمرو بن دینار کے درمیان تقسیم تھا۔ ان کی احادیث کی تعداد دو ہزار دو سو تک پہنچی۔

سنن رسول اور سنن صحابہ :

انہیں سنن رسول اور سنن صحابہ کے ساتھ بڑا ذوق تھا۔ اور مدینہ کے جملہ سنن انہوں نے قلمبند کر لئے تھے۔ صالح بن کیسان کا بیان ہے کہ وہ تحصیل علم میں زہری کے ساتھ تھے۔ انہوں نے مجھ سے کہا کہ ہم کو سنن لکھ لینا چاہئے۔ چنانچہ ہم لوگوں نے رسول اللہ ﷺ کے تمام سنن لکھ لئے۔ سنن رسول کے قلمبند کرنے کے بعد انہوں نے کہا اب صحابہ کے سنن لکھنا چاہئے لیکن سنن صحابہ ہم لوگوں نے نہیں لکھے اور انہوں نے لکھ لئے، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ کامیاب رہے اور میں نے موقع ضائع کر دیا۔

مدینہ کے سنن رسول اور سنن صحابہ انہی کی ذات سے محفوظ رہے تھے لہذا مشافعی فرماتے تھے کہ اگر زہری نہ ہوتے تو مدینہ کے سنن ضائع ہو جاتے۔ وہ بالاتفاق اپنے زمانہ کے سنن کے سب سے بڑے عالم تھے۔ عمر بن عبد العزیز فرمایا کرتے تھے کہ ابلہ بن شہاب سے زیادہ سنت ماضیہ کا جاننے والا کوئی نہیں رہا۔

علم حاضر: انہوں نے حافظہ ایسا پایا تھا کہ جو کچھ حاصل کیا تھا وہ سب محفوظ تھا۔ وہ خود کہا کرتے تھے کہ میں نے اپنے سینہ میں جو علم ودیعت کیا وہ نہیں بھولا۔ پھر حفظ کا یہ حال تھا کہ ایک مرتبہ سینکڑوں حدیثیں سنا جاتے تھے اور جب پھر انہیں دہرانے کی ضرورت ہوتی تھی تو ایک حرف کا بھی تغیر و تبدل نہ ہوتا تھا۔

ایک مرتبہ ہشام بن عبد الملک نے اپنے کسی لڑکے کے واسطے ان سے حدیثیں لکھنے کی درخواست کی۔ انہوں نے چار سو حدیثیں قلمبند کرادیں، ایک مہینہ کے بعد ہشام نے امتحان کیا کہ وہ مجموعہ گم ہو گیا، انہوں نے پھر لکھوا دیا، بعد میں دونوں مجموعوں میں مقابلہ کیا گیا تو ایک حرف کا فرق نہ تھا۔ علاوہ ان احادیث سنن کے جو ان کے سینہ ہی میں رہ گئیں، ان کی مرویات کی تعداد دو ہزار سے اوپر ہے۔ غرض حدیث میں ان کا پایہ نہایت بلند تھا۔ امام نووی لکھتے ہیں کہ ان کے مناقب اور ثناء و صفت اور ان کے حفظ کے کمالات شمار سے باہر ہیں۔

مرویات کا پایہ: حفظ حدیث میں روایت کی کثرت سے زیادہ ان کی کیفیت اور نوعیت معیار کمال ہے۔ اس اعتبار سے زہری کی روایات کا جو پایہ تھا، اس کا اندازہ ان رائیوں سے ہوگا۔ عمرو بن دینار جو خود بہت بڑے محدث تھے، فرماتے تھے کہ میں نے زہری سے زیادہ حدیث میں کسی کو انص نہیں دیکھا۔

- | | | |
|---------------------------------|---------------------------------|--------------------------------|
| ۱۔ تہذیب التہذیب۔ جلد ۹۔ ص ۴۳۸ | ۲۔ تہذیب الاسماء۔ جلد اول۔ ص ۹۱ | ۳۔ تذکرۃ الحفاظ۔ جلد اول۔ ص ۹۷ |
| ۴۔ تہذیب التہذیب۔ جلد ۹۔ ص ۴۳۸ | ۵۔ تذکرۃ الحفاظ۔ جلد اول۔ ص ۹۷ | ۶۔ ایضاً۔ ص ۹۶ |
| ۷۔ تہذیب الاسماء۔ جلد اول۔ ص ۹۱ | ۸۔ تہذیب التہذیب۔ جلد ۹۔ ص ۴۳۸ | |

امام احمد بن حنبل اور اسحاق بن راہویہ کی رائے ہے کہ زہری کی وہ روایات اصح ہیں جو انہوں نے سالم سے اور سالم نے اپنے والد عبد اللہ بن عمرو سے روایت کی ہیں۔^۱

شیوخ : چونکہ زہری نے ہر خرمن سے گوشہ چینی کی تھی۔ اس لئے ان کے شیوخ کا دائرہ نہایت وسیع تھا۔ جن میں بہت سی فاضلہ خواتین بھی ہیں۔^۲ ان کے عہد کے صحابہ اور اکابر تابعین میں کوئی ایسا شخص نہ تھا۔ جس سے انہوں نے استفادہ نہ کیا ہو۔ صحابہ میں عبد اللہ بن عمرؓ، عبد اللہ بن جعفرؓ، ربیعہ بن عبادؓ، مسور بن مخرمہؓ، انس بن مالکؓ، ہبل بن سعدؓ، سائب بن یزیدؓ، شیبؓ، ابو جمیلہ عبد الرحمن بن ازہرؓ، محمود بن ربیعؓ، عبد اللہ بن ثعلبہؓ، عبد اللہ بن عامرؓ، ربیعہؓ، ابوامامہؓ، سعد بن ہبل اور ابوالطفیلؓ وغیرہ۔ اکابر تابعین میں سعید بن مسیبؓ، مدینہ کے ساتوں مشہور فقہاء اور ان کے علاوہ تابعین کی ایک بڑی جماعت نے فیض اٹھایا تھا، جن کی فہرست بہت طویل ہے۔

تلامذہ : ابن شہاب کی ذات مرجع امام تھی۔ اس لئے ان کے تلامذہ کی تعداد بھی بے شمار ہے۔ ان میں سے بعض ممتاز تلامذہ حدیث کے نام یہ ہیں :

عطاء بن ابی رباحؓ، عمر بن عبد العزیزؓ، عمرو بن دینارؓ، صالح بن کیسانؓ، یحییٰ بن سعید انصاریؓ، ایوب سختیانیؓ، عبد اللہ بن مسلم زہریؓ، امام اوزاعیؓ، ابن جریجؓ، محمد بن علی بن حسینؓ، محمد بن منکدرؓ، منصور بن معتمرؓ، موسیٰ بن عقبہؓ، ہشام بن عروہؓ، امام مالکؓ، معمر الزبیدیؓ، ابن ابی ذیہب لیثؓ، اسحاق بن یحییٰ کلبی اور بکر بن وائل وغیرہ۔^۳

فقہ : فقہ میں بھی بہت بلند پایہ رکھتے تھے۔ مدینہ کے ساتوں مشہور فقہاء کا علم ان کے سینہ میں محفوظ تھا۔^۴ ان کے علاوہ اس عہد کے تمام اکابر فقہاء کے علم کے وہ وارث تھے۔ جعفر بن ربیعہ کا بیان ہے کہ میں نے عراق بن مالک سے پوچھا کہ مدینہ میں سب سے بڑا فقیہ کون ہے؟ انھوں نے کہا سعید بن مسیبؓ، عروہ اور عبد اللہ بن عبد اللہ۔ یہ نام گنانے کے بعد کہا میرے نزدیک زہری ان سب سے بڑے عالم تھے، اس لئے کہ انھوں نے ان سب کا علم اپنے علم میں شامل کر لیا تھا۔^۵

فتاویٰ : اس فقہی کمال کی وجہ سے وہ مدینہ کی مجلس افتاء کے مسند نشین تھے۔ ان کے فتاویٰ کی تعداد اتنی زیادہ تھی کہ محمد بن نوح نے فقہی ترتیب سے ان کو تین ضخیم جلدوں میں جمع کیا تھا۔^۶

۱۔ تہذیب الاسماء۔ جلد اول۔ ص ۹۱ ۲۔ تہذیب التہذیب۔ جلد ۹۔ ص ۴۶۶ و تہذیب الاسماء۔ ص ۹۱

۳۔ تہذیب التہذیب۔ جلد ۹۔ ص ۴۶۶ و تہذیب الاسماء۔ جلد اول۔ ق اول۔ ص ۹۱ ۴۔ ابن خلکان۔

جلد اول۔ ص ۴۵۱ ۵۔ تہذیب التہذیب۔ جلد ۹۔ ص ۴۴۸ ۶۔ اعلام الموقعین۔ جلد اول۔ ص ۲۶

مغازی : مغازی کے وہ امام تھے۔ ان سے پہلے کسی نے مغازی کی طرف توجہ نہ کی تھی۔ تاریخ اسلام میں وہ پہلے شخص ہیں، جنہوں نے مغازی پر مستقل کتاب لکھی۔ امام سہیلی کے بیان کے مطابق یہ اس فن کی سب سے پہلی کتاب تھی۔

ان کی ذات سے مغازی اور سیرت کا عام مذاق پیدا ہو گیا۔ ان کے تلامذہ میں یعقوب بن ابراہیم، محمد بن صالح، عبدالرحمن بن عبدالعزیز، موسیٰ بن عقبہ اور محمد بن اسحاق نے اس فن میں بڑا کمال پیدا کیا۔ خصوصاً آخر الذکر دونوں تلامذہ نے بڑی شہرت اور ناموری حاصل کی۔

علماء میں ابن شہاب کا درجہ :

امام زہری کا علمی مرتبہ اس عہد کے تمام علماء اور ارباب کمال میں مسلم تھا۔ ایوب سختیانی کہتے تھے کہ میں نے زہری سے بڑا عالم نہیں دیکھا۔ کسی نے پوچھا حسن بصری کو بھی نہیں۔ انہوں نے پھر وہی جواب دیا کہ میں نے زہری سے بڑا کسی کو نہیں پایا۔

مکحول سے جنہوں نے تحصیل علم کے سلسلہ میں ساری دنیا چھان ماری تھی اور دنیاے اسلام کے تمام بڑے بڑے علماء سے ملے تھے، کسی نے پوچھا تم سب سے بڑے کس عالم سے ملے؟ انہوں نے جواب دیا، ابن شہاب سے۔ امام مالک فرماتے تھے کہ دنیا میں زہری کا کوئی مثل نہ تھا۔ سعد بن ابراہیم یہاں تک مبالغہ کرتے تھے کہ میرے نزدیک رسول اللہ ﷺ کے بعد زہری کے اتنا علم کسی میں نہ تھا۔

اشاعتِ علم : خدا نے زہری کو جس فیاضی کے ساتھ علم کی دولت عطا کی تھی، اسی فیاضی کے ساتھ انہوں نے اس کو تقسیم کیا اور اس کی اشاعت میں سعی بلیغ کی۔ فرمایا کرتے تھے، نہ کسی نے تحصیل علم میں میری جیسی مشقت اٹھائی اور نہ اس کی اشاعت میں۔ ان کے تلامذہ کی فہرست سے ان کے علمی خدمات کا کسی قدر اندازہ ہوتا ہے۔

علمی انہماک : ان کی پوری زندگی علم میں ڈوبی ہوئی تھی۔ اس کے سوا ان کا کوئی مشغلہ نہ تھا۔ علمی انہماک میں وہ دنیا و مافیہا، حتیٰ کی بیوی تک سے بے خبر ہو جاتے تھے۔ جب گھر آتے تو کتابوں کے ڈھیر میں گم ہو جاتے تھے۔ ان کی بیوی نے ایک دن تنگ آ کر کہا، خدا کی قسم یہ کتابیں میرے لئے تین سو کنوں سے زیادہ تکلیف دہ ہیں۔

۱۔ تہذیب الاسماء۔ جلد اول۔ ص ۹۱ ۲۔ تذکرۃ الحفاظ۔ جلد اول۔ ص ۹۷ ۳۔ تہذیب الاسماء۔ جلد اول۔ ص ۹۲
۴۔ تذکرۃ الحفاظ۔ جلد اول۔ ص ۹۷ ۵۔ ابن خلکان۔ جلد اول۔ ص ۲۵۱

عہد قضا اور خلفاء سے تعلقات :

حضرت عبدالملک، عمر بن عبدالعزیز اور ہشام وغیرہ جو چھ خلفاء زہری کے زمانہ میں تھے، ان سب سے ان کے گہرے تعلقات تھے۔ اس کا آغاز عبدالملک سے ہوا۔ عبدالملک خود بڑا صاحب علم اور جوہر شناس تھا۔ اگر وہ خلیفہ ہو کر برباد نہ ہو گیا ہوتا تو عہد تابعین کا نہایت جلیل القدر عالم ہوتا۔ امام شعبی اس کے علمی کمالات کے اتنے معترف تھے کہ فرماتے تھے، میں جن لوگوں سے ملا عبدالملک کے سوال اپنے کو سب سے افضل پایا۔ عبدالملک کے سامنے جب میں کوئی حدیث بیان کرتا یا شعر پڑھتا تو وہ اس میں اضافہ کر دیتا۔

امام زہری سب سے اول ۸۰ھ میں عبدالملک کے پاس دمشق گئے۔ وہ ان کے علمی کمالات بہت متاثر ہوا۔ زہری مقروض تھے، ان کا کل قرض ادا کر دیا۔ قرض کی ادائیگی کے علاوہ اور بھی سلوک کئے اور انہیں دمشق کے عہد قضا پر ممتاز کیا۔ اس تعلق سے زہری کا دمشق میں مستقل قیام ہو گیا تھا اور وہ عبدالملک ہی کے ساتھ رہتے تھے۔ اموی خلفاء میں عبدالملک کے بعد عمر بن عبدالعزیز بڑے صاحب علم اور جوہر شناس تھے۔ وہ زہری کو بہت مانتے تھے۔ بلکہ انہوں نے تمام ممالک محروسہ میں اعلان کروایا تھا کہ سب لوگ ابن شہاب کی اقتداء کیا کریں کہ ان سے زیادہ سنت ماضیہ کا جاننے والا کوئی نہیں مل سکتا۔

امیر عبدالملک کی وفات کے بعد زہری اس کے لڑکے ہشام کے ساتھ رہنے لگے تھے۔ پھر ہشام کے لڑکے کے اتالیق ہو گئے تھے۔ ہشام پر بھی ان کا بڑا اثر تھا اور وہ انہیں بہت مانتا تھا۔ اس نے ہزاروں روپیہ ان کا قرض ادا کیا۔ ہشام کے ساتھ ان کی درباری گفتگو اور حاضر جوابی کے بعض دلچسپ واقعات تاریخوں میں مذکور ہیں۔

ایک دن یہ اور ابوالزناد ہشام کے دربار میں تھے۔ ہشام نے ان سے سوال کیا کہ اہل مدینہ کے وظیفے کس مہینہ میں تقسیم ہوا کرتے تھے۔ زہری نے لاعلمی ظاہر کی۔ اس نے ابوالزناد سے پوچھا۔ انہوں نے بتایا محرم میں۔ یہ جواب سن کر ہشام نے زہری سے کہا کہ ابو بکر! یہ علم تم کو آج حاصل ہوا، زہری نے بر جستہ جواب دیا، امیر المومنین کی مجلس ایسی ہی ہے کہ اس سے علمی استفادہ کیا جائے۔

۱۔ تذکرۃ الحفاظ۔ جلد اول۔ ص ۹۷ ۲۔ ابن خلکان۔ جلد اول۔ ص ۲۵۲ ۳۔ ایضاً۔ ص ۲۵۱ ۴۔ ایضاً
۵۔ تذکرۃ الحفاظ۔ جلس اول۔ ص ۹۷ ۶۔ ابن خلکان۔ جلد اول۔ ص ۲۵۱ ۷۔ تذکرۃ الحفاظ۔ جلد اول۔ ص ۹۹

فیاضی : فیاضی اور سیر چشمی زہری کا نمایاں وصف تھا۔ وہ دولت کی کوئی حقیقت نہ سمجھتے تھے۔ عمرو بن دینار کا بیان ہے کہ میں نے درہم و دینار کو زہری کی نگاہ سے زیادہ کسی کی نگاہ میں بے وقعت نہیں دیکھا۔ وہ اس کو اُونٹ کی میٹگی سے زیادہ نہ سمجھتے تھے۔ اسی کا نتیجہ تھا کہ بے دریغ روپیہ لٹاتے تھے اور بار بار مقروض ہو جاتے تھے۔ عبدالملک اور ہشام نے بارہا ان کا قرض ادا کیا، لیکن ان کی غلط خشیوں نے ان کو ہمیشہ مقروض رکھا۔ ولید بن محمد موقری کا بیان ہے کہ میں نے ایک مرتبہ زہری سے کہا کہ ابو بکر تم میں صرف ایک عیب قرض لینے کا ہے۔ جواب دیا مجھ پر قرض ہی کیا ہے۔ کل چالیس ہزار دینار کا قرض ہے اور میرے پاس چار غلام ہیں، جن سے ہر ایک چالیس ہزار سے زیادہ بہتر ہے اور صرف ایک پوتا میرا وارث ہے۔ میری تو تمنا یہ تھی کہ کسی کو میری وراثت نہ ملتی۔

وفات : ۱۳۳ھ میں یہ آفتابِ علم و عمل دنیا سے روپوش ہوا۔

حلیہ : قد پستہ تھا۔ سر پر کاکلین تھیں۔

(۶۸) محمد بن منکدرؒ

نام و نسب : محمد نام ہے۔ ابو عبد اللہ کنیت۔ نسب نامہ یہ ہے : محمد بن منکدر بن عبد اللہ بن ہدیر بن عبد العزیز ابن عامر بن حارث بن حارثہ بن سعد بن تیم بن مرہ تمیمی قرشی مدنی۔

فضل و کمال : محمد بن منکدر فضل و کمال اور زہد و تقویٰ میں نہایت بلند پایہ مقام رکھتے تھے۔ حافظ ذہبی لکھتے ہیں کہ ان کی ثقافت اور علمی و عملی برتری پر سب کا اتفاق ہے اور ان کے نام کے ساتھ امام شیخ الاسلام لکھتے ہیں۔ حافظ ابن حجر آئمہ اعلام میں لکھتے ہیں۔

قرأت : قرآن کے ممتاز قاری تھے۔ امام مالک انہیں سید القراء کہتے تھے۔

حدیث : حدیث کے بڑے نامور حافظ تھے۔ حافظ ذہبی امام وقت کے لقب سے یاد کرتے ہیں۔ حدیث میں انہوں نے صحابہ اور تابعین کی ایک بڑی جماعت سے فیض اٹھایا تھا۔ صحابہ کرام میں ابو ایوب انصاریؓ، انس بن مالکؓ، جابرؓ، ابو امامہ بن سہلؓ، ربیعہ بن عبد اللہ، عبد اللہ بن عمرؓ، عبد اللہ بن عباسؓ، عبد اللہ بن زبیرؓ، ابو قتادہؓ، سفینہؓ اور حضرت عائشہ صدیقہؓ اور تابعین میں سعید بن مسیبؓ،

۱۔ تہذیب التہذیب - جلد ۹ - ص ۴۷۳ ۲۔ تذکرۃ الحفاظ - جلد اول - ص ۱۱۳ ۳۔ تہذیب التہذیب -

عبید اللہ بن ابی رافع، عروہ بن زبیر، معاذ بن عبد الرحمن تمیمی، سعید بن عبد الرحمن بن یربوع اور ابوبکر بن سلیمان سے روایتیں کی ہیں۔

صحابہ میں بعض بزرگوں سے ان کی روایت مرسل ہیں۔ لیکن علماء کے نزدیک ان کی مراسلات دوسروں کی مرفوع روایت سے زیادہ لائق اعتماد ہیں۔ ابن عیینہ کا بیان ہے کہ وہ صدق کی کان تھے۔ صلحاء ان کے پاس جمع ہوتے تھے۔ میں نے ان کے سوا کسی کو اس کا اہل نہیں دیکھا کہ وہ قال رسول اللہ کہے اور بے چوں و چرا مان لیا جائے۔ ابراہیم کہتے تھے کہ وہ حفظ اتقان اور زہد کے انتہائی درجہ پر تھے۔

تلامذہ : جن لوگوں نے ان سے سماع حدیث کیا تھا، ان میں ان کے صاحبزادے یوسف اور منکدر اور بھتیجے ابراہیم اور عبد الرحمن اور عام مستفیدین میں عمرو بن دینار، امام زہری، ایوب انس بن عبید، سلمہ بن دینار، جعفر بن محمد صادق، محمد بن واسع، سعد بن ابراہیم، سہیل بن ابی صالح ابن جریج، علی بن زید، موکی بن عقبہ، ہشام بن عروہ اور یحییٰ بن سعید انصاری وغیرہ لائق ذکر ہیں۔

فقہ : فقہ و فتویٰ میں بھی پورا درک تھا۔ مدینہ الرسول کے صاحبِ افتاء تابعین میں ان کا شمار تھا۔ زہد و ورع : زہد و تقویٰ کا رنگ بہت گہرا تھا۔ اپنے نفس کی اصلاح کے لئے وہ بڑی سخت ریاضتیں کرتے تھے۔ مسلسل چالیس سال تک نفس پر ہر طرح کی سختیاں جھیلیں۔ امام مالک فرماتے تھے کہ وہ عابد و زاہد ترین لوگوں میں تھے۔ ابن حماد سنہلی لکھتے ہیں کہ ان کا گھر صلحاء اور عباد کا ماویٰ اور مخزن تھا۔

رقتِ قلب و اثر پذیریری :

ان کے دل میں اتنا گداز تھا کہ کلام اللہ کی موثر آیات پڑھ کر بے اختیار آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے تھے۔ ایک شب کو تہجد میں بہت روئے۔ صبح کو ان کے بھائیوں نے سبب پوچھا تو معلوم ہوا کہ اس آیت پر گریہ طاری ہوا تھا :

”بدأ لهم من الله مالم يکونوا یحتسبون“

”ان لوگوں کے لئے خدا کی جانب سے ایسی چیز ظاہر ہوگی، جس کا وہ ہم و گمان بھی نہ کرتے تھے۔“

حدیثوں سے تاثر کا بھی یہی حال تھا۔ امام مالکؒ کا بیان ہے کہ جب ان سے کوئی حدیث پوچھی جاتی تو وہ رونے لگتے تھے۔

حج کا ذوق : حج کا ذوق و شوق تھا کہ مقروض ہونے کی حالت میں بھی حج کرتے تھے۔ کسی نے اعتراض کیا کہ آپ قرض کا بار ہوتے ہوئے حج کرتے ہیں۔ فرمایا، حج خود ہی قرض کی ادائیگی میں سب سے بڑا معین و مددگار ہے۔ جب حج کو جاتے تھے تو تنہا نہ جاتے، بلکہ عورتوں اور بچوں سب کو ساتھ لے جاتے۔ کسی نے اس کے بارے میں کہا۔ فرمایا ان کو خدا کے سامنے پیش کرتا ہوں۔

ان کی زندگی کا اثر دوسروں پر :

ان کے دیکھنے سے نفس کی اصلاح ہوتی تھی۔ امام مالکؒ کا بیان ہے کہ جب میں اپنے قلب میں قساوت محسوس کرتا تھا تو جا کر ابن منکدر کو دیکھتا تھا۔ اس کا یہ اثر ہوتا تھا کہ چند دنوں تک نفس میری نگاہوں میں مغفوض ہو جاتا تھا۔

بہترین عمل اور بہترین دنیا :

کسی نے ان سے پوچھا۔ آپ کے نزدیک سب سے افضل کون سی شے ہے؟ فرمایا، مسلمانوں کو خوش کرنا۔ پوچھا سب سے پسندیدہ دنیا کون ہے۔ جواب دیا، دوستوں کے ساتھ سلوک کرنا۔

وفات : ۱۳۰ھ میں وفات پائی۔ عالم احتضار میں سخت رقت طاری ہوئی۔ فرمایا، مجھے اس آیت ”بدأ لهم من الله مالم يَكُونُوا يَحْتَسِبُونَ“ سے خوف ہے کہ مبادا میرے لئے بھی خدا کی جانب سے ایسی شے ظاہر ہو جو میرے وہم و گمان میں نہ ہو۔

(۶۹) مسروق ابن اجدعؒ

نام و نسب : مسروق نام ہے۔ ابو عائشہ کنیت۔ ان کے والد کا خاندانی نام اجدع اور اسلامی نام عبدالرحمن تھا، وہ یمن کے مشہور خاندان ہمدان کے سردار اور عرب کے نامور شہسوار معذیکرب کے عزیز تھے۔ نسب نامہ یہ ہے : مسروق بن اجدع (عبدالرحمن) بن مالک بن اُمیہ بن عبداللہ ابن مر بن سلیمان بن معمر بن حارث بن سعد بن عبداللہ بن وداعہ بن عمرو بن نانج ہمدانی۔

اسلام : مسروق نے جاہلیت اور اسلام دونوں کا زمانہ پایا۔ عہد رسالت میں موجود تھے۔ ان کے گھرانے کے اور افراد اسی عہد میں مسلمان ہو گئے تھے۔ خود ان کے عزیز عمرو بن معدیکرب نے مدینہ جا کر آنحضرت ﷺ کے دست حق پرست پر اسلام قبول کیا تھا^۱۔ لیکن مسروق اس عہد میں اس شرف سے محروم رہے۔ ان کے زمانہ اسلام کا صریح تذکرہ نہیں ملتا۔ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ عہد صدیقی میں مسلمان ہو چکے تھے۔ ابن سعد میں خود ان کی زبانی یہ روایت ملتی ہے کہ میں نے ابو بکر صدیقؓ کے پیچھے نماز پڑھی^۲۔

عہد فاروقی : عہد فاروقی میں مسروق نمایاں نظر آتے ہیں۔ فاروقی عہد میں ایک مرتبہ وہ یمن کے وفد میں مدینہ آئے۔ حضرت عمرؓ نے ان سے نام و نشان پوچھا۔ انہوں نے بتایا، مسروق ابن اجدع۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا، اجدع شیطان ہے۔ تم مسروق بن عبدالرحمن ہو۔ اس وقت سے ان کے والد کا نام بدل گیا۔

ایک روایت یہ ہے کہ حضرت عمرؓ نے ان سے نہیں بلکہ ان کے والد ہی سے نام پوچھ کر اجدع کے بجائے عبدالرحمن نام تجویز کیا تھا^۳۔ بہر حال ان دونوں روایتوں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ عہد فاروقی میں باپ بیٹے دونوں مدینہ آئے تھے۔

حضرت مسروق یمن کے نامور شہسواروں میں تھے۔ عہد فاروقی میں اپنے تین بھائی عبداللہ، ابوبکر اور منشر کے ساتھ قادیہ کے مشہور معرکہ میں شریک ہوئے۔ تینوں بھائی شہید ہوئے۔ مسروق کاڑتے لڑتے ہاتھ شل ہو گیا، اور سر میں گہرا زخم آیا، جس کا نشان ہمیشہ باقی رہا۔ اس نشان کو وہ بہت محبوب رکھتے تھے، کہ شجاعت و جانبازی کی سند تھا، اور اس کا مٹ جانا ناپسند کرتے تھے^۴۔

حضرت عثمانؓ کی حمایت :

لیکن ان کی یہ شجاعت و شہامت اسلام کی خدمت کے لئے اور غیروں کے مقابلہ میں تھی، مسلمانوں کی خانہ جنگی میں ان کی تلواریں یام میں رہی۔ عثمانی عہد کے ہنگاموں میں انہوں نے کسی جانب سے حصہ نہیں لیا، لیکن بحیثیت خیر خواہ اسلام کے وہ اپنے شہر (کوفہ) والوں کو اہل مدینہ کی اعانت اور حمایت پر آمادہ کرتے تھے^۵۔

حضرت عثمان کی شہادت کے بعد جب جنگ جمل کی تیاریاں شروع ہوئیں اور حضرت علیؑ نے حضرت حسنؑ اور عمار بن یاسرؓ کو حصول مدد کے لئے کوفہ بھیجا تو سب سے پہلے مسروق ان سے ملے اور عمار بن یاسرؓ سے پوچھا، ابوالیقظان تم لوگوں نے عثمان کو کس بات پر شہید کر دیا۔ انہوں نے جواب دیا، اپنی آبروریزی اور مار پر۔

حضرت مسروق نے کہا، ”خدا کی قسم تم لوگوں نے جتنی سزا پائی تھی، اس سے زیادہ انتقام لیا، اگر تم لوگوں نے صبر کیا ہوتا تو وہ صبر کرنے والوں کے لئے بہتر تھا“۔^۱

خانہ جنگی سے احتراز :

جنگ جمل سے خانہ جنگی کا جو سلسلہ شروع ہوا تھا وہ جنگ صفین تک جاری رہا۔ مسروق نے ان میں سے کسی میں حصہ نہیں لیا۔ کوفہ حضرت علیؑ کے حامیوں کا سب سے بڑا مرکز تھا۔ یہاں رہ کر مسروق کے لئے پچنا مشکل تھا اس لئے وہ اپنے کو بچانے کے لئے کوفہ چھوڑ کر قزوین چلے گئے تھے۔^۲

حضرت شعبی کا بیان ہے کہ مسروق کسی جنگ میں بھی حضرت علیؑ کے ساتھ نہ تھے۔ جب ان سے پوچھا جاتا کہ تم نے علیؑ کا ساتھ کیوں نہیں دیا تو کہتے ہیں تم لوگوں کو خدا کا واسطہ دلا کر پوچھتا ہوں کہ فرض کرو کہ جب ہم لوگ ایک دوسرے کے مقابلہ میں صف آرا ہوں اور فریقین اسلحہ نکال کر ایک دوسرے کو قتل کر رہے ہوں، اس وقت تمہاری آنکھوں کے سامنے آسمان میں کوئی دروازہ کھل جائے اور اس سے فرشتے اتر کر دونوں صفوں کے درمیان آکر کہیں :

”يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَاكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ إِلَّا أَنْ تَكُونَ تِجَارَةً

عَنْ تَرَاضٍ مِنْكُمْ وَلَا تَقْتُلُوا أَنْفُسَكُمْ إِنَّ اللَّهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيمًا“۔

”اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو تم ایک دوسرے کا مال باطل طریقہ پر نہ کھاؤ۔ مگر یہ کہ تمہاری رضامندی

سے تجارت سے حاصل ہو اور اپنے نفسوں کا ہلاک نہ کرو، اللہ تمہارے حال پر رحیم ہے۔“

تو ان کا یہ کہنا فریقین کے لئے جنگ سے مانع ہو گیا نہیں؟ لوگ جواب دیتے، ضرور ہوگا۔ اس وقت مسروق کہتے، ”خدا کی قسم تم کو معلوم ہونا چاہئے کہ خدا آسمان کا دروازہ کھول چکا ہے، اور اس کے راستہ سے ایک فرشتہ اتر کر تمہارے نبی ﷺ کی زبان سے یہ حکم سنا چکا ہے، جو صحائف میں موجود ہے، اور اس کو کسی شے نے منسوخ نہیں کیا ہے۔“^۳

ایک دوسری روایت میں عامر بیان کرتے ہیں کہ مسروق نے مجھ سے کہا کہ جب مومنین کی دو جماعتیں آپس میں لڑنے کے لئے صف بستہ ہوں، اور اس وقت آسمان سے کوئی فرشتہ نمودار ہو کر ندادے کہ

”يا ايها الذين امنوا لا تاكلوا اموالكم بينكم بالباطل“۔ الخ
 ”اے ایمان والو! ایک دوسرے کا مال باطل طریقہ سے نہ کھاؤ۔“

تو تمہارا کیا خیال ہے کیا لوگ جنگ کریں گے یا رک جائیں گے؟ میں نے کہا اگر وہ بے حس اور جامد پتھر نہیں ہیں تو ضرور رک جائیں گے۔ یہ جواب سن کر انہوں نے کہا، تو ”خدا کا ایک سماوی صفی اس حکم کے ساتھ ایک ارضی صفی پر نازل ہو چکا ہے۔ لیکن اس کے باوجود لوگ نہ رکنے، حالانکہ ایمان بالغیب یعنی مشاہدہ کے بعد کے ایمان سے بہتر ہے۔“

ایک روایت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہ نہ صرف خود کنارہ کش رہے، بلکہ عام مسلمانوں کو روکنے کے لئے صفین کے میدان تک گئے، اور دونوں صفوں کے درمیان میں کھڑے ہو کر وعظ سنا کر لوگوں کو جنگ سے روکتے تھے^۱۔ لیکن صحیح روایت یہ ہے کہ وہ خود نہیں شریک ہوئے اور کسی حیثیت سے صفین میں نہیں گئے۔

قضاءت : اموی دور میں کچھ دنوں قاضی رہے^۲۔

وفات : ۶۳ھ کے وسط میں مرض الموت میں مبتلا ہوئے۔ زندگی ہمیشہ متوکلانہ تھی۔ دولت دنیا سے کبھی دامن آلود نہ ہوا تھا۔ قضاءت کے زمانہ میں بھی کوئی معاوضہ نہ لیتے تھے^۳۔ اس لئے کفن تک کی کوڑی نہ تھی۔

حضرت شععی کا بیان ہے کہ مسروق نے مرتے وقت کفن تک کی قیمت نہ چھوڑی اور اس کے لئے قرض کی وصیت کی، مگر یہ ہدایت کردی کہ زراعت پیشہ اور چرواہے سے نہ لیا جائے بلکہ مویشی رکھنے والے یا تجارت پیشہ سے لیا جائے۔ دم آخر بارگاہ ایزدی میں عرض کیا، ”خدا یا میں رسول اللہ ﷺ اور ابو بکرؓ و عمرؓ کی سنت کے خلاف طریقہ پر نہیں مر رہا ہوں۔ خدا کی قسم میں نے اپنی تلوار کے علاوہ کسی انسان کے پاس کوئی سونا اور چاندی نہیں چھوڑا ہے۔ اسی کے ذریعہ مجھے کفنا تھا۔“ غالباً اس سے تلوار بیچ کر روپیہ حاصل کرنے کی طرف اشارہ تھا۔

ان وصایا کے بعد سلسلہ وسط میں وفات پائی اور یہیں سپرد خاک کئے گئے۔ ان کی وفات کے بعد بھی ان کا روحانی فیض جاری رہا۔ خشک سالی کے مواقع پر خلق اللہ ان کے مزار پر انوار پر جمع ہو کر پانی کے لئے دعا کرتی تھی اور اس کی برکت سے پانی برستا تھا۔

فضل و کمال : علمی اعتبار سے علمائے تابعین میں تھے۔ انہیں آغاز عمر ہی سے طلب علم کا ذوق تھا۔ شععی کا بیان ہے کہ ان سے زیادہ علم کا طلب کرنے والا کوئی نہ تھا۔ خوش قسمتی سے انہیں حضرت عائشہ صدیقہؓ جیسی شفیق اور فاضلہ ماں مل گئیں تھیں، جو انہیں لڑکے کی جگہ سمجھتی تھیں۔ مسروق کے ساتھ ان کو مادرانہ محبت تھی۔

بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے ان کو متنی بنالیا تھا۔ مگر صحیح نہیں ہے، اس میں شبہ ہے کہ مسروق پر وہ غیر معمولی شفقت فرماتی تھیں اور انہیں بیٹا کہہ کر پکارتی تھیں، جب وہ ان کی خدمت میں حاضر ہوتے تو شہد سے ان کی تواضع کرتی تھیں۔

ایک مرتبہ مسروق چند آدمیوں کے ساتھ حضرت عائشہ صدیقہؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ انہوں نے حکم دیا کہ میرے لڑکے کے لئے شہد گھولو۔ حضرت عائشہؓ کے بعد مسروق نے ابن مسعودؓ کے خرمین کمال سے خصوصیت کے ساتھ خوش چینی کی تھی اور ان کے نہایت ممتاز اصحاب میں تھے۔ ابن مدائنی کا بیان ہے کہ میں عبد اللہ ابن مسعود کے اصحاب میں مسروق پر کسی کو ترجیح نہیں دیتا۔

مسروق کے ذاتی شوق و جستجو اور ان دونوں بزرگوں کے فیض صحبت نے مسروق کو علماء اعلام میں بنادیا۔ حافظ ذہبی ان کو فقیہ اور علمائے اعلام میں لکھتے ہیں۔ علامہ نووی لکھتے ہیں کہ ان کی جلالت، توثیق، فضیلت اور امامت پر سب کا اتفاق ہے۔ مرہ کہا کرتے تھے کہ کوئی ہمدانی عورت مسروق جیسا فرزند پیدا نہ کر سکی۔

حدیث و سنت : حدیث و سنت میں مسروق کا علم خاصہ وسیع تھا۔ علامہ ابن سعد لکھتے ہیں، "كانت له احاديث صالحة" اس فن میں انہوں نے حضرت عائشہ صدیقہؓ اور ابن مسعودؓ کے علاوہ حضرت ابوبکر صدیقؓ، حضرت عمر فاروقؓ، حضرت عثمان غنیؓ، حضرت علی مرتضیٰؓ، معاذ بن جبلؓ، ابی بن کعبؓ، زید بن ثابتؓ، خباب بن ارتؓ، عبد اللہ بن عمرؓ، ابن عمرو بن العاصؓ، مغیرہ بن شعبہؓ وغیرہ

۱۔ ابن سعد۔ جلد ۶۔ ص ۵۶ ۲۔ تہذیب الاسماء۔ جلد اول۔ ص ۸۸ ۳۔ تذکرۃ الحفاظ۔ جلد اول۔ ص ۴۲
۴۔ ابن سعد۔ جلد ۶۔ ص ۵۲ ۵۔ تذکرۃ الحفاظ۔ جلد اول۔ ص ۴۲ ۶۔ ایضاً
۷۔ تہذیب الاسماء۔ جلد اول۔ ص ۸۸ ۸۔ ابن سعد۔ جلد ۶۔ ص ۵۲ ۹۔ ایضاً

جیسے اکابر صحابہ سے فیض پایا تھا۔ حدیث کے ساتھ وہ سنت کی تعلیم بھی دیتے تھے۔
فقہ و فتاویٰ : مسروق کا خاص فن فقہ تھا۔ اس میں وہ امامت و اجتہاد کا درجہ رکھتے تھے۔ وہ عبد اللہ ابن مسعود کے ان اصحاب میں تھے، جن کا شغل ہی درس و افتاء تھا۔

افتاء میں قاضی شریح ان سے مشورہ لیا کرتے تھے۔ شععی کا بیان ہے کہ مسروق افتاء میں شریح سے فائق تھے، وہ ان سے مشورہ لیا کرتے تھے، اور خود ان کے مشورہ سے بالکل بے نیاز تھے۔
قضاءت : اس فقہی کمال کی بنا پر انہیں قضاءت میں خاص ملکہ تھا اور یہ مشغلہ ان کے پسند خاطر بھی تھا۔ قاضی شریح کا فیصلوں میں ان سے مشورہ لینا، اس سے بڑی سند ہے۔ اوپر گزر چکا ہے، وہ اُموی دور میں کچھ دنوں قاضی بھی رہے۔ انہیں قضاء سے اس قدر ذوق تھا کہ کہا کرتے تھے کہ مجھے کسی قضیہ میں صحیح اور حق کے موافق فیصلہ کرنا ایک سال کے جہاد فی سبیل اللہ سے زیادہ پسند ہے۔

فضائل اخلاق : علم کے ساتھ مسروق عمل اور فضائل اخلاق کے زیور سے بھی آراستہ تھے۔
خشیتِ الہی : تمام محاسن اخلاق کا سرچشمہ خشیتِ الہی ہے۔ مسروق اہل علم خوفِ خدا کو سمجھتے تھے اور اس کے مقابلہ میں غرورِ عمل کو جہل تصور کرتے تھے۔ چنانچہ فرماتے تھے کہ انسان کے لئے یہ علم کافی ہے کہ وہ خدا سے ڈرتا رہے اور جہل یہ ہے کہ اپنے علم پر غرور کرے۔
عبادت و ریاضت :

عابد مرتاض تھے۔ بڑی ریاضت کرتے تھے۔ نمازوں کی کثرت سے دونوں پاؤں ورم کر آتے تھے۔ خاص خاص زمانوں میں ان کی عبادت اور زیادہ بڑھ جاتی تھی۔ طاعون کی وباء کے زمانے میں وہ عبادت کے لئے گوشہ تنہائی اختیار کر لیتے تھے۔ بعض لوگوں کو یہ شبہ ہوتا تھا کہ طاعون کی وجہ سے ہٹ گئے ہیں، حالانکہ اس کی غرض عبادت ہوتی تھی۔

حضرت ابن سیرین کا بیان ہے کہ ہم لوگوں کو معلوم ہوا کہ مسروق طاعون سے بھاگتے تھے۔ لیکن محمد کو اس کا یقین نہ آیا۔ انہوں نے کہا، ان کی بیوی سے چل کر پوچھنا چاہئے۔ چنانچہ ہم لوگوں نے جا کر ان سے پوچھا۔ انہوں نے کہا خدا کی قسم ایسا نہیں ہے۔ وہ کبھی بھی طاعون سے نہیں بھاگتے تھے۔ البتہ جس زمانہ میں طاعون کی وباء پھیلتی تو وہ کہتے کہ یہ شغل و ذکر کے ایام ہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ تنہائی میں

۳ ابن سعد۔ جلد ۶۔ ص ۵۵

۲ ایضاً۔ ص ۱۱۱

۱ تہذیب المعتمد۔ جلد ۱۰۔ ص ۱۱۰

۴ ایضاً۔ ص ۵۴

۵ ابن سعد۔ جلد ۶۔ ص ۵۵

۶ تذکرۃ الحفاظ۔ جلد اول۔ ص ۳۳

عبادت کروں۔ چنانچہ وہ عبادت کرنے کے لئے گوشہ خلوت اختیار کر لیتے تھے اور اپنے نفس کے اوپر ایسی سختیاں کرتے تھے کہ بسا اوقات میں ان کی حالت دیکھ کر ان کے پیچھے بیٹھ کر روتی تھی۔ حج کے زمانہ میں جب تک مکہ میں رہتے اس وقت سجدہ ہی میں سوتے تھے۔^۱

توبہ استغفار : وہ اپنے نفس کا محاسبہ اور گناہوں کو یاد کر کے ان کے لئے استغفار کرنا ضروری سمجھتے تھے۔ چنانچہ فرماتے تھے کہ انسان کے لئے ایسی مجالس ہونی چاہئیں جن میں بیٹھ کر وہ اپنے گناہوں کو یاد کر کے خدا سے استغفار کرے۔^۲

دنیا کی حقیقت : ان کی نگاہ میں دنیا کی کوئی حقیقت نہ تھی۔ وہ اس کو ایک مزبلہ سے زیادہ وقعت نہ دیتے تھے۔ ایک مرتبہ اپنے بھتیجے کا ہاتھ پکڑ کر ایک مزبلہ پر لے گئے اور فرمایا، میں تم کو دنیا دکھاؤں۔ دیکھو یہ دنیا ہے کہ اس کو کھا کر دفن دیا، پہن کر پرانا اور بوسیدہ کر دیا، سوار ہو کر لاغر کر دیا، اس کے لئے خون بہایا، محارم اللہ کو حلال اور حرم کو قطع کیا۔^۳

دنیا سے بے تعلقی :

اسی لئے دنیا کی جانب ان کا دل کبھی مائل نہ ہوا اور کسی دنیاوی شے میں ان کے لئے کوئی کشش نہ تھی۔ حضرت سعید بن جبیرؓ ان کے ہم مذاق و ہم مشرب تھے۔ ان میں اور مسروقؓ میں راز و نیاز کی باتیں ہوا کرتی تھیں۔ ابن جبیر کا بیان ہے کہ مسروقؓ نے ایک مرتبہ مجھ سے کہا، سعید اب کوئی ایسی شے نہیں، جس کی جانب میلان خاطر باقی ہو بجز اس کے کہ اپنے چہروں کو اسی مٹی میں آلود کریں۔^۴

دولت دنیا سے بے نیازی :

اس دل شکستگی کی وجہ سے وہ دولت دنیا سے ہمیشہ بے نیاز رہے۔ ان کی خدمت کرنا چاہتے تھے، لیکن وہ قبول نہ کرتے تھے۔ ایک مرتبہ خالد بن اسیدؓ نے ان کے پاس میں ہزار کی رقم بھیجی۔ انہوں نے اس کے قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ ان کے اعزہ نے بہت سمجھایا کہ لے لیجئے، اس کو صدقہ کیجئے گا۔ عزیزوں کے ساتھ سلوک کیجئے گا اور اس قبیل کے دوسرے کاموں میں لائیے گا۔ مگر انہوں نے کسی طرح قبول نہ کیا۔^۵

۱۔ ابن سعد۔ جلد ۶۔ ص ۵۴

۲۔ تذکرۃ الحفاظ۔ جلد اول۔ ص ۳۳

۳۔ ابن سعد۔ جلد ۶۔ ص ۵۴

۴۔ ایضاً۔ ص ۵۴

۵۔ ابن سعد۔ جلد ۶۔ ص ۱۳۶

۶۔ ایضاً۔ ص ۵۵

توکل و قناعت :

اس بے نیازی کی وجہ سے کبھی کبھی فاقہ کی نوبت آ جاتی تھی۔ لیکن توکل کا دامن ہاتھ سے نہ چھوٹتا تھا۔ ایک مرتبہ گھر میں کھانے کے لئے کچھ نہ تھا۔ بیوی نے کہا عائشہ کے باپ آج تمہارے بال بچوں کے کھانے کو کچھ نہیں ہے۔ یہ سن کر مسروق مسکرائے اور کہا خدا کی قسم وہ ضرور ان کے لئے رزق کا انتظام کرے گا۔^۱

نفاق فی سبیل اللہ :

اس قناعت اور توکل کے باوجود بڑے فیاض اور سیرچشم تھے۔ جب انہیں کوئی رقم ہاتھ آ جاتی تھی تو اس کو خدا کی راہ میں صرف کر دیتے تھے۔ اپنی لڑکی کی شادی سائب بن اقرع کے ساتھ کی، اور ان سے مہر کے علاوہ دس ہزار اپنے لئے حاصل کئے۔ یہ کل رقم مجاہدین فی سبیل اللہ، مساکین اور مکاتب، غلاموں کی آزادی کے لئے مخصوص کر دی تھی۔^۲

احتیاط : اتنے محتاط تھے کہ ادنیٰ ادنیٰ باتوں میں احتیاط ملحوظ رکھتے تھے۔ جب کشتی پر سوار ہونے لگتے تو طہارت کے خیال سے ایک اینٹ ساتھ لے لیتے۔ جس پر سجدہ کرتے۔ جس کا کوئی کام ان سے نکلتا تھا، اس سے ہدیہ تک قبول نہ کرتے تھے۔

ایک مرتبہ کسی معاملہ میں ایک شخص کی سفارش کی، اس نے شکریہ میں ایک لونڈی لا کر پیش کی۔ یہ اسے دیکھ کر سخت برہم ہوئے اور کہا اگر مجھے پہلے تمہارے اس خیال کا علم ہوتا، تو میں کبھی تمہاری سفارش نہ کرتا۔ جتنی سفارش کر چکا، وہ کر چکا۔ اب جتنی ضرورت اور باقی رہ گئی ہے، اس کے بارے میں میں کچھ نہ کہوں گا۔ میں نے عبداللہ بن مسعود سے سنا ہے کہ جو شخص کسی کا حق دلانے یا ظلم کے انسداد کے لئے کسی کی سفارش کرے اور اس کے معاوضہ میں اس کو ہدیہ دیا جائے اور سفارش کرنے والا قبول کر لے تو وہ ہدیہ اس پر حرام ہے۔^۳

(۷۰) مسعر بن کدام

نام و نسب : مسعر نام ہے۔ ابو سلمہ کنیت۔ نسب نامہ یہ ہے : مسعر بن کدام بن ظہیر بن عبید اللہ بن حارث ابن عبد اللہ بن عمرو بن عبد مناف بن ہلال بن عامر بن صعصعہ قرشی عامری۔

فضل و کمال : مسعر علمی اور مذہبی دونوں کمالات کے اعتبار سے ممتاز ترین تابعین میں تھے۔
یعلیٰ بن مرہ کا بیان ہے کہ مسعر کی ذات علم اور ورع کی جامع تھی^۱۔

عراق میں ان کے پایہ کے علماء کم تھے۔ ہشام بن عروہ کا بیان ہے کہ عراقیوں میں مسعر اور ایوب سے افضل ہمارے یہاں کوئی نہیں آیا^۲۔ امام نووی لکھتے ہیں کہ ان کی جلالت پر سب کا اتفاق ہے^۳۔

حدیث : حدیث کے وہ اکابر حفاظ میں تھے^۴۔ امام ذہبی انہیں حافظ اور علمائے اعلام میں لکھتے ہیں۔ ان کے حافظہ میں ایک ہزار حدیثیں محفوظ تھیں^۵۔

حدیث میں انہوں نے عمرو بن سعید نخعی، ابوالحق سبیعی، عطاء، سعید بن ابراہیم، ثابت ابن عبید اللہ انصاری، عبد الملک بن نمیر، ہلال بن خباب، حبیب بن ابی ثابت، علقمہ بن مرشد، قتادہ، عن بن عبد الرحمن، بن مقدم بن شریح اور اعمش وغیرہ ایک کثیر جماعت سے استفادہ کیا تھا^۶۔

ان کی مرویات کا پایہ :

ان کی مرویات کی صحت کے لئے یہ کافی ہے کہ شعبہ کے پایہ کے محدث انہیں مصحف کہتے تھے^۷۔ ان کی ذات ہی احادیث کی جانچ کے لئے معیار تھی۔ چنانچہ میزان ان کا لقب ہو گیا تھا^۸۔

کم ایسے محدثین نکلیں گے، جس کی مرویات پر کسی نہ کسی حیثیت سے تنقید نہ کی گئی ہو۔ لیکن مسعر کی ذات اس سے مستثنیٰ تھی^۹۔

آئمہ حدیث شک اور اختلاف کے موقع پر ان کی طرف رجوع کرتے تھے۔ سفیان ثوری کا بیان ہے کہ جب ہم لوگوں میں (حدیث کی) کسی چیز کے بارے میں اختلاف ہوتا تھا تو مسعر سے پوچھتے تھے^{۱۰}۔ ابراہیم سعد کہتے تھے کہ جب سفیان اور شعبہ میں کسی کے بارے میں اختلاف ہوتا تھا تو میزان مسعر کے پاس جاتے تھے^{۱۱}۔

۱۔ تذکرۃ الحفاظ۔ جلد اول۔ ص ۱۷۰ ۲۔ تہذیب التہذیب۔ جلد ۱۰۔ ص ۱۱۴ ۳۔ تہذیب الاسماء۔ جلد اول۔
ق اورل۔ ص ۸۹ ۴۔ تذکرۃ الحفاظ۔ جلد اول۔ ص ۱۶۹ ۵۔ ایضاً ۶۔ تہذیب التہذیب۔ جلد ۱۰۔ ص ۱۳
وتہذیب الاسماء ۷۔ تذکرۃ الحفاظ۔ جلد اول۔ ص ۱۷۰ ۸۔ تہذیب التہذیب۔ جلد اول۔ ص ۱۱۴
۹۔ ایضاً ۱۰۔ تہذیب الاسماء۔ جلد اول۔ ص ۸۹

احتیاط : اس محدثانہ کمال کے باوجود وہ روایت حدیث میں بڑے محتاط تھے۔ اس ذمہ داری سے وہ اس قدر گھبراتے تھے کہ فرماتے تھے کہ ”کاش میرے سر پر شیشوں کا بار ہو جس کے گر کر چور چور ہو جائیں۔“ ان کی احتیاط شک کے درجہ تک پہنچ گئی تھی۔^۱

ابونعیم کا بیان ہے کہ مسعر اپنی احادیث میں بڑے شکی تھے، لیکن وہ کوئی غلطی نہ کرتے تھے۔ اعمش کہا کرتے تھے کہ مسعر کا شیطان ان کو کمزور کر کے شک دلاتا رہتا تھا۔^۲

ان کے اس شک نے ان کی احادیث کا درجہ اتنا بلند کر دیا تھا کہ محدثین ان کے شک کو یقین کا درجہ دیتے تھے۔ اعمش سے بعض لوگوں نے کہا کہ مسعر اپنی حدیثوں میں شک کرتے ہیں۔ انہوں نے کہا ان کا شک اوروں کے یقین کے برابر ہے۔^۳

فقہ : فقہ میں اگرچہ کوئی قابل ذکر شخصیت نہ تھی، تاہم کوفہ کی صاحبِ افتا جماعت میں تھے۔

حلقہ درس : مسجد میں حلقہ درس تھا۔ عبادت کے معمولات کے بعد روزانہ مسجد میں بیٹھ جاتے تھے اور شائقین حدیث ارد گرد حلقہ باندھ کر استفادہ کرتے تھے۔^۴

زہد و عبادت :

ان کی ماں بڑی عابدہ تھیں۔ ان کے فیضِ تربیت کا مسعر پر بڑا گہرا اثر پڑا تھا۔ ان کی ماں بھی مسجد میں نماز پڑھتی تھیں۔ اکثر دونوں ماں بیٹے ایک ساتھ مسجد میں جاتے۔

مسعر عمدہ لئے ہوتے تھے۔ مسجد پہنچ کر ماں کے لئے عمدہ بچھا دیتے۔ جس پر کھڑے ہو کر وہ نماز پڑھتیں۔ مسعر علیحدہ مسجد کے اگلے حصہ میں نماز میں مشغول ہو جاتے۔ نماز تمام کرنے کے بعد ایک مقام پر بیٹھ جاتے اور شائقین حدیث آکر جمع ہو جاتے۔ مسعر انہیں حدیثیں سناتے۔ اس درمیان میں ان کی ماں عبادت سے فارغ ہوتیں۔

مسعر درس سے فارغ ہونے کے بعد ماں کا عمدہ اٹھاتے اور ان کے ساتھ گھر واپس آتے۔^۵ ان کے صرف دو ٹھکانے تھے۔^۶ گھر یا مسجد۔ کثرتِ عبادت سے پیشانی پر اونٹ کے گھٹے کی طرح موٹا گھٹا پڑ گیا تھا۔^۷

۱۔ تذکرۃ الحفاظ۔ جلد اول۔ ص ۱۷۰
 ۲۔ تہذیب و تہذیب۔ جلد ۱۰۔ ص ۱۱۲
 ۳۔ تذکرۃ الحفاظ۔ جلد اول۔ ص ۱۷۹
 ۴۔ ابن سعد۔ جلد ۶۔ ص ۲۵۳
 ۵۔ ایضاً۔ ص ۲۵۴
 ۶۔ تذکرۃ الحفاظ۔ جلد اول۔ ص ۱۷۰
 ۷۔ ایضاً

روزانہ نصف قرآن کی تلاوت کرتے تھے۔ ان کے صاحبزادے محمد کا بیان ہے کہ والد آدھا قرآن ختم کئے بغیر نہ سوتے تھے۔ وہ کسی درجہ پر پہنچ کر زکے نہیں اور ان کے روحانی مدارج ہمیشہ ترقی پذیر رہے۔

ابن عیینہ کا بیان ہے کہ میں نے مسعر کو خیر میں ہر روز ترقی کرتے دیکھا۔ معن کا بیان ہے کہ ہم نے ہر دن پہلے دن سے افضل پایا۔ وہ عبادت و ریاضت اور فضائل اخلاق کے اس درجہ پر پہنچ گئے کہ لوگ ان کے جنتی ہونے میں کوئی شک نہ کرتے تھے۔ حسن بن عمارہ کہا کرتے تھے کہ اگر مسعر کے جیسے آدمی بھی جنت میں داخل نہ ہوں تب تو جنتیوں کی تعداد بہت ہی کم ہوگی۔

ابن مبارک یا کسی اور اسی درجہ کے کسی بزرگ نے ان کے فضائل سے متاثر ہو کر ان کی شان میں یہ اشعار کہے تھے۔

من کان ملتصفا جلیسا صلحا	فلیات حلقة مسعر بن کدام
جس شخص کو اچھے جلس کی تلاش ہو	اس کو مسعر بن کدام کے حلقہ میں آ جانا چاہئے
فیہا السکینة والوقار و اہلہا	اہل العفاف و علیہ الاقوام
اس میں سکینہ ہمارو وقار ہے اور اس کے ارکان	پاکباز اور اُدنیچے درجے کے ہیں

دولت دنیا سے بے نیازی :

دنیا اور اس کے شان و شکوہ سے بالکل بے نیاز تھے۔ چنانچہ حکومت کے عہدوں کو وہ آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھتے تھے۔ ابو جعفر عباسی آپ کا عزیز تھا۔ اس نے ان کو کسی مقام کا والی بنانا چاہا۔ انہوں نے کہا میرے گھر والے تو مجھے دو درہم سودا لانے کے لائق بھی نہیں سمجھتے، اور کہتے ہیں ہم تمہارا دو درہم کا سودا کرنا بھی نہیں پسند کرتے، اور تم مجھے والی بنانا چاہتے ہو۔ خدا تم کو صلاحیت دے۔ ہماری قربت داری ہے، اس لئے ہمارا حق ہے کہ ہم بھی کچھ کہہ سکیں۔ ان کے اس عذر پر ابو جعفر نے ان کو اس خدمت سے معاف کر دیا۔

خوش اخلاقی : نہایت خوش اخلاق تھے۔ دوسروں کے جذبات کا بڑا لحاظ رکھتے تھے۔ جب کبھی انہیں کوئی ایسی حدیث سنا تا جس سے وہ خود اس شخص سے زیادہ واقف ہوتے، وہ محض اس کی دل شکنی اور احترام حدیث کے خیال سے انجان بن کر نہایت خاموشی سے سنتے تھے۔

وقات : باختلاف روایت ۱۵۵ھ یا ۱۵۵ھ میں کوفہ میں وفات پائی۔

۱۔ تذکرۃ الحفاظ۔ جلد اول۔ ص ۱۷۰	۲۔ ایضاً۔	۳۔ ایضاً۔ ص ۱۶۹	۴۔ ایضاً۔ ص ۱۷۱
۵۔ تذکرۃ الحفاظ۔ جلد اول۔ ص ۱۷۰	۶۔ ابن سعد۔ جلد ۶۔ ص ۳۵۳	۷۔ ایضاً	

(۷) مسلم بن یسارؓ

نام و نسب: مسلم نام ہے۔ ابو عبد اللہ کنیت۔ مشہور صحابی حضرت طلحہ بن عبید اللہ تمیمی کے غلام تھے۔ فضل و کمال: حضرت طلحہ عشرہ مبشرہ میں ہیں۔ ان کی ذات علم و عمل کا مجمع البحرین تھی۔ ان کی غلامی کے فیض اور مدینہ الرسول کے قیام سے مسلم کا دامن علم و عمل کی دولت سے معمور ہو گیا تھا۔ علامہ ابن سعد لکھتے ہیں، ”کان مسلم ثقفا فاضلا عابدا ورعا“ مسلم ثقہ فاضل، عبادت گزار اور ورع تھے۔ ابن عون کا بیان ہے کہ اس زمانہ میں مسلم پر کسی کو فضیلت نہیں دی جاتی تھی۔

حدیث: مدینہ کے قیام کی وجہ سے حضرت عبد اللہ بن عباسؓ اور ابن عمرؓ جیسے اکابر امت اور ابی الاشعث صنعانی، حمران بن ابی لبان وغیرہ سے حدیث میں استفادہ کا موقع ملا تھا۔

حضرت ثابت البنانی، یعلیٰ بن حکیم، محمد بن سیرین، ایوب سختیانی، ابو نصرہ بن قتادہ، صالح ابو الخلیل، محمد بن واسع، عمرو بن دینار اور آبا بن ابی عیاش جیسے علماء ان کے زمرہ تلامذہ میں تھے۔ فقہ: فقہ میں ان کا پایہ نہایت بلند تھا۔ ان کا شمار بصرہ کے ان پانچ فقہاء میں تھا جو اپنے زمانہ کے امام سمجھے جاتے تھے۔

فضائل اخلاق: ان کے علم سے زیادہ ان کا عمل تھا۔ ابن سعد ان کو عابد اور متودع لکھتے ہیں۔ ابن حبان کا بیان ہے کہ وہ بصرہ کے عبادت گزار بزرگوں میں تھے۔

شرط ایمان: آپ کے نزدیک ایمان باللہ کے لئے ضروری تھا کہ اس کی تمام ناپسندیدہ چیزوں کو ترک کر دیا جائے۔ چنانچہ فرماتے تھے، میری سمجھ میں نہیں آتا کہ بندہ کا ایمان کس کام آسکتا ہے، اگر وہ خدا کی ناپسندیدہ باتوں کو نہیں چھوڑتا۔

نماز میں ذوق و استغراق:

ان کی نماز بڑے کیف اور استغراق کی ہوتی تھی۔ جب نماز کے لئے کھڑے ہوتے تھے، تو ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے ان کو نور القا ہو رہا ہے۔ ابن عون کا بیان ہے کہ جب وہ نماز میں ہوتے تھے تو بے جان لکڑی معلوم ہوتے تھے۔ بدن اور کپڑے میں ذرا حرکت نہ ہوتی تھی۔ نماز کی حالت میں

۱۔ ابن سعد۔ جلد ۷۔ ق اول۔ ص ۱۳۷ ۲۔ تہذیب المعجم۔ جلد ۱۰۔ ص ۱۳۰ ۳۔ ایضاً ۴۔ ایضاً

۵۔ تہذیب الاسماء۔ جلد اول۔ ق اول۔ ص ۹۳ ۶۔ ابن سعد۔ جلد ۶۔ ق اول۔ ص ۱۷۳

۷۔ تہذیب المعجم۔ جلد ۱۰۔ ص ۱۳۱ ۸۔ ابن سعد۔ جلد ۷۔ ق اول۔ ص ۱۳۶

دین - جلد ۱ - حق اہل و برائین کے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

حلم و متانت : نہایت معین اور حلیم الطبع تھے۔ اشتعال کے موقع پر بھی زبان سے کوئی ناروا کلمہ نہ نکلتا تھا۔ کبھی کسی کو گالی نہیں دی۔ غیظ و غضب کے موقع پر جو سب سے زیادہ لغت لفظ ان کی زبان سے نکلتا تھا، وہ یہ تھا کہ ”اب مجھ سے قطع تعلق کر لو“۔ جب وہ الفاظ کہہ دیتے تو لوگوں کو معلوم ہو جاتا کہ اس کے بعد غصہ کا کوئی درجہ باقی نہیں رہ گیا ہے۔

فتنہ اشعث کے ابتلاء پر تاسف :

اس متانت طبع کا نتیجہ یہ تھا کہ شور و شر اور جنگ و جدال کو سخت ناپسند کرتے تھے۔ لیکن محمد بن اشعث کی شورش میں جس میں متعدد اکابر تابعی مبتلا ہو گئے تھے، ان دامن میں محفوظ نہ رہ سکا اور اس میں وہ شریک ہو گئے تھے۔ گو اس میں بھی انہوں نے تلوار نہیں اٹھائی لیکن محض شرکت پر سخت متاسف تھے۔

ابو قلابہ کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ مکہ کے سفر میں میرا اور مسلم کا ساتھ ہوا۔ انہوں نے اشعث کے فتنہ کا ذکر کر کے کہا، الحمد للہ میں نے اس فتنہ میں نہ کوئی تیر پھینکا، نہ نیزہ مارا اور نہ تلوار چلائی۔ میں نے کہا، لیکن یہ بتائیے کہ ان لوگوں کا کیا انجام ہوگا، جنہوں نے آپ کو صف میں کھڑا دیکھ کر کہا کہ مسلم بن یسار اس جنگ میں ہیں اور وہ ناحق کسی معاملہ میں شریک نہیں ہو سکتے۔ یہ خیال کر کے وہ لڑے اور مارے گئے؟ یہ سن کر وہ بے تحاشہ رونے لگے۔ ان کی یہ حالت دیکھ کر مجھے ندامت ہوئی کہ میں نے ایسا کیوں کہا۔

وفات : عمر بن عبد العزیز کے عہد خلافت ۱۰۰ھ یا ۱۰۱ھ میں وفات پائی۔

(۷۲) مطرف بن عبد اللہ

نام و نسب : مطرف نام ہے۔ ابو عبد اللہ کنیت ہے۔ نسب نامہ یہ ہے : مطرف بن عبد اللہ بن الشخیر بن عوف بن کعب بن وفدان بن الحریش بن کعب بن ربیعہ بن عامر صعصعہ۔

پیدائش : مطرف عہد نبوی میں پیدا ہو گئے تھے۔ لیکن صغریٰ یا بعد مسافت کی وجہ سے شرف زیارت سے محروم رہے۔

ذوق : مطرف کو تحصیل علم کا بڑا ذوق و شوق تھا۔ اس کے فضل کو وہ عبادت کے فضل سے زیادہ پسند کرتے تھے۔

فضل و کمال : اس ذوق نے ان کو علمی کمالات، زہد و ورع اور تہذیب اخلاق جملہ فضائل و کمالات کا پیکر بنادیا تھا۔ علامہ ابن سعدؒ لکھتے ہیں کہ ان کی ذات فضل و ورع، روایہ اور عقل و ادب سب جمع تھے۔^۱

حدیث : ان کے زمانہ میں صحابہ کی بڑی تعداد موجود تھی اور انہوں نے ان کے فیوض و برکات سے پورا استفادہ کیا۔ چنانچہ حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ، ابوذرؓ، عمار بن یاسرؓ، عبداللہ بن مغفلؓ، عثمان بن ابی العاصؓ، عمران بن حصینؓ، معاویہ بن ابی سفیانؓ اور حضرت عائشہؓ سے حدیثیں روایت کی ہیں۔ ان سے فیض پانے والوں میں ان کے بھائی ابو العلاء، یزید، بھتیجے عبداللہ بن ہانی اور حسن بصری حمید بن بلال، ابونصرہ، غیلان بن جریر، سعید بن ابی ہند، محمد بن واسع، ابوالتیاح، ثابت البنانی، عبدالکریم بن رشید، سعید الحریری اور ابوسلمہ، سعید بن یزید وغیرہ لائق ذکر ہیں۔^۲

فقہ : فقہ میں پورا ادراک حاصل تھا۔ بصرہ کے مفتیوں میں تھے۔^۳

زہد و ورع : ان کے علم کے مقابلہ میں ان کے علم اور زہد و ورع کا پلہ بھاری تھا۔ علامہ ابن سعدؒ انہیں متورعین میں لکھتے ہیں۔^۴ عجلی لکھتے ہیں کہ وہ کبار تابعین میں اور راجل صالح تھے۔ ابن حبان کا بیان ہے کہ وہ بصرہ کے عابد و زاہد تابعین میں تھے۔^۵

شور و فتن سے اجتناب :

اس زہد و ورع کی وجہ سے وہ شور و انقلاب و ہنگامہ آرائی سے بہت گھبراتے تھے اور اس کو ابتلاء سمجھتے تھے۔ فرماتے تھے کہ فتنہ رہبری اور رہنمائی کے لئے نہیں بلکہ مومن کو اس کے نفس سے لڑا دینے کے لئے اٹھتا ہے۔ ان کے زمانہ میں بڑے بڑے انقلاب و حوادث ہوئے۔ لیکن انہوں نے اپنا دام ان سے بچائے رکھا۔ عموماً فتنہ کے زمانہ میں وہ کسی طرف نکل جاتے تھے اور اگر نہ نکل سکتے تھے تو چھپ کر کسی گوشے میں بیٹھ جاتے اور جمعہ اور جماعت کے لئے نہ نکلتے تھے۔ عقبہ کا بیان ہے کہ میں نے مطرف کے بھائی یزید بن عبداللہ سے پوچھا کہ جب فتنہ موجزن ہوتا تھا تو مطرف کیا کرتے تھے؟ انہوں نے بتایا کہ گھر کے اندرونی حصہ میں گوشہ گیر ہو جاتے تھے اور جب تک فتنہ کے شعلے ٹھنڈے نہ ہو جاتے، اس وقت تک وہ ان لوگوں کے ساتھ جمعہ جماعت میں بھی شریک نہ ہوتے تھے۔^۶

۱۔ ابن سعد۔ جلد ۷۔ ق اول۔ ص ۱۰۳ ۲۔ تذکرۃ الحفاظ۔ جلد اول۔ ص ۵۵ ۳۔ تہذیب المعجم۔ جلد ۱۰۔ ص ۱۷۲
۴۔ اعلام الموقعین۔ جلد اول۔ ص ۶۷ ۵۔ ابن سعد۔ جلد ۷۔ ق اول۔ ص ۱۰۳
۶۔ تہذیب المعجم۔ جلد ۱۰۔ ص ۱۷۲ ۷۔ ابن سعد۔ جلد ۷۔ ق اول۔ ص ۱۰۳

دوسروں کو بھی فتنہ میں پڑنے سے روکتے تھے۔ قنادہ کا بیان ہے کہ جب فتنہ کا زمانہ ہوتا تو مطرف لوگوں کو اس میں مبتلا ہونے سے روکتے اور خود کہیں بھاگ جاتے۔ حسن بصری بھی لوگوں کو روکتے تھے لیکن کہیں ہٹتے نہ تھے۔ اس لئے مطرف ان کے متعلق کہا کرتے تھے کہ حسن بصری اس شخص کی طرح ہیں جو دوسروں کو سیلاب سے ڈراتا ہے، لیکن خود اس کے دھارے پر کھڑا رہتا ہے۔^۱

انتہائی احتیاط کی بنا پر وہ ان ہنگاموں کے حالات تک نہ پوچھتے۔ ابن زبیرؓ اور بنی امیہ کا ہنگامہ انہی کے زمانہ میں ہوا۔ یہ لوگوں سے اس کے حالات بھی نہ پوچھتے اور چونکہ لوگ ان کے خیالات سے واقف تھے، اس لئے وہ بھی ان کے سامنے تذکرہ نہ کرتے تھے۔^۲

حضرت عبدالرحمن بن اشعث کے انقلابات میں جو حجاج اور عبدالملک کے خلاف اٹھا تھا، بڑے بڑے تابعین شریک ہو گئے تھے۔ لوگوں نے مطرف پر بھی شرکت کے لئے زور ڈالا۔ انہوں نے ان سے سوال کیا کہ ”تم لوگ جس چیز میں شرکت کی دعوت دیتے ہو کیا وہ جہاد فی سبیل اللہ سے بھی زیادہ بڑھ جائے گا؟“ انہوں نے جواب دیا، نہیں۔ فرمایا ”تو میں ہلاکت میں پڑنے اور فضیلت حاصل کرنے کے درمیان جو انہیں کھیلتا“۔^۳ یعنی مشتبہ جنگ میں نہیں پڑ سکتا۔ انہیں امن و عافیت کی زندگی طبعاً پسند تھی۔ فرماتے تھے کہ مجھے عافیت کی زندگی پر شکر ادا کرنا ابتلاء اور آزمائش پر صبر کرنے سے زیادہ پسند ہے۔^۴

نفس ایک ہے : عقائد میں نہایت سخت تھے اور اس کے تحفظ میں بڑا اہتمام تھا۔ ایک مرتبہ چند حروری (خارجی) آپ کے پاس آئے اور اپنے عقائد قبول کرنے کی دعوت دی۔ آپ نے جواب دیا کہ اگر میرے دو نفس ہوتے تو ایک نفس سے تمہارے عقائد مان لیتا اور دوسرے کو محفوظ رکھتا، جو کچھ تم کہتے ہو اگر وہی ہدایت ہو تو دوسرے نفس سے بھی تمہاری پیروی کر لیتا اور اگر ضلالت ہوتا تو اگر ایک نفس ہلاک ہو جاتا تو کم از کم دوسرا تو محفوظ رہتا۔ لیکن نفس ایک ہی ہے، اس لئے اس کو میں دھوکے کی جگہ نہیں لگا سکتا۔^۵

دنیا عالم اسباب ہے :

اگرچہ آپ بڑے زہد و متورع تھے، لیکن اندھے اعتماد اور توکل کے قائل نہ تھے۔ بلکہ دنیا کو عالم اسباب مانتے تھے۔ فرماتے تھے کہ ”یہ جائز نہیں ہے کہ ایک شخص ایک بلند مقام سے اپنے کو نیچے

۱۔ ابن سعد۔ جلد ۷۔ ق ۱۔ ص ۱۰۳

۲۔ ایضاً

۳۔ ابن سعد۔ جلد ۷۔ ق ۱۔ ص ۱۰۳

۴۔ ایضاً ۱۰۴

۵۔ ایضاً ۱۰۵

گرا دے اور کہے خدا نے میری قسمت مقدر کر دی ہے۔ بلکہ انسان کو چاہئے کہ وہ بچتا رہے اور کوشش کرے، اگر اس احتیاط اور کوشش کے باوجود اسے نقصان پہنچ جائے یا مصیبت پیش آجائے تو پھر اسے تقدیر الہی سمجھنا چاہئے۔ تقدیر خداوندی کے علاوہ کوئی مصیبت نہیں پہنچ سکتی“۔ اسی لئے وہ طاعون کے زمانہ میں وبا زدہ حلقہ سے ہٹ جاتے تھے۔

عقل بہترین عطیہ قدرت ہے :

آپ کے بعض اقوال نہایت حکیمانہ ہیں۔ فرماتے تھے کہ انسان کو قدرت کی جانب سے عقل سے بہتر کوئی شے نہیں عطا کی گئی۔ لوگوں کی عقلیں ان کے زمانہ کے مطابق ہوتی ہیں۔ اپنا کھانا اس شخص کو نہ کھلاؤ جسے اس کی خواہش نہیں ہے۔ یعنی بے محل کسی شے کو ضائع نہ کرو۔

دنیاوی شان و شکوہ :

وہ دنیاوی نعمتوں سے متمتع ہونے میں کوئی مضائقہ نہ سمجھتے تھے۔ خدا نے ان کو دولت دنیا سے وفات حصہ دیا تھا اور وہ بڑی شان اور وقار کی زندگی بسر کرتے تھے۔ حافظ ذہبی لکھتے ہیں کہ مطرف سردار اور بلند مرتبہ تھے۔ بہترین کپڑے پہنتے تھے۔ سلاطین کے درباروں میں آمد و رفت رکھتے تھے۔^۵ لیکن اس ظاہری شان و شوکت سے ان کی اخلاقی حیثیت پر کوئی اثر نہ پڑتا تھا۔ غیلان بن جریر کا بیان ہے کہ مطرف برانس (ایک قسم کی ٹوپی) اور مطارف (ایک قیمتی چادر) پہنتے تھے۔ گھوڑے پر سوار ہوتے تھے۔ سلاطین کے پاس آتے جاتے تھے، لیکن اس زندگی کے باوجود جب تم ان کے پاس جاتے تو آنکھوں کے پاس جاتے۔^۶

وفات : باختلاف روایت ۸ھ یا ۹۵ھ میں اعباس بول کے مرض میں مبتلا ہوئے اور بیمار ہوتے ہی حالت بگڑ گئی۔ اپنے صاحبزادے کو بلا کر آیات وصیت پڑھ کر سنائیں۔ صاحبزادے جا کر طبیب کو لے آئے۔ طبیب کو دیکھ کر پوچھا، یہ کیا ہے؟ صاحبزادے نے کہا طبیب۔ طبیب سے مخاطب ہو کر فرمایا، ”میں سختی سے منع کرتا ہوں کہ مجھے جھاڑ پھونک نہ کرنا، اور نہ گنڈا تعویذ لٹکانا“، اور اپنے صاحبزادوں کو قبر کی تیاری کا حکم دیا۔ انہوں نے حکم کی تعمیل کی۔ قبر تیار ہونے کے بعد فرمایا، مجھے قبر کے پاس لے چلو۔ چنانچہ اپنی آخری آرام گاہ کے پاس جا کر اس میں دعاء کی۔ دعا کے بعد گھر واپس آ کر انتقال کیا۔

۱۔ ابن سعد۔ جلد ۷۔ ق اول۔ ص ۱۰۳ ۲۔ ایضاً ۳۔ ایضاً ۴۔ ایضاً ۵۔ تذکرۃ الحفاظ۔ جلد اول۔ ص ۵۶

۶۔ ابن سعد۔ جلد ۷۔ ق اول۔ ص ۱۰۵ ۷۔ ایضاً ۸۔ ص ۱۰۶ و تذکرۃ الحفاظ

(۷۳) مکحول الدمشقی

نام و نسب : مکحول نام ہے۔ ابو عبد اللہ یا ابو ایوب کنیت۔ ان کے نسب اور وطن کے بارے میں روایات مختلف ہیں۔

حضرت ابن سعد کا بی لکھتے ہیں۔ ابن حجر نے کئی روایتیں نقل کی ہیں۔ بعض سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ عجمی النسل تھے اور ان کے والد کا نام سہراب تھا۔ بعض سے ثابت ہوتا ہے کہ مصری تھے اور بعض سے نتیجہ نکلتا ہے کہ ہذلی یعنی عرب تھے۔

لیکن آخری دو روایتیں اس معنی میں قطعاً غلط ہیں کہ نسلاً ہذلی یا مصری تھے۔ نسلاً وہ بلا شک و شبہ عجمی تھے۔ ہذلی اور مصری اس لئے مشہور ہیں کہ وہ کچھ دنوں ایک ہذلی کی غلامی میں رہے تھے اور ایک عرصہ تک مصر میں قیام رہا تھا۔

اس باب میں امام نووی کا بیان زیادہ قرین قیاس اور صحیح ہے۔ انہوں نے ان کو عجمی النسل اور کاہلی الموطن لکھا ہے۔ چنانچہ ان کی روایات کے مطابق ان نسب نامہ یہ ہے مکحول بن زید یا ابن ابی مسلم بن شاذل بن سند شروان بن یروک بن یغوث بن کسری کاہلی دمشقی۔

اس بیان سے مختلف روایتوں میں تطبیق بھی ہو جاتی ہے کہ وہ نسلاً عجمی، وطناً کاہلی اور اقامتاً دمشقی تھے۔

ان کی ابتدائی تاریخ یہ ہے کہ وہ شروع میں عمرو بن سعید بن العاص کے غلام تھے۔ پھر انہوں نے ان کو ایک ہذلی شخص کو دے دیا تھا۔ اس دوسری غلامی کی وجہ سے ان کی غلامی کے انتساب میں دو بیانات ہو گئے ہیں۔ ایک یہ کہ وہ عمرو بن سعید کے غلام تھے اور دوسرا یہ کہ ہذلی کے غلام تھے اور دونوں صحیح ہیں۔

ان کی غلامی کی ابتداء عمرو بن سعید سے ہوئی۔ جیسا کہ خود ان کا بیان ہے کہ میں عمرو بن سعید کا غلام تھا۔ پھر انہوں نے مجھے ایک ہذلی کو دے دیا۔ عقلی قیاس بھی یہی ہے۔ کیونکہ عمرو کے والد سعید نے عہد عثمانی میں کاہل کے بعض سرحدی علاقوں کو فتح کیا تھا۔ قیاس یہ ہے کہ انہی معرکوں میں وہ سعید کے غلام تھے۔ پھر وراثتاً ان کے لڑکے کو ملے ہوں گے۔

۱۔ ابن سعد۔ جلد ۷۔ ق ۱۰۱۔ ص ۱۶۱ ۲۔ تہذیب المعادین۔ جلد ۱۰۔ ص ۹۰ ۳۔ تہذیب الاسماء۔ جلد اول۔ ص ۱۱۳

۴۔ ابن سعد۔ جلد ۷۔ ق ۱۰۱۔ ص ۱۶۱ ۵۔ فتوح البلدان بلاذری۔ ص ۳۳۲ ۶۔ تذکرۃ الحفاظ۔ جلد اول۔ ص ۹۵

تحصیل علم کے دنیائے اسلام کا سفر :

مسلمانوں کی غلام نوازی اور ان کے فیض تربیت سے ان کے غلامی کی پستی سے نکال کر کمال کے جن مدارج پر پہنچے، مکحول اس کی ایک روشن مثال تھی۔ ان کا آغاز غلامی سے ہوا اور آخر میں وہ شام کی مسند علم پر فائز ہوئے۔ ان کو تحصیل علم کا فطری ذوق تھا^۱۔ چنانچہ وہ غلامی ہی کے زمانہ سے تحصیل علم میں مشغول ہوئے، پھر غلامی سے آزادی کے بعد انہوں نے ساری دنیائے اسلام کے تمام علمی مرکزوں کا سفر کر کے تحصیل علم کی۔ ان کا بیان ہے کہ جب میں آزاد ہوا، اس وقت مصر کا سارا علم میں نے سمیٹ لیا اور اس وقت تک میں نے وہاں سے باہر قدم نہیں نکالا جب تک اپنے خیال کے مطابق وہاں کا سارا علم نہ سن لیا^۲۔

مصر کے علمی مخزن کو کھنگالنے کے بعد مدینہ آئے، پھر یہاں سے عراق آ گئے۔ ان دونوں مقاموں کے تمام علمی سرچشموں سے سیراب ہونے کے بعد شام کا سفر کیا اور یہاں کے علماء و باب کمال سے استفادہ کیا۔ غرض انہوں نے علم کی تلاش و جستجو میں دنیائے اسلام کا چپہ چپہ چھان مارا۔ وہ خود بیان کرتے تھے کہ میں نے علم کی تلاش میں تمام روئے زمین کا چکر لگایا^۳۔

فضل و کمال : ان کے اس ذوق و شوق، اس تلاش و جستجو اور اس مشقت نے انہیں علم کے اس ذرہ کمال تک پہنچا دیا تھا۔ جہاں ان کے کم معاصر پہنچ سکے تھے۔ امام زہری کہتے تھے کہ علماء صرف تین ہیں، ان میں ایک نام مکحول کا لیتے تھے^۴۔ ابن یونس کا بیان ہے کہ وہ فقیہ اور عالم تھے۔ ان کی توثیق پر سب کا اتفاق ہے۔ ابن عمار کہتے ہیں کہ وہ اہل شام کے امام تھے^۵۔ انہیں حدیث اور فقہ دونوں میں درجہ امامت حاصل تھا^۶۔

حدیث : انہوں نے حجاز، عراق، مصر اور شام تمام علمی مرکزوں میں جا کر سماع حدیث کیا تھا۔ پھر حافظ اتنا قوی تھا کہ جو کچھ بھی حاصل کیا سب سینہ میں محفوظ تھا^۷۔ اس لئے وہ اپنے عہد کے بہت بڑے حافظ حدیث تھے۔ حافظ ذہبی انہیں تیسرے طبقے کے کبار حفاظ میں لکھتے ہیں۔

شیوخ : انہوں نے ہر خرمن سے خوشہ چینی کی تھی۔ اس لئے ان کے شیوخ کی فہرست نہایت طویل ہے۔ کوئی ملک ان سے خالی نہیں تھا۔ ان میں صحابہ کی بھی خاصی تعداد تھی^۸۔ صحابہ میں انہوں نے

۱۔ تذکرۃ الحفاظ۔ جلد اول۔ ص ۹۵ ۲۔ ابن سعد۔ جلد ۶۔ ق ۲۔ ص ۱۶۰ ۳۔ تذکرۃ الحفاظ۔ جلد اول۔ ص ۹۵

۴۔ ایضاً ۵۔ تہذیب الاسماء۔ جلد اول۔ ق ۲۔ ص ۱۱۳ ۶۔ تہذیب التہذیب۔ جلد ۱۰۔ ص ۲۵۱

۷۔ ایضاً

۸۔ تذکرۃ الحفاظ۔ جلد اول۔ ص ۹۵

انس بن مالک، ابو ہند داری، واثلہ بن اسقع، ابوامامہ، عبدالرحمن بن غنم، ابو جندل، بن سہیل وغیرہ سے براہ راست سماع کیا تھا^۱۔ اور ابی بن کعب، ثابان، عبادہ بن ثابت، ابو ہریرہ، ابو ثعلبہ خثنی اور حضرت عائشہ صدیقہ^۲ سے مرسل روایات کی ہیں۔ ممتاز تابعین میں سعید بن مسیب، مسروق، جبیر بن نفیر، کریب، ابو مسلم، ابو اوریس خولانی، عروہ بن زبیر، عبداللہ بن محریز، عیینہ بن ابی سفیان دراد کاتب، مغیرہ کثیر بن مرہ اور ام الدرداء وغیرہ سے استفادہ کیا تھا^۳۔

تلامذہ : ان کے تلامذہ کا دائرہ بھی نہایت وسیع تھا۔ ان میں سے بعض ممتاز تلامذہ کے نام یہ ہیں : امام زہری، حمید الطویل، محمد بن عجلان، محمد بن اسحق، عبداللہ بن علاء، سالم بن عبداللہ، محارب بن موسیٰ بن یسار، اماؤزاعی، سعید بن عبدالعزیز، علاء بن حارث، ثور بن یزید، ایوب بن موسیٰ، محمد بن راشد مکحول، محمد بن ولید زبیدی، برد بن سنان، عبداللہ بن عوف، یحییٰ بن سعید انصاری، اسامہ بن زید لیشی، خیر بن سعد، صفوان بن عمرو اور ثابت بن ثوبان وغیرہ^۴۔

فقہ و فتاویٰ : حفظ حدیث کے ساتھ وہ فقہ کے بھی امام و مجتہد تھے۔ ابو حاتم کہتے تھے کہ میں نے شام میں مکحول سے بڑا فقیہ نہیں دیکھا^۵۔ سعید بن عبدالعزیز انہیں امام الزہری سے بڑا فقیہ مانتے تھے۔ انہیں افتاء میں خاص مہارت اور بصیرت حاصل تھی^۶۔ سعید بن عبدالعزیز کا بیان ہے کہ ان کے زمانہ میں ان سے زیادہ افتاء میں بصیرت کسی کو حاصل نہ تھی^۷۔

احتیاط : لیکن وہ فتویٰ دینے میں بڑے محتاط تھے۔ اگر اپنی رائے سے وہ کسی مسئلے کا جواب دیتے تھے تو صاف کہہ دیتے تھے یہ میری رائے ہے جو صحیح بھی ہو سکتی ہے اور غلط بھی^۸۔

تصانیف : ان کے فقہی کمال کی سب سے بڑی سند یہ ہے کہ اس زمانہ میں جب کہ تالیف و تصنیف کا آغاز بھی نہ ہوا تھا، انہوں نے فقہ میں دو مستقل کتابیں تالیف کی تھیں۔

۱۔ کتاب السنن اور ۲۔ کتاب المسائل^۹۔

انفاق فی سبیل اللہ :

علمی کمالات کے ساتھ وہ اخلاقی فضائل سے بھی آراستہ تھے۔ انفاق فی سبیل اللہ اور جہاد فی سبیل اللہ ان کا نمایاں وصف تھا^{۱۰}۔ انہیں جو کچھ ملتا ہے سب خدا کی راہ میں صرف کر دیتے تھے۔

۱۔ تہذیب الاسلام۔ جلد اول۔ ق ۲۔ ص ۳۳ ۲۔ تہذیب المعذیب۔ جلد ۱۔ ص ۲۹۶ ۳۔ تہذیب الاسلام۔ جلد اول۔ ق ۲۔ ص ۳۳
۴۔ ایضاً ۵۔ تذکرۃ الحفاظ۔ جلد اول۔ ص ۹۵ ۶۔ ایضاً۔ ص ۹۶ ۷۔ ایضاً ۸۔ تہذیب المعذیب۔ جلد ۱۔ ص ۲۹۱
۹۔ شذرات الذهب۔ جلد اول۔ ص ۱۳۶ ۱۰۔ فہرست ابن ندیم۔ ص ۳۱۸ طبع مصر

سعید بن عبدالعزیز کا بیان ہے کہ مکحول کا وظیفہ مقرر تھا۔ اس کو دشمنانِ خدا کے لئے جہاد میں صرف کرتے تھے۔ ایک مرتبہ ان کو دس ہزار اشرفیوں کی خطیر رقم ملی۔ اس کو بھی انہوں نے اسی راہ میں صرف کیا اور ایک مجاہد کو ایک گھوڑے کی قیمت پچاس اشرفیاں دیتے تھے۔

ایک شبہ کا ازالہ : مکحول کے متعلق عام شہرت تھی کہ وہ قدری تھے اور اس کی تائید میں بعض روایات بھی ملتی ہیں۔ لیکن بہ روایات صحیحہ ان کا دامن اس عقیدہ فاسد سے پاک تھا۔

امام اوزاعی کا جو ان کے تلامذہ میں تھے، بیان ہے کہ جہاں تک سنا گیا ہے تابعین میں دو شخص حسن بھری اور مکحول کے خیالات قدری تھے۔ لیکن میں نے ان کی تحقیقات کی تو معلوم ہوا کہ یہ شہرت غلط ہے۔ ان کے دوسرے تلمیذ سعید بن عبدالعزیز بھی اس عقیدہ سے ان کی برأت کی شہادت دیتے تھے۔

وفات : ابن سعد کی روایات کے مطابق ۱۱۲ھ یا ۱۱۸ھ میں وفات پائی۔

(۷۴) منصور بن زاذان واسطیؓ

نام و نسب : منصور نام ہے۔ ابوالمغیرہ کنیت۔ قبیلہ کی غلامی میں تھے۔ اس نسبت سے ثقفی کہلاتے تھے۔

فضل و کمال : حضرت حسن بھریؓ کے خاص ساتھیوں میں تھے۔ ان کے فیضِ صحبت نے منصور کو علم و عمل کا جامع بنادیا تھا اور وہ واسطہ کے ممتاز علماء میں شمار ہوتے تھے۔ حافظ ذہبی لکھتے ہیں کہ وہ علماء اسلام میں تھے۔ ثقہ، حجت، عبادت گزار اور کبیر الشان تھے۔

حدیث : حدیث میں انہوں نے انس بن مالک، ابو العالیہ، رفیع، عطاء بن ابی رباح، حسن بھری، محمد بن سیرین، میمون بن ابی شیبہ، معاویہ بن قرہ، حمید بن ہلال، قتادہ، عمرو بن دینار، حکم بن عتیہ، عبدالرحمن بن قاسم، ابو محمد بن ولید بن مسلم غنیری سے فیض اٹھایا تھا۔

مسلم بن سعید واسطی حبیب بن شہید، جریر بن حازم، خلف بن خلف، ہشام اور ابو حمزہ سکری ان کے تلامذہ میں تھے۔

۱۔ ابن سعد۔ جلد ۷۔ ق ۲۔ ص ۱۶۱ ۲۔ تذکرۃ الحفاظ۔ جلد اول۔ ص ۹۶ ۳۔ تہذیب المعجم۔ جلد ۱۰۔ ص ۲۹۱
۴۔ تذکرۃ الحفاظ۔ جلد اول۔ ص ۹۶ ۵۔ ابن سعد۔ جلد ۷۔ ق ۲۔ ص ۱۶۱ ۶۔ تذکرۃ الحفاظ۔ جلد اول۔ ص ۱۲۶
۷۔ تہذیب المعجم۔ جلد ۱۰۔ ص ۳۰۶

عبادت و ریاضت : زہد و عبادت ان کے صحیفہ کمال کے زیادہ روشن ابواب ہیں۔ وہ بڑے عابد و زہد تابعی تھے۔ ابن حبان لکھتے ہیں کہ وہ متقشفین اور متجربین میں تھے۔ ابن عماد حنبلی ان کو بصرہ کا زہد اور شیخ لکھتے ہیں۔^۱

ان کا سارا وقت عبادت و ریاضت میں گزرتا تھا۔ طلوع آفتاب سے لے کر عصر تک نماز اور عصر سے مغرب تک تسبیح و تہلیل میں مشغول رہتے تھے۔^۲

قرآن کی تلاوت سے خاص شغف تھا۔ بہت تیز قرآن پڑھتے تھے۔ صبح سے دوپہر تک ایک قرآن ختم کر دیتے تھے۔^۳ نوافل میں قرآن کا بڑا حصہ پڑھ ڈالتے تھے۔ ہشام بن حسان کا بیان ہے کہ میں نے مغرب اور عشاء کے درمیان منصور کے پہلو میں نماز پڑھی۔ دوسری رکعت میں وہ سورہ نحل تک پڑھ گئے۔^۴

رمضان میں عبادت زیادہ بڑھ جاتی تھی۔ روزانہ قرآن ختم کرتے تھے۔ نماز میں اس شدت کا گریہ طاری ہوتا کہ آنسو پوچھتے پوچھتے عمامہ تر ہو جاتا۔^۵ ایزدی میں حسین سائی سے بڑا ذوق تھا۔ فرض نماز سے پہلے گیارہ سجدے کرتے تھے۔ عمر بھر دو راتوں کے سوا ایک مرتبہ ماں کے اور دوسری مرتبہ لڑکے انتقال کے موقع پر آرام سے رات بھر بستر استراحت پر نہ سوئے۔^۶

انہوں نے عبادت و ریاضت کو آخری حد تک پہنچا دیا تھا۔ ہشیم کا بیان ہے کہ وہ اپنی عبادت کرتے تھے کہ اگر ان سے کہا جاتا کہ موت کا فرشتہ دروازہ پر آ گیا ہے تو جتنی عبادت وہ کرتے تھے اس میں زیادتی ممکن نہ تھی۔^۷

ایک زرتین مقولہ : فرماتے کہ رنج و غم بھلائیوں میں اضافہ کرتے ہیں اور اترانا اور فخر کرنا برائیوں میں۔^۸

وفات : اپنے محاسن اخلاق کی وجہ سے وہ مذہب و ملت کے آدمیوں میں اتنے مقبول تھے کہ آپ کے جنازہ میں ہر مذہب کے آدمی شریک تھے۔ یہود و نصاریٰ دونوں علیحدہ علیحدہ جنازہ میں ساتھ تھے اور خلق اللہ کا ہجوم تھا۔^۹

۱۔ تہذیب العہدیب۔ جلد ۱۰۔ ص ۳۰۷ ۲۔ شذرات الذہب۔ جلد اول۔ ص ۱۰۱

۳۔ ابن سعد۔ جلد ۷۔ ق ۲۔ ص ۶۰ ۴۔ تذکرۃ الحفاظ۔ جلد اول۔ ص ۱۲۶

۵۔ حلیۃ الاولیاء ابو نعیم۔ جلد ۳۔ ص ۵۸ ۶۔ تذکرۃ الحفاظ۔ جلد اول۔ ص ۱۲۶

۷۔ ابن سعد۔ جلد ۷۔ ق ۲۔ ص ۶۰ ۸۔ تذکرۃ الحفاظ۔ جلد اول۔ ص ۱۲۷

(۷۵) میمون بن مہران^{7۱}

نام و نسب : میمون نام ہے۔ ابو ایوب کنیت اور والد کا نام مہران تھا۔ مہران بن نصر بن معاویہ کے مکاتب غلام تھے۔

پیدائش : ۴۰ھ میں پیدا ہوئے۔ کوفہ کی ایک ازدی عورت کے غلام تھے۔ اس لئے ان کی ابتدائی زندگی غلامی میں بسر ہوئی تھی۔ آخر میں اس نے ان کو آزاد کر دیا تھا۔

جزیرہ کا قیام : آزادی کے بعد عرصہ تک کوفہ ہی میں رہے۔ لیکن ۸۰ھ میں جب عبدالرحمن بن شعث کے ہنگامہ کی وجہ سے کوفہ میں شورش مچا ہوئی تو میمون کوفہ چھوڑ کر جزیرہ چلے گئے اور یہیں بودوباش اختیار کر لی۔

بیت المال کی نگرانی کا منصب :

حضرت محمد بن مروان کی ولایت خراسان کے زمانہ میں بیت المال کی نگرانی کا منصب سپرد ہوا۔ عہدہ خراج : بیت المال کی نگرانی کے سلسلہ میں انہیں مالیات کا کافی تجربہ ہو گیا تھا۔ اس لئے عمر بن عبدالعزیز نے ان کو جزیرہ کے خراج کا عامل بنادیا تھا اور ان کے لڑکے عمر کو دفتر کا محافظ مقرر کیا۔ میمون طبعاً حکومت کے عہدوں اور خصوصاً مالیات کے ذمہ داریوں کو پسند نہ کرتے تھے، لیکن اس کا انکار نہ کر سکے، مگر چند ہی دنوں کے بعد برداشتہ خاطر ہو کر استعفیٰ پیش کر دیا۔ عمر بن عبدالعزیز نے قبول نہ کیا، اور کہا اس عہدے میں سوائے اس کے اور کیا ہے کہ جائز طریقہ سے روپیہ وصول کیا جائے اور جائز مصرف میں صرف کیا جائے۔ اس میں استعفیٰ کی کیا وجہ ہے؟ عمر بن عبدالعزیز کے لکھنے پر استعفیٰ واپس لے لیا اور ان کی زندگی بھر اس عہدے پر رہے۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز کے بعد یزید بن ملک کے زمانہ میں بھی چند دنوں تک یہ خدمت انجام دیتے رہے، لیکن کہ کام طبعاً پسند نہ تھا۔ عمر بن عبدالعزیز کے بعد جب خلافت کے تمام شعبے پھر دنیاوی حکومت کے رنگ پر آ گئے تو میمون بد دل ہو کر مستعفی ہو گئے اور گزشتہ زمانہ پر بہت متاسف تھے، اور فرماتے تھے کہ مجھے یہ گوارا تھا کہ میں اندھا ہو گیا ہوتا، لیکن عمر بن عبدالعزیز وغیرہ کا دیا ہوا عہدہ قبول نہ کیا ہوتا۔

۱۔ یہ تمام حالات ابن سعد، جلد ۷، ق ۲۔ ص ۱۷۷-۱۷۸ سے ماخوذ ہیں۔

فضل و کمال : فضل و کمال کے لحاظ سے ممتاز تابعین اور جزیرہ کے بڑے علماء میں تھے حافظ ذہبی انہیں امام قد وہ اور عالم جزیرہ لکھتے ہیں^۱۔ ان کے دور کے علماء میں ان کا علمی مرتبہ مسلم تھا۔ ابوالخلیج کہتے تھے کہ میں نے میمون سے افضل کسی کو نہیں پایا^۲۔ سلمان بن موسیٰ کا بیان ہے کہ اس عہد کے چار اشخاص بڑے عالم مانے جاتے تھے۔ ان میں ایک میمون بن مہران تھے^۳۔

حدیث : حدیث کے حافظ تھے۔ علامہ ابن سعد لکھتے ہیں :

صحابہ میں انہوں نے ابو ہریرہؓ، بلال بن عباسؓ، ابن زبیرؓ، سعید بن جبیرؓ، حضرت عائشہ صدیقہؓ اور اُم الدرداء سے تابعین میں نافع مولیٰ بن عمر، مقسم مولیٰ ابن عباس، یزید بن عاصم اور سعید بن جبیر وغیرہ سے استفادہ کیا تھا^۴۔

تلامذہ : حمید الطویل، ایوب، جعفر بن برقان، جعفر ابن ابی وحشیہ، حبیب بن شہید، علی بن حکم البنانی، حکم بن عتیہ، ابو فروہ، یزید بن سان، حجاج بن تمیم، سالم بن ابی المہاجر اور ابوالخلیج وغیرہ ان کے خوشہ چینوں میں تھے^۵۔

فقہ : فقہ میں وہ تمام علمائے جزیرہ میں ممتاز تھے۔ علامہ ابن سعد لکھتے ہیں کہ وہ فقہ و فتاویٰ میں تمام اہل جزیرہ پر فائق تھے^۶۔ ان کے فقہ کی سب سے بڑی سند یہ ہے کہ حضرت عمرؓ بن عبدالعزیز جیسے صاحب نظر عہدہ خراج کے زمانہ میں جزیرہ کے قضاء کی خدمت بھی ان کے سپرد کی تھی^۷۔

فضائل اخلاق : اس علم کے ساتھ فضائل اخلاق سے بھی آراستہ تھے^۸۔
منہیات سے اجتناب :

نواہی سے بچنے میں زیادہ اہتمام تھا۔ ان کے لڑکے کا بیان ہے کہ والد (اعتدال سے) زیادہ روزہ نماز نہیں کرتے تھے، لیکن خدا کی معصیت میں مبتلا ہونا بہت ناپسند کرتے تھے^۹۔
عبادت : اگرچہ معمولاً وہ فرائض و سنن کے علاوہ عبادت نہ کرتے تھے، لیکن کبھی کبھی ہزار ہزار رکعتیں روزانہ پڑھتے تھے۔ ایک مرتبہ سترہ دن میں سترہ ہزار رکعتیں پڑھیں^{۱۰}۔

انکسار و تواضع : اتنے خاکسار اور متواضع تھے کہ کسی بڑائی اور امتیاز کا انتساب اپنی جانب پسند نہ کرتے تھے۔ ایک مرتبہ کسی نے ان سے کہا، ابو ایوب جب تک خدا آپ کو زندہ رکھے گا، اس وقت تک

۱۔ تذکرۃ الحفاظ۔ جلد اول۔ ص ۸۶ ۲۔ ایضاً ۳۔ تہذیب التہذیب۔ جلد ۱۰۔ ص ۳۹۱

۴۔ ابن سعد۔ جلد ۷۔ ص ۱۷۷ ۵۔ تہذیب التہذیب۔ جلد ۱۰۔ ص ۳۹۰ ۶۔ ایضاً

۷۔ ابن سعد۔ جلد ۷۔ ص ۱۷۸ ۸۔ تذکرۃ الحفاظ۔ جلد اول۔ ص ۸۶

۹۔ تہذیب التہذیب۔ جلد ۱۰۔ ص ۳۹۱ ۱۰۔ تذکرۃ الحفاظ۔ جلد اول۔ ص ۸۷

لوگ بھلائی میں رہیں گے۔ انہوں نے جواب دیا، ”ایسی باتوں کا تذکرہ نہ کرو، لوگ اس وقت بھلائی میں رہیں گے جب تک وہ اپنے سے ڈرتے رہیں گے۔“^۱

حضرت علیؓ پر حضرت عثمانؓ کی فضیلت کا ایک دل نشین استدلال :

پہلے وہ حضرت عثمانؓ کے مقابلہ میں حضرت علیؓ کی فضیلت کے قائل تھے۔ لیکن حضرت عمرؓ بن عبد العزیز کے ایک استدلال پر حضرت عثمانؓ کی فضیلت کے قائل ہو گئے تھے۔ ایک مرتبہ عمرؓ بن عبد العزیز نے پوچھا، تم دو آدمیوں میں سے کس کو زیادہ پسند کرتے ہو۔ اس شخص کو جس نے صرف مال میں غلت کی یا اس شخص کو جس نے خونریزی میں غلت کی۔ اس دلیل کے بعد انہوں نے اپنے سابق خیال سے رجوع کر لیا۔ حضرت عثمانؓ پر سب سے بڑا الزام یہ ہے کہ ان کے زمانہ میں بیت المال میں بے جا تصرف ہوئے اور حضرت علیؓ کے دور میں خانہ جنگی کا آغاز ہوا۔^۲

وفات : ۳۵ھ میں وفات پائی۔^۳

(۷۶) نافع بن جبیرؓ

نام و نسب : نافع نام ہے۔ ابو محمد کنیت۔ قریش کے مشہور سردار مطعم بن عدی کے جنہوں نے تبلیغ اسلام کے ابتدائی دور میں جبکہ آنحضرت ﷺ پر ہر طرف سے مشرکین کا زغہ تھا، بڑی حمایت کی تھی، پوتے تھے۔ نسب نامہ یہ ہے : نافع بن جبیر بن مطعم بن عدی بن نوفل بن عبد مناف بن قصی۔

ماں کا نام اسمثال تھا۔ نھیالی شجرہ یہ ہے : أم قحیل بنت نافع بن ضریب بن نوفل۔

فضل و کمال : علمی اعتبار سے نافع اکابر تابعین میں تھے۔ امام نووی لکھتے ہیں کہ وہ امام اور فاضل تھے۔ ان کی توثیق و جلالت پر سب کا اتفاق ہے۔ اب خراش کہتے ہیں کہ وہ ثقہ مشہور آدمی تھے۔

حدیث : اگرچہ حدیث میں ان کا کوئی بلند پایہ نہ تھا، لیکن انہوں نے زمانہ ایسا پایا تھا۔ جب مدینہ کی گلی گلی سمعت و حللنا کے ترانوں سے گونج رہی تھی، اور علم کے ساتھ ادنیٰ ذوق رکھنے والے بھی اس سے محروم نہ تھے اس لئے نافع بن جبیر کا دامن بھی اس دولت سے خالی نہ رہا۔ چنانچہ انہوں نے اپنے

۱۔ تذکرۃ الحفاظ۔ جلد اول۔ ص ۸۷ ۲۔ تہذیب التہذیب۔ جلد ۱۰۔ ص ۳۹۱ ۳۔ ایضاً

۴۔ تہذیب الاسماء۔ جلد اول۔ ق ۲۔ ص ۱۲۲

والد جبر بن مطعم، حضرت عباس بن مطلب، زبیر بن عوام، علی بن ابی طالب، عثمان بن ابی العاص، مغیرہ بن شعبہ، رافع بن خدیج، عبداللہ بن عباس، ابو ہریرہ، اُم المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ اور اُم سلمہ وغیرہ جیسے اکابر ملت سے فیض اٹھایا تھا۔ ان کے فیض سے نافع کا دامن علم اتنا وسیع ہو گیا تھا کہ شائقین حدیث ان کے کمالات علمی استفادہ کرتے تھے۔

ان سے روایت کرنے والوں میں عروہ بن زبیر، سعید بن ابراہیم، امام زہری، عقبہ، عمرو بن دینار اور عتیبہ بن مسلم وغیرہ لائق ذکر ہیں۔

فقہ : فقہ میں بھی انہیں درک تھا۔ وہ مدینہ کے صاحب افتاء علماء میں تھے اور ان کے فتاویٰ معتبر سمجھے جاتے تھے۔

فصاحت و بلاغت :

قریش کی فصاحت و بلاغت مشہور ہے۔ یہ خاندانی وصف ان کے حصہ میں وافر آیا تھا۔ وہ بڑے فصیح و بلیغ تھے اور بڑی کڑک دار آواز سے بولتا تھے۔

فضائل و اخلاق : فضائل اخلاق و عمل کی دولت سے بہرہ ور تھے۔ ابن حبان ان کو خیار ناس میں لکھتے ہیں۔

پایادہ حج : آرام کے وسائل رکھتے ہوئے راہِ خدا میں تکلیف اٹھانا بڑی عبادت ہے۔ نافع محض حصولِ اجر کے پایادہ حج کیا کرتے تھے۔ عمران بن موسیٰ کا بیان ہے کہ نافع پایادہ حج کرتے تھے اور ان کی سواری ان کے پیچھے ہوتی تھی۔

دبدبہ و شکوہ : ان کے خاندان میں پشعہ پشت سے سرداری چلی آتی تھی۔ اس لئے ان کے مزاج میں اس کی بُو باقی تھی۔ نہایت بھاری اور بلند لہجہ میں باتیں کرتے تھے۔ بعض بیانات سے معلوم ہوتا ہے کہ ان میں خود پرستی و تمکنت تھی، لیکن ان کی ناہری شوکت سے یہ نتیجہ نکالنا صحیح نہیں ہے، وہ خود اس کی تردید کرتے تھے۔ ایک مرتبہ کسی نے ان سے کہا کہ لوگوں کا خیال ہے کہ آپ میں تکبر ہے۔ انہوں نے جواب دیا خدا کی قسم میں گدھے پر سوار ہوا ہوں، شملہ پہنا ہے، بکریوں کا دودھ دھکا ہے اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس شخص نے یہ کام کئے، اس میں تکبر کا شائبہ بھی نہیں ہو سکتا۔ (پھر میں متکبر کیسے ہو سکتا ہوں)۔

اصلاحِ نفس : ان کے واقعاتِ زندگی سے بھی اس کی تردید ہی ہوتی ہے۔ وہ عمدہ ایسے کام کیا کرتے تھے جو پندار کے خلاف ہوتے تھے۔ جعفر بن نجیر کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ نافع بن جبیر غلام بن حرقی کے حلقہٴ درس میں جو حرقہ کے غلام تھے، شریک ہوئے۔ غلام کے درس تمام کرنے کے بعد نافع نے حاضرین سے مخاطب ہو کر کہا، آپ لوگ جانتے ہیں، میں آپ لوگوں کے پاس کیوں آ کر بیٹھا ہوں؟ انہوں نے جواب دیا، درس سننے کے لئے، نافع نے کہا نہیں، بلکہ اس لئے کہ آپ کے پاس بیٹھنے سے خدا کے پاس تواضع کا اظہار ہو۔

اسی طریقہ سے ایک مرتبہ ایک بہت معمولی شخص کو امامت کے لئے بڑھایا۔ نماز ختم ہونے کے بعد اس سے پوچھا جانتے ہو، میں نے تم کو کیوں آگے بڑھایا تھا؟ اس نے کہا نماز پڑھانے کے لئے۔ کہا نہیں، بلکہ اس لئے کہ تمہارے پیچھے نماز پڑھنے سے خدا کے حضور میں تواضع ظاہر ہو۔

وفات : سلیمان بن عبد الملک کے آخر عہدِ خلافت ۹۳ھ میں وفات پائی۔

اولاد : وفات کے بعد محمد، ابو بکر اور علی کئی لڑکے یادگار چھوڑے۔

حلیہ ولباس : بالوں میں سیاہ خضاب کرتے تھے۔ دانتوں میں سونے کے تار کسے ہوئے تھے۔ لباس عموماً سپید اور قیمتی پہنتے تھے۔ خراجِ جو ایک بیش قیمت کپڑا ہے، زیادہ استعمال کرتے تھے۔

(۷۷) نافع بن کاؤسؓ

نام و نسب : نافع نام ہے۔ ابو عبد اللہ کنیت۔ والد کا نام طاؤس یا ہر مز تھا۔ جیسا کہ ان کے نام سے ظاہر ہے کہ وہ عجمی النسل تھے۔ لیکن بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ عرب تھے، جو صحیح نہیں ہے۔ ان کے عجمی ہونے پر قریب قریب سب کا اتفاق ہے۔ وطن بعض خراسان، بعض ولیم، بعض جبال طالقان اور بعض کابل بتاتے ہیں۔ اس کا صحیح پتہ نہیں چلتا کہ نافع کس طرح ابن عمر کے پاس پہنچے۔ قیاس یہ ہے کہ کسی جنگ میں گرفتار ہو کر ان کے حصہ میں آئے ہوں گے یا ابن عمرؓ نے ان کو خریدا ہوگا۔

مسلمانوں کی غلام نوازی کے طفیل میں ان کے غلام کمالات کے جن مدارج پر پہنچے نافع بھی اس کی روشن ترین مثال تھے۔ مسلمانوں کے موالی کی علمی تاریخ میں نافع نہایت ممتاز درجہ رکھتے ہیں۔ اس دور میں کوئی غلام ان کے رتبہ کا نہ تھا۔ ابن عباسؓ کے غلام عکرمہ بھی بڑے صاحبِ علم تھے۔

لیکن ان کو بھی اہل مدینہ میں یہ درجہ حاصل نہ تھا۔ نافع ان سے زیادہ بلند مرتبت سمجھے جاتے تھے۔^۱ اس لحاظ سے کہا جاسکتا ہے کہ اسلام میں غلاموں کی حقیقی تاریخ نافع ہی سے شروع ہوتی ہے۔
لعلم : خوش قسمتی سے نافع کو آغاز ہی سے حضرت عبداللہ بن عمرؓ جیسے صاحب کمال بزرگ کی تربیت میسر آگئی تھی، انہی کے دامن میں ان کی نشوونما ہوئی۔ نافع نے کامل تیس سال تک ابن عمرؓ کی خدمت کی۔^۲

ان میں تحصیل علم کی فطری صلاحیت واستعداد تھی۔ شفیق آقا کی صحبت اور تربیت نے ان کے جوہر کو چمکا کر اقلیم کا تاج دار بنادیا۔ ان کی علمی جلالت پر تمام علماء اور ارباب سیر کا اتفاق ہے۔ امام نووی لکھتے ہیں کہ وہ جلیل القدر تابعی تھے۔ ان کی توثیق و جلالت پر سب کا اتفاق ہے۔^۳ خلیلی کا بیان ہے کہ نافع مدینہ کے آئمہ تابعین میں اور امام فی العلم تھے، خود ابن عمرؓ کو اپنے اس نامور غلام کی ذات پر فخر تھا۔ چنانچہ فرمایا کرتے تھے کہ خدا نے نافع کے ذریعہ سے ہم پر احسان کیا ہے۔^۴

حدیث : عبداللہ بن عمرؓ حدیث کا بحر بے کراں تھے۔ نافع اس بحر سے سیراب ہوتے تھے۔ انہوں نے ان کی احادیث کا بڑا حصہ محفوظ کر لیا تھا۔ حافظ حدیث بنانے کے لئے تنہا ابن عمرؓ کی روایت کافی ہیں۔ نافع کی علمی تشنگی نے اس بحر بے کراں کے علاوہ دوسرے سرچشموں سے بھی اپنی پیاس بجھائی تھی۔ چنانچہ ابن عمرؓ کے علاوہ صحابہ میں ابو ہریرہؓ، ابوسعید خدریؓ، ابولبابہ بن منذرؓ، رافع ابن خدیجؓ، أم المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ، أم سلمہؓ اور ربیع بنت مسعودؓ سے اور تابعین میں اپنے آقا زادوں عبداللہ، عبید اللہ، سالم اور زید اور قاسم بن محمد بن ابی بکر، مہبہ بن وہب عدی، عبداللہ بن محمد بن ابی بکر، عبدالرحمن بن حسین اور سعید بن ابی ہند وغیرہ سے استفادہ کیا تھا۔^۵

ان بزرگوں کے فیض نے ان کو جماعت تابعین میں نہایت ممتاز حلقہ حدیث بنادیا تھا۔ علامہ ابن سعد لکھتے ہیں کہ وہ ثقہ اور کثیر الحدیث تھے۔^۶ حافظ ذہبی ان کو امام العلم لکھتے ہیں اور ان کا شمار حفاظ کے طبقہ اول میں کرتے ہیں۔^۷

کیفیت کے اعتبار سے نافع کی روایت طلائے خالص کا حکم رکھتی ہیں۔^۸ خلیلی کا بیان ہے کہ نافع پر تمام ارباب فن کا اتفاق ہے۔^۹ وہ صحیح الروایہ ہیں۔ بعض لوگ انہیں سالم پر بھی جن سے

۱۔ تہذیب التہذیب۔ جلد ۱۔ ص ۴۱۴ ۲۔ تذکرۃ الحفاظ۔ جلد اول۔ ص ۸۰

۳۔ تہذیب الاسماء۔ جلد اول۔ ص ۱۴۳ ۴۔ تہذیب التہذیب۔ جلد ۱۔ ص ۴۱۴ ۵۔ ایضاً۔ ص ۳۱۳

۶۔ ابن خلکان۔ جلد ۲۔ ص ۱۵۱ ۷۔ تہذیب التہذیب۔ جلد ۱۰۔ ص ۴۱۴ ۸۔ طبقات ابن سعد تذکرہ نافع

۹۔ تذکرۃ الحفاظ۔ جلد اول۔ ص ۸۷

انہوں نے سماع کیا تھا، ترجیح دیتے تھے۔ بعض ان کے ہم پایہ سمجھتے تھے۔ ان کی تمام روایات غلطیوں سے پاک ہیں۔^۱

خصوصاً ابن عمرؓ سے ان کی روایات میں کسی شک و شبہ کا احتمال ہی نہیں تھا۔ امام مالک فرماتے تھے کہ جب میں ابن عمرؓ کی حدیث نافع کی زبان سے سن لیتا ہوں تو پھر اس کی پرواہ نہیں کرتا کہ دوسرے کے بیان سے اس کی تصدیق ہوتی ہے یا نہیں۔^۲ محدثین کے نزدیک مالک عن نافع ابن عمرؓ کا سلسلہ روایت سلسلہ الذہب سے تعبیر کیا جاتا ہے۔^۳

تلامذہ : حدیث میں نافع کے تلامذہ کا دائرہ نہایت وسیع تھا۔ جس میں بڑے بڑے تابعی اور تبع تابعی آئمہ تھے۔ بعض ممتاز تلامذہ کے نام یہ ہیں۔ ابوالخضر سمعی، حکیم بن عیینہ، محمد بن عجلان، بکر بن عبد اللہ بن شح، یحییٰ انصاری، امام زہری، صالح بن کیسان، ایوب سختیانی، عبید اللہ بن عمر، حمید الطویل، میمون بن مہران، موسیٰ بن عقبہ، ابن عون، اعش، ابن جریج، اوزاعی، لیث، یونس ابن عبید، ابن ابی ذیب، ابن ابی لیلیٰ، ضحاک بن عثمان اور امام مالک وغیرہ۔^۴

امام مالکؓ ان کے خاص تلامذہ میں تھے۔ انہوں نے زیادہ فیض ان ہی سے پایا تھا۔ بچپن سے نافع کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے۔ ان کا خود بیان ہے کہ میں بچپن میں جب بہت کم سن تھا، نافع کی خدمت میں جاتا تھا۔ میرے ساتھ ایک غلام ہوتا تھا۔ نافع اُتر کر مجھ سے حدیثیں بیان کرتے تھے۔^۵ نافع کی زندگی بھر امام مالک کے استفادہ کا سلسلہ قائم رہا۔ جب تک نافع زندہ رہے، امام مالک برابر ان کے حلقہ درس میں جاتے تھے۔ ان سے پوچھتے تھے کہ ان مسائل میں ابن عمرؓ نے کیا فرمایا ہے۔^۶

فقہ : اپنے آقائے نامدار کے فیض سے فقہ میں بھی کامل تھے۔ حافظ ابن حجر ان کو نافع المفقہ لکھتے ہیں۔^۷ صحابہ کے بعد مدینہ کی صاحب علم و افتاء جماعت کے رکن رکین تھے۔^۸ لیکن اپنے آقا زادہ سالم بن عبد اللہ کی زندگی بھر جو مدینہ کے فقہائے سبعہ میں تھے اور نافع کے استاذ تھے، پاس اب سے فتویٰ نہیں دیا۔^۹ عمرؓ بن عبد العزیز اور نافع :

حضرت عمر بن عبد العزیز ان کے علم کے اتنے قائل تھے کہ انہیں مصر کے مسلمانوں کو سنت کی تعلیم دینے کے لئے بھیجا تھا۔^{۱۰}

۱۔ تہذیب المعجم ج ۱۰ ص ۴۱۴ ۲۔ ایضاً ۳۔ ایضاً ۴۔ ابن خلکان۔ جلد ۲ ص ۱۵۱
۵۔ تہذیب المعجم ج ۱۰ ص ۴۱۴ ۶۔ تذکرۃ الحفاظ جلد اول ص ۸۸ ۷۔ ابن سعد۔ جلد ۲۔ ترجمہ امام مالک
۸۔ تہذیب المعجم ج ۱۰ ص ۴۱۱ ۹۔ تذکرۃ الحفاظ جلد اول ص ۸۸ ۱۰۔ شذرات الذہب جلد اول ص ۱۵۴

حضرت ابن عمرؓ کی محبت :

ان کے کمالات کی وجہ سے عبداللہ بن عمرؓ کو بہت محبوب رکھتے تھے۔ بعض شائقین نے نافع کی غلامی کے زمانہ میں ان کی بڑی قیمت پیش کی، لیکن ابن عمرؓ علیحدہ کرنے پر آمادہ نہ ہوئے۔ عبداللہ بن جعفر نے بارہ ہزار کی خطیر رقم پیش کی۔ ابن عامر نے تیس ہزار قیمت لگائی۔ لیکن ابن عمرؓ نے سب کو نامنظور کر دیا اور اسی وقت یہ کہہ کر کہ ”مجھے خوف ہے کہ ابن عامر کے روپے مجھے فریفتہ کر لیں گے نافع کو آزاد کر دیا۔“

وفات : ۷۱ھ میں وفات پائی۔

۲۱

(۷۸) وہب بن منبہ

نام و نسب : وہب نام ہے۔ ابو عبداللہ کنیت۔ نسب نامہ یہ ہے : وہب بن منبہ بن کامل بن شیخ اس ذی کنناز یعنی صنعانی۔ ایک روایت یہ ہے کہ وہب عجمی النسل تھے۔ ان کے والد منبہ کسریٰ کے زمانہ میں جب اس نے سیف بن ذی یزین حمیری کی قیادت میں حبشہ پر مہم بھیجی تھی، یمن آئے اور پھر یہیں آباد ہو گئے، اور عہد نبوی میں مشرف باسلام ہوئے۔

پیدائش : ۳۴ھ میں پیدا ہوئے۔

فضل و کمال :

اسلامی علوم میں وہب کا کوئی خاص درجہ نہ تھا، لیکن مذاہب کے صحیفوں کے عالم تھے۔ تاہم ان سے وہ بے گانہ بھی نہ تھے اور تابعین میں ممتاز شخصیت کے مالک تھے۔ علامہ نووی لکھتے ہیں کہ وہ جلیل القدر تابعی ہیں۔ ان کی توثیق پر سب کا اتفاق ہے۔

حدیث : حدیث میں متعدد صحابہ سے فیض طلب ہوئے تھے۔ حضرت ابو ہریرہؓ، جابر بن عبداللہؓ، عبداللہ بن عباسؓ، عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ، ابوسعید خدریؓ، انس بن مالکؓ اور نعمان بن بشیرؓ سے ان کی روایات ملتی ہیں۔

ان کے صاحبزادے عبداللہ و عبدالرحمن اور بھتیجے عبدالصمد اور عقیل اور عام لوگوں میں عمرو بن دینار، ساک بن فضل اور اسرائیل وغیرہ نے ان سے سماع حدیث کیا تھا۔

فقہ : ان کے فقہ کے سلسلہ میں صرف اس قدر معلوم ہے کہ عمرؓ بن عبد العزیز کے زمانہ میں صنعاء کے عہدہ قضا پر تھے۔^۱

غیر مذہب کے صحیفوں کا علم :

وہب دوسرے مذاہب کے صحیفوں کے بڑے نامور عالم تھے اور اس میں ان کی جماعت میں کوئی مقابل نہ تھا۔ امام نووی لکھتے ہیں کہ وہ گزشتہ کتابوں کے علم و معرفت میں مشہور ہیں۔^۲ حافظ ذہبی لکھتے ہیں کہ وہ بڑے وسیع العلم تھے اور اپنے زمانہ میں کعب احبار کی نظیر کے مانے جاتے تھے۔^۳

مختلف روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے بانو ے الہامی کتابوں کا مطالعہ کیا تھا۔ جن میں بعض ایسی تھیں جن کے متعلق لوگوں کو کم واقفیت تھی۔ داؤد بن قیس صنعانی کا بیان ہے کہ میں نے وہب سے سنا ہے، وہ کہتے تھے کہ میں نے بانو ے آسمانی کتابیں پڑھی ہیں۔ جن میں سے بہتر کینسون میں اور لوگوں کے پاس موجود ہیں۔ اور بائیس کتابوں کا علم بہت کم لوگوں کو ہے۔ ان تمام کتابوں میں یہ مضمون مشترک ہے کہ جو انسان مشیت کی نسبت اپنی طرف کرتا ہے وہ کافر ہے۔ بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ تیس کتابیں ایسی پڑھیں تھیں، جو تیس نبیوں پر اتری تھیں۔^۴ ان دونوں روایتوں میں کوئی تضاد نہیں ہے، بلکہ دونوں صحیح ہیں۔

تیس کتابیں ایسی نہ رہی ہوں گی، جن کی حیثیت مستقل مصاحف کی ہوگی اور بقیہ مستقل کتابیں رہی ہوں گی۔ اس قدر مسلم ہے کہ وہ کتب ماضیہ کے سب سے بڑے عالم تھے اور قدیم صحیفوں کے مشہور اور نامور علماء کعب احبار اور عبد اللہ بن سلام دونوں کا مجموعی علم ان کی تنہا ذات میں جمع تھا۔^۵

تاریخ : وہب مورخ بھی تھے، اور سلاطین حمیر کے حالات میں انہوں نے ایک کتاب لکھی تھی۔^۶

فضائل اخلاق : فطرۃ نہایت صالح تھے۔ ان کتابوں کے مطالعہ نے اس کو اور زیادہ حلیم اور عبادت گزار بنا دیا تھا۔ وہ عابد شب زندہ دار تھے۔ ساری ساری رات عبادت کرتے تھے۔ کامل بیس سال تک انہوں نے عشاء کے وضو سے فجر کی نماز پڑھی ہے۔^۷ طبعیت میں نرمی اس قدر تھی کہ کسی ذی روح کے لئے زبان سے گالی یا درشت کلمہ نہ نکلا۔^۸

۱۔ تذکرۃ الحفاظ۔ جلد اول۔ ص ۱۸۹ ۲۔ تہذیب الاسماء۔ جلد اول۔ ص ۱۳۹ ۳۔ تذکرۃ الحفاظ۔ جلد اول۔ ص ۸۹

۴۔ ابن سعد۔ جلد ۵۔ ص ۳۹۶ ۵۔ تذکرۃ الحفاظ۔ جلد اول۔ ص ۸۹ ۶۔ شذرات الذہب۔ جلد اول۔ ص ۱۵

۷۔ ابن سعد۔ جلد ۵۔ ص ۳۹۶ ۸۔ ایضاً

غیر معتبر روایات : لیکن کعب احبار کی طرح ان کے ذریعہ بھی مسلمانوں میں غیر معتبر اسرائیلیات کی اشاعت ہوئی۔

وفات : ہشام بن عبد الملک کے عہد ۱۱۰ھ میں صنعاء میں وفات پائی۔

(۷۹) ہرم بن حیان عبدی

نام و نسب : ہرم نام ہے۔ والد کا نام حیان تھا۔ عبدی کی نسبت غیر معلوم ہے لیکن ان کے حالات سے اتنا معلوم ہوتا ہے کہ ”عبدیت“ کا حقیقی مظہر تھے، چونکہ طبقات و رجال کی کتابیں زیادہ تر علمی اغراض کے لئے لکھی گئی ہیں اور ان کے لکھنے والے محدثین ہیں اس لئے ان میں عموماً انہی لوگوں کے حالات ملتے ہیں جن کا تعلق کسی نہ کسی حیثیت سے علم سے تھا اور بزرگوں کے حالات جو اس مکتب کے تربیت یافتہ نہ تھے، یا جن کی روحانیت کے نور نے ان کی علمی روشنی کو مدہم کر دیا تھا۔ بہت کم ملتے ہیں، ابن حبان بھی اسی مقدس زمرہ میں تھے اس لئے ان کے حالات ابن سعد کے علاوہ کسی کتاب میں نہیں ملتے۔ کان لہ فضل و عبادۃ۔

علمی حیثیت : اگرچہ ابن حیان ظاہری علوم سے بے گانہ تھے لیکن ان کا شمار صاحب فضل تابعین میں ہے۔ ان کے ہم مشرب حضرت خولجہ حسن بصری نے ان سے روایت کی ہے لیکن وہ کسی اور ہی مکتب کے تربیت یافتہ تھے۔ اس لئے انہوں نے علم کی قبا نہیں پہنی اور نہ اس زمرہ میں ان کا شمار ہوا۔ روحانی کمالات ان کا اصل رنگ زہد و عبادت اور فنا فی اللہ تھا، علامہ ابن سعد لکھتے ہیں : کان لہ فضل و عبادۃ۔

ایک سبق آموز مثال :

ان کے رنگ طبع کے اعتبار سے ان کو دنیاوی امور سے کوئی مناسبت نہ تھی لیکن بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ نے اپنے زمانہ میں کوئی عہدہ یا کوئی خدمت ان کے متعلق تھی، لیکن اس سے ان کو کیا نسبت ہو سکتی تھی دنیاوی عہدوں کے اوصاف و لوازم سے ان کے پاس اگر کوئی چیز ہو سکتی تھی تو دیانت تھی جس کا ثبوت انہوں نے ایک سبق آموز شکل میں دیا۔ عہدہ ملنے کے بعد انہوں نے اپنے اعزہ و احباب کی یورش کے خیال سے غالباً گزرگاہ پر یا کسی اور شکل سے اس طرح آگ جلوا دی کہ وہ ان کے اور باہر آنے والوں کے درمیان حائل ہو جائے چنانچہ کچھ لوگ آئے اور دور سے سلام کر کے

کھڑے ہو گئے ہرم نے ان کے ساتھ ظاہری اخلاق صرف کیا۔ اور خوش آمدید کہہ کر بلایا، انہوں نے کہا آئیں کسی طرح ہمارے اور آپ کے درمیان تو آگ حائل ہے۔ آپ نے یہ سبق آموز جواب دیا کہ تم لوگ خود تو اتنی آگ کو عبور نہیں کر سکتے اور مجھ کو اس سے زیادہ آتش سوزان میں جھونکنا چاہتے ہو یہ جواب سن کر وہ لوٹ گئے۔

عمل کی اہمیت :

علم کو وہ زیادہ اہمیت نہ دیتے تھے، اصل شے عمل کو سمجھتے تھے اور بے علم علماء سے سخت نفرت کرتے تھے۔ اور انہیں فاسق کہتے تھے ایک مرتبہ لوگوں سے فرمایا کہ تم لوگ فاسق علماء سے بچتے رہو۔ حضرت عمرؓ کو اس کی اطلاع ہوئی تو سخت متعجب ہوئے کہ عالم فاسق کیسے ہو سکتا ہے انہوں نے ابن حیان سے پوچھ بھیجا۔ انہوں نے جواب دیا کہ خدا کی قسم امیر المومنین اس میں میری نیت نیک تھی، بسا اوقات امام کہتا تو علمی باتیں ہے لیکن عمل فاسق کا کرتا ہے اس لئے لوگ شبہ میں پڑ کر گمراہ ہو جاتے ہیں۔

خواجه اولیس قرنی کی باتیں :

حضرت اولیس قرنی ان کے ہم مشرب و ہم مذاق تھے۔ اس لئے ان دونوں کی ملاقاتیں نہایت پر کیف ہوتی تھیں۔ ابن حیان ان کی ایک ملاقات کا واہمہ اس طرح بیان کرتے ہیں کہ میں بصرہ سے آرہا تھا کہ فرات کے کنارہ اولیس سے ملاقات ہوئی۔ میں نے پوچھا میرے بھائی کیا حال ہیں، کیسا مزاج ہے۔

اولیس کیا حال ہے، کیسا مزاج ہے، انہوں نے کہا میرے بھائی کیسے ہو؟ اس ابتدائی آداب ملاقات کے بعد میں نے ان سے فرمائش کی کہ کوئی حدیث سنائیے۔ جواب دیا میں اپنے اوپر یہ دروازہ کھول کر محدث قصہ گو اور مفتی بننا پسند نہیں کرتا۔ یہ کہہ کر وہ میرا ہاتھ پکڑ کر روئے۔ میں نے کہا کچھ قرآن ہی سنائیے۔ آپ نے یہ آیتیں تلاوت کیں :

”حَمَّ وَالْكِتَابِ الْمُبِينِ اَنَا اَنْزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةِ مَبَارَكَةٍ اَنَا كُنَّا مُنْزِلِينَ

هو العزيز الرحيم“۔

”حَمَّ یہ کتاب جو واضح ہے ہم نے اس کو مبارک رات میں اتارا کہ لوگوں کو ڈرانے والے تھے۔“

هو العزيز الرحيم تک سنا کہ بے ہوش ہو گئے، ہوش آنے کے بعد فرمایا، مجھے عزلت اور تنہائی زیادہ پسند ہے۔

وصیت وفات : اس رنگ کے باوجود جہاد فی سبیل اللہ کے لئے ہمیشہ آمادہ رہتے تھے اور آپ کے سامان میں زرہ اور گھوڑا رہتے تھے، اسی سلسلہ میں کسی مہم کے لئے نکلے اور انتقال کر گئے غالباً دورانِ علالت میں یا کسی اور موقع پر کسی نے عرض کیا کہ کچھ وصیت فرمائیے فرمایا کیا وصیت کروں بس صرف یہ وصیت ہے کہ میری زرہ بیچ کر میرا قرض ادا کرنا۔ اگر زرہ کافی نہ ہو تو گھوڑی بھی بیچ ڈالنا۔ اگر یہ بھی کافی نہ ہو تو غلام بھی فروخت کر دینا۔ سورہ نحل کی ان آخری آیات کو ہمیشہ نظر رکھنا۔

”ادع الی سبیل ربک بالحکمة والموعظة الحسنة“۔ (الابۃ)

”خدا کے راستہ پر حکمت اور عظمتِ حسنہ کے ساتھ لوگوں کو بلاؤ۔“

تجہیز و تکفین کے بعد آسمان نے قبر پر ابر رحمت کے موتی برسائے۔

(۸۰) ہشام بن عروہؓ

نام و نسب : ہشام نام، ابو عبد اللہ کنیت، مشہور صحابی حضرت زبیر بن عوام کے پوتے تھے ان کے والد عروہ بھی بڑے جلیل القدر تابعی اور مدینہ کے سات مشہور فقہاء میں سے ایک تھے ان کے حالات اوپر گزر چکے ہیں۔

اکابر صحابہ میں انہوں نے حضرت عبد اللہ بن عمرؓ کو دیکھا تھا ان کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ مجھے اور میرے بھائی محمد کو ابن عمرؓ کے پاس بھیجا گیا۔ انہوں نے گود میں بٹھا کر ہمارا بوسہ لیا۔^۱ غالباً اسی یا کسی اور ملاقات میں ابن عمرؓ نے ان کے سر پر دستِ شفقت پھیر کر انہیں دعا دی۔^۲

فضل و کمال : ہشام ایک جلیل القدر تابعی کے لڑکے اور ایک جلیل القدر صحابی کے پوتے تھے اس لئے علم کی دولت گویا انہیں وراثۃً ملی تھی ان کا شمار ان کے عہد کے علمائے تابعین میں تھا۔ امام نووی لکھتے ہیں کہ ان کی توثیق، جلالت اور امامت پر سب کا اتفاق ہے۔^۳

حدیث : حدیث کے ممتاز حافظ تھے علامہ ابن سعد ان کو ثقہ، شہید، کثیر الحدیث اور حجت اور حافظ ذہبی امام، حافظ اور حجت لکھتے ہیں۔^۴ ائمہ فن ان کی وسعتِ علم کے اتنے معترف تھے کہ ابو حاتم رازی ان کو امام حدیث اور وہیب، حسن بصری اور ابن سیرین کا درجہ دیتے تھے۔^۵

۱۔ یہ تمام حالت ابن سعد۔ جلد ۷۔ ق ۱۔ ص ۹۱۔ ۹۷ سے ماخوذ ہیں۔ ۲۔ تاریخ خطیب۔ جلد ۱۳۔ ص ۳۸۔

۳۔ تہذیب التہذیب۔ جلد ۱۱۔ ص ۳۸۔

۴۔ تذکرۃ الحفاظ۔ جلد اول۔ ص ۱۲۹۔

۵۔ ابن سعد۔ جلد ۷۔ ق ۲۔ ص ۶۷۔

شیوخ : صحابہ میں انہوں نے صرف اپنے چچا عبداللہ بن زبیرؓ اور دوسرے علماء میں عبداللہ بن عروہ، عباد بن خزیمہ، عوف بن حارث بن طفیل، ابی سلمہ بن عبد الرحمن ابن منکر، وہب بن کیسان، صالح السمان، عبداللہ بن ابی بکر، عبد الرحمن بن سعد اور محمد بن ابراہیم وغیرہ سے استفادہ کیا تھا۔

تلامذہ : ان کے تلامذہ میں یحییٰ بن سعید انصاری، ایوب سختیانی، مالک بن انس، عبید اللہ بن عمر ابن جریج، سفیان ثوری، لیث بن سعد، سفیان بن عیینہ، یحییٰ بن سعید بن القطان اور وکیع ابن جراح لائق ذکر ہیں۔

فقہ : ان کے والد عروہ مدینہ کے سات مشہور فقہاء میں سے تھے۔ ان کے تفقہ سے ان کو وافر حصہ ملا تھا۔ حافظ ذہبی ان کو فقیہ لکھتے تھے۔

زہد و ورع :

علم کے ساتھ عمل و اخلاق سے بھی آراستہ تھے۔ ابن حبان ان کو فاضل اور ورع لکھتے ہیں۔

تہذیب لسان :

نہایت مہذب اور شائستہ تھے۔ ان کی زبان سے کبھی کوئی بے جا کلمہ نہ نکلتا تھا۔ منذر بن عبداللہ کا بیان ہے کہ میں نے ہشام کی زبان سے ایک مرتبہ کے سوا کبھی کوئی بُرا کلمہ نہیں سنا۔

فیاضی : نہایت فیاض اور سیر چشم تھے۔ ان کی فیاضی اعتدال سے اتنی بڑھ گئی تھی کہ ایک لاکھ مقروض ہو گئے تھے۔

بغداد کا سفر : اس کی ادائیگی کی فکر میں وہ خلیفہ ابو جعفر منصور عباسی کے پاس بغداد گئے۔ اس نے بڑا خیر مقدم کیا۔ انہوں نے اپنی غرض پیش کی۔ اس نے پوچھا کتنا قرض ہے۔ فرمایا ایک لاکھ۔ منصور نے کہا، آپ اس فضل و کمال کے باوجود اتنا بڑا قرض لیتے ہیں، جس کی ادائیگی آپ کے امکان میں نہیں۔ انہوں نے کہا خاندان کے بہت لڑکے جوان ہو گئے تھے، مجھے خوف تھا کہ ان اگر ان کی شادیاں نہ کی گئیں تو وہ بے خانماں ہو جائیں گے۔ اس لئے میں نے خدا اور امیر المومنین کے اعتماد پر ان کا گھر بسا کر ان کا ٹھکانا کر دیا اور ان کی جانب سے ولیمہ کیا۔ یہ سارا قرض اسی کا ہے۔

۱۔ تہذیب العہد یب۔ جلد ۱۱۔ ص ۴۸ ۲۔ ایضاً ۳۔ تذکرۃ الحفاظ۔ جلد اول۔ ص ۱۲۹

۴۔ تہذیب العہد یب۔ جلد ۱۱۔ ص ۹۱ ۵۔ تاریخ خطیب۔ جلد ۱۴۔ ص ۱۳۸

ابو جعفر منصور نے حیرت کے لہجہ میں دو مرتبہ ایک لاکھ ایک لاکھ کہا! اور دس ہزار روپیہ دینے کا حکم دیا۔ انہوں نے کہا، امیر المومنین جو کچھ دے رہے ہیں جو خوش دلی سے دے رہے ہیں (یا جبر سے)۔ میں نے سنا ہے کہ رسول اللہ فرماتے تھے کہ جو شخص خوش دلی سے عطیہ دیتا ہے تو اس میں دینے والے اور لینے والے دونوں کو برکت ہوتی ہے۔ منصور نے کہا میں نے خوش دلی سے دیا ہے۔

وفات : بغداد ہی میں ۱۳۶ھ میں وفات پائی۔ اتفاق سے اسی دن عباسیوں کے ایک بڑے جلیل القدر اور نامور غلام کا بھی انتقال ہو گیا تھا۔ اس لئے دونوں کے جنازے ایک ساتھ اٹھائے گئے، لیکن منصور نے ہشام کے رتبہ کی وجہ سے ان کے جنازہ کی نماز پڑھائی۔ ہاورن کی ماں خیزرن ان کے قبرستان میں دفن کئے گئے۔

(۸۱) یحییٰ بن سعید

نام و نسب : یحییٰ نام ہے۔ ابو سعید کنیت۔ نسب نامہ یہ ہے : یحییٰ بن سعید بن قیس بن عمرو بن اہل ابن ثعلبہ بن حارث بن زید ثعلبہ بن غنم بن مالک بن نجار انصاری مدنی۔

فضل و کمال : یحییٰ علمی اعتبار سے اپنے دور کے ممتاز ترین تابعین میں تھے۔ ان کی علمی جلالت پر تمام آئمہ کا اتفاق ہے۔ امام نووی لکھتے ہیں کہ ان کی توثیق، جلالت اور امامت پر سب کا اجماع ہے۔ حافظ ذہبی ان کو امام اور شیخ الاسلام لکھتے ہیں۔

حدیث : اگرچہ یحییٰ بن سعید اس دور کے بزرگ ہیں۔ جب کہ عہد صحابہ کی بہار آخر ہو چکی تھی پھر جو باقیات صالحیات رہ گئے تھے، یحییٰ نے ان سے پورا فائدہ اٹھایا تھا۔ چنانچہ صحابہ اور کبار تابعین میں انہوں نے انس بن مالک، سائب بن زید، عبدا بن عامر ربیعہ، ابوالامامہ بن اہل بن حنیف، سعید بن مسیب، قاسم بن محمد عمرو بن سلمہ بن عبد الرحمن، عمرو بن زبیر، سلیمان ابن یسار وغیرہ سے انہوں نے سماع حدیث کیا تھا۔

ان بزرگوں کے فیض نے یحییٰ کو بڑا حافظ بنا دیا تھا۔ علامہ ابن سعد لکھتے ہیں، ”کان ثقہ کثیر الحدیث حجة ثبتا“۔ ابن مبارک انہیں اکابر حفاظ حدیث میں شمار کرتے تھے۔ ابی حاتم

۱۔ تاریخ خطیب۔ جلد ۱۳۔ ص ۳۹ ۲۔ ایضاً۔ ص ۴۱ د ابن سعد۔ جلد ۷۔ ق ۲۲۔ ص ۶۷

۳۔ تہذیب التجذیب۔ جلد اول۔ ص ۱۵۴ ۴۔ تذکرۃ الحفاظ۔ جلد اول۔ ص ۱۲۲

۵۔ تہذیب الاسماء۔ جلد اول۔ ص ۱۵۴ ۶۔ تہذیب التجذیب۔ جلد ۱۱۔ ص ۲۲۲ بحوالہ ابن سعد

انہیں امام زہریؒ کے برابر سمجھتے تھے۔ مدینہ کے دو شخص ایسے تھے، جن کی ذات سے مدینہ الرسول کا علم محفوظ رہا۔ ایک زہری دوسرے یحییٰ بن سعید۔ اگر یہ دونوں نہ ہوتے تو بہت سے سنن ضائع ہو جاتے۔ کبار تابعین کے بعد مدینہ میں چار حاملین علم تھے۔ ان میں ایک یحییٰ بن سعید ہیں۔ سفیان ثوری کا بیان ہے کہ اہل مدینہ انہیں زہری سے بھی زیادہ مرتبہ سمجھتے تھے۔

حضرت یحییٰ القطان کہتے ہیں کہ یحییٰ بن سعید کو اس حیثیت سے زہری پر تفوق حاصل ہے کہ زہری کے بارے میں لوگوں کا اختلاف موجود ہے لیکن ان کے بارے میں کسی نے اختلاف نہیں کیا۔ ابن مدینی کے بیان کے مطابق ان کی مرویات کی تعداد تین سو ہے۔ اور یزید بن ہارون کا بیان ہے کہ انہوں نے ان کی تین ہزار حدیثیں حفظ کی تھیں۔

تلامذہ : ان کے خوشہ چینیوں کا دائرہ نہایت وسیع تھا۔ ان میں سے بعض نامور تلامذہ یہ ہیں، ہشام بن عروہ، حمید الطویل، یزید بن عبد اللہ بن اسامہ، ابن جریج، اوزاعی، مالک بن انس، دونوں سفیان، حماد، لیث، ابن مبارک، شعبہ، یحییٰ بن سعید القطان اور یحییٰ بن سعید اموی وغیرہ۔

فقہ : فقہ میں بھی وہ امتیازی پایہ رکھتے تھے۔ ایوب سختیانی کہتے تھے کہ میں نے یحییٰ سے بڑا فقہ مدینہ میں نہیں چھوڑا۔ ان کے تفقہ کی ایک سند یہ بھی ہے کہ وہ مدینہ الرسول کے جو مخزن فقہاء تھا، قاضی تھے۔ مروان کے زمانہ میں حج کے موقع پر منادی کی جاتی تھی کہ حجاج کو یحییٰ بن سعید کے علاوہ کوئی دوسرا فتویٰ نہ دے۔

عہدہ قضاء : ابتدا میں مدینہ کے قاضی تھے۔ پھر دولت عباسیہ کے قیام کے بعد ابو جعفر منصور عباسی نے انہیں بلا کر قاضی القضاۃ کے جلیل القدر منصب پر ممتاز کیا۔

ایک روایت ہے کہ وہ ہاشمیہ میں اس عہدہ پر ممتاز ہوئے۔ دوسری یہ کہ بغداد میں، مدینہ کے قیام کے زمانہ میں ان کی مالی حالت نہایت خراب ہو گئی تھی۔ بڑی عسرت کی زندگی بسر کرتے تھے۔ بہت مقروض ہو گئے تھے۔ عین اسی زمانہ میں منصور نے عہدہ قضاء کے لئے طلب کیا۔ اس عہدہ پر تقرر کے دو مہینے کے اندر ان کی حالت درست ہو گئی اور کل قرض ادا ہو گیا۔

۱۔ بحوالہ ابن سعد ۲۔ تذکرۃ الحفاظ۔ جلد اول۔ ص ۱۲۳ ۳۔ ایضاً ۴۔ ایضاً۔ ص ۱۲۵

۵۔ تہذیب الاسماء۔ جلد اول۔ ص ۱۵۳ ۶۔ ایضاً۔ ص ۱۲۲ ۷۔ تذکرۃ الحفاظ۔ جلد اول۔ ص ۱۲۲

۸۔ ایضاً۔ ص ۱۲۲ ۹۔ ایضاً۔ ص ۱۲۲ ۱۰۔ تہذیب الاسماء۔ جلد اول۔ ص ۱۵۳

۱۱۔ تذکرۃ الحفاظ۔ جلد اول۔ ص ۱۲۲

بعض زریں اصول :

حضرت یحییٰ بن سعید بعض نہایت زریں اصول ارشاد فرماتے تھے۔ جو آج بھی مذہبی مسائل میں ادنیٰ اختلاف پر ایک دوسرے کو ہدفِ ملامت بنانے والوں کے لئے سبق کا کام دے سکتے ہیں، فرماتے تھے کہ ”اہل علم وسعت ہیں، مفتیوں میں مسائل میں ہمیشہ سے باہم اختلاف ہوتا چلا آیا ہے۔ ایک شخص ایک شے کو حرام کہتا اور دوسرا حلال۔ لیکن اس اختلاف سے کوئی ایک دوسرے پر عیب نہیں لگاتا“۔^۱

وفات : ۱۴۳ھ میں ہاشمیہ میں وفات پائی۔^۲

(۸۲) یحییٰ بن یحییٰ

نام و نسب : یحییٰ نام ہے۔ ابوسلیمان کنیت۔ نسبی تعلق قبیلہ لیث سے تھا۔

فضل و کمال : قرآن، حدیث، فقہ، زبان اور ادب جملہ علوم کے جامع تھے۔

قرآن : قرآن کے ممتاز عالم تھے۔ علامہ ابن سعد انہیں علمائے قرآن لکھتے ہیں۔^۳

حدیث : حافظ حدیث بھی تھے۔ حافظ ذہبی نے حفاظ تابعین کے دوسرے طبقہ میں ان کے حالات لکھے ہیں۔ صحابہ میں انہوں نے حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ، عمار بن یاسرؓ، ابوذر غفاریؓ، ابو ہریرہؓ، ابو موسیٰ اشعریؓ، ابوسعید خدریؓ، ابن عباسؓ، ابن عمرؓ، سلیمان بن ضررؓ اور حضرت عائشہ صدیقہؓ جیسے اکابر سے روایتیں کی ہیں۔^۴

یحییٰ بن یحییٰ، سلیمان بن یحییٰ، عبد اللہ بن یحییٰ، قتادہ، عکرمہ، عطاء خراسانی، رکیبن بن ربیع، عبد اللہ بن کلب سدوسی، ازرق بن قیس اور اسحق بن نوید وغیرہ ان کے زمرہ تلامذہ میں تھے۔^۵

فقہ : فقہ میں بھی انہیں پورا ادراک تھا۔ حافظ ذہبی انہیں فقیہ علماء میں لکھتے ہیں۔^۶ ان کے فقہ کی ایک سند یہ ہے کہ مرو کے قاضی تھے۔^۷

زبان و ادب :

ان مذہبی علوم کے علاوہ زبان و ادب میں بھی انہیں مہارت تھی۔ نحو اور عربی زبان کے فاضل تھے۔^۸ نحو انہوں نے اس کے موجد اول ابوالاسود دؤلی سے حاصل تھی۔^۹

۱۔ تذکرۃ الحفاظ۔ جلد اول۔ ص ۱۲۴ ۲۔ ایضاً ۳۔ ابن سعد۔ جلد ۷۔ ق ۲۔ ص ۱۰۱

۴۔ تہذیب التہذیب۔ جلد ۱۱۔ ص ۱۶۲۵ ۵۔ ایضاً ۶۔ تذکرۃ الحفاظ۔ جلد اول۔ ص ۶۵

۷۔ ابن سعد۔ جلد ۵۔ ق ۲۔ ص ۱۰۱ ۸۔ ایضاً ۹۔ تہذیب التہذیب۔ جلد ۱۱۔ ص ۳۰۵

فصاحت و بلاغت :

زبان پر عبور کے ساتھ وہ بڑے فصیح و بلیغ تھے۔ ان کا شمار ممتاز فصحاء میں تھا^۱۔

قضاءت میں سہولت :

یحییٰ خراسان کے پایہ تخت مرو کے قاضی تھے۔ مرو میں باقاعدہ دارالقضاء تھا۔ لیکن حاجت مندوں کی آسانی کے لئے وہ چلتے پھرتے، راستے گلی میں تازعوں کا فیصلہ کر دیتے تھے۔ یحییٰ بن موسیٰ بن یسار کا بیان ہے کہ میں نے یحییٰ بن یحمر کو بازاروں اور گلیوں میں فیصلہ کرتے ہوئے دیکھا ہے۔ بسا اوقات وہ سواری پر چلتے ہوئے، اس حالت میں اگر دو فریق آ جاتے تو سواری روک کر کھڑے کھڑے فیصلہ دے دیتے^۲۔

ایک اہم کارنامہ :

ان کی زندگی کا سب سے اہم کارنامہ جو ابداً آباد قائم رہے گا قرآن کو منقوٹ کرنا ہے۔ ابتداء میں قرآن پاک نقطوں سے خالی تھا۔ سب سے اول یحییٰ نے پڑھنے والوں کی آسانی کے لئے نقطے لگائے^۳۔

اہل بیت نبوی سے عقیدت :

اہل بیت نبوی کے ساتھ ان کو نہایت گہری عقیدت تھی، اور وہ ان کو بلا تفریق سب پر فضیلت دیتے تھے۔ لیکن کسی کی تنقیص نہ کرتے۔

ایک مرتبہ حجاج نے ان سے کہا، تمہارا خیال ہے کہ حسن و حسینؑ رسول اللہؐ کی ذریت میں تھے؟ یا تو تم اس خیال سے باز آؤ یا اس کا ثبوت پیش کرو۔ انہوں نے قرآن کی یہ آیت پیش کر کے ”ومن ذریۃ ۱۵ ؤد و سلیمان و زکریا و یحییٰ و عیسیٰ“ کہا عیسیٰؑ اور ابراہیمؑ کے درمیان اس سے کہیں کم تعلق ہے، جتنا حسنؑ و حسینؑ اور محمدؐ کے درمیان ہے۔ اس جواب میں یہ نکتہ ہے کہ جب عیسیٰؑ بعد زمانی کے باوجود صرف مادری تعلق سے ابراہیمؑ کی ذریت ہو سکتے ہیں تو حسنؑ و حسینؑ کے جو خاص نواسے ہیں رسول اللہؐ کی ذریت میں کیا شبہ۔ یہ جواب سن کر حجاج مطمئن ہو گیا^۴۔

وفات : باختلاف روایت ۱۱۹ھ یا ۱۲۰ھ میں انتقال کیا۔

۱۔ شذرات الذہب۔ جلد اول۔ ص ۱۷۶

۲۔ ابن سعد۔ جلد اول۔ ق ۲-۱۰۱

۳۔ شذرات الذہب۔ جلد اول۔ ص ۱۷۶

۴۔ تذکرۃ الحفاظ۔ جلد اول۔ ص ۶۵

(۸۳) یزید بن ابی حبیبؓ

نام و نسب : یزید نام ہے۔ ابو رجاء کنیت۔ قریش کی شاخ بنی عامر بن لوئی کے غلام تھے، ان کے والد ابو حبیب (اسود) نوبی تھے، ان کے وطن و نقلہ تھا۔

پیدائش : یزید ۵۳ھ میں پیدا ہوئے اور مصر میں ان کی نشوونما ہوئی۔

فضل و کمال : فضل و کمال کے لحاظ سے مصر کے آئمہ تابعین میں تھے، حافظ ذہبی انہیں امام الکبیر لکھتے ہیں۔ مصر میں ان ہی کی ذات سے دینی علوم کا صحیح ذوق پیدا ہوا۔ ابن یونس کا بیان ہے کہ وہ پہلے شخص ہیں جن کی ذات سے مصر میں علم ظاہر ہوا۔ اور حلال حرام کے مسائل کا آغاز ہوا۔ ان سے پہلے اہل مصر کا علم محض ترغیب اور ملاحم و فتن تک محدود تھا۔

حدیث : وہ مصر کے ممتاز حفاظ حدیث میں تھے۔ علامہ ابن سعد ثقہ اور کثیر الحدیث اور حافظ ذہبی حجتہ اور حافظ حدیث لکھتے ہیں۔

حدیث میں انہوں نے عبداللہ بن حارث بن جزوز بیدی، ابو الطفیل، اسلم بن یزید، ابی عمران، ابراہیم بن عبداللہ بن حنین، خیر بن نعیم حضری، سوید بن قیس، عبدالرحمن بن شماسہ مہری، عبدالعزیز ابن ابی الصعبہ، عطاء بن ابی رباح، عراق بن مالک اور امام زہری وغیرہ سے استفادہ کیا تھا۔

ان سے فیض یاب ہونے والوں میں سلیمان التیمی، محمد بن اسحاق، زید بن ابیہ، عمرو بن الحارث، عبدالحمید بن جعفر، ابن لہیعہ اور لیث بن سعد لائق ذکر ہیں۔

فقہ : فقہ میں انہیں بڑی دستگاہ حاصل تھی، حافظ ذہبی ان کو فقیہ لکھتے ہیں۔ عمر بن عبدالعزیز نے مصر میں تین آدمیوں کو افتاء کے منصب پر ممتاز کیا تھا۔ ان میں سے ایک یزید بھی تھے۔ انہی کی وجہ سے مصر میں فقہ کا مذاق پیدا ہوا۔

علمائے معاصرین کی رائے :

ان کے کمالات کے متعلق ان کے عہد کے علماء کی یہ رائے تھی۔ لیث بن سعد کہتے تھے کہ یزید ہمارے عالم اور ہمارے سردار ہیں۔ ایک دوسری روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ لیث ان کے اور

۱۔ تذکرۃ الحفاظ، جلد اول۔ ص ۱۱۶ ۲۔ ایضاً ۳۔ ابن سعد۔ جلد ۷۔ ق ۲۔ ص ۲۰۲

۳۔ تذکرۃ الحفاظ۔ جلد اول۔ ص ۱۱۶ ۴۔ تہذیب الجہدیب۔ جلد ۱۱۔ ص ۳۱۸

۵۔ تذکرۃ الحفاظ۔ جلد اول۔ ص ۱۱۵ ۶۔ ایضاً ۱۱۶ ۷۔ محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

عبید بن جعفر کے متعلق کہتے تھے کہ یہ دونوں ملک کے جوہر ہیں۔ عمرو بن حارث سے کسی نے سوال کیا کہ یزید افضل ہیں یا عبداللہ بن جعفر انہوں نے جواب دیا اگر وہ دونوں ترازو میں تولے جائیں تو کسی کا پلہ بھاری نہ ہوگا^۱۔

احتیاط : محتاط تابعین کی طرح وہ بھی اس قدر احتیاط کرتے تھے کہ جب ان کے پاس سائلین کی سہولت ہوگئی تو انہوں نے خانہ نشینی اختیار کی^۲۔

علم کی عظمت : علم کا بڑا وقار قائم رکھتے تھے اور اس سلسلہ میں کسی امیر کے آستانہ پر جانا گوارا نہیں تھا۔ جس کو ضرورت ہوتی اس کو خود یہاں بلاتے تھے۔ ایک مرتبہ ریان بن عبدالعزیز نے آپ کے پاس کہلا بھیجا کہ آپ میرے پاس آئیے میں آپ سے کچھ معلومات حاصل کرنا چاہتا ہوں۔ آپ نے جواب میں کہلا بھیجا کہ تم خود میرے پاس آؤ میرے پاس آنا تمہارے لئے زینت اور میرا تمہارے پاس جانا تمہارے لئے عیب دار ہے^۳۔

صاف گوئی : امراء کو مطلق خاطر میں نہ لاتے۔ ان کے منہ پر ان کی برائیاں بیان کرتے۔ ایک مرتبہ آپ بیمار پڑے۔ حوثرہ بن سہیل امیر مصر آپ کی عیادت کے لئے آیا اور پوچھا جس کپڑے میں مجھ کا خون لگا ہو۔ اس میں نماز پڑھنے کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے؟ یہ سوال سن کر آپ نے اس کی طرف سے منہ پھیر لیا اور اس سے گفتگو بند کر دی۔ یہ دیکھ کر حوثرہ اٹھ گیا۔ آپ نے اس کی طرف دیکھ کر کہا روزانہ خلق اللہ کا خون کرتے ہو اور مجھ سے مجھ کے خون کے متعلق پوچھتے ہو^۴۔

وفات : مروان کے عہد حکومت ۱۱۸ھ میں وفات پائی^۵۔

بعض خاص اوصاف :

عقل و دانش اور حلم اور تحمل کے زیور سے آراستہ تھے۔ کان حلیماء عاقلان۔

۷۲ یونس بن عبید (۸۴)

نام و نسب : یونس نام، ابو عبید اللہ کنیت، بنی عبد قیس کے غلام تھے۔

فضل و کمال : یونس اگرچہ غلام تھے۔ لیکن حسن بصری کے خاص اصحاب میں تھے۔ ان کے فیض صحبت و ہم نشینی نے ان کو دولتِ علم و عمل سے مالا مال کر دیا تھا۔ حافظ ذہبی ان کو امام حجتہ اور قدوہ

۱۔ تذکرۃ الحفاظ۔ جلد اول۔ ص ۱۱۵-۱۱۶ ۲۔ ایضاً ۳۔ ایضاً ۴۔ ایضاً

۵۔ ابن سعد۔ جلد ۲۔ ص ۲۰۲

لکھتے ہیں^۱۔ امام نووی لکھتے ہیں کہ ان کی توثیق اور جلالت پر سب کا اتفاق ہے اور وہ جلیل القدر تابعی تھے^۲۔ ابن حبان لکھتے ہیں کہ وہ علم و فضل، حفظ و اتقان، پابندی سنت اور اہل بدعت سے بغض، تقشف، تفقہ فی الدین اور کثرت حفظ میں اپنے زمانہ کے سادات میں تھے^۳۔

حدیث : حدیث میں اپنے عہد کے ممتاز حفاظ میں تھے۔ علامہ ابن سعد لکھتے ہیں : کان ثقفہ کثیر الحدیث ۔

صحابہ میں انہوں نے انس بن مالکؓ کو دیکھا تھا، لیکن ان سے فیضیاب نہ ہو سکے۔ انہوں نے زیادہ تر حضرت حسن بصریؒ سے استفادہ کیا^۴۔ ان کے بعد محمد بن سیرین، ثابت البنانی، عبد الرحمن بن ابی بکرہ، حکیم بن عرج، نافع مولیٰ ابن عمر، حمید بن بلال، عطاء بن ابی رباح وغیرہ سے سماع حدیث کیا تھا^۵۔

حدیث میں اپنے اکثر معاصرین پر فائق تھے۔ سعید بن عامر کا بیان ہے کہ میں نے یونس بن عبیدؒ سے افضل کسی کو نہیں پایا۔ تمام اہل بصرہ کی یہی رائے ہے۔ ابو حاتم کہتے ہیں کہ وہ سلیمان تیمی سے بھی بلند مرتبہ ہے۔ تیمی ان کے مرتبہ کو نہیں پہنچ سکتے تھے^۶۔

اس کمال کے ساتھ وہ حدیث میں بڑے محتاط تھے۔ حدیث بیان کرنے کے بعد ہمیشہ تین مرتبہ استغفر اللہ کہتے تھے۔ محض احتیاط کی بناء پر حدیثوں کو قلم بند نہیں کرتے تھے۔

تلامذہ : قابل ذکر تلامذہ کے نام یہ ہیں، ان کے صاحبزادے عبد اللہ، شعبہ، ثوری، وہیب حماد، عبد اللہ بن عیسیٰ، خزاز اور خارجہ بن مصعب وغیرہ^۷۔

اخلاص فی العلم :

ان کی علمی طلب شہرت اور نامور کے لئے نہیں، بلکہ خالصۃً للہ تھی۔ ہشام بن حسام کا بیان ہے کہ میں نے یونس بن عبید کے سوا کسی کو ایسا نہیں پایا جس کی غرض علم سے محض وجہ اللہ ہو^۸۔

فضائل اخلاق :

ذہور علم کے ساتھ عمل بھی یہی درجہ کا تھا۔ عقائد میں بڑے قشد اور مذہب میں بڑے متعفف تھے۔ ابن حبان لکھتے ہیں کہ وہ بڑے عامل سنت بدعات سے نفرت کرنے والے اور متعفف تھے۔

۱۔ تذکرۃ الحفاظ۔ جلد اول۔ ص ۱۳۰ ۲۔ تہذیب الاسماء۔ جلد اول۔ ص ۱۶۸

۳۔ تہذیب التہذیب۔ جلد ۱۱۔ ص ۲۳۵ ۴۔ ابن سعد۔ جلد ۷۔ ق ۲۔ ص ۲۳

۵۔ تہذیب التہذیب۔ جلد ۱۱۔ ص ۲۳۲ ۶۔ تذکرۃ الحفاظ۔ جلد اول۔ ص ۱۳۰

۷۔ ابن سعد۔ جلد ۷۔ ق ۲۔ ص ۲۳ ۸۔ تہذیب التہذیب۔ جلد ۱۱۔ ص ۲۳۲ ۹۔ تذکرۃ الحفاظ۔ جلد اول۔ ص ۱۳۰

عقائد کے باب میں اتنے متشدد تھے کہ جدید عقائد و خیالات کو گناہ کبیرہ سے بھی بڑھ کر سمجھتے تھے۔ اپنے صاحبزادے سے ایک مرتبہ فرمایا کہ میں تم کو سود، چوری اور شراب نوشی سے منع کرتا ہوں۔ لیکن تمہارا ان چیزوں میں مبتلا ہو کر خدا سے ملنا، اس کے مقابلہ میں زیادہ پسند کرتا ہوں کہ عمرو بن عبید اور اس کے ساتھیوں کے ہم خیال ہو کر اس سے ملو۔^۱

مبتدعین کی عیادت کرنا بھی کارِ ثواب نہ سمجھتے تھے۔ ایک مرتبہ ایک شخص نے آپ سے پوچھا کہ میرا ایک معتزلی پڑوسی بیمار ہے، میں اس کی عیادت کروں۔ فرمایا ثواب کی نیت سے نہیں۔^۲ فرائض کے علاوہ زیادہ روزہ نماز نہ کرتے تھے۔ لیکن خدا کے حقوق و فرائض کی ادائیگی کے لئے ہر وقت تیار رہتے تھے۔ سلام بن مطیع کا بیان ہے کہ یونس بہت زیادہ نماز، روزہ نہیں کرتے تھے۔ لیکن خدا کی قسم جب خدا کے حقوق کا وقت آتا تو وہ اس کی ادائیگی کے لئے بالکل تیار رہتے تھے۔^۳ جہاد کو افضل العبادات سمجھتے تھے۔ اس کے چھوٹ جانے کا انتہائی قلق ہوتا تھا۔ ان کو کسی سبب سے جہاد کا موقع نہ ملا تھا، اس کا تادم آخر قلق رہا۔ اسحاق بن ابراہیم کا بیان ہے کہ یونس مرض الموت میں اپنے پیروں کی طرف دیکھ کر روتے تھے۔ لوگوں نے سبب پوچھا۔ فرمایا کہ وہ خدا کی راہ میں غبار آلود نہیں ہوئے۔^۴ زبان پر اکثر کلمہ استغفار جاری رہتا تھا۔ عبدالملک ابن سلیمان کا بیان ہے کہ میں نے ان سے زیادہ استغفار کرنے والا نہیں دیکھا۔^۵

دیانت : ان کا ذریعہ معاش تجارت تھا۔ ریشمی کپڑوں کی تجارت کرتے تھے اور تجارتی دیانت میں اس قدر مبالغہ کرتے تھے کہ ان کے ساتھ تجارت کرنا مشکل تھا۔ ان کی تجارتی دیانت کے بہت سے واقعات کتابوں میں مذکور ہیں۔

ایک مرتبہ ایک خاص مقام پر ریشم کا نرخ بہت چڑھ گیا تھا۔ انہیں معلوم ہوا تو انہوں نے ایک دوسرے مقام کے ریشم فروش سے تیس ہزار کارِ ریشم خریدا۔ بعد میں انہیں خیال آیا تو اس بیچنے والے سے پوچھا کہ تم کو فلاں مقام پر مال کے نرخ چڑھنے کی خبر تھی۔ اس نے کہا، اگر مجھے معلوم ہوتا تو میں اپنا مال کیوں فروخت کرتا۔ یہ جواب سن کر روپیہ لے کر مال واپس کر دیا۔^۶

ایک مرتبہ ایک عورت ان کے پاس خز کی چادر فروخت کرنے کے لئے لائی۔ انہوں نے اسے دیکھ کر قیمت پوچھی۔ اس نے کہا، ساٹھ درہم۔ انہوں نے اپنے ہمسایہ تاجر کو چادر دکھا کر پوچھا،

۱۔ تہذیب العزیز۔ جلد ۱۱۔ ص ۴۴۴ ۲۔ ایضاً ۳۔ ایضاً۔ ص ۴۴۳ ۴۔ ایضاً۔ ص ۴۴۴

۵۔ ایضاً۔ ص ۴۴۳

۶۔ ایضاً۔ ص ۴۴۳

ایک مرتبہ ایک عورت ریشم کا ایک جبہ بیچنے کے لئے لائی۔ انہوں نے قیمت دریافت کی۔ اس نے پانچ سو بتائی۔ ان کی نگاہ میں وہ اس سے بہت زیادہ قیمت کا تھا۔ اس لئے انہوں نے دو ہزار تک اس کی قیمت لگائی۔^۲

اس احتیاط کے باوجود انہیں اس بارے میں پورا اطمینان نہ ہوتا تھا۔ ابن شوذب کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ یونس اور ابن عون حلال و حرام پر باتیں کر رہے تھے۔ دونوں نے کہا کہ ”ہمارے مال میں ایک درہم بھی حلال کا نہیں ہے۔“^{۳۱}

وفات : ۱۳۹ھ میں وفات پائی۔ عبد اللہ بن عباسؓ کے پوتے سلیمان اور عبد اللہ بن علی اور پڑپوتے جعفر اور محمد نے جنازہ اٹھایا اور ان کی زبان پر تھا کہ ”خدا کی قسم یہ عزت و شرف ہے“۔

(۸۵) ابواوریس خولانیؓ

نام و نسب : عائذ نام ہے۔ ابو اور لیس کنیت۔ کنیت ہی سے مشہور ہیں۔ نسب نامہ یہ ہے : عائذ ابن عبد اللہ بن عمرو۔ بعض روایات میں نام عبد اللہ اور نسب نامہ اس طرح ہے، عبد اللہ بن اور لیس بن عائذ بن عبد اللہ بن غیلان خولانی۔

پیدائش : غزوہ حنین کے سال ۸ھ یعنی عہد رسالت میں پیدا ہوئے ۵۔
 فضل و کمال : صاحب علم و عمل تابعین میں تھے۔ شام کے ممتاز علماء میں شمار تھا۔ حافظ ذہبی لکھتے
 ہیں، ابوداؤد ریس خولانی عالم اہل الشام۔۔۔۔۔ الفقیہ احمد من جمع بین العلم والعمل مشہور صحابی حضرت
 ابودرداء کے بعد جو شام میں مقیم تھے۔ ابوداؤد ریس ہی ان کے جانشین ہوئے تھے ۶۔

حدیث : حدیث میں انہوں نے حضرت عمرؓ، ابودرداءؓ، معاذ بن جبلؓ، ابوذر غفاریؓ، بلالؓ، ثوبانؓ، حذیفہ بن یمانؓ، عبادہ بن صامتؓ، عوف بن مالکؓ، مغیرہ بن شعبہؓ، معاویہ بن ابی سفیانؓ، ابو ہریرہؓ، ابوسعید خدریؓ وغیرہ سے روایتیں کی ہیں۔ حافظ ذہبی نے اکابر حفاظ کے زمرہ میں ان کے حالات لکھے ہیں۔

١. تهذيب التهذيب - جلد ١١ - ص ٣٣٣ ٢. ایضاً ٣. ایضاً ٤. ابن سعد - جلد ٤ - ق ٢ - ص ٢٣
٥. ایضاً ٦. تذکرة الحفاظ - جلد اول - ص ٣٨

ان سے روایت کرنے والوں میں امام زہری، ربیعہ بن یزید، بسر بن عبید اللہ، عبد اللہ بن ربیعہ بن یزید، قاسم بن محمد، ولید بن عبد الرحمن، یونس بن میسرہ، ابو عون انصاری، یونس بن سیف، مکحول شہر بن حوشب اور سلمہ بن دینار وغیرہ لائق ذکر ہیں۔^۱

فقہ : شام کے مشہور فقہاء میں تھے۔ امام زہری ان کو شام کے فقیہ علماء میں شمار کرتے تھے۔ طبری نے ان کا ذکر شام کے ان علماء کے ساتھ کیا ہے، جو فقیہ اور حلال و حرام کے عالم تھے۔^۲

وعظ گوئی اور قضاء ت :

ان کے فقہی کمال کی سند یہ ہے کہ عبد الملک کے زمانہ میں وہ دار الخلافہ دمشق کے قاضی تھے اور قضاء کے ساتھ وعظ و پندی کی خدمت بھی انجام دیتے تھے۔ پھر عبد الملک نے وعظ کی خدمت ان سے الگ کر لی۔ ان کی قضاء کے مقابلہ میں وعظ گوئی کا شغل زیادہ مرغوب تھا۔ اس لئے اس سے علیحدگی کے بعد کہتے تھے، ”میری مرغوب چیز سے مجھے معزول کر دیا گیا اور جس چیز سے میں ڈرتا ہوں اسے رہنے دیا گیا۔“^۳

علماء کا اعتراف : ان کے معصروں کے کمالات کے اتنے معترف تھے کہ مکحول جو شام کے سب سے بڑے عالم تھے، کہتے تھے کہ میں نے ادیس سے بڑا عالم نہیں دیکھا۔ ابو زرعہ دمشقی ان کو جبیر بن نفیر عالم شام پر ترجیح دیتے تھے۔^۴

وفات : ۸۰ھ میں وفات پائی۔^۵

(۸۶) ابوالحق سبعی

نام و نسب : عمرو نام ہے۔ ابوالحق کنیت۔ کنیت سے زیادہ مشہور ہیں۔ نسب نامہ یہ ہے : عمرو بن عبد اللہ بن علی بن احمد بن محمد بن سبیح بن صعب بن معاویہ بن کثیر بن مالک بن چشم بن حاشد بن چشم بن خیران بن نوف بن ہمدان ہمدانی کوئی۔

ہمدان میں ان کا ممتاز خاندان تھا۔ اسلامی عہد میں یہ خاندان کوفہ میں آباد ہو گیا تھا۔ حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں ابوالحق کے دادا مدینہ آئے تھے۔ حضرت عثمانؓ نے ان کے خاندانی اعزاز کا لحاظ کر کے پندرہ ہزار پانچ سو، اور ان کا سو، ان کے اہل و عیال کو وظیفہ مقرر کیا۔^۶

۱۔ تہذیب التہذیب۔ جلد ۵۔ ص ۸۵ ۲۔ تذکرۃ الحفاظ۔ جلد اول۔ ص ۴۹

۳۔ تہذیب التہذیب۔ جلد ۵۔ ص ۸۷ ۴۔ تذکرۃ الحفاظ۔ جلد اول۔ ص ۴۹

۵۔ تہذیب التہذیب۔ جلد ۵۔ ص ۸۵ ۶۔ تذکرۃ الحفاظ۔ جلد اول۔ ص ۴۹ ۷۔ ابن سعد۔ جلد ۲۔ ص ۲۱۹

پیدائش : ابواسحق غالباً کوفہ ہی میں عثمانی عہد کے آخر میں جب کہ حضرت عثمانؓ کی خلافت میں تین سال باقی تھے، پیدا ہوئے۔^۱

اُموی دور : اُموی دور میں بھی ابواسحق کا خاندانی اعزاز قائم رہا۔ امیر معاویہؓ کے زمانہ میں یہ اور ان کے والد تین سو وظیفہ پاتے تھے۔^۲

فضل و کمال : مرکز کوفہ میں ابواسحق کی نشوونما ہوئی تھی۔ ان میں تحصیل علم کی فطری استعداد و صلاحیت تھی۔ اس لئے علمائے کوفہ کے فیض سے پورا فائدہ اٹھایا اور ان کا شمار علماء کے اکابر علماء میں ہو گیا۔ علامہ نووی لکھتے ہیں کہ ان کی توثیق، جلالت اور ثناء پر سب کا اتفاق ہے۔ حافظ ذہبی لکھتے ہیں کہ وہ علم کا ظرف تھے۔ ان کے مناقب بہت ہیں۔ ابن ناصر الدین ان کو آئمہ اسلام اور بڑے حفاظ حدیث میں لکھتے ہیں۔^۳

قرآن : قرآن کے وہ نہایت مشہور قاری تھے۔ عبد اللہ بن مسعودؓ کے اصحاب ان کو عمراء القاری کہتے تھے۔ اس فن کی تعلیم انہوں نے اس فن کے مشہور علماء ابو عبد الرحمن اور اسود بن یزید سے حاصل کی تھی۔^۴

حدیث : حدیث کے اکابر حفاظ میں تھے۔ حافظ ذہبی ان کو علم کا ظرف اور علمائے اسلام میں لکھتے ہیں۔ صحابہ میں انہوں نے ابن عباسؓ، ابن عمرؓ، ابن زبیرؓ، معاویہؓ، عمرو بن یزیدؓ، عیسیٰؓ، نعمان بن بشیرؓ، عمرو بن الحارثؓ، عمرو بن الحرثؓ، زید بن ارقمؓ، براء بن عازبؓ، سلیمان بن صردؓ، حارث بن وہبؓ، عدی بن حاتمؓ، جابر بن عمرؓ، رافع بن خدیجؓ، عروہ بارتیؓ، ابو جحیفہؓ، خالد بن عرفطہؓ، جریر بن عبد اللہ بکلیؓ، اشعث بن قیسؓ، مسور بن محزمہؓ اور تابعین میں ایک کثیر جماعت سے سماع حدیث کیا تھا۔ ابن مدینی نے ان کے شیوخ کی تعداد باختلاف روایت تین یا چار سو لکھی ہے۔ ان میں اڑتیس (۳۸) صحابہ تھے۔^۵

ابو حاتم روایات کی کثرت اور رجال کے علم میں ان کو امام زہری کا ہم پایہ سمجھتے تھے۔ ابو داؤد طبرانی کا بیان ہے کہ ہم نے چار آدمیوں کے پاس حدیث کا ذخیرہ پایا۔ ان چار میں ایک ابواسحق ہیں۔ ان کی احادیث کی تعداد دو ہزار تک بیان کی جاتی ہے۔^۶

۱۔ ابن سعد۔ جلد ۶۔ ص ۲۱۹ ۲۔ تذکرۃ الحفاظ۔ جلد اول۔ ص ۱۰۲ ۳۔ تہذیب الاسماء۔ جلد اول۔ ق ۲۔ ص ۱۷۲
 ۴۔ تذکرۃ الحفاظ۔ جلد اول۔ ص ۱۰۲ ۵۔ شذرات الذہب۔ جلد اول۔ ص ۱۷۳ ۶۔ تذکرۃ الحفاظ۔ جلد اول۔ ص ۱۰۱
 ۷۔ ایضاً ۸۔ تہذیب الاسماء۔ جلد اول۔ ق ۲۔ ص ۱۶۹ ۹۔ تذکرۃ الحفاظ۔ جلد اول۔ ص ۱۰۳
 ۱۰۔ تہذیب التہذیب۔ جلد ۸۔ ص ۶۵ ۱۱۔ تذکرۃ الحفاظ۔ جلد اول۔ ص ۱۰۲

تلامذہ : شیوخ کے تناسب سے ان کے تلامذہ کا دائرہ بھی نہایت وسیع تھا اور اس میں بڑے بڑے تابعین اور تبع تابعین تھے۔ بعض قابل ذکر نام یہ ہیں۔ سلیمان التیمی، اعمش، قتادہ، اسماعیل بن ابی خالد، شریک بن عبداللہ، عمارہ بن زریق، منصور بن معتمر، سفیان ثوری، مسعر، مالک بن مغول، سفیان بن عیینہ، زبیر بن معاویہ، زائدہ، حسن بن صالح اور ابوبکرہ بن عباس وغیرہ^۱۔

زہد و عبادت : اس علم کے ساتھ عمل بھی اسی درجہ کا تھا، بڑے عابد و زاہد تھے۔ حافظ ذہبی لکھتے ہیں، ”کان صوامعاً قواماً متقبلاً“ تین دن میں ایک مرتبہ قرآن ختم کرتے تھے۔ روزے بھی بکثرت رکھتے تھے^۲۔

آخر عمر میں جب قویٰ ضعیف اور عبادت شاقہ کے متحمل نہ رہ گئے تھے، اس وقت ان معمولات میں فرق آگیا تھا۔ لیکن پھر بھی مہینہ میں تین دن اور ہر جمعہ دو شنبہ کو اور اشہر حرم میں پابندی سے روزہ رکھتے تھے اور ایک رکعت میں پوری سورہ بقرہ ختم کرتے تھے^۳۔

جہاد فی سبیل اللہ :

جہاد فی سبیل اللہ کا بھی دلولہ تھا۔ امیر معاویہ کے زمانہ میں روم کی فوج کشی میں شریک ہوئے تھے^۴۔

وفات : ۱۲۷ھ یا ۱۳۸ھ میں وفات پائی۔ وفات کے وقت کم و بیش سو سال کے قریب عمر تھی^۵۔

(۸۷) ابو بردہ بن ابی موسیٰ اشعریؓ

نام و نسب : عامر نام ہے۔ ابو بردہ کنیت۔ کنیت سے زیادہ مشہور ہیں۔ مشہور صحابی حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کے صاحبزادے ہیں۔ نسب نامہ یہ ہے : عامر بن عبداللہ بن موسیٰ بن قیس بن سلیم بن حضار بن حرب بن عامر بن عذر بن وائل بن ناجیہ بن حمام جماہر اشعری۔

تعلیم : ان کے والد حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ بڑے پایہ کے صحابی تھے۔ انہوں نے ان کو حصول تعلیم کے لئے مشہور صحابی عبداللہ بن سلام کے پاس جو مدینہ میں اہل کتاب کے بہت بڑے عالم تھے، بھیج دیا تھا۔ اس واقعہ کو ابو بردہ خود بیان کرتے ہیں کہ میرے والد نے مجھ کو کھیل علم کے لئے عبداللہ بن سلام کے پاس بھیجا۔

۱۔ تذکرۃ الحفاظ۔ جلد اول۔ ص ۱۰۲

۲۔ تہذیب الاسماء۔ جلد اول۔ ق ۲۔ ص ۱۷۱

۳۔ ایضاً۔ ۱۰۳

۴۔ ایضاً۔ ص ۱۰۱

۵۔ ایضاً

جب میں ان کے پاس گیا تو انہوں نے مجھ سے فرمایا، بھتیجے تم لوگ ایک تجارتی مقام پر رہتے ہو۔ اس لئے اس کا لحاظ رکھنا کہ جب کسی پر تمہارا کچھ مال واجب ہو تو وہ اگر تم کو گھاس کا ایک گٹھا بھی دے تو اس کو قبول نہ کرنا کہ وہ ربا ہوگا۔^۱

ایک دوسری روایت میں ہے کہ جب میں مدینہ میں گیا اور عبد اللہ بن سلام سے ملا تو انہوں نے کہا، چلو جس گھر میں رسول اللہ ﷺ نے داخل ہو کر نماز پڑھی ہے، تم بھی اس میں چل کر نماز پڑھو تم کو مجبور اور ستونگھلاؤں گا۔^۲ پھر فرمایا بھتیجے تم ایسے مقام پر رہتے ہو جہاں سود عام ہے۔^۳ تم میں ایسے لوگ ہیں کہ جب وہ کسی کو قرض دیتے ہیں اور اس کی مدت پوری ہو جاتی ہے تو مقروض خود خوش کے سامان کی ایک گٹھری اور چارہ کا ایک گٹھا اپنے ساتھ لاتا ہے یہ ربا ہے۔^۴

فضل و کمال: حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ اور عبد اللہ بن سلامؓ کی تعلیم و تربیت اور دوسرے بزرگوں کے فیضِ صحبت نے ابو بردہ کا دامن علم نہایت وسیع کر دیا تھا۔ حافظ ذہبی لکھتے ہیں، ”ابو بردہ بن ابی موسیٰ الاشعری الفقیہ احد الائمة الاثبات“^۵۔ امام نووی لکھتے ہیں۔ ان کی توثیق و جلالت پر سب کا اتفاق ہے۔^۶

حدیث: حدیث کے وہ ممتاز حفاظ میں تھے۔ علامہ ابن سعد لکھتے ہیں، ”کان ثقة کثیر الحدیث“۔ اس فن میں انہوں نے ابو موسیٰ اشعریؓ، حضرت علیؓ، حذیفہ بن یمانؓ، عبد اللہ بن سلامؓ، اعزالہزنی منیرہؓ، عبد اللہ بن عمرؓ، عبد اللہ بن عمرو بن العاصؓ، اسود بن یزید نخعیؓ اور عروہ بن زبیرؓ وغیرہ سے استفادہ کیا تھا۔^۷

تلامذہ: ان سے روایت کرنے والوں میں ان کے لڑکے سعید اور بلال، پوتے یزید اور عام لوگوں میں امام شعی، ثابت النبائی، حمید بن بلال، عبد الملک بن نمیر، قتادہ، ابوالحق سمعی وغیرہ لائق ذکر ہیں۔^۸

فقہ: فقہ میں بھی وہ امتیازی پایہ رکھتے تھے۔ حافظ ذہبی ان کو فقیہ اور امام لکھتے ہیں۔^۹

عہدہ قضاء: اس تفقہ کی بنا پر وہ قاضی شریح کے بعد کوفہ کی مسندِ قضا پر بیٹھے تھے۔^{۱۰} ان کے بعد ان کے لڑکے بلال ان کے جانشین ہوئے۔^{۱۱}

۱۔ ابن سعد۔ جلد ۵۔ ص ۱۸۷ ۲۔ تذکرۃ الحفاظ۔ جلد اول۔ ص ۸۳ ۳۔ تہذیب الاسماء۔ جلد اول۔ ق ۲۔ ص ۱۷۹

۴۔ ایضاً۔ بحوالہ ابن سعد ۵۔ تذکرۃ الحفاظ۔ جلد اول۔ ص ۸۳ ۶۔ تہذیب الاسماء۔ جلد اول۔ ص ۱۸۹

۷۔ تہذیب التہذیب۔ جلد ۱۲۔ ص ۱۸ ۸۔ ایضاً۔ ۹۔ تذکرۃ الحفاظ۔ جلد اول۔ ص ۸۳

۱۰۔ شذرات الذہب۔ جلد اول۔ ص ۱۳۶ ۱۱۔ ابن سعد۔ جلد ۵۔ ص ۱۸۷

فضائل اخلاق :

فضائل اخلاق کا مجسم پیکر تھے۔ ان کی ذات میں تمام اخلاقی محاسن جمع تھے۔ یزید بن کلب جس زمانہ میں خراسان کا والی ہوا اس وقت اس کو ایک جامع اوصاف شخص کی ضرورت ہوئی۔ اس نے لوگوں سے کہا مجھے کوئی ایسا آدمی بتاؤ جو فضائل حسنہ میں پورا ہو۔ لوگوں نے ابو بردہ کا نام لیا۔ یزید انہیں بلا کر ان سے ملا۔ تجربہ میں انہیں بہترین شخص پایا۔ ان کی باتوں سے بہت زیادہ متاثر ہوا۔ انہیں پر کھنے کے بعد ان سے کہا میں تم کو فلاں فلاں عہدہ پر مامور کرتا ہوں۔ انہوں نے اس کے قبول کرنے سے معذرت چاہی۔ یزید نہ مانا، اس وقت انہوں نے معذرت میں یہ مذہبی دلیل پیش کی کہ میرے والد نے مجھ سے بیان کیا تھا کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے تھے کہ جس شخص نے کوئی ایسا عہدہ قبول کر لیا جس کے متعلق وہ خود جانتا ہے کہ وہ اس کا اہل نہیں ہے تو اس کو چاہئے کہ دوزخ کو اپنا مستقر بنانے کے لئے تیار رہے۔^۱

وفات : ۴۰ھ میں وفات پائی۔^۲

(۸۸) ابوبکرؓ بن عبد الرحمنؓ

نام و نسب : محمد نام، ابوبکر کنیت۔ ان کی کنیت نے اتنی شہرت حاصل کی کہ نام کی جگہ لے لی۔ چنانچہ بعضوں کے نزدیک ان کا نام ہی ابوبکر ہے۔ نسب نامہ یہ ہے : ابوبکر بن عبد الرحمن بن حارث بن ہشام بن مغیرہ بن عبد اللہ بن مخزوم مخزومی۔ ماں کا نام فاختہ تھا۔ نانہالی شجرہ یہ ہے : فاختہ بنت عتبہ بن سہیل بن عمرو بن عبد شمس بن عبد ود بن نضر بن مالک بن جسل بن عامر بن لوئی۔^۳

ولادت : ابوبکر، حضرت عمرؓ کے عہد خلافت میں پیدا ہوئے۔^۴

فضل و کمال :

حضرت ابوبکر مدینہ الرسول میں پیدا ہوئے تھے جو علماء کا مخزن تھا۔ ان میں تحصیل علم کا بڑا ذوق و شوق تھا اس لئے بڑی محنت سے تحصیل علم کی اور مدینہ کے نامور علماء میں شمار ہوا۔ علامہ ابن سعد لکھتے ہیں : ”کان ثقة فقیہا کثیر الحدیث عالما عاقلا علیا سخیا“۔ ابن خراش انہیں ائمہ علماء میں شمار کرتے تھے۔^۵

۱ تذکرۃ الحفاظ۔ جلد اول۔ ص ۸۳ ۲ ابن سعد۔ جلد ۵۔ ص ۱۸۷ ۳ ابن سعد۔ جلد ۶۔ ص ۱۵۳

۴ تہذیب الاسماء۔ جلد اول۔ ص ۱۹۵

۵ ایضاً

حدیث : حدیث کے وہ بڑے حافظ تھے۔ حافظ ذہبی لکھتے ہیں : کان ثقة حجة فقیہا اماما کثیرا البروایة۔ صحابہ میں اپنے والد عبدالرحمن، ابو ہریرہ، عمار بن یاسر، ابو مسعود، بدری، عبدالرحمن بن مطیع، ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ اور ام سلمہؓ سے روایتیں کی ہیں^۱۔

ان سے روایت کرنے والے میں ان کے لڑکے عبدالملک عمرو، عبداللہ اور سلمہ بھتیجے قاسم بن محمد اور عام لوگوں میں امام زہری، عمر بن عبدالعزیز اور حکم بن عتبہ وغیرہ لائق ذکر ہیں^۲۔

فقہ : فقہ میں آپ کا پایہ نہایت بلند تھا وہ مدینہ کے سات مشہور فقہاء میں سے ایک تھے۔ ابوالزناد کہتے تھے کہ مدینہ کے ان فقہاء و علماء جس کی رائے پر مسائل کا فیصلہ ہوتا تھا۔ چھ آدمی تھے ان میں ایک ابوبکر عبدالرحمن تھے^۳۔

زہد و عبادت :

زہد و تقویٰ کا رنگ نہایت گہرا تھا۔ مدینہ کے عابد ترین بزرگوں میں تھے۔ زہد و عبادت اور نمازوں کی کثرت کی وجہ سے ”راہب قریش“ ان کو لقب ہو گیا تھا۔ حافظ ذہبی لکھتے ہیں کہ وہ صالح، عبادت گزار اور خدا پرست تھے^۴۔ کئی کئی دن کا مسلسل روزہ رکھتے تھے ان کے بھائی عمرو بن عبدالرحمن کا بیان ہے کہ وہ روزے پر روزے رکھتے تھے اور درمیان میں افطار نہ کرتے تھے^۵۔

امانت : امانت ان کا خاص وصف تھا۔ انہیں امانت میں اس قدر اہتمام تھا کہ اگر کوئی شخص ان کے پاس کوئی شے امانت رکھتا ہے اور اس کا کچھ حصہ ضائع ہو جاتا تو خواہ امانت رکھنے والا معاف ہی کیوں نہ کر دیتا مگر پوری امانت واپس کرتے^۶۔

حضرت عثمان بن محمد کا بیان ہے کہ عروہ نے ابوبکر کے پاس کچھ مال امانت رکھوا دیا وہ مال یا اس کا کچھ حصہ ضائع ہو گیا۔ عروہ نے کہلا بھیجا کہ تم پر اس کی ذمہ داری نہیں ہے تمہاری حیثیت تو امین کی تھی۔ انہوں نے جواب دیا کہ یہ مجھے معلوم ہے کہ مجھ پر تاوان نہیں ہے لیکن میں یہ پسند نہیں کرتا کہ قریش میں تمہاری زبان سے یہ الفاظ نکلے کہ میری امانت ضائع ہو گئی^۷۔ غرض عروہ کے کہنے کے باوجود نہ مانے اور اپنی املاک بچ کر پوری امانت واپس کی^۸۔

فیاضی : نہایت فیاض اور سیرچشم تھے^۹۔

۱۔ تذکرۃ الحفاظ۔ جلد اول۔ ص ۵۵ ۲۔ تہذیب التہذیب۔ جلد ۱۲۔ ص ۳۰ ۳۔ اعلام المؤمنین۔ جلد اول۔ ص ۲۴
۴۔ تہذیب التہذیب۔ جلد ۱۲۔ ص ۳۱ ۵۔ ابن سعد۔ جلد ۵۔ ص ۱۵۳ ۶۔ تذکرۃ الحفاظ۔ جلد اول۔ ص ۵۴
۷۔ تہذیب التہذیب۔ جلد ۱۲۔ ص ۳۱ ۸۔ ابن سعد۔ جلد ۵۔ ص ۱۵۳ ۹۔ ایضاً

بنی اُمیہ میں منزلت :

اُموی خلفاء ان کی اتنی منزلت کرتے تھے کہ ان کی وجہ سے اہل مدینہ کو اُمویوں کی جانب سے امن حاصل ہو گیا تھا۔ عبد الملک خصوصیت کے ساتھ ان کی بڑی عزت کرتا تھا۔ وہ کہا کرتا تھا کہ بنی اُمیہ کے ساتھ اہل مدینہ کی روش کی بناء پر میں ان کے ساتھ برائی کا ارادہ کرتا ہوں لیکن ابو بکر بن عبد الرحمن کا خیال آ جاتا ہے تو شرم آنے لگتی ہے اور ارادہ ترک کر دیتا ہوں۔ عبد الملک اپنے بعد ہونے والے خلفاء ولید اور سلیمان کو بھی ابو بکر کی تعظیم و تکریم کی وصیت کرتا گیا تھا۔

وفات : ایک دن عصر کی نماز پڑھ کر غسل خانہ گئے وہاں گر پڑے، فوراً زبان سے نکلا، ”میں نے آج شروع دن میں خدا کی قسم کوئی نئی بات نہیں کی تھی“۔ اسی دن غروب آفتاب سے پہلے انتقال کر گئے۔ یہ ۹۴ھ کا واقعہ ہے۔

(۸۹) ابور جاء عطار دی

نام و نسب : ابور جاء اور ان کے والد کے نام کے بارے مختلف بیانات ہیں۔ ایک بیان یہ ہے کہ ان کا عمران اور والد کا نام ملحان ہے، دوسرا یہ ہے کہ والد کا نام تیم ہے، تیسرا یہ ہے کہ ان کا نام عطار د اور والد کا نام پرویز ہے۔ ان تینوں بیانات میں اکثر ارباب سیر کے نزدیک پہلا زیادہ صحیح ہے۔ حافظ ذہبی اور ابن حجر نے اسی کو اختیار کیا ہے۔ ابور جاء کنیت ہے اور اسی سے وہ زیادہ مشہور ہیں۔ نسبی تعلق قبیلہ تیم سے تھا۔

اسلام : ابور جاء نے آنحضرت ﷺ کا زمانہ پایا تھا۔ لیکن اس وقت بالکل نو خیز تھے۔ عہد نبوی میں عرصہ تک ان کا قبیلہ اسلام سے بھاگتا رہا، لیکن پھر آخر میں اسے اسلام کا طوق غلامی گردن میں ڈالنا پڑا۔ ان واقعات کو خود ر جاء کی زبان سے سنو۔

ان کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی بعثت کے زمانہ میں میں اپنے چشتے ”سند“ پر اونٹوں کی چرائی پر تھا کہ اطلاع ملی کہ عرب میں ایک شخص مبعوث ہوا ہے، جو لوگ اس کی اطاعت نہیں کرتے وہ ان کو قتل کر دیتا ہے۔ یہ خبر سن کر ہم لو اپنے اہل و عیال کو لے کر بنی سعد کا میدان عبور کر کے بھاگ گئے۔ وہاں جا کر معلوم ہوا کہ اس شخص سے بچنے کی سبیل ”لا الہ الا اللہ محمد عبدہ و رسولہ“ کی شہادت ہے۔ جو شخص اس کا اقرار کر لیتا ہے اس کی جان اور اس کا مال محفوظ ہو جاتا ہے۔ یہ معلوم

کر کے ہم لوٹ آئے اور اسلام میں داخل ہو گئے۔^۱ یہ فتح مکہ کا زمانہ تھا۔^۲ اگرچہ ابور جاء عہد رسالت ﷺ میں شرف بہ اسلام ہو گئے لیکن آنحضرت ﷺ کے دیدار و القاء کے شرف سے محروم رہے۔

فضل و کمال :

ابور جاء کے زمانہ میں بہت سے اصحاب موجود تھے اس لئے انہیں حصول کمال کا پورا موقع ملا۔ حافظ ذہبی لکھتے ہیں : من كبار علماء التابعين كان ثقة ثبتاً عالماً عاملاً۔^۳

قرآن : قرآن کے ممتاز عالم تھے۔ اس کی تعلیم انہوں نے ابو موسیٰ اشعریؓ اور مفسر القرآن حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے حاصل کی تھی۔^۴ ان کی تعلیم نے انہیں قرآن کا عالم بنادیا۔^۵

حدیث : حدیث میں حضرت عمرؓ، عمران بن حسینؓ، ابن عباسؓ، سمرہ بن جندبؓ اور أم المؤمنین عائشہ صدیقہؓ سے ان کی روایات ملتی ہیں۔ ان سے روایات کرنے والوں میں ایوب، جریر بن حازم، عوف الاعرابی، عمران المقصیر، مہدی بن میمون، ابوالاشہب، حماد بن نجیح، سعید بن ابی ربیعہ، ابو عثمان اور حسن بن ذکوان وغیرہ لائق ذکر ہیں۔^۶

زہد و عبادت :

زہد و عبادت میں بھی ممتاز تھے۔ حافظ ذہبی لکھتے ہیں کہ وہ بڑے عبادت گزار، نماز پڑھنے والے اور تلاوت کرنے والے شیخ تھے۔ رمضان میں تراویح میں تین قرآن ختم کرتے تھے۔^۷

امامت : اپنے علمی مذہبی کمالات کی وجہ سے اپنے قبیلہ کے امام تھے اور چالیس سال تک یہ خدمت انجام دی۔^۸

وفات : ان کے زمانہ وفات کے بارے میں بہت اختلاف ہے۔ بعضوں کے نزدیک عمر بن عبدالعزیز کے عہد خلافت میں بعضوں کے نزدیک ۱۰۵ھ میں، بعضوں کے نزدیک ۱۰۷ھ میں، بعضوں کے نزدیک ۱۰۸ھ میں اور بعضوں کے نزدیک ۱۰۹ھ میں وفات پائی۔ اس کم و بیش ایک سو بیس سال کی عمر تھی۔ ان کے وفات پر فرزدق شاعر نے یہ شعر کہا۔

الم تر ان الناس مات کبیر

وقد عاش قبل البعث محمد

۱۔ ابن سعد۔ جلد ۷۔ ق ۱۔ ص ۱۰۱ ۲۔ تذکرۃ الحفاظ۔ جلد اول۔ ص ۵۷ ۳۔ ایضاً۔ ۴۔ ایضاً۔

۵۔ ابن سعد۔ جلد ۷۔ ص ۱۰۱ ۶۔ تہذیب التہذیب۔ جلد ۸۔ ص ۱۳۰ ۷۔ تذکرۃ الحفاظ۔ جلد اول۔ ص ۵۷

۸۔ ایضاً۔ ۹۔ ایضاً۔ ص ۱۰۱ ۱۰۔ تمام اقوال ابن سعد الحفاظ اور تہذیب میں ہیں۔ دیکھو کتب مذکورہ حوالہ بالا

(۹۰) ابوالزنادؓ

نام و نسب : عبداللہ نام ہے۔ والد کا نام ذکوان تھا۔ ابو عبدالرحمن کنیت۔ ابوالزناد لقب۔ لقب ہی سے وہ مشہور ہیں۔ نسباً ہمدانی تھے۔ ابوالزناد قریش کی غلامی میں تھے، لیکن غلامی کی نسبت میں اختلاف ہے۔ بعض رملہ بنت ربیعہ کا اور حضرت عثمانؓ کی اولاد کا نام بتاتے ہیں۔

فضل و کمال :

اگرچہ ابوالزناد غلام تھے لیکن اقلیم علم کے تاجدار تھے۔ اکابر تابعین کے بعد جو بزرگوار علم کے مسند نشین ہوئے ان میں ایک نام ابوالزناد کا بھی ہے۔ ان کو جملہ علوم میں یکساں دستگاہ حاصل تھی۔ امام نووی لکھتے ہیں کہ ان کی ثناء صفت، ان کے وفور علم، ان کے فضل اور مختلف علوم میں ان کی مہارت، توفیق اور ان کی جلالت پر سب کا اتفاق ہے^۱۔

حدیث : حدیث میں انہوں نے انس بن مالکؓ، عائشہ بنت سعد، ابولہام بن سہل بن حنیف، سعید بن مسیبؓ، ابوسلمہ بن عبدالرحمنؓ، آبان بن عثمانؓ، خارجہ، بنت زید بن ثابتؓ عبید بن حسیںؓ، عروہ بن زبیرؓ، علی بن حسیںؓ، عمرو بن عثمانؓ عبید اللہ بن عبداللہ بن عقبہ اور محمد بن حمزہ اسلمی وغیرہ سے فیض اٹھایا تھا^۲۔

ان بزرگوں کے فیض نے ان کو حدیث کا بڑا جلیل القدر حافظ بنادیا تھا۔ امام حدیث سفیان ثوری ان کو امیر المؤمنین فی الحدیث کہتے تھے^۳۔ علامہ ثقہ اور کثیر الحدیث لکھتے ہیں^۴۔

تلامذہ : ان کے لڑکے عبدالرحمن اور القاسم، صالح بن کیسان، ابی ملکیہ، اعمش عبید اللہ ابن عمرو بن عجلان، ہشام بن عروہ، شعیب بن ابی حمزہ، ابن الخثعم، موسیٰ بن عقبہ، سعید بن ابی بلال، زائدہ بن قدامہ اور سفیان وغیرہ ان کے زمرہ تلامذہ میں تھے^۵۔

فقہ : فقہ میں بھی امتیازی درجہ رکھتے تھے۔ ان کا شمار فقہائے مدینہ میں تھا۔ فقہ میں وہ مشہور فقیہ تابعی ربیعہ رائی کے مقابلہ کے سمجھے جاتے تھے۔ امام ابو حنیفہ کو ربیعہ سے مرجع سمجھتے تھے۔ ربیعہ سے پہلے انہی کی ذات مرجوعہ تھی، لیکن ربیعہ کی مسند بچھنے کے بعد ان کا حلقہ درس خالی ہو گیا اور ان کے تمام تلامذہ ربیعہ کی طرف رجوع ہو گئے^۶۔

۲۔ تہذیب المعجم ص ۵۔ جلد ۵۔ ص ۲۰۳۔ ۲۰۴

۱۔ تہذیب الاسماء۔ جلد اول۔ ق ۲۔ ص ۲۳۳

۵۔ تہذیب الاسماء۔ جلد اول۔ ق ۲۔ ص ۲۳۳ بحوالہ ابن سعد

۳۔ تذکرۃ الحفاظ۔ جلد اول۔ ۱۲۱ ص ایضاً

۶۔ تہذیب المعجم ص ۵۔ جلد ۵۔ ص ۲۰۳

جامعیت اور حلقہ درس کی وسعت :

ابوالترناد کی جامعیت کی مناسبت سے ان کا حلقہ درس بھی نہایت وسیع تھا۔ اس میں مختلف علوم و فنون کے سینکڑوں طلبہ کا ہجوم رہتا ہے۔ عبد ربہ بن سعید کا بیان ہے کہ میں نے ابوالترناد کا اس شان سے مسجد نبوی میں داخل ہوتے ہوئے دیکھا ہے کہ ان کے ساتھ طلبہ کا بادشاہوں جیسا ہجوم تھا۔ اس ہجوم میں فرائض کے سالکین بھی ہوتے تھے اور احسان کے بھی۔ شعر کے بھی اور معصلات کے بھی^۱۔ لیث بن سعد کا بیان ہے کہ میں نے ابوالترناد کے پیچھے بہ یک وقت فقہ، شعر و شاعری اور مختلف علوم کے تین تین سو طالب علم دیکھے ہیں^۲۔ مذہبی علوم کے علاوہ زبان ادب و انشا اور فصاحت و بلاغت میں بھی دستگاہ تھی۔ علامہ ابن سعد لکھتے ہیں : کان فصیحاً بصیراً بالعربیہ^۳۔ غیر مذہبی علوم کی جانچ پڑتال ان کے سپرد تھی۔ ایک مرتبہ وہ اسی سلسلہ میں شام گئے تھے^۴۔

عقل و فرزانگی :

اس علم کے ساتھ انہوں نے دنیاوی عقل و فرزانگی سے بھی وافر حصہ پایا تھا^۵۔ وفات : باختلاف روایت رمضان ۱۳۰ھ یا ۱۳۱ھ میں دفعۃً انتقال ہوا^۶۔ وفات کے وقت چھیاٹھ سال کی عمر تھی^۷۔

(۹۱) ابوسلمہ بن عبد الرحمنؓ

نام و نسب : عبد اللہ نام ہے۔ ابوسلمہ کنیت۔ کنیت نے اتنی شہرت حاصل کی کہ نام کی جگہ لے لی۔ چنانچہ بعضوں کے نزدیک ان کا نام ہی ابوسلمہ تھا۔ مشہور صحابی حضرت عبد الرحمن بن عوف کے فرزند ہیں۔ ماں کا نام تماضر تھا۔ ننھیالی شجرہ یہ ہے : تماضر بنت صغ بن عمرو بن ثعلبہ بن حارث بن حصین بن ضمضم بن عدی بن جناب بن ہبل کلبی۔

فضل و کمال :

حضرت عبد الرحمن بن عوفؓ کا درجہ اس سے ظاہر ہے کہ وہ عشرہ مبشرہ میں تھے۔ ابوسلمہ نے انہی کی آغوش میں علم و عمل میں پرورش پائی تھی۔ باپ کے فیض تربیت سے وہ یگانہ عصر بن گئے تھے۔

۱۔ تذکرۃ الحفاظ۔ جلد اول۔ ص ۱۴۱ ۲۔ تہذیب الاسماء۔ جلد اول۔ ق ۲۔ ص ۲۳۳ ۳۔ تذکرۃ الحفاظ۔ جلد اول۔ ص ۱۳۰
۴۔ ایضاً ۵۔ تہذیب الاسماء۔ جلد اول۔ ق ۲۔ ص ۲۳۳ ۶۔ تذکرۃ الحفاظ۔ جلد اول۔ ص ۱۴۱
۷۔ تہذیب الاسماء۔ جلد اول۔ ق ۲۔ ص ۲۳۳

بعض علماء ان کو مدینہ کے فقہائے سبعہ میں شمار کرتے ہیں لیکن یہ رائے مختلف فیہ ہے مگر اس سلسلہ میں ان کا نام لیا جاتا ہے ان کے کمال کی سب سے بڑی سند ہے ان کی علمی جلالت اور امامت پر علماء کا اتفاق ہے امام نووی لکھتے ہیں کہ ابو سلمہ کی امامت ان کے مرتبہ کی بلندی اور ان کی رفیع المنزلی پر سب کا اتفاق ہے۔^۱

حدیث : حدیث میں انہوں نے اپنے والد حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ کے علاوہ اکابر صحابہ میں حضرت عثمانؓ، طلحہؓ، عبادہ بن صامتؓ، ابوقادہؓ، ابودرداءؓ، اسامہ بن زیدؓ، حسان بن ثابتؓ، رافع بن خدیجؓ، ثوبانؓ، نافع بن حارثؓ، عبداللہ بن سلامؓ، ابو ہریرہؓ، عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ، عبداللہ بن عباسؓ، ابن عمرؓ، ابوسعید خدریؓ، انس بن مالکؓ، جابرؓ، معاویہؓ، أم المؤمنین عائشہ صدیقہؓ اور أم سلمہؓ وغیرہ اور بہت سے اکابر تابعین سے استفادہ کیا تھا۔^۲

ان بزرگوں کے فیض نے ان کو امام حدیث بنا دیا تھا۔ حافظ ذہبی لکھتے ہیں کہ وہ بڑے آئمہ تابعین میں اکثر العلم، ثقہ، اور عالم تھے۔^۳ علامہ ابن سعد لکھتے ہیں : كان ثقة فقيها كثير الحديث۔

تمام اکابر علماء ان کی کثرت حفظ کے معترف تھے۔^۴ زہری کا بیان ہے کہ ابراہیم بن عبداللہ بن قارظ مجھ سے کہتے تھے کہ تمہاری قوم میں دو آدمیوں سے بڑا عالم حدیث میں نہیں دیکھا۔ ایک عروہ بن زبیر، دوسرے ابوسلمہ بن عبدالرحمن۔^۵ امام زہری کہتے تھے کہ میں نے چار آدمیوں کو علم کا دربان پایا، ان چار میں ایک ابوسلمہ کا نام ہے۔^۶

تلامذہ : امام شعبیؒ، عبدالرحمن الا عرج، عراق بن مالک، عمرو بن دینار، ابو حازم ابوسلمہ بن دینار، زہری یحییٰ بن سعید انصاری اور یحییٰ بن ابی کثیر وغیرہ آپ کے تلامذہ میں ہیں۔^۷

فقہ : فقہ میں ابوسعید سلمہ کا پایا اتنا بلند تھا کہ علماء ان کو مدینہ کے فقہائے سبعہ میں شمار کرتے ہیں۔ علامہ ابن سعد ان کو فقیہ لکھتے ہیں۔^۸ فقہ میں انہوں نے فقیہ الامت عبداللہ بن عباسؓ سے استفادہ کیا تھا۔^۹ بعض اوقات فقہی مسائل میں استاد کو ان کی رائے پلٹا دیتے تھے۔ حافظ ذہبی لکھتے ہیں کہ ابو سلمہ ابن عباسؓ سے تفقہ حاصل کرتے تھے اور مسائل پر ان سے بحث و مناظرہ کر کے ان کو ان کی رائے سے پلٹا دیتے تھے۔^{۱۰}

۱۔ تہذیب الاسماء۔ جلد اول۔ ص ۲۳۱ ۲۔ تہذیب المعجم۔ جلد ۱۲۔ ص ۱۱۵ ۳۔ تذکرۃ الحفاظ۔ جلد اول۔ ص ۵۴

۴۔ ابن سعد۔ جلد ۵۔ ص ۱۱۶ ۵۔ تہذیب المعجم۔ جلد ۱۱۔ ص ۱۱۶ ۶۔ تذکرۃ الحفاظ۔ جلد اول۔ ص ۵۴

۷۔ تہذیب الاسماء۔ جلد اول۔ ق ۲۔ ص ۲۳۱ ۸۔ ایضاً۔ ص ۲۳۰ ۹۔ ابن سعد۔ جلد ۵۔ ص ۱۱۶

۱۰۔ تذکرۃ الحفاظ۔ جلد اول۔ ص ۳۵

عہدہ قضا: امیر معاویہؓ کے عہد خلافت میں سعید بن العاص حاکم مدینہ نے ان کو مدینہ الرسول کے عہدہ قضا پر ممتاز کیا، لیکن پھر بعد کے تغیرات میں وہ اس عہدہ پر نہ رہ سکے اور سعید بن العاص کی معزولی کے بعد اس کے جانشین مروان نے ابوسلمہ کو ہٹا دیا۔^۱

وفات: ولید بن عبد الملک کے عہد خلافت ۹۴ھ میں وفات پائی۔ ایک روایت یہ ہے، ۱۰۴ھ میں انتقال کے وقت بہتر سال عمر تھی۔^۲

حلیہ: ابوسلمہ نہایت حسین و جمیل تھے۔ عبد اللہ بن ابی یعقوب کا بیان ہے کہ ابوسلمہ بڑے صبیح تھے۔ ان کا چہرہ تابانی میں ہر قلی دینار معلوم ہوتا تھا۔ سراور ڈاڑھی کے بال سپید ہو گئے تھے۔ ان میں کبھی حنا اور کبھی سرمہ کا خضاب لگاتے تھے۔^۳

(۹۲) ابوالعالیہ ریاحیؓ

نام و نسب: رفیع نام ہے۔ ابوالعالیہ کنیت۔ کنیت ہی سے وہ زیادہ مشہور ہیں۔ والدہ کا نام مہران تھا۔ قبیلہ بنی ریاح کی ایک عورت کے غلام تھے۔ اس نسبت سے ریاحی کہلاتے ہیں۔

اسلام: انہوں نے جاہلیت اور اسلام دونوں کا زمانہ پایا۔ لیکن عہد نبویؐ میں شرف اسلام سے محروم رہے۔ آنحضرت ﷺ کی وفات کے دو سال بعد اسلام لائے۔^۴

آزادی: روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ قبول اسلام کے بعد عرصہ تک غلامی میں رہے۔ پھر ان کی مالک نے انہیں آزاد کر دیا۔^۵

ان کی آزادی کا واقعہ جس کے متعلق خود ان کا بیان یہ ہے کہ میں ایک عورت کا غلام تھا۔ جب اس نے مجھے آزاد کرنے کا ارادہ کیا تو اس کے چچیرے بھائیوں نے روکا، اگر اس کو آزاد کر دو گی تو وہ کوفہ جا کر بالکل مفقود الخیر ہو جائے گا۔ لیکن وہ آزاد کرنے کا فیصلہ کر چکی تھی۔ اس لئے ایک جمعہ کو میرے پاس آئی اور مجھ سے پوچھ کر جامع مسجد کی طرف چلی۔ میں بھی ساتھ ہولیا۔ مسجد پہنچنے کے بعد امام نے ہم کو منبر پر کھڑا کر دیا۔

عورت نے میرا ہاتھ پکڑ کر ان الفاظ میں میری آزادی کا اعلان کیا، ”خدا یا میں تیرے پاس اس کو (آخرت کے لئے) جمع کرتی ہوں۔ مسجد والو! گواہ رہنا، یہ غلام خدا کے لئے آزاد ہے۔“

آئندہ حق معرفت کے علاوہ اس پر کسی کا کوئی حق نہیں ہے۔ یہ کہہ کر وہ مجھے چھوڑ کر چلی گئی، اس کے بعد پھر وہ نہیں دکھائی دی۔

فضل و کمال :

علمی اعتبار سے ممتاز تابعین میں تھے۔ علامہ نووی لکھتے ہیں کہ وہ کبار تابعین میں تھے۔ ابو القاسم طبری کا بیان ہے کہ ان کی توثیق پر سب کا اتفاق ہے۔

قرآن : ان کا خاص موضوع کتاب اللہ تھا۔ قرآن کی تعلیم انہوں نے مشہور عالم قرآن حضرت ابی بن کعبؓ سے حاصل کی تھی۔ اس کا آغاز غلامی ہی کے زمانہ سے ہو گیا تھا۔

ان کا خود بیان ہے کہ میں غلام تھا۔ اپنے اہل کی خدمت کرتا تھا اور قرآن اور عربی کی کتاب سیکھتا تھا۔^۱ لیکن باضابطہ تعلیم قبول اسلام کے ساتھ آٹھ سال کے بعد جب کہ وہ بڑی عمر پہنچ گئے تھے، شروع کی تھی۔^۲ اور اس شوق اور محنت سے حاصل کی کہ جماعت تابعین میں قرآن کے سب سے بڑے عالم بن گئے۔

حضرت ابو بکر ابن داؤد کا بیان ہے کہ صحابہ میں ابو العالیہ ریاحی سے بڑھ کر عالم قرآن کوئی نہ تھا۔^۳ ابن عماد حنبلی ان کو مفسر لکھتے ہیں۔^۴

حدیث : حدیث میں علامہ ابن سعد انہیں کثیر الحدیث لکھتے ہیں۔^۵ حضرت علیؓ، عبداللہ بن مسعودؓ، ابو موسیٰ اشعریؓ، ابویوب انصاریؓ، ابی بن کعبؓ، ثوبانؓ، حذیفہؓ، ابن عباسؓ، ابن عمرؓ، رافع بن خدیجؓ، ابوسعید خدریؓ، ابو ہریرہؓ، ابو بردہؓ، انس بن مالکؓ، ابوذر غفاریؓ جیسے اکابر صحابہ سے انہوں نے حدیث میں فیض اٹھایا تھا۔^۶

اخذ حدیث میں احتیاط :

حدیث لینے میں وہ بڑے محتاط تھے۔ جب تک اصل راوی کی زبان سے نہ سن لیتے تھے۔ اس وقت تک کسی دوسرے کے بیان پر اعتماد نہ کرتے تھے۔ چنانچہ کہتے تھے کہ ہم لوگ بصرہ میں رسول اللہ ﷺ کے اصحاب کی روایات سنتے تھے۔ مگر اس وقت تک ان پر اعتماد نہ کرتے تھے۔ جب تک مدینہ جا کر خود ان کی زبان سے نہ سن لیتے تھے۔^۷

۱۔ ابن سعد۔ جلد ۷۔ ق اول۔ ص ۸۱ آزادی کا واقعہ در روایتوں میں ہے۔ ہم نے دونوں کا خلاصہ لے لیا ہے۔

۲۔ تہذیب ۱۱۱۔ جلد اول۔ ص ۲۵۱ ۳۔ ابن سعد۔ جلد ۷۔ ق اول۔ ص ۸۲ ۴۔ ایضاً۔ ص ۸۱

۵۔ تذکرۃ الحفاظ۔ جلد اول۔ ص ۵۳ ۶۔ شذرات الذہب۔ جلد اول۔ ص ۱۰۴ ۷۔ ابن سعد۔ جلد ۷۔ ق اول۔ ص ۸۵

۸۔ تہذیب التہذیب۔ جلد ۳۔ ص ۱۸۴ ۹۔ ابن سعد۔ جلد ۷۔ ق اول۔ ص ۸۲

تلامذہ : ان سے فیض اٹھانے والوں میں خالد الحذاء، داؤد بن ابی ہند، محمد بن سیرین، یوسف بن عبداللہ، ربیع بن انس، بکر المزنی، ثابت البنانی، حمید بن ہلال، قتادہ اور منصور وغیرہ قابل ذکر ہیں۔

صحابہ میں منزلت :

اگرچہ ابو العالیہ غلام رہ چکے تھے، لیکن ان کے علمی کمالات کی بنا پر بڑے بڑے صحابہ ان کی عزت کرتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ اتنی عزت کرتے تھے کہ ابو العالیہ جب ان کے پاس جاتے تو ابن عباسؓ ان کو اونچے مقام پر بٹھاتے اور معززین قریش ان کے نیچے ہوتے، اور اس اعزاز سے بٹھانے کے بعد فرماتے۔ علم اسی طرح شریف کے شرف میں اضافہ کرتا ہے۔ اور ملوک کو تخت پر بٹھاتا ہے۔

ایک مرتبہ وہ ابن عباسؓ کی ولایت بصرہ کے زمانہ میں ان کے پاس گئے۔ ابن عباسؓ نے ان کا ہاتھ پکڑ کر اپنے ساتھ بٹھالیا۔ یہ عزت افزائی دیکھ کر ایک تیمی سے نہ رہا گیا وہ بول اٹھایہ غلام ہیں۔

عبادت : ابو العالیہ میں اس علم کے ساتھ اسی درجہ کا عمل بھی تھا، بڑے خوش اوقات اور عبادت گزار تھے۔ شب بیداری اور تلاوت قرآن کا خاص ذوق تھا۔ ایک زمانہ میں وہ رات بھر نمازیں پڑھتے تھے اور ایک شب میں پورا قرآن ختم کر دیتے تھے لیکن اس عبادت شاقہ پر مداومت نہ کر سکے۔

ان کا بیان ہے کہ ہم چند غلام تھے، ان میں بعض ٹیکس ادا کرتے اور بعض خدمت کرتے تھے۔ ہم سب رات بھر جاگ کر ایک شب میں پورا قرآن ختم کرتے، لیکن جب یہ گراں گزرنے لگا تو پھر دو راتوں میں ختم کرنے لگے۔ جب یہ بھی نہ نبھ سکا تو تین راتوں میں ختم کرنے لگے لیکن اتنا بھی نہ ہو سکا اور ایک دوسرے سے شکایت کرنے لگے۔ تو ہم رسول اللہ ﷺ کے اصحاب سے ملے، انہوں نے کہا کہ ایک ہفتہ میں ختم کر لیا کرو، ان کی ہدایت کے بعد ہم لوگ نمازیں پڑھنے کے ساتھ سونے بھی لگے اس وقت وہ بار جاتا رہا۔

۲ تذکرۃ الحفاظ - جلد اول - ص ۵۳

۴ ایضاً - ص ۸۱

۱ تہذیب التہذیب - جلد ۳ - ص ۲۸۴

۳ ابن سعد - جلد ۷ - ق اول - ص ۸۲

رہبانیت سے اجتناب :

لیکن اس عبادت و ریاضت کے ساتھ رہبانیت سے اتنا احتراز تھا کہ راہبانہ لباس تک پسند نہ کرتے تھے۔ ایک مرتبہ ابو امیہ الکرمی ان سے ملنے کے لئے آئے۔ ابو امیہ کے بدن پر صوف کے کپڑے تھے۔ ان کو دیکھ کر ابو العالیہ نے کہا یہ راہیوں کا لباس و طریقہ ہے، مسلمان جب آپس میں ایک دوسرے سے ملنے کے لئے جاتے ہیں تو اچھے لباس میں جاتے ہیں۔

عمل خیر کا اظہار نہایت برا سمجھتے تھے، اور ایسے شخص کو ریاکار سمجھتے تھے۔ ابو مخلص کا بیان ہے کہ ابو العالیہ کہتے تھے کہ جب تم کسی شخص کو یہ کہتے سنو کہ میں خدا کے لئے دوستی اور خدا کے لئے دشمنی کرتا ہوں تو اس کی تہلیل نہ کرو۔

انفاق فی سبیل اللہ :

خدا کی راہ میں خرچ کرنے میں بڑے فیاض تھے۔ انہوں نے اپنا کل مال یا اس کا بڑا حصہ خدا کی راہ میں امور خیر کے لئے وقف کر دیا تھا۔ ابن سعد کی ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں : فاصی ابی العالیہ بعمالہ کلہ۔ دوسری روایت میں ہے کہ ابو العالیہ نے کہا کہ میں نے سمنے اور چاندی میں جو کچھ بھی چھوڑا ہے۔ اس کا ایک تہائی خدا کی راہ کے لئے ہے، ایک تہائی اہل بیت رسول اللہ ﷺ کے لئے اور ایک تہائی غریب مسلمانوں کے لئے، البتہ اس میں سے میری بیوی کا حق تم لوگ دینا۔

غلاموں کی آزادی :

غلاموں کو لوجہ اللہ آزاد کرتے تھے، ایک مرتبہ ایک غلام کو آزاد کیا، اس کی آزادی نامے پر یہ الفاظ تھے، ایک مسلمان نے ایک جوان غلام کو بطور سائبہ کے لوجہ اللہ آزاد کیا، نیک کام لینے کے علاوہ اس پر کسی کا کوئی حق نہیں ہے۔

زکوٰۃ و صدقات :

زکوٰۃ نہایت پابندی سے ادا کرتے تھے، اور اس کو تقسیم کرنے کے لئے مدینہ پہنچتے تھے۔ ابو مخلص کا بیان ہے کہ ابو العالیہ اپنے مال کی زکوٰۃ اس کے مصارف میں صرف کرنے کے لئے اہل بیت نبوی ﷺ کے پاس مدینہ بھیجتے تھے۔

خانہ جنگی سے اجتناب :

ابوالعالیہ بڑے بہادر اور جنگ آزماتھے، لیکن ان کی بہادری مسلمانوں کے مقابلہ میں نہ صرف ہوتی تھی۔ ان کے زمانہ میں صفین وغیرہ کی بڑی بڑی لڑائیاں ہوئیں، جن سے بہت کم مسلمان بچ سکے۔ یہ بھی نبرد آزمائی کے شوق سے نکلے، لیکن پھر میدان جنگ سے پلٹ آئے۔

ابوخلدہ کا بیان ہے کہ ابوالعالیہ کہتے تھے کہ علیؑ اور معاویہؓ کی جنگ کے زمانہ میں میں جوان تھا۔ جنگ میرے لئے لذیذ کھانوں سے زیادہ مرغوب تھی۔ اس لئے میں بھی پوری تیاری کے ساتھ میدان جنگ میں پہنچا اور ایسی عظیم الشان فوجیں دیکھیں، جن کے سرے نظر نہ آتے تھے۔

ان میں سے جب ایک فریق تکبیر و تہلیل کرتا تھا، تو دوسرا بھی کرتا تھا۔ میں نے اپنے دل میں خیال کیا کہ میں کس فریق کو مومن سمجھوں اور کس کو کافر، اور کس کا ساتھ دوں۔ کسی نے مجھے مجبور تو کیا نہیں ہے یہ سوچنے کے بعد شام بھی نہ ہونے پائی تھی کہ لوٹ آیا۔^۱

مشتبہات سے اجتناب :

مشتبہ چیزوں سے اتنی احتیاط کرتے تھے کہ ان پیشہوروں اور عہدہ داروں کے یہاں جن کی کمائی میں کچھ بھی مشتبہ مال کا احتمال ہوتا تھا پانی تک نہ پیتے تھے۔ چنانچہ صراف اور عشار (عشروصول کرنے والے) کے یہاں پانی نہ پیتے تھے۔

ابوخلدہ کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ میں ابوالعالیہ کے پاس گیا، وہ کھانا لائے۔ اس میں ترکاری بھی تھی۔ اس کے متعلق انہوں نے کہا یہ وہ ترکاری نہیں ہے۔ جس میں کسی شے کا احتمال ہو، یہ میرے بھائی انس بن مالکؓ نے اپنے باغ سے بھیجی ہے۔ میں نے کہا ترکاری میں کیا ہوتا ہے فرمایا وہ ہمیشہ گندے اور برے مقامات پر اُگتی ہے جہاں پیشاب اور نجس چھٹھڑے ہوتے ہیں۔^۲

بے تکلفی :

طبعاً نہایت سادہ مزاج اور بے تکلف تھے۔ اپنے لئے کسی قسم کا اہتمام پسند نہ تھا۔ جہاں جاتے تھے صاحب خانہ سے پہلے ہی کہہ دیتے تھے کہ گھر میں جو کچھ موجود ہے وہی لانا بازار وغیرہ سے کوئی شے نہ خریدنا۔^۳

وفات : بروایت صحیح ۹۳ھ میں وفات پائی۔^۴

۱ ابن سعد۔ جلد ۷۔ ق اول۔ ص ۸۲ ۲ ایضاً ۳ ایضاً ۴ شذرات المذہب۔ جلد اول۔ ص ۱۰۲

(۹۳) ابو عبد الرحمن السلمیؓ

نام و نسب : عبد اللہ نام ہے۔ ابو عبد الرحمن کنیت۔ کنیت سے زیادہ مشہور ہیں۔ والد کا نام حبیب تھا، نسباً سلمی تھے۔

فضل و کمال : علمی اعتبار سے کوفہ کے قراء اور علماء میں ان کا شمار تھا۔^۱

قرآن : ان کا خاص موضوع کتاب اللہ تھا۔ اس کے قاری بھی تھے۔ اور عالم بھی، قرأت کا فن حضرت علیؓ اور اپنے والد سے حاصل کیا تھا۔ تفسیر القرآن کی تعلیم ان علماء سے حاصل کی تھی، جنہوں نے اس محنت سے قرآن پڑھا تھا کہ دس آیات پڑھنے کے بعد جب تک اس کے متعلق تمام باتیں نہ معلوم کر لیتے آگے نہ بڑھتے تھے۔^۲

قرآن کی تعلیم کے ساتھ ساتھ وہ اس پر عمل بھی کرتے جاتے تھے۔ چنانچہ فرماتے تھے ہم لوگ قرآن کے ساتھ اس پر عمل کرنا بھی سیکھتے ہیں ہمارے بعد ایسے لوگ قرآن کے وارث ہوں گے جو قرآن کو پانی کی طرح پیئیں گے، اور ان کے زرخرہ سے نیچے نہ اترے گا۔^۳

حافظ ذہبی کی تصریح سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عثمانؓ، علیؓ اور عبد اللہ بن مسعودؓ سے انہوں نے تعلیم حاصل کی تھی۔^۴

درس قرآن :

قرآن کا درس بھی دیتے تھے۔ لیکن اس کا کوئی معاوضہ لینا پسند نہ کرتے تھے۔ عمرو بن حریش کے لڑکے کو انہوں نے قرآن کی تعلیم دی تھی۔ ان کے پاس سواری کا اونٹ اور اس کی جھول تھیں۔ انہوں نے یہ کہہ کر واپس کر دیا کہ ہم لوگ کتاب اللہ پر کوئی اجر نہیں لیتے۔^۵ کامل چالیس سال تک مسجد میں قرآن کا درس دیا تھا۔^۶

حدیث : حدیث کے بھی حافظ تھے۔ علامہ ابن سعد لکھتے ہیں، کان ثقتہ کثیر الحدیث۔ صحابہ میں انہوں نے حضرت عمرؓ، عثمانؓ، علیؓ، سعد بن ابی وقاصؓ، خالد بن ولیدؓ، عبد اللہ بن مسعودؓ، حذیفہؓ، ابو موسیٰ اشعریؓ، ابو درداءؓ، ابو ہریرہؓ سے روایتیں کی ہیں۔

۱۔ تذکرۃ الحفاظ۔ جلد اول۔ ص ۵۰ ۲۔ ابن سعد۔ جلد ۱۱۹۔ ص ۱۲۰ ۳۔ ایضاً۔ ص ۱۱۹

۴۔ تذکرۃ الحفاظ۔ جلد اول۔ ص ۵۰ ۵۔ ابن سعد۔ جلد ۶۔ ص ۱۲۰ ۶۔ تہذیب التہذیب۔ جلد ۵۔ ص ۱۸۳

ان سے استفادہ کرنے والوں میں ابراہیم نخعی، علقمہ بن مرشد، سعد بن عبیدہ، اسحاق، سبعی، سعد بن جبیر، ابوالخصین اسدی، عطاء بن ثابت وغیرہ قابل ذکر ہیں۔
وفات : عبدالملک کے عہد خلافت ۳۷ھ میں کوفہ میں وفات پائی۔ مسجد ان کا اوڑھنا بچھونا تھی۔ مرض الموت میں بھی مسجد ہی میں تھے۔ عطاء بن سائب نے جا کر عرض کیا خدا آپ پر رحم کرے، آپ اپنے بستر پر منتقل ہو جاتے تو اچھا تھا۔

فرمایا، ”میں نے ایک شخص سے سنا ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے تھے کہ بندہ جب تک مسجد میں نماز کے انتظار میں رہتا ہے۔ وہ گویا نماز ہی کی حالت میں رہتا ہے اور ملائکہ اس کے لئے دعائے رحمت کرتے رہتے ہیں اس لئے میں چاہتا ہوں کہ مسجد ہی میں مروں“۔

(۹۴) ابو عثمان نہدیؓ

نام و نسب : عبدالرحمن نام، ابو عثمان کنیت، کنیت ہی سے مشہور ہیں، نسب نامہ یہ ہے : عبدالرحمن ابن مل بن عمرو بن عدی بن وہب بن ربیعہ بن سعد بن خزیمہ بن کعب بن رفاعہ بن مالک بن نہد ابن زید بن لیث بن سواد بن اسلم بن الحاف بن قضاہ۔

اسلام : ابو عثمان نے جاہلیت اور اسلام دونوں کا زمانہ پایا تھا۔ زمانہ جاہلیت میں عام عربوں کی طرح بتوں کی پرستش کرتے تھے۔ عہد رسالت میں اسلام قبول کیا۔ لیکن آنحضرت ﷺ کی زیارت سے محروم رہے۔ لیکن صدقات برابر آنحضرت ﷺ کے تحصیلداروں کو ادا کرتے تھے۔

عہد فاروقی : عہد صدیقی میں ان کا پتہ نہیں چلتا۔ حضرت عمرؓ کے عہد خلافت میں مدینہ آئے اور عراق کی اکثر مہموں قادسیہ، جلولاء، تستر، نہاوند، یرموک وغیرہ میں شرکت کی سعادت حاصل کی تھی۔

فضل و کمال : علمی اعتبار سے کوئی ممتاز شخصیت نہ رکھتے تھے لیکن سلمان فارسیؓ کی صحبت میں بارہ سال رہے تھے۔ ان کے فیض صحبت سے اتنا علم حاصل ہو گیا تھا کہ علماء میں شمار ہوتا تھا۔

۱۔ تہذیب التہذیب۔ جلد ۵۔ ص ۱۸۴ ۲۔ ابن سعد۔ جلد ۶۔ ص ۱۲۱ ۳۔ تہذیب التہذیب۔ جلد ۵۔ ص ۱۸۴
۴۔ ابن سعد۔ جلد ۶۔ ص ۱۲۱ ۵۔ تہذیب التہذیب۔ جلد ۶۔ ص ۲۷۷ ۶۔ تاریخ خطیب۔ جلد ۱۰۔ ص ۲۰۴
۷۔ تہذیب التہذیب۔ جلد ۶۔ ص ۲۷۸ ۸۔ تاریخ خطیب۔ جلد ۱۰۔ ص ۲۰۴ ۹۔ شذرات الذهب۔ جلد ۱۔ ص ۱۱۸
۱۰۔ تذکرۃ الحفاظ۔ جلد اول۔ ص ۵۶

حدیث : حدیث میں حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ، سعدؓ، سعیدؓ، طلحہؓ، سلمان فارسیؓ، ابن مسعودؓ، حذیفہؓ، ابوذرؓ، ابی بن کعبؓ، اسامہ بن زیدؓ، بلالؓ، حنظلہ کاتبؓ، ابوسعید خدریؓ اور ابوموسیٰ اشعریؓ جیسے اکابر صحابہ سے ان کی روایات ملتی ہیں۔

ثابت البنانی، قتادہؓ، عاصم الاحول، سلیمان التیمی، خالد الحذاء، ایوب سختیانی اور حمید الطویل جیسے ممتاز علماء ان کے فیض یافتہ تھے۔

عبادت و ریاضت :

حضرت ابو عثمان کا امتیازی وصف ان کی عبادت و ریاضت اور ان کا زہد و تقویٰ تھا۔ اس میں وہ اپنے معاصرین میں ممتاز شخصیت رکھتے تھے۔ حافظ ذہبی لکھتے ہیں کہ وہ عالم قائم اللیل اور صائم النہار تھے۔ نمازیں اتنی پڑھتے تھے کہ بے ہوش ہو جاتے تھے۔

ان کا دامن کسی معصیت سے آلودہ نہیں ہوا۔ ان کے تلمیذ سلیمان التیمی کا بیان ہے کہ جہاں تک میرا خیال ہے ان سے کبھی ان سے کوئی گناہ سرزد نہیں ہوا۔

ذکر خدا : فرماتے تھے میں جانتا ہوں کہ خدا مجھے کس وقت یاد کرتا ہے کسی نے پوچھا کیسے، فرمایا، اللہ تبارک تعالیٰ فرماتا ہے: ”اذ کرونی اذکرکم“ اس لئے جب میں اس کو یاد کرتا ہوں تو وہ بھی مجھے یاد کرتا ہوں۔ اور جب ہم اس سے دعا کرتے ہیں تو اس کی قسم وہ قبول کرتا ہے پھر فرماتا ہے۔

اہل بیت نبوی سے عقیدت :

اہل بیت کرام سے اتنی عقیدت تھی کہ کوفہ وطن تھا۔ لیکن جب حضرت امام حسینؑ کی شہادت کا واقعہ پیش آیا تو کوفہ چھوڑ کر بصرہ کی سکونت اختیار کر لی اور فرمایا میں ایسے شہر میں نہیں رہ سکتا جس میں رسول اللہ ﷺ کا نواسہ شہید کیا گیا ہو۔

وفات : سنہ وفات کے بارے میں اختلاف ہے۔ بروایت صحیح ۱۰۰ھ یا اس کے لگ بھگ انتقال فرمایا، اس وقت ایک سو میں سال کی عمر تھی۔

۱۔ تہذیب التبذیب۔ جلد ۶۔ ص ۲۷۸ ۲۔ ایضاً ۳۔ تذکرۃ الحفاظ۔ جلد اول۔ ص ۵۶ ۴۔ ایضاً
۵۔ ابن سعد۔ جلد اول۔ ق اول۔ ص ۶۹ ۶۔ ایضاً۔ ص ۷۰ ۷۔ تاریخ خطیب۔ جلد ۱۰۔ ص ۲۰۵

(۹۵) ابو قلابہ جرمیؓ

نام و نسب : عبداللہ نام ہے۔ ابو قلابہ کنیت۔ کنیت ہی سے زیادہ مشہور ہیں۔ نسب نامہ یہ ہے : عبداللہ بن زید بن عمر بن نائل بن مالک بن عبید بن علقمہ بن سعد جرمی بصری۔

فضل و کمال :

علمی اعتبار سے بصرہ کے ممتاز تابعین میں تھے۔ حافظ ابن حجر اور حافظ ذہبی دونوں ان کو علمائے اعلام میں لکھتے ہیں^۱۔ ابن عماد حنبلی امام اور علم و عمل میں اس العلماء لکھتے ہیں^۲۔ حدیث : حدیث کا ان کو خاص ذوق تھا۔ اور اس کی بڑی جستجو رہتی تھی۔ ایک ایک حدیث کے لئے کئی کئی دن تک ایک مقام پر ٹھہرے رہتے تھے۔

ایک مرتبہ ایک حدیث کی تحقیق کے لئے تین دن تک مدینہ میں مقیم رہے۔ اس کے علاوہ ان کا وہاں اور کوئی کام نہ تھا^۳۔ اس ذوق و جستجو نے ان کو ممتاز حافظ حدیث بنا دیا تھا۔ علامہ ابن سعد ان کو ثقہ اور کثیر الحدیث لکھتے ہیں^۴۔

صحابہ میں ثابت بن ضحاکؓ، سمرہ بن جندبؓ، عمرو بن سلمہ جرمی مالک بن حویرثؓ، انس بن مالک انصاریؓ، انس بن مالک کعمیؓ، ابن عباسؓ، ابن عمرؓ، معاویہؓ، ابو ہریرہؓ، نعمان بن بشیرؓ، ابو ثعلبہ خشنیؓ وغیرہ سے روایات ملتی ہیں^۵۔

تلامذہ : ان سے روایت کرنے والوں میں ایوبؓ، خالد الخذاءؓ، ابو رجاء یحییٰ بن ابی کثیر اشعث ابن عبدالرحمن جرمی وغیرہ لائق ذکر ہیں^۶۔

اعتماد فی الروایت :

ان سے سماع حدیث کے بڑے بڑے علماء شائق رہتے تھے۔ مگر یہ احتیاط کی وجہ سے بہت کم بیان کرتے تھے۔ ابو خالد کا بیان ہے کہ ہم لوگ حدیثیں سننے کے لئے ابو قلابہ کے پاس جاتے تھے۔ وہ تین حدیثیں سنانے کے بعد کہتے، بس اب سنا چکا۔ عمر بن عبدالعزیز جیسے بزرگ ان سے فرمائش کر کے حدیث سنتے تھے۔

۱۔ تذکرۃ الحفاظ۔ جلد اول۔ ص ۸۲ و تہذیب التہذیب۔ جلد ۵۔ ص ۲۲۴ ۲۔ شذرات الذہب۔ جلد اول۔ ص ۱۲۶

۳۔ ابن سعد۔ جلد ۷۔ ق اول۔ ص ۱۳۴ ۴۔ تہذیب التہذیب۔ جلد ۵۔ ص ۲۲۵ ۵۔ ایضا ۶۔ ایضا

عمر بن میمون کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ ابوقلابہ عمر بن عبدالعزیز کے پاس گئے۔ انہوں نے حدیثیں سننے کی فرمائش کی۔ انہوں نے جواب دیا، امیر المؤمنین میں زیادہ حدیثیں بیان کرنے اور بالکل سکوت اختیار کرنے دونوں کو برا سمجھتا ہوں^۱۔

فقہ : میں ان کا پایہ بلند تھا۔ ایوب کا بیان ہے کہ خدا کی قسم ابوقلابہ فقہائے ذوی الالباب میں تھے^۲۔

قضاء کا ملکہ : اس فقہی کمال کی وجہ سے انہیں قضاء کا خاص ملکہ تھا۔ ایوب کا بیان ہے کہ میں نے بصرہ میں ابوقلابہ سے زیادہ فیصلہ کرنے کی استعداد رکھنے والا نہیں دیکھا۔ مسلم بن یسار کہتے تھے کہ اگر ابوقلابہ عجم میں ہوتے تو قاضی القضاء ہوتے^۳۔

عہدہ قضاء سے انکار :

لیکن اس استعداد کے باوجود عہدہ قضاء سے بہت گھبراتے تھے۔ ایوب کہتے تھے کہ میں میں نے ان کو قضاء کا جتنا بڑا عالم پایا، اتنا ہی سختی سے اس سے بھاگنے والا اور اس کو برا بھلا نہ بولا پایا۔

وہ عہدہ قضاء کے لئے بلائے گئے۔ ان کو اس سے اتنی نفرت تھی کہ اس کے خوف سے شام بھاگ گئے۔ ایک عرصہ کے بعد جب واپس آئے تو میں نے ان سے کہا، اگر آپ قضاء کا عہدہ قبول کر لئے ہوتے اور لوگوں میں انصاف کرتے تو اس میں آپ کو اجر ملتا۔ جواب دیا، ایوب مانا ایک شخص تیراک ہے، لیکن اگر وہ سمندر میں پڑ جائے تو بتاؤ کتنا تیر سکتا ہے^۴۔

کتب خانہ :

اگرچہ اس زمانہ میں کتب خانوں کا رواج کم بلکہ نہ ہونے کے برابر تھا۔ لیکن ابوقلابہ کے ذوق علمی نے کتابوں کا متعدد ذخیرہ جمع کر لیا تھا۔ مرض الموت میں اس کے متعلق وصیت کرتے گئے تھے کہ ایوب سخانی کو دے دی جائیں، اگر وہ زندہ نہ ہوں تو جلا دی جائیں^۵۔

بدعات سے نفرت :

عقائد و اعمال میں سلف صالحین کا نمونہ اور اس بارے میں اتنے سخت تھے کہ مبتدعین کے مقابلہ میں تلوار تک اٹھانا جائز کر دیا۔ ایسے لوگوں سے ملنا اور بحث اور مباحثہ کرنا بھی پسند نہ تھا۔ چنانچہ لوگوں کو منع کرتے تھے کہ ہوا پرستوں (مبتدعین) کے پاس نہ بیٹھو اور نہ ان سے مجادلہ کرو۔ مجھے ڈر ہے

کہ وہ تم کو اپنی گمراہی میں مبتلا اور جس شے کو تم اچھی طرح جانتے ہو اس میں مشکوک نہ کر دیں۔ ان کا علاج وہ صرف تلوار سمجھتے تھے۔ ایوب کا بیان ہے کہ ابو قلابہ کہتے تھے کہ ہوس پرست (مبتدعین) گمراہ ہیں۔ میرے نزدیک ان کی جگہ یقینی دوزخ ہے۔ میں نے ان کا پورا تجربہ کیا ہے جو نئی رائے نیا قول ظاہر کرتا ہے، وہ بغیر تلوار کے اس سے باز نہیں آتا۔ نفاق کی بہت سی قسمیں ہیں۔ (ان میں سے ایک یہ بھی ہے)۔ پھر یہ آیتیں :

۱۔ ”منہم من عاہد اللہ“

انہی میں سے وہ لوگ بھی ہیں جنہوں نے خدا سے عہد کیا۔

۲۔ ”ومنہم الذین ایوذون النبی“

اور انہی میں وہ لوگ ہیں جو نبی کو اذیت دیتے تھے۔

۳۔ ”ومنہم من یلمزک فی الصدقات“

اور انہی میں ہیں جو صدقات کی تقسیم میں تم پر الزام لگاتے ہیں۔

تلاوت کر کے فرمایا اگرچہ ان کے اقوال مختلف ہوتے ہیں۔ لیکن شک اور تکذیب پر سب کا اتفاق ہوتا ہے اور یہ مختلف اقوال رکھنے والے سب کے سب تلوار کے مستحق ہوتے ہیں اور ان کا مستقر دوزخ ہے۔

مبتدعین کو اپنے پاس آنے تک نہ دیتے تھے۔ جب ان کے یہاں کوئی شخص آتا تو بغیر اطمینان کئے آنے کی اجازت نہ دیتے تھے۔ غیلان بن جریک بیان ہے کہ میں ایک مرتبہ ان کے ساتھ مکہ جانا چاہتا تھا، اس لئے ان کے پاس گیا اور اندر آنے کی اجازت چاہی۔ انہوں نے کہا اگر ضروری نہیں ہو تو اندر آ سکتے ہو۔

ایک گمراہ کن بدعت :

آج کل مذہب کے رنگ میں یہ نیا گمراہ کن مذہب پھیل رہا ہے کہ لوگ حدیث کے مقابلہ میں کتاب اللہ کا مقابلہ کرتے ہیں۔ ابو قلابہ ایسے مذہب پرستوں کو گمراہ سمجھتے تھے۔ چنانچہ فرماتے تھے کہ جب تم کسی سے کوئی سنت بیان کرو اور وہ اس کے جواب میں یہ کہے کہ اس کو چھوڑو اور کتاب اللہ کو پیش کرو اس کو گمراہ سمجھو۔

عرفان نفس :

اپنی حقیقت پہچاننے والے کو نجات کا اور خود فراموش کو ہلاکت کا مستوجب سمجھتے تھے، فرماتے تھے کہ جس شخص کو دوسرے لوگ خود اس سے زیادہ جانتے ہوں وہ ہلاکت کا اور جو شخص خود اپنے نفس کو دوسروں سے زیادہ پہچانتا ہو وہ نجات پانے کا مستحق ہے۔ حقیقی دولت مندی اور حقیقی علم خدا کے عطیہ پر قناعت کو حقیقی دولت مندی اور دوسروں کے علم سے استفادہ کرنے والے کو حقیقی عالم سمجھتے تھے۔ کسی نے آپ سے سوال کیا کہ سب سے غنی کون ہے فرمایا جو اس شے پر راضی ہو جو خدا نے اسے دی ہے۔ پھر سائل نے پوچھا کہ بڑا عالم کون ہے؟ جواب دیا جو دوسروں کے علم سے اپنے علم میں اضافہ کرتا ہے۔^۱

ابتلاء و آزمائش پر صبر :

صبر و شکر اور تسلیم و رضا میں آپ کا پایہ نہایت بلند تھا۔ بڑی سے بڑی مصیبت اور آزمائش کے موقع پر صبر کا دامن ہاتھ سے نہ چھوٹا تھا۔ عبدالمومن بن خالد کا بیان ہے کہ آخر عمر میں ابو قلابہ کے ہاتھ پاؤں اور آنکھیں سب اعضا بیکار ہو گئے تھے۔ ان مصائب کے باوجود ان کی زبان پر حمد و شکر کے علاوہ کوئی کلمہ نہ تھا۔^۲

ان کی ہستی دوسروں کے لئے موجب خیر و برکت تھی، حضرت عمرؓ بن عبدالعزیز شامیوں سے فرماتے تھے کہ جب تک تم میں یہ (ابو قلابہ) موجود ہیں اس وقت تک تم لوگ بھلائی میں رہو گے۔^۳

وفات : مرض الموت میں عمر بن عبدالعزیز ان کی عیادت کو آئے اور انہیں ثبات و استقلال کی تلقین کی اسی بیماری میں وفات پائی۔ یہ ۱۰۴ھ یا ۱۰۵ھ تھا۔^۴

(۹۶) ابو وائل بن سلمہؓ

نام و نسب : شفیق نام ہے۔ ابو وائل کنیت۔ والد کا نام سلمہ تھا۔ نسب قبیلہ اسد بن خزیمہ سے تھے شفیق اپنے نام سے زیادہ کنیت سے مشہور ہیں۔

۱۔ ابن سعد۔ جلد ۷۔ ق ۱۔ ص ۱۳۳ ۲۔ ایضاً ۳۔ تذکرۃ الحفاظ۔ جلد اول۔ ص ۸۲

۴۔ تہذیب التہذیب۔ جلد ۵۔ ص ۲۲۵ ۵۔ ابن سعد۔ جلد ۷۔ ق ۱۔ ص ۱۳۵

عہد رسالت :

ابو وائل عہد رسالت میں موجود تھے، لیکن کم سن تھے۔ عمر بن مروان کا بیان ہے کہ میں نے ایک مرتبہ ابو وائل سے پوچھا کہ اُمّی نے نبی ﷺ کا زمانہ پایا تھا۔ انہوں نے کہا ہاں آپ کو دیکھا تھا۔ لیکن اس وقت میں نو خیز لڑکا تھا^۱۔ لیکن بروایت صحیح وہ تابعی ہیں۔

اسلام : ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ اسی زمانہ میں وہ مشرف باسلام ہوئے۔ مغیرہ کا بیان ہے کہ ابو وائل کہتے تھے کہ ہمارے قبیلہ میں نبی ﷺ کا تحصیلداری آیا۔ وہ ہم سے ہر پچاس اونٹنیوں پر ایک اونٹنی لیتا تھا۔ میرے پاس ایک مینڈھا تھا میں نے اس کو لا کر پیش کیا اور کہا اس کا صدقہ لو۔ اس نے کہا اس میں صدقہ نہیں ہے^۲۔

عہد صدیقی :

عہد صدیقی میں ان کے قبیلہ نے بھی صدقہ دینے سے انکار کر دیا تھا۔ ابو وائل بھی اس جماعت میں شامل تھے سلیمان الاعمش کا بیان ہے کہ شفیق مجھ سے کہتے تھے کاش تم ہم کو بزاخہ کے معرکہ میں خالد بن ولید کے مقابلہ میں بھاگتے ہوئے دیکھے ہوتے۔ اس دم میں اونٹ سے گر پڑا تھا اور میری گردن ٹوٹے ٹوٹے پچی تھی۔ اگر میں اس دن ہلاک ہو گیا ہوتا تو میرے لئے دوزخ یقینی تھی^۳۔ لیکن پران کے قبیلہ نے زکوٰۃ ادا کر کے اطاعت قبول کر لی تھی۔

عہد فاروقی میں تلافی مافات :

عہد فاروقی میں انہوں نے اس لغزش کی پوری تلافی کر دی۔ عراق کی فوج کشی میں مجاہدانہ شریک ہوئے۔ قادسیہ کے مشہور معرکہ میں موجود تھے^۴۔

شام کی مہم میں بھی ان کی شرکت کا پتہ چلتا ہے خود ان کی زبانی یہ روایت ہے کہ میں عمر بن الخطابؓ کے ساتھ شام کے فوج کشی میں شریک ہوا غالباً اس سے مراد سفر شام میں حضرت عمرؓ کی مشابعت ہوگی۔

عمر فاروقی کا برتاؤ :

ان کے خدمات کی بنا پر حضرت عمرؓ ان کا بڑا لحاظ کرتے تھے ان کا بیان ہے کہ عمرؓ نے مجھ کو اپنے ہاتھ سے چار عطیے دیئے اور کہا ایک نعرہ تکبیر دنیا و مافیہا سے بہتر ہے^۵۔

۱۔ ابن سعد۔ جلد ۷۔ ق اول۔ ص ۱۳۵ ۲۔ ایضاً ۳۔ عہد صدیقی میں بنی اسد پر فوج کشی کا معرکہ

۴۔ ایضاً۔ ص ۶۳

۵۔ ابن سعد۔ جلد ۶۔ ص ۶۳

جنگ صفین :

عہد مرتضوی میں حضرت علیؑ کی حمایت میں جنگ صفین میں نکلے لیکن بعد میں اس شرکت پر متاسف تھے۔ اعمش کا بیان ہے کہ کسی نے ابو وائل سے پوچھا کہ آپ نے جنگ صفین میں شرکت کی تھی؟ فرمایا ہاں شریک ہوا تھا، لیکن دونوں صفیں نہات بُری تھیں^۱۔

حجاج اور ابو وائل :

اموی عہد میں ابو وائل کی بڑی عزت و وقعت تھی۔ حجاج خصوصیت کے ساتھ بہت مہربان تھا۔ اس نے آپ کے سامنے بعض بڑے عہدے پیش کئے لیکن آپ نے قبول کرنے سے انکار کیا^۲۔

خود آپ کا بیان ہے کہ حجاج جب (کوفہ) آیا تو مجھے بلا بھیجا میں اس کی طلبی پر گیا۔ اس نے مجھ سے پوچھا آپ کا نام کیا ہے۔ میں نے کہا تم کو معلوم ہی ہوگا ورنہ مجھے بلاتے کیسے، پوچھا آپ کو کتنا قرآن یاد ہے۔ میں نے کہا اتنا کہ اگر میں اس کی پابندی کروں تو وہ میرے لئے کافی ہو^۳۔

ان سوالات کے بعد اس نے کہا میں نے آپ کو اس لئے بلایا ہے کہ آپ کو بعض عہدے دینا چاہتا ہوں۔ میں نے پوچھا کون سا عہدہ۔ اس نے کہا سلسلہ^۴ (بیڑی)۔ میں نے کہا یہ عہدہ ان لوگوں کے لئے موزوں ہے جو ذمہ داری کے ساتھ اس کام کو انجام دے سکیں۔ اگر آپ مجھ سے مدد لینا چاہتے ہیں تو ایسے عقل خوردہ سے مدد لیں جس کا بُرے مددگاروں سے سابقہ ہوگا۔ اس لئے اگر آپ مجھے اس عہدہ سے معاف رکھیں تو میرے لئے زیادہ بہتر ہوگا۔ اور اگر آپ کو اصرار ہے تو میں اس پر خطر عہدہ کو قبول کرنے کے لئے تیار ہوں۔

مگر یہ بھی عرض کر دوں کہ ایسی جماعت میں جبکہ میں آپ کا عہدہ دار نہیں ہوں، جب راتوں کو آپ کو یاد کرتا ہوں تو نیند اڑ جاتی ہے تو جب عہدہ دار رہوں گا تو کیا حال ہوگا۔ لوگ آپ سے اس قدر خائف ہیں کہ اس سے پیشتر کسی امیر سے اتنا خائف نہ ہوئے ہوں گے۔

میری ان باتوں کو اس نے پسند کیا اور کہا اس کی وجہ یہ ہے کہ کوئی شخص خون ریزی میں مجھ سے زیادہ جری اور بے باک بھی نہیں ہے۔ میں ایسے ایسے کام کر گزرا، جس کے پاس جاتے ہوئے لوگ ڈرتے تھے۔ میری اس سختی کی وجہ سے میری مشکلات آسان ہو گئیں۔

خدا آپ پر رحم کرے اب آپ جائیے۔ اگر آپ کے علاوہ کوئی دوسرا موزوں شخص مل گیا تو آپ کو زحمت نہ دوں گا ورنہ پھر آپ کو اس میں ڈالنا پڑے گا۔ غرض کسی طرح چھٹکارا حاصل کرنے کے بعد ابوہریرہ واپس آئے اور پھر کبھی حجاج کے پاس نہ گئے۔^۱

تحصیل زکوٰۃ کا عہدہ :

بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اموی دور میں وہ تحصیل زکوٰۃ کے عہدہ پر تھے۔ مہاجر ابوالحسن کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ میں ابو بردہ اور شقیق کے پاس جو بیت المال میں تھے زکوٰۃ لے کر گیا، انہوں نے اس کو داخل کر لیا۔ اسی روایت کے ایک راوی سعد لکھتے ہیں کہ میں دوبارہ زکوٰۃ لے کر گیا تو تنہا ابوہریرہ تھے۔ انہوں نے کہا اس کو واپس لے جاؤ، اور اس کے مصارف میں اس کو صرف کر دو۔ میں نے کہا مٹاؤ القلوب کا حصہ کیا کروں؟ انہوں نے کہا ”اسے دوسرے لوگوں کو دے دو“۔^۲

فضل و کمال :

علمی اعتبار سے ابوہریرہ کوفہ کے ممتاز علما میں تھے۔ حافظ ذہبی ان کو کوفہ کا شیخ اور عالم لکھتے ہیں۔^۳ علامہ نووی لکھتے ہیں کہ ان کی توثیق اور جلالت پر سب اتفاق ہے۔^۴

قرآن : قرآن کے حافظ تھے، ذہبی اور ذی ایسے تھے کہ وہ مہینہ میں پورے قرآن کی تعلیم حاصل کر لی تھی لیکن تفسیر بیان کرنے میں بڑے محتاط تھے۔^۵

حدیث : حفظ حدیث میں علاؤ ابن سعد ان کو ثقہ اور کثیر الحدیث لکھتے ہیں۔^۶ صحابہ میں انہوں نے حضرت ابو بکرؓ، عمرؓ، عثمانؓ، علیؓ، معاذ بن جبلؓ، سعد بن ابی وقاصؓ، عبداللہ بن مسعودؓ، حذیفہ بن یمانؓ، حباب بن ارتؓ، کعب بن عجرؓ، یاسرؓ، مسعود انصاریؓ، ابو موسیٰؓ، اشعریؓ اور ابو ہریرہؓ وغیرہ جیسے اکابر حفاظ سے روایتیں کی ہیں۔^۷ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی احادیث خصوصیت کے ساتھ ان کے حافظہ میں زیادہ محفوظ تھیں کوفہ میں ان کی احادیث کا ان سے بڑا کوئی حافظ نہ تھا۔^۸

تلامذہ : بڑے بڑے تابعی ان کے خرم کمال کے خوشہ چین تھے۔ اکابر تابعین میں شعبیؓ، عاصم اور عمارؓ۔ اور عام محدثین میں منصورؓ، زبید الیمامیؓ، حبیب بن ابی ثابتؓ، عاصم بن یحییٰؓ، عبیدہ بن لبابہؓ اور عمرو بن مروہؓ وغیرہ نے ان سے فیض پایا تھا۔^۹

۱۔ ابن سعد۔ جلد ۶۔ ص ۲۶۱ ۲۔ ایضاً۔ ص ۶۵ ۳۔ تذکرۃ الحفاظ۔ جلد اول۔ ص ۵۱ ۴۔ تہذیب التہذیب۔ جلد اول۔
ق اول۔ ص ۲۳۷ ۵۔ تذکرۃ الحفاظ۔ جلد اول۔ ص ۵۱ ۶۔ ابن سعد۔ جلد ۶۔ ص ۶۹ ۷۔ تہذیب التہذیب۔
جلد ۴۔ ص ۳۶۱ ۸۔ تہذیب الاسماء۔ جلد اول۔ ق اول۔ ص ۲۳۷ ۹۔ تہذیب التہذیب۔ جلد ۴۔ ص ۳۶۲

علماء میں ابو وائل کا درجہ :

اس عہد کے اکابر ان کو خیار تابعین میں شمار کرتے ہیں۔ اعمش کا بیان ہے کہ ابراہیم نے مجھ سے ہدایت کی تھی کہ تم شفیق سے استفادہ کیا کرو، عبد اللہ بن مسعود کے اصحاب اس زمانہ میں جب کہ ان کی بڑی تعداد موجود تھی سب کے سب انہیں اپنی جماعت کے خیار میں شمار کرتے تھے^۱۔

خشیتِ الہی :

ان کے دل پر خشیتِ الہی کا اس قدر غلبہ تھا کہ جب ان کے سامنے تذکیر و تنویف ہوتی تو ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے^۲۔

زہد و عبادت :

بصرہ کے عابد تابعین میں شمار تھا۔ عبادت ان کا خاص مشغلہ تھا۔ ابن حبان کا بیان ہے کہ وہ ثقات میں تھے کوفہ میں بو و باش اختیار کر لی تھی، اور یہاں کے عابد و زاہد لوگوں میں تھے^۳۔

آپ کی عبادت کا خاص وقت تاریکی شب تھا۔ سجدہ میں نہایت الحاح و زاری کے ساتھ دعا کرتے تھے۔ خدایا مجھے معاف کر اور میری مغفرت فرما اگر تو مجھے معاف کر دے کہ مسلسل گناہوں کو معاف کر دے گا اور اگر عذاب دے گا تو عذاب دینے میں تو ظالم نہ ہوگا^۴۔

جہاد فی سبیل اللہ اور دنیا سے بے تعلقی :

دنیا سے محض برائے نام تعلق تھا۔ رہنے کے لئے ایک معمولی سا چھپر کا جھونپڑا تھا جس میں وہ اور ان کا رفیق جہاد گھوڑا رہتا تھا۔ جب جہاد کے لئے جانے لگتے تو چھپر اکھاڑ دیتے جب واپس آتے تو پھر بنا لیتے^۵۔

کسبِ حلال :

کسبِ حلال کا بڑا خیال تھا۔ مفت کی دولت کے انبار کے مقابلہ میں حلال کے ایک درہم کو زیادہ پسند کرتے تھے چنانچہ فرماتے تھے کہ تجارت کا ایک درہم مجھے اپنے وظیفہ کے دس درہم سے زیادہ پسند ہے^۶۔

۱۔ ابن سعد۔ جلد ۶۔ ص ۶۷

۲۔ ایضاً۔ ص ۶۸

۳۔ ابن سعد۔ جلد ۶۔ ص ۶۷

۴۔ ایضاً

۵۔ ایضاً۔ ص ۶۸

۶۔ ابن سعد۔ جلد اول۔ ص ۶۷

ان کی ذات باعثِ برکت تھی :

ان کے ان اخلاقی اور روحانی کمالات کی وجہ سے لوگ ان کو اپنے لئے باعثِ رحمت و برکت سمجھتے تھے۔ ابراہیم کہتے تھے کہ ہر مقام میں ایک ایسی ہستی ضرور ہوتی ہے جس کے طفیل میں وہ آبادی بلاؤں سے محفوظ رہتی ہے۔ مجھے کو امید ہے کہ شفیق بھی ایسے ہی لوگوں میں ہیں^۱۔ صحابہ تک ان کے کمالات اخلاقی کے معترف تھے عبداللہ بن مسور پر ان کا اتنا اثر تھا کہ جب انہیں دیکھتے تو فرماتے کہ یہ ”نائب“ ہیں^۲۔

وفات : ۸۲ھ میں وفات پائی۔ واقدی کے بیان کے مطابق عمر بن عبدالعزیز کے زمانہ میں انتقال ہوا۔ لیکن یہ صحیح نہیں معلوم ہوا کیونکہ اس اعتبار سے ان کی عمر بہت بڑھ جاتی ہے^۳۔





ابوحنیفہؒ الامام

۸۰ ————— ۱۵۰

تحریر

استاذ الحدیث

حضرت مولانا بدر عالم صاحب مہاجر مدنی قدس سرہ
فاضل دارالعلوم دیوبند و رفیق ندوۃ المصنفین

نوٹ : تابعین کرامؒ کی اس جلد میں ایک جلیل القدر تابعی حضرت نعمان بن ثابت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے حالات شامل نہیں تھے۔ بعض احباب کی توجہ دلانے پر حضرت مولانا بدر عالم صاحب میرٹھیؒ کی اس موضوع پر ایک مختصر تحریر شامل کتاب کی جا رہی ہے۔ تفصیلی حالات و سوانح کے سلسلہ میں حضرت امام اعظمؒ کی سیرت پر تحریر کردہ اردو اور عربی کی ضخیم اور دیگر مستند کتب کی طرف مراجعت کی جائے۔

ناشر

ابوحنیفۃ الامامؒ

ولادت ۸۰ھ وفات ۱۵۰ھ

شجرہ نسب : مہر خ کن خلکن نے لام اعظمؒ کا شجرہ نسب اس طرح نقل کیا ہے : ابوحنیفۃ النعمان بن ثابت بن زوطی بن ماہ اور زوطی کو زاء کے پیش اور طاء کے زبر اور آخر میں یا مقصورہ کے ساتھ ضبط کیا ہے۔ لیکن امام صاحب کے پوتے نے جو شجرہ نسب اپنے دادا کا خود بیان کیا ہے، وہ اس طرح ہے: اسمعیل بن حماد بن النعمان بن ثابت بن النعمان بن المرزبان۔

علامہ شبلی کا خیال یہ ہے کہ جب زوطی اسلام لائے ہوں گے تو ان کا نام نعمان رکھ دیا گیا ہوگا اس لئے جب اسمعیل نے اپنا شجرہ نسب بیان کیا تو اپنے دادا کے اسلامی نام ہی کا ذکر کیا ہے۔ صحیح روایات کی بناء پر یہ طے شدہ ہے کہ امام صاحب کے والد ماجد کی ولادت اسلام ہی پر ہوئی ہے۔ خطیب بغدادی نے جو کچھ اس کے خلاف لکھا ہے وہ محض باطل اور ان کے مشہور تعصب پٹنی ہے۔ غالباً اسی خیال کی تائید کے لئے انہوں نے حسب ذیل روایت بھی نقل کی ہے۔

”کان ابوحنیفۃ اسمہ عتیک بن زوطرة فسمی نفسه النعمان و اباه ثابتاً“

”ابوحنیفہ کا نام عتیک اور ان کے والد کا زوطرہ تھا۔ پھر انہوں نے اپنا نام نعمان اور اپنے والد کا ثابت بدل دیا تھا۔“

اس کا راوی ”السامی“ مختلف فیہ ہونے کے علاوہ مشہور متعصب ہے تاہم اگر اس کو صحیح تسلیم کر لیا جائے تو غالباً ثابت کو زوطرہ ان کے والد زوطی کی مناسبت سے کہا گیا ہوگا۔

ہمارے نزدیک نام و نسب کے فیصلہ کے لئے سب سے زیادہ معتبر شہادت خود اہل خاندان ہی کی ہو سکتی ہے۔ لہذا یہاں اسمعیل کے بیان کے خلاف جو بیانات بھی ہیں وہ سب مرجوح یا قابل توجیہ ہوں گے۔ اسمعیل یہ بھی نقل فرماتے ہیں کہ ہمارے پردادا ثابت زمانہ طفولیت میں حضرت علیؑ کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے۔ آپؑ نے ان کے اور ان کی اولاد کے حق میں دعا برکت فرمائی تھی اور ہمیں امید ہے کہ ان کی یہ دعا ہمارے حق میں ضرور قبول ہوئی ہوگی۔ وہ کہتے ہیں کہ ثابت کے والد

نعمان وہی ہیں جو حضرت علیؑ کی خدمت میں ہدیہ لے کر حاضر ہوئے تھے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ امام اعظمؒ کے خاندان کو حضرت علیؑ سے ہمیشہ خاص تعلق رہا ہے اور اسی بناء پر انہوں نے ثابت اور ان کی اولاد کے لئے خصوصیت سے دعا فرمائی ہوگی۔ اسمعیل یہ بھی بیان کرتے ہیں کہ ہم فارسی النسل ہیں۔ ہمارے باپ دادا سب آزاد لوگ تھے اس کے بعد قسم کھا کر کہتے ہیں۔

”واللہ ما وقع علینا رِق قط“

”خدا کی قسم ہے غلامی کی ذلت میں ہم کبھی مبتلا نہیں ہوئے۔“

ان کے اس تاکید کی بیان سے اس غلط شہرت کی تردید ہوتی ہے جو امام صاحب کے دادا کے متعلق پیدا ہو گئی تھی کہ وہ بنی تیم اللہ کے آزاد کردہ غلام تھے۔ اسمعیل امام اعظمؒ کے پوتے ہیں اس لئے یہ نہیں کہا جاسکتا کہ ان کو اپنے دادا کے حالات کی بھی پوری تحقیق نہ ہوگی۔ اسلامی عہد میں رقیۃ کی غلط فہمی پیدا ہو جانا وہ بھی عجم کے نسب میں کچھ بعید نہیں ہے اور واقعہ کی حقیقت منکشف ہو جانے کے بعد غلط فہمیوں کے اسباب بیان کرنے کی مفت در دوسری اٹھانا بھی غیر ضروری ہے۔ ہمارے نزدیک اس افواہ کو شہرت دینے میں بہت بڑا دخل اس خلش کو بھی ہے جو امام اعظمؒ سے رقابت کے سلسلے میں بعض علماء کو پیدا ہو گئی تھی۔ علامہ کوثری نے مشکل الآثار کی ایک روایت کی مدد سے یہ ثابت کیا ہے کہ آپ کو مولیٰ حلیف کے معنی میں کہا گیا تھا۔ اگر بالفرض تاریخ سے صحیح طور پر آپ کا اولادِ موالیٰ ہونا ثابت ہو جاتا تو اسلامی نقطہ نظر سے یہ اتنا بڑا عیب بھی نہ تھا، جس کی مدافعت کرنا ہمارے لئے ضروری ہوتا۔ لیکن افسوس یہ ہے کہ عصیت کی آنکھ جب خشم آلودہ ہو جاتی ہے تو وہ کوئی ہنر اپنے حریف میں دیکھنا پسند نہیں کرتی۔

مولد و مدفن : آپ کی پیدائش کوفہ میں اور وفات بغداد میں ہوئی ہے۔ علمی پایہ کے لحاظ سے کوفہ ہمیشہ ممتاز شہر رہا ہے۔ علامہ کوثری نے نصب الراية کے مقدمہ میں اس کی مختصر تاریخ لکھی ہے، ہم اس کا خلاصہ یہاں درج کرتے ہیں۔

کوفہ ایک اسلامی شہر ہے جو عہدِ فارسی کے عہد میں حکیم امیر المؤمنین تعمیر کیا گیا تھا۔ اس کے ارد گرد فصحاء عرب بسائے گئے اور ان کے تعلیمی نظم و نسق کے لئے سرکاری طور پر حضرت ابن مسعودؓ کو بھیجا گیا۔ ان کی علمی منزلت اس سے ظاہر ہے کہ حضرت عمرؓ نے اہل کوفہ کو یہ لکھا تھا کہ ابن مسعودؓ کی مجھے یہاں خود بھی ضرورت تھی، لیکن تمہاری ضرورت کو مقدم سمجھ کر تمہاری تعلیم کے لئے ان کو بھیج رہا ہوں۔ انہوں نے یہاں بیٹھ کر عہدِ عثمانؓ کے آخری دور تک لوگوں کو قرآن پاک اور دین کے مسائل کی

تعلیم دی۔ ان کی تعلیمی جدوجہد کا یہ نتیجہ ہوا کہ بعض محدثین کے بیان کے مطابق اس نوآباد شہر میں چار ہزار علماء و محدثین پیدا ہو گئے۔ حتیٰ کہ جب حضرت علیؑ کو فہ میں داخل ہوئے تو علم کی یہ شان دیکھ کر بے ساختہ بول اٹھے، ”اللہ تعالیٰ ابن مسعودؓ کا بھلا کرے، انہوں نے تو اس بستی کو علم سے بھر دیا۔“ کو فہ بحالت موجودہ ہی کیا کم تھا کہ اس مدینہ العلم کی آمد نے اسے اور چار چاند لگا دیئے۔ ایک سعید بن جبیر تنہا یہاں ابن عباسؓ کے علوم کا ایسا نسخہ موجود تھے کہ جب کو فہ والے ان کے پاس کوئی فتویٰ پوچھنے جاتے تو وہ فرماتے کیا تمہارے یہاں سعید بن جبیر موجود نہ تھے یعنی ان کے ہوتے ہوئے یہاں آنے کی کیا ضرورت تھی۔

شعسیؓ کے علم کا یہ عالم تھا کہ حضرت ابن عمرؓ جب ان کو مغازی پر بحث کرتے ہوئے دیکھتے تو فرماتے، میں ان غزوات میں آنحضرت ﷺ کے ساتھ شریک رہ چکا ہوں مگر ان کی یادداشت تو مجھ سے بھی زیادہ ہے۔

ابراہیم نخعیؓ کا تو کہنا ہی کیا ہے۔ ابن عبدالبرؒ کہتے ہیں کہ اہل نقد کے نزدیک ان کے سب مراسیل صحیح سمجھے جاتے ہیں۔ انہوں نے ابو سعید خدریؓ اور حضرت عائشہؓ وغیرہ کا زمانہ پایا ہے۔ ابو عمران نے ان کو اپنے زمانے کے تمام علماء سے افضل کہا ہے۔ ۹۵ھ میں جب ان کی وفات ہوئی تو ابو عمران نے ایک شخص سے کہا آج تم نے سب سے زیادہ فقیہ شخص کو دفن کر دیا۔ اس نے کہا، کیا حسن بصریؓ سے بھی زیادہ۔ انہوں نے کہا، ایک حسن بصریؓ سے نہیں بلکہ تمام اہل بصرہ، اہل کو فہ، اہل شام اور اہل حجاز سے بھی۔

شعسیؓ کہا کرتے تھے کہ ابراہیم نقد کے گہوارہ میں تو پیدا ہی ہوئے تھے، اس کے بعد وہ ہمارے پاس آئے اور ہماری وہ حدیثیں جو بے غبار تھیں یا اپنی فقہ میں شامل کر کے اپنے ساتھ لے گئے۔

مسروق جو کبار تابعین میں ہیں۔ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کے صحابہ کا خلاصہ میں نے ان چھ اشخاص میں دیکھا۔ علیؓ، عبداللہ بن مسعودؓ، عمرؓ، زید بن ثابتؓ، ابو الدرداءؓ اور ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہم پھر نظر ڈالی تو ان سب کے علم کا خلاصہ پہلے دو شخصوں میں پایا۔ حضرت معاذ بن جبلؓ نے جو زبان رسالت سے علم بالحلّال والحرام کا تمغہ حاصل کر چکے تھے، اپنے خاص شاگرد عمرو بن میمون کو حکم دیا تھا کہ تحصیل علم کے لئے تم حضرت ابن مسعودؓ کی خدمت میں کو فہ جاؤ۔

کوفہ کی علمی قدر و منزلت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ مصر میں آنے والے صحابہ کی تعداد محمد بن ربیع جیزی اور سیوطی تین سو سے زیادہ پیش نہیں کر سکے۔۔۔۔۔ اس کے بالمقابل صرف ایک کوفہ میں پندرہ سو ۱۵۰۰ صحابہ کا قیام لکھ رہے ہیں جن میں ستر صحابہ بدری تھے۔ عراق کے بقیہ شہروں میں بسنے والے صحابہ کا ابھی ذکر نہیں ہے۔ (اور یہ تعداد بھی کم ہے ورنہ جو مقام مرکزی چھاؤنی بنا دیا گیا ہو معلوم نہیں کہ وہاں کتنے اور صحابہ کا گذر ہوا ہوگا)۔

راہر مزی اپنی کتاب ”الفصل“ میں قابوس سے نقل فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے والد سے پوچھا، یہ کیا بات ہے کہ آپ نبی کریم ﷺ کے صحابہ کو چھوڑ کر علقمہ کے پاس جایا کرتے ہیں؟ یہ ابن مسعودؓ کے شاگرد تھے۔ فرمایا، اے جانِ پدر بات یہ ہے کہ میں آنحضرت ﷺ کے صحابہؓ کو خود ان کے پاس مسائل دریافت کرنے کے لئے آتا دیکھتا ہوں۔ شرح جو یہاں کے قاضی تھے، ان کے حق میں حضرت علیؓ کا یہ ارشاد ہے، ”شرح اٹھو اور فیصلہ کرو کیونکہ تم عرب میں سب سے بڑھ کر قاضی ہو“۔ ان کے علاوہ تینتیس^{۳۳} اشخاص یہاں اور بھی ایسے موجود تھے جو صحابہ کی موجودگی میں اربابِ فتویٰ سمجھے جاتے تھے۔

اس دور کے بعد دوسرا دور ان حضرات کے تلامذہ کا شروع ہوتا ہے۔ ان کا عدد بھی ہزاروں سے متجاوز تھا۔ امام ابو بکر صاں لکھتے ہیں کہ دیرِ جمائم میں حجاج سے جنگ کرنے کے لئے ایک عبدالرحمن بن الاشعث کے ساتھ جو جماعت نکلی تھی، اس میں چار ہزار کی تعداد صرف قرائما بعین کی تھی۔

راہر مزی انس بن سیرین سے نقل کرتے ہیں۔ جب میں کوفہ پہنچا تو اس وقت تو وہاں چار ہزار حدیث کے طلبہ اور چار سو فقہاء موجود تھے۔ نیز عفان بن مسلم^۱ سے ناقل ہیں کہ جب ہم کوفہ پہنچے تو ہم نے وہاں صرف چار ماہ اقامت کی۔

حدیث کا وہاں یہ چرچا تھا کہ اگر ہم ایک لاکھ حدیثیں لکھنا چاہتے تو لکھ لیتے۔ مگر ہم نے صرف پچاس ہزار حدیثوں پر ہی اکتفا کیا اور صرف وہ حدیثیں جمع کیں جو جمہور کے نزدیک مسلم تھیں۔ اتنی اسی لئے مسلم آئمہ و حفاظ کو بھی طلبِ حدیث کے لئے کوفہ کا سفر کرنا ناگزیر ہو گیا تھا۔ اگر آج بھی آپ رجال کی کتابیں کھول کر بیٹھیں تو ہزاروں راوی آپ کو کوفہ کے نظر آئیں گے۔ جن کی

۱۔ یہ عفان بن مسلم، امام احمد اور بخاری وغیرہ کے شیخ ہیں۔ علی بن مدینی ان کے متعلق لکھتے ہیں کہ ان کی عادت تھی کہ اگر حدیث کے کسی حرف میں ان کو ذرا شبہ پڑ جاتا تو اسے سرے سے ترک کر دیا کرتے تھے۔ (تقریب) اب اندازہ فرمائیے کہ جب اس سخت شرط کے ساتھ پچاس ہزار حدیثوں کا ذخیرہ ان کو کوفہ میں مل سکتا ہے تو حدیث کے لحاظ سے کوفہ کا مرتبہ کیا ہوگا۔

روایات سے صحیحین اور غیر صحیحین بھری پڑی ہیں۔ حتیٰ کہ خود امام بخاریؒ فرماتے ہیں کہ میں شمار نہیں کر سکتا کہ حدیث حاصل کرنے کے لئے کتنی بار کوفہ گیا ہوں۔

خلاصہ یہ ہے کہ مدینہ طیبہ کو اگر مہبط وحی ہونے کا فخر حاصل تھا تو کوفہ کو ہزاروں صحابہ کے مرجع و مسکن ہونے کا بجا فخر حاصل تھا۔ یہی وجہ ہے کہ محدثین کو دیگر بلاد اسلامیہ کے ساتھ اہل کوفہ کا تعامل بھی بڑی اہمیت سے نقل کرنا پڑا ہے۔ یہاں تک کہ امام ترمذی نے فقہ کا کوئی باب کم چھوڑا ہے جہاں اعتناء کے ساتھ اہل کوفہ کا مذہب نقل نہ کیا ہو۔

یہ ہے امام ابوحنیفہؒ کا مولد اور ان کا علمی گہوارہ، جس کے آغوش میں رہ کر ان کی علمی پرورش ہوئی ہے۔ کون کہہ سکتا ہے کہ جو فقہ اس سرزمین میں مدون کی گئی ہو وہ سرِ موبھی کتاب و سنت سے تجاوز کر سکتی ہے۔

حلیہ و اخلاق : خطیب بغدادی ابو نعیم سے نقل کرتے ہیں کہ ابوحنیفہؒ ”خوش رو، خوش لباس، خوشبو پسند کرنے والے، خوش مجلس، نہایت کریم النفس، اور اپنے رفقاء کے بڑے ہمدرد تھے۔ ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ امام صاحب کا قدمیہ نہ تھا۔ نہ بہت کوتاہ، نہ دراز، گفتگو نہایت شیریں، آواز بڑی دلکش اور بڑے قادر الکلام تھے۔ عمر، امام اعظمؒ کے پوتے فرماتے ہیں کہ ابوحنیفہؒ ”کسی قدر دراز قد تھے۔ آپ کے رنگ پر گندم کوئی غالب تھی۔ اچھا لباس پہنتے۔ عام طور پر اچھی حالت میں رہتے۔ خوشبو کا استعمال کرتے تھے کہ آپ کی نقل و حرکت کا اندازہ خوشبو کی مہک سے ہو جاتا تھا۔“

آپ ریشم کی تجارت کرتے تھے۔ قیس بن الربیع بیان کرتے ہیں کہ امام صاحب مشائخ اور محدثین سے ایک رقم لے کر ان کے لئے بغداد سے سامان خریدتے اور کوفہ لا کر اُسے فروخت کر دیتے اور سال بہ سال اس کا نفع اپنے پاس جمع رکھنے اور اس نفع سے محدثین کے خورد و نوش لباس وغیرہ کی ضروریات مہیا کرتے، اس سے جو بچ رہتا وہ اُن کے حوالے کر دیتے اور کہتے کہ اسے اپنی دیگر ضروریات میں صرف کر لو اور خدا کا شکر ادا کرو۔ میرے شکر کی ضرورت نہیں، کیونکہ میں نے یہ مال اپنے پاس سے تم کو نہیں دیا، یہ تمہارے ہی مال کا نفع ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا مجھ پر کرم ہے کہ اس نے اس کا ذریعہ مجھے بنادیا ہے۔

حضرت حسن بن زیاد کہتے ہیں۔ اہل مجلس میں سے ایک شخص پر امام صاحب نے خستہ لباس دیکھا۔ اس سے کہا بیٹھ جاؤ۔ جب محفل برخواست ہو گئی اور یہ تنہا رہ گیا تو فرمایا، مصلیٰ اٹھا کر جو اس کے نیچے

تم کو ملے وہ لے لو۔ اس نے جاء نماز اٹھائی تو نیچے ہزار درہم تھے۔ آپ نے فرمایا، یہ لے لو۔ وہ بولا
میں خود صاحب وسعت ہوں، مجھے ضرورت نہیں ہے۔ فرمایا، تو پھر اپنا حال ایسا بناؤ کہ تمہیں دیکھ
کر تمہارے بھائی کو غم نہ ہو۔ یہ حدیث تم کو معلوم نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندہ پر اپنے نعمت و کرم کے
آثار دیکھنا پسند کرتا ہے۔

حضرت جعفر بن عون بیان کرتے ہیں کہ ابو حنیفہؒ کے پاس ایک عورت آئی اور اس نے ایک
ریشمین کپڑا آپ سے مانگا۔ آپ نے ایک کپڑا اس کے لئے نکالا تو وہ بولی، میں بڑھیا عورت ہوں اور
یہ معاملہ امانت کا ہے۔ مناسب ہے کہ آپ کو جتنے میں پڑا ہے اسی قیمت میں میرے ہاتھ فروخت
کر دیجئے۔ فرمایا چار درہم دیدے۔ اس نے کہا بڑھیا کا مذاق نہ بنائیے اور ٹھیک ٹھیک قیمت بتا دیجئے۔
آپ نے فرمایا، میں نے دو کپڑے خریدے تھے اور ایک ہی کپڑے سے چار درہم کم میری پوری قیمت
وصول ہو گئی تھی، اب یہ کپڑا مجھے چار ہی درہم میں بیچ رہا ہے۔

حضرت ابن مبارک نے سفیان ثوریؒ سے پوچھا، ابو حنیفہؒ غیبت کرنے سے بہت دور رہتے ہیں،
حتیٰ کہ اپنے دشمن کی غیبت بھی نہیں کرتے۔ سفیان ثوریؒ نے جواب دیا۔ ابو حنیفہؒ اس سے بالاتر ہیں
کہ اپنی نیکیوں پر اپنے دشمن کو مسامحہ کریں۔ (کہ وہ قیامت کے دن اپنی غیبت کے بدلہ میں ان کی
نیکیاں لے لے)۔

اس قسم کے واقعات ایک دو نہیں بہت ہیں۔ مفصل تذکروں میں دیکھے جاسکتے ہیں۔ ان
چند واقعات میں امام صاحب کی صرف ہمدردی اور مساوات قابل غور نہیں ہے۔ دنیا میں سخی اور کریم اور
بھی گزرے ہیں، دیکھنا تو یہ ہے کہ یہاں آپ نے صرف ہمدردی نہیں کی، بلکہ بے منت ہمدردی
کرنے کے اصول بھی بتلا دیئے۔ ہمدردی کا اخفا محتاج کی حاجت روائی کرنا پھر اس کو سبک رُوح رکھنا
اور ایسے طریقے نکال لینا، جن سے اپنے نفس اور محتاج کو ندامت کا خطرہ بھی نہ گزر سکے۔ سب درست اس
کی حاجت رفع ہو جائے اور آئندہ کے لئے اس کو سوال کی عادت بد بھی نہ پڑنے پائے۔ یہ ایک قیمتی
سبق ہے جو ان چند واقعات سے ہم کو ملتا ہے۔

طبقہ امام اعظمؒ : ابن خلکان لکھتے ہیں کہ امام صاحبؒ نے چار احباب کو پایا ہے۔ انس بن مالکؒ،
عبداللہ بن ابی اویؒ، کوکوفہ میں، بہل بن سعد الساعدی کو مدینہ منورہ میں اور ابوالطفیل عامر بن واہبؒ
کو مکہ مکرمہ میں۔ حافظ ذہبیؒ خود امام صاحبؒ سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے انس بن مالکؒ صحابی کو

بارہا دیکھا ہے۔ حافظ ابن حجرؒ ان کے ساتھ اور بہت سے دیگر حفاظ حدیث نے انسؓ کی روایت تسلیم کی ہے۔ خلاف جو کچھ ہے، وہ روایت کے ثبوت و عدم ثبوت میں ہے۔ ہمارے نزدیک ایک ایسے شخص کے متعلق جو صحابہ ہی کے عہد میں پیدا ہوا ہو، روایت تو درکنار روایت کا دعویٰ بھی بعید نہیں، بلکہ بہت ہی قرین قیاس تھا لیکن کیا کیا جائے جن پر امام صاحب کا اولاد و احرار ہونا بھی شاق ہو ان پر آپ کا طبقہ تابعین میں شمار ہونا کیوں شاق نہ ہوتا۔ اس لئے یہ بھی ایک معرکہ الآراء مسئلہ بن کر رہ گیا ہے۔ متوسط قول یہ ہے کہ روایت سے تو انکار نہ کیا جائے اور روایت کا قطعی طور پر دعویٰ نہ کیا جائے۔ اس کے سوا جو کچھ ہے وہ افراط و تفریط کا میدان ہے۔

تحصیل علم :

حضرت زفر بن ہذیل روایت کرتے ہیں کہ میں نے امام اعظمؒ سے سنا ہے کہ مجھے علم کلام کا پہلے اتنا شوق تھا کہ میں اس علم میں شہرہ آفاق ہو گیا تھا۔ حماد بن ابی سلیمانؒ کا حلقہ درس میرے قریب تھا۔ ایک دن ایسا اتفاق ہوا کہ میرے پاس ایک عورت آئی اور اس نے مجھ سے یہ مسئلہ دریافت کیا کہ ایک شخص کی بی بی باندی ہے وہ سنت کے موافق اسے طلاق دینا چاہتا ہے، کتنی طلاقیں دے؟ میری سمجھ میں کچھ نہ آیا کیا جواب دوں۔ میں نے کہا حماد سے پوچھ اور واپس آ کر مجھے بھی بتا۔ وہ حماد کے پاس گئی۔ انہوں نے فرمایا،

جب وہ حیض سے پاک ہو جائے تو جماع کرنے سے پہلے اسے صرف ایک طلاق دینا چاہئے۔ جب دو حیض اور گزر جائیں تو پھر اپنا دوسرا نکاح کر سکتی ہے۔ اس نے واپس آ کر مجھ سے ان کا جواب نقل کیا۔ میں نے اپنے دل میں کہا کہ علم کلام بھلا کس کام کی چیز اور اپنے جوتے اٹھا کر حماد کی خدمت میں حاضر ہو گیا۔ دو مسائل بیان کرتے، میں ان کو سنتا اور یاد رکھتا۔ جب دوسرے دن وہ تشریف لاتے پھر ان کا اعادہ فرماتے تو ان کو معلوم ہوتا کہ میں نے ان مسائل کو صحیح ضبط کیا ہے

۱۔ حماد ابراہیم نخعی کے خاص مظلومہ میں تھے۔ تاریخ صہبان میں ابو الشیخ ذکر کرتے ہیں کہ ایک دن نخعی نے ان کو ایک درہم کا گوشت لانے کے لئے بازار بھیجا۔ زبیل ان کے ہاتھ میں تھی۔ ادھر ان کے والد کہیں گھوڑے پر سوار آرہے تھے۔ یہ صورت دیکھ کر انہوں نے ان کو ڈانٹا اور زبیل لے کر ہاتھ سے پھینک دی۔ جب ابراہیم نخعی کی وفات ہو گئی تو حدیث کے طلبہ ان کے والد (مسلم بن یزید) کے دروازے پر آئے اور دستک دی۔ یہ چراغ لے کر باہر نکلے تو انہوں نے کہا ہمیں آپ کی ضرورت نہیں۔ آپ کے فرزند حماد کی ضرورت ہے، یہ خفیہ ہو کر اندر تشریف لے آئے اور حماد سے کہا جاؤ ہمیں باہر جاؤ۔ اب مجھے معلوم ہو گیا کہ یہ مقام تمہیں ابراہیم کی زبیل کی بدولت ہی نصیب ہوا ہے۔۔۔۔۔ ابن عدی نے "الکامل" میں نقل کیا ہے کہ حماد فرماتے تھے میں قنابہ، طاؤس اور مجاہد سے ملا ہوں۔ جب ابراہیم سے دریافت کیا گیا کہ آپ کے مسائل کا حل کس سے دریافت کیا کریں تو انہوں نے حماد ہی کا نام لیا تھا۔ (مقدمہ زبیلی)

اور ان کے دوسرے شاگردوں نے غلطیاں کی ہیں۔ اس لئے انہوں نے فرمایا کہ میرے سامنے صدر مقام پر ابوحنیفہؒ کے سوا اور کوئی شخص نہ بیٹھے۔ دس سال مسلسل بلکہ ان کی وفات تک میں ان کے ساتھ رہا۔ حماد کے فرزند کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ میرے والد کسی سفر میں باہر تشریف لے گئے تھے۔ جب واپس تشریف لائے تو میں نے پوچھا کہ اس اثناء میں آپ کو زیادہ کس کی یاد رہی۔ میرا خیال تھا کہ وہ یہی فرمائیں گے، تیری۔ لیکن انہوں نے ابوحنیفہؒ کا نام لیا اور فرمایا کہ اگر مجھے یہ قدرت ہوتی کہ میں ابوحنیفہؒ سے ایک لمحہ کے لئے بھی اپنی نظر جدا نہ کروں تو نہ کرتا۔

روایت مذکورہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ امام صاحبؒ کی عمر کا ابتدائی حصہ علم کلام میں صرف ہوا ہے اور زمانہ تلمذ سے آپ کی کنیت ابوحنیفہؒ تھی۔ یہ تحقیق نہیں ہو سکا کہ یہ کنیت امام صاحبؒ نے خود اختیار کی تھی یا دوسروں نے آپ کی یہ کنیت مقرر کی تھی۔ اسی روایت سے امام صاحبؒ کے صحت ذوق، سلامتی فطرت اور قوت حفظ کا بھی اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ آپ کے صرف درس حدیث کے صدر نشین نہ ہونے سے یہ خیال قائم کر لینا کہ آپ کا حفظ کمزور تھا بہت سطحی نظر ہے۔

ماخذ علم : خطیب بغدادی روایت کرتے ہیں کہ امیر المؤمنین ابو جعفر نے امام صاحبؒ سے پوچھا، آپ نے کن صحابہ کا علم حاصل کیا ہے؟ فرمایا، عمر بن الخطاب، علی بن ابی طالب، عبداللہ بن مسعود اور عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور ان کے شاگردوں کا۔ فرمایا، تو آپ نے بہت صحیح اور پختہ علم حاصل کیا۔ یہ ہستیاں بہت مبارک اور بڑی مقدس ہستیاں تھیں۔ حضرت عمرؓ کی شان تو خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان سے ظاہر ہے کہ مرے بعد اگر کوئی شخص نبی ہوتا تو عمر ہوتے۔ حضرت علیؓ تو وہ ہیں جن کو آپ نے اپنے دست مبارک سے قاضی بنا کر بھیجا تھا۔ رہ گئے عبداللہ بن مسعود اور ابن عباسؓ ان کی قرآن دانی اور قرآن فہمی امت میں ضرب الشل ہو چکی ہے۔ اب سوچنے کے جو علم اتنے جامع اور مضبوط ماخذ سے حاصل کیا گیا ہو گا وہ کتنا عمیق اور کتنا مستحکم ہو سکتا ہے۔ نفسیاتی طریق پر بھی مسائل حنفیہ کا مرجع یہی اصحاب ہونے چاہئیں۔

کوفہ جو امام اعظمؒ کا مسکن تھا، حضرت عمرؓ ہی کا بسایا ہوا اور آباد کیا ہوا تھا۔ پھر جو صحابی اہل کوفہ کی تعلیم و تربیت کے لئے سرکاری طور پر مقرر کئے گئے وہ ابن مسعودؓ ہی تھے۔ حضرت علیؓ کا تو کوفہ دار الخلافہ ہی رہ چکا تھا۔ اس لئے اہل کوفہ کے لئے ان اصحاب میں علمی کشش کے علاوہ ایک فطری کشش بھی موجود تھی۔ کسی مجتہد کے متعلق یہ خیال قائم کرنا کہ اس کے استفادہ کا مطلب یہ تھا کہ وہ ہر جزی میں ایک مقلد کی طرح اتباع کرتا ہوگا، انتہائی درجہ کی ناواقفیت ہے بلکہ اس کا مطلب یہی ہو سکتا ہے کہ

ان کے زیر تربیت رہ کر اس کا جو علمی مذاق اور انداز طبیعت قائم ہو چکا تھا، وہ ان حضرات ہی سے ملتا جلتا تھا۔ اس کے اصول استنباط، اصول فکر، مصالح و مضار پر غور و خوض کا زاویہ نظر سب اُن ہی سے متحد تھا۔ اس لئے دونوں کے مجتہدات اور مسائل میں ایک قسم کی یک رنگی اور یکسانیت پیدا ہو جانا بھی ضروری امر تھا۔

اصول و عقائد: یحییٰ بن ضریس کہتے ہیں، میں سفیانؒ کے پاس حاضر تھا۔ ایک شخص آیا اور اس نے کہا کہ آپ کو امام صاحب پر کیا اعتراض ہے؟ انہوں نے فرمایا، اعتراض کیا ہوتا، میں نے تو خود انہیں یہ فرماتے سنا ہے کہ میں سب سے پہلے قرآن کو لیتا ہوں، اگر کوئی مسئلہ اس میں نہیں ملتا تو پھر سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں تلاش کرتا ہوں، اگر کتاب اللہ اور حدیث رسول اللہ دونوں میں نہیں ملتا تو پھر میں آپ کے صحابہ کے اقوال تلاش کرتا ہوں اور ان میں جو زیادہ پسند آتا ہے اُسے اختیار کر لیتا ہوں مگر ان کے اقوال سے باہر نہیں جاتا۔ ہاں جب تابعین کا نمبر آتا ہے تو پھر ان کا اتباع کرنا لازم نہیں سمجھتا، جیسا انہوں نے اجتہاد میں کیا میں بھی اجتہاد کر لیتا ہوں^۱۔

حضرت امام ابو یوسف روایت کرتے ہیں کہ امام ابو حنیفہؒ نے فرمایا، خراسان میں دو قسم کے لوگ سب سے بدتر ہیں، جہمیہ اور مشبیہ۔ ابو یوسف سے دوسری جگہ اس طرح منقول ہے کہ امام صاحب جہم بن صفوان کی مذمت کیا کرتے تھے اور اس کی باتوں پر نکتہ چینی فرماتے تھے۔ عبدالرحمن حمانی کہتے ہیں، میں نے ابو حنیفہؒ کو یہ فرماتے خود سنا ہے کہ جہم بن صفوان کافر ہے^۲۔

یحییٰ بن نصر کہتے ہیں کہ ابو حنیفہؒ ”مُتَّخِذِیْن کو دوسرے صحابہ پر فضیلت دیتے تھے۔ خُتَّابِیْن سے محبت رکھتے تھے۔ تقدیر کے قائل تھے اور اس میں کوئی میخ نہیں نکالتے تھے۔ مسح علی الخفین کرتے تھے اور اپنے زمانے کے سب سے بڑے اور متقی عالم تھے^۳۔ ابو سلیمان جوزجانی اور معطی بن منصور رازی کہتے ہیں کہ امام ابو حنیفہؒ اور ان کے تلامذہ میں کسی نے قرآن کے مخلوق ہونے کے بارے میں کوئی لفظ زبان سے نہیں نکالا۔ ہاں بشر مریکی اور ابن ابوداؤد نے اس مسئلہ میں بحث شروع کی اور انہوں نے ہی امام صاحبؒ کے تلامذہ کو بدنام کیا^۴۔

محدثین کی نظروں میں امام اعظمؒ کی ثقاہت :

امام ابوداؤدؒ فرماتے ہیں، اللہ تعالیٰ مالکؒ پر رحمت نازل فرمائے، اپنے وقت کے امام تھے۔ شافعیؒ پر رحمت نازل فرمائے، اپنے وقت کے امام تھے۔ ابو حنیفہؒ پر رحمت نازل فرمائے، اپنے زمانہ کے

امام تھے۔ امام احمدؒ جب کبھی امام ابو حنیفہؒ کے کوڑے کھانے اور قضاء قبول نہ کرنے کا واقعہ ذکر فرماتے تو رو پڑتے تھے اور امام صاحب کے لئے دعاء رحمت فرماتے۔^۱

حسن بن علی حلوانی شلبہ سے نقل کرتے ہیں کہ امام صاحب کے بارے میں شعبہ اچھا خیال رکھتے تھے۔ علی بن مدینی کہتے ہیں کہ امام صاحب سے ثوری، ابن مبارک، حماد بن زید، ہشیم، وکیع، عباد، جعفر بن عون جیسے اجلہ محدثین نے روایت کی ہے، وہ ثقہ ہیں۔ ان کی روایت میں کوئی سقم نہیں۔ یحییٰ بن معین سے پوچھا گیا، اے ابو زکریا (ان کی کنیت ہے)، کیا ابو حنیفہؒ حدیث کے بارے میں سچے شمار ہوتے تھے انہوں نے فرمایا، نہایت سچے اور بالکل صحیح روایت کرنے والے تھے۔ ایک مرتبہ ان سے دریافت کیا گیا، کیا ابو حنیفہؒ کبھی خلاف واقع بھی حدیث روایت کرتے تھے؟ فرمایا، محدثین، ابو حنیفہؒ اور ان کے تلامذہ کے حق میں بڑی زیادتی کرتے ہیں۔ ان کی شان اس سے کہیں ارفع و اعلیٰ تھی۔^۲

خطیب یحییٰ بن معین سے نقل کرتا ہے کہ ابو حنیفہؒ کے نزدیک حدیث روایت کرنے کے لئے یہ شرط تھی کہ وہ سننے کے بعد سے برابر یاد دلائی چاہئے۔ اگر یاد نہ رہے تو اس کو روایت کرنا درست نہ سمجھتے تھے۔ ایک مرتبہ امام صاحب کے متعلق ان سے دریافت کیا گیا تو دوبار فرمایا ثقہ ہیں۔ ایک مرتبہ یہ کہا کہ حدیث و فقہ میں ثقہ اور سچے ہیں اور خدا کے دین کے بارے میں بھروسہ کرنے کے قابل ہیں۔^۳ خارجہ بن مصعب اور ابو وہب عابد کہتے ہیں کہ جو شخص مسح علی الخفین کا قائل نہ ہو یا ابو حنیفہؒ پر نکتہ چینی کرے وہ بلاشبہ ناقص العقل ہے۔^۴ حافظ ابن حجر شافعی نے امام صاحب کے مناقب نقل کر کے یحییٰ بن معین سے اس کے خلاف کوئی نقل پیش نہیں کیا اور آخر تذکرہ میں لکھا ہے کہ امام صاحب کے مناقب بہت ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہو اور حبیب فردوس میں ان کو جگہ دے۔ ذہبی نے مناقب امام پر مستقل ایک تصنیف لکھی ہے۔

فقہ حنفی کا امتیاز : اس عنوان پر علامہ کوثری مصری نے زلیعی کے مقدمہ میں ایک مختصر مقالہ سپرد قلم کیا ہے۔ ہم یہاں اس کا اختصار ہیہ ناظرین کرتے ہیں۔

فقہ حنفی صرف ایک شخص رائے نہیں بلکہ چالیس علماء کی جماعت شوریٰ کی ترتیب دادہ ہے۔ امام طحاوی اسناد کے ساتھ نقل کرتے ہیں کہ امام صاحب کی یہ جماعت شوریٰ چالیس افراد پر مشتمل تھی،

۱۔ جامع بیان العلم۔ جلد ۲۔ ص ۱۶۳ ۲۔ تاریخ ابن خلکان۔ جلد ۲۔ ص ۱۶۳ ۳۔ جامع بیان العلم۔ جلد ۲۔ ص ۱۴۹
۴۔ تاریخ خطیب۔ جلد ۱۳۔ ص ۴۱۹-۴۲۰ ۵۔ ایضاً۔ جلد ۱۳۔ ص ۳۶۴-۳۶۸

جن میں ممتاز ہستیاں یہ تھیں۔ ابو یوسف، زفر بن ابیہذیل، داؤد الطائی، اسد بن عمرو، یوسف بن خالد السمتی (یہ امام شافعیؒ کے شیوخ میں ہیں) یحییٰ بن زکریا بن ابی زائدہ۔ خطیب نے امام ابو یوسفؒ کے تذکرہ میں ان اسماء کا اور اضافہ کیا ہے۔ عافیہ از دی، قاسم بن من، علی بن مہر، حبان، مندل۔

اسد بن عمرو بیان کرتے ہیں کہ امام صاحب کی خدمت میں پہلے ایک مسئلہ کے مختلف مختلف جوابات پیش کئے جاتے پھر جو اس کا سب سے زیادہ تحقیقی جواب ہوتا آپ ارشاد فرماتے۔ اسی طرح ایک ایک مسئلہ تین تین دن زیر بحث رہتا۔ اس کے بعد کہیں وہ لکھا جاتا تھا۔ صیری بیان فرماتے ہیں کہ امام صاحب کے تلامذہ امام صاحب کے ساتھ مسائل میں بحث و تمحیص کرتے اگر اس وقت قاضی عافیہ بن یزید موجود نہ ہوتے تو آپ فرماتے ان کے آنے تک ابھی مسئلہ کا فیصلہ ملتا تو رکھو جب وہ تشریف لے آتے اور وہ بھی دوسروں کی رائے سے اتفاق کر لیتے تو امام صاحبؒ فرماتے اب اس کو لکھ لو۔ جب تک مسئلہ تحقیق و تفتیش کے یہ مراحل طے نہ کر لیتا آپ اس کو لکھنے سے منع کرتے۔

یحییٰ بن معینؒ "التاریخ والعلل" میں لکھتے ہیں کہ امام ابو حنیفہؒ نے ایک دن امام ابو یوسفؒ سے فرمایا، اے یعقوب جو کچھ مجھ سے سنا کرو اسے فوراً ہی نہ لکھ لیا کرو کیونکہ کبھی ایک مسئلہ کے متعلق میری رائے آج کچھ ہوتی ہے اور کل کچھ ہو جاتی ہے۔ اس روایت سے موفق ملی کے بیان کی تائید ہوتی ہے کہ امام صاحب کا مسلک شورائی مسلک ہے۔ اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ امام صاحب نے اپنے تلامذہ پر اپنے مسائل تسلیم کرنے کے متعلق کبھی جبر نہیں کیا بلکہ ہمیشہ اس کی پوری آزادی دی کہ وہ بہت خوشی سے اپنی اپنی رائے پیش کریں، پھر اس پر خوب جرح و قدح ہو، اس کے بعد اگر سمجھ میں آجائے تو اس کو قبول کر لیں۔

مذکورہ بالا بیان سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ امام صاحبؒ کی مجلس شوریٰ عقلی و عقلی ہر دو لحاظ سے بہت مکمل مجلس تھی۔ اس میں اگر حفاظ و محدثین، عربیت و تفسیر کے جاننے والے شامل تھے تو زفر بن ہذیل جیسے میزان عقل پر تولنے والے بھی موجود تھے۔ ان ہی اہل علم و فہم علماء کے تبادلہ خیالات کا نتیجہ تھا کہ مسئلہ کا ہر پہلو اتنا صاف ہو جاتا تھا۔ اس کے مصالحوں و مضامین سب اس طرح سامنے آ جاتے تھے کہ زمانہ کی ہر صورت کی اس میں پوری پوری رعایت ہو جاتی تھی۔

خطیب امام ابو یوسفؒ کے تذکرہ میں لکھتے ہیں کہ کسی شخص نے وکیع سے کہا ابو حنیفہؒ نے اس مسئلہ میں غلطی کی ہے۔ وکیع نے فرمایا، ابو حنیفہؒ غلطی کیسے کر سکتے ہیں جبکہ ان کے ساتھ امام ابو یوسفؒ و زفرؒ جیسے قیاس کے ماہر، یحییٰ بن ابی زائدہ، حفص بن غیاث، حبان و مندل جیسے حفاظ

حدیث اور قاسم بن معن جیسے لغت و عربیت کے جاننے والے، داؤد طائی اور فضیل بن عیاض جیسے زاہد و متقی شامل ہوں۔ اگر وہ غلطی کھائیں گے تو کیا یہ لوگ ان کی اصلاح نہ کریں گے۔ دراصل فقہ حنفی کی عام مقبولیت کا منجملہ دیگر اسباب کے ایک سبب یہ بھی تھا مگر اس کا یہی کمال محدثین کی نظروں میں موجب نقصان بن گیا تھا۔ ظاہر ہے کہ عام محدثین کا طور فکر بالکل اس سے جداگانہ تھا۔ وہ اس تمام غورو خوض کو رائے کی مداخلت تصور کرتے تھے اور وہ اس میں بڑی حد تک معذور بھی تھے، کیونکہ آئین شریعت کی اس طرح ترتیب و تشکیل کا امت میں یہ پہلا قدم تھا اسے اوپری نظروں سے دیکھا جانا چاہئے تھا۔ یہ دوسری بات ہے کہ پھر شدہ شدہ دوسرے اماموں کو بھی اسی ترتیب کی ضرورت محسوس ہوئی حتیٰ کہ کوئی امام ایسا نہ رہا جس کی فقہ بالاخر اسی مرتبہ شکل پر نہ آگئی ہو مگر ”البادی الظلم“ کے قاعدہ کے موافق اصحاب الرائے کا اولین مخاطب صرف حنفیہ رہ گئے۔^۱

یہ مسئلہ بہت اہم اور طویل الذکر ہے کہ فقہ حنفی کے امتیازی اصول کیا کیا ہیں اور کیا ان کو مداخلت رائے سے تعبیر کیا جاسکتا ہے۔ ان تمام کا استقصاء اس مختصر تذکرہ میں نہیں کیا جاسکتا۔ مثال کے طور پر یہاں ہم صرف ایک دو مثالیں پیش کرتے ہیں جن پر غور کرنے کے بعد آپ فقہ حنفی کی گہرائی معلوم کر سکیں گے اور اس کے بعد یہ یقین کرنا بھی آسان ہو جائے گا کہ محدثین کی فقہ حنفی سے برہمی اور حنفیہ کی معذوری دونوں اپنی اپنی جگہ بجا ہیں۔

امام شافعیؒ ابن عبدالبر سے نقل کرتے ہیں کہ بہت سے محدثین امام صاحب پر طعن کرنا اس لئے جائز سمجھتے تھے کہ ان کے نزدیک آپ نے بہت سی صحیح اخبار آحاد کو ترک کر دیا تھا۔ حالانکہ امام صاحب کا ضابطہ یہ تھا کہ آپ پہلے خبر واحد کا اس باب کی دوسری احادیث کے ساتھ موازنہ کر کے دیکھتے۔ قرآن کریم کے بیان سے بھی ان کو ملاتے۔ اگر وہ قرآن کریم اور ان احادیث کے بیان کے مطابق ہو جاتیں تو ان پر عمل کر لیتے ورنہ انہیں شاذ قرار دیتے اور عمل نہ کرتے۔^۲

انصاف کیجئے کہ ایک آئینی نظر کے لئے آئین سازی کا یہ کتنا صحیح راستہ تھا مگر جن مزاجوں میں معیار صحت صرف اسناد ٹھہر گیا ہو وہ اس کا نام صحیح احادیث کا ترک رکھ لیتے تھے۔ اس کی بہت مشہور مثال حدیث مضراۃ ہے حنفیہ پر اس مسئلہ کی وجہ سے ہمیشہ لے دے کی گئی اور یہ الزام لگایا گیا ہے کہ انہوں نے

۱۔ ربیعہ بن ابی عبدالرحمن جو امام مالک کے استاد ہیں اپنی اسی خدمت کی وجہ سے ربیعہ الرائی کے لقب سے مشہور ہو گئے تھے۔ عبدالعزیز بن ابی سلمہ کہتے تھے اے اہل عراق تم تو ربیعہ الرائی کہتے ہو اور خدا کی قسم ہے میں نے ان سے بڑھ کر کوئی حافظ حدیث نہیں دیکھا۔ ابن سعد فرماتے ہیں کہ یہ ثقہ اور کثیر الحدیث شخص تھے مگر اس کے باوجود ان کی طرف رائے کی نسبت اتنی مشہور ہو گئی تھی کہ ان کا لقب ہی ربیعہ الرائے پڑ گیا تھا۔
۲۔ الموافقات۔ جلد ۳۔ ص ۲۴

محض اپنی رائے سے اس حدیث کو ترک کیا ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ اگر حنفیہ نے تاوان کے وسیع باب میں اس قسم کا تاوان کہیں نہ دیکھا اور اس لئے یہاں بھی اس باب کے عام ضابطہ ہی پر عمل کر لیا۔ تو کچھ بچا بھی نہیں کیا۔ بقول حافظ ابو عمر و کون ایسا ہے جس نے ہر باب کی ہر حدیث کو من و عن تسلیم کیا ہو، اپنے استقراء و اجتہاد کے بعد جب ایک حدیث کو مختار و معمول بہ بنالیا گیا ہے تو اس کی مخالفت حدیث میں سب نے تاویل و توجیہ جائز قرار دی ہے لیکن اس میں شبہ نہیں کہ حنفیہ نے اکثر مواضع میں اصول کو جزئیات پر قربان نہیں کیا جب کسی بات میں ان کے نزدیک صاحب شریعت سے ایک قاعدہ کلیہ ثابت ہو گیا تو پھر انہوں نے اس کے برخلاف جزئیات کو عموماً قابل تاویل سمجھا ہے۔

مثلاً انسانی حاجت کے لئے بیٹھنے کا ایک آئین یہ ہے کہ قبلہ کو اپنے سامنے یا پشت کی جانب نہ رکھنا چاہئے۔ اس ضابطہ کو حنفیہ نے پہلے منقول اور معقول ہر طریق پر جانچا تو لا، جب ان کے نزدیک اب و احترام کا یہ آئین ثابت ہو گیا تو حضرت ابن عمرؓ کے صرف ایک جزئی واقعہ کی بنا پر کہ انہوں نے ایک بار آنحضرت ﷺ کو قضاء حاجت کے لئے قبلہ کی جانب پشت کئے ہوئے بیٹھے دیکھا تھا اس ضابطہ کلیہ کی تاویل نہیں کی بلکہ اس واقعہ ہی کی کوئی توجیہ کر لیتا زیادہ مناسب سمجھا۔

دوسری مثال نماز میں بات کرنے کا مسئلہ ہے۔ عام طور پر احادیث سے نماز میں بات کرنے کی ممانعت ثابت ہوتی ہے۔ قرآن کریم میں بھی یہاں کسی استثناء کی طرف ادنیٰ اشارہ نہیں ملتا۔ صرف ایک ذوالیدین کی حدیث ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک مرتبہ نماز میں کسی کو سہواً کسی کو عداً کچھ بات چیت کرنے کی نوبت آگئی تھی اس کے باوجود ان کی نمازوں کو فاسد نہیں سمجھا گیا۔ دیگر ائمہ نے اس ایک جزئی واقعہ کی وجہ سے اصل قاعدہ ہی کی تخصیص و توجیہ شروع کر دی ہے۔ حنفیہ نے یہاں بھی قاعدہ میں کوئی تخصیص نہیں کی بلکہ اس کو بدستور اپنے عموم پر قائم رکھا ہے اور اس ایک واقعہ ہی کی کوئی توجیہ یا تاویل کرنا مناسب خیال کیا ہے۔ اس قسم کی بہت سی مثالیں ہیں جہاں حنفیہ نے قاعدہ کلیہ کے مقابلہ میں جزئیات ہی کی تاویل کا راستہ اختیار کر لیا ہے۔ ضابطہ ہمیشہ ایک رہتا ہے اور جزئیات منتشر، اس لئے تاویل کرنے والوں کی صف میں زیادہ پیش پیش حنفیہ ہی نظر آنے لگے اب آپ کو اختیار ہے کہ اس کا نام ترک حدیث رکھ لیجئے یا عمل بالحدیث رکھئے۔ اسی قسم کے امتیازات ہیں جن کی بنا پر ہر دور میں امت کا نصف حصہ اسی فقہ پر عمل پیرا رہا ہے۔ اور اسی اصولی نظر کی وجہ سے حنفی فقہ میں اتنی لچک ہے کہ اتنی دوسری فقہ میں نہیں اگر علماء انسانوں کی ضرورت اور دین حنیف کی سہولت دونوں کو پیش نظر رکھتے تو ان کو حنفی کتاب الحیل پر اتنا غصہ نہ آتا اور نہ وہ حنفیہ کو محض رائے کا مقلد قرار دیتے۔

امام اعظمؒ کا علمی پایہ :

شہاد بن حکیم فرماتے ہیں کہ ابو حنیفہؒ سے بڑھ کر میں نے کوئی عالم نہیں دیکھا۔ مکی بن ابراہیم نے امام صاحب کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا کہ وہ اپنے زمانہ کے سب سے بڑے عالم تھے۔ وکیع فرماتے ہیں میں کسی عالم سے نہیں ملا جو ابو حنیفہؒ سے زیادہ فقیہ ہو اور ان سے بہتر نماز پڑھتا ہو۔ انصر بن شمل کہتے ہیں لوگ علم فقہ سے بے خبر پڑے ہوئے تھے، ابو حنیفہؒ نے آکر انہیں بیدار کیا ہے۔ یحییٰ بن سعید الثقفان فرماتے ہیں ہم خدا کے سامنے جھوٹ نہیں بول سکتے، واقعی بات یہ ہے کہ ابو حنیفہؒ سے بہتر فقہ ہم نے کسی کی نہیں سنی اور اس لئے اس کے اکثر اقوال ہم نے بھی اختیار کر لئے ہیں۔ یحییٰ بن معین کہتے ہیں کہ فتوے میں یحییٰ بن سعید کو فیوں کا قول اختیار کیا کرتے تھے۔

امام شافعی فرماتے ہیں جسے علم فقہ میں مہارت حاصل کرنا ہوا سے لازم ہے کہ ابو حنیفہؒ اور ان کے تلامذہ کو نہ چھوڑے کیونکہ تمام لوگ فقہ میں ان کے محتاج ہیں۔ یحییٰ بن معین کہتے ہیں کہ فقہ تو بس امام ابو حنیفہؒ ہی کا ہے۔ جعفر بن ربیع کہتے ہیں کہ پانچ سال ابو حنیفہؒ کی خدمت میں رہا، ان جیسا خاموش انسان میں نے نہیں دیکھا، ہاں جب ان سے فقہ کا کوئی مسئلہ دریافت کیا جاتا تو اس وقت کھل جاتے اور دریا کی طرح بہنے لگتے تھے۔ عبد اللہ بن داؤد فرماتے ہیں کہ اہل اسلام پر فرض ہے کہ وہ اپنی نمازوں کے بعد امام ابو حنیفہؒ کے لئے دعا کیا کریں اور ان کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ انہوں نے امت کے لئے آنحضرت ﷺ کی سنتیں اور مسائل فقہ جمع کر کے رکھ دیئے ہیں۔ روح بن عبادہ کہتے ہیں کہ میں ابن جریج کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ انہیں امام صاحب کی وفات کی خبر پہنچی، انہوں نے فوراً انا للہ کہا اور فرمایا افسوس کیسا عجیب علم جاتا رہا۔ اسی سال ابن جریج کا بھی انتقال ہوا ہے۔

علم فقہ کا انتخاب :

جو شخص امام صاحبؒ کے مناظرات و حالات سے ذرا بھی واقف ہے وہ اس سے انکار نہیں کر سکتا کہ امام صاحب کو جمیع علوم میں پوری دستگاہ حاصل تھی۔ علم کلام سے آپ کی ابجد شروع ہوتی ہے اور حدیث و تفسیر و فقہ تو آپ کا مشغلہ ہی تھا۔ مورخ ابن خلکان آپ کے متعلق یہ لکھتا ہے ”و لم یکن یعاب بشئ سوی قلة العربیة“ یعنی آپ پر قلت عربیت کے سوا اور کوئی نکتہ چینی نہیں کی گئی۔ اس کے اسباب بھی جو کچھ ہیں وہ تحقیق کے بعد کچھ نہیں رہتے لیکن ہم اس سلسلہ میں

اُن چند اسباب کو ظاہر کرنا مناسب سمجھتے ہیں جن کی بنا پر امام صاحب نے دیگر علوم کی بجائے علم فقہ کو اپنا دائمی مشغلہ بنالیا تھا۔ اگرچہ یہ بات اپنی جگہ طے شدہ ہے کہ جو شخص حدیث و قرآن نہیں جانتا وہ فقہ سے بھی کوئی مجتہد نہ مذاق نہیں رکھ سکتا۔

ہمارے نزدیک اس موقع پر اختیاری اسباب کے ساتھ کچھ قدرتی اسباب بھی ایسے پیدا ہو گئے تھے جن کی وجہ سے فقہ ہی آپ کا سب سے بڑا مشغلہ ہو جانا چاہیے تھا۔ مناقب موفق اور تاریخ خطیب میں مذکور ہے کہ ابراہیم نخعی کی وفات کے بعد علم فقہ کی مہارت کے لحاظ سے جن پر نظریں پڑتی تھیں وہ حماد بن ابی سلیمان مفتی کوفہ تھے جب تک یہ بقیہ حیات رہے لوگ ان کی وجہ سے دوسروں سے بے نیاز رہے لیکن جب ان کی وفات ہو گئی تو اب اس کی ضرورت محسوس ہونے لگی کہ لوگوں کی ضروریات پورا کرنے کے لئے ان کا کوئی دوسرا جانشین ہو، ادھر اُن کے تلامذہ کو یہ اندیشہ ہونے لگا کہ ان کے محترم استاد کا نام اور ان کا علم کہیں ختم نہ ہو جائے۔ حماد کے ایک فرزند تھے جو اچھے عالم تھے، ان پر اتفاق ہو گیا کہ انہیں اپنے والد کی مسند پر بٹھا دیا جائے۔

ابو بکر ہشلی اور ابو بردہ وغیرہ جو ان کے شاگرد تھے اب ان کے پاس آنے جانے لگے۔ لیکن ان حضرات پر شعر و سخن کا ذوق غالب تھا، یہ اس جگہ کو نبھانہ سکے۔

پھر لوگوں کا خیال ابو بکر ہشلی کی طرف گیا ان سے درخواست کی گئی تو انہوں نے انکار کر دیا۔ اس کے بعد ابو بردہ کی خدمت میں یہ مسند پیش کی گئی مگر انہوں نے بھی انکار کیا۔ آخر کار لوگوں نے امام صاحبؒ کی خدمت میں عرض کیا تو آپ نے فرمایا، میرا دل یہ نہیں چاہتا کہ علم فنا ہو جائے۔ اس لئے ان کی درخواست کو منظور کر لیا اور مسند افتاء پر بیٹھ گئے۔

(مناقب موفق جلد اول۔ ص ۱)

واقعہ یہ ہے کہ جب مفتی کوفہ کی مسند پر بیٹھنے کے لئے قدرت نے امام صاحبؒ ہی کو انتخاب کیا ہو تو اس جگہ کوئی دوسرا کیسے بیٹھ سکتا تھا۔

یہ واضح رہنا چاہئے کہ یہ امام ابو حنیفہؒ ہی ہیں جن کے سامنے جب منصب قضا پیش کیا گیا تو ہر سختی و ذلت برداشت کرنے کے لئے تیار ہو گئے مگر منصب قضا قبول نہ کیا۔ اور یہی ہیں کہ جب ان سے ایک آزاد علمی خدمت کی درخواست کی گئی تو فوراً قبول کرنے کے لئے تیار ہو گئے۔ بہر حال اس روایت سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ کچھ اتفاقات سماویہ کی بنا پر علم کی جو مسند امام صاحب کے لئے مخصوص ہو چکی تھی وہ علم نبوت ہی کی گہرائیوں میں شنواری کی مسند تھی۔ اس لئے قدرتی طور پر آپ کا مشغلہ فقہ ہی بن جانا چاہئے تھا۔

حافظ ابن عبد البرؒ ابو یوسفؒ سے نقل کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ مجھ سے اعمش نے ایک مسئلہ دریافت کیا۔ اس وقت میرے اور ان کے سوا وہاں کوئی اور موجود نہ تھا۔ میں نے اس کا جواب دیا۔ انہوں نے فرمایا، اے یعقوب یہ جواب تم نے کس حدیث سے اخذ کیا ہے۔ میں نے کہا اسی حدیث سے جو آپ نے مجھ سے بیان فرمائی تھی انہوں نے فرمایا یعقوب یہ حدیث تو مجھے تمہاری پیدائش سے بھی پہلے سے یاد تھی مگر میں آج تک اس کا یہ مطلب نہ سمجھ سکا تھا۔

اسی قسم کا ایک واقعہ اعمشؒ اور امام صاحبؒ کے درمیان بھی پیش آیا ہے۔ عبد اللہ بن عمروؒ کہتے ہیں کہ میں اعمشؒ کی مجلس میں بیٹھا ہوا تھا ایک شخص ان کے پاس آیا اور ایک مسئلہ دریافت کیا وہ اس کا جواب نہ دے سکے، دیکھا تو وہاں ابو حنیفہؒ بھی بیٹھے ہوئے تھے۔ فرمایا، اے نعمان اس کے متعلق تم کچھ بولو۔ انہوں نے فرمایا، اس کا جواب یہ ہے۔ اعمشؒ نے فرمایا کہاں سے کہتے ہو؟ امام صاحبؒ نے فرمایا اسی حدیث سے جو آپ نے ہم سے روایت کی تھی۔ اس پر اعمشؒ نے کہا نحن الصیادلة وانتم الا طبساء (تم لوگ اطباء ہو اور بھئی ہم تو عطار ہیں) یعنی عطار کے پاس صرف دواؤں کا اسٹاک ہوتا ہے وہ اس کی ترکیب و خواص نہیں جانتا۔ اطباء ان کے اثرات اور ترکیب بھی جانتے ہیں۔

خطیب بغدادی امام ابو یوسفؒ سے نقل کرتے ہیں کہ ایک دن ان سے اعمش نے پوچھا کہ آپ کے استاد نے عبد اللہ کا یہ مسئلہ کیوں ترک کر دیا کہ باندی کے آزاد ہونے سے اس پر طلاق ہو جاتی ہے انہوں نے فرمایا کہ حضرت عائشہؓ کی اسی حدیث کی بناء پر جو آپ نے ان سے بواسطہ ابراہیم واسود کے نقل فرمائی تھی کہ بریرہ جب آزاد ہوئیں تو ان کی آزادی طلاق نہیں سمجھی گئی بلکہ ان کو یہ اختیار دیا گیا کہ اگر وہ چاہیں تو اپنے پہلے نکاح کو قائم رکھیں اور چاہیں تو فسخ کر دیں اس پر اعمشؒ نے کہا بے شبہ ابو حنیفہؒ نہایت سمجھدار شخص ہیں۔ امام ابو یوسفؒ کہتے ہیں کہ اعمشؒ کو امام صاحبؒ کا یہ استنباط پسند آیا تھا۔

امام ترمذیؒ اپنی جامع میں غسل میت کے مسئلہ کی تحقیق کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ وکذلك قال الفقهاء وهم اعلم بمعاني الحديث۔ فقہاء نے اس حدیث کا یہی مطلب بیان کیا ہے اور حدیث کے مطالب یہی لوگ زیادہ سمجھتے ہیں۔

ان روایات سے ظاہر ہے کہ حدیث و فقہ دو علیحدہ چیزیں نہیں فرق ہے تو یہ کہ۔ محدث کے نزدیک الفاظ حدیث کا حفظ مقدم ہوتا ہے اور فقیہ کے نزدیک ان کے معانی کا فہم مقدم۔

نیز یہ بھی ظاہر ہے کہ امام صاحب نے شغل فقہ صرف امت کے نفع کے خاطر اختیار فرمایا تھا اور بجا چکے تھے اب جس خدمت کی ضرورت تھی وہ استخراج و استنباط مسائل اور ان کی آئینی تشکیل و ترتیب ہی کی تھی۔ محدثین ہزاروں موجود تھے۔ لیکن فقہ کا یہ مقام خالی پڑا ہوا تھا، اس لئے امام صاحب نے اس خالی گوشہ کو بڑے کرنا زیادہ ضروری سمجھا۔

اس کا یہ مطلب ہر گز نہیں تھا کہ امام صاحب فن حدیث و قرآن سے نا آشنا تھے۔ ابھی آپ معلوم کر چکے ہیں کہ محدثین اگر الفاظ حدیث کے ذمہ دار ہیں تو فقہاء اس کے صحیح استعمال کے جاننے والے ہیں وہ عطار ہیں تو یہ اطباء فقہ کا تمام تار و پود قرآن و حدیث سے ہی قائم ہے۔

علامہ ابن خلدون لکھتا ہے کہ کبار ائمہ کی قلت روایت کو ان کی علم حدیث سے بے بضاعتی کی دلیل سمجھنا کسی طرح صحیح نہیں ہو سکتا کیونکہ شریعت کا ماخذ کتاب اور سنت ہی ہے۔ لہذا جو شخص بھی شرعی مسائل کے استنباط و ترتیب کا ارادہ کرے گا اس کے لئے کتاب و سنت کے سوا اور کوئی دوسرا راستہ نہیں ہے۔ امام صاحب کی قلت روایت کا مبنی علم سے بے بضاعتی نہ تھی بلکہ درحقیقت روایت و تحمل کے وہ شرائط تھے جن کا معیار آپ نے عام محدثین سے بہت بلند قائم کیا تھا۔ اس لئے آپ کے لئے روایت کا میدان بھی زیادہ وسیع نہیں رہا تھا۔

امام صاحب کے علم حدیث میں ماہر اور مجتہد ہونے کی بڑی دلیل یہ ہے کہ محدثین کے درمیان آپ کا فقہ ہمیشہ بنظر اعتبار دیکھا گیا ہے۔ ایک طرف جہاں امام احمد امام شافعی کا مسلک نقل کیا گیا ہے، اسی کے پہلو پہ پہلو امام صاحب کا مسلک بھی نقل کیا گیا ہے۔ یہ اس بات کی صریح دلیل ہے کہ محدثین کے نزدیک آپ کی فقہ بھی اسی درجہ پر معتبر تھی جیسا کہ دیگر فقہاء محدثین کی خلاصہ یہ کہ رد و قبول کے اعتبار سے اس کا زیر بحث رہنا اس کی دلیل ہے کہ آپ کا فقہ بھی دیگر محدثین کی فقہ کی صف میں رہنے کے قابل تھا۔ یہ دوسری بات ہے کہ اگر ایک جماعت اسے قبول کرتی رہی تو دوسری جماعت ترک کرتی رہی۔

امام ابو یوسف فرماتے ہیں کہ حدیث کی صحیح مراد اور اس میں مسائل کے ماخذ امام صاحب سے زیادہ جاننے والا میں نے کوئی شخص نہیں دیکھا۔ بعض مرتبہ میں آپ کی رائے چھوڑ کر کسی حدیث کے ظاہر پہلو کو اختیار کر لینا تو بعد میں مجھے تنبیہ ہوتا کہ حدیث کی صحیح مراد سمجھنے میں امام صاحب کی نظر مجھ سے زیادہ گہری تھی۔

اسرائیل جو مسلم آئمہ حدیث میں ہیں، امام صاحب کی مدح میں بطریق تعجب فرماتے ہیں، نعمان کیا خوب شخص ہیں جو احادیث مسائل فقیہ سے متعلق ہیں وہ ان کو کیسی محفوظ ہیں اور کس خوبصورتی سے وہ ان سے مسائل فقہ استنباط فرماتے ہیں۔ یہی وجہ تھی کہ محدثین میں وکیع اور یحییٰ بن سعید القطان جیسے اشخاص امام اعظمؒ کی فقہ کے مطابق فتویٰ دیتے تھے۔ حافظ ابن عبد البرؒ کی بن معین سے نقل کرتے ہیں۔

”وکان (وکیع یفتی برأی ابی حنیفہ وکان بحفظ حدیثہ کلہ وکان قد سمع من ابی حنیفہ حدیثا کثیرا“۔

”وکیع امام صاحب کی فقہ کے مطابق فتویٰ دیا کرتے تھے اور آپ کی روایت کردہ تمام حدیثیں یاد کیا کرتے تھے اور انہوں نے آپ سے بہت سی حدیثیں سنی تھیں۔“

امام صاحبؒ کے اساتذہ محدثین کی جو تعداد علمائے نلکھی ہے وہ ہزاروں تک پہنچتی ہے لیکن چونکہ دیگر محدثین کی طرح خود امام صاحبؒ نے باضابطہ روایت حدیث کے حلقے قائم نہیں کئے اور ترویج فقہ کو ترجیح دی اس لئے بعد کے زمانہ میں آپ کی شانِ محدثیت نظری بن کر رہ گئی۔

محدثین کو امام صاحبؒ سے وجہ نکارت :

تاریخ کا یہ بھی ایک تعجب خیز ورق ہے کہ وہ ایک طرف تو امام صاحب کی تعریف و توصیف میں بکھری جاتی ہے، وہ جلی حروف میں یہ لکھ جاتی ہے کہ آپ عبد صحابہ میں پیدا ہوئے ورع و تقویٰ جو دو سخا، علم و فضل، خرد و عقل کے تمام کمالات آپ میں جمع تھے، آئمہ میں امام اعظمؒ آپ کا لقب تھا محدثین و علماء کا ایک جم غفیر ہمیشہ آپ کے زمرہ مقلدین میں شامل رہا اور امت مرحومہ کا نصف سے زیادہ حصہ اب بھی آپ کے پیچھے پیچھے جا رہا ہے اسی کے ساتھ وہ دوسرے ہی ورق بردیانت و عقل کا کوئی عیب ایسا اٹھا کر نہیں رکھتی جو آپ کی ذات میں لگا نہیں دیتی۔

خطیب بغدادی نے پورے سو صفحات پر امام صاحب کا تذکرہ لکھا ہے۔ پہلے امام صاحب کے مناقب میں صفحہ کے صفحہ رنگ دیئے ہیں اس کے بعد پورے ۵۴ صفحات پر آپ کی ذات میں وہ وہ نکتہ چیدیاں نقل کی ہیں جو دنیا کے پردہ پر کبھی کسی بدتر سے بدتر کافر پر بھی نہیں کی جاسکتیں۔ ایک متوسط عقل کا انسان ان متناقض بیانات کو پڑھ کر یہ فیصلہ کر سکتا ہے کہ کوئی انسان بھی ایسے دو متضاد صفات کا حامل نہیں ہو سکتا یا اس کے مناقب کی یہ تمام داستان فرضی ہے۔ اھ عیوب کی یہ طویل فہرست صرف

مخترع حکایات اور صریح بہتان ہے۔ مورخ ابن خلکان نے خطیب کے اس غلط طرز پر حسب ذیل الفاظ میں تنقید کی ہے۔

”وقد ذکر الخطیب فی تاریخہ منها شیا کثیر اثم اعقب ذلک بذکر ما کان الالیق ترکہ والاضراب عنہ فمثل هذا الامام لایشک فی دینہ ولا فی ورعہ ولا فی حفظہ ولم یکن یعاب بشئ سوی قلة العربیة“۔ (جلد ۲، ص ۱۶۵)

یعنی خطیب نے اپنی تاریخ میں آپ کے مناقب کا بہت سا حصہ ذکر کیا ہے اس کے بعد ایسی ناگفتنی باتیں لکھی ہیں جن کا ذکر نہ کرنا اور ان سے اعراض کرنا مناسب تھا کیونکہ امام اعظمؒ جیسے شخص کے متعلق نہ دیانت میں شبہ کیا جاسکتا ہے نہ حفظ و ورع میں آپ پر کوئی نکتہ چینی بجز قلت عربیت کے اور نہیں کی گئی۔

حافظ ابن عبدالبرؒ مالکی کا کلام یہاں نہایت منصفانہ ہے کیونکہ تنقید کا یہ شاخسانہ صرف ایک امام صاحب کی ذات ہی تک محدود نہیں رہتا بلکہ اور ائمہ تک بھی پھیلتا چلا گیا ہے۔ اگر ذرا نظر کو اور وسیع کیجئے تو پھر صحابہ کا استثناء بھی مشکل نظر آتا ہے۔

غصہ اور سرت انسانی فطرت ہے۔ ان دونوں حالتوں میں انسان کے الفاظ کا صحیح توازن قائم نہیں رہا کرتا اسی لئے غصہ کے حال میں فیصلہ کرنے کی ممانعت کر دی گئی ہے یہ صرف ایک نبی کی شان ہے جس کے منہ سے غضب و رضا کے دونوں حالوں میں سچے تلے الفاظ ہی نکلتے ہیں۔ اب اگر انسانوں کے صرف ان جذباتی پہلوؤں سے تاریخ مرتب کر لی جائے تو اس میں کوئی شبہ نہیں کہ پھر صحابہ کے الفاظ صحابہ کے متعلق اور ائمہ کے ائمہ کے متعلق بھی ایسے مل سکتے ہیں جن کے بعد امت کا یہ مقدس گروہ بھی زیر تنقید آسکتا ہے۔ حافظ محمد بن ابراہیم و زیر نے امام شعبیؒ کا کیسا بصیرت افروز مقولہ نقل کیا ہے۔

”قال الشعبی حدثنا هم بغضب اصحاب محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) فاتخذوه دینا“۔

”شعبیؒ فرماتے ہیں ہم نے تو لوگوں سے آنحضرت ﷺ کے صحابہ کے باہمی غصہ کی حکایات نقل کی تھیں انہوں نے اٹھا کر انہیں عقائد کی فہرست میں داخل کر لیا ہے۔“

اس کے سوا دوسری مشکل یہ ہے کہ محدثین کے جو مبہم الفاظ آج کتب میں مدون نظر آتے ہیں کہ کے فرصت ہے کہ ان کے اصل معنی سمجھنے کی کوشش کرے۔ مثال کے طور پر ملاحظہ کیجئے۔

ایک مرتبہ امام صاحبؒ اعمشؒ کی عیادت کے لئے گئے۔ اعمشؒ نے کچھ روکھا پین دکھلایا اور امام صاحب کے متعلق کچھ غصہ کے الفاظ کہے۔ اس اخلاق پر اعمشؒ کا یہ رویہ آپ کو ناگوار گذرا اور گذرنا چاہئے تھا۔ جب آپ باہر تشریف لائے تو فرمایا کہ اعمشؒ نہ تو رمضان کے روزے رکھتا ہے اور نہ کبھی جنابت سے غسل کرتا ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ کسی امام دین پر اس الفاظ کو کتنا ہی چسپاں کیجئے مگر چسپاں نہیں ہو سکتے اگر کہیں ان الفاظ کی تشریح ہمارے سامنے نہ ہوتی تو معلوم نہیں کہ اس مقولے سے ہمارے خیالات کتنا کچھ پریشان ہو جاتے لیکن جب ان الفاظ کی مراد ہاتھ آگئی تو آنکھیں کھل گئیں اور معلوم ہوا کہ ائمہ غصہ کے حال میں بھی ایک دوسرے کے متعلق عوام کی طرح بے سرو پا کلمات منہ سے نہیں نکالا کرتے۔ چنانچہ اسی واقعہ میں فضل بن موسیٰ سے اس کا مطلب دریافت کیا گیا (اس واقعہ میں وہ امام صاحب کے ساتھ ساتھ تھے) تو انہوں نے فرمایا کہ اعمشؒ التقا خناہین سے غسل کے قائل نہ تھے بلکہ جمہور کے خلاف اسی مسئلہ پر عمل کرتے تھے جس پر کبھی ابتداء اسلام میں عمل کیا گیا تھا یعنی انزال کے بغیر غسل واجب نہیں ہوتا۔ اسی طرح بعض صحابہ کا مذہب یہ تھا کہ طلوع فجر کے بعد روشنی پھیلنے تک سحری کھانا درست ہے، ان دو مسئلوں کے لحاظ سے امام صاحب کی یہ دونوں باتیں بھی درست تھیں اور اعمشؒ کا عمل بھی اپنے مختار کے مطابق درست تھا۔

اگر اسی طرح امام کے حق میں بہت سے مشہور مقولوں کی مرادیں تلاش کی جائیں تو ہاتھ آسکتی ہیں اور اس کے بعد اصلی بات بھی اتنی قابلِ اعتراض نہیں رہتی جیسا کہ الفاظ کی سطح سے معلوم ہوتی تھی۔ کتب تذکرہ دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ سے محدثین کی ناراضگی کا بڑا سبب صرف اختلاف مذاق تھا نہ کہ اختلاف مسائل۔

امام صاحب کے دور تک عام مذاق یہ تھا کہ مسائل کے متعلق بہت ہی محدود پیمانہ پر غورو خوض کیا جاتا تھا، صرف پیش آمدہ واقعات کا شرعی حکم وہ بھی بڑی احتیاط کے ساتھ معلوم کر لیا جاتا اس کے بعد مسئلہ کی فرضی صورتوں سے بحث کرنا ایک لایعنی مشغلہ سمجھا جاتا تھا۔ خطیب بغدادی نے یہاں ایک بہت دلچسپ واقعہ نقل کیا ہے۔

نضر بن محمدؒ روایت کرتے ہیں کہ قتادہ کوفہ آئے اور ابو بردہ کے گھر اترے، ایک دن باہر نکلے تو لوگوں کی بھیڑ ان کے ارد گرد جمع ہو گئی۔ قتادہ نے قسم کھا کر کہا آج جو شخص بھی حلال و حرام کا کوئی مسئلہ مجھ سے دریافت کرے گا میں اس کا ضرور جواب دوں گا۔ امام ابو حنیفہؒ ”کھڑے ہو گئے اور سوال کیا اے ابو الخطاب (ان کی کنیت ہے) آپ اس عورت کے متعلق کیا فرماتے ہیں جس کا شوہر چند سال غائب رہا اس نے یہ یقین کر کے کہ اس کا انتقال ہو گیا ہے اپنا دوسرا نکاح کر لیا۔ اس کے بعد اس کا پہلا شوہر بھی آ گیا، اب آپ اس کے مہر کے متعلق فرمائیے کیا فرماتے ہیں؟ جو بھیڑ ان کو گھیرے کھڑی تھی، ان سے مخاطب ہو کر کہا اگر اس مسئلہ کے جواب میں یہ کوئی حدیث روایت کریں تو غلط روایت کریں گے اور اگر اپنی رائے سے فتوے دیں گے تو وہ بھی غلط ہوگا۔

حضرت قتادہ بولے کیا خوب! کیا یہ واقعہ پیش آچکا ہے؟ امام صاحبؒ نے فرمایا نہیں! انہوں نے کہا پھر جو مسئلہ ابھی تک پیش نہیں آیا اس کا جواب مجھ سے کیوں دریافت کرتے ہو، امام صاحبؒ نے فرمایا کہ ہم حادثہ پیش آنے سے قبل اس کے لئے تیاری کرتے ہیں تاکہ جب پیش آجائے تو اس سے نجات کی راہ معلوم رہے۔

قتادہ ناراض ہو کر بولے خدا کی قسم ہے حلال و حرام کا کوئی مسئلہ اب میں تم سے بیان نہیں کروں گا۔ ہاں کچھ تفسیر کے متعلق پوچھنا ہو تو پوچھو، اس پر امام صاحبؒ نے ایک تفسیری سوال کیا قتادہ اس پر بھی لا جواب ہوئے اور ناراض ہو گئے۔ آخر کار غصہ ہو کر اندر تشریف لے گئے۔

ابو عمرو نے سلف کے اس مذاق کی شہادت پر بہت سے واقعات لکھے ہیں اور بے شبہ علم و تقویٰ کے اس دور میں مناسب بھی یہی تھا۔ لیکن جب مقدر یہ ہوا کہ علم کا بازار سرد پڑ جائے، ورع و تقویٰ کی جگہ جہل و فریب لے لے ادھر روزمرہ نئے سے نئے واقعات پیش آنے لگیں تو اس سے پہلے کہ جہل شریعت میں دست اندازی شروع کر دیں یہ بھی مقدر ہو گیا کہ شریعت کی ترتیب و تہذیب ایسے ائمہ کے ہاتھوں ہو جائے جنہوں نے صحابہ و تابعین کے دور میں پرورش پائی ہو، انصاف کیجئے اگر قتادہ کے زمانہ کی یہ احتیاط اسی طرح آئندہ بھی چلی جاتی تو کیا شرعی مسائل اسی ضبط و محنت کے ساتھ جمع ہو جاتے جیسا کہ اب جمع ہوئے۔

درحقیقت یہ امام صاحبؒ کی بڑی انجام بنی اور اُمت کی بروقت دشگیری تھی کہ آپ نے ان کے سامنے شریعت کو ایک مرتب آئین بنا کر رکھ دیا، اسی لئے عبد اللہ بن داؤد فرماتے تھے کہ اُمت پر

آپ کا یہ حق ہے کہ وہ آپ کے لئے نمازوں کے بعد دعائیں کیا کریں۔ یہ خدمت اپنی جگہ خواہ کتنی ہی ضروری اور بروقت سمجھی مگر واقعہ یہ ہے کہ تھی محدثین کے مذاق کے خلاف۔ جس دور میں آثار و مرفوعات کو علیحدہ علیحدہ ضبط کرنا بھی عام دستور نہ ہو اس دور میں صرف ابواب فقہیہ کی اونچی اونچی تعمیریں کھڑا کر دینا کب قابل برداشت ہو سکتا تھا۔

یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ جب مسائل منصوصہ سے آپ ذرا قدم ابھرا دھر ہٹائیں گے تو آپ کو اجتہاد سے کام لینا ہوگا۔ ایسے دور میں جہاں خاموشی کے ساتھ عمل کرنے کے علاوہ ایک قدم ابھرا دھر اٹھانا بھی قابل اعتراض نظر آتا ہو، احادیث و آیات کے اشارات، دلالات اور اقتضاء سے ہزاروں مسائل اخذ کر کے ان کو احادیث سے ایک علیحدہ شکل دے دینا کب گورا کیا جاسکتا تھا۔

آخر جب آپ کا دور گزر گیا تو بعد کے علماء کے سامنے صرف پہلے علماء کی ان ناگوار یوں کی نقل باقی رہ گئی۔ پھر استاد و شاگردی کے تعلقات نے حقائق کو ایسا پوشیدہ کر دیا کہ جس نے جہم کو کافر کہا تھا اسے خود چھپی اور کافر کہا گیا۔ اس نے کتاب و سنت کے مقابلہ میں اپنی رائے ترک کرنے کی وصیت کی تھی اسی پر کتاب و سنت کی مخالفت کرنے کی تہمت رکھی گئی۔ ہاں اگر خوش قسمتی سے ماحول کے تاثرات سے نکل کر کسی اللہ کے بندہ نے تحقیق کی نظر ڈالی تو بہت جلد اس کی آنکھوں سے یہ حجاب اٹھ گیا اور اس نے اپنے خیال سے رجوع کر لیا ورنہ تاریخ ان ہی افواہوں پر چلتی رہی جو استاد و شاگردی کے امتلاک سے علماء کے حلقوں میں گشت لگا رہی تھیں۔

واقعہ یہ ہے کہ جب کسی شخص کی زندگی میں اس کے متعلق مختلف خیالات قائم ہو سکتے ہیں اور فیصلہ کی راہ آسانی سے نہیں نکل سکتی، بہت سی زبانیں اس کی موافقت اور بہت سی اس کی مخالفت میں بولی ہیں تو اس کی وفات کے بعد جب کہ اس کی شخصیت بھی سامنے نہیں رہتی فیصلہ کرنا کتنا مشکل ہوگا۔ اسماء الرجال کے فن میں تاریخ کی اس تاریکی کو دور کرنے کی سعی کی گئی ہے اور ایک معتدل مزاج انسان کے لئے کسی صحیح نتیجہ پر پہنچنا مشکل بھی نہیں رہا۔ لیکن تاریخ کی جو نقول و اوراق میں درج ہو چکی ہیں اس سے ہر خیال کا انسان اگر مزاجی اعتدال نہیں رکھتا تو اپنے خیال کے موافق فائدہ اٹھانا اپنا فرض سمجھتا ہے اور اس لئے اسماء الرجال کی پیدا کردہ روشنی تاریخ کی پھیلائی ہوئی تاریکی کو دور کرنے میں بسا اوقات ناکام ہو کر رہ جاتی ہے۔

یہی وجہ ہے کہ جب آپ امام مساب پر جرح کرنے والوں کی صف پر نظر ڈالیں گے تو ان میں زیادہ تر آپ کو وہی افراد نظر آئیں گے جو آپ کے عہد حیات کے بعد پیدا ہونے میں یا نرے محدث ہیں

فقاہت سے زیادہ بہرہ ور نہیں۔ صرف سنی ہوئی خبریں ان تک پہنچیں اور وقتی ماحول کی وجہ سے باور کر لی گئیں۔ یوں تو امام صاحب کے تلامذہ کا دائرہ بھی کچھ مختصر نہ تھا ایک ابو الحسن شافعی کی تحریر کی بناء پر ان کی جو تعداد نام و نسب کی قید کے ساتھ ثابت ہوتی ہے وہ نو سو آٹھ تک پہنچتی ہے لیکن ان میں اکثر شاگرد بسلسلہ فقہ تھے۔ کاش آپ کا درس حدیث کا حلقہ بھی اسی پیانہ پر قائم ہو جاتا تو شاید امام کی تاریخ کا نقشہ آج آپ کو کچھ دوسرا نظر آتا۔ چنانچہ جس خفی نے بھی اس شغل کو قائم رکھا ہے اس کے ساتھ تاریخ زیادہ بے دردی کا سلوک نہیں کر سکی۔

ذیل کے ایک ہی واقعہ سے اندازہ لگائیے کہ افواہ کیا ہوتی ہے اور جب حقیقت سامنے آ جاتی ہے تو پھر اس کی حیثیت کیا رہ جاتی ہے۔

حضرت عبداللہ بن المبارکؒ کہتے ہیں کہ میں شام میں امام اوزاعیؒ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ انہوں نے مجھ سے پوچھا، اے خراسانی کوفہ میں یہ کون بدعتی شخص پیدا ہوا ہے جس کی کنیت ابو حنیفہ ہے؟ یہ سن کر میں گھر واپس آیا اور تین دن لگ کر امام صاحب کے عمدہ عمدہ مسائل انتخاب کئے۔ تیسرے دن اپنے ہاتھ میں کتاب لے کر آیا۔ یہ اپنی مسجد کے امام و موذن تھے انہوں نے دریافت کیا یہ کیا کتاب ہے میں نے ان کے حوالہ کر دی۔

اس میں وہ مسئلے بھی ان کی نظر سے گزرے جن کے شروع میں میں نے یہ لکھ دیا تھا ”اور نعمان اس کے متعلق یہ فرماتے ہیں“۔ اذان دے کر جب کھڑے کھڑے وہ کتاب کا ابتدائی حصہ دیکھ چکے تو کتاب اٹھا کر اپنی آستین میں رکھ لی، اور اقامت کہہ کر نماز پڑھی۔ پھر نکالی اور پڑھنا شروع کی، یہاں تک کہ ختم کر دی۔ پھر مجھ سے پوچھا، اے خراسانی یہ نعمان کون شخص ہیں؟ میں نے عرض کیا ایک شیخ ہیں، ان سے عراق میں میری ملاقات ہوئی تھی۔ فرمایا، یہ تو بڑے پایہ کے شیخ ہیں، جاؤ ان سے اور علم سیکھو۔ اب میں نے کہا جی یہ تو وہی ابو حنیفہؒ ہیں جن کے پاس جانے سے بھی آپ نے مجھے منع کیا تھا۔

اس واقعہ سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ امام صاحبؒ کے متعلق انہوں نے سن کیا رکھا تھا اور جب حقیقت سامنے آئی تو بات کیا نکلی اس لئے خارجی شہادات اور واقعات سے آنکھیں بند کر کے صرف کالے کالے حروف سے تاریخ مرتب کرنا کوئی صحیح عمل نہیں ہے۔ اس کے علاوہ انسان میں حسد، تنافس کا بھی ایک کمزور پہلو موجود ہے اس کی بدولت بہت سے تاریخی حقائق پوشیدہ ہو کر رہ گئے ہیں۔ سو اتفاق سے یہاں یہ سب باتیں جمع ہو گئی ہیں۔

حضرت عبداللہ بن المبارکؒ فرماتے ہیں، میں نے حسن بن عمارہ کو امام ابوحنیفہؒ کے گھوڑے کی رکاب پکڑے ہوئے دیکھا، وہ امام صاحبؒ کی توصیف کرتے ہوئے یہ بھی کہہ رہے تھے کہ لوگ آپ کے متعلق صرف ازراہ حسد چہ میگوئیاں کرتے ہیں۔ حافظ ابن ابی داؤدؒ کہتے ہیں کہ ابوحنیفہؒ کے متعلق چہ میگوئیاں کرنے والے دو ہی قسم کے لوگ ہیں یا حاسد یا ان کی شان سے ناواقف میرے نزدیک ان دونوں میں ناواقف شخص پھر غیبت ہے۔ وکیع کہتے ہیں کہ میں امام صاحبؒ کے پاس آیا دیکھا سر جھکائے کچھ فکر مند بیٹھے ہیں، مجھ سے پوچھا کدھر سے آرہے ہو میں نے کہا قاضی شریک کے پاس سے۔ آپ نے سر اٹھا کر یہ اشعار پڑھے۔

ان یحسدونی فانی غیر لائمہم

قبلی من الناس اهل الفضل قد حسدوا

فدام لی ولہم ما بی وما بہم

ومات اکثرنا غیظا بما بحسد

اگر لوگ مجھ پر حسد کرتے ہیں تو کریں میں تو انہیں کچھ ملامت نہیں کروں گا

کیونکہ اہل فضل پر مجھ سے پہلے بھی لوگ حسد کرتے آئے ہیں

میرا ان کا ہمیشہ یہی شیوہ رہا ہے گا

اور ہم میں اکثر لوگ حسد کر کے مر گئے ہیں

وکیع کہتے ہیں کہ شاید امام صاحبؒ کو ان کی طرف سے کوئی بات پہنچی ہوگی اس لئے انہوں نے یہ اشعار پڑھے۔ جعفر بن الحسن، ابو عمر کے شیخ کہتے ہیں کہ میں نے ابوحنیفہؒ کو خواب میں دیکھا تو ان سے دریافت کیا اللہ تعالیٰ نے آپ کے ساتھ کیا معاملہ کیا۔ فرمایا بخش دیا۔ میں نے کہا علم و فضل کے طفیل میں، کہا بھی فتویٰ تو مفتی کے لئے بڑی ذمہ داری کی چیز ہے۔ میں نے کہا پھر فرمایا، لوگوں کی ان ناحق نکتہ چینیوں کے طفیل میں جو لوگ مجھ پر کیا کرتے تھے اور اللہ تعالیٰ جانتا تھا کہ وہ مجھ میں نہ تھیں۔ (جامع بیان العلم، جلد ۲، ص ۱۶۶)

ابو عمر تحریر فرماتے ہیں کہ اصحاب حدیث نے امام صاحب کے حق میں بڑی زیادتی کی ہے اور حد سے بہت تجاوز کیا ہے آپ پر جو زیادہ سے زیادہ نکتہ چینی کی گئی ہے وہ صرف ان دو باتوں پر، ایک آثار کے مقابلہ میں رائے اور قیاس کا اعتبار کرنا، دوسری ار جاء کی نسبت حالانکہ جس جگہ امام صاحب نے کسی اثر کو ترک کیا ہے کسی نہ کسی موزوں تاویل سے کیا ہے۔ اسکی نوبت بھی ان کو اس لئے آئی ہے کہ

انہوں نے مسائل میں بیشتر اپنے اہل بلد کا اعتبار کیا ہے، جیسے ابراہیم نخعی اور ابن مسعودؓ کے تلامذہ اس سلسلہ میں مسائل کی صورتیں فرض کرنے، پھر اپنی رائے سے ان کے جوابات دینے، اس پر اس کو مستحسن سمجھنے میں آپ نے اور آپ کے تلامذہ نے بھی افراط سے کام لیا ہے۔ ان وجوہ سے سلف میں ان سے مخالفت پیدا ہو گئی۔ ورنہ میرے نزدیک اہل علم میں کوئی شخص بھی ایسا نہیں ہے جسے کسی حدیث کے اختیار کرنے کے بعد کسی نہ کسی حدیث کا ترک یا تاویل یا دعویٰ نسخ کرنا لازم نہ آیا ہو۔ فرق صرف یہ ہے کہ دوسروں کو ایسا موقعہ کم پیش آیا ہے اور امام صاحب کو زیادہ۔ اس پر ان کے ساتھ حسد اور بھجان کی مصیبت مزید برآں ہے۔

حضرت لیث بن سعد کہتے ہیں کہ امام مالکؒ کے ستر مسئلے مجھے ایسے معلوم ہیں جو سنت کے خلاف ہیں۔ امام مالکؒ نے صرف اپنی رائے سے نکالے ہیں اس بارے میں ان سے خط و کتابت بھی کر چکا ہوں۔ ابو عمر کہتے ہیں کہ علماء اُمت میں یہ حق تو کسی کو حاصل نہیں ہے کہ جب آنحضرتؐ کی کوئی حدیث صحت کو پہنچ جائے تو وہ اس کی سند میں طعن یا اسی درجہ کی حدیث سے دعویٰ نسخ یا اس کے مقابلہ میں اُمت کا اجماع پیش کئے بغیر اس کو ترک کرے اور اگر کوئی ایسا کرتا ہے تو اس کی عدالت ہی ساقط ہو جاتی ہے۔ چہ جائیکہ اس کو دین کا امام مانا جائے۔

اس کے بعد لکھتے ہیں کہ امام صاحبؒ سے روایت کرنے والوں اور آپ کو ثقہ کہنے والوں کی تعداد ان سے زیادہ ہے جنہوں نے آپ پر نکتہ چینی کی ہے۔ پھر جنہوں نے نکتہ چینی کی بھی ہے تو وہ صرف ان ہی دو باتوں پر کی ہے جو ابھی مذکور ہوئیں۔

پھر تحریر فرماتے ہیں کہ ہمارے زمانہ میں یہ مشہور تھا کہ بزرگی و برتری کا یہ بھی معیار ہے کہ اس کے متعلق لوگ افراط و تفریط کی دورا ہوں پر نکل جائیں، جیسا کہ حضرت علیؓ ”یہاں بھی ایک جماعت افراط اور دوسری تفریط میں مبتلا نظر آتی ہے۔“

آخر میں حافظ ابو عمرؒ بطور قاعدہ تحریر فرماتے ہیں کہ جس شخص کی عدالت صحت کے درجہ کو پہنچ چکی ہو، علم کے ساتھ اس کا مشغلہ ثابت ہو چکا ہو۔ کہائے سے وہ احتراز کرتا ہو، مروت اور ہمدردی اس کا شعار ہو، اس کی بھلائیاں زیادہ ہوں اور برائیاں کم تو ایسے شخص کے بارے میں بے سرو پا الزامات ہرگز

۱۔ جامع البیان العلم۔ جلد ۲۔ ص ۱۳۸، ۱۳۹

۲۔ اس قاعدہ کی پوری تفصیل کے لئے طبقات الشافعیہ میں احمد بن صالح مصری اور حاکم کا ترجمہ ملاحظہ کیجئے انہوں نے اس کے ہر گوشہ پر تفصیلی بحث کر دی ہے اور اس محل ضابطہ میں جن جن قید و شرط کی ضرورت تھی سب ذکر کر دی ہیں۔

قابل قبول نہیں! ہوں گے۔ سچ تو یہ ہے مخلوق نے جب اپنی زبان خالق سے بند نہیں کی تو اب ہمہوشا سے اس کی توقع فضول ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ایک بار دعا کی ”اے پروردگار بنی اسرائیل کی زبان سے میرا پیچھا چھڑا دے“۔ وحی آئی، ”جب میں نے مخلوق کی زبان اپنے نفس سے بند نہیں کی تو تم سے کیسے بند کر دوں“!۔



انبیاء علیہم السلام کے بعد دنیا کے ممتاز ترین انسانوں کی سرگزشت حیات

سید الصحابة رضی اللہ عنہم

خلفائے راشدین



www.KitaboSunnat.com



دارالاشاعت کراچی

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

معزز قارئین توجہ فرمائیں!

کتاب وسنت ڈاٹ کام پر دستیاب تمام الیکٹرانک کتب

← عام قاری کے مطالعے کے لیے ہیں۔

← مجلس التحقیق الاسلامی کے علمائے کرام کی باقاعدہ تصدیق و اجازت کے بعد آپ لوڈ (Upload)

کی جاتی ہیں۔

← دعوتی مقاصد کی خاطر ڈاؤن لوڈ، پرنٹ، فوٹوکاپی اور الیکٹرانک ذرائع سے محض مندرجات نشر و اشاعت کی مکمل اجازت ہے۔

☆ تنبیہ ☆

← کسی بھی کتاب کو تجارتی یا مادی نفع کے حصول کی خاطر استعمال کرنے کی ممانعت ہے۔

← ان کتب کو تجارتی یا دیگر مادی مقاصد کے لیے استعمال کرنا اخلاقی، قانونی و شرعی جرم ہے۔

﴿اسلامی تعلیمات پر مشتمل کتب متعلقہ ناشرین سے خرید کر تبلیغ دین کی کاوشوں میں بھرپور شرکت اختیار کریں﴾

← نشر و اشاعت، کتب کی خرید و فروخت اور کتب کے استعمال سے متعلقہ کسی بھی قسم کی معلومات کے لیے رابطہ فرمائیں۔

kitabosunnat@gmail.com

www.KitaboSunnat.com

رضی اللہ عنہم و رضوانہ (القرآن)
القدان سے راضی ہوا اور وہ اللہ سے راضی ہوئے

انبیاء کرام کے بعد دنیا کے مقدس ترین انسانوں کی سرگزشت حیات

سید الصحابة

تابع تابعین کرام (حصہ اول)

جلد ہشتم

حصہ چہار دہم (14)

انیس اہل جلیل القدر، تابع تابعین کے جن میں تفسیر و حدیث اور فقہ و تصوف کے نامور آئمہ کرام شامل ہیں۔
مفصل حالات زندگی اور ان کی وسیع علمی خدمات کا مفصل بیان

تحریر و ترتیب

مولانا حافظ مجیب اللہ صاحب ندوی
رفیق دارالمصنفین

اڈو بازار ایچ جی روڈ
کراچی پاکستان 2213758

دارالاشاعت

کمپوزنگ کے جملہ حقوق ملکیت بحق دارالاشاعت کراچی محفوظ ہیں

باہتمام : خلیل اشرف عثمانی
طباعت : ۲۰۰۴ء علمی گرافکس کراچی
ضخامت : ۴۳۶ صفحات

قارئین سے گزارش

اپنی حتی الوسع کوشش کی جاتی ہے کہ پروف ریڈنگ معیاری ہو۔ الحمد للہ اس بات کی نگرانی کے لئے ادارہ میں مستقل ایک عالم موجود رہتے ہیں۔ پھر بھی کوئی غلطی نظر آئے تو ازراہ کرم مطلع فرما کر ممنون فرمائیں تاکہ آئندہ اشاعت میں درست ہو سکے۔ جزاک اللہ

..... ملنے کے پتے

ادارۃ المعارف جامعہ دارالعلوم کراچی	ادارہ اسلامیات ۱۹۰- انارکلی لاہور
بیت القرآن اردو بازار کراچی	بیت العلوم 20 نا بھ روڈ لاہور
ادارۃ اسلامیات موہن چوک اردو بازار کراچی	مکتبہ سید احمد شہید اردو بازار لاہور
ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ B-437 ویب روڈ لہیلہ کراچی	مکتبہ امدادی ٹی بی ہسپتال روڈ ملتان
بیت الکتاب بالمقابل اشرف المدارس گلشن اقبال کراچی	یونیورسٹی بک انجمنی خیبر بازار پشاور
بیت اعلیٰ مقابل اشرف المدارس گلشن اقبال بلاک ۲ کراچی	کتب خانہ رشیدیہ - مدینہ مارکیٹ ریلوے بازار راولپنڈی
مکتبہ اسلامیہ امین پور بازار - لیصل آباد	مکتبہ اسلامیہ گامی اڈا - اجبٹ آباد

مکتبہ المعارف محلہ جنگلی - پشاور

انگلینڈ میں ملنے کے پتے

Islamic Books Centre
119-121, Halli Well Road
Bolton BL 3NE, U.K

Azhar Academy Ltd.
At Continenta (London) Ltd
Cooks Road, London E15 2PW

فہرست اسماء تبع تابعین حصہ اول

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۲۹۹	مسعر بن کدام	۵	مقدمہ از مؤلف
۳۰۵	عبداللہ بن وہب	۲۵	امام ابو یوسف
۳۱۵	یحییٰ بن معین	۱۲۳	امام محمد شیبانی
۳۲۵	یحییٰ بن سعید القطان	۱۷۱	تتصیفات
۳۳۵	عبدالرحمن ابن مہدی	۱۸۱	امام زفر
۳۴۵	علی بن مدینی	۱۹۵	امام اوزعی
۳۵۵	امام لیث بن سعد	۲۲۹	ابن جریج
۳۷۳	حضرت فضیل بن عیاض	۲۳۷	امام اسحاق بن راہویہ
۳۸۵	امام سفیان ثوری	۲۴۵	سفیان بن عیینہ
۴۱۵	یحییٰ بن آدم	۲۵۹	حضرت عبداللہ بن مبارک
۴۳۱	حضرت امام مالک بن انس	۲۸۷	حضرت شعبہ



محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

اور ان کی یہ سعی اس لحاظ سے سعی (کوشش) مشکور ثابت ہوئی، اور دراصل ان کا سب سے بڑا کارنامہ یہی ہے۔

حضرات تابعین کے بعد اس مبارک کام کو ان کی فیض یافتہ جماعت یعنی تبع تابعین نے اپنے ہاتھ میں لیا، اور اپنے زمانہ کے حالات اور ضروریات کے مطابق اسے پورا کرنے کی کوشش کی، اس راہ میں ان کو بھی وہ تمام مصیبتیں اور صعوبتیں اٹھانی پڑیں جو ان کے پیش روں کو اٹھانی پڑی تھیں، صحابہ کرامؓ اور تابعین و تبع تابعین کی کوششوں کے دائرہ عمل میں اتنا فرق ضرور ہے کہ حضرات صحابہؓ نے انفرادی اور اجتماعی دونوں طرح سے اصلاح حال کی سعی کی اور حضرات تابعین و تبع تابعین نے حالات اور پچھلے تجربات کی بنا پر بھی اور اس لئے بھی کہ امت مزید جنگ و جدال اور فتنہ و فساد سے محفوظ رہے۔ اپنا دائرہ عمل اور انفرادی جدوجہد ہی تک محدود رکھا گو کہیں کہیں اجتماعی جدوجہد کی جھلک بھی ملتی ہے۔

قرآن مجید اور سیرۃ نبویؐ کا ایک اعجاز :

قرآن مجید اور سیرۃ نبویؐ کا ایک بڑا اعجاز یہ بھی ہے کہ ان کے ذریعہ نہ صرف یہ کہ دنیا کے علم و فن میں ایک نئے باب کا اضافہ ہوا بلکہ ان کے ذریعہ اس کا دامن ایک ایسی متحرک عملی و اخلاقی زندگی سے بھی مالا مال ہوا جو ایک خاص وقت میں پیدا ہو کر ختم نہیں ہو گئی، بلکہ صد ہا سیاسی اور تمدنی انقلابات کے باوجود وہ دوام تسلسل کے ساتھ آج تک باقی ہے، اور انشاء اللہ قیامت تک باقی رہے گی، اس نئی متحرک اخلاقی و عملی زندگی کا اولین نمونہ صحابہ کرم رضی اللہ عنہم اور ان کے بعد تابعین اور تبع تابعین رحمہم اللہ تھے۔ یہی وجہ ہے کہ امت نے قرآن و سیرت کی حفاظت کے بعد ان بزرگوں کی سوانح حیات اور سیرت کے معنوی خط و خال کو تحریری طور پر محفوظ و منقوش کر لینے میں سب سے زیادہ کوشش کی۔

گو ان نقوش کے ذریعہ ان قدسی صفات بزرگوں کی زندگی کی پوری کیفیتیں اور معنویتیں ہم تک نہیں پہنچ سکیں۔ مگر پھر بھی ان کی زندگی کا جتنا حصہ بھی بذریعہ تحریر ہم تک پہنچا ہے۔ اس کے پڑھنے سے آج بھی مردہ دلوں میں زندگی اور نبھی طبیعتوں میں سوز و گداز اور حرارت پیدا ہوتی ہے۔

ان کی سادہ سادہ باتوں سے دل میں خدا کی محبت کا جوش اور رضائے الہی کی طلب اور آخرت کا یقین بلکہ ذوق و مشاہدہ پیدا ہوتا ہے، ان کی زندگی کے عام واقعات کے سننے اور پڑھنے سے اقامت دین کا جذبہ، احیائے سنت کا ولولہ اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی تڑپ پیدا

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

اور بعض تابعین کے سنہ وفات کی روشنی میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ پہلی صدی کے آخر سے اس عہد کی ابتداء ہو گئی تھی۔

مثال کے لئے امام شعبہؒ کی ولادت ۸۰ھ میں ہوئی اور امام ابو حنیفہؒ کی ولادت بھی ۸۰ھ میں ہوئی لیکن عام ارباب تذکرہ امام شعبہؒ کا شمار اتباع تابعین میں کرتے ہیں، امام صاحب کا تابعین ہیں۔

لیکن واقعہ یہ ہے کہ اتباع تابعین کا اصلی دور دوسری صدی کے ربع اول سے شروع ہو کر تیسری صدی کے ربع اول تک ختم ہو جاتا ہے، اس لئے کہ بعض تابعین کی وفات ۶۱۲ھ اور بعض کی ۷۴ھ میں ہوئی، اس اعتبار سے جن ائمہ فقہ و حدیث کی ولادت ۱۵۰ھ اور ۶۱۲ھ کے درمیان ہوئی، ان کو بھی معاصرت کی وجہ سے اسی زمرہ میں شامل کر لیا گیا ہے، اگرچہ تابعین سے ان کے کسب فیض کرنے کا کوئی ظاہری ثبوت موجود نہیں ہے۔ مثلاً امام شافعیؒ، امام احمد بن حنبلؒ، اسحاق ابن راہویہؒ، علی بن المدینی وغیرہ، دوسرے الفاظ میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ اموی خلیفہ ولید ثانی کے عہد سے لے کر عباسی عہد کے دسویں خلیفہ متوکل علی اللہ کے عہد تک اتباع تابعین کا خاص عہد رہا ہے۔

تبع تابعین سے کون لوگ مراد ہیں :

اس عہد میں گو بڑے بڑے صاحب سطوت خلفاء لائق ترین امراء اور سپہ سالار کامل ترین فلاسفہ و متکلمین اور بڑے بڑے زبان آور خطباء، ادباء و شعراء پیدا ہوئے۔ جن میں سے ہر ایک سے بواسطہ یا بلاواسطہ ملک و ملت اور اسلامی علوم کی کوئی نہ کوئی خدمت انجام پائی۔ اور اس لحاظ سے ان کی خدمات کا اعتراف نہ کرنا بڑی احسان ناشناسی ہوگی، لیکن ان کو ہم زمرہ تبع تابعین میں اس لئے شامل نہیں کرتے کہ صحابہ اور تابعین کی طرح تبع تابعین کا لقب بھی امت میں ان حضرات کے لئے مخصوص ہو گیا ہے جن کے علم و عمل میں یکسانیت اور ہم رنگی رہی ہو۔ جن کے ذریعہ دین یا علم دین کی حفاظت کا براہ راست کوئی نہ کوئی کام انجام پایا ہو۔ جن کی زندگی میں سنت نبوی ﷺ اور صحابہ و تابعین کی سیرت کا رنگ غالب رہا ہو۔ جن کے علم و فضل، زہد و ورع اور دیانت و تقویٰ پر ایک مخلوق کو اعتماد رہا ہو اور یہ اعصاب تک باقی ہو۔

اس لئے جن خلفاء، وزراء، شعراء، ادباء اور اہل علم کی زندگی اس معیار پر پوری نہیں اُترتی ان کا ذکر مستقلاً اس کتاب میں نہیں آئے گا، یوں جس طرح اس عہد کی سیاسی تاریخ کے ضمن میں حضرات تبع تابعین کا ذکر ضمناً آجاتا ہے اسی طرح اس مرقع میں بھی اس کا ذکر ضمناً موقع بہ موقع آگیا ہے۔

اس عہد کی خوبیاں اور خرابیاں :

تبع تابعین رحمہم اللہ کے عہد کی عکاسی اگر مختصر لفظوں میں کی جائے تو یہ کہا جاسکتا ہے کہ یہ ”عہد تضاد“ (مختلف زمانہ) تھا، یعنی اگر آپ اس عہد کی سیاسی اور ادبی تاریخ فکری آزادی اور بعض معاشرتی خرابیوں کی داستان پڑھیں گے تو آپ کے دل و دماغ پر تھوڑی دیر کے لئے یہ احساس ضرور طاری ہو جائے گا کہ یہ عہد ظلم و جور عیش عشرت قبائلی عصبیت اور مختلف مذہبی و سیاسی فتنوں اور فلسفیانہ موشگافیوں سے بھرا ہوا تھا۔ لیکن اسی آن اگر آپ کو اس عہد کے قابل اعتماد محدثین، فقہاء، علماء اور صلحا کے تذکرے دے دیئے جائیں اور ان کے ذریعہ آپ کو کچھ دیر کے لئے ان برگزیدہ نفوس حضرات کی صحبت و مجلس میں پہنچا دیا جائے تو یہی نہیں کہ منفی طور پر آپ کے پہلے احساس میں کمی آجائے گی، بلکہ مثبت طور پر آپ یہ محسوس کرنے لگیں گے کہ آپ کے کانوں میں ہر گوشہ سے قال اللہ اور قال الرسول ہی کی آواز آرہی ہے۔ ہر گھر اور ہر مجلس میں دین اور علم دین ہی کا چرچا ہے۔ فقر و فاقہ کے باوجود دنیا اور اہل دنیا سے استغناء بے نیازی، زہد و اتقاء، حق گوئی، بے باکی، اور ان کی سادگی و تواضع کے اقعات پڑھ کر آپ کچھ دیر کے لئے اپنے آپ کو عہد صحابہ سے قریب تر محسوس کرنے لگیں گے۔ ان کی علمی کاوشوں اور تفقہ و اجتہاد اور قانونی دقت نظری کی اتنی کثرت سے مثالیں ملیں گی کہ اس عہد کی فلسفیانہ موشگافیوں کی آپ کے دل میں کوئی وقعت نہیں رہ جائے گی۔

جیسا کہ ذکر آچکا ہے کہ اسلامی معاشرے میں یہ تضاد کو عہد راشدہ کے بعد ہی سے شروع ہو گیا تھا۔ لیکن اس عہد میں بعض سیاسی اسباب اور بعض نئے فتنوں کی وجہ سے اس میں اضافہ ہو گیا تھا، عہد تابعین یعنی اموی دور میں معاشرہ میں عام طور پر عربی اور بدوی رنگ غالب تھا اس لئے اس عہد کی برائیوں میں طمع سازی نہیں سادگی تھی، لیکن عہد تبع تابعین یعنی عباسی دور میں جو سیاسی، علمی، مذہبی، معاشرتی برائیاں پیدا ہوئیں، ان میں عجمیت، ابا حیت پسندی اور فلسفیانہ موشگافی کا رنگ غالب تھا، جا حظ کا یہ مشہور مقولہ ہے کہ :

دولة بنی العباس اعجمية خراسانية و دولة مروان عربية اعرابية^۱۔

”عباسی حکومت میں عجمی اور خراسانی رنگ غالب تھا اور بنو امیہ کی حکومت میں عربی اور بدوی

رنگ غالب تھا۔“

یہ تضاد دوسرے عناصر کے ساتھ یونانی، سریانی اور ہندی علوم خاص طور پر فلسفہ اور نجوم کی کتابوں کے عربی میں منتقل ہونے اور مدح خوان شعراء، ادباء اور مغنیوں کی حکومت کی طرف سے ہمت افزائی کی وجہ سے بھی پیدا ہوا اور اس کے بڑھانے میں قبائلی عصبیت اور ایرانی قومی حمیت نے بھی حصہ لیا، چنانچہ اس کے اثرات نہ صرف علمی زندگی میں پڑنے لگے، بلکہ اس کا اثر اسلامی علوم اور اسلامی عقائد پر بھی پڑا، اسلامی مملکت کے اکثر مقامات اور خاص طور پر کوفہ و بصرہ پایہ تخت ہونے کی وجہ سے نئے نئے مسائل اور نئے نئے مباحث کے آماج گاہ بن گئے تھے۔ شیعیت، خارجییت اور عربی عصبیت کے قدیم فتنے کیا کم تھے کہ ان میں قبائلی اور قومی عصبیت، شعو بیت، اعتزال، مرجئیت، قدریت اور جہمیت وغیرہ جیسے نئے نئے فتنوں کا اضافہ ہو گیا تھا۔

اس برفتن اور پرشور دور میں جس میں آدمی کا اپنے ایمان کو سلامت رکھنا مشکل تھا۔ حضرات تبع تابعین نے نہ صرف یہ کہ ان تمام فتنوں کا سلبی طور پر مقابلہ کیا بلکہ ایجابی طور پر علوم و دینیہ کی حفاظت اور تدوین و ترتیب کا غیر معمولی کام بھی انجام دیا، اگر یہ برگزیدہ جماعت اس کام کی طرف متوجہ نہ ہوتی تو امت، اسلامی علوم کے نہ جانے کتنے بڑے حصہ سے ہمیشہ کے لئے محروم ہو جاتی اور ان کی جگہ نہ جانے کتنے غیر اسلامی علوم نے لے لی ہوتی آئندہ صفحات میں ان کے سلبی اور ایجابی دونوں طرح کے کارناموں کی قدرے تفصیل کی جاتی ہے، لیکن ان کے ان کارناموں کی تفصیل سے پہلے ضرورت ہے کہ اس عہد کے فتنوں کا مختصر تذکرہ کر دیا جائے، ان کا تذکرہ اس لئے بھی ضروری ہے کہ کتاب میں بار بار ان کا نام آئے گا اور اس لئے بھی کہ ان کی حقیقت جانے بغیر نہ تو تبع تابعین کے کارناموں کی اہمیت کا بخوبی اندازہ ہو سکتا ہے اور نہ یہ بات اچھی طرح سمجھ میں آ سکتی ہے کہ بعض آئمہ نے ان کے مقابلہ میں اپنے جسم و جان کا پورا سرمایہ کیوں لگا دیا۔

قبائلی عصبیت:

ظہور اسلام سے قبل عربوں میں قبائلی عصبیت اور ایرانیوں اور عیسائیوں میں قومی اور طبقاتی عصبیت اپنے شباب پر تھی، اسلام نے ان تمام عصبیتوں پر شدید ضرب لگائی اور اس کے بجائے اس نے شرف و امتیاز کو صرف ایک معیار قرار دیا۔

إِنَّا جَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ اتَّقَاكُمْ -

”ہم نے تم کو مختلف قوموں اور مختلف خاندانوں میں تقسیم کر دیا ہے تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچان سکو اور خدا کے نزدیک سب سے شریف اور معزز وہ ہے جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہو۔“

[illegible][illegible][illegible]

چنانچہ یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ عربوں یا مسلمانوں کے خلاف جتنی سیاسی بغاوتیں یا اسلامی ممالک میں جتنے مذہبی اور معاشرتی فتنے پیدا ہوئے ان کی ابتداء یا تو کسی عجمی کے ذریعہ ہوئی، یا کم از کم ان کی پشت پر ان کی مدد ضرور رہی، عباسی حکومت انہی کی مدد سے قائم ہوئی جس کا خود منصور کو اعتراف تھا اور بار بار اعلان کرتا رہا کہ

یا اہل خراسان انتم شیعتنا و انصارنا و اہل دعوتنا

(مسعودی۔ جلد۔ ص ۱۲۷)

”اے اہل خراسان تم ہمارے مددگار اور انصار اور ہماری حکومت کے داعی ہو۔“

مگر اس کے باوجود منصور کے زمانہ سے لے کر ہارون کے زمانہ تک جتنی بغاوتیں اور مذہبی فتنے پیدا ہوئے ان میں ایرانیوں کا ہاتھ ضرور تھا۔

مثال کے طور پر ۱۳۷ھ میں مضباد کی بغاوت ۱۴۱ھ میں فرقہ راوندیہ کی شورش میں انہی کا ہاتھ تھا۔ ۱۵۰ھ میں استاذیس نامی ایک خراسانی نے دعوائے نبوت کیا، جس کی دعوت کو سب سے زیادہ فروغ انہی میں ہوا۔ اسی ذہنیت کے نتیجہ میں منصور کو اپنے سب سے بڑے حامی ابو مسلم خراسانی کو قتل کرانا پڑا، عجمیت نوازی کے نتائج عباسی حکومت کے سامنے برابر آتے رہے، لیکن ایرانی اور غیر عربی عنصر عباسی حکومت میں اتنا دخل ہو چکا تھا کہ اس کو بالکل نظر انداز کر دینا اس کے بس میں نہیں تھا۔

اس عجمیت نوازی سے گو عربوں کی اہمیت سیاسی طور پر قدرے کم ہو گئی تھی، لیکن پھر بھی جو عربی عناصر حکومت کے اندر اور باہر موجود تھے، انہوں نے شکست نہیں کھائی تھی، بلکہ وہ ہمیشہ اس ذہنیت کا مقابلہ کرتے رہتے تھے۔

چنانچہ امین مامون کی جنگ گو بظاہر دو بھائیوں کی جنگ تھی، لیکن حقیقتہً عربوں اور عجمیوں کی جنگ تھی، اگر امین فاتح ہوتا تو اس سے عربوں کی فتح ہوئی، کیونکہ اس کی ماں عربی النسل تھی، جس کی وجہ سے عربی عصبیت اس میں کوٹ کوٹ کر بھری تھی اور یہی وجہ تھی اس کی پشت پناہی زیادہ تر عربوں نے کی، اور مامون کی جیت ہوتی تو اس سے عجمیوں اور غلاموں کی فتح ہوتی، کیونکہ وہ خود کنیز زادہ تھا اس لئے عجمیت نوازی اس کو ورثہ میں ملی تھی اور اہل عجم ہی اس کے پشت پناہ تھے۔

ان عجمیوں کی فتنہ پرور ذہنیت کا اندازہ نعیم بن حازم عربی کی اس گفتگو سے لگائیے جو اس نے مامون کے عجمی وزیر فضل بن سہیل سے کی تھی نعیم اور فضل میں مامون کے سامنے کسی بات پر سخت

گفتگو ہوئی، نعیم نے فضل سے صاف صاف کہا کہ تم یہ چاہتے ہو کہ بنو عباس سے حکومت نکال کر اہل علی میں پہنچادو، اور پھر اہل علی سے چھین کر اہل کسریٰ کی حکومت دوبارہ قائم کر دو۔
شعوبیت :

اسی غمی ذہنیت نے شعوبیت کا فتنہ پیدا کیا، بظاہر اس کا مقصد تو عربوں اور غیر عربوں میں مساوات پیدا کرنا تھا مگر اس کے اندر عرب دشمنی کے ساتھ کسی قدر اسلام دشمنی بھی پوشیدہ تھی۔ صاحب لسان العرب نے شعوبی کی تعریف کرتے ہوئے لکھا ہے۔

والشعوبی هو الذی یصغر شان العرب ولا یری فضلاً
علی غیر ہم

”شعوبی اس کو کہتے ہیں جو عربوں کی اہمیت کو گھٹائے اور دوسروں پر ان کی فضیلت کو تسلیم نہ کرے۔“

یہ لوگ اپنے استدلال میں قرآن کی ان آیات اور احادیث نبوی کو پیش کرتے تھے جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ فی نفسہ کسی خاص طبقہ کو کسی خاص طبقہ پر یا کسی خاص قوم کو کسی خاص قوم پر کوئی فوقیت نہیں ہے۔ جو کچھ فضیلت و فوقیت ہے وہ علم و تقویٰ کی بناء پر ہے، اس میں بہت سے لوگ خلوص سے اس مساویانہ ذہنیت کو فروغ دینا چاہتے تھے، لیکن اکثریت کے دماغ میں غمی عصبیت اور عرب دشمنی بھری ہوئی تھی، اس تحریک کی بساط ایوان حکومت سے لے کر بزم علم تک پھیلی ہوئی تھی، یہ ایک مذہب اور مسلک بن گیا تھا۔ مامون کے مشہور وزیر فضل کے بارے میں ابن ندیم نے لکھا ہے کہ

کان فارسی الاصل شعوبی المذہب ، شدید العصبیۃ علی العرب
وله فی ذلک کتب کثیرۃ - (۲-۱۱۰)

”یہ ایرانی النسل اور شعوبی المذہب تھا اس کو عربوں سے سخت دشمنی تھی اس موضوع پر اس نے بہت سی کتابیں بھی لکھی ہیں۔“

اس طرح اس موضوع پر دوسرے بہت سے عجیبوں نے کتابیں لکھیں، جن میں علان الشعوبی، سعید بن حمید، ہشیم اور ابو عبیدہ کی کتابیں بہت مشہور ہوئیں، ابن ندیم نے ان سب کا تذکرہ کیا ہے، خاص طور پر ابو عبیدہ تو ان کا سرخیل تھا۔ ابن خلکان نے اس کے بارے میں لکھا ہے۔

کان یبغض العرب والفرس لی مثالیہا کتب کثیرۃ - (جلد ۲- ص ۵۵۴)
”یہ عربوں سے نفرت کرتا تھا اور ان کے معائب میں بہت سی کتابیں لکھی تھیں۔“

یہ قرآن کی تفسیر میں بڑا آزاد مسترب تھا۔ جس میں پراسمعی سخت تنقید کرتا تھا۔ اس تحریک نے صرف سیاسی طور پر عربوں کو کمزور نہیں کیا بلکہ اس کے ذریعہ اسلامی علوم کو بھی کافی نقصان پہنچا، انہوں نے ادب و تاریخ اور تفسیر میں ایران کے شاہی زمانہ کے کتنے فرضی قصے اور نہ جانے کتنی بے سرو پاروایتیں داخل کر دیں۔ گو تبع تابعین اور ان کے بعد کے محدثین اور مفسرین نے ان قصوں اور روایتوں کی بڑی حد تک پردہ داری کی، لیکن اس کے باوجود تفسیر و حدیث کے ذخیرہ میں بہت سی روایتیں اہل عجم کی فضیلت کے سلسلہ میں اب بھی ایسی ملتی ہیں جن کو درایہ تسلیم نہیں کیا جاسکتا۔ عربی عصبیت اور عجمی عصبیت کے ساتھ اسلامی مملکت میں ایک اور عنصر نے معاشرہ کے بگاڑنے میں حصہ لیا، وہ موالی یعنی غلاموں کا طبقہ تھا، طوالت کے خیال سے اس کی تفصیل کو نظر انداز کیا جاتا ہے۔

لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ خواص و عوام پر انہی کا اثر تھا، اور معاشرہ میں اس وقت اسلامی ذہنیت کا بالکل ہی فقدان ہو چکا تھا۔ اور اس کا مظاہرہ کرنے والے موجود نہیں تھے، بلکہ مقصود یہ دکھانا ہے کہ حضرات تبع تابعین کے عہد میں مسلمانوں کے حکمران اور غالب عجمی عنصر کا رجحان کیا تھا اور معاشرہ میں کیا خرابیاں پیدا ہو رہی تھیں ورنہ اب بھی معاشرہ میں انہی لوگوں کی حقیقی عزت و عظمت تھی اور خواص اور عوام پر انہی کا اثر تھا۔ جو علم و تقویٰ کے لحاظ سے ممتاز تھے۔ خواہ عربی ہوں یا عجمی، کالے ہوں یا گورے، اس ذہنیت کے پیدا کرنے اور پھر اس کے باقی رکھنے میں حضرات تبع تابعین نے سب سے زیادہ حصہ لیا۔

ان کی مجلسوں کا دروازہ جس طرح ایک عجمی کے لئے کھلا ہوا تھا، اسی طرح ایک عربی کے لئے بھی۔ جس طرح ان کا شمشہ فیض ہاشمیوں اور قریشیوں کے لئے جاری تھا، اسی طرح غلاموں کے لئے بھی، یہاں محمود و ایاز ایک ہی جیسے عربی النسل حضرات کی جو عظمت و عزت تھی، وہی عظمت و جلالت امام محمد، یحییٰ بن معین، امام اوزاعی، سعید القطان، ابن جریج، علی بن المدینی، عبدالرحمن مہدی اور عبداللہ بن مبارک جیسے غلامان اسلام کی تھی، ان حضرات کو جب بھی موقع ملا اس ذہنیت کو مٹانے اور اس پر ضرب لگانے کی کوشش کی، امام سفیان ثوری کا انتقال غربت و مسافرت میں ہوا تھا، انتقال کے وقت آپ نے پوچھا کہ میرے وطن کا کوئی آدمی ہے، لوگوں نے عبدالرحمن بن عبدالملک اور حسن بن عیاش کا نام لیا، آپ نے عبدالرحمن کو نماز جنازہ اور حسن کو ترکہ کی وصیت کی، انتقال کے بعد جب لوگوں کو معلوم ہوا کہ عبدالرحمن نماز جنازہ پڑھائیں گے، تو بنو تمیم کے لوگ یہ کہہ کر مانع ہوئے۔

یعنی یصلی علیٰ مضرى

”ایک یمنی مضرى کی نماز جنازہ پڑھائے گا۔“

یعنی امام سفیان مضرى تھے، اور عبدالرحمن کندی یمنی تھے، اس لئے یہ شرف کسی مضرى ہی کو ملنا چاہیے، جب لوگوں نے بنو تمیم سے یہ کہا کہ یہ امام کی وصیت ہے، تو پھر انہوں نے نماز جنازہ پڑھانے کی اجازت دی، اس سے اندازہ لگانا چاہیے کہ سیاسی بازی گروں نے اس ذہنیت کو کہاں تک پہنچا دیا تھا۔

حضرت فضیل بن عیاض اور امام اوزاعی کے حالات میں پڑھیں گے کہ انہوں نے منصور اور ہارون جیسے باجبروت خلفاء کے سامنے کس طرح اس ذہنیت پر ضرب لگائی۔

مذہبی فتنے :

حضرت تبع تابعین میں سے آپ جن بزرگ کا بھی تذکرہ کتاب میں پڑھیں گے، ان میں چند فرقوں کا کسی نہ کسی حیثیت سے ذکر ضرور آئے گا۔ جس طرح بعض سیاسی اسباب کی بناء پر بعض فتنے پیدا ہو گئے تھے، اسی طرح سیاسی انتشار اور نئی نئی قوموں کے اسلام میں داخلے اور پھر یونانی اور ہندی فلسفہ کے اثر سے بعض دینی فرقے پیدا ہوئے جن میں سے بعض نے تبع تابعین کے زمانہ میں بڑا اثر رسوخ پیدا کر لیا تھا، اور ان کی وجہ سے اسلامی معاشرہ میں روزانہ نئے نئے مسئلے اور قضیے پیدا ہونے لگے تھے۔

حضرت اتباع تابعین گوان فرقوں اور ان کے پیدا کئے ہوئے مسائل سے صرف نظر کر کے شریعت کی سادہ اور اعلیٰ تعلیم کی حفاظت اور اس کی ترویج میں لگے ہوئے تھے، مگر پھر بھی ان کو کبھی کبھی ان کے خلاف زبان کھولنی پڑتی تھی، ان کا ذکر کتاب میں بار بار آئے گا، اس لئے قدرے ان کی تفصیل کر دی جاتی ہے۔ ان میں سب سے زیادہ طاقت ور فرقے شیعہ، خوارج، مرجہ، جبر یہ حمیہ، قدر یہ یا معتزلہ تھے۔

شیعیت :

شیعیت گوا ایک سیاسی تحریک ہے جو حضرت عثمانؓ کے عہد میں ظاہر ہوئی، اور حضرت علیؓ کے عہد میں اس نے زور پکڑا اور بنو امیہ کے عہد میں جوں جوں ہاشمیوں پر ظلم ہوتا رہا اس کا حلقہ اثر بڑھتا رہا، بعد میں اس نے ایک مذہبی فرقہ کی حیثیت اختیار کر لی، اس فرقہ کی تاریخ اسلامی حکومت کی

مخالفت سے پُر ہے، جب تک بنو امیہ کی حکومت رہی اس وقت تک یہ بنو ہاشم کے نام پر بغاوتیں اور سازشیں کرتا رہا، اور جب بنو امیہ کا خاتمہ ہو گیا تو پھر یہ بنو عباس کے درپے آزار ہو گیا، یہ اسی فرقہ کی سیاسی غلطی تھی کہ خانوادہ نبوت کے نہ جانے کتنے معصوموں کو خاک و خون میں تڑپنے پر مجبور ہونا پڑا۔

اس فرقہ کو سب سے زیادہ عروج عراج اور پھر ایران میں ہوا اور اس کی وجہ یہ ہوئی کہ عراق مشرق و مغرب کا دروازہ ہے، جہاں اسلام سے پہلے بھی دوسرے قوموں کی آمد و رفت تھی۔

حضرت علیؓ نے اپنا دار الخلافہ یہیں بنایا تھا۔ پھر بنو عباس نے بھی اپنا مرکز حکومت بنایا، جس کی وجہ سے یہ ۔۔۔۔۔ یہود و نصاریٰ اور ہندی، مزدکی اور مانی فرقوں کی آماج گاہ بن گیا، ان فرقوں کے جو افراد مسلمان ہو جاتے تھے ان کو شیعیہ یہ کہہ کر بہ آسانی سے اپنا ہم نوا بنا لیتے تھے کہ خلافت کہ حق دار ہی لوگ زیادہ ہیں جو رشتہ و نسب کے لحاظ سے نبی ﷺ سے زیادہ قربت رکھتے ہیں ان نو مسلموں کے ذہن میں یہ بات آسانی سے اس لئے بیٹھ جاتی کہ یہ نسبی و خاندانی بادشاہت ہی کے پروردہ اور اس کے عادی تھے۔

ان کی مذہبی و سیاسی کشمکش کی داستان بڑی طویل ہے، اس سلسلہ میں صاحب فجر الاسلام کا تبصرہ ہم یہاں نقل کئے دیتے ہیں، جس سے کچھ اندازہ ہو جائے گا۔

”حق یہ ہے کہ شیعیت ان تمام لوگوں کے لئے جائے پناہ تھی، جو کسی قدیم عداوت یا حسد کی بنا پر اسلام کی بنیاد کو گراٹا اور اسلاف و اجداد کی تعلیمات کو اس میں داخل کرنا چاہتے تھے، مثلاً یہودی، نصرانی، زروشتی اور مزدکی وغیرہ، اسی طرح ان لوگوں کے لئے بھی یہ جائے پناہ تھی، جو اپنے ملک کو اسلامی مملکت سے کاٹنا اور حکومت کے خلاف بغاوت کرنا چاہتے تھے، غرض یہ کہ ایسے تمام افراد، اہل بیت کی محبت کو آڑ بنا کر اپنے اپنے اغراض کی تکمیل چاہتے تھے، مثال کے لئے تشیع میں یہودیت کا اثر و ظہور و رجعت امام کے عقیدہ میں دیکھا جاسکتا ہے۔ جس طرح یہود نے کہا تھا کہ ہم کو چند دن آگ جلائے گی، اسی طرح یہ عقیدہ کسی نہ کسی شکل میں تشیع میں بھی ہے، نصرانیت سے ان میں یہ تصور آیا کہ امام کو خدا سے وہی نسبت ہے جو حضرت مسیحؑ کو خدا سے تھی، انہوں نے کہا لاہوت نے عالم ناسوت میں امام کا روپ دھار لیا ہے، اور نبوت و رسالت کبھی ختم نہیں ہوگی جس نے بھی لاہوت سے اتحاد پیدا کر لیا وہ نبی ہے اسی طرح تناسخ ارواح، خدا کی تجسیم اور حلول کا عقیدہ ان میں برہمنوں اور فلاسفہ کے اثر سے آیا۔“

مقریزی نے لکھا ہے جب اہل ایران نے جنگ و جدل کے میدان میں شکست کھائی تو ان میں سے ایک جماعت نے ظاہری طور پر اسلام قبول کر لیا، اور جو لوگ اہل بیت سے محبت رکھتے تھے،

ان کو اُکسا اُکسا کر اپنے گرد جمع کرنا شروع کیا یہاں تک کہ آخر جو ہم عن طریق الہدیٰ^۱ ان کو راہ حق سے دور ہٹا لے گئے۔

جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا ہے، ابتدا میں یہ ایک سیاسی تحریک تھی جس نے بعد میں ایک مذہبی فرقہ کی حیثیت اختیار کر لی لیکن پہلی صدی تک یہ صرف تفصیلیت تک محدود رہی، یعنی اس خیال کے لوگ حضرت علیؑ کو حضراتِ شیخین سے افضل سمجھتے تھے لیکن عباسی دور میں دوسری قوموں اور خاص طور پر اہل فارس سے ان کا اختلاط کثرت سے بڑھا تو اس نے ایک نئے مذہب کا قالب اختیار کر لیا جس نے عقائدِ اسلامی کے بارے میں ایسے عجیب و غریب خیالات کا اظہار کیا جس سے اُمت واقف نہیں تھی، اس نے کتاب اللہ کی ایک نئی تفسیر و تاویل اور حدیث کی ایک ایسی اچھوتی اصلاح^۲ گھڑی، جس کا ثبوت مہدِ صحابہ اور عہدِ تابعین میں نہیں ملتا، تفصیل کے لئے مقریزی حصہ اول اور ملل و نحل کا مطالعہ کرنا چاہئے، یہ سب زیادہ تر عہدِ تبع تابعین میں ہوا۔

ائمہ کے تسلسل اور ان کی تعیین کے سلسلہ میں اور بھی بہت سے فرقے پیدا ہوئے، جن میں خاص طور پر دو فرقے بہت مشہور ہیں، امامیہ اور زیدیہ، ان میں فرقہ زیدیہ اہل سنت والجماعت سے سب سے زیادہ قریب تر ہے۔^۳ فرقہ امامیہ کا دوسرا نام اثنا عشریہ ہے، اسی اثنا عشریہ امامیہ کی ایک شاخ باطنیت ہے، جو خاص عہدِ تبع تابعین^۴ کا فتنہ ہے، جس کی بنیادی گمراہی اس کا عقیدہ ہے کہ قرآن اور اسلامی تعلیمات کا ایک باطن ہے، اور ایک ظاہر ہے اور احکام میں اصل چیز اس کی باطنی حیثیت ہے، اس تقسیم کی بناء پر انہوں نے اسلام کے عقائد، عبادات اور دوسرے امور دین کو ایک فلسفہ بلکہ ایک مذاق بنا کر رکھ دیا ہے، انہی کو اسماعیلیہ بھی کہا جاتا ہے، ہندوستان میں ان کے دو حصے ہو گئے ہیں، عراق میں وہ قرامطہ اور خراسان میں ملحدہ و تعلیمیہ کے نام سے مشہور تھے، ہندوستان میں بھی ابتدا قرامطہ ہی کے نام سے ان کا ذکر تاریخوں میں ملتا ہے، یہ اپنے کوشیعوں سے جدا کرنے کے لئے شیعہ اسماعیلیہ بھی کہتے ہیں۔

خوارج :

عہدِ تابعین میں گوان کا زور قدرے کم ہو گیا تھا، مگر ان کے اور شیعوں کے بعض عقائد کی جھلک معتزلہ اور جہمیہ وغیرہ کے عقائد میں بھی ملتی ہے، جو خاص اس دور کی پیداوار ہیں، اس لئے مختصراً

۱۔ جلد اول۔ ص ۳۶۶ ۲۔ ان کے نزدیک حدیث صرف نبی ﷺ کے قول و فعل اور تقریر کو نہیں کہتے بلکہ ان کے نزدیک ائمہ معصومین کے قول و فعل و تقریر کو بھی حدیث کہتے ہیں۔ گویا منصب نبوت و منصب امامت میں تقدم و تاخر کے علاوہ کوئی خاص فرق نہیں ہے۔ ۳۔ یمن میں اس فرقہ کی حکومت ہے۔ ۴۔ اب اثنا عشریہ ان کے خیالات سے اپنی برأت کا اظہار کرتے ہیں۔ ۵۔ مامون کے عہد میں اس کی ابتداء ہوئی اور مقتضی کے عہد میں اس کو فروغ ہوا۔

ان کا ذکر کر دیا جاتا ہے۔ خوارج کی ابتداء اس جنگ سے ہوئی جو حضرت علیؑ اور حضرت معاویہؓ کے درمیان صفین میں ہوئی تھی۔ حضرت معاویہؓ نے جب محسوس کیا کہ ان کو اب شکست ہو جائے گی تو انہوں نے یہ تجویز رکھی کہ یہ معاملہ ثالث کے سامنے رکھ دیا جائے۔ چنانچہ حضرت علیؑ نے باوجودیکہ جنگ میں ان کا پلہ بھاری تھا، یہ تجویز منظور کر لی، اور حضرت معاویہؓ کی طرف سے عمرو بن العاصؓ اور حضرت علیؑ کی طرف سے حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ ثالث مقرر کر دیئے گئے۔

اس تحکیم کے مسئلہ میں حضرت علیؑ کے کچھ موافقین نے جن میں خاص طور پر قبیلہ بنو تمیم کے وہ افراد شامل تھے، جنہوں نے اس جنگ میں بڑی جاں فروشی دکھائی تھی، اس بنا پر اختلاف کیا کہ تحکیم تو اس مسئلہ میں ہونے چاہئے، جس میں فریقین میں سے کسی ایک فریق کے برسر حق ہونے میں شبہ ہو، لیکن یہاں تو حضرت علیؑ کا برسر حق ہونا واضح ہے، اور جب کوئی بات ظاہر ہو تو پھر اس میں خدا کے حکم کے علاوہ کسی دوسرے کو حکم بنانے کی قطعی ضرورت نہیں ہے۔

چنانچہ انہوں نے لا حکم الا للہ کا نعرہ بلند کیا اور اس نے ایک بڑے طبقہ کو متاثر کیا، اور اس کے بعد حضرت علیؑ سے یہ مطالبہ کیا کہ آپ سے حکم بنانے میں غلطی ہو گئی ہے، اس لئے آپ کو اپنی اس غلطی کا بلکہ اپنے کفر کا اقرار کر لینا چاہئے اور اس کے بعد توبہ کر کے تجدید ایمان کرنا چاہئے۔ لیکن حضرت علیؑ نے جس اہم شرعی مصلحت کی بنا پر اپنی فتح کو شکست میں تبدیل کر لیا تھا، وہ اس مطالبہ کو کیسے منظور کر سکتے تھے۔ جب کہ ان سے یہ مطالبہ کرنے والوں کے استدلال کی بنیاد بھی صحیح نہیں تھی۔ حضرت علیؑ نے ان کے سامنے جو خطبہ دیا تھا اس میں ان کے استدلال کی غلطی واضح طور پر بیان کر دی تھی یعنی یہ کہ تحکیم کا حکم بھی خدا نے دیا ہے، اس لئے یہ تحکیم ”ان الحکم الا للہ“ کے خلاف نہیں بلکہ اس کے عین مطابق ہے۔ ان کے اس نعرہ کے بارے میں حضرت علیؑ کا یہ مقولہ زبان زد خاص و عام ہے کہ کلمہ حق اريد بها الباطل، بات صحیح ہے مگر اس سے باطل و غلط کام لیا جا رہا ہے۔

حضرت علیؑ کے بعد یہ لوگ اموی دور میں اموی حکومت سے ہمیشہ برابر برسر پیکار رہے، خاص طور پر ان کے دو جنگی مرکز تھے، ایک مرکز بصرہ کے قریب نطائح تھا، دوسرا جزیرہ و عرب میں خاص طور پر یمامہ۔ حضرموت، یمن اور طائف میں ان کا کافی زور تھا۔

عباسی دور میں گوان کا زور کچھ کم ہو گیا تھا، مگر پھر بھی متعدد بغاوتیں ان کی طرف سے ہوئیں، جیسا کہ اوپر ذکر آیا ہے، ان کی ابتداء ایک دینی مسئلہ کی سیاسی تعبیر کے سلسلہ سے ہوئی، اور ان کی یہی حیثیت برابر باقی رہی، بلکہ بعد میں ان پر دینی رنگ زیادہ غالب ہو گیا، شیعوں کی طرح ان کے بھی

تشیعوں کی طرف سے ان کے ہم عصر سنی اور اثنی عشریوں کے حق میں لگے ہوئے پیدائشی ان پر
پہنچا دین کا ناجائز تھا۔ ان کے ساتھ مداحوں میں بعض نو بیوں تھیں، مثلاً وہ انہی کی عبادت کے
اور زیارت و تبرکات کے وہ موقعہ جس سے ان کے ان میں دینی رعب غالب رہتا تھا، ان کا سب سے
اہم عقیدہ یہ تھا کہ خلافت کی خاص نشاندہائی خاص رسول سے لے کر اس کے خلیفہ عام
سیدنا اہل بیت کے انتقال پر پہنچا، ان کا سب سے اہم عقیدہ یہ تھا کہ ان کا وہ بیوہ کا مرثیہ ہمیشہ
نویزہ نام میں رہے گا۔

[illegible]

حضرت مولانا عبدالحق صاحب دہلی نے فرمایا ہے کہ "معاذ اللہ! میں نے اپنے تمام دوستوں کو یہ نصیحت کی ہے کہ اگر کوئی شخص اپنے آپ کو خدا کا بندہ سمجھتا ہے تو اسے اپنے آپ کو خدا کا بندہ ہی نہیں بلکہ اپنے آپ کو خدا کا بندہ ہی سمجھنا چاہیے۔" (معارف، ص ۱۰۰)

تجربہ و تربیت کے لئے قیدیوں کو مریضوں اور بچوں کے ساتھ ساتھ

مرکز تحقیقات

اس کے علاوہ، کئی نوپیاں ہی اختلافات ہی کے نتیجہ میں ہوا بلکہ دوسرے اقوام کی طرح جدیدی
اس کے لیے اس بات پر اصرار ہے کہ ہر ملک کی تعلیم و تربیت کو اس میں سے استفادہ و بہرہ لینے کا طریقہ ہو۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

اسی وجہ سے جمہور امت نے ان سے بیزاری کا اظہار کیا، اور ان کی اس مبالغہ آمیزی کو گمراہی قرار دیا۔
ورنہ فی نفسہ نہ تو ان کی بات گمراہی تھی، اور نہ ان کا شمار فرقہ ضالہ میں ہے۔

حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد امت میں کچھ لوگ تو حضرت علیؓ کے حامی ہو گئے، اور حضرت عثمانؓ کی تنقیص کرنے لگے، اور کچھ لوگ حضرت عثمانؓ کے حامی ہو گئے، اور حضرت علیؓ کی تنقیص کرنے لگے، لیکن انہی میں کچھ لوگ ایسے بھی تھے، جو کہتے تھے کہ ان میں سے کوئی نہ تو غلطی پر ہے اور نہ ان میں سے کسی کی تنقیص کرنی چاہئے۔ ہم کو ان دونوں کے ساتھ احترام کا شیوہ اختیار کرنا چاہئے اور ان کے آپس کے معاملات کو خدا کے سپرد کرنا چاہئے، وہ خود ہی فیصلہ کرے گا۔

مرجیہ ار جا سے نکلا ہے جس کے معنی موخر کرنے کے ہیں۔ چونکہ وہ ختمین کے معاملہ میں خود کوئی فیصلہ کرنے کے بجائے فیصلہ کو قیامت پر موخر کرتے ہیں۔ اس لئے ان کو مرجیہ کہا جانے لگا، گویا اس اعتبار سے وہ تمام صحابہ مرجیہ تھے، جنہوں نے ان اختلافات سے اپنا دامن بچائے رکھا، لیکن شیعیت اور خارجیت کو جوں جوں فروغ ہوتا گیا اور انہوں نے دینی مسائل میں مبالغہ آمیز رائیں دینی شروع کیں، ان لوگوں کی حیثیت بھی ایک مذہبی فرقہ کی ہو گئی، جس کی بحث کا دائرہ ایمان اور کفر اور مومن و کافر کی تعریف تک محدود ہو گیا۔

اس کی وجہ یہ ہوئی کہ ایک طرف شیعوں نے اپنے علاوہ سب کی تکفیر شروع کر دی اور امام معصوم کے اعتقاد کو ایمان کا ایک جز قرار دے دیا، دوسری طرف خوارج نے گناہ کبیرہ کے مرتکب کو کافر قرار دینا شروع کر دیا، اور اپنے علاوہ سب کی تکفیر شروع کر دی، چنانچہ مرجیہ نے دونوں فرقوں کی مبالغہ آمیزی سے بچنے کے لئے ایمان کی یہ تعریف کی کہ

المعرفة بالله وبرسله

”اللہ اور رسول ﷺ کی معرفت کا نام ایمان ہے۔“

بس اب جس نے بھی کلمہ طیبہ کا اقرار کر لیا اس کو معرفتِ ایمان حاصل ہو گئی۔ اب وہ مومن ہے، معرفتِ ایمان میں عمل کو کوئی دخل نہیں ہے۔ ایمان کی یہ تعریف ان خوارج کی بھی تھی جو کہتے تھے کہ ایمان صرف اللہ اور اس کے رسول کی معرفت کا نام نہیں ہے، بلکہ فرائض کی ادائیگی اور کبار سے اجتناب بھی اس میں شامل ہے (تو جو شخص ایمان کے بعد فرائض ترک کر دے، یا گناہ کبیرہ کا ارتکاب کرے وہ خوارج کے نزدیک کافر ٹھہرے گا اور مرجیہ اس کو کافر نہیں بلکہ مومن ہی کہیں گے) اسی طرح اس میں ان شیعوں کا جواب بھی تھا، جو امام کی اطاعت کو بھی ایمان کا ایک لازمی جز سمجھتے تھے۔

یہاں تک تو مرجیہ کی بات اپنی جگہ پر درست تھی، لیکن بعضوں نے اس میں ذرا زیادہ مبالغہ سے کام لیا اور یہاں تک کہنے لگے کہ اگر کوئی شخص ایمان کے بعد کفر کا اظہار بھی زبان سے کر دے، تو وہ دائرہ اسلام سے خارج نہیں ہوتا۔ ان کی یہ بات اس لئے غلط ہے کہ اگر یہ بات تسلیم کر لی جائے، تو پھر کسی برائی پر نہ تو کسی کو ٹوکا جاسکتا ہے، اور نہ اس کے خلاف کوئی قانونی کارروائی کی جاسکتی ہے۔

معتزلہ عموماً ہر اس شخص کو مرجی کہنے لگے تھے، جس کا اعتقاد یہ نہ ہو کہ گناہ کبیرہ کا مرتکب ابدی جہنمی ہوتا ہے، غالباً انہی کے اثر کی وجہ سے بہت سے ائمہ کو اور خاص طور پر امام ابوحنیفہ اور ان کے تلامذہ کو مرجی کہنا جانے لگا۔ گو اس اعتبار سے تمام جمہور اہل سنت والجماعت کو مرجیہ کہا جاسکتا ہے، کہ وہ گناہ کبیرہ کے مرتکب کو کافر اور ابدی جہنمی قرار نہیں دیتے۔

یہاں یہ بات بھی ذہن نشین کر لینی چاہئے کہ مرجیت اور خارجیت سے عام جمہور ائمہ نے اپنا دامن بچائے رکھا مگر چونکہ یہ مسائل اٹھ چکے تھے اور ان کا چرچا ہر جگہ عام ہو چکا تھا، خاص طور پر عہد تابعین میں ہر مجلس میں ان مسائل کا ذکر تھا۔ اس لئے ان بزرگوں کو بھی زبان کھولنی پڑتی تھی، اس سلسلہ میں امام ابوحنیفہ اور ان کے تلامذہ نے جو رائے دی وہ مرجیت سے زیادہ قریب تھی اور عام محدثین اور ائمہ ثلاثہ نے جو رائے دی، وہ شیعیت اعتزال اور خارجیت سے کسی قدر قریب تھی، یعنی امام صاحب نے تو یہ فرمایا کہ ترک فرائض اور ارتکاب گناہ کی وجہ سے کوئی شخص خارج از اسلام نہیں ہو سکتا، لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ گناہ کی کوئی اہمیت نہیں ہے یا گناہ کا اثر ایمان کی کیفیت پر نہیں پڑتا یا اظہار کفر سے بھی آدمی مومن ہی رہتا ہے۔

اسی بناء پر شہرستانی نے امام ابوحنیفہ کو مرجیہ اہل سنت میں شمار کیا ہے، اس کے برخلاف عام ائمہ و محدثین نے یہ فرمایا کہ عمل بھی ایمان کا جزو ہے اور ترک فرائض اور ارتکاب گناہ سے مومن کا ایمان کم ہو جاتا ہے لیکن خوارج و معتزلہ کی طرح ان کا مطلب یہ نہیں تھا کہ ترک عمل سے آدمی کافر ہو جاتا ہے۔ غرض یہ کہ ائمہ اہل حق کے درمیان اس مسئلہ میں تھوڑا سا اختلاف ہے، لیکن منشا اور نتیجہ کے اعتبار سے دونوں کی راہوں میں کوئی فرق نہیں ہے۔

مسائل جبر و اختیار :

دوسری صدی کے آخر میں جو نئے کلامی مسائل مسلمانوں میں رواج پذیر ہوئے ان میں مسائل جبر و اختیار اور قضا و قدر بھی ہیں۔ قرآن کی بعض آیات اور بعض احادیث نبوی سے یہ پتہ چلتا ہے کہ انسان اپنی ہدایت و ضلالت (گمراہی) اور اپنے ارادہ و افعال میں مجبور محض ہے۔ اسی طرح بعض

آیات اور روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان اپنے ارادہ و اختیار میں مختار ہے اور اسی اختیار کی وجہ سے اس سے باز پرس ہوگی۔ ان مسائل پر جن لوگوں نے کسی ایک ہی پہلو اور ایک ہی قسم کی آیات و احادیث کی روشنی میں غور کیا۔ انہوں نے ٹھوکر کھائی اور اسلام کی راہ اعتدال سے ان کا قدم ہٹ گیا۔ چنانچہ ان مسائل میں جن فرقوں نے ایک پہلو پر زور دیا اور اس کے ذریعہ دین میں نئے نئے مسائل پیدا ہوئے، ان میں جبریہ و قدریہ بہت زیادہ مشہور ہوئے۔

گو بعد میں ان فرقوں کا دائرہ بحث ان مسائل سے آگے بڑھ کر خدا کی ذات و صفات تک پہنچ گیا، لیکن ان کی ابتدا قضاء و قدر کے مسائل سے ہوئی، قدریت کی مذمت کا ذکر بعض احادیث نبوی ﷺ اور آثارِ صحابہ میں بھی ملے گا، مگر اس زمانہ کی قدریت ریب و شک تک محدود تھی اور تبع تابعین کے عہد میں یہ انکار کی سرحد میں داخل ہو گئی تھی۔ تبع تابعین کے عہد میں جبریہ عموماً جہمیہ اور قدریہ عموماً معتزلہ کے نام سے موسوم تھے، ان دونوں فرقوں میں شدید اختلاف کے باوجود بعض مسائل میں دونوں کی دانستہ یا نادانستہ رائے ایک ہو گئی تھی۔ خاص طور پر صفات باری کی نفی میں دونوں بالکل متحد نظر آتے ہیں۔ ان دونوں فرقوں کے خیالات کی مزید تفصیل یہ ہے۔

جبریہ یا جہمیہ :

اس فرقہ کا عقیدہ تھا کہ انسان جو کچھ کرتا ہے اس میں اس کے ارادہ کو کوئی دخل نہیں ہوتا، جو کچھ کرتا ہے، اسے وہی کرنا ہی چاہئے تھا، خدا نے اسی کام پر اس کو مجبور کر دیا ہے۔ افعال کی صدور میں انسان اور جمادات و نباتات میں کوئی فرق نہیں ہے، محض مجازاً افعال کی نسبت انسان کی طرف کر دی جاتی ہے، جیسے مجازاً یہ کہا جاتا ہے، کہ آسمان سے پانی برسا، درخت سے پھل نکلا، اسی طرح انسان کے بارے میں مجازاً کہا جاتا ہے کہ انسان نے لکھا، یا انسان نے پڑھا، انسان نے نافرمانی کی، یا اطاعت کی، ورنہ حقیقت وہ یہ سب کرنے پر مجبور تھا۔

اس عقیدہ کو سب سے زیادہ فروغ جہم بن صفوان نے دیا، اس لئے اس فرقہ کا دوسرا نام جہمیہ پڑ گیا، ائمہ تبع تابعین زیادہ تر اسی نام سے اس فرقہ کو یاد کرتے ہیں۔

جہم بن صفوان خراسان کا رہنے والا تھا، بڑا زبردست خطیب تھا، لوگوں کو اپنی تقریر سے فوراً متاثر کر لیتا تھا۔ ابتدا میں اس کے مسلک کو خراسان کے علاقہ میں بڑا فروغ ہوا۔ ۱۲۸ھ میں بنو امیہ کے خلاف کے بغاوت میں قتل کیا گیا۔

اس فرقہ نے مذکورہ بالا خیالات ہی کے اظہار پر اکتفا نہیں کیا، بلکہ اس نے آگے چل کر خدا کو ایک مجرد ذات مان کر اس کی تمام صفات کا انکار کر دیا۔ ان کا خیال تھا کہ خدا کی صفات اور اعضاء کا ذکر قرآن میں آیا ہے، ان سے مخلوق کے ساتھ تشبہ لازم آتا ہے۔ اس لئے ان تمام آیات و احادیث کی تاویل کرنی چاہئے۔ اسی کے نتیجہ میں انہوں نے کہا کہ قرآن یعنی کلام الہی مخلوق ہے۔ اسی نفی صفات کے نتیجہ میں قیامت میں خدا کے دیدار کا انکار کیا۔ یہ بھی کہا کہ دوزخ و جنت اہل دوزخ اور اہل جنت کے دخول کے بعد فنا ہو جائے گی۔ اس لئے کہ ہر حرکت کی ایک ابتدا اور انتہا ہے، اس لئے ان کی بھی انتہا لازمی ہے۔ تبع تابعین اور ان کے تلامذہ اور بعد کے علما نے اپنی کتابوں میں ان عقائد و خیالات کی سخت الفاظ میں تردید کی ہے۔

قدریہ :

فرقہ جبریہ یا جہمیہ کے بالکل مقابل قدریہ تھے، ان کا خیال تھا کہ انسان اپنے ارادہ و عمل میں بالکل آزاد اور مختار ہے۔ خدا انسان کا خالق ہے، مگر اس کے ارادہ و افعال کے پیدا کرنے میں اس کے ارادہ و مشیت کو کوئی دخل نہیں ہے، وہ بھلی بری جو راہ چاہے اختیار کرے۔ اسی فرقہ نے بعد میں اعتزال کی صورت اختیار کر لی اور قدریت کے بجائے دنیا سے اسلام، اعتزال کے فتنہ سے دوچار ہوئی، معتزلہ اور قدریہ کو جبریہ سے ارادہ و مشیت الہی کے سلسلہ میں شدید اختلاف تھا، لیکن نفی صفات میں وہ جبریت کے ہم نوا بن گئے تھے۔ غرض یہ کہ دوسری صدی میں قدریت کی مکمل اور نفی صفات کے سلسلہ میں جبریت کی جزئی نمائندگی یہی معتزلہ کر رہے تھے۔

قضاء قدر پر بحث و مباحثہ کی ابتدا تو عہد نبوی ہی میں ہو گئی تھی، جس سے آپ نے روک دیا تھا۔ ابتدا میں جو لوگ قضاء و قدر میں قیل و قال کرتے تھے، ان کو قدری کہا جاتا تھا۔ انہی کے بارے میں نبی ﷺ نے فرمایا تھا کہ ”القدر یہ معجوس هذه الامة“۔ لیکن دوسری صدی میں عیسائیوں اور زردشتیوں کے اثر سے قدریت ایک مستقل فلسفہ بن گئی۔ جس پر صدیوں تک متکلمین اسلام اور دوسرے فرقوں میں معرکہ آرائی رہی اور جس کا مقصد اسلام کے بنیادی عقائد میں رخنہ اندازی تھی۔ اس فرقہ کے مسلمان بانی معبد اور غیلان ہیں۔ مگر ان کے ذہن میں فلسفیانہ قدریت کا وجود کیسے ہوا، اس کے لئے ابن نباتہ کا بیان ملاحظہ ہو۔

۱۔ اگر اس کو عیون کوئی سمجھا جائے تو اس کی زد میں تمام فرقے آتے ہیں، جو قضاء و قدر میں اعتدال کی راہ سے ہٹ گئے تھے۔

قيل ان اول من تكلم في القدر رجل " من اهل العراق كان نصرانيا فاسلم ثم تنصرو اخذ عنه معبد الجهنى وغيلان اللمشقى (شرح العيون)
 ”کہا جاتا ہے کہ پہلا شخص جس نے قدر کے بارے میں کلام کیا وہ ایک عیسائی تھا جس نے اسلام قبول کیا اور پھر عیسائی ہو گیا، اسی سے معبد جہنی اور غیلان دمشقی نے قدریت کا سبق لیا۔“

مؤرخین نے اس پر بحث کی ہے کہ اس قدریت کا منبع عراق ہے یا شام، مگر اس پر سب کا اتفاق ہے کہ یہ بدعت سیہ نصرانیت ہی کی دین ہے۔

قدریت کے داعی اول معبد اور غیلان دونوں عہد تابعین میں پیدا ہوئے اور ان کے خیالات اسی عہد میں پھیلنے شروع ہو گئے تھے اور علماء نے ان سے مباحثہ و مناظرہ بھی شروع کر دیا تھا، چنانچہ خود حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے غیلان سے گفتگو کے بعد تمام ممالک اسلامیہ میں ان خیالات سے بچنے کی ہدایت کی تھی، مگر اس کا زیادہ زور تبع تابعین کے عہد میں اس وقت ہوا جب اس نے اعتزال کی صورت اختیار کر لی۔

معتزلہ :

اوپر ذکر آچکا ہے کہ قدریت کی دوسری شکل اعتزال تھی اور نفی صفات کے سلسلہ میں وہ جبریوں کے ہم عقیدہ ہو گئے تھے۔ معتزلہ اپنے کو معتزلہ یا قدریہ کہلانا پسند نہیں کرتے تھے کیونکہ قدریت پر حدیث میں تنقید اور وعید آئی ہے اور اعتزال کے لفظ سے علیحدگی پسندی معلوم ہوتی ہے۔

وجہ تسمیہ :

عام طور پر علم کلام کی کتابوں میں معتزلہ کی وجہ تسمیہ یہ بیان کی گئی ہے کہ اعتزال کے داعی اول واصل بن عطا حسن بصریؒ کی مجلس میں شریک ہوتا تھا۔ گناہ کبیرہ کے مسئلہ میں اس نے خوارج اور جمہور امت کی رائے سے اختلاف کر کے ایک نئی رائے یہ دی کہ کبیرہ کا مرتکب نہ تو کافر ہے، جیسا کہ خوارج کہتے ہیں اور نہ مومن فاسق ہے، جیسا کہ جمہور امت کا خیال ہے، بلکہ ان کے لئے کافر و مومن کے درمیان ایک دوسری منزل ہے۔

چونکہ یہ بالکل نئی بات تھی، اس لئے امام حسن بصریؒ نے اس کو اپنی مجلس سے نکال دیا اور وہ ان سے کنارہ کش ہو گیا۔ چونکہ کسی سے کنارہ کش ہو جانے کو عربی میں اعتزال کہتے ہیں، اس لئے ان کا نام معتزلہ پڑ گیا۔

الفرق بین الفرق کے مصنف نے لکھا ہے کہ ان کو حسن بصری کی مجلس سے علیحدہ ہونے کی وجہ سے نہیں بلکہ امت کی عام رائے سے علیحدہ ہو جانے کی وجہ سے کہا گیا ہے۔ مسعودی نے لکھا ہے کہ ان کو معتزلہ اس لئے کہا جاتا ہے کہ وہ گناہ کبیرہ کے مرتکب کو کافر اور مومن دونوں سے علیحدہ ایک مقام تجویز کرتے تھے۔ مقریزی کے بیان سے پتہ چلتا ہے، اس نام سے وہ لوگ یاد کئے گئے جو نو مسلم اہل کتاب تھے۔ ان میں سے جس پہلو سے بھی دیکھا جائے ان کو معتزلہ کہنا صحیح تھا، لیکن ان کی وجہ تسمیہ کی سب سے زیادہ صحیح تعبیر صاحب الفرق بین الفرق نے کی ہے، بہر حال وجہ تسمیہ جو بھی ہو مگر دوسری صدی ہجری کا سب سے بڑا فتنہ یہی اعتزال تھا۔

اعتزال و شیعیت :

اعتزال کی طرف جو لوگ سب سے زیادہ بڑھے وہ یہاں تو تو مسلم تھے جن میں اکثریت اہل کتاب نو مسلموں کی تھی یا وہ لوگ تھے جو اپنی آزاد روی میں کوئی پابندی لگانا پسند نہیں کرتے تھے یا فلاسفہ اور شیعوں نے اس کو لبیک کہا بلکہ واقعہ یہ ہے کہ اس فتنہ کو پیدا فلسفہ نے کیا اور اس کو سب سے زیادہ فروغ شیعوں کی وجہ سے ہوا۔ صاحب السلسلہ و نحل کا بیان ملاحظہ ہو۔

وہ لکھتے ہیں کہ واصل بن عطاء نے حضرت زید بن علی سے استفادہ کیا تھا، جس کی وجہ سے صارت الزید یہ کلام معتزلہ (ص ۳۲) سارے زیدی معتزلہ کے ہم خیال بن گئے۔

اہل اعتزال اور شیعوں میں اصولی و بنیادی فرق ہے۔ لیکن تنقید صحابہ میں دونوں چونکا ہم رائے ہیں، اس لئے شیعوں نے اعتزال کے قبول کرنے میں سبقت کی۔ شیعوں کے دخول سے پہلے معتزلہ صحابہ کے بارے میں اتنی سخت رائے نہیں رکھتے تھے، جتنی کہ اس کے بعد رکھنے لگے۔

چنانچہ اس کی تائید کے لئے ابن ابی الحدید کی شرح نہج البلاغہ کی جلد ۴، ص ۴۵۴ کا مطالعہ کرنا چاہئے۔

خلفائے عباسیہ اور اہل بیت کے تعلقات ہمیشہ خراب رہے، مامون پہلا خلیفہ گزرا ہے جس نے اہل بیت کو اہمیت دی۔ حتیٰ کہ ان کے حق میں وہ خلافت چھوڑنے کے لئے بھی راضی ہو گیا تھا اور اتفاق سے اعتزال کو بھی سب سے زیادہ اہمیت دی، جبکہ یوں کہنا چاہئے کہ حکومت کی پالیسی میں اس کا داخلہ اسی کی وجہ سے ہوا۔ گویا ان دونوں متضاد عناصر کا اتحاد تنقید صحابہ کے سلسلہ میں بھی ہوا اور مامون بھی اس کا واسطہ بنا۔

معتزلہ کے عقائد :

جن عقائد پر معتزلہ سب سے زیادہ زور دیا کرتے تھے، ان میں چند یہ ہیں :

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

یہ تو ان کے اصولی مباحث ہیں، جن میں تمام معتزلہ کا اتفاق ہے، لیکن ان کے علاوہ بعض اور مباحث ہیں جن میں معتزلہ مختلف گروہوں میں بٹ گئے تھے، شہرستانی نے ان کے دس گیارہ فرقوں کا ذکر کیا ہے، مثال کے لئے حضرات شیخین کی افضلیت کے بارے میں بصرہ کے معتزلہ شیخین کو حضرت علیؑ سے افضل مانتے تھے، مگر بغداد کے معتزلہ حضرت علیؑ کو افضل سمجھتے تھے، اسی طرح حسن و قبح کے بارے میں بعض معتزلہ اشاعرہ کے ہم نوا ہو گئے۔

عہد تبع تابعین کے مشہور معتزلی علماء :

اس عہد کے مشہور معتزلی علماء واصل بن عطاء، عمرو بن عبید، نظام، جاحظ، ابوالہذیل، ہشام، الفوطی، بشر بن معمر، ابوالحسن النخاط، قاضی ابوداؤد وغیرہ۔

معتزلہ کے کارنامے :

یہاں پر اس حقیقت کا اعتراف بھی ضروری ہے، معتزلہ کے چند فلسفیانہ خیالات اور عقائد میں ان کی موثر گائی کو نظر انداز کر کے اگر دیکھا جائے، تو اس فرقہ کے لوگوں نے علم دین کی جو بے بہا خدمات انجام دی ہیں وہ کسی دوسرے گمراہ فرقہ نے نہیں دیں، خاص طور پر تفسیر، علوم القرآن اور ادب میں انہوں نے جو نقوش چھوڑے ہیں، ان کو امت نے ہمیشہ اپنے سینوں سے لگائے رکھا۔ انہوں نے شیعوں کی طرح نہ تو الگ امت بنائی، نہ نئی تفسیر، نہ نئی حدیث، نہ نئی فقہ ایجاد کی، بلکہ انہوں نے اسلامی علوم کی خدمت میں ہمیشہ امت کا ساتھ دیا۔ یہ اور بات ہے کہ قرآن کی تعبیر میں بعض جگہ ان سے غلطی ہوئی ہے، لیکن ان کی غلطی ایسی ہی تھی، جیسی کہ خود اشاعرہ اور ماتریدیہ سے بعض مسائل میں غلطی ہوئی ہے۔ اس کی تفصیل کے لئے ایک مستقل مضمون درکار ہے، اس لئے صرف اشارات پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

علمی فتنے :

ان مذکورہ بالا فتنوں کے علاوہ اس عہد میں بعض علمی فتنے بھی پیدا ہوئے۔ یہ فتنے دو طرح کے تھے، ایک تو فلسفیانہ اور مشرکانہ علوم و فنون کی کتابوں کے ترجمہ کا فتنہ، دوسرے ان علوم کی مدد سے مختلف فرقوں کا اپنے خیالات کا اسلامی علوم میں داخل کرنے کی کوشش اور اپنے مزعومات کے مطابق قرآن و سنت کی سادہ تعلیم کی توجیہ و تاویل۔

غیر اسلامی کتابوں کے ترجمہ کا فتنہ :

گو اسلام دوسری قوموں کے علوم و فنون سے فائدہ اٹھانے کی ترغیب دیتا ہے۔ اس کا عام حکم ہے کہ حکمت و دانائی مومن کی کھوئی ہوئی چیز ہے وہ جہاں پائے اس کو اپنے دامن میں سمیٹ لے،

لیکن اسلامی مملکت میں یونانی فلسفہ و نجوم نجوم کی فقہ گوئی اور موسیقی، ہندوستانی دیدانت کی کتابوں کا ترجمہ ایسے وقت میں شروع ہوا، جب شخصی حکومت کی بے راہ روی اور عجمیت نوازی کی وجہ سے پورا معاشرہ سیاسی اور مذہبی انتشار سے دوچار تھا۔

چنانچہ ان علوم و فنون کے ترجمہ سے عربی زبان ضرور مالا مال ہوئی، لیکن ان کی وجہ سے سادہ اور ٹھیک اسلامی ذہنیت اور دینی علوم کو بڑا نقصان پہنچا۔ انہی علوم کے نتیجہ میں نئے نئے خیالات اور مسائل پیدا ہوئے اور پھر انہی کی وجہ سے امت میں نہ جانے کتنے نئے نئے فرقے اور گروہ بن گئے۔

آپ اگر اسلامی فرقوں کی تاریخ پر ایک سرسری نظر بھی ڈالیں گے تو آپ کو نظر آئے گا کہ ان سب کو غذا انہی غیر اسلامی علوم اور مشرکانہ فلسفہ سے ملتی تھی۔ اوپر جمہیت اور اعتزال وغیرہ کے ذکر میں اس کی طرف اشارہ کیا جا چکا ہے، خاص طور پر شیعوں اور باطنیوں کے مذہب کی بنیاد تو حکمت شریعت کے بجائے سراسر حکمت یونان پر ہے۔ حکمت شریعت کا پردہ اس پر اس لئے ڈالا گیا تھا کہ اس عہد میں کوئی تحریک یہ نقاب ڈالے بغیر کامیاب نہیں ہو سکتی تھی، اس عہد میں نقل و ترجمہ کا جو کام ہوا اس کی تفصیل تو بڑی لمبی ہے، مختصر طور پر اس کا تذکرہ سن لیجئے۔

یوں تو اموی دور میں بھی نقل و ترجمہ کا کام ہوا، خاص طور پر ہشام بن عبد الملک اور خالد اموی نے اس میں بڑا حصہ لیا، لیکن اس سلسلہ میں اصل کام عباسی دور میں ہوا۔ سب سے پہلے منصور نے اس کی طرف توجہ کی۔ پھر ہارون نے بیت الحکمت کے نام سے اس کے لئے ایک ادارہ قائم کیا، اسی کے عہد میں برا مکہ پیدا ہوئے جنہوں نے غیر اسلامی خیالات اور علوم کی ترویج میں سب سے بڑھ کر حصہ لیا۔ پھر مامون نے بیت الحکمت کو ترقی دی اور اس کام کو نقطہ سورج تک پہنچایا۔ ال برمک کی علم دوستی قابل قدر چیز ہے، لیکن ان کا نقطہ نظر کیا تھا، اس کو مشہور لغوی ادیب اصمعی کی زبان سے سنئے :

اذا ذکر الشرک فی مجلس اضاء وجوہ بنی برمک واذ تلیت

عندہم آیات اتوا بالا حادیث عن مزدک .

”یعنی جب کسی مجلس میں شرک کی باتیں ہوتی ہیں آل برمک کے چہرے کھل جاتے ہیں اور جب قرآن کی آیات تلاوت کی جاتی ہے تو یہ مزدک کی باتیں شروع کر دیتے ہیں۔“

اسلامی عقائد میں بحث و مباحثہ بھی انہی برا مکہ کا فیض ہے، مسعودی نے لکھا ہے :

وکان یحییٰ بن خالد ذا بحث نظر وله مجلس یجتمع فیہ من اهل الکلام

من اهل الاسلام وغیرہم .

”یہی بن خالد صاحب بحث و نظر تھا، اس کی مجلس میں مسلمان متکلمین (یعنی معتزلہ) اور غیر مسلموں کا مجمع رہا کرتا تھا۔“

مامون کے عہد میں اس فرقہ نے سیلاب کی صورت اختیار کر لی، ہزاروں لاکھوں روپے خرچ کر کے اس نے آریہ، شام، مصر اور ساہیو سے فلسفہ، ہیئت اور نجوم کی کتابیں جمع کرائیں۔ اس کے عہد میں جو لوگ اس کام پر مامور تھے، ان کی تعداد ایک درجن سے زیادہ تھی اور جن کو ہزار دو ہزار تک ماہوار تنخواہیں ملتی تھیں۔ مثلاً حجاج بن یوسف کو فی، قسطنطین، جین، بن اسحق، ہبل بن ہارون، یعقوب کندی، یوحنا، ماسویہ وغیرہ۔ مامون کی اس فلسفہ نوازی کے نتیجے میں اہل اعتزال کو اس کے دربار میں اتنا درخود حاصل ہوا کہ یہی مسلک اسلامی حکومت کا مذہب قرار پا گیا، جس کے خلاف علماء اور خاص طور پر امام احمد بن حنبلؒ نے اپنی جان کی بازی لگا کر جدوجہد کی اور خدا نے ان کو کامیاب بنایا۔

اسلامی علوم میں فلسفیانہ خیالات کی آمیزش اور ان کے مطابق اسلامی مسائل کی توجیہ و تاویل :

تبع تابعین رحمہم اللہ کو اس فتنہ کے ساتھ ایک دوسرے علمی فتنہ سے بھی سابقہ پڑا۔ اس فتنہ کو ”وضع و تلبیس“ کہہ سکتے ہیں۔ اس وقت تک اسلامی ملکوں میں جتنے فرقے پیدا ہو چکے تھے، گو وہ اصول و فروع میں ایک دوسرے سے شدید اختلاف رکھتے تھے، لیکن اس ”فتنہ وضع و تلبیس“ میں سب متفق تھے۔ اگر ایک طرف انہوں نے وضع روایات کی تحریک شروع کی تو دوسری طرف اسلامی عقائد اور اصول میں فلسفیانہ مویشگافی کر کے ریب و شک پیدا کرنے کی سعی کی۔ پھر تیسری طرف انہوں نے قرآن کی بے شمار آیات اور احادیث نبویؐ کی من مانی توجیہ و تاویل کر کے وہ مفہوم متعین کرنے کی کوشش کی، جو نہ تو صحابہ و تابعین نے سمجھا تھا اور نہ روح شریعت سے میل کھاتا تھا۔ ان تمام گوشوں کی تفصیل کا موقع نہیں ہے، اس لئے چند اشارات پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

وضع روایات :

احادیث نبویؐ کی تحدیث اور قدیم اسرائیلی قصص کی روایت بڑی ذمہ داری کا کام ہے۔ عہد صحابہ تک اس پر قانونی اور اخلاقی دونوں طرح پابندی عائد تھی، اس لئے ہر شخص اس کی جرات نہیں کرتا تھا حضرت عمرؓ کے سامنے جب کوئی روایت بیان کی جاتی تھی، تو وہ اس پر اکابر صحابہ تک بے شہادت طلب کرتے تھے۔ اس قانونی پابندی کے ساتھ عہد صحابہ تک روایت حدیث کی اہمیت اور اس کی

ذمہ داری کا احساس بھی عام تھا۔ چنانچہ بعض جلیل القدر صحابہ اسی ذمہ داری کے شدت احساس کی بناء پر روایت حدیث سے گریز کرتے تھے۔

مگر بعد میں نہ اس پر سخت قانونی گرفت باقی رہی اور نہ وہ پہلا سا اخلاقی اثر رہا۔ پھر رواۃ حدیث کو معاشرہ میں عزت و شرف کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ اس لئے اہل و صاحب کمال لوگوں کے ساتھ بعض نااہل بھی اس مجد و شرف میں شریک و سہیم بننے کے لئے اس منصب پر متمسک ہو گئے اور انہوں نے نہایت غیر ذمہ دارانہ طور پر احادیث نبوی ﷺ اور اسرائیلی قصوں کی روایتیں شروع کر دیں، خاص طور پر پیشہ ور واعظوں اور قصہ گو یاں نے گرمی مجلس کی خاطر نہ جانے کتنی بے سرو پاروایتیں عوام میں پھیلا دیں، پھر اسی کے ساتھ اموی اور عباسی کشمکش، عصبیت اور مختلف فرقوں نے اپنی اپنی تائید کے لئے نہ جانے کتنی روایتیں گھڑ ڈالیں اور وہ روایتیں زبان زد خاص و عام ہو گئیں۔ اس فتنہ کی پوری تفصیل کا یہ موقع نہیں ہے، چند واقعات سے اس کی وسعت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ اس عہد کے معروف محدث حماد بن زید فرماتے تھے:

وصنف الزنادقة على رسول الله صلى الله عليه وسلم اثني عشر
الف حديث^۱

”زنادقہ نے تقریباً بارہ ہزار جعلی حدیثیں رسول اللہ ﷺ کی طرف منسوب کیں۔“

ہارون کے سامنے ایک گمراہ و بے دین شخص کو لایا گیا، اس نے اس کے قتل کا حکم دے دیا۔ قتل کا حکم سن کر اس نے کہا کہ آپ مجھے تو قتل کر دیں گے، لیکن ان چار ہزار روایتوں کا کیا کریں گے جو میں نے لوگوں میں پھیلا دی ہیں، جن کا ایک حرف بھی صحیح نہیں ہے۔

عبدالرحمن واسطی بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے موت کے وقت کہا کہ میں نے ستر حدیثیں صرف حضرت علیؑ کی فضیلت میں وضع کی ہیں۔ (ص ۳۷) ابن جوزیؒ کہتے ہیں:

معظم البلاء في وضع الحديث من القصاص لانهم يريدون احاديث
تروق وتنفع^۲

وضع حدیث کا سب سے بڑا فتنہ واعظوں اور قصہ گو یوں کی وجہ سے پیدا ہوا، اس لئے کہ یہ ایسی حدیثیں گھڑتے تھے جو دلوں میں رقت پیدا کرتی تھیں، اور آسانی سے روان پذیر ہو جاتی تھیں۔

ایک شخص محمد بن شجاع شلمجی تھا، جو تشیع سے متعلق بہت سی احادیث وضع کر کے محدثین کی طرف منسوب کر دیتا تھا۔

آیات قرآنی اور احادیث نبوی کی غلط توجیہ و تاویل :

شیعہ، باطنیہ، خوارج، مرجیہ، قدریہ اور جہمیہ وغیرہ جتنے اسلامی فرقے پیدا ہوئے ان سب نے اپنے اصل کی بنیاد آیات قرآنی اور احادیث نبوی کو بنایا، مگر ان کی رت مانی اور تاویل اپنی خواہش اور فرضی کے مطابق کی۔ کسی کچھ تفصیل اوپر گزر چکی ہے، اور کچھ یہ ہے، متکلمین جن میں احادیث اہل اعتزال کی تھی، ان کے بارے میں ابن قتیبہ نے لکھا ہے۔

فسروا القرآن باعجب تفسیر یريدون ان يردوه الى مذاهبهم
ويحملوا التاويل على محلهم۔^۱

”یہ قرآن کی عجیب عجیب تفسیریں کرتے تھے، اس سے ان کا مقصد یہ تھا کہ اس سے ان کے مذہب کی تائید ہو اور اس کی موقع محل کے خلاف اس کی تاویل کر سکیں۔“

اس کے بعد انہوں نے متعدد آیات کی تفسیر پیش کر کے اس کی تفصیل کی ہے۔ اسی طرح ابن فورک متوفی ۴۰۶ھ اپنی کتاب مشکل الحدیث میں لکھتے ہیں کہ خدا کی ذات و صفات اور مشیت و قدرت سلسلہ میں متشابہ آیات و حدیث کی تفسیر میں جمہور امت نے صحابہ و تابعین کی جو سادہ روش اختیار کی تھی، اس پر یہ تمام فرقے سخت اعتراض کرتے تھے، اس لئے کہ یہ چیز ان کی خواہش کے خلاف تھی۔^۲

غرض یہ کہ انہوں نے یہی نہیں کہ متشابہ آیات و احادیث سے غلط استدلال کیا، بلکہ جمہور امت نے اس کا جو مفہوم متعین کیا ہے، اس پر بھی وہ اعتراض کرتے تھے۔

تبع تابعین نے ان تمام فتنوں کا مقابلہ کیا :

حضرات تبع تابعین نے ان تمام فتنوں کا منفی و مثبت دونوں طریقہ پر مقابلہ کیا۔ ان میں سے کتنے فتنوں کا تو زور انہوں نے توڑ دیا اور کچھ خاص اسباب کی بناء پر جن کا زور ختم نہ ہو۔ کالم از کم ان کے اثرات سے جمہور امت کو انہوں نے محفوظ کر لیا۔ اس کام کے سلسلہ میں حضرات تبع تابعین بھی دو گروہوں میں بٹ گئے تھے۔ گوان دونوں گروہوں نے اس میں حصہ لیا، مگر بعض اسباب کی بناء پر ان کے درمیان ایک خلیج سی حائل ہو گئی تھی، جو بعض بزرگوں کی کوشش سے جلد ہی پٹ بھی گئی، وہ دو گروہ

محدثین اور فقہاء کے تھے، یہ دونوں بعض مسائل کی تعبیر میں اختلاف کے باوجود ان فتنوں کے مقابلہ میں متحد تھے، البتہ دونوں کے کام کی نوعیت جدا تھی، ابن فورک نے لکھا ہے۔

فرقة منها هي اهل النقل والبر وراية الذين تشتد عنا تهم بنقل السنن وتو فردوا عليهم على تحصيل طرقها و حفظ اسانيدھا والتميز بين صحيحا و سقيمھا فغلب عليهم ذاك ويعرفون به وينسبون اليه۔
فرقة منها يغلب عليهم تحقيق طرق النظر والمقائيس والابانة تبر تيب الفروع على الاصول ونفى شبه المبلسين عنها ايضا ح وجوه الحج والبر اھين على حقا نقھا۔

”ان میں سے ایک گروہ اہل نقل و روایت کا تھا، جن کی ساری توجہ احادیث نبوی ﷺ کی روایت و نقل پر مرکوز تھی، انہوں نے اپنی ساری کوشش اس کے طرق اور اسانید جمع کر کے اور صحیح و سقیم کے چھانٹنے میں لگا دی، چنانچہ ان پر یہی کام غالب آ گیا اور اسی نام سے وہ مشہور ہوئے اور اسی کی طرف ان کی نسبت کی جاتی تھی۔“ (یعنی اہل نقل و روایت)

”اور ایک گروہ پر فکر و نظر کی راہوں کی تحقیق و جستجو کا شوق اور قیاس و اجتہاد اور فروغ کو اصول کے مطابق مرتب کرنے اور ان پر شبہ و اعتراض کرنے والوں کے شبہ و اعتراض کو دور کرنے اور ان کے دلائل و شواہد کی پردہ کشائی کرنے کا غلبہ ہوا۔“

ان دونوں گروہوں کے کام کی نوعیت ابن فورک کے نزدیک یہ تھی۔

فالفرقة الاولى للدين كالخزنة للملك والفرقة الاخرى كالبطارقة التي تذب عن خزائن الملك اعترض عليها او لمعترض لها۔

”تو دین کے لئے پہلے گروہ کی حیثیت بادشاہ کے خزانے کے خزانچہ، دوسری گروہوں کی ہے، اور دوسرے گروہ کی حیثیت پاسبانوں اور نگہبانوں کی ہے جو بادشاہ کے خزانے کو دست درازی اور نظر بد ڈالنے والوں سے محفوظ رکھتا ہے۔“

کتاب کے مطالعہ سے پتا چلے گا کہ عہد تبع تابعین کے تمام ہی محتاط اور قابل اعتماد محدثین اور فقہانے کم و بیش ان فتنوں سے دین و راہل دین کو محفوظ کرنے کی کوشش کی۔ اگر آپ ایک طرف فقہائے تبع تابعین، مثلاً امام مالک، امام ابو یوسف اور امام محمد کے حالات میں یہ پڑھیں گے کہ وہ لوگوں کو عقائد اور صفات باری کے سلسلہ میں کیف و کم اور تعین و تقید سے روکتے تھے، تو دوسری طرف

ممتاز اہل نقل اور روایت تبع تابعین جیسے سفیان بن عیینہ، یحییٰ بن معین، اسحاق بن راہویہ اور سفیان ثوری وغیرہ کو ان مسائل میں ان کا ہم نوا پائیں گے، ان دونوں گروہوں کے دو دو ایک ایک حضرات کے اقوال ہم یہاں نقل کرتے ہیں، امام ابو یوسفؒ نے اپنے تلامذہ کو جو جامع نصیحت کی تھی، اس کا کچھ حصہ یہ ہے :

اصول دین کے معاملہ میں شک، لڑائی اور کج بختی کو چھوڑ دو اس لئے کہ دین بالکل واضح اور روشن ہے، خدا نے اس کے فرائض و واجبات متعین کر دیئے ہیں، اور اس کے حدود و قیود بھی مقرر کر دیئے ہیں، حلال کو حلال اور حرام کو حرام کر دیا ہے جیسا کہ اس نے خود فرمایا ہے کہ میں نے دین کو مکمل کر دیا اور اپنی نعمت کو تمہارے اوپر تمام کر دیا، اور تمہارے لئے دین اسلام کو پسند کر لیا تو اس کے حلال کو حلال سمجھو اور حرام کو حرام سمجھو، قرآن کی محکم آیات پر عمل کرو اور آیات پر ایمان و یقین رکھو اور اس کے اندر جو مثال ہیں ان سے عبرت حاصل کرو، اگر دین (عقائد) میں کج بخشی کوئی تقویٰ کی بات ہوتی تو اس کی طرف سب سے پہلے رسول اللہ اور آپ کے بعد آپ کے اصحاب..... سبقت کرتے تو کیا انہوں نے کبھی عقائد اور اصول دین میں بحث و مباحثہ کیا؟ اگر انہوں نے اختلاف اور بحث و مباحثہ کیا تو ان فقہی مسائل میں جن کا تعلق عملی زندگی سے ہے، مثلاً نماز، حج، طلاق، حلال و حرام وغیرہ، انہوں نے عقائد، صفات باری اور اصول دین میں کبھی اختلاف اور منازعہ (جھگڑا) نہیں کیا۔ (دیکھئے اصل کتاب میں ص ۸۵)

امام محمد کے الفاظ ملاحظہ ہوں، مشرق سے مغرب تک تمام فقہا اس بات پر متفق ہیں کہ قرآن اروان احادیث پر جن کو ثقات نے روایت کیا ہے اور اللہ تعالیٰ کی صفات پر بغیر کسی تفسیر، تشبیہ اور توصیف کے ایمان رکھنا چاہئے، جو شخص ان چیزوں کی تفسیر و توضیح کرتا ہے، وہ رسول اللہ ﷺ اور سلف کے طریقہ سے علیحدہ روش اختیار کرتا ہے، جس شخص نے جیم بن صفوان کی طرح بات کی وہ سلف کی جماعت سے خارج ہو گیا اس لئے کہ وہ خدا کو ایسی صفات سے متصف کرتا تھا جس کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔

ان مسائل میں اسی طرح کا جواب آپ امام مالک، اوزاعی، ابن مہدی، سفیان ثوری اور امام مالک احمد بن حنبل رحمہما اللہ سے بھی سنیں گے، کتاب میں تفصیل موجود ہے، عام طور پر ان مسائل میں قیل و قال سے گریز کرنے کی وجہ یہ نہیں تھی کہ محدثین اور فقہا اس سے در ماندہ تھے، بلکہ اس میں کئی دینی مصلحتیں تھیں۔

ایک یہ کہ اسلام زندگی کے لئے ایک اخلاقی پروگرام اور عمل و تحریک پیدا کرنے کا ذریعہ ہے، اگر اس کا دامن فلسفیانہ موشگافیوں اور بے نتیجہ دقیقہ سنجیوں میں الجھا دیا گیا، تو پھر وہ بھی دوسرے مذہب کی طرح ایک فلسفہ ہو کر رہ جائے گا۔ اور عملی زندگی سے اس کا کوئی تعلق نہیں رہ جائے گا، اور یہ چیز سراسر اس کی روح کے منافی تھی۔

دوسرے یہ کہ اگر یہ حضرات ان مسائل میں الجھ جاتے، تو ان میں الجھانے والوں کا وہ مقصد پورا ہو جاتا، جس کے لئے یہ فتنے پیدا ہوئے تھے، یعنی دین اور علم دین کی تدوین و ترتیب اور ترویج و اشاعت میں یہ حضرات جس یکسوئی کے ساتھ لگے ہوئے تھے وہ ختم ہو جاتی۔ اور وہ قیمتی کام نہ ہو پاتا جو ہوا جس کی تفصیل آگے آرہی ہے۔

تیسرے یہ کہ منفی طور پر ان کا اس فتنہ سے دور رہنے کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہوا کہ عام معاشرہ میں ان مسائل میں بحث و مباحثہ کو اچھی نگاہ سے نہیں دیکھا جاتا تھا، اور معاشرہ کے عام افراد ان سے اپنا دامن بچائے رکھنا ہی پسند کرتے تھے، اگر یہ حضرات ان موشگافیوں میں پڑ جاتے، تو پھر عوام کو ان سے بچانا مشکل تھا۔

ان اسباب و وجوہ کی بناء وہ زیادہ تر نئے نئے فلسفیانہ مباحث اور مسائل سے وہ رہنے کی ترغیب دیتے تھے، لیکن اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ اگر کوئی ضروری موقع آ جاتا جب بھی وہ اس کا جواب نہیں دیتے تھے، آپ امام اوزاعی، امام احمد بن حنبل اور بعض دوسرے بزرگوں کے حالات میں پڑھیں گے کہ انہوں نے شرعی حدود میں متعدد اہل فرق کے افراد سے بحث و مباحثہ کر کے بھی ان کو قائل کرنے کی کوشش کی، امام بخاری جو تبع تابعین کے سب سے بڑے علمی وارث ہیں، ان کی کتاب سے آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ انہوں نے ان فرقوں کے خیالات کی تردید کرنے میں کتنی کد و کاش کی تھی، البتہ استدلال میں انہوں نے متکلمین کی روش کے بجائے سلف کی روش اختیار کی ہے۔

یہاں پر دو اور باتوں کا اظہار بھی ضروری معلوم ہوتا ہے، ایک یہ کہ ان فرقوں میں بھی بعض افراد ایسے تھے، جو خلوص سے یہ سمجھتے تھے کہ ان نئے مسائل و مباحث کا عقلی طور پر بھی جواب دیا جاسکتا ہے، اس لئے انہوں نے ان کا جواب دیا، اور انہی کو ہم متکلمین اسلام کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ ابتدا میں یہ کام عام طور پر معتزلہ نے انجام دیا مگر بعد میں اس میں اہل سنت و الجماعت کے بعض افراد بھی شریک ہو گئے، مگر یہ بھی ایک واقعہ ہے کہ اس سے نہ تو کوئی عملی فائدہ اسلام کو پہنچا اور نہ تبلیغی و دعوتی۔

دوسری بات یہ کہ عباسی خلفاء نے گوان فرقوں کو ذہنی غذا پہنچانے میں بامقصد یا بالقصد بڑی مدد کی لیکن اس کا اظہار نہ کرنا احسان ناشناسی ہوگی کہ ان میں بعضوں نے ان افراد کے خلاف قانونی کارروائی بھی کی، اگرچہ یہ کارروائی زیادہ تر اس وقت ہوتی تھی، جب عوام میں یہ اپنے خیالات پھیلانے کی کوشش کرتے تھے، اور اس سے کسی عوامی شورش پیدا ہونے کا اندیشہ ہوتا تھا، ورنہ دربار میں زیادہ تر ”رواداری“ کا سلوک ہوتا تھا۔ الا ماشاء اللہ۔

فتنہ وضع حدیث کا مقابلہ :

اوپر فتنہ وضع حدیث کا مختصر ذکر کیا گیا، لیکن اس سے اندازہ ہو گیا ہوگا کہ یہ فتنہ دین اور علم دین کے لئے کتنا بڑا خطرہ تھا۔ اس فتنہ کا مقابلہ حضرات تبع تابعین نے کئی طرح سے کیا۔ سب سے پہلے انہوں نے صحیح اور غلط، مستند اور موضوع تمام روایتوں کے سارے ذخیرہ کو جمع کرنے کی کوشش کی، اور جمع کر کے پھر انہوں نے قرآن کی ہدایات، صحیح احادیث اور مختلف سلسلہ اسناد کی روشنی میں ان کو پرکھا اور پھر صحیح و سقیم کو علیحدہ کر کے رکھ دیا امام سفیان ثوری کا یہ قول حاکم نے نقل کیا ہے۔

”کبھی کسی حدیث کی صحت اور عدم صحت کے متعلق کو ملتوی کرنے کے لئے بھی ہم بعضوں کی روایتوں کو سن لیتے ہیں، اور بعضوں کی بیان کی ہوئی روایتوں کو ہم جانتے ہیں کہ مستحق توجہ نہیں ہیں، لیکن پھر بھی بیان کرنے والے کی روش اور مسلک کا پتہ چلانے کے لئے ہم اس سے روایت کرتے ہیں“۔

حاکم ہی نے ایک دوسرا واقعہ امام احمد بن حنبل کی زبانی یحییٰ بن معین کا نقل کیا ہے، وہ کہتے ہیں کہ جس زمانہ میں ہم لوگ یمن میں تحصیل حدیث میں لگے ہوئے تھے، ایک دن ابن معین کو دیکھا کہ وہ گوشہ میں بیٹھے ہوئے کچھ لکھ رہے ہیں، جب کوئی آدمی سامنے آتا ہے تو اسے چھپا دیتے ہیں، میں نے پوچھا تو فرمایا کہ حضرت انسؓ کے نام سے جعلی حدیثوں کا ایک مجموعہ ابان کی روایت سے جو مروج ہے اسے نقل کر رہا ہوں، امام احمد نے ان سے کہا کہ آخر ان جعلی اور موضوع روایتوں کو آپ کیوں نقل کر رہے ہیں، انہوں نے فرمایا کہ

”میں جانتا ہوں کہ یہ ساری روایتیں جعلی ہیں، مگر اس کے لکھنے سے میری غرض یہ ہے کہ اگر کوئی ابان کی جگہ کسی معتبر راوی کا نام داخل کر کے لوگوں کو غلط فہمی میں مبتلا کرنا چاہے گا تو میں یہ کہہ کر اس غلط فہمی کا ازالہ کر سکوں گا کہ ان روایتوں کا واضع ابان ہے“۔ (معرفہ ص ۶)

ابن معین کا ایک اور قول بھی کتاب میں ملے گا۔

اوپر یہ ذکر آچکا ہے کہ ایک بدوین کو ہارون نے قتل کرنے کا حکم دیا، اس نے کہا کہ امیر المؤمنین آپ میرے قتل کا حکم کیوں دیتے ہیں، ہارون نے کہا کہ اللہ کے بندوں کو تیرے فتنے سے بچانے کے لئے بولا کہ آپ قتل کر کے کیا کریں گے، میں نے جو چار ہزار روایتیں وضع کر کے عوام میں پھیلا دی ہیں، ان کا آپ کے پاس کیا علاج ہے۔ ہارون بولا کہ

ایمن انت یا زندق عن عبد اللہ بن مبارک و ابن اسحق القراری نخیلانہ
فیخر جاندا حرفاً حرفاً۔^۱

”اے ملعون تو کس خیال میں ہے عبد اللہ ابن المبارک اور ابواسحق فزاری ان تمام جعلی حدیثوں کو چھلنی میں چھانیں گے اور جعلی روایتوں کا ایک ایک حرف علیحدہ کر کے رکھ دیں گے۔“

دوسری کوشش ان حضرات نے یہ کی کہ تحدیث کا ایک معیار مقرر کیا، روایت و راویت کے اصول وضع کئے، ان حضرات کے انہی اصولوں پر فن اسماء الرجال کی بنیاد کھڑی ہوئی۔ اس سلسلہ میں اس عہد (زمانہ) کے تمام ہی محدثین نے حصہ لیا، مگر ان میں حضرت ابن مبارک، امام شعبہ، ابن معین اور سعید القطان وغیرہ زیادہ ممتاز ہیں، امام نووی نے صالح بن محمد کا یہ قول نقل کیا ہے کہ

اول من تکلم فی الرجال شعبۃ ثم تبعہ یحیی القطان ثم احمد بن حنبل و یحییٰ بن معین۔^۲

”سب سے پہلے حدیث کے راویوں پر امام شعبہ نے کلام کیا، پھر یحییٰ قطان اور ان کے بعد ابن معین اور ابن حنبل وغیرہ نے اس میں حصہ لیا۔“

مزید تفصیل کتاب میں ملے گی۔

خاص طور پر روایت کے معیار پر کسی روایت کا جانچنا روایت کے معیار پر جانچنے سے بھی مشکل ہے، روایت کے معیار پر جانچنے کا دار و مدار قوت حافظہ پر ہے، اگر خدا نے اس نعمت سے نوازا ہے تو تھوڑی سی ذکاوت و ذہانت کے ساتھ کسی روایت کے مختلف سلسلہ سند اور راوی کے عام حالات سے واقفیت کی روشنی میں فیصلہ کر لیا جاسکتا ہے، لیکن روایت کا فیصلہ ذرہ مشکل ہے، روایت کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ کسی روایت کی خارجی حیثیت پر نہیں بلکہ اس کی معنوی اور داخلی حیثیت پر بھی نظر رکھی جائے کہ اس میں کوئی بات اسلام کی روح یا قرآن کی صریح تعلیم کے

خلاف تو نہیں ہے، خواہ سند کے اعتبار سے اس میں کوئی عیب نہ ہو، ظاہر ہے کہ اس میں قوت حافظہ و وسعت علم کے ساتھ دقت نظر کی بھی ضرورت ہوتی ہے، ائمہ حدیث کی اصطلاح میں اسی کا دوسرا نام علم علل الحدیث ہے۔ اس لئے اس فن کے جاننے والے امت میں بہت کم پیدا ہوئے، زمرہ تبع تابعین میں اس میں سب سے زیادہ ممتاز ابن مہدی اور ابن مدینی تھے۔ ابن مہدی نے روایت کی ایک بہترین مثال دی ہے۔

”ایک شخص نے ان سے پوچھا کہ ابوسعید آپ کسی روایت کو قوی اور کسی کو ضعیف قرار دیتے ہیں، کسی پر صحت اور کسی پر عدم صحت کا حکم لگا دیتے ہیں، آخر آپ کے پاس وہ کون سا معیار ہے جس پر پرکھ کر آپ یہ حکم لگاتے ہیں، فرمایا کہ جب تم کسی صراف یا روپیہ کے پارکھ کے پاس روپیہ اور ریزگاری لے جاتے ہو تو وہ دیکھتے ہی کھرا اور کھوٹا لگ کر کے رکھ دیتا ہے تو کیا تم اس سے پوچھتے ہو کہ یہ حکم کیوں اور کیسے لگایا یا بے چوں چراں تسلیم کر لیتے ہو، بولا نہیں تسلیم ہی کر لینا پڑتا ہے، فرمایا کہ یہی حال روایت کا بھی ہے، مگر یہ منصب ہر شخص کو حاصل نہیں ہوتا، بلکہ اس کے لئے بڑی ممارست، اہل علم کی صحبت، تبادلہ خیال اور وفور علم کی ضرورت ہوتی ہے۔“

معرفت حدیث کے بارے میں فرمایا کرتے تھے کہ ”معرفت حدیث ایک طرح کا الہام ہے۔“ اس معیار پر انہوں نے صرف غیر ذمہ داریوں ہی کو نہیں پرکھا بلکہ اگر کسی شیخ وقت اور محدث معروف سے بھی کوئی غلطی ہو جاتی تھی تو وہ اس کو ظاہر کر دیتے تھے، ان حضرات کی انہی کوششوں کے نتیجے میں جو نا اہل اس منصب پر فائز ہو گئے تھے ان کا پردہ فاش ہو گیا، اور ان کو خواص ہی نہیں بلکہ عوام تک پہنچانے لگے، اور غلط اور جعلی روایتوں کا سارا سرمایہ بے قیمت ہو کر رہ گیا، گواہ بھی حدیث و تفسیر کی کتابوں میں بعض روایتیں ایسی ملیں گی۔ مگر ان کے سقم و عیب کو بھی بعد کے محدثین نے واضح کر دیا ہے۔

علمی اور عملی کارنامے :

اب تک زیادہ تر ان کے منفی کارناموں کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ انہوں نے جو خالص مثبت کارنامے انجام دیئے، ان کی طرف بھی کچھ اشارے یہاں کر دیئے جاتے ہیں، پوری تفصیل کتاب میں ملے گی۔

علمی کارنامے :

ان کے علمی کارناموں میں سب سے بڑا کارنامہ علوم دینیہ کی تدوین و ترتیب ہے، گویہ کام عہد صحابہ سے لے کر عہد تابعین تک برابر جاری رہا، لیکن اس عہد میں اس کام میں اتنی ترقی ہوئی کہ بعد کی صدیوں میں اس پر بہت کم اضافہ ہو سکا۔

تابعین اور تبع تابعین کے کام میں فرق :

عہد تابعین میں بھی علوم دینیہ کی تدوین و ترتیب کثرت سے ہوئی، لیکن ابھی تک ان علوم کی نہ تو فنی تقسیم ہوئی تھی، یعنی تفسیر، حدیث، فقہ، مغازی، تاریخ و رجال و لغت وغیرہ فنون کے نام علیحدہ علیحدہ نہیں پڑے تھے۔ اور نہ ان کی علیحدہ علیحدہ تدوین ہوئی تھی، اس وقت عام طور پر ایک امام اپنے درس میں تفسیر، حدیث، تاریخ و مغازی اور ادب و لغت غرض ہر طرح کے مسائل سے گفتگو کرتا تھا، اور ان کے تلامذہ ان کے افادات کو اپنے اپنے صحیفوں میں لکھ لیا کرتے تھے اور وہی پھر دوسروں تک پہنچ جاتے تھے، گویا ان کی حیثیت اساتذہ کے نوٹس یا ذاتی ڈائری کی ہوتی تھی، بعض تابعین نے فنی تقسیم کے اعتبار سے بھی کتابیں لکھی مگر ان میں سے مشکل ہی سے دو چار کتابیں اس وقت موجود ہوں گی، لیکن عہد تبع تابعین میں ان میں سے ہر فن کی علیحدہ علیحدہ ترتیب و تدوین ہوئی، اور اس اونچے پیمانہ پر ہوئی، کہ وہ کتابیں آج تک اسی صورت میں موجود ہیں، اس کی پوری تفصیل مختلف ائمہ کے حالات میں ملے گی۔ یہاں ایک مجمل تبصرہ کر دیا جاتا ہے، امام ذہبی نے ۱۴۳ھ کے حالات بیان کرتے ہوئے لکھا ہے :

فی سنة ۱۴۳ سنة شرع علما الاسلام فی هذا العصر فی تدوین الحديث والفقه والتفسیر فصنف ابن جریج^۱ بمکة ومالك الموطا بالمدينة والاوزاعی باشام وابن عروبه وحماد بن سلمه وغيرهما بالبصرة ومعر باليمن وسفيان الثوري بالكوفة وصنف ابن اسحاق السمغازی و صنف ابو حنیفة^۲ رحمة الله الفقه والرأی ثم بعد بسیر صنف هشیم واللیث وابن لهیعه ثم بن مبارک ابو یوسف وابن وهب وکثر تدوین العلم وتبویه ودونت کتب العربیة واللغة والتاریخ وایام الناس وقبل هذا العصر کان الائمة یتکلمون من حفظهم او یرون العلم من صحف غیر مرتبه^۳۔

۱۔ کتاب میں ص ۲۳۹ پر مزید تفصیل ملے گی
۲۔ یہ دونوں حضرات گویا تابعین ہی میں ہیں لیکن ان کا عہد تبع تابعین ہی میں شروع ہوا۔ اور انہی کے ذریعہ دنیا ان کی تصنیفات سے واقف ہوئی
۳۔ تاریخ الخلفاء ص ۱۰۱

”۱۴۳ھ سے عام طور پر علمائے اسلام نے اس عہد میں حدیث، فقہ اور تفسیر ہر ایک کی الگ الگ تدوین شروع کر دی، مکہ میں ابن جریج نے مدینہ میں امام مالک نے شام میں امام اوزاعی نے بصرہ میں ابن عروبہ اور حماد بن سلمہ نے یمن میں معمر نے اور کوفہ میں سفیان ثوری نے تصنیف و تالیف کا کام شروع کر یا، ابن اسحاق نے مغازی پر اور امام ابو حنیفہ نے فقہ درائے پر تصنیف کی، پھر کچھ ہی مدت بعد بشیم بن لہیعہ نے، پھر ابن مبارک، امام ابو یوسف، ابن وہب وغیرہ نے اس مبارک کام کو اپنے ہاتھ میں لیا، پھر کثرت سے ہر فن میں تصنیفات کا اور اس کی تدوین و ترتیب کا سلسلہ شروع ہوا اور عربی ادب و لغت تاریخ اسلام اور قدیم تاریخ پر بے شمار کتابیں مدون ہو گئیں، اور اس عہد سے پہلے عام طور پر آئمہ فن یا تو اپنے حفظ و استحصار سے کسی فن پر کلام کرتے تھے یا پھر غیر مرتب مجموعوں اور صحیفوں کے ذریعہ۔“

۱۴۳ھ اور اس کے کچھ بعد کے سالوں میں تدوین و تالیف کا جواہر کام ہوا، اس کے بارے میں اشارہ کیا ہے، لیکن تدوین و تالیف کا سب سے زیادہ کام ۱۵۰ھ سے تیسری صدی کے نصف اول تک ہوا، ہر فن پر اس عہد میں جو کچھ کام ہوا اس کی تفصیل تو طویل ہے، مگر ہر فن کے چند ممتاز اور صاحب تصنیف علماء کے نام یہاں درج کئے جاتے ہیں۔

تفسیر:

قرآن کی تفسیر و تشریح میں تو تقریباً تمام ہی تبع تابعین نے حصہ لیا، کسی نے حدیث کے نقطہ نظر سے کسی نے فقہ کے نقطہ نظر سے اور کسی نے نحو و صرف، لغت و ادب کے نقطہ نظر سے، لیکن خاص طور پر جن لوگوں اس فن پر اپنی یادگاریں چھوڑیں اور جن کو عام علماء طبقہ مفسرین میں شمار کرتے ہیں۔ ان کے نام یہ ہیں: اسحاق بن راہویہ، سفیان بن عیینہ، سفیان ثوری و کعب بن جراح وغیرہ۔

حدیث:

اس عہد میں حدیث کی نقل و روایت اور تدوین و ترتیب کا جتنا کام ہوا اتنا دوسری صدیوں میں نہیں ہوا، اس طرح اس عہد میں جس کثرت سے ممتاز اور بلند مرتبت آئمہ حدیث پیدا ہوئے بعد میں اتنی کثرت سے نہیں پیدا ہوئے اس عہد کے آئمہ حدیث کے تذکرے پڑھیے تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ہر مسجد اور ہر پڑھے لکھے گھر سے قال قال رسول اللہ ﷺ کی آواز سنائی دے رہی ہے، اس عہد کے ممتاز اور صاحب تصنیف محدثین کے نام یہ ہیں:

امام مالک، امام احمد حنبل، حماد بن سلمہ، ابن مبارک، یحییٰ بن معین، ابن مہدی، سفیان ابن عیینہ، سفیان ثوری، امام شعبہ، یحییٰ بن سعید، ابن المدینی ابو عوانہ، یحییٰ بن آدم، جریر بن عبد الحمید محمد بن جعفر غندر، ولید بن مسلم، کعب بن جراح، ہشیم بن بشیر، یونس بن بکر، مکی بن ابراہیم، امام بخاری کی ثلاثیات زیادہ تر انہی کی روایت سے ہیں، ان کے علاوہ بعض آئمہ حدیث اور بھی ہیں جن کا ذکر فقہ مغازی کے ضمن میں آئے گا۔ ان میں بعض آئمہ نے ستر ستر کتابیں تصنیف کی ہیں۔

فقہ :

فن حدیث کی تدوین و ترتیب اور اس کی تنقیح و تنقید میں تبع تابعین کے علاوہ (شاگردوں) نے بہت کچھ اضافہ کیا اور ان کے بہت سے ادھورے کاموں کو مکمل کیا مگر فن فقہ کو ان حضرات نے خود اتنا مکمل اور مرتب کر دیا تھا کہ بعد کی صدیوں میں اس میں بہت کم اضافہ ہو سکا۔ اگر اضافہ ہوا تو ضیح و تشریح کی حد تک اس عہد کے ممتاز فقہاء کے نام یہ ہیں، آئمہ ثلاثہ امام مالک، امام شافعی، امام احمد بن حنبل امام ابو یوسف امام محمد امام سفیان ثوری، امام اوزاعی، ابن ابی لیلیٰ، لیث بن سعد، امام زفر، ابن وہب، اسد بن فرات، داؤد ظاہری، اسحاق بن راہویہ رحمہما اللہ وغیرہ ان میں بعض آئمہ کی اہم تصانیف کی تعداد سو سے متجاوز ہے تفصیل کتاب میں ملے گی۔

تاریخ :

عہد تابعین میں دوسرے فنون کی طرح تاریخ کا فن بھی علیحدہ نہیں ہوا تھا لیکن عہد تبع تابعین میں یہ فن مختلف شعبوں میں بٹ گیا، اور ہر شعبہ پر علیحدہ علیحدہ کام ہوا، لیکن یہ تمام شعبے اسلامی فتوح، مغازی، سیرت اور طبقات سے متعلق تھے، کوئی عمومی تاریخ اس دور میں نہیں لکھی گئی، گو کہ اس کی نقل و روایت کا کام شروع ہو گیا تھا، جن لوگوں نے اس فن کی تدوین میں حصہ لیا، ان میں واقدی المتوفی ۲۰۷ھ، ابن سعد المتوفی ۲۳۰ھ، ہشام الکلسی المتوفی ۲۰۶ھ، عبد الملک بن ہشام المتوفی ۲۱۳ھ، الشیخ محمد اسماعیل زیاد البکائی، متوفی ۱۸۳ھ ابو معشر نجیح متوفی ۱۷۰ھ قابل ذکر ہیں، ان میں شیخ محمد اسماعیل کی فتوح الشام اپنے موضوع پر غیر مسبوق ہے، ان میں ہشام الکلسی اور واقدی پر علماء نے کم اعتماد کیا ہے۔

نحو و لغت :

فن نحو کی تدوین کا آغاز عہد صحابہ ہی میں ہو گیا تھا، کیونکہ جب اہل عجم نے اسلام قبول کیا اور انہوں نے قرآن کے پڑھنے میں بڑی فاش فاش غلطیاں شروع کر دیں تو بعض صحابہؓ کے مشورہ سے

ابو اسود وکلی متوفی ۶۶ھ نے سب سے پہلے نحو کے کچھ قواعد مقرر کئے۔ پھر اس کے بعد اس فن میں برابر ترقی ہوتی رہی، یہاں تک کہ عہد تبع تابعین میں اس فن نے آخری حد تک ترقی کر لی، اس میں سب سے زیادہ حصہ بھریوں نے لیا، گو بعد میں کسائی اور فراکی وجہ سے کوئی بھی ان کے کہیم و شریک ہو گئے، اسی طرح لغت کی تدوین بھی اسی عہد میں ہوئی۔

اس عہد کے ممتاز نحوی جنہوں نے اپنی تحریری یادگاریں بھی چھوڑی ہیں ان میں ابو بشر سیبویہ متوفی ۱۸۳ھ، کسائی، معاذ البراء، ابو زکریا، الفراء خاص طور پر ممتاز ہیں، سیبویہ کی ”کتاب“ اس عہد سے لے کر آج تک نحو کی سب سے معتبر تصنیف سمجھی جاتی ہے، لغت کی تدوین میں جن لوگوں نے حصہ لیا، ان میں سب سے ممتاز الخلیل ابن احمد ہیں جن کی کتاب آج بھی قابل وثوق سمجھی جاتی ہے، اسی طرح عربی نثر و نظم کا سارا ذخیرہ اسی عہد میں مرتب ہوا، جن لوگوں نے اس میں حصہ لیا، وہ ہماری فہرست سے خارج ہیں۔ اس لئے ہم ان کو نظر انداز کرتے ہیں۔ اس دور کی شاعری گو اسلامی نقطہ نظر سے بہت کچھ ہٹ گئی تھی، لیکن پھر بھی کچھ شعراء خاص طور تبع تابعین کے تربیت یافتہ ایسے موجود تھے، جن کے اشعار میں اسلام کے اخلاقی رجحانات کا پتہ چلایا جاسکتا ہے۔

عملی کارنامے :

اوپر ذکر آچکا ہے کہ اسلام کا سب سے بڑا اعجاز یہ ہے کہ اس کے ذریعہ دنیا کو ایک ایسی پاکیزہ عملی زندگی ملی جس کی نظیر تاریخ انبیاء کے علاوہ کسی دوسری قومی، سیاسی، اور مذہبی تاریخ میں نہیں ملتی اور جہاں کہیں بھی اس کا کچھ سراغ ملتا ہے تو اس کی عمر بہت زیدہ طویل نظر نہیں آتی، لیکن اسلامی تاریخ کے ہر دور میں کچھ ایسے برگزیدہ افراد پیدا ہوتے جا رہے ہیں، جن کو دیکھ کر ایک نظر میں اسلام کا عملی نقشہ سامنے آ جاتا ہے، دوسری صدی میں یہ عملی زندگی حضرات تبع تابعین کی وجہ سے زندہ رہی۔

عملی زندگی کا مطلب یہ ہے کہ اسلام نے عقائد سے لے کر معاملات و معاشرت تک جو تعلیم دی ہے افراد کے عمل سے اس کا مظاہرہ ہو۔

چنانچہ آپ بزرگان تبع تابعین میں سے جن صاحب کا بھی تذکرہ پڑھیں گے، اس حیثیت سے وہ ممتاز نہ نظر آئیں گے، پھر یہی نہیں کہ ان کے حالات پڑھنے کے بعد صرف ان کی عملی زندگی کی تصویر سامنے آ جاتی ہے بلکہ اس میں اتنی تاثیر ہے کہ اپنے اندر عمل کا جذبہ ابھرتا ہے، یقین و توکل، آخرت کی کامیابی کی آرزو خدا سے محبت کے واقعات پڑھ کر خدا کی محبت اور آخرت کا یقین پیدا ہوتا

ہے، ان کی جرات، حق گوئی اور احیائے سنت کے جذبہ و شوق سے مایوس کن حالات میں کچھ کرنے کا شوق اور ولولہ پیدا ہوتا ہے ان کی عبادت و تقویٰ کے قصے پڑھ کر دل میں عبادت و تقویٰ کا جوش پیدا ہوتا ہے، غرض یہ کہ ان کی عملی زندگی میں جذب و اجتذاب دونوں ہیں۔

اللّٰهُمَّ احْسِنْ اِلَيْهِمْ وَاجْزَمْهُمْ احْسِنَ الْجَزَاءِ وَاحْشِرْنَا مَعَهُمْ
رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ °

خادم

مجیب اللہ ندوی

۱۸۔ جولائی ۱۹۸۹ء

مطابق

۱۱۔ محرم الحرام ۱۴۱۰ھ

www.ahlehaq.org

بسم الله الرحمن الرحيم

حضرت امام ابو یوسفؒ

نام و نسب :

یعقوب نام۔ ابو یوسف کنیت تھی، سلسلہ نسب انصار سے مل جاتا ہے اُن کے جد اعلیٰ سعد بن خبیبہؒ صحابی تھے، غزوہ احد میں شرکت کی اجازت چاہی، مگر کم سنی کی وجہ سے اجازت چاہی، مگر کم سنی کی وجہ سے اجازت نہیں ملی، دو سال بعد غزوہ خندق پیش آیا تو اس میں شرکت کا شرف حاصل کیا، اس غزوہ میں انہوں نے بڑی جانبازی دکھائی، دشمنوں سے برسر پیکار تھے کہ حضور انور ﷺ کی نگاہ مبارک ان پر پڑی۔ فرمایا کون ہو۔ بولے مجھے سعد بن خبیبہؒ کہتے ہیں پھر قریب بلایا۔ اور سر پر دست شفقت پھیرا۔ امام ابو یوسفؒ فرماتے تھے کہ آنحضرت ﷺ کے دست شفقت پھیرنے کی برکت ہم اب تک محسوس کرتے ہیں۔

ان کے والد ابراہیم ایک غریب آدمی تھے، اور کوفہ میں محنت مزدوری کر کے گذر اوقات کرتے تھے۔

سنہ ولادت :

امام ابو یوسفؒ کوفہ میں ۱۱۳ھ یا ۹۳ھ میں پیدا ہوئے۔

۱ مناقب موفق۔ جلد ۲۔ ص ۲۰۹، ۲۱۰ ۲ عام ارباب تذکرہ ان کا سنہ ولادت ۱۱۳ھ لکھتے ہیں لیکن ابوالقاسم علی بن محمد السمعانی متوفی ۴۹۹ھ اور صاحب مسالک الابصار نے لکھا ہے۔ کہ ان کی وفات ۸۹ برس کی عمر میں ہوئی۔ اور وفات کے بارے میں سب متفق ہیں کہ ۱۸۲ھ میں ہوئی۔ اس اعتبار سے ان کا سنہ ولادت ۹۳ھ قرار پانا چاہئے۔ علامہ زہد الکوثری نے امام ابو یوسف کے سوانح اور امام ذہبی کے رسائل کے حاشیہ میں یہ ثابت کیا ہے۔ کہ ۹۳ھ زیادہ قرین قیاس ہے۔ انہوں نے لکھا ہے کہ معلوم ہوتا ہے کہ ۹۳ھ میں ۹ کا سر امٹ کر ۱۳ ارہ گیا۔ ظاہر ہے کہ ۱۱۳ھ رہ گیا ظاہر ہے کہ ۱۱۳ھ میں تو ان کی ولادت قرار پانہیں سکتی تھی۔ اس لئے ارباب رجال نے قیاساً ۱۱۳ھ سمجھ لیا، عاجز کے بقیہ حاشیہ ۴۹ خیال میں اس کی تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ امام ابو یوسفؒ اور امام ابو حنیفہؒ جو شیخین کہا جاتا ہے، ظاہر ہے کہ اس تغلیب میں عمر کا کوئی تناسب تو ہونا چاہئے، اگر ان کی عمر ۱۱۳ھ قرار دی جائے تو امام صاحب اور ان کی عمر میں ۳۳ برس کا تفاوت ہوتا ہے اور ظاہر ہے کہ اتنے تفاوت کے ساتھ دونوں کو شیخین کہنا مناسب نہیں معلوم ہوتا۔

تعلیم کا آغاز اور معاشی تنگی :

ابتداءً عمر ہی سے ان کو لکھنے پڑھنے کا شوق تھا، مگر ان کے والد اپنی غربت کی وجہ سے چاہتے تھے کہ حصول معاش میں ان کا ہاتھ بٹائیں، اس وجہ سے ان کو بہت دنوں تک باقاعدہ تحصیل علم کا موقع نہ مل سکا۔ مگر ان کے ذوق علم نے ان کو اتنا اکسایا کہ اسی تنگی و ترشی میں اپنے والد کے چپکے علمائے کوفہ کی خدمت میں حاضر ہونے لگے کوفہ میں اس وقت فقہ و حدیث کی بہت سی مجالس برپا تھیں، جن میں محمد بن ابی لیلیٰ اور امام ابو حنیفہؒ کی مجالس درس کو خاص امتیاز حاصل تھا۔ چنانچہ امام ابو یوسفؒ خصوصیت سے پہلے ابن ابی لیلیٰ کی مجلس درس میں حاضر ہوئے، اور تقریباً ۸-۹ برس تک ان سے کسب فیض کرتے رہے، اس کے بعد امام صاحب کی مجلس درس میں شریک ہونے لگے، اور ان کو یہ مجلس ایسی بھائی کہ پھر امام صاحب کی زندگی میں اس سے علیحدہ نہیں ہوئے۔

ان کے والد کو طلب علم کی طرف ان کی حد درجہ توجہ اور انہماک اور کسب معاش سے بے پروائی بہت گراں گذرتی تھی، چنانچہ ایک دن یہ امام صاحب کی مجلس میں شریک تھے، کہ ان کے والد پہنچے اور زبردستی ان کو اٹھا کر گھر کو آگئے، اور سمجھا کہ ابو حنیفہؒ کھاتے پیتے آدمی ہیں، تم ان کی ریس کیوں کرتے ہو؟ والد کی تعمیل حکم میں کئی روز وہ امام صاحب کی مجلس میں نہیں گئے، تو امام صاحب نے دریافت کیا، امام ابو یوسفؒ کو جب اس کی اطلاع ملی، تو وہ امام صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے، امام صاحب نے آتے ہی پوچھا کہ اتنے دن سے درس میں کیوں نہیں آئے، بولے

الشغل بالمعاش و طاعة والدي

”کسب معاش کی مشغولیت اور والدہ کی اطاعت مانع رہی۔“

۱۔ آگے کے واقعات سے معلوم ہوگا کہ باقاعدہ طلب علم سے پہلے ہی ان کی شادی بھی ہو چکی تھی، اور وہ صاحب اولاد بھی ہو گئے تھے، ان کے بال بچوں کی معاشی ذمہ داری کی وجہ سے ان کے والد اور زیادہ ان کو حصول معاش پر مجبور کرتے تھے۔
۲۔ مناقب موفق اور تاریخ بغداد میں ایک دوسری روایت یہ ہے کہ ان کے والد کا انتقال بچپن ہی میں ہو گیا تھا، ان کی والدہ کے لئے کوئی ذریعہ معاش نہیں تھا جب ذرہ ہوشیار ہوئے، تو ان کی والدہ نے ایک کھانے کی دوکان پر ان کو نوکر رکھوا دیا، لیکن یہ گھر سے روانہ ہوتے تو بجائے ملازمت پر جانے کے امام صاحب کی خدمت میں حاضر ہوتے، اور تعلیم میں مشغول رہتے، شام کو گھر واپس آ کر والدہ سے اس کا تذکرہ نہ کرتے، ایک مہینہ کے بعد ان کی والدہ نے کہا کہ دکان دار نے تم کو نہ کچھ سکھایا اور نہ کام کا کچھ معاوضہ ہی دیا، یہ خاموش رہے، اس پر ان کی والدہ نے ان کا ہاتھ پکڑا، اور دکان دار کے پاس پہنچیں، اور اس سے کہا کہ تم نے اس بچہ کو نہ کچھ سکھایا، نہ اس کی محنت اور کارگزاری کا کچھ معاوضہ ہی دیا، اس نے کہا کہ یہ تو ایک مہینہ سے میرے پاس آئے ہی نہیں، جب راز فاش ہوا، تو والدہ ان پر بہت خفا ہوئیں اور ان کو درس سے روک دیا، چنانچہ وہ امام صاحب کی مجلس میں کئی روز نہیں گئے، انہوں نے ان کو بلایا، اور کچھ رقم دی، اور کہا تعلیم جاری رکھو، (مناقب موفق۔ جلد ۲۔ ص ۲۱۶)

یہ کہہ کر مجلس درس میں بیٹھ گئے، تھوڑی دیر کے بعد اٹھنا چاہا تو امام صاحب نے روکا۔ جب مجلس برخاست (ختم) ہو گئی تو امام صاحب نے چپکے سے ان کو ایک تھیلی دی اور فرمایا کہ اس سے اپنی ضروریات پوری کرو، ختم ہو جائے تو پھر کہنا، گھر پہنچ کر تھیلی کھولی تو سو درہم تھے، اس کے بعد وہ برابر درس میں شریک ہونے لگے، جب چند دن گزر جاتے تو دوبارہ امام صاحب ان کو کچھ رقم عنایت کر دیتے۔

امام ابو یوسف کہتے ہیں کہ لحاظ کی وجہ سے میں کبھی اپنی ضرورت اور ان کی دی ہوئی رقم کے ختم ہونے کا تذکرہ نہیں کرتا تھا، مگر وہ خود ہی اس کو محسوس کر لیا کرتے تھے، چنانچہ انہوں نے اس وقت تک مدد جاری رکھی جب تک میں بے نیاز نہیں ہو گیا۔

ایک دوسری روایت ہے کہ امام صاحب سے ان کے والد نے کہا کہ میرا لڑکا یعقوب آپ کی مجلس درس میں شریک ہوتا ہے اور رات دن حصول علم میں مشغول رہتا ہے، میرے کئی بچے ہیں اور پھر یہ بھی اللہ کے فضل سے میری طرح صاحب اہل و عیال ہے ان سے کہیے کہ یہ دن کو آپ کے درس میں شریک ہوں اور اس کے بعد جو وقت بچے اس میں اپنے اہل و عیال کی کفالت کا سامان کریں۔

ان دونوں روایتوں میں کوئی تضاد نہیں ہے ممکن ہے کہ ان کے والد کی گفتگو کے بعد ہی امام صاحب نے ان کی مدد شروع کر دی ہو تا کہ حصول معاش میں ان کو وقت اٹھانی نہ پڑے اور ان کا وقت برباد نہ ہو۔

امام صاحب کی خدمت میں آمد کی وجہ :

امام ابو یوسف کی ابتدائی تعلیم و تربیت کے بارے میں کوئی تفصیل کتابوں میں نہیں ملتی، اوپر کی روایات سے اتنا تو ضرور پتہ چلتا ہے کہ انہوں نے جو کچھ حاصل کیا اس میں ان کی ذاتی ذوق و شوق کے ساتھ امام صاحب کی مالی امداد اور تکفل کو بھی دخل رہا ہے ورنہ ان کے الدین کی حالت اس قابل نہیں تھی کہ وہ تعلیم کے لئے وقت نکال سکتے۔

اوپر یہ ذکر بھی آچکا ہے کہ امام ابو یوسف سب سے پہلے امام محمد بن ابی لیلیٰ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان سے کسب فیض شروع کیا مگر کئی برس کے بعد پھر وہ امام صاحب کی خدمت میں

۱۔ ان کے والد کے بارے میں جو روایتیں مذکور ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس وقت تک زندہ رہے جب تک کہ امام ابو یوسف صاحب عیال نہیں ہو گئے مگر اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ان کو یتیم چھوڑ کر دینا سے رخصت ہو گئے تھے مگر اس واقعہ میں بہت سے ایسی باتیں مذکور ہیں جن کی حیثیت قصہ کہانی سے زیادہ نہیں ہے۔ امام ذہبی نے اس روایت کو ”حکلی“ کے لفظ سے بیان کر کے کمزور کر دیا۔ (ترجمہ ابی یوسف، مناقب موفق جلد ۲ ص ۲۱۴)

آنے جانے اور ان کے درس میں شریک ہونے لگے۔ امام ابو یوسفؒ نے ابن ابی لیلیٰ کی مجلس درس کو چھوڑ کر کیوں امام صاحب کی صحبت اختیار کی اس بارے میں ارباب تذکرہ بہت ہی باتیں لکھتے ہیں مگر ان میں بعض باتیں بالکل بے بنیاد معلوم ہوتی ہیں اس لئے ہم ان کی قدرے تفصیل کرتے ہیں۔

ان کے پہلے اُستاد محمد بن ابی لیلیٰ ممتاز تابعی عبدالرحمن بن ابی لیلیٰ کے صاحبزادے اور خود ممتاز تبع تابعین میں تھے، اموی اور عباسی دونوں دوروں میں برسوں قاضی رہ چکے تھے اس لئے ان کے علم اور تجربہ دونوں وسیع تھا۔ امام ابو یوسفؒ نے ان سے علمی اور عملی دونوں طرح سے فیض اٹھایا تھا، لیکن اس زمانہ میں کوئی طالب علم وہ بھی فقہ کا امام اعظم کی مجلس درس سے بے نیاز نہیں رہ سکتا تھا۔ چنانچہ امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ ابن ابی لیلیٰ باوجود اپنے ذاتی فضل و کمال اور علمی منزلت کے جب کوئی مشکل مسئلہ آتا تو سب سے پہلے امام صاحب کی رائے معلوم کرنے کی کوشش کرتے تھے، اس سے مجھ کو خیال پیدا ہوا کہ امام صاحب کے درس میں بھی ضرور شریک ہونا چاہئے مگر استاذ کا احترام و لحاظ اس میں مانع تھا، اس وجہ سے میری ہمت وہاں جانے کی نہیں پڑتی تھی لیکن بعد میں کچھ ایسے واقعات پیش آئے کہ محمد بن ابی لیلیٰ کی مجلس سے منقطع ہو کر وہ ہمیشہ کے لئے امام صاحب کی مجلس سے وابستہ ہو گئے۔

اہل تذکرہ نے اس سلسلہ میں متعدد ایسے واقعات لکھے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ امام ابو یوسفؒ اور ان کے شیخ میں بعض مسائل میں اختلاف پیدا ہوا جس کے نتیجہ میں انہوں نے ان کی مجلس درس چھوڑ دی اور امام اعظم کی مجلس درس میں آکر زانو سے تلمذہ کرنے لگے لیکن عاجز کے نزدیک متعدد وجوہ کی بناء پر یہ بات کلیہً صحیح نہیں معلوم ہوتی۔

۱۔ ایک یہ کہ اگر امام ابو یوسفؒ کو اپنے استاد سے ایک یا متعدد مسائل میں اختلاف ہو گیا تھا تو یہ کوئی ایسی اہم بات نہیں تھی جس کی وجہ سے وہ ان کی مجلس درس چھوڑ دیتے، کیا بعد میں خود امام ابو یوسفؒ نے امام صاحب سے متعدد امور و مسائل میں اختلاف نہیں کیا تھا اس لئے نفس اختلاف مسائل کو ترک درس کا سبب قرار دینا صحیح نہیں ہے۔

۲۔ دوسری۔۔۔۔۔ یہ کہ اگر قاضی محمد بن ابی لیلیٰؒ سے اختلاف مسائل کی وجہ سے ان کو شفر پیدا ہو گیا ہوتا اور اسی بنا پر ان کی مجلس درس چھوڑ بیٹھے ہوتے تو امام اعظم کی درسگاہ سے فارغ ہونے کے بعد جب وہ خود مسند درس و قضا پر بیٹھے تو اپنے تلامذہ کے سامنے امام صاحب اور ابن ابی لیلیٰ کے اختلافی مسائل کو مساویانہ طور پر بیان نہ کرتے بلکہ ہر مسئلہ پر ابن ابی لیلیٰؒ پر نکیر کرتے لیکن انہوں نے کبھی ایسا نہیں کیا۔

ایسے تمام مختلف فیہ مسائل کو امام محمدؒ نے ایک کتاب میں ”اختلاف ابی حنیفہ و ابن ابی لیلیٰ“ میں جمع کر دیا ہے جو حیدرآباد میں چھپ گئی ہے اس کے دیکھنے سے اندازہ ہو جاتا ہے کہ ان کے دل میں اپنے دونوں اساتذہ کا احترام آخر وقت تک باقی تھا۔

۳۔ تیسری۔۔۔۔۔ یہ کہ امام سرخسی نے مبسوط کے آخر میں جہاں امام صاحب اور قاضی ابن ابی لیلیٰ کے اختلافی مسائل کا ذکر کیا ہے وہاں امام ابو یوسفؒ اور ابن ابی لیلیٰ کے اسباب اختلاف کا بھی ذکر کیا ہے، وہ کہتے ہیں کہ امام ابو یوسفؒ نے ۹ برس ابن ابی لیلیٰؒ کی خدمت میں تعلیم حاصل کیا پھر اتنی ہی مدت امام صاحب کی خدمت میں رہے۔ (جلد ۳۰، ص ۱۲۸) اس کے بعد قیل (کہا گیا ہے) کے لفظ سے مذکورہ بالا سبب کا ذکر کیا ہے جو بعض لوگوں کے نزدیک استاد و شاگرد کے درمیان کشیدگی کا باعث ہوا مگر قیل کے لفظ سے اس واقعہ کا ذکر کرنا بجائے خود اس کے ضعف کو ظاہر کرتا ہے۔

اصل بات یہ ہے کہ یہ علوم دینیہ کے جمع و تدوین کا ابتدائی زمانہ تھا جو سینکڑوں اور ہزاروں اہل علم کے سینوں اور سفینوں میں منتشر تھے اس لئے اس وقت کا یہ دستور تھا کہ طلبہ زیادہ سے زیادہ اہل علم و اصحاب درس کے پاس جا کر استفادہ کرتے تھے تا کہ ان منتشر اجز کو وہ اپنے اپنے سینہ و سفینہ میں جمع کر سکیں، چنانچہ اس دور کا کوئی ایسا ممتاز اہل علم نہیں ملے گا جس کے سینکڑوں کی تعداد میں شیوخ نہ رہے ہوں اس لئے امام ابو یوسفؒ جیسے طباع اور ذہین طالب علم صرف ایک استاد پر کیسے قناعت کر سکتے تھے، انہوں نے بھی دستور زمانہ کے مطابق مختلف شیوخ و اساتذہ کی خدمت میں جا کر زانوئے ادب نہ کیا ہوگا اور از دیاد علم کا یہ شوق ان کو ابن لیلیٰؒ کی مجلس درس سے اٹھا کر امام صاحب کی مجلس درس میں لایا ہوگا۔

اس لئے ایک شیخ کے یہاں سے دوسرے شیخ کے پاس جانے کی وجہ خواہ مخواہ کی ناراضگی ہی قرار دینا صحیح نہیں ہے، یہ صحیح ہے کہ امام صاحب اور ابن ابی لیلیٰؒ میں بعض فقہی مسائل میں اختلاف تھا اس لئے ابتداً خود امام ابو یوسفؒ کو امام صاحب کی مجلس درس میں جانے میں تاہل تھا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ ان کو اس سے تکلیف ہو مگر قاضی ابن ابی لیلیٰؒ سے کہیں یہ ثابت نہیں ہے کہ خود انہوں نے اس سے اپنے شاگرد کو روکا ہو۔

پھر امام صاحبؒ اور ابن ابی لیلیٰؒ کا اختلاف نفسانیت پر مبنی نہیں تھا کہ وہ ایک دوسرے سے استفادہ میں مانع ہوتے۔ چنانچہ ابن ابی لیلیٰؒ کے بارے میں خود امام ابو یوسفؒ کا بیان ہے کہ مشکل مسائل میں اعلانیہ امام صاحب کی رائے دریافت کرتے تھے۔

تحصیل علم کی مدت :

امام ابو یوسفؒ کی تحصیل علم یا استفادہ کی کل مدت کتنی ہے، تذکرہ نویسوں کی روایتیں اس کے بارے میں مختلف ہیں۔ یوسف بن ابی سعد نے خود امام ابو یوسفؒ سے روایت کی ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ امام ابو حنیفہؒ کی خدمت میں میری آمد و رفت مسلسل ۹ برس رہی۔ دوری روایت ہے کہ سترہ برس ان کی صحبت میں رہا۔ تیسری روایت امام سرخسی کی ہے جو اوپر نقل ہوئی ہے کہ ۹ برس ابن ابی لیلیٰ کی خدمت میں اور ۹ برس امام ابو حنیفہؒ کی مجلس درس میں رہے۔

بظاہر ان میں دو روایتیں قابل تقسیم نہیں معلوم ہوتیں اگر پہلی روایت تسلیم کی جائے تو ان کی تعلیم کا زمانہ کم سے کم ۳۸ برس قرار پائے گا، ۹ برس ابن ابی لیلیٰ کی خدمت میں اور ۲۹ برس امام صاحب کی صحبت میں۔ دوسری روایت پر اعتبار کیا جائے تو مدت تعلیم ۲۶ برس ہوتی ہے اس میں اگر دوسرے شیوخ سے استفادہ کی مدت بھی شامل کر لی جائے تو معلوم نہیں یہ مدت کہاں سے کہاں پہنچ جائے اس لئے یہ کسی طرح صحیح نہیں ہو سکتا کہ انہوں نے اتنی طویل مدت صرف حصول تعلیم پر صرف کی ہوگی۔ امام سرخسی نے جو مدت بتائی ہے یعنی ۱۸ برس وہ بھی امام ابو یوسفؒ جیسے قوی الحافظہ، ذہین، طباع اور غیر معمولی فہیم طالب علم کے لئے گویا بہت ہے تاہم اس کی صحت پر یقین کیا جاسکتا ہے۔

پھر یہ روایتیں اس وقت اور کمزور ہو جاتی ہیں جب کہ ان کا سنہ ولادت یہی تذکرہ نگار ۱۱۳ھ قرار دیتے ہیں اس لئے کہ امام ابو حنیفہؒ کی وفات ۱۵۵ھ میں ہوئی۔ اس لحاظ سے امام ابو یوسفؒ کی عمر ان کی وفات کے وقت صرف ۳۷ برس کی تھی جو پہلی روایت کے مطابق ان کی مدت تعلیم سے بھی کم ہے۔

ان روایتوں میں اس طرح تطبیق دی جاسکتی ہے کہ پہلی روایت میں امام ابو یوسفؒ نے وہ عمر بتائی جو جس میں وہ امام صاحب کی خدمت میں گئے۔ اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ جب وہ امام ابو حنیفہؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے ہیں تو ان کی عمر کافی تھی اور صاحب اہل و عیال بھی تھے، جیسا کہ ان کے والد کے واقعہ میں ذکر آچکا ہے۔ دوسری روایت میں انہوں نے پوری مدت تعلیم بتائی ہو اور تیسری روایت میں صرف امام صاحب کے ساتھ اپنی رفاقت کا زمانہ بتایا ہو، جس کو رواقہ نے باہم غلط کر دیا ہو، ان روایتوں سے بہر حال اتنی بات تو ضرور ثابت ہوتی ہے کہ انہوں نے اپنی زندگی کا سب سے قیمتی اور طویل زمانہ ابی لیلیٰ اور امام صاحبؒ کی خدمت و صحبت میں گزارا۔

علم دین سے شغف :

اوپر ذکر آچکا ہے کہ امام ابو یوسفؒ نہایت ہی غریب اور عسیر الحال باپ کے فرزند تھے اس لئے بچپن ہی میں حصول معاش کا سوال ان کے لئے پیدا ہو گیا تھا مگر ان کو طبعاً علم دین سے اتنا شغف اور ذوق تھا کہ معاش کی تنگی اور عسرت کی زندگی ان کی تحصیل علم کی راہ میں مانع نہ ہو سکی۔ اور اگر کبھی مانع ہوئی اور وہ مجبوراً کسب معاش کی طرف مائل ہوئے بھی تو ان کے مشفق استاد نے ضرورت پوری کر کے مانع کو دور کر دیا۔

ان کے ذوق و شغف کا اندازہ اس سے کرنا چاہئے کہ یوسف بن سعید کا بیان ہے کہ امام ابو یوسفؒ نے ایک مدت تک امام صاحب کی خدمت میں آمد و رفت کا سلسلہ جاری رکھا مگر اس طویل مدت میں ایک دن بھی ایسا نہیں گزرا جس میں وہ فجر کی نماز میں ان کے ساتھ شریک نہ رہے ہوں۔

امام ابو یوسفؒ کا خود بیان ہے کہ میں برسوں امام صاحب کی رفاقت میں رہا مگر بجز بیماری کے عید الفطر و عید الفصحی کے دن میں ان سے جدا نہیں ہوا۔ غور کیجئے کہ ان دونوں کی خوشی و مسرت میں ہر شخص اپنے گھر والوں کے ساتھ ہوتا ہے لیکن انہوں نے مجلس علم کی شرکت اور امام صاحب کی معیت و رفاقت کو عیدین کی خوشی و مسرت پر ترجیح دی۔

مناقب موفق میں ہے امام ابو یوسفؒ کے کسی بچے کا انتقال ہو گیا مگر وہ اس کے جنازہ اور تدفین میں اس لئے شریک نہ ہو سکے کہ مبادا امام صاحب کے درس و املا کا کوئی حصہ چھوٹ نہ جائے۔ خود فرماتے ہیں :

مَا تَابُنْ لِي فَلَمْ أَحْضَرْ جَهَازَهُ وَلَا دَفَنَهُ وَ تَرَكَتُهُ عَلَيَّ جِيرَانِي
وَ اقْرَبَانِي مَخَافَةَ أَنْ يَفُوتَنِي مِنْ أَبِي حَنِيفَةَ شَيْئِي وَلَا تَزْهَبَ حَسْرَتُهُ
عَنِّي . (جلد ۲، ص ۲۱۵)

”میرے ایک بچے کا انتقال ہو گیا لیکن میں اس کی تجہیز و تدفین میں شریک نہیں ہوا اس کو اپنے پڑوسیوں اور عزیزوں کی ذمہ داری پر چھوڑ دیا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ امام ابو حنیفہ کے درس کا کوئی حصہ چھوٹ جائے اور مجھے اس کی حسرت رہ جائے۔“

اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ ان کو علم دین سے کتنا ذوق اور شغف تھا اور امام صاحب کی مجلس درس کی ان کی نگاہ میں کیا قدر و قیمت تھی۔

اس واقعہ سے اس عہد کی اسلامی معاشرت پر بھی کچھ روشنی پڑتی ہے۔ اس زمانہ میں ہمدردی، مواسات اور اخوت اس درجہ عام تھی کہ امام ابو یوسفؒ نے اپنے لخت جگر کے جنازہ اور تدفین میں اس لئے شرکت ضروری نہیں سمجھی کہ وہ گرنہ بھی شریک ہوں گے تو ان کے اعزہ، اقربا اور پڑوسی اس کام کو اپنا ذاتی کام سمجھ کر پورا کر دیں گے۔

مناقب کردی میں یہ بھی ہے کہ امام ابو یوسفؒ اپنے والد کے جنازہ میں بھی امام صاحبؒ کی مجلس درس کے چھوٹ جانے کے خیال سے شریک نہیں ہو سکے تھے ممکن ہے دونوں واقعے ایک ہی ہوں اور راویوں نے دو کر دیا ہو۔

اوپر ذکر آچکا ہے کہ تنگی و عسرت کی وجہ سے ان کے والد ایک بار ان کو درس سے اٹھالے گئے تھے۔ احمد بن مکی کے بیان کے مطابق درس سے اٹھالے جانے کا واقعہ ایک ہی بار پیش نہیں آیا بلکہ بسا اوقات ایک ہی دن میں کئی کئی بار پیش آتا تھا، پورا واقعہ یہ ہے۔

عبدالحمید الحمائی کہتے ہیں کہ امام ابو یوسفؒ کے والد امام ابو حنیفہؒ کی مجلس درس میں آتے اور ان کا ہاتھ پکڑ کر اٹھالے جاتے، لیکن تھوڑی دیر کے بعد وہ اپنے والد کی نظر بچا کر پھر آ جاتے، ان کے والد پھر آتے اور انہیں واپس لے جاتے، یہاں تک کہ ایک دن ان کے والد بہت غصہ میں مجلس میں آئے اور اپنے صاحبزادہ کو بہت سخت دست کہا اور اہل مجلس سے مخاطب ہو کر کہا :

يَعصني هذا الوالد انتم تعينونہ

”میرا لڑکا بار بار میری حکم عدولی کرتا ہے اور تم لوگ اس کی مدد کرتے ہو۔“

امام صاحب نے ان سے فرمایا کہ آپ کیا چاہتے ہیں، بولے یہ بازار جا کر کچھ کمائیں اور اہل و عیال کی پرورش میں میرا ہاتھ بٹائیں۔ امام صاحب نے فرمایا انشاء اللہ اس کا رخیہ میں ہم ان کی مدد کریں گے لیکن انہوں نے اس کو کچھ پسند نہیں کیا، بالآخر امام صاحب نے ذرا تلخ لہجہ میں فرمایا کہ اگر آپ ان کو تعلیم سے روکنا چاہتے ہیں تو اس میں آپ کی قطعی مدد نہیں کی جاسکتی، ہاں کفاف کے سلسلہ میں ہم ان کی مدد کے لئے تیار ہیں آپ براہ کرم واپس جائیے اور اس مقدس کام سے نہ روکیے۔

بعض روایتوں سے پتہ چلتا ہے کہ علم دین سے ان کو جو شغف و انسہاک تھا اس کی شکایت محض ان کے والدین ہی کو نہیں تھی بلکہ ان کی اہلیہ کو بھی تھی، فرماتی ہیں کہ وہ دن بھر تو امام صاحب کی خدمت میں رہتے تھے اور رات کو گھر آتے تھے اور کبھی کبھی رات کو بھی وہیں رہ جاتے تھے اور کئی کئی دن

گھر نہیں آتے تھے۔ ایک دن یہ امام ابو یوسفؒ کی شکایت لے کر امام صاحب کی خدمت پہنچیں اور عرض کی کہ یہ آپ کے شاگرد ہمارے نان و نفقہ کی طرف کوئی توجہ نہیں کرتے، صرف پڑھنے پڑھانے ہی میں لگے رہتے ہیں امام صاحبؒ نے ان کو سمجھایا اور صبر کی تلقین کی اور فرمایا کہ یہ عسرت اور تنگ دستی کے دن انشاء اللہ جلد ختم ہو جائیں گے اور تم لوگ ان سے جو توقع رکھتے اس سے زیادہ تم کو ملے گا۔ اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے، کہ حصول علم دین کی راہ میں ان کے لئے کتنے مواقع تھے، جن کو کچھ تو ان کے طبعی ذوق و شوق نے دور کر لیا اور کچھ امام صاحب کی نظر التفات اور مالی مدد نے۔ واقعہ یہ ہے کہ اگر امام صاحب کی نظر التفات نہ ہوتی تو وہ بہت دنوں تک ان موانع کی تاب نہ لا سکتے، اور علم دین سے محروم رہ جاتے۔

دوسرے شیوخ حدیث سے استفادہ :

قاضی ابن ابی لیلیٰ کے تلمذ اور امام صاحب جیسے فقیہ و مجتہد کی خدمت و رفاقت میں رہنے کے بعد کسی دوسرے صاحب کمال کے سامنے ان کو زانوئے تلمذتہ کرنے کی ضرورت ہی نہیں تھی، جیسا کہ وہ خود فرماتے ہیں۔

ماکان فی الدنیا مجلس احب الی من مجلس ابی حنیفہ و ابن ابی لیلیٰ فانی مارایت فقیہا افقہ من ابی حنیفہ ولا قاضیا خیر امن ابی لیلیٰ۔

”مجھے دنیا میں کوئی مجلس درس امام ابو حنیفہؒ اور ابن ابی لیلیٰ کی مجلس درس سے زیادہ محبوب نہیں ہے، اس لئے کہ نہ تو میں نے امام ابو حنیفہؒ جیسا بہتر فقیہ دیکھا اور نہ ابن ابی لیلیٰ جیسا قاضی۔“ لیکن ہر استاد فن کی کچھ نہ کچھ خصوصیت ہوتی ہے، اس لئے متقدمین میں عام دستور تھا کہ وہ زیادہ سے زیادہ اساتذہ فن کی خدمت میں حاضر ہو کہ ان سے کسب فیض کرتے تھے۔ چنانچہ امام ابو یوسفؒ بھی بے شمار شیوخ حدیث و فقہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان کے چشمہ علم سے اپنی تشنگی (پاس) بجھائی۔

امام ابو یوسفؒ نے جن شیوخ اور اساتذہ فقہ و حدیث سے استفادہ و روایت کی ہے ان کی تعداد سو سے متجاوز ہے، ہم ان میں سے ان چند مشاہیر کا نام یہاں درج کرتے ہیں۔ جن کی روایتیں کتاب الخراج میں موجود ہیں۔

(۱) ابان بن عباس (۲) ابواسحاق الشیبانی (۳) اسرائیل بن ابی اسحاق (۴) اسمعیل بن ابراہیم المہاجر (۵) اسمعیل بن ابی خالد (۶) اسمعیل بن علیہ (۷) اسمعیل بن مسلم (۸) ایوب بن عقبہ (۹) ابوبکر بن عبد اللہ الہذلی (۱۰) ثابت ابو حمزہ اشمالی (ترمذی کے روات میں ہیں) (۱۱) ابن جریج (۱۲) حجاج بن ارطاة (۱۳) جریر بن عثمان (۱۴) حسن بن دینار (۱۵) حسن بن علی بن عمارہ (۱۶) حصین بن عمرو بن میمون (۱۷) حنظلہ بن ابی سفیان (۱۸) روح ابن مسافر (۱۹) سعید بن عروبہ (۲۰) سعید بن مرزبان (۲۱) سعید بن مسلم (۲۲) سفیان بن عیینہ (۲۳) سلیمان التیمی (۲۴) سلیمان بن مہران الأعمش (۲۵) سماک بن حرب (۲۶) طلحہ بن یحییٰ (۲۷) طارق بن عبد الرحمن (۲۸) عاصم الاحول (۲۹) عبد اللہ بن سعید المقبری (۳۰) عبد اللہ بن عل (۳۱) عبید بن عمر (۳۲) عبد اللہ بن محرز (۳۳) عبد اللہ بن واقد (۳۴) عبد اللہ بن ابولید المدنی (۳۵) عمرو بن دینار (۳۶) عمرو بن میمون بن مہران (۳۷) غیلان بن قیس الہمدانی (۳۸) الفضل بن مرزوق (۳۹) قیس بن الربیع (۴۰) قیس بن مسلم (۴۱) لہیث بن سعید (۴۲) امام مالک بن انس (۴۳) مالک بن مغول (۴۴) محمد بن اسحاق صاحب (۴۵) المغازی (۴۶) محمد بن ابی حمید (۴۷) محمد بن السائب الکلی (۴۸) محمد بن سالم (۴۹) محمد بن طلحہ (۵۰) محمد بن عبد اللہ (۵۱) محمد بن عمرو بن علقمہ (۵۲) مسعر بن کدام (۵۳) مسلم الخزاعی (۵۴) مطرف ابن طریف (۵۵) یومعشر (۵۶) مغیر بن مقسم (۵۷) نافع مولیٰ بن عمر (۵۸) نصر بن طریف (۵۹) ابن ابی نجیح (۶۰) ہشام بن عروہ (۶۱) ہشام بن سعید۔

اس فہرست میں بعض ممتاز تابعین کا نام بھی نظر آئے گا، اس میں ان شیوخ حدیث وفقہ کے نام بھی ہیں جن کو حدیث وفقہ میں امامت کا مقام حاصل تھا، علامہ زاہد الکوثری نے ان کے ۱۰۴ شیوخ کا تذکرہ کیا ہے، علاوہ بریں ان کی کتاب الخراج میں متعدد جگہ پر ”غیر واحد من علماء اہل المدینہ“ وغیرہ کے الفاظ ملتے ہیں جن سے اندازہ ہوتا ہے کہ مدینہ میں ان کے شیوخ بکثرت تھے، حالانکہ اس فہرست میں صرف چند نام آئے ہیں۔

امام مالک سے ملاقات :

امام ابو یوسف اور امام مالک ہم عصر تھے، اور دونوں درجہ اجتہاد پر فائز تھے، اس لئے ان دونوں میں بعض اجتہادی مسائل میں اختلاف تھا، جن کے بارے میں بالمشافہ گفتگو بھی ہوئی، اور امام

ابو یوسفؒ نے باوجود معاشرت کے بعض مسائل میں امام مالکؒ کے رائے کو ترجیح دی، یہ اختلاف بعض ان فردی مسائل میں تھا، جن کا تعلق تمدن، معاشرت اور معاملات سے تھا، مثلاً اس وقت تمام اسلامی ملکوں میں غلہ وغیرہ کے وزن کرنے کے لئے صاع، مد، اور رطل وغیرہ رائج تھے، مگر ان کا وزن ہر ملک میں مختلف تھا، اور ہر جگہ کے علماء اپنے یہاں کے پیمانوں کو صحیح سمجھتے تھے، اور ان ہی سے عشرہ صدقہ فطرہ، وغیرہ میں کام لینے کی ہدایت کرتے تھے، امام ابو یوسفؒ کو ذہ کے رہنے والے تھے، اس لئے وہ کوئی پیمانہ صحیح سمجھتے تھے، مگر جب وہ امام مالکؒ سے ملے، تو انہوں نے ان کو مدنی صاع دکھایا، اور فرمایا کہ یہی رسول اللہ کا صاع ہے، اس کے بعد سے امام ابو یوسفؒ نے اپنی رائے سے رجوع کر لیا۔

موطاے امام مالک کی تدوین کے وقت حدیث و آثار کا کوئی دوسرا جامع مجموعہ نہیں تھا، اس لئے اس عہد میں اس کی روایت و سماع سب سے زیادہ قابل فخر چیز سمجھی جاتی تھی، جن کو یہ فخر نصیب نہیں ہوتا تھا۔ ان کا بڑا نقص تصور کیا جاتا تھا۔ امام یوسفؒ نے موطا کا سماع براہ راست امام مالکؒ سے نہیں کیا تھا، بلکہ ان کے مشہور اور جلیل القدر شاگرد اسد بن فرات صقلی سے کیا تھا، اسی بنا پر امام محمدؒ ان کے بارے میں کہا کرتے تھے کہ امام ابو یوسفؒ نے علم حدیث کی صرف مہک پائی ہے۔ یعنی انہوں نے تو امام مالکؒ کی خدمت میں رہ کر موطا کا سماع کیا تھا، اور امام ابو یوسفؒ کو یہ شرف حاصل نہیں تھا۔

محمد اسحاق صاحب المغازیؒ، اور امام ابو یوسفؒ:

جس زمانہ میں امام ابو یوسفؒ امام صاحب کے حلقہ درس میں بیٹھ کر اکتساب فیض کر رہے تھے، اسی زمانہ میں محمد بن اسحاق کو ذہ آئے، جو سیر و مغازی کے امام سمجھے جاتے تھے، ان کی علمی شہرت اور کشش امام ابو یوسفؒ کو ان کے حلقہ درس میں کھینچ لائی، ان کے ساتھ ان کے کئی رفقاء بھی تھے، جنہوں نے کتاب المغازی کے سماع کی خواہش ظاہر کی، اور وہ تیار ہو گئے، امام ابو یوسفؒ کا بیان ہے کہ میں کئی مہینہ تک سماع میں مشغول رہا، اور امام صاحب کے حلقہ درس اور خدمت میں نہ جاسکا،

۱۔ اس روایت کے بارے میں زاہد الکوثری نے لکھا ہے کہ رجوع کا ذکر صحیح نہیں ہے اور پھر انہوں نے اس روایت کو ناقابل اعتبار ثابت کرنے کی کوشش کی ہے، مگر یہ ان کی شدت پسندی ہے، جس کا وہ ہر مسئلہ میں اظہار کرتے ہیں، اس سے امام ابو یوسفؒ کی عظمت میں کوئی فرق نہیں آتا۔ ۲۔ حسن التقاضی۔ ص ۴۰

۳۔ امام ابو یوسفؒ کا علم حدیث و آثار میں اتنا وسیع تھا، کہ ان کو براہ راست سماع کی ضرورت ہی نہیں تھی، بلکہ اس کا مطالعہ ان کے لئے کافی تھا، اور امام محمدؒ کا مطالعہ چونکہ حدیث و آثار میں امام مالکؒ کی خدمت میں وسیع ہوا تھا۔ اس لئے انہوں نے اس کی ضرورت محسوس کی ہوگی، اسی بنا پر انہوں نے امام ابو یوسفؒ کے بارے میں یہ رائے دی، مگر امام ابو یوسفؒ نے علمی یادگاریں چھوڑی ہیں، ان کے دیکھنے کے بعد کون کہہ سکتا ہے کہ ان کو علم حدیث میں درک نہیں تھا۔

جب پوری کتاب ختم ہو گئی، تو امام صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا، امام صاحب نے غیر حاضری کی وجہ دریافت کی، تو کہا کہ میں محمد بن اسحاق سے ان کی کتاب المغازی کا سماع کر رہا تھا، اس لئے حاضر نہ ہو سکا، یہ سن کر امام صاحب نے محمد بن اسحاق کے علم و روایت پر اپنے عدم اطمینان کا اظہار کیا، مگر امام ابو یوسفؒ نے کمال ادب کے ساتھ اپنے شفیق و مہربان استاد کے سامنے صاحب مغازی کے علم و فضل کا اعتراف کیا۔

حلقہ درس :

اتنے ائمہ روزگار و شیوخ زمانہ سے استفادہ و حصول تعلیم کے بعد ان کو اپنا علیحدہ حلقہ درس قائم کرنے کا خیال پیدا ہوا اور قائم بھی کر لیا مگر اس کی اطلاع امام صاحب کو نہیں دی، امام صاحب کو معلوم ہوا تو اپنے کسی شاگرد کے ذریعہ چند مسائل دریافت کرائے، جن کے جواب سے وہ مطمئن نہیں ہوا، اور اسی وقت اس کی تردید کی، اب امام ابو یوسف کو احساس ہوا، کہ انہوں نے قبل از وقت حلقہ درس قائم کر دیا، چنانچہ وہ امام صاحب کی خدمت میں آئے، اور اپنی اس تقصیر کا اعتراف کیا، امام صاحب نے فرمایا۔

”تزییت قیل ان ’تحصرم‘۔“

”تم انگور ہونے سے پہلے ہی منقی بن گئے (یعنی پختہ کار ہونے سے پہلے ہی درس و تدریس کا کام شروع کر دیا)۔“

اس سلسلہ کی ایک روایت یہ ہے کہ ایک بار وہ بیمار پڑے، امام صاحب ان کی عیادت کے لئے گئے، مزاج پرسی کے بعد امام صاحب نے فرمایا، کہ مجھ کو تم سے بڑی توقعات ہیں اور تم مسلمانوں

۱۔ مناقبت۔ جلد ۲۔ ص ۲۳۲ اس روایت کو ابن خلکان نے بھی نقل کیا ہے، مگر اس میں یہ اضافہ ہے، کہ امام ابو یوسف نے امام صاحب کے جواب میں بے دھڑک کہا، کہ آپ بھی تو علم کے مدئی ہیں، لیکن یہ نہیں جانتے کہ غزوہ بدر پہلے ہوا ہے، یا غزوہ احد ظاہر ہے کہ یہ روایت کسی طرح صحیح نہیں ہو سکتی، جس کی مجلس درس امام ابو یوسف کے نزدیک سب سے زیادہ پرکشش اور محبوب ہو، اور جہاں انہوں نے اپنی زندگی کا سب سے قیمتی اور طویل حصہ گزارا ہو، اس کے سامنے امام ابو یوسفؒ یہ جسارت نہیں کر سکتے تھے، پھر امام محمد کی کتاب السیر الصغیر جس کو امام صاحب نے اٹھا کر ایا تھا، اس کے دیکھنے کے بعد کون کہہ سکتا ہے، کہ امام صاحب خدا نخواستہ مغازی و سیر سے ناواقف تھے، پھر امام ابو حنیفہؒ نے سیر و مغازی کی تکمیل امام شعبیؒ سے کی تھی، جو اپنے زمانہ میں سیر و مغازی کے امام سمجھے جاتے تھے، جن کی وسعت علم اور تجربہ میں کسی کو کلام نہیں ہے، یہ ضروری ہے، کہ جس طرح امام صاحب نے قرآن و حدیث و فقہ کو اپنا خاص فن بنا لیا تھا، اسی طرح ان کو اس فن کی طرف خاص توجہ کرنے کا موقع نہ مل سکا، ورنہ کون کہہ سکتا ہے، کہ وہ اس سے عاری تھے۔ اس روایت کا راوی معانی البحریری ہے جس کو ائمہ رجال نے ضعیف اور ناقابل اعتبار ٹھہرایا ہے۔ (تاریخ بغداد تہذیب اور حسن التقاضی۔ ص ۴۰)

حسن التقاضی

کے لئے بہت مفید ہو سکتے ہو۔ جب امام ابو یوسف اچھے ہوئے تو ان کو اپنا الگ حلقہ درس قائم کرنے کا خیال پیدا ہوا، جو عمل میں بھی آگیا، مگر اس کے بعد بھی، امام صاحب کی مجلس درس میں آمد و رفت قائم رہی ایک بار آئے، تو کوئی دقیق مسئلہ امام صاحب سے دریافت کیا، جس کو سن کر امام صاحب کو بڑا تعجب ہوا، فرمایا ! سبحان اللہ ایک شخص جو اپنا الگ حلقہ قائم کرتا ہے، خدا کے دین پر گفتگو کرتا ہے، تلامذہ کی ایک بڑی تعداد کو خطاب کرتا اور درس دیتا ہے، وہ اجارہ کا ایک مسئلہ اچھی طرح نہیں جانتا، پھر آپ نے بطور نصیحت فرمایا :

من ظن انه يستغنى عن التعلم ليبيك على نفسه ۲۔

”جو گمان کرتا ہے، کہ وہ حصول تعلیم سے مستغنی ہو گیا ہے اس کو اپنے اوپر رونا چاہئے۔“

غالباً یہ واقعہ اس وقت کا ہوگا، جب ابھی امام ابو یوسف کا علم پختہ نہیں ہوا تھا، اور ان میں میں مجتہدانہ شان نہیں پیدا ہوئی تھی، ایسا بہت ہوتا ہے کہ لوگ جلدی ہی اپنے کو استفادہ و تحصیل سے مستغنی سمجھنے لگتے ہیں، اور درس و افادہ شروع کر دیتے ہیں، خود امام اعظمؒ نے اپنی فطری ذہانت و جودت طبع کی بنا پر اپنے استاد حماد بن سلیمان سے اپنے کو بے نیاز سمجھ لیا تھا، مگر فوراً ہی ان کو اس پر تنبیہ ہو گیا، ورنہ پھر آخر عمر تک ان کا دامن فیض نہیں چھوڑا امام صاحب کو امام ابو یوسفؒ سے خاص تعلق تھا، اور جس بڑے کام کے لئے وہ ان کو تیار کر رہے تھے، اس کے لائق ابھی نہیں ہوئے تھے، اس لئے اپنے ذاتی تجربہ کی بنا پر وہ چاہتے تھے کہ افادہ و استفادہ کا سلسلہ باہم ابھی کچھ دنوں اور قائم رہے، تاکہ وہ پورے طور پر اس کام کی ذمہ داریوں کے سنبھالنے کے قابل ہو جائیں، ان میں یہی احساس پیدا کرنے کے لئے ان کے سامنے امام اعظمؒ نے ایسے مسائل پیش کئے، جن میں ان کو اپنے قصور علم اور نارسائی ذہن کا احساس ہوا اور نہ امام صاحب تو خود ان کی برابر ہمت افزائی فرماتے اور ان میں اعتماد پیدا کرنے کی کوشش کرتے رہتے تھے، ایک بار امام زفرؒ اور ان میں کسی مسئلہ میں مباحثہ ہو گیا، جب کئی گھنٹے گزر گئے، اور بحث جاری رہی تو امام صاحب نے امام زفرؒ سے فرمایا کہ علمی ریاست اور سیادت ابو یوسف کا حصہ ہے، تم اس کو لینے کی کوشش نہ کرو۔

اس کی مجلس درس کا کوئی ذکر تذکروں میں نہیں ملتا، لیکن ان کے تلامذہ اور مستفیدین کی کثرت تعداد سے اندازہ ہوتا ہے کہ انہوں نے چاہے کوئی باقاعدہ مجلس درس نہ قائم کی ہو، لیکن تشنگان علم ان کے چشمہ علم سے سیراب ضرور ہوتے رہتے تھے، اور یہ سلسلہ تقریباً سولہ برس یعنی ۱۵۰ھ سے

۱۶۶ھ تک جاری رہا، ۱۶۶ھ میں وہ عہدہ قضا پر مامور کر دئے گئے، اور تقریباً ابرس تک یہ خدمت انہوں نے انجام دی، گو قضاء کے زمانہ میں بھی درس و افادہ کا سلسلہ جاری تھا، اور مستفیدین برابر فائدہ اٹھاتے رہے مگر ظاہر ہے کہ اس عہدہ کی مشغولیتوں کی وجہ سے درس کی طرف پہلی جیسی یکسوئی تو باقی نہیں رہ سکتی، چنانچہ ارباب تذکرہ لکھتے ہیں کہ دن میں تو ان کو بالکل فرصت نہیں ملتی تھی، البتہ رات میں اس کے لئے وقت نکال لیتے تھے، اور درس دیتے تھے، ہارون سے کچھ لوگوں نے شکایت کی تو پہلے تو اس نے ان کے علم و تقویٰ کی تعریف کی، اس کے بعد کہا کہ۔

يقدر للناس وليس معه كتاب ولا شئنى درسه بالليل مع مشغله فى اعمالنا .

”عہدہ قضا۔۔۔۔۔ کی مشغولیت کی وجہ سے رات کو لوگوں کو درس دینے کے لئے بیٹھتے ہیں اور ان کے علم کے استحضار کا حال یہ ہے کہ ان کے ہاتھ میں نہ کوئی کتاب ہوتی ہے اور نہ کوئی چیز لکھی ہوئی ہوتی ہے۔“

امام صاحبؒ کے درس کی خصوصیات امام ابو یوسفؒ کے درس ہیں :

امام صاحب اپنے معاصرین سے جہاں بہت سی چیزوں میں ممتاز تھے، وہاں ایک امتیاز یہ بھی تھا کہ وہ طلبہ کے ساتھ نہایت خیر خواہی اور حسن سلوک کیساتھ پیش آتے تھے۔ ان کی تعلیم میں نہ بخل سے کام لیتے تھے، نہ تضییع اوقات کرتے تھے، بلکہ کوشش کرتے تھے کہ وہ اپنے فن میں بڑی سے بڑی شان امتیاز حاصل کر لیں، یہی وجہ ہے کہ ان کے ایسے صاحب علم و فضل، ذہین و طباع تلامذہ دوسرے ائمہ کو نہیں ملے۔

امام صاحب نے اپنے تلامذہ سے کہہ دیا تھا، کہ استاد و مربی ہونے کے باوجود میری کسی بات کو بغیر دلیل اور حجت کے نہ ماننا، استاد کے یہ اوصاف بڑی حد تک۔۔۔۔۔ شاگردوں میں بھی موجود تھے، اور وہ بھی اپنے تلامذہ کے ساتھ نہایت فیاضانہ برتاؤ کرتے تھے، امام محمد بن حسنؒ کے حالات میں مذکور ہے، کہ وہ امام شافعیؒ اور امام مالکؒ کے مشہور افریقی شاگرد اسد بن فرات کو مجلس درس کے مقررہ اوقات کے علاوہ رات کو گھر پر پڑھاتے تھے، اور ان کو کوئی ناگواری نہیں ہوتی تھی، اسد کو مالی امداد کی ضرورت ہوتی تھی تو اس سے بھی دریغ نہیں کرتے تھے، امام شافعیؒ کہتے تھے۔

ليس احدٌ آمنَ على من محمد بن حسن الشيباني .

”امام محمد سے زیادہ میرے اوپر کسی نے احسان نہیں کیا۔“

امام ابو یوسفؒ پر بھی اُستاد کا پرتو پڑا تھا، وہ بھی طلبہ کے ساتھ نہایت لطف و مہربانی سے پیش آتے تھے، ان کے سوالات کا نہایت خندہ پیشانی اور کمال حلم و صبر کے ساتھ جواب دیتے تھے اور ان کو مطمئن کرنے کی کوشش کرتے تھے، حسن بن زیادؒ جو امام صاحب کی شاگردی میں رہ چکے تھے، ان کی وفات کے بعد امام ابو یوسف اور امام زفر کے پاس استفادہ کے لئے آتے تھے، امام ابو یوسف کے بارے میں فرماتے ہیں، کہ

کان ابو یوسف اوسع صدراً لتعليم من زفر (حسن التقاضی: ص ۱۹)
”ابو یوسف تعلیم کے بارے میں زفر سے زیادہ کشادہ دل اور وسیع ظرف کے تھے۔“

انہی کا بیان ہے کہ میرے سامنے جب کوئی مشکل مسئلہ آتا، تو پہلے امام زفرؒ کے پاس جاتا، ان سے دریافت کرتا وہ جواب دیتے، میری سمجھ میں نہ آتا تو دوبارہ پوچھتا، یہاں تک کہ جب وہ تکرار سوال سے زچ ہو جاتے تو فرماتے، کہ تمہارے لئے یہ فن نہیں ہے، وقت ضائع کرنے سے کیا فائدہ ہے تمہارے ذہن و دماغ کا یہی حال ہے، تو مجھے امید نہیں ہے، کہ تم حصول علم میں کامیاب ہو گئے، میں وہاں سے بہت غمگین واپس ہوتا، اور پھر امام ابو یوسفؒ کی خدمت میں جا کر مسئلہ دریافت کرتا، جب ان کا حل بھی میری سمجھ میں نہ آتا تو فرماتے اچھا گھبراؤ نہیں کیا تم کو اس مسئلہ کے مبادی سے بھی واقفیت نہیں ہے، کہتا کہ اس کے بہت سے گوشوں سے واقف تو ضرور ہوں، لیکن جو واقفیت اور جو اطمینان چاہتا ہو، وہ حاصل نہیں ہوتا، اور دل میں خلش باقی رہتی ہے، فرماتے کہ ہر ناقص چیز بدرجہ اتمام و اکمال کو پہنچتی ہے، صبر سے کام لو، ذہن و دماغ پر زور ڈالو، امید ہے کہ تم رفتہ رفتہ اپنے گوہر مقصود کو پالو گے، حسن کہتے ہیں، کہ میں ان کے اس صبر و علم پر متعجب رہتا۔ شاگردوں سے فرماتے تھے کہ :

لو استطعت ان امشاطر کم ما فی قلبی لفعلت۔

”میرے قطب و دماغ میں جو کچھ علم و فضل ہے اگر اسے تم لوگوں (تلامذہ) میں تقسیم کر سکتا تو تقسیم کر دیتا۔“

اس سے تلامذہ کے ساتھ ان کی غیر معمولی دلسوزی، ہمدردی اور تعلق خاطر کا اندازہ کیا جاسکتا ہے، جب تک عہدہ قضا پر مامور نہیں ہوئے تھے، درس و افادہ کا کام یکسوئی سے انجام دیتے رہے مگر جب قضا کی ذمہ داری سنبھال لی، اور اس کے کاموں میں مشغول ہو گئے، تو ظاہر ہے، کہ یکسوئی اور انہماک باقی نہیں رہ سکتا تھا، لیکن پھر بھی اس سے جو وقت بچتا تھا، وہ افادہ و تعلیم ہی میں صرف ہوتا تھا،

یہاں تک کہ حالت سفر میں بھی یہ فیض جاری رہتا تھا، ایک بار بصرہ تشریف لے گئے تو بڑا ہجوم ہوا، اصحاب حدیث چاہتے تھے کہ پہلے وہ استفادہ کریں اور اصحاب فقہ چاہتے تھے، کہ پہلے ان کو خطاب کیا جائے، فرمایا کہ میں دونوں گروہوں سے تعلق رکھتا ہوں، کسی پر ترجیح نہیں دے سکتا، اس کے بعد انہوں نے ایک سوال کیا، جن لوگوں نے جواب دیا، ان کو اندر لے گئے اور دیر تک یہ مجلس درس و افادہ جاری رہی۔^۱

حج کے لئے تشریف لے گئے تو وہاں بھی درس و افادہ کا سلسلہ جاری تھا، امام مالکؒ سے اسی سفر میں انہوں نے ملاقات کی اور دونوں میں علمی باتیں ہوئیں۔

غرض یہ کہ انہوں نے کوئی مخصوص مجلس درس تو قائم نہیں کی مگر تعلیم و افادہ اور درس و تدریس کا مشغلہ پوری زندگی جاری رہا، حتیٰ کہ موت سے چند لمحے پہلے تک یہ چشمہ فیض جاری تھا، ان کے خاص شاگرد قاضی ابراہیم بن الجراح کا بیان ہے کہ امام ابو یوسفؒ جب آخری بار بیمار پڑے تو میں برابر ان کی عیادت کے لئے جایا کرتا، ایک روز گیا تو وہ بے ہوش پڑے تھے، ذرا ہوش ہوا تو فرمایا ابراہیم! پیدل رمی جمار کرتا بہتر ہے، یا سوار ہو کر، عرض کیا پیدل۔ فرمایا کہ غلط ہے۔ میں نے پھر عرض کیا، سوار ہو کر، ارشاد ہوا یہ بھی غلط ہے، پھر انہوں نے مسئلہ کی پوری تفصیل بیان کی، ان کی خدمت سے اٹھ کر ابھی دروازہ سے باہر نکلا بھی نہیں تھا کہ اندر سے آواز آئی کہ امام کی وفات ہو گئی۔

ظاہر ہے کہ جس کا چشمہ علم تقریباً ۳۲ برس تک مسلسل جاری رہا ہو، اس سے پوری مملکت اسلامیہ کے نہ معلوم کتنے تشنگان علم نے اپنی پیاس رفع کی ہوگی، ان سب کے ناموں کا معلوم اور جمع کرنا بڑا مشکل اور دشوار کام ہے، مگر جو نام تذکروں میں ملتے ہیں، ان کی تفصیل بھی طوالت سے خالی نہیں، چند ممتاز اور مشہور تلامذہ و طالبان علم کے نام درج ذیل ہیں۔

قاضی ابراہیم بن جراح مازنی، ابراہیم بن سلمۃ الطیالسی، ابراہیم بن میمون البخی، امام احمد بن حنبلؒ فرماتے تھے، کہ میں نے تین الماریوں کے بقدر کتابوں کا علم ان سے حاصل کیا ہے، اسد بن فرات امام مالکؒ کے مشہور شاگرد اسماعیل بن حماد، امام صاحب کے پوتے، اشرف بن سعید نیشاپوری، بشار بن موسیٰ، بشر بن یزید نیشاپوری، نویر بن سعد مروزی، جعفر بن یحییٰ برکی (ہارون کا مشہور وزیر) حسن بن زیاد، الحسین بن ابراہیم بغدادی، حسین ابن حفص اصفہانی، ابوالخطاب، (امام ابو یوسف کے کاتب یعنی پراسیویٹ سکرٹری) خلف بن ایوب بلخی، داؤد بن رشید خوارزمی، سعید بن الربیع ہر دی،

شجاع بن مخلد، ابوالعباس طوسی، عبدالرحمن بن مہر، عبدالرحمن بن عبدی، عبدوس بن بشر الرازی، عثمان بن بحر الجاحظ، عرزم ابن فردہ، حافظ علی جعد الجوهری، علی بن حرمہ کوفی، علی بن صالح جرجانی، علی بن المدینی، (مشہور حافظ حدیث) علی بن مسلم طوسی، عمرو بن ابی عمرو حرانی، فضیل بن عیاض، امام محمد بن حسن شیبانی، محمد بن ابی رجا، خراسانی، موسیٰ بن سلیمان جوزجانی، دکیج بن الجراح، ہلال بن یحییٰ بصری (صاحب احکام الوقف) یحییٰ بن آدم (صاحب کتاب الخراج) یحییٰ بن معین (امام جرح و تعدیل) یوسف (امام کے صاحبزادے جو کتاب الآثار کے راوی ہیں)۔

ان ناموں سے آپ کو اندازہ ہوگا کہ امام ابو یوسفؒ کے فیض کا دائرہ کتنا وسیع تھا، ان میں آپ کو خراسان، جوزجان، بلخ، مرد، ہرات، رے، بغداد، کوفہ، بصرہ، مدینہ، اور مغرب اقصیٰ تک کے شایقین علم، اس حرم علم و کمال سے خوشہ چینی کرتے نظر آئیں گے ان میں وہ بھی ہیں جن کی ریاست علم و فضل اور قدر کا ایک عالم معترف ہے۔

امام شافعیؒ اور امام ابو یوسفؒ کی ملاقات :

امام ابو یوسفؒ اور امام شافعیؒ معاصر تھے، اس لئے دونوں بزرگوں کی باہم ملاقات اور روایت کا امکان موجود ہے، اور اسی وجہ سے غالباً بعض اہل تذکرہ نے ان کی ملاقات کا ذکر کیا ہے، اور بعض نے لکھا ہے کہ ہارون رشید کے سامنے دونوں میں ملاقات ہوئی تھی، اور بعض مسائل میں مناظرہ بھی ہوا، ایک صاحب تذکرہ نے تو یہاں تک تصریح کی ہے، کہ امام ابو یوسفؒ و امام محمدؒ ان سے مناظرہ میں پیش نہ پاسکے تو خلیفہ ہارون رشید کو امام شافعیؒ کے قتل پر آمادہ کیا، اس آخری روایت کے خلاف کوئی تاریخی ثبوت نہ بھی ہوتا تو بھی نفس واقعہ کے پیش نظر یہ روایت، کسی طرح قرین قیاس نہیں ہو سکتی تھی، اس لئے کہ ان ائمہ کے بارے میں جن کے زہد و تقویٰ، بے نفسی و بے غرضی، اور صبر و تحمل پر سب کا اتفاق ہے، ان کی طرف ایسی رکیک باتوں کا انتساب تو بڑی بات ہے، ان کے متعلق اس کا کوئی گمان بھی نہیں کیا جاسکتا، یہ حقیقت ان رواۃ کا اختراع ہے، جو شافعییت اور حنفیت کے فتنہ کو ہوا دے کر اپنا کوئی ذاتی فائدہ اٹھانا چاہتے تھے، تعجب ہوتا ہے کہ اس روایت کو امام الحرمین، امام رازیؒ، اور امام نوویؒ جیسے محتاط بزرگوں نے اپنی کتابوں میں کیسے نقل کر دیا، بہر حال اس کی تردید میں جو عقلی و نقلی دلائل ہمارے علم میں آئے ہیں ہم یہاں نقل کرتے ہیں۔

اہل تذکرہ نے امام ابو یوسفؒ اور امام شافعیؒ کی دو ملاقاتوں کا ذکر کیا ہے، ایک مدینہ منورہ میں، اور دوسری بغداد میں، بغداد میں امام ابو یوسفؒ اور امام شافعیؒ کی ملاقات بالکل افسانہ ہے، اس لئے

کہ امام شافعیؒ عراق میں پہلی بار ۱۸۲ھ میں گئے ہیں، جب کہ دو سال پہلے ۱۸۲ھ میں امام ابو یوسفؒ کا انتقال ہو چکا تھا، پھر وہ امام فن کی حیثیت سے نہیں بلکہ ایک معمولی طالب علم کی حیثیت سے امام محمدؒ کی خدمت میں گئے تھے، خود فرماتے ہیں کہ میں نے محمد بن حسنؒ سے ایک اونٹ کے برابر علم حاصل کیا میری آنکھوں نے ان کے جیسا کسی کو نہیں پایا۔ ظاہر ہے امام شافعیؒ جو امام محمدؒ کی شاگردی کے لئے گئے تھے ان کا امام ابو یوسفؒ بفرض محال وہ زندہ بھی ہوتے تو مناظرہ کرنا اور پھر ان کو ساکت کر دینا کس طرح سمجھ میں آ سکتا جب کہ امام ابو یوسفؒ ان کے استاد امام محمدؒ کے بھی اُستاد تھے، اس روایت کی تردید کرتے ہوئے حافظ ابن کثیرؒ اور حافظ ابن حجرؒ نے جو کچھ لکھا ہے اس کو ہم یہاں نقل کرتے ہیں۔

من زعم من الرواة ان الشافعي اجتمع بابي يوسف كما يقول عبد الله بن محمد البلوي الكذاب^۱ في الرحلة التي ساقها للشافعي فقد اخطأ في ذلك وانما ورد الشافعي بعداء في اول قدمه قد مها اليها سنة اربع وثمانين ومائة^۲۔

”جب راویوں نے یہ گمان کیا ہے کہ امام شافعیؒ اور امام ابو یوسفؒ میں ملاقات ہوئی جیسا کہ عبد اللہ بن محمد البلوی کذاب نے ایک فرضی سفر امام شافعیؒ کی طرف منسوب کیا ہے، اس نے اس میں ایک فاش غلطی کی ہے بغیر کسی شبہ کے یہ بات مسلم ہے کہ امام شافعیؒ پہلی بار بغداد میں ۱۸۲ھ میں گئے۔ (اس سے دو برس پہلے امام ابو یوسفؒ کا انتقال ہو چکا تھا)

حافظ ابن حجرؒ جو خود شافعی اہلسنک میں انہوں نے امام شافعیؒ کی سوانح عمری میں جو مستقل کتاب توالی التامیس کے نام سے لکھی ہے، اس میں اس واقعہ کی تردید کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

ما الرحلة المنسوبة الى الشافعي المروية من طريق عبد الله بن محمد البلوي فقد اخرج الآبري والبيهقي وغيرها مطولة ومختصرة ساقها الفخر الرازي في مناقب الشافعي بغير اسناد و معتمدا عليها وهو مكزوبة وغالب ما فيها من الكذب قوله فيها ان ابو يوسف و محمد بن الحسن حرضا الرشيد على قتل الشافعي وهذا باطل من وجهين احدهما ان ابا يوسف لما دخل الشافعي

۱۔ عبد اللہ بن محمد بلوی کے متعلق حافظ ابن کثیرؒ کی اس رائے کی تائید میں امام ذہبی نے میزان میں دارقطنی کا یہ قول نقل کیا ہے، ”یضج الحدیث یہ حدیث وضع کرتا تھا۔ ابن حجرؒ نے جو لکھا ہے وہ آگے منقول ہے۔ (البدایہ والنہایہ جلد ۱۰ ص ۱۸۳) ۲۔ ان تصریحات کے باوجود اب تک اہل علم اپنی کتابوں میں اسے نقل کرتے ہیں اور بعض جگہ طلبہ کو پڑھاتے ہیں۔

بغداد کان مات ولم یجتمع به الشافعی والثانی انہما کانا اتقی اللہ
من ان یسعیافی قتل رجل مسلم لا سیما ولس له الیہما ذنب
..... هذا مالا یظن بہما وان منصبہا وجلاتہما ما اشتهر من
وفیہا لیصد عن ذلک والذی تحذر لنا بالطرق الصحیحۃ ان قدوم
الشافعی بغداد اول ما قدم کان سنۃ اربع وثمانین وکان ابو یوسف
قدمات قبل ذلک بسنتین ۱۔

”اور عبداللہ بن محمد البلوی کے واسطہ سے جو سفر نامہ امام شافعیؒ کی طرف منسوب ہے اس
کو آبری اور بھٹی وغیرہ نے مفصل اور مختصر طور پر نقل کیا ہے اور امام رازی نے اپنی کتاب
مناقب الشافعیؒ میں بغیر کسی سند کے اس کو صحیح سمجھ کر نقل کر دیا ہے وہ بالکل افسانہ ہے
۔۔۔۔۔ سب سے بڑا جھوٹ جو اس میں بولا گیا ہے وہ یہ ہے کہ امام ابو یوسفؒ اور امام
محمدؒ نے ہارون رشید کو امام شافعیؒ کے قتل پر اُکسایا، یہ بات دو وجوہ کی بناء پر بالکل رد کر
دینے کے قابل ہے، ایک تو یہ کہ جس وقت امام شافعیؒ بغداد پہنچے تھے اس وقت امام
ابو یوسفؒ کا انتقال ہو چکا تھا اور ان سے ملاقات نہیں ہوئی، دوسری یہ کہ ان دونوں
بزرگوں کے دلوں میں جو خدا کا خوف اور تقویٰ تھا اس سے بالکل مستبعد تھا کہ وہ ان کے
قتل کی کوشش کرتے اور پھر ایک ایسے مسلمان کا قتل کی کوشش کرتے جس کا کوئی گناہ نہیں
تھا۔۔۔۔۔ ان کے بارے میں اس کا گمان ہی نہیں کیا جاسکتا۔ ان کا منصب، ان کی
جلالت اور ان کی انسانیت دوستی کی جو شہرت ہے یہ تمام چیزیں قطعاً اس کی تردید کرتی ہیں
اور یہ بات صحیح طریقوں سے ہمارے نزدیک ثابت ہے کہ امام شافعیؒ ۱۸۴ھ میں پہلی بار
بغداد گئے اور امام ابو یوسفؒ اس سے دو سال پہلے انتقال کر چکے تھے۔“

رجال کے سلسلہ میں حافظ ابن حجر کی رائے کا جو وزن ہے اس سے اہل علم واقف ہیں۔ پھر
ان کے ساتھ امام بخاری جو رجال و حدیث کے دوسرے نقاد ہیں وہ اپنی کتاب مقاصد حسنہ میں اس
روایت کی تکذیب کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

وہی موضوعہ مکذوبہ

”یہ موضوع اور سراسر جھوٹ ہے۔“

امام ابن تیمیہ نے بھی منہاج السنہ میں اسکی تردید کی ہے ۲۔

مدینہ منورہ میں ان کی ملاقات کی جو روایت ہے اس میں یہ الفاظ ہیں کہ امام مالک کی موجودگی میں امام ابو یوسفؒ اور امام شافعیؒ سے صاع، وقف اور اقامت کے بارے میں مباحثہ ہوا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ امام ابو یوسفؒ نے امام شافعیؒ کے مسلک کی طرف رجوع کر لیا۔

اوپر بار بار ذکر آچکا ہے کہ امام شافعیؒ پہلی بار ۸۴ھ میں جب بغداد گئے ہیں تو اس وقت وہ طالب علم تھے اور امام ابو یوسفؒ اس سے دو برس پہلے انتقال کر چکے تھے، ظاہر ہے کہ مدینہ منورہ میں ان حضرات کی ملاقات اس سے پہلے ہی ہوئی ہوگی کیونکہ اس روایت میں امام مالکؒ کی موجودگی کا بھی ذکر ہے اور وہ ۹۷ھ میں وفات پا چکے تھے پھر تمام اہل تذکرہ لکھتے ہیں کہ امام شافعیؒ جب امام مالکؒ کی خدمت میں گئے ہیں تو بہت کم سن تھے اس لئے یہ کسی طرح قرین قیاس نہیں ہے کہ امام شافعیؒ اس وقت کسی خاص مسلک کے حامل رہے ہوں گے جس کو امام ابو یوسفؒ نے اختیار کر لیا ہو گا جب کہ اس کے کئی برس کے بعد جب امام محمدؒ کے حلقہ درس میں گئے تو اس وقت بھی وہ ایک طالب علم ہی تھے۔ پھر امام مالکؒ کی مجلس درس اور ان کی عام مجالس کے آداب سے جو لوگ واقف ہیں وہ جانتے ہیں کہ امام مالکؒ کی مجلس میں کسی کو بلند آواز سے بولنے کی اجازت نہیں تھی ایسی صورت میں کسی شاگرد کو مناظرہ و مباحثہ کی اجازت کس طرح مل سکتی تھی۔

یہ امکان ضرور ہے کہ امام ابو یوسفؒ اور امام شافعیؒ کی ملاقات مدینہ منورہ میں امام مالکؒ کی خدمت میں ہوئی، اس لئے کہ ان کی خدمت میں دونوں بزرگوں کا جانا اور کسب فیض کرنا بہر حال ثابت ہے مگر اس روایت میں جو ہارون رشید کی موجودگی کا ذکر ہے اس کے بارے میں امام بخاریؒ لکھتے ہیں :

و کذا لک ما ذکر ان الشافعی اجتمع بابی یوسف عند الرشید
باطل فلم یجتمع الشافعی بالرشید الا بعد موت ابی یوسف .
(مقاصد ص ۲۲۲)

”اس طرح ذکر کیا جاتا ہے امام شافعیؒ اور امام ابو یوسفؒ میں ہارون رشید کی موجودگی میں ملاقات ہوئی یہ بالکل باطل ہے۔ ہارون رشید سے امام شافعیؒ کی ملاقات امام ابو یوسفؒ کے انتقال کے بعد ہوئی۔“

اس بیان سے مدینہ کی ملاقات کا امکان بھی ختم ہو جاتا ہے۔

ان تاریخی بیانات کی روشنی میں یہ بات پایہ ثبوت تک پہنچ جاتی ہے کہ ان دونوں اماموں میں ملاقات نہیں ہوئی۔ اس سلسلہ میں ایک اور چیز قابل ذکر ہے وہ یہ کہ امام شافعیؒ نے کتاب الام باب بیع الولاء اور مسند میں امام ابو یوسف سے امام محمدؒ کے واسطہ سے روایت کی ہے یعنی او را گروہ براہ راست اس سے استفادہ کرتے تو پھر امام محمد کے واسطہ سے کیوں روایت کرتے۔

امام ابو حنیفہؒ کے بعض مسانید میں امام شافعیؒ کی براہ راست امام ابو یوسف سے روایت مذکور ہے اس کے بارے میں علامہ زاہد الکوثریؒ نے لکھا ہے کہ غالباً یہ سبقت قلم ہے۔ امام شافعیؒ کے ایک شیخ یوسف بن خالد ہیں ممکن ہے کہ بعض رواۃ نے غلط فہمی سے یوسف کے بجائے ابو یوسف کا نام روایت کر دیا ہو اور وہی زبان زد عام ہو گیا ہو۔

عہدہ قضا :

عہد نبوی اور عہد صدیقی میں عہدہ قضا اسلامی حکومت کا کوئی الگ شعبہ نہیں تھا بلکہ ہر صوبہ یا ضلع کا جو دار لی ہوتا تھا وہ انتظامی اور عدالتی دونوں امور انجام دیتا تھا۔ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں جب اسلامی حدود مملکت میں بہت زیادہ وسعت (گنجائش) پیدا ہوئی اور گوں ناگوں مصالح اور ضرورتوں کی بنا پر انتظامیہ اور عدلیہ کو ایک ساتھ رکھنا مشکل ہو گیا اور پھر ولایت مملکت کی بے عنوانیوں کی خبریں بھی دربار خلافت میں پہنچنے لگیں تو حضرت فاروقؓ نے دونوں شعبوں کو الگ کر دیا اور دونوں کے الگ الگ ذمہ دار اور سربراہ کار مقرر کئے۔ اس کے دونوں کے شعبے ایک دوسرے سے آزاد ہو گئے جن کے عہدہ داروں کا تقرر خود خلیفہ وقت کرتا تھا، عہد فاروقی کے بعد بہت دنوں تک اسی پر عمل درآمد تھا یعنی یہ کہ دونوں شعبے الگ تھے اور ان کے عہدہ داروں کا تقرر وقت کا خلیفہ کرتا تھا۔ مگر خلفائے بنو امیہ جن کو دین اور دین کے تقاضوں اور کاموں سے وہ شغف اور تعلق خاطر باقی نہیں رہ گیا تھا جو ان کے پیشروں کو تھا اس لئے انہوں نے عہدہ قضا کی اہمیت کم کر دی اور قاضیوں کا انتخاب اور ان کا تقرر اور عزل صوبوں کے والیوں کے ذمہ ہو گیا۔

قاضیوں کا انتخاب :

ظاہر ہے کہ جب خود خلفائے بنو امیہ کا دینی تصور کمزور اور ان کی دینی زندگی مضحل ہو گئی تھی اور دین سے زیادہ ان پر دنیا طلبی غالب آ گئی تھی تو پھر ان کے مقرر کردہ والیوں کی دینی زندگی کا کیا اعتبار ہو سکتا تھا، غرض اس کی وجہ سے بے عنوانیوں کا ایک غیر ختم سلسلہ شروع ہو گیا۔ مروان جو سلسلہ بنی امیہ کا تیسرا فرمانروا ہے اس کے زمانہ کا ایک واقعہ ہے کہ جب وہ مصر پہنچا تو وہاں کے قاضی کو بلوایا، اس وقت وہاں کے قاضی عابس تھے اس نے ان سے پوچھا کہ قرآن یاد ہے؟ بولے نہیں پھر پوچھا فرائض

یعنی تقسیم وراثت میں پختگی پیدا کر لی ہے، جواب ملا نہیں، مروان کو اس جواب سے حیرت ہوئی، بولا
فَبِمَ تَقْضِيْ پھر آپ فیصلہ کیسے کرتے ہیں۔

خلفاء کی اس بے توجہی کا نتیجہ یہ ہوا کہ دن بدن اس میں بے عنوانیاں بڑھتی ہی چلی گئیں۔
حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے اپنے دور خلافت میں دوسرے شعبوں کی طرح اسکی طرف بھی توجہ دی مگر
اس کام کو پایہ تکمل تک پہنچانے سے پہلے ہی انتقال کر گئے۔

صرف یہی نہیں تھا کہ قاضیوں کے انتخاب میں اہل و نااہل کا بہت کم خیال کیا جاتا تھا بلکہ
حکمران طبقہ قاضیوں کے فیصلوں تک میں بھی دخل اندازی کرتا تھا چنانچہ اموی اور عباسی دور کا مشکل
سے کوئی ایسا قاضی ملے گا جس کے فیصلہ میں ارباب حکومت کی مداخلت کا کوئی نہ کوئی واقعہ نہ پیش آیا
ہو۔ صرف اموی دور کے قاضی خیر بن معین اور عباسی دور کے قاضی حفص بن غیاث کے متعلق ان کے
تذکرہ نگاروں نے لکھا ہے کہ ارباب حکومت نے ان کو اپنے فیصلوں کے بدلے پر مجبور کرنا چاہا تھا،
مگر حکومت سے منسلک ہوتے ہوئے بھی ان کے پائے ثبات میں لغزش نہیں پیدا ہوئی اور وہ اپنے
فیصلوں پر قائم رہے یہی وجہ تھی کہ محتاط فقہاء اور محدثین حکومت وقت سے کسی قسم کے تعاون کو پسند
نہیں کرتے تھے۔ اگر کسی مجبوری کی بناء پر یا اضطرار اوہ تعاون کرتے بھی تھے تو اس سے مطمئن نہیں
ہوتے تھے بلکہ ایک اضطرارہ سمجھ کر اسے انجام دیتے تھے، قاضی حفص بن غیاث فرماتے تھے کہ جب
میری حالت یہ ہو گئی کہ مردار کھانا مرے لئے حلال ہو گیا تو اس وقت میں نے عہدہ قضا قبول کیا،
قاضی شریک کو مجبوراً عہدہ قضا قبول کرنا پڑا تو انہوں نے اس کو دین کے فروخت کرنے سے تعبیر کیا
ان کے الفاظ یہ ہیں۔

بعت دینی! ”میں نے اپنے دین کو بیچ دیا۔“

وہ لوگ مردار اور دین فروشی سے اس لئے اس کو تعبیر کرتے تھے کہ مسند قضا پر پہنچنے کے بعد
اس جرات اور آزادی کے ساتھ دینی احکام کی روشنی میں معاملات کا فیصلہ نہیں کر سکتے تھے جس آزادی
سے وہ عہدہ افتا پر رہ کر کر سکتے تھے بلکہ جو لوگ حکومت سے اپنا تعلق قائم کرتے تھے ان کو یہ بھی بتانا پڑتا
تھا۔ یافعی نے یزید بن عبدالملک کے زمانہ کا ایک واقعہ بیان کیا ہے :

اتوہ اربعین شیخا شہد والہ ان الخلفاء لا حساب علیہم ولا عذاب

”ان کے پاس چالیس شیوخ آئے اور کہا کہ خلفاء کے لئے نہ حساب ہے اور نہ عذاب۔“

اس کے بعد وہ لکھتے ہیں :

نعوذ بالله مما سيلقى الظالمون من شره العذاب^۱

”ہم اللہ کی پناہ اس عذاب اور سزا سے مانگتے ہیں جن میں یہ ظالم مبتلا ہوں۔“

لیکن ان میں جو بہت زیادہ غیر معمولی لوگ تھے انہوں نے کسی قیمت پر اس اضطراب کو اپنے لئے گوارا نہیں کیا۔ ان ہی لوگوں میں سفیان ثوریؒ، امام مالکؒ، امام ابو حنیفہؒ اور ان کے بعض تلامذہ ہیں۔ امام ابو حنیفہ نے بنو امیہ اور بنو عباس دونوں کا عہد دیکھا تھا اور دونوں عہدوں میں ان کے سامنے یہ قہر تر پیش کیا گیا مگر انہوں نے قبول نہیں کیا اور کسی قسم کے تعاون اور اشتراک عمل کو صحیح نہیں سمجھا۔ ان کے اس عزم سے ان کو پوری زندگی بڑی بے اطمینانی اور بے چینی میں گزری مگر انہوں نے اپنے اس ارادہ و عزم میں کسی قسم کی تبدیلی گوارا نہیں کی بلکہ اس سے آگے بڑھ کر وقت کی ان دینی اور اصلاحی تحریکوں کا علانیہ ساتھ دیا۔ جو نظام حکومت کے بدلنے اور اس میں انقلاب و اصلاح پیدا کرنے کے لئے انھیں جس کی تفصیل کا یہ موقع نہیں ہے۔ ان کے تلامذہ میں امام زفرؒ بھی اسی عزم و ارادہ کے انسان تھے ان کے سامنے بھی جب عہدہ قضا پیش ہوا تو اس کے قبول کرنے سے انکار کر دیا جب بہت زیادہ اصرار ہوا تو روپوش ہو گئے، حکم ہوا کہ ان کا مکان گرا دیا جائے جس کی تعمیل کی گئی لیکن وہ اپنے فیصلہ اور عزم راسخ پر قائم ہو گئے۔

امام محمدؒ کو امام ابو یوسفؒ نے ایک مصلحت کی بنا پر اس عہدہ کے قبول کرنے پر مجبور کیا جس کا رنج ان کو زندگی بھر رہا۔ انہوں نے حکومت کے خلاف بعض ایسے فیصلے دیئے کہ ان کو اس کے نتیجے میں جیل جانا پڑا، تفصیل ان بزرگوں کے حالات میں آئے گی۔

لیکن امام ابو یوسفؒ نے اپنے استاد اور اپنے اصحاب کے روش کے برخلاف عہدہ قضا قبول کیا جس سے یہ گمان ہوتا ہے کہ ان کے وقت کے اس نظام سے اتنی نفرت اور بے تعلقی نہیں تھی جو اس کے پیش روں اور دوسرے ہم عصروں کو تھی اسی بنا پر بعض اہل تذکرہ نے ان کے بارے میں کچھ اچھی رائے نہیں دی لیکن ان کے بارے میں متعدد وجوہ کی بناء پر یہ گمان صحیح نہیں ہے۔

یہ صحیح ہے کہ جو لوگ حکومت کا کوئی عہدہ قبول کر لیتے تھے، ان کو عام طور پر اچھی نگاہ سے نہیں دیکھا جاتا تھا۔ خصوصیت سے اہل تقویٰ اور اہل علم کا گروہ تو اس کو سخت ناپسند اور حقیر سمجھتا تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ حکومت سے متعلق ہونے کے بعد آدمی کی دینی حمیت اور ملی غیرت کچھ سر و ضرور

پڑ جاتی تھی اور صحیح فیصلہ کے مقابلہ میں حکومت کے مصالح اور مفادات کا لحاظ اس کو زیادہ کرنا پڑتا تھا ایک شاعر کا قول ہے ۔

ان کل الناس اعداء لمن علی الا حکام هذا ان عدل^۱

چنانچہ اسی بنا پر امام ابو یوسفؒ کے بارے میں یہی عام طور پر غلط فہمی تھی اور ان کو عہدہ قضا کے قبول کر لینے کی وجہ سے مطعون کرتے تھے۔ مگر ہم آئندہ تفصیل سے بتائیں گے کہ ان کے متعلق لوگوں کا گمان صحیح نہیں تھا۔ سب سے پہلی بات تو یہ ذہن میں رکھنی چاہئے کہ انہوں نے بہت دنوں تک اس عہدہ کو قبول نہیں کیا۔ مگر بعد میں کچھ ایسے اسباب پیدا ہو گئے کہ ان کو اپنی رائے بدلنی پڑی اور اس عہدہ کو انہوں نے قبول کر لیا مگر باوجود اس کے انہوں نے کبھی حق وعدل سے اعتراض نہیں کیا ہمیشہ بے لاگ فیصلے کئے اور ہمیشہ اپنی دینی حمیت اور ملی غیرت کو باقی رکھا، اگر کبھی نادانستہ لغزش بھی ہو گئی تو اس پر سخت افسوس کرتے تھے۔ اوپر ہم نے لکھا ہے کہ امام ابو یوسفؒ بہت غریب گھرانے سے تعلق رکھتے تھے جب تک امام صاحب حیات تھے ان کی اور ان کے بال بچوں کی کفالت کا خیال رکھتے تھے اور ان کی مدد کرتے تھے۔ ان کی وفات کے بعد امام ابو یوسفؒ کی معاشی زندگی کا یہ سہارا بھی ختم ہو گیا پھر بھی انہوں نے نہ حکومت کا رخ کیا اور نہ کسی کی امداد قبول کی، کئی برس تک خاصۃً لوجہ اللہ درس دیتے رہے اس درمیان میں گھر کا جو اثاثہ اور اسباب و سامان تھا اس کو بیچ بیچ کر گزر اوقات کرتے اور کام چلاتے رہے۔ خود ہی فرماتے ہیں کہ جب میرے ذاتی اثاثہ کا ایک ایک تنکا بن گیا اور میری حالت انتہائی خستہ ہو گئی تو میں نے اپنے سرسالی مکان کی ایک کڑی نکلا کر بازار میں بیچنے کے لئے بھیجی جس کو میری ساس نے پسند نہیں کیا اور مجھے برا بھلا کہا جس سے میرے دل پر بہت چوٹ لگی اور میں نے مجبور ہو کر بالآخر عہدہ قضا قبول کر لیا۔

لیکن صرف اتنی یہ وجہ امام ابو یوسفؒ کے عہدہ قضا قبول کر لینے کے لئے کافی نہیں وہ سکتی تھی بلکہ ان کے سوانح حیات پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ دین کی مصلحت اسی میں سمجھتے تھے کہ اس عہدہ کو قبول کر لیا جائے اور اس کے ذریعہ اسلامی نظام کے ان قوانین کو نافذ کیا جائے جو امام صاحب اور ان کی وفات کے بعد خود انہوں نے اور ان کے احباب نے کتاب و سنت سے مستنبط کئے تھے۔ چنانچہ جس زمانہ میں امام محمدؒ کو عہدہ قضا کے قبول کرنے میں عذر ہوا تو ان سے کہا گیا اگر آپ اس عہدہ کو قبول

۱۔ لحات النظر۔ ص ۱۲

۲۔ امام صاحب کی سیاسی زندگی ص ۳۵۷ مولانا مناظر احسن صاحب نے حوالہ نقل کیا ہے۔

کر لیں گے تو شام میں ہمارے مسلک^۱ کی ترویج کا ایک ذریعہ ہاتھ آ جائے گا۔ اس واقعہ کا ذکر امام محمدؒ کے حالات میں آئے گا۔

پھر امام صاحب اور دوسرے بزرگوں کی دربار خلافت سے بے تعلقی کی وجہ سے حکومت نے بھی اپنے رویہ میں بڑی حد تک تبدیلی پیدا کر لی تھی اب اس نے اسلامی حکام کے اجراء اور فیصلوں میں پہلے سے کہیں زیادہ مواقع اور آزادی دے رکھی تھی خاص طور سے قضا کے فیصلوں میں بہت کم دخل دیتی تھی یہاں تک کہ بعض معاملات میں امام ابو یوسفؒ کے ہم عصر قاضیوں نے ارکان حکومت تو الگ رہے خود خلفا کے فیصلے صادر کئے اور حکومت کو برداشت کرنا پڑا۔

اس کے علاوہ امام صاحب نے اسلامی حکام کی ترویج کے لئے ایک جماعت تیار کی تھی اور اس کے افراد میں جو سیرت اور کردار پیدا کیا تھا اس کی بنا پر ان سے یہ توقع نہیں کی جاسکتی تھی کہ وہ ارکان حکومت یا وزرا یا خلفاء کے سامنے اظہار حق کے بجائے ان کی خوشامد کریں گے۔

ممکن ہے اسی بناء پر خود امام صاحب نے ان لوگوں کو عہدہ قضا کے قبول کرنے کی اجازت دے دی ہو تو کوئی تعجب نہیں جیسا کہ امام صاحب نے ان کے والد کو جواب دیتے ہوئے فرمایا تھا کہ آئندہ یہ بڑی حیثیت کے مالک ہوں گے۔۔۔۔۔ وہ خود فرماتے تھے کہ میرے یہ چھتیس اصحاب ہیں جن میں سے ۲۸ تو عہدہ قضا کے لائق ہیں، ۶۰ مفتی ہو سکتے ہیں اور ۲ یعنی امام زفرؒ اور امام ابو یوسفؒ یہ صلاحیت رکھتے ہیں کہ قاضیوں اور مفتیوں کو تیار کریں اور ان کو اس کام کے لائق بنائیں۔

عاجز کا خیال ہے کہ یہی وجہ و اسباب تھے جن کی بناء پر اب اہل علم اور اہل تقویٰ اصحاب عہدہ قضا کے قبول کرنے میں اتنے زیادہ سخت نہیں رہ گئے تھے جتنا کہ اس سے پہلے تھے۔ ممکن ہے کہ اس کے ساتھ معاشی تنگی و پریشانی نے بھی امام ابو یوسفؒ کو یہ عہدہ قبول کرنے پر مجبور کیا ہو۔ ورنہ اگر ان کو یہ توقع نہ ہوتی کہ ان کے کئے ہوئے فیصلوں میں کوئی قوت خارج نہیں ہوگی۔ یا اپنے اندر اس قسم کی کمزوری پاتے کہ وہ ارباب حکومت کی خاطر اور پاسداری میں اظہار حق سے باز رہ جائیں گے تو یقیناً استاد کی طرح وہ بھی موت کو پسند کرتے لیکن اس عہد کے قریب نہ جاتے۔ آگے جو واقعات نقل کئے

۱۔ یہ مسلک جس کی ترویج کے لئے زور دے رہے تھے وہ وہی ہے جو امام صاحبؒ اور امام ابو یوسفؒ اور خود امام محمدؒ نے کتاب و سنت سے مستنبط کیا تھا صرف امام محمدؒ نے ایک ہزار مسائل صرف قرآن پاک سے مستنبط کئے تھے۔

۲۔ تاریخ بغداد جلد ۱۴ مناقب و موفق جلد ۲۔ ص ۲۳۶

جائیں گے ان سے اندازہ ہوگا کہ انہوں نے ہمیشہ بے لاگ فیصلے کئے کبھی کسی کی ناحق رعایت نہیں کی، وزراء و ارکان حکومت تک کی شہادتیں رد کر دیں۔ ہارون رشید جیسے باقتدار اور صاحب جبروت خلیفہ کو معمولی رعایا کی صف میں کھڑا کر دیا اور اس کے سامنے کبھی اظہار حق سے باز نہیں آئے اور وہ استاد کی بات کیسے بھول سکتے تھے جو انہوں نے منصور کے جواب میں کہی تھی۔ منصور نے جب امام صاحب کو عہدہ قضا قبول کرنے پر مجبور کیا تو آپ نے ان سے کہا تھا کہ قاضی ایسے شخص کو ہونا چاہئے جو آپ کے خلاف آپ کے بچوں کے خلاف اور آپ کے سپہ سالاروں کے خلاف فیصلہ کر سکے۔ (مناقب موفق۔ جلد ۱۔ ص ۲۵)

ہم ذیل میں ان کے زمانہ قضا کے چند واقعات نقل کرتے ہیں:

امام ابو یوسفؒ تین عباسی خلفاء کے دور میں قاضی رہے، مہدی، ہادی اور ہارون رشید۔ مہدی نے انہیں صرف بغداد کا مشرقی حصہ کا قاضی مقرر کیا تھا مگر خلیفہ ہادی کے زمانہ میں وہ پورے بغداد کے قاضی بنا دیئے گئے۔^۱ ایک باغ کے معاملے میں خلیفہ ہادی اور کسی عام آدمی میں اختلاف ہو گیا، ہادی نے حکم دیا کہ معاملہ قاضی کے رو برو پیش کیا جائے۔ امام ابو یوسفؒ کے سامنے ایسی شہادتیں گزریں جن سے باغ ہادی کا ثابت ہوتا تھا لیکن امام نے انہی شہادتوں پر اکتفا نہیں کیا بلکہ خفیہ تحقیقات کی جس سے معلوم ہوا کہ باغ خلیفہ کے مخالف فریق ہی کا ہے جس کے خلاف عدالت میں شہادتیں گزر رہی تھیں، قاضی صاحب نے مقدمہ تو اس وقت ملتوی کر دیا ہادی سے ملاقات ہوئی تو اس نے پوچھا کہ مقدمہ میں آپ نے کیا فیصلہ کیا، امام ابو یوسفؒ نے فرمایا کہ شہادتیں تو آپ کے موافق ہی گزری ہیں مگر مدعا علیہ کی طرف سے یہ مطالبہ ہوا ہے کہ مدعی (خلیفہ) سے حلف بھی لے لی جائے۔ ہادی نے پوچھا تو آپ کی کیا رائے ہے کیا آپ مدعی کا حلف اٹھانا صحیح سمجھتے ہیں امام ابو یوسفؒ نے فرمایا کہ قاضی ابن ابی لیلیٰ کی تو یہی رائے ہے۔^۲ اس کے بعد ہادی نے کہا کہ اچھا تو باغ مدعا علیہ کے حوالہ کر دیجئے۔^۳

اس سے اندازہ کیا جس سکتا ہے کہ امام ابو یوسفؒ صحیح فیصلہ تک پہنچنے اور حق کو حق دار تک پہنچانے میں کتنی کدوکاش کرتے تھے۔

۱۔ بغداد کی آبادی اس وقت چھ سات لاکھ تھی۔

۲۔ حنفی مسلک کے مطابق قسم مدعی کے ذمہ نہیں بلکہ مدعا علیہ کے ذمہ ہے مگر امام ابو یوسفؒ کے نزدیک ایک حق دار کے حق کو واپس دلاتا اس سے زیادہ ضروری ہے کہ حنفی مسلک کی پیروی کی جائے۔

۳۔ جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ امام ابو یوسفؒ وغیرہ امام صاحب کے قول کے خلاف کبھی فتویٰ نہیں دیتے یا فیصلہ نہیں کرتے تھے، صحیح نہیں ہے۔ مع مناقب موفق۔ جلد ۲۔ ص ۲۱۷

اسی طرح کا ایک فیصلہ انہوں نے ہارون رشید کے خلاف بھی دیا تھا مگر اس میں ان سے ذرا سی غلطی ہو گئی تھی جس کا ان کو زندگی بھر افسوس رہا۔ واقعہ یہ ہے کہ سواد عراق کے ایک بڑھے نے ہارون کے خلاف یہ دعویٰ دائر کیا کہ فلاں باغ میرا ہے، لیکن خلیفہ نے اس پر غاصبانہ قبضہ کر لیا ہے، اتفاق سے یہ مقدمہ اس روز پیش ہوا جس روز خود ہارون رشید فیصلے کے لئے بیٹھا تھا، قاضی ابو یوسف فریقین کے بیانات اور ان کے دعویٰ ہارون کے سامنے پیش کر رہے تھے جب اس مقدمہ کی باری آئی تو انہوں نے خلیفہ کے سامنے اس کو پیش کیا اور کہا کہ آپ کے اوپر دعویٰ ہے کہ آپ نے فلاں آدمی کا باغ زبردستی لے لیا ہے مدعی یہاں موجود ہے حکم ہو تو حاضر کیا جائے بڑھا سامنے آیا تو قاضی ابو یوسف نے پوچھا بڑے میاں آپ کا دعویٰ کیا ہے، اس نے کہا کہ میرے باغ پر امیر المؤمنین نے ناحق قبضہ کر لیا جس کے خلاف داد رسی چاہتا ہوں، قاضی نے سوال کیا اس وقت وہ کس کے قبضہ اور نگرانی میں ہے۔ بولا، امیر المؤمنین کے ذاتی قبضہ میں ہے۔ اب قاضی ابو یوسف نے ہارون رشید سے مخاطب ہو کر کہا کہ دعویٰ کے جواب میں کچھ آپ کہنا چاہتے ہیں، ہارون نے کہا میرے قبضہ میں کوئی ایسی چیز نہیں ہے جس میں اس شخص کا حق ہو نہ خود باغ ہی میں اس کا کوئی حق ہے۔ قاضی نے فریقین کے بیانات سننے کے بعد مدعی سے پوچھا کہ تمہارے دعویٰ کے ثبوت کے لئے کوئی دلیل بھی ہے، کہاں ہاں خود امیر المؤمنین سے قسم لے لی جائے۔ ہارون نے قسم کھا کر کہا کہ یہ باغ میرے والد مہدی نے مجھے عطا کیا تھا میں اس کا مالک ہوں۔ بڑھے نے یہ سنا تو اس کو بہت غصہ آیا اور یہ بڑ بڑاتا ہوا عدالت سے نکل گیا۔ جس طرح کوئی شخص آسانی سے ستو گھول کر پی جائے اسی طرح اس شخص نے آسانی سے قسم کھالی۔ ایک معمولی آدمی کی زبان سے یہ الفاظ سن کر ہارون کا چہرہ غصہ سے تمٹما اٹھا، یحییٰ برکی نے ہارون کو خوش کرنے کے لئے امام ابو یوسفؒ سے مخاطب ہو کر کہا آپ نے دیکھا اس عدل و انصاف کی نظیر دنیا میں مل سکتی ہے، امام ابو یوسفؒ نے اس کی تحسین کی کہا کہ مگر انصاف کے بغیر کوئی چارہ بھی تو نہیں تھا۔

ان واقعات سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ امام ابو یوسفؒ نے اپنی جرات، دینی حمیت اور اظہار حق سے اس عہدہ کو جس پر علم دین سے ناواقف تک مقرر ہونے لگے تھے، کتنا اونچا اور بلند کر دیا کہ مطلق العنان خلفا تک کو ان کے فیصلہ کے آگے سر جھکا دینا پڑتا تھا، موجودہ زمانہ میں شاید کوئی استعجاب کی بات نہ سمجھی جائے۔ مگر جس مطلق العنانی اور شخصی فرماں روائی کے دور کے واقعات ہیں، اس میں یہ بات حد درجہ تعجب خیز اور حیرت انگیز ہے۔

۱۔ امام ذہبی نے لکھا ہے کہ مدعی نصرانی تھا۔ اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ عدل و انصاف کا اس زمانہ میں کیا معاد تھا۔

ان واقعات سے ایک اور بات بھی معلوم ہوتی ہے کہ اس وقت اسلامی نظام کے چلانے والوں اور خواص کے طبقہ میں گودین کی وہ روح باقی نہیں رہ گئی تھی۔ جو قرون اولیٰ میں تھی مگر چونکہ اسلامی نظام کا ڈھانچہ کسی نہ کسی شکل میں اب بھی موجود تھا جس کا اثر تھا کہ معاشرہ کے مستاہل اور دین سے غافل افراد کے دلوں میں بھی اتنا خوفِ خدا اور احساسِ ذمہ داری باقی تھا کہ جب ان کے سامنے کوئی داعیِ حق، حق کی دعوت دیتا یا ان کی کسی ناحق بات پر تنقید کرتا تو چاہے ان کی مرضی اور خواہش کے خلاف ہی کیوں نہ ہوتا اس کو قبول ضرور کرتے تھے، اور اگر قبول نہ کرتے تو کم از کم ان کو اس پر ندامت ضرور ہوتی تھی۔

حقیقت یہ ہے کہ اگر عام علماء و فقہاء نے تو اسی بالحق ادا کیا ہوتا تو نہ تو اسلامی نظام ہی کو دھکا لگتا نہ اس کے چلانے والے غلط راہ پر پڑ جاتے۔ چنانچہ تاریخ گواہ ہے کہ جب بھی مجددانہ عزم و ارادہ کا انسان حکومت کے مقابلہ میں سینہ سپر ہو گیا ہے تو اس نے بڑی حد تک زمانہ کی رفتار اور حکومت کا رخ موڑ دیا ہے۔

مذکورہ بالا معاملہ میں امام ابو یوسفؒ نے انصاف کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی مگر پھر بھی آخری وقت تک ان کو جب اس واقعہ کا خیال آ جاتا تو فرماتے تھے۔۔۔۔۔۔۔ میں اپنے اندر سخت کوفت، اذیت محسوس کرتا ہوں اور ڈرتا ہوں کہ میں نے انصاف میں جو کوتاہی کی ہے، اللہ تعالیٰ کے یہاں اس کا کیا جواب دوں گا، لوگوں نے پوچھا آپ نے انصاف میں کیا کوتاہی کی، اور آپ اس سے زیادہ کیا کر سکتے تھے کہ ایک معمولی کسان کے مقابلہ میں وقت کے سب سے بڑے بادشاہ کو قسم کھانے پر مجبور کر دیا، فرمایا تم لوگوں نے نہیں سمجھا کہ مجھے کس خیال سے تکلیف ہوتی ہے۔ پھر افسوس کے لہجہ میں فرمایا کہ مجھے تکلیف اور کڑھن اس کی ہے کہ میں ہارون سے یہ نہ کہہ سکا کہ آپ کرسی سے اتر جائیے جہاں آپ کا فریق کھڑا ہے وہیں ایک فریق کی حیثیت سے آپ بھی کھڑے ہو جائیے یا پھر اجازت دیجئے کہ اس کے لئے بھی کرسی لائی جائے۔ (مناقب جلد ۲ ص ۲۴۴)

ان کی جرات و حق گوئی صرف فیصلوں ہی تک محدود نہیں تھی، بلکہ ہر موقع پر وہ اس کا ثبوت دیتے تھے، ہارون نے ان سے کتاب الخراج لکھنے کی فرمائش کی تو تعمیل کی، اور کتاب مرتب کر دی کہ اسلامی قانون کی تدوین کا ایک اہم اور بہت ضروری کام تھا۔ لیکن اس دیباچہ میں ہارون کو جس صفائی اور جرات کے ساتھ نصیحتیں اور ہدایتیں کی ہیں۔ وہ ان کی حق گوئی کی ایک زبردست یادگار ہے۔

بعض اہل تذکرہ نے جو امام ابو یوسف صاحب کے بارے میں یہ لکھا ہے کہ دنیا نے ان کو مشغول کر لیا تھا، اس کی تردید میں دوسرے تذکروں اور تاریخوں سے جو بیانات نقل کئے جاتے ہیں،

ان میں تو شبہ کیا جاسکتا ہے اور اس کے متعلق دورائیں ہو سکتی ہیں۔ لیکن انہوں نے خود اس کتاب میں جو کچھ لکھا ہے، اس میں کون شبہ کر سکتا ہے۔ یہ نصائح و ہدایات کتاب کے صفحہ ۱۷-۱۸ پر پھیلے ہوئے ہیں۔ ہم اس کا خلاصہ یہاں پیش کرتے ہیں۔

امیر المؤمنین خدا کا شکر ہے کہ اس نے ایک بڑی ذمہ داری (حکومت) آپ کے سپرد کی ہے اس کی ادائیگی کا ثواب بھی تمام ثوابوں سے بڑا اور اعلیٰ ہے اور اس میں کوتاہی کی سزا بھی تمام سزاؤں سے بدتر اور سخت تر ہے، آپ کے سپرد اس امت مسلمہ کے تمام معاملات کئے گئے ہیں۔ آپ دن رات کوشش کریں کہ ان کے حقوق کی بنیادیں مستحکم ہوں اور آپ ان کے جان و مال کے امین ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ پر یہ ذمہ داری ڈال کر آپ کی آزمائش کی ہے۔

میں یہ کہہ دینا چاہتا ہوں کہ خدا کے خوف اور ڈر پر جس تعمیر کی بنیاد نہیں رکھی جائے گی اس کے لئے ہر وقت خطرہ ہے کہ کس وقت خدائے قدوس اوندھے منہ بنانے والے کے اوپر سے گرا دے۔

تو آپ امت اور عام رعیت کے حقوق کی حفاظت اور ان کے معاملات کی دیکھ بھال میں کوتاہی نہ کریں عمل میں خدا قوت بخشا ہے۔

آج کے کام کو کل پر نہ اٹھا رکھیے اگر آپ نے ایسا کیا تو نقصان ہوگا وقت کو تو وقوع اور امید کے ساتھ نہ رکھیے بلکہ وقت کو عمل کے ساتھ رکھیے یعنی امید پر کوئی کام اٹھانہ رکھیے بلکہ ہر کام وقت پر کر لیجئے۔

ہر کام کا ایک وقت ہوتا ہے، وقت کے بعد کام بے کار ہے پھر بہت سی نصیحتیں کرنے کے بعد فرماتے ہیں :

قیامت کے دن وہی حکمران سب سے زیادہ خوش بخت ثابت ہوگا جس نے اپنی رعیت کو خوش حال رکھنے کی کوشش کی۔

دیکھئے آپ کسی معاملے میں جاوہ مستقیم سے نہ بٹے گا ورنہ آپ کی رعیت بھی ہٹ جائے گی۔ خبردار! کسی معاملہ میں خواہش نفس اور اپنے غیظ و غضب کو دخل نہ دیجئے گا۔

جب دین و دنیا میں کشمکش کی صورت پیش آئے تو چاہئے کہ آپ دین کے پہلو کو اختیار کریں اور دنیا کو چھوڑ دیں، دین باقی رہنے والی چیز ہے اور دنیا فانی ہے۔

آپ تمام لوگوں کو خدا کے قانون کے لحاظ سے برابر سمجھیں، خواہ وہ آپ کے قریب کے ہوں یا بعید کے ہوں، اللہ کے قانون کے نفاذ میں آپ ملامت کرنے والوں کی بالکل پرواہ نہ کیجئے۔

غرض اسی انداز سے انہوں نے ایک طویل نصیحت کی ہے اسی کے بعد موضوع کتاب پر بحث کی ہے۔

اس کے بعد کس کو شبہ ہو سکتا ہے کہ جس بلند مقصد کے لئے انہوں نے یہ عہدہ قبول کیا تھا اس کو انہوں نے پورے طور پر انجام نہیں دیا۔ ہارون خود راکی کے باوجود بہت سی خوبیوں میں دوسرے عباسی حکمرانوں میں ممتاز تھا۔ خصوصاً اس کی رعایا پروری کے واقعات تو اب تک زبان زد عام و خاص ہیں اور ان خصوصیات کے پیدا کرنے میں اس کی نیک فطرتی کے ساتھ ساتھ بلاشبہ امام ابو یوسف کی معیت کو بھی بہت کچھ دخل تھا۔

امام ابو یوسفؒ نے جب خلفاء کی پروا نہیں کی تو وزراء اور ارکان حکومت کی پروا کیا کرتے، چنانچہ انہوں نے متعدد وزراء اور خواص حکومت کی شہادتیں رد کر دیں۔ ایک بار علی بن عیسیٰ وزیر مملکت نے کسی معاملہ میں شہادت دی۔ تو امام ابو یوسف نے قبول نہیں کی۔ یہ ایک وزیر کی بڑی توہین تھی اس نے معاملہ ہارون رشید کے سامنے پیش کیا، ہارون نے امام موصوف سے دریافت کیا تو فرمایا کہ میں نے شہادت اس لئے رد کر دی کہ میں نے اپنے کانوں سے ان کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ میں تو خلیفہ کا عبد اور غلام ہوں اور جب یہ غلام ہیں تو غلاموں کی شہادت معتبر نہیں۔ بعض روایتوں میں ہے کہ انہوں نے کہا یہ جماعت سے نماز نہیں پڑھتے اس لئے میں نے ان کی شہادت رد کر دی۔ ممکن ہے کہ یہ دو الگ الگ واقعات ہوں یا امام نے دونوں باتیں کہی ہوں۔

قاضی القضاۃ کے عہدہ کی ابتداء :

امام ابو یوسفؒ خلیفہ مہدی کے عہد خلافت میں بغداد کے مشرقی حصہ کے قاضی مقرر ہوئے تھے، خلیفہ ہادی کے زمانہ میں بھی اسی عہدہ پر تھے ہارون کے ہاتھوں میں خلافت کی باگ ڈور آئی تو سال بھر تک تو اس نے ان کو اسی حیثیت میں رکھا مگر اس کے بعد تمام ممالک محروسہ کا قاضی القضاۃ بنادیا۔ مقریزی نے لکھا ہے کہ عراق، خراسان، شام، مصر میں ان کے حکم کے بغیر قضاۃ کے منصب پر کوئی مقرر نہیں ہو سکتا تھا۔ (مقریزی جلد ۲ ص ۱۸۱)

جواہر مضیہ میں ہے۔

كان اليه تولية القضاء في الآفاق من الشرق والغرب .

(جلد ۲ ص ۲۲۱)

”مشرق سے مغرب تک تمام اسلامی ملکوں میں قاضیوں کا تقرر انہی کے سپرد تھا۔“

خود حضرت امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں :

فَوَلَّانِي قِضَاءَ الْبِلَادِ كُلِّهَا

”پھر مجھ کو تمام ممالک محروسہ کی قضا کی ذمہ داری سونپ دی۔“

ان بیانات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ رسماً و تبرکاً قاضی نہیں بنائے گئے تھے بلکہ کہنا چاہئے کہ وہ حکومت کے محکمہ عدلیہ کے پورے انچارج یا بالفاظ دیگر وزیر عدل و قانون تھے۔ یہ محکمہ اس سے پہلے کبھی قائم نہیں ہوا تھا یہ امام ابو یوسفؒ ہی کی ذات تھی جس نے عہدہ قضاء کو جس کی خلافت راشدہ کے بعد کوئی قیمت باقی نہیں رہ گئی تھی اتنا باوقار بلند اور اہم بنا دیا کہ اس کو الگ الگ محکمہ اور عہدہ کی حیثیت حکومت کو دینی پڑی۔ اس کی تائید ابوالولید الطیالسی کی اس روایت سے بھی ہوتی ہے، وہ کہتے تھے کہ

هَذَا هُوَ الْوَزِيرُ وَ قَاضِي الْقَضَاءِ

”یہی وہ شخص ہے جو وزیر اور قاضی القضاۃ ہے۔“

ہارون رشید جیسا باجبروت و خود پرست خلیفہ اس کا اس قدر اعزاز و اکرام کرتا تھا کہ ان کو ہمہ وقت اس کے دربار میں باریابی کی اجازت تھی ان کے لئے کوئی روک ٹوک نہیں تھی، یہاں تک کہ باب خلافت تک پہنچ جانے کے باوجود بھی سواری سے نہیں اترتے تھے۔ حریم خلافت کا پردہ اٹھا دیا جاتا اور ان کی سواری اندر چلی جاتی تھی جب ہارون کا سامنا ہوتا تو وہ خود سلام میں سبقت کرتا اور یہ مصرع دہراتا تھا :

جاءت به مجتراً مبروہ

بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا یہ اعزاز و اکرام اور بے پایاں اختیار واقعہ ار خلیفہ کے بعض حواریوں اور حاشیہ نشینوں کو برا لگا۔ ممکن ہے ان میں وہ وزیر اور عہدہ دار بھی رہے ہوں جن کی شہادتیں امام ابو یوسفؒ نے ان کے عہدہ و منصب اور اقتدار و اجلال کے علی الرغم رد کردی تھیں اور ان لوگوں نے ہارون سے شکایت کے طور پر کہا :

وكان فقيهاً عالمًا انك فعت ابا يوسف فوق المقدار وانزلة المنزلة

الجليلة الرفعية فباي وجه نال ذلك منك . (مناف موفق ۲ . ص ۲۳۲)

”وہ محض ایک عالم اور فقیہ تھے آپ نے ان کی حیثیت سے کہیں زیادہ ان کو بلند کر دیا اور غیر معمولی اعزاز و اکرام بخش دیا تو یہ مرتبہ آپ کے یہاں انہوں نے کسی وجہ سے حاصل کر لیا ہے۔“

ہارون نے ان حاسدوں کو جواب دیا کہ میں نے جو کچھ کیا ہے بہت سوچ سمجھ کر اور کافی تجربہ کے بعد کیا ہے، خدا کی قسم علم کے جس باب میں بھی میں نے ان کو جانچا کامل پایا، پھر کہا کہ ان کی علمی قابلیت کو ان کی طالب علمی کے زمانہ سے جانتا ہوں، پھر ان کی علمی امتیازات کے علاوہ میں نے مذہب میں ان کے قدم کو استوار اور ان کے دین کو تمام آلودگیوں سے محفوظ پایا۔ اگر کوئی قاضی ابو یوسفؒ جیسا ہو تو پیش کرو۔^۱

مذکورہ واقعات سے اندازہ ہو گیا ہوگا کہ امام ابو یوسفؒ نے جس مقصد کی خاطر یہ عہدہ قضا قبول کیا تھا اس میں وہ کتنے کامیاب تھے اور انہوں نے اپنے ذاتی کردار اور علم و تقہ سے اس عہدہ کو بلند اور خود حکومت میں کتنا اثر اور رسوخ پیدا کر لیا تھا کہ وزراء اور ارکان حکومت تک کے دل میں رشک و حسد پیدا ہونے لگا تھا اور یہ ہارون کے عہد کا واقعہ ہے جس میں برا مکہ جیسے بیدر مغز وزراء اور ارکان دولت تھے۔

امام ابو یوسفؒ کے بعد اسی عہدہ پر جب وہب بن وہب المعروف بابی الخبیری کا تقرر ہوتا ہے تو وہ ہارون کے ہر کام کے جواز کے لئے حدیثیں وضع کرنے لگتے ہیں۔ مشہور ہے کہ انہوں نے کئی بار اسی طرح کا اقدام کیا دو ایک بار تو ہارون کچھ نہیں بولا مگر وہ بھی صاحب علم و نظر تھا اور پھر امام ابو یوسفؒ جیسے متدین اور محتاط قاضی..... کی رفاقت میں رہ چکا تھا، کب تک خاموش رہتا۔ چنانچہ ایک روز وہ کبوتر اڑا رہا تھا کہ وہب آگئے پوچھا کہ کبوتر بازی کے لئے بھی کوئی حدیث آئی ہے، بے محابا شیخ نے یہ روایت سنا دی۔

مجھ سے ہشام بن عروہ نے روایت کی ہے کہ ان کے والد حضرت عائشہؓ کے واسطے سے بیان کرتے تھے کہ وہ فرماتی تھیں کہ آنحضرت ﷺ نے کبوتر بازی کی ہے اور اس سے شغف فرمایا ہے۔

یہ سن کر ہارون آپ سے بارہ ہو گیا اور نہایت خشم گیس آواز میں بولا نکل جاؤ میرے سامنے سے۔ اگر تمہارا تعلق قریش سے نہ ہوتا تو میں تمہیں ابھی معزول کر دیتا اور یہی ہوا کہ کچھ دنوں کے بعد معزول کر دیئے گئے۔^۲

عہدہ قضاء کی مدت :

امام ابو یوسف عہدہ قضا پر کتنے دنوں مامور رہے اس میں اختلاف ہے۔ ایک مرتبہ خود انہوں نے اپنے شاگرد سے بیان کیا کہ میں ۷۷ برس امام صاحب کی خدمت میں رہا اور ۷۷ برس دنیا کے کاموں میں (یعنی عہدہ قضا پر)۔ اوپر ذکر آچکا ہے کہ سب سے پہلے مہدی کے وقت قاضی مقرر ہوئے اور ان کی وفات ۱۸۲ ہجری میں عہدہ قضا کی حالت میں ہوئی تو اگر ان کے تقرر کا ۱۵۹ھ مانا جائے تو قضا کی مدت ۲۲-۲۳ برس ہوتی ہے۔ اور اگر یہ مانا جائے کہ وہ ۷۷ برس عہدہ قضا پر رہے تو اس اعتبار سے ان کا تقرر ۱۶۶ھ میں ہونا چاہئے، غرض پہلی صورت میں امام صاحب کی وفات کے ۹ برس کے بعد عہدہ قضا قبول کیا اور دوسری روایت میں پندرہ برس کے بعد۔

علامت اور وفات :

موت سے کچھ دن پہلے بیمار پڑے ان کو بیمار ہونے سے پہلے ہی اپنی موت کا کچھ اندازہ ہو گیا تھا، وہ برابر کہتے تھے کہ ۷۷ برس امام صاحب کی خدمت میں رہا اور ۷۷ برس دنیا کے کاموں میں اب میرا وقت قریب ہے، موت سے کچھ پہلے وصیت کی کہ میرے مال میں سے ایک ایک لاکھ درہم اہل مکہ، اہل مدینہ اور اہل کوفہ پر تقسیم کر دیا جائے اس کے بعد وراثت تقسیم ہوئی۔

علامت کے ایام میں ان پر عجیب رقت طاری رہتی تھی۔ عہدہ قضا کی ذمہ داریوں کو انہوں نے جس دیانت داری سے انجام دیا اس کی تفصیل اوپر آچکی ہے۔ لیکن آخر وقت میں وہ کہتے تھے کہ کاش میں فقر و فاقہ کی حالت میں اس دنیا سے چلا جاتا اور عہدہ قضا نہ قبول کرتا، پھر بھی میں اللہ کا شکر ادا کرتا ہوں کہ میں نے قصداً نہ کسی پر ظلم کیا ہے اور نہ کسی فریق کی پاسداری کی ہے اور نہ میری خواہش ہوئی کہ فلاں فریق کامیاب ہو اور فلاں ناکامیاب ہو۔ جس روز انہوں نے اس دارِ فانی کو چھوڑا ان پر عجیب کیفیت تھی اور زبان پر یہ کلمات تھے۔

”بارالہا تو جانتا ہے کہ میں نے کسی فیصلہ میں جو تیرے بندوں کے درمیان تھا خود رائی سے کام نہیں لیا اور نہ خلاف واقعہ فیصلہ کیا، ہمیشہ میری کوشش رہی کہ جو فیصلہ ہو وہ تیری کتاب اور تیرے رسول ﷺ کی سنت کے موافق ہو جب کسی مسئلہ میں مشکل پیش آتی تھی تو میں امام ابو حنیفہؒ کو اپنے اور تیرے درمیان واسطہ بناتا تھا اور جہاں تک مجھے معلوم ہے کہ امام ابو حنیفہؒ تیرے احکام کو خوب

سمجھتے تھے اور عمدہ کبھی حق کے دائرہ سے باہر نہیں جاتے تھے۔ یہ بھی زبان پر تھا کہ اے اللہ تو جانتا ہے کہ میں ہمیشہ پاک دامن رہا اور کبھی ایک درہم جان بوجھ کر حرام کا نہیں کھایا۔^۱

تعلیم و تعلم آخری سانس تک جاری تھا۔ ایک شاگرد کو کسی مسئلہ کی تفصیل بتا رہے تھے ابھی خاموش بھی نہیں ہوئے تھے کہ چند منٹ کے بعد آواز ہمیشہ کے لئے بند ہو گئی۔

معروف کرنی ایک مشہور بزرگ گزرے ہیں یہ امام ابو یوسفؒ کے معاصر تھے ان کو جب بیماری کی اطلاع ہوئی تو انہوں نے اپنے ایک رفیق سے کہا کہ اگر یہ آج ان کی وفات ہو جائے تو مجھے اطلاع دینا میں جنازہ میں شریک ہوں گا۔ ان کے رفیق کا بیان ہے کہ جب میں دارالرقیق کے دروازہ پر پہنچا تو امام ابو یوسفؒ کا جنازہ نکل رہا تھا، میں نے خیال کیا کہ اگر میں معروف کرنی کو خبر کرنے جاتا ہوں تو مجھے جنازہ کی نماز نہ ملے گی۔

چنانچہ جنازہ کی نماز پڑھ کر ان کے پاس گیا اور خیر وفات سنائی تو ان کو سخت صدمہ ہوا اور بار بار اللہ پڑھا اور فرمایا کہ انشاء اللہ ان کو جنت میں اچھا مقام ملے گا۔ لوگوں نے پوچھا کہ یہ مقام ان کو کیوں حاصل ہوگا، فرمایا کہ تعلیم اور تعلم اور لوگوں کی ایذا رسانی پر صبر کی بدولت۔ (تاریخ بغداد جلد ۱۴) یہ واقعہ جمعرات کے دن ظہر کے وقت ربیع الاول کی پانچویں تاریخ ۸۲ھ کو پیش آیا۔

ان کی وفات کا لوگوں پر بڑا اثر ہوا خصوصیت سے ہارون رشید بہت غمگین تھا۔ جنازہ نکالا تو مشایعت کی اور خود نماز جنازہ پڑھائی اور اپنے خاندان کے خاص مقبرہ میں دفن کرایا، اس سے فارغ ہوئے تو لوگوں کی طرف مخاطب ہو کر کہا کہ تمام اہل اسلام کو چاہئے کہ ان کی وفات پر ایک دوسرے کی تعزیت کریں یعنی حادثہ ایک شخص یا ایک خاندان کا نہیں بلکہ پوری ملت کا ہے۔

شجاع بن مخلد کا قول ہے کہ ہم امام ابو یوسفؒ کے جنازہ میں شریک تھے، عباد بن عوام بھی ہمارے ساتھ تھے میں نے ان کو یہ کہتے سنا کہ اہل اسلام کو چاہئے کہ ابو یوسفؒ کی وفات پر ایک دوسرے کی تعزیت کریں۔^۲

اہل تذکرہ کا بیان ہے کہ امام ابو یوسفؒ کے جنازہ میں ابو یعقوب خزیمی شاعر بھی شریک تھا، اس نے لوگوں کو یہ کہتے سنا کہ دوسرے امام کا خاتمہ ہو گیا، فقہ کا خاتمہ ہو گیا تو اس نے برستہ ایک مرثیہ کہا جس کے چند اشعار ہیں۔^۳

۱۔ موفق جلد ۲۔ ص ۲۴۲ تاریخ بغداد جلد ۱۴ ۲۔ کروری ص ۱۲۶

۳۔ تاریخ بغداد جلد ۱۴۔ ص ۵۷ و شذرات الذهب، کروری جلد ۲۔ ص ۵۰ ۴۔ ایضاً ۵۔ کروری جلد ۲۔ ص ۱۲۶

یا ناعی الفقه الی اہله ان مات یعقوب و ما تلوی
 لم یمت الفقه و لکنه حول من صدر الی صدر
 القاه یعقوب ابی یوسف فزال من ظهر الی ظهر
 فهو مقیم فاذا ماتوی حل و حل الفقه فی قبر

حلیہ :

نہایت ہی پتلے دبلے اور پستہ قد تھے، ان کے ایک شاگرد قاسم بن زریق کہتے تھے کہ جب وہ مسند درس پر بیٹھتے تھے تو معلوم ہوتا تھا کہ وہ اس میں ڈوب جائیں گے لیکن جب درس دینے لگتے تھے تو حیرت میں ڈال دیتے تھے ان کا جسد دیکھ کر یہ کہا کرتے تھے کہ اگر اللہ چاہے تو پرندہ کے پیٹ میں علم بھر دے۔

اولاد :

امام ابو یوسفؒ ”کثیر الاولاد تھے مگر ارباب تذکرہ صرف ان کے دو صاحبزادوں کا تذکرہ کرتے ہیں، ایک تو بچپن ہی میں دلغ مفارقت دے گئے اور ایک یوسف نام کے صاحبزادے تھے جنہوں نے علم دین امام ابو یوسف سے ورثہ میں پایا تھا۔ امام ابو یوسفؒ کی زندگی ہی میں قاضی مقرر ہو گئے تھے۔ امام ابو یوسفؒ پہلے بغداد کے مشرقی حصہ کے قاضی تھے جب وہ قاضی القضاۃ بنائے گئے تو ان کی جگہ پر ان کے صاحبزادے کا تقرر ہوا والد کی وفات کے بعد پھر یہ صافہ کے قاضی بنائے گئے یہ جامع منصور کے امام بھی تھے۔

ان کے صاحبزادے فرمایا کرتے تھے کہ ہمارے گھر میں تیس برس سے عہدہ قضا ہے۔ بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ امام ابو یوسفؒ کے بعد یہ بھی قاضی القضاۃ بنائے گئے تھے۔ مگر یہ روایت صحیح نہیں ہے بلکہ امام ابو یوسفؒ کے بعد وہب بن وہب ابو ہشیری اس عہدہ پر مامور ہوئے، ممکن ہے کہ کچھ دنوں کے لئے انہوں نے نیابت کا کام انجام دیا ہو، ۱۹۳ھ میں ان کی وفات ہوئی۔

ان کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ یہ امام ابو یوسفؒ کی کتاب الآثار کے راوی ہیں۔ کتاب الآثار الخبیۃ الحیاء المعاف النعمانیہ حیدرآباد نے ۱۳۵۵ھ میں شائع کی ہے۔

محاسن اخلاق :

ان کا صحیفہ اخلاق ہر قسم کے محاسن و فضائل سے پر ہے۔ عہدہ قضا پر رہتے ہوئے انہوں نے جس اخلاق و کردار کا ثبوت دیا وہ ان کی خصوصیت ہے اس عہدہ پر پہنچنے کے بعد بڑے بڑے

پاکباز لوگوں کا دامن بھی آلودہ ہو جاتا ہے مگر انہوں نے اپنا دامن کبھی داغ دار نہ ہونے دیا۔ لوگوں سے ملنا جلنا، تواضع و خاکساری لوگوں کی امداد اور اعانت، علم کی عزت و توقیر، فیاضی و سیر چشمی یہ سب چیزیں اس زمانہ میں بھی ان کے ساتھ ساتھ سایہ کی طرح ہیں۔^۱

مشہور سیرت نگار واقدی امام ابو یوسفؒ کے ہم عصر تھے، امام ابو یوسفؒ حج میں گئے تو حجاز میں ان سے ملاقات ہوئی ان دنوں واقدی کی مالی حالت اچھی نہیں تھی۔ امام ابو یوسفؒ ان کو اپنے ساتھ بغداد لائے اور ہارون کے دربار میں لے گئے، یحییٰ برمکی بھی موجود تھا پوچھا کہ قاضی صاحب مکہ سے کیا تحفہ لائے ہیں۔ امام ابو یوسفؒ نے کہا کہ میں ایسا تحفہ تمہیں دوں گا کہ اس سے پہلے کبھی نہ ملا ہوگا، یحییٰ نے کہا کہ کیا ہے؟ انہوں نے واقدی کو پیش کرتے ہوئے کہا کہ یہی تحفہ ہے اس کے بعد انہوں نے یحییٰ کے ذریعہ اس کی کافی مالی مدد کرائی۔^۲

ہارون ایک بار خطبہ دے رہا تھا ایک شخص کھڑا ہوا اور اس کو مخاطب کر کے کہا کہ خدا کی قسم! تم نے نہ تو مال کی تقسیم برابر کی اور نہ عدل و انصاف سے کام لیا بلکہ اس کے بجائے فلاں فلاں برائیاں کیں۔ ہارون نے حکم دیا کہ اس کو گرفتار کر لیا جائے۔ نماز کے بعد وہ پیش کیا گیا، ہارون نے ایک آدمی امام ابو یوسفؒ کو بلانے کے لئے بھیجا امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ میں آیا تو وہ آدمی دو عقابوں کے بیچ میں کھڑا تھا اور اس کے پیچھے دو جلا دکڑا لئے کھڑے تھے، ہارون نے کہا کہ اس شخص نے مجھ سے آج ایسی گفتگو کی ہے کہ اس سے پہلے کسی نے نہیں کی۔ یہ موقع بڑا نازک تھا لیکن امام ابو یوسفؒ نے نہایت جرات کے ساتھ ہارون کو اسوۂ نبویؐ کی طرف متوجہ کیا، کہا کہ ایک بار رسول اللہ ﷺ نے غنیمت تقسیم کی تو آپ سے بھی اسی طرح کی بات چیت کی گئی تھی۔

ما ارید بہا وجہ اللہ

”غنیمت کی تقسیم مرضی الہی کے خلاف ہوئی ہے۔“

یہ کتنی سخت بات تھی مگر آپ ﷺ نے معاف کر دیا کسی نے کہا آپ نے عدل سے کام نہیں لیا فرمایا کہ اگر میں عدل نہ کروں گا تو اور کون کرے گا، پھر کہنے والے سے کوئی باز پرس نہیں کی۔ حضرت زبیرؓ اور ایک انصاری نے آپ کے سامنے کوئی معاملہ پیش کیا آپ ﷺ نے حضرت زبیرؓ کے حق میں فیصلہ کر دیا، انصاری نے غصہ میں کہا کہ اپنے پھوپھی زاد بھائی کے حق میں آپ نے فیصلہ کر دیا لیکن آپ ﷺ نے اس گستاخی سے درگزر کیا اور کچھ نہ فرمایا۔

ہارون کے سامنے جب یہ اسوۂ نبوی ﷺ آیا تو اس کا غصہ بالکل سرد ہو گیا اور اس شخص کو چھوڑ دینے کا حکم دے دیا۔

فیاضی اور شکر گزاری :

بچپن سے فقر و فاقہ کی زندگی تھی مگر کبھی اس پر ناشکری کے کلمات زبا سے نہیں نکلے۔ فقر و فاقہ کے ساتھ ان کی شکر گزاری کا اندازہ اس واقعہ سے لگائیے، عبداللہ بن مبارک فرماتے ہیں کہ ایک بار میں ان کے پاس گیا تو انہوں نے مجھ سے معاشی تنگی کی شکایت کی میں نے تسلی دی۔ جب ان کے پاس سے چلنے لگا تو دیکھا کہ مٹی کا ایک میلا سا برتن ان کے پاس رکھا ہوا ہے وہ اتفاق سے میرے دامن سے لگ کر ٹوٹ گیا اور اس کی وجہ سے ان کے چہرہ پر شکن آگئی اور رنگ فق ہو گیا۔ مگر زبان سے کچھ نہیں کہا، میں نے کہا کیا بات ہے، فرمایا یہ ایک برتن تھا جس سے میں اور میری والدہ وضو کرتے تھے اور اسی سے پانی بھی پیتے تھے۔ عبداللہ بن مبارک ان کا یہ حال سن کر بہت متاثر ہوئے اور کچھ رقم ان کو دی۔

قاضی القضاۃ ہوئے تو مال و اسباب کی کافی فراوانی ہوئی اور اس منصب کے لحاظ سے بھی کچھ ساز و سامان زیادہ ہو گیا مگر اس پر نہ وہ کبھی مغرور ہوئے اور نہ کبھی دروازہ پر دربان بٹھایا بلکہ آخر تک اپنی زندگی بالکل طالب علمانہ رکھی پھر بھی اپنے ساتھ دنیاوی ساز و سامان رکھنے کا ان کو افسوس رہا۔ آخر وقت میں فرماتے تھے، ”کاش میں فقر و فاقہ ہی کی حالت میں اس دنیا سے رخصت ہو جاتا اور یہ عہدہ قضا قبول نہ کرتا۔“

وہ قاضی القضاۃ ہوئے تو ان کو دو ہزار روپے سے زیادہ ماہوار تنخواہ ملتی تھی^۱۔ پھر ہارون رشید کے دربار سے سال میں لاکھوں روپے کے انعامات ملتے تھے اس لئے وفات کے وقت ان کے پاس کافی دولت موجود تھی لیکن اس دار فانی سے رخصت ہونے لگے تو سب کو غربا، پر تقسیم کرنے کی وصیت کر گئے۔ چنانچہ تقریباً چار لاکھ روپے اہل مکہ، اہل مدینہ، اہل کوفہ اور اہل بغداد کو تقسیم کیا گیا۔

ہارون نے ان کو کچھ خراجی زمین بھی دی تھی جس پر کوئی ٹیکس نہیں لیا جاتا تھا اس سے جو آمدنی ہوتی تھی وہ صدقہ کر دیتے تھے۔

نرم خوئی اور احساس ذمہ داری :

نہایت نرم خو اور فیاض تھے مگر ان کی نرم خوئی اور فیاضی احساس ذمہ داری سے خالی نہیں تھی۔ گویہ دونوں صفتیں بہت کم جمع ہوتی ہیں۔ مگر ان میں یہ دونوں چیزیں جمع تھیں۔

۱۔ کردی جلد ۲۷-ص ۱۴۳ ۲۔ ایضاً، اس وقت کے سکہ کے لحاظ سے دینار اور ایک ہزار روپہ تھی۔

۳۔ جواہر مضیہ جلد ۲-ص ۵۲ ۴۔ جواہر مضیہ جلد ۲-ص ۱۴۰

ذیل کے واقعہ سے اس کا اندازہ ہو جائے گا :

ایک بار ایک شخص ان کے پاس آیا اور کہا کہ میں نے فلاں شخص سے آپ کی طرف سے ایک خط لکھ کر اتنے روپے حاصل کر لئے تھے اب وہ مجھ سے مانگتا ہے اس سے مجھ کو چھٹکارا دلائیے، امام ابو یوسفؒ نے اس کو قید کرنے کا حکم دیا اور کہا کہ جب تک روپیہ واپس نہ کرو گے اس وقت تک قید سے رہائی نہیں مل سکتی، اس نے کہا میں نے ایک بار اسی طرح آپ کے استاد امام ابو حنیفہؒ کی طرف سے بھی ایک فرضی خط ایک شخص کو لکھ کر روپے حاصل کئے تھے۔ مگر جب میں نے ان کو اس کی اطلاع دی تو انہوں نے وہ روپیہ میری طرف سے ادا کر دیا اور۔۔۔۔۔ فرمایا کہ جس شخص کے بارے میں یہ خیال ہو کہ وہ میرا خط دیکھ کر تمہیں روپیہ دے دے گا تو تم خط لکھ کر منگالیا کرو، آپ بھی انہی اصحاب میں ہیں آپ سے بھی مجھے یہی توقع تھی۔ امام ابو یوسفؒ نے فرمایا میں امام ابو حنیفہؒ نہیں ہوں۔ وہ ایک جلیل القدر اور فقیہ تھے، لوگ ان کا ان کے علم و فضل کی وجہ سے احترام و اعزاز کرتے تھے اور اسی وجہ سے ان کے نام پر روپیہ دے دیتے تھے اور میں حکومت کا ایک ذمہ دار ہوں، اس لئے اس بات کا امکان ہے کہ جس کو تم نے خط لکھا ہو وہ روپے نہ دینا چاہتا ہو۔ مگر میرے خوف سے اس نے دے دیا ہو۔

ایک دن تک اس کو مایوس رکھا پھر دوسرے دن اس کو اپنے پاس بلایا اور کہا کہ جس سے تم نے روپے لئے تھے میں نے اس کو واپس کر دیئے اور تم کو رہا کر دیا ہوں۔ اگر وہ دوبارہ وہ رقم بطیب نفس بھی تمہیں واپس کرے تو نہ لینا جاؤ اور آئندہ ایسا نہ کرنا۔

حکومت کے تعلق اور اس کے ذمہ داروں کے نام سے عام طور پر جو فائدے حاصل کئے جاتے ہیں، امام ابو یوسفؒ نے اس کے سد باب کے لئے اس کو قید کر دیا مگر ان کی طبعی فیاضی اور نرم خوئی کا اثر تھا کہ روپیہ بھی ادا کر دیا۔

تقویٰ اور خوفِ آخرت :

نہایت پاک دامن اور عفت مآب تھے، فرماتے تھے کہ بارگاہِ اہل بیتؑ میں نے کبھی کوئی حرام فعل نہیں کیا اور نہ حرام کا ایک پیسہ کھایا۔

فرماتے تھے یہ بارگاہ! تو جانتا ہے کہ جب دو آدمی میرے پاس کوئی معاملہ لائے تو میں نے کبھی کوئی جانبداری نہیں کی اور نہ میری یہ کبھی خواہش ہوئی کہ فلاں کے حق میں فیصلہ ہو۔ خواہ وہ خلیفہ وقت ہی کیوں نہ ہو، بارگاہ! اس کے بدلہ میں مجھے معاف کر دے۔

ابو حفص ان روایتوں کے راوی ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ یہ نہ سمجھا جائے کہ انہوں نے آخر وقت میں ایسی بات کہی ہے جس پر زندگی میں کا عمل نہیں تھا بلکہ ان کی ساری زندگی اس کی آئینہ دار تھی۔ علی بن عیسیٰ کہتے ہیں کہ میں ایک بار ایسے وقت میں امام ابو یوسفؒ کے پاس آیا کہ مجھے گمان تھا کہ وہ آرام گاہ میں ہو گے اور ملاقات نہ ہو سکے گی، میں نے اطلاع کرائی تو فوراً اندر بلا لیا، دیکھا کہ ایک علیحدہ کمرے میں لنگی باندھے ہوئے بیٹھے ہیں اور ان کے گرد کتابوں کا انبار ہے، میں نے کہا میں تو سمجھتا تھا کہ آپ سے ملاقات نہ ہو سکے گی، امام ابو یوسفؒ نے فرمایا کہ دیکھو اس کمرے کے چاروں طرف یہ الماریاں ہیں ان میں کتابیں اور کاغذات کے بہت سے پوٹ رکھے ہوئے ہیں، یہ تمام میرے فیصلوں کی نظیریں ہیں قیامت کے دن جب مجھ سے باز پرس ہوگی کہ تم نے فیصلے کس طرح کئے تو خدا کے حضور اس کے جواب میں یہی پیش کر دوں گا۔

قرآن مجید کا احترام اور عبادت :

امام ابو حنیفہؒ کے درس کی ایک خصوصیت یہ بھی تھی کہ وہ حفظ قرآن کے بغیر اپنے درس میں کسی کو شریک ہونے کی اجازت نہیں دیتے تھے۔ امام محمد صاحب پہلی بار ان کی خدمت میں آئے تو ان کو پورا قرآن مستحضر نہیں تھا اس لئے ان کو واپس کر دیا۔ جب پورا قرآن ان کو مستحضر ہو گیا تو پھر ان کو درس میں شریک ہونے کی اجازت دی۔ قرآن کے احترام اور اس کی تلاوت میں بھی وہ ضرب المثل تھے۔

امام ابو یوسفؒ بھی حافظ قرآن تھے۔ قرآن کا اعزاز و احترام بھی انہوں نے استاذ سے سیکھا تھا۔ ایک بار کہیں جا رہے تھے راستہ میں دو آدمی خرید و فروخت میں جھگڑا کر رہے تھے، ان میں سے ایک شخص نے اپنے ساتھی سے کہا کہ میری اور تمہاری مثال تو قرآن کی اس آیت کے مطابق ہے اس کے بعد اس نے سورہ ص کہ یہ آیت پڑھی۔

هَذَا أَخِي لَهُ ، تِسْعٌ وَتِسْعُونَ نَعْجَةً وَلِي نَعْجَةٌ وَاحِدَةٌ فَقَالَ أَكْفَلْنِيهَا .

”یہ میرا بھائی ہے جس کے پاس ۹۹ دنبیاں ہیں اور میرے پاس صرف ایک دنبی ہے، یہ کہتا ہے کہ یہ ایک بھی مجھے دے دو۔“

امام ابو یوسفؒ نے یہ سنا تو ان پر غصہ اور افسوس سے ایک عجیب کیفیت طاری ہو گئی، قریب تھا کہ بے ہوش ہو جائیں جب ذرا یہ کیفیت دور ہوئی تو اس شخص سے بڑے درشت لہجہ میں کہا کہ

”تو اللہ سے ذرا بھی ڈرتا نہیں، کلام الہی کو تو نے معمولی بات چیت بنالی ہے، قرآن کے پڑھنے والے کو چاہئے کہ وہ اس کو نہایت خشوع و خضوع اور خوف و ہیبت کے ساتھ پڑھے ایسا نہ ہو کہ وہ ناراضگی کا سبب بن جائے، میں تجھ میں یہ کیفیت بالکل نہیں پاتا کیا تیری عقل جاتی رہی ہے کہ تو نے کلام الہی کو لہو و لعب بنا لیا ہے“^۱۔

اسی طرح ایک بار ایک شخص کو سورہ طہ کی کوئی آیت پڑھتے ہوئے سنا تو اس کو بھی بہت ڈانٹا۔ محمد بن فضیل فرماتے ہیں کہ میں امام ابو یوسف کو اس لئے ناپسند کرتا تھا کہ یہ حکومت کے ارکان سے اختلاط رکھتے ہیں لیکن جس روز سے ان کو یہ تنبیہ کرتے ہوئے میں نے دیکھا اس روز سے ان سے محبت کرنے لگا۔

کروری نے لکھا ہے کہ دین کے تمام کاموں میں وہ بڑا اہتمام کرتے تھے، دعا کرتے تھے تو دونوں ہاتھ چادر کے اندر نہیں رکھتے تھے بلکہ باہر نکال کر دعا کرتے تھے۔^۲

موفق اور قرشی دونوں حضرات نے لکھا ہی کہ عہدہ قضا کے قبول کر لینے کے بعد وہ سورکعت روزانہ نماز پڑھتے تھے، روزہ کا بھی اہتمام کرتے تھے، خصوصیت سے رجب و شعبان میں پورے مہینہ روزہ رکھتے تھے۔^۳

احسان شناسی

امام ابو یوسف، امام ابو حنیفہ اور ابن ابی لیلیٰ دونوں حضرات کے خاص شاگرد تھے، ان دونوں اساتذہ کی احسان شناسی سے وہ پوری زندگی گراں بار رہے۔ ہمیشہ دونوں کے لئے دعائے مغفرت کرتے تھے اور کہا کرتے تھے کہ میں نے جب بھی کوئی نفل یا فرض نماز پڑھی تو ان کے لئے دعا ضرور کی۔ بعض روایتوں میں ہے کہ وہ اپنے والدین سے پہلے امام صاحب کے لئے دعا کرتے تھے۔

حاضر جوابی :

امام ابو یوسف نہایت ذکی اور ذہین تھے اس لئے جب کوئی بات یا مسئلہ سامنے آتا تو اس کا وہ فوراً جواب دیتے۔ ایک بار ہارون کے ساتھ حج کو تشریف لے گئے، ظہر یا عصر کے وقت انہوں نے امامت کی چونکہ یہ مسافر تھے اس لئے قصر کیا یعنی دو رکعت کے بعد سلام پھیر کر نمازیوں سے کہا کہ اپنی

۱۔ موفق جلد ۲۔ ص ۲۴۳ ۲۔ موفق جلد ۲۔ ص ۱۴۵ ۳۔ ایضاً ۱۴۰ ۴۔ اس میں سنت کی موافقت بھی مقصود رہی ہوگی اور اس صورت میں تصریح کی کیفیت بھی زیادہ پیدا ہوتی ہے۔ ۵۔ موفق جلد ۲۔ ص ۲۳۱

نمازیں پوری کر لو میں مسافر ہوں۔ اہل مکہ میں سے ایک شخص نے نماز ہی میں کہا ہم لوگ یہ مسئلہ تم سے اور جس نے تم کو سکھایا ہے اس سے بہتر جانتے ہیں۔ امام ابو یوسف نے کہا یہ تو ٹھیک ہے لیکن اگر تم کو یہ مسئلہ معلوم ہوتا تو نماز میں بات چیت نہ شروع کر دیتے، اس جواب پر ہارون بہت خوش ہوا اور اس نے کہا کہ اگر نصف سلطنت کے بدلے مجھے یہ جواب مل جاتا تو بھی میں پسند کرتا۔

ایک بار ہارون نے ان سے کہا کہ آپ میرے پاس بہت کم آتے ہیں میں آپ کی صحبت و زیارت کا مشتاق رہتا ہوں۔ امام ابو یوسف نے فرمایا کہ یہ اشتیاق اسی وقت تک کا ہے جب تک میں کم آتا ہوں جب زیادہ آنے لگوں گا تو یہ اشتیاق و اعزاز باقی نہیں رہے گا، ہارون نے اس جواب کی تحسین کی۔

ایک لطیفہ :

ایک صاحب امام ابو یوسفؒ کی خدمت میں ہمیشہ خاموش بیٹھے رہتے تھے۔ ایک بار ان سے فرمایا کہ تم کچھ بولتے نہیں؟ کہا کہ بہت اچھا، کچھ دیر بعد بولے روزہ کب افطار کرنا چاہئے، فرمایا جب آفتاب غروب ہو جائے بولے اگر آفتاب آدھی رات تک غروب نہ ہو تو، یہ سن کر امام ابو یوسفؒ ہنس پڑے اور کہا کہ تمہارا خاموش رہنا ہی اچھا تھا، تمہاری زبان کھلوا کر میں نے خطا کی۔

قوتِ حافظہ :

نہایت قوی الحفظ تھے۔ امام ذہبی نے انہیں حفاظ حدیث میں شمار کیا ہے، ابن جوزی نے ان کو امت کے ان سو قوی الحفظ لوگوں میں شمار کیا ہے جو ضرب المثل تھے۔ انہوں نے لکھا ہے کہ اپنے شیوخ حدیث سے جب وہ سماع حدیث کرتے تھے تو بسا اوقات ایک ہی مجلس میں انہیں پچاس ساٹھ حدیثیں مع سند زبانی یاد ہو جاتی تھیں۔ ابن عبد البر کے بیان سے بھی اسی کی تائید ہوئی ہے۔

حافظ ابن حجر نے حسن بن زیادہ کے واسطے سے نقل کیا ہے کہ وہ ایک بار بیمار تھے اسی حالت میں سفیان بن عیینہ نے چالیس حدیثیں سنائیں اور وہ سب ان کو اسی وقت یاد ہو گئیں اور ان کے جانے کے بعد اپنے رفقاء کو وہ تمام حدیثیں مع سند سنا دیں، رفقاء کو ان کی قوتِ حافظہ پر سخت تعجب ہوا۔

ابو معاویہ کہتے ہیں کہ میں اور ابو یوسفؒ دنوں سماع حدیث کے لئے جاتے تھے میں تو شیخ سے سنی ہوئی تمام حدیثیں لکھ لیا کرتا تھا اور انہیں بغیر لکھے زبانی یاد ہو جاتی تھیں۔ خلیفہ ہارون رشید بھی

۱۔ حسن القاضی۔ ص ۱۷، کردزی جلد ۲۔ ص ۱۳۱ ۲۔ یہی مسنون طریقہ ہے ۳۔ مفتاح المسعود جلد ۲۔ ص ۱۰۴

۴۔ ایضاً ص ۱۰۶ ۵۔ تاریخ بغداد۔ جلد ۱۳

ان کا ہم سبق رہ چکا تھا۔ اس سے ایک بار لوگوں نے امام ابو یوسفؒ کی شکایت کی تو اس نے کہا میں ان کے علم و فضل و بچپن سے جانتا ہوں یہ درس میں حدیثیں لکھتے نہیں تھے، مگر حافظہ ایسا قوی تھا کہ ان کو سب حدیثیں زبانی یاد ہو جاتی تھیں اور درس کے بعد لکھنے والے ان کے حفظ سے اپنی مکتوبہ احادیث کی تصحیح کرتے تھے۔

علم و فضل :

امام ابو یوسفؒ کے صحیفہ زندگی کا سب سے جلی عنوان یہی ہے۔ امام ابو یوسفؒ، آئمہ تابعین اور تابع تابعین کے اس دور میں تھے جس میں علم و فن کا چرچا گھر گھر تھا، دینی علوم تفسیر و حدیث و فقہ، سیرت، رجال و طبقات اور مذاہب اربعہ کے آئمہ اور اعظم رجال علماء اسی دور میں تھے، مثلاً امام ابو حنیفہؒ، امام مالک، سفیان ثوری، امام اوزاعی، عبد اللہ بن مبارک، سفیان بن عیینہ، امام احمد بن حنبل، امام شافعی، محمد بن اسحاق، یحییٰ بن معین، کعب بن جراح رحمہما اللہ وغیرہ۔ ان آئمہ کبار کی موجودگی میں کسی دوسرے کے علم و فضل کا چراغ اس وقت تک نہیں جل سکتا تھا جب تک وہ غیر معمولی حیثیت کا مالک نہ ہو۔ ان میں سے متعدد آئمہ امام ابو یوسفؒ کے استاذ تھے اور متعدد شاگرد تھے اور ان میں سے ہر ایک نے ان کے علم و فضل کا جن الفاظ میں اعتراف کیا ہے ان سے امام ابو یوسفؒ کی علمی عظمت اور بلند پایگی کا اندازہ ہوتا ہے۔

امام ابو حنیفہؒ جو آسمانِ علم کے مہر درخشاں تھے اور جن کے فیضِ صحبت سے ابو یوسفؒ، امام ابو یوسفؒ ہوئے تھے وہ بھی ان کے مداح تھے۔ ایک بار امام ابو یوسفؒ بیمار پڑے امام صاحب عیادت کے لئے گئے جب وہ باہر نکلے تو بہت متفکر نظر آئے کسی نے سبب پوچھا تو فرمایا یہ جوان مر گیا تو زمین کا سب سے بڑا عالم اٹھ جائے گا۔^۱

علی بن صالح جو امام شعبہؒ اور ابن ابی ذہب جیسے ائمہ کی صحبت میں رہ چکے تھے، جب امام ابو یوسفؒ سے روایت کرتے تھے تو فرماتے تھے سید العلماء فقہ الفقہاء علماء کے سردار سب سے بڑے فقیہ یعنی ابو یوسفؒ نے یہ روایت کی ہے۔^۲

علی بن جعد درس دے رہے تھے، اثنائے درس میں امام ابو یوسفؒ کا تذکرہ آگیا کسی نے کہا آپ جیسا آدمی بھی درس میں امام ابو یوسفؒ کا تذکرہ کرتا ہے، ان کو بزار بنج ہوا اور اس شخص سے مخاطب ہو کر کہا کہ امام ابو یوسفؒ کا نام لینے سے پہلے چاہئے تھا کہ تم اپنا منہ اُشان (ایک گھاس) اور

۱۔ حسن القاسمی ص ۱۵، یہ تمام واقعات کردری، موفق القاد جو ابر مضمیہ اور تاریخ بغداد وغیرہ میں مذکور ہیں۔

۲۔ موفق۔ جلد ۲۔ ص ۳۱ کردری۔ جلد ۲۔ ص ۱۲۷۔

گرم پانی سے صاف کر لیتے پھر فرمایا کہ مارایت مثلہ میں نے ان کے جیسا کوئی صاحب علم نہیں دیکھا۔ یہ علی بن جعد امام مالک، سفیان ثوری، لیث بن سعد، شعبہ بن جراح رحمہما اللہ وغیرہ ائمہ فقہ و حدیث کے فیض یافتہ تھے اس لئے ان کی رائے بہت ہی اہمیت رکھتی ہے۔

حضرت بشر بن ولید نے ایک شخص سے کہا کہ تم امام ابو یوسفؒ کی تعظیم نہیں کرتے، میں نے ان کے مثل کسی کو نہیں پایا۔

حضرت ہلال الرائے کہتے تھے کہ امام ابو یوسف تمام علوم کے جامع تھے فقہ ان کے علوم میں اقل العلوم تھی۔

حضرت طلحہ بن جعفر فرماتے تھے کہ امام ابو یوسف مشہور و معروف تھے۔ ان کا علم و فضل بلند درجہ تھا ان سے بڑھ کر ان کے زمانے میں کوئی نہیں تھا، علم و حکمت اور ریاست و قدر میں انتہا کو پہنچے ہوئے تھے وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے امام ابو حنیفہؒ کا علم تمام عالم میں پھیلایا۔

امام صاحب کے پوتے اسمعیل بن حماد فرماتے ہیں کہ میرے دادا (ابو حنیفہ) کے خاص اصحاب دس تھے لیکن اس میں کوئی امام ابو یوسفؒ سے بڑھ کر کوئی نہیں تھا۔

امام احمد بن حنبل، یحییٰ بن معین، علی بن المدینی جیسے ائمہ جرح و تعدیل نے بھی ان کے علم و فضل کا اعتراف کیا ہے اور ان کی توثیق کی ہے۔ ان ائمہ کے اقوال آگے آئیں گے۔

ان اقوال سے ان کے علم و فضل کا بخوبی اندازہ ہو گیا ہو گا اس لئے کہ معاصرین اور ائمہ رجال کے اقوال و آراء کے آئینہ میں بھی اسلاف کی زندگی کے حسن و قبح اور۔۔۔۔۔۔ خط و خال بڑی حد تک نظر آ جاتے ہیں۔ لیکن یہ ان کے علم و فضل کا بہر حال ایک اجمالی خاکہ کہا جائے گا۔ تفصیل کے لئے ضرورت ہے کہ ان تمام فنون پر بحث کی جائے جن میں انہوں نے اپنے اجتہاد کے نقوش چھوڑے ہیں۔ خصوصیت سے قرآن اور حدیث و آثار کے سلسلہ میں۔

قرآن :

اوپر ذکر آچکا ہے کہ وہ قرآن کے حافظ تھے۔ قرآن سے ان کو اتنا انس و شغف تھا کہ بغیر خشوع و خضوع اور توجہ الی اللہ کے کسی کو پڑھتے ہوئے دیکھتے تو اس کو سخت تنبیہ کرتے تھے۔

اوپر یہ بھی ذکر آچکا ہے کہ امام صاحب کے عام درس میں تو نہیں مگر ان کا جو خاص شوریٰ درس ہوتا تھا اس کی شرکت کے لئے حفظ قرآن پہلی شرط تھی۔ چنانچہ ان کے مخصوص تلامذہ میں امام محمدؒ، امام زفرؒ، حسن بن زیادہؒ، داؤد طائی فضیل بن عیاضؒ سب حافظ قرآن تھے۔

امام صاحب نے یہ شرط ایک بڑے مقصد کی خاطر لگائی تھی، وہ یہ کہ امام صاحب کا طریقہ استنباط یہ تھا کہ ہر معاملہ میں وہ پہلے کتاب اللہ کی طرف رجوع کرتے تھے، اس کے بعد آثار و احادیث کی طرف، اور اسی طریقہ پر وہ اپنے تلامذہ کی بھی تربیت کرتے تھے، پھر وہ اپنے اجتہاد و استنباط کو اپنے تلامذہ پر تھوپتے یا ان کی صرف الاما نہیں کراتے تھے، بلکہ وہ ہر مجتہد فیہ اور مستنبط مسئلہ کو اپنی مجلس علمی میں پیش کرتے تھے، اس کے بعد سب کو قرآن و سنت میں غور کر کے رائے دینے کا اختیار دیتے تھے، ظاہر ہے کہ ایسی صورت میں کسی ایسے شاگرد کا اس مجلس میں گزرنے سے ہو سکتا تھا، جو حافظ قرآن نہ ہو، اور پھر اسی کے ساتھ اس میں قرآن سے اجتہاد اور استنباط مسائل کی پوری پوری صلاحیت موجود نہ ہو۔

امام صاحب کی اس مجلس درس میں امام ابو یوسفؒ کی جو حیثیت تھی، اس کا ذکر خود امام کی زبانی اوپر آچکا ہے، اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ ان کو قرآن میں غور و خوض اور اس سے تخریج مسائل کا کتنا ملکہ رہا ہوگا۔

فرماتے تھے کہ میں نے جن مسائل میں فتوے دیئے تھے، ان میں جو کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کے موافق تھے، انہیں تو باقی رکھا اور جو خلاف تھے ان سب سے رجوع کر لیا، یعنی امام صاحب کی مجلس درس میں جو کچھ حاصل کیا تھا، اس کو دوبارہ کتاب و سنت کے معیار پر پرکھا، پھر اس کو اختیار کیا یا چھوڑا۔

قرآن پر غور و خوض اور اس سے نتائج اخذ کرنے کے لئے، حدیث و آثار کے علاوہ لغت عرب اور بعض دوسرے علوم سے واقفیت بھی ضروری ہے۔ چنانچہ امام ابو یوسفؒ ان تمام علوم کے جامع تھے، جن کی ضرورت ایک مجتہد کے لئے ضروری ہے، قرآن سے ان کے استدلال اور استنباط کی دو چار مثالیں یہاں پیش کی جاتی ہیں۔

مصارف زکوٰۃ کے سلسلہ میں قرآن کی یہ آیت :

اِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسْكِينِ وَالْعَامِلِينَ عَلَيْهَا

”زکوٰۃ، فقراء، مساکین اور ان کے وصول کرنے والوں کا حق ہے۔“

کو آخر تک نقل کرنے کے بعد اس کی مجتہدانہ تفسیر و تفصیل کرتے ہیں۔

انہوں نے تفسیر میں آیت کی ترتیب بدل دی ہے یعنی پہلے انہوں مولفۃ القلوب کو لیا ہے، ان کے بارے میں عام ائمہ کی طرح ان کی بھی رائے یہی ہے کہ اب یہ مصرف باقی نہیں رہا۔ پھر عالمین زکوٰۃ کا تذکرہ کرتے ہیں، اس میں انہوں نے ایک خاص بات یہ لکھی ہے، ان کو اتنا معاوضہ دینا چاہئے، کہ ان ضروریات زندگی پوری ہو سکیں، اس میں نہ تو اسراف کیا جائے، اور نہ بخل سے کام لیا جائے، اگرچہ معاوضہ اس کے اصل حصہ سے زیادہ ہی کیوں نہ ہو جائے۔^۱

پھر فقراء مساکین اور غار میں کا ذکر کرنے کے بعد ابن السبیل (مسافر) کی تشریح کی ہے، انہوں نے یہ اجتہاد کیا ہے کہ اس میں مسافروں کی ذاتی مدد کے علاوہ ان کی راحت رسانی کے سامان کی تیاری، مثلاً راستوں کی درستی، پلوں اور مسافر خانوں کی تعمیر وغیرہ بھی داخل ہو سکتی ہے، ان کی اصل عمارت یہ ہے۔

وفی ابناء السبیل سہم یحملون بہ ویعاونون .

(کتاب الخراج ص ۴۶)

”ایک حصہ مسافروں کا ہے جس کے ذریعہ ان کے لئے سواری اور راحت رسانی کا سامان کیا جائے۔“

اس کے بعد رقاب (گردن چھڑانا) کا تذکرہ کیا ہے، پھر فی سبیل اللہ کے مصرف کی تفصیل کی ہے، اس سلسلہ میں ان کا رجحان فی سبیل اللہ میں وسعت کی طرف معلوم ہوتا ہے، ان کے الفاظ یہ ہیں

وسہم فی اصلاح طرق المسلمین۔^۲

”ایک حصہ مسلمانوں کے عام اصلاح و ترقی کے لئے مخصوص ہونا چاہئے۔“

انہوں نے لکھا ہے کہ فقراء مساکین کا حصہ و مساکین کا حصہ تو خود اس بستی یا شہر کے مستحقین میں تقسیم کر دیا جائے۔ مگر دوسرے مصارف میں امام وقت کو اختیار ہے، خواہ اسی جگہ صرف کر دے یا دوسری جگہ بھیج دے۔

۱۔ امام شافعی، امام داؤد، اور دوسرے ائمہ کی رائے ہے کہ یہ اب بھی باقی ہے۔ ۲۔ یعنی صدقہ میں ۸ مصارف ہیں، ان میں مولفۃ القلوب کو نکال دیا جائے، تو عالمین کا حصہ ۷/۱۱ ہوا، اس کے بارے میں فرماتے ہیں کہ خواہ ان کو اصل حصہ یعنی ۷/۱۱ سے زیادہ ہی کیوں نہ مل جائے، مگر بہر حال ان کی ضروریات پوری کی جائیں، (کتاب الخراج ص ۴۶) ۳۔ یہ بات راقم کو کسی اور جگہ نظر نہیں آئی

اسی طرح غنیمت فنی کا جہاں تذکرہ کیا ہے، وہاں قرآن کی تمام آیات کو جمع کر کے بہت سے لطیف نکتے پیدا کئے ہیں، ہم یہاں ان کی پوری عبارت نقل کرتے ہیں، تاکہ ان کی وسعت نظر کا اندازہ کیا جاسکے۔

وَأَعْلَمُوا أَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِنْ شَيْءٍ فَإِنَّ لِلَّهِ خُمُسَهُ .

”جان لو کہ بیشک جو تم مال غنیمت حاصل کو اس میں میں پانچواں حصہ اللہ اور رسول اور ذوالقربیٰ کا ہے۔“

یہ آیت غنیمت نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ اس میں ۱۵/۱۰۰ تو ان کا حصہ ہے، جن کا ذکر قرآن میں موجود ہے، اور ۵/۴۰ فوج کا ہے، اور جوج میں وہی لوگ شامل نہیں ہیں، جو باقاعدہ حکومت کے ملازم ہیں یا ان کو حکومت نے مقرر کیا ہو بلکہ اس میں وہ لوگ بھی حصہ دار ہوں گے، جو رضا کارانہ شریک جہاد ہوئے ہیں۔

اس سلسلہ میں ایک بحث یہ ہے کہ جن لوگوں کے پاس مختلف قسم کی سواریاں ہیں ان میں سے کس کو کتنا حصہ ملنا چاہئے، مثلاً کسی کے پاس اچھے قسم کا گھوڑا ہے، دوسرے کے پاس ذرا گھٹیا قسم کا، اسی طرح دوسری سواریاں، تو کیا ان سب کو برابر حصہ ملے گا، یا سب کو ان کی سواری کی حیثیت کے مطابق ملے گا، بعض لوگ اس میں حیثیت کا لحاظ کرتے ہیں، مگر امام ابو یوسفؒ کی رائے ہے کہ۔

وَلَا يَفْضُلُ الْخَيْلُ بَعْضُهَا عَلَى بَعْضٍ

”اور بعض گھوڑوں کی بعض پر ترجیح نہیں ہوگی“

استدلال میں وہ قرآن کی یہ آیت پیش کرتے ہیں۔

وَالْخَيْلَ وَالْبِغَالَ وَالْحَمِيرَ لِتَرْكَبُوهَا .

”ہم نے گھوڑے اور خچر پیدا کئے تاکہ سواری کر سکو“

دوسری جگہ قرآن میں ہے۔

وَأَعِدُّوا لَهُمْ مَا اسْتَطَعْتُمْ مِنْ قُوَّةٍ وَمِنْ رِبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُونَ بِهِ عَدُوَّ اللَّهِ

وَعَدُوَّكُمْ . (توبہ)

”اپنی طاقت پھر تیار کرو اسلحہ اور پلے ہوئے گھوڑوں تاکہ ان کے ذریعہ عرب ڈال سکو خدا کے اور اپنے دشمنوں پر۔“

۱۔ یہ بات راقم کو کسی اور جگہ نظر نہیں آئی۔

مقصد یہ ہے کہ ان آیات میں کوئی تخصیص نہیں ہے، بلکہ فائدہ کے لحاظ سے سب کو ایک ہی صف میں رکھا گیا ہے، مزید استدلال کے لئے وہ عربوں کے استعمالات سے بحث کرتے ہیں۔

وَالْعَرَبُ تَقُولُ هَذَا الْخَيْلُ وَفَعَلَتِ الْخَيْلُ لَا يَعْنُونَ بِذَلِكَ الْفَرَسُ
وَدُنْ لِبَرْدُونِ

”اعلیٰ درجہ کے گھوڑے ہی مراد نہیں لیتے ہیں بلکہ کم تر درجہ کے گھوڑے بھی مراد لیتے ہیں۔“

اس استدلال کے بعد اس پر دیگر مسائل کو قیاس کرتے ہیں۔

وَلَا يَفْضِلُ الْفَرَسُ الْقَوِيَّ عَلَى الْفَرَسِ الضَّعِيفِ وَلَا يَفْضِلُ الرَّجُلُ
الشَّجَاعَ التَّامَ السِّلَاحَ عَلَى الرَّجُلِ الَّذِي لَا سِلَاحَ لَهُ إِلَّا سَيْفُهُ^۱

”اس سلسلہ میں کسی تندرست گھوڑے کو کمزور پر ترجیح نہیں ہوگی اور نہ کسی بہادر آدمی کو جو اسلحہ سے پورے طور پر لیس ہو اس شخص پر ترجیح ہوگی جس کے پاس ایک تلوار کے علاوہ کچھ نہ ہو۔“

ان مثالوں سے اندازہ ہو سکتا ہے، کہ وہ قرآن میں کس قدر غور و خوض کرتے تھے، اور اس سے نتائج کے اخذ کرنے میں کتنی وسعت نظر سے کام لیتے تھے، اور اجتہاد و استنباط میں شریعت کی روح کو کس قدر سمجھنے کی کوشش کرتے تھے۔

ان کے اجتہادات سے دو باتیں خاص طور پر واضح ہوتی ہیں۔ (۱) ایک یہ کہ حکومت کی فوج کے افراد اور وہ مجاہدین جو رضا کارانہ طور پر شریک جہاد ہوں دونوں کے ساتھ یکساں معاملہ کیا جائے گا۔ (۲) دوسرے یہ کہ صرف سامان کی فراوانی کوئی چیز نہیں ہے بلکہ اصل چیز نیت اور وہ جذبہ ہے جو اسے اس خدمت پر کھینچ کر لایا ہے، ممکن ہے ایک ہوائی جہاز سوار کے دل کے اندر کوئی جذبہ خیر موجود نہ ہو اور ایک خالی ہاتھ مجاہد جو مجاہدین کی معمولی خدمت میں لگایا ہو اس میں طیارہ سوار سے زیادہ جذبہ موجود ہو، اس کا اندازہ تو بہر حال لگایا نہیں جاسکتا۔ اس لئے صرف سامان کی زیادتی کی بنا پر کسی کو زیادہ حصہ دینا اور کسی کو کم دینا مناسب نہیں ہے، بلکہ جب باطن کا حال معلوم نہیں ہے، تو حکم ظاہری پر ہونا چاہیئے، یعنی جو بھی ایک طرح کے کام میں لگا ہوا ہے، اس کو برابر حصہ ملنا چاہئے، اور پھر جن کی مصلحت کا تقاضا بھی یہی ہے کہ ایک ہی طرح کے کام کرنے والوں کے ساتھ یکساں سلوک کیا جائے ورنہ معمولی کاموں کو لوگ دلچسپی کے ساتھ انجام نہ دیں گے۔

حدیث و آثار :

حدیث و آثار میں ان کی حیثیت امام کی تھی، اوپر ذکر آچکا ہے، کہ سماع حدیث کا اتنا شوق تھا کہ ایک طرف امام صاحب کی مجلس درس میں فقہ کی تحصیل کرتے تھے، پھر وہاں سے فرصت پانے کے بعد ان شیوخ کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے، جن کے یہاں صرف حدیث کا املا و سماع کرایا جاتا تھا، بعض روایتوں میں ہے کہ یہ جس وقت امام صاحب کے درس میں شرکت کے لئے گئے تھے اس وقت ان کا شمار حفاظ حدیث میں ہوتا تھا^۱۔ یہ بات تعجب خیز اس لئے نہیں ہے کہ ان کے حافظہ کا حال یہ تھا کہ وہ ایک مجلس میں جتنی حدیثیں سنتے تھے وہ ان کو مع سند زبانی یاد ہو جاتی تھیں^۲۔

ابو معاویہ ایک محدث ہیں، جو بغداد میں درس حدیث دیتے تھے، ان کے پاس مشہور محدث حجاج بن ارطاة کی مرویات کا ذخیرہ بہت تھا، انہوں نے اپنے تلامذہ سے فرمایا کہ امام ابو یوسفؒ کی موجودگی میں میرے پاس آنے کی کیا ضرورت ہے۔ حجاج کی روایت کا ذخیرہ ان کے پاس ہم سے زیادہ ہے ان کا حال تو یہ تھا کہ ہم درس حدیث میں جو حدیثیں سنتے تھے، انہیں لکھ لیتے تھے، اور ان کو بغیر لکھے ہوئے زبانی یاد ہو جاتی تھیں، اور یاد بھی اس صحت کے ساتھ ہو جاتی تھیں کہ ہم اپنی مکتوبہ احادیث کی ان سے صحت کرتے تھے^۳ اسی طرح ہارون اور دوسرے ائمہ حدیث نے بھی ان کے حفظ حدیث کی توثیق کی ہے۔

امام ذہبی نے ان کو حفاظ حدیث کے چھٹے طبقہ میں شمار کیا ہے، جس میں یحییٰ بن معین، امام شافعی، امام احمد بن حنبل، عبد اللہ بن مبارک، سفیان بن عیینہ رحمیم اللہ وغیرہ ہیں۔

امام ذہبی نے امام ابو یوسفؒ کے حالات پر ایک الگ رسالہ لکھا ہے، جواب احیاء المعارف النعمانیہ حیدرآباد کی طرف سے شائع ہو گیا ہے۔

امام مزنی سے کسی نے آئمہ عراق کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے امام صاحب کے بارے میں کہا سید ہم سب کے سردار، امام ابو یوسفؒ کے متعلق کہا۔

اتبعهم للحديث

”ان میں سب سے زیادہ حدیث کی پیروی کرنیوالے۔“

۱۔ کردری۔ جلد ۲۔ ص ۱۲۶ ۲۔ یعنی راویوں کے ساتھ حدیث کا حفظ بہت غیر معمولی بات ہے۔

۳۔ تاریخ بغداد۔ جلد ۱۴۔ و تذکرۃ الحفاظ۔ جلد ۱۔ ص ۲۶۱

امام محمد کی بابت کہا سب سے زیادہ مسائل اخذ کرنے والے اور امام زفرؒ کے بارے میں کہا، قیاس میں سب سے زیادہ بہترؒ یحییٰ بن معین فرماتے تھے۔ میں نے آئمہ مجتہدین میں ان سے زیادہ ثبوت اور حفظ فی الحدیث اور صحیح روایت کرنے والا نہیں پایا، انہی کا قول ہے کہ امام ابو یوسفؒ صاحب شدت تھے، وہ اصحاب حدیث کی طرف مائل تھے۔

امام احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں کہ اول جب مجھ کو حدیث کی تحصیل کا خیال پیدا ہوا، تو امام ابو یوسفؒ کی خدمت میں گیا اور ان ہی کا قول ہے: کان منصفافى الحدیث حدیث میں انصاف پسند تھے۔

علی المدینی فرماتے تھے کہ ابو یوسف صدوق حد درجہ سچے تھے۔

حدیث و آثار کے بارے میں یحییٰ بن معین، احمد بن حنبل اور ابن المدینی کی رائے بہت قیمتی سمجھی جاتی ہے، ان تینوں بزرگوں کی متفقہ رائے ہے کہ امام ابو یوسفؒ حدیث میں مہارت رکھتے تھے، لیکن اگر ان ائمہ میں کسی کی رائے ہم کو نہ بھی معلوم ہوتی تب بھی حدیث و آثار میں ان کا جو کارنامہ اور ان کی جو قلمی یادگاریں ہیں، وہ خود حدیث میں ان کی مہارت اور غیر معمولی درک کا پتہ دیتی ہیں، حدیث و آثار کے سلسلہ میں ان کی دو کتابیں ہیں۔ ایک کتاب الآثار جس کے راوی ان کے صاحبزادے یوسف ہیں دوسری کتاب الخراج جس کو خود انہوں نے مرتب کیا ہے، کتاب الآثار میں احادیث و آثار کی تعداد ایک ہزار سے زائد ہے، کتاب الخراج کا موضوع گواہی فقہی ہے، مگر اس میں مشکل سے کوئی مسئلہ ایسا ہوگا جس کے لئے قرآن یا حدیث یا آثار نبوی یا آثار صحابہ سے دلیل نہ لائی گئی ہو۔

امام ابو یوسفؒ کے زمانہ میں عام طور پر درس کا طریقہ یہ تھا کہ شیوخ حدیث اپنے تلامذہ کو حدیث کا املا کر دیتے تھے، اور ائمہ فقہ صرف فقہ کا درس دیدیتے تھے، لیکن امام ابو یوسفؒ کے درس کی یہ خاص خصوصیت تھی کہ وہ دونوں کا مجمع الجرحین ہوتا تھا، وہ درس میں نہ تو صرف اخبارنا و حدثنا ہی پر اکتفا کرتے تھے، اور نہ قال اقول ہی پر بلکہ اگر ایک حدیث سناتے تھے، تو اسی کے ساتھ اس سے اخذ کئے ہوئے نتائج و مجتہدات کو بھی طلبہ کے سامنے رکھتے جاتے تھے۔

۱۔ جزء الذہبی۔ ص ۴۰ ۲۔ امام احمد بن حنبلؒ کا یہ جملہ بڑا معنی خیز ہے، اس دور میں بی شمار محدثین تھے مگر حدیث کے سلسلہ میں منصفانہ مزاج رکھنے والے بہت کم تھے ایک طرف کچھ لوگ محض روایت پرستی میں مبتلا تھے، دوسری طرف کچھ اس سے بے نیاز ہو گئے، تفصیل آگے آتی ہے

امام علی مدنی فرماتے ہیں کہ جب امام ابو یوسفؒ ۸۰ھ میں بصرہ آئے، تو ہم لوگ ان کی خدمت میں استفادہ کے لئے پہنچے ان کا طریقہ درس یہ تھا کہ اگر وہ دس حدیثیں بیان کرتے، تو دس فقہی رائیں بھی ان کے ساتھ پیش کرتے تھے^۱۔

حدیث والی صرف اس کا نام نہیں ہے کہ جو روایت اپنے شیخ سے سنی اس کو طلبہ کے سامنے رکھ دیا یا املا کر دیا بلکہ اس کا اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ اس سے مسائل اخذ کئے جائیں اس سے اجتہاد و استنباط کیا جائے، تاکہ احادیث رسول سے زندگی کے ہمہ گیر نظام کے لئے زائد سے زائد روشنی حاصل کی جاسکے، چنانچہ حدیث کے سلسلہ میں انہوں نے بھی دونوں طرح کی خدمتیں انجام دیں مگر ان کا اس کی کارنامہ سنت رسول ﷺ سے استخراج مسائل ہے، اعمش مشہور امام حدیث (ان کے شیوخ میں ہیں) نے ایک مرتبہ امام ابو یوسفؒ سے کوئی مسئلہ پوچھا، جواب سن کر فرمایا کہ یہ کہاں سے اخذ کیا، کہ فلاں حدیث سے اعمش نے ہنس کر کہا کہ یہ حدیث مجھ کو اس وقت سے یاد ہے، جب تمہارے اندلی شادی بھی نہیں ہوئی تھی، مگر میں اس سے مسئلہ مستنبط نہ کر سکا تھا۔

”خراج“ کے موضوع پر خود ان کے زمانہ میں اور اس کے بعد بھی بہت سی کتابیں لکھی گئیں، مگر سب کی سب بغیر استثنائے نقل و روایت کا مجموعہ ہیں اجتہاد و استنباط کی کوئی علامت ان میں نہیں پائی جاتی، مزید تفصیل تصانیف اور اجتہاد و استنباط کے عنوان کے تحت آئے گی، یہاں صرف ان کا ایک قول نقل کر دیا جاتا ہے، فرماتے تھے کہ بارالہا! میں کتاب اللہ سے اس کے بعد سنت رسول ﷺ سے اخذ مسائل کیا ہے لیکن جہاں مجھے سنت بنوی نہیں ملی، وہاں میں نے امام صاحب کے قول پر عمل کیا۔

مختصر طور سے یہ کہنا صحیح ہوگا، کہ امام ابو یوسفؒ، امام صاحب کے اصحاب میں سب سے زیادہ حدیث دان تھے، لیکن ان کا یہ اصول تھا کہ وہ حدیث روایت کو بغیر روایت کے صحیح نہیں سمجھتے تھے فرماتے تھے کہ جو محض کثرت روایت کے ساتھ جو حدیث طلب کریگا وہ رسول اللہ ﷺ پر کچھ نہ کچھ ضرور جھوٹی تہمت لگا دے گا۔ ان کا دوسرا بیان ہے کہ جو مشہور و معروف احادیث کو چھوڑ کر، شواہد کے پیچھے دوڑے گا، ہو آپ پر جھوٹ باندھے گا۔

فقہ :

ان کے علم و فضل کا سب سے وسیع میدان یہی ہے، اس میں انہوں نے تمام علوم سے زیادہ اپنی جودت طبع اور جولانی فکر کا ثبوت دیا ہے اور فقیہ ہی کی حیثیت سے دنیا ان کو جانتی ہے، امام صاحب

ان کا دوسرا بڑا کارنامہ اصول فقہ کی تدوین ہے^۱۔ باقاعدہ اصول فقہ کی تدوین اس سے پہلے نہیں ہوئی تھی^۲۔ امام ابو یوسفؒ پہلے شخص تھے، جنہوں نے اس فن کو باقاعدہ مدون کیا، افسوس ہے کہ یہ کتاب ناپید ہے، تذکرون میں صرف اس کا تذکرہ ملتا ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں بھی منقول ہے، کہ وہ اصول فقہ کے سب سے پہلے مولف ہیں، یہ دونوں باتیں اپنی جگہ پر صحیح ہیں، اس لئے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فقہ کی طرح، اصول فقہ کی بھی تجدید کی، اور ان کی تجدید صرف فروغ تک نہیں بلکہ اصول میں بھی تھی، اس لحاظ سے ان کو اس فن کا پہلا مولف قرار دے سکتے ہیں، مگر حقیقتاً تقدم۔۔۔۔۔ امام صاحب اور ان کے تلامذہ ہی کو حاصل ہے۔

فقہ حنفی کی جس کتاب کو بھی اٹھا کر دیکھے اس میں امام ابو یوسفؒ کے اقوال، مجتہدات اور استنباطات ملیں گے، لیکن پھر بھی ان کا فقہی کارنامہ امام محمد کے مقابلہ میں کم ہے، گو امام محمدؒ کی کتابیں ان سے استفادہ کی بہت زیادہ مرہون منت ہیں۔

فرائض :

فرائض یعنی وہ فن جس میں وصیت اور وراثت کی تقسیم کے مسائل بیان کیے جاتے ہیں، فقہ ہی کا ایک شعبہ ہے، مگر اہمیت کے لحاظ سے یہ مستقل ایک فن ہو گیا ہے، اس فن کے لئے سب سے زیادہ ضرورت حساب ذاتی کی ہے، امام صاحب کے تلامذہ میں امام ابو یوسف اور امام محمد دونوں اس حیثیت سے ممتاز تھے، امام ابو یوسف فرماتے تھے کہ میں نے فرائض کے مسائل ایک مجلس میں امام صاحب سے سیکھ لئے تھے، امام ابو یوسف اس سے صرف واقف ہی نہیں تھے بلکہ اس میں مجتہدانہ نظر رکھتے تھے، صحابہ میں اس فن کے جاننے والے متعدد حضرات تھے مگر ان میں حضرت زید بن ثابتؓ اور حضرت علیؓ خاص

۱۔ باقاعدہ کی قید اس سے لگائی گئی ہے کہ یہ فن امام ابو یوسف کا ایجاد کردہ نہیں ہے بلکہ قرآن و سنت کے کلیات کو سامنے رکھ کر صحابہ اور تابعین نے بہت سے مسائل مستبط کئے تھے، انہی اصول و کلیات اور حجاب کے مستبط مسائل کی روشنی میں انہوں نے اصول فقہ مرتب کیا امام ابو یوسف سے پہلے اس موضوع پر ایک کتاب خود امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے بھی لکھی تھی جو کتاب الرائے کے نام سے مشہور ہے۔

طور پر ممتاز تھے، چنانچہ امام ابو یوسف اس میں اکثر انہی کا اتباع کرتے تھے، کہتے تھے کہ جہاں ان دونوں بزرگوں میں اختلاف ہو جاتا ہے وہاں میں حضرت علیؑ کی رائے کو ترجیح دیتا ہوں^۱ اس کی وجہ یہ بیان کرتے تھے کہ حضرت علیؑ ”حضرت زیدؑ سے زیادہ قوت فیصلہ رکھتے تھے، کیونکہ آنحضرت ﷺ نے بھی فرمایا ہے کہ افضا کم علیؑ، تم سب سے اچھا فیصلہ کرنے والے علیؑ ہیں۔

ان علوم کے علاوہ دوسرے دینی علوم جو قرآن و سنت کے لئے ذریعہ کی حیثیت رکھتے ہیں مثلاً تاریخ، سیرت، ادب و نحو اور ایام عرب وغیرہ سے بھی واقف تھے، اسی بنا پر امام صاحب فرماتے تھے، کہ میرے اصحاب میں یہ سب سے زیادہ جامع العلم ہیں^۲ ان کی مہارت کا اندازہ ان کی کتابوں سے ہوتا ہے، خصوصیت سے ”کتاب الخراج“ میں اس کی مثالیں بکثرت ملیں گی۔

اوپر ذکر آچکا ہے کہ سیرت و مغازی میں انہوں نے محمد بن اسحاق سے استفادہ کیا تھا، جو اس وقت اس فن کے امام تھے، عربی ادب و لغت کا بصرہ کے بعد دوسرا مرکز کوفہ کا تھا وہی ان کا مولد ہے، پھر امام ابو یوسف خالص عربی النسل تھے، اس لئے ان علوم کی تحصیل کی ان کو قطعاً ضرورت نہیں تھی، اسی طرح نحو یعنی قواعد عرب کے سیکھنے کی بھی ضرورت ان کو نہیں تھی، مگر پھر بھی وہ ایک فن بن گیا تھا، اس لئے اس کو بقدر ضرورت حاصل کیا، خود فرماتے ہیں، کہ میں نے ایک ماہر نجومی سے نحو کے مسائل کو ایک مجلس میں حاصل کر لیا، ممکن ہے اس سے مراد کسائی یا سیبویہ ہوں۔

علم تاریخ سے ان کی واقفیت کا اندازہ لگانے کے لئے ان کی کتاب الخراج کا مطالعہ کافی ہے، ان کا طریقہ یہ ہے کہ جو باتیں تاریخ سے متعلق ہوتی ہیں، ان کی مختصر تاریخی حیثیت واضح کرنے کے بعد پھر شرعی حیثیت بیان کرتے ہیں، مثلاً اہل سواد کا تذکرہ کرتے ہوئے انہوں نے خراسان، مصر، افریقہ، اور سندھ وغیرہ پر بڑی جامع گفتگو کی ہے۔ پھر اسی طرح جزیرہ کے بیان کے سلسلہ میں بعض مقامات اور قبائل کی تاریخی حیثیت واضح کی ہے، اگر کسی جگہ کے بارے میں ان کو خود علم نہ ہوتا تھا تو وہ جاننے والوں سے دریافت کر کے لکھتے تھے۔ چنانچہ جب ہارون نے ان سے اہل شام اور اہل جزیرہ کے بارے میں دریافت کیا، تو امام ابو یوسف کو چونکہ ان کی تاریخی حیثیت معلوم نہیں تھی، اس لئے انہوں نے حیرہ کے کسی صاحب نظر واقف کار کو لکھا، چنانچہ ان کا جو جواب آیا، امام ابو یوسف نے اسی کتاب میں نقل کر دیا ہے، اس کے چند ابتدائی الفاظ یہاں نقل کئے جاتے ہیں۔

جزیرہ قبل اسلام دو حصوں میں منقسم تھا، ایک رومی عیسائیوں کے قبضہ میں تھا، دوسرا ایرانیوں کے اور ان میں سے ہر ایک حکومت اپنی فوج رکھتی تھی، اور محصل مقرر کرتی تھی، راس العین سے فرات تک کا علاقہ حکومت روم کے قبضہ میں تھا، اور نصیبین اور اس کی پشت کا علاقہ دجلہ تک حکومت ایران کے ماتحت تھا، اسی طرح سیل ماروین اور دارا سے سنجار تک کا حصہ اہل فارس کا مقبوضہ تھا، اور جیل ماروین و دارا و طور و عبدین اہل روم کا ان حکومتوں کی سرحدوں پر ایک سرحدی چوکی کے طور پر ایک قلعہ تھا، جو حصن سرجا کے نام سے مشہور تھا۔

قبل از اسلام کی تاریخ بیان کرنے کے بعد اسلام کے بعد کی تاریخ بیان کی ہے خط دو تین صفحہ کا ہے، مگر اس میں پچاسوں صفحے کے مضمون کو انہوں نے سمیٹ لیا ہے۔

بہر نوع امام ابو یوسفؒ کے اندر وہ تمام صلاحیتیں اور علم و فضل کی وہ تمام لیاقتیں موجود تھیں جو ایک مجتہد کے لئے ضروری ہیں، اب ہم ان کے اجتہاد و استنباط پر مفصل بحث کرتے ہیں۔

اجتہاد و استنباط :

عموماً مجتہدین کی دو قسم مانی جاتی ہے، ایک مجتہد مطلق غیر منتسب^۱ دوسرے مجتہد منتسب مطلق یا مجتہد مطلق مقید مذہب، متاخرین علمائے احناف کی کتابوں میں ائمہ مجتہدین اور اصحاب فتاویٰ کے درجات کی جو تقسیم کی گئی ہے، اس میں یہ کہا گیا ہے کہ امام ابو یوسف امام محمد وغیرہ مجتہد مطلق نہیں بلکہ مجتہد فی المذہب تھے، مجتہد مطلق سے مراد یہ ہے کہ جن لوگوں نے کتاب و سنت سے براہ راست اجتہاد کے اصول مرتب کیے، اور اس سے تفریع مسائل کی، جیسے ائمہ اربعہ تھے، مجتہد فی المذہب یا مجتہد منتسب ان کو کہتے ہیں کہ جنہوں نے ان ائمہ کے مرتب کردہ اصول کی روشنی میں مسائل کی تخریج کی، جیسے امام ابو یوسفؒ، امام محمدؒ اور دوسرے ائمہ کے مشہور تلامذہ۔

بعض فقہ و تذاکرہ کی کتابوں میں یہ بھی درج ہے، کہ صاحبینؒ فرماتے تھے، کہ ہم نے امام صاحب سے جہاں اختلاف کیا ہے، اور ان کے قول کو مرجوح قرار دیا ہے، وہ بھی امام صاحب ہی کا قدیم قول تھا، جیسے انہوں نے مرجوح سمجھ کر ترک کر دیا تھا، اسی طرح کے اور بھی اقوال منقول ہیں، جن سے ان کا مجتہد مقید بہ مذہب ہونا معلوم ہوتا ہے۔

۱۔ اگر مجتہد مطلق غیر منتسب کا مطلب یہ ہے کہ ان کا اجتہاد کسی کے فیض ترتیب کا امر ہوں منتسب بھی ہے تو پھر اسی لحاظ سے مجتہد مطلق غیر منتسب تو سوائے رسول اللہ ﷺ یا صحابہ کے کوئی دوسرا نہیں ہو سکتا، مجتہد مطلق منتسب کی تعریف میں ائمہ اربعہ داخل ہو سکتے ہیں، مگر عام طور پر ائمہ اربعہ کو پہلی قسم میں شمار کیا گیا ہے حالانکہ ان ائمہ میں سے ہر ایک کسی نہ کسی صحابی یا تابعی کی طرف منتسب ہے۔

مگر یہ کہنا بڑا ظلم ہے۔۔۔۔۔ کہ صاحبین امام صاحب کے مقلد محض تھے۔۔۔۔۔ حالانکہ۔۔۔۔۔ کہ وہ خود امام اور مجتہد مطلق تھے، یہ ان کی احسان شناسی ہے کہ انہوں نے اپنی ذات اپنے اساتذہ سے بے نیاز کر کے دنیا کے سامنے پیش نہیں کیا، حالانکہ وہ کر سکتے تھے۔ پھر امام ابو یوسفؒ کو اور امام محمدؒ کو اجتہاد و استنباط میں ائمہ ثلاثہ امام مالک امام شافعی اور امام احمد سے گھٹانا اور کم رتبہ قرار دینا بھی بڑی زیادتی ہے، جب کہ خود ان ائمہ اور ان کے مشہور تلامذہ نے اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ یہ لوگ اجتہاد و استنباط میں ان سے کسی طرح کم نہ تھے، اس کی تفصیل تو ہم آئندہ کریں گے، ہم پہلے مختصراً اجتہاد و استنباط کی تعریف اس کے اصول و شرائط پر بحث کرتے ہیں، تاکہ اندازہ ہو جائے، کہ یہ ائمہ فقہ خصوصیت سے امام ابو یوسف مجتہد مطلق تھے یا مجتہد منتسب، اجتہاد کی تعریف علماء نے یہ کی ہے۔

”هو استفراغ المجهود في استنباط الحكم الفرعي عن دليله“۔

”اصل سے کسی فردی سلسلہ کے استنباط میں اپنی وسعت بھر کوشش کرنے کا نام اجتہاد ہے۔“

اجتہاد کے اصول و شرائط کیا ہونے چاہئیں، اس میں مختلف رائیں ہیں، جو چیزیں سب میں مشترک ہیں وہ سب ذیل ہیں۔

(۱) کتاب اللہ کا عالم ہو، یعنی قرآن کے لغوی اور شرعی معانی سے واقف ہو اس کے طرز کلام کو جانتا ہو، افراد و ترکیب اور ناخ و منسوخ پر اس کی نظر ہو۔

(۲) سنت رسول اللہ میں اسے درک ہو، یعنی روایات کی سند اور ان کی متون سے واقفیت ہو، بعض لوگوں نے قرآن کی آیات اور احادیث کی تعداد پر بھی بحث کی ہے، یعنی یہ کہ مجتہد لئے کتنی آیتوں اور حدیثوں میں بصیرت پیدا کرنا ضروری ہے، مگر یہ بحث فضول ہے، مجتہد کے لئے پورے قرآن اور احادیث کے تمام متداول ذخیروں پر نظر ضروری ہے۔

(۳) اجماع کے موارد اور مواقع سے واقف ہو۔

(۴) قیاس کے شرعی طریقوں سے واقف ہو۔

ان شرائط کو سامنے رکھیے۔ اور پھر امام ابو یوسفؒ کے علم و فضل اور کتاب و سنت آثار صحابہ اور تعدیل صحابہ سے ان کی واقفیت کا جو ذکر اوپر کیا گیا ہے، اس پر ایک نظر ڈالئے اور دیکھئے کہ کیا ان کے

۱ اصول فقہ کی کتابوں میں اس کی متعدد تعریفیں کی ہیں، یہ تعریف بڑی جامع اور مانع ہے، تفصیل کے لئے ارشاد الفحول امام شوکانیؒ اور انتقاصی امام غزالیؒ اور الاحکام آمدیؒ کی طرف رجوع کرنا چاہئے

مجتہد مطلق قرار دینے کے لئے وہ کافی نہیں ہے، پھر امام صاحب کا طریقہ درس اس قدر مجتہدانہ ہوتا تھا، کہ اس میں موارد اجماع اور وجود قیاس کی ہر روز مشق ہوتی تھی، اوپر امام صاحب کے طریقہ درس کا مختصر تذکرہ آچکا ہے، اس سلسلہ میں چند اور باتیں پیش کی جاتی ہیں۔

امام صاحب کے سامنے جب کوئی نیا مسئلہ پیش ہوتا وہ اپنے ممتاز تلامذہ سے پوچھتے کہ تم لوگوں کے پاس، اس بارے میں کوئی حدیث نبوی یا اثر صحابہ موجود ہے، تلامذہ اپنی اپنی معلومات کے بقدر آثار و احادیث پیش کرتے اس کے بعد امام صاحب کو جو معلومات ہوئیں وہ سب کے سامنے رکھتے، پھر وہ اس میں غور کرتے۔ اگر آثار مختلف ہوتے تو جس قول کی تائید میں نقلی دلائل ان کو زیادہ مل جاتے، تو اسی کے مطابق فیصلہ کر دیتے، اگر آثار تقریباً برابر ہوئے تو پھر غور و خوض کر کے کوئی رائے قائم کرتے، ظاہر ہے کہ یہ مشق و تمرین اسی لئے تو نرائی جاتی تھی کہ ان میں شان اجتہاد پیدا ہو، اسی بنا پر امام صاحب کے مسلک کو شورائی مسلک کہا جاتا ہے، کروری کا بیان ہے۔

مذہبہ شورى بینہم ولم یستبد فیہ بنفسہ دونہم اجتہاد امنہ
فی الدین

”ان کا مسلک شورائی تھا یعنی وہ اپنے تلامذہ سے ہر مسئلہ میں مشورہ کرتے تھے اور کسی دینی مسئلہ ہی اجتہاد کرتے وقت وہ نہ تو خود رائی سے کام لیتے تھے، اور نہ اپنی رائے کو تلامذہ پر تھوپتے تھے“

پھر ان کے طریقہ درس کے بارے میں لکھتے تھے۔

فکان یطرح مسئلہ مسئلہ لہم ثم یسأل ما عندہم ویقول ما عندہ
وہم نیا ظرہم فی کل مسئلہ شہرا اور کثرو باتی یدلائل ثم یشتہا
الامام ابو یوسف فی الاصول^۱

”وہ ایک ایک مسئلہ کو باری باری تلامذہ کے سامنے رکھتے تھے، پھر اس کے بارے میں ان سے سوال کرتے تھے، اور اس بارے میں انکی رائے اور دلائل سننے کے بعد اپنی رائے اور اپنی دلیل پیش کرتے تھے، اور پھر ان سے مباحثہ کرتے تھے یہاں تک کہ ایک ایک مسئلہ میں بحث و مباحثہ کرتے ایک مہینہ یا اس سے بھی زیادہ دن لگ جاتے تھے، پھر اس کے بعد امام ابو یوسف اس مسئلہ کو اصول مذہب میں داخل کر لیتے تھے“

اور نہ صرف ان کا طریقہ درس ہی ایسا تھا کہ اس سے اجتہاد و استنباط کی صلاحیت پیدا ہو جاتی تھی، بلکہ تلامذہ کو یہ عام ہدایت تھی کہ۔

لا یحیل لا حد ان یقول بقولی مالہ یعلم من این قلت

(حسن التقاضی ص ۶۲)

”کسی کے لئے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ میری کسی رائے کے مطابق کوئی فتویٰ دے جن تک کہ اس کو یہ نہ معلوم ہو جائے کہ میں نے یہ رائے کسی دلیل کی بنا پر قائم کی ہے۔“

یہی وجہ ہے کہ امام صاحب کے جن مجتہدات کو ان کے تلامذہ نے اپنی تحقیق میں کتاب و سنت کے مطابق نہیں پایا، ان سے اختلاف کیا، اور ان کے مقابلہ میں اپنے مجتہدات پیش کیے، اور یہ اختلاف صرف دو چار مسائل میں نہیں ہے بلکہ بعض فقہاء کے قول کے مطابق امام صاحب سے دو ثلث مسائل میں صرف صاحبین یعنی امام ابو یوسف اور امام محمد نے اختلاف کیا ہے، امام زفر کے اختلافات اس کے علاوہ ہیں۔

ان تصریحات سے آسانی سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ وہ مجتہد مطلق تھے یا مجتہد فی المذہب۔

عام فقہائے احناف نے اجتہاد و استنباط کے لحاظ سے مجتہدین کے درجات کی جو تقسیم کی ہے، اس موقع پر اس کو مختصر پیش کرنے کے بعد اس کی تردید میں جو کچھ لکھا گیا ہے اس کا پیش کر دینا بھی مناسب معلوم ہوتا ہے۔

مجتہدین کے درجات کی تفصیل ابن حجر مکی نے ”شن الغارہ“ میں جو کی ہے اسی کو شاہ ولی اللہ صاحب اور مولانا عبدالحی صاحب وغیرہ نے اپنی کتابوں میں نقل کیا ہے۔

ابن کمال بارہویں صدی کے مشہور علمائے دولت عثمانیہ میں گزرے ہیں، انہوں نے مجتہدین اور فقہاء کے طبقات پر ایک رسالہ لکھا ہے۔ متاخرین فقہاء نے عام طور پر اسی کو اختیار کیا ہے۔ ہم یہاں اس کا تھوڑا سا خلاصہ نقل کرتے ہیں۔

اعلم ان الفقہاء علی سبعة طبقات الطبقة الاولى طبقة المجتہدین فی

الشرع کا لائمه الاربعه الثانية طبقة المجتہدین فی المذہب کا بی

یوسف و محمد و سائر اصحاب ابی حنیفہ..... فانہم وان خالفوه

فی بعض الاحکام الفرعیة لکنہم یقلدونه فی قواعد الاصول۔

” فقہاء کے سات طبقہ اولیٰ کے فقہاء میں وہ ائمہ مجتہدین ہیں جو مجتہدین فی الشرع کہے جاتے ہیں جیسے ائمہ اربعہ دوسرا طبقہ۔۔۔۔۔ مجتہدین فی المذہب کا ہے جیسے امام ابو یوسف امام محمد اور دوسرے اصحاب ابو حنیفہ۔۔۔۔۔ ان لوگوں نے بعض فروعی احکام میں امام صاحب کی مخالفت کی ہے لیکن اصول میں ان کے مقلد ہیں۔“

اسی طرح انہوں نے سات درجات میں تمام فقہائے احناف کو تقسیم کیا ہے، ہم نے طوالت کے خیال سے اتنا ہی عبارت نقل کی ہے، ابن کمال کے اس رسالہ کا بیشتر حصہ قابل تقلید ہے، چنانچہ خدا جزائے خیر دے علامہ مرجانی متوفی ۱۳۰۶ھ کو کہ انہوں نے بڑی تفصیل سے اس پر بحث کی ہے، اس کا کوئی گوشہ تشنہ نہیں چھوڑا ہے جتنا حصہ ہمارے موضوع سے متعلق ہے، ہم اسے یہاں نقل کرتے ہیں۔

هذا ما ذكره وقد اوردده اليتمي في طبق اتبه بحر وفيه ثم قال وهو تقسيم حسن جدا واقول بل هو بعيد عن الصحة بمراحل فضلا عن حسنه جدا فانه تحكيمات باردة و خيالات فارعة و كلمات لا روح لها والفاظ غير محصلة المعنى فليت شعري ما معنى قوله ان ابا يوسف و محمد اوزفروا ان خالفوا ابا حنيفة في الاحكام لكنهم يقلدون في قواعد الاصول ما الذي يريد من الاصول ؟ فان اراد منه الاحكام الاجمالية التي يبحث عنها في كتب اصول الفقه فهي قواعد عقلية و ضوابط برهانية يعرفها المرء من حيث انه ذو عقل و صاحب فكر و نظر سواء كان مجتهدا ولا تعلق لها بالاجتهاد قط و شان الائمة الثلاثة ارفع واجل و حالهم في الفقه ان لم يكن ارفع من مالک و الشافعي و امثالهما فليسوا بدار و نهما و جرى مجرى الامثال قولهم (ابو حنيفة ابو يوسف) بمعنى ان البالغ الى درجة القصوى في الفقاهة هو ابو يوسف و قولهم (ابو يوسف ابو حنيفة) بمعنى ان ابا يوسف بلغ الدرجة القصوى من الفقاهة .

” ابن کمال نے جو پتچھ لکھا ہے اس کا یہ خلاصہ ہے، اس تقسیم کو تیمی نے اپنی کتاب میں نقل کیا ہے اور اس کے بارے میں لکھا ہے کہ یہ بہترین تقسیم ہے لیکن میں کہتا ہوں کہ سحت اور حقیقت سے اس کو انتہائی بعد ہے اسی تقسیم میں بے دلیل دعوے، بے کار خیالات آرائی،

بے روح اور بے مغز باتیں ہیں، سمجھ میں نہیں آتا کہ ان کے اس قول کے کیا معنی ہیں کہ امام ابو یوسف، امام محمد اور امام زفر نے اگرچہ بعض احکام میں، امام ابو حنیفہ کی مخالفت کی ہے مگر اصولی باتوں میں ان کی تقلید کرتے ہیں؟ اصول سے ان کی کیا مراد ہے؟ اگر اس سے مراد وہ اجمالی احکام ہیں جن سے اصول فقہ میں بحث کی جاتی ہے تو یہ قواعد تو عقل اور دلائل کی مدد سے مرتب کئے گئے ہیں جن کو ہر صاحب عقل اور صاحب فکر و نظر جانتا ہے خواہ وہ مجتہد ہو یا غیر مجتہد اجتہاد سے اس کا قطعی تعلق نہیں ہے۔ اور ان آئمہ ثلاثہ کی شان بہر حال اس سے بلند ہے کہ ان کو اس درجہ میں رکھا جائے حالانکہ فقہ و اجتہاد میں امام ابو یوسف اور امام محمد وغیرہ کا مرتبہ امام مالک اور امام شافعی سے بلند نہیں ہے تو ان سے کمتر بھی نہیں ہے اور یہ بات تو ضرب الثقل بن گئی ہے کہ ابو حنیفہ تو ابو یوسف ہیں یعنی فقاہت میں امام ابو یوسف امام صاحب کے رتبہ تک پہنچ گئے ہیں اور بعض لوگوں کا یہ قول بھی ہے کہ ابو یوسف ابو حنیفہ ہیں۔ یعنی مرتبہ اجتہاد میں امام صاحب اور ان میں کوئی فرق نہیں ہے۔“

اس کے بعد انہوں نے تمام ممتاز فقہاء اور آئمہ کے وہ اقوال نقل کئے ہیں جن سے ان کے مجتہد مطلق ہونے کا ثبوت ملتا ہے۔ پھر لکھتے ہیں:

و کفی بذالک شهادة له ولكل واحد منهم اصول مختصة به
تفردوا بها عن ابي حنيفة وخالفوا فيها ومن ذلك ان الاصل في
تخفيف النجاسة تعارض الدلة عندهما عند ابي حنيفة رحمة الله
واختلاف الائمة .

”ان آئمہ کی یہ شہادتیں ان کے مجتہد مطلق ہونے کے لئے کافی ہیں ان میں سے ہر ایک کے کچھ مخصوص اصول تھے جن میں انہوں نے امام صاحب سے تفرد اختیار کیا تھا اور ان ہی میں ان سے اختلاف کرتے تھے۔ انہی اصول میں سے ایک یہ ہے کہ تخفیف نجاست میں اصول یہ ہے کہ اس کے دلائل میں تعارض ہے اور صاحبین کے نزدیک آئمہ کے اختلاف کی وجہ سے اس میں تخفیف سے کام لیا گیا ہے۔“

اس کے بعد یہ امام غزالی اور امام الحرمین کے اقوال نقل کرتے ہیں

قال الغزالي انهما خالفا ابا حنيفة في ثلثي مذهبه و نقل النووي في

کتابه تهذيب الالسماء واللغات عن ابي المعالي الجويني ان کل

ام اختارۃ المزنی اری انه تخریج ملتحق بالمدھب فانه لا یخالف اقال الشافعی لا کابی یوسف و محمد فانھما یخالفان اصول صاحبھما .
 ”امام غزالی نے لکھا ہے کہ صاحبین نے دو تہائی مسائل میں امام صاحب سے اختلاف کیا ہے اور امام نووی نے تہذیب الاسماء میں امام جوینی سے نقل کیا ہے کہ امام مزنی نے جن مسائل کو ترجیح دی ہے وہ امام شافعی کے کسی قول ہی سے ماخوذ ہے کیونکہ وہ امام شافعی کے اقوال کی اس طرح مخالفت نہیں کرتے جس طرح امام ابو یوسف اور امام محمد امام ابو حنیفہ سے اصول و فروع میں اختلاف کرتے ہیں۔“

پھر انہوں نے امام ابو جعفر طبری کی یہ رائے نقل کی ہے کہ وہ امام احمد بن حنبل ”کو مجتہدین میں شمار نہیں کرتے تھے بلکہ ان کو وہ صرف حفاظ حدیث میں شمار کرتے تھے اسی طرح ابن خلدون نے لکھا ہے کہ

وامام احمد بن حنبل فمقلد وہ قليل لبعده مذھبیۃ عن الاجتھاد^۱ .
 ”اور امام احمد بن حنبل ”تو ان کے مقلدین اس لئے بہت کم ہیں ان کے مسلک میں اجتہادی خصوصیت کم ہے۔“

تو امام احمد ”کو مجتہدین مطلق میں شمار کیا جائے اور امام ابو یوسف اور امام محمد جن کے اجتہادات سے امام احمد نے استفادہ کیا ہو ان کو مقلد قرار دیا جائے۔ یہ ایک طرح کا ظلم ہے۔
 اس کے بعد انہوں نے اجتہاد کے مآخذ و شرائط یعنی کتاب و سنت، اجماع، قیاس اور آثار صحابہ پر بحث کی ہے اور یہ ثابت کیا ہے کہ ان میں سے کسی چیز میں بھی وہ امام صاحب کے مقلد نہیں تھے بلکہ وہ براہ راست ان مآخذ سے استنباط مسائل کرتے ہیں۔

یہ اتنی مفصل بحث ہے کہ اس کے بعد کسی اضافہ کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی۔ اب ہم ان کی کتابوں سے چند ایسے مسائل کا جو ان کے اور امام صاحب کے درمیان مختلف فیہ ہیں، تذکرہ کرتے ہیں جن سے اندازہ ہوگا کہ وہ محض فروع میں نہیں بلکہ اصول میں بھی مخالفت کرتے ہیں۔

اس وقت امام ابو یوسف کی تین کتابیں ہمارے پیش نظر ہیں۔ کتاب الآثار، کتاب الخراج اور اختلاف ابی یعلیٰ والی حنیفہ۔ ان ہی سے انتخاب کر کے چند مسائل کا ذکر کیا جاتا ہے۔

۱۔ اوپر ذکر آچکا ہے کہ حدیث میں سب سے پہلے امام احمد نے ابو یوسف سے استفادہ کیا، کسی نے فقہی مسائل کے بارے میں پوچھا کہ یہ مسائل آپ نے کہاں سے معلوم کئے تو انہوں نے فرمایا کہ ”امام محمد کی کتابوں سے“۔ انہوں نے یہ نہیں کہا کہ فقہی مسائل میں انہوں نے خود اجتہاد کیا ہے۔
 محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

پھر یہ بھی ایک بڑی زیادتی ہے کہ بعض ان بزرگوں کو جن میں اجتہاد و استنباط کی اتنی بھی صلاحیت نہیں تھی جتنی کہ ان بزرگوں میں تھی ان کو تو مستقل مجتہد تسلیم کیا جائے اور صاحبین کو مقلد فی الاجتہاد کا رتبہ دیا جائے۔

علم کلام :

امام ابو یوسفؒ کے زمانہ میں علم کلام کے مسائل کا چرچا اور اس میں بحث و مباحثہ ایک عام چیز بن گئی تھی۔ اس بحث سے نہ تو خلفاء و امراء کے دربار خالی تھے نہ فقہاء و محدثین کی مجالس درس اور نہ عوام اور بازاری لوگوں کے حلقے، خصوصیت سے ایمان کی کمی و زیادتی، قرآن کے مخلوق وغیرہ مخلوق ہونے، گناہ کبیرہ کے مرتکب کے کافر ہونے اور خدا تعالیٰ کی تجسیم و عدم تجسیم وغیرہ کے مباحث کا تقریباً ذکر ہر مجلس اور ہر گھر میں تھا۔

یہی مسائل اس وقت کی ثقاہت و عدم ثقاہت اس سے بھی بڑھ کر فسق و فجور، صلاح و تقویٰ بلکہ ایمان و کفر کا معیار بنے ہوئے تھے جس نے کسی گروہ کے خیالات سے اختلاف کیا جھٹ دوسرے فریق نے اس کو زندیق، فاسق بلکہ کافر تک بنادیا۔

فقہاء اور محدثین میں جو حضرات محتاط تھے۔ انہوں نے ہمیشہ ان مسائل پر گفتگو کرنے اور ان پر رائے دینے سے احتراز کیا اور اپنی حد تک دوسروں کو بھی وہ اس سے روکتے رہے مگر پھر بھی بسا اوقات انہیں اپنی رائے ظاہر ہی کرنی پڑتی تھی۔ اب وہ رائے جن لوگوں کے خلاف پڑتی تھی، وہ ان کو مطعون کرتے تھے اور ان کے اثر سے بعض اوقات ہمارے فقہاء و محدثین بھی اس شخص کے بارے میں رائے قائم کر لیتے تھے اور ان کو مطعون کرتے تھے، اسی اثر سے بعض خلفاء نے بڑے بڑے ائمہ سے وہ سلوک کیا جو ایک معمولی آدمی کے ساتھ نہیں کیا جاسکتا۔ امام احمد اسی طرح کے ابتلا میں پڑے تھے۔ مثال کے طور پر ارجاء کے مسئلہ کو لیجئے یعنی یہ کہ آدمی کی نجات کے لئے عمل ضروری نہیں ہے بلکہ اس کا ایمان کافی ہے یہ مسئلہ اس خیال کا رد عمل ہے کہ آدمی اگر گناہ کبیرہ کرے تو وہ مومن نہیں رہتا، ظاہر ہے کہ یہ کتاب و سنت سے خلاف بات تھی اس لئے اس پر بعض ائمہ نے اپنی زبان کھولی، خصوصیت سے امام صاحب نے۔ انہوں نے کہا کہ ایمان ایسی سیال چیز نہیں ہے جو کسی معمولی اشارہ سے بہہ جائے بلکہ ٹھوس حقیقت ہے اس کو بے عمل یا ارتکاب معاصی زائل نہیں کر سکتا۔ لیکن اس سے ان کا یہ مقصد بالکل نہیں تھا کہ آدمی عمل کرنا چھوڑ دے مگر بعض لوگوں کو یہ غلط فہمی ہوئی یا پھیلائی گئی کہ امام صاحب اس معنی میں مرجہ ہیں کہ وہ عمل کو کوئی ضروری چیز نہیں سمجھتے جس سے ہمارے سیدھے سادھے محدثین بھی متاثر ہو

گئے حالانکہ اگر کوئی امام صاحب کی زندگی ہی پر ایک سرسری نظر ڈال لے تو اس سے معلوم ہو جائے گا کہ وہ تمام آئمہ بلکہ اپنے معاصرین میں سب سے زیادہ عامل بالسنۃ صالح اور متقی تھے، کیا ان کے قول اور عمل میں کوئی تضاد تھا؟ نہیں بلکہ لوگوں نے ان کی بات سمجھنے میں سخت غلطی کی۔

امام صاحب سے چونکہ لوگوں نے یہ سوءظن قائم کر لیا تھا اس لئے اس جرم میں ان کے تلامذہ بھی شریک کر لئے گئے اگر آپ صرف تاریخ بغداد ہی کو اٹھا کر دیکھ لیجئے تو آپ کو نظر آئے گا کہ خطیب تمام مناقب اور فضائل کے ذکر کے بعد ان ائمہ کے بارے میں یہ رائے دیتے ہیں کہ یہ مرحبہ تھے، خلق قرآن کے قائل تھے۔ جہم یہ تھے اسی طرح بعض دوسرے تذکرہ نگار بھی ان اقوال کو نقل کرتے ہیں۔ چنانچہ امام ابو یوسفؒ کی طرف بھی یہ تمام جرائم منسوب کئے گئے ہیں مگر ہم خود امام ابو یوسفؒ کے اقوال نقل کر دیتے ہیں جس سے ان تمام الزامات کی تردید ہو جائے گی جو ان پر اس سلسلہ میں لگائے گئے ہیں۔

خلق قرآن :

امام ابو یوسفؒ کے زمانہ میں اس مسئلہ کو بڑی اہمیت حاصل تھی۔ ان سے بھی اس بارے میں سوال کیا گیا تو انہوں نے فرمایا کہ :

”قرآن اللہ کا کلام ہے اور جو شخص یوں اور کیسے کی شق نکالتا ہے اور اس کے بارے میں روکد کرتا ہے وہ قید و بند اور سخت تعزیر کا مستحق ہے۔“ (حسن القاضی ص ۳۵)

یہ کہنے کے بعد وہ اپنے تلامذہ سے کہتے تھے کہ اس بات کو اچھی طرح گروہ دے لو۔ ایک بار ایک شخص نے لوگوں میں یہ مشہور کیا کہ امام یوسف خلق قرآن کے قائل ہیں۔ ان کے تلامذہ نے سنا تو ان کو بڑی تشویش ہوئی وہ ان کے پاس آئے اور کہا کہ آپ کے بارے میں یہ بات معلوم ہوئی ہے آپ تو اس سے پہلے برابر ہم لوگوں کو اس مسئلہ میں پڑنے سے روکا کرتے تھے، انہوں نے سنا تو بڑے غصہ میں فرمایا :

اے کم عقلو! یہ لوگ جو اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھ سکتے ہیں ان کو میرے اوپر کوئی بہتان تراش لینے میں کیا باک ہو سکتا ہے۔

پھر فرمایا ! کہ

اہل بدع یحکون کلامہم ویکذبون علی الناس (ص ۳۶)

”اہل بدعت بات اپنی طرف سے کہتے ہیں اور لوگوں پر جھوٹ باندھتے ہیں۔“

۱۔ اس کی پچھ تفصیل امام ائمہ کے حالات میں ملے گی۔

جہمیت :

ان کے خاص خاندان کے ایک نوجوان نے ایک بار جہمیت^۱ کا اظہار کیا تو انہوں نے ۳۵ کوڑے کی سزا دی۔ ایک شخص نے ان سے کہا کہ میں نے سنا ہے کہ آپ اس کی شہادت قبول کرتے ہیں جو اس بات کا قائل ہے کہ اللہ کسی چیز کو اس کے وقوع سے پہلے نہیں جانتا، فرمایا ایسے شخص اگر توبہ نہ کرے تو میں قتل کر دوں گا نہ کہ اس کی شہادت قبول کروں گا۔

اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ قصد ان ائمہ کے بارے میں بعض معاندین کیسی کیسی بے سروپا باتیں اڑاتے رہتے تھے۔

ایمان :

ایمان کے سلسلہ میں بھی امام ابو یوسفؒ کے بارے میں عجیب عجیب باتیں کہی جاتی تھیں یہاں تک کہ بعض لوگوں نے کہا کہ وہ اپنا اور حضرت جبریل کا ایمان برابر سمجھتے ہیں، جب ان کو معلوم ہوا تو اس کی تردید کی۔

من قال ایمانی کا ایمان جبریل فہو صاحب بدعة^۲

”جو یہ کہتا ہے کہ میرا ایمان حضرت جبریل کے ایمان کی طرح ہے وہ بدعتی ہے۔“

وہ فرماتے تھے کہ خراسان میں بھی دو گروہ ہیں جن سے برابر دنیا میں کوئی نہیں ہے، ایک مجسمہ^۳، دوسرے جبر یہ۔ انہوں نے ایک بہت جامع نصیحت تمام تلامذہ کو کی تھی جس کا خلاصہ یہاں نقل کر دیتے ہیں:

ذروا الخصومة فی الدین والمراء فیہ والجدال ، فان الدین واضح

بین قد فرض اللہ عز وجل فرانضہ و شرع سنتہ وجدودہ واحل

۱۔ یہ فرقہ ہم بن صفوان کی طرف منسوب ہے۔ انہی صفات کے سلسلہ میں ان کا اور معتزلہ کا ایک ہی عقیدہ ہے، ان کے پانچ اصول ہیں، ایک یہ کہ جن صفات سے بندہ متصف ہے اس سے خدا کو متصف نہ ہونا چاہئے۔ مثلاً انسان میں علم و قدرت تو خدا تعالیٰ کو ان صفات سے خالی ہونا چاہئے، نعوذ باللہ دوسرے یہ کہ خدا تعالیٰ کو اگر کسی چیز کے پیدا کرنے سے پہلے اس کا علم نہیں ہوتا یعنی اس کا علم حادث ہے جو خلق کے ساتھ پیدا ہوتا ہے، تیسرے یہ کہ انسان اور عام مخلوقات مجبور محض ہیں، چوتھے یہ کہ خلود کو وہ ہمیشگی پر محمول نہیں کرتے ہیں، پانچویں یہ کہ جس شخص کو خدا کی معرفت حاصل ہو جاتی ہے اگر وہ زبان سے کفر کا اظہار کرتے جب بھی کافر نہیں ہوتا۔ ان اصولوں کی تمام اہل سنت نے تردید کی ہے تفصیل کے لئے مغل و التحل دیکھی جائے۔ ۲۔ کروری۔

۳۔ مجسمہ یعنی وہ لوگ جو خدا کے لئے جسم و اعضا ثابت کرتے ہیں۔ جبر یہ جو انسان کو مجبور محض رکھتے ہیں گناہ ثواب کا اس کا محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ۔

حلالہ و حرم حرامہ فقل اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی
ورضیت لکم الاسلام دیناً فاحلوا حلال القرآن و حرموا حرمہ
واعلموا بحکم و آمنوا بالمتشابہ منه و اعتبروا بالامثال فیہ .
فلو كانت الخصومة فی الدین تقوی عند الله بسق الیہا رسول الله
صلی الله علیہ وسلم واصحابہ بعده فهل اختصموا فی الدین تنا
زعوا فیہ وقد اختصموا فی الفقه تکلموا فیہ و اختصموا فی الفرائض
والصلاة والحج والطلاق الحلال والحرام ولم یختصموا فی
الدین ولم یتنازعوا فیہ فاقصروا علی تقوی الله وطاعته والزموا ما
جرت السنة ودعوا ما احدث المحدثون من التنازع فی الدین .
وقد انزل الله عز وجل فی کتابہ اذا رایت الدین یخوضون فی ایاتنا
فاعرض عنهم ولو شاء انزل فی ذالک جدلاً وحجاباً ولكنه ابی
ذالک وقال ولا تقعدوا معهم وقال فان حاجوک فقل اسلمت
وجهی الله ومن اتبعی ولم یقل وحاجهم .

”دین کے بارے میں شک لڑائی کج بحثی اور جدال چھوڑ دو اس لئے کہ دین بالکل واضح
ہے۔ خدا نے اس کے فرائض بھی مقرر کر دیئے ہیں اور اس کی سنتیں بھی اور اس کے تمام
حدود مقرر کر دیئے ہیں اور حلال کو حلال اور حرام کو حرام کر دیا ہے جیسا کہ اس نے خود فرمایا
”میں نے تمہارے لئے دین کو مکمل کر دیا اور اپنی نعمت کو تمہارے اوپر تمام کر دیا اور
تمہارے لئے دین اسلام کو پسند کر لیا تو اس کے مطابق حلال کو حلال سمجھو اور اس کے حرام
کو حرام سمجھو۔ قرآن کی محکم یعنی واضح آیات پر عمل کرو اور متشابہ آیات میں ان پر ایمان
یقین رکھو اور ان کے اندر جو امثال ہیں یعنی مثالیں ان سے عبرت حاصل کرو۔“ اگر دین
کے مسائل میں کج بحثی کوئی تقویٰ کی بات ہوتی تو اس کی طرف سب سے پہلے
رسول اللہ ﷺ، آپ کے بعد آپ کے اصحاب اس کی طرف سبقت کرتے تو کیا انہوں نے
کبھی عقائد کے مسائل میں بھی کج بحثی کی۔ انہوں نے اگر اختلاف اور بحث و مباحثہ کیا تو
فقہی مسائل میں جن کا تعلق عمل سے ہے، انہوں نے اگر گفتگو کی تو فرائض، نماز، حج،
طلاق جیسے مسائل میں اور حلال اور حرام میں انہوں نے ایمانیات میں کبھی قیل وقال نہیں
کیا۔ انہوں نے خدا کے تقویٰ اور اس کی اطاعت پر بس کیا اور انہوں نے سنت متواترہ کو

مضبوط پکڑ لیا تھا اور جوان مبتدعین نے نئے نئے مسائل پیدا کر دیئے ہیں ان کو انہوں نے کبھی ہاتھ نہیں لگایا۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں کہا ہے کہ جب دیکھو کہ وہ ہماری آیات میں کرید کر رہے ہیں تو ان سے الگ ہو جاؤ۔ اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو اپنی کتاب میں جدال اور قیل و قال کا طریقہ بھی نازل فرما سکتا تھا مگر اس سے اس نے گریز کیا اور یہ حکم دیا کہ ان کے ساتھ نہ بیٹھو، اور نبی ﷺ سے کہا کہ ”اگر وہ تم سے حجت کریں تو کہہ دو کہ میں نے اور جن لوگوں نے میری اتباع کی ہے اپنی پوری توجہ خدا کی طرف مبذول کر لی ہے آپ سے یہ نہیں کہا گیا کہ آپ بھی ان سے بحث مباحثہ اور قیل و قال کیجئے۔“

اس سے صاف ظاہر ہے کہ امام ابو یوسفؒ کا دامن ان الزامات سے پاک ہے جو ان پر بعض لوگوں نے عائد کرنے کی کوشش کی ہے ان کا یہ قول آج تک زبان زد عام ہے کہ جس نے دین علم کلام کے ذریعہ حاصل کرنے کی کوشش کی اس نے بے دینی کو راہ دی۔

جرح و تعدیل :

وہ ائمہ اور بزرگان دین جو صدیوں سے کروڑوں آدمیوں کے متبوع چلے آ رہے ہیں اور جن کی جلالت اور امامت پر سب کا اتفاق ہے ان کی عدالت و ثقاہت پر کسی بحث کی ضرورت نہیں ہے اور نہ ان کے بارے میں کوئی جرح قابل اعتنا ہے۔ مگر پھر بھی ایک سوانح نگار کا کام ہے کہ وہ جس کی سوانح عمری لکھ رہا ہے۔ اس کی زندگی کے ہر گوشہ کو اجاگر کرے اور اس سے بارے میں انگلیوں نے جو رائے دی ہے اسے بھی من و عن نقل کر دے اس لئے یہاں مختصر اس سے بحث کی جاتی ہے۔

امام احمدؒ، یحییٰ بن معینؒ، ابن مدینیؒ اور امام کزیؒ جو جرح و تعدیل کے امام ہیں ان سب نے ان کی توثیق کی ہے۔ اوپر ذکر آچکا ہے کہ امام ذہبیؒ نے تذکرۃ الحفاظ میں ان کا مختصر تذکرہ لکھا ہے اس کے بعد الگ ایک رسالہ ان کے حالات میں لکھا ہے جو اب چھپ کر بازار میں آ گیا ہے۔ اس میں لکھتے ہیں :

ان کے علم و فضل میں کسی کوشبہ کرنے کی گنجائش نہیں ہے جن لوگوں نے ان پر جرح کیا ہے وہ ناقابل اعتبار ہے۔^۱

۱۔ مقصود وہ مباحث ہیں جن میں خصوصیت کے خدا کی ذات و صفات کی بحث ہوتی ہے وہ چونکہ انسانی دسترس سے باہر ہیں اس لئے انسان ان کے بارے میں انکل پیکلو تیر چلاتا ہے۔ ۲۔ جزء الذہبی۔ ص ۳۶

ابن جوزی نے ان کو ان سو حفاظ میں شمار کیا ہے جو پوری امت میں ممتاز ہیں۔ اسی طرح ابن حبان، ابن عبد البر نے بھی ان کی ثقاہت و عدالت کی توثیق کی ہے۔

ابن جریر فرماتے ہیں: ”یہ حفظ حدیث میں مشہور و معروف ہیں۔“

ابن ابی حاتم نے اپنی کتاب الجرح والتعدیل میں امام بخاری سے نقل کیا ہے کہ ابو زرعد اور ابو حاتم ان سے حدیث کی روایت نہیں کرتے تھے۔

لیکن ابو زرعد اور ابن ابی حاتم کی رائے یحییٰ بن معین، ابن مدینی کے مقابلہ میں کوئی حیثیت نہیں رکھتی پھر ابن حاتم نے تو امام بخاری پر بھی جرح کی ہے، ظاہر ہے کہ ان کی رائے زیادہ محتاط نہیں کہی جاسکتی۔

خطیب نے عقیلی اور ابن ثابت کی جرح بھی نقل کی ہے۔ امام ذہبی اس جرح کے بارے میں لکھتے ہیں:

واخبار فی الخط علیہ بعضہا لیس بصحیح اور وہا العقیلی وابن

ثابت فی تاریخ بغداد و غیرہا

”ابو یوسف کو گرانے کے لئے جو باتیں عقیلی اور ابن اثابت کے ذریعہ تاریخ بغداد اور غیرہ میں منقول ہیں ان میں بعض بالکل صحیح ہیں۔“

ایک جرح خطیب نے نقل کی ہے اس میں ہے کہ عبداللہ بن مبارک ان کا ذکر اچھے الفاظ سے نہیں کرتے تھے، ان کی وفات کے بعد کسی نے ان کی موت کی اطلاع دی تو انہوں نے مسکین یعقوب (یعنی دنیا سے خالی گئے) کے الفاظ فرمائے۔

ظاہر ہے کہ اس روایت کی غلطی دو وجہوں سے ثابت ہے ایک تو یہ کہ عبداللہ بن مبارک امام ابو یوسف سے دو سال پہلے وفات پا چکے تھے مگر یہاں ان کو زندہ اور امام ابو یوسف کو مردہ دکھایا جا رہا ہے۔ دوسری یہ کہ اس روایت میں کئی راوی غیر ثقہ ہیں۔

اسی طرح دارقطنی کی جرح بھی نقل کی گئی ہے۔ مگر دارقطنی نے اپنی کتاب ”غرائب مالک“ میں امام محمد کو ثقہ قرار دیا ہے پھر خطیب نے ان سے یہ نقل کیا ہے کہ امام ابو یوسف کے بارے میں وہ کہتے تھے کہ

هو اقوی من محمد بن حسن

”وہ محمد بن حسن سے زیادہ قابل اعتماد تھے۔“

ظاہر ہے کہ امام محمدؒ سے زیادہ ثقہ قرار دینے کے معنی تو ان کی تعدیل ہوئی۔ اب اگر کوئی جرح ان سے ثابت بھی ہو جائے تو تعدیل کو جرح پر ترجیح ہونی چاہئے۔

ایک جرح یہ نقل کی ہے کہ اس حدیث میں جس میں رسول اللہ ﷺ کے حج کا ذکر ہے، یہ ہے کہ رسول اللہ غابہ سے منیۃ الوداع تک گئے، خطیب نے لکھا ہے کہ امام ابو یوسفؒ کو غابہ کا تلفظ تک معلوم نہیں تھا اور وہ غابہ (ب) کے بجائے غابہ (ی) کہتے تھے..... ظاہر ہے کہ جس نے بارہا حج کیا ہو اور ان مقامات کو خود دیکھا ہو اور مغازی و سیر محمد بن اسحاق سے پڑھنی ہو، امام اوزاعی کی سیرت پر نقد کیا ہو اس کے بارے میں اس قسم کی باتیں کس طرح قابل اعتبار ہو سکتی ہیں۔

غرض یہ کہ امام ابو یوسفؒ پر جتنی جرحیں کی گئی ہیں وہ زیادہ تر یا تو سوء ظنی کی بنا پر ہیں یا امام صاحب سے تلمذ کی وجہ سے اس لئے کہ اس وقت امام صاحب اور ان کے تلامذہ کے بارے میں عام طور پر یہ غلط فہمی اور سوء ظنی قائم تھی کہ یہ لوگ حدیث و آثار کے مقابلہ میں قیاس و رائے کو ترجیح دیتے ہیں لیکن ظاہر ہے کہ یہ صرف سوء ظنی اور غلط فہمی ہے، ممکن ہے اس وقت سوء ظنی کسی حد تک صحیح رہی ہو۔ مگر اس وقت جب کہ امام صاحب کی مجلس مشاورت اور ان کے تلامذہ کے اجتہادات سے جو بنانا یا مسلک ہمارے سامنے موجود ہے اس کے بارے میں کیا یہ شبہ کیا جاسکتا ہے کہ اس کو کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ سے کوئی نسبت نہیں ہے اور وہ صرف رائے و اجتہاد کا مجموعہ ہے۔ پھر اس میں امام صاحب اور ان کے تلامذہ کو جو قبول عام حاصل ہو وہ بھی بہت سے معاصرین کے لئے وجہ خلش تھا۔

حیل :

اما ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کی طرف تذکرہ میں بہت سے حیل منقول ہیں۔ ان کی کوئی اصلیت نہیں ہے لیکن اس سلسلہ میں یہ بات بھی قابل لحاظ ہے کہ کوئی ایسی لطیف تدبیر کرنا جس سے نہ تو شریعت کا حکم بدلتا ہو نہ وہ کسی نص صریح سے ٹکرائی ہو نہ اس سے کسی کا حق مارا جاتا ہو اور نہ اس سے کسی باطل کو ثابت کرنے کی کوشش کی جا رہی ہو، کوئی ممنوع چیز نہیں ہے۔ بلکہ وہ مباح ہے۔ مثال کے طور پر ہجرت کے واقعہ کو سامنے رکھئے جب کسی نے راستہ میں حضرت ابو بکر صدیقؓ سے آنحضرت ﷺ کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے فرمایا کہ

رجل یھدینی السبیل - "ایک شخص ہیں جو مجھے راستہ بتا رہے ہیں۔"

غور کیجئے ! کہ آپؐ نے کتنے لطیف انداز سے سائل کا جواب بھی دے دیا اور خطرہ سے آپؐ کو بچا بھی لیا اور واقعیت میں بھی کوئی فرق نہیں آنے دیا۔ جن آزمائشوں نے حیلوں سے کام لیا ہے یا ان کو مباح قرار دیا ہے ان کے سامنے بھی یہی مثال تھی نہ کہ مکر و فریب کو حیل سمجھتے تھے، حاشا و کلا۔

امام ابو یوسفؒ نے ایک بار ایک شخص کو اس کا مال بچانے کی ایک جائز تدبیر بتائی جس پر ان کے شاگرد ابو القیطان نے ان سے کہا کہ یہ تو وہی بات ہوئی کہ اللہ تعالیٰ نے یہودیوں کے لئے چربی حرام کر دی تھی تو انہوں نے یہ کیا کہ اس کو پگھلا کر فروخت کر دیتے اور اس کی قیمت اپنے مصرف میں لاتے۔ امام ابو یوسف نے فرمایا اگر انہوں نے ایک حرام کو حلال کرنے کے لئے ایسا کیا تھا مگر ہم کوئی تدبیر اگر کرتے تو اس کے لئے کہ حلال کو حرام نہ ہونے دیں۔

مثال کے لئے ایک اور واقعہ نقل کیا جاتا ہے ایک بار امام ابو یوسف کے یہاں خلیفہ ہادی کے خلاف ایک باغ کا مقدمہ پیش ہوا۔ ظاہری طور پر حق خلیفہ کا معلوم ہوتا تھا، شہادت وغیرہ بھی اسی کی طرف سے گذری تھی مگر امام ابو یوسف نے تحقیق کی تو حق اس غریب دعویٰ کرنے والا ہی کا معلوم ہوا جس کے خلاف شہادت گزر چکی تھی۔ امام ابو یوسف نے مقدمہ اس وقت ملتوی کر دیا، ہادی سے ملاقات ہوئی تو اس نے پوچھا کہ میرے معاملہ میں کیا فیصلہ ہو، فرمایا دعویٰ آپ سے قسم لینا چاہتا ہے پوچھا کیا آپ اس کو صحیح سمجھتے ہیں، امام ابو یوسف کا اپنا ذاتی مسلک یہ نہیں تھا اس لئے انہوں نے اپنی کوئی رائے نہیں دی بلکہ یوں کہا ”ابن ابی لیلیٰ اس کو صحیح سمجھتے تھے۔“

ہادی نے کہا اچھ تو پھر آپ باغ اس کو واپس کر دیجئے۔

ظاہر ہے کہ یہ تدبیر شرعی نقطہ نظر سے کوئی قابل اعتراض نہیں ہے اس واقعہ سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ان ائمہ کو بہت سے مظلوموں کی جان بچانے اور کتنے لوگوں کے حق واپس کرنے کے لئے بھی اس قسم کی تدبیریں کرنی پڑتی تھیں۔ اگر اسی کا نام حیلہ ہے تو پھر شرعی نقطہ نظر سے اس میں کوئی برائی نہیں ہے۔

خطیب بغدادی اور دوسرے بعض سوانح نگاروں نے امام ابو یوسف کی طرف بہت سے ایسے حیلے منسوب کئے ہیں جو انہوں نے ہارون رشید کے لئے کئے تھے مگر وہ اس لئے ناقابل اعتبار ہیں کہ ان کی پوری زندگی جس کا نقشہ اوپر کھینچا گیا ہے اس سے ان کی تردید ہوتی ہے۔

امام ابو یوسفؒ کی طرف منسوب کتاب الخارج والخیل کے نام سے ایک مستقل کتاب مصر کے متعدد کتب خانوں میں موجود ہے۔ ایک جرمن مستشرق جوزف شخت نے طبع کرادیا ہے مگر اس پر نام امام محمد کا درج ہے۔

زرّیں اقوال :

امام ابو یوسفؒ کے بہت سے حکیمانہ مقولے اور زرّیں اقوال کتابوں میں درج ہیں۔ ان میں سے چند کا ترجمہ یہاں نقل کیا جاتا ہے۔ فرماتے تھے کہ

بار الہا ! میرے سامنے جب کوئی مسئلہ پیش آیا تو پہلے میں نے کتاب اللہ میں غور کر کے اس کا جواب معلوم کرنے کی کوشش کی اگر کتاب اللہ میں اس کا جواب نہیں پایا تو پھر سنت رسول اللہ ﷺ کی طرف رجوع کیا اگر اس میں بھی جواب نہ ملا تو آثار صحابہ اور ان کے تعامل پر غور کیا اگر اس میں بھی جواب نہ ملا تو میں نے امام صاحب کو اپنے اور آپ کے درمیان واسطہ بنایا (یعنی ان کے قول پر عمل کیا)۔

اے اللہ تو جانتا ہے کہ جب میرے پاس دو فریق آئے اور ان میں سے ایک ضعیف اور دوسرا قوی تھا تو میں نے دونوں میں ہمیشہ مساوات رکھی، میں نے اس باغی میں خلیفہ اور ایک بازاری آدمی کو یکساں سمجھا، میرا قلب کبھی کسی کی وجاہت و قوت کی طرف مائل نہیں ہوا، اے اللہ! اگر میں نے ایسا کیا ہے تو میری مغفرت کر دے۔

فرماتے تھے کہ بسا اوقات مجھ سے کسی مسئلہ کے بارے میں سوال کیا گیا اور اس کی علت بھی میری سمجھ میں آگئی مگر زبان سے اس کے اظہار پر قادر نہیں تھا اس وقت میری مثال اس شخص کیسی ہوتی تھی جس کے سامنے ایک درہم رکھا جائے اور اس سے پوچھا جائے کہ یہ کھرا ہے یا کھوٹا، تو جواب میں کھرا یا کھوٹا کہے مگر جب اس سے اس کی علت اور وجہ دریافت کی جائے تو وہ کوئی جواب نہ دے سکے حالانکہ وہ اس کا کھرا کھوٹا ہونا جانتا ہے اور اس کا قلب اس پر مطمئن ہے مگر زبان سے اس کا اظہار نہیں کر سکتا۔ فرماتے تھے کہ بعض اوقات میں نے دو مسئلوں میں بال برابر فرق کیا ہے اور بعض اوقات پہاڑ کے برابر اور بعض وقت کوئل میں محسوس کر لیا۔ مگر زبان سے یاد دلائے اظہار نہیں تھا۔

تلاذہ فرماتے تھے کہ اے لوگو! صرف رضائے الہی کے لئے علم حاصل کرو، اس میں کوئی دوسری غرض شامل نہ ہو۔ میرا خود اپنا حال یہ تھا کہ جس مجلس میں متواضع ہو کر شریک ہوا۔ اس سے بلند ہو کر اٹھا اور جس مجلس میں علم کے غرور و پندار کے ساتھ گیا اس میں ذلت و فضیحت ہوئی، پس خبردار اللہ ہی کے لئے علم حاصل کرو۔

فرمایا اس شخص کی صحبت سے بچو جو قیامت کی ذلت اور رسوائی سے نہیں ڈرتا۔

فرماتے تھے کہ تین نعمتیں اصل ہیں ایک اسلام کہ دنیا کی کوئی نعمت اس کے بغیر مکمل نہیں ہو سکتی۔ دوسری صحت کہ اس کے بغیر کوئی راحت خوشگوار نہیں ہو سکتی، تیسری فارغ البالی کہ اس کے بغیر زندگی پر سکون نہیں ہوتی۔

فرماتے تھے کہ علم ایسی چیز ہے کہ جب تم اپنی پوری زندگی اس کو دے دو گے تب جا کر اس کا کچھ حصہ تم کو ملے گا، جب تم کو اس کا بعض حصہ ملے گا تو اس پر تمکیہ نہ کرو بلکہ برابر اس میں لگے رہو۔
فرماتے تھے کہ حکومت کے ذمہ داروں کا پھٹے حال رہنا اور موٹی جھوٹی زندگی اختیار کرنا ذلت کا باعث ہے اور قضاۃ اور علماء کے لئے سادہ زندگی قابل فخر ہے۔

فرماتے تھے کہ جو شاذ و نادر حدیث کے پیچھے پڑے گا اور آنحضرت پر بہتان تراشی میں ضرور مبتلا ہو جائے گا اور جو علم کلام کے ذریعہ دین حاصل کرنے کی کوشش کرے گا وہ گمراہی میں پڑ جائے گا اور جو کیمیا سازی کے ذریعہ مال و دولت کمانے کی کوشش کرے گا وہ مفلس ہی رہے گا۔

تصانیف :

امام ابو یوسف ان بزرگوں میں ہیں جنہوں نے ابتدائی صدیوں میں علوم دینیہ کی تدوین میں حصہ لیا تھا بلکہ بعض فنون کی تدوین میں انہیں اولیت حاصل ہے۔ اس کا شمار کثیر التصانیف علماء میں ہوتا ہے۔ کشف المظنون میں ہے کہ

ان الامالی لا بی یوسف فی ثلثمائة مجلد .

”امام ابو یوسف کی امالی تین سو جلدوں میں تھیں۔“

ابن ندیم نے متداول کتابوں کے علاوہ ان کی ایک امالی کا ذکر کیا ہے جو ۳۶ مباحث پر مشتمل تھی اور دوسری کتاب ”کتاب الجوامع“ کا ذکر بھی کیا ہے جس کے ۴۰ حصے تھے۔ اس کے اندر علماء کے فقہی اختلافات و آراء کا مفصل تذکرہ ہے یہ کتاب انہوں نے یحییٰ بن برکی کی فرمائش پر لکھی تھی۔
ابن ندیم نے ایک کتاب اختلاف (علماء) الامصار کے نام سے بھی ان کی تصانیف میں شمار کی ہے لیکن یہ تمام کتابیں زمانہ کی دستبرد کی نذر ہو گئیں۔

ایک کتاب انہوں نے امام مالک کے دور میں لکھی تھی جس میں ان کے بعض فقہی مسائل پر تنقید تھی۔

ان کی سب سے اہم کتاب اصول فقہ پر تھی جس کی تدوین میں ان کو ولایت کا شرف حاصل ہے۔ اس کتاب کے بارے میں محمد بن جعفر کہتے ہیں۔

داول من وضع الکتاب فی اصول الفقہ علی مذهب ابی حنیفہ

”وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے امام ابو حنیفہ کے مسلک کے مطابق اصول فقہ کی تدوین کی۔“

لیکن تاریخوں کے حملوں اور مصر کے آئے دن کے انقلابات میں نہ جانے اس طرح کے کتنے گنجائے گرانمایہ خاک کی نظر ہو گئے انہی میں یہ کتابیں بھی تلف ہو گئیں۔

امام شافعیؒ کے بارے میں بعض لوگوں نے لکھا ہے کہ سب سے پہلے اصول فقہ پر انہی نے الرسالہ کے نام سے ایک کتاب لکھی جو اہل علم کے ہاتھوں میں موجود ہے مگر ان دونوں رایوں میں کوئی تعارض نہیں ہے۔ امام ابو یوسفؒ نے حنفی مسلک پر اصول فقہ کی تدوین کی تھی اور امام شافعیؒ نے خود اپنے مسلک کے اصول متعین کئے تھے اس لئے دونوں کی اولیت کی حیثیت جدا گانہ ہے۔ پھر امام شافعیؒ کی اولیت اس لحاظ سے بھی ہو سکتی ہے کہ ان کی کتاب آج بھی موجود ہے اور امام ابو یوسفؒ کی کتاب کا سراغ نہیں ملتا لیکن اس کے باوجود زمانہ کے اعتبار سے امام ابو یوسفؒ متقدم ہیں۔

امام ابو یوسفؒ کی جو کتابیں اس وقت مطبوعہ یا مخطوطہ موجود ہیں۔ وہ حسب ذیل ہیں :

(۱) کتاب الآثار اس میں وہ احادیث و آثار جمع کر دیئے ہیں جو حنفی مسلک کے مآخذ ہیں، اس میں انہوں نے زیادہ تر امام ابو حنیفہؒ ہی سے روایتیں کی ہیں اور دوسرے شیوخ کی بہت کم روایتیں اس میں ہیں۔ بعض جگہ اپنی مرویات کا اضافہ بھی کر دیا ہے اس کو مسند ابو یوسفؒ بھی کہا جاتا ہے اس میں ایک ہزار سے زیادہ احادیث و آثار ہیں۔ کتاب کے راوی امام ابو یوسفؒ کے صاحبزادے یوسفؒ ہیں جن کا تذکرہ اوپر آچکا ہے، اس کتاب کو لجنۃ المعارف النعمانیہ حیدرآباد نے شائع کیا ہے اس پر مولانا ابوالوفا افغانی مدظلہ صدر مجلس کے بہت سے مفید حواشی بھی ہیں۔

(۲) اختلاف ابی حنیفہ و ابن ابی لیلیٰ ذکر اوپر آچکا ہے کہ امام ابو یوسفؒ پہلے ابن ابی لیلیٰؒ کے یہاں تحصیل علم کرتے تھے۔ اس کے بعد امام صاحب کی خدمت میں گئے امام صاحب اور ابن ابی لیلیٰؒ میں بہت سے فقہی مسائل میں اختلاف تھا۔ امام ابو یوسفؒ نے اپنے ان دونوں اساتذہ کے اختلافات کو کتابی شکل میں جمع کر دیا ہے، اس کتاب میں ایک دو جگہ نہیں بلکہ بیسیوں جگہ امام ابو یوسفؒ نے امام صاحب کی رائے سے اختلاف کیا ہے اور ابن ابی لیلیٰؒ کی رائے کو ترجیح دی ہے اور بعض جگہ اپنے دونوں اساتذہ سے اختلاف رائے کیا ہے۔ یہ کتاب ان دونوں اماموں کے مجتہدات کے ساتھ امام ابو یوسفؒ کے مجتہدات اور استنباطات کا بھی بہترین نمونہ ہے، کتاب کے راوی یا مولف امام محمدؒ ہیں اس کا کچھ حصہ امام سرخسی نے مبسوط میں بھی نقل کیا ہے۔ اس کتاب کو بھی ”لجنة المعارف“ نے شائع کیا

۱۔ ابن ابی لیلیٰؒ کا خانوادہ علم اور دین کے لحاظ سے ممتاز تھا۔ ان کے والد ممتاز تابعین میں تھے، یہ خود اپنے وقت کے امام تھے کوفہ میں امام صاحب کا اگر کوئی ہمسر تھا تو یہی تھے۔ ۲۔ جلد ۳۰ ص ۱۲۸

ہے، کتاب کی افادیت کو علامہ ابوالوفاء کے حواشی نے کئی گنا زیادہ کر دیا ہے بلکہ وہ خود ایک کتاب کی حیثیت رکھتے ہیں۔

(۳) ”الرؤی سیر الاوزاعی“ امام ابو حنیفہ نے سیر و مغازی پر اپنے تلامذہ کو جو کچھ املا کرایا تھا اس کو انہوں نے مدون کر دیا تھا، چنانچہ امام محمدؒ نے خاص طور پر اس کے لئے السیر الصغیر مرتب کی، جب یہ کتاب امام اوزاعی کے سامنے جو اس وقت اہل شام کے مرجع و ماویٰ تھے..... آئی تو انہوں نے کہا کہ اہل عراق سیر و مغازی کیا جانیں، اور اس کی تردید میں اس موضوع پر ایک کتاب لکھی۔ امام محمدؒ کو جب معلوم ہوا تو انہوں نے اس کتاب کے جواب میں السیر الکبیر لکھی۔ اور امام ابو یوسفؒ نے بھی اس کا جواب دیا۔ امام ابو یوسفؒ کی کتاب الرؤی السیر الاوزاعی کے نام سے حیدرآباد میں چھپ گئی ہے اس کے دیکھنے سے حدیث و آثار پر امام ابو یوسفؒ کی وقت نظری اور امام صاحب کی سیر و مغازی سے پوری۔۔۔۔۔ واقفیت کا اندازہ ہوتا ہے۔

(۴) کتاب الخراج، امام ابو یوسفؒ کی سب سے اہم کتاب یہی ہے۔ ”خراج“ اسلامی ریاست کا ایک شعبہ آمدنی ہے مگر یہ لفظ امام ابو یوسفؒ نے تقریباً اسلامی مالیات کے ان تمام مداخل و مخارج کے لئے استعمال کیا ہے جن کا تعلق حکومت یا مسلمانوں کی اجتماعی زندگی سے ہے۔ امام ابو یوسفؒ کے معاصرین اور اس کے بعد کے بہت سے علماء نے اس موضوع پر کتابیں لکھی ہیں، خصوصیت سے یحییٰ بن آدم کی کتاب الخراج، ابن عبید کی کتاب الاموال، ابن رجب کی استخراج احکام الخراج وغیرہ بہت مشہور ہیں۔ مگر ان میں سے کوئی کتاب ان خصوصیات کی حامل نہیں ہے جن کی امام ابو یوسفؒ کی کتاب حامل ہے۔ ابن عبید کی کتاب اس موضوع پر سب سے زیادہ مفصل اور ضخیم ہے۔ مگر کیفیت کے لحاظ سے وہ امام ابو یوسفؒ کی کتاب سے کم درجہ کی ہے اس موضوع کے دوسرے مصنفین خصوصیت سے ابن عبید نے یہ کہا ہے کہ اس موضوع پر جو قرآن کی جو آیات، احادیث نبوی ﷺ، آثار صحابہ اور اقوال تابعین ملے ہیں وہ سب جمع کر دیئے ہیں۔ استخراج احکام انہوں نے بہت کم کیا ہے لیکن امام ابو یوسفؒ صرف نقل روایات پر ہی اکتفا نہیں کرتے بلکہ جہاں تاریخی مباحث آجاتے ہیں ان پر بھی روشنی ڈالتے ہیں۔ قرآن و حدیث کے معانی کی تشریح اور تعین میں لغت عرب اور استعمالات ادیار سے بھی بحث کرتے ہیں پھر سب سے زیادہ اس کی افادیت اس حیثیت سے ہے کہ وہ حکومت اور عامہ مسلمین کی نئی نئی ضروریات و مشکلات کا قرآن و حدیث اور آثار صحابہ سے یا ان کی روشنی میں اجتہاد کر کے حل پیش کرتے ہیں۔

اس کتاب کا طریقہ بیان یہ ہے کہ جب کوئی بحث شروع کرتے ہیں تو پہلے قرآن کی آیت پیش کرتے ہیں۔ پھر حدیث نبوی اور آثار صحابہ اور اس کے بعد ضرورت ہوتی ہے تو امام صاحب یادگیر آئمہ کے اقوال سے استدلال کرتے ہیں۔ اس کے بعد بھی اگر ضرورت مقتضی ہوتی ہے تو وہ خود اجتہاد کرتے ہیں۔ یہ کتاب ہارون رشید کی فرمائش سے انہوں نے لکھی تھی عموماً امراء و سلاطین کی فرمائش پر جو کتابیں علماء نے لکھی ہیں ان میں بہت کم ایسی کتابیں ملیں گی جن میں موقع کے لحاظ سے جرات و حق گوئی کا پورا اظہار بھی ہوا اور ان کو نصیحت بھی کی گئی ہو۔ مگر امام ابو یوسفؒ کی یہ کتاب اس لحاظ سے آپ اپنی مثال ہے انہوں نے مقدمہ کتاب میں ہارون کو جو نصیحتیں کی ہیں اور جس جرات و حق گوئی کے ساتھ کی ہیں اس کی اہمیت کا اندازہ اسی وقت ہو سکتا ہے جب عباسی خلفاء اور خصوصیت سے ہارون رشید کی خود رائی اور اس کے استبداد کی تاریخ کو بھی سامنے رکھا جائے۔ اوپر اس کا کچھ حصہ ہم نقل کر آئے ہیں۔ تطویل کا خیال نہ ہوتا تو اس کا پورا حصہ یہاں نقل کیا جاتا۔

یہ کتاب کئی بار چھپی ہے سب سے پہلے مطبعہ بولاق سے ۱۳۰۲ھ (۱۸۹۱ء) میں شائع ہوئی اس کتاب کو ایک فرانسیسی مستشرق نے فرنگ میں بھی ترجمہ کیا ہے جو ۱۹۲۹ء میں پیرس سے شائع ہو چکا ہے۔

(۵) کتاب الخارج والخیل، امام ابو یوسف کی طرف یہ کتاب بھی منسوب ہے۔ یہ کتاب آستانہ سے شائع ہو چکی ہے جس کو ایک جرمن عالم نے ایڈٹ کیا ہے۔ اور اس نے اس کو امام محمد کی تصنیف بتایا ہے۔ مگر اس کے بارے میں علامہ زاہد الکوثری نے لکھا ہے کہ مصر کے متعدد کتب خانوں میں اس کتاب کے قلمی نسخے موجود ہیں اور یہ امام ابو یوسفؒ کی تصنیف ہے۔

مرجوع مسائل :

اجتہاد و استنباط کا تعلق اس دینی بصیرت سے ہے جو علوم دینیہ میں غور کرتے رہے اور اس سے غیر معمولی شغف و انہماک رکھنے کی وجہ سے حاصل ہو جاتی ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ بصیرت علم و تجربہ کی زیادتی کے لحاظ سے روز بروز بڑھتی رہتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ائمہ کرام کے بہت سے مجتہدات جن پر ابتداء میں ان کو پورا وثوق اور اعتماد تھا۔ علم دین اور فہم و بصیرت کی زیادتی کے بعد ان میں ان کو تبدیلی کرنی پڑی۔ امام ابو حنیفہؒ کے سینکڑوں مسائل اور استنباطات ایسے ملیں گے جن کو انہوں نے ترک کر دیا یا ان میں ترمیم کر دی، اسی طرح امام مالکؒ اور امام شافعیؒ وغیرہ کا حال بھی ہے خصوصیت سے امام شافعیؒ نے تو امام محمد کے تلمذ کے بعد تقریباً اپنے تمام مسائل پر نظر ثانی کر کے انہیں بدل ڈالا

چنانچہ شافعی فقیہ کے لئے ان کے قدیم وجدید اقوال میں فرق کرنے میں بڑی دقت پیش آتی ہے۔
امام ابو یوسف بھی مجتہد تھے اس لئے انہوں نے بھی اپنے بہت سے استنباطات میں جزوی ترمیم کی ہے اور بہت سے مسائل سے بالکل رجوع کر لیا ہے آئمہ کے مرجوع مسائل کو ذہن میں نہ کرنے کی وجہ سے بسا اوقات ان کے اور ان کے مسلک کے بارے میں بہت شدید غلط فہمی پیدا ہو جاتی ہے۔ غالباً اسی ضرورت کو پیش نظر رکھ کر مفتی مہدی حسن صاحب (دیوبند) نے امام ابو حنیفہؒ، امام محمدؒ اور امام ابو یوسفؒ کے جتنے مرجوع مسائل ہیں ان کو ایک کتابی شکل میں جمع کر دیا ہے یہ رسالہ عربی میں ہے اس لئے اردو دان اصحاب کے لئے تو بیکار ہے مگر عربی خواں اس سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔

امام صاحبؒ کی وصیت :

امام ابو حنیفہؒ کی وہ مشہور وصیت جس میں انہوں نے اہل سنت والجماعت کے تمام عقائد تفصیل سے بیان کر دیئے ہیں اس سے اہل علم تو عام طور پر واقف ہیں۔ مگر اس کے علاوہ ایک اور وصیت بھی ہے جو انہوں نے خاص طور پر امام ابو یوسفؒ کو لکھ کر دی تھی جس میں اخلاق، معاملات، معاشرت، سیاست کے متعلق بہت سے قیمتی ہدایتیں اور زریں اقوال ہیں جن سے ہر خاص و عام فائدہ اٹھا سکتا ہے اس لئے ہم اس کا خلاصہ ذیلی عنوانات کے تحت یہاں نقل کرتے ہیں۔

حکومت و اہل حکومت سے تعلقات :

سلاطین کے پاس بہت کم آمد و رفت رکھنا، ان سے ہر وقت اس طرح پر خطر رہنا۔ جس طرح آدمی آگے سے پر خطر رہتا ہے جب تک کوئی خاص ضرورت نہ ہو دربار شاہی میں نہ جانا اس لئے کہ اس سے اپنا اعزاز و اکرام قائم رہتا ہے اور اس لئے بھی کہ سلطان اپنے مقابلہ میں کسی کی کوئی حقیقت نہیں سمجھتا اور جب وہ اپنے حاشیہ نشینوں میں ہوتا ہے تو اس وقت اس سے زیادہ گفتگو نہ کرنی چاہئے اس لئے کہ اس موقع پر اس کی خواہش یہ ہوگی کہ ان کے سامنے اپنے کو تم سے زیادہ عالم اور صاحب فضل ظاہر کرے تو خواہ مخواہ تمہیں نیچا دکھانے کی کوشش کرے گا اور اس سے لوگوں میں تمہاری ذلت ہوگی۔

۱۔ اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ اس وقت اسلامی نقطہ نظر سے حکومت اور ارکان حکومت کی اخلاقی حالت کیا تھی۔ امام صاحب نے ہر جگہ سلطان کا لفظ استعمال کیا ہے حالانکہ اس وقت صاحب امر امیر المؤمنین اور خلیفۃ المسلمین کے لقب سے یاد کئے جاتے تھے۔ خلفاء کے لئے سلطان کا لفظ بہت بعد میں مستعمل ہوا ہے اس لفظ سے غالباً انہوں نے تغلب انفراد بالمجد اور ڈکٹیٹری کی طرف اشارہ کیا ہے۔

اگر سلطان تم کو عہد قضا پر مقرر کرنا چاہے تو پہلے دریافت کر لو کہ وہ تمہارے فقہی مسائل اور طریقہ اجتہاد سے واقف ہے یا نہیں، ایسا نہ ہو کہ حکومت کے دباؤ سے تم کو اپنے فیصلہ کے خلاف عمل کرنے پر مجبور ہونا پڑے اور پھر یہ بھی سوچ لینا کہ اگر تم نہیں قبول کرتے ہو تو اس جگہ پر کوئی ایسا آدمی تو مقرر نہیں کیا جائے گا جو اس کا اہل نہیں ہے اور اس سے عام لوگوں کو تکلیف پہنچنے کا اندیشہ ہے پھر یہ بھی معلوم کر لو کہ تمہارا یہ تقرر علم و فضل کی وجہ سے کیا جا رہا ہے۔

سلطان کے وزراء اور اس کے حاشیہ نشینوں سے تعلقات قائم کرنے کی کوشش نہ کرنا صرف سلطان سے تعلقات قائم کرنا، اس میں بھی خود پیش قدمی نہ کرنا اس لئے کہ جب خود پیش قدمی کرو گے تو وہ اپنے اغراض تمہارے سامنے رکھیں گے۔ اگر تم انہیں پورا کرو گے تو پھر وہ تمہارے توہین کریں گے اور اگر پورا نہ کرو گے تو وہ تمہاری عیب چینی کریں گے۔

اظہار حق اور امر بالمعروف :

اظہار حق میں کسی کی پرواہ نہ کرنا خواہ وہ سلطان ہی کیوں نہ ہو اگر کوئی شخص دین میں کسی بدعت کا موجد ہو رہا ہو تو علانیہ اس کی غلطی کو ظاہر کر دینا، اگرچہ وہ شخص صاحب وجاہت و صاحب حکومت ہی کیوں نہ ہو۔ کیونکہ اظہار حق میں خدا تعالیٰ تمہارا معین اور مددگار ہوگا۔ اور اپنے دین کا محافظ و حامی ہے اگر تم ایسا کرو گے تو لوگوں کو دین میں رخنہ اندازی کی جرات نہ ہوگی۔ اور وہ تمہارے اظہار حق سے بھی خائف رہیں گے۔ خود بادشاہ سے اگر کوئی نامناسب اور دین کے خلاف حرکت صادر ہو تو صاف کہہ دینا کہ عہد قضا کے لحاظ سے میں آپ کا مطیع ہوں لیکن کسی غلطی پر آپ کو مطلع کر دینا میرا فرض ہے۔ خصوصیت سے جس کا تعلق علم دین سے ہو۔ اگر اس کے بعد بھی وہ نہ مانے تو تنہائی میں اس طرح سمجھانے کی کوشش کرنا کہ آپ کا یہ فعل کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ کے خلاف ہے۔ اگر وہ سمجھ جائے تو خیر ورنہ خدا سے دعا کرنا کہ وہ تم کو اس کے شر سے محفوظ رکھے اس میں اتنا زیادہ اصرار نہ کرنا کہ وہ زچ ہو جائے اور تمہارا قلع قمع کر دے اس سے دین کو نقصان ہوگا۔ اس حد تک اظہار حق کرو جس سے وہ تمہاری دینی جدوجہد اور امر بالمعروف سے واقف ہو جائے۔

۱۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ امام صاحب شروع میں عہد قضا قبول نہ کرنے پر جس قدر مصر تھے اب ان کا اتنا اصرار باقی نہیں تھا جیسا کہ اوپر ذکر آچکا ہے کہ امام صاحب نے حکومت سے استغفار کھا کر اب عہد قضا کی اہمیت کو کافی بڑھا دیا تھا، اسی وجہ سے چند شروط کے ساتھ اس کے قبول کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں سمجھتے تھے۔ ان شروط کی تفصیل آگے آتی ہو۔

۲۔ یعنی یہ تو نہیں ہے کہ وہ کہیں اپنے اغراض کے استعمال کے لئے انتخاب کر رہے ہیں۔

۳۔ بڑی حکیمانہ بات ہے اس لئے کہ جب اس جذبہ کا اظہار ہو جائے گا تو وہ خود ہی بے راہ روی سے پرہیز کرے گا۔

علم اور اہل علم سے تعلق :

تھیں علم کو سب پر مقدم رکھنا جب اس سے فراغت ہو چکے تو اس کے بعد جائز ذرائع سے مال حاصل کرنے کی کوشش کرنا کیونکہ ایک وقت میں علم و دولت دونوں حاصل نہیں ہو سکتے۔

کسی شہر میں جاؤ تو وہاں کے علماء و فضلا سے اس طرح ملو کہ ان کو رقابت کا خیال نہ ہو کسی علمی گفتگو کا موقع آئے تو جو بات کہو خوب سوچ سمجھ کر کہو اور وہی بات کہو جس کا کافی ثبوت تمہارے پاس موجود ہو۔ اگر کبھی علمی مباحثہ کا موقع آجائے تو نہایت جرات اور استقلال کے ساتھ اس میں حصہ لو، دل میں ذرہ برابر بھی خوف و ہراس رہے گا تو خیالات منتشر ہو جائیں گے اور زبان میں لغزش آجائے گی جو لوگ علمی مجالس کے آداب سے واقف نہ ہوں بلکہ مکابرہ یعنی بحث و جدال کرنا چاہتے ہوں ان سے ہرگز گفتگو نہ کرو۔ اپنے اساتذہ کو برا بھلا نہ کہو ورنہ تمہارے تلامذہ بھی تم کو برا بھلا کہیں گے اپنے ساتھ اور جن لوگوں سے تم نے استفادہ کیا ہے ان کے لئے دعائے مغفرت کرتے رہا کرو۔ اپنے شاگردوں کے ساتھ ایسے خلوص و محبت سے پیش آؤ کہ دوسرا دیکھے تو سمجھے کہ یہ تمہاری اولاد ہیں۔ شاگردوں میں سے اگر کسی کو درس کی اجازت دو تو خود بھی اس کی مجلس درس میں شریک ہو کر اس کی صلاحیت کا اندازہ کرو۔

اگر اس سے کبھی کوئی غلطی ہو جائے تو بتا دو ورنہ تمہارے چپ رہنے سے لوگوں کو گمان ہوگا کہ اس نے جو کچھ کہا ہے صحیح کہا ہے جب تم سے کوئی مسئلہ پوچھا جائے تو بوقت ضرورت اس کا جواب دو اپنی طرف اس میں کچھ اضافہ نہ کرو۔ علمی مجالس میں خصوصیت سے غصہ نہ کرو۔

مہمات امور دین :

مہمات دین اور عقائد کے اختلافی مسائل میں عوام سے کوئی گفتگو نہ کرو، ہر بات میں تقویٰ اور امانت کو پیش نظر رکھو، ظاہر و باطن ایک رکھو خدا کے ساتھ وہی معاملہ رکھو جو لوگوں کے سامنے ظاہر کرتے ہو دنیا کا نظام اس وقت تک درست نہیں ہو سکتا جب تک اس کا ظاہر و باطن ایک نہ کر دیا جائے۔^۱

اپنے نفس کا محاسبہ کرتے رہو، علم کی نگہداشت رکھو دنیا کو بالکل حقیر سمجھو، دنیا کے کسی کام مطمئن ہو کر نہ لگ جاؤ، اللہ تعالیٰ کے یہاں تمام باتوں کی باز پرس ہوگی اللہ کا ذکر کثرت سے کرتے رہو۔

۱۔ دعوت دین اور اقامت دین کے نقطہ نظر سے یہ بڑی اہم ہدایت ہے۔

اتنی ہی عبادت پر اکتفا نہ کرو، جتنی عام لوگ کرتے ہیں جس وقت اذان کی آواز آئے فوراً نماز کی تیاری اور مسجد میں پہنچنے کی کوشش کرو، ہر نماز کے بعد کچھ دیر قرآن کی تلاوت اور ذکر الہی میں مشغول رہو۔ اس بات پر اللہ کا شکر ادا کرو، کہ اس نے دین پر جسے رہنے کی توفیق دی اور طرح طرح کی نعمتیں عطا کیں، تلاوت قرآن پر مداومت رکھو جب تک لوگ تم کو خود امام نہ بنائیں آگے نہ بڑھو، ہر مہینہ میں دو چار دن روزہ کے لئے مقرر کر لو، زیارت قبر کی عادت ڈالو، موت کو ہمیشہ یاد رکھو۔

معاشرت و آداب معاشرت :

جو لوگ اپنی خواہشات کے بندے ہو چکے ہیں ان سے ربط ضبط نہ رکھو مگر تبلیغ اور دعوت دین کی غرض سے ان سے ملنا یا تعلق قائم کرنا مناسب ہے کسی پر لعن طعن نہ کرو اگر کسی انسان میں اپنی طرف سے برائی دیکھو تو اس کے لئے بھلائی چاہو اور بھلائی کے ساتھ اس کا تذکرہ کرو مگر یہ برائی اگر دین کے بارے میں ہے تو لوگوں سے اس کا تذکرہ کرو تا کہ لوگ اس کا اتباع نہ کریں اور اس برائی سے محفوظ رہ سکیں۔

تجارت اور کاروباری معاملات کے بارے میں زیادہ گفتگو نہ کرو ورنہ لوگوں کو خیال ہوگا کہ تم مال کے حریص ہو یہ بھی گمان ہوگا کہ تم رشوت لیتے ہو عام آدمیوں اور خصوصیت سے دولت مندوں سے کم میل جول رکھنا ورنہ ان کو گمان ہوگا کہ تم ان سے کچھ توقع رکھتے ہو۔

اگر تم دس برس بھی کسی ذریعہ معاش کے بغیر رہو تو علم دین سے گریز نہ کرنا اگر گریز کرو گے تو اس آیت کے مصداق ہو گے۔

وَمَنْ أَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِي فَإِنَّ لَهُ مَعِيشَةً ضَنْكًا :

”جس نے ہماری یاد سے منہ موڑا اس کے لئے معاشی تنگی ہے۔“

اس وقت شادی کرنا جب یہ یقین ہو جائے کہ اہل و عیال کی تمام ذمہ داریاں اٹھا سکو گے۔ حتی الامکان ایسی عورت سے نکاح نہ کرنا جو دوسرے شوہر سے اولاد رکھتی ہو۔

عام لوگوں کو ذلیل نہ سمجھو بلکہ ان کی توقیر کرو جب تک یہ لوگ خود تعلقات قائم نہ کریں، خود اس کی کوشش نہ کرو۔

زیادہ نہ ہنسا کرو اس سے قلب مردہ ہو جاتا ہے جو کام کروا طمینان اور وقار کے ساتھ کرو، جلدی نہ کرو۔

کوئی شخص پیچھے سے پکارے تو جواب نہ دو اس لئے کہ پیچھے سے پکارنا جانوروں کے لئے مخصوص ہے۔ راستہ چلو تو دائیں بائیں نہ دیکھو بلکہ نیچی نظریں کر کے چلو بازار میں زیادہ نہ جایا کرو۔

۱۔ اوپر ذکر آچکا ہے کہ دعوت دین کے سلسلہ میں ان سے ملنا جلنا اور تعلق قائم کرنا چاہئے، یہ ہدایت عام ہے۔

گفتگو میں نہ سختی درشتی ہو اور نہ آواز بلند ہو بلکہ متانت و وقار پیش نظر ہے، لہذا دلچسپی سے پرہیز کرو، لوگوں کے راز افشا نہ کرو جو تم سے مشورہ کرے تو اپنی معلومات کے بقدر بتانے میں کوتاہی نہ کرو اس سے اللہ کا تقرب حاصل ہوگا، اپنے ہمسایہ کی کوئی برائی دیکھو تو پردہ پوشی کرو اس لئے کہ یہ امانت ہے۔

بخل سے پرہیز کرو، حریص نہ بنو اور نہ کبھی جھوٹ بولو، بازاری لوگوں کی صحبت نہ اختیار کرو۔ ہر معاملہ میں اپنی عزت اور وقار کا خیال رکھو، ہمیشہ قلب میں استغناء رکھو، دنیا کی طمع و رغبت بالکل نہ کرو اپنی طرف سے ہمیشہ استغنا کا اظہار کرو خواہ تم مفلس ہی کیوں نہ ہو۔

ہر معاملہ میں ہمت و جرات سے کام لو اس لئے کہ جس کی ہمت کمزور ہو جاتی ہے اس کا رتبہ بھی گر جاتا ہے، عام عورتوں سے بات چیت نہ کرو اور نہ ان کے ساتھ اٹھو بیٹھو۔ اس سے قلب مردہ ہو جاتا ہے، بیوی کے ساتھ بھی بہت زیادہ بات چیت میں مشغول نہ رہو بقدر ضرورت خلاصہ کرو۔ اور اس اثنا میں ذکر الہی سے غافل نہ ہو، اپنی بیوی کے سامنے دوسری عورتوں کا ذکر نہ کرو اس لئے کہ پھر وہ بھی غیر مردوں کا تذکرہ شروع کر دیں گی۔ اس لئے آپس میں اختلاف ہوگا۔

نوخیز لڑکوں سے بات چیت نہ کرو اس لئے کہ اس سے فتنہ میں پڑ جانے کا اندیشہ ہے، چھوٹے بچوں سے پیار کرنے اور اس کے سر پر دستِ شفقت پھیرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ بازار میں زیادہ نہ جایا کرو راستہ میں نہ بیٹھا کرو۔ اگر راستے میں بیٹھنے کی ضرورت آجائے تو پھر مسجد میں چلے جایا کرو۔

میں نے مختصر طور سے پوری وصیت کا ترجمہ کر دیا ہے اس میں میں نے اتنی تبدیلی ضرورت کی ہے کہ بعض جملوں کو مقدم اور بعض کو مؤخر کر دیا ہے اور ان پر سرخیاں قائم کر دی ہیں تاکہ ایک مضمون سے متعلق تمام باتیں یکجا ہو جائیں۔

اس وصیت کو سامنے رکھ کر اگر امام ابو یوسفؒ کے صحیفہ زندگی کا مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ انہوں نے اُستاد کی اس نصیحت کو اپنی زندگی کا لائحہ عمل بنالیا تھا گو یہ وصیت امام صاحب نے خاص طور پر امام ابو یوسفؒ کے لئے کی تھی مگر اس میں ہر شخص کی زندگی کے لئے بہترین مشورے اور نہایت قیمتی ہدایتیں موجود ہیں جو انسان بننا چاہتا ہو، اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس پر عمل کی توفیق دے۔ آمین !



بسم الله الرحمن الرحيم

حضرت امام محمد شیبانیؒ

نام و نسب :

محمد نام ہے۔ ابو عبد اللہ کنیت۔ مختصر شجرہ نسب یہ ہے : محمد بن الحسن الفرقد الشیبانیؒ۔

ولادت :

ان کے والد دمشق کے ایک گاؤں حرستاؒ کے رہنے والے تھے، ترک وطن کر کے یاہ سلسلہ ملازمت عراق آئے اور وہیں کے ایک گاؤں واسط میں حکومت اختیار کر لی، امام محمدؒ ۱۳۳ھ میں پیدا ہوئے۔

تعلیم و تربیت :

واسط میں ابھی عمر کے چند ہی سال گزر رہے تھے کہ ان کے والد وہاں سے شامی لشکر کے ساتھ کوفہ چلے آئے، اور پھر وہیں مستقل بود و باش اختیار کر لی، کوفہ اس وقت علم و فن کا مرکز اور علماء و مشائخ کا گہوارہ تھا، علمی اعتبار سے اسے تمام ممالک اسلامیہ میں ”ام البلاد“ کی حیثیت حاصل تھی، اسی مادر علمی کی آغوش میں امام محمدؒ کی تعلیم و تربیت کا آغاز ہوا، اور اسی ماحول میں انہوں نے نشوونما پائی سب سے پہلے قرآن کی تعلیم ہوئی، اس کے بعد ادب و لغت کی ابتدا کی گئی، ادب و لغت کی

۱۔ ان کی یہ کنیت ولایتی ہے یعنی ان کے والد حسن بنو شیبانی کے غلام تھے، اسی نسبت سے وہ شیبانی مشہور ہیں۔

۲۔ ابن سعد نے لکھا ہے کہ یہ جزیرہ کے رہنے والے تھے۔ ان کے والد فوجی ملازمت کے سلسلہ سے شام آئے اور وہیں سکونت پذیر ہو گئے، خطیب بغدادی کا خیال ہے کہ وہ دمشق تھے اور وہاں سے واسط چلے آئے تھے۔ قاضی ابو حازم کا بیان ہے کہ وہ قریہ رملہ (فلسطین) کے قریب کے رہنے والے تھے (کردی جلد ۲ ص ۱۳۶)۔ ان بیانات میں زیادہ تضاد نہیں ہے، ہو سکتا ہے کہ ان کے والد نے شامی لشکر کی ملازمت کے سلسلہ میں ان تمام مقامات پر قیام کیا ہو اس لئے کہ حرستا اور رملہ دونوں شام کے ملحقہ علاقے ہیں، اور جزیرہ بنو شیبان کی چراگاہ تھی، اور وہاں برابر ان کی آمد و رفت رہا کرتی تھی، اس بنا پر امام محمدؒ کے وطن کی نسبت اس طرف ہو جانا کوئی تعجب خیز نہیں ہے لیکن یہ غلط ضرور ہے ہم نے اس سلسلہ میں سمعانی اور امام نووی کے بیانات کو ترجیح دی ہے۔

۳۔ بعض روایتوں میں ان کا سن ولادت ۱۳۵ھ اور بعض میں ۱۳۱ھ درج ہے لیکن صحیح ۱۳۳ھ ہے تاریخ بغداد جلد ۲ ص ۶۷۲ ذیل جواہر مضیہ۔ ج بلوغ الامانی ص ۵

ابتدائی تعلیم کے بعد کوفہ کے بڑے بڑے شیوخ کے درس میں شریک ہونے لگے، فطری استعداد و صلاحیت اور کوفہ کے علمی ماحول نے کم سنی ہی میں انہیں ایک جوہر قابل بنادیا۔

امام ابو حنیفہؒ کی خدمت میں آمد :

ابھی تیرہ چودہ سال کا سن تھا، کہ ایک مسئلہ دریافت کرنے کی غرض سے امام صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے، وہ مسئلہ یہ تھا کہ اگر نابالغ عشاء کی نماز پڑھ کر سو جائے اور اسی رات میں وہ بالغ ہو تو عشاء کی نماز دہرائے گا یا نہیں۔ امام صاحب نے اثبات میں جواب دیا۔ یہ سوال چونکہ انہوں نے اپنے متعلق کیا تھا اس لئے وہاں سے فوراً اٹھے وضو کیا اور مسجد کے ایک گوشہ میں جا کر عشاء کی نماز دہرائی۔ امام صاحب نے یہ دیکھ کر حاضرین سے فرمایا کہ انشاء اللہ یہ لڑکا رشید ہوگا۔

امام صاحب سے شرف تلمذ :

گویہ ایک معمولی واقعہ تھا لیکن یہی واقعہ تفصیل فقہ اور امام صاحب سے ان کی عقیدت و تلمذ کا سبب بن گیا، چنانچہ کچھ دنوں کے بعد وہ پھر امام صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے اور حلقہ تلمذ میں داخل ہونے کی خواہش ظاہر کی۔

امام صاحب کا دستور تھا کہ وہ قرآن کو مستحضر کئے بغیر کسی کو اپنے حلقہ درس میں بہت کم لیتے تھے، حسب دستور اس سے بھی فرمایا کہ قرآن حفظ کرلو، پھر میرے پاس آؤ۔ ایک ہفتہ کے بعد وہ اپنے والد کے ساتھ دوبارہ امام صاحب کے پاس آئے اور عرض کیا کہ میں نے قرآن حفظ کر لیا، اس کے بعد انہوں نے کوئی مسئلہ دریافت کیا، امام صاحب نے ان سے پوچھا کہ یہ مسئلہ تم کسی سے سن کر دریافت کر رہے ہو یا تمہارا طبع زاد ہے، امام احمد نے کہا کہ یہ سوال خود میرے ذہن میں آیا ہے امام صاحب نے ان سے فرمایا کہ تم تو بڑے لوگوں جیسا سوال کرتے ہو، تم برابر میرے حلقہ درس میں آتے جاتے رہو گے۔ اس کے بعد امام محمدؒ مستقل طور پر امام صاحب کے سلسلہ تلامذہ میں داخل ہو گئے اور ہمیشہ سفر و حضر میں ان کے ساتھ ساتھ رہے، اور ان کی حیات تک کسی دوسرے حلقہ درس میں نہیں گئے۔

امام ابو یوسفؒ کی شاگردی :

امام محمدؒ کو امام صاحب سے صرف چار برس استفادہ کا موقع ملا، لیکن یہ مدت فقہ جیسے دقیق اور وسیع فن کے لئے کافی نہیں تھی۔ اس لئے انہوں نے امام صاحب کی وفات کے بعد امام ابو یوسفؒ کی

۱۔ مناقب کردری ج ۲۔ ص ۱۵۵ ۲۔ ایضاً ۳۔ مناقب کردری ج ۲، ص ۱۵۵

۴۔ مناقب کردری ج ۲، ص ۱۵۵ ۵۔ جواہر مضیہ جلد ۲۔ ص ۴۴

طرف رجوع کیا جو امام صاحب کے محبوب اور سب سے زیادہ ذی علم تلامذہ میں تھے، اور ان کے حلقہ درس میں جا کر فقہ کی تکمیل کی، اور بجز چند آخری سالوں کے ان سے بہت کم جدا ہوئے۔

امام ابو یوسف "علم اور عمر دونوں میں امام محمد" سے بڑے تھے لیکن اس کے باوجود وہ امام محمد کا کافی لحاظ کرتے تھے، طحاوی نے اسماعیل بن حماد سے روایت کی ہے کہ امام محمد "کا دستور تھا کہ وہ بالکل سویرے دوسرے شیوخ حدیث کی مجالس درس میں چلے جایا کرتے تھے، اور ہم لوگ علی الصباح امام ابو یوسف" کی مجلس فقہ میں پہنچ جاتے تھے، امام محمد جب وہاں سے امام ابو یوسف کے درس میں واپس آتے تو اس وقت تک بہت سے مسائل گزر چکے تھے، لیکن جب وہ آجاتے تو امام ابو یوسف "ان تمام مسائل کو پھر ان کے لئے دہراتے۔"

امام محمد "بھی ان کے مرتبہ شناس تھے، چنانچہ جب امام ابو یوسف "بغداد کے قاضی تھے۔ امام محمد نے کوفہ سے انہیں لکھا کہ میں آپ کی ملاقات کے لئے بغداد آنا چاہتا ہوں، لیکن امام ابو یوسف "نے لکھا کہ اہل کوفہ کو آپ سے فائدہ پہنچ رہا ہے، یہاں آنے میں ان کا نقصان ہوگا، ان کو فائدہ پہنچائے۔ امام محمد "فرماتے تھے کہ "علم کی توقیر کرنی ہمیں امام ابو یوسف نے اس طرح سکھائی کہ جب میں پہلی بار امام صاحب کی خدمت میں گیا تو مجلس میں پہنچ کر میں نے پوچھا کہ امام ابو حنیفہ "کون صاحب ہیں، امام ابو یوسف "نے اشارہ سے مجھ سے کہا کہ بیٹھ جاؤ جب بیٹھ گیا تو انہوں نے اشارہ سے بتایا کہ فلاں صاحب ہیں، سوال کا یہ طریقہ پسندیدہ نہیں تھا اس لئے انہوں نے ٹوکا۔"

تحصیل حدیث :

قرآن و فقہ کے علاوہ حدیث کا ذوق بھی امام محمد کو شیخین ہی کی صحبت میں پیدا ہو چکا تھا لیکن اس حلقہ درس کی اصلی خصوصیت فقہ و قرآن تھی، اس لئے ان کو کسی ایسے استاد کی ضرورت تھی جو خالص حدیث کا ذوق رکھتا ہو، اس کے لئے انہوں نے دربار نبوی کا رخ کیا، اور امام مالک "کی خدمت میں حاضر ہوئے۔

امام مالک "سے سماع حدیث :

کوفہ و بصرہ میں بڑے بڑے شیوخ حدیث موجود تھے کہ مکہ میں سفیان بن عیینہ اور خراسان میں عبد اللہ بن مبارک "مرجع اخلاق تھے۔ خود مدینہ منورہ میں ابراہیم ابن محمد اور عبید اللہ بن محمد وغیرہ کے حلقہ درس قائم تھے۔

۱۔ مناقب امام محمد ذہبی ص ۵، آخری سالوں میں عہدہ قضا کے معاملہ میں جس کا تذکرہ آگے آئے گا ان سے اور امام ابو یوسف سے کچھ شکر رنجی ہو گئی تھی جس کی وجہ سے دونوں کی ایک دوسرے کے یہاں آمد و رفت بند ہو گئی تھی۔

۲۔ بلوغ الامانی ص ۳۵ ۳۔ مناقب کردری جلد ۲۔ ص ۱۵۴

۴۔ حنفی فقہاء کی اصطلاح میں امام صاحب اور امام ابو یوسف کو شیخین کہا جاتا ہے۔

مدینہ میں قیام کی مدت :

”میں امام مالک کے دروازہ پر تین برس یا اس سے زیادہ قیام پذیر رہا، اور اس مدت میں سات سو حدیثیں ان سے سنیں۔“

امام مالک کے علاوہ مدینہ منورہ کے دوسرے شیوخ حدیث سے بھی انہوں نے استفادہ کیا، اس کی تفصیل آگے آئے گی۔

قلقت سماع کی وجہ : بعض روایتوں سے پتہ چلتا ہے کہ اس قلت سماع کی وجہ یہ تھی، امام مالک امام محمد کے کثرت سوال اور مائل میں زیادہ کرید کرنے کی وجہ سے جو علمائے عراق کا خاصہ تھا..... کچھ کبیدہ خاطر ہو گئے تھے، جن کی وجہ سے وہ ان کو موطا کا سماع نہیں کراتے تھے، مسجد کے ایک گوشہ میں بیٹھے رہتے تھے، لوگ مسجد میں امام مالک سے مسائل دریافت کرنے آیا کرتے تھے، وہ حدیث و آثار کی روشنی میں جو کچھ جواب دیتے تھے، امام محمد اسے حفظ کرتے جاتے تھے۔ اسی طرح تین برس میں انہوں نے سات سو حدیثیں سنیں، اس روایت کے نقل کرنے کے بعد ابن ابی شیبہ اور کروری لکھتے ہیں، وانما كان يفعل ذلك لما كان بينه وبين الامام امام محمد ايلا اس لئے کرتے تھے کہ ان کے اور امام مالک کے درمیان کچھ رنجی تھی (جلد ۲ ص ۱۶۰) کروری نے یہ روایت حافظ ابو العلاء کے واسطے سے نقل کی ہے، روایت کا پورا سلسلہ سند معلوم نہیں ہو سکا کہ راویوں کی جرح یا تعدیل کی جاسکے، بہر حال سند کے اعتبار سے روایت کا جو پایہ ہو لیکن اپنے متن اور مفہوم کے اعتبار سے صحیح معلوم ہوتی ہے، اس لئے کہ امام محمد جیسا شخص جو برسوں امام صاحب اور امام ابو یوسف کی مجلس فقہ و حدیث کا خوش چین رہ چکا ہے، اور جو ذکاوت اور قوت حافظہ کی بھی غیر معمولی روایت سے بہرہ ور ہو، اتنی لمبی مدت میں اس کا صرف سات سو حدیثوں کا سماع کرنا تعجب خیز معلوم ہوتا ہے جب کہ ان سے کم درجہ کے لوگ اس سے کم مدت میں کئی گناہ زیادہ حدیثیں سماع اور حفظ کر لیا کرتے تھے، اور پھر امام محمد گھر بار چھوڑ کر امام مالک کی خدمت میں اسی غرض سے گئے تھے، اگر یہ روایت صحیح ہے تو سب سے امام محمد کے عزم و استقلال اور تحصیل حدیث کے غیر معمولی شوق کا پتہ چلتا ہے، یہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ امام محمد نے موطا میں امام مالک کی سند سے جو مرفوع یا غیر مرفوع روایتیں نقل کی ہیں، ان کی تعداد ۱۰۰۵ ہے۔

شیوخ حدیث کی تعداد :

امام صاحب کی صحبت اور امام ابو یوسف اور امام مالک سے استفادہ کے بعد کسی دوسرے استاد کی ضرورت نہیں تھی، لیکن پھر بھی ہر شیخ اور ہر استاد کے درس کی کچھ نہ کچھ علیحدہ خصوصیت ہوتی ہے جس میں وہ اپنے معصروں سے ممتاز ہوتا ہے، نیز اس وقت کا یہ عام دستور بھی تھا کہ طلبہ جس قدر زیادہ سے زیادہ اساتذہ اور شیوخ کی خدمت میں پہنچ سکتے تھے، پہنچ کر ان سے استفادہ اور روایت کرتے تھے، اس سے یہ فائدہ ہوتا تھا کہ جو علمی جواہر پارے سینکڑوں گوشوں میں منتشر ہوتے تھے، اسی طرح ایک جگہ سمٹ جایا کرتے تھے، چنانچہ امام محمدؒ بھی اس غرض سے اس وقت کے تمام قابل الذکر شیوخ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان سے استفادہ کیا۔

امام محمدؒ نے اپنی کتابوں میں جن لوگوں سے روایتیں کی ہیں، ان کی تعداد ۱۰۰ سے متجاوز ہے، لیکن ان سب کا شمار ان کے اساتذہ میں نہیں ہے بلکہ اس میں کافی تعداد ان کے قرآن و اصاغر کی بھی ہے جن سے انہوں نے روایتیں تو کی ہیں لیکن ان کے سامنے زانو سے تلمذہ نہیں کیا ہے۔

علامہ زاہد الکوثریؒ نے امام محمدؒ کے شیوخ حدیث کی تعداد ستر بتائی ہے، لیکن انہوں نے ماخذ کا حوالہ نہیں دیا ہے، مگر ان کی وسعت نظر پر اعتماد کرتے ہوئے ہم ان کی دی ہوئی فہرست کو یہاں نقل کرتے ہیں، ان میں سے جن ناموں کے ماخذ معلوم ہو سکے ہیں، ان کے حوالے دے دیئے گئے ہیں، مقامات کے لحاظ سے شیوخ کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔

۱۔ صرف کتاب الحج میں جن لوگوں سے روایتیں کی ہیں، ان کی تعداد ۱۰۸ ہے، اور کتاب الاثار میں جن شیوخ سے روایتیں کی ہیں ان کی تعداد ۱۵ ہے، لیکن بعض نام دونوں میں مشترک ہیں۔
۲۔ انہوں نے عربی میں امام محمدؒ کی سوانح حیات ”بلوغ الامانی“ بڑی تحقیق و تدقیق سے لکھی ہے، یہ کتاب مصر سے چھپ کر بازار میں آگئی ہے، پہلے میرا ارادہ تھا کہ اس کتاب کا ترجمہ کر دوں، مگر اس میں بعض باتیں اپنے ذوق اور اعتدال کے خلاف معلوم ہوئیں اس لئے اس ارادہ سے باز رہا، اور اب ماخذ سے ان کے حالات لکھ رہا ہوں، جہاں اصل ماخذ کی طرف رجوع نہیں کیا جا سکا ہے مصنف کی وسعت نظر پر اعتماد کرتے ہوئے اس کتاب کا حوالہ دے دیا گیا ہے۔

۳۔ اس سلسلہ میں کتاب الحج کا ذکر بھی آئے گا، لیکن یہ کتاب دارالمصنفین کے کتب خانہ میں نہیں ہے، قبلہ سید صاحب کے ساتھ ۱۹۳۵ء میں سوات جانے کا اتفاق ہوا تھا، وہاں مفتی مہدی حسن صاحب کے کتب خانہ میں یہ کتاب مل گئی تھی جن سے میں نے بہت سرسری طور پر ان کے شیوخ کی فہرست تیار کر لی تھی، اس فہرست پر اعتماد کرتے ہوئے یہاں کتاب الحج کا حوالہ دیا گیا ہے، لیکن اس میں غلطی کا امکان ہے، اس لئے جو صاحب غلطی دیکھیں براہ کرام مجھے اس سے آگاہ کریں۔

کوفہ :

امام ابو حنیفہ، امام ابو یوسف، اسمعیل بن ابی خالد الاحسی، سفیان بن سعید الثوری، مسعر بن کدّام، مالک بن مغول، قیس بن ربیع، عمر بن زمر، بکیر بن عام، ابو بکر النہشلی، عبد اللہ بن قطف، محل بن محرز ابھی، ابو کدینہ یحییٰ بن المہلب، عبد الرحمن بن عبد اللہ عتبہ، اسرائیل بن یونس، بدر بن عثمان، ابو الاحوص، سلام بن سلیم، سلام بن سلیمان، ابو معاویہ انصریر، محمد بن حازم، امام زفر، اسمعیل بن ابراہیم الجبلی، فضیل بن غزواں، حسن بن عمارہ، یونس بن ابوالحق السبعی، عبد الجبار بن العباس، محمد بن ابان الصالح القرشی، سعید بن عبید الطائی، ابو فردہ عروہ بن الحارث، ابو زہیر العلّاء بن زہیر۔

مدینہ :

امام مالک، ابراہیم بن محمد بن ابی یحییٰ، عبید اللہ بن عمر، عبد اللہ بن عمر بن حفص، خارجہ بن عبد اللہ بن سلیمان، محمد بن صلال، ضحاک بن عثمان، اسمعیل بن رافع، عطف بن خالد، اسحق بن حازم، ہشام بن سعید، اسامہ بن زید اللیشی، داؤد بن قیس الفراء، عیسیٰ بن ابی عیسیٰ الخياط، عبد الرحمن بن ابی الزناد، محمد بن عبد الرحمن بن ابی ذؤب چشم بن عراق۔

مکہ :

سفیان بن عیینہ، زمعہ بن صالح، اسمعیل بن عبد الملک، طلحہ بن عمرو، سیف بن سلیم، ابراہیم بن یزید الاموی، زکریا بن اسحق، عبد اللہ بن عبد الرحمن بن یعلیٰ النہشی۔

بصرہ :

ابو العوام عبد العزیز بن الربیع البصری، ہشام بن ابی عبد اللہ الربیع بن الفضی، ابو جرہ واصل ابن عبد الرحمن، سعید بن ابی عروبہ، اسمعیل بن ابراہیم البصری، مبارک بن فضال۔

واسط : عباد بن العوام، شعبہ بن الحجاج، ابو مالک عبد الملک۔

شام :

ابو عمرو عبد الرحمن الاوزاعی، محمد بن راشد الککولی، اسمعیل بن عیاش الحمصی، ثور بن یزید الدمشقی۔

خراسان : عبد اللہ بن مبارک۔

ہیما نہ : ایوب بن عتبہ النہشی۔

یہاں صرف ان ستر شیوخ کا تذکرہ کیا گیا ہے، جو ان کے اکابر میں شمار کئے جاتے ہیں، ورنہ اقراں و اصاغر کی تعداد اس سے بہت زیادہ ہے۔

مغازی کی تعلیم :

سیر و تعلیم حدیث ہی کا ایک شعبہ ہے، لیکن اس وقت تک یہ ایک علیحدہ فن ہو چکا تھا، اور خاص خاص شیوخ کی تعلیم دیتے تھے، اور اہل علم خصوصیت سے اس فن کی سند حاصل کرتے تھے، امام محمدؒ نے فن مغازی میں محمد بن عمر الوقدی سے جو فن کے مشہور شیخ تھے، استفادہ کیا تھا۔ واقدی امام محمد کے تلامذہ میں ہیں اور انہوں نے امام محمد سے جامع صغیر خاص طور سے پڑھی تھی، فن مغازی اور سیر میں واقدی کو اس وقت خاص خصوصیت حاصل تھی، اس لئے امام محمدؒ نے ان سے اس فن میں فائدہ اٹھایا۔

عربیت میں کسائی سے تبادلہ خیالات اور استفادہ :

یہ تو نہیں معلوم ہوسکا کہ ادب و لغت کی ابتدائی تعلیم کس سے حاصل کی اور تکمیل کہاں کی، لیکن کروری کی ایک روایت سے پتہ چلتا ہے کہ وہ مسند درس پر متمکن ہونے کے بعد تک پھر ادب اور لغت میں ائمہ فن سے تبادلہ خیالات اور استفادہ کرتے رہے، بشر بن یحییٰ کا بیان ہے کہ کسائی نحو اور لغت کے مشہور امام اکثر امام محمدؒ کے پاس آیا کرتے تھے، ایک روز انہوں نے امام محمد سے کہا کہ آپ لوگ یعنی فقہاء اکثر اپنے کلام کے ثبوت میں یہ جملہ کہا کرتے ہیں کہ ”اسی طرح لوگ بولتے ہیں اور یہی محاورہ ہے“، تو آپ لوگوں کو یہ دعویٰ نہیں کرنا چاہئے، عرب کے محاوروں کو تو اس فن کے خدایا ہی جانتے ہیں۔

امام محمدؒ نے ان کی بات تسلیم نہیں کی اور کہا کہ ہم لوگ اس چیز کو بہتر طور سے جانتے ہیں، لیکن جب کسائی کی آمد و رفت ان کے پاس برابر ہوتی رہی، اور امام محمدؒ ان کے مبلغ علم سے واقف ہوئے تو ایک روز فرمایا کہ بے شک تم لوگ (لغویین اور نحویین) زبان اور محاوروں سے زیادہ واقف ہو۔ اس کے بعد امام محمدؒ نے ان سے عربیت میں انتفاع حاصل کیا۔ روایت کے الفاظ یہ ہیں:

فانتفع محمد بنی العربیۃ

”پھر امام محمدؒ نے ان سے عربیت میں استفادہ کیا۔“

امام سرخسیؒ نے لکھا ہے کہ کسائیؒ، امام محمدؒ کے خالہ زاد بھائی تھے، سیر کا جو خاص باب کتاب الایمان ہے جن میں فقہائے حنیفہ نے کمال دقیقہ سنجی سے کام لیا ہے۔ اس کے لغوی اور نحوی مسائل میں امام محمدؒ نے کسائی سے خاص طور سے مدد لی ہے۔

طالب علمی میں فراغت قلب :

اکثر و بیشتر اہل علم اور ائمہ فن کے سوانح حیات سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا زمانہ طالب علمی بڑی عسرت اور تنگی میں گزرا ہے، لیکن امام محمد کے ساتھ خدا تعالیٰ کا یہ بڑا فضل شامل حال رہا کہ ان کی طالب علمی کا پورا زمانہ نہایت خوشحالی اور فارغ البالی میں گزرا اور انہیں کبھی کوئی مالی دقت پیش نہیں آئی، جب تک ان کے والد زندہ رہے ان کی کفالت کرتے رہے، جب ان کا انتقال ہوا تو انہوں نے ترکہ میں ایک بڑی رقم چھوڑی جس کو امام محمدؒ نے اپنی تعلیم پر صرف کیا، خود فرماتے ہیں، مجھے اپنے والد سے تیس ہزار درہم وارثت میں ملے تھے، ۱۵ ہزار میں نے شعر و ادب لغت اور نحو کی تحصیل پر اور ۱۵ ہزار فقہ و حدیث کے حصول پر صرف کیا۔^۱

علم کا فطری ذوق اور مطالعہ میں انسہاک :

علم و فن کا ذوق امام محمدؒ میں فطری تھا، وہ آغاز شعور ہی سے مسائل میں ایسی باریکیاں پیدا کرتے تھے کہ بڑوں کی نگاہیں بھی وہاں تک کم پہنچیں تھیں، ان کے اسی فطری ذوق اور استعداد کو دیکھ کر امام صاحب نے فرمایا تھا کہ ”انشاء اللہ یہ لڑکا رشید ہوگا، ایک روز ان کے ایک سوال پر فرمایا کہ تم تو بڑوں جیسا سوال کرتے ہو، میرے پاس آمد و رفت رکھو۔“

محمد بن سماعہؒ جو ان کے خاص تلامذہ میں ہیں، فرماتے تھے کہ امام محمدؒ کو مطالعہ میں اس قدر انسہاک ہوتا ہے کہ اگر کوئی شخص ان کو سلام کرتا تو انسہاک و بے خبری میں (جواب دینے کے بجائے) اس کے لئے دعا کرنے لگتے، پھر جب وہ شخص کچھ اور الفاظ زیادہ کر کے دوبارہ سلام کرتا تو وہی الفاظ دہراتے تھے۔^۲

ان کے نواسے فرماتے ہیں کہ (امام محمدؒ کی وفات کے بعد) میں نے اپنی والدہ سے دریافت کیا کہ نانا گھر میں رہتے تھے تو کیا کرتے تھے، انہوں نے اشارہ کر کے بتایا کہ فلاں کوٹھری میں رہا کرتے تھے، اور گرد و پیش کتابوں کا انبار لگا رہتا تھا، میں نے مطالعہ کے وقت ان کو کبھی بولتے ہوئے نہیں سنا بجز اس کے کہ وہ ابرو اور ہاتھ کے اشارہ سے اپنی ضرورت بتلا دیا کرتے تھے۔^۳

علمی شغف کا یہ حال تھا کہ کپڑے میلے ہو جاتے تھے، لیکن جب تک کوئی دوسرا شخص کپڑا نہ بدلوادیتا، وہ کپڑے نہیں اتارتے تھے۔

گھر میں ایک مرغ پلا ہوا تھا جو رات میں اکثر بانگیں دیا کرتا تھا، انہوں نے اہل خانہ سے کہا کہ اسے ذبح کر دو۔ اس کی بانگ بے ہنگام کی وجہ سے (علمی) کام میں خلل پڑتا ہے۔ آپ نے گھر میں کہہ رکھا تھا کہ مطالعہ کے وقت مجھ سے دنیا کی کسی ضرورت کا ذکر نہ کیا جائے کہ میرا قلب اس کی طرف متوجہ ہو، جو کچھ کہنا ہو میرے وکیل (منتظم خانہ) سے کہو۔

ذکاوت و ذہانت :

نہایت ذکی، ذہین اور طباع تھے، ان کے تمام اساتذہ ان کی ذہانت اور ذکاوت کے قائل تھے، امام مالکؒ ان کے بارے میں فرماتے تھے کہ مشرق سے اس نوجوان (امام محمدؒ) جیسا کوئی ذکی اور طباع آدمی میرے پاس نہیں آیا، حالانکہ اس وقت ان کے درس میں اہل مشرق ہی سے عبداللہ بن مبارک وکیع بن جراح، عبدالرحمن بن مہدی جیسے ائمہ حدیث موجود تھے۔

امام شافعیؒ فرماتے تھے کہ میں نے امام محمدؒ جیسا فربہ اندان ذکی نہیں دیکھا، دوسری روایت میں ہے کہ میں نے ان کے جیسا عاقل اور فہیم نہیں دیکھا۔ امام ذہبیؒ نے لکھا ہے کہ دکان من اذکیاء العالم دنیا کے ذکی اور فہیم تر انسانوں میں تھے۔

قوتِ حافظہ :

فہم و ذکر کے ساتھ ساتھ قوتِ حافظہ کا عطیہ بھی قدرت کی طرف سے انہیں وا فرمایا تھا، اوپر ذکر آچکا ہے کہ امام صاحب نے ان سے قرآن حفظ کرنے کے لئے فرمایا کہ تو ایک ہفتہ کے اندر انہوں نے پورا قرآن حفظ کر لیا۔

ایک مرتبہ امام ابو یوسفؒ کے درس میں شریک تھے، امام نے کسی گذشتہ مسئلہ کے متعلق ان سے دریافت کیا، انہوں نے جواب دیا تو امام نے فرمایا کہ یہ جواب صحیح نہیں ہے، امام محمدؒ نے اپنے جواب پر اصرار کیا، تھوڑی سی رو وقیح کے بعد کتاب کی طرف رجوع کی گیا، امام محمدؒ کا جواب صحیح نکلا، پھر امام ابو یوسفؒ نے فرمایا کہ:

هكذا يكون الحفظ (بلوغ الامانی)

”حافظ ایسا ہی ہوتا ہے۔“

مجلس درس :

اسی ذکاوت و ذہانت اور علمی ذوق و انہماک کا نتیجہ تھا کہ بیس ہی برس کی عمر میں مسند درس کی زینت بنا دیئے گئے اور کوفہ، بصرہ، شام، ہرات، نیشاپور، حلب، بخارا اور اقصائے مغرب غرض دنیاۓ سلام کے گوشہ گوشہ سے تشنگان علم آ کر اس سرچشمہ علم سے سیراب ہونے لگے۔

تلامذہ :

امام محمد کی عمر کا بیشتر حصہ درس و تدریس اور افادہ و تعلیم کے مشغلہ میں گزرا، سینکڑوں اشخاص نے ان کے سامنے زانو سے تلمذ کیا ہوگا، ان سب کے ناموں کا استقصا نہایت دشوار ہے۔ جن تلامذہ کے ناموں کا پتہ چل گیا ہے، ان کی فہرست بھی کافی لمبی ہے، اس لئے یہاں ان مشاہیر تلامذہ کا ذکر کیا جاتا ہے، جنہیں کوئی امتیازی حیثیت حاصل تھی۔

ابو حفص الکبیر البخاری، یہ امام بخاری کے شیوخ میں ہیں ابو سلیمان موسیٰ بن سلیمان الجوز جانی انہی کی روایت سے ظاہر الروایۃ کی چھ کتابیں مشرق و مغرب میں پہنچیں، امام شافعی، ابو عبیدہ قاسم بن سالم ہروی اپنے وقت کے مجتہد تھے، عمرو بن ابی عمرو الحرانی، محمد بن ساعداتی، علی بن معبد بن شداد جامع کبیر اور جامع صغیر کے ایک راوی یہ بھی ہیں، اسد بن فرات امام مالک کے خاص شاگرد اور ان کے مسلک کے مدون بھی ہیں اور مدونہ کے مرتب شیخ سحنوں کے استاد بھی محمد بن مقاتل الرازی ابن جریر طبری کے استاد ہیں۔ یحییٰ بن معین، امام جرح تعدیل ابو جعفر احمد بن محمد بن مہران النسوری موطا امام محمد کے راوی ہیں، شعیب بن سلیمان الکیسانیات کے راوی، علی بن صالح الجرجانی جرجانیات کے راوی، اسمعیل بن توبتہ القروی بنی السیر الکبیر کے خاص راوی، ابو بکر بن ابراہیم نو اور کے راوی، ابو زکریا محی بن صالح ابو حاتم امام بخاری کے شامی شیوخ میں ہیں، ابو موسیٰ عیسیٰ بن امان البصری کتاب الحج کے راوی اور کتاب الحج الکبیر اور کتاب الحج الصغیر کے مصنف ہیں، ایک کتاب انہوں نے امام شافعی اور مرہبی کے رد میں بھی لکھی تھی، سفیان بن حبان البصری کتاب العلل کے مصنف ہیں۔

درس کا طریقہ :

اس وقت درس و تدریس کے مختلف طریقے رائج تھے، بعض شیوخ اپنے حافظہ پر اعتماد کر کے طلبہ کو زبانی املا کراتے تھے، بعض لوگ اپنی لکھی ہوئی تحریر تلامذہ میں سے کسی ایک کو دے دیتے وہ اس کی قرأت کرتا جاتا اور عام طلبہ اسے لکھتے یا حفظ کرتے جاتے تھے، امام مالک کے درس کا یہی طریقہ تھا، بعض حضرات کا یہ طریقہ تھا کہ انہیں جو کچھ املا کرانا ہوتا تھا وہ پہلے لکھ لیتے تھے، اور پھر خود ہی

طلبہ کے سامنے اس کی قرأت کرتے، اور طلبہ اسے نوٹ کرتے جاتے تھے۔ امام محمد کا بھی غالباً عام دستور یہی تھا کہ وہ خود قرأت کرتے تھے۔

یحییٰ بن صالح^۱ وحافظی فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حج میں محمد بن حسن کارفیق سفر تھا، ایک روز میں نے ان سے کہا کہ اپنی کتاب کی تحدیث کیجئے، انہوں نے کہا اس وقت طبیعت موزوں نہیں ہے، میں نے کہا کہ میں قرأت کرتا ہوں، انہوں نے کہا کہ کیا تم اپنی قرأت کو میرے لئے آسان سمجھتے ہو، میں نے کہا ضرور، اس پر انہوں نے فرمایا کہ نہیں میری قرأت زیادہ آسان ہوگی اس لئے کہ میں قرأت کروں گا تو محض زبان اور آنکھ استعمال کروں گا، لیکن جب تم قرأت کرو گے تو مجھے آنکھ، کان اور ذہن تمام اعضاء استعمال کرنے پڑیں گے، اس لئے تمہاری قرأت میرے لئے زیادہ مشکل ہوگی۔

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ درس میں وہ قرأت کرنا پسند کرتے تھے، اسد بن فرات کا بیان بھی ہے کہ وہ قرأت خود کرتے تھے۔

درس میں طلبہ کے سامنے جو تقریر کرتے تھے، وہ نہایت ہی صحیح اور حسود و دند سے پاک ہوتی تھی، امام شافعیؒ یہ دیکھ کر فرماتے تھے کہ امام محمدؒ جب کسی مسئلہ کو لیتے اور اس پر تقریر کرتے تھے، تو کلام میں ایک حرف کی بھی تقدیم و تاخیر نہیں ہوتی تھی، ایسا معلوم ہوتا تھا ان پر قرآن کا نزول ہو رہا ہے۔

موطائے امام مالک کا درس :

اہل عراق میں امام محمدؒ غالباً پہلے شخص تھے جنہوں نے مدینہ میں تین برس تک رہ کر امام مالکؒ اور دوسری شیوخ مدینہ سے استفادہ کیا، اور ان کی مرویات کا ایک بڑا سرمایہ اپنے ساتھ عراق لائے، متعدد وجوہ کی بنا پر امام مالکؒ کی مرویات کو اس وقت ایک خاص خصوصیت حاصل تھی، اس لئے امام محمدؒ نے ان کی روایتوں کے درس کے لئے ایک خاص دن معین کر دیا تھا تا کہ وہ لوگ جو امام دارالہجرت کی خدمت میں نہیں پہنچ سکتے تھے، وہ ان کی مرویات سے مستفیض ہو سکیں۔

چنانچہ جس روز وہ امام مالکؒ کی روایتوں کی تحدیث کرتے تھے۔ اس قدر ہجوم ہوتا تھا کہ مجلس میں جگہ نا کافی ہو جاتی تھی۔ چنانچہ ایک مرتبہ امام محمدؒ نے حاضرین سے فرمایا کہ تم لوگ اپنے اصحاب کے بارے میں کتنے برے ہو کہ جب میں امام مالکؒ سے روایت کرتا ہوں تو ٹوٹ پڑتے ہو اور جب تمہارے اصحاب حدیث (اہل عراق) سے روایت کرتا ہوں تو بادل نا خواستہ شریک ہوتے ہو۔

۱۔ امام محمد کے شاگرد اور امام بخاری کے شیخ ہیں۔ ۲۔ بلوغ الامانی ص ۴۴ ۳۔ معالم الایمان جلد ۱۔ ص ۵

۴۔ تاریخ بغداد جلد ۲۔ ص ۱۷۵، ۱۷۶ مناقب کروری۔ ۵۔ تاریخ بغداد جلد ۲۔ ص ۱۷۳

۶۔ اسد بن فرات امام مالک اور امام محمد دونوں کے شاگرد ہیں ان کے ان کا تذکرہ آگے آئے گا۔

امام مالک کی وفات کے بعد جب ان سے براہ راست سماع کی امید منقطع ہو گئی تو یہ مجمع اور زیادہ بڑھنے لگا، اسد بن فرات^۱ کے الفاظ میں اس کی کیفیت سنیے، فرماتے ہیں کہ ایک دن تمام لوگ امام محمد کے درس میں شریک تھے کہ ایک شخص مجلس میں کودتا پھاندتا ہوا تیزی سے امام محمدؒ کے پاس پہنچا، اور اس نے ان سے کچھ آہستہ سے کہا ہم نے سنا کہ امام نے انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھا اور فرمایا کہ کتنی بڑی مصیبت ٹوٹ پڑی کہ امام مالک امیر المؤمنین فی الحدیث کی وفات ہو گئی، اس کے بعد تمام مجمع میں ماتم برپا ہو گیا۔ اسد کا بیان ہے کہ اس کے بعد سے امام محمدؒ جس دن امام مدینہ کی مرویات کا درس دیتے تھے، اس قدر ہجوم ہوتا تھا کہ راستہ بند ہو جاتا تھا۔

راستہ کے وقت درس کا سلسلہ :

امام محمدؒ دن کے علاوہ رات کے وقت بھی درس و تدریس کا سلسلہ جاری رکھتے تھے، لیکن یہ درس عام نہیں ہوتا تھا بلکہ جو طلبہ دو دروازے سے خاص ذوق لے کر ان کی خدمت میں آتے اور ان کے پاس وقت کم ہوتا تھا تو ان کے لئے وہ رات کے وقت مجلس درس منعقد کرتے تھے۔

چنانچہ اسد بن فرات قیروان سے ان کی خدمت میں پہنچے تو کچھ روز درس میں شرکت کے بعد انہوں نے امام محمدؒ سے عرض کیا کہ میں ایک کم عمر اور مسافر آدمی ہوں، آپ کے درس میں اس قدر مجمع ہوتا ہے کہ مجھے پورے طور پر استفادہ کا موقع نہیں ملتا۔

امام محمدؒ نے فرمایا کہ تم دن کے وقت عام اہل عراق کے ساتھ سماع کیا کرو، اور رات کے وقت میرے یہاں چلے آیا کرو، میں تمہیں وقت دوں گا، اسد کا بیان ہے کہ میں روزانہ رات کے وقت ان کے یہاں جایا کرتا تھا، جب میں پہنچتا تو ہوا ایک پیالہ پانی اپنے ساتھ رکھ لیتے اور قرأت و درس کا سلسلہ شروع کر دیتے، جب رات زیادہ گزر جاتی تو مجھے غنودگی طاری ہونے لگتی، وہ کیا کرتے کہ پیالہ سے ایک چلو پانی لے کر میرے چہرے پر چھڑک دیتے، پھر درس کا سلسلہ شروع کرتے جب پھر مجھے غنودی طاری ہوتی تو پھر ایسا ہی کرتے، یہی روزانہ کا معمول ہو گیا تھا۔

اسد بن فرات کے علاوہ امام شافعی اور ابو عبید کے لئے بھی انہوں نے رات کو مخصوص طور پر وقت نکالا تھا۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ امام محمدؒ اپنے تلامذہ کے وقت کو کس قدر عزیز رکھتے تھے، اور ان کے افادہ کے لئے خود کتنی مشقتیں برداشت کرتے تھے۔

عورتوں کا درس :

کبھی کبھی آپ کے پاس عورتیں بھی استفادہ کے لئے آیا کرتی تھیں، ان کے لئے بھی آپ نے رات ہی کا وقت رکھا تھا۔ محمد بن ساعد کا بیان ہے کہ ایک بار دس رومی لونڈیاں انشاء اور عربیت میں ماہر ہو کر (غالباً فقہ میں) استفادہ کے لئے آپ کے یہاں آئی ہوئی تھیں۔

تلامذہ کے ساتھ حسن سلوک :

تلامذہ کے ساتھ ان کا تعلق اور حسن سلوک صرف درس و تدریس اور وقت کی قربانی ہی تک محدود نہیں تھا بلکہ روپیہ پیسہ کے بارے میں ان کا یہ وصف اور زیادہ نمایاں ہو جاتا تھا، ایک بار اسد بن فرات کا خرچ چک گیا، انہوں نے کسی سے ذکر نہیں کیا، ایک دن امام محمدؒ نے دیکھا کہ وہ ہنسرے سے پانی پی رہے ہیں انہوں نے وجہ دریافت کی اسد نے صرف اتنا کہا میں مسافر آدمی ہوں، امام محمدؒ سمجھ گئے اور چپکے ہو رہے اور رات کے وقت خادم کے ذریعے ان کے پاس اتنی دینار بھجوا دیئے (سونے کے موجودہ بھاؤ کے اعتبار سے دو ہزار سے زیادہ روپے ہوتے ہیں)

امام شافعیؒ کی بھی کئی بار انہوں نے مالی امداد کی، ایک بار انہوں نے پچاس دینار ان کو دیئے اور کہا اس میں ننگ و عار محسوس کرنے کی ضرورت نہیں ہے، امام شافعیؒ نے فرمایا اگر مجھے ننگ و عار ہوتا تو مجھ پر آپ جو احسانات کرتے ہیں ان کا بار میں کیوں اٹھاتا، امام محمدؒ دوسرے کے ساتھ حسن سلوک کے موقع پر اس مصرع کے مصداق ہوتے تھے۔

كانك تعطيه الذی انت سائله

”جب تم کسی کو کچھ دیتے ہو تو اس کے سامنے (اپنی عاجزی و کسر نفسی کی وجہ سے) تم ایسے

معلوم ہوتے ہو کہ تم خود اس سے مانگ رہے ہو۔“

عراق کے زمانہ قیام میں ایک بار امام شافعیؒ قرض کے سلسلہ میں نظر بند کر دیئے گئے تھے، امام محمدؒ نے قرض خواہ کا قرضہ ادا کر کے انہیں رہا کر لیا۔

امام شافعیؒ سے خاص تعلق :

امام محمدؒ کو امام شافعیؒ سے بڑا تعلق خاطر تھا۔ وہ جب آ جاتے تو ضروری سے ضروری کام چھوڑ کر ان کی طرف متوجہ ہو جاتے تھے۔ ایک بار کسی ضرورت سے دار الخلافہ جانے کے لئے تیار

ہو چکے تھے کہ امام شافعیؒ آگئے، انہوں نے دار الخلافہ جانے کا قصد ترک کر دیا اور پورے دن ان کے ساتھ مشغول رہے، ایک مرتبہ امام شافعیؒ نے امام محمدؒ کے پاس ایک منظوم خط لکھا کہ وہ اپنی کتابیں عاریۃ بھیج دیں، امام محمدؒ نے اپنی تمام کتابیں ہدیۃ بھیج دیں۔

اس دور میں جب کہ طباعت و کتابت کے موجودہ طریقے رائج نہیں ہوئے تھے، کسی کو کوئی کتاب ہدیۃ دے دینا موجودہ زمانہ کی مطبوعہ کتابوں کا ایک کتب خانہ دینے سے زیادہ مشکل کام تھا، انہی تمام احسانات اور تعلقات کی بناء پر امام شافعیؒ فرماتے تھے کہ:

لیس علی منۃ فی العلم و اسباب الدنیا مال محمد (کروڑی ص ۱۵۰)

”علم اور دنیاوی اسباب کے سلسلہ میں مجھ پر امام محمدؒ کا جتنا احسان ہے اتنا کسی دوسرے کا نہیں ہے۔“

انہی احسانات کی بنا پر ابن عبد البر نے لکھا ہے کہ قیامت تک ہر شافعی پر ضروری ہے کہ وہ امام محمدؒ کا ممنون رہے اور ان کی مغفرت کی دعا کرتا رہے۔ (شذرات الذہب جلد ۲)

طلبہ کے سوالات کا خندہ پیشانی سے جواب دیتے تھے :

اکثر اساتذہ طلبہ کے سوالات اور مسائل میں کرید کرنے سے گھبراتے اور چپیں بچیں ہو جاتے ہیں اور بسا اوقات غصہ و غضب تک نوبت پہنچ جاتی ہے، لیکن امام محمدؒ کی یہ خاص خصوصیت تھی وہ عمیق سے عمیق سوال اور دقیق سے دقیق مسائل میں رو و قدح کرنے سے چپیں بچیں نہیں ہوتے تھے، بلکہ نہایت خندہ پیشانی سے تمام باتوں کا جواب دیتے تھے، امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے جس سے بھی کوئی مسئلہ دریافت کیا اس کے چہرے کا رنگ بدل گیا^۱، لیکن محمد بن حسن اس سے مستثنیٰ تھے، ایک دوسری روایت میں ہے کہ جس سے بھی کوئی دقیق مسئلہ دریافت کیا میں نے دیکھا کہ اس کی پیشانی پر شکن آگئی، لیکن امام محمدؒ کا حال اس سے بالکل جدا تھا۔^۲

علمی مباحثے :

امام محمدؒ شروع ہی سے تفحص اور تعمق کے عادی تھے اور فقہی اور علمی مسائل ان کی نظر ہمیشہ مجتہدانہ پڑتی تھی، اس لئے بسا اوقات انہیں اپنے اساتذہ اور معصروں کے ساتھ بحث و مباحثہ کی نوبت آ جاتی تھی، ایک بار کسی مستفتی نے قاضی ابو یوسف سے کوئی مسئلہ دریافت کیا، قاضی صاحب نے اس کا جواب دیا، مستفتی وہاں سے امام محمدؒ کے پاس آیا اور وہی مسئلہ دریافت کیا، امام محمدؒ نے نہایت

مدلل طور پر اس کا مسئلہ کا کوئی دوسرا جواب دیا، مستفتی نے امام محمد سے کہا کہ اس مسئلہ میں امام ابو یوسف کو دوسری رائے ہے اگر آپ دونوں صاحبان ایک جگہ جمع ہو کر اس مسئلہ پر گفتگو کر لیتے تو مسئلہ صاف ہو جاتا۔ چنانچہ امام محمد اور امام ابو یوسف کا کسی مسجد میں اجتماع ہوا اور اس مسئلہ پر گفتگو شروع ہوئی، مستفتی کا بیان ہے کہ تھوڑی دیر تک تو میں نے صاحبین کی گفتگو سمجھی لیکن اس کے بعد گفتگو اس قدر وقیق ہو گئی کہ میں بالکل نہیں سمجھ سکا۔^۱

موطا کے سماع سے پہلے ایک مرتبہ امام محمدؒ کو آغازِ شباب میں امام مالک کی خدمت میں جانے کا اتفاق ہوا، انہوں نے امام مالک سے دریافت کیا کہ ایک شخص کو غسل کی ضرورت ہے اور مسجد کے اندر پانی رکھا ہوا ہے اور اسے مسجد کے سوا کسی دوسری جگہ پانی میسر نہیں ہے، کیا وہ مسجد جا کر پانی لے سکتا ہے، امام مالک نے فرمایا کہ جہنمی (نا پاک آدمی) مسجد میں نہیں جاسکتا، امام محمدؒ نے کہا نماز کا وقت بالکل قریب آ گیا ہے اور پانی اس کے سامنے موجود ہے وہ کیا کرے۔ امام مالک نے پھر وہی جواب دیا، اسی طرح امام مالک مکرر یہی فرماتے رہے کہ جہنمی مسجد میں نہیں داخل ہو سکتا، لیکن جب امام محمدؒ کا اصرار بہت بڑھا تو امام مالک نے ان سے فرمایا کہ اس بارے میں آپ ہی بتائیے۔ امام محمدؒ نے کہا کہ ”وہ تیمم کر لے اور مسجد میں جا کر پانی لے آئے اور پھر غسل کر لے“ اس کے بعد امام مالک اور ان میں کچھ اور باتیں ہوئیں، جب وہ مجلس سے اٹھ کر چلے گئے تو لوگوں نے امام مالکؒ سے کہا کہ یہ محمد بن حسن امام ابو حنیفہؒ کے شاگرد ہیں۔^۲

امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ جب کبھی فقہ وغیرہ کے مسائل میں مباحثہ کا موقع آتا تو امام کا دستور تھا کہ وہ ایک حکم مقرر کر دیا کرتے تھے، تاکہ وہ فریقین کو مناسب ہدایت اور فیصلہ کر سکے۔ چنانچہ عموماً ان کی مجلس مباحثہ کے حکم عیسیٰ بن ہارون ہوا کرتے تھے۔^۳

امام محمدؒ کے علمی مباحثوں اور مناظروں کے سلسلہ میں بعض غلط روایتیں بھی رواج پا گئی ہیں، آگے ہم ان روایتوں پر ناقدانہ نظر ڈالیں گے۔

عہدہ قضا :

اسلاف میں بہت سی ایسی ہستیاں ملیں گی، جنہوں نے اپنے فضل و کمال کے باوجود حکومت کا کوئی عہدہ قبول نہیں کیا، اور نہ امراء و سلاطین کی صحبت کو پسند کیا، اس کی وجہ یہ تھی کہ بسا اوقات سلاطین اور ارکانِ دولت کے دباؤ سے انہیں ایسا کام کرنا پڑتا تھا جو ان کے ضمیر اور حمیتِ دینی کے خلاف ہوتا تھا،

اور اس طرح ان کی زندگی کے سارے زہد و اتقا پر پانی پھر جاتا تھا، لیکن ان میں بعض ایسی شخصیتیں بھی ملیں گی جو کسی دینی مصلحت یا کسی اور مجبوری کی بناء پر حکومت سے منسلک ہو گئی تھیں۔ چنانچہ امام ابو حنیفہ سے منصور نے عہدہ قضا قبول کرنے کی درخواست کی تو انہوں نے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ ”میں اس عہدہ کی صلاحیت نہیں رکھتا“۔ امام صاحب کے شاگردوں میں امام ابو یوسفؒ نے کچھ خاص وجوہ کی بناء پر عہدہ قضا قبول کر لیا تھا، لیکن انہی میں امام محمدؒ اور عبد اللہ بن مبارکؒ اور امام زفرؒ بھی تھے جو حکومت سے کوئی تعلق قائم کرنا پسند نہیں کرتے تھے۔ امام محمدؒ اس بارے میں اتنے سخت تھے کہ جب امام ابو یوسفؒ نے عہدہ قضا قبول کیا تو انہوں نے ناپسندیدگی کا اظہار کیا^۱، لیکن بعد میں کچھ ایسے واقعات پیش آ گئے کہ امام محمدؒ بھی عہدہ قضا قبول کرنے پر مجبور ہو گئے۔

امام ابو یوسفؒ نے عہدہ قضا اس مصلحت سے قبول کر لیا تھا کہ اس کے ذریعہ امام صاحب کے مسلک کی ترویج و اشاعت ہوگی، اسی لئے ان کی خواہش تھی کہ امام محمدؒ بھی اس عہدہ کو قبول کر لیں، تاکہ ان کے نقطہ نظر کو مزید تقویت ہو، اتفاق سے اسی زمانہ میں ترقہ میں قاضی کے تقرر کا مسئلہ درپیش ہوا اور اس سلسلہ میں امام ابو یوسفؒ سے مشورہ کیا گیا، انہوں نے امام محمدؒ کے انتخاب کا مشورہ دیا، امام محمدؒ اس وقت کوفہ میں تھے کوفہ سے بغداد بلائے گئے۔

چنانچہ وہ بغداد آئے اور پہلے امام ابو یوسفؒ کے پاس گئے اور ان سے اپنے انتخاب کی وجہ دریافت کی، امام ابو یوسفؒ نے ان سے پورا واقعہ بیان کر دیا اور کہا کہ میں نے یہ مشورہ اس لئے دیا ہے کہ کوفہ اور بصرہ میں تو ہمارے مسلک کی بہت کافی اشاعت ہو چکی ہے۔ اگر آپ شام میں چلے جائیں گے تو وہاں بھی اس کی ترویج کا ذریعہ پیدا ہو جائے گا۔

امام محمدؒ نے اس مصلحت کو اپنے انتخاب کے لئے پسند نہیں کیا اور کہا کہ اس میں براہ راست مجھ سے گفتگو کرنی چاہئے تھی۔ اس گفتگو کے بعد امام ابو یوسفؒ نے ان سے یحییٰ برمکی کے پاس چلنے کے لئے کہا، دونوں صاحب یحییٰ کے پاس گئے، امام ابو یوسفؒ نے یحییٰ سے کہا کہ محمد بن حسن سامنے موجود ہیں ان سے (عہدہ قضا کے) معاملات طے کر لیجئے۔ یحییٰ نے امام محمدؒ پر ایسا دباؤ ڈالا کہ وہ عہدہ قضا قبول کرنے پر مجبور ہو گئے^۲۔

امام محمدؒ نے عہدہ قضا قبول تو کر لیا لیکن یہ بات چونکہ ان کی طبیعت اور ضمیر کے خلاف

۱۔ ایضاً ص ۴۰ ۲۔ یہ مقام گرمیوں کے زمانہ میں عباسیوں کا دار الخلافہ ہوتا تھا۔

۳۔ ترجمہ محمد بن حسن امام ذہبی مطبوعہ مصر ص ۵۵، ۵۶

ہوئی تھی اور اس کا ذریعہ امام ابو یوسفؒ ہوئے تھے اس لئے انہوں نے امام ابو یوسفؒ سے ناپسندیدگی کا اظہار کیا۔ اور اس میں اس قدر شدت اختیار کی کہ ان کے یہاں آمد و رفت بھی ترک کر دی۔ اور مشہور ہے کہ وفات کے بعد ان کے جنازہ میں بھی شرکت نہیں کی۔ دوسری روایت ہے کہ ہارون رشید نے خود ان کو اس عہدہ کے لئے منتخب کیا تھا، جب امام محمدؒ کو معلوم ہوا تو وہ امام ابو یوسفؒ کے پاس گئے اور اپنے گزشتہ تعلقات کو یاد دلا کر فرمایا کہ مجھے اس آزمائش میں نہ ڈالیے، امام ابو یوسفؒ ان کو لے کر یحییٰ کے پاس گئے، اس نے ان کو ہارون کے پاس بھیج دیا اور اس طرح مجبور ہو کر انہیں یہ عہدہ قضا قبول کر لینا پڑا۔

بے لاگ فیصلہ اور عہدہ قضا سے برطرفی :

امام محمدؒ نے یہ عہدہ بادلِ نخواستہ قبول کیا تھا، ان کی خواہش کو اس میں ذرہ بھی دخل نہیں تھا اس لئے وہ جب تک اس عہدہ پر فائز رہے بڑی دیانت داری سے بلا کسی رد رعایت کے اس کے فرائض انجام دیتے رہے۔ انہوں نے کبھی اپنے فیصلہ میں خلیفہ وقت یا ارکانِ دولت کی پرواہ نہیں کی۔

چنانچہ ان کے قاضی ہونے کے کچھ ہی روز بعد یحییٰ بن عبد اللہ کی امان کا قصہ دربار میں پیش ہوا، ہارون نقض عہد کر کے یحییٰ کو سزا دینا چاہتا تھا لیکن اس ارادہ کی تکمیل کے لئے قضا کے فیصلہ کی ضرورت تھی۔ چنانچہ تمام قضا دربار میں بلائے گئے، امام محمدؒ بھی موجود تھے ہارون سے سب سے پہلے امام محمدؒ سے دریافت کیا، انہوں نے فرمایا کہ یحییٰ بن عبد اللہ کو جو امان دی جا چکی ہے وہ صحیح ہے اور امان کا نقض اور یحییٰ کا قتل کسی طرح جائز نہیں ہے۔ ان کے بعد ہارون حسن بن زیاد سے مخاطب ہوا، انہوں نے کچھ صاف جواب نہیں دیا۔ پھر اس نے ابوالنجر ی وہب بن وہب سے دریافت کیا، انہوں نے ہارون کی مرضی کے مطابق جواب دیا امام محمدؒ پر عتاب شاہی نازل ہوا اور وہ عہدہ قضا سے برطرف کر دیئے گئے اور انہیں افتا سے بھی روک دیا گیا۔

قید و بند :

غالباً اسی فتویٰ کے سلسلہ میں استاد کی سنت کے مطابق انہیں قید و بند کی مشقت بھی اٹھانی پڑی، مناقب کروری میں محمد بن سلام (امام محمدؒ کے خاص شاگرد) کا بیان ہے کہ

طلب محمد للقضاء فجلس و دکل به قرین حتی لا یطلع علیہ احد

۱۔ تاریخ بغداد ترجمہ محمد بن حسن امام ذہبی، اس سلسلہ میں بعض غلط روایتیں بھی مشہور ہو گئی ہیں آگے ان پر ناقدانہ نظر ڈالی جائے گی۔ ۲۔ کروری جلد ۲۔ ص ۱۶۵ ۳۔ ایضاً بلوغ الامانی ص ۴۰

ولا يدخل عليه احد وضيق في الجسد الفقه فر شوت السبحان

رشوة عظيمه و دخلت عليه بكيس من الدرا (جلد ۲ ص ۱۶۲)

”امام محمد فیصلہ کے لئے بلائے گئے اور پھر قید کر دیئے گئے اور ان کو قید تنہائی دے دی گئی، گویا علم فقہ کے افادہ کو محبوس کر دیا گیا، میں نے دربان کو کچھ دے دلا کر ان کے پاس ایک تھیلی درہم لے کر پہنچا۔“

رہائی اور قاضی القضاۃ کا عہدہ :

اتفاق سے اسی زمانہ میں ام جعفر (ہارون کی بی بی) کو کوئی جائیداد وقف کرنے کا خیال پیدا ہوا۔ اس نے امام محمدؒ سے وقف نامہ لکھنے کی درخواست کی انہوں نے یہ کہہ کر معذرت کر دی کہ مجھے فتویٰ دینے سے روک دیا گیا ہے، ام جعفر نے امام محمدؒ کے معاملہ (غالباً پابندی اٹھالینے کے بارے میں) میں ہارون سے گفتگو کی، ہارون نے انہیں فتویٰ کی اجازت دے دی، اور پھر ان کو بڑے اعزاء و اکرام کے ساتھ قاضی القضاۃ کا عہدہ پیش کیا^۱ اور جس پر غالباً وہ آخر وقت تک فائز رہے۔

وفات :

امام محمدؒ کے قاضی القضاۃ ہونے کے کچھ ہی دن بعد ہارون کو کسی ضرورت سے رے جانا پڑا۔ امام محمدؒ کو بھی وہ اپنے ساتھ لیتا گیا، اسی مقام پر ۱۸۹ھ میں ۵۸ برس کی عمر میں امام محمدؒ نے داعی اجل کو لبیک کہا۔ اتفاق سے کسائی مشہور امام نحو بھی اس سفر میں ہارون کے ساتھ تھے، انہوں نے بھی اسی دن یا دو دن بعد انتقال کیا، ہارون کو ان دونوں ائمہ فن کے پے در پے انتقال کا بڑا رنج ہوا اور اس نے غایت افسوس میں کہا کہ ”فقہ و نحو دونوں کو میں نے رے میں دفن کر دیا“۔^۲

تدفین :

حیل طبرک جو رے کا مشہور قلعہ ہے، اسی میں امام محمدؒ کو سپرد خاک کیا گیا۔^۳

یہی یزیدی، ہارون کے دربار کا مشہور شاعر اور ادیب تھا اس نے بڑا پرورد اور دل سوز مرثیہ لکھا ہے جس کے چند اشعار یہ ہیں ۔

تصرمت الدنيا فليس خلود قد تری من بجة ستید
لکل امری منا من الموت منهل فليس له الا علیہ ورد
الم تر شیا شاملاً بعد الیلی وان الشباب لیس یعود

امام ذہبی نے ان اشعار کو قاضی ابو خازم عبد الحمید کی طرف منسوب کیا ہے، اور چند اشعار نقل کرنے کے بعد لکھا ہے کہ میرانی نے اس مرثیہ کی نسبت یحییٰ زیدی کی طرف کی ہے۔

اولاد :

امام محمد کے نکاح اور اولاد کے متعلق تذکروں میں کوئی تفصیل نہیں ملتی، بعض روایتوں میں آپ کے ایک نوآ کا ذکر آتا ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی شادی ہوئی تھی، اور آپ نے ایک صاحبزادی بھی یادگار چھوڑی تھی۔

حلیہ :

بال گھنے، گداز بدن اور نہایت ہی سکیل و جمیل اور خوش لباس آدمی تھے۔ ان کے حسن صورت کے متعلق یہ قصہ مشہور ہے کہ جب ان کے والد تعلیم کی غرض سے ان کو امام صاحب کے پاس لے گئے، تو امام صاحب نے ان کے حسن و جمال کو دیکھ کر فرمایا کہ لڑکے کے سر کا بال اترادو، اور معمولی کپڑے پہناؤ۔ ان کے والد نے اس کی تعمیل کی، بال اتر جانے کے بعد ان کے جمال میں اور چار چاند لگ گئے، چنانچہ اسی ہیئت کو دیکھ ابو نو اس نے یہ اشعار کہے تھے۔

حلقوا رسہ لیکسوہ قیحا غیرہ منہم علیہ وشجا
کانہ فی وجہہ صباح لیل نزعو لیلہ وابقوا صباحا
وکیع بیان کرتے ہیں کہ چونکہ محمد بن حسن کم سن اور بہت ہی شکیل و جمیل تھے، اس لئے ہم لوگ حدیث کے درس میں ان کے ساتھ جانا پسند کرتے تھے۔

اخلاق و عادات :

انسان کے شرف کا اصلی معیار، اخلاق و کردار ہے۔ اگر اس حیثیت سے اس میں کوئی کمزوری ہے تو وہ غیر معمولی ہو کر بھی معمولی آدمی ہے اور اگر اس اعتبار سے اس میں کوئی خوبی ہے، تو وہ ہماری نظروں میں کتنا ہی ادنیٰ کیوں نہ ہو۔ لیکن حقیقی شرف اس کو حاصل ہے۔

امام محمد اپنے فضل و کمال کے ساتھ، اخلاق و کردار میں بھی اپنے ہم عصروں سے ممتاز تھے، امام ابو حفص نے ان کے اخلاق کا نقشہ ان الفاظ میں کھینچا ہے، کہ ”اگر ان کو کوئی دیکھے تو یہ سمجھے کہ صرف علم ہی کے لئے پیدا کئے گئے ہیں، (ان میں دوسری کوئی خوبی نہیں ہے) لیکن اسی کے ساتھ

نہایت صالح، خلیق، مہذب اور عمدہ روش کے آدمی تھے، ان کی زبان سے کبھی کسی کو کوئی تکلیف نہیں پہنچی، ہر شخص سے مدارات اور محبت ان کا شیوہ تھا۔

علی بن معبدان کے حسن خلق کا ایک اپنا ذاتی واقعہ بیان کرتے ہیں کہ جس زمانہ میں امام محمدؒ رقبہ کے قاضی تھے، مجھے رقبہ جانے کا اتفاق ہوا، ایک دن میں ان سے ملنے گیا۔ دروازہ پر پہنچا تو دربان نے روک دیا، میں واپس چلا آیا، پھر دوبارہ ان سے ملنے نہیں گیا ایک روز گزر رہا تھا دیکھا کہ محمد ابن حسن قضاۃ کے لباس میں شان و شوکت کے ساتھ گھوڑے پر سوار چلے آ رہے ہیں، مجھے روکا اور اپنے ساتھ مکان میں لے آئے، مکان پہنچ کر مجھ سے انہوں نے کہا کہ آپ اتنے روز سے رقبہ میں ہیں، اور کبھی مجھ سے ملنے نہیں آئے، انہوں نے گزشتہ واقعہ بتایا، امام محمدؒ نے دربان کا نام پوچھا، انہوں نے اس خیال سے کہ دربان سزا پائے گا نام نہیں بتایا۔ امام محمدؒ نے تمام دربانوں کو بلا کر ہدایت کی کہ جب یہ آئیں تو کوئی نہ روکے۔

چنانچہ اس کے بعد وہ جس وقت چاہتے ان کے پاس چلے آتے تھے امام صاحب اور ان کے تلامذہ کو جن میں خود امام محمدؒ بھی تھے، لوگ بعض غلط فہمیوں کی بنا پر برا بھلا کہتے تھے۔ امام محمدؒ کو جب اس کی اطلاع ہوئی تو انہوں نے یہ شعر پڑھا اور خاموش ہو گئے۔

محسودون و شر الناس منزلة من عاش فی الناس لوماً غیر محسوداً

یہ لوگ ہیں (امام صاحب اور ان کے تلامذہ) جن پر لوگ حسد کرتے ہیں مرتبہ کے اعتبار سے سب سے کم تر وہ شخص ہے جس پر کوئی حسد نہ کرے۔

بردباری :

علم و بردباری کے وہ مجسمہ تھے، امام شافعیؒ فرماتے ہیں میں نے امام محمدؒ جیسا حلیم آدمی نہیں دیکھا، وہ اپنے مزاج کے خلاف بات سنتے اور برداشت کر جاتے تھے۔

طلبہ ان سے ہر قسم کے سوالات اور بحث و مباحثہ کرتے تھے۔ مگر ان کی پیشانی پر بل نہیں آتا تھا، امام شافعیؒ فرماتے تھے کہ میں نے امام محمدؒ ہی کو ایک ایسا آدمی پایا کہ وہ بحث و مباحثہ کے وقت چپیں بچیں نہیں ہوتے تھے۔

فیاض :

نہایت کشادہ دست، فیاض اور سیر چشم تھے۔ اوپر ذکر آچکا ہے کہ انہیں اپنے والد سے جو

دولت ملی تھی وہ سب انہوں نے اپنی تعلیم پر خرچ کر ڈالی، طلبہ کے ساتھ حسن و سلوک کے وقت ان کا یہ وصف اور زیادہ نمایاں ہو جاتا تھا، امام شافعی اور اسد بن فرات کے متعدد بار انہوں نے اسی دینار بطور امداد دیئے تھے، بسا اوقات اپنے پاس کچھ نہ ہوتا تو دوسروں کے ذریعہ اہل احتیاج کی ضرورت رفع کر دیا کرتے تھے، اسد بن فرات فقہ کی تکمیل کے بعد جب اپنے وطن قیروان واپس جانے لگے، تو ان کے پاس زاد سفر نہیں تھا۔ امام محمد کو معلوم ہوا تو انہوں نے کسی شاہزادہ کو غالباً (میں یا مامون) لکھا، اس نے دس ہزار کی رقم خزانہ شاہی سے دلوادی اور ان کے سفر خرچ کا انتظام ہو گیا۔

محمد بن سماء کا بیان ہے کہ امام شافعیؒ کو متعدد بار مالی دقتیں پیش آئیں اور ایک مرتبہ تو ایسا ہوا کہ امام محمدؒ نے اپنے احباب و اصحاب سے بڑی بڑی رقمیں ان کے لئے جمع کرائیں۔ اس وصف میں امام محمد کے بہت کم لوگ شریک نظر آتے ہیں۔

بذلہ سنجی :

اپنے حلم و سنجیدگی کی وجہ سے کوئی نا ملائم یا غیر مہذب الفاظ اپنی زبان سے نہیں نکالتے تھے، کبھی کبھی مزاح کے جملے کہ دیا کرتے تھے، کوئی مسجد گر پڑ کر خراب ہو گئی تھی، لوگوں نے امام ابو یوسفؒ سے اس کے بارے میں فتویٰ پوچھا، انہوں نے کہا وہ مسجد کے حکم میں ہے، ایک روز ادھر سے امام محمدؒ کا گزر ہوا مسجد پر ان کی نظر پڑی..... کہ کوڑے کرکٹ سے اٹی ہوئی ہے، یہ دیکھ کر انہوں نے مزاحاً فرمایا یہ ابو یوسف کی مسجد ہے۔

جرات و حق گوئی :

آپ کے صحیفہ اخلاق کا ایک نمایاں باب جرات و حق گوئی بھی تھا جب کبھی حق بات کے اظہار کا موقع آ جاتا تو آپ اس میں کسی کی رو رعایت اور مدد نہنت نہیں کرتے تھے، یحییٰ طالبی کا ذکر اوپر آ چکا ہے، ہارون نے اس سلسلہ میں بڑی کوشش کی کہ اس کی مرضی کے مطابق وہ فتویٰ دے دیں، لیکن انہوں نے اس کے شاہانہ و بدبہ وقار کی پروا کئے بغیر پوری جرات کے ساتھ حق کا اظہار کیا۔

ایک روز امام محمدؒ دوسرے علماء کے ساتھ ہارون کے محل میں بیٹھے ہوئے تھے۔ اتفاق سے اسی وقت ہارون رشید بھی آ گیا، تمام حاضرین اس کی تعظیم کے لئے کھڑے ہو گئے لیکن امام محمدؒ نے اپنی

جگہ سے جنبش بھی نہیں کی، تھوڑی دیر بعد ہارون نے امام محمد کو تخیلہ میں بلایا، امام محمد اندر گئے، تو ہارون نے ان سے کہا کہ بنو تغلب (نصارئ) کو نقض عہد کر کے میں قتل کرانا چاہتا ہوں، امام محمد نے فرمایا کہ حضرت عمرؓ نے انہیں امان دی ہے، اس لئے نقض عہد کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ ہارون نے کہا کہ حضرت عمرؓ نے اس شرط پر امان دی تھی کہ وہ اپنے بچوں کا ہتسمہ (عیسائی بنانا) نہ کریں، لیکن انہوں نے اس کی خلاف ورزی کی ہے، امام محمد نے فرمایا کہ انہوں نے ہتسمہ کے باوجود انہیں امان دی تھی۔ اس پر ہارون نے کہا کہ حضرت عمرؓ کو ان سے جنگ کا موقع نہ مل سکا، امام محمد نے فرمایا کہ اگر ایسا ہے تو اس کے بعد حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کو ان سے جنگ کرنا چاہئے تھا، حالانکہ ان لوگوں نے ان سے کوئی تعرض نہیں کیا، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ نے ان سے بلا شرط صلح کی تھی، اس پر ہارون بہت خفا ہوا، اور ان کو محل سے باہر نکلوا دیا، بعض روایتوں میں ہے کہ وہ جب لا جواب ہو گیا تو اس نے پوچھا کہ میرے آنے پر آپ میری تعظیم کے لئے کیوں کھڑے نہیں ہوئے، امام محمد نے جواب دیا کہ یہ خدام کا کام ہے، علماء کے درجہ سے یہ چیز فروتر ہے، آپ کے بن عم (حضرت ابن عباسؓ) نے آنحضرت ﷺ سے روایت کی ہے کہ جو شخص یہ پسند کرتا ہے کہ لوگ اس کی تعظیم کے لئے اس کی طرح کھڑے نہ ہوں تو اس کا ٹھکانا جہنم ہے^۱۔

جب امام محمد تخیلہ سے باہر آئے، تو حاضرین نے جنہیں یہ خیال تھا کہ آج عدم تعظیم کی بنا پر امام محمد کو کوئی سخت سزا ملے گی، پوچھا کیا ہوا، امام محمد نے پوری گفتگو دہرائی تو لوگ ان کی جرأت پر حیرت زدہ رہ گئے^۲۔

اس روایت سے امام محمد کی جرات و حق گوئی کے علاوہ یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اسلام کے نزدیک حقوق عباد میں مسلم اور غیر مسلم میں کوئی فرق نہیں ہے، یہی وجہ تھی کہ ہارون کو خاموش اور اپنے ارادہ سے باز رہنا پڑا۔

ایک مرتبہ ہارون نے کسی شخص کے بارے میں کوئی امان لکھوائی، غالباً اس خیال سے دوسرے سے لکھوائی کہ ضرورت کے وقت اس سے انکار کی گنجائش نکل سکے۔

چنانچہ اس نے امان کے بارے میں امام محمدؓ سے فتویٰ پوچھا کہ میں نے اس اپنے ہاتھوں سے نہیں لکھا ہے، دوسرے سے لکھوایا ہے، تو کوئی شخص اگر قسم کھائے کہ وہ کوئی خط یا تحریر اپنے ہاتھ سے نہ لکھے گا لیکن اگر دوسرے سے لکھوایا ہے، تو اس کی قسم ٹوٹے گی یا نہیں، امام محمد نے اپنی ذکاوت سے مسئلہ کی نوعیت کو سمجھ لیا، فرمایا کہ وہ قسم کھانے والا شخص عوام میں ہے تو جب تک وہ نیت نہ کرے اس کی

قسم نہیں ٹوٹے گی، لیکن اگر بادشاہ ہے تو قسم ضرور ٹوٹ جائے گی، اس لئے کہ بادشاہ کے حکم سے جو چیز لکھی جائے گی وہ بادشاہ ہی کی ہوگی، اس پر ہارون بہت برا فروختہ ہوا۔

سازش کا شبہ :

انہی تمام واقعات کی بنا پر ہارون کو یہ شبہ پیدا ہو گیا تھا کہ ہمارے خلاف جو آئے دن طالبیوں کی سازش ہوا کرتی ہے، اس میں امام محمد کا ہاتھ ہے، چنانچہ اس نے حکم دیا کہ ان کی کتابوں کا جائزہ لیا جائے کہ ان میں اس قسم کے باغیانہ خیالات تو نہیں پائے جاتے۔ امام محمد کو جب معلوم ہوا تو انہوں نے محمد بن ساعد سے جو ان تمام واقعات میں ان کے ساتھ تھے، کہا کہ فوراً گھر پر جا کر میری کتابوں کو محفوظ کر لو، ورنہ ہو سکتا ہے کہ ایسی کوئی چیز ان میں شامل کر دی جائے جو ان میں موجود نہ ہو، چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا، اس کے بعد جب ہارون کے سامنے یہ کتابیں پیش ہوئی تو ان میں بجز حضرت علیؑ کے فضائل کی حدیثوں کے اور کوئی چیز نہیں ملی، اس پر ہارون نے کہا کہ اس سے زیادہ تو ان کے فضائل ہمارے پاس موجود ہیں یہ کوئی گرفت کی بات نہیں ہے۔

زہد و عبادت :

نہایت صالح، عابد اور شب زندہ دار تھے، رات دن میں ایک ٹکٹ قرآن تلاوت کر ڈالتے تھے۔ انہوں نے رات کو تین حصوں میں تقسیم کر لیا تھا، ایک حصہ میں درس و تدریس کا مشغلہ رہتا، دوسرے حصہ میں آرام فرماتے اور تیسرے حصہ میں بارگاہ قدس میں سجدہ ریز ہوتے تھے۔

شیخ عبد اللہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں، کہ میں نے بارہا کوشش کی کہ جس خضوع و خشوع کے ساتھ امام محمد معمولاً نماز ادا کرتے ہیں، میں ایک ہی بار اس طرح پڑھ لوں، لیکن میں اس سے عاجز رہا۔ بکر بن محمد الحمی فرماتے تھے کہ محمد بن جسامہ اور عیسیٰ بن ابان (دونوں اپنے وقت کے شیخ اور محدث تھے) نے جس حسن و خوبی سے نماز پڑھنا امام محمدؑ سے سیکھا تھا۔ محمد بن کامل الروزی فرماتے ہیں کہ میں نے زید و درع میں امام محمدؑ کو بہت زیادہ بلند پایہ پایا۔ قتیبہ ابن سعید فرماتے ہیں کہ میں نے انہیں کثیر العبادۃ پایا۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے محمد بن حسن جیسازاہد اور پرہیزگار نہیں دیکھا۔

۱۔ ایضاً کردری جلد ۲ ص ۱۶۴ ۲۔ تمام خلفائے عباسیہ مختلف اسباب کی بنا پر اس چیز کو بھی ناپسند کرتے تھے
۳۔ کردری جلد ۲ ص ۱۶۴ و بلوغ الامانی ص ۴۴ ۴۔ کردری ص ۱۶۴ ۵۔ ایضاً ۶۔ کردری جلد ۲ ص ۱۶۴
۷۔ ترجمہ امام محمد امام ذہبی ص ۵۹ ۸۔ کردری ص ۱۶۴ ۹۔ ایضاً ص ۱۵۳ ۱۰۔ بلوغ الامانی ص ۵۶

آخرت کا خوف :

نہایت رقیق القلب اور آخرت کے خوف سے لرزاں رہتے تھے، وفات سے کچھ دیر پہلے آپ پر بے حد گریہ طاری ہوا، لوگوں نے سبب دریافت کیا تو فرمایا کہ جس وقت میں بارگاہ قدس میں کھڑا کیا جاؤں گا اور مجھ سے سوال ہوگا کہ مقامِ رے تک کون سی چیز لائی؟ رضائے الہی کی جستجو اور تلاش یا جہاد فی سبیل اللہ تو میں اس وقت کیا جواب دوں گا۔ (یعنی اس میں سے کوئی چیز بھی نہیں) اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ اسلاف کسی نیک مقصد کے بغیر گھر سے باہر نکلنا پسند نہیں کرتے تھے۔

علم و فضل :

امام محمدؐ کے صحیفہ زندگی میں تمام انسانی اوصاف بدرجہ اتم موجود تھے لیکن علم و فضل کے نقوش ان میں سب سے زیادہ نمایاں اور ظاہر تھے۔

ان کے علم و فضل کا صحیح اندازہ تو ان کی کتابوں کے مطالعہ ہی سے ہو سکتا ہے، اس کا موقع ہر شخص کو کہاں نصیب ہو سکتا ہے اس لئے دوسروں نے ان کی زندگی پر جو روشنی ڈالی یہ، اسے یہاں نقل کیا جاتا ہے، اس آئینہ میں ان کی علمی تصویر کا کچھ نہ کچھ عکس نظر ہی آجائے گا۔

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر امام محمدؐ کی صحبت نصیب نہ ہوئی ہوتی تو مجھ پر علم کا دروازہ نہ کھلتا وہ کسی مسئلہ پر تقریر کرتے تو ان کی فصاحت لسانی کی وجہ سے معلوم ہوتا تھا کہ قرآن مجید ان ہی کی زبان میں نازل ہوا ہے۔ فرماتے تھے کہ میں نے ان سے ایک اونٹ کے بوجھ کے برابر علم حاصل کیا ہے۔

امام احمد بن حنبلؒ سے دریافت کیا گیا کہ آپ نے یہ دقیق مسائل کہاں سے حاصل کئے ہیں فرمایا کہ محمد بن حسن کی کتابوں سے۔ امام مزنی کے سامنے کسی نے کہا قال محمدؐ، انہوں نے پوچھا کون محمدؐ؟ قائل نے کہا محمد بن حسن، انہوں نے فرمایا،

مرحباً بمن یملأ الآذان سمعاً والقلب فهماً^۱

”مرحباً اس شخص پر جو کان کو سماع اور قلب کو فہم سے بھر دیتا ہے۔“

امام ابو حفصؒ فرماتے ہیں کہ معلوم ہوتا تھا کہ وہ صرف علم کے لئے پیدا کئے گئے ہیں۔

محمد بن سلامؒ فرماتے ہیں کہ میں نے امام محمدؐ کی کتابوں کے حصول پر دس ہزار درہم صرف کئے، اگر مجھے پہلے ان کتابوں کی اہمیت کا اندازہ ہو گیا ہوتا تو میں دوسری طرف متوجہ ہی نہ ہوا ہوتا۔

۱۔ جواہر مفیہ جلد ۲ ص ۵۲۳ و کردری ۲۔ جواہر مفیہ جلد ۲ ص ۵۲۹ ۳۔ بلوغ الامانی ۵۵
۴۔ ترجمہ امام محمدؐ ۵۴ و تاریخ بغداد ۵۔ ترجمہ امام محمدؐ ص ۵۴ و تاریخ بغداد ۶۔ بلوغ ۵۵ ۷۔ کردری جلد ۲ ص ۱۵۲

امام ذہبی لکھتے ہیں کہ امام ابو یوسفؒ کے بعد فقہ کی ریاست امام محمدؒ کی طرف منتہی ہو گئی تھی۔ ان سے ائمہ کرام نے تفقہ حاصل کیا ہے۔

امام مزنیؒ امام محمدؒ کے تلامذہ کے بارے میں فرمایا کرتے تھے کہ خدا کی قسم جب وہ کسی مسئلہ پر گفتگو کرتے تھے تو کان کو بھر دیتے تھے، اور فقہاء پر علم کے دروازے کھول دیتے تھے۔ ان کے اصحاب نے اس تعریف پر تعجب کا اظہار کیا تو انہوں نے فرمایا کہ جتنی تعریف میں نے کی ہے۔ امام شافعی اس سے زیادہ ان کی تحسین کرتے تھے۔

قاضی کامل المروزی فرماتے تھے کہ میں نے امام محمدؒ جیسا عمدہ املا کرانے والا نہیں دیکھا۔

علم کی ذمہ داری کا احساس :

علم دین میں اخلاص اور اس کی ذمہ داری کا احساس علم کی روح ہے، اگر یہ چیز نہ ہو تو علم صاحب علم کے لئے وبال اور باعث عذاب ہے، امام محمدؒ کے صحیفہ زندگی میں یہ وصف بہت نمایاں ہے کہ انہیں علم دین میں اخلاص اور اس کی ذمہ داری کا پورا پورا احساس تھا، بہت کم سوتے تھے رات کا زیادہ حصہ درس و تدریس اور مطالعہ و تصنیف میں گذرتا، گرمیوں میں گرنا اتار دیتے، اور اپنے سامنے ایک طشت میں پانی رکھ لیا کرتے تھے، جب غنودگی طاری ہونے لگتی تو بدن پر چھینٹے دیتے تھے، لوگوں نے آپ سے اس کم خوابی اور زحمت کشی کی وجہ دریافت کی تو فرمایا! کہ

كيف انام وقد نامت عيون المسلمين توكل علينا ويقلون اذا وقع لنا امر وفعناه اليه فيكشفه لنا فلانامت ففيه تضيع المدين

”میں کیسے سو سکتا ہوں جب عام مسلمان ہم پر اعتماد اور یہ خیال کر کے سو رہے ہیں کہ جب ہمارے سامنے کوئی معاملہ یا نیا مسئلہ پیش آئے گا تو ان کے (امام محمدؒ) پاس لے جائیں گے وہ اسے واضح کر دیں گے اگر میں سو جاؤں تو اس سے دنیا کا نقصان ہوگا۔“

یہی وجہ تھی کہ اللہ تعالیٰ نے علم کے تمام دروازے ان کے لئے وا کر دیئے تھے۔

قرآن کی تلاوت اس میں تدبر و تفکر اور استخراج مسائل :

قرآن کے حافظ تھے، روزانہ ایک ثلث قرآن کی تلاوت کا معمول تھا۔ قرآن میں تدبر و تفکر اور اس سے استخراج مسائل امام ابو حنیفہؒ کی درس گاہ کی خاص خصوصیت تھی۔ امام محمدؒ میں وہ خصوصیت بدرجہ اتم موجود تھی۔

چنانچہ وہ فرماتے ہیں :

استخرجت من کتاب اللہ نیفا والفاء مسئلۃ^۱

میں نے قرآن سے ایک ہزار سے کچھ زیادہ مسئلے مستنبط کئے ہیں۔

ابو عبیدہؓ فرماتے ہیں میں نے امام محمدؒ سے بڑھ کر کتاب اللہ کا عالم نہیں دیکھا^۲۔ اسی طرح کا ایک مقولہ امام شافعیؒ سے بھی منقول ہے۔ مارایت اعلم بکتاب اللہ من محمد بن حسن۔ (کروری جلد ۲ ص ۱۵۶)

حدیث :

امام محمدؒ نے اس وقت کے تمام ممتاز شیوخ حدیث سے سماع اور استفادہ کیا تھا، خصوصیت سے امام مالکؒ کی روایتوں کے وہ بہترین حافظ و امین سمجھے جاتے تھے۔ ان کی روایتوں کے درس کے لئے انہوں نے ایک خاص دن مقرر کر لیا تھا۔ اسد بن فرات کا بیان ہے کہ امام مالکؒ کی وفات کے بعد جس دن امام محمدؒ ان کی مرویات کا درس دیتے تھے، اس دن اس قدر ہجوم ہوتا تھا کہ راستہ بند ہو جاتا تھا، حدیث و آثار میں ان کی دقت نظر اور وسعت معلومات کا صحیح اندازہ اس فن میں اس کی تصنیفات ہی سے کیا جاسکتا ہے، جس کی تفصیل تصنیفات کے باب میں آئے گی۔

غلط فہمی :

امام صاحب اور ان کے تلامذہ کے متعلق عام طور پر ہی غلط فہمی تھی کہ وہ حدیث کے مخالف اور قیاس کے دلدراہ ہیں۔ چنانچہ امام محمدؒ بھی اس سوء ظنی کا شکار تھے، اسی وجہ سے اکثر منقول پسند طبعیتیں ان سے گریز کرتی تھیں، محمد بن ساعد کا بیان ہے میں عیسیٰ بن ابان (شیوخ حدیث میں تھے) کو برابر امام محمدؒ کے درس میں شریک ہونے کی ترغیب دیا کرتا تھا لیکن وہ کہا کرتے تھے کہ جس درس میں حدیث کی مخالفت کی جاتی ہو اس میں شریک نہیں ہو سکتا۔ ایک روز کسی طرح محمد بن ساعد انہیں امام محمدؒ کے درس میں لے آئے اور ان سے کہا کہ عیسیٰ بن ابان جنہیں حدیث میں بڑا درک ہے وہ کہتے ہیں کہ ہم لوگ حدیث کی مخالفت کرتے ہیں۔ امام محمدؒ نے ان سے فرمایا کہ آپ لوگوں کو غلط فہمی ہے کہ ہم حدیث کے مخالف ہیں جب تک آپ ہم سے حدیث کا سماع نہ کر لیں۔ اس وقت تک آپ کو یہ فیصلہ نہ کرنا چاہئے تھا، حدیث کے بارے میں جو کچھ آپ کو پوچھنا ہو پوچھیے، عیسیٰ بن ابان نے احادیث کے

کچھ ابواب و مضامین کے متعلق سوالات کئے۔ امام محمد نے تمام کا یکے بعد دیگرے جواب دیا اور ان کے دلائل و شواہد، نسخ و منسوخ کی پوری توضیح کی۔

محمد بن ساعد کا بیان ہے کہ عیسیٰ بن ابان جب درس سے اٹھے تو انہوں نے مجھ سے کہا کہ میرے اور اس روشنی (امام محمد) کے درمیان ایک پردہ حائل تھا جو آج اٹھ گیا۔

اس کے بعد سے عیسیٰ بن ابان کو امام محمد سے اس قدر تعلق خاطر ہوا کہ وہ حلقہ اصحاب میں داخل ہو گئے۔ اور امام محمد کی کتاب الحج جو انہوں نے شیوخ مدینہ کے رو میں لکھی تھی اہل مدینہ تک عیسیٰ بن ابان ہی کے ذریعہ پہنچی۔

خود امام شافعیؒ نے اس غلط فہمی کو دور کر دیا ہے، وہ فرماتے ہیں کہ میں نے امام محمد کی کتابوں کو ساٹھ دینار صرف کر کے حاصل کیا، پھر ان میں غور کیا تو ہر مسئلہ کی حدیث سے تائید پائی۔
قیاس کے مقابلہ میں حدیث کو ترجیح :

حدیث کو قیاس کے مقابلہ میں بہر حال ترجیح ہے، امام صاحب اور ان کے اصحاب و تلامذہ سب اس کے قائل تھے لیکن انہوں نے حدیث احاد کے قبول کرنے کے کچھ شرائط و حدود مقرر کر دیئے تھے، انہی شرائط کی بنا پر لوگوں نے ان کی طرف سے بہت سی بدگمانیاں قائم کر لی تھیں لیکن اگر ان کے منشاء و مقصد پر غور کیا جائے و بدگمانی کی کوئی بات باقی نہیں رہ جاتی۔

چنانچہ امام صاحب نے متعدد بار اس غلط فہمی کو دور کرنے کو کوشش کی۔ عقود الجہان وغیرہ میں امام صاحب کے بہت سے اقوال منقول ہیں۔ امام جعفر صادق سے جو انہوں نے گفتگو کی تھی اس میں بھی اس خیال کا اظہار کیا تھا۔

امام محمد کی طرف سے بھی یہ بدگمانی تھی اس لئے انہوں نے متعدد جگہ اس غلط فہمی کو دور کیا ہے، اس بحث میں کہ نماز میں قہقہہ ناقض وضو ہے یا نہیں، لکھتے ہیں:

لولا ما جاء من الآثار كان القياس ما قال اهل المدينة ولا كن لا قياس مع اثر ولا ينبغي الا ان نيقاد للآثار

”اگر حدیث و آثار سے ثابت نہ ہوتا تو قیاس کا فیصلہ وہی ہوتا جا اہل مدینہ کہتے ہیں، لیکن حدیث و آثار کی موجودگی میں قیاس کوئی چیز نہیں ہے ہم کو صرف آثار ہی کی پیروی کرنی چاہئے۔“

روایت میں احتیاط :

قبول روایت میں امام محمد کی سختی کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ وہ اہل عدل کے متعلق فرماتے تھے کہ ایسے اہل عدل جن کا عقیدہ ہے کہ جو کاذب ہے وہ صرف فاسق ہے ان کی روایت قبول کرنے سے کہیں بہتر ہے کہ اہل ہوی کی روایت قبول کر لی جائے۔ جن کا عقیدہ ہے کہ جو کاذب ہے وہ کافر ہے۔^۱

کذب سے کوئی کافر نہیں ہوتا مگر اس زمانہ میں جھوٹی روایتوں کی بہتات اور ان کے قبول کرنے میں عدم اعتنا کی بنا پر امام محمد کی یہ سختی اور احتیاط بالکل درست ہے۔
اپنی کتابوں کی روایت میں قیود :

عموماً ایسا ہوتا ہے کہ لوگ روایت کے منشاء و مقصد کو نہیں سمجھتے لیکن روایت کرنا شروع کر دیتے ہیں، جس کی وجہ سے بہت سی غلط باتیں رواج پا جاتی ہیں۔ امام محمد نے اسی وجہ سے اپنی کتابوں کی روایت کرنے میں یہ قیود لگا دی تھیں۔

لا یحل لا حد ان یروی عن کتبنا الا ما سمع او علم مثل ما علمنا^۲
”ہماری کتابوں کی روایت کا حق صرف اس شخص کو ہے جو براہ راست سنے یا ہماری طرح (منشاء و مقصد کا) علم رکھتا ہو۔“

فقہ :

امام محمد کی شہرت اور ان کا صلی شریف و امتیاز فقہ سے وابستہ ہے، دوسرے علوم میں تو اور اہل فن کی طرف بھی رجوع کیا جاتا تھا، لیکن اقلیم فقہ کے وہاں وقت تنہا تاجدار تھے، امام شافعی نے ان سے تفقہ حاصل کیا تھا۔ اسد بن فرات امام مالک کے شاگرد جنہوں نے فقہ مالک کی بنیاد رکھی تھی، امام محمد کے سامنے زانوئے تلمذتہ کر چکے تھے۔

امام احمد بن حنبل کا قول اوپر نقل کیا جا چکا ہے کہ وہ فرماتے تھے فقہ کے تمام دقیق مسائل میں نے امام محمد سے اخذ کئے ہیں، امام محمد کی ذات کو ائمہ اربعہ کی فقہ کا مخرج قرار دینا بے جا نہ ہوگا اور اس میں تو کسی شبہ کی گنجائش نہیں ہے کہ مذہب اربعہ میں جتنی تدوین و تصنیف ہوئی۔ امام مالک امام محمد کے استاد ہیں لیکن فقہ میں علماء امام محمد کو امام مالک سے افقہ سمجھتے تھے۔

یحییٰ بن صالح سے جوشیوخ بخاری میں ہیں، پوچھا گیا کہ آپ نے امام مالک اور امام محمد

دونوں بزرگوں کی رفات کی ہے ان میں کون زیادہ افقہ تھا، انہوں نے فرمایا کہ محمد بن حسن افقہ امام مالک، امام محمد امام مالک سے زیادہ فقیہ تھے^۱۔

امام شافعیؒ فرماتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے میری مدد فرمائی کہ حدیث میں ابن عیینہ اور فقہ میں امام محمد کا تلمذ نصیب ہوا^۲۔ فرماتے تھے کہ میں نے امام محمدؒ جیسا فقیہ نہیں دیکھا میں فقہ میں ان کا سب سے زیادہ ممنون ہوں کہ ان کا قول ہے کہ میں نے فقہاء میں امام محمدؒ جیسا فقہ میں بصیرت رکھنے والا کسی کو نہیں پایا، جن مسائل کے اسباب و علل کی تلاش سے اکابر عاجز رہ جاتے تھے وہ ان مسائل کو آسانی سے حل کر دیتے تھے^۳۔

ایک مرتبہ کسی نے امام شافعیؒ سے مسئلہ دریافت کیا اور انہوں نے جواب دیا، مسائل نے ان سے کہا کہ فقہاء آپ کی رائے سے اختلاف رکھتے ہیں، امام نے فرمایا کہ تم نے محمد بن حسن کے علاوہ کسی فقیہ کو دیکھا بھی ہے، میں نے ان کے جیسا گداز بدن ذکی آدمی نہیں دیکھا، ان کے کہنے کا مطلب یہ تھا کہ میں نے امام محمدؒ کی صحبت اٹھائی ہے۔ اب ان کے مقابلہ میں کسی فقیہ کی رائے وزنی ہو سکتی ہے کہ میں اس کی پرواہ کروں^۴۔

تفریع مسائل :

امام ابو حنیفہؒ نے جس فقہ کی تخم ریزی کی تھی اس کی آبیاری اور نشوونما میں تین بزرگوں امام ابو یوسفؒ، امام محمدؒ اور امام زفرؒ نے خاص طور پر حصہ لیا تھا، لیکن ان میں سے بھی ہر ایک کی خصوصیت جدا جدا تھی۔ امام مزنی نے ہر ایک کی خصوصیت پر بڑی اچھی رائے دی ہے کسی نے ان سے اہل عراق کے بارے میں سوال کیا تو انہوں نے فرمایا:

ابو حنیفہ سیدہم و ابو یوسف اتبعہم للحديث و محمد بن حسن
اکثرہم تفریعاً و زفر احدہم قیاساً^۵

”امام ابو حنیفہ اہل عراق کے سردار ہیں، امام ابو یوسف ان سب سے متبع حدیث ہیں اور امام محمد نے ان سب سے زیادہ مسائل کی تفریع کی ہے، امام زفر سب سے زیادہ قیاس تھے۔“

فقہ میں امام محمدؒ کی اصلی خصوصیت یہی تفریع اور تولید مسائل ہے، تفریع کا مطلب یہ ہے کہ مستحب مسائل کی علت مشترکہ تلاش کر کے اس کی روشنی میں دوسرے مسائل پیدا کئے جائیں،

۱۔ بلوغ ص ۱۴ ۲۔ جواہر مضیہ ۲۔ ص ۵۲۷ و ۵۲۸ ۳۔ ترجمہ امام محمد ذہبی۔ ص ۵۵ و ۵۶ دروری ۲۔ ص ۱۵۰

۴۔ بلوغ ص ۵۵ ۵۔ ایضاً ۶۔ تاریخ بغداد جلد ۲۔ ص ۱۷۶

تفریع مسائل ہر شخص کا کام نہیں ہے، اس کے لئے دینی علوم میں تجربہ، ادب و لغت سے واقفیت اور غیر معمولی ذہانت کی ضرورت ہے۔ امام محمد میں یہ تمام خصوصیتیں بدرجہ اتم موجود تھیں جن کی تفصیل اوپر آچکی ہے۔

اجتہاد و استنباط :

اجتہاد و استنباط یعنی براہ راست قرآن و حدیث سے مسائل پیدا کرنا، یہ تفریع سے زیادہ مشکل کام ہے۔ استنباط مسائل کے لحاظ سے امام محمدؒ کو اجتہاد کا درجہ حاصل تھا۔ اور استنباط و اجتہاد کے لئے فقہاء نے جو قیود و شرائط لگائے ہیں وہ ان پر پورے اترتے تھے۔ لیکن اس کے باوجود وہ اپنے کو صاحب مذہب نہیں بلکہ متبع امام ابوحنیفہ ہی کہتے رہے۔

اوپر ذکر آچکا ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ میں نے ایک ہزار سے زائد مسئلے براہ راست قرآن سے مستنبط کئے ہیں۔ ابوعلی فارسی فرماتے ہیں کہ اہل بصرہ کو البیان والتبیین، کتاب الحیوان، کتاب سیبویہ اور کتاب العین پر فخر ہے۔ لیکن ہمیں (یعنی اہل کوفہ کو) ان ۲۵ ہزار مسئلوں پر ناز ہے جنہیں امام محمد نے مستنبط کئے ہیں، ان کے اجتہاد و استنباط کا پورا اندازہ ان کی کتابوں کے مطالعہ ہی سے ہو سکتا ہے۔

معاملات سے واقفیت پیدا کرنے کے سلسلہ میں کد و کاوش :

معاملات کے بیشتر مسائل کا مدار عرف اور تعامل پر ہے لیکن یہ چیزیں ہمیشہ بدلتی رہتی ہیں، آج جو چیز بھی عرف عام اور فقہاء کی اصطلاح میں عموماً بلوی (عام تعامل) میں داخل ہے ضروری نہیں کہ وہ عرف و تعامل کل بھی باقی رہے، کسی زمانہ میں نبیذ سے وضو کے جواز و عدم جواز کا سوال تھا۔ لیکن آج سوڈا واٹر کی قسم کی چیزوں کے متعلق سوال کیا جاتا ہے، اس لئے ایک مجتہد کے لئے ضروری ہے کہ وہ عرف قدیم اور عرف جدید سے واقف اور اس پر پوری نظر رکھتا ہو، امام محمدؒ کی یہ خاص خصوصیت تھی کہ وہ معاملات کے عرف و تعامل کو سمجھنے کی کوشش کرتے اور ان سے واقفیت پیدا کرنے کے لئے خود اہل حرفہ اور پیشہ وروں کے پاس جاتے تھے۔

حسن بن شہوب فرماتے ہیں کہ:

رایت محمداً یذهب الی الصباغین ویسئال عن معاملاتهم وما

یدبرونہا فیما بینہم (مکروری جلد ۲، ص ۱۵۲)

”میں نے امام محمد کو دیکھا کہ وہ رنگریزوں کے پاس خود جاتے اور ان سے مل کر ان کے

معاملات اور معاملات میں وہ جو کچھ تبدیلی پیدا کرتے رہتے تھے اس کے متعلق معلومات حاصل کرتے تھے۔

ایک مجتہد کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ قرآن و حدیث پر اس حیثیت سے نظر رکھے کہ کون سی آیت یا حدیث منسوخ اور کون ناخن ہے۔ اور اس بات کا بھی پورا علم ہو کہ قرآن و حدیث میں جو چیزیں حرام یا حلال کی گئی ہیں ان کی علت مشترکہ کیا ہے تاکہ دوسری چیزیں جن کی علت یا حرمت کے متعلق کوئی تصریح نہیں ہے ان پر حلال یا حرام ہونے کا حکم لگایا جاسکے۔ امام محمد اس حیثیت سے بھی قرآن و حدیث پر مجتہدانہ نظر رکھتے تھے، امام شافعیؒ فرماتے ہیں میں نے امام محمد جیسے ناخن و منسوخ اور حلال و حرام اور ان کی علتوں کا جاننے والا نہیں دیکھا۔

اہل اجتہاد کے بارے میں ان کی رائے :

اہل اجتہاد کے خطا و صواب کے بارے میں امام محمدؒ نے اپنے تلامذہ کو یہ اصول لکھوا دیا تھا کہ جب کسی مسئلہ کی حلت و حرمت میں مجتہدین کا اختلاف ہوتا ہے اور ایک ہی چیز کو ایک مجتہد حرام اور دوسرا حلال بتاتا ہے تو اللہ تعالیٰ کے نزدیک صحیح اور حق تو ایک ہی ہوگا، یہ نہیں ہو سکتا کہ ایک وقت میں کوئی چیز حلال و حرام دونوں ہو۔ اب جو مجتہد اپنے اجتہاد میں مصیب ہوگا اسے اپنے خلوص اور فرض کی ادائیگی، کدو کاش اور اصابت رائے کا اجر ملے گا اور جو مصیب نہ ہوگا اس کو بھی اپنے خلوص اور محنت کا اجر ملے گا لیکن ماجرہ ہونے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اس کا قول اللہ تعالیٰ کے نزدیک حق بھی ہوگا۔

اس اصول کے اعلان کرنے کے بعد آپ نے تلامذہ سے فرمایا کہ اس بارے میں امام ابوحنیفہؒ، امام ابو یوسفؒ اور میری سب کی ایک ہی رائے ہے۔

جو لوگ امام صاحب اور ان کے اصحاب پر مصوبہؒ ہونے کا الزام لگاتے ہیں۔ اس اصول سے ان کے الزام کی پورے طور پر تردید ہو جاتی ہے۔

دوسرے علوم :

ان دینی علوم کے علاوہ ادب و لغت، یاضی اور نحو میں بھی انہیں پورا نثر حاصل تھا، جو اہر مضیہ میں ہے کہ وہ عربیت، نحو اور ریاضی میں ماہر امام تھے (جلد ۲ ص ۴۲)۔ امام ابو بکر رازی فرماتے ہیں کہ میں ابوعلی فارسی (مشہور نحوی) سے امام محمد کی جامع کبیر پڑھا کرتا تھا، وہ اکثر فرماتے تھے کہ مجھے

۱۔ کروری ۲ ص ۵۷ بلوغ الامانی ص ۵۵ ۲۔ ترجمہ امام محمد ذہبی ص ۵۳ بلوغ الامانی ص ۴۶، ۴۷

۳۔ یعنی وہ لوگ جو دونوں صورتوں کی تصویب کرتے تھے۔

حیرت ہے کہ محمد بن حسن کوفن نحو میں کس قدر ید طولی حاصل تھا۔ جمہور علماء اور خصوصاً امام ابن تیمیہ نے ان کی عربیت کا بے حد اعتراف کیا ہے۔ فرائض کے مسائل میں انہوں نے جو دقیق و تفصیل کی ہے اس سے ان کے ریاضی دانی کا پورا پورا اندازہ ہو جاتا ہے۔

فصاحت و بلاغت :

گو وہ عربی النسل نہیں تھے لیکن ان کی فصاحت و بلاغت اور عربیت کا تمام ائمہ فن کو اعتراف تھا۔ امام شافعی جن کی عربی دانی مسلم ہے فرماتے ہیں کہ محمد بن حسن کی فصاحت زبان کی وجہ سے اگر میں یہ کہوں کہ قرآن ان کی زبان میں نازل ہوا ہے تو بے جا نہ ہوگا۔ ایک دوسرے مقولہ ہے کہ میں نے ان کے جیسا فصیح نہیں دیکھا، فرماتے تھے کہ میں پہلی بار جب ان کی خدمت میں حاضر ہوا تو ایک اختلافی مسئلہ پوچھا، انہوں نے مسئلہ کی توضیح شروع کی تو میں اس خیال میں تھا کہ وہ زبان کی کوئی غلطی ضرور کریں گے لیکن وہ تیر کی طرح صفائی سے نکل گئے اور کوئی معمولی سی بھی غلطی نہیں کی۔ جب وہ مسائل پر گفتگو کرتے تھے تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ قرآن کا نزول ہو رہا ہے۔

مسلک :

امام محمدؒ کے زمانہ سے پہلے ہی عجمیوں کے اثر سے مسلمانوں میں بھی ذات و صفات وغیرہ کے بارے میں بہت سے فرقے پیدا ہو گئے تھے، ان میں معتزلہ، خوارج، شیعہ، مرجیہ، قدریہ اور جہمیہ وغیرہ بہت زیادہ مشہور تھے۔ ہر فرقہ اپنے خیالات اور نظریات کو ثابت کرنے کے لئے قرآن و حدیث کی آڑ لی تھی اور اسی کو اپنا ماخذ قرار دیتا تھا، اس لئے فقہاء و محدثین کو بھی اپنے درس میں ضمناً ان مسائل پر بحث اور رد و قدح کرنی پڑی تھی۔ چونکہ ان مسائل میں سے ہر مسئلہ کی بنیاد قرآن کی کوئی آیت یا حدیث نبوی ہی تھی اس لئے اس بارے میں ہر فقیہ اور ہر محدث کی رائے ایک نہیں ہو سکتی تھی اس بناء پر خود علماء مختلف جماعتوں میں بٹ گئے تھے۔ اور ہر جماعت اپنی رائے کو صواب اور دوسرے کی رائے کو نا صواب کہتی تھی بلکہ بسا اوقات اس اختلاف کی وجہ سے ایک دوسرے کو فاسق فاجر اور متبدع بھی ٹھہراتی تھی۔

لیکن ان میں بعض مسائل بالکل فروغی اور ان میں بھی اختلاف نزاع لفظی یا غلطی فہمی پر مبنی تھا، مثلاً اس مسئلہ میں کہ قرآن حادث ہے یا قدیم علماء کے درمیان بڑی معرکہ آریاں ہوئیں۔ لیکن اگر غور سے دیکھا جائے تو یہ اختلاف سراسر غلط فہمی پر مبنی ہے، جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ قرآن قدیم ہے اس سے ان کی مراد یہ ہے کہ خدا کی صفت کلام جس کا ایک مظہر قرآن ہے کلام الہی کی حیثیت سے وہ قدیم

ہے لیکن یہ قرآن جو ہمارے سامنے کاغذ پر لکھا ہوا موجود ہے وہ مخلوق و حادث ہے اور اس میں کوئی عقلی اور شرعی قباحت نہیں ہے۔

جو لوگ اس کے مخلوق اور حادث ہونے کے قائل ہیں اس سے ان کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح خدا کی صفت خلق اور صفت علم کے مظاہر (انسان و حیوان) مخلوق و حادث ہیں۔ اسی طرح اس کی صفت کلام کا مظہر یہ قرآن ہے اس لئے ایک مظہر کی حیثیت سے وہ بھی حادث و مخلوق ہے ورنہ اس کی اصل صفت کلام تو قدیم ہے، اس میں کوئی قباحت نہیں ہے دونوں راویوں کا حاصل ایک ہی ہے صرف طریقہ تعبیر میں فرق ہے۔

امام محمد کے سامنے بھی یہ مسائل پیش کئے گئے۔ لیکن امام صاحب کی طرح انہوں نے بھی ہمیشہ ان مسائل میں یا تو اعتدال کی راہ اختیار کی یا سلف صالحین کی طرح تحقیق و تدقیق سے گریز کرتے رہے۔ اسی اعتدال اور گریز کا نتیجہ تھا کہ بعض لوگوں نے امام صاحب کی طرح ان پر بھی جہمی و مرجی وغیرہ ہونے کا الزام لگایا لیکن یہ الزام صرف غلط فہمی کی بنا پر تھا۔ اس لئے ہم ایسی روایتیں نقل کرتے ہیں جن سے الزام کی تردید ہو جائیگی۔

امام محمد ”قرآن کے قدیم ہونے کے قائل تھے۔ ابو سلیمان جوزجانی فرماتے ہیں کہ میں نے امام محمد ”کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ

من قال القرآن مخلوق فلا تصلوا خلفه^۱

”جو شخص قرآن کے مخلوق ہونے کا قائل ہو اس کے پیچے نماز نہ پڑھو۔“

لیکن قدیم سے ان کی مراد وہی ہے، جس کی اوپر تشریح کی گئی ہے۔

ذات و صفات کے بارے میں جو احادیث صحیح طریقہ سے مروی ہیں، ان کے بارے میں

فرماتے تھے کہ

ان بذہ الاحادیث قدر و تھا الشقات فنحن نروہا ونو من بها

ولانفسرھا^۲

”ذات و صفات کے بارے میں جو احادیث صحیح سند سے مروی ہیں، ہم ان کی روایت

کرتے ہیں، ان پر ایمان رکھتے ہیں لیکن ان کی تفسیر و توضیح نہیں کرتے۔“

۱۔ بعض لوگوں نے بہت زیادہ مبالغہ سے کام لیا ہے اور اس کے حروف و الفاظ کی قدامت کے بھی قائل ہیں لیکن ان کا خیال عقلی و شرعی کسی حیثیت سے صحیح نہیں ہے ۲۔ بلوغ الامانی ص ۵۳ ۳۔ ایضاً ۴۔ ایضاً۔ بلوغ المعانی ص ۵۳

اس بارے میں ایک دوسری روایت اس سے بھی زیادہ صاف اور واضح ہے، فرماتے ہیں۔

اتفق الفقهاء كلهم من الشرق الى الغرب على ان الايمان بالقران والا
حاديث التي جاء بها الشقات عن رسول ﷺ وفي صفته البر
الله عز وجل من غير تفسير ولا وصف ولا تشبيه فمن فسر اليوم شيئا من
ذلك فقد خرج مما عليه النبي ﷺ وفارق الجماعة فانهم لم
يصفوا ولم يفسروا لكن اختلفوا بما في الكتاب والسنة ثم سكتوا فمن
قال بقول جهم فقد فارق الجماعة لانه قد وصفه بصفته
لا شيني. (بلوغ الاماني ص ۵۴)

”مشرق سے مغرب تک تمام فقہاء اس بات پر متفق ہیں کہ قرآن اور ان احادیث پر جن کو
ثقات نے روایت کیا ہے۔ اور اللہ عز وجل کی صفات پر بغیر کسی تفسیر و تشبیہ و توصیف کے
ایمان رکھنا چاہیے۔ جو شخص ان چیزوں کی تفسیر و توضیح کرتا ہے، وہ رسول اللہ ﷺ کے اور سلف
کے طریقہ سے علیحدہ روش اختیار کرتا ہے اس لئے کہ وہ اس کی توصیف و تفسیر نہیں کرتے
تھے جو کچھ کتاب و سنت میں تھا، اس کے مطابق فتویٰ دیتے تھے پھر خاموش ہو جاتے تھے۔
جس شخص نے جہم بن صفوان کی طرح بات کی وہ سلف کی جماعت سے خارج ہو گیا اس لئے
کہ جہم اللہ تعالیٰ کو ان اوصاف سے متصف کرتا تھا جس کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔“

ایک روایت میں ہے کہ وہ اپنے مسلک کی توضیح کرتے ہوئے فرماتے تھے، کہ
مذهبی و مذهب الامام (ابی حنیفہ) ابی بکر ثم عمر، ثم عثمان،
ثم علی رضی اللہ عنہم واحد (مناقب کروڑی ۲۔ ص ۱۶۲)
”میرا اور امام صاحب کا اور خلفائے راشدین سب کا مسلک ایک ہی ہے۔“

بلوغ الامانی میں حافظ زاہد الکوثری نے حسن بن زیاد سے جو روایت نقل کی ہے اس میں
امام ابو یوسفؒ کا نام بھی ہے۔

ان روایات سے پورے طور پر واضح ہو گیا ہوگا کہ ان کو اعمال و عقائد میں کتاب و سنت کے
اتباع اور سلف صالحین کے اسوہ کا کتنا خیال تھا لیکن اس اتباع اور سلفیت کے باوجود بعض لوگ امام
صاحب اور ان کے تلامذہ کے بارے میں اچھی رائے نہیں رکھتے تھے۔ امام محمد کو جب اس کی اطلاع
ہوتی تھی تو ان کے بارے میں یہ شعر پڑھتے اور خاموش رہتے تھے۔

محسودون وشر الناس منزلة
من عاش فی الناس یوماً غیر محسود^۱

ائمہ اور علماء کی رائے :

کسی شخص کی سوانح حیات کی تکمیل کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ اس کے متعلق اس کے معاصرین کے خیالات اور رائے معلوم کی جائے تاکہ اس آئینہ خانہ میں اس کی زندگی کے پورے خدوخال دیکھے جاسکیں۔

امام محمدؐ کے فضل و کمال پر ان کے معاصرین ائمہ اور علماء ہم زبان ہیں، اگر ان کے اقوال کو جمع کیا جائے تو ایک چھوٹا سا رسالہ تیار ہو جائے اس لئے ہم صرف چند ممتاز بزرگوں کے اقوال نقل کرتے ہیں :

امام صاحب اور امام مالکؒ نے ان کے متعلق جو رائے دی تھی اس کا ذکر اوپر آچکا ہے۔ امام شافعیؒ کے بھی بہت سے اقوال نقل کئے جا چکے ہیں دو چار اور مقولے جو نقل نہیں ہوئے ہیں وہ یہاں درج کئے جاتے ہیں۔

وہ فرماتے تھے کہ اگر فقہا انصاف سے کام لیں تو یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ انہوں نے امام محمدؐ جیسا فقیہ نہیں دیکھا (بلوغ ص ۵۵)۔ دوسرا مقولہ ہے کہ میں نے محمد بن حسن جیسا فقیہ نہیں دیکھا۔

ربیع کہتے ہیں کہ امام شافعیؒ نے امام محمدؐ کے بارے میں فرمایا!

ما رایت اعقل ولا افقه ولا ازهد ولا اورع ولا احسن نطقاً ولا
ایراذا من محمد بن الحسنؒ

”میں نے امام محمدؐ جیسا عاقل، فقیہ، زاہد، متقی، خوش تقریر اور بحث و نقد کرنے والا نہیں دیکھا۔“

امام ابراہیم حربیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے امام احمد بن حنبلؒ سے پوچھا کہ آپ کو ایسے دقیق مسائل کہاں سے معلوم ہوئے۔ فرمایا، میں نے محمد بن حسن کی کتابوں سے اخذ کیا ہے۔

مولانا عبدالحیؒ نے امام احمد کا یہ قول نقل کیا ہے کہ جب کسی مسئلہ میں تین آدمیوں کی رائے متفق ہو جائے۔ تو پھر کسی مخالف کا قول مسوع نہ ہوگا۔ لوگوں نے دریافت کیا کہ وہ تین آدمی کون ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ ابوحنیفہ، ابو یوسف اور محمد بن الحسنؒ۔

۱۔ بلوغ الامانی۔ ص ۳۵۔ ترجمہ امام ذہبی۔ ص ۵۲ ۲۔ تہذیب الاسماء امام نووی

۳۔ ترجمہ امام محمد ذہبی ۴۔ مقدمہ موطا امام محمد

تعدیل :

ابوسعید کا قول ہے کہ میں نے محمد بن الحسن جیسا عالم نہیں دیکھا^۱۔ علی بن المدینی جو جرح و تعدیل کے امام ہیں، امام محمد^۲ کے بارے میں ان کی رائے دریافت کی گئی، تو فرمایا کہ صدوق سچے ہیں۔^۳ (یعنی ان کی روایت قابل قبول ہے)۔

محدث ابوسلیمان جوزجانی کو ایک بار امام احمد نے لکھا کہ اگر آپ امام محمد کی کتابوں سے روایت کرنا چھوڑ دیتے تو ہم آپ کے پاس استفادۂ حدیث کے لئے حاضر ہوتے۔^۴ انہوں نے ان کے خط کی پشت پر لکھ دیا کہ آپ کا آنا نہ تو ہمیں بلند کر دے گا اور نہ نہ آنا پست کر دے گا۔ کاش میرے پاس امام محمد کی کتابوں کا اتنا ذخیرہ ہوتا کہ میں صرف انہی کی روایتیں بیان کرتا۔^۵

ذہبی نے لکھا ہے کہ امام شافعی^۶ نے حدیث میں امام محمد سے احتجاج کیا ہے۔^۷ میزان میں لکھتے ہیں :

کان محمد بن حسن من جود العلم والفقہ قویافی مالک۔^۸
”امام محمد علم اور فقہ کے سمندر تھے۔ اور امام مالک کی مرویات میں قوی تھے۔“

محدث دارقطنی جو امام صاحب اور ان کے تلامذہ کے بارے میں بڑی سخت رائے رکھتے تھے۔ انہیں بھی امام محمد کے فضل و کمال کا اعتراف کرنا پڑا ہے۔ ”غرائب مالک“ میں رفع یدین عند الركوع کے بارے میں فرماتے ہیں، کہ

حدث به عشرون نفرًا من الثقات الحفاظ منهم محمد ابن الحسن
الشیبانی یحییٰ بن سعید القطان وعبد الله بن المبارك وعبد
الرحمن بن مہدی وابن وهب وغيرهم۔^۹

”اس حدیث کو بیس ائمہ ثقات نے بیان کیا ہے۔ ان میں امام محمد یحییٰ بن سعید، عبد اللہ بن مبارک، عبد الرحمن بن مہدی اور ابن وہب وغیرہ ہیں۔“

۱۔ بلوغ الامانی۔ ص ۵۵ ۲۔ تاریخ بغداد و تعجیل المستفاد

۳۔ غالباً اس وقت امام ضعیف امام محمد کے علم و فضل اور ان کی کتابوں سے اتنے واقف نہیں ہوئے تھے۔

۴۔ مناقب کردری۔ جلد ۲۔ ص ۱۵۲ ۵۔ بلوغ الامانی۔ ص ۵۶ ۶۔ امام ذہبی کا یہ لکھنا صحیح نہیں ہے کہ وہ صرف امام مالک کی روایتوں میں قابل استناد ہیں۔ اس لئے کہ امام مالک جن سے انہوں نے تھوڑی مدت استفادہ کیا، ان کے بارے میں وہ قوی ہو سکتے ہیں، تو امام صاحب کی جن کی روایت اور علوم کی تفصیل میں انہوں نے اپنی عمر ختم کر دی۔ ان کے بارے میں کیوں کہ وہ قوی بلکہ اقویٰ نہ ہوں گے۔ ۷۔ حاشیہ ترجمہ امام محمد۔ ص ۵۸

دوسری روایت ہے کہ

لا يستحق محمد عندی الترك۔

”میرے نزدیک امام محمد (روایت میں) چھوڑنے کے قابل نہیں ہیں۔

عبداللہ بن علی فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے والد سے امام محمدؒ کے بارے میں دریافت کیا تو انہوں نے فرمایا، صدق سچے ہیں۔ امام ذہبی لکھتے ہیں :

انتهت الیہ ریاسة الفقه بالعراق بعد ابی یوسف وتفقه به الائمة

(ترجمہ : امام محمد ذہبی - ص ۵)

”عراق میں امام ابو یوسف کے بعد فقہ کی ریاست امام محمدؒ پر ختم ہو گئی اور ان سے ائمہ نے تفقہ حاصل کیا۔“

خطیب نے امام محمدؒ کے بارے میں جو جرح نقل کی ہے، اس کے متعلق ہم مولانا حبیب الرحمن شروانی مرحوم کا تبصرہ نقل کر دیتے ہیں۔ اس سلسلہ میں اس سے جامع توجیہ نہیں کی جاسکتی۔ فرماتے ہیں :

”خطیب نے امام محمدؒ کی بابت جرح بھی نقل کی ہے۔ جس میں بعض سخت ہیں۔ مگر قریباً ڈیڑھ ہزار برس کے زمانہ میں اکابر اُمت نے جو فیصلہ امام محمدؒ کی عظمت کے بارے میں کیا ہے، ظاہر ہے کہ اس کے مقابلہ میں کوئی جرح قائم نہیں رہ سکتی۔ خطیب کا قول ہے کہ جو قول میں آخر میں نقل کروں، وہی میری رائے ہے۔“ (تذکرۃ الحفاظ)

چنانچہ محمودیہ کا خواب جو سب سے آخر میں نقل کیا ہے، اس سے امام محمدؒ کی تعدیل کا فیصلہ خود خطیب کے اصول کے مطابق بھی ہو جاتا ہے۔ (معارف ۱۹۳۳ھ - اگست)

جرح کی غیر معتبر روایات :

اس اعتراف فضل و کمال کے باوجود انہی بزرگوں کی سند سے رجال و تذکرہ کی کتابوں میں امام محمدؒ کے بارے میں بعض ایسی روایتیں بھی مروی ہیں جو ان کے صحیفہ زندگی کا بد نما داغ معلوم ہوتی ہیں۔

لیکن اگر ان روایتوں کو اصول روایت و درایت پر پرکھا جائے تو مشکل ہی سے کوئی روایت درجہ استناد تک پہنچے گی۔ بفرض محال کوئی روایت اس معیار پر پوری اتر بھی جائے تو اس کو اگر دقت نظر

سے دیکھا جائے گا تو اس کی تہ میں کوئی نہ کوئی فقہی و کلامی اختلاف ضرور کارفرما ہوگا اسی فقہی اور کلامی اختلاف کا نتیجہ تھا کہ ائمہ رابعہ تک کو نشانہ ملامت اور سزاوارتحقیر ٹھہرا گیا، اور ان کے متعلق آج تک کتابوں میں ایسی روایتیں موجود ہیں، جن کی نسبت ایک معمولی انسان کی طرف بھی نہیں کی جاسکتی خصوصیت سے امام صاحب اور ان کے تلامذہ کے بارے میں عام طور پر یہ مشہور تھا کہ ”وہ اہل الرائے“ ہیں یعنی عقل کو نقل پر ترجیح دیتے ہیں، وہ مرجی اور چمپی ہیں وغیرہ وغیرہ۔

اس لئے امام محمدؒ کے بارے میں بھی انہی روایتوں کا مشہور ہو جانا کوئی تعجب خیز نہیں ہے۔ لیکن جن ائمہ کی سند سے یہ روایتیں بیان کی گئی ہیں ہم ان کے متعلق یہ خیال نہیں کر سکتے کہ انہوں نے کوئی ایسی بات زبان سے نکالی ہوگی یا ان سے کوئی ایسا عمل سرزد ہوا ہوگا جو ان کے مرتبہ سے فرودتر ہو۔ اس وجہ سے ہم کو ان کے قبول کرنے میں بڑی احتیاط سے کام لینا چاہئے۔

علامہ زاہد الکوثری نے تانیب الخطیب اور بلوغ الامانی میں ان تمام غلط روایتوں پر جو امام صاحب اور ان کے تلامذہ کے بارے میں مشہور ہیں، بڑی تفصیل سے تنقید کی ہے جو حصہ امام محمدؒ سے متعلق ہے ہم اس کا خلاصہ یہاں نقل کرتے ہیں۔

امام مالک کی طرف روایت منسوب ہے کہ ایک روز انہوں نے درس میں تلامذہ سے فرمایا کہ اہل عراق کی تکذیب نہ کرو نہ تصدیق بلکہ ان کو اہل کتاب کے درجہ میں رکھو۔ امام محمدؒ بھی مجلس میں موجود تھے جب امام مالکؒ کی نظر ان پر پڑی تو وہ بہت شرمندہ ہوئے۔^۱ علامہ زاہد الکوثری نے اس روایت پر کوئی جرح نہیں کی ہے، حالانکہ یہ روایت اس لئے صحیح نہیں ہو سکتی کہ یہ معلوم ہے کہ امام ابوحنیفہؒ جب دوبارہ دیار نبوی ﷺ کی زیارت کے لئے تشریف لے گئے تو امام مالکؒ نے ان سے استفادہ و مذکرہ کیا۔ اور جب تک وہ وہاں رہے بسا اوقات رات بھر مسجد نبوی میں یہ سلسلہ جاری رکھا۔ قاضی عیاض نے لکھا ہے کہ لیث بن سعد نے ایک دن امام مالک کو بند پٹے ہوئے دیکھا تو پوچھا کہ آپ بند پٹی رہے ہیں، امام مالک نے فرمایا کہ میں نے ابوحنیفہؒ کے ساتھ بند پٹی ہے پھر لیث سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ اے مصری وہ فقیہ تھے۔

فضائل ابوحنیفہ میں عبد العزیز الدردراوردی سے روایت ہے کہ

ان ما کان ينظر في كتب ابي حنيفة وينفع ينفع بها . (بلوغ ۱۹)

”امام مالک امام ابوحنیفہ کی کتاب کا مطالعہ کرتے تھے۔ اور ان سے فائدہ اٹھاتے تھے۔“

۱۔ بلوغ ۱۲ ۲۔ یہ کتاب چار حصوں میں ہے کتب خانہ ظاہریہ دمشق میں اس کا قلمی نسخہ موجود ہے۔

اس میں استفادہ و تعلم اور اعتراف فضل و کمال کے باوجود اہل عراق کے بارے میں جن میں امام صاحب بھی تھے، امام مالک کا کوئی ایسی بات کہنا جس سے امام صاحب یا ان کے تلامذہ کی امانت ہو مستبعد معلوم ہوتا ہے۔

امام محمدؒ اور امام شافعیؒ کے بارے میں غلط روایات :

امام محمدؒ سے امام شافعیؒ کے استفادہ و تعلم کا ذکر اوپر آچکا ہے اور امام شافعیؒ نے امام محمدؒ کے فضل و کمال کے بارے میں جن خیالات کا اظہار کیا ہے۔ اور امام محمدؒ نے ان کے ساتھ جو حسن سلوک کئے ہیں ان کا تذکرہ بھی بہ تفصیل ہو چکا ہے۔ لیکن اس کے باوجود ان بزرگوں کے بارے میں تذکرہ و تراجم کی کتابوں میں بعض ایسی روایتیں منقول ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ ان بزرگوں میں استاد و شاگرد اور معلم و متعلم کا تعلق نہیں تھا بلکہ ان میں آپس میں معاصرانہ چشمک تھی۔ اور دونوں ایک دوسرے کے مقابل تھے، اس لئے ضروری ہے کہ ان روایتوں کو معیار تنقید پر جانچا جائے۔

اوپر بیہقی کی سند سے امام رازی نے مناقب الشافعی میں یہ روایت نقل کی ہے کہ جب امام ابو یوسف اور امام محمدؒ نے دیکھا امام شافعیؒ کا حلقہ اثر بڑھ رہا ہے اور خلیفہ بھی ان سے متاثر معلوم ہوتا ہے تو ان کو امام شافعیؒ سے حسد پیدا ہوا اور انہوں نے ہارون کو کسی بہانہ سے ان کے قتل پر آمادہ کیا لیکن ہارون نے ایسا نہیں کیا۔
یہ روایت چند وجوہ کی بناء پر صحیح نہیں ہے۔

(۱) تمام اہل تذکرہ متفقہ طور پر لکھتے ہیں کہ امام شافعیؒ پہلی بار ۱۸۳ھ میں عراق آئے اور اس سے دو سال پہلے ۱۸۲ھ میں امام ابو یوسف کا انتقال ہو چکا تھا اس سے صاف ظاہر ہے کہ اس روایت کی کیا حیثیت ہے اب رہا امام محمدؒ کا حسد کرنا اور ہارون کو ان کے قتل پر آمادہ کرنا تو یہ بھی درایت اور روایت کی حیثیت سے صحیح نہیں ہے، حافظ ابن حجر جو خود شافعی المسلک ہیں، اس روایت کے نقل کرنے بعد لکھتے کہ

والذی نقل من محمد الحسن فی حق الشافعی لیس ثبابت

”جو کچھ سازش وغیرہ امام محمدؒ سے امام شافعیؒ کے متعلق مروی ہے وہ اس کا ثبوت نہیں ملتا۔“

(۲) امام شافعیؒ جس وقت عراق تشریف لائے تھے ان کو فقہ میں کوئی دست درس نہیں تھی،

موطا جسے انہوں نے امام مالک سے براہ راست سماع کیا تھا اس کی بعض روایتیں بھی وہ اپنی کتاب میں امام محمد کے واسطے سے نقل کرتے ہیں۔ اس لئے اس دونوں بزگوں میں حسد کی کوئی مشترک وجہ نہیں معلوم ہوتی اور نہ بظاہر معاصرانہ چشمک کی وجہ سمجھ میں آتی ہے۔

(۳) اور امام محمدؒ کے متعلق معلوم ہوتا ہے کہ وہ خلفاء و علماء سے زیادہ ملنا پسند نہیں کرتے تھے انہوں نے عہدہ قضا جو ایک خالص دینی کام تھا اس بناء پر کہ اس کی وجہ سے دربار شاہی سے منسلک ہونا پڑے گا، قبول کرنے میں تامل کیا تھا۔ ایسے بے نیاز شخص کے متعلق یہ خیال کرنا کہ وہ خلفاء کے یہاں درخور حاصل کرنے کے لئے ایک مسلم اور پھر عزیز شاگرد کے قتل کی سازش کرے گا بالکل ہی مستبعد بات ہے۔

امام شافعی سے مناظرہ :

خطیب نے یہ روایت نقل کی ہے کہ ایک بار امام شافعیؒ اور امام محمدؒ سے مناظرہ ہوا، امام محمدؒ کے جسم پر باریک کپڑا تھا اور ان کی گردن کی تمام رگیں پھول گئی تھیں اور وہ غصہ میں زور زور سے چیخ رہے تھے یہاں تک کہ ان کے گریبان کے تمام مٹن کھل گئے۔ (جلد ۲، ص ۱۷۷)

اس روایت کے الفاظ بتاتے ہیں کہ یہ روایت موضوع ہے۔ چیتنے، رگ پھول جانے اور گریبان کے تمام مٹن کھل جانے میں کیا مناسبت ہے اس کے علاوہ یہ روایت سند کے اعتبار سے بھی کمزور ہے۔ اس میں دو راوی علیؒ اور آباو ضعیف نہیں بلکہ وضاع ہیں، ان کے یہاں وضاعین حدیث کا جھگھٹ لگا رہتا ہے۔ اور وضع حدیث ان کا خاص کام تھا۔ آباو امام صاحب اور ان کے تلامذہ کے بارے میں اس قسم کی روایتیں نقل کرنے میں بہت ہی بے باک ہے۔

قطع نظر اس سے خود تاریخ خطیب میں دوسری روایت جو اسی صفحہ میں درج ہے اس سے پہلی روایت کی تردید ہو جاتی ہے، ربیع فرماتے ہیں کہ مجھ سے امام شافعیؒ نے فرمایا:

ما ناظرت احدا الا تغیر وجهه ما خلا محمد بن الحسن۔

(جلد ۲، ص ۱۷۷)

”بجز امام محمدؒ کے میں نے جس سے بھی مباحثہ کیا اس کے چہرہ کا رنگ بدل گیا۔“

لیکن اس روایت میں بھی دو راوی ابن رازق اور ابو عمرو بن سماک ضعیف ہیں۔

اس سلسلہ کی صحیح روایتوں میں ناظرت کے بجائے سالت! (میں نے پوچھا) یا سأل

(پوچھا گیا) کالفاظ ہے، صمیر کی رنج کے حوالہ سے روایت کرتے ہیں کہ امام شافعیؒ نے فرمایا! کہ

ما سالت احدا عن مسئلة الا تبين لي تغير وجهه الا محمد بن

الحسن (بلوغ ۲۵)

”میں نے جب بھی کسی سے کوئی مسئلہ دریافت کیا تو اس کا چہرہ بدل گیا، بجز

محمد بن حسن کے۔“

حافظ ابن عبد البر کی روایت میں یہ الفاظ ہیں:

سمعت الشافعي يقول ما رأيت احدا اسئل عن مسئلة فيها نظر الا رايت

الكراهة في وجهه الا محمد بن الحسن (انقاء ۶۹)

”میں نے امام شافعی سے سنا ہے فرماتے تھے کہ جس سے کوئی مسئلہ پوچھا گیا میں نے اس

کے چہرے پر ایک گھبراہٹ دیکھی بجز محمد بن حسن کے۔“

مناقب کروری میں یہ روایت تقریباً انہی الفاظ میں ہے۔ (جلد ۲ ص ۱۵۶)

ان روایتوں سے یہ بات واضح ہو گئی ہوگی کہ امام محمد اور امام شافعیؒ میں جو علمی مذاکرے

ہوتے تھے ان کی حیثیت مناظرہ نہیں بلکہ ایک مستفید اور مفید کے درمیان سوال و جواب کی ہوتی تھی۔

امام صاحبؒ اور امام مالکؒ میں موازنہ :

خطیب نے اپنی تاریخ میں یہ روایت بھی نقل کی ہے کہ امام محمدؒ اور امام شافعیؒ کے درمیان اس

بارے میں بھی گفتگو ہوئی کہ امام ابو حنیفہؒ اور امام مالکؒ میں علم کے اعتبار سے کون افضل ہے۔ امام شافعیؒ

نے امام محمدؒ سے قسم دے کر پوچھا۔

هل تعلم ان صاحبی (مالک) كان اعلم بكتاب الله قال نعم قلت كان

عالمًا بحديث رسول ﷺ وقال نعم قال افما كان عاقلًا قال نعم قال افما

كان صاحبك (ابو حنيفة) جا هلا كتاب الله وبما جاء رسول الله قال

نعم . (جلد ۱۱ ص ۱۷۸)

”اس کا تو آپ کو علم ہے کہ میرے استاد امام مالک کتاب اللہ کے سب سے بڑے عالم ہیں،

امام محمد نے اثبات میں جواب دیا پھر پوچھا کہ وہ حدیث کے ممتاز عالم ہیں، بولے ہاں پھر کہا

کیا وہ عقل و فہم میں بڑھے ہوئے نہیں ہیں، بولے ہاں، پھر کہا کہ اور آپ کے استاد ابو حنیفہ

کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ دونوں سے ناواقف نہیں ہیں، بولے ہاں۔“

اس روایت میں دوراوی و علیج اور علی الابار ہیں، جن کے وضاع ہونے کی طرف ہم اوپر اشارہ کر چکے ہیں۔ حافظ ابن عبدالبر اور اتحق شیرازی نے بھی اس روایت کو اپنی کتابوں میں جگہ دی ہے لیکن ان سے کسی کی روایت میں امام صاحب کے جاہل ہونے کا ذکر نہیں ہے یہ صرف خطیب کی ایچ معلوم ہوتی ہے۔

اس سلسلہ میں جتنی روایتیں ہیں ان سب کے الفاظ میں بے حد اختلاف واضطراب ہے۔ جس سے متن کے ضعف کی طرف بھی قوی اشارہ ہوتا ہے۔ اور سند و متن کے ضعف قطع نظر اگر عقل و درایت کے معیار پر اس روایت کو پرکھا جائے تو اس کے موضوع ہونے میں کوئی شبہ باقی نہیں رہتا۔ اگر امام محمد کو یہ علم تھا کہ امام صاحب کتاب و سنت سے جاہل ہیں تو پھر امام صاحب سے تلمذ اور تعلم کی کیا وجہ تھی، کیا کسی جاہل کے سامنے بھی زانو سے تلمذ کیا جاتا ہے۔

امام شافعیؒ کا امام محمدؒ کے مقابلہ میں امام مالک کو صاحبی (میرے استاد) کہنا بھی صحیح نہیں ہے، اس لئے کہ امام شافعیؒ نے صرف آٹھ مہینے امام مالکؒ سے استفادہ کیا تھا لیکن امام محمدؒ مسلسل تین برس تک ان کی خدمت میں رہے اور سماع حدیث کیا اور پھر امام شافعیؒ کی روایت سے موطا کا کوئی نسخہ مروی نہیں ہے۔ لیکن امام محمدؒ کی روایت سے موطا کا نسخہ آج بھی موجود ہے۔

نیز امام محمدؒ نے امام شافعیؒ سے ایک روایت بھی امام مالکؒ کی سند سے نہیں کی ہے۔ لیکن امام شافعیؒ نے امام محمدؒ کے واسطے سے ان کی متعدد روایتیں اپنی کتابوں میں نقل کی ہیں ان وجوہ کی بنا پر امام مالک کو صاحبی کہنے کا حق تو امام شافعیؒ سے زیادہ امام مالک کو تھا۔ ظاہر ہے کہ یہ راویوں کی خود ساختہ روایت ہے اسی لئے روایت کی کوئی کل سیدھی نہیں ہے۔

امام محمدؒ ”دونوں اماموں کے فیض یافتہ تھے اس لئے ان دونوں بزرگوں کے درمیان صاحبی و صاحب کے لفظ سے موازنہ کرنا کسی طرح صحیح نہیں ہے، اس سلسلہ کی سب سے زیادہ صحیح روایت وہ ہے جسے قاضی ابوالعاصم نے اپنی مبسوط میں نقل کیا ہے۔ روایت ہے:

ان الشافعی سأل محمد ایما اعلم مالک و ابو حنیفة فقال محمد بماذا قال بکتاب اللہ فقال ابو حنیفة فقال من اعلم بسنة رسول اللہ فقال ابو حنیفة اعلم بالمعانی و مالک اهدی للا لفاظ.

”امام شافعی نے امام محمد سے پوچھا کہ امام ابو حنیفہ اور امام مالک میں کون بڑا عالم ہے، امام محمد نے پوچھا کس چیز میں، بولے کتاب اللہ کے علم میں۔ امام محمد نے کہا ابو حنیفہ، پھر

انہوں نے پوچھا سنت رسول اللہ کو کون زیادہ جانتا ہے، بولے ابو حنیفہ سنت کے معانی سے زیادہ واقف تھے اور امام مالک الفاظ سے۔

اس روایت کے الفاظ بتا رہے ہیں کہ دونوں اماموں کے بارے میں امام محمد ایسی ہی متوازن اور صحیح رائے دے سکتے تھے جس کی تائید واقعات سے بھی ہوتی ہے۔

یہ بات دوست دشمن سب کو معلوم ہے کہ امام صاحب استنباط مسائل میں سب سے پہلے قرآن کی طرف رجوع کرتے تھے۔ اور ان میں اس قدر شدت تھی کہ جب تک تلامذہ حفظ نہیں کر لیتے تھے وہ انہیں اپنی مجلس درس میں شریک نہیں کرتے تھے۔ جہاں تک ائمہ حدیث کی روایت و حفاظت کا تعلق ہے امام مالک یقیناً اس ذخیرے کے بہت بڑے حافظ و امین تھے۔ اور اس کے جمع کرنے میں انہوں نے بڑی سعی و جہد سے کام لیا تھا لیکن بہر حال یہ بات ماننی پڑے گی کہ امام مالک کی نظر احادیث کے الفاظ پر زیادہ اور معانی پر کم تھی اور امام صاحب کی نظر الفاظ پر کم اور معانی پر زیادہ ہوتی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ امام مالک کے مستنبط مسائل کی تعداد اتنی نہیں ہے جتنی امام صاحب کے مستخرج مسائل کی ہے کیونکہ استنباط اور استخراج کے لئے ضروری ہے کہ الفاظ سے زیادہ معانی پر نظر رکھی جائے۔ امام محمد نے اسکے بارے میں جو بات کہی ہے اس سے زیادہ کوئی منصفانہ بات نہیں کہی جاسکتی۔

امام ابو یوسف اور امام محمد کے اختلافات کی حقیقت :

اوپر معلوم ہو چکا ہے کہ امام محمد ”عہدہ قضا قبول کرنے سے گریز کرتے تھے۔ لیکن امام ابو یوسف ”مصلحت چاہتے تھے کہ وہ اسے قبول کر لیں۔ چنانچہ انہوں نے یحییٰ برمکی کے ذریعہ امام محمد کو اس طرح مجبور کر دیا کہ انہیں لاچار یہ عہدہ قبول کرنا پڑا۔ امام ابو یوسف کے اس اقدام سے امام محمد بہت کبیدہ خاطر اور ناراض ہوئے۔ اور ان کی یہ کبیدگی اس قدر بڑھی کہ انہوں نے امام ابو یوسف سے تقریباً ترک تعلق کر لیا لیکن ان کی یہ ناراضگی بے تعلقی، نفسانیت اور حصول اعزاز کے لئے نہیں تھی بلکہ یہ کہنا صحیح ہوگا کہ یہ اصول اور مصلحت کی جنگ تھی، یعنی امام محمد اسلاف اور خود امام صاحب کے اتباع کے خیال سے دربار شاہی سے منسلک ہونا نہیں چاہتے تھے۔ لیکن امام ابو یوسف اپنے مسلک کی اشاعت کے لئے ان کا اس عہد پر فائز ہونا مفید سمجھتے تھے۔

دونوں بزرگوں میں شکر رنجی اور وجہ اختلاف اتنی ہی بات پر تھی لیکن اس سلسلہ میں تذکروں اور فقہ حنفی کی کتابوں کے ذریعہ بے بنیاد اور غلط روایتیں رواج پا گئی ہیں اس لئے بہتر معلوم ہوتا ہے کہ ان پر ایک ناقدانہ نگاہ ڈالی جائے تاکہ اصل حقیقت واضح ہو جائے۔

کروری نے مناقب میں اور سرحسی نے شرح اسیر الکبیر میں اس اختلاف کی یہ وجہ بتائی ہے کہ امام محمدؒ کی ذکاوت و ذہانت اور ان کی طرف عام رجحان اور ان کے درس کی شہرت کی بناء پر امام ابو یوسفؒ ان سے حسد کرتے تھے، اور ان کی شہرت پر پردہ ڈالنے کی کوشش کرتے رہتے تھے، کہ اگر ہارون رشید کو، ان کے ان اوصاف کی اطلاع ہوگئی اور اس نے امام محمدؒ کو دربار شاہی سے منسلک کر لیا تو ان کی عزت کم ہو جائے گی۔

چنانچہ یہی چیز دونوں آدمیوں میں اختلاف اور منافرت کا سبب ہوئی، سرحسی ایک محقق آدمی ہیں، ان کی کتاب میں ایسی غلط روایت کا داخل ہو جانا بہت تعجب خیز معلوم ہوتا ہے، لیکن غالباً یہ روایت ان کو اس وقت پہنچی تھی جب وہ قید خانہ میں تھے، اور قید خانہ کی کھڑکی سے طلبہ کو املا کراتے تھے، اس لیے ان کو تحقیق کا موقع نہ ملا ہو۔ اور روایت کتاب میں داخل ہوگئی ہو، اس روایت کی اگر کوئی بنیاد ہوتی تو کم از کم مخالفین کی کتابوں میں اس کا تذکرہ ضرور ہوتا، لیکن سرحسی اور کروری کے علاوہ کسی نے اپنی کتاب میں اس روایت کو جگہ نہیں دی ہے۔ اگر ذرہ تامل سے کام لیا جائے تو خود عقل اس کے قبول کرنے سے اباہ کرتی ہے، اس لئے کہ امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کا تعلق معاصرانہ نہیں بلکہ استاد و شاگرد کا تھا، اور اس تعلق میں رشک و حسد خصوصاً برگزیدہ ہستیوں میں بے معنی سی بات ہے، اور پھر امام ابو یوسفؒ بغداد میں قاضی تھے، اور امام محمدؒ کی مجلس درس کوفہ میں تھی۔ اس بعد مسافت کے باوجود امام محمدؒ کی ذکاوت یا ان کی طرف عام رجحان کا اثر، امام ابو یوسفؒ کی شخصیت پر کیا پر سکتا تھا۔ جب کہ دونوں کے فخر و اعزاز کی نوعیت بالکل جدا تھی۔

یہ روایت اس نقطہ نظر سے بھی قابل غور ہے کہ امام ابو یوسفؒ کو امام محمدؒ سے رشک و حسد کب پیدا ہوا، عہدہ قضا قبول کرنے سے پہلے یا اس کے بعد، اگر یہ جذبہ بعد میں آیا تو پھر روایت کا یہ ٹکڑا کہ امام ابو یوسفؒ، ہارون سے ان کے اوصاف مخفی رکھنا چاہتے تھے، کیسے صحیح ہو سکتا ہے، اس لئے کہ عہدہ قضا قبول کرنے کے بعد تو بارہا امام محمدؒ کو براہ راست ہارون سے مسائل پر گفتگو کرنے کا موقع ملا ہوگا، جیسا کہ واقعات سے پتہ بھی چلتا ہے، اور بعض روایتوں میں ہے کہ خود ہارون ہی نے ان کو اس عہدہ کے لئے منتخب کیا تھا، اگر یہ روایت صحیح تسلیم کر لی جائے، تو رشک و حسد کی روایت بالکل ہی بے معنی ہو جاتی ہے، اس لئے کہ ہارون کو اس سے پہلے ان کے علم و فضل کی اطلاع مل چکی ہوگی۔

پھر اس نے ان کا انتخاب کیا ہوگا، تو پھر اخفا کے کیا معنی ہوئے۔

اور اگر امام ابو یوسفؒ کو رشک و حسد عہدہ قضا قبول کرنے سے پہلے پیدا ہوا تو پھر انہوں نے ان کے قاضی مقرر کیے جانے کی کوشش کیوں کی، جب کہ یہ چیز ہارون سے درخور کا ذریعہ ہو سکتی تھی۔

یہ عجیب بات ہے کہ امام سرخسی اور کروری نے امام محمدؒ کے جن اوصاف کے اخفاء کو امام ابو یوسفؒ سے ان کے اختلاف کا سبب قرار دیا ہے، امام ذہبی نے انہی اوصاف کے اظہار و اعلان کو ان کی رنجش کا سبب بتایا ہے۔ محمد بن ساعد کا جو امام محمدؒ کے محبوب شاگرد ہیں، بیان ہے کہ امام محمدؒ اور امام ابو یوسفؒ میں رنجش کا سبب یہ ہوا کہ قاضی ابو یوسفؒ سے رقہ کے قاضی کے انتخاب کے سلسلہ میں مشورہ کیا گیا، انہوں نے فرمایا کہ میری نگاہ میں امام محمدؒ سے زیادہ بلند مرتبہ اور اس منصب کے لئے کوئی دوسرا موزوں نہیں ہے، ان کے اسی مشورہ پر امام محمدؒ کو کوفہ سے بغداد بلایا گیا، بغداد آنے کے بعد وہ سیدھے امام ابو یوسفؒ کے پاس پہنچے، اور ان سے اس انتخاب کی وجہ دریافت کی، امام ابو یوسفؒ نے کہا کہ یہ مشورہ میں نے ہی سوچ کر دیا کہ کوفہ و بصرہ اور تمام مشرق میں ہمارے مسلک حنفی کی کافی اشاعت ہو چکی ہے، اگر آپ قاضی ہو کر شام چلے جائیں گے، تو وہاں بھی آپ کے ذریعہ اس کی اشاعت ہوگی، امام محمدؒ نے اس کو کچھ زیادہ پسند نہیں کیا اور فرمایا اگر انتخاب کی یہی وجہ ہے تو کیا یہ کام اس وقت میں انجام نہیں دے رہا ہوں؟ اور بعض روایتوں میں ہے کہ انہوں نے امام ابو یوسفؒ سے فرمایا کہ آپ کی عنایت اور استادانہ شفقت سے مجھے توقع ہے کہ آپ مجھے اس آزمائش میں نہ ڈالیں گے، اس گفتگو کے بعد امام ابو یوسفؒ ان کو یحییٰ برکی کے پاس لے گئے، اور اس سے کہا کہ یہ امام محمدؒ آپ کے سامنے موجود ہیں، ان سے (قضا) کے معاملات طے کر لیجئے، چنانچہ یحییٰ برکی نے امام محمدؒ سے کچھ ایسا اصرار کیا اور دباؤ ڈالا کہ وہ عہدہ قضا قبول کرنے پر مجبور ہو گئے۔

امام محمدؒ غالباً امام صاحب کے اتباع کی وجہ سے اس عہدہ کو پسند نہیں کرتے تھے، اور چونکہ اس کا وسیلہ امام ابو یوسفؒ ہوئے تھے، اس لئے امام محمدؒ ان سے کبیدہ خاطر ہو گئے۔ چنانچہ امام ذہبی یہ روایت نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں۔

وکان ذلک سبب فساد الحال بین ابی یوسف و محمد بن الحسنؒ۔

”امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کے درمیان اختلاف اور شکر رنجی کا سبب یہی واقعہ ہوا۔“

یہ تھی واقعہ کی اصل صورت جسے راویوں کی دست اندازیوں نے بالکل مسخ کر دیا تھا، اور جو دونوں بزرگوں کے صحیفہ زندگی پر ایک بدنماداغ معلوم ہوتا تھا۔

امام ابو یوسف کے لیے ثقہ کا لفظ کیوں استعمال کیا :

اس قسم کی ایک روایت سرخی نے شرح السیر الکبیر میں یہ بھی نقل کی ہے، کہ اس کتاب کی تصنیف کے وقت چونکہ ان دونوں بزرگوں میں اختلاف پیدا ہو چکا تھا، اس لیے انہوں نے اس کتاب میں جہاں ان سے روایت کی ہے، ان کا نام نہیں لیا ہے۔ بلکہ اخبرنی الثقہ (ایک سچے اور ثقہ راوی نے مجھ سے بیان کیا) کے الفاظ لکھے ہیں

یہ روایت بھی اسی نقطہ نظر سے قابل غور ہے کہ اگر امام محمد کو ایسی ہی شدید منافرت تھی کہ ان کی اہمیت کم کرنے کے لئے روایت میں ان کا نام لینا بھی پسند نہیں کرتے تھے۔ تو پھر ثقہ کے لفظ کے استعمال کو انہوں نے کیسے پسند کیا، جبکہ اس لفظ سے ان کی اہمیت کم ہونے کے بجائے، اور زیادہ بڑھ جاتی ہے، اس لیے کہ محدثین کا دستور ہے کہ وہ اکثر احترام اپنے مشائخ کا نام لینے کے بجائے، ان کے القاب، کنیت یا کسی مخصوص صفت کا تذکرہ کر دیا کرتے ہیں، اس لئے امام محمدؒ کے اس لفظ ثقہ کے استعمال کو منافرت یا اہانت پر نہیں بلکہ اعزاز و احترام پر محمول کرنا چاہئے۔

امام ابو یوسف کے جنازہ میں کیوں شریک نہیں ہو سکے :

عام تذکروں میں ہے کہ ان دونوں آدمیوں میں اس قدر شدید اختلاف تھا کہ امام محمدؒ امام یوسفؒ کے جنازہ تک میں شریک نہ ہوئے، چنانچہ امام ابو یوسفؒ کی لونڈیاں رورو کر یہ شعر پڑھ رہی تھیں۔

اليوم يرحمنا من كان يحسدنا

اليوم نتبع من كانوا لنا تبعاً

یہ بات معلوم ہے کہ امام ابو یوسفؒ کا انتقال بغداد میں ہوا، اور اس وقت امام محمدؒ رقبہ میں قاضی تھے، ظاہر ہے کہ رقبہ (شام) سے بغداد (عراق) کی مسافت کچھ کم نہیں ہے۔ اور وہ زمانہ تار برقی اور ریل اور ہوائی جہاز کا نہ تھا۔ اس لیے یہ ممکن بلکہ یقین ہے، کہ امام محمدؒ رقبہ میں موجود رہے ہوں گے، جہاں دو ایک روز میں بھی ان کی وفات کی اطلاع نہیں پہنچ سکتی تھی، اس لیے جنازہ میں شرکت کا کیا سوال ہو سکتا تھا۔

یہ تمام روایات اس تصور کا نتیجہ ہیں کہ ان دونوں بزرگوں میں کوئی نفسانیت یا جاہو اقتدار کی جنگ تھی لیکن اگر ان کے درمیان اس قسم کی باتیں ہوتیں تو ارباب رجال ان کی تعدیل و توثیق کے بجائے ان ہی باتوں کو سبب قرار دے کر ان پر جرح و تنقید کرتے، مگر کسی ایک شخص نے بھی اس حثیت سے ان پر کوئی جرح نہیں کی ہے۔



www.ahlehaq.org

www.ahlehaq.org

بسم الله الرحمن الرحيم

تصنیفات

تدوین و تالیف کے لحاظ سے امام محمد اپنے تمام ہم عصروں میں ممتاز تھے، ان کے اقران و معاصرین میں سے کسی ایک شخص نے اتنی کثیر اور مفید تصانیف نہیں چھوڑی ہیں، ان تصانیف کی افادیت و اہمیت کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ ائمہ اربعہ کے مسلک کے سلسلہ میں تدوین فقہ کا جو کچھ بھی کام ہوا ہو امام محمد کی کتابوں یا ان کے تفریع کردہ مسائل کی روشنی میں ہوا۔ اور جب تک فقہی تحریک و تعصب نہیں پیدا ہوا تھا اس وقت تک ہر مسلک کے فقہاء اور علماء ان کی کتابوں سے یکساں فائدہ حاصل کرتے رہے۔

اوپر آچکا ہے کہ اسد بن فرات نے امام محمدؒ سے کس جانکاہی اور دلسوزی کے ساتھ فقہ کی تحصیل کی تھی، چنانچہ فقہ کا یہ ذخیرہ لے کر عراق واپس جانے لگے تو راستہ میں مدینہ منورہ میں اتر پڑے، وہاں امام مالک کے اصحاب و تلامذہ کے سامنے امام محمدؒ کے تفریع کردہ مسائل کو پیش کیا، اور امام مالک کے قول سے ان مسائل کی تائید و تطبیق چاہی، اہل مدینہ نے انہیں مصر جانے کا مشورہ دیا، باختلاف روایت وہ ابن وہب اور ابن قاسم کے پاس مصر پہنچے، ابن وہب نے ان مسائل کے جواب دینے سے معذوری ظاہر کی، لیکن ابن قاسم جو امام مالکؒ کے تلامذہ میں سب سے زیادہ ان سے مستفید ہوئے تھے، انہوں نے اپنی بصیرت کے مطابق جواب دیا۔

چنانچہ اسد نے امام محمدؒ کی فقہی تبویب کے مطابق ساٹھ جلدوں میں ان تمام مسائل کو جمع کیا اور ان کتابوں کا نام اسد یہ رکھا، اسد کے یہی جمع کردہ مسائل مالکی فقہ کی مشہور کتاب مدونہ کی تدوین و تالیف کے لیے مشعل راہ ہوئے۔

امام شافعی جس وقت عراق گئے گو وہ امام مالکؒ کے درس حدیث میں شریک ہو چکے تھے، لیکن فقہ میں اب تک نہیں کوئی دسترس نہیں تھی، چنانچہ انہوں نے ساٹھ دینار صرف کر کے امام محمدؒ کی کتابیں نقل کرائیں، اور کچھ عاریتہ لے کر استفادہ کیا، اس کے علاوہ ایک مدت تک ان کے درس میں شریک ہوتے رہے، اس کے بعد ان کو فقہ میں درک حاصل ہوا، جیسا کہ ان کا خود بیان ہے، کہ فقہ میں امام محمدؒ کا سب سے زیادہ ممنون احسان ہوں، گو امام شافعی خود مجتہد ہیں اور ان کی فقہ کا ایک خاص پنج

ہے، لیکن بہر حال اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ ان کے فقہی اجتہاد اور تدوین میں امام محمد کی ذات کو بڑا دخل ہے۔

امام احمد بن حنبلؒ کے متعلق تمام اہل تذکرہ نے لکھا ہے کہ ان سے دریافت کیا گیا، کہ آپ نے یہ دقیق مسائل کس سے حاصل کئے ہیں تو آپ نے فرمایا کہ امام محمدؒ کی کتابوں سے۔
غرض فقہ میں فروع کی جتنی تالیف و تدوین ہوئی ان سب کا سلسلہ کسی نہ کسی حیثیت سے امام محمد کی ذات تک ضرور منتهی ہوتا ہے۔

کثرت تصانیف :

امام محمد کی تصانیف کی صحیح تعداد بتانا مشکل ہے، مولانا عبدالحی صاحب نے النافع الکبیر میں ایک روایت نقل کی ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی تصنیفات کی تعداد ۹۹۹ ہے، لیکن یہ تعداد مبالغہ سے خالی نہیں معلوم ہوتی۔ طاش کبریٰ زادہ نے مفتاح السعادة میں لکھا ہے کہ امام محمدؒ جو کتابیں لکھنا چاہتے تھے، ان سے ان کی فہرست مانگی گئی، تو انہوں نے جو فہرست دی، اس میں ایک ہزار کتابوں کے نام درج تھے، اگر وہ زندہ رہتے تو یہ تعداد پوری کر دیتے۔

چنانچہ اسی لئے کہا گیا کہ ان کی زندگی بھی رحمت تھی اور موت بھی، اس لئے کہ اگر وہ زندہ رہتے اور تمام کتابیں مکمل کر دیتے تو اس سے استفادہ کرنے والے تھک جاتے، اس سے معلوم ہوا کہ انہوں نے ایک ہزار کتابیں لکھیں نہیں بلکہ لکھنا چاہتے تھے۔

عام ارباب تذکرہ اور خصوصاً ابن ندیم نے جن کتابوں کا ذکر کیا ہے، ان کی تعداد ۲۳ سے متجاوز نہیں ہے، اب ہم تفصیل سے ہر کتاب کی اہمیت اور اس کی خصوصیات پر بحث کرتے ہیں۔

موطا سے امام مالک :

دوسری صدی میں حدیث کے جتنے مجموعے مرتب ہوئے ان میں ترتیب و تدوین کے لحاظ سے موطا امام مالک سب سے زیادہ جامع اور اہم ہے، یہی وجہ تھی کہ اس وقت تمام اسلام سے تشنہ کامان حدیث موطا کے سماع کے لئے امام مالک کی خدمت میں جوق در جوق آتے تھے، اور اکثر اہل علم امام مالک سے جو کچھ سنتے تھے، اسے تحریر میں لاتے جاتے تھے، ظاہر ہے کہ ہر شخص کے سماع اور تحریر میں کچھ نہ کچھ فرق ہوتا تھا، اسی وجہ سے تھوڑی کمی و بیشی کے ساتھ موطا کے متعدد نسخے تیار ہو گئے، اور ہر صاحب نسخہ نے اپنے ہی نسخہ کو رواج دیا، سیوطی نے تنویر الحوالک میں ان کی تعداد چودہ اور شاہ عبدالعزیز صاحب نے بستان المحمد ثین میں سولہ بتائی ہے، اور شاہ ولی اللہ صاحب نے ۳ نسخوں کا ذکر کیا ہے،

(موسیٰ ص ۱۲) ان ہی نسخوں میں ایک نسخہ امام محمد کی روایت سے بھی مروی ہے، لیکن ان تمام نسخوں میں کچھ نہ کچھ فرق موجود ہے، اور خصوصیت سے امام محمد کے مدونہ نسخہ میں اور زیادہ فرق ہے۔

موطا سے امام محمد :

موطا کے جتنے نسخے موجود ہیں، ان میں یحییٰ مسمودی کا مروی نسخہ سب سے زیادہ معتبر سمجھا جاتا ہے، ہندوستان میں یہی نسخہ زیادہ مروج ہے، اور زرقانی وغیرہ نے شرح بھی اس کی لکھی ہے، لیکن بعض وجوہ سے امام محمد کا روایت کردہ نسخہ اس سے بھی زیادہ معتبر اور افادیت کا حامل ہے، اب ہم ان وجوہ کی تفصیل کرتے ہیں۔

(۱) یحییٰ بن یحییٰ امام مالک کی خدمت میں صرف چند ماہ رہے، انہوں نے ابھی موطا کا سماع ختم بھی نہیں کیا تھا کہ امام مالک دنیا سے رخصت ہو گئے، اور امام مالک کے بعد ان کے تلامذہ سے سماع کی تکمیل کی، امام محمد امام کے مخصوص تلامذہ میں نہیں ہیں، لیکن وہ تین برس تک امام کی خدمت میں رہے، اور ان سے ۷۰۰ سے زیادہ حدیثیں سماع کیں، اس لئے اس اصول کے ماتحت کہ قلیل الملازمت کی روایت سے طویل الصحبت کی روایت قوی ہوتی ہے، امام محمد کے نسخہ کو یقیناً ترجیح ہونی چاہیے۔

(۲) یحییٰ کے روایت کردہ موطا میں کثرت سے مسائل فقہیہ اور امام مالک کے اجتہادات مذکور ہیں، بہت سے تراجم ابواب ایسے ہیں جن کے تحت کوئی حدیث نہیں ہے، لیکن موطا سے امام محمد کی یہ خصوصیت ہے کہ کوئی ترجمہ ایسا نہیں ہے جس کے تحت مرفوع یا موقوف روایت نہ ہو، اور ظاہر بات ہے کہ حدیث کی جس کتاب میں رائے واجتہاد کا شمول ہوگا، اس کے مقابلہ میں حدیث کی وہ کتاب جو نفس حدیث پر مشتمل ہوگی اس کو ضرور افضلیت ہوگی۔

(۳) یحییٰ کے نسخہ میں صرف امام مالک کی روایتیں مروی ہیں۔ لیکن امام محمد کے نسخہ میں دوسرے شیوخ کی روایتیں بھی شامل ہیں، اور ظاہر بات ہے کہ اس زیادتی میں افادیت کا پہلو زیادہ ہے۔

موطا سے امام محمد کی فنی خصوصیت اور ان کا طریقہ روایت :

امام محمد نے موطا میں جو طریقہ روایت اختیار کیا ہے، اور جن فنی خصوصیت کا لحاظ کیا ہے وہ حسب ذیل ہیں :

(۱) وہ پہلے ترجمہ الباب یعنی مضمون کی سرخی قائم کرتے ہیں، پھر اسی کے ذیل میں امام مالک

سے کوئی مرفوع یا موقوف روایت درج کرتے ہیں اور وہ لفظ حدیث کے بجائے عموماً لفظ اثر استعمال کرتے ہیں، اور اس سے مرفوع اور موقوف دونوں طرح کی روایتیں مراد ہوتی ہیں۔

(۲) ہر عنوان کی ابتدا باب یا کتاب سے اور کبھی کبھی لفظ ابواب سے کرتے ہیں، جس جگہ نسخوں کا اختلاف دکھانا مقصود ہوتا ہے وہاں لفظ فضل لکھ دیتے ہیں۔

(۳) ایک مضمون کی ایک یا چند حدیثیں نقل کرنے کے بعد بہ ناخذ یا بھذا ناخذ کہہ کر اپنے مسلک کی طرف اشارہ کر دیا کرتے ہیں، اور جو حدیثیں ان کے مسلک کے موافق نہیں ہوتیں ان کی طرف بھی اشارہ کرتے جاتے ہیں۔

(۴) عام طور پر وہ لفظ اخبارنا اور حدیثنا میں کوئی فرق نہیں کرتے، جیسا کہ متاخرین کا طریقہ ہے، وہ اپنے شیوخ سے جتنی روایتیں کرتے ہیں ان میں زیادہ تر لفظ اخبارنا استعمال کرتے ہیں، اگرچہ اوپر کے لوگ آخری لفظ حدیثنا استعمال کرتے ہیں۔

(۵) اپنی رائے ظاہر کرنے کے بعد کبھی کبھی امام صاحب کی رائے کا ذکر بھی ”وہو قول ابی حنیفہ“ کہہ کر دیا کرتے تھے۔ امام صاحب کی رائے کے ساتھ ان کے استاد ابراہیم نخعی اور کبھی کبھی والعامتہ من فقہائنا کہہ کر کوفہ و عراق کے عام فقہاء کی رائے کا ذکر بھی کر دیا کرتے ہیں۔

(۶) وہ بہت سے مسائل کے سلسلہ میں ہذا حسن یا جمیل و مستحسن وغیرہ الفاظ استعمال کرتے ہیں۔ اس سے ان کی مراد موکدہ یا سنت غیر موکدہ ہوتی ہے۔ اور جہاں وہ یسبغی کا لفظ استعمال کرتے ہیں، اس سے مراد سنت موکدہ یا واجب ہوتی ہے اور بسا اوقات لابس اس کا لفظ بھی استعمال کرتے ہیں۔ اس سے ان کی مراد اس حکم کا جواز ہوتا ہے۔

(۷) غیر مستند احادیث کے لئے وہ لفظ بلغنا استعمال کرتے ہیں۔ ایسی حدیث کو اصطلاح میں بلاغیات کہا جاتا ہے۔ ہر محدث کی بلاغیات کو محدثین قابل استناء نہیں سمجھتے، مگر امام محمد کی بلاغیات کے بارے میں صاحب رد المحتار لکھتے ہیں۔

ان بلاغاتہ مستندۃ ”ان کی بلاغیات مستند ہوتی ہیں۔“

(۸) موطا کی یہ بھی خصوصیت ہے کہ اس میں کوئی موضوع روایت نہیں ہے۔ البتہ کچھ ضعیف روایتیں ضرور ہیں۔ مگر ان کا ضعف متابعت کی وجہ سے دور ہو جاتا ہے، یعنی وہ روایتیں چونکہ متعدد طریقوں سے مروی ہیں، اس لئے اگر کوئی طریقہ اسناد کمزور ہو تو دوسرا قوی طریقہ اسناد اس کے ضعف کو دور کر دیتا ہے یا پھر ایسا ہوتا ہے کہ وہی روایت دوسری کتب حدیث

میں کسی دوسرے صحیح طریقے سے مروی ہوتی ہے، جس سے اس کا ضعف باقی نہیں رہتا۔
کتاب الآثار :

حدیث و آثار میں امام محمدؒ کی دوسری تصنیف کتاب آثار ہے اس میں احادیث نبوی ﷺ کم اور آثار صحابہ و تابعین کثرت سے ہیں، غالباً اسی لئے اس کا نام کتاب الآثار پڑا ہے۔ اس کتاب میں کل ۶۶ مرفوع، ۲۷ موقوف و مرسل حدیثیں، ۱۲ بلاغیات اور ۷ سواٹھارہ صحابہ و تابعین ہیں، ان کے علاوہ امام ابوحنیفہؒ اور خود امام محمدؒ کے اقوال ہیں اس کتاب کی چند خصوصیتیں یہ ہیں۔

(۱) اس میں کثرت سے اپنے شیخ الشیوخ ابراہیم نخعیؒ سے امام ابوحنیفہؒ کے واسطے سے روایت کرتے ہیں۔ امام ابوحنیفہؒ کے علاوہ صرف پندرہ شیوخ سے روایتیں کی ہیں۔

اس کتاب کی نقل و روایت کا محدثین نے اور خاص طور سے فقہانے ہمیشہ اہتمام رکھا۔ حافظ ابن حجرؒ نے اس کتاب کے رواد کی جرح و تعدیل پر مستقلاً دو رسالے لکھے تھے۔ ایک کا نام الآثار لمعرفة الآثار ہے اور دوسرے کا نام معلوم نہ ہو سکا۔

کتاب الحج :

فن حدیث و آثار میں یہ ان کی تیسری تصنیف ہے، اس کا پورا نام کتاب الاحتجاج علی اہل المدینہ ہے۔

امام محمدؒ کو امام مالک کے شاگرد تھے اور ان سے موطا کا سماع کیا تھا مگر اس کے باوجود ان کو امام مالکؒ اور علمائے مدینہ کے بعض خیالات اور روایوں سے اختلاف تھا۔ اس کتاب میں انہوں نے انہی باتوں کا جواب دیا ہے اور ان کے خلاف حجت قائم کرنے کی کوشش کی ہے۔

اس کتاب کے متعدد قلمی نسخے مدینہ منورہ وغیرہ کے کتب خانوں میں ہیں، ہندوستان میں اس کا کچھ طبع ہو چکا ہے۔

گو اس وقت بہت ہی کم یاب ہے۔ ۱۹۴۵ء میں حضرة الاستاد جناب سید سلیمان صاحب ندویؒ کے ساتھ سورت جانے کا اتفاق ہوا تھا وہاں اس کا مطبوعہ حصہ مفتی مہدی حسن صاحب کے کتب خانہ میں موجود تھا۔ راقم کو وہیں اس نسخے کو دیکھنے کا موقع ملا جس سے ان کے شیوخ کی فہرست بھی تیار کی تھی، وہ فہرست تو گم ہو گئی مگر حافظ میں اتنی بات محفوظ ہے کہ اس میں انہوں نے تقریباً ۱۰۸

۱۔ یہ پوری تفصیل مولانا عبدالحی فرنگی محلؒ کے مقدمہ موطا سے لی گئی ہے۔

۲۔ موصوف اس وقت دارالعلوم دیوبند کے مفتی ہیں۔

شیوخ سے روایتیں کی ہیں، اتنے شیوخ سے انہوں نے کسی اور کتاب میں روایت نہیں کی ہے۔ یہ کتاب دارالمصنفین کے کتب خانہ میں موجود نہیں ہے۔ اس کے علاوہ امام ابوحنیفہؒ کے مستند روایتوں کا ایک مجموعہ بھی امام محمدؒ نے مرتب کیا تھا جو مسند ابوحنیفہ اور نسخہ محمد کے نام سے مشہور ہے۔

حدیث و آثار کی مذکورہ بالا کتابوں کے علاوہ فقہ میں ان کی متعدد مبسوط وغیرہ مبسوط کتابیں ہیں، انہوں نے فقہ میں جو کتابیں لکھیں یا املا کرائیں وہ دو طرح کی ہیں، ایک کو فقہا ظاہر الروایۃ کہتے ہیں، دوسری کو غیر ظاہر الروایۃ کہتے ہیں۔ یعنی پہلی قسم کی کتابوں کی روایتیں عام طور پر مشہور و معروف ہیں اور دوسری قسم کی کتابوں کی روایتیں غیر معروف وغیر مشہور ہیں۔ ظاہر الروایۃ میں ان کی چھ کتابوں کا شمار ہوتا ہے۔ مبسوط، جامع صغیر، جامع کبیر، السیر الصغیر، السیر الکبیر، زیادات۔

مبسوط :

یہ کتاب اسم باسمیٰ ہے یعنی فقہ میں امام محمدؒ کی سب سے ضخیم اور مبسوط کتاب ہے جو ابھی تک طبع نہیں ہو سکی ہے۔ اس کے متعدد قلمی نسخے استنبول اور مصر کے کتب خانوں میں موجود ہیں، پوری کتاب چھ جلدوں میں ہے جس کی مجموعی ضخامت تین ہزار صفحات سے زیادہ ہے اس میں دس ہزار سے زیادہ مسائل مذکور ہیں۔ مسائل کے بیان میں عموماً آثار و احادیث سے ان کے دلائل کا ذکر بھی کرتے جاتے ہیں۔ ان میں جو آثار و احادیث ہیں اگر ان کو علیحدہ کر لیا جائے تو ایک مختصر مجموعہ حدیث و آثار تیار ہو جائے۔ اس کتاب کے بارے میں بعض تذکرہ نگاروں نے لکھا ہے کہ اس کتاب کا مطالعہ کرنے کے بعد حکیم نام کے ایک عیسائی یا یہودی نے اسلام قبول کر لیا تھا۔ اس نے اس کہا کہ جب تمہارے محمدؐ اصغر کی کتاب ایسی ہے تو تمہارے محمدؐ اکبر ﷺ کی کتاب کیسی ہوگی۔

(۲) الجامع الکبیر :

فقہ میں امام محمدؒ کی یہ دوسری اہم تصنیف ہے اس کتاب کے متعدد قلمی نسخے استنبول کتب خانوں میں موجود ہیں۔ اس کتاب کے متعدد دوراوی ہیں جن میں ایک علی بن معبد بن شداد ہیں، اس میں بہت ہی اہم اور نادر مسائل پر گفتگو کی گئی ہے یہ کتاب روایت و درایت دونوں کا بہترین مجموعہ ہے اس کی اہمیت کا اندازہ علماء فقہ کے ان اقوال سے کیجئے۔

ابن شجاع کہتے ہیں۔

اسلام میں فن فقہ پر ایسی کتاب نہیں لکھی گئی۔ امام ابو بکر الرازی اس کی شرح میں لکھتے ہیں،

فن نحو کے بعض ماہرین جیسے ابوعلی فارسی وغیرہ سے میں جامع کبیر پڑھتا تھا تو وہ کتاب کے مصنف کی نحوی مہارت پر حیرت کرتے تھے۔

عربی ادب و لغت کے امام الخفش اور علامہ شریف النقیب وغیرہ نے بھی اس کتاب کی عربیت کی تعریف کی ہے۔ اسی طرح امام ابن تیمیہ نے بھی اس کی عربیت کا اعتراف کیا ہے۔ غرض جمہور علماء کا متفقہ فیصلہ ہے کہ یہ کتاب جس طرح فقہ میں حجت ہے۔ اسی طرح عربیت میں بھی حجت ہے اس کتاب کی اہمیت ہی کے پیش نظر اس کی متعدد شرحیں لکھی گئی ہیں جو..... ممتاز فقہائے مجتہدین نے لکھی ہیں۔

(۳) الجامع الصغیر :

فقہ میں امام محمد کی یہ تیسری تصنیف ہے۔ اس کتاب میں ۱۵۳۲ مسائل ہیں جن میں صرف دو قیاسی مسئلے ہیں بقیہ تمام کا مآخذ حدیث نبوی و آثار سلف ہیں، یہ کتاب مولانا عبدالحی صاحبؒ کے حاشیہ کے ساتھ چھپ گئی ہے، اس کتاب کی بھی متعدد شرحیں لکھی گئی ہیں۔ مولانا عبدالحی صاحبؒ نے کتاب پر حاشیہ کے ساتھ ایک مقدمہ بھی، ”النافع الکبیر لمن یطالع الجامع الصغیر“ کے نام سے لکھا ہے جس میں اس کی تمام خصوصیات اور شرائح کے نام تفصیل سے لکھ دیے ہیں۔ اس کی وجہ تصنیف یہ ہے کہ جب امام محمد مبسوط کی تالیف سے فارغ ہو گئے تو امام ابو یوسفؒ نے ان سے یہ فرمائش کی وہ ایک ایسی کتاب لکھیں جس میں ان روایتوں کو جمع کر دیں جو میں نے..... امام صاحب کے واسطے سے ان کو سماع کرائی ہیں۔

چنانچہ انہوں نے یہ کتاب مرتب کر کے امام ابو یوسف کے سامنے پیش کر دی امام ابو یوسفؒ نے دیکھا تو فرمایا کہ ”میری روایات کو بڑے عمدہ طریقہ سے انہوں نے محفوظ رکھا ہے، صرف تین مسئلوں میں غلطی کی ہے۔ امام محمد نے جب سنا تو فرمایا کہ میں نے غلطی نہیں کی بلکہ وہ خود اپنی روایات بھول گئے ہیں، بعض اہل تذکرہ کہتے ہیں کہ امام ابو یوسفؒ اپنی جلالت علم کے باوجود اس کتاب کو حضور میں برابر ساتھ رکھتے تھے۔

(۴) السیر الصغیر :

فقہ میں ان کی یہ چوتھی کتاب ہے۔ امام ابو حنیفہؒ نے سیر و مغازی پر اپنے تلامذہ کو جو کچھ املا کرایا تھا اس کو ان کے متعدد تلامذہ نے کتابی شکل میں جمع کر دیا تھا۔ ان ہی میں امام محمد کی یہ کتاب بھی

ہے اسی کتاب کا روا امام اوزاعی نے لکھا تھا۔ اس کتاب کا جواب امام ابو یوسفؒ نے بھی دیا تھا اور امام محمدؒ نے بھی۔ امام ابو یوسفؒ کا جواب کتابی شکل میں الروعی سیر الاوزاعی کے نام سے چھپ گیا ہے اور امام محمد کا یہ جواب السیر الکبیر کے نام سے اہل علم میں متداول ہے۔

(۵) السیر الکبیر :

یہ کتاب امام اوزاعی کے جواب میں لکھی گئی تھی مگر اب یہ سیر و مغازی کا بہترین ذخیرہ شمار کی جاتی ہے، اس میں آپ کو جہاد و قتال اور صلح و جنگ کے طریقے اس کے مواقع دوسری قوموں سے مسلمانوں کے تعلقات اور تجارت اسلام میں اس کے حقوق اور دوسرے معاملات پر بحث کی گئی ہے۔ اسلام کے بین الاقوامی نقطہ نظر کو سمجھنے کے لئے اس کتاب کا مطالعہ انتہائی ضروری ہے۔

یہ کتاب امام محمد کی آخری تصنیفات میں شمار ہوتی ہے۔ قوت استدلال اور وقت نظر کے اعتبار سے ان کی یہ کتاب سب میں ممتاز ہے۔ ہارون رشید کو اس کتاب سے حد درجہ دلچسپ تھی اس نے اپنے دونوں لڑکوں امین اور مامون کو اس کا سماع کرایا تھا۔ اس کی متعدد شرحیں لکھی گئی ہیں۔ جن میں سب سے زیادہ مقبول عام امام سرخس متوفی ۴۹۰ھ کے شرح ہے۔ یہ شرح مع متن حیدرآباد میں چھپ گئی ہے اس کتاب کے متعدد قلمی نسخے استنبول کے کتب خانوں میں موجود ہیں۔ اس کا سب سے قدیم قلمی نسخہ مکتبۃ الفارح میں ہے، اس کتاب کا ترکی میں ترجمہ بھی ہو چکا ہے۔

(۶) زیادات :

فقہ میں ان کی چھٹی کتاب زیادات ہے اور زیادات الزیادات ہیں۔ ان دونوں کتابوں کو الجامع الکبیر کا ضمیمہ سمجھنا چاہئے کیونکہ اس میں جن مسائل کا تذکرہ کیا تھا وہ ان میں پورا کر دیا گیا ہے۔ یہ کتابیں اپنی گہرائی اور وقت نظری کے اعتبار سے ان کا بڑا کارنامہ شمار ہوتی ہیں۔ علمائے فقہ نے ان کی بھی شرحیں لکھی ہیں، غالباً یہ کتاب اب تک چھپی نہیں ہے ان کے متعدد قلمی نسخے استنبول کے کتب خانہ میں ہیں۔

بعض لوگ ان دونوں کتابوں کو ظاہر الرویہ میں شمار نہیں کرتے مگر یہ صحیح نہیں ہے۔ ان میں بیشتر کتابیں چھپ گئی ہیں اور جو علیحدہ سے نہیں چھپی ہیں ان کو بھی مطبوعہ ہی سمجھنا چاہئے اس لئے کہ امام سرخسی نے ان تمام کتابوں کا خلاصہ اپنی مشہور کتاب مبسوط میں لے لیا ہے۔

غیر ظاہر الروایہ :

ان مشہور اور معروف الروایہ کتابوں کے علاوہ ان کے متعدد دیگر معروف الروایہ کتابیں بھی ہیں۔ ان میں سے (۱) ایک قیات کے نام سے مشہور ہے، ان میں ان مسائل کو جمع کیا گیا ہے جو انہوں نے

رقہ کے قضا کے زمانہ میں مستبط کے تھے، اس کے راوی اور جامع ان کے مشہور شاگرد محمد بن سماعہ ہیں۔
 (۲) دوسری کتاب کیسانیات ہے اس کے راوی شعیب بن سلیمان الکیسانی ہیں۔ ان ہی کے نام پر اس کتاب کا نام پڑ گیا ہے۔ اس کو الامانی بھی کہا جاتا ہے اس کتاب کا ایک ٹکڑا حیدرآباد کے کتب خانہ آصفیہ میں موجود ہے۔ دائرہ المعارف کی طرف سے اس کے چھپنے کا انتظام ہو رہا تھا۔
 مگر سقوط حیدرآباد کے بعد ان قیمتی ذخائر کے چھپنے کی کیا امید کی جاسکتی ہے۔

آن قدح بشکست وآں ساقی نماںد

(۳) تیسری کتاب جرجانیات ہے۔ اس کے راوی ان کے شاگرد علی بن صالح الجرجانی ہیں اور انہی کے نام کی نسبت سے اس کا نام جرجانیات پڑا ہے۔

(۴) چوتھی کتاب ہارونیات ہے۔ اس کے بارے میں نام کے علاوہ کچھ نہیں معلوم۔

(۵) پانچویں کتاب کتاب النوادر ہے۔ جس کے راوی ابراہیم بن رستم ہیں۔

(۶) ان کی ایک کتاب کتاب الکسب کے نام سے مشہور ہے جس کو وہ ناتمام چھوڑ کر انتقال کر گئے کچھ لوگوں نے ان سے خواہش کی کہ زہد و ورع پر ایک کتاب تصنیف کر دیں، اس کے جواب میں انہوں نے کہا کہ میں نے کتاب البیوع تصنیف کر دی ہے۔ مقصد یہ تھا کہ اصل زہد و ورع تو حصول رزق میں حلال و حرام کا لحاظ ہے اور یہ سب باتیں بیع و شراء میں بیان کر دی گئی ہیں مگر جب ان لوگوں کا اصرار بڑھا تو انہوں نے یہی کتاب لکھنی شروع کی مگر تکمیل سے پہلے ہی رفیق اعلیٰ سے جا ملے۔ امام سرخسی نے اس کی شرح بھی لکھی ہے۔

(۷) ایک کتاب چند سال پہلے کتاب الخراج والخیل کے نام سے مصر سے شائع ہوئی ہے جس کے بارے میں یہ لکھا ہے کہ یہ امام محمد کی تصنیف ہے مگر یہ صحیح نہیں ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ مصر ہی کے ایک کتب خانہ میں ایک کتاب اسی نام سے موجود ہے جس کو امام ابو یوسف کی تصنیف بتایا گیا ہے۔ اصل میں کسی نے بعد میں ان ائمہ کو بدنام کرنے کے لئے ان کے نام سے یہ کتاب لکھ کر منسوب کر دی ہے۔ اور دروغ گور حافظہ نہ باشد اس لئے اس کو کسی نے امام ابو یوسف کی طرف اور کسی نے امام محمد کی طرف منسوب کر دیا۔

یہ کتاب خود ان ائمہ کے زمانہ ہی میں ان کی طرف منسوب کی جانے لگی تھی۔ چنانچہ امام محمد کے مشہور شاگرد محمد بن سماعہ کا بیان اوپر گزر چکا ہے، وہ کہتے ہیں کہ میں نے امام محمد سے خود سنا ہے کہ کتاب الخراج والخیل کے نام سے جو کتاب لوگوں میں متداول ہے۔

هذا الكتاب ليس من كتبنا وانما القى فيها.

”اس کا شمار ہماری کتابوں میں نہیں ہے اس کو کسی نے گھڑ لیا ہے۔“

ان کے علاوہ بھی بعض کتابوں کے نام ابن ندیم نے لکھے ہیں، کتاب اجتہاد الرائے، کتاب الاستحسان، کتاب الخصال، کتاب الروعلاء اہل المدینہ، کتاب اصول الفقہ وغیرہ۔ مذکورہ بالا تفصیل سے یہ اندازہ ہو گیا ہوگا کہ طبقہ تبع تابعین میں سب سے زیادہ تحریری یادگاریں انہی نے چھوڑی ہیں۔



www.ablehaq.org

بسم الله الرحمن الرحيم

حضرت امام زُفرؒ

امام ابوحنیفہؒ کے تیسرے ممتاز شاگرد اور معروف مجتہد امام زفر بن ہذیل ہیں۔ یہ اپنے علم و فضل اور ملکہ اجتہاد میں امام ابو یوسف اور امام محمد سے نہ تھے بلکہ قیاس میں تو یہ صاحبین سے کچھ آگے ہی تھے۔ عام تذکرہ نگار لکھتے ہیں کہ احناف قیاسہ امام صاحب کے تلامذہ میں قیاس کرنے میں سب سے زیادہ تیز تھے۔ لیکن اس استعداد و صلاحیت کے باوجود اتنے مشہور نہیں ہوئے جتنے کہ صاحبین ہوئے اس کی وجہ شاید یہ ہو کہ صاحبین میں ملکہ اجتہاد کے ساتھ قوت تحریر اور تصنیف و تالیف کی صلاحیت بھی تھی اور انہوں نے اپنی تحریری یادگاریں بھی چھوڑی تھیں اس لئے دنیا نے ان کے علم و فضل کو زیادہ جانا اور امام زُفرؒ اس نعمت سے یا تو محروم تھے یا انہوں نے اسے اختیار نہیں کیا اس لئے وہ کوئی ایسی تحریری یادگار نہیں چھوڑ گئے کہ دنیا ان کے فضل و کمال کا پورا اندازہ کرتی۔

امام زُفرؒ اس حیثیت سے بھی امام صاحب کے تلامذہ میں ممتاز ہیں کہ ان کو امام صاحب نے اپنی زندگی ہی میں درس و تدریس کی اجازت دے دی تھی جب کہ امام ابو یوسف اور امام محمد کو ان کی زندگی میں اس کی اجازت نہیں مل سکی تھی۔

علم و فضل کے ساتھ زہد و اتقا اور استغنا و بے نیازی میں بھی امام صاحب کا پرتوان پر پڑا تھا، چنانچہ حکومت کے شدید اصرار بلکہ سختی کے باوجود انہوں نے عہدہ قضا قبول نہیں کیا اس جرم میں ان کا گھر گرا دیا گیا ان کو روپوشی کی مصیبت اٹھانی پڑی مگر اس سب کے باوجود انہوں نے اپنے کو اس آزمائش میں ڈالنا پسند نہیں کیا۔

نام و نسب :

زفر نام ہے۔ ابوہذیل کنیت تھی، بصرہؑ آبائی وطن تھا۔ ان کے والد ہذیل اموی دور میں اصہبان کے والی تھے، یہیں ۱۱۰ھ میں ان کی ولادت ہوئی۔

۱۔ بعض لوگوں نے ان کو اصہبانی لکھا ہے لیکن یہ صحیح نہیں ہے۔ ۲۔ کروری جلد ۲۔ ص ۱۱۸ الحاحات الشکر۔ ص ۴

خاندان :

ان کا سلسلہ نسب عدنان سے مل جاتا ہے ان کا خانوادہ بصرہ کے ممتاز عرب خانوادوں میں تھے، کبروری نے لکھا ہے: **مِنْ بَيْتِ شَرِيفٍ غَالِبًا** اسی امتیاز کی وجہ سے یزید بن عبد الملک نے ان کے والد کو اصہبان^۱ جیسے اہم مقام کا والی (گورنر) مقرر کر دیا تھا، ان کے ایک بھائی صباح بن ہذیل بنو تمیم کے صدقات کی وصول کے عامل مقرر کئے گئے تھے۔

امام زفر^۲ کی اہلیہ بصرہ کے ممتاز محدث خالد بن احارث کی بہن تھیں، ان کی والدہ البتہ عجمی النسل تھیں، چنانچہ انہوں نے صورت ان کی اور سیرت باپ کی پائی تھی۔ حجاج بن ارطاة کہا کرتے تھے، اللسان عربی لا الوجه، ان کا چہرہ تو عربوں جیسا نہیں ہے مگر زبان عربوں جیسی ہے۔
تعلیم و تربیت :

امام زفر کی ابتدائی تعلیم و تربیت کے سلسلہ میں تذکرے خاموش ہیں، البتہ ان سے اتنا پتہ چلتا ہے کہ ان کی تعلیم کا آغاز محدثین کی آغوش میں ہوا مگر ان کی ذہانت اور طباعی محض تحدیث روایت پر اکتفا نہ کر سکی اور ان کو امام ابوحنیفہ^۳ کے درس فقہ تک پہنچ لائی۔

امام طحاوی کے واسطہ سے یہ روایت تذکروں میں درج ہے کہ امام زفر ابتداً محدثین کی خدمت میں تحصیل علم کے لئے جایا کرتے تھے۔ ایک دن ایک مسئلہ ایسا پیش آیا کہ جسے ان کے شیوخ حل نہ کر سکے وہ ناچار امام صاحب کی خدمت میں آئے اور مسئلہ دریافت کیا، امام صاحب نے اس کا جواب دیا۔ مگر امام زفر^۴ اس سے مطمئن نہیں ہوئے اور کتات و سنت سے اس کی دلیل پوچھی، امام صاحب نے اپنے دستور کے مطابق فرمایا کہ یہ مسئلہ فلاں حدیث سے ماخوذ ہے اور اس کے عقلی دلائل یہ ہیں، پھر امام صاحب نے فرمایا کہ اگر مسئلہ کی صورت یہ ہو تو پھر جواب کیا ہوگا؟ امام زفر^۵ نے کہا کہ اس صورت کا سمجھنا تو میرے لئے پہلی صورت سے بھی زیادہ دشوار ہے۔ امام صاحب نے اس کا بھی جواب عنایت فرمایا اس کے بعد امام صاحب نے کچھ اور مسائل پر روشنی ڈالی، امام زفر^۶ کا بیان ہے کہ میں امام صاحب کی مجلس سے بہت خوش خوش واپس ہوا اور اپنے اصحاب حدیث کے سامنے ان مسائل کو رکھا کہ وہ انکا جواب دیں مگر وہ کسی مسئلہ کا کوئی جواب نہیں دے سکے۔ میں نے پھر تمام مسائل کے جوابات اور

۱۔ علامہ زہد الکوثری نے تاریخ اصہبان کے حوالہ سے لکھا ہے کہ یہ اصہبان کے والی مقرر تھے وہیں امام زفر کی ولادت ہوئی مگر کبروری نے لکھا ہے کہ بصرہ کے والی تھے۔ تاریخ اصہبان ہمارے سامنے موجود نہیں ہیں لیکن شذرات الذہب وغیرہ سے پہلے بیان کی تائید ہوتی ہے اس لئے اسی کو اختیار کیا گیا ہے۔

ان کے دلائل ان کے سامنے بیان کئے تو وہ حیرت زدہ ہو گئے اور پوچھا کہ یہ باتیں تمہیں کہاں سے معلوم ہوئیں، میں نے بتایا کہ امام ابوحنیفہ کی مجلس درس میں۔ اس کے بعد سے میں اپنے ساتھیوں میں اس الحلقہ سمجھا جائے گا۔ اس واقعہ کے بعد سے وہ بالالتزام امام ابوحنیفہ کی مجلس درس میں شامل ہونے لگے اور تقریباً بیس برس تک ان کی خدمت اور رفاقت میں رہے۔

امام ابوحنیفہؒ کی مجلس درس میں عجیب کشش اور اس کی یہ عجیب خصوصیت تھی کہ جو ایک بار اس میں شریک ہو گیا پھر کیا مجال کہ وہ اس کو چھوڑ کر دوسری جگہ جائے، امام ابو یوسف، امام محمد اور امام زفر یہ تمام حضرات پہلے کسی اور حلقہ درس میں شریک تھے مگر جب امام صاحب کی خدمت میں آئے تو پھر وہیں کے ہو کر رہ گئے امام ابو یوسف کے شیوخ کی فہرست سو سے زیادہ ہے اور اس سے کچھ زیادہ امام محمد کے شیوخ ہیں خود امام زفر کے شیوخ کی تعداد بھی کچھ کم نہیں ہے۔ مگر جو محبت شگفتگی اور عقیدت ان لوگوں کو امام صاحب سے تھی وہ کسی سے نہیں تھی اس میں امام صاحب کے علم و تفقہ اور ان کے مجتہدانہ درس کے ساتھ ان کے عام اخلاق و کردار اور زہد و تقویٰ کا بڑا دخل تھا۔ خصوصیت سے طلبہ کے ساتھ وہ جس شفقت، حسن سلوک اور مساوات کے ساتھ پیش آتے تھے اور ان کے لئے جو دسوزی کرتے تھے اس کی مثال دوسری جگہ کم ملتی ہے۔

امام زفرؒ امام صاحب کی زندگی کا نقشہ ان الفاظ میں کھینچتے ہیں:

جالست ابا حنیفة اکثر من انصح واشفق الناس منه وانه يبذل نفسه
للہ تعالیٰ اماہامۃ النہار فانہ کان مشغولاً بالمسائل وحلّہا و
تعلیمہا فاذا قام من المجلس عاد مریضاً او شیخ جنازۃ او داسی
فقیراً وواصل اخاً او سعی فی حاجۃ فاذا کان اللیل خلا للتلاوة
العبادة والصلوة فکان هذا سبیلہ حتی توفی^۲

”میں بیس برس سے زیادہ امام صاحب کی خدمت میں رہا، میں نے ان سے زیادہ کسی کو عام انسانوں کا خیر خواہ مخلص اور مشفق نہیں دیکھا وہ صرف خدا ہی کے لئے اپنی جان کھپایا کرتے تھے، کوئی دوسرا جذبہ نہیں ہوتا تھا۔ قریب قریب پورے دن وہ مسائل کے حل اور ان کی تعلیم و تدریس میں لگے رہتے تھے۔ جب مجلس درس سے اٹھتے تھے تو کسی مریض کی عیادت کے لئے جاتے یا کسی جنازہ میں شرکت کرتے یا کسی سے ملاقات کے لئے۔

جاتے یا پھر کسی کی کوئی اور ضرورت پوری کرنے میں لگ جاتے تھے جب رات ہو جاتی تو پھر ذکر تلاوت اور نماز کے لئے اپنے کو یکسو کر لیتے تھے پوری زندگی انہوں نے اسی طریقہ پر گزاری۔“

امام زفر کے دوسرے شیوخ :

اوپر ذکر آچکا ہے کہ امام زفرؒ ابتداً کوفہ کے دوسرے شیوخ حدیث سے استفادہ کرتے تھے اس کے بعد ان کو امام صاحب سے شرف تلمذ حاصل ہوا امام صاحب کے علاوہ جن شیوخ سے انہوں نے استفادہ کیا ان کی تعداد کافی ہے، چند مشاہیر کے نام یہ ہیں۔

سلمان بن مہران معروف بہ اعمش، یحییٰ بن سعید، محمد بن اسحق صاحب المغازی یحییٰ بن ایوب التیمی، اسمعیل بن ابی خالد، ایوب علیہ سختیانی، زکریا بن ابی زائدہ، سعید بن ابی عروبہ۔ نہایت ذہین اور ذکی تھے اس لئے اپنے تمام اساتذہ کی نظروں میں بہت محبوب رہے۔ امام ابوحنیفہؒ بھی انہیں بہت عزیز رکھتے تھے۔

امام صاحبؒ کا طریق تعلیم اور امام زفرؒ :

امام ابوحنیفہؒ کا طریقہ درس و تدریس عام شیوخ سے مختلف تھا، دوسرے شیوخ عموماً اپنی معلومات طلبہ کو املا کر دیتے تھے یا پھر زبانی تحدیث روایت کر دیتے تھے۔ مگر امام ابوحنیفہؒ کا درس مجتہدانہ اور تمرینی ہوتا تھا۔ وہ طلبہ کے سامنے مسائل پیش کر کے انہیں سے جواب لیتے تھے اور پھر ان ہی سے دلائل پوچھتے تھے، جب تلامذہ اپنی معلومات پیش کر لیتے تھے تو امام صاحب اپنی معلومات اس کے سامنے رکھتے اس بحث و تمحیص کے بعد جو اصول و فروغ طے ہو جاتے تھے، ان کو قلمبند کر لیا جاتا تھا اس طریقہ درس کا نتیجہ تھا کہ امام صاحب کے تلامذہ میں جتنے ممتاز مجتہدین اور فقہا پیدا ہوئے کسی امام کے تلامذہ میں نہیں ہوئے۔

شیوخ کی رائے :

امام صاحب امام ابو یوسفؒ اور امام زفرؒ دونوں کو تمام تلامذہ میں ممتاز حیثیت دیتے تھے ایک بار فرمایا کہ میرے چھتیس اصحاب ایسے ہیں جن میں ۲۸ قاضی ہونے کی صلاحیت رکھتے ہیں اور چھ مفتی بن سکتے ہیں اور دو آدمی یعنی ابو یوسفؒ اور زفرؒ قاضیوں اور مفتیوں کی تعلیم و تربیت کا کام کر سکتے ہیں۔

استاد کا احترام :

امام زفرؒ امام صاحبؒ کا غایت درجہ احترام کرتے تھے، فرماتے تھے کہ امام صاحب کی زندگی میں ان سے اختلاف کرتا تھا مگر اب ہمت نہیں پڑتی جب ان کی شادی ہوئی تو امام صاحب کو انہوں نے مدعو کیا اور خطبہ کی خواہش ظاہر کی اور لوگوں سے مخاطب ہو کر کہا کہ ”یہ اپنے علم و فضل اور شرف کے لحاظ سے امام المسلمین ہیں“۔ بعض لوگوں کو یہ اعزاز برا معلوم ہوا اور ان سے کہا کہ تمہارے خاندان اور قوم کے ممتاز لوگ موجود ہیں ان سے خطبہ کی خواہش نہیں کی۔ امام زفرؒ نے فرمایا کہ اگر میرے والد بھی موجود ہوتے تو میں ان پر بھی امام صاحب کو ترجیح دیتا۔

درس و تدریس :

امام صاحب نے اپنی زندگی ہی میں ان کو درس و تدریس کی اجازت دے دی تھی مگر انہوں نے استاد کی موجودگی میں غالباً درس و تدریس کا مشغلہ جاری نہیں کیا بلکہ ان کی وفات کے بعد یہ سلسلہ جاری کیا یہ نہیں معلوم ہو سکا کہ انہوں نے کوفہ میں کتنے دنوں تک درس و تدریس کے سلسلہ قائم رکھا مگر بہر حال انہوں نے کچھ دن یہاں درس دیا پھر بصرہ منتقل ہو گئے۔

بصرہ میں مجلس درس :

بصرہ کی فضا اس وقت امام صاحب کے تلامذہ کے لئے نہایت موزوں تھی گو وہاں امام صاحب کے متعدد ممتاز تلامذہ موجود تھے۔ مگر کسی نے درس و تدریس کا سلسلہ جاری کرنے کی ہمت نہیں کی۔ یوسف بن خالد بصری، امام صاحب کے شاگرد تھے جب وہ امام صاحب کی خدمت سے وطن واپس ہونے لگے تو امام صاحب نے ان سے کہا تھا کہ بصرہ میں بہت سے صاحب علم و فضل ہیں وہاں جا کر کسی کھجے^۱ سے لگ کر نہ بیٹھنا یعنی درس و تدریس کا سلسلہ نہ جاری کر دینا اور یہ کہنے لگنا کہ ابو حنیفہ نے یہ اور یہ کہا ہے ورنہ جلد ہی مسند درس اٹھا دینی پڑے گی۔ مگر انہوں نے امام صاحب کی ہدایت پر عمل نہیں کیا اور بصرہ پہنچتے ہی مسند درس قائم کر دی نتیجہ وہی ہوا جس کی امام صاحب نے پیش گوئی کی تھی یعنی ان کو جلد ہی مسند درس اٹھا دینی پڑی اس وقت بصرہ میں عثمان بن مسلم امام بصرہ تھے، یہ ان کی خدمت میں جانے لگے مگر ان سے وہاں بھی خاموش نہیں رہا اور انہوں نے امام صاحب کے اقوال ان کے سامنے پیش کرنا شروع کر دیئے جس کے نتیجہ میں شیخ عثمان کے تلامذہ نے ان کو زد و کوب تک کیا۔

۱۔ مناقب کردری جلد ۲۔ ص ۱۸۴ ۲۔ اس وقت دینی علوم کی درس گاہیں مسجدیں ہوتی تھیں یہ اسی طرف اشارہ ہے کہ مسجد کے کسی کھجے سے لگ کر مسند درس نہ بچھا دیتا۔ ۳۔ لمحات النظر۔ ص ۱۶

ان سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ بصرہ میں امام صاحب اور ان کے تلامذہ سے لوگوں میں کتنی نفرت پھیلی ہوئی تھی انہی حالات میں امام زفرؒ بصرہ جاتے ہیں۔

امام صاحب لوگوں کی نفسیات اور ان کی سیاست اور رجحان سے خوب واقف تھے اسی لئے انہوں نے یوسف بن خالد کو اہل بصرہ کے بارے میں آگاہ کر دیا تھا۔ مگر وہ اس کو نہ سمجھ سکے جس کے نتائج ان کے حق میں اچھے نہیں ہوئے۔ امام زفرؒ خود بھی ذہین اور موقع شناس تھے اور پھر امام صاحب کی اس ہدایت سے بھی واقف تھے اس لئے جب وہ بصرہ گئے تو انہوں نے پہلے حلقہٴ درس نہیں قائم کیا بلکہ شیخ عثمان بن مسلم کی مجلس درس میں شرکت کرنے لگے کچھ روز وہ چپ چاپ درس میں شریک ہو کر سنتے رہے اس کے بعد انہوں نے ان کے اصول و فروغ پر نظر ڈالی تو بہت سے مسائل کے سلسلہ میں اصل و فرع اور ماخوذ میں تضاد نظر آیا۔ امام زفرؒ ان مسائل کا تذکرہ ان کے تلامذہ سے کرتے اور پھر بدلائل ان کی غلطی واضح کرتے وہ تلامذہ اس کا ذکر شیخ سے کرتے اور ان سے اپنی رائے سے رجوع کرنے کے لئے اصرار کرتے، تھوڑے دن کے بعد نتیجہ یہ ہوا کہ امام زفرؒ سے استفادہ کرنے والوں کا ہجوم ہوا اور ان کو ایک الگ حلقہٴ درس قائم کرنا پڑا، ابواسد کہتے ہیں کہ ان کے درس میں اتنا ہجوم ہوا کہ وہاں کے اکثر حلقائے درس ٹوٹ گئے۔

امام زفرؒ بہت دقیق النظر اور باریک بین تھے اس لئے بعض تلامذہ ان کا درس سمجھ نہیں پاتے تھے اور اس سے اکتا جاتے تھے مشہور محدث و کعب بن الجراح امام صاحب کے پاس جاتے تھے تو بہت تیار ہو کر جاتے تھے، مشہور محدث و کعب بن الجراح امام صاحب کے تربیت یافتہ ہیں امام صاحب کی وفات کے بعد بغرض استفادہ صبح کو امام زفرؒ کے پاس اور شام کو امام یوسف کے پاس جایا کرتے تھے۔

لیکن امام ابو یوسف چونکہ عہدہٴ قضا اور دوسری ذمہ داریوں کی وجہ سے مشغول رہتے تھے جس کی وجہ سے ان کو استفادہ کا موقع کم ملتا تھا اس لئے انہوں نے اب صرف امام زفرؒ ہی کے پاس آمد و رفت محدود کر لی، ان کے بارے میں فرماتے تھے کہ

الحمد لله الذي جعلك خلفاً لنا عن الامام ولكن لا يذهب عني

حسرة الامام (مکروری جلد ۲، ص ۱۸۴)

”خدا کا شکر ہے آپ کو اس نے امام کا جانشین بنایا اگر امام صاحب کی غیر موجودگی کی حسرت کسی طرح دل سے نہیں جاتی۔“

۱۔ اتنا ہی نہیں ہوا بلکہ اسی اختلاف کی وجہ سے ان کو بے دین اور متبدع وغیرہ ٹھہرایا گیا۔

تلامذہ :

ان کی عمر نے زیادہ وفا نہیں کی پھر بھی جتنے دنوں انہوں نے درس دیا ان سے ایک خلق کثیر فیضیاب ہوئی چند مشہور تلامذہ کے نام یہ ہیں:

عبداللہ بن مبارک، محمد بن حسن، وکیع بن جراح، سفیان بن عیینہ، ہلال بن یحییٰ، حسن بن زیاد، محمد بن عبداللہ انصاری، فضل بن وکیع، ابراہیم بن سلیمان، بشر بن قاسم، محمد بن وہب، حافظ خالد بن حارث وغیرہ۔

عہدہ قضا :

حافظ ابن عبد البر اور عبدالقادر قریشی نے لکھا ہے کہ امام زفرؒ بصرہ کے قاضی بھی بنائے گئے تھے اور اہل بصرہ کو امام ابو حنیفہؒ اور ان کے اصحاب کے مسلک سے جو کچھ اختلاف تھا اور جو غلط فہمی تھی وہ ان کے قاضی ہی ہونے کے بعد ختم ہوئی مگر یہ خیال صحیح نہیں ہے کہ وہ بصرہ یا کسی اور جگہ کے قاضی مقرر کئے گئے۔ عدم صحت کے وجوہ یہ ہیں۔

(۱) سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ سوار بن عبداللہؒ ۱۳۸ھ سے لے کر ۱۵۶ھ تک بصرہ کے قاضی رہے۔ اور امام زفرؒ کی وفات ۱۵۸ھ میں ہوئی ہے اس لئے ان کے عہدہ قضا کے تقرر کا زمانہ زیادہ سے زیادہ دو برس کا ہو سکتا ہے۔ مگر اس مدت میں وہ منصب درس پر متمکن نظر آتے ہیں ظاہر ہے کہ ان کی عمر کا اور کوئی حصہ نہیں بچتا جس میں یہ عہدہ قبول کر سکتے ہوں۔

(۲) بعض روایتوں میں ہے کہ قاضی سوار کے بعد ان کے لڑکے عبداللہ اس عہدہ پر مامور ہوئے اگر یہ روایت صحیح ہے تو پھر امام زفرؒ کے بارے میں عہدہ قضا قبول کرنے کی روایت بالکل ہی بے بنیاد ہے۔ بصرہ کے قیام کے زمانہ میں ان سے وہاں کے اہل علم سے جو علمی مباحثے و مناظرے ہوئے اور ان کے لئے بصرہ کی فضا ہموار ہوئی اس کی وجہ سے حافظ ابن عبد البر کو یہ غلط فہمی ہوئی کہ یہ عہدہ قضا ہی کا نتیجہ ہو سکتا ہے۔

(۳) تیسری بات یہ کہ عہدہ قضا قبول نہ کرنے کے سلسلہ میں جو صریح روایتیں موجود ہیں اس کی موجودگی میں مذکور روایت بالکل ہی موضوع معلوم ہوتی ہے۔ کروری لکھتے ہیں:

اكره زفر على ان يلي القضاء فابى

”امام زفر کو مجبور کیا گیا کہ وہ عہدہ قضا قبول کر لیں لیکن انہوں نے انکار کر دیا۔“

ظاہر ہے کہ حکومت کی کسی پیشکش کو ٹھکرا دینا کچھ آسان نہیں تھا۔

چنانچہ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہدم منزله واختفی مدۃ ثم خرج واصلح منزله ثم ہدمہ ثانیاً واختفی کذا لک حتی عفی عنہ ”ان کا گھر گرا گیا اور وہ مدتوں روپوش رہے پھر آ کر انہوں نے اپنا مکان درست کر لیا پھر دوبارہ گرا دیا گیا وہ مدتوں روپوش رہے پھر جا کے ان کو معاف کیا گیا۔“

ظاہر ہے اس واضح بیان کے بعد ان کے عہدہ قضا قبول کر لینے کی روایت کے عدم صحت میں کیا شبہ رہ جاتا ہے۔

پھر امام صاحب اور ان کے تلامذہ کے عہدہ قضا نہ قبول کرنے کا واقعہ کوئی معمولی واقعہ نہیں ہے بلکہ یہ ایک غیر معمولی عزم و ارادہ، ہمت و جرات اور عدیم المثال کردار کا ثبوت ہے۔ ان کی اس قربانی اور ایثار نفسی نے دین کے وقار کو بلند کیا، حکومت کے غلط رخ کو بڑی حد تک موڑا اور یہ کہنا مبالغہ نہ ہوگا کہ امام صاحب اور امام زفر جیسے اولوالعزم بزرگوں ہی کی قربانی نے امام ابو یوسفؒ اور دوسرے بزرگوں کے لئے حکومت کی فضا سازگار بنائی کہ وہ حکومت میں رہ کر دینی مقاصد پر روئے کار لاسکے۔

پھر یہ بات بھی قابل قدر ہے کہ کوئی معمولی لیاقت کا آدمی اس عہدہ سے انکار کرتا تو زیادہ تعجب انگیز نہیں تھا۔ اس لئے کہ اس وقت کے سلاطین و وزراء تک بھی اچھے خاصے دین کے عالم ہوتے تھے، ان کے سامنے ان کی لیاقت اور علمی صلاحیت کا ہر وقت امتحان ہوا کرتا تھا اور پھر وہ حکومت تقریباً شخصی حکومت تھی، جس کے لئے جس قتل ایک معمولی بات تھی، اس لئے ہر شخص اس کے قبول کرنے کی جرات کر بھی نہیں سکتا تھا، مگر امام صاحب اور ان کے تلامذہ نے اپنی غیر معمولی صلاحیت کے باوجود ایک دینی مقصد کی خاطر اس سے انکار کیا تھا، خود امام زفر کے متعلق امام صاحب فرمایا کرتے تھے کہ قاضی بننا تو معمولی بات ہے یہ تو قاضیوں کی تربیت و تادیب کر سکتے ہیں۔

شادی :

غالباً ان کی دو شادیاں ہوئی تھیں ایک ممتاز محدث خالد بن حارث کی بہن سے دوسری ان کے بڑے بھائی کی بیوہ سے غالباً یہ نکاح صرف انہوں نے بیوہ کی پرورش کی خاطر کر لیا تھا۔

وفات :

بہت کم عمری یعنی کل ۴۸ سال کی عمر میں وفات پائی، وفات کے وقت امام ابو یوسف موجود تھے، انہوں نے آخری وصیت کی خواہش ظاہر کی، انہوں نے کہا کہ یہ سامان میری بیوی کے لئے ہے،

اور یہ تین ہزار درہم میرے بھتیجے کے لئے ہیں پھر فرمایا کہ نہ تو مجھ پر کسی کا کوئی حق ہے اور نہ میرا کسی پر کوئی حق ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے کوئی اولاد نہ تھی۔

اخلاق و عادات :

اپنے زہد و اتقاء اخلاق و کردار کے لحاظ سے بھی اپنے معاصرین میں ممتاز تھے، ان کی فات کے بعد لوگوں میں یہ عام چرچا تھا کہ محض آخرت کی باز پرس کے خوف سے ان کا انتقال ہوا۔ حالانکہ ان کی زندگی بالکل بے داغ تھی، خود فرماتے تھے کہ میں نے اپنے بعد کوئی ایسی چیز نہیں چھوڑی جس کی باز پرس کا مجھے خوف ہو۔

ابراہیم بن سلیمان کہتے ہیں کہ جب ہم لوگ امام زفرؒ کی خدمت میں بیٹھے تو کسی کی یہ مجال نہیں تھی کہ وہ دنیاوی باتوں کا تذکرہ کر سکتا۔ اور اگر کوئی شخص دنیا کا تذکرہ چھیڑ ہی دیتا تو وہ مجلس سے اٹھ جاتے تھے۔

امام صاحب کے شاگردوں میں داؤد طائی مشہور صاحب زہد و تقویٰ بزرگ گذرے ہیں، ان سے اور امام زفرؒ سے بہت زیادہ بھائی چارہ تھا حسن بن زیاد کہتے ہیں کہ داؤد صرف عبادت میں مشغول ہو گئے۔ مگر امام زفرؒ علم و عبادت دونوں کے جامع تھے۔

یحییٰ بن اسلم فرماتے ہیں کہ میرے والد امام صاحب کے بعد امام زفرؒ کی مجالس اس لئے زیادہ جانا پسند کرتے تھے کہ وہ علم کے ساتھ صاحب ورع و تقویٰ بھی تھے۔ خود فرماتے تھے میں نے دنیا میں رہنے کی کبھی بھی خواہش نہیں کی، اور نہ میرا دل کبھی دنیا کے مزخرفات کی طرف مائل ہوا۔

علم و فضل :

علم و فضل میں ان کو جو امتیاز حاصل تھا اس کا کچھ تذکرہ اوپر آچکا ہے، اس سلسلہ میں ائمہ فقہ و حدیث کے چند اقوال اور نقل کئے جاتے ہیں۔

امام ابو حنیفہ نے ایک بار ایک مجمع میں فرمایا کہ۔

”ہو امام من ائمة المسلمين و علم من اعلام الدين۔“

”وہ ائمہ مسلمین کے ایک امام اور دین کی سر بلندی کے ایک نشان ہیں۔“

دوسرے ائمہ نے بھی ان کے علم و فضل کا اعتراف کیا ہے، عثمان بن ابی شیبہ کہتے تھے کہ

۱۔ مناقبت کردری۔ جلد ۲۔ ص ۱۸۶ ۲۔ مناقبت کردری۔ جلد ۲۔ ص ۱۸۶ ۳۔ ایضاً۔ ص ۱۸۳ ۴۔ مفتاح السعاده

۵۔ مناقبت۔ ص ۱۸۳ ۶۔ کردری۔ جلد ۲۔ ص ۱۸۳

میں نے اپنے والد سے ان کے علم و فضل کے بارے میں پوچھا تو فرمایا کہ اس زمانہ کے سب سے بڑے فقیہ ہیں۔ ان کے اندر فقہ و حدیث کا پڑا اچھا امتزاج تھا، لوگوں سے کہا کرتے تھے کہ تمہارے پاس جو احادیث ہو ہو میرے سامنے پیش کرو میں رطب و یابس الیک کر دوں گا۔

امام صاحب کے تلامذہ کے بارے میں عام طور سے یہ غلط فہمی تھی کہ وہ قیاس کو حدیث و آثار پر ترجیح دیتے ہیں، لیکن یہ ایک صریح بہتان تھا، امام زفر فرماتے تھے کہ احادیث و آثار کی موجودگی میں ہم لوگ قیاس کو ترک کر دیتے ہیں۔

علم حدیث میں انہوں نے اپنی جو تحریریں یادگاریں چھوڑی ہیں، ان کا تذکرہ آگے آئے گا۔

مجتہد کی حیثیت سے :

امام صاحب کے دوسرے مخصوص تلامذہ امام ابو یوسف اور امام محمد کی طرح امام زفر کو بھی لوگوں نے مجتہد مطلق قرار دیا ہے، امام ابو یوسف کے حالات میں ہم اس کی پوری توضیح کر آئے ہیں اس لئے ان کا اعادہ تحصیل حاصل ہے، امام زفرؒ کے متعلق جن لوگوں نے یہ خیال ظاہر کیا ہے ان کی دلیل یہ ہے کہ امام زفرؒ نے ایک بار فرمایا تھا کہ میں امام صاحب کی زندگی میں اختلاف کیا کرتا تھا لیکن اب اختلاف سے ڈرتا ہوں، اس لئے کہ ان کی زندگی میں اختلافی مسائل ان کے سامنے پیش ہوئے تھے تو روکد کے بعد اکثر ان کی رائے کو ترجیح دینی پڑی تھی، مگر اب اس کی کوئی شکل باقی نہیں ہے۔

یہ بات اپنے موقع محل کے لحاظ سے صحیح ہے مگر ان کو مقلد محض قرار دے کر ان کے تمام مجتہدات کو نظر انداز کر دینا صریح ظلم ہے۔ اوپر ذکر آچکا ہے کہ امام صاحب خود اپنے تلامذہ سے فرمایا کرتے تھے کہ میرے کسی قول پر اس وقت تک فتویٰ نہ دو جب تک اس کا ماخذ معلوم نہ ہو جائے، جب امام صاحب خود اپنے تلامذہ کو تقلید محض سے منع کرتے تھے، تو پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ جس بات سے انہوں نے اپنے تلامذہ کو سختی سے منع کیا ان کے تلامذہ اسی کو اپنا شعار بنا لیتے، پھر امام صاحب نے اپنے درس و تدریس کا طریقہ ہی ایسا رکھا تھا کہ ان میں اجتہاد و استنباط کی صلاحیت لامحالہ پیدا ہو جاتی تھی، ان تمام باتوں کے باوجود ان کے تلامذہ میں سے تو کوئی مجتہد مطلق پیدا نہ ہوا اور ان سے کن درجہ کے لوگ اس مرتبہ پر فائز کر دیتے جائیں، یہ انتہائی زیادتی کی بات ہے، خاص طور پر امام زفر جن کے مجتہد مطلق ہونے کے بعض اور دلائل بھی ہیں۔

امام زفر کے تقریباً سترہ اجتہاد کردہ مسئلے ایسے ہیں جن میں وہ بالکل منفرد ہیں، اور فقہ حنفی میں ان کے مطابق فتوے دیئے جاتے ہیں، ان مسائل کو الاشاہ والنظار کے شارح اور مشہور فقیہ احمد حموی نے ایک رسالہ میں جمع کر دیا ہے، اس رسالہ کی متعدد شرحیں اور تلخیصیں کی گئی ہیں۔

اسی طرح ابو زید دہلوی نے اپنی کتاب تاسیس النظر میں ایک باب میں خاص طور سے ان مسائل سے بحث کی ہے، جن میں امام زفر نے امام صاحب سے اصولی یا فردعی اختلاف کیا ہے، اس کی تمام تفصیلات علامہ زاہد الکوثری نے امام زفر کے سوانح حیات میں کی ہیں، آخر میں وہ لکھتے ہیں کہ۔

ان کے مخصوص مجتہدات کی طرف، اتقانی زرکشی اور علامہ بزودی وغیرہ نے بھی اشارہ کیا ہے۔ اس کے بعد وہ پھر لکھتے ہیں۔

فان كان شان المجتهد المطلق الانفراد بمسائل في الاصول والفروع
فها هو زفر له انفرادات في الناحيتين على ان الموافقة لامام في الرى
في بعض مسائل الاصول والفروع عن علم بادلته لا تخل
بالاجتهاد المطلق اصلاً.

” اگر مجتہد مطلق کی شان یہی ہے کہ وہ بعض اصولی اور فردعی مسائل میں منفرد ہو تو دونوں حیثیتوں سے امام زفر منفرد ہیں، اور بعض اصولی یا فردعی مسائل میں ان کے دلائل و ماخذ کی واقفیت کے ساتھ امام صاحب کی ہمنوائی کرنا بھی اجتہاد مطلق کے بغیر ممکن نہیں ہے۔“

امام صاحب ان کے بارے میں فرماتے ہیں کہ ”اقیس اصحابی“ میرے اصحاب میں سب سے زیادہ قیاس کرنے والے “

امام غزالی سے کسی نے اصحاب ابو حنیفہ کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کی خصوصیات بیان کرنے کے بعد فرمایا زفر سب سے زیادہ دقیقہ سنج تھے۔

تصنیف :

امام زفرؒ اپنے علم و فضل کے لحاظ سے امام صاحب کے خاص تلامذہ امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ سے کم تر نہیں تھے، مگر ان میں تصنیف و تالیف کا وہ مادہ یا تو فطرۃً کم تھا یا انہوں نے اس مشغلہ کو اختیار ہی نہیں کیا اس لئے نہ تو ان کے خیالات اتنے زیادہ پھیل سکے جتنے ان دونوں بزرگوں کے پھیلے، اور نہ ان کو وہ شہرت ہوئی جو صاحبین کو ہوئی۔

مناقب کردری میں ہے۔

کان زفر قليل الكتابة يحفظ بالسمع حسن القياس
”امام زفر لکھتے بہت کم تھے، وہ جو کچھ سنتے تھے اسے حافظہ میں محفوظ کر لیتے تھے، اور
بہترین قیاس کرتے تھے۔“

حاکم نے حدیث میں ان کی دو کتابوں کا تذکرہ کیا ہے، لکھتے ہیں۔

ان لزفر نسختين في الحديث احدا همارواية اني وهب والاخرى
روايته شداد بن حكم ۱۔

”حدیث میں امام زفر کے دو مجموعے ہیں ایک کے راوی ابو وہب اور دوسرے کے راوی
شداد بن حکم ہیں۔“

بے فائدہ کلامی مسائل سے گریز :

اوپر ذکر آچکا ہے کہ اس زمانہ میں فلسفہ کے اثر سے علماء میں بہت سے ایسے مباحث اور لفظی
اختلافات پیدا ہو گئے تھے، جن کی حیثیت دین میں تو کچھ نہیں تھی، مگر سوا اتفاق سے۔۔۔۔۔ وہ اُس
وقت توحید و آخرت کے مسائل کی طرح اہم ہو گئے تھے، اور جو لوگ ان کلامی مسائل اور فلسفیانہ
موٹگافیوں سے اپنے دامن کو بچائے رکھنے کی کوشش کرتے تھے، ان کے دامن پر بھی لوگ دو چار چھنٹیں
ڈال ہی دیتے تھے۔

امام صاحب اور ان کے تقریباً تمام اصحاب و تلامذہ ایسے غیر ضروری مسائل و مباحث سے
گریز کرتے تھے۔ مگر پھر بھی لوگوں نے ان کی طرف ایسی باتیں منسوب کر دیں، جن سے ان کا کوئی
تعلق نہیں تھا۔ اس وقت قرآن کے مخلوق اور غیر مخلوق ہونے کا مسئلہ عام طور سے موضوع بحث بنا ہوا
تھا، اور اس کے بارے میں عموماً لوگ آئمہ سے سوالات کرتے تھے۔ امام زفر گوان لایعنی باتوں سے
بہت گریز کرتے تھے مگر پھر بھی کبھی کبھی زبان کھولنے پر مجبور ہونا پڑتا تھا۔ ایک روز کسی نے قرآن کے
بارے میں پوچھا، انہوں نے جواب دیا،

القرآن كلام الله
”قرآن کلام الہی ہے۔“

یہ نہایت عاقلانہ جواب تھا، مگر سائل کا مقصد کچھ اور تھا، اس لئے اس نے فوراً ہی پھر پوچھا
کہ کیا وہ مخلوق ہے؟ امام زفرؒ نے ذرا تند مگر ہمدردانہ لہجے میں فرمایا کہ

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

اس توثیق و تعدیل کے ساتھ بعض محدثین اور ارباب رجال نے ان پر نقد و جرح بھی کیا ہے، مثلاً ابن مہدی قاضی سوار وغیرہ۔

لیکن جیسا کہ ہم امام محمد کے حالات میں لکھ آئے ہیں کہ جو لوگ ایک ہزار برس سے زیادہ سے متبوع و مطاع چلے آتے ہوں اور جن کے علم و فضل پر امت کا ایک بہت بڑا طبقہ اعتماد کرتا چلا آتا ہو ان کے بارے میں اگر دو چار آدمیوں کی راتیں اچھی نہ بھی ہو تو اس سیان کی شخصیت پر کوئی اثر نہیں پڑتا، اگر ان منفرد رایوں پر کوئی حکم لگایا جائے تو پھر مشکل سے کوئی ممتاز محدث یا فقیہ ثقہ رہ جائے گا۔

www.ahlehaq.org



بسم الله الرحمن الرحيم

حضرت امام اوزاعیؒ

امام اوزاعیؒ "أَنْ ائِمَّةَ تَبَعَ تَابِعِينَ" میں ہیں، جن کا شمار دوسری صدی کے ممتاز مجتہدین مثلاً امام ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ، سفیان ثوریؒ وغیرہ کے زمرہ میں ہوتا ہے۔ ان کی عظمت کا اندازہ اس سے کیا جاسکتا ہے کہ دوسری صدی ہجری میں فقہ و حدیث کے جو مکاتب فکر پیدا ہوئے، ان میں ایک کے بانی یہ امام اوزاعیؒ بھی ہیں۔

انہوں نے تقریباً پوری زندگی شام میں بسر کی۔ اس لئے زیادہ تر یہیں ان کے مسلک و فتاویٰ کی ترویج و اشاعت ہوئی اور یہیں سے یہ مسلک اندلس میں پہنچا۔

شام بنو امیہ کا سب سے بڑا سیاسی مرکز تھا۔ اسی لئے اموی حکومت پر بھی ان کے علم و فضل اور فقہ و فتاویٰ کا اثر پڑا تھا۔ غالباً اسی وجہ سے حکومت نے ان کے سامنے عہدہ قضا پیش کیا۔ مگر انہوں نے قبول کرنے سے انکار کر دیا۔

۱۳۲ھ میں جب مشرق سے بنی امیہ کا سیاسی اقتدار ختم ہوا تو اس خاندان کے بعض حوصلہ مند افراد مغرب اقصیٰ پہنچے اور اندلس کی حکومت میں ایک نئی جان ڈالی۔ ان ہی کے ذریعہ امام اوزاعیؒ کا مسلک اندلس آیا اور ایک مدت تک اس پر اہل اندلس کا عمل رہا۔

شام میں تقریباً دو صدی تک اور اندلس میں تقریباً ایک صدی یعنی حاکم بن ہشام متوفی ۲۵۶ھ کے عہد تک یہ مسلک زندہ رہا۔ اس کے بعد مشرق میں حنفی و شافعی اور مغرب میں مالکی و حنبلی مسلکوں نے اس کی جگہ لے لی اور بالآخر آہستہ آہستہ اس مسلک پر تعامل ختم ہو گیا۔

فقہ و حدیث کی کتابوں میں اب بھی ان کے مجتہدات کا ذکر ملتا ہے۔ ان کے سوانح حیات کی پوری تفصیل ملاحظہ ہو :

ابتدائی حالات :

امام اوزاعی کا نسبی تعلق یمن کے قبیلہ بنو ہمدان یا بنو حمیر سے تھا۔ مگر ان کا خاندان وہاں سے ترک وطن کر کے شام چلا آیا اور یہاں دمشق کے قریب ایک بستی اوزاعی^۱ میں بود و باش اختیار کر لی۔ اسی نسبت سے ان کو اوزاعی کہا جاتا ہے۔

بچپن کا نام عبدالعزیز تھا۔ بعد میں اسے تبدیل کر کے عبدالرحمن رکھا اور اسی نام سے وہ مشہور ہیں۔ ان کی کنیت ابو عمر و اور والد کا نام عمرو تھا^۲۔

شام کے مشہور شہر بعلبک میں ۸۵ھ میں ان کی ولادت ہوئی۔ ابھی بچے ہی تھے کہ سر سے والد کا سایہ اٹھ گیا اور یہ یتیم ہو گئے۔ ماں نے نہ جانے کن کن مصیبتوں اور تکلیفوں کے ساتھ ان کی پرورش کی۔ حافظ ابن کثیر نے لکھا ہے کہ ان کا نشو و نما کسی ایک جگہ نہیں ہوئی بلکہ ان کی والدہ (غالباً) معاشی پریشانیوں کی وجہ سے ان کو شہر بہ شہر لئے پھرتی تھیں۔ بہت دنوں تک ادھر ادھر کی خاک چھاننے کے بعد خدا نے نہ جانے کیا صورت پیدا کر دی کہ بیروت میں قیام پذیر ہو گئیں۔

امام ذہبی نے لکھا ہے کہ ان کی ولادت بعلبک میں ہوئی اور پرورش کرک میں ہوئی^۳۔ اس کے بعد ان کی والدہ ان کو کرک سے لے کر بیروت چلی آئیں اور یہیں اقامت گزریں ہو گئیں۔ بہر حال بیروت پہنچنے کے بعد غالباً ان کو کچھ اطمینان نصیب ہوا تو تعلیم و تربیت کا آغاز ہوا۔

ان کی ابتدائی تعلیم و تربیت اور بچپن کے دوسرے حالات و کوائف کا ذکر تذکروں میں بہت ہی کم بلکہ قریب قریب نہیں ملتا ہے۔ اس کی وجہ بالکل ظاہر ہے۔

جو بچے خوشحال اور فارغ البال گھرانوں میں پیدا ہوتے ہیں یا کم از کم ان کو اپنے والدین کا سایہ عاطف ہی نصیب ہوتا ہے، ان کا بچپن ایک خاص نہج سے گزرتا ہے۔ ان کی تعلیم ایک خاص

۱۔ بعض ارباب تذکرۃ نے لکھا ہے کہ اوزاع یمن کے قبیلہ ذوالکلاع کی ایک شاخ ہے۔ یمن سے ترک وطن کر کے جب یہ لوگ شام آئے تو جہاں یہ آباد ہوئے اسی مقام کا نام اوزاعی پڑ گیا۔ مگر میں نے سمعانی کے بیان کو ترجیح دی ہے۔ حافظ ذہبی نے ان کے بارے میں لکھا ہے کہ اصلہ من سبی السند ان کا خاندانی تعلق سندھ سے تھا۔ اس اعتبار سے ان کو ہندوستانی کہنا چاہئے مگر راقم کو اس بیان پر شک ہے۔ اس لئے اس کی تائید کسی دوسرے بیان سے نہیں ہوئی۔ راقم نے اس کی تردید میں ایک مفصل مضمون لکھا ہے، جو معارف اپریل ۱۹۶۱ء میں چھپ گیا ہے۔ جو لوگ اس کی تفصیل چاہتے ہوں، وہ مضمون دیکھ لیں۔ ۲۔ ابن خلکان۔ جلد اول۔ ص ۴۹۲ اسمعانی لفظ اوزاعی

۳۔ دمشق کے پاس ایک گاؤں تھا، اس نام کے دوسرے مقامات بھی ہیں ۴۔ ابن خلکان۔ جلد اول۔ ص ۴۹۲ حافظ ابن حجر نے لکھا ہے کہ انہوں نے آخر عمر میں بیروت میں سکونت اختیار کر لی تھی۔ مگر دوسرے تذکرہ نگاروں نے وہی لکھا ہے جس کو میں نے اختیار کیا ہے۔

نظم و تربیت اور تربیت ایک خاص معیار کے مطابق ہوتی ہے۔ ایسے بچے آگے چل کر جب کسی ممتاز حیثیت کے مالک ہوتے ہیں تو ان کے بچپن اور ان کی تعلیم کے واقعات سینکڑوں آدمیوں کو یاد ہوتے ہیں۔ اس لئے سوانح نگاروں کو ان کے ابتدائی حالات معلوم کرنے میں کوئی دقت محسوس نہیں ہوتی۔ مگر امام اوزاعیؒ اس طرح کی تمام نعمتوں سے محروم تھے۔

نہ تو وہ کسی خوشحال گھرانے میں پیدا ہوئے، نہ ان کے والد کا سایہ ان کے سر پر تھا۔ حتیٰ کہ ان کو سن شعور تک کسی ایک جگہ رہنا بھی نصیب نہیں ہوا۔ ان کی ولادت کہیں ہوئی، بچپن کسی اور جگہ گذرا اور جوانی کے ایام کہیں اور بسر ہوئے۔ ایسی صورت میں ان کے بچپن کے حالات اور تعلیم و تربیت کے ابتدائی واقعات پردہ اخفا میں ہیں تو کوئی تعجب کی بات نہیں۔

تعلیم اور اساتذہ :

مگر اس کے باوجود ان کی انشا پردازی، فصاحت و بلاغت اور تحریر و تقریر کی بے پناہ قوت و صلاحیت سے اس بات کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے کہ ان کی ابتدائی تعلیم و تربیت ایسے ماحول اور ایسے اساتذہ کی صحبت میں ہوئی جو ان حیثیتوں سے ممتاز تھے۔

اہل تذکرہ نے ان کے زمانہ طالب علمی کے جو دو ایک واقعے بیان کئے ہیں اور ان کے جن اساتذہ کا تذکرہ کیا ہے، ہم اسے یہاں نقل کرتے ہیں :

اوپر ذکر آچکا ہے کہ یہ اپنی والدہ کے ساتھ بیروت میں سکونت پذیر ہو گئے تھے، یہ بیروت ہی میں تھے کہ ایک بار ان کو یمامہ جانے کا اتفاق ہوا۔ یمامہ میں اس وقت ممتاز محدث یحییٰ بن کثیر کی مجلس درس برپا تھی۔ اس میں شریک ہونے لگے۔ ان کو یحییٰ کی مجلس ایسی پسند آئی کہ اسی کے ہور ہے۔ کچھ دنوں کے بعد (غالباً ان کی صلاحیت کے اندازے کے بعد) استاذ نے ہدایت کی کہ وہ بصرہ جا کر محمد بن سیرین اور شیخ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہما سے سماع حدیث کریں۔

استاذ کے حکم کے بموجب وہ بصرہ روانہ ہو گئے۔ مگر یمامہ سے بصرہ پہنچنا کچھ آسان نہ تھا۔ یمامہ اور بصرہ کے درمیان کئی سو میل کا مسافت تھی۔

پھر امام اوزاعیؒ کو نہ تو سواری میسر تھی اور نہ بھرپور زاد راہ۔ نہ جانے وہ کس کس طرح اور کتنے دنوں میں افقاں و خیزاں بصرہ پہنچے۔ وہاں پہنچتے ہی یہ اندوہ ناک خبر ملی کہ جن بزرگوں سے سماع حدیث کے لئے وہ اتنی دور سے پایادہ آئے ہیں، ان میں سے ایک یعنی امام بصریؒ واصل بحق ہو چکے ہیں اور

دوسرے امام محمد بن سیرین صاحب فراش ہیں۔ اس خبر سے ان کو جو رنج ہوا ہوگا، اس کا اندازہ کرنا مشکل ہے، مگر سوائے صبر کے چارہ کار کیا تھا۔

وہ ابن سیرین کی خدمت میں پہنچے تو دیکھا کہ وہ بستر مرگ پر پڑے ہیں۔ ایسی حالت میں وہ سماع حدیث سے تو بہرہ مند نہیں ہو سکتے تھے۔ اس لئے انہوں نے اپنے سعادت اسی میں سمجھی کہ وہ مہلت بھی میسر ہے، اس میں حضرت ابن سیرین کی خدمت میں حاضر ہو جایا کریں۔ چنانچہ جب تک وہاں رہے برابر ان کی عیادت کے لئے جاتے رہے۔ ممکن ہے اس اثنا میں انہوں نے ان سے زبانی کوئی حدیث سنی ہو، جیسا کہ بعض تذکرہ نگاروں نے لکھا ہے۔ مگر عام ارباب تذکرہ لکھتے ہیں کہ ان کو محمد بن سیرین سے سماع حدیث حاصل نہیں ہے^۱۔

انہوں نے تابعین کی ایک کثیر تعداد سے حدیث نبوی کی سماعت کی ہے۔ حافظ ابن کثیر

نے لکھا ہے :

ادرك خلقا من التابعين . (البدایہ . جلد اول . ص ۱۱۶)

”تابعین کی ایک کثیر تعداد کی انہوں نے صحبت اٹھائی ہے۔“

اہل تذکرہ نے ان کے جن اساتذہ کا ذکر کیا ہے ان میں چند ممتاز تابعین اور تبع تابعین

کے نام یہ ہیں :

عطاء بن ابی رباح، قتادہ، نافع مولیٰ ابن عمر، امام زہری، محمد بن ابراہیم، شداد بن ابی عمارہ، قاسم بن خمیرہ، ربیعہ بن یزید وغیرہ۔

امام زہری اور یحییٰ بن کثیر کے بارے میں امام اوزاعی کا خود کا بیان ہے کہ ان دونوں اماموں نے (غالباً زبانی سماع حدیث کے بعد) مجھے اپنے اپنے صحیفے (جن میں ان کی مرویات لکھی ہوئی تھیں) دیئے اور فرمایا کہ

اردھا عنی ”میرے واسطے سے تم اس کی روایت کرو۔“

یعقوب بن شیبہ نے یحییٰ بن معین کا قول نقل کیا ہے کہ وہ امام زہری سے امام اوزاعی کی

روایت کو کوئی اہمیت نہیں دیتے تھے۔ مگر ابن شیبہ یہ قول نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں :

”زہری سے امام اوزاعی کی روایت خاص چیز ہے۔“^۲

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ابن شیبہ نے ابن معین کی اس رائے کو قبول نہیں کیا ہے۔

درس واقفا :

بعض سوانح نگاروں نے لکھا ہے کہ یہ تیرہ برس کی عمر میں مسند درس واقفا پر بیٹھ گئے تھے مگر اس روایت میں یا تو مبالغہ ہے یا غلط فہمی کا بنا پر عمر غلط درج ہو گئی ہے جو حافظ ابن کثیر نے لکھی ہے کہ ۱۱۳ھ سے جب کہ ان کی عمر پچیس برس کی تھی، انہوں نے فتویٰ دینا شروع کر دیا تھا۔ یہ تو پتہ چلتا ہے کہ انہوں نے باقاعدہ اپنی کوئی مجلس درس قائم کی تھی مگر تمام ارباب تذکرہ لکھتے ہیں کہ دینی مسائل میں اہل شام ان ہی طرف رجوع کرتے تھے۔ ہقل بن زیاد جو ان کے خاص شاگرد ہیں، ان کا بیان ہے :

افتی الا وزاعی فی سبعین الف مسئلہ بحد ثنا و اخبرنا ۔

”انہوں نے ستر ہزار مسئلوں کا جواب حدیث کی روشنی میں دیا۔“

اس سے پتہ چلتا ہے کہ ان کی خاص مجلس درس تو قائم نہیں تھی مگر دوسرے طریقوں سے اہل علم ان سے استفادہ و روایت کرتے تھے۔ محاسن المساعی میں ہے کہ وہ نماز فجر کے بعد خاص ضرورت کے علاوہ کسی سے بات چیت نہیں کرتے تھے، بلکہ ذکر الہی میں مشغول رہتے تھے۔ تلامذہ انتظار میں رہتے تھے۔ جب سورج نکل آتا تھا تو اُستاذ و تلامذہ فقہ و حدیث کے مذاکرہ میں لگ جاتے تھے۔ ثویقومون فیتذکرون فی الفقہ والحديث - (ص ۷۲)

ان سے روایت کرنے والوں میں متعدد اکابر ائمہ ہیں، چند کے نام یہ ہیں :

امام مالکؒ، امام شعبہؒ، سفیان ثوریؒ، عبد اللہ بن مبارکؒ، یحییٰ بن سعید القطانؒ، ابن ابی الزمادہ، ہقل بن زیاد، ابواسحاق انفرادی وغیرہ۔

امام اوزاعی کو یہ فخر حاصل ہے کہ امام زہریؒ اور افادہ نے بھی جوان کے اُستاذ اور ائمہ تابعین کے سرخیل ہیں، ان سے روایت کی ہے۔

فضل و کمال :

ان کے فضل و کمال کا اعتراف تمام اکابر ائمہ فقہ و حدیث نے کیا ہے۔ یحییٰ بن معین فرماتے تھے، ائمہ تو چار ہیں، امام ابو حنیفہؒ، امام مالکؒ، سفیان ثوریؒ اور امام اوزاعیؒ۔ عبد الرحمن

۱۔ البدایہ۔ جلد ۱۰۔ ص ۱۱۶

۲۔ تہذیب۔ جلد ۶۔ ص ۲۳۹

۳۔ البدایہ۔ جلد ۱۰۔ ص ۱۱۶ ابھی تک امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ کے مسلکوں کی شہرت نہیں ہوئی تھی۔ بلکہ اسلامی مملکت کی بیشتر آبادی ان ہی ائمہ کے فقہ و فتاویٰ سے مرہم تھی۔

بن مہدی کا قول ہے کہ اس وقت حدیث میں چار امام ہیں، امام اوزاعیؒ، امام مالکؒ، سفیان ثوریؒ اور حماد بن زیدؒ۔ ان ہی کا قول ہے کہ شام میں امام اوزاعیؒ سے زیادہ سنت نبویؐ کا جاننے والا کوئی دوسرا نہیں ہے۔

امام شافعی کا بیان ہے کہ میں نے حدیث میں ان سے زیادہ سمجھدار اور فقیہ آدمی نہیں دیکھا۔ سفیان بن عیینہؒ ان کے بارے میں کہتے تھے کہ یہ اپنے زمانہ کے امام ہیں۔ ابواسحاق فراری کا قول ہے کہ میں نے امام اوزاعیؒ، سفیان ثوریؒ جیسا صاحب علم و فضل نہیں دیکھا۔

ابوزرعد رازی فرماتے تھے، امام اوزاعیؒ اپنے علم و فضل اور کثرتِ روایت کی بنا پر اہل شام کے مرجع بن گئے تھے اور اہل شام ان ہی سے فتاوے لیتے تھے۔

اوپر ذکر آچکا ہے انہوں نے تقریباً ستر (۷۰) ہزار مسائل کا جواب حدیث و آثار کی روشنی میں دیا تھا۔ اُمیہ بن زید سے کسی نے پوچھا کہ مکحولؒ کے مقابلہ میں اوزاعیؒ کا کیا درجہ ہے۔ انہوں نے کہا کہ اوزاعیؒ کا رتبہ ہمارے نزدیک مکحولؒ سے زیادہ ہے۔ پوچھا کہ مکحولؒ نے تو صحابہؓ کو دیکھا تھا۔ فرمایا کہ ہاں روایت صحابہؓ کا فضل انہیں ضرور حاصل تھا۔ مگر یہ فضل اضافی ہے۔ امام اوزاعیؒ میں جو فضل و کمال ہے وہ ان کا ذاتی ہے۔ دوسری روایت میں ہے کہ ان میں علم و عبادت اور اظہارِ حق ہر چیز جمع تھی۔

امام مالکؒ فرماتے تھے کہ امام اوزاعیؒ ان ائمہ میں ہیں، جن کی اقتدا کی جاسکتی ہے۔

(البدایہ۔ جلد ۱۰۔ ص ۱۱۶)

امام نوویؒ ان کے فضل و کمال کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

وقد اجمع العلماء على امامة الاوزاعي وجلالته وعلو مرتبة
وكمال فضله۔

”امام اوزاعیؒ کی امامت، جلالتِ شانِ علوم مرتبت اور فضل و کمال پر سب کا اتفاق ہے۔“

اس کے بعد انہوں نے لکھا ہے کہ سلف کے قوال مشہور و معروف ہیں۔

حافظ ابن کثیر نے ان کے علم و فضل کی تصویر ان الفاظ میں کھینچی ہے :

خلفاء و وزراء اور تجار و غیرہ کسی طبقہ میں بھی ان سے زیادہ صاحب علم و فضل اور فصیح و بلیغ، متقی

۱۔ تہذیب المعجم۔ جلد ۶۔ ص ۲۳۹ ان کے حالات کتاب میں درج ہیں
۲۔ ایضاً۔ ص ۲۳۲
۳۔ ایضاً
۴۔ تہذیب الاسماء۔ جلد اول۔ ص ۹۹۹۔ ۳۰۰
۵۔ ایضاً

و پرہیزگار آدمی نہیں دیکھا۔ فقہ و حدیث، سیرت و مغازی اور دوسرے اسلامی علوم میں نہ صرف اپنے اہل وطن پر بلکہ تمام ممالک اسلامیہ پر ان کی سیادت کا سکھ بیٹھا ہوا تھا۔ زبان و ادب کا ذوق بھی ان میں فطری تھا۔

ان کی تحریر و تقریر دونوں نہایت فصیح و بلیغ ہوتی تھیں۔ ان کی زبان سے جو بات بھی نکلتی لوگ حسن بیان اور فصاحت کی وجہ سے اس کو لکھ لیتے تھے اور وہ تحریر بطور نمونہ اپنے پاس رکھتے تھے۔ دربار خلافت میں بھی ان کی تحریریں بڑی وقعت کی نگاہ سے دیکھی جاتی تھیں۔ خصوصیت سے عباسی خلیفہ منصور کو ان کی تحریر بہت پسند تھی۔ ایک بار اس نے اپنے خاص کاتب سے کہا کہ حکومت کی طرف خطوط و فرائین ملک کے دوسرے حصوں میں بھیجے جاتے تھے۔ ان میں تمہیں امام اوزاعی کی تحریر سے مدد لینی چاہئے تاکہ ان خطوط کی زبان فصیح و بلیغ سمجھی جائے۔ کاتب نے کہا کہ امیر المؤمنین پوری مملکت میں اس وقت ایک آدمی بھی ایسا نہیں ہے جو ان کی تحریر کا چربہ اُتار سکے یا اس کی تقلید کر سکے۔

ان کے علم و فضل کا تذکرہ ان کی تصنیفات کے ضمن میں بھی آئے گا۔

عقائد میں ان کا مسلک :

اس زمانہ میں جبر و قدر کے مسائل عام طور پر رائج ہو گئے تھے۔ خاص طور پر ایمان کے بسیط و مرکب ہونے کی بحثیں عام طور پر اہل علم کا موضوع بحث تھیں۔ امام اوزاعی اس بارے میں عام محدثین اور سلف کا مسلک رکھتے تھے۔ فرماتے ہیں کہ ہمارے اسلاف ایمان و عمل میں تفریق نہیں کرتے تھے۔ عمل ایمان سے ہے اور ایمان عمل سے۔ ایمان ایک جامع لفظ ہے جو اپنی زبان سے ایمان کا اقرار کرے، قلب میں اس کی معرفت رکھے اور عمل سے اس کا ثبوت دے، اس نے ایک کڑا تھام لیا جو ٹوٹ نہیں سکتا، فقد استمسک بالعروة الوثقی، لا انفصام لها۔ اور جو شخص زبان سے تو ایمان کا اظہار کرے، مگر نہ تو اس کا قلب اس کی معرفت کا لذت شناس ہو اور نہ عمل سے اس کا ثبوت دے تو ایسے شخص کا ایمان خدا کے یہاں مقبول نہیں۔ آخرت میں وہ ناکامیاب ہوگا۔

مناظرہ :

امام اوزاعی بحث و مباحثہ اور مناظرہ و مجادلہ سے دور رہتے تھے، مگر جب اس کی ضرورت آ جاتی تھی تو اثبات حق کے لئے مناظرہ بھی کر لیا کرتے تھے۔ پہلی صدی کے آخر میں یونانی فلسفہ کے اثر سے

بہت سے فرقے پیدا ہو گئے تھے۔ ان میں ایک فرقہ قدریہ بھی تھا۔ دوسری صدی کی ابتداء میں اس کا بڑا زور تھا۔ ان کا خیال تھا کہ تقدیر کوئی چیز نہیں۔ خدا پیدا کر دینے کے بعد پھر اس میں کوئی تبدیلی پیدا کرنے پر قادر نہیں ہے۔ انسان بالکل مختار مطلق ہے۔ وہ جو چاہے کرے، اس کے لئے محض اس کی مشیت اور اس کا ارادہ کافی ہے۔

ہشام بن عبد الملک متوفی ۱۲۵ھ سے لوگوں نے ایک قدری کی شکایت کی۔ اس نے اس کو بلوایا اور کہا کیا بات ہے کہ تمہارے بارے میں لوگ چمی گویاں کر رہے ہیں۔ بولا کہ اگر لوگ میری شکایت کرتے ہیں تو اس کا فیصلہ تو اسی وقت ہو سکتا ہے جب مجھے کوئی قائل کر دے کہ میں جو کچھ کہتا ہوں وہ غلط ہے۔ اگر کوئی مجھے قائل کر دیتا ہے تو آپ کو میری طرف سے پوری اجازت ہے کہ میرا سر قلم کر دیں۔ ہشام نے کہا بات معقول ہے۔ ہشام نے امام اوزاعیؒ کو بلوا کر عرض کیا کہ آپ ہماری طرف سے اس سے گفتگو کیجئے۔

امام اوزاعیؒ نے قدری سے فرمایا کہ تین یا چار باتیں تم سے پوچھنا چاہتا ہوں تم ان میں انتخاب کر لو۔ اس نے کہا آپ تین سوال کر سکتے ہیں۔ فرمایا،

هل قضی اللہ علی مانہی؟ کیا خدا نے جس چیز سے روکا ہے، اس کے خلاف بھی فیصلہ کرتا ہے۔ بولا کہ اس کا میرے پاس کوئی جواب نہیں ہے۔ پھر پوچھا کہ خدا نے جو حکم دیا ہے، اس کے درمیان خود حائل بھی ہو جاتا ہے۔ بولا، یہ تو پہلے سوال سے بھی زیادہ سخت ہے۔ اس کا بھی میرے پاس کوئی جواب نہیں۔ پھر سوال کیا کہ جن چیزوں کو اس نے حرام کیا ہے، اس کے استعمال کی بھی اجازت دیتا ہے۔ کہا یہ اور بھی مشکل ہے۔ امام اوزاعیؒ نے فرمایا،

امیر المؤمنین! میں نے تین باتیں پوچھیں، تینوں کے جواب سے عاجز رہا، خود فیصلہ کر لیں۔ ہشام نے اس کو وہی سزا دی جس کا وہ مستحق تھا۔

پھر الگ سے ہشام نے اوزاعیؒ سے پوچھا کہ اگر وہ ایک ہی سوال کی اجازت دیتا تو آپ اس سے کیا پوچھتے؟ فرمایا، میں اس سے پوچھتا کہ تمہاری اور خدا کی مشیت برابر درجہ کی چیز ہے یا کم درجہ کی۔ اس کا وہ جو جواب دیتا، اس کے عقیدہ کے خلاف ہوتا۔ پھر انہوں نے اپنے سوال کی تفصیل بتائی۔

خلافت کی اہلیت :

غیر معمولی علم و فضل کے ساتھ حکمرانی و انتظام ملکی صلاحیت بہت کم جمع ہوتی ہے مگر یہ دونوں خوبیاں بیک وقت ان میں مود جو تھیں ایک بار امام اوزاعیؒ اور سفیان ثوریؒ امام مالکؒ

کے پاس گئے وہاں سے واپس ہوئے تو امام مالک نے ان کے متعلق فرمایا کہ سفیان علم میں بڑھے ہوئے ہیں اور اوزاعی علم کے ساتھ انتظام ملکی کی صلاحیت بھی رکھتے ہیں۔ امام ذہبی نے لکھا ہے:

وكان يصلح للخلافة

”وہ خلیفہ بنائے جانے کے لائق تھے۔“

امام مالک فرماتے تھے کہ انہیں صلح للامامة یہ امامت کے لائق تھے ابواحق فزاری فرماتے تھے کہ اس زمانہ میں اگر خلفاء کے انتخاب کا اختیار امت کو دے دیا جائے تو میں امام اوزاعی کو منتخب کروں گا۔ (محاسن الساعی ص ۱۱)

امیر شکیب ارسلان لکھتے ہیں کہ

امام اوزاعی عالم تھے مگر وہ عام علماء کی طرح نہیں تھے بلکہ ان کے علم و عمل میں مطابقت تھی۔ انہوں نے حفظ و روایت اور فکر و نظر ہی تک اپنی توجہ مبذول نہیں رکھی بلکہ امت کے ہر کام سے دلچسپی لی، انہوں نے عبادت و ریاضت کر کے محض اپنی ذات ہی کی نجات کی راہ نہیں ڈھونڈی بلکہ عدل و انصاف کے پھیلانے اور مخلوق خدا کی بھلائی اور راحت رسانی کی فکر بھی کی۔ امام کثرت عبادت اور ورع و زہد کے ساتھ اس حدیث پر بھی عامل تھے۔

عدل ساعة خير من عبادة الف شهر

”ایک گھڑی کا عدل و انصاف ہزار مہینہ کی عبادت سے بہتر ہے۔“

سیرت و کردار :

سیرت و کردار میں صحابہ و تابعین کا نمونہ تھے۔ زہد و قناعت سخاوت و فیاضی، حق گوئی و بے باک، وعظ و پند اور امت کی خیر خواہی یہ سب ان کے نمایاں اوصاف تھے۔ بچپن سے انہوں نے فقر و فاقہ کی زندگی بسر کی تھی۔ مگر زہد و قناعت کا حال یہ تھا کہ خود کبھی دربار خلافت کا رخ نہیں کیا۔

خلفائے بنو امیہ کے یہاں بھی معزز محترم تھے اور خلفائے عباسیہ میں بھی ان کا وقار اور اعزاز تھا۔ مگر کبھی کسی سے کوئی مدد نہیں لی۔ خلفائے بنو امیہ نے ان کو متعدد بار جاگیریں دیں تھیں، نیز دربار خلافت کی طرف سے مختلف اوقات میں تقریباً ستر ہزار دینار کے عطیے ان کی خدمت میں پیش

کئے گئے مگر انہوں نے نہ تو کبھی ان جاگیروں کے کسی چپہ سے فائدہ اٹھایا اور نہ نقد رقم کا ایک حب اپنی ذاتی ضروریات پر خرچ کیا بلکہ یہ ساری جائیداد اور پوری رقم فقر اور مساکین اور جہاد فی سبیل اللہ میں لگا دی اور خود ہمیشہ فقر و فاقہ کی زندگی بسر کی جب انتقال ہوا تو سارا اثاثہ بیت سات دینار سے زیادہ کا نہ تھا۔

جرات و حق گوئی :

جرات و حق گوئی ان کی سیرت کا سب سے نمایاں وصف تھا۔ اس سلسلہ میں امیر شکیب ارسلان نے جو کچھ لکھا ہے اس کو ہم یہاں نقل کرتے ہیں :

”امام اوزاعی نے خلفاء و امراء کے سامنے جس جرات و حق گوئی کا ثبوت دیا ہے اس کی مثال تاریخ اسلام میں بہت کم ملے گی۔ لبنان کے عیسائیوں کے بارے میں وہاں کے امیر صالح بن علی کو انہوں نے جو خط لکھا اس کو غور سے پڑھیے، بنو امیہ کے بارے میں عبد اللہ بن علی سے انہوں نے جو گفتگو کی اس کو سامنے رکھیے، منصور کو انہوں نے جو ناصحانہ خطوط لکھے ان پر ایک نظر ڈال لیجئے ان سب میں آپ کو ان کا یہ وصف نمایاں نظر آئے گا۔“

ولعمری لو کان العلماء الذین من نخط الا و زاعی عدد کبیرا فی
الاسلام لما قد کان اسرع الفساد الی المجمع الاسلامی ولا
کانت انحطت ودل الاسلام بعد ذلک العلو فی الارض وانما
کانت آفة هذه الامة فساد امرائها وحين علما نها . (ص ۱۵)

”خدا کی قسم اگر علمائے امت میں امام اوزاعی کی روش اختیار کرنے والوں کی ایک معتدبہ تعداد موجود رہا کرتی تو اسلامی معاشرہ میں نہ تو اتنی جلدی فساد پیدا ہو جاتا اور نہ اسلامی حکومت غیر معمولی عروج کے بعد اتنی جلد زوال پذیر ہوتی۔ اس امت کی ساری مصیبت امرا کا بگاڑ اور علماء کی بزدلی ہے۔“

امام اوزاعیؒ نے جن جن مواقع پر امرا اور خلفاء کے سامنے جرات و حق گوئی کا ثبوت دیا ہے اسکی تفصیل ملاحظہ ہو۔

بنو امیہ کی حکومت سے امام اوزاعیؒ کا کوئی خاص لگاؤ نہیں تھا۔ مگر جس ظلم و تشدد کے ساتھ وہ شام سے جلا وطن کئے گئے تھے غالباً وہ امام کو پسند نہیں تھا، ممکن ہے کہ انہوں نے اس بارے میں کچھ اظہار خیال بھی کیا ہو۔ عبد اللہ بن علیؒ جس نے شام سے بنو امیہ کا خاتمہ کیا تھا جب اس کو بنو امیہ کی

طرف سے کچھ اطمینان ہوا تو اس نے ان تمام لوگوں کا صفایا کرنا شروع کیا جن کو اُموی خلافت سے کسی درجہ میں بھی ہمدردی تھی، اس سلسلہ میں امام اوزاعی کی بھی تلاش ہوئی یہ کئی دن چھپے رہے مگر پھر جرأت کر کے خود دربار میں حاضر ہو گئے۔ فرماتے ہیں کہ جس وقت میں دربار میں داخل ہوا تو دیکھا کہ عبداللہ ایک تخت پر متمکن ہے اور اس کے ہاتھ میں ایک نیزہ ہے اس کے ارد گرد بہت سے جلا دنما سپاہی نگلی تلواریں لئے کھڑے ہیں۔ میں نے پہنچ کر سلام کیا اس نے سلام کا جواب دینے کے بجائے اپنے نیزہ کو زمین پر ٹپکتے ہوئے کہا:

اوزاعی! ہم نے ان ظالموں (بنو اُمیہ) سے ملک اور اس کے باشندوں کا نجات دلانے میں جو جنگ کی ہے یہ جہاد ہے کہ نہیں؟ امام اوزاعی کے لئے یہ بڑا سخت وقت تھا۔ مگر انہوں نے نہایت ہی حکیمانہ جواب دیا، فرمایا کہ میں نے یحییٰ بن سعید کے واسطے سے یہ حدیث نبوی سنی ہے کہ ”تمام اعمال کا دار و مدار نیت پر ہے، ہر شخص اپنے اعمال میں جیسی نیک و بد نیت کرے گا ویسا ہی اسے اجر ملے گا۔“

مقصود یہ تھا کہ اگر تمہاری نیت صرف ملک گیری کی تھی تو تم کو اس کا اجر ملے گا اور اگر اعلائے کلمۃ اللہ مقصود تھا تو پھر جہاد کا ثواب ملے گا۔

یہ غیر متوقع جواب سن کر ابن علی غصہ سے بیتاب ہو گیا اور اسی غصہ میں اپنے نیزہ کو زمین پر ایک بار پھر تیزی سے ٹپکا اور معاذ و سراسوال یہ کیا کہ

یا اوزاعی ما تقول فی دماء بنی امیہ

”اے اوزاعی! بنی اُمیہ کے خون کے بارے میں کیا خیال ہے؟“ (یعنی ان کا قتل کرنا جائز ہے یا حرام)

آپ نے اپنی طرف سے کوئی جواب دینے کے بجائے نہایت ہی متانت کے ساتھ ایک حدیث پھر سنائی، وہ حدیث یہ ہے:

”آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا! ہے کہ مسلمان کا خون کرنا تین حالتوں میں جائز ہو سکتا ہے، قصاص میں یا شادی کے بعد زنا میں یا پھر ارتداد کے بعد۔“

یہ جواب بھی اس کی توقع کے بالکل خلاف تھا۔ اسی لئے اس نے اس دفعہ اور زیادہ غصہ کا اظہار کیا پھر پوچھا کہ اچھا،

”بنو اُمیہ کے مال کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟“

آپ نے فرمایا! ان کے پاس جو دولت تھی اگر وہ حرام ذریعہ سے ان کے ہاتھ میں آئی تھی تو بہر حال وہ تمہارے ہاتھ میں پہنچ کر حلال تو نہیں ہو سکتی۔ اور اگر حلال تھی تو تم اس کو اسی طریقہ سے لے سکتے ہو جس طرح شریعت نے اجازت دی ہے۔“

یہ جواب سن کر وہ بالکل آگ بگولہ ہو گیا، امام اوزاعی فرماتے ہیں کہ میں اس جواب کے بعد متوقع تھا کہ ابھی وہ میرے قتل کا حکم دے دیگا۔ مگر اب اس نے ترہیب کے بجائے ترغیب سے کام لینا شروع کیا۔ اس نے مجھ سے پوچھا کہ کیوں اگر آپ کو عہدہ قضا سونپ دیا جائے تو کیا ہرج ہے؟ انہوں نے کہا کہ آپ کے اسلاف نے اس ذمہ داری سے مجھے سبکدوش رکھا تو میں چاہتا ہوں کہ آپ بھی اسی روش پر قائم رہیں۔

اس سوال و جواب کے بعد اس نے ان کو واپس جانے کی اجازت دے دی۔ امام اوزاعی دربار سے رخصت ہو کر ابھی کچھ دور ہی گئے تھے کہ عبداللہ کا ایک قاصد لپکا ہوا ان کے پاس پہنچا، امام اوزاعی نے دیکھا تو سمجھے کہ وہ غالباً میرے قتل کا پروانہ لا رہا ہے چاہا کہ فوراً سواری سے اتر کر دو رکعت نماز ادا کر لیں۔

چنانچہ انہوں نے نماز کی نیت باندھ لی۔ قاصد انتظار کرتا رہا جب وہ نماز سے فارغ ہوئے تو اس نے دو سو دینار کی ایک تھیلی پیش کی اور کہا کہ یہ امیر نے آپ کے لئے بھیجا ہے امام اوزاعی کا بیان ہے کہ میں نے خوف کی بناء پر یہ رقم لے لیکن مگر گھر پہنچنے سے پہلے پوری رقم صدقہ کر دی۔

منصور کا صحانہ خطوط :

خلفائے عباسیہ میں منصور حد درجہ خود رائے، جابر اور تشدد واقع ہوا تھا۔ اسی نے عہدہ قضا نہ قبول کرنے پر امام ابو حنیفہؒ کو کوڑے لگوائے اور قید کر دیا تھا۔ اسی نے طلاق مکہ میں اس کی مرضی کے خلاف فتویٰ دینے پر امام مالکؒ کو سر بازار رسوا کیا اور ان کا ایک ہاتھ بازو سمیت اکھڑا دیا تھا۔ اسی نے سفیان ثوریؒ جیسے برگزیدہ بزرگ کو طرح طرح کی تکلیفیں دیں۔ یہ سب واقعات امام اوزاعی کے سامنے تھے، مگر اس کے باوجود وہ حق گوئی و بیباکی سے باز نہیں رہتے تھے۔

منصور اپنی خود رائی اور جبر و استداد کے باوجود غالباً اپنی سیہ کاری کو چھپانے کے لئے اس بات کا خواہش مند رہتا تھا کہ امام اوزاعی اس کے دربار میں آکر نیک مشورے دیں۔

۱۔ قتل سے پہلے دو رکعت نماز ایک صحابی حضرت خباب بن ارتؓ کی سنت ہے۔

۲۔ البدایہ والنہایہ۔ ص ۱۱۸ تذکرہ الحفاظ۔ جلد اول۔ ص ۱۶۲-۱۶۳

مگر امام اوزاعی بغیر طلب کے نہ کبھی دربار میں آئے اور نہ بغیر کسی شدید ملتی ضرورت کے کوئی تحریر لکھی۔

پہلی بار منصور جب شام آیا اور امام اوزاعی سے ملاقات ہوئی، تو انہوں نے اس کو بہت سی نصیحتیں کیں۔ جب واپس ہونے لگے تو انہوں نے منصور سے کہا کہ مجھے سیاہ لباس پہننے سے معاف رکھا جائے۔ اس نے اجازت دے دی۔ جب وہ دربار سے رخصت ہو گئے تو اپنے ندیم خاص ربیع کو ان کے پاس بھیجا اور کہا کہ میرا نام ظاہر نہ کرنا بلکہ اپنی طرف سے دریافت کرنا کہ سیاہ لباس وہ کیوں ناپسند کرتے ہیں۔ ربیع کے دریافت کرنے پر فرمایا سیاہ لباس نہ تو احرام میں استعمال کیا جاتا ہے، نہ تجہیز و تکفین میں اور نہ شادی کے موقع پر، تو پھر اس کی کیا ضرورت ہے۔

ایک بار منصور نے ان کو ایک خط لکھا اور یہ آرزو کی کہ کوئی خیر خواہانہ مشورہ دیجئے۔ اس کے جواب میں انہوں نے نہایت مختصر اور بلیغ خط لکھا۔ اس کے الفاظ ملاحظہ ہوں:

اما بعد! فعليك يا امير المؤمنين بتقوى الله عز وجل وتواضع
يرفعك الله تعالى يوم يضع المتكبرين في الارض بغير الحق واعلم
ان قرابتك من رسول الله صل الله عليه وسلم ولن تزيد حق الله
الا وجوباً۔

”امیر المؤمنین آپ اپنے اوپر خدا کا تقویٰ لازم کر لیجئے اور تواضع اختیار کیجئے۔ خدا تعالیٰ آپ کو اس دن بلند کرے گا جس دن ان متکبرین کو جو ناحق زمین پر بڑے بنتے ہیں۔ ذلیل کرائے گا اور اچھی طرح غور کر لیجئے کہ آنحضرت ﷺ سے آپ کی قرابت خدا کے یہاں حق سے زیادہ آپ کو کچھ نہ دلائے گی۔“

اس خط میں امام اوزاعی نے منصور کی تین کمزوریوں کی طرف توجہ دلائی ہے، جنہوں نے اس کو حد درجہ مستبد بنادیا تھا، یعنی خوف خدا کی کمی، حکومت کا غرور اور نسلی شرف۔ اگر کوئی اہم دینی یا ملتی ضرورت پیش آجاتی تو بغیر طلب بھی اس کو خط لکھ کر اس کی طرف متوجہ کرتے تھے۔

ابراہیم بن علی اور محمد بن حسن نے منصور کے خلاف جب علم بغاوت اٹھایا تو منصور نے سرحدی مسلمانوں سے بھی مدد مانگی۔ انہوں نے مدد نہیں دی۔ چونکہ وہ رومی حکومت کے بالکل زد میں

۱۔ سیاہ لباس عباسی حکومت کا سرکاری لباس تھا۔ اس وقت دربار میں اس لباس میں نہ پہنچنے کے معنی بغاوت کے تھے۔

۲۔ حسن المسائی مرتبہ امیر فلیب ارسلان۔ ص ۱۱۹

۳۔ ایضاً۔ ص ۱۲۰

تھے، (غالباً حکومت نے منصور کی خفگی سے فائدہ اٹھا کر) انہوں نے بہت سے سرحدی مسلمانوں کو قید کر لیا۔ اور منصور کے پاس لکھا کہ اگر آپ چاہیں تو فدیہ دے کر مسلمان قیدیوں کو چھڑا سکتے ہیں۔ منصور چونکہ ان سے ناخوش تھا، اس لئے اس نے انکار کر دیا۔

امام اوزاعی کو جب اس کی اطلاع ہوئی کہ ہزاروں مسلمان رومیوں کے ہاتھ قید و بند کی مصیبت جھیل رہے ہیں اور منصور رہا کرانے کی کوئی فکر نہیں ہے تو انہوں نے ایک لمبا سخت خط لکھا، جس میں منصور کی ذمہ داریوں کا ذکر کر کے مسلمان قیدیوں کی رہائی کی طرف توجہ دلائی۔ اس خط کو مع ترجمہ ہم یہاں نقل کرتے ہیں :

اما بعد ! فان الله تعالى استرعاك الله هذه الامة لتكون فيها بالقسط قائما وبنييه صلى الله عليه وسلم وفي خفض الجناح والرافة متشابها واسأل الله تعالى ان يكن على امير المؤمنين وهمنا هذه الامة ويرزقه رحمتها فان سائخة المشركين التي غلبت عام اول وموطئهم حريم المسلمين واستنزا لهم العوائق والذراى من المعاقل والحصون كان ذلك بذنوب العباد وما عفا الله اكثر فبذنوب العباد استنزلت العوائق والذراى من المعاقل والحصون ، لا يلقون لهم ناصرا ولا عنهم مدافعا كما شفقت رؤسهن واقدامهن فكان ذلك بمراى ومسمع وحديث ينظر الله الى خلقه اعراضه واعراضهم فليتنق الله يا امير المؤمنين وليتبع بالقادة بهم من الله سبيلا وليخرج من حجة الله فان الله تعالى قال لنبيه وما لكم لا تقاتلون فى سبيل الله والمستضعفين من الرجال والنساء والولدان وقد بلغنى عن رسول الله صلى الله عليه وسلم وانه قال انى اسمع بكأ الصبى فى الصلاة فاتجوز فيها مخافة ان تفتن فكيف تبخلتهم يا امير المؤمنين ! فى ايدى العدد يمتنهنهم ويتكشفون منهم ما لا يستحله الا بنكاح وانت راعى الله والله تعالى فوتك وسوف منك ” يوم نضع الموازين القسط ليوم القيامة فلا تظلم نفس شيئا وان كان مثقال حبة من حردل اتينا بها وكفى بنا حاسبين “ -

اما بعد! اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس اُمت کا ذمہ دار اور نگہبان اس لئے بنایا ہے کہ آپ اس میں انصاف قائم کریں اور مسلمانوں کے ساتھ محبت اور شفقت میں نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سنت سے مشابہت پیدا کریں۔ میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ مسلمانوں پر اس وقت جو مصیبت آئی ہے، اس میں وہ آپ کو اطمینان نصیب کرے اور ان پر رحم کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ اس سال کی ابتداء میں (رومی) مشرکین کو جو غلبہ ہوا ہے، اس میں انہوں نے مسلمانوں کے گھروں کو روند ڈالا ہے۔ ان کی عورتوں اور بچوں کو ان کے گھروں اور قلعوں سے نکال کر ذلیل کیا ہے۔ یہ سب بندوں کے گناہوں کا نتیجہ ہے۔ اگرچہ خدا نے ان کے گناہوں کو بہت کچھ معاف کر دیا ہے، ورنہ اور بڑی مصیبت آتی تو بندوں کے گناہوں کا ہی نتیجہ ہے کہ عورتیں اور بچے اپنے گھروں اور پناہ گاہوں سے اس طرح نکالے گئے) کہ نہ ان کا کوئی مددگار ہے اور نہ ان کی طرف سے کوئی مدافعت کرنے والا ہے۔ عورتوں کی بے بسی کا حال یہ ہے کہ ان کے سر اور پیر ننگے ہیں اور یہ سب ہمارے دیکھتے اور سنتے ہو رہا ہے اور جس وقت خدا تعالیٰ اپنی اور ان کی عزت کی تخلیق پر نگاہ ڈالے گا، تو امیر المؤمنین اس بارے میں آپ کو خدا سے ڈرنا چاہئے اور ان کا فدیہ دے کر خدا کے غضب سے بچنے کا کوئی راستہ ڈھونڈنا چاہئے اور اس کی حجت سے کوئی مفر تلاش کرنا چاہئے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا ہے کہ تم کو کیا ہو گیا ہے کہ تم اللہ کے راستہ میں لڑتے نہیں اور کمزور مرد، عورتیں بچے اس بستی سے نکلنے کی دعا کرتے ہیں۔ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد گرامی پہنچا ہے کہ آپ نے فرمایا کہ ”اگر نماز میں بچے کی رونے کی آواز سنتا ہوں اس کو مختصر کر دیتا ہوں کہ اس کی ماں پریشان نہ ہو“۔ ان احکام کی موجودگی میں امیر المؤمنین مسلمانوں کو ان کے دشمنوں کے ہاتھ میں چھوڑ دینا کیسے جائز ہو سکتا ہے کہ وہ ان کو تکلیف دیں اور ان کی بے حرمتی کریں۔ آپ خدا کے راعی ہیں، وہ آپ سے اس دن اس ذمہ داری کا پورا پورا حق چاہے گا۔ اُس نے کہا کہ جس دن ہم انصاف کی ترازو لگائیں گے اس دن کسی پر ظلم نہ ہوگا، اگر کوئی رائی کے برابر بھی بُرائی کرے گا تو ہم اس کو سامنے لائیں گے اور ہمارا حساب کافی ہے۔“

اہل تذکرہ بیان کرتے ہیں کہ اس خط کا یہ اثر ہوا کہ اس نے فوراً فدیہ دے کر مسلمانوں کو رہا کر لینے کا حکم دیا۔

فلما وصل کتابہ امر بالفداء .

”جس وقت یہ خط پہنچا، اسی وقت اس نے فدیہ دے کر مسلمانوں کو چھڑا لینے کا حکم دیا۔“
اس خط کی اہمیت کا پورا اندازہ اسی وقت ہو سکتا ہے جب منصور کی مستبدانہ روش کو بھی نگاہ میں یکھا جائے۔

غیر مسلم رعایا کی ساتھ عدل کی تاکید :

ان کا یہ طرز عمل صرف مسلمانوں ہی کے ساتھ نہیں تھا بلکہ غیر مسلموں پر بھی وہ اسی طرح شفیق و رحیم رہتے تھے۔ اس سلسلہ میں امیر شکیب ارسلان کا بیان ملاحظہ ہو :

امام اوزاعی ”ضروری سمجھتے تھے کہ اسلام نے انسان کو جو بنیادی حقوق دیئے ہیں وہ ان کو دین مذہب کی تفریق کے بغیر دیئے جائیں۔“

چنانچہ امیر صالح بن علی نے جب جبل لبنان کے نصاریٰ پر ظلم کیا تو انہوں نے سخت نکیر کی اور اس کو خط لکھا۔ وہ اس آیت قرآنی پر عامل تھے، لَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَايُنَا قَوْمٌ عَلٰی اَنْ لَا تَعْدِلُوْا اسی طرح جب اہل قبرص کا معاملہ پیش ہوا تو اس میں بھی مداخلت کی۔ غرض یہ کہ ان کی روش سے صاف طور پر معلوم ہوتا تھا کہ اسلام عدل و انصاف اور انسانی حقوق کی حفاظت کرنے والا دین ہے اور ظلم و تعدی سے اس کو نفرت ہے۔ (ص ۱۳)

ایک بار منصور نے ان کو بلا بھیجا۔ دُور سے آتا تھا، اس لئے دیر ہو گئی۔ دربار میں پہنچے تو منصور نے کہا، میں دیر سے منتظر تھا۔ آپ نے اس کا تو جواب نہیں دیا، لیکن یہ پوچھا کہ آپ نے کس لئے یاد کیا ہے۔ بولا کچھ اخذ و استفادہ کرنا چاہتا ہوں۔ ارشاد ہوا، میں تیار ہوں، مگر اس شرط کے ساتھ کہ میں جو کچھ کہوں اسے آپ بھول نہ جائیں۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ میں آپ کے ارشادات کو بھلا دوں۔ جب کہ میں نے خود ہی اس کے لئے آپ کو تکلیف دی ہے۔ فرمایا، ہاں، اس کو آپ سن تو لیں گے مگر اس پر عمل نہ کریں گے۔ ان کا یہ انداز گفتگو منصور کے حاجب ربیع کو برا معلوم ہوا اور ان کو تنبیہ کرنی چاہی، مگر منصور نے اس گستاخی سے یہ کہہ کر اسے روک دیا کہ تم کو معلوم نہیں ہے کہ درس و افادہ کی مجلس ہے، شاہی دربار نہیں۔

جب امام اوزاعی ”کو پورا اندازہ ہو گیا کہ منصور میں اس وقت جذبہ نصیحت پذیری موجود ہے اور ان کی باتوں کو بڑی توجہ سے سن رہا ہے، تو اس کے سامنے چند احادیث نبوی بیان کیں۔“

پہلی حدیث مکحول کے واسطے سے یہ بیان کی کہ ”آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ جب کسی

بندے کو خدا کے دین کی کوئی بات معلوم ہوتی اور وہ اس کو قبول کر کے اس کی قدر کرتا ہے تو اس لئے وہ خدا کی ایک نعمت ہوتی ہے جو خاص طور پر اس کے لئے بھیجی گئی ہے۔ اور اگر وہ اٹھ کر اس کی ناقدری کرتا ہے، تو اس کے اوپر وہ ایک حجت ہوتی ہے اور اس ناقدری کی وجہ سے وہ اپنے گناہوں میں بھی اضافہ کر لیتا ہے اور خدا کا غضب بھی بڑھ جاتا ہے۔

اس حدیث کے سننے کا مقصد یہ تھا کہ جو باتیں میں کہوں اس کی قدر دانی تمہارے لئے مفید ہوگی اور ناقدری کرو گے تو دنیا و آخرت دونوں جگہ تم نقصان اٹھاؤ گے۔

پھر دوسری حدیث یہ سنائی کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ ”جو حاکم رعیت پر ظلم و زیادتی کر کے چین کی غیند سوتا ہے، خدا اس کے اوپر جنت حرام کر دے گا۔“

یہ حدیث سننے کے بعد ایک لمبی تقریر کی۔ جس کا ایک ایک جملہ حرز جاں بنانے کے قابل ہے۔ عام فائدہ کے لئے ہم یہاں چند جملے نقل کرتے ہیں :

”امیر المؤمنین! جس نے حق بات کو ناپسند کیا، اس نے خدا کو ناپسند کیا۔ اس لئے کہ اللہ سراسر حق ہی ہے، هو الحق المبین۔ امیر المؤمنین جس چیز نے لوگوں کے دلوں کو آپ کی طرف مائل کیا اور انہوں نے آپ کو اپنا حاکم بنایا وہ رسول ﷺ کی قرابت نسبتی تھی اور رسول اللہ ﷺ امت کے لئے نہایت ہی مہربان، رحیم، ہمدرد اور غم خوار تھے۔ آپ کے لئے یہ ضروری ہے کہ آپ لوگوں پر حق (خدا کا حق ہو یا بندوں کا) نافذ کریں۔ ان کے درمیان انصاف کریں۔ ان کی غلطیوں سے چشم پوشی کریں، (اس بات پر اس ماحول کو سامنے رکھ کر غور کرنا چاہئے، جس میں ادنیٰ سے غلطی پر گردن زدنی کا حکم ہو جایا کرتا تھا)۔ ان کے اوپر اپنا دروازہ کھلا رکھیں۔ یہ نہ ہو کہ آپ کے دروازہ پر پہرہ دار بیٹھے رہیں اور لوگ آپ تک نہ پہنچ سکیں۔ آپ کو عوام کی خوشحالی سے مسرت ہو، اور ان کی بدحالی سے رنج۔ آپ کے زیر حکومت عرب و عجم، مسلم و کافر سبھی ہیں۔ ان میں ہر ایک کا یہ حق ہے کہ آپ ان کے ساتھ انصاف کریں۔ پھر سوچئے کہ یہاں گروہ درگروہ ایسے لوگ ہیں، جنہیں آپ سے کوئی نہ کوئی شکایت ہے اور ان پر کوئی نہ کوئی ظلم آپ کی طرف سے ہوا ہے۔

امیر المؤمنین! مکحول سے مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ کے ہاتھ ایک چھڑی رہا کرتی تھی، جس پر آپ ٹیک لگا کر چلا کرتے تھے اور ہاتھ میں ہونے کی وجہ سے منافقین پر ایک رعب بھی طاری رہتا تھا۔

چنانچہ ایک دن حضرت جبریلؑ آئے اور کہا کہ ”اے محمد! کیا یہی چھڑی ہے جس سے

آپ اپنی امت کا سرکپلتے اور خوف زدہ کرتے ہیں؟ آپ سوچئے کہ اس شخص کا خدا کے یہاں کیا حال ہوگا، جس نے لوگوں کے چہرے خون آلود کئے، ان کا خون بہایا، ان کی بستیاں اجاڑیں، ان کو جلاوطن کیا اور ان پر رعب جمایا۔
امیر المؤمنین! اپنے نفس کو اپنے فائدہ ہی کے لئے راضی کر لیجئے اور اس کے لئے اپنے رب سے امان حاصل کیجئے۔

امیر المؤمنین! اگر حکومت و سلطنت آپ سے پہلے گزرنے والوں کے ساتھ رہنے والی ہوتی تو وہ آپ تک نہ پہنچتی اور یہ آپ کے پاس بھی باقی نہیں رہے گی۔ جس طرح دوسروں کے پاس باقی نہ رہی۔ آپ نے اس آیت لَا يُغَادِرُ صَغِيرَةً وَلَا كَبِيرَةً کی تفسیر اپنے نانا صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی سنی ہے۔ آپ نے فرمایا کہ صغیرہ سے مراد قبسم اور کبیرہ سے مراد صغک یعنی کھل کر ہنسنا ہے تو پھر کیا وہ مظالم خدا کے یہاں لکھے ہوئے نہ ہوں گے اور ان کا بدلہ نہ ملے گا، جو آپ کے ہاتھوں اور زبان کے ذریعہ ہوئے ہیں۔

امیر المؤمنین! حضرت عمر فاروقؓ کو کتنا احساس ذمہ داری تھا۔ اس بارے میں یہ روایت مجھے ملی ہے۔ فرمایا:

لَوَمَاتِ سَخْلَةَ عَلَى شَاطِئِ الْغُرَاتِ لَخَشِيتُ أَنْ أَسْأَلَ عَنْهَا .
”اگر ایک بکری کا بچہ بغیر میری دیکھ بھال کے فرات کے کنارے مر جائے، تو مجھے ڈر ہے کہ مجھ سے اس کی بازپرس ہوگی۔“
تو پھر اس کے بارے میں آپ سے کتنی زبردست بازپرس ہوگی جو آپ کے سامنے آپ کے عدل سے محروم رہا۔

امیر المؤمنین! اس آیت يَا دَاوُدُ إِنَّا جَعَلْنَاكَ خَلِيفَةً فِي الْأَرْضِ فَاحْكُمْ مِنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوَىٰ کی تفسیر آپ کے دادا (آنحضرت ﷺ) نے کیا فرمائی۔ یہ فرمائی کہ خدا تعالیٰ کہتا ہے کہ اے داؤد! تمہارے سامنے دو آدمی فیصلہ کرانے کے لئے آئیں اور ایک کی طرف تمہارا میلان ہو اور اس سے تمہیں محبت ہو تو تمہارے دل میں یہ خیال نہ ہو کہ کاش اسی کے موافق فیصلہ ہو اور وہ اپنے فریق کے مقابلہ میں کامیاب ہو۔ اگر ایسا کرو گے تو میں نبوت کی ذمہ داری تم سے واپس لے لوں گا۔ ظاہر ہے کہ اس کے بعد نہ تمہاری خلیفۃ الارض کی حیثیت باقی رہے گی اور نہ کوئی دوسرا شرف (کیونکہ یہ سب نبوت کے طفیل میں ہے)۔

اے داؤد! میں نے جن لوگوں کو بندوں کے پاس رسول بنا کر بھیجا ہے، ان کا اسی طرح گلہ بان ہونا چاہئے، جس طرح اونٹ کا گلہ بان ان کی گلہ بانی کرتے ہیں۔ ان کے علم کا تعلق، دیکھ بھال اور نگرانی سے ہے اور ان کی نرمی کا تعلق حکمرانی سے ہے۔ تاکہ شکستہ دلوں کے زخم پر پھایا رکھیں اور مجبوروں اور ناتوانوں کی ضروریات پوری کریں۔

امیر المؤمنین! آپ پر ایک ایسی ذمہ داری ڈالی گئی ہے کہ اگر وہ آسمان وزمین اور پہاڑوں پر ڈالی جاتی تو وہ اس کے اٹھانے سے انکار کر دیتے۔ مجھ سے یزید بن فقیہ شام نے یہ بیان کیا ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ نے ایک شخص کو زکوٰۃ کی وصولی پر مقرر کیا۔ کچھ دنوں بعد دیکھا کہ وہ گھر پر موجود ہے۔ آپ نے پوچھا کہ کیا چیز مانع ہوئی کہ تم وصولی پر گئے نہیں۔ تم کو معلوم نہیں کہ تم کو اس کام کا اجر جہاد کے برابر ملے گا۔ اس نے کہا، ایسا نہیں ہے۔ آپ نے فرمایا، کیوں۔ اس نے کہا کہ مجھے حدیث نبوی ﷺ پہنچی ہے کہ آپ نے فرمایا کہ قیامت کے دن ہروالی اور حاکم کو بلایا جائے گا اور اس کو آگ کے پل پر کھڑا کر دیا جائے گا۔ جس کی وجہ سے اس کے جسم کے اعضاء ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں گے۔ اس کے بعد پھر وہ واپس لایا جائے گا اور اس سے حساب کتاب ہوگا۔ اگر اس نے اپنی ذمہ داری بخوبی انجام دی ہے تو بچ جائے گا۔ ورنہ پھر وہ پل اس کو جہنم میں پہنچا دے گا۔

حضرت عمر فاروقؓ نے اس سے پوچھا کہ یہ روایت کس نے بیان کی ہے، اس نے کہا، ابو ذر اور سلیمان نے۔ آپ نے ان دونوں صاحبوں سے اس روایت کے بارے میں دریافت کرایا۔ انہوں نے کہا کہ ہم نے یہ روایت آنحضرت ﷺ سے سنی ہے۔ حضرت عمر فاروقؓ نے یہ روایت سن کر ایک سرد آہ کھینچی اور فرمایا! کہ افسوس عمر کو بھی اس سے نذرنا ہوگا۔ اما اوزاعیؓ کی اس تقریر کا اس قدر اثر ہوا کہ وہ منہ پر زور مال ڈال کر زور زور سے رونے لگا۔ امام اوزاعیؓ فرماتے ہیں اس کے گریے بے اختیار نے مجھے بھی رلایا۔ جب اس کے آنسو تھمے تو امام اوزاعیؓ نے پھر اپنی تقریر شروع کی۔ فرمایا، کہ

امیر المؤمنین! آپ کے دادا حضرت عباسؓ نے آنحضرتؐ سے مکہ اور طائف کی امارت کی خواہش کی تو آپ نے فرمایا، کہ ”اے میرے چچا! امارت جس کا حق ادا نہ کیا جائے اس سے الگ تھلگ رہنا زیادہ بہتر ہے۔“ آنحضرت ﷺ کو ان سے جو محبت اور تعلق تھا اسی کی بنا پر انہوں نے ان کو امارت سے دور رہنے کا مشورہ دیا۔ اس لئے کہ خدا کے یہاں اس کے وبال سے ان کو بچا نہیں سکتے تھے۔ جب یہ آیت نازل ہوئی وَانذِرْ غَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ۔ تو آپ

نے اپنے چچا حضرت عباسؓ، اپنی پھوپھی، اپنی صاحبزادی حضرت صفیہؓ اور حضرت فاطمہؓ کو مخاطب کر کے فرمایا،

انی لست اغنی عنکم من اللہ شیئاً الا لی عملی ولکم عملکم۔

”میں خدا کے یہاں تم کو بچانہ سکوں گا۔ ہوشیار! کہ میرے لئے میرا عمل اور تمہارے لئے تمہارا عمل۔“
حضرت عمرؓ نے فرمایا ہے کہ لوگوں کے معاملات کی ذمہ داری وہی شخص اٹھا سکتا ہے، جو اچھی رائے اور پختہ عقل رکھتا ہو۔ لوگوں کی دیکھ بھال کرتا ہو۔ اس سے بُرائی نہ پیدا ہوتی ہو، وہ بے دینی پر لپکتا نہ ہو، اور خدا کے معاملہ میں لومة لائم سے ڈرتا نہ ہو۔ پھر آپؐ نے فرمایا، حاکم کئی طرح کے ہوتے ہیں۔ ایک تو وہ مضبوط، قوی ارادہ حاکم جو اپنے کو بھی قابو میں رکھے اور اپنے کارندوں کو تو یہ مجاہد فی سبیل اللہ ہے۔ جس پر خدا کی رحمت سایہ افکن رہتی ہے، دوسرے وہ کمزور حاکم جو اپنے کو تو قابو رکھتا ہو مگر اس کے عمال اور کارندے اس کی کمزوری کی وجہ سے نفس پروری میں منہمک ہو جائیں، تو یہ بلا کثرت و تباہی کے کنارے کھڑا ہوا ہے۔ بس اللہ ہی اس کو بچا سکتا ہے، تیسرے وہ حاکم جو عمال پر تو کڑی نگاہ رکھتا ہے، مگر خود نفس کا بندہ ہے، تو یہ اس ظالم چرواہے کی طرح ہے، جس کے بارے میں آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے، شَرُّ الرُّعَاءِ الْحَظْمَةُ بدترین چرواہا وہ ہے جو جانوروں پر ظلم کرتا ہو۔

مجھے حضرت عمرؓ کا یہ قول بھی معلوم ہے کہ آپؐ نے فرمایا کہ ”اے اللہ! اگر تو جانتا ہے کہ اگر دو فریق میرے پاس آئیں اور میں ان میں سے اس شخص کی طرف مائل ہو جاؤں جو حق سے دور ہو، خواہ میرا رشتہ دار ہو یا اجنبی تو مجھے ایک لمحہ کی بھی مہلت نہ دے۔“

امیر المؤمنین! سب سے سخت چیز قیام حق اور خدا کے یہاں سب سے معزز چیز تقویٰ ہے، جو شخص اللہ کی اطاعت کے ذریعہ عزت چاہتا ہے۔ اللہ اس کو بلندی و عزت دیتا ہے اور جو شخص اللہ کی نافرمانی کرتا ہے اور عزت کا خواہاں ہوتا ہے، خدا اسے پست اور ذلیل کر دیتا ہے۔

(والسلا علیک)

امام اوزاعیؒ کہتے ہیں کہ یہ تقریر کرنے کے بعد میں مجلس سے اٹھ گیا۔ منصور نے پوچھا کہ یہاں سے کہاں جانے کا قصد ہے۔ بولے وطن! اگر آپ اجازت دیں۔ منصور نے کہا، آپ کو اجازت ہے۔ میں آپ کا مشکور ہوں کہ آپ نے مجھے ایسی قیمتی نصیحتیں کیں۔ میں ان کو انتہائی خوشی سے قبول کرتا ہوں۔ خدا مجھے ان پر عمل کرنے کی توفیق دے اور میری مدد کرے، وہو حسبی ونعم الوکیل۔ میں

۱۔ بخاری شریف میں یہ روایت ذرہ اور تفصیل کے ساتھ آئی ہے۔

امید کرتا ہوں کہ آپ آئندہ بھی اسی طرح اپنی زیارت سے سرفراز کرتے رہیں گے۔ امام اوزاعیؒ یہ کہہ کر رخصت ہوئے کہ انشاء اللہ ایسا ہی کروں گا۔ منصور نے حکم دیا کہ آپ کو سفر خرچ دے دیا جائے۔ چنانچہ آپ کے سامنے پیش کیا گیا، مگر آپ نے اسے قبول نہیں کیا اور فرمایا،

ما كنت لابیع نصیحتی بعرض عن الدنيا ولا بکھلا .

”میں اپنی نصیحت کو دنیا کی ایک حقیر متاع کیا، پوری دنیا کے بدلے بھی نہیں بیچ سکتا۔“

راوی کا بیان ہے کہ منصور کو چونکہ ان کے طرز عمل سے واقفیت تھی اس لئے ان کے رد کر دینے سے کبیدہ خاطر نہیں ہوا۔

اس نصیحت مانہ کے ایک ایک لفظ سے امام کے خلوص، للہیت اور حق لوگوں کا پتہ چلتا ہے۔ آپ کی للہیت اور خلوص کا نتیجہ تھا کہ منصور جس کے استبداد و جبر کا ایک زمانہ شکار ہو چکا تھا، وہ بھی اس سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔ اس میں منصور کی کوئی ایسی کمزوری نہیں ہے جس کا ذکر نہ کیا گیا ہو۔ مگر جو کسی شخص کی معمولی بات سُننا گوازا نہ کرتا ہو، وہ اپنی کمزوریاں اس شخص کی زبان سے سُننا اور ان کے دُور کرنے کا وعدہ کرتا ہے، جس کے بارے میں معلوم تھا کہ وہ عباسیوں کی حکومت کو پسند نہیں کرتا۔

انہوں نے حکومت کے بعض ایسے معاملات میں دخل اندازی کی ہے، جس کی توقع اس زمانہ میں نہیں کی جاسکتی تھی۔ اوپر مسلمانوں کے فدیہ دے کر رہا کرانے اور لبنان کے عیسائیوں پر ظلم سے باز رکھنے کا ذکر آچکا ہے۔ وہ غالباً حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کا زمانہ واپس لانا چاہتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ فرمایا کرتے تھے کہ میں نے ہوش و حواس کی حالت میں حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کو دیکھا ہے۔^۱

عبادت و تقویٰ :

عبادت و تقویٰ میں بھی وہ ممتاز تھے۔ نماز نہایت ہی خشوع و خضوع سے پڑھتے تھے۔ خصوصیت سے رات کا بیشتر حصہ ذکر و نوافل میں گزرتا تھا۔ فرماتے تھے کہ جو لوگ رات کی نمازوں میں جتنا طویل قیام کریں گے، اللہ تعالیٰ اسی نسبت سے قیامت کے قیام کو ہلکا کر دے گا۔ اپنے اس قول کے ثبوت میں وہ قرآن کی اس آیت کو پیش کرتے تھے :

وَمِنَ اللَّيْلِ فَاسْجُدْ لَهُ وَ سَجُّهُ لَيْلًا طَوِيلًا إِنَّ هَؤُلَاءِ يُحِبُّونَ الْعَاجِلَةَ وَيَذْ
رُونَ وَرَاءَهُمْ يَوْمًا ثَقِيلًا . (دھر : ۲)

”اور کسی وقت رات کو سجدہ کرا سکو اور پاکی بول اس کی بڑے رات تک یہ لوگ چاہتے ہیں جلدی ملنے والے کو اور چھوڑ رکھا ہے اپنے پیچھے ایک بھاری دن کو“۔

حج کے لئے سفر کیا تو زیارت حرمین کا ذوق و شوق اتنا غالب رہا کہ پورے سفر حج میں بے خبر ہو کر ایک دن نہیں سوئے۔ سونے کا زیادہ غلبہ ہوا تو کجاوے سے ٹیک لگائی یا لیٹ پوٹ لیا۔ ابن عساکر کا قول ہے کہ امام اوزاعی ”کثرت عبادت اور نماز کی خوبی میں ممتاز تھے۔ ولید بن مسلم کا قول ہے کہ عبادت میں امام اوزاعی سے زیادہ کوشش و اہتمام کرنے والا میں نے کسی کو نہیں دیکھا۔“

رات کے وقت نماز میں اس قدر روتے تھے کہ مصلے تر ہو جاتا تھا۔ ایک بار ایک عورت ان کی اہلیہ سے ملنے آئی۔ اس نے دیکھا کہ مصلے کا حصہ تر رہے۔ پوچھا کہ کیا مصلے پر کسی بچے نے پیشاب کر دیا ہے۔ نیک بخت بولیں :

هَذَا مِنْ اثَرِ دَمْعِ الشَّيْخِ مِنْ بَكَائِهِ فِي سَجُودِ هَكَذَا يَصْبَحُ كُلُّ يَوْمٍ - (ص ۱۱۷)

”یہ شیخ کے آنسوؤں سے تر ہو گیا ہے۔ یہ روزانہ سجدوں میں اسی طرح رویا کرتے ہیں۔“ ابو مسہر کا قول ہے ، کہ

كَانَ اَوْزَاعِي يَخْبِي اللَّيْلَ قِرَاءًا وَبَكَاءً ۲۔

”اوزاعی روتے اور نماز میں قرآن کی تلاوت میں رات ختم کر دیا کرتے تھے۔“

مگر ان کی یہ رقیق القلمی رات کی تنہائیوں تک محدود تھی۔ مجمع عام میں وہ بڑے ضبط سے کام لیتے تھے۔ ہدایہ میں یہ ہے کہ ”ان کو مجلس میں روتے ہوئے کبھی نہیں دیکھا گیا۔ مگر جب کبھی وہ تنہائی میں روتے تھے تو اس قدر روتے تھے کہ ان کے حال پر رحم آتا تھا۔“ نہایت خاموش اور سنجیدہ آدمی تھے۔ کبھی قہقہہ لگا کر نہیں ہنستے تھے اور نہ مذاق و ہنسی کرتے تھے۔

خشوع :

خضوع و خشوع کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ آدمی کے اوپر خدا کی عظمت و برتری اور احساس و ذمہ داری اور قیامت کی باز پرس کی ایک مستقل کیفیت طاری ہو جائے۔ نماز سے اس کیفیت کا تعلق ضمنی یا بطور مشق کے ہے۔ امام اوزاعی پر یہ کیفیت ہمہ وقت طاری رہتی تھی۔ بشر بن منذر کہتے تھے کہ

وكان من شدة الخشوع كأنه اعمى^۱۔

”شدت خشوع کی وجہ سے یہ اندھے معلوم ہوتے تھے۔“

اوپر ان کی رقت قلبی کی جو کیفیت بیان کی گئی ہے وہ بھی اسی خشوع قلب کا نتیجہ تھی۔ ایک بار کسی نے ان سے خشوع کی تعریف پوچھی تو فرمایا، کہ آنکھوں اور بازوؤں کو جھکاؤ اور رقت قلب کا نام خشوع ہے^۲۔

امر بالمعروف :

امت مسلمہ کی سب سے بڑی خیر خواہی یہ ہے کہ اس کو بُرائی سے روکا جائے اور بھلائی کی ترغیب دی جائے۔ اللہ تعالیٰ نے دست و بازو، زبان و قلم، قوت و اقتدار اور مال و دولت یا اس کے علاوہ جو بھی صلاحیت عطا کی ہے، ان کو اسی راہ میں لگا دینا ایمان کی سب سے بڑی علامت ہے۔ امام اوزاعیؒ اس وصف میں صحابہ و تابعین کا نمونہ تھے۔

ان کو اللہ تعالیٰ نے زبان و قلم کی جو صلاحیت عطا کی تھی، اس کو انہوں نے اسی مقصد میں پورے طور سے لگا دیا تھا۔ ان کے تمام معاصرین کا بیان ہے کہ

وكان انصح للامة^۳۔

”امت کے سب سے بڑے خیر خواہ تھے۔“

انہوں نے امراء و خلفاء سے جو مکالمے کئے اور ان کو جو خطوط لکھے ہیں وہ اسی جذبہ امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا نتیجہ تھے۔ اس کی تفصیل اوپر آچکی ہے۔

ہر طبقہ میں ان کی عزت تھی :

اپنے ان ہی اوصاف و محاسن اور سیرت و کردار کی وجہ سے ہر طبقہ میں معزز و محترم تھے۔ حافظ ابن کثیر نے لکھا ہے :

كان الاوزاعي في الشام معظماً مكرماً امره اعز عند هم من امر السلطان . . . (ص ۱۲۰)

”امام اوزاعی شام میں اس قدر معزز و مکرم تھے کہ ان کا حکم اہل شام کی نظر میں بادشاہ وقت کے حکم سے زیادہ قابل قدر اور محترم تھا۔“

شام کے بعض امراء نے ان کے بارے میں کوئی سخت قدم اٹھانا چاہا تو ان کے ہم نشینوں نے مشورہ دیا کہ ان کو نہ چھیڑو ورنہ،

واللہ لو امرأہل اشام ان یقتلوک . (ص ۱۲۰)

”خدا کی قسم اگر اہل شام کو وہ تمہارے قتل کا حکم دے دیں تو وہ تم کو قتل کر دیں گے۔“

امام اوزاعی کی وفات کے بعد شام کے امیر نے آپ کی تدفین کر بعد کہا خدا آپ کے حال پر رحم فرمائے۔ مجھے جس نے امارت سپرد کی ہے (یعنی منصور) میں اس سے بھی زیادہ آپ سے ڈرتا تھا۔
بقیہ بن ولید کہتے ہیں کہ ہم لوگوں کو امام اوزاعی کے ذریعہ آزماتے تے، اگر کوئی شخص ان کے بارے میں اچھی رائے رکھتا تھا تو ہم اس کے بارے میں سمجھتے تھے کہ انہ ہو صاحب سنہ یہ متبع سنت ہے۔

امام اوزاعی حج کے لئے تشریف لے گئے تو سفیان ثوری نے جو پہلے سے وہاں موجود تھے، بستی سے باہر نکل کر استقبال کیا اور ان کے اونٹ کی نکیل پکڑے ہوئے آگے آگے چل رہے تھے اور یہ کہتے جاتے تھے
طرقو اللشارع۔^۲ ”شیخ کے لئے راستہ دے دو۔“

میش قیمت اقوال :

فرمایا کہ جب تم کو کوئی حدیث نبوی صحیح طریقہ سے مل جائے تو پھر اس میں چوں و چرا کی گنجائش نہیں ہے۔ اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ جو کچھ کہتے تھے وہ اللہ کے مبلغ کی حیثیت سے کہتے تھے (یعنی اس کو اللہ ہی کا پیغام سمجھنا چاہئے)۔

سلف صالحین یعنی صحابہؓ کے اقوال و اعمال کو اپنے اوپر لازم کر لو۔ اگرچہ لوگ اس میں تمہارا ساتھ نہ دیں، اس کے مقابلہ میں اور کسی شخص کی رائے کو خواہ وہ کتنے ہی اچھے اور دلفریب پیرائے میں کیوں نہ پیش کی گئی ہو۔ کوئی اہمیت نہ دو اور اس کے قبول کرنے سے پرہیز کرو۔ اس سے دین بھی واضح اور روشن رہے گا اور تم بھی راست پر قائم رہو گے۔
فرماتے تھے :

العلم ما جاء عن اصحاب محمد و ما لم یحیی عنہم فلیس یعلم .

”حقیقی علم وہ ہے جو صحابہ کرام سے ثابت اور منقول ہے اور جو ثابت نہ ہو وہ علم نہیں ہے۔“

ولید کا بیان ہے کہ میں امام اوزاعی سے خود سنا ہے۔ وہ کہتے تھے کہ ”دینا میں انسان عمر کی جتنی گھڑیاں گزار رہا ہے، وہ سب اس کے سامنے ترتیب سے پیش کی جائیں گی، تو زندگی میں جو ساعت اللہ کی یاد سے غفلت میں گزری ہے اس پر نفس کو افسوس ہوگا۔“

ان کا معمول تھا کہ وہ فجر کی نماز کے بعد کسی سے بات چیت نہیں کرتے تھے، لیکن اگر کوئی بات پوچھتا تو اس کا جواب ضرور دیتے تھے۔

ایک عیسائی نے ایک منکاشہد ہدیہ دیا اور کہا کہ آپ ایک خط شہر بعلبک کے والی کو (مالی مدد کے لئے) لکھ دیجئے۔ آپ نے اس سے کہا کہ اگر خط لکھوانا چاہتے ہو تو اس کی شرط یہ ہے کہ یہ شہد واپس لے لو ورنہ میں شہد تو قبول کر لوں گا مگر خط نہیں لکھ سکتا۔ وہ راضی ہو گیا۔ آپ نے شہد واپس کر دیا اور اس کی امداد کے لئے خط لکھ دیا اور اس کی مدد ہو گئی۔

اس سے معلوم ہوا کہ کسی مقصد کے حصول یا سفارش کے لئے جو ہدیہ پیش کئے جاتے ہیں وہ صحیح نہیں ہیں۔

فرمایا کرتے کہ سلامتی اور عافیت کے دس اجزاء ہیں، جن میں ۹ کے برابر تو خاموشی ہے اور اسی کا ایک جز لوگوں سے بے نیازی ہے۔

ایک بار اپنے ایک شاگرد سے فرمایا کہ جو شخص موت کو زیادہ یاد کرتا ہے، اس کو ہر معاملہ میں آسانی میسر آتی ہے اور جو شخص یہ جان لے کہ گفتگو بھی ایک عمل ہے (جس کی باز پرس ہوگی) تو وہ بات چیت کرے گا۔

ان کے ایک شاگرد کا بیان ہے کہ امام اوزاعیؒ ”کہا کرتے تھے کہ ”ایک زمانہ ایسا آئے گا جس میں سب سے زیادہ کمی مونس و غم خوار بھائی کی، حلال پیسے اور اتباع سنت کی ہوگی۔“

فرماتے تھے کہ سلف صالحین کا حال یہ تھا کہ صبح صادق کے وقت یا اس سے کچھ پہلے ہی سے وہ ذکر و عبادت میں مشغول ہو جاتے تھے۔ جب طلوع آفتاب کا وقت ہوتا تھا تو سب لوگ جمع ہو کر پہلے قیامت اور اس کی ہولناکی کے بارے بات چیت کرتے تھے، پھر تعلیم کا چرچا ہوتا تھا۔

فرماتے تھے کہ پانچ باتیں تمام اصحابہؓ اور تابعین میں مشترک تھیں۔

(۱) اجتماعیت (۲) اتباع سنت (۳) تعمیر مساجد

(۴) تلاوت قرآن پاک (۵) جہاد فی سبیل اللہؐ

فرماتے تھے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی قوم کو ذلیل کرنا چاہتا ہے تو اس میں بحث و مباحثہ اور اجدال و مناظرہ کا دروازہ کھول دیتا ہے اور علم و عمل کے دروازے ان کے لئے بند کر دیتا ہے۔

حضرت علیؓ اور حضرت عثمانؓ دونوں کی محبت ایک مومن ہی کے قلب میں جمع ہو سکتی ہے۔

جو شخص علماء کے شاذ و نادر اقوال پر عمل کرے گا، وہ ایک دن اسلام کے دائرہ سے نکل جائے گا۔ فرمایا کہ بُرا ہو غیر عابد فقہاء اور حرام چیزوں کو شبہ کی بنا پر حلال کر دینے والوں کا۔ جس شخص نے دین میں کوئی بدعت ایجاد کی، اس کا ورع و تقویٰ سلب ہوا۔

فرماتے تھے جو واعظ خدا کی رضا کے لئے وعظ نہیں کہتا، اس کی باتیں دل سے اس طرح نکل جاتی ہیں جس طرح پتھر کے اوپر سے پانی۔ فرمایا مومن بات کم کرتا ہے۔ اور عمل زیادہ اور منافق عمل کم کرتا ہے اور بات زیادہ۔

فرماتے تھے کہ سنت نبوی پر جم جاؤ اور اہل سنت کا جو موقف ہے وہی تم اختیار کرو۔ جس چیز سے وہ زکے تم بھی رکو۔ سلف صالح کے راستہ پر چلو، ایمان بغیر زبان کی شہادت کے استوار اور درست نہیں ہوتا اور ایمان و قول بغیر عمل کے درست نہیں ہوتے اور یہ تینوں چیزیں حسب سنت نبوی ﷺ نیت کے بغیر درست نہیں ہوتیں۔ کسی نے پوچھا کہ اس حدیث اکثر اُمتی دُخولانی فی الجنۃ اہل البلہ میں اہل البلہ سے کون لوگ مراد ہیں۔ فرمایا!

الذین يعرفون الخیر ولا يعرفون الشر :

”جو صرف بھلائی ہی جانتے ہیں بُرائی اور شر سے وہ وقف ہی نہیں۔“

ان کا فقہی مسلک :

اوپر ذکر آچکا ہے کہ وہ ایک علیحدہ مکتب فقہ کے بانی تھے۔ ان کے فقہی مسلک کی پوری تفصیل اور اس کے امتیازات کی فہرست تو نہیں تیار کی جاسکتی، اس لئے کہ نہ تو ان کی مرویات ہی جمع ہو سکیں، اور نہ ہی ان کے فقہی مجتہدات ہی مرتب کئے جاسکے۔ کتاب السیر الاوزاعی میں امام ابو یوسف نے ان کی بہت سی فقہی راہوں کا تذکرہ کیا ہے۔ مگر ان کا تعلق ایک خاص موضوع سیر وغزوات سے ہے۔ صاحب حسن المسامی نے چند عام مسائل کا تذکرہ کیا ہے، جن میں وہ دوسرے ائمہ سے اختلاف رکھتے ہیں۔ ان کا ذکر کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

(۱) نبیز سے وضو کے جواز کے قائل تھے۔ امام ابو حنیفہ کا یہی مسلک ہے۔ دوسرے ائمہ کو اس سے اختلاف ہے، مگر اس اختلاف کا دار و مدار نبیز کی تعریف پر ہے۔ اہل عراق اس کی جو تعریف کرتے ہیں، اس سے یہ اختلافات ختم ہو جاتے ہیں۔

(۲) پانی کم ہو یا زیادہ اس میں اگر اتنی نجاست پڑ جائے جس سے کوئی تغیر واقع نہ ہو تو ان کے نزدیک وہ پاک ہے۔ اس مسئلہ میں امام ابو حنیفہ کی رائے اس سے مختلف ہے۔

(۳) کتے اور سور کے جھوٹے کو وہ پاک سمجھتے تھے، یعنی وہ پیا بھی جاسکتا ہے اور اس سے وضو بھی کیا جاسکتا ہے۔ اگر یہ دونوں کھانے میں منہ ڈال دیں تو اس کا کھانا حرام نہیں سمجھتے تھے۔ امام زہریؒ اور امام مالکؒ کی بھی یہی رائے ہے۔ امام ابوحنیفہؒ اور دوسرے ائمہ کی رائے اس سے مختلف ہے۔

(۴) سجدہ سہو میں ان کا مسلک یہ تھا کہ اگر نماز میں کوئی کمی ہوئی ہے تو سجدہ سلام سے پہلے کرنا چاہئے اور اگر زیادتی ہوئی ہے تو سلام کے بعد امام مالکؒ اور ایک روایت میں امام احمدؒ کی بھی یہی رائے ہے۔

(۵) نماز میں کوئی شخص بھول کر کھاپی لے تو اس کی نماز باطل ہو جاتی ہے، خواہ نماز فرض ہو یا نفل، کیونکہ ایسا بے کار فعل جو نماز کی جنس سے نہیں ہے، اس میں عمد اور نسیان دونوں برابر ہے۔

(۶) اگر جوتے اور چمڑے کے موزے کے نچلے حصہ میں نجاست لگ جائے اور اس کو اس طرح زمین پر رگڑ دیا جائے کہ اس کی نجاست دور ہو جائے تو اس سے نماز پڑھی جاسکتی ہے۔ ایک روایت کے مطابق امام احمدؒ کی بھی یہی رائے ہے۔ ان کے سامنے یہ حدیث ہے،

اذا وطى احدكم بنعله الاذى فان التراب له طهور -

(۷) نماز عیدین میں استفتاح یعنی ثنا وغیرہ کا پڑھنا تکبیرات زوائد کے بعد ہونا چاہئے اس رائے میں یہ تمام ائمہ اربعہ سے منفرد ہیں۔ دوسرے ائمہ استفتاح کے بعد تکبیر زوائد کہتے ہیں۔

(۸) غسل جمعہ فجر سے پہلے بھی کیا جاسکتا ہے۔ دوسرے ائمہ کے یہاں اس کا استحباب طلوع سورج کے بعد شروع ہوتا ہے۔

(۹) رمضان میں قصد مباشرت کرنے والا اگر کفارہ ادا کر دے تو اس پر قضا نہیں ہے۔ اگر بھول کر جماع کر لے تو اس پر قضا ہے کفارہ نہیں۔

(۱۰) قربانی کے چمڑے کو فروخت کر کے اس کی چلنی اور دوسری استعمال کی چیزیں خریدی جاسکتی ہیں اور ان کا استعمال ہو سکتا ہے۔ دوسرے ائمہ کا مسلک یہ ہے کہ فروخت کرنے کے بعد قیمت صدقہ کر دینا ضروری ہے۔

کتاب المغنی لابن قدامہ میں دوسرے ائمہ کے ساتھ ان کے مسلک کا تذکرہ بھی ملتا ہے۔ اگر اس سے ان کی فقہی رایوں کو علیحدہ کر لیا جائے تو ایک ضخیم کتاب تیار ہو جائے گی۔

ان کا فقہی مسلک کتنی مدت تک زندہ رہا اور اس کے زوال کے اسباب کیا ہوئے :

اوپر یہ بھی ذکر آچکا ہے کہ امام اوزاعیؒ کا یہ مسلک شام میں دوسری تک اور اندلس میں

تقریباً ایک صدی زندہ رہا۔ مگر اس کے بعد کچھ داخلی اور خارجی اسباب ایسے پیدا ہوئے جس کی بنا پر یہ فنا ہو گیا۔ جن اسباب کی بنا پر یہ مسلک زندہ نہ رہ سکا، اس کی کچھ تفصیل یہاں کی جاتی ہے۔

امام اوزاعیؒ کا ذہن کچھ قدرۃً بھی محدثانہ طرز فکر سے زیادہ ہم آہنگ تھا اور ان کی تعلیم و تربیت بھی حلیفانہ و اخباریہ ہی کے ماحول میں ہوئی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ جب ان سے پیش آمدہ مسائل میں استفسار کیا جاتا تو وہ حدیث نبویؐ اور آثار صحابہؓ کی روشنی میں سادہ طور سے ان کا جواب دیتے تھے۔ زیادہ تدقیق و تفتیش اور فرضی قیاس آرائی کو پسند نہیں کرتے تھے۔ اوپر ذکر آچکا ہے کہ انہوں نے ستر ہزار مسائل کا جواب حدیث و آثار کی روشنی میں دیا تھا۔ جب تک مسلمانوں میں سادہ اسلامی زندگی کا رواج رہا۔ اس وقت تک ان کے مسلک پر تعامل باقی رہا۔ مگر جب فقہاء کی ژرف نگاہی اور باریک بینی کا دور شروع ہوا اور انہوں نے مسائل کی تخریج و تفریح کی بھرمار کردی تو امام اوزاعیؒ کا سادہ اور ٹھیکہ مسلک ان کی دقت پسندی کے آگے نہ ٹھہر سکا، اور ان کا خالص محدثانہ مکتب فکر فقہی مکتب فکر کے سامنے شکست کھا گیا۔ اسی کے ساتھ کچھ سیاسی اسباب بھی ایسے پیدا ہوئے، جنہوں نے ان کے مسلک کو ختم کرنے میں مدد دی تھی۔

امام اوزاعیؒ کے مسلک کی ترویج اور اس کے زوال کے اسباب پر عام مورخین اور تذکرہ نگاروں نے جو روشنی ڈالی ہے، وہ یہاں پیش کی جاتی ہے۔ قدما میں لسان الدین بن الخطیب نے اور متاخرین میں علامہ کرد علی اور خضریٰ نے قدرے تفصیل سے لکھا ہے۔

امام ذہبیؒ لکھتے ہیں :

كان اهل الشام ثم اهل الاندلس على مذهب الاوزاعي مدة من
الدهر ثم فنى العارفون به ۱

”اہل شام پھر اہل اندلس امام اوزاعیؒ کے مسلک پر ایک مدت تک عامل رہے۔ پھر اس کے جاننے والے ختم ہو گئے۔“

اس بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ امام ذہبیؒ کے نزدیک اس مسلک کے اختتام کا سبب یہ ہے کہ اس کے جاننے والے باقی نہ رہے تھے۔ مگر اس کے جاننے والے کیوں باقی نہ رہے؟ اس کا جواب اس بیان میں نہیں ہے۔

۱۔ اس دور میں دوسرے محدثانہ مکاتب فکر مثلاً سفیان ثوریؒ، داؤد ظاہریؒ، اسحاق بن راہویہؒ اور طبریؒ وغیرہ کا بھی یہی حشر ہوا۔ ان مسلکوں کی شکست سے امت کو سب سے بڑا نقصان یہ ہوا کہ آہستہ آہستہ مسلمانوں کا تعلق اصل مآخذ یعنی کتاب و سنت سے کم ہو گیا اور براہ راست کتاب و سنت سے اجتہاد کا دروازہ بند ہو گیا۔

۲۔ تذکرۃ الحفاظ۔ جلد اول۔ ص ۱۶۳

حافظ ابن حجرؒ تہذیب میں لکھتے ہیں :

والیه فتویٰ الفقہ لاهل الشام .

”اہل شام فقہی مسائل میں ان ہی کی طرف رجوع کرتے تھے۔“

دوسری جگہ اسی کتاب میں ہے :

كانت الفقهاء تدوربا لاندلس على راي الاوزاعي الى زمن الحكم بن هشام المتوفي سنة ٢٥٢ (جلد ٦ ص ٢٣٦) ^١۔

”اندلس میں امام اوزاعیؒ کے مسلک کے مطابق۔۔۔۔۔ حکم بن ہشام متوفی ۲۵۶ھ کے زمانہ تک فقہا فتویٰ دیتے اور عمل کرتے رہے۔“

اس بیان سے بھی اس مسلک کے زوال پر تورشنی نہیں پڑتی مگر اس سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ دوسری صدی کے نصف آخر تک اندلس میں فیصلے اس مسلک کے مطابق ہوتے تھے۔

حافظ ابن کثیرؒ نے اپنی تاریخ میں بڑی تفصیل سے امام اوزاعی کے حالات لکھے ہیں۔ مگر اس بارے میں انہوں نے کچھ نہیں لکھا ہے۔ البتہ اپنی ایک دوسری کتاب میں اتنا لکھا ہے، کہ
وقد كان اهل الشام على مذهب الاوزاعي نحو ما من مائتي سنة۔
”اہل شام دو برس تک امام اوزاعی کے مسلک پر عامل رہے۔“

اس بیان سے ایک دوسرا گوشہ واضح ہو گیا۔ وہ یہ کہ شام میں دو برس تک ان کا مسلک چلا شیخ کر دلی نے کچھ اور زیادہ وضاحت کی ہے۔ یہ علم نہیں ہو سکا کہ ان کا ماخذ کیا ہے۔

بعمل بمذهبه في الشام نحو مائتي سنة و آخر من عمل بمذهبه
احمد بن سليمان قاضي الشام وعمل اهل الاندلس بمذهبه اربعين
سنة ثم تناقض بمذهبه الامام مالك ^٣

”شام میں تقریباً دو صدی تک ان کے مسلک پر عمل باقی رہا۔ شام کے آخری قاضی جنہوں نے ان کے مسلک پر عمل کیا وہ احمد ابن سلیمان تھے، اہل اندلس محض چالیس ہی برس ان کے مسلک پر عمل کر سکے تھے کہ امام مالک کے مسلک سے یہ شکست کھا گیا۔“

کرد علیؑ کے بیان سے پتہ چلتا ہے کہ اندلس میں محض چالیس برس ان کا مسلک زندہ رہا۔ مگر یہ صحیح نہیں ہے۔ اس لئے کہ دوسرے تذکرہ نگاروں نے یہ مدت زیادہ بیان کی ہے۔ اوپر حافظ ابن حجرؒ کا بیان گزر چکا ہے۔ آگے خضریٰؒ کا بیان آتا ہے۔

۱۔ کتاب میں ۲۵۰ھ اس کی وفات درج ہے مگر صحیح ۲۰۶ھ ہے۔ ابن اثیر فتح الطیب وغیرہ۔

۲. اختصار علوم الحدیث۔ ص ۹۹

قاضی احمد سلیمان جن کو شیخ کر علیؒ نے شام میں مسلک اوزاعیؒ کا آخری مفتی و قاضی قرار دیا ہے ان کے بارے میں امام ذہبیؒ کا بیان ملاحظہ ہو وہ ۳۲۷ھ کے حواشی کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

انہ مات مفتی دمشق علی مذهب الاوزاعی القاضی ابوالحسن احمد ابن سلیمانؒ جزلم و کانت له حلقہ کبیرۃ بالجامع۔

”اسی سنہ میں امام اوزاعیؒ کے مسلک کے مفتی قاضی ابوالحسن احمد بن سلیمان جزلم نے انتقال کیا۔ جامع دمشق میں ان کا بہت بڑا حلقہ درس تھا۔“

اس بیان سے واضح طور پر معلوم ہوا کہ اس مسلک کے مطابق چوتھی صدی کے نصف تک فتوے دیئے جاتے رہے اور اسی مسلک کے علماء کا عہدہ قضا پر تقرر ہوتا رہا۔ اس کے بعد سرکاری طور پر ان کا مسلک ختم ہو گیا مگر اس بیان کے آخری ٹکڑے ”حلقہ کبیرۃ“ سے پتہ چلاتا ہے کہ شام میں اس کے بعد بھی اس مسلک کا چرچا رہا ہوگا، کیونکہ ان کے انتقال کے بعد یکا یک تو یہ مسلک ختم نہیں ہو گیا ہوگا۔

شیخ خضریٰؒ نے التشریع الاسلامی میں اس مسئلہ کے ہر پہلو پر روشنی ڈالی ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

وکان اہل شام یعملون مذهبہ ثم انتقل مذهب الاوزاعی الی الاندلس مع الداخنین ابہا من اعقاب بن امیۃ ثم اضمحل امام مذهب الشافعی فی الشام و امام مذهب مالک فی الاندلس و ذالک فی منتصف القرن الثالث (۲۷۰)

”اہل شام بہت دنوں تک ان کے مسلک پر عمل کرتے رہے پھر ان کا مسلک بنو امیہ کے ان لوگوں کے ذریعہ اندلس پہنچا جنہوں نے اندلس میں جا کر اپنی حکومت قائم کی پھر شام میں امام شافعیؒ کے مسلک کے آگے اور اندلس میں امام مالکؒ کے سامنے یہ کمزور پڑ گیا اور تیسری صدی کے نصف میں یہ ہوا۔“

شام کے بارے میں تو عام ارباب تذکرہ لکھتے ہیں کہ وہاں دو سو برس تک امام اوزاعیؒ کا مسلک زندہ رہا مگر اندلس کے بارے میں انہوں نے کسی مدت کی تعیین نہیں کی ہے اس کے لئے ہم اندلس کے سب سے قابل وثوق مورخ لسان الدین ابن الخطیب کا بیان نقل کرتے ہیں:

”اہل اندلس اور اہل شام ابتدا میں امام اوزاعیؒ کے مسلک کے پیرو تھے مگر اندلس کے

۱۔ حیدرآباد کی مطبوعہ تاریخ ذہبی میں جزلم کے بجائے حزلم ہے۔ مگر امیر خلیب ارسلان نے پوری تحقیق کے بعد لکھا ہے کہ لفظ حزلم نہیں بلکہ جزلم ہے۔ (حسن المساعی۔ ص ۵)

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

آپ کو معلوم ہوگا کہ کوئی فقہی مسلک کسی ملک میں اسی وقت رواج پذیر ہوا ہے جب اس کو حکومت نے اپنایا ہے۔ محض عوام کے حسن ظن یا ان کی خواہش کی بنا پر بہت کم کوئی تبدیلی ہوئی ہے، یہ بات ضرور ہے کہ اس میں کچھ علمی اور دینی اسباب بھی معاون ہوتے ہیں جن میں ایک سبب کا ذکر راقم نے اوپر کیا ہے یعنی فقہ میں ان کا خاص محدثانہ طرز فکر۔

اوپر کے تمام بیانات سے حسب ذیل باتیں معلوم ہوتی ہیں :

- (۱) شام میں امام اوزاعیؒ کا مسلک دوسو برس تک زندہ رہا۔
 - (۲) شیخ خضریٰؒ کے بیان کے مطابق اندلس میں ان کا مسلک بنو امیہ کے ذریعہ پہنچا۔
 - (۳) شیخ کردعلیؒ کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ اندلس میں مسلک اوزاعی صرف چالیس برس زندہ رہا۔ مگر نفع الطیب کے بیان اور بنو امیہ کی حکومت کے قیام کی تاریخ ۱۳۸ھ اور حکم بن ہشام متوفی ۲۰۶ھ کے دور حکومت میں قضاۃ کے تقرر کی روشنی میں دیکھا جائے تو یہ مدت کچھ زیادہ معلوم ہوتی ہے، یعنی کم سے کم پون صدی۔
 - (۴) شام میں امام اوزاعیؒ کے مسلک کی جگہ حنفی و شافعی مسلک نے لی اور اندلس میں مالکی مسلک نے۔
- مسلک اوزاعی کے مشہور علماء :

اوپر کی تفصیل سے معلوم ہوا کہ شام میں تقریباً دو صدی تک امام اوزاعیؒ کا مسلک زندہ رہا۔ ظاہر ہے کہ اس مدت میں سینکڑوں آدمی ان کے اجتہاد استنباطات سے واقف ہوئے ہوں گے۔ یہ تفصیل تو نہیں ملتی کہ عہدہ قضا کی تقرریوں میں ان کے مسلک کا کتنا خیال کیا جاتا تھا۔ مگر بعض واقعات سے اندازہ ہوتا ہے کہ شام میں قضاء و افتاء پر ان کے مسلک کا کافی اثر تھا اور اس کے مطابق قاضیوں کا تقرر بھی ہوتا تھا۔ جیسا کہ امام ذہبیؒ نے لکھا ہے کہ مذہب اوزاعی کے مشہور مفتی اور قاضی احمد بن سلیمان تھے۔ جن کا انتقال ۳۴۲ھ میں ہوا۔ شیخ کردعلیؒ نے لکھا ہے کہ یہ آخری قاضی تھے، جنہوں نے مسلک اوزاعی پر شام میں عمل کیا۔ (ص ۵)

امیر شکیب ارسلانؒ نے لکھا ہے کہ فقہ اوزاعی کے ایک عالم ان کے اجداد میں امیر نعمان ابو الحسام ابن الامیر متوفی ۳۲۵ھ میں جن کے بارے میں اہل تذکرہ لکھتے ہیں :

کان اعلم اہل زمانہ بفقہ لاوزاعی

انہوں نے فقہ اوزاعی پر ایک کتاب بھی لکھی تھی جس کا نام ہے الاقوال الصحیحہ فی اصول حدیث

الاوزاعی - (ص ۴۲)

ان کے علاوہ دو علماء کا نام تذکروں میں آتا ہے۔ ایک فقہ و فتاویٰ کے سب سے معتبر ناقل ولید بن یزید، دوسرے عباس بن ولید (حسن المساعی۔ ص ۳۲ نیز اعلام الموقعین)۔
تصنیف :

تعجب ہے کہ ارباب تذکرہ میں سے کسی نے بھی ان کی تصنیف کا ذکر نہیں کیا۔ مگر ابن ندیم نے ان کی دو کتابوں کا نام لیا ہے۔ (۱) کتاب السنن فی الفقہ (۲) کتاب المسائل فی الفقہ۔ ان کے علاوہ انہوں نے ایک کتاب جس کا ذکر تذکروں میں نہیں ملتا۔ امام ابو حنیفہؒ کے ”مسائل سیر ومغازی“ کے رد میں لکھی تھی۔ جس کے جواب میں امام ابو یوسفؒ نے ایک کتاب الرد علی السیر الاوزاعی لکھی، اور امام محمدؒ نے السیر الکبیر میں جا بجا اس کے جوابات دیے ہیں۔

یہ علم نہیں ہو سکا کہ امام اوزاعیؒ کی کتاب دنیا کے کسی کتب خانہ میں موجود ہے یا نہیں، مگر امام شافعیؒ نے یہ پوری کتاب اپنی کتاب الام جلد ۶ میں نقل کر دی ہے، اور امام یوسفؒ کی کتاب جو تختہ المعارف النعمانیہ کی طرف سے چھپ کر منصفہ شہود پر آگئی ہے۔ اس سے بھی امام اوزاعیؒ کی کتاب کی حیثیت اور سیر ومغازی میں ان کے علم و نظر کا کچھ نہ کچھ اندازہ ہوتا ہے۔

سیر ومغازی کے جو مسائل امام ابو حنیفہؒ اپنے درس میں املا کراتے تھے، علامہ ان مسائل کو مرتب کر لیا کرتے تھے۔ خصوصیت سے امام محمدؒ نے ان مسائل کا جو مجموعہ السیر الصغیر کے نام سے مرتب کیا تھا، وہ بہت مقبول ہوا۔ یہ مجموعہ جب امام اوزاعیؒ کی خدمت میں پہنچا تو انہوں نے پوچھا: یہ کتاب کس کی تصنیف ہے؟ بتایا گیا کہ امام محمد عراقي کی۔ بولے عراق نے سیر ومغازی کے موضوع پر تصنیف کیوں شروع کر دی؟ اس لئے کہ ان کو سیر ومغازی کا کوئی علم نہیں ہے (یہ علم صحابہ کے ذریعہ پہنچا ہے)۔ اور صحابہ تو شام کے ایک حصہ اور حجاز میں پہنچے تھے۔ عراق تو بہت بعد میں فتح ہوا ہے۔

چنانچہ امام اوزاعیؒ نے ان مسائل کی تردید میں ایک کتاب لکھ ڈالی۔ جب یہ کتاب امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ تک پہنچی تو انہوں نے اس کا جواب دیا۔

امام اوزاعیؒ نے امام ابو حنیفہؒ سے سینکڑوں مسائل میں اختلاف کیا ہے۔ امام ابو یوسفؒ نے اپنی کتاب میں ان تمام مسائل میں امام صاحبؒ کی پوری وکالت کی ہے اور ان کے اقوال کی ترجیح کے لئے عقلی و نقلی دلائل کا انبار لگا دیا ہے۔ مگر پھر بھی بعض مسائل میں انہوں نے اپنے امام اور اُستاذ کے مقابلہ میں امام اوزاعیؒ کے قول کو ترجیح دی ہے یا اس کی طرف رجوع کر لیا ہے۔ ان مسائل کا تذکرہ

طوالت کا سبب ہوگا اہل علم کے لئے اس کتاب کے ص ۲۱، ۲۲، ۴۳، ۹۷ وغیرہ کا مطالعہ دلچسپی کا باعث ہوگا۔

وفات :

امام اوزاعیؒ کی وفات بڑے دردناک طریقہ سے ہوئی۔ آپ بیروت میں تھے، ایک دن حمام میں غسل کے لئے گئے۔ صاحب حمام لاعلمی میں باہر سے دروازہ بند کر کے کہیں چلا گیا۔ اندر آگ جل رہی تھی اور باہر سے ہوا جانے کا کوئی راستہ نہیں تھا، اس لئے اسی حالت میں جان بحق ہو گئے اور جب صاحب حمام واپس آیا اور اس نے دروازہ کھولا تو دیکھا کہ آپ کا داہنا ہاتھ سر کے نیچے ہے اور قبلہ روفرش زمین پر مڑ رہے ہیں۔^۱ یہ حادثہ عظیمی صفر یا ربیع الاول ۱۵۷ھ میں پیش آیا۔

آپ کی وفات تو بیروت شہر میں ہوئی مگر تدفین بیروت کے باہر ایک موضع خثوس میں ہوئی۔ اس بستی^۲ کے بارے میں ابن خلکان نے اپنے زمانہ کا حال لکھا ہے کہ اس بستی کے تمام باشندے مسلمان ہیں، بستی کے خواص تو امام اوزاعیؒ سے واقف ہیں، مگر عوام صرف اتنا جانتے ہیں کہ یہاں ایک بزرگ کی قبر ہے۔ ان کی موت پر بعض شعراء نے مرثیے بھی کہے۔

مرثیہ کا ایک شعر یہ ہے:

عرضت له الدنيا فاعرض مقلعا

عنہا بزهدہ ایما اقلا ع

دنیا ان کے سامنے پیش کی گئی مگر انہوں نے زہد و قناعت کی وجہ سے اس سے ہمیشہ گریز کیا۔ ان کے نزدیک زہد و قناعت کا اندازہ اس سے کرنا چاہئے کہ جب انتقال ہوا تو پورا اثاثہ بیت چند درہم سے زیادہ کا نہیں تھا۔

حلیہ :

ابن خلکان نے ان کا حلیہ یہ بتایا ہے۔ میانہ قد، گندمی رنگ، ہلکی ڈاڑھی، جس میں مہندی کا خضاب لگا ہوا تھا۔^۳



۱۔ بعض تذکروں میں ہے کہ آپ کی اہلیہ نے لاعلمی میں دروازہ بند کر دیا تھا۔ ۲۔ ابن خلکان۔ جلد اول۔ ص ۴۹۳۔
۳۔ اس بستی کے آثار میں مجرایک کنویں کے اور کچھ باقی نہیں بے۔

بسم الله الرحمن الرحيم

حضرت ابن جریجؒ

حضرت ابن جریجؒ نے آنکھ کھولی تو صحابہؓ کی ایک معتد بہ تعداد موجود تھی۔ اگر وہ ان کی صحبت اختیار کرتے تو ان کا شمار زمرہ تابعین میں ہوتا، مگر ابتداء میں ان کو شعر و ادب سے دلچسپی تھی، اس لئے وہ ان سے کسب فیض نہ کر سکے۔ اسی لئے ان کو تبع تابعین میں شمار کیا گیا ہے۔

ان کا شمار تبع تابعین کے اس زمرہ میں ہوتا ہے، جنہوں نے تفسیر و حدیث کی تدوین و ترتیب میں حصہ لیا۔ خاص طور پر علم تفسیر میں یہ اپنے معاصرین میں ممتاز تھے۔ تفسیر طبری میں سینکڑوں روایات ان کے واسطہ سے ملیں گی۔ یہ ترجمان القرآن حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے شاگرد عطاء بن ابی رباحؓ کے خاص شاگرد تھے۔

نام و نسب :

عبدالملک نام ہے۔ ابوالولید اور ابو خالد کنیت تھی۔ ان کا آبائی وطن روم تھا^۱۔ اسی وجہ سے بعض لوگ انہیں رومی عیسائی کہتے تھے^۲۔ بعثت نبوی ﷺ کے بہت پہلے سے مکہ میں متعدد رومی غلام خاندان موجود تھے۔ غالباً ان ہی میں حضرت ابن جریجؒ کا خاندان بھی تھا۔ یہیں ۸۰ھ میں ان کی ولادت ہوئی۔

تعلیم و تربیت :

مکہ میں اس وقت شعر و ادب اور حدیث و فقہ کا عام چرچا تھا۔ ابتدا میں ان کو شعر و ادب سے دلچسپی پیدا ہوئی اور جوانی کا پورا زمانہ اسی وادی میں گزاردیا۔ عمر ڈھلنے کا زمانہ آیا تو کسی نے علوم دینیہ کی طرف توجہ دلائی۔ اس کے بعد پوری زندگی اس کی نذر کر دی۔

مکہ میں اس وقت حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے ممتاز شاگرد عطاء بن ابی رباحؓ کا ششمہ فیض جاری تھا۔ حدیث نبوی ﷺ کے سماع کے لئے سب سے پہلے حضرت ابن جریجؒ انہی کی خدمت میں حاضر ہوئے۔

۱۔ تاریخ بغداد۔ جلد ۱۰۔ ص ۲۰۱، فجر الاسلام کے مصنف نے بھی انہیں اہل کتاب تبع تابعین شمار کیا ہے۔

۲۔ شذرات الذہب۔ جلد اول۔ ص ۲۲۶

خود بیان کرتے ہیں کہ میں حضرت عطاء بن ابی رباحؓ کی خدمت میں یہ جذبہ لے کر حاضر ہوا کہ میں بھی ان کا مرتبہ حاصل کروں۔ اتفاق سے اس وقت ان کی خدمت میں عبداللہ بن عبیدؓ بھی موجود تھے۔ انہوں نے مجھ سے پوچھا کہ قرآن حفظ کر لیا ہے؟ میں نے نفی میں جواب دیا۔ بولے جاؤ پہلے قرآن پڑھ لو، پھر علم (حدیث) کا قصد کرو۔ میں واپس قرآن کی تعلیم میں لگ گیا۔ کچھ دنوں بعد پھر ان کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اتفاق اس دن بھی عبداللہ موجود تھے۔ پوچھا کہ پورا قرآن مستحضر ہو گیا؟ میں نے اثبات میں جواب دیا۔ انہوں نے دوسرا سوال یہ کیا کہ فرائض بھی سیکھے ہیں؟ بولا نہیں! انہوں نے کہا جاؤ، پہلے فرائض کی تحصیل کرو، پھر واپس آؤ۔ چنانچہ میں واپس چلا گیا اور کچھ دنوں بعد واپس آیا، تو مجھے حضرت عطاءؓ کی صحبت میں کسب علم کی اجازت ملی اور پھر سترہ (۱۷) برس تک ان کی خدمت میں رہا۔

اس واقعہ سے کئی باتیں سامنے آتی ہیں۔ ایک یہ کہ حضرت عطاءؓ ہر کس و ناکس کو اپنے درس میں شریک نہیں کرتے تھے، بلکہ اس کے لئے انہوں نے کم از کم قرآن کے حفظ اور درس کے عام مفہوم و معنی کے استحضار کو ضروری قرار دیا تھا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کے درس کی سب سے بڑی خصوصیت جیسا کہ ابن سعدؒ نے لکھا ہے، قرآن کی تفسیر اور اس کے وقائع و معانی کی تعلیم تھی۔ ظاہر ہے کہ جو شخص قرآن سے بالکل نا بلند ہو وہ ان کے درس سے کیا فائدہ اٹھا سکتا تھا؟

دوسرے اس واقعہ سے حضرت ابن جریجؒ کے شوق و انسہاک کا پتہ چلتا ہے کہ ان کو دوبار مجلس درس سے واپس کیا گیا، مگر ہر بار ان کا جذبہ شوق کم ہونے کے بجائے بڑھتا ہی رہا اور پھر اسی شوق نے انہیں سترہ (۱۷) برس تک اپنے استاد سے جدا نہ ہونے دیا۔ اتنی مدت ان کی خدمت میں رہنے کے بعد بھی ان کے جذبہ طلب کو تسکین نہیں ہوئی اور سات برس تک مکہ کے دوسرے ممتاز شیخ عمرو بن دینارؒ کی خدمت میں رہے اور پھر مکہ سے نکل کر انہوں نے مدینہ، بصرہ، بغداد، یمن، شام اور مصر کی خاک چھانی اور وہاں کے تمام ممتاز شیوخ سے استفادہ کیا۔ ان کے مخصوص شیوخ تفسیر و حدیث کے نام یہ ہیں :

اساتذہ :

حضرت عطاء بن ابی رباحؓ، امام زہریؒ، صالح بن کیسانؒ، عمرو بن دینارؒ، نافع مولیٰ بن عمرؒ، ہشام بن عروہؒ، موسیٰ بن عقبہؒ، امام جعفر صادقؒ، یحییٰ بن سعید الانصاریؒ، امام اوزاعیؒ، لیث بن سعد رحمہم اللہ تعالیٰ۔

۱۔ یہ حضرت عبید بن عمرؒ کے لڑکے اور عطاءؓ کے شاگرد تھے۔ ۲۔ شذرات الذہب۔ جلد اول۔ ص ۲۲۸ تاریخ بغداد۔ جلد ۱۰۔ ص ۴۰۲

علم و فضل :

ان کے علم و فضل کے بارے میں آئمہ نے جو رائیں دی ہیں، ان سے پتہ چلتا ہے کہ یہ اس لحاظ سے معروف تھے۔ ان کے شیخ عطاء بن ابی رباحؒ ان کو اہل حجاز کا سردار کہتے تھے^۱۔ امام احمدؒ ان کو ”علم کا ظرف“ کہتے تھے^۲۔ امام ذہبیؒ نے انہیں امام، حافظ حدیث اور احد الاعلام (بڑوں میں ایک تھے) لکھا ہے۔ امام نوویؒ نے لکھا ہے کہ ان کے فضائل و مناقب بے شمار ہیں۔

علم تفسیر :

علم تفسیر میں جو صحابہ ممتاز تھے، ان میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا نام سر فہرست ہے۔ تابعین میں ان کے جو تلامذہ علم تفسیر میں مشہور ہوئے ان میں حضرت عطاء بن ابی رباحؒ بھی ہیں۔ اوپر ذکر آچکا ہے کہ حضرت ابن جریجؒ ان کے بہت ہی چہیتے شاگرد تھے اور سترہ برس تک ان کی خدمت میں رہے تھے۔ ظاہر ہے کہ علم تفسیر کا جو سرمایہ حضرت عطاء بن ابی رباحؒ کو حضرت ابن عباسؓ سے ملا تھا، اس سے حضرت ابن جریجؒ کو بھی وافر حصہ ملا ہوگا۔ مگر تعجب یہ ہے کہ ارباب تذکرہ ان کی اس خصوصیت کا کوئی ذکر نہیں کرتے۔ البتہ علوم تفسیر کی کتابوں میں انہی کی قرآن فہمی کے بارے میں اشارات ملتے ہیں۔

امام ذہبیؒ نے ان کے بارے میں لکھا ہے کہ یہ نسلارومی تھے۔ ارباب تذکرہ جب کسی کے بارے میں رومی یا قبلی لکھتے ہیں تو اس سے عموماً عیسائی ہی مراد لئے جاتے ہیں، یعنی ان کی وطنی نسبت کو ان کی دینی نسبت کے مترادف سمجھا جاتا ہے۔ غالباً اسی بنا پر صاحب فجر الاسلام نے لکھا ہے کہ یہ نصرانی تھے۔ کیونکہ طبری نے نصاریٰ کے بارے میں جو روایتیں اپنی کتاب میں درج کی ہیں، ان میں بیشتر حضرت ابن جریجؒ ہی کے ذریعہ مروی ہیں۔

علم تفسیر میں گویا ترجمان القرآن حضرت ابن عباسؓ کے مدرسہ فیض سے مستفیض ہوئے تھے، مگر ان کی تفسیر پر مفسرین نے زیادہ اعتماد کا اظہار نہیں کیا ہے۔ امام سیوطیؒ نے لکھا ہے :

ان ابن جریج لم یقتصد الصحة وانما روی ما ذکر فی کل آية من الصحيح والسقیم۔

”ابن جریج نے تفسیر میں زیادہ صحت کا اہتمام نہیں کیا۔ وہ ہر آیت کی تفسیر میں غلطی ہر طرح کی روایتیں نقل کر دیتے ہیں۔“

عموماً علمائے امت اہل کتاب مفسرین کے بارے میں اس طرح کی رائے دیتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان حضرات کا ماخذ عموماً اسرائیلات ہوتا تھا۔ جس کا سارا تار پود قصہ و افسانہ ہوتا تھا۔ جن میں نہ صحت سند کا کوئی لحاظ کیا جاتا تھا اور نہ روایت ہی سے کوئی واسطہ ہوتا تھا۔ ایسے لوگ جب مسلمان ہوئے تو اسلامی روایات میں بھی ان کی ذہنیت کسی نہ کسی حد تک باقی رہی۔ جس کی وجہ سے غلط روایات کا ایک بہت بڑا ذخیرہ اسلامی علوم میں شامل ہو گیا۔ خصوصیت سے علم تفسیر کے سلسلہ میں جو قصے و افسانے احادیث نبوی ﷺ کے نام سے اور جو غلط روایات رواج پذیر ہوئیں، اس میں اہل کتاب تابعین و تبع تابعین کا زیادہ تر ہاتھ تھا۔

بہر حال سقم و غلطی کے باوجود علم تفسیر میں حضرت ابن جریجؒ کا درجہ و رتبہ ہے۔ تمام مفسرین ان کی رائے نقل کرتے ہیں۔ خاص طور سے علامہ طبریؒ نے تو بے شمار جگہ ان کے اقوال نقل کئے ہیں اور ان کی مرویات سے استدلال کیا ہے۔ افسوس ہے کہ فن تفسیر میں ان کی تحریری یادگار موجود نہیں ہے، جس سے اس فن میں ان کے مرتبہ کا آسانی سے اندازہ لگایا جائے۔

فن قرأت میں بھی ان کو مہارت تھی۔ علامہ ابن حبانؒ نے ان کا شمار اہل حجاز میں کیا ہے۔

علم حدیث :

علم حدیث میں حضرت ابن جریجؒ نے ممالک اسلامیہ کے تقریباً تمام مشہور آئمہ سے استفادہ کیا تھا۔ خاص طور سے حضرت عطاء ابن ابی رباحؒ اور عمرو بن دینارؒ کی خدمت میں وہ برسوں رہے تھے۔ اسی لئے اس فن میں بھی ان کا ایک مرتبہ ہے۔ ان کی روایات کو آئمہ حدیث نے قبول کیا ہے۔ امام احمد بن حنبلؒ فرماتے تھے کہ ”ابن جریجؒ نے عطاءؒ سے جو روایتیں کی تھیں، ان میں انہوں نے غلطی نہیں کی ہے۔ خود ان کے استاد عطاءؒ کو بھی ان پر بڑا اعتماد تھا۔ کسی نے پوچھا کہ آپ کے بعد مسائل میں ہم کس کی طرف رجوع کیا کریں۔ بولے کہ ابن جریجؒ کی طرف، پھر کہا کہ یہ اہل حجاز کے بہترین نوجوان ہیں۔“

ابن مدینیؒ کہتے تھے کہ حدیث نبوی ﷺ کی روایات کا دار و مدار چھ آدمیوں پر ہے۔ پھر ان چھ آدمیوں کا علم ان لوگوں کے درمیان سمٹ گیا، جنہوں نے علم حدیث کی تدوین کی اور ان تدوین کرنے والوں میں ایک حضرت ابن جریجؒ بھی ہیں۔“

بعض معاصر آئمہ نے ان پر جرح بھی کی ہے اور ان کی مرویات کو ضعیف قرار دیا ہے۔

حضرت یحییٰ بن سعید قطانؒ سے کسی نے پوچھا کہ ان کی روایات کیسی ہیں؟ فرمایا کہ ضعیف۔ پھر پوچھا کہ وہ اخباری کے لفظ سے روایت کریں تو فرمایا کہ یہ کوئی چیز نہیں ہے، ان کی مرویات بہر حال ضعیف ہیں۔^۱

حضرت ابو زرہؒ نے بھی ان کی تضعیف کی ہے۔ امام مالکؒ ان کو حاطب اللیل (ہر غلط و صحیح روایات کا جامع) کہتے تھے۔ مگر ان کے بارے میں جرح کے جو الفاظ منقول ہیں، ان میں کسی حد تک مبالغہ معلوم ہوتا ہے۔ فن حدیث میں ان کے مرتبہ کی تعیین کے لئے حضرت یحییٰ بن معینؒ امام جرح و تعدیل اور امام ذہلیؒ کی رائیں زیادہ محتاط اور صحیح معلوم ہوتی ہیں۔

حضرت ابن معینؒ فرماتے ہیں کہ حضرت ابن جریجؒ نے جو روایتیں تحریر کی مدد سے بیان کی ہیں وہ قابل اعتماد ہیں۔^۲ مقصد یہ ہے کہ ان کی زبانی مرویات زیادہ قابل اعتماد نہیں ہیں۔ غالباً اس کی وجہ یہ ہوگی کہ ان کا حافظہ معمولی درجہ کا تھا۔ اس لئے ان کو زبانی روایتیں اچھی طرح یاد نہیں رہتی تھیں۔ حضرت یحییٰ بن سعیدؒ جن کی جرح اوپر گزر چکی ہے تحریری روایت کے بارے میں یہ بھی ابن معینؒ کے ہم خیال تھے۔^۳

امام ذہلیؒ کہتے تھے کہ ان کی زبانی روایتیں وہی قابل وثوق ہیں جن میں یہ حدیثی یا سمعت کے الفاظ استعمال کریں۔^۴

ان تمام راویوں کو پیش نظر رکھا جائے تو اندازہ ہوگا کہ آئمہ نے حدیث نبوی کی جمع و ترتیب میں کس قدر احتیاط برتی ہے اور ضعیف و کمزور روایتوں کو اس پاکیزہ ذخیرہ سے علیحدہ کرنے میں کتنا اہتمام کیا ہے۔ اگر کسی مسلم امام حدیث سے بھی اس بارے میں کوئی لغزش ہو جاتی تھی تو اس کی لغزش کو واضح کرنے میں کبھی کوئی ہچکچاہٹ محسوس نہیں کی ہے۔

فقہ :

ابن حبان نے ان کو فقہائے اہل حجاز میں شمار کیا ہے۔ امام نوویؒ نے لکھا ہے کہ شافعی طرز فقہ کی داغ بیل جن آئمہ نے امام شافعیؒ سے پہلے ڈالی، ان میں ابن جریجؒ کا بھی شمار ہے۔ امام نے اس کی وجہ یہ لکھی ہے کہ امام شافعیؒ نے فقہ میں جن لوگوں سے استفادہ کیا تھا ان میں مسلم خانجی بھی شامل تھے۔ جو ابن جریجؒ کے تربیت یافتہ تھے۔^۵

۱۔ جن الفاظ سے آئمہ روایت کرتے ہیں ان میں ایک خبرنی بھی ہے۔ ۲۔ تہذیب۔ جلد ۲۔ ص ۴۰۶۔

۳۔ ایضاً۔ جلد ۶۔ ص ۴۰۴ ۴۔ ایضاً ۵۔ تہذیب الاسماء۔ جلد ۲۔ ص ۲۹۸

تصنیف :

ان کا شمار ان آئمہ میں ہوتا ہے جنہوں نے علوم دینیہ کی تدوین و تربیت میں حصہ لیا۔
 ارباب تذکرہ نے ان کی کسی کتاب کا نام نہیں لیا ہے۔ البتہ ابن ندیمؒ نے لکھا ہے کہ ان کی متعدد تصانیف ہیں۔ ان کی ایک کتاب ”کتاب السنن“ ہے۔ اس کے بارے میں لکھا ہے کہ یہ اس طرز پر لکھی گئی ہے جس پر عام کتب سنن لکھی گئی ہیں، یعنی ہر باب جدا جدا ہے۔ مثلاً: باب طہارت، باب الصلوٰۃ وغیرہ۔ ان کی ایک تفسیر کی کتاب کا ذکر کشف الظنون میں بھی ہے۔

ان کی تصنیف کے بارے میں عام اہل تذکرہ امام احمدؒ کی یہ رائے نقل کرتے ہیں، کہ

اول من صنف الكتب ابن جریر و ابن ابی عروبه .

(تہذیب الاسماء جلد ۲ . ص ۱۹۸)

”سب سے پہلے جن لوگوں نے الگ الگ عنوانات پر کتابیں تصنیف کیں ان میں ابن جریرؒ اور ابن ابی عروہؒ سب سے مقدم ہیں۔“

مگر ہمارے سامنے اسلامی علوم کی جمع و تدوین کی جو تاریخ ہے اس کی روشنی میں یہ رائے صحیح نہیں معلوم ہوتی۔ ان بزرگوں سے بہت پہلے سے تمام اسلامی علوم، تفسیر و حدیث وغیرہ پر تصنیف کا کام شروع ہو گیا تھا۔ اس بارے میں یا تو ابن عساکرؒ کی یہ رائے صحیح ہے کہ

اول من صنف الكتاب بالحجاز . (ش جلد ۲ . ص ۲۲۲)

”حجاز میں سب سے پہلے ابن جریرؒ نے جمع و تدوین کا کام شروع کیا۔“

یا پھر یہ کہا جائے کہ ابتداءً جن لوگوں نے حدیث اور فقہ پر کتابیں لکھیں ان میں موضوع و عنوان کی تقسیم نہیں تھی، بلکہ جس کو تفسیر اور فقہ کا جو ذخیرہ جس طرح مل گیا، اس نے اسی طرح مرتب کر دیا۔ حضرت ابن جریرؒ کا کارنامہ یہ تھا کہ انہوں نے اس میں فنی ترتیب قائم کر کے موضوع کے اعتبار سے حدیث نبوی ﷺ کو جمع کیا۔ چنانچہ خود بھی کہا کرتے تھے کہ میری طرح کسی نے علم کی تدوین نہیں کی۔

ان کی تصانیف کے بارے میں آئمہ نے جو رائے دی ہیں، وہ بھی قابل ذکر ہیں۔ حضرت یحییٰ بن سعیدؒ کہتے ہیں ”ابن جریرؒ کی کتابیں کتب امانت ہیں۔“

ان کی کتابیں ان کی زندگی ہی میں مشہور ہو چکی تھیں اور لوگ ان سے استفادہ کرنے کے لئے دور دور سے سفر کرتے تھے۔

شیخ خالد بن نزارؒ کہتے ہیں کہ میں ۱۵۰ھ میں وطن سے اس ارادہ سے نکلا کہ ابن جریج کی کتابیں حاصل کروں۔ مگر جب منزل مقصود پر پہنچا تو معلوم ہوا کہ چند دن پہلے ان کا انتقال ہو چکا^۱۔

عادات و اخلاق :

ان کے اوپر خشیت ربانی کی کیفیت ہر وقت طاری رہتی تھی۔ مشہور محدث عبدالرزاقؒ کا بیان ہے کہ جب میں ان کو دیکھتا تھا تو صاف معلوم ہوتا تھا کہ یہ خدا سے ڈرتے ہیں۔ میں نے ان کے جیسا بہتر نمازی نہیں دیکھا^۲۔ ظاہر ہے کہ نماز کی روح خشوع و خضوع اور خشیت الہی ہے۔ جس کے اوپر یہ کیفیت ہمہ وقت طاری رہتی ہو وہ نماز میں سراپا خشیت کیوں نہ بن جاتا ہوگا؟ ان کی اسی خشیت الہی کا اثر تھا کہ وہ شب زندہ دار ہو گئے تھے۔ امام مالکؒ ان کی شب بیداری کی وجہ سے ان کو صاحب اللیل (رات میں عبادات کرنے والا) کہتے تھے^۳۔

روزہ بے سے بے انتہا شغف تھا۔ پورے سال روزے رہتے تھے۔ ہر ماہ میں صرف تین دن روزے وہ چھوڑ دیا کرتے تھے^۴۔

طبیعت بہت رقیق اور اثر پذیر پائی تھی۔ یمن کے زمانہ قیام میں حج کی سعادت سے محروم رہے تھے۔ ایک دن عمر بن ابی ربیعہؒ کے چند اشعار یاد آ گئے، جن میں طول ہجر کی شکایت تھی۔

ان اشعار کا یاد آنا تھا کہ فوراً زیارت حرمین کے لئے کمر بستہ ہو گئے۔ اسی وقت اپنے استاد حضرت معین بن زائدہؒ کے پاس آئے اور ان سے اپنے ارادہ کا اظہار کیا۔ استاد نے کہا تم نے پہلے کیوں نہ اطلاع دی۔ انہوں نے جلدی قصد کر لینے کا سبب بتایا تو استاد نے جلدی جلدی ان کے لئے سامان سفر کا انتظام کیا اور وہ ویار محبوب کی زیارت کے لئے روانہ ہو گئے^۵۔

علم کے حصول کا مقصد :

ایک بار متعدد آدمہ کا مجمع تھا۔ امام اوزاعیؒ بھی موجود تھے۔ ولید بن مسلم نے پوچھا کہ آپ حضرات نے علم کس کے لئے حاصل کیا ہے؟ سب نے کہا کہ اپنی ذات کے لئے۔ مگر حضرت ابن جریجؒ بولے کہ میں نے علم لوگوں کے فائدہ کے لئے حاصل کیا ہے^۱۔

۱۔ تاریخ بغداد جلد ۱۰- ص ۳۷۳ ۲۔ صفوة المصنوعة جلد ۲- ص ۲۳ ۳۔ ایضاً ۴۔ تذکرة الحفاظ

۵۔ تہذیب التہذیب جلد ۱۰- ص ۴۰۴

۵۔ شذرات الذہب جلد اول- ص ۲۲۶

نفاستِ طبع :

خوشبو کے استعمال کے عادی تھے۔ اس کے ساتھ خضاب کا بھی استعمال کرتے تھے۔

وقات :

زندگی بھر بیشتر ایام انہوں نے جو احرام میں گزارے، مگر آخر عمر میں بصرہ چلے گئے اور وہاں پہنچ کر سلسلہ درس شروع کر دیا۔ مگر عمر نے وفات کی اور شروع ذی الحجہ ۱۵۰ھ میں انتقال ہو گیا۔

اولاد :

دو صاحبزادے یارگار چھوڑے۔ دونوں صاحب علم و فضل تھے۔



بسم الله الرحمن الرحيم

امام اسحاق بن راہویہؒ

تابعین کے فیض تربیت سے جو لوگ بہرہ ور ہوئے اور ان کے بعد علوم دینیہ کی اشاعت و ترویج کی انہی میں امام المسلمین اسحاق بن راہویہؒ بھی ہیں۔ ان کا شمار ان اساطین امت میں ہوتا ہے۔ جنہوں نے دینی علوم خصوصاً تفسیر و حدیث کی بے بہا خدمات انجام دی ہیں اور اپنی تحریری یادگاریں بھی چھوڑی ہیں۔

نام و نسب :

نام اسحاق اور ابو یعقوب کنیت تھی۔ والد کا نام ابراہیم تھا مگر راہویہ کے نام سے مشہور تھا۔ عام طور پر ارباب رجال ان کا پورا سلسلہ نسب بیان نہیں کرتے دولاہی نے ان کا پورا سلسلہ نسب بیان کیا ہے، جس کو صاحب تہذیب نے نقل کیا ہے۔^۱ (جلد ۱ ص ۲۱۸)

ان کا اصلی وطن مرو (ایران) تھا۔ کسی وجہ سے قیام غیشاپور میں تھا۔

تعلیم و تربیت :

۱۶۱ھ یا ۱۶۳ھ میں ولادت ہوئی۔ ابتدائی تعلیم کے بعد حدیث کی طرف توجہ کی۔ سب سے پہلے امام وقت عبد اللہ بن مبارکؒ کی خدمت میں گئے مگر اس کی کم سنی استفادہ میں مانع بنی، پھر دوسرے شیوخ حدیث کی مجالس درس میں شریک ہوئے اور ان سے استفادہ کیا۔ اس وقت ممالک اسلامیہ میں دینی علوم کے جتنے مراکز تھے وہ سب ایک دوسرے سے ہزاروں میل دور تھے مگر ابن

۱۔ عبد اللہ بن طاہر امیر خراساں نے ایک بار ان سے دریافت کیا کہ آپ ابن راہویہ کے نام سے کیوں مشہور ہیں؟ اس نام سے آپ کو مخاطب کیا جائے تو آپ برا نہیں مانیں گے؟ بولے کہ میرے والد کی ولادت راستہ میں ہوئی تھی جس کی وجہ سے اہل مرو ان کو راہوی کہنے لگے، یہی راہوی عربی میں آکر راہویہ ہو گیا۔ میرے والد اس لفظ کو اپنے لئے پسند نہیں کرتے تھے لیکن مجھے پسند ہے۔ تاریخ بغداد جلد ۲ ص ۲۷۵

۲۔ تہذیب جلد ۲ ص ۲۱۶ ۳۔ سند وفات میں اختلاف ہے اس اختلاف کی وجہ سے ان کی تاریخ ولادت میں بھی اختلاف ہو گیا ہے مگر صحیح یہ ہے کہ ۱۶۱ھ میں ولادت ہوئی اور ۲۳۸ھ میں وفات پائی۔

راہویہ^{۲۷} نے ان تمام مقامات کا سفر کیا اور وہاں کے تمام ممتاز محدثین و علمائے سے استفادہ کیا۔ خطیب بغدادی نے اس سلسلہ میں عراق، حجاز، یمن، مکہ اور شام وغیرہ کا نام لیا ہے مگر ان مقامات کی حیثیت محض ایک شہر کی نہیں تھی بلکہ یہ مملکت اسلام کے بڑے بڑے صوبے یا علاقے تھے جن میں سینکڑوں علمی مراکز تھے اور بے شمار جگہوں پر فقہ و حدیث کی مجلسیں برپا تھیں اس لئے ان مرکزی مقامات کی نہ جانے کتنی بستیوں کی خاک چھانی ہوگی ان کے اساتذہ کے چند نام یہ ہیں :

حضرت سفیان بن عیینہ مکہ، جریر بن عبد الحمید راموی، اسمعیل بن عیلة بصرہ، وکیع بن جراح یحییٰ بن آدم، ابو معاویہ، ابو اسامہ کوفہ، عبد الرزاق بن ہمام، عبد اللہ بن وہب، عبد اللہ بن مبارک خراسان۔ یہ ان کے چند مشاہیر اساتذہ کے نام دیئے گئے ہیں ورنہ یہ تعداد اس سے بہت زیادہ ہے۔

تفسیر :

ان کو ابتدائی سے علم حدیث سے شغف تھا اور اسی کے حصول میں انہوں نے سب سے زیادہ محنت و کوشش کی مگر تفسیر و فقہ وغیرہ میں بھی ان کو دسترس تھی۔ خطیب نے لکھا ہے کہ وہ حدیث و فقہ کے جامع تھے۔ جب وہ قرآن کی تفسیر بیان کرتے تھے تو اس میں بھی سند کا تذکرہ کرتے تھے۔ ابو حاتم^{۲۸} اس بارے میں کہتے ہیں کہ حدیث کے سلسلہ روایت اور الفاظ کا یاد کرنا تفسیر کے مقابلہ میں آسان ہے۔ امام ابن راہویہ^{۲۹} میں یہ کمال ہے کہ وہ تفسیر کے سلسلہ سند کو بھی یاد کر لیتے ہیں^۱۔

قوت حافظہ اور حدیث سے شغف و اعتماد :

اس کد و کاش کے ساتھ خدا نے قوت حافظہ بھی غیر معمولی دیا تھا۔ بے شمار احادیث زبانی یاد تھیں۔ کئی کئی ہزار احادیث تلامذہ کو وہ اپنی یادداشت سے لکھا دیا کرتے تھے اور کبھی کتاب دیکھنے کی ضرورت پیش نہیں آتی تھی۔ خود کہتے ہیں جو کچھ سنتا ہوں اسے یاد کر لیتا ہوں اور جو کچھ یاد کر لیتا ہوں پھر نہیں بھولتا۔ فرماتے تھے، ستر ہزار حدیثیں ہر وقت میری نظروں کے سامنے رہتی ہیں۔ حضرت ابو ذر^{۳۰} مشہور محدث کہتے تھے کہ ان کے جیسا قوت حفظ والا نہیں دیکھا گیا^۲۔

ان سے ایک بار کہا گیا کہ لوگوں کا خیال ہے کہ آپ کو ایک لاکھ حدیثیں زبانی یاد ہیں۔ فرمایا کہ میں ایک دو لاکھ کچھ نہیں جانتا، مگر میں نے آج تک جتنی حدیثیں سنی ہیں وہ سب یاد ہیں۔ ابو داؤد^{۳۱} خفاف جو ان کے تلامذہ میں ہیں کہتے تھے کہ ایک بار گیارہ ہزار حدیثیں انہوں نے املا کرائیں اور پھر ان کو دوبارہ دہرایا تو ایک حرف کا فرق نہیں تھا^۳۔

حدیث سے شغف کا نتیجہ :

خدا داد استعداد و صلاحیت اور قوت حافظہ کے ساتھ حدیث سے ان کے شغف و انہماک نے جلد ہی ان کو تبع تابعین کے زمرہ میں ایک ممتاز حیثیت کا مالک بنا دیا۔ بڑے بڑے آئمہ حدیث ان کے فضل و کمال کے معترف اور ان کے جلالت کے قائل ہو گئے۔

امام ابن خزیمہؒ کہتے تھے کہ اگر وہ تابعین کے زمانہ میں ہوتے تو اپنے علم و فضل کی بنا پر اس زمرہ میں بھی ایک ممتاز حیثیت حاصل کرتے۔

امام احمد بن حنبلؒ کے سامنے جب کوئی شخص ابن راہویہؒ لے کر آتا تھا تو ان کو برا معلوم ہوتا تھا۔ وہ کہتے تھے کہ خراسان کے علاقہ میں ان کے زمانہ میں ان کے جیسا صاحب علم آدمی نہیں پیدا ہوا۔ گو ہمارے اور ان کے درمیان بہت سے مسائل میں اختلاف تھا۔ مگر یہ کوئی نئی بات نہیں ہے۔ اختلاف تو ہر زمانہ کے اہل علم میں ہوا ہے۔

مقصود یہ تھا کہ اختلاف کی بناء پر کسی کے فضل کا اعتراف نہ کرنا صحیح نہیں ہے۔ حضرت یحییٰ بن یحییٰؒ ایک ممتاز محدث تھے۔ ان کے پاس جب امام ابن راہویہؒ آتے تھے تو وہ ان کا اس قدر احترام کرتے تھے کہ ان کے قریب کے لوگوں کو تعجب ہوتا تھا۔ کسی نے ان سے پوچھا کہ وہ تو آپ سے عمر میں بھی چھوٹے ہیں۔ ان کی اتنی عزت افزائی کیوں کرتے ہیں؟ انہوں نے کہا کہ اسحاق اکثر منی وانا اسن منہؒ۔

”اسحاق علم میں مجھ سے بڑے ہیں اور میں عمر میں ان سے بڑا ہوں۔“

انہی کا قول ہے کہ اسحاق کے پاس علم کا خزانہ ہےؒ۔ حضرت محمد بن یحییٰ الذہلیؒ بیان کرتے ہیں کہ ایک بار ۱۹۹ھ میں امام اسحاق بن راہویہؒ کے ساتھ رصافہ گیا۔ یہاں پر تمام معاصر آئمہ حدیث مثلاً: احمد بن حنبلؒ، یحییٰ ابن معینؒ وغیرہ جمع تھے مگر اس مجلس کے صدر نشین امام اسحاق بن راہویہؒ بنائے گئے۔

درس و تدریس :

اس بارے میں پہلے تذکرہ کچھ زیادہ معلومات فراہم نہیں کرتے۔ مگر جستہ جستہ واقعات سے اس پر کچھ روشنی پڑتی ہے۔ کھیل علم اور سماع حدیث کے بعد ان کا قیام زیادہ تر غیشاپور میں رہتا تھا۔ گویا جگہ اسلامی مملکت کے مرکزی مقامات سے بہت دور تھی۔ پھر اس زمانہ میں سفر کی دقتیں بھی

۱۔ کہ اس میں ایک اہانت کا پہلو تھا۔ ۲۔ تاریخ ابن عساکر جلد ۲۔ ص ۴۳۰ ۳۔ تاریخ بغداد ۴۔ ایضاً

وہاں تک پہنچنے میں مانع تھیں۔ مگر اس کے باوجود صد ہا تشنگان علم اس چشمہ علم سے سیراب ہوئے۔ خصوصیت سے خراسان کے علاقہ میں ان کا علم کافی پھیلا۔ خطیب کا بیان ہے کہ ان کا علم خراسانیوں میں خوب پھیلا۔ ہب ابن جریر کا بیان ہے کہ مشرق میں جن لوگوں نے سنت کو زندہ کیا ان میں اسحاق بن راہویہ بھی ہیں۔^۱

ان سے جن لوگوں نے اکتساب فیض کیا ان میں امام بخاری، امام مسلم، امام ترمذی، ابوداؤد، نسائی، امام احمد بن حنبل اور یحییٰ بن معین رحمہم اللہ وغیرہ کا نام بھی لیا جاتا ہے۔ ان تمام آئمہ نے اپنی اپنی کتابوں میں اسحاق ابن راہویہ کی مرویات نقل کی ہیں۔

امام ذہبی نے لکھا ہے کہ ان کبار آئمہ کے علاوہ خلق کثیر نے اس سے روایت کی ہیں۔

حضرت یحییٰ بن آدم ان کے شیوخ میں ہیں، مگر انہوں نے اس سے تقریباً دو ہزار روایتیں نقل کی تھیں۔
طریقہ درس :

عام طور پر آئمہ حدیث کا طریقہ درس یہ ہوتا ہے کہ جو کچھ انہیں املا کرانا ہوتا تھا، اُسے وہ پہلے سے لکھ کر لے جاتے تھے۔ مگر بہت سے آئمہ حدیث کو اپنے حفظ پر اتنا اعتماد ہوتا تھا کہ وہ زبانی املا کراتے تھے۔ ان ہی میں امام اسحاق بن راہویہ بھی تھے۔ اوپر ذکر آچکا ہے کہ بسا اوقات وہ کئی کئی ہزار روایتیں ایک مجلس میں زبانی املا کر دیتے تھے۔

تنقید حدیث :

کہتے تھے کہ جو ذخیرہ حدیث میرے پاس ہے ان میں ایک لاکھ حدیثوں کے موقع و محل سے اس طرح واقف ہوں کہ وہ گویا میری آنکھوں کے سامنے ہیں۔ ان میں ستر ہزار تو مجھے مع معانی حفظ ہیں اور چار ہزار مزورہ حدیثیں اور مجھے یاد ہیں۔ لوگوں نے پوچھا کہ مزورہ حدیثوں سے آپ کی کیا مراد ہے؟ انہوں نے کہا کہ وہ جھوٹی اور موضوع روایتیں جنہیں میں نے اس لئے یاد کر لیا ہے کہ جب وہ روایتیں صحیح احادیث کے ساتھ مختلط ہو کر میرے سامنے آئیں تو ان میں جتنا حصہ کذب اور وضع کا اُسے الگ کر دوں اور صحیح حدیث کا جتنا حصہ ہے اس کو علیحدہ کر دوں۔

ان کی اس خدمت کی اہمیت کا اندازہ پورے طور پر اسی وقت ہو سکتا ہے جب دوسری صدی کے اس فتنہ کی تاریخ کو سامنے رکھا جائے، جس کے ذریعہ ہزاروں بے سرو پا روایتیں احادیث نبوی ﷺ کے نام سے لوگوں میں رواج پا گئی تھیں اور نہ جانے کتنی موضوع روایتیں زبان زد خاص و عام ہو گئی تھیں۔ اس فتنہ کے مقابلہ کے لئے آئمہ حدیث نے جو کدو کاوش اور جدوجہد کی اور اس کے لئے دکھ سہے اس کا صحیح اندازہ تو یحییٰ بن معین، عبد الرحمن مہدی، ابن المدینی، احمد بن حنبل وغیرہ کے حالات سے ہوگا، مگر اس صدی کے دوسرے آئمہ کے سوانح حیات میں بھی اس قسم کی کوششوں کی کوئی نہ کوئی جھلک ملتی ہے۔ اس طرح کی کوشش حضرت اہل حق بن راہویہؒ نے بھی کی تھی۔

اہل علم سے مذاکرات :

اجتہادی مسائل میں ارباب علم کے درمیان ہمیشہ مذاکرہ و مباحثہ ہوتا رہا ہے۔ امام شافعیؒ، امام احمد بن حنبلؒ، یہ دونوں بزرگ امام اسحاق بن راہویہؒ کے معاصر تھے۔ اس لئے ان میں بھی بعض دینی مسائل میں مذاکرے ہوئے ہیں۔ ان میں سے اہل تذکرہ نے خصوصیت سے دو مسئلوں کا ذکر کیا ہے۔

ایک مسئلہ یہ تھا کہ مکہ کے اندر مکانات ہیں، ان پر ان کے رہنے والوں کا حق ملکیت بھی ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو وہ ان کو کرایہ وغیرہ پر اٹھا سکتے ہیں یا نہیں اور اگر نہیں ہے تو پھر ان کو بیع کرنے یا کرایہ پر دینے کا اختیار ہے یا نہیں؟ امام شافعیؒ ملکیت کے قائل تھے اور امام اسحاق بن راہویہؒ مکہ کی سرزمین پر کسی کی ملکیت تسلیم نہیں کرتے تھے۔

اتفاق سے ایک بار مکہ میں ان دونوں بزرگوں کا اجتماع ہو گیا۔ امام احمدؒ بھی موجود تھے۔ امام اسحاق بن راہویہؒ چونکہ اس مسئلہ میں بہت سخت تھے، اس لئے انہوں نے امام شافعیؒ کے سامنے اپنے خیال کا اظہار کیا۔ امام شافعیؒ نے اس سے اختلاف کیا اور اپنے اس اجتہاد پر قرآن کی اس آیت کا استدلال کیا۔

للفقراء المهاجرين الذين اخرجوا من ديارهم .

”ان فقیر مہاجرین کے لئے جن کو ان کے گھروں سے نکالا گیا۔“

ان کا استدلال یہ تھا کہ اس آیت میں دیار کی نسبت ان کے مالکوں کی طرف کی گئی ہے۔ پھر حدیث سے انہوں نے حجت قائم کی۔ وہ یہ کہ فتح مکہ کے دن آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ جو اپنے گھر کا

دروازہ بند کر لے وہ مامون ہے۔ پھر فرمایا کہ ابوسفیان کے مکان میں داخل ہو جائے اس کو امن ہے پھر فرمایا کہ عقیل نے تو ہمارے لئے کوئی مکان نہیں چھوڑا^۱ (جس میں ہم ٹھہر سکیں)۔

حضرت عمرؓ کے اسوہ سے استدلال کرتے ہوئے امام شافعیؒ نے فرمایا کہ انہوں نے جیل خانہ کے لئے کچھ لوگوں سے ان کے مکانات خرید لئے تھے۔

امام اسحاق بن راہویہؒ نے دلائل سن کر فرمایا کہ مگر بعض تابعین میرے خیال کی تائید کرتے ہیں۔ اس پر امام شافعیؒ نے فرمایا کہ میں تو رسول اللہ ﷺ کا قول پیش کرتا ہوں اور آپ تابعین کی رائے سے استدلال کرتے ہیں۔ امام اسحاق بن راہویہؒ نے پھر قرآن کی اس آیت کو استدلال میں پیش کیا :

سواء العاکف فیہ والیاد .

”اس میں مقیم و مسافر دونوں برابر ہیں۔“

اس کے جواب میں امام شافعیؒ سے فرمایا یہ تو مسجد حرام کے بارے میں ہے۔ مکہ کی عام زمین اس سے مراد نہیں ہے۔

اسی طرح ایک اور مسئلہ میں بھی مذاکرہ ہوا۔ وہ مسئلہ یہ تھا کہ مردہ جانور کی کھال دباغت سے پاک ہو جاتی ہے یا نہیں؟ امام شافعیؒ پاکی کے قائل تھے اور امام اسحاق بن راہویہؒ عدم جواز کے^۲۔

عادات و اخلاق :

عادات و اخلاق اور زہد و تقویٰ سے بھی وہ ممتاز تھے۔ تمام اہل تذکرہ لکھتے ہیں، وہ صدق و صفا، ورع و تقویٰ میں ممتاز تھے۔ ان کے تقویٰ اور خشیتِ الہی کے بارے میں یہ آیت مثال کے طور پر پیش کی جاتی تھی۔

انما یخشى الله من عباده العلماء .

”خدا کے بندوں میں اس سے اس کو جاننے والے ہی ڈرتے ہیں۔“

ایک بار امیر خراسان علی بن طاہر کے پاس گئے۔ ہاتھ میں کچھ کھجوریں تھیں۔ وہ کھاتے ہوئے اس کے سامنے بیٹھ گئے۔ اس نے ان کی بے نیازی اور سادگی کو دیکھ کر کہا، اگر تم نے یہ کسی ریاکی وجہ سے نہیں کیا تو دنیا میں تم زیادہ بے ریا میں نے نہیں دیکھا^۳۔

۱۔ حضرت عقیلؓ حضرت علیؓ کے چھوٹے بھائی تھے۔ جب آنحضرت ﷺ اور حضرت علیؓ وغیرہ مکہ سے ہجرت کر گئے تو حضرت عقیلؓ نے اپنا اور آنحضرت ﷺ کا مکان فروخت کر ڈالا۔ یہ اسی طرف اشارہ ہے۔

۲۔ ابن عساکر جلد ۲۔ ص ۳۱۴

۳۔ طبقات الشافعیہ جلد اول۔ ص ۳۳۶

اس سادگی کے باوجود زندگی زیادہ تر عشرت ہی میں بسر ہوئی تھے۔ وہ ہمیشہ مقروض رہتے تھے۔ ایک بار تیس ہزار درہم ان پر قرض ہو گئے۔ یحییٰؑ نے جو ان کے علم و فضل کے قائل تھے۔ علی طاہر امیر خراسان کا ایک رقعہ لکھا کہ ان کا قرض ادا کر دیا جائے۔ چنانچہ ان کا قرض ادا کر دیا۔
شیخ وہب بن حریرؒ فرماتے تھے کہ ”اللہ تعالیٰ اسحاق بن راہویہ صدقہ اور یممر کو جزائے خیر دے کہ انہوں نے مشرق میں سنت کو زندہ کیا۔“

علامہ ابن حبانؒ کہتے ہیں کہ امام اسحاق بن راہویہؒ نے سنت نبوی ﷺ کی ترویج کی۔ جھوٹی روایتوں کو احادیث نبوی سے الگ کیا اور جن لوگوں نے سنت کی مخالفت کی ان کا پورا مقابلہ کیا۔

تصنیف :

انہوں نے اپنی تحریری یادگاریں بھی چھوڑی ہیں۔ مگر اس وقت ان کے موجود ہونے کا کوئی علم نہیں ہے۔ علامہ ابن حبانؒ نے تو صرف اتنا لکھا ہے :

وصنف الكتب

”انہوں نے بہت سی کتابیں تصنیف کی ہیں۔“

مگر اس کی کوئی تفصیل بیان نہیں کی۔

ابن ندیمؒ نے البتہ ان کی دو تصانیف کا تذکرہ کیا ہے۔

(۱) کتاب السنن فی الفقہ (۲) کتاب التفسیر

امام سیوطیؒ نے لکھا ہے کہ تابعین کے بعد جن لوگوں نے فن تفسیر کو زندہ کیا ان میں

اسحاق بھی ہیں۔

وفات :

ان کی قبر آج بھی زیارت گاہ خلّاق ہے۔ علامہ ابن حجرؒ نے لکھا ہے کہ ان کی قبر مشہور ہے

اور لوگ اس کی زیارت کو جاتے ہیں۔

یہ صاحب مذہب تھے :

حافظ ابن کثیرؒ نے لکھا ہے کہ یہ فقہ میں ایک مسلک کے بانی تھے۔ جسے اسحاقیہ کے نام

سے پکارا جاتا تھا۔ ان کے الفاظ یہ ہیں :

۱۔ طبقات الشافعیہ جلد اول۔ ص ۳۳۴ ۲۔ ابن عساکر جلد ۲۔ ص ۴۱۴ ۳۔ تہذیب جلد اول۔ ص ۲۱۹

۴۔ اختصار علوم الحدیث ص ۸۹

اسحق بن راہویہ قد کان اماماً متبعاً له طائفة یقلدونه ویجتهد
واعلیٰ مسلکہ^۱۔

”اسحاق بن راہویہ امام وقت تھے۔ ایک گروہ ان کی تقلید کرتا تھا اور ان کے مسلک کے
مطابق مسائل کا استنباط اور اجتہاد کرتا تھا۔“

اس بات کا علم نہیں ہو سکا کہ یہ مسلک کہاں پروان چڑھا۔ کتنے دنوں تک زندہ رہا اور
کب فنا ہو گیا۔



بسم الله الرحمن الرحيم

حضرت سفیان بن عیینہؒ

حضرت سفیان بن عیینہ کے علم و فضل اور دیانت و تقویٰ کا ہر کہ دمہ معترف و مداح ہے۔ زمرہ تبع تابعین میں حدیث نبوی ﷺ کی تدوین کا کام جن بزرگوں نے انجام دیا، ان میں حضرت سفیان بن عیینہؒ کا نام سرفہرست ہے۔ ان کا ایک زرین کارنامہ یہ بھی ہے کہ کلام الہی کے وہ لفظی و معنوی رموز و نکات جو اب تک سینوں میں محفوظ چلے آ رہے تھے، ان کو وہ صفحہ قرطاس پر لائے۔ گو اس خدمت میں ان کے دوسرے معاصر بزرگ مثلاً اسحاق راہویہ، سفیان ثوری وغیرہ بھی شریک ہیں اور ان میں سے بعض بزرگوں کی تفسیریں تو آج تک موجود ہیں۔

حضرت سفیان بن عیینہ کی تفسیر کے اس وقت موجود ہونے کا کوئی علم ہمیں نہیں ہے، مگر واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ تیسری صدی تک وہ اہل علم میں متداول رہی اور اس کا فیض ہندوستان تک پہنچا تھا۔ حضرت محمد بن ابراہیم دہلی (سندھ) جو تیسری صدی کے ہندوستانی عالم ہیں۔ ان کے ذکر میں یہ فقرہ ملتا ہے :

یروی کتاب التفسیر لابن عیینہؒ۔

”یہ ابن عیینہ کی تفسیر کی روایت کرتے ہیں۔“

خاندان :

حضرت سفیان بن عیینہؒ غلام خاندان کے ایک فرد تھے۔ ان کے والد کا نام عیینہ اور دادا کا نام ابو عمران میمون تھاؒ۔ ان کے والد والی کوفہ خالد بن عبداللہ القسری کے عمال میں تھےؒ۔ مگر ۱۲۰ھ میں ہشام نے خالد کو معزول کر دیا اور ان کے بجائے یوسف بن عمر ثقفی کو کوفہ کا گورنر مقرر کیا۔

۱۔ زہبۃ الخواطر۔ جلد اول ص ۷۰ ۲۔ بعض اہل تذکرۃ نے ابو عمران ان کے دادا کا نام لیا ہے۔ (ابن خلکان) اور بعض نے ابو عمران عیینہ کی کنیت بتائی ہے (تہذیب)۔

۳۔ اس بارے میں اہل تذکرہ کے درمیان اختلاف ہے کہ ان کے عمال حکومت میں تھے یا والد۔ ابن سعد نے ان کے والد ہی کو لکھا ہے اور زیادہ قرین قیاس یہی ہے۔ اس لئے ہم نے اس بیان کو ترجیح دی ہے۔

یوسف کو خالد سے پرانی پُر خاش تھی، اس لئے اس نے برسرِ اقتدار آتے ہی خالد کے عمال سے بدلہ لینا شروع کر دیا۔ حضرت سفیان کے والد عیینہ بھی عتاب میں آئے، مگر وہ کسی طرح چھپ کر کوفہ سے مع اہل و عیال مکہ آ گئے اور جو ار خدا میں پناہ لی اور بعد میں یہیں سکونت اختیار کر لی۔ اس وقت امام ابن عیینہ کی عمر ۱۳ سال تھی۔ ان کا خاندان اپنے علم و فضل کی وجہ سے ممتاز تھا۔ ان کے نو بھائی تھے، جن میں پانچ صاحبِ علم و فضل تھے۔

ولادت اور تعلیم و تربیت :

حضرت سفیان بن عیینہ ”کی ولادت ہشام کے عہدِ خلافت میں کوفہ میں ہوئی۔ کوفہ اس وقت فقہائے محدثین کا سب سے بڑا مرکز تھا۔ یہاں کی ہر مسجد مدرسہ تھی اور ہر گھر سے قال اللہ اور قال الرسول کی آواز سنائی دیتی تھی۔ حتیٰ کہ ایوانِ حکومت کے تاجدار بھی اپنی تمام بے راہ رویوں کے باوجود اس آواز سے مانوس تھے۔ غرض اسی روح پرور ماحول میں امام کا نشوونما ہوا۔ اور یہیں ان کی تعلیم و تربیت کا آغاز ہوا۔

آئمہ میں بیشتر ایسے گزرے ہیں جن کے والدین غریب تھے یا ان کے سن شعور سے پہلے انتقال کر چکے تھے۔ اس لئے ان میں بہت کم ایسے بزرگ ہیں، جن کی تعلیم و تربیت کسی خاص نظم و تربیت سے ہوتی ہو۔ مگر امام سفیان بن عیینہ ان خوش قسمت لوگوں میں تھے، جن کے والدین زمانہ تعلیم و تربیت میں زندہ تھے اور مالی اعتبار سے مطمئن بھی تھے، اس لئے ان کی تعلیم باقاعدہ ہوئی۔

ابھی چار برس کی عمر تھی کہ حفظ قرآن کے لئے بٹھا دیا گیا۔ ۷ برس کی عمر میں اس سے فارغ ہو گئے۔ حفظ قرآن کے بعد حدیث کی کتاب شروع کرادی گئی۔ غالباً یہ اس لئے کیا گیا کہ کلامِ الہی کے ساتھ بچپن ہی میں ارشاداتِ نبوی ﷺ کا کچھ ذخیرہ بھی ان کے سینے میں محفوظ ہو جائے۔ یہ سلسلہ تقریباً ۱۵ برس کی عمر تک جاری رہا۔ اس عمر کو پہنچ جانے اور والدین کی پوری توجہ کے باوجود اب تک طبیعت میں حصولِ علم کا پورا شوق نہیں پیدا ہوا تھا۔ اس کے لئے ان کے والد ہمیشہ ان کو نصیحت کرتے اور احساسِ ذمہ داری دلاتے رہتے تھے۔ ان کی ایک نصیحت کے الفاظ تذکروں میں محفوظ ہیں۔ انہوں نے ایک دن کہا :

”پیارے بیٹے! بچپن کا زمانہ ختم ہوا اور تم اب سن شعور کو پہنچے۔ اب پورے طور سے خیر کی طلب یعنی حصولِ علم دین میں لگ جاؤ، مگر اس راہ میں سب سے زیادہ ضروری چیز یہ ہے

کہ اہل علم کی اطاعت و خدمت کی جائے۔ اگر تم ان کی اطاعت و خدمت کرو گے تو علم و فضل کی دولت سے بہرہ مند ہو گئے۔

یہ نصیحت ان کے دل میں گھر کر گئی۔ خود کہتے ہیں کہ میں نے والد کی اس نصیحت کو زندگی بھر حرز جان بنائے رکھا اور کبھی اس سے سرمو تجاوز نہ کیا۔

اس کی تصریح تو نہیں ملتی کہ یہ نصیحت کہاں کی، مکہ میں یا کوفہ میں۔ مگر قرین قیاس یہ ہے کہ نصیحت مکہ ہی میں کی گئی۔ اس لئے کہ ان کا خانوادہ مکہ سے کوفہ ۱۲۰ھ میں گیا۔ جب کہ ان کی عمر ۱۴ یا ۱۵ سال کی تھی اور خود ان کا بیان ہے کہ یہ ۱۲۲ھ سے بالتزام مکہ کے آئمہ حدیث کی خدمت میں جانے لگے تھے۔ ظاہر ہے کہ یہ التزام و احساس ذمہ داری ان میں پہلے نہیں تھا، جب ہی تو ان کے والد نے یہ نصیحت کی تھی۔ اس لئے یہ نصیحت یقیناً مکہ میں کی گئی ہوگی۔

مکہ اس وقت آئمہ تابعین کا گہوارہ تھا۔ امام زہری، عمرو بن دینار، ابن جریج اور بہت سے سرآمد و روزگار آئمہ قرآن و سنت کی مجالس درس میں شریک ہونے لگے اور جب تک مکہ میں رہے، ان سے جدا نہیں ہوئے۔ ۱۲۶ھ میں حضرت عمرو بن دینار کا انتقال ہو گیا۔ جس سے یہ چشمہ فیض تو بند ہو گیا مگر ابھی دوسرا چشمہ علم جاری تھا کہ نہ جانے کیا اسباب ہوئے کہ یہ مکہ سے پھر کوفہ چلے گئے۔

ذہانت اور شوق جستجو :

بچپن ہی سے نہایت ذکی اور ذہین تھے۔ ان آئمہ کی خدمت میں ان کی ذہانت و ذکاوت کو مزید جلا ہوئی اور ان میں ایسی دقت نظری اور قوت پیدا ہو گئی کہ بڑے بڑے آئمہ ان کا اعتراف کرنے لگے۔ علامہ ابن جریج "جو ممتاز تبع تابعین میں ہیں۔ مکہ میں ان کی مجالس درس برپا تھی۔ ایک دن سفیان "ان کی خدمت میں گئے۔ ابن جریج" کوئی روایت بیان کر رہے تھے، جس میں انہوں نے صحابی کے نیچے کے راوی کا نام نہیں لیا، بلکہ یہ کہا کہ مجھ سے ایک شخص نے بیان کیا ہے کہ ابن عباسؓ یہ فرماتے ہیں۔ ابن عیینہ کو راوی کے نام نہ لینے کی وجہ سے خلش ہوئی اور انہوں نے اس کی تلاش کی۔ معلوم ہوا کہ وہ راوی ابھی زندہ ہے۔ تحقیق کے بعد وہ دوبارہ ابن جریج کے پاس پہنچے۔ اتفاق سے اس دن بھی وہ اسی روایت کو دہرا رہے تھے۔ جب انہوں نے یہ کہا کہ ایک شخص نے مجھ سے یہ بیان کیا ہے،

تو یہ بولے۔ ابو الولید اس کے راوی تو عبید اللہ بن ابی یزید ہیں۔ مقصد یہ تھا کہ آپ تحقیق کر لیتے تو سلسلہ سند کا ابہام دور ہو جاتا۔ ابن جریجؒ یہ سن کر بولے :
قد غضت علیہ یا غواصؑ۔

”اے بحر تحقیق کے غواص تم نے ڈوب کر حقیقت دریافت ہی کر لی۔“

قوتِ حافظہ :

خدا نے قوتِ حافظہ بھی غیر معمولی عطا فرمایا تھا۔ اپنی قوتِ حافظہ کے بارے میں خود ہی فرماتے تھے کہ

ما کنت شیئاً قط الا شیئاً حفظتہؑ۔

”میں جس چیز کو ضبطِ تحریر میں لایا وہ مجھے یاد ہو گئی۔“

حضرت سفیان بن عیینہؒ کے اساتذہ کی فہرست بڑی لمبی ہے۔ صرف تابعین میں اتنی ۸۰ سے زائد بزرگوں سے انہوں نے کسب فیض کیا تھا۔ چند مشاہیر کے نام یہ ہیں :

امام زہریؒ، امام شعبہؒ، مسعر بن کدامؒ، عمر بن دینارؒ، ابواسحاق السبئیؒ، محمد بن عقبہؒ، حمید الطویلؒ، زیاد بن علاقہؒ، صالح بن کیسانؒ رحمہم اللہ تعالیٰ وغیرہ۔

درس و تدریس :

مکہ میں ۵-۶ برس رہنے کے بعد ۲۶ھ میں جب کہ ان کی عمر ابھی ۱۹-۲۰ برس تھی، مکہ سے اپنے آبائی وطن کوفہ چلے آئے۔ یہاں بھی آئمہ تابعین و تبع تابعین کی متعدد مجلسیں قائم تھیں اور ان سب سے انہوں نے استفادہ کیا تھا۔ مگر خاص طور سے وہ مسعر بن کدامؒ کی صحبت میں زیادہ رہے۔ گو یہ خود اس وقت مرجعِ خلافت تھے۔ مگر انہوں نے ابن عیینہؒ سے خواہش کی کہ وہ تحدیثِ روایت کا سلسلہ شروع کریں۔ حضرت سفیان بن عیینہؒ کے سینہ میں گو امام زہریؒ اور عمرو بن دینارؒ کی مرویات کے خزینے محفوظ تھے۔ مگر انہوں نے کم سنی کی معذرت کی۔ حضرت مسعرؒ کدامؒ نے کہا کہ آپ کے پاس امام زہریؒ اور عمرو بن دینارؒ کا سرمایہ روایات موجود ہے تو پھر آپ کو کم سنی کی پروا نہ کرنی چاہئے۔ مقصد یہ تھا کہ اس راہ میں عمر کی نہیں بلکہ علم و فہم کی ضرورت ہوتی ہے اور اس سے آپ بہرہ ور ہیں۔ غالباً انہی کے مشورے کے بعد انہوں نے اپنا سلسلہ درس شروع کیا۔

کوفہ جس وقت پہنچے، اس وقت وہاں سب سے وسیع حلقہ درس امام ابو حنیفہؒ کا تھا۔ ان کو یہ فخر حاصل ہے کہ جب امامؒ کو ان کی آمد کا علم ہوا تو انہوں نے اپنے تلامذہ اور عام اہل کوفہ سے کہا کہ

تمہارے پاس عمرو بن دینار کی مرویات کا حافظ آگیا ہے۔ چنانچہ لوگ ان کی مرویات سے اخذ و استفادہ کرنے کے لئے ان کے پاس آنے لگے۔ وہ خود کہتے ہیں کہ مجھ کو جس نے سب سے پہلے محدث بنایا وہ امام ابو حنیفہؒ ہیں۔^۱

کوفہ میں اس وقت امام اعمشؒ اور امام شعبہؒ کے درس کا بھی ہر طرف جہ چا تھا مگر جب ابن عیینہؒ نے درس دینا شروع کیا تو ان آئمہ کے تلامذہ بھی ان کی مجلس درس میں شریک ہونے لگے۔ عبداللہ بن داؤدؒ کہتے ہیں کہ ہم لوگ امام اعمش کے درس میں شریک تھے کہ کسی نے آکر یہ اطلاع دی کہ سفیان بن عیینہؒ نے بھی تحدیث شروع کر دی ہے۔ چنانچہ ہم لوگ اعمش کی مجلس سے اٹھے تو ان کے درس میں شریک ہوئے۔ اہل تذکرہ ان کی جلالت علم کے ذکر میں اسی بات کا خاص طور سے ذکر کرتے ہیں کہ انہوں نے امام اعمشؒ کی زندگی ہی میں اپنی مجلس درس قائم کر دی تھی۔^۲

امام شعبہؒ اپنے تلامذہ سے کہا کرتے تھے کہ جس کو عمرو بن دینارؒ کی مرویات مطلوب ہوں اس کو ابن عیینہؒ کے پاس جانا چاہئے۔^۳

امام اعمشؒ اور امام شعبہؒ ان کے شیوخ حدیث میں سے ہیں۔ مگر ان دونوں بزرگوں نے بھی ان سے سماع حدیث کیا تھا۔ بغدادی نے لکھا ہے کہ ایک بار ابن عیینہ امام اعمش کی مجلس درس میں گئے اور پچاس حدیثیں بیان کیں۔ اسی طرح امام شعبہؒ کے بارے میں لکھا ہے کہ انہوں نے ان سے سو روایتیں سنی ہیں۔^۴

حضرت سفیان بن عیینہؒ ہر سال زیارت حرمین کے لئے جاتے تھے۔ ان کے درس میں یوں بھی طلباء کا ہجوم رہتا تھا مگر حج کے زمانہ میں جب کہ سارے ممالک اسلامیہ کی آبادی مکہ میں سمٹ آتی تھی۔ سماع حدیث کے لئے ان کے پاس ایک اژدہام ہوتا تھا۔ بلکہ بہت سے تشنگانِ ہشمہ نبوت تو اسی غرض کے لئے سفر حج کی مشکلیں برداشت کرتے تھے۔ امام ذہبیؒ لکھتے ہیں :

فقد کان خلق یحبون والباعث لقاء ابن عیینہ فینرد حمون علیہ فی ایام الحج ۵۔

”ایک مخلوق حج کے لئے اسی لئے جاتی تھی کہ سماع حدیث کے لئے ابن عیینہ کی ملاقات نصیب ہو، چنانچہ حج کے زمانہ میں ان کے گرد ایک اژدہام ہوتا تھا۔“

۱۔ ابن خلکان۔ جلد اول۔ ص ۳۷۶

۲۔ بغدادی۔ جلد ۹۔ ص ۱۷۵

۳۔ ایضاً۔ ص ۱۸۰

۴۔ تاریخ بغداد۔ جلد ۶۔ ص ۱۷۵

۵۔ ایضاً۔ جلد ۹۔ ص ۱۷۵

معاصرین میں ان کا علمی مقام :

امام زہری اور عمرو بن دینار کے تلامذہ سارے ممالک اسلامیہ میں پھیلے ہوئے تھے، مگر ان آئمہ کے جو تلامذہ سب سے زیادہ قابل وثوق اور معتمد سمجھے جاتے تھے۔ ان میں سفیان بن عیینہؒ بھی تھے، بلکہ بعض حیثیتوں سے یہ سب میں ممتاز تھے^۱۔ ابن المدینیؒ کا بیان ہے کہ

ما فی اصحاب الزہری اتقن من ابن عیینہ^۲۔

”زہری کے تلامذہ اور اصحاب میں سب سے قابل وثوق ابن عیینہ کی ذات تھی۔“

ایک شخص نے ابن المدینیؒ سے پوچھا کہ زہریؒ کے تلامذہ میں مقدم کون ہے؟ بولے! تقدم تو مجھے حاصل ہے مگر ان کے اصحاب میں جن کے سماع میں شک نہیں کیا جاسکتا نہ ان پر کسی نے کلام کیا ہے اور نہ زبان کھولی ہے، وہ سفیان بن عیینہؒ اور زیاد بن سعدؒ ہیں^۳۔

ان ہی کا بیان ہے کہ میں نے سعید القطانؒ سے پوچھا کہ امام زہریؒ کے فیض یافتہوں میں آپ معمر اور سفیان بن عیینہؒ میں سے کس کو زیادہ پسند کرتے ہیں؟ بولے سفیان کو^۴۔

اسی طرح عمرو بن دینارؒ کی مرویات کے بھی یہ سب سے بڑے امین سمجھے جاتے تھے۔ امام احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں کہ سفیان عمرو بن دینار کو سب سے زیادہ جاننے والے تھے۔ یحییٰ بن معینؒ نے ایک دن کہا کہ سفیان عمرو بن دینارؒ کی مرویات کے سب سے بڑے حافظ تھے۔ کسی نے پوچھا کہ حماد بن زید سے بھی زیادہ؟ بولے ہاں۔ پھر پوچھا کہ اگر عمرو بن دینارؒ کی کسی روایت میں سفیان ثوریؒ اور سفیان بن عیینہؒ کے درمیان اختلاف ہو جائے تو آپ کس کو ترجیح دیں گے؟ بولے ابن عیینہؒ کو۔

اوپر امام شعبہؒ کا قول گزر چکا ہے کہ جس کو عمرو بن دینار کی روایت مطلوب ہوں وہ ابن عیینہؒ کے پاس جائے^۵۔ حافظ ابن حجرؒ نے لکھا ہے کہ تمام حفاظ حدیث کا اس امر پر اتفاق ہے کہ عمرو بن دینار کی مرویات کے سب سے زیادہ قابل وثوق راوی یہی ہیں^۶۔

فن حدیث میں ان کا اصلی مقام :

اوپر جو اقوال نقل کئے گئے ہیں ان سے یہ اندازہ تو ہو گیا ہوگا کہ مکہ میں حدیث نبوی کا جو ذخیرہ تھا، اپنے زمانہ میں اس کے یہ سب سے بڑے محافظ سمجھے جاتے تھے، مگر یہ ان کے علم و فضل کا ایک گوشہ تھا۔ حدیث میں ان کے اصلی مقام کو سمجھنے کے لئے ہم عصر علماء کے چند اقوال پر نظر ڈال لینی ضروری ہے۔

۱۔ تذکرہ۔ جلد اول۔ ص ۲۳۹ ۲۔ تہذیب التہذیب۔ جلد ۴۔ ص ۱۱۹ ۳۔ تاریخ بغداد۔ جلد ۹۔ ص ۱۸۷

۴۔ ایضاً ۵۔ ایضاً ۶۔ تہذیب التہذیب۔ جلد ۴۔ ص ۱۱۶

جہاں تک روایتوں کی کثرت اور ان کے حفظ اور ضبط تحریر میں لانے کا تعلق ہے، اس میں ان کو کوئی انفرادی امتیاز حاصل نہیں تھا۔ ان کی مرویات کی کل تعداد ۷ ہزار بتائی جاتی ہے۔ انہوں نے اپنا کوئی مجموعہ بھی نہیں چھوڑا۔ اس کے برخلاف اتباع تابعین میں بہت سے بزرگوں کے سینوں میں ان سے کہیں زیادہ روایتیں محفوظ تھیں اور ان میں سے بہتوں نے اپنے مجموعہ ہائے حدیث بھی یادگار چھوڑے تھے۔ اتباع تابعین کے زمرہ میں جو چیز ان کو ممتاز کرتی ہے، وہ حدیث نبوی ﷺ کا فہم، تفسیر، حدیث کا ملکہ اور وثوق و اعتماد ہے۔ ان اوصاف میں کم لوگ ان کے ہم عصر تھے۔ احمد بن عبد اللہ کا بیان ہے کہ ”ان کا شمار حکمائے حدیث میں ہوتا تھا، گو کہ ان کی روایتیں صرف ۷ سات ہزار تھیں اور انہوں نے کوئی حدیث کا مجموعہ بھی نہیں چھوڑا۔“

امام شافعیؒ فرماتے تھے کہ میں نے ان کے جیسا حدیث کی بہتر تفسیر و تشریح کرنے والا نہیں دیکھا۔ ان ہی کا قول ہے کہ علم میں جتنی پختگی اور وثوق و اعتماد ان کو تھا، میں نے کسی دوسرے میں نہیں دیکھا۔

حضرت عبدالعزیز بن ابی داؤدؒ کہتے ہیں کہ سفیان ثوریؒ کی مجلس میں جب اصحاب حدیث نہیں ہوتے تھے تو وہ مرسل روایتوں کے بجائے مسند روایتیں بیان کرتے تھے۔ میں جب ان مسند روایتوں کو سن کر ان کی مجلس سے اٹھتا تو ابن عیینہؒ کے پاس جاتا اور ان روایتوں کو ان کے سامنے پیش کرتا، وہ کہتے کہ اس میں یہ غلطی اور اس میں یہ خامی ہے۔ پھر میں امام ثوریؒ کے پاس آتا اور ان سے ابن عیینہؒ کی تنقید کا ذکر کرتا تو فرماتے کہ بھائی ابن عیینہؒ نے جو کہا ہے، وہ صحیح ہے۔

مشہور امام جرح و تعدیل عبدالرحمن بن مہدیؒ سے کسی نے پوچھا کہ حدیث میں ابن عیینہؒ کا کیا مقام ہے؟ بولے، ان کو حدیث کی تفسیر اور حدیث کے متفرق الفاظ کے جمع کرنے میں مہارت حاصل تھی۔ وہ حدیث کی تشریح میں بے جا تاویل کو پسند نہیں کرتے تھے۔ خصوصیت سے زبرد توخیؒ کے سلسلہ میں ارشادات نبوی ﷺ کی ایسی تاویل و تفسیر جو بے خونی پیدا کر دے، غلط سمجھتے تھے۔ ایک بار فرمایا کہ اس حدیث :

من غشنا فلیس منا و حمل علینا فلیس منا .

”جس نے فریب کیا وہ مسلمان نہیں ہے۔ جس نے مسلمانوں پر حملہ کیا وہ مسلمان نہیں ہے۔“

کی تفسیر جو لوگ یہ کرتے ہیں کہ ایسا شخص ہمارے طریقہ اور حسن سیرت پر نہیں ہے، وہ غلطی پر ہیں۔

امام نوویؒ لکھتے ہیں کہ اس سے ان کا مقصد یہ ہے کہ ایسی احادیث جن میں معاصی پر سخت تنقید کی گئی ہو، ان کی تفسیر کر کے ان تنبیہات کو ہلکا کرنے کی ضرورت نہیں ہے، تاکہ لوگوں کے اندر گناہوں سے بچنے کا زیادہ سے زیادہ جذبہ پیدا ہو، وہ گناہ کر کے بے خوف نہ ہو جائیں۔

متقدمین میں تو اس طرح کی تاویل کا جذبہ کم تھا۔ مگر متاخرین میں بہت سے لوگوں نے زبردستی کے سلسلہ میں بہت سے فرمودات نبوی ﷺ کو اپنی تاویل و موشگافی سے اتنا بے اثر بنا دیا ہے کہ ان کا وہ مقصد ہی فوت ہو گیا، جس کے لئے وہ فرمائے گئے تھے۔

ان کی روایتوں کا درجہ :

تمام آئمہ حدیث نے ان کی مرویات کو قابل وثوق اور لائق اعتنا سمجھا ہے۔ ابن المدینیؒ کہتے ہیں کہ یہ اہل حجاز کی روایتوں کے سب سے بڑے عالم ہیں۔ ابو حاتم کہتے ہیں کہ مسلمانوں کے لئے ان کا علم حجت ہے۔ ابن قحطانؒ کا قول ہے کہ یہ چالیس برس سے حدیث کے امام ہیں، عجلیؒ کا بیان ہے کہ ان کی ذات قابل وثوق اور قابل اعتماد ہے۔ ابن المدینیؒ کا بیان اوپر آچکا ہے کہ ان کی روایتوں میں شک نہیں کیا جاسکتا، اور نہ ان پر کسی نے کلام کیا ہے۔ ان سے کسی نے پوچھا کہ حدیث میں کون شخص سب سے بہتر ہے؟ بولے، مجھے تو ابن عیینہ سے بہتر کوئی آدمی نہیں ملا۔

جرح :

اکثر اہل علم نے لکھا ہے کہ حدیث میں ان کی وثاقت اور اتفاق و تثبت اتنا مسلم ہے کہ تو شیخ و تعدیل سے ان کی ذات مستغنی ہے۔ مگر بعض اہل علم نے لکھا ہے کہ آخری عمر میں ان کا حافظہ کمزور ہو گیا تھا۔ اس لئے ان کی عمر کے آخری دو سالوں میں ان سے جن لوگوں نے سماع حدیث کیا تھا، ان پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا۔

یحییٰ بن سعید القطانؒ بیان کرتے ہیں کہ آخری عمر میں میں نے ان سے کہا کہ میں دیکھتا ہوں کہ آپ وہی روایتیں جن کو ایک بار بیان کر چکے ہیں۔ اب بیان کرتے ہیں تو ان میں کچھ نہ کچھ زیادتی یا کمی ہو جاتی ہے؟ بولے، پہلا ہی سماع ٹھیک ہے اب میں بوڑھا ہو گیا ہوں اسی بنا پر

۱۔ تہذیب الاسماء۔ جلد ۱۔ ص ۲۲۵ ۲۔ تہذیب جلد ۴۔ ص ۱۲۱ ۳۔ تہذیب الاسماء جلد ۴۔ ص ۱۲۲، ۱۱۹

۴۔ تاریخ بغداد۔ جلد ۹۔ ص ۱۷۸ ۵۔ ایضاً۔ ص ۱۸۲ ۶۔ تہذیب التہذیب۔ جلد ۴۔ ص ۱۲۴

یحییٰ بن سعید نے جو ان کے ارشد علامہ میں تھے اعلان کر دیا تھا کہ ۱۹ھ کے بعد جن لوگوں نے ابن عیینہ سے سماع حدیث کیا ہے ان کی روایتوں کا کوئی اعتبار نہیں ہے اس لئے کہ آخری دو سالوں میں ضعف حافظہ کی وجہ سے ابن عیینہ کو روایتوں میں اشتباہ پیدا ہو جاتا تھا۔

اندازہ لگائیے کہ محدثین نے حدیث کی روایت اور اسکی حفاظت میں کتنی چھان ہیں اور تحقیق و تدقیق سے کام لیا ہے۔ ابن عیینہ جیسے بے شمار ائمہ حدیث ہیں جن کی مرویات کو ایک خاص عمر کے بعد محدثین نے قبول نہیں کیا ہے۔

پھر بھی کچھ اہل ہوس یہ کہتے ہیں کہ ذخیرہ حدیث قابل اعتماد نہیں ہے حالانکہ اگر اس زمین پر سرمایہ حدیث ناقابل اعتماد ہے تو دنیا کی کوئی تحریری دستاویز قابل اعتبار نہیں ہو سکتی۔

تفسیر میں ان کا مقام :

تابعین کے عہد تک علم تفسیر کوئی الگ فن نہیں بنا تھا نہ اب تک مخصوص طور سے اسی موضوع پر کسی نے کوئی تصنیف کی تھی لیکن اتباع تابعین کے عہد میں جب بہت سے دینی علوم کی داغ بیل پڑی اور ان کی تدوین و ترتیب شروع ہوئی تو علم تفسیر بھی حدیث سے ایک الگ فن قرار پایا اور اس پر بہت سی کتابیں تصنیف ہوئیں۔

زمرہ اتباع تابعین میں جن بزرگوں کو اس فن میں کوئی خصوصیت حاصل تھی اور انہوں نے اپنی تحریری یادگاریں بھی چھوڑی ہیں ان میں سفیان بن عیینہ بھی ہیں۔ ان کی قرآن فہمی کا صحیح اندازہ تو اس وقت لگایا جاسکتا تھا جب کہ ان کی کتاب سامنے ہوتی مگر اس وقت اس کے موجود ہونے کا کوئی علم نہیں ہے ہمعصر علماء نے ان کی قرآن فہمی کے بارے میں جو رائے دی ہے وہ یہ ہے :

امام احمد فرماتے ہیں کہ اہل علم میں ان سے زیادہ قرآن کا جاننے والا میں نے نہیں دیکھا۔ ابن وہب کہتے ہیں کہ مارایت اعلم بکتاب اللہ من ابن عیینہ۔ ابن عیینہ سے بڑا کتاب اللہ کا عالم میں نے نہیں دیکھا۔ عبدالرحمن بن مہدی سے کسی نے ان کے علم و فضل کے بارے میں سوال کیا انہوں نے بہت سے اوصاف کا تذکرہ کرنے کے بعد یہ بھی کہا کہ

معرفة با امن القرآن "ان کو قرآن کی معرفت بھی حاصل تھی"۔

۱۔ تہذیب المعجم جلد ۴۔ ص ۱۲۰ ۲۔ تہذیب المعجم جلد ۴۔ ص ۱۲۰ ۳۔ تہذیب الاسماء جلد ۱۔ ص ۲۲۴

۴۔ تاریخ بغداد جلد ۹۔ ص ۱۸۲

ایک روایت میں ہے کہ انہوں نے کہا کہ قرآن کی معرفت میں وہ سفیان ثوریؒ سے بڑھے ہوئے تھے۔ ابتدا میں ذکر آچکا ہے کہ ان کی تفسیر تیسری صدی تک اہل علم میں متداول تھی اور اس کا فیض ہندوستان تک پہنچا تھا۔

تفقہ :

یہ اجتہاد و تفقہ کی دولت سے بھی بہرہ ور تھے۔ آپ کے اجتہاد و تفقہ کے اندازہ کے لئے یہ بات کافی ہے فقہ میں یہ امام شافعی کے استاد ہیں۔ امام احمد نے ان کو فقہا میں شمار کیا ہے، امام نووی نے تو یہاں تک لکھا ہے کہ

وہو احد اجداد الشافعية في طريق الفقه^۱۔

”جن لوگوں نے شافعی طریقہ تفقہ کی بنیاد رکھی سفیان بن عیینہؒ ان کے اجداد میں ہیں۔“

مقصود یہ ہے کہ شافعی فقہ میں اجتہاد و استنباط مسائل کے ساتھ حدیث نبویؐ کا جو حسین امتزاج ملتا ہے اس کے پیدا کرنے میں جن بزرگوں نے حصہ لیا ان میں سفیان بن عیینہؒ بھی تھے ورنہ زمانہ کے لحاظ سے یہ امام شافعیؒ سے مقدم تھے۔ بایں ہمہ علم و فضل فتویٰ دینے سے گریز کرتے تھے۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ افتاء کا جتنا مادہ ان میں موجود تھا میں نے کم لوگوں میں دیکھا مگر وہ اس سے اتنا ہی گریز بھی کرتے تھے۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ فقہ کا کوئی مسئلہ جب ان کے سامنے آتا تھا تو عموماً میری طرف اشارہ کر کے کہا کرتے تھے، ان سے پوچھو۔

اخلاق و کردار :

علم و فضل کے ساتھ سیرت و کردار میں بھی اسلامی زندگی کی صحیح تصویر تھی ان کی زندگی نہایت سادہ تھی، خصوصاً کھانے پینے میں ان کے ایک شاگرد ان کے یہاں آئے، انہوں نے دیکھا کہ ان کے آگے جو کی دو موٹی روٹیاں رکھی ہوئی ہیں، یہ دیکھ کر شاید ان کو تعجب ہوا ہو گا اسی لئے فرمایا کہ چالیس سال سے یہی میری غذا ہے۔ اس جو کی روٹی کی اہمیت اس وقت زیادہ معلوم ہوگی جب عباسی دور کے تمدن کو سامنے رکھا جائے جس میں لوگ ستوبھی کھجور اور میوؤں کا استعمال کرتے تھے مگر وہ اپنی سادگی کو بے حد چھپاتے تھے اسی وجہ سے شاید ان کے بارے میں لوگوں کو کچھ غلط فہمی تھی۔ ان کے ایک شاگرد کہتے ہیں کہ ایک دن وہ مجھے گھر کے اندر لے گئے اور ایک گوشہ میں بٹھا دیا اس کے بعد جو کی ایک

۱۔ تذکرۃ الحفاظ۔ جلد ۱۔ ص ۲۳۹ ۲۔ تہذیب الاسماء جلد ۱۔ ص ۲۲۵ ۳۔ صفحۃ الصفوة۔ جلد ۱۔ ص ۳۷۶

۴۔ تہذیب الاسماء جلد ۱۔ ص ۵۹ ۵۔ ایضاً۔ ص ۲۲۴

موٹی روٹی نکالی، پھر فرمایا کہ لوگ کیا کہتے ہیں اسے چھوڑو برسوں سے میری یہی غذا ہے۔ شاید اسی اخفا کی وجہ سے ان کی سیرت و کردار کے واقعات بہت کم تذکروں میں ملتے ہیں۔ خود فرماتے ہیں کہ اگر آدمی کے ظاہر و باطن میں توافق ہو تو عدل ہے اور اگر باطن ظاہر سے اچھا ہو تو اس کی افضلیت کا کہنا لیکن اگر ظاہر اچھا اور باطن برا ہو تو پھر یہ ظلم ہے یعنی جو شخص ایسا کرتا ہے وہ اپنے اوپر ظلم کرتا ہے۔

کبھی ایوانِ حکومت کا رخ نہیں کیا۔ ایک بار یمن میں وہاں کے گورنر معین بن زائدؒ سے ملاقات ہو گئی اس نے انکو کچھ ہدیہ پیش کیا اسے قبول تو کر لیا مگر پھر کبھی اس کی نوبت نہ آنے دی۔ امام ذہبیؒ لکھتے ہیں کہ

ولم تلمطخ سفیان بعد بجوانزہم .

”اس کے بعد سفیان کبھی امراء کے تحائف سے ملوث نہیں ہوئے۔“

صوم و صلوٰۃ سے ان کو جو شغف تھا وہ تو تھا ہی مگر حج کعبہ اللہ کا تو انہیں عشق تھا جب سے ہوش سنبھالا اس وقت سے وفات تک شاید ہی کسی سال اس سعادت سے محروم رہے ہوں۔ اہل تذکرہ لکھتے ہیں کہ انہوں نے ستر حج کئے تھے۔

ان کا معمول تھا کہ جب زیارتِ حرمین کے لئے جاتے تو خدا کی بارگاہ میں یہ دعا کرتے کہ خدایا دوبارہ پھر تو اس سے بہرہ مند کرنا مگر ۱۹۸ھ میں جب آخری بار زیارت کے لئے گئے تو ان کا بیان ہے کہ خدا سے میں اتنی بار دعا مانگ چکا تھا کہ اس سال دعا مانگتے ہوئے مجھے شرم آئی۔ چنانچہ اسی سال ان کا انتقال ہو گیا۔

حکیمانہ اقوال :

ان کی سیرت اور کردار کے واقعات اہل تذکرہ نے بہت کم لکھے ہیں مگر دوسروں کی سیرت و کردار کو نشوونما دینے کے لئے ان کے بہت سے حکیمانہ اقوال کتابوں میں ملتے ہیں۔

ہم چند اقوال یہاں نقل کرتے ہیں۔ اس آئینہ میں ان کی سیرت کے خدو خال بھی دیکھے جاسکتے ہیں۔ فرمایا، ہدوتقویٰ، صبر اور موت کے انتظار کا نام ہے۔ علم جب تم کو نفع نہ پہنچائے گا جس کو عقل زیادہ ملتی ہے عموماً اس کو روزی کم ملتی ہے۔ فرمایا کہ جو شخص صرف لوگوں کو دکھانے کے لئے کوئی کام کرتا ہے تو خدا ایسے شخص پر غضب آلود ہوتا ہے۔

فرمایا کہ ضروریات زندگی کی طلب دنیا کی محبت نہیں ہے۔ فرمایا کہ اگر میرا دن کم عقلوں کی طرح اور میری رات جاہلوں کی طرح غفلت میں گزرے تو پھر میں نے جو علم حاصل کیا ہے وہ بے فائدہ ہے۔

جو لوگ اللہ اور اس کے بندوں کے درمیان تعلق جوڑنے کا واسطہ ہیں وہ خدا کے یہاں سب سے زیادہ بلند مرتبہ ہیں یعنی انبیاء اور ان کے بعد علماء۔

فرمایا کہ جو شخص یہ سمجھے کہ میں فلاں سے بہتر ہوں تو اس نے غرور کیا اور ابلیس کو اس غرور ہی نے حضرت آدم کے سامنے سجدہ کرنے سے روکا تھا۔ جو شخص اپنی نفسانی خواہش بناء پر کوئی گناہ کرتا ہے تو اس سے توبہ کی امید رکھو اور جو شخص جذبہ تکبر کے ساتھ کوئی معصیت کرتا ہے تو اس پر لعنت ہے اس لئے ابلیس نے جذبہ تکبر ہی سے نافرمانی کی تھی اس لئے ملعون و مردود ہوا۔ یعنی محض نافرمانی ہوتی تو اتنی سخت سزا نہ ملتی۔

فرمایا کہ جب کوئی عالم لا ادری (میں نہیں جانتا) کہنا چھوڑ دیتا ہے تو وہ اپنی ہلاکت کا سامان کرتا ہے۔

فرمایا کہ نماز کی توقیر یہ ہے کہ مسجد میں اقامت سے پہلے آؤ۔ اسحق بن اسرائیل کہتے ہیں کہ میں نے سفیانؒ کی زبان سے یہ بات سنی ہے وہ کہتے تھے کہ راہِ حق پر چلو اور غلط روی نہ اختیار کرو، خواہ راہِ حق کے چلنے والے کتنے ہی کم کیوں نہ ہوں۔

فرمایا کہ لیام تین ہیں۔ کل گذشتہ یہ ہمارا صاحبِ حکمت اور معلم ہے جو اپنی حکمت آموزی چھوڑ جاتا ہے آج، یہ ایک بچھڑ جانے والا دوست جس کی جدائی بڑی طویل ہے۔ یہ تمہارے پاس آتا رہتا ہے مگر تم اس کے پاس نہیں جاسکتے۔ کل آئندہ، اس کے بارے میں نہیں کہا جاسکتا کہ تم اس کو پاسکو گے یا نہیں؟

فرمایا کہ قیامت کے دن تین آدمیوں کو بڑی شدید حسرت و ندامت ہوگی۔ ایک وہ آقا جس کے غلام کا حسنِ عمل قیامت کے دن اس سے زیادہ ہوگا، دوسرے وہ مالدار جس نے مال جمع کیا مگر اس میں سے ایک پھوٹی کوڑی کسی کو نہ دی، اسکے مال کو جب اس کے ورثہ نے پایا تو راہِ خدا میں صدقہ کر دیا، تیسرے وہ عالم جس نے اپنے علم سے نہ خود کو کوئی فائدہ اٹھایا اور نہ دوسروں کو کوئی فائدہ پہنچایا مگر اس سے دوسروں نے علم حاصل کیا اور اسے خود بھی فائدہ اٹھایا اور دوسروں کو بھی فائدہ پہنچایا۔

ایک مجلس میں کوئی رقت آمیز بات ہوئی اس پر یہ رو پڑے کسی نے پوچھا کہ دوسرے لوگ تو اس بات سے بے قرار نہیں ہوئے آپ کیوں اس قدر بے خود ہو گئے، بولے جب آنسو گر جاتا ہے تو قلب کو سکون مل جاتا ہے

کسی نے رضائے خداوندی کے بارے میں سوال کیا، فرمایا کہ اللہ سے راضی وہ شخص ہے جو جس حال میں ہے اس کے علاوہ دوسری حالت کی خواہش نہ رکھے۔

احنف بن قیس فرماتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے فرمایا ہے کہ قبل اس کے کہ تمہیں کوئی ذمہ داری سونپی جائے دین کا فہم حاصل کرو۔ سفیان اس کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ جب آدمی کو دین کا فہم حاصل ہوگا تو وہ عہدہ اور سرداری کی طلب نہیں کرے گا۔

وفات :

۱۶۳ھ میں یہ کوفہ سے مستقل طور پر مکہ مکرمہ آ گئے اور عمر کے بقیہ ۳۵ سال اس دیار پاک میں بسر کئے۔ ۱۹۸ھ میں ان کا انتقال ہوا اور حرم پاک کے مشہور قبرستان جن میں سپرد خاک کئے گئے۔

ابراہیم بن منذر نے ان کی وفات پر بڑا پُر اثر و پُر درد مرثیہ کہا۔



www.ahlehaq.org

بسم الله الرحمن الرحيم

حضرت عبداللہ بن مبارکؓ

حضرت عبداللہ بن مبارک زمرہ تبع تابعین کے گل سرسبد تھے۔ ان کی زندگی اسلام کا مکمل نمونہ اور اس کی چلتی پھرتی تصویر تھی۔ ان کا جذبہ دینی اور شوق جہاد، ان کی فیاضی اور نرم خوئی، دنیا سے بے رغبتی اور احساس ذمہ داری اور اس کے سوانح حیات کے جلی عنوانات ہیں۔ ان کے ہاتھ میں کوئی مادی طاقت نہیں تھی مگر انہی اخلاقی صفات کی وجہ سے اسلامی مملکت کے ہر فرد کے دل پر ان کی حکمرانی تھی۔ ایک بار وہ رقبہ آئے، پورا شہر ان کی زیارت کے لئے ٹوٹ پڑا۔

اتفاق سے ہارون رشید اپنے خدم و حشم کے ساتھ وہاں موجود تھا۔ محل سے اس کی بیوی یا اس کی لونڈی یہ تماشا دیکھ رہی تھی۔ اس نے پوچھا کہ یہ ہجوم کیسا ہے؟ لوگوں نے بتایا کہ خراسان کے عالم عبداللہ بن مبارک آئے ہوئے ہیں، یہ انہی کے مشتاقان دید کا ہجوم ہے۔ اس نے بے ساختہ کہا کہ ”حقیقت میں خلیفہ وقت یہ ہیں۔ نہ ہارون کہ اس کے گرد پولیس اور فوج کی مدد کے بغیر کوئی مجمع نہیں ہوتا۔“

نسب :

حضرت عبداللہ بن مبارک کے والد مبارکؓ ایک شخص کے غلام تھے۔ ان کی شادی اسی کی لڑکی سے ہوئی تھی۔ اس وقت تک اسلامی معاشرہ میں عہد سعادت کے آثار باقی تھے، اس لئے نسبت نکاح کا معیار حسب و نسب نہیں بلکہ لڑکے کی صلاحیت اور اس کا دین و تقویٰ ہوتا تھا۔ مبارک چونکہ اس حیثیت سے ممتاز تھے، اس لئے آقا نے اپنی لڑکی ان سے بیاہ دی۔ گو اس کی نسبتیں دوسری بڑی بڑی جگہوں سے بھی آرہی تھیں۔ مبارک کی جن خصوصیات کی بنا پر یہ شادی ہوئی مختصراً ہم اس کا تذکرہ کرتے ہیں۔

مبارک نہایت دیانت دار و محتاط شخص تھے۔ آقا ان کے سپرد جو کام کرتا تھا اس کو وہ نہایت دیانت داری اور اطاعت شعاری کے ساتھ انجام دیتے تھے۔ آقا نے باغ کی نگرانی ان کے سپرد کر دی تھی۔

ایک بار اس نے ان سے کہا کہ ایک ترش انار باغ سے توڑ لاؤ، وہ گئے اور شیریں انار توڑ لائے۔ آقا نے غصہ میں کہا تمہیں ترش و شیریں انار کی بھی تمیز نہیں؟ انہوں نے کہا کہ ”نہیں“۔ اس نے وجہ پوچھی تو بتایا کہ آپ نے مجھے ترش انار کھانے کی اجازت تو دی نہیں ہے۔ اس لئے میں اس کو کیسے پہچان سکتا ہوں، اس نے تحقیق کی تو معلوم ہوا کہ بات صحیح ہے۔

مبارکؑ کی اس غیر معمولی دیانت داری اور حق شناسی کا اس بہت اثر پڑا اور وہ ان کی بہت قدر و منزلت کرنے لگا۔

مبارکؑ کے آقا کی ایک ناکتہ انداز لڑکی تھی جس کی شادی کے پیغامات ہر طرف سے آرہے تھے، لیکن غالباً وہ ان نسبتوں میں کوئی فیصلہ نہیں کر پا رہا تھا۔ اس نے اس بارے میں مبارکؑ سے بھی مشورہ کیا کہ مبارکؑ! میں اس لڑکی کی شادی کہاں اور کس سے کروں؟ انہوں نے کہا کہ

”عہد جاہلیت میں لوگ نسبت میں حسب یعنی عزت و شہرت اور نسب کو تلاش کرتے تھے۔ یہودیوں کو مالدار کی جستجو ہوتی تھی اور عیسائی حسن و جمال کو ترجیح دیتے تھے، لیکن اُمّتِ محمدیہ کے نزدیک تو معیار دین و تقویٰ ہے، آپ جس چیز کو چاہیں ترجیح دیں۔“

آقا کو ان کا یہ ایمان افروز اور دانشمندانہ جواب بہت پسند آیا۔ وہ اپنی بیوی کے پاس آیا اور اس سے کہا کہ ”میری لڑکی کا شوہر بننے کے لئے مبارکؑ سے بہتر کوئی دوسرا شخص نہیں ہے۔“ بیوی بھی نیک بخت تھیں، انہوں نے بھی اس رائے کو پسند کیا اور آقا کی لڑکی سے انکی شادی ہو گئی۔

ولادت اور تعلیم :

حضرت عبداللہ بن مبارکؑ اسی باسعادت لڑکی کے بطن سے ۱۱ھ میں مرو میں پیدا ہوئے۔ ان کی کنیت ابو عبدالرحمن ہے۔ ان کا اصلی وطن مرو تھا۔ اس لئے وہ مروزی کہلاتے ہیں۔ یہ مرو جہاں ان کی ولادت ہوئی، مسلمانوں کا قدیم شہر ہے۔ افسوس ہے کہ یہ اس وقت روس کے قبضہ میں ہے۔ اس سرزمین سے جہاں اخلاق و روحانیت کے سینکڑوں چشموں نے ابلے اور اسلامی علم و تمدن کے صدف ہا سوتے پھولے اب وہاں مادیت ہی کا نہیں بلکہ دہریت کا سیلاب رواں ہے۔

ان کی ابتدائی تعلیم و تربیت کے متعلق بہت کم معلومات ملتی ہیں، لیکن امام ذہبیؒ کے بیان سے اتنا پتہ چلتا ہے کہ وہ ابتدائے عمر ہی سے طلب علم کے لئے سفر کی صعوبتیں برداشت کرنے لگے تھے۔^۱

اس وقت اسلامی مملکت کے کسی قصبہ اور کسی قریہ میں بھی علماء کی کمی نہ تھی۔ مروجہ خراسان کا ایک مشہور شہر تھا، اس کو اچھی خاصی مرکزیت حاصل تھی، اس لئے وہاں اہل علم کی کیا کمی ہو سکتی تھی۔ غالباً ابتدائی تعلیم و تربیت وہیں ہوئی۔ اس کے بعد اس زمانے کے عام مذاق کے مطابق علم حدیث کی طرف توجہ کی۔ اس کے لئے انہوں نے شام و حجاز، یمن و مصر اور کوفہ و بصرہ کے مختلف شہروں اور قصبوں کا سفر کیا اور جہاں سے جو جواہر علم ملے انہیں اپنے دامن میں سمیٹ لئے۔^۲

امام احمدؒ فرماتے ہیں :

طلب علم کے لئے عبداللہ بن مبارکؒ سے زیادہ سفر کرنے والا ان کے زمانے میں کوئی دوسرا موجود نہ تھا۔ انہوں نے دور دراز شہروں کا سفر کیا تھا۔ مثلاً یمن، مصر، شام، کوفہ، بصرہ وغیرہ۔

ابو اسامہؒ فرماتے ہیں، کہ

مارایت ارجلا اطلب للعلم فی الآفاق من ابن المبارک .

(ج اول . ص ۲۵۱ تذکرہ الحفاظ)

”میں نے عبداللہ بن مبارکؒ سے زیادہ کسی کو ملک در ملک گھوم کر طلب علم کرنے والا نہیں دیکھا۔“

یہ سفر آج کل کا نہیں تھا کہ چند لمحوں میں انسان نہ جانے کہاں سے کہاں پہنچ جاتا ہے۔ بلکہ اس زمانے کے سفر کا ذکر ہے، جب لوگ پیدل یا اونٹ یا گدھوں کے ذریعہ مہینوں میں ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچتے تھے، پھر راستوں کی دشواریاں تو الامان، الحفیظ۔ اور یہ کچھ عبداللہ بن مبارکؒ ہی کی خصوصیت نہ تھی۔ بلکہ سب ہی اکابر آئمہؒ نے حصول علم میں دُور دُور کی خاک چھانی تھی۔

شیوخ کی تعداد :

موجودہ زمانہ کی طرح اس وقت علم و فن نہ اس طرح مدون تھا اور نہ ایک جگہ محفوظ۔ خصوصیت سے علوم دینیہ میں علم حدیث کا ذخیرہ تقریباً تمام ممالک اسلامیہ میں بکھرا ہوا تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ حدیث کے سب سے پہلے حامل صحابہ کرام کی زندگی گوشہ گیری کی نہیں بلکہ مجاہدانہ تھی۔ اس لئے وہ شوق جہاد اور دوسری دینی ضرورتوں کی بنا پر تمام امصار و قصبات میں پھیل گئے تھے۔ وہ جہاں پہنچتے تھے،

وہاں کے باشندے ان سے اکتساب فیض کرتے تھے اور وہ آنحضرت ﷺ کے قول و عمل اور آپ کی سیرت کو ان سے معلوم کر کے اپنے سینوں اور سفینوں میں محفوظ کرتے جاتے تھے۔ اب جن لوگوں کو صرف عملی زندگی کے لئے حدیث نبوی ﷺ کے ذخیرہ کے معلوم کرنے کی خواہش ہوتی تھی ان کو بہت زیادہ کدو کاوش کی ضرورت نہیں تھی۔ ان کے لئے ان کے دربار کے صحابہ کرام اور ان کے بعد وہاں کے علماء و فضلاء کی زندگی کا دیکھ لینا بھی کافی تھا۔ مگر جو لوگ اس تمام بکھرے ہوئے جواہر ریزوں اور شہ پاروں کو یکجا مدون اور مرتب کر دینا چاہتے تھے کہ ان زندہ ہستیوں کے اٹھ جانے کے بعد کہیں یہ ذخیرہ ضائع نہ ہو جائے، ان کے لئے خاک چھانی اور شہروں اور قصبوں کے لئے زحمت سفر اٹھانی ناگزیر تھی۔ حضرت عبداللہ بن مبارکؒ ان ہی بزرگوں میں تھے۔ خود فرماتے ہیں :

حملت عن اربع الاف شیخ فردیت عن الف منهم .

”میں نے چار ہزار شیوخ و اساتذہ سے فائدہ اٹھایا، اور ان میں سے ایک ہزار سے روایت کی ہے۔“

دوسری روایت میں ہے کہ

کتبت عن الف

”میں نے ایک ہزار شیوخ کی روایتوں کو لکھ لیا ہے۔“

یعنی جن لوگوں سے تحصیل علم کیا، ان کی تعداد تو چار ہزار ہے۔ مگر ہر شیخ اس قابل نہیں ہوتا کہ اس کے علم روایت کو معیاری قرار دیا جائے۔ اس لئے غایت احتیاط میں صرف ایک ہزار شیوخ کی روایت کو لکھنا پسند کیا اور اسی سے انہوں نے دوسروں تک منتقل کیا۔

عباس کہتے ہیں کہ ان کے آٹھ سوشیوخ سے تو مجھے ملاقات کا موقع ملا ہے^۱۔ ان کے بعض ممتاز اساتذہ کے نام لکھے جاتے ہیں :

(۱) امام ابو حنیفہ : یہ امام صاحب کے خاص شاگردوں میں ہیں۔ ان کو امام صاحب سے بڑی محبت اور نسبت تھی۔ فرماتے ہیں کہ مجھ کو جو کچھ حاصل ہوا وہ امام ابو حنیفہؒ اور سفیان ثوریؒ کی وجہ سے حاصل ہوا۔ ان کے الفاظ یہ ہیں :

لولا ان الله تعالى اعانتی بابی حنیفہ وسفیان کنت کسائر الناس^۲۔

”اگر اللہ تعالیٰ امام ابو حنیفہؒ اور سفیان ثوریؒ کے ذریعہ میری دستگیری نہ کرتا تو عام آدمیوں کی طرح ہوتا۔“

مناقب کردری میں ابن مطیع کی روایت ہے کہ میں نے ان کو امام صاحب کے پاس کتاب الرائے کی قرأت کرتے ہوئے دیکھا۔ ان سے اچھی قرأت کرنے والا میں نے کسی کو نہیں دیکھا۔
امام ابو حنیفہؒ کی شان میں ان کے بہت سے اشعار منقول ہیں۔ خطیب نے ان میں سے چند اشعار نقل کئے ہیں۔^۱

(۲) امام مالکؒ : ان کے دوسرے ممتاز شیخ امام مالکؒ ہیں۔ امام مالکؒ سے انہوں نے موطا کا سماع کیا تھا۔ موطا کے متعدد نسخے ہیں، جن میں ایک کے راوی ابن مبارک بھی ہیں۔ امام مالکؒ کے مشہور شاگرد یحییٰ بن یحییٰ اندلسی امام مالک کی مجلس درس میں ابن مبارک کی ایک آمد کا ذکر ان لفاظ میں کرتے ہیں :

”ابن مبارک ایک بار امام مالکؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو امام مالکؒ مجلس سے اٹھ گئے اور ان کو اپنے قریب بٹھایا۔ اس سے پہلے امام مالکؒ کسی کے لئے مجلس درس میں نہیں اُٹھتے تھے۔ جب ان کو بٹھالیا، تب درس کا سلسلہ جاری کیا۔ قاری پڑھتا جاتا تھا، جب امام مالکؒ کسی اہم مقام پر پہنچتے تو ابن مبارک سے دریافت فرماتے کہ اس بارے میں آپ لوگوں یعنی اہل خراسان کے پاس کوئی حدیث یا اثر ہو تو پیش کیجئے۔ عبداللہ بن مبارک غایت احترام میں بہت آہستہ آہستہ جواب دیتے۔ اس کے بعد وہاں سے اُٹھے اور مجلس سے باہر چلے گئے، (غالباً یہ بات بھی اُستاد کے احترام کے خلاف معلوم ہوئی کہ وہ ان کی موجودگی میں کوئی جواب دیں)۔ امام مالکؒ ان کے اس پاس ادب و لحاظ سے بہت متاثر ہوئے اور تلامذہ سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ یہ ”ابن مبارک خراسان کے فقیہ ہیں۔“

یہ واقعہ غالباً ان کی طالب علمی کے زمانہ کا نہیں ہے، بلکہ اس وقت کا ہے جب ان کی شخصیت مشہور و معروف ہو چکی تھی اور وہ ایک فقیہ اور محدث کی حیثیت سے جانے جا چکے تھے۔ اس لئے امام مالکؒ ان کا اعزاز اسی حیثیت سے کر رہے تھے اور وہ ایک شاگرد رشید کی طرح ان سے پیش آرہے تھے۔ ان آئمہ کے علاوہ ان کے چند معروف و ممتاز شیوخ کے نام یہ ہیں، جن میں متعدد کبار تابعین ہیں :

تابعین :

حضرت ہشام بن عروہ، سلیمان التیمی، یحییٰ الانصاری، حمید الطویل، اسمعیل بن ابی خالد، عبد الرحمن بن یزید، امام اعمش، موسیٰ بن عقبہ صاحب المغازی رحمہم اللہ تعالیٰ۔ ان تابعین کے علاوہ بے شمار اتباع تابعین سے استفادہ کیا تھا۔ چند ممتاز آئمہ کے نام حسب ذیل ہیں :

حضرت سفیان بن ثوری، سفیان بن عیینہ، حماد بن سلمہ، مسعر بن کدام، شعبہ بن مجاج، امام اوزاعی، ابن جریج، لیث بن سعد، ابن ابی ذیاب، سعید بن عروہ، صالح بن صالح، عمرو بن میمون، معمر بن راشد رحمہم اللہ تعالیٰ وغیرہ۔

مسند درس :

خود حضرت عبداللہ بن مبارک نہایت ذہین و ذکی اور غیر معمولی قوتِ حافظہ کے مالک تھے۔ پھر ان کے شیوخ میں ہر فن کے استاد بلکہ امام موجود تھے۔ اس لئے وہ ان کے فیضِ صحبت اور اپنی صلاحیت سے جلد ہی ایک ممتاز حیثیت کے مالک ہو گئے اور علم و فن کے صدر نشیں بنادئے گئے اور خلقِ خدا ان سے مستفید ہونے لگی۔

ان کی زندگی بالکل مجاہدانہ تھی، اس لئے کہیں مستقل طور سے جم کر وہ مجلسِ درس قائم نہیں کر سکے، لیکن ان کا علم سفید کامرہونِ منت نہیں تھا، بلکہ جو کچھ تھا وہ سینہ میں محفوظ تھا۔ اس لئے وہ جہاں کہیں اور جس حالت میں بھی رہتے، ان کا علم ان کے ساتھ رہتا تھا۔ گویا ان کی ذات ایک رواں دواں چشمہ فیض تھی، جس سے تشنگانِ علم ہر آن اور ہر وقت استفادہ کر سکتے تھے۔ کبھی وہ کوفہ میں ہیں تو کبھی بصرہ میں، کبھی بغداد میں ہیں، تو کبھی مصر اور رقبہ میں، غرض وہ جہاں بھی رہے علم و فنِ سایہ کی طرح ان کے ساتھ ساتھ رہا۔ بڑے بڑے شیوخ اور ان کے بعض اساتذہ تک ان سے سماعِ حدیث کے مشتاق رہتے تھے۔

حضرت حماد بن زید ”مشہور محدث ہیں۔ ابن مبارک ایک بار ان کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ انہوں نے پوچھا، کہاں سے آرہے ہو؟ بولے، خراسان سے۔ پوچھا خراسان کے کس شہر سے؟ بولے، مرو سے۔ مرو کا نام سن کر انہوں نے پوچھا، عبداللہ بن مبارک سے واقف ہو؟ جواب دیا کہ وہ آپ کے سامنے موجود ہے۔ حماد نے انہیں اپنے سینے سے لگایا۔

حضرت سفیان ثوری ان کے استاد ہیں۔ ان سے کسی خراسانی نے کوئی مسئلہ دریافت کیا۔ انہوں نے فرمایا کہ تمہارے پاس مشرق و مغرب کے سب سے بڑے عالم عبداللہ بن مبارک موجود ہیں، ان سے کیوں نہیں دریافت کرتے؟

تلاذہ :

گو کسی خاص جگہ آپ کی مسند درس قائم نہیں تھی۔ مگر ایک خلق کثیر نے آپ سے استفادہ کیا تھا اور جہاں وہ جاتے تھے، ان کے ساتھ اکتساب فیض کے لئے لوگوں کا جھوم ہو جاتا تھا۔ ان کے تلاذہ کی صحیح تعداد بتانا مشکل ہے۔ امام ذہبیؒ نے لکھا ہے کہ

حدث منه خلق لا يحصون من اهل الاقاليم۔

”ممالک اسلامیہ کے اتنے لوگوں نے ان سے فائدہ اٹھایا ان کا شمار نہیں کیا جاسکتا۔“

اسی طرح حافظ ابن حجرؒ ”بعض ممتاز تلاذہ کا تذکرہ کرنے کے بعد لکھتے ہیں۔ ان سے ایک خلق کثیر نے استفادہ کیا تھا۔“

بعض ممتاز اور سرمایہ ناز تلاذہ کے نام یہ ہیں :

حضرت سفیان ثوریؒ، یہ ان کے استاد بھی تھے اور ان سے روایت بھی کرتے ہیں۔

معمر بن راشد، ابواسحاق الفزازی، عبدالرحمن بن مہدی۔ یہ لوگ بھی ان کے اُستاد تھے۔ امام احمد بن حنبلؒ، اسحاق بن راہویہ، سعید القطان، فضیل بن عیاض، ابو داؤد و الطیالسی، سلیمان المروزی وغیرہ۔

علم حدیث سے شغف :

ان کو تمام دینی علوم میں دستگاہ تھی۔ مگر علم حدیث کے حفظ اور روایت سے انہیں خاص شغف تھا، جو وقت جہاد اور عبادت سے بچتا تھا، وہ اس مبارک کام میں صرف کرتے تھے۔ بسا اوقات حدیث کا ذکر خیر چھڑ جاتا تو پوری رات آنکھوں میں کٹ جاتی۔ ایک دن عشاء کی نماز کے بعد علی بن حسن سے کسی حدیث کے بارے میں گفتگو شروع ہوئی۔ ساری رات مسجد کے دروازے پر کھڑے کھڑے گزر گئی اور ان کو احساس بھی نہ ہوا۔

شغف بالحدیث کا یہ عالم تھا کہ گھر سے باہر بہت کم نکلتے تھے۔ کسی نے پوچھا کہ آپ ہمہ وقت مکان کے اندر بیٹھے رہتے ہیں، وحشت نہیں ہوتی؟ فرمایا کہ وحشت کی کیا بات ہے؟ جب کہ مجھے اس تنہائی میں حضور اکرم ﷺ اور صحابہ کرام سے شرف صحبت کی دولت نصیب ہے۔

۱۔ تذکرۃ الحفاظ۔ جلد اول۔ ص ۲۵۰ ۲۔ تہذیب المعذیب۔ جلد ۵۔ ص ۳۸۵

۳۔ اس زمانہ میں عام دستور تھا کہ اصاغر اکابر سے اور اکابر اصاغر سے روایت کرتے تھے کہ ایک روایت کسی معمولی شاگرد کے پاس ایسی ہے، جس کا علم استاد کو نہیں ہے۔ اس سے استفادہ کرنے میں شیوخ کوئی عار محسوس نہیں کرتے تھے۔

۴۔ تہذیب اور مناقب کردری

مقصود یہ تھا کہ میں جب ہر وقت حدیث نبوی اور آثار صحابہ کے مطالعہ اور غور و خوض میں لگا رہتا ہوں تو گویا میں ان کی صحبت میں بیٹھ کر ان سے بات چیت کرتا ہوں اور ان کی نشت و برخاست، رفتار و گفتار کا نقشہ ہر وقت میری آنکھوں کے سامنے رہتا ہے، پھر اس سے زیادہ ایک مسلمان کے لئے انس اور خوشی کی بات کیا ہو سکتی ہے۔

علم حدیث میں ان کا مرتبہ :

علم حدیث میں ان کا مرتبہ ایک امام حدیث کا تھا۔ حدیث کی جتنی متداول کتابیں ہیں ان کی روایات کثرت سے موجود ہیں۔ ان سے جو روایات مروی ہیں، ان کی تعداد بیس اکیس ہزار بتائی جاتی ہے۔ ابن معینؒ جو مشہور حافظ حدیث اور امام جرح و تعدیل ہیں، فرماتے ہیں کہ انہوں نے جو روایتیں کی ہیں، ان کی تعداد بیس اکیس ہزار ہے^۱۔

لیکن کثرت روایت سے ان کی حدیث دانی کا پورا اندازہ نہیں کیا جاسکتا۔ بلکہ اس کے لئے ضرورت ہے کہ ان کے معاصر آئمہ حدیث اور بعد کے محدثین اور فقہاء اور آئمہ رجال کے خیالات معلوم کئے جائیں اور اسی آئینہ میں ان کی حدیث دانی کے خط و خال دیکھے جائیں۔

حضرت ابو اسامہؒ کا قول ہے کہ وہ فن حدیث میں امیر المؤمنین تھے۔ عبدالرحمن بن مہدیؒ جو آئمہ اسماء رجال میں ہیں، وہ فرماتے تھے کہ عبداللہ بن مبارکؒ سفیان ثوریؒ سے افضل تھے لوگوں نے ان سے کہا کہ لوگ آپ کی رائے کو صحیح نہیں سمجھتے۔ فرمایا کہ عام لوگوں کو ان کے علم کا اندازہ نہیں ہے۔ میں نے ابن مبارکؒ جیسا کسی کو نہیں پایا۔ پھر کہا، میرے نزدیک آئمہ حدیث چار ہیں۔ سفیان ثوریؒ، امام مالکؒ، حماد بن زید اور عبداللہ بن مبارکؒ رحمہم اللہ تعالیٰ۔

حضرت ابو اسحاق فرازیؒ کا قول ہے کہ وہ امام المسلمین تھے۔ امام احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں کہ یہ حافظ حدیث اور اس کے عالم تھے۔ سفیان ثوریؒ گواہ ابن مبارکؒ کے استاد ہیں، مگر ان کے علم و فضل کے معترف تھے۔ ایک بار ان کے سامنے کسی نے ابن مبارکؒ کو یا عالم المشرق (اے مشرق کے عالم) کے لفظ سے مخاطب کیا۔ سفیان ثوریؒ موجود تھے، انہوں نے اس شخص کو ڈانٹا اور فرمایا کہ ان کو عالم المشرق والمغرب کہو۔

محدثین میں اگر کسی حدیث کے بارے میں اختلاف ہوتا تو عبداللہ بن مبارکؒ کی طرف رجوع کیا جاتا تھا۔ حضرت فضالہؒ فرماتے ہیں، کوفہ کے محدثین کی خدمت میں میری آمد و رفت تھی۔

جب کسی حدیث کے بارے میں ان میں اختلاف ہوتا تو وہ لوگ کہتے تھے، اچھا اس اختلاف کو طیب حدیث کے پاس لے چلو وہی اس کا فیصلہ کریں گے اس طیب سے مراد عبد اللہ بن مبارک تھے^۱۔

حدیث کا احترام :

حدیث نبوی ﷺ کا ان کے دل میں بے حد احترام تھا۔ اگر کسی سے اس کے خلاف حرکت سرزد ہو جاتی تو خفگی کا اظہار کرتے تھے۔ ایک بار کوئی شخص دور سے سفر کر کے سماع حدیث کے لئے ان کے پاس آیا اور اسی وقت سماع کی درخواست کی۔ انہوں نے انکار کیا۔ وہ فوراً اٹھ کر جانے لگا تو دوڑ کر اس کی سواری کی رکاب تھام لی۔ اس نے کہا کہ آپ نے حدیث کے سماع سے تو محروم رکھا، مگر میری سواری کی رکاب تھام رہے ہیں؟ فرمایا کہ ہاں ! میں اپنی ذات کو تو ذلیل کر سکتا ہوں مگر حدیث نبوی ﷺ کی تو ہین مجھے گوارا نہیں ہے۔

غالباً اس نے بے موقع سوال کیا تھا یا سماع حدیث کا وہ اہل نہیں تھا۔ اس لئے سماع نہیں کرایا۔ مگر عام انسانی اخلاق صرف کرنے سے گریز نہیں کیا۔ اسی طرح ایک شخص نے راستہ میں ان سے کسی حدیث کے بارے میں سوال کیا۔ انہوں نے کوئی جواب نہیں دیا اور فرمایا :

لیس هذا موضع حدیث^۲۔

”یعنی یہ موقع حدیث نبوی ﷺ کی روایت و سماع کا نہیں ہے۔“

امام کے بعض اصول حدیث :

حضرت عبد اللہ بن مبارکؒ کا عہد حدیث کی تدوین و اشاعت کا خاص عہد تھا۔ اس لئے اس وقت ہر شخص اس خدمت کو اپنے لئے سرمایہ افتخار سمجھتا تھا۔ اخبارنا و حدثنا کی آواز گھر گھر گونج رہی تھی۔ ہر شہر بلکہ ہر قصبہ اور ہر بڑی بستی میں درس حدیث کی کئی کئی مجالس برپا تھیں، لیکن جس قدر یہ سلسلہ عام اور وسیع تھا، اسی قدر حدیث کی نقل و روایت میں افراط و تفریط شروع ہو گئی تھی۔ خصوصیت سے پیشہ ور واعظوں اور قصہ گو یوں نے نہ جانے کتنی حدیثیں وضع کر ڈالی تھیں۔

خلافت راشدہ کے زمانہ تک حدیث کی روایت پر بڑی پابندی عائد تھی۔ خصوصیت سے حضرت عمر فاروقؓ اس بارے میں بہت سخت تھے اور بڑے بڑے صحابہ کو اس پر تنبیہ کرتے رہتے تھے اور جب تک کوئی اپنی روایت کا دوسرا شاہد پیش نہیں کرتا تھا، وہ اسے قبول نہیں کرتے تھے اور نہ اس

۱۔ یہ تمام اقوال تہذیب الاسماء اور تہذیب العہد سے لئے گئے ہیں ۲۔ مناقب کردری۔ جلد ۲۔ ص ۱۷۳ ۳۔ ایضاً

روایت کو بیان کرنے کی اجازت دیتے تھے۔ مگر اس عہد راشد کے بعد جب دینی معاملات میں قانونی گرفت ڈھیلی ہوئی تو ہر کس ونا کس نے روایت و حدیث شروع کر دی۔

بنو امیہ کے زمانہ میں اس فتنہ نے کافی بال و پر نکالے۔ اس لئے اس وقت جو آئمہ حدیث اور اس فن کے نبض شناس تھے، ان کو اس فتنہ کے انسداد کی فکر ہوئی۔ ظاہر ہے کہ ان کے ہاتھ میں قانون کی طاقت تو تھی نہیں، اس لئے انہوں نے قرآن و حدیث اور صحابہ کے عمل کی روشنی میں اصول مرتب کئے جس سے اس فتنہ کا انسداد ہو سکے۔

چنانچہ ان ہی اصولوں کے تحت بڑے بڑے راوی حدیث کی مرویات جانچی و پرکھی جانے لگیں۔ جس سے بھی قال النبی ﷺ کا لفظ زبان سے نکلا، اس کی روایت کی صحت حتیٰ کہ اس کے ذاتی حالات کی تفتیش شروع ہو جاتی تھی۔ جب تک اس کے ضبط، احتیاط، قوت حافظہ اور اس کی اخلاقی حالت کے متعلق پورا اطمینان نہیں ہو جاتا تھا، آئمہ حدیث نہ تو اس کی روایت قبول کرتے تھے اور نہ اس کو قابل اعتماد اور ثقہ سمجھتے تھے۔

اس وقت اصول حدیث کا فن ہمارے سامنے مدون اور مرتب طور پر موجود ہے۔ ابتداءً اس کی یہ شکل نہیں تھی، بلکہ ہر امام اور محدث نے اپنے علم و بصیرت کے مطابق کچھ اصول بنائے تھے، جنہیں بعد میں مرتب و مدون کر دیا گیا۔ عبد اللہ بن مبارک بھی ان بزرگوں میں تھے جنہوں نے حدیث کی روایت کے کچھ اصول مرتب کر لئے تھے۔ ان کے چند اصول درج ذیل ہیں :

(۱) حدیث کے صحیح اور قابل حجت ہونے کے لئے یہ ضروری ہے کہ اس کے تمام رواۃ ثقہ اور فقیہ ہوں۔ فقیہ کے یہ معنی ہیں کہ وہ الفاظ کی تاثیر، زبان کے قواعد و محاورات اور مطالب کے طرز ادا سے بخوبی واقف ہوں۔ وہ احادیث جن کے رواۃ ثقہ ہوں مگر فقیہ نہ ہوں قابل حجت تو ہیں لیکن قسم اول کی حدیثوں سے کم رتبہ ہیں۔

(۲) قرب استاد (یعنی راوی کا کم نہ ہونا)۔ حدیث کی صحت و جودت کی دلیل نہیں ہے۔ رواۃ کی تعداد خواہ کسی قدر ہو مگر یہ ضروری ہے کہ ان میں ہر ایک راوی ثقہ اور معتبر ہو۔

(۳) حدیث کے لائق احتجاج ہونے کے لئے یہ بات بھی ضروری ہے کہ راوی نے خود اس کو سنا ہو اور روایت کرتے وقت تک اس نے اس کو اچھی طرح محفوظ رکھا ہو۔

(۴) روایت بالمعنی کے قائل تھے۔ انما المیت یعذب ببكاء الحی^۱ کو حدیث بالمعنی تسلیم کرتے تھے۔

(۵) اصول روایت کو تسلیم کرتے تھے۔ لیکن بالعموم نہیں بلکہ خاص حالتوں میں۔

(۶) تدلیس یعنی راوی کا اپنے شیخ کا صراحۃً ذکر نہ کرنے کے سخت مخالف تھے۔

فقہ :

فقہ کی مشق و ممارست انہوں نے امام ابو حنیفہؒ کی خدمت میں بہم پہنچائی تھی۔ اس لئے ان میں قدرے فقہ بھی تھا۔ امام مالکؒ ان کو خراسان کا فقیہ کہتے تھے۔ اسی طرح بعض دوسرے علماء بھی ان کے تفقہ کے معترف ہیں۔ مگر یہ مسلم ہے کہ حدیث میں ان کا جو مرتبہ تھا، تفقہ و اجتہاد میں ان کو وہ درجہ حاصل نہیں تھا جو امام صاحب کے دوسرے تلامذہ کو حاصل تھا۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی شہرت فقیہ کی حیثیت سے کم اور محدث کی حیثیت سے زیادہ ہے۔ یحییٰ بن آدم جو ان کے معاصر اور خاص شاگرد ہیں، فرماتے ہیں کہ

كنت اذا طلبت الدقيق من المسائل فلم أجده عنده ابست منه^۲۔
”جب بھی میں نے ان سے دقیق مسائل دریافت کئے تو اس کا جواب ان سے نہیں پایا، جس سے میں مایوس ہوا۔“

دوسرے علوم :

حضرت عبداللہ بن مبارکؒ حدیث و فقہ کے ساتھ تفسیر، سیرت، نحو و بلاغت، ادب و لغت، شعر و شاعری غرض ان تمام اصنافِ علم سے واقف تھے، جن کی ضرورت علومِ دینیہ میں ہوتی ہے۔ ایک بار ان کے تلامذہ مثلاً فضیل بن عیاضؒ، محمد بن حسینؒ وغیرہ جمع ہوئے اور آپس میں طے کیا کہ

۱۔ یعنی میت پر اس کے خاندان والوں کے رونے کی وجہ سے عذاب ہوتا ہے۔ اس روایت کو حضرت عائشہ صدیقہؓ لفظاً و معنی کسی طرح بھی تسلیم ہی نہیں کرتی تھیں۔ ان کا استدلال قرآن کی اس آیت سے تھا۔ ولا تنزدوا ذرۃً و ذرۃً اخری وہ فرماتی تھیں کہ اس میں راویوں سے غلطی ہو گئی ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ کچھ لوگ میت پر رورہے تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا، تو فرمایا کہ میت پر عذاب ہو رہا ہے اور یہ زور ہے ہیں۔ ردنا عذاب کا سبب نہیں تھا مگر راویوں نے اسے سبب قرار دے دیا۔

۲۔ مناقب کروری۔ جلد ۲۔ ص ۱۷۳ و تذکرۃ المتفاظ۔ جلد اول۔ ص ۲۵۱ یحییٰ بن آدم نے اپنی کتاب الخراج میں تقریباً ۶۰ روایتیں ابن مبارکؒ سے کی ہیں۔ اس لئے اس سلسلہ میں ان کا بیان قابلِ قدر ہے۔

عبداللہ ابن مبارک کی علمی و عملی لیاقتوں اور صلاحیتوں کو شمار کریں۔ پھر ان سے ہر ایک نے ان کی کچھ نہ کچھ خصوصیات کا ذکر کیا۔ پھر سب نے متفقہ طور پر ان کے بارے میں کہا کہ

جامع العلم والفقه والادب والنحو واللغة والشعر والعربية والفصاحة^۱۔

”وہ علم و فقه، ادب و نحو، لغت و شاعری، عربی ادب اور فصاحت کے جامع تھے۔“

اس وقت شعر و شاعری عام طور پر سرتاسر رندی و ہوسنا کی کا مظہر بن گئی تھی۔ شعراء تو داد تحسین حاصل کرنے کے لئے غزل کہتے تھے یا مادی فائدے سمیٹنے کے لئے امراء و سلاطین کی مدح سرائی و قصیدہ گوئی کرتے تھے، مگر اس کے باوجود کچھ لوگ ایسے موجود تھے جو اخلاقی شاعری کے دیدبان تھے۔

حضرت عبداللہ بن مبارکؒ بھی پاکیزہ ذوق رکھتے تھے اور کبھی کبھی کچھ کہہ بھی لیا کرتے تھے۔ ان کے جو اشعار خطیب بغدادی اور کردری وغیرہ نے نقل کئے ہیں وہ اخلاقی تعلیم سے پُر ہیں۔ چند اشعار یہاں نقل کئے جاتے ہیں :

اذا رافقت فی الاسفار قومًا فكن لهم كذی الرحیم الشفیق
جب تم کسی کے رفیق سفر ہو تو ۔ اس کے ساتھ اس طرح پیش آؤ جیسے اپنے بھائی کے ساتھ آتے ہو

متی تاخذ تعنفهم تولوا وتبقى فی الزمان بلا صدیق
اگر تم اپنے احباب کے ساتھ سخت رویہ رکھو گے تو ۔ تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ تمہارا کوئی دوست نہیں رہ جائے گا

قد یفتح المرء حانوتًا لمتجره وقد فتحت لك الحانوت باللیلین
لوگ اسباب تجارت کے لئے دوکان کھولتے ہیں ۔ اور تو نے دین فروش کی دوکان کھول رکھی ہے

بین الاساطین حانوت بلا غلق قباغ اموال المساکین
یہ دکان (مسجد) کھلوں کے درمیان ہے جس میں تالا لگانے کی ضرورت نہیں ۔ جس کذریعہ غربا کی دولت سمیٹی جلدی ہے

صیّرت و بینک شاہینا تصدیہ و لیس یفلح اصحاب الشواہین
تم نے شکار کرنے کے لئے دین کو شاہین بنا رکھا ہے ۔ مگر یاد رکھو کہ ایسے شاہین باز فلاح نہیں پاسکتے

ان اشعار میں ان دنیا دار اور علماء اور فقہاء کی زندگی کی تصویر کھینچی گئی ہے، جنہوں نے مسند درس کو دولت و وجاہت کے حصول کا ذریعہ بنا رکھا تھا۔

عبادت و تقویٰ اور عادات و اخلاق :

عبداللہ بن مبارک عبادت و ریاضت، زہد و تقویٰ اور اپنے عادات و اخلاق میں صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی نمونہ تھے۔ صحابہ کی سب سے بڑی خصوصیت یہ بیان کی گئی ہے کہ

فی اللیل رہبان و فی النہار فرسان .

”رات میں راہبوں کی طرح عبادت کرتے تھے اور دن میں شہسوار بن کر میدان کارزار میں نظر آتے تھے۔“

علامہ ابن مبارکؒ اس خصوصیت کی چلتی پھرتی تصویر تھے۔ اسی بناء پر حضرت سفیان بن عیینہؒ فرماتے تھے کہ

نظرت فی امر الصحابة فما رايت لهم فضلا علی بن المبارک الا لصحبتهم النبی صلی اللہ علیہ وسلم .

میں نے صحابہ کے حالات پر غور کیا تو صحبت نبوی صلعم کے علاوہ اور کسی چیز میں ابن مبارک کو ان سے کم نہیں پایا۔“

ظاہر ہے کہ صحبت نبوی صلعم صحابہ کا اتنا بڑا فضل ہے کہ اس میں نہ تو ان کا کوئی شریک و سہم ہے اور نہ اس میں کوئی ان کی ہمسری کا دعویٰ کر سکتا ہے۔ مگر اپنے اخلاق و کردار کے لحاظ سے امت میں ان کے بعد بہت سے ایسے افراد پیدا ہوتے رہے ہیں جو ان کی صحیح تصویر تھے۔ انہی میں ابن مبارکؒ بھی تھے۔ ہم مختلف عنوانوں کے تحت مختصر طور سے ان کی زندگی کے ان اخلاقی اوصاف کی یہاں وضاحت کرتے ہیں۔

عبادت و تقویٰ :

عبادت اور تقویٰ میں ضرب المثل تھے۔ ابو نعیمؒ نے حلیۃ الاولیاء میں امام شعرانیؒ نے طبقات الکبریٰ میں ان کا شمار زہاد تبع تابعین میں کیا ہے۔ سفیان ثوریؒ جن کی جلالت پر ایک زمانہ متفق ہے وہ فرماتے تھے کہ میں نے کوشش کی کہ عبداللہ بن مبارکؒ جیسی محتاط زندگی گزاروں تو میں چند دن بھی نہ گزار پایا۔

تمام اہل تذکرہ فرماتے ہیں کہ وہ زہد و ورع، عبادت اور قیام لیل میں اپنی مثال آپ تھے۔ اسماعیل بن عیاشؒ فرماتے ہیں کہ کوئی نیک خصلت ایسی نہیں ہے جو ان میں موجود نہ رہی ہو۔

احساسِ ذمہ داری :

ایک بار شام میں کسی شخص سے قلم مستعار لیا۔ اتفاق سے قلم اس شخص کو واپس کرنا بھول گئے جب مروپہنچے تو قلم پر نظر پڑی، مرو سے شام پھر واپس گئے اور قلم صاحب قلم کو واپس کیا۔^۱

تنہا یہ واقعہ ان کی اخلاقی زندگی کا بہترین مظہر ہے اور دنیا کی اخلاقی تاریخ کا غیر معمولی واقعہ ہے۔ مرو شام سے سینکڑوں میل دور ہے اور پھر یہ واقعہ اس زمانہ کا بھی ہے جب رسل و رسائل کے ذریعے صرف گھوڑے، اونٹ اور خچر ہوتے تھے۔

خشیتِ الہی :

اس زید و ورع کے ساتھ آخرت کی باز پرس سے ہر وقت ارزاں رہتے تھے، انہوں نے زہد و ورع پر ایک کتاب لکھی تھی جب اس کو طلبہ کے سامنے پڑھتے تھے تو ان پر اس قدر رقت طاری ہو جاتی تھی کہ بول نہیں سکتے تھے۔

قاسم بن محمدؒ فرماتے ہیں کہ میں عبد اللہ بن مبارک کے ساتھ اکثر سفر میں رہتا تھا میرے دل میں خیال ہوا کہ آخر کس بنا پر ان کو اتنا فضل و شرف اور قبول عام حاصل ہے جس طرح وہ نماز پڑھتے ہیں ہم بھی نماز پڑھتے ہیں، جتنے روزے وہ رکھتے ہیں ہم بھی ان سے کم روزہ نہیں رکھتے، وہ حج کرتے ہیں ہم بھی حج کرتے ہیں، وہ جہاد میں شرکت کرتے ہیں اس شرف میں ہم بھی ان سے پیچھے نہیں ہیں۔ کہتے ہیں کہ ایک بار ہم لوگ شام جا رہے تھے۔ راستہ میں رات کو کہیں ٹھہرے سب لوگ رات کا کھانا کھا رہے تھے کہ یک بہ یک چراغ گل ہو گیا ایک آدمی چراغ جلانے کے لئے اٹھا، چراغ جلا کر وہ واپس ہوا تو ہم نے دیکھا کہ عبد اللہ بن مبارک کی ڈاڑھی آنسوؤں سے تر ہے۔ میں نے اپنے دل میں سوچا کہ اسی (خشیتِ الہی کی) وجہ سے ان کو یہ فضل و شرف حاصل ہے۔ پھر فرماتے ہیں، غالباً چراغ گل ہونے پر اندھیرا ہو گیا اور اس سے یک گونہ ہم لوگوں پر جو گھبراہٹ طاری ہوئی اس چیز نے ان کو قبر قیامت کی یاد دلا دی اور ان پر رقت کی یہ کیفیت طاری ہو گئی۔^۲

امام احمد ابن حنبلؒ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو جو رفعت دی تھی وہ ان کی اس باطنی کیفیت کی بنا پر تھی جو اس کے لئے مخصوص ہے۔^۳

اخلاق و عادات :

ان کا یہ زہد و اتقا صرف عبادات ہی تک محدود نہیں تھا بلکہ ان کے اخلاق و کردار اور ان کے معاملات میں بھی اس کا پورا اثر نمایاں تھا۔

۱۔ کروری۔ جلد ۲۔ ص ۱۷۹ ۲۔ صفوة الصفوة جلد ۴۔ ص ۱۲۰ ۳۔ ایضاً

مہمان نوازی :

مہمان نوازی اسلامی زندگی کی ایک امتیازی خصوصیت ہے۔ اس میں وہ مصروف تھے ان کا دسترخوان ان کے احباب، اعزہ، پڑوسی اور اجنبی سب کے لئے خوان یغما تھا، وہ کبھی بغیر مہمان کے کھانا نہیں کھاتے تھے اس بارے میں کسی نے ان سے پوچھا تو فرمایا کہ مہمان کے ساتھ جو کھانا کھایا جاتا ہے اللہ تعالیٰ اس کا حساب نہیں لیتا۔ سال کے بیشتر حصہ میں وہ روزہ رکھتے تھے جس دن وہ روزہ سے ہوتے اس دن دوسروں کو عمدہ عمدہ کھانا پکوا کر کھلاتے۔ ابو اسحق کا بیان ہے کہ کسی سفر جہاد یا حج میں جارہے تھے تو ان کے ساتھ دو انٹینوں پر بھنی ہوئی مرغیاں لدی ہوئی تھیں۔ یہ سب سامان ان مسافروں کا تھا جو ان کے ہمسفر تھے۔

ادب اور حسن معاشرت :

ادب اور حسن معاشرت کا نمونہ تھے، فرماتے تھے کہ ادب و حسن معاشرت دین کا دو حصہ ہے۔ حدیث کی مجلس میں ان کا یہ ادب دیکھنے کے قابل ہوتا تھا یوں تو عام مجلسوں میں بھی وہ خلاف اسلام کوئی فعل نہیں دیکھ سکتے تھے۔ ایک بار مجلس میں کسی شخص کو چھینک آئی اس نے الحمد للہ نہیں کہا، آپ کچھ دیر منتظر رہے پھر اس سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ بھائی! جب چھینک آئے تو کیا کہنا چاہئے؟ اس نے کہا: الحمد للہ، آپ نے اس کے جواب میں برحکم اللہ کہا اس سے ان کا مقصد یہ تھا کہ اس شخص کو غلطی کا احساس ہو جائے اور دوسروں کو اتباع سنت کی ترغیب ہو۔

ذریعہ معاش :

اسلاف میں بے شمار ایسے لوگ گزرے ہیں جن کا ذریعہ معاش صنعت و حرفت یا تجارت تھا۔ جب تک اسلامی زندگی کے نمایاں آثار باقی تھے اس وقت تک اس چیز کو کم درجہ یا معیوب نہیں سمجھا جاتا تھا بلکہ امت کے بلند تر افراد حرفہ و پیشہ ہی اختیار کرنا پسند کرتے تھے۔ عبداللہ بن مبارکؓ نے تجارت کو اپنا ذریعہ معاش بنایا تھا ان کا تجارتی کاروبار بہت وسیع تھا۔ تجارت کی وسعت کا اندازہ اس سے کیا جاسکتا ہے کہ وہ ایک لاکھ، ہم سالانہ صرف فقراء پر خرچ کرتے تھے۔ عموماً وہ خراسان سے سامان تجارت حجاز لاتے اور وہیں فروخت کرتے تھے۔

تجارت کا مقصد :

مگر یہ تجارت محض حصول زریا دنیا طلبی کے لئے نہیں تھی بلکہ اس کا مقصد وہی تھا جو اسلام نے مقرر کیا ہے۔ فضیل بن عیاضؒ نے ایک روز ان سے کہا کہ آپ ہم لوگوں کو تو زہد و قناعت اور دنیا سے بے رغبتی کی ترغیب دیتے ہیں اور خود قیمتی سامانوں کی تجارت کرتے اور اس سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ انہوں نے فرمایا کہ

اے فضیل ! یہ تجارت اس لئے کرتا ہوں کہ اس سے اپنی ذات کو مصائب سے، اپنی عزت کو ذلت سے بچا سکوں اور خدا کی اطاعت میں اس سے مددوں اور اللہ تعالیٰ نے جو مالی حقوق میرے ذمہ ڈالے ہیں ان کی طرف میں سبقت کروں اور انہیں بخوبی پورا کروں۔
ایک بار فضیل بن عیاضؒ سے فرمایا۔

لو لا انت واصحابک ما اتجرت

”اگر تم اور تمہارے ساتھی نہ ہوتے تو میں تجارت نہ کرتا۔“

یعنی میں تمہیں لوگوں کے لئے یہ پریشانی اٹھاتا ہوں۔

ایسے علماء اور طلباء کی ڈھونڈ ڈھونڈ کر آمد کرتے تھے جو دینی علوم کے حصول یا درس و تدریس میں لگے ہوتے مگر معاشی حیثیت سے پریشان ہوتے ان لوگوں کی مدد کو وہ سب کاموں پر مقدم رکھتے تھے چنانچہ اس کے لئے وہ ہزاروں روپے اپنے شہر سے باہر بھیجتے تھے، بعض لوگوں نے ان سے شکایت کی کہ آپ اپنا مال اپنے شہر میں اس فراوانی کے ساتھ نہیں خرچ کرتے جس فراوانی کے ساتھ باہر بھیجتے ہیں جواب میں فرمایا۔

میں ان لوگوں پر اپنا مال خرچ کرتا ہوں جن کے علم و فضل اور صداقت و دیانت سے بخوبی واقف ہوں وہ علم دین کی طلب و اشاعت میں لگے ہوئے ہیں مگر ان کی ذاتی اور (خانگی) ضرورتیں بھی ہیں اگر یہ لوگ ان کے پورا کرنے میں لگ جائیں تو علم ضائع ہو جائے گا اور اگر ہم ان کی مدد کرتے ہیں تو ان کے ذریعہ علم (دین کی) اشاعت ہوتی رہے گی اور منصب نبوت کے اختتام کے بعد علم دین کی اشاعت سے بڑھ کر دوسرا کوئی کام نہیں ہے۔^۱

عام فیاضی :

ان کی سخاوت و فیاضی صرف اہل علم ہی تک محدود نہیں تھی بلکہ اس سے ہر خاص و عام فائدہ اٹھاتا تھا چند واقعے ملاحظہ ہوں۔

۱۔ تاریخ بغداد جلد ۱۱۔ ص ۱۶۰ ۲۔ تہذیب جلد ۵۔ ص ۳۸۶ ۳۔ تاریخ بغداد جلد ۱۔ ص ۱۶۰

ایک شخص سات سو درہم کا مقروض تھا کچھ لوگوں نے ابن مبارک سے کہا کہ آپ اس کا قرض ادا کر دیں۔ انہوں نے منشی کو لکھا کہ فلاں شخص کو سات ہزار درہم دے دیئے جائیں یہ تحریر لے کر مقروض ان کے منشی کے پاس پہنچا اس نے خط پڑ کر حامل رقعہ سے پوچھا کہ تم کو کتنی رقم چاہئے۔ اس نے کہا کہ میں سات سو کا مقروض ہوں اور اسی رقم کے لئے لوگوں نے ابن مبارک سے میری سفارش کی ہے۔ منشی کو خیال ہوا کہ ابن مبارک سے سبقت قلم ہوگئی ہے اور وہ سات سو کے بجائے سات ہزار لکھ گئے ہیں، منشی نے حامل رقعہ سے کہا، خط میں کچھ غلطی معلوم ہوتی ہے تم بیٹھو میں ابن مبارک سے دوبارہ دریافت کر کے تم کو رقم دیتا ہوں، اس نے ابن مبارک کو لکھا کہ خط لانے والا تو صرف سات سو درہم کا طالب ہے اور آپ نے سات ہزار دینے کی ہدایت کی ہے، سبقت قلم تو نہیں ہوگئی ہے؟

انہوں نے جواب میں لکھا کہ جس وقت تم کو یہ خط ملے اسی وقت اس شخص کو تم چودہ ہزار درہم دے دو، منشی نے ازراہ ہمدردی ان کو دوبارہ لکھا کہ اگر اسی طرح آپ اپنی دولت لٹاتے رہے تو جلد ہی سارا سرمایہ ختم ہو جائے گا۔ منشی کی یہ ہمدردی اور خیر خواہی ان کو ناپسند ہوئی اور انہوں نے ذرا سخت لہجہ میں لکھا کہ اگر تم میرے ماتحت اور مامور ہو تو میں جو حکم دیتا ہوں اس پر عمل کرو اور اگر تم مجھے اپنا مامور اور محکوم سمجھتے ہو تو پھر تم آ کر میری جگہ پر بیٹھو، اس کے بعد جو تم حکم دو گے میں اس پر عمل کروں گا۔

میرے سامنے مادی دولت و ثروت سے زیادہ سرمایہ قیمتی آخرت کا ثواب اور نبی کا وہ ارشاد گرامی ہے کہ جس میں آپ نے فرمایا ہے کہ جو شخص اپنے کسی مسلمان بھائی کو اچانک اور غیر متوقع طور پر خوش کر دے گا اللہ تعالیٰ اس کو بخش دے گا اس نے مجھ سے سات سو درہم کا مطالبہ کیا تھا، میں نے سوچا کہ اس کو سات ہزار ملیں گی تو یہ غیر متوقع رقم پا کر وہ بہت زیادہ خوش ہوگا اور فرمان نبوی کے مطابق میں ثواب کا مستحق ہوں گا دوبارہ رقعہ میں ۱۴ ہزار انہوں نے اس لئے کرایا کہ غالباً لینے والے کو بڑے ہزار کا علم ہو چکا تھا اس لئے اب زیادہ ہی رقم اس کیلئے غیر متوقع ہو سکتی تھی۔

محمد بن عیسیٰ کا بیان ہے کہ ابن مبارک ”طرس (شام) اکثر آیا کرتے تھے راستہ میں رقعہ پڑتا تھا، یہاں وہ جس سرائے میں قیام کرتے تھے اس میں ایک نوجوان بھی رہا کرتا تھا جب تک ان کا قیام رہتا یہ نوجوان ان سے سماع حدیث کرتا اور ان کی خدمت میں لگا رہتا تھا۔ ایک بار یہ پہنچے تو اس کو نہیں پایا دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ وہ قرض کے سلسلہ میں قید کر دیا گیا ہے۔

انہوں نے قرض کی مقدار اور صاحب قرض کے بارے میں معلوم کیا تو پتہ چلا کہ فلاں شخص کا وہ دس ہزار کا مقروض تھا اس نے دعویٰ کیا تھا اور عدم ادا کی گئی کی صورت میں وہ قید کر دیا گیا۔

حضرت عبداللہ بن مبارکؓ نے قرض خواہ کو تنہائی میں بلایا اور اس سے کہا کہ بھائی تم اپنے قرض کی رقم مجھ سے لے لو، اس نوجوان کو رہا کر دو۔ یہ کہہ کر اس سے یہ قسم بھی لی کہ وہ اس کا تذکرہ کسی سے نہ کرے گا اس نے اسے منظور کر لیا۔ ادھر آپ نے اس کی رہائی کا انتظام کیا اور اسی رات رحلت سفر باندھ کر وہاں سے روانہ ہو گئے نوجوان رہا ہو کر سرائے میں پہنچا تو آپ کی آمد و رفت کی اطلاع ملی۔ اس کو ملاقات نہ ہونے کا اتنا رنج ہوا کہ اسی وقت طرطوس کی طرف روانہ ہو گیا۔ کئی منزل کے بعد آپ سے ملاقات ہوئی تو آپ نے اس کا حال دریافت کیا اس نے اپنے قید ہونے اور رہا ہونے کا ذکر کیا آپ نے پوچھا رہائی کیسے ہوئی؟ بولا کوئی اللہ کا بندہ سرائے میں آکر ٹھہرا تھا اسی نے اپنی طرف سے قرض ادا کر کے مجھے رہا کر دیا مگر میں اسے جانتا نہیں فرمایا کہ خدا کا شکر ادا کرو کہ اس مصیبت سے تمہیں نجات ملی۔

محمد بن عیسیٰؒ کا بیان ہے کہ ان کی وفات کے بعد قرض خواہ نے اس واقعہ کو لوگوں سے بیان کیا۔^۱

ان کی زندگی کا ایک خاص معمول زیارت حرمین بھی تھا قریب قریب ہر سال اس سعادت کو حاصل کرنے کی کوشش کرتے، سفر حج کے موقع پر ان کا معمول تھا کہ سفر سے پہلے اپنے تمام رفقاء سفر سے کہتے کہ اپنی اپنی رقم سب لوگ میرے حوالہ کر دیں جب وہ لوگ حوالہ کر دیتے تو ہر ایک کی رقم کو الگ الگ ایک ایک تھیلی میں ہر ایک کا نام لکھ کر صندوق میں بند کر دیتے اور پورے سفر میں جو کچھ خرچ کرنا ہوتا وہ اپنی جیب سے کرتے، ان کو اچھے سے اچھا کھانا کھلاتے ان کی دوسری ضروریات پوری کرتے، جب فریضہ حج ادا کر کے مدینہ منورہ پہنچتے تو رفقاء سے کہتے کہ اپنے اہل و عیال کے لئے جو چیزیں پسند ہوں خرید لیں، سفر حج ختم کر کے جب گھر واپس آتے تو تمام رفقاء سفر کی دعوت کرتے پھر وہ صندوق کھولتے جس میں لوگوں کی رقمیں رکھی ہوئی تھیں اور جس تھیلی پر جس کا نام ہوتا اس کے حوالہ کر دیتے۔ راوی کا بیان ہے کہ زندگی بھر ان کا یہی معمول تھا۔

ان کے سوانح حیات اس طرح کے واقعات سے پُر ہیں یہ چند واقعات اس لئے نقل کئے گئے ہیں کہ اندازہ ہو سکے کہ ان کی تجارت اور حصول دولت کا مقصد اور مصرف کیا تھا۔

اس علم و فضل، زہد و تقویٰ اور فیاضی اور سیر چشتی کے باوجود طبیعت میں تواضع و خاکساری اس قدر تھی کہ وہ اپنی رفتار و گفتار نشست و برخاست کسی چیز سے اپنی اس امتیازی حیثیت کو ظاہر نہیں ہونے دیتے تھے۔ مرو میں ان کے پاس اچھا خاصہ کشادہ مکان تھا جہاں ہر وقت لوگوں کا ہجوم رہتا آپ کو یہ عقیدت مندی ناپسند تھی اس لئے وہاں سے کوفہ چلے آئے اور ایک نہایت ہی تنگ و تاریک مکان میں قیام پذیر ہوئے۔ لوگوں نے دریافت کیا کہ اتنا وسیع مکان چھوڑ کر اس تنگ و تاریک مکان میں رہتے ہوئے وحشت نہیں ہوتی؟ فرمایا کہ جس بات کو تم پسند کرتے ہو یعنی عقیدت مندوں کا ہجوم وہ مجھے ناپسند ہے، اسی لئے تو میں مرو سے بھاگ نکلا اور یہاں تم گناہ زندگی کو ناپسند کرتے ہو حالانکہ مجھے یہی پسند ہے۔

ایک بار کسی سبیل پر پانی پینے کے لئے گئے اس کے قریب پہنچے تو ایک ہجوم سے انکو ایسا دھکا لگا کہ وہ پانی پینے کی جگہ سے دور جا پڑے جب وہاں سے نکلے تو حسن سے جوان کے ساتھ تھے فرمایا کہ

”ما العیش الا ہکذا یعنی لم تعرف ولم توقر۔“

”زندگی اسی طرح گذارنی چاہئے کہ نہ ہم کو لوگ پہچانیں اور نہ ہماری توقیر کریں۔“

شوق جہاد :

اوپر حضرت سفیان ثوریؒ کا یہ قول گزر چکا ہے کہ ابن مبارکؒ اپنی پوری زندگی میں صحابہ کے نمونہ تھے، صحابہ کرامؓ کی سب سے بڑی خصوصیت یہ تھی کہ ان کی زندگی کا کوئی لمحہ دعوت و تبلیغ، اور اقامت دین کی جدوجہد اور اصلاح حال اور جہاد فی سبیل اللہ کی تیاری سے خالی نہیں ہوتا تھا، کسی وقت وہ اپنے داخلی دشمن کو مغلوب کرنے کے لئے جہاد بالنفس میں مشغول رہتے تھے اور کبھی خارجی دشمن کو زیر کرنے کے لئے سینہ سپر رہتے تھے ان کی یہ خصوصیت ضرب المثل بن گئی ہے۔

فی اللیل رہبان و فی النہار فرسان

”رات میں وہ یکسو ہو کر عبادت میں لگے رہتے ہیں اور دن کو میدان میں شہ سوار

نظر آتے ہیں۔“

عبداللہ ابن مبارکؒ اس خصوصیت میں صحابہ کرامؓ کا نقش ثانی تھے ایک وقت میں وہ مجلس درس میں رونق افروز ہوتے تو دوسرے وقت میں وہ ارشاد و اصلاح کی مسند پر متمکن نظر آتے اور تیسرے

۱۔ صفوة الصفوة جلد ۴۔ ص ۱۰۵ ۲۔ اس سے معلوم ہوا کہ اس وقت عام جگہوں پر پانی پینے اور پلانے کا انتظام ہوتا تھا۔

۳۔ صفوة الصفوة جلد ۴۔ ص ۱۱۰

وقت ایک سپاہی کی طرح میدان جہاد میں سرگرواں دکھائی دیتے انہوں نے سال کو تین حصوں میں تقسیم کر دیا تھا۔ ایک حصہ میں تجارت کرتے، دوسرے حصہ میں درس و تدریس کا کام انجام دیتے اور تیسرے حصے میں جہاد اور سفر حج میں مشغول رہتے تھے۔

ان کے درس و تدریس اور سفر حج کے واقعات کا ذکر اوپر آچکا ہے شرکت جہاد کے دو ایک واقعے یہاں نقل کئے جاتے ہیں۔

اس زمانہ میں رومیوں اور مسلمانوں میں برابر آویزش رہتی تھی کبھی رومی اسلامی سرحدوں پر حملہ کرتے اور کبھی مسلمان پیش قدمی کرتے ایک بار مسلمانوں نے پیش قدمی کی عبداللہ بن مبارکؒ بھی جہاد میں ارضا کارانہ شریک ہوئے۔ رومی فوج سے ایک سپاہی نکلا اور اس نے دعوت مبارزت دی۔ حضرت سلیمان مروزی کا بیان ہے کہ اسلامی فوج سے بھی ایک شخص اس کے مقابلہ کے لئے نکلا اور پہلے ہی وار میں اس کا کام تمام کر دیا۔ پھر دوسرا شخص سامنے آیا اس کا حشر بھی وہی ہوا، لگاتار اسی طرح یکے بعد دیگرے کئی آدمی مقابلہ میں آئے اور اس مجاہد نے ان سب کو ڈھیر کر دیا لوگوں نے یہ بہا درمی دیکھ کر مجاہد کو گھیر لیا، اس نے اپنا چہرہ لپیٹ رکھا تھا جب لوگوں نے چہرے پر سے کپڑا ہٹایا تو دیکھا کہ یہ بہادر مجاہد عبداللہ بن مبارکؒ ہیں۔

اہل تذکرہ لکھتے ہیں کہ مصیبت، طرطوس وغیرہ مقامات میں یہ رومیوں کی سرحد سے قریب پڑتے تھے اس لئے بغرض جہاد ان جگہوں پر وہ اکثر جاتے رہتے تھے۔

ایک بار ایک مجوسی سے برسر پیکار تھے کہ اسی اثنا میں مجوسی کی عبادت کا وقت آ گیا اس نے اس سے مہلت چاہی جب وہ سورج کے سامنے سر بسجود ہوا تو انہوں نے ارادہ کیا کہ اس کا کام تمام کر دیں، مگر یہ آیت

أَوْفُوا بِالْعَهْدِ إِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُولًا

”عہد کی باز پرس ہوگی۔“

سامنے آئی تو رک گئے جب وہ عبادت سے فارغ ہوا اور اس کو اس بات کا علم ہوا تو وہ یہ کہتا ہوا حلقہ بگوش اسلام ہو گیا کہ

۱۔ اس وقت تک کرایہ کے سپاہی ہی میدان میں نہیں بھیجے جاتے تھے بلکہ ہر مسلمان شرکت جہاد کو اپنے لئے سب سے بڑی خوش قسمتی اور سب سے افضل مبادت سمجھتا تھا۔ ۲۔ صفوة السفوة

نعم الرب رب يعاتب وليه في عدو .

”بہترین رب وہ ہے جو اپنے دوستوں پر دشمن کے معاملہ میں عتاب کرتا ہے۔“

مختصر یہ کہ دوسرے دینی فرائض کے ساتھ انہوں نے فریضہ جہاد کو بھی اپنے اُپر لازم کر لیا تھا۔

امراء اور سلاطین سے گریز :

امراء و سلاطین سے ملنا پسند نہیں کرتے تھے، ہارون رشید نے کئی بار ملاقات کی خواہش ظاہر کی مگر یہ گریز کرتے رہے، ابراہیم موصلی جن کا تعلق دربار شاہی سے بھی تھا وہ ابن مبارک سے غایت درجہ محبت کرتے تھے ان کی روایت ہے کہ ہارون نے متعدد بار ابن مبارک سے ملنے کی خواہش ظاہر کی مگر میں کسی طرح ٹال دیتا تھا۔ اس لئے کہ میں جانتا تھا کہ ابن مبارک کے سامنے دین و شریعت کے خلاف کوئی بات ہوگی تو وہ ہارون کو سختی سے روکیں گے بلکہ تنبیہ کریں گے، اور یہ بات ہارون جیسے خود پسند خلیفہ کی ناگواری کا سبب بنے گی اور پھر نہ جانے اس کا کیا نتیجہ ہو۔

یہی نہیں کہ وہ خود دربار سے گریز کرتے تھے۔ بلکہ اپنے تمام احباب و اقرباء کو بھی اس سے روکتے تھے۔

ابن علیہ اس وقت کے ممتاز محدث اور امام تھے وہ عبد اللہ بن مبارک کے خاص احباب میں تھے، تجارت میں بھی وہ ان کے شریک تھے۔ اٹھنا بیٹھنا بھی ساتھ تھا۔ مگر انہوں نے بعض امراء کی مجالس میں جانا شروع کر دیا تھا۔ عبد اللہ بن مبارک ”کو جب اس کی اطلاع ہوئی تو انہوں نے ناراضگی کا اظہار کیا اور ایک روز مجلس میں آئے تو ان سے مخاطب نہیں ہوئے، ابن علیہ بے حد پریشان ہوئے، مجلس میں تو کچھ نہ کہہ سکے گھر پہنچے تو بڑے اضطراب کی حالت میں ابن مبارک کو یہ خط لکھا۔

اے میرے سردار! مدتوں سے آپ کے احسانات میں ڈوبا ہوا ہوں قسم ہے خدا کی ان احسانات کو میں اپنے متعلقین کے حق میں برکت شمار کرتا تھا۔ آپ نے مجھ کو نہ جانے کیوں اپنے سے جدا کر دیا۔ اور مجھ کو میرے ہم نشینوں میں کم رتبہ بنا دیا، میں آپ کے دولت کدہ پر حاضر ہوا لیکن آپ نے میری طرف توجہ تک نہ کی، اسی عدم توجہی سے مجھے آپ کی ناراضگی کا علم ہوا اور مجھے اب تک نہیں معلوم ہو سکا کہ میری کنسی غلطی آپ کے غضب و غصہ کا سبب بنی ہے۔

اے میرے محترم میری آنکھوں کے نور! میرے استاذ! خدا کی قسم آپ نے کیوں نہیں بتلایا کہ وہ کیا خطا ہوئی جس کی بناء پر میں آپ کی ان تمام نوازشوں اور کرم فرمائیوں سے جو میری غایت تمنا تھیں محروم ہو گیا۔

حضرت عبداللہ بن مبارکؓ نے یہ پُر اثر خط پڑھا مگر ان پر اس کا کوئی اثر نہیں ہوا۔ یہ چند اور اشعار جو ابان کے پاس لکھ کر بھیج دیتے۔

يا جا عل العلم له بازيا يصطاد اموال المساكين

اے علم کو ایک ایسا باز بنانے والے جو غریبوں کا مال سمیٹ کر کھا جاتا ہے

احتلت للدنيا ولذا تھا بحيلة تذهب بالدين

تم نے دنیا اور اس کی لذتوں کے لئے ایسی تدبیر کی ہے جو دین کو مٹا کر رکھ دے گی

نصرت مجنوننا بها بعد ما كنت وواء للمجانين

تم خود مجنون ہو گئے جب کہ تم مجنوںوں کا علاج تھے

این روایاتک فی سردھا عن ابن عون وابن سیرین

وہ تمام روایتیں آپ کی کیا ہوئیں جو ابن عون اور ابن سیرین سے آپ بیان کرتے ہیں

این روایاتک والقول فی لزوم ابواب السلاطين

وہ روایتیں کہاں گئیں جن میں سلاطین سے ربط و ضبط رکھنے کی وعید آئی ہے

ان قلت اکرهت فما زالذا زل حار العلم فی العلین

اگر تم کہو کہ میں اس پر مجبور کیا گیا تو ایسا کیوں ہوا ہاں چار پایہ برد کتابے چند، کہ اس طرح ذلت ہوتی ہے

ابن علیہ کے پاس قاصد یہ اشعار لے کر پہنچا اور انہوں نے پڑھا تو ان پر رقت طاری ہو گئی اور اسی وقت اپنے عہدہ سے استعفیٰ لکھ کر بھیج دیا۔

مرجع خلاق :

انہی محاسن اور اوصاف کی بنا پر وہ مرجع خلاق بن گئے تھے، اگرچہ وہ اپنے فضل و کمال کو بہت کم ظاہر ہونے دیتے تھے مگر پھر بھی جس مقام پر پہنچ جاتے تھے لوگ جوق در جوق ان کے گرد جمع ہو جاتے تھے، ان کو جو قبول عام حاصل تھا۔ اس کا اندازہ اس واقعہ سے کیجئے۔

ایک بار ابن مبارکؓ رقعہ آئے۔ اس کا علم ہوا تو استقبال کے لئے پورا شہر ٹوٹ پڑا، ہارون رشید کی ایک لونڈی محل سے یہ تماشا دیکھ رہی تھی، اس نے لوگوں سے دریافت کیا یہ کیا ماجرا ہے؟

۱۔ صفحہ ۱۵۶۔ جلد ۴۔ ص ۱۱۶ ۲۔ خلفائے عباسیہ عموماً رقعہ میں گرمی گزارتے تھے، یہ مقام نہایت ہی سرسبز اور شاداب ہے۔

لوگوں نے اسے بتایا کہ خراسان کے ایک عالم ابن مبارکؒ یہاں آئے ہیں، انھیں کے استقبال کے لئے یہ مجمع اُمد آیا ہے۔ اس نے بے ساختہ کہا کہ

هو الملك لا ملك هارون الذی لا یجتمع الناس علیہ الا بشروط
واعوان^۱۔

”حقیقت میں خلیفہ وقت یہ ہیں ہارون نہیں، اس لئے کہ اس کے گرد کوئی مجمع بغیر پولیس فوج اور اعوان و انصار اکٹھا نہیں ہوتا۔“

حضرت سفیان ثوریؒ ان کو مشرق و مغرب کا عالم کہا کرتے تھے۔

زریں اقوال :

تذکروں میں عبد اللہ ابن مبارکؒ کے سینکڑوں قیمتی اقوال ملتے ہیں جن میں سے چند یہاں نقل کئے جاتے ہیں :

معرفت الہی :

ایک بار فرمایا کہ اہل دنیا دنیا کی سب سے مرغوب اور لذیذ چیز سے لطف اندوز ہوئے بغیر یہاں سے رخصت ہو جاتے ہیں لوگوں نے پوچھا کہ سب سے لذیذ چیز کیا ہے؟ فرمایا: معرفت الہی۔

ورع و تقویٰ :

فرمایا کہ اگر آدمی سو باتوں میں تقویٰ اور خوفِ خدا اختیار کرتا ہے اور ایک بات میں نہیں تو وہ متقی نہیں ہے، فرمایا کہ اگر کوئی شخص سو چیزوں میں پرہیزگاری اختیار کرتا ہے اور ایک چیز میں اسے ترک کر دیتا ہے تو اس کو متورع یعنی پرہیزگار نہیں کہا جاسکتا۔

مشتبہ مال :

فرمایا کہ میں ایک مشتبہ^۲ درہم کو استعمال نہ کرنے کو سو درہم صدقہ کرنے کے مقابلہ میں زیادہ پسند کرتا ہوں۔

اللہ کے لئے محبت :

فرمایا میں کسی چیز کو تلاش کرنے میں تھکا نہیں بجز ایسے دوست کی تلاش میں جو صرف اللہ کے لئے محبت کرتا ہے۔

۱۔ کردری۔ ص ۱۷۳ ایضاً ۲۔ مال و دولت کی تین صورتیں ہوتی ہیں۔ ایک حلال، دوسرے حرام اور تیسرے جس کا حلال یا حرام ہونا مشتبہ ہے۔ آنحضرت صلم نے فرمایا ہے کہ آدمی جب مشتبہات کے قریب جائے گا تو پھر حرام کھائے گا۔ اس لئے مشتبہ سے بچنا چاہئے۔ یہ اسی اشاد نبوی ﷺ کی تفسیر ہے۔

شہرت :

فرمایا کہ گم نامی کو پسند کرو اور شہرت سے دور رہو مگر یہ ظاہر نہ کرو کہ تم گم نامی کو پسند کرتے ہو اس لئے کہ اس سے بھی نفس میں بلندی اور غرور پیدا ہوگا۔

تہذیب :

زندگی کے ہر معاملہ میں ادب و تمدن دین کا دوسرا حصہ ہے۔

شاعر اور عوام :

کسی نے پوچھا کہ بازاری لوگ کون ہیں؟ بولے: خزیمہ اور اس کے ساتھی پھر پوچھا کہ گرے ہوئے کون لوگ ہیں؟ بولے: جو قرض پر زندگی بسر کرتے ہیں اور ہاتھ نہیں ہلاتے۔

جہل :

فرمایا: جس میں جہالت و جاہلیت کی ایک عادت بھی موجود ہوگی اس کو جاہل کہا جائے گا، کیا سنا نہیں کہ حضرت نوحؑ نے جب یہ کہا کہ اے اللہ! میرے لڑکے کو اس طوفان سے بچالے، اس لئے کہ وہ میرے اہل میں ہے اور تو نے میرے اہل و عیال کو بچانے کا وعدہ فرمایا تو خدا تعالیٰ نے جواب دیا کہ میں نصیحت کرتا ہوں کہ جاہلوں میں نہ ہو، تیرا لڑکا جب ایمان کی دولت سے محروم ہو گیا تو پھر اہل میں کہاں رہا صاحب زہد و تقویٰ آدمی دنیا میں بھی ایک بادشاہ وقت سے زیادہ معزز ہوتا ہے، کیونکہ بادشاہ اگر اپنے گرد لوگوں کو جمع کرنا چاہے تو اسے جبر و اکراہ کرنا پڑتا ہے، بخلاف خدا سیدہ آدمی کے کہ وہ لوگوں سے بھاگتا ہے مگر لوگ اس کا پیچھا نہیں چھوڑتے۔

علم و علمائے :

وہ شخص عالم نہیں ہو سکتا، جب تک اس کے دل میں خوف خدا اور دنیا سے بے رغبتی نہ ہو۔

تواضع :

ایک شخص نے پوچھا کہ تواضع کیا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ اغنیاء کے مقابلہ میں خود دار رہنا۔ فرمایا کہ شریف وہ ہے جسے اطاعت الہی کی توفیق ہوئی، اور ذلیل وہ جس نے بے مقصد زندگی نزاری ایک شخص نے حسن خلق کی تعریف پوچھی تو فرمایا کہ ترک الغضب غصہ نہ کرنا۔

محاسن و مساوی :

فرمایا کہ کسی آدمی کے محاسن اور مصائب کا اندازہ اس کی کمیت سے کرنا چاہئے یعنی اگر کسی کے اندر محاسن زیادہ ہیں تو اس کے مصائب کو سامنے نہ لانا چاہئے اور اگر کسی میں مصائب زیادہ ہیں تو محاسن کا کوئی شمار نہیں۔

حسن نیت :

فرمایا کہ بہت سے چھوٹے اعمال ہیں جو حسن نیت کی وجہ سے بڑے ہو جاتے ہیں اور بہت سے اعمال ہیں جو سوء نیت کی وجہ سے چھوٹے ہو جاتے ہیں۔ علم کے لئے سب سے پہلے نیت و ارادہ، پھر فہم و پھر عمل پھر حفظ اور اس کے بعد اس کی اشاعت و ترویج کی ضرورت ہے۔

امت کے طبقے :

ایک روز مسیب بن واضح سے ابن مبارک نے پوچھا کہ تم کو معلوم ہے کہ عام بگاڑ اور فساد کیسے پیدا ہوتا ہے؟ مسیب نے کہا کہ مجھے علم نہیں، فرمایا کہ خواص کے بگاڑ سے عام بگاڑ پیدا ہوتا ہے۔ پھر فرمایا کہ امت محمدیہ کے پانچ طبقے ہیں جب ان میں فساد اور خرابی پیدا ہوتی ہے تو سارا ماحول بگڑ جاتا ہے۔

(۱) علمایہ انبیاء کے وارث ہیں مگر جب دنیا کی حوص و طمع میں پڑ جائیں تو پھر کس کو اپنا مقتدا بنایا جائے۔

(۲) تجاریہ اللہ کے امین ہیں جب یہ خیانتی پر اتر آئیں تو پھر کس کو امین سمجھا جائے۔

(۳) مجاہدین، یہ اللہ کے مہمان ہیں جب یہ مال غنیمت کی چوری شروع کریں تو پھر دشمن پر فتح کس کے ذریعہ حاصل کی جائے۔

(۴) زیادہ زمین کے حاصل بادشاہ ہیں، جب یہ لوگ برے ہو جائیں تو پھر کس کی پیروی کی جائے۔

(۵) حکام یہ مخلوق کے نگران ہیں جب یہ گلہ بان ہی بھیڑ یا صفت ہو جائے تو گلہ کو کس کے ذریعہ بچایا جائے۔

غرور اور خود پسندی :

ابو وہب مروزی نے غرور کی تعریف پوچھی تو فرمایا کہ لوگوں کو حقیر سمجھنا اور عیب نکالنا غرور ہے، پھر عجب یعنی خود پسندی کی تعریف پوچھی تو بولے کہ آدمی یہ سمجھے کہ جو اس کے پاس ہے وہ دوسرے کے پاس نہیں ہے۔

حقیقی جہاد :

ایک شخص نے جہاد اور اس کی تیاری کے بارے میں سوال کیا تو فرمایا کہ اپنے نفس کو حق پر جمائے رکھنا یہاں تک کہ وہ خود اس پر جم جائے، سب سے بڑا جہاد ہے، یہ اس حدیث کا بالکل ترجمہ ہے جس میں کہا گیا ہے کہ

المجاهد من جاهد نفسه ! ”مجاہد وہ ہے جو اپنے نفس سے لڑے۔“

تصنیف :

حضرت عبداللہ بن مبارکؒ کی زندگی میں مجاہدانہ رنگ غالب تھا اس لئے وہ علم و فن اور تدوین و تالیف کی طرف کوئی خاص توجہ نہیں کر سکے، پھر بھی انہوں نے جو کچھ تحریری یادگاریں چھوڑی ہیں وہ ان کے علم و فضل پر شاہد ہیں، امام ذہبیؒ نے اس سلسلہ میں ان کی صرف ایک کتاب کتاب الذہب کا تذکرہ کیا ہے اور پھر لکھا ہے :

صاحب التصانیف النافعةؒ

”بہت سی مفید کتابوں کے مصنف ہیں۔“

تذکروں میں کتاب الذہب کے علاوہ ان کی کسی تصنیف کا ذکر نہیں ہے۔ مگر ابن ندیم نے متعدد کتابوں کا تذکرہ کیا ہے۔

(۱) کتاب السنن (۲) کتاب التفسیر (۳) کتاب التاريخ (۴) کتاب الزہد (۵) کتاب البر والصلۃؒ۔

وفات :

ان کی وفات جس طرح ہوئی اس میں ہر مومن کے لئے سامان بصیرت ہے ان کی زندگی زہد و اتقا کا مرقع تھی مگر ان کی سب سے نمایاں خصوصیت جہاد فی سبیل اللہ تھی، اللہ تعالیٰ کی شان دیکھئے کہ ان کی وفات بھی اسی مبارک سفر میں ہوئی۔

شام کے علاقہ میں جہاد کے لئے گئے ہوئے تھے کہ اثنائے سفر میں طبیعت خراب ہوئی، ستوپینے کی خواہش کی، ایک شخص نے ستوپیش کیا مگر یہ شخص ہارون کا درباری تھا اس لئے اس کا ستوپینے سے انکار کر دیا، وفات سے کچھ دیر پہلے آواز پھنس گئی، اس گلو بند کی وجہ سے ان کو گمان ہوا کہ

زبان سے کلمہ شہادت نکلتا نہ رہ جائے اس لئے انہوں نے اپنے ایک شاگرد حسن بن ربیع سے کہا کہ دیکھو جب میری زبان سے کلمہ شہادت نکلے تو تم اتنی بلند آواز سے دہرانا کہ میں سن لوں جب تم ایسا کرو گے تو یہ کلمہ خود بخود میری زبان سے جاری ہو جائے گا، چنانچہ اسی حالت میں وہ اپنے خالق سے جا ملے۔

سنہ، عمر اور مقام وفات :

یہ حادثہ ’عظمیٰ ۱۸ھ میں مقام ہیت میں پیش آیا۔ وفات کے وقت عمر ۶۳ سال تھی۔ مقبولیت :

وفات گو وطن سے سینکڑوں میل دور ہوئی تھی عام مقبولیت کا حال یہ تھا کہ جب لوگوں کو وفات کی اطلاع ملی تو جنازہ پر اس قدر اثر دہام ہوا کہ ہیت کے حاکم کو اس واقعہ کی اطلاع دار الخلافہ بغداد بھیجی پڑی۔ زندگی میں وہ ہارون سے ملنا پسند نہیں کرتے تھے مگر جب اس کو اس حادثہ کی اطلاع ہوئی تو اس نے اپنے وزیر سے کہا کہ آج لوگوں کو عام اجازت دے دو کہ ان کی تعزیت لوگ ہمارے پاس آ کر کرے (مقصد یہ تھا کہ ان کی وفات پوری مملکت اسلامی کے لئے ایک حادثہ ہے اور میں اس وقت اس کا ذمہ دار ہوں تو ان کی تعزیت کا میں بھی حقدار ہوں) مگر فضل نے اس کی طرف کوئی خاص توجہ نہیں کی تو ہارون نے ان کے کچھ اشعار پڑھے اور اس حادثہ کی اہمیت بتلائی۔

راوی کا بیان ہے کہ ان کی وفات کے بعد مجھے اس آیت کا مفہوم واضح ہوا۔

اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَيَجْعَلُ لّٰہِمُ الرَّحْمٰنُ وُزْرًا
”جو لوگ ایمان لائے اور عمل صالح کیا ان کی محبت اللہ تعالیٰ لوگوں کے دلوں میں پیدا کرے گا۔“



www.ahlehaq.org

بسم الله الرحمن الرحيم

حضرت امام شعبہؒ

امام شعبہؒ کا شمار تبع تابعین میں ہوتا ہے مگر وہ اپنے علم و فضل، دیانت و تقویٰ اور بعضی دوسری خصوصیات کی وجہ سے تابعین کے زمرہ میں شمار کئے جانے کے مستحق ہیں، انہوں نے دو صحابی حضرت انس بن مالک اور عمرو بن سلمہؒ کو دیکھا تھا۔ اگر ان کے تابعی ہونے کے لئے کوئی دوسری وجہ نہ بھی ہوتی تو تنہا روایت صحابہ کا فضل ہی ان کی تابعیت کے لئے کافی تھا مگر اباب تذکرہ ان کا ذکر تابعین کے ساتھ کرتے ہیں۔ غالباً ان کے نزدیک صرف روایت صحابہ تابعیت کے لئے کافی نہیں اس لئے ان کو اس فہرست میں لے لیا گیا ہے۔

نام و نسب اور ولادت :

شعبہ نام اور ابو بسطام کنیت ہے۔ والد کا نام حجاج تھا، ان کے والد قصبہ واسطہ کے قریب ایک دیہات جہیمان کے رہنے والے تھے، ۸۳ھ میں یہیں ان کی ولادت ہوئی۔

تعلیم و تربیت :

ان کی ولادت تو ایک گاؤں میں ہوئی مگر ان کے والد غالباً ترک سکونت کر کے شہر واسطہ چلے آئے۔ واسطہ کوفہ و بصرہ کے درمیان ایک مرکزی مقام ہے جہاں علم و ادب کا کافی جڑ چا تھا۔ امام شعبہؒ کانشو و نما یہیں کے علم پرور ماحول میں ہوا۔ ان کی علمی زندگی شعر و ادب سے شروع ہوئی مگر بہت زیادہ دن نہیں گزرنے پائے تھے کہ وہ علم حدیث کی طرف متوجہ ہوئے اور اس میں وہ کمال حاصل کیا کہ امام المحدثین بن گئے۔ خود انہوں نے یہ واقعہ اپنی زبان سے بیان کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ میں زیادہ تر مشہور شاعر طرماح کے پاس رہتا تھا اور اس سے شعر و شاعری کے بارے میں سوال کرتا رہتا تھا مگر ایک دن کوفہ کے مشہور محدث حکم بن عتیہؒ کی مجلس درس سے گذرا تو وہ محدثانہ انداز سے ارشادات رسول ﷺ کی

۱۔ عام تذکرہ نگاران کی جائے پیدائش واسطہ کو بتاتے ہیں مگر سمعانی نے لکھا ہے کہ واسطہ نہیں بلکہ اس کے ایک قریہ میں ان کی ولادت ہوئی۔

روایت کر رہے تھے۔ حدیث نبوی ﷺ کی آواز جب میرے کانوں میں پہنچی تو وہ دل تک اتر گئی۔ میں نے اسی وقت دل میں سوچا کہ شعر و شاعری جس کی طلب اب تک میں نے کی ہے اس کے مقابلہ میں حدیث نبوی ﷺ کی طلب بدرجہا بہتر ہے۔ چنانچہ اس دن سے میں علم حدیث کے حصول میں لگ گیا۔ افسوس! کے ساتھ فرماتے تھے کہ میں اگر شعر و ادب میں نہ لگ گیا ہوتا تو امام شیعہ کی حدیث میں استفادہ کیا ہوتا۔

شیوخ حدیث :

امام شعبہ نے اس وقت کے تمام ممتاز محدثین سے سماع حدیث کیا تھا۔ عام ارباب تذکرہ لکھتے ہیں کہ ان کے شیوخ حدیث میں تقریباً چار سوتابعین شامل ہیں۔ حافظ ابن حجرؒ نے ان کے شیوخ کی جو فہرست دی ہے اس میں تین سو سے اوپر نام ہیں انہوں نے لکھا ہے کہ کوفہ کے تین سو شیوخ حدیث سے روایت کی ہے۔

یہ شیوخ کسی ایک دو مقام پر نہیں بلکہ ممالک اسلامیہ کے لاکھوں مربع میل علاقہ میں پھیلے ہوئے تھے، پھر راستہ کی دشواری اور اس زمانہ کے محدود حمل و نقل کے ذرائع پر غور کیجئے، گدھے، اونٹ یا کسی خوش قسمت کو گھوڑے منیر ہو جاتے تھے ان کے ذریعہ یہ لاکھوں میل کا فاصلہ طے کرنا کتنا دشوار کام تھا پھر ایسا بھی ہوتا تھا کہ بسا اوقات ایک ایک حدیث کے لئے ہزاروں میل کا سفر طے کرنا پڑتا تھا اور پھر امام شعبہؒ کے والد کا انتقال بچپن ہی میں ہو چکا تھا۔ انہوں نے انتہائی عسرت کی حالت میں تعلیم حاصل کی، خود فرماتے تھے کہ عسرت کی وجہ سے میں نے سات دینار میں اپنی والدہ کا طشت فروخت کر ڈالا تھا، ظاہر ہے کہ ان کو یہ تمام سفر پیدل ہی طے کرنے پڑے ہوں گے۔

(تذکرۃ الحفاظ - جلد ۱ - ص ۱۷۴)

قوت حافظہ :

خدائے تعالیٰ نے قوت حافظہ بھی غیر معمولی دیا تھا، وہ حدیث نبوی ﷺ بہت کم لکھتے تھے، مگر لمبی لمبی حدیثیں نوک زبان رہتی تھیں، ایک بار علی بن المدینی نے یحییٰ بن قطانؒ سے پوچھا کہ

۱۔ امام شعبہؒ اور اعمش دونوں حکم بن عتیہ کے شاگرد ہیں، مگر احمد بن حنبلؒ "کہا کرتے تھے کہ شعبہؒ حکم کے احادیث کے سب سے بڑے محافظ ہیں، اگر وہ نہ ہوتے تو حکم کی مرویات ضائع ہو جاتیں۔

۲۔ تاریخ بغداد - جلد ۹ - ص ۲۵۷ - تاریخ بغداد انہوں نے حدیث کی طرف توجہ کی تو امام شیعہ دفات پانچکے تھے، جس کا ان کو افسوس تھا۔

۳۔ تاریخ بغداد - جلد ۹ - ص ۲۶۴۔

سفیان ثوریؒ اور امام شعبہؒ میں کون لمبی لمبی حدیثوں کو زیادہ اچھی طرح یاد رکھتا تھا، بولے شعبہؒ اس میں بہت آگے تھے۔ غیر معمولی قوت حافظہ اور اس کدو کاوش کا نتیجہ یہ ہوا کہ جلدی حدیث نبویؐ کا ایک بہت بڑا ذخیرہ ان کے سینے میں محفوظ ہو گیا، اور اب وہ مرجع خلائق بن گئے، اسلامی مملکت کے گوشہ گوشہ سے حدیث نبویؐ کے پروانے آ کر اس شمع علم کے گرد جمع ہونے لگے۔

بصرہ میں قیام اور حلقہ درس :

تحصیل علم کے بعد انہوں نے واسطہ کے بجائے بصرہ میں جو اس وقت علم و فن کا گہوارہ تھا، قیام کیا اور وہیں اپنا حلقہ درس قائم کیا، بصرہ کی سرزمین ان کو ایسی پسند آئی کہ ساری عمر وہیں ختم کر دی، خلیفہ مہدیؒ نے ان کو بصرہ میں کچھ زمین بھی عطا کر دی تھی مگر انہوں نے اس کی طرف کوئی خاص توجہ نہیں کی۔

تلامذہ :

اس سرچشمہ علم سے جن تشنگان علم نے فائدہ اٹھایا ان کی صحیح تعداد تو نہیں بتائی جاسکتی، حافظ ابن حجرؒ نے ان کے ۴۲ ممتاز تلامذہ کا ذکر کیا ہے، اسی طرح دوسرے اہل تذکرہ نے بھی کچھ نام گنائے ہیں، امام نوویؒ چند آئمہ کے نام لکھنے کے بعد فرماتے ہیں :

وخلائق لا یحصون من کبار الائمةؒ

”ان کے ممتاز تلامذہ کا بھی شمار نہیں کیا جاسکتا“

چند آئمہ کے نام یہ ہیں :

حضرت سفیان ثوریؒ، سفیان بن عیینہؒ، عبدالرحمن بن مہدیؒ، کوکب بن جراحؒ، ایوب سختیانیؒ، اعمشؒ، محمد بن اسحاقؒ، ابو داؤدؒ، عبداللہ بن مبارکؒ اسمعیل بن علیہ وغیرہ۔

علم و فضل :

اوپر ذکر آچکا ہے کہ ان کی تعلیم شعر و ادب سے شروع ہوئی تھی، اور مشہور شاعر طرماح کے شاگرد تھے، خود اصمعی ان کے ادبی ذوق کا معترف تھا، اس کے بعد دینی علوم کی طرف توجہ کی تو اس میں بھی انہوں نے ممتاز حیثیت حاصل کی، خصوصیت سے حدیث میں ان کی امامت اور جلالت تو ضرب المثل بن گئی ہے، حدیث کی کوئی قابل ذکر کتاب ایسی نہیں ہے، جس میں ان کی مرویات

کثرت سے موجود نہ ہوں، امام بخاریؒ فرماتے ہیں کہ علی بن المدینی کے واسطے سے ان کی دو ہزار حدیثیں ہم تک پہنچی ہیں، ابو داؤدؒ کہتے تھے کہ میں نے ان سے سات ہزار حدیثیں سنی ہیں جن میں سے ایک ہزار حدیثوں پر میں نے ان سے رد و قدح کیا اور ایک ہزار حدیثوں کے دلائل براہین سے خود انہوں نے مجھے واقف کیا۔

علماء کا اعتراف :

اس وقت کے تمام علماء و محدثین کو ان کے علم و فضل کا اعتراف تھا، امام احمد بن حنبلؒ فرماتے تھے کہ علم حدیث میں امام شعبہؒ اپنے وقت کے سب سے بڑے عالم تھے، امام شافعیؒ فرماتے تھے کہ اگر امام شعبہؒ نہ ہوتے تو عراق میں علم حدیث اتنا زیادہ معروف نہ ہوتا، سفیان ثوریؒ فرماتے تھے کہ شعبہ امیر المؤمنین فی الحدیث ہیں۔ امام احمد بن حنبلؒ فرمایا کرتے تھے کہ حدیث کی بصیرت، حفظ و اتقان اور رجال کی تنقید میں وہ تنہا ایک اُمت کے برابر تھے۔ مشہور محدث حماد بن زیدؒ فرماتے تھے کہ اگر کسی حدیث کی روایت میں امام شعبہؒ میری موافقت کرتے ہیں تو میں کسی کی پرواہ نہیں کرتا، انہی حماد کا بیان ہے کہ ایوب سختیانی نے ایک دن کہا کہ جلد ہی واسطہ سے ایک محض حدیث کا ماہر آنے والا ہے، اس سے حدیثیں سیکھو، ان کا اشارہ امام شعبہؒ کی طرف تھا۔ ابوالولید نے یحییٰ بن سعید سے پوچھا کہ امام شعبہؒ سے زیادہ اچھا حدیث کا کوئی عالم آپ نے دیکھا ہے یا نہیں۔ فرمایا نہیں! پوچھا آپ ان کی صحبت میں کتنے دن رہے؟ بولے بیس برس۔

امام نوویؒ نے لکھا ہے کہ ان کی امامت و جلالت پر سب کا اتفاق ہے، حاکم نے لکھا ہے کہ یہ معرفت حدیث میں امام الائمہ تھے، امام ذہبیؒ اور حافظ ابن حجرؒ وغیرہ نے بھی قریب قریب یہی الفاظ لکھے ہیں۔

روایت حدیث میں احتیاط :

اس علم و فضل کے باوجود حدیث کی روایت میں بڑی احتیاط کرتے تھے، جب تک وہ کسی حدیث کو کئی کئی بار سُن نہ لیتے تھے، اس کی روایت نہیں کرتے تھے، بسا اوقات ایک ایک حدیث کا سماع وہ بیس بیس مرتبہ کرتے تھے، حماد بن زیدؒ کہتے تھے کہ کسی حدیث میں اگر شعبہؒ میرے موافق ہوں تو میں کسی دوسرے کی پرواہ نہیں کرتا، اس لئے کہ وہ کسی حدیث کو سُننے کے بعد فوراً مطمئن نہیں ہوتے تھے۔ حضرت سفیان ثوریؒ کا قول ہے کہ میں نے حدیث نبویؐ کی روایت میں شعبہؒ سے

زیادہ کسی کو محتاط نہیں پایا۔ ان کو صحیح حدیث میں بھی شک ہو جاتا تھا، تو ترک کر دیتے تھے۔ خود فرماتے تھے کہ میرے جسم کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے جائیں یہ مجھے پسند ہے مگر یہ پسند نہیں کر سکتا کہ میں نے کسی حدیث کو سنا نہ ہو اور یہ کہوں کہ سمعت میں نے سنا ہے۔

اس زمانہ میں حدیث میں بعض لوگ تدلیس کرتے تھے، تدلیس کا مطلب یہ ہے کہ کوئی راوی کسی وجہ سے اپنے اس شیخ کا نام نہ لے جس سے اس نے روایت سنی ہے بلکہ اوپر کے راوی کا نام لے، یہ ایک طرح کی غلط بیانی ہے، اس لئے ائمہ نے اس کو بہت ناپسند کیا ہے، شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے مشکوٰۃ کے مقدمہ میں لکھا ہے :

بالغ شعبۂ فی ذمہ

”امام شعبہ تدلیس کی بہت زیادہ مذمت کرتے تھے۔“

خود اپنے بارے میں فرماتے تھے کہ میں یہ پسند کروں گا کہ میں آسمان سے گر پڑوں اور میرے جسم کے ٹکڑے ہو جائیں مگر یہ بات پسند نہیں کر سکتا کہ میں کسی حدیث کی روایت میں تدلیس کروں۔

وہ روایت حدیث میں خود ہی احتیاط نہیں کرتے تھے، بلکہ دوسروں کو بھی اس سے باز رکھنے کی پوری کوشش کرتے تھے، جب کسی نا اہل آدمی کو حدیث کی روایت کرتے سنتے تھے تو اس کے پاس جاتے اور اس سے کہتے کہ تم حدیث نبوی ﷺ کی تحدیث چھوڑ دو ورنہ میں بادشاہ کے پاس تمہاری شکایت لے جاؤں گا۔

تنقید رجال کی ابتداء :

اس وقت حدیث کی روایت میں جو بے اعتدالیاں شروع ہو گئی تھیں اور حدیث کا مبارک علم جس طرح آہستہ آہستہ نا اہل لوگوں کے ہاتھوں میں جا رہا تھا، اگر بروقت اس کی روک تھام نہ کی جاتی تو امت میں ایک نئے فتنے کا آغاز ہو جاتا، خدا جزائے خیر دے امام شعبہ کو کہ وہ ہر وقت اس فتنے کے خلاف صف آرا ہو گئے، انہوں نے رواۃ حدیث پر کلام کیا، ان کے صفات بتائے، ان کے لئے کچھ اصول مقرر کئے، اس کوشش کا نتیجہ یہ ہوا کہ بے اعتدالیاں کم ہونے لگیں اور ہر کس وناکس کو روایت حدیث کی جرات نہیں ہوتی تھی، امام شعبہ نے جس کام کی ابتدا کی تھی گو اس کی تکمیل دوسرے ائمہ یعنی

امام احمد بن حنبل اور یحییٰ بن معین وغیرہ نے کی مگر بہر حال تقدم کا شرف امام شعبہؒ کو حاصل ہے^۱۔
امام نووی نے صالح بن محمد کا یہ قول نقل کیا ہے کہ۔

اول من تكلم في الرجال شعبه ثم تبعه يحيى القطان ثم احمد بن حنبل و يحيى بن معين^۲۔

”راویوں پر سب سے پہلے تنقید امام شعبہ نے شروع کی، پھر امام یحییٰ القطان نے ان کے بعد امام احمد بن حنبل اور یحییٰ بن معین نے۔“

حافظ ابن حجرؒ نے بھی اپنی کتاب تہذیب میں ابو بکر ابن منجویہ کا قول نقل کیا ہے کہ :

وهو اول من فتن بالعراق عن امر المحدثين وجانب الضعفاء والمتروكين - (جلد ۳ ص ۳۴۵)

”عراق، میں سب سے پہلے امام شعبہ نے عام محدثین اور ضعیف اور متروک راویوں کے بارے میں چھان بین شروع کی۔“

تنقید رجال کے بارے میں امام شعبہؒ کی حیثیت اتنی مسلم ہو چکی تھی کہ جن راویوں سے وہ روایت نہیں کرتے تھے، دوسرے محدثین بھی ان کی روایت سے گریز کرتے تھے، ممتاز محدث ابن عون سے کسی نے پوچھا کہ آپ فلاں آدمی سے روایت نہیں کرتے آخر اس کا سبب کیا ہے؟ بولے ! شعبہ اس سے روایت نہیں کرتے تھے^۳۔

حدیث میں ان کی امامت و جلالت مسلم تھی، مگر اس کے باوجود وہ انسان تھے۔ اس لئے ان سے روایت حدیث میں لغزشیں ہوئی ہیں۔ جن کی طرف بعد کے علماء نے توجہ دلائی ہے۔

علامہ عیسیٰ نے لکھا ہے کہ یہ حدیث میں ثقہ اور قابل اعتماد ہیں، مگر اسماء رجال میں ان سے کبھی کبھی غلطی ہو جاتی تھی۔ دارقطنی نے لکھا ہے کہ متن حدیث کے یاد کرنے میں اتنا زیادہ مشغول رہتے تھے کہ ان کی توجہ رواۃ کی طرف نہیں ہونے پاتی تھی۔ اس وجہ سے رجال کے ناموں میں کبھی کبھی غلطی ہو جاتی تھی۔ مگر ان کی اس غلطی کا اثر روایت کی صحت اور عدم صحت پر نہیں پڑتا تھا۔ بلکہ صرف اتنا ہوتا تھا کہ روایت کرتے وقت کبھی کسی راوی کا نام بھول گئے یا اس کا نام غلط لے لیا کرتے تھے۔

۱۔ اب یہ ایک مستقل فن اسماء الرجال کے نام سے بن گیا ہے، جس میں رواۃ حدیث کی سیرت و کردار پر پوری بحث ہوتی ہے۔ ۲۔ تہذیب الاسماء ۳۔ تہذیب التہذیب

چنانچہ حضرت سفیان ثوریؒ سے کسی نے ان کے بارے میں پوچھا تو فرمایا کہ امام شعبہؒ اسماء الرجال میں غلطی کرتے ہیں مگر ان کی غلطی،

لا یضرہ و یعاب علیہ .

”ایسی نہیں ہے جس سے ان کی عظمت پر حرف آتا ہو یا ان کی وجہ سے ان کو مطعون کیا جائے۔“

زہد و تقویٰ اور سیرت و کردار :

امام شعبہؒ اس علم و فضل کے ساتھ اپنے سیرت و کردار اور زہد و تقویٰ میں بھی ممتاز تھے۔ نماز نہایت ہی حضور قلب اور خشوع و خضوع کے ساتھ پڑھتے تھے۔ رکوع و سجدہ میں اتنی تاخیر کرتے تھے کہ دیکھنے والوں کو شبہ ہوتا کہ وہ بھول گئے۔ ابوقطن کا بیان ہے کہ امام شعبہؒ جب رکوع یا سجدہ کرتے تھے تو مجھے گمان ہوتا تھا کہ شاید یہ بھول گئے ہیں، اس لئے اتنی تاخیر ہو رہی ہے۔ نماز میں انہیں اس قدر اطف آتا تھا کہ جب بھی ان کو فرصت ملتی تو وہ نماز کے لئے کھڑے ہو جاتے تھے۔ روزہ سے بھی ان کو خاص شغف تھا، سال کے اکثر ایام میں وہ روزے سے ہوتے تھے، کثرت صوم و عبادت کی وجہ سے نہایت ہی کمزور اور نحیف ہو گئے تھے، اور چہرہ کا رنگ سیاہ ہو گیا تھا، مگر صوم صلوٰۃ کی یہ کثرت حقوق عباد کی ادائیگی یا خدمت خلق میں سد راہ نہیں بنتی تھی بلکہ وہ حقوق اللہ کے ساتھ حقوق عباد کی بھی پوری نگہداشت کرتے تھے غریبوں اور مسکینوں کے تو وہ ملجا و ماویٰ تھے، خود ان کی مالی حالت کچھ اچھی نہیں تھی، مگر جب بھی ان کے ہاتھ میں کوئی رقم آ جاتی تو وہ فوراً فقر و مساکین میں تقسیم کر دیتے تھے، ایک بار خلیفہ مہدی نے تین ہزار درہم ان کے پاس بکھوائے، انہوں نے پوری رقم اہل حاجت میں تقسیم کرادی، کسی مسکین کو دیکھ لیتے تو ان کا دل بھر آتا تھا، اور ان کے پاس جو کچھ ہوتا تھا، دے ڈالتے تھے۔

حضرت نصر بن شمیل بیان کرتے ہیں کہ میں نے ان سے زیادہ غریبوں پر رحم کرنے والا آدمی نہیں دیکھا، ان کی یہ کیفیت تھی کہ جب کوئی غریب آدمی ان کے پاس سے گزرتا تھا تو جب تک وہ نظروں سے اوجھل نہیں ہو جاتا تھا، اس کی طرف نظر رحم سے دیکھتے رہتے تھے۔

ایک بار وہ گدھے پر سوار ہو کر کہیں جا رہے تھے، راستے میں مشہور محدث سلیمان بن مغیرہ ملے۔ انہوں نے اپنے فقر و فاقہ کی شکایت کی، امام شعبہؒ نے کہا کہ واللہ میرے پاس اس

گدھے کے علاوہ کوئی دوسری چیز نہیں ہے، یہ کہہ کر وہ نیچے اتر گئے اور گدھا سلیمان کے حوالہ کر دیا، ایک بار کسی پڑوسی نے ان سے کچھ مانگا، ان کے پاس کچھ موجود نہیں تھا، فرمایا ایسے وقت میں تم نے مجھ سے سوال کیا کہ کچھ موجود نہیں ہے اچھا یہ سواری کا گدھا لے لو، اس نے گدھا لینے سے انکار کیا، آپ نے پھر اصرار کیا تو اس نے لے لیا، وہ گدھے کو لے کر کچھ آگے گیا تھا کہ ان کے بعض احباب نے دیکھا اور پہچانا کہ یہ تو امام شعبہؒ کی سواری کا گدھا ہے، وہ چونکہ ان کی طبیعت سے واقف تھے اس لئے صورت حال سمجھ گئے، انہوں نے سائل سے پانچ درہم میں گدھے کو خرید لیا اور پھر اس کو لا کر امام شعبہؒ کو ہدیہ کر دیا، امام شعبہؒ اس وصف میں بالکل انصار کے نمونہ تھے، قرآن نے جن کے بارے میں کہا ہے۔

وَيُؤْتُونَ عَلَىٰ أَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ

”انصار کا حال یہ ہے کہ وہ خودنگی میں ہوتے ہوئے بھی ایثار سے کام لیتے تھے“

اس صفت، میں وہ اس قدر معروف و مشہور تھے کہ ان کو لوگ ابوالفقراء و امہم (مساکین کے ماں باپ) کہنے لگے تھے، اپنے تلامذہ سے کہا کرتے تھے کہ اگر (میرے درس میں) مساکین نہ ہوتے تو تم لوگوں کے لئے یہ مجلس نہ برپا کرتا! مقصد یہ ہے کہ غریبوں کے پاس وہ اسباب و ذرائع نہیں ہیں جن کی مدد سے وہ وطن سے باہر جا کر تحصیل علم کر سکیں، اس لئے میں درس دیتا ہوں کہ ان کی علمی تشنگی یہیں رفع ہو جائے اور ان کو باہر نہ جانے کا کوئی غم نہ ہو۔

سادگی :

امام شعبہؒ کی مالی حالت اچھی نہیں تھی مگر ان کے دو بھائی شاد اور حماد جو صرافہ کا کام کرتے تھے بہت مالدار تھے، یہ دونوں بھائی امام شعبہؒ کو بہت زیادہ عزیز رکھتے تھے، ان کی اور ان کے اہل و عیال کی کفالت بھی انہی کے ذمہ تھی، پھر خلفاء کے یہاں بھی ان کی قدر و منزلت تھی، اگر وہ چاہتے تو ان دونوں ذرائع سے کام لے کر بڑی آرام و سکون کی زندگی بسر کر سکتے تھے، مگر انہوں نے ہمیشہ نہایت ہی سادگی بلکہ فقر و فاقہ کی زندگی بسر کی، اپنی ضرورت سے زیادہ انہوں نے نہ تو اپنے بھائیوں سے لینا پسند کیا اور نہ اس کے لئے کبھی دربار خلافت کا رخ کیا، اور اگر ضرورت سے زیادہ کوئی رقم ہدیہ و تحفہ آگئی تو فوراً اسے اہل حاجت میں تقسیم کر ڈالا۔

امام شعبہؒ کا لباس عموماً گرنا پانچ جامہ اور ایک چادر پر مشتمل ہوتا تھا، وہ بھی نہایت ہی کم قیمت، ان کے ایک شاگرد سلیمان کا بیان ہے کہ ان کا پورا لباس دس درہم (دو روپیہ) سے بھی کم قیمت کا ہوتا تھا، ایک بار وہ سوار ہو کر کہیں جا رہے تھے، احباب نے ان کی سواری اور لباس کی قیمت کا اندازہ لگانا شروع کیا تو ان کا تخمینہ ۱۸ درہم چار پانچ روپے سے زیادہ نہیں ہوا، ان کی سادگی اور کسرتی کا اندازہ اس سے لگائے کہ وفات کے بعد جب گھر کا سامان جمع کیا گیا تو پورا اثاثہ ایک گدھا، اس کی زین اور لگام، بدن کا کپڑا، ہوزہ اور ایک جوڑا جوتا تھا جس کی مجموعی قیمت ۱۶ درہم تھی، خود فرمایا کرتے تھے کہ اگر میرے گھر میں آٹا اور پانی پینے کا برتن موجود رہے تو مجھے اور کسی چیز کے نہ ہونے کا کوئی غم نہیں ہے۔^۱

خود ہی سادہ زندگی بسر نہیں کرتے تھے بلکہ دوسروں کو بھی اس پر آمادہ کرتے تھے، ابو نوحؒ بیان کرتے ہیں کہ ایک بار انہوں نے مجھے قیمتی کپڑا پہنے ہوئے دیکھا تو پوچھا کہ کتنے میں تیار ہوا ہے؟ میں نے کہا آٹھ درہم میں، بولے بندہ خدا! اللہ سے ڈرتے نہیں آٹھ درہم کا صرف کرتا پہنتے ہو، کیا حرج تھا اگر چار درہم کا کرتا بنواتے اور چار درہم کسی مستحق کو دے دیتے۔

خوف آخرت :

آخرت کا خوف ہر وقت دامن گیر رہتا تھا، حدیث کی روایت میں وہ جس قدر احتیاط کرتے تھے اس کا ذکر اوپر آچکا ہے، مگر اس احتیاط کے باوجود آخرت کی باز پرس سے ہر وقت خائف رہتے تھے کہ کوئی غلطی ہو گئی ہو اور قیامت کے دن خدا کے حضور شرمندہ ہونا پڑے، فرماتے تھے کہ کاش میں ایک معمولی فرد ہوتا اور مجھے حدیث کی معرفت نہ حاصل ہوتی، بسا اوقات جب ان کے سامنے کوئی حدیث بیان کی جاتی تو وہ چیخ اٹھتے تھے، ان کا یہ خوف اور ڈر ان ذمہ داریوں کے احساس کی وجہ سے تھا جو حدیث کے راوی کی حیثیت سے ان پر عائد ہوتی تھیں ایک ذمہ داری روایت کی تھی، دوسرے اس کے عمل و اتباع کی، ظاہر ہے کہ ایسی بہت سی احادیث خود انہوں نے روایت کی ہوں گی جن میں ان دونوں ذمہ داریوں کی طرف حضور انور ﷺ نے توجہ دلائی ہوگی تو ان کا یہ خوف لازمی تھا، اگر کسی کو خوف نہ ہو تو تعجب ہے۔

انہی اوصاف و کمالات اور اخلاقی خوبیوں کی بناء پر حضرت یحییٰ بن معینؒ جو خود علم و تقویٰ میں آپ اپنی نظیر تھے امام شعبہ کو امام المتقین کہتے تھے، حضرت یحییٰ بن معین کے متعدد شاگردوں کا بیان ہے کہ ہم نے یحییٰ بن معینؒ کی زبان سے سنا ہے کہ۔

شعبہ امام المتقین

” شعبہ متقیوں کے امام ہیں “

در بار خلافت سے تعلق :

اموی اور عباسی دور کے متعدد خلفا کا زمانہ پایا، مگر اپنی کسی ذاتی غرض کے لئے کبھی ان کے پاس نہیں گئے، خصوصیت سے مہدی ان کا بہت قدر دان تھا، اوپر ذکر آچکا ہے، کہ ایک بار اس نے ان کو کچھ زمین دی اور تیس ہزار درہم نقد تحفہ دیئے، مگر انہوں نے نہ تو زمین سے فائدہ اٹھایا اور نہ اس رقم کو اپنے مصرف میں لائے، بلکہ یہ پوری رقم فقراء میں تقسیم کر دی، اوپر ذکر آچکا ہے کہ امام شعبہؒ کے دو بھائی بڑے مالدار تھے، ایک بار انہوں نے خلیفہ مہدی سے کئی ہزار دینار کا غلہ خریدا، اتفاق سے اس میں ان کو گھانا ہوا، اور وہ غلہ کی رقم حسب وعدہ مہدی کو ادا نہ کر سکے، عدم ادائیگی کے جرم میں ایک بھائی کو سزا ہو گئی، امام شعبہؒ کو جب اطلاع ہوئی تو اس کو بہت رنج ہوا، اور ان کی زندگی میں یہ پہلا موقع تھا کہ وہ اپنے بھائی کی رہائی کے لئے دربار خلافت میں گئے، وہ اس کے پاس پہنچے اور کچھ ایسے اشعار پڑھے جن میں اپنے مدعا کی طرف اشارہ تھا، مہدی سمجھ گیا، اور بولا کہ ابو بسطام اس بارے میں کچھ زیادہ کہنے کی ضرورت نہیں ہے، آپ جس مقصد کے لئے تشریف لائے ہیں اسے ابھی پورا کئے دیتا ہوں، یہ کہہ کر اس نے فوراً حکم دیا کہ امام شعبہؒ کے بھائی کو ان کے ساتھ کر دو، اور ان سے کوئی مطالبہ نہ کیا جائے۔

امام شعبہؒ دربار خلافت میں دنیا طلبی یا کسی وجاہت کے حصول کے لئے نہیں گئے تھے، مگر پھر بھی یہ واقعہ بالکل انوکھا تھا، اس لئے اس پرچہ میگوئیاں شروع ہو گئیں، خاص طور سے اہل عزیمت علماء جو دربار سے کسی طرح کے تعلق کو پسند نہیں کرتے تھے، ان کے لئے یہ خبر بڑی افسوس ناک تھی، چنانچہ امام سفیان ثوریؒ کو جب اطلاع ملی تو انہوں نے کہا کہ لیجئے یہ امام شعبہؒ بھی خلفاء کے پاس پہنچے لگے جب امام شعبہؒ کو اس بات کی اطلاع ہوئی بوسے کہ ہاں سفیان کو کبھی بھائی کی گرفتاری کا صدمہ نہیں پیش آیا ہے، مقصد یہ تھا کہ انتہائی مجبوری کی بناء پر میں دربار خلافت میں گیا اگر ایسی مجبوری ان کو بھی پیش آجاتی تو وہ بھی جانے پر مجبور ہوتے۔

وفات :

۱۶۰ھ میں ۷۷ برس کی عمر میں بصرہ میں وفات پائی، ان کی وفات کی خبر حضرت سفیان ثوریؒ کو پہنچی تو بولے کہ مات الحدیث حدیث کا علم آج ختم ہو گیا۔

خاندان :

خطیب بغدادی نے ان کے ایک لڑکے سعد اور دو بھائی حماد و شاد کا ذکر کیا ہے، ان کے خاندان میں علم و فضل کا چرچا انہی کی ذات سے شروع ہوا اور غالباً انہیں پر ختم بھی ہو گیا۔

زرین اقوال :

ان کے دو چار زرین اقوال جو تذکروں میں ملتے ہیں ان سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس طرح کے نہ جانے کتنے ایسے مقولے ان کی زبان سے نکلے ہوں گے، فرماتے تھے کہ عقل کے اعتبار سے لوگ تین طرح کے ہوتے ہیں کچھ لوگ ہوئے ہیں جن کی عقل ان کے ساتھ رہتی ہے، اور کچھ لوگوں کا حال یہ ہے کہ ان کی عقل ہمیشہ ان سے دور رہتی ہے، اور بعض لوگ عقل سے بالکل کورے ہوتے ہیں، جن میں پہلے گروہ کا حال یہ ہوتا ہے کہ وہ بات کرنے ہی سے پہلے سوچ لیتے ہیں کہ ان کو کیا کہنا ہے^۱۔

ان کے عہد میں حدیث کا چرچا اتنا زیادہ ہو گیا تھا کہ لوگوں کی توجہ قرآن کی طرف سے قدرے کم ہو گئی تھی، ان کو جب اس کا احساس ہوا تو وہ لوگوں سے برابر کہا کرتے تھے کہ اگر تم حدیث سے بہت زیادہ شغف رکھو گے تو پھر قرآن کے علم میں پیچھے رہ جاؤ گے، مقصد یہ ہے کہ دونوں دین کے سرچشمے ہیں، اس لئے ان دونوں سے برابر فائدہ اٹھانا چاہئے۔

امام شعبہؒ کے اس جملہ سے دینی تاریخ کے ایک بہت بڑے حادثہ کا پتہ چلتا ہے، وہ یہ کہ دوسری صدی میں جتنا عام چرچا اور شغف حدیث سے رہا ہے قرآن سے اس کا دسواں حصہ بھی نہیں تھا، خالص حدیث کی تحدیث و روایت کے لئے ایک دو نہیں بلکہ سینکڑوں مجلسیں برپا تھیں، لیکن خاص طور سے قرآن کی تعلیم و تفسیر کے لئے مشکل سے دو چار مجالس درس قائم تھیں۔

۱۔ یہ مقولہ پورا تذکروں میں منقول نہیں ہے

تصنیف :

یہی وجہ ہے کہ انہوں نے علم قرآن کی ترویج کے لئے خود ایک تفسیر لکھی، صاحب کشف الظنون نے تفسیر شعبہ کے نام سے اس کتاب کا ذکر کیا ہے، صاحب مفتاح السعاده نے بھی اس کا ذکر کیا ہے، اس وقت اس کے موجود ہونے کا کوئی علم نہیں ہے، مگر اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ دوسری صدی کے ابتدائی زمانہ ہی سے علم تفسیر کی بھی تدوین شروع ہو گئی تھی، اور غالباً علم تفسیر پر پہلی کتاب تھی۔

www.ahlehaq.org



بسم الله الرحمن الرحيم

حضرت مسعر بن کدام

نام و نسب :

مسعر نام ہے، ابو سلمہ کنیت، نسب نامہ یہ ہے :

مسعر بن کدام بن ظہیر بن عبید اللہ بن حارث ابن عبد اللہ بن عمرو بن عبد مناف بن ہلال بن عامر بن صعصہ قرشی عامری۔

فضل و کمال :

حضرت مسعر علمی اور مذہبی دونوں کمالات کے اعتبار سے ممتاز ترین تبع تابعین میں تھے۔ حضرت یعلیٰ بن مرہ کا بیان ہے کہ مسعر کی ذات علم اور ورع دونوں کی جامع تھی^۱۔ عراق میں ان کے پایہ کے علماء کم تھے۔ ہشام بن عروہ^۲ کا بیان ہے کہ عراقیوں میں مسعر اور ایوب^۳ سے افضل ہمارے یہاں کوئی نہیں آیا^۴ امام نووی^۵ لکھتے ہیں کہ ان کی جلالت پر سب کا اتفاق ہے^۶۔

حدیث :

حدیث کے وہ اکابر حفاظ میں سے تھے۔ امام ذہبی^۷ انہیں حافظ اور علمائے اعلام میں لکھتے ہیں، ان کے حافظہ میں ایک ہزار حدیثیں محفوظ تھیں^۸۔

حدیث میں انہوں نے عمرو بن سعید نخعی، ابوالحق سمعی، عطاء معن، سعید بن ابراہیم، ثابت بن عبد اللہ انصاری، عبد الملک بن نمیر، ہلال بن جناب، حبیب بن ابی ثابت، علقمہ بن مرشد، قتادہ، معن ابن عبد الرحمن، مقدم بن شریح اور عشم وغیرہ ایک کثیر جماعت سے استفادہ کیا تھا^۹۔

ان کی مرویات کا پایہ :

ان کی روایات کی صحت کے لئے یہ کافی ہے کہ امام شعبہ^{۱۰} جیسے محدث انہیں مصنف^{۱۱} کہتے تھے ان کی ذات احادیث کی جانچ کے لئے معیار تھی میزان ان کا لقب ہو گیا تھا^{۱۲}۔

۱۔ تذکرۃ الحفاظ۔ جلد ۱۔ ص ۱۷۰ ۲۔ تہذیب التہذیب۔ جلد ۱۰۔ ص ۱۱۳ ۳۔ تہذیب الاسماء۔ جلد اول۔ ق اول۔ ص ۸۹

۴۔ تذکرۃ الحفاظ۔ جلد اول ص ۱۶۹ ۵۔ ایضاً ۶۔ تہذیب التہذیب۔ جلد ۱۰۔ ص ۱۱۳ و تہذیب الاسماء۔

۷۔ تذکرۃ الحفاظ۔ جلد ۱۔ ص ۱۶۹ ۸۔ تہذیب التہذیب۔ جلد ۱۰۔ ص ۱۱۳ ۹۔ محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

کم ایسے محدثین نکلیں گے جن کی مرویات پر کسی نہ کسی حیثیت سے تنقید کی گئی ہو لیکن حضرت مسعرؒ کی ذات اس سے مستثنیٰ تھی۔^۱

آئمہ حدیث شک اور اختلاف کے موقع پر ان کی طرف رجوع کرتے تھے، حضرت سفیان ثوریؒ کا بیان ہے کہ جب لوگوں میں (حدیث کی) کسی چیز کے بارے میں اختلاف ہوتا تھا تو مسعرؒ سے پوچھتے تھے۔^۲ ابراہیم بن سعد کہتے تھے کہ جب سفیان اور شعبہ میں کسی حدیث کے بارے میں اختلاف ہوتا تھا تو میزان یعنی مسعر کے پاس جاتے تھے۔^۳

احتیاط :

اس محدثانہ کمال کے باوجود وہ روایت حدیث میں بڑے محتاط تھے اس ذمہ داری سے وہ اس قدر گھبراتے تھے کہ فرماتے تھے کہ ”کاش حدیثیں میرے سر پر شیشوں کا بار ہوتیں کہ گر کر چور چور ہو جاتیں“۔^۴ ان کی احتیاط شک کے درجہ تک پہنچ گئی تھی، ابو نعیمؒ کا بیان ہے کہ مسعرؒ اپنی احادیث میں بڑے شکی تھے لیکن وہ کوئی غلطی نہ کرتے تھے۔ اعمشؒ کہا کرتے تھے کہ مسعرؒ کا شیطان ان کو کمزور کر کے شک دلاتا رہتا ہے۔^۵

ان کے اس شک نے ان کی احادیث کا درجہ اتنا بلند کر دیا تھا کہ محدثین ان کے شک کو یقین کا درجہ دیتے تھے۔ اعمشؒ سے بعض لوگوں نے کہا کہ مسعرؒ اپنی حدیثوں میں شک کرتے تھے، انہوں نے کہا ان کا شک اوروں کے یقین کے برابر ہے۔^۶

فقہ :

فقہ میں گو کوئی قابل ذکر شخصیت نہ تھی تاہم کوفہ کے صاحب افتاء جماعت میں تھے۔^۷

امام ابو حنیفہؒ اور ان کے اصحاب سے تعلق خاطر :

یہ امام ابو حنیفہؒ کے حلقہ تلامذہ میں تو نہ تھے، مگر ان کی ذات اور ان کے اصحاب سے ان کو بڑا تعلق خاطر تھا اور ان کے علم و فضل کے مداح تھے۔ کوفہ میں امام ابو حنیفہؒ کے حلقہ درس کے قریب ہی ان کا حلقہ درس بھی تھا، بسا اوقات درس سے فارغ ہو کر استفادہ کی غرض سے امام اور ان کے اصحاب کی مجلس درس میں شریک ہو جایا کرتے تھے۔ ان کے بعض تلامذہ کو یہ چیز ناگوار ہوئی اور انہوں نے ان

۱۔ تہذیب التہذیب جلد ۱۰۔ ص ۱۱۳ ۲۔ تہذیب الاسماء جلد ۱۔ ص ۸۹ ۳۔ تذکرۃ الحفاظ جلد اول۔ ص ۱۷۰

۴۔ تذکرۃ الحفاظ جلد اول۔ ص ۱۷۰ ۵۔ تہذیب التہذیب جلد ۱۰۔ ص ۱۱۳ ۶۔ تذکرۃ الحفاظ جلد اول۔ ص ۱۶۹

۷۔ اعلام الموقعین ص ۲۸

سے کہا کہ ہم تو آپ سے احادیث رسول کے سماع کے لئے آتے ہیں اور آپ اہل بدعت (یعنی امام ابوحنیفہؒ اور ان کے اصحاب) سے سماع کرتے تھے یہ سن کر ان کو غصہ آ گیا، فرمایا کہ درس سے اٹھ جاؤ اگر ان میں ان کا کوئی معمولی آدمی بھی زمانہ حج کے پورے مجمع میں پہنچ جائے تو ان کے دامن کو علم سے بھر دے۔

حلقہ درس :

مسجد میں حلقہ درس تھا، عبادت کے معمولات کے بعد روزانہ مسجد میں بیٹھ جاتے تھے اور شائقین علم حدیث ارد گرد حلقہ باندھ کر استفادہ کرتے تھے۔

زہد و عبادت :

ان کی ماں بڑی عابدہ خاتون تھیں۔ ان کے فیض ترتیب کا مسعرؒ پر بڑا گہرا اثر پڑا تھا، ان کی ماں بھی مسجد میں نماز پڑھتی تھیں اکثر دونوں ماں بیٹے ایک ساتھ مسجد جاتے، مسعر نمدہ لئے ہوتے تھے۔ مسجد پہنچ کر ماں کے لئے نمدہ بچھادیتے جس پر کھڑے ہو کر وہ نماز پڑھتیں، مسعر مسجد کے دوسرے حصہ میں نماز میں مشغول ہو جاتے، نماز تمام کرنے کے بعد ایک مقام پر بیٹھ جاتے اور شائقین حدیث آ کر جمع ہو جاتے، مسعر انہیں حدیثیں سناتے اس درمیان میں ان کی ماں عبادت سے فارغ ہو جاتیں مسعر درس ختم کرنے کے بعد ماں کا نمدہ اٹھاتے اور ان کے ساتھ گھر واپس آتے، ان کے صرف دو ٹھکانے تھے گھریا مسجد۔ کثرت عبادت سے پیشانی پر اونٹ کے گھنے کی طرح نہایت موٹا گھٹا پڑ گیا تھا۔

روزانہ شب کو نصف قرآن تمام کر ڈالتے تھے۔ ان کے صاحبزادے محمد کا بیان ہے کہ والد آدھا قرآن ختم کئے بغیر نہ سوتے تھے۔ تلاوت قرآن ختم کرنے کے بعد چادر لپیٹ کر سو جاتے، ایک ہلکی سی جھپکی لینے کے بعد پھر اس طرح چونک پڑتے جیسے کسی کی کوئی چیز کھو گئی ہو اور وہ پریشان ہو کر اس کی تلاش کر رہا ہو، اٹھ کر وضو اور مسواک کرتے پھر نماز کے لئے کھڑے ہو جاتے یہاں تک کہ نماز فجر کا وقت ہو جاتا تھا مگر اس زہد و عبادت کو انتہائی مخفی رکھتے تھے۔ ان کے صاحبزادے کا بیان ہے کہ

وكان يجتهد على اخفاء ذالك جداً (صفوة الصفوة جلد ۳ ص ۷۲)

”وہ اس زہد و عبادت کو انتہائی مخفی رکھتے تھے۔“

آخرت کا خوف اور رقت قلب :

آخرت کی باز پرس سے ہر وقت ترسان اور لرزاں رہتے تھے ان کے ایک پڑوسی کا بیان یہ کہ ایک دن یکا یک مسعرؒ پر گریہ طاری ہو گیا ان کی یہ کیفیت دیکھ کر ان کی والدہ بھی رونے لگیں، مسعرؒ

نے پوچھا اماں جان! آپ کیوں رو رہی ہیں؟ بولیں! بیٹا میں نے تم کو روتے دیکھا اس لئے میں بھی رو پڑی۔ بیٹے نے کہا اماں! کل جو کچھ پیش آنے والا ہے اس کے تصور سے میں اس قدر روتا ہوں، پوچھا وہ کیا؟ اس پر مسعر پھر پھوٹ پڑے اور روتے ہوئے جواب دیا کہ اماں! قیامت اور اس کی ہولناکی، یہ کہہ کر ماں کے پاس سے اٹھے اور چلے گئے تاکہ ان کی اس کیفیت سے ان کو مزید رنج نہ پہنچے۔

علامہ ابن جوزیؒ نے لکھا ہے کہ اُٹھتے بیٹھتے، چلتے پھرتے اور نماز پڑھتے ہر وقت ان پر رقت طاری رہتی تھی۔ (صفوة الصفوة ص ۷۳)

وہ اس درجہ پر پہنچنے کے بعد بھی رکے نہیں بلکہ ان کے روحانی مدارج ہمیشہ ترقی پذیر رہے۔ ابن عیینہؒ کا بیان ہے کہ میں نے مسعرؒ کو خیر میں ہر روز ترقی کرتے دیکھا۔

معن کا بیان ہے کہ ہم نے ان کا ہر دن پہلے دن سے افضل پایا وہ عبادت و ریاضت اور فضائل اخلاق کے اس درجہ پر پہنچ گئے تھے کہ لوگ ان کے جنتی ہونے میں شک نہ کرتے تھے۔ حضرت حسن بن عمارہؒ کہا کرتے تھے کہ اگر مسعرؒ جیسے آدمی بھی جنت میں داخل نہ ہوں گے تب تو جنتیوں کی تعداد بہت ہی کم ہوگی۔^۱

علامہ ابن مبارکؒ یا اسی درجہ کے کسی اور بزرگ نے ان کے فضائل سے متاثر ہو کر ان کی شان میں یہ اشعار کہے تھے۔^۲

من كان ملتصبا جليسا صالحا	فلیات حلقة مسعر بن کدام
جس شخص کو اچھے جلیس کی تلاش ہو	اس کو مسعر بن کدام کے حلقہ میں آ جانا چاہئے
فيها السكينة والوقار واهلها	اهل العفاف وعلية الاقوام
اس میں سکینہ ہے اور وقار ہے اور اس کے ارکان	پاکباز اور اونچے درجے کے ہیں

دولت دنیا سے بے نیازی :

اس زندگی کا فطری نتیجہ یہ تھا کہ وہ دنیا اور اس کی شان و شکوہ سے بالکل بے نیاز تھے چنانچہ حکومت کے عہدوں کو وہ آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھتے تھے۔ ابو جعفر عباسیؒ آپ کا عزیز تھا اس نے ان کو کسی مقام کا والی بنانا چاہا انہوں نے کہا کہ میرے گھر والے تو مجھے دو درہم کا سودا لانے کے لائق بھی نہیں سمجھتے اور کہتے ہیں کہ ہم تمہارا دو درہم کا سودا کرنا بھی پسند نہیں کرتے اور تم مجھے والی بنانا چاہتے ہو، خدا تم

۱۔ تذکرۃ الحفاظ۔ جلد اول۔ ص ۱۷۰ ۲۔ تذکرۃ الحفاظ۔ جلد اول۔ ص ۱۶۹ ۳۔ تذکرۃ الحفاظ۔ جلد اول۔ ص ۱۷۱

کو صلاحیت دے، ہماری قرابت داری ہے اس لئے ہمارا حق ہے (کہ ہم بھی کچھ کہہ سکیں) ان کے اس عذر پر ابو جعفر نے ان کو اس خدمت سے معاف کر دیا۔

وفات :

باختلاف روایت ۱۵۲ھ یا ۱۵۵ھ میں کوفہ میں وفات پائی^۱۔ مرض الموت میں حضرت سفیان ثوری جو خود صاحب زہد و اتقا تھے، ملنے گئے تو دیکھا کہ مسعرؒ پر گھبراہٹ اور رقت طاری ہے، بولے آپ کے اوپر موت کی گھبراہٹ طاری ہے حالانکہ میں تو ہر وقت موت کے لئے تیار رہتا ہوں اور اس وقت بھی تیار ہوں۔ مسعرؒ نے حاضرین سے کہا کہ ان کو بٹھاؤ، حضرت سفیانؒ بیٹھ گئے اور پھر وہی بات دہرائی، مسعرؒ بولے کہ آپ کو اپنے اعمال پر اعتماد ہے اس لئے آپ مطمئن ہیں مگر میری کیفیت تو یہ ہے کہ میں اپنے کو ایک پہاڑ کی چوٹی پر سمجھتا ہوں اور نہیں جانتا کہ یہاں سے کس طرح اور کہاں گرایا جاؤں گا۔ یہ پردرد الفاظ سن کر حضرت سفیانؒ کی آنکھیں بھی نم ہو گئیں اور فرمایا کہ آپ مجھ سے بھی زیادہ خدا سے ڈرنے والے ہیں^۲۔

عادات و اخلاق :

نہایت خوش اخلاق تھے۔ دوسروں کے جذبات کا بڑا لحاظ رکھتے تھے جب کبھی کوئی انہیں ایسی حدیث سناتا جس سے وہ خود اس شخص سے زیادہ واقف ہوتے تو محض اس کی دل شکنی اور احترام حدیث کے خیال سے انجان بن کر نہایت خاموشی سے سنتے تھے^۳۔ زیادہ بولنا پسند نہیں کرتے تھے یہ عادات عنفوان شباب ہی سے پیدا ہو گئی تھیں۔ ماں کی خدمت اور ان کا حد ورجہ احترام کرتے تھے۔

ایک بار ماں نے عشاء کے بعد پانی مانگا وہ پانی لے کر آئے تو وہ سوچکی تھیں، انہوں نے جگانا مناسب نہ سمجھا اور پوری رات کھڑے رہے کہ نہ جانے کس وقت ماں کی نیند ٹوٹ جائے۔ (طبقات شعرانی)

حکیمانہ اقوال :

فرماتے تھے کہ میں پسند کرتا ہوں کہ محزون و غمگین آواز سنوں اس لئے کہ اس سے موت اور آخرت کا تصور سامنے آتا ہے۔ (بخلاف، قہقہہ اور چہچہے کے سننے سے آدمی کے اندر خدا سے غفلت پیدا ہوتی ہے) فرماتے تھے کہ آدمی کے نفس کا جو تقاضا بھی ہوتا ہے اس کے اوپر وہ ظاہر ہو جاتا ہے۔ یہ گویا ترجمہ ہے اس حدیث کا۔

۱ تذکرۃ الحفاظ۔ ص ۷۰ ۲ ایضاً ۳ صفوة الصفوة۔ جلد ۳۔ ص ۷۳ ۴ ابن سعد۔ جلد ۶۔ ص ۲۵۳

الاثم ما حاك في نفسك

”گناہ وہ ہے جو آدمی کے دل میں کھٹکے۔“

کسی نے ان سے کہا کہ آپ اس بات کو پسند کرتے ہیں کہ کوئی آپ کے عیوب آپ کے سامنے بیان کرے، فرمایا کہ ہاں اگر وہ خیر خواہی کی بناء پر بیان کرتا ہے تو میں اس کو پسند کروں گا اور اگر مقصد محض شہادت ہے تو پھر پسند نہیں کروں گا۔

اکثر خزینہ اور آخرت کا تصور دلانے والے اشعار ان کی زبان پر ہوتے تھے۔ مثلاً

الا قد فسد الدهر فاضحی حلوه مرّا

زمانہ اس قدر گزر گیا ہے کہ اس کی شیرینی بھی تلخ ہو گئی ہے

فالزم نفسك الياس من الناس تعش مرّا

لوگوں سے کوئی امید نہ رکھو تو زندگی آزادی سے گزرے گی

تفنى اللذاة من نال صفوتها من الحرام ويبقى الاثم والعار

وہ لذتیں اور آسائشیں جو حرام ذرائع سے کسی کو حاصل ہوں اور جس کے پیچھے گناہ اور ذلت بھی ہو

تبقى عواقب سوء من بغيتها لا خير في لذة من بعدها النار

ان کے نتائج انجام کار برے ہی ہوتے ہیں اور اس لذت و آسائش میں کوئی خوبی اور بھلائی نہیں جس کا نتیجہ دوزخ کی آگ ہو



حضرت عبداللہ بن وہبؒ

امام مالکؒ کے جو تلامذہ ان کے علم و فضل کے وارث ہوئے اور جن کے ذریعہ مشرق و مغرب میں ان کے فقہی مسلک کی ترویج ہوئی، ان میں سب سے زیادہ ممتاز اسد بن فرات، ابن قاسم، اشہب، عبداللہ بن عبدالحکیم، یحییٰ بن یحییٰ اور عبداللہ بن وہب تھے۔

ان میں سے ہر ایک کی کچھ امتیازی خصوصیتیں اور خدمات ہیں۔ عبداللہ بن وہبؒ چند باتوں میں ممتاز تھے۔ ان میں حفظ حدیث، وسعت علم اور کثرت تصانیف خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ دیگر تصانیف کے علاوہ ان کو موطا امام مالک کی تدوین کی سعادت بھی حاصل ہے۔ گو شہرت ان کے مرتب کردہ نسخہ کے بجائے یحییٰ کے نسخہ کو ہوئی مگر خود یحییٰ نے امام مالکؒ کی وفات کے بعد ان کے تلامذہ میں سب سے پہلے ابن وہبؒ ہی سے سماع موطا کیا تھا۔ اس طرح ابن یحییٰ کی تدوین میں بھی بواسطہ ان کا ہاتھ تھا۔

نام و نسب :

عبداللہ نام ہے۔ ابو محمد کنیت تھی، قریش کے ایک خاندان بنو فہر کے غلام تھے آبائی وطن مصر تھا اور یہیں آپ ۱۲۵ھ میں پیدا ہوئے۔

تعلیم :

ایک مدت تک ان کو حصول علم کا موقع نہ مل سکا یا طبیعت کا میاں ان نہیں ہوا مگر جب ان کی عمر ۷ سال کی ہوئی تو حصول علم کا شوق ہوا۔ مصر میں اس وقت لیث بن سعد کے درس فقہ و حدیث کی ہر طرف شہرت تھی، ابن وہبؒ نے بھی ان سے کسب فیض کیا۔ مصر میں اس وقت فقہ و حدیث کی متعدد ممتاز مجالس موجود تھیں مگر اس کے باوجود ابن وہبؒ کے ذوق طلب کو تسکین نہیں ہوئی اور انہوں نے مکہ، مدینہ، بغداد وغیرہ کا سفر کیا اور وہاں کے آئمہ علم و فضل سے استفادہ کیا۔ بغداد کے زمانہ قیام یعنی ۱۴۱ھ میں یہ ممتاز تابعی ہشام بن عروہؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے مگر ان سے کسب فیض کا موقع نہ مل سکا اور اسی سال ان کا انتقال ہو گیا۔ ارباب تذکرہ لکھتے ہیں کہ انہوں نے تقریباً چار سو ارباب فضل و کمال سے اکتساب علم کیا تھا۔

ان کے طلب علم کا سب سے طویل زمانہ امام مالکؒ کی خدمت میں گزرا، قریب قریب بیس سال تک وہ امام مالکؒ کی خدمت میں رہے ان کی ذہانت و ذکاوت اور غیر معمولی حافظہ کی بناء پر امام مالکؒ ان کی بڑی قدر کرتے تھے۔ ایک بار کسی نے امام مالکؒ سے تحلیل اصابع (انگلیوں میں خال) کے بارے میں اسوۂ نبوی ﷺ دریافت کیا، انہوں نے اس کا کوئی جواب نہیں دیا، ابن وہب مجلس میں موجود تھے بولے کہ ہاں! ہمارے پاس ایک ارشاد نبوی ﷺ موجود ہے اور پھر لیث بن سعدؒ کے واسطہ سے یہ روایت سنادی کہ ”جب وضو کرو تو پیر کی انگلیوں کا خال کر لیا کرو“۔

اس کے بعد امام مالکؒ سے جب کوئی شخص یہ مسئلہ پوچھتا تو اس کو انگلیوں کے خال کا حکم دیتے۔ اسی کے ساتھ یہ بھی کہہ دیتے کہ میں نے اب تک یہ روایت نہیں سنی تھی یعنی اس کا علم مجھے ابن وہب کے ذریعہ ہوا ہے۔ ابن وہبؒ جب مصر چلے جاتے اور امام مالکؒ ان کو خط لکھتے تو خط کی ابتدا ان الفاظ سے ہوتی۔

عبد اللہ ابن وہب الیٰ فقیہ مصر الیٰ مفتی مصر

”عبد اللہ بن وہب کی طرف جو مصر کے فقیہ مفتی ہیں۔“

یہ جملے نقل کرنے کے بعد ارباب تذکرہ لکھتے ہیں کہ اتنی قدر افزائی امام مالکؒ نے کسی کو نہیں کی۔ حالانکہ مصر میں اس وقت لیث بن سعد، ابن لہیعہ جیسے ائمہ روزگار کے علاوہ خود امام مالکؒ کے بیٹا صاحب علم و فضل تلامذہ موجود ہیں۔

مدینہ منورہ جہاں امام مالکؒ کا چشمہ علم تقریباً نصف صدی جاری رہا ان کی وفات کے بعد وہاں کے ارباب علم میں جب کسی مسئلہ یا حدیث نبوی ﷺ کے بارے میں اختلاف ہوتا تھا تو وہ لوگ ابن وہبؒ کی رائے کے منتظر رہتے تھے کہ اس کا آخری فیصلہ وہی کریں گے جب وہ حج کو تشریف لاتے تو یہ لوگ ان کی رائے دریافت کرتے اور اسی پر فیصلہ ہو جاتا تھا۔

ابن وہبؒ نے جن ممتاز شیوخ سے استفادہ کیا تھا ان کی فہرست بہت لمبی ہے چند مشاہیر کے نام یہ ہیں۔

عمرو بن حارث، قاضی حیاة بن شرح ابن لہیعہ، یونس بن یزید، معاویہ بن صالح، سفیان ثوری، سفیان بن عیینہ رحمہم اللہ تعالیٰ وغیرہ۔

علم و فضل :

ان اساتذہ کی صحبت اور اپنی فطری صلاحیت کی بنا پر زمرہ تبع تابعین میں ممتاز حیثیت کے مالک ہو گئے جس کا اعتراف تمام معاصرین نے کیا ہے۔

امام احمدؒ فرماتے تھے کہ ابن وہب کو قدرت نے عقل، دین اور اصلاح سب کچھ دیا تھا وہ حدیث کی صحت کا بڑا الحاظ کرتے تھے کسی نے کہا مگر حدیث کے اخذ کرنے میں غلطی کرتے ہیں، فرمایا کہ ہاں ! یہ بات ضرور ہے مگر میں نے ان کی روایتوں کے کل ذخیرہ کو جو انہوں نے اپنے اساتذہ سے روایت کیا ہے، پر کھا مجھے سب صحیح نظر آیا۔^۱

ابن معینؒ فرماتے تھے کہ یہ ثقہ ہیں۔ ابو حاتم کا قول ہے کہ صادق اور ان کی مرویات عمدہ ہیں ان کو ولید بن مسلم سے زیادہ پسند کرتا ہوں، امام وقت ابن عیینہ جب ان کا ذکر کرتے تو شیخ اہل مصر کہتے، ابو زرعہ رازیؒ کا بیان ہے کہ میں نے ابن وہب کی تیس ہزار حدیثوں کو بنظر غائر دیکھا مگر مجھے اس میں ایک حدیث بھی ایسی نہیں ملی جس کی کوئی بنیاد نہ ہو، یہ واقعی ثقہ تھے۔ ابن حبان کہتے ہیں کہ حجاز اور مصر کے اہل علم میں احادیث نبوی ﷺ کا جو ذخیرہ پھیلا ہوا تھا، اس کو انہوں نے یاد کیا پھر اس کو جمع کر کے مدون و مرتب کیا، حتیٰ کہ ان کے مسانید و مناقب^۲ سب کو جمع کر ڈالا۔ میں نے ان کے ذخیرہ روایات میں کوئی منکر روایت نہیں دیکھی۔^۳

حارث بن مسکین ان کو ”دیوان العلم“ ذخیرہ علم کہا کرتے تھے۔ امام مالکؒ کے مشہور شاگرد ابن قاسمؒ کہتے تھے کہ اگر ابن عیینہؒ کا انتقال ہو گیا تو اہل علم کی سواریاں مکہ کے بجائے مصر ابن وہب کے پاس جایا کریں گی۔ حدیث کی جمع و تدوین کا جو کام ابن وہب نے کیا کسی نے نہیں کیا، ان کے سامنے بڑے بڑے ارباب علم کی گردنیں جھک جاتی تھیں۔ ابن سعد نے ان کو کثیر العلم اور ثقہ لکھا ہے، محمد بن عبد اللہ کہتے تھے کہ اب وہب ابن قاسم سے زیادہ فقیہ تھے مگر غایت احتیاط سے فتویٰ نہیں دیتے تھے۔ ابن قاسم سے ان کو افقہ قرار دینا بڑی اہمیت رکھتا ہے، ابن قاسم کا تفقہ ضرب المثل ہے اسی طرح کی رائے یحییٰ بن بکیرؒ نے بھی دی ہے۔ (ذہبی)

ان کو کثرت سے احادیث نبویؐ یاد تھیں۔ امام ذہبیؒ نے لکھا ہے کہ ایک لاکھ روایتیں ان کی نوک زبان تھیں۔ ان کی تصانیف کے ذریعہ تقریباً سو لاکھ روایتیں مدون ہو گئیں۔

۱۔ مقطوع جس کی سند تابعی پر ختم ہو۔

۲۔ تہذیب۔ جلد ۶۔ ص ۷۲

۳۔ ایضاً۔ ص ۷۳

۴۔ یہ تمام اقوال تہذیب۔ جلد ۶۔ ص ۷۲ سے لئے گئے ہیں۔

جامعیت :

یہ محض روایت حدیث ہی نہیں تھی بلکہ حدیث نبوی سے مسائل کے اجتہاد اور استنباط کی صلاحیت بھی موجود تھی۔ امام ذہبیؒ نے ان کو حافظ حدیث کے ساتھ مجتہد بھی لکھا ہے^۱، حدیث کے علاوہ ان کو حدیث اور مغازی میں بھی درک تھا۔ کسی نے امام مالک سے ابن قاسم اور ابن وہب کے علم و فضل کے بارے میں پوچھا تو فرمایا، ابن قاسم فقیہ اور یہ عالم ہیں۔ مقصد یہ تھا کہ ابن قاسم کو علوم دینیہ کے ایک شعبہ فقہ میں درک ہے اور ابن وہب کے علم میں وسعت و ہمہ گیری تھی^۲۔

شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ نے بستان المحمدین میں ابن وہب کا تذکرہ تدوین مؤطاء کے سلسلہ میں کیا ہے۔ اس میں وہ لکھتے ہیں :

”عبداللہ ابن وہب اپنے زمانے میں حجت تھے، تمام لوگ ان کی مرویات پر کمال و ثوق و اعتماد رکھتے تھے، وہ کسی کی تقلید نہیں کرتے تھے بلکہ خود مجتہد تھے البتہ طریقہ اجتہاد و تفقہ میں وہ امام مالک اور لیث بن سعد کا اتباع کرتے تھے“۔ (ص ۱۶)

جرح و تنقید :

اس فضل و کمال کے باوجود بعض اہل علم ان کی مرویات اور طریقہ اخذ روایات پر تنقید کرتے ہیں۔ اوپر امام احمدؒ کا ارشاد گزر چکا ہے کہ وہ اخذ روایت میں غلطی کرتے تھے، نسائی کہتے تھے کہ وہ قبول روایت میں کچھ تساہل ضرور برتتے تھے مگر ان کی مرویات کو قبول کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے، ساجی کا بیان ہے کہ یہ سائی حدیثوں کے بارے میں کچھ تساہل واقع تھے اور تساہل اس وجہ سے تھا کہ اہل مصر اجازت حدیث کو تحدیث کے لئے کافی سمجھتے تھے^۳۔ (چنانچہ ان روایتوں کو جو اجازۃ ان کو پہنچی ہیں) ان کو حدثنی فلاں وغیرہ الفاظ سے بیان کرتے تھے^۴ (حالانکہ یہ الفاظ سماع کے لئے مخصوص ہیں) اس سے معلوم ہوا کہ اخذ روایت میں ان پر جو تساہل کا الزام لگایا گیا ہے اس کا مدار اہل مصر اور اہل حجاز کے طریقہ اخذ روایت کے اختلاف پر ہے ورنہ وہ تحدیث روایت میں حد درجہ محتاط تھے۔

ایک بار کسی نے ان سے کہا کہ فلاں شخص آپ کے واسطے سے یہ روایت کرتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ فتنوں کو برانہ سمجھو، اس سے منافقین کی جڑ کٹ جاتی ہے یہ سن کر ان کو غصہ

۱۔ تذکرہ۔ ص ۲۷۸ ۲۔ بستان المحمدین ذکر ابن وہب ۳۔ محدثین کی اصطلاح میں ان روایتوں جن کو شیخ سے سنا وہ بلکہ شیخ کی اجازت سے روایت کر رہا ہو اس کو حد ثایا حدثنی کے لفظ سے روایت نہ کرنا چاہئے۔

۴۔ تہذیب۔ جلد ۶۔ ص ۷۴

آگیا اور فرمایا کہ اے اللہ اگر یہ جھوٹ ہے تو اس کو اندھا کر دے چنانچہ ان کی دعا قبول ہو گئی اور وہ اندھا ہو گیا۔

حلقہ درس :

امام مالکؒ کی وفات کے بعد موطا کے سماع کے لئے سب سے پہلے تشنگان علم نبویؐ انہی کی طرف متوجہ ہوئے۔ خود بخوبیؒ نے جو موطا کے متداول نسخہ کے مرتب ہیں، اس کا ایک حصہ جو امام مالک سے وہ سماع نہیں کر سکے تھے ان سے پورا کیا۔

امام مالکؒ کے مشہور شاگرد حنون کا بیان ہے کہ ابن وہبؒ نے پورے سال کو تین کاموں کے لئے تقسیم کر دیا تھا جس میں چار ماہ درس و تدریس کے لئے مخصوص تھے۔ ان کو یہ فخر بھی حاصل تھا کہ خود ان کے اساتذہ میں لیث اور امام مالک نے ان سے روایتیں کی ہیں۔ مثلاً انگلیوں کے خلال کے سلسلہ میں امام مالکؒ کی ایک روایت کا ذکر اوپر آچکا ہے، تذکروں میں ہے کہ امام مالک نے ایک دوسری حدیث بھی ان سے روایت کی ہے، وہ ہے بیع عربان کے سلسلہ میں یعنی آپ نے بیع عربان سے منع کیا ہے۔

ایک دن آپ درس دے رہے تھے کہ ایک سائل آیا اور اس نے کہا کہ اے ابو محمد (آپ کی کنیت ہے) کل آپ نے جو درہم مجھ کو عطا کئے تھے وہ سب کے سب کھوٹے تھے، ابن وہب نے کہا کہ بھائی ہمارے پاس عموماً یہ اور عاریت کی قمیص آتی ہیں جیسی قمیص آتی ہیں ہم تم کو دے دیتے ہیں۔ سائل کو اس جواب سے تسکین نہیں ہوئی وہ غصہ میں آ کر برا بھلا کہنے لگا، یہاں تک کہہ ڈالا کہ خدا کی رحمت ہو جناب رسول اللہ ﷺ پر جنہوں نے یہ فرمایا کہ ایک وقت ایسا آئے گا جب صدقات و خیرات کے ذرائع امت کے منافقوں کے ہاتھ میں چلے جائیں گے، ابن وہب تو اس تلخ کلامی پر خاموش رہے مگر ایک نوجوان عراقی شاگرد کو بہت برا معلوم ہوا اور اس نے درس سے اٹھ کر اس فقیر کو ایسا طمانچہ رسید کیا کہ وہ زمین پر گر گیا، اس نے شور مچانا شروع کیا اور پھر آپ کو مخاطب کر کے کہنے لگا، اے ابو محمد! آپ کی مجلس میں لوگ ایسی حرکتیں کرتے ہیں۔ ابن وہب کو بھی یہ حرکت بری معلوم ہوئی وہ مجلس سے اٹھ کر واقعہ کی تفتیش کرنے لگے، معلوم ہوا یہ حرکت فلاں عراقی نوجوان نے کی ہے۔

۱۔ تہذیب۔ جلد ۶۔ ص ۷۴ ۲۔ انتقاد ذکر بخئی ص ۵۹ ۳۔ تذکرۃ الحفاظ۔ ص ۲۷۹

۴۔ بیع عربان اسی خرید و فروخت کو کہتے ہیں جس میں خریدار کچھ رقم پیشگی بائع کو اس لئے دیتا ہے کہ اگر خرید و فروخت ہوگی تو وہ رقم محسوب ہو جائے گی جیسے ایڈوانس اور بیعائہ کہتے ہیں۔

آپ نے اس سے باز پرس کی وہ نوجوان بولا استاد محترم میں نے آپ ہی کی زبان سے یہ ارشاد نبوی ﷺ سنا ہے کہ

”من حمى لحم مو من من منافق يغتابه رضى الله لحمة من النار
”جو شخص کسی مومن کی عزت کی حفاظت اس منافق سے کرے جو اس کی برائی کر رہا ہے تو
اللہ تعالیٰ دوزخ سے اس کی حفاظت کرے گا۔“

جب خدا نے عام مسلمانوں کی حمایت میں اتنے ثواب و اجر کا وعدہ کیا ہے تو آپ تو امام و پیشوا ہیں، آپ کی حمایت سے تو نہ جانے کتنا ثواب دربار الہی سے ملے گا۔ ابن وہب نے فرمایا کہ اگر تمہاری یہ نیت تھی تو خدا تعالیٰ تم کو اس کا بدلہ دے گا پھر فرمایا کہ اچھا اس سلسلہ کی دوسری حدیث بھی سن لو، آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ کچھ ایسے مساکین ہوں گے جو مالدار ہوں گے جو نہ نماز کے لئے وضو کرتے ہوں گے اور نہ ناپاکی دور کرنے کے لئے غسل، جو مسجدوں اور عید گاہوں میں جا کر اپنا فضل اور اپنی بزرگی جتلا کر لوگوں سے سوال کریں گے اور یہ خیال بھی ان کو ہوگا کہ یہ تو ہمارا حق ہے جو ہم لوگوں سے وصول کرتے ہیں اور اپنے اوپر خدا کا کوئی حق نہ سمجھتے ہوں گے۔

تلامذہ :

جن لوگوں نے ان کے درس سے فائدہ اٹھایا ان میں چند مشاہیر کے نام یہ ہیں:
عبدالرحمن ابن مہدی، یحییٰ بن یحییٰ، عبداللہ بن یوسف، علی بن (المدینی) یحییٰ بن بکیر، احمد بن صالح، اصحٰ بن الفرغ۔ یہ ابن وہب کے سب سے معتمد اور کثیر الراویت شاگرد ہیں، یحیٰ بن احمد بن سعید بن الدرامی رحمہم اللہ تعالیٰ وغیرہ۔

عہدہ قضا سے انکار :

حکومت کی عام بے راہ روی اور اس کی غیر اسلامی روش کی بنا پر عام ائمہ تبع تابعین نے فقر و فاقہ کی زندگی بسر کی مگر اس سے کسی طرح کا تعلق رکھا پسند نہیں کیا اس لئے جو اباب فضل و کمال اس سے تعلق رکھتے تھے وہ عوام و خواص میں عزت کی نگاہ سے نہیں دیکھے جاتے تھے۔ ابن وہبؒ بھی انہی بزرگوں میں تھے جو دربار خلافت سے اپنا دامن بچائے رہے گو اس سلسلہ میں ان کو کچھ مصائب بھی برداشت کرنے پڑے۔ امام ذہبیؒ نے لکھا ہے کہ عباد بن محمد والی مصر نے ان کو بلایا اور ان کے سامنے عہدہ قضا پیش کیا انہوں نے اس سے کسی طرح پیچھا چھڑایا اور چھپ گئے، عباد کو ان کے غائب ہو جانے کی

اطلاع ملی تو اس نے غصہ میں ان کا گھر گرا دیا مگر اس کے باوجود انہوں نے اس عہد سے کو قبول کرنا پسند نہیں کیا^۱۔

اس سلسلہ میں دوسری روایت ابن خلکان نے یونس بن عبدالاعلیٰ سے نقل کی ہے وہ یہ ہے کہ خلیفہ وقت نے خود ان لکھا کہ آپ مصر میں عہد قضا قبول کر لیں مگر آپ نے اسے پسند نہیں کیا اور زور پوش ہو کر خانہ نشین ہو گئے ایک دن وہ گھر کے صحن میں وضو کر رہے تھے کہ اسد بن سعد آ گئے، انہوں نے کہا کہ کیا یہ بہتر بات نہیں تھی کہ آپ گھر سے باہر نکل کر کتاب و سنت کے مطابق لوگوں کے فیصلے کرتے (یہ اشارہ تھا کہ عہد قضا کے قبول کر لینے کی طرف) یہ سن کر ابن وہب نے سر اٹھایا اور بولے بس تمہاری عقل اسی قدر ہے، کیا تمہیں معلوم نہیں کہ علماء کا حشر انبیاء کے ساتھ ہوگا اور قضا کا سلاطین کے ساتھ^۲، انہوں نے اس جملے میں اس وقت کے سلاطین کی غیر اسلامی روش اور اس کے انجام کی طرف کیسے بلیغ انداز میں اشارہ کیا ہے۔ پہلی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ عباد والی مصر نے ان کو عہد قضا پیش کیا اور دوسری روایت سے معلوم ہوتا ہے خود خلیفہ نے براہ راست ان کو لکھا مگر ان دونوں میں تضاد نہیں ہے بلکہ واقعہ یہ ہوگا کہ خلیفہ نے والی مصر عباد کو لکھا ہوگا اور اس نے ابن وہب کو بلا کر یہ حکم سنایا ہوگا اور عدم تعمیل میں اس نے یہ روش اختیار کی ہوگی جیسا کہ عموماً نیچے کے افسران کرتے رہتے ہیں مگر یہ تو جیہ اس وقت صحیح معلوم ہو سکتی ہے جب یہ واقعہ ۱۶۳ھ کے بعد کا مانا جائے اس لئے کہ قضا کا تقرر ۱۶۳ھ سے پہلے صوبوں کے والیوں کے ہاتھ میں تھا۔ ۱۶۳ھ سے خود خلفا نے اپنے ہاتھ میں اسے لے لیا تھا^۳۔

زہد و عبادت :

زہد و عبادت میں ممتاز تھے۔ خاص طور پر زیارت حرمین کا جذبہ ان میں عشق کی حد تک پہنچا ہوا تھا۔ سال کے چار مہینے وہ دیار حبیب ﷺ کی آمد و رفت میں گزار دیتے تھے انہوں نے قریب قریب ۳۶ حج کئے تھے۔ دوسری عبادات کا بھی حال یہی تھا، ساجی کو قول ہے کہ

وکان من العباد "یہ عبادت گزاروں میں تھے"۔^۴

خوف خدا اور قیامت کی باز پرس کا خیال :

خدا کا خوف اور قیامت کی باز پرس کا خیال ایک مومن کی نمایاں صفت ہونی چاہئے۔ یہ چیز اس کی زندگی میں جتنی شدت کے ساتھ موجود ہوگی اس کی زندگی اتنی ہی پاکیزہ اور صالح ہوگی۔

۱۔ تذکرۃ الحفاظ۔ جلد ۱۔ ص ۲۷۹

۲۔ ابن خلکان۔ جلد ۱۔ ص ۴۴۶

۳۔ تذکرہ۔ جلد ۱۔ ص ۲۷۹

۴۔ تہذیب۔ جلد ۲۔ ص ۷۴

ابن وہبؒ پر خوفِ خدا کی کیفیت ہمہ وقت طاری رہتی تھی ذرا قیامت کی ہولناکی کا ذکر آیا اور ان کی آنکھیں بہہ پڑیں، بسا اوقات بیہوش ہو جاتے تھے ایک بار کسی نے ان کے سامنے یہ آیت تلاوت کی :

واذيتحاجون في النار فيقول الضعفاء للذين استكبروا انا كنا لكم تبعاً فهل انتم مغنون عنا نصيباً من النار قال الذين استكبروا انا كل فيها .

”یاد کرو جب دوزخی (اہل کفر) ایک دوسرے سے حجت کریں گے، ایک گروہ کہے گا کہ ہم نے تمہاری بات مانی تھی ذرا کچھ عذاب کو ہلکا کر دو تو وہ کہیں گے ہم تو خود ہی اس میں مبتلا ہیں۔“

آپ نے سنا تو غشی کی کیفیت طاری ہو گئی اور بہت دیر تک یہ حالت رہی، خوف کی یہی شدت ان کی موت کا سبب بن گئی۔

وفات :

انہوں نے ایک کتاب الاحوال قیامت (قیامت کی ہولناکیاں) کے نام سے مرتب کی تھی۔ ایک دن کسی نے ان کے سامنے یہ کتاب پڑھنی شروع کی، ان پر اس دن اتنا اثر ہوا کہ وہ بے ہوش ہو کر گر پڑے، اٹھا کر گھر لائے گئے اور اسی حالت میں جاں بحق ہو گئے۔ یہ حادثہ شعبان ۱۹۷۷ھ میں پیش آیا۔ حضرت سفیان بن عیینہؒ کو جب اس حادثہ کی اطلاع ملی تو انا للہ پڑھا اور بڑے در درونِ نج میں ڈوبے ہوئے لہجہ میں فرمایا کہ یہ علامۃ المسلمین اور خواص اہل علم دونوں کا حادثہ ہے۔

سیرت و کردار :

ان کی سیرت و کردار کے واقعات تذکروں میں بہت کم ملتے ہیں مگر ایک ہی واقعہ سے ان کی سیرت کے خط و خال دیکھے جاسکتے ہیں ان کا دستور تھا کہ جب وہ کسی کی غیبت کرتے تو اس کی پاداش میں ایک روزہ رکھتے تھے۔ ایک دن لوگوں سے کہا کہ مجھے روزہ رکھتے رکھتے ایسی عادت پڑ گئی ہے کہ اب نفس کے اوپر روزوں کا رکھنا شاق نہیں گزرتا۔ اس لئے اب میں نے یہ طے کیا ہے کہ اب اگر کسی کی غیبت کروں گا تو ایک درہم خیرات کروں گا، چنانچہ ایک درہم کا صدقہ کرنا مجھ پر (تنگی کی وجہ سے) اتنا شاق گزرا کہ غیبت کرنے کی عادت ہی چھوٹ گئی۔

شوقِ جہاد :

میدانِ جہاد کی پر شور زندگی، علم و فن کی پرسکون زندگی کے ساتھ بہت کم جمع ہوتی ہے مگر تبع تابعین میں حضرت عبداللہ بن مبارکؓ اور ابن وہبؓ ان دونوں اوصاف کے جامع تھے۔ ابن وہب نے پورے سال کو تین کاموں کے لئے تقسیم کر دیا تھا چار ماہ درس و تدریس کے لئے، چار ماہ سفر حج کے لئے، چار ماہ باطل کو سرنگوں اور حق کو غالب کرنے کی جدوجہد کے لئے۔

تصنیف :

علامہ ابن قاسمؒ ان کے بارے میں کہتے تھے ان کے جیسا تدوین و تالیف کا کام کسی نے نہیں کیا۔ ابن خلکانؒ نے لکھا ہے کہ

وله مصنفات فی الفقه معروفہ

”علم فقہ میں ان کی تصانیف معروف و مشہور ہیں۔“

ان بیانات سے پتہ چلتا ہے کہ انہوں نے اپنی کافی تحریری یادگاریں چھوڑیں تھیں مگر ارباب تذکرہ صرف ان کی دو کتابوں کا تذکرہ کرتے ہیں۔

موطا :

اس میں انہوں نے ان مرویات کو جمع کیا تھا جو انہوں نے امام مالکؒ سے سنی تھیں۔ موطا کے جامعین ہزاروں ہیں مگر ان میں محض پندرہ سولہ نسخے موجود ہیں، ان میں سب سے زیادہ اہمیت تین موطاؤں کو ہے۔ موطا امام محمدؒ، موطا یحییٰ بن یحییٰ (آج کل یہی متداول ہے) اور موطا ابن وہب۔

غالباً انہوں نے اس کا اختصار بھی کیا تھا جس کا نام موطاء صغیر رکھا تھا۔ ان کی تیسری کتاب احوال قیامت ہے اس میں انہوں نے قیامت کی باز پرس اور دوزخ کی ہولناکی کا ذکر کیا ہے۔



۱۔ تذکرۃ الحفاظ۔ جلد ۱۔ ص ۲۷۹

۲۔ ایضاً۔ ص ۲۷۸

۳۔ عام تذکرے اور ابن خلکان۔ جلد ۱۔ ص ۴۴۶ جلد ۱۔ ص ۴۴۶

www.ahlehaq.org

حضرت یحییٰ بن معینؒ

فن حدیث کا ایک اہم شعبہ ”اسماء الرجال“ ہے۔ اس میں حدیث کے روات پر اس حدیث سے بحث ہوتی ہے کہ کون راوی قابل اعتماد ہے اور کون ناقابل اعتماد راوی کی اخلاقی زندگی کیسی ہے؟ اس میں عقل و فہم کا ملکہ کس قدر ہے؟ اس کے علم اور قوتِ حافظہ کا کیا حال ہے؟ چونکہ ان ہی بحثوں پر حدیث کی صحت و عدم صحت کا فیصلہ ہوتا ہے اس لئے اس فن میں کلام کرنے کے لئے غیر معمولی علم و فضل اور عقل و بصیرت کے ساتھ ساتھ خدا ترسی اور احساسِ ذمہ داری کی بھی سخت ضرورت ہوتی ہے اس لئے کہ اگر کسی راوی کی جرح میں افراط کی گئی اور اس کی روایت ترک کر دی گئی تو حدیثِ نبویؐ کی تکذیب ہوتی ہے اور اگر تعدیل میں تفریط کی گئی تو اقوالِ رسول ﷺ میں غلط باتوں کے داخل ہو جانے کا خطرہ ہوتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ حدیثِ نبویؐ کی تحدیث و روایت کرنے والوں کی تعداد تو آپ کو بے شمار ملے گی مگر فنِ رجال کے جاننے والوں کی تعداد بہت کم ملے گی۔ حضرت یحییٰ بن معینؒ خاص فن کے امام ہی نہیں بلکہ امامِ آئمہ سمجھے جاتے ہیں ان کے عہد میں اس فن کے متعدد دائرہ تھے مثلاً احمد بن حنبل، ابن مدینی، سعید القطان، ابن مہدی وغیرہ، مگر ابن معینؒ کو ان سب بزرگوں میں ایک خاص امتیاز حاصل تھا۔

حضرت یحییٰ بن معینؒ کے حالاتِ زندگی ان کے علم و فضل کے علاوہ اس حیثیت سے بھی قابل ذکر ہیں کہ ان کی زندگی اسلامی معاشرہ کی مساوات اور رفعت کا صحیح مرقع ہے۔

غلام خاندان سے تھے :

اسلامی معاشرہ میں خواہ وہ غلام ہو یا آزاد ہر شخص کو مساوی طور پر پروان چڑھنے اور ترقی کا موقع حاصل ہوتا ہے اس لئے یحییٰ بن معینؒ اگرچہ ایک غلام خاندان کے فرزند تھے مگر اسلامی معاشرہ کی مساوات پسندی نے ان کی فطری صلاحیتوں کو پورے طور پر ابھرنے کا موقع دیا یہاں تک کہ وہ بڑے بڑے آزاد علمی خانوادوں کے اربابِ فضل و کمال سے بھی سبقت لے گئے اور ان کی یہ غلامی ان کے اعزاز کی کسی راہ میں مانع نہیں ہوئی۔ ایک بار کسی نے ان سے پوچھا کہ آپ عرب خاندان سے ہیں؟

بڑی بے نیازی سے فرمایا کہ

”میں عرب نہیں ہوں بلکہ عربوں کا غلام ہوں“۔^۱

نام و نسب :

۱۵۱ھ میں ولادت ہوئی۔ یحییٰ نام اور ابو زکریا کنیت تھی ان کے والد کا نام معین تھا ان کا وطن بغداد کے مضافات میں موضع نقتیا میں تھا یہ عباسی حکمران منصور کے عہد حکومت میں رہے کے عامل تھے دنیاوی اعزاز کے ساتھ انہوں نے دولت بھی کافی کمائی جو ان کی وفات کے بعد حضرت یحییٰ بن معین کو ترکہ میں ملی۔^۲

تحصیل علم :

ابتدائی تعلیم کے بعد انہوں نے اپنی ساری توجہ علم حدیث کی تحصیل کی طرف مرکوز رکھی اور اس کے لئے اپنی جان و مال کا پورا سرمایہ لگایا۔

خطیب بغدادی کا بیان ہے کہ اپنے والد کی تمام متروکہ رقم جس کی تعداد ڈیڑھ لاکھ درہم تھی، انہوں نے علم حدیث پر صرف کر ڈالی یہاں تک کہ وہ اس قدر مفلس ہو گئے کہ پہننے کے لئے جوتے نہیں رہ گئے۔

شیوخ حدیث :

کسی علم کے حاصل کرنے میں اہل علم کے اساتذہ اور ماہرین کی صحبت اور ان سے اکتساب فیض کو بھی بڑا دخل ہوتا ہے۔ یحییٰ بن معین کے شیوخ حدیث پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس وقت کے تمام آئمہ علم و فن سے مستفید ہوئے تھے۔ چند مشاہیر کے نام یہاں درج کئے جاتے ہیں۔

عبدالسلام بن حرب، عبداللہ بن مبارک، یحییٰ بن سعید القطان، وکیع بن جراح، عبدالرحمن بن مہدی، حفص بن غیاث، سفیان بن عیینہ، عبدالرزاق، ہشام بن یوسف وغیرہ۔

کتابت حدیث :

وہ صرف حدیث کے سماع پر اکتفا نہیں کرتے تھے بلکہ سنی ہوئی حدیثوں کو لکھ لیا کرتے تھے۔ علی بن المدینی ذکر کرتے ہیں کہ حدیث کی جتنی کتابت یحییٰ بن معین نے کی کسی دوسرے محدث نے نہیں کی، خود ابن معین فرماتے تھے کہ میں نے اپنے ہاتھ سے لاکھوں حدیثیں لکھی ہیں۔^۳ پھر یہی نہیں

۱۔ تاریخ بغداد ص ۱۷۸۔ جلد ۱۳
۲۔ بعض روایتوں میں چھ لاکھ، بعض روایتوں میں بارہ لاکھ اور بعض میں ایک لاکھ کی تعیین کی گئی ہے مگر اس طرح کی تعیین عموماً بالکل صحیح نہیں ہوتی اس لئے ہم نے مجملاً لکھا ہے۔

کہ سرسری طور پر جس حدیث کو سن لیتے، لکھ لیتے بلکہ اس پر کافی غور و خوض کرتے اس غور و خوض میں بعض وقت ایک ایک روایت کو پچاس پچاس مرتبہ لکھتے تھے اور اس کی وجہ یہ بیان کرتے کہ اگر ہم کسی روایت کو بار بار لکھتے اور کاٹتے نہیں تو اس کے مغز بخن کو نہیں سمجھ پاتے۔^۱

ابن سعدؒ کا بیان ہے کہ یحییٰ بن معینؒ ”کثرت حدیث میں معروف تھے۔“

تلامذہ :

تحصیل علم کے بعد وہ اپنا بیشتر وقت روادۃ حدیث کی جرح و تعدیل اور متن حدیث کی صحت و عدم صحت پر غور کرنے میں صرف کرتے تھے اس لئے خود ان کو تحدیث روایت کا موقع بہت کم ملتا تھا۔ ابن سعد کا بیان ہے کہ وہ قریب قریب حدیث کی روایت نہیں کرتے تھے تاہم ان سے اہل علم کی ایک کثیر تعداد مستفید ہوئی۔ جن میں بڑے ائمہ شامل ہیں مثلاً امام احمد بن حنبل، ابو زرعد رازی، ابو یعلیٰ الموصلی، امام بخاری، امام مسلم اور امام ابو داؤد رحمہم اللہ تعالیٰ وغیرہ۔

حضرت یحییٰ بن معینؒ کا اصلی کارنامہ :

حدیث نبویؐ کی تحدیث و روایت بڑی ذمہ داری کا کام تھا اس لئے عہد صحابہ تک اس پر قانونی اور اخلاقی دونوں طرح کی پابندی عائد تھی اس لئے ہر شخص اس کی جرأت نہیں کرتا تھا۔

حضرت عمرؓ کے سامنے جب کوئی نئی حدیث بیان کی جاتی تو وہ اکابر صحابہ تک سے شہادت طلب کرتے تھے۔ اس قانونی پابندی کے ساتھ صحابہ تک روایت حدیث کی اہمیت اور اس کی ذمہ داری کا احساس بھی عام تھا، یعنی جلیل القدر صحابہ تک اس احساس ذمہ داری کی بناء پر تحدیث روایت سے گریز کرتے تھے کہ مبادا نبی ﷺ کی طرف کوئی غلط بات نہ منسوب ہو جائے۔^۲

ان ہی اخلاقی اور قانونی بندشوں کا اثر یہ تھا کہ بہت کم لوگ روایت حدیث کی جرأت کرتے تھے مگر بعد میں نہ تو قانونی گرفت باقی رہی اور نہ وہ پہلا سا اخلاقی اثر ہی رہا۔ پھر روادۃ حدیث کو معاشرہ میں ایک عز و شرف کی نگاہ سے بھی دیکھا جاتا تھا اس لئے اہل اور صاحب کمال لوگوں کے ساتھ بہت سے نا اہل بھی اس مجد و شرف میں سہیم و شریک بننے کے لئے اس منصب پر متمکن ہو گئے اور انہوں نے نہایت ہی غیر ذمہ دارانہ طور پر حدیث نبویؐ کی روایت شروع کر دی، خصوصیت سے پیشہ ور واعظوں اور

۱۔ تذکرۃ الحفاظ، تہذیب جلد ۱۱۔ ص ۲۸۲ ایضاً ۲۔ یہ احساس ذمہ داری اس ارشاد نبوی ﷺ کی بنا پر تھا کہ جو شخص میری طرف کوئی غلط بات منسوب کرے گا اس کا ٹھکانا جہنم ہے۔

قصہ گوئیوں نے گرمی مجلس کی خاطر نہ جانے کتنی بے سرو پا روایتیں بیان کرنی شروع کر دیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بے شمار غلط باتیں یا صحیح باتیں غلط طریقہ پر رواج پا کر زبان زد خاص و عام ہو گئیں۔ یہ ایسا فتنہ تھا کہ اگر اس کے سد باب کی فوری طور پر فکر نہ کی جاتی تو نہ جانے اس کے نتائج کتنے بڑے نمودار ہوتے۔ حکومت وقت اس فتنہ کو بڑی آسانی سے دبا سکتی تھی مگر اس کو اس کی بہت زیادہ فکر نہیں تھی۔ امت احمدیہ محدثین اور علماء کے احسان سے کبھی سبکدوش نہیں ہو سکتی جنہوں نے اپنی خداداد فہم و بصیرت سے اس فتن کی اہمیت کو بروقت سمجھ لیا اور ہمت و جرات کر کے مقابلہ کے لئے میدان میں آ گئے یہ کام پہلی صدی کے آخر ہی سے شروع ہو گیا تھا مگر دوسری صدی میں محدثین نے جس کے سرخیل ابن معینؒ تھے باقاعدہ ایک نئے فن کی بنیاد ڈال کر اس فتنہ کا بڑی حد تک سد باب کر دیا۔ اسی فن کو فن اسماء الرجال کہتے ہیں۔ اس میں انہوں نے سند حدیث کے کچھ اصول و قوانین مرتب کئے۔ روایت کے لئے سیرت و کردار کا ایک معیار مقرر کیا۔ اب جو لوگ اس پر پورے اترتے تھے ان کی روایتیں قبول کی جاتی تھیں اور جو لوگ اس میزان پر پورے نہیں اترتے تھے ان کی روایتیں رد کر دی جاتی تھیں لیکن صرف اصول و قوانین مرتب کر دینے سے بھی اس فتنہ کا پورے طور پر سد باب نہیں ہو سکتا تھا۔ ضرورت تھی کہ ان غلط روایتوں کو جو عوام میں رواج پا چکی تھیں ان میں سے ایک ایک روایت نیز اس کے راوی کو پرکھ کر دیکھا جائے کہ روایت کا کتنا حصہ صحیح اور کتنا غلط ہے۔ وہ راوی ذمہ دار ہے یا غیر ذمہ دار۔

ظاہری بات ہے کہ یہ کام آسان نہ تھا اس کے لئے غیر معمولی فہم و بصیرت اور قوتِ حافظہ کے علاوہ کتاب و سنت سے غیر معمولی ذوق و شغف کی بھی ضرورت تھی چنانچہ خدا نے جب جن بزرگوں سے یہ کام لیا ان کو فہم و بصیرت کے ساتھ ایسا غیر معمولی حافظہ بھی بخشا تھا کہ ان کے حفظ کے واقعات سن کر حیرت ہوتی ہے، ان ہی لوگوں میں ایک اہم شخصیت حضرت یحییٰ بن معینؒ کی بھی تھی انہوں نے اس سلسلہ میں جو غیر معمولی محنت و مشقت کی ہے اس کی تفصیل یہ ہے :

انہوں نے صحیح اور عدم صحیح روایتوں کی تمیز اور روایت حدیث کے سیرت و کردار کے معلوم کرنے میں اپنی پوری ذہنی و عملی قوت صرف کر دی تھی، وہ ایک حدیث کو پچاس پچاس بار اس لئے لکھتے تھے کہ ان کے عیوب و نقائص معلوم ہو جائیں۔

ایک بات کو جب متعدد آدمی بیان کرتے ہیں تو اس میں کچھ نہ کچھ اختلاف تو ضرور ہو جاتا ہے جو لوگ جتنے ذمہ دار ہوتے ہیں وہ اتنی ہی ذمہ داری سے روایت کرتے ہیں اس لئے ہر شخص کا بیان جب سامنے آتا ہے تو صحیح بات معلوم کرنے میں آسانی ہوتی ہے اسی لئے یحییٰ بن معینؒ یہ کرتے تھے کہ تمام روایتوں کے سلسلوں کو لکھ لیتے تھے پھر کتاب و سنت کی روشنی میں اپنی بصیرت سے صحیح و غلط ہونے کا فیصلہ کرتے تھے۔

وہ واعظوں، کاذب راویوں کی روایتوں کو بھی اس لئے لکھ لیا کرتے تھے کہ ان کی پھیلائی ہوئی غلط روایتوں کے انبار سے صحیح باتیں اخذ کر لی جائیں خود فرماتے ہیں کہ

میں کاذبین کی روایتوں کو لکھ لیتا ہوں اور ان کو تنور میں ڈال کر ان سے پکی پکائی روٹیاں نکال لیتا ہوں۔^۱

مقصود یہ ہے کہ روایت و درایت کے معیار پر ان روایتوں کو پرکھتا ہوں اس میں جو صحیح ہیں انہیں لے لیتا ہوں اور جو غلط ہیں ان کی غلطی کو واضح کر کے ان کی حدیث نبوی ہونے کی حیثیت کو ختم کر دیتا ہوں۔ علامہ عجلیؒ جو خود اس فن کے امام ہیں، ان کا بیان ہے کہ ابن معینؒ کے سامنے بہت سی ملتبس احادیث لائی جاتیں تو سب کی حیثیت کو واضح کر دیتے تھے۔^۲

جن روایتوں کی غلطی پر بڑے بڑے ائمہ حدیث کی نظر نہیں جاتی تھی یحییٰ بن معین بیک نظر ان کو پا لیتے تھے۔ ابوسعید خدریؒ کا بیان ہے کہ ہم لوگ جب کسی محدث کی خدمت میں جاتے تو اس کی کتابوں میں جو احادیث درج ہوتیں ان کو صحیح سمجھ کر قبول کر لیتے مگر جب وہی روایتیں ابن معین کے سامنے پیش کی جاتیں تو ان کی نظر فوراً غلطیوں پر پڑ جاتی اور وہ غلطی اتنی باریک ہوتی تھی کہ وہ اگر توجہ نہ دلاتے تو ہم کو اس کا احساس بھی نہ ہوتا۔

احساس ذمہ داری :

ائمہ رجال کا کام بڑا اہم، نازک اور بڑی ذمہ داری کا ہے اگر وہ کہیں نقد و جرح میں افراط سے کام لیتے تو ایک طرف راوی پر ناحق کذب بیانی و افتراء پر دازی کا الزام عائد ہو جاتا اور دوسری طرف بہت سی احادیث نبوی ﷺ کی تکذیب یا کم از کم ان کی صحت میں تشکیک پیدا ہو جاتی اور یہ دونوں باتیں دینی نقطہ نظر سے صحیح نہیں تھیں۔ اسی طرح اگر انہوں نے تعدیل و توثیق میں نرمی اور تفریط سے کام لیا ہوتا تو ایک طرف بہت سے نا اہلوں کو تحدیث روایت کے منصب پر متمکن ہونے کا موقع مل جاتا تو دوسری طرف ارشادات نبوی ﷺ میں بے شمار غلط باتوں کے شامل ہو جانے کا خطرہ تھا اور یہ دونوں باتیں دین کے حق میں مضر ثابت ہوتیں۔

پھر جرح و تعدیل کی زد میں بسا اوقات وہ علماء و مشائخ تک آ جاتے ہیں جن کی شہرت اور وثاقت پر ایک زمانہ کو اعتماد ہوتا ہے اس لئے اس منصب کے لئے جہاں غیر معمولی علم و فضل، فہم و بصیرت اور ہمت و جرأت کی ضرورت تھی وہیں تقویٰ، خشیت الہی، احساس ذمہ داری اور

بے نفسی کی بھی بہت زیادہ ضرورت تھی ورنہ پھر اس نازک ذمہ داری سے عہدہ برآمد ہونا بہت مشکل تھا۔
امام یحییٰ بن معین میں دونوں طرح کے اوصاف بدرجہ اتم موجود تھے، بڑے بڑے
ائمہ سے بھی اگر بیان و روایت میں غلطی ہو جاتی تھی تو وہ ان کی غلطی واضح کئے بغیر نہیں رہتے تھے۔
ان الرومی کا بیان ہے کہ

”شیوخ حدیث کے بارے میں میں نے یحییٰ بن معین سے زیادہ حق بات

کہنے والا نہیں دیکھا“۔^۱

مگر اس اظہار حق میں ذب عن حدیث الرسول کے علاوہ کوئی دوسرا نفسانی جذبہ نہیں ہوتا تھا
اس لئے وہ دعا فرماتے تھے کہ

”بارالہ! اگر میں نے کسی شخص کے اوپر تنقید و جرح کر کے اس کی کذب بیانی واضح کی ہو مگر

اس میں وہ بات نہ ہو تو میری مغفرت نہ کرنا“۔^۲

ظاہر ہے کہ اگر وہ جرح و تعدیل میں احساس ذمہ داری کو پورے طور پر ملحوظ نہ رکھتے تو
آخرت میں فلاح و مغفرت سے محروم ہو جانے کی دعا بھی نہ کرتے کیونکہ ایک مومن کا سب سے قیمتی
سرمایہ یہی ہے۔ جس طرح دوسروں کی روایت قبول کرنے میں محتاط تھے اسی طرح خود بھی روایت کر
نے میں حد درجہ محتاط تھے۔ خود فرماتے ہیں کہ

میں ایک روایت بیان کر دیتا ہوں مگر پھر اس خوف سے رات کی نیند حرام ہو جاتی ہے
کہ شاید روایت میں غلطی ہو گئی ہو۔^۳

فرماتے تھے کہ حدیث کے معاملے میں آدمی کو ”سمح“ یعنی فیاض اور سیرچشم نہیں ہوگا تو
کذب بیانی کرے گا۔ لوگوں نے پوچھا کہ حدیث میں آدمی کیسے سمح ہو؟ فرمایا کہ

اذا شک فی الحدیث ترکہ^۴

”جب کسی حدیث میں شک ہو تو اسے چھوڑ دے“۔

مقصد یہ ہے کہ حدیث کے قبول کرنے میں اگر وہ بہت زیادہ محتاط نہیں رہے گا تو اس کا نتیجہ
یہ ہوگا کہ نادانستہ طور پر وہ بہت ہی غلط روایتوں کو صحیح سمجھ کر ان کی تحدیث کرے گا اور اس طرح سے
کذب بیانی کا مرتکب ہو جائے گا۔

قبول درایت میں حد درجہ محتاط ہونے کے باوجود کسی راوی کی کوئی غلطی دیکھتے تھے تو اسے حتی الامکان چھپاتے تھے کہ وہ خود اس کو مان لے اگر وہ نہیں مانتا تھا تو پھر اس کی غلطی کو برملا بیان کرتے تھے اور پھر اس کی دوسری روایت قبول نہیں کرتے تھے۔ خود فرماتے ہیں کہ

جب میں کسی شخص کی کوئی غلطی دیکھتا ہوں تو اس کو پوشیدہ رکھتا ہوں اور چاہتا ہوں کہ حسن و خوبی سے اس کی غلطی اس پر واضح ہو جائے اور کبھی میں ایسے راوی سے ملتا ہوں جس کے چہرے سے مجھے یہ محسوس ہوتا ہے کہ کوئی غلطی ایسی ہے جس کے اظہار کو وہ پسند نہیں کرتا تو میں اس کی غلطی اس پر واضح کرتا ہوں اگر وہ اپنی غلطی تسلیم کر لیتا ہے تو اس کو اپنے تک محدود رکھتا ہوں ورنہ پھر اس کو متروک قرار دیتا ہوں۔“

آئمہ حدیث کی رائے :

ان کے ان ہی اوصاف و کمالات اور علم و فضل کی بنا پر تمام معاصر ائمہ حدیث ان کی جلالت شان کے قائل تھے۔ امام احمد حنبلؒ فرماتے تھے کہ جو روایت یحییٰ بن معینؒ کو نہ معلوم ہو اس کی صحت مشکوک ہے۔“

ایک شخص نے امام احمد بن حنبلؒ کے سامنے کچھ احادیث بیان کیں اور ان سے پوچھا کہ ان میں کوئی غلطی ہو تو بتا دیجئے فرمایا کہ

علیک بابی زکریا فانہ یعرف الخطاءؒ

”ان احادیث کو یحییٰ بن معین کے سامنے پیش کر دو روایات کی غلطیوں کو وہ خوب پہچانتے ہیں۔“

امام احمد حنبلؒ فرماتے تھے کہ یحییٰ بن معین کے ساتھ سماع حدیث کرنے میں یہ فائدہ ہوتا تھا کہ قلب میں جو کچھ خلش ہوتی تھی نکل جاتی تھی۔

فرماتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک ایسا شخص پیدا کر دیا ہے کہ جو کاذبوں کی کذب بیانی ظاہر کر دیتا ہے۔ امام احمد بن حنبلؒ غایت احترام میں اپنی مجلس میں ان کے نام کے بجائے ان کی کنیت ابو زکریا سے ان کا ذکر کرتے تھے۔

حضرت ابوسعید خدریؒ کہتے تھے کہ اگر یحییٰ بن معین نہ ہوتے تو میں حدیث نہ لکھتا مقصد یہ تھا کہ حدیث کی صحت اس زمانے میں اس قدر مشتبہ ہو گئی تھی کہ صحیح اور غلط میں کوئی تمیز باقی نہیں رہ گئی تھی مگر یحییٰ بن معینؒ نے اس میں حد فاصل قائم کر دی تھی۔ اس لئے اب لکھنے میں

کوئی جرح نہیں، علی بن المدینی جو خود امام جرح و تعدیل تھے فرماتے ہیں میں بغداد میں چالیس سال تک مقیم تھا اس مدت میں امام احمد سے مجھ سے برابر حدیث کا مذاکرہ ہوتا تھا، جب کسی حدیث کے بارے میں ہم دونوں میں اختلاف ہوتا تھا تو اسے یحییٰ بن معین کے سامنے پیش کرتے تھے وہ فوراً حدیث کے مالہ و ماعلیہ کو بتا دیتے تھے۔

ان ہی کا قول ہے کہ یحییٰ بن آدم کے بعد علم کے مرکز یحییٰ بن معین ہیں۔

ابو عبیدہ فرماتے تھے کہ امام احمد بن حنبل، علی بن المدینی اور ابو بکر بن شیبہ اور یحییٰ بن معین پر علم ختم ہو گیا مگر ان چاروں میں یحییٰ بن معین حدیث کی صحت و سقم کو سب سے زیادہ جاننے والے تھے۔

صالح بن محمد کا قول ہے کہ یحییٰ بن معین معاصر ائمہ حدیث میں سب سے زیادہ رجال سے واقف ہیں۔ یحییٰ بن معین نے بعض بڑے بڑے ائمہ پر بھی جرح کر دی ہے مگر اس کے معنی یہ نہیں ہیں کہ ان کی جرح سے وہ ائمہ مجروح یا متروک قرار دے دیئے جائیں گے بلکہ اصل بات یہ ہے کہ اس زمانہ میں بعض ایسی احادیث رواج پا گئیں تھیں کہ جو تھیں تو واقعی ضعیف مگر وہ چونکہ مشہور و معروف ہو گئی تھیں اور شرعی احکام کے خلاف بھی نہیں تھیں اس لئے ان روایتوں میں بعض ائمہ نے زیادہ احتیاط نہیں کیا یا انہوں نے ان کے قبول کرنے میں تسہیل سے کام لیا مگر چونکہ دوسرے ائمہ کے نزدیک ان روایتوں کی نسبت نبی ﷺ کی طرف صحیح نہیں تھی اس لئے انہوں نے جرح و تنقید کر کے ان کی حیثیت کو واضح کیا اور بہر حال ائمہ بھی انسان ہی تھے معصوم نہ تھے اس لئے ان کی اس غلطی پر جن لوگوں نے ٹوکا انہوں نے بہت ہی اہم کام انجام دیا اس لئے کہ ان ائمہ پر جرح کرنا اس سے بہت کم درجہ کی بات تھی کہ آنحضرت ﷺ کی طرف کوئی غلط بات منسوب ہو جائے۔

غرض یہ کہ ان پر جو جرح و تنقید کی گئی وہ اپنی جگہ صحیح تھی مگر اس کی وجہ سے ان کی امامت و جلالت پر کوئی حرف نہیں آتا اور نہ اس سے ان کی کوئی تنقیص ہوتی ہے اور نہ وہ متروک قرار پاتے ہیں۔ علامہ ابن عبد البر اور علامہ سبکی نے اس پر بڑی لمبی گفتگو کی ہے یہاں ہم اس کا کچھ خلاصہ درج کرتے ہیں :

”جرح و تعدیل کے بارے میں صحیح بات یہ ہے کہ جن لوگوں کی امامت و عدالت عام ہو چکی ہو اور ان کے ماصین کی تعداد زیادہ اور جرح و قدح کرنے والوں کی تعداد بہت کم ہو تو ایسے اشخاص پر جو جرح کی جائے گی وہ قابل التفات نہیں ہے ورنہ اگر یہ راستہ کھول دیا جائے تو پھر ائمہ میں کوئی شخص بھی محفوظ نہیں رہ سکتا۔“

محدثین کا یہ اصول کہ جرح تعدیل پر مقدم ہے، علی الاطلاق صحیح نہیں ہے۔ خصوصیت سے ان لوگوں کے بارے میں جن کی امامت اور جلالت علم پر ایک دنیا کا اتفاق ہو۔ مثلاً ابن ابی ذئب نے امام مالکؒ پر اور ابن معینؒ نے امام شافعیؒ پر اور امام نسائیؒ نے احمد بن صالحؒ وغیرہ پر جو جرح کی ہے۔ ظاہر ہے کہ ان ائمہ کے بارے میں یہ اصول کہ جرح تعدیل پر مقدم ہے بالکل ہی غلط ہے ان کی طرف توجہ نہیں کی جاسکتی۔

وفات :

وفات ایسی پائی کہ خدا ہر مسلمان کو نصیب کرے۔ امام نے متعدد حج کئے تھے حج سے فارغ ہو کر مدینہ النبی کا قیام بھی ان کا معمول تھا ۲۳۳ھ میں آخری بار یہ موقع نصیب ہوا تو حسب معمول حج سے فارغ ہو کر مدینہ منورہ کا رخ کیا۔ دیار حبیب ﷺ کی زیارت کے بعد واپس ہونا چاہتے تھے مگر جوار نبی کا شرف ہمیشہ کے لئے ان کی قسمت میں مقدر تھا اس لئے پھر رک گئے ابھی چند ہی دن گزرے تھے ہیغام اجل آپہنچا۔

مدینہ میں جب آپ کی وفات کی خبر عام ہوئی تو جنازہ میں شرکت کے لئے ایک مخلوق ٹوٹ پڑی سب سے بڑی سعادت یہ نصیب ہوئی کہ آپ کا جنازہ اسی تابوت میں اٹھایا گیا جس میں آنحضرت کا جسد مبارک اٹھایا گیا تھا۔ جس وقت آپ کا جنازہ اٹھایا گیا تو لوگوں کی زبان پر عام طور پر یہ جملہ تھا کہ

”یہ اس شخص کا جنازہ ہے جو رسول اللہ ﷺ کی احادیث کو کذب بیانی سے بچاتا تھا“۔
 جنة البقیع جہاں ہزاروں گنج ہائے گراں مایہ دفون تھے اسی میں آپ بھی سپرد خاک کئے گئے۔ رحمۃ اللہ علیہ رحمۃ واسعۃ
 بہت سے لوگوں نے آپ کا مرثیہ کہا۔



www.ahlehaq.org

حضرت یحییٰ بن سعید القطانؒ

حضرت یحییٰ بن سعیدؒ بھی غلام خاندان سے تھے مگر علم و فضل کے لحاظ سے ان کا شمار متا زتبع تابعین میں ہوتا ہے۔ بصرہ آبائی وطن تھا اور وہیں ۱۲۰ھ میں ان کی ولادت ہوئی۔

تعلیم و تربیت :

شیخ ابن سعیدؒ نے جس زمانہ میں آنکھ کھولی اس وقت مملکت اسلام کا ہر قصبہ اور ہر قریہ قال اللہ وقال الرسول کی آواز سے گونج رہا تھا۔ خدا کو ان سے حدیث نبوی کی تدوین کا کام لینا تھا اس لئے اس نے ان بزرگوں کی خدمت میں جانے کی توفیق عطا کی جو اس فن کے امام تھے۔ ان کے شیوخ کے ناموں پر نظر ڈالنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس زمانے کے تمام ممتاز محدثین سے خواہ وہ کسی خطہ کے ہوں انہوں نے استفادہ کیا تھا۔ خصوصیت سے امام شعبہ جو اس وقت مرجع خلافت تھے ان کی خدمت میں یہ بیس برس متواتر سماع حدیث کرتے رہے۔ جن محدثین سے انہوں نے استفادہ کیا تھا اس کی فہرست کافی طویل ہے۔ چند مشاہیر کے نام یہ ہیں :

امام مالک، امام اوزاعی، امام شعبہ، سفیان ثوری، ابن ابی عروبہ، یحییٰ بن سعید الانصاری تابعی، ہشام بن عروہ، امام اعمش، مسعر بن کدام، سفیان بن عیینہ اور سلیمان اعمش وغیرہ۔

امام نوویؒ نے لکھا ہے کہ یحییٰ بن سعیدؒ نے پچاس ایسے شیوخ حدیث سے سماع کیا تھا جو سفیان ثوری جیسے محدث روزگار کے اساتذہ میں تھے۔

وہ اپنی غیر معمولی ذہانت اور قوت حافظہ میں زمانہ طالب علمی سے ممتاز تھے۔ امام شعبہ اور سفیان ثوری جو خود ان اوصاف میں فائق تھے وہ ان کی ذہانت اور قوت حافظہ پر حیرت کرتے تھے۔ ان کے ان اوصاف کی شہرت ہوئی تو حدیث نبوی کے پیا سے ہر طرف سے ان کے گرد جمع ہونے لگے۔ تذکروں میں ان کے حلقہ درس کے بارے میں بہت کم معلومات ملتی ہیں مگر بعض ممتاز ائمہ کا برسوں ان کی خدمت میں رہ کر کسب فیض کرنا اس بات کی علامت ہے کہ ان کا باقاعدہ حلقہ درس تھا ان سے استفادہ کرنے والوں کے چند نام یہ ہیں۔

امام احمد حنبل، یحییٰ بن معین، اسحق بن راہویہ، عبدالرحمن بن مہدی، سفیان بن عیینہ، ابوبکر بن شیبہ، علی بن المدینی رحمہم اللہ تعالیٰ ان میں سے ہر ایک کا شمار کبار تابعین میں ہوتا ہے۔
ان کے علاوہ اور بھی بے شمار افراد نے ان سے استفادہ کیا تھا جن میں ان کے لڑکے محمد اور ان کے پوتے احمد بھی ہیں۔ ان کی جلالت علم کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ امام احمد، ابن معین اور ابن المدینی جیسے ائمہ روزگار ان کے سامنے بیٹھنے کی ہمت نہیں کرتے تھے اور ان سے جو کچھ پوچھنا ہوتا تھا کھڑے کھڑے پوچھ لیتے تھے۔

علم و فضل :

اپنے فضل و کرم اور زہد و اتقا کے لحاظ سے زمرہ تابعین کے گوہر شب چراغ تھے۔ تمام ائمہ حدیث و فقہ نے ان کے فضل و کمال کا اعتراف کیا ہے۔ امام احمد بن حنبلؒ فرماتے تھے کہ میری آنکھوں نے یحییٰ جیسا عالم نہیں دیکھا۔ ایک بار کسی نے ان سے پوچھا کہ کعب بن جراح اور یحییٰ بن سعید میں کون زیادہ صاحب علم ہے؟ فرمایا کہ میں نے یحییٰ جیسا صاحب علم..... نہیں دیکھا۔ امام احمد بن حنبلؒ سے اسی طرح کے اور بھی بے شمار جملے منقول ہیں ان کا یہ اعتراف بڑی اہمیت رکھتا ہے اس لئے کہ وہ امام شافعی و امام محمد جیسے ائمہ فقہ و حدیث سے استفادہ کر چکے تھے۔

حضرت عبدالرحمن بن مہدی جن کی جلالت علم ہر کہ و مدہ کو مسلم تھی انہوں نے بھی یحییٰ بن معینؒ سے کہا کہ تمہاری آنکھیں ان کے جیسا صاحب فضل و کمال نہ دیکھیں گی۔ شیخ بندار جوان کی خدمت میں بیس برس رہے تھے وہ انہیں امام زمانہ کہتے تھے۔ امام نووی نے لکھا ہے کہ ان کے علم و فضل، امامت و جلالت اور صلاح و تقویٰ پر سب کا اتفاق ہے۔

ان کے علم و فضل کا اندازہ اس سے لگائیے کہ جب کسی مسئلہ میں ائمہ حدیث کے درمیان اختلاف ہوتا تھا تو یہ حکم مقرر ہوتے تھے۔ ایک بار امام شعبہ کے سامنے کسی مسئلہ میں اختلاف ہوا، اختلاف کرنے والوں نے ان سے کہا کہ آپ کسی کو حکم بنا دیجئے؟ امام شعبہؒ کی نظر انتخاب حضرت یحییٰ بن سعیدؒ پر پڑی۔ چنانچہ ان کے سامنے وہ مسئلہ رکھا گیا۔ انہوں نے امام شعبہؒ جیسے امام وقت اور استاد کے خلاف فیصلہ دیا مگر استاد کی حق پرستی بھی دیکھئے کہ شاگرد کے فیصلہ کے آگے سر تسلیم خم کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ”اے یحییٰ تمہاری غیر موجودگی کیسے برداشت کی جائے گی؟“۔

حدیث :

علم حدیث ان کا خاص فن تھا اور اس میں ان کا مرتبہ امام کا تھا۔ ارباب تذکرہ لکھتے ہیں کہ عراق میں علم حدیث کا عام رواج ان ہی کی ذات سے ہوا۔ آئمہ حدیث کے یہاں انکی مرویات کا جو مرتبہ تھا اس کا صحیح اندازہ ان راویوں سے ہو سکتا ہے جو ان کے بارے میں انہوں نے ظاہر کی ہیں۔

مشہور محدث علی بن المدینیؒ کہتے تھے کہ ہمارے معاصرین میں تین آدمی ایسے تھے جنہوں نے بدء شعور سے علم حدیث کی طرف توجہ کی اور اس سے زندگی بھر لپٹے رہے یہاں تک کہ وہ خود مسند حدیث پر فائز ہو گئے۔ ان تین آدمیوں میں سب سے پہلا نام انہوں نے یحییٰ بن سعیدؒ کا لیا۔ عبد الرحمن بن مہدی جو ان کے معاصر اور علم و فضل میں ان سے کم تر نہ تھے انہوں نے اپنے مجموعہ حدیث میں دو ہزار حدیثیں یحییٰ بن سعید کی سند سے داخل کر لی تھیں جنہیں وہ ان کی زندگی ہی میں روایت کرتے تھے۔ ابن مہدی جیسے یگانہ روزگار کا ان کی زندگی ہی میں ان سے روایت کرنا بڑی اہمیت رکھتا ہے، امام نوویؒ نے لکھا ہے کہ ابن مہدی نے ان کے واسطے سے تیس ہزار روایتیں لکھی ہیں یعنی لکھی تو انہوں نے تیس ہزار تھیں مگر روایت صرف دو ہزار کی کرتے تھے۔

اگر کسی حدیث کے تذکرہ میں یہ ذکر ملے کہ ان کو کئی لاکھ حدیثیں یاد تھیں اس کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ اتنے ارشادات نبوی ﷺ یاد تھے بلکہ اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اتنی روایتیں یا سلسلہ بیان یاد تھا۔

ائمہ ان تمام سلسلہ سند کو اس لئے یاد کرتے تھے کہ سب کو سامنے رکھ کر کسی حدیث کے بارے میں صحیح فیصلہ کیا جاسکے۔ مثلاً ایک ہی حدیث کے متعدد راوی ہوتے ہیں ان میں ایک ناقص روایت کرتا ہے، دوسرا کامل، ایک مفصل روایت کرتا ہے اور دوسرا مجمل۔ اب دونوں کو سامنے رکھنے کے بعد فیصلہ آسان ہوتا ہے کہ کون سی روایت زیادہ صحیح اور قابل قبول ہے۔

روایتوں کی کثرت تعداد دیکھ کر بعض بے سوادوں کو احادیث نبوی ﷺ کے موجودہ ذخیرہ کے بارے میں شبہ ہونے لگتا ہے کہ آخر کار اتنا بڑا ذخیرہ حدیث کہاں سے آگیا مگر یہ ان کی کم علمی ہے کہ وہ روایت اور حدیث میں فرق نہیں کرتے۔ روایت اس سلسلہ بیان کو کہتے ہیں جو راوی حدیث کو سند کو رسول اللہ ﷺ تک پہنچانے کے لئے بیان کرتا ہے اس لئے بسا اوقات ایک ہی حدیث کے لئے متعدد سلسلہ بیان ہوتے ہیں اس لئے روایات کی کثرت کو حدیث کی کثرت پر قیاس کرنا غلطی ہے۔

حضرت یحییٰ بن سعیدؒ کو یہ شرف و اعزاز کچھ تو ان کی فطری ذہانت و استعداد کی وجہ سے ملا تھا لیکن اس کا بڑا سبب خود ان کی ذاتی جدوجہد ہے۔ حدیث نبوی سے ان کو عشق تھا اس کے حصول کے لئے انہوں جو محنت اور کوشش کی اس کی مثال کم ملے گی۔ اوپر ذکر آچکا ہے کہ وہ صرف امام شعبہؒ کی خدمت میں بیس برس تک حدیث کا سماع کرتے رہے، وہ بھی کس اہتمام کے ساتھ خود ان کی زبانی اس کی تفصیل سنئے۔ فرماتے ہیں:

”کامل بیس برس تک میں امام شعبہؒ کی خدمت میں حاضر رہا اور روزانہ زیادہ سے زیادہ تیرہ حدیثیں ان سے سماع کر کے لوٹتا تھا۔ غور کیجئے کہ ابن سعید جیسے ذہین و ذکی آدمی کا روزانہ صرف تیرہ حدیثوں کا سماع کرنا بلا وجہ نہیں تھا، اس کی وجہ اس کے سوا کیا ہو سکتی تھی کہ وہ جو کچھ پڑھتے تھے اس پر پورے طور پر غور و خوض کرتے اور اس سے معانی کا استنباط کرتے تھے۔ محض حصول تبرک کے لئے وہ حدیثیں نہیں سنتے تھے اسی بناء پر حافظ ابن حجرؒ نے لکھا ہے کہ تمام آئمہ حدیث روایت حدیث میں ان کو حجت سمجھتے تھے۔ آئمہ حدیث کا یہ مقولہ ضرب المثل ہے کہ جو شخص یحییٰ بن سعیدؒ کی روایات کو چھوڑ دے گا ہم اس کو چھوڑ دیں گے۔“

تنقید رواة و روايت :

حضرت یحییٰ بن سعید صرف حافظ حدیث ہی نہیں تھے بلکہ ان کا شمار آئمہ جرح و تعدیل میں بھی ہوتا ہے۔ حدیث کی روایت میں سلسلہ سند کا بڑا اہتمام ہوتا ہے یعنی اس بات کا بڑا لحاظ کیا جاتا ہے کہ حدیث نبویؐ کی روایت جو لوگ کر رہے ہیں ان کی یادداشت کیسی ہے؟ ان کے شیوخ کون ہیں؟ ان کے اخلاق و عادات کا کیا حال ہے؟ غرض یہ کہ ایک روایت کے جتنے راوی ہوتے ہیں ان کے بارے میں جب تک یہ باتیں نہ معلوم ہوں اس وقت تک کوئی روایت قابل اعتبار نہیں سمجھی جاسکتی۔ تبع تابعین کے زمانہ میں روایت و تحدیث کرنے والے بے شمار اہل علم تھے مگر جو لوگ روایت و رواة کے بارے میں پوری تنقید و تفتیش کرتے تھے ان کی تعداد بہت تھوڑی تھی۔ یحییٰ بن سعید بھی ان ہی میں تھے۔ ابن منجویہ کا بیان ہے کہ

هو الذي مهد لاهل العراق رسم الحديث ومعن في البحث عن الثقا
وترك الضعفاء ۱

”اہل عراق کے لئے حدیث کی بساط انہی نے بچھائی اور ثقہ راویوں کے قبول کرنے اور ضعیف راویوں کے ترک کر دینے میں انہوں نے کافی غور و خوض اور تلاش و تفتیش کی۔“

علی بن المدینیؒ کا جو خود جرح و تعدیل کے اساطین میں ہیں، قول ہے کہ میں نے یحییٰ بن سعیدؒ سے زیادہ علم رجال کا اور عبدالرحمن بن مہدیؒ سے زیادہ حدیث کی خطا و صواب کا جاننے والا کسی کو نہیں پایا، چنانچہ یہ دونوں جس راوی کو ضعیف قرار دیتے ہیں اس کو ترک کر دیتا ہوں اور جن روایت سے یہ روایتیں قبول کر لیتے ہیں میں بھی قبول کر لیتا ہوں۔ خود عبدالرحمن بن مہدیؒ بھی ان کے اس وصف کے ثنا خواں تھے۔ ابراہیم بن محمد تمیمی کا بیان ہے کہ

ما راایت اعلم بالرجال من یحییٰ

”میں نے یحییٰ سے زیادہ روایت حدیث کا جاننے والا نہیں دیکھا“۔

قوتِ حافظہ :

علم حدیث میں درک پیدا کرنے کے لئے ہزاروں حدیثوں کے الفاظ اور سینکڑوں راویوں کے حالات پر نظر رکھنی پڑتی ہے اس لئے جب تک کوئی شخص غیر معمولی قوتِ حافظہ کا مالک نہ ہو فن حدیث میں غیر معمولی حیثیت حاصل نہیں کر سکتا۔ یوں تو عام ائمہ حدیث کو خدا نے اس نعمت سے نوازا تھا مگر بعض ائمہ اس اعتبار سے ضرب المثل تھے ان ہی میں یحییٰ بن سعیدؒ بھی ہیں۔

عموماً محدثین کا دستور تھا کہ جن احادیث کو درس میں طلبہ کے سامنے بیان کرنا ہوتا تھا وہ پہلے سے لکھ لیا کرتے تھے تاکہ غلطی نہ ہو مگر یحییٰ بن سعیدؒ کو اپنے حافظہ پر اتنا اعتماد تھا کہ وہ بڑی سے بڑی حدیث زبانی سنا دیا کرتے تھے۔ ایک بار سلیمان بن اشعث نے امام احمدؒ سے پوچھا کہ کیا یحییٰ آپ کو زبانی روایتیں سناتے تھے؟ فرمایا کہ ہاں! ہم نے ان کے پاس کبھی کتاب نہیں دیکھی، عام طور پر وہ اپنے حافظہ سے روایت کرتے تھے، یہاں تک کہ وہ طویل طویل روایتیں جو ہم کتابوں میں لکھ لیا کرتے تھے، وہ ان کو بے تکلف سنا دیا کرتے تھے۔

ایک بار ان کے استاد امام ثوریؒ نے غالباً امتحان کی غرض سے ایک روایت کا سلسلہ سند قصداً ذرا مجمل بیان کیا۔ یحییٰؒ نے سنا تو فوراً بولے اس روایت میں یہ اجمال ہے۔ امام ثوریؒ حیران رہ گئے اور کہا کہ میں نے تمہارے جیسا فن رجال جاننے والا نہیں دیکھا تم سے کوئی غلطی پوشیدہ نہیں رہتی۔

اس واقعہ کی تفصیل یہ ہے کہ ایک راوی محمد بن سالمؒ جو اپنے نام سے معروف تھے، ان کی کنیت ابوہل اہل علم میں زیادہ معروف نہیں تھی، امام ثوریؒ نے روایت کرتے وقت نام کے بجائے ان

کی کنیت کا ذکر کیا خیال یہ تھا کہ یحییٰ کو راوی کی کنیت کا علم نہ ہوگا اور وہ اسے کوئی نئی روایت سمجھیں گے لیکن امام ثوری کی یہ توقع صحیح ثابت نہیں ہوئی، یحییٰ نے سنتے ہی فرمایا کہ ابوہل تو محمد بن سالم ہیں۔ اس سلسلہ میں امام احمد بن حنبل کے متعدد اقوال تذکروں میں ملتے ہیں۔ ایک بار انہوں نے فرمایا کہ یحییٰ بن سعید حد درجہ قوی الحافظہ اور واقعی محدث تھے، ان کا ایک قول ہے کہ میں نے یحییٰ بن سعید جیسا آدمی نہیں دیکھا ان پر ثبوت فی الحدیث ختم ہے۔

اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ ائمہ حدیث نے حدیث نبوی کی تدوین میں جتنی دیدہ ریزی و محنت کی ہے اور راویوں کی تنقید و توثیق میں جس قدر تلاش اور تفحص سے کام لیا ہے اس کی نظر دنیا کی مذہبی تاریخ میں ناپید ہے۔ انہوں نے اپنے راہنمائی کے اقوال و افعال کو مدون نہیں کیا بلکہ جن لوگوں نے اس کے کسی قول کو بیان کیا ہے ان کی زندگی کے احوال و کوائف بھی لکھ لئے تاکہ غلطی کا کوئی امکان باقی نہ رہے۔

جرح و تعدیل :

ائمہ حدیث نے تدوین حدیث میں راوی کی جرح و تعدیل میں جس حزم و احتیاط سے کام لیا ہے اس کی نظیر دنیا کی تاریخ میں نہیں ملتی مگر پھر بھی وہ انسان تھے اس لئے ان سے بھی بعض تسامحات ہوئے ہیں اور ان پر ان کے دوسرے ہم عصر یا بعد کے محدثین نے گرفت کی ہے چنانچہ بڑے بڑے ائمہ کے تذکرہ میں جہاں ان کے محاسن و اوصاف کا تذکرہ ملے گا وہیں ان پر جرح و تنقید بھی ملے گی یعنی اس بات کی تفصیل بھی ملے گی کہ ان سے روایت حدیث میں کیا کیا غلطیاں ہوئی ہیں۔ اسی جرح و تنقید ہی کا یہ فیض ہے کہ سنت نبوی ﷺ کا چشمہ صافی گدلا نہیں ہونے پایا۔ ورنہ دوسرے مذاہب کے پیشواؤں کی طرح حضور ﷺ کی سیرت بھی افسانوں میں گم ہو جاتی۔ اتنی احتیاط اور دیدہ ریزی کے بعد بھی اہل بدعت نے بہت سے افسانے گھڑ کر عوام میں پھیلا دیئے۔

حضرت یحییٰ بن سعید کے تذکرہ میں ان کے محدثانہ محاسن کی تفصیل تو بہت ملتی ہے مگر ان کی کسی مخصوص غلطی کا ذکر نہیں ملتا، صرف امام احمد بن حنبل کا ایک قول ملتا ہے۔

امام احمد نے فرمایا کہ انہوں نے متعدد احادیث کے بیان کرنے میں غلطی کی ہے مگر غلطی سے کون بچا ہے؟ اس کے ساتھ یہ فرمانا کہ غلطی سے کون بچا ہے، بڑی اہمیت رکھتا ہے مقصد یہ تھا کہ بڑے بڑے ائمہ سے روایت حدیث میں غلطی ہوتی ہے اس لئے ان سے بھی

غلطیاں ہوئی ہیں مگر امام احمدؒ نے غلطیوں کی نشاندہی نہیں کی ہے۔

عبادت اور اخلاق و کردار :

حضرت یحییٰ بن سعیدؒ اپنے اخلاق و کردار اور اتقاء، پرہیزگاری میں اسلام کی زندہ تصویر تھے۔ ان کی ہر ادا سے خدا کی اطاعت و فرماں برداری کا اظہار ہوتا تھا، ان کی زندگی میں خدا کی نافرمانی کی کوئی مثال ڈھونڈھے سے نہیں ملتی۔ ان کے ایک شاگرد بندار جو ان کی خدمت میں بیس سال مسلسل رہے تھے فرماتے ہیں

اختلف الی یحییٰ بن سعید عشرین سنة فما اظن انه عصی الله^۱
”میں نے بیس برس تک ابن سعید کی خدمت میں آمد و رفت رکھی، میرا گمان ہے کہ اس مدت میں کبھی کوئی ایسا کام نہیں کیا جسے خدا کی نافرمانی کہا جاسکے۔“

امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ وہ کسی حالت اور کسی کام میں ہوں میں نے ان کے جیسا آدمی نہیں دیکھا۔ ابن معین کا بیان ہے کہ کبھی نہیں دیکھا گیا کہ ان کی جماعت ترک ہوئی ہو، نماز باجماعت کے حد درجہ پابند ہونے کے ساتھ نوافل کا بھی پورا اہتمام کرتے تھے، چشتی نمازیں شروع کر دیتے تھے ان پر مداومت کی کوشش کرتے^۲۔ کلام الہی کی تلاوت سے خاص شغف تھا ان کے صاحبزادے کا بیان ہے کہ عموماً دن رات میں ایک قرآن ختم کر لیتے تھے^۳۔

قرآن کا اثر اور خوفِ آخرت :

لیکن وہ محض قرآن خوان نہیں تھے بلکہ ان پر قرآن کا وہی اثر ہوتا تھا جو قلب مومن پر ہونا چاہئے بلکہ بسا اوقات قرآن کی زباں سے آخرت کا تذکرہ سن کر وہ بیخود ہو جاتے تھے۔ ممتاز محدث علی بن المدینیؒ کا بیان ہے کہ ایک بار ہم لوگ ان کی مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے، حاضرین میں سے کسی نے فرمایا کہ قرآن پاک کا کوئی حصہ سناؤ اس نے سورہ دخان کی تلاوت شروع کی۔ جوں جوں وہ پڑھتا جاتا تھا اس پر رقت طاری ہوتی جاتی تھی جب وہ آیت

ان يوم الفصل میقاتہم اجمعین

”فیصلہ کے دن سب لوگ حاضر ہوں گے“

پر پہنچا تو ان پر لرزہ طاری ہو گیا اور وہ بے ہوش ہو گئے۔ ان کی یہ کیفیت دیکھ کر سارا خاندان گھر کے بچے اور عورتیں رو پڑیں، کچھ دیر کے بعد جب ان کی یہ کیفیت دور ہوئی تو ان کی زبان پر یہی

آیت تھی، ان یوم الفصل میقاتہم اجمعین^۱۔ تسلیم و رضا ان کی طبیعتِ ثانیہ بن گئی تھی۔ رنج ہو یا مصیبت کبھی حرف شکایت زبان پر نہیں لاتے تھے۔ مرض الموت میں کسی نے کہا کہ اللہ تعالیٰ آپ کو شفا عطا فرمائے عفاک اللہ! بڑے پرسکون انداز میں فرمایا:

أحبہ فی ما احبہ الی اللہ عز و جل

”میں اپنے لئے وہی پسند کرتا ہوں جو اللہ عز و جل میرے لئے پسند کرتا ہے۔“

مقصد یہ تھا کہ مصیبت و بیماری میں گھبراہٹ اور پریشانی مومن کی شان نہیں ہے کیونکہ بیماری و مصیبت مرد مومن کے لئے کفارہ سینات ہوتی ہیں اس لئے ان کو خدا کی رحمت سمجھنا چاہئے۔

متانت و سنجیدگی اور سادگی و قناعت پسندی :

متانت و سنجیدگی اور سادگی و قناعت پسندی کے وہ پیکر تھے۔ ان کے پوتے کا بیان ہے کہ میرے دادا نہ کبھی مذاق دہی کرتے تھے اور نہ قہقہہ لگا کر ہنستے تھے، وہ کبھی حمام میں غسل کے لئے نہیں گئے اور زیبائش و آرائش کے لئے تیل و سرمہ لگانے کے عادی تھے۔ ان کی اس سنجیدگی سے لوگ ناجائز فائدہ بھی اٹھاتے تھے ایک بار کسی پڑوسی سے کچھ بات چیت ہو گئی، پڑوسی نے ان کو برا بھلا کہنا شروع کیا۔ یحییٰ بن سعید اس بدزبانی کا جواب دے نہیں سکتے تھے اس لئے رونے لگے اور فرمایا کہ

اس نے سچ کہا کہ میں کون ہوں اور کیا ہوں، غالباً اس نے ان کے غلام ہونے پر کچھ تعریض کی ہوگی۔

اس وقت کے علماء اپنے لباس وضع قطع میں عام لوگوں سے کچھ امتیاز برتتے تھے مگر یحییٰ بن سعید اپنے غیر معمولی فضل و کمال کے باوجود صحابہ کرام کی طرح نہایت سادہ وضع میں رہتے تھے۔ سادگی کی وجہ سے عام آدمیوں کو ان کے فضل و کمال کا علم بھی نہیں ہو پاتا تھا۔ ابن عماد کا بیان ہے کہ یحییٰ بن سعید بالکل معمولی آدمی معلوم ہوتے تھے مگر جب حدیث نبوی کا درس دینے لگتے تھے تو بڑے بڑے فقہاء کو زبان کھولنے کی جرأت نہیں ہوتی تھی۔^۲

سادگی لباس ہی تک محدود نہیں تھی بلکہ کھانے پینے میں بھی طبیعت نہایت سادہ اور قناعت پسند واقع ہوئی تھی، جو کچھ مل جاتا صبر و شکر کے ساتھ خود کھاتے اور بال بچوں کو کھلاتے، ابن ابی صفوان کا بیان ہے کہ ان کا آرزوۂ حیات صرف غلہ تھا کبھی بؤ آگیا تو بؤ کھالیا، گیہوں آگیا تو شکر بھج کر اس کو کھالیا، کھجوریں آگئیں تو اس سے سدر مق کر لیا۔ غرض کھانے پینے اور لباس میں نہ تو عیش و تنعم سے

۱۔ صفوۃ الصفوۃ جلد ۳۔ ص ۴۷۷۔ تاریخ بغداد ۲۔ تاریخ بغداد ۳۔ ایضاً جلد ۱۱۔ ص ۱۷۰۔ ۴۔ ایضاً جلد ۱۲۔ ص ۱۴۰

کام لیتے تھے اور نہ اس کے لئے بہت زیادہ جدوجہد اور پریشانی کو پسند کرتے تھے۔
 ان کے نام کا ایک جز قطان ہے اسکے بارے میں سمعانی نے لکھا ہے کہ یہ قطن (روہوئی)
 کی طرف نسبت ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے یہاں روہوئی کا کاروبار ہوتا تھا۔
وفات :

انھتر (۷۸) برس کی عمر میں ۱۹۸ھ میں وفات پائی۔

اولاد :

ان کی زینہ اولاد میں محمد بن یحییٰ کا نام تذکروں میں ملتا ہے۔ یہ بھی صاحب علم و فضل تھے،
 محمد کے ایک صاحبزادے احمد کا تذکرہ بھی رواۃ حدیث کے سلسلہ میں ملتا ہے انہوں نے اپنے دادا سے
 بھی استفادہ کیا تھا۔



بسم الله الرحمن الرحيم

حضرت عبدالرحمن بن مہدیؒ

حضرت عبدالرحمن بن مہدیؒ بھی غلامان اسلام میں تھے۔ مگر زمرہ تبع تابعین میں ان کا شمار ان ممتاز محدثین میں ہوتا ہے جن کے ذریعہ حدیث نبوی ﷺ کی تدوین و حفاظت ہوئی حدیث در جال میں ان کی رائے حضرت یحییٰ بن معینؒ اور ابن قنطار وغیرہ کے ہم پلہ سمجھی جاتی ہے۔

نام و نسب :

عبدالرحمن نام، ابوسعید کنیت تھی۔ والد کا نام مہدی تھا، یہ قبیلہ ازد بصری کے غلام تھے، اس لئے ان کو بھی اہل تذکرہ بصری لکھتے ہیں^۱۔ ان کی ایک اور نسبت لولوی بھی ہے، اس نسبت کے بارے میں سمعانی نے لکھا ہے کہ ان کے یہاں موتیوں (لولو) کی تجارت ہوتی تھی۔ اس پیشہ کی نسبت سے ان کو لولوی بھی کہا جاتا ہے^۲۔

ولادت، ماحول اور تعلیم و تربیت :

خلافت عباسیہ کے آغاز ۱۳۵ھ میں آپ بصرہ میں پیدا ہوئے، عراق میں اس وقت دو مقام کوفہ و بصرہ خاص طور سے گہوارہ علم و فضل بنے ہوئے تھے، بصرہ میں جہاں دینی علوم کے متعدد چشمے اہل رہے تھے، وہیں دوسری قوموں کے اختلاط سے غیر دینی رجحانات اور غلط افکار بھی دین کے چشمہ صافی میں مغلط ہو رہے تھے۔ اس اختلاط سے جہاں بہت سے بُرے نتائج پیدا ہوئے، ان میں ایک مذہبی قصہ گوئی بھی ہے، اس قصہ گوئی کو رواج دینے میں عام مجالس پند و نصائح کا بھی بڑا ہاتھ تھا۔ اس وقت بصرہ میں امام حسن بصریؒ کی مجالس پند و نصائح کا بڑا چرچا تھا۔ مگر وہ اس بارے میں انتہائی محتاط تھے، ان کے بعد یہ احتیاط باقی نہیں رہی اور اہل لوگوں کے ساتھ بہت سے نا اہل بھی اس بزم کے مسند نشین بن گئے۔ چونکہ یہی دور دینی علوم اور خاص طور پر حدیث کی تدوین و تربیت کا بھی تھا اس لئے بڑی آسانی سے یہ روایتیں ذخیرہ تفسیر و حدیث میں داخل ہو گئیں۔

۱۔ تاریخ بغداد اور تہذیب وغیرہ ۲۔ کتاب الانساب

ابن مہدیؒ نے آنکھ کھولی تو بصرہ میں قصہ گوئی کا عام رواج ہو چکا تھا۔ چنانچہ ان کے علمی نشوونما کا آغاز قصہ گوئیوں کی صحبت ہی سے ہوا۔ ابو عامر عقدی کہتے ہیں کہ وہ قصاص کے پاس جایا کرتے تھے۔ ایک دن میں نے ان سے کہا کہ ان قصہ گوئیوں کی صحبت سے تمہارے ہاتھ کچھ نہ آئے گا، چنانچہ میری یہی نصیحت ان کو علم حدیث کی طرف مائل کرنے کا سبب بن گئی، پھر یہ طلب اتنی بڑھی کہ بصرہ سے سینکڑوں میل دور دیار نبی ﷺ یعنی مدینہ منورہ پہنچے اور امام مالکؒ کے حلقہ درس میں شریک ہو کر طلب علم کی پیاس بجھائی۔^۱

شیوخ :

انہوں نے کبار تابعین کا زمانہ تو نہیں پایا مگر پھر بھی ان کے زمانہ میں تابعین کی ایک معتد بہ تعداد موجود تھی، انہوں نے ان سے اور ممتاز اتباع تابعین سے استفادہ کیا تھا۔ ان کے اساتذہ کے چند نام یہ ہیں۔

حضرت ایمن بن ثابت، سفیان ثوری، سفیان بن عیینہ، امام مالک، امام شعبہ، مالک بن معول، خالد بن دینار، مہدی بن میمون رحمہم اللہ تعالیٰ وغیرہ۔

درس و تدریس :

ذہانت و ذکاوت اور قوت حافظہ میں ابتدا ہی سے ممتاز تھے، چنانچہ اسی کا نتیجہ تھا کہ وہ زمانہ طالب علمی ہی سے استاذ بن گئے تھے۔ خود ان کا بیان ہے کہ جس زمانے میں میں امام مالکؒ کے حلقہ درس میں داخل ہو کر استفادہ کر رہا تھا، اسی زمانے میں بہت سے طالبان حدیث مجھ سے نقل روایت کرتے تھے۔^۲

امام مالکؒ کی مجلس درس کے بارے میں یہ مشہور ہے کہ وہ نہایت باوقار اور سنجیدہ ہوتی تھی، جب تک درس کا سلسلہ جاری ہوتا تھا کوئی شخص اپنی جگہ سے ہل نہیں سکتا تھا۔ اور نہ خود امام پہلو بدلتے تھے، یہی حال ابن مہدیؒ کی مجلس درس کا بھی تھا۔ احمد بن سنانؒ اس کا نقشہ ان الفاظ میں کھینچتے ہیں۔

جب تک درس ہوتا رہتا تھا کوئی مجلس میں بات چیت نہیں کر سکتا تھا۔ نہ کوئی قلم بناتا تھا اور نہ مجلس سے اٹھ کر جاسکتا تھا۔ ایسا محسوس ہوتا تھا کہ حاضرین نماز میں شریک ہیں یا ان کے سروں پر پرندے بیٹھے ہیں۔^۳

۱۔ تاریخ بغداد۔ جلد ۱ ص ۲۴۰ ۲۔ تہذیب التہذیب۔ جلد ۶ ص ۲۸۰ ۳۔ تذکرۃ الحفاظ۔ جلد ۱ ص ۳۰۳

بہت سے ممتاز آئمہ نے ان سے استفادہ کیا تھا، چند استفادہ کرنے والوں کے نام یہ ہیں :

حضرت عبداللہ بن مبارک، اسحاق بن راہویہ، امام احمد حنبل، یحییٰ بن معین، علی بن المدینی، امام زہلی، استاذ امام بخاری رحمہم اللہ تعالیٰ وغیرہ۔

ان کے فضل و کمال کے بارے میں معاصرین کی رائے :

حضرت علی بن المدینیؒ کہتے ہیں کہ میں اگر کعبہ میں کھڑے ہو کر یہ قسم کھاؤں کہ میں نے ان کے جیسا عالم نہیں دیکھا تو میں اپنی قسم میں سچا ہوں گا^۱۔ امام احمد فرماتے ہیں کہ ۸۰ھ میں ابن مہدی بغداد آئے، ان کو میں برابر دیکھا کرتا تھا، مگر ان سے کبھی استفادہ نہیں کیا۔ اس کے بعد یہ پھر دوبارہ بغداد آئے تو ہم لوگ ان کی خدمت میں حاضر ہوئے اور پھر جم کر ان سے استفادہ کیا، تنہا میں نے ان کے سماع سے تقریباً چھ سات سو روایتیں نقل کیں^۲۔ یحییٰ بن سعید سے کسی نے ایک حدیث کے بارے میں سوال کیا بولے کہ ابن مہدی کے پاس جاؤ اور خود ان کی چند مرویات میرے سامنے بیان کیں^۳۔ ابن سعید کہتے تھے کہ میں نے براہ راست جو حدیثیں اعمشؒ سے سماع کی ہیں، وہ روایتیں جب ابن مہدیؒ اعمش سے بواسطہ سفیان بیان کرتے ہیں تو مجھے ان کا بالواسطہ سماع اپنے براہ راست سماع سے زیادہ پسندیدہ معلوم ہوتا ہے^۴۔ (امام ذہبی ان کو الحافظ الکبیر اور العالم الشہیر لکھتے ہیں، ابن حجرؒ نے انہیں حافظ اور امام علم لکھا ہے۔ امام نوویؒ نے لکھا ہے کہ ان کے اوپر علوم حدیث میں اعتماد کیا جاتا ہے اور اس علم کے معارف کا ان کے اوپر دار و مدار ہے۔

قوتِ حافظہ :

قوتِ حافظہ بھی غیر معمولی پایا تھا۔ تمام ائمہ حدیث نے ان کے قوتِ حافظہ کا اعتراف کیا ہے، اس کا اندازہ عبداللہ کے اس بیان سے کیا جاسکتا ہے وہ کہتے ہیں کہ ایک بار ابن مہدیؒ نے بیس ہزار حدیثیں مجھے اپنے حافظہ سے املاء کرائی تھیں^۵۔

علمِ حدیث میں ان کا مرتبہ :

علمِ حدیث میں ان کا شمار ان اساطین امت میں ہوتا ہے جن کے ذریعہ یہ فن اہل ہوس کی دست برد سے محفوظ و مامون رہا۔ تمام ائمہ حدیث نے ان کی خدمت حدیث اور اس میں ان کی امامت و جلالت کا اعتراف کیا ہے۔ امام احمد بن حنبلؒ فرماتے تھے کہ یہ حدیثِ نبوی ﷺ کی خدمت ہی کے

۱۔ تاریخ بغداد ج ۱۰ ص ۳۴۵ ۲۔ ایضاً ص ۲۴۱ ۳۔ ایضاً ۴۔ ایضاً ص ۲۴۲ ۵۔ صفوۃ الصفوۃ ج ۴ ص ۲

لئے پیدا کئے گئے تھے۔ ابن مہدیؒ جس شخص کی روایت قبول کر لیں سمجھو کہ وہ حجت ہے۔ ابن مدینیؒ جو خود رجال کے امام ہیں کہتے تھے کہ ابن مہدی اور ابن قطان جس راوی سے روایت کرنا چھوڑ دیتے ہیں، میں بھی اسے ترک کر دیتا اور جب کسی راوی کی روایت قبول کرنے میں یہ دونوں امام مختلف رائے ہو جاتے ہیں تو میں ابن مہدی کی رائے کو ترجیح دیتا ہوں، اس لئے کہ یہ رائے دینے میں زیادہ معتدل اور محتاط ہیں اور ابن قطان میں تشدد زیادہ ہے۔ ابن معینؒ فرماتے تھے، میں نے فن حدیث میں ابن مہدیؒ سے زیادہ پختہ کار نہیں دیکھا۔ ابو حاتم کا قول ہے کہ وہ ثقہ تھے، فکر و نظر کی پختگی میں ان کا درجہ و کعبہ سے بھی بڑھا ہوا تھا۔ ابوریع زہرانی بیان کرتے تھے کہ ان کی خصوصیت بصیرت فی الحدیث تھی۔ ابن عمارؒ کہتے تھے کہ وکیع اور ابن مہدی دونوں قابل وثوق ہیں مگر ابن مہدیؒ کی بصیرت فی الحدیث بڑھی ہوئی تھی۔ انہی کا قول ہے کہ حدیث کے الفاظ کے اختلاف سے خوب واقف تھے، امام احمدؒ فرماتے تھے کہ ابن مہدی وکیع بن جراحؒ سے اس لئے زیادہ قابل وثوق ہیں کہ یہ عہد تدوین و تحریر سے زیادہ قریب تھے۔ یعنی ان کے زمانہ میں حدیث کی تدوین و ترتیب کا کام عام طور پر شروع ہو گیا تھا، اور وکیع بن جراح کے زمانہ میں ائمہ زیادہ تر زبانی ہی روایت کرتے تھے۔

حدیث کی صحت کا معیار و روایت بھی ہے :

حدیث کی صحت اور عدم صحت کا فیصلہ دو چیزوں پر ہے، ایک روایت یعنی سلسلہ سند اور دوسرے روایت یعنی کسی حدیث کے صحیح ہونے کے لئے صرف اتنی بات کافی نہیں ہے کہ وہ ثقہ اور قابل وثوق لوگوں کے ذریعہ بیان ہوئی ہے بلکہ اس میں یہ بھی غور کرنا چاہئے کہ یہ روایت اسلامی تعلیم کی کسی روح کے خلاف تو نہیں ہے۔ وہ کسی حدیث صحیح سے متصادم تو نہیں ہوتی ہے۔ اس میں مقام نبوت سے گری ہوئی کوئی بات تو بیان نہیں ہوئی ہے، وہ قرآن کے کسی بیان سے ٹکراتی تو نہیں ہے روایت کا استعمال عہد نبوت ہی سے شروع ہو گیا تھا۔ عہد صحابہ میں بھی ہمیشہ یہ اصول برتا جاتا تھا۔ حضرت عمرؓ خصوصیت سے اس میں سب سے زیادہ ممتاز تھے۔ تابعین اور اتباع تابعین کے زمانہ میں بھی حدیث کے رد و قبول میں صرف حدیث کا کام آسان ہے، اس لئے حاملین روایت کی تعداد تو کثرت سے نظر آتی ہے اس کے مقابلہ میں صاحب روایت خال خال نظر آتے ہیں۔ اس کی وجہ ظاہر ہے، روایت حدیث کا دار و مدار زیادہ تر قوت حافظہ پر ہے جو شخص اس نعمت سے بہرہ ور ہے وہ تھوڑی سی ذہانت و

۱۔ تہذیب الاماء ج ۱ ص ۳۰۵ ۲۔ تاریخ بغداد ج ۱ ص ۲۴۳ ۳۔ ایضاً ۴۔ تہذیب الاماء ص ۳۰۵
۵۔ تاریخ بغداد ص ۲۴۲ ۶۔ تاریخ بغداد ج ۲ ص ۲۴۳

ذکاوت کے ساتھ اس فرض کو انجام دے سکتا ہے مگر صاحبِ درایت کے لئے محض قوتِ حافظہ ہی کی نہیں بلکہ غیر معمولی ذہانت و ذکاوت کے ساتھ وسعتِ نظر اور وقتِ فکر کی بھی ضرورت ہوتی ہے، اس لئے اس کے حاملین کی تعداد تو کم ہونی ہی چاہئے۔

اتباعِ تابعین میں جن بزرگوں کو یہ خصوصیت حاصل تھی ان میں ابنِ مہدیؒ بھی تھے۔ اوپر جو اقوال نقل ہوئے ہیں۔ ان سے اندازہ ہو گیا ہوگا کہ علمِ حدیث میں ان کی بصیرت اور دقیقہ سنجی کے تمام اکابرِ معترف ہیں، خود فرماتے تھے کہ کسی شخص کا امام (جس کا اتباع کیا جائے) بننا اس وقت تک صحیح نہیں ہے جب تک اس کو روایت کی صحت اور غلطی کا علم نہ ہو جائے تاکہ وہ ہر روایت سے استدلال نہ کرنے لگے اس کے ساتھ اس کو علم کے اصل ماخذ و منبع کا بھی علم ہونا چاہئے یعنی کتاب و سنت کی روح سے پورے طور پر واقف ہونا چاہئے درایت کے پورے مفہوم کو اردو میں کسی کے لئے مہارتِ فن اور ذوقِ علم کے الفاظ استعمال کئے جاسکتے ہیں۔ یعنی کسی علم کی ممارست اور انہماک سے جو ایک ذوق حاصل ہو جاتا ہے اور اس ذوقِ سلیم کی روشنی میں اس فن کے بارے میں جو فیصلہ کیا جاتا ہے، اس کو روایت کہتے ہیں خود ابنِ مہدیؒ نے درایت کے مفہوم کو ایک بڑی عمدہ مثال کے ذریعہ واضح کیا ہے۔

ابنِ مہدیؒ بیان کرتے ہیں کہ ان کے پاس ایک شخص آیا اور اس نے پوچھا کہ اے ابوسعید آپ کسی روایت کو ضعیف اور کسی کو قوی قرار دیتے ہیں۔ کسی کے بارے میں کہہ دیتے ہیں کہ یہ صحیح ہے اور کسی کے غلط ہونے کا حکم لگا دیتے ہیں تو یہ رائے اتنی جلد آپ کس طرح قائم کرتے ہیں؟ (یعنی وہ کونسا معیار ہے جس پر جانچ کر آپ صحیح و غیر صحیح ہونے کا حکم لگاتے ہیں)۔

فرمایا کہ تم کسی صراف یا روپے کے پارکھ کے پاس روپے وریز گاری لے جاتے تو وہ فوراً دیکھتے ہی کہتا ہے کہ یہ سکہ کھرا ہے اور یہ کھوٹا یہ اچھا ہے اور یہ ردی تو کیا تم اس سے پوچھتے ہو کہ یہ حکم تم نے کیوں اور کیسے لگایا؟ یا اس کی بات تسلیم کر لیتے ہو؟ اس نے کہا ہاں! اس بارے میں تو اس کی رائے بے چون و چرا تسلیم ہی کر لینی پڑتی ہے؟ فرمایا کہ روایات کا حال بھی بالکل ایسا ہی ہے۔ مگر یہ منصب ہر شخص کو حاصل نہیں ہوتا بلکہ اس کے لئے بڑی ممارست، اہل علم کی صحبت تبادلہ خیال اور وفورِ علم کی ضرورت ہوتی ہے۔ معرفتِ حدیث کے بارے میں ان کا قول تھا کہ حدیث کی معرفت ایک طرح کا الہام ہے^۱۔ ان کا یہ جملہ درایتِ حدیث کی بہترین تفسیر ہے۔

روایت باللفظ :

حدیث نبوی کا جو ذخیرہ ہمارے پاس روایات کے ذریعہ پہنچا ہے اس میں کچھ قولی ہیں۔ اور کچھ فعلی۔ فعلی حدیثوں کو تمام صحابہ نے اپنے اپنے الفاظ میں بیان کیا ہے مگر احادیث کا وہ حصہ جو آپ کے ارشادات پر مشتمل ہے اس میں کچھ حصہ تو صحابہ نے اپنے الفاظ میں بیان کیا ہے یعنی روایت بالمعنی کی ہے، اور کچھ حصہ ایسا ہے جس میں ارشاد نبوی کو لفظ بلفظ بیان کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ صحابہ کرام کے عہد سے عہد اتباع تابعین تک بے شمار ایسے اکابر گزرے ہیں جو غایت احتیاط میں ارشاد نبوی کی معناروایت کرنے کی بجائے لفظاروایت کرنے کو پسند کرتے تھے۔ ان ہی بزرگوں میں عبدالرحمن بن مہدی بھی تھے۔ امام احمد بن حنبلؒ سے کسی نے پوچھا کہ ابن مہدی حافظ حدیث تھے؟ فرمایا کہ حافظ حدیث ہی نہیں تھے انتہائی محتاط محدث تھے۔ اور ان کی ایک خاص خصوصیت تھی کہ

وكان يحب ان يحدث باللفظ^۱

”کلام نبوی کی لفظ بلفظ روایت کرنا پسند کرتے تھے۔“

حدیث میں ان کی ایک اور خصوصیت کا ذکر خطیب بغدادی نے کیا ہے وہ یہ ہے کہ

برع فی معرفة الاثر و طرق الروایات و احوال الشيوخ

”آثار نبوی۔۔۔ روایات کے مختلف سلسلہ سند اور شیوخ حدیث کے احوال سے واقفیت میں ان کو پوری مہارت حاصل تھی۔“

تفقہ :

جس شخص میں روایت و درایت حدیث کے تمام اوصاف موجود ہوں جو دین کی روح اور اس کے ماخذ منبع سے پوری واقفیت رکھتا ہو، اس کے تفقہ فی الدین میں کیا شبہ ہو سکتا ہے، امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ بصرہ میں دو غیر معمولی عالم پیدا ہوئے۔ ایک یحییٰ بن سعیدؒ دوسرے عبدالرحمن بن مہدیؒ مگر تفقہ میں ابن مہدیؒ کا پلہ بھاری تھا۔ کمال تفقہ ہی کے بناء پر معاذ بن معاذؒ کہتے تھے کہ بصرہ میں عہدہ قضا کا اگر کوئی اہل ہے تو صرف ابن مہدیؒ ہیں مگر ان میں کمی یہ ہے کہ ان کا خاندان یہاں نہیں ہے اگر وہ کسی بڑے آدمی کے خلاف کوئی فیصلہ کر دیں تو وہ بڑے ان کو اس فیصلہ سے روکنے کی کوشش کریں گے۔ (اور ان کا کوئی ہمنوا نہ ہوگا) اس واقعہ سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ عجمی اثرات کی وجہ سے

اسلامی معاشرہ میں دوبارہ خاندانی عصبيت کس طرح ٹھس آئی تھی کہ اس وقت کا قاضی اگر اپنی پشت پر اپنے ہمنواؤں کی ایک جماعت نہیں رکھتا تو اس کے اپنے فیصلے بھی بے اثر ہو سکتے تھے، اور حکومت اس میں کچھ نہ کر پاتی تھی۔

سیرت و اخلاق :

اپنی سیرت و اخلاق کے اعتبار سے بھی وہ ممتاز تھے۔ ابن جوزی نے ان کو صاحب زہد و تقویٰ اتباع تابعین میں شمار کیا ہے، ایوب بن متوکل کا بیان ہے کہ جب ہم کو کسی ایسے شخص سے ملنے کی خواہش ہوتی ہے جو دین و دنیا کا جامع ہو تو ابن مہدیؒ کی خدمت میں حاضر ہو جاتے تھے، حسان ازرق لکھتے ہیں کہ ان کے دیکھنے سے آنکھیں ٹھنڈی ہو جاتی تھیؑ۔

ان کے ورع و تقویٰ کا حال یہ تھا کہ اگر ان کو کسی چیز میں حرام ہونے کا شبہ بھی ہو جاتا تھا تو اس کو اپنے استعمال میں نہیں لاتے تھے، وہ کہا کرتے تھے کہ جو چیز تم خدا کی رضا اور خوشنودی کے لئے چھوڑ دو گے خدا تعالیٰ اس کو تمہارے پاس ضرور واپس کر دے گا۔ یہ کہنے کے بعد انہوں نے اپنا ایک واقعہ بیان کیا کہ میں نے اور میرے بھائی نے مشترکہ تجارت کی جس میں کافی نفع ہوا مگر جب نفع تقسیم ہونے لگا تو اس مال میں کچھ شبہ ہوا۔ میں اپنے حصہ سے دستبردار ہو گیا۔ مگر خدا کی قدرت دیکھئے کہ میری زندگی میں وہ تمام دولت پھر میرے لڑکوں کے پاس آگئی وہ اس طرح کہ میرے بھائی نے اپنی تین لڑکیوں کی شادی میرے تین لڑکوں سے کر دی تھی اور میں نے اپنی لڑکی کی شادی ان کے لڑکے سے کر دی۔ اتفاق سے کچھ دن بعد بھائی کا انتقال ہو گیا۔ اور ان کے سارے مال کی وارث میرے والد اور مرحوم بھائی کی لڑکیاں جو میرے لڑکوں سے منسوب تھیں ہوئی اس کے بعد والد کا بھی انتقال ہو گیا۔ اور وہ کل دولت میرے گھر میں آگئی۔

ایک بار کسی نے زمین بیچنے کا ارادہ کیا۔ ڈھائی سودینار فی جریب پر معاملہ طے ہو گیا۔ وہاں جس کے ذریعہ غالباً یہ معاملہ طے ہوا تھا اس نے آپ سے کہا کہ خریدار نے زمین کو ویران اور غیر آباد سمجھ کر اتنی قیمت لگائی ہے، اگر میں اور آپ کا غلام دونوں مل کر اس زمین میں کھاد وغیرہ ڈال کر اس کو آباد کر دیں تو اس زمین کی قیمت فی جریب پچاس دینار (پانچ سو روپے) سے زیادہ ہو جائے گی، اس طرح پوری زمین میں آپ کو چار ہزار دینار مزید مل جائیں گے۔ گویا کرنا غلط نہیں تھا، اس لئے کہ اس نے ابھی قیمت نہیں ادا کی تھی، مگر پھر بھی انہوں نے محض تھوڑے سے فائدے کے لئے وعدہ کرنے

کے بعد اس کو مایوس کرنا ایک طرح کی بدمعاشی اور بداخلاقی سمجھی، اس لئے دلال کی گفتگو سے بہت ناراض ہوئے اور بولے کہ تم چار ہزار دینار کا لالچ دیتے ہو، میں اس چار ہزار سے خدا کی پناہ مانگتا ہوں پھر اس کے بعد یہ آیت تلاوت کی :

لَا يَسْتَوِي الْخَبِيثُ وَالطَّيِّبُ وَلَوْ أَعْجَبَكَ كَثْرَةُ الْخَبِيثِ
 ”حرام اور حلال مال برابر نہیں ہو سکتے اگرچہ حرام مال کی کثرت تمہارے لئے کتنی ہی پسندیدہ کیوں نہ ہو۔“

پھر کہا کہ میں ہرگز اس معاملہ سے باز نہیں رہ سکتا۔ خواہ چار ہزار کے بجائے ایک لاکھ دینار کا فائدہ کیوں نہ ہو۔ حصول ثواب کا انہیں عشق تھا۔ فرماتے تھے کہ اگر مجھے اس بات کا خوف نہ ہوتا کہ خدا کی نافرمانی ہوگی تو میں یہ تمنا کرتا کہ اس شہر کا ہر شخص میری غیبت کرے۔ بھلا اس نیکی سے عمدہ کون سی نیکی ہو سکتی ہے جس کو اس نے نہ تو کیا ہو اور نہ اسے اس کا علم ہو مگر قیامت کے دن محاسبہ ہو تو اس کے صحیفہ اعمال میں وہ نیکی موجود ہو۔ یہ اشارہ اس حدیث نبوی کی طرف ہے جس میں یہ کہا گیا ہے کہ جب کسی بندہ کی ناحق برائی کی جاتی ہے، تو ہر برائی کے بدلہ اس کے نامہ اعمال میں ایک نیکی لکھ دی جاتی ہے۔

نصیحت :

اہل علم کو وہ نصیحت کیا کرتے تھے کہ جب آدمی اپنے سے زیادہ صاحب فضل و کمال سے ملے تو اس کی صحبت کو غنیمت سمجھتے۔ اگر اپنے برابر سے ملے تو اس سے استفادہ اور مذاکرہ کی کوشش کرے، پورا گرا اپنے سے کمتر آدمی سے ملے تو اس کے ساتھ تواضع سے پیش آئے اور اس کو اپنے علم و فضل سے فائدہ پہنچائے۔ جو شخص ہر سنی روایت کو نقل کر دیتا ہو جو ہر کہ مسد کی روایت قبول کر لیتا ہو وہ علم حدیث کا امام بننے کے لائق نہیں ہے۔^۱

علم و فضل اور اخلاق و سیرت کے ساتھ عبادت و ریاضت میں بھی وہ ممتاز تھے۔ ان کے صاحبزادے کا بیان ہے کہ وہ اکثر اوقات پوری رات نفل نماز تلاوت قرآن میں گزار دیتے تھے ان کا عام معمول یہ تھا کہ ہر روز نصف قرآن تلاوت کر ڈالتے تھے۔ یہ ایک بار پوری رات جاگتے رہے مگر عین صبح کے وقت آنکھ لگ گئی اور نماز فجر قضا ہو گئی۔ ان کو اس کا اتنا رنج ہوا کہ اس کی تلافی کے لئے بہت دنوں تک زمین پر پیٹھ نہیں لگائی۔^۲

خلق قرآن کے مسئلہ میں ان کی رائے :

یونانی فلسفہ اور دوسری قوموں کے اختلاط سے اس زمانہ میں بہت سے ایسے مسائل پیدا ہو گئے تھے جن کا وجود عہد نبوی اور عہد صحابہ میں نہیں ملتا، ابتداً علماء محدثین ان مسائل کے جواب سے گریز کرتے تھے مگر جب یہ مسائل بہت زیادہ عام ہوئے تو ان کو ان کے بارے میں اپنی رائے دینی ہی پڑی، انہی مسائل میں ایک مسئلہ قرآن کے مخلوق ہونے کا ہی تھا، اس بارے میں قریب قریب اس عہد کے بیشتر علماء محدثین سے سوال کیا گیا تھا۔ ان سے پوچھا گیا تو فرمایا کہ اگر مجھے اقتدار حاصل ہوتا تو قرآن کو مخلوق کہنے والے کی میں گردن اڑا دیتا اور پھر اس کی لاش دجلہ میں پھنکوا دیتا۔

فرماتے تھے، فرقہ جہمیہ چاہتا ہے کہ خدا کے لئے نہ تو صفت کلام ثابت ہو سکے اور نہ قرآن اس کا کلام ثابت ہو سکے حالانکہ یہ ثابت ہے کہ خدا نے حضرت موسیٰؑ سے کلام کیا اور پھر بتا کید کہا کہ

و کلمہ اللہ موسیٰ تکلیماً
”اللہ نے حضرت موسیٰ سے کلام کیا۔“

وفات :

اس پیکر فضل و کمال نے تریسٹھ سال کی عمر میں ۱۹۸ھ میں بصرہ میں وفات پائی۔

رحمہ اللہ رحمة واسعة



بسم الله الرحمن الرحيم

حضرت علی بن مدینیؒ

اتباع تابعین کے زمرہ میں جن محدثین کو جرح و تعدیل کا امام سمجھا جاتا ہے۔ ان میں ایک حضرت علی بن المدینی بھی ہیں۔ گویا یہ عمر میں چھوٹے تھے مگر علم و فضل کے وجہ سے ان کا شمار اکابر محدثین میں ہوتا تھا۔

نام و نسب :

ابو الحسن کنیت اور علی نام تھا۔ ان کا خانوادہ بنو سعد کے ایک شخص عطیہ السعد کا غلام تھا۔ آبائی وطن مدینہ تھا۔ اس نسبت سے مدینی مشہور ہیں۔ بعد میں یہ خاندان بصرہ میں آباد ہو گیا تھا۔ یہیں ۱۶۱ھ میں ان کی ولادت ہوئی اور وہیں ان کی نشوونما اور ابتدائی تعلیم کا آغاز ہوا۔ ان کے دادا اور والد دونوں صاحب علم و فضل تھے۔ ان کے والد کے بارے میں تو خطیب نے لکھا ہے کہ یہ مشہور محدث تھے۔ ان کی ابتدائی تعلیم انہی کی آغوش تربیت میں ہوئی۔

بعض واقعات سے پتہ چلتا ہے کہ اختتام تعلیم سے پہلے ہی ان کے والد کا انتقال ہو چکا تھا۔ چنانچہ جب انہوں نے سماع حدیث کے لئے یمن کا سفر کیا تو اس وقت ان کے اخراجات کی ساری ذمہ داری ان کی والدہ کے سر تھی۔

طلب علم کا شوق :

ان کے شیوخ کی فہرست پر نظر ڈالنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ انہوں نے طلب علم کے شوق میں دور دور کی خاک چھانی تھی۔ مکہ، مدینہ، بغداد، کوفہ، عرض ممالک اسلامیہ کے ہر مشہور مقام تک طلب علم کے لئے گئے۔ خصوصیت سے یمن میں وہ تین سال تک مقیم رہے۔ علم حدیث سے ان کو فطری لگاؤ بھی تھا اور وراثت بھی یہ علم ان کے حصہ میں آیا تھا۔ اس لئے ان کے علم کا سارا جوہر اس فن میں کھلا۔ سماع حدیث کے لئے جس وقت انہوں نے یمن کا سفر کیا تھا، اس وقت یہ مبتدی نہیں تھے، بلکہ اپنے حفظ و سماع سے حدیث کا ایک اچھا خاصا ذخیرہ اپنے پاس جمع کر چکے تھے۔

خود بیان کرتے ہیں کہ میں نے اپنے سلسلہ سفر کے اعتبار سے ایک سند جمع کی تھی۔ میں جب یمن جانے لگا تو اس کو بحفاظت ایک بکس میں بند کر تا گیا، لیکن تین برس کے بعد واپس ہوا

تو یہ سارا ذخیرہ مٹی کا ڈھیر ہو چکا تھا۔ مجھ پر اس کا ایسا اثر ہوا کہ پھر دوبارہ اس کے جمع کرنے کی ہمت نہ کر سکا۔

والدہ کی طرف سے طلبِ علم کی ہمت افزائی :

والدہ کے انتقال کے بعد گھر کا کوئی نگران نہیں تھا۔ صرف ان کی والدہ تنہا تھیں۔ ان کے قیام یمن کے زمانہ میں ان کو نہ جانے کتنی تکلیفوں کا سامنا کرنا پڑا ہوگا، مگر انہوں نے یہ پسند نہیں کیا کہ ان تکالیف کی اطلاع دے کر اپنے نور چشم کے سمندر شوق کی راہ میں روڑہ ڈالیں، بلکہ جن لوگوں نے اس کا مشورہ دیا ان کو انہوں نے اپنے لڑکے کا دشمن سمجھا۔

چنانچہ جس وقت علی بن المدینی یمن سے واپس آئے تو انہوں نے بیان کیا کہ بیٹا میں نے تمہارے دوستوں اور دشمنوں کو اچھی طرح پہچان لیا۔ بیٹے نے پوچھا، اماں جان! یہ کیسے؟ بولیں جب تم یمن میں تھے تو فلاں فلاں آدمی میرے پاس آتے اور ادب سے سلام کرتے اور مجھ کو تسلی دیتے اور کہتے کہ آپ ان کی مفارقت سے گھبرائیں نہیں، جس وقت علی واپس آئیں گے تو ان کو دیکھ کر آپ کی آنکھیں ٹھنڈی اور دل باغ باغ ہو جائے گا۔ میں نے اس سے سمجھ لیا کہ یہ لوگ تمہارے مخلص اور ہی خواہ ہیں۔

ان کے برخلاف فلاں فلاں اشخاص آئے اور کہنے لگے کہ آپ ان کو خط لکھئے کہ وہ جلد واپس آجائیں، اگر نہ آئیں تو پھر پریشان کن خط لکھئے۔ ان باتوں سے میں سمجھی کہ یہ لوگ تمہارے دشمن ہیں دوست نہیں۔

علمی شغف :

ان کے علمی شغف کا یہ حال تھا کہ رات کو سوتے سوتے کوئی حدیث یاد آگئی یا کائنات کا شبہ ہوا تو فوراً لوٹدی سے کہتے کہ چراغ جلا۔ چراغ جل جاتا اور وہ جب اپنی تسکین کر لیتے تب جا کر پھر ان کو نیند آتی تھی۔

اساتذہ :

جن اساتذہ سے انہوں نے کسب فیض کیا تھا، ان کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ چند مشاہیر کے نام یہ ہیں۔

ان کے والد عبد اللہ بن جعفر، حمادی بن زید، سفیان بن عیینہ، یحییٰ بن سعید القطان، عبد الرحمن بن مہدی، ابو داؤد طیالسی، ابن علیہ، سعید بن عامر رحیم اللہ تعالیٰ وغیرہ۔

اعتراف فضل :

ان کے علم و فضل کا ہر کہ دمہ کو اعتراف تھا۔ حضرت یحییٰ بن سعید القطان ان کے اساتذہ میں تھے، مگر وہ کہا کرتے تھے کہ علی بن المدینی نے جتنا مجھ سے استفادہ اس سے کہیں زیادہ میں نے ان سے استفادہ کیا ہے^۱۔

اسی طرح مشہور محدث اور ان کے شیخ ابن مہدیؒ کہا کرتے تھے کہ میں نے احادیث نبویؐ کا اتنا جاننے والا نہیں دیکھا^۲۔ حضرت سفیان بن عیینہ کے یہ خاص اور محبوب تلامذہ میں تھے۔ بعض لوگوں کو ابن المدینیؒ کے ساتھ ان کی یہ نسبت و محبت ناگوار گزرتی تھی۔

ایک دن انہوں نے فرمایا کہ مجھے لوگ علی کی محبت پر ملامت کرتے ہیں۔ خدا کی قسم! انہوں نے مجھ سے جتنا کسب فیض کیا ہے، اس سے کچھ زیادہ میں نے ان سے استفادہ کیا ہے^۳۔ حضرت سفیانؒ ان کو حدیث کا مرجع و ماویٰ کہتے تھے۔ کہتے تھے کہ اگر ابن المدینی نہ ہوتے تو میں درس دینا بند کر دیتا۔ امام احمد ضہلیؒ ان کا اتنا احترام کرتے تھے کہ ادب سے ان کا نام نہیں لیتے تھے، بلکہ ہمیشہ ان کی کنیت ہی سے ان کو مخاطب کرتے تھے^۴۔

امام بخاریؒ ان کے تلامذہ میں ہیں۔ ان کا قول ہے کہ میں نے علی بن المدینیؒ کے علاوہ کسی کے سامنے اپنے کو حقیر نہیں سمجھا^۵۔

ان کے انتقال کے بعد کسی نے امام بخاری سے پوچھا کہ آپ کے دل میں کوئی خواہش باقی ہے؟ بولے ہاں! ایک خواہش ہے، وہ یہ ہے کہ ابن مدینی زندہ ہوتے اور عراق جا کر ان کی صحبت میں بیٹھتا^۶۔

ابن ماجہ اور نسائیؒ نے ان سے بالواسطہ روایتیں کی ہیں۔ امام نسائیؒ کہتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو علم حدیث ہی کے لئے پیدا کیا ہے^۷۔

۱۔ تہذیب التہذیب جلد ۷۔ ص ۳۵۱ ۲۔ ایضاً ۳۔ ایضاً ص ۳۵۹ ۴۔ ایضاً ۵۔ ایضاً ص ۳۵۲

۶۔ ایضاً

۷۔ ایضاً ص ۳۵۱

خصوصیت :

ان کے اساتذہ اور دوسرے ائمہ نے ان کے بارے میں جو رائیں دی ہیں، ان میں کوئی مبالغہ نہیں ہے۔ بلکہ یہ واقعہ ہے کہ ابن مدینی کو جو خصوصیت حاصل تھی، اس میں ان کے اساتذہ اور معاصر ائمہ میں بہت کم لوگ ان کے سہیم و شریک تھے۔

امام ابن مدینیؒ حدیث کے حافظ اور محض راوی نہیں تھے بلکہ حدیث نبوی ﷺ کے عارف و ماہر تھے۔ سند و متن رواۃ و روایت ہر چیز پر نظر تھی۔ خامیوں اور نقائص کا پورا علم رکھتے تھے۔ ابو حاتم کا قول ہے کہ علی معرفت حدیث و علل میں ایک علامت و نشان تھے^۱۔

محدث فرہانی سے کسی نے امام احمد، یحییٰ بن معین اور ابن مدینیؒ کے بارے میں سوال کیا، تو انہوں نے کہ یحییٰ کوجال میں درک تھا اور امام احمدؒ میں تفقہ زیادہ تھا اور ابن مدینیؒ کے بارے میں کہا کہ

قا علمہم بالحدیث والعلل

”حدیث اور اس کی سندوں اور علتوں سے خوب واقف تھے“^۲۔

حضرت محمد بن یحییٰؒ کا بیان ہے کہ میں نے ان کے پاس ایک کتاب دیکھی جس کی پشت پر لکھا تھا کہ ابن مدینیؒ کہا کرتے تھے کہ مجھے ایک حدیث کی علت سے واقفیت ہو جائے تو یہ مجھے اس سے زیادہ پسند ہے کہ بے جانے بوجھے میں بیسیوں حدیثیں یاد کر لوں۔

اسی خصوصیت کی بنا پر روایت کی صحت و عدم صحت پر جب بحث و مباحثہ ہوتا تو اپنے معاصرین میں یہی حکم بنائے جاتے اور انہی کی رائے پر بحث کا خاتمہ ہوتا تھا۔ بغداد اس وقت علم و فن کا سب سے بڑا مرکز تھا۔ مگر وہاں ابن المدینیؒ پہنچ جاتے تو ایک نیا حلقہ درس قائم ہو جاتا اور تمام ائمہ پروانہ داران کے گرد جمع ہو جاتے اور جب ان کے درمیان کوئی مختلف فیہ مسئلہ آ جاتا اور فیصلہ نہ ہو پاتا تو پھر اس میں ابن مدینیؒ اپنی رائے دیتے تھے^۳۔

روایت حدیث میں شدت احتیاط :

اس زمانہ میں روایت حدیث عام طور پر ایک علم و فضل کی چیز بن گئی تھی۔ اس لئے بعض نااہلوں نے بھی روایت حدیث کی مسند سنبھالی تھی اور ان کی وجہ سے بے شمار قصے اور افسانے احادیث

نبوی ﷺ کے نام سے عوام میں مشہور ہو گئے تھے۔ ائمہ حدیث کا یہ غیر معمولی کارنامہ ہے کہ انہوں نے ایسے افسانوں اور قصوں کو ذخیرہ حدیث سے چھانٹ کر الگ کر دیا۔

خود ابن مدینیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنی ایک لاکھ روایات جن میں تیس ہزار ایک راوی عباد بن صہیبؒ سے مروی تھیں ترک کر دیں، اس لئے کہ قابل اعتبار نہیں تھیں^۱۔ اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ ائمہ حدیث اور خاص طور سے ابن مدینیؒ نے صحیح حدیث کی تفتیش و تنقید میں کتنی جانکاہی کی تھی۔

عادات و اخلاق :

اپنے اخلاق و عادات میں اسلاف کا نمونہ تھے۔ عباس غنبری کہتے ہیں کہ اگر ان کی عمر نے کچھ زیادہ وفا کی ہوتی تو اپنے اخلاق و عادات میں وہ حسن بصریؒ سے بڑھ جاتے۔ ان کی زندگی کا ہر گوشہ اتنا پاکیزہ اور پرکشش تھا کہ

كان الناس يكتبون قيامه وقعوده ولباسه وكل شئ ويقول ويقعل^۲۔
”ان کی چال و حال، نشست و برخاست ان کے لباس کی کنیت غرض ان کے ہر قول و عمل کو لوگ اسوہ سمجھ کر لکھ لیا کرتے تھے۔“

ان ہی اوصاف کا کرشمہ تھا کہ جب تک یہ بغداد میں رہتے تھے، سنت کا چرچا بڑھ جاتا تھا اور شیعیت کا زور گھٹ جاتا اور جب کچھ دنوں کے لئے یہ بصرہ چلے جاتے تو یہ فتنہ پھر زور پکڑ لیتا، حضرت یحییٰ بن معینؒ فرماتے تھے :

وكان علي بن المديني اذا قدم علينا اظهر السنة واذا ذهب الى
البصر اظهر التشيع . (تهذيب . جلد ۷ . ص ۳۵۳)

”علی بن مدینی جب بغداد آ جاتے تو سنت کا چرچا ہو جاتا تھا اور جب وہ بصرہ چلے جاتے تو شیعیت زور پکڑ جاتی۔“

تصنیف :

یہ ان ائمہ تبع تابعین میں ہیں، جنہوں نے اپنی تحریری یادگاریں بھی چھوڑی ہیں۔ امام نوویؒ نے لکھا ہے کہ انہوں نے حدیث میں دو سو ایسی تصنیفیں چھوڑی ہیں، جس کی مثال ان سے پہلے

نہیں ملتی۔ مگر ان میں بیشتر ضائع ہو گئیں۔ حافظ ابن حجر نے صرف اتنا لکھا ہے کہ وہ صاحب تصانیف تھے۔ ابن ندیم نے ان کی چند تصانیف کے نام بھی گنائے ہیں :

کتاب المسند بعللہ، کتاب المدلسین، کتاب الضعفاء، کتاب العلل، کتاب الاسماء والکنی، کتاب الاثریہ، کتاب النزہل۔ (ص ۳۲۲)

فتنہ خلق قرآن اور ابن مدینی کی آزمائش :

متعدد ائمہ کے حالات میں مسئلہ خلق قرآن کا ذکر آچکا ہے۔ اس فتنہ کی شدت اور ہمہ گیری کا اندازہ اس وقت نہیں لگایا جاسکتا، مگر دوسری صدی کے آخر اور تیسری صدی کے شروع کے حالات و واقعات کو اگر سامنے رکھا جائے تو اس کی اہمیت اور شدت کا کچھ اندازہ ہو جائے گا۔ اس مسئلہ نے سب سے زیادہ اہمیت خلیفہ معتمد کے زمانہ میں اس وقت اختیار کر لی تھی، جب اس نے پوری مملکت میں یہ اعلان کر دیا تھا اور اپنے گورنروں کے ذریعہ یہ گشتی کرادی تھی کہ جو شخص خلق قرآن کا قائل نہیں، اس کو جس و ضرب ہی نہیں بلکہ دارورسن کی سزا بھی دی جاسکتی ہے۔

اس اعلان کے بعد بڑے بڑے ائمہ اور محدثین کے پیروں میں لغزش آگئی اور انہوں نے اس کا اقرار کر لیا۔ کتنے زوپوش ہو گئے، مگر کچھ مردان خدا ایسے بھی تھے، جو نہ زوپوش ہوئے اور نہ ان کے پیروں میں لغزش آئی، بلکہ آخر وقت تک اس بات کا اظہار کرتے رہے کہ یہ عقیدہ سراسر اسلام کے خلاف ہے۔ اس کے نتیجہ میں ان کو وہ سب کچھ بھگتنا پڑا جس کا اس سے پہلے اعلان ہو چکا تھا۔ ان ظاہرین علی الحق کے سرخیل امام احمد بن حنبل تھے۔

اس مسئلہ میں جن بزرگوں نے کمزوری دکھائی یا یوں کہئے کہ عزیمت کے بجائے رخصت اختیار کی ان میں علی بن المدینی بھی تھے۔ اوپر ذکر آچکا ہے کہ امام احمد بن حنبل ان کا انتہائی احترام کرتے تھے۔ مگر اس مسئلہ میں جب سے ان سے لغزش ہوئی تو انہوں نے اپنا رویہ بدل لیا۔ اس واقعہ کی تفصیل خطیب بغدادی نے یہ بیان کی ہے۔

معتمد باللہ کو جب یہ معلوم ہوا کہ امام احمد بن حنبل اور بعض دوسرے ائمہ اس مسئلہ میں اس کی رائے سے اختلاف رکھتے ہیں تو اس نے ان کو دربار میں طلب کیا اور برسر دربار شاہانہ انداز میں ان سے مخاطب ہو کر کہا کہ

”میں نے سنا ہے کہ آپ اس بات کے قائل ہیں کہ قیامت میں خدا کا دیدار ہوگا، حالانکہ یہ ممکن نہیں ہے۔ اس لئے کہ خدائے تعالیٰ کی ذات لامحدود ہے اور ہماری آنکھوں کی بصارت محدود تو محدود چیز لامحدود کو کیسے دیکھ سکتی ہے؟ آپ کے پاس اس کی کیا دلیل ہے کہ قیامت میں رویت باری ہوگی؟“

آپ نے نہایت ہی صفائی اور جرأت سے فرمایا، ”میرے پاس جو دلیل ہے وہ محض ظنی و قیاسی نہیں بلکہ نقل و روایت پر مبنی ہے۔“

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد گرامی ہے کہ ”تم قیامت میں خدائے تعالیٰ کو اس طرح دیکھو گے جس طرح چودھویں کے چاند کو دیکھتے ہو“۔^۱

مقصود یہ دلیل سن کر کچھ گھبرا سا گیا اور اس نے قاضی احمد بن داؤد^۲ سے مخاطب ہو کر پوچھا، تمہارے پاس اس حدیث نبوی کا کوئی جواب ہے؟ یہ بیچارہ کیا جواب دیتا۔ بولا، کہ ”میں اس حدیث کی سند پر غور کر لوں تو جواب دوں۔ علی بن المدینی^۳ سے غالباً اس کے تعلقات پہلے سے تھے۔ دربار سے نکل کر سیدھا ان کے پاس پہنچا اور ان کے سامنے کچھ نذر پیش کی اور کوئی گفتگو کئے بغیر چلا گیا۔ پھر دوبارہ دس ہزار درہم ان کی خدمت میں یہ کہلا کر بھیجے کہ یہ امیر المؤمنین نے آپ کو ہدیہ بھیجے ہیں اور انہوں نے یہ حکم دیا ہے کہ آپ کو جس چیز کی ضرورت وہ فراہم کر دی جائے۔“

یہ دام زریں بچھانے کے بعد پھر ابن مدینی^۴ کی خدمت میں حاضر ہوا اور ان سے پوچھا کہ رویت باری کے سلسلہ میں حضرت جریر بن عبد اللہ^۵ سے جو روایت مروی ہے کیا وہ صحیح ہے؟ آپ کے نزدیک اس میں کوئی سقم تو نہیں ہے؟

ابن مدینی نے فرمایا کہ مجھے اس بارے میں معاف ہی رکھئے (مقصود یہ تھا کہ یہ حدیث صحیح ہے، مگر چونکہ یہ فتنہ کا سبب بنی ہوئی ہے، اس لئے میں اس بارے میں کوئی رائے دینا نہیں چاہتا)۔ ابن ابی داؤد نے دیکھا کہ اس کا وار خالی جانا چاہتا ہے تو اس نے ابن مدینی سے کہا کہ یہ موجودہ زمانہ حالات کی ضرورت ہے، جس کو کیسے نظر انداز کیا جاسکتا ہے۔ اس کے بعد پھر ان کی خدمت میں کچھ تحائف پیش کئے اور اس حدیث کے بارے میں ان کی رائے دریافت کی۔ اب ابن مدینی کے پائے ثبات میں لغزش آگئی اور انہوں نے جواب دے دیا جو ابن داؤد کا منشاء تھا۔

۱۔ یہ فرما کر امام نے اس کی عقل پرستی پر ایک ضرب لگائی تھی۔
۲۔ اسی شخص کی بدتمیزی اور جاہ پسندی کی وجہ سے اس مسئلہ نے زور پکڑا تھا۔

انہوں نے کہا کہ اس حدیث کے سلسلہ سند میں ایک سقم ہے، وہ یہ کہ اس کا ایک راوی قیس بن حازم قابل ترک ہے۔ ابن ابی داؤد یہ سن کر خوشی سے اُچھل پڑا اور ابن مدینیؒ کو گلے سے لگالیا اور وہاں سے دربار خلافت کا رخ کیا۔ وہاں پہنچ کر اس نے معقلم کے سامنے روایت کے اس ضعیف کو ظاہر کیا۔ معقلم کو جب یہ بہانہ ہاتھ آ گیا تو امام احمدؒ کو اس نے سزا دینے کا حکم دیا۔

خطیب نے اس واقعہ کو نقل کرنے کے بعد خود ہی اسے ناقابل اعتبار ٹھہرایا ہے۔ اس سلسلہ میں انہوں نے کئی باتیں لکھی ہیں۔ ایک یہ کہ جن لوگوں نے امام احمدؒ کی آزمائش کا ذکر کیا ہے، ان میں کسی نے بھی یہ نہیں لکھا ہے کہ روایت باری کے بارے میں امام احمدؒ سے سوال و جواب ہوا۔ دوسرے قیس بن حازم کو ناقابل اعتبار کہنا صحیح نہیں ہے۔ ان کا شمار ممتاز تابعین میں ہوتا ہے۔ تمام ائمہ حدیث ان کی وثاقت پر متفق ہیں اور ان سے روایت کرتے ہیں۔ خود ابن مدینیؒ نے بھی ان سے متعدد روایتیں کی ہیں۔ ظاہر ہے کہ ابن مدینیؒ جس راوی سے خود روایت کرتے ہوں اس کو وہ ناقابل اعتبار ٹھہرائیں، یہ کیسے ممکن ہے؟

پھر انہوں نے لکھا ہے کہ اگر بفرض محال یہ بات صحیح ہو کہ اس موضوع پر معقلم کے سامنے مناظرہ ہوا تو بھی یہ بات قطعی غلط ہے کہ ابن مدینیؒ نے مذکورہ روایت کے راوی قیس بن حازم کو قابل ترک قرار دیا ہو۔ یہ بھی ابن ابی داؤد کی چال تھی کہ اس نے خود اپنی طبیعت سے ایک اعتراض پیدا کیا اور اس کو ابن مدینیؒ کی طرف منسوب کر دیا۔

ممکن ہے کہ یہ واقعہ اس صورت میں صحیح نہ ہو، مگر اتنی بات یقینی ہے کہ ابن مدینیؒ سے مسئلہ خلق قرآن کے بارے میں لغزش ہوئی اور انہوں نے امام احمدؒ کی رائے کے خلاف رائے دی۔ جس کی وجہ سے معقلم کی پوزیشن مضبوط ہو گئی اور اس میں وہ تنہا نہیں تھے بلکہ بہت سے اور بھی علماء شریک تھے یہ اور بات ہے کہ یہ لغزش ان سے جس ضرب اور دارورسن کے خوف سے ہوئی۔ خود ابن مدینیؒ کو اس غلطی کا زندگی بھر افسوس رہا۔ کسی نے ان سے کہا کہ احمدؒ کے مقابلہ میں اب آپ کی روایت کو اہل علم وقعت نہیں دیتے تو نہایت ہی شرمساری کے ساتھ بولے کہ ہاں! ایسا تو ہونا ہی چاہئے۔ امام احمدؒ تو کوڑوں شدید مار سہار لے گئے، میں تو ایک کوڑا بھی نہیں برداشت کر سکتا۔

محمد بن عبد اللہ موصلی کا بیان ہے کہ علی بن مدینیؒ جمہیت کے عقائد کی ہمیشہ تردید کیا کرتے تھے۔ مگر جب انہوں نے ابتلاء کے زمانے میں اپنی پہلی رائے کے خلاف رائے دی تو میں نے ان کو

ایک خط لکھا۔ اس میں ان کو خدا کا واسطہ دے کر لکھا کہ آپ نے اس سے پہلے جن خیالات کی تردید کی تھی، آج ان ہی تائید کر رہے ہیں۔

جب خط ان کو ملا تو رو پڑے اور بڑے افسوس کے لہجہ میں کہا کہ میں نے جو کچھ لکھا ہے محض قتل کے خوف سے لکھا ہے، ورنہ میرا دل اس رائے سے بالکل ابا کرتا ہے۔ تم جانتے ہو کہ میں کمزور آدمی ہوں۔ اگر مجھ کو ایک کوڑا بھی لگتا تو میں جان بر نہیں ہو سکتا تھا۔

جس وقت یہ ابتلائے عام پیش آیا، اس وقت ظاہری طور پر امام احمد کا ساتھ آخر وقت تک کسی نے نہ دیا، مگر چونکہ رائے یہی صحیح تھی اس لئے ہر خاص و عام کے دل میں ان کی رائے کی وقعت تھی اور جن لوگوں نے ان کے خلاف رائے دی وہ ان کی نگاہوں سے گر گئے تھے۔

حدیث کے بارے میں ابن مدینی کی شخصیت کے مسلم ہونے میں کیا شبہ ہے مگر مسئلہ خلق قرآن میں امام احمدؒ کی رائے سے اختلاف کی بناء پر عام ائمہ حدیث کی نظروں میں وہ اتنا گر گئے کہ ان کی روایت کے قبول کرنے میں لوگ پس و پیش کرنے لگے تھے، حتیٰ کہ بعض نے تو ان کے بارے میں بہت سخت الفاظ استعمال کئے ہیں۔ غالباً یہی وجہ تھی کہ لوگوں نے ان کی تصانیف کی طرف کوئی اعتنا نہیں کیا اور اکثر تصانیف ہونے کے باوجود ان کی کوئی تحریری یادگاریں موجود نہیں رہی، مگر بہر حال یہ بات صحیح نہیں ہے کہ ان کی ایک لغزش کی وجہ سے جس پر ان کو ندامت اور شرمندگی بھی تھی، یہ رائے قائم کی جائے کہ ان کی تمام روایتیں ضعیف تھیں۔

حضرت ابو جعفرؒ کہتے ہیں کہ ان کا رجحان ابن ابی داؤد اور جہمیت کی طرف ہو گیا تھا۔ مگر ان کی مرویات نہایت ہی درست ہیں۔^۱

امام ذہبیؒ لکھتے ہیں کہ ابن مدینیؒ کے مناقب و فضائل بہت زیادہ ہیں۔ کاش وہ اس فتنہ میں مبتلا نہ ہوئے ہوتے۔^۲ اگرچہ اس کی کوئی اہمیت باقی نہیں رہ گئی۔ اس لئے انہوں نے بعد میں اس پر اپنی ندامت کا اظہار کیا اور جن خیالات کا وہ پہلے اظہار کر چکے تھے، ان سے رجوع بھی کر لیا تھا۔ یہاں تک کہ خلق قرآن کے قائلین تفکیر کرنے لگے تھے۔^۳

وہ برسرِ منبر کہتے تھے کہ کلام اللہ مخلوق نہیں ہے۔ حضرت عمرو بن علی ان پر بہت سخت تنقید کرتے تھے۔ یحییٰ بن معین کو معلوم ہوا تو وہ اس پر بہت خفا ہوئے اور فرمایا کہ ان کو مرتد یا فاسق بنانا انتہائی غلط بات ہے۔ محض جان کے خوف کی وجہ سے مسئلہ خلق قرآن میں ان سے چوک ہو گئی۔

علامہ ابن اُخرمؒ نے اپنی مجلس میں ایک دن ابن مدینیؒ کی تعریف کی۔ اس پر کسی نے کہا کہ عمرو بن علیؒ تو ان پر جرح کرتے ہیں۔ ابن اُخرمؒ نے عمرو کو بہت سخت سست کہا۔
ان کے علاوہ امام بخاریؒ، ابن حبانؒ اور دوسرے تمام ائمہ حدیث نے ان کی توثیق کی ہے۔
ظاہر ہے کہ ان ہی آئمہ پر جراح و تعدیل کا دار و مدار ہے۔ انہوں نے جب ان کی توثیق کر دی تو ان روایت کے بارے میں ضعف کا شبہ کرنا صحیح نہیں ہے۔

وفات :

ان کے سن وفات اور مقام اور وفات دونوں میں اختلاف ہے۔ سن وفات کسی نے ۲۳۲ھ کسی نے ۲۳۵ھ اور کسی نے ۲۳۸ھ لکھا ہے۔ مگر خطیب بغدادی نے ۲۳۴ھ کو صحیح قرار دیا ہے۔ بعض اہل تذکرہ نے لکھا ہے کہ ان کا انتقال بصرہ ہی میں ہوا مگر خطیب بغدادی اور ابن ندیم کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا انتقال سامرا میں ہوا اور یہی صحیح معلوم ہوتا ہے۔^۱



بسم الله الرحمن الرحيم

حضرت امام لیث بن سعدؒ

امام لیث بن سعدؒ ممتاز تبع تابعین میں ہیں۔ جن کی مجلس درس میں بڑے بڑے آئمہ نے زانوئے تلمذتہ کیا تھا۔ امام شافعیؒ نے ان کا زمانہ پایا تھا۔ مگر کسی وجہ سے اکتساب فیض نہ کر سکے، جس کا ان کو زندگی بھر افسوس رہا۔ ان کے مجتہدات اور مسائل فقہ مدون کئے گئے ہوتے تو ان کا شمار آئمہ مجتہدین میں ہوتا۔ اسی بنا پر امام شافعیؒ فرماتے تھے کہ ان کے تلامذہ نے ان کو ضائع کر دیا۔ یعنی ان کے افادات کو انہوں نے مدون نہیں کیا کہ ان کی امامت و جلالت کا صحیح اندازہ بعد کے لوگوں کو ہو سکے۔ علم و فضل، تفقہ فی فہم، فیاضی و سیر چشمی اور تواضع و مدارات ان کے سوانح حیات کی جلی سرخیاں ہیں۔

خاندان :

آبائی وطن اصفہان تھا۔ مگر ان کا خانوادہ کسی جنگ میں قبیلہ قیس کی ایک شاخ فہم کا غلام ہو گیا تھا۔ غالباً اسی وجہ سے آبائی وطن چھوڑ کر ان کو مصر متوطن ہونا پڑا۔ ان کے خاندان کے بزرگوں نے ان کی پیدائش سے پہلے اصفہان کو چھوڑ دیا تھا۔ مگر لیث بن سعد کے دل میں اصفہان کی محبت ہمیشہ باقی رہی۔ لوگوں سے کہتے تھے کہ اصفہان کے رہنے والوں کے ساتھ اچھا سلوک کیا کرو۔^۱

نام و نسب :

لیث نام ہے۔ ابوالمحرث کنیت تھی۔ والد کا نام سعد اور دادا کا نام عبدالرحمن تھا۔ ان کے والد اور دادا کے نام سے پتہ چلتا ہے کہ یہ غلام خاندان قدیم الاسلام تھا۔ مصر کے قریب ایک بستی قرقشندہ میں ان کا خانوادہ آباد تھا اور یہیں ان کی ولادت ہوئی۔ یہ بستی مصر کے اس سرسبز و شاداب مقام پر واقع تھی جس کو ریف مصر کہا جاتا ہے۔^۲

۱۔ بعض تذکروں میں ان کو کنانہ کا غلام لکھا ہے۔ مگر ان دونوں باتوں میں کوئی تضاد نہیں ہے۔ بنو کنانہ کا تعلق بھی بنو قیس ہی سے تھا۔ الرحمة الغریبہ۔ ص ۳ ایضاً ۲۔ ریف عربی میں سرسبز و شاداب مقام کو کہتے ہیں۔ اس مقام کو ریف مصر اس وجہ سے کہتے تھے کہ یہ اپنی سرسبزی و شادابی میں پورے ملک میں ممتاز تھا۔ محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

یا قوت نے لکھا ہے کہ اس بستی میں حضرت لیثؓ کا ایک مکان تھا۔ جس کو ان کے چچازاد بھائی ابن رفاعہ نے دشمنی کی وجہ سے دوبارہ گرا دیا تھا، مگر امام نے تیسری بار پھر اسے تعمیر کرایا۔ یہ ابن رفاعہ اس وقت مصر کا امیر تھا۔ ابن رفاعہ کو امام لیثؓ سے کیوں اس قدر عناد تھا کہ اس نے آپ کا مکان تک گرا دیا، اس کی کوئی وجہ اباب تذکرہ نہیں لکھتے، مگر قرآن سے جو بات معلوم ہوتی ہے وہ یہ ہے۔

ان کے بعض سوانح نگار لکھتے ہیں کہ غلہ کی پیداوار سے لیث بن سعد کو ۲۵ ہزار سے ۴۰، ۵۰ درہم سالانہ آمدنی ہو جایا کرتی تھی۔

اگرچہ اس کی تصریح نہیں ملتی کہ یہ جائیداد جس سے اتنی کثیر آمدنی ہوئی تھی کہاں پر تھی۔ مگر غالب گمان یہ ہے یہ قرشندہ ہی میں ہوگی۔ اس لئے کثیر پیداوار یہیں ہوتی تھی۔ اس لئے ممکن ہے کہ لالچ کی وجہ سے ابن رفاعہ نے یہ کوشش کی ہو کہ اگر ان کی بود و باش یہاں نہ رہے گی تو اس جائیداد پر اس کو تصرف کا حق ملک مل جائے گا۔

دوسری وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ منصور نے لیث بن سعد کے سامنے مصر کی امارت (گورنری) پیش کی تھی، مگر انہوں نے انکار کر دیا۔ ممکن ہے ابن رفاعہ نے اسی وجہ سے ان کو پریشان کیا ہو کہ منصور کی ناراضگی کا اثر اس کے اقتدار پر نہ پڑے۔ اس آبائی مکان اور جائیداد کے علاوہ بھی امام لیث بن سعدؓ نے ایک مکان اور مسجد مصر میں تعمیر کرائی تھی۔ یہ مکان و مسجد جس جگہ پر واقع تھے، اس کو ”زقاق لیث“ (کوچہ لیث) کے نام سے یاد کیا جاتا تھا۔

سنہ ولادت :

امام لیث بن سعدؓ کے سنہ ولادت میں تھوڑا سا اختلاف ہے، مگر صحیح یہ ہے کہ ان کی ولادت ۸۴ھ میں ہوئی۔ خود فرماتے تھے کہ میرے خاندان کے بعض لوگوں کا بیان ہے کہ میں ۸۲ھ میں پیدا ہوا، لیکن صحیح یہ ہے کہ میری ولادت ۸۴ھ میں ہوئی، اس لئے کہ جس وقت حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کا انتقال ہوا میں ۷ برس کا تھا اور یہ معلوم ہے حضرت عمر عبدالعزیزؒ کا انتقال ۹۱ھ میں ہوا۔

تعلیم و تربیت :

ان کی ابتدائی تعلیم اور تربیت کے بارے میں کچھ زیادہ تفصیلات نہیں ملتیں مگر ان کو نحو و ادب اور شعر و سخن سے بھی دلچسپی تھی۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس وقت کے عام دستور کے مطابق ان کی

ابتدائی تعلیم ان ہی علوم سے شروع ہوئی، مگر بعد میں ان پر فقہ و حدیث کا اتنا غلبہ ہوا کہ ان کے صحیفہ زندگی کے اصل عنوان یہی علوم بن گئے اور دوسرے علوم ان میں گم ہو گئے۔

سن شعور کو پہنچتے ہی انہوں نے حدیث و فقہ کی طرف توجہ کی۔ سب سے پہلے اپنے وطن مصر کے مشائخ فقہ و حدیث سے استفادہ کیا۔ پھر اسلامی ممالک کے دوسرے مقامات کا سفر کر کے تمام معروف و مشہور اساتذہ سے مستفیض ہوئے۔ ان کے اساتذہ میں پچاس (۵۰) سے زیادہ کبار تابعین ہیں۔

حضرت نافعؒ کی خدمت میں :

مشہور تابعی حضرت نافع جو حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے خاص تربیت یافتہ تھے، لیث بن سعدؒ کے زمانہ میں مجمع خلائق تھے۔ یہ ان کی خدمت میں بھی پہنچے۔ حضرت نافع نے ان کا نام و نسب اور وطن پوچھا۔ جب یہ بتا چکے تو عمر دریافت کی، کہا میں برس۔ فرمایا، مگر ڈاڑھی سے تو معلوم ہوتا ہے کہ تمہاری عمر چالیس (۴۰) سال سے کم نہ ہوگی۔

حافظ ابن حجر نے لکھا ہے کہ میں نے لیث بن سعدؒ کا ایک مرتب کردہ حدیث کا ایک مجموعہ دیکھا تھا، جس میں انہوں نے سو کے قریب حدیثیں صرف حضرت نافع کی روایت سے جمع کی تھیں۔ حضرت نافع مولیٰ ابن عمرؓ کے علاوہ ان کے چند تابعی شیوخ کے نام یہ ہیں :

امام زہری، سعید المقبری، عبداللہ بن ابی ملکیہ، یحییٰ الانصاری وغیرہ۔

ان کے علاوہ بے شمار اتباع تابعین سے بھی فیض حاصل کیا۔ امام نووی ان کے چند ممتاز شیوخ کا ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں

وخلایق لا یحصون من الائمة ۲۔

”ان کے علاوہ اتنے آئمہ سے انہوں نے استفادہ کیا ہے کہ ان کا صحیح اندازہ لگانا مشکل ہے۔“

امام زہریؒ سے سماع :

بعض تذکرہ نگاروں نے لکھا ہے کہ ان کو امام زہریؒ سے بھی سماع حدیث حاصل ہے ۳۔ مگر یہ صحیح نہیں ہے۔ امام زہریؒ کے علم و فضل سے انہوں نے فائدہ ضرور حاصل کیا تھا، لیکن یہ

۱۔ الرحمة الغدیہ ص ۳ ۲۔ تہذیب الاسماء ج ۴ ص ۷۳ ۳۔ بغدادی نے لکھا ہے کہ یہ ۱۱۳ھ میں حج کے لئے گئے تھے۔ اسی سال مکہ میں امام زہریؒ سے انہوں نے سماع کیا تھا۔ حافظ ابن حجر نے بھی تہذیب میں یہی لکھا ہے۔ مگر الرحمة الغدیہ میں اس کے خلاف ایک روایت نقل کی ہے۔ ابن خلکان نے ان سے استفادہ کا تو ذکر کیا ہے، مگر سماع کا نہیں۔

استفادہ بالواسطہ تھا، بالمشافہ نہیں تھا۔ حافظ ابن حجرؒ نے لکھا ہے کہ امام لیثؒ امام زہریؒ کی روایتیں کبھی ایک، کبھی دو اور تین اور اس سے زائد واسطوں سے روایت کرتے ہیں۔ خود امام لیثؒ کا یہ قول متعدد تذکروں میں منقول ہے :

کتبت من علم الزہری کثیراً (یعنی عن غیرہ) فاردت ان اרכب
البرید الیہ الی الرصافۃ فخفت ان لا یکون ذالک اللہ فترکت
ذالک (یعنی فصار یروی عنہ بالواسطۃ) . (الرحمة الغیشیہ . ص ۴)
”میں نے زہری کی روایتوں کی ایک کثیر مقدار لکھ لی تھی (یعنی غیروں کے واسطے سے)
پھر میں نے ارادہ کیا کہ رصافہ جا کر ان سے بالمشافہ روایت کروں مگر اس خوف سے باز آیا
کہ ممکن ہے کہ میرا یہ عمل اللہ کی رضا کے لئے نہ ہو (مقصد یہ ہے کہ پھر وہ بالواسطہ ہی
روایت کرتے رہے)۔“

فضل و کمال :

امام لیث بن سعدؒ اپنی فطری صلاحیت اور غیر معمولی ذہانت کی وجہ سے آغاز شباب میں
تابعین اور تبع تابعین دونوں کے علوم کے جامع بن گئے اور ہر طرف ان کے علم و فضل کا چرچا شروع
ہو گیا۔ خود ان کے شیوخ تک ان کے فضل و کمال کا اعتراف کرتے تھے^۱۔

حضرت شریک بن زیدؒ کا بیان ہے کہ میں ممتاز اور معمر آئمہ حدیث کو دیکھا ہے کہ وہ امام
لیث کے علم و فضل کا اعتراف کرتے تھے اور ان کو آگے بڑھاتے تھے، حالانکہ ابھی بالکل نوجوان تھے۔
حضرت یحییٰ بن سعید ان کے شیوخ میں ہیں۔ انہوں نے کسی بات سے ان کو ٹوکا اور پھر فرمایا کہ تم امام
وقت ہو جس کی طرف نظریں اٹھتی ہیں^۲۔

امام شافعیؒ نے ان کا زمانہ پایا تھا، مگر ان سے استفادہ نہ کر سکے تھے، جس کا ان کو زندگی بھر افسوس
رہا۔ فرماتے تھے، مجھے امام لیث بن سعدؒ اور ابن ابی ذئبؒ کے علاوہ کسی سے نہ ملنے کا افسوس نہیں ہے^۳۔
مشہور محدث عبد اللہ بن وہبؒ فرماتے تھے کہ اگر امام لیث اور امام مالکؒ نہ ہوتے تو میں
گمراہ ہو جاتا۔ ابواسحاق شیرازیؒ نے لکھا ہے کہ مصر میں تابعین کا علم لیث پر ختم ہو گیا۔ امام ابن حبانؒ کا
قول ہے کہ علم و فضل، تفقہ اور قوت حافظہ میں اپنے زمانہ کے ممتاز لوگوں میں تھے^۴۔

۱۔ ابن خذکان نے اردت کے بجائے طلب کا لفظ لکھا ہے، جس کا مفہوم بھی یہی ہے۔

۲۔ الرحمة الغیشیہ ص ۵

۳۔ ایضاً

ص ۲

امام نوویؒ نے لکھا ہے کہ ان کی امامت و جلالت شان اور حدیث و فقہ میں ان کی بلندی مرتبت پر سب کا اتفاق ہے۔ وہ اپنے زمانہ میں مصر کے امام تھے۔ یعقوب بن داؤد مہدی کا وزیر تھا، اس کا بیان ہے کہ جب لیث بن سعد عراق آئے تو مہدی نے کہا کہ اس شیخ کی صحبت اختیار کرو۔ اس وقت ان سے بڑا کوئی عالم نہیں ہے۔ حافظ ابن حجر نے لکھا ہے کہ میں نے اختلاف آئمہ پر نظر ڈالی تو بجز ایک مسئلہ کے لیث بن سعد کو کسی دوسرے مسئلہ میں صحابہ و تابعین سے الگ نہیں پایا۔ وہ مسئلہ جس میں وہ منفرد تھے، وہ یہ ہے کہ وہ مری ہوئی ٹڈی کھانا حلال نہیں سمجھتے۔ حالانکہ اس کی تحریم کا کوئی قائل نہیں۔ (الرحمۃ الغنیۃ ص ۹)

حدیث :

علم حدیث میں ان کی حیثیت مسلم ہے۔ حدیث کی کوئی متداول کتاب نہیں ملے گی جس میں امام لیث بن سعد کی مرویات نہ موجود ہوں۔ ان سے سماع حدیث کو بڑے بڑے آئمہ اپنے لئے باعث فخر سمجھتے تھے، مگر اس کے باوجود روایت حدیث میں حدود و محتاط تھے۔ ابوالزبیر ان کے مشائخ حدیث میں تھے۔ مگر وہ جن روایتوں میں تدلیس کرتے تھے۔ ان روایتوں کی تحدیث کو امام لیث ترک کر دیتے تھے۔ اس وجہ سے محدثین نے لکھا ہے کہ ابوالزبیر کی وہ مرویات جو امام لیث سے مروی ہیں بہت زیادہ قابل اعتماد ہیں۔ غیر معمولی ذہانت اور قوت حافظہ کے باوجود تحدیث روایت میں کسی پر اعتماد نہیں کرتے تھے۔ حتیٰ کہ جو روایتیں ان کے یہاں لکھی ہوتی تھیں، انہیں بھی خود اپنی زبان سے روایت کرتے تھے۔

بہت سے محدثین کا یہ طریقہ تھا کہ وہ اپنی مرویات کی دوسروں کے ذریعہ تحدیث کراتے تھے۔ ان کے صاحبزادے شعیب کا بیان ہے کہ ایک بار تلامذہ نے ان سے پوچھا کہ آپ بسا اوقات ایسی روایتیں بھی کر دیتے ہیں جو آپ کے مرتب کردہ مجموعوں میں نہیں ہیں؟ فرمایا کہ جو کچھ میرے سینے میں محفوظ ہے وہ سب اگر سفینوں میں منتقل کر دیا جاتا تو ایک سواری کا بوجھ ہو جاتا۔

حدیث کی روایت اور اس کی حفاظت میں جو درک ان کو حاصل تھا، اس کا اعتراف تمام ممتاز اہل علم اور آئمہ جرح و تعدیل نے کیا ہے۔ امام احمد بن حنبلؒ فرماتے تھے کہ لیث کثیر العلم اور صحیح

۱۔ تہذیب الاسماء جلد ۲۔ ص ۷۲ ۲۔ تدلیس فن حدیث کی ایک اصطلاح ہے، جس کا مفہوم یہ ہے کہ راوی بیچ کے آدمی کا تذکرہ چھوڑ دے اور اوپر کے راوی کا نام لے۔ اس سے یہ غلط فہمی ہوتی ہے کہ اس نے اوپر کے راوی سے براہ راست روایت کی ہے۔ ۳۔ الرحمة الغنیۃ ص ۳ ۴۔ تہذیب التہذیب جلد ۸۔ ص ۳۶۳

الحدیث تھے۔ ابو داؤد کا بیان ہے کہ میں نے امام احمد سے سنا ہے، وہ فرماتے تھے کہ مصر میں صحیح احادیث کی روایت اور ان کے حفظ و اتقان میں ان کا کوئی ہمسر نہیں تھا۔ اس مرتبہ میں عمرو بن حارث ان سے کچھ قریب تھے۔ کسی نے ان سے کہا کہ فلاں بنے ان کی تضعیف کی ہے۔ فرمایا کہ میں نہیں جانتا۔ جرح و تعدیل کے امام یحییٰ بن معین ان کو ثقہ کہتے تھے۔ کسی نے ان سے کسی نے پوچھا کہ آپ لیث اور ابن ابی ذہب میں کس کو حدیث کا محافظ پاتے ہیں۔ فرمایا دونوں کو۔ پھر کہا کہ یزید بن حبیب کی مرویات میں ان کا درجہ محمد بن اسحاق سے بلند ہے۔

ایک شخص نے ابن معین سے پوچھا کہ حضرت نافعؒ سے جو احادیث انہوں نے روایت کی ہیں، ان کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟ فرمایا نہایت ہی صالح اور قابل وثوق ہیں۔ ابن المدینیؒ کا قول ہے کہ لیث ثقہ اور قابل اعتماد تھے۔ اسی طرح عجل، ہنسائی، ابو زرعة، یعقوب بن ابی شیبہ جیسے آئمہ نے ان کی توثیق کی ہے۔ آئمہ جرح و تعدیل جب کسی محدث یا امام کی توثیق یا تخریج کرتے ہیں تو اس وقت عموماً ان کے پیش نظر نہ ان کی امامت و جلالت ہوتی ہے اور نہ جذبہ، بلکہ ان کے سامنے روایت و روایت کے وہ ہول ہوتے ہیں جن کو انہوں نے کتاب و سنت سے اخذ کر کے تحدیث و روایت کی اساس قرار دیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بسا اوقات بڑے بڑے آئمہ کی مرویات پر ان کو جرح کرنا اور ان کو رد کرنا پڑتا ہے اور بہت سے کم درجہ محدث کی روایتوں کو قبول کر لینا اور ان کی توثیق کرنی پڑتی ہے۔ اس لئے علم حدیث میں کسی امام محدث کے درجہ کی تعیین کرنے میں ان کے اقوال و آراء سے بڑی مدد ملتی ہے اور ان کی روشنی میں ان کے علم و فضل کے خط و خال بھی بخوبی نمایاں ہو جاتے ہیں۔ اسی وجہ سے جن آئمہ نے حدیث کی تدوین و تربیت اور اس کی حفاظت میں حصہ لیا ہے، ان کے سوانح حیات میں آئمہ جرح و تعدیل کے اقوال کو بڑی اہمیت حاصل ہے، اسی ضرورت کے پیش نظر یہ نقل کئے گئے۔

فقہ :

علم فقہ ایک مخصوص فن بن گیا ہے۔ مگر دوسری صدی کے نصف تک یہ کوئی مرتب و مدون فن نہیں تھا اور نہ تو مختلف حلقے اور مدارس فقہ قائم ہوئے تھے۔ بلکہ جن ارباب علم میں ملکہ اجتہاد تھا وہ ضرورت کے مطابق کتاب و سنت سے اجتہاد کرتے تھے۔ قریب قریب ہر اسلامی ملک میں دو چار ایسے آئمہ مجتہدین موجود تھے، جو حالات و ضرورت کے مطابق پیش آمدہ مسائل کا جواب دیا کرتے تھے۔ جس شخص کو امام پر اعتماد تھا، وہ ان کے مجتہدات پر عمل کرتا تھا۔ امام لیث ابن سعد کے زمانہ میں ایک

طرف عراق اور شام میں امام اوزاعیؒ اور امام ابوحنیفہؒ کے مجتہدات کا چرچا تھا تو دوسری طرف حجاز میں امام مالک کے تفقہ و اجتہاد کا غلغلہ تھا۔ ابھی مصر کی سرزمین میں کوئی ممتاز مجتہد نہیں پیدا ہوا تھا۔ امام لیث بن سعدؒ کے وجود سے یہ کمی پوری ہو گئی۔ ان میں پورا مملکت اجتہاد موجود تھا اور انہوں نے نہ جانے کتنے مسائل قرآن و سنت سے مستنبط بھی کئے، مگر افسوس ہے کہ دوسرے آئمہ کی طرح ان کے استنباطات اور مجتہدات مدون و مرتب نہیں ہو سکے، جس کی وجہ سے نہ تو ان کو شہرت ہی ہو سکی اور نہ ان کے فقہ و اجتہاد کا عام چرچا ہی ہو سکا۔ تفقہ و اجتہاد میں ان کا جو مرتبہ تھا، اس کا اندازہ آئمہ محدثین کے اقوال سے بخوبی ہو سکتا ہے۔ امام شافعیؒ فرمایا کرتے تھے کہ لیث بن سعد امام مالک سے زیادہ آثار و احادیث کے لئے (تفقہ کے اعتبار سے) نافع تھے۔ ان ہی کا قول ہے کہ

اللیث افقہ من مالک الا ان اصحابہ ضیعہ .

”لیث امام مالک سے زیادہ فقیہ تھے، لیکن ان کے تلامذہ نے ان کو ضائع کر دیا۔“

اس جملہ کی تشریح کرتے ہوئے حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں :

یعنی لم یدونو فقہہ کما دونو افقہ مالک۔

”جس طرح امام مالک کی فقہ کی تدوین کی گئی اس طرح لیث کے شاگردوں نے ان کی فقہ کی نہیں کی۔“

حضرت یحییٰ بن بکیرؒ کہا کرتے تھے کہ حضرت لیث امام مالک سے افقہ تھے، (مگر شہرت و

عظمت) ان کے حصہ میں آئی۔ مشہور محدث ابن وہبؒ کا بیان ہے کہ حضرت لیث کے مستنبط مسائل ان کی مجلس میں پیش کئے گئے تو ایک دن ایک مسئلہ پر حاضرین نے بڑی تحسین کی اور کہا کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ لیث امام مالک سے سن کر جواب دے دیتے ہیں۔ اس پر ابن وہب بولے یہ نہ کہو، بلکہ یہ کہو امام مالک لیث سے سن کر جواب دے دیتے ہیں۔ میں بخدا کہتا ہوں کہ میں حضرت لیث سے زیادہ فقیہ نہیں دیکھا۔

یہ ابن وہبؒ امام مالک کے خاص تلامذہ میں ہیں۔ اس لئے ان کا بیان بڑی اہمیت رکھتا

ہے۔ اسی تفقہ و اجتہاد کی وجہ سے منصور خلیفہ عباسی ان کا بڑا احترام کرتا تھا۔ مصر میں قضاء کا تقرر بغیر ان کی مرضی سے نہیں ہوتا تھا۔ منصور نے یہ بھی خواہش ظاہر کی تھی کہ وہ مصر کی امارت قبول کر لیں، مگر انہوں نے اس سے انکار کیا۔ بعض تذکروں میں ہے کہ یہ مصر کے قاضی بنادیئے گئے تھے۔ مگر بعض قرآن کی بنا پر یہ بیان صحیح نہیں معلوم ہوتا۔ کمال فقہ کے باوجود جب ان کو کوئی مسئلہ نہیں معلوم ہوتا تھا، وہ دوسرے

اہل علم سے دریافت کرنے میں تکلف محسوس نہیں کرتے تھے۔ ایک باریکی بن ایوبؓ ادھر سے گزر رہے تھے۔ ان کو روکا اور کسی مسئلہ کے بارے میں ان سے دریافت کیا وہ جواب دے کر واپس چلے گئے گھر پہنچ کر انہوں نے اس احسان کا بدلہ یہ چکایا کہ ایک ہزار دینار ان کو ہدیہ بھیج دیئے۔

(الرحمة الغنیہ - ص ۵)

دوسرے علوم :

حدیث و فقہ کے علاوہ دوسرے علوم میں بھی انہیں دستگاہ تھی۔ یحییٰ بن بکیرؓ کا قول ہے کہ میں نے امام لیثؒ سے زیادہ جامع آدمی نہیں دیکھا، وہ مجسم فقیہ تھے۔ ان کی زبان خالص عربی تھی۔ قرآن نہایت ہی اچھا پڑھتے تھے۔ نحو میں بھی درک تھا اور اشعار عرب اور حدیث کے حافظ تھے۔ بات چیت بھی عمدہ کرتے تھے۔ یہی قول امانووی نے امام احمد بن حنبلؒ کی طرف بھی منسوب کیا ہے۔ ان کی یہ جامعیت صرف علم و فن ہی تک محدود نہیں تھی، بلکہ دوسرے اوصاف کے بھی وہ جامع تھے۔

روزمرہ کے عام معمولات :

ان کی اسی جامعیت کی وجہ سے ہر طبقہ اور ہر زمرہ کے لوگ ان کی خدمت میں آتے اور اپنی ضرورت پوری کرتے تھے۔ حکومت کے ذمہ دار اور اہل علم سے لے کر عوام تک اس میں شامل تھے۔ روزانہ ان کی چار مجلسیں ہوتی تھیں۔ ایک مجلس حکومت و ارکان حکومت کی ضروریات کے لئے مخصوص ہوتی تھی، دوسری مجلس میں وہ اشنگان حدیث نبویؐ کی پیاس بجھاتے تھے تیسری مجلس ان لوگوں کے لئے ہوتی تھی جو فقہ و مسائل دریافت کرنے آتے تھے اور چوتھی مجلس عام لوگوں کے لئے مخصوص ہوتی تھی۔ ان مجلسوں میں ان کا سلوک نہایت ہی فیاضانہ ہوتا تھا۔ نہ تو افادہ و تعلیم میں کسی کی دل شکنی کرتے تھے اور نہ اہل حدیث کی حاجت روائی میں دل گیر ہوتے تھے۔ بلکہ راوی کا بیان ہے کہ

لا یسنلہ احد فیردہ صغرت حاجة او کبرت ۱۔

”یہ نہیں ہو سکتا تھا کہ کوئی شخص سوال کرے اور وہ اسے رد کریں، خواہ اس کی ضرورت چھوٹی ہو یا بڑی۔“

تلامذہ :

اوپر ذکر آچکا ہے کہ وہ غفوان شباب ہی میں اہل علم کی توجہ کا مرکز بن گئے تھے۔ اس وقت سے لے کر وفات تک وہ مصر ہی میں رہے۔ پوری عمر میں مشکل سے دو تین بار وہ مصر سے باہر گئے تھے۔

اس پوری مدت میں جو کم از کم ۶۰، ۵۰ برس ہوتی ہے وہ اپنے اوقات کا نصف حصہ تعلیم و افادہ تحدیث روایت اور تفریع مسائل میں صرف کرتے رہے۔ ظاہر ہے کہ اتنی لمبی مدت میں ان سے ہزاروں آدمیوں نے اکتساب فیض کیا ہوگا۔ ان تمام مستفیدین اور تلامذہ کا استقصا تو ناممکن ہے، چند ممتاز فیض یافتگان درس کے نام یہاں درج کئے جاتے ہیں :

حضرت شعیبؓ، محمد بن عجلان، ہشام بن سعد (یہ دونوں بزرگ ان کے شیوخ میں تھے)، ابن علیہ شیم بن بشیر، قیس بن الربیع، عبد اللہ بن مبارک، عبد اللہ بن وہب، ابوالولید بن مسلم، ابوسلمۃ الخزاعی، عبد اللہ ابن الحکم، سعید بن سلیمان، آدم بن ایاس، عبد اللہ بن یزید المقرئ، عمرو بن خالد، عیسیٰ بن حماد رحمہم اللہ وغیرہ۔ حافظ ابن حجرؒ نے تقریباً ۵۰ تلامذہ کا تذکرہ کیا ہے۔ مگر طوالت کے خیال سے ان کا نام یہاں درج نہیں کیا گیا ہے۔

سیرت و کردار :

ان کے صحیفہ زندگی کا یہ باب نہایت ہی روشن ہے۔ وہ اپنے اخلاق و اوصاف اور سیرت و کردار میں اسلامی زندگی کا نمونہ تھے۔ ابن مریم فرماتے ہیں کہ میں نے ان سے زیادہ جامع اوصاف آدمی نہیں دیکھا۔ ہر وہ عادت و خوبی جس سے خدا کا قرب حاصل ہو سکتا ہو، وہ ان میں موجود تھی۔ ابن وہب کا بیان ہے کہ جو کچھ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے ان سب کو وہ اپنی زندگی میں برتتے تھے۔ (بغدادی۔ جلد ۱۳۔ ص ۷)

ایک بار مصر کا ایک قافلہ امام مالکؒ کی خدمت میں گیا۔ انہوں نے ملنے سے کچھ تاخیر کی۔ یہ لوگ آپس میں چہ مے گوئیاں کرنے لگے۔ کسی نے کہا کہ یہ اخلاق میں ہمارے امام کی طرح نہیں۔ امام مالکؒ نے یہ بات سنی تو ان کو فوراً اندر بلا لیا اور پوچھا، تمہارے امام کون ہیں؟ لوگوں نے کہا امام لیث بن سعدؒ فرمایا: مجھے ان کے ساتھ تشبیہ نہ دو۔ پھر ان کے کچھ اخلاقی اوصاف بیان کئے۔ ایک بار بعض تاجروں نے ان سے کچھ پھل خریدے، خریداری کے بعد ان کو پھل گراں محسوس ہوئے اس لئے آپ سے پھل واپس کر لینے کی خواہش کی۔ آپ نے پھل واپس کر لئے۔ جب معاملہ ہو گیا تو روپے کی تھیلی مانگی اور اس میں سے پچاس دینار نکال کر تاجروں کو ہدیہ دئے۔ ان کے صاحبزادے بھی اس موقع پر موجود تھے۔ ان کو یہ بُرا معلوم ہوا اور انہوں نے حضرت لیثؒ سے اس کا اظہار بھی کیا، مگر آپ نے فرمایا: خدا تمہیں معاف کرے۔ یہ پھل فائدے ہی کی امید

۱۔ تہذیب۔ یہ ان کے صاحبزادے تھے۔ ۲۔ الرحمة الغیشیہ۔ ص ۷ ۳۔ صفوة الصفوة، جلد ۲۔ ص ۲۸۲

اور غرض سے تو خریدا تھا۔ مگر جب ان کو فائدہ محسوس نہیں ہوا تو انہوں نے واپس کرنے کے بعد ان کے فائدے کی امید بھی ختم ہو گئی، تو میں نے یہ مناسب سمجھا کہ ان کی اس امید و توقع کا کچھ تو بدلہ دے دوں۔^۱

سخاوت :

سخاوت و فیاضی گویا ان کی طبیعت ثانیہ بن گئی تھی۔ وہ اپنی دولت مستحقین پر بے دریغ صرف کرتے تھے۔ لوگوں کو پیسہ جمع کرنے میں لطف آتا ہے اور ان کو اس کے خرچ کرنے میں لذت محسوس ہوتی تھی۔ ابن جوزی کا بیان ہے کہ صرف غلہ سے ان کو ۵۰ ہزار دینار سالانہ کی آمدنی ہوتی تھی۔ اس کے علاوہ تجارت کا کاروبار بھی تھا۔ ان کے تمام سوانح نگار لکھتے ہیں، ان کی سالانہ آمدنی ۸۰،۷۰ ہزار دینار تھی، مگر اس پوری آمدنی پر کبھی زکوٰۃ دینے کی نوبت نہیں آئی تھی۔ یہ پوری آمدنی فقراء و مساکین اور مستحق اہل علم پر خرچ ہو جاتی تھی۔ خود فرماتے تھے کہ میں جب سے بالغ ہوا ہوں، مجھ پر ایک درہم بھی زکوٰۃ واجب نہیں ہوئی۔^۲ کسی سال آمدنی کم ہوتی تو قرض کی نوبت آ جاتی تھی۔

جب تک زندہ رہے سودینار سالانہ مستقل طور سے امام مالک کے پاس بھیجتے تھے۔ ایک بار امام مالک نے انہیں لکھا کہ مجھ پر کچھ قرض ہو گیا ہے۔ فوراً سودینار ان کے یہاں بھجوادے۔ ایک بار امام مالک نے ان سے تھوڑی سی مصفر (زرد رنگ کی گھاس) لڑکوں کے کپڑے رنگنے کے لئے مانگی (غالباً یہ مصر کی خاص پیداوار تھی)۔ انہوں نے اتنی مقدار میں بھیجی کہ امام مالک کا بیان ہے کہ ہم نے اپنے گھر کے بچوں کے کپڑے رنگے، پڑوسیوں نے استعمال کی، پھر بھی اتنی بچ گئی کہ ایک ہزار دینار میں اسے فروخت کیا گیا۔^۳

امام لیث بن سعد رحمہ اللہ ۱۱۳ھ میں حج کو گئے تھے۔ حج سے فارغ ہو کر زیارت نبوی ﷺ کی غرض سے مدینہ تشریف لے گئے۔ وہاں پہنچے تو امام مالک نے عمدہ کھجوروں کا ایک طشت ان کے پاس ہدیہ بھیجا۔ انہوں نے اس طشت میں ایک ہزار دینار رکھ کر واپس کیا۔^۴

ابن لہیعہ مشہور محدث ہیں۔ اتفاقاً ان کے گھر میں آگ لگ گئی اور سارا اثاثہ جل گیا۔ حضرت لیث بن سعد کو اطلاع ہوئی تو ایک ہزار دینار بطور اعانت ان کے پاس بھیج دیئے۔

۱۔ صفوة الصفوة جلد ۳۔ ص ۲۸۲ ج ۲ تاریخ بغداد جلد ۱۳۔ ص ۱۳ و صفوة الصفوة والرحمة المغیثہ وغیرہ

۲۔ الرحمة المغیثہ ص ۵ خطیب نے اس واقعہ کے بیان میں بہت زیادہ مبالغہ سے کام لیا ہے۔

۳۔ تہذیب الاسماء جلد ۲۔ ص ۷۴

بسا اوقات وہ اپنی اس داد و دہش کو اپنے لڑکوں سے بھی پوشیدہ رکھتے تھے، تاکہ پانے والے کو یہ ذلیل نہ سمجھیں۔

ایک بار منصور بن عمار کو انہوں نے ایک رقم دی اور کہا کہ دیکھو میرے لڑکے کو نہ معلوم ہو ورنہ تم اس کی نگاہ میں حقیر ہو جاؤ گے۔ جب ان کے صاحبزادے شعیب کو معلوم ہوا تو اس کی تلافی میں انہوں نے بھی اپنے والد کی رقم سے ایک دینار کم منصور کو دی اور کہا میں نے ایک دینار کم اس لئے کر دیا ہے کہ عطیہ میں والد کے برابر نہ ہو سکوں!۔

اسد بن موسیٰ کا بیان ہے کہ جب عراق میں عباسیوں نے بنو امیہ کو قتل کرنا شروع کیا تو میں بھاگ کر مصر چلا گیا۔ مصر میں بڑی بے سروسامانی اور پریشانی کی حالت میں پہنچا تھا۔ اتفاق سے اسی حالت میں لیث بن سعد کی مجلس درس میں گیا۔ جب مجلس برخواست ہو گئی، تو ان کا خادم میرے پاس آیا اور کہا کہ میں جب تک واپس نہ آ جاؤں یہیں ٹھہریں۔ تھوڑے دیر بعد وہ آیا اور اس نے مجھے سودینار کی ایک تھیلی دی اور کہا کہ امام لیث نے فرمایا ہے کہ اس سے اپنا سامان درست کر لیجئے۔ اسد کا بیان ہے کہ اس وقت میری کمر میں ایک ہزار دینار بندھے ہوئے تھے۔ میں نے اس کو نکالا اور خادم سے کہا کہ میں شیخ سے ملنا چاہتا ہوں، تم جا کر اجازت لاؤ۔ چنانچہ میں ان کے پاس گیا۔ اپنا نام و نسب بتایا، پھر اس رقم کو واپس کرنا چاہا۔ انہوں نے کہا کہ یہ ہدیہ ہے صدقہ نہیں ہے، اس لئے قبول کرنے میں تامل نہ ہونا چاہئے، مگر میں نے معذرت کی اور کہا کہ جس چیز سے میں مستغنی ہوں نفس کو اس کا عادی بنانا نہیں چاہتا۔ شیخ نے فرمایا کہ اچھا اگر لینا پسند نہیں کرتے تو مستحق اصحاب حدیث میں یہ رقم تقسیم کر دینا۔ اسد کہتے ہیں، میں نے مجبور ہو کر یہی کیا!۔

ایک عورت ایک پیالہ لے کر آئی اور اس نے کہا کہ میرا شوہر بیمار ہے!۔ معلوم ہوا ہے کہ آپ کے یہاں شہد ہے۔ اس پیالہ بھر شہد دے دیجئے۔ فرمایا وکیل کے پاس جاؤ اور اس سے کہو کہ وہ تم کو ایک مٹر شہد دے دے۔ عورت جب وکیل کے پاس پہنچی تو وکیل امام لیث کے پاس آیا غالباً شہد کی اتنی بڑی مقدار دینے پر کچھ کہا سنا، مگر آپ نے فرمایا کہ جاؤ اس کو دے دو۔ اس نے اپنے ظرف کے بقدر مانگا تھا، ہم اس کو اپنے ظرف کے بقدر رویتے ہیں۔ ایک مٹر کا ایک سو بیس رطل ہوتا ہے!۔

۱۔ صفوة الصفوة جلد ۴ ص ۲۸۳ ۲۔ الرحمۃ الغیثیہ ص ۵ ۳۔ بعض تذکروں میں لڑکے کا ذکر ہے اور بعض تذکروں میں مطلق یہ واقعہ مذکور ہے۔ ۴۔ ناظم امور خانہ داری یا پرائیوٹ سکریٹری کو وکیل کہتے تھے۔ ۵۔ الرحمۃ الغیثیہ ص ۵

مہمان نوازی :

سخاوت و فیاضی کا ایک مظہر مہمان نوازی بھی ہے۔ بخل کے ساتھ یہ صفت شاذ و نادر ہی جمع ہوتی ہے۔ حضرت لیث بن سعدؓ جس درجہ کے فیاض تھے، اسی درجہ کے مہمان نواز بھی تھے۔ حضرت عبداللہ بن صالحؓ ان کے خاص شاگرد اور کاتب تھے۔ ان کا بیان ہے کہ میں تقریباً بیس برس ان کی خدمت میں رہا مگر کبھی ان کو تنہا کھانا کھاتے ہوئے نہیں دیکھا۔ ابو حاتمؒ کا بیان ہے کہ لیثؓ کے پاس جب کوئی مہمان باہر سے آجاتا تھا تو وہ جب تک رہتا تھا، اس کو وہ اپنے اہل و عیال کی طرح اپنی کفالت میں لے لیتے تھے۔ جب وہ جانا چاہتا تھا، پورا زادہ سفر دے کر رخصت کرتے تھے۔^۱

یہ مہمان نوازی صرف حضر ہی تک محدود نہیں تھی، بلکہ سفر میں بھی مہمانوں کا ہجوم ان کے ساتھ ہوتا تھا۔ ان کے شاگرد و قبیہ بن سعیدؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک بار امام لیث بن سعدؓ کے ساتھ اسکندریہ سے سفر کرنے کا اتفاق ہوا تو اس سفر میں تین کشتیاں تھیں۔ ایک کشتی میں کھانے کا سامان تھا، دوسری میں اہل و عیال اور تیسری کشتی مہمانوں کے لئے مخصوص تھی۔

اشہبؓ کا بیان ہے کہ لیث بن سعدؓ کبھی کسی سائل کو واپس نہیں کرتے تھے اور ان کے یہاں ایک لنگر خانہ جاری رہتا تھا۔ عموماً جاڑوں میں ان کے یہاں ہریسہ، شہد و گائے کے گوشت کے ساتھ مہمانوں کو ملتا تھا اور گرمی میں اخروٹ کا ستوشکر کے ساتھ، ان کا معمول تھا کہ ہر نماز کے بعد مساکین پر کچھ رقم صدقہ ضرور کرتے تھے۔^۲

ذاتی زندگی نہایت سادہ تھی :

مگر یہ ساری فیاضی اور سیرچشمی دوسروں کے لئے تھی۔ ان کی ذاتی زندگی نہایت سادہ تھی۔ محمد بن معاویہؓ کا بیان ہے کہ ایک بار اپنے گدھے پر سوار جا رہے تھے تو میں نے ان کی سواری اور سامان وغیرہ کا اندازہ کیا تو سب کی قیمت ۱۸، ۲۰ درہم سے زیادہ نہ تھی، یعنی زیادہ سے زیادہ چار روپے۔

ایوانِ حکومت سے بے نیازی :

خلافت راشدہ کے بعد اموی حکومت جب ملوکیت کا شکار ہوئی اور حق و ناحق کا فیصلہ ایک شخص کی رائے کے تحت ہونے لگا، اس وقت سے ممتاز صحابہ اور محتاط تابعین نے حکومت سے تعلق رکھنا پسند نہیں کیا۔ تبع تابعین کے زمانہ میں گویا یہ احتیاط کم ہو گئی تھی، مگر پھر بھی ممتاز اور خدا ترس تبع تابعین کی اکثریت نے حکومت کے ساتھ تعاون و تعلق میں صحابہ و تابعین ہی کی روش اختیار کی۔

۱۔ الرمة الغیثیہ - ص ۵
۲۔ یہ گیہوں کو کوٹ کر اس میں گوشت کی آمیزش کر کے بناتے تھے۔

حضرت لیث بن سعدؒ کا رویہ اس بارے میں ذرا معتدل تھا۔ انہوں نے نہ تو اتنا تعلق پیدا کیا کہ وہ درباری عالم ہو کر رہ گئے اور نہ اتنے بے تعلق رہے کہ اس شجر ممنوعہ کے قریب جانا بھی پسند نہ کرتے۔ انہوں نے نہ تو حکومت کی کوئی ذمہ داری قبول کی اور نہ اس کے سامنے اپنی کوئی غرض لے کر گئے کہ اظہار حق میں یہ مانع ہو، مگر اسی کے ساتھ وہ خلفاء و امراء سے ملتے اور ان کی بہت سی ملکی و انتظامی مشکلات میں ان کا ہاتھ بھی بٹاتے رہے۔ اوپر ذکر آچکا ہے کہ ان کی مجلس خاص طور سے ارکان حکومت کی حاجت روائی کے لئے ہوتی تھی۔

ان کی اسی اعتدال پسندی کی وجہ سے عوام اور حکومت دونوں پر ان کا اثر تھا۔ ان کے حکم پر مصر کے امراء وقضاة کا عزل و نصب ہوتا تھا۔ ایک بار قاضی اسمعیل بن السبع نے ایک مسئلہ میں ایسا فتویٰ دے دیا جسے اہل مصر پسند نہیں کرتے تھے، ان کے خلاف ایک ہنگامہ ہو گیا۔ جب امام لیثؒ کو اطلاع ہوئی تو وہ ان کے پاس گئے اور کہا کہ آپ نے یہ فتویٰ کیسے دے دیا جب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین کا عمل اس کے خلاف موجود ہے۔ غالباً قاضی صاحب نے رجوع نہیں کیا۔ اس لئے انہوں نے ان کے معزول کرنے کے لئے لکھا۔ چنانچہ ان کے معزول کئے جانے کا شاہی فرمان آ گیا۔ چونکہ اس معزولی میں قاضی اسمعیل کی ہر طرح کی بدنامی تھی، اس لئے خط میں خاص طور سے یہ بات امام لیثؒ نے لکھ دی تھی کہ ہم کو نہ تو ان کی دیانتداری میں کوئی شبہ ہے اور نہ انہوں نے درہم و دینار میں کوئی خیانت کی ہے۔ مگر ان سے شکایت یہ ہے کہ انہوں نے ایک سنت جاریہ کے خلاف فتویٰ دیا اور فیصلہ کیا ہے۔

کندی نے کتاب القضاة میں ان کے معزول کئے جانے کی ایک وجہ اور بھی لکھی ہے، ممکن ہے دونوں وجہیں جمع ہو گئی ہوں۔ حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں کہ مصر کے امراء ان کے مشورہ کے بغیر کوئی فیصلہ نہیں کر پاتے تھے۔ (الرحمة الغنیہ ص ۷)

خلیفہ منصور نے ان سے خواہش کی تھی کہ وہ پورے ملک میں اس کی نیابت قبول کر لیں۔ بعض روایتوں میں ہے کہ پورے ملک کی نیابت نہیں بلکہ مصر کی امارت پیش کی تھی، مگر انہوں نے انکار کیا۔ اس نے پھر اصرار کیا تو اپنی کمزوری کا اظہار کیا، اس پر منصور نے بڑے زوردار الفاظ میں بلکہ شاہانہ

۱۔ الرحمة الغنیہ ص ۶ ۲۔ تذکرۃ الکھطاء جلد اول ص ۲۰۵

۳۔ یہ بات بھی یہاں قابل ذکر ہے کہ پہلے مصر میں قضاة کا تقرر مصر کے امراء کے ہاتھ میں تھا، مگر بعد میں یعنی ۱۵۱ھ سے براہ راست خلفاء ان کا تقرر کرتے تھے۔ اسمعیل دوسرے قاضی تھے، جن کو مہدی نے خود مقرر کیا تھا۔ کندی نے کتاب القضاة میں اس کی تفصیل دی ہے۔ ۴۔ الرحمة الغنیہ ص ۸

انداز میں کہا میری موجودگی میں آپ کو کسی کمزوری کا احساس نہ کرنا چاہئے۔ مگر اس شدید اصرار کے باوجود اپنے فیصلہ پر جسے رہے اور یہ ذمہ داری قبول کرنے سے صاف انکار کر دیا۔

اگر پہلا بیان صحیح ہے۔ تو منصور ان کے سامنے پوری مملکت اسلام کی وزیراعظمی پیش کر رہا تھا اور دوسرا بیان صحیح ہے تو اسلامی سلطنت کے سب سے بڑے اور مالدار صوبہ کی گورنری پیش کی جا رہی تھی، مگر انہوں نے اس سے گریز کیا۔

اس کی وجہ یہ تھی کہ گو اس وقت سارا نظام اسلامی ہی تھا، مگر اقتدار اعلیٰ جمہوری نہیں شخصی تھا۔ اس لئے حکومت میں منسلک ہونے کے بعد کسی معاملہ میں اظہار حق کی گنجائش نہیں تھی۔ یہی وجہ تھی کہ محتاط بزرگوں نے دربار سے بالکل بے تعلقی رکھی یا کم از کم اس کی ذمہ داری کے قبول کرنے سے گریز کیا اور جن بزرگوں نے قبول کیا وہ بڑی آزمائش میں رہے۔ اس آزمائش میں پڑنے کے بعد دو چار ہی بزرگ ایسے تھے جو اپنی حق گوئی اور جرأت سے سلامت بچ گئے، ورنہ زیادہ تر لوگوں کا دامن اس آزمائش میں داغدار ہو کر رہا۔

کیا عہدہ قضا قبول کر لیا تھا

ابن خلکان اور صاحب شذرات الذہب نے لکھا ہے کہ انہوں نے عہدہ قضا قبول کر لیا تھا۔ مگر یہ صحیح نہیں ہے۔ اس کی متعدد وجہیں ہیں۔ ایک یہ کہ اوپر ذکر آچکا ہے کہ انہوں نے امارت کی ذمہ داری قبول کرنے سے انکار کیا۔ ظاہر ہے کہ جب انہوں نے امارت کی ذمہ داری تک قبول نہیں کی تو پھر اس سے کم درجہ کا عہدہ قضا قبول کرنے کے کیا معنی۔ دوسرے یہ کہ جیسا کہ اوپر ذکر ہوا ہے کہ جب ان کے حکم سے مصر کے امراء اور قضاة کا عزل و نصب تک ہوتا تھا، تو پھر ان کو اس عہدہ کے قبول کرنے کی کیا ضرورت تھی جو خود ان کے اثر و اختیار کے تحت ہو۔

تیسری وجہ یہ ہے کہ کندی نے مصر کے ولایۃ و قضاۃ کی مکمل تاریخ لکھ دی ہے، جو ہر کتب خانہ میں مل سکتی ہے۔ اس میں ولایۃ یا قضاۃ کی جو فہرست دی ہے اس میں کہیں لیث بن سعد کا نام نہیں ملتا، بخلاف اس کے کتاب میں ایسے واقعات ملتے ہیں، جن سے ان کی تردید ہوتی ہے۔

مگر اس بے تعلقی کے باوجود وہ دربار میں جاتے اور موقع آجاتا تو خلفاء کو نصیحت و موعظت بھی کرتے۔ ایک بار ہارون رشید سے ملنے گئے۔ اس نے ان سے پوچھا کہ مصر کی خوشحالی

۱۔ یہ بیان حافظ ابن جریر اور امام ذہبی کا ہے۔

اور فارغ البالی کا دار و مدار کس چیز پر ہے۔ نہایت صفائی سے فرمایا کہ :

اجراء النیل و صلاح امیریا ۔

”نیل کے جاری رہنے اور مصر کے امیر کے صلاح و تقویٰ پر“۔

پھر فرمایا کہ نیل کے منبع کی طرف سے گندگی آتی ہے، جس کی وجہ سے پوری نہر پٹ جاتی ہے۔ اس کی صفائی کی ضرورت ہے۔ یہ باتیں سننے کے بعد ہارون رشید نے کہا کہ آپ نے بہت صحیح فرمایا۔

اس زمانہ میں خلفاء و امراء کی مدح سرائی اور قصیدہ خوانی کا عام رواج تھا۔ بسا اوقات یہ بدعت مسجدوں تک میں کی جاتی تھی۔ ایک بار معروف شاعر عمار بن منصور مصر آیا اور اس نے مسجد میں خلیفہ وقت کی مدح میں ایک قصیدہ پڑھا۔ ابھی اس نے اپنا قصیدہ ختم ہی کیا تھا کہ دو آدمی اس کے پاس آئے اور کہا کہ تم کو امام لیث ابن سعد بلارہے ہیں۔ جب یہ ان کے پاس آیا تو اس سے کہا کہ مسجد میں کیا پڑھ رہے تھے؟ قصیدہ، دہرایا۔

سننے کے بعد ان پر افسوس اور رقت کی کیفیت طاری ہوئی۔ کچھ دیر کے بعد جب یہ کیفیت دور ہوئی تو نام پوچھا، پھر اس کو روپے کی ایک تھیلی دی اور اس سے کہا کہ اپنے کلام کو سلاطین کے دربار سے بچائے رکھو اور (سلاطین ہی پر کیا ہے) کسی مخلوق کی مدح نہ کرو۔ بس خدا کی حمد و ثناء تمہارے لئے کافی ہے۔ انشاء اللہ میں ہر سال تم کو اتنی ہی رقم بھیجتا رہوں گا۔ غالباً اس کے بعد کسی کی مدح نہیں کی اور امام کے حلقہ تلامذہ میں داخل ہو گیا۔

اہل مصر کو حضرت عثمانؓ کی تنقیص سے روکا :

حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد جہاں اور بہت سے فتنے پیدا ہوئے وہاں ایک فتنہ بزرگوں پر طعن و تشنیع اور سب و شتم کا بھی تھا۔ جو لوگ حضرت عثمانؓ کے حامی تھے، وہ حضرت علیؓ کی تنقیص کرنا ضروری سمجھتے تھے اور جو لوگ حضرت علیؓ کے مددگار تھے وہ حضرت عثمانؓ پر چھینٹے ڈالنا اپنا فرض سمجھتے تھے۔ مصر کے باشندے عام طور پر حضرت علیؓ کے حمایتی تھے اس لئے وہ حضرت عثمانؓ کی مذمت و تنقیص کیا کرتے تھے۔ مصر میں جب امام لیث بن سعدؒ کا اثر و رسوخ بڑھا تو انہوں نے اس کے خلاف آواز اٹھائی اور حضرت عثمانؓ کے فضائل عام طور پر بیان کرنے شروع کر دیئے، یہاں تک کہ تنقیص عثمانؓ کی بدعت سیدہ مصر سے ختم ہو گئی۔

وفات :

اس جسمہ حسن و خوبی اور مجموعہ فضل و کمال نے نصف شعبان بروز جمعہ ۵۷۱ھ کو وفات پائی اور جمعہ کی نماز کے بعد مصر کے ممتاز قبرستان قرافہ صغریٰ میں جس میں نہ جانے کتنے گنجائے گراں مایہ مدفون تھے، سپرد خاک کے گئے۔ موسیٰ بن عیسیٰ ہاشمی نے نماز جنازہ پڑھائی۔ جنازہ میں بے شمار مجمع تھا، مگر پورا مجمع اس طرح پیکر غم بنا ہوا تھا کہ گویا یہ ہر شخص کے گھر کی میت ہے۔ خالد بن عبد السلام صدیقی کا بیان ہے کہ میں اپنے والد عبد السلام کے ساتھ جنازہ میں شریک تھا۔ میں نے ایسا عظیم الشان جنازہ نہیں دیکھا، پورا مجمع پیکر غم بنا ہوا تھا، ہر ایک دوسرے سے اظہار تعزیت کر رہا تھا، غم کا یہ عالم دیکھ کر میں نے اپنے والد سے کہا کہ مجمع کا ہر شخص ایسا غم زدہ معلوم ہوتا ہے کہ گویا یہ جنازہ اسی کے گھر کا ہے۔ والد نے کہا کہ بیٹا یہ ایسے جامع فضل و کمال عالم تھے کہ شاید تمہاری آنکھیں پھر ایسا عالم نہ دیکھیں۔

اولاد :

ان کے دو صاحبزادوں کے نام تذکروں میں ملتے ہیں۔ ایک شعیب دوسرے حرث۔ آپ کی کنیت ابو الحرث ان ہی صاحبزادہ کے نام پر تھی۔ ان صاحبزادگان کے حالات تذکروں میں نہیں ملتے، مگر جتہ جتہ جو واقعات ملتے ہیں ان سے پتہ چلتا ہے کہ یہ صاحب علم تھے، حضرت شعیب کے صاحب علم ہونے کا پتہ اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ امام لیث بن سعدؒ انہی کی اقتداء میں نماز پڑھا کرتے تھے۔

تصانیف :

افسوس ہے کہ ان کے مرویات اور ان کے فتاویٰ و مجتہدات باقاعدہ مدون نہیں کئے گئے ورنہ ان کے علم و فضل کا ایک اچھا خاصہ ذخیرہ ہمارے سامنے موجود ہوتا۔ اب بھی اگر احادیث و فقہ کی کتابوں سے ان کی مرویات اور ان کے اقوال و فتاویٰ کو الگ کر لیا جائے تو حدیث و فقہ کا ایک اچھا خاصہ گل دستہ اس سے تیار کیا جاسکتا ہے، مگر اب اس طرح کام کون کرے اور اگر کر بھی لیا جائے تو اس کی قدر کون کرے۔ تذکروں میں ان کی جن تحریری یادگاروں کا ذکر ملتا ہے وہ یہ ہیں :

امام ذہبیؒ نے لکھا ہے کہ یہ کثیر التصانیف تھے، لیکن انہوں نے ان کی کسی تصنیف کا ذکر نہیں کیا ہے اور یہ عموماً تصانیف کا تذکرہ کم کرتے بھی ہیں۔

حافظ ابن حجرؒ نے تہذیب میں تو ان کی کسی تصنیف کا ذکر نہیں کیا، مگر الرحمة الغثیہ میں لکھا ہے کہ میں نے ان کی مرویات کا وہ مجموعہ دیکھا ہے جو حضرت نافعؒ کے واسطے سے مروی ہیں۔ انہوں نے اس کتاب میں لیث بن سعدؒ کی روایت کردہ چالیس ایسی احادیث بھی نقل کی ہیں، جو ان تک صرف آٹھ واسطوں سے پہنچی ہیں۔ ایسی روایات جو کم سے کم راویوں کے ذریعہ مروی ہوں ان کو محدثین کی اصطلاح میں عوالی حدیث کہا جاتا ہے۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آٹھویں صدی تک ان کی مرویات کے بعض مجموعے متداول تھے۔ کسی شاگرد نے ان سے پوچھا کہ آپ بسا اوقات ایسی روایتیں کرتے ہیں جو آپ کی کتابوں میں نہیں ملتیں؟ بولے :-

او کلہا فی صدری فی کتبیؑ

”کیا جو کچھ سینہ میں ہے، وہ سب کچھ میری تمام کتابوں میں آگیا ہے“

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ خود لیث بن سعدؒ نے اپنی مرویات اور ممکن ہے کہ بعض فتاویٰ بھی مرتب کر لئے تھے، جو ان کے تلامذہ کی عدم توجہی کی وجہ سے ضائع ہو گئے۔ جیسا کہ امام شافعیؒ نے فرمایا ہے۔ ضیعہ اصحابہ ان کے تلامذہ نے ان کو (یعنی ان کے علم و فضل کو) ضائع کر دیا۔

ابن ندیم نے ان کی دو کتابوں کا خاص طور سے ذکر کیا ہے۔ ایک کتاب التاریخ وغیرہ کتاب مسائل فی الفقہ - (ص ۲۸۱)



بسم الله الرحمن الرحيم

حضرت فضیل بن عیاضؓ

تابع تابعین میں جن بزرگوں کا زہد و اتقاء ضرب المثل تھا، ان میں حضرت فضیل بن عیاضؓ بھی تھے۔ علم و فضل کے لحاظ سے بھی معاصرین میں یہ عزت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔ مگردلوں میں ان کی فضیلت اور عظمت و جلالت ان کے زہد و اتقاء ہی کی وجہ سے تھی۔ ان کی زندگی توبہ و انابت الی اللہ کی صحیح تصویر تھی۔

خاندان :

ان کا خاندان صوبہ خراسان کی ایک بستی طالقان کا رہنے والا تھا، جو بعد میں فندین میں آباد ہو گیا تھا۔ اس فندین کے قریب ایک بستی ابیوردو تھی، وہیں ان کی ولادت ہوئی۔

ابتدائی حالات :

حضرت فضیلؓ کو ایک آزاد مسلمان گھرانے میں پیدا ہوئے، مگر ان کو سازگار ماحول نہیں ملا۔ جس کی وجہ سے ان کی عادتیں بگڑ گئیں اور کچھ دنوں میں وہ ایک مشہور ڈاکو کی حیثیت سے مشہور ہوئے۔ ان کی ڈاکہ زنی کا اتنا چرچا تھا کہ خراسان کے آس پاس سے قافلے گزرتے ہوئے ڈرتے تھے۔

توبہ :

ان کی زندگی کے یہی لیل و نہار تھے کہ یکا یک فضل ایزدی نے ان کا دامن پکڑا اور ان کو توبہ کی توفیق ہوئی۔ ان کی توبہ کی داستان میں کتنوں کے لئے سامان بصیرت ہے۔ ان کو کسی لڑکی سے عشق ہو گیا تھا، مگر خواہش نفس کی تکمیل کی کوئی سبیل پیدا نہیں ہو رہی تھی۔ ایک دن موقع پا کر اس کے گھر کی دیوار پھاند کر اندر داخل ہونا چاہتے تھے کہ کسی خدا کے بندے نے یہ آیت تلاوت کی۔

الم یان للذین آمنوا ان تخشع قلوبہم لذكر الله .

”کیا ابھی اہل ایمان کے لئے وقت نہیں آیا ہے کہ ان کے دل اللہ کی یاد کے لئے جھک جائیں۔“

کلام الہی کی یہ دل گداز آواز ان کے کانوں میں پہنچی اور کانوں کے ذریعہ دل میں اتر گئی۔ ایمان کی دلی ہوئی چنگاریاں بھڑک اٹھیں۔ بے ساختہ بول اٹھے، ”یارب آں (اے پروردگار وہ وقت آگیا) کہ میں بحر معاصی سے نکل کر تیرے دامن رحمت میں پناہ لوں۔“ وہاں سے وہ اسی وقت واپس ہوئے، رات کا وقت تھا، اس لئے ایک خرابہ میں ٹھہر گئے۔ پاس ہی کوئی قافلہ پڑاؤ ڈالے پڑا تھا۔ اہل قافلہ آپس میں مشورہ کر رہے تھے کہ کب رخت سفر باندھا جائے۔

بعضوں کا خیال تھا کہ اسی وقت چل دینا چاہئے، مگر اہل تجربہ نے رائے دی کہ صبح سے پہلے سفر کرنا خطرے سے خالی نہیں ہے۔ اسی راستہ پر فضیل قافلوں پر ڈاکے ڈالتا ہے۔ حضرت فضیلؒ کا بیان ہے کہ میں نے دل میں سوچا کہ میں رات بھر معاصی میں غرق رہتا ہوں اور بندگان خدا مجھ سے ڈرتے ہیں۔ حالانکہ خدا نے ان کے درمیان مجھ سے لئے نہیں بھیجا۔ پھر صدق دل سے توبہ کی اور یہ دعا کی :

اللہم انی تبت الیک وجعلت توبتی مجاورة البیت الحرام ۱۔

”اے پروردگار! میں تیری طرف پلٹتا ہوں اور اس توبہ کے بعد اپنی زندگی کو تیرے گھر کی خدمت کے لئے مخصوص کرتا ہوں۔“

اس توبہ نصوح کے بعد ان کو علم دین کی تحصیل کا شوق دامن گیر ہوا اور اسی شوق میں وہ ترک وطن کر کے کوفہ آئے۔ یہاں امام اعظم شیخ منصور اور بعض دوسرے آئمہ حدیث سے اکتساب فیض کیا، پھر حسب وعدہ جو احرم کو اپنا مسکن بنایا اور پھر اسی کے سایہ میں پوری زندگی بسر کر دی۔
علمی مقام :

پچھلی زندگی کا ان پر کچھ ایسا رد عمل ہوا تھا کہ وہ گوشہ گیر ہو کر یک گونہ دنیا سے بے تعلق ہو گئے تھے۔ عام طور پر محدثین ایسے زاہدوں اور گوشہ گروں کو کوئی علمی مقام نہیں دیتے تھے اور نہ ان کی روایتوں کو قبول کرتے تھے، مگر فضیل بن عیاضؒ کی ذات اس سے مستثنیٰ تھی۔ ان کی روایتوں کو عام محدثین نے قبول کیا ہے، اور خود بھی ان سے روایت کی ہے، اس کی وجہ یہ تھی کہ فضیل بن عیاضؒ کی زہد پسندی نے انہیں حصول علم دین سے بے نیاز نہیں کر دیا تھا، توبہ کے بعد گوان کی عمر کافی ہو چکی تھی لیکن وہ اس کے باوجود کوفہ پہنچے، اور وہاں ممتاز شیوخ حدیث وفقہ سے استفادہ کیا۔^۲

ان کے ممتاز شیوخ فقہ و حدیث یہ ہیں، امام اعظم، سلیمان التیمی، منصور بن معتمر، حمید الطویل، یحییٰ بن سعید الانصاری، محمد بن اسحاق، جعفر بن محمد الصادق، اسمعیل بن خالد سفیان ثوری وغیرہؑ، فقہ میں خاص طور پر انہوں نے فقہ کے سب سے ممتاز ائمہ امام ابو حنیفہؒ، اور محمد بن ابی لیلیٰؒ سے استفادہ کیا تھا۔

زہد و اتقا میں ان سے استفادہ کرنے والوں کی تعداد کا حصر تو ناممکن ہے مگر جن لوگوں نے زہد و اتقا کے ساتھ ان سے علمی استفادہ کیا تھا۔ ان کی تعداد بھی کم نہیں ہے۔ حضرت سفیان ثوریؒ گو ان کے شیوخ میں ہیں مگر خود انہوں نے بھی ان سے روایت کی ہے اسی طرح حضرت سفیان بن عیینہ، ابن مہدیؒ اور امام شافعیؒ ان کے تلامذہ میں ہیں ان کے علاوہ یحییٰ بن سعید القطانؒ، ابن مہدیؒ، عبد الرزاق حمیدیؒ، ابن وہبؒ، اسمعیؒ، یحییٰ بن یحییٰ التیمیؒ رحمہم اللہ وغیرہ نے ان سے استفادہ کیا تھا۔

روایت حدیث میں احتیاط :

تمام محدثین نے ان کے علم و فضل کا اعتراف کیا ہے، ان کی روایتیں قبول کی ہیں، لیکن اس کے باوجود تجدید روایت سے حتیٰ الامکان گریز کرتے تھے، ابام نوریؒ نے لکھا ہے وہ حدیث نبوی سے سخت جائف رہتے تھے، اور اس کی روایت ان پر بہت گراں گذرتی تھی۔ خلاص طور پر کسی غیر محدث سے حدیث کی روایت کو نوچہ پند ہی نہیں کرتے تھے، ایک بار کسی نے ان سے کہا کہ آپ جعفر بن یحییٰ سے روایت نہیں کرتے؟ فوراً بولے کہ میں حدیث نبوی ﷺ کو اس سے بلند سمجھتا ہوں کہ اس کی روایت ابن یحییٰ سے کی جائے۔ فرماتے تھے کہ اگر کوئی مجھ سے درہم و دینار مانگ لے تو یہ میرے لئے آسان ہے، مگر مجھ سے تجدید کی فرمائش نہ کرے۔^۵

محدثین کا اعتراف :

ان کے علم و فیض کی زیادہ تفصیل تذکروں میں نہیں ملتی، ابن جوزیؒ ان کے حالات میں ایک مستقل کتاب لکھی ہے، اگر وہ مل جاتی تو البتہ ان کے بارے میں کافی معلوماتیں ملتیں۔ لیکن ممتاز ائمہ حدیث و فقہ نے ان کے بارے میں جو رائے دی ہے، اس سے کسی حد تک ان کے علم و فیض کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

۱۔ البدایہ والنہایہ جلد اول۔ ص ۱۹۸ و تہذیب الاسماء نووی جلد ۲۔ ص ۱۵۱ اور تہذیب التہذیب جلد ۸۔ ص ۲۹۴

۲۔ الجواہر المصنیہ جلد اول۔ ص ۲۰۹ ۳۔ تہذیب الاسماء جلد ۲۔ ص ۵۱ ۴۔ ایضاً

۵۔ الجواہر المصنیہ جلد اول۔ ص ۲۰۹

حضرت سفیان بن عیینہؒ نے ان کو ثقہ قرار دیا ہے۔^۱ قاضی شریکؒ نے ان کی حجت کو کہا ہے۔ ابن ناصر الدین نے امام الحرم، شیخ السلام قلوۃ الاعلام وغیرہ کے الفاظ سے ان کا تذکرہ کیا ہے۔^۲ دارقطنی اور نسائی نے ثقہ اور ابوحاتم نے صدوق کہا ہے۔ ابن سعد نے ان کو ثقہ، فاضل، متقی اور کثیر الحدیث کہا ہے۔ امام نوویؒ نے کہا ہے کہ ان کی توثیق پر تمام آئمہ کا اتفاق ہے۔ وہ صحیح الحدیث اور صدوق اللسان تھے۔ ان کی روایت صحیح اور سچی ہوتی تھیں۔ ان کے علم و فضل کی توثیق کے لئے یہ بات کافی ہے کہ ان سے سفیان ثوریؒ، یحییٰ بن سعید القطانؒ، امام بخاریؒ، امام مسلمؒ جیسے آئمہ حدیث نے روایت کی ہے، بعض محدثین ان کی روایت کے قبول کرنے میں کچھ تامل کرتے تھے، مگر ان کی تعداد بہت کم ہے۔

زہد و اتقاء :

ان کے صحیفہ زندگی کا سب سے تابناک باب یہی ہے، علامہ ابن مبارکؒ جن کا زہد و اتقاء خود ضرب المثل تھا، وہ فرماتے ہیں کہ فضیل اس زمانے کے سب سے متقی آدمی تھے، دوسری روایت ہے کہ وہ فرماتے تھے کہ میرے نزدیک زمین پر اس وقت ان سے زیادہ افضل آدمی کوئی دوسرا نہیں ہے۔^۳ خلیفہ وقت ہارون رشیدؒ کہا کرتا تھا کہ علماء میں امام مالکؒ سے زیادہ بارعب اور فضیل بن عیاضؒ سے زیادہ متقی آدمی میں نے نہیں دیکھا، ہارون نے جو کچھ کہا تھا وہ سنی سنائی بات نہیں تھی بلکہ خود اس کا ذاتی تجربہ تھا۔

حضرت فضل بن ربیعؒ کا بیان ہے کہ امیر المؤمنین ہارون رشیدؒ حج کے لئے نکلے تو وہ مجھ سے بھی ملنے آئے۔ میں نے سنا کہ امیر المؤمنین آئے ہیں، تو تیزی سے ان کے پاس آیا، اور عرض کیا آپ مجھ ہی کو طلب کر لیتے ہیں خود حاضر ہو جاتا۔ انہوں نے کہا کہ میرے دل میں کچھ خلش ہے، کسی ایسے آدمی کے پاس لے چلو جس سے میں اپنی تسکین حاصل کر سکوں۔ فضل نے کہا یہاں سفیان بن عیینہ موجود ہیں، آپ میرے ساتھ ان کے پاس چلے۔ چنانچہ ہم لوگ ان کے دروازے پر پہنچے، دروازہ کھٹکھٹایا انہوں نے اندر سے پوچھا کون؟ میں نے کہا: امیر المؤمنین آپ سے ملنے آئے ہیں۔ یہ سن کر تیزی سے آئے اور بولے،

اے امیر المؤمنین! آپ نے بلا لیا ہوتا، میں حاضر ہو جاتا۔ ہارون نے کہا کہ اچھا جس کام کے لئے ہم آئے ہیں وہ شروع کیجئے۔ ہارون نے ان سے کچھ دیر بات چیت کی، پھر پوچھا کہ آپ پر

۱۔ تہذیب التہذیب جلد ۸۔ ص ۵۹۵

۲۔ شذرات الذہب جلد اول۔ ص ۳۱۷

۳۔ تہذیب التہذیب اور تہذیب الاسماء۔ جلد ۲۔ ص ۵۲

۴۔ تہذیب التہذیب جلد ۸۔ ص ۱۹۵

کسی کا قرض تو نہیں ہے۔ ابن عیینہ نے اثبات میں جواب دیا، ہارون اس کی ادائیگی کا حکم دے کر ان سے رخصت ہوا۔ جب باہر آیا تو اس نے فضل سے کہا کہ تمہارے دوست سے مجھے تسکین نہیں ہوئی، کسی دوسرے صاحب علم کے پاس لے چلو۔ فضل عبدالرزاق بن ہمام کی خدمت میں لے گئے۔ وہاں بھی ہارون کو تسکین نہیں ہوئی، پھر یہ قافلہ حضرت فضیل بن عیاض کے پاس پہنچا۔

حضرت ابن عیاض "اس وقت نماز میں تھے اور ایک ہی آیت کو بار بار دہرا رہے تھے۔ غالباً وہ جب فارغ ہو گئے تو انہوں نے دستک دی۔ انہوں نے اندر سے پوچھا کون؟ فضل نے کہا امیر المؤمنین آپ سے ملنے آئے ہیں۔ اس کے جواب میں انہوں نے بڑی بے نیازی سے فرمایا، مجھ سے امیر المؤمنین کو ملنے کی کیا ضرورت ہے؟ فضل نے کہا کہ کیا آپ پر اطاعت ضروری نہیں ہے۔ اس کے بعد ابن عیاض "کوٹھے سے نیچے اترے اور دروازہ کھولا۔ ہم لوگ ان کے پاس بیٹھ گئے۔ انہوں نے چراغ گل کر دئے اور خود ایک گوشہ میں بیٹھ گئے۔

اتفاق سے اندھیرے میں ہارون رشید کا ہاتھ فضیل کے بدن پر پڑ گیا۔ فضیل نے کہا کہ کتنا نرم ہاتھ ہے، کاش کل یہ عذاب و دوزخ سے بچ جائے۔ ہارون رشید نے اس کے بعد کچھ ہدایتیں کرنے کی فرمائش کی۔ ابن عیاض نے بڑے ہدایت انداز میں فرمایا کہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ خلیفہ منتخب ہوئے تو انہوں نے سالم بن عبداللہ، محمد بن کعب القرظی، اور رجا بن حیوۃ کو بلایا اور پروردگار میں فرمایا کہ میں اس آزمائش میں ڈال دیا گیا ہوں، آپ لوگ مجھے اس سلسلہ میں مشورہ دیجئے، تو انہوں نے خلافت کی ذمہ داری کو (آزمائش) قرار دیا اور آپ اور آپ کے اصحاب نے اس کو محفلِ نعمت قرار دیا۔

حضرت سالم بن عبداللہ نے حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ سے فرمایا کہ اس دنیا میں ایک روزہ دار کی طرح رہنا چاہئے۔ ابن کعبؓ نے کہا کہ جو مسلمان آپ سے بڑے ہیں، انہیں آپ اپنے والد کی طرح سمجھیں۔ جو متوسط عمر کے ہیں، انہیں بھائی سمجھیں اور جو چھوٹے ہیں انہیں اپنا لڑکا سمجھیں۔ اور باپ کی توقیر کیجئے، بھائی کا اکرام و اعزاز کیجئے اور لڑکے سے پوری شفقت و محبت سے پیش آئیے۔ رجا بن حیوۃ بولے، اگر آپ قیامت کے دن عذاب الہی سے بچنا چاہتے ہیں تو مسلمان کے لئے وہی پسند کیجئے جو آپ اپنے لئے پسند کرتے ہیں اور ان کے لئے وہ پسند نہ کیجئے جو اپنے لئے ناپسند کرتے ہیں۔ ابن عیاضؓ نے ہارون رشید کو مخاطب کر کے فرمایا کہ اس دن جس دن لوگوں کے پیر اپنی جگہ سے ڈگ رہے ہوں گے۔ آپ کے لئے میں بہت خائف ہوں، آپ پر خدا رحم کرے کہ آپ کے قریب ایسے لوگ نہیں ہیں جو آپ کو اس طرح کا مشورہ دے سکیں۔

یہ سن کر ہارون رشید پھوٹ پڑا اور اس پر غشی کی کیفیت طاری ہو گئی۔ پھر جب یہ کیفیت دور ہوئی تو ہارون نے کہا آپ پر خدا رحم کرے کچھ ارشاد ہو۔ ابن عیاضؒ نے پھر اسی انداز میں فرمایا، اے امیر المؤمنین! مجھے یہ بات معتبر طریقے معلوم ہوئی ہے کہ عمر بن عبدالعزیزؒ کے ایک عامل نے ان کو خط کے ذریعے اپنی کسی تکلیف کا اظہار کیا، جواب میں انہوں نے لکھا کہ میرے بھائی میں تم کو اہل دوزخ میں ابد الابد تک جاگتے رہنے کی یادلاتا ہوں اور ذکر کہیں تم خدا کے پاس اس حالت میں واپس ہو کہ تم کو بخشش کی کوئی امید نہ رہ جائے۔ جب یہ خط اس عامل نے پڑھا تو سارے کام چھوڑ کر عمر بن عبدالعزیزؒ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ انہوں نے وجہ دریافت کی تو بولا کہ آپ کا خط پڑھ کر میں نے تہیہ کر لیا ہے کہ اب موت تک کسی ذمہ داری کو قبول نہ کروں گا۔ یہ سن کر ہارون پر ایک بار پھر رقت طاری ہو گئی۔ تھوڑی دیر بعد پھر اس نے مزید ہدایت کی خواہش ظاہر کی۔ ابن عیاضؒ نے فرمایا کہ اے امیر المؤمنین! نبی ﷺ کے چچا حضرت عباسؓ ایک بار خدمت نبویؐ میں آئے اور خواہش ظاہر کی کہ مجھے کسی جگہ کا امیر بنادیتے۔ تو آپ نے فرمایا کہ ”امارت کی ذمہ داری قیامت کے دن سراسر حسرت و ندامت ہوگی، تو اس کی خواہش نہ کیجئے۔“ اس پر ہارون رشید ایک بار پھر پھوٹ پھوٹ کر رو دیا اور مزید کچھ کہنے کی خواہش کی۔ آپ نے فرمایا کہ اے خوب رو چہرے والے! قیامت کے دن اپنی خلق کے بارے میں خدا تعالیٰ پوچھ گچھ کرے گا۔ اگر آپ یہ چہرہ آگ سے بچنا چاہتے ہو تو اس طرح بچائیے کہ کبھی کسی رعیت کی طرف اپنے دل میں کوئی کھوٹ، کینہ نہ رکھئے، کیونکہ نبی ﷺ نے فرمایا ہے کہ ”جو شخص لوگوں کی طرف کینہ اور کھوٹ رکھتا ہے، اس پر جنت کی خوشبو حرام ہے۔“ یہ سن کر ہارون پھر رو پڑا۔ جب سکون ہوا تو اس نے پوچھا کہ آپ پر کسی کا قرض تو نہیں ہے؟ ابن عیاضؒ نے فرمایا کہ ہاں میرے رب کا قرض میرے اوپر ہے، جس کا وہ محاسبہ کرے گا۔ میری تو ہلاکت ہی ہے، اگر اس نے مجھ سے سوال کیا۔ میری بربادی ہی ہے، اگر اس نے پوچھ گچھ کی اور اس کا جواب اس نے کافی نہیں سمجھا۔ ہارون رشید بولا، میں بندوں کے قرض کے بارے میں آپ سے سوال کر رہا ہوں؟ بولے

میرے رب نے اس کا حکم مجھے نہیں دیا۔ میرے رب نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں تنہا اسی کو رب سمجھوں اور اسی کی اطاعت کروں۔ پھر قرآن کی یہ آیت پڑھی :

وما خلقت الجن والانس الا ليعبدون ما اريد منهم من رزق وما

اريد ان يطعمون ان الله هو الرزاق ذو القوة المتين

ہارون رشید نے کہا کہ یہ ایک ہزار دینار (دس ہزار روپے سے زیادہ) حاضر ہیں۔
اسے قبول کیجئے اور اپنے اہل و عیال پر صرف کیجئے۔ بولے

سبحان اللہ! میں تو آپ کو نجات کا راستہ بتاتا ہوں، اور آپ اس شکل میں بدلہ دینے کی
کوشش کرتے ہیں۔ یہ فرمانے کے بعد بالکل خاموش ہو گئے۔ ہارون رشید اپنے قافلے کے ساتھ
وہاں سے واپس ہوا اور باہر نکل کر فضل سے کہا کہ آئندہ اگر کسی کے پاس لے چلنا ہو تو انہی جیسے
کے پاس لے چلنا۔ یہ واقعہ سید المسلمین ہیں۔

اس گفتگو سے حسب ذیل باتیں معلوم ہوئیں :

(۱) ایک یہ کہ حکومت کی ذمہ داری کو عیش و طرب کا ذریعہ نہیں بنانا چاہئے۔ بلکہ اسے ایک
آزمائش سمجھ کر اس سے عہدہ برآ ہونے کی کوشش کرنی چاہئے۔

(۲) دوسری بات یہ کہ اسلامی حکومت کے حکمرانوں کی زندگی آخرت کی باز پرس اور احساس
ذمہ داری سے خالی نہ ہونا چاہئے۔ اگر اس سے ان کی زندگی خالی ہوگی تو وہ کبھی عدل و انصاف نہ
کر سکیں گے۔

(۳) تیسری بات یہ کہ انہوں نے اس میں مثال زیادہ تر حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ کی دی، جو
اموی خلیفہ تھے۔ جن کے بارے میں عباسی حکمران بدگمان بھی رہا کرتے تھے اور ان سے اپنے کو برتر
سمجھا کرتے تھے۔ حضرت ابن عیاضؒ نے مثالیں دے کر ان کے اس پندار کو توڑنے کی کوشش کی۔ اس سے
ان کی حد سے بڑھی ہوئی جرات کا پتہ چلتا ہے اور حکومت وقت سے ان کی ناراضگی کا اظہار بھی ہوتا ہے۔

(۴) چوتھی بات یہ کہ حضرت عباسؓ کو امارت کے قریب جانے سے آپ ﷺ نے اس لئے منع
فرمایا کہ یہ کوئی موروثی چیز نہیں ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو آپ ﷺ ان کو یہ ذمہ داری سونپ دیتے۔ لیکن
چونکہ اس کا مدار اہلیت و صلاحیت پر ہے، اس لئے آپ ﷺ نے اس مان کو روک دیا۔

حلال ذریعہ رزق :

وہ اکل حلال کے سلسلہ میں حد درجہ محتاط تھے۔ یہی وجہ تھی کہ انہوں نے نہ تو امراء و
خلفاء کی مدد قبول کی اور نہ عوام کی۔ اپنے ہاتھوں کی کمائی سے جو کچھ مل جاتا تھا وہ کھا لیتے تھے۔
امام شعرانیؒ کے الفاظ ہیں :

يسقى على الدوام وينفق من ذالك على نفسه وعياله . (ص ۵۸/۱)
 ”ہمیشہ بہشتی کا کام کرتے تھے اور اس سے اپنا اور اپنے اہل و عیال کا خرچ چلاتے تھے۔“

ذکر الہی اور قرآن سے شغف :

قرآن کے ساتھ ان کو عشق تھا اور اوپر ذکر آچکا ہے، ہارون رشید جب ان کے پاس گیا تو وہ قرآن کی ایک آیت دہرا رہے تھے۔ خادم خاص ابراہیم بن اشعث کہتے ہیں کہ فضیلؒ کے دل میں خدا کی جس قدر عظمت تھی اتنی میں نے کسی کے دل میں نہیں دیکھی۔ ان کے سامنے جب خدا کا ذکر آ جاتا تو وہ قرآن کی کوئی آیت سن لیتے تھے تو

ظهر به الخوف والحزن وفاضت عيناه فبكى حتى يرحمه من
 بحضرتہؒ۔

”ان پر خوف و غم کی کیفیت طاری ہو جاتی تھی اور اس طرح روتے تھے کہ دیکھنے والوں کو رحم آنے لگتا تھا۔“

امام احمد بن حنبلؒ کا بیان ہے کہ ایک بار ہم لوگ فضیل بن عیاضؒ کے پاس گئے اور ان سے اندر آنے کی اجازت چاہی، تو اجازت نہیں ملی۔ کسی نے کہا کہ وہ اگر قرآن کی آواز سن لیں تو نکل آئیں گے۔ ہمارے ساتھ ایک بلند آواز آدمی تھا، ہم نے اس سے کہا کہ قرآن کی کوئی آیت پڑھو۔ اس نے بلند آواز سے سورہ تکوین پڑھنی شروع کر دی، وہ فوراً نکل آئے۔ اس وقت ان کا یہ حال تھا کہ ڈاڑھی آنسوؤں سے تر تھی۔ وہ خود قرآن پڑھتے تو ان کی آواز نہایت غمگین اور پسندیدہ ہوتی اور ٹھہر ٹھہر کر پڑھتے تھے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ کسی انسان کو مخاطب کر رہے ہیں۔

وفات :

محرم ۱۸ھ میں ان کی وفات ہوئی۔ عمر ۸۰ سے متجاوز تھی۔

اہل و عیال :

ان کے اہل و عیال کے بارے میں زیادہ تفصیل نہیں ملتی۔ بعض واقعات سے اتنا پتہ چلتا ہے کہ شادی ہوئی تھی اور ایک اولاد بھی تھی، جن کا نام علی تھا۔ یہ عادات و خصائل میں ان کے مشابہ تھے، مگر عین عالم شباب میں ان کا انتقال ہو گیا۔ ابن خلکان کا بیان ہے :

كان ولده شاباسر يا من كبار الصالحين وهو معدود في جملة من
قتله محبة الباري سبحانه .

”ان کے یہ صاحبزادے موت کے وقت جوان، ممتاز اور کبار صالحین میں تھے۔ ان کا
شمار ان لوگوں کے زمرہ میں ہوتا ہے جن کی موت کا سبب خدا کی محبت ہوتی ہے۔“

لیکن صبر و شکر کا عالم یہ تھا کہ نو جوان صالح اولاد کے انتقال پر بھی وہ بے قابو نہیں ہوئے،
بلکہ ایک غم آمیز تبسم سے فرمایا: خدا نے جو پسند کیا، میں بھی اس پر راضی ہوں۔ (ابن خلکان۔ ص ۱۵۸)
زریں اقوال :

’ اوپر کی تفصیل سے زہد و اتقا سے بھرپور زندگی کا ایک خاکہ آنکھوں کے سامنے پھر جاتا
ہے، مگر ان کے سوانح حیات کے پورے خط و خال دیکھنے کے لئے ان کے ان گراں مایہ اقوال پر
بھی ایک نظر ڈال لینا ضروری ہے، جو ان کی پر حکمت زبان سے گاہ بگاہ صادر ہوتے رہے ہیں۔
فرماتے تھے کہ :

ہماری صحبت میں اس نے کچھ نہیں پایا، جس نے نماز اور روزہ کی کثرت سیکھی، بلکہ اس کے
لئے طبیعت کی سخاوت، قلب کی سلامتی اور اُمت کی خیر خواہی کی ضرورت ہے۔
جس نے انسان کو پہچان لیا وہ راحت پا گیا۔ (مقصد یہ ہے کہ یہ حقیقت جس نے پالی کہ
کوئی انسان کچھ بنا بگاڑ نہیں سکتا تو پھر ان سے بالکل بے پرواہ ہو جائے گا اور اپنی ساری توجہ خدا کی
طرف مبذول کرے گا)۔

فرماتے تھے کہ جب کبھی خدا کی کوئی نافرمانی کر بیٹھتا ہوں تو میں اپنے گدھے، اپنے خادم
اور اپنی بیوی میں اس کا اثر محسوس کرتا ہوں، یعنی یہ سب میرے نافرمان ہو جاتے ہیں۔

جب خدا تعالیٰ کسی بندے سے محبت کرتا ہے تو اس کو رنج و غم زیادہ دیتا ہے، اور جب کسی
سے ناخوش ہوتا ہے تو اس پر دنیا وسیع کر دیتا ہے۔

فرماتے تھے کہ اگر دنیا اپنی ساری آسائشوں اور زینتوں کے ساتھ مجھے دی جائے اور اس
کے استعمال میں محاسبہ کا بھی کوئی خوف نہ ہو، جب بھی میں اس سے اسی طرح بچوں گا، جس طرح تم
لوگ مُردار کھانے سے بچتے ہو۔

فرماتے تھے کہ اگر مجھے مقبولیت دعا کی سعادت ملتی تو میں صرف امام وقت کے لئے دعا کرتا۔ کیونکہ امام وقت کی صلاح پر رعیت کی صلاح کا مدار ہے۔ جب یہ صالح ہو جائے گا تو ملک اور اہل ملک دونوں امن و سلامتی پا جائیں گے۔

اپنے ہم نشینوں سے ملاطفت اور حسن خلق کا برتاؤ کرنا، رات بھر نفل نماز پڑھنے اور دن بھر نفل روزہ رکھنے سے زیادہ ثواب کا کام ہے۔

ایک بار ہارون رشید نے ان سے کہا آپ کے زہد کا کیا کہنا، جواب میں فرمایا: آپ تو مجھ سے بھی بڑے زاہد ہیں کیونکہ میں نے تو دنیا سے بے رغبتی اختیار کی ہے اور یہ ایک چمھر کے پر سے بھی کم درجہ کی چیز ہے۔ لیکن آپ نے اس آخرت سے بے نیازی اختیار کی ہے جس میں دنیا کی کوئی قیمت نہ ہوگی تو میں فانی کا زاہد ہوں اور آپ باقی کے زاہد ہیں۔

ایک روایت میں ہے کہ یہ بات آپ نے سلیمان بن عبد الملک سے کہی تھی۔

فرمایا کہ دوسروں کے دکھاوے کے لئے کوئی عمل کرنا شرک ہے اور دوسروں کی وجہ سے کوئی عمل چھوڑ دینا ریا ہے اور اخلاص یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ دونوں سے محفوظ رکھے۔^۱

فرماتے تھے کہ جب تم رات کو اٹھ کر نفل پڑھنے اور دن کو روزہ رکھنے پر قادر نہ ہو تو سمجھ لو کہ محروم ہو اور تم کو تمہارے گناہوں نے گھیر لیا ہے۔ حضرت محمد بن حسان کہتے ہیں کہ ایک بار فضیلؒ کی خدمت میں گیا۔ وہاں امام بن عیینہؒ بھی موجود تھے۔ وہ امام سے مخاطب ہو کر کہہ رہے تھے کہ آپ لوگ یعنی علمائے دین زمین کا چراغ ہیں، جن سے روشنی کی جاسکتی ہے، مگر آپ لوگ ظلمت کا سبب بن گئے ہو۔ آپ لوگ ستاروں کے مانند تھے، جن سے گم کردہ راستہ پاسکتے تھے۔ مگر آپ سرپا حیرت بن گئے ہیں۔ آپ میں کوئی آدمی بھی ایسا نہیں ہے، جو ان ظالم حکمرانوں کا بال لینے اور پھر مسند درس پر بیٹھ کر حدثنا فلان عن فلان کہنے سے شرمائے۔^۲

فرماتے تھے کہ کوئی صاحب فضل و کمال اسی وقت صاحب و کمال ہے جب تک وہ خود اپنے کو صاحب فضل و کمال نہ سمجھے۔

۱۔ یہ تمام اقوال البدایہ والنہایہ جلد ۱۰ ص ۱۹۹ اور ابن خلکان جلد ۲ ص ۱۵۸ سے لئے گئے ہیں۔

۲۔ صفوة الصفوة جلد ۲ ص ۱۳۵ حضرت فضیلؒ نے غایت تشدد میں ایسی بات کہہ دی ہے، ورنہ تبع تابعینؒ کی ایک متعدد تعداد ایسی تھی، جو نہ حکومت سے کوئی مدد لیتی تھی اور نہ ان کو پسند کرتی تھی۔ کتاب میں ایسے متعدد بزرگوں کے حالات آچکے ہیں۔

فرماتے تھے، اخیر زمانہ میں قوموں اور قبیلوں کے سردار منافق قسم کے لوگ ہو جائیں گے تو اس وقت ان سے بچنے کی ضرورت ہے۔ اس لئے کہ یہ ایسا مرض ہے کہ اس کی کوئی دوا نہیں ہے۔ لوگوں سے دور بھاگو، مگر جماعت ترک نہ ہونے پائے۔ یہ زمانہ خوشی کا نہیں بلکہ رنج و غم کا ہے۔

فرماتے تھے کہ ہر چیز کا ایک دیباچہ ہوتا ہے۔ علماء کا دیباچہ یہ ہے کہ سب سے پہلے غیبت ترک کر دیں۔ فرماتے تھے کہ حامل قرآن کے لئے یہ زیبا نہیں ہے کہ وہ اپنی کوئی ضرورت امراء و اہل دولت کے پاس لے جائے۔ بلکہ ان کا منصب یہ ہے کہ خلق خدا اپنی حاجتیں اس کے پاس لے جائیں۔

دوستی کے بارے میں قیمتی ہدایت :

فرماتے تھے کہ رحمان کے بندے وہ لوگ ہیں جن میں خشوع اور تواضع ہوتی ہے اور دنیا کے بندے وہ ہیں جن میں تکبر اور خود پسندی ہوتی ہے اور وہ عام لوگوں کو ذلیل سمجھتے ہیں۔

فرمایا کرتے تھے کہ جو شخص بے عیب دوست تلاش کرتا ہے، وہ بغیر دوست ہی رہے گا۔ ایسے شخص سے دوستی نہ کرو کہ جب تم سے خفا ہو تو تمہارے اوپر بہتان تراشے، وہ تمہارا دوست نہیں ہے، جس نے تم سے کوئی چیز مانگی اور تم نے نہیں دی تو وہ غضبناک ہو گیا۔ اب آپس میں وہ اخوت و ہمدردی نہیں رہی کہ ایک بھائی ایک دوست، اپنے بھائی یا دوست کے مرجانے کے بعد اس کی اولاد کو اپنی نگرانی میں لے لیتا تھا اور بالغ ہونے تک اپنے بچوں کی طرح ان کی پرورش کرتا تھا۔

علم و زہد کے بارے میں جامع ہدایات :

جو شخص قرآن پڑھتا ہے۔ اس سے اس طرح سوال کیا جائے گا، جس طرح انبیاء سے تبلیغ و رسالت کے بارے میں سوال ہوگا۔ کیونکہ قرآن پڑھنے والا انبیاء کا وارث ہے۔

آخرت پسند عالم کا علم پوشیدہ رہتا ہے اور دنیا پسند عالم کے علم کی نشر و اشاعت ہوتی ہے۔ عالم آخرت کی پیروی کرو اور عالم دنیا کی صحبت سے بچو۔ کیونکہ یہ اپنی فریب خوردگی اور دنیاوی زیب

۱۔ مقصد یہ ہے کہ دینی زندگی کا جب رواج کم ہو جائے، تو پھر مسلمان رہتے ہوئے خوش رہنا مناسب نہیں ہے، بلکہ کم سے کم اس پر افسوس ہی کرنا چاہئے۔

۲۔ یہ اصول اس صورت میں ہے کہ جب اپنے علم کو شہرت کی غرض ہی سے شائع و ذائع کرے۔

وزیریت کے پھندے میں تمہیں ڈال دے گا۔ اس کی دعوت بغیر عمل کے ہوتی ہے اور اس کے عمل میں کوئی صداقت نہیں ہوتی۔ زہد کی ایک علامت یہ ہے کہ جب امراء اور اس کے ہم نشینوں کے یہاں ان کے جہل کا ذکر کیا جائے تو وہ خوش ہوں۔

اکل حلال :

جو شخص یہ جان لے کہ اس کے پیٹ میں کیا جا رہا ہے، وہ خدا کے یہاں صدیق شمار کیا جائے گا۔ تو چاہئے کہ تم یہ دیکھو کہ تمہارا رزق کہاں سے اور کس ذریعہ سے آ رہا ہے۔



بسم الله الرحمن الرحيم

حضرت امام سفیان ثوریؒ

جن ائمہ فقہ و حدیث کو زمرہ تبع تابعین کا گل سرسبد کہا جاسکتا ہے ان میں ایک امام ابو سفیان ثوریؒ بھی ہیں۔ علم و فضل کے لحاظ سے ان کا شمار ائمہ مجتہدین میں ہوتا ہے جو ایک جدا فقہی مسلک کے بانی تھے، گوائمہ اربعہ کے مسلک کے سامنے یہ مسلک زیادہ دن تک زندہ نہ رہ سکا مگر اس کے باوجود فقہ و حدیث کی تمام قدیم کتابوں میں ائمہ اربعہ کے ساتھ سفیان ثوریؒ کی راہوں اور مجتہدات کا ذکر بھی ملتا ہے۔ حدیث کی مشہور کتاب ترمذی ہی کو اٹھا کر دیکھ لیجئے، قریب قریب ہر باب میں وعلیہ سفیان الثوری وغیرہ کے الفاظ آپ کو ملیں گے۔ اس عہد میں جن بزرگوں کو قرآن اور اسکی تفسیر و تاویل سے خاص شغف تھا اور جنہوں نے اس فن میں اپنی تحریری یادگاریں چھوڑیں ان میں امام موصوف بھی تھے، تذکرہ نگاروں نے امام کو بحیثیت فقیہ اور محدث تو پیش کیا ہے مگر طبقات المفسرین میں ان کا شمار نہیں کیا ہے حالانکہ اس فن میں ان کا کارنامہ حضرت سفیان بن عیینہ، وکیع بن جراح، اسحاق بن راہویہ سے کم نہیں تھا۔ حیرت ہے کہ ان بزرگوں کو تو مفسرین کی فہرست میں جگہ دی گئی ہے اور سفیان ثوریؒ کو اس شرف سے محروم رکھا گیا۔

علم و فضل کے ساتھ زہد و اتقا میں بھی ضرب المثل تھے ان کے بارے میں عام تذکرہ نویس لکھتے ہیں کہ دنیا ان کی طرف بڑھی مگر انہوں نے اس سے اپنی نظر پھیر لی ان مجمل اشارات کے بعد مفصل حالات زندگی ملاحظہ ہوں۔

نام و نسب اور ولادت :

سفیان نام، ابو عبد اللہ کنیت۔ ان کے سلسلہ نسب میں ایک نام ثور بن مناة آتا ہے اسی کی نسبت سے وہ ثوریؒ کہلاتے ہیں باختلاف روایت ان کی ولادت سلیمان ابن عبد الملک کے زمانہ خلافت میں ۹۶، ۹۷ھ میں ہوئی۔^۱

۱۔ تذکروں سے معلوم ہوتا ہے کہ ثور نام کے دو آدمی تھے ایک کا تعلق مشہور عرب قبیلہ مضر سے اور دوسرے کا مشہور قبیلہ ہمدان سے۔ امام سفیان ثوریؒ کے بارے میں عام تذکرہ نویس لکھتے ہیں کہ وہ ثور سے مضر ہیں اور بعض لکھتے ہیں کہ ثور ہمدان سے ہیں۔ ۲۔ تہذیب جلد ۴ ص ۱۱۳ اور تذکرۃ الحفاظ جلد ۱ ص ۱۹۲۔ بعض لوگوں نے ان کا سن ولادت ۹۵ھ لکھا ہے مگر یہ اس لئے غلط ہے کہ اس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ وہ سلیمان کے خلافت میں پیدا ہوئے تھے اور سلیمان ۹۶ھ میں تخت خلافت پر بیٹھا تھا۔

خاندان :

علم و فضل کے لحاظ سے ان کا خاندان کوفہ کے معروف خاندانوں میں تھا۔ ان کے والد سعید بن مسروقؒ خود صاحب علم و فضل تھے، خاص طور پر حدیث نبوی ﷺ کی تحدیث و روایت میں وہ معروف تھے۔ عام ارباب تذکرہ و رجال نے ان کی توثیق کی ہے حافظ ابن حجرؒ نے تہذیب التہذیب میں مستقلاً ان کا ترجمہ لکھا ہے۔ بعض واقعات سے پتہ چلتا ہے کہ ان کی والدہ بھی نہایت عفت مآب، پاکیزہ، سیرت اور صاحب علم خاتون تھیں۔

سفیانؒ کہتے ہیں کہ میں نے ایک بار رات کو آسمان پر نگاہ اٹھائی تو معلوم ہوا کہ میرا دل میرے پہلو میں نہیں ہے، اس کیفیت کا ذکر میں نے اپنی والدہ سے کیا تو بولیں معلوم ہوتا ہے کہ تم نے آسمان پر حسرت پذیری اور غور و فکر کی غرض سے نگاہ نہیں ڈالی بلکہ تمہارا مقصد صرف لہو و لعب تھا^۱۔

والدین کے علاوہ ان کے دو بھائی عمرو و مبارک کا بھی شمار اہل علم میں ہوتا ہے۔ حافظ ابن حجرؒ اور خطیب نے ان کے حالات لکھے ہیں، مشہور امام حدیث اعمشؒ مبارک بن سعید سے اپنی مجلس درس میں حد درجہ شگفتہ رہتے تھے جب ان کو یہ معلوم ہوا کہ یہ سفیان کے بھائی ہیں تو پھر ان کو اپنے پہلو میں بٹھاتے تھے، ان کو ہذا السید، یہ سردار ہیں کے الفاظ سے یاد کرتے تھے۔ آخری عمر میں بینائی جاتی رہی تھی^۲۔ دوسرے بھائی عمر بن سعید بھی صاحب علم تھے عمر کے ایک صاحبزادے حفص بھی علم و فضل میں باپ کے جانشین تھے^۳۔

تعلیم و تربیت :

امام سفیانؒ نے کوفہ میں آنکھ کھولی جو حرمین کے بعد علوم دینیہ کا سب سے بڑا مرکز تھا۔ خاص طور پر فقہ و حدیث کے تو بے شمار حلقائے درس قائم تھے ماشاء اللہ گھر کا ماحول بھی قال اللہ اور قال رسول کی صدا سے پرشور تھا، اسی علم افزا و روح پرور ماحول میں ان کی تعلیم و تربیت شروع ہوئی۔ تذکروں میں ان کی ابتدائی تعلیم و تربیت کا کوئی ذکر نہیں ملتا مگر ان کے والد کے تلامذہ کی جو فہرست رجال کی کتابوں میں ملتی ہے اس میں ان کا نام بھی ملتا ہے بعض واقعات سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ گھر کی معاشی حالت اچھی نہیں تھی جو ان کے حصول علم کی راہ میں رکاوٹ ثابت ہو رہی تھی مگر ان کی والدہ کے جذبہ دینی اور ہمت مردانہ نے اس کو دور کر دیا ایک دن انہوں نے سفیانؒ کو حصول علم کی ترغیب دیتے ہوئے فرمایا :

يا بني اطلب العلم وانا اكفيك بمغزلي^۴

”اے نورِ نظر تم حصولِ علم میں لگے ہو میں چہ خدکات کرتہا رہے اخراجات پورے کروں گی۔“
 نیک بخت ماں نے ان کو محض حصولِ علم کی ترغیب ہی نہیں دی بلکہ ان کو یہ نصیحت بھی کی کہ
 یہ علم ان کے اخلاق و کردار کے سنوارنے کا سبب ہو ان کے بگاڑنے کا سبب نہ ہو، وہ عبادت ہو تجارت
 نہ ہو، ان کا یار ہو مار نہ ہو۔

علم را بر دل زنی یارے بود

چنانچہ ایک بڑی دل سوزی کے ساتھ نصیحت کی کہ
 بیٹے جب تم دس حرف لکھ چکو تو دیکھو کہ تمہاری چال ڈھال اور حلم و قار میں اضافہ ہوا یا نہیں
 اگر اس میں اس سے کوئی اضافہ نہیں ہوا تو سمجھ لو علم نے تم کو کوئی فائدہ نہیں پہنچایا۔
 والدہ کی اس نصیحت کو انہوں نے زندگی بھر رز جان بنائے رکھا جس کی شہادت ان کی پوری
 زندگی سے ملتی ہے۔

والدین کی تعلیم و تربیت کے علاوہ کوفہ کے تمام ممتاز شیوخ حدیث و فقہ سے انہوں نے
 استفادہ کیا تھا کوفہ میں اس وقت جن تابعین کی مجلس درس واقفا کو امتیاز حاصل تھا ان میں امامِ اعمش اور
 ابوالحق سمعی سرفہرست تھے، ان دونوں بزرگوں سے انہوں نے پورا فائدہ اٹھایا خاص طور پر امامِ اعمش
 کی روایات کے وہ بہت بڑے امین تھے۔ امام وقت یحییٰ بن معینؒ فرماتے تھے:

سفیان الثوری اعلم الناس بحديث الا عمش^۱

”سفیان ثوری اعمش کی روایتوں کے سب سے بڑے جاننے والے تھے۔“

اوپر ذکر آچکا ہے کہ اس عہد میں حدیث کا دفتر سفینوں سے زیادہ سینوں میں تھا اس لئے
 حدیث کے طالب علموں کو ان جواہر ریزوں کی تلاش میں دور دور کی خاک چھانی پڑی تھی اور جو ریزہ
 جہاں سے بھی ملتا تھا اسے اپنے سفینوں میں جمع کر جاتے تھے۔ برسوں کی اس محنت شاقہ کے بعد کہیں جا
 کر کوئی شخص حدیث و روایت کے قابل سمجھا جاتا تھا۔ امام سفیان ثوریؒ بھی ان ہی بزرگوں میں تھے جن
 کو حدیث نبوی سننے کے لئے سینکڑوں میل کا سفر کرنا پڑا۔ پہلے انہوں نے کوفہ کے تمام ممتاز شیوخ
 حدیث سے استفادہ کیا اور پھر بصرہ اور حجاز کے مختلف مقامات کے شیوخ حدیث کی خدمت میں پہنچے اور ا
 ن سے سماع حدیث کیا۔ حافظ ابن حجرؒ کوفہ، بصرہ اور حجاز کے بعض ممتاز شیوخ کا نام لے کر لکھتے ہیں:

وخلق من اهل الكوفة و جماعة من اهل البصرة و اطوائف

من اهل الحجاز . (تہذیب جلد ۴، ص ۱۱۲)

”اہل کوفہ کی ایک بڑی تعداد سے استفادہ کیا اسی طرح بصرہ کی ایک بڑی جماعت سے فیض اٹھایا اور حجاز کے مختلف حلقہ بانی درس سے بہرہ مند ہوئے۔“

وثوق علم :

اپنے علم و فن پر وثوق و اعتماد ہر علم و فن کے لئے ضروری ہے۔ خاص طور پر تحدیث روایت میں یہ اور بھی زیادہ ضروری ہے اگر ریب و شک سے کوئی شخص حدیث نبوی کی روایت کرے گا تو وہ اس روایت میں بھی شک پیدا کرے گا اور اس سے دوسروں کے دل میں بھی بے اعتمادی پیدا ہوگی۔ عام طور پر محدثین کو اپنی یادداشت اور اخذ روایت پر اعتماد ہوتا تھا مگر امام سفیان ثوری اس میں خاص طور پر ممتاز تھے۔

اوپر ذکر آچکا ہے کہ اعمش کے تلامذہ میں سفیان ثوری ان کی روایتوں کے سب سے بڑے امین تھے انہوں نے ان سے جو روایتیں کی تھیں ان پر اتنا وثوق تھا کہ اس سلسلہ میں استاد سے تسامح ہو جاتا تھا مگر ان سے نہیں ہوتا تھا۔ مشہور محدث زائدہ بیان کرتے ہیں کہ ہم لوگ حضرت اعمش کی خدمت سے حدیث لکھ کر واپس ہوتے تھے تو ان مکتوبہ روایتوں کو امام سفیان کی خدمت میں پیش کرتے تھے وہ دیکھ کر بعض روایتوں کے بارے میں فرماتے تھے کہ فلاں فلاں روایت تو حضرت اعمش کی بیان کردہ نہیں ہے، ہم کہتے کہ انہوں نے بھی ہم سے ان کی تحدیث کی ہے، فرماتے کہ جاؤ اور ان سے یہ بات کہو چنانچہ ہم لوگ جاتے اور ان سے کہتے تو وہ غور کر کے فرماتے کہ صدق سفیان سفیان نے ٹھیک کہا ہے اور پھر اپنے صحیفہ^۱ سے اس کو منادایتے تھے۔

عبدالرحمن بن مہدی جو خود امام حدیث ہیں، فرماتے تھے :

مارایت صاحب الحدیث احفظ من سفیان الثوری^۲

”میں نے سفیان ثوری سے زیادہ حدیثیں یاد رکھنے والا نہیں دیکھا۔“

یہ کہنے کے بعد انہوں نے یہ واقعہ بیان کیا کہ ایک بار انہوں نے حماد بن ابی سلیمان بن عمرو بن عطیہ بن سلیمان الفارسی^۳ کے واسطے سے ایک روایت بیان کی میں نے ان سے عرض کیا کہ ابو عبد اللہ! اس میں آپ سے غلطی ہوئی ہے، پوچھا کیسے کسی اور واسطے سے روایت منقول ہے، میں نے کہا ہاں! حماد سے ربیع نے، ربیع نے سلیمان فارسی^۴ سے روایت کی ہے۔ فرمایا کس نے اس واسطے سے روایت بیان کی ہے میں نے امام شعبہ^۵ نے فرمایا امام شعبہ سے غلطی ہوئی ہے پھر کچھ دیر خاموش

۱۔ یعنی اس کے حدیث نبوی ہونے میں شبہ نہیں تھا اور نہ امام سفیان کو اس بات پر اعتراض تھا بلکہ ان کے اعتراض کا مطلب یہ تھا کہ اس روایت کو ان روایتوں میں شامل نہ کیا جائے جو امام اعمش نے اپنے شیوخ سے براہ راست سنی ہیں۔ اندازہ کیجئے کہ تدوین حدیث میں محدثین نے کتنا دیدہ ریزی کی ہے۔ تاریخ بغداد جلد ۹ ص ۲۱۵

ہو کر سوچتے رہے پھر پوچھا اچھا اس روایت میں امام شعبہ کی کسی اور نے بھی تاقید کی ہے میں نے ہشام الدستوائی، سعید بن عروبہ اور حماد بن زید کا نام لیا۔ فرمایا کہ حماد سے غلطی ہوئی ہے ان ہی نے مجھ سے عروبہ بن عطیہ کے واسطے سے یہ روایت بیان کی ہے۔

ابن مہدی کہتے ہیں کہ میری دل میں یہ بات بیٹھ گئی کہ جب چار آدمی ایک بات پر متفق ہیں تو وہی صحیح ہوگی لیکن ایک سال بعد یعنی ۱۸۱ھ میں شیخ غندر کے پاس گیا تو انہوں نے امام شعبہ کا مرتب کردہ صحیفہ حدیث مجھ کو دکھایا اس میں یہ روایت عن حماد عن ربعی کے الفاظ میں موجود تھی۔ امام شعبہ نے یہ بھی لکھا تھا کہ حماد کبھی اسے عروبہ بن عطیہ سے بھی روایت کرتے تھے اور کبھی ربعی سے یہ دیکھ کر ابن مہدی کی زبان سے بے اختیار نکلا ابو عبد اللہ! آپ پر خدا رحم کرے آپ جب کوئی حدیث یاد کر لیتے ہیں تو پھر یہ پرواہ نہیں کرتے کہ کون آپ کی مخالفت کرتا ہے۔

امام سفیان اور امام شعبہ :

امام سفیان اور امام شعبہ ”تقریباً ہم عصر ہیں، اور دونوں بزرگوں کو امامت فی الحدیث کا درجہ حاصل ہے، مگر ان دونوں کی کچھ جدا جدا خصوصیتیں ہیں، اسی لئے خطیب نے امام شعبہ اور امام سفیان کی امتیازی خصوصیات کے ذکر کے لئے ایک الگ باب باندھا ہے، امام شعبہ کی خصوصیات کا ذکر اوپر آچکا ہے یہاں امام سفیان کی خصوصیات کا ذکر کیا جاتا ہے۔

ابن قطن کہتے تھے کہ میری نظر میں امام شعبہ سے بڑا اور محبوب آدمی دوسرا نہیں ہے، لیکن جب امام سفیان اور ان میں اختلاف ہوتا ہے، تو میں امام سفیان کی روایت کو لیتا ہوں، یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ سفیان امام شعبہ سے زیادہ اثبت ہیں، اور رجال کے عالم ہیں۔

روایات کے مشہور زمانہ ناقد یحییٰ بن معین فرماتے تھے کہ روایات میں سفیان کی جو بھی مخالفت کرے ان ہی کی روایت قابل ترجیح ہوگی، کسی نے کہا کہ شعبہ بھی ان کے مخالف روایت کریں جب بھی؟ فرمایا: ہاں! پھر کسی نے کہا کہ اگر بصریوں کی روایات میں شعبہ ان کی مخالفت کریں تو کس کو ترجیح ہوگی فرمایا یہ ممکن ہی نہیں ہے کہ امام شعبہ بصریوں کی روایات میں ان کی مخالفت کریں۔^۱

امام ابو حنیفہ اور بعض دوسرے اہل علم کا اعتراف :

امام ابو حنیفہ ان کے فضل و کمال کے حد درجہ معترف تھے، ایک بار فرمایا کہ اگر وہ تابعین کے عہد میں بھی ہوتے تو ابھی ان کا ایک خاص مقام ہوتا، ایک دفعہ امام کے پاس ایک شخص آیا اور بولا کہ

آپ نے سنا نہیں کہ سفیان ثوری نے کیا روایت کی ہے امام ابو حنیفہؒ نے فرمایا کیا تم چاہتے ہو کہ میں یہ کہوں کہ سفیان حدیث کی روایت میں غلطی کرتے ہیں، اگر سفیان ابراہیم نخعی (امام ابو حنیفہ کے استاذ الاساتذہ) کے زمانہ میں ہوتے تو بھی لوگ حدیث میں ان کے محتاج ہوتے، ایک روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا کہ اگر ابراہیم کے زمانہ میں بھی سفیان کی موت ہوتی تو لوگوں کو ان کی عدم موجودگی محسوس ہوتی۔^۱

اسی طرح امام احمد بن حنبلؒ نے بھی ان کے علم و فضل کا بڑی وسعت قلب کے ساتھ اعتراف کیا ہے، کسی نے پوچھا کہ سفیان ثوری حفظ تھے، یا سفیان بن عیینہ، بولے سفیان ثوری حفظ تھے، اور بہت کم غلطی کرتے تھے اور سفیان بن عیینہ حافظ تھے۔^۲

حضرت ابن مہدیؒ فرماتے تھے کہ میں نے امام مالکؒ سے عاقل، عبد اللہ بن مبارک سے زیادہ امت کا خیر خواہ، امام شعبہؒ سے زیادہ متقشف اور امام سفیان ثوریؒ سے زیادہ حدیث کا جاننے والا نہیں دیکھا۔^۳

امام نسائیؒ کہا کرتے تھے کہ وہ اس سے زیادہ بلند تھے کہ ان کی توثیق کی جائے، امام مالکؒ فرماتے تھے کہ عراق ہم پر درہم و دینار کی بارش کرتا تھا۔ اس نے سفیان کے بعد علم کی بارش شروع کر دی۔^۴

ابن خلکان نے لکھا ہے کہ یہ بات زبانوں پر ہے کہ امیر المومنین عمر بن الخطابؓ اپنے زمانہ میں راس الناس تھے، اور ان کے بعد ابن عباسؓ راس الناس ہوئے اور ان کے بعد امام شعیب (تابعین میں) اور امام سفیان (تابع تابعین) میں راس الناس قرار پائے۔

مرویات کی تعداد :

دوسری صدی کے بعد جب حدیث کا منتشر ذخیرہ بڑی حد تک جمع ہو گیا تو محدثین کے لئے لاکھوں کی تعداد میں روایات اور ان کے سلسلہ اسناد کا یاد رکھنا آسان ہو گیا۔ لیکن جب یہ ذخیرہ منتشر تھا تو پھر دو چار ہزار حدیثوں کا بھی سینوں اور سفینوں میں محفوظ رکھنا مشکل تھا اس لئے تابع تابعین کے عہد میں دس ہزار سے زیادہ کسی امام حدیث کو حدیثیں مشکل سے یاد تھیں لیکن امام سفیانؒ کو اس حیثیت سے بھی امتیاز حاصل تھا کہ ان کی مرویات کی تعداد جو ان کے مینہ میں ہر وقت محفوظ رہتی تھیں تیس ہزار تھی۔^۵

درس وافتا :

اس غیر معمولی علوم و فضل اور تحدیث روایات میں وثوق کی وجہ سے بہت ہی کم سنی میں مسند درس وافتا پر متمکن کر دیئے گئے۔ ولید بن مسلم کہتے ہیں کہ ابھی سبزہ خط بھی نہیں نکلا تھا کہ مکہ میں ان سے فتویٰ پوچھا جاتا تھا۔ خطیب کا بیان ہے کہ ان کے درس کی سب سے پہلی مجلس بخارا (خراسان) میں برپائی، اس وقت ان کی عمر کل ۱۸ سال کی تھی۔

جن لوگوں نے ان سے استفادہ کیا تھا ان کی تعداد کا حصر تو ممکن نہیں، حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں۔

روی عنه خلائق لا یحصون

”ان سے اتنے بیشمار لوگوں نے روایت کی ہے کہ ان کا شمار نہیں کیا جاسکتا۔“

تمام ممتاز تبع تابعین نے یا تو ان کے سامنے زانوئے تلمذتہ کیا تھا۔ یا ان سے فائدہ اٹھایا تھا۔ مثلاً: عبداللہ بن مبارک امام اوزاعی، امام مالک جیسے ائمہ روزگار نے ان سے سماع کیا تھا، ابن مبارک فرماتے ہیں کہ میں نے گیارہ سوشیوخ سے حدیثیں لکھی تھیں، ان میں سب سے افضل سفیان ثوری کو پایا، کسی نے پوچھا کہ آپ نے تو مشہور تابعی سعید بن جبیر وغیرہ کا زمانہ پایا ہے؟ فرمایا کہ ہاں جو میں کہتا ہوں وہ صحیح ہے۔

امام اوزاعیؒ ان کے ہم عصر اور درجہ اجتہاد میں ان کے ہم پلہ سمجھے جاتے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ نماز میں ہنسنے والے کے بارے میں میں نقض صلوٰۃ کا فتویٰ تو دیتا تھا مگر اس کی دلیل نہیں جانتا تھا۔ لیکن جب امام سفیان سے ملا تو ان سے اس مسئلہ میں تسکین ہو گئی اور میں نے اسی رائے کو اختیار کر لیا۔

امام احمد بن حنبلؒ گوان کے زمانہ میں موجود تھے مگر براہ راست ان سے سماع نہیں کر سکے تھے، لیکن ان کے تلامذہ کے ذریعہ سے ان کے علم و فضل ہی کو نہیں۔ ان کی سیرت و کردار کو بھی اپنا لیا تھا۔ اور ان کے شنی ہو گئے تھے۔ اور صوری ملاقات نہ ہونے کے باوجود، امام احمد کی سیرت پر ان کا گہرا اثر پڑا تھا۔ اسی وجہ سے وہ احمد فرمایا کرتے تھے، میرے دل میں امام سفیان ثوری سے زیادہ کسی کی منزلت نہیں ہے، امام احمد صرف امام سفیان ہی کو امام کے لفظ سے یاد کرتے تھے ایک بار کسی شاگرد سے فرمایا جانتے ہو امام کون ہے؟ امام ایک ہی ہیں۔ اور وہ سفیان ثوری ہیں۔

فقہی مسلک :

ان کے علمی فضائل صرف درس و تدریس ہی تک محدود نہیں تھے، اور نہ وہ محض قرآن و حدیث کے ناقل تھے، بلکہ قرآن و حدیث پر ان کی نظر مجتہدانہ تھی۔ ان کا شمار ان چھ سات ائمہ مجتہدین میں ہوتا

۱۔ تہذیب جلد ۲۔ ص ۱۷۱ ۲۔ تاریخ بغداد جلد ۱۔ ص ۱۵۳

۳۔ تاریخ بغداد جلد ۹۔ ص ۱۶۴ ۴۔ البدایہ والنہایہ جلد ۱۰۔ ص ۱۳۴

ہے جو تبع تابعین میں صاحب مذہب شمار کیے جاتے ہیں امام نووی لکھتے ہیں۔

هو احد اصحاب المذاهب الستة المتبوعة (تہذیب الاسماء ص ۲۲۳)

”ان کا شان ان چھ صاحب مذہب ائمہ میں ہوتا ہے جو متبوع خلافت ہیں۔“

ان کے مجتہدات کا کوئی الگ مجموعہ ہوتا تو ان کے درجہ اجتہاد کا اندازہ آسانی سے لگایا جاسکتا تھا۔ مگر افسوس ہے کہ ان کی تفسیر کے چند اجزاء کے علاوہ اور کوئی چیز موجود نہیں ہے۔ البتہ حدیث کی کتابوں میں اور خاص طور پر ترمذی میں ان کے اجتہادات اور رایوں کا کثرت سے ذکر آتا ہے، اگر ان سب کو جمع کر لیا جاتا امام اوزاعی کی طرح ان کے تفردات بھی عام لوگوں کے سامنے آ جاتے، گو خواص اہل علم ان سے واقف ہیں۔

امام اوزاعیؒ کی طرح ان کا مسلک بھی کئی صدی تک زندہ رہا ابن خلکان کے بیان کے مطابق تیسری صدی تک بعض علماء ان کے مسلک کے مطابق تفقہ حاصل کرتے تھے چنانچہ شیخ جنید بغدادی متوفی ۲۹۹ھ کے بارے میں لکھا ہے کہ انہوں نے انہی کے مسلک کے مطابق تفقہ کیا تھا ابن رجب کے بیان کے مطابق چوتھی صدی تک یہ مسلک زندہ رہا ابن عماد سے ابن رجب کی یہ رائے نقل کی ہے کہ

وجد فی اخر القرن الرابع سفیانیون (مذرات ج ۱ ص ۲۵۱)

”چوتھی صدی کے آخر تک سفیان ثوری کے تبعین موجود تھے۔“

آگے ذکر آئے گا کہ تیرہویں صدی تک ان کی بعض کتابیں خواص اہل علم میں پڑھی پڑھائی جاتی تھیں۔

سیرت و کردار :

امام سفیان ثوریؒ کی ذات علم و عمل دونوں کا مجموعہ تھی ان کے بارے میں یہ فیصلہ کرنا مشکل ہے کہ ان کا مرتبہ علم و فضل کے لحاظ سے زیادہ بلند تھا یا سیرت و کردار کے اعتبار سے جس طرح ان کا علم و فضل تبع تابعین میں ہر کہ دمہ کے نزدیک مسلم تھا اسی طرح ان کے سیرت و کردار کا نقش بھی ہر دل پر بیٹھا ہوا تھا اور اس میں ان کی فطری سلامت روی کے ساتھ ان کی والدہ کی تربیت کو بھی بڑا دخل تھا جیسا کہ ابتداء میں انہوں نے ان کو نصیحت کرتے ہوئے کہا تھا کہ بیٹا علم کے ذریعہ تمہاری سیرت سنورنی چاہئے ان کے سیرت و کردار کی ایک جھلک اس خط سے ملتی ہے جو انہوں نے اپنے ایک شاگرد کے نام لکھا تھا اس خط کا خلاصہ ہم یہاں نقل کرتے ہیں وہ لکھتے ہیں :

”تم جس زمانہ میں ہو یہ وہ زمانہ ہے جس سے نبی کے صحابہ پناہ مانگتے کہ وہ یہ زمانہ پائیں اور قدامت کی وجہ سے انہیں وہ کچھ حاصل تھا جو ہمیں حاصل نہیں ہے پھر امور خیر میں قلت علم قلت صبر اور قلت اعوان لوگوں کی فساد انگیزی اور دنیا کی گندگی و ناپاکی کے باوجود ہم نے جس زمانہ کو پایا ہے اس سے کیوں کر علیحدہ ہو سکتے ہیں، پس تم پر واجب ہے کہ گمنامی کی زندگی بسر کرو کہ یہ زمانہ گمنامی ہی کے لئے موزوں ہے تم پر لازم ہے کہ گوشہ نشینی کی زندگی اختیار کرو اور لوگوں سے ملنا جلنا کم رکھو۔ پہلے زمانہ میں لوگ ملتے تھے تو ایک دوسرے کو فائدہ پہنچانے کی کوشش کرتے تھے لیکن اب وہ صورت نہیں رہی بس راہ نجات یہی ہے کہ ترک تعلق کے اصول پر عمل کیا جائے۔ اور ہاں خبردار! امراء کا قرب نہ اختیار کرنا نہ ان سے کسی معاملے میں اختلاط روا رکھنا، خبردار بتلائے فریب نہ ہونا۔ تم سے کہا جائے کہ اس شخص کی سفارش کر دیجئے، مظلوم کی دستگیری کیجئے، ظلم کے مٹانے کی سعی کیجئے۔ یاد رکھو یہ سب باتیں ابلیس کی فریب کاریاں ہیں اس وقت کے تاجروں نے اپنی سر بلندی کے لئے ان باتوں کو سیڑھی بنا لیا ہے اور ہاں خبردار! تم اس آدمی کی طرح نہ ہو جانا جو یہ چاہتا ہے کہ اس کے قول پر عمل کیا جائے، اسکی باتوں کی اشاعت کی جائے اور اس کا کلام سنا جائے۔

خبردار! حکومت اور ریاست کی محبت سے بچنا کیونکہ لوگ اقتدار کو سونے اور چاندی سے بھی زیادہ عزیز رکھتے ہیں“۔

زہد و تقویٰ :

زہد و تقویٰ جیسا کہ مذکورہ خط سے بھی معلوم ہوتا ہے۔ ان کا خاص وصف تھا ایک شاگرد نے ان سے ایک دن کہا کہ لوگوں میں آپ کا اتنا چرچا ہے اور آپ رات کو سوتے رہتے ہیں، بولے چپ رہو اصل چیز دل کا تقویٰ ہے۔ (عبادت و ریاضت کی کثرت نہیں) انہوں نے دنیا حاصل کرنے کی کبھی کوشش نہیں کی بلکہ حصول دنیا کے جتنے ذرائع تھے انہوں نے اپنے اوپر مسدود کر لئے تھے۔ خراسان میں ان کو اپنے چچا کی کچھ جائیداد ملی تھی اسی پر ان کا گزراوقات تھا۔ دنیا سے بے رغبتی کا حال یہ تھا کہ عمر بھر گھر کے اوپر ایک جہ صرف نہیں کیا۔ فرماتے ہیں :

۱۔ مقصد یہ ہے کہ ظلم کے مٹانے اور خدمت خلق کے نام پر اقتدار پرست لوگ تمہیں آگہ کار بنالیں۔

۲۔ طبقات الکبریٰ جلد ۱ ص ۴۲ و حلیۃ الاولیاء جلد ۶ ص ۳۷۷ ج ۳ صفحہ الصفوۃ ج ۲ تاریخ بغداد جلد ۹

ما انفقتم درهما قط فی بناء۔

”میں نے ایک درہم بھی مکان کے بنانے میں صرف نہیں کیا۔“

امام شعرانی کا بیان ہے کہ انہوں نے اپنے اوپر تین باتیں لازم کر لیں تھیں۔ ایک یہ کہ وہ کسی سے خدمت نہ لیں گے اور نہ ان کا کپڑا کوئی درست کرے گا اور نہ وہ اینٹ پر اینٹ رکھیں گے۔ (ص ۴۲)

وہ چاہتے تو دنیا میں مل و دولت اقتدار سب کچھ حاصل کر سکتے تھے مگر یحییٰ بن یمان کا بیان ہے۔

اقبلت الدنيا عليه فصرف وجهه عنها (تاریخ بغداد جلد ۹، ص ۱۵۶)

”دنیا ان کی طرف بڑھی مگر انہوں نے اس سے منہ پھیر لیا۔“

امراء و سلاطین کا ذکر کیا اپنے خاص خاص دوستوں تک کے ہدایا قبول نہیں کرتے تھے۔ ان کے بھائی مبارک کہتے ہیں کہ امام سفیان کے ایک دوست تھے جن کے یہاں اکثر ان کی آمد و رفت رہتی تھی اور ان کے یہاں ٹھہرا بھی کرتے تھے ان کا ایک لڑکا ایک مرتبہ درہموں سے بھری ہوئی ایک یادو تھیلی لے کر ان کی خدمت میں آیا، وہ مزاج شناس تھا بولا کہ میرے والد کی طرف سے آپ کو کوئی شکایت تو نہیں ہے، فرمایا کہ نہیں خدا ان پر رحم کرے وہ بڑی خوبیوں کے آدمی ہیں۔ پھر اس نے کہا کہ یہ تو آپ جانتے ہیں کہ دولت ہمارے پاس کن ذرائع سے آتی ہے، اس لئے میری خواہش ہے کہ یہ رقم جو میں لے کر آیا ہوں آپ اسے قبول کر لیں اور اپنے اہل و عیال پر خرچ کریں۔ انہوں نے تھیلی اپنے ہاتھ میں لے کر رکھ لی جب وہ رخصت ہو کر باہر چلا گیا تو مبارک کو بلایا اور فرمایا باہر کے جا کر رقم اسے لوٹا دو۔ مبارک کہتے ہیں کہ میں اس سے ملا اور وہ رقم لوٹا دی وہ پھر واپس آیا اور اس نے اصرار کیا کہ وہ دوبارہ اس رقم کو واپس لے لیں، فرمایا کہ میں نے ہاتھ میں لے لی تو تھی اب پھر تم اس کو واپس لے جاؤ اس نے کہا کہ کوئی ناراضگی تو نہیں ہے؟ فرمایا کہ نہیں! وہ بار بار رقم کے لینے پر اصرار کرتا رہا اور یہ واپسی کے لئے بضد تھے یہاں تک کہ وہ شخص واپس چلا گیا۔ جب تنہائی ہوئی تو ان کے بھائی مبارک ان کے پاس آئے اور بولے بھائی آپ کا دل بالکل پتھر ہو گیا ہے آپ کے اگر اہل و عیال نہیں ہیں تو ہم پر تو آپ رحم کرتے آپ کو اپنے بھائیوں اور ان کے بچوں پر بھی رحم نہیں آیا۔ کہتے ہیں کہ میں نے اسی طرح ان کو بہت کچھ سنایا جب یہ سب کچھ کہہ چکا تو فرمایا کہ

یا مبارک تا کلھا انت هنیا مر نیا واسئال عنہا لا تکون هذا ابدا

(تاریخ بغداد جلد ۹، ص ۱۶۱)

”مبارک تم تو رقیس لے لے کر مزے سے کھاؤ پیو، اور اس کے بارے میں میری باز پرس ہو ایسا قطعی نہیں ہو سکتا۔“

ہدیہ کی طرح قرض لینے سے بھی سخت گریز کرتے تھے حالانکہ بسا اوقات فاقہ کی نوبت آ جاتی تھی اور ہدیہ نہ قبول کرتے اور قرض نہ لینے کی وجہ بیان کرتے تھے کہ لوگ مجھ کو عطیہ و ہدیہ دے کر اگر فخر محسوس نہ کرتے تو میں ضرور ان کے ہدایا قبول کر لیتا اور جس سے میں قرض لوں گا وہ غایت خوشی میں اسے چھپانے کے بجائے لوگوں سے فخر یہ یہ کہے گا کہ کل سفیان ثوری مجھ سے قرض لینے آئے تھے (طبقات جلد ۱ ص ۴۲)

ان کے اسی زہد و ورع کی بنا پر لوگ کہا کرتے تھے کہ
لولا السفیان لمات الورع (بغدا جلد ۹ ص ۱۶۰)
”اگر سفیان نہ ہوتے تو زہد و ورع کا خاتمہ ہو جاتا۔“

رقبت قلب اور فکر آخرت :

نہایت ہی رقیق اور فکر آخرت میں ڈوبا ہوا دل پایا تھا۔ خوف آخرت سے ہر وقت لرزاں اور ترساں رہا کرتے تھے، خود فرماتے ہیں کہ میں رات کو سوتا ہوں اور اچانک کوئی آواز آ جاتی ہے تو یہ تصور کر کے چونک پڑتا ہوں کہ ہم پر عذاب نہ آ گیا ہو!

ایک بار زوال سے پہلے نفل پڑھ رہے تھے، جب قرآن کی اس آیت
فاذا نقر فی الناقور فذا لک یوم منذ یوم عسیر (المدثر)
”جس دن صور پھونکا جائے گا وہ دن بڑا ہی سخت ہوگا۔“

پر پہنچے تو چیختے ہوئے سخت دھوپ میں باہر نکل پڑے، یہاں تک کہ لوگوں نے دھوپ سے ان کو واپس کیا۔

ایک بار عشاء کی نماز پڑھ کر ایک شاگرد یوسف سے طہارت کا برتن مانگا، شاگرد نے ان کو دے دیا، برتن کو داسنے ہاتھ میں لے لیا اور اسی حالت میں پوری گزاردی اور اپنی جگہ سے حرکت نہیں کی۔ صبح کو شاگرد نے کہا کہ ابو عبد اللہ! صبح ہو گئی، فرمایا کہ جب سے تم نے یہ برتن دیا اسی وقت سے آخرت کے انجام پر غور کرتا رہ گیا۔ یہی شاگرد کہتے ہیں کہ جب سفیان ثوری سوچنے لگتے تھے تو ان کو خون کا پیشاب ہونے لگتا تھا۔

ان کے شاگرد ابواسامہ کہتے ہیں کہ ایک بار بیمار پڑے میں ان کا قارورہ لے کر کسی طبیب کے پاس گیا تو طبیب نے قارورہ دیکھ کر کہا کہ یہ کسی راہب کا قارورہ معلوم ہوتا ہے کہ غم نے اس شخص کا جگر شق کر دیا ہے اس کے لئے کوئی علاج کارگر نہیں ہے۔

حضرت عبدالرحمن بن مہدیؒ کہتے ہیں کہ ان سے زیادہ رقیق القلب آدمی سے میرا سابقہ نہیں پڑا۔ یکے بعد دیگرے کئی رات ان کو دیکھتا رہا، وہ رات سے پہلے حصہ میں سو جاتے تھے پھر یکا یک گھبرا کر ”دوزخ دوزخ“ چیختے ہوئے اٹھ جاتے، فرماتے کہ دوزخ کی یاد نے مجھے نیند اور خواہش نفس سے دور کر دیا ہے، پھر وضو کرتے اور وضو کے بعد یہ دعا کرتے کہ ”اے اللہ! تو بغیر بتائے ہوئے میری حاجت سے واقف ہے، میں تجھ سے عذاب دوزخ سے نجات کے علاوہ کچھ نہیں مانگتا، اے اللہ! فکر آخرت کی گھبراہٹ نے مجھے رقیق القلب بنا دیا ہے اور یہ میرے اوپر تیرا بڑا انعام ہے، اے اللہ! اگر گوشہ گیری کے لئے کوئی عذر میرے پاس ہوتا تو میں ایک لمحہ بھی لوگوں میں نہ رہتا۔ اس دعا کے بعد نماز کے لئے کھڑے ہو جاتے، نماز میں گریہ و بکا کی وجہ سے قرأت نہیں کر پاتے تھے۔ میں شرم اور ان کی ہیبت کی وجہ سے ان کی طرف دیکھ تو نہیں پاتا تھا مگر کوشش کے باوجود ان کی قرأت صاف سنائی نہیں دیتی تھی۔

ایک بار مجلس میں آپ نے ایک شخص سے سوال کیا کہ تم رات میں کیا کرتے ہو؟ سب نے اپنے معمولات بتائے جب سب لوگ بتا چکے تو کسی نے امام سے پوچھا کہ آپ بھی تو اپنے معمولات سے مطلع فرمائیے؟ فرمایا کہ میں پہلے حصہ میں بھر پور نیند سے سو جاتا ہوں پھر جب اٹھتا ہوں تو دوبارہ ٹیک نہیں لگاتا۔

موت کی یاد :

آخرت کی یاد کا ایک جز موت کی یاد ہے۔ موت کی یاد آدمی کی آنکھوں سے غفلت کے بہت سے پردے اٹھا دیتی ہے اور اس کو دنیا میں غرق ہونے سے بچاتی ہے اسی لئے حدیث میں آیا ہے، واكثر و اذكر بادم اللذات لذتوں کو ختم کرنے والی یعنی موت کو کثرت سے یاد رکھو۔ امام سفیان کے دل میں اس بادم اللذات کی یاد کی اتنی سوزش رہتی تھی کہ ان کے پاس بیٹھنے والے بھی اس کی تپش محسوس کرتے تھے۔ قبیصہ بیان کرتے ہیں کہ میں جب بھی امام سفیان کے پاس بیٹھتا تھا تو موت کی یاد تازہ ہو جاتی تھی۔ ان سے زیادہ میں نے کسی کو موت کی یاد رکھنے والا نہیں دیکھا۔ (تاریخ بغداد جلد ۹ ص ۱۵۷)

۱۔ ان کے بعض اقوال سے گوشہ گیری کی ترغیب معلوم ہوتی ہے، ان اقوال کی نسبت یا تو ان کی طرح صحیح نہیں ہے یا پھر وہ کسی خاص موقع اور محل کے لئے کہے گئے ہیں۔ ۲۔ صفوة الصفوة جلد ۳ ص ۸۴

علم کی ذمہ داری کا احساس :

علم دین کا حصول اتنا مشکل کام نہیں ہے جتنا مشکل اس کی ذمہ داری سے عہدہ برآ ہونا ہے۔ امام سفیانؒ نے علم و فضل جس جدوجہد سے حاصل کیا تھا اسی اعتبار سے اس کی ذمہ داری کو بھی انہوں نے ادا کیا، انہوں نے اپنے علم کو منفعت کا نہیں خلق خدا کی ہدایت کا ذریعہ بنایا وہ اس ذمہ داری سے ہر وقت گراں بار رہتے تھے کہ اگر میں کچھ نہ جانتا تو میرا غم کچھ کم ہوتا۔ ان کی والدہ نے ابتدائے عمر ہی میں یہ نصیحت کی تھی کہ تمہارا علم تمہاری سیرت و کردار سنوارنے کا سبب ہو چنانچہ انہوں نے اس کا پورا حق ادا کیا۔ علم کی ذمہ داری کا احساس دلاتے ہوئے ایک شاگرد کو لکھتے ہیں۔

علم حاصل کرو اور جب علم حاصل کر چکو تو اس کی رکھوالی کرو، اسے ہنسی مذاق اور کھیل کود سے مخلوط نہ کرو کیونکہ اس طرح دل کی دنیا سونی ہو جاتی ہے۔

فرماتے تھے کہ علم حدیث کا حصول سب سے افضل کام ہے بشرطیکہ نیت درست ہو دوسری روایت ہے کہ لوگوں کے لئے حدیث سے زیادہ کوئی علم مفید نہیں ہے۔ فرمایا کرتے تھے کہ اگر میں علم کی ذمہ داری سے اس صورت میں بھی نجات پا جاؤں کہ نہ وہ میرے خلاف حجت بنے اور نہ میرے لئے شفیع تو میں اسے پسند کروں گا، مجھے کسی عمل سے اتنا خوف نہیں جتنا کہ حدیث کی (روایت) سے۔
(تذکرۃ الحفاظ جلد ۱ ص ۱۸۳)

قناعت و سادگی :

نہایت سادہ متواضع اور قناعت پسندانہ زندگی گزارتے تھے۔ اوپر ذکر آچکا ہے کہ ان کا ذریعہ معاش صرف ان کے چچا کی ایک جائیداد تھی انہوں نے زندگی بھر گھر کے اوپر ایک پیسہ خرچ نہیں کیا، لباس بھی نہایت سادہ پہنتے تھے۔ علی بن ثابتؒ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ مکہ کے راستہ میں مجھ سے ملاقات ہوئی تو میں نے ان کی ہر چیز کی قیمت کا اندازہ لگایا تو وہ تین درہم سے زیادہ نہیں تھی۔

وہ مجلس میں بیٹھتے تھے صدر نشین بن کر نہیں بلکہ غایت تواضع میں دیوار کے ایک کنارے سے ٹیک لگا کر اکڑوں بیٹھتے تھے، خود بھی فقر و فاقہ کی زندگی گزارتے تھے اور ان کی مجلس میں اہل فقر ہی کی عزت تھی۔ ارباب دولت کی ان کے نزدیک کوئی قدر و قیمت نہیں تھی۔

محمد بن عبد الوہاب کہتے ہیں کہ

۱۔ حلیۃ الاولیاء جلد ۱ ص ۳۶۸ ۲۔ تذکرۃ الحفاظ جلد ۱ ص ۱۸۳

۳۔ تاریخ بغداد جلد ۹ ص ۱۶۲ ۴۔ منقۃ الصلوۃ جلد ۳ ص ۸۳

ما رایت الفقر قط اعزو لا ارفع منه فی مجلس سفیان ولا رایت الغنی
ازل منه فی مجلس سفیان^۱۔

”میں نے فقر کو امام سفیان کی مجلس سے زیادہ معزز اور بلند نہیں دیکھا اور غنا یعنی دولت و
خوشحالی کو ان کی مجلس سے زیادہ کہیں ذلیل نہیں دیکھا۔“

ان کے ان ہی علمی و عملی اوصاف کی بناء پر امام شعبہؒ جیسے امام وقت فرماتے تھے کہ
ان سفیان سا والناس بالعلم والورع^۲۔

”سفیان نے اپنے علم و زہد کے ذریعہ لوگوں پر سیادت کی۔“

حق گوئی اور امرا و سلاطین سے بے تعلقی :

خلفاء اور امرا سے ہمیشہ بے تعلق رہے ان کے سامنے عہدہ قضا بھی پیش کیا گیا مگر
انہوں نے قبول نہیں کیا۔ حق کے اظہار کا جب بھی موقع آیا تو اس سے باز نہیں رہے وہ نہ صرف یہ
کہ خود امراء و سلاطین سے دور رہتے تھے بلکہ اپنے تعلق کے لوگوں کو بھی اس سے روکتے تھے۔ ایک
شاگرد کو انہوں نے ایک نصیحت آمیز خط لکھا جس میں بہت سی باتوں کے ساتھ یہ بھی لکھا تھا۔

میرے بھائی! امراء سے قرب اور ان سے میل جول نہ رکھنا، تم سے کہا جائے گا کہ لوگوں
کی سفارش کیجئے، مظلوم کی داد رسی اور ظلم کو مٹانے کے لئے ایسا کرنا چاہئے تو یہ ابلیس کا فریب ہے۔
ان باتوں کو علماء نے ان کے قرب اور دنیا کمانے کا زینہ بنا لیا ہے۔ فرماتے تھے کہ اگر تم دیکھو کہ کوئی
کسی بادشاہ سے چمچا ہے تو سمجھ لو کہ وہ چور ہے اور اگر دیکھو کہ امیروں کے دروازہ کا چکر کاٹتا ہے تو وہ
ریا کار ہے^۳۔

ایک بار ایک شخص کو امرا سے خلا ملار کھنے پر تنبیہ کی تو وہ بولا کہ میں بچوں کی وجہ سے مجبور ہوں
فرمایا کہ ذرا اس شخص کو دیکھو یہ کہتا ہے کہ جب وہ خدا کی نافرمانی کرے گا تو خدا اس کے بال بچوں کو
رزق دے گا اور جب اطاعت کرے گا تو وہ اس کے بال بچوں کو بے یار و مددگار چھوڑ دے گا۔

(طبقات جلد ۱ ص ۴۱)

یہ ان کا قال ہی نہیں تھا بلکہ حال بھی تھا۔ کبھی اپنی ضرورت کے لئے کسی خلیفہ یا امیر سے
ملنے نہیں گئے اور نہ ان کا غیر معمولی اعزاز و اکرام کیا۔ ایک بار منصور سے مسجد حرام میں مذبحیٹر ہو گئی، اس
نے ان کا ہاتھ پکڑ کر اور کعبہ کی طرف ان کا رخ کر کے کہا کہ

”قسم ہے اس عمارت (کعبہ) کی مجھے آپ نے کیسا آدمی پایا۔“

یہ وقت بڑا نازک تھا مگر امام سفیانؒ نے بڑی جرات سے اپنے دل کی بات کہہ دی فرمایا کہ کعبہ کے رب کی قسم، میں نے تجھ سے بدترین آدمی نہیں دیکھا۔

غالباً اسی حج کے موقع کا واقعہ ہے کہ انہوں نے سلیمان خواص سے کہا کہ چلو منصور کو نصیحت کریں، اگر وہ ہماری باتیں مان گیا تو اس سے مسلمانوں کو فائدہ پہنچے گا منصور اس وقت منیٰ میں تھا، امام سفیان جب پہنچے تو اس نے اپنے قریب بلا کر بٹھانا چاہا مگر قریب جانے کے بجائے فرمایا کہ میں اس چیز پر کیسے قدم رکھ سکتا ہوں جو نہ میری ملکیت ہے نہ آپ کی، منصور نے غلام کو حکم دیا کہ قالین و فرش اٹھا دو۔ امام سفیان آگے بڑھے اور منصور کے روبرو زمین پر بیٹھ گئے اور بیٹھتے ہوئے یہ آیت پڑھی: مِنْهَا خَلَقْنَاكُمْ وَفِيهَا نُعِيدُكُمْ وَفِيهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً أُخْرَى۔ (اسی زمین سے ہم نے تم کو پیدا کیا اور اسی میں پھر واپس کریں گے اور پھر اسی سے دوبارہ اٹھائیں گے)۔ یہ آیت سن کر منصور کی آنکھیں اشک آلود ہو گئیں، امام سفیانؒ نے بغیر اجازت طلب کئے ہوئے اس کو مزید نصیحت شروع کر دی اور لہجہ اس قدر تیز ہو گیا کہ منصور کے حاجب نے کہا کہ اے شخص! تیری جان کی خیر نہیں ہے مگر انہوں نے اس کی کوئی پروا نہیں کی اور اپنی گفتگو جاری رکھی۔

عباسی خلفاء نے منصور کی خود رائی اور جبر و تشدد ضرب المثل ہے۔ وہ اپنے مزاج اور اپنی رائے کے خلاف کوئی بات سننا پسند نہیں کر سکتا تھا، اسی جرم میں اس نے امام ابو حنیفہؒ اور امام مالکؒ جیسے برگزیدہ لوگوں کیساتھ وہ سلوک روا رکھا جو معمولی انسانوں کے ساتھ بھی ہم روا نہیں رکھ سکتے، یہ واقعات ان ائمہ کے سامنے تھے، مگر اس کے باوجود ہم دیکھتے ہیں کہ امام اوزاعی اور امام سفیان ثوریؒ اس کو نصیحت ہی نہیں بلکہ اس کے اوپر سخت سے سخت تنقید کرتے ہیں۔

مذکورہ بالا ملاقاتوں کا ذکر مختلف مؤرخین اور تذکرہ نویسوں نے کیا ہے لیکن ان سے یہ اندازہ نہیں ہوتا کہ منصور ان سے کچھ ناراض ہوا مگر بعض دوسرے واقعات سے پتہ چلتا ہے کہ منصور ناراض ہو گیا تھا اور جنب وہ آخری حج کے لئے بغداد سے روانہ ہوا تو مکہ پہنچنے سے پہلے ہی یہ ٹھکم جاری کر دیا تھا کہ ان کو پھانسی دے دی جائے مگر وہ اس میں کامیاب نہیں ہوا۔ چونکہ ان واقعات کا ذکر اہل تذکرہ نے بالکل بھی غیر مرتب اور بغیر کسی تاریخی ترتیب کے کیا ہے اس لئے ان میں تاریخی ترتیب قائم کرنا مشکل ہے۔ تاہم راقم ان واقعات سے جو ترتیب قائم کر سکا ہے وہ پیش کر رہا ہے۔

۱۔ اس کے آگے کی گفتگو، راقم مہدی سے متعلق سمجھتا ہے اسی لئے اس کا ذکر مہدی سے ان کے تعلقات کے ضمن میں کیا جائے گا۔

ابتدا میں منصور امام سفیانؓ کی ان نصیحتوں اور تنقیدوں کو یا تو اس لئے برداشت کرتا رہا کہ شاید اس طرح اس کی طرف کچھ مائل ہو جائیں گے لیکن جب وہ اس طرف سے مایوس ہو گیا تو اس نے سختی شروع کی^۱۔

اس بات کی تائید اس واقع سے بھی ہوتی ہے۔

مفضل بن مہلبیلؓ بیان کرتے ہیں کہ میں امام سفیان کے ساتھ حج کے لئے گیا، جب ہم لوگ مکہ پہنچے تو وہاں امام اوزاعی سے ملاقات ہوئی، ہم سب لوگ گھر میں بیٹھے تھے کہ عبدالصمد بن علی الہاشمی نے جو اس سال حج کے موسم میں منصور کی طرف سے امیر بنا کر بھیجا گیا تھا، دروازہ کھٹکھٹایا، ہم نے پوچھا کون؟ امیر حج، یہ سن کر امام سفیان تو اٹھ کر الگ چلے گئے اور امام اوزاعی نے اس کا استقبال کیا، اس سے پہلے تو امام اوزاعی کا نام پوچھا تو انہوں نے فرمایا: مجھے ابو عمرو والا اوزاعی کہتے ہیں۔ اس نے کہا اللہ تعالیٰ آپ کو صحیح سلامت رکھے، آپ کے جو خطوط بھی ہمارے پاس آتے ہیں ہم ان کی تعمیل کرتے ہیں پھر اس نے امام سفیان کے بارے میں پوچھا تو فرمایا وہ اندر چلے گئے ہیں پھر امام اوزاعی ان کے پاس گئے اور فرمایا کہ یہ شخص صرف آپ ہی سے ملنے آیا ہے، امام سفیان باہر نکلے سلام کیا اور مزاج پوچھا، عبدالصمد بولا ابو عبداللہ! میں اس لئے حاضر ہوا ہوں کہ آپ سے مناسک حج (کے مسائل) لکھ لوں، فرمایا کہ میں اس سے زیادہ مفید باتیں تم کو کیوں نہ بتاؤں؟ بولا وہ کیا؟ فرمایا تم اس عہدے سے دستبردار ہو جاؤ۔ بولا امیر المؤمنین کے ساتھ میں یہ معاملہ کیسے کر سکتا ہوں، میری ہمت نہیں پڑتی، فرمایا اگر تم خدا کے لئے ایسا کرو گے خدا تعالیٰ منصور سے تمہاری حفاظت کرے گا۔ امام اوزاعیؓ نے بات کاٹتے ہوئے فرمایا: ابو عبداللہ! یہ قریشی لوگ ہیں یہ ہم سے اسی وقت راضی ہو سکتے ہیں جب ان کے حسب حیثیت ان کا اعزاز و اکرام کیا جائے۔ امام سفیانؓ نے فرمایا کہ ابو عمرو! ہم ان کو سزا دے کر یا مار پیٹ کر درست کرنے کی تو طاقت نہیں رکھتے اس لئے اس طریقہ سے ہم ان کو تنبیہ و تادیب کرتے ہیں۔ مفضل کہتے ہیں کہ امام اوزاعی نے فرمایا کہ اب ہم کو یہاں سے چل دینا چاہئے مجھے خطرہ ہے کہ یہ ابھی اپنے کارندوں کو بھیج کر ہماری گردنوں میں رسی ڈال دے گا اور امام سفیان کو اس کی کوئی پروا نہیں ہے۔

اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ منصور ابھی تک ان سے اتنا ناراض نہیں ہوا تھا کہ ان کو گرفتاری اور قتل کا حکم دیتا ورنہ عبدالصمد ان سے علی الاطلاق اس نیاز مندی کے ساتھ نہ ملتا، البتہ اس

۱۔ جیسا کہ وہ امام ابو حنیفہؒ اور امام مالک کے ساتھ کر چکا تھا۔ ۲۔ یہ پورا بیان خطیب بغدادی کا ہے ممکن ہے امام اوزاعی نے کسی خاص وجہ سے ایسا فرمایا ہو، ورنہ ان کی زندگی خود اس طرح کے جرأت آمیز پرخطر واقعات سے پر ہے۔

گفتگو کے بعد جیسا کہ امام اوزاعیؒ نے فرمایا یہ اندازہ ہو گیا تھا کہ اب ان کی جان کی خیر نہیں ہے۔ یہ واقعہ غالباً ۱۵۸ھ سے پہلے کا ہے اس لئے ابن سعد اور طبری کا بیان ہے کہ ۱۵۸ھ میں منصور نے ان کو گرفتار اور قتل کرنے کا حکم دیا تھا۔ اور یہ بھی تمام تذکروں میں ہے کہ جس سال اس نے ان کو قتل کرنے کا حکم دیا اسی سال ان کا انتقال ہوا اور اس کے انتقال کا سنہ بھی ۱۵۸ھ ہے کیونکہ جس سال ان کے قتل کا اس نے حکم دیا تھا وہ خود مکہ آنے والا تھا جب وہ آنے والا تھا تو دوسرے امیر حج کیوں مقرر کرتا ہے اس لئے معلوم ہوتا ہے کہ امیر عبدالصمد کی گفتگو کے بعد جب وہ ان کی معاونت سے بالکل مایوس ہو چکا تھا تب اس نے یہ قدم اٹھایا، گرفتاری اور ارادہ قتل کی تفصیل یہ ہے۔

ابن سعد کا بیان ہے کہ ۱۵۸ھ میں منصور نے مکہ کے امیر کو لکھا کہ سفیان اور چند دیگر اصحاب کو گرفتار کر کے دربار خلافت میں بھیج دیا جائے ابراہیم نے امام سفیانؒ کو بلا کر دریافت کیا کہ وہ بغداد جانا چاہتے ہیں یا نہیں؟ انہوں نے صاف انکار کیا۔ ابراہیم کو غالباً ان سے کچھ تعلق خاطر تھا اس لئے ان کو روپوش ہو جانے کا مشورہ دیا۔ وہ روپوش ہو گئے اور اس نے دکھانے کے لئے ان کی روپوشی کا ڈھونڈ وراپٹو دیا۔ اور گرفتاری پر انعام بھی مقرر کیا۔ طبری نے بھی یہ واقعہ لکھا ہے مگر اس نے یہ لکھا ہے کہ اس نے انہیں گرفتار کر کے چھوڑ دیا جس سے منصور ابراہیم سے ناراض ہو گیا۔

غالباً منصور کو یہ علم ہو گیا ہوگا کہ امام سفیانؒ مکہ ہی میں ہیں۔ اس نے جب وہ اسی سال حج کے ارادہ سے چلا تو یہ حکم بھی جاری کر دیا کہ امام سفیان جہاں ملیں ان کو اس کے مکہ پہنچنے سے پہلے پھانسی دے دی جائے۔^۱

خطیب کا بیان ہے کہ منصور جس وقت بغداد سے چلا اسی وقت یہ حکم دیدیا کہ سفیان جہاں ملیں ان کو گرفتار کر کے پھانسی دے دی جائے چنانچہ یہاں ان کی پھانسی کی پوری تیاری مکمل ہو گئی۔ فضیل بن عیاضؒ اور ابن عیینہؒ جو اس وقت ان کے پاس موجود تھے ان کو خبر ملی تو انہوں نے امام سے کہا کہ ابو عبد اللہ! ایسا نہ ہو کہ دشمن ہم پر شامت کریں اور ہمیں، چنانچہ امام اسی وقت کعبہ میں پہنچے اور کعبہ کا پردہ پکڑ کر اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ اے اللہ! منصور کعبہ میں داخل نہ ہونے پائے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا قبول کر لی اور وہ مکہ میں داخل ہونے سے پہلے ہی بیرمیمون پہنچ کر انتقال کر گیا جب امام سفیان کو لوگوں نے خبر پہنچائی تو وہ کچھ نہیں بولے۔^۲

۱ خطیب کے علاوہ بھی دوسرے تذکرہ نگاروں نے اس واقعہ کا ذکر کیا ہے۔

۲ یہ واقعہ خطیب اور ابن عماد دونوں کے بیان کو سامنے رکھ کر نقل کیا ہے۔

تجربہ ہے کہ اس اہم واقعہ کا ذکر تمام تذکرہ نگار کرتے ہیں مگر اس کے کسی متعین سبب پر کلام نہیں کرتے کہ اتنا بڑا قدم منصور نے کیوں اٹھایا جب کہ اس طرح کا قدم اس نے امام ابوحنیفہؒ اور امام مالکؒ کے خلاف بھی نہیں اٹھایا تھا حالانکہ امام ابوحنیفہؒ نے علی الاعلان زید ابن علی وغیرہ کی حمایت کی تھی اور امام مالکؒ بھی طلاق مکہ کے پردہ میں جبریہ بیعت خلافت کی تردید کر چکے تھے۔ اس سلسلہ میں ابن عمامہ نے صرف اتنا لکھا کہ

كان سفیان كثير الخط على المنصور لظلم فهم به و اراد قتله فما امهله الله. ۱

”امام سفیان منصور کے اس کے ظلم و تشدد کی وجہ سے اس پر بہت سخت تنقید کیا کرتے تھے اس لئے وہ ان سے ناراض ہو گیا اور ان کے قتل کا ارادہ کر لیا مگر خدا نے اسے اس کا موقع نہ دیا۔“

مہدی اور امام سفیانؒ:

منصور کے بعد مہدی تخت نشین ہوا۔ امام سفیانؒ نے ابتدا میں اس کیساتھ بھی اپنا وہی طرز عمل رکھا جو منصور کا بیان ہے اور مہدی بھی ان کی تمام تنقیدوں اور نصیحتوں کو گریز کرتا رہا لیکن آخر میں وہ بھی منصور کے نقش قدم پر چل پڑا۔

مہدی کی ان سے ملاقات اور اس کی ناراضگی کے سلسلہ میں دو واقعے تذکروں میں منقول ہے، ایک یہ کہ مہدی خلیفہ ہوا تو امام سفیانؒ اس کے دربار میں گئے اور آداب شاہی کا لحاظ نہ کرتے ہوئے عام مسلمانوں کی طرح اس کو بھی سلام کیا۔ مہدی نے بڑی خندہ پیشانی سے اس کا استقبال کیا اور کہا کہ آپ ہم سے ادھر ادھر بھاگتے پھرتے ہیں کیا آپ سمجھتے ہیں کہ اگر ہم آپ کو کوئی گزند پہنچانا چاہیں تو نہیں پہنچا سکتے؟ آپ کو اس بات سے ڈرنا چاہئے کہ ہم آپ کے خلاف کوئی قدم خواہش نفس سے مغلوب ہو کر نہ اٹھا ڈالیں۔ امام سفیانؒ نے انتہائی بے نیازی اور جرأت سے فرمایا کہ ہاں! اگر آپ اس وقت میرے خلاف کوئی قدم اٹھا سکتے ہیں تو آپ کے اوپر بھی ایک عادل اور مالک قدر ہے جو حق و باطل کے درمیان فیصلہ کر کے رہے گا۔

ربیع حاسب جو اس وقت مہدی کی پشت پر تلوار لئے کھڑا تھا اور جس کو ان کے عامیانہ آداب اور گفتگو سخت ناپسند ہو رہی تھی فوراً بولا میرے آقا! اس جاہل کو یہ مجال کہ آپ کے ساتھ اس طرح پیش

آئے اگر آپ حکم دیں تو اس کی گردن مار دوں، مہدی نے رنج کو ڈانٹتے ہوئے کہا کہ کم بخت یہ اور ان کے جیسے حضرات لوگ تو یہی چاہتے ہیں کہ ہم ان کو قتل کر کے سعادت سے محروم ہو جائیں اور اپنا دامن شقاوت و کم بختی سے بھر لیں۔ اس کے بعد مہدی نے کہا کہ ان کو کوفہ کے عہدہ قضا کا پروانہ عطا کرو اور پروانہ میں یہ بھی لکھ دو کہ ان کے فیصلہ کی اپیل نہیں ہو سکتی چنانچہ ان کو پورے اختیارات کے ساتھ پروانہ دے دیا گیا، وہ پروانہ لے کر باہر نکلے اور نکلتے ہی اس کو دجلہ کے نذر کر دیا اور روپوش ہو گئے اس نے تمام ممالک اسلامیہ میں ان کی تلاش کرائی مگر جب وہ بالکل مایوس ہو گیا تو ان کی جگہ شریک بن عبداللہ کو قاضی مقرر کر دیا۔ اسی واقعہ کی طرف اس شعر میں اشارہ کیا گیا ہے۔

تحرز سفیان و فریدینہ وامسی شریک مرصد للدرامہ

”سفیان نے اس سے گریز کیا اور اپنا دامن بچا کر بھاگ نکلے اور شریک روپیوں کی کمین گاہ

بن گئے“

اس واقعہ سے ان لوگوں کے بیان کی تردید ہو جاتی ہے جو یہ لکھتے ہیں کہ امام سفیانؒ نے آخری بار کوفہ کو ۱۵۵ھ^۱ میں یا اس سے پہلے چھوڑا اس لئے کہ مہدی ۱۵۸ھ میں تخت نشین ہوا اور اس کی امام سفیان سے یہ ملاقات بغداد میں ہی ہوئی تھی اس سے معلوم ہوا کہ ۱۵۸ھ کے بعد انہوں نے کوفہ چھوڑا تھا۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ عہدہ قضا قبول کرنے کے لئے وہ مصر تو تھا مگر ان کے روپوش ہو جانے پر اتنا ناراض نہیں ہوا تھا کہ ان کی جان کے پیچھے پڑ جاتا اس لئے کہ اس کے کسی نقطہ سے شدید ناراضگی کا پتہ نہیں چلتا اور یہ بات اس لئے بھی قرین قیاس ہے کہ مہدی سے ان کی دو ایک اور ملاقاتوں کا ذکر تذکروں میں ملتا ہے۔ شعرانی نے طبقات الکبریٰ میں لکھا ہے کہ وہ مہدی کے سامنے بارہا کہہ چکے تھے کہ اپنے ان حاشیہ نشینوں اور جو لوگ اپنی ضرورتیں لے کر آپ کے پاس آتے ہیں ان سے ہوشیار رہئے کیونکہ انہی کے ہاتھوں آپ کی تباہی ہے، یہ آپ کا کھاتے ہیں آپ سے پیسہ وصول کرتے ہیں اور آپ کو فریب دیتے ہیں اور منہ پر آپ کے وہ اوصاف بیان کرتے ہیں جو آپ میں نہیں ہیں۔^۲

مہدی سے اپنی آخری ملاقات کا ذکر انہوں نے خود کیا ہے۔ فرماتے ہیں کہ میں ایک بار مہدی کے پاس گیا، سلام کے بعد اس نے مزاج پرسی کی، میں نے بیٹھتے ہی اس سے کہا کہ مجھے معلوم

۱۔ اس واقعہ کا ذکر ابن خلکان اور شذرات الذہب نے کیا ہے اور بعض لوگ اس کو منصور کے زمانہ کا واقعہ لکھتے ہیں مگر راقم کے نزدیک یہی زیادہ صحیح ہے۔ ۲۔ طبقات جلد ۱۔ ص ۱۳۱

ہے حضرت عمر بن خطاب نے حج کیا تو صرف ۱۶ دینار صرف کئے^۱ اور آپ نے پورا بیت المال خالی کر دیا۔ مہدی نے کہا کیا آپ چاہتے ہیں کہ میں آپ کی طرح ہو جاؤں؟ فرمایا کہ ہاں! مجھ سے کچھ بلند (معیار) رہے مگر اپنی موجودہ (فضول خرچی کی) حالت سے کچھ نیچے بھی اترنا چاہئے۔ اسی درمیان میں اس کے وزیر عبداللہ نے کہا کہ ابو عبداللہ! آپ کے جو خطوط ہمارے پاس آتے ہیں ہم ان کی فوراً تعمیل کرتے ہیں۔^۲ امام سفیان نے پوچھا کہ یہ کون ہیں؟ مہدی نے کہا میرے وزیر ہیں، امام نے کہا کہ اس سے بچنے یہ نہایت جھوٹا آدمی ہے پھر اس سے مخاطب ہو کر کہا کہ میں نے تمہیں کب کوئی خط لکھا ہے؟ یہ کہہ کر وہ اٹھ کھڑے ہوئے۔ مہدی نے کہا ابو عبداللہ! اتنی جلدی کیا ہے، بولے ابھی آتا ہوں انہوں نے چلتے وقت اپنے جوتے چھوڑ دئے تھے۔ تھوڑی دیر کے بعد واپس آئے اور جوتے پہن کر باہر ہی سے واپس چلے گئے۔ (غالباً جب دیر ہوئی تو) مہدی نے پوچھا کہ واپس آنے کو کہہ گئے تھے، آئے نہیں۔ لوگوں نے بتایا کہ ہاں واپس تو آئے تھے مگر اپنے جوتے پہن کر رخصت ہو گئے، ان کی یہ بے نیازی کو اس نے اپنی توہین سمجھی اور سخت ناراض ہوا اور یہ اعلان کر دیا کہ

قد آمن الناس الا سفیان ”سفیان کے علاوہ ہر شخص مامون ہے۔“

اس کے بعد وہ روپوش ہو گئے کچھ دن تو مکہ میں رہے پھر بصرہ چلے گئے اور وہیں وفات پائی۔^۳

غرض یہ کہ امام سفیان ”خلفا کی طلب پر یا کسی اپنی ضرورت سے خلفاء سے کبھی کبھار مل لیتے تھے مگر نہ تو انہوں نے کوئی عہدہ قبول کیا اور نہ کبھی اپنی کوئی ذاتی غرض ان کے پاس لے گئے بلکہ جب بھی ان سے ملے تو ان کو نصیحت کی اور ان کی خواہش یہ بھی تھی کہ دوسرے لوگ بھی خلفاء سے اسی حیثیت سے ملیں، کسی نے ایک بار ان سے کہا کہ فلاں شخص مہدی کے پاس جاتا ہے مگر اس کا دعویٰ ہے کہ وہ اسکی کمزوریوں اور برائیوں سے دور رہتا ہے کہ فرمایا کہ وہ جھوٹ کہتا ہے مہدی اپنے لباس، کھانے پینے، خدم و حشم سوار یوں میں اسراف اور فضول خرچی کرتا ہے کیا اس نے ایک دن بھی مہدی کو اس پر ٹوکا کہ مسلمانوں کے بیت المال میں اس طرح کا اسراف اس کے لئے صحیح نہیں ہے۔“

۱۔ تذکرۃ الحفاظ میں ۱۲ دینار ہے۔ ۲۔ غالباً اس نے یہ ظاہر کرنے لئے یہ بات کہی تھی۔ اپنی ضروریات میں تو ہم سے مدد لیتے ہیں اور پھر اعتراض کرتے ہیں۔ ۳۔ تاریخ بغداد جلد ۹ ص ۱۶۰، اس واقعہ کے پہلے ٹکڑے کو بعض لوگوں نے منصور کے زمانہ کا واقعہ بتایا ہے مگر دونوں واقعوں کی تفصیلات میں بڑا فرق ہے اس لئے ممکن ہے کہ دونوں واقعے صحیح ہوں۔ ۴۔ طبقات الکبریٰ جلد ۱ ص ۴۱

شہرت سے نفرت :

باایں ہمہ علم و فضل شہرت اور نیاز مندی کو پسند نہیں کرتے تھے، فرماتے تھے میں چاہتا ہوں کہ ایسی جگہ چلا جاؤں جہاں مجھے کوئی پہچانتا نہ ہو۔^۱

اوپر ان کی سیرت و کردار کی جو تفصیل کی گئی ہے اس میں ان کے پورے ثنیٰ ان کے معنوی شاگرد امام احمد بن حنبلؒ تھے۔ انشاء اللہ ان کی زندگی کے خط و خال دوسرے حصہ میں پیش کئے جائیں گے۔

وفات :

اوپر ذکر آچکا ہے کہ مہدی کی ناراضگی کے بعد وہ مصر چلے گئے تھے بصرہ میں ان کا قیام زیادہ تر یحییٰ بن سعید اور ابوشیم بن منصور کے یہاں تھا مگر آخر میں مشہور محدث عبدالرحمن بن مہدی کے مکان میں چلے آئے تھے اسی غربت کدہ میں اس سیکر علم و عمل نے ۱۶۱ھ میں وفات پائی امام ذہبی لکھتے ہیں۔

مات فی البصرة فی الاختفاء من المہدی فانہ کان قوالا بالحق شدید الافکار علیہ^۲

”ان کا انتقال بصرہ میں مہدی سے روپوشی کی حالت میں ہوا۔ روپوشی کی وجہ یہ ہوئی کہ وہ غیر معمولی طور پر حق گو واقع ہوئے تھے اور اس کے اوپر تنقید کرتے تھے۔ (اور وہ ناراض ہو گیا تھا)“

ابن مہدی ان کی وفات کا حال بیان کرتے ہیں کہ جس وقت ان کی وفات ہوئی اس رات انہوں نے نماز کے لئے کئی بار وضو کیا۔ جب صبح ہونے لگی تو مجھ سے کہا کہ ابن مہدی میرا چہرہ زمین پر رکھ دو اب میں کچھ دیر کا مہمان ہوں، یہ جملہ بھی بار بار زبان پر تھا کہ موت کی تکلیف کس قدر سخت ہوتی ہے۔ ابن مہدی لپکے ہوئے حماد بن زید کو اطلاع کرنے گئے کہ راستے میں ان کی ملاقات ان سے ہوگئی وہ اپنے اصحاب کے ساتھ خود ہی آرہے تھے، ابوسلمہ اور حماد ان کے سرہانے کھڑے تھے، حماد نے کہا کہ آپ کو خوشخبری دوں آپ جس بات سے ڈرتے تھے اس سے نجات پا گئے، غالباً گرفتاری اور قتل کی طرف اشارہ ہے اور اب اپنے رب غفور کے حضور میں جارہے ہیں۔ ابوسلمہ سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ تم کو امید ہے کہ مجھ جیسے آدمی کی مغفرت ہو جائے گی ابوسلمہ نے کہا اس میں کیا تعجب ہے، اس سے ان پر ایک بشارت طاری ہوگئی غالباً اس کے بعد ہمیشہ کے لئے خاموش ہو گئے۔^۳

وفات سے کچھ دیر پہلے آپ نے دریافت فرمایا تھا کہ یہاں میرے وطن کے بھی کچھ لوگ موجود ہیں، لوگوں نے نگاہ دوڑائی تو دو ممتاز آدمی نظر آئے ایک عبدالرحمن بن ملک دوسرے حسن بن عیاش چنانچہ عیاش کے سپرد اپنا ترکہ کیا اور عبدالرحمن بن عبدالملک کو نماز جنازہ پڑھانے کی وصیت کی، جب جنازہ رکھا گیا اور معلوم ہوا کہ نماز جنازہ عبدالرحمن بن عبدالملک پڑھائیں گے تو بعض لوگوں نے اس وجہ سے اعتراض کیا کہ ان کا سفیان کے خانوادہ سے کوئی تعلق نہیں ہے لیکن جب معلوم ہوا کہ ان کی وصیت ہے تو سب لوگوں نے بخوشی نماز پڑھانے کی ان کو اجازت دی^۱۔

سمعی کے بیان کے مطابق ان کو قبرستان بنو کلیب میں عشاء کے وقت دفن کیا گیا ان کا انتقال صبح ہی کو ہو چکا تھا غالباً حکومت کی طرف سے رات کو ان کو دفن کیا گیا۔

اولاد :

ابن خلکان لکھا ہے کہ ولم یعقب کوئی اولاد نہیں چھوڑی۔ ابن سعد وغیرہ کے بیان سے پتہ چلتا ہے کہ ان کے ایک صاحبزادے تھے جس سے وہ بے حد مانوس تھے لیکن وہ ان کی زندگی ہی میں انتقال کر گئے^۲۔ جس کا ان کو شدید رنج ہوا۔

تصفیات :

اپنی کوئی مادی یادگار تو چھوڑی نہیں مگر تحریری صورت میں اپنی معنوی یادگاریں بہت سی چھوڑ گئے۔ خطیب بغدادی کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے اپنی کتابیں اپنی زندگی ہی میں دریا برد کر دی تھیں، اور اس روایت سے پتہ چلتا ہے کہ وہ کوفہ سے نکلے تو اپنی تمام کتابیں چھوڑ گئے، بصرہ پہنچ کر انہوں نے اپنے بعض اصحاب سے فرمائش کی کہ کوفہ جا کر ان کی کتابیں لے آئیں مگر خلیفہ کے خوف سے کسی نے ہمت نہیں کی، چنانچہ انہوں نے اپنے ایک شاگرد سے جب یہ فرمائش کی تو وہ بولے کہ میں آپ کے پاس اپنی آمد و رفت کی وجہ سے اپنی جان کو ذرا تارہتا ہوں یہ کیسے ممکن ہے کہ میں کوفہ جا کر آپ کی کتابیں لاؤں۔

ایک اور روایت میں ہے کہ انہوں نے خوف سے اپنی کتابیں پھینک دی تھیں لیکن بصرہ پہنچ کر ان کو اطمینان ہوا تو منگوا لیں اور پھر ان کی تحدیث کی۔ ان کتابوں کی ضخامت کا اندازہ اس سے کیجئے کہ عبداللہ بن عبداللہ اور یزید بن ابیہ کا جنہوں نے یہ ذخیرہ جمع کیا تھا۔ بیان ہے۔

فاخر جنا تسع قمطرات کل واحد الی ہنا و اشار الی اسفل من

سدرہ (تاریخ بغداد ج ۹ ص ۱۶۱)

”ہم نے ان کتابوں کو اکٹھا کیا تو نو بکس تھیں اور ہر بکس سینہ کے قریب قریب اونچا تھا۔“
اس سے ابن قتیبہؒ کے اس بیان کی تردید ہو جاتی ہے کہ انہوں نے موت کے وقت اپنی کتابیں نذر آتش کر دیں تھیں۔

مگر افسوس ہے کہ اس ذخیرہ میں سے صرف دو چار مختصر کتابوں کے علاوہ اس وقت ان کے موجود ہونے کا علم نہیں ہے، مگر جیسا کہ اوپر ذکر آچکا ہے کہ چوتھی صدی تک متبعین موجود تھے، اس لئے یہ قیاس کی جاسکتا ہے کہ چوتھی صدی تک کم از کم ان کی فقہی کتابیں ضرور متداول رہی ہوں گی۔
مولانا امتیاز علی صاحب عرشی نے ان کی تصنیفات کی جو تفصیل اپنے مضمون مطبوعہ معارف ۱۹۳۵ء میں دی ہے اس کو ہم یہاں نقل کرتے ہیں۔

(۱) الجامع الكبير. في الفقه.

یہ کتاب ابو بکر محمد بن ابی الخیر الاموی نے چوتھی صدی ہجری میں اور علامہ محمد عابد بن احمد علی سندی نے تیرھویں صدی ہجری کے نصف اول میں پڑھی تھی۔

(۲) الجامع الصغير.

(۳) کتاب الفرائض، یہ کتاب بھی محمد بن عابد سندی نے پڑھی تھی۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ کتاب بھی ۱۳ویں صدی تک موجود تھی۔

(۴) کتاب التفسیر یہ کتاب بھی محمد عابد سندی نے پڑھی، اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ کتاب بھی تیرھویں صدی تک اہل علم میں متداول رہی ہے، اس تفسیر کا ایک حصہ جو مخطوطہ ہے کتب خانہ رامپور میں موجود ہے، جسے غالباً مولانا امتیاز علی صاحب عرشی نے طبع بھی کرا دیا ہے، راقم کی نظر سے یہ درمکتوں نہیں گذرا ہے۔

عقیدہ :

پہلی صدی ہجری میں بعض سیاسی اختلافات کی بنا پر شیعیت و خارجیت پیدا ہوئی، لیکن پہلی صدی کے آخر اور دوسری صدی کے شروع میں فلسفہ شیعیت اور خارجیت کے لٹن سے بعض اور فرقے بھی پیدا ہوئے جن میں معتزلہ، جہیمہ، قدریہ، مرجیہ وغیرہ بہت زیادہ مشہور ہوئے، ان فرقوں کی اصل گمراہی یہ تھی کہ انہوں نے ذات و صفات کے بارے میں بیجا موشگافیاں شروع کر دی تھیں، اور مسئلہ کے ایک ہی پہلو پر ان میں اصرار اور غلو پیدا ہو گیا تھا، جس کی وجہ سے شریعت کی سادہ تعلیم اور اس کا

دامن اعتدال داغدار ہو رہا تھا۔ اس بنا پر علمائے اہل حق نے ان خیالات کی تردید کی ہے، اور ان کی اس گمراہی پر انہیں متنبہ تو کیا، مگر کسی نے ان کی قطعی تکفیر نہیں کی، ان فرقوں اور ان کے پیدا کردہ مسائل کا جہ چا زیادہ ترکوفہ اور بصرہ میں رہتا تھا۔ گو اس سے ممالک اسلامیہ کے دوسرے مقامات کے علماء بھی متاثر ہوئے تھے، مگر ان کا سب سے زیادہ مقابلہ کوفہ، بغداد اور بصرہ کے علماء کو کرنا پڑتا تھا امام سفیان بھی چونکہ یہیں کے باشندے تھے اور یہیں ان کی مجلس درس تھی، اس لئے ان سے بھی ان فرقوں کے خیالات کے بارے میں سوال کئے جاتے تھے، خاص طور پر جن مسائل کے بارے میں ان سے سوال کئے گئے وہ یہ ہیں خلق قرآن، ایمان کی زیادتی، وکی، ایمان صرف یقین کا نام ہے، یا اس میں عمل بھی شامل ہے وغیرہ چنانچہ ان تمام مسائل کے بارے میں اپنی رائے انہوں نے اپنے ایک شاگرد جریر بن شعیب کو لکھا دی تھی، ان کی اس تجربہ کا خلاصہ یہ ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم، قرآن خدا کا کلام ہے، اور غیر مخلوق ہے خدا کی ذات ہی اس کا مبداء اور معاد ہے جو اس کے خلاف کہتا ہے وہ کفر کی بات کہتا ہے۔

ایمان، قول عمل اور نیت کے مجموعے کا نام ہے، اور اس میں کمی و زیادتی بھی ہوتی ہے اور دیکھو شیخین یعنی حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کو مقدم رکھنا، اس کے بعد فرمایا کہ شعیب! میں نے جو کچھ لکھایا ہے، وہ تمہیں اسی وقت فائدہ پہنچائے گا جب تم ان باتوں کو بھی صحیح سمجھو وہ باتیں یہ ہیں۔

(۱) موزوں پر مسح کرنا (۲) بسم اللہ الرحمن الرحیم کو بلند آواز سے پڑھنے کے مقابلہ میں آہستہ پڑھنا زیادہ بہتر ہے (۳) تقدیر پر ایمان رکھنا (۴) ہر نیک و بد کے پیچھے نماز پڑھ لینا (۵) جہاد قیامت تک جاری رہے گا (۶) حکومت کے جھنڈے کے نیچے رہنا خواہ حکومت ظالمانہ ہو یا عادلانہ، شعیب نے یہاں سوال کیا کہ تمام نمازیں ہم ان کے پیچھے پڑھ لیا کریں؟ فرمایا صرف جمعہ یا عیدین جن کے پیچھے مل جائے پڑھ لو مگر دوسری نمازوں میں تمہیں اختیار ہے کہ جس پر پورا اعتماد ہو اور اس کے بارے میں تم کو علم ہو کہ یہ اہل سنت میں ہے اسی کے پیچھے پڑھو، جب تم قیامت میں خدا کے روبرو حاضر ہونا اور تم سے سوال ہو تو عرض کر دینا کہ مجھے یہ باتیں سفیان نے بتائی ہیں اور تم میرا معاملہ خدا پر چھوڑ دینا۔

امام محدثین صفات باری کے سلسلہ میں کسی قسم کی تاویل و تدقیق کو صحیح نہیں سمجھتے تھے، مثلاً استواء علی العرش، ید اللہ، وجہ اللہ وغیرہ کی کیفیت معلوم کرنے اور ان کی مادی تحدید یا تردید کرنے کو صحیح نہیں سمجھتے تھے، چنانچہ امام مالکؒ کا جملہ ضرب المثل بن گیا ہے کہ استواء علی العرش معلوم ہے، اور اس

کی کیفیت مجہول ہے، اس پر ایمان واجب ہے اور اس کے بارے میں سوال اور بحث و مباحثہ بدعت ہے، شہرستانی نے لکھا ہے کہ صفات باری کے بارے میں یہی روش امام سفیان، امام داؤد اور امام احمد بن حنبل وغیرہ کی بھی تھی۔

اس نے لکھا ہے کہ چونکہ تمام سلف صالحین صفات الہی کو صفات خیر یہ کہتے ہیں اور اس میں کوئی تاویل نہیں کرتے، اور معتزلہ بالکل ہی اس کی نفی کرتے ہیں، اس لئے سلف کو ہم صفاتیہ اور معتزلہ کو معتزلہ کہتے ہیں۔ (جلد ۶ صفحہ ۶۶ ترجمہ فارسی)

امام سفیان فرقہ مرجیہ کے سخت مخالف تھے، حتیٰ کہ ان کی نماز جنازہ تک نہیں پڑھتے تھے اسی طرح اہل نجوم کو بھی بری نظر سے دیکھتے اس وقت بغداد میں ایک مشہور منجم ماشاء اللہ نامی تھا، ایک بار اس سے ملاقات ہوئی تو فرمایا کہ ماشاء اللہ! تم زحل سے ڈرتے اور مشتری سے امید باندھتے ہو، اور میں زحل کے رب سے خوف کھاتا اور مشتری کے خالق سے آس لگاتا ہوں، تم روزانہ صبح کو پنچھتر دیکھتے ہو اور میں خدا سے استخارہ کرتا ہوں، دیکھو ہم دونوں میں کس قدر فرق ہے، ماشاء اللہ نے اعتراف کیا کہ امام سفیان کا عقیدہ اس کے عقیدہ سے بہتر ہے۔

زرین اقوال :

امام سفیان کا حال اور قال دونوں یکساں تھا حال کی کچھ تفصیل آپ نے اوپر پڑھ لی، اب کچھ قال کے نمونے بھی ملاحظہ فرمائیے۔

علماء کا بگاڑ :

فرمایا کہ جب علماء میں فساد اور بگاڑ پیدا ہو جائے تو ان کی اصلاح کون کر سکتا ہے، ان کا بگاڑ دنیا کی طرف ان کا میلان ہے، وہ دین کے طیب ہیں، اور روپیہ پیسہ مرض ہے، تو جب طیب خود ہی مرض کو پال لینے پر تل جائے تو اس کا علاج کون کر سکتا ہے۔

اگر میں جانتا کہ لوگ علم رضائے الہی کے لئے طلب کرتے ہیں تو خود ان کے گھر جا کر ان کو تعلیم دیتا، لیکن لوگ اس لئے علم حاصل کرتے ہیں کہ ان کو لوگوں میں مقبولیت حاصل ہو اور حدیثنا سفیان کہہ کر اپنی مجلس میں رونق پیدا کریں۔

اہل علم کی فضیلت :

فرمایا کہ جب کوئی خدا سے تقویٰ اختیار کرنے کے لئے علم حاصل کرتا ہے تو اس جذبہ ہی کی وجہ سے دوسروں پر اس کو فضیلت ہوتی ہے۔ علماء تین طرح کے ہوتے ہیں، ایک وہ عالم جو اللہ کو پہچانتا

ہے اور اس کے احکام و اوامر کو بھی، اس کی علامت یہ ہے کہ وہ خدا سے ڈرتا ہے اور اس کے اوامر اور حدود کا لحاظ کرتا ہے، دوسرے وہ عالم جو اللہ کو پہچانتا ہے مگر اس کے اوامر سے ناواقف ہے اس کی علامت یہ ہے کہ خدا سے ڈرتا تو ہو مگر اس کے اوامر کی اچھی طرح پرواہ نہ کرتا، تیسرے وہ عالم جو اوامر و نہی سے تو واقف ہو مگر خدا کا علم اسے نہ ہو اس کی پہچان یہ ہے کہ وہ نہ خدا سے ڈرتا ہے اور نہ اس کے اوامر کی پرواہ کرتا ہے۔

زمانہ کی خرابی :

فرمایا کہ مجھے گمان ہے کہ میں اس برے وقت زندہ نہیں رہوں گا کہ جب زندوں کا ذکر کیا جائے تو قلب مردہ ہو جائے، اور جب مردوں کا ذکر کیا جائے تو قلب میں زندگی پیدا ہو جائے مقصد یہ تھا کہ مسلمانان درگور اور مسلمانی در کتاب کا زمانہ آنے سے پہلے ہی میری موت آجائے تو اچھا ہے۔

نصیحت پذیری :

بڑے افسوس کے لہجہ میں فرماتے تھے کہ اے اللہ! جانوروں کو جب چرواہا ڈانٹتا ہے، تو اس ڈانٹ کا اس پر اثر پڑتا ہے اور فوراً اپنی خواہش سے باز آ جاتا ہے لیکن میں تیری کتاب کی ہدایتوں اور وعیدوں کا اپنی خواہش نفس پر کوئی اثر نہیں رکھتا۔

طالب علم :

فرمایا کہ میں پسند کرتا ہوں کہ علم دین کے طلب کرنے والے اچھے حال میں رہیں اس لئے کہ اگر وہ محتاج اور ذلیل ہوں گے تو ان کو آفتوں اور لوگوں کی زبان درازیوں کا سب سے زیادہ سابقہ پڑے گا۔

حلال کمائی :

فرمایا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے کسی نے نصیحت کی خواہش کی تو فرمایا کہ انظر خبزک من این هو، اس پر نظر رکھو کہ تمہاری روٹی کہاں سے آتی ہے۔

شکایت :

مریض کا اپنے کسی بھائی سے اپنا حال کہنا خدا کا شکوہ نہیں ہے۔

ائمہ عدل :

فرمایا کہ ائمہ عدل پانچ ہیں، خلفائے راشدین حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ اور عمر بن عبدالعزیزؓ، اگر کوئی شخص ان کے علاوہ کسی کو اس فہرست میں داخل کرتا ہے تو زیادتی کرتا ہے۔

دعوت :

فرمایا کہ اپنے اسی بھائی کی دعوت قبول کرو جس کا کھانا کھانے کے بعد تمہارے دل میں صلاح پیدا ہونے کی امید ہو۔

رازق خدا ہے :

ایک دن امراء کے کسی درباری کو نصیحت کی اس نے کہا کیا کروں اپنے بال بچوں کی وجہ سے ایسا کرتا ہوں، لوگوں سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ ذرہ اس شخص کو دیکھو اس کا گمان ہے کہ اگر وہ خدا کی نافرمانی کرے گا تو وہ اس کے اہل و عیال کو روزی دے گا، اور اگر اطاعت کرے گا تو وہ ان کو بے یار و مددگار چھوڑ دے گا۔

فرمایا کہ اہل و عیال والے بہت کم حرام اور مشتبہات سے بچتے ہیں، اس پر ان کا عذر یہ ہوتا ہے کہ ہم اہل و عیال رکھتے ہیں۔

دنیا کی محبت :

فرمایا کہ اگر کوئی بندہ تمام مامورات کے ساتھ خدا کی عبادت کرے، مگر دنیا کی محبت میں بھی سرشار ہو تو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ علی رؤس الاشہاد فرمائے گا کہ فلان بن فلاں نے ایسی چیز سے محبت کی جو اللہ کو ناپسند تھی، تو یہ سن کر اس پر شدید شرمندگی کی کیفیت طاری ہو جائے گی۔

دولت سے بچنے کے لئے مال :

فرمایا کہ میں دس ہزار درہم چھوڑ جاؤں اور اس پر میرا محاسبہ ہو، یہ چیز میرے لئے اس سے زیادہ پسند ہے کہ میں فقیر ہو کر لوگوں کے سامنے دست سوال دراز کروں، اس لئے کہ اس سے پہلے مال کو ناپسند کیا جاتا تھا مگر اب یہ مومن کی ڈھال ہے جو اس کو امراء و اہل دولت سے سوال کرنے کی ذلت سے محفوظ رکھتا ہے (مشکوٰۃ)

عطیہ :

وہ لوگوں کے عطیات واپس کر دیا کرتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ اگر میں جان جاؤں کہ مجھ کو دے کر لوگ اس پر فخر نہ محسوس کریں گے تو میں ضرور ان کے عطیات لے لوں اسی وجہ سے وہ بھوکے رہ جاتے تھے، مگر کبھی قرض نہیں لیتے تھے، فرماتے کہ لوگ اس کو چھپا نہیں پاتے اور خوش ہو کر کہنے لگتے ہیں کہ سفیان ثوری کل میرے یہاں قرض کے لئے آئے تھے۔

کلمہ حق کا بلند کرنا سب سے افضل ہے :

فرمایا کہ خراسان میں اذان دینا، مکہ کی مجاورت سے زیادہ افضل ہے۔
زہد کی حقیقت :

فرماتے تھے کہ زہد فی الدنیا خواہش و تمنا کو کم کرنے کا نام ہے، موٹا جھوٹا پہننے، روکھا سوکھا کھانے یا عبا پوشی کا نام نہیں ہے، فرمایا کہ بہت لوگ مال رکھتے ہوئے بھی زاہد ہوتے ہیں، اور بعض خالی ہاتھ اس کی محبت میں پڑے رہتے ہیں یعنی وہ ظاہر تو کرتے ہیں کہ وہ زاہد ہیں مگر ان کا دل دنیا میں لپٹا ہوتا ہے۔

اپنی حقیقت :

فرمایا کہ جب آدمی اپنے نفس کی حقیقت جان لے تو پھر اس کو کوئی چیز نقصان نہیں پہنچا سکتی۔
سفر کی رفاقت :

فرمایا کہ تم اپنے سے زیادہ دولت مند اور بلند آدمی کے ساتھ سفر نہ کرو کیونکہ اگر تم اس کے برابر خرچ کرو گے تو اس سے تم کو نقصان ہوگا۔ اور اگر وہ زیادہ خرچ کرے گا تو تم کو اپنا غلام بنا لے گا۔

اہل علم کا حال :

میں نے جب کسی اہل علم کی مخالفت کی تو جان کا خطرہ محسوس کیا، جب تم کو کسی اہل علم سے کوئی ضرورت ہو تو اس کا ذکر دوسرے اہل علم سے نہ کرو ورنہ وہ اس میں حارج ہوگا۔

فرمایا کہ پہلے علم کی طلب ہونی چاہئے پھر اس پر عمل ہونا چاہئے پھر خاموشی اختیار کرنی چاہئے پھر اس میں غور و فکر کرنا چاہئے فرمایا کہ جو شخص اپنے علم و عمل کو اپنے دوسرے بھائی سے بہتر سمجھنے لگے تو اس نے اپنے علم و عمل دونوں کا اجر ضائع کر دیا کیا عجب ہے کہ اس کا بھائی اس سے زیادہ متورع اور متقی ہو۔

کاش لوگ علم کے مطابق عمل کرنے میں اخلاص برتتے تو یہ بہت افضل تھا۔

دوستوں کی کثرت :

فرماتے تھے کہ دوستوں کی کثرت دین کی کمزوری کی علامت ہے۔

گم نامی :

فرمایا کہ یہ وہ زمانہ ہے جس میں گم نام آدمی بھی (برائی سے) مامون نہیں ہے، تو پھر مشہور

بدعت :

فرمایا کہ تم کسی بدعت کا ذکر وچہ چا سنو تو اس کو نہ تو دوسروں سے بیان کرو، اور نہ اپنے دل میں اس کو جگہ دو۔

امراء کی صحبت :

کسی نے کہا کہ آپ امراء اور والیوں سے کیوں نہ خلا ملا رکھیں، تاکہ آپ بھی محفوظ رہیں، اوروں کو نصیحت کر کے ان کی برائیوں پر نوکنے کا موقع بھی ہاتھ آجائے۔ فرمایا کہ تم لوگ چاہتے ہو کہ میں دریا میں تیروں بھی اور میرے پیر بھی بھگنے نہ پائیں، میں ان کے یہاں جانے سے اس لئے ڈرتا ہوں کہ وہ لوگ میری آؤ بھگت کرنے لگے تو میں ان کی طرف مائل نہ ہو جاؤں، اور میرے سارے اعمال ضائع ہو جائیں۔

ایک بار فرمایا کہ اگر کسی سپاہی کو دیکھو کہ نماز کے وقت سو رہا ہے تو اس کو جگاؤ نہیں اس لئے کہ اٹھے گا تو خلق خدا کو تکلیف پہنچائے گا تو اس کا سونا ہی بہتر ہے مقصد یہ تھا کہ خلق خدا کو ایذا پہنچانا ایک وقت کی نماز چھوڑنے سے بھی زیادہ برا کام ہے۔

بال بچوں کی پرورش کی ذمہ داری :

کسی نے پوچھا کہ ایک شخص اپنے بال بچوں کے لئے محنت مزدوری کر کے کماتا ہے، اگر وہ نماز باجماعت کا انتظار کرتا ہے تو اس سے اس میں رخنہ پڑتا ہے، تو وہ کیا کرے؟ فرمایا کہ اپنے بال بچوں کی روزی حاصل کر اور تنہا نماز پڑھ لے۔



بسم الله الرحمن الرحيم

حضرت یحییٰ بن آدمؒ

خراج اسلامی حکومت کی آمدنی کا ایک شعبہ ہے، اس کا قیام آنحضرت ﷺ کے زمانہ ہی میں ہو چکا تھا۔ حضرت ابو بکرؓ کے زمانہ میں اس میں کوئی خاص تغیر نہیں ہوا۔ حضرت عمرؓ نے البتہ حکومت کے دوسرے شعبوں کی طرح اس کو ایک حد تک منظم کیا، اور اس کے انتظام میں بہت سے تغیرات کئے، اس کے بعد سے برابر اس شعبہ میں اصلاح و ترقی ہوتی رہی لیکن ڈیڑھ صدی تک اس کا کوئی مکمل تحریری دستور مرتب نہیں ہوا، ۱۷۷ھ میں جب ہارون رشید خلیفہ ہوا، تو اس نے کام کی طرف توجہ کی، اور قاضی ابو یوسفؒ سے اس موضوع پر ایک خاص کتاب لکھنے کی درخواست کی، انہوں نے اس مبارک کام کو اپنے ذمہ لیا اور کتاب الخراج کے نام سے ایک کتاب لکھ کر ہارون رشید کے سامنے پیش کی، کتاب کے نام سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کتاب صرف خراج یعنی اسلامی ٹیکس سے متعلق ہوگی لیکن ایسا نہیں ہے بلکہ یہ کتاب اسلامی حکومت کی مالی آمدنی اور خراج کا ایک مکمل دستور ہے۔

امام ابو یوسفؒ ہی کے زمانہ یا اس کے قریب قریب اس موضوع پر متعدد کتابیں لکھی گئیں، جن میں یحییٰ بن آدمؒ کی کتاب الخراج اور ابو عبیدہ کی کتاب الاموال زیادہ مشہور ہیں۔

اول الذکر یعنی امام ابو یوسفؒ اور ان کی کتاب کا ذکر کتاب کے شروع میں آچکا ہے اور اس کتاب کا خاتمہ ثانی الذکر کے سوانح حیات اور ان کی حیات اور ان کی کتاب کے تعارف پر کیا جاتا ہے۔ انشاء اللہ تعالیٰ ثالث الذکر کا تذکرہ کتاب کے دوسرے حصہ میں آئے گا۔

حضرت یحییٰ بن آدمؒ:

یحییٰ نام ابو زکریا کنیت، پورا سلسلہ نسب یہ ہے، یحییٰ بن آدمؒ۔ بن سلیمان الاموی بن یحییٰ کے دادا سلیمان کا کوئی تذکرہ رجال کی کتابوں میں نہیں ملتا، ان کے والد آدمؒ البتہ حدیث کے ثقہ راویوں

۱۔ تہذیب المتہذیب ج ۱۱ ص ۱۷۵، امام نووی نے آدمؒ اور سلیمان کے درمیان علی کے نام کا ایک اضافہ کیا ہے جو عام تذکروں کے بیان کے خلاف ہے

۲۔ اموی نسبت دلائی ہے، نسب نہیں یعنی ان کے والد آدمؒ خالد بن خالد اموی کے غلام تھے اس وقت یہ عام دستور تھا کہ غلام اپنے آقا کی نسبت کے ساتھ منسوب ہوتے تھے، اس طرح یحییٰ بھی غلامان اسلام کی فہرست میں داخل ہیں، لیکن خود خالد اور اس کے باپ اور دادا کے متعلق اہل تذکرہ خاموش ہیں، خالد کا جد علیؓ بن عقبہ بن معیط جو رسول اللہ ﷺ کی دشمنی میں مشہور تھا۔ بدر کے روز گرفتار ہوا اور قتل کیا گیا البتہ اس کے لڑکے ولید نے فتح مکہ کے روز اسلام قبول کیا۔ خالد کا مختصر تذکرہ ابن سعد نے کیا ہے۔ (ج ۶ ص ۲۳۳)

میں ہیں، ابن سعد اور تہذیب میں ان کا تذکرہ موجود ہے! صحیح مسلم میں وکیعؒ کی سند سے ان کی ایک روایت بھی موجود ہے۔

سنہ ولادت :

اہل تذکرہ نے یحییٰ کے سن ولادت کی کوئی تصریح نہیں کی ہے۔ لیکن بعض قوی قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ ۱۴۰ھ یا اس کے کچھ قبل یا بعد ان کی ولادت ہوئی وہ قرائن یہ ہیں۔

- ۱۔ تمام اہل تذکرہ متفق ہیں کہ ان کی وفات ۲۰۳ھ میں ہوئی۔
- ۲۔ ان کے شیوخ میں مسعر بن کدامؒ متوفی ۱۵۵ھ یا ۱۵۳ھ اور قطر بن خلیفہ متوفی ۱۵۵ھ ہیں، اس حساب سے ان کے اور یحییٰ کے سنہ وفات میں تقریباً ۵۰ برس کا فرق ہے۔
- ۳۔ یہ بھی معلوم ہے کہ اس وقت تک بالکل چھوٹے بچوں کو سماع حدیث (حدیث سنانے) کا دستور نہیں شروع ہوا تھا بلکہ جب وہ سن شعور کو پہنچ جاتے تھے، تب شیوخ انہیں اپنے حلقہ درس میں لیتے تھے، اس لئے ظاہر ہے کہ مسعر بن کدامؒ ۱۵۵ھ یا ۱۵۳ھ وغیرہ سے سماع کے وقت کم از کم ان کی عمر ۱۵ برس کی رہی ہوگی۔

اس اعتبار سے اگر مسعر بن کدامؒ کا سنہ وفات ۱۵۳ھ قرار دیا جائے تو وفات کے وقت یحییٰ کی عمر ۶۵ سال اور اگر ۱۵۳ھ قرار دیا جائے تو ۶۳ برس کی تھی، اس لئے ظاہر ہے کہ ان کا سنہ ولادت ۱۳۸ھ یا ۱۴۰ھ قرار دینا پڑے گا۔ واللہ اعلم بالصواب۔

تعلیم و تربیت :

تذکرہ سے یہ پتہ نہیں چلتا کہ ان کی تعلیم و تربیت کہاں اور کس کی نگرانی میں ہوئی اور انہوں نے کیا کیا علوم حاصل کیے، لیکن ان کے شیوخ کی فہرست اور ان کی کتاب کے دیکھنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ انہوں نے خالص دینی علوم کی طرف اپنی توجہ مبذول رکھی تھی۔ اور اس کے حصول کے لئے تقریباً تمام علمی مراکز مثلاً: مکہ، مدینہ، کوفہ، حمص وغیرہ میں پہنچے، اور خصوصیت سے قرآن، حدیث کی حد تک فقہ میں بھی دسترس بہم پہنچائی۔

ان کے شیوخ کی فہرست میں حمزہ بن حبیب الزیات بھی ہیں، جو علم قرأت کے امام ہیں، ان کے تلمذ کی وجہ سے قیاس ہوتا ہے کہ شاید انہوں نے علم قرأت میں بھی کچھ دستگاہ بہم پہنچائی ہو۔

شیوخ کی فہرست :

اُن کے شیوخ کے جو نام مل سکے ہیں، ان کی تعداد ۹۰ ہے جن میں سے ۷۳ سے انہوں نے کتاب الخراج میں اور باقی ۱۷ سے دوسری کتابوں میں روایت کی ہے۔ ان کے نام ذیل میں درج کئے جاتے ہیں :

ابراہیم بن حمید بن عبد الرحمن الرواسی، ابراہیم بن حمید الزبرقانی التیمی، ابراہیم بن محمد بن ابی یحییٰ الاسلمی، اسرائیل بن یونس بن ابی اسحاق السبعی، اسماعیل بن ابراہیم بن مقسم بن علیہ، اسماعیل بن عیاش ابن سلم الحفصی الحمصی، ابویاس، (عبد الملک بن جویہ) ایوب بن جابر بن سیار الحنفی الحمیری، الیمامی، ابوبکر ابن عیاش بن سالم الاسدی، ابوبکر بن النہشلی الکوفی، جریر بن عبد الحمید الحضرمی، جعفر بن زیاد الاحمر، حاتم بن اسماعیل المدنی الحارثی، حیاء بن علی الغزالی الکوفی، حسن بن ثابت السعفی الاحول، الحسن ابن صالح بن صالح بن جی، ابو عبد اللہ الثوری الکوفی، الحسن بن عیاش بن سالم الاسدی الکوفی، حسین بن زید بن علی بن الحسین، حفص بن غیاث بن طلق القاضی، حماد بن زید بن درہم، حماد سلمہ بن دینار ابوسلمہ، حمید بن عبد الرحمن بن حمید الرواسی، زہیر بن معاویہ الحنفی الکوفی، زیاد بن عبد اللہ بن الطفیل البرکائی، سعید بن سالم بن ابی السہیفاء، سعد بن عبد الجبار الزبیدی الحمصی، سفیان بن سعید بن مسروق الثوری الامام، سفیان بن عیینہ ابن ابی عمران الہذلی، سلا بن سلیم ابوالاحوص الحنفی الکوفی، ستان بن ہارون البرزجمی، شریک بن عبد اللہ ابن ابی شریک القاضی الحنفی الصلت بن عبد الرحمن الزبیدی، عباد بن العوام بن عمر، عبثر بن القاسم الزبیدی، ابو زبید، عبد اللہ بن ادریس بن یزید الادوی، عبد اللہ بن المبارک، عبد ربہ بن نافع الکنانی ابوشہاب الحنطاط الاصغر، عبد الرحمن بن حمید بن عبد الرحمن الرواسی، عبد الرحمن بن ابی الزناد، عبد الرحمن القاری، عبد الرحیم بن سلیمان المروزی الاشلی۔ عبد السلام بن حرب بن سلم الکوفی، عبد الملک بن جویہ ابویاس، عبدة بن سلیمان الکلابی۔ عبد اللہ بن عبید الرحمن الاشجعی، عتاب بن بشیر الجزری، عثمان بن مقسم البری، علی بن ہاشم بن البرید، عمار بن رزق الحضرمی ابوالاحوص الکوفی، عمر بن ہارون الخراسانی الحنفی، عمرو بن ثابت ابن ہرمز بن ابی المقدام، فضیل بن عیاض بن مسعود بن بشر التیمی، قرآن بن تمام الاسدی ابوالی، قیس بن الربیع الاسدی، مبارک بن فضالہ، محمد بن الحسن بن فرقد اشبہانی صاحب ابی حنیفہ، محمد بن خازم التیمی ابو معاویہ الضریر، محمد بن طلحہ بن طلحہ بن مصر الیامی، محمد بن فضیل بن غزوان الحضرمی، مسعود بن سعد الحنفی الکوفی، یثیم بن بشر بن القاسم السلمی ابو معاویہ ابن واقد المدنی، ورقاء بن عمر بن کلیب البشکری، ابن مبارک کے شیخ ہیں۔ وضاح بن عبد اللہ البشکری ابو عوانہ،

دکچ بن الجراح ابن ملیح الرواسی، وہب بن خالد بن عجلان الباہلی، یحییٰ بن زکریا بن ابی زائدہ، یزید بن ابراہیم التشری ابوسعید، یزید بن عبدالعزیز بن سیاہ الاسدی الحمائی، یونس بن یزید بن ابی النجاد الالبلی۔

یہ ان شیوخ کی فہرست تھی جن سے انہوں نے کتاب الخراج میں روایت کی ہے، کتاب الخراج کے علاوہ جن شیوخ سے روایت کی ہے ان کے نام یہ ہیں۔

ابراہیم بن سعد بن ابراہیم الزہری، بشر بن السری ابو عمر والافوہ، جریر بن حازم بن عبداللہ الازدی، حسین بن علی بن ابولید الجعفی، حمزہ بن حبیب الزیات، سعید بن سالم القداح ابو عثمان المکی، عبداللہ ابن عثمان البصری، عبدالعزیز بن سیاہ الاسدی الحمائی۔ عیسیٰ بن طہمان، فضیل بن مرزوق الاغر، قطر بن خلیفہ الخزومی الحنط، قطبہ بن عبدالعزیز بن سیارہ، مالک بن مغول بن عاصم الجبلی، محمد بن اسماعیل بن رجاء الزبیدی الکوفی، مسعر بن الکدام بن ظہیر العامری، موسیٰ بن قیس الحضرمی الفراء عصفور الجری، یونس بن ابی اسحق السبعی رحمہم اللہ تعالیٰ۔

ان شیوخ میں بعض ایسے لوگوں کے نام بھی ہیں جو ان کے اصحاب و احباب میں شمار ہوتے ہیں۔ مثلاً: حسن بن صالح جن سے انہوں نے تقریباً پچاس سے زائد جگہ روایت کی ہے لیکن ابن حزم نے ان کو یحییٰ کے اصحاب میں شمار کیا ہے۔

محدثین کے دستور کے مطابق انہوں نے اپنے ہمعصروں اور چھوٹوں سے بھی روایتیں کی ہیں اور بعض جگہ تو باپ اور بیٹے دونوں سے روایت کرتے ہیں، مثلاً: عبدالرحمن بن الرواسی سے بھی روایت کی ہے، اور ان کے لڑکے حمید سے بھی، اسی طرح عبدالعزیز بن سیارہ اور ان کے دونوں لڑکے یزید اور قطبہ سے روایتیں کی ہیں۔

تلامذہ :

حضرت یحییٰؒ کی روایت اور ان تلامذہ کی کثرت سے پتہ چلتا ہے کہ ان کا حلقہ درس وسیع رہا ہوگا لیکن اہل تذکرہ میں سے کسی نے بھی ان کے درس و تدریس کے متعلق کوئی تصریح نہیں کی ہے، ان کے تلامذہ کی فہرست میں بعض بڑے بڑے ائمہ حدیث مثلاً: اسحاق بن راہویہ، یحییٰ بن معین بھی شامل ہیں۔ تلامذہ کی فہرست بہت لمبی ہے۔ ان میں چند نام درج کئے جاتے ہیں جن سے صحاح میں روایت موجود ہے۔

۱۔ محدثین کو اگر اپنے اصغر سے بھی روایتیں مل جاتی تھیں تو وہ روایت کر لیتے تھے۔

احمد بن ابی رجا عبد اللہ البروی، احمد بن سلیمان الرہاوی، احمد بن عمر الواقدی، احمد بن محمد بن حنبل، اسحاق بن ابراہیم التجاری، اسحاق بن راہویہ، مشہور امام حدیث، بشر بن خالد العسکری، حسن ابن علی بن عفان العامری، الحسن بن علی الخلال حافظ حدیث، الحسین بن علی بن الاسود العجلی، قحط بن عمر المہرقانی یہ ابو حاتم اور ابو زرعہ کے شیخ ہیں۔ سفیان بن کعب بن الجراح، عباس بن حسین القطری، ابوبکر عبد اللہ بن شیبہ، عبد اللہ بن محمد المسندی، عبد الاعلیٰ بن واصل الاسدی۔ عبد الرحمن ابن صالح الازدی، عبد بن حمید، عبدہ بن عبد اللہ الخزاعی الصنفار، عبید بن بعیش المحاطی عثمان بن ابی شیبہ، عصمۃ ابن الفضل النیشاپوری، علی بن عبد اللہ بن المدینی، علی بن محمد الطنافسی محمد بن اسماعیل، ابو بکر بن علیہ، محمد بن عبد اللہ بن المبارک الحرمی، محمد بن رافع النیشاپوری، ابوکریب محمد بن العلا الہمدانی، محمد بن ابولید الکندی، محمد بن ابولید بن ابی ولید الفحام، محمود بن غیلان المروزی، موسیٰ بن حزام مشہور فقیہ تھے۔ موسیٰ بن عبد الرحمن السمرقانی، ہارون بن عبد اللہ الحمال حافظ حدیث تھے، واصل بن عبد الاعلیٰ ابن ہلال الاسدی، یحییٰ بن معین۔ جرح و تعدیل کے امام تھے۔

در بار سے بے تعلقی:

حضرت یحییٰ نے تقریباً ۶۰ خلفاء منصور، ہادی، مہدی، ہارون، امین، مامون کا زمانہ پایا لیکن ان میں سے کسی خلیفہ کے دربار سے انہوں نے اپنا تعلق نہیں قائم کیا اور نہ حکومت کا کوئی عہدہ قبول کیا۔
علم و فضل:

علم و فضل کے لحاظ سے حضرت یحییٰ ممتاز حیثیت رکھتے تھے، امام ذہبیؒ نے الحفاظ میں ان کو طبقہ سابعہ میں شمار کیا ہے جس میں امام شافعیؒ، عبد الرحمن بن مہدی، ابوداؤد طیالسی وغیرہ ہیں۔

امام ذہبیؒ نے علی بن المدینیؒ سے جو ائمہ حدیث میں سے ہیں، روایت کی ہے کہ حدیث کی سند کا مدار زیادہ تر چھ آدمیوں پر ہے۔ اہل مدینہ میں ابن شہاب زہری، اہل مکہ میں عمرو بن دینار، اہل بصرہ میں قتادہ اور یحییٰ بن ابی کثیر، اہل کوفہ میں ابواسحاق اور اعمش پھر ان چھ کا علم ان بارہ آدمیوں میں پھیلا۔ اہل مدینہ میں امام مالک اور ابن اسحاق اور اہل مکہ میں ابن جریج اور ابن عیینہ اور اہل بصرہ میں سعید بن ابی عروبہ و حماد بن سلمہ و ابو عوانہ و شعبہ و معمر اور اہل کوفہ میں سفیان ثوری اور اہل شام میں امام اوزاعی اور واسطہ میں ہشتم۔ پھر ائمہ کا علم تین آدمیوں یحییٰ القطان، یحییٰ بن زکریا اور کعب بن جراح میں سمٹ آیا اور پھر ان تینوں سے ایہ امانت عبد اللہ بن مبارک، عبد الرحمن بن مہدی اور یحییٰ بن آدم کی طرف منتقل ہوئی۔

حضرت یعقوب بن شیبہؒ فرماتے ہیں کہ وہ ثقہ، کثیر الحدیث اور بہت بڑے فقیہ تھے حالانکہ ان کا سن بہت زیادہ نہیں تھا۔ علی بن مدینیؒ فرمایا کرتے تھے کہ ان کے پاس علم تھا، ابواسامہؒ فرماتے ہیں کہ میں جب یحییٰ بن آدمؒ کو دیکھتا ہوں تو امام شعیبؒ یاد آ جاتے ہیں یعنی وہ امام شعیبؒ کی طرح جامع العلوم تھے، ابن سعدؒ، یحییٰ بن معینؒ، ابو حاتم ابن حبانؒ وغیرہ نے ان کی توثیق کی ہے۔ یحییٰ بن ابی شیبہ کے الفاظ یہ ہیں کہ

ثقہ، صدوق، ثبت، حجۃ^۱، یحییٰ قابل اعتماد اور حجۃ تھے ان کے علم و فضل کے متعلق ان ائمہ کی رائے سب سے بڑی سند ہے۔

مسلك :

ان کے زمانہ تک تخریب اور عامیانہ تقلید کا دور شروع نہیں ہوا تھا اور نہ اس وقت محدثین اور فقہاء اپنے لئے اس لقب کو پسند کرتے تھے بلکہ علماء قرآن و حدیث و آثار کی روشنی میں اپنی بصیرت کے مطابق فتویٰ دیتے تھے۔ اگر کسی مسئلہ میں وہ خود رائے قائم نہیں کر پاتے تھے تو ائمہ میں سے جن کی رائے انہیں پسند ہوتی اس کو اختیار کر لیتے تھے اس کی سب سے بڑی وجہ یہ تھی کہ اس زمانہ میں تشنگان علم بغیر کسی عصبيت اور تخریب و تعصب کے مختلف شیوخ سے سماع حدیث اور مختلف انخیال فقہاء کی خدمت میں جا کر تحصیل فقہ کرتے تھے اس لئے ان میں کو رانہ تقلید اور تنگ نظری پیدا نہیں ہونے پاتی تھی۔ امام محمدؒ حدیث میں امام مالکؒ کے شاگرد تھے، اسد بن فراتؒ اور امام شافعیؒ نے امام محمدؒ سے فقہ کی تحصیل کی تھی۔ خود امام ابو حنیفہؒ اور امام مالکؒ کے درمیان علمی مذاکرے ہوتے رہتے تھے۔ امام احمدؒ ضبیلؒ امام ابو یوسفؒ کے شاگرد تھے ایسی بہت سی مثالیں پیش کی جاسکتی ہیں۔

یحییٰ بن آدمؒ نے بھی مختلف انخیال محدثین اور فقہاء سے تحصیل علم کی تھی ایک طرف وہ امام محمدؒ سے روایت کرتے ہیں، دوسری طرف حسن بن صالحؒ کے جن کو امام محمدؒ سے شدید اختلاف تھا خاص تلامذہ میں تھے۔ شاید یہی وجہ تھی کہ وہ کسی خاص ائمہ کے مسلک کے پابند نہیں ہو سکے اور نہ انہوں نے اپنی کتاب کو کسی خاص مسلک تک محدود رکھا۔ ان کے مسلک کے متعلق یہ کہنا زیادہ صحیح ہوگا کہ ان کا تعلق محدثین کی جماعت سے تھا چنانچہ کتاب میں جہاں جہاں عندنا یا عند اصحابنا یا

۱۔ ایضاً۔ ص ۳۳۰، تہذیب التہذیب جلد ۱۔ ص ۱۰۵ ۲۔ اس وقت تک دو مسلک حنفی اور مالک رواج پا چکے تھے۔ یحییٰ اپنی کتاب میں دونوں میں سے ہر ایک کی کسی جگہ موافقت اور کسی جگہ مخالفت کرتے ہیں۔
۳۔ ص ۱۶، ص ۱۱۴۵ اور ص ۱۴۷ میں اس کی تصریح موجود ہے۔

جماعۃ عن اصحابنا وغیرہ کے الفاظ استعمال کئے ہیں اس سے بھی یہ پتہ چلتا ہے کہ مسائل میں ان کا نقطہ نظر محدثانہ تھا۔

تصانیف :

امام نووی نے یحییٰ کی تصنیفات میں صرف کتاب الخراج کا تذکرہ کیا ہے۔ امام ذہبی نے لکھا ہے کہ ”هو صاحب التصانیف“ وہ صاحب تصانیف ہیں لیکن انہوں نے بھی کتاب الخراج کے علاوہ کسی دوسری کتاب کا تذکرہ نہیں کیا ہے۔ ابن ندیمؒ نے کتاب الخراج کے علاوہ دو اور کتابوں کا بھی تذکرہ کیا ہے، کتاب الزوال اور کتاب الفرائضؒ۔ اس کے متعلق لکھا ہے کہ یہ بہت بڑی کتاب ہے مگر ان میں کتاب الخراج کے علاوہ کسی اور کتاب کے موجود ہونے کا کوئی علم نہیں ہے۔

کتاب الخراج بھی اب تک ناپید تھی لیکن ایک فرانسیسی مستشرق ڈاکٹر جانیبول کے ذریعہ چند سال ہوئے کہ سامنے آئی ہے۔

ڈاکٹر جانیبول کو کتاب الخراج کا ایک قدیم نسخہ ایم۔ شارل سیفر کے یہاں جو پیرس میں علوم مشرقیہ کے صدر ہیں، ملا۔ انہوں نے بڑی دیدہ ریزی سے اس کی تصحیح کی اور اس پر فرنج میں ایک مقدمہ لکھ کر ۱۸۹۸ء میں مطبعہ بریل، لیڈن سے شائع کیا۔ یہ نسخہ پانچویں صدی کے آخر کا لکھا ہوا ہے اور اس کی ضخامت ۹۵ صفحات ہے۔

کتاب سے صاحب نسخہ کے نام کا پتہ نہیں چلتا لیکن کتاب کی پشت پر انہوں نے اپنے شیخ اور اپنے معاصرین کے سماع کی جو یادداشت لکھی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ صاحب نسخہ نے ابو عبد الرحمن بن علی المبرری سے جو کتاب کے مرتب اور جن پر اس کتاب کی تمام سندیں ملتی ہوتی ہیں، براہ راست سماع کیا ہے۔ شیخ بصری کے سماع کی یادداشت یہ ہے۔

سمعت بقراءة محمد بن علي ابن مخلد الى اخيه وسمع ذالك ابو القاسم علي بن حمد بن البصري التبادر ورلده ابو عبد الله الحسين و نوفل بن علي محمد بن علي الا سائي كفي المحرم سنة ست عشرة واربعمائة .

- ۱۔ تذکرۃ الحفاظ جلد ۱۔ ص ۳۲۷ ۲۔ ڈاکٹر جونیول اور ابوالاشبال دونوں محکمین میں سے کسی کی نظر ابن ندیم پر نہیں تھی اس لئے انہوں نے تصنیفات میں صرف کتاب الخراج کا تذکرہ کیا ہے۔
- ۳۔ ابن ندیم میں کتاب الفرائض کے بعد ذیش ہے اس کے بعد کبیر الگ، ذیش کے ساتھ لکھا ہوا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ دو کتابیں ہیں لیکن میں نے اس کو طباعت کی غلطی سمجھ کر کبیر کو کتاب الفرائض کی صفت قرار دے دیا ہے۔
- ۴۔ اصل میں اس طرح لکھا ہوا ہے کہ کسی صحیح نے اس کے متعلق کچھ کہا بھی نہیں ہے لیکن میرا ذاتی خیال یہ ہے کہ یہ اسانی ہے۔

”میں نے محمد بن علی کی قرأت سے اس کتاب کو آخر تک سنا ہے اور میرے علاوہ ابوالقاسم، شیخ بسری کے پوتے اور ان کے لڑکے ابو عبد اللہ اور نوفل وغیرہ نے بھی سماع کیا ہے اور یہ سماع محرم ۳۱۶ھ میں ہوا۔“

دوسری یادداشت میں کچھ اپنے ہم عصر سامعین کے نام بھی لکھے ہیں ان کے نام کے ذکر کے بعد لکھتے ہیں کہ ان لوگوں نے جمادی الاولیٰ ۳۸۳ھ میں سماع کیا تھا۔ غالباً یہ اختتام سماع کی تاریخ ہے لیکن کہیں بھی اپنے سماع کی تاریخ نہیں لکھی ہے، کتاب کے ہر حصہ کے شروع میں اخبرنا الشیخ ابو عبد اللہ البسری ”شیخ بسری نے ہم سے بیان کیا۔“

کے الفاظ سے پتہ چلتا ہے کہ ان کا سماع شیخ بسری سے براہ راست ہے اور چونکہ ۳۸۳ھ سے پہلے انہوں نے اپنے یا کسی دوسرے کے سماع کی تاریخ نہیں لکھی ہے اس لئے قیاس ہوتا ہے کہ ۳۸۳ھ ہی ان کے سماع کی تاریخ ہوگی۔

بسری نے اس کتاب کا سماع اپنے شیخ ابو عبد اللہ بن یحییٰ السکری سے ۳۱۶ھ میں کیا تھا۔ سماع کے وقت ان کی عمر ۷۷، ۸۰ برس سے زائد نہیں تھی، ظاہر ہے کہ اس عمر کی روایات پر پورے طور پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا لیکن بسری کی مرویات کو اس درجہ قبولیت حاصل ہوئی کہ ان کی کم عمری اعتماد و اعتبار کے لئے مانع نہیں رہی۔

ڈاکٹر جانیول نے کتاب کی تصحیح و تفسیر میں کافی محنت کی تھی لیکن پھر بھی اس میں کچھ نہ کچھ خامیاں رہ گئی تھیں اس لئے قاضی ابوالاشیال، احمد شاہ مصری نے دوبارہ اس کی تصحیح کی۔ جہاں جہاں ڈاکٹر صاحب کی تصحیح میں غلطی تھی اس کی نشاندہی کی ہے اور دوسرے ماخذوں سے ہر مسئلہ کی مراجعت کر کے اس کی تخریج کی اور یحییٰ بن آدم کے سوانح حیات اور ان کے شیوخ تلامذہ کی فہرست کے ساتھ ۱۳۳۷ھ مطابق ۱۹۲۸ھ میں دوبارہ مطبعہ سلفیہ قاہرہ سے شائع کیا۔ فجزاہ اللہ احسن الجزاء۔

قاضی صاحب نے اس سلسلہ میں سب سے بڑا کام یہ کیا ہے کہ کتاب کے رجال کی پوری تحقیق کی ہے اور ان کی تعدیل و جرح کے سلسلہ میں جو کچھ کہا گیا ہے اس کو نقل کر دیا ہے، علاوہ بریں جو مسائل امام ابو یوسفؒ اور یحییٰؒ کی کتابوں میں مشترک ہیں حاشیہ میں ان کی تصریح کر دی ہے۔ یہ حاشیہ اپنی افادیت کے لحاظ سے کتاب کی ایک مختصر شرح ہے لیکن انہوں نے یہ نہیں لکھا کہ اس کتاب کا

۱۔ بسری بغداد کے مشہور محدثین میں ہیں۔ ۳۰۹ھ یا ۳۱۰ھ میں ان کی ولادت ہوئی تھی اور ۳۹۷ھ میں وفات پائی سمعانی نے ان کا تذکرہ کیا ہے۔ ص ۸۱ ۲۔ مثلاً ص ۶۳، ص ۱۲۲، ص ۱۲۳ میں اس کی تفصیل موجود ہے۔

کیا درجہ ہے؟ اس کی خصوصیات کیا ہیں اور امام ابو یوسف اور یحییٰ کی کتابوں میں..... جو ایک ہی موضوع سے متعلق ہیں، کیا فرق ہے۔ آئندہ سطور میں اسی کے متعلق کچھ عرض کرنا ہے۔

پوری کتاب چار حصوں میں ہے جن میں ۲۳ ابواب اور ۶۴۰ مسئلے ہیں۔ مؤلف نے صرف دو آخری حصوں کی تبویب کی تھی باقی دو حصوں کی تبویب مصحح نے کی ہے اور اوپر جاشیہ میں عنوانات کی سرخیاں قائم کر دی ہیں۔

حضرت یحییٰ کی روایات اور ان کے اقوال عام طور سے مشہور ہیں اور تمام مقدم اور متاخر محدثین نے اپنی اپنی کتابوں میں ان کو جگہ دی ہے لیکن بعض قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ قرون اولیٰ میں ان کی کتاب الخراج کے ساتھ زیادہ اعتنا نہیں کیا گیا اور اس کے نسخے زیادہ مروج تھے چنانچہ امام مسلم، ابو داؤد، ابن ماجہ، امام نووی، حافظ ابن حجر، بلاذری وغیرہ نے متعدد جگہ ان کی روایات اور ان کے اقوال اپنی اپنی کتابوں میں نقل کئے ہیں لیکن ان میں سے کسی نے بھی کتاب الخراج کا ذکر نہیں کیا ہے اور نہ کہیں اس کا حوالہ دیا ہے۔

کتاب کی خصوصیت اور امام ابو یوسف اور ان کی کتاب میں فرق :

۱۔ اسلامی مالیات کے جن شعبوں کے متعلق قرآن پاک کی آیات میں اشارات موجود ہیں، یحییٰ بن آدم نے ان پر عنوان کے تحت ان آیات کا تذکرہ کیا ہے اس کے بعد حدیث و آثار سے استدلال کیا ہے مثلاً: فنی، غنیمت، تجارت، زراعت، صدقات، ما یکرہ فی الصدقہ جزاء، ذوق صا دو وغیرہ کے سلسلہ میں اس کی تفصیل مل سکتی ہے۔

۲۔ طریقہ تصنیف محدثانہ ہے یعنی ہر مسئلہ میں انہوں نے اپنے شیوخ یا تابعین کے اقوال یا پھر صحابہ کے آثار یا احادیث نبوی کا تذکرہ کیا ہے اور خود اپنی رائے پوری کتاب میں مشکل سے دو چار جگہ دی ہے۔

فقہ میں کسی خاص مسلک کے پابند نہیں تھے لیکن پھر بھی انہوں نے متعدد جگہ امام ابو حنیفہ اور امام مالک کی رائے سے اختلاف کیا ہے اور اس کے بعد محدثین کی رائے کو پیش کر کے اس کو ترجیح دی ہے مگر جہاں بھی اختلاف کیا ہے وہاں امام صاحب کا نام نہیں لیا ہے بلکہ بعض وغیرہ کا لفظ استعمال کیا ہے۔

مثلاً! اس مسئلہ میں کہ اگر کوئی پرتی زمین کو آباد کرنا چاہے تو وہ کر سکتا ہے یا نہیں؟ دوسرے ائمہ کی رائے ہے کہ اس کو اختیار ہے کہ وہ آباد کر لے اور وہ اس زمین کا مالک ہوگا۔ خود امام ابو یوسف اور

امام محمدؒ کی رائے بھی یہی ہے لیکن امام صاحب کے نزدیک اس میں امام کی اجازت ضروری ہے۔ طر فین کے اقوال ذکر کرنے کے بعد یحییٰ نے دوسرے ائمہ کے اقوال کی تائید میں یہ حدیث ذکر کی ہے۔

من احیا أرضاً سیئۃ فی غیر حق مسلم ولا معاہد فہی لہ (ص ۸۶)
 ”جو کسی ایسی پرتی زمین کو آباد کرے جو کسی مسلم یا مجاہد کی نہ ہو تو وہ زمین اس کی ہے۔“

اس کے بعد لکھا ہے کہ حدیث میں امام سے اجازت کا ذکر نہیں ہے جس سے معلوم ہوا کہ امام صاحبؒ کی رائے ان کے نزدیک صحیح نہیں ہے۔

بعض جگہ وہ دوسرے ائمہ کی بھی مخالفت کرتے ہیں مثلاً: اس مسئلہ میں کہ خراج کی زمین پر دوسرے محاصل عائد کئے جاسکتے ہیں یا نہیں؟ ائمہ کی رائے ہے کہ دوسرے محاصل عشر وغیرہ اس میں لئے جاسکتے ہیں، امام صاحب کی رائے ہے کہ خراجی زمین میں خراج کے علاوہ اور کوئی چیز نہیں لی جاسکتی۔ اس مسئلہ میں یحییٰ امام صاحبؒ کے ساتھ ہیں اور فریقین کے استدلالات ذکر کرنے بعد فرماتے ہیں:

قال جماعة من اصحابنا ليس ما على الارض الخراج عشراً إنما على الارض الخراج وليس في ذرعها ولا في ثمارها شئ لمسلم
 اولغیرہ (ص ۱۶۷)

”ہمارے اصحاب میں سے بعض لوگوں نے کہا ہے کہ خراجی زمین پر عشر نہیں ہے اس پر صرف خراج ہے اور اس زمین کی زراعت اور اس کے پھل میں کوئی محصول نہیں ہے، وہ زمین مسلمان کی ہو یا غیر مسلم کی۔“

دوسری جگہ اس مسلک کی تائید کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ میرے بعض بصری اصحاب کی بھی یہ رائے ہے۔ (ص ۱۶۷)

زکوٰۃ کے سلسلے میں یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے کہ اگر مختلف قسم کے غلے اتنی تھوڑی مقدار میں پیدا ہوں کہ نصاب زکوٰۃ تک نہ پہنچتے ہوں لیکن اگر ان سب کو یا ان کی قیمت کو ملا دیا جائے تو وہ نصاب تک پہنچ جاتے ہوں تو ایسا کرنا چاہیے یا نہیں؟ امام صاحب تو غلہ میں سرے سے نصاب کے قائل ہی نہیں ہیں ان کے نزدیک غلہ کی جتنی مقدار بھی ہو اس میں عشر یا نصف عشر دینا چاہئے۔ بقیہ ائمہ غلہ کا

۱۔ زراعت کے سلسلہ میں آج کل اس قسم کے قوانین روزانہ بنتے رہتے ہیں لیکن اسلام نے آج سے تیرہ سو برس پہلے یہ قانون دنیا کے سامنے پیش کر دیا تھا لیکن براہوتعصب کا کہ اس نے دنیا کو اندھا کر دیا ہے۔

نصاب پانچ دس مقرر کرتے ہیں اس لئے ان کے یہاں یہ سوال اہمیت رکھتا ہے۔ امام شافعیؒ ایک غلہ کو دوسرے غلہ سے یا اس کی قیمت کو ملا کر عشاء ادا کرنے کو جائز نہیں سمجھتے، امام احمدؒ کا خیال ہے کہ ایک دوسرے کو ملا کر زکوٰۃ ادا کرنی چاہئے، امام مالکؒ صرف جو اور گیہوں کو ایک دوسرے سے ملانے کے قائل ہیں یحییٰؒ چونکہ مطلق ایک دوسرے کے ساتھ ملانے کے قائل نہیں ہیں اس لئے انہوں نے امام مالکؒ کے مسلک کو بھی پسند نہیں کیا، چنانچہ وہ فرماتے ہیں کہ اصحاب امام مالکؒ نے جو اور گیہوں کو یکساں سمجھا ہے لیکن یہ بھی ناجائز نہیں ہے یہی مسلک امام شافعیؒ نے اختیار کیا اور بعد میں انہی کی طرف منسوب ہو گیا۔

۳۔ کتاب میں بعض ایسی روایتیں بھی ہیں جن میں مصنف منفرد ہیں، مثلاً: یہ روایت

من احیا ارضاً میتة فہی لہ و لیس لعرق ظالم حق (ص ۵۸۰)
”جو پرتی زمین آباد کرے وہ اس کی ہے۔“

ان الفاظ کے ساتھ کسی نے بھی یہ روایت نہیں کی ہے۔ حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری جلد ۵ صفحہ ۱۳ میں یحییٰؒ کی اس روایت کو نقل کیا ہے، لیکن انہوں نے بھی یحییٰؒ کے علاوہ کسی دوسرے سلسلہ سند کا ذکر نہیں کیا ہے۔

اسی طرح ”بعل والعشوی والغدیری“ والی حدیث میں بھی غالباً صاحب کتاب منفرد ہیں۔ ابن ماجہ نے اس روایت کو اپنی کتاب میں نقل کیا ہے، لیکن ان کا سلسلہ سند بھی یحییٰؒ ہی پر ختم ہوتا ہے۔ (ص ۱۲۳)

امام ابو یوسفؒ اور یحییٰؒ کی کتاب میں چند ظاہری اور معنوی فروق یہ ہیں :

۱۔ اوپر لکھا جا چکا ہے کہ یحییٰؒ کی کتاب الخراج کی طرف علماء نے بہت کم اعتنا کیا ہے۔ بخلاف اس کے ابو یوسفؒ کی کتاب الخراج کو تمام متقدمین و متاخرین آئمہ کے نزدیک ایک خاص درجہ حاصل رہا ہے اور مشکل سے حدیث و فقہ کی کوئی کتاب اس کے ذکر سے خالی ہوگی۔

۲۔ امام ابو یوسفؒ کی کتاب میں ۳۷ ابواب اور یحییٰؒ کی کتاب میں کل ۳۳ ابواب ہیں۔ اس ظاہری فرق کے علاوہ معنوی حیثیت سے بھی امام ابو یوسفؒ کی کتاب بہت بلند ہے اس میں ہر عنوان کے تحت جزئیات اور بہت سے مجتہدانہ نکات اور متنوع مسائل ملتے ہیں۔

۳۔ امام ابو یوسفؒ کی کتاب میں بعض مباحث ضمناً آگئے ہیں لیکن یحییٰؒ نے ان کے مستقل ابواب قائم کئے ہیں۔ مثلاً: کحیر، شراب کی تجارت پر ذمیوں سے ٹیکس لینے جذاذ و حصاد یا سبزی میں

زکوٰۃ وغیرہ کے مباحث کو امام ابو یوسفؒ نے ضمناً ذکر کیا ہے لیکن یحییٰؒ نے ان کے لئے الگ الگ باب قائم کئے ہیں۔

۴۔ امام ابو یوسفؒ کی کتاب میں گویا تمام مسائل اور متنوع مسائل زیادہ ہیں لیکن پوری کتاب تقریباً تمام تر حنفی مسلک کے مسائل تک محدود ہے اس لئے مقابلہ میں یحییٰؒ کا طریقہ تصنیف محدثانہ ہے اور وہ ہر عنوان کے تحت مختلف احادیث، آثار اور اقوال نقل کر دیتے ہیں اور خود اس کا فیصلہ بہت کم کرتے ہیں اس سے یہ فائدہ ہے کہ پڑھنے والے کو ہر موضوع پر خود سوچ کر کسی امام کی رائے کو رائج یا مرجوح قرار دینے کا موقع ملتا ہے۔

علمی حیثیت سے کتاب میں بعض تسامحات بھی ہیں مثلاً:

۱۔ زکوٰۃ پر بحث کی ہے لیکن زکوٰۃ کے مصرف کے بارے میں کچھ نہیں لکھا ہے یا دریا سے حاصل کی ہوئی اشیاء کے بارے میں کوئی بحث نہیں کی ہے۔

۲۔ ان کے شیوخ اور سلسلہ سند کے روات میں بہت سے ضعیف اور بعض مجہول اشخاص بھی ہیں، مثلاً: شیوخ میں محمد بن ابی یحییٰ الاسلمی، ایوب بن جابر بن سیار، عبد الجبار بن زبیدی کو کاذب تک کہا گیا ہے۔ سنان بن ہارون الصلت بن عبد الرحمن، عثمان بن مقسم، عمر بن ہارون، عمرو بن ثابت بن ہر، مزقیس بن الربیع، مفصل بن صدقہ وغیرہ۔ عام روات میں مغلس (ص ۲۵) جن کا تذکرہ رجال کی کسی کتاب میں نہیں ملتا۔ عبد الرحمن القاری (۵۱) کا تذکرہ بھی کسی کتاب میں نہیں ملتا، اسی طرح محمد بن مساور، عبادہ بن نعمان، ابو علی الصفار وغیرہ کا تذکرہ بھی متداول کتابوں میں موجود نہیں ہے اسی طرح ابراہیم بن محمد (ص ۷۳) عبد الرحمن بن معاویہ (۷۳)، اسماعیل بن ابی سعیر (ص ۱۰۴)، ابو حماد (۱۰۵) وغیرہ کو علماء نے ضعیف اور ان میں سے بعض کو وضاع حدیث تک لکھا ہے۔

پوری کتاب میں سینکڑوں لغات اور فقرے ایسے ہیں جن کی مکمل تشریح کی ضرورت تھی ان کے حل کئے بغیر عبارت کا مفہوم واضح نہیں ہوتا، ضرورت تھی کہ کتاب کے ساتھ ایسے الفاظ کی ایک فہرست بھی منسلک ہوتی، مثلاً: اس اثر

لیس علی عربی ملک ”یعنی عربی النسل پر کسی کی ملکیت نہیں ہے“

کے نقل کرنے کے بعد یہ جملہ ہے۔

ولکننا تقوہم انملة خمیس من الابل کا مطلب بالکل واضح نہیں ہوتا۔ مصنف

سے اس آیت ”قری ظاہرہ“ کی تشریح کے سلسلہ میں بھی فرو گذاشت ہو گئی ہے گو عام ائمہ تفسیر کی

تج تابعین حصہ اول (جلد ہشتم ۸) ۳۲۷ حصہ چہارم ۱۴
 طرح انہوں نے بھی اس کی تشریح قری عربیہ کے لفظ سے کی ہے مگر انہوں نے اس سے ایک خاص
 سرزمین مراد لی ہے جو صحیح نہیں ہے۔

تفسیر ابن کثیر میں ابن عباسؓ کی یہ روایت موجود ہے کہ

ہی قری عربیہ بن المدینۃ والشام قری ظاہرۃ ای بینۃ واضحۃ
 يعرفھا المسافرون .

”مدینہ اور شام کے درمیان جو آبادیاں ہیں وہی قری عربیہ ہیں، اس کو ظاہرہ اس لئے کہا
 گیا ہے کہ اس کو مسافرین عام طور پر جانتے ہیں۔“

جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کسی مخصوص خطہ کا نام نہیں ہے بلکہ مدینہ و شام کے درمیان کی
 آبادیوں کو قری ظاہرہ کہتے ہیں پھر مجمع البلدان اور کتب لغت تاریخ وغیرہ میں کوئی مقام اس نام کا نہیں
 ملتا اس لئے ظاہر ہے کہ مصنف کو اس میں سہو ہو گیا ہے۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا إِنَّكَ أَنْتَ
 السَّمِيعُ الْعَلِيمُ .

تمت

ضمیمہ

حضرت امام مالک بن انسؒ

(امام دارالہجوة)

۹۳ ————— ۱۲۹ھ

از

استاذ الحدیث مولانا بدر عالم صاحب میرٹھیؒ
استاذ دارالعلوم دیوبند رفیق ندوۃ المصنفین

تبج تابعین کی اس جلد میں ایک نامور و جلیل القدر تبج تابعی، آئمہ
اربعة میں سے ایک مشہور امام، حدیث کی معروف کتاب ”موطا“
کے مصنف اور محدث وقت، امام اہل المدینہ، حضرت امام مالک
بن انسؒ کے حالات شامل نہ تھے، کتاب کی تکمیل کے پیش نظر
حضرت مولانا بدر عالم صاحب میرٹھیؒ کی ایک مختصر تحریر کتاب کے
آخر میں ملحق کی جا رہی ہے۔

مفصل حالات و سوانح کے لئے اس موضوع پر تحریر کردہ عربی اور
اردو کی دیگر مستند کتب کی طرف مراجعت فرمائیں۔

والسلام ناشر

امام مالک بن انس بن مالکؒ

ولادت ۹۳ھ وفات ۱۷۹ھ

آپ اُمت میں امام دارالجمرت کے لقب سے مشہور ہیں۔ دراز قامت، فرجہ جسم، زردی مائل سفید رنگ، کشادہ چشم، بلند ناک اور خوبصورت تھے۔ آپ کی پیشانی کی طرف سر پر بال کم تھے، ریش مبارک دراز اور گھنی تھی، مونچھ منڈانے کو مثلہ فرماتے تھے۔ صرف لب کا بالائی حصہ ترشوالیتے تھے اور دونوں طرف کے بال چھوڑتے تھے۔ اس بارے میں حضرت عمر فاروقؓ کی تقلید فرماتے تھے۔ حضرت عمرؓ کے حالات میں بیان کیا جاتا ہے کہ جب وہ کسی معاملہ میں متفکر ہوتے تو اپنی مونچھوں پر ہاتھ پھیرا کرتے تھے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ان کی مونچھوں کے دو طرفہ بال دراز تھے۔ آپ خوش پوشاک تھے۔ آپ کا نسب غیمان بن خثیل پر پہنچتا ہے۔

حافظ ابن حجرؒ نے اصحابہ میں اس کو بصیغہ خاء مجمہ کے ساتھ ضبط کیا ہے اور دارقطنی نے جیم کے ساتھ۔ خثیل، عمرو بن الحارث کے فرزند تھے اور حارث کا لقب ذوالصبح تھا۔ اسی لحاظ سے آپ کو اصحی کہتے ہیں^۱۔ آپ تبع تابعین کے طبقہ میں تھے۔ آپ کے شیوخ اور تلامذہ کا کیا پوچھنا۔ امام نوویؒ تہذیب الاسماء میں لکھتے ہیں کہ امام کے شیوخ کی تعداد نو سو تھی، جن میں تین سوتابعین اور چھ سوتبع تابعین تھے۔

امام سفیانؒ فرماتے تھے، رجال کی چھان بین کرنے والا مالکؒ سے بڑھ کر کوئی شخص نہیں ہے۔ امام شافعیؒ فرماتے تھے کہ مالکؒ کو جب حدیث کے کسی ٹکڑے میں شک پڑ جاتا تھا تو پوری کی پوری حدیث ترک کر دیتے تھے۔ وہب بن خالدؒ کہتے ہیں کہ مشرق و مغرب کے درمیان احادیث نبویہ کے بارے میں قابل اطمینان شخص مالکؒ سے بڑھ کر نہیں ہے۔ ترمذی صحیح اسناد کے ساتھ ابو ہریرہؓ سے روایت کرتے ہیں، ایک زمانہ آئے گا کہ لوگ دُور دُور کا سفر کریں گے، لیکن ”عالم مدینہ“ سے بڑھ کر عالم انھیں کہیں میسر نہ آئے گا۔

امام سفیان بن عیینہ کے نزدیک اس حدیث کا مصداق امام مالکؒ تھے۔ خلف بن عمر کہتے ہیں، میں امام مالکؒ کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ مدینہ کے قاری ابن کثیرؒ نے امام مالکؒ کو ایک پرچہ دیا۔ امام مالکؒ نے اسے پڑھا اور اپنی جانماز کے نیچے رکھ لیا۔ جب وہ کھڑے ہوئے تو میں بھی ان کے ساتھ چلنے لگا، فرمایا بیٹھ جاؤ اور وہ پرچہ مجھے دیا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ اس میں یہ خواب لکھا ہوا تھا کہ لوگ آنحضرت ﷺ کے گرد جمع ہیں اور آپ سے کچھ مانگ رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ ”میں نے اس منبر کے نیچے ایک بہت بڑا خزانہ دفن کیا ہے اور مالکؒ سے کہہ دیا ہے، وہ تمہیں تقسیم کر دیں گے۔ اس لئے مالکؒ کے پاس جاؤ۔ لوگ یہ کہتے ہوئے واپس ہوئے مالکؒ ”تقسیم کریں گے یا نہیں۔ کسی نے جواب دیا، جس بات کا مالکؒ کو حکم دیا گیا ہے وہ ضرور پورا کریں گے۔ اس خواب سے مالکؒ پر گریہ طاری ہو گیا اور اتنا روئے کہ میں تو انھیں روتا ہی چھوڑ آیا۔

عبدالرحمن بن مہدیؒ کہتے ہیں کہ ہم مالکؒ کی خدمت میں حاضر تھے۔ ایک شخص آیا اور بولا میں چھ ماہ کی مسافت سے ایک مسئلہ پوچھنے کے لئے آیا ہوں۔ فرمایا کہو کیا ہے؟ اس نے بیان کیا، آپ نے فرمایا: مجھے اچھی طرح معلوم نہیں۔ وہ حیران ہو کر بولا، اچھا تو اپنے شہر والوں سے کیا کہوں۔ فرمایا، کہہ دینا کہ مالکؒ نے اپنی لاعلمی کا اقرار کیا ہے۔ آپ کی ہمشیرہ سے پوچھا گیا، مالکؒ ”گھر میں کیا کرتے ہیں؟“ فرمایا، تلاوت قرآن۔ آپ کی محفل ایسی بارعب تھی کہ بادشاہوں اور سلاطین کو تاب نہ آتی تھی۔ ایک خاموشی کا عالم رہا کرتا تھا۔

محدثین کے نزدیک اصح الاسانید میں بحث ہے۔ مشہور یہ ہے کہ جس کے راوی مالکؒ نافع سے اور نافع ابن عمرؓ سے ہوں وہ اسناد سب سے صحیح ہے۔ امام زہریؒ جو آپ کے شیوخ میں شامل تھے وہ بھی آپ سے مستفید تھے۔ لیث ابن مبارکؒ، امام شافعیؒ اور امام محمدؒ جیسے مشاہیر آپ کے زمرہ تلامذہ میں داخل تھے۔ امام شافعیؒ فرمایا کرتے تھے، اگر مالکؒ و سفیانؒ نہ ہوتے تو حجاز کا علم ختم ہو جاتا۔ آپ کے حفظ کا یہ عالم تھا کہ جو بات ایک مرتبہ سن لیتے پھر کبھی نہ بھولتے۔ حدیث روایت کرنے کے لئے جب بیٹھتے تو پہلے وضو کرتے، اچھی پوشاک پہنتے، خوشبو لگاتے، ریش مبارک میں کنگھی کرتے۔ لوگوں نے اس تجمل کا سبب پوچھا تو فرمایا کہ آنحضرت ﷺ کی توقیر کرتا ہوں۔

عبداللہ بن المبارک روایت کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ امام مالکؒ نے درسِ حدیث شروع کیا تو اثناءِ درس میں آپ کا رنگ بار بار متغیر ہو جاتا تھا، مگر آپ نے نہ درسِ حدیث بند کیا نہ آپ سے حدیث کی روایت کرنے میں کسی قسم کی لغزش واقع ہوئی۔ فارغ ہونے کے بعد مزاجِ مبارک دریافت کیا تو فرمایا کہ اثناءِ درس میں تقریباً دس بار بچھونے ڈنک مارا ہے اور یہ بھی فرمایا کہ میں نے یہ صبر اپنی شجاعت و استقامت جتانے کے لئے نہیں کیا بلکہ صرف حدیثِ پیغمبر کی تعظیم کے لئے کیا ہے۔^۱

علامہ یافعی اپنی تاریخ میں لکھتے ہیں کہ امام مالکؒ کو آنحضرت ﷺ کی ذاتِ پاک سے عشق تھا۔ حتیٰ کہ آپ اپنے ضعف و پیری کے باوجود مدینہ میں سوار نہ ہوتے اور فرمایا کرتے تھے کہ جس شہر میں آپ کا جسدِ مبارک مدفون ہو اس میں میں ہرگز سوار ہونے کی طاقت نہیں رکھتا۔

ایک مرتبہ ہارون رشید مدینہ طیبہ آیا۔ اس کو یہ معلوم ہو چکا تھا کہ امام مالکؒ نے کتابِ مؤطا تالیف فرمائی ہے اور آپ لوگوں کو اس کی تعلیم بھی دیتے ہیں۔ ہارون رشید نے اپنے وزیر جعفر برکی کی آپ کی خدمت میں بھیجا کہ وہ سلام عرض کر دے اور یہ عرض کر دے کہ آپ مؤطا لا کر مجھے سنادیں۔ برکی آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور امیر المؤمنین کا سلام پہنچا کر اس کی درخواست پیش کی۔ امام نے جواب دیا، میرا اُن سے سلام کہنا اور کہہ دینا کہ علم خود کسی کے پاس نہیں آیا کرتا، لوگ اس کے پاس آیا کرتے ہیں۔ جعفر واپس آیا اور امام مالکؒ کا فرمان عرض کر دیا۔ اتنے میں امام عالی مقام بھی خود تشریف لے آئے اور سلام کر کے بیٹھ گئے۔ ہارون رشید نے کہا میں نے آپ کے پاس ایک پیغام بھیجا تھا آپ نے میرا حکم نہیں مانا۔

امام مالکؒ نے سند کے ساتھ وہ روایت سنائی، جس میں زید فرماتے ہیں کہ نزولِ وحی کے وقت آنحضرت ﷺ کا زانوئے مبارک میرے زانو پر تھا۔ صرف کلمہ غیسر اولی الضرر نازل ہوا تھا کہ اس کے وزن سے میرا زانو چور چور ہو جانے کے قریب ہو گیا تھا۔ اس کے بعد فرمایا، کہ جس قرآن کا ایک حرف حضرت جبریل علیہ السلام پچاس ہزار سال^۲ سال کی مسافت سے لے کر آئے ہوں

۱۔ بستان المحدثین

۲۔ حضرت استاد مرحوم فرماتے تھے کہ اس حکایت سے معلوم ہوتا ہے کہ آسمانوں کی مسافت کا پچاس ہزار سال کی مدت ہونا

آئمہ کے درمیان بھی مشہور تھا۔
محقق دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

کیا میرے لئے زیبا نہیں کہ میں بھی اس کی عزت و احترام کروں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو عزت و بادشاہت سے نواز ہے، اگر سب سے پہلے آپ ہی اس علم کی مٹی خراب کریں گے تو خطرہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کہیں آپ کی عزت برباد نہ کر دے۔

یہ سن کر وہ موٹا سننے کے لئے آپ کے ساتھ ہو گیا۔ امام مالکؒ نے اپنے ساتھ اس کو مسند پر بٹھالیا۔ جب موٹا پڑھنے کا ارادہ کیا تو اس نے کہا آپ ہی مجھے پڑھ کر سنائیے۔ امام نے فرمایا، عرصہ ہوا میں خود پڑھ کر سناتا چھوڑ چکا ہوں۔ اس نے کہا اچھا تو اور لوگوں کو باہر نکال دیجئے، تاکہ میں خود آپ کو سنا دوں۔ امام نے فرمایا، علم کی خاصیت یہ ہے کہ اگر خاص لوگوں کی رعایت سے عام لوگوں کو اس سے محروم کر دیا جائے تو پھر خواص کو بھی اس سے نفع نہیں ہوتا۔

اس کے بعد آپ نے معن بن عیسیٰ کو حکم دیا کہ وہ قرأت شروع کر دیں۔ جب انہوں نے قرأت شروع کی تو امام نے ہارون سے کہا، اے امیر المؤمنین! اس شہر میں اہل علم کا دستور یہ ہے کہ وہ علم کے لئے تواضع کرنا پسند کرتے ہیں۔ ہارون یہ سن کر مسند سے اتر آیا اور سامنے آ بیٹھا اور موٹا سننے لگا۔

ایک مرتبہ جعفر بن سلیمان سے کسی نے شکایت کر دی کہ امام صاحب آپ کی خلافت کے مخالف ہیں۔ اس نے آپ کو ستر کوڑے لگانے کا حکم دیدیا۔ اس کے بعد آپ کی عزت اور بڑھ گئی۔ گویا یہ کوڑے آپ کا زیور بن گئے۔ منصور جب مدینہ آیا تو اس نے انتقام لینے کا ارادہ کیا۔ امام مالکؒ نے قسم کھا کر فرمایا، میں تو اس کا ایک ایک کوڑا آنحضرت ﷺ کی قرابت کی خاطر معاف کر چکا ہوں۔

مورخین کہتے ہیں کہ یہ سزا آپ کو اس جرم میں دی گئی تھی کہ آپ نے کوئی فتویٰ ان کی غرض کے موافق نہیں دیا تھا۔

ذہبی کا بیان ہے کہ پانچ باتیں جیسی امام مالکؒ کے حق میں جمع ہو گئی ہیں۔ میرے علم میں کسی اور شخص میں جمع نہیں ہوئیں : (۱) اتنی دراز عمر اور ایسی عالی مسند (۲) ایسی عمدہ فہم اور اتنا وسیع علم (۳) آپ کے حجت اور صحیح الرویہ ہونے پر آئمہ کا اتفاق (۴) آپ کی عدالت، اتباع سنت اور دینداری پر محدثین کا اتفاق (۵) فقہ اور فتویٰ میں آپ کی مسلمہ مہارت۔

آئمہ اربعہ میں صرف ایک آپ ہیں جن کی تصنیف فن حدیث کے متعلق اُمت کے ہاتھ میں موجود ہے۔ بقیہ جو تصانیف دوسرے آئمہ کی طرف منسوب ہیں وہ ان کے شاگردوں کی جمع کردہ ہیں، حتیٰ کہ مسند امام احمد بھی۔ گو اس کی تسوید خود امام موصوف نے کی ہے۔ مگر اس کی موجودہ ترتیب خود امام کی نہیں ہے۔ ہارون رشید کے نام بیس صفحات پر مشتمل آپ کا جو خط ہے، قابل دید ہے۔ افسوس ہے کہ یہاں اس کا خلاصہ بھی درج نہیں کیا جاسکتا۔

اور جو خود ہی خلاصہ ہو اس کا خلاصہ اور کیا کیا جاسکتا ہے۔

مطرف بن عبد اللہ منجملہ آپ کے نصیحت آمیز کلمات کے نقل کرتے ہیں کہ بے کار اور غلط باتوں کے پاس پھٹکنا بربادی ہے۔ غلط بات زبان پر لانا سچائی سے دوری کی بنیاد ہے۔ اگر انسان کا دین و مروت بگڑنے لگے تو دنیا بہت بھی جمع ہو جائے پھر بھی کس کام کی ہے۔ ابن وہب کہتے ہیں کہ امام مالکؒ کہا کرتے تھے کہ علم آئندہ اور گھٹے گا بڑھے گا نہیں اور ہمیشہ انبیاء علیہم السلام اور کتب ساویہ کے نزول کے بعد گھٹا ہی کرتا ہے۔ سلف میں علم، ہدایت کے علوم ہی کا نام تھا۔ اس لحاظ سے اس مقولہ کے صدق میں کیا تردد ہے۔

قعبنی نقل کرتے ہیں کہ میں مرض الوفا میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ سلام کر کے بیٹھ گیا تو امام رور ہے تھے۔ میں نے سبب دریافت کیا تو فرمایا، کیسے نہ روؤں اور مجھ سے زیادہ رونے کا اور کون مستحق ہو سکتا ہے۔ میری آرزو ہے کہ جو مسئلہ بھی میں نے اپنی رائے سے بتایا ہے ہر مسئلہ کے بدلہ میرے کو ایک کوڑا مارا جائے۔ کاش میں نے اپنی رائے سے ایک مسئلہ بھی نہ بتایا ہوتا۔ مجھے گنجائش تھی کہ اس کے جو جوابات مجھ سے پہلے دیئے جا چکے تھے اُن ہی پر سکوت کر لیتا۔

ماہ ربیع الاول میں آپ کا انتقال ہوا، اور جس تمنا میں عمر گزاری تھی آخر وہ پوری ہوئی، یعنی دیار حبیب کی خاک پاک نے ہمیشہ کے لئے آپ کو اپنی آغوش میں لے لیا۔ آپ سرزمین مدینہ ہی میں آسودہ خواب ہیں۔

فقہ مالکی :

امام مالکیؒ کی فقہ میں اہل مدینہ کے تعامل کا خاص اہمیت حاصل ہے۔ اُن کے نزدیک مدینہ مہبط وحی ہے۔ اس کا تعامل حجت ہونا چاہئے۔ حافظ ابو عمر در اور دی سے نقل کرتے

ہیں کہ امام مالکؒ جب یہ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے شہر کا عمل اسی مسئلہ پر دیکھا ہے تو اُس سے ان کی مراد بیعت بن ابی عبد الرحمن اور ابن ہرمرز ہوتے ہیں۔

فقہ مالکی کا زیادہ چرچا اہل مغرب اور اندلس میں ہے۔ ابن خلدون اس کی وجہ یہ لکھتا ہے کہ اہل مغرب اور اندلس کا سفر اکثر حجاز ہی کی جانب ہوا کرتا تھا۔ اس زمانہ میں مدینہ طیبہ علم کا گہوارہ بن رہا تھا۔ یہیں سے نکل کر علم عراق پہنچا ہے۔ ان کے راستہ میں عراق نہ پڑتا تھا، اس لئے ان کے علم کا ماخذ علماء مدینہ تھے۔ علماء میں امام مالکؒ کا رتبہ معلوم ہے۔ اس لئے مغرب اور اندلس کے اصحاب کا علم امام مالک اور ان کے بعد ان کے تلامذہ میں منحصر ہو گیا تھا۔ ان ہی کے وہ مقلد تھے اور جن کا علم انھیں نہیں پہنچا ان کے وہ مقلد بھی نہیں تھے۔



سیرۃ اوسو الخ پر دارالاشاعت کراچی کی مطبوعہ مستند کتب

سیرۃ خلیفہ اردو ۱۰ جلد ۱ کچھڑا	سیرۃ ائیم پر تہیت منسل مستند تصنیف	اہم پر جان انور صلیبی
سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم ۲ جلد	پنچہ و خورش پر ایک شاندار علمی تصنیف مشرقی کے وراثت پر	علاشہل شہابی زید سلیمان ندوی
زکوة اللغاتین صلی اللہ علیہ وسلم ۲ جلد ۱ کچھڑا	عشق و سرشار پر کچھ جاننے والی مستند کتب	قلمی کتبستان منصور پوری
محکم انانیت اور انسانی حقوق	غیر مجبور اور اس سے استبداد پر مشرقی کے امور متاثر کے پر	ڈاکٹر حافظ مسعودی
رسول اکرم کی سیاسی زندگی	دعوت و تبلیغ سے سرشار حضرت کی سیاست پر علمی تصنیف	ڈاکٹر محمد رفیع ہندو
شہدائے کربلا کی زندگی	حضرت کے شاندار دعوت و تبلیغ کی تفصیل پر مستند کتب	شیخ الحدیث حضرت علامہ مسند کراچی
عہد نبوت کی پرگزشتہ خواتین	اس عہد کی پرگزشتہ خواتین کے حالات و گزشتہ پر مشتمل	امیر عیسیٰ محمد
دور باغین کی نامور خواتین	ان عہد کے دور کی خواتین
جنت کی خوشخبری پانے والی خواتین	ان خواتین کا ذکر جنہوں نے حضور کی زبان سے یہ کتبہ خوشخبری پائی
ازواج مطہرات	حضور پر کرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اہلیان کا مستند کچھ	ڈاکٹر حافظ حفیظ الیاس قادری
ازواج الانبیاء	انبیاء پر کرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اہلیان کے حالات و کتب	امیر عیسیٰ محمد
ازواج صحابہ کرام	صحابہ کرام کی اہلیان کے حالات و کتب	عبدالعزیز شمس الدی
انسو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم	پر مشیت زندگی کا قصہ کا اسہ حسنہ آئیں زبان سے	ڈاکٹر حبیب الرحمن ندوی
انسو صحابہ ۲ جلد ۱ کچھڑا	عہد کرم سے تصدیق پانہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کتب	غلام حسین علی ندوی
انسو صحابہ کرام مع سیرۃ الصحابیات	صحابیات کے حالات اور اس پر ایک شاندار علمی کتب
حیات الصحابہ ۲ جلد ۱ کچھڑا	صحابہ کرام کی زندگی کے مستند حالات و حالات کے لئے راہ مالک کتب	مولانا محمد یوسف کاندھلوی
طہر نبوی صلی اللہ علیہ وسلم	حضور پر کرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عہدیت عہد پر مشتمل کتب	ایم ایم نسیم
نشر الطیب فی ذکر النبی الخلیفہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات اور علمی تصانیف پر مشتمل مشرق و مغرب پر علمی تصنیف	مولانا محمد اشرف علی شہرانی
سیرۃ خاتم الانبیاء	پہلے کے لئے آسان زبان میں مشرق و مغرب، مدرس میں داخلہ تصنیف	مولانا مفتی محمد شفیع
زکوة عالم صلی اللہ علیہ وسلم	مشہور کتب سیرۃ ائیم کے مصنف کی پوری کتب کے لئے آسان کتب	یہ سبھی اندوکی
سیرۃ خلفائے راشدین	محققانہ ذہن ایک جامع کتب
الفکرا رواق	حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے حالات اور کتب اس پر مشتمل کتب	علامہ شبلی نعمانی
حضرت عثمان ذو النورین	حضرت عثمان رضی اللہ عنہ	سوانح اکی شہابی
شرف از رسول صلی اللہ علیہ وسلم	محققانہ ذہن ان میں حضرت شہ ولی اللہ پر پانے نئی کی پیاری صانع پوری	ڈاکٹر حفیظ الیاس
تاریخ اسلام ۱۰ جلد ۱ کچھڑا	آفاق اسلام سے آخری غلبہ کے ذوال ملک کی سند تاریخ	شاہ حسین الدین ندوی
تاریخ الانبیاء	بند و پاک کے مشاہیر و فضیہ کا مستند تذکرہ	شیخ ابو یوسف حفیظ صوفی
تاریخ صحیفہ دین و دین نظامی	پہلے اور دین نظامی تصنیف کے لئے اقدار علمائے مستند حالات	مولانا محمد یوسف کاندھلوی
نقش حیات	مولانا امیر حسین احمد ندوی کی خود نوشتہ سوانح	مولانا حسین احمد ندوی
جہنم کے پروا نہ یافتہ	حضور پر کرم صلی اللہ علیہ وسلم کو انہیں پہلی زبان میں کتب کتب	امیر عیسیٰ محمد

ناشر دارالاشاعت اردو بازار ایم اے جناح روڈ لاہور
 دیکھ لو اوروں کی کتب دستیاب ہیں پورن کتب خانہ لاہور
 حکمرانوں کی کتب دستیاب ہیں پورن کتب خانہ لاہور
 (۰۱۱) ۳۳۸۸۱۱

انبیاء علیہم السلام کے بعد دنیا کے ممتاز ترین انسانوں کی سرگزشت حیات

سید الصحابة رضی اللہ عنہم

خلفائے راشدین

⑨

www.KitaboSunnat.com

دارالاشاعت کراچی



معزز قارئین توجہ فرمائیں

- کتاب و سنت ڈاٹ کام پر دستیاب تمام الیکٹرانک کتب... عام قاری کے مطالعے کیلئے ہیں۔
- مَجْلِسُ التَّحْقِيقِ الْإِسْلَامِيِّ کے علمائے کرام کی باقاعدہ تصدیق و اجازت کے بعد (Upload) کی جاتی ہیں۔
- دعوتی مقاصد کیلئے ان کتب کو ڈاؤن لوڈ (Download) کرنے کی اجازت ہے۔

تنبیہ

ان کتب کو تجارتی یا دیگر مادی مقاصد کیلئے استعمال کرنے کی ممانعت ہے
کیونکہ یہ شرعی، اخلاقی اور قانونی جرم ہے۔

اسلامی تعلیمات پر مشتمل کتب متعلقہ ناشرین سے خرید کر تبلیغ دین کی
کاوشوں میں بھرپور شرکت اختیار کریں

PDF کتب کی ڈاؤن لوڈنگ، آن لائن مطالعہ اور دیگر شکایات کے لیے
درج ذیل ای میل ایڈریس پر رابطہ فرمائیں۔

✉ KitaboSunnat@gmail.com

🌐 www.KitaboSunnat.com

رضی اللہ عنہم ورضوانہ (القرآن)
اللہ ان سے راضی ہوا اور وہ اللہ سے راضی ہوئے

انبیاء کرام کے بعد دنیا کے مقدس ترین انسانوں کی سرگزشت حیات

سید الصحابة

تابع تابعین کرام (حصہ دوم)

جلد نہم

حصہ پانزدہم (15)

چوتھم جلیل القدر تابع تابعین کے حالات زندگی جن میں تفسیر و حدیث اور فقہ و تقویٰ سے تعلق رکھنے والی نامور و غنی شخصیات شامل ہیں

تحریر و ترتیب

جناب ڈاکٹر محمد نعیم صدیقی ندوی
رفیق دارالمصنفین

اردو بازار ایم ایس جنت روڈ
کراچی پاکستان 2213768

دارالاشاعت

فہرست

اسمائے تبع تابعین (حصہ دوم)

۹-۷	پیش لفظ از مولانا سید ابوالحسن علی ندوی
۱۰	دیباچہ از مؤلف
۱۳	حضرت آدم بن ابی ایاس رحمۃ اللہ علیہ
۱۶	حضرت ابراہیم بن سعد رحمۃ اللہ علیہ
۱۹	حضرت ابواسحاق ابراہیم الفزاری رحمۃ اللہ علیہ
۲۴	حضرت ابن ابی ذئب رحمۃ اللہ علیہ
۳۱	حضرت ابو معشر کجج سندھی رحمۃ اللہ علیہ
۳۶	حضرت ابوسلیمان الدارانی رحمۃ اللہ علیہ
۴۵	حضرت ابو نعیم فضل بن دکین رحمۃ اللہ علیہ
۵۰	حضرت اسد بن فرات رحمۃ اللہ علیہ
۶۹	حضرت اسد بن موسیٰ رحمۃ اللہ علیہ
۷۱	حضرت اسرائیل بن موسیٰ بصری رحمۃ اللہ علیہ
۷۶	حضرت اسرائیل بن یونس کوفی رحمۃ اللہ علیہ
۸۰	حضرت اسماعیل بن علیہ رحمۃ اللہ علیہ
۸۹	حضرت اسماعیل بن عیاش العنسی رحمۃ اللہ علیہ
۹۹	حضرت حسن بن صالح الہمدانی رحمۃ اللہ علیہ
۱۰۱	حضرت حسین بن علی الجعفی رحمۃ اللہ علیہ

۱۰۶	حضرت قاسم بن الفضل رحمۃ اللہ علیہ
۱۰۸	حضرت حفص بن غیاث رحمۃ اللہ علیہ
۱۱۳	حضرت حماد بن زید رحمۃ اللہ علیہ
۱۱۸	حضرت حماد بن سلمہ رحمۃ اللہ علیہ
۱۲۶	حضرت حمزہ بن حبیب الزیات رحمۃ اللہ علیہ
۱۳۰	حضرت خالد بن الحارث بنکمی رحمۃ اللہ علیہ
۱۳۲	حضرت ربیع بن صبیح بصری رحمۃ اللہ علیہ
۱۴۱	حضرت روح بن عبادہ رحمۃ اللہ علیہ
۱۴۴	حضرت زکریا بن ابی زائدہ رحمۃ اللہ علیہ
۱۴۶	حضرت زائدہ بن قدامہ رحمۃ اللہ علیہ
۱۴۹	حضرت زہیر بن معاویہ رحمۃ اللہ علیہ
۱۵۲	حضرت سعید بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ
۱۵۵	حضرت سلیمان بن بلال رحمۃ اللہ علیہ
۱۵۷	حضرت سلیمان بن المغیرہ القیسی رحمۃ اللہ علیہ
۱۵۹	حضرت شجاع بن الولید رحمۃ اللہ علیہ
۱۶۱	حضرت شریک بن عبداللہ نخعی رحمۃ اللہ علیہ
۱۶۹	حضرت ضحاک بن مخلد النبیل رحمۃ اللہ علیہ
۱۷۳	حضرت عبدالاعلیٰ بن مسہر رحمۃ اللہ علیہ (ابو مسہر)
۱۷۸	حضرت عبدالرحمن بن القاسم رحمۃ اللہ علیہ
۱۸۲	حضرت عبدالرزاق بن ہمام رحمۃ اللہ علیہ
۱۸۸	حضرت عبدالعزیز بن عبداللہ ماجشون رحمۃ اللہ علیہ
۱۹۷	حضرت عبداللہ بن ادریس رحمۃ اللہ علیہ
۲۰۱	حضرت عبداللہ بن الزبیر الحمیدی رحمۃ اللہ علیہ
۲۰۸	حضرت عبداللہ بن عمرو بن حفص رحمۃ اللہ علیہ
۲۱۱	حضرت عبداللہ بن ابی الہیجہ رحمۃ اللہ علیہ

۲۱۵	حضرت عفان بن مسلم رحمۃ اللہ علیہ
۲۲۰	حضرت عبد اللہ بن شوذب رحمۃ اللہ علیہ
۲۲۲	حضرت عبد اللہ بن نافع رحمۃ اللہ علیہ
۲۲۳	حضرت علی بن مسہر کوفی رحمۃ اللہ علیہ
۲۲۶	حضرت عمر بن سعد رحمۃ اللہ علیہ
۲۲۹	حضرت عیسیٰ بن یونس الہمدانی رحمۃ اللہ علیہ
۲۳۵	حضرت فضل بن موسیٰ سینانی رحمۃ اللہ علیہ
۲۳۸	حضرت قاسم بن معن رحمۃ اللہ علیہ
۲۴۳	حضرت قبیسہ بن عقبہ رحمۃ اللہ علیہ
۲۴۷	حضرت قتیبہ بن سعید الشافعی رحمۃ اللہ علیہ
۲۵۱	حضرت مبارک بن فضالہ رحمۃ اللہ علیہ
۲۵۳	حضرت محمد بن ابی شیبہ رحمۃ اللہ علیہ
۲۵۵	حضرت محمد بن ادریس (امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ)
۲۷۷	حضرت محمد بن جعفر غندر رحمۃ اللہ علیہ
۲۷۹	حضرت محمد بن عبد الرحمن بن ابی لیلی الانصاری رحمۃ اللہ علیہ
۲۸۳	حضرت مسلم بن خالد زنجی رحمۃ اللہ علیہ
۲۸۶	حضرت معاذ بن معاذ عنبری رحمۃ اللہ علیہ
۲۹۰	حضرت معافی بن عمران رحمۃ اللہ علیہ
۲۹۳	حضرت معمر بن راشد رحمۃ اللہ علیہ
۲۹۶	حضرت مکی بن ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ
۲۹۸	حضرت موسیٰ بن جعفر الملقب بہ کاظم رحمۃ اللہ علیہ
۳۰۳	حضرت نافع بن ابی نعیم رحمۃ اللہ علیہ
۳۰۶	حضرت نصر بن شمل رحمۃ اللہ علیہ
۳۱۲	حضرت وضاح بن عبد اللہ الواسطی رحمۃ اللہ علیہ
۳۱۶	حضرت وکیع بن الجراح الرواسی رحمۃ اللہ علیہ

۳۲۶	حضرت ولید بن مسلم رحمۃ اللہ علیہ
۳۳۰	حضرت وہیب بن خالد رحمۃ اللہ علیہ
۳۳۳	حضرت ہشیم بن بشیر الواسطی رحمۃ اللہ علیہ
۳۳۸	حضرت یحییٰ بن ابی زائدہ رحمۃ اللہ علیہ
۳۴۲	حضرت یحییٰ بن یحییٰ مسمودی رحمۃ اللہ علیہ
۳۵۱	حضرت یحییٰ بن یمان رحمۃ اللہ علیہ
۳۵۴	حضرت یزید بن زریع العیشی رحمۃ اللہ علیہ
۳۵۷	حضرت یزید بن ہارون اسلمی رحمۃ اللہ علیہ
۳۶۹	حضرت یعقوب بن اسحاق حضرمی رحمۃ اللہ علیہ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

پیش لفظ

الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِهِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی اَمَّا بَعْدُ .

علامہ شبلی اور ان کے لائق جانشینوں، اور فاضل تلامذہ نے دارالمصنفین کے نام سے علم و دین کی جو محفل سجائی، اس کی شمع فروزاں اس ذات ﷺ کی سیرت تھی، جس کو وحی الہی نے سراج منیر کا لقب دیا ہے۔

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَاهِدًا وَمُبَشِّرًا وَنَذِيرًا وَدَاعِيًا إِلَى اللَّهِ بِأَذْنِهِ
وَسِرَاجًا مُنِيرًا (سورة احزاب ۴۵-۴۶)

اے پیغمبر (ﷺ) ہم نے تم کو گواہی دینے والا اور خوشخبری سنانے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے۔ اور خدا کی طرف بلانے والا، اور روشن چراغ۔

ان کی عمر کا آخری کارنامہ سیرت نبوی ﷺ پر ان کی وہ زندہ جاوید کتاب ہے جس نے اہل علم کے طبقہ میں قبولیت عام کی سند حاصل کی اور جو خود ان کی کتاب زندگی کا وہ نورانی اختتام ہے، جس کی بنا پر ان کو یہ کہنے کا حق ہوا کہ:

عجم کی مدح کی عباسیوں کی داستاں لکھی
مجھے چندے مقیم آستان غیر ہونا تھا
مگر اب لکھ رہا ہوں سیرت پیغمبر (ﷺ) خاتم
خدا کا شکر ہے یوں خاتمہ بالخیر ہونا تھا

ان کی وفات کے بعد ان کے شاگرد ارشد مولانا سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ کی رہنمائی میں رفقاء دارالمصنفین نے پہلے ان نفوس قدسیہ کے تعارف و سوانح نگاری کی سعادت حاصل کی جو شمع ہدایت سے براہ راست مستقیم تھے۔ مولانا شبلی کے اسلوب کے متبع خاص مولانا عبدالسلام صاحب ندویؒ نے اسوہ صحابہ کے نام سے وہ معرکہ الآرا کتاب لکھی جس کو اس موضوع پر وہی شہرت و مقبولیت حاصل ہوئی جو اردو میں سیرت کے مبارک سلسلہ سیرت النبی ﷺ کو حاصل ہوئی

تھی۔ اس سلسلہ کی تکمیل مہاجرین، سیر انصار اور سیر الصحابہ کے ناموں سے دارالمصنفین کے دوسرے فاضل رفقاء مولانا حاجی معین الدین ندوی، مولانا شاہ معین الدین احمد صاحب ندوی اور مولانا سعید انصاری صاحب نے کی، پھر اس سلسلہ کو ان حضرات تک آگے بڑھایا گیا، جنہوں نے شمع نبوت کے ان پر وانوں سے کسب فیض کیا اور تابعین کہلائے۔ اس مبارک جماعت پر بھی دارالمصنفین کی طرف سے مفصل اور ضخیم کتابیں شائع ہوئیں اور اس گروہ کو اہل کتاب صحابہ اور تابعین تک وسیع کیا گیا۔

ضرورت تھی کہ اس سلسلہ کو اور آگے بڑھایا جائے اور تابعین کے ساتھ تبع تابعین کے بھی حالات و کمالات، اخلاق و اوصاف اور ان کے علمی و عملی کارناموں اور خدمات کو روشنی میں لایا جائے، تاکہ معلوم ہو کہ نبوت کی تعلیم و تربیت کے اثرات اور اسلام کی آدم سازی اور مردم گری کا اعجاز اسی زمانہ تک محدود نہیں تھا، جو سادگی اور فقر و قناعت کا دور تھا، اور جن میں تمدن، علم و فن اور حکومت و سیاست نے وسعت و ترقی اختیار نہیں کی تھی، بلکہ اس دور میں بھی رشد و ہدایت، زہد و تقویٰ اور عزیمت و استقامت کے وہ محیر العقول نمونے سامنے آئے، جن کی نظیر دوسری امتوں اور ملتوں میں ملنی مشکل ہے یہ اس لئے بھی ضروری تھا کہ زبان نبوت نے اس تیسری نسل کے لئے بھی خیر و برکت کی شہادت دی ہے۔

خَيْرُ الْقُرُونِ قُرْنِي، ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ.

یعنی میرے بہترین امتی میرے زمانے کے لوگ ہیں، یعنی (صحابہ) پھر وہ لوگ ہیں جنہوں نے ان کا زمانہ پایا (یعنی تابعین) پھر وہ لوگ ہیں جنہوں نے ان کا زمانہ پایا۔ (یعنی تبع تابعین)۔
 کے الفاظ اس پر شاہد ہیں، درحقیقت یہ سب اسی ایک چراغ کا پرتو ہے، جس کے متعلق قرآن نے ہمیشہ روشن، اور دنیا کو روشنی اور تابانی پہنچانے کی پیشین گوئی کی ہے۔

يُرِيدُونَ لِيُطْفِئُوا نُورَ اللَّهِ بِأَفْوَاهِهِمْ وَاللَّهُ مُتِمُّ نُورِهِ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ ۝ هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُونَ ۝ (سورة القف ۸-۹)

(ترجمہ) یہ چاہتے ہیں کہ خدا (کے چراغ) کی روشنی کو منہ سے (پھونک مار کر) بجھاویں، حالانکہ خدا اپنی روشنی کو پورا کر کے رہے گا، خواہ کافر ناخوش ہی ہوں۔ وہی تو ہے جس نے اپنے پیغمبر کو ہدایت اور دین حق دے کر بھیجا تاکہ اسے اور سب دینوں پر غالب کرے خواہ مشرکوں کو برا ہی لگے۔

چنانچہ تبع تابعین پر مولانا مجیب اللہ صاحب ندوی (سابق رفیق دارالمصنفین) عرصہ ہوا ایک مفصل کتاب تالیف کر چکے تھے، بڑے شکر و مسرت کا مقام ہے کہ دارالمصنفین ہی کے ایک ہونہار اور فاضل رفیق عزیز گرامی حافظ محمد نعیم صدیقی ندوی نے تبع تابعین کی دوسری ضخیم و مفصل جلد تصنیف کی جس میں دارالمصنفین کی قدیم علمی روایات اور اس کے معیار کے مطابق قدیم مستند مآخذ سے جن میں ان با کمال ہستیوں کے حالات یکجایا متفرق طور پر موجود ہیں۔ معلومات اخذ کر کے ان کو سلیقہ اور قابلیت کے ساتھ اس کتاب میں مرتب کر دیا، اس مواد کو جمع کرنے میں وہ محض ناقل یا مرتب نہیں ہیں، بلکہ انہوں نے اس سلسلہ میں اپنی خوش مذاقی، محنت، حسن انتخاب اور تصنیفی لیاقت کا ثبوت دیا ہے۔ زبان دبستان شبلی کے تربیت یافتہ لوگوں کی طرح شگفتہ، طرز بیان سلجھا ہوا اور متین و سنجیدہ ہے، انہوں نے کہیں کہیں اپنے ذہن، مطالعہ اور تحقیق سے بھی کام لیا ہے، اور وہ محض لکیر کے فقیر نہیں بنے رہے، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی سیرت پر قلم اٹھانا بڑا مشکل کام تھا کہ وہ ایک عظیم و عالمگیر فقہی مذہب کے بانی ہیں، جن کا شمار امت محمدیہ کے اعلام و اعیان میں ہے، لیکن اس سلسلہ میں انہوں نے توازن و اعتدال اور حسن تخصیص و انتخاب کا ثبوت دیا ہے، اس طرح اس امت کی علمی و دینی تاریخ کی ایک اہم کڑی اور اس کی زندگی کا ایک اہم دور اردو داں طبقہ کے سامنے آ گیا، اور اس وقت کی مردم خیزی، اور زمانہ نبوت سے قرب کے اثرات و برکات کا ایک ثبوت فراہم ہو گیا، جو اسلام کی عظمت اور اس کی تعلیمات کی ابدیت کے سمجھنے کے لئے ضروری ہے۔ امید ہے کہ اس کتاب کے قارئین کے صرف معلومات ہی میں اضافہ نہ ہوگا بلکہ وہ اس سے ایمان کی قوت، دلوں کی حرارت اور علوئے ہمت و عزیمت کی دولت بھی حاصل کریں گے، جس کا پیغام اس کتاب کے صفحہ صفحہ اور سطر سطر سے ملتا ہے۔

دارالمصنفین اس تختی براعظم کے مسلمانوں کے (جن کی زبان اردو ہے) شکریے اور اعتراف کا مستحق ہے، کہ اس نے خانہ نبوت کے ان ریزہ چینوں کی تاریخ و تذکرے کا یہ سلسلہ شروع کیا اور اس کو اتنی وسعت دی کہ تبع تابعین تک پہنچ گیا، مصنف بھی اس حسن انجام پر قبولیت و توفیق کی دعا اور شکر یہ کے مستحق ہیں۔

ابوالحسن علی ندوی

دارالشاہ علم اللہ تکیہ کلاں، رائے بریلی

۲۰/ شوال المکرم ۱۳۹۸ھ مطابق ۲۳/ اکتوبر ۱۹۷۸ء شنبہ

دیباچہ

اسلام کی بہار اور اسلامی سعادتمندوں اور برکتوں کے عروج و شباب کا اصل دور عہد رسالت اور پھر صحابہ کرام کا زمانہ تھا، لیکن کردار و عمل کے تقریباً وہ تمام محاسن جن سے قرن اول کا معاشرہ معیاری اسوہ قرار پایا، صحابہ کرام کی فیض یافتہ مقدس جماعت تابعین رحمۃ اللہ علیہ اور پھر ان کے بعد تبع تابعین کے عہد تک موجود رہے، واقعہ یہ ہے کہ ان مشہود بالخیر قرون ثلاثہ کی علمی، مذہبی اور اخلاقی تاریخ کا مطالعہ صرف مسلمانوں ہی کے لئے نہیں بلکہ تمام بنی نوع انسان کے لئے دلیل راہ اور مضطرب قلوب کے لئے آب حیات ہے۔ راقم سطور کے خیال میں تبع تابعین کی اہمیت اس حیثیت سے تابعین سے بھی زیادہ ہے کہ انہوں نے ایک نہایت پرفتن اور پر شور زمانہ میں اسلام کے دفاع، علوم دینیہ کی تدوین اور مذہب کی حفاظت و صیانت کے روشن کارنامے انجام دیئے اور حسن کردار و عمل کی قدیلیں فروزاں کیں۔ یہ حقیقت ہے کہ اگر اس برگزیدہ اور مقدس جماعت نے اسلامی افکار و عقائد کے سرچشمہ کو صاف و شفاف رکھنے اور علوم دینیہ کی ترتیب و تدوین کی کوشش نہ کی ہوتی تو نہ معلوم آج اسلامی علوم کی تاریخ کیا ہوتی۔

خلافت راشدہ کی فصل بہار گزرتے ہی جب عنان قیادت بنو امیہ (عہد تابعین) اور اس کے بعد بنو عباس (عہد تبع تابعین) کے ہاتھوں میں آیا تو اسلامی معاشرہ نئے نئے فتنوں اور برائیوں کی آماجگاہ بن گیا۔ فتوحات کی وسعت سے اسلام کا پرچم بلاد عجم کے آخری حصوں تک لہرانے لگا تو فلسفیانہ علوم و افکار کا شیوع ہوا، بکثرت اعتقادی فرقے دینِ قیم کا چہرہ بگاڑنے کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے۔ شیعہ اور خوارج کے علاوہ معتزلہ، جہمیہ اور قدریہ وغیرہ نے اپنے اپنے مخصوص افکار و عقائد کی ترویج کے لئے علم اور سیاست سے آگے بڑھ کر حرب و پیکار کی حد تک کوششیں کیں، تبع تابعین نے پامردی اور استقامت کے ساتھ ان تمام فتنوں کا مقابلہ کیا، مثال کے طور پر معتزلہ نے عہد مامونی میں خلقِ قرآن کا عظیم ترین فتنہ کھڑا کر دیا۔ جس کا ذکر اس کتاب میں متعدد جگہ ملے گا۔ یہ عقیدہ دراصل مسئلہ صفات کی مویشگافیوں کا ایک شاخسانہ تھا۔ معتزلہ نے اس عقیدہ کی اشاعت و ترویج کے لئے حکومت کے ایوانوں کو منتخب کیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ جس مسئلہ کو دلیل و برہان اور فکر و تعمق کی روشنی میں حل ہونا تھا اس کو قید و بند اور تازیانوں کے ذریعہ حل کرے

کی کوشش کی گئی۔ چنانچہ بکثرت فقہاء و محدثین کو (جو مرہ تبع تابعین سے تعلق رکھتے تھے) مسئلہ خلق قرآن پر معتزلہ سے تصادم میں موج خون سے گزرنا پڑا۔ کتنوں نے اس راہ عزیمت میں جام شہادت نوش کیا۔ کتنوں نے دارورسن کو لبیک کہا، کتنوں نے قید و بند کی صعوبتیں برداشت کیں، اور بہت سے ایسے بھی تھے، جنہوں نے ”إِلَّا مَنْ أَكْبَرَهُ وَقَلْبُهُ مُطْمَئِنٌّ بِالْإِيمَانِ“ (۱) پر عمل پیرا ہو کر رخصت کی راہ اختیار کی۔ فرضی اللہ عنہم ورضوا عنه۔

خدا بانیان دارالمستنفین کو کروٹ کروٹ جنت نعیم نصیب فرمائے کہ انہوں نے صحابہ کرامؓ، تابعین رحمۃ اللہ علیہ اور تبع تابعین رحمۃ اللہ علیہم کے مستند سوانح حیات اور ان کے علمی، مذہبی اور خلاقی کارناموں کا مرقع تیار کرانے کا ایک وسیع منصوبہ مرتب کیا، پیش نظر کتاب اسی سلسلہ کی آخری کڑی ہے۔ اس کتاب کی اشاعت پر راقم رنج و مسرت کے ملے جلے جذبات سے دو چار ہے، مسرت اس بات کی ہے کہ خداوند قدوس نے اس گناہ گار کو اتنے مقدس اور پاکیزہ کام کی تکمیل کی سعادت عطا فرمائی اور شاید ان برگزیدہ اخبار امت کے صدقہ میں راقم کی مغفرت کا بھی سامان ہو جائے، لیکن ساتھ ہی اس بات کا رنج و افسوس بھی ہے کہ استاذ محترم شاہ معین الدین احمد ندوی مرحوم جنہوں نے بڑی توقعات کے ساتھ یہ کام خاکسار کے سپرد کیا تھا، کتاب کی اشاعت سے قبل ہی عالم بقا کو سدھار گئے۔ نہ معلوم ان کی توقعات کس حد تک پوری ہو سکی ہیں۔ جیسا کہ مرحوم نے ”تابعین“ کے دیباچہ میں تصریح کی ہے کہ وہ خود ہی تبع تابعین کی تالیف کے بھی متمنی تھے، مگر دارالمستنفین کے فرائض منصبی اور دوسرے علمی کاموں کی مصروفیت میں انہیں اس کا موقع نہ مل سکا، وہ اگر آج جوتے تو اپنے دیرینہ خواب کو شرمندہ تعبیر دیکھ کر یقیناً قلبی مسرت محسوس کرتے۔ بہر حال خدا کا شکر ہے کہ یہ اہم کام محترمی سید صباح الدین عبدالرحمن صاحب کے عہد نظامت میں پایہ تکمیل کو پہنچ گیا۔ میں مخدومی مولانا عبدالسلام صاحب قدوانی ندوی کا شکر گزار ہوں کہ موصوف نے اس کتاب کے مسودے کا ایک حرف خاکسار سے پڑھوا کر سنا۔

تبع تابعین کا خالص دور تقریباً ایک صدی تک محیط رہا ہے۔ ظاہر ہے کہ اتنی طویل مدت میں بہت کثرت سے فقہاء و محدثین اور ارباب دعوت و ارشاد پیدا ہوئے ہوں گے۔ اگر ان سب کا استقصا کیا جائے تو کئی ضخیم مجلدات مرتب ہو سکتی ہیں، لیکن تبع تابعین کی پیش نظر جلد میں صرف ایسی ۴۷ شخصیتوں کا انتخاب کیا گیا ہے جنہوں نے کسی خاص میدان علم میں علم امتیاز بلند کیا ہے، یا

(۱) ترجمہ: سوائے اس شخص کے جو حد درجہ مجبور کر دیا گیا اور (اس حال میں بھی) اس کا دل ایمان و یقین پر قائم رہا۔

علوم دینیہ کی ترتیب و تدوین میں ان کی نمایاں خدمات رہی ہیں یا وہ دنیاۓ معرفت و تصوف اور دعوت و ارشاد میں بلند مرتبہ حاصل کر کے صلحائے امت میں شمار کئے گئے۔ اس کتاب میں آپ کو متعدد ایسے تبع تابعین مثلاً ابو معشر کجج سندھی رحمۃ اللہ علیہ، اسرائیل بن موسیٰ بصری رحمۃ اللہ علیہ اور ربیع بن صبیح رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ کے حالات و کارنامے بھی ملیں گے جنہوں نے بغرض تجارت سرزمین ہند کو اپنے ورود میمون سے سرفراز کیا، اور اپنے طویل قیام کے دوران میں یہاں کی فضاؤں کو اخوت، انسانیت، مساوات، حب الہی، رضا طلبی، ایمان و یقین اور قناعت و توکل کے پاکیزہ جذبات سے معمور کیا، آج ہندوستان میں ہر سو اسلام اور اسلامیات کی جو بہار نظر آتی ہے، درحقیقت یہ سب پودان ہی سابقین اولین بزرگوں کی لگائی ہوئی ہے۔

آخر میں راقم سطور اپنے شفیق استاذ مخدومی مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کا صمیم قلب سے شکر گزار ہے کہ موصوف نے نہ صرف کتاب کے مسودہ کا بالاستیعاب مطالعہ فرما کر گرانقدر ہدایات اور مشوروں سے رہنمائی فرمائی، بلکہ اس پر وقیع اور حوصلہ افزا مقدمہ بھی سپرد قلم کیا۔ دعا ہے کہ اس کتاب کے مطالعہ سے ہر اہل یقین کی عملی زندگی میں استغناء و بے نیازی، زہد و اتقاء، حق گوئی و بے باکی، سادگی و تواضع اور باہمی اخوت و مودت کی وہی کیفیات پیدا ہو جائیں جو تبع تابعین کرام رحمۃ اللہ علیہم کا طغرائے امتیاز تھیں۔

خاکسار
محمد نعیم صدیقی
دارالمصنفین (شبلی اکڑمی) اعظم گڑھ
۲۵ دسمبر ۱۹۷۸ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حضرت آدم ابن ابی الیاس رحمۃ اللہ علیہ

نام و نسب :- نام آدم اور کنیت ابو الحسن تھی، جتنا نسب نامہ معلوم ہو سکا وہ یہ ہے آدم بن ابی الیاس عبدالرحمن بن محمد۔ (۱) لیکن خطیب بغدادی اور بعض دوسرے محققین نے ان کے والد کا نام ناہیہ اور جد امجد کا شعیب بتایا ہے، امام بخاری نے جنہیں ابن ابی الیاس سے تلمذ خاص کا شرف حاصل ہے، اول الذکر ہی کو اختیار کیا ہے۔ (۲) یہ نسل اتمیمی نہیں تھے، بلکہ آقا کے خاندان کی نسبت سے تمیمی کہلاتے ہیں۔

ولادت اور وطن :- ۱۳۲ھ میں پیدا ہوئے، مرو (خراسان) کے رہنے والے تھے، لیکن نشوونما بغداد میں پائی، پھر علم و فضل میں باکمال ہونے کے بعد عسقلان کو وطن ثانی بنا کر وہیں مستقل سکونت اختیار کر لی۔ اسی بنا پر عسقلانی کہلاتے ہیں۔ (۳)

علمی سفر :- وہ تمام عمر فانی العلم رہے، جہاں کہیں بھی انہیں کسی چشمہ علم کا پتہ چلا راہ کی تمام صعوبتیں برداشت کر کے وہاں پہنچے اور سیرابی حاصل کی، ابتداء میں انہوں نے شیوخ بغداد سے استفادہ کیا۔ اس کے بعد تشنگی علم نے انہیں وقت کے دوسرے ممتاز علمی مراکز تک پہنچایا، چنانچہ انہوں نے کوفہ، بصرہ، حجاز اور شام کی رہنمائی کر کے وہاں کے ماہر فن اساتذہ کے باغ علم سے خوشہ چینی کی، امام زمانہ شعبہ بن الحجاج سے تلمذ خاص کا شرف رکھتے تھے۔ (۴)

فضل و کمال :- وہ نہ صرف علمی حیثیت سے صاحب کمال تھے، بلکہ زہد و عبادت، ضبط و حفظ اور ثقاہت و ثبت میں بھی جلیل المرتبت تھے۔ امام شعبہؒ کی مجلس درس میں جو سات علماء روایات کو ضبط تحریر میں لاتے تھے ان میں ابن ابی الیاسؒ سب سے ممتاز تھے۔ (۵) حافظ ذہبیؒ انہیں ”المحدث الامام الذاهد“ لکھتے ہیں۔ (۶)

قرآن :- علوم قرآن کی کامل معرفت اور مختلف قراتوں سے بہرہ وافر رکھتے تھے، طلبہ کو اس کا درس بھی دیا کرتے تھے۔ (۷)

(۱) تہذیب المعجم ج ۱ صفحہ ۱۹۶۔ (۲) تاریخ بغداد ج ۷ صفحہ ۲۷۔ (۳) کتاب الانساب ورق ۳۹۰۔ (۴) تاریخ

بغداد، ج ۷ صفحہ ۳۔ (۵) تذکرۃ الحفاظ، ج ۱، صفحہ ۳۷۵۔ (۶) ایضاً۔ (۷) تاریخ بغداد، ج ۷، صفحہ ۲۷

حدیث :- حدیث میں انہیں جن شیوخ سے سماع اور اکتساب فیض کا موقع ملا تھا، ان کی فہرست خاصی طویل ہے، کیونکہ انہوں نے بغداد کے علاوہ دوسرے مقامات کے اساتذہ کے سامنے بھی زانوئے تلمذ تہہ کیا تھا، ممتاز اور لائق ذکر علماء میں امام شعبہ کے علاوہ ابن ابی ذئب، اسرائیل بن یونس، لیث بن سعد، اسماعیل بن عیاش، ربیع بن صبیح، حماد بن سلمہ، مبارک بن فضالہ، ابو معشر المدنی، عبد اللہ بن مبارک، ابی خالد الاحمر اور بقیہ بن الولید خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔ (۱)

اسی طرح خود ان کے دبستان علم سے بھی ایک بڑی جماعت نے گل چینی کی ہے، جن میں امام بخاری، ابو زرہ، ابو حاتم، ابراہیم بن ہانی النیساپوری، امام دارمی، عبید بن آدم، اسحاق بن اسماعیل جیسے ائمہ اعلام کے نام شامل ہیں۔ (۲)

ثقافت :- اکثر علماء نے ان کی ثقافت پر مہر تصدیق ثبت کی ہے، حضرت ابو حاتم کا قول ہے "ثقة مامون متعبد" (۳) سلیمان الاسعت ابن معین اور عجل نے بھی بصراحت ان کی توثیق کی ہے۔ علامہ ابن اثیر کان ثقة حفاظاً لکھتے ہیں۔ (۴)

عبادت اور اتباع سنت :- جلالت علم کے ساتھ صلاح و تقویٰ کے بھی پیکر مجسم تھے۔ ابن عماد نے لکھا ہے کہ وہ صالح اور اللہ کے فرمانبردار تھے۔ (۵) خطیب بغدادی رقم طراز ہیں کسان احد عباد اللہ الصالحین۔ (۶) عجل کا قول ہے، وہ اللہ کے بہترین بندے تھے۔ (۷) علامہ ابن جوزی انہیں صاحب صلاح اور متبع سنت قرار دیتے ہیں، (۸) ابن ابی ایاس اتباع سنت کا مثالی نمونہ تھے۔ ان کا ہر عمل اسی سانچے میں ڈھلا ہوتا تھا، خطیب رقم طراز ہیں :-

کان آدم مشہور بالسنة شديدة التمسك بها والحض على اعتقادها (۹)
 "حضرت آدم بن ایاس اتباع سنت میں شدت کے لئے مشہور ہیں۔"

فتنہ خلق قرآن میں ان کا موقف :- مامون اور معتصم کے عہد خلافت کا بدنام زمانہ خلق قرآن ابن ابی ایاس کی وفات سے دو سال قبل ہی شروع ہو چکا تھا۔ مرکز خلافت سے بہت دور عسقلان میں گوشہ گیر ہونے کی وجہ سے وہ اس فتنہ کی آنچ سے محفوظ رہے، لیکن اس مسئلہ میں

(۱) تاریخ بغداد ج ۷، صفحہ ۲۷ و تذکرۃ الحفاظ ج ۱ صفحہ ۳۷۵۔ (۲) تہذیب المعجم ج ۳ صفحہ ۳۸۰۔ (۳) شذرات الذہب ج ۲ صفحہ ۴۷۔ (۴) اللباب فی الانساب ج ۲ صفحہ ۱۳۶۔ (۵) شذرات ج ۱ صفحہ ۴۷۔ (۶) تاریخ بغداد ج ۷ صفحہ ۲۷۔ (۷) تذکرۃ الحفاظ الذہبی ج ۱ صفحہ ۳۷۵۔ (۸) صفوة الصفوة ج ۳ صفحہ ۴۸۰۔ (۹) تاریخ بغداد ج ۷ صفحہ ۲۸

ان کا موقف بہت واضح تھا، بلکہ اپنے عقیدہ میں ان کا تشدد اس حد تک بڑھا ہوا تھا کہ وہ خلق قرآن کے قائلین کو سلام کرنا اور جواب دینا بھی پسند نہ فرماتے تھے۔

حضرت ابو بکر عین اسی قسم کا ایک واقعہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں بغداد سے ابن ابی ایاسؓ کی خدمت میں عسقلان حاضر ہوا اور عرض کیا کہ لیث بن سعد کے کاتب عبد اللہ بن صالح نے آپ کو ہدیہ سلام پیش کیا ہے، فرمایا کہ میری طرف سے سلام کا جواب نہ کہنا، عرض کیا کیوں؟ ایسی کیا بات ہے؟“ فرمایا ”اس لئے کہ وہ خلق قرآن کا عقیدہ رکھتے ہیں۔“

راوی کا بیان ہے کہ جب میں نے انہیں ابن صالح کی ندامت و شرمندگی، عذر خواہی اور رجوع کی خوش خبری سنائی تو ابن ابی ایاس نے فرمایا کہ ”اب میری جانب سے بھی ان کو بہت بہت سلام کہنا۔“ اس کے بعد راوی مذکور بیان کرتے ہیں کہ میں عسقلان میں کچھ دنوں قیام کے بعد بغداد واپس ہونے لگا تو ابن ابی ایاس نے فرمایا ”احمد بن حنبل سے سلام کے بعد کہنا کہ آپ اس وقت جس سخت ابتلاء سے گزر رہے ہیں اسے آپ تقرب الی اللہ کا وسیلہ بنائیے، بلاشبہ اس وقت آپ جنت کے دروازے پر کھڑے ہیں، نیز ان سے میری طرف سے یہ حدیث بھی بیان کر دینا کہ رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

من ارادکم علی معصیۃ اللہ فلا تطیعوہ۔

”جو تم سے اللہ کی معصیت کا خواہاں ہو، اس کی اطاعت نہ کرو۔“

چنانچہ راوی کہتے ہیں کہ میں بغداد کے قید خانہ میں امام احمد بن حنبلؒ سے ملا اور ابن ابی ایاسؓ کا پیغام اور حدیث ان تک پہنچادی، اسے سن کر امام موصوفؒ تھوڑی دیر سر جھکائے رہے اور پھر فرمایا:

رحمة اللہ حیوا و میتا ولقد احسن النصیحة (۱)

”اللہ ان پر زندگی اور موت کے بعد رحم فرمائے انہوں نے بڑی اچھی نصیحت کی۔“

وفات :- جمادی الاخریٰ ۲۲۰ھ میں بمقام عسقلان رحلت فرمائی۔ یہ معتمد باللہ عباسی کی خلافت کا زمانہ تھا۔ انتقال کے وقت ان کی عمر ۸۸ سال تھی۔ (۲)

حضرت ابو علی المقدسیؒ کہتے ہیں کہ جب امام موصوفؒ کا وقت آخری نزدیک آ گیا تو انہوں نے قرآن پاک کا ایک ختم کیا اور موت سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ میں تو آج کے دن کاشت سے منتظر تھا اور تمہاری راہ دیکھ رہا تھا۔ پھر لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ پڑھا اور روح قفسِ عنصری سے پرواز کر گئی۔ (۳)

(۱) تاریخ بغداد ج ۷ صفحہ ۲۸-۲۹۔ (۲) طبقات ابن سعد، جلد ۷ صفحہ ۱۸۶۔ (۳) صفوة الصفوة، ج ۴ صفحہ ۲۸۰

حضرت ابراہیم بن سعد رحمۃ اللہ علیہ

نام و نسب :- نام ابراہیم، کنیت ابواسحاق اور شجرہ نسب یہ ہے:

ابراہیم بن سعد بن ابراہیم بن عبد الرحمن بن عوف بن عبد عوف بن حضرت عبد بن الحارث بن زہرہ بن کلاب بن مرہ بن کعب بن لوئی۔ (۱)

قریش کے خاندان بنو زہرہ سے نسب تعلق تھا، مشہور صحابی رسول حضرت عبد الرحمن بن عوف کی تمام اولاد اپنے جد امجد کی طرف منسوب ہو کر عوفی کہلاتی ہے۔ اسی وجہ سے ابراہیمؓ بھی عوفی کی نسبت سے مشہور ہوئے۔ (۲)

ولادت، وطن اور خاندان :- دیار اقدس مدینہ منورہ کے رہنے والے تھے، ان کے سنہ ولادت کے بارے میں صریح طور پر صرف امام احمدؒ کے صاحبزادے عبد اللہؒ کا یہ بیان ملتا ہے کہ ولد ابراہیم بن سعد سنہ ثمان و مائتہ۔ (۳) ابراہیم بن سعد ۱۰۸ھ میں پیدا ہوئے ان کی عمر اور سنہ وفات کے بارے میں علماء بہت مختلف رائے رکھتے ہیں۔ اس سلسلہ کی تمام روایتوں کو جمع کر کے یہ نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ ان کی پیدائش ۱۰۸ھ، ۱۰۹ھ یا ۱۱۰ھ میں ہوئی۔ ان میں اول الذکر کے تائیدی بیانات زیادہ ہیں۔

ان کے خاندان کی علمی فضیلت اور علوئے شان محتاج بیان نہیں ہے۔ ان کے جد اعلیٰ حضرت عبد الرحمنؒ بن عوف، ان جانناز صحابہ کرامؓ میں تھے جن کا کیسہ فضل و کمال نہ صرف علمی زرو جواہر سے مالا مال تھا، بلکہ ان کی اصابت فکر و نظر، صدق و عفاف، انفاق فی سبیل اللہ اور ترحم و فیاضی خلفائے ثلاثہ کے عہد میں مسلم خیال کی جاتی تھی، اس طرح قاضی ابراہیم کے ہم نام دادا اپنے عہد کے جلیل القدر علماء میں شمار ہوتے تھے، کمال علم کے باعث ایک عرصہ تک مدینہ طیبہ کے قاضی رہے۔ (۴)

حدیث :- حدیث نبوی ﷺ کی تحصیل و سماع سے انہیں خاص شغف تھا، منتخب روزگار شیوخ کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنے دامن کو حدیث نبوی ﷺ کے جواہر پاروں سے پر کیا۔

علامہ ابن سعدؒ ان کی ثقاہت کا اعتراف کرتے ہوئے انہیں کثیر الحدیث قرار دیتے ہیں۔ (۵) خطیب بغدادی نقل کرتے ہیں کہ ابراہیم بن سعدؒ اپنے زمانہ میں مدینہ کے سب سے

(۱) تہذیب المعجم ج ۱ صفحہ ۱۲۱۔ (۲) اللباب فی تہذیب الانساب ج ۲ صفحہ ۵۸۲۔ (۳) تاریخ بغداد ج ۶ صفحہ ۸۳۔

(۴) تاریخ بغداد ج ۶ صفحہ ۸۳۔ (۵) طبقات ابن سعد ج ۷ صفحہ ۶۸۔

اسرائیل کو نہ تو سختی اور قید کے شیخان حدیث کی طویل فہرست میں ان کے والد سعد کے بارے میں درج ذیل بات کے کرائی بہت ممتاز ہیں۔

[illegible][illegible]

ابراہیم بن سعد ثقہ اور حجت ہیں۔ ابن عدی فرماتے ہیں ”ہو من ثقات المسلمین“ علامہ ذہبی لکھتے ہیں کہ ابراہیم بن سعد بغیر کسی شرط کے ثقہ ہیں (۱) امام احمد، ابو حاتم، ابو زرہ اور ابن خراش بھی ان کی صداقت و ثقاہت کے معترف ہیں۔ (۲)

عہدہ قضا:۔ مدینہ منورہ میں کچھ عرصہ تک قضا کے فرائض بھی انجام دیئے، اسی لئے قاضی مدینہ کہے جاتے ہیں۔ (۳)

بغداد میں آمد اور خزانہ کی افسری:۔ اوپر ذکر آچکا ہے کہ قاضی ابراہیم کا اصل وطن مدینہ طیبہ تھا، جہاں وہ ایک عرصہ تک فضل و دانش کی گہر باری کرتے رہے، پھر اپنے اہل و عیال کے ہمراہ مرکز علم و فن بغداد منتقل ہو گئے، وہاں ان کی آمد کے صحیح وقت کی تعیین مشکل ہے، خطیب نے صرف اتنے ہی ذکر پر اکتفا کیا ہے کہ:

کان قد نزل بغداد و اقام بها الی حین حیاته (۴)
”وہ بغداد آئے اور وہاں اپنی وفات تک مقیم رہے۔“

خلیفہ ہارون الرشید نے بغداد آنے پر ان کا بڑا اعزاز و اکرام کیا اور ان کی دیانت و تقویٰ کے اعتراف کے طور پر انہیں بیت المال کا نگران مقرر کیا۔ (۵)
موسیقی:۔ تاریخ بغداد کی بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ موسیقی کو جائز سمجھتے تھے، لیکن یہ روایتیں قابل اعتبار نہیں ہیں۔

وفات:۔ ۷۳ یا ۷۴ سال کی عمر میں بغداد میں وفات پائی اور وہیں مدفون ہوئے۔ عمر کی طرح سنہ وفات میں بھی اختلاف ہے، کوئی ۱۸۳ھ کہتا ہے، کوئی ۱۸۴ھ (۶) مگر ساری روایتوں پر غور کرنے کے بعد ۷۴ سال کی عمر اور ۱۸۳ھ سنہ وفات صحیح معلوم ہوتا ہے۔ (۷)

(۱) میزان الاعتدال ج ۱ صفحہ ۱۸ و شذرات الذہب ج ۱ صفحہ ۳۰۵۔ (۲) تاریخ بغداد ج ۶ صفحہ ۸۳۔ (۳) تذکرۃ الحفاظ ج ۱ صفحہ ۲۲۹۔ (۴) تاریخ بغداد ج ۶ صفحہ ۸۱۔ (۵) طبقات ابن سعد ج ۷ صفحہ ۶۸۔ (۶) تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو بغدادی ج ۶ صفحہ ۱۸۴۔ (۷) طبقات ابن سعد ج ۷ صفحہ ۶۸۔

بن عروہ، ابواسحاق السبئی، حمید الطویل، موسیٰ بن عقبہ، یحییٰ بن سعید، مالک بن انس، شعبہ، سفیان ثوری، عطاء بن السائب اور عبید اللہ بن عمر کے اسماء لائق ذکر ہیں۔

اور اسی طرح معاویہ بن عمر، زکریا بن عدی، عبد اللہ بن مبارک، محمد بن کثیر، مسیب بن واضح، محمد بن سلام، عبد اللہ بن عون، محمد بن عبید الرحمن اور علی بن بکار ان کے نامور تلامذہ میں ہیں۔ حدیث:۔ یوں تو وہ جملہ اسلامی علوم میں کمال رکھتے تھے، لیکن حدیث نبوی ان کا خاص موضوع تھا، اسانید اور اسماء الرجال کی معرفت میں ان کی نظیر بہت کم ملتی ہے، ایک مرتبہ خلیفہ، وقت ہارون الرشید نے ایک بد دین کے قتل کئے جانے کا حکم دیا۔ اس نے کہا ”اے امیر المومنین آخر آپ میرے قتل کا حکم کیوں دیتے ہیں؟ ہارون نے جواب دیا ”اللہ کے بندوں کو تیرے فتنے سے بچانے کے لئے۔ اس پر وہ زندیق بولا: ”آپ مجھے قتل کر کے کیا کریں گے میں نے جو چار ہزار روایات وضع کر کے عوام میں پھیلا دی ہیں، ان کا آپ کے پاس کیا علاج ہے؟“ ہارون نے فوراً کہا:

این انت یاعدو اللہ من ابی اسحاق و عبد اللہ ابن مبارک یخلا نہا
فیخر جانہا حرفاً حرفاً (۱)

”اے دشمن خدا! تو ہے کس خیال میں! ابواسحاق الفزاری اور عبد اللہ بن مبارک ان تمام جعلی حدیثوں کو چھلنی میں چھانیں گے اور ان کا ایک ایک حرف نکال باہر کریں گے۔“
امام جرح و تعدیل عبد الرحمن بن مہدی فرماتے ہیں کہ ہر عالم کسی نہ کسی فن میں درجہ امتیاز رکھتا ہے، چنانچہ میں نے بصرہ میں حماد بن زید، کوفہ میں زائدہ و مالک بن مغول، حجاز میں مالک بن انس، اور شام میں ابواسحاق الفزاری و اوزاعی سے بڑا حدیث کا نکتہ شناس کسی کو نہیں دیکھا، اگر کوئی راوی ان سے حدیث بیان کرے تو بلا ریب و شک وہ قابل اطمینان ہے، کیونکہ یہ لوگ سنت کے امام ہیں۔ (۲)

فقہ:۔ حدیث کے ساتھ فقہ میں بھی کمال حاصل تھا، علی بن بکار کہتے ہیں کہ میں جن ائمہ علم و فن سے مل سکا ہوں ان میں ابواسحاق الفزاری سے بڑا فقیہ میری نظر سے نہیں گزرا۔ (۳) امام عجل کا بیان ہے کہ وہ کثرت حدیث کے ساتھ صاحب فقہ بھی تھے۔ (۴)

(۱) بحکم الادباء، ج ۱ صفحہ ۲۸۵ و کتاب الموضوعات ملاطی قاری، صفحہ ۱۳۔ (۲) التاریخ الکبیر، ج ۲ صفحہ ۲۵۴۔ (۳) تذکرۃ

الخطاط ج ۱ صفحہ ۲۴۹۔ (۴) تہذیب التہذیب ج ۱ صفحہ ۱۵۲

جرح و تعدیل :- اکثر علماء نے ان کی ثقاہت و عدالت کو تسلیم کیا ہے، امام عجلؑ بیان کرتے ہیں کہ وہ ثقہ، فاضل اور صاحب سنت تھے، (۱) امام نسائی اور ابو حاتم انہیں امام معتبر قرار دیتے ہیں۔ (۲) علاوہ ازیں یحییٰ بن معین اور ابن حبان وغیرہ نے بھی ان کی توثیق کی ہے، (۳) امام اوزاعیؒ ان کے شیوخ میں شامل ہیں، لیکن اس کے باوجود ان سے روایات کرتے ہیں، جب ان سے پوچھا جاتا کہ آپ سے یہ روایت کس نے بیان کی ہے؟ تو فرماتے:-

حدثني الصادق المصدوق ابو اسحاق الفزاري. (۴)

”مجھ سے صادق اور مصدوق ابو اسحاق الفزاری نے یہ حدیث روایت کی ہے۔“

سرحد شام کی پاسبانی :- مصیصہ شام کا ایک نہایت خوبصورت شہر ہے، جس کی حفاظت و نگرانی کے فرائض علماء اسلام کی ایک بڑی جماعت نے انجام دیئے ہیں۔

ابو اسحاق الفزاری بھی اس شرف سے بہرہ ور ہوئے تھے، انہوں نے وہاں نہ صرف اپنے ایک لائق محافظ ہونے کا ثبوت دیا بلکہ اس سرحدی علاقہ کو قال اللہ وقال الرسول کے سرمدی نغموں سے بھی معمور کر دیا، عجلؑ کا بیان ہے کہ:

هو الذي ادب التضرع علمهم بالسنة. (۵)

”ان ہی نے سرحدی لوگوں کو باادب بنایا اور انہیں حدیث کی تعلیم دی۔“

پاکیزگی عقائد :- عقائد کے بارے میں وہ نہایت متشدد تھے، چونکہ خود ان کا آمینہ قلب شفاف تھا، اس لئے وہ اسی کا پر تو دوسروں میں بھی دیکھنے کے متمنی رہا کرتے تھے، اہل بدعت سے ملنا تک گوارا نہ فرماتے، حضرت ابو مسہرؒ بیان کرتے ہیں کہ ”ابو اسحاق الفزاریؒ دمشق میں آئے تو تشنگان علم گروہ درگروہ ان سے سماع حاصل کرنے کے لئے ٹوٹ پڑے، شیخ نے مجھ سے فرمایا کہ ان لوگوں سے کہہ دو کہ جو شخص قدریہ کے عقائد رکھتا ہو وہ ہماری مجلس میں نہ آئے جو فلاں فلاں غلط عقائد کا حامل ہو وہ بھی ہماری مجلس میں شریک نہ ہو اسی طرح جو شخص حکمران وقت کے یہاں آمد و رفت رکھتا ہو وہ ہمارے پاس نہ آئے۔ راوی کا بیان ہے کہ میں نے حسب الحکم یہ بات لوگوں کے گوش گزار کر دی۔ (۶)

مصیصہ ہی کے دوران قیام میں ایک دن امام فزاریؒ کو خبر ملی کہ فرقہ قدریہ کا کوئی شخص ان

(۱) طبقات ابن سعد ج ۷ صفحہ ۱۸۵۔ (۲) تہذیب التہذیب ج ۱ صفحہ ۱۵۲۔ (۳) تہذیب التہذیب ج ۱ صفحہ ۱۵۲۔

(۴) تہذیب التہذیب ج ۱ صفحہ ۱۵۳۔ (۵) شذرات الذہب ج ۱ صفحہ ۲۴۸۔ (۶) تذکرۃ الحفاظ ج ۱ صفحہ ۲۴۸۔

جرح و تعدیل :- اکثر علماء نے ان کی ثقاہت و عدالت کو تسلیم کیا ہے، امام عجلؑ بیان کرتے ہیں کہ وہ ثقہ، فاضل اور صاحب سنت تھے، (۱) امام نسائی اور ابو حاتم انہیں امام معتبر قرار دیتے ہیں۔ (۲) علاوہ ازیں یحییٰ بن معین اور ابن حبان وغیرہ نے بھی ان کی توثیق کی ہے، (۳) امام او زاعیؒ ان کے شیوخ میں شامل ہیں، لیکن اس کے باوجود ان سے روایات کرتے ہیں، جب ان سے پوچھا جاتا کہ آپ سے یہ روایت کس نے بیان کی ہے؟ تو فرماتے :-

حدثني الصادق المصدوق ابو اسحاق الفزاري. (۴)

”مجھ سے صادق اور مصدوق ابو اسحاق الفزاری نے یہ حدیث روایت کی ہے۔“

سرحد شام کی پاسبانی :- مصیصہ شام کا ایک نہایت خوبصورت شہر ہے، جس کی حفاظت و نگرانی کے فرائض علماء اسلام کی ایک بڑی جماعت نے انجام دیئے ہیں۔

ابو اسحاق الفزاری بھی اس شرف سے بہرہ ور ہوئے تھے، انہوں نے وہاں نہ صرف اپنے ایک لائق محافظ ہونے کا ثبوت دیا بلکہ اس سرحدی علاقہ کو قال اللہ وقال الرسول کے سرمدی نغموں سے بھی معمور کر دیا، عجلؑ کا بیان ہے کہ:

هو الذي ادب التضرو علمهم بالسنة. (۵)

”ان ہی نے سرحدی لوگوں کو باادب بنایا اور انہیں حدیث کی تعلیم دی۔“

پاکیزگی عقائد :- عقائد کے بارے میں وہ نہایت متشدد تھے، چونکہ خود ان کا آئینہ قلب شفاف تھا، اس لئے وہ اسی کا پر تو دوسروں میں بھی دیکھنے کے متمنی رہا کرتے تھے، اہل بدعت سے ملنا تک گوارا نہ فرماتے، حضرت ابو مسہرؒ بیان کرتے ہیں کہ ”ابو اسحاق الفزاریؒ دمشق میں آئے تو تشنگان علم گروہ درگروہ ان سے سماع حاصل کرنے کے لئے ٹوٹ پڑے، شیخ نے مجھ سے فرمایا کہ ان لوگوں سے کہہ دو کہ جو شخص قدریہ کے عقائد رکھتا ہو وہ ہماری مجلس میں نہ آئے جو فلاں فلاں غلط عقائد کا حامل ہو وہ بھی ہماری مجلس میں شریک نہ ہو اسی طرح جو شخص حکمران وقت کے یہاں آمد و رفت رکھتا ہو وہ ہمارے پاس نہ آئے۔ راوی کا بیان ہے کہ میں نے حسب الحکم یہ بات لوگوں کے گوش گزار کر دی۔ (۶)

مصیصہ ہی کے دوران قیام میں ایک دن امام فزاریؒ کو خبر ملی کہ فرقہ قدریہ کا کوئی شخص ان

(۱) طبقات ابن سعد ج ۷ صفحہ ۱۸۵۔ (۲) تہذیب التہذیب ج ۱ صفحہ ۱۵۲۔ (۳) تہذیب التہذیب ج ۱ صفحہ ۱۵۳۔

(۴) تہذیب التہذیب ج ۱ صفحہ ۱۵۳۔ (۵) شذرات الذہب ج ۱ صفحہ ۲۴۸۔ (۶) تذکرۃ الحفاظ ج ۱ صفحہ ۲۴۸۔

سے ملاقات کا خواہاں ہے، امام صاحب نے کہلا بھیجا کہ وہ فوراً یہاں سے چلا جائے۔ (۱) عقائد کے بارے میں ان کی شدت کا اندازہ اس سے بھی کیا جاسکتا ہے کہ جب انہیں علم ہوتا کہ سرحد میں کوئی بدعتی شخص داخل ہوا ہے تو فوراً اسے شہر بدر کر دیتے۔ (۲)

امر بالمعروف ونہی عن المنکر :- دوسرے علماء سلف کی طرح امر بالمعروف ونہی عن المنکر ان کا خاص شیوہ تھا اور اس میں وہ کسی کو خاطر میں نہ لاتے تھے، اس تبلیغ و دعوت کے اثر سے اس وقت شہر مصیصہ میں شعائر اسلام کا بہت رواج ہو گیا تھا۔

استغنا :- امام فزاریؒ کے پاس اگرچہ مال و دولت کی بڑی فراوانی تھی، لیکن ان کی بے نیازی کا یہ عالم تھا کہ اس میں سے اپنی ذات پر کبھی ایک حبہ بھی صرف نہیں کیا، جو کچھ ملتا وہ یا تو معذور اور اپاہج لوگوں میں تقسیم کر دیتے یا اہل طرطوس پر خرچ کر دیتے، ایک مرتبہ خلیفہ ہارون الرشید نے ان کو تین ہزار دینار دیئے، فرمایا کہ میں اس سے مستغنی ہوں اور کل رقم فوراً ہی خیرات کر دی۔ (۳) بشارت :- حضرت فضیل بن عیاض بیان کرتے ہیں کہ ایک شب مجھے عالم رویا میں رسول اکرم ﷺ کی زیارت نصیب ہوئی۔ میں نے آپ ﷺ کے پہلو میں کافی جگہ دیکھی اور وہاں بیٹھنے کے ارادہ سے آگے بڑھا، رسول اللہ ﷺ نے مجھے روک کر ارشاد فرمایا: ہذا مجلس الفزاری! (۴) یہ ابواسحاق الفزاری کی نشست گاہ ہے۔

وفات :- ۱۸۵ھ، ۱۸۶ھ یا ۱۸۸ھ میں بمقام مصیصہ رحلت فرمائی، علامہ یاقوت حمویؒ نے مؤخر الذکر سال وفات کو اصح قرار دیا ہے۔ لیکن اکثر روایات سے ۱۸۵ھ کی تائید ہوتی ہے۔ (۵) اس وقت ہارون الرشید کی خلافت کا زمانہ تھا، بیان کیا جاتا ہے کہ ان کی وفات کی خبر سن کر یہود و نصاریٰ تک فرط رنج و الم سے اپنے سروں پر خاک اڑانے لگے، حضرت عطاءؒ کو جب ان کے انتقال کی اطلاع ملی تو رو پڑے۔ اور فرمایا۔

مادخل اهل الاسلام من موت احد مادخل عليهم من موت ابی

اسحاق (۶)

”ابواسحاق الفزاری کی موت سے مسلمانوں کے دلوں پر جو کچھ گزر گئی وہ کسی اور کے مرنے

(۱) تاریخ الکبیر، ج ۲ صفحہ ۲۵۵۔ (۲) معجم الادباء، ج ۱ صفحہ ۲۸۴۔ (۳) ایضاً ج ۱ صفحہ ۲۸۶۔ (۴) تذکرۃ الحفاظ ج ۱ صفحہ

۲۳۸۔ (۵) طبقات ابن سعد، ج ۷ صفحہ ۱۸۵۔ تذرات الذہب ج ۱ صفحہ ۳۰۷ و معجم الادباء ج ۱ صفحہ ۲۸۴۔ (۶) تاریخ ابن

عساکر، ج ۲ صفحہ ۲۵۵

سے نہیں گزری۔

تصنیف:- تدریس حدیث کی ساتھ وہ صاحب تصنیف بھی تھے، ابن ندیم نے فہرست میں ان کی تصنیف ”کتاب السیر فی الاخبار والا حداث“ کا ذکر کیا ہے، (۱) اس کتاب کے متعلق حمیدی امام شافعی کا یہ قول نقل کرتے ہیں کہ اس کے قبل سیرت میں کسی نے کتاب تصنیف نہیں کی، ابن ندیم نے یہ بھی لکھا ہے کہ ابواسحاق الفزاری (۲) اسلام کی پہلی شخصیت ہیں، جنہوں نے آلہ فلکی ایجاد کیا۔ اس فن میں ان کی تصنیف بھی ہے۔ (۳)

(۱) فہرست ابن ندیم صفحہ ۱۳۵۔ (۲) تہذیب التہذیب ج ۱ صفحہ ۱۵۲۔ (۳) الفہرست بحوالہ تہذیب التہذیب ج ۱ صفحہ ۱۵۲

حضرت ابن ابی ذئب رحمۃ اللہ علیہ

نام و نسب :- ابو حارث کنیت اور نام محمد تھا۔ (۱) نسب کے اعتبار سے خاندان قریش سے تعلق رکھتے تھے۔ (۲) اسی بنا پر قریشی اور مدنی کہلاتے ہیں، ان کا نام اگرچہ محمد تھا، لیکن جد امجد کی نسبت سے ابن ابی ذئب کے نام سے مشہور ہوئے۔

ولادت اور نشو و نما :- محرم ۸۰ھ میں مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے۔ اس سال مکہ میں بہت ہی ہولناک سیلاب آیا تھا، جن میں بڑی تعداد میں انسان اور حیوان غرق آب ہو گئے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ پانی کی سطح اس حد تک بلند ہو گئی تھی کہ کعبہ مقدسہ کے ڈوب جانے کا خطرہ ہو گیا تھا، چونکہ یہ سیلاب ہر چیز کو بہا لے گیا تھا، اس لئے اسے سیل حجاز کہتے ہیں اور اس سال کا نام عام حجاز پڑ گیا۔ (۳)

حضرت ابن ابی ذئب نے زندگی کی بیشتر بہاریں اپنے مولد مدینہ طیبہ ہی میں گزاریں۔ خوش قسمتی سے انہوں نے وہ مبارک زمانہ پایا جب تابعین عظام کی مسند علم و فضل آراستہ تھی اور ان کے انوار کمال سے ایک عالم منور تھا۔ حضرت ابن ابی ذئب کو ایسے جلیل المرتبت تابعین سے اکتساب فیض کی سعادت حاصل ہوئی جن کی نظیر زمرہ اتباع تابعین میں اگر نایاب نہیں تو کمیاب ضرور ہے۔

حدیث :- انہوں نے بکثرت علماء سے حدیث و فقہ کی تحصیل کی، جن میں عکرمہ، نافع، عبد اللہ ابن سائب ابن یزید، عجلان، صالح، سعید المقبری، اسحاق بن یزید، جبیر ابی صالح، عبد الرحمن ابن عطاء، محمد بن المنکدر، شعبہ، محمد بن قیس (۴) وغیرہم داخل ہیں۔

حضرت ابی ذئب کو امام مالک کی ہم درسی کا شرف بھی حاصل تھا، ابن خلکان رقمطراز ہیں کہ:

كانت بينهما الفة كبيدة ومودة صحيحة (۵)

ان دونوں (امام مالک اور ابن ابی ذئب) میں غایت درجہ مودت و انسیت تھی۔

فقہ :- حدیث رسول ﷺ میں امتیاز کے ساتھ انہیں فقہ میں بھی خصوصی درجہ تھا۔ مدینہ اور کوفہ میں عرصہ تک افتاء کی خدمات بھی انجام دیتے رہے، بغدادی نے ان کے ورع و صلاح کے ساتھ ان کے تفقہ کا بھی اعتراف کیا ہے اور تصریح کی ہے کہ وہ اپنے شہر میں مفتی کے فرائض بھی انجام

(۱) تاریخ بغداد ج ۲ صفحہ ۲۹۷۔ (۲) تاریخ ابن خلکان ج ۲ صفحہ ۲۲۷۔ (۳) البدایہ والنہایہ لابن کثیر، ج ۹ صفحہ ۳۱۔

(۴) تہذیب المعتمد ج ۹ صفحہ ۳۰۲ و تاریخ بغداد ج ۲ صفحہ ۲۹۶ و تذکرۃ الحفاظ ج ۲ صفحہ ۱۷۲۔ (۵) ابن خلکان ج ۲ صفحہ ۲۲۷۔

دیتے تھے۔ (۱) مصعب الزہری اور ابن حبان انہیں مدینہ کے فقہاء اور عبادت گزاروں میں شمار کرتے تھے۔ (۲)

تلامذہ:۔ درس و تدریس کے لئے مدینہ سے باہر شاذ و نادر ہی گئے۔ خطیب کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک بار ایام حج میں خلیفہ مہدی جب مدینہ گیا تو وہاں حضرت ابن ابی ذئبؓ کے علم و فضل سے اتنا متاثر ہوا کہ انہیں اپنے ہمراہ بغداد لیتا آیا، جہاں انہوں نے کچھ عرصہ تک حدیث کا درس (۳) دیا، لیکن سفر سے اجتناب کے باوجود ان کے تلامذہ کا حلقہ بہت وسیع تھا۔

ان سے شرف تلمذ رکھنے والوں میں حسب ذیل ائمہ و فضلاء خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ سفیان ثوری، معمر، سعد بن ابراہیم، ولید بن مسلم، عبد اللہ بن مبارک، حجاج بن محمد، شبابہ بن سوار، محمد بن اسماعیل بن ابی ندیک، یحییٰ بن سعید القطان، محمد بن ابراہیم بن دینار، محمد بن عمر الواقدی، عبد اللہ بن وہب، معن بن عیسیٰ، اسحاق بن محمد الفردی، آدم بن ابی ایاس، ابو عاصم، ابو نعیم۔ (۴) فضل و کمال:۔ علمی اعتبار سے حضرت ابن ابی ذئبؓ بلند مرتبہ اتباع تابعین میں تھے، انہوں نے کثیر التعداد تابعین سے استفادہ کیا تھا، اس لئے حدیث و فقہ میں کامل الفہم بن کر نکلے۔

امام احمد سے دریافت کیا گیا کہ کیا اپنے ملک میں ابن ابی ذئبؓ علم و فضل کے اعتبار سے کوئی ہمسر رکھتے تھے؟ فرمایا نہ صرف اپنے ملک میں بلکہ دیگر ممالک میں بھی ان کی نظیر مفقود تھی۔ (۵) امام شافعیؒ بایں ہمہ جلالت شان اکثر بڑی حسرت کے ساتھ فرمایا کرتے تھے:

ما فاتنی احد فاسفت علیہ ما اسفت علی اللیث وابن ابی ذئب (۶)
”مجھے کسی اور امام سے مستفید نہ ہونے کا اتنا افسوس نہیں جتنا اس بات کا رنج اور افسوس ہے کہ مجھے لیث بن سعدؒ اور ابن ابی ذئبؓ سے کسب فیض کی سعادت نصیب نہ ہو سکی۔“
حافظ ابن حجرؒ نے امام احمدؒ کا یہ قول بروایت ابی داؤد نقل کیا ہے کہ ابن ابی ذئبؓ اپنے علم و فضل میں شہرہ آفاق تابعی سعید بن المسیبؒ سے مشابہ تھے۔ (۷)

بیان کیا جاتا ہے کہ ایک بار امام مالکؒ خلیفہ منصور کے پاس گئے تو اس نے دریافت کیا ”مدینہ میں اس وقت کون کون اساتذہ علم و فن ہیں؟“ فرمایا ”امیر المومنین! وہاں ابن ابی ذئبؓ،

(۱) تاریخ بغداد ج ۲ صفحہ ۳۰۵۔ (۲) تہذیب التہذیب ج ۲ صفحہ ۲۰۶۔ (۳) تاریخ بغداد ج ۲ صفحہ ۲۹۶۔ (۴) تہذیب

التہذیب ج ۹ صفحہ ۳۴۔ (۵) تذکرۃ الحفاظ ج ۱ صفحہ ۱۷۲۔ (۶) تاریخ بغداد ج ۲ صفحہ ۳۰۱۔ (۷) تہذیب التہذیب ج ۹

ابن ابی سلمہ اور ابن ابی سبرہ جیسے یکتائے روزگار شیوخ ہیں۔ (۱) امام احمدؒ انہیں علم و فضل کے اعتبار سے امام مالکؒ سے افضل قرار دیتے تھے۔ سوائے اس کے کہ امام مالکؒ رجال کی تحقیق میں نسبتاً زیادہ سخت تھے۔ (۲)

قوت حافظہ :- جمیع اتباع تابعین کے حالات زندگی پر نظر ڈالنے سے ایک چیز ان میں قدر مشترک کے طور پر نظر آتی ہے، وہ ان کی غیر معمولی قوت حافظہ ہے۔ اس کا سبب دراصل طہارت اخلاق اور کبار و معاصی سے کلی اجتناب ہے، امام و کعبؒ اپنے تلامذہ کو برابر اس کی تلقین فرمایا کرتے تھے کہ اگر قوت حافظہ بڑھانا ہو تو معاصی سے پرہیز کرو اور ظاہر ہے کہ اتباع تابعین سے زیادہ پاک و صاف زندگی کس کی ہو سکتی ہے، اس لئے ان کے دوسرے مناقب کے ساتھ ذہانت و فطانت اور حفظ و ضبط بھی ان کے صحیفہ کمال کے درخشاں ابواب ہیں۔

چنانچہ حضرت ابن ابی ذئبؒ کو بھی مبداء فیض سے ذہانت و فطانت کا دافر حصہ نصیب ہوا تھا، بلاشبہ ان کے علم و فضل میں مشاہیر شیوخ کے فیض صحبت کے ساتھ ان کی طبعی ذہانت اور فطری استعداد کو بھی بڑا دخل تھا۔ خود ان کے بھائی کا بیان ہے کہ ان کے پاس کتاب نہیں تھی۔ وہ حدیث یاد کر لیا کرتے تھے۔ (۳) واقعتاً نے بھی یہی لکھا ہے کہ:

وكان يحفظ حديثه لم يكن له كتاب ولا شئ ينظر فيه (۴)

”وہ اس طرح حدیث یاد کرتے تھے کہ نہ تو ان کے پاس کوئی کتاب ہوتی ورنہ کوئی اور ہی چیز جس میں دیکھ سکیں۔“

ثقافت و عدالت :- حضرت بن ابی ذئبؒ کی ثقافت و عدالت پر ائمہ اور ماہرین فن متفق ہیں، ابن حبانؒ نے کتاب الثقات میں نمایاں طور پر ان کا ذکر کیا ہے۔ علامہ ذہبیؒ لکھتے ہیں:

احد الاعلام الثقات متفق على عدالته (۵)

”وہ ثقہ کبار ائمہ میں سے تھے، ان کی عدالت پر اتفاق ہے۔“

امام نسائی، یعقوب بن شیبہ اور امام احمدؒ نے بتصریح ان کی توثیق کی ہے، یحییٰ بن معین کا قول ہے:

ابن ابی ذئب مدنی ثقة (۶)

(۱) وفیات الاعیان ج ۲ صفحہ ۲۲۷۔ (۲) تذکرۃ الحفاظ ج ۱ صفحہ ۱۷۲۔ (۳) شذرات الذہب ج ۱ صفحہ ۳۳۵۔ (۴) تاریخ

بغداد، ج ۲ صفحہ ۳۰۳۔ (۵) میزان الاعتدال ج ۱ صفحہ ۹۰۔ (۶) تاریخ بغداد ج ۲ صفحہ ۳۰۳

”ابن ابی ذئب مدنی ثقہ ہیں۔“

ابو جابر بیاضی کے علاوہ ابن ابی ذئب کے تمام شیوخ بھی ثقہ اور صدوق تھے، بیاضی کی عدالت میں کلام کیا گیا ہے، چنانچہ احمد بن صالح اور یحییٰ بن معین کا بیان ہے کہ:

شیوخ ابن ابی ذئب کلہم ثقات الا اباجابر البیاضی (۱)

”ابن ابی ذئب کے شیوخ ثقہ ہیں، صرف ابو جابر بیاضی کے بارے میں کلام ہے۔“

ان کی ثقاہت کا ایک اور ثبوت یہ بھی ہے کہ امام بخاری اور مسلم نے صحیحین میں ان کی روایت نقل کی ہے۔ (۲)

قدری ہونے کا الزام:۔ بعض لوگ ان پر قدری ہونے کا الزام بھی عائد کرتے ہیں، فرقہ قدریہ کا عقیدہ یہ تھا کہ انسان تمام کام اپنے ارادہ و اختیار سے کرتا ہے، خدا کے ارادہ کو اس میں کوئی دخل نہیں ہوتا، لیکن مورخین نے اس کی پرزور تردید کی ہے۔ (۳)

اس الزام کی حقیقت پر سب سے زیادہ وضاحت سے واقف ڈاکٹر رشیدی نے فرمایا ہے:

ماکان قدریاً لقد کان ینفی قولہم ویعبہ، ولکنہ کان رجلاً کریماً یجلس الیہ کل احد ویغشاہ فلا یطرده ولا یقول لہ شیئاً وان ہو مرض عادہ، فکانوا یتہمونہ بالقدر لہذا وشبہ (۴)

”وہ قدری نہیں تھے، بلکہ وہ تو اہل قدر کو اور ان کی باتوں کو ناپسند کرتے تھے، بات یہ ہے کہ وہ شریف انسان تھے، ہر قسم کے اشخاص ان کے پاس بیٹھتے اور جمع ہو جاتے وہ فرط شرافت میں ان کو کچھ بھی نہیں کہتے بلکہ اگر وہ بیمار ہو جاتا تو اس کی عیادت کو بھی جاتے۔ اسی بناء پر لوگ ان پر قدری ہونے کا الزام لگانے لگے۔“

ایک دفعہ احمد بن علی الابار نے شیخ وقت مصعب الزبیری سے دریافت کیا کہ کچھ لوگ ابن ابی ذئب پر قدری ہونے کا الزام عائد کرتے ہیں۔ اس کی حقیقت کیا ہے؟ فرمایا ”خدا کی پناہ! اس الزام کے تار و پود صرف اس واقعہ سے تیار کئے گئے کہ خلیفہ مہدی کے زمانہ میں کچھ اہل قدر (فرقہ قدریہ کے لوگ) مدینہ آئے، کچھ مقامی لوگوں نے پکڑ کر انہیں مارنا شروع کر دیا، اسی دوران مضروبین میں سے کچھ لوگ بھاگ کر ابن ابی ذئب کے پاس جا بیٹھے تاکہ مار سے محفوظ رہیں۔“

(۱) تہذیب العہد ج ۹ صفحہ ۳۰۵۔ (۲) خلاصہ تہذیب الکمال۔ (۳) میزان الاعتدال ج ۱ صفحہ ۹۰۔

(۴) تاریخ بغداد ج ۲ صفحہ ۳۰۱

بس کل اتنی سی بات تھی جس میں افسانہ کی رنگ آمیزی کر کے کہا گیا کہ وہ لوگ ابن ابی ذئب کے پاس اس لئے بیٹھے کہ وہ عقیدہ قدر کے قائل تھے، (۱) اس کے بعد مصعب الزبیری کہتے ہیں ”مجھے معتبر ذرائع سے معلوم ہوا ہے کہ اگرچہ قدر بین مار کے ڈر سے ابن ابی ذئب کی پناہ میں جا کر بیٹھ گئے، تاہم شیخ نے ان سے گفتگو بالکل نہیں کی۔ (۲)

ائمہ کا اعتراف :- بیشتر علماء و ائمہ نے حضرت ابن ابی ذئب کے گونا گوں کمالات کو خراج تحسین پیش کیا ہے۔ امام شافعیؒ کا یہ پُر حسرت قول اوپر گزر چکا کہ مجھے زندگی بھر اس کا غم رہے گا کہ ابن ابی ذئب سے استفادہ نہ کر سکا۔ امام احمدؒ سے دریافت کیا گیا کہ آپ ابن عجلان اور ابن ابی ذئب میں سے کس کو زیادہ پسند کرتے ہیں؟ فرمایا ”دونوں ہی ثقہ ہیں۔“

حماد بن ابی خالد کا بیان ہے کہ خصائل و کمالات میں ابن ابی ذئب اپنے زمانہ کے سعید بن المسیبؒ تھے، وہ ثقہ، صدوق اور صالح تھے۔

حق گوئی اور بے باکی :- حضرت ابن ابی ذئب کے صحیفہ کمال کا سب سے درخشاں باب جو انہیں بہت سے دوسرے ائمہ سے ممتاز کرتا ہے، ان کی جرأت، حق گوئی اور بیباکی ہے، انہوں نے حق بات کہنے میں کبھی بھی امراء اور اعیان سلطنت کا لحاظ نہیں کیا۔

اس معاملہ میں وہ بسا اوقات اتنی شدت سے کام لیتے تھے کہ ان کے عقیدت مندوں کو تشویش پیدا ہو جاتی تھی، مگر انہوں نے اس آئین جو انمردی میں کبھی فرق نہیں آنے دیا۔ ان کی اس خصوصیت کا ذکر تمام ائمہ محققین نے کیا ہے۔ چنانچہ ابن حبانؒ لکھتے ہیں:

كان من اقوال اهل زمانه للحق

”اپنے زمانہ میں وہ سب سے بڑے حق گو تھے۔“

واقعیؒ کا بیان ہے، وہ مرد حق گو تھے (۳)

امام احمد کا قول ہے:

ابن ابی ذئب اقوم بالحق من مالک عند السلاطین (۴)

”ابن ابی ذئب سلاطین کے سامنے امام مالکؒ سے کہیں زیادہ حق گو ثابت ہوتے تھے۔“

ان کی جرأت و بے باکی کے متعدد واقعات ملتے ہیں، جن میں سے نمونہ کے طور پر دو ایک

(۱) تہذیب المعجزات ج ۹ صفحہ ۳۰۵۔ (۲) تاریخ بغداد، ج ۲ صفحہ ۳۰۱۔ (۳) تہذیب المعجزات ج ۹ صفحہ ۳۰۶۔

(۴) خلاصۃ تہذیب المعجزات

یہاں ذکر کئے جاتے ہیں۔

حضرت محمد بن القاسم بن خلاّد کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ زمانہ حج میں خلیفہ مہدی مسجد نبوی (علی صاحبہ الف الف تحیہ و سلام) میں داخل ہوا تو تمام حاضرین نے دورویہ کھڑے ہو کر اس کا استقبال کیا۔ اتفاق سے حضرت ابن ابی ذئبؓ بھی وہاں موجود تھے، مگر وہ حسب سابق بیٹھے رہے۔ مستب بن زہیر نے جب ان سے کہا ”کھڑے ہو جائیے، امیر المومنین آئے ہیں“ تو بڑے پرسکون اور طمانیت کے ساتھ فرمایا:

انما يقوم الناس لرب العالمين

”صرف پروردگار عالم کے لئے لوگ کھڑے ہوتے ہیں۔“

شاہانہ تمکنت کے خلاف یہ جواب سن کر مقربین کی پیشانیاں شکن آلود ہو گئیں، لیکن صورتحال کی نزاکت کا خیال کر کے فوراً ہی مہدی سے کہا ”چھوڑو چھوڑو جانے دو۔“ (۱)

اس طرح کا ایک دوسرا واقعہ یہ بیان کیا جاتا ہے کہ ایک مرتبہ خلیفہ ابو جعفر منصور کے پاس جا کر بہت سخت الفاظ میں ظلم و جور سے باز رہنے کی تلقین کرنے لگے۔ منصور نے سب کچھ سن لینے کے بعد گردن جھکالی اور پھر محمد بن ابراہیم سے کہا کہ ہنا الشیخ خیر اهل الحجاز (۲) ایک مرتبہ خلیفہ منصور نے ان سے پوچھا کہ میرے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟ پہلے تو کچھ کہنے سے انکار کرتے رہے، پھر جب اس نے قسم دلا کر پوچھا تو فرمایا:

اللهم لا اعلمک الا ظالماً وجائراً

”بخدا میں تجھے محض ظالم اور جاہل خیال کرتا ہوں۔“

عسرت :- حضرت ابن ابی ذئبؓ نے پوری زندگی نہایت تنگدستی اور عسرت کے عالم میں گزاری۔ اعیان سلطنت ہزاروں دینار دینا چاہتے تھے، مگر ان کی شانِ استغناء اسے قبول نہ کرنے دیتی۔ آخر عمر میں بھداصرار ایک ہزار دینار اس شرط پر قبول کئے کہ انہیں اپنے استعمال میں نہ لائیں گے بلکہ مستحقین میں تقسیم کر دیں گے۔

حضرت یحییٰ بن سعیدؓ بیان کرتے ہیں کہ ابن ابی ذئبؓ ”تنگدست تھے، واقدیؓ بھی ان کی مالی حالت حد درجہ سقیم بتاتے تھے، صرف روغن زیتون اور روٹی ان کی مستقل خوراک تھی۔ ان کے پاس صرف ایک چادر اور ایک کرتا تھا، جاڑے اور گرمی دونوں میں اسی کو استعمال کرتے تھے۔“ (۳)

(۱) تاریخ بغداد ج ۲ صفحہ ۲۲۔ (۲) مراۃ البیان ج ۱ صفحہ ۳۴۰۔ (۳) تاریخ بغداد ج ۲ صفحہ ۳۰۴

عبادت و ریاضت :- وہ اپنے زمانہ کے بہت عابد اور صاحب تقویٰ بزرگ تھے۔ ہمہ وقت خشیت الہی سے لرزاں رہتے، تمام رات نماز پڑھتے رہتے تھے۔ ابن سعد کا بیان ہے، ابن ابی ذئب کی کثرت عبادت کا یہ عالم تھا کہ اگر ان سے کہہ دیا جاتا کہ کل قیامت ہوگی تو اس کے لئے انہیں کسی تیاری کی ضرورت نہ تھی۔ (۱) بغدادی نے ان کے بھائی کا یہ بیان نقل کیا ہے کہ ابن ابی ذئب نے ایک زمانہ تک صوم داؤدی کو معمول بنائے رکھا، ایک روز روزہ رکھتے اور ایک روز ناغہ کرتے۔ پھر آخر عمر میں مسلسل روزہ رکھنے لگے۔ (۲)

ورع و تقویٰ :- اس کے ساتھ وہ تقویٰ اور پرہیزگاری کا بھی بہترین نمونہ تھے۔ ابن سعد نے لکھا ہے کہ:

کان من اورع الناس و افضلهم (۳)
 ”وہ لوگوں میں سب سے زیادہ متقی اور افضل تھے۔“

وفات :- رحلت سے چند سال قبل خلیفہ مہدی انہیں اپنے ہمراہ مدینہ سے بغداد لے آیا تھا، جہاں وہ کچھ عرصہ تک حدیث کا درس دیتے رہے اور ۱۵۸ھ ہجری میں وفات ہو گئی، کوفہ ہی میں تدفین عمل میں آئی۔ اس وقت عمر ۷۹ سال تھی۔ (۴) یہ ابن ابی فدیہ کی روایت ہے، لیکن ابو نعیم کا بیان ہے کہ ۱۵۹ھ ہجری میں وفات پائی۔ (۵) ابن عماد حنبلی اور یافعی وغیرہ نے بھی اسی کو ترجیح دی ہے۔ (۶)

(۱) مراۃ الجنان ج ۱ صفحہ ۳۳۰ و شذرات الذهب ج ۱ صفحہ ۳۳۵۔ (۲) تاریخ بغداد ج ۲ صفحہ ۳۰۱۔ (۳) تہذیب التہذیب ج ۱ صفحہ ۳۰۵۔ (۴) تاریخ بغداد ج ۲ صفحہ ۳۰۵۔ (۵) تہذیب التہذیب ج ۱ صفحہ ۳۰۴۔ (۶) شذرات الذهب ج ۱ صفحہ ۳۳۵ و مراۃ الجنان ج ۱ صفحہ ۳۳۰

حضرت ابو معشر نجیح سندھی رحمۃ اللہ علیہ

مکمل

حضرت ابو معشر نجیح بن عبدالرحمن سندھی دوسری صدی ہجری کے مشہور راوی حدیث گزرے ہیں، عرصہ تک غلامی کی زندگی گزارنے کے باوجود علم و فضل میں نہایت بلند مقام حاصل کیا، مشہور تابعی ابو امامہ بن سہل بن حنیف کے دیدار سے اپنی آنکھوں کو روشن کیا تھا۔ وہ سندھی الاصل تھے، لیکن ان کے علم و فضل کی بناء پر عرب ہونے کا دھوکہ ہوتا تھا، چنانچہ خود ان کی زندگی میں ان کے عرب اور غیر عرب ہونے کی بحث چھڑ گئی تھی، ایک مرتبہ کسی نے انہیں یمنی کہا تو فوراً اس کی تردید کی اور فرمایا:

ولاء نافی بنی ہاشم احب الی من نسبی فی بنی حنظلہ (۱)

”بنو ہاشم کے غلاموں میں ہونا میرے نزدیک زیادہ محبوب ہے بہ نسبت اس کے بنو حنظلہ میرا نسب ہو۔“

خطیب بغدادی نے خود ان کے صاحبزادے محمدؒ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ ”میرے والد سندھی تھے۔“ عرب میں مدت تک رہنے کے باوجود زبان میں سندھیت کا اثر آخر وقت تک باقی رہا، چنانچہ وہ بعض عربی حروف کو صحیح طور پر تلفظ کرنے پر قادر نہ تھے۔ مثلاً کعب کو ہمیشہ قعب کہا کرتے تھے۔ ابو نعیمؒ کہتے ہیں:

کان ابو معشر اسندباً وکان رجلاً لکن یقول حدثنا محمد بن قعب یرید

ابن کعب (۲)

ابو معشر سندھی تھے، ان کے عربی الفاظ کا تلفظ صحیح نہ تھا، وہ حدثنا محمد بن قعب کہتے تھے اور قعب سے کعب مراد ہوتی تھی۔

ابتدائی حالات :- حضرت ابو معشرؒ کے ابتدائی حالات کے بارے میں کچھ معلوم نہیں، صرف اتنا پتہ چلتا ہے کہ سندھ کی کسی جنگ میں جو مسلمانوں اور سندھیوں میں ہوئی تھی، گرفتار ہو کر حجاز گئے، وہاں بن مخزوم کی ایک عورت نے خرید کر مکاتب بنالیا، کچھ عرصہ کے بعد خلیفہ مہدی کی ماں

(۱) تاریخ بغداد، ج ۱۳ صفحہ ۴۲۸۔ (۲) کتاب الانساب ورتق ۳۱۳ و نزہۃ الخواطر، ج ۱ صفحہ ۴۵

نے رقم کتابت ادا کر کے آزاد کر دیا۔ (۱) مدینہ میں عرصہ تک رہنے کی وجہ سے مدنی بھی مشہور ہیں۔
تحصیل علم: حضرت ابو معشرؓ کی زندگی کا کافی حصہ متعدد خاندانوں میں غلامی کرتے گزرا، لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان کے مالکوں نے انہیں تحصیل علم کے پورے مواقع بہم پہنچائے۔ اس طرح وہ مدینہ منورہ اور دیگر مقامات کے چشمبائے علم سے سیراب ہوئے اور علم حدیث مغازی اور فقہ میں کمال پیدا کیا، بالخصوص فن مغازی میں ان کا پایہ درجہ امامت تک پہنچا ہوا ہے۔

حضرت ابو معشرؓ کے شیوخ میں درج ذیل ممتاز نام ملتے ہیں:

محمد بن کعب القرظی، نافع مولیٰ بن عمر، سعید المقبری، محمد بن المنکدر، ہشام بن عروہ، ابی بردہ بن ابی موسیٰ، موسیٰ بن یسار، محمد بن قیس۔ (۲)

حافظ ابن حجرؒ نے مشہور تابعی سعید بن المسیبؒ کو بھی ان کے شیوخ میں شمار کرایا ہے۔ لیکن یہ صحیح نہیں ہے، ان کے استاذ سعید بن المسیبؒ نہیں، سعید المقبری تھے۔ علامہ ذہبیؒ نے اس حقیقت کو واضح کر دیا ہے۔ (۳)

تلامذہ: حضرت ابو معشرؓ کے حلقہ درس سے جو طالبان علم فارغ ہو کر نکلے ان کی تعداد بے شمار ہے، جس میں بہت سے جلیل القدر ائمہ اور علماء کے نام ملتے ہیں۔ چند مشہور اسمائے گرامی حسب ذیل ہیں:

حضرت سفیان ثوری، یزید بن ہارون، محمد بن عمر الواقدی، محمد بن یکار، عبدالرزاق، ابو نعیم، لیث بن سعد، وکیع بن الجراح، سعید بن منصور۔ (۴)

علم و فضل: حضرت ابو معشرؓ فن مغازی و سیر کے علاوہ دوسرے علوم میں بھی بلند پایہ تھے۔ خطیب کا قول ہے کہ وہ فن مغازی کے سب سے زیادہ واقف کار تھے۔ (۵)

علامہ ذہبیؒ نے لکھا ہے کہ وہ حافظہ کی کمزوری کے باوجود علم کا مخزن تھے۔ (۶) حضرت بکر بن خلف کا بیان ہے کہ میں نے ان سے زیادہ فصیح آدمی نہیں دیکھا۔

ائمہ کی رائے: حضرت ابو معشرؓ کے علم و فضل کو تمام ائمہ و علماء نے سراہا ہے۔ چنانچہ محدث عمر بن عوف اپنے تلامذہ کے سامنے ابو معشرؓ کے متعلق ہشیم کا یہ قول نقل فرمایا کرتے تھے:

(۱) طبقات ابن سعد ج ۵ صفحہ ۳۰۹۔ (۲) تاریخ بغداد ج ۳ صفحہ ۴۲۷، تہذیب التہذیب ج ۱۰ صفحہ ۴۲۰۔ (۳) تذکرۃ

الکفای ج ۱ صفحہ ۲۱۲۔ (۴) تہذیب التہذیب ج ۱ صفحہ ۴۲۰، تاریخ بغداد ج ۳ صفحہ ۴۲۷۔ (۵) ایضاً صفحہ ۴۲۹۔

(۶) تذکرۃ الکفای ج ۱ صفحہ ۲۱۲

مارایت مدنیاً یثبہ ولا الیس منه. (۱)

”میں نے ان کے جیسا فہم و ذکی مدنی نہیں دیکھا۔“

حضرت ابو حاتم بیان کرتے ہیں کہ امام احمد بن حنبل، حضرت ابو معشر کو پسند کرتے تھے اور فن مغازی میں ان کی بصیرت کے قائل تھے، میں ان سے روایت کرتے ہوئے ڈرتا تھا، حتیٰ کہ میں نے امام احمدؒ کو ایک شخص کے واسطے سے ابو معشرؒ سے روایت کرتے دیکھا تو میں نے بھی ان سے روایت حدیث کے بارے میں اپنے مسلک میں وسعت پیدا کر لی۔ (۲)

سیر و مغازی میں انہماک کی وجہ سے بعض ائمہ نے ان کی تضعیف کی ہے۔ ابن معین کا قول ہے، وہ ضعیف ہیں، مگر زہد و رقاق کی حدیثیں نقل کی جاسکتی ہیں۔ (۳) ابو حاتم سے دریافت کیا گیا کہ کیا حضرت ابو معشر ثقہ ہیں؟ فرمایا، نیک شخص ہیں، گور روایت حدیث میں کمزور ہیں، مگر سچے ہیں۔ امام بخاری و مسلمؒ نے اسی ضعف کی بناء پر صحیحین میں ان کی کوئی روایت نہیں لی ہے، امام بخاریؒ نے تاریخ صغیر میں ان کا شمار ضعیفاء میں کیا ہے۔ (۴) ابوداؤد اور نسائی نے بھی تضعیف کی ہے، لیکن علامہ نسائی اپنی سنن میں حضرت ابو معشر کی روایت سے حجت لائے ہیں۔ (۵) لیکن اس کے باوجود حضرت ابو معشرؒ پایہ اعتبار سے بالکل ساقط نہیں ہیں۔ ابن عدیؒ نے بصراحت بیان کیا ہے کہ ائمہ ثقات نے ان کی روایتیں قبول کی ہیں۔

حدث عنه الثقات مع ضعفه یکتب حدیثہ (۶)

”ثقات نے ان سے روایت کی ہے۔ ضعف کے باوجود ان کی حدیثیں لکھی جاسکتی ہیں۔“

علاوہ ازیں عبدالرحمن بن مہدیؒ جو جرح و تعدیل کے شہرہ آفاق امام ہیں، وہ بھی حضرت ابو معشرؒ سے روایت کرتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ نفس متین کی حدیث کی یادداشت میں حضرت ابو معشر کا حافظہ کمزور نہیں بلکہ واقعہ یہ ہے کہ سلسلہ اسناد کے یاد رکھنے میں ان سے غلطیاں ہو جاتی ہیں۔ پھر دوسری بات یہ کہ ان کا حافظہ عمر کے آخری ایام میں کمزور ہوا تھا، جیسا کہ بغدادی نے تصریح کی ہے کہ:

کان ابو معشر تغیر قبل ان یموت (۷)

”موت سے کچھ پہلے ابو معشرؒ میں تبدیلی آ گئی تھی۔“

(۱) تہذیب المعجم ج ۱۰ صفحہ ۴۲۰۔ (۲) تہذیب المعجم ج ۱۰ صفحہ ۴۲۰۔ (۳) ایضاً صفحہ ۴۲۱۔ (۴) تاریخ صغیر

صفحہ ۱۹۲۔ (۵) تذکرۃ الحفاظ ج ۱ صفحہ ۲۱۲۔ (۶) تہذیب المعجم ج ۱۰ صفحہ ۴۲۰۔ (۷) تاریخ بغداد ج ۱۳ صفحہ ۴۲۹

اس لئے اس نقص کے پیدا ہونے سے قبل کی روایتیں مقبول اور قابل حجت ہیں۔

بغداد میں آمد اور وفات :- خلیفہ مہدی ان کے علم و فضل کا بڑا قدردان تھا، ان سے ان کی انیسیت کی ایک خاص وجہ یہ تھی کہ وہ اس کی ماں کے غلام رہ چکے تھے، ایک مرتبہ حج کے موقع پر دونوں کا ساتھ ہو گیا۔ مہدی نے ان کی قدر افزائی کی اور حکم دیا کہ وہ شاہی خیمہ میں بلائے جائیں اور اس قافلہ کے لوگ ان سے فقہ حاصل کریں۔ پھر مہدی نے ان کی خدمت میں ایک ہزار دینار کا تحفہ پیش کیا، اس کے بعد وہ انہیں ۱۶۰ ہجری میں اپنے ہمراہ مدینہ سے بغداد لائے اور تعلیم کی خدمت ان کے سپرد کی، اس کے بعد وہیں مستقل قیام اختیار کر لیا اور رمضان ۱۷۰ ہجری میں رحلت فرمائی۔ (۱) خلیفہ وقت ہارون الرشید نے جو اسی سال تخت نشین ہوا تھا، نماز جنازہ پڑھائی۔ بغداد کے مقبرہ کبیر میں مدفون ہوئے۔ (۲)

اولاد :- صرف ایک صاحبزادے محمد بن ابی معشر تھے، اپنے والد کی طرح وہ بھی صاحب علم و فضل تھے اور مشہور محدث ابو ذب کے محبوب تلامذہ میں ان کا شمار ہوتا تھا۔ ترمذی وغیرہ نے ان سے روایت کی ہے، حضرت ابو معشر کی کتاب المغازی ان ہی کی روایت کی ہوئی ہے، ان کی ثقاہت پر تمام ائمہ متفق ہیں۔ ۹۹ سال کی عمر میں ۲۴۴ ہجری میں وفات پائی۔

تصنیف :- حضرت ابو معشر صاحب تصنیف بھی تھے۔ ابن ندیم نے ولہ من الکتب لکھا ہے۔ جس سے خیال ہوتا ہے کہ ان کی تصنیفات ایک سے زائد ہیں، لیکن صرف کتاب المغازی ہی کا پتہ ملتا ہے۔

خلیلی کا بیان ہے کہ ائمہ ان کی تاریخ سے استدلال کرتے ہیں، اس بیان سے بظاہر ایسا خیال ہوتا ہے کہ فن تاریخ میں بھی ان کی کوئی تصنیف ہے، لیکن دراصل یہ ایک ہی کتاب ہے جس کو خلیلی تاریخ اور ابن ندیم کتاب المغازی کہتے ہیں: متقدمین کے نزدیک سیر اور تاریخ ایک ہی فن سمجھے جاتے ہیں۔ ابن ندیم لکھتے ہیں:

عارف بالاحداث والسير واحد المحدثين وله من الكتب كتاب المغازی (۳)

وہ تاریخ و سیر کے عارف اور محدث تھے، ان کی کچھ کتابیں ہیں جن میں سے ایک کتاب المغازی ہے۔

(۱) شذرات الذهب ج ۱ صفحہ ۲۷۸ العمر فی جرمن عمر، ج ۱ صفحہ ۲۵۸۔ (۲) الانساب للسمعانی ورق ۳۱۳ طبع قدیم۔

(۳) القہر ست صفحہ ۱۳۶

علامہ شبلی نعمانی رحمۃ اللہ علیہ نے مقدمہ سیرت میں ابو معشر کا تذکرہ ان الفاظ میں کیا ہے:

ابو معشر نجیح المدنی (م ۱۰۷ھ) ہشام بن عروہ کے شاگرد تھے، ثوری اور واقدی نے ان سے روایت کی ہے، گو محدثین نے روایت حدیث میں ان کی تضعیف کی ہے، لیکن سیرت و مغازی میں ان کی جلالت شان کا اعتراف کیا ہے، امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ وہ اس فن میں صاحب نظر ہیں، ابن ندیم نے ان کی کتاب المغازی کا ذکر کیا ہے۔ کتب سیرت میں ان کا نام کثرت سے آتا ہے۔ (۱)

حضرت ابوسلیمان الدارانی رحمۃ اللہ علیہ

اتباع تابعین کے زمرہ میں جہان اقلیم علم و فن کے بہت سے تاجدار شامل تھے، وہیں بکثرت ایسے صاحب کمال بزرگ بھی تھے جو علمی اعتبار سے خواجہ زیادہ بلند مرتبہ نہ ہوں، لیکن زہد و اتقاء، رشد و ہدایت اور بلند روحانی مدارج میں غیر معمولی حیثیت کے مالک تھے۔ عمل صالح ان کی شخصیت کا زیور اور عبادت و ریاضت ان کا طغرائے امتیاز تھا، ابوسلیمان الدارانی کا شمار ایسے ہی صلحائے امت میں کیا جاتا ہے، وہ یقیناً علم و فضل میں بھی بلند مرتبہ اور مقام عالی رکھتے تھے، لیکن اس سے کہیں زیادہ وہ ایک عظیم المرتبت صوفی، شیخ طریقت اور بزرگ دین کی حیثیت سے شہرت رکھتے ہیں۔ ان کا سینہ شریعت و طریقت کا مجمع البحرین تھا، انہوں نے اپنی تعلیم و تربیت اور تزکیہ و ہدایت سے ایک عالم کو مستفید کیا، ابن عماد حنبلیؒ نے لکھا ہے کہ وہ ان اکابر اولیاء میں تھے، جو اپنے روحانی کمالات کے اعتبار سے ارباب کشف و شہود خیال کئے جاتے ہیں۔ (۱)

ان کا اصل نام عبدالرحمن تھا، لیکن اپنی کنیت ابوسلیمان سے شہرت پائی، والد کا اسم گرامی احمد اور دادا کا عطیہ تھا۔ اصلاً واسط کے رہنے والے تھے، مگر واریا میں مستقل سکونت اختیار کر لی تھی، جو غوطہ (دمشق) کے مغرب میں ایک گاؤں کا نام ہے، غوطہ دمشق کا حسین ترین خطہ شمار ہوتا ہے، بعض سیاحوں نے اس کو جنت ارضی سے تعبیر کیا ہے، وہاں نوع بنوع قدرتی مناظر، میووں اور پھولوں سے لدے ہوئے باغات بل کھاتی نہریں اور سرسبزی و شادابی قدم قدم پر دامن دل کو اپنی طرف کھینچتی ہیں۔ اسی اہمیت کے باعث اس خطہ کے طبعی اور جغرافیائی حالات پر ڈاکٹر صفوح خیر نے ”غوطہ دمشق“ کے نام سے ایک مستقل کتاب تالیف کی ہے۔ جس کے آغاز کی درج ذیل چند سطور میں گویا پوری کتاب کا ماحصل آ گیا ہے:

اجمع الباحثون علی ان غوطۃ دمشق کلھا نزهة وعدھا وجنة الارض
لنضارتھا و کثرت میاھا و بساتینھا و حدائقھا فاذا صعدت علی مرتفع تری
الاشجار و البساتین تحیط بالمدينة من کل جانب احاطة الهالة بالقمر و اذا
خرجت من المدينة لا تری الا حدائق غناء و میاھ جاریة و اشجاراً نامیة و حقولاً

جمیلہ خضر (۱)

”محققین کا اتفاق ہے کہ غوطہ دمشق مکمل شادابی ہے۔ اس کو اس کی سرسبزی کثرت باغات اور چمنستانوں اور پانی کی زیادتی کے باعث جنت ارضی شمار کیا جاتا ہے۔ اگر آپ کسی بلندی پر چڑھ کر نظارہ کریں تو آپ کو درخت اور باغات چاند کے ہالہ کی طرح شہر کا احاطہ کئے ہوئے دکھائی پڑیں گے اور جب شہر سے نکلیں گے تو آپ کو گھنے باغات، رواں دواں پانی اور اونچے اونچے درخت اور حسین و سرسبز کھیتیاں نظر آئیں گی۔“

حضرت ابوسلیمان الدارانی کا مسکن دمشق کے اسی جنت نظیر خطہ میں واقع تھا۔ یا قوت رومی اور علامہ سمعانی دونوں اس کے بارے میں رقمطراز ہیں:

ہی قریۃ کبیرۃ حسنة من قری غوطۃ دمشق (۲)

”یہ غوطہ دمشق کا ایک خوبصورت اور بڑا گاؤں ہے۔“

اس کی طرف جدید و قدیم علماء اور محدثین کی ایک بڑی جماعت منسوب ہے۔ (۳) جس میں درج ذیل چار شخصیتوں کے نام نہایت ممتاز ہیں۔

(۱) مشہور عالم ابو عبیدہ عبدالرحمن الازوی جو امام مکحول شامی کے شاگرد عبداللہ بن مبارک کے استاذ اور فقہائے شام کے طبقہ دوم میں شمار ہوتے ہیں۔

(۲) نامور تابعی ابوبکر سلیمان بن حبیب جو اپنی فقہی مہارت کے باعث دمشق میں حضرت عمر بن عبدالعزیز، یزید بن عبدالملک اور ہشام بن عبدالملک کی جانب سے قاضی تھے، تیس سال تک نہایت شان و شوکت، کمال حق گوئی اور عدل گستری کے ساتھ منصب قضا کے فرائض انجام دیئے۔ ان کے شیوخ حدیث میں حضرت انس بن مالک، حضرت ابو ہریرہ اور حضرت امیر معاویہ کے نام قابل ذکر ہیں۔ خود ان کے فیضان علم سے حضرت عمر بن عبدالعزیز، مرو بن سنان اور عثمان بن ابی العاتکہ جیسے نادرہ روزگار علماء مستفید ہوئے۔

حضرت ابوسلیمان الدارانی بھی اسی معدن فضل و کمال کے ایک لعل گرانمایہ تھے۔ (۴) بلکہ واریا کی طرف منسوب اہل علم میں سب سے زیادہ شہرت و عظمت ان ہی کے نصیب میں آئی، ان کا خاندانی تعلق بنو انس سے (۵) تھا، جو یمن کے مشہور قبیلہ مذحج کی ایک شاخ ہے، جس کے

(۱) غوطہ دمشق صفحہ ۱۵۔ (۲) معجم البلدان ج ۲ صفحہ ۲۲۔ کتاب الانساب جدید ایڈیشن حیدرآباد، ج ۵ صفحہ ۲۷۱۔

(۳) اللباب فی تہذیب الانساب، ج ۲ صفحہ ۲۲۔ (۴) معجم البلدان ج ۴ صفحہ ۳۲۔ (۵) اخبار الاعیان ج ۱ صفحہ ۴۹۵۔

جد امجد غنسی بن مالک تھے، اسی خاندان میں ممتاز اہل علم، فضلاء روزگار اور کنبار عباد و زیاد کثرت سے ہوئے ہیں، جن میں سے چند یہ ہیں۔

(۱) ابو عبد الرحمن غنسی۔ یہ شام کے ایک بڑے عابد و زاہد بزرگ تھے، ان کے بارے میں مشہور تھا کہ خدا ان کی قسم کو ہمیشہ پوری کرتا تھا۔

(۲) جلیل المرتبت حضرت عمر بن ہانی غنسی۔ انہوں نے تمیں صحابہ کرام کے دیدار سے اپنی چشم عقیدت کو روشن کیا تھا، ان کے دامن فیض سے جن لوگوں نے استفادہ کیا ان میں امام اوزاعی خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔

(۳) اسماعیل بن عیاش غنسی بھی اسی معدن علم کے گوہر شب چراغ تھے۔ (۱) ان کے بارے میں ابو زرعد کا قول ہے کہ شام میں امام اوزاعی کے بعد اسماعیل بن عیاش کے مثل کوئی نہ تھا۔ (۲) ہزاروں حدیثیں ان کو از بر تھیں، ارباب تذکرہ ان کی ذہانت و فطانت اور حیرت انگیز قوت حافظہ پر متفق اللسان ہیں، بقول امام احمد ان کے دماغ کے خزانہ میں تیس ہزار حدیثیں محفوظ تھیں۔ (۳)

علمی فضل و کمال: حضرت ابوسلیمان نے حدیث کا علم عراق کے نامور محدثین سے حاصل کیا تھا اور انہیں حضرت سفیان ثوری اور ربیع بن صبیح جیسے منتخب روزگار علماء حدیث سے شرف تلمذ حاصل تھا، امام ثوری کی شخصیت زمرہ تبع تابعین کا گل سرسید تھی۔ وہ علم و عمل اور سیرت و کردار دونوں اعتبار سے نہایت بلند پایہ تھے۔ اس کا کچھ اندازہ اس سے کیا جاسکتا ہے کہ امام ابوحنیفہ انہیں اپنے استاد ابراہیم نخعی پر بھی بایں ہمہ علوئے مرتبت و جلالت شان فوقیت دیتے تھے۔ (۴) اور امام مالک فرمایا کرتے تھے کہ عراق ہم پر درہم و دینار کی بارش کیا کرتا تھا، مگر حضرت سفیان کے بعد اس نے علم کی بارش شروع کر دی۔ (۵) اسی طرح شیخ دارائی کے دوسرے قابل ذکر استاد ربیع بن صبیح بھی علم و عمل میں یگانہ عہد تھے۔ ان کا شمار حضرت حسن بصری کے ارشد تلامذہ میں ہوتا ہے۔ علاوہ ازیں انہوں نے حضرت محمد بن سیرین، محمد بن جبیر اور عطاء بن ابی رباح وغیرہ کے آفتاب کمال سے بھی اکتساب فیض کیا تھا۔ امام شعبہ کا قول ہے:

ان فی الربیع خصالا لاتکون فی الرجل واحدة منها (۶)

(۱) کتاب الاصاب ج ۲ صفحہ ۴۰۱ قدیم ایڈیشن۔ (۲) میزان الاعتدال ج ۱ صفحہ ۱۳۔ (۳) تہذیب التہذیب ج ۱ صفحہ ۳۲۲۔ (۴) تاریخ بغداد ج ۹ صفحہ ۱۶۹۔ (۵) ایضاً (۶) میزان الاعتدال ج ۱ صفحہ ۲۳۴

”بلاشبہ ربیع بہت سی ایسی خوبیوں کے حامل ہیں، جن میں سے کوئی ایک بھی دوسرے میں نہیں پائی جاتی۔“

ان کی عدالت و ثقاہت کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ جرح و تعدیل کے مشہور امام عبدالرحمن بن مہدیؒ بھی ان سے روایت کرتے ہیں۔ (۱)

خود شیخ دارانیؒ کے خرمن علم سے خوشہ چینی کرنے والوں میں حضرت احمد بن ابی الحواری اور قاسم بن عثمان الجوعی وغیرہ کے نام ملتے ہیں۔ اول الذکر کو ان سے خاص تلمذ حاصل تھا۔ چونکہ ابوسلیمان کے زہد و ورع اور عبادت و ریاضت میں فتا ہو جانے کے باعث ان کے علمی کمالات پس پشت پڑ گئے تھے۔ اس لئے اہل طبقات نے ان کی علمی حیثیت نمایاں کرنے کے بجائے ان کے سلوک و طریقت کے واقعات قلمبند کئے ہیں۔ صرف محدث ابن جوزی نے اتنا مزید اضافہ کیا ہے کہ ابوسلیمان کے واسطے سے مروی تین مسند حدیثیں مجھ تک پہنچی ہیں، جن میں سے پہلی حدیث بروایت حضرت انسؓ یہ ہے:

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من صل قبل الظهر اربعاً غفر له ذنوبه يومه ذلك

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس شخص نے ظہر سے پہلے چار رکعتیں پڑھیں اس کے اس دن کے گناہ معاف کر دیئے گئے۔

دوسری حدیث حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے یہ ہے:

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من تواضع لله رفعه الله رسول الله ﷺ کا ارشاد ہے کہ جو شخص تواضع اختیار کرے گا، اللہ اس کے مراتب بلند فرمادیں گے۔

تیسری حدیث بہت طویل ہے، اس میں ایک شامی ایک وفد کو حضور اکرم ﷺ نے بیش قیمت نصائح اور ہدایات سے نوازا ہے۔ (۲)

اصلاح تزکیہ:۔ ان کے صحیفہ زندگی کا زیادہ درخشاں باب سلوک و تصوف سے متعلق ہے، بقول حافظ ذہبی وہ روحانیت و معرفت کے بحرناپید کنار کے ایک کامیاب شناور تھے۔ (۳) اسی وجہ سے اہل سیر نے ان کے اس روشن پہلو کو بہت ہی شاندار الفاظ میں جاگر کیا ہے۔ چنانچہ ابن

(۱) میزان الاعتدال ج ۱ صفحہ ۲۳۴۔ (۲) صفوۃ الصفوۃ ج ۴ صفحہ ۱۰۴۔ (۳) میزان الاعتدال ج ۱ صفحہ ۲۳۴

خلکان رقمطراز ہیں:

احد رجال الطريقة كان من جملة السادات وارباب الجد في
المجاهدات (۱)

وہ اہل طریقت میں تھے۔ ان کا شمار بہت سے اہل سادات اور کثرت سے مجاہدہ کرنے والوں میں ہے۔

علامہ زہبیؒ لکھتے ہیں:

الزاهد القدوة احد الابدال (۲)

”وہ بہت بڑے زاہد و ابدال میں سے تھے۔“

سمعی نے لکھا ہے:

كان من افاضل اهل زمانه وعبادهم وخيار اهل الشام وزهادهم
وہ اپنے زمانہ کے ایک بڑے فاضل اور عبادت گزار اور شام کے بہترین لوگوں اور زاہدوں میں سے تھے۔

ابن حماد ضلیؒ فرماتے ہیں کہ زہد و صلاح میں ان کی نظیر نہیں ملتی۔ (۳) خطیب بغدادی نے اپنی مشہور تاریخ میں انہیں ”احد عباد الله الصالحين ومن الزهاد والمتعبدین“ لکھ کر خراج عقیدت پیش کیا ہے:

صحت عقیدہ:- عقائد کی صفائی اور صحت کے معاملہ میں وہ نہایت متشدد تھے، حضرت ابو جعفر محمد بن احمد الوصلی بیان کرتے ہیں کہ میں نے ۲۰۳ ہجری میں ابوسلیمان الدارانی کو بغداد میں دیکھا۔ ان کی ڈاڑھی میں خضاب لگا ہوا تھا۔ وہ مسجد عبدالوہاب الخفاف میں مقیم تھے۔ ایک دن کسی نے عرض کیا، حضرت عبدالوہاب الخفاف تو قدریہ کے عقائد رکھتے تھے۔ یہ معلوم ہوتے ہی شیخ دارانی نے اس میں نماز پڑھنا چھوڑ دیا، اور دوسری مسجد میں چلے گئے۔ (۴) احمد ابن ابی الحواری ان کا قول نقل کرتے ہیں۔ ”قدری کے سوا ہر اہل بدعت کی امامت میں نماز پڑھو، مگر قدری کے پیچھے ہر گز نماز نہ پڑھو، خواہ وہ حاکم ہی کیوں نہ ہو۔“ (۵)

اقوال زریں:- ابوسلیمان الدارانی نے اپنے حکمت و بصیرت سے پرفرمودات میں حقائق

(۱) تاریخ ابن خلکان ج ۱ صفحہ ۴۹۵۔ (۲) شذرات الذہب ج ۲ صفحہ ۱۳۔ (۳) تاریخ بغداد ج ۲ صفحہ ۲۴۸۔ (۴) ایضاً

صفحہ ۲۴۹۔ (۵) تاریخ دارالافتاء ج ۱ صفحہ ۱۱

ایمانی و قائل حق احسانی اور اسرار حکمت ربانی کو برملا فاش کیا ہے، ان تمام اقوال کے راوی شیخ کے تلمیذ رشید اور مرشد خاص ابن الحواری ہیں۔ اگر استقصا کر کے تمام ملفوظات کو یکجا کیا جائے تو ایک مستقل دفتر تیار ہو جائے۔ محدث ابن جوزیؒ نے صفوة الصفوة، حافظ ابن کثیرؒ نے البدایہ والنہایہ، خطیب نے تاریخ بغداد، قاضی عبد الجبار الخولانی نے تاریخ دار اور شیخ فرید الدین عطار نے تذکرۃ الاولیاء میں بہت بسط و تفصیل کے ساتھ ان کے ملفوظات نقل کئے ہیں۔ ذیل میں چند بصیرت آموز اقوال درج کئے جاتے ہیں۔

ایک موقع پر فرمایا کہ ”بہترین عمل خواہشات نفسانی کی مخالفت کرنا ہے۔ اولاد، دولت اور گھربار میں سے جو چیز تم کو خدا کی یاد سے غافل کر دے، وہ نحوست کا باعث ہے۔“ (۱)

فرمایا ”میں رات میں محراب میں دعا کرنے میں مصروف تھا، میرے دونوں ہاتھ خدا کے حضور میں پھیلے ہوئے تھے، اس اثناء میں مجھے زیادہ ٹھنڈک معلوم ہوئی تو میں نے ایک ہاتھ سمیٹ لیا۔ پھر نیند کا غلبہ ہوا اور میں اس طرح سو گیا۔ اتنے میں ایک ہاتھ غیبی نے آواز دی، اے ابوسلیمان! ہم نے پھیلے ہوئے ہاتھ میں وہ سب کچھ رکھ دیا جو تمہیں مطلوب تھا اور اگر تم دوسرا ہاتھ بھی اسی طرح پھیلائے رکھتے تو اسے بھی بھر دیتے۔ اس واقعہ کے بعد میں نے قسم کھائی تھی کہ خواجہ کیسی ہی گرمی یا سردی ہو دعا کے وقت دونوں ہاتھ پھیلائے رکھوں گا۔

حضرت احمد بن الحواریؒ بیان کرتے ہیں کہ میں نے اپنے استاذ کی زبان سے بارہا یہ ارشاد سنا ہے کہ ”دنیا و آخرت میں ہر خیر و نیکی کی جزا اللہ جل شانہ کی خشیت اور اس کا خوف ہے۔ یاد رکھو کہ دنیا کی کنجی یہ ہے کہ انسان شکم سیر ہو کر زندگی گزارے اور آخرت کی کنجی بھوکا رہنا ہے۔“ (۲)

ان ہی سے روایت ہے کہ ایک دن حضرت ابوسلیمان الدارانیؒ کو گرم گرم روٹی نمک سے کھانے کی خواہش پیدا ہوئی۔ میں نے ان کو لا کر دی۔ شیخ نے اس میں سے تھوڑا سا ٹکڑا توڑا اور پھر پوری روٹی پھینک دی۔ اس کے بعد زار و قطار رونے لگے اور کہتے جاتے:

یارب عجلت لی شہوتی

”خداوند! میری خواہش نفسانی نے مجھے مغلوب کر دیا، میں صدق دل سے اپنی اس لغزش

(۱) البدایہ والنہایہ ج ۱۰ صفحہ ۲۵۶۔ (۲) صفوة الصفوة ج ۲ آخری مقولہ کا مطلب یہ ہے کہ اگر انسان آخرت میں کامیابی چاہے تو اس کو مخرقات دنیا میں نہ پڑنا چاہئے، فقر و فاقہ کے عالم میں خشیت و امانت الی اللہ کا غلبہ ہوتا ہے اور فراغت و خوشحالی خدا سے غافل کر دیتی ہے۔

کی توبہ کرتا ہوں۔“

راوی کا بیان ہے کہ پھر تاحیات انہوں نے نمک نہیں چکھا (۱) ابن ابی الحواری ہی کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ میں نے شیخ ابوسلیمان کے سامنے یہ آیت پڑھی:

الا من اتى الله بقلب سليم

”مگر جو اللہ کے پاس قلب سلیم کے ساتھ آئے۔“

تو شیخ نے فرمایا کہ قلب سلیم صحیح معنی میں وہ ہے جو اللہ سے اس حال میں ملے کہ اس میں سوائے ذات حق کے غیر کا وجود نہ ہو۔ یہ کہہ کر شیخ ابوالحواری رونے لگے اور فرمایا کہ جب سے میں نے شام میں اقامت اختیار کی ہے، دارانی کے اس مقولہ سے بہتر کوئی بات نہیں سنی۔ اور بلاشبہ حضرت شیخ کی ذات ان ہی خاصان خدا میں سے تھی جو اپنے پروردگار سے اس حال میں ملے کہ بجز اللہ جل شانہ کسی کا وجود ان کے قلب میں نہ تھا۔ (۲)

فرمایا ”بلاشبہ چور کسی ویران مکان میں نقب زنی کرنے نہیں جاتا، حالانکہ وہ اس میں جہاں چاہے جاسکتا ہے، وہ صرف ایسے گھر کا قصد کرتا ہے جو مال و زر سے معمور ہو، بعینہ یہی حال ابلیس لعین کا ہے، وہ ان ہی قلوب پر قبضہ کرنے کی کوشش کرتا ہے جو خشیت الہی، انابت الی اللہ اور ذکر و فکر سے معمور رہتے ہیں۔“

فرمایا ”اللہ کے کچھ برگزیدہ بندے ایسے ہوتے ہیں، جن کے لئے جنت کی نوع بنوع نعمتوں میں بھی کوئی ایسی کشش نہیں ہوتی جو انہیں یاد الہی سے غافل کر دے، دنیا کی حقیقت اللہ کے نزدیک پرکاش کے برابر بھی نہیں، اس لئے اس میں زہد و اتقاء کے کوئی معنی نہیں ہیں۔ ہاں! جنت میں رہ کر جو روغانمان کی موجودگی میں خدا کے سوا اس کے دل میں کسی کے لئے کوئی جگہ نہ ہو تو وہی زاہد اور متقی ہے۔“

فرمایا کہ لوگ زیادہ سے زیادہ مال جمع کر کے اہل ثروت بننا چاہتے ہیں۔ حالانکہ ان کا یہ خیال بالکل غلط ہے کہ دولت کثرت مال کا نام ہے، خوب سمجھ لو کہ اصل غنی (سرمایہ دار) وہ ہے جو قناعت کی دولت رکھتا ہو، اسی طرح راحت خوشحالی میں نہیں بلکہ تنگی میں ہے، لوگ عام طور پر نرم اور باریک لباس، عمدہ غذا اور آرام دہ مکان میں آسائش تلاش کرتے ہیں۔ حالانکہ وہ دراصل اسلام، ایمان اور عمل صالح اور ذکر اللہ میں پوشیدہ ہے۔

(۱) البدایہ والنہایہ ج ۱ صفحہ ۲۵۶۔ (۲) تاریخ دارالافتاء فی صفحہ ۵۲

فرمایا ”قیامت کے دن خدائے رحمن کی ہم نشینی کا شرف ان لوگوں کو حاصل ہوگا جو کرم، حلم، علم، حکمت، نرم خوئی، رحمدلی، عفو و درگزر، احسان، نیکی، لطف و مروت اور رافت و محبت کی صفات سے متصف ہوں گے۔

حضرت ابن ابی الحواریؓ کہتے ہیں کہ میرے شیخ برابر فرمایا کرتے تھے:

ان النفس اذا جاعت وعطشت صفا القلب ورق واذا شبت عمى القلب (۱)
”جب نفس بھوکا پیاسا ہوتا ہے تو دل میں صفائی اور نرمی پیدا ہوتی ہے اور شکم سیری کی حالت میں قلب اندھا ہو جاتا ہے۔“

فرمایا ”جس شخص نے استغنا کے ساتھ اور حلال ذریعہ کے ساتھ دنیا کو طلب کیا تو قیامت کے روز خدا سے اس عالم میں ملے گا کہ اس کا چہرہ چودھویں رات کے چاند کی طرح درخشاں ہوگا۔“ (۲)

فرمایا ”ہر چیز کا ایک زیور ہوتا ہے، صدق کی آرائش خشوع ہے، تواضع کا مطلب یہ ہے کہ انسان اپنے عمل میں کبر و غرور سے محفوظ رہے۔ دنیا میں غور و فکر، آخرت کا جواب ہے اور آخرت کے بارے میں تفکر دلوں کی زندگی اور ثمرہ حکمت ہے، آنکھوں کو رونے اور دل کو آخرت کے بارے میں فکر کرنے کا عادی بنالو۔“ (۳)

فرمایا ”جو شخص دن میں نیک عمل کرتا ہے، اس کی دن بھر حفاظت کی جاتی ہے۔ بہترین سخاوت وہ ہے جو ضرورت کے مطابق ہو۔ جو شخص اپنی جان کو قیمتی جانے، وہ ہرگز خدمت کی حلاوت نہیں پاسکتا۔“ (۴)

کشف و کرامات :- حضرت ابوسلیمان الدارانیؒ کی کرامات بھی کثرت سے منقول ہیں۔ ابو عبد الرحمن السلمی نے اپنی کتاب محن المشائخ میں لکھا ہے کہ ایک بار شیخ دارانیؒ کسی بات پر اہل دمشق سے ناراض ہو کر وہاں سے کسی سرحدی مقام پر چلے گئے، ان کے جانے کے بعد کسی شخص نے عالم خواب میں دیکھا کہ اگر شیخ دارانیؒ دمشق واپس نہ آئیں گے تو تمام اہل وطن تباہ و برباد ہو جائیں گے۔ چنانچہ عوام کا ایک جم غفیر ان کی تلاش میں نکلا اور ان کے پاس پہنچ کر نہایت عجز و تذلل کے ساتھ واپسی کی درخواست کی، یہاں تک کہ شیخ پھر دمشق واپس آ گئے۔ (۵)

(۱) صفوة الصفوة ج ۲ صفحہ ۱۰۲۔ (۲) البدایہ والنہایہ ج ۱ صفحہ ۲۵۸۔ (۳) تذکرۃ الاولیاء عطار ج ۲ صفحہ ۲۳۳۔ (۴) ایضاً

صفحہ ۲۳۵ (۵) البدایہ والنہایہ ج ۱ صفحہ ۲۵۸

وفات :- باختلاف روایت ۳۰۴ھ، ۳۰۵ھ اور ۳۳۵ھ میں علم و عمل کا یہ نیر تاباں غروب ہو گیا۔ (۱) ابن جوزیؒ نے ان سنین وفات میں اول الذکر ہی کو ارجح قرار دیا ہے اور ابن عماد حنبلی، علامہ ذہبی، ابن خلکان اور خطیب بغدادی نے بھی اس کی توثیق کی ہے۔ (۲)

ان کے انتقال کی خبر سن کر مروان الطاطری نے کہا:

لقد اصاب اهل الاسلام كلهم (۳)

ان کی وفات سے تمام مسلمانوں کو شدید رنج و غم ہوا۔

قریب دار یا میں تدفین ہوئی اور وہاں ان کا مزار آج بھی مرجع اناام ہے۔ حافظ ابن کثیرؒ نے لکھا ہے کہ:

”ان کے مزار کی عمارت بہت شاندار ہے۔ امیرناہض الدین بن عمر النہروانی نے مزار کے ساتھ ایک مسجد بھی تعمیر کرائی۔ مزید برآں اس میں قیام کرنے والوں کے مصارف کے لئے کچھ زمین بھی وقف ہے جس کی پیداوار اور آمدنی مسجد پر صرف ہوتی ہے۔“ (۴)

ان کی اولاد میں شیخ سلیمان کا تذکرہ نویسوں نے ذکر کیا ہے۔ وہ بھی اپنے وقت کے مشہور عابد و زاہد تھے۔ اپنے والد کی طرح انہوں نے بھی ہدایت و ارشاد کی مجلس آراستہ کی تھی۔ اس میں شریک ہو کر بہ کثرت تشنگان معرفت سیراب ہوتے تھے۔ ان کے حقیقت افروز اقوال بھی ابوسلیمان ہی کے مذکورۃ الصدر ملفوظات کے رنگ کے ہوتے تھے، اپنے والد کی وفات کے دو سال ایک ماہ بعد ۲۳۷ھ ہجری میں رحلت فرمائی۔ (۵)

(۱) البدایہ والنہایہ صفحہ ۲۵۹۔ (۲) صفحہ ۲۵۹ ج ۴ صفحہ ۲۰۸۔ (۳) شذرات ج ۲ صفحہ ۱۳۔ المعراج صفحہ ۳۳۷۔ ابن

خلکان ج ۱ صفحہ ۴۹۵۔ بغداد ج ۱۰ صفحہ ۲۴۔ (۴) البدایہ والنہایہ ج ۱۰ صفحہ ۲۵۹۔ (۵) معجم البلدان ج ۲ صفحہ ۲۴

حضرت ابو نعیم فضل بن دکین رحمۃ اللہ علیہ

نام و نسب :- فضل نام، ابو نعیم کنیت اور سلسلہ نسب یہ ہے:

فضل بن دکین عمرو بن حماد بن زہیر ابن درہم (۱) ال طلحہ بن عبد اللہ التیمی کے غلام تھے۔ کو فہ میں ایک شخص عبد السلام بن حرب کی شرکت میں ملأء (چادر یا عورتوں کا بالائی لباس) کی تجارت کیا کرتے تھے۔ اسی وجہ سے تیمی اور ملائی دونوں نسبتوں سے مشہور ہوئے۔ (۲)

وطن اور ولادت :- کوفہ کے رہنے والے تھے۔ سنہ ولادت کے بارے میں خود ان کے دو بیان منقول ہیں۔ ایک کے مطابق وہ ۱۲۹ ہجری میں پیدا ہوئے اور دوسرے کے اعتبار سے ۱۳۰ ہجری میں پیدائش ہوئی۔ لیکن اکثر علماء نے مؤخر الذکر ہی کو اختیار کیا ہے، اس لئے وہی مرجح ہے۔

فضل و کمال :- علم و عمل، حق گوئی و بیباکی اور زہد و اتقاء کے اعتبار سے حضرت ابو نعیم ایک سدا بہار گلدستہ تھے۔ وہ صغارتا بعین کے دامان فیض سے وابستہ رہ کر آسمان علم و فضل پر مہر تاباں بن کر چمکے۔ امام بخاریؒ جیسے عبقری وقت ان کے تلمذ پر تاحیات فخر و مسرت محسوس کرتے رہے۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ حضرت ابو نعیم کی شہرت و مقبولیت میں جہاں ان کے گونا گوں کمالات کو دخل ہے، وہاں امام بخاریؒ کی یگانہ روزگار شخصیت نے بھی ان کو چار چاند لگائے۔ امام بخاریؒ نے استفادہ ان کے صحیفہ کمال کا درخشاں باب ہے۔ یحییٰ بن معینؒ کا بیان ہے، جو لوگ حیات ہیں ان میں حضرت ابو نعیم و عفان سے زیادہ فاضل میں نے کسی کو نہیں دیکھا۔ (۳)

حافظ و ہنر انہیں ”الحافظ محدث الکوفۃ“ علامہ یافعی ”محدث الکوفۃ الحافظ“ اور امام خزرجی ”الحافظ العلم“ لکھتے ہیں۔ (۴) امام احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں۔

کان یقظان فی الحدیث عارفاً (۵)

”وہ حدیث کے بہت باخبر و واقف کار تھے۔“

انہی کا دوسرا بیان ہے کہ ابو نعیم کی وفات کے بعد ان کا مجموعہ روایات سے خطا و صواب کا معیار قرار پایا، جب بھی لوگ کسی مسئلہ میں مختلف رائے ہوتے تو اسی کتاب کی طرف رجوع

(۱) تہذیب المعذیب ج ۸ صفحہ ۲۷۰ و طبقات ابن سعد، ج ۶ صفحہ ۲۷۹۔ (۲) تاریخ بغداد، ج ۱۲ صفحہ ۳۳۶ تذکرۃ الحفاظ ج ۳۱۳۔ (۳) تذکرۃ الحفاظ ج ۱ صفحہ ۳۱۳۔ (۴) المعجم، ج ۱ صفحہ ۳۷۔ (۵) مرآۃ البیان ج ۲ صفحہ ۷۹۔ خلاصہ تہذیب المعذیب ج ۸ صفحہ ۳۰۸۔ (۵) مرآۃ البیان ج ۲ صفحہ ۷۹

کرتے۔ (۱)

حدیث :- حدیث رسول ان کی توجہ کا خصوصی مرکز تھی۔ اس فن میں حضرت ابو نعیمؒ کی جلالت مرتبت اور علوئے شان کا اندازہ صرف اسی سے ہو سکتا ہے کہ انہوں نے سو سے زائد ان اکابر شیوخ سے اکتساب علم کیا تھا جن سے سفیان ثوری کو شرف تلمذ حاصل تھا۔ خود بیان کرتے ہیں:

کتبت عن ازید من مائة شیخ فمن کتب عنه سفیان

”میں نے سو سے زیادہ ان شیوخ سے حدیثیں لکھیں جن سے سفیان ثوری کو شرف سماع

حاصل تھا۔“

ان کی مرویات کی تعداد ہزاروں تک پہنچتی ہے۔ چنانچہ خود ان کے بیان کے مطابق چار ہزار حدیثیں تو انہوں نے صرف سفیان ثوری سے حاصل کی تھیں، ان تمام روایات کا پایہ ثقاہت نہایت بلند ہے۔

حضرت ابو نعیمؒ جن محدثین وائمہ کے فیضان صحبت سے مستفید ہو کر مرتبہ کمال کو پہنچے ان کی فہرست بہت طویل ہے۔ کچھ ممتاز نام یہ ہیں:

سلیمان الاعمش، مسعر بن کدام، سفیان ثوری، مالک بن انس، ابن ابی ذئب، سفیان بن عیینہ، اسرائیل بن یونس، ابن ابی لیلیٰ، شعبہ بن الحجاج، شریک بن عبداللہ، حماد بن زید۔

تلامذہ :- اساتذہ کی طرح خود ان کے آفتاب علم سے مستفید ہونے والوں کا دائرہ بھی کافی وسیع تھا، جس میں عبداللہ بن مبارکؒ جیسے جلیل القدر ائمہ کے نام بھی نظر آتے ہیں۔ جن کے فضل و کمال کی پوری دنیا معترف تھی اور جو حضرت ابو نعیمؒ سے عہد و عمر دونوں میں متقدم تھے۔

تلامذہ میں امام احمد بن حنبل، ابوبکر بن شیبہ، اسحاق بن راہویہ، یحییٰ بن معین، امام بخاری، ابوزرعة، محمد بن سعد (کاتب الواقدی) یعقوب بن شیبہ، عباس الدوری، احمد بن حنبل، زہیر بن حرب، عثمان ابن ابی شیبہ اور ابو حاتم کے اسمائے گرامی ذکر کے لائق ہیں۔ (۲)

رجل و انساب کا علم :- فن حدیث میں رجال و انساب کے علم کو ہمیشہ بڑی اہمیت و عظمت حاصل رہی ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ احادیث کی صحت و سقم کا مدار بڑی حد تک اسی علم کی مہارت اور ثریف نگاہی پر ہوتا ہے۔

حضرت ابو نعیمؒ کو اس بارے میں بڑا کمال حاصل تھا۔ ماہرین فن نے ان کو علم الانساب و

(۱) تہذیب التہذیب ج ۸ صفحہ ۲۷۳۔ (۲) تذکرۃ الحفاظ ج ۱ صفحہ ۲۱۴

رجال کا سب سے بڑا عالم اور واقف کار قرار دیا ہے۔ امام احمدؒ بر ملا اعتراف کرتے ہیں:

كان اعلم من و كيع بالرجال و انسابهم (۱)

وہ امام و کيع سے بھی زیادہ رجال و انساب کا علم رکھنے والے تھے۔

”البتہ فصاحت میں امام و کيع سے وہ کم مرتبہ تھے۔“

ثقاہت :- ثقاہت و عدالت کے لحاظ سے ان کا مرتبہ بہت بلند تھا۔ علمائے حدیث نے ان کی مرویات کو قابل حجت ٹھہرایا ہے۔ احمد ابن صالحؒ کا قول ہے:

مارایت محدثا اصدق من ابی نعیم (۲)

”میں نے ابو نعیمؒ سے زیادہ سچا کوئی محدث نہیں دیکھا۔“

امام احمدؒ فرماتے ہیں:

”ابو نعیم سچے ثقہ اور حدیث میں لائق حجت ہیں۔ (۳)

علامہ ابن سعدؒ رقمطراز ہیں:

”وہ ثقہ، مامون، کثیر الحدیث اور حجت تھے۔“ (۴)

حافظ ذہبیؒ حافظ حجة کے الفاظ سے ان کی ثقاہت کو سراہتے ہیں۔ (۵)

ثبوت و اتقان :- اسی طرح اتقان و ثبوت میں بھی وہ غایت درجہ مہارت و کمال کے حامل تھے۔

حضرت یحییٰ بن معینؒ بیان کرتے ہیں۔ میں نے ابو نعیمؒ سے زیادہ صاحب ثبوت کسی کو نہیں دیکھا۔ (۶)

امام یعقوب الفسویؒ کہتے ہیں:

اجمع اصحابنا ان ابانعم كان غاية في الاتقان والحفظ وانه حجة (۷)

”ہمارے معاصرین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ ابو نعیم حفظ و اتقان کی انتہاء تھے اور بلاشبہ وہ

حجت ہیں۔“

خلق قرآن اور ابو نعیمؒ :- خلیفہ بغداد مامون کے آخری عہد (۲۱۸ھ) میں خلق قرآن کا

فتنہ اٹھ چکا تھا۔ مامون کو اس مسئلہ میں از حد غلو تھا۔ چنانچہ وقت کے تمام مشاہیر، علماء اور فقہاء اس

(۱) تاریخ بغداد ج ۱۲ صفحہ ۳۴۶ و تہذیب التہذیب ج ۸ صفحہ ۲۷۰۔ (۲) تذکرۃ الحفاظ ج ۱ صفحہ ۳۴۱ و تہذیب التہذیب ج ۱

تاریخ بغداد ج ۲ صفحہ ۲۴۷ (۳) شذرات الذہب ج ۲ صفحہ ۴۶۔ تذکرۃ الحفاظ ج ۱ صفحہ ۳۴۱۔ (۴) تہذیب التہذیب ج ۱

۸ صفحہ ۲۷۳ (۵) الطبقات الکبیرات لابن سعد، ج ۶ صفحہ ۲۸۰ (۶) میزان الاعتدال ج ۲ صفحہ ۳۲۹ (۷) التہذیب ج ۱ صفحہ

۳۷۷۔ مرآۃ البیان للیافعی ج ۲ صفحہ ۲۹۔ خلاصہ تہذیب الکمال صفحہ ۳۰۹

فتنہ کی زد میں آئے۔ اس ابتلاء و آزمائش کا سب سے زیادہ نشانہ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کی مایہ ناز شخصیت بنی۔ مامون اور اس کے بعد معتصم ہر قسم کے جبر و تشدد کے باوجود امام موصوف سے اس عقیدہ باطل کا اقرار نہ کرا سکے۔

معتصم کے عہد میں یہ فتنہ حد سے زیادہ بڑھ گیا تھا، اس نے تمام ممال محروسہ میں فرامین جاری کر دیئے تھے کہ علمائے وقت سے زبردستی خلقِ قرآن کا اقرار کرایا جائے۔ چنانچہ جوار باب علم و فضل میدانِ عزیمت و ہمت کے شہسوار نہ تھے انہوں نے رخصت پر عمل کرتے ہوئے سر اقرار خم کر دیئے۔ لیکن صاحبانِ عزیمت نے خلقِ قرآن کا اقرار کرنے کے مقابلہ میں طوق و سلاسل اور داور سن کو ترجیح دی۔ انہی اہل عزیمت علماء میں حضرت ابو نعیمؒ بھی تھے۔

خطیب بغدادیؒ نے اس فتنہ میں ابو نعیم کے ابتلاء کی پوری تفصیل درج کی ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ابو نعیمؒ کوفہ ہی میں تھے، جس وقت فرمانِ خلافت کے تحت والی کوفہ نے خلقِ قرآن کا اعتراف کرنے کے لئے علماء کو طلب کیا۔ چنانچہ حضرت ابو نعیمؒ بھی ملنے گئے۔ ان سے پہلے ابن ابی حنیفہؒ، احمد بن یونسؒ اور ابو غسانؒ پہنچ چکے تھے۔ والی نے سب سے پہلے ابن ابی حنیفہ سے اقرار کرنے کے لئے کہا، انہوں نے فوراً حکم کی تعمیل کی۔ پھر اس نے حضرت ابو نعیمؒ کی طرف متوجہ ہو کر کہا کہ دیکھو انہوں نے (ابن ابی حنیفہؒ نے) بھی اقرار کر لیا ہے۔ حضرت ابو نعیمؒ نے یہ سن کر نہایت خشناک لب و لہجہ میں ابن ابی حنیفہؒ کو سخت ست کہا اور والی سے مخاطب ہو کر کہا میں نے کوفہ میں کم و بیش سات سو شیوخ کو یہ کہتے سنا ہے کہ القرآن کلام اللہ غیر مخلوق۔ یعنی قرآن خدا کا کلام ہے، مخلوق نہیں ہے اور یہی میرا بھی عقیدہ ہے اور اس بر ملا اظہار حق کی خاطر خواہ میری گردن سر سے جدا کر دی جائے میں اس سے باز نہیں رہ سکتا۔

والی کوفہ کے دربار میں حضرت ابو نعیمؒ کی اس بے مثال جرأت، حق گوئی اور بیباکی کو دیکھ کر احمد بن یونسؒ فوراً اٹھے اور انہوں نے حضرت ابو نعیمؒ کی پیشانی کو بوسہ دیا اور کہا ”جزاک اللہ خیراً“ حالانکہ ان سے قبل دونوں بزرگوں میں سخت غلط فہمیاں تھیں۔ (۱)

تشیع کا الزام:- ان پر یہ اتہام بھی عائد کیا جاتا ہے کہ ان میں تشیع کا رجحان موجود تھا، لیکن انہوں نے اپنی زندگی ہی میں اس کی سخت تردید کر دی تھی۔ چنانچہ احمد بن حنبل بن ابی نعیم کا بیان ہے کہ جب میرے جد امجد ابو نعیمؒ بغداد شریف لے گئے تو میں ان کے ہمراہ تھا، وہاں وہ حدیث کا

درس دینے لگے۔ ایک دن اثناء درس ایک خراسانی اپنی جگہ سے اٹھا اور کہا کہ آپ رافضی ہیں؟ احمدؒ کہتے ہیں کہ یہ سنتے ہی حضرت ابو نعیمؒ کے چہرے کا رنگ متغیر ہو گیا اور فرط غضب سے انہوں نے منہ پھیر لیا۔ (۱)

خوش طبعی :- بایں ہمہ جلالت علم و فضل وہ بہت خوش مزاج اور زندہ دل تھے۔ خطیب رقمطراز ہیں کہ:

کان ابو نعیم مزاحاً ذا وعایة مع تدینہ و امانتہ و ثقاہتہ (۲)

”ابو نعیم اپنے تدین اور ثقاہت و امانت کے باوجود بہت زندہ دل اور پر مذاق انسان تھے۔“
استغناء :- وہ مال و دولت اور مخرقات دنیا سے بے نیاز تھے، لیکن اس کے باوجود بعض لوگ ان پر تعلیم کی اجرت لینے کا الزام لگاتے ہیں۔ جیسے اس زمانے میں بہت معیوب اور تدین و ثقاہت کے منافی خیال کیا جاتا تھا۔ لیکن حضرت ابو نعیمؒ خود ہی بیان کرتے ہیں کہ اگر لوگوں کا یہ خیال صحیح ہوتا تو پھر میرے ۱۳ نفری گھر کی عسرت اس حال کو نہ پہنچتی کہ اس وقت ایک روٹی بھی میرے گھر میں نہیں ہے۔ (۳)

وفات :- شب سہ شنبہ ماہ شعبان ۲۱۹ ہجری کو بمقام کوفہ رحلت فرمائی، عبدالدوس بن کامل بیان کرتے ہیں کہ ہم لوگ ماہ ربیع الاول ۲۱۸ ہجری کو کوفہ میں ابو نعیمؒ کی صحبت میں حاضر تھے، اسی اثناء میں محاضر بن ابورع کے صاحبزادے تشریف لائے۔ حضرت ابو نعیمؒ نے ان کو دیکھتے ہی کہا کہ میں نے گزشتہ شب خواب میں تمہارے والد کی زیارت کی تھی، انہوں نے مجھے ڈھائی درہم مرحمت فرمائے۔ تمہارے نزدیک اس کی کیا تاویل ہو سکتی ہے؟ ابن المحاضر نے عرض کیا کہ مجھے تو خیر ہی معلوم ہوتا ہے۔ فرمایا کہ میں اس کی تاویل یہ کرتا ہوں کہ میں اب یا تو ڈھائی یوم اور زندہ رہوں گا یا ڈھائی مہینے یا ڈھائی سال۔ چنانچہ ٹھیک ڈھائی سال کے بعد ان کی وفات ہوئی۔ (۴)

سہ شنبہ کی شب میں انتقال ہوا تھا۔ اس کے دوسرے دن مقام حبان میں تدفین ہوئی۔ نماز جنازہ محمد بن داؤد نے پڑھائی۔ تدفین کے بعد والی کو اطلاع ہوئی تو دوڑا ہوا آیا اور وفات کی اطلاع نہ دینے پر سخت برہم ہوا اور پھر قبر سے ذرا ہٹ کر ایک کثیر مجمع کے ساتھ نماز ادا کی۔ اس وقت عباسی خلیفہ معتصم باللہ کی حکومت تھی۔ (۵)

(۱) تاریخ بغداد ج ۱۲ صفحہ ۳۵۱۔ (۲) تاریخ بغداد ج ۱۲ صفحہ ۳۳۷۔ (۳) تہذیب التہذیب ج ۸ صفحہ ۲۷۵۔

(۴) طبقات ابن سعد ج ۶ صفحہ ۲۸۰۔ (۵) تاریخ بغداد ج ۱۲ صفحہ ۳۵۷۔

اسد بن فرات رحمۃ اللہ علیہ

نام و نسب :- اسد نام، ابو عبد اللہ کنیت، والد کا اسم گرامی فرات اور جد امجد کا نام سنان تھا۔ وہ اکثر ازراہ مزاح کہا کرتے تھے کہ میں اسد (شیر) ہوں جو وحشی جانوروں میں سب سے زیادہ بہتر ہے، میرے والد فرات ہیں، جو دریاؤں میں اعلیٰ ہیں اور میرے دادا سنان (نیزے کی انی) تھے جو ہتھیاروں میں بہترین ہے۔

خاندان، ولادت اور ابتدائی حالات :- ان کا خاندان بنو سلیم بن قیس کے آزاد کردہ غلاموں میں سے تھا، قاضی اسد کا آبائی وطن نیشاپور (خراسان) تھا، وہ ابھی لطن مادر ہی میں تھے کہ ان کے والد ہجرت کر کے حران (دیار ابی بکر) چلے آئے اور یہیں ۱۴۲ ہجری میں ان کی ولادت ہوئی (سال ولادت کے بارے میں علماء کی رائیں مختلف ہیں، بعض ۱۴۳ ہجری اور بعض ۱۴۵ ہجری قرار دیتے ہیں، لیکن خود قاضی اسد کی زبان سے ۱۴۲ ہجری ہی مروی ہے۔ اس لئے وہی اصح و اولیٰ ہے)۔

آبائی پیشہ سپہ گری تھا، دو برس کے سن میں اپنے والد کے ہمراہ ۱۴۴ ہجری میں محمد بن اشعث کی فوج کے ہمراہ افریقہ آئے۔ پانچ سال کی عمر تک قیروان میں رہے۔ پھر جب ان کے والد نے ٹیونس میں قیام کیا تو نو سال وہاں مقیم رہے۔

۱۸ سال کی عمر میں ٹیونس کے ایک گاؤں میں قرآن مجید کی تعلیم ختم کی۔ ان دنوں ان کی والدہ نے ان کے متعلق عالم رویا میں دیکھا کہ ان کی پشت پر گھاس اُگی ہوئی ہے، اور اسے مویشی چر رہے ہیں۔ علمائے تعبیر نے بتایا کہ یہ لڑکا آئندہ علم و فضل کا مالک ہوگا اور تشنگان علم اس کے چیمہ فیض سے شاد کام ہوں گے۔

تحصیل علم :- اس کے بعد ان کے دینی علوم کی تکمیل کا وقت آیا۔ اس وقت ٹیونس میں حضرت علی بن زیادؒ مسند درس بچھائے ہوئے تھے۔ قاضی اسدؒ نے اسی کی طرف رجوع کیا اور ان سے حدیث و فقہ کی تحصیل کی۔ موطا امام مالکؒ پہلی مرتبہ ان ہی سے پڑھی۔

پھر ۲۱ ہجری میں تکمیل علم کے لئے مشرق کی طرف روانہ ہوئے اور مدینہ منورہ پہنچ کر امام مالکؒ کے حلقہ درس میں شامل ہو گئے۔ امام مالکؒ کے درس کا طریقہ یہ تھا کہ وہ موطا کے درس میں

طلبہ کے سوالوں کے جوابات دیتے، جنہیں تلامذہ لکھتے جاتے۔

عبداللہ بن وہب اور عبدالرحمن بن قاسم امام مالکؒ کے ارشد تلامذہ میں تھے اور ان کی حیثیت امام ابوحنیفہؒ کے اصحاب امام محمدؒ اور امام ابو یوسفؒ کے مثل تھی، اور یہی دونوں ان کے جوابوں کو لکھتے تھے۔

امام مالکؒ طبعاً قلیل و قال کو پسند فرماتے تھے اور سہل و سادہ طور پر محض روایات کی بنیاد پر جوابات دیتے تھے اور اس کی وجہ سے تلامذہ اپنے دلی خدشات کو پیش کرتے ہوئے جھکتے تھے۔ جب اسد ان کی مجلس میں شریک ہوئے تو ابن قاسم وغیرہ نے ان کے ذریعہ سے اپنے خدشات مٹانے چاہے۔ چنانچہ وہ انہیں سوال در سوال سکھاتے۔

اسد امام صاحبؒ کے سامنے پیش کرتے، بالآخر امام صاحب نے انہیں بھی ممانعت کر دی۔ یہ پورا واقعہ خود قاضی اسدؒ کی زبان سے ملاحظہ فرمائیں:

مالکؒ کے اصحاب ابن قاسم وغیرہ مجھے سکھاتے کہ فلاں مسئلہ کے متعلق ان سے دریافت کروں، چنانچہ میں جب ان سے سوال کرتا تو وہ مجھے جواب دے دیتے۔ اس کے بعد میرے ساتھی مجھے یوں سکھانے لگے کہ ”اگر یہ ایسا ہے تو یوں ایسا ہوگا، اور یہ یوں ہے تو یہ یوں ہوگا۔“ اس پر میں اسی طریقہ سے سوالات کرنے لگا۔ ایک دن وہ مجھ سے تنگ آ گئے اور فرمانے لگے: ”سلسلہ پر سلسلہ چھیڑ رکھا ہے، اگر ایسا ہو تو یہ ایسا ہے اور ایسا..... اگر تم یہ چاہتے ہو تو تمہارے لئے عراق کا راستہ ہے۔“ اس واقعہ کے بعد میں نے اپنے ساتھیوں سے کہہ دیا کہ ”تم لوگ میرا سہارا پکڑتے ہو، میں آئندہ اس قسم کی حرکت نہ کروں گا۔“ (۱)

امام مالکؒ سے سبقاً سبقاً موطا پڑھ چکنے کے بعد انہوں نے کسی دوسری کتاب کے پڑھنے کا شوق ظاہر کیا تو امام صاحبؒ نے فرمایا:

”وہی تمہارے لئے کافی ہے جو میں دوسروں کو دے رہا ہوں۔“

جب یہاں تعلیمی سلسلہ کی تکمیل ہو گئی تو انہیں عراق جا کر فقہ حنفی کی تحصیل کا خیال پیدا ہوا اور

(۱) اس واقعہ کو بعض مورخین نے اس طرح نقل کیا ہے کہ اس نے ایک دن امام صاحب سے سوال کیا۔ انہوں نے جواب دیا۔ اس نے دوبارہ پوچھا، امام صاحب نے دوبارہ جواب دیا اور پھر سہ بارہ بھی جواب ملا۔ لیکن جب چوتھی مرتبہ اس پر کچھ پوچھا تو امام مالکؒ نے فرمایا ”مفری“ بس یہ تمہارے لئے کافی ہے۔ اگر تم رائے چاہتے ہو تو عراق جاؤ۔ اس پر بعض مورخین نے لکھا ہے کہ وہ اسی وجہ سے عراق چلے گئے۔ لیکن جیسا کہ اسد کے بیان سے اندازہ ہوتا ہے یہ صحیح نہیں ہے بلکہ جب یہاں درس کی تکمیل کر لی تب عراق گئے تاکہ فقہ حنفی کی تحصیل کریں۔

امام مالکؒ سے رخصت ہونے کے لئے ان کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ امام صاحبؒ نے التفات خاص کے ساتھ انہیں الوداع کیا۔

قاضی اسد بیان کرتے ہیں کہ:

میں اور حارث بن اسد قفصی اور غالب بن مہدی امام صاحب کی خدمت میں رخصت ہونے کے لئے حاضر ہوئے۔ میرے دونوں ساتھی مجھ سے پہلے باریاب ہوئے اور امام مالکؒ سے درخواست کی کہ ہمیں کچھ وصیت فرمائیے، انہوں نے ان دونوں کو وصیت کی، اس کے بعد میری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا کہ ”میں اللہ تعالیٰ سے تمہارے لئے تقویٰ، قرآن اور اس امت کی خیر خواہی کی وصیت کرتا ہوں۔“ اس کے بعد ہم لوگ باہر نکلے تو میرے ساتھیوں نے مجھ سے کہا کہ ”اے عبد اللہ! واللہ انہوں نے تمہیں اپنی وصیت میں ہم لوگوں سے زیادہ عطا فرمایا۔“ راوی سلیمان کا بیان ہے کہ امام مالکؒ رخصت کرتے وقت اپنے تلامذہ کو صرف ”تقویٰ اللہ“ کی وصیت فرماتے تھے۔

اس کے بعد قاضی اسد مدینہ سے عراق روانہ ہوئے۔ یہاں امام اعظمؒ کے ارشد تلامذہ کی مجلس درس آراستہ تھی۔ وہ یہاں آ کر امام ابو یوسفؒ، امام محمدؒ اور اسد بن عمرو (۱) کے حلقوں میں شریک ہوئے اور ان کے علاوہ کچھ دوسرے ممتاز فقہائے احناف کے سامنے بھی زانوئے تلمذ تہہ کیا۔ امام محمدؒ کا التفات خاص:۔ امام محمدؒ کی خدمت میں انہیں نمایاں اختصاص حاصل ہوا، ان کی اجازت سے ان کے عام درس میں شریک ہونے کے علاوہ شب کے وقت بھی ان سے پڑھتے تھے اور پھر جب ان کی غریب الوطنی کا علم ہوا تو امام محمدؒ نے ان کی مالی امداد بھی فرمائی۔ انہوں نے یہ واقعات خود سلیمان بن سالم سے بیان کئے ہیں۔ فرماتے ہیں:

میں نے امام محمد بن حسن سے کہا کہ میں پردیسی ہوں اور آپ سے فقہ اور حدیث کا بہت کم سرمایہ جمع کر سکا ہوں، کیونکہ آپ کے تلامذہ کا تعداد زیادہ ہے، اس لئے میرے لئے کیا خاص عنایت ہو سکتی ہے؟ انہوں نے فرمایا کہ عراقی طلبہ کے ساتھ دن کے وقت درس میں شریک رہو اور رات کا وقت صرف تمہارے لئے خاص کرتا ہوں۔ رات میرے ہی پاس گزارو، میں تمہیں حدیثیں

(۱) ان شیوخ میں صاحبینؒ کے اسماء معلوم و مشہور ہیں۔ مؤخر الذکر اسد بن عمرو بھی امام اعظمؒ کے ارشد تلامذہ میں تھے۔ ان کا امتیاز خاص یہ ہے کہ انہی نے سب سے پہلے امام اعظمؒ کی کتابیں ان سے نقل کی ہیں۔ الجواہر المہیۃ میں ان کے حالات درج ہیں۔ (ج ۱ صفحہ ۱۴۰)

سنایا کروں گا۔ چنانچہ میں شب کو امام محمدؒ کے یہاں رہنے لگا، وہ خود کو ٹھٹھے پر رہتے تھے اور میں نیچے کی منزل میں رہتا تھا۔ لیکن میری خاطر سے وہ نیچے ہی اتر آتے اور درس کے لئے اپنے سامنے ایک پیالے میں پانی رکھ کر بیٹھ جاتے۔ جب پڑھتے پڑھتے رات زیادہ گزر جاتی تو مجھے نیند آنے لگتی۔ وہ مجھے اونگھتے دیکھ کر ایک چلو پانی میرے منہ پر چھڑکتے اور میں بیدار ہو جاتا۔ ان کا اور میرا یہی طریقہ بدستور جاری رہا۔ یہاں تک کہ میں جس قدر ان سے پڑھنا چاہتا تھا، پڑھ لیتا۔“

امام محمدؒ کی شفقتوں کے سلسلہ میں وہ مزید لکھتے ہیں:

”میں ایک دن محمد بن حسن کے حلقہ درس میں بیٹھا تھا، ناگاہ سبیل لگانے والے کی آواز آئی۔ میں جلدی سے اٹھ کر گیا اور پانی پی کر حلقہ میں واپس چلا آیا۔ اس پر امام محمدؒ نے مجھ سے پوچھا ”مغربی، تم سبیل کا پانی پیتے ہو؟“ میں نے عرض کیا ”خدا آپ کو فلاح دے، میں تو ابن السبیل ہوں۔“ درس ختم کر کے میں گھر چلا گیا، تو رات کے وقت کسی نے دروازہ پر آواز دی۔ دروازہ کھولا تو معلوم ہوا کہ امام محمدؒ کا خادم ہے، اس نے مجھ سے کہا کہ آقا نے آپ کو سلام کہا ہے اور آپ سے کہا ہے کہ مجھے آج سے پہلے بالکل معلوم نہ تھا کہ تم ابن السبیل ہو، اس لئے اس نفقہ کو لے لو اور اپنی ضرورتیں پوری کرو۔ اس کے بعد اس خادم نے ایک بھاری تھیلی میری طرف بڑھائی۔ میں دل میں خوش ہوا کہ اس میں دراہم کی کافی تعداد ہے۔ جب گھر میں آ کر تھیلی کھولی تو دیکھا کہ اس میں ۸۰ اشرفیاں بھری ہوئی ہیں۔“

امام مالکؒ کی وفات اور لوگوں کا ان کے تلامذہ کی طرف مرجوعہ:

قاضی اسد عراقؒ میں تحصیل علم میں مصروف تھے کہ اچانک مدینہ سے امام مالکؒ کی وفات کی خبر صاعقہ اثر ملی اور اسی وقت سے امام مالکؒ کے تلامذہ طالبان علم کے مرجوعہ بن گئے۔ جن میں قاضی اسدؒ بھی شامل تھے۔ اس واقعہ کو وہ خود اس طرح بیان کرتے ہیں:

”ہم لوگ ایک دن امام محمدؒ کے حلقہ درس میں بیٹھے تھے کہ اچانک ایک شخص آیا اور لوگوں کو پھاندتا ہوا امام محمدؒ کے قریب پہنچا اور ان سے کوئی خبر بیان کی، جس پر امام محمدؒ بول اٹھے انا للہ وانا الیہ راجعون۔ ایک مصیبت ہے کہ اس سے بڑھ کر دوسری مصیبت نہیں، مالک بن انسؒ کا انتقال ہو گیا ہے۔ امیر المؤمنین فی الحدیث نے وفات پائی۔“

یہ خبر مسجد میں پھیلی، پھر بجلی کی طرح سارے شہر میں دوڑ گئی۔ لوگ مالک بن انسؒ کی وفات پر اظہار غم کے لئے جمع ہونے لگے اور اس کے بعد یہ حال ہو گیا کہ جب کوئی مالک بن انسؒ کی حدیث

روایت کرنے لگتا تو ایک خلقت اس کے گرد اُمنڈا آتی اور اس قدر جمع ہوتا کہ راستے بند ہو جاتے۔
صاحبینؓ کی قاضی اسدؓ سے موطا کی تحصیل:

اسی سلسلہ میں قاضی اسدؓ سے بھی لوگوں نے امام مالکؓ کی روایتیں حاصل کیں۔ بلاشبہ انہیں یہ قابل فخر اعزاز حاصل ہوا کہ امام ابو یوسفؓ نے اس تشنہ علم کو سیراب کرنے کے بعد اس سے اس فیض کے حاصل کرنے کی خواہش کی جو وہ مدینۃ العلم یشرب سے حاصل کر کے لایا تھا۔ چنانچہ امام ابو یوسفؓ نے اسدؓ سے موطا امام مالک کا درس لیا۔

پھر جب امام محمدؓ کو اس کی خبر پہنچی تو فرمایا ”ابو یوسفؓ علم کی خوشبو سونگھ لیتے ہیں۔“ اور اس کے بعد انہوں نے بھی قاضی اسدؓ سے موطا کے درس کی خود بھی خواہش ظاہر کی اور اس حیثیت سے قاضی اسدؓ کی شخصیت اسلام کے دو اہم مذاہب کے اساطین اولین کے درمیان ایک سلسلہ الذہب قرار پاتی ہے۔

قاضی اسدؓ نے مشرق میں فقہ مالکی و حنفی کی تحصیل کے علاوہ علم حدیث پر بھی نظر رکھی۔ امام محمدؓ سے تحصیل حدیث کا ذکر اوپر گذرا، ان کے علاوہ شیوخ عراق میں سے یحییٰ بن زکریا بن ابی زائدہ کوفی، ابوبکر بن عیاش، مسیب بن شریک اور بشیم بن شریک وغیرہ سے علم حدیث حاصل کیا اور ان سے حدیثیں نقل کیں۔ ان سے صرف مؤخر الذکر بشیم بن شریک سے بارہ ہزار حدیثیں لکھیں۔

وطن کو مراجعت :- قاضی اسدؓ نے مشرق میں تحصیل علم سے فارغ ہو چکنے کے بعد وطن واپسی کا ارادہ کیا، لیکن مصارف سفر کا کوئی سامان نہ تھا اس لئے سخت پریشان تھا۔ بالآخر امام محمدؓ کے سامنے اس کا تذکرہ آیا۔ انہوں نے فرمایا: تمہارا ذکر ولی عہد (غالباً شہزادہ امین مراد ہے) کے سامنے کروں گا۔ امید ہے تم بآسانی وطن پہنچ جاؤ گے۔

چنانچہ امام محمدؓ نے ولی عہد سے قاضی اسدؓ کا تذکرہ کیا اور اس سے قاضی اسدؓ کے ملنے کی تاریخ مقرر ہوئی۔ جب قاضی اسدؓ ولی عہد کے محل میں جانے لگے تو امام محمدؓ نے انہیں سمجھایا کہ تم ان لوگوں کے پاس جس رکھ رکھاؤ سے پیش آؤ گے، ویسا ہی وہ بھی تم سے برتاؤ کریں گے۔ اگر تم اپنی خودداری قائم رکھ کر ان سے ملو گے تو وہ بھی تمہیں باعزت اور خوددار سمجھیں گے۔

اس کے بعد قاضی اسدؓ ولی عہد کے محل میں پہنچے۔ ایک خادم نے ان کا استقبال کیا اور ایک جگہ بٹھایا۔ یہاں ان کے سامنے ایک ڈھکا ہوا خوان لایا گیا۔ قاضی اسدؓ نے پوچھا ”یہ جو کچھ تم لائے ہو تمہاری طرف سے یا تمہارے آقا کی جانب سے؟“ وہ بولا ”آقا کے حکم سے لایا ہوں۔“

قاضی اسدؒ نے نہایت خوبصورتی سے جواب دیا:

”تمہارا آقا کبھی اسے پسند نہیں کرتا کہ اس کا مہمان اس کی شرکت کے بغیر کھانا کھائے، صاحبزادے! یہ تمہارا ہی احسان ہے، مجھ پر بھی تمہاری مکافات واجب ہے۔“ یہ کہہ کر جیب ٹٹولی، اس میں ان کا سرمایہ کل چالیس درہم تھے۔ انہوں نے اس کے صلے میں اس کو بڑی فراخ حوصلگی سے چالیسوں درہم اس کی طرف بڑھادیئے اور خوان اٹھالینے کا اشارہ کیا۔ خادم قاضی اسدؒ سے بے حد خوش ہوا اور سارا واقعہ اپنے آقا سے سنایا۔ وہ سن کر بہت محظوظ ہوا اور قاضی اسدؒ کو اندر طلب کیا۔ اس کے بعد قاضی اسدؒ کی زبانی سنئے:

میں دلی عہد کی خدمت میں پہنچا، وہ ایک تخت پر جلوہ افروز تھا۔ اس کے سامنے ایک دوسرا تخت بچھا تھا، جس پر حاجب بیٹھا تھا، تیسرا تخت خالی تھا، اس پر مجھے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ پھر مجھ سے مختلف گفتگوئیں کرتا رہا اور میں مناسب جوابات دیتا رہا۔ جب میری واپسی کا وقت آیا تو ایک رقعہ لکھ کر سر بمہر لفافہ میں میرے حوالہ کیا اور کہا کہ اسے صاحب دیوان کے یہاں لے جاؤ، پھر مجھ سے دوبارہ ملنا، تمہیں انشاء اللہ یہاں آنے سے مسرت ہوگی۔

اس لفافہ میں دس ہزار دیئے جانے کی ہدایت تھی۔ جب یہ رقم وصول ہوگئی تو قاضی اسدؒ نے دلی عہد کی ہدایت کے مطابق اس کے یہاں دوبارہ جانا چاہا، مگر امام محمدؒ نے یہ کہہ کر منع فرمایا کہ اگر اب ان لوگوں کے پاس دوبارہ جاؤ گے تو وہ تمہیں اپنا ملازم تصور کریں گے۔ چنانچہ قاضی اسدؒ نے ملنے کا خیال ترک کر دیا اور اپنے شفیق استادوں سے رخصت ہو کر مصر روانہ ہو گئے۔

قاضی اسدؒ نے امام محمدؒ کے دل پر اپنی محنت، جفاکشی اور تحصیل علم کے شوق کے گہرے نقوش چھوڑے تھے، وہ ان کے آنے کے بعد مجلسوں میں ان کی تعریف فرماتے تھے۔ صاحب معالم نے لکھا ہے:

”امام محمدؒ مکہ میں ان کی تعریف کرتے تھے، اور ان کے مناظرہ، طریق درس اور علم حدیث کی توصیف و ستائش فرماتے تھے۔“

مصر میں :- مصر میں اس وقت عبداللہ بن وہب، اشہب اور عبدالرحمن بن قاسم کے علمبردار تھے اور یہ تینوں امام مالکؒ کے ایسے جلیل القدر تلامذہ تھے، جن کا احترام امام مالکؒ کے تمام شاگرد کرتے تھے۔ قاضی اسدؒ باری باری ان کے حلقہ درس میں شریک ہوتے، لیکن عبداللہ بن وہب اور اشہب سے نبھ نہ سکی اور مؤخر الذکر سے تو ایسی سخت نوک جھونک ہوئی کہ اگر عبداللہ بن عبدالحکیم

وغیرہ درمیان میں نہ آ جاتے تو برے نتائج پیدا ہوتے۔

آخر میں عبدالرحمن بن قاسم کی طرف رجوع کیا۔ یہ اپنے علم و فضل، زہد و ورع اور کبر سنی کی وجہ سے بڑے احترام سے دیکھے جاتے، عبادت و ریاضت کا یہ حال تھا کہ دن رات میں تین ختم پڑھتے اور گھنٹوں نماز میں قیام کرتے تھے۔

علم فقہ میں روایت، رائے اور قیاس سب پر یکساں نظر رکھتے تھے اور ابن قاسم کی یہی جامعیت قاضی اسد کے لئے وجہ کشش تھی، ایک دن انہوں نے جوش عقیدت میں ان کے متعلق مسجد میں بآواز بلند یہ کہا:

”حضرات! اگر مالک بن انس کا انتقال ہو چکا ہے تو یہ دوسرا امام مالک ہمارے سامنے موجود ہے۔“

یہ کہتے ہوئے ابن قاسم کی طرف اشارہ کیا اور پھر التزام سے روزانہ ان کی خدمت میں حاضر ہونے لگے۔

اسد یہ کی تدوین:- اس کے بعد قاضی اسد کا یہ دستور ہو گیا کہ وہ ابن قاسم سے روزانہ فقہی مسائل پر سوالات کرتے، وہ جوابات دیتے۔ قاضی اسد سوال و جواب دونوں کو بالترتیب لکھتے جاتے۔ حضرت عبدالرحمن بن قاسم اپنے جوابوں میں امام مالک کے فتاویٰ بیان کرتے۔ ان پر احادیث سے استدلال لاتے اور قیاس و رائے سے ان جوابوں کی صحت کے ثبوت بہم پہنچاتے۔ یہاں تک کہ انہوں نے ان جوابوں کے املا کرانے میں روزانہ کے تین ختموں کے معمول میں سے ایک ختم کو ترک کر دیا۔

اس طرح یہ سوال و جواب ساٹھ جزیوں میں مدون ہو گئے اور یہی کتاب دنیا میں فقہ مالکی کی اولین کتاب ہے۔ قاضی اسد نے اس مجموعی کو اپنے نام پر ”الاسدیہ“ سے موسوم کیا ہے۔ الاسدیہ کی شہرت اور اس کی نقلیں:- الاسدیہ کی تدوین کے بعد قاضی اسد کو افریقہ واپسی کا خیال آیا۔ اس اثناء میں الاسدیہ کی شہرت پھیل چکی تھی۔ اہل مصر نے قاضی اسد سے اس کا ایک نسخہ حاصل کرنا چاہا۔ انہوں نے اس کے دینے میں تامل کیا اور یہ معاملہ قاضی تک پہنچا۔ قاضی اسد کا دعویٰ تھا کہ اس کی نقلیں ان کے حوالہ سے کی جائیں لیکن اہل مصر اس پر آمادہ نہ تھے۔ تھوڑے سے رد و کد کے بعد قاضی نے اس کی نقل اس سے دلوا دی۔

جب قاضی اسد مصر سے روانہ ہونے لگے تو ابن قاسم نے کچھ سامان ان کے حوالہ کیا کہ

اسے افریقہ میں فروخت کر کے اس کی قیمت سے کاغذ خریدے اور اسدیہ کی نقل ان کے پاس بھیج دی جائے۔ چنانچہ افریقہ پہنچ کر قاضی اسد نے اس کی نقل ایک عدد تیار کر کے اپنے استاد کی خدمت میں ارسال کر دی۔

۱۸۱ ہجری میں قاضی اسد مصر سے قیروان واپس آئے اور یہاں پہنچتے ہی خلق خدا کا ہجوم امنڈ پڑا اور انہوں نے مولانا مالک اور الاسدیہ کا درس جاری کر دیا۔ امام مالک سے بیک واسطہ احادیث لینے اور الاسدیہ کی روایت اور سماع کے لئے افریقہ اور مغرب کے جلیل القدر علماء نے قاضی اسد کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا اور چند ہی دنوں میں ان کی اسدیہ کی روایت جسے عرف عام میں ”المدونۃ“ بھی کہنے لگے تھے، سارے افریقہ و مغرب میں پھیل گئی۔

تیسری نقل موسومہ المدونۃ الکبریٰ اور امام سخون اور قاضی اسد میں علمی چشمک: جب ”الاسدیہ“ شہرہ آفاق حیثیت حاصل کر کے خاص و عام میں مقبولیت کی نگاہ سے دیکھی گئی تو اہل علم نے خصوصیت کے ساتھ اس پر توجہ کی اور اس کی نقل کا اہتمام کیا۔ اسد کے حلقہ درس میں دو جلیل القدر علماء سخون اور محمد بن رشید بھی شریک تھے، ان دونوں نے اسد کی لاعلمی میں ان کی نقل تیار کرنی شروع کی۔

لیکن ایک زمانہ میں اہل علم کے درمیان کتاب کے نسخوں کو بڑی اہمیت حاصل تھی۔ تلامذہ کا فرض تھا کہ استاد کی اجازت کے بغیر اس کی نقل نہ لیں اور دراصل وہ نسخے جو استاد کی تصدیق کے بغیر ہوتے معتبر بھی نہ سمجھے جاتے تھے۔ لیکن اس کے باوجود ان دونوں نے اس کی نقل حاصل کرنی شروع کی، اس لئے جب قاضی اسد کو اس کا حال معلوم ہوا تو انہیں سخت ناگوار گذرا۔ اب وہ لوگوں کو نسخہ کی جزوی نقل دینے میں بھی احتیاط برتنے لگے، مگر اس وقت تک سخون کا نسخہ قریب قریب مکمل ہو چکا تھا۔ صرف ایک باب کتاب القسم کی نقل باقی رہ گئی تھی۔

بہر حال سخون اس کی نقل حاصل کرنے کی کوششوں میں لگے رہے۔ چنانچہ ایک دن ایک شخص جزیرہ سے اسد کے پاس آیا اور اس کی کتاب القسم کی نقل چاہی۔ قاضی اسد کو شبہ ہوا کہ کہیں یہ سخون کا فرستادہ نہ ہو، اس لئے اسے نقل دینے سے انکار کر دیا۔ بالآخر اس شخص نے حلف اٹھایا کہ وہ اس کی نقل سخون کو نہ دے گا۔ اس پر قاضی صاحب نے کتاب القسم اس کے حوالہ کر دی اور اس نے نقل حاصل کر لی۔

وہ شخص فی الواقع سخون کا فرستادہ ہی تھا، چنانچہ مطلوبہ نقل لے کر جب وہ امام سخون کی

خدمت میں واپس گیا تو اس نے کہا: ۱
 ”ابوسعید! یہ لو، مگر یہ نقل مجھے بغیر حلف اٹھائے نہ مل سکی۔ اب مجھے اپنی قسم کا کفارہ ادا کرنا ہے۔“

اس طریقہ سے ”الاسدیہ“ کی نقل سخون کے پاس مکمل تیار ہو گئی مگر قاضی اسد کو اس خبر نہیں ہوئی۔ چند دنوں کے بعد سخون نے مصر کا قصد کیا۔ روانگی کے وقت افریقہ کے اہل علم ان کی مشایعت کو نکلے۔ ان میں اسد بھی موجود تھے۔ اسد نے درپردہ دریافت کرنے کے لئے کہ الاسدیہ کی نقل مکمل ہو گئی یا نہیں، ان سے کہا:

”اگر تمہارے پاس یہ مدونہ ہوتی تو تم اسے ابن قاسم سے سن سکتے۔“

سخون نے نہایت سنجیدگی سے جواب دیا:

”وہ میرے سامان میں موجود ہے۔“

قاضی اسد یہ سن کر خاموش ہو گئے۔ اس کے بعد معلوم ہوا کہ سخون کے سفر مصر کی اصل غرض و غایت ابن قاسم سے الاسدیہ کی روایت و سماع ہی ہے۔

المدونۃ بسماع سخون کی وقعت و اہمیت :- چنانچہ امام سخون مصر میں عبدالرحمن بن قاسم کی خدمت میں حاضر ہوئے، انہوں نے سب سے پہلے قاضی اسد کی خیر و عافیت دریافت کی۔ سخون نے کہا ”تمام ممالک میں ان کا علم پھیل گیا ہے۔“ ابن قاسم یہ سن کر بہت خوش ہوئے۔

اس کے بعد سخون نے ابن قاسم سے الاسدیہ کی روایت اس طرح لینی شروع کی کہ قاضی اسد کے مرتب کئے ہوئے سوالات سخون پڑھتے اور ابن قاسم اپنے جوابات کو دہراتے۔ اس طریقہ سے پوری ”اسدیہ“ تمام ہوئی۔

اس قرأت میں ابن قاسم نے ”اسدیہ“ کے جوابوں میں حذف و ترمیم بھی کر دی تھی اور بعض فتوؤں سے رجوع کر لیا تھا۔ جب سخون مصر سے رخصت ہونے لگے تو ابن قاسم نے قاضی اسد کے نام ایک خط لکھا کہ:

”تمہاری مدونہ کے جوابوں میں کہیں کہیں ترمیم ہو گئی ہے، تم اپنے نسخہ کی سخون کے نسخہ سے ملا کر تصحیح کر لو۔“

اگرچہ موجودہ زمانہ میں بظاہر یہ معمولی بات معلوم ہوتی ہے کہ ایک نسخہ سے دوسرے نسخہ کی

صحیح کر لی جائے مگر اس مہد میں کتابوں کے نسخہ کے لئے جو اہتمام کیا جاتا تھا اور ان کی مختلف حیثیات کے لحاظ سے ان میں جو فرق مراتب قائم ہوتا تھا، اس لحاظ سے قاضی اسد کے لئے یہ بڑی آزمائش کا وقت تھا۔ لیکن وہ بڑی فراخ دلی سے سخون کے نسخہ سے مقابلہ کرنے پر آمادہ ہو گئے۔ مگر دوسری طرف ان کے تلامذہ کی جماعت تھی۔ قاضی اسد نے ان سے بھی تذکرہ کیا، انہوں نے اس میں اپنے استاد کی توہین محسوس کی کہ وہ امام مالک سے شرف تلمذ رکھنے کے باوجود سخون کی شاگردی میں داخل ہوں، کیونکہ سخون کے نسخہ سے مقابلہ کر لینے کے بعد اس زمانہ کے درس و تدریس کے قواعد کے مطابق قاضی اسد سخون کی شاگردی میں داخل ہو جاتے۔

چنانچہ ان لوگوں نے قاضی اسد کو آمادہ کر لیا کہ وہ ابن قاسم کے پیغام کو قبول کرنے سے انکار کر دیں اور قاضی اسد نے فیصلہ کا اعلان کر دیا، لیکن افسوس ہے کہ اسد کا یہ فیصلہ الاسدیہ کے حق میں اچھا نہیں ہوا۔ امام سخون نے مصر سے واپس آ کر بڑی شان و شوکت سے اپنی مسند درس بچھائی۔ سارے مغرب میں ابن قاسم کے مکتوب کی شہرت ہو چکی تھی۔ لوگ جوق در جوق سخون کے پاس آئے اور ان کی ترمیم شدہ اسدیہ کی روایت ان سے لی، جس کی وجہ سے اسد کا نسخہ روز بروز بے وقعت ہوتا چلا گیا اور سخون کی مدو نہ کو اعتبار حاصل ہوتا گیا، یہاں تک کہ سخون کو ”امام“ کا لقب حاصل ہوا اور ان کے نسخہ کی بدولت ان کا نام قاضی اسد کے نام پر غالب آ گیا۔

اگرچہ موجودہ زمانہ میں سخون کے نسخہ سے مقابلہ کرنے سے اسد کا گریز کرنا ناپسندیدہ نہ سمجھا جائے، مگر اس زمانہ میں سخون کی برتری اور پستی اور روایتوں میں راویوں کے لقاء و سماع کے جو اعتبارات قائم تھے، انہیں دیکھتے ہوئے قاضی اسد کا طرز عمل شاید قابل الزام نہ سمجھا جائے اور دراصل اس میں صحیح رائے اسی زمانہ کے اہل علم قائم کر سکتے ہیں۔ چنانچہ شیخ ابوالفاضل، ابوالقاسم بن احمد برزلی قاضی اسد کے اس طرز عمل کے متعلق یوں اظہار رائے فرماتے ہیں:

”درست وہی ہے جو اسد نے کیا۔ کیونکہ انہوں نے ابن قاسم سے اپنے سوالوں کے جواب بالمشافہ حاصل کئے تھے۔ خط کے ذریعہ سے سماع کی مقبولیت کا مسئلہ اہل علم کے درمیان مختلف فیہ ہے، اس لئے کسی ایسی چیز کو جو متفق علیہ ہو کسی ایسی چیز کی خاطر نہیں چھوڑ سکتے جو مختلف فیہ ہو۔“

یعنی ابن قاسم کے اس خط کی بنیاد پر جسے سخون مصر سے لائے تھے، اسد کے اپنے نسخہ میں جو بالمشافہ سنا ہوا تھا ترمیم و اصلاح کرنے سے وہ متفق علیہ نسخہ مختلف فیہ بن جاتا ہے۔

قاضی اسدؒ کے لئے اس وقت بہتر شکل یہ تھی کہ وہ خود مصر کا سفر کرتے اور ابن قاسمؒ کے سامنے اپنے نسخہ کو دہرا لیتے، مگر ان کے مکتوب کے رد کر دینے کے بعد شاید استاد و تلمیذ میں ایسی صفائی باقی نہ رہ گئی ہو کہ وہ مصر کا سفر کرتے، البتہ اس کا امکان مکتوب کے رد کر دینے سے پہلے ہی تھا، تاہم ان تمام حالات کے باوجود قاضی اسدؒ تمام عمر ابن قاسمؒ کا نام عزت و احترام سے لیتے رہے۔ اگرچہ یہ روایت بھی مشہور ہو چکی تھی کہ جب عبدالرحمن بن قاسمؒ کو قاضی اسدؒ کے انکار کی خبر ملی تو انہوں نے اسدؒ کے غیر مقبول ہونے کی بددعا کی، اور شہرت تھی کہ ان کی دعا باب اجابت تک پہنچی، مگر قاضی اسدؒ نے کبھی استاد کے ادب و احترام میں کمی نہیں کی۔ اسی زمانہ میں جب یہ مسئلہ چھڑا ہوا تھا، فقیہ معمرؒ ان کی خدمت میں پہنچے اور انہیں روتے ہوئے پایا۔ معمرؒ نے وجہ پوچھی تو انہوں نے کہا ”نہیں کوئی مصیبت نہیں، لیکن میرے پاس ابن قاسمؒ کا خط آیا ہے، وہ مجھے حکم دیتے ہیں کہ میں اپنی کتاب خون کی کتاب سے دہرا لوں۔ حالانکہ خون کی میں نے تربیت کی ہے۔“

اس پر معمرؒ نے اسدؒ سے ہمدردی ظاہر کرتے ہوئے ان کی تعریف کی اور ابن قاسمؒ کے خط لکھنے پر نکتہ چینی شروع کی تو قاضی اسدؒ فوراً بولے ”ایسا نہ کرو، اگر تم ابن قاسمؒ کو دیکھتے تو تمہارے لئے یہ کہنا دشوار ہوتا۔“

اسی طرح قاضی اسدؒ کے عہدہ قضا کے زمانہ میں کسی فقیہ نے ابن قاسمؒ کی تنقیص کی اور ان کی روایت حدیث پر جرح کی۔ جب اسدؒ کو خبر ملی تو انہوں نے اس کی تفتیش کر کے اس فقیہ کو سنگین سزا دی اور انہیں بری طرح پٹوایا۔

الغرض اسدؒ کی تیسری نقل یہی ”المدونۃ الکبریٰ“ ہے۔ صرف ان دونوں میں چند مسائل کا فرق ہے اور اس کتاب سے دور حاضر تک یہی کتاب فقہ مالکی کی سب سے بڑی اور مستند ترین کتاب خیال کی جاتی ہے۔

”المدونۃ“ پہلی مرتبہ ۱۳۲۴ ہجری میں مطبع خیرہ مصر سے چار جلدوں میں شائع ہوئی۔ اگرچہ اس مطبوعہ نسخہ میں الاسدؒ کا کوئی ذکر نہیں ہے، کیونکہ خون کے مہر جانے کے بعد ضابطہ کے لحاظ سے ان کی تملیک کا حق خون کو بھی حاصل ہو چکا تھا۔ لیکن اہل علم و خیر اس حقیقت سے آشنا ہیں کہ یہ اصل کمائی اسدؒ ہی کی ہے اور امام خونؒ نے بھی بخوبی اس کا اعتراف کیا ہے چنانچہ ابن فرحونؒ نے بھی اپنا کتاب میں امام خونؒ کے وہ کلمات درج کئے ہیں جو انہوں نے المدونہ کے متعلق ظاہر کئے تھے اور اس نے المدونہ کے تمام شروح و حواشی اور ملحقات وغیرہ کو اسدؒ کے

ترجمہ میں لاسدیہ ہی کی طرف منسوب کیا ہے۔ چنانچہ رقمطراز ہے:

قال سحنون علیکن بالمدونة فانها كلام رجل صالح و روايته و كان يقول
انما المدونة من العلم بمنزلة ام القرآن تجزى في الصلوة عن غيرها ولا تجزى
غير عنها (۱)

سحنون کا قول ہے کہ ”تمہیں اس مدونہ کو اپنے لئے لازم کر لینا چاہئے۔ وہ ایک صالح شخص
(ابن قاسم) کا کلام ہے اور ایک صالح شخص (اسد) کی روایت ہے اور سحنون کہا کرتے تھے۔ یہ
مدونہ علم میں وہی درجہ رکھتی ہے جو نماز میں ام القرآن کا ہے۔ نماز میں اس کے علاوہ دوسری
صورتیں پڑھنے کی اجازت ہے، لیکن اس کے بغیر کوئی نماز جائز نہیں۔“
اس لئے گویا علم کی تکمیل مدونہ کے بغیر ممکن نہیں رہی۔ مدونہ کے ساتھ دوسری کتابیں بھی
پڑھی جاسکتی ہیں۔ علامہ ابن فرحون اس کے بعد مزید لکھتے ہیں:

افترغ الرجال فيها عقولهم و شرحوها و بينوها فما اعتكف احد على
المدونة و دراستها الا عرف في ورعه و زهده (۲)

”لوگوں نے اس میں اپنی خوب طبع آزمائیں کی ہیں، شرحیں لکھی ہیں اور اس کی توضیحات
کی ہیں، ایسا کوئی شخص نہیں ہے جس نے اس مدونہ پر بھروسہ نہ کیا ہو اور اس کا درس نہ لیا اور پھر وہ
اسد کے زہد و ورع کا قائل نہ ہوا ہو۔“

فقہی مسلک :- لاسدیہ کے متعلق جس واقعہ کا ذکر سطور بالا میں ہوا، اس کے بعد قاضی اسد
نے اپنے فتوؤں میں دوسری روش اختیار کی، یعنی بعض مسائل خصوصاً معاملات میں وہ فقہ حنفی کے
مطابق فتویٰ دینے لگے، پھر عہدہ قضا پر مامور ہونے کے بعد تو تقریباً تمام معاملات کے فیصلے فقہ
حنفی کی رو سے کرتے تھے، کیونکہ ایک طرف ان کے نسخہ کے مسائل امام سحنون کے نسخہ سے مقابلہ
کرنے کے باعث کلیہً مشتبہ ہو گئے تھے، اس کے علاوہ مسائل معلومات میں جس قدر جزئیات
دولت عباسیہ کی سرپرستی کی وجہ سے فقہ حنفی میں منضبط ہو گئے تھے، وہ لاسدیہ میں موجود نہ تھے۔
چنانچہ ابوالقاسم زیاد بن یونس سیوری کا بیان ہے:

”اسد نے ابن قاسم کے خط کو قبول نہیں کیا اور اپنی کتاب موسومہ لاسدیہ پر اعتماد کئے
رہے۔ پھر اہل عراق (احناف) کے مذہب کی اشاعت کرنے لگے۔“

اس طریقہ سے قاضی اسد افریقہ میں فقہ حنفی کے سب سے بڑے علمبردار بن گئے اور یہ قدرۃ مالکیوں کو ناگوار گزارا اور ان کے خلاف مختلف افواہیں پھیلائیں، جن میں ایک یہ بھی تھی کہ انہیں امام مالک سے شرف تلمذ حاصل نہیں ہوا، اس کا اندازہ مقدسی (۳۷۵ھ) صاحب احسن التقاسیم کی ایک روایت سے ہوتا ہے، جسے اس نے کسی افریقی سے سن کر اپنی کتاب میں جگہ دی ہے، وہ رقمطراز ہے:

میں نے بعض اہل افریقہ سے سوال کیا کہ تمہارے یہاں امام ابوحنیفہؒ کا مسلک کیونکر پہنچا، حالانکہ وہ تمہارے راستہ میں نہیں ہے تو انہوں نے جواب دیا کہ:

۱۔ ہمارے یہاں سے وہب بن وہب مالک کے یہاں سے فقہ و دیگر علوم میں ماہر ہو کر واپس آئے تو اسد بن عبد اللہ پر ان کی جلالت شان اور کبر نفس کی وجہ سے یہ شاق گذرا کہ وہ وہب کے سامنے درس کے لئے زانوئے ادب تہہ کریں۔ اس لئے انہوں نے براہ راست امام مالکؒ کی طرف رخ کیا، لیکن وہ اس زمانہ میں بیمار تھے، جب انہیں وہاں ٹھہرے ہوئے کچھ زمانہ گذر گیا اور امام مالکؒ صاحب فراش رہے تو انہوں نے قاضی اسدؒ سے فرمایا کہ تم وہب کے پاس چلے جاؤ، میں نے لوگوں کو سفر کی تکلیفوں سے بچانے کے لئے انہیں اپنا تمام علم و دیعت کر دیا ہے۔

امام مالکؒ کا یہ ارشاد قاضی اسدؒ پر اور بھی گراں گذرا، وہ امام مالکؒ سے مایوس ہو کر کسی ایسے شخص کی جستجو میں لگے، جو علمی وقار میں ان کے ہم پلہ ہو، لوگوں نے امام محمدؒ صاحب ابی حنیفہ کا نام بتایا۔

۲۔ چنانچہ وہ امام محمدؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے، انہوں نے ان کا خیر مقدم کیا اور بڑی توجہ سے پیش آئے اور ان کی ذکاوت و ذہانت اور تحصیل علم کے شوق سے متاثر ہو کر بڑی جانفشانی سے علم فقہ پڑھایا۔

۳۔ جب قاضی اسدؒ کی علمی استعداد قابل اطمینان ہو گئی تو امام محمدؒ نے انہیں حنفی مذہب کا علمبردار بنا کر مغرب کی طرف بھیجا، جہاں پہنچ کر انہوں نے درس و تدریس کا سلسلہ جاری کیا اور مغرب میں فقہ حنفی کے لئے بہت عمدہ زمین تیار کر دی، لوگ فروعات میں ان کی نکتہ رس نگاہ دیکھ کر حیرت کرتے اور وہ ایسے دقیق مسائل بیان کرتے جنہیں لوگوں نے کبھی سنا نہ تھا، تلامذہ کی بڑی جماعت حلقہ بگوش ہو گئی اور انہیں تلامذہ نے مغرب کے گوشہ گوشہ میں پہنچ کر اس مذہب کی ایسی ترویج کی کہ وہ مغرب کے تمام افاق پر چھا گیا۔ (۱)

یہ کسی مالکی المسلک افریقی کا بیان ہے، اس میں قاضی اسدؒ کے مدینہ اور عراق کے سفر کے متعلق جو باتیں ہیں، وہ قطعی بے اصل ہیں۔ اس کے صحیح حالات اوپر مستند روایتوں سے گزر چکے ہیں۔ پھر وہب بن وہب کے متعلق جو کچھ لکھا گیا ہے وہ امام مالکؒ کی وفات کے بعد کا واقعہ ہے، ورنہ وہبؒ تو قاضی اسدؒ کے قیام مدینہ کے زمانہ میں وہیں موجود تھے۔ اس روایت میں امام مالکؒ سے موطا پڑھنے سے بھی انکار کیا گیا ہے۔ حالانکہ جو روایتیں اس سلسلہ میں اوپر گزر چکیں، قاضی عیاضؒ نے بھی اس فہرست میں قاضی اسدؒ کا نام رکھا ہے، جنہوں نے امام مالکؒ سے موطا پڑھی تھی۔

دوسرے پیرا گراف میں راوی کا جو بیان درج ہے اس میں یہ واقعہ صحیح نہیں کہ امام محمدؒ نے انہیں مذہب حنفی کا علمبردار بنا کر افریقہ بھیجا، اگر ایسا ہوتا تو وہ مصر میں ٹھہر کر عبدالرحمن بن قاسم سے ”الاسدیہ“ مرتب نہ کرتے۔

اسی قسم کی روایتوں کی بنیاد پر یہ شہرت بھی دی گئی کہ قاضی اسدؒ نے اس واقعہ کے بعد مالکی مذہب ترک کر کے حنفی مذہب قبول کر لیا، لیکن جہاں تک روایات اور قیاسات سے انہیں دیکھا جاسکتا، اس کی تائید نہیں ہوتی۔ قاضی اسدؒ کے فقہی مذہبی کے متعلق سب سے متوازن و بہتر رائے جعفر القصیر کی ہے، وہ لکھتا ہے:

كان اسد امام العراقيين بالقيروان كافة مشهورا بالفضل والدين ودينه
ومذهبه السنة

”اسد قیروان میں احناف کے امام تھے، علم و فضل اور دینداری میں شہرت تامہ رکھتے تھے، اور ان کا دین و مذہب ”سنت“ تھا۔“

اس بیان کے آخری فقرہ ”دینہ و مذہب السنة“ سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ اپنی وسعت نظر اور اجتہاد کے ساتھ سنت پر عمل کرتے تھے، اور جہاں تک افتاء کا تعلق ہے، وہ فقہ حنفی کے مطابق دیتے تھے، تاہم اہل علم نے انہیں ہر دور میں مالکی مذہب کا پیرو سمجھا، چنانچہ مالکی مذہب کے فقہاء کے حالات میں طبقات کی جو کتابیں مختلف زمانوں میں لکھی گئیں، ان میں ”مالکی فقیہ“ کی حیثیت سے قاضی اسدؒ کا نام موجود ہے، برخلاف اس کے فقہائے احناف کے طبقات کی کتابوں ”الجواهر المغنیہ“ وغیرہ میں قاضی اسدؒ کا نام نہیں ملتا۔

منصب قضاء پر تقرر:- کمال تفقہ و افتاء کے باعث عہدہ قضاء پر بھی مامور ہوئے، جس

زمانہ میں وہ افریقہ آئے، عبداللہ بن غانم قیروان کے قاضی القضاۃ (چیف جسٹس) تھے وہ قاضی اسدؒ کے قدردان اور ان کے علم و فضل کے معترف تھے، جب تک زندہ رہے، مسائل و معاملات میں ان سے مشورہ لیتے رہے۔ (۱)

ان کی وفات کے بعد ۱۹۱ھ میں ایک دوسرے اہل علم ابو محرز اس عہدہ پر سرفراز کئے گئے، پھر افریقہ کے شیوخ و علماء نے قاضی اسدؒ کو ممتاز عہدہ پر مامور کرنا چاہا۔ چنانچہ علی بن حمید نے والی افریقہ زیادۃ اللہ کے سامنے قاضی اسدؒ کی علمی مرتبت، فضل و کمال اور شہرت کا تذکرہ کر کے اس خواہش کا اظہار بھی کیا، لیکن ابو محرز کو دولتِ اغلیہ کے بانی ابراہیم بن اغلب نے اس عہدہ پر نامزد کیا، اس لئے زیادۃ اللہ نے انہیں معزول کرنا مناسب نہ سمجھا اور اس کی یہ دوسری شکل اختیار کی کہ قاضی اسدؒ کو ۲۰۳ھ ہجری میں اس عہدہ میں مساوی حیثیت ہے ابو محرز کا شریک بنادیا۔ یہ اسلامی حکومت میں پہلی مثال تھی کہ ایک ہی عہدہ پر ایک ہی حیثیت اور اختیار کے ساتھ دو شخص مامور کئے جائیں۔

قاضی اسدؒ کا یہ تقرر قدرۃ ابو محرز کو ناگوار گذرا۔ علاوہ ازیں ان دونوں میں کسی قدر علمی چشمک موجود تھی۔ اب یہ معاصرانہ چشمک پہلے سے زیادہ تیز ہو گئی اور باہمی مسابقت کے جذبات پیدا ہو گئے اور کبھی کبھی مناظرہ و مجادلہ تک نوبت پہنچ جاتی۔ ان دونوں کی چشمکوں کے ایک سے زیادہ واقعات صاحبِ معالم وغیرہ نے تفصیل سے لکھے ہیں اور ان دونوں کے علم و فضل کا موازنہ کیا ہے۔ مصنفِ معالم کی رائی ہے:

”قاضی اسدؒ، ابو محرز سے علم و فضل میں زیادہ تھے اور انہیں فقہ پر بھی زیادہ عبور حاصل تھا اور ابو محرز اگرچہ قاضی اسدؒ سے علم و فقہ میں کم پایہ تھے مگر بعض اوقات (مسائل کے جواب میں) حق ان کے ساتھ رہتا تھا۔“

اس کے بعد ۲۰۹ھ ہجری میں منصور طبری نے زیادۃ اللہ کے خلاف خروج کیا اور دار السلطنت قیروان پر قابض ہو گیا۔ منصور کے متولی ہونے کے بعد قاضی ابو محرز اور قاضی اسدؒ دونوں اس کے پاس پہنچے۔ اس کی مجلس میں سلطنت کے اعیان اور فوج کے ممتاز قائدین موجود تھے، منصور نے ان دونوں کے عہدہ قضا کی مناسبت سے ان کے سامنے زیادۃ اللہ کے مظالم بیان کئے اور دونوں کی رائے طلب کی، ابو محرز نے موقعِ محل سے خائف ہو کر اس کے بیان کی تائید کر دی، لیکن قاضی

اسدؓ نے صاف گوئی سے کام لیا اور نہ صرف یہ کہ منصور کے بیان کی تردید کر دی بلکہ اسے ظالم ٹھہرایا۔ یہ سن کر ایک فوجی افسر تلوارسونت کر قاضی اسدؓ کے سر پر کھڑا ہو گیا، مگر معاملہ فوراً رفع دفع ہو گیا، اس کے بعد یہ دونوں لوٹ آئے اور خائف رہے کہ پھر کوئی ناگوار صورت پیش نہ آئے۔

زیادۃ اللہؓ نے ۲۱ھ میں منصور پر غلبہ حاصل کر لیا اور قیروان پر قابض ہو گیا۔ منصور کے روبرو اسد اور محرز کی جو گفتگو ہوئی تھی، وہ امیر زیادۃ اللہ کے کانوں تک پہنچ چکی تھی، اسی بناء پر زیادۃ اللہ نے دوبارہ اقتدار حاصل کرنے کے بعد ابو محرز کو عہدہ قضاء سے معزول کر دیا اور قاضی اسدؓ اپنے عہدہ پر فائز رہے، اور اب وہ افریقہ کے تنہاء قاضی القضاء تھے۔

افریقہ کے اعیان و علماء قاضی اسدؓ کے عہدہ قضا کا احترام اور لحاظ اس کے شایان شان کرتے تھے۔ ایک مرتبہ قاضی اسدؓ نے یہاں کے چند معزز اہل علم سحنون بن سعید، عون بن یوسف اور ابن رشید کو اپنی مجلس میں طلب کیا اور کسی مسئلہ میں ان کی رائے دریافت کی، سحنونؓ کے ساتھیوں نے سحنونؓ سے وجہ پوچھی تو انہوں نے کہا:

”مجھے خوف ہوا کہ ہم ان کی خدمت میں اس حال میں پہنچے تھے کہ باہم دوست تھے اور ان کے پاس سے نکلتے تو ایک دوسرے کے دشمن ہو پتے۔“

قاضی اسدؓ کے زیر قیادت صقلیہ کی فتح:۔ والی افریقہ زیادۃ اللہ بن ابراہیم نے جب ۲۱۲ھ میں صقلیہ پر حملہ کرنے اور اسے دارالاسلام بنانے کا ارادہ کیا تو اس نے افریقہ کے اعیان علماء، فقہاء اور اہل رائے کی ایک مجلس مشاورت منعقد کی، جس میں قاضی اسدؓ بہت پیش پیش رہے اور درحقیقت انہی کی رائے اور مشورہ سے صقلیہ پر حملہ کا پلان قطعی طور پر طے پایا تھا۔

اسی باعث جب امیر زیادۃ اللہ نے صقلیہ پر حملہ آور فوج تیار کر لی تو اس کی سپہ سالاری کے لئے اس کی نظر انتخاب قاضی اسد پر پڑی۔ انہیں جب امیر کے اس فیصلہ کی اطلاع ملی تو انہوں نے مسند قضاء و افتاء کو چھوڑ کر امارت عسکری کے اس جدید منصب کو قبول کرنے میں کسی قدر پس و پیش کیا اور امیر زیادۃ اللہ سے عرض کیا کہ:

”مجھے منصب قضاء جیسے دینی منصب سے الگ کر کے فوج کی امارت سپرد کی جاتی ہے؟“

زیادۃ اللہؓ نے اس کا جواب ان الفاظ میں دیا:

”تم عہدہ قضاء پر بھی فائز رہو اور لشکر کی امارت بھی تمہارے سپرد کی جاتی ہے جو اپنے اعزاز اور رتبہ میں عہدہ قضا سے زیادہ بلند ہے، میں تمہارے لئے قضاء کا انتساب بھی باقی رکھتا

ہوں اور تمہیں ”قاضی امیر“ سے خطاب کیا جائے گا۔“

اس کے بعد عہدہ امارت فوج اور منصب قضا دونوں کی سندیں لکھ کر امیر نے ان کے حوالہ کیں، قاضی اسدؒ کے سوانح نگاروں نے نہایت والہانہ انداز میں لکھا ہے:

”یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ افریقہ میں اس سے پیشتر ان دو جلیل القدر عہدوں پر کوئی شخص بیک وقت فائز نہیں ہوا تھا۔“ (۱)

قاضی اسدؒ کی سپہ سالاری کا ایک اچھا نتیجہ یہ نکلا کہ افریقہ کے معزز اہل علم ان کی ہمرکابی کا شرف حاصل کرنے کے لئے کارواں درکارواں فوج میں بھرتی ہونے لگے۔ یہاں تک کہ مورخین کا بیان ہے کہ قاضی اسدؒ کی شخصیت کی کشش افریقہ کے عزلت گزیر صوفیہ کو بھی ان کے حجروں سے باہر نکال لائی۔

بہر حال قاضی اسدؒ کی سرکردگی میں یوم شنبہ ۱۵ ربیع الاول ۲۱۲ھ / ۸۲۷ء کو دس ہزار منتخب سرفرو شوں کا لشکر صقلیہ کو دارالاسلام بنانے کے لئے قیروان سے روانہ ہوا۔ یہ جنگی بیڑا سات سو جہازوں پر مشتمل تھا، جن میں سات سو سوار اور دس ہزار پیادہ فوج تھی، یہ بیڑا ۱۸۱ ربیع ۲۱۲ھ / ۸۲۷ء کو صقلیہ کے ساحلی شہر مازر میں لنگر انداز ہو گیا۔ (۲) اور اس شہر کو بلا کسی زحمت و مزاحمت کے قبضہ میں کر لیا اور پھر سپہ سالار قاضی اسدؒ نے یہیں مورچہ بندی کر کے دشمن کا انتظار شروع کر دیا، لیکن تین روز کے شدید انتظار کے باوجود بھی دشمن کی فوجیں نظر نہیں آئیں۔ چنانچہ قاضی صاحبؒ نے مازر کے قلعہ پر فتح و نصرت کا جھنڈا ہرانے کے بعد پیش قدمی کی اور مقام مرج پینچ کر مجاہدین خیمہ زن ہو گئے۔

حکومت صقلیہ نے اپنی حربی تیاریوں کے علاوہ حکومت قسطنطنیہ اور ونس سے بھی امداد طلب کی تھی۔ چنانچہ ان تینوں حکومتوں کا مشترکہ عظیم الشان لشکر اسلامی فوج سے مقابلہ کے لئے مرج پینچا اور اس طرح ایک طرف دس ہزار بے وطن سپاہی صف آراء تھے اور دوسری طرف ڈیڑھ لاکھ زرہ بکتر رومیوں کا سمندر ٹھاٹھیں مار رہا تھا۔ (۳) قاضی اسدؒ لوئے جنگ اپنے ہاتھ میں سنبھالے ہوئے تھے، مجاہدین اسلام دم بھر کولرزہ بر اندام ہو کر رہ گئے۔ قاضی صاحبؒ نے جونہی اس کیفیت کو محسوس کیا نہایت جوش و خروش کے ساتھ سامنے آئے اور بلند آواز سے سورۃ یسین تلاوت فرمائی، پھر مجاہدین کو خطاب کیا:

(۱) معالم ایمان ج ۲ صفحہ ۴ اور یا ض الخفوس صفحہ ۱۸۲۔ (۲) ابن اثیر، ج ۶ صفحہ ۲۳۶۔ (۳) نہایۃ الادب صفحہ ۴۴۹

مورخین لکھتے ہیں کہ قاضی اسدؒ کا خطاب ایسا بر محل اور ولولہ انگیز تھا کہ اسلامی فوج کی ہمت و شجاعت پھر عود کر آئی اور ایسا معلوم ہونے لگا کہ ان میں کا ہر فرد اپنی تشنہ تلواریں کی پیاس بجھانے کے لئے بے قرار ہے۔ (۱) اسی خطاب میں قاضی اسدؒ نے کہا:

”مجاہدو! یہ ساحل کے وہی عجم ہیں جو روپوش ہو کے یہاں جمع ہو گئے ہیں۔ یہ تو تمہارے بھاگے ہوئے غلام ہیں، ان سے کہیں خائف نہ ہو جانا۔“

قاضی اسدؒ اپنے مذکورہ بالا الفاظ کو گنگناتے ہوئے آگے بڑھے اور رجز خوانی کرتے ہوئے رومیوں پر ٹوٹ پڑے۔ مجاہدین نے بھی تلوار یوں سنبھالیں اور فوج کے اس جنگل میں گھس گئے اور گھسان کی لڑائی ہونے لگی۔ رومیوں نے سارا زور قاضی اسدؒ پر صرف کیا اور انہی پر پے در پے حملے کرتے گئے، جس کا وہ بھی پامردی سے جواب دیتے رہے اور گو وہ زخموں سے شکستہ حال ہو گئے، مگر لوائے جنگ ہاتھ سے نہ چھوٹا۔ یہاں تک کہ جس ہاتھ میں جھنڈا تھا وہ خون سے تر ہو گیا، مگر قاضی اسدؒ نے اسے سرنگوں نہ ہونے دیا۔

آخر رومیوں کے پائے ثبات میں لغزش آئی، مڈی دل فوج درہم برہم ہونے لگی اور وہ خیمہ و خرگاہ چھوڑ کر بھاگنے لگے، خلاصہ یہ کہ صقلیہ کا یہ پہلا معرکہ مسلمانوں کے ہاتھ رہا۔ اس پہلی معرکہ آرائی میں سب سے نمایاں کارنامہ خود امیر لشکر قاضی اسدؒ کا تھا۔ زیادۃ اللہ نے قاضی اسدؒ کے فتح و ظفر کا مژدہ خلیفہ وقت مامون کو بھیجا اور اس کی شہرت تمام عالم اسلامی میں پھیل گئی۔

وفات :- قاضی اسدؒ نے سرزمین صقلیہ میں اسلامی حکومت کا جھنڈا لہرانے کے بعد مزید پیش قدمی کی اور سرقومہ کا محاصرہ کر لیا اور ایک طویل ترین مدت تک یہ محاصرہ جاری رہا۔ یہاں تک کہ محاصرین اور محصورین دونوں اپنے بعض خاص حالات کی وجہ سے سخت پریشان اور عاجز آ گئے تھے۔ اس محاصرہ کے دوران فریقین کے درمیان ہلکی پھلکی جھڑپوں کا سلسلہ برابر جاری رہا، تیروں کا تبادلہ بھی ہوتا رہتا تھا۔ (۲)

محاصرہ کی یہی حالت قائم تھی کہ اسلامی لشکر پر ایک نئی افتاد آ پڑی۔ لڑائیوں کا جو سلسلہ قائم تھا، اسی میں اتفاق سے امیر لشکر قاضی اسدؒ بھی زخمی ہو گئے۔ زخم اتنا کاری تھا کہ وہ اس سے جانبر نہ ہو سکے اور انہی زخموں کی تاب نہ لا کر حالت محاصرہ ہی میں بمابہ ربیع الآخر ۲۱۳ھ / ۸۲۸ء علم و فضل اور شجاعت و شہامت کا یہ آفتاب غروب ہو گیا۔ فاتح صقلیہ اسی زمین کا پیوند بنا جسے وہ اپنے

(۱) معالم الایمان ج ۲ صفحہ ۱۵۔ (۲) ابن اثیر۔ جلد ۶ صفحہ ۲۳۷ و ابن خلدون ج ۴ صفحہ ۱۹۹

فتویٰ اور فتح مندی سے دارالاسلام قرار دے چکا تھا۔

قاضی اسدؒ کی وفات سے افریقہ میں گھر گھر صغیر ماتم بچھ گیا۔ خود زیادۃ اللہ کو اس کا نہایت غم ہوا۔ ان کے مرقد پر ایک مسجد تعمیر کی گئی۔ نیز قیروان میں بھی ان کی یادگار کے طور پر ایک مسجد بنائی گئی، جس پر ”اسد بن فرات“ کندہ ہے۔ (۱)

نوٹ :- قاضی اسدؒ بن فرات کے مذکورہ بالا سوانح و کمالات بعض ضروری ترمیمات اور حوالوں کے اضافہ کے ساتھ تاریخ صقلیہ مؤلف مولانا ریاست علی ندوی مرحوم سے ماخوذ ہیں۔

حضرت اسد بن موسیٰ مصری رحمۃ اللہ علیہ

اہل قلم اتباع تابعین میں اسد بن موسیٰ کا نام کافی ممتاز ہے۔ ان کی مرتبہ مسند حدیث کی قدیم ترین تصانیف میں شمار کی جاتی ہے۔ ان کا تعلق خاندان بنی امیہ سے تھا۔ عہد بنی امیہ اپنے حکام و عمال کی بدعنوانیوں اور کج رویوں کے باعث بدنام ہے، لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ اسلامی علوم و فنون کی اس عہد میں بہت ترقی ہوئی ہے۔ خاص طور سے حدیث کی اشاعت و تدوین کے اعتبار سے یہ زمانہ بہت نمایاں اور ممتاز ہے۔

نام و نسب :- نام اسد اور والد کا اسم گرامی موسیٰ تھا، جو مشہور خلیفہ ولید بن عبد الملک کے پوتے تھے، پورا سلسلہ نسب یہ ہے:

اسد بن موسیٰ بن ابراہیم بن الخلیفہ ولید بن عبد الملک بن مروان بن الحکم الاموی (۱)

حدیث میں غیر معمولی ثرف نگاہی کی وجہ سے اسد السنہ کے لقب سے مشہور ہوئے۔

ولادت اور وطن :- آپ کی پیدائش ۱۳۲ ہجری میں بمقام مصر میں اس پر آشوب وقت میں ہوئی جب دریائے زاب کے کنارے سفاح کے چچا عبد اللہ بن علی اور مروان ثانی کے درمیان فیصلہ کن جنگ ہو رہی تھی۔ اس میں بنو امیہ کا آفتاب اقبال ہمیشہ کے لئے غروب ہو گیا۔ اسد السنہ کے مولد کے بارے میں ایک قول بصرہ کا بھی ملتا ہے، لیکن وہ صحیح نہیں ہے۔ (۲)

شیوخ :- ان کے مشہور و ممتاز اساتذہ میں یہ نام ملتے ہیں۔

شعبہ، حماد بن سلمہ، عبد العزیز بن الماحبثون، ابن ابی ذئب، شیبان، روح، لیث بن سعد، معاویہ بن صالح، محمد بن طلحہ، سب سے بزرگ شیخ جن سے اسد السنہ کو شرف تلمذ حاصل ہوا، یونس بن ابی اسحاق ہیں۔ (۳)

فضل و کمال :- ان کے فکر و نظر کا خصوصی جولا نگاہ علم حدیث تھا۔ حدیث میں ان کے غیر معمولی انہماک نے دوسرے علوم کو پس پشت ڈال دیا تھا۔ امام بخاریؒ نے انہیں مشہور الحدیث قرار دیا ہے۔ (۴)

جرح و تعدیل :- امام اسد السنہ کے حفظ و اتقان اور ثقاہت و عدالت کا اعتراف تمام علماء

(۱) تذکرۃ الحفاظ ج ۱ صفحہ ۳۶۸۔ (۲) تہذیب التہذیب ج ۱ صفحہ ۲۶۰۔ (۳) ایضاً صفحہ ۲۶۰۔ (۴) تذکرۃ الحفاظ ج ۱ صفحہ ۳۶۸۔

نے کیا ہے، ابن حماد حنبلی رقمطراز ہیں: هو احد الثقات الا کیاس (۱) علاوہ ازیں امام نسائی، عجل، ابن مانع، بزار اور ابن یونسؒ نے بھی بصراحت تصدیق و توثیق کی ہے۔

صرف ابوسعید بن یونسؒ نے اپنے ایک قول میں انہیں غریب الحدیث اور علامہ بن حزام نے منکر الحدیث کہا ہے، لیکن بقول حافظ ذہبیؒ یہ تصعیف چنداں لائق اعتناء نہیں، کیونکہ ائمہ کی اکثریت ان کی ثقاہت پر متفق ہے۔ اگر ان کی بعض روایات میں کوئی سقم نظر آتا ہے تو وہ بعد کے رواد کے ضعف کی بناء پر ہے۔ علامہ ذہبی نے میزان الاعتدال میں اس کی تصریح کی ہے۔ (۲)

تلامذہ:۔ ان کے دامان فیض سے مستفید ہونے والوں میں احمد بن صالح، عبد الملک بن حبیب، ربیع بن سلیمان مرادی، مقدم بن داؤد الریمی، ابویزید یونس القراطیسی اور محمد بن عبد الرحیم البرقی کے اسمائے گرامی لائق ذکر ہیں۔

وفات:۔ محرم ۲۱۳ھ میں بمقام مصر رحلت فرمائی۔ (۳)

تصنیفات:۔ ان کے اہل قلم ہونے کی شہادت تمام تذکروں سے ملتی ہے، لیکن تلاش و تحقیق کے بعد ان کی تصانیف میں صرف کتاب الزہد اور مسند اسد ہی کا پتہ چل سکا ہے۔ (۴) مصر میں سب سے پہلے انہی نے مسند مرتب کی، جو تمام مسانید میں سب سے قدیم تسلیم کی جاتی ہے، لیکن ابھی اس کے کسی مخطوطہ کا علم نہیں ہو سکتا ہے۔

(۱) شذرات الذہب ج ۱ صفحہ ۲۷۔ (۲) میزان الاعتدال ج ۱ صفحہ ۹۷۔ (۳) حسن المحاضرۃ ج ۱ صفحہ ۱۴۵۔ (۴) الرسالة

حضرت اسرائیل بن موسیٰ بصری رحمۃ اللہ علیہ

امام ربیع بن صبیح کی طرح اسرائیل بن موسیٰؒ نے بھی سرزمین ہند کو اپنے ورود سے مشرف کیا تھا۔ تاجر کی حیثیت سے ہندوستان میں ان کی آمد و رفت کثرت سے ہوتی تھی۔ اسی بناء پر ”نزیل الہند“ ان کا لقب پڑ گیا تھا۔ رئیس تابعین امام حسن بصریؒ سے خصوصی تلمذ حاصل تھا۔ افسوس ہے کہ تذکرہ نگاروں نے ان کے ساتھ بہت ہی کم اعتناء کیا ہے، اسی وجہ سے طبقات و تراجم کی کتابوں میں ان کے حالات نہ ہونے کے برابر ملتے ہیں اور جو ہیں بھی وہ انتہائی تشنہ و ناقص، بہر حال ہندوستان سے تعلق رکھنے والے اس بزرگ محدث کے بارے میں جو معلومات بہم پہنچ سکیں وہ ذیل میں پیش کی جاتی ہیں۔

نام و نسب :- نام اسرائیل اور ابو موسیٰ کُنیت تھی۔ والد کا نام موسیٰ تھا۔ اس کے بعد کا سلسلہ نسب نامعلوم ہے۔ ان کی کُنیت باپ کے نام (۱) پر ہے۔ متقدمین ائمہ میں ایسی متعدد شخصیتیں گزری ہیں جن کی کُنیت ان کے باپ کے نام پر ہے۔ علامہ سیوطیؒ نے تدریب الراوی میں ان کی تفصیل دی ہے۔

وطن :- عام تذکرہ نگاروں کے خیال کے مطابق اسرائیل بن موسیٰ کا وطن بصرہ ہے اور اسی کی نسبت سے وہ بصری مشہور بھی ہوئے۔ (۲)

شیوخ :- حضرت ابو موسیٰ اسرائیل زمرۃ اتباع تابعین کا وہ گل سرسبد تھے، جنہوں نے کبار تابعین کی صحبت اٹھائی تھی، ان کا عہد علمی و عملی حیثیت سے تاریخ اسلام کا ایک مثالی دور تھا۔ تمام اسلامی ممالک علماء و صلحاء سے معمور تھے، بالخصوص سرزمین بصرہ اس وقت کا ایک اہم علمی و دینی مرکز خیال کی جاتی تھی۔ امام حسن بصری اسی خطہ علم پر اپنے فیض کا چشمہ جاری کئے ہوئے تھے، جس سے دور دراز ممالک کے تشنگان علم آ کر سیراب ہوتے تھے۔ حضرت ابو موسیٰ اسرائیل نے بھی اسی شیخ وقت کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیا اور ان کے دامن فیض سے کچھ اس طرح وابستہ ہوئے کہ زبان خلق نے ”صاحب الحسن“ کا تمغہ شہرت عطا کیا۔

حضرت حسن بصریؒ کے علاوہ انہیں اور بھی بہت سے مشاہیر ائمہ اور کبار تابعین سے اکتساب

(۱) فتح الباری ج ۵ صفحہ ۵۲۔ (۲) کتاب الکلی مللہ و لابی ج ۲ صفحہ ۱۳۳

علم کا موقع نصیب ہوا، جن میں امام وہب بن منبہ، ابو حازم، محمد بن سیرین کے اسمائے گرامی فائق و ممتاز ہیں۔ (۱) ان میں سے ہر ہر فرد بجائے خود ایک دارالعلم تھا۔ ان گنجائے گرانمایہ سے حضرت ابو موسیٰ نے علم و فضل کا کس قدر وافر حصہ حاصل کیا ہوگا، آپ خود سمجھ سکتے ہیں۔

تلامذہ :- دوسری صدی ہجری میں ابو موسیٰ اسرائیلؓ کی ذات گرامی اپنے گونا گوں اوصاف و کمالات کی بناء پر مرجع خلافت بن گئی تھی۔ ان کے آفتاب فیض کی کرنوں نے دنیا کے مختلف خطوں کو منور کیا تھا۔ چنانچہ ہندوستان بھی اس دولت بے بہا سے محروم نہیں رہا۔

بصرہ جو کہ ان کا وطن اور مستقل جائے اقامت تھا، وہاں بھی ان کے حلقہائے درس قال اللہ و قال الرسول کے دنوا ترانوں سے گونجتے رہے۔ اس کے علاوہ کوفہ اور مکہ میں بھی انہوں نے درس حدیث کی مجلسیں گرم کیں۔

کوفہ میں ان کے درس و افادہ کا پتہ اس سے چلتا ہے کہ ان کے تلمیذ رشید سفیان بن عیینہ نے فضائل امام حسنؓ کی حدیث اپنے استاد سے اسی جگہ سنی تھی۔ اس روایت میں جن سفیان کا نام آیا ہے، حافظ ابن حجر نے بتصریح سفیان بن عیینہ ہی قرار دیا ہے۔ (۲)

اسی طرح مکہ میں درس حدیث کے متعلق ابو موسیٰؓ کے ایک دوسرے شاگرد حسین بن علی الجعفی کی یہ شہادت ملتی ہے کہ انہوں نے مکہ میں ابو موسیٰ اسرائیلؓ سے شرف ملاقات حاصل کر کے حدیث کا سماع کیا۔

علاوہ ازیں اور بھی بہت سے مقامات ایسے ہوں گے جو اس متحرک دارالعلوم سے فیض یاب ہوئے ہوں گے۔ لیکن ان کا ذکر نہیں ملتا۔ بہر حال یہ حقیقت مسلم ہے کہ ابو موسیٰ اسرائیلؓ کے حلقہ درس سے جو بے شمار طالب علم سند فراغت لے کر نکلے وہ آسمان علم و دانش پر مہر و ماہ بن کر چمکے۔ جس کا اندازہ کرنے کے لئے درج ذیل چند اسمائے گرامی ہی کافی ہیں۔

حضرت سفیان ثوری، سفیان بن عیینہ، یحییٰ بن سعید القطان، حسین بن علی الجعفی۔ (۳)
ثقاہت و عدالت :- ان کے مرتبہ ثقاہت و عدالت پر یحییٰ بن معین، ابو حاتم، امام نسائی، ابن حبان جیسے ماہرین فن بیک زبان متفق ہیں اور اس پر کسی کو بھی کلام کی جرأت نہ ہو سکی۔ مزید برآں حضرت ابو موسیٰ اسرائیلؓ کی ثقاہت کا ایک نمایاں ثبوت یہ بھی ہے کہ کتب حدیث کے جامعین اور

(۱) میزان الاعتدال ج ۱ صفحہ ۹۷ و خلاصہ تہذیب الکمال ج ۱ صفحہ ۳۱ و زہد الخواطر ج ۱ صفحہ ۲۳ و تہذیب التہذیب ج ۱ صفحہ

۲۶۱۔ (۲) فتح الباری ج ۱۳ صفحہ ۵۲۔ (۳) تہذیب التہذیب ج ۳ صفحہ ۲۶۱

ائمہ نے اپنی کتابوں میں ان سے روایت کی ہے۔ امام بخاریؒ جیسے محتاط محدث نے بھی ان کی فضائل امام حسنؒ والی روایت کو چار مختلف مقامات پر نقل کیا ہے۔ (۱) علامہ ذہبی نے میزان الاعتدال میں بسند ان سے روایت کی ہے (۲) اس کے علاوہ نسائی، ترمذی اور ابوداؤد نے بھی ان کی مرویات کو اپنی کتابوں میں درج کیا ہے۔

ایک اشتباہ اور اس کا ازالہ :- مذکورہ بالا تمام ائمہ حدیث کی توثیق کے باوجود علامہ ذہبیؒ نے لکھا ہے کہ محدث ازدی نے حضرت ابو موسیٰؓ کی ثقاہت میں کلام کرتے ہوئے قبول حدیث میں ان کی لیت (زنی) کا ذکر کیا ہے۔ (۳) لیکن حافظ ابن حجرؒ نے لکھا ہے کہ دراصل ازدی کو اشتباہ اور سوء تفہیم ہو گیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ابو موسیٰؓ اسرائیل بن موسیٰ بصری کے زمانہ میں اسی نام اور اسی کنیت کے ایک اور مشہور اہل علم و فضل بھی موجود تھے جو ابو موسیٰؓ یمانی کہلاتے ہیں، یمن کے رہنے والے تھے اور حسن اتفاق سے وہ بھی وہب بن منبہ کے شاگرد تھے۔ چنانچہ ابن حجرؒ کے الفاظ ہیں:

وقال الازدی وحده فيه لين وليس هو الذي روى عن وهب بن منبه وروى عنه الثوري ذلك شيخ يمانى وقد فرق بينهما غير واحد كما سيأتى (۴)
”تہا ازدی ان میں زنی کے قائل ہیں۔ حالانکہ یہ ابو موسیٰؓ وہ نہیں جنہوں نے وہب بن منبہ سے اور جن سے سفیان بن عیینہ نے روایت کی ہے، بلکہ یہ یمن کے ایک بزرگ تھے، متعدد لوگوں نے ان دونوں کے درمیان تفریق کی ہے، جس کی تفصیل آگے آئے گی۔“
اور پھر آگے شیخ یمانی کے ترجمہ میں بھی حافظ نے اس اشتباہ کا پردہ چاک کیا ہے، رقمطراز ہیں:

ابو موسیٰؓ شیخ یمانی روى عن وهب بن منبه عن ابن عباس "هن اتبع الصيد غفل" وعنه الثوري مجهول قال ابن القطان ذكر المزى في ترجمه ابى موسىؓ اسرائيل بن موسىؓ البصرى انه روى عن وهب بن منبه وعنه الثوري ولم يلحق البصرى وهب بن منبه وانما هذا اخر وقد فرق بينهما ابن حبان في الثقات وابن جارود في الكنى وجماعة. (۵)

(۱) خلاصہ تہذیب الکمال ج ۱ صفحہ ۳۶۔ (۲) میزان الاعتدال ج ۱ صفحہ ۹۷۔ (۳) ایضاً۔ (۴) تہذیب المعجم ج ۱ صفحہ ۲۶۱۔ (۵) تہذیب المعجم ج ۱ صفحہ ۲۵۲

”یہ ابو موسیٰ یمن کے ایک بزرگ ہیں، جنہوں نے ابن عباس کے واسطے سے وہب بن منبہ سے ”من اتبع الصيد غفل“ کی روایت کی ہے اور ان سے ثوری نے مجہول روایت کی ہے۔ یہ ابن قطان کا قول ہے اور علامہ مزی نے ابو موسیٰ اسرائیل بن مصری بصری کے ترجمہ میں یہ جو ذکر کیا ہے کہ انہوں نے وہب بن منبہ سے اور انہوں نے ثوری سے روایت کی ہے (صحیح نہیں ہے) کیونکہ ابو موسیٰ بصری کا وہب بن منبہ سے لقاء ثابت نہیں، حقیقت یہ ہے کہ یہ دوسرے بزرگ ہیں۔ ابن حبان نے ثقات میں اور ابن جارود نے کتاب الکلی میں ان دونوں کے درمیان تفریق کی ہے۔

ہندوستان سے روابط :- سرزمین ہندوستان آغاز اسلام ہی سے آفتاب نبوت کی کرنوں سے منور اور ہر عصر و عہد میں علماء و صوفیہ اور بزرگان دین کی ایک بڑی تعداد سے معمور ہے۔ مسلمانوں کے قدم عہد فاروقی میں ہندوستان میں پڑ چکے تھے اور پھر ائمہ و محدثین انفرادی اور اجتماعی طور پر یہاں آتے رہے۔ حضرت ابو موسیٰ اسرائیل کے متعلق تمام محققین متفق ہیں کہ وہ متعدد بار ہندوستان آئے اور اسی وجہ سے ”نزیل الہند“ ان کا لقب ہی پڑ گیا، گو کہ ان کی آمد یہاں تجارت کی غرض سے ہوتی تھی، تاہم یہ ناممکن ہے کہ اس متحرک درسگاہ نے اپنی علمی و دینی فیوض یہاں نہ چھوڑے ہوں۔

ہندوستان سے حضرت ابو موسیٰؓ کے تعلق کی صراحت سب سے زیادہ حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری میں کی ہے، لکھتے ہیں:

وہو بصری کان یسافر فی التجارة الی الہند و اقام بها مدة (۱)
 ”وہ بصری ہیں، تجارت کی غرض سے ہندوستان کا سفر کرتے اور وہاں عرصہ تک مقیم رہتے تھے۔“

علامہ سمعانیؒ ”نزیل الہند“ کی نسبت رقمطراز ہیں:

ابو موسیٰ اسرائیل بن موسیٰ الہندی البصری کان ینزل الہند فنسب الیہا. (۲)

”ابو موسیٰ اسرائیل بن موسیٰ الہندی بصرہ کے رہنے والے تھے۔ ہندوستان آمد و رفت کی وجہ سے ان کی طرف منسوب کئے گئے۔“

اس کے علاوہ امام بخاریؒ، علامہ ذہبیؒ، حافظ مقدسیؒ، خزر جی اور ابو حاتم رازی وغیرہ کبار ائمہ و محدثین نے بھی حضرت ابو موسیٰؓ اسرائیل کے ہندوستان سے تعلق کا ذکر کیا ہے۔ (۱)

آخری بات :- افسوس ہے کہ دوسری صدی ہجری کے اس ممتاز محدث اور تبع تابعی کے اس سے زیادہ حالات بتانے سے تمام تذکرے خاموش ہیں۔ حتیٰ کہ ان کے سنن ولادت اور وفات بھی نامعلوم ہیں۔

حافظ ابن حجرؒ نے تقریب التہذیب میں ان کا شمار طبقہ ساوسہ میں کرایا ہے۔ جس سے یہ قیاس کیا جاتا ہے کہ اس طبقہ کے دوسرے رجال کی طرح حضرت ابو موسیٰؓ کی وفات بھی اس صدی (دوسری صدی ہجری) کے نصف آخر میں ہوئی ہوگی۔ جس طرح ان کے ہم عصر محدث اور مشہور تبع تابعی ابو حفص ربیع بن صبیحؒ کی رحلت ۱۶۰ ہجری میں ہوئی۔

حضرت اسرائیل بن یونس کو فی رحمۃ اللہ علیہ

نام و نسب :- اسرائیل نام اور ابو یوسف کنیت تھی۔ پورا سلسلہ نسب یہ ہے۔

اسرائیل بن یونس بن ابی اسحاق، عمرو بن عبد اللہ بن علی بن احمد بن ذی محمد بن سبیع بن سبیع بن صعب بن معاویہ بن کثیر بن مالک بن جشم بن حاشد بن جشم بن خیوان بن نوف بن ہمدان۔ (۱)
ولادت :- ۱۰۰ ہجری میں کوفہ کی مردم خیز سرزمین میں پیدا ہوئے۔ (۲)

فضل و کمال :- انہوں نے مرکز علم کوفہ میں نشوونما پائی اور اپنے فطری علمی ذوق کی بناء پر وقت کے اکابر علماء کے فیض صحبت سے مالا مال ہوئے۔ خود ان کا خانوادہ بھی علم و فضل میں ممتاز حیثیت رکھتا تھا۔ چنانچہ ان کے دادا ابو اسحاق کا شمار جلیل القدر تابعین میں ہوتا ہے۔ تمام علماء و محققین نے بالاتفاق ان کی توثیق کی ہے۔

اسرائیل بن یونس اپنے انہی شہرہ آفاق جد امجد سے خاص طور پر مستفید ہوئے، چنانچہ حضرت ابو اسحاق سبیعیؒ کی تمام مرویات انہیں از بر تھیں۔ عیسیٰ بن یونسؒ کہتے ہیں کہ:
قال لی اخی اسرائیل کنت احفظ حدیث ابی اسحاق کما احفظ سورة من القرآن (۳)

”مجھ سے میرے بھائی اسرائیل نے بیان کیا کہ میں ابو اسحاق سبیعیؒ کی روایتوں کو اس طرح یاد کرتا تھا جیسے قرآن کی سورۃ حفظ کرتا ہوں۔“
شیوخ :- حضرت ابو اسحاق سبیعیؒ کے علاوہ انہوں نے جن مشاہیر اہل علم سے اکتساب فیض کیا۔ ان میں سے کچھ نام یہ ہیں۔

سماک بن حرب، منصور بن المعتمر، ابراہیم بن مہاجر، سلیمان الاعمش، زیاد بن علاقہ، زید بن جبیر، عاصم بن بہدلہ، اسماعیل السدی، مجزاة بن زاہر الاسلمی، عاصم الاحول، ہشام بن عروہ، یوسف بن ابی بردہ (۴)

درس و افادہ :- حضرت اسرائیل بن یونس نے خود بھی مختلف مقامات پر درس حدیث کی مجلسیں گرم کیں۔ خطیب بغدادی نے اپنی تاریخ میں ان کے بغداد کے درس کا ذکر کیا ہے۔ وہاں

(۱) ابن سعد ۲/۱۹۶ و تاریخ بغداد ج ۷ صفحہ ۲۰۔ (۲) تہذیب التہذیب ج ۱ صفحہ ۲۶۱۔ (۳) میزان الاعتدال ج ۱ صفحہ ۹ و تذکرۃ الکھاظ ج ۱ صفحہ ۱۹۳۔ (۴) تاریخ بغداد ج ۷ صفحہ ۲۰ و تہذیب التہذیب ج ۱ صفحہ ۲۶۱

شائقین علم کا گروہ ان کے گرد اکٹھا رہتا تھا، ان سے مستفید ہونے والوں کا حلقہ بہت وسیع ہے، جن میں درج ذیل ائمہ و علماء مشہور ہیں۔

حضرت اسماعیل بن جعفر، وکیع بن الجراح، عبدالرحمن بن مہدی، عبید اللہ بن موسیٰ، ابونعیم الفضل بن دکین، اسود بن عامر شاذان، محمد بن سابق، عبداللہ بن صالح العجلی، ابواحمد الزبیری، نفر بن شمل، ابوداؤد الطیالسی، عبدالرزاق بن ہمام، یحییٰ بن آدم، محمد بن یوسف الفریابی، عبداللہ بن رجاء السعدانی، احمد بن یونس بن الجعد۔ (۱)

قوت حافظہ:- انہوں نے قوت حافظہ بھی نہایت قوی پائی تھی۔ امام احمد بن حنبل ان کے غیر معمولی قوت حافظہ پر تعجب کا اظہار کیا کرتے تھے۔ (۲)

حضرت یحییٰ بن آدم کہتے ہیں کہ:

کنا نکتب عنده من حفظه (۳)

ہم ان کے درس میں ان کے حافظہ سے حدیثیں لکھتے تھے۔

جرح و تعدیل:- اکثر ائمہ علماء نے حضرت اسرائیل بن یونسؒ کی عدالت اور ثقاہت کی شہادت دی ہے۔ حضرت ابو حاتم کہتے ہیں:

صدوق من اتقن اصحاب ابی اسحاق (۴)

”وہ ابواسحاق سمیعی کے تلامذہ میں سب سے زیادہ صدوق اور عادل ہیں۔“

امام احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں:

اسرائیل ثبت الحدیث

اسرائیل ثقہ راوی ہیں۔

حضرت عجل کا قول ہے ”کوفی ثقہ“ امام نسائیؒ کا بیان ہے۔ ”لیس به بأسق“ (۵) ابن

سعد لکھتے ہیں:

كان ثقة وحدث عنه الناس حديثاً كثيراً (۶)

وہ ثقہ تھے، لوگ ان سے بکثرت حدیثیں روایت کرتے تھے۔

(۱) تذکرۃ الحفاظ ج ۱ صفحہ ۱۹۳ و تاریخ بغداد ج ۷ صفحہ ۲۰ و تہذیب الجہد ج ۱ صفحہ ۲۶۱۔ (۲) میزان الاعتدال ج ۱ صفحہ

۹۷۔ (۳) تہذیب الجہد ج ۱ صفحہ ۲۶۲۔ (۴) میزان الاعتدال ج ۱ صفحہ ۹۷۔ (۵) تاریخ بغداد ج ۷، صفحہ ۲۱۔ (۶)

تہذیب الجہد ج ۱ صفحہ ۲۶۳

حضرت ابن عدی کا بیان ہے ”ہو ممن یحتج بہ“ ابن حبان نے کتاب الثقات میں ان کا ذکر کیا ہے۔

ان کے علاوہ یحییٰ بن معین، ابو نعیم، امام داؤد اور نسائی وغیرہ نے بہت ہی واضح الفاظ میں حضرت اسرائیل بن یونس کو اصح الحدیث اور ثقہ صدوق لکھا ہے۔ مزید برآں امام الجرح والتعدیل عبدالرحمن بن مہدی بھی ان سے روایت کرتے ہیں۔ (۱)

جن بعض علماء نے ان کی ثقاہت پر کلام کیا ہے، ان کے بارے میں علامہ ذہبیؒ نے لکھا ہے کہ حضرت اسرائیل بن یونسؒ پر جرح کرنے والوں کا اعتبار نہیں کیا جائے گا، کیونکہ ان کی ثقاہت مسلم ہے، چنانچہ وہ رقمطراز ہیں:

كان حافظاً صالحاً خاشعاً من أوعية العلم ولا عبرة بقول من لينه فقد احتج به الشيخان (۲)

”وہ حافظ، صالح، متورع اور علم کا ایک ظرف تھے، جو لوگ ان پر کلام کرتے ہیں ان کی بات کا اعتبار نہیں کیا جائے گا۔ کیونکہ شیخین نے ان کو سند بنایا ہے۔“

علامہ ذہبیؒ علاوہ ازیں میزان میں جرح کرنے والوں کے تفصیلی تذکرے کے بعد لکھتے ہیں:

قلت اسرائیل اعتمدہ البخاری فی الاصول وهو فی الثبت كالاسطوانة

فلا يلتفت الى تضعيف من ضعفه. نعم. شعبة اثبتہ منه الا فی ابی اسحاق (۳)

”اسرائیل بن یونس پر امام بخاری و مسلم نے بھی اعتماد کیا ہے اور فی الحقیقت وہ تثبت میں ستون کی مانند اٹل ہیں لہذا تضعیف کرنے والوں کی بات کی طرف دھیان نہیں دیا جائے گا۔ ہاں یہ صحیح ہے کہ شعبہ ان سے زیادہ قوی ہیں، لیکن مرویات ابی اسحاق میں وہ بھی اسرائیل کے ہمسر نہیں۔“ ائمہ کا اعتراف:۔ علماء نے ان کے فضل و کمال کا برملا اعتراف کیا ہے۔ امام شعبہؒ سے کسی نے حضرت ابواسحاق سیمی کی روایت کے متعلق دریافت کیا تو انہوں نے فرمایا:

سلوا فیہا اسرائیل فانه اثبت فیہا منی.

”اس کے بارے میں اسرائیل سے رجوع کرو کیونکہ وہ مجھ سے زیادہ قوی ہیں۔“

حضرت عبدالرحمن بن مہدی انہیں ابواسحاق کی مرویات کے سلسلہ میں شعبہ اور سفیان ثوریؒ

(۱) میزان الاعتدال ج ۱ صفحہ ۹۷۔ (۲) تذکرۃ الحفاظ ج ۱ صفحہ ۱۹۳۔ (۳) میزان الاعتدال ج ۱ صفحہ ۱۹۸۔ (۴) تہذیب

پر بھی فوقیت (۴) دیتے ہیں۔ حضرت ابو نعیم کہتے ہیں ”اسرائیل اثبت من ابی عوانہ“ حضرت یحییٰ بن معین کا قول ہے کہ ”اسرائیل حدیثاً من شریک“۔ زہد و ورع:۔ تقویٰ و پاکبازی خشوع و بے نفسی اسرائیل بن یونس کے دفتر کمال کے نمایاں ابواب ہیں۔ علم و فضل کی دولت کے ساتھ وہ عمل کے زیور سے بھی آراستہ تھے، علامہ ذہبی لکھتے ہیں:

وكان اسرائيل مع حفظه وعلم خاشعاً لله كبير القدر (۱)

”اے علم اور قوتِ حافظہ کے ساتھ ساتھ اسرائیل انتہائی کاشع اور عظیم المرتبت تھے۔“ شفیق یحییٰ ان کے خشوع و خضوع کے متعلق بیان کرتے ہیں:

اخذت الخشوع عن اسرائيل كذا حوله لا يعرف من عن يمينه ولا من عن

شماله لتفكره في الاخرة فعلمت انه رجل صالح (۲)

”میں نے خشوع اسرائیل سے حاصل کیا، ہم لوگ ان کے ارد گرد رہتے تھے۔ لیکن انہیں فکر آخرت میں ڈوبے رہنے کی بناء پر دائیں بائیں کی کچھ خبر نہیں رہتی تھی۔ بس اس وقت میں سمجھ گیا کہ وہ بہت نیک شخص ہیں۔“

وفات :- حضرت اسرائیل بن یونس کی وفات باختلاف روایت ۱۶۰ ہجری یا ۱۶۲ ہجری میں ہوئی۔ (۳)

(۱) میزان الاعتدال ج ۱ صفحہ ۹۸۔ (۲) تذکرۃ الحفاظ ج ۱ صفحہ ۱۹۴۔ (۳) تاریخ بغداد ج ۷ صفحہ ۲۴ و تہذیب المعجم ج ۱ صفحہ ۶۳۔

حضرت اسماعیل بن علیہ رحمۃ اللہ علیہ

نام و نسب :- اسماعیل نام، ابو بشر کنیت تھی۔ والد کا نام ابراہیم بن مقسم اور والدہ کا نام علیہ تھا۔ علیہ قبیلہ بنو شیبان کی لونڈی تھیں، لیکن بڑی صاحب علم تھیں، انہی کی نسبت سے اسماعیل ابن علیہ کہلاتے ہیں۔

ان کی والدہ کے بارے میں امام نوویؒ نے لکھا ہے کہ:

امراة نبيلة عاقلة (۱)

”وہ بڑی سمجھدار اور عقل مند خاتون تھیں۔“

خطیب بغدادی ان کے علم و فضل کی مزید تفصیل بیان کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

كانت امرأة نبيلة عاقلة برزة لها دار بالعوقة تعرف بها وصالح المری وغيره من وجوه البصرة وفقهائها يدخلون عليها ف تبرز لهم وتحادثهم وتسائلهم (۲)

”وہ بڑی شریف اور عقلمند خاتون تھیں، ان کا مکان عوقہ میں تھا جو ان کے نام سے مشہور تھا، وہاں صالح مری اور بصری کے دوسرے ممتاز لوگ اور فقہاء ان کے پاس استفادہ کے لئے آتے تھے، وہ برآمد ہو کر ان سے بات چیت اور سوال و جواب کرتی تھیں۔“

ولادت :- ان کے والد ابراہیم بھی غلام تھے اور کپڑے کے تاجر تھے۔ اس سلسلہ میں وہ برابر بصرہ آیا جایا کرتے تھے، وہاں آمد و رفت کے دوران انہوں نے علیہ بنت حسان سے شادی کر لی اور بصرہ ہی میں مستقل طور پر بود و باش اختیار کر لی، اور یہیں ۱۱۰ ہجری میں اسماعیل بن علیہ پیدا ہوئے، ان کی والدہ اپنے فضل و کمال کے باوجود چونکہ باندی تھیں، اس لئے وہ ان کی طرف اپنی نسبت پسند نہیں کرتے تھے، یہاں تک کہ وہ فرماتے تھے:

من قال ابن علیہ فقد اغتابنی (۳)

”جو کوئی مجھ کو ابن علیہ کہتا ہے وہ گویا میری غیبت کرتا ہے۔“

غالباً اسی وجہ سے انہوں نے خود اپنی کنیت ابو البشر رکھی تھی، مگر ابن علیہ کے مقابلہ میں یہ

(۱) تہذیب الاسماء واللغات ج ۱ صفحہ ۱۲۰۔ (۲) تاریخ بغداد، ج ۶ صفحہ ۲۳۲۔ (۳) تاریخ بغداد، ج ۶ صفحہ ۲۳۲

کنیت مشہور نہ ہو سکی۔

تعلیم و تربیت :- تاریخوں میں تفصیل تو نہیں ملتی، مگر قرآن بتاتے ہیں کہ ابتدائی تعلیم ان کی والدہ نے خود ہی دی ہوگی، اس کے بعد جب کچھ ہوشیار ہوئے تو ان کی والدہ بصرہ کے ایک مشہور محدث عبدالوارث اسی کے پاس لے گئیں اور کہا کہ اپنے بچہ اسماعیل کو لے کر آئی ہوں اور پھر اسماعیل کو محدث مذکور کے حوالہ کر دیا۔ علیہ نے ان سے خواہش ظاہر کی کہ اس میں آپ جیسی صلاحیت پیدا ہو جائے۔

حضرت عبدالوارث کا بیان ہے کہ میں اسماعیل کو اپنے ساتھ لے کر جاتا اور جہاں کہیں مجلس دیکھتا ان کو آگے بڑھا دیتا اور خود بعد میں شیخ مجلس کے پاس پہنچتا۔ اس طرح عبدالوارث نے گویا ان کو مختلف شیوخ سے روشناس کرایا۔

ابراہیم خولیؒ جو اس روایت کو نقل کرتے ہیں، ان کا بیان ہے کہ ابن علیہ جب بصرہ سے جانے لگے تو لوگ ان کو عبدالوارث سے زیادہ ثقہ فی الحدیث سمجھنے لگے تھے۔

فضل و کمال :- یوں تو حضرت اسماعیلؒ کو ہر فن پر عبور تھا، لیکن علم حدیث میں خصوصی کمال اور امتیازی مہارت رکھتے تھے۔ امام احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں کہ بصرہ میں اتفاق و تثبت ابن علیہ پر ختم ہے۔ (۱)

مشہور شیخ حدیث عند ربیان کرتے ہیں کہ میری نشو و نما علم حدیث کی فضا میں ہوئی ہے، اس علم میں کوئی شخص ایسا نہیں تھا جسے ابن علیہ پر فضیلت حاصل ہو۔ (۲)

امام ابو داؤد الطیالسیؒ کا قول ہے ”کوئی شخص ایسا نہیں ہے جس نے خطانہ کی ہو، البتہ ابن علیہ اور بشر بن المفصل اس کلیہ سے مستثنیٰ ہیں۔“ (۳)

حضرت یحییٰ بن المدینیؒ نے بھی اسماعیلؒ کے تثبت فی الحدیث کا اعتراف کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ چار کے علاوہ اکثر محدثین سے تصحیف و غلطی ہوئی ہے، وہ چار یہ ہیں۔

یزید بن زریع، ابن علیہ، بشر بن المفصل، عبدالوارث بن سعید۔ (۴)

حضرت ہشیم بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ بصرہ کے چند حفاظ حدیث جمع ہوئے تو ان سے کوفہ کے محدثین نے کہا کہ تم اسماعیل بن علیہ کے علاوہ جس کو چاہو سامنے لاؤ، ہم کو ان سے علم و فضل میں کم نہ پاؤ گے، مگر ابن علیہ کے علم و فضل کا مقابلہ نہیں کیا جاسکتا۔ (۵)

(۱) شذرات الذهب ج ۱ صفحہ ۳۳۳۔ (۲) تذکرۃ الحفاظ ج ۱ صفحہ ۲۹۵۔ (۳) تہذیب التہذیب ج ۱ صفحہ ۲۷۶۔

(۴) تاریخ بغداد ج ۶ صفحہ ۲۳۲۔ (۵) ایضاً صفحہ ۲۳۰۔

امام شعبہؒ انہیں سید المحدثین کہتے تھے اور ابن ناصر الدین قابل اعتماد و متقین قرار دیتے تھے۔ ابن علیہ کی روایات میں کوئی خطا نہیں پائی گئی۔

یزید بن ہارون کہا کرتے تھے کہ میں بصرہ گیا تو مجھ کو وہاں کوئی ایک شخص بھی نہیں ملا جس کو فن حدیث میں ابن علیہ سے افضل سمجھا جاتا ہو۔ (۱) حضرت قتیبہ بیان کرتے ہیں کہ عام طور پر حفاظ حدیث چار شمار کئے جاتے تھے۔ اسماعیل بن علیہ، عبد الوارث، یزید بن زریع اور وہیب۔ جرح و تعدیل کے شہرہ آفاق امام یحییٰ بن معین کا قول ہے کہ:

کان ابن علیہ ثقة ماموناً صدوقاً مسلماً ورعاً وثقاً (۲)
 ”ابن علیہ ثقہ، سچے متقی اور قابل اعتماد تھے۔“

جلالت علمی :- ابن علیہ کی عظمت اور جلالت شان کا یہ عالم تھا کہ کبار محدثین روایت حدیث میں ان کی مخالفت کرتے ڈرتے تھے۔

عفانؒ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن ہم لوگ حماد بن سلمہ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ انہوں نے کوئی حدیث پڑھی اور اس میں ان سے ایک خطا ہو گئی۔ کسی شخص نے ان سے کہا کہ اس حدیث میں تو آپ کی مخالفت کی گئی ہے، دریافت فرمایا: کس نے مخالفت کی ہے؟ جواب ملا حماد بن زید نے۔ ابن سلمہ یہ سن کر خاموش ہو گئے اور کوئی توجہ نہیں کی۔ اس کے بعد حاضرین مجلس میں سے کسی نے کہا ”ابن علیہ بھی تو اس حدیث میں آپ کے مخالف ہیں۔“ یہ سنتے ہی سلمہ کھڑے ہو گئے اور گھر میں تشریف لے گئے، پھر باہر آ کر فرمایا کہ ”تو بس اس حدیث میں ابن علیہ ہی کا قول معتبر ہے۔“ (۳) (معلوم ہوتا ہے کہ گھر کے اندر روایت کی تحقیق کی غرض سے گئے تھے۔)

امام احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں کہ جب امام مالکؒ کی وفات ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے میرے لئے سفیان بن عیینہ کو ان کی جگہ عنایت کر دیا۔ پھر جب حضرت حماد بن زید کا انتقال ہوا تو خدا نے ان کا قائم مقام میرے لئے ابن علیہ کو بنادیا۔ (۴) یعنی ابن علیہ امام احمد کے خاص اساتذہ میں ہیں۔

ایک مرتبہ حضرت یزید بن ہارونؒ نے اپنے حلقہ درس میں ایک حدیث نقل کی اور سلسلہ اسناد نقل کرنے کے بعد کہا کہ اس روایت کی تخریج حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کی ہے۔

ایک شخص نے عرض کیا کہ ابن علیہ تو اس کو مجاہد سے مروی مانتے ہیں۔ حضرت یزید بن

(۱) تاریخ بغداد ج ۶ صفحہ ۲۳۰۔ (۲) تہذیب التہذیب ج ۱ صفحہ ۲۷۶۔ (۳) تہذیب التہذیب ج ۱ صفحہ ۲۷۶۔

(۴) تاریخ بغداد ج ۶ صفحہ ۲۲۱ و تہذیب ج ۱ صفحہ ۲۷۶۔

ہارونؑ نے یہ سن کر کچھ التفات نہیں کیا اور پھر خر جسہ علی کا اعادہ فرمایا۔ اصل میں وہ غلط فہمی سے ابن علیہ کو ابن عیینہ سمجھے۔ اس لئے شخص مذکور نے پھر زوردار انداز میں ابن علیہ کا نام لیا۔ راوی کا بیان ہے کہ جب یزید بن ہارون کے کانوں میں ابن علیہ کا نام آیا تو سخت پریشان ہوئے اور دو مرتبہ ابن علیہ ابن علیہ کہہ کر خاموش ہو گئے۔ (۱)

مذکورہ بالا واقعات سے ابن علیہ کی جلالت علمی، بلندی شان اور علوئے مرتبت کا پورا پورا اندازہ ہو جاتا ہے۔

قوت حافظہ اور فہم حدیث:- حضرت ابن علیہ زمانہ طالب علمی ہی سے اپنے ہم درسوں میں فہم حدیث کے لحاظ سے ممتاز تھے۔

حاتم بن وردانؑ کا بیان ہے کہ یحییٰ، اسماعیل، وہیب اور عبدالوہاب، یہ چاروں ایک ساتھ حضرت ایوب کی مجلس درس میں شریک ہوتے تھے۔ درس سے فارغ ہو کر جب یہ اٹھتے تو سب اسماعیل بن علیہ کے گرد جمع ہو جاتے اور شیخ کی روایتوں کے بارے میں ان سے سوال کرتے کہ یہ روایت کس طرح کی ہے، اس بارے میں کیا کہا اور اس سے شیخ کی کیا مراد تھی؟ اسماعیلؑ ان سب کا جواب دیتے تھے۔ (۲)

حضرت ابن علیہ اپنا سارا ذخیرہ روایت سفینوں کی بجائے سینہ میں محفوظ رکھتے تھے۔ محدث وہیبؑ کا قول ہے کہ اسماعیل بن ابراہیمؑ کا حفظ اور عبدالوہاب کی کتاب دونوں برابر ہیں۔ زید بن ایوب کہتے ہیں کہ میں نے ابن علیہ کے پاس کبھی کوئی کتاب نہیں دیکھی، لیکن اس کے باوجود شب و اتقان کا یہ عالم تھا کہ ان سے کوئی غلطی سرزد نہیں ہوتی تھی۔

علی بن المدینی کا قول اوپر گزر چکا ہے کہ ”محدثین سے تصحیف بھی ہوئی اور خطائیں بھی، لیکن چار محدثین ایسے ہیں جن سے کوئی خطایا تصحیف نہیں ہوئی۔“

جرح:- حضرت ابن علیہ کی تحدیث و روایت کی توصیف و تعریف کرتے ہوئے امام دارمیؒ نے اتنی جرح کی ہے کہ ابن علیہ کی کوئی غلطی اس کے علاوہ نہیں معلوم ہو سکی کہ حضرت جابر سے انہوں نے تدبیر غلام کی جو روایت کی ہے اس میں غلام کے نام کو موٹی کا نام دیا ہے اور مولے کے نام کو غلام کا۔ (۳)

شیوخ و اساتذہ:- حضرت ابن علیہ نے بکثرت علمی سرچشموں سے اکتساب فیض کیا، جس

(۱) تہذیب التہذیب ج ۱، صفحہ ۲۷۶۔ (۲) تاریخ بغداد ج ۶، صفحہ ۲۳۲۔ (۳) ایضاً

میں اکابر تابعین کرام شامل ہیں۔ مشاہیر اساتذہ کے نام یہ ہیں۔
 ایوب السخثانی، علی بن جدعان، محمد بن المنکدر، عبداللہ بن ابی نوح، عطاء بن السائب، حمید الطویل، (۱) عبدالعزیز بن صہیب، ابن عون، سلیمان التیمی، داؤد بن ابی ہند، سہیل بن صالح، لیث بن ابی سلیم۔ (۲) یزید بن حمید، عبداللہ بن عوف، (۳) عاصم الاحول، ابی ریحان، جریری، معمر، یونس بن عبید۔ (۴)

تلامذہ:- اسی طرح حضرت ابن علیہ کے منبع علم سے بھی بکثرت تشنگان علم سیراب ہوئے۔ ان کے حلقہ تلامذہ پر ایک سرسری نظر ڈالنے سے معلوم ہو جاتا ہے کہ اس میں آسمان علم و فضل کے کیسے کیسے درخشاں تارے شامل ہیں۔ ممتاز تلامذہ کے نام یہ ہیں:

حضرت ابراہیم بن طہمان، حماد بن یزید، عبدالرحمن بن مہدی، احمد بن حنبل، یحییٰ بن معین، علی بن المدینی، زہیر بن حرب، داؤد بن رشید، احمد بن نعیج، بنداد بن بشار، محمد بن الحنفی، یعقوب الدورقی، حسن بن عرف، (۵) موسیٰ بن سہل، اسحاق بن راہویہ، (۶) بقیہ، ابن وہب، ابو معمر، ابو خثیمہ، ابن ابی شیبہ، علی بن حجر، ابن المنیر۔ (۷)

ان کے علاوہ ابن جریج اور امام شعبہؒ جیسے اکابر اتباع تابعین نے بھی ابن علیہ سے روایت حدیث کی ہے۔ درآنحالیکہ یہ دونوں ان کے شیوخ سے شمار کئے جاتے ہیں۔ امام ذہبیؒ اور حافظ ابن حجرؒ نے موسیٰ بن سہیل بن کثیر الوشا کو ابن علیہ کا آخری شاگرد بتلایا ہے۔ (۸)
 فقہ:- حدیث کی طرح ابن علیہ کو فقہ میں بھی تبحر اور کمال حاصل تھا۔ امام شعبہؒ انہیں رینحۃ الفقہاء کہا کرتے تھے۔ (۹)

سوال سے گھبراتے نہیں تھے:- بہت سے اساتذہ طلبہ کے سوالات سے گھبرا جاتے ہیں، مگر ابن علیہ کبھی بھی گھبراتے نہیں تھے بلکہ سوالات کو پسند کرتے تھے۔

امام احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں کہ زید بن حباب نے ایک دفعہ مجھ سے کہا کہ مجھے ابن علیہ سے استفادہ کا موقع دیجئے۔ میں نے ابن علیہ کی روایات کے مجموعے ان کے سامنے لا کر پیش کر دیئے، ابن حباب ان میں سے لوگوں کی رانیوں کی چھوٹی چھوٹی باتیں نوٹ کرنے لگے، جیسے

(۱) تاریخ بغداد صفحہ ۲۳۳۔ (۲) تذکرۃ الحفاظ، ج ۱ صفحہ ۲۹۵۔ (۳) تاریخ بغداد ج ۶ صفحہ ۲۲۹۔ (۴) تہذیب الاسماء ج ۱ صفحہ ۱۲۰۔ (۵) تاریخ بغداد ج ۶ صفحہ ۲۲۹۔ (۶) تذکرۃ الحفاظ ج ۱ صفحہ ۲۹۵۔ (۷) تہذیب التہذیب ج ۱ صفحہ ۲۷۵۔ (۸) ایضاً تذکرۃ الحفاظ، ج ۱ صفحہ ۲۹۵۔ (۹) تہذیب الاسماء للنووی، ج ۱ صفحہ ۱۲۰

ابن عون عن محمد بن خالد عن ابی قلابة وغیره، اس کے بعد پھر وہ ابن علیہ کے پاس گئے اور ان احادیث کے بارے میں سوال کرنے لگے۔ ابن علیہ ان سے بہت خوش ہوئے اس لئے کہ:

”کان یحب اذا سئل عن الاحادیث المسندة والاسناد (۱)“

”وہ اس بات کو بہت پسند کرتے تھے کہ ان سے احادیث مسندہ اور ان کی اسناد کے بارے

میں سوال کیا جائے۔“

عہدہ قضا:۔ فقہی مہارت اور تبحر علمی کی وجہ سے متعدد عہدوں پر بھی فائز ہوئے۔ چنانچہ ان کو سب سے پہلے بصرہ کی صدقات کا انتظام سپرد کیا گیا۔ پھر بغداد کے محکمہ فوجداری کے ذمہ دار مقرر ہوئے اور آخر میں بغداد کے منصب قضاء سے سرفراز ہوئے، لیکن زیادہ عرصہ تک اس منصب پر قائم نہیں رہے۔ حضرت عبداللہ بن مبارکؒ کی ناخوشی کا علم ہوتے ہی اس عہدہ سے مستعفی ہو گئے۔ واقعہ کی تفصیل یہ بیان کی جاتی ہے کہ عبداللہ بن مبارکؒ تجارت کرتے تھے اور اس میں انہیں کافی نفع بھی تھا، لیکن یہ پیشہ جلب زر و منفعت کے لئے نہیں تھا بلکہ علماء اور طلبہ کی خدمت اور ان کی دنیوی ضروریات پوری کرنے کے لئے تھا۔

چنانچہ ابن مبارکؒ خود ہی فرماتے ہیں کہ اگر سفیان بن عیینہ، سفیان ثوری، فضیل بن السماک اور ابن علیہ، یہ پانچ حضرات نہ ہوتے تو یہ تجارت نہ کرتا۔

حضرت ابن علیہ کے قاضی ہونے کے بعد جب ابن مبارکؒ بغداد آئے اور انہیں اس کا علم ہوا تو نہایت آزرده خاطر ہوئے اور جو تحفے وہ ابن علیہ کے پاس معمولاً بھیجا کرتے تھے، انہیں موقوف کر دیا اور جب ابن علیہ حضرت ابن مبارکؒ کی خدمت میں ملاقات کے لئے حاضر ہوئے تو آپؒ نے کوئی التفات نہیں کیا۔ ابن علیہ تھوڑی دیر بیٹھ کر گھر واپس چلے گئے اور دوسرے دن اس مضمون کا ایک خط لکھا:

”میں آپؒ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپؒ کے لطف و کرم کا منتظر تھا، لیکن آپؒ نے مجھ سے کلام ہی نہیں کیا، معلوم نہیں جناب کو میری کونسی حرکت ایسی ناگوار ہوئی؟“

یہ خط پڑھ کر حضرت ابن مبارکؒ نے فرمایا کہ یہ شخص بغیر سختی کے نہیں مان سکتا اور پھر جواب میں یہ تند و تیز اشعار لکھ کر بھیج دیئے:

یا جاعل الدین لہ بازیا

يَصْطَادُ اَمْوَالَ الْمَسَاكِينِ

”اے دین کے ذریعہ غیروں کے اموال کا شکار کرنے والا باز“

اَحْتَلَّتْ لِلدُّنْيَا وَلِذَاتِهَا

بَسْحِيلَةً تَذْهَبُ بِالْاَدِينِ

”تو نے دنیا اور اس کی لذتوں کو حاصل کرنے کے لئے ایک ایسا حیلہ اختیار کر لیا ہے جو دین

کو تباہ کر کے رہے گا۔“

فَصَرَتْ مَجْنُونًا بِهَا بَعْدَمَا

كَانَتْ دَوَاءً لِّلْمَجْجَانِيْسِ

”پہلے تم دنیا کے مجنونوں کا علاج کرتے تھے، اب خود تم اس کے مجنون ہو گئے ہو۔“

اَيْسَن رَوَايَاتِكَ فِي سِرِّهَا

لَتُرِكَ ابْوَابُ السَّلَاطِيْنِ

”اب بادشاہوں کے دروازے سے بے پروا ہو کر تمہارا روایت حدیث کرنا کہاں گیا؟“

اِنْ قُلْتَ اَكْرَهْتَ فِذَا بَاطِلٌ

ذَلْ حِمَارُ الْعِلْمِ فِي الطِّيْنِ

”اگر تم یہ کہو کہ مجھے (عہدہ قضا کے قبول کرنے پر) مجبور کیا گیا تو یہ عذر سراسر باطل ہے۔

اب تو یہ کہنا زیادہ موزوں ہے کہ ہمارے کچھڑ میں گر گیا۔“

حضرت ابن علیہ کے پاس جب عبد اللہ بن مبارک کا یہ خط پہنچا تو آپ پر ایسی رقت طاری

ہوئی کہ آپ اسے پڑھتے جاتے تھے اور روتے جاتے تھے۔ پورا خط پڑھنے کے بعد آپ فوراً

مجلس قضا سے اٹھے اور ہارون الرشید کے پاس جا کر اپنا استعفیٰ پیش کرتے ہوئے فرمایا ”خدا کے

لئے آپ میرے بڑھاپے پر رحم فرمائیے، کیونکہ اب میں اس عہدہ پر باقی نہیں رہ سکتا۔“

خلیفہ ہارون الرشید نے کہا:

”معلوم ہوتا ہے کہ اس مجنون (ابن مبارک) نے آپ کو بہکا دیا ہے؟“

ابن علیہ نے فرمایا ”بہکا یا نہیں، بلکہ انہوں نے تو فی الحقیقت ایک مصیبت سے مجھے نجات

دلا دی ہے اور میں تو دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ آپ کو بھی اس سے رستگاری عطا فرمائے۔“ ہارون

الرشید نے آپ کا استعفیٰ منظور کر کے آپ کو خدمت قضا سے سبکدوش کر دیا۔ حضرت عبد اللہ بن

مبارک کو اس کی اطلاع ملی تو بہت خوش ہوئے اور حسب سابق رقم کی ایک تھیلی ابن علیہ کو بھیج دی۔ (۱)

امام نوویؒ کی رائے ہے کہ پہلے یہ بصرہ کے صدقات و زکوٰۃ کے والی بنائے گئے، پھر ہارون

الرشید کے آخری دور میں بغداد کے قاضی بنائے گئے۔ (۲)

عبادت اور خوف خدا:۔ ابن علیہ کو قرآن مجید کی تلاوت اور عبادت سے بے حد شغف بلکہ عشق تھا۔ ابن مدینیؒ نے ایک رات ان کے ساتھ بسر کی تو انہوں نے دیکھا کہ حضرت ابن علیہ نے اسی شب میں تہائی قرآن مجید کی تلاوت کی۔

حضرت عفانؒ کا بیان ہے کہ ابن علیہ کا شمار ان کے عہد شباب سے ہی بصرہ کے عبادت گزاروں میں ہوتا تھا۔

زہد و اتقاء اور احساس آخرت اس دور کی ایک عام خصوصیت تھی۔ ابن علیہ بھی ان صفات میں زمرہ تابعین میں نمایاں تھے۔ حضرت ابن مبارکؒ کا ان کی طرف میلان اور پھر ان کی مدد کرنا خود اس بات کا واضح ثبوت ہے، پھر ابن مبارک کی تنبیہ پر ان کا استغفی دے دینا غایت تقویٰ کی دلیل ہے۔

ابن علیہ بلاشبہ فلیض حکوا قلیلاً و الیکوا کثیراً کی مجسم تصویر تھے۔ ان کی خشیت الہی کا یہ عالم تھا کہ برسوں وہ ہنسے نہیں۔ ان کے تلامذہ کا بیان ہے کہ جب سے وہ بصرہ کے والی بنائے گئے، انہیں کبھی ہنستے ہوئے نہیں دیکھا گیا۔

خلق قرآن کا فتنہ اور ابن علیہ:۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ ابن علیہ خلق قرآن کے قائل تھے، اگرچہ ان کے کسی قول سے ان کی صراحت نہیں ملتی، تاہم ان کے بعض ملفوظات اس خیال کی تائید ضرور کرتے ہیں۔

اسی سلسلہ میں بیان کیا جاتا ہے کہ ایک دن ابن علیہ ہارون الرشید کے بیٹے محمد امین کے پاس گئے تو امین نے آپ کو برا بھلا کہا اور پھر پوچھا کہ آپ خلق قرآن کے قائل ہیں؟ ابن علیہ نے اس پر ندامت کا اظہار کرتے ہوئے کہا ”میں آپ پر قربان جاؤں، یہ ایک عالم کی لغزش ہے۔“

اس واقعہ کی شہرت نے ابن علیہ کے بعض معتقدین کے دل میں بھی ان کی طرف سے تکرار پیدا کر دیا تھا۔

لیکن خطیب بغدادیؒ اس واقعہ کی تردید لکھتے ہیں کہ ابن علیہ سے خلق قرآن کے عقیدہ کی نسبت صحیح نہیں ہے۔ عبدالصمد یزدی مردویہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے ابن علیہ سے خود سنا ہے کہ القرآن کلام اللہ غیر مخلوق۔

حافظ ذہبیؒ کا رجحان بھی ادھر ہی معلوم ہوتا ہے۔

وفات :- جمعرات کے دن ۲۵ یا ۲۴ ذیقعدہ ۱۹۳ ہجری کو علم و عمل کی یہ شمع فروزاں گل ہو گئی۔ (۱) جنازہ کی نماز ان کے صاحبزادے ابراہیمؒ نے پڑھائی۔ (۲) اور بغداد کے مشہور قبرستان ابن مالک میں تدفین عمل میں آئی۔ (۳)

(۱) شذرات الذہب ج ۱ صفحہ ۲۳۳۔ (۲) تہذیب الاسماء للنووی ج ۱ صفحہ ۱۲۰۔ (۳) تاریخ بغداد ج ۶ صفحہ ۲۲۵

حضرت اسماعیل بن عیاش العنسی رحمۃ اللہ علیہ

نام و نسب :- اسماعیل نام اور ابو عتبہ کنیت تھی، جتنے نسب نامہ کا ذکر ملتا ہے وہ صرف یہ ہے، اسماعیل بن عیاش بن سلیم، (۱) نسباً عنسی اور وطناً حمصی مشہور ہیں۔ عنس بن مالک بن اود۔ یمن کے رہنے والے تھے، لیکن ان کے خاندان کی ایک بڑی جماعت شام منتقل ہو گئی اور وہیں مستقل بود و باش اختیار کر لی تھی۔ (۲) اغلب یہ ہے کہ انہی منتقل ہونے والوں میں عیاش بن سلیم بھی رہے ہوں گے۔

وطن اور ولادت :- بروایت صحیح ابو عتبہ ۱۰۲ ہجری میں پیدا ہوئے۔ مولد کے بارے میں کوئی تصریح تو نہیں ملتی، لیکن حمصی کی نسبت سے قیاس کیا جاتا ہے کہ ان کی ولادت کا شرف سرزمین حمص کو حاصل ہوا۔ یہ شام میں دمشق و حلب کے درمیان ایک مشہور شہر ہے۔ تحصیل علم :- تحصیل علم میں غیر معمولی جانکاہی اور محنت و مشقت ائمہ سلف کا مشترک تمغہ امتیاز تھا، ابو عتبہ بھی اس کا مجسم پیکر تھے۔ انہوں نے نہ صرف شام کے تمام مشاہیر اور ماہر فن علماء سے اکتساب علم کیا بلکہ علم عراق اور حجاز وغیرہ دوسرے ملکوں کا سفر کر کے وہاں کے بھی ممتاز فقہاء و محدثین کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا۔ کسی کام کے لئے طلب صادق اور سچی لگن انسان کو کمال کی انتہائی رفعتوں تک پہنچا دیتی ہے۔ ابو عتبہ نے انہی اوصاف سے سرشار ہو کر تحصیل علم کی راہ میں تن من کے ساتھ دھن دولت کو بھی قربان کر دیا تھا۔ چنانچہ تجدیث نعمت کے طور پر خود ہی بیان کرتے ہیں:

ورثت من ابی اربعة الاف دیناراً نفقتها فی طلب العلم (۳)
مجھے اپنے والد سے چار ہزار دینار وراثت میں ملے تھے، میں نے ان سب کو تحصیل علم میں خرچ کر دیا۔

جلالت علم و علو مرتبت :- تحصیل علم میں ایسی محنت شاقہ اور عرق ریزی کا نتیجہ تھا کہ وہ معدن علم کے گوہر شب چراغ شمار ہوئے اور زبان خلق نے نقارۂ خدا بن کر انہیں محدث الشام اور مفتی اہل الحمص کے خطاب سے نوازا۔ بالخصوص شامی شیوخ کی روایات کے بارے میں ابو عتبہ کا

(۱) خلاصہ تہذیب تہذیب الکمال صفحہ ۳۵۔ (۲) کتاب الانساب للسمعانی ورق ۴۰۱۔ (۳) تذکرۃ الحفاظ ج ۲ صفحہ ۲۳۱ و

میزان الاعتدال ج ۱ صفحہ ۱۱۱

پایہ نہایت ارفع و اعلیٰ ہے اور اس سلسلہ میں بالاتفاق انہیں مستند ترین اور ثقہ ترین قرار دیا جاتا ہے۔ علامہ خزر جی ان کو عالم الشام و احد مشائخ الاسلام اور حافظ ذہبی الامام محدث الشام و مفتی اہل الحمص لکھتے ہیں۔ (۱) ابو زر عہ کا بیان ہے:

لم یکن بالشام بعد الاوزاعی مثله (۲)

”امام اوزاعی کے بعد الشام میں اسماعیل بن عیاش کے مثل کوئی نہ تھا۔“

حدیث:۔ حضرت اسماعیلؒ حدیث اور فقہ دونوں میں مہارت رکھتے تھے، لیکن حدیث میں انہیں خصوصی درک حاصل تھا، ان کے اساتذہ حدیث میں مختلف ملکوں کے ائمہ شامل ہیں۔ جن میں ہشام بن عروہ، یحییٰ بن سعید الانصاری، شریح بن مسلم، یحییٰ بن سعد، تمیم بن عطیہ، زید بن اسلم، محمد بن زیاد الالہانی، صفوان بن عمرو، عبد الرحمن بن جبیر، ثور بن یزید، حبیب بن صالح، حجاج بن ارطاة، صالح بن کیسان، سہیل بن ابی صالح کے نام لائق ذکر ہیں۔ (۳)

فقہ میں انہیں امام اوزاعی سے تلمذ حاصل تھا، جو اپنی غیر معمولی مہارت فقہی کی بناء پر فقہ الشام کے لقب سے ذکر کئے جاتے ہیں۔ ابو عتبہ نے فقہ میں انہی سے پورا پورا فائدہ اٹھایا اور پھر خود بھی حمص میں افتاء کی خدمات انجام دیں۔

خود اسماعیل بن عیاشؒ سے مستفید ہونے والوں میں لیث بن سعد، ولید بن مسلم، معتز بن سلیمان، عبد اللہ بن مبارک، ابو داؤد الطیاسی، حجاج الاعور، شبابہ بن سوار، حسن بن عرفہ، سعید بن منصور، مناد، محمد بن بکار اور داؤد بن عمرو (۴) ممتاز ہیں۔

امام اعمش اور ابن اسحاق ان سے روایت کرتے ہیں، سفیان ثوری اگرچہ ان کے شیخ ہیں مگر بعض حدیثیں وہ بھی ان سے روایت کرتے ہیں۔

جرح و تعدیل:۔ حضرت اسماعیل بن عیاشؒ کی روایات دو طرح کی ہیں۔ ایک تو وہ جو انہوں نے شامی شیوخ سے بیان کی ہیں اور دوسری غیر شامی یعنی حجاز و عراق وغیرہ ممالک کے شیوخ کی روایات، نوع اول کے بارے میں علماء جرح و تعدیل بالاتفاق ان کو ثقاہت و عدالت اور ثبوت و اتقان میں بلند مقام دیتے ہیں۔ چنانچہ ابن مدینی کہتے ہیں:

(۱) خلاصہ تہذیب التہذیب الکمال صفحہ ۳۵ والعمر فی خبر من عمر، ج ۱ صفحہ ۲۷۹۔ (۲) میزان الاعتدال ج ۱ صفحہ ۱۱۳۔

(۳) تہذیب التہذیب ج ۱ صفحہ ۳۲۲ و تذکرۃ الحفاظ ج ۱ صفحہ ۲۳۰۔ (۴) تہذیب التہذیب ج ۱ صفحہ ۳۲۲ و تذکرۃ الحفاظ ج ۱ صفحہ ۲۳۰۔

ما کان احد اعلم بحديث اهل الشام من اسماعيل بن عیاش
 ”اہل شام کی روایت کو اسماعیل بن عیاش سے زیادہ جاننے والا کوئی نہ تھا۔“
 حضرت یحییٰ بن معینؒ سے ان کے بارے میں سوال کیا گیا تو فرمایا:

عن الشاميين حديثه صحيح (۱)
 ”شامیوں سے ان کی روایت صحیح ہے۔“

یعقوب بن سفیان کا بیان ہے:

اسماعیل ثقہ عدل اعلم الناس بحديث الشام
 اسماعیل ثقہ عادل ہیں۔ نیز اہل شام کی روایت کا لوگوں میں سب سے زیادہ علم رکھتے تھے۔
 محمد بن عثمان کا قول ہے:

اسماعیل ثقة فيما روى عن الشاميين
 ”اہل شام کی روایت کے بارے میں اسماعیل ثقہ ہیں۔“

لیکن وہ روایتیں جو اسماعیل نے غیر شامی علماء و مشائخ سے بیان کی ہیں، ان کے بارے میں
 محققین اور ماہرین فن انہیں غیر مقبول اور ضعیف قرار دیتے ہیں۔ ان کے اسباب و علل کا کوئی
 واضح ذکر نہیں ملتا۔ علامہ ذہبیؒ نے جو سبب بیان کیا ہے وہ بالکل نا کافی ہے۔ علامہ موصوف
 رقمطراز ہیں:

كان من اوعية العلم الا انه ليس بمتقن لما سمعه بغير بلده كانه كان
 يعتمد على حفظه فوق خلل في حديثه عن الحجازيين وغيرهم (۲)
 ”وہ علم کا ظرف تھے، لیکن غیر شامیوں سے انہوں نے جو سماع حاصل کیا تھا اس میں وہ غیر
 ثقہ ہیں، کیونکہ وہ اپنے حافظہ پر زیادہ اعتماد کرتے تھے۔ اس لئے اہل حجاز وغیرہ کی روایات میں
 ضعف پیدا ہو گیا۔“

جب علماء ان کی ذہانت و فطانت اور محیر العقول حافظہ پر متفق اللسان ہیں اور انہیں اس
 خصوصیت میں امام و کیخ کا ہم پلہ قرار دیتے ہیں تو پھر غیر شامی شیوخ سے ان کی مرویات میں خلل
 تضعیف کا قوی سبب نہیں ہو سکتا۔ ممکن ہے اس کا کوئی دوسرا سبب ہو۔
 قوتِ حافظہ:- حضرت ابن عیاشؒ کا حافظہ نہایت قوی تھا۔ ہزاروں حدیثیں انہیں زبانی

(۱) میزان الاعتدال ج ۱ صفحہ ۱۱۳۔ (۲) تذکرۃ الحفاظ ج ۱ صفحہ ۲۳۰۔

از بر تھیں۔ یزید بن ہارونؓ کہتے ہیں:

مارایت شامياً ولا عراقياً حفظ من اسماعیل بن عیاش ما ادری ما الثوری (۱)
 ”میں نے اسماعیل بن عیاش سے زیادہ قوت حافظہ رکھنے والا کسی بھی شامی یا عراقی عالم کو
 نہیں پایا۔ میں تو جانتا بھی نہیں تھا کہ ثوری کیا چیز ہیں۔“
 داؤد بن عمرؓ کا بیان ہے:

ما حدثنا اسمعيل الا من حفظه و كان يحفظ نحواً من عشرين الف
 حدیث (۲)

”اسماعیل ہم سے اپنے حافظہ سے حدیث بیان کرتے تھے انہیں تقریباً بیس ہزار احادیث
 زبانی یاد تھیں۔“
 انہی کا قول ہے:

كان اسماعيل يحدثنا من حفظه مارایت معه كتاباً قط (۳)
 ”اسماعیل ہم سے اپنے حافظہ سے حدیث بیان کرتے تھے، میں نے ان کے ساتھ کبھی کوئی
 کتاب نہیں دیکھی۔“

امام احمد بن حنبلؒ نے ایک مرتبہ داؤد بن عمرؓ سے دریافت کیا کہ اسماعیل بن عیاش کو کتنی
 حدیثیں یاد تھیں۔ فرمایا بہت زیادہ۔ انہوں نے پھر پوچھا کیا دس ہزار؟ فرمایا نہیں تیس ہزار! یہ سن
 کر امام احمدؒ نے فوراً کہا کہ بخدا یہ تو امام وکیعؒ کی مثال ہے جو قوت حافظہ میں ضرب المثل
 تھے۔ (۴)

کثرتِ عبادت :- ابن عیاشؒ عالم باعمل تھے۔ درس و تدریس کے علاوہ شب و روز کے تمام
 اوقات ذکر و فکر اور عبادت و ریاضت میں گزارتے تھے، ابوالیمان عینیؒ شہادت دیتے ہیں کہ:

كان منزله الى جنب منزلي فكان يحيى الليل (۵)
 ”اسماعیل بن عیاشؒ کا گھر میرے پڑوس میں تھا، وہ شب بیداری کرتے تھے۔“
 مناقب :- ان کی پوری زندگی گونا گوں مناقب و محامد سے معمور تھی۔ علم و فضل، ورع و تقویٰ،
 عبادت و ریاضت، اخلاق و معاملات، شرافت و نیک نفسی، غرض ہر حیثیت سے وہ ایک مثالی اور

(۱) تذکرۃ الحفاظ، ج ۱ صفحہ ۲۳۰۔ (۲) المعجم فی خبر من غیر، ج ۱ صفحہ ۲۷۹۔ (۳) المعجم فی خبر من غیر، ج ۱ صفحہ ۲۷۹۔

(۴) تہذیب المتہذیب ج ۱ صفحہ ۳۲۲۔ (۵) میزان الاعتدال ج ۱ صفحہ ۱۱۱

معیاری انسان تھے۔ علامہ ذہبی رقمطراز ہیں:

ومناقبہ کثیرۃ (۱)

پھر تذکرہ میں لکھتے ہیں:

کان محتشماً نبیلاً جواداً وکان من العلماء العاملين (۲)

”وہ نہایت باعزت، شریف اور بخشنے والے اور عالم باعمل تھے۔“

یحییٰ الوعاظی کا بیان ہے کہ:

مارایت اکبر نفساً من اسماعیل بن عیاش کان اذا اتینا مرزعتہ لایرضی

لنا الا بالخروف والحلوا (۳)

”میں نے اسماعیل بن عیاش سے زیادہ بلند ظرف کسی کو نہیں دیکھا۔ جب ہم ان کے پاس

کھیت پر ملنے جاتے تو حلوا اور تازہ پھل ضرور کھلاتے تھے۔“

ان کے مناقب ہی کے ذیل میں یہ کارنامہ بھی لائق ذکر ہے کہ اہل حمص ان کی پیدائش سے

قبل حضرت علیؓ کی تنقیص علی الاعلان بکثرت کرتے تھے۔ جب ابن عیاش نے سن شعور کو پہنچ کر یہ

فتنہ دیکھا تو اہل شہر میں حضرت علیؓ کے فضائل و مناقب کی تبلیغ شروع کر دی، جس کا خاطر خواہ نتیجہ

نکلا اور پھر اس تنقیص کا سلسلہ ختم ہو گیا۔ (۴)

وفات :- باختلاف روایت ۸۱ ہجری میں انتقال فرمایا۔ (۵) علامہ ذہبیؒ نے اول الذکر ہی

کو اصح قرار دیا ہے۔ وفات کے وقت ۸۰ سال کی عمر تھی۔ (۶)

(۱) البحر، ج ۹ صفحہ ۲۷۔ (۲) تذکرۃ الحفاظ ج ۱ صفحہ ۲۳۰۔ (۳) میزان الاعتدال ج ۱ صفحہ ۱۱۱۔ (۴) میزان الاعتدال ج ۱

صفحہ ۱۱۱۔ (۵) تہذیب التہذیب ج ۱ صفحہ ۲۳۵۔ (۶) تذکرۃ الحفاظ ج ۱ صفحہ ۲۳۱

حضرت حسن بن صالح الہمدانی رحمۃ اللہ علیہ

نام و نسب :- حسن نام اور ابو عبد اللہ کنیت تھی۔ (۱) نسب نامہ یہ ہے۔
حسن بن صالح بن صالح بن مسلم بن حیان بن شفی بن ہنی بن رافع بن قملی بن عمرو بن ماتع
بن صہلان بن زید بن ثور بن مالک بن معاویہ بن دومان بن بکیل بن جشم بن ہمدان (۲) جد امجد
حیان کا لقب جی تھا، اس لئے بن سعد اور بعض دوسرے محققین ان کا ذکر حسن بن جی کے نام سے
بھی کرتے ہیں۔

وطن کی نسبت سے کوئی اور قبیلہ کی طرف سے منسوب ہو کر ہمدانی مشہور ہوئے۔ ہمدان یمن کا
ایک قبیلہ ہے، جو کوفہ آباد ہونے کے بعد وہاں آ کر بس گیا تھا۔ اس قبیلہ کی بکثرت شاخیں ہیں۔ (۳)
وطن اور پیدائش :- ۱۰۰ ہجری میں کوفہ کی مردم خیر سر زمین میں ولادت ہوئی۔
حسن بن صالح اور ان کے بھائی (علی بن صالح) دونوں توام پیدا ہوئے تھے۔ (۴) ان
دونوں کی ولادت میں صرف ایک گھنٹہ کا فصل ہوا تھا۔

یعنی علی کی ولادت حسن سے ایک گھنٹہ قبل ہو گئی تھی۔ ظاہر ہے اس سے عمر میں نمایاں تفاوت واقع
نہیں ہوتا۔ لیکن ابو نعیم کا بیان ہے کہ میں نے حسن کو کبھی اپنے بھائی کا نام لیتے نہیں سنا۔ جب اس کی
ضرورت پیش آتی تو فرماتے قال ابو محمد ہکذا۔ (۵) (علی بن صالح کی کنیت ابو محمد تھی)۔
علم و فضل :- علمی اعتبار سے وہ باکمال اتباع تابعین میں تھے۔ انہوں نے نہ صرف حدیث و
فقہ کی قدیلیں فروزاں کیں، بلکہ اخلاق و عمل کے چراغ بھی روشن کئے، اپنے زمانہ کے ممتاز عالم،
عابد اور زاہد شمار کئے جاتے تھے۔ تمام علماء اور محققین ان پر کلام کے باوجود جملہ خصوصیات
اور کمالات کا اعتراف بھی کرتے تھے۔ ان کے شاگرد رشید ابو نعیم بیان کرتے ہیں کہ:

کتبت عن ثمان مائة محدث فمارأيت افضل من حسن بن صالح (۶)
”میں نے آٹھ سو محدثین سے حدیثیں لکھی ہیں۔ لیکن حسن بن صالح سے زیادہ بلند مرتبہ
میں نے کسی کو نہیں پایا۔“

(۱) تذکرۃ الحفاظ ج ۱ صفحہ ۱۹۵۔ (۲) طبقات ابن سعد ج ۶ صفحہ ۲۶۰۔ (۳) کتاب الانساب للسمعانی ورق ۵۹۱۔
(۴) العمر فی خبر من غیر، ج ۱ صفحہ ۲۳۹۔ (۵) طبقات ابن سعد ج ۶ صفحہ ۲۶۰۔ (۶) العمر فی خبر من غیر، ج ۱ صفحہ ۲۳۹ و
تذکرۃ الحفاظ ج ۱ صفحہ ۱۹۵

علامہ خزرجی اور حافظ ذہبی احاد الاعلام اور الامام القدوة کے الفاظ سے ان کے فضل و کمال کو سراہتے ہیں۔ (۱)

اور ابو ذرؓ کا قول ہے:

اجتمع فيه حفظ واتقان وفقه وعبادة. (۲)

”وہ حفظ و اتقان اور فقہ و عبادت کا مجموعہ تھے۔“

شیوخ و تلامذہ:- حضرت حسن بن صالحؒ نے خیر القرون کا وہ ہند بہار زمانہ پایا تھا جب قریہ اجلہ تابعین کی نوا سنجیوں سے پر شور تھا، پھر کوفہ تو ہمیشہ ہی سے علم کا مرکز اور علماء کا منبع رہا ہے، حسن بن صالحؒ نے بھی اس عہد سعادت کی بہاروں سے اپنے دل و دماغ کو معطر کیا۔ تابعین کرام کی ایک بڑی جماعت سے انہیں فیض صحبت حاصل ہوا۔ ممتاز اساتذہ میں ان کے والد صالح بن صالح کے علاوہ ابواسحاق سبیعی، عمرو بن دینار، عاصم الاحول، عبداللہ بن محمد بن عقیل، اسماعیل السدی، عبدالعزیز بن رفیع، محمد بن عمرو بن علقمہ، لیث بن ابی سلیم، منصور بن المعتمر، سہیل بن ابی صالح، سلمہ بن کہیل، سعید بن ابی عروبہ، ہاک بن حرب، عبداللہ بن دینار (۳) کے نام لائق ذکر ہیں۔

اسی طرح خود ان سے مستفید ہونے والوں کا حلقہ بھی بہت وسیع ہے۔ نامور تلامذہ میں عبداللہ بن المبارک، حمید بن عبدالرحمن الرواسی، اسود بن عامر، شاذان، وکیع بن الجراح، یحییٰ بن آدم، جراح بن ملیح الرواسی، عبداللہ بن داؤد الخرمی، ابواحمد الزبیر، عبید اللہ بن موسیٰ ابو نعیم، طلق بن غنام، قبیصہ بن عقبہ، احمد بن یونس، علی بن الجعد (۴) جیسے یکتائے عصر علماء شامل ہیں۔

حدیث و فقہ:- حسن بن صالحؒ کو حدیث اور فقہ پر یکساں قدرت اور عبور حاصل تھا۔ لیکن فقہ کی خصوصی جولانگاہ تھی، اسی بناء پر فقیہ کوفہ کی حیثیت سے انہیں زیادہ شہرت اور قبول عام نصیب ہوا۔ چنانچہ حافظ ذہبی اور علامہ خزرجی نے ”فقیہ کوفہ“ ہی کے الفاظ سے ان کے تذکرے کا آغاز کیا ہے۔ غلی کا قول ہے کہ ”حسن بن صالحؒ سفیان ثوری سے بھی بڑے فقیہ تھے۔“ (۵)

لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ حدیث میں ان کا کوئی مقام نہ تھا، بلکہ اس میں بھی انہیں کامل دسترس حاصل تھی۔ تمام علمائے جرح و تعدیل ان کی ثقاہت، عدالت، صداقت اور اتقان پر متفق

(۱) خلاصہ تہذیب تہذیب الکمال صفحہ ۷۲ و میزان الاعتدال ج ۱ صفحہ ۲۳۱۔ (۲) میزان الاعتدال، ج ۱ صفحہ ۲۳۱۔

(۳) العمر فی خبر من غیر، ج ۱ صفحہ ۲۳۹ و خلاصہ تہذیب تہذیب الکمال ۷۶۔ (۴) تذکرۃ الحفاظ ج ۱ صفحہ ۱۹۵۔ (۵)

تہذیب التہذیب ج ۳ صفحہ ۲۸۸

ہیں جو کچھ بھی کلام ان کے بارے میں کیا گیا ہے، وہ ان کے بعض دوسرے خیالات سے متعلق ہے (جس کی تفصیل آگے آئے گی) لیکن ان کی محدثانہ شان اور فقیہانہ جلالت قدر میں کسی نے اختلاف نہیں کیا ہے۔ امام احمدؒ فرماتے ہیں حسن اثبت فی حدیث من شریک۔
دوسری جگہ فرماتے ہیں:

الحسن بن صالح صحیح الروایۃ متفقۃ صائن لنفسه فی الحدیث والورع (۱)
”حسن بن صالح متفقہ طور پر صحیح الروایہ ہیں اور حدیث ورع میں بلند مرتبہ ہیں۔“
ابن معین کا بیان ہے:

یكتب رأی مالک والاوزاعی والحسن بن صالح وهؤلاء ثقات (۲)
امام مالک، اوزاعی اور حسن بن صالح کی رائے لکھی جاتی ہے اور یہ سب ثقہ ہیں۔
ابو حاتم کا قول ہے ثقہ، حافظ متقن ابن عدی کہتے ہیں:

لم اجده حدیثنا منکراً وهو عندی من اهل الصدق (۳)

”میں نے ان کی کوئی منکر حدیث نہیں پائی وہ میرے نزدیک اہل صدق میں سے ہیں۔“

ابن سعد نے لکھا ہے کان ثقة صحیح الحدیث کثیرہ (۴) علاوہ ازیں امام نسائی، دارقطنی، بخاری اور ابن ابی خثیمہ وغیرہ دیگر محدثین و ماہرین فن نے بھی حسن بن صالحؒ کی ثقاہت و عدالت کو بصراحت تسلیم کیا ہے۔

دو الزامات اور ان کے جوابات:- بایں ہمہ تبحر علمی اور فضائل و کمالات حسنؒ کی ذات گرامی میں بھی نقد و جرح کے غبار سے محفوظ نہیں رہی، لیکن ان کا تعلق ان کے بعض معتقدات اور خیالات سے ہے۔

پہلا الزام ان پر یہ عائد کیا جاتا ہے کہ وہ علوم دینیہ سے مالا مال ہونے کا اور اپنے تمام تر مذہبی تقشف کے باوجود نماز جمعہ نہیں پڑھتے۔

سفیان ثوریؒ کا بیان ہے:

الحسن بن صالح مع ماسمع من العلم وفقه یتروک الجمعة
”حسن بن صالح علم وفقہ کے باوجود نماز جمعہ ترک کر دیتے تھے۔“

(۱) تہذیب التہذیب ج ۲ صفحہ ۲۸۲۔ (۲) المعجم فی خبر من غیرہ، ج ۱ صفحہ ۲۳۹۔ (۳) میزان الاعتدال ج ۱ صفحہ ۲۳۱۔

(۴) طبقات ابن سعد، ج ۱ صفحہ ۲۶۰

اس کمزوری کی بناء پر خود ان کے بہت سے تلامذہ ان کو سخت ناپسند کرتے اور ان سے روایت کرنے میں محتاط رہتے تھے۔

دوسرا الزام یہ ہے کہ وہ ظالم مسلم حکمرانوں کے خلاف خروج بالسیف کے جواز کے قائل تھے۔ ان کے نزدیک اگر کوئی مسلم حکمران اور امام اپنے ظلم و جور سے خلق خدا پر مسلط ہو جائے تو از روئے شرع اس کی اطاعت کا فائدہ اپنی گردنوں میں باقی رکھنا ضروری نہیں ہے بلکہ عامہ مسلمین اس کے خلاف علم بغاوت بلند کر کے ان کی چیرہ دستیوں کو بقوت ختم کرنے کا حق رکھتے ہیں۔ یہ صحیح ہے کہ قدیم ائمہ سلف کا مسلک یہی رہا ہے، لیکن اس کے نتیجہ کے طور پر گزشتہ زمانے میں جو ہولناک خونریزیاں ہوئیں ان پر اوراق تاریخ شاہد ہیں۔ واقعہ حرہ اور ابن الاشعث کے واقعہ میں جو کچھ ہوا اس میں ارباب بصیرت کے لئے کافی سامان عبرت موجود ہے، اس وجہ سے اب جمہور ائمہ نے اس قدیم مسلک کے یکسر ترک پر اتفاق کر لیا ہے، جس کی رو سے ظالم حکمران اور امام المسلمین کی اطاعت بھی بہر حال لازمی ہے۔ اس سے روگردانی کی گنجائش نہیں۔

حضرت حسن بن صالح کے معاصر علماء نے اسی بناء پر ان کے مسلک سے شدید اختلاف کیا اور اسے ان کے معائب میں شمار کیا۔ ابو نعیم بیان کرتے ہیں کہ ایک بارسفیان ثوری کی مجلس میں حسن بن صالح کا ذکر آیا تو انہوں نے سخت ناگواری ظاہر کی اور فرمایا:

ذلک یری السیف علی الامۃ یعنی الخروج علی الولاۃ الظلمۃ (۱)

وہ امت (یعنی ظالم حکمرانوں) کے خلاف خروج بالسیف کے قائل تھے۔

لیکن علامہ ابن حجر عسقلانی نے ان دونوں الزامات کی بہت شد و مد کے ساتھ تردید کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اولاً تو اس قسم کے شخصی مسلک کی بنیاد پر ایک ایسی شخصیت کے کردار کو مجروح نہیں کیا جائے گا جس کی عدالت، حفظ، اتقان اور زہد و تقویٰ مسلم ہو۔ ثانیاً ان کے اس مسلک میں تاویل کی بھی بڑی گنجائش موجود ہے۔ یعنی یہ کہ وہ کسی فاسق کے پیچھے نماز جمعہ کے قائل نہ ہوں گے اور اسی طرح وہ کسی فاسق امام المسلمین کی اورنگ نشینی کو درست تسلیم نہیں کرتے ہوں گے۔ اگر حضرت حسن کا مسلک بھی فی الواقع وہی رہا ہو جو عام طور سے سمجھا گیا تو بھی ان کی ذات مطعون قرار نہیں دی جاسکتی۔ اس لئے کہ وہ مجتہد مطلق تھے۔ (۲)

پھر یہاں ایک اور بات بھی قابل ذکر ہے، وہ یہ کہ حسن بن صالح کے نزدیک ظالم

(۱) میزان الاعتدال ج ۱ صفحہ ۲۳۔ (۲) تہذیب المعتمد ج ۳ صفحہ ۲۸۸

حکمرانوں کے خلاف جہاد جائز ضرور تھا، تاہم ایک بھی نظیر اس کی موجود نہیں کہ انہوں نے اپنے اس خیال کو عملی شکل دی ہو اور کسی مسلم حکمران کے جور و ستم کے خلاف خروج کیا ہو۔ علاوہ ازیں ترک جمعہ کے الزام کی تردید خود ابو نعیمؒ کے اس واضح بیان اور شہادت سے ہوتی ہے کہ:

قال ابن المبارک کان ابن صالح لا یشہد الجمعة وانا رايتہ فی الجمعة قد شہدہا مع الناس (۱)

”ابن مبارک کا قول ہے کہ ابن صالح جمعہ کی نماز میں نہیں آتے تھے، درآنحالیکہ میں نے خود انہیں دیکھا کہ وہ لوگوں کے ساتھ نماز جمعہ میں تشریف لائے۔“

اس شہادت کی روشنی میں حافظ ابن حجرؒ کی مذکورہ بالا تاویل بالکل درست معلوم ہوتی ہے۔ زہد و ورع:- تقویٰ و پاک نفسی میں بھی حضرت حسنؒ کا مرتبہ بہت بلند تھا، ان کی اس خصوصیت کا نمایاں طور پر ذکر کیا جاتا ہے۔

حضرت ابن حجرؒ نے انہیں متقی کامل قرار دیا ہے۔ (۲) سمعانی نے ان کے تقشف کی حد تک زہد و ورع کی صراحت کی ہے۔ (۳) ابو زرہؓ کا یہ قول گزر چکا کہ حسنؒ، اتقان، فقہ، عبادت اور زہد سب کے مجموعہ کمالات تھے۔ (۴)

عبادت و ریاضت:- حضرت حسن بن صالحؒ زہد و علم کے ساتھ عمل کی دولت سے بھی مالا مال تھے، عبادت کی کثرت اور اس میں غایت درجہ خشوع و خضوع ان کے صحیفہ کمال کے بہت نمایاں ابواب ہیں۔ چنانچہ امام و کعب علم و فضل اور ریاضت و عبادت میں انہیں شہرہ آفاق تابعی سعید بن جبیرؒ سے تشبیہ دیتے تھے۔ (۵) ابن سعد لکھتے ہیں کان ناسکاً عابداً فقیہاً (۶) ابن حبان کا قول ہے۔ تجرد للعبادة (۷)

حافظ ابن حجرؒ، علامہ یافعیؒ، امام ذہبیؒ اور ابن سعد وغیرہ محققین نے حسن بن صالحؒ کی کثرت عبادت کے بارے میں امام و کعبؒ کا یہ بہت ہی حیرت انگیز بیان نقل کیا ہے کہ حسنؒ، ان کے بھائی علیؒ اور ان کی والدہ نے پوری رات کو تین حصوں میں تقسیم کر رکھا تھا۔ ہر فرد اپنے حصہ شب (یعنی ثلث لیل) میں عبادت کرتا تھا، پھر جب ان کی والدہ کی رحلت ہو گئی تو دونوں

(۱) طبقات ابن سعد ج ۶ صفحہ ۲۶۱۔ (۲) تہذیب المعجم ج ۳ صفحہ ۲۸۸۔ (۳) کتاب الانساب للسمعانی، ورق ۵۹۱

(۴) میزان الاعتدال ج ۱ صفحہ ۲۳۱۔ (۵) مراۃ البیان ج ۱ صفحہ ۳۵۳۔ (۶) طبقات ابن سعد، ج ۶ صفحہ ۲۶۱۔ (۷) (۷)

کتاب الانساب للسمعانی ورق ۵۹۱۔

بھائیوں نے رات کے دو حصے کر کے نصف نصف شب عبادت کرنا شروع کر دیا۔ پھر ایک عرصہ کے بعد علی بن صالح کا انتقال ہو گیا تو حسن اخیر عمر تک تمام شب عبادت کیا کرتے تھے۔ (۱)

خشیت الہی:۔ اپنے تمام تبحر علمی اور مجاہدوں و ریاضتوں کے باوجود حسن بن صالحؒ ”خوف آخرت اور خشیت الہی سے ہمہ وقت لرزاں رہتے تھے، جو بلاشبہ ان کے علوئے مرتبت اور جلالت شان کی روشن دلیل ہے۔ خاصان خدا ہمیشہ اس صفت عالیہ سے ضرور متصف ہوتے ہیں، ابوسلیمان دارانی راوی ہیں کہ میں نے حسنؒ سے زیادہ کسی کو خوف خدا سے لرزاں نہیں دیکھا، وہ نماز میں ایک ہی سورہ پڑھنے میں صبح کر دیتے تھے اور درمیان میں فرط خشیت سے بار بار بے ہوش ہو جاتے تھے۔

مارایت احداً الخوف اظهر علی وجهه من الحسن قام ليلة بعم يتساء لون

فغشی علیہ فلم یختمها الی الفجر (۲)

”میں نے حسن بن صالحؒ سے زیادہ کسی کو خدا سے خائف نہیں دیکھا، ایک شب نماز میں عم يتساء لون شروع کی تو بے ہوش ہو گئے اور اس سورۃ کو نماز فجر تک بھی ختم نہ کر سکے۔“

نیک نفسی:۔ ان تمام گونا گوں کمالات اور خصائل حمیدہ کے ساتھ وہ اخلاق و نیک طبعی کا بھی ایک اعلیٰ نمونہ تھے۔ ان کی معاشی حالت کچھ زیادہ اچھی نہ تھی۔ خود کہا کرتے تھے کہ ربما اصبحت و سامعی درهم۔ تاہم جو کچھ بھی ان کے پاس ہوتا اس میں فیاضی اور سیر چشتی سے کام لیتے تھے، کبھی کوئی سائل ان کے در سے تہی دست واپس نہیں ہوا۔ حتیٰ کہ وقت پر اگر کچھ بھی نہ ہوتا تو اپنے روزمرہ کے استعمال کی اشیاء دے دیتے تھے۔ ابو نعیم فضل بن دکینؒ بیان کرتے ہیں:

جاء يوماً سائل فسأله فنزع جوربيه فاعطاه (۲)

”ایک دن ان کے پاس ایک سائل نے آ کر دست سوال پھیلایا تو اپنے دونوں موزے اتار کر اس کو عطا کر دیئے۔“

وفات:۔ باختلاف روایت ۱۶۷ ہجری یا ۷۹۱ ہجری میں علم و عمل کا یہ روشن چراغ کوفہ میں گل

(۱) تہذیب المعاد ج ۲ صفحہ ۲۸۸۔ میزان الاعتدال ج ۱ صفحہ ۲۳۰۔ المعجم فی خبر من غیر، ج ۱ صفحہ ۲۱۹۔ تذکرۃ الحفاظ ج ۱ صفحہ ۱۹۵۔ مرآۃ البیان ج ۱ صفحہ ۳۵۳۔ طبقات ابن سعد ج ۶ صفحہ ۲۶۱۔ (۲) تذکرۃ الحفاظ ج ۱ صفحہ ۱۹۵۔ (۳) طبقات ابن سعد، ج ۶ صفحہ ۲۶۱

ہو گیا۔ وفات سے سات سال قبل گوشہ گیر ہو گئے تھے۔ اس وقت خلیفہ مہدی کا آفتاب حکومت اوج اقبال پر تھا اور کوفہ میں اس کا والی روح بن حاتم تھا۔ کوفہ کے جس مکان میں حسنؑ نے گوشہ نشینی اختیار کی تھی، اسی میں ان کے ساتھ عیسیٰ بن زید بھی کنارہ کش ہو گئے تھے۔ خلیفہ مہدی نے ان دونوں کو باہر لانے کی بہت کوشش کی، مگر ناکام رہا۔ حتیٰ کہ اسی حالت میں دونوں نے جام اجل نوش کیا۔ ابو نعیم راوی ہیں کہ:

رایت حسن بن صالح يوم الجمعة قد شهدها مع الناس ثم اختفى يوم الاحد الى ان مات وله يومئذ اثنتان او ثلاث وستون سنة
 ”میں نے حسن بن صالح کو جمعہ کے روز دیکھا کہ وہ عام لوگوں کے ساتھ جمعہ میں شریک ہوئے۔ پھر اس کے بعد اتوار کے دن گوشہ نشین ہو گئے اور وفات تک اسی حالت میں رہے۔ انتقال کے وقت ان کی عمر ۶۲ یا ۶۳ سال تھی۔“

اس بیان سے ان کی عمر ۶۲ یا ۶۳ سال معلوم ہوتی ہے۔ اس لحاظ سے ان کا سنہ ولادت ۱۰۴ ہجری قرار پاتا ہے۔ کیونکہ ۱۶ھ کے سنہ وفات ہونے پر خود ابو نعیمؒ بھی متفق ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

حضرت حسین بن علی الجعفی رحمۃ اللہ علیہ

نام و نسب :- حسین نام اور ابو عبد اللہ یا ابو محمد کنیت تھی۔ والد کا نام علی اور جد امجد کا ولید (۱) تھا۔ جعفی بن سعد العشیرۃ سے نسبت ولاء رکھنے کے باوجود الجعفی مشہور ہوئے۔ (۲)
مولد :- ان کی ولادت ۱۱۹ ہجری میں بمقام کوفہ ہوئی۔ علامہ ابن سعد کا بیان ہے کہ وہ اور ان کے بھائی محمد تو ام پیدا ہوئے تھے۔ (۳) کچھ عرصہ بعد جزیرہ منتقل ہو کر وہیں مستقل طور پر رہنے لگے تھے۔ (۴)

فضل و کمال :- علم و فضل، زہد و تقویٰ اور عبادت و ریاضت کے اعتبار سے نہایت بلند مرتبہ تھے۔ متعدد تابعین کرام کے نگار خانہ علم سے اپنے دل و دماغ کو منور کرنے کی سعادت حاصل کی تھی۔ زمرۃ اتباع تابعین میں اس حیثیت سے وہ نہایت ممتاز تھے کہ علم کے ساتھ عمل میں اتنا بلند مقام بہت کم ہی کے نصیب میں آسکا۔ یہ ان کی جلالت مرتبت اور عظمت شان ہی کا ثمرہ تھا کہ سفیان بن عیینہ جیسے فاضل اور امام عصر ان کی از حد تعظیم و تکریم کرتے تھے۔
ایک بار حسین الجعفی حج کے لئے مکہ تشریف لے گئے، وہاں ابن عیینہ کو ان کی آمد کی اطلاع ہوئی تو فوراً ملنے تشریف لائے اور قرط عقیقت میں ان کی دست بوسی کی۔ علاوہ ازیں عبد اللہ بن اویس، ابواسامہ اور کوفہ کے دوسرے بہت سے محدثین و شیوخ ان کی خدمت میں باریابی کو مایہ صد افتخار و ناز تصور کرتے تھے۔ علامہ ابن سعد رقمطراز ہیں:

وكان مألفاً لأهل القرآن وأهل الخير (۵)

”وہ اہل قرآن و اہل الخیر کا مرجع تھے۔“

امام خزرجی نے احد الاعلام و الزهاد اور حافظ ذہبی نے شیخ الاسلام الحافظ المقری، الزاهد القدوة لکھ کر ان کے فضل و کمال کو سراہا ہے۔ (۶)
قرآن :- قرأت قرآن میں کامل عبور حاصل تھا۔ اس فن میں انہیں شہرہ آفاق، ماہر قرأت سبعہ حمزہ بن حبیب الزیات سے شرف تلمذ حاصل تھا۔ (۷) مہارت فنی ہی کی وجہ سے شائقین کو

(۱) تہذیب التہذیب ج ۲ صفحہ ۳۵۷ خلاصہ تہذیب الکمال صفحہ ۸۴۔ (۲) اللہ اب فی الانساب ج ۲ صفحہ ۲۳۱۔

(۳) طبقات ابن سعد ج ۶ صفحہ ۲۷۶۔ (۴) کتاب الانساب ورق ۱۳۱۔ (۵) طبقات ابن سعد ج ۶ صفحہ ۲۷۷۔

(۶) خلاصہ تہذیب، تہذیب الکمال، صفحہ ۸۴ و تذکرۃ الحفاظ ج ۱ صفحہ ۳۳۰۔ (۷) ایضاً

قرآن کا درس بھی دیا کرتے تھے۔ ابن سعد لکھتے ہیں:

لہ فضل قارئاً للقرآن یقرأ (۱)

”وہ بڑے فاضل قرآن کے قاری تھے اور لوگوں کو اس کی تعلیم بھی دیتے تھے۔“

خلیفہ ہارون الرشید نے ایک بار کسائی سے دریافت کیا کہ لوگوں میں سب سے بڑا قاری کون ہے؟ جواب دیا ”حسین بن علی الجعفی“! عجلی بیان کرتے ہیں:

كان یقرأ الناس رأس فیہ و كان صالحاً (۲)

”وہ لوگوں کو قرآن پڑھاتے تھے، اس میں وہ ماہر تھے اور صالح انسان تھے۔“

حدیث:- حدیث نبوی میں ان کا پایہ بہت بلند تھا۔ ان کی تحصیل انہوں نے کبار ائمہ سے کی تھی۔ اس وقت کبار تابعین کی مجالس اجڑتی جا رہی تھیں، لیکن پھر بھی سلیمان الاعمش اور ہشام بن عروہ جیسے علماء علم و فضل کی قندیلیں فروزاں کئے موجود تھے۔ حسین الجعفی نے ان سے پوری طرح کسب ضوئ کیا، بالخصوص زائدۃ ان کے دولت کدہ پر خود تشریف لاتے اور حدیث بیان کیا کرتے۔ اس بناء پر شیخ مذکور سے سب سے زیادہ روایت کرنے کا شرف حسین ہی کو حاصل ہے۔

نمایاں اساتذہ حدیث میں مذکورہ علماء کے علاوہ موسیٰ الجعفی، لیث بن ابی سلیم، جعفر بن یزید، زائدہ، فضیل بن مرزوق، حسین بن حر، ابن ابی داؤد، اسرائیل بن موسیٰ، فضیل بن عیاض کے اسمائے گرامی لائق ذکر ہیں۔ (۳)

درس حدیث اور تلامذہ:- ایک عرصہ تک حسین الجعفی غالباً فرط احتیاط کی بناء پر درس حدیث سے احتراز کرتے رہے۔ لیکن پھر ایک شب انہوں نے حالت خواب میں دیکھا کہ حشر و نشر کا ہنگامہ کارزار گرم ہے اور ایک منادی صدا لگا رہا ہے کہ علماء جنت میں داخل ہو جائیں۔ انہیں کے ہمراہ حسین الجعفی بھی جانے لگے تو یہ کہہ کر انہیں روک دیا گیا کہ:

اجلس لست منهم انت لا تحدث

”تم بیٹھے رہو، تمہارا شمار علماء میں نہیں۔ اس لئے کہ تم حدیث نہیں روایت کرتے تھے۔“

اس کے بعد انہوں نے درس و روایت حدیث کا جو سلسلہ شروع کیا تو آخر عمر تک برابر قائم رکھا۔ چنانچہ ان کے شاگرد رشید حمید بن الربیع بیان کرتے ہیں کہ:

(۱) طبقات ابن سعد، ج ۶ صفحہ ۷۶۔ (۲) تہذیب التہذیب ج ۲ صفحہ ۳۵۸۔ (۳) طبقات ابن سعد، ج ۶، صفحہ ۲۲۷ و

خلاصہ تہذیب الکمال صفحہ ۸۴

فلم یزل یحدث فی البرد والحر والمطر حتی کتبنا عنه اکثر من عشرة الاف (۱)

”پھر وہ برابر گرمی، سردی، برسات ہر موسم میں درس حدیث دیتے رہے۔ حتیٰ کہ ہم نے ان سے دس ہزار حدیثوں کی کتابت کی۔“

ان کے خرمین علم کے خوشہ چینوں میں امام احمد، اسحاق، یحییٰ بن معین، محمد بن رافع، ابن الفرات، عباس الدوری، محمد بن عاصم، عبداللہ بن ابی عوانہ، ابوبکر بن ابی شیبہ، ابوکریب، ہارون الجمال، شجاع بن المخلد، ہناد السری، ابن ابی عمر، عبد بن حمید، ابوسعود الرازی اور عراق کے دوسرے بہت سے مشاہیر علماء شامل ہیں۔ (۲)

ثقاہت :- علماء و محققین نے بالاتفاق ان کی ثقاہت و عدالت اور تثبت و اتقان کو تسلیم کیا ہے۔ محمد بن عبدالرحمن ہروی کہتے ہیں ”ما رأیت اتقن منہ“ (۳) احمد العجلی کا بیان ہے ”کان ثقة“ (۴) عثمان بن ابی شیبہ کا قول ہے ”بخ بخ ثقة صدوق“ علاوہ ازیں یحییٰ بن معین، امام بخاری، ابن سعد اور ابن حبان نے بھی توثیق کی ہے۔

زہد و عبادت :- انہوں نے پوری زندگی حالت تجرد میں گزار دی۔ بلاشبہ انسانی زندگی کا یہ نہایت پر از محن مرحلہ ہوتا ہے، جس سے شاذ و نادر ہی کوئی کامیابی سے گزرتا ہے، لیکن حسین الجعفی کا دامن زہد و ورع بہت پاک و صاف رہا۔ غالباً اسی بناء پر وہ بکثرت عبادت کرتے تھے تاکہ دنیا اور اس کے مزخرفات سے قطعی بے التفاتی اور بے رغبتی رہے، چنانچہ ان کی کتاب زندگی میں اس باب کو بڑے اہمیت و عظمت کے ساتھ ذکر کیا جاتا ہے۔ علامہ ابن جوزی رقمطراز ہیں:

کان من العلماء العباد (۵)

وہ عبادت گزار علماء میں تھے۔

ابن سعد لکھتے ہیں ”کان عابداً ناسکاً“ (۶) یحییٰ بن یحییٰ کا بیان ہے کہ:

ابن بقی احد من الابدال فحسین الجعفی (۷)

حافظ ذہبی ”خامہ ریز ہیں:

(۱) خلاصہ تہذیب تہذیب الکمال صفحہ ۸۴ و تہذیب التہذیب ج ۲ صفحہ ۳۵۸۔ (۲) کتاب الانساب، ورق ۱۳۱ و مراۃ الجنان ج ۲ صفحہ ۸۔ (۳) تہذیب التہذیب ج ۲ صفحہ ۲۵۸۔ (۴) تذکرۃ الحفاظ، ج ۱ صفحہ ۳۲۰۔ (۵) صفوۃ الصفوۃ ج ۳ صفحہ ۱۰۴۔ (۶) ابن سعد، ج ۶ صفحہ ۲۷۶۔ (۷) المعرفۃ فی خبر من غبر، ج ۱ صفحہ ۳۳۹

كان مع تقدمه في العلم رأساً في الزهد والعبادة (۱)

”وہ بایں ہمہ علم و فضل، زہد و تقویٰ میں بھی بلند مرتبہ تھے۔“

مناقب و فضائل :- اوپر مذکور ہوا کہ وہ تمام زندگی مجرد رہے اور ۸۴ برس پر محیط اس طویل ترین مدت کا بیشتر حصہ مسجد میں درس و تدریس اور عبادت و ریاضت میں گزارا۔ ابن سعد کی روایت ہے کہ ساٹھ سال تک مسلسل مسجد جعفی میں اذان (۲) دی۔ خوف و خشیت الہی اس درجہ غالب تھا کہ زندگی بھر نہ تو کبھی ہنسے اور نہ مسکرائے۔ حجاج بن حمزہ بیان کرتے ہیں کہ:

ما رأيت حسينا الجعفي ضاحكاً ولا متبسماً ولا سمعت منه كلمة ركن

فيها الى الدنيا (۳)

”میں نے حسین الجعفی کو کبھی ہنستے اور مسکراتے نہیں دیکھا اور نہ کوئی ایسی بات ان کے منہ سے سنی جس میں دنیا کی طرف کوئی میلان ظاہر ہو۔“

ایک مرتبہ خلیفہ وقت ہارون الرشید سے مکہ میں ملاقات ہو گئی۔ خلیفہ نے سلام عرض کیا۔ جب انہیں علم ہوا کہ یہ خلیفہ وقت ہیں تو بڑی جامع نصیحت فرمائی:

يا حسن الوجه انت مسئول عن هذا الخلق كلهم (۴)

”اے حسین چہرے والے تو اس ساری خلق خدا کا ذمہ دار ہے۔“

خلیفہ یہ سن کر رونے لگا۔

علماء کی رائے :- تمام فضلاء و علماء نے ان کے جلالت علم و عمل کا برملا اعتراف کیا ہے۔ امام احمد کا ارشاد ہے کہ میں نے کوفہ میں حسین الجعفی سے بڑا کوئی فاضل نہیں دیکھا۔ وہ تو بالکل راہب تھے۔ (۵) ابو سعود الرازی کہتے ہیں ”افضل من رایت الجعفری وحسین الجعفی“ (۶) احمد اعلیٰ کا بیان ہے:

وكان صالحاً لم أر رجلاً قط افضل منه وكان صحيح الكتاب (۷)

”وہ نیک انسان تھے، میں نے ان سے افضل کوئی انسان نہیں دیکھا، وہ صحیح الکتاب تھے۔“

سفیان ثوری کا قول ہے ”هذا راہب“

(۱) المعرف فی خبر من غیر، ج ۱ صفحہ ۳۳۹۔ (۲) طبقات ابن سعد، ج ۶ صفحہ ۲۷۶۔ (۳) تہذیب المعجزات ج ۲ صفحہ ۳۵۸۔

(۴) کتاب صفوة الصفوة ج ۳ صفحہ ۱۰۵۔ (۵) مرآة البیان ج ۲ صفحہ ۸ والعمر، جلد ۱ صفحہ ۳۴۱ و خلاصہ تہذیب صفحہ ۸۴ و صفحہ

الصفوة ج ۳ صفحہ ۱۰۴۔ (۶) تہذیب المعجزات ج ۲ صفحہ ۳۵۸۔ (۷) تذکرة الحفاظ ج ۱ صفحہ ۳۲۰

حلیہ:- نہایت حسین اور خوب رو تھے۔ (۱)

وفات:- ہارون الرشید کے ایام خلافت میں ذیقعدہ ۲۰۳ ہجری میں بمقام کوفہ انتقال فرمایا۔ (۲) اس وقت ۸۴ سال کی عمر تھی۔ (۳) سنہ وفات کے متعلق ۲۰۴ ہجری کا بھی قول ملتا ہے۔ لیکن امام بخاری، ابن سعد، ابن قانع، مطین اور ابن حبان نے اول الذکر ہی کو بالجزم صحیح ترین قرار دیا ہے۔

(۱) تہذیب التہذیب ج ۲ صفحہ ۳۵۸۔ (۲) طبقات ابن سعد، ج ۶ صفحہ ۲۷۷، صفحہ الصفوۃ ج ۳ صفحہ ۱۰۵۔ (۳) تذکرۃ

الحفاظ ج ۱ صفحہ ۳۲۰

حضرت قاسم بن الفضل رحمۃ اللہ علیہ

نام و نسب :- قاسم نام اور ابوالمغیرہ کنیت تھی۔ (۱) پورا نسب نامہ یہ ہے:

قاسم بن الفضل بن معدان بن قریط (۲) قبیلہ ازد کی ایک شاخ بنو لُحی سے خاندانی تعلق رکھتے تھے۔ یہ خاندان بصرہ کے حدان نامی محلہ میں آباد ہو گیا تھا۔ اسی بناء پر قاسم بن الفضل ازدی، حدانی اور بصری تینوں نسبتوں سے مشہور ہیں۔ (۳)

علم و فضل :- علمی اعتبار سے وہ اپنے عہد کے ممتاز امام شمار ہوتے تھے۔ محمد بن سیرینؒ اور قتادہؒ جیسے اکابر تابعین کے فیض و تربیت نے انہیں حدیث کا امام بنادیا تھا۔ حتیٰ کہ عبدالرحمن بن مہدی بھی جو فن جرح و تعدیل میں نہایت جلیل المرتبت تھے، بعد فخر و ابہتاج ان سے اپنے تلمذ کا ذکر کرتے ہیں۔

حدیث :- حدیث کی تحصیل انہوں نے بکثرت شیوخ سے کی تھی۔ جن میں کبار تابعین اور ممتاز اتباع تابعین دونوں طبقے شامل ہیں۔ چند مشہور اسمائے گرامی یہ ہیں۔

محمد بن سیرین، قتادہ بن دعامہ، ابی بصرہ، محمد بن زیاد الجعفی، ثمامہ بن حزن، القشیری، سعد بن الہبل، نصر بن شبان، محمد بن علی بن الحسین، یوسف بن سعد، لبطہ بن الفرزوق۔ (۴)

تلامذہ :- ان کے ابر فیض سے بہر یاب ہونے والوں میں امام و کعب، امام عبدالرحمن بن مہدی، یونس بن محمد، ابوداؤد الطیالسی، عبداللہ بن معاویہ الجمعی، شبان بن فروخ، ابن ہشام المحرومی، نصر بن شعیب، بہز بن اسد، عبداللہ بن المبارک، قبیصہ، موسیٰ بن اسمعیل، مسلم بن ابراہیم، ابوالولید الطیالسی کے نام خصوصیت سے لائق ذکر ہیں۔ (۵)

ثقافت :- ان کی عدالت و ثقافت اور تثبت فی الحدیث پر اکثر علماء کا اتفاق ہے۔ امام الجرح والتعدیل عبدالرحمن بن مہدی اپنے مایہ نضر استاذ کے متعلق شہادت دیتے ہیں کہ ھو من مشائخنا الثقاۃ (۶) انہی کا دوسرا قول ہے:

کان من قدماء اشیاخنا ومع ذلک من ثبتہم

”وہ ہمارے متقدم شیوخ میں تھے، اس کے ساتھ ہی ان میں سب سے زیادہ تثبت رکھتے

(۱) طبقات ابن سعد ج ۷ صفحہ ۴۰۔ (۲) تہذیب التہذیب ج ۸ صفحہ ۳۲۹۔ (۳) الباب فی الانساب ج ۱ صفحہ ۲۸۴۔

(۴) المعجم فی خبر عن عمر، ج ۱ صفحہ ۲۵۱۔ (۵) تہذیب التہذیب ج ۸ صفحہ ۳۲۹۔ (۶) المعجم ج ۱ صفحہ ۲۵۱۔

تھے۔“

ابن شہین نے کتاب الثقات میں لکھا ہے:

قاسم بن الفضل من ثقات الناس

”قاسم بن الفضل ثقہ لوگوں میں ہیں۔“

علاوہ ازیں یحییٰ بن سعید القطان، امام احمد، ابن معین، نسائی، ترمذی اور ابن سعد سب نے

بہر احت ان کی توثیق کی ہے۔ (۱)

صرف عقیلی اور ابن عمر نے ان کا ذکر ضعفاء کی فہرست میں کیا ہے۔ لیکن علامہ ذہبی نے ان

کی سخت تردید کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ان لوگوں نے کوئی ایسی دلیل اپنے دعویٰ پر پیش نہیں کی

جس سے فی الواقع قاسم کا ضعف ثابت ہو سکے۔ (۲)

وفات :- ۱۶۷ ہجری میں بمقام بصرہ داعی اجل کو لبیک کہا۔ (۳)

(۱) خلاصہ تذہیب تہذیب الکمال صفحہ ۳۱۳ و طبقات ابن سعد ج ۶ صفحہ ۴۰۔ (۲) میزان الاعتدال ج ۲ صفحہ ۲۴۲۔

(۳) المعبر فی خبر من غمر ج ۱ صفحہ ۲۵۱ و تہذیب التہذیب ج ۸ صفحہ ۲۳۰

حضرت حفص بن غیاث رحمۃ اللہ علیہ

نام و نسب :- حفص نام اور کنیت ابو عمر تھی۔ پورا نسب نامہ یہ ہے:

حفص بن غیاث بن طلق بن معاویہ بن مالک بن الحارث بن ثعلبہ بن عامر بن ربیعہ بن جشم بن وہیل بن سعد بن مالک بن النخع (۱) یمن کے مشہور قبیلہ مذحج کی نخع نامی ایک شاخ کوفہ میں آباد ہو گئی تھی۔ اسی خاندانی تعلق کی بناء پر نخعی کہلاتے ہیں۔ (۲)

پیدائش اور وطن :- ابو عمر کی ولادت ۷ھ ہجری میں ہشام بن عبد الملک کے ایام خلافت میں ہوئی۔ (۳) خود ان ہی کی زبانی منقول ہے کہ ”ولدت سنة سبع عشرة ومائة“ (۴) کوفہ کی اس مردم خیز سرزمین کو ان کے وطن ہونے کا فخر حاصل ہے، جس کی خاک سے علماء و فضلاء کی کئی نسلیں اٹھی تھیں۔

فضل و کمال :- علمی حیثیت سے ابو عمر کا مرتبہ نہایت بلند تھا۔ انہوں نے مشاہیر تابعین سے فیض صحبت حاصل کیا تھا۔ حدیث و فقہ میں پوری مہارت رکھنے کے ساتھ استغناء و بے نیازی، حفظ و اتقان اور سیر چشمی و فراخ دستی کا پیکر مجسم تھے۔ یحییٰ بن سعید القطان کا قول ہے:

اوثق اصحاب الاعمش حفص بن غیاث

”امام اعمش کے تلامذہ میں حفص بن غیاث سب سے زیادہ ثقہ تھے۔“

ابن معین کا بیان ہے:

کان حفص بن غیاث صاحب حدیث له معرفة

”حفص بن غیاث محدث تھے اور انہیں اس میں پوری معرفت حاصل تھی۔“

ابن القطان ہی کہتے ہیں کہ میں نے کوفہ میں ان تین کے مثل نہیں دیکھا۔ یعنی حزام، حفص

اور ابن ابی زائدہ۔ یہ سب اصحاب حدیث تھے۔ (۵)

حدیث :- حضرت ابو عمر حفص، اکابر حفاظ حدیث میں شمار کئے جاتے ہیں۔ ہزاروں روایات انہیں زبانی یاد تھیں۔ خطیب بغدادی رقمطراز ہیں:

کان حفص کثیر الحدیث حافظاً له ثبتا فيه و کان ایضاً مقدماً عند

(۱) طبقات ابن سعد ج ۱ صفحہ ۲۷۲۔ (۲) کتاب الانساب ورق ۵۵۷۔ (۳) تذکرۃ الحفاظ ج ۱ صفحہ ۲۷۲ و ابن سعد ج ۲

صفحہ ۲۷۲۔ (۴) تاریخ بغداد ج ۸ صفحہ ۲۰۰۔ (۵) تاریخ بغداد ج ۸ صفحہ ۱۹۷۔ ۱۹۸

المشائخ اللذین سمع منهم الحديث (۱)

”حفص بن غیاث کثیر الحدیث، حافظ اور ثقہ تھے۔ یہاں تک کہ وہ اپنے شیوخ سے بھی بلند مرتبہ تھے۔“

امام اعمشؒ کے محبوب اور ارشد تلامذہ میں تھے۔ حتیٰ کہ ان کے حلقہ درس میں سوائے حفص اور ابو معاویہؒ کے کسی کو سوال کرنے کی جرأت نہ ہوتی تھی۔

انہوں نے جن محدثین سے سماع حاصل کیا تھا ان میں امام اعمشؒ کے علاوہ ہشام بن عروہ، یحییٰ بن سعید الانصاری، سفیان ثوری، عاصم الاحول، ابن جریج، اسماعیل بن ابی خالد، عبید اللہ بن عمر، مصعب بن سلیم، ابی مالک الاشجعی، جعفر الصادق، ابواسحاق الشیبانی، لیث بن ابی سلیم، مسعر بن کدام وغیرہ کے نام لائق ذکر ہیں۔

اسی تناسب سے ان کے تلامذہ کا دائرہ بھی کافی وسیع ہے، جن میں سے کچھ ممتاز یہ ہیں۔ عمر بن حفص، ابو نعیم، عفان بن مسلم، احمد بن حنبل، یحییٰ بن معین، علی بن المدینی، ابو خثیمہ، زہیر بن حرب، حسن بن عوف، اسحاق بن راہویہ، یحییٰ بن یحییٰ النیشاپوری، عمرو بن محمد الناقد۔ ان کے علاوہ کوفہ کے دوسرے تمام محدثین ان سے مستفید ہوئے۔

منصب قضاء:- ان کی کتاب زندگی کا سب سے زرین صفحہ قضاء و افتاء کے سلسلہ میں ان کی خدمات ہیں۔ کوفہ و بغداد میں وہ ساہا سال تک اس منصب کی زینت بنے رہے۔ بغداد کے مشرقی و مغربی حصوں میں ہمیشہ علیحدہ علیحدہ دو قاضیوں کا تقرر ہوا کرتا تھا۔ سب سے پہلے ۷۷ھ ہجری میں خلیفہ ہارون الرشید نے انہیں شرق بغداد کے منصب قضاء پر فائز کیا تھا۔ اس وقت قاضی حفص کی عمر ۶۰ سال تھی۔ دو سال تک وہ بہت شوکت و دبدبہ کے ساتھ بغداد کے قاضی رہے۔ خلیفہ ان کی بڑی عزت و تکریم کرتا تھا اور ان کے عدالتی فیصلوں کو بہت قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھتا تھا۔ اسی اثناء میں قاضی حفص نے ایک قرضدار مجوسی سردار کے مقدمہ میں دلائل و شواہد کی بنیاد پر اس کے خلاف فیصلہ دے دیا۔ ۲۹ ہزار کے اس قرض کا کچھ تعلق امام جعفرؒ سے بھی تھا۔ چنانچہ اس نے خلیفہ پر دباؤ ڈالنا شروع کیا کہ وہ قاضی حفص کو معزول کر دیں۔ لیکن ہارون الرشید اس کے لئے تیار نہ ہوا، بلکہ وہ اس بے لاگ فیصلہ سے اس قدر مسرور ہوا کہ اس نے حفص بن غیاث کو تیس ہزار درہم دیئے جانے کا حکم دیا۔

(۱) تاریخ بغداد ج ۸ صفحہ ۱۹۴۔

لیکن پھر جب ان کی معزولی کے لئے امام جعفر کا دباؤ حد سے زیادہ ہوا تو ہارون نے ان کو کوفہ کا قاصی مقرر کر دیا جہاں انہوں نے پوری شان سے ۱۳ سال تک اس منصب کی عزت بڑھائے رکھی۔

قاضی حفصؒ نے کوفہ و بغداد کو ملا کر تقریباً ۱۵ سال تک اس فرض کو انجام دیا۔ اس طویل مدت میں انہوں نے کبھی اس اعلیٰ عہدہ کی شان سے فروتر کوئی بات نہیں کی۔ جرأت، غیر جانبداری، حق گوئی اور بے باکی سے وہ زیر بحث قضایا میں اپنی رائے اور فیصلہ صادر فرمایا کرتے تھے، اس میں نہ تو کسی صاحب اقتدار کی پرواہ کرتے اور نہ ارباب ثروت کو خاطر میں لاتے، بلکہ کتاب و سنت اور دلائل و نظائر کی روشنی میں جو بات قرین حق و انصاف ہوتی اسے بے باکانہ طور پر ظاہر کر دیتے تھے۔ (۱)

ہشام الرفاعی کہتے ہیں کہ ایک دفعہ حفص بن غیاث مسند قضا پر بیٹھے اپنے کام میں منہمک تھے کہ خلیفہ کا قاصدان کی طلبی کا پروانہ لے کر حاضر ہوا۔ قاضی حفصؒ نے اس سے کہا کہ مقدمات سے فارغ ہو کر آؤں گا، کیونکہ میں عوام کا خادم ہوں۔ چنانچہ وہ اس وقت تک اپنی جگہ سے نہ اٹھے جب تک تمام مقدمات کو فیصلہ کر کے فارغ نہ ہو گئے۔

اس منصب کی کڑی آزمائشوں میں سے وہ ہمہ وقت لرزاں رہا کرتے تھے اور اکثر بلک بلک کر رویا کرتے کہ ایسا گرانبار فریضہ میرے ناتواں کاندھوں پر لا دیا گیا ہے، نہ معلوم اس سے کما حقہ عہدہ برآ ہو رہا ہوں یا نہیں۔ انہی کا قول ہے:

لَا يَدْخُلُ الرَّجُلُ أَصْبَعَهُ فِي عَيْنِهِ فَيَقْتُلُهَا فَيُرَى بِهَا خَيْرٌ لَهُ مِنْ أَنْ يَكُونَ قَاضِيًا (۲)

”آدمی اپنی انگلی آنکھوں میں ڈال کر اسے نکال پھینکے، یہ اس سے بہتر ہے کہ وہ قضا کا کام کر لے۔“

لیکن یہ حقیقت مسلمہ ہے کہ انہوں نے عہدہ قضا کے تمام تقاضوں کو باحسن وجوہ پورا کیا۔ دوسرے قضاة میں ان کی نظیر بہت کم ملتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ محققین نے ان کی اس حیثیت کو بہت نمایاں طور پر اجاگر کیا ہے۔ امام وکیع سے جب بھی کوئی مسئلہ دریافت کیا جاتا تو فرماتے اذهبوا الی قاضیا فاسئلوه۔

(۱) تہذیب المعاد ج ۲ صفحہ ۴۱۵-۴۱۶۔ (۲) العمر فی خبر من غمر، ج ۱ صفحہ ۳۱۴

ولید بن ابن ابی بدر کہتے ہیں کہ جب قاضی حفصؒ منصب قضا سے سبکدوش ہوئے تو امام وکیع نے فرمایا ذہبت القضاء بعد حفص (۱) سجادہ کا بیان ہے کہ حفصؒ پر قصائد کا خاتمہ ہو گیا۔
حفظ و اتقان :- قاضی حفصؒ کا حافظہ بھی نہایت قوی تھا۔ ہزاروں حدیثیں مع اسناد ان کے نہاں خانہ دماغ میں محفوظ تھیں، جنہیں اپنے تلامذہ کے سامنے بغیر کتاب روایت کیا کرے تھے۔
ابن معینؒ کا بیان ہے کہ:

جميع ما حدث به حفص ببغداد والكوفة انما هو من حفظه لم يخرج كتاباً كتبوا عنه ثلاث الاف او اربعة الاف حديث من حفظه (۲)
”بغداد اور کوفہ میں حفصؒ نے جتنی بھی حدیثیں روایت کیں، سب صرف اپنے حافظہ سے بغیر کتاب کے بیان کیں۔ لوگوں نے اس طرح ان سے تین یا چار ہزار حدیثیں لکھیں۔“
لیکن بعض علماء کا خیال ہے کہ قاضی ہو جانے کے بعد ان کے قوت حافظہ میں خلل پیدا ہو گیا تھا۔ چنانچہ ابو زرہؒ کا قول ہے:

ساء حفظه بعد ما استقضى فمن كتب عنه من كتابه فهو صالح (۳)
”قاضی بن جانے کے بعد وہ سوء حافظہ کا شکار ہو گئے تھے۔ اس لئے جو ان کی کتاب سے روایت کر لے وہ قابل قبول ہے۔“

ثقافت :- قاضی حفص بن غیاثؒ کی عدالت و ثقافت پر اکثر علماء کا اتفاق ہے، بلکہ ان کے مرتبہ ثبوت و اتقان کو بعض نے دوسرے کبار محدثین سے ارفع و اعلیٰ قرار دیا ہے۔ ابو حاتمؒ کا قول ہے ”حفص اتقن واحفظ من ابی خالد الاحمر“ ابن معینؒ کہتے ہیں ”حفص اثبت من عبد الواحد بن زياد“ اس کے علاوہ ابن خراشؒ، یعقوب بن شیبہؒ اور عجل و غیرہ نے بھی بصراحت ان کی توثیق کی ہے، ابن حبانؒ نے بھی کتاب الثقات میں ان کا ذکر کیا ہے۔ (۴)
آخر عمر میں کبر سن کی بناء پر نسیان کا غلبہ ہو گیا تھا، جس کی وجہ سے کبھی روایات میں فرق ہو جاتا تھا اور بعض اوقات مدلیس کا شبہ ہو جاتا تھا۔ ابن سعد رقمطراز ہیں:

كان ثقة مأموناً كثير الحديث الا انه كان يدلس (۵)
”وہ ثقہ مامون اور کثیر الحدیث تھے، مگر وہ مدلیس بھی کرتے تھے۔“

(۱) العبر فی خبر من غمر، ج ۱ صفحہ ۳۱۴۔ (۲) تذکرۃ الکھاظ ج ۱ صفحہ ۲۷۲ و میزان الاعتدال ج ۱ صفحہ ۲۶۶۔ (۳) خلاصہ تہذیب تہذیب الکمال صفحہ ۸۰۔ (۴) تہذیب التہذیب ج ۳ صفحہ ۴۱۷۔ (۵) طبقات ابن سعد ج ۲ صفحہ ۲۷۲

ظاہر ہے کہ نسیان سے پہلے قاضی حفص بن غیاث کی ثقاہت مسلم تھی۔
کثرت احتیاط:۔ کسب حلال میں فرط احتیاط کا یہ عالم تھا کہ اپنے عہدہ قضا کے دوران ایک مرتبہ پندرہ روز تک علالت کی بناء پر فرائض منصبی انجام نہ دے سکے۔ چنانچہ صحت یاب ہونے کے بعد سودرہم یہ کہہ کر عامل کو واپس بھجوائے کہ:

هذه رزق خمسة عشرة يوماً لم احکم فیہا بین المسلمین لاحظ لی فیہا (۱)

”یہ ان پندرہ روز کا خرچ ہے جس میں، میں نے مسلمانوں کا کوئی فیصلہ نہیں کیا۔ اس لئے اس رقم کو لینے کا مجھے کوئی حق نہیں۔“

استغناء:۔ قاضی حفص بغداد وکوفہ کے (چیف جسٹس) تھے، جو حکومت کا بلند ترین عہدہ ہے۔ دنیا اور اس کے الوان و نعم ان کے قدموں میں ڈھیر تھے، لیکن ان کی بے نیازی اور استغناء بھی اس مرتبہ و مقام کی نسبت سے ارفع تھی۔ سرکاری خزانہ سے انہیں تین سودرہم ماہانہ وظیفہ ملتا تھا، لیکن وہ اس میں سے اپنے جملہ مصارف کے لئے صرف سودرہم رکھ کر باقی مستحقین میں تقسیم کر دیتے تھے۔ (۲)

سیر چشمی:۔ اسی کے ساتھ وہ بہت ہی سیر چشم اور بخشنی واقع ہوئے تھے۔ ابھی مذکور ہوا کہ اپنی تنخواہ میں سے وہ صرف سودرہم رکھتے اور ان کو بڑی فراخ دستی کے ساتھ خرچ کر ڈالتے تھے۔ ان کا دسترخوان بڑا وسیع ہوتا تھا، جس میں ان کے تلامذہ کے علاوہ بہت سے مقامی و بیرونی لوگ بھی شریک رہتے تھے۔ مزید برآں گاہ بگاہ پوری بستی کی دعوت بھی کرتے تھے۔ امام وکیل کا قول ہے ”وکان سخیاً عفیفاً مسلماً“ (۳) ابو جعفر المسندی کہتے ہیں:

کان حفص بن غیاث من اسخی العرب وکان یقول من لم یاکل من

طعامی لا احلثہ، و اذا کان یوم ضیافتہ لایبقی راس من الرواسیین

”حفص بن غیاث عرب کے سب سے زیادہ بخشنی آدمی تھے۔ وہ فرمایا کرتے تھے کہ جو شخص میرا کھانا نہیں کھائے گا اس سے میں حدیث بیان نہیں کروں گا۔ جب ان کے یہاں دعوت کا دن ہوتا تو رو اس کا کوئی شخص ان میں شرکت سے باقی نہیں رہتا تھا۔“

اسی فراخ دستی کا نتیجہ تھا کہ وہ عمر بھر عسرت کا شکار رہے، اور رحلت کے وقت نہ صرف یہ کہ

(۱) تاریخ بغداد ج ۸ صفحہ ۱۹۱۔ (۲) اخبار القضاة ج ۳ صفحہ ۱۸۴۔ (۳) تاریخ بغداد ج ۸ صفحہ ۱۹۴۔

ان کے پاس ایک درہم بھی نہ تھا بلکہ نو سو درہم کے مقروض نکلے جو ان کے پسماندگان نے ادا کیا۔ (۱)

حلیہ :- قاضی حفصؒ کے تفصیلی حلیہ کا تو ذکر نہیں ملتا، لیکن ابو بکر بن غیاثؒ کے اس قول سے کچھ روشنی ملتی ہے کہ جتنے نو جوان ہمارے پاس آتے ہیں ان میں حسن صورت کے اعتبار سے حفص بن غیاثؒ کا کوئی ہمسر نہیں۔ (۲)

وفات :- تاحیات ان کی یہ دلی تمنا رہی کہ وفات کے وقت قضاۃ کی زنجیروں سے آزاد ہوں۔ خداوند قدوس نے ان کی یہ آرزو پوری فرمائی اور وفات سے دو سال قبل عہدہ قضا سے ان کی علیحدگی کے سامان فراہم کر دیئے۔

ملازمت سے سبکدوشی کی بعد فالج کے شکار ہو گئے اور بالآخر امین کے عہد خلافت میں ۱۰ ذی الحجہ ۱۹۴ ہجری میں ان کی شمع حیات گل ہوئی۔ (۳) امیر کوفہ فضل بن عباس نے نماز جنازہ پڑھائی۔ (۴)

(۱) تذکرۃ الخطا ج ۱ صفحہ ۲۷۲۔ (۲) تہذیب المتذیب ج ۲ صفحہ ۴۱۷۔ (۳) طبقات ابن سعد ج ۶ صفحہ ۲۷۲۔

(۴) تاریخ بغداد ج ۸ صفحہ ۲۰۰

حضرت حماد بن زید رحمۃ اللہ

اس دور کے دو بزرگ اس عہد میں مشہور ہوئے اور دونوں کی امامت فی الحدیث اور جلالت شان پر علماء کا اتفاق ہے۔ حماد بن زید حصول علم کے بعد دولت بینائی سے محروم ہو گئے تھے۔ اس کے باوجود انہوں نے وہ مقام پیدا کیا تھا کہ بڑے بڑے ائمہ حدیث ان سے استفادہ کو باعثِ فخر جانتے تھے۔

نام و نسب :- حماد نام اور ابو اسماعیل کنیت تھی۔ والد کا نام زید (۱) تھا۔ جریر بن حازم کے خاندان کے غلام تھے۔ ان کے دادا درہم بھستان کی جنگ میں گرفتار کر کے غلام بنائے گئے تھے۔ (۲)

ولادت :- ان کی ولادت اپنے وطن بصرہ میں ۹۸ ہجری میں ہوئی۔ شیوخ :- حماد بن زید نے جن علمی سرچشموں سے استفادہ کیا، ان میں سے چند ممتاز اسمائے گرامی یہ ہیں:

انس بن سیرینؓ، ابو عمران الجونی ثابت البنانی، عبد العزیز بن صہیب، عاصم الاحول، محمد بن زیاد القرشی، سلمہ بن دینار، صالح بن کیسان، عمرو بن دینار، ہشام بن عروہ اور عبید اللہ بن عمر۔ (۳)

تلامذہ :- حماد بن زیدؓ کے منبع فیض سے جو تشنگانِ علم سیراب ہوئے اس میں جلیل القدر اتباع تابعین کی بھی ایک بڑی تعداد شامل ہے۔ کچھ ممتاز نام درج ذیل ہیں:

عبد الرحمن بن مہدی، علی بن مدینی (۴)، عبد اللہ بن مبارک، ابن وہب، یحییٰ بن سعید القطان، سفیان بن عیینہ، سفیان ثوری، مسلم بن ابراہیم، مسدد، سلیمان بن حرب، عمرو بن عوف، ابوالاشعث احمد بن المقدم۔ (۵)

علم و فضل :- حضرت حماد بن زیدؓ کو مشہور تابعی ایوب سختیانیؓ کی خدمت میں بیس سال تک رہنے کی سعادت نصیب (۶) ہوئی یحییٰ کہتے ہیں کہ اس طویل مدت میں سوائے حماد کے ایوب سختیانیؓ کا کوئی اور شاگرد حدیثوں کی کتابت نہیں کرتا تھا۔ ابن خثیمہ کا بیان ہے کہ ایک شخص نے

(۱) العمر فی خبر من غیرہ، ج ۱ صفحہ ۲۷۴۔ (۲) تذکرۃ الحفاظ للذہبی ج ۱ صفحہ ۲۰۶۔ (۳) العمر فی خبر من غیرہ ج ۱ صفحہ ۲۷۴۔

(۴) تذکرۃ الحفاظ ج ۱ صفحہ ۲۰۲۔ (۵) تہذیب التہذیب ج ۳ صفحہ ۹۔ (۶) تہذیب التہذیب ج ۱ صفحہ ۱۶۷۔

عبداللہ بن عمر سے دریافت کیا، کیا حماد لکھتا بھی جانتے تھے؟ فرمایا:

انا رايتہ و اتيته يوم مطر فرايتہ يكتب ثم ينفخ فيه ليجفہ (۱)
 ”ایک مرتبہ بارش کے دن میں حماد کے پاس آیا تو میں نے خود دیکھا کہ وہ لکھتے جاتے تھے
 اور پھر پھونک مار کر اس کو خشک کرتے تھے۔“

اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہ ابتداء میں نابینا نہیں تھے بلکہ ان کی بینائی ایک عمر کے
 بعد جاتی رہی تھی، مگر انہوں نے اپنی نابینائی کا اثر اپنے علم و فضل پر نہیں ہونے دیا، بعض لوگ ان
 کی نابینائی کی وجہ سے ان کے حفظ و ثقاہت پر کلام کرتے ہیں، مگر حافظ ذہبی جیسے مستند محقق نے
 انہیں ”الامام الحافظ لمجود شیخ العراق“ کے الفاظ سے ذکر کیا ہے۔ (۲)

علامہ نووی لکھتے ہیں کہ وہ امام عالی مقام ہیں، جن کی جلالت شان اور بلندی مرتبت پر
 سب کا اتفاق ہے۔ (۳) علامہ ابن سعد فرماتے ہیں کہ حماد ثقہ، قابل اعتماد، برہان حق اور کثیر
 الحدیث تھے۔ (۴)

ائمہ علم کا اعتراف:- تمام معاصر ائمہ حدیث نے ان کے فضل و کمال کا اعتراف کیا ہے۔
 ابن مہدی کا بیان ہے کہ اپنے اپنے زمانہ کے ائمہ چار ہیں۔ کوفہ میں ثوری، حجاز میں مالک، شام
 میں اوزاعی اور بصرہ میں حماد بن زید (۵)۔

یحییٰ بن یحییٰ کہتے ہیں کہ میں نے حماد سے زیادہ حافظہ روایت کسی کو نہیں دیکھا۔ (۶) فطر
 بن حماد بیان کرتے ہیں کہ میں امام مالک کی خدمت میں حاضر ہوا تو انہوں نے اہل بصرہ میں
 صرف حماد بن زید کو دریافت کیا۔ (۷) ابن معین کا قول ہے کہ اتقان فی الحدیث میں حماد بن زید
 کے مرتبہ کا کوئی نہیں ہے۔

امام احمد بن حنبل ”ان کا ذکر بہت ہی عظمت اور عزت کے ساتھ فرمایا کرتے تھے۔ چنانچہ
 امام موصوف ہی کے الفاظ ہیں کہ:

هو من ائمة المسلمين من اهل الدين هو احب الى من حماد بن سلمه (۸)
 ”وہ مسلمانوں کے امام اور بڑے دیندار ہیں اور وہ مجھے حماد بن سلمہ سے بھی زیادہ پسند اور

(۱) تہذیب التہذیب ج ۳ صفحہ ۹۔ (۲) تذکرۃ الحفاظ ج ۱ صفحہ ۲۰۶۔ (۳) تہذیب الاسماء واللغات ج ۱ صفحہ ۱۶۷۔
 (۴) تہذیب التہذیب جلد ۳ صفحہ ۱۰۔ (۵) تہذیب التہذیب ج ۳ صفحہ ۱۰۔ (۶) المعجم ج ۱ صفحہ ۲۷۴۔ (۷) تہذیب
 التہذیب ج ۳ صفحہ ۱۰۔ (۸) تذکرۃ الحفاظ ج ۱ صفحہ ۲۰۶

”محبوب ہیں۔“

ابن مہدیؒ کا ایک دوسرا قول ہے کہ میں نے حماد سے بڑا عالم سنت کسی کو نہیں دیکھا اور نہ علم میں حماد، مالک اور سفیان سے افضل و اعلیٰ کسی کو پایا۔ ایک روایت میں ابن مہدی کے الفاظ اس طرح نقل کئے گئے ہیں کہ میں نے حماد سے بڑا کوئی عالم دیکھا ہی نہیں۔ یہاں تک کہ سفیان اور مالک کو بھی حماد سے بڑا عالم نہیں پایا۔

حضرت ابو عاصم بیان کرتے ہیں کہ حماد بن زید کی حیات میں ان کی سیرت و اخلاق کے لحاظ سے دنیا میں ان کا کوئی مثل موجود نہ تھا (۱) محمد بن مصطفیٰ کا بیان ہے کہ انہوں نے بقیہ کو کہتے ہوئے سنا:

مارایت فی العراق مثل حماد بن زید (۲)

”میں نے عراق میں حماد بن زید جیسا کوئی آدمی نہیں دیکھا۔“

وکیع بن جراحؒ کہتے ہیں کہ ہم لوگ علم و فضل میں حماد کو مسعر بن کدام سے تشبیہ دیا کرتے تھے (۳) عبد اللہ بن معاویہؒ کہتے ہیں کہ ہم نے حماد بن زید سے بھی حدیثیں سنی ہیں اور حماد بن سلمہ سے بھی، لیکن دونوں میں وہی فرق ہے جو دینار اور درہم میں ہوتا ہے۔ (۴)

حافظہ :- قوت حافظہ کے لحاظ سے بھی حماد بن زید معاصر ائمہ و علماء میں خصوصی امتیاز رکھتے تھے۔ عجلٰی کہتے ہیں کہ حماد بن زید کو چار ہزار حدیثیں زبانی یاد تھیں اور ان کے پاس کوئی کتاب نہ تھی۔ (۵) ابن عیینہ کا بیان ہے کہ سفیان ثوریؒ کو اکثر میں نے ان کے سامنے دو زانو بیٹھے دیکھا ہے۔ (۶)

احتیاط :- بایں ہمہ علم و فضل حماد بن زید روایت حدیث میں بہت احتیاط برتتے تھے۔ یعقوب بن شیبہ کا بیان ہے کہ حماد بن زید، حماد بن سلمہ اور دوسرے بہت سے ائمہ ثقات سے زیادہ قابل وثوق ہیں، مگر ان میں کمزوری یہ تھی کہ وہ اسانید کو مختصر کر دیتے تھے اور کبھی مرفوع کو موقوف بنا دیتے تھے۔ وہ غایت احتیاط کی بناء پر بڑے شکی ہو گئے تھے، بڑے عظیم المرتبت تھے، ان کے پاس کوئی کتاب نہیں تھی جس کی طرف وہ رجوع کر سکتے۔ اس وجہ سے کہیں وہ موقوف حدیث کو مرفوع بیان کرتے اور کبھی واقعی مرفوع حدیث بیان کرتے وقت بھی خوف سے لرزاں رہتے تھے۔ (۷)

فقہ :- حضرت حماد بن زیدؒ حدیث کے ساتھ فقہ میں بھی بلند و ممتاز مقام رکھتے تھے۔ حضرت

(۱) تہذیب التہذیب ج ۳ صفحہ ۱۰۔ (۲) ایضاً۔ (۳) تذکرۃ الحفاظ ج ۱ صفحہ ۲۰۷۔ (۴) تہذیب التہذیب ج ۳ صفحہ ۱۱۔

(۵) تذکرۃ الحفاظ ج ۱ صفحہ ۲۰۷۔ (۶) تہذیب التہذیب ج ۳ صفحہ ۱۰۔ (۷) تہذیب التہذیب ج ۳ صفحہ ۱۱۔

ابو اسامہؓ کہا کرتے تھے:

كنت اذا رايت حماد بن زيد قلت ادبه كسرى و فقهه عمر رضى الله عنه (۱)
 ”تم جب حماد کو دیکھو گے تو کہو گے کہ ان کو کسریٰ نے ادب اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے
 فقہ سکھایا ہے۔“

ابن مہدی بیان کرتے ہیں کہ ”میں نے بصرہ میں حماد بن زید سے بڑا فقیہ کوئی نہیں
 دیکھا۔“ (۲)

فہم و دانش:۔ دنیوی امور میں بہت سوجھ بوجھ رکھتے تھے۔ خالد بن فراسؓ کا بیان ہے کہ حماد
 بن زید عقلائے روزگار اور دانشوارانِ زمن میں سے تھے۔ (۳) ابن الطباع کا قول ہے کہ میں
 نے حماد بن زیدؓ سے بڑا عقلمند کوئی نہیں دیکھا۔ (۴)

وفات:۔ رمضان ۱۷۹ ہجری میں بصرہ میں علم و فضل کی یہ شمع فروزاں گل ہو گئی۔ (۵)

(۱) تذکرۃ الحفاظ ج ۱ صفحہ ۲۰۷۔ (۲) تہذیب التہذیب ج ۳ صفحہ ۱۰۔ (۳) تذکرۃ الحفاظ ج ۱ صفحہ ۲۰۶۔ (۴) ایضاً۔

(۵) العمر فی خبر من غمر، ج ۱ صفحہ ۲۷۴

حضرت حماد بن سلمہ رحمۃ اللہ علیہ

اس نام کے یہ دوسرے بزرگ ہیں، جن کا شمار ممتاز اتباع تابعین میں ہوتا ہے۔ علم و فضل کے ساتھ ان کا خاص امتیاز ان کا زہد و اتقا اور تدوین حدیث ہے۔ حافظ ذہبیؒ نے لکھا ہے کہ:

هو اول من صنف التصانيف مع ابن ابی عروبة (۱)

یہ ان اشخاص میں ہیں جنہوں نے سب سے پہلے سعید بن ابی عروبہ کے ساتھ تصنیف و تالیف میں حصہ لیا۔

نام و نسب: حماد نام اور ابو سلمہ کنیت تھی۔ یہ بنو تمیم کے غلام تھے۔ (۲)
تحصیل علم: یہ تو پتہ نہیں چلتا کہ ان کی ابتدائی تعلیم کہاں شروع ہوئی، مگر اس وقت بصرہ دینی علوم کا ایک اہم مرکز شمار کیا جاتا تھا، وہاں علوم دینیہ کے علاوہ ادب و لغت اور نحو و صرف کا بھی چرچا تھا، اس لئے اغلب ہے کہ حماد نے ابھی عام رواج کے مطابق ان تمام علوم میں ضرور کمال حاصل کیا ہوگا، چنانچہ ابن عماد حنبلی رقمطراز ہیں:

كان فصيحاً مفوهاً اماماً في العربية (۳)

وہ فصیح بولنے والے اور عربیت کے امام تھے۔

امام ذہبیؒ نے دوسرے القاب کے ساتھ انہو کی بھی لکھا ہے۔ (۴)
شیوخ: ان کے اساتذہ کی فہرست بہت طویل ہے، جس میں بے شمار ممتاز تابعین بھی شامل ہیں، چند تابعین کے اسمائے گرامی شمار کرانے کے بعد حافظ ابن حجر عسقلانیؒ لکھتے ہیں:

وخلق كثير من التابعين فمن بعدهم (۵)

ان کے علاوہ تابعین کے ایک کثیر گروہ سے انہوں نے استفادہ کیا ہے۔ اس طرح ان کے بعد کے لوگوں سے بھی۔

چنانچہ انہوں نے مختلف اساتذہ سے کسب فیض کیا اور ان کی بے شمار حدیثوں کے حافظ اور

(۱) تذکرۃ الحفاظ للذہبی ج ۱ صفحہ ۱۸۲۔ (۲) صفوۃ الصفوہ، ج ۳ صفحہ ۲۷۳۔ (۳) شذرات الذہب ج ۱ صفحہ ۲۶۲۔

(۴) تذکرۃ الحفاظ ج ۱ صفحہ ۱۸۲۔ (۵) تہذیب التہذیب ج ۳ صفحہ ۱۲

فقہ و فتاویٰ کے وارث بن گئے، بالخصوص حدیث میں وہ مشہور تابعی شیخ ثابت البنانی اور حمید الطویل کی روایات کے خاص حامل تھے۔ (۱)

تلامذہ:- زندگی کا بیشتر حصہ بصرہ میں گزارا اور وہیں انہوں نے درس و افادہ کی مجلسیں گرم کیں، ان کے حلقہ درس میں بلاشبہ لاتعداد لوگوں نے فقہ و حدیث کی تحصیل کی، مشہور اور ممتاز تلامذہ کے نام یہ ہیں:

ابن جریج، شعبہ بن الحجاج، یہ دونوں حضرات عمر میں حماد سے بڑے تھے اور شعبہ تو امام وقت تھے۔ بایں ہمہ انہوں نے ان سے استفادہ کیا تھا۔ عبد اللہ بن مبارک، عبد الرحمن بن مہدی، یحییٰ بن سعید القطان، امام ابو داؤد طیالسی۔

حدیث کے تمام مجموعوں ہی میں حضرت حماد بن سلمہ کی روایتیں موجود ہیں۔ خصوصیت سے ابو داؤد طیالسی نے، جو ان کے تلمیذ رشید ہیں، اپنی مسند میں کئی سو روایتیں ان کے واسطے سے نقل کی ہیں، ایک مشہور اور طویل روایت ملاحظہ ہو۔

امام داؤد طیالسی کہتے ہیں کہ ہم نے حماد بن سلمہ، قیس ابن الربیع اور ابو عونہ تینوں صاحبان نے بواسطہ سماک بن حرب عن ابن المعتمر الکفانی حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ:

جب ان کو رسول اللہ ﷺ نے یمن کا قاضی بنا کر بھیجا تو ان کے سامنے یہ مسئلہ آیا کہ کچھ لوگوں نے شیر کو پھنسانے کے لئے ایک گڑھا کھودا اور جب شیر اس میں گرا تو اس کو دیکھنے کے لئے بڑا جھوم ہوا، جھوم میں دھکا کھا کر ایک شخص گڑھے میں گرا اور گرتے وقت اس نے دوسرے شخص کا سہارا لینے کی کوشش کی، چنانچہ وہ جھٹکا کھا کر گرا چاہتا تھا کہ اس نے تیسرے کو پکڑ لیا اور تیسرے نے چوتھے کو۔ اس طرح چاروں گر پڑے اور شیر نے ان سب کو پھاڑ ڈالا اور وہ مر گئے۔ یہ اشخاص جن جن قبائل کے تھے ان میں خون بہا کے لئے شدید اختلاف ہوا اور نوبت جنگ کی پہنچ گئی۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اطلاع ہوئی تو وہ موقع پر پہنچے اور سمجھایا کہ کیا تم چاہتے ہو کہ چار آدمیوں کی جگہ دو سومزید آدمیوں کا خون بہہ جائے۔ اگر تم راضی ہو تو میں فیصلہ کر دوں، ورنہ پھر یہ معاملہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پیش کرو، وہ لوگ آپ کے فیصلہ پر راضی ہو گئے۔ آپ نے یہ فیصلہ کیا کہ جن لوگوں نے گڑھا کھودا ہے وہ دیت ادا کریں اور دیت اس طرح تقسیم ہوگی کہ

پہلے شخص کے ورثاء کو ۴/۱ دیت، دوسرے کے ورثاء ۳/۱، تیسرے کے ورثاء ۲/۱ اور چوتھے کو پوری دیت۔ چنانچہ بعض لوگ تو اس فیصلہ پر راضی ہو گئے اور بعض راضی نہ ہوئے اور رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں قصہ لے کر حاضر ہوئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں اس کا فیصلہ کروں گا۔ اسی اثناء میں ایک شخص نے کہا کہ حضرت علیؑ نے یہ فیصلہ کیا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ”القضا کما قضی علی“ یعنی حضرت علیؑ نے جو فیصلہ کیا وہی صحیح ہے۔

یہ تو حمادؓ کا بیان ہے اور قیس جو دوسرے راوی ہیں کہتے ہیں کہ:

قاضی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قضاء علیؑ

رسول اللہ ﷺ نے حضرت علیؑ کے فیصلہ کو نافذ فرمایا۔

اسی طرح اور بہت سی احادیث ہیں، جن کے راوی محض حماد بن سلمہ ہیں، وہ حدیث کے بیان کرنے میں غایت درجہ محتاط تھے، اسی احتیاط کا یہ نتیجہ تھا کہ انہوں نے ارادہ کر لیا تھا کہ حدیث نبوی ﷺ کی روایت بالکل ترک کر دیں، مگر ان کے استاد ایوب سختیانی نے خواب میں انہیں روایت حدیث کا حکم دیا، تو وہ آمادہ ہو گئے۔ چنانچہ حافظ ذہبیؒ خود حماد بن سلمہؒ کا قول نقل کرتے ہیں کہ:

ماکان من نیتی ان احدث حتی قال لی ایوب فی النوم حدث (۱)

حدیث بیان کرنے کا میرا ارادہ نہیں تھا حتیٰ کہ ابو ایوب نے مجھے خواب میں تحدیث کا حکم

دیا۔

ابن مدینی کا بیان ہے کہ یحییٰ بن ضریس کے پاس دس ہزار ایسی حدیثیں تھیں، جو حماد بن

سلمہ سے مروی ہیں۔ (۲)

ذریعہ معاش :- امام وقت ہوتے ہوئے وہ کپڑے کا کاروبار کرتے تھے، مگر یہ کاروبار بھی محض رزق کفاف کے لئے تھا، چنانچہ سوار بن عبد اللہ اپنے والد سے بیان کرتے ہیں کہ:

كنت اتي حماد بن سلمة في سوقه فاذا اربح في ثوب حبة او حبتين شد

جيو به وقام (۳)

میں بازار میں حماد بن سلمہ کی دکان پر آیا تھا، جب کسی کپڑے میں ایک دو حبة فائدہ ہو گیا، وہ

فوراً دکان اٹھا دیتے تھے۔

(۱) تذکرۃ الحفاظ ج ۱ صفحہ ۱۸۳۔ (۲) شذرات الذهب ج ۱ صفحہ ۲۶۲۔ (۳) ایضاً

یعنی جہاں سدر مق کا انتظام ہوا کاروبار بند کر دیا۔

ہم عصر علماء کی رائے :- حفظ و ثقاہت میں حضرت حماد بن سلمہؒ کم از کم اپنے معاصرین میں مفقود النظر تھے، مگر آخر عمر میں سوء حفظ کی شکایت پیدا ہو گئی تھی۔ اس لئے محدثین نے ان کی روایتوں پر جرح کی ہے۔ امام بخاریؒ نے ان سے روایت تو نہیں کی مگر ان سے استشہاد کیا ہے، جس میں حماد بن سلمہؒ کی ثقاہت کا ثبوت بہم پہنچتا ہے۔ امام مسلمؒ نے ان سے متعدد روایتیں کی ہیں۔ امام بیہقیؒ لکھتے ہیں:

هو ائمة المسلمين الا انه لما كبر ساء حفظه، فلذا تركه البخاري

واما مسلم فاجتهد واخرج من حديثه من ثابت ما سمع منه قبل تغيره (۱)

وہ مسلمانوں کے ایک امام ہیں، مگر بڑھاپے میں ان کا حافظہ خراب ہو گیا ہے، اسی لئے امام بخاریؒ نے ان سے روایتیں نہیں کیں ہیں، مگر امام مسلمؒ نے اجتہاد کیا اور سوء حفظ سے پہلے کی جو ان کی روایتیں ثابت البنانی کے واسطے سے ہیں ان کو انہوں نے اپنی کتاب میں جگہ دی ہے۔ کچھ تو سوء حفظ کی وجہ سے اور کچھ اس وجہ سے کہ ان کی کتابوں میں کچھ لوگوں نے الحاق کر دیا تھا، ان کی روایتیں بعض محدثین کی نظر میں مشتبہ ہو گئی تھیں، سوء حفظ کے بارے میں امام بیہقیؒ کی رائے اوپر گزر چکی، الحاق کے بارے میں امام عبدالرحمن بن مہدی کا بیان ہے کہ:

وكانوا يقولون انها دست في كتبه

”لوگوں کا خیال ہے کہ حماد بن سلمہ کی کتابوں میں الحاق کیا گیا ہے۔“

ان کا ایک ربیب ابن ابی العوجاء نامی تھا، ان کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ:

فكان يدس في كتبه

”ان کی کتابوں میں کچھ رد و بدل کیا کرتا تھا۔“

تاہم ائمہ حدیث نے حماد بن سلمہؒ کے فضل و کمال کا کھلے الفاظ میں اعتراف کیا ہے۔

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جس شخص کو حماد بن سلمہؒ کی برائی کرتے

ہوئے دیکھو، اس سے اسلام کو مشتبہ سمجھو۔ (۲) حافظ ابن حجرؒ نے بھی قریب قریب اسی طرح کا ایک

قول نقل کیا ہے۔ (۳)

علاوہ ازیں ابن عدی، عجل، نسائی وغیرہ نے بھی ان کی توثیق کی ہے، ابن عدی کے الفاظ

(۱) تہذیب التہذیب ج ۳ صفحہ ۱۱۴۔ (۲) تذکرۃ الحفاظ ج ۱ صفحہ ۱۸۳۔ (۳) تہذیب التہذیب ج ۳ صفحہ ۱۵

ملاحظہ ہوں:

وحماد من اجلۃ المسلمین وهو مفتی البصرة وقد حدث عنه من هو اکبر منه سنا وله احادیث کثیرة و اضاف کثیرة و مشائخ (۱)
اور حماد اجلہ مسلمین میں سے تھے، بصرہ کے مفتی تھے، ان سے ان کے سن رسیدہ لوگوں نے روایتیں کی ہیں، ان سے بکثرت اور مختلف النوع حدیثیں مروی ہیں اور ان کے مشائخ بھی قابل ذکر ہیں۔

زہد و عبادت :- علم و فضل کے ساتھ ساتھ صحابہ کرام کا ساز ہد و اتقاء اور عبادت و ریاضت زمرة تابعین اور اتباع تابعین کی ایک عام خصوصیت تھی۔ چنانچہ حماد بن سلمہ بھی ان صفات ملکوتی کے اعتبار سے اپنے ہم عصروں میں ممتاز تھے، شہاب بن معمر کہتے ہیں کہ حماد اپنے وقت کے ابدال تھے، ایک دوسرے معاصر عقان کا بیان ہے کہ:

قد رأیت من هو اعبد من حماد بن سلمة ولكن ما رأیت اشد مواظبة علی الخیر و قرأة القرآن والعمل لله من حماد بن سلمة (۲)
”میں نے حماد بن سلمہ سے زیادہ عبادت کرنے والوں کو دیکھا ہے، مگر ان سے زیادہ تسلسل اور یکسوئی کے ساتھ بھلائی کرنے والا تلاوت قرآن کرنے والا اور ہر کام اللہ ہی کے لئے کرنے والا حماد بن سلمہ سے زیادہ کسی کو نہیں دیکھا۔

امام عبدالرحمن بن مہدی جن کا زہد و اتقاء ضرب المثل ہے، بیان فرماتے ہیں کہ حماد بن سلمہ کے عمل کا یہ حال تھا کہ اگر ان سے یہ کہا جائے کہ کل آپ کو موت آ جائے گی تو اس سے زیادہ عمل کی ان کے لئے گنجائش نہیں ہوگی۔ (۳) ابن حبان کہتے ہیں کہ:

ان کا شمار مجاہد الدعوات عابدین میں ہوتا ہے۔ وہ اپنے زمانے کے اقران میں فضل و کمال، دین و عبادت میں ممتاز تھے، سنت کے سخت پابند اور اہل بدعت کے اثرات کو ختم کرنے میں انتہائی کوشاں تھے۔ (۴)

خود فرمایا کرتے تھے کہ جو حدیث نبوی کو غیر اللہ کے لئے (یعنی عزت و وجاہت کے حصول کے لئے) حاصل کرتا ہے وہ خدا سے فریب کرتا ہے۔ (۵)

(۱) تہذیب التہذیب ج ۳ صفحہ ۱۵۔ (۲) تہذیب التہذیب ج ۳ صفحہ ۱۳۔ (۳) مفضوۃ الصفوۃ ج ۳ صفحہ ۲۷۳۔

(۴) تذکرۃ الحفاظ ج ۱ صفحہ ۱۸۳۔ (۵) تذکرۃ الحفاظ ج ۱ صفحہ ۱۸۳۔

وقت کی قدر:- ایک بار موسیٰ بن اسماعیلؓ نے اپنے شاگردوں کو خطاب کرتے ہوئے کہا کہ اگر میں یہ کہوں کہ میں نے حماد بن سلمہؓ کو کبھی ہنستے نہیں دیکھا تو میں یہ سچ کہوں گا، وہ ہر وقت اپنے کام میں لگے رہتے تھے، یا تلاوت قرآن کرتے یا تسبیحات پڑھتے تھے یا پھر نماز میں مشغول رہتے، انہوں نے پورے دن کو انہی کاموں کے لئے تقسیم کر رکھا تھا۔ (۱)

خدائے عزوجل کے یہاں ان کے اعمال صالحہ کی مقبولیت ہی کی یہ علامت تھی کہ ان کا انتقال مسجد میں بحالت نماز ہوا۔ یونس بن محمدؒ کا بیان ہے کہ:

مات حماد بن مسلمة فی المسجد وهو یصلی (۲)

”حماد بن سلمہ کی وفات مسجد میں بحالت نماز ہوئی۔“

استغناء، اظہار حق اور امراء کی صحبت سے گریز:- حماد بن سلمہؓ کی کتاب زندگی کا ہر باب ہی بڑا تابناک ہے۔ زہد و عبادت، دنیا اور اہل دنیا سے استغناء اور امراء کی صحبت سے گریز، زمرہ تبع تابعین کی ایک عمومی خصوصیت تھی، حماد بن سلمہؓ اس خصوصیت و امتیاز میں بھی نہ صرف ان کے شریک و ہم عصر تھے، بلکہ ممتاز مقام رکھتے تھے، اس سلسلہ میں محدث ابن جوزیؒ نے ان کا ایک واقعہ بہت تفصیل کے ساتھ نقل کیا ہے، جس سے حماد بن سلمہؓ کے زہد و اتقا اور خشیت الہی کا پورا پورا اندازہ ہو جاتا ہے، ذیل میں اس واقعہ کی تلخیص درج کی جاتی ہے۔

مقاتل بن صالح الخراسانی کا بیان ہے کہ میں حماد بن سلمہؓ کے پاس گیا تو ان کے گھر میں ایک چٹائی کے علاوہ کچھ نہ پایا۔ اسی پر بیٹھے قرآن کی تلاوت کر رہے تھے۔ ایک چمڑے کا تو بڑا تھا جس میں ان کا سارا علم (یعنی روایات حدیث نبوی ﷺ) بند تھا، ایک وضو کا برتن تھا، جس سے وضو کرتے تھے، ان کا بیان ہے کہ وہ ایک دن موجود تھے کہ کسی نے دروازہ کھٹکھٹایا، انہوں نے اپنی لونڈی سے کہا کہ دیکھو بیٹی کون ہے؟ وہ واپس آ کر بولی کہ محمد بن سلیمان کا قاصد (غالباً یہ بصرہ کا امیر تھا) فرمایا کہ جاؤ کہہ دو کہ وہ تنہا میرے پاس آئے، وہ قاصد آیا اور اس نے ایک خط پیش کیا، جس کا مضمون یہ تھا:

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ یہ خط محمد بن سلیمان کی طرف سے حماد بن سلمہؓ کے نام۔

اما بعد! خدا آپ کو اسی طرح سلامت رکھے، جس طرح آپ نے اپنے اولیاء اور اطاعت گزاروں کو سلامت رکھا ہے۔ ایک مسئلہ درپیش ہے، اگر آپ تشریف لائیں تو اس بارے میں

(۱) صفوة الصفوة لابن جوزی ج ۳ صفحہ ۲۷۷۔ (۲) ایضاً، شذرات الذهب ج ۱ صفحہ ۲۶۲

آپ سے استفادہ کرتا۔ والسلام۔

یہ خط ملا تو آپ نے پڑھ کر لونڈی سے کہا کہ قلم و دوات لاؤ اور اس کی پشت پر یہ جواب لکھ

دو۔

اما بعد! آپ کو بھی خدا اسی طرح سلامت رکھے جس طرح اپنے دوستوں اور فرمانبرداروں کو سلامتی عطا کرتا ہے۔ میں نے بہت سے ایسے علماء کی صحبت اختیار کی ہے جو کسی کے پاس جایا نہیں کرتے (اس لئے میں بھی معذور ہوں) اگر آپ کو کوئی مسئلہ سمجھنا ہے تو آپ خود تشریف لے آئیں اور جو دریافت کرنا چاہیں کریں اور ہاں اگر آنے کا ارادہ ہو تو تنہا تشریف لائیے گا۔ آپ کے ساتھ خدم و حشم نہ ہوں، ورنہ میں آپ کے ساتھ اور اپنے ساتھ خیر خواہی نہ کر سکوں گا۔ والسلام۔

قاصد یہ جواب لے کر واپس چلا گیا۔ راوی کا بیان ہے کہ ہم ابھی بیٹھے ہوئے تھے کہ کسی نے پھر دروازہ کھٹکھٹایا، لونڈی کو حکم دیا کہ دیکھو کون ہے؟ اس نے آ کر کہا کہ محمد بن سلیمان۔ فرمایا کہہ دو کہ آجائیں مگر تنہا آئیں، چنانچہ وہ خدمت میں حاضر ہوا اور سلام کر کے بیٹھ گیا اور تھوڑی دیر بعد بولا کہ کیا وجہ ہے کہ جب بھی میں آپ کے سامنے ہوتا ہوں، میرے اوپر خوف و دہشت طاری ہو جاتا ہے۔ حضرت حماد بن سلمہ نے ثابت البنانی کے واسطے سے حضرت انسؓ کی زبانی یہ حدیث بیان کی کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ جب عالم اپنے دین کے ذریعہ خدا کی خوشنودی چاہتا ہے تو اس سے ہر چیز ڈرنے لگتی ہے اور جب وہ اس سے دنیا کے خزانے چاہتا ہے تو وہ ہر چیز سے ڈرنے لگتا ہے۔

محمد بن سلیمان نے پوری توجہ کے ساتھ یہ باتیں سنیں اور پھر کہا کہ چالیس ہزار درہم حاضر خدمت ہیں، انہیں اپنی ضروریات میں صرف فرمائیں۔ حماد بن سلمہ نے کامل استغناء کے ساتھ فرمایا کہ ان کو لے جاؤ اور جن لوگوں پر ظلم کر کے انہیں حاصل کیا ہے ان کو دے ڈالو۔ وہ بولا کہ بخدا میں یہ اپنے خاندانی ورثہ سے دے رہا ہوں۔ فرمایا، مجھے اس کی ضرورت نہیں، مجھے معاف کرو۔ خدا تعالیٰ تمہیں معاف کرے، تم اس رقم کو تقسیم کر دو۔ وہ بولا کہ میری تقسیم میں اگر کسی مستحق کو نہ ملا تو نا انصافی کی شکایت کرے گا۔ آپ نے اس سے پھر یہی فرمایا کہ مجھے معاف کرو۔ (۱)

اس طویل واقعہ سے حماد بن سلمہ کی زندگی کی کتنی درخشاں اور تابناک تصویر نگاہوں کے

سامنے پھر جاتی ہے۔

وفات :- ۱۶۷ ہجری میں بصرہ میں ان کی وفات ہوئی۔ (۱) اور وہیں مدفون ہوئے۔
حافظ ابن حجر نے ابن حبان کی روایت نقل کی ہے کہ حماد بن سلمہ کا انتقال ذی الحجہ کے مہینہ میں ہوا۔ (۲) عمر ۸۰ سال کے قریب پائی۔ (۳)
تصنیف :- اوپر ذکر آچکا ہے کہ حماد بن سلمہ کا شمار تبع تابعین کے اس زمرہ میں ہوتا ہے جنہوں نے تالیف و تدوین کی خدمات انجام دی ہیں، مگر افسوس ہے کہ ان کی تصنیفات کی پوری تفصیلات نہیں ملتی، صاحب شذرات الذہب نے صرف اتنا لکھا ہے کہ:

لہ تصانیف فی الحدیث (۴)

”حدیث میں ان کی تصانیف ہیں۔“

ان کے ممتاز شاگرد ابوداؤد الطیالسی کہتے ہیں کہ حماد بن سلمہ کے پاس قیس کی کتاب کے علاوہ کوئی دوسری کتاب نہیں تھی، اس جملہ کی تشریح کرتے ہوئے حافظ ابن حجر رقمطراز ہیں:

یعنی کان یحفظ علمہ (۵)

یعنی وہ قیس کے علم کے حافظ تھے۔

حضرت عبداللہ بن احمد بن حنبل کا بیان ہے کہ قیس کی روایتوں سے انہوں نے جو مجموعہ تیار کیا تھا وہ ضائع ہو گیا تو وہ اپنی حافظہ سے روایت کرنے لگے۔

اس تفصیل سے بہر حال اتنی بات تو واضح ہو جاتی ہے کہ حماد بن سلمہ نے جمع و تدوین کا کچھ نہ کچھ کام کیا تھا، لیکن مکمل تفصیلات متداول تذکروں میں نہیں ملتیں۔ (۶)

(۱) شذرات الذہب ج ۱ صفحہ ۲۶۲۔ (۲) تہذیب التہذیب ج ۳ صفحہ ۱۳۔ (۳) تذکرۃ الحفاظ ج ۱ صفحہ ۱۸۳۔

(۴) شذرات الذہب ج ۱ صفحہ ۲۶۲۔ (۵) تہذیب التہذیب ج ۳ صفحہ ۱۵۔ (۶) ایضاً صفحہ ۱۳

حضرت حمزہ بن حبیب الزیات رحمۃ اللہ علیہ

نام و نسب :- حمزہ نام، ابوعمارہ کنیت تھی، والد کا اسم گرامی حبیب اور جد امجد کا عمارہ تھا۔ (۱) کوفہ کے خاندان آل عکرمہ بن ربیع کے غلام تھے جو مشہور قبیلہ تیم اللہ سے تعلق رکھتا تھا، اسی نسبت سے تیمی کہے جاتے ہیں۔ (۲) زیات لقب تھا، اس کی وجہ تسمیہ کے بارے میں علامہ ابن قتیبہ رقمطراز ہیں:

كان يجلب الزيت في الكوفة الى حلوان ويجلب الجبن والجوز الى الكوفة (۳)

”وہ کوفہ سے زیتون لے جا کر حلوان میں فروخت کرتے تھے اور وہاں سے پنیر و اخروٹ کوفہ لایا کرتے تھے۔“

پیدائش اور وطن :- خلیفہ عبد الملک کے عہد حکومت میں ۸۰ ہجری میں ولادت ہوئی۔ (۴) اسی سال امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی ولادت بھی ہوئی۔ شیخ زیات کا آبائی وطن کوفہ ہے اور وہیں تاحیات درس و افادہ میں مصروف ہے۔

فصل و کمال :- وہ علم و فضل کے بلند ترین مقام پر فائز تھے، قرآن، حدیث، ادب اور فرائض وغیرہ علوم میں کامل دستگاہ حاصل تھی۔ بالخصوص علوم قرآن اور فرائض میں ان کی مہارت اور دقیقہ رسی پر علماء کا اتفاق ہے، جن سات آئمہ نے فن قرأت میں نام پیدا کیا اور لائق تقلید قرار پائے ان میں حمزہ بن ابی حبیب الزیات کا نام بہت ممتاز ہے۔

کوفہ میں عاصم و اعمش کے بعد قرأت میں انہی کو منصب امامت حاصل ہے۔ حافظ ذہبیؒ انہیں شیخ القراءۃ السبعہ لکھتے ہیں۔ (۵) ان کے شیخ امام اعمش جو بلند مرتبہ تابعی اور خود قرآن کے ایک بڑے قاری تھے، جب بھی ابن حبیب کو دیکھتے تو فرماتے انت عالم القرآن۔ (۶)

قرآن :- قرآن کے ساتھ انہیں خاض شغف تھا۔ چنانچہ وقت کے بہت سے اکابر قراء کی خدمت میں حاضر ہو کر اس فن کی تحصیل کی اور اس میں اتنا کمال پیدا کیا کہ خود ان کی ذات مرجع

(۱) المعارف ابن قتیبہ صفحہ ۲۳۰۔ (۲) شذرات الذهب ج ۱ صفحہ ۲۴۰ و کتاب الانساب ورق ۱۱۳ و مرآۃ البیان ج ۱ صفحہ ۳۳۲۔ (۳) المعارف صفحہ ۲۳۰۔ (۴) میزان الاعتدال للذہبی ج ۱ صفحہ ۲۸۴۔ (۵) میزان الاعتدال ج ۱ صفحہ ۲۸۴۔

اتام بن گئی۔ علامہ یافعی رقمطراز ہیں کہ:

كان رأساً في القرآن والفرائض (۱)

وہ علوم قرآن اور فرائض (قانون وراثت) میں بہت ماہر تھے۔

حافظ ذہبیؒ لکھتے ہیں:

قرأ على التابعين وتصدد للاقراء فقراء اهل الكوفة (۲)

انہوں نے تابعین سے قرأت کی تعلیم حاصل کی اور ان کے صدر نشین قرار پائے۔ پھر اکثر

اہل کوفہ نے ان سے اس فن کو حاصل کیا۔

جن ماہرین قراء سے انہوں نے نکات فن کو حاصل کیا ان میں سلیمان بن مہران الاعمش،

حمران بن اعین، محمد بن ابی لیلیٰ اور ابو عبد اللہ جعفر الصادق کے نام قابل ذکر ہیں۔ (۳)

ان چاروں علمائے وقت کی سند قرآن علی الترتیب عبد اللہ بن مسعودؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت

ابی بن کعبؓ، حضرت علیؓ بن ابی طالب تک پہنچتی ہے جنہوں نے حضور اکرم ﷺ کی زبان گوہر

فشاں سے قرآن کو پڑھا تھا۔

بعض علماء نے قراء سبعہ میں ابن حبیب کی قرأت کو ناپسند کیا ہے، لیکن حافظ ابن حجرؒ نے

ان پر کئے گئے نقد و جرح کی تردید کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ”ماہرین فن علماء کی اکثریت نے حمزہ کی

قرأت قبول کرنے پر اتفاق رائے کیا اور ناقدین کے کلام کو بے وزن قرار دیا ہے۔

قد انعقد الاجماع على تلقى قراءة حمزة بالقبول والانكار على من تكلم فيها (۴)

حمزہ بن حبیب الزیات کی قرأت کو قبول کرنے پر علماء کا اجتماع ہے، اور جنہوں نے اس

سلسلہ میں کلام کیا ہے وہ پسندیدہ نہیں ہے۔

علامہ ذہبی رقمطراز ہیں کہ حمزہ کی جلالت فنی کا اندازہ لگانے کے لئے امام ابوسفیان ثوری کی

یہ شہادت کافی ہے کہ قرأ حمزة حرفاً الا باثر (۵)، شعیب بن حرب ان کی قرأت کو ہمیشہ در

آباد رکھ کر بیان فرمایا کرتے تھے۔ (۶) امام ثوریؒ کا بیان ہے کہ:

يا ابن عمارة اما القراءة والفرائض فلا تعرض لك فيهما (۷)

”اے ابن عمارہ قرأت اور علم و فرائض کے لئے ہم تم سے کوئی تعرض نہیں کریں گے۔“

(۱) المعبر فی خبر من طبع ج ۱ صفحہ ۲۲۶۔ (۲) مرآة البیان للیافعی ج ۱ صفحہ ۳۳۲۔ (۳) کتاب الانساب للسمانی ورق ۱۱۳۔

(۴) میزان الاعتدال ج ۱ صفحہ ۲۸۳۔ (۵) ایضاً (۶) شذرات الذہب ج ۱ صفحہ ۲۳۰۔ (۷) میزان الاعتدال ج ۱ صفحہ ۲۸۴۔

ان کی قرأت کے راوی بکثرت ہیں، لیکن خلف و خلاذ زیادہ مشہور و معروف ہیں۔
 علم فرائض:۔ فرائض کے علم میں بھی وہ یدِ طولیٰ رکھتے تھے، بلکہ درحقیقت قرآن اور فرائض ہی ان کی شہرت اور عظمت کی اصل بنیاد ہیں، محدث کی حیثیت سے ان کو کوئی قابل ذکر مقام حاصل نہیں ہو سکا، امام اعظم بایں ہمہ بلندی شان اور فضل و کمال فرمایا کرتے تھے۔

غلب حمزة الناس على القرآن والفرائض (۱)

حمزہ قرآن اور فرائض میں لوگوں پر غالب تھے۔

علم فرائض میں غیر معمولی مہارت کی وجہ سے ان کو فرضی بھی کہا جاتا ہے۔

حدیث:۔ حدیث نبوی ﷺ سے بھی بہرہ وافر رکھتے تھے۔ اس کی تحصیل انہوں نے حکم بن عیینہ حبیب بن ابی ثابت، عمرو بن مرہ، طلحہ بن مضرف، عدی بن ثابت، حماد بن اعین، ابواسحاق، السبعی، ابواسحاق الشیبانی، اعمش اور منصور بن المعتمر سے کی تھی اور ان کے تلامذہ میں عبداللہ بن مبارک، حسین بن علی الجعفی، عبداللہ بن صالح العجلی، سلیم بن عیسیٰ محمد بن فضل، عیسیٰ بن یونس، امام وکیع اور قبصہ کے نام خصوصیت سے لائق ذکر ہیں۔ (۲)

جرح و تعدیل:۔ ان کی ثقاہت کے متعلق علامہ ابن سعد لکھتے ہیں:

وہ محدث، صدوق اور قبیح سنت تھے۔ (۳)

عبادت:۔ کثرت عبادت و ریاضت میں وہ صلحائے امت کا ایک اعلیٰ نمونہ تھے۔ رات کا بیشتر حصہ عبادت کرتے گزرتا تھا، اور بہت کم سوتے تھے۔ امام سفیان ثوری اور شریک بن عبداللہ جنہیں ان کے تلمذ خاص کا افتخار حاصل ہے، بیان کرتے ہیں کہ ابن حبیب الزیات کو جب بھی کوئی دیکھتا یا درس دیتے ملتے یا نماز پڑھتے ہوئے، کثرت عبادت کا یہ عالم تھا کہ ظہر و عصر اور مغرب و عشاء کے درمیان بھی نوافل پڑھتے رہتے، اسی طرح درس کے خاتمہ پر پابندی سے چار رکعت نفل ادا فرمایا کرتے تھے۔ ہر ماہ ترتیل کے ساتھ کم از کم پچیس قرآن ختم کیا کرتے۔ علامہ سمعانی ان کی کثرت عبادت کے بارے میں رقمطراز ہیں:

كان من جل عباد الله عبادة وفضلا ونسكا (۴)

حضرت ابن فضل کا قول ہے کہ حمزہ کے تدین، جلالت علم اور عبادت گزاری سے کوفہ کی بلا

(۱) خلاصہ تہذیب، مرآة الجنان للیافی ج ۱ صفحہ ۳۳۲۔ (۲) خلاصہ تہذیب مرآة الجنان للیافی ج ۱ صفحہ ۳۳۲۔

(۳) کتاب الانساب للسمعانی ورق ۱۱۳۔ (۴) میزان الاعتدال ج ۱ صفحہ ۲۸۴

دور ہوتی ہے۔

زہد و اتقا:۔ ورع و تقویٰ اور خشیت الہی علماء کبار کا وصف مشترک ہے، ابن حبیب الزیاتؒ اس میں خاص امتیاز رکھتے تھے، حافظ ذہبی رقمطراز ہیں کہ صدق اور ورع و تقویٰ وغیرہ اوصاف ان کی ذات پر ختم ہو گئے تھے۔ (۱)

ابن عماد حنبلی انہیں ورع کے اعتبار سے نمونہ عمل اور دلیل راہ بنائے جانے کا مستحق قرار

دیتے ہیں۔ (۲)

مناقب:۔ ان تمام کمالات کے علاوہ حمزہ کی ذات میں اور بہت سی خوبیاں مجتمع تھیں، جو انسان کے باطن کو ہر قسم کی آلائشوں سے صاف کر کے اسے مثل آئینہ مجلیٰ کر دیتی ہیں۔

حضرت ابن حبیب الزیاتؒ بایں ہمہ علم و فضل کسی سے خدمت لینا گوارا نہیں کرتے تھے۔ شدید ترین گرمی کے موسم میں اثناء درس کبھی پیاس محسوس ہوتی تو اپنے کسی شاگرد سے پانی مانگنا گوارا نہ کرتے بلکہ خود اٹھ کر تشنگی فرو کرتے۔ (۳) قرآن کی تعلیم پر تاحیات اجرت نہیں لی، ذریعہ معاش تجارت کو بنا رکھا تھا، جیسا کہ اوپر مذکور ہوا کہ کوفہ سے زیتون لے کر حلوان میں فروخت کرتے اور وہاں سے پیروا خروٹ لا کر کوفہ میں بیچتے تھے، لیکن یہ شغل بھی بقدر کفاف ہی کرتے، جس سے محض روح و جسم کا رشتہ باقی رہ سکے۔ ورنہ زیادہ تر وقت درس و عبادت میں گذرتا تھا۔

وفات:۔ باختلاف روایت ۱۰۶ ہجری یا ۱۰۸ ہجری میں بمقام حلوان وفات پائی۔ اس وقت ابو جعفر منصور تخت خلافت پر متمکن تھا۔ (۴)

(۱) میزان الاعتدال ج ۱ صفحہ ۲۸۴۔ (۲) شذرات الذهب ج ۱ صفحہ ۲۴۰۔ (۳) تہذیب المعذیب ج ۳ صفحہ ۲۸۔

(۴) المعارف صفحہ ۲۳۰ و طبقات ابن سعد ج ۶ صفحہ ۲۶۸ و المعبر فی خبر من عمر ج ۱ صفحہ ۲۲۶، مرآة البیان ج ۱ صفحہ ۳۳۲

حضرت خالد بن الحارثؓ بجیمی رحمۃ اللہ علیہ

نام و نسب :- خالد نام، ابو عثمان کنیت اور نسب نامہ یہ ہے:

خالد بن الحارث بن سلیمان بن عبید بن سفیان - (۱)

بجیم بصرہ کا ایک محلہ ہے جہاں قبیلہ تمیم کی ایک شاخ بنو بجیم آ کر آباد ہو گئی تھی اور انہی کے نام سے وہاں یہ مقام موسوم ہو گیا، خالد کا تعلق اسی خاندان سے ہے۔ اسی لئے بجیمی اور بصری کی نسبتوں سے مشہور ہوئے۔ (۲)

ولادت اور وطن :- بصرہ کے رہنے والے تھے، وہیں باختلاف روایت ۱۱۹ ہجری یا ۱۲۰ ہجری میں پیدا ہوئے۔ (۳)

علم و کمال :- علمی اعتبار سے وہ کافی بلند مرتبہ تھے۔ حفظ حدیث میں ان کی نظیر کم از کم بصرہ میں مفقود تھی۔ یحییٰ بن سعید القطان کا بیان ہے کہ ”ما رأیت خیراً منہ“ (۴) محمد بن المنشی کہتے ہیں:

ما بالبصرة مثل خالد بن الحارث وما بالكوفة مثل عبدالله ابن ادریس (۵)
”بصرہ میں خالد بن الحارث اور کوفہ میں عبد اللہ ابن ادریس کی مثال مفقود تھی۔“

علامہ ذہبی ”الحافظ الحجة“ لکھتے ہیں۔

شیوخ و تلامذہ :- جن چشموں سے انہوں نے اپنی علمی تشنگی فرو کی ان میں بکثرت جلیل القدر علماء کے نام شامل ہیں۔ چند لائق ذکر یہ ہیں۔ ابو ایوب السخنی، حمید الطویل، ہشام بن عمرو، سعید بن ابی عروبہ، عبد الملک بن ابی سلیمان، ہشام بن حسان۔

اور خود ان سے سماعت حدیث کی سعادت حاصل کرنے والوں میں امام احمد، اسحاق بن راہویہ، علی بن اددینی، حسن بن عرفہ، مسدد، عبید اللہ بن معاذ، یحییٰ بن حبیب، نصر بن علی الجہضمی، عارم، عبد اللہ بن عبد الوہاب جیسے فضلاء روزگار شامل ہیں۔ (۶)

پایہ ثقاہت :- علمائے جرح و تعدیل نے باتفاق رائے ان کی ثقاہت و عدالت اور تثبت و

(۱) طبقات ابن سعد ج ۷ صفحہ ۴۶۔ (۲) الملباب فی تہذیب الانساب ج ۳ صفحہ ۲۸۵۔ (۳) تہذیب التہذیب ج ۳ صفحہ ۸۲۔ (۴) خلاصہ تہذیب صفحہ ۱۰۰۔ (۵) تذکرۃ الحفاظ ج ۱ صفحہ ۲۸۲۔ (۶) تہذیب التہذیب ج ۳ صفحہ ۸۲ و تذکرۃ الحفاظ ج ۱ صفحہ ۲۸۲

اتقان کو مسلم قرار دیا ہے، ایسے محدثین کی تعداد کم ہے، جن کی ذات نقد و جرح سے مامون ہو، امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ بصرہ میں ثبت فی الحدیث ان پر ختم ہے۔ ”الیہ المنتھی فی الثبت بالبصرة“ ابو حاتم انہیں ثقہ امام، ترمذی ثقہ مامون اور نسائی ثقہ ثبت کہتے ہیں۔ (۱)

ابن ناصر الدینؒ لکھتے ہیں:

کان من الحفاظ الثقات المامونین (۲)

وہ ثقہ اور مامون حفاظ حدیث میں تھے۔

معاویہ بن صالحؒ کا بیان ہے:

قلت لیحیی بن معین من اثبت شیوخ البصریین قال خالد بن الحارث مع

جماعة مما هم

”میں نے یحییٰ بن معین سے شیوخ بصرہ میں سب سے زیادہ ثبت رکھنے والے کے بارے میں سوال کیا تو انہوں نے کچھ اور لوگوں کے ساتھ خالد بن الحارث کا بھی نام لیا۔“

علاوہ ازیں ابو زرعة، ابن حبان اور ابن شاہین وغیرہ نے بھی ان کا شمار ثقات محدثین میں کیا

عقل و فرزانگی:۔ علامہ ابن حبانؒ نے کتاب الثقات میں ان کے ثبت کا اعتراف کرتے

ہوئے لکھا ہے کہ وہ اعلیٰ پایہ کے زیرک اور فہیم انسان تھے۔ کسان من عقلاء الناس

وذہانہم (۳)

وفات:۔ ہارون الرشید کے ایام خلافت ۱۸۶ ہجری میں بمقام بصرہ وفات پائی۔ (۴)

(۱) شذرات الذهب ج ۱ صفحہ ۳۰۹۔ (۲) تہذیب الجہد ج ۳ صفحہ ۸۳۔ (۳) تہذیب الجہد ج ۳ صفحہ ۸۳۔

(۴) طبقات ابن سعد ج ۷ صفحہ ۴۶ و شذرات الذهب ج ۱ صفحہ ۳۰۹

حضرت ربیع بن صبیح بصری رحمۃ اللہ علیہ

سرزمین ہند میں جن اکابر اسلام نے علم و عمل کی قدیلین فروزاں کیں۔ ان میں زمرہ اتباع تابعین کی بھی دو ممتاز شخصیتوں کے نام ملتے ہیں، انہیں ہندوستان سے خصوصی ربط و تعلق تھا اور انہوں نے اسے اپنے فیوض و برکات اور علمی و عملی سرگرمیوں کا جولا نگاہ بنایا، ان میں سے ایک ربیع بن صبیح بصری اور دوسرے اسرائیل بن موسیٰ ہندی ہیں۔ حسن اتفاق سے یہ دونوں بزرگ بصرہ کے رہنے والے ہیں اور شہرہ آفاق تابعی امام حسن بصری کے ارشد تلامذہ میں تھے۔ مؤخر الذکر کی آمد و رفت ہندوستان میں تجارت کی غرض سے ہوئی تھی اور اول الذکر ایک اسلامی فوج کے ہمراہ بحیثیت مجاہد وارد ہوئے اور ایک وبائی مرض میں مبتلا ہو کر یہیں کی خاک کا پیو بند بنے۔

گوکہ ہندوستان میں مذکورہ بالا دونوں اکابر کے علمی افادہ اور درس حدیث کا کوئی ظاہری ثبوت فراہم نہیں ہوتا، تاہم اس عہد زریں کے عام معمول کے مطابق یہ ناممکن ہے کہ ان متحرک علمی درسگاہوں کے فیوض و برکات سے سرزمین ہند محروم رہی ہو، ان دونوں محدثین کے حالات تاریخوں میں کم ملتے ہیں، اس بناء پر ان کی تاریخ زندگی کے بہت سے اوراق نظر سے اوجھل ہیں، امام ابو موسیٰ اسرائیل کا ذکر آگے آئے گا۔ یہاں ذیل میں ابو حفص ربیع بن صبیح کے جو سوانح و حالات طبقات و تراجم کی متعدد کتابوں کی ورق گردانی کے بعد مل سکے ہیں، پیش کئے جاتے ہیں:

نام و نسب :- نام ربیع اور والد کا نام صبیح تھا، کنیت ابوبکر اور ابو حفص تھی۔ مگر زیادہ شہرت ابو حفص ہی کو حاصل ہے۔ قبیلہ بنو سعد میں زید کے آزاد کردہ غلام تھے، اسی لئے ان کی طرف منسوب ہو کر سعدی بھی کہلاتے ہیں۔ (۱) مزید سلسلہ نسب کا کچھ پتہ نہیں چلتا۔

وطن اور ابتدائی حالات :- ربیع بن صبیح کا اصلی وطن بصرہ تھا، انہوں نے جس عہد میں اپنے ہوش و خرد کی آنکھیں کھولیں، وہ اسلامی شان و شوکت اور علوم و فنون کی کثرت و اشاعت کے اعتبار سے تاریخ کا عہد زریں کہلائے جانے کا مستحق ہے۔ اس وقت ہر بستی اور ہر قریہ علماء و صلحاء سے معمور اور ان کی نوا سنخیوں سے پر شور تھا۔ ہر اسناد اور شیخ اپنی ذات سے ایک دارالعلوم بنا ہوا تھا، جہاں شمع علم کے پروانے ہر چہار سمت سے آ کر اکٹھا ہو جاتے تھے۔

دوسری صدی ہجری کے اوائل میں مرکز اسلام بصرہ کی سب سے بزرگ اور پرکشش شخصیت امام حسن بصری کی تھی، جنہوں نے عثمانؓ و علیؓ، ابن عباسؓ و ابن عمرؓ، انس بن مالکؓ، جابر بن معاویہ، ابو موسیٰ اشعری، معقل بن یسار، عمران بن حصین اور ابی بکرہ وغیرہ رضی اللہ عنہم جیسے جلیل القدر صحابہ اور اساطین علوم نبوی کے دیدار سے اپنی آنکھوں کو روشن کیا تھا۔ امام حسن بصری نے صرف علم و فضل میں یکتائے روزگار تھے، بلکہ شجاعت و شہامت میں بھی یگانہ زمن تھے اور ربیع بن صبیحؓ ان دونوں کمالات میں اپنے بصری شیخ کا نفس ثانی تھے۔

اساتذہ:- حضرت ربیع بن صبیحؓ نے امام حسن بصریؓ سے خصوصی تلمذ رکھنے کے ساتھ دوسرے نادرہ عصر شیوخ سے بھی استفادہ کیا تھا، ان کے ساتھ اساتذہ کی طویل فہرست میں کبار تابعین کے نام بھی شامل ہیں، کچھ ممتاز اسمائے گرامی درج ذیل ہیں:

حسن بصری، ابن سیرین، مجاہد بن جبیر، عطاء بن ابی رباح (۱) حمید الطویل، ابوالزبیر ابو غالب، ثابت البنانی، (۲) یزید رقاشی، قیس بن سعد۔ (۳)

تلامذہ:- خود امام ربیع کے چشمہ علم سے جو تشنگان علوم سیراب ہوئے ان میں اس عہد کے ہر علم و فن کے مشاہر ائمہ شامل ہیں، جن میں سے کچھ یہ ہیں:

عبداللہ بن المبارک، کعب بن الجراح، ابوداؤد طیالسی، آدم بن ابی ایاس، عاصم بن علی (۴)، سفیان ثوری، عبدالرحمن بن مہدی، ابونعیم، ابوالولید الطیالسی۔ (۵)

فضائل و مناقب:- ربیع بن صبیحؓ زمرہ اتباع تابعین میں بہت نمایاں اور ممتاز مقام رکھتے تھے، علامہ سید سلیمان ندوی اور بعض دوسرے محققین نے انہیں ”محدث تابعی“ بتایا ہے۔ غالباً یہ شبہ ان کی علمی جلالت اور بلندی شان کی وجہ سے پیدا ہوا ہے، ورنہ فی الحقیقت کسی صحابی سے ان کا لقا ثابت نہیں ہے۔

تقریباً تمام ائمہ اور اہل فن نے ربیع کے علم و فضل اور اوصاف و کمالات کا اعتراف کیا ہے۔ چنانچہ امام ابو زرعدان کے بارے میں فرماتے ہیں:

شیخ صالح صدوق (۶)

(۱) خلاصہ تہذیب الکمال خزرجی صفحہ ۱۱۵۔ (۲) تہذیب التہذیب ج ۳ صفحہ ۲۴۶۔ (۳) کتاب الجرح والتعديل ج ۱ صفحہ ۴۶۲۔ (۴) تہذیب التہذیب ج ۳ صفحہ ۲۴۷۔ (۵) کتاب الجرح والتعديل ج ۱ صفحہ ۴۶۲۔ (۶) تہذیب التہذیب ج ۳ صفحہ ۲۴۸

بچے اور نیک بزرگ تھے۔

امام شعبہؒ کا قول ہے:

ربیع سید من سادات المسلمین

”امام ربیع مسلمانوں کے پیشواؤں میں سے ایک ہیں۔“

حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں:

كان عابداً مجاهداً

وہ عابد اور مجاہد تھے۔

ابو حاتمؒ کا بیان ہے:

رجل صالح والمبارک احب الی منه

”ربیع نیک انسان تھے، البتہ ان کے مقابلہ میں، میں مبارک کو زیادہ محبوب رکھتا ہوں۔“

ابوالولیدؒ کہتے ہیں:

ما تكلم احد فيه الا والربيع فوقه (۱)

جس شخص نے بھی ربیع کے بارے میں کلام کیا ہے، وہ اس سے بلند مرتبہ نہیں۔

بشر بن عمرؒ کہتے ہیں کہ میں امام شعبہؒ کی خدمت میں حاضر ہوا تو وہ فرما رہے تھے:

ان في الربيع خصالا لا تكون في الرجل واحدة منها

بلاشبہ ربیع بہت سی ایسی خوبیوں کے مالک ہیں جن میں کوئی ایک بھی دوسرے میں نہیں پائی

جاتی۔

ثقاہت:۔ ائمہ دین کی کثیر تعداد نے امام ربیعؒ کی ثقاہت و عدالت کی شہادت دی ہے۔ امام

احمد بن حنبلؒ کے صاحبزادے عبد اللہؒ بیان کرتے ہیں کہ میں نے ایک دفعہ اپنے والد سے ربیع

بن صبیحؒ کے متعلق دریافت کیا تو انہوں نے فرمایا:

لا باس به رجل صالح (۲)

ان سے روایت کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں، نیک آدمی ہیں۔

ابن معینؒ کا بیان ہے:

ليس به بأس

(۱) کتاب الجرح والتعديل ج ۸ صفحہ ۴۸۴۔ (۲) خلاصہ تہذیب الکمال صفحہ ۱۱۵

ان سے روایت کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

امام ابن عدی کا قول ہے:

له احادیث صالحة مستقيمة ولم أر له حديثاً منكراً وارجوا انه لا بأس به

ولا بروایاته (۱)

”ان کی حدیثیں بالکل درست ہیں اور مجھے ان کی کسی منکر حدیث کا علم نہیں۔ میرا خیال ہے کہ ان سے روایت کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔“

علاوہ ازیں ربیع بن صبیحؓ کی عدالت اور ثقاہت کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ امام جرح و تعدیل عبدالرحمن بن مہدیؒ بھی ان سے روایت کرتے ہیں۔ چنانچہ عمر بن علی کا قول ہے کہ:

كان عبدالرحمن بن مہدی يحدث عن الربيع بن صبيح

”عبدالرحمن بن مہدی بھی امام ربیع بن صبیح سے روایت حدیث کرتے ہیں۔“

علامہ ذہبیؒ نے بھی میزان میں ان سے روایت کی ہے۔

جرح:- ثقاہت کے بارے میں مذکورہ بالا تمام شہادتوں کے باوجود علماء نے ان کے بارے میں نقد و جرح کے الفاظ بھی استعمال کئے ہیں، اس کی وجہ غالباً یہ ہے کہ ان کی آخری زندگی مجاہدانہ سرگرمیوں اور غایت درجہ زہد و تقویٰ میں گزری اور انہوں نے بغیر تحقیق محض حسن ظن کی بناء پر ہر مرتبہ کے راویوں کو قبول کرنا شروع کر دیا تھا، اس کی بناء پر محدثین نے اصول روایت و درایت اور جرح و تعدیل کی رو سے ان میں کچھ کمی محسوس کی اور انہیں ربیع بن صبیحؓ کے بارے میں تعدیل کے ساتھ جرح کی بھی گنجائش مل گئی۔ چنانچہ یحییٰ ابن معینؒ فرماتے ہیں:

هو عندنا صالح وليس بالقوى

”وہ ہمارے نزدیک نیک آدمی تھے، مگر قوی نہیں تھے۔“

انام شافعی کا بیان ہے:

كان الربيع بن صبيح رجلاً غزاً و اذا مدح الرجل بغير ضاعته نقد وهض

یعنی دق (۲)

”ربیع بہت بڑے غازی تھے اور جب وہ فن حدیث سے غیر متعلق شخص کی تعریف کرتے تو

اسے ختم ہی کر دیتے تھے۔“

(۱) تہذیب التہذیب ج ۲ صفحہ ۲۳۸۔ (۲) کتاب الجرح والتعدیل ج ۱ صفحہ ۴۶۵۔

ابن حبان کے زہد و تقویٰ کو خراج تحسین پیش کرنے کے بعد رقمطراز ہیں:

ان الحدیث لم یکن من ضاعته و کان یہم فیما یروی کثیراً حتی وقع فی

حدیثہ المناکیر من حیث لای شعر لایعجبنی الاحتجاج بہ اذا نفرد (۱)

”بلاشبہ حدیث ان کا فن نہ تھا، انہیں روایت حدیث میں وہم بہت زیادہ ہوتا تھا۔ حتیٰ کہ غیر شعوری طور پر ان کی حدیث منکر ہو جاتی تھی۔ ان کے منفرد ہونے کی حالت میں ان کی روایت کو دلیل بنانا پسند نہیں کرتا۔“

حاکم کا قول ہے:

لیس بالمتین عندہم (۲)

”وہ محققین کے نزدیک قوی نہیں تھے۔“

ان کے علاوہ اور بھی دوسرے ائمہ نے ربیعؓ پر جرح و نقد کیا ہے، لیکن یہ سب کچھ ان کے فضل و کمال اور ثقاہت و عدالت کو تسلیم کرنے کے بعد ہے اور جیسا کہ مذکور ہوا، روایت میں یہ تمام ضعف ربیع بن صبیحؓ کے آخری عمر کے بعض مخصوص حالات کا نتیجہ تھا۔

عبادت گزاری اور زہد و ورع:۔ کثرت عبادت، زہد و ورع اور تضرع و الحاح میں بھی حضرت ربیعؓ منفرد حیثیت رکھتے تھے۔ ابن حبانؒ نے لکھا ہے کہ:

کان من عباد اهل البصرة وزهادهم یشبه بیتہ باللیل بیت النحل من کثرة

التہجد (۳)

”ربیع بصرہ میں سب سے زیادہ عبادت گزار اور صاحب ورع تھے، کثرت تہجد کی بناء پر ان کا گھر شب میں شہد کی مکھی کا چھتہ بن جاتا تھا۔“

عقیل کہتے ہیں کہ:

بصری سید من سادات المسلمین

امام احمد، ابن شیبہ اور ابو حاتم انہیں ”رجل صالح“ کہتے ہیں، ابن خدّاش کا یہ قول گزر چکا ہے کہ:

هو فی ہدیہ رجل صالح

ربیع اپنی سیرت میں نیک آدمی تھا۔

(۱) تہذیب التہذیب ج ۳ صفحہ ۲۲۸۔ (۲) کتاب الجرح والتعدیل ج ۱ صفحہ ۲۲۵۔ (۳) تہذیب التہذیب ج ۳ صفحہ ۲۲۸

بصرہ کے پہلے مصنف :- اسلامی علوم و فنون کو جن ائمہ نے سینوں سے سفینوں میں منتقل کیا ان میں ربیع بن صبیح کو شرف اولیت حاصل ہے۔ بعض محققین نے انہیں اسلام کی پہلی صاحب تصنیف شخصیت قرار دیا ہے۔ چنانچہ کاتب چلبی رقمطراز ہے:

ہول اول من صنف فی الاسلام (۱)

”وہ اسلام میں پہلے مصنف ہیں۔“

مگر بعض دوسرے بیانات سے اس کی تردید ہوتی ہے۔ صاحب کشف الظنون نے لکھا ہے کہ ایک قول کے مطابق اسلام میں سب سے پہلی تصنیف کتاب ابن جریج ہے اور ایک دوسرے قول میں موطا امام مالک کو اس شرف کا حامل قرار دیا گیا ہے۔

حقیقت واقعہ یہ ہے کہ دوسری صدی ہجری کے وسط میں علوم اسلامیہ کی تدوین کا کام شروع ہوا اور ہر مقام کے ائمہ فن اور اساتذہ علم نے حدیث کو کتابی شکل میں مرتب کیا اور اس طرح سرزمین بصرہ میں یہ شرف سب سے پہلے حضرت ربیع بن صبیح کو حاصل ہوا۔ (۲) علامہ ذہبی رقمطراز ہیں:

قال الراہر مزی اول من صنف وبوب بالبصرة الربیع بن صبیح ثم سعید

بن ابی عروبہ وعاصم بن علی (۳)

”راہر مزی کا قول ہے کہ بصرہ میں جس نے سب سے پہلے تصنیف و تالیف کا کام کیا وہ ربیع بن صبیح ہیں، اس کے بعد سعید بن ابی عروبہ اور پھر عاصم بن علی۔“

حافظ ابن حجرؒ نے بھی فتح الباری میں یہی لکھا ہے اور خلیفہ چلبی نے بھی تدوین حدیث کا ذکر کرتے ہوئے اسی کی تائید کی ہے۔ نیز حاجی خلیفہ کے بیان سے یہ بات بھی منکشف ہو جاتی ہے کہ اسلام میں سب سے پہلی تصنیف تو کتاب ابن جریج یا موطا امام مالک ہے، لیکن بصرہ میں سب سے پہلے مصنف ربیع بن صبیح ہیں۔ چنانچہ کشف الظنون میں ہے:

وقیل اول من صنف وبوب الربیع بن صبیح بالبصرة ثم انتشر جمع

الحديث وتدوينه وتسطيره في الاجزاء والكتب (۴)

کہا جاتا ہے بصرہ میں سب سے پہلے ربیع بن صبیح نے تصنیف و تبویب کا کام کیا، پھر احادیث کی تدوین اور کتابوں کی شکل میں ان کی اشاعت عام ہو گئی۔

(۱) کشف الظنون ج ۱ صفحہ ۲۲۳۔ (۲) تہذیب التہذیب ج ۱ صفحہ ۲۲۸۔ (۳) میزان الاعتدال ج ۱ صفحہ ۲۳۲۔

(۴) کشف الظنون ج ۱ صفحہ ۲۲۳

شجاعت و بہادری:- حضرت ربیع بن صبیحؓ اپنے لائق فخر استاذ امام حسن بصریؒ کی طرح علم و فضل کے ساتھ شجاعت، مجاہدہ اور اسلامی حمیت میں بھی مفقود النظر تھے، بصرہ کے قریب ابادان نامی ایک مقام ان کی عملی سرگرمیوں کا مرکز تھا جہاں اس زمانہ میں اولیاء اللہ کی ایک بڑی جماعت عملی دنیا آباد کئے ہوئے تھی۔ ربیع بن صبیحؓ کی مجاہدانہ حیثیت کے بارے میں امام شافعیؒ کی یہ شہادت گزر چکی کہ:

کان ربیع بن صبیح رجلاً غزاً (۱)

”ربیع بن صبیح بہت بڑے غازی تھے۔“

علاوہ ازیں امام شعبہؒ نے شجاعت میں ان کے مرتبہ کو اخف بن قیس سے بھی بلند تر قرار دیا ہے، حضرت اخف بن قیس کی شخصیت وہ ہے جو اپنے زمانے میں بہادری اور جوانمردی کے لئے ضرب المثل بن چکی تھی، انہوں نے اپنی شجاعت کے بہت سے نمایاں ثبوت دیئے تھے، ان کی اس جلالت مرتبت کے باوجود امام شعبہؒ کا قول ہے کہ:

لقد بلغ الربیع مالم يبلغ لاحنف بن قیس یعنی فی الارتفاع (۲)

”ربیع کا مرتبہ اخف بن قیس سے بلند تر تھا۔“

علامہ بلاذریؒ کا بیان ہے کہ ربیع بصرہ کے عوام سے چندہ وصول کرتے اور پھر رضا کاروں کو لے کر ابادان میں اسلامی سرحدوں کی حفاظت کی خدمت انجام دیا کرتے تھے۔

جمع مالا من اهل البصرة فحصن به عبادان و رابط فيها (۳)

”ربیع نے اہل بصرہ سے چندہ کر کے عبادان کی قلعہ بندی کی اور اس کی مرابطت کی خدمت انجام دی۔“

جنگ ہندوستان میں شرکت:- عہد بنی عباس میں جب مہدی اورنگ خلافت پر متمکن ہوا تو اس نے عرب تاجروں کی شکایت پر ہندوستان پر فوج کشی کا ارادہ کیا، اس جنگ کی تفصیلات طبری اور ابن کثیر وغیرہ مؤرخین نے اپنی کتابوں میں دی ہیں۔

خلیفہ مہدی نے عبد الملک بن شہاب کی قیادت میں ایک جنگی بیڑہ آلات حرب اور اسلحوں سے لیس کر کے ہندوستان روانہ کیا جو ۱۶۰ ہجری میں باربد (جو بھاڑ بھڑوت کی تعریب ہے) پہنچا، بھاڑ بھڑوت صوبہ گجرات میں ضلع بھڑوچ سے سات میل جنوب میں ایک کچی بندرگاہ تھی، اس

(۱) کتاب الجرح والتعديل ج ۱ صفحہ ۳۶۵۔ (۲) میزان الاعتدال ج ۱ صفحہ ۲۳۳۔ (۳) فتوح البلدان صفحہ ۳۶۲

فوج میں ایک ہزار سے زائد رضا کار بھی شوق جہاد میں شریک تھے، محققین کے بیان کے مطابق والٹیرس کی اس کثیر جماعت کے افسر اعلیٰ ربیع بن صبیح تھے۔

بہر حال اس فوج نے بھاڑ بھڑوت پہنچنے کے دوسرے ہی دن جنگ شروع کر دی۔ گجراتیوں نے شہر میں گھس کر پھاٹک بند کر لئے، اسلامی فوج نے اس سختی سے محاصرہ کر لیا کہ وہ لوگ عاجز آ گئے، مجاہدین اسلام نے بزور شہر میں داخل ہو کر گجراتیوں سے دو بدو شدید جنگ کی اور بالآخر انہیں فتح و نصرت نصیب ہوئی، دشمنوں کے تمام آدمی کام آئے اور مجاہدین میں سے بیس سے کچھ زائد نے جام شہادت نوش کیا۔ (۱)

اس جنگ میں ربیع بن صبیح نے اپنے زیر قیادت رضا کاروں میں جہاد کا جوش اور ولولہ پیدا کرنے میں نمایاں کردار ادا کیا، اسی جوش اور جذبہ شہادت کا نتیجہ تھا کہ مجاہدین کے سیل رواں اور ان کے پر جوش حملوں کے سامنے آنے والی طاقت چور چور ہو گئی۔

وفات :- بھاڑ بھڑوت کی فتح کے بعد اسلامی فوج نے واپسی کے لئے رخصت سفر باندھا، لیکن اسی زمانہ میں سمندر میں طغیانی آ گئی، اس لئے مجاہدین کی فوری واپسی ممکن نہ ہو سکی اور انہیں سمندر پر سکون ہونے تک مجبوراً وہیں قیام کرنا پڑا۔ سوء اتفاق سے عین اسی وقت ”حمام قر“ نام کی ایک وباء پھوٹ پڑی، یہ مہلک مرض منہ میں ہوتا تھا اور ایسا زہریلا تھا کہ جلد ہی موت کے آغوش میں پہنچا دیتا تھا، چنانچہ اس بیماری سے ایک ہزار مجاہدین لقمہ اجل بن گئے، عام محققین کے بیان کے مطابق انہی شہید ہونے والوں میں حضرت ربیع بن صبیح بھی تھے۔ (۲)

مورخین نے بالاتفاق اس وباء کے پھیلنے اور اس سے مرنے والوں کا ذکر ۱۶۰ ہجری کے واقعات میں کیا ہے۔ علامہ ابن سعد نے لکھا ہے کہ ربیع بن صبیح کی تدفین جزائر بحر الہند میں سے کسی جزیرہ میں ہوئی، چنانچہ طبقات میں ہے:

خرج غازياً الى الهند فمات فدفن في جزيرة من الجزائر بسنة ۱۶۰ في اول خلافة من اهل البصرة كان معه (۳)

”وہ ہندوستان غازی کی حیثیت سے آئے اور وہیں انتقال فرما کر ۱۶۰ ہجری میں کسی جزیرہ میں مدفون ہوئے۔ وہ مہدی کی خلافت کا ابتدائی زمانہ تھا۔ یہ تفصیل مجھے بصرہ کے ایک شخص نے بتلائی جو جنگ میں ان کے ساتھ شریک تھا۔“

(۱) طبری ۶۶ صفحہ ۲۵۳ و ابن اثیر ج ۶ صفحہ ۳۱۔ (۲) البدایہ والنہایہ جلد ۹ صفحہ ۱۳۲۔ (۳) طبقات ابن سعد ج ۲ صفحہ ۴۶

اس روایت کا پایہ استناد اس سے ظاہر ہے کہ علامہ ابن سعد نے اسے بصرہ کے ایک ایسے شخص سے سنا ہے جو جنگ بھاڑ بھڑوت میں حضرت ربیع کے دوش بدوش شریک تھا، اس نے اپنا چشم دید بیان دیا ہے، اسی بناء پر علامہ بلاذری نے بھی ابن سعد کے مذکورہ بالا بیان کی تائید کی ہے، وہ لکھتے ہیں:

وكان خرج غازياً الى الهند في البحر فمات فدفن في جزيرة من الجزائر في سنة ستين ومائة (۱)

”سمندری راستے سے وہ جہاد کرنے ہندوستان آئے اور وہیں ۱۶۰ ہجری میں انتقال کر کے کسی جزیرہ میں دفن ہوئے۔“

ان دونوں بیانات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ربیع کی وفات بھاڑ بھڑوت میں نہیں ہوئی، بلکہ وبا کے پھیلنے کے بعد وہ قریب کے کسی جزیرہ میں چلے گئے۔ (۲) اور وہیں وفات و تدفین ہوئی۔ گو کہ حضرت ربیع کے جائے وفات اور مدفن کی تعیین میں اختلاف ہے، تاہم یہ بات بہر حال مسلم ہے کہ ان کی وفات ۱۶۰ ہجری میں ہندوستان میں ہوئی اور یہیں کہیں مدفون بھی ہوئے۔ والعلم عند اللہ۔

ابن عماد حنبلی رقمطراز ہیں:

وتوفي في غزوة الهند في الرجعة بالبحر الربيع بن صبيح البصري (۳)

”جنگ میں بحری راستے سے واپسی کے وقت ۱۶۰ ہجری میں ربیع کا انتقال ہوا۔“

اولاد:- ربیع کی جسمانی یادگار میں دو صاحبزادوں اور لڑکی کا ذکر ملتا ہے، لڑکوں کے نام عبیدہ بن ربیع بن صبیح اور سلیمان بن ربیع ہندی ہیں، جو علم و فضل میں خود بھی بلند مرتبہ رکھتے تھے۔ (۴) صاحبزادی کا نام نہیں معلوم لیکن ابو حاتم نے محدث اسحاق بن عباد کو ربیع کا نواسہ بتلایا ہے اور انہیں ابن ابیہ ربیع لکھا ہے، جس سے علم ہوتا ہے کہ حضرت ربیع کی ایک لڑکی بھی تھی۔

(۱) فتوح البلدان صفحہ ۳۶۲۔ (۲) بعض لوگوں نے ربیع کا مدفن ضلع تھانہ (بمبئی) قرار دیا ہے۔ (۳) شذرات الذهب

ج ۳۰۹ صفحہ ۳۰۹۔ (۴) کتاب الانساب للسمعانی ورق ۳۷۹

حضرت روح بن عبادہ رحمۃ اللہ علیہ

نام و نسب :- روح نام اور ابو محمد کنیت تھی، نسب نامہ یہ ہے:

روح بن عبادہ بن العلاء بن حسان بن عمرو (۱)، بنو قیس بن ثعلبہ سے خاندانی نسبت حاصل تھی، اسی لئے ثعلبی مشہور ہوئے۔ (۲)

فضل و کمال :- حضرت ابن عبادہ حدیث نبوی کے مشہور و ممتاز حفاظ میں شمار کئے جاتے ہیں۔ نامور تابعین اور اتباع تابعین کے فیضانِ صحبت سے بہرہ ور ہو کر خود بھی علم و فضل کے اعلیٰ مرتبہ پر فائز ہوئے، بدو شعور سے لے کر تافس واپس حدیث کے درس اور اس کے اسرار و رموز کی نقاب کشائی میں مصروف رہے، ابن المدینی فرماتے ہیں:

لم یزل روح فی الحدیث منذ نشاء (۳)

”وہ پیدائش سے لے کر برابر حدیث میں مشغول رہے۔“

ہزاروں حدیثیں ان کے حافظہ کے خزانہ میں محفوظ تھیں، حافظ ذہبی نے علی بن المدینی کا یہ بیان نقل کیا ہے کہ ”روح بن عبادہ نے ایک لاکھ حدیثیں روایت کی ہیں۔ میں ان میں سے صرف دس ہزار احادیث کی کتابت کر سکا۔“ (۴)

حضرت ابن ابی شیبہ کا قول ہے:

کان روح ابن عبادۃ کثیر الحدیث جداً (۵)

”روح بن عبادہ بہت کثیر الحدیث تھے۔“

علامہ ذہبی ان کے فضل و کمال کا اعتراف کرتے ہوئے میزان الاعتدال میں رقمطراز ہیں:

ثقة مشہور حافظ من علماء اہل البصرۃ (۶)

وہ علماء اہل بصرہ میں بہت مشہور ثقہ حافظ تھے۔

حضرت علی بن عبد اللہ بیان کرتے ہیں:

من المحدثین قوم لم یزالو فی الحدیث لم یشغلوا عنہ نشاء وانطلبوا ثم

صنفوا ثم حدثوا منهم روح بن عبادۃ (۷)

(۱) اللباب فی تہذیب الانساب ج ۳ صفحہ ۱۱۶۔ (۲) ابن سعد ج ۷ صفحہ ۵۰۔ (۳) میزان الاعتدال ج ۱ صفحہ ۳۳۳۔ (۴) تذکرۃ

الحفاظ ج ۳ صفحہ ۳۲۰۔ (۵) تذکرۃ الحفاظ، صفحہ ۳۲۱۔ (۶) میزان الاعتدال ج ۱ صفحہ ۳۳۳۔ (۷) تہذیب التہذیب ج ۳ صفحہ ۲۹۳

محدثین میں کچھ ایسے بھی گذرے ہیں جو برابر حدیث میں منہمک رہے، نشوونما پانے کے بعد حدیث حاصل کی، اس میں تصنیف و تالیف کی، پھر درس و تدریس کا سلسلہ قائم کیا، انہی میں حضرت روح بن عبادہؒ بھی تھے۔

شیوخ و تلامذہ :- امام روح بن عبادہ نے ابن عون، سعید بن عروبہ، اوزاعی، امام مالک، سفیان ثوری شعبہ، حسین المعلم، ایمن بن نابل، ابن جریج، ابن ابی ذئب اور حجاج بن ابی سفیان جیسے ائمہ حدیث سے اکتساب فیض کیا اور خود ان سے روایت کرنے والوں میں امام احمد، اسحاق بن راہویہ، علی بن المدینی، بشر بن موسیٰ، ابو خثیمہ، ابو قتادہ، بندار، ابن نمیر، عبد اللہ الحمندی، احمد بن منیع، حارث بن اسامہ وغیرہ کے اسمائے گرامی لائق ذکر ہیں۔ (۱)

مرویات کا پایہ :- فن حدیث کے ماہر اور جلال و انساب کے نکتہ شناس علماء کی غالب تعداد امام روحؒ کی ثقاہت و صداقت کی معترف ہے۔ یحییٰ بن جیسے جلیل القدر محدث کا قول ہے کہ:

لیس بن بأس صدوق حدیثہ یدل علی صدقہ

”خرج نہیں ہے، وہ صدوق ہیں اور ان کی روایت ان کی صداقت پر دل ہے۔“

حضرت محمد بن عمر فرماتے ہیں کہ میں نے ابن معین سے ایک بار کہا، عام خیال ہے کہ ابن سعید القطان نے امام روح کی ثقاہت کے بارے میں کلام کیا ہے، انہوں نے فرمایا کہ یہ صریح بہتان ہے، ابن قطانؒ نے قطعی کلام نہیں کیا ہے، روح بن عبادہؒ بلاشبہ صدوق ہیں۔ (۲)

اسی طرح خطیب ابن ابی حاتم، ابن ابی خثیمہ، ابو عاصم، امام دارمی اور ابن سعد نے بھی ان کی مرویات کو بلند پایہ اور قابل حجت قرار دیا ہے، امام ابوبکر البزازی اپنی مسند میں رقمطراز ہیں۔

”روح بن عبادہ ثقة مأمون“ ابن ناصر الدین فرماتے ہیں:

ابو محمد روح بن عبادہ ثقة مکثر مفسر (۳)

”ابو محمد روح بن عبادہ ثقہ کثیر الحدیث اور مفسر تھے۔“

بعض علماء نے ان کی ثقاہت کے بارے میں کلام بھی کیا ہے، حافظ ذہبیؒ کی رائے ہے کہ ان کا دعویٰ بلا دلیل ہونے کی وجہ سے ناقابل قبول ہے۔ (۴)

تصنیف :- بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ امام روحؒ نے تفسیر و حدیث میں متعدد کتابیں

(۱) تذکرۃ الحفاظ ج ۱ صفحہ ۳۲۰ و تہذیب ج ۳ صفحہ ۲۹۳۔ (۲) تہذیب ج ۳ صفحہ ۲۹۳۔ (۳) شذرات الذہب ج ۲ صفحہ

۱۳۔ (۴) خلاصہ تہذیب تہذیب الکمال صفحہ ۱۱۸

تصنیف کی ہیں۔

صنف الكتب في السنن والاحكام والتفسير (۱)
سنن، احکام اور تفسیر میں انہوں نے کئی کتابیں تصنیف کی ہیں۔
لیکن اس سلسلہ میں مزید کوئی وضاحت نہیں ملتی، اور نہ ان کی کسی تالیف کے مخطوطہ کا پتہ چلتا ہے۔

وفات :- باختلاف روایت جمادی اولیٰ ۲۰۵ ہجری یا ۲۰۷ ہجری میں رحلت فرمائی، حافظ ابن حجرؒ نے اول الذکر کو اصح قرار دیا ہے۔ (۲) ۹۰ سال کے قریب عمر پائی۔

(۱) تہذیب التہذیب ج ۳ صفحہ ۲۹۵۔ (۲) العمر فی خبر من غمر ج ۱ صفحہ ۳۲۷

زکریا بن ابی زائدہ رحمۃ اللہ علیہ

نام و نسب :- نام زکریا اور ابو یحییٰ کنیت تھی، پورا نسب نامہ یہ ہے:

زکریا بن ابی زائدہ خالد بن میمون بن فیروز، ایک دوسرے قول کے مطابق ان کے والد ابو زائدہ کا نام ہبیرہ تھا، عمرو بن عبد اللہ الوداعی سے نسبت ولاء رکھتے تھے، وداعہ قبیلہ ہمدان کی ایک شاخ ہے، اسی بناء پر زکریا بن ابی زائدہ الوداعی اور الہمدانی کہے جاتے ہیں۔ (۱) علامہ ابن سعد نے ابی زائدہ کو عمرو بن عبد اللہ کے بجائے محمد بن الحنفیہ ہمدانی کا غلام بتایا ہے۔ (۲)

فضل و کمال :- علم و فضل کے اعتبار سے وہ زمرہ اتباع تابعین میں شمار کئے جاتے ہیں۔ ان کی جلالت مرتبت کا اندازہ اسی سے ہو سکتا ہے کہ ان کے صاحبزادے یحییٰ بن زکریا بھی اپنے والد کے فیض صحبت سے بہرہ ور ہو کر خود بھی اتباع تابعین میں بلند مرتبہ ہوئے، حدیث و فقہ میں مہارت تامہ رکھتے تھے۔

حدیث :- حافظ ابن حجرؒ نے ان کا شمار طبقہ سادسہ کے محدثین میں کیا ہے اور اہل نظر سے مخفی نہیں کہ اخبار و صلحاء امت کا یہ وہ طبقہ ہے، جنہوں نے صحابہ کرام اور تابعین عظام کے چراغوں سے اپنے دلوں کی دنیا منور کی تھی، انہوں نے اپنے گرد و پیش کی پوری فضا کو قال اللہ و قال الرسول ﷺ کے سرمدی نعموں سے گونجتا پایا تھا، چنانچہ یحییٰ بھی اس معدنِ علم سے کندن بن کر نکلے، انہوں نے اس علمی ماحول سے پوری طرح استفادہ کیا تھا اور سرمد آرائے روزگار ائمہ سے حدیث و فقہ کی تحصیل کی تھی۔

حضرت زکریا کو مشہور تابعی ابواسحاق سبعمیؒ سے خصوصی تلمذ کا شرف حاصل تھا، ان کے علاوہ جن علماء سے انہوں نے اپنی علمی تشنگی فرو کی ان میں عامر الشعمی، فراس، سماک بن حرب سعد بن ابراہیم، خالد بن سلمہ، مصعب بن شعبہ، عبد الملک بن عمیر کے اسمائے گرامی ممتاز ہیں۔ (۳)

تلامذہ :- خود زکریا بن ابی زائدہ کے خرمین علم سے خوشہ چینی کرنے والوں میں ان کے صاحبزادے یحییٰ کے علاوہ سفیان ثوری، شعبہ عبد اللہ بن مبارک، عیسیٰ بن یونس، یحییٰ بن سعید القطان، وکیع بن الجراح، ابواسامہ ابو نعیم جیسے اکابر شامل ہیں۔

(۱) تہذیب المعجم ج ۳ صفحہ ۳۲۹۔ (۲) طبقات ابن سعد ج ۶ صفحہ ۲۲۷۔ (۳) خلاصہ تہذیب و تہذیب الکمال

ثقاہت اور تدلیس:- ان کی عدالت و ثقاہت کے بارے میں محققین مختلف رائے ہیں۔ (۱) تاہم انہیں ضعیف کسی نے بھی قرار نہیں دیا ہے، زیادہ سے زیادہ بعض علماء نے ان کی طرف تدلیس کی نسبت کی ہے، یعنی اپنے شیخ کا ذکر کئے بغیر براہ راست اوپر کے راوی سے حدیث بیان کر دیتے ہیں۔ ناقدین فن کے نزدیک یہ چیز ایک عیب تصور کی جاتی ہے، لیکن احناف کے نزدیک ثقات کی مدلس روایات مقبول ہیں، جیسا کہ حضرت زکریا کی ثقاہت مسلم ہے۔

علماء کی ایک بڑی جماعت نے انہیں ثقہ اور صدوق قرار دیا ہے، علامہ ابن سعد لکھتے ہیں ”کان ثقة کثیر الحدیث“ (۲) حافظ ذہبی انہیں صدوق مشہور حافظ کہتے ہیں۔ (۳)

امام احمد ابو داؤد نے بھی تصدیق کی ہے۔ (۴) امام نسائی، یعقوب بن سفیان اور ابوبکر البرز از بھی ان کی ثقاہت کے معترف ہیں۔ (۵) مزید برآں ابن حبان نے کتاب الثقات میں ان کا بہت نمایاں ذکر کیا ہے۔ (۶)

افتاء و قضاء ست:- فقہ و حدیث میں عبور کلی کے ساتھ افتاء و قضاء پر بھی کامل قدرت حاصل تھی۔ اس بناء پر کوفہ کی مسند قضا کی بھی زینت بنے، ابن قانع کا بیان ہے:

”کان قاضياً بالكوفة“ (۷)

علماء کی آراء:- حضرت زکریا کی جلالت شان کا اعتراف ان کے معاصر اور بعد کے علماء دونوں نے کیا ہے، امام احمد کا قول ہے کہ جب ابواسحاق سبعی کی کسی روایت کے بارے میں ان کے شاگردان رشید زکریا اور اسرائیل میں اختلاف رائے پیدا ہو جائے تو میرے نزدیک زکریا کا قول مرجع ہوگا، ابن معین کہتے ہیں کہ زکریا مجھے ہر چیز میں سب سے زیادہ محبوب ہیں۔

عجلی کا بیان ہے کہ وہ ثقہ تھے، لیکن انہوں نے ابواسحاق سبعی سے ان کی آخری زندگی میں سماعت کی تھی، جبکہ انسان کے دماغی و ذہنی قوی انحطاط پذیر ہو جاتے ہیں، اس لئے محدثین اس زمانہ حیات کی روایتوں کو بلند رتبہ نہیں دیتے، چنانچہ ائمہ فن نے حضرت زکریا کی ثقاہت کا اعتراف کرنے کے باوصف ان کی ان روایات کی کمزوری کی طرف بھی اشارہ کیا ہے۔ (۸)

وفات:- باختلاف روایت ۱۴۸ ہجری یا ۱۴۹ ہجری میں اس دنیا سے فانی ہوئے رحلت فرمائی۔ (۹)

(۱) میزان الاعتدال للذہبی ج ۱ صفحہ ۳۴۹ و تہذیب التہذیب ج ۳ صفحہ ۳۲۳۔ (۲) طبقات ابن سعد ج ۶ صفحہ ۲۲۷۔ (۳) میزان

الاعتدال ج ۱ صفحہ ۳۴۹۔ (۴) خلاصہ تہذیب التہذیب الکمال۔ (۵) تہذیب التہذیب ج ۳ صفحہ ۳۳۰۔ (۶) ایضاً۔

(۷) ایضاً۔ (۸) یہ تمام اقوال حافظ ابن حجر کی تہذیب التہذیب ج ۳ صفحہ ۳۳۰ سے ماخوذ ہیں۔ (۹) طبقات ابن سعد ج ۶ صفحہ ۲۲۷

حضرت زائدہ بن قدامہ رحمۃ اللہ علیہ

نام و نسب :- زائدہ نام ابو الصلت کنیت اور باپ کا نام قدامہ تھا (۱) اس کے بعد کا سلسلہ نامعلوم ہے، بنو ثقیف سے نسبت ولا رکھنے کی بناء پر ثقفی اور اپنے مولد و موطن کوفہ کی طرف منسوب ہو کر کوئی کہلاتے ہیں۔

علم و فضل :- علمی حیثیت سے بلند پایہ اتباع تابعین کی جماعت میں کئی حیثیتوں سے بہت ممتاز تھے، علامہ خزر جی احد الاعلام اور حافظ ذہبی امام و حجت کے الفاظ سے ان کا ذکر کرتے ہیں۔ (۲) حدیث میں ان کے تبحر اور کمال کا یہ عالم تھا کہ امام احمدؒ فرماتے ہیں۔ ”اگر تم زائدہ سے مروی کوئی حدیث سن لو تو پھر اس کی کوئی پرواہ اور غم نہ کرو کہ تمہیں کسی دوسرے راوی سے سماع حاصل نہیں، یعنی زائدہ کی روایت ہی مستند ترین اور کافی ہے۔

حدیث :- زائدہ نے اپنے وقت کے بہت سے نادرہ روزگار ائمہ و شیوخ سے حدیث کی تحصیل اور اس میں مہارت حاصل کی تھی، انہیں جن فضلاء نے زمن سے فیض و صحبت اور اکتساب علم کی سعادت نصیب ہوئی، ان میں ابو اسحاق سبعمی عبد الملک بن عمیر، سلیمان التیمی، اسماعیل بن ابی خالد، اسماعیل السدی، حمید الطویل، زیاد بن علاقہ، سماک بن حرب، شعیب بن غرقہ، ہشام بن عروہ، اعمش اور ہشام بن حسان جیسے نامور علماء شامل ہیں۔ (۳)

تلامذہ :- ان کے خوشہ چینیوں کی تعداد بھی کثیر ہے، جن میں سے مشہور و ممتاز تلامذہ کے نام یہ ہیں۔ عبد اللہ بن مبارک، حسین بن علی الجعفی، عبد الرحمن بن مہدی، سفیان بن عیینہ ابو اسحاق الفزازی، طلق بن غنام، معاویہ بن عمر، ابو نعیم، احمد بن یونس۔ (۴)

روایت میں احتیاط :- حدیث میں بایں ہمہ تبحر و کمال کے حضرت زائدہ بن قدامہ روایت کرنے میں غایت درجہ محتاط تھے، وہ رواۃ حدیث کی ثقاہت و عدالت اور دوسرے احوال زندگی کی تحقیق و تفتیش میں بڑے ژرف نگاہی کا ثبوت دیتے اور چھان بین کے بعد جب راوی کی زندگی مثل آئینہ بے داغ اور شفاف نظر آتی جب ہی ان کی روایت کو شرف قبول بخشتے تھے، اس خصوصیت کی بناء پر ان کی تمام مرویات اعلیٰ درجہ کی ہیں۔ امام ابوداؤد طیالسی روایت حدیث میں

(۱) طبقات ابن سعد ج ۶ صفحہ ۲۶۳۔ (۲) خلاصہ تہذیب التہذیب الکمال صفحہ ۱۲۱ و تذکرۃ الحفاظ ج ۱ صفحہ ۱۹۴۔

(۳) تہذیب التہذیب ج ۳ صفحہ ۳۰۶۔ (۴) تہذیب التہذیب ج ۳ صفحہ ۳۰۶۔

ان کی اس فرط احتیاط کی نسبت خامہ ریز ہیں کہ:

کان لایحدث صاحب بدعة (۱)

وہ کسی اہل بدعت سے روایت نہیں کرتے تھے۔

علاوہ ازیں ان کے تلمیذ رشید سفیان بن عیینہ کا قول ہے کہ:

حدثنا زائدة بن قدامة وکان لایحدث قدریاً ولا صاحب بدعة (۲)

”زائدہ بن قدامہ نے ہم سے حدیث روایت کی ہے اور وہ کسی قدری یا بدعتی سے روایت نہیں کرتے تھے۔“

تثبیت و اتقان:۔ کسی حدیث کی صحت اور علو کے لئے راوی کا متقن اور مثبت ہونا بھی ضروری ہے، حضرت زائدہؒ اس صفت سے بھی بدرجہ اتم متصف تھے، علامہ ذہبیؒ اتقان میں انہیں امام شعبہؒ کا ہم پلہ قرار دیتے ہیں۔

کان من نظراء شعبۃ فی الاتقان (۳)

”وہ اتقان میں امام شعبہؒ کی نظیر تھے۔“

امام احمد کا قول ہے:

المثبتون فی الحدیث اربعة سفیان وشعبۃ وزهیر وزائدة (۴)

”حدیث شریف میں چار اشخاص بہت بلند مرتبہ تھے، سفیان، شعبہ، زہیر اور زائدہ بن قدامہ۔“

صداقت و عدالت اور ائمہ کا اعتراف:۔ تمام ائمہ و علماء اور ماہرین فن نے بالاتفاق حضرت زائدہؒ کی ثقاہت، عدالت اور صداقت کا اعتراف کیا ہے، چنانچہ ابو زرہؒ کا بیان ہے کہ صدوق من اهل العلم (۵)

ابو حاتم کہتے ہیں:

کان ثقة صاحب سنة وهو اهب الی من ابی عوانة (۶)

”وہ ثقہ محدث تھے اور میرے نزدیک ابو عوانہ سے زیادہ پسندیدہ تھے۔“

(۱) البحر فی خبر من طبع ج ۱ صفحہ ۲۳۶۔ (۲) تہذیب التہذیب ج ۳ صفحہ ۳۰۶۔ (۳) تذکرۃ الحفاظ ج ۱ صفحہ ۱۹۴۔

(۴) تہذیب التہذیب ج ۳ صفحہ ۳۰۶۔ (۵) ایضاً۔ (۶) البحر فی خبر من طبع ج ۱ صفحہ ۲۳۶ و خلاصہ تہذیب التہذیب

الکمال صفحہ ۱۳۱

ابن سعد رقمطراز ہیں:

كان ثقة مامونا صاحب سنة وجماعة (۱)
وہ ثقہ مامون اور صاحب سنت تھے۔

ابو اسامہ جنہیں حضرت زائدہؓ سے خصوصی تلمذ کا شرف حاصل تھا، اپنے شیخ کی صداقت اور صالحیت کے متعلق بصراحت بیان کرتے ہیں کہ وہ دنیا کے تمام لوگوں میں سب سے زیادہ سچے اور نیک انسان تھے، کان من اصدق الناس و ابراهم (۲)

علاوہ ازیں ابن حبان نے کتاب الثقات میں ان کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ کان من الحفاظ المتقین، امام دارقطنی، نسائی اور ابوداؤد الطیالسی نے بھی ان کو ثقہ اور صدوق تسلیم کیا ہے۔
وفات:۔ باختلاف روایت ۱۶۰ ہجری یا ۱۶۱ ہجری میں انتقال فرمایا، محمد بن عبد اللہ الحضری کا بیان ہے کہ ان کی وفات سرزمین روم میں کسی جہاد کے دوران ہوئی۔ (۳) اس کی تائید علامہ ابن سعد کے اس بیان سے بھی ہوتی ہے:

توفي زائدة بارض الروم عام غزالحسن بن قحطبة الصائفة سنة ستين
واحدى وستين ومائة (۴)

”زائدہ کی وفات ارض روم میں اس سال ہوئی جب صائفہ نے جنگ کی تھی، وہ ۱۶۰ ہجری یا ۱۶۱ ہجری تھا۔

علامہ خزرجیؒ نے مسطین کا یہ قول نقل کیا ہے:

مات زائدة غازياً بارض الروم سنة اثنتين وستين ومائة (۵)
زائدہ کی وفات ارض روم میں ۱۶۲ ہجری میں جنگ کرتے ہوئے ہوئی۔

(۱) طبقات ابن سعد ج ۶ صفحہ ۳۶۳۔ (۲) تذکرۃ الحفاظ ج ۱ صفحہ ۱۹۴۔ (۳) تہذیب التہذیب ج ۳ صفحہ ۳۰۷۔

(۴) طبقات ابن سعد ج ۶ صفحہ ۳۶۳۔ (۵) خلاصۃ تہذیب التہذیب الکمال صفحہ ۱۳۱

حضرت زہیر بن معاویہ رحمۃ اللہ علیہ

نام و نسب :- نام زہیر اور کنیت ابو خثیمہ (۱) تھی۔ نسب نامہ یہ ہے:

زہیر بن معاویہ بن حدیج بن الریحل بن زہیر بن خثیمہ بن ابی حمران الحارث بن معاویہ بن الحارث بن مالک بن عون بن سعد بن حریم بن جعفی بن سعد العشرہ بن مذحج۔ (۲)
ولادت اور وطن :- حضرت زہیرؓ کی پیدائش کوفہ میں ۱۰۰ ہجری میں ہوئی۔ (۳) عمر کے بیشتر حصہ میں وہیں علم و عمل کی روشنی پھیلانی، لیکن پھر ایک زمانہ کے بعد ۱۶۴ ہجری میں جزیرہ منتقل ہو کر وہیں سکونت اختیار کر لی اور وہیں وفات پائی۔ (۴)

فضل و کمال :- علمی اعتبار سے وہ کوفہ اور جزیرہ کے ممتاز علماء میں شمار کئے جاتے تھے۔ تثبت و اتقان اور حفظ و ثقاہت میں نہایت بلند مرتبہ تھے، علامہ خزرجی اور حافظ ذہبی انہیں کان احد الحفاظ الاعلام کے الفاظ سے یاد کرتے ہیں۔ (۵) سفیان بن عیینہ کا ارشاد ہے:

علیک بزہیر بن معاویہ فما بالكوفة مثله (۶)

”زہیر بن معاویہ کی صحبت اختیار کرو کوفہ میں ان کی مثال نہیں۔“

امام احمدؒ کا بیان ہے:

زہیر من معادن العلم (۷)

”زہیر علم کی کانوں میں سے ایک ہیں۔“

حدیث :- علم حدیث ہی حضرت زہیر بن معاویہؓ کا اصلی جولا نگاہ تھا، وہ ان ممتاز حفاظ حدیث میں تھے جنہوں نے اپنی پوری حیات مستعار اسی دشت کی سیاحی میں گزار دی، اسی بناء پر انہیں حدیث کی صحت و ضعف اور رجال کی جانچ پڑتال پر کامل عبور حاصل تھا۔

انہیں جن مشاہیر محدثین اور نادرہ روزگار علماء سے اکتساب علم کی سعادت نصیب ہوئی تھی، ان میں ابو اسحاق سبیعی، سلیمان التیمی، عاصم الاحول، اسود بن قیس، سلیمان الاعمش، سماک بن حرب، میمون بن مہران، موسیٰ بن عقبہ، ہشام بن عروہ، یحییٰ بن سعید الانصاری، زیاد بن علاقہ،

(۱) کتاب الکفی، الاسماء للذوالابی ج ۱ صفحہ ۱۶۶۔ (۲) طبقات ابن سعد ج ۶ صفحہ ۲۶۲۔ (۳) خلاصہ تہذیب تہذیب

الکمال صفحہ ۱۴۳۔ (۴) تذکرۃ الحفاظ ج ۱ صفحہ ۲۱۱۔ (۵) المعجم ج ۱ صفحہ ۲۶۳۔ خلاصہ تہذیب تہذیب الکمال صفحہ ۱۲۳۔

(۶) تہذیب التہذیب ج ۳ صفحہ ۳۵۱۔ (۷) تذکرۃ الحفاظ ج ۱ صفحہ ۲۱۱

عبدالکریم جزری اور زید بن جبیرؓ کے اسمائے گرامی لائق ذکر ہیں۔

اسی طرح ان سے مستفید ہونے والوں میں عبدالرحمن بن مہدی، یحییٰ بن سعید القطان، ابو داؤد الطیالسی، یحییٰ بن آدم، ابو نعیم، احمد بن یونس، یحییٰ بن یحییٰ التیمی، عمرو بن خالد اطرافی، عمرو بن عثمان الرقی، ہشیم بن جمیل الانطاکی، ہشیم بن القاسم جیسے علماء وائمہ شامل ہیں۔ (۱)

تثبت واتقان :- ان کے صحیفہ کمال کی سب سے نمایاں خصوصیت ان کی اعلیٰ پایہ کی ثقاہت و عدالت اور تثبت واتقان ہے اور یہ ثمرہ تھا حدیث میں ان کی طویل العمر ریاضت و جانکاہی کا، اس کمال میں ان کے ہم پلہ علماء کم ہی نظر آتے ہیں، معاذ بن معاذ حلفیہ کہا کرتے تھے:

والله ما كان سفیان باثبت من زهير فاذا سمعت الحديث من زهير فلا

ابالي ان لا اسمعه من سفیان (۲)

بخدا سفیان زہیر بن معاویہ سے زیادہ تثبت رکھتے تھے، جب زہیر سے کوئی حدیث سنتا تو پھر مجھے اس کی قطعی پرواہ نہیں ہوتی کہ میں اسے سفیان سے نہیں سن سکا۔

ابن حبان نے کتاب الثقات میں ان کے علم و فضل کو خراج تحسین پیش کرتے ہوئے لکھا ہے:

كان حافظاً متقناً وكان اهل العراق يقولون في ايام الثوري اذا مات

الثوري ففي زهير خلف وكانوا يقدمونه في الاتقان على غيره (۳)

وہ حافظ متقن تھے، اہل عراق سفیان ثوری کے زمانہ میں کہا کرتے تھے کہ اگر ثوری کا انتقال ہو گیا تو حضرت زہیر بن معاویہ کی شکل میں ہمیں ان کا جانشین مل گیا، اہل عراق انہیں دوسروں پر اتقان میں ترجیح دیتے تھے۔

حضرت ابن سعد رقمطراز ہیں:

وكان ثقة ثبت كثير الحديث (۴)

وہ ثقہ اور کثیر الحدیث تھے۔

اسی طرح دوسرے بہت سے علماء اور ماہرین جرح و تعدیل نے بلند الفاظ کے ساتھ ان کی توثیق کی ہے، ابو حاتم کہتے ہیں کہ زہیر بن معاویہ میرے نزدیک اسرائیل بن یونس سے بھی ہر

(۱) تہذیب التہذیب ج ۳ صفحہ ۳۵۱۔ (۲) تذکرۃ الحفاظ ج ۱ صفحہ ۲۱۱۔ (۳) تہذیب التہذیب ج ۳ صفحہ ۳۳۱۔

(۴) طبقات ابن سعد ج ۶ صفحہ ۲۶۲۔

چیز میں فائق و برتر ہیں، سوائے ابواسحاق سبعیؒ کی روایات کے، اس میں اسرائیل کا مرتبہ یقیناً بلند ہے، کیونکہ زہیرؒ نے ابواسحاق سبعیؒ سے سماع اس وقت حاصل کیا تھا، جب کبرسنی کی بناء پر سبعیؒ کا حافظہ مختلط ہو گیا تھا۔

لیکن علامہ ذہبیؒ نے لکھا ہے کہ اولاً تو نفس بات ہی صحیح نہیں ہے کہ ابواسحاق سبعیؒ کا حافظہ آخری عمر میں کمزور ہو گیا تھا۔ ما اختلط ابواسحاق ابداء، یہ ضرور ہے کہ اس زمانہ حیات کے سماع کا درجہ نسبتاً فروتر ہوتا ہے۔

وفات :- ۱۷۲ ہجری میں حضرت زہیر فاجؒ کا شکار ہوئے اور اس کے ایک ہی سال بعد جب ۱۷۳ ہجری میں ان کا رشتہ حیات منقطع ہو گیا، اس وقت خلیفہ ہارون الرشید، داد فرمانروائی دے رہا تھا۔

حضرت سعید بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ

نام و نسب :- سعید نام اور ابو محمد یا ابو العزیز کنیت ہے، نسب نامہ یہ ہے: سعید بن عبدالعزیز بن ابی یحییٰ، (۱) تنوخی خاندانی نسبت ہے، تنوخ ان قبائل کا نام ہے جو قدیم زمانہ میں بحرین میں آباد ہو گئے تھے اور باہمی تعاون کا حلف لے رکھا تھا، تنوخ کے لغوی معنی اقامت کے ہیں۔ (۲)

ولادت اور وطن :- ۹۰ ہجری میں پیدا ہوئے، اصلاً بحرین کے رہنے والے تھے، لیکن بدو شعور کے بعد عمر بھر شام کے پایہ تخت دمشق میں سکونت پذیر رہے، اس لئے دمشق بھی کہلاتے ہیں۔

فضل و کمال :- علمی اعتبار سے وہ شام کے بلند مرتبہ فقہاء و محدثین میں تھے، اجلہ تابعین سے اکتساب فیض کی سعادت نصیب ہوئی، قرآن، حدیث اور فقہ جملہ علوم کے جامع تھے، عبادت و ریاضت اور خوف و خشیت ان کی کتاب زندگی کے روشن ابواب ہیں۔

حاکم کہتے ہیں کہ تفقہ و دیانت اور علم و فضل کے اعتبار سے سعید بن عبدالعزیز کو شام میں وہی مقام حاصل تھا جو امام مالکؒ کو اہل مدینہ میں، (۳) امام اوزاعیؒ فقہ و افتاء کے مشہور زمانہ امام تھے، ان سے اگر کوئی شخص ابن عبدالعزیز کی موجودگی میں استفتاء کرتا تو فوراً فرماتے سلوا ابا محمد (۴) شیوخ :- ان کے اساتذہ شیوخ میں ہرقن کے ماہرین کی کافی تعداد ملتی ہے۔ ممتاز اور مشہور ائمہ میں مکحول دمشقی، نافع مولیٰ، ابن عمر، قتادہ زہری، زبیعہ بن یزید الدمشقی، بلال بن سعد، سلیمان بن موسیٰ، عبدالعزیز بن صہیب، اسماعیل بن عبید اللہ، عطیہ بن قیس، یونس بن میسرہ اور ابو الزبیر کے نام شامل ہیں۔

تلامذہ :- اسی طرح ان کے تلامذہ اور متنبین کا دائرہ بھی بہت وسیع ہے، جن میں عبداللہ بن مبارک، عبدالرحمن بن مہدی، حجاج بن محمد، یزید بن یحییٰ، ابو حیوہ شریح بن یزید، محمد شعیب بن شاہور، مروان بن محمد، وکیع بن الجراح، ولید بن مسلمہ، یحییٰ بن اسحاق، مسکین بن بکیر، عبدالملک بن محمد الصنعانی، یحییٰ بن سعید القطان، ابو مسہر، یحییٰ بن بشر، ابو نصر، محمد بن عثمان التنوخی جیسے اکابر

(۱) طبقات ابن سعد ج ۷ صفحہ ۱۷۱۔ (۲) المصاب فی تہذیب الانساب ج ۱ صفحہ ۱۸۴۔ (۳) شذرات الذہب ج ۱ صفحہ

۲۶۳۔ (۴) تذکرۃ الحفاظ ج ۱ صفحہ ۱۹۸

اہل علم فضلاء شامل ہیں، علاوہ ازیں ان کے معاصرین میں سفیان ثوری اور امام شعبہ نے پائیں ہمہ جلالت علم ان سے روایت کی ہے۔ (۱)

قرآن :- علوم قرآن میں انہیں کافی دسترس اور قدرت حاصل تھی، اس کی تحصیل انہوں نے علی بن عامر اور یزید بن ابی مالک سے کی تھی۔

حدیث :- گو حدیث میں انہیں کوئی قابل ذکر مقام حاصل نہ تھا، تاہم شیوخ کی جس قدر بھی مرویات کا سماع انہوں نے کیا تھا، ان میں ان کا ثانی نہیں ملتا۔ امام احمد کا ارشاد ہے:

لیس بالشام اصح حدیثاً منه (۲)

”شام میں ان سے زیادہ صحیح الحدیث کوئی نہ تھا۔“

حضرت عمر بن علی کہتے ہیں کہ شامیوں کی حدیثیں بالعموم ضعیف ہوتی ہیں، لیکن اس کلیہ سے دو علماء مستثنیٰ قرار دیئے جانے کے مستحق ہیں، ایک امام اوزاعیؒ اور دوسرے سعید بن عبدالعزیزؒ۔ (۳)
فقہ :- سعید بن عبدالعزیزؒ کے صحیفہ کمال کا درخشاں ترین ورق فقہ میں ان کی غیر معمولی مہارت ہے، امام اوزاعیؒ کے بعد شام میں اس فن کا ان سے بڑا عالم کوئی نہ ہوا۔ بلکہ ابو مسہرؒ تو فقہی کمال میں انہیں امام اوزاعیؒ پر بھی فوقیت دیتے ہیں۔ ابو حاتمؒ کا بیان ہے کہ:

لا اقدم بالشام بعد الاوزاعی علی سعید احداً (۴)

”میں شام میں امام اوزاعیؒ کے بعد فقہ میں سعید بن عبدالعزیزؒ پر کسی کو فوقیت نہیں دیتا۔“
اسی باعث زبان خلق نے انہیں ”فقیہ الشام بعد الاوزاعیؒ“ اور مفتی دمشق کے خطاب سے سرفراز کیا۔

ثقاہت :- ائمہ جرح و تعدیل نے بالاتفاق ان کی عدالت، ثقاہت اور صداقت کو تسلیم کیا ہے۔ ابن معین انہیں حجتہ اور امام نسائی ثقہ ثبت قرار دیتے ہیں، مزید برآں ابو حاتم عجل اور محمد بن اسحاق وغیرہ صراحت کے ساتھ ان کی توثیق کرتے ہیں۔ (۵) ابن حبان کتاب الثقات میں ان کا ذکر کرتے ہوئے رقمطراز ہیں۔

کان من عباد اهل الشام وفقائهم ومتقنيهم في الرواية (۶)

وہ شام کے عباد، فقہاء اور صاحب اتقان علماء میں تھے۔

(۱) تہذیب التہذیب ج ۳ صفحہ ۵۹۔ (۲) تذکرۃ الحفاظ ج ۱ صفحہ ۹۸۔ (۳) تہذیب التہذیب ج ۳ صفحہ ۶۰۔

(۴) تہذیب التہذیب ج ۳ صفحہ ۶۰۔ (۵) میزان الاعتدال ج ۱ صفحہ ۳۸۶۔ (۶) تہذیب التہذیب ج ۳ صفحہ ۶۰۔

قوتِ حافظہ:- انہوں نے حفظ و ذہانت سے بھی حصہ وافر پایا تھا، خود ہی فرمایا کرتے تھے، میں نے حدیث کبھی نہیں لکھی، یعنی شیوخ سے روایت سن کر اپنے حافظہ کے خزانے میں محفوظ کر لیتے تھے، لیکن ان کے بعد تلامذہ کا خیال ہے کہ آخر زمانہ میں بتقاضائے عمر سوء حافظہ اور فتور عقل میں مبتلا ہو گئے تھے۔ (۱)

خشیتِ الہی:- وہ علم کے ساتھ ساتھ عمل کا بھی پیکر مجسم تھے۔ نہایت عبادت گزار تھے، لیکن بایں ہمہ خوف و خشیتِ الہی سے ہر آن لرزاں رہتے، رات بھر نماز پڑھتے اور ساتھ ہی آنسوؤں کا سیل رواں رہتا۔ ابوالفراہیسی چشم دید راوی ہیں کہ میں نے ایک بار ان کو نماز پڑھتے دیکھا، ان کی آنکھوں سے مسلسل آنسو بہہ کر چٹائی پر گر رہے تھے، محمد بن مبارک الصوری کا بیان ہے، جب بھی سعید بن عبدالعزیز کی کوئی نماز یا جماعت فوت ہو جاتی تو بے تحاشا روتے تھے۔ (۲)

خشوع و خضوع:- اسی کے ساتھ ان کی عبادت میں خشوع بدرجہ اتم موجود ہوتا۔ جب نماز کے لئے کھڑے ہوتے تو جہنم متشکل ہو کر سامنے آتی اور وہ دنیا و مافیہا سے کٹ کر پروردگار کے حضور میں اپنی عبودیت کا نذرانہ پیش کرتے۔

خود بیان کرتے ہیں کہ ماقتت الی صلوۃ الا مثلت لی جہنم (۳) یعنی جب میں نماز پڑھنے کھڑا ہوتا ہوں تو جہنم اصل روپ میں میرے سامنے آتی ہے۔

اقوالِ زریں:- آپ کے جن بعض ملفوظات کا ذکر کتب طبقات میں ملتا ہے، اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ بلند پایہ عالم، فقیہ اور محدث ہونے کے ساتھ ایک خدا رسیدہ بزرگ بھی تھے، ان کا معمول تھا کہ جب کوئی شخص کسی مسئلہ میں استفسار کرتا تو جواب دینے سے قبل یہ ضرور فرماتے ”لاحول ولا قوۃ الا باللہ هذا رأی والرأی بخطی ویصیب“ ایک بار کسی نے قدر کھفاف (یعنی جتنا رزق زندگی اور موت کا رشتہ قائم رکھنے کو کافی ہو) کی توضیح چاہی تو فرمایا جوع نیوم و شبع یوم یعنی ایک دن فاقہ کرو اور ایک دن سیر ہو کر کھاؤ۔ ایک مرتبہ اثناء گفتگو میں کسی شخص کی زبان سے اطلال اللہ بقاء ک نکل گیا، فوراً فرمایا: لا بل عجل اللہ بی الی رحمۃ۔

وفات:- مہدی کے ایام خلافت ۱۶۷ ہجری میں بمقام دمشق رحلت فرمائی، وفات کے وقت ۸۰ سال کے قریب عمر تھی۔

(۱) میزان الاعتدال ج ۱ صفحہ ۳۸۶۔ (۲) تذکرۃ الحفاظ ج ۱ صفحہ ۱۹۸۔ (۳) شذرات الذہب ج ۱، صفحہ ۲۶۳

حضرت سلیمان بن بلال رحمۃ اللہ علیہ

نام و نسب :- سلیمان نام اور ابو محمد اور ابو ایوب کنیت اور والد کا نام بلال تھا۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پوتے قاسم بن محمد کے غلام تھے جو نبأ تیم قریش سے تعلق رکھتے تھے، اسی طرف منسوب ہو کر سلیمان بھی تیمی اور قریشی مشہور ہوئے۔ (۱)

وطن :- مدینہ طیبہ کے رہنے والے تھے، پوری زندگی اسی کی جاروب کشی میں گزاری۔
 فضل و کمال :- علم و دانش اور فضل و کمال میں یکتائے عصر تھے، بالخصوص فقہ میں ان کا تجروہ تفوق مسلم تھا، حدیث کے بھی ممتاز حافظ تھے، ماہر نقد و جرح عبدالرحمن بن مہدی (المتوفی ۱۹۸ھ) تاحیات اس بات پر کفِ افسوس ملتے رہے کہ وہ سلیمان سے زیادہ احادیث کا سماع حاصل نہ کر سکے۔ (۲) علامہ ذہبی انہیں الحافظ المفتی لکھتے ہیں۔ (۳) ابن سعد رقمطراز ہیں، کان ثقة کثیر الحدیث (۴) ذہلی کا بیان ہے کہ مدنی شیوخ کی مرویات میں انہیں خاص تبحر حاصل تھا۔ (۵)

شیوخ و اساتذہ :- انہیں جن علماء کبار سے روایت حدیث کی سعادت نصیب ہوئی، ان میں عبداللہ بن دینار، زید بن اسلم، خثیم بن عراک، ابو حازم الاعرج، ربیعۃ الرائے، اسماعیل بن ابی صالح، ابی عجلان، موسیٰ بن انس، موسیٰ بن عقبہ، ہشام بن عروہ، یحییٰ بن سعید، یزید بن خصیفہ، ثور بن زید الدیلی، جعفر الصادق، سہیل بن ابی صالح، عتبہ بن مسلم اور یونس بن یزید لائق ذکر ہیں۔
 خود ان کے فضل و کمال سے مستفید ہونے والوں میں مشاہیر فن علماء کے نام شامل ہیں، چند یہ ہیں: عبداللہ بن مبارک، خالد بن مخلد، یحییٰ بن یحییٰ النیشاپوری، محمد بن سلیمان لوین، سعید بن ابی مریم، عبدالعزیز بن ابی اویس، سعید بن عفیر، عبداللہ بن وہب ابوسلمۃ الخزاعی، بشر بن عمر الزہرانی، قعنبنی، سب سے آخری راوی لوین ہیں۔ (۶)

فقہ و افتاء :- کمالِ تفقہ کے باعث مدینہ منورہ میں ان کی ذات افتاء کا مرکز و مرجع بن گئی تھی، یہاں تک کہ ”مفتی مدینہ“ ان کا لقب ہی پڑ گیا تھا۔

(۱) طبقات ابن سعد ج ۵ صفحہ ۳۱۱ واللباب فی تہذیب الانساب ج ۱ صفحہ ۱۹۰۔ (۲) تہذیب التہذیب ج ۲ صفحہ ۱۷۶۔
 (۳) تذکرۃ الحفاظ ج ۱ صفحہ ۲۱۱۔ (۴) طبقات ابن سعد ج ۵ صفحہ ۳۱۱۔ (۵) تہذیب التہذیب ج ۲ صفحہ ۱۷۶۔
 (۶) تذکرۃ الحفاظ ج ۱ صفحہ ۲۱۱

وصولی خراج کی افسری :- اس کی دیانت و تقویٰ عوام اور خواص میں اس درجہ مسلم تھا کہ اپنے شہر مدینہ کے تمام خراج کے ذمہ دار اور افسر بھی مقرر کئے گئے۔ (۱)

ثقاہت :- ان کی عدالت و ثقاہت پر تمام ائمہ فن متفق ہیں۔ یحییٰ بن معین خلیلی، عبد الرحمن بن مہدی، ابن عدی، ابن حبان اور ابن شاہین، سب بر ملا ان کو ثقہ اور صالح الحدیث قرار دیتے ہیں، ابن عباد حبلی رقمطراز ہیں کان من الثقات الاثبات (۲) یعنی وہ ثقہ اور ثبت علماء میں تھے، علامہ ابن سعد ثقہ اور کثیر الحدیث لکھ کر ان کے علم و فضل کو سراہتے ہیں۔ (۳) سلیمان کی وفات کا ایک بڑا ثبوت یہ ہے کہ امام مالکؒ نے بھی ان سے روایت کی ہے۔ حافظ ابن حجرؒ نے فاکھی کی کتاب مکہ میں امام صاحب کی اس روایت کو خود دیکھ کر اس کی شہادت دی ہے۔ (۴)

وفات :- ۱۷۲ ہجری ہارون الرشید کے ایام خلافت میں بمقام مدینہ طیبہ رحلت فرمائی اور عالم جاوداں ہوئے۔ (۵)

(۱) طبقات ابن سعد ج ۵ صفحہ ۳۱۱۔ (۲) تذرات الذهب ج ۱ صفحہ ۲۸۱۔ (۳) طبقات ابن سعد ج ۵ صفحہ ۳۱۱۔ (۴) تہذیب التہذیب ج ۳ صفحہ ۱۷۶۔ (۵) العمر فی خبر من غمر ج ۱ صفحہ ۲۶۱ و تذکرۃ الحفاظ ج ۱ صفحہ ۲۱۲ و تذرات الذهب ج ۱ صفحہ ۲۸۱

حضرت سلیمان بن المغیرہ القیسی رحمۃ اللہ علیہ

نام و نسب :- نام سلیمان، ابو سعید کنیت اور باپ کا نام مغیرہ تھا۔ (۱) قیس بن ثعلبہ ساکن بصرہ کے غلام تھے اور بصرہ ان کا وطن مآلوف بھی تھا، اس لئے القیسی اور البصری کی نسبتوں سے شہرت عام حاصل کی۔ (۲)

فضل و کمال :- علم و فضل کے اعتبار سے بہت جلیل المرتبت تھے، متعدد تابعین کرام کے پیکر نور سے اپنی دیدہ شوق کو روشن کیا اور ان کے دامن فیض سے پوری طرح مستفید ہوئے تھے، حفظ و اتقان اور تثبت و ثقاہت میں اپنے زمانے کے رئیس الحمد ثین تھے، امام شعبہؒ جیسے مایہ صد فخر استاد الکل کا ارشاد ہے:

هو سيد اهل البصرة (۳)

”وہ اہل بصرہ کے سردار تھے۔“

خریبیؒ بیان کرتے ہیں:

مارأيت بصرياً افضل منه (۴)

”میں نے ان سے افضل کوئی بصری نہیں دیکھا۔“

سلیمان کے ممتاز استاد اور مشہور تابعی ایوب السخنیؒ کو لوگوں سے فرمایا کرتے تھے:

خذوا عن سليمان بن المغيرة ليس احدا حفظ لحديث حميد من سليمان

بن المغيرة (۵)

”سلیمان بن المغیرہ سے حدیث حاصل کرو کیونکہ حمید الطویل کی مرویات کو ان سے زیادہ

یاد رکھنے والا کوئی نہیں۔“

حافظ ذہبیؒ انہیں عالم اہل البصرہ فی وقتہ اور الامام الحافظ الثبت لکھتے ہیں۔ (۶)

حدیث :- انہوں نے جن شیوخ سے حدیث کا سماع کیا، ان میں محمد بن سیرین، ایوب السخنیؒ، حسن البصری، حمید، ہلال اور ثابت البنانی جیسے اکابر تابعین شامل ہیں اور خود ان سے اکتساب علم کرنے والوں میں عبد اللہ بن مبارک، یحییٰ بن سعید القطان، عبد الرحمن بن مہدی،

(۱) خلاصہ تہذیب تہذیب الکمال صفحہ ۱۵۴۔ (۲) کتاب الانساب ورق ۴۶۸۔ (۳) تذکرۃ الحفاظ ج ۱ صفحہ ۱۹۹۔

(۴) العمر فی خبر من غمر جلد ۱ صفحہ ۲۴۵۔ (۵) طبقات ابن سعد جلد ۷ صفحہ ۳۸۔ (۶) العمر ج ۱ صفحہ ۲۴۵۔

سفیان ثوری، شعبہ، بہز بن اسد، حبان بن ہلال، ابوداؤد الطیالسی، زید بن حباب، شبابہ بن سوار، معتمر بن سلیمان، کعب بن الجراح، یحییٰ بن آدم، یزید بن ہارون، عفان، آدم بن ابی ایاس، ابوالولید الطیالسی، عاصم بن علی، سلیمان بن حرب، مسلم بن ابراہیم، ابو نعیم، موسیٰ بن اسماعیل، اسد بن موسیٰ، قعنبی شیبان بن فروخ اور ہد بہ خالد کے اسمائے گرامی لائق ذکر ہیں۔ (۱)

مرویات کا پایہ:۔ ان کی روایات کا پایہ اپنی صحت و ثبوت کے لحاظ سے بہت بلند تھا، علی بن المدینی کہتے ہیں کہ ثابت البنانی کے تلامذہ میں حماد بن سلمہ کے بعد ثبوت فی الحدیث میں سب سے بلند مقام سلیمان بن المغیرہ کو حاصل تھا۔ (۲) امام احمد بہت پر زور الفاظ میں ان کی ثقاہت کا اعتراف کرتے ہیں۔ (۳) علامہ ابن سعد رقمطراز ہیں: کان ثقة ثبتا (۴) بزاز کا بیان ہے:

کان من ثقات اهل البصرة (۵)

وہ بصرہ کے ثقات ائمہ میں سے تھے۔

علاوہ ازیں یحییٰ بن معین، امام نسائی، سلیمان بن حرب، ابن شاہین، ابن حبان اور عجلی وغیرہ نے بصرہ میں انہیں ثقہ، مامون اور صدوق قرار دیا ہے۔ (۶) نیز امام بخاری نے بھی ان کی روایات کی تخریج کی ہے۔ (۷)

وفات:۔ ۱۶۵ ہجری میں بمقام بصرہ وفات پائی۔ (۸)

(۱) تذکرۃ الحفاظ ج ۱ صفحہ ۱۹۹۔ (۲) تہذیب التہذیب ج ۳ صفحہ ۲۲۰۔ (۳) المعجم ج ۱ صفحہ ۲۳۵۔ (۴) طبقات ابن سعد ج ۷ صفحہ ۳۸۔ (۵) تہذیب التہذیب ج ۳ صفحہ ۲۲۱۔ (۶) ایضاً ج ۲ صفحہ ۲۲۰۔ (۷) تقریب التہذیب صفحہ ۷۹۔ (۸) خلاصۃ تہذیب التہذیب الکمال صفحہ ۱۵۴

حضرت شجاع بن ولید رحمۃ اللہ علیہ

نام و نسب :- شجاع نام، ابو بدر کنیت، والد کا اسم گرامی ولید اور جد امجد کا قیس تھا۔ (۱) کوفہ کے خاندان بنو کندہ کی ایک شاخ سکون بن اشرس سے نسب تعلق رکھتے تھے، اسی باعث سکونی اور کوئی کی نسبتوں سے شہرت پائی۔ (۲)

وطن :- ان کا آبائی وطن کوفہ تھا، اور وہیں پیدا بھی ہوئے، لیکن پھر بغداد میں مستقل سکونت اختیار کر لی تھی۔ (۳)

فضل و کمال :- شیخ شجاع ”کو نہ صرف دنیائے علم و فن ہی میں ممتاز مقام حاصل تھا بلکہ وہ عبادت و ریاضت اور تقویٰ و صالحیت میں بھی بلند مرتبہ تھے۔ ابن ناصر الدین کہتے ہیں کہ:

کان ثقة ورعاً عابداً متقناً (۴)

”وہ ثقہ، متقی اور عابد تھے۔“

حافظ ذہبی ”قطر ازہی“ میں:

کان من صلحاء المحدثین و علمائهم (۵)

”وہ صلحاء، محدثین اور علماء میں تھے۔“

شیوخ و تلامذہ :- انہوں نے جن شیوخ حدیث سے استفادہ کیا ان میں اسماعیل بن ابی خالد، یحییٰ بن سعید الانصاری، سلیمان بن مہران الاعمش، موسیٰ بن عقبہ، ہاشم بن ہاشم بن عقبہ، عمر بن محمد، ابو خالد الدولائی، زیاد بن خثیمہ، زہیر بن معاویہ، لیث بن سعد، مغیرہ بن مقسم، عطاء بن السائب، عبید اللہ بن معاویہ کے نام خصوصیت سے لائق ذکر ہیں۔ (۶)

اور ان کے صاحبزادے ولید کے علاوہ مسلم بن ابراہیم، یحییٰ بن ایوب، یحییٰ بن معین، احمد بن حنبل، ابو عبید قاسم بن سلام، زہیر بن خرب، علی بن المدینی، محمد بن اسحاق الصاعانی، محمد بن عبید اللہ، عبد اللہ بن محمد بن ایوب الحزمی، سعدان بن بصر، اسحاق بن راہویہ، ان کے نامور تلامذہ میں شمار ہوتے ہیں۔ (۷)

(۱) تاریخ بغداد ج ۹ صفحہ ۲۳۷۔ (۲) اللہاب فی تہذیب الانساب ج ۱ صفحہ ۵۵۔ (۳) تاریخ بغداد ج ۹ صفحہ ۲۳۹۔

(۴) شذرات الذہب ج ۲ صفحہ ۱۲۔ (۵) المعجم ج ۱ صفحہ ۳۳۶۔ (۶) تہذیب المعجم ج ۲ صفحہ ۳۱۲۔ (۷) تاریخ بغداد ج ۹ صفحہ ۳۳۷۔

پایہ مرویات :- امام شجاعؒ کی مرویات کے بارے میں علماء کافی اختلاف رکھتے ہیں، لیکن ان کی صلاح و تقویٰ پر تقریباً سب کو اتفاق ہے، امام مروزیؒ کا بیان ہے کہ میں نے امام احمد ابن حنبلؒ سے دریافت کیا، کیا ابوبدر شجاع ثقہ ہیں؟ انہوں نے فرمایا:

ارجوا ان یکون صدوقاً حابس الصالحین (۱)

”مجھے امید ہے کہ وہ صدوق ہوں گے، اس لئے کہ انہوں نے صلحاء کی صحبت اٹھائی ہے۔“

امام احمد کا ایک قول یہ بھی منقول ہے کہ:

کان شیخاً صالحاً صدوقاً (۲)

”شیخ شجاع صالح اور صدوق تھے۔“

علاوہ ازیں ابن معین، ابوزرعد اور علی بھی ان کی روایت کو قابل حجت اور ثقہ قرار دیتے تھے، ابن حبان نے کتاب الثقات میں ان کا نمایاں ذکر کیا ہے، لیکن محدث ابو حاتم وغیرہ کی رائے ہے کہ وہ قبول روایت کے معاملہ میں غیر محتاط تھے۔ اس لئے ان کی مرویات کو حجت بنانا صحیح نہیں، مگر بایں ہمہ ابو حاتم معترف ہیں کہ:

عندہ عن محمد بن عمر احادیث صحاح (۳)

”ان کے پاس محمد بن عمر کی بہت سی صحیح احادیث کا ذخیرہ تھا۔“

کثرت عبادت :- ان کی عبادت و ریاضت کی کثرت کا یہ عالم تھا کہ امام ابوسفیان ثوری جیسے ثقہ بزرگ بھی ان الفاظ میں ان کی شہادت دیتے ہیں۔

لیس بالكوفة اعبد منه (۴)

”کوفہ میں ان سے بڑا عابد نہ تھا۔“

حافظ ابن حجرؒ ناقل ہیں کہ وہ ورع و تقویٰ میں نہایت بلند مقام رکھتے تھے اور کثرت سے نمازیں پڑھتے تھے۔ (۵)

وفات :- ماہ رمضان المبارک ۲۰۴ ہجری میں بایام خلافت مامون الرشید وفات پائی۔ (۶)

(۱) میزان الاعتدال ج ۱ صفحہ ۴۴۲۔ (۲) خلاصہ تہذیب صفحہ ۱۶۳۔ (۳) میزان الاعتدال ج ۱ صفحہ ۲۴۲۔ (۴) شذرات

ج ۲ صفحہ ۱۲۔ (۵) تہذیب التہذیب ج ۴ صفحہ ۳۱۴۔ (۶) المعرفۃ فی خبر من غمر ج ۱ صفحہ ۳۴۶

حضرت شریک بن عبد اللہ نخعی رحمۃ اللہ علیہ

نام و نسب :- شریک نام اور ابو عبد اللہ کنیت تھی، نسب نامہ یہ ہے:

شریک بن عبد اللہ بن ابی شریک حارث بن اوس بن الحارث بن الاذل بن وکیل بن سعد بن مالک بن النخع بن بسر بن عمرو بن علفہ بن خالد بن مالک اود بن زید بن شیب بن عریب بن زید بن کہلان (۱)، یمن کے قبیلہ بنو مدحج کی ایک بڑی شاخ بنو النخع سے نسبی تعلق رکھنے کے باعث نخعی کہلاتے ہیں۔

ولادت، وطن اور خاندان :- ان کی ولادت خراسان کے مشہور مردم خیز شہر بخارا میں ۵۹۵ ہجری میں ہوئی۔ (۲) بنو النخع طلوع اسلام کے بعد یمن سے نقل مکانی کر کے کوفہ میں آباد ہو گئے تھے، اس لئے قاضی شریک بھی تاحیات کوفہ ہی میں سکونت اختیار کئے رہے، یہاں تک کہ نسباً نخعی کے ساتھ، وطناً وہ کوفی ہی کی نسبت سے مشہور ہوئے۔ ان کا خاندان علم و فضل کے اعتبار سے نہایت بلند و ممتاز مقام رکھتا ہے۔ امام ابراہیم نخعی جیسے جلیل القدر تابعی اسی گلستان فضل و دانش کے ایک گل سرسبد تھے، قاضی شریک کے جد امجد حارث بن اوسؓ نے جنگ قادسیہ میں شریک ہو کر واد شجاعت دی تھی۔ (۳)

علوئے مرتبت :- قاضی شریک کو فضل و کمال خاندانی ورثہ میں ملا تھا، فقہ و حدیث میں ان کی مہارت مسلم تھی، علاوہ فہم و دانش، ذہانت و فطانت سے بھی بہرہ وافر پایا تھا، سلاطین وقت ان کے اکرام و تعظیم میں کوئی دقیقہ باقی نہیں رکھتے تھے، علمائے حدیث کی مرویات کا ان سے بڑا واقف کار اس وقت کوئی نہ تھا۔ (۴)

امام احمدؒ کا بیان ہے:

کان عاقلاً صدوقاً محدثاً کان شدیداً علی اہل الریب والبدع (۵)

وہ عاقل صدوق اور محدث تھے۔ اہل ریب و بدعت کے بارے میں بہت سخت تھے۔

ابن خلکانؒ نے لکھا ہے، وہ عالم، فقیہ، ذی فہم، ذہین اور فطین تھے۔ (۶) علامہ ذہبیؒ نے بھی

انہیں کثیر الروایت اور بلند پایہ محدث قرار دیا ہے۔ (۷)

(۱) طبقات ابن سعد ج ۶ صفحہ ۲۶۳ و ابن خلکان ج ۱ صفحہ ۴۰۲، الباب ج ۳ صفحہ ۱۱۶۔ (۲) اخبار القضاة ج ۳ صفحہ ۱۵۰۔

(۳) طبقات ابن سعد ج ۶ صفحہ ۲۶۳۔ (۴) میزان ۱۱۱، متذلل ج ۱ صفحہ ۴۴۔ (۵) ایضاً۔ (۶) ابن خلکان ج ۱ صفحہ ۴۰۲۔

(۷) تذکرۃ الحفاظ ج ۱ صفحہ ۲۱۰

حضرت عیسیٰ بن یونس بیان کرتے ہیں:

مارایت، احداً قط اور ع فی عملہ من شریک (۱)
میں نے علم میں شریک سے زیادہ محتاط کسی کو نہیں دیکھا۔

حدیث :- حدیث میں ان کی بلندی شان کا اندازہ صرف اسی سے کیا جاسکتا ہے کہ حضرت اسحاق ازرقؒ نے ان سے نو ہزار حدیثوں کا سماع حاصل کیا تھا۔

ابن مبارک کا یہ قول گزر چکا ہے کہ وہ شیوخ کوفہ کی حدیثوں کے سفیان ثوریؒ سے بھی بڑے عالم تھے۔ (۲)

فقہ :- فقہ میں بھی غیر معمولی کمال حاصل تھا، اور اسی باعث وہ طویل زمانہ تک واسطہ، ابواز اور کوفہ میں مسند عدل و انصاف کی زینت بنے رہے، علماء نے ان کے علم و فضل کا اعتراف کرتے ہوئے کمال تفقہ کا خصوصیت سے ذکر کیا ہے۔

شیوخ :- قاضی شریکؒ کے اساتذہ و شیوخ کی طویل فہرست میں بلند پایہ تابعین کافی تعداد میں شامل ہیں، جن میں کچھ نمایاں اسمائے گرامی یہ ہیں۔ ابواسحاق سبعی ہشام بن عروہ، سلیمان بن مہران الاعمش، عطاء بن السائب، منصور بن ذازان، ابراہیم بن جریر العجلی، اسماعیل بن ابی خالد، راشد بن کیسان، عاصم بن سلیمان الاحول، سماک بن حرب، عاصم بن بہدلہ، عاصم بن کلیب، عبدالعزیز بن رفیع، مقدم بن شریح۔

تلامذہ :- ان کے آفتاب فضل کی شعاؤں سے کسب نور کرنے والوں کا حلقہ بھی اسی نسبت سے بہت وسیع ہے، فن جرح و تعدیل کے مسلم الثبوت امام عبدالرحمن بن مہدی، حافظ و کعب اور امام یحییٰ بن آدم جیسے فخر زمانہ علماء انہی کے خرمین علم کے خوشہ چین ہیں، ان کے علاوہ مشاہیر ائمہ میں فضل بن موسیٰ السینانی، زید بن ہارون، ابو نعیم علی بن حجر، ہشیم بن بشیر اسحاق الازرق، اسود بن عامر شاذان، حسین بن محمد المروزی، اسحاق بن عیسیٰ، حاتم بن اسماعیل، یعقوب بن ابراہیم، قتیبہ بن سعید، عبدالرحمن بن شریک کے نام ان کے تلامذہ میں ملتے ہیں۔ سب سے آخری شاگرد عباد بن یعقوب کو بتایا جاتا ہے۔ (۳)

پایہ ثقاہت :- ماہرین فن کی ایک کثیر تعداد ان کی عدالت و ثقاہت کی معترف ہے۔ علامہ ابن سعد رقمطراز ہیں:

(۱) تہذیب المعجم ج ۲ صفحہ ۳۳۵۔ (۲) ائمہ فی خبر من غمر ج ۱ صفحہ ۲۷۰۔ (۳) تہذیب المعجم ج ۲ صفحہ ۳۳۲، ۳۳۳

كان ثقة مامونا كثير الحديث. (۱)

”وہ ثقہ، مامون اور کثیر الحدیث ہیں۔“

علامہ بخلی اعتراف کرتے ہیں:

كوفي ثقة و كان حسن الحديث و كان اروي الناس عنه اسحاق الازرق (۲)
وہ کوئی، ثقہ اور حسن الحدیث تھے۔ ان سے سب سے زیادہ روایتیں اسحاق الازرق نے کی ہیں۔

ابوداؤد اور امام نسائی نے بھی ان کی روایات کو قابل قبول قرار دیا ہے۔ (۳) ابن حبان نے بھی کتاب الثقات میں ان کا ذکر کیا ہے مزید برآں ان کی ثقاہت کا ایک بڑا ثبوت یہ ہے کہ امام بخاری نے انہیں لائق حجت قرار دیا، اور امام مسلم نے ان کی روایات کی تخریج کی ہے۔ (۴)
تثبت و اتقان :- اسی طرح ثبت و اتقان میں بھی بلند پایہ تھے، امام احمد فرماتے ہیں کہ شریک نے ابواسحاق سبعی سے ”قدیم“ سماع حاصل کیا تھا، جس کا مستند ہونا شک و شبہ سے بالاتر ہے، اسی وجہ سے قاضی شریک ”کا مرتبہ روایات سبعی کے بارے میں زہیر بن معاویہ، اسرائیل بن یونس اور زکریا بن ابی زائدہ سے بھی بلند مرتبہ ہے۔ (۵) علامہ ذہبی نے لکھا ہے کہ قاضی شریک اتقان و ثبت میں حماد بن زید کے ہم پلہ تھے۔ (۶)

عہدہ قضا :- فقہ و افتاء میں ان کے کمال و تبحر کے باعث مختلف سلاطین نے انہیں قضاء کے عہدہ جلیلہ پر فائز کیا، سب سے پہلے منصور نے ۱۵۳ ہجری میں انہیں کوفہ کا قاضی مقرر کیا اور پھر کچھ عرصہ کے بعد معزول کر دیا، اس کے بعد جب مہدی اورنگ خلافت پر رونق افروز ہوا تو اس نے قاضی شریک کو دوبارہ اس منصب پر مامور کیا (۷) لیکن حافظ ابن حجر نے ابن حبان کی روایت سے نقل کیا ہے کہ شریک ۱۵۵ ہجری میں واسط کے قاضی مقرر ہوئے اور اس کے بعد کوفہ کے مسند قضاء پر رونق افروز ہوئے۔ (۸) اول الذکر ہی بیان اصح معلوم ہوتا ہے، کیونکہ اس کی تائید دوسرے مآخذوں سے بھی ہوتی ہے۔ مورخ ابن خلکان نے ابواز کے قاضی ہونے کا بھی ذکر کیا ہے۔ (۹)

(۱) طبقات ابن سعد ج ۶ صفحہ ۲۶۴۔ (۲) تہذیب التہذیب ج ۴ صفحہ ۳۳۵۔ (۳) العبر فی خبر من غمر ج ۱ صفحہ ۲۷۰ و میزان الاعتدال ج ۱ صفحہ ۳۳۵۔ (۴) لخصرات الذہب ج ۱ صفحہ ۲۸۔ (۵) تہذیب التہذیب ج ۴ صفحہ ۳۳۳۔ (۶) تذکرۃ الحفاظ ج ۱ صفحہ ۳۱۰۔ (۷) الاعلام ج ۲ صفحہ ۲۱۱۔ (۸) تہذیب التہذیب ج ۴ صفحہ ۳۳۶۔ (۹) ابن خلکان ج ۱ صفحہ ۳۰۳

قابل ذکر بات یہ ہے کہ قاضی شریکؒ نے اس آزمائش سے محفوظ رہنے کی حتی الامکان پوری جدوجہد کی، جب بھی حاکم وقت نے ان کو بلا کر اس عہدہ کی پیشکش کی، انہوں نے برملا اس سے اپنے کو نااہل بتا کر معذوری ظاہر کر دی، چنانچہ منصور عباسی نے ان سے کہا ”قصد ولینک قضاء الکوفۃ“ یعنی میں نے آپ کو کوفہ کا قاضی مقرر کیا تو فوراً عاجزی سے فرمایا:

یا امیر المؤمنین انی انما انظر فی الصلوۃ والصوم فاما القضاء فلا احسنہ
 ”اے امیر المؤمنین! میں تو صرف نماز روزہ ہی کے امور سے واقفیت رکھتا ہوں، قضاء کی ذمہ داریوں سے باحسن عہدہ برآ نہ ہو سکوں گا۔“

اسی طرح جب مہدی نے انہیں یہ منصب تفویض کرنے کے لئے بلایا تو فرمایا: لا اصلح لذلک۔ یعنی مجھ میں اس کی صلاحیت نہیں، لیکن بالآخر جب حکمرانوں نے جبر و زبردستی کی حد تک اصرار کیا تو بادل نخواستہ اس کو قبول کرنے پر تیار ہوئے۔ (۱)

عدل پروری:- قاضی شریکؒ کی کتاب زندگی کا سب سے درخشاں باب ان کا زمانہ قضاء کا کردار و عمل ہے۔ وہ اس عظیم آزمائش سے بڑی حسن و خوبی کے ساتھ عہدہ برآ ہوئے۔ اس پوری مدت میں عدل پروری، انصاف پسندی اور غیر جانبداری ان کا خاص شیوہ رہا۔

حافظ ابن کثیر رقمطرز ہیں: کان مشکورا انی حکمہ وتنفیذ الاحکام (۲) علامہ ذہبیؒ لکھتے ہیں ”کان عادلاً فی قضاءہ“ (۳) محمد بن خلف وکیع نے عدالتی فیصلے نافذ کرنے میں قاضی شریکؒ کی زیرکی و ہوشمندی کے متعدد واقعات نقل کئے ہیں۔ یہاں خود قاضی صاحب کے بیان کردہ صرف ایک واقعہ کے ذکر پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

فرماتے ہیں: جب منصور نے مجھے کوفہ کا قاضی مقرر کیا تو میں وہاں گیا، والی کوفہ محمد بن سلیمان کا کاتب حماد بن موسیٰ کسی قضیہ میں ماخوذ ہو کر میرے سامنے پیش ہوا۔ میں نے دلائل و شواہد کی بنیاد پر فیصلہ صادر کر کے جیل بھیج دیا، ایک دن ناگاہ مجھے خبر ملی کہ حاکم نے اسے رہا کر دیا ہے۔ میں نے سوچا کہ یہ پہلا موقع ہے، اگر اس بار ہی میں نے کمزوری کا ثبوت دیا تو پھر حالات پر قابو حاصل کرنا مشکل ہوگا۔

چنانچہ میں فوراً محمد بن سلیمان کے پاس پہنچا اور نہایت درشت لب و لہجہ میں کہا کہ تمہیں تو

(۱) اخبار القضاة ج ۳ صفحہ ۱۵۰ و ۱۸۴، ابن سعد ج ۶ صفحہ ۲۶۳۔ (۲) البدایہ والنہایہ جلد ۱۰ صفحہ ۱۷۱۔ (۳) میزان

الاعتدال جلد ۱ صفحہ ۴۴۵

میرے فیصلوں کے نفاذ میں مدد و معاون بننا چاہئے تھا نہ کہ مخالف، تم نے قید سے ایک مجرم کو رہا کر کے تو بین عدالت کا ارتکاب کیا ہے۔ بخدا اگر تم نے اسے دوبارہ قید میں نہ پہنچایا تو میں امیر المؤمنین کے سامنے تمہاری حقیقت کی پول کھول کر رکھ دوں گا۔ یہ رنگ دیکھ کر حاکم مذکور نے فوراً اپنے کاتب کو قید خانہ میں واپس کر دیا۔ (۱)

ایک لائق ذکر معمول :- پورے زمانہ قضاء میں ان کا یہ مستقل معمول رہا کہ مجلس عدل منعقد کرنے سے قبل دوپہر کا کھانا تناول فرماتے، پھر اپنے موزے میں سے ایک کاغذ نکال کر اسے بغور دیکھتے، اس کے بعد مقدمات کی پیشی کا حکم دیتے، ان کے بعض احباب کو تجسس پیدا ہوا کہ آخر اس کاغذ میں کیا لکھا ہے، جسے روزانہ اتنی پابندی سے دیکھنے کا معمول ہے۔ چنانچہ انہوں نے دیکھا تو اس میں تحریر تھا:

یا شریک بن عبد اللہ اذکر الصراط وحدته، یا شریک بن عبد اللہ اذکر

الموقف بین یدی اللہ عزوجل (۲)

”اے شریک بن عبد اللہ! اے صراط اور اس کی باریکی کو یاد رکھو، اے شریک! اس دن کو یاد رکھو، جب تم خداوند قدوس کے روبرو کھڑے ہو گے۔“

یہ درحقیقت اللہ جل شانہ کے سامنے ایک حلف نامہ تھا، تاکہ عدالت کی کارروائی کے ہر ہر موڑ پر اس ذات کبریا کے حاضر و ناظر ہونے کا یقین دل کی گہرائی میں جاگزین رہے اور کہیں لغزش و زیادتی نہ ہونے پائے۔

عبادت :- نہایت عبادت گزار تھے، محمد بن یسعی مینی شاہد ہیں کہ میں نے قاضی شریک کی پیشانی پر سجدہ کے واضح نشانات دیکھے۔ (۳)

عقل و فطانت :- ان کی فہم و دانش اور ذہانت و فطانت کا ایک ثبوت اوپر مذکور ہوا۔ عمار بن زریق کہتے ہیں کہ ایک بار میں امام مغیرہ کی خدمت میں حاضر تھا، اسی اثناء میں سامنے سے قاضی شریک، سفیان ثوری، حسن بن صالح اور قیس بن الرزلیع ساتھ ساتھ آتے نظر آئے، امام مغیرہ نے اس طرف اشارہ کرتے ہوئے مجھ سے فرمایا:

ما من هؤلاء احداً عقل من شریک (۴)

(۱) اذکار القضاة جلد ۲ صفحہ ۱۵۱۔ (۲) البدایہ والنہایہ ج ۱۰ صفحہ ۱۵۱۔ (۳) تہذیب التہذیب ج ۳ صفحہ ۳۳۶۔

(۴) اذکار القضاة ج ۳ صفحہ ۱۵۰

”ان سب میں شریک سے زیادہ فرزانہ کوئی نہیں ہے۔“

بدیہہ گوئی:۔ اسی عقل و ذہانت کا ثمرہ تھا کہ وہ حاضر جوابی اور بدیہہ گوئی میں اپنا ثانی نہیں رکھتے تھے۔ حضرت سفیان بن عیینہ کا بیان ہے کہ وہ لوگوں میں سب سے زیادہ حاضر جواب تھے۔ ”کان احضر الناس جواباً“ منصور بن ابی مزاحم کہتے ہیں کہ میں نے قاضی شریک کی زبان شیوا بیان سے خود فرماتے سنا ”ترک الجواب فی موضعه اذابة القلب“ یعنی موقع پر جواب سے چوک جانا دل کی نرمی کی دلیل ہے۔ (۱)

بعض اعتراضات اور ان کے جوابات:۔ ان کے فضل و کمال اور علم و دانش کا اعتراف کرنے کے ساتھ بعض علماء نے ان پر جرح بھی کی ہے۔ عام طور سے ان پر دو اعتراضات کئے جاتے ہیں۔ اول یہ کہ وہ سوء حافظہ میں مبتلا تھے، جس کے نتیجہ میں روایات میں کبھی تخلیط اور تدلیس واقع ہو جایا کرتی تھی، ابراہیم بن سعید کا بیان ہے کہ قاضی شریک نے چار سو حدیثوں میں غلطی کی ہے، دارقطنی کہتے ہیں کہ ان کی متفرد روایات قابل قبول نہیں ہیں۔ (۲)

دوسرا اعتراض یہ ہے کہ ان میں تشیع تھا اور حضرت علیؑ کو دوسرے خلفائے راشدین و انبیائے کرام سے افضل اور خیر البشر قرار دیتے تھے۔ چنانچہ ابوداؤد الرہاوی روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے قاضی شریکؒ کو خود کہتے سنا کہ:

علی خیر البشر فمن ابی فقد کفر (۳)

”حضرت علیؑ خیر البشر تھے، پس جو ان کا انکار کرے، وہ کافر ہے۔“

لیکن تحقیق سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ دونوں ہی اعتراضات یکسر بے بنیاد ہیں، ائمہ سلف کی ایک خاصی تعداد کو اس الزام سے متہم کیا گیا ہے، جس کی حقیقت یہ معلوم ہوتی ہے کہ اس عہد میں اہل بیت کرام سے عقیدت و محبت کے غلبہ کو تشیع کی طرف رجحان سمجھا جاتا تھا۔

مذکورہ بالا الزامات میں سے پہلے کا جواب یہ ہے کہ آخر عمر میں قاضی شریکؒ کا حافظہ کمزور ہو گیا تھا، اس لئے اس زمانہ کی مرویات کا پایہ اتنا بلند نہیں رہا جتنا اس سے قبل کی روایات کا تھا، لیکن یہ ضعف ان کی ساری عمر کی روایات پر اثر انداز نہ ہوگا، چنانچہ علامہ ابن حجر عسقلانی نے اس حقیقت کو بہت واضح طور پر ذکر کیا ہے کہ متقدمین کا سماع بالکل بے داغ ہے، جن متاخرین نے کوفہ کا قاضی ہونے کے بعد ان سے حدیثیں روایت کی ہیں، ان میں وہم و اضطراب کا شبہ ہے،

(۱) تہذیب التہذیب ج ۲ صفحہ ۳۳۶۔ (۲) میزان الاعتدال ج ۱ صفحہ ۴۴۵۔ (۳) ایضاً

اس لئے اس زمانہ میں قاضی شریک کا حافظہ کبرستی کے باعث درست نہیں رہا تھا، عجلی کا بیان ہے کہ:

من سمع منه قديماً فحديثه صحيح ومن سمع منه بعد ما ولي القضاء ففى سماعه بعض الاختلاط (۱)

”جس نے ان سے قدیم سماع حاصل کیا اس کی روایت درست ہیں اور جس نے ان کے قاضی ہونے کے بعد سماعت کی اس کی مرویات میں کچھ اختلاط ہے۔“
صالح جزرہ کہتے ہیں کہ:

صدوق ولما ولي القضاء اضطرب حفظه (۲)

”یوں تو وہ صدوق ہیں، لیکن منصب قضاء پر فائز ہونے کے بعد ان کا حافظہ ٹھیک نہیں رہا۔“

اسی طرح ثانی الذکر الزام کی تردید تو ایک سے زائد بار خود قاضی شریک نے کر دی تھی، ایک مرتبہ کسی مفسد نے خلیفہ مہدی سے شکایت کر دی کہ شریک بن عبد اللہ رافضی ہیں، مہدی نے انہیں بلا بھیجا، انہوں نے آ کر خلیفہ کو سلام کیا۔ اس نے اپنی ناراضگی کے اظہار کے طور پر جواب سے اعراض کیا، قاضی صاحب نے اس کا سبب دریافت فرمایا تو وہ نہایت خشمگین لب و لہجہ میں گویا ہوا کہ ”تم ملعون رافضی ہو“۔ قاضی صاحب نے نہایت سکون سے جواب دیا کہ اگر رسول اللہ ﷺ، حضرت فاطمہؓ، حضرت علیؓ، حضرت حسنؓ، حضرت حسینؓ سے محبت ہی کا نام رافض ہے تو میں خدا اور تم کو گواہ بنا کر کہتا ہوں کہ میں رافضی ہوں۔ (۳)

علاوہ ازیں خلفائے راشدین پر حضرت علیؓ کی تفصیل کا الزام بھی صرف ایک بہتان ہے۔ قاضی شریک کی زندگی میں ان کے سامنے جب تفصیلیت کا مسئلہ اٹھایا گیا، ہمیشہ یہی فرمایا کہ حضرت ابو بکرؓ و عمرؓ سے حضرت علیؓ کو وہی شخص افضل قرار دے سکتا ہے، جس کی عقل ماری گئی ہو، یہ دونوں شیوخ (ابو بکرؓ و عمرؓ) تو نبی اکرم ﷺ کے بعد خیر امت تھے۔ (۴)

قاضی شریک کی حضرت علیؓ کو خیر البشر قرار دینے کی مذکورہ بالا روایت کو لے کر جن لوگوں نے انہیں اتہام کا نشانہ بنایا، ان پر علامہ ذہبیؒ نے شدید ترین نقد کیا ہے۔ رقمطراز ہیں:

(۱) تہذیب اجمہد ج ۴ صفحہ ۳۳۶۔ (۲) ایضاً۔ (۳) اخبار القضاء ج ۳ صفحہ ۱۵۶ (تشیع کے الزام میں یہ جواب

متعدد علماء سے مذکور ملتا ہے)۔ (۴) ایضاً ج ۳ صفحہ ۱۶۰

ان شریکاً لا یعتقد قطعاً ان علیاً خیر من الانبیاء مابقی الا انہ اراد

خیر البشر فی ایام خلافتہ (۱)

قاضی شریکؒ حضرت علیؑ کو قطعاً انبیائے کرام سے افضل نہیں سمجھتے تھے، درحقیقت ان کی مراد یہ تھی کہ حضرت علیؑ اپنے وقت میں خیر البشر تھے، اور بلاشبہ وہ اپنے دور خلافت کے بہترین انسان تھے۔

احترام علم :- علم و علماء کی بے حرمتی و بے توقیری برداشت نہ کرتے تھے۔ اس سلسلہ کا ایک واقعہ لائق ذکر ہے، ہمدان بن الاصہبانی کہتے ہیں کہ ایک دن میں قاضی شریکؒ کی خدمت میں حاضر تھا کہ خلیفہ مہدی کا کوئی لڑکا ان کے پاس آیا اور دیوار سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔ پھر قاضی صاحبؒ سے کسی حدیث کے بارے میں سوال کیا۔ انہوں نے کوئی التفات نہ کیا۔ کئی بار کے بعد اس لڑکے نے شاہانہ نحو سے کہا کہ آپ خلیفہ وقت کی اولاد کی تذلیل کرتے ہیں۔ فرمایا نہیں "لکن العلم اذین عند اہلہ من ان یضیعوا" راوی کا بیان ہے کہ یہ سن کر فوراً وہ لڑکا دوزانو بیٹھ گیا اور پھر سوال کیا۔ قاضی صاحبؒ نے فرمایا: ھکذا یطلب العلم۔ (۲)

بھوک کا فائدہ :- قاضی شریکؒ کا یہ گرانقدر مقولہ بہت مشہور ہے کہ بھوک بیماری کو چوس لیتی ہے۔ (۳)

وفات :- یکم ذیقعدہ ۷۷ھ ہجری کو بمقام کوفہ علم و فضل کا یہ خورشید تاباں غروب ہو گیا۔ (۴) حضرت حسن بن حماد کہتے ہیں کہ ۷۷ھ ہجری میں جب قاضی شریکؒ کا انتقال ہوا تو میں کوفہ میں موجود تھا۔ (۵) موسیٰ بن عیسیٰ والی کوفہ نے نماز جنازہ پڑھائی، خلیفہ وقت ہارون الرشید اس وقت حیرہ میں تھا، خبر ملتے ہی بعجلت تمام نماز میں شرکت کے لئے کوفہ آیا، لیکن راستہ ہی سے واپس ہو گیا، کیونکہ اسے تدفین سے فراغت کی اطلاع مل گئی تھی۔ (۶) وفات کے وقت قاضی صاحبؒ ۸۲ سال کے تھے۔ (۷)

(۱) میزان الاعتدال ج ۱ صفحہ ۳۳۵۔ (۲) اخبار القضاۃ ج ۳ صفحہ ۱۶۱۔ (۳) اخبار القضاۃ ج ۳ صفحہ ۱۶۵۔ (۴) طبقات ابن

عبد ج ۶ صفحہ ۱۶۳۔ (۵) اخبار القضاۃ ج ۳ صفحہ ۱۶۸۔ (۶) ابن خلکان ج ۱ صفحہ ۳۰۳۔ (۷) تذکرۃ الحفاظ ج ۱ صفحہ ۲۱۰

حضرت ضحاک بن مخلد النبیل رحمۃ اللہ علیہ

نام و نسب :- ضحاک نام، ابو عاصم کنیت اور نبیل لقب تھا، نسب نامہ یہ ہے:

ضحاک بن مخلد بن الضحاک بن مسلم بن الضحاک۔

شیبانی اور بصری کی نسبتوں سے شہرت پائی، بعض علماء کا خیال ہے کہ بنو شیبان کے غلام تھے، لیکن بعض کی رائے کے مطابق بنو شیبان سے خاندانی نسبت حاصل تھی۔ (۱)

مولد :- ۱۲۲ ہجری میں بمقام بصرہ پیدا ہوئے۔ (۲) حافظ ابن حجر عسقلانی کا خیال ہے کہ امام ابو عاصم اصلاً مکی تھے، بعد میں بصرہ منتقل ہو گئے تھے۔ (۳)

لقب کی وجہ تسمیہ :- ان کے نبیل کے لقب سے مشہور ہو جانے میں مختلف باتیں بیان کی جاتی ہیں، کہا جاتا ہے کہ ایک بار بصرہ میں اتفاق سے ہاتھی آ گیا، جو وہاں کے لوگوں کے لئے ایک عجوبہ تھا، اس لئے اس کو دیکھنے کے لئے سب لوگ اپنے کام چھوڑ کر باہر نکل آئے، امام ابو عاصم اس وقت ابن جریج کے حلقہ درس میں تھے، وہ اپنی جگہ سے ہلے تک نہیں۔ ابن جریج نے ان سے کہا کہ تم ہاتھی دیکھنے نہیں گئے؟ فرمایا: ہاتھی تو کبھی پھر دیکھ سکتا ہوں، لیکن آپ کے اس درس کا بدل کہاں ملے گا۔ اس جواب سے خوش ہو کر ابن جریج نے فرمایا ”انت النبیل“۔

اس روایت کی صحت مشتبہ معلوم ہوتی ہے۔ کیونکہ اسی قسم کی ایک نہایت مستند روایت یحییٰ مصمودی اور امام مالک کے بارے میں بھی منقول ہے، قیاس ہے کہ غلط فہمی سے اس کا انتساب زیر نظر واقعہ میں ہو گیا، یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ابو عاصم کے عمدہ کپڑے زیب تن کرنے کے باعث انہیں نبیل کا لقب ملا، اسی طرح یہ روایت بھی ملتی ہے کہ بڑی اور لمبی ناک ہونے کے باعث نبیل کہا جانے لگا۔ (۴)

راقم سطور کے خیال میں مذکورہ بالا وجوہ کے مقابلہ میں علامہ ذہبی کی یہ رائے زیادہ وزن رکھتی ہے کہ امام ابو عاصم اپنی شرافت، نیکی اور صالحیت کے باعث نبیل کے لقب سے ملقب ہوئے۔ (۵)

(۱) تہذیب المعادین جلد ۲ صفحہ ۴۵۰۔ (۲) خلاصہ تہذیب صفحہ ۱۷۷۔ (۳) تہذیب جلد ۲ صفحہ ۴۵۳۔ (۴) تہذیب

المعادین ج ۲ صفحہ ۴۵۲۔ (۵) تذکرۃ الحفاظ ج ۱ صفحہ ۳۳۶

فضل و کمال :- علم و فضل کے اعتبار سے نہایت بلند مقام حاصل تھا، حدیث و فقہ دونوں پر یکساں عبور رکھتے تھے، وسعت علم اور قوت حافظہ میں ان کا ثانی کم ہی مل سکے گا، اہل تذکرہ شیخ الاسلام اور الحافظ کے القاب سے ان کو خراج عقیدت پیش کرتے ہیں۔ ابن عماد الحنبلی لکھتے ہیں:

كان واسع العلم ولم يرفى يده كتاب قط (۱)

”وہ بہت وسیع العلم تھے، ان کے ہاتھ میں کبھی کوئی کتاب نہیں دیکھی گئی۔“

شیوخ و تلامذہ :- جن نامور حفاظ حدیث کے خرمین علم سے انہیں خوشہ چینی کی سعادت نصیب ہوئی، ان میں کبار اتباع تابعین کے علاوہ اجلہ تابعین کے اسمائے گرامی بھی شامل ہیں۔ کچھ نمایاں نام یہ ہیں:

حضرت امام مالک بن انس، ہشام بن حسان، سلیمان التیمی، ابن عجلان، ابن ابی ذئب، ابن جریج، امام اوزاعی، سعید بن عبد العزیز، حیوۃ بن شریح، زکریا بن اسحاق، سفیان ثوری، امام شعبہ، سعید بن ابی عروہ، عبد الحمید بن جعفر، عمر بن سعید، قرہ بن خالد۔

خود امام ابو عاصمؒ سے حدیث کی روایت اور سماعت کرنے والے نامور علماء میں امام احمد بن حنبل، اسحاق بن راہویہ، علی بن المدینی، بندار ابو خثیمہ، یعقوب الدورقی، حارث بن اسامہ، محمد بن حبان وغیرہ شامل ہیں۔ (۲) مزید برآں ان کے شیوخ میں سے جریر ابن حازمؒ اور معاصر علماء میں امام اصمعیؒ نے بھی ان سے بعض روایتیں کی ہیں، جو بجائے خود ابو عاصمؒ کے علم و فضل پر شاہد عدل ہے۔

قوتِ حافظہ :- انہوں نے حافظہ نہایت قوی پایا تھا۔ اسی وجہ سے ان کا دماغ ہزاروں حدیثوں اور مسائل فقیہ کا مخزن بن گیا تھا، درس ہمیشہ زبانی ہی دیا کرتے تھے، علامہ ذہبیؒ نے لکھا ہے کہ:

لم يحدث قط الا من حفظه (۳)

”انہوں نے ہمیشہ حافظہ سے حدیثیں روایت کیں۔“

ابوداؤد شہادت دیتے ہیں کہ امام ابو عاصمؒ ”کو ایک ہزار بہترین حدیثیں زبانی از بر تھیں۔“

(۱) شذرات الذہب ج ۲ صفحہ ۱۲۸۔ (۲) تہذیب التہذیب ج ۳ صفحہ ۳۵۱۔ (۳) تذکرۃ الحفاظ ج ۱ صفحہ ۳۳۶۔

(۳) ایضاً

(۴) ابن خراشؒ کا بیان ہے کہ:

لم یرفی یدہ کتاب قط (۱)

”ان کے ہاتھ میں کبھی کتاب نہیں دیکھی گئی۔“

تعدیل و توثیق:۔ امام ابو عاصمؒ کی عدالت و ثقاہت، تثبت و اتقان اور صداقت پر تمام علماء و محققین بیک زبان متفق ہیں۔ (۲)

علامہ ابن سعدؒ لکھتے ہیں کہ:

کان ابو عاصم ثقة فقیہاً (۳)

”ابو عاصم ثقہ اور فقیہ تھے۔“

عجلیؒ کا بیان ہے:

کان ثقة کثیر الحدیث و کان له فقه (۴)

”وہ ثقہ کثیر الحدیث اور فقیہ تھے۔“

محمد بن عیسیٰ الزجاج کہتے ہیں:

قال لی ابو عاصم کل شیء حدثک حدثونی به لانی ما دلست قط

”مجھ سے ابو عاصم نے خود کہا کہ میں نے جو کچھ حدیثیں تم سے بیان کی ہیں، وہ فی الواقع

اسی طرح میرے شیوخ نے مجھ سے بیان کی ہیں، میں کبھی تدلیس کا مرتکب نہیں ہوا۔“

علاوہ ازیں ابن قانع، ابن معین اور ابن حبان نے بھی بصراحت انہیں ثقہ اور صدوق قرار

دیا ہے۔

اعتراف علماء:۔ ان کے گونا گوں کمالات کی وجہ سے معاصر علماء ان کا بڑا احترام کرتے تھے

اور ان کے علم و فضل کو سراہتے تھے۔ عمر بن شیبہؒ فرماتے ہیں کہ بخدا میں نے ان کا ثانی اور مثل نہیں

دیکھا۔ واللہ ما رأیت مثله (۵) حمدان بن علی الورق بیان کرتے ہیں کہ ۱۲ ہجری میں ہم لوگ

امام احمدؒ کے پاس گئے اور ان سے حدیث روایت کرنے کی درخواست کی، امام احمد بن حنبل نے

فرمایا:

تسمعون منی وابو عاصم فی الحیوة اذهبوا الیہ (۶)

(۱) تہذیب ج ۳ صفحہ ۴۵۱۔ (۲) میزان الاعتدال ج ۱ صفحہ ۴۷۱ و شذرات الذہب ج ۲ صفحہ ۲۸۔ (۳) طبقات ابن سعد

ج ۷ صفحہ ۳۹۔ (۴) تہذیب التہذیب ج ۳ صفحہ ۴۵۱۔ (۵) میزان الاعتدال ج ۱ صفحہ ۴۷۱۔ (۶) تہذیب جلد ۲ صفحہ ۲۵۲

تم لوگ مجھ سے سماعت کرتے ہو، حالانکہ ابو عاصمؓ با حیات ہیں، ان کے پاس جاؤ۔ فضائل اخلاق :- امام ابو عاصمؓ کو علم کے ساتھ عملی دنیا میں بھی ایک امتیازی مقام حاصل تھا، تا حیات کسی کی غیبت سے اپنی زبان کو آلودہ نہیں کیا، امام بخاریؒ فرماتے ہیں:

سمعت ابا عاصم يقول ما اغتبت احدا قط منذ عقلت ان الغيبة حرام (۱)۔
”میں نے ابو عاصم کو کہتے سنا کہ جب سے مجھے علم ہوا کہ غیبت حرام ہے میں نے کبھی کسی کی غیبت نہیں کی۔“

اکثر فرمایا کرتے تھے کہ جو شخص علم حدیث حاصل کرتا ہے، وہ گویا دنیا کی بیش بہا دولت جمع کرتا ہے اور وہ روئے زمین کے انسانوں میں سب سے افضل و برتر ہے، اس لئے ہر شخص کو ایسا ہی ”خیر الناس“ بننا چاہئے۔ (۲)

وفات :- ۳ ذی الحجہ ۲۱۲ھ کو بمقام بصرہ رحلت فرمائی۔ (۳) انتقال کے وقت ۹۰ سال چند ماہ زائد عمر تھی۔ (۴) سال وفات کے بارے میں اکثر علماء نے یہی سنہ اختیار کیا ہے، ورنہ ۲۱۱ ہجری ۲۱۳ھ اور ۲۱۴ ہجری کے اقوال بھی ملتے ہیں۔ (۵)

(۱) المعجم ۱ صفحہ ۳۶۲۔ (۲) خلاصہ تہذیب صفحہ ۱۷۷۔ (۳) ابن سعد ج ۷ صفحہ ۴۹۔ (۴) تذکرۃ الحفاظ ج ۱ صفحہ ۳۳۶۔

(۵) تہذیب ج ۳ صفحہ ۴۵۲

عبدالاعلیٰ بن مسہر رحمۃ اللہ علیہ

نام و نسب :- نام عبدالاعلیٰ، ابو مسہر کنیت اور لقب ابن ابی دارمہ تھا۔ (۱) نسب نامہ یہ ہے۔ عبدالاعلیٰ بن مسہر بن عبدالاعلیٰ بن مسلم، اصل نام کی بجائے کنیت ہی کو زیادہ شہرت حاصل تھی۔ اسی لئے ابن سعد اور بعض دوسرے اہل طبقات ان کا تذکرہ ان ائمہ کے ساتھ کرتے ہیں، جو اپنی کنیتوں سے معروف آفاق ہوئے، مشہور قبیلہ ازد کی ایک بڑی شاخ غسان سے تعلق رکھنے کے باعث غسانی کہلائے۔ (۲)

ولادت اور وطن :- باتفاق روایت ان کی ولادت ۱۴۰ ہجری میں بمقام دمشق ہوئی۔ (۳) فضل و کمال :- امام ابو مسہر اپنے زمانہ کے منتخب علماء میں شمار کئے جاتے ہیں۔ مختلف علوم و فنون کی جامعیت اور مہارت میں ان کی نظیر اتباع تابعین میں شاذ و نادر ہی ملتی ہے۔ حدیث و فقہ، علم رجال و انساب اور فن مغازی میں اس وقت شام میں ان کا کوئی ثانی نہیں تھا۔ ثبوت و اتقان، فصاحت و بلاغت اور عدالت میں بھی نہایت بلند پایہ رکھتے تھے۔ ابو حاتمؒ فرماتے ہیں:

ما رأیت ممن کتبنا عنه افصح من ابی مسہر (۴)
 ”میں نے اپنے شیوخ میں ابو مسہر سے زیادہ فصیح کسی کو نہیں دیکھا۔“
 علامہ ابن اثیرؒ رقمطراز ہیں:

کان اعلم الناس بالمغازی وایام الناس (۵)
 ”وہ مغازی اور تاریخ کے بہت بڑے عالم تھے۔“

ابن حماد جنبلی ان کو عالم اہل الشام کا خطاب دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

کان علامة بالمغازی والاثار کثیر العلم رفیع الذکر (۶)
 وہ فن مغازی اور حدیث کے زبردست عالم اور جلیل المرتبت انسان تھے۔

حافظ ذہبیؒ ”شیخ اہل الشام وعالمهم“ کے الفاظ سے ان کے فضل و کمال کا اعتراف کرتے ہیں۔ (۷)

(۱) تذکرۃ الحفاظ ج ۱ صفحہ ۳۴۹۔ (۲) اللباب فی تہذیب الانساب ج ۲ صفحہ ۱۷۲۔ (۳) تہذیب الجہد ج ۲ صفحہ

۱۰۰۔ (۴) خلاصہ تہذیب صفحہ ۲۲۱۔ (۵) اللباب فی تہذیب الانساب ج ۲ صفحہ ۱۷۲۔ (۶) شذرات الذہب ج ۲ صفحہ

۱۴۴۔ (۷) تذکرۃ الحفاظ ج ۱ صفحہ ۳۴۹

شیوخ و تلامذہ:- انہوں نے جن نامور ائمہ سے حدیث کی روایت اور دوسرے علوم کی تحصیل کی ان میں سے کچھ یہ ہیں:

حضرت امام مالک بن انس، اسماعیل بن عیاش، سفیان بن عیینہ، سعید بن عبدالعزیز، صدقہ بن خالد، یحییٰ بن حمزہ الحضرمی، محمد بن حرب، ہقل بن زیاد، خالد بن یزید، محمد بن مسلم الطائفی۔ ان کے شاگردوں کی فہرست بھی طویل ہے، چند ممتاز نام حسب ذیل ہیں:

امام بخاری، محمد بن یحییٰ الذہلی، احمد بن صالح، احمد بن حنبل، یحییٰ بن معین، ابو حاتم ابو زرعہ، محمد بن اسحاق الصنعانی، محمد بن الولید الدمشقی، محمد بن الحسین السمنانی، عمرو بن منصور النسائی، عباس بن الولید الخلال، مروان بن محمد الطاطری، سلیمان بن عبد الرحمن، دمشقی، احمد بن ابی الحواری۔ (۱)

مرویات کا پایہ:- حفاظ حدیث کی طویل فہرست میں ایسے خوش نصیب خال خال ہی ملتے ہیں جو ماہرین جرح و تعدیل کی گرفت سے محفوظ رہے ہوں۔ امام ابو مسہر کا شمار ایسے ہی خوش قسمتوں میں ہے، ان کی ثقاہت و عدالت، حفظ و ضبط اور ثبوت و اتقان پر اتفاق ہے، امام احمد جنہیں ابو مسہر سے سعادت تلمذ بھی حاصل ہے، فرماتے ہیں:

رحم الله ابا مسهر ما كان اثبته (۲)

”خدا ابو مسہر پر رحم فرمائے، وہ بڑے مثبت تھے۔“

ابوداؤد کا بیان ہے:

كان ابا مسهر من ثقات الناس

”ابو مسہر ثقہ لوگوں میں تھے۔“

ابن حبان شہادت دیتے ہیں:

كان امام اهل الشام في الحفظ والاتقان

”امام ابو مسہر حفظ و اتقان میں اہل شام کے امام تھے۔“

جلیل المرتبت تبع تابعی یحییٰ بن معین کا قول ہے:

كان من الحفاظ المتقنين و اهل الورع في الدين (۳)

”وہ حافظ متقنین اور اہل زہد و ورع لوگوں میں تھے۔“

(۱) تہذیب التہذیب ج ۶ صفحہ ۹۸، ۹۹۔ (۲) خلاصہ تہذیب صفحہ ۲۲۱۔ (۳) تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو تہذیب

التہذیب ج ۶ صفحہ ۹۹۔ ۱۰۱

خلیلی کہتے ہیں:

ثقة حافظ امام متفق علیہ

”وہ متفقہ طور پر حافظ اور ثقہ امام تھے۔“

علاوہ ازیں ابو حاتم، عجل، ابو زرہ، مروان بن محمد، ابن حبان، ابن وضاح اور جاکم جیسے بحر حدیث کے شہسواران کی ثقاہت کا برملا اعتراف کرتے ہیں۔

اعترافِ علماء:- امام ابو مسہر کے تجر و جلالتِ علم کا اعتراف اہل علم و دانش معاصرین کی ایک بڑی جماعت نے کیا ہے۔ چنانچہ یحییٰ بن معین کا ارشاد ہے:

منذ خرجت من بغداد الى ان رجعت لم أر مثلاً ابى مسهر (۱)

”میں نے بغداد اور اس کے باہر کسی کو ابو مسہر کا ثانی نہیں دیکھا۔“

ابو حاتم فرماتے ہیں:

ما رأيت احداً في كورة من الكور اعظم قدراً ولا اجل عند اهل العلم من

ابى مسهر بدمشق. اذا خرج اصطف الناس يقبلون يده (۲)

”میں نے اطرافِ ملک میں کسی ایسے شخص کو نہیں دیکھا جو دمشق کے اہل علم کے نزدیک ابو مسہر سے زیادہ جلالتِ مرتبت اور بلندیِ شان رکھتا ہو، وہ جب نکلتے تو لوگ ان کی دست بوسی کے لئے دورویہ قطار بنا کر کھڑے ہو جاتے تھے۔“

امام احمد ”معترف ہیں:

كان عندكم ثلاثة اصحاب حديث مروان والوليد و ابو مسهر

”تمہارے پاس تین محدث ہیں، مروان، ولید اور ابو مسہر۔“

محمد بن عثمان التتوخی کا بیان ہے:

ما بالشام مثل ابى مسهر كان من احفظ الناس

”شام میں ابو مسہر کی نظیر نہ تھی، وہ لوگوں میں سب سے بڑے حافظ تھے۔“

ابن حبان حفظ و اتقان میں انہیں امام اہل الشام قرار دیتے ہوئے کہتے ہیں:

كان ممن عني بالنساب اهل بلده و ابنائهم و اليه كان يرجع اهل الشام في

الجرح و العدالة شيو خهم (۳)

(۱) تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو تہذیب التہذیب ج ۶ صفحہ ۹۹-۱۰۱۔ (۲) شذرات ج ۲ صفحہ ۱۴۳۔ (۳) تہذیب التہذیب ج ۶ صفحہ ۹۹-۱۰۰

”وہ اہل شام کے انساب کے سب سے بڑے واقف کار تھے اور شام کے علماء جرح و تعدیل میں ان کی طرف رجوع کرتے تھے۔“

فتنہ خلق قرآن:۔ اگرچہ حاکم بغداد مامون الرشید کے درباری اور اہل منصب معتزلہ نے اپنے اثر و رسوخ کی بناء پر عقیدہ خلق قرآن کا اعلان خلیفہ سے ۲۱۲ ہجری ہی میں کر دیا تھا، لیکن اس فتنہ کو عروج ۲۱۸ ہجری میں حاصل ہوا، جب اپنی عمر کے آخری سال میں مامون نے یہ طے کر لیا کہ حکومت کے جبر و قہر سے کام لے کر لوگوں سے خلق قرآن کے عقیدہ کا اقرار کرایا جائے۔ چنانچہ اس نے سنہ مذکورہ میں پہلی بار رقعہ سے بغداد میں اپنے نائب اسحاق بن ابراہیم کے نام ایک فرمان بھیجا کہ خلق قرآن کے مسئلہ میں محدثین اور فقہاء پر سختی کرنے میں تامل نہ کرو اور ان سے قرآن کے مخلوق ہونے کا فوراً اقرار لو۔

چنانچہ اس فرمان کے مطابق اسحاق نے تمام محدثین و قضاة کو اپنے دربار میں بلایا، اس جماعت میں حضرت ابو حسان زیادی، بشر بن ولید، علی بن مقاتل، فضل بن غانم، امام احمد بن حنبل، سجادہ، قواریری، محمد بن نوح، ابن علیہ، علی بن عاصم کے علاوہ چودہ دوسرے جلیل القدر علماء شامل تھے، نائب حاکم بغداد نے ان سب کا امتحان لیا، پہلی بار سب نے قرآن کے غیر مخلوق ہونے کا اقرار کیا، لیکن جب اسحاق نے زجرو توہین کی اور مامون کی طرف سے سخت ترین سزا دینے کی دھمکی دی تو تقریباً سب نے رخصت پر عمل کرتے ہوئے اس باطل عقیدہ کا اقرار کر لیا۔ (۱)

ابو مسہر کی آزمائش:۔ لیکن اللہ نے جن لوگوں کو ثبات قلب کی نعمت عطا کی تھی وہ اپنے عقیدہ پر ثابت قدم رہے، ان میں امام احمد بن حنبل نے جو رتبہ عالیہ حاصل کیا اس کی نظیر سے پوری اسلامی تاریخ خالی ہے:

یہ رتبہ بلند ملا جسے مل گیا

ہر بوالہوس کے واسطے دارورسن کہاں

اسی طرح امام ابو مسہر کا نام بھی دعوت و عزیمت کی تاریخ میں روشن رہے گا۔

علامہ ابن سعد نے ان کے ابتلاء کی تفصیل اس طرح بیان کی ہے:

”جب بغداد کے نائب حاکم اسحاق بن ابراہیم نے عقیدہ خلق قرآن کے منکر علماء کو پابجولاں مامون الرشید کے پاس رقعہ بھیجا (جہاں اس وقت وہ مقیم تھا) تو امام ابو مسہر کو بھی اسی

طرح روانہ کیا، خلیفہ نے ان سے اس بحث کے بارے میں سوال کیا تو فرمایا: ہو کلام اللہ غیر مخلوق۔ مامون نے یہ استقامت دیکھ کر تلوار اور چرمی کوڑا طلب کیا تا کہ امام صاحب کی تعذیب کے بعد ان کا سر قلم کر دے۔ اس حالت میں اقرار کے سوا اور کوئی چارہ کار نہ تھا، لیکن اسی کے ساتھ انہوں نے یہ بھی کیا کہ میں قتل کے خوف سے اس عقیدہ کا اظہار کر رہا ہوں۔ اس کے بعد خلیفہ نے ان کو عمر قید کی سزا کا حکم دیا اور ربیع الآخر ۲۱۸ ہجری میں انہیں رقبہ سے بغداد لا کر جیل میں ڈال دیا گیا۔

اس سلسلہ میں حافظ ابن حجر عسقلانی کا بیان بھی اہم ہے، انہوں نے ابوداؤد کی یہ روایت بھی نقل کی ہے کہ ابو مسہر نے قرآن کے مخلوق ہونے کا اقرار آخر تک نہیں کیا اور ان کی استقامت کو دیکھ کر انہیں قید خانہ میں ڈال دیا گیا۔ (۱)

وفات :- عمر قید کی سزا کو دو ہی ماہ گزرے تھے کہ یکم رجب ۲۱۸ ہجری کو ۷۹ سال کی عمر میں طاہر روح قفسِ عنصری سے پرواز کر گیا۔ علامہ ابن سعدؒ لکھتے ہیں کہ جب ان کے جسدِ خاکی کی تدفین کے لئے زندان سے نکالا گیا تو جنازہ میں شرکت کے لئے بغداد کی ایک خلقت ٹوٹ پڑی۔ ہر طرف صفِ ماتم بچھی ہوئی تھی۔ (۲)

(۱) تہذیب المعادین ج ۶ صفحہ ۱۰۰۔ (۲) ابن سعد ج ۷ صفحہ ۱۷۴۔

حضرت عبدالرحمن بن القاسم رحمۃ اللہ علیہ

نام و نسب :- عبدالرحمن نام، ابو عبد اللہ کنیت اور نسب نامہ یہ ہے:
عبدالرحمن بن القاسم بن خالد بن جنادہ (۱)، زبید بن الحارث العتقی کے غلام تھے، اس لئے
عتقی کی نسبت سے مشہور ہیں۔ (۲)

ولادت اور وطن :- مصر کے رہنے والے تھے، ان کے سال پیدائش کے سلسلہ میں علماء کا بہت
اختلاف ہے۔ ۱۲۸ ہجری، ۱۳۱ ہجری اور ۱۳۲ ہجری تینوں منقول ہیں، لیکن امام ابن القاسم کے تلمیذ
رشید بخون کے بیان کو اس بارے میں معتبر قرار دیا جائے گا، کیونکہ وہ ”صاحب البیت ادری
بما فیہ“ کے پورے مصداق تھے، اس کے مطابق ۱۲۸ ہجری میں شیخ کی ولادت ہوئی۔ (۳)
طلب علم :- انہیں طلب علم کا بے انتہا شوق تھا، جس کا اندازہ صرف اس سے کیا جاسکتا ہے کہ
انہوں نے اس راہ میں جسمانی صعوبتوں کو انگیز کرنے کے علاوہ خطیر مال و دولت کو بھی قربان کیا،
چنانچہ ابن عمادؒ لکھتے ہیں:

انفق مالا کثیراً فی طلب العلم (۴)

”انہوں نے تحصیل علم میں بکثرت مال خرچ کیا۔“

امام مالکؒ کے منبع علم سے خصوصی استفادہ کیا، خود بیان کرتے ہیں کہ ایک شب عالم رویا
میں مجھے خبر دی گئی کہ تمہیں علم سے اس قدر شغف و انہماک ہے تو ”عالم آفاق“ کی صحبت اختیار
کرو۔ میں نے پوچھا، وہ عالم کون ہے؟ بتلایا گیا ”امام مالک رحمۃ اللہ۔“ چنانچہ اس غیبی اشارہ
کے بعد وہ امام صاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کامل بیس سال تک اپنے سینہ کو مالکی علوم کا
گنجینہ بنانے میں مصروف رہے، امام صاحبؒ سے انہوں نے ۲۰ کتابوں کا سماع حاصل کیا
تھا۔ (۵)

تبحر و جامعیت :- فضل و کمال کے اعتبار سے وہ یگانہ روزگار فقیہ اور حافظ حدیث تھے۔ تبع
تابعین کی جماعت میں ایسی جامع الکملات شخصیتیں بہت کم ملتی ہیں۔ خصوصاً فقہ مالکی کی مہارت
میں تو ان کا ثانی ملنا مشکل ہے۔ میدان علم کے شہسوار ہونے کے ساتھ زہد و اتقا اور شجاعت و

(۱) تہذیب المعادین ج ۶ صفحہ ۲۵۲۔ (۲) ابن خلکان ج ۱ صفحہ ۴۹۳۔ (۳) الذہبی ج ۱ صفحہ ۱۴۷۔ (۴) شذرات
الذہبی ج ۱ صفحہ ۳۲۹۔ (۵) ابن خلکان ج ۱ صفحہ ۴۹۴

ساحت میں بھی ممتاز تھے۔ روم، بربر اور زنج کے جہاد میں عمر کا چوتھائی حصہ صرف کیا تھا۔ (۱) ابن حبانؒ کا بیان ہے:

کان حبراً فاضلاً تفقہ علی مذهب مالک و فرع علی اصولہ (۲)
 ”علم و فضل میں بلند پایہ تھے، فقہ مالکی کے متبع اور اس کے اصول سے فروع کا استنباط کرنے والے تھے۔“

علامہ ذہبیؒ لکھتے ہیں ”الامام فقیہ الدیار المصریہ“ (۳)
 شیوخ و تلامذہ:- امام مالکؒ سے خصوصی تلمذ کے علاوہ جن ممتاز علماء کے فیض صحبت سے وہ مستفید ہوئے، ان میں کچھ نام یہ ہیں۔

عبدالرحمن بن شریح بکر بن مضر، نافع بن ابی نعیم، یزید بن بعد الملک اور سفیان بن عیینہ۔
 اسی طرح خود ان کے تلامذہ میں سعید بن عیینہ، محمد بن مسلمہ، حارث بن مسکین، یحیٰ بن سعید، عبدالرحمن بن ابی النمر، محمد بن عبداللہ اور عیسیٰ بن حماد کے اسماء لائق ذکر ہیں۔ (۴)

فقہ:- فقہ میں غیر معمولی مہارت ان کا سب سے بڑا طغرائے امتیاز ہے۔ امام مالکؒ کی طویل ترین ہم نشینی نے انہیں فقہ مالک کا منبع بنا دیا تھا، مالکی مذہب کی پہلی تدوین ان ہی سے شروع ہوتی ہے۔ امام مالکؒ کے فتاویٰ و مسائل کی تقریباً تین سو جلدیں ان کے پاس تھیں۔ (۵)

ایک بار امام مالکؒ سے ابن وہب اور ابن القاسم کے بارے میں سوال کیا گیا تو فرمایا: ابن وہب عالم ہیں اور ابن قاسم فقیہ۔ (۶) ابن حبانؒ رقمطراز ہیں:

کان حبراً فاضلاً ممن تفقہ علی مالک و فرع علی اصولہ و ذب عنها و نصر من انتحلها (۷)

وہ بڑے عالم و فاضل تھے اور ان علماء میں سے تھے جو فقہ مالکی کے پیرو تھے اور جنہوں نے اس مذہب کے فروع متین کئے اور ان کی طرف سے ہمیشہ دفاع اور ان کے متبعین کی حمایت کرتے رہے۔

ان کے ہم پایہ معاصر عبداللہ بن وہبؒ کا قول ہے ”اگر فقہ مالکی میں مہارت پیدا کرنا چاہو تو

(۱) الدیبا ج المذہب صفحہ ۱۴۷۔ (۲) شذرات الذہب ج ۱ صفحہ ۳۲۹۔ (۳) تذکرۃ الحفاظ ج ۱ صفحہ ۳۲۶۔

(۴) تہذیب التہذیب ج ۶ صفحہ ۲۵۳۔ (۵) تہذیب التہذیب ج ۲ صفحہ ۲۵۳۔ (۶) الدیبا ج المذہب صفحہ ۱۴۷۔

(۷) تہذیب التہذیب ج ۲ صفحہ ۲۵۳۔

ابو القاسم کی صحبت اختیار کرو، کیونکہ وہ اس میں منفرد دیکھتا ہیں۔ (۱)
 موطا کی روایت:۔ موطا امام مالک کے رواد کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ مختلف زمانوں میں
 علماء نے امام صاحب سے اس کی تحصیل کی ہے۔ اس اختلاف زمانی کے نتیجہ میں موطا میں مختلف
 طریقوں سے مروی ہے۔ جن میں صرف ۱۶ روایتیں مشہور و معتبر ہیں۔ انہی خوش بختوں میں ابن
 القاسم بھی ہیں۔ نسائی کا بیان ہے:

لم يرو واحد الموطا عن مالك اثبت من ابن القاسم وليس احد من
 اصحاب مالك عندي مثله (۲)

”عبدالرحمن بن القاسم سے زیادہ ثبت کسی شخص نے امام مالک سے موطا کی روایت نہیں کی
 اور نہ اصحاب مالک میں ابن القاسم کے پایہ کا کوئی تھا۔“
 ظیلی کہتے ہیں کہ:

هو اول من حمل الموطا الى مصر (۳)

”وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے موطا مصر میں پہنچائی۔“
 مدونہ کی تالیف:۔ فقہ مالکی کی مشہور ترین ضخیم کتاب ”المدونہ الکبریٰ“ انہی کی تالیف ہے،
 جو ان کے لائق شاگرد بخون کے واسطے سے مروی ہے، اس کتاب کے متعلق زرکلی کا بیان ہے:

هو من اجل الكتب المالكية (۴)

”یہ مذہب مالکی کی عظیم ترین کتابوں میں ہے۔“

بعض علماء کا خیال ہے کہ خود ابن القاسم نے امام مالک کے زمانہ میں مدینہ سے واپس آ کر
 اپنے شیخ کے مجتہدات و فقیہات کو ایک کتاب کی صورت میں مدون کرنا شروع کیا تھا۔ یحییٰ
 مصمودی مدونہ کا سماع حاصل کرنے ابن القاسم کی خدمت میں مصر سے حاضر ہوئے تھے، لیکن اس
 وقت وہ بستر علالت پر تھے، یہ کتاب مصر کے مطبع بولاق سے طبع ہو کر ہر جگہ دستیاب ہے۔

ثقاہت:۔ علماء ان کی ثقاہت پر متفق ہیں، نسائی: ”ثقة مامون“ ابو زرعہ مصری: ”ثقة رجل
 صالح“ اور حاکم: ”ثقة مامون“ کہتے ہیں۔ علاوہ ازیں خطیب ابن حبان اور یحییٰ بن معین نے بھی
 ان کی توثیق کر دی ہے۔ امام بخاری نے اپنی جامع صحیح میں ان کی روایت کی تخریج کی ہے۔ (۵)

(۱) الدیاج المذہب صفحہ ۱۴۷۔ (۲) الدیاج المذہب صفحہ ۱۴۷۔ (۳) تہذیب التہذیب ج ۶ صفحہ ۲۸۴۔

(۴) الاعلام ج ۲ صفحہ ۵۰۴۔ (۵) الدیاج المذہب صفحہ ۱۴۶۔

زہد و ورع :- ان کمالات کے ساتھ وہ نہایت بلند مرتبہ زاہد و متقی بھی تھے۔
 حرث بن مسکین بیان کرتے ہیں کہ اس صفت میں وہ عجیب و غریب حیثیت رکھتے تھے۔
 فرط تقویٰ کا عالم یہ تھا کہ سلاطین وقت کے نذر و تحائف کو کبھی قبول نہیں کرتے تھے۔
 اقوال زریں :- ان کے بہت سے حکیمانہ اقوال آب زر سے لکھے جانے کے لائق ہیں۔ اکثر
 دعا فرمایا کرتے: ”خداوند! تو دنیا کو مجھ سے اور مجھے دنیا سے دور رکھ۔“ فرمایا ”حکمرانوں سے
 تقرب اختیار کرنے میں کوئی بھلائی نہیں۔“ فرمایا ”زیادہ دوست بنانے سے بچو، کیونکہ یہ آزاد
 لوگوں کو غلام بنانے کے مانند ہے۔“ (۱)
 وفات :- ۷ صفر شب جمعہ کو بمقام مصر انتقال فرمایا۔ باب القرائۃ الصغریٰ کے باہران کا مزار
 ہے۔ (۲) وفات کے وقت حسب اختلاف روایت ۵۸، ۶۰ اور ۶۳ سال کی عمر تھی۔

(۱) الدیباچ المذہب صفحہ ۱۴۷۔ (۲) ابن خلدون ص ۴۹۴۔

حضرت عبدالرزاق بن ہمام رحمۃ اللہ علیہ

اتباع تابعین کے زمرہ میں جن علماء نے درس و افادہ کی مجلسیں گرم کرنے کے ساتھ تصنیف و تالیف کے میدان میں بھی کارہائے نمایاں انجام دیئے، ان میں عبدالرزاق ابن ہمام کا اسم گرامی بہت ممتاز ہے، حدیث میں ان کی شہرہ آفاق ”مصنف“ نہایت بلند و اعلیٰ مقام کی حامل ہے، قدامت و اہلیت کے لحاظ سے ان کا پایہ ”مصنف“ ابن ابی شیبہ سے بھی اونچا ہے۔

نام و نسب :- عبدالرزاق نام اور ابو بکر کنیت ہے، پورا سلسلہ نسب یہ ہے:

عبدالرزاق ابن ہمام بن نافع، ان کے والد ہمام کا شمار ثقات تابعین میں ہوتا ہے۔ (۱)
ولادت اور وطن :- ۱۲۶ ہجری میں یمن کے دار الحکومت اور مشہور ترین شہر صنعاء میں ان کی ولادت ہوئی۔ (۲) اس مردم خیز سرزمین کو لاتعداد شیوخ و آئمہ کے مولد ہونے کا شرف حاصل رہا ہے۔ (۳)

طلب علم :- انہوں نے بدو شعور ہی سے اپنے والد اور دوسرے مقامی علماء سے تحصیل علم شروع کر دی تھی، اور بیس سال کی عمر میں تمام علوم متداولہ میں دسترس و مہارت پیدا کر لی تھی، مشہور امام فن معمر بن راشد کی بارگاہ علم میں کامل سات سال گزارے تھے، اس خصوصی صحبت اور زرین موقع سے وہ پورے طور پر بہرہ یاب ہوئے تھے، چنانچہ ان کے عہد میں مرویات ابن راشد کا ان سے بڑا عالم و حافظ کوئی نہ تھا، یمن سے باہر ان کی رحلت علمی کا بصراحت ثبوت فراہم نہیں ہوتا، لیکن وہ اکثر بغرض تجارت شام وغیرہ ممالک کا سفر کیا کرتے تھے۔ یقیناً ان کا شغف علم انہیں وہاں کے مشاہیر شیوخ کی خدمت میں لے جاتا ہوگا، حافظ ذہبی رقمطراز ہیں۔

رحل فی تجارتہ الی الشام ولقی الکبار (۴)

”وہ تجارت کے سلسلہ میں شام کا سفر کرتے اور وہاں کے کبار علماء سے شرف نیاز حاصل کرتے تھے۔“

(۱) تاریخ ابن خلکان جلد ۱ صفحہ ۵۴۳۔ (۲) مرآۃ الجنان جلد ۲ صفحہ ۱۲۶۔ (۳) اللباب فی تہذیب الانساب جلد ۲ صفحہ ۶۱، ملک شام میں بھی دمشق کے قریب صنعاء نام کا ایک گاؤں ہے، اس کی طرف بھی علماء اعلام کی ایک بڑی جماعت منسوب ہے۔ جیسے ابوالافعث، ثمر اہل بن کلیب الصنعانی اور حنش بن عبداللہ الصنعانی وغیرہ۔ لیکن اکثر و بیشتر صنعانی کی نسبت صنعاء یمن ہی کی طرف ہوتی ہے۔ (۴) تذکرۃ الحفاظ جلد ۱ صفحہ ۳۳۴

شیوخ :- ان کے اساتذہ و شیوخ کی تعداد بہت زیادہ ہے، جن میں والد بزرگوار ہمام اور عم محترم وہب کے علاوہ معمر بن راشد، عبید اللہ بن عمر، ایمن بن نابل، ابن جریج، اوزاعی، مالک بن انس، سفیان بن عیینہ، سفیان ثوری، زکریا بن اسحاق، اسماعیل بن عیاش، ثور بن یزید، ہشیم بن بشیر، ابو معشر کجج، عبدالعزیز بن زیاد کے نام لائق ذکر ہیں۔ (۱)

خصوصی فیض معمر بن راشد سے حاصل کیا تھا، خود بیان کرتے ہیں کہ:

جالست معمر ا سبع سنین (۲)

”میں نے سات سال تک معمر کی ہم نشینی کی ہے۔“

تلامذہ :- ان کے فضل و کرم کا شہرہ سن کر اقضائے عالم سے تشنگانِ علم کا ہجوم ایک سیل رواں بن کر ان کے پاس آنے لگا، آئمہ اسلام کی ایک بڑی جمعیت ان کے دامانِ فیض سے وابستہ رہی، لائق ذکر مشاہیر میں امام احمد، اسحاق بن راہویہ، علی بن مدینی، یحییٰ بن معین، محمود بن غیلان، ابو خثیمہ، احمد بن صالح، ابراہیم بن موسیٰ، عبدالرحمن بن بشر الحکم، عبد بن حمید محمد بن رافع، محمد بن غیلان، محمد بن یحییٰ الذہلی کے نام خصوصیت کے نمایاں ہیں۔ ان کے علاوہ معاصرین میں امام و کعب، ابواسامہ حماد بن سلمہ اور شیوخ میں سفیان بن عیینہ و معمر بن سلیمان نے بھی ان سے روایت کی ہے۔ (۳)

فضل و کمال :- ابن ہمام چمنستانِ علم و فن کے گل تازہ تھے، تبحر علمی، مہارت فنی اور قوتِ حافظہ میں ان کا مقام نہایت بلند تھا، خیر الدین زرکلی انہیں ”من حفاظ الحدیث الثقات“ علامہ یافعی ”الحافظ العلامة“ اور حافظ ذہبی ”احد الاعلام الثقات“ لکھتے ہیں۔ مزید برآں علامہ شمس الدین ذہبی رقمطراز ہیں کہ اگر ابن ہمام کے سوانح و کمالات کا استقصاء کیا جائے تو ایک مستقل ضخیم کتاب تیار ہو سکتی ہے۔ (۴) ہشام بن یوسف کہتے ہیں کہ عبدالرزاق ہم سب میں بڑے حافظ و عالم تھے۔ (۵)

قوتِ حافظہ :- ان کے حفظ و ضبط کی قوت نہایت حیرت انگیز تھی، ابراہیم بن عباد الدیری کا بیان ہے کہ ستر ہزار حدیثیں ان کے نہاں خانہ دماغ میں محفوظ تھیں۔ (۶)

(۱) تہذیبِ اہجدیب ج ۶ صفحہ ۳۱۱ و ابن خلکان جلد ۱ صفحہ ۵۴۳۔ (۲) تذکرۃ الحفاظ جلد ۱ صفحہ ۲۳۳ (۳) مرآۃ الجنان ج ۲ صفحہ ۵۳ و تہذیبِ اہجدیب ج ۶ صفحہ ۳۱۱۔ (۴) تذکرۃ الحفاظ ج ۱ صفحہ ۳۳۳۔ (۵) تہذیبِ اہجدیب ج ۶ صفحہ ۳۱۲۔ (۶) العلام ج ۲ صفحہ ۵۱۹

مرجعیت :- اسی فضل و کمال کے نتیجہ میں دنیا کے دور دراز گوشوں سے طالبان علم اس شمع دین و دانش کی طرف پروانہ وار ٹوٹ پڑے اور صنعاء کا شہر قال اللہ وقال الرسول ﷺ کے نغموں سے معمور ہو گیا۔

ان کے شیخ معمر نے اپنے لائق شاگرد کے بارے میں پیشین گوئی کی تھی کہ اگر عبدالرزاق کی زندگی رہی تو لوگ دور دراز مقامات سے سفر کر کے اس کے گرد ہجوم کریں گے۔ (۱) چنانچہ وقت نے ثابت کیا کہ یہ پیش بینی حرف بحرف حقیقت بن کر رہی۔

مؤرخین بالاتفاق اعتراف کرتے ہیں کہ عہد رسالت ﷺ کے بعد کوئی شخصیت اتنی زبردست مرجوعہ خلافت اور پرکشش ثابت نہ ہو سکی، ممکن ہے اس رائے میں کسی حد تک مبالغہ ہو، لیکن یہ بہر حال ایک حقیقت ہے کہ ائمہ و علماء جوق در جوق آ کر علم کے اس چشمہ صافی سے سیراب ہوئے، علامہ یافعی انہیں ”المرتحل الیہ من الآفاق“ لکھتے ہیں۔ مؤرخ ابن اثیر رقمطراز ہیں:

ما رحل الناس الی احد بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مثل ما رحلوا الیہ. (۲)

رسول اکرم ﷺ کے بعد کسی کے پاس اس قدر کثرت سے لوگ نہیں آئے، جتنے امام ابن ہمام لے پاس آئے۔

ثقاہت و عدالت :- ماہرین فن ان کی صداقت و عدالت پر متفق ہیں۔ علامہ ذہبی کا بیان ہے کہ ابن ہمام کی ثقاہت پر علماء یک زبان ہیں، ان کے عدل و صدق ہونے کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ ائمہ صحاح نے ان کی روایتوں کی تخریج کی ہے۔ (۳) امام احمد شہادت دیتے ہیں کہ معمر سے ابن ہمام کی روایت میرے نزدیک تمام بصری علماء سے زیادہ یسندیدہ اور قابل ترجیح ہے۔ انہی کا بیان ہے کہ ابن جریج کے تلامذہ میں عبدالرزاق ”اثبت“ ہیں۔

علاوہ ازیں یحییٰ بن معین، علی بن المدینی، یعقوب بن شیبہ، ابو داؤد الفریابی اور عیسیٰ بن ابی ان کی توثیق کی ہے۔ ذیلی اور بزار بیان کرتے ہیں:

کان عبدالرزاق ایقظہم فی الحدیث و کان یحفظ. (۴)

(۱) تہذیب المعجم ج ۶ صفحہ ۳۱۲۔ (۲) الباب فی تہذیب الانساب ج ۳ صفحہ ۶۱۔ (۳) تذکرۃ الحفاظ ج ۱ صفحہ ۳۳۳۔ (۴) تہذیب المعجم ج ۶ صفحہ ۳۱۳

حضرت عبدالرزاق بن ہمام تمام محدثین میں سے سب سے زیادہ حاضر دماغ و بیدار مغز محدث اور بڑے حافظ تھے۔

بعض شکوک و شبہات کا ازالہ :- اس تمام تحسین و ستائش کے باوصف بعض علماء نے ان کو نقد و جرح کا نشانہ بھی بنایا ہے، لیکن غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس جرح کی بنیاد تمام تر شک و شبہ اور سوء تفہیم پر قائم ہے۔

حضرت ابن ہمام پر پہلا اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ وہ رفض و تشیع کی طرف مائل تھے، ابن عماد حنبلی، حافظ ذہبی اور علامہ ابن حجرؒ نے اس طرح کے متعدد اقوال نقل کئے ہیں۔ لیکن تحقیق کے بعد ظاہر ہوتا ہے کہ اس نقد کی حقیقت پر کاہ سے زیادہ نہیں۔

امام احمدؒ سے ایک بار ان کے صاحبزادے عبداللہ نے دریافت کیا:

هل كان عبدالرزاق يتشيع ويفرط في التشيع؟

”کیا عبدالرزاق غالی شیعہ تھے؟“

امام موصوفؒ نے جواب ابن ہمامؒ کی خدمت میں بہت حاضر باش تھے، فرمایا:

لم اسمع في هذا شيئاً (۱)

”میں نے تو اس سلسلہ میں کچھ نہیں سنا۔“

اغلب ہے کہ رفض و شیعیت کا شبہ لوگوں کو اہل لئے ہوا کہ ابن ہمام اہل بیت کو بہت محبوب اور حضرت علیؑ کے قاتل کو مبغوض رکھتے تھے۔ اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں تھا کہ وہ شیخین (ابوبکرؓ و عمرؓ) پر حضرت علیؑ کی تفصیل کے قاتل تھے، لیکن لوگوں کو سوء تفہیم ہوا۔ حالانکہ خود ابن ہمامؒ نے نہایت دو ٹوک الفاظ میں اس شبہ کا پردہ چاک کر دیا تھا کہ:

والله ما انشرح صدري قط ان افضل عليا علي ابى بكر وعمر رحم الله

علي ابى بكر وعمر من لم يحبهم فما هو مؤمن واثق اعمالى حبى اياهم (۲)

بخدا اس بات پر مجھے کبھی شرح صدر نہ ہوا کہ میں حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ پر علیؑ کو فضیلت دوں۔

اللہ ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہم پر رحمت نازل فرمائے۔ جو شخص ان سے محبت نہ کرے وہ مومن کامل نہیں اور ان بزرگوں سے میری محبت حاصل اعمال ہے۔

ایک بار کسی نے شیخ ابن ہمامؒ سے دریافت کیا کہ ”آپ کے نزدیک کیا حضرت علیؑ نزاعی

(۱) میزان الاعتدال ج ۲ صفحہ ۱۲۷۔ (۲) تہذیب الفہرست جلد ۶ صفحہ ۳۱۲

جنگوں میں جادہ حق پر قائم تھے؟ فرمایا، بخدا نہیں! بلکہ خود جناب امیر کا بھی خیال تھا کہ وہ ایک آزمائش میں مبتلا ہیں اور میرا بھی یہی خیال ہے۔ (۱) حب آل رسول ﷺ کی بنیاد پر امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ پر بھی جب تشیع کا الزام عائد کیا گیا تو امام صاحبؒ نے برملا جواب دیا کہ اگر آل محمد کی محبت ہی کا نام شیعیت ہے تو میں جن و انس کو شاہد بنا کر کہتا ہوں کہ میں یقیناً شیعہ ہوں۔

دوسرا شبہ ابن ہمامؒ پر یہ ظاہر کیا گیا ہے کہ وہ سوء حفظ اور فتور عقل میں مبتلا تھے، اور ضعیف و منکر روایتیں بیان کیا کرتے تھے، یہ صحیح ہے کہ آخر عمر میں وہ ضعف بصر وغیرہ ایسے عوارض کا شکار ہو گئے تھے، جو جرح و تعدیل کے معیار میں خلل انداز ہوتے ہیں، لیکن ان سے ان کی پوری زندگی کی مرویات کو غیر معتبر قرار دینا درست نہیں ہے، ان کے عنفوان شباب کی حدیثوں پر کسی نے بھی نقد و جرح کی جرأت نہیں کی ہے۔

امام احمد بن حنبلؒ نے اس حقیقت کو بصراحت بیان کیا ہے کہ ۲۰۰ ہجری تک ان کی بصارت بالکل درست تھی، اس کے بعد کے گیارہ سال کی روایات ضعیف ہیں۔ جن علماء نے اس سے قبل ان سے سماعت حدیث کی ہے وہ معتبر و مستند ہے۔

اتینا عبد الرزاق قبل المائین وهو صحيح البصر ومن سمع منه بعد ما ذهب بصره فهو ضعيف السماع (۲)

”۲۰۰ ہجری سے قبل ہمارے پاس عبد الرزاق آئے، تو ان کی بصارت قائم تھی، پس جس نے ان کی بینائی زائل ہونے کے بعد ان سے حدیثیں سنی ہیں اس کا سماع ضعیف ہے۔“
حافظ ذہبیؒ نے لکھا ہے کہ تمام حفاظ اور ائمہ حدیث نے ابن ہمامؒ کی روایات کو حجت قرار دیا ہے۔

ان کے بعض اور بھی اعتراضات ابن ہمامؒ پر وارد کئے گئے ہیں، لیکن علامہ ابن حجر اور حافظ ذہبیؒ نے انہیں لچر، مہمل اور ناقابل اعتبار ٹھہرایا ہے۔

وفات:۔ ۱۵ اشوال ۲۱۱ ہجری کو یمن میں وفات پائی، (۳) اس وقت ۸۵ سال کی عمر تھی۔ (۴)
تصنیف:۔ انہوں نے متعدد تصانیف بھی یادگار چھوڑیں، لیکن اکثر معدوم ہیں۔

خیر الدین زرکلی اور ابن ندیمؒ نے ان کی جن کتابوں کے نام دیے ہیں وہ درج ذیل ہیں:

(۱) تہذیب التہذیب جلد ۶ صفحہ ۳۱۲۔ (۲) میزان الاعتدال ج ۲ صفحہ ۱۲۔ (۳) طبقات ابن سعد ج ۵ صفحہ ۳۹۸۔

(۴) ابن خلکان ج ۱ صفحہ ۵۴۳ و مرآۃ الجنان ج ۲ صفحہ ۵۲

(۱) جامع یاسنن عبدالرزاق

(۲) تفسیر میں ایک کتاب

(۳) کتاب السنن فی الفقہ

(۴) مصنف عبدالرزاق

ان میں مؤخر الذکر کتاب ابن ہمام کی مشہور ترین تصنیف ہے، ابو بکر بن ابی شیبہ کی مصنف جو مجموعی حیثیت سے اس سے زیادہ اہم اور وقیع ہے، لیکن قدامت کے اعتبار سے وہ بھی اس سے کم پایہ ہے۔ یہ کتاب فقہی ابواب کے مطابق مرتب کی گئی ہے۔ اس کی لائق ذکر خصوصیت یہ ہے کہ اس کی اکثر حدیثیں ثلاثی ہیں، بقول شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی، یہ عجیب بات ہے کہ عبدالرزاق بن ہمام نے اپنی مصنف کو شامل پر ختم کیا ہے اور شامل کو آنحضرت ﷺ کے مؤئے مبارک کے ذکر پر تمام کیا ہے۔ چنانچہ اس کے آخر میں یہ حدیث ہے۔

حدثنا معمر عن ثابت عن انس قال كان شعر النبي الى انصاف اذنيه (۱)
”مجھ سے معمر نے عن ثابت عن انس بیان کیا کہ نبی کریم ﷺ کے مؤئے مبارک آپ کے کانوں کے نصف حصہ تک تھے۔“

یہ مصنف تاجوز زبور طبع سے آراستہ نہیں ہو سکی ہے، مختلف کتب خانوں میں اس کے قلمی نسخے پائے جاتے ہیں۔

حضرت عبدالعزیز بن عبداللہ ماجشون رحمۃ اللہ علیہ

نام و نسب :- عبدالعزیز نام اور ابو عبداللہ یا ابوالاصح کنیت تھی۔ دادا تک سلسلہ نسب یہ ہے، عبدالعزیز بن عبداللہ بن ابی سلمۃ المیمون (۱)

ان کے دادا قبیلہ آل ہدیر کے غلام تھے، جن کی کنیت ابوسلمہ تھی۔ غالباً یہ نسل ایرانی تھے، میمون کے زمانہ ہی سے یہ خانوادہ مدینہ منورہ میں آباد ہو گیا تھا اور عبدالعزیز بن عبداللہ کی پیدائش جواری نبوی ہی میں ہوئی۔ اسی بناء پر عام اہل تذکرہ انہیں من اهل المدینہ لکھتے ہیں۔ ان کے دادا ابوسلمہ قابل ذکر لوگوں میں معلوم ہوتے ہیں۔

چنانچہ احمد بن زہیرؒ کا بیان ہے کہ میں نے یحییٰ بن معین سے پوچھا کہ شیخ عبدالعزیز کے دادا کا نام میمون تھا؟ فرمایا: ہاں میمون تھا! ان ہی کی اولاد میں تو متعدد علماء اور محدث پیدا ہوئے ہیں۔

ماجشون کی وجہ تسمیہ :- شیخ عبدالعزیزؒ کے نام کا ایک جز ماجشون بھی ہے۔ مشہور مؤرخ خطیب بغدادی اس کی وجہ تسمیہ پر روشنی ڈالتے ہوئے رقمطراز ہیں:

انما سمي الماجشون لان وجنتيه كانتا حمراوين (۲)

”ماجشون کہلائے جانے کی وجہ یہ ہے کہ ان کے رخسارے شراب کی طرح سرخ تھے۔“
یعنی وہ بہت ہی حسین و جمیل تھے۔ چنانچہ اہل فارس انہیں مے گوں کہنے لگے اور پھر اسی کو معرب کر کے اہل مدینہ نے ماجشون کر دیا، یہ خطیب کی تحقیق ہے، لیکن حافظ ابن حجر نے لکھا ہے کہ یہ لفظ ماہ گون (چاند سا) کا معرب ہے، ایک روایت یہ بھی ہے کہ یہ گل گوں کا معرب ہے۔ (۳)

بہر حال تمام روایات کا قدر مشترک یہی ہے کہ عبدالعزیز حسن و جمال کی دولت سے انتہائی مالا مال تھے۔ حتیٰ کہ ان کا ظاہری حسن ان کے نام کا لازمی جز بن گیا۔

ایک غلط فہمی کا ازالہ :- بعض تذکرہ نویسوں کو یہ غلط فہمی ہوئی ہے کہ ماجشون، زیر تذکرہ شیخ عبدالعزیزؒ کا لقب ہے، چنانچہ خطیب نے یہی لکھا ہے، مگر حقیقت یہ ہے کہ یہ شیخ کا نہیں بلکہ ان

(۱) المعرفۃ فی خبر من غمر ج ۱ صفحہ ۲۳۲۔ (۲) تاریخ بغداد ج ۱۰ صفحہ ۲۳۶۔ (۳) تہذیب المعتمد ج ۶ صفحہ ۳۳۲

کے چچا یعقوب بن ابی سلمہ کا لقب تھا۔ اس کی وجہ خواہ وہ مے گوں کا معرب ہو یا ماہ گوں کا، مگر ان کے چچا کے وقت ہی سے ان کا خاندانی لقب ہو گیا تھا۔

مؤرخ ابن خلکان تو یہ بھی لکھا ہے کہ یہ لقب ان کے چچا کو حضرت حسینؑ کی صاحبزادی حضرت سکینہؑ نے عطا کیا تھا۔ چنانچہ ابن خلکان کی عبارت ملاحظہ ہو:

ولقبته سکینۃ بنت الحسین بن علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہم وجرى

هذا اللقب علی اهل بيته من بنیه وبنی اخیه (۱)

”اور ان کو یہ لقب سکینہ بنت حسین بن علی بن ابی طالب نے عطا کیا اور یہ لقب ان کے

خاندان میں ان کے لڑکوں اور بھتیجوں میں جاری رہا۔“

ابن قتیبہ دینوری یعقوب بن ابی سلمہ کا ذکر کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

هو الماجشون بن ابی سلمه واسمه يعقوب ينسب الى ذالك ولده وبنو

عمه فقیل لهم بنو الماجشون (۲)

”ماجشون بن ابی سلمہ کا نام یعقوب تھا، اسی نسب سے ان کے اور ان کے چچا زاد بھائیوں

کے لڑکے منسوب کر کے ماجشون پکارے جاتے ہیں۔“

حافظ ابن حجرؒ کے بیان سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔

اس خانہ تمام آفتاب است :- شیخ عبدالعزیزؒ کا پورا خانوادہ علم و فضل اور صلاح و تقویٰ میں ممتاز تھا۔ ان کے چچا کا ذکر اوپر مذکور ہوا، خود ان کے دو صاحبزادے اہل علم ہوئے ہیں، شیخ عبدالعزیزؒ کے صاحبزادے عبدالملکؒ تو اپنے وقت کے مسلم ادیب اور ممتاز صاحب علم و فضل سمجھے جاتے تھے۔ حافظ ابن حجرؒ شیخ یعقوب کا ذکر کرتے ہوئے ماجشوں کی نسبت کے بارے میں لکھتے ہیں کہ:

هو الماجشون سمی بذالك هو وولده وکان فيهم رجال لهم فقه وراية

للحديث والعلم (۳)

یعقوب ہی کو ماجشون کہا جاتا ہے۔ یہ اور ان کی اولاد سبھی اس نسبت سے پکارے جاتے

ہیں اور ان کے خانوادہ میں بہت سے محدث، فقیہ اور عالم گذرے ہیں۔

ولادت اور تعلیم :- شیخ عبدالعزیزؒ کے سنہ ولادت کے بارے میں تذکرہ نگار خاموش ہیں، مگر

(۱) ابن خلکان ج ۱ صفحہ ۵۱۴۔ (۲) العارف ابن قتیبہ صفحہ ۲۰۳۔ (۳) تہذیب المعجم ج ۱۱ صفحہ ۳۸۸

دیگر حالات کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان کی ولادت مدینہ منورہ میں ہوئی، ان کا نسبی تعلق اصہبان (ایران سے تھا) غالباً ان کے دادا ہی کے وقت ہی میں یہ لوگ مدینہ میں آباد ہو گئے تھے۔ حتیٰ کہ مدینہ میں ایک گلی کا نام سکتہ الماشون پڑ گیا تھا۔

ابتدائی تعلیم کے بارے میں کوئی خاص معلومات تذکروں میں نہیں ملتیں، ان کے شیوخ کی فہرست اور مدینہ منورہ سے ان کے باہر جانے کے واقعات سے پتہ چلتا ہے کہ ابتدائی زمانہ یہی گذرا، اسی بناء پر ان کی ابتدائی تعلیم یہیں ہوئی ہوگی، ان کے والد اور چچا دونوں صاحب علم و فضل تھے، ان سے اور محمد بن المنکدر سے استفادہ کا ذکر تمام اہل تذکرہ نے کیا ہے۔ (۱) تعلیم کے بعد یہیں ان کا حلقہ درس و افتاء قائم ہوا۔

شیوخ :- ان کے ممتاز شیوخ کے نام درج ذیل ہیں۔ ان میں کبار تابعین اور اتباع تابعین کے اسمائے گرامی شامل ہیں۔

حضرت امام زہری، محمد بن المنکدر، عبداللہ بن دینار، ابو حازم سلمہ بن دینار، سعد بن ابراہیم، حمید الطویل، عمرو بن ابی عمر، صالح بن کیسان، ہشام بن عروہ، عبداللہ بن الفضل، عبداللہ ابن عمر، یحییٰ بن سعید الانصاری، سہیل بن ابی صالح، ایوب السختیانی، قدامہ بن موسیٰ۔

ان کے علاوہ بے شمار محدثین و فقہاء سے انہوں نے استفادہ کیا تھا، امام زہریؒ سے کسب فیض اس وقت ایک امتیاز سمجھا جاتا تھا، اس سلسلہ میں بعض لوگوں نے لکھا ہے کہ ”معناہ انہ عسرض“ یعنی شیخ الماشون نے ان سے سماعاً نہیں بلکہ عرضاً استفادہ کیا، ابتداء میں کچھ علم کلام اور قدر کی طرف بھی میلان تھا۔ (۲)

حلقہ درس :- تحصیل علم کے بعد مدینہ منورہ میں انہوں نے اپنا ایک الگ حلقہ درس قائم کیا۔ (۳) اور غالباً ۱۲۸ ہجری تک وہ یہیں رہے اور پھر اس کے بعد بغداد منتقل ہو گئے، عبداللہ بن وہب کا بیان ہے کہ میں نے ۱۵۸ ہجری میں حج کیا تو ایک منادی یہ اعلان کر رہا تھا کہ:

لا یفتی الناس الا مالک و عبدالعزیز بن ابی سلمة (۴)

”امام مالک اور عبدالعزیز بن ابی سلمہ کے علاوہ کوئی دوسرا فتویٰ نہ دے۔“

اس سے اتنا پتہ چلتا ہے کہ وہ عمر کے آخری حصہ میں بغداد میں گئے۔

(۱) تہذیب التہذیب ج ۵ صفحہ ۳۳۳۔ (۲) تاریخ بغداد ج ۶ صفحہ ۳۳۶۔ (۳) تہذیب التہذیب ج ۶ صفحہ ۳۳۳۔

(۴) الصریح فی خبر من غمر ج ۱ صفحہ ۲۳۲

مدینہ منورہ میں ان کا درس غالباً فقہ تک محدود تھا، تحدیث روایت کرنے میں وہ احتیاط کرتے تھے، مگر بغداد پہنچ کر پھر اس کو مسند حدیث سنبھالنی پڑی۔ مدینہ منورہ میں اس وقت امام مالک کے علاوہ بھی متعدد شیوخ حدیث وفقہ موجود تھے۔ اس لئے انہوں نے اس کی ضرورت محسوس نہیں کی، بلکہ انہیں فقہ کے درس کی زیادہ ضرورت محسوس ہوئی، مگر عراق میں فقہ کا عام چرچا تھا، اس لئے غالباً ان کو مسند حدیث سنبھالنی پڑی۔ (۱)

حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں:

ولم یکن من شأنہ الحدیث فلما قدم بغداد کتبوا عنہ فکان بعد یقول
جعلنی اهل بغداد محدثاً (۲)

حدیث ان کا فن نہیں تھا، مگر جب بغداد آئے تو لوگوں نے ان سے (اہل مدینہ کی) روایتیں لکھنا شروع کر دیں۔ اس طرح ان کو حدیث کی روایت کرنی پڑی۔ چنانچہ بعد میں خود کہتے تھے کہ مجھے اہل بغداد نے محدث بنا دیا۔

ان کے تلامذہ کی تعداد بہت زیادہ ہے کچھ ممتاز آئمہ فقہ حدیث کے نام یہ ہیں:

حضرت عبدالرحمن بن مہدی، ابو نعیم، علی بن الجعد، یحییٰ بن بکیر، احمد بن یونس، (۳) زہیر بن معاویہ، لیث بن سعد، عبداللہ بن وہب، وکیع بن الجراح، ابوداؤد الطیالسی، عبداللہ بن صالح العجلی، (۴) بشر بن المفضل، یزید بن ہارون، منصور بن سلمہ (۵) وغیرہ۔

ان میں سے بالخصوص امام ابوداؤد طیالسی نے متعدد جگہ اپنی کتاب میں ان سے روایتیں کی ہیں، ذیل میں کچھ روایتوں کا ذکر کیا جاتا ہے۔

(۱) حضرت حمزہؓ کی شہادت کے واقعہ کو خود وحشیؒ کی زبانی شیخ ماہشون ہی نے بیان کیا ہے۔

مسند ابن حنبل اور صحیح بخاری میں بھی یہ روایت تھوڑے اختلاف کے ساتھ موجود ہے۔ (۶)

(۲) دوسری روایت مرغ کو گالی دینے کی ممانعت میں ہے، اس کو شیخ امام عبدالعزیزؒ نے دو

دوا سطوں سے بیان کیا ہے۔ دونوں واسطوں کے بیان کرنے کے بعد امام داؤد دوسرے واسطے کے بارے میں رقمطراز ہیں کہ ”هذا اثبت عندی یعنی یہ واسطہ میرے نزدیک زیادہ قابل اعتماد ہے۔ (۷)

(۱) تذکرۃ الحفاظ ج ۱ صفحہ ۲۰۱۔ (۲) تہذیب المعجم ج ۶ صفحہ ۳۳۳ و تاریخ بغداد ج ۱۰ صفحہ ۳۳۸۔ (۳) تذکرۃ الحفاظ

ج ۱ صفحہ ۲۰۱۔ (۴) تہذیب المعجم ج ۶ صفحہ ۳۳۳۔ (۵) تاریخ بغداد ج ۱۰ صفحہ ۳۳۶۔ (۶) مسند طیالسی ج ۳ صفحہ

۱۲۹۔ (۷) تذکرۃ الحفاظ ج ۱ صفحہ ۲۰۱ و المعجم فی خبر من غیر ج ۱ صفحہ ۲۳۳

علم و فضل کے بارے میں معاصرین کی رائے:۔ شیخ عبدالعزیزؒ علم و فضل کے لحاظ سے طبقہ اتباع تابعین کے ممتاز لوگوں میں شمار ہوتے تھے۔ حافظ ذہبیؒ نے انہیں علم کا امام اور مفتی و فقیہ لکھا ہے۔ (۱) حافظ ابن حجر الفقیہ اور احدا لا علم لکھتے ہیں، (۲) ابن ناصرین کہتے ہیں کہ مابشون علمائے ربانین اور فقہائے مصنفین میں سے ہیں۔ (۳)

حدیث:۔ ان کی عمر کا بیشتر حصہ مدینہ منورہ میں گزرا، جہاں قال اللہ وقال الرسول کی صدا سے ہر ہر گلی معمور تھی، بالخصوص امام مالکؒ کا چشمہ فیض یہیں سے جاری تھا، ان کے علاوہ ابن ابی ذئب اور دوسرے بہت سے محدثین اپنا اپنا حلقہ درس حدیث قائم ہوئے تھے، اس لئے جیسا کہ مذکور ہوا شیخ عبدالعزیزؒ نے بھی اس فن سے حصہ وافر پایا، بعض محدثین نے ان پر قدرے جرح کی ہے، مگر امام ابوداؤد، نسائی، ابوزرعہ اور ابوحاتم ان کو صدوق اور ثقہ کہتے ہیں۔

ابن سعد کان ثقة اکثر الحدیث، یعنی ثقہ اور کثیر الحدیث تھے، لکھ کر پھر کہتے ہیں کہ اہل عراق نے دوسرے اہل مدینہ کے مقابلہ میں ان سے زیادہ روایتیں کی ہیں۔ ابن معین انہیں لیث بن سعد اور ابراہیم بن سعد کے برابر سمجھتے تھے۔ (۴)

فقہ میں ان کا مسلک:۔ شیخ عبدالعزیزؒ کی اصل خصوصیت روایت فی الحدیث نہیں بلکہ تفقہ فی الحدیث تھی، چنانچہ ان کے تفقہ کا ذکر تمام اہل تذکرہ نے کیا ہے۔ حتیٰ کہ بعض نے تو انہیں تفقہ میں امام مالکؒ سے بھی بڑھا دیا ہے۔ (۵)

اسی کمال تفقہ کی وجہ سے مدینہ منورہ میں صرف دو ہی آدمیوں کو فتویٰ دینے کا حق تھا اور پر ذکر آچکا ہے کہ (غالباً حکومت کی طرف سے) یہ اعلان کر دیا گیا تھا کہ ”ابن المباحثون اور امام مالکؒ کے علاوہ کوئی فتویٰ نہ دے۔“

اپنے مسلک میں یہ اہل حریم کے پابند تھے۔ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ رقمطراز ہیں:

وكان فقيها ورعاً متابعاً لمذهب اهل الحرمين

”وہ فقیہ اور متقی تھے اور اہل حریم کے مذہب کے تابع۔“

مہدی سے تعلقات:۔ جب وہ مدینہ منورہ سے بغداد گئے تو وہاں مہدی سے راہ و رسم ہو گئی، جو اس وقت شہزادہ تھا۔ مہدی کے اوپر شیخ عبدالعزیزؒ کی فراست و عقل کا بڑا اثر ہوا اور وہ ان

(۱) تہذیب المتذیب ج ۶ صفحہ ۳۳۳۔ (۲) ایضاً۔ (۳) ایضاً۔ (۴) تاریخ بغداد ج ۱۰ صفحہ ۴۳۸۔ (۵) تہذیب

پر بڑا اعتماد کرنے لگا۔ چنانچہ ایک بار عباسی خلیفہ منصور حج کو جانے لگا تو مہدی دور تک اس کی مشایعت کو گیا، جب وہ رخصت ہونے لگا تو اس نے کہا بیٹے! میرے لئے حج میں اور دوسرے معاملات میں رہنمائی کرنے والا کوئی آدمی دے دو۔ مہدی نے کہا میں آپ کے ساتھ ایک نہایت عاقل و فرزانه آدمی کو بھیجوں گا اور اس کے لئے اس نے عبدالعزیز بن ابی سلمہ الماشون کا انتخاب کیا۔ (۱)

ان کی اسی عقل و فراست کی وجہ سے ان کے شاگرد ابوداؤد و ابوالولید کی یہ رائے نقل کرتے ہیں کہ

كان يصلح للوزارة (۲)

”وہ وزارت کی صلاحیت رکھتے تھے۔“

شاعری :- شعر و شاعری سے بھی ذوق تھا، گواسے پیشہ نہیں بنایا تھا، مگر کبھی کبھی اس کا اظہار ہو جاتا تھا۔ ایک دفعہ ابن الماشون مہدی کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ مہدی نے پوچھا ”آپ نے ان مرحوم دوستوں کے بارے میں بھی کچھ طبع آزمائی کی ہے جو فقہائے روزگار تھے؟“ ابن ماشون بولے: ہاں! پھر یہ اشعار سنائے:

ایا باک علی احبابہ جزعاً
قد كنت احذر ذامن قبل ان یقعاً
ان الزمان رای الف السرور بنا
فدب بالهجر فیما بیننا وسعی
ماکان واللہ سنوم الدھر یتر کنی
فلا زیادة شیئی فوق ما صنعنا (۳)
ویصنع الدھر بی ما شاء مجتهداً
حتی یجر عنی من غیضہ جرعاً

ترجمہ :- ”اے دوستوں کی موت پر بے تحاشا رونے والے، میں بھی اس حادثہ کے نازل ہوتے سے پہلے ڈرتا تھا، زمانہ نے جب یہ دیکھا کہ ہم سب احباب ایک جگہ ہونے کی وجہ سے باہم بہت مانوس ہیں تو اس نے ہجر کو ہمارے درمیان دوڑایا، اور اس میں اس نے بڑی دوڑ دھوپ

(۱) تاریخ بغداد ج ۶ صفحہ ۴۳۶۔ (۲) تذکرۃ الکھاط ج ۱ صفحہ ۲۰۱۔ (۳) تاریخ بغداد ج ۱۰ صفحہ ۴۳۷

کی، بخدا زمانہ کی بد نصیبیاں میرا پیچھا اس وقت تک نہیں چھوڑیں گی جب تک کوہ اپنے غیض و غضب کو خوب اچھی طرح مجھ کو نہیں پلا دے گی۔ تو اب میں کہتا ہوں کہ اچھا! زمانہ میرے ساتھ جو کچھ کرنا چاہتا تھا وہ کر گزرے۔ اس نے اب تک میرے ساتھ جو کچھ کیا ہے اس پر کسی چیز کی کیا زیادتی ہو سکتی ہے۔“

مہدی نے ان اشعار کو سن کر کہا، بخدا میں اب آپ کو مالدار بنا دوں گا۔ چنانچہ اس نے انہیں دس ہزار دینار دیئے جانے کا حکم دیا۔ ابن الماشون انہیں لے کر بغداد چلے آئے، لیکن انہوں نے اپنے والد کے اوصاف و خصال دیکھ کر جو دعو عطا کی جو خواہ اپنے اندر پیدا کر لی تھی، اس کا نتیجہ ہوا کہ انہوں نے وہ سب دینار تقسیم کر کے خرچ کر دیئے۔ (۱)

زہد و ورع :- علم و فضل کے ساتھ ان کے عملی کمالات بھی قابل ذکر ہیں۔ وہ نہایت متقی اور پرہیزگار تھے۔ احمد بن صالحؒ کہتے ہیں ”کان نزہاً صاحب سنة ثقة“۔ علامہ ابن سعد انہیں ورع بتاتے ہیں۔ (۲)

تصنیفات :- شیخ عبدالعزیز بن الماشون صاحب تصنیف بھی تھے، لیکن افسوس ہے کہ ان کی تصنیفات کی کوئی تفصیل نہیں پائی جاتی، خطیب بغدادی نے صرف اتنا لکھنے پر اکتفا کیا ہے کہ ”لہ کتب مصنفۃ فی الاحکام“ احکام میں ان کی چند کتابیں ہیں۔ (۳) اسی طرح حافظ ذہبی احمد بن کامل کا قول نقل کرتے ہیں کہ:

ان کی تصنیف کی ہوئی چند کتابیں بھی ہیں جن کو ابن وہبؒ نے روایت کیا ہے۔

وفات :- شیخ عبدالعزیز بن الماشون کی وفات کے سلسلہ میں ان کے صاحبزادے ایک بہت عجیب و غریب واقعہ نقل کرتے ہیں، یہاں اس کا ذکر دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔ فرماتے ہیں کہ ”میرے والد کی روح جسم سے پرواز کر گئی، ہم سب نے انہیں غسل کے لئے تخت پر لٹایا، اتفاق کی بات ہے، غسل دینے والا جب غسل دے رہا تو اس نے ان کے تلوے میں ایک رگ دیکھی جو پھڑک رہی تھی۔ اس نے یہ واقعہ لوگوں کے سامنے بیان کیا۔ سب کی یہ رائے ہوئی کہ اس وقت غسل دینا ملتوی کر دیا جائے، دوسرے دن بھی جب غسل دینے کا اہتمام کیا گیا تو یہی صورت پیش آئی، غرض اسی طرح تین دن گزرے، اس کے بعد ابن الماشونؒ کا ایک اٹھ کر بیٹھ گئے اور لوگوں سے ستو طلب کیا، ارشاد کی فوراً تعمیل کی گئی۔ جب ستو پی چکے تو لوگوں نے دریافت کیا۔

(۱) تہذیب و تمدن ج ۶ صفحہ ۳۴۴۔ (۲) تاریخ بغداد ج ۱۰ صفحہ ۳۳۹۔ (۳) تذکرۃ الحفاظ للذہبی ج ۱ صفحہ ۲۰۱

”آپ پر ان تین دنوں میں جو کچھ واردات گزری ہے، اس کی کچھ روداد ہم کو بھی سنائیے؟“ انہوں نے بطیب خاطر اس درخواست کو قبول کیا اور یوں واقعہ بیان کیا:

میری روح کو فرشتہ لے کر روانہ ہوا، اس نے آسمان دنیا کو عبور کیا اور اسی طرح گزرتا ہوا ساتویں آسمان تک پہنچ گیا۔ وہاں اس فرشتہ سے پوچھا گیا، تمہارے ساتھ کون ہے؟ فرشتہ نے جواب دیا: ابن الماحسون۔ کہا گیا تو ابھی تو ان کی عمر میں اتنے برس، اتنے مہینے اور اتنے گھنٹے باقی ہیں، تم ان کو ابھی کیوں لے آئے؟ اس کے بعد فرشتہ نے لے کر نیچے اترنا شروع کیا، یہاں تک کہ میں نے آنحضرت ﷺ کو دیکھا۔ ان کے دائیں جانب حضرت ابوبکرؓ تھے اور بائیں جانب عمر فاروقؓ اور حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ آپ کے سامنے تشریف رکھتے تھے۔

یہ دیکھ کر میں نے فرشتہ سے دریافت کیا کہ جو آنحضرت ﷺ کے روبرو بیٹھے ہیں کون ہیں؟ جواب ملا۔ عمر بن عبدالعزیزؓ۔ میں نے کہا، یہ تو سرور کونین ﷺ سے زیادہ قریب ہیں۔ فرشتہ نے کہا۔ یہ وہ بزرگ ہیں جنہوں نے ظلم و جور کے زمانہ میں حق پر عمل کیا اور حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ نے حق کے زمانہ میں حق پر عمل کیا۔ (۱)

اس کے کچھ دنوں کے بعد بغداد میں ۱۶۴ ہجری میں علم و عمل کا یہ آفتاب غروب ہو گیا۔ (۲) ان کے جنازہ میں خلیفہ وقت مہدی خود شریک تھا، اور اسی نے نماز جنازہ پڑھائی تھی۔ قریش کے قبرستان میں دفن کئے گئے۔ (۳)

اولاد :- ابن ماحسونؓ کے ایک نامور صاحبزادے عبدالملک کا ذکر تذکروں میں ملتا ہے۔ حافظ ابن حجر اور ابن خلکان نے ان کا مستقل تذکرہ لکھا ہے۔ ذیل میں مختصر تعارف درج کیا جاتا ہے:

عبدالملک نام اور ابو مروان کنیت تھی۔ یہ خانوادہ مدینہ میں آباد تھے، اس لئے مدنی بھی ان کے نام کا جزو ہو گیا۔

علم و فضل کے لحاظ سے ممتاز تھے۔ حدیث میں تو کسی بلند مقام کے مالک نہیں تھے۔ مگر فقہ میں اپنے والد کے صحیح جانشین تھے۔ فقہ میں امام مالکؒ سے تلمذ رکھتے تھے اور انہی کے مسلک کے پابند تھے۔ اسی بناء پر مالکی شمار کئے جاتے ہیں۔

(۱) شذرات الذهب ج ۱ صفحہ ۲۵۹۔ (۲) تہذیب المعاد ج ۶ صفحہ ۲۳۳، المعاد فی خبر من غمر ج ۱ صفحہ ۲۳۳ و شذرات الذهب ج ۱ صفحہ ۲۵۹۔ (۳) تاریخ بغداد ج ۱ صفحہ ۳۳۹

چنانچہ ابن خلکان لکھتے ہیں:

تفقه علیٰ الامام مالک (۱)

”انہوں نے امام مالک سے تفقہ حاصل کیا۔“

تفقہ کے ساتھ اعلیٰ درجہ کے فصیح و بلیغ تھے۔ حتیٰ کہ ان کی فصاحت لسانی ضرب المثل تھی۔ حافظ ابن عبد البر کا بیان ہے کہ:

كان فقيهاً فصيحاً دارت عليه الفتيا وعليه ابىه قبله وهو فقيه ابن الفقيه (۲)
وہ فقیہ اور فصیح اللسان تھے، ان کے عہد کے فتوے کا مدار انہی پر تھا اور ان سے پہلے ان کے والد پر تھا، وہ (بلاشبہ) فقیہ ابن فقیہ تھے۔

قاضی یحییٰ ابن اسلم فرمایا کرتے تھے:

عبد الملك ایک سمندر ہیں جس کو ڈول گندا نہیں کر سکتا۔ (۳)

مصعب الزبیری کہتے تھے کہ ”کان مفتی اهل المدينة فی زمانه“ یعنی عبد الملك اپنے زمانہ میں مدینہ کے مفتی تھے۔

امام شافعیؒ سے مذاکرہ ہونے لگتا تو دونوں کی نکتہ رسی اور فصاحت لسانی کی وجہ سے دوسرے لوگ ان کی اکثر بحثیں سمجھ نہیں پاتے تھے، مؤرخ ابن خلکان نے اس کی وجہ یہ لکھی کہ:

لان الشافعی تأدب بهذیل فی البادية وعبد الملك تأدب فی خؤولته من
کلب بالبادیه (۴)

”اس لئے کہ امام شافعی نے دیہات میں قبیلہ ہذیل کے پاس زبان سیکھی تھی اور عبد الملك نے اپنے نانہال قبیلہ کلب کے یہاں دیہات میں رہ کر تربیت حاصل کی تھی۔“
ان کے شاگرد احمد بن حنبلؒ ”معدل“ کہتے ہیں کہ عبد الملك کی موت کے بعد جب یہ ذکر آتا کہ ان کی زبان کو مٹی کھا رہی ہے تو:

صغرت الدنيا فی عینی (۵)

”دنیا میری نظروں میں حقیر ہو جاتی تھی۔“

۲۱۲ ہجری میں بروایت ۲۱۲ ہجری میں ان کا انتقال ہوا۔

(۱) ابن خلکان ج ۱ صفحہ ۵۱۳۔ (۲) تہذیب التہذیب ج ۶ صفحہ ۴۰۸۔ (۳) تہذیب التہذیب ج ۶ صفحہ ۴۰۸۔

(۴) ابن خلکان، ج ۱ صفحہ ۵۱۳۔ (۵) تہذیب التہذیب ج ۶ صفحہ ۴۰۹۔

حضرت عبداللہ بن ادریس رحمۃ اللہ علیہ

نام و نسب :- عبداللہ نام اور ابو محمد کنیت تھی۔ (۱) نسب نامہ یہ ہے:

عبداللہ ابن ادریس بن یزید بن عبدالرحمن۔ (۲)

کوفہ کے قبیلہ اودی کی ایک شاخ زعافر سے خاندانی نسبت رکھتے تھے، اس لئے کوفی، اودی

اور زعفری، تینوں نسبتوں سے مشہور ہوئے۔ (۳)

ولادت :- ان کے سن پیدائش کے بارے میں محققین بہت مختلف الرائے ہیں۔ حافظ ذہبی نے

نشاندہی کی ہے کہ عبداللہ بن ادریس کی ولادت ۱۳۰ ہجری میں ہوئی۔ (۴) علامہ ابن سعد نے طبقات

میں بروایت طلق بن غنم ۱۱۵ ہجری کو ان کا سن ولادت قرار دیا ہے۔ (۵) لیکن اس سلسلہ میں سب سے

زیادہ معتبر و مستند خود ابن ادریس کا بیان ہے، جسے حافظ ابن حجر نے احمد بن جو اس کی روایت سے نقل کیا

ہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے عبداللہ بن ادریس کو کہتے سنا: ”ولدت فی سنة ۱۱۰“۔ علامہ

عسقلانی ”اس کو نقل کرنے کے بعد رقمطراز ہیں: ”وکذا رواہ غیر واحد“۔ علاوہ ازیں صاحب تہذیب

نے ۱۲۰ ہجری کے قول کو لفظ قل سے ذکر کیا ہے، جس سے اس کا ضعف ظاہر ہے۔ (۶)

فضل و کمال :- انہیں علم و فضل کی دولت بے بہا وراثہ نصیب ہوئی تھی، ان کے دادا یزید

جلیل المرتبت تابعی تھے، جنہوں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے دامن فیض سے خوشہ چینی کی

تھی۔ اسی طرح عبداللہ کے والد حضرت ادریس ”بھی وقت کے بلند پایہ عالم اور ماہر فن تھے، ان

گو ناگوں مناسبتوں سے حضرت عبداللہ بھی علم کی دولت سے مالا مال ہوئے، منتخب زمانہ تابعین

سے اکتساب ضواء کیا اور پھر خود بھی افتاء و اجتہاد کے منصب پر فائز ہوئے۔ حافظ ذہبی انہیں

الامام القدوة الحجة احد العلام اور الحافظ العابد لکھتے ہیں۔ (۷) ابو حاکم کا بیان ہے:

هو امام من أئمة المسلمين

”وہ ائمہ اسلام میں سے ہیں۔“

حسن بن عرفہ کہتے ہیں:

(۱) طبقات ابن سعد، ج ۶ صفحہ ۲۷۱۔ (۲) خلاصہ تہذیب الکمال، صفحہ ۱۹، (۳) الباب فی تہذیب الانساب ج ۱

صفحہ ۵۰۱۔ (۴) تذکرۃ الحفاظ ج ۱ صفحہ ۲۳۸۔ (۵) طبقات ابن سعد ج ۶ صفحہ ۲۷۱۔ (تہذیب المعجز ج ۵ صفحہ ۱۳۵۔

(۷) المعبر، ج ۸ صفحہ ۳۰۸ و تذکرۃ الحفاظ ج ۱ صفحہ ۲۵۸

مارأيت بالكوفة افضل منه (۱)

”میں نے کوفہ میں ان سے بڑا افضل نہیں دیکھا۔“

امام احمد بن حنبلؒ ”کان عبداللہ بن ادریس نسیج و حدة“ کے الفاظ میں رطب

اللسان ہیں۔ (۲)

شیوخ:- انہوں نے بکثرت محدثین سے سماع حاصل کیا تھا، جن میں اجلہ روزگار تابعین کی بھی خاصی تعداد شامل ہے، ممتاز اور لائق ذکر اساتذہ کے نام یہ ہیں:

امام اعظمؒ، ابن جریجؒ، امام شعبہؒ، سہیل بن ابی صالحؒ، یحییٰ بن سعید الانصاریؒ، داؤد بن ابی ہندؒ، ہشام بن عروہؒ، حسن بن فراتؒ، ابواسحاق الشیبانیؒ۔ (۳)

تلامذہ:- خود امام زعافری کے آفتاب کمال کی کرنوں سے جن علماء کے دل منور ہوئے، ان میں امام مالکؒ، امام احمدؒ، عبداللہ بن مبارکؒ، اسحاق بن راہویہؒ، عبداللہ بن ابی شیبہؒ، ابو خثیمہؒ، زیاد بن ایوبؒ، یحییٰ بن آدمؒ، ابوبکر بن ابی شیبہؒ، حسن بن ربیعؒ اور حسن بن عرفہ جیسے یکتائے عصر ائمہ شامل ہیں۔ (۴)

مرویات کا پایہ:- حدیث و متعلقات حدیث کی معرفت میں ابن ادریسؒ کا پایہ نہایت بلند تھا، ابن مدینیؒ کا بیان ہے کہ اس فن میں وہ اپنے والد بزرگوار پر بھی تفوق رکھتے تھے۔

عبداللہ بن ادریس فوق ابیہ فی الحدیث (۵)

”عبداللہ بن ادریس کو حدیث میں اپنے والد پر بھی فوقیت حاصل تھی۔“

محققین علماء نے ان کی ثقاہت، حجیت، تثبت اور اتقان کو بصراحت تسلیم کیا ہے، ابن معین

کہتے ہیں ثقة فی کل شئی۔ (۶)

ابو حاتم کا بیان ہے:

هو حجة يحتج بها وهو امام من ائمة المسلمين. (۷)

”وہ حجت، امام اور ثقہ ہیں۔“

علامہ ابن سعد رقمطراز ہیں۔

(۱) تہذیب التہذیب ج ۵ صفحہ ۱۳۴۔ (۲) مرآۃ البیان ج ۱ صفحہ ۴۳۔ (۳) خلاصۃ تہذیب التہذیب الکمال، صفحہ ۱۹۱ و

تہذیب التہذیب ج ۵ صفحہ ۱۳۴۔ (۴) تہذیب التہذیب ج ۵ صفحہ ۱۳۴۔ (۵) خلاصۃ تہذیب التہذیب صفحہ ۱۹۱۔ (۶) طبقات ابن

سعد ج ۶ صفحہ ۲۷۔ (۷) تہذیب التہذیب ج ۵ صفحہ ۱۳۵

وكان ثقة مأمونا كثير الحديث حجة صاحب سنة وجماعة (۱)
وہ ثقہ، مامون، کثیر الحدیث، حجت اور اہل سنت تھے۔

علاوہ ازیں امام نسائی، بخاری اور امام احمد نے بھی انہیں ثقہ قرار دیا ہے۔

عبادت و صالحیت :- علم و فضل کے ساتھ ان کی دنیاۓ عمل بھی بہت روشن تھی، عبادت و ریاضت اور تقویٰ و صالحیت میں وہ کوفہ کے ممتاز ترین علماء میں شمار کئے جاتے تھے، بیان کیا جاتا ہے کہ کوفہ میں ان سے بڑا عابد کوئی نہ تھا۔ ”لم یکن عبد منہ“۔ (۲) ابن عمار بیان کرتے ہیں کہ وہ خدا کے ان برگزیدہ بندوں میں تھے، جن کا نمایاں وصف نیکی و تقویٰ ہوتا ہے۔ (۳)

یعقوب بن شیبہ کہتے ہیں ”کان عابداً فاضلاً“۔ (۴)

مسلم :- اگرچہ وہ دوسری صدی کے دیگر ائمہ کی طرح منصب امامت و اجتہاد پر فائز تھے، لیکن اپنے فتاویٰ اور فقہی اقوال میں بیشتر مسلم اہل مدینہ کی اتباع کرتے تھے۔ (۵)
موطا امام مالک کی روایات :- امام مالک نے بایں ہمہ جلالت علم و تفوق زمانی ابن ادریس سے کافی سماع حاصل کیا تھا اور ان دونوں میں بہت گہرے دوستانہ مراسم تھے، بیان کیا جاتا ہے کہ موطا کی تمام روایات کا سماع امام مالک نے ابن ادریس سے حاصل کیا تھا۔

ان جميع ما رواه مالك في الموطا سمع من ابن ادریس (۶)

”امام مالک نے موطا کی تمام روایات کی سماعت ابن ادریس سے کی تھی۔“

جاہ و منصب سے بے اعتنائی :- وہ تاحیات جاہ و منصب سے کنارہ کش رہے۔ دنیا نے ان کے قدموں میں بارہا جبہ سائی کی، لیکن انہوں نے بے نیازی کا لائق تہلیلہ نمونہ پیش کرتے ہوئے اسے ٹھکرا دیا، چنانچہ عباسی خلیفہ ہارون الرشید نے ایک بار ان کے سامنے قضاء کا عہدہ پیش کیا اور اس کے قبول کرنے پر اصرار کیا۔ لیکن ابن ادریس نے اپنی عدم صلاحیت کا حیلہ کر کے اس پیشکش کو مسترد کر دیا۔ ان سے قبل خلیفہ مذکور نے یہ منصب حافظ و کعب ابن الجراح کے سپرد کرنا چاہا تھا، مگر انہوں نے بھی اسے ٹھکرا دیا تھا اور پھر بلا آخر حفص بن غیاث نے اس کو قبول کر لیا۔ پھر ہارون نے پانچ ہزار درہم بطور زورِ راہ پیش کیا تو اول الذکر دونوں ائمہ نے اسے بھی لینے سے انکار کر دیا اور ابن غیاث نے لے لیا۔ (۷) اس واقعہ کے بعد ابن ادریس کو قاضی حفص کی جانب سے سخت تکدر پیدا

(۱) تہذیب التہذیب ج ۵ صفحہ ۱۲۵۔ (۲) شذرات الذہب ج ۱ صفحہ ۲۳۰۔ (۳) تہذیب التہذیب ج ۵ صفحہ ۱۲۵۔

(۴) ایضاً۔ (۵) ایضاً۔ (۶) تذکرۃ الحفاظ ج ۱ صفحہ ۲۵۷۔ (۷) البدایہ والنہایہ ج ۱۰ صفحہ ۲۰۸

ہو گیا، کیونکہ انہوں نے ائمہ سلف کی شانِ استغناء کو ٹھیس پہنچائی تھی۔ بروایت صحیح منقول ہے کہ ابن ادریسؒ نے اس کے بعد قاضی حفص سے تاحیات بات نہ کرنے کی قسم کھالی تھی۔ (۱)

استغناء کا دوسرا واقعہ :- ایک بار خلیفہ ہارون الرشید حج کی غرض سے مکہ جا رہا تھا، سر راہ کوفہ سے اس کا گذر ہوا، اس کے ہمراہ دونوں لڑکوں امین و مامون کے علاوہ قاضی ابو یوسفؒ بھی تھے۔ کوفہ پہنچ کر اس نے حکم دیا کہ تمام مقامی شیوخ حدیث جمع ہوں، تاکہ ان سے امین و مامون سماع حاصل کر سکیں۔ چنانچہ حسب حکم تمام علماء خلیفہ کی فرودگاہ پر مجتمع ہوئے، لیکن عبداللہ بن ادریس اور عیسیٰ بن یونس اسے وقار علمی کے منافی تصور کر کے نہ آئے۔

شیخ کوفہ سے اکتساب فیض کرنے کے بعد امین و مامون، ابن ادریسؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان سے سو حدیثیں سماعت کیں۔ اس کے بعد مامون نے ان کی خدمت میں کچھ مال و زر پیش کیا۔ لیکن شیخ نے اس میں سے کچھ بھی قبول کرنا گوارا نہ کیا۔

ان سے فارغ ہو کر دونوں خلیفہ زادے عیسیٰ بن یونسؒ کے پاس پہنچے اور ان سے بھی سماع حدیث کا شرف حاصل کیا۔ مامون نے انہیں دس ہزار درہم دیئے جانے کا حکم دیا، جسے ابن یونسؒ نے لینے سے انکار کر دیا۔ پھر مامون نے اس رقم کو دو گنا کر کے پیش کیا، ابن یونسؒ نے نہایت غضبناک ہو کر فرمایا۔ ”خدا کی قسم! اگر تم اس مسجد کو فرش سے چھت تک مال سے بھر کر پیش کرو تو بھی میں حدیث رسول ﷺ کی تعلیم پر ایک حبیہ لینا گوارا نہیں کر سکتا۔“ (۲)

وفات :- ہارون الرشید کے ایام خلافت میں ۱۰ ذی الحجہ ۱۹۲ ہجری میں بمقام کوفہ راہ سپار عالم جاوداں ہوئے۔ (۳) انتقال کے وقت ۷۲ سال کی عمر تھی۔ (۴) چونکہ حافظ ذہبیؒ کی تحقیق کے مطابق ان کی پیدائش ۱۲۰ ہجری میں ہوئی، اس لئے وفات کے وقت شیخ کی عمر ۷۲ سال قرار پاتی ہے۔ لیکن سن ولادت کے بارے میں ذہبی کے قول کو ضعیف مانا جاتا ہے اور جیسا کہ مذکور ہوا، خود ابن ادریس کے بیان کے مطابق ۱۱۰ ہجری میں ان کی پیدائش ہوئی۔ اس طرح ان کی عمر ۸۲ سال ہوتی ہے۔ جب ابن ادریسؒ کا وقت قریب آیا تو ان کی صاحبزادی محبت پدری سے مغلوب ہو کر رونے لگیں۔ یہ دیکھ کر فرمایا! کس بات پر روتی ہو، میں نے اس گھر میں چار ہزار ختم قرآن کئے ہیں۔ (۵) یعنی خیر و برکت کا ایک خزانہ اس مکان میں چھوڑ کر رخصت ہو رہا ہوں جو پسماندگان کے لئے سرور و انبساط کا باعث ہونا چاہئے۔

(۱) تذکرۃ الحفاظ ج ۱ صفحہ ۲۵۸، البدایہ والنہایہ ج ۱۰ صفحہ ۲۰۸۔ (۲) البدایہ والنہایہ ج ۱۰ صفحہ ۲۰۸۔ (۳) طبقات ابن

سعد ج ۶ صفحہ ۲۷۱۔ (۴) تذکرۃ الحفاظ ج ۱ صفحہ ۲۵۸۔ (۵) البدایہ والنہایہ ج ۱۰ صفحہ ۲۰۹

حضرت عبداللہ بن الزبیر الحمیدی رحمۃ اللہ علیہ

نام و نسب :- عبداللہ نام، ابو بکر کنیت، پورا سلسلہ نسب یہ ہے:

عبداللہ بن الزبیر بن عیسیٰ بن عبید اللہ بن اسامہ بن عبد اللہ بن حمید بن زہیر بن الحارث بن اسد بن عبد العزیٰ بن قصی۔ (۱)

خاندان اور وطن :- امام حمیدیؒ نسلًا خالص عرب تھے، مکہ معظمہ کی خاک پاک سے اٹھے اور آخر میں اسی کا پیوند بنے، جیسا کہ مذکورہ بالا مفصل نسب نامہ سے ظاہر ہے، قریش کے مشہور خاندان اسد بن عبد العزیٰ کی ایک معزز شاخ بنو حمید سے نسبی تعلق رکھتے تھے۔

اسی باعث اسدی، مکی، قرشی اور حمیدی کی نسبتوں سے مشہور ہوئے، ان میں آخر الذکر نسبت کی وجہ تسمیہ کے بارے میں بعض علماء کا اختلاف ہے، لیکن اصح و مرجح یہی ہے کہ بنو حمید کے خاندان والے حمیدی کہلاتے ہیں۔

حافظ ابن اثیر نے اسی کو اختیار کیا ہے اور علامہ سمعانی نے ارنج قرار دیا ہے، اصمعیؒ کے اس قول سے بھی اس کی مزید تائید ہوتی ہے۔

حمیدیون کلہم من بنی اسد بن قریش (۲)

”تمام حمیدی بنو اسد بن قریش کے خاندان سے تعلق رکھتے ہیں۔“

فضل و کمال :- امام حمیدیؒ ان نامور اہل علم اتباع تابعین میں تھے، جنہوں نے نہ صرف علم و عمل کے چراغ روشن کئے بلکہ قرطاس و قلم کے ذریعہ زرو جواہر کے انبار لگا دیئے۔ ان کی شہرہ آفاق مسند حدیث کے قدیم ترین اور مستند ذخیروں میں شمار کی جاتی ہے۔ امام بخاریؒ جیسے محتاط محدث ان کی روایت کو اپنی جامع کا سر آغاز بناتے ہیں، حدیث میں خصوصی فیضان رکھنے کے ساتھ انہیں فقہ و افتاء پر کامل عبور حاصل تھا، اپنے گونا گوں علمی کمالات کی وجہ سے ”عالم اہل مکہ“ ان کا لقب ہی پڑ گیا۔ تمام ارباب تذکرہ بہت نمایاں طور پر ان کے فضل و کمال کا اعتراف کرتے ہیں۔

چنانچہ حافظ ذہبیؒ ”الامام العلم الحافظ الفقیہ“ لکھتے ہیں۔ (۳)

ابن عمارا حسنبیؒ ”کان اماماً حجة“ علامہ زرکلیؒ ”احد الائمة فی الحدیث“ اور سبکی

”محدث مکہ و فقیہا“ تحریر فرماتے ہیں۔ (۴)

(۱) توالی التامیس لابن حجر، صفحہ ۳۷۔ (۲) الباب فی تہذیب الانساب، ج ۱ صفحہ ۳۲۱ و کتاب الانساب ورق ۷۷۔

(۳) تذکرۃ الحفاظ ج ۲ صفحہ ۲۔ (۴) شذرات الذہب ج ۲ صفحہ ۴۵، الاعلام جلد ۲ صفحہ ۱۵۵، طبقات الشافعیہ ج ۱ صفحہ ۲۶۳

حافظ جلال الدین السیوطی رقمطراز ہیں: ”احد الانعمة صاحب المسند“۔ (۱)
شیوخ:۔ امام حمیدی کی جلالت مرتبت اور تبحر علمی کا مزید ثبوت ان کے شیوخ و اساتذہ کی
طویل فہرست پر ایک نظر ڈالنے سے مل جاتا ہے۔ جس میں امام شافعی، مسلم بن خالد، فضیل بن
عیاض جیسے فخر زمانہ ائمہ کے نام ملتے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ وہ حضرت سفیان بن عیینہ کے کیسہ فیض
سے کامل بیس سال تک مستفید ہوتے رہے۔ (۲) حافظ ابن حجر رقمطراز ہیں:

”صحب ابن عیینہ فاکثر عنه وهو من اصحاب الناس عنه حدیثا (۳)
”انہوں نے حضرت سفیان بن عیینہ کی بڑی صحبت اٹھائی اور اسی باعث ان سے بکثرت
روایتوں کا سماع حاصل کیا۔“

چنانچہ تمام لوگوں میں ابن عیینہ سے سب سے زیادہ صحیح الروایت ہیں۔
ابراہیم بن سعد، ولید بن مسلم، وکیع ابن الجراح الرواسی، مروان ابن معاویہ، عبدالعزیز بن
ابی حازم، دراوردی، بشر بن بکر العینسی۔ (۴)

تلامذہ:۔ خود ان کے چراغ علم سے روشنی حاصل کرنے والے تلامذہ میں بلند پایہ ماہرین فن
شامل تھے۔ چند ممتاز نام یہ ہیں۔ امام بخاری، محمد بن یحییٰ الذہبی، ابو زرعة، ابو حاتم، بشر بن موسیٰ،
سلمہ بن نسیب، یعقوب بن سفیان، محمد بن یوسف السنائی، عبداللہ بن فضالہ، محمد بن احمد القرشی،
احمد بن ازہر نیشاپوری، یعقوب بن شیبہ، محمد بن یحییٰ، یوسف بن موسیٰ القطان، اسماعیل بن سمویہ،
محمد بن یونس الکدیمی، ہارون الحمالی، امام بخاری ان کے خاص فیض یافتہ تھے اور وہ اپنے استاد
سے اس درجہ متاثر تھے کہ جامع صحیح میں ۵۱۷ حدیثیں ان کے واسطہ سے روایت کی ہیں۔ مزید
برآں امام مسلم، ابوداؤد، ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ نے بھی بواسطہ ان سے روایت کی ہے۔ (۵)

حفظ و ضبط:۔ حافظہ کی قوت بلا کی پائی تھی، جس کی بدولت حدیث کا ایک وسیع سرمایہ ان کے
دماغ میں محفوظ تھا۔ چنانچہ اہل نظر محققین نے مستند ذرائع سے لکھا ہے کہ امام حمیدی کو اپنے شیخ
سفیان بن عیینہ کی مرویات سے دس ہزار حدیثیں زبانی یاد تھیں۔ (۶) اسی باعث علامہ ابن سعد ان
کو کثیر الحدیث لکھتے ہیں۔

ثقاہت و عدالت:۔ ثقہ شیوخ حدیث کے فیضان نے ان کی روایات کو بھی استناد و حجیت

(۱) حسن الحاضرة جلد ۱ صفحہ ۱۳۶۔ (۲) الانساب للسماعی صفحہ ۱۷۷۔ (۳) توالی التامیس صفحہ ۳۷۔ (۴) تہذیب

العہد ج ۵ صفحہ ۲۱۵۔ (۵) تہذیب العہد ج ۵ صفحہ ۲۱۵۔ (۶) طبقات الشافعیہ ج ۱ صفحہ ۲۶۲

کے بلند ترین مقام پر پہنچا دیا تھا۔ ماہرین فن متفقہ طور پر تسلیم کرتے ہیں کہ حمیدی کی مرویات اسناد کے اعتبار سے جس اعلیٰ پایہ کی ہیں، اس کے بعد کسی بلندی کا تصور نہیں کیا جاسکتا۔ حد و انتہاء ہے کہ امام بخاری نے ان ہی کی روایت سے اپنی جامع صحیح کا آغاز کیا ہے اور بقول ابن حجر وہ امام حمیدی پر اتنا اعتماد کرتے تھے کہ ان کی روایت ملنے کے بعد وہ کسی دوسرے کی مرویات کو خاطر میں نہ لاتے تھے۔ (۱) ابو حاتم کا بیان ہے کہ:

هو اثبت الناس في ابن عيينه وهو رئيس اصحابه وهو ثقة امام (۲)
 ”وہ سفیان بن عیینہ کی مرویات کے بارے میں سب سے زیادہ ثابت تھے اور وہ ان کے تلامذہ کے سرخیل تھے، اسی طرح وہ ثقہ امام تھے۔“

علاوہ ازیں ابن حبان، ابو حاتم، ابن سعد اور حاکم نے بھی ان کی توثیق کی ہے۔ (۳)
 فقہ و افتاء :- حدیث کی طرح فقہ میں بھی امتیازی حیثیت حاصل تھی۔ امام شافعیؒ سے اس فن میں خصوصی مہارت پیدا کی اور جب وہ مصر تشریف لے گئے تو حمیدی بھی ان کے ہمراہ رہے، اس طرح وہ امام صاحب کے بکثرت اجتہادات کے امین تھے، مصر میں اپنے شیخ کی وفات کے بعد مکہ واپس آ گئے اور وہاں مفتی و فقیہ کی حیثیت سے بڑی شہرت پائی، حافظ سیوطی نے لکھا ہے کہ وہ مکہ میں افتاء کا مرکز بن گئے تھے، امام بخاریؒ نے ان سے فقہ کی بھی تحصیل کی تھی، جیسا کہ حافظ ابن حجرؒ نے نقل کیا ہے۔

فقہ و افتاء :- حدیث کی طرح فقہ میں بھی امتیازی حیثیت حاصل تھی۔ امام شافعیؒ سے اس فن میں خصوصی مہارت پیدا کی اور جب وہ مصر تشریف لے گئے تو حمیدی بھی ان کے ہمراہ رہے، اس طرح وہ امام صاحب کے بکثرت اجتہادات کے امین تھے، مصر میں اپنے شیخ کی وفات کے بعد مکہ واپس آ گئے اور وہاں مفتی و فقیہ کی حیثیت سے بڑی شہرت پائی، حافظ سیوطی نے لکھا ہے کہ وہ مکہ میں افتاء کا مرکز بن گئے تھے۔ امام بخاریؒ نے ان سے فقہ کی بھی تحصیل کی تھی، جیسا کہ حافظ ابن حجرؒ نے نقل کیا ہے۔

جزم کل من ترجم البخاری بان الحمیدی من شیوخہ فی الفقہ والحديث (۴)
 امام بخاریؒ کے تذکرہ نویسوں نے بوثوق لکھا ہے کہ وہ فقہ و حدیث میں امام حمیدی کے

(۱) توالی التامیس صفحہ ۳۷۔ (۲) تہذیب التہذیب جلد ۵ صفحہ ۲۱۵، حسن المحاضرہ ج ۱ صفحہ ۱۴۶۔ (۳) طبقات الشافعیہ ج

صفحہ ۲۶۳، تذکرۃ الحفاظ ج ۲ صفحہ ۳۔ (۴) حسن المحاضرہ ج ۱ صفحہ ۱۴۶

شاگرد تھے۔

حاکم کا بیان ہے کہ حمیدیؒ مکہ کے مشہور مفتی، فقیہ اور محدث تھے۔ (۱)
اعتراف علماء:- امام حمیدیؒ کے فضل و تقدم اور بلندی شان کا اعتراف بکثرت علماء نے کیا ہے، جن میں نہ صرف ان کے تلامذہ اور ہم عصر اہل علم بلکہ ان کے بعض شیوخ کے اسمائے گرامی بھی شامل ہیں۔ چنانچہ ربیع بن سلیمان المرادی سے مروی ہے کہ امام شافعیؒ اکثر فرمایا کرتے:

ما رأیت صاحب بلغم احفظ من الحمیدی (۲)

میں نے حمیدی سے بڑا حافظ نہیں دیکھا۔

امام احمدؒ فرماتے ہیں: حمیدیؒ، شافعیؒ اور ابن راہویہ میں ہر ایک امام تھا۔ (۳)

ابن عدی کا بیان ہے کہ ”کان من خيار الناس“ (۴)

حاکم کہتے ہیں:

هو لاهل الحجاز في السنة كاحمد بن حنبل لاهل العراق (۵)

وہ حدیث میں اہل حجاز کے لئے وہی مقام رکھتے ہیں جو عراق میں امام احمد کو حاصل تھا۔

امام بخاریؒ شہادت دیتے ہیں کہ حمیدی حدیث میں امام تھے۔

يعقوب بن سفيان کا ارشاد ہے:

حدثنا الحمیدی ومالقیة انصح للاسلام واهله منه (۶)

حمیدی نے ہم سے حدیث بیان کی، اور ہم نے ان سے بڑھ کر کسی کو اسلام اور مسلمانوں کا خیر خواہ نہیں دیکھا۔

شمال و مناقب:- زہد و ورع اور پاکبازی و نیک طینتی ان کی سیرت کے روشن پہلو ہیں؛ سنت نبوی ﷺ کے حد غلو تک متبع تھے، اور غالباً اسی باعث اہل الرائے کو ناپسند فرماتے تھے۔ عقائد و نظریات، اصول السنہ کے نام سے امام حمیدیؒ کا ایک مختصر رسالہ پایا جاتا ہے، اس کے مطالعہ سے ان کے بعض عقائد اور مسلک پر بڑی وضاحت سے روشنی پڑتی ہے، یہ رسالہ مولانا حبیب الرحمن صاحب اعظمی نے اپنی مسند کے آخر میں شامل کر دیے ہیں۔ ذیل میں ہم اسی سے حمیدی کے مذہبی خیالات اخذ کر کے درج کرتے ہیں:

(۱) فتح الباری ج ۱ صفحہ ۱۱۱۔ (۲) طبقات الشافعیہ ج ۱ صفحہ ۲۶۳۔ (۳) شذرات الذهب ج ۲ صفحہ ۴۵۔ (۴) توالی

التامیس صفحہ ۳۵۔ (۵) طبقات الشافعیہ ج ۱ صفحہ ۲۶۲۔ (۶) تہذیب التہذیب ج ۵ صفحہ ۲۱۵

عقیدہ قدر کے بارے میں فرماتے ہیں: ”ہمارے نزدیک سنت ثابتہ یہ ہے کہ انسان خیر و شر اور تلخ و شیریں کے بارے میں تقدیر پر کامل ایمان رکھے اور یہ یقین رکھے کہ ہر راحت و مصیبت اللہ جل شانہ کے فیصلہ کے مطابق ہوتی ہے۔

ایمان کے متعلق کہتے ہیں: ”وہ قول و عمل دونوں کا نام ہے، جس میں کمی و بیشی ہوتی ہے۔ قول بغیر عمل کے بیکار ہے اور قول و عمل بغیر نیت کے غیر مفید ہے، اسی طرح اگر قول، عمل اور نیت سب ہو، لیکن اتباع سنت نہ ہو تو اس سے بھی کوئی فائدہ نہیں۔ حضرت سفیان بن عیینہ فرمایا کرتے تھے ”الایمان قول و عمل یزید و ینقص“ ان کے بھائی ابراہیم بن عیینہ نے کہا ”اے ابو محمد! یہ نہ کہئے کہ ایمان میں کمی ہوتی ہے۔“ یہ سن کر حضرت سفیان غضبناک ہو گئے اور فرمایا ”او لڑکے تم خاموش رہو، ایمان یقیناً کم ہوتا ہے، یہاں تک کہ بالکل ختم ہو جاتا ہے۔“ فرمایا: قرآن پاک خدا کا کلام ہے، جو شخص اسے مخلوق کہتا ہے وہ بدعتی ہے۔

فرمایا: صحابہ کرام کا احترام نہایت ضروری ہے، ہر مومن کو ان کے لئے استغفار و دعا کرتے رہنا چاہئے، کیونکہ خداوند قدوس نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا ہے:

وَالَّذِينَ جَاءُوا مِنْ بَعْدِهِمْ يَقُولُونَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِأَخْوَانِنَا الَّذِينَ سَبَقُونَا

بالایمان (۱)

”اور جو ان کے بعد آئے دعا کرتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار! ہمارے اور ہمارے بھائیوں کے جو ہم سے پہلے ایمان لائے ہیں، گناہ معاف فرما۔“

اس میں مسلمانوں کو صحابہؓ کے لئے استغفار کا حکم دیا گیا ہے۔ پس جو کوئی ان کو برا بھلا کہے وہ سنت سے منحرف ہے اور ایسا شخص مال غنیمت سے محروم کر دیا جائے گا۔

وفات:۔ ربیع الاول ۲۱۹ ہجری میں اپنے وطن مکہ ہی میں رحلت فرمائی، سال وفات ۲۲۰ ہجری بھی بیان کیا جاتا ہے، لیکن اکثر نے اول الذکر ہی کو اختیار کیا ہے۔ (۲)

تصنیفات:۔ مذکورہ بالا رسالہ اصول السنہ کے علاوہ امام حمیدیؒ کی کئی اور تصانیف کے نام بھی ملتے ہیں جو یہ ہیں:

(۱) کتاب الرد علی النعمان۔

(۲) کتاب التفسیر۔

(۱) سورہ حشر رکوع ۴۔ (۲) تہذیب المعجم ج ۵ صفحہ ۲۱۶، المعجم فی خبر من غمر ج ۱ صفحہ ۳۷۷

(۳) مسند۔ (۱)

مسند:- یہ امام حمیدی کی سب سے زیادہ مشہور کتاب ہے، جس نے انہیں علم حدیث کی تاریخ میں ایک زندہ جاوید مقام عطا کیا ہے۔ مختلف ممالک میں مسانید کے مجموعے مرتب کرنے میں جن علماء کو شرف اولیت حاصل ہوئی ان میں حمیدی کا نام بھی ہے، کہا جاتا ہے کہ مکہ میں سب سے پہلے ان ہی نے مسند تصنیف کی، یہ گیارہ اجزاء پر مشتمل ہے۔ (۲) اور اس میں ۱۲۹۳ حدیثیں ہیں۔ اکثر روایتیں مرفوعہ مروی ہیں اور صحابہ و تابعین کے کچھ آثار بھی اس میں شامل ہیں۔

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی نے مسند حمیدی کا آغاز حضرت جابر بن عبد اللہ کی حدیث کو قرار دیا ہے، لیکن یہ واقعہ کے خلاف ہے۔ بقول مولانا اعظمی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت شاہ صاحب نے کسی غیر مستند نسخہ پر اعتماد کرتے ہوئے ایسا لکھا ہے، ورنہ جیسا کہ مسند سے ظاہر ہے، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی حدیث سے اس کا آغاز ہوا ہے اور یہی تمام ارباب مسانید کا طریقہ کار رہا ہے کہ وہ پہلے خلفائے راشدین کی علی الترتیب روایات نقل کرتے ہیں، اس کے بعد عشرہ مبشرہ صحابہ کی حدیثیں، اس کے بعد دوسروں کی، امام حمیدی نے اسی سنت کی اتباع کی ہے۔ مسند کے نسخے ایک زمانہ تک نایاب رہے، پھر مولانا حبیب الرحمن اعظمی نے جو قدیم کتب کی تلاش و تحقیق اور تصحیح و تحشیہ میں شہرت رکھتے ہیں اور جنہوں نے اس سلسلہ کے کئی کارہائے نمایاں انجام دیئے ہیں، مسند کے کئی مخطوطات کا پتہ چلایا جو دارالعلوم دیوبند مکتبہ سعید یہ حیدر آباد، جامعہ عثمانیہ اور دارالکتب الظاہر دمشق میں محفوظ تھے۔

ان ہی قلمی نسخوں کی وجہ سے مولانا اعظمی نے ۱۹۶۳ء میں پہلی بار مسند حمیدی کو دو جلدوں میں آڈٹ کیا ہے اور مجلس علمی کراچی سے اس کی اشاعت ہوئی، دوسری جلد کے آخر میں رسالہ اصول السنہ بھی شامل ہے۔

مسند کے رواۃ:- مسند کو امام حمیدی سے بکثرت علماء نے روایت کیا ہے، حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں ابواسامعیل السلمی (۲۸۰ ہجری) اور بشر بن موسیٰ الاسدی کا نام ذکر کرنے کے بعد ”رواۃ غیر واحد“ لکھ کر اس طرف اشارہ کیا ہے کہ مسند کے اور بھی بہت سے رواۃ ہیں۔

لیکن آج جو مسند ہمارے سامنے موجود ہے، وہ امام بشر بن موسیٰ الاسدی سے مروی ہے، اس کے علاوہ کسی دوسرے کی روایت کردہ مسند کا اب تک سراغ نہیں لگ سکا ہے۔ ذیل میں بشر کا

(۱) مقدمہ مسند حمیدی ج ۱ صفحہ ۸، بحوالہ کتاب الجرح والتعديل ج ۱ صفحہ ۴۰۔ (۲) الرسالة المستطرفة صفحہ ۵۷

مختصر تعارف درج کیا جاتا ہے۔

بشر نام، ابوعلی کنیت اور نسب نامہ یہ ہے: بشر بن موسیٰ بن صالح بن شیخ بن عمیرہ بن حبان بن سراقہ بن مرشد بن حمیری، (۱) ۱۹۰ ہجری میں پیدا ہوئے، وطن مالوف بغداد تھا۔ بنو اسد کے خاندان سے تعلق رکھتے تھے، جو فضل و تقدّم، امارت و ریاست اور شرافت میں بہت مشہور اور ترقی یافتہ خاندان تھا اور حقیقت یہ ہے کہ امام بشر تمام خاندانی خصوصیات کے امین تھے۔ (۲)

امام بشرؒ نے ابو نعیم فضل بن دکینؒ، روح بن عبادہ، خلاد بن یحییٰ، ہوزہ بن خلیفہ، عبد اللہ بن الزبیر الحمیدی، حسن بن موسیٰ الاشیب، علی بن الجعد، اصمعی، سعید بن منصور، خلف بن الولید اور عمر بن الحکام وغیرہ مشاہیر اہل علم کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیا اور ان کے جملہ کمالات کو اپنے سینے میں منتقل کیا، یہاں تک کہ ان کی جلالت مرتبت کی بناء پر امام احمد بن حنبل بھی بایں ہمہ تبحر و فضل ان کی توقیر و تکریم کرتے تھے۔ (۳) دارقطنی کا بیان ہے:

بشر بن موسیٰ الاسدی ثقة نبیل (۴)

”نشر بن موسیٰ الاسدی ثقة اور شریف انسان تھے۔“

علامہ ابن الجوزی رقمطراز ہیں:

كان هو في نفسه ثقة امينا عاقلا ركيناً (۵)

”وہ بذات خود نہایت ثقہ، امین اور بہت عقلمند تھے۔“

۲۶ ربیع الاول ۲۸۸ ہجری بروز شنبہ ان کی شمع بغداد میں گل ہو گئی۔ مقبرہ باب البقرن میں تدفین ہوئی۔ جنازہ میں ایک جم غفیر شریک تھا۔ (۶) کہا جاتا ہے کہ امام بشر آخر زندگی میں اپنی پیری اور ضعف کے بارے میں اکثر یہ اشعار پڑھا کرتے تھے:

ضعفت ومن جاز الثمانين يضعف

وينكر منه كل ما كان يعرف

وينمشی رویداً کالاسیر مقیداً

تدانی خطاه فی الحديد ویرسف (۷)

(۱) تاریخ بغداد ج ۷ صفحہ ۸۶۔ (۲) المختصر ج ۶ صفحہ ۲۸۔ (۳) تذکرۃ الخلفاء ج ۲ صفحہ ۱۸۷ (۴) تاریخ بغداد ج ۷ صفحہ ۸۷۔

۸۷۔ (۵) المختصر ج ۶ صفحہ ۲۸۔ (۶) تاریخ بغداد ج ۷ صفحہ ۸۸۔ (۷) المختصر ج ۶ صفحہ ۲۸۔

حضرت عبداللہ بن عمرو رحمۃ اللہ علیہ

نام و نسب :- عبداللہ نام، ابو عبد الرحمن کنیت اور نسب نامہ یہ ہے: عبداللہ بن عمرو بن حفص بن عاصم بن عمر بن الخطاب، قبیلہ قریش کی شاخ بنو عدی سے نسب تعلق رکھنے کے باعث عدوی کہلاتے ہیں۔ اس کے علاوہ عمری اور مدنی خاندانی و وطنی نسبتیں ہیں۔ (۱)

وطن اور خاندان :- مدینہ منورہ کے رہنے والے تھے اور فاروق اعظم کے اس خانوادہ فضل و کمال سے تعلق رکھتے تھے، جس کے بے شمار افراد آسمان علم پر نیر تاباں بن کر چمکے، چنانچہ ان کے بھائی عبید اللہ جنہیں تابعیت کا شرف حاصل ہے، ثقاہت ثبت اور اتقان میں مسلم حیثیت کے مالک تھے۔

علم و کمال :- علم و عمل کے اعتبار سے وہ نہایت بلند مرتبہ تھے، حدیث میں تبحر کی ساتھ تقویٰ عبادت اور صالحیت میں بھی نمایاں مقام حاصل تھا۔ علامہ ذہبیؒ ”کسان محدثاً صالحاً“ لکھتے ہیں۔ (۲) ابن الاہول کا بیان ہے کہ ”عبداللہ علم کی علامت اور عبادت کی انتہاء تھے۔“ (۳) اساتذہ :- جن حفاظ حدیث سے انہوں نے روایت کی ہے ان میں نافع مولیٰ بن عمر، حمید الطویل، سعید السقمری، زید بن اسلم، سہیل بن ابی صالح، سعید بن سعید الانصاری، قاسم بن غنام کے اسمائے گرامی شامل ہیں۔

تلامذہ :- خود ان کے حلقہ درس سے مستفید ہونے والوں میں ان کے صاحبزادے عبدالرحمن کے علاوہ کچھ لائق ذکر نام یہ ہیں: عبدالرحمن بن مہدی، لیث بن سعد، عبداللہ بن وہب، عبدالرزاق، یعقوب بن الولید المدنی، یونس بن محمد البودب مطرف بن عبداللہ المدنی۔ (۴) مرویات کا پایہ :- ان کی مرویات کے بارے میں ائمہ جرح و تعدیل بہت اختلاف رائے رکھتے ہیں۔ توثیق و تضعیف کرنے والے علماء کا پلہ برابر ہے۔

ابن حبانؒ کا خیال ہے کہ دراصل عبداللہ عبادت و صلاح سے اس قدر مغلوب تھے کہ حفظ و ضبط کا دامن ہاتھ سے چھوٹ گیا تھا، اس لئے وہ متروک الحدیث قرار دیئے جانے کے مستحق ہیں۔

(۱) مرآۃ الجنان ج ۱ صفحہ ۳۶۸۔ (۲) العمر فی خبر من غمر ج ۱ صفحہ ۲۶۰۔ (۳) شذرات الذہب ج ۱، صفحہ ۳۷۹۔

(۴) تہذیب التہذیب ج ۵ صفحہ ۳۲۶، ۳۲۷۔

ان کی عدالت و ثقاہت کی شہادت دینے والوں میں ابن معین، یعقوب بن شیبہ، ابن عدی اور احمد بن یونس شامل ہیں اور جن ائمہ نے ان کی روایات کو ناقابل حجت اور ضعیف قرار دیا ہے ان میں علی بن مدینی، یحییٰ بن سعید نسائی اور امام احمد وغیرہ کے نام پیش پیش ہیں، مؤخر الذکر ان کی تضعیف کے باوصف ان کے فضل و کمال اور تقویٰ و صالحیت کے پورے طور پر قائل ہیں۔ (۱)

صلاح و تقویٰ:- نہایت عبادت گزار اور تقویٰ و صالحیت سے متصف تھے۔ حتیٰ کہ ان اوصاف کے غلبہ نے علماء کی نظر میں ان کے حفظ و استحضار کو بھی مجروح کر دیا تھا۔ کیونکہ ان کی کلی توجہ احادیث و آثار کی طرف باقی نہ رہی تھی۔ ابن حبان بیان کرتے ہیں کہ:

كان ممن غلب عليه الصلاح والعبادة حتى غفل عن حفظ الاخبار وجودة
الحفظ للآثار (۲)

”وہ ان علماء میں تھے، جن پر عبادت و صالحیت کا غلبہ تھا، یہاں تک کہ اس وصف نے انہیں احادیث و روایات کے حفظ و ضبط سے غافل کر دیا۔“
حق گوئی و بیباکی:- امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ائمہ سلف کا مشترک شعار رہا ہے۔ یہاں تک کہ سلاطین وقت کی شوکت و جبروت کے سامنے بھی وہ اپنی حق گوئی و بیباکی میں کوئی تبدیلی گوارا نہیں کرتے تھے۔ اسلامی تاریخ کے اوراق اس قسم کی مثالوں سے بھرے پڑے ہیں۔ عبد اللہ بن عمر بھی انہیں خاصانِ خدا میں تھے۔

ایک بار ایام حج میں ہارون الرشید کو سعی (صفا و مروہ کے درمیان) میں روک کر ان کی بدعنوانیوں پر سخت برا بھلا کہا، علامہ یافعی نے ان دونوں کے مکالمہ کو نقل کیا ہے، جو یہ ہے:

شیخ: اے ہارون!

خلیفہ: جی چچا جان، حاضر ہوں، فرمائیے!

”کیا تم ان حاجیوں کی تعداد شمار کر سکتے ہو؟“ شیخ نے حجاج کرام کے انبوه عظیم کی طرف اشارہ کرتے ہوئے دریافت کیا۔

”بھلا اسے کون شمار کر سکتا ہے۔“ خلیفہ بولا۔

کان کھول کر سن لو! شیخ نے نہایت جرأت سے کہا۔ ان میں سے ہر شخص تو خود اپنا مسئول

ہے، لیکن تم خدا کے نزدیک ان سب کے جواب دہ اور ذمہ دار ہو۔ پھر ذرا رک کر اشارہ فرمایا۔
 بخدا جب انسان خود اپنے مال میں اسراف کرتا ہے تو وہ لائق تعزیر قرار پاتا ہے، تو پھر اگر وہ عام
 مسلمانوں کے مال میں فضول خرچی کا مرتکب ہو تو اس کی سزا کس قدر بڑی ہوگی۔ (۱)
 وفات :- باختلاف روایت ۱۷۱ ہجری یا ۷۳ ہجری میں بمقام مدینہ طیبہ انتقال فرمایا۔ اس
 وقت ہارون الرشید اور نگزیب خلافت پر فائز تھا۔ (۲)

(۱) مرآۃ الجنان ج ۱ صفحہ ۳۶۷۔ (۲) خلاصہ صفحہ ۲۰۷، میزان الاعتدال ج ۲ صفحہ ۵۹، تہذیب المعجم ج ۵ صفحہ ۳۲۸

حضرت عبداللہ ابن لہیعہ رحمۃ اللہ علیہ

نام و نسب :- نام عبداللہ اور کنیت عبدالرحمن تھی۔ (۱) اور سلسلہ نسب یہ ہے: عبداللہ بن لہیعہ بن عقبہ بن فرعان بن ربیعہ بن ثوبان۔ (۲) مختلف حیثیتوں کی بناء پر حضرمی، اعدولی، غافقی اور مصری تمام نسبتوں سے مشہور ہیں۔

حضرت بشر بن منذرؓ کا بیان ہے کہ عبداللہ بن لہیعہؓ کی کنیت ابوخریطہ تھی، اس کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ وہ اپنی گردن میں ایک چارٹ لٹکائے مصر کی شاہراہوں پر گشت کیا کرتے اور جہاں کوئی شیخ مل جاتا تو اس سے اس کے اساتذہ و شیوخ حدیث کے بارے میں سوال کرتے، اگر کسی مستند شیخ کی روایت اس کے پاس مل جاتی تو اس کا سماع کر کے فوراً اسی چارٹ میں نوٹ کر لیتے، اسی بناء پر ابوخریطہ ان کی کنیت ہی پڑ گئی۔ (۳)

ولادت :- صحیح روایت کے مطابق ۹۶ ہجری میں ان کی ولادت ہوئی۔ (۴)
فضل و کمال :- علمی اعتبار سے وہ ممتاز اتباع تابعین اور حفاظ حدیث میں تھے۔ انہیں بکثرت تابعین کرام کا شرف دیدار حاصل تھا، چنانچہ روح بن فلاں کا بیان ہے:

لقی ابن لہیعہ اثنین و سبعین تابعیاً (۵)

”عبداللہ بن لہیعہ نے ۷۴ تابعین عظام سے ملاقات کی تھی۔“

بلاشبہ اس شرف و سعادت میں ان کے ہم پلہ شاؤ و نادری مثالیں مل سکتی ہیں۔ حدیث اور فقہ میں درجہ امتیاز رکھتے تھے۔ علماء نے ان کے گونا گوں فضل و کمال کو سراہا ہے۔ حضرت سفیان ثوریؒ کا ارشاد ہے:

عند ابن لہیعہ الاصول وعندنا الفروع (۶)

”ابن لہیعہ اصولوں کے حامل تھے اور ہمارے پاس صرف فروع ہیں۔“

امام احمدؒ کا قول ہے:

ماکان محدث بمصر الا ابن لہیعہ (۷)

(۱) المعارف لابن قتیبہ صفحہ ۲۳۱۔ (۲) تہذیب التہذیب ج ۵ صفحہ ۳۷۳۔ (۳) میزان الاعتدال ج ۲ صفحہ ۶۷۔

(۴) کتاب الانساب ورق ۳۰۶۔ (۵) تہذیب التہذیب ج ۵ صفحہ ۳۷۴۔ (۶) المعجم ج ۱ صفحہ ۲۶۴۔ (۷) میزان

”مصر میں ابن لہیعہ کے علاوہ کوئی محدث ہی نہ تھا۔“

حضرت قتیبہؒ کہتے ہیں کہ جب ابن لہیعہؒ کی وفات ہو گئی تو لیث بن سعدؒ نے برجستہ فرمایا کہ ”علم و فضل میں انہوں نے اپنا کوئی جانشین نہیں چھوڑا۔“ (۱)

شیوخ و تلامذہ:- ذکر آچکا ہے کہ حضرت ابن لہیعہؒ کو اپنی بخت آوری کی بناء پر ۲۷ تابعین کرامؓ سے شرف لقاء حاصل تھا، ان میں اکثر ائمہ کے علاوہ انہوں نے دوسرے کبار اتباع تابعین سے بھی اپنی تشنگی علم کو فرو کیا تھا، ان کے شیوخ و اساتذہ کی طویل فہرست میں کچھ ممتاز نام یہ ہیں:

عطاء بن ابی رباح، محمد بن المنکدر، عطاء بن دینار، محمد بن مجلان، اعرج، ابی الزبیر، موسیٰ بن وردان، ابی یونس، مولیٰ ابی ہریرہ، عبدالرحمن بن زیاد، عقیل بن خالد۔

اسی طرح خود حضرت ابن لہیعہ کے چشمہ علم سے سیراب ہونے والوں کی تعداد بھی بہت زیادہ ہے، جس میں ان کے پوتے احمد اور بھتیجے لہیعہ بن عیسیٰ بن لہیعہ کے علاوہ حضرت سفیان ثوری، شعبہ، اوزاعی، عمرو بن الحارث، لیث بن سعد، عبداللہ بن مبارک، ابن وہب، ولید بن مسلم، اسد بن موسیٰ، اشہب بن عبدالعزیز، یحییٰ بن اسحاق اور قتیبہ بن سعید جیسے دنیائے فضل و کمال کے درخشاں تارے شامل ہیں۔ (۲)

ضبط و اتقان:- ثقاہت و عدالت اور حفظ و ضبط میں ابن لہیعہؒ کا پایہ نہایت ہی بلند تھا۔ امام احمدؒ کا بیان ہے کہ:

لم یکن بمصر مثل ابی لہیعہ فی کثرة حدیثہ و ضبطہ و اتقانہ (۳)

”مصر میں کثرت حدیث، ضبط اور اتقان میں ابن لہیعہؒ عدیم المثال تھے۔“

عبداللہ بن وہب جنہیں ابن لہیعہؒ سے خصوصاً تلمذ کی سعادت حاصل ہے، روایت کرتے وقت فرمایا کرتے تھے۔

حدثنی واللہ صادق البار (۴)

”مجھ سے بخدا صادق و سچے شخص نے روایت کیا ہے۔“

علاوہ ازیں اور بھی بہت سے بیانات ان کی عدالت و صداقت کے شاہد عدل ہیں، امام بخاری، امام مسلم، نسائی وغیرہ نے ان کی روایات کو اپنی کتابوں میں جگہ دی ہے۔

(۱) میزان الاعتدال ج ۲ صفحہ ۶۵۔ (۲) تہذیب التہذیب ج ۵ صفحہ ۳۷۔ (۳) المعجم فی خبر من غیر ج ۱ صفحہ ۲۶۳۔

(۴) تہذیب التہذیب ج ۵ صفحہ ۳۷۶۔

جرح:- لیکن ابن لہیعہؒ کی یہ کیفیت آخر عمر تک قائم نہ رہ سکی اور کبر سنی کی بناء پر دوسرے محدثین کی طرح ان کا حافظہ بھی کمزور ہو گیا تھا۔ چنانچہ ابو جعفر طبری بیان کرتے ہیں کہ اختلط عقلہ فی آخر عمرہ۔ (۱)

اسی بناء پر علماء و ناقدین فن نے ابن لہیعہؒ کے حفظ و ضبط اور ثقاہت و اتقان کا اعتراف کرنے کے ساتھ جرح کا حق بھی ادا کیا ہے۔ ضعف حافظہ کے علاوہ ایک المیہ اور بھی ان کے ساتھ پیش آیا، جس کی تفصیل یہ ہے کہ اس وقت کے عام دستور کے مطابق ابن لہیعہؒ نے مختلف شیوخ کی مسودہ روایات کو بہت سی کاپیوں میں لکھ کر جمع کر رکھا تھا۔ وفات سے ۴ سال قبل ۱۷۰ ہجری میں سوء اتفاق سے ان کے مکان میں آگ لگ گئی اور روایات کا یہ تمام بیش بہا ذخیرہ جل کر خاکستر ہو گیا۔

اسی بناء پر علمائے فن کا خیال ہے کہ اس حادثہ عظمیٰ کے پیش آنے سے قبل کی ابن لہیعہؒ کی روایات قابل قبول ہیں، لیکن اس کے بعد کی نہیں۔ چنانچہ علامہ سمعانی رقمطراز ہیں:

كان اصحابنا يقولون ان سماع من سمعه منه قبل احتراق كتبه مثل العباد له بسماعهم صحيح ومن سمع بن احتراق كتبه فسماعه ليس بشئ (۲)

”ہمارے بزرگ کہتے تھے کہ چاروں عبد اللہ کی طرح جس کسی نے ابن لہیعہؒ سے ان کی کتابوں کے جلنے سے قبل سماع حاصل کیا وہ صحیح اور درست ہے، لیکن اس حادثہ کے بعد کے سامعین کا سماع غیر مقبول ہے۔“

ابن سعد خامر ریز ہیں:

كان ضعيفاً ومن سمع منه في اول امره احسن حالاً في روايته ممن سمع منه بآخره (۳)

”وہ ضعیف تھے اور جس نے شروع میں ان سے سماع کیا، اس کی روایت زیادہ صحیح ہے۔ اس کے مقابلہ میں جس نے آخر عمر میں ان سے سماعت کی۔“

امام احمد کا بیان ہے:

احترقت كتبه وهو صحيح الكتاب ومن كتب عنه قديماً فسماعه صحيح (۴)

(۱) تہذیب التہذیب ج ۵ صفحہ ۳۷۹۔ (۲) کتاب الاساب، ورق ۴۰۶۔ (۳) ابن خلکان ج ۱ صفحہ ۴۴۶ و ابن سعد ج ۷ صفحہ ۲۰۴۔ (۴) خلاصہ تہذیب التہذیب الکمال، صفحہ ۲۱۱۔

ان کی کتابیں جل گئی تھیں، وہ ثقہ اور صحیح الکتاب تھے، جس نے ان سے شروع ہی میں سماع کیا وہ درست ہے۔

لیکن اہل مصر کا خیال ہے کہ ابن لہیعہ کا حافظہ شروع سے آخر تک یکساں قائم رہا۔ آخر عمر میں کوئی اختلاط پیدا نہیں ہوا تھا۔ (۱)

عہدہ قضا:۔ فقہ و افتاء میں غیر معمولی مہارت اور دقیقہ رسی حاصل تھی، اسی خصوصیت کی بناء پر عہد عباسی میں مسند قضا کی بھی زینت بنے۔ جب ۱۵۵ ہجری میں قاضی مصر ابو خزیمہ کی وفات ہو گئی تو خلیفہ ابو جعفر منصور نے عبداللہ بن لہیعہ کو بصد اکرام و اعزاز مصر کا قاضی مقرر کیا، اس سلسلہ میں انہیں یہ خصوصیت حاصل ہے کہ وہ سب سے پہلے قاضی ہیں جن کا تقرر خود خلیفہ نے کیا، ورنہ اس سے پہلے تمام صوبوں کے والی اپنے اپنے علاقہ میں قضا کا انتخاب و تقرر کرتے تھے۔ (۲)

خلیفہ نے تیس دینار ماہانہ ان کا منصبی مشاہرہ بھی متعین کیا تھا، مصر کے قضا میں سب سے پہلے ان ہی کو یہ وظیفہ ملا۔ (۳)

انہوں نے تقریباً ۹ سال تک اپنے منصبی فرائض کو نہایت حسن و خوبی کے ساتھ انجام دیا اور پھر ماہ ربیع الاول ۱۶۴ ہجری میں اس سے سبکدوش ہو گئے۔

وفات:۔ سنہ وفات کے بارے میں مختلف اقوال ملتے ہیں، لیکن اصح یہ ہے کہ ہارون الرشید کے ایام خلافت میں یوم یکشنبہ ۱۵ ربیع الاول ۱۷۷ ہجری کو ان کی زندگی کا چراغ گل ہوا۔ وفات کے وقت ۸۱ سال کی عمر تھی۔ (۴)

(۱) طبقات ابن سعد ج ۷ صفحہ ۲۰۴۔ (۲) اخبار القضاة ج ۳ صفحہ ۲۳۵ و حسن المحاضرة ج ۲ صفحہ ۸۸۔ (۳) تاریخ ابن خلکان ج ۱ صفحہ ۴۴۔ (۴) تہذیب المتذہب ج ۵ صفحہ ۷۷، اخبار القضاة ج ۳ صفحہ ۲۳۶، ابن خلکان ج ۱ صفحہ ۴۴ و طبقات ابن سعد ج ۷ صفحہ ۲۰۴

حضرت عفان بن مسلم رحمۃ اللہ علیہ

نام و نسب :- نام عفان، کنیت ابو عثمان الصغار اور باپ کا اسم گرامی مسلم تھا۔ (۱) عز رہ بن ثابت الانصاری کے غلام تھے، اسی باعث انصاری کہے جاتے ہیں، بصری وطن کی طرف نسبت ہے، صغار کی وجہ تسمیہ معلوم نہ ہو سکی، اغلباً یہ لقب ہوگا۔

ولادت :- ان کی سال ولادت کے بارے میں کوئی یقینی ثبوت نہیں ملتا، البتہ ابن سعد کی ایک روایت کی بنیاد پر محققین نے قیاس آرائی کی ہے کہ وہ ۱۳۴ ہجری میں پیدا ہوئے، چنانچہ محمد بن سعد نے طبقات میں لکھا ہے کہ:

”میں نے ۲۱۰ ہجری میں عفان بن مسلم کو یہ کہتے سنا کہ اس وقت میری عمر ۷۶ برس ہے۔“

چونکہ ابن سعد کو عفان سے تلمذ کی سعادت نصیب ہوئی، اس لئے ان کا بیان قرین صحت ہو سکتا ہے۔ (۲) وہ اصلاً بصرہ کے رہنے والے تھے اور وہی ان کا مولد و منشاء بھی ہے، لیکن بعد میں ترک وطن کر کے بغداد میں مستقل سکونت اختیار کر لی تھی۔

فضل و کمال :- امام عفان علمی حیثیت سے ائمہ اسلام اور علمائے اعلام میں شمار کئے جاتے ہیں، وہ حدیث کے اہم ستون تھے، بغداد میں ان کی ذات علم کا مرکز و منبع تھی، جہاں سے اقصاد عالم کے وارفندگان نے اپنی دنیائے علم آراستہ کی۔

علاوہ ازیں حق گوئی، راست بازی، اتباع سنت اور ثبوت و اتقان میں ان کی مثال کم ملتی ہے، اہل تذکرہ نے بہت نمایاں طور پر ان کے فضل و کمال کا اعتراف کیا ہے۔ ابن عماد الحنبلی رقمطراز ہیں:

احد ارکان الحدیث نزل بغداد و نشر بها علم (۳)
 ”وہ حدیث کے ایک اہم رکن تھے۔ بغداد آ کر علم کی اشاعت کی۔“
 حافظ ذہبیؒ لکھتے ہیں:

محدث بغداد الحافظ الثبت هو من مشايخ الاسلام والأئمة الاعلام (۴)

(۱) خلاصہ تہذیب صفحہ ۲۶۸۔ (۲) تاریخ بغداد ج ۱۲ صفحہ ۲۱۹ و ابن سعد ج ۷ صفحہ ۵۱۔ (۳) شذرات الذہب صفحہ ۴۷۲۔

(۴) تذکرۃ الحفاظ ج ۳۸ صفحہ ۳۴۸ و میزان الاعتدال ج ۲ صفحہ ۳۰۲

وہ محدث بغداد اور حافظ ثبت تھے، اسی طرح ان کا شمار اسلام کے بلند مرتبہ شیوخ اور ائمہ میں ہوتا ہے۔

شیوخ و تلامذہ :- انہوں نے جن کبار شیوخ سے حدیث کی تحصیل و روایت کی ان میں شعبہ، حماد بن سلمہ، سلیمان بن مغیرہ، ہمام بن یحییٰ، حماد بن زید، وہیب بن خالد، ابو عوانہ، عبد اللہ بن بکر، عبد الوارث بن سعید اور سلیم بن حیان کے نام لائق ذکر ہیں۔

اسی طرح حضرت امام احمد بن حنبل، یحییٰ بن معین، ابو خثیمہ، خلف بن سالم، محمد بن سعد، کاتب الواقدی، قتیبہ بن سعید، علی بن المدینی، ابوبکر بن ابی شیبہ، ابراہیم بن اسحاق، ابوزرعمہ، ابو حاتم الرازی، بندار، اسحاق بن راہویہ، محمد بن یحییٰ الذہبی اور قتیبہ بن سعید رحمہم اللہ وغیرہ بکثرت نامور ائمہ ان سے تلمذ کا شرف رکھتے ہیں۔ (۱)

جرح و تعدیل :- تقریباً تمام علمائے فن نے امام عفان کی ثقاہت، ثبوت اور اتقان پر مہر تسلیم ثبت کی ہے۔ یحییٰ بن سعید القطان اکثر فرمایا کرتے تھے کہ اگر عفان کی روایت میرے موافق ہو تو پھر مجھے کسی اور کی مخالفت کی کوئی پرواہ نہیں۔ (۲) امام احمد کا ارشاد ہے:

مارایت احداً احسن حديثاً منه عن شعبه (۳)

”میں نے حضرت شعبہ سے روایت کرنے والا کسی کو امام عفان سے بہتر نہیں دیکھا۔“
حافظ ابن معین تو ان کے مرتبہ ثبوت کی بلندی کے اس حد تک معترف تھے کہ وہ جرح و تعدیل کے مشہور آفاق امام عبد الرحمن بن مہدی پر بھی عفان کو ترجیح دیتے تھے۔
یعقوب بن شیبہ کا بیان ہے کہ:

كان عفان ثقة ثبناً متقناً صحيح الكتاب قليل الخطاء والسقط
”امام عفان ثقہ، ثبوت اور متقن تھے۔ ان کی کتاب صحیح تھی، جس میں غلطی وغیرہ کم تھی۔“
ابن خراش فرماتے ہیں:

عفان بن مسلم بصرى ثقة من خيار المسلمين (۴)

”امام عفان بصرہ کے رہنے والے ثقہ اور بہترین لوگوں میں تھے۔“
اس کے ساتھ بعض علماء نے ان پر نقد و جرح کا حق بھی ادا کیا ہے، کہا جاتا ہے کہ وفات

(۱) تہذیب المعجم ج ۷ صفحہ ۲۳۰ و ۲۳۱۔ (۲) تذکرۃ الحفاظ ج ۱ صفحہ ۳۲۸۔ (۳) میزان الاعتدال ج ۲ صفحہ ۲۰۲۔

(۴) تاریخ بغداد ج ۲ صفحہ ۲۷۶

سے ایک سال قبل یعنی ۲۱۹ ہجری میں وہ سوء حافظہ کے شکار ہو گئے تھے۔ جس کی وجہ سے تخلیط روایات کے مرتکب ہو جاتے تھے، حضرت ابو خثیمہ کہتے ہیں کہ ہم نے عفان کے انتقال سے چند ماہ قبل ان کی روایات قبول کرنا ناپسند کر دیا تھا۔ اس کے علاوہ سلیمان بن حرب نے انہیں ”ردی الحفظ“ اور ”بطی الفہم“ قرار دیا ہے۔

اس تمام جرح کا شافی جواب حافظ ذہبی نے میزان میں دیا ہے، چنانچہ تخلیط کے متعلق وہ لکھتے ہیں:

هذا التغير من تغير مرض الموت وماضره لانه ما حدث فيه بخطاء (۱)
یہ تغیر (سوء حافظہ) مرض موت میں پیدا ہوا، لیکن اس سے ان کی ثقاہت کو کوئی نقصان نہیں پہنچا، کیونکہ اس زمانہ میں بھی انہوں نے کوئی غلط حدیث روایت نہیں کی۔
اور سلیمان بن حرب کے اعتراض کے بارے میں ذہبی کی رائے ہے:
عفان اجل واحفظ من سليمان وهو نظيره وكلام النظراء والاقرب ان ينبغي ان يتامل ويتأفي فيه (۲)

عفان سلیمان سے زیادہ جلیل المرتبت حافظ تھے، پھر وہ ان کے معاصر تھے، اور معاصرین کی رائے محل غور اور لائق نظر ہوتی ہے۔

اتباع سنت :- حدیث نبوی ﷺ سے غیر معمولی شغف ہی کا نتیجہ تھا کہ وہ سنت کی اتباع نہایت شدت کے ساتھ کرتے تھے، جو بات بھی شریعت نبوی ﷺ کے شفاف دامن پر داغ محسوس ہوتی، ہمیشہ اس سے محترز رہتے، خواہ اس راہ میں کتنے شدائد سے دوچار ہونا پڑے، غالباً اسی تمسک بالسنہ کے باعث عجبی انہیں ”صاحب السنہ“ کہتے ہیں۔ (۳)

راست گوئی اور استغناء :- امام عفان کی زندگی کا ایک درخشاں باب حق گوئی اور اس کے ساتھ شان بے نیازی بھی تھی۔ حق کے معاملہ میں کبھی نہ تو ارباب سطوت کے سامنے سرخم کیا اور نہ مال و زر کی حرص ان کے پائے استقامت کو متزلزل کر سکی۔

بروایت صحیح منقول ہے کہ ایک بار ان کو دس ہزار دینار اس غرض کے لئے دیئے جا رہے تھے کہ فلاں شخص کی تعدیل کے بارے میں سکوت اختیار کر لیں، نہ اسی عدول کہیں اور نہ غیر عدول، لیکن امام عفان نے اس پیشکش کو رد کر دیا اور فرمایا کہ:

(۱) میزان الاعتدال ج ۲ صفحہ ۲۰۳۔ (۲) ایضاً صفحہ ۲۰۲۔ (۳) تہذیب التہذیب ج ۷ صفحہ ۲۳۱۔

لا ابطال حقا من الحقوق (۱)

”میں کسی شخص کا حق ختم نہیں کر سکتا۔“

اسی طرح حضرت فلاں سے مروی ہے کہ ایک شخص نے امام عفانؒ کو دو ہزار دینار دے کر کہا کہ آپ فلاں آدمی کی عدالت پر مہر تصدیق ثبت فرمادیجئے۔

امام موصوفؒ نے ایسا کرنے سے یہ کہہ کر صاف انکار کر دیا کہ میں ایک غلط بات کو ہرگز صحیح نہیں کہہ سکتا۔ (۲)

آزمائش:۔ گذشتہ صفحات میں امام عبدالاعلیٰ بن مسہرؒ کے تذکرہ میں عہد مامونی کے مشہور عالم فتنہ خلق قرآن کی کسی قدر تفصیل گزر چکی ہے۔ اس پر آشوب دور میں جن محدثین و فقہاء کو شدید ترین آزمائش سے گزرنا پڑا، ان میں عفان بن مسلمؒ کا اسم گرامی بھی نمایاں ہے۔ یوں تو تمام ہی تذکرہ میں ابتلاء کی طرف اشارہ ملتا ہے۔ لیکن مؤرخ خطیب بغدادی نے اس کی تفصیل خود امام عفانؒ کی زبانی نقل کی ہے۔ جس کی مستند ہونے میں کوئی شبہ نہیں کہا جاسکتا ہے، اس لئے ہم ذیل میں اسی کو درج کرتے ہیں۔

خود فرماتے ہیں:

خليفة مامون الرشيد نے رقبہ سے بغداد میں اپنے نائب اسحاق بن ابراہیم کے نام یہ فرمان بھیجا کہ تمام مقامی فقہاء و محدثین کو یکجا کر کے ان سے خلق قرآن کے عقیدہ کا اقرار لو، چنانچہ اس کے بموجب اسحاق نے دوسرے علماء کے ساتھ مجھ کو بھی طلب کیا، جب میں اس کے پاس پہنچا تو اس نے پہلے مامون کا وہ خط پڑھ کر سنایا، جس میں میرے متعلق یہ تحریر تھا:

امتحن عفان ادعه الى ان يقول القرآن كذا وكذا فان قال ذالك فاقره على

امره وان لم يحبيك الى ما كتبت به اليك فاقطع عنه الذي يجري عليه (۳)

”امام عفان کی آزمائش کرو اور ان کو عقیدہ خلق قرآن کا اقرار کرنے کی دعوت دو، اگر وہ اس

کے قائل ہو جاتے ہیں تو فیہا، لیکن اگر وہ تمہاری بات قبول نہ کریں تو پھر ان کا وظیفہ بند کر دو۔“

خط ختم کرنے کے بعد اسحاق نے مجھ سے کہا کہ اب تمہارا کیا خیال ہے؟ میں نے اس کے

جواب میں پورہ سورہ اخلاص پڑھی اور کہا، کیا یہ مخلوق ہے؟ اسحاق نے بڑے غصے سے کہا کہ

(۱) شذرات الذہب ج ۲ صفحہ ۴۸ و تاریخ بغداد ج ۱۲ صفحہ ۲۷۰۔ (۲) میزان الاعتدال ج ۲ صفحہ ۲۰۲۔ (۳) تاریخ بغداد

جناب امیر المومنین کا حکم ہے کہ اگر آپ قرآن کے مخلوق ہونے کا اقرار نہیں کرتے تو آپ کو ملنے والا پانچ سو درہم ماہانہ کا وظیفہ بند کر دیا جائے گا۔

بلاشبہ مقصد برآری کے لئے یہ ایک کارگر تدبیر تھی کہ اقتصادی و معاشی ناکہ بندی کر دی جائے، لیکن امام عفانؒ نے نہایت ثابت قدمی اور صبر و استقلال کے ساتھ جو جواب دیا، وہ یقیناً ایک زندہ رہنے والی چیز ہے۔ فرمایا:

يقول الله عز وجل وفي السماء رزقكم وما توعدون (الایہ)

یعنی رزق رسائی کا وعدہ تو خود خداوند قدوس نے اپنے بندوں سے کیا ہے۔ ایک درہم ہو کر دوسرے دروازے رزق کے کھل جاتے ہیں۔ چنانچہ یہ جواب سن کر اسحاق بالکل مبہوت ہو کر رہ گیا اور امام عفانؒ گھر واپس آ گئے۔ (۱)

نصرت ایزدی:- ابراہیم ابن الحسینؒ کہتے ہیں کہ جب امام عفانؒ، اسحاق کی طلب پر ان سے ملنے گئے تو میں ان کے خچر کی لگام پکڑے ہوئے تھے۔ امام عفانؒ کے انکار پر ان کی سرکاری امداد منقطع کر دی گئی۔ چنانچہ جب وہ مکان واپس آئے تو گھر والوں نے سارا ماجرا سن کر ان کو سخت لعنت و ملامت کی۔ راوی کا بیان ہے کہ اس وقت امام عفانؒ کا گھر انہ چالیس نفوس پر مشتمل تھا۔ اسی اثناء میں کسی نے دروازہ کھٹکھٹایا، دیکھا گیا تو مچھلی کی شبابہت کا ایک شخص کھڑا ہے، جس کے ہاتھ میں ایک ہزار درہم کی تھیلی تھی۔ اس نے امام عفانؒ کو وہ تھیلی دیتے ہوئے کہا:

ثبتك الله كما ثبت الدين وهذا في كل شهر (۲)

”جس طرح تم نے دین کو مستحکم کیا، خدا تمہیں بھی استقامت دے اور ہر ماہ تم کو اسی طرح ایک ہزار کی تھیلی ملتی رہے گی۔“

وفات:- بروایت صحیح ربيع الاول ۲۲۰ ہجری میں بمقام بغداد انتقال فرمایا۔ عاصم بن علیؒ نے نماز جنازہ پڑھائی۔ (۳) ابوداؤد کا بیان ہے کہ میں بغداد میں امام عفانؒ کے جنازہ میں شریک تھا۔ (۴)

(۱) بغدادی ہی کی ایک دوسری روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ امام عفانؒ کو ایک ہزار درہم سرکاری خزانہ سے وظیفہ ملتا تھا۔

(۲) میزان الاعتدال ج ۲ صفحہ ۲۰۲۔ (۳) طبقات ابن سعد ج ۷ صفحہ ۵۱۔ (۴) تاریخ بغداد ج ۲ صفحہ ۲۷۷

حضرت عبداللہ بن شوذب رحمۃ اللہ علیہ

نام و نسب :- نام عبداللہ، کنیت ابو عبد الرحمن اور باپ کا نام شوذب تھا۔ بلخی وطن کی طرف نسبت ہے۔ (۱)

ولادت اور وطن :- حضرت ابن شوذبؓ خود اپنے ہی قول کے مطابق ۸۶ ہجری میں پیدا ہوئے، ان کا اصلی وطن خراسان کا مشہور شہر بلخ تھا، جس کی طرف انتساب کا شرف قتیبہ بن سعید، ہشام بن عمار، محمد بن علی بن طرخان اور زیاد بن ایوب وغیرہ بکثرت علماء و فضلاء کو حاصل ہے۔ (۲) ابن شوذب ابتدائے عمر میں اپنے وطن سے منتقل ہو کر وہیں اقامت گزریں ہو گئے تھے۔ پھر وہاں سے کچھ عرصہ کے بعد شام چلے گئے اور تاحیات وہیں رہے۔ (۳)

فصل و کمال :- ابن شوذبؓ علم و فضل کے اعتبار سے ثقہ ائمہ اور بلند مرتبہ اتباع تابعین میں شمار ہوتے تھے۔ انہوں نے بلخ کے علاوہ بصرہ اور شام کے شیوخ حدیث اور فقہاء سے اکتساب فیض کیا تھا۔ حافظ ذہبیؒ انہیں امام صدوق، (۴) اور کان کثیر العلم جلیل القدر لکھتے ہیں۔ (۵) علم کے علاوہ صدق و دیانت، زہد و تقویٰ اور عبادت و خشیت میں ارفع تھے۔ کثیر بن ولید کا قول ہے:

كنت اذا رأيت ابن شوذب ذكرت الملائكة (۶)

”میں جب بھی ابن شوذب کو دیکھتا، فرشتوں کی یاد تازہ ہو جاتی۔“

حدیث و فقہ :- انہیں اپنی بخت آوری سے منتخب روزگار تابعین کی صحبت میسر آئی تھی، جن کے دامان فیض سے انہوں نے خوب فائدہ اٹھایا۔ اسی بناء پر حدیث و فقہ دونوں پر انہیں یکساں قدرت حاصل تھی۔ لائق ذکر اساتذہ کی فہرست میں چند نام یہ ہیں:

حضرت ثابت البنانی، حسن البصری، محمد بن سیرین، سعید بن ابی عروبہ، عبداللہ بن القاسم اور عمر بن عبدالواحد الاحول۔ رحمہم اللہ تعالیٰ۔

اور خود ان کے تلامذہ میں ابواسحاق الفزازی، عبداللہ ابن المبارک، عیسیٰ بن یونس اور محمد کثیر المصیصی وغیرہ مشہور ہیں۔ (۷)

(۱) تہذیب التہذیب ج ۵ صفحہ ۲۵۵۔ (۲) معجم البلدان ج ۲ صفحہ ۲۶۳۔ (۳) تقریب التہذیب صفحہ ۱۰۴۔ (۴) میزان الاعتدال ج ۲ صفحہ ۴۶۔ (۵) المعجم فی خبر من غمر ج ۱ صفحہ ۲۲۵۔ (۶) تہذیب التہذیب ج ۵ صفحہ ۲۵۵۔ (۷) تہذیب التہذیب ج ۵ صفحہ ۲۵۵۔

ثقاہت :- ان کی ثقاہت پر علماء کا اتفاق ہے۔ سفیان ثوری کہتے ہیں: کان ابن شاذب من ثقات مشائخنا۔ (۱) علامہ ذہبی صدوق امام من طبقة الاوزاعی اور حافظ ابن حجر صدوق عابد لکھتے ہیں۔ (۲) یحییٰ بن معین، ابن عمار اور امام احمدؒ نے بھی ان کو ثقہ قرار دیا ہے۔ (۳) ائمہ صحاح نے بھی توثیق کرتے ہوئے ان کی روایتیں نقل کی ہیں، ابن حبان نے کتاب الثقات میں بھی ان کا ذکر کیا ہے۔

وفات :- بروایت صحیح ۱۵۶ ہجری میں رحلت فرمائی۔ (۴) اور وفات کے وقت ۷۰ سال کی عمر تھی۔ (۵)

(۱) تہذیب التہذیب ج ۵ صفحہ ۲۵۵۔ (۲) میزان الاعتدال ج ۲ صفحہ ۴۶ و تقریب التہذیب صفحہ ۱۰۴۔ (۳) خلاصہ تہذیب التہذیب الکمال صفحہ ۲۰۱۔ (۴) تہذیب التہذیب ج ۵ صفحہ ۲۵۶۔ (۵) المعجم فی خبر من غمر ج ۱ صفحہ ۲۲۵

حضرت عبداللہ بن نافع رحمۃ اللہ علیہ

نام و نسب :- عبداللہ نام، ابو محمد کنیت اور والد کا اسم گرامی نافع تھا۔ مدینہ طیبہ کے رہنے والے تھے۔ بنو مخزوم سے نسبت ولاء رکھنے کے باعث مخزومی مشہور ہوئے۔ ممتاز ائمہ میں ان کی ہم نام ایسی شخصیتیں ملتی ہیں جن کے باپ کا نام بھی نافع تھا، اس لئے اکثر اوقات علماء کو ثقاہت و عدالت اور علم و فضل کی تعیین میں خلط بحث ہو گیا ہے۔ اس لئے امام عبداللہ بن نافع کو ”الصانع“ کے لفظ سے ممتاز کیا گیا ہے۔ مورخ ابن اثیرؒ کی رائے کے مطابق الصانع یا الصائغی کی نسبتیں رکھنے والے تمام ائمہ ”صیغہ“ کی طرف منسوب ہیں۔ (۱)

علم و فضل :- علمی کمالات کے اعتبار سے وہ کبار اتباع تابعین کے زمرے میں شامل ہیں۔ امام مالکؒ کے ارشد تلامذہ میں تھے۔ زمانہ دراز تک امام صاحبؒ کے دامن فیض سے وابستہ رہنے کی وجہ سے ان کے فقہی افکار و خیالات کا مخزن بن گئے تھے۔ علامہ ابن سعدؒ رقمطراز ہیں:

کان قد لزوم مالک لزوماً شديداً و كان لا يقدم عليه احد (۲)
 ”انہوں نے امام مالکؒ کا ساتھ شدت کے ساتھ پکڑا، حتیٰ کہ وہ ان پر کسی کو فوقیت نہیں دیتے تھے۔“

جناب احمد بن صالح کا بیان ہے:

كان اعلم الناس برای مالک (۳)
 ”وہ امام مالکؒ کے خیالات کو لوگوں میں سب سے زیادہ جانتے تھے۔“
 جناب ابوداؤدؒ فرماتے ہیں:

كان عبد الله عالما بمالک و كان صاحب فقه (۴)
 ”عبداللہ بن نافع امام مالک کے مسلک کے سب سے زیادہ عالم اور فقیہ تھے۔“

فقہ :- امام ابن نافعؒ کو فقہ اور بالخصوص فقہ مالکی میں خاص مہارت حاصل تھی اور اسی کمال تفقہ کے باعث وہ مدینہ میں افتاء کے مرجع تھے۔ (۵) یحییٰ بن معینؒ بیان کرتے ہیں کہ امام ابن نافعؒ کے پاس امام مالکؒ کے چالیس ہزار مسائل تھے۔ (۶)

(۱) اللباب فی تہذیب الانساب ج ۲ صفحہ ۴۸۔ (۲) طبقات ابن سعد ج ۵ صفحہ ۳۲۳۔ (۳) العبر فی خبر من غمر ج ۱ صفحہ ۳۳۹۔ (۴) تہذیب المعجم ج ۶ صفحہ ۵۲۔ (۵) شذرات الذہب ج ۲ صفحہ ۵۲۔ (۶) تہذیب ج ۶ صفحہ ۵۲

حدیث :- ان کی فقیہانہ حیثیت کو اس قدر شہرت نصیب ہوئی کہ اس کے سامنے حدیث میں ان کے تفوق کا چراغ زیادہ روشن نہ ہو سکا، یہاں تک کہ بعض علماء سرے سے انہیں محدث ہی تسلیم نہیں کرتے۔ (۱) لیکن حقیقت واقعہ یہ ہے کہ اس فن پر بھی انہیں یکساں قدرت حاصل تھی۔

ان کی مرویات کے پایہ استناد پر علماء متفق نہ ہو سکے۔ چنانچہ امام احمد بن حنبلؒ امام بخاری اور ابو حاتم وغیرہ نے انہیں ضعیف الحافظہ قرار دیا ہے۔ (۲) لیکن اکابر علماء کی ایک بڑی جماعت نے جس میں ابن معینؒ، امام نسائیؒ اور ابو زرعد وغیرہ شامل ہیں، انہیں ثقہ اور عدول بتایا ہے۔ (۳) ان کی عدالت کی ایک بڑی دلیل یہ بھی ہے کہ امام مسلم کے علاوہ ائمہ اربعہ نے ان کی روایت کی تخریج کی ہے۔ (۴) ابن حبانؒ نے کتاب الثقات میں ان کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے:

كان صحيح الكتاب واذا حدث كان حفظه بما اخطأ (۵)

”وہ صحیح الکتاب تھے، جب اپنے حافظہ سے روایت کرتے تو اکثر غلطی کر جاتے تھے۔“

امام بخاریؒ نے بایں ہمہ تبحر و جلالت علم ان سے دو تین حدیثیں روایت کی ہیں اور ان کی فضل و کمال کو سراہا ہے۔

شیوخ و تلامذہ :- جن حفاظ حدیث سے انہوں نے سماع حاصل کیا، ان میں سے کچھ یہ ہیں۔ حضرت لیث بن سعد، عبد اللہ بن نافع، مولیٰ ابن عمر، سلیمان بن یزید الکعبی، داؤد بن قیس الفراء، اسامہ بن زید اللیثی، محمد بن عبد اللہ، ابن ابی ذئب، ہشام بن سعد۔

خود ان سے روایت کرنے والوں میں قتیبہ، سلمہ بن شیب، حسن بن علی الجلال، احمد بن صالح مصری، ابوالطاهر بن السرح، زہیر بن بکار، ابراہیم بن المنذر، احمد بن حسن الترمذی، محمد بن یحییٰ الذہلی، یونس بن عبد الاعلیٰ کے اسمائے گرامی نمایاں ہیں۔ (۶)

وفات :- ماہ رمضان ۲۰۶ ہجری میں بمقام مدینہ وفات پائی۔ (۷)

(۱) المعجم ج ۱ صفحہ ۳۳۹۔ (۲) تہذیب التہذیب ج ۶ صفحہ ۵۱۔ (۳) میزان الاعتدال جلد ۲ صفحہ ۸۲۔ (۴) خلاصہ تہذیب

صفحہ ۲۱۶۔ (۵) تہذیب ج ۶ صفحہ ۵۱۔ (۶) تہذیب التہذیب ج ۶ صفحہ ۵۱ و میزان الاعتدال ج ۲ صفحہ ۸۲۔ (۷) طبقات

حضرت علی بن مسہر کوفی رحمۃ اللہ علیہ

نام و نسب :- نام علی، کنیت ابوالحسن اور والد کا اسم گرامی مسہر تھا، ولایت قرشی اور وطن کوفی کہلاتے ہیں۔ (۱)

فضل و کمال :- علمی اعتبار سے وہ اجلہ تبع تابعین میں تھے، جامعیت و تبحر میں انہیں تمنغہ امتیاز حاصل تھا۔ چنانچہ حافظ ذہبی نے الامام الحافظ لکھ کر اس کا اعتراف کیا ہے۔ (۲)

حدیث :- حدیث نبوی ﷺ میں ان کی معرفت اور عمق مسلم تھا۔ جن شیوخ حدیث سے انہوں نے سماع کا شرف حاصل کیا تھا، ان میں ہشام بن عروہ، سلیمان الاعمش، یحییٰ بن سعید الانصاری، اسماعیل بن ابی خالد، عاصم الاحول، زکریا بن ابی زائدہ، سعید بن ابی عروبہ، عبد اللہ بن عطاء اور ابومالک الاشجعی کے نام لائق ذکر ہیں۔ اور ابوبکر بن ابی شیبہ، زکریا بن عدی، بشر بن آدم، خالد بن مخلد، علی بن حجر، ہناد بن السری اور عثمان بن ابی شیبہ ان کے حلقہ تلامذہ میں شامل ہیں۔ (۳)

فقہ :- فقہ سے بھی انہیں بہرہ وافر نصیب تھا۔ احمد النخعی بیان کرتے ہیں کہ علی بن مسہر حدیث و فقہ دونوں کے جامع تھے۔ (۴)

ثقافت :- ان کی عدالت و ثقافت ناقدین فن کے نزدیک متفق علیہ ہے۔ چنانچہ علامہ نوویؒ نے لکھا ہے کہ اتفقوا علیٰ توثیقہ۔ (۵) امام احمد کا بیان ہے کہ وہ صالح الحدیث اور ابو معاویہ الفرز سے زیادہ ثقہ و ثبت تھے۔ (۶) عثمان الدارمی کہتے ہیں کہ ”میں نے شہرہ آفاق محدث اور ماہر رجال یحییٰ بن معین سے دریافت کیا کہ آپ علی بن مسہر کو زیادہ پسند کرتے ہیں یا ابو خالد الاحمر کو؟ فرمایا: علی بن مسہر کو! میں نے پھر پوچھا۔ اچھا یہ بتلائیے کہ علی بن مسہر اور اسحاق بن ازرق میں سے کس کو محبوب رکھتے ہیں؟ فرمایا، وہ دونوں ہی ثقہ ہیں۔ (۷)

مزید برآں امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ نے بھی اپنی صحیحین میں ان کی روایات کی تخریج کی ہے۔ (۸)

قضاءت :- اپنی غیر معمولی مہارت فقہی کے باعث موصل (عراق) کے منصب قضاء پر بھی

(۱) طبقات ابن سعد ج ۷ صفحہ ۲۷۰۔ (۲) تذکرۃ الحفاظ ج ۱ صفحہ ۲۶۵۔ (۳) تہذیب التہذیب ج ۷ صفحہ ۳۸۳۔

(۴) شذرات الذہب ج ۱ صفحہ ۳۲۵ والعمر فی خبر من غیر ج ۱ صفحہ ۳۰۳۔ (۵) تہذیب التہذیب الاسماء واللغات ج ۱ صفحہ

۳۵۱۔ العمر ج ۱ صفحہ ۳۰۳۔ (۶) تہذیب التہذیب ج ۷ صفحہ ۳۸۳۔ (۷) تہذیب الاسماء واللغات ج ۱ صفحہ ۳۵۱

فائز ہوئے۔ (۱) لیکن افسوس ہے کہ یہاں وہ ایک نہایت المناک واقعہ سے دوچار ہوئے۔ جس کی تفصیل یہ ہے کہ ایک مرتبہ اپنے عہدہ قضا کے دوران ابن مسہر آشوب چشم میں مبتلا ہوئے اور علاج کی غرض سے ایک ماہر چشم طبیب کے پاس گئے، ابن مسہر سے قبل جو شخص اس مقام کا قاضی رہ چکا تھا، اس نے ازراہ حسد و کینہ پروری اس معالج کو مال و زر کی حرص دلا کر کہا کہ ابن مسہر کی بینائی زائل کر دو۔ چنانچہ وہ طبیب طمع میں آ کر ایسا ہی کر گزرا، اور پھر ابن مسہر نابینا ہو کر بصد حسرت و یاس اپنے وطن مولوف کو فہ واپس آ گئے۔ (۲)

علامہ ذہبیؒ نے لکھا ہے کہ ابن مسہر آرمینہ کے قاضی تھے اور نابینائی کا واقعہ وہیں پیش آیا، لیکن دوسرے تذکروں میں صرف موصل ہی کا ذکر ملتا ہے۔ ممکن ہے دونوں ہی جگہ یکے بعد دیگرے منصب قضاء کو عزت دی ہو۔

قوتِ حافظہ :- حضرت ابن مسہرؒ کے قوتِ حافظہ کا اندازہ صرف اسی سے لگایا جاسکتا ہے کہ بصارت زائل ہونے کے بعد بھی ان کا چشمہ فیض جاری رہا اور وہ محض اپنے حافظہ کی بنیاد پر احادیث روایت فرمایا کرتے تھے۔ امام احمدؒ کا قول ہے:

کان قد ذهب بصره فكان يحدثهم من حفظه (۳)

”ان کی بینائی زائل ہو گئی تھی، تو اپنے حافظہ سے حدیث روایت کرتے تھے۔“

وفات :- ۱۸۹ ہجری میں ان کا انتقال ہوا۔ (۴) علماء نے بالاتفاق لکھا ہے کہ ان کی تدفین کے ساتھ فقہ میں تبحر و مہارت فن کا ایک دور ختم ہو گیا۔ (۵)

(۱) اخبار القضاة ج ۳ صفحہ ۳۲۵۔ (۲) تذکرۃ الحفاظ ج ۱ صفحہ ۲۶۵۔ (۳) تہذیب التہذیب ج ۷ صفحہ ۳۸۳۔ (۴) المعجم

فی خبر من عمر ج ۱ صفحہ ۳۰۳۔ (۵) تہذیب ج ۷ صفحہ ۳۸۳

حضرت عمر بن سعد رحمۃ اللہ علیہ

نام و نسب :- نام عمر اور ابو داؤد کنیت تھی۔ معلوم نسب نامہ یہ ہے: عمر بن سعد ابن عبید، اصل نام کی بجائے کنیت ہی سے مشہور ہوئے۔ حضری اور کوئی دونوں وطنی نسبتیں ہیں۔ حضر کوفہ کا ایک محلہ ہے، وہیں ان کی فرودگاہ تھی۔ (۱)

علم و فضل :- علمی حیثیت سے باکمال ہونے کے ساتھ عبادت، انابت الی اللہ اور فقر و استغناء میں بھی نہایت بلند مقام رکھتے تھے۔ اپنے عہد کے اکابر تابعین کی صحبت سے مشرف اور ان کے خزانہ علم سے مستفید ہوئے تھے۔ عجل کے بیان کے مطابق تین ہزار ایسی حدیثیں ان کے نہال خانہ دماغ میں محفوظ تھیں جن کی حجیت اور استناد پر ماہرین فن کا اتفاق ہے۔ (۲) دنیاۓ دل کی آبادی کا عالم یہ تھا کہ جس مقام پر وہ ہوتے وہاں کے لوگ اس جگہ کو ہر آفت اور بلا سے مامون تصور کرتے۔ حافظ و کعب جیسے جلیل القدر امام فرماتے ہیں:

ان کان يدفع البلاء باحد فی زماننا فبابی داؤد الحضرمی (۳)
اگر ہمارے زمانہ میں کسی کے ذریعہ بلائیں دور کی جاتی ہیں تو وہ ابو داؤد الحضرمی ہیں۔
امام ابو نعیم جب ان کی خدمت میں حاضر ہوتے تو غایت تعظیم و احترام سے خاموش بیٹھے رہتے اور فرماتے:

لم یکن بالكوفة بعد حسین الجعفی افضل منه (۴)

”امام حسین الجعفی کے بعد کوفہ میں ان سے بڑا فاضل کوئی نہ تھا۔“

شیوخ :- جن محدثین و علماء سے انہوں نے کسب ضیاء کیا ان میں درج ذیل کبار تابعین اور ممتاز اتباع تابعین کے نام ملتے ہیں۔ حضرت مسعر بن کدام، مالک بن مغول، سفیان ثوری، صالح بن حسان، حفص بن غیاث، یحییٰ بن ابی زائدہ، شریک نخعی، ہشام بن سعد۔

تلامذہ :- اسی طرح خود ان کے خرمین علم کے خوشہ چینوں میں امام احمد بن حنبل، اسحاق بن راہویہ، ابوبکر بن ابی شیبہ، علی بن المدینی، قاسم بن زکریا، محمود بن غیلان، موسیٰ بن عبد الرحمن المسروری، علی بن حرب اور عبد بن حمید کے اسمائے گرامی شامل ہیں۔ (۵)

(۱) کتاب الانساب ورق ۱۷۱۔ (۲) تہذیب التہذیب ج ۷ صفحہ ۴۵۳۔ (۳) العمر فی خبر من غمر ج ۱ صفحہ ۳۴۰۔

(۴) تہذیب التہذیب ج ۷ صفحہ ۴۵۳۔ (۵) خلاصۃ تہذیب التہذیب الکمال صفحہ ۲۸۳ و تہذیب التہذیب ج ۷ صفحہ ۴۵۲۔

ثقاہت :- علمائے فن نے ان کی مرویات کو اتفاق رائے سے قابل حجت قرار دیا ہے۔ ابن وضاحؒ فرماتے ہیں:

كان ابو داود ثقة زاهداً من اهل الكوفة
 ”امام ابو داؤد الحضری کوفہ کے ثقہ اور زاہد شخص تھے۔“
 علامہ محمد بن مسعودؒ کا بیان ہے:

هو احب الى من حسين الجعفي وكلاهما ثقة (۱)
 ”وہ میرے نزدیک امام حسینؑ کی جگہ سے بھی زیادہ پسندیدہ شخص تھے اور ثقہ تو دونوں ہی ہیں۔“
 علاوہ ازیں ابو حاتم، آجری عجل، اور ابن معین بھی ان کی عدالت و صداقت کے معترف ہیں۔

عبادت :- حضرت علی بن المدینیؒ بیان کرتے ہیں کہ کثرت عبادت و ریاضت میں کم از کم کوفہ میں ان کی مثال نہیں مل سکتی۔ ”ما رأيت بالكوفة اعبد منه“ (۲)
 علامہ ابن حبانؒ کتاب الثقات میں لکھتے ہیں:

كان من عباد الخشف (۳)

”وہ بے انتہاء عبادت گزار تھے۔“

فقر و درویشی :- بایں تبحر علم و فن ان کی زندگی قرونِ اولیٰ کی سادگی، تواضع اور درویشی و قلندری کا مثالی نمونہ تھی۔ علامہ ابن سعدؒ رقمطراز ہیں:

كان زاهداً ناسكاً له فضل وتواضع (۴)

”وہ زاہد، پرہیزگار، متواضع اور صاحب فضل تھے۔“

امام احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں:

رأيت ابا داود الحضرى وعليه جبة مخروقة وقد خرج القطن منها يصلى

بين المغرب والعشاء وهو يترجع من الجوع (۵)

”میں نے ابو داؤد الحضریؒ کو اس عالم میں دیکھا کہ وہ پھٹا پرانا جبہ پہنے ہوئے تھے، جس کی روئی باہر نکل پڑ رہی تھی، وہ مغرب و عشاء کے درمیانی وقفہ میں نماز پڑھ رہے تھے اور بھوک سے

(۱) تہذیب التہذیب ج ۷ صفحہ ۴۵۳۔ (۲) شذرات الذہب ج ۲ صفحہ ۶۔ (۳) تہذیب التہذیب ج ۷ صفحہ ۴۵۳۔

(۴) طبقات ابن سعد ج ۶ صفحہ ۲۸۱۔ (۵) صفوة الصفوة ج ۳ صفحہ ۱۰۸۔

نڈھال تھے۔“

حضرت حسین بن علی الصداقی بیان کرتے ہیں کہ ایک دن میں ابو داؤد الحضرمی کی فرودگاہ پر گیا اور دروازہ کھٹکھٹایا۔ انہوں نے اندر ہی سے دریافت کیا، کون ہے؟ میں نے عرض کیا، ایک حدیث کا طالب علم حاضر ہے۔ فرمایا: اچھا ذرا ٹھہرو! راوی کا بیان ہے کہ اسی اثناء میں، میں نے دروازے کے ایک سوراخ سے اندر جھانکا، کیا دیکھتا ہوں کہ شیخ ایک تہبند باندھے اور نکلتے رہے ہیں۔ جس کو بیچ کر وہ روزی فراہم کرتے ہیں۔ چنانچہ میری آواز پر اون سمیٹ کر اکٹھا کیا اور اس پر ایک کپڑا ڈال دیا۔ پھر مجھے اندر بلایا اور حدیثیں املاء کروانا شروع کیں۔ یہاں تک کہ کاغذ ختم ہو گیا۔

راوی کا بیان ہے کہ میں نے ان کے علاوہ خالصۃً لوجہ اللہ روایت کرنے والا کسی کو نہیں دیکھا۔

حضرت ابن عبد ربہؒ فرماتے ہیں کہ میں نے عباس الدوری کو اکثر یہ کہتے سنا کہ:

حدثنا ابو داؤد الحضرمی ولو رأیت ابا داؤد الحضرمی لو رأیت رجلاً کانہ اطلع علی النار فرأی ما فیہا (۱)

”ہم سے ابو داؤد حضرمی نے حدیثیں روایت کی ہیں اور تم اگر ان کو دیکھتے تو ایک ایسا شخص پاتے جس نے گویا آگ کے اندر جھانک کر اپنی حقیقت کو دیکھ لیا ہو۔“

یعنی خوفِ آخرت اور خشیتِ الہی سے ہمہ وقت لرزاں رہتے تھے۔ اسی فقر و استغناء اور دنیا سے کنارہ کشی کا نتیجہ تھا کہ وفات کے وقت ان کے گھر میں کوئی بھی سامان نہ تھا۔ چنانچہ ابو احمد وں جو شیخ کے جنازہ میں شریک تھے، کہتے ہیں کہ:

لما دفناہ ترکنا بابہ مفتوحاً ما خلف شیئاً (۲)

”جب ہم نے ان کو دفن کر دیا تو ان کے گھر کے دروازہ کو کھلا چھوڑ دیا، کیونکہ انہوں نے اپنے پیچھے کچھ چھوڑا ہی نہ تھا۔“

وفات :- جمادی الاخریٰ ۲۰۳ ہجری میں بنیام خلافت مامون کوفہ میں رحلت فرمائی۔ (۳) بعض علماء نے ان کا سال وفات ۲۰۶ ہجری بتایا ہے جو صحیح نہیں ہے۔

(۱) مفہود الصغۃ ج ۳ صفحہ ۱۰۹۔ (۲) المعرفۃ فی خبر من غیر ج ۱ صفحہ ۳۳۰۔ (۳) طبقات ابن سعد ج ۶ صفحہ ۲۸۱

حضرت عیسیٰ بن یونس الہمدانی رحمۃ اللہ علیہ

نام و نسب :- عیسیٰ نام اور ابو عمر و کنیت تھی۔ (۱) پورا سلسلہ نسب یہ ہے:

عیسیٰ بن یونس ابن ابی اسحاق، عمرو بن عبد اللہ بن اہمد بن ذی محمد بن السبیح بن سبیح بن صعب بن معاویہ، ابن کثیر بن جشم بن حاشد بن چشم بن خیوان بن نوف بن ہمدان۔ (۲) خاندانی نسبت سے ہمدانی اور وطن کی طرف منسوب ہو کر کوئی کہلاتے ہیں۔

وطن :- ان کا اصلی وطن تو کوفہ تھا اور غالباً وہیں پیدا بھی ہوئے، کچھ دنوں بعد بغداد میں بھی مجلس درس و افادہ گرم کی، لیکن پھر شام کے سرحدی علاقہ حدت (۳) میں مستقل طور پر رابطہ (۴) کی حیثیت سے اقامت گزین ہو گئے تھے۔ حضرت سمعانی کا بیان ہے:

كان عيسى قد انتقل عن الكوفة الى بعض ثغور الشام فسكنها (۵)

”عیسیٰ بن یونس کوفہ سے شام کے ایک سرحدی علاقہ میں منتقل ہو کر سکونت پذیر ہو گئے تھے۔“

علامہ ابن سعد کا بیان اس سلسلہ میں سب سے واضح ہے، وہ رقمطراز ہیں:

عيسى بن يونس السبيعي من اهل الكوفة تحول الى الثغر منزل بالحدت ومات بها في خلافة هارون (۶)

”عیسیٰ بن یونس“ کوفہ کے رہنے والے تھے، پھر سرحدی علاقہ حدت میں منتقل ہو کر مقیم ہو گئے اور وہیں ہارون الرشید کے زمانہ خلافت میں وفات پائی۔“

خاندان :- حضرت عیسیٰ بن یونس اس خانوادہ فضل و کمال سے تعلق رکھتے تھے جس کا ہر فرد آسمان علم و فن کا اختر تاباں تھا، بلاشبہ جماعت تابعین میں ابو اسحاق سبیعی اس حیثیت سے بہت ہی ممتاز ہیں کہ ان کے خاندان میں ائمہ و علماء کی پوری ایک جماعت تیار ہو کر نکلی، جن میں سے کسی نے قرآن و حدیث میں نام روشن کیا تو کوئی فقہ و فتاویٰ کی مسند ریاست پر فائز ہوا، عبادت و ریاضت، تواضع و انکسار، بے نفسی و فروتنی، ان سب میں قدر مشترک تھی، ابو اسحاق سبیعی کے علاوہ اس خانوادہ عالیہ میں جو علماء نامور ہوئے، ان میں حضرت یونس بن ابی اسحاق، اسرائیل بن

(۱) العبرانی خبر من غمر ج ۱ صفحہ ۳۰۱۔ (۲) تاریخ بغداد ج ۱۱ صفحہ ۱۵۲۔ (۳) مقام حدت کی تعیین کرتے ہوئے صاحب توہم رقمطراز ہیں۔ ”هو مدينة صغيرة عامرة فيها مياه و زرع كثير و اشجار كثيرة و هو ثغر“ صفحہ ۲۶۳۔ (۴) یعنی سرحدی محافظہ۔ (۵) کتاب الانساب للسمعانی، ورق ۴۹۰۔ (۶) طبقات ابن سعد ج ۶ صفحہ ۷۸۔

یونس، عیسیٰ بن یونس، یوسف بن یونس، اسحاق بن ابی اسحاق السبئی اور یوسف بن اسحاق بن ابی اسحاق قابل ذکر شامل ہیں۔

فضل و کمال: علمی اعتبار سے وہ بلند پایہ اتباع تابعین میں تھے، جامعیت اور تبحر علمی میں ان کی نظیر شاید ہی ملتی ہے، حضرت ولید بن مسلم کہتے ہیں کہ امام اوزاعی سے میری روایات کے بارے میں سوائے عیسیٰ بن یونس کے مجھے کسی کی بھی مخالفت کی پرواہ نہیں، کیونکہ میں نے موصوف کو امام اوزاعی سے پوری محنت اور توجہ کے ساتھ کسب فیض کرتے دیکھا ہے اور بلاشبہ وہ تمام باقی علمائے عرب سے افضل ہیں۔ امام وکیع کا قول ہے:

ذالک رجل قد قهر العلم (۱)

”یہ شخص علم پر غالب ہے۔“

حدیث: حدیث میں انہوں نے وقت کے کبار محدثین اور ارباب فن سے مہارت حاصل کی تھی اور پھر خود بھی اساتذہ عصر میں شمار ہوئے، اپنے جد امجد ابواسحاق سبئی کے دیدار سے دید شوق کو روشن کیا تھا، لیکن ان سے سماع کی سعادت نصیب نہ ہو سکی۔ دوسرے تابعین کرام کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا، ان کے خصوصی اساتذہ حدیث میں سلیمان الاعمش کو نمایاں حیثیت حاصل ہے۔ خود حضرت عیسیٰ بن یونس ہی سے مروی ہے کہ:

اربعین حدیثا حدثنا بها الاعمش فیہا ضرب الرقاب لم یشر کنی فیہا

احد غیر محمد بن اسحاق (۲)

”مجھ سے اعمش نے چالیس حدیثیں بیان کی تھیں، ان میں سے ایک ضرب الرقاب کی حدیث بھی ہے۔ اس کی سماعت میں محمد بن اسحاق کے علاوہ میرا کوئی شریک نہیں ہے۔“

ان کے لائق ذکر اساتذہ کے نام یہ ہیں:

ہشام بن عروہ، عبید اللہ بن عمر، سلیمان الاعمش، امام اوزاعی، شعبہ، مالک بن انس، ابن جریج، یحییٰ بن سعید الانصاری، محمد بن اسحاق یونس بن ابی اسحاق، اسرائیل بن یونس، ابن عون، ولید بن کثیر، زکریا بن ابی زائدہ، ابن ابی عروہ، معمر بن راشد۔ (۳)

تلامذہ: اسی طرح ان کے چشمہ فیض سے اپنی تشنگی علم کو فرو کرنے والے وارفتگان علم کا دائرہ

(۱) تذکرۃ الحفاظ ج ۱ صفحہ ۲۵۵۔ (۲) تہذیب المعجم ج ۸ صفحہ ۲۳۹۔ (۳) تاریخ بغداد ج ۱۱ صفحہ ۱۵۲ و تہذیب

بھی خاصا وسیع ہے۔ جن میں ان کے والد یونس بن ابی اسحاق اور صاحبزادے عمر بن عیسیٰ کے علاوہ اسماعیل بن عیاش، یحییٰ بن معین، علی بن المدینی، اسحاق بن راہویہ، ابوبکر بن ابی شیبہ، یعقوب الدورقی، حسن بن عرفہ، ولید بن مسلم، بقیہ بن الولید، عبداللہ بن وہب، مسدد، حکم بن موسیٰ، یحییٰ بن اکثم، علی بن حجر، حسن بن عرفہ کے نام لائق ذکر ہیں۔ (۱)

علاوہ ازیں حماد بن سلمہؒ بھی عمر میں ابن یونسؒ سے بڑے ہونے کے باوجود ان سے روایت کرتے ہیں۔

فقہ:- پورا خاندان سہمی فقہ میں تمنغہ امتیاز رکھتا تھا۔ حضرت عیسیٰ بن یونسؒ کو بھی اس چشمہ فیض سے بہرہ وافر نصیب ہوا تھا۔ حضرت سلیمان بن داؤد کہتے ہیں کہ ایک دن ہم لوگ رئیس الفقہاء سفیان بن عیینہ کی مجلس درس میں شریک تھے کہ اسی اثناء میں عیسیٰ بن یونس تشریف لے آئے۔ ان پر نظر پڑتے ہیں ابن عیینہ نے بڑی گرجوشی سے ان کا استقبال کرتے ہوئے فرمایا: مرحبا بالفقہ ابن الفقہ ابن الفقہ۔ (۲)

قرأت قرآن:- کلام پاک کی مختلف قرأتوں کا علم بھی گذشتہ زمانہ میں بڑی اہمیت اور عظمت کا حامل رہا ہے۔ اس لئے حدیث و فقہ کی طرح علماء اس کی تحصیل کو بھی ضروری خیال کرتے ہیں اور اس میں جدوجہد کرتے تھے۔ چنانچہ حضرت عیسیٰ بن یونس اس فن میں مہارت اور ید طولیٰ رکھتے تھے۔ جعفر بن یحییٰ البرکیؒ کا قول ہے:

مارأینا فی القراء مثل عیسیٰ بن یونس (۳)

”ہم نے قرأت میں عیسیٰ بن یونس کی نظیر نہیں دیکھی۔“

نحو:- عنقوان شباب میں علم نحو کی طرف ان کا خصوصی رجحان تھا، اور اس میں انہیں جلد ہی اس حد تک قدرت حاصل ہو گئی تھی کہ اپنے معاصرین پر تفوق کا احساس پیدا ہو گیا تھا۔ اس لئے اپنی نفس کشی کے لئے انہوں نے نحو کی طرف اپنی توجہ کو بالکل ہٹالیا، احمد بن داؤد کی روایت سے خود عیسیٰ بن یونس کا بیان ہے کہ:

لم یکن فی اسنانی ابصر بالنحو منی قد خلتنی منه نخوة فترکتہ (۴)

”میرے ہمعصروں میں نحو کا مجھ سے زیادہ جاننے والا کوئی نہیں تھا، اس سے مجھ میں غرور

(۱) کتاب الانساب للسمعانی ورق ۲۹۰ و تذکرۃ الحفاظ ج ۱ صفحہ ۱۵۵ و تہذیب المعجم ج ۸ صفحہ ۲۳۹۔ (۲) تاریخ بغداد ج ۱۱ صفحہ ۱۵۴ (۳) تذکرۃ الحفاظ ج ۱ صفحہ ۲۵۵۔ (۴) المعجم فی خبر من عمر ج ۱ صفحہ ۳۰۱

پیدا ہو گیا، چنانچہ میں نے اس کو چھوڑ دیا۔“

حج و جہاد:- کم و بیش ۹۰ برس کی طویل عمر میں انہوں نے مختلف مقامات پر علم و فن کے چشے جاری کئے تھے، لیکن ان کی عمر کا بیشتر حصہ حج اور جہاد میں گزرا تھا۔

بعض بیانات سے منکشف ہوتا ہے کہ انہوں نے ایک سال حج کرنے اور ایک سال جہاد فی سبیل اللہ میں رہنے کا معمول بنالیا تھا اور آخر عمر تک اس پر عامل رہے، ان کے شاگرد رشید احمد بن خباب راوی ہیں کہ:

غزاعیسی بن یونس خمساً واربعین غزوة وحج خمساً واربعین حجة (۱)
 ”عیسیٰ بن یونس نے ۴۵ حج اور ۴۵ جہاد میں شرکت کی۔“

استغناء:- ائمہ اسلام کے عام شعار کے مطابق عیسیٰ بن یونس بھی استغناء و بے نیازی کا پیکر مجسم تھے۔ بالخصوص وہ حدیث نبوی ﷺ کی تعلیم و تدریس پر کوئی معاوضہ قطعی جائز نہیں سمجھتے تھے۔ اسی مثالی اور معیاری شعار نے بلاشبہ گزشتہ صدیوں میں محیر العقول علمی و فنی کارنامے انجام دلائے۔

حب جاہ اور حرص و آز کی زیادتی علم کی افادیت کو ختم کر دیتی ہے، جس کی نظیر عصر حاضر میں عامۃ الورد ہے، لیکن علمائے سلف کے نزدیک اس کا تصور بھی محال تھا۔ حضرت ابن یونس بھی اس کی اعلیٰ مثال تھے۔ چنانچہ منقول ہے کہ ایک مرتبہ ہارون رشید کے ایام خلافت میں امین اور مامون امام موصوف کی خدمت میں حاضر ہوئے اور حدیث سنانے کی درخواست کی۔ چنانچہ انہوں نے متعدد روایتیں بیان کیں، پھر اس کے بعد مامون نے انہیں دس ہزار درہم دیئے جانے کا حکم دیا، لیکن انہوں نے لینے سے انکار کر دیا۔ مامون نے خیال کہ وہ اس رقم کو کم سمجھ کر قبول نہیں کر رہے ہیں، چنانچہ اس نے پھر بیس ہزار درہم پیش کئے، مگر اس پر بھی ابن یونس نے انتہائی شان استغناء کے ساتھ جواب دیا:

لا ولا اھلیلجة ولا شربة ماء علی حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
 ولو ملئت لی هذا المسجد الی السقف (۲)

”نہ، حدیث رسول ﷺ کی تعلیم پر نہ تو میں ایک ہڑ ہی قبول کروں گا اور نہ ایک گھونٹ پانی، خواہ میرے لئے یہ مسجد زمین سے چھت تک بھر کیوں نہ دی جائے۔“

اسی طرح ایک دفعہ انہیں اہل رقبہ نے درس دینے کے لئے بلایا۔ جب وہ اس سے فارغ

(۱) تہذیب الاسماء واللغات ج ۲ صفحہ ۴۸۔ (۲) تاریخ بغداد ج ۱۱ صفحہ ۵۴ و تہذیب الاسماء ج ۲ صفحہ ۴۸

ہو کر واپس جانے لگے تو ایک لاکھ کی خطیر رقم ان کی خدمت میں بار بار پیش کی۔ مگر وہ کسی طرح اسے قبول کرنے پر راضی نہ ہوئے اور ہر مرتبہ فرماتے لا حاجة لی فیہا، جب اصرار حد سے فزوں تر ہوا تو بہت درشتی کے ساتھ نہایت فیصلہ کن انداز میں فرمایا:

لا والله لا يتحدث اهل العلم افي اكلت للسنه ثمناً الا كان هذا قبل ان

ترسلوني الي. فاما على الحديث فلا والله ولا شربة ماء ولا اھلیجة (۱)

نہیں، بخدا اہل علم یہ نہ کہیں کہ میں نے حدیث کی قیمت وصول کی ہے۔ ہاں اس صورت میں اسے قبول کر لیتا جب تم مجھے بلا نہ بھیجتے، بخدا حدیث پر نہ تو میں ایک گھونٹ پانی قبول کرنے کو تیار ہوں اور نہ ایک ہڑ لینے کو۔

تثبت وعدالت اور اعتراف علماء:۔ ان کی ثقاہت وعدالت، علم و فضل اور اوصاف و کمالات کا اعتراف نہ صرف ان کے فضلاء وقت تلامذہ نے بلکہ ان کے معاصرین اور ہم پلہ ائمہ نے بھی نہایت فراخ دلی کے ساتھ کیا ہے۔ حتیٰ کہ امام نوریؒ نے لکھا ہے:

اجمع الانمة على جلالته وتوثيقه وارتفاع مرتبته (۲)

”ان کی جلالت شان، علوم مرتبت اور ثقاہت پر ائمہ کا اجماع ہے۔“

۱۲ حیثیت سے بلاشبہ حضرت عیسیٰ بن یونسؑ منفرد اور عدیم النظر تھے کہ ان پر کسی بھی اہل علم اور تاقدر فن کو کلام کی جرأت نہ ہو سکی۔ حضرت یحییٰ بن معینؒ سے دریافت کیا گیا تو فرمایا:

بخ بخ ثقة مامون (۳)

حضرت علی بن مدینیؒ کا بیان ہے:

جماعة من الاولاد اثبت عندنا من ابائهم منهم عيسى بن يونس بن ابي

اسحاق السبيعي (۴)

”ہمارے نزدیک ائمہ کی اولاد کی ایک جماعت اپنے آباء سے زیادہ تثبت رکھتی ہے۔ انہی

میں عیسیٰ بن یونسؑ بھی ہیں۔“

حضرت ابن عمار کہتے ہیں کہ فرزند ان یونس یعنی اسرائیل، عیسیٰ او یوسف میں عیسیٰ کا مرتبہ

ثقاہت سب سے بلند و برتر ہے۔ عجلی کا قول ہے:

(۱) تذکرۃ الحفاظ ج ۱ صفحہ ۲۵۶ و تہذیب التہذیب ج ۸ صفحہ ۲۳۹۔ (۲) تہذیب الاسماء ج ۲ صفحہ ۲۸۔ (۳) المعجم فی خبر

من غمر ج ۱ صفحہ ۳۰۰۔ (۴) تاریخ بغداد ج ۱۱ صفحہ ۱۵۴

عیسیٰ بن یونس کو فی ثقہ و کان تثبتا فی الحدیث
 ”عیسیٰ بن یونس کو فی ثقہ ہیں اور حدیث میں تثبت رکھتے ہیں۔“
 علامہ سمعانی ”رمطراز ہیں:

کان مامونا ثقہ صدوقا (۱)
 ”وہ مامون، ثقہ اور صدوق تھے۔“
 حضرت ابن سعدؒ خامہ ریز ہیں کہ:

کان ثقہ ثبتا (۲)

وفات :- ان کی وفات کے متعلق بہت متضاد بیانات سامنے آتے ہیں۔ اس سلسلے میں ۱۸۱
 ہجری سے ۱۹۱ ہجری تک کے مختلف اقوال ہیں، لیکن علامہ یافعیؒ اور حافظ ذہبیؒ نے لکھا ہے کہ صحیح
 ترین قول کے مطابق وسط رمضان ۱۸۸ ہجری میں بمقام حدث، یہ آفتاب علم غروب ہوا۔ (۳)

(۱) کتاب الانساب ورق ۲۹۔ (۲) طبقات ابن سعد ج ۱ صفحہ ۳۰۔ (۳) مرآة البیان ج ۱ صفحہ ۴۲۰ والعبر فی خبر من غمر ج ۱
 صفحہ ۳۰۱

حضرت فضل بن موسیٰ سینانی رحمۃ اللہ علیہ

نام و نسب :- فضل نام، ابو عبد اللہ کنیت اور والد کا نام موسیٰ ہے۔ بنو قطیعہ مروزی سے نسبت ولاء رکھنے کے باعث مروزی (۱) اور وطن کی طرف منسوب ہو کر سینانی مشہور ہوئے۔ (۲)
مولد اور وطن :- ۱۱۵ ہجری میں بمقام سینان پیدا ہوئے۔ یہ مرو سے پانچ فرسخ پر واقع ایک گاؤں ہے۔ (۳) ملک خراسان میں متروکہ مردم خیز خطہ ہے جس کو محدثین و فقہاء کے ایک انبؤہ عظیم کے مولد ہونے کا شرف حاصل ہے، کسی زمانہ میں کوفہ بصرہ اور بغداد کی طرح وہ بھی علم کا ایک بڑا مرکز شمار ہوتا تھا۔ جن ائمہ کے ناموں کے ساتھ مروزی کی نسبتیں لگی ہوئی ہیں وہ دراصل مروہی کی طرف منسوب ہیں۔

ترک وطن کا واقعہ :- ایک افسوسناک واقعہ کی بناء پر شیخ سینانی اپنے وطن مالوف کو خیر باد کہہ کر دوسرے گاؤں میں جا کر رہنے لگے تھے، چونکہ یہ واقعہ دلچسپ بھی ہے اور عبرت انگیز بھی اس لئے یہاں اس کا تفصیلی ذکر غالباً بے محل نہ ہوگا۔

جب شیخ فضل بن موسیٰ کے آفتاب علم و فضل کی کرنیں اطراف عالم میں پھیلیں، تو تشنگان علم کے قافلے ہر سمت سے اسی ایک مرکز ثقل کی طرف کھینچے چلے آنے لگے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ قریہ سینان طالبان علم کی کثرت سے بھر گیا تھا۔ شیخ کی اس درجہ مقبولیت اور شہرت بہت سے دلوں میں کھٹکنے لگی اور وہ ان کی بدنامی کی تدبیریں کرنے لگے، چنانچہ انہوں نے ایک فاحشہ عورت سے مال و زر کی حرص دلا کر یہ اقرار کرایا کہ شیخ فضل (حاشا وکلا) کو اپنی طرف راغب کرنا چاہتے ہیں۔ پھر حاسدین نے ان پر بدکرداری کا اتہام عائد کیا، جس سے دلبرداشتہ اور ملول ہو کر فضل بن موسیٰ نے وہ گاؤں ہی چھوڑ دیا اور ایک دوسرے قریہ ”راماشاۃ“ نامی میں جا کر سکونت اختیار کر لی۔

لیکن چند ہی دن بعد خدائے عز و جل نے اپنے مقبول بندہ کی برأت کا سامان بھی کر دیا۔ ہوا یہ کہ شیخ فضل کے ترک وطن کے بعد قریہ سینان میں شدید ترین خشک سالی پیدا ہو گئی۔ لوگوں کو اپنی غلطی اور قدرت کے انتقام کا فوراً احساس ہو گیا۔ چنانچہ وہ لوگ ایک وفد کی شکل میں حاضر خدمت ہوئے اور اپنی نازیبا حرکتوں کی معافی مانگی اور بہت منت سماجت کر کے دوبارہ سینان چلنے کی

(۱) تہذیب التجزیب ج ۷ صفحہ ۲۸۶۔ (۲) اللباب فی الانساب ج ۵ صفحہ ۵۸۹۔ (۳) کتاب الانساب للسمعانی ورق ۳۲۳۔

درخواست کی، لیکن شیخ نے فرمایا کہ پہلے تم لوگ اپنے کذب صریح اور بہتان عظیم کا اعتراف کرو۔ چنانچہ لوگوں نے کھلے دل سے اس کا اعتراف کیا۔ اپنی برأت سننے کے بعد انہوں نے فرمایا:

لا اسکن قرية اهلها كذبه صفة

”میں ایسے گاؤں میں ہرگز نہیں رہوں گا جس کے باشندے جھوٹے ہیں۔“

اور پھر تاحیات راما شاة ہی میں مقیم رہے۔ (۱)

فضل و کمال:۔ علم و فضل میں نہایت بلند مقام رکھتے تھے۔ انہوں نے جو زمانہ پایا تھا اس میں تابعین کرام کی لائی ہوئی بہاریں ختم ہو رہی تھیں اور ان کی جگہ اتباع کی تازہ دم جماعتیں علم و کمال کی مجلسیں سجا کر درس و افادہ میں مشغول تھیں۔ حضرت فضل ابن موسیٰؓ نے کوفہ اور دوسرے مراکز علم و فن کا سفر کر کے اپنے حبیب و داماد کو لا تعداد گوہر آبدار سے مالا مال کیا تھا، اسی کا نتیجہ تھا کہ پھر وہ خود بھی مشاہیر زمانہ ائمہ میں شمار کئے گئے۔

حافظ ذہبیؒ انہیں ”احد علماء الثقات“ اور شیخ مرو و محدثا لکھتے ہیں۔ (۲) علامہ سمعی ان کو علم و فضل اور عمر میں عبداللہ بن مبارک کا قرین و مثیل قرار دیتے ہیں۔ (۳)

حدیث:۔ حدیث ہی ان کے فکر و نظر کا خصوصی جولا نگاہ تھی۔ اس کی سماعت کو کتابت انہوں نے حضرت سلیمان الاعمش، ہشام بن عروہ، اسماعیل بن ابی خالد، ابو حنیفہ، داؤد ابن ابی ہند، ضمیم بن عراق، معمر بن راشد، یونس بن ابی اسحاق السبعمی، سفیان ثوری، شریک اور قاضی شریحؒ سے کی تھی۔ (۴)

تلامذہ:۔ ان کے فیض صحبت سے بہرہ یاب ہونے والوں میں علی بن حجر، معاذ بن اسد، محمود بن غیلان، اسحاق بن راہویہ، یحییٰ بن اشم اور محمد بن حمیدؒ کے اسمائے گرامی معروف و ممتاز ہیں۔ (۵)

تثبیت و ثقاہت:۔ اتقان اور ثقاہت میں بھی ان کا مرتبہ بہت ارفع ہے۔ تمام علماء ان کی صداقت و ثقاہت کے معترف ہیں۔ حضرت ابو نعیم کا بیان ہے کہ وہ عبداللہ بن مبارک سے بھی زیادہ ثبت (۶) تھے۔ ابو حاتمؒ کہتے ہیں کہ ”هو صدوق صالح“ (۷) عبداللہ بن مبارک

(۱) اللباب فی الانساب ج ۱ صفحہ ۵۹۰۔ کتاب الانساب ورق ۲۲۳۔ (۲) میزان الاعتدال ج ۲ صفحہ ۳۳۴ والعمر فی خبر من عمر ج ۱ صفحہ ۳۰۷۔ (۳) کتاب الانساب ورق ۲۲۳۔ (۴) تہذیب التہذیب ج ۷ صفحہ ۲۸۶۔ (۵) خلاصۃ تہذیب التہذیب الکمال، صفحہ ۳۰۹ و کتاب الانساب ورق ۲۲۳ و تہذیب ج ۷ صفحہ ۲۷۸۔ (۶) العمر ج ۱ صفحہ ۳۰۷۔ (۷) تہذیب التہذیب ج ۷ صفحہ ۲۸۷

انکے بارے میں فرمایا کرتے تھے کہ ”حدثنی الثقة“ (۱) امام وکیع کا قول ہے ”اعرفه ثقة صاحب سنة“ (۲) علاوہ ازیں حضرت یحییٰ بن معین، ابن شاپین، امام بخاری، علامہ ذہبی، ابن حبان اور علامہ ابن سعد نے بھی ان کی توثیق کی ہے۔ (۳) صرف علی بن المدینی ”ایک تنہا شخص ہیں جو سینائی کی بعض روایات کو منکر قرار دیتے ہیں۔“

عقل و فرزانگی :- بہت ہی دانشمند اور ذہین و فطین تھے، ابواسامعیل ترمذی بیان کرتے ہیں کہ میں نے اکثر ابو نعیم ”کوفضل بن موسیٰ“ کے بارے میں یہ کہتے سنا ہے کہ:

وكان والله عاقلًا لبيا (۴)

”بخدا وہ بہت عاقل اور دانشمند تھے۔“

اعتراف علماء :- مشہور محدث حاکم ان کے علم و فضل کا اعتراف کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

كبير السن عالى الاسناد وامام من ائمة عصره فى الحديث

”سن رسیدہ، بلند اسناد اور اپنے زمانہ کے ائمہ حدیث میں تھے۔“

ابراہیم بن شامس نے ایک دفعہ امام وکیع سے سینائی کے بارے میں سوال کیا تو فرمایا:

ثبت سمع الحديث معنا لا تبالى سمعت الحديث منه او من ابن مبارك (۵)

”وہ ثبت ہیں۔ انہوں نے ہمارے ساتھ حدیث کا سماع حاصل کیا تھا۔ تم اگر ان سے یا

ابن مبارک سے سماع کرو تو پھر کوئی پرواہ نہ کرنا چاہئے۔“

علامہ سمعانی نے لکھا ہے کہ ”وہ علم اور عمر دونوں میں عبد اللہ ابن مبارک کے برابر تھے۔“ (۶)

وفات :- باختلاف روایت ربیع الاول ۱۹۱ ہجری یا ۱۹۲ ہجری میں انتقال ہوا۔ علامہ ذہبی نے

اول الذکر ہی کو رائج قرار دیا ہے۔ (۷) راماشاۃ ہی میں جہاں وہ ترک وطن کے بعد مقیم تھے،

مدفین ہوئی۔ (۸)

(۱) تہذیب التہذیب ج ۷ صفحہ ۲۸۷۔ (۲) المعجم ج ۱ صفحہ ۳۰۷۔ (۳) خلاصہ تہذیب صفحہ ۳۰۹ و میزان الاعتدال ج ۲

صفحہ ۳۳۴ و تہذیب جلد ۷ صفحہ ۲۸۷ و طبقات ابن سعد ج ۷ صفحہ ۱۰۳۔ (۴) تہذیب ج ۷ صفحہ ۳۸۷۔ (۵) ایضاً۔

(۶) کتاب الانساب و رقی ۳۲۳۔ (۷) المعجم ج ۱ صفحہ ۳۰۷۔ (۸) سمعانی و رقی ۳۲۳

حضرت قاسم بن معن رحمۃ اللہ علیہ

نام و نسب :- قاسم نام، ابو عبد اللہ کنیت اور والد کا اسم گرامی معن تھا۔ شجرہ نسب یہ ہے:

قاسم بن معن بن عبد الرحمن بن عبد اللہ بن مسعود بن غافل بن حبیب بن شجاع بن قاد بن مخزوم بن صاہلہ بن کاهل بن الحرث بن تمیم بن سعد بن ہذیل بن بدر کہ بن الیاس بن مضر بن نزار بن معد بن عدنان (۱) نسباً ہذلی اور مسعودی کہلاتے ہیں۔

خاندان اور وطن :- مخزن علم کوفہ کو ان کی وطنیت کا شرف حاصل ہے۔ ان کے جد امجد حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی شخصیت آسمان صحابیت کا وہ کوکب تاباں تھی جس پر پوری اسلامی تاریخ فخر کرتی ہے، وہ نہ صرف قرآن و حدیث اور اصول و فرائض وغیرہ علوم میں یگانہ زمانہ تھے بلکہ فقہ میں ایک مستقل مکتب فکر کے بانی بھی تھے۔ جس کی اساس پر بعد میں فقہ حنفی کا فلک رفعت محل تعمیر ہوا۔ قاضی قاسم نے اپنی اس آبائی علمی وراثت سے حصہ وافر پایا تھا۔

شیوخ :- جن ائمہ و علماء کے فیضان صحبت نے قاضی قاسم کو چشمک زن آفتاب بنانے میں حصہ لیا، ان میں نمایاں یہ نام ہیں: حضرت ہشام بن عروہ، عاصم الاحول، سلیمان التیمی، منصور ابن المعتمر، یحییٰ بن سعید، امام اعظم، طلحہ بن یحییٰ، داؤد بن ابی ہند، محمد بن عمرو۔ (۲)

تلامذہ :- خود ان کے دامن فیض سے وابستہ رہنے والے اساطین علم میں عبد الرحمن بن مہدی، ابو نعیم، عبد اللہ بن الولید، علی بن نصر اور معانی بن سلیمان کے نام لائق ذکر ہیں۔ (۳)

فضل و کمال :- علمی اعتبار سے ان کا مقام نہایت بلند تھا۔ جملہ علوم و فنون پر انہیں یکساں قدرت حاصل تھی۔ حدیث و فقہ، تاریخ و رجال، زبان و ادب میں ان کا عبور مسلم خیال کیا جاتا تھا۔ ابو حاتم بیان کرتے ہیں:

کان من اروی الناس للحدیث والشعر واعلمهم بالفقه والعربية (۴)

”وہ حدیث، فقہ اور عربیت کے بہت بڑے واقف کار تھے۔“

ابن ناصر الدین کہتے ہیں:

کان اماماً علامة ثقة قاضی الکوفة (۵)

(۱) انجم الادباء ج ۵ صفحہ ۲۰۰۔ (۲) تہذیب المعنی ج ۸ صفحہ ۳۳۸۔ (۳) تہذیب المعنی ج ۸ صفحہ ۳۳۸۔

(۴) تذکرۃ الحفاظ ج ۱ صفحہ ۲۱۷۔ (۵) شذرات الذہب ج ۱ صفحہ ۲۸۶

”وہ امام، علامہ، ثقہ اور کوفہ کے قاضی تھے۔“

علامہ ابن سعد رقمطراز ہیں:

كان ثقة عالماً بالحديث والفقه والشعر وایام الناس (۱)

”وہ ثقہ، حدیث و فقہ اور شعر و تاریخ کے عالم تھے۔“

حافظ ذہبیؒ نے الامام العلامة اور خزرجی نے احد الاعلام لکھ کر ان کے علم و فضل کا اعتراف کیا ہے۔ (۲) امام وکیعؒ فرماتے ہیں کہ تنوع اور تفضن فی العلوم میں ان کی نظیر شاید و باید ہی مل سکتی ہے۔ (۳) علامہ یاقوت حمویؒ لکھتے ہیں:

ان القاسم من المحدثين والفقهاء والزهاد والثقات ولم يكن بالكوفة في

عصره نظيره ولا احد يخالفه في شئ يقوله (۴)

بلاشبہ قاسم بن معن محدثین فقہاء، زہاد اور ثقات کے زمرہ میں شمار کئے جاتے ہیں اور کوفہ

میں اس زمانے میں ان کی کوئی نظیر نہ تھی اور نہ ان کے قول کی مخالفت کرنے والا کوئی شخص تھا۔

ثقاہت :- ائمہ جرح و تعدیل نے متفقہ طور پر ان کے عدول اور ثقہ ہونے کی شہادت دی ہے۔

امام احمد، ابو حاتم اور ابن حبان وغیرہ بر ملا ان کی توثیق کرتے ہیں۔ مزید برآں امام ابو داؤد اور

امام ترمذیؒ نے اپنی تصانیف میں ان کی مرویات کی تخریج کی ہے۔ (۵)

فقہ حنفی کی اتباع :- اگرچہ قاضی قاسمؒ اپنے تبحر و کمال علم کی بناء پر امامت و اجتہاد کے منصب

جلیل پر فائز تھے، لیکن چونکہ انہوں نے ایک عرصہ تک امام ابو حنیفہؒ کی ہم نشینی کا شرف حاصل کیا

تھا اور وہ ان کی علمی ژرف بینی و نکتہ رسی سے بے حد متاثر تھے، اس لئے بیشتر امور میں ان ہی کے

مسلك کی اتباع کرتے اور اسی کے مطابق فتویٰ دیتے تھے۔ (۶) ایک بار کسی نے ان سے

دریافت کیا کہ آپ خود کو امام ابو حنیفہ کے غلاموں میں شمار کرنا پسند کریں گے؟ برجستہ فرمایا:

ماجلس الناس الى احد انفع من مجالسة ابي حنيفة (۷)

”امام ابو حنیفہؒ کی صحبت سے زیادہ نفع بخش کسی اور کی مجلس نہیں۔“

عہدہ قضا :- فقہ و افتاء میں غیر معمولی مہارت کے باعث کوفہ کے عہدہ قضا پر بھی ایک طویل

(۱) طبقات ابن سعد ج ۶ صفحہ ۲۶۔ (۲) تذکرۃ الحفاظ ج ۱ صفحہ ۲۱۷ و خلاصہ تذہیب صفحہ ۳۱۲۔ (۳) فہرست ابن ندیم

صفحہ ۱۰۳ و اخبار القضاة ج ۳ صفحہ ۱۷۵۔ (۴) تجم البلدان ج ۶ صفحہ ۲۰۰۔ (۵) تہذیب التجذیب ج ۸ صفحہ ۳۲۸۔ (۶) تجم

الذہاب جلد ۶ صفحہ ۲۰۰۔ (۷) اخبار القضاة ج

عرصہ تک مامور رہے۔ ان کے جد امجد حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بھی کامل دس سال تک کوفہ کے قاضی اور افسر خزانہ رہ چکے تھے۔ جب قاضی شریک نخعی کی معزولی کے بعد یہ آبائی وراثت قاضی قاسم کے ہاتھوں میں منتقل ہوئی تو انہوں نے اس فرض کو ایسی شان و شکوہ اور احتیاط و انصاف کے ساتھ انجام دیا کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے زمانہ کی یاد تازہ ہو گئی۔

خليفة منصور کے زمانہ میں اس عہدہ کی ذمہ داریاں سنبھالیں اور پھر ہارون الرشید کے عہد تک برابر اس پر مامور رہے۔

ایشیاء و تبرع :- استغناء اور بے نیازی کا عالم یہ تھا کہ اپنے طویل زمانہ قضا میں کبھی مشاہرہ اور اجرت لینا پسند نہ فرمایا اور تاحیات تبرعاً یہ خدمت انجام دیتے رہے۔ علامہ ابن سعد رحمہ اللہ قلمطراز ہیں:

ولى قضاء الكوفة ولم يرتزق عليه شيئاً حتى مات (۱)

”وہ کوفہ کے قاضی مقرر ہوئے اور زندگی بھر اس کا مشاہرہ نہیں لیا۔“

جب ان کی خدمت میں تنخواہیں پیش کی جاتی تو اس کو فوراً مستحقین میں تقسیم کر دیتے اور اس میں سے ایک حصہ بھی اپنے استعمال میں نہ لاتے۔ حضرت یزید بن یحییٰ کہتے ہیں:

كان القاسم يقسم ارزاقه اذا جاءته ولا يستحل ان ياخذ رزقاً (۲)

”امام قاسم کے پاس جب تنخواہ آتی تو اس کو تقسیم کر دیتے تھے اور کوئی مشاہرہ لینا جائز نہیں سمجھتے تھے۔“

حالت مرض میں فرض کی ادائیگی :- اس تبرع و بے نیازی کے باوجود منصب قضاء کی منصبی ذمہ داریوں کی ادائیگی میں سرمو کوتاہی نہ کرتے۔ یہاں تک کہ شدید علالت و نقاہت کی حالت میں بھی مجلس عدالت منعقد کرتے اور پوری حاضردماغی کے ساتھ عدالتی فیصلے نافذ کرتے۔

ابن کناسہ بیان کرتے ہیں کہ قاسم سخت بیماری کے عالم میں بھی عدالت میں بیٹھے تھے۔ (۳)

عالی ظرفی :- فطری شرافت، نرم خوئی اور بلند ظرفی ان کی شخصیت کے خاص جوہر تھے۔ اس کا اندازہ لگانے کے لئے صرف ذیل کا واقعہ کافی ہے۔

ایک شخص نے اپنے مکان کا چھجہ اتانیا لگوار کھا تھا کہ اس سے راہ گروں کو دقت پیش آتی تھی۔ لوگوں نے اس معاملہ کو قاضی قاسم کی بارگاہ عدل و انصاف میں پیش کیا۔ قاضی موصوف نے اس کے انہدام کا فیصلہ صادر کیا، اس پر مالک مکان نے بغیر کسی رو رعایت کے قاضی سے کہا کہ

(۱) طبقات ابن سعد ج ۶ صفحہ ۲۶۷۔ (۲) اخبار القضاة ج ۳ صفحہ ۱۷۷۔ (۳) ایضاً ج ۳ صفحہ ۱۷۹

پھر آپ نے کیوں اپنے مکان میں سر راہ روزن کھلوا رکھے ہیں؟ فرمایا: اس سے کسی راہ گیر کو زحمت نہیں ہوتی اور نہ سوار یوں کی آمد و رفت میں کوئی رکاوٹ پیدا ہوتی ہے۔ اس کے بعد فوراً اپنے بعض خدام کو حکم دیا کہ وہ جا کر پہلے ان کے مکان کا روزن بند کر دیں اور پھر بعد میں اس شخص کے چھچھ کو منہدم کریں تاکہ پھر آئندہ کوئی شخص اس معاملہ میں انہیں شرمندہ نہ کر سکے۔ (۱)

خلیفہ کے نزدیک قدر و منزلت :- ان کے علم و فضل اور ایثار و قربانی سے خلیفہ ہارون الرشید بے حد متاثر تھا۔ بعض مفسد قاضی قاسم کے خلاف برابر ریشہ دوانیوں میں مصروف رہتے اور خلیفہ کو ان کے خلاف برا بیچتے کرنے کی کوشش کرتے، لیکن وہ کسی کی بات پر کان نہ دھرتا۔

ایک بار ہارون الرشید حیرہ گیا اور چالیس دن تک وہاں مقیم رہا۔ لیکن قاضی قاسم بن معن اس سے ملنے نہ آئے۔ اس پر وزیر فضل نے خلیفہ سے کہا کہ ”حضور آپ چالیس دن سے یہاں آئے ہوئے ہیں، اس عرصہ میں تمام شرفاء اور قضاة آپ کے دربار میں حاضر ہوئے، مگر آپ نے خیال نہ فرمایا کہ قاسم بن معن ابھی تک نہیں آئے۔“ یہ سن کر خلیفہ نے نہایت ترش لب و لہجہ میں جواب دیا:

ما عرفنی ای شینی ماذا تريد؟ تريد ان اعزله لا والله لا اعزله (۲)

”مجھے معلوم نہیں تم کیا چاہتے ہو؟ کیا تمہارے خیال میں قاسم کو معزول کر دوں۔ نہیں بخدا میں ایسا نہیں کر سکتا۔“

کسانی کا اعتراف :- فقہ و حدیث کے ساتھ نحو میں بھی غیر معمولی مقام حاصل تھا۔ کسائی جو علم نحو کی مہارت میں آفاقی شہرت کا حامل ہے، قاضی قاسم کی فضل و تقدم کا معترف ہے اور بایں ہمدنی مہارت و تبحر علم کے ان کے سامنے زانوئے تلمذتہ کرنے کو مایہ صد افتخار تصور کرتا تھا۔ ایک بار کسی نے اس سے پوچھا کہ ”تم علم، نسب اور فضل میں ان سے مقدم ہو، پھر تم ان سے نحو کیوں حاصل کرتے ہو؟“

اس نے برجستہ کہا ”قاسم بن معن میں تین خوبیاں ایسی ہیں جن میں ان کا کوئی ثانی نہیں۔

الحفظ لما يسمع العلم بما يعي والصدق فيما يؤدى (۳)

”جو کچھ سنتے ہیں اس کو یاد رکھنے کی حیرت انگیز قوت، علم اور صدق۔“

(۱) اخبار القضاة ج ۳ صفحہ ۱۸۲۔ (۲) اخبار القضاة ج ۳ صفحہ ۱۸۰۔ (۳) اخبار القضاة ج ۳ صفحہ ۱۸۱

وفات :- ۱۷۵ ہجری میں خلیفہ ہارون الرشید کے ہمراہ مقام رقعہ کی طرف روانہ ہوئے۔ درمیان میں مقام راس عین پہنچ کر پیغام اجل آ گیا اور محبوب حقیقی سے جا ملے۔ احمد بن کاملؒ نے ان کا سنہ وفات ۱۸۸ھ بتلایا ہے۔ لیکن بقول مرزبانی اول الذکر ہی اصح ہے۔ (۱)

تصنیفات :- قاضی قاسمؒ نے کئی کتابیں بھی یادگار چھوڑی ہیں۔ لغت میں ”کتاب النوادر“، حدیث میں ”غریب المصنف“ اور اس کے علاوہ فن نحو میں بھی کچھ کتابیں ہیں۔ (۲) لیکن ان کے کسی نسخہ کے وجود کا علم نہیں ہے۔

(۱) معجم البلدان ج ۶ صفحہ ۲۰۰۔ (۲) الاعلام جلد ۲ صفحہ ۸۶ و فہرست ابن ندیم صفحہ ۱۱۳

حضرت قبیصہ بن عقبہ رحمۃ اللہ علیہ

نام و نسب :- قبیصہ نام اور ابو عامر کنیت تھی۔ (۱) نسب نامہ یہ ہے:

قبیصہ بن عقبہ بن محمد بن سفیان بن عقبہ بن ربیعہ بن جنید بن رثاب بن حبیب بن سواءۃ بن عامر بن صعصعہ۔ (۲) جیسا کہ اس شجرہ نسب سے ظاہر ہے، ان کا نسب تعلق بنو سواءۃ سے تھا، اسی باعث سوائی کہلاتے ہیں۔ (۳)

ولادت اور وطن :- ان کے سنہ ولادت کے بارے میں کوئی تصریح تذکروں میں نہیں ملتی۔ لیکن بعض قرائن کی روشنی میں کہا جاسکتا ہے کہ ۱۳۸ ہجری یا ۱۴۰ ہجری میں ان کی ولادت ہوئی۔ حافظ ابن حجرؒ نے یحییٰ بن یحمر کا یہ قول نقل کیا ہے کہ امام قبیصہؒ یحییٰ بن آدم سے دو ماہ بڑے تھے۔ (۴) اور قاضی یحییٰ بن آدم کے سال ولادت کے بارے میں علماء کا قوی قرینہ مذکورہ بالا سنین ہیں۔ بہر حال اتنا تو شک سے بالا ہے کہ قبیصہ کو امام ابن آدم کی معاصرت حاصل تھی، وہ کوفہ کے رہنے والے تھے۔

علم و فضل :- علمی کمالات کے اعتبار سے ممتاز اتباع تابعین کی جماعت میں داخل تھے۔ انہوں نے تابعین عظام سے شرف لقاء کے حصول کے ساتھ ان سے استفادہ کی سعادت بھی حاصل کی تھی اور اکابر علماء کے فیض تربیت نے انہیں بلند علمی منصب عطا کر دیا تھا۔ زہد و ورع، حفظ و ذہانت، عبادت و ریاضت اور اس کے ساتھ ثقاہت و عدالت، تمام اوصاف سے متصف تھے۔ یوں تو حدیث ان کا اصل تمیز امتیاز تھی، لیکن اس کے علاوہ بھی دوسرے علوم میں دسترس و مہارت رکھتے تھے۔ امام احمدؒ فرمایا کرتے تھے کہ کونسا علم ہے جو قبیصہؒ کے پاس نہیں۔ (۵)

اسحاق بن یسار بیان کرتے ہیں:

ما رأیت شیخاً احفظ منہ (۶)

میں نے ان سے بڑھ کر حافظ حدیث نہیں دیکھا۔

ابن عماد حسنیؒ "العابد الثقة احد الحفاظ" اور حافظ ذہبیؒ "الحافظ الثقة

(۱) المعارف لابن قتیبة صفحہ ۲۲۹۔ (۲) تہذیب المعاد ج ۸ صفحہ ۲۴۷۔ (۳) اللباب فی تہذیب الانساب ج ۱ صفحہ

۵۷۴۔ (۴) تہذیب ج ۸ صفحہ ۳۴۸۔ (۵) تذکرۃ الحفاظ ج ۱ صفحہ ۳۴۲۔ (۶) المعجم فی خبر من غمر ج ۱ صفحہ ۳۶۸

المکثر“ لکھ کر ان کے علم و فضل کا اعتراف کرتے ہیں۔ (۱)

حدیث :- اوپر مذکور ہوا کہ امام قبصہؒ کے فکر و نظر کی اصل جو لا نگاہ حدیث نبوی ﷺ تھی۔ اس کی تحصیل انہوں نے نہ صرف عالی مرتبہ تبع تابعین سے کی تھی، بلکہ متعدد تابعین کے دامن فیض سے وابستہ رہ کر اس فن کے نکات و اسرار میں مہارت پیدا کی تھی۔ اس کا اندازہ ان کے شیوخ حدیث کی درج ذیل فہرست سے بخوبی ہو جاتا ہے۔

حضرت مسعر بن کدام، عیسیٰ بن طہان (تابعین) امام شعبہ، جراح بن ملیح (امام وکیع کے والد) سفیان ثوری، اسرائیل بن یونس، حماد بن سلمہ، یونس بن اسحاق، عبدالعزیز ابن المہاشون، یحییٰ بن سلمہ، حمزہ بن حبیب الزیات اور وہب بن اسماعیل (رحمہم اللہ تعالیٰ) (۲)

تلامذہ :- خود امام قبصہؒ سے مستفیض ہونے اور سماع حدیث کرنے والے تشنگان علم کا دائرہ بہت وسیع ہے۔ ان کے آفتاب علوم کی کرنوں سے امام بخاریؒ اور ابوزرعہؒ جیسے اعیان حفاظ حدیث کے قلوب بھی منور ہوئے۔ کچھ نامور علماء کے نام یہ ہیں:

حضرت ابوبکر بن ابی شیبہ، حارث بن اسامہ، یحییٰ بن بشر اللخثی، ہناد بن السری، محمود بن غیلان، عثمان بن ابی شیبہ، محمد بن خلف، محمد بن یونس التسانی، بکر بن خلف، ابوعبید القاسم بن سلام، احمد بن حنبل، عباس الدوری، جعفر بن محمد الصائغ، اسحاق بن یسار (رحمہم اللہ تعالیٰ) (۳)

مرویات کا پایہ :- ماہرین جرح و تعدیل نے ان کی ثقاہت اور ثبوت و اتقان کو کثرت رائے سے تسلیم کیا ہے۔ امام بخاریؒ فرماتے ہیں:

کان قبصۃ ثقة صالحاً لا بأس بہ (۴)

”قبصہ ثقہ صالح تھے، ان کی روایات قبول کرنے میں کوئی حرج نہیں۔“

ابن خراشؒ کا قول ہے ”صدوق صالح“ امام نسائیؒ ”لیس بہ بأس“ کہتے ہیں۔

جو بعض علماء ان کی مرویات کے قابل حجت ہونے پر کلام کرتے ہیں، وہ بھی علی الاطلاق انہیں ناقابل استناد نہیں قرار دیتے، بلکہ صرف مرویات سفیان ثوری کے بارے میں خیال کیا جاتا ہے کہ چونکہ قبصہؒ نے امام ثوریؒ سے نہایت صغریٰ میں حدیث کا سماع کیا تھا، اس لئے خاص امام سفیانؒ سے ان کی روایات کا پایہ ثقاہت اتنا بلند نہیں جتنا دوسرے شیوخ سے ان کی مرویات کا

(۱) شذرات الذہب ج ۲ صفحہ ۳۵ و تذکرۃ الحفاظ ج ۱ صفحہ ۳۴۲۔ (۲) تہذیب التہذیب ج ۸ صفحہ ۳۴۷ و تذکرۃ الحفاظ ج ۱

صفحہ ۳۴۲۔ (۳) تہذیب التہذیب ج ۷ صفحہ ۳۴۸۔ (۴) تذکرۃ الحفاظ ج ۱ صفحہ ۳۴۲

ہے، چنانچہ ابن معین کا بہت صریح بیان ہے کہ:

قبیصہ ثقہ فی کل شئ الا فی حدیث سفیان فانہ سمیع منہ وهو صغیر (۱)
قبیصہ امام ثوری کی حدیث کے علاوہ ہر باب میں ثقہ ہیں۔ اہل سفیان سے انہوں نے
صغریٰ میں سماعت کی تھی۔ (اس لئے وہ معتبر نہیں)۔

لیکن خود امام قبیصہ کا بیان یہ ہے کہ انہوں نے امام سفیان ثوری سے جس وقت شرف
صحبت حاصل کیا ان کی عمر سولہ سال تین ماہ تھی۔ (۲) اگر یہ صحیح ہے تو پھر ان کی امام سفیان ثوری
سے روایت کردہ حدیثوں کے قابل حجت نہ ہونے کا کوئی سوال نہیں ہے، کیونکہ اس عہد میں سولہ
سال کی عمر میں طالبان علم نہ صرف مسند نشین درس و افتاء ہو جاتے تھے، بلکہ ان کے فضل و کمال کا
شہرہ چار دہائیوں تک عالم میں پھیل جاتا تھا۔ مثال کے لئے امام شافعی کا نام کافی ہے۔

علامہ ابن سعد قبیصہ کی ثقاہت کے بارے میں رقمطراز ہیں:

كان ثقة صدوقاً كثير الحديث عن سفیان الثوری (۳)
”وہ ثقہ صدوق اور امام ثوری سے بکثرت روایت کرنے والے تھے۔“

حافظ ابن اثیر الجزری لکھتے ہیں کہ وہ ثقہ اور کثیر الروایت تھے۔ (۴)

مناقب و فضائل :- وہ علم و فضل میں بلند پایہ ہونے کے ساتھ گونا گوں اخلاقی اور عملی محامد کا
مجموعہ بھی تھے۔ عبادت و صالحیت، زہد و تقویٰ اور تواضع و انکسار ان کے خاص جوہر تھے، اسی
باعث زاہد اور راہب کوفہ کے لقب سے ملقب ہو گئے تھے۔ (۵) ان کے تلمیذ رشید ہناد السری
جب بھی اپنے شیخ کا ذکر کرتے تو ان کی آنکھیں اشک آلود ہو جاتیں اور فرماتے کہ وہ نہایت
صالح انسان تھے۔ (۶)

حق گوئی اور بے باکی میں بھی اپنی مثال خود تھے۔ ارباب سطوت و شوکت کے سامنے حق
بات کہنے سے باز نہ رہتے تھے۔ جعفر بن حمدویہ اس سلسلہ کا ایک واقعہ بیان کرتے ہیں کہ ایک بار
امیر ابودلف کا لڑکا دلف خدم و حشم کے ساتھ امام قبیصہ سے ملاقات کرنے ان کے گھر گیا، لیکن
امام صاحب باہر نہیں نکلے، کسی نے حاضر ہو کر عرض کیا ”حضرت! جبل کا شہزادہ باہر کھڑا ہے اور
آپ گھر سے نہیں نکلے۔“

(۱) تہذیب الجہد ج ۸ صفحہ ۳۳۸۔ (۲) ایضاً صفحہ ۳۳۶۔ (۳) طبقات ابن سعد ج ۱ صفحہ ۲۸۱۔ (۴) اللباب فی

تہذیب الانساب ج ۱ صفحہ ۵۷۷۔ (۵) شذرات الذہب ج ۲ صفحہ ۳۵۔ (۶) المعرف فی خبر من غمر ج ۱ صفحہ ۳۶۸

راوی کا بیان ہے کہ شیخ اس عالم میں باہر تشریف لائے کہ ان کی لنگی سے ایک خشک روٹی کا ٹکڑا نکل رہا تھا اور فرمایا:

من رضى بهذا ما يصنع بابن ملك الجبل والله لا احده (۱)

”جو اس (روٹی کے ٹکڑے) پر راضی اور خوش ہے اسے شہزادہ جبل سے کیا غرض۔ بخدا میں اس سے ہرگز روایت بیان نہ کروں گا۔“

وفات :- بروایت صحیح صفر ۲۱۵ ہجری میں بمقام کوفہ وفات پائی۔ اس وقت مامون رشید اورنگ خلاف پرداد حکمرانی دے رہا تھا۔ (۲) ابن اثیر نے صفر کی بجائے محرم کا ذکر کیا ہے۔ (۳)

(۱) تذکرۃ الحفاظ ج ۱ صفحہ ۳۴۳۔ (۲) طبقات ابن سعد ج ۲ صفحہ ۲۸۱۔ (۳) اللہباب فی تہذیب الانساب ج ۱ صفحہ ۵۷۵

حضرت قتیبہ بن سعید الثقفی رحمۃ اللہ علیہ

نام و نسب :- بعض کے نزدیک ان کا نام یحییٰ اور بعض کے نزدیک علی تھا اور قتیبہ لقب، لیکن صحیح تر قول یہ ہے کہ نام قتیبہ تھا اور ابوہریرہ جاء کنیت تھی۔ نسب نامہ اس طرح ہے۔

قتیبہ بن سعید بن جمیل بن طریف بن عبد اللہ۔ (۱)

ان کے دادا جمیل بن طریف عراق کے مشہور اموی گورنر حجاج بن یوسف الثقفی کے غلام تھے۔ حجاج انتہائی ظالم و جابر اور تند مزاج ہونے کے باوجود جمیل کی بڑی تکریم کرتا تھا، انتہاء یہ ہے کہ جب وہ اپنی کرسی پر بیٹھتا تو قتیبہ کے دادا کو اپنے دائیں جانب ایک علیحدہ کرسی پر بٹھایا کرتا تھا۔ (۲)

بنو ثقیف کے ساتھ تعلق غلامی کی وجہ سے ثقفی کہے جاتے ہیں۔

ولادت :- شیخ قتیبہؒ کی ولادت ۱۵۰ ہجری میں ان کے وطن بغلان میں ہوئی (جو بلخ کا ایک گاؤں ہے) ایک روایت میں ان کا سنہ ولادت ۱۴۸ ہجری بتایا گیا ہے، لیکن خود شیخ قتیبہؒ کے بیان سے اول الذکر ہی تائید ہوتی ہے، اس لئے حافظ ابن حجرؒ نے اسی کو اصح قرار دیا ہے۔ (۳) ان کا اصل وطن تو بغلان تھا، لیکن عراق آ کر مستقل سکونت اختیار کر لی اور وہیں آباد ہو گئے تھے، کبھی اپنے وطن جاتے تو ایک دو دن رہ کر چلے آتے تھے۔ چنانچہ خود فرماتے ہیں:

ماکان مثلی فی بغلان مسکنۃ

ولا یمربہا الا علی سفر (۴)

ترجمہ :- ”میری طرح بغلان میں کوئی ایسا نہ ہوگا جس کا وطن ہو تو بغلان مگر وہ وہاں آئے مسافر کی طرح۔“

میں اپنے گھر میں آیا ہوں مگر انداز تو دیکھو!

کہ اپنے آپ کو مانند مہماں لے کے آیا ہوں

تعلیم و تربیت :- شیخ قتیبہؒ کے والد سعید بن جمیل نہایت نیک اطوار اور خوش خوتھے، ایک بار انہوں نے عالم خواب میں حضور نبی کریم ﷺ کی زیارت کی۔ آپ ﷺ کے دست مبارک میں ایک

(۱) تاریخ بغداد ج ۱۲ صفحہ ۴۶۴۔ (۲) ایضاً صفحہ ۴۶۸۔ (۳) تہذیب التہذیب ج ۸ صفحہ ۳۶۰۔ (۴) تاریخ بغداد ج ۱۲

صفحہ ۴۷۰۔

رجسٹر (صحیفہ) تھا۔ سعیدؒ نے دریافت کیا یا رسول اللہ ﷺ! یہ کیا ہے؟ ارشاد ہوا؟ ”اس میں علماء کے نام درج ہیں۔“ انہوں نے عرض کیا ذرا یہ مجھے مرحمت فرمادیں کہ میں دیکھوں، اس میں میرے لڑکے کا نام ہے یا نہیں؟..... دیکھا تو اس میں ان کے فرزند قتیبہؒ کا اسم گرامی بھی شامل ہے۔ (۱) ایسے نیک بخت اور حوصلہ مند باپ کے فرزند ہونے کی بناء پر قتیبہؒ کو اسلامی علوم و فنون کے ساتھ قلبی لگاؤ تھا۔ چنانچہ انہوں نے اس ذوق و شوق میں وطن سے نکل کر عراق، مدینہ، مکہ، شام اور مصر تک کا سفر کیا اور وہاں کے کبار ائمہ سے سماع کا شرف حاصل کیا۔ شیوخ:- شیخ قتیبہؒ کو مختلف امصار و بلاد کے جن ائمہ سے کسب فیض کا موقع بہم پہنچا، ان میں درج ذیل نام ملتے ہیں۔

حضرت امام مالک بن انس، لیث بن سعد، ابن لہیعہ، شریک (۲)، بکر بن مضر، مفضل بن فضالہ، عبدالوارث بن سعید، حماد بن زید، عبدالعزیز بن ابی حازم، حفص بن غیاث، حمید بن عبدالرحمن الرواسی، عبدالوہاب الشقی، فضیل بن عیاض، جعفر بن سلیمان الضبعی، ہشیم ابو عوانہ، یزید بن زریع، اسماعیل بن علیہ، ابن عیینہ، امام وکیع (۳)، ابن الجراح وغیرہم۔ انہوں نے اپنے علمی سفر کا آغاز صغریٰ ہی میں کر دیا تھا۔ چنانچہ جب وہ عراق آئے تو ان کی عمر صرف ۲۳ سال کی تھی۔ خود ان کا بیان ہے کہ:

انحدرت الى العراق اول خروجي سنة ۱۷۲ و كنت يومئذ ابن ۲۳ سنة (۴) میں جب سب سے پہلی مرتبہ ۱۷۲ ہجری میں عراق آیا تھا تو اس وقت میری عمر صرف ۲۳ سال کی تھی۔

علم و فضل:- تحصیل علم میں ان کی غایت درجہ محنت اور اکابر امت سے استفادہ نے انہیں علم کا سرچشمہ بنا دیا تھا۔ حافظ ذہبیؒ انہیں ”الشیخ الحافظ محدث خراسان“ لکھتے ہیں اور اس کے بعد فرماتے ہیں کہ وہ ثقہ عالم، صاحب حدیث اور کثرت سے سفر کرنے والے تھے۔ (۵) (یعنی تحصیل علم کے لئے) ابن عماد حنبلیؒ رقمطراز ہیں کہ:

اليہ المنتہی فی الثقة (۶)

ثقاہت میں ان کا آخری درجہ تھا۔

(۱) تاریخ بغداد ج ۱۲ صفحہ ۴۶۸۔ (۲) تذکرۃ الحفاظ ج ۲ صفحہ ۳۳۔ (۳) تہذیب الجہد ج ۸ صفحہ ۳۵۹۔

(۴) تہذیب الجہد ج ۸ صفحہ ۳۶۰۔ (۵) تذکرۃ الحفاظ ج ۲ صفحہ ۳۰۔ (۶) شذرات الذہب ج ۲ صفحہ ۹۵۔

درس حدیث :- امام قتیبہؒ جہاں بھی تشریف لے جاتے، علم و فضل کا دفتر کھل جاتا، چنانچہ بغداد میں تشریف فرما ہوئے تو امام احمد بن حنبلؒ اور یحییٰ بن معینؒ جیسے ائمہ روزگار نے آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر حدیث کا درس لیا، اور جو لوگ ان سے استفادہ کے موقع کو ضائع کر دیتے تھے، وہ اس پر کف افسوس ملتے تھے۔ عمرو بن علی الفلاس بیان کرتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ منیٰ میں حضرت قتیبہؒ کے پاس سے گزرا تو دیکھا کہ عباسی العنمری ان کے پاس بیٹھے حدیث لکھ رہے تھے، میں اس وقت گزر گیا اور ان سے سلام نہیں کیا، لیکن بعد میں مجھ کو اپنے تساہل پر بڑی ندامت ہوئی۔ (۱)

تلامذہ :- ان کی عظمت و بزرگی کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ ان کے حلقہ تلامذہ میں اس عہد کے بڑے بڑے ائمہ حدیث داخل ہیں۔ کچھ ممتاز اسمائے گرامی یہ ہیں:

امام احمد بن حنبلؒ، ابو خثیمہ، زہیر بن حرب، ابوبکر بن ابی شیبہ، ابوداؤد البجستانی، ابو حاتم الرازی، ان کے علاوہ امام بخاری نے ان کی روایت کی ہوئی تین سو آٹھ اور امام مسلم نے چھ سو اڑسٹھ احادیث صحیحین میں درج کی ہیں۔ (۲)

شیخ قتیبہؒ نے امام احمد بن حنبلؒ اور یحییٰ بن معینؒ کی روایتوں کے لئے اپنے صحیفہ میں الگ الگ علامتیں مقرر کر رکھی تھیں۔ چنانچہ انہوں نے ایک دفعہ احمد بن محمد بن زکریا الکرمینی سے فرمایا کہ تم کو میری جن روایتوں پر سرخ نشان ملے سمجھنا کہ میں نے وہ روایتیں امام احمد بن حنبلؒ کے سامنے روایت کی ہیں اور جن روایتوں پر سبز نشان ملے وہ یحییٰ بن معینؒ کی روایت کی ہوئی ہے۔ (۳)

لیکن ابوالعباس السراج کے بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ نشانیاں دو قسم کی نہیں بلکہ سات قسم کی تھیں۔ ان سات میں سے دو تو امام احمد بن حنبلؒ اور یحییٰ بن معینؒ کے لئے ہی مخصوص تھی، باقی پانچ نشانیاں ابو خثیمہ، ابوبکر بن ابی شیبہ، یحییٰ الجعفی، ابوزرعة، عبید اللہ بن عبد اللہ بن عبد اللہ الرازی اور ابوالحسین مسلم بن الحجاج نیشاپوری کے لئے مخصوص تھیں۔ (۴)

حضرت عبید اللہ بن سيار بیان کرتے ہیں کہ عراق میں کوئی بڑا امام ایسا نہیں ہے جس نے قتیبہ بن سعیدؒ سے روایت نہ کی ہو اور وہ بڑے سچے تھے۔ (۵)

کثرت حدیث :- جیسا کہ مذکور ہوا شیخ قتیبہؒ نے حدیث کی جستجو میں ان تمام ملکوں کا سفر کیا

(۱) تاریخ بغداد ج ۱۲ صفحہ ۴۶۸۔ (۲) تہذیب المعجم ج ۸ صفحہ ۳۶۱۔ (۳) تاریخ بغداد ج ۱۲ صفحہ ۴۶۶۔

(۴) ایضاً۔ (۵) ایضاً

تھا، جہاں ان کو حدیثوں کے ملنے کی امید ہو سکتی تھی۔ ان سفروں میں انہوں نے احادیث کا اتنا بڑا ذخیرہ فراہم کر لیا کہ ایک مرتبہ انہوں نے اپنے ایک شاگرد سے فرمایا ”اگر تم اس موسم سرما میں میرے پاس قیام کرو تو میں تم کو پانچ شخصوں کی روایت کی ہوئی ایک لاکھ حدیثیں سناؤں گا۔“ شاگرد نے عرض کیا کہ ”غالباً ان میں ایک بزرگ تو عمر بن ہارون ہوں گے۔“ فرمایا ”نہیں، صرف عمر بن ہارون سے تو میں نے الگ سے تیس ہزار حدیثیں لکھی ہیں۔ یہ ایک لاکھ حدیثیں تو وکیع بن الجراح، عبد الوہاب السقی، جریر الرازی، محمد بن بکر البرسانی سے منقول ہیں۔“ راوی کا بیان ہے کہ قتیبہ ابن سعیدؒ نے پانچویں بزرگ کا بھی نام لیا تھا، لیکن میں اس کو بھول گیا۔ (۱)

ایک عجیب واقعہ:- امام قتیبہؒ کی علمی زندگی کا ایک قابل ذکر واقعہ یہ ہے کہ وہ شروع شروع میں قیاسی مسائل کی جستجو میں زیادہ رہتے تھے، ایک مرتبہ انہوں نے خواب میں دیکھا کہ آسمان سے ایک توشہ دان لٹک رہا ہے، لوگ اس کو حاصل کرنے کی کوشش کر رہے ہیں، لیکن اس تک پہنچنے سے عاجز ہیں۔ پھر میں (قتیبہ نے) اس کو لینا چاہا تو میں اپنی سعی میں کامیاب ہو گیا۔ اب میں نے اس میں جھانک کر دیکھا تو مجھے مشرق و مغرب کے درمیان کی کل کائنات نظر آ گئی، صبح کے وقت میں ایک بزرگ کی خدمت میں حاضر ہوا، جو خواب کی تعبیر بتانے میں بڑی شہرت رکھتے تھے، میں نے ان سے اپنا خواب بیان کیا۔ انہوں نے سن کر فرمایا ”بیٹے اب تو روایات و آثار کی طلب میں مشغول ہو جاؤ، کیونکہ صرف روایات و آثار ہی مشرق و مغرب تک پہنچ سکتی ہیں، قیاسی مسائل میں اس درجہ وسعت کہاں؟“

تمول:- عام اہل علم کے برخلاف شیخ قتیبہؒ بڑے مالدار تھے، حافظ ذہبیؒ لکھتے ہیں: ”وکان غنيا متمولا“ (۲) ان کے پاس اونٹ، بکریاں، گائیں اور گھوڑے وغیرہ بڑی کثرت سے تھے۔ (۳)

حلیہ:- ان کا حلیہ یہ تھا، میانہ قد و قامت، سر کے بال آگے سے غائب، پر رونق چہرہ، خوش وضع ڈاڑھی، اخلاق و عادات کے لحاظ سے بڑے مہمان نواز اور خوش خلق تھے۔ (۴)

وفات:- ۲ شعبان ۲۴۰ ہجری میں اپنے وطن بغلان میں وفات پائی۔ اس وقت عمر ۹۱ سال تھی۔ (۵)

(۱) تاریخ بغداد ج ۱۲ صفحہ ۴۶۹۔ (۲) تذکرۃ الحفاظ جلد ۲ صفحہ ۳۰۔ (۳) تاریخ بغداد جلد ۱۲ صفحہ ۴۶۸۔ (۴) ایضاً۔

(۵) تہذیب المعانی ج ۸ صفحہ ۳۶۰ و تذکرۃ الحفاظ جلد ۲ صفحہ ۳۱

حضرت مبارک بن فضالہ رحمۃ اللہ علیہ

نام و نسب :- مبارک نام اور ابو فضالہ کنیت تھی، نسب نامہ یہ ہے۔ مبارک بن فضالہ ابن ابی امیہ۔ بعض علماء کا خیال ہے کہ ان کے دادا ابو امیہ حضرت عمر بن الخطابؓ کے غلام تھے اور مکاتبت پر رہائی حاصل کی تھی۔ (۱) چونکہ حضرت عمرؓ قریش کے مشہور قبیلہ بنو عدی سے نسبی تعلق رکھتے تھے، اس لئے مبارک بھی ولایت قرشی اور عدی مشہور ہوئے۔

وطن :- بصرہ کے رہنے والے تھے۔

فضل و کمال :- علمی اعتبار سے وہ ممتاز اور بلند پایہ اتباع تابعین میں شمار ہوتے تھے۔ مشہور صحابی رسول ﷺ حضرت انس بن مالکؓ کے دیدار سے اپنی نگاہ شوق کو منور کیا تھا، لیکن ان سے مستفید ہونے کی سعادت نصیب نہ ہو سکی۔ حضرت حسن بصریؒ کے دامن علم میں کامل ۱۳ سال گزارے اور لعل گرانمایہ بن کر نمودار ہوئے۔ علامہ ذہبیؒ انہیں ”الامام الکبیر“ اور ”من کبار علماء البصرة“ لکھتے ہیں۔ (۲) یحییٰ بن سعید القطان برابر ان کی توصیف میں رطب اللسان رہا کرتے تھے۔ (۳)

شیوخ :- جن اساتذہ حدیث سے انہوں نے علم کی تحصیل کی ان میں ممتاز نام یہ ہیں:

حضرت حسن بصریؒ، بکر بن عبد اللہ المزنی، محمد بن المنکدر، ثابت البنانی، ہشام بن عروہ، حمید الطویل، عبید اللہ بن ابی بکر (رحمہم اللہ تعالیٰ)۔

تلامذہ :- ان سے شرف تلمذ رکھنے والوں میں امام و کعب، مسلم بن ابراہیم، سلیمان ابن حرب، سعدویہ، شبان بن فروخ، عفان بن مسلم، حبان بن ہلال، مصعب بن المقدام، ابوداؤد الطیالسی، عثمان بن ابی شیم، عمرو بن منصور القیمی، موسیٰ بن اسماعیل، کامل بن طلحہ، علی بن الجعد رحمہم اللہ تعالیٰ کے نام لائق ذکر ہیں۔ (۴)

جرح و تعدیل :- حضرت مبارک بن فضالہؒ کی ثقاہت و عدالت کے متعلقہ ائمہ فن کی رائیں مختلف ہیں۔ عام طور پر ان پر تہ لیس کا شبہ ظاہر کیا گیا ہے۔ چنانچہ حضرت ابو زرہؓ، ابن ناصر الدین اور بعض دوسرے علماء کثیر التہ لیس لکھتے ہیں، لیکن بعض شرطوں کے ساتھ ان کی

(۱) میزان الاعتدال ج ۳ صفحہ ۵۔ (۲) تذکرۃ الحفاظ ج ۱ صفحہ ۱۸۰۔ (۳) شذرات الذہب ج ۱ صفحہ ۲۶۰۔ (۴) تہذیب التہذیب ج ۱ صفحہ ۲۸، ۲۹

روایات کو قبول کر لینا درست ہے۔ امام ابوداؤدؒ کا بیان ہے:

اذا قال حدثنا فهو ثبت

جب وہ روایت کرتے وقت حدثنا کہیں تو وہ قابل اعتماد ہیں۔

ابوزرعہؒ ہی کا قول ہے:

اذا قال حدثنا فهو ثقة مقبول

”جب وہ حدثنا کے لفظ سے روایت کریں، وہ ثقہ اور قابل قبول ہیں۔“

امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ انہوں نے حسن بصریؒ سے جو روایتیں کی ہیں وہ لائق حجت ہیں۔ ابو حاتمؒ انہیں عدالت کے اعتبار سے ربیع بن صبیحؒ پر فوقیت دیتے ہیں۔

ان کے تلمیذ رشید عفان بن مسلمؒ ان کی توثیق اور ان سے روایت کرتے ہیں۔ (۱)

علاوہ ازیں امام ترمذیؒ، ابوداؤدؒ اور عقیلیؒ نے بھی ان کی روایتوں کی تخریج کی ہے۔ (۲)

عبادت:۔ علم و فضل کے ساتھ ان کے عمل کی دنیا آباد تھی۔ چنانچہ علماء کا بیان ہے کہ وہ بہت عبادت گزار اور دنیا کی آزمائشوں سے کنارہ کش تھے۔ (۳)

وفات:۔ باختلاف روایت ۱۶۳ ہجری یا ۱۶۵ ہجری میں باایام خلافت مہدی انتقال فرمایا۔ (۴)

(۱) طبقات ابن سعد ج ۷ صفحہ ۱۳۵۔ (۲) شذرات الذہب ج ۱ صفحہ ۲۶۰۔ (۳) العمر فی خبر من عمر ج ۱ صفحہ ۲۴۴۔

(۴) تذکرۃ الحفاظ ج ۱ صفحہ ۱۸۰ و طبقات ابن سعد ج ۷ صفحہ ۳۵۔

حضرت محمد بن ابی شیبہ رحمۃ اللہ علیہ

نام و نسب :- نام محمد اور والد کا اسم گرامی ابراہیم تھا، پورا نسب نامہ یہ ہے:

محمد بن ابی شیبہ، ابراہیم بن عثمان بن خواستی۔ (۱)

ولادت، خاندان اور وطن :- ۱۰۵ ہجری میں پیدا ہوئے۔ اصلاً واسطی تھے۔ لیکن بعد میں ان کا خاندان کوفہ میں آباد ہو گیا۔ قبیلہ بنو عبس کے غلام تھے۔ اسی وجہ سے کوئی اور عبسی مشہور ہوئے۔ (۲) علمی حیثیت سے یہ خاندان:

”اس خانہ ہمہ آفتاب است“

کا مصداق تھا۔ چنانچہ ان کے پدر بزرگوار ابی شیبہ ابراہیم علم و فضل میں بلند مقام رکھتے تھے۔ ابو جعفر منصور کے عہد حکومت میں کامل تیس سال تک واسطہ کے منصب قضا کی زینت بنے رہے۔ ان کے صاحبزادگان عبداللہ، عثمان اور قاسم کا شمار منتخب روزگار علماء میں ہوتا ہے۔ ان میں عبداللہ وہی ابوبکر بن ابی شیبہ ہیں، جن کی مرتب کی ہوئی ”تہف“ کو دنیاۓ علم میں لازوال شہرت نصیب ہوئی۔

شیوخ :- انہوں نے تحصیل علم کے لئے اسماعیل بن ابی خالد، سلیمان بن مہران الاعمش، محمد بن عمرو بن علقمہ، عبدالحمید بن جعفر، ابی خلدہ خالد بن دینار، مسلمہ بن سعید اور امام شعبہ کے سامنے زانوئے تلمذتہ کیا۔

تلامذہ :- ان کے صاحبزادگان ابوبکر عبداللہ، عثمان اور قاسم کے علاوہ یزید بن ہارون، عثمان بن محمد اور سعید بن سلیمان الواسطی کے نام ان سے مستفیض ہونے والوں میں ملتے ہیں۔ (۳)

ثقافت :- ان کی ثقافت پر علماء کا اتفاق ہے۔ یحییٰ بن معین کہتے ہیں کہ میں نے ان سے بغداد میں شرف نیاز حاصل کیا تھا۔ نہایت ثقہ بزرگ تھے، لیکن افسوس ہے کہ اس لقا کے باوجود میں ان سے کسی روایت کی کتابت نہ کر سکا۔ (۴)

حضرت ابن معینؒ ہی کا دوسرا بیان ہے کہ:

”کان ثقۃ ماموناً“ (۵)

(۱) الباب فی تہذیب الانساب ج ۲ صفحہ ۱۳۔ (۲) کتاب الانساب للسمعانی ورق ۳۸۲۔ (۳) تاریخ بغداد ج ۱ صفحہ

۳۸۳۔ (۴) خلاصۃ تہذیب تہذیب الکمال صفحہ ۳۲۵۔ (۵) کتاب الانساب للسمعانی ورق ۳۸۲

قضا:- اپنے تبحر علمی کی بناء پر ملک فارس کے بعض شہروں میں عدل و قضا کے منصب پر بھی مامور ہوئے، یہاں تک کہ وطن سے دور فارس میں ہی تاحیات مقیم رہے اور اسی خاک کا پیوند بنے۔

حلیہ:- نہایت حسین و خوب رو تھے۔ حضرت ابن معینؒ بیان کرتے ہیں کہ جب میں ان سے بغداد میں ملا تو اس وقت جوان رعنا تھے۔ (۱)

وفات:- ان کے لڑکے قاسمؒ کے بیان کے مطابق ۱۸۲ ہجری میں بھر ۷۷ سال انتقال ہوا۔ (۲)

امام محمد بن ادریس رحمۃ اللہ علیہ (امام شافعی)

صحابہ کرام و تابعین عظام کے خیر القرون کے بعد دین متین کی جس قدر خدمات ائمہ اربعہ نے انجام دیں وہ بلاشبہ تاریخ اسلام کے اوراق میں انمنٹ نقوش بن کر مرتب ہیں۔ بالخصوص امام اعظم ابوحنیفہؒ اور امام شافعیؒ نے تو اپنے فضل و علم، زہد و تقویٰ، تبحر و جامعیت اور باریک بینی و نکتہ آفرینی سے پورہ دنیا کو گرویدہ اور شیدا بنا لیا تھا، وہ جہاں کہیں بھی جاتے پورا خطہ ارض بقعہ نور بن جاتا اور لاکھوں وارفستان علم اس شمع فروزاں کے گرد منڈلانے لگتے۔

یہ حقیقت ہے کہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے بعد جس کے مقلدین ربیع مسکون کے گوشہ گوشہ میں کثرت سے پھیلے ہوئے ہیں، وہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی ذات گرامی ہے۔ عراق، خراسان، شام، انڈونیشیا، حضرموت اور ملایا وغیرہ میں مذہب شافعی کی غیر معمولی نشرو اشاعت ہوئی اور ان میں سے بعض ملک تو سو فیصدی شافعی ہیں۔ خصوصاً مصر میں شوافع دنیا کے تمام ملکوں سے زیادہ ہیں۔ سواحل ہند میں بھی یہی مذہب ہمیشہ غالب رہا۔

ائمہ اربعہ میں سے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ پر دارالمصنفین سے مستقل مبسوط کتابیں شائع ہو چکی ہیں اور امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے سوانح و کمالات تذکرۃ المحمدین (حصہ اول) میں بہت شرح و بسط کے ساتھ لکھے جا چکے ہیں، اس لئے ذیل میں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی مفصل سوانح اور خدمات پر روشنی ڈالی جاتی ہے۔

نام و نسب :- محمد نام، ابو عبد اللہ کنیت اور ناصر الحدیث لقب تھا۔ جیسا کہ خود فرماتے ہیں ”سمیت ببغداد ناصر الحدیث“ (۱) اپنے جد اعلیٰ شافع کی نسبت سے شافعی کہلائے جو صغار صحابہ میں سے تھے۔ (۲) ان کے والد سائب غزوہ بدر میں مشرکین مکہ کے ساتھ تھے، ان کی شکست کے بعد قید ہو کر شرف اسلام سے بہرہ ور ہوئے تھے۔ (۳) پورا سلسلہ نسب یہ ہے:

محمد بن ادریس بن العباس بن عثمان بن الشافع بن السائب بن عبید بن عبد یزید بن ہاشم بن عبد المطلب بن عبد مناف القرشی المطلبی (۴) اس نسب نامہ کی بناء پر آپ حضور اکرم ﷺ کے عم زاد بھائی ہوتے ہیں۔ (۵)

(۱) تاریخ بغداد ج ۲ صفحہ ۶۸، تذکرۃ الحفاظ ج ۱ صفحہ ۳۳۲، البدایہ والنہایہ جلد ۱۰ صفحہ ۲۵۳، المعجم فی خبر من غمر ج ۱ صفحہ ۳۳۲ (۲) البدایہ والنہایہ ج ۱۰ صفحہ ۲۷۲ (۳) التاج المکمل صفحہ ۶۳ (۴) حسن المحاضرۃ ج ۱ صفحہ ۱۲۱ (۵) تاریخ ابوالمقدار، جلد ۲ صفحہ ۲۶

جائے ولادت :- امام شافعیؒ ۱۵۰ ہجری میں پیدا ہوئے۔ مولد کی تعیین میں بہت اختلاف پایا جاتا ہے۔ صحیح تر قول یہ ہے کہ آپ کا مولد مقام غزہ ہے، جو بیت المقدس سے بہت قریب واقع ہے۔ (۱) مورخ ابن خلکان اور حافظ ابن عبد البرؒ نے اسی قول کو اصح قرار دیا ہے۔ (۲)

دوسرے قول میں عسقلان کو امام شافعیؒ کی جائے پیدائش بتلایا گیا ہے، لیکن درحقیقت ان دونوں میں کوئی تضاد نہیں ہے، کیونکہ غزہ اور عسقلان دونوں فلسطین کے سرحدی علاقے ہیں اور پاس ہی پاس واقع ہیں۔ چنانچہ غزہ سے عسقلان کا فاصلہ صرف تین فرسخ ہے۔ عسقلان شہر ہے، اور غزہ اسی کا ایک نواحی قریہ ہے، اس لئے عسقلان کی طرف انتساب یا تو مجازاً ہے، یا ممکن ہے ولادت غزہ میں ہوئی ہو اور پھر ان کی والدہ نومولود کو لے کر عسقلان منتقل ہو گئی ہوں جہاں آپ نے نشوونما پائی۔ (۳)

علامہ ابن حجرؒ نے ان دونوں روایتوں میں جمع و تطبیق کی یہی صورت نکالی ہے جو بالکل قرین قیاس ہے، جو قریے شہر کے قریب ہوتے ہیں ان کے باشندے عام طور سے شہر کی جانب منسوب ہو جاتے ہیں۔ امام شافعیؒ کے قول:

ولدت بغزہ فحملتني امي الى عسقلان (۴)
 ”میں غزہ میں پیدا ہوا، پھر میری والدہ مجھے عسقلان لے گئیں۔“
 سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔

امام صاحبؒ سے ایک اور روایت یہ بھی منقول ہے کہ:

ولدت باليمن فخافت امي على الضيعة فجهزتني الى مكة وانا ابن عشر (۵)
 ”میری ولادت یمن میں ہوئی، پھر میری والدہ کو میرے شرف ضائع ہو جانے کا اندیشہ لاحق ہوا تو مجھے دس سال کی عمر میں مکہ لے آئیں۔“

حافظ ذہبیؒ نے اس قول کو غلط قرار دیتے ہوئے لکھا ہے کہ اس سے قبیلہ یمن مراد ہو سکتا ہے اور شیخ الاسلام ابن حجرؒ نے اس کو احمد بن عبد الرحمن راوی کا وہم قرار دیا ہے۔ دراصل روایت میں ”ولدت“ سے مراد ”نشأت“ ہے۔ یعنی میری نشوونما یمن میں ہوئی۔ (۶)

یا قوت حموی نے مذکورہ بالا روایت کو نقل کرتے ہوئے لکھا ہے: اس کی تاویل محققین نے یہ

(۱) کتاب الانساب للسمعانی ورق ۳۲۵۔ (۲) ابن خلکان ج ۲ صفحہ ۲۱۴ واللائعہ لابن عبد البر صفحہ ۷۷۔ (۳) معجم الادباء ج ۲ صفحہ ۲۶۸۔ (۴) توالی التامیس لابن حجر صفحہ ۴۹۔ (۵) توالی التامیس لابن حجر صفحہ ۴۹۔ (۶) ایضاً۔

کی ہے کہ یمن سے مراد وہ سرزمین ہے جہاں یمنی قبائل آباد ہو گئے ہوں اور غزوہ عسقلان کی کل آبادی یمنی قبائل پر مشتمل تھی۔ اگر مذکورہ بالا روایت صحیح ہے تو اس کی یہی تاویل میرے نزدیک احسن ہے۔ (۱)

ابتدائی حالات :- ان کے سنہ پیدائش کے بارے میں کوئی اختلاف رائے نہیں ہے۔ (۲) جس روز امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے رحلت فرمائی، اسی دن امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی ولادت ہوئی۔ نواب صدیق حسن خان رقمطراز ہیں:

در ایں جامیان حنیفہ و شافعیہ مزاج است حنیفہ گویند امام شافعی بود تا آنکہ امام ما انتقال کرد، شافعیہ گویند چوں امام ما ظاہر شد امام شافعی بگریخت (۳)

”اس واقعہ نے احناف و شوافع کے درمیان ایک مذاق پیدا کر دیا ہے، حنیفہ کہتے ہیں کہ جب تک ہمارے امام کا انتقال نہ ہو گیا تمہارے امام چھپے رہے اور شوافع کہتے ہیں کہ جیسے ہی ہمارے امام ظاہر ہوئے تمہارے امام چلتے بنے۔“

علامہ یافعیؒ نے مرآۃ البیان میں بھی اس مزاج کا ذکر کیا ہے۔ (۴) لیکن علامہ ابن حجرؒ نے اس کی تردید کرتے ہوئے لکھا ہے کہ امام شافعیؒ کے سال ولادت اور امام ابو حنیفہؒ کا سال وفات ۱۵۰ ہجری تو ایک ضرور تھا، لیکن دن کی تعیین غلط ہے۔ کیونکہ محققین نہ تو امام شافعیؒ کے ماہ ولادت کی صحیح تعیین کر سکے اور نہ امام اعظمؒ کی ماہ وفات کی اور خود امام ابو حنیفہؒ کے سال وفات میں رواۃ کا اختلاف پایا جاتا ہے۔ ۵۰ ہجری، ۵۱ ہجری اور ۵۳ ہجری تینوں منقول ہیں۔ (۵)

علامہ بیہقی کا قول ہے کہ مجھے ایسی کوئی قوی روایت نہ مل سکی جس سے معلوم ہو کہ امام اعظمؒ کی وفات اور امام شافعیؒ کی ولادت کا ایک ہی دن تھا۔ ہاں محققین اس پر متفق ہیں کہ سال ایک ہی تھا۔ (۶)

جب امام شافعیؒ دو سال کے ہو گئے تو آپ کی والدہ جو صحیح قول کے مطابق قبیلہ ازد سے تعلق رکھتی تھیں، آپ کو لے کر حجاز مقدس منتقل ہو گئیں اور وہاں سے اپنے آبائی وطن یمن چلی گئیں۔ جہاں امام صاحبؒ نے اپنی عمر عزیز کے دس سال گزارے اور جب آپ کی والدہ کو نبی شرافت کے ضائع ہونے کا اندیشہ لاحق ہوا تو پھر مکہ معظمہ واپس آ گئیں۔ (۷)

(۱) معجم الادباء ج ۶ صفحہ ۳۶۸۔ (۲) معجم المصنفین ج ۲ صفحہ ۲۴۲۔ (۳) مرآۃ البیان ج ۲ صفحہ ۲۵، توالی التالیس صفحہ ۵۰۔

(۴) توالی التالیس صفحہ ۵۰۔ (۵) طبقات الشافعیہ صفحہ ۲۔ (۶) ایضاً۔ (۷) توالی التالیس صفحہ ۴۹۔

امام شافعیؒ کو خداوند قدوس نے غیر معمولی ذکاوت و فطانت سے نوازا تھا۔ صغریٰ سے ہی آپ کی صلاحیتیں منظر عام پر آنے لگی تھیں، تیر اندازی، نیزہ بازی اور شہسواری میں پوری مہارت رکھتے تھے۔ خود امام شافعیؒ کا بیان ہے کہ میں تیر اندازی بہت زیادہ کیا کرتا تھا، یہاں تک کہ طبیب نے کہہ دیا تھا کہ دھوپ میں زیادہ رہنے کی وجہ سے اندیشہ ہے کہ کہیں تم کو مرض سل نہ لاحق ہو جائے۔ (۱) لیکن اسی ریاضت و مشقت کی وجہ سے ان کی صحت قابل رشک تھی۔

ذوق شعر و سخن :- ابتداء میں امام صاحبؒ کو شعر و سخن سے بھی کافی شغف تھا۔ چنانچہ قبیلہ ہذیل میں جو عرب کا سب سے فصیح البیان قبیلہ تھا، رہ کر ان کی زبان و کلام میں ملکہ پیدا کیا، ہذیلین کے اشعار و دوادین ایسے از بر تھے کہ اصمعی جیسے مستند ادیب و لغوی کا بیان ہے کہ ”میں نے محمد بن اوریس نامی ایک قریشی نو جوان سے ہذیلین کا دیوان پڑھا۔“ (۲)

علامہ سبکیؒ نے امام شافعیؒ کی شاعری پر تفصیلی بحث کی ہے اور ان کے حکیمانہ اشعار بھی نقل کئے ہیں۔ (۳) علامہ ابن حجرؒ نے بھی ان کے اشعار کے متعدد نمونے دیئے ہیں۔ (۴) جن کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی شاعری دیگر شعراء سے یکسر مختلف اور صحیح معنی میں ”ان من الشعر لحکمة“ کا مصداق تھی۔ اس میں صرف شعر و ادب کی چاشنی کی حلاوت ہی نہیں بلکہ وہ عقل و حکمت اور بصیرت و مواعظت کا سبق بھی ہے۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا دیوان بھی مع شرح ۶۶ ہجری میں مصر کی مجلس الاعلیٰ للشئون الاسلامیہ سے شائع ہو چکا ہے، جس کے جامع اور شارح الاستاذ عبدالعزیز سید الالہ ہیں اور فی الواقع فاضل موصوف نے شرح کا حق ادا کر دیا ہے۔ اس دیوان میں قوانی کی ترتیب سے ۸۰ صفحات میں مختلف مآخذوں سے امام شافعیؒ کے اشعار کو یکجا کیا گیا ہے۔

تحصیل و تکمیل علوم :- امام صاحبؒ کو علم کا شوق بچپن ہی سے تھا، آپ کا ابتدائی زمانہ نہایت مفلسی اور تنگدستی کی حالت میں گزرا، باپ کے سایہ عاطفت سے بچپن ہی میں محروم ہو چکے تھے، غربت و افلاس کا یہ حال تھا کہ بقول امام رازیؒ جب وہ مکتب میں گئے تو معلم نے بے مائیگی کی بناء پر پڑھانے سے انکار کر دیا تھا۔ (۵) خود امام صاحبؒ فرماتے ہیں کہ:

كنت فقيراً بحيث ما كنت املك ما اشتري به القراطيس فكنت اخذ

(۱) تاریخ بغداد ج ۲ صفحہ ۷۰۔ (۲) مناقب الامام الشافعی صفحہ ۵۳ اور ابن خلقان ج ۲ صفحہ ۲۱۴ و تاریخ ابوالفداء ج ۲ صفحہ ۲۶۔

(۳) طبقات الشافعی ج ۱ صفحہ ۵۵ و ما بعد۔ (۴) توالی التامیس صفحہ ۷۳۔ (۵) مناقب الامام الشافعی ۱۶

العظم واکتب فیہا (۱)

”میں اتنا غریب تھا کہ کاغذ تک خریدنے کی قدرت نہ تھی، اس لئے ہڈی لے کر اس پر لکھا کرتا تھا۔“

لیکن یہ تمام مشکلات و مواقع ان کی راہ ترقی میں مانع نہ ہو سکے۔ وہ معلم کی بے اعتنائی کے باوجود مکتب میں بیٹھے رہے اور استاد بچوں کو جو اسباق پڑھاتا، اسے زبانی یاد کر لیتے اور پھر ہڈیوں پر لکھ لیتے۔ (۲) یہاں تک کہ اس نے جو کچھ بھی طلبہ کو پڑھایا، امام صاحب نے سب یاد کر لیا اور اپنی ذہانت سے صرف سات سال کی عمر میں پورا کلام پاک حفظ کر لیا۔ (۳)

ابن فرحونؒ نے لکھا ہے:

كان الشافعي حافظاً حفظ الموطأ في تسع ليالٍ و قيل في ثلاث ليالٍ (۴)

”امام شافعیؒ حافظ تھے۔ انہوں نے موطا کو ۹ شب میں حفظ کر لیا تھا، ایک قول تین شب کا بھی ہے۔“

لیکن خود امام شافعیؒ کا قول ۹ ہی رات کا ہے۔ (۵)

پھر فقہ کی جانب متوجہ ہوئے اور فقیہ مکہ مسلم بن خالد زنجی (۶) کی خدمت میں حاضر ہو کر ان کے چشمہ علم سے سیرابی حاصل کی اور فقہ میں اتنا کمال پیدا کیا کہ ان کے شیخ نے پندرہ ہی سال کی عمر میں یہ کہہ کر فتویٰ نویسی کی اجازت دے دی کہ ”افت يا ابا عبد الله فقد آن لك ان تفتي“ (۷) مکہ میں آپ نے مسلم بن خالد کے علاوہ مشہور محدث سفیان بن عیینہ سے بھی استفادہ کیا تھا کہ وہ امام شافعیؒ کے علم و فضل کے اتنے معترف تھے کہ فرماتے تھے ”هذا افضل من فتیان اهل زمانه“ اور جب کوئی تفسیری مسئلہ یا فتویٰ آ جاتا تو امام شافعیؒ کی طرف رخ فرماتے کہ ان سے دریافت کرو۔

مکہ میں تین سال تک تحصیل علم میں مشغول رہنے کے بعد مدینہ طیبہ کا رخ کیا۔ جہاں امام

(۱) مفتاح السعاده ج ۲ صفحہ ۸۹۔ (۲) لؤلؤ الانوار ج ۱ صفحہ ۳۲۔ (۳) حسن المحاضرہ للسیوطی ج ۲ صفحہ ۱۲۱ و تاریخ بغداد ج ۲ صفحہ ۶۳۔ (۴) الد بیاج المذہب صفحہ ۲۲۸۔ (۵) مسلم بن خالد زنجی مکہ معظمہ کے مفتی تھے۔ ان کے بارے میں ناقدین فن اختلاف رائے رکھتے ہیں۔ بعض نے کہا کہ وہ ثقہ تھے اور بعض نے ضعیف قرار دیا ہے۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ ”لیس بشی“ امام بخاریؒ نے فرمایا کہ وہ منکر الحدیث تھے۔ (۶) طبقات الفقہاء للشمس ازی صفحہ ۴۹ والد بیاج المذہب صفحہ ۲۲۸۔ (۷) طبقات اثنا عشریہ صفحہ ۲

مالک بن انسؒ کا دریائے فیض رواں تھا، جب امام شافعیؒ آستانہ مالکی پر حاضر ہوئے تو ان کی عمر صرف تیرہ سال تھی۔

امام مالکؒ سے مکالمت کی تفصیل خود ہی بیان فرمائی ہے۔ کہتے ہیں کہ:

جب میں امام مالکؒ کی خدمت میں پہنچا تو میں موطا حفظ کر چکا تھا۔ میں نے عرض کیا کہ میں آپ سے موطا پڑھنا چاہتا ہوں۔ امام مالکؒ نے فرمایا کہ اچھا کسی کو بلاؤ جو تمہارے لئے قرأت کرے۔ میں نے جواب دیا کہ اس کی ضرورت نہیں، میں خود ہی پڑھوں گا۔ اور جب میں نے اس کی قرأت کی تو امام مالکؒ نے بڑے تعجب کا اظہار کیا اور قرأت کو بہت پسند فرمایا۔ (۱) اور جب میں اس خوف سے قرأت بند کرتا کہ مبادا آپ پر بار ہو تو فرماتے اے نوجوان! اور پڑھو، یہاں تک کہ میں نے بہت تھوڑی مدت میں موطا ختم کر لی۔ (۲) اسی بناء پر امام شافعیؒ امام مالکؒ سے روایت کرتے وقت ”اخبِرْنَا مالک“ کہتے ہیں۔ (۳) امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ قرأت کی پسندیدگی کی وجہ یہ تھی کہ امام شافعیؒ بہت فصیح البیان تھے۔ (۴)

آپ کو امام مالکؒ کی خدمت میں صرف آٹھ ماہ رہنے کا موقع ملا۔ لیکن اس مختصر مدت میں بھی استاذ شاگرد کے درمیان بہت گہرے روابط قائم ہو گئے۔ امام مالکؒ ان کے فہم و ذکاوت کی بہت تعریف فرمایا کرتے تھے، جب امام شافعیؒ نے موطا کی زبانی قرأت کی تو امام مالکؒ نے برجستہ فرمایا:

ان بك احد يفلح فهذا الغلام
”یہ لڑکا یقیناً کامیاب ہوگا۔“

امام شافعیؒ بھی اپنے استاذ کا بے حد احترام کرتے تھے، فرماتے تھے:

مالک معلمی و استاذی ومنه فعلمنا العلم وما احد امن علی من مالک
وجعلت مالکاً حجة فیما بینی و بین اللہ (۵)

”مالک میرے معلم اور میرے استاذ ہیں۔ میں نے علم انہی سے سیکھا، ان سے زیادہ مجھ پر کسی کا احسان نہیں ہے۔ میں نے ان کو اپنے اور اللہ کے درمیان حجت بنایا ہے۔“

(۱) الانقاء لابن عبد البر صفحہ ۶۹۔ (۲) مفتاح السعادة ج ۲ صفحہ ۹۰۔ (۳) حدیث اور اخبار میں فرق یہ ہے کہ استاد پڑھے اور شاگرد سنے تو روایت کرتے وقت حدیث فلاں کہا جاتا ہے اور اس کے برعکس استاذ سماعت کرے اور شاگرد قرأت کرے تو اس وقت خبرنا کے لفظ سے روایت کیا جاتا ہے۔ (۴) توالی التامیس صفحہ ۵۱۔ (۵) الدیاج المذہب صفحہ ۲۲۸

نیز جب امام مالکؒ کا کوئی قول بیان کرتے تو کہتے ”ہذا قول استاذنا مالک۔“ (۱) علمی اسفار: ۱۷۹ ہجری میں جب امام مالکؒ اپنے آخری سفر پر روانہ ہو گئے تو امام شافعیؒ پھر مکہ واپس آ گئے اور وہاں کے شیوخ و اساتذہ سے کسب فیض کیا۔ اس کے بعد امام صاحبؒ کو فکر معاش دامنگیر ہوئی، حسن اتفاق سے والی یمن مکہ آیا ہوا تھا۔ بعض عمائد قریش نے اس سے سفارش کر کے امام شافعیؒ کو نجران کا حاکم مقرر کر دیا۔ لیکن یہ ملازمت آپ کے ذوق کے مطابق نہ تھی۔ اس لئے علمی کاموں کی جانب سے آپ کو بے توجہی ہونے لگی۔

اسی اثناء میں والی یمن نے آپ کے خلاف ایک طوفان کھڑا کر دیا۔ جس سے قدرت کی جانب سے خود بخود ملازمت سے علیحدگی کی شکل پیدا ہو گئی امام شافعیؒ قیام یمن کے دوران ایک ابتلا و آزمائش میں مبتلا ہوئے۔ جس سے امام محمدؒ کی سفارش پر خلاصی پائی۔ (۲) لیکن امام شافعیؒ کو اس سے دو بڑے فوائد بھی حاصل ہوئے۔

(۱) یمن میں قیام کے دوران وہاں کے فضلاء سے استفادہ کا موقع ملا، جن میں مطرف بن مازن صنعانی (المتوفی ۱۹۱ ہجری) اور عمرو بن ابی سلمہ (المتوفی ۲۱۴ ہجری) مشہور ہیں۔

(۲) یہ ابتلاء و آزمائش امام شافعیؒ کے عراق جانے کا سبب بنی اور ان کو امام محمدؒ سے جو فقہ عراق کے امام تھے، استفادہ کا موقع ملا۔ عراق میں قیام آپ کی زندگی کا ایک اہم موڑ ثابت ہوا۔ امام صاحبؒ کی بغداد میں یہ پہلی آمد تھی، جو ۱۸۴ ہجری میں ہوئی۔ پہلی کی تصریح صرف ابن کثیرؒ نے کی ہے۔ (۳) ورنہ بغدادی اور ابوالفداءؒ نے اجمالاً ”قدم الی بغداد مرتین“ (۴) لکھا ہے۔ امام صاحبؒ کے بغداد پہنچنے سے دو سال قبل امام ابو یوسفؒ رحلت فرما چکے تھے اور بغداد کی مسند علم امام محمدؒ سے پر رونق تھی، جو فقہ عراق کے صدرا عظیم ابو حنیفہؒ کے تلمیذ رشید تھے۔

امام شافعیؒ رحمۃ اللہ علیہ نے امام محمدؒ کی خدمت میں تین سال رہ کر فقہ عراق میں کمال پیدا کیا۔ امام محمدؒ کے علاوہ عراق میں امام شافعیؒ نے جن شیوخ سے استفادہ کیا ہے ان کے نام یہ ہیں: وکیع بن الجراح (المتوفی ۱۹۰ ہجری) حماد بن اسامہ ہاشمی (المتوفی ۲۱۱ ہجری) عبد الوہاب عبد المجید المصری (المتوفی ۱۹۴ ہجری) امام شافعیؒ نے امام محمدؒ سے جو کسب فیض کیا تھا اس پر تا عمران کے ممنون کرم ہے۔ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ میں نے امام محمد بن حسنؒ سے جو کچھ پڑھا، سنا اور نقل کیا

(۱) مفتاح السعاده ج ۲ صفحہ ۹۰۔ (۲) الاثقاء لابن عبد البر صفحہ ۹۸۔ البدایہ والنہایہ ج ۱۰ صفحہ ۲۵۲۔ (۳) البدایہ والنہایہ ج

۱۰ صفحہ ۲۵۲۔ (۴) تاریخ بغداد ج ۲ صفحہ ۵۶ و تاریخ ابوالفداء ج ۲ صفحہ ۲۶

وہ بارِ شتر کے برابر ہے۔ (۱)

امام محمدؒ بھی امام شافعیؒ کی ذہانت و صلاحیت کے معترف تھے۔ (۲) زیادتی کا بیان ہے کہ میں نے امام محمدؒ کو جیسی تعظیم امام شافعیؒ کی کرتے دیکھا ویسی کسی اور کی کرتے نہیں دیکھا۔ (۳) بغداد سے مکہ مکرمہ واپس گئے اور وہاں نو سال تک قیام کیا۔ اس طویل مدت میں وہ حرم شریف میں درس و تدریس کی بساط بچھائے رہے۔ امام احمد بن حنبلؒ یہیں پر آپ سے ملے اور ایسے گرویدہ ہوئے کہ آپ کے حلقہ تلمذ میں داخل ہو گئے۔ یہیں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فقہ جدید کی بنا ڈالی اور اجتہاد و استنباط کے اصول و ضوابط مرتب کئے۔

۱۹۵ ہجری میں امام صاحبؒ دوسری مرتبہ وارد بغداد ہوئے، اس مرتبہ آپ کی آمد طالب علم کی حیثیت سے نہ تھی، بلکہ اس وقت آپ کا آفتاب شہرت بغداد کے آسمان پر ضو فگن ہو چکا تھا، اور آپ کے مخالف و موافق سب کی زبانیں آپ کے فضل و کمال کے ذکر سے تر تھیں، امام صاحبؒ اس مرتبہ بغداد میں دو سال رہے، اس عرصہ میں اکابر ائمہ اور جلیل القدر فقہاء و محدثین سے لے کر عام طالبان علم تھے، سب پر وانوں کی طرح آپ کے گرد جمع رہتے اور آپ کے منبع علم سے سیراب ہوتے۔ اسی قیام کے دوران میں امام صاحبؒ نے قدیم اقوال پر مشتمل اپنی مشہور کتاب ”الحجۃ“ تصنیف کی، جس کے چاروں رواۃ یعنی احمد بن حنبلؒ، ابن ثورؒ، زعفرانیؒ اور کراہیسی امام شافعیؒ کے جلیل المرتبت شاگرد ہیں۔ (۴)

دو سال بغداد میں قیام کے بعد امام شافعیؒ پھر مکہ واپس آ گئے۔ جہاں ۱۹۸ ہجری میں تیسری بار پھر بغداد واپس آ گئے۔ لیکن اس بار چند ماہ سے زیادہ قیام نہیں کیا۔ (۵) اور اسی سال موسیٰ کاظمؑ کی شہادت کے بعد مصر چلے گئے۔ (۶)

یا قوت حمویؒ نے امام صاحبؒ کے مصر جانے کا سبب یہ بیان کیا ہے کہ عباس بن عبد اللہ والی مصر نے ان سے ساتھ رہنے کی درخواست کی تھی۔ (۷) لیکن صرف یہی ایک سبب نہیں تھا بلکہ ان کو مصر جانے کا شوق اس سے پہلے سے تھا، جس سے ان کے اشعار بھرے ہوئے ہیں۔

(۱) الاثقاء صفحہ ۶۹۔ (۲) بعض محققین نے لکھا ہے کہ امام محمدؒ و امام ابو یوسف رحمہما اللہ نے خلیفہ ہارون سے امام شافعیؒ کی شکایت کی تھی کہ وہ خلیفہ کی خلافت کے اہل نہ ہونے کا دعویٰ رکھتے ہیں، یہ ایک عظیم بہتان ہے۔ (البدایہ ج ۱ صفحہ ۲۵۳) (۳) ابن خلکان ج ۲ صفحہ ۲۱۵۔ (۴) طبقات الشافعیہ صفحہ ۲۔ (۵) ابوبکر مصنف نے دو ماہ کی تعیین کی ہے۔ (طبقات للمصنف صفحہ ۳)۔ (۶) ایضاً۔ (۷) بنجم الادباء ج ۶ صفحہ ۳۹۴

درحقیقت سفر مصر کا اصلی مقصد اپنے مذہب کی ترویج و اشاعت تھا۔ حجاز و عراق میں ان کو اس مقصد میں خاطر خواہ کامیابی حاصل ہو چکی تھی۔ اب انہوں نے ایک نئے میدان کی تلاش میں مصر کا رخ کیا تھا۔ چنانچہ ربیع کا بیان ہے کہ مجھ سے امام شافعیؒ نے اہل مصر کے بارے میں دریافت کیا تو میں نے عرض کیا کہ وہاں دو مذہب کے لوگ پائے جاتے ہیں۔ مالکی اور حنفی اور یہ دونوں اپنے اپنے ائمہ کے اقوال کی پیروی و تبع ہیں۔ امام شافعیؒ نے جواب دیا:

ار جوان اقدم مصر انشاء اللہ فاتیتهم بشی یشغلهم عن القولین جمیعاً
 ”میں انشاء اللہ مصر جاؤں گا اور ان کے سامنے ایسی چیز پیش کروں گا کہ وہ دونوں مذاہب کو چھوڑ دیں گے۔“

حضرت ربیعؒ کا کہنا ہے کہ واللہ جب امام شافعیؒ مصر آئے تو انہوں نے اپنی یہ بات سچ کر دکھائی۔ (۱) اور بقول شعرانیؒ ”بہت سے علماء نے اپنے قدیم مذہب سے رجوع کر کے مذہب شافعی قبول کر لیا۔ (۲)

قول قدیم اور قول جدید:- قول قدیم سے مراد امام صاحبؒ کے وہ اقوال ہیں جو انہوں نے قیام مصر سے پیشتر مکہ، مدینہ، یمن اور بغداد میں قائم کئے تھے۔ بغداد میں انہوں نے ”کتاب الحجۃ“ تصنیف کی تھی، جو قدیم اقوال پر مشتمل ہے اور امام صاحبؒ کے مذہب قدیم سے مراد یہی کتاب ہوتی ہے۔ (۳)

جب امام صاحبؒ مصر آئے تو انہوں نے اپنے سابقہ خیالات و نظریات پر از سر نو غور و تفحص کیا اور بہت سے قدیم اقوال سے رجوع کر کے نئے نئے آراء قائم کئے۔ ان نئے خیالات کو جدید سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ یہیں امام صاحبؒ نے اپنی جدید کتابیں الامام، امالی الکبیر، املاء الصغیر البویطی، مختصر المزنی، مختصر الربیع، الرسالة السنن تصنیف کیں۔ (۴) اور درحقیقت مذہب جدید ہی امام شافعیؒ کی دائمی شہرت کا باعث ہوا۔

چنانچہ امام شافعیؒ نے اپنی بغدادی تصانیف سے جو قدیم اقوال پر مشتمل ہیں، روایت کی اجازت نہیں دی، علامہ نوویؒ فرماتے ہیں۔ امام شافعیؒ نے اپنے قول قدیم سے رجوع کر لیا تھا اور جب کوئی مجتہد اپنے کسی قول سے رجوع کر لے تو پھر وہ اس کی طرف منسوب نہیں کیا جائے گا۔ (۵)

(۱) توالی التائیس صفحہ ۷۷۔ (۲) لؤلؤ الانوار ج ۱ صفحہ ۴۳۔ (۳) کشف الظنون ج ۱ صفحہ ۴۲۰۔ (۴) حسن المحاضرة ج ۱

صفحہ ۱۳۱ و شذرات الذہب ج ۲ صفحہ ۱۰۔ (۵) شرح مسلم للنووی ج ۲ صفحہ ۱۸۷

وفات :- امام شافعیؒ نے مصر میں مستقل سکونت اختیار کر لی تھی۔ یہیں رجب کی آخری تاریخ ۲۰۴ ہجری کو علم و معرفت کی یہ شمع فروزاں گل ہو گئی۔ (۱)

اس وقت ۵۴ سال کی عمر تھی۔ ابو عثمان محمدؒ کا قول ”مات الی و هو ابن ثمان وخمسين سنة“ محل نظر ہے۔ (۲) کیونکہ آپ کے سن ولادت ۱۵۰ ہجری اور سنہ وفات ۲۰۴ ہجری پر محققین کا اتفاق ہے۔ اس کی رو سے عمر ۵۴ ہی سال قرار پاتی ہے۔ مزار پاک آج بھی مرجع خلافت ہے۔

موت کا حقیقی سبب :- امام شافعیؒ کی موت کا سبب عام طور پر یہ مشہور ہے کہ: فتیان ابی السمیع مالکی اور امام شافعیؒ کے درمیان مناظرہ ہوا۔ جس میں فتیان نے کوئی نازیبا حرکت کی اور معاملہ والی مصر کے پاس پیش ہوا۔ اس نے فتیان کو بلا کر سخت تنبیہ اور توہین کی۔ اس سے فتیان کے دل میں عناد پیدا ہو گیا اور ایک شب اس نے امام صاحبؒ کو لوہے کی زنجیر سے مارا، اس کے صدمہ سے امام صاحبؒ ایسے سخت بیمار ہوئے کہ جانبر نہ ہو سکے۔

اس سبب کے متعلق حافظ ابن حجرؒ نے لکھا ہے کہ ”لم ار ذالک من وجه يعتمد“ (۳) یعنی بالکل ناقابل اعتبار ہے۔

ان کی موت کا اصلی سبب درحقیقت ان کی جانکاہ محنت تھی۔ مصر کے چار سالہ قیام کے دوران میں تعلیم و تدریس، تالیف و تصنیف، مناظرہ اور اپنے مذہب کی اشاعت میں بڑی محنت کی تھی، ان کے شاگرد ربیعؒ کا بیان ہے کہ امام صاحبؒ نے مصر کے دوران قیام میں ایک ہزار پانچ سو صفحات املا کرائے، دو ہزار صفحے کی کتاب ”الام“ تصنیف کی۔ اس کے علاوہ کتاب السنن وغیرہ لکھیں اور یہ سارا کام صرف ۴ سال میں اور بیماری کی حالت میں کیا۔ (۴)

ازواج و اولاد :- امام شافعیؒ نے حمیدہ بنت نافع بن عنبسہ بن عمرو بن عثمان بن عفان سے نکاح کیا تھا، پس ماندگان میں ایک صاحبزادے ابو عثمان محمدؒ اور دو صاحبزادیاں فاطمہ و زینب یادگار چھوڑیں۔

ابو عثمان محمد سب سے بڑے تھے، اپنے والد کی وفات کے وقت مکہ میں رہتے تھے۔ خطیب نے انہیں شہر بغداد کا قاضی بتایا ہے جو صحیح نہیں ہے، درحقیقت وہ جزیرہ میں قاضی تھے، پھر کچھ

(۱) البیہقی خبر من غمر ج ۱ صفحہ ۳۴۳۔ (۲) طبقات الفقہاء للشیخ ازہی ج ۱ صفحہ ۴۸۔ (۳) توالی التامیس صفحہ ۱۸۶۔

(۴) توالی التامیس صفحہ ۸۳۔

عرصہ تک شہر حلب کے منصب قضا پر فائز رہے۔ (۱) اپنے والد ہی کی طرح علم و فضل میں یکتائے روزگار تھے۔ (۲)

شیوخ و تلامذہ:- امام شافعیؒ نے علم و فن کے تمام سرچشموں سے سیرابی حاصل کی تھی۔ اس لئے ان کے شیوخ کی صحیح تعداد کا اندازہ لگانا بہت دشوار ہے، علامہ ابن حجرؒ نے ان کی تعداد ۸۰ بتلائی ہے۔ (۳) جن سے امام صاحبؒ نے، مکہ، مدینہ، یمن، عراق اور مصر میں کسب فیض کیا تھا۔ حافظ ابن کثیرؒ صرف اتنا کہہ کر خاموش ہو گئے کہ سمع الحدیث الکثیر علی جماعۃ من المشائخ والائمة۔ (۴)

خطیب نے ان کے ۲۶ مشہور اساتذہ کے نام شمار کرائے ہیں۔ (۵)
کچھ ممتاز اور لائق ذکر شیوخ کے اسمائے گرامی یہ ہیں:

امام مالکؒ، امام محمدؒ، سفیان بن عیینہ، مسلم بن خالد، ابراہیم بن سعید، فضیل بن عیاض، محمد بن شافع، داؤد بن عبد الرحمن، عبد العزیز بن محمد الدراوردی، ابراہیم بن ابی یحییٰ، عبد الرحمن بن ابی بکر، عبد اللہ بن الموئل، ابراہیم بن عبد العزیز، عبد اللہ بن عثمان انجی، عبد العزیز الماشون، ہشام بن یوسف، اسماعیل بن علیہ، مطرف بن مازن صفانی، عمر بن ابی سلمہ، وکیع بن الجراح، حماد بن اسامہ، عبد الوہاب بن عبد المجید المصریؒ۔ (۶)

اسی طرح امام صاحبؒ کے تلامذہ کی فہرست بھی طویل ہے۔ دارقطنی نے ان کی تعداد سو سے زائد بتائی ہے۔ (۷) اور حافظ ابن حجرؒ نے ۱۶۳ کے نام شمار کرائے ہیں۔ (۸) اس تعداد کی اہمیت اس لئے اور بھی بڑھ جاتی ہے کہ یہ تمام تلامذہ امام شافعیؒ کی صرف ۵۴ سالہ عمر کی پیداوار ہیں، جس کی نظیر دیگر ائمہ میں شاذ ہے۔

ان تلامذہ میں ایک جماعت تو وہ ہے جو امام صاحبؒ کے قول قدیم (بغدادی مذہب) کی راوی ہے۔ جیسے امام احمد زعفرانی، کراہیسی، اسحاق بن راہویہ اور موسیٰ بن جارد وغیرہ۔

(۱) طبقات الشافعیہ ج ۱ صفحہ ۲۲۶۔ (۲) امام شافعیؒ کے ایک دوسرے لڑکے محمد نامی اور بھی تھے (الوئی بالوفیات صفحہ ۱۱۴) جن کی کنیت ابوالحسن تھی۔ وہ دنائیز نامی ایک لونڈی کے گطن سے تھے، اپنے والد کے ہمراہ بچپن ہی میں مصر آئے اور وہیں ۲۲۱ ہجری میں فوت ہو گئے۔ طبقات الشافعیہ ج ۱ صفحہ ۲۲۶۔ (۳) توالی التائیس صفحہ ۵۳۔ (۴) البدایہ والنہایہ ج ۱ صفحہ ۲۵۲۔ (۵) تاریخ بغداد ج ۲ صفحہ ۵۶۔ (۶) مفتاح السعاده ج ۲ صفحہ ۹۲۔ الد بیان المذہب صفحہ ۲۲۷ تاریخ بغداد ج ۲ صفحہ ۵۶۔ (۷) معجم الادباء ج ۲ صفحہ ۳۹۱۔ (۸) توالی التائیس صفحہ ۹۹ تا صفحہ ۸۲ معجم المصنفین ج ۲ صفحہ ۲۵۲ تا صفحہ ۲۶۱

دوسری جماعت وہ ہے جس نے جدید مذہب کی روایت کی، جیسے امام مزنی، ربیع ابن سلیمان مرادی، بویطی، یونس بن عبدالاعلیٰ، حرمہ، ابن عبدالحکیم، حیری وغیرہ۔ (۱) ان سب نے امام صاحبؒ کے علوم کو مرتب و مدون کیا۔

حافظ ابن حجرؒ نے توالی التائیس میں امام صاحبؒ کے دس مشہور تلامذہ کا اجمالی تعارف کرایا ہے، جن کے نام یہ ہیں۔ حمیدی، سلیمان بن داؤد، احمد بن حنبلؒ، ابو ثور، حرمہ مصری، زعفرانی، مزنی، یونس بن عبدالاعلیٰ، محمد بن الحکم، ربیع بن سلیمان المرادیؒ، ان میں سے ہر ایک آسمان علم و فضل کا ماہ تابندہ تھا۔

تبحر علمی :- امام شافعیؒ کی یہ بڑی خصوصیت ہے کہ انہوں نے اپنی عنان توجہ جس طرف بھی پھیری، اس میں کمال حاصل کر کے چھوڑا۔ چنانچہ ابتدائے عمر میں جب وہ شعر و ادب کی طرف مائل ہوئے تو فصیح عرب قبیلہ ہذیل میں سالہا سال قیام کر کے شعر و ادب کے رموز سیکھے اور اس میں اتنی مہارت پیدا کی کہ اصمعی جیسا جلیل المرتب ادیب و لغوی ان سے ہذیلین کا دیوان پڑھنے کا ذکر نہایت فخر و اتہاج کے ساتھ کرتا ہے۔ (۲)

امام صاحبؒ ”علم و فن کے ہر شعبہ سے بہرہ وافر رکھتے تھے۔ اللہ جل شانہ نے انہیں کتاب اللہ، سنت رسول اللہ ﷺ، کلام صحابہ، آثار سلف اور اختلاف اقوال علماء پھر معرفت کلام عرب، لغت، عربیت اور شعر وغیرہ میں علم عمیق ارزانی فرمایا تھا۔ (۳)

مذکورہ بالا علوم و فنون میں کمال کے باوجود ان کے اصلی علوم حدیث و فقہ تھے۔ وہ حافظ حدیث تھے، امام مالکؒ سے موطا کی قرأت کی تھی اور اپنی اخاذ طبیعت کی بناء پر عام روش سے ہٹ کر اس میں نئی نئی راہیں پیدا کیں، ان کے مذہب کی بنیاد صحیح حدیث پر قائم ہے۔ خود ہی فرماتے ہیں ”اذا صح الحديث فهو مذهبي“ (۴)

امام احمد بن حنبلؒ سے فرمایا کرتے تھے کہ تم حدیث و رجال کا علم مجھ سے زیادہ رکھتے ہو، پس جب کوئی حدیث صحیح تمہاری نظر سے گزرے تو مجھے بتاؤ، خواہ وہ کوئی ہویا بصری یا شامی، اگر وہ صحیح ہوگی تو میں اسے اختیار کر لوں گا۔ (۵) امام صاحبؒ کا یہ اعلان عام تھا کہ اگر میرا کوئی قول سنت رسول ﷺ کے خلاف ہو تو اس کو ترک کر دو۔ نیز امام احمدؒ فرماتے ہیں جب کوئی حدیث امام

(۱) مرآة البیان ج ۶ صفحہ ۳۹۱۔ (۲) مناقب الامام الشافعی، صفحہ ۱۵۳۔ (۳) ابن خلکان ج ۲ صفحہ ۲۱۴۔ (۴) مختصر صفوۃ

الصفوۃ لابن جوزی صفحہ ۲۱۴۔ (۵) الانتقاء لابن عبد البر صفحہ ۷۵

شافعیؒ کے نزدیک صحیح ثابت ہو جاتی تو وہ اس کے قائل ہو جاتے تھے۔ (۱)
امام صاحبؒ نے اپنے وقت کے محدثین کی غفلت کو رفع کر کے ان میں نئی روح پھونکی،
زعفرانی بیان کرتے ہیں کہ:

كان اصحاب الحديث رقوماً حتى جاء الشافعي فايقظهم فيتقظوا (۲)
”تمام محدثین خواب غفلت میں مبتلا تھے، امام شافعیؒ نے آ کر ان میں بیداری پیدا کی۔“
حدیث سے استدلال میں امام شافعیؒ کے مسلک میں احتیاط کا پہلو نمایاں ہے۔ اسی بناء پر
بعض مسائل میں عام ائمہ و مجتہدین کے مسلمہ اصول و ضوابط سے الگ ان کی منفرد رائے ہوتی
ہے۔ مثلاً مراہیل صحابہ سے استدلال تمام ائمہ کے نزدیک جائز ہے اور تابعین سے لے کر دوسری
صدی تک کے مجتہدین میں سے کسی نے اس کا انکار نہیں کیا، لیکن امام شافعیؒ مرسل حدیث سے
استدلال کو جائز قرار نہیں دیتے اور یہ اختلاف صرف احتیاط پر مبنی ہے۔

حدیث :- علم حدیث اور ان کے متعلقات میں امام صاحبؒ کے تبحر کا اعتراف خود ان کے
اساتذہ کو بھی تھا، اسی کا نتیجہ تھا کہ ان کی کتابوں کی سماعت کے لئے ان کے پاس بیک وقت سات
سات سوتشنگان علم کا ہجوم رہتا تھا۔ (۳) امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ مجھے نسخ و منسوخ حدیث کا پتہ
اسی وقت چلا جب میرا امام شافعیؒ کی خدمت میں حاضر ہوا اور تعلیم حاصل کی۔ (۴) ابو حاتم رازیؒ
کا قول ہے:

لولا الشافعي لكان اصحاب الحديث في عمى (۵)

”اگر امام شافعی نہ ہوتے تو اصحاب حدیث تاریکی میں رہتے۔“

ایک اور بزرگ کا بیان ہے کہ:

ما اعلم للشافعي حديثاً خطاء (۶)

”مجھے امام شافعیؒ کی کسی غلط حدیث کا علم نہیں۔“

صاحب روضات نے لکھا ہے کہ:

ان الشافعي اول من تكلم في مختلف الحديث و صنف فيه (۷)

(۱) معجم المصنفين ج ۲ صفحہ ۲۷۷۔ (۲) تاريخ المؤلفات ج ۲ صفحہ ۲۶۶ والد بیاج ج المذہب صفحہ ۲۲۸ والتاج المکمل صفحہ ۶۰۔

(۳) الطبقات الکبریٰ للشیرازی ج ۱ صفحہ ۳۳۔ (۴) المؤلفات ج ۲ صفحہ ۲۶۶ والد بیاج ج المذہب صفحہ ۲۲۸ والتاج المکمل صفحہ ۶۰۔

(۵) مرآة البیان ج ۲ صفحہ ۱۹۔ (۶) المعری فی خبر من غیر ج ۳ صفحہ ۳۳۳۔ (۷) روضات الجنات ج ۴ صفحہ ۱۵۳۔

”بلاشبہ امام شافعیؒ پہلے شخص ہیں جنہوں نے مختلف الحدیث کے بارے میں کلام کیا اور اس فن میں کتاب تصنیف کی۔“

امام محمد بن حسنؒ کا ارشاد ہے:

ان تکلم اصحاب الحدیث یوماً فبلسان الشافعی (۱)

اصحاب حدیث ہمیشہ امام شافعیؒ ہی کی زبان میں کلام کریں گے۔

فقہ:- اسی طرح امام صاحب فقہ میں بھی مجتہدانہ مقام رکھتے تھے۔ ان کی کتابیں الرسالۃ اور کتاب الام ان کی شاہد عدل ہیں۔ وہ فقہ کے تمام مراکز سے مستفید ہوئے تھے۔ مثلاً: مکہ کے رئیس الفقہ ابن جریج کی کتابوں کو ان کے شاگردوں مسلم بن خالد اور سعید بن سالم سے پڑھا۔ مدینہ کے رئیس الفقہ امام مالک کی فقہ کے علوم کو ان کے تلمیذ رشید امام محمد سے حاصل کیا۔ اسی طرح امام شافعیؒ کو یہ امتیاز حاصل ہے کہ وہ علوم اہل الرائے اور اہل الحدیث کے جامع ہیں۔ (۲) امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ:

کان الفقہ قفلاً علی اہلہ حتی فتحہ اللہ بالشافعی (۳)

”فقہ فقیہوں کے لئے ایک قفل تھا، جس کو اللہ تعالیٰ نے امام شافعیؒ کے ذریعہ کھولا۔“

جامعیت:- غرض امام صاحبؒ کے حدیث و فقہ اور دیگر علوم میں تبحر کا یہ عالم تھا کہ یہ فیصلہ کرنا دشوار ہے کہ وہ کس فن میں خصوصی ملکہ رکھتے تھے۔ یونس بن عبدالاعلیٰ کا بیان ہے کہ جب امام شافعیؒ عربیت کے متعلق گفتگو فرماتے تو میں کہتا آپ اسی میں ماہر ہیں۔ جب شعر و ادب میں گہر افشانی کرتے تو میں ان کو اسی میں سب سے بڑا عالم سمجھتا اور جب فقہی مباحث کو بیان کرتے تو اسی میں سب سے زیادہ واقفیت رکھنے والا سمجھتا۔

ہارون بن سعیدؒ کا قول ہے کہ اگر امام شافعیؒ پتھر کے ستون کو لکڑی کا ثابت کرنا چاہیں تو بخدا انہیں اس بات پر قدرت حاصل ہے۔ (۴)

قصاحت:- امام صاحبؒ کو ہذلیین کے دس ہزار اشعار زبانی یاد تھے۔ قبیلہ ہذیل میں مدت دراز تک رہنے کی وجہ سے امام صاحبؒ بھی نہایت فصیح اللسان ہو گئے تھے۔ عبد اللہ بن احمدؒ کا قول ہے کہ ”کان الشافعی من افصح الناس“ (۵) یونس کہتے ہیں کہ امام شافعیؒ کے الفاظ

(۱) توالی التامیس صفحہ ۵۴۔ (۲) بحکم الادباء ج ۶ صفحہ ۳۸۹۔ (۳) ایضاً ج ۳ صفحہ ۳۸۰۔ (۴) تاریخ بغداد ج ۲ صفحہ ۶۷۔

(۵) الانتقاء لابن عبد البر صفحہ ۹۳

میں نشہ کی سی مستی ہوتی تھی۔ جب ہم ان کے حلقہ میں بیٹھ کر گفتگو سنتے تو معلوم ہوتا جیسے وہ بحر کر رہے ہوں۔ (۱) بشر المریسی کا بیان ہے کہ:

کان لسانہ ينظم الدرر (۲)

ان کی زبان موتی پروتی تھی۔

ابن ہشام نحوی فرماتے ہیں کہ:

طالت مجالستنا للشافعي فما سمعت منه لحنه قط ولا كلمة غيرها

احسن منها (۳)

میں بہت دنوں تک امام شافعیؒ کی صحبت میں رہا، میں نے ان سے کبھی زبان کی غلطی نہیں سنی اور نہ کوئی ایسا کلمہ سنا جس سے بہتر دوسرا کلمہ کہا جاسکتا ہو۔

زعفرانی کا قول ہے کہ میں نے امام شافعیؒ سے زیادہ فصیح البیان کسی کو نہیں دیکھا۔ (۴)

فصاحت و بلاغت کے ساتھ امام صاحب لسانیت اور لغت میں بھی ید طولی رکھتے تھے، اس میں ان کے کلام کو سنہ کے طور پر پیش کیا جاتا تھا۔ ابن ہشام صاحب المغازی جیسی شخصیت نے ”کان الشافعي حجة في اللغة“ (۵) کے الفاظ میں اس کا اعتراف کیا ہے۔

ایک دوسرے بزرگ کا قول ہے ”الشافعي كلامه لغة يحتج بها“ (۶) امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور علم اصول فقہ: امام شافعیؒ کا سب سے عظیم کارنامہ اصول فقہ کی ایجاد ہے۔ فن کی شکل میں سب سے پہلے انہی نے اس کی بنیاد رکھی، اسنوی کا قول ہے کہ:

ان الشافعي هو اول من صنف في اصول الفقه باجماع (۷)

امام شافعیؒ نے بالاتفاق اصول فقہ میں سب سے پہلے تصنیف کی۔

علامہ فخر الدین رازیؒ نے لکھا ہے کہ باتفاق امت امام صاحب اصول فقہ کے بانی ہیں اور انہی نے اس علم کے ابواب مرتب کئے اور قوت و ضعف کے مراتب کی تشریح کی۔ (۸) علماء کا بیان ہے کہ اصول فقہ کی نسبت امام شافعیؒ کی طرف بالکل اسی طرح ہے جیسے منطق کی ارسطاطالیس کی طرف۔ (۹)

(۱) معجم المصنفين ج ۲ صفحہ ۲۶۹۔ (۲) مرآة البیان ج ۲ صفحہ ۱۹۔ (۳) معجم الادباء ج ۶ صفحہ ۳۸۸۔ (۴) الانقاء صفحہ ۹۲۔

(۵) الانقاء صفحہ ۹۲۔ (۶) معجم الادباء ج ۱ صفحہ ۹۰۳۔ (۷) شذرات الذهب ج ۲ صفحہ ۱۔ ۱۔ بحر العلوم صفحہ ۳۲۶ و کشف

الظنون ج ۲ صفحہ ۳۳۶۔ (۸) مناقب الامام الشافعي صفحہ ۹۸۔ (۹) مرآة البیان ج ۲ صفحہ ۱۸

علامہ بدرالدین زرکشیؒ کہتے ہیں کہ امام شافعیؒ پہلے شخص ہیں جنہوں نے اصول فقہ میں تصنیف کی، اس فن میں انہوں نے کتاب الرسالہ، کتاب احکام القرآن، اختلاف الحدیث ابطال الاحسان، کتاب اجماع العلم اور کتاب القیاس لکھ کر علم سے خراج تحسین حاصل کیا۔ (۱)

علامہ ابن خلدونؒ رقمطراز ہیں: ”امام شافعیؒ کو اصول وفقہ کے مدون کرنے میں اولیت حاصل ہے۔ اس فن میں انہوں نے اپنا مشہور رسالہ ”الرسالہ“ تصنیف کیا، جس میں انہوں نے اوامر و نواہی کا بیان اور خبر و نسخ اور قیاس سے علت منصوبہ کے حکم کے بارے میں کلام کیا ہے، پھر اس کے بعد حنفی فقہاء نے اس فن میں کتابیں لکھیں۔ (۲)

ان بیانات سے یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ جاتی ہے کہ امام شافعیؒ ہی کو اصول فقہ کے بانی اور واضع ہونے کا شرف حاصل ہے، بعض علماء کا یہ خیال صحیح نہیں ہے کہ اس فن میں سب سے پہلے امام محمدؒ نے کتاب لکھی۔

مستشرقین یورپ نے بھی امام صاحبؒ کو اس فن کا پہلا مصنف قرار دیا ہے۔

گولڈزیہر انسائیکلو پیڈیا آف اسلام میں لفظ ”فقہ“ کے تحت لکھتا ہے:

”محمد بن ادریس الشافعیؒ کی خصوصیت میں سے ہے کہ انہوں نے مسائل شرعیہ کو مستنبط کرنے کے ضوابط وضع کئے اور تمام اصولوں کی حد بندی کی۔ اپنے رسالہ میں قیاس عقلی کے ایسی اصول ایجاد کئے جن کی طرف قانون سازی کے وقت رجوع کرنا نہایت ضروری ہے۔“

ان گونا گوں خصوصیات کی بناء پر امام احمدؒ نے بجا فرمایا تھا:

الشافعی للعلم كالشمس للدنيا و كالعافية للبدن هل لهدین من خلف

او عنها عوض (۳)

”امام شافعیؒ کی حیثیت علم کے لئے ایسی ہی تھی جیسے دنیا کے لئے سورج کی اور جسم کے لئے صحت کی، کیا ان دونوں کا کوئی بدل ہو سکتا ہے۔“

تصانیف :- امام صاحبؒ نے مختلف علوم و فنون میں بکثرت کتابیں لکھیں، جن کی تعداد کے متعلق متضاد بیانات ہیں۔ حافظ ابن حجرؒ نے ڈیڑھ سو کتابوں کے نام شمار کرائے ہیں۔ (۴) ابن ندیم نے ایک سو پانچ اور ابن زوق نے دو سو تک کتابوں کی تعداد بتائی ہے۔ (۵) ایسے کثیر

(۱) البحر المحیط بحوالہ امام شافعیؒ صفحہ ۶۱۔ (۲) مقدمہ ابن خلدون ج ۱ صفحہ ۳۹۸۔ (۳) الدیاج المذہب صفحہ ۲۳۹ و مرآة

البحان ج ۲ صفحہ ۱۷۔ (۴) توالی التامیس صفحہ ۱۱۶۔ (۵) شذرات الذہب ج ۲ صفحہ ۱۰

التصانیف مصنف کی مثال تاریخ میں بہت کم ملتی ہے۔ ان تمام تصانیف میں سے اکثر تو ”کتاب الام“ مطبوعہ مصر میں یکجا شائع ہو چکی ہیں۔ (۱) اور بعض مخطوطہ شکل میں مختلف کتب خانوں میں محفوظ ہیں۔

امام صاحبؒ کے قول قدیم کی کتابوں میں ”کتاب الحجۃ“ مشہور ہے جو انہوں نے بغداد کے آخری قیام کے زمانہ میں تصنیف کی تھی، اس کے سبب تالیف کے متعلق خود بیان فرماتے ہیں کہ میرے پاس محدثین کی ایک جماعت آئی اور مجھ سے درخواست کی کہ میں امام ابو حنیفہؒ کی کتاب کا رد لکھوں، میں نے ان سے کہا کہ جب تک میری نظر سے امام اعظمؒ کے مذہب سے متعلق تمام کتابیں نہ گزر جائیں۔ میں ان کے اقوال سے پوری طرف واقف نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ میرے پاس امام محمد بن حسن شیبانیؒ (صاحب ابی حنیفہؒ) کی کتابیں لائی گئیں، جن کا میں نے ایک سال تک بغور مطالعہ کیا۔ حتیٰ کہ وہ مجھے زبانی یاد ہو گئیں، ان کے مطالعہ کے بعد میں نے اپنی بغدادی کتاب ”الحجۃ“ تصنیف کی۔ (۲)

حاتی خلیفہ نے ”کتاب الحجۃ“ کے متعلق لکھا ہے کہ:

هو مجد ضخيم الفه بالعراق اذا اطلق القديم من مذهبه يراد به هذا

التصنيف (۳)

”یہ ایک ضخیم کتاب ہے جو عراق میں لکھی گئی، جب مطلق مذہب قدیم بولا جائے تو اس سے یہی کتاب مراد لی جاتی ہے۔“

اس کے علاوہ امام شافعیؒ کی تین کتابیں جو مذہب جدید سے متعلق ہیں بہت مشہور اور امتیازی حیثیت کی حامل ہیں۔

۱۔ کتاب الام :- یہ کتاب امام شافعیؒ کے مذہب جدید کی اہم تصنیف ہے۔ امام الحرمین وغیرہ کا خیال ہے کہ یہ امام صاحبؒ کی قدیم کتابوں میں ہے، لیکن یہ صحیح نہیں ہے، کیونکہ اس کی روایت ربیع بن سلیمان المرادی نے کی ہے، جو مصری (۴) ہیں۔ یہ کتاب پندرہ جلدوں میں ہے، جس کی کتب (ابواب و اجزاء) کی تعداد مجموعی طور پر ایک سو پچاس (۵) ہے۔ کتاب الطہارۃ سے آغاز ہوا ہے۔

(۱) معجم الادباء ج ۶ صفحہ ۳۹۸۔ (۲) توالی التامیس صفحہ ۷۶۔ (۳) کشف الظنون ج ۱ صفحہ ۳۲۔ (۴) البدایہ والنہایہ ج

۱۰ صفحہ ۲۵۲۔ (۵) کشف ج ۲ صفحہ ۲۵۲

کتاب الام کو امام شافعیؒ کے شاگرد رشید ربیع بن سلیمان مرادیؒ نے روایت کیا ہے۔ (۱)
لیکن خلیفہ چلپی نے اس کی تغلیط کرتے ہوئے لکھا ہے کہ درحقیقت اس کے راوی بوہیٹی ہیں، مگر
انہوں نے اپنا نام ذکر نہیں کیا، حضرت ربیع بن سلیمانؒ نے صرف اس کی تبویب کی ہے، اسی بناء پر
نفس کتاب کو بھی ان ہی کی طرف منسوب کر دیا گیا۔ (۲)

صاحب کشف الظنون کی یہ تحقیق سوء تقاہم پر مبنی ہے۔ اصل میں پوری کتاب تو حضرت
ربیع بن سلیمانؒ ہی نے امام صاحبؒ سے روایت کی ہے، لیکن ابتداء کی چند روایات بواسطہ بوہیٹی
منقول ہیں۔ شاید اسی اشتباہ کی بناء پر حاجی خلیفہ نے پوری روایت کو بوہیٹی کی روایت قرار دے
دیا۔ علامہ ابن ندیمؒ نے بھی لکھا ہے کہ رواہ عن الشافعی الربیع بن سلیمان۔ (۳)

کتاب الام کے حاشیہ پر مزنی (المتوفی ۲۶۴ ہجری) کی مختصر کبیر بھی مندرج ہے۔ یہ کتاب
سب سے پہلے مطبعة الکبری الامیر یہ بولاق مصر سے ۱۳۲۱ ہجری میں شائع ہوئی۔ (۴)

۲۔ الرسالة :- یہ کتاب اصول فقہ میں ہے، امام الجرح والتعديل عبدالرحمن ابن مہدی نے
امام شافعیؒ سے درخواست کی تھی کہ ایک ایسی کتاب تصنیف کیجئے، جس میں کتاب وسنت اور اجماع
وقیاس سے استدلال کے شرائط، ناسخ و منسوخ اور عموم و خصوص کے مراتب کا بیان ہو، اس فرمائش
پر امام شافعیؒ نے ”الرسالة“ تصنیف فرمائی۔ (۵) اور اسے عبدالرحمن بن مہدی کے پاس بھیجا۔
انہوں نے پڑھ کر بے ساختہ فرمایا۔ ”ماظننت ان الله خلق مثل هذا الرجل“ (۶) نیز وہ کہا
کرتے تھے کہ میں ہر نماز کے بعد امام شافعیؒ کے لئے دعا کرتا ہوں۔ (۷)

صاحب المعجم کتاب الرسالة کے متعلق لکھتے ہیں: ”هواول کتاب الف فی هذا
العلم“۔ اس کا پہلا ایڈیشن مصر سے ۱۳۱۰ ہجری میں شائع ہوا۔ امام صاحب کے تلامذہ کی ایک
بڑی تعداد نے اس کی کتابت کی ہے۔ اس کے شارحین میں ابو بکر محمد بن عبداللہ الشیبانی (المتوفی
۳۸۸ ہجری) امام شافعیؒ (المتوفی ۳۳۰ ہجری) کے نام مشہور و ممتاز ہیں۔

۳۔ مسند شافعی :- یہ کتاب احادیث مرفوعہ پر مشتمل ہے جن کو خود امام شافعیؒ اپنے تلامذہ کے
روبرو سند کے ساتھ روایت کیا کرتے تھے۔ یہ امام صاحب کی اپنی تصنیف نہیں ہے، بلکہ کتاب

(۱) معجم المطبوعات ج ۱ صفحہ ۴۶۹۔ (۲) کشف الظنون ج ۲ صفحہ ۲۶۶۔ (۳) الفہرست ابن ندیم صفحہ ۲۹۵۔ (۴) معجم
المطبوعات ج ۱ صفحہ ۴۶۹۔ (۵) تاریخ بغداد ج ۲ صفحہ ۵۶ و شذرات الذهب ج ۲ صفحہ ۱۱ و المعجم الادباء ج ۶ صفحہ ۸۸ و حسن
الحاضرة ج ۱ صفحہ ۱۲۲۔ (۶) مرآة الجنان ج ۲ صفحہ ۱۸۔ (۷) کتاب الانساب للسمعانی ورق ۳۲۵

الام اور مبسوط میں جو احادیث ربیع بن سلیمان اور مزنی سے مروی ہیں۔ ابو جعفر محمد بن مطر نے ان کا انتخاب مسند امام شافعی کے نام سے کر دیا ہے، (۱) چونکہ کتاب الام کی احادیث ابوالعباس محمد بن یعقوب اصم نے ربیع بن سلیمان (جو امام شافعی کے بلا واسطہ شاگرد ہیں) سے سن کر جمع کی تھی، اسی لئے مسند کے جامع کی حیثیت سے بھی وہی مشہور ہیں۔ بعض علماء کا قول ہے کہ خود ابوالعباس نے ان حدیثوں کا انتخاب کیا تھا اور محمد بن مطر صرف اس کے کاتب تھے، یہ مسند نہ تو مسانید ہی کی ترتیب پر ہے نہ ابواب کی، بلکہ کیف مستفق (۲) انتخاب کر کے حدیثوں کو جمع کر دیا گیا ہے، اس لئے اس میں تکرار بہت زیادہ ہے۔ (۳)

حاجی خلیفہ لکھتے ہیں کہ ”ابن عبد اللہ علم الدین جلوئی نے اس کو مرتب کیا ہے اور ایک بڑی جماعت نے اس کی شروح لکھی ہے، جن میں ابن اثیر الجزری (المتوفی ۶۰۶ ہجری) کی شرح ”کتاب شافعی العینی فی شرح مسند الشافعی“ پانچ جلدوں میں علامہ رافعی قزوینی (المتوفی ۶۲۳ ہجری) کی الشرح الکبیر دو جلدوں میں اور حافظ سیوطی کی ”شرح الشافعی العینی علی مسند الشافعی“ مشہور ہیں۔ شیخ زین الدین حلبی نے ”المختب المرضی من مسند الشافعی“ کے نام سے اس کا انتخاب بھی کیا ہے۔ (۴)

دو حدیثیں اور امام شافعی:۔ دوسرے مذاہب پر شافعی مذہب کی برتری پر ائمہ شوافع دو حدیثوں سے استدلال کرتے ہیں، جس سے اس کی فوقیت ثابت ہوتی ہو یا نہیں، لیکن اس میں شبہ نہیں کہ امام شافعی کی عظمت اور جلالت شان کا اندازہ بخوبی ہو جاتا ہے۔ پہلی حدیث حضرت عبد اللہ بن عباسؓ سے مروی ہے کہ:

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم اللهم اهد قريشا العالم منهم فان علم العالم منهم يسع طباق الارض اللهم اذقت اولها نكالا فاذا في آخرها نوالاً (۵)
رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ خدایا! قریش کو ہدایت عطا فرما، اس خاندان کا عالم روئے زمین کو مالا مال کر دے، خدایا پہلے تو نے ان پر عذاب نازل کیا، اب ان پر انعام کی بخشش فرما۔
اس حدیث کی سند کے متعلق علامہ ابن حجرؒ لکھتے ہیں: رسول اللہ ﷺ کے قول ”فان علم العالم منهم يسع طباق الارض“ سے مراد ملت کا ایسا قریشی عالم ہے، جس کا علم پوری دنیا

(۱) کتاب الانساب للسعانی ورق ۳۲۵۔ (۲) كشف الظنون ج ۱ صفحہ ۵۵۶۔ (۳) بستان المحدثین صفحہ ۳۰۔

(۴) كشف الظنون ج ۲ صفحہ ۴۳۳ و مقدمہ تحف الاحوذی صفحہ ۲۷۷۔ (۵) توالی التائیس صفحہ ۴۷۔

میں پھیل جائے اور اس کی تالیف مصاحف کی طرح لکھی جائیں، اس کے اقوال زبان زد خلاق ہوں، ہم کو امام شافعیؒ کے علاوہ کسی ایسے شخص کا پتہ نہیں چلتا جو مذکورہ صفات کا حامل ہو۔ (۱)

حضرت ابو نعیم جرجانیؒ فرماتے ہیں کہ ”قریشی صحابہ اور تابعین میں سے ہر اہل علم کا علم اگرچہ بہت پھیلا، لیکن اس کی کثرت، شہرت اور اشاعت پورے ربع مسکون میں اتنی نہ ہو سکی، جتنی امام شافعیؒ کے علوم کی۔ اس لئے غالب گمان یہی ہے کہ اس حدیث کے مصداق امام صاحب ہی ہیں۔ (۲)

اور اس میں شک نہیں کہ امام شافعیؒ کے علوم اور مذہب کو جو فروغ حاصل ہوا، اس کی مثال حنفی مذہب کے سوا نہیں مل سکتی۔ عالم اسلام کا کوئی خطہ ایسا نہیں ہے، جہاں اس مذہب کا کوئی مدرس، مفتی یا مصنف موجود نہ ہو، امام احمدؒ فرماتے ہیں:

اذا سألت عن مسألة لا اعرّف فيها خبراً قلت فيها بقول الشافعي لانه امام عالم من قریش (۳)

جب بھی مجھ سے کوئی ایسا مسئلہ دریافت کیا گیا جس میں مجھے کوئی حدیث نہ ملی تو میں نے امام شافعیؒ کے قول کے مطابق فتویٰ دے دیا کیونکہ وہ امام عالم قریش ہیں۔

دوسری حدیث تجدید دین سے متعلق ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

ان الله يبعث لهذه الامة على رأس كل مائة سنة من يجدد لها دينها.

”بلاشبہ اللہ تعالیٰ ہر صدی کے آخر میں اس امت کے لئے ایسے شخص کو مبعوث کرتا ہے جو اس کے دین کی تجدید کرتا ہے۔“

اس حدیث کو ابو داؤد نے اپنی سنن اور حاکم نے مستدرک میں روایت کیا ہے۔ شیخ علی متقی نے بھی بیہقی کی معرفۃ السنن والآثار کے حوالہ سے اس کو نقل کیا ہے۔ (۴)

ملا علی قاریؒ نے اس کی سند کو صحیح اور اس کے کل رواۃ کو ثقہ قرار دیا ہے۔ (۵)

جس طرح حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے متعلق امت کا اجماع ہے کہ وہ پہلی صدی کے مجدد ہیں، اسی طرح باتفاق محققین دوسری صدی کے مجدد امام شافعیؒ ہیں۔ انہوں نے بدعات کا قلع قمع

(۱) تاریخ بغداد ج ۲ صفحہ ۶۱۔ (۲) توالی التائیس صفحہ ۴۷۔ (۳) توالی التائیس صفحہ ۴۸۔ (۴) کنز العمال ج ۶ صفحہ

۲۳۸۔ (۵) مرقات الفاتح ج ۱ صفحہ ۲۳۸

کر کے سنت کا بول بالا کیا اور تمام روئے زمین کو قال اللہ وقال الرسول کے ترانوں سے معمور کر دیا۔

امام احمد بن حنبلؒ اس حدیث کو مختلف طرق سے روایت کرنے کے بعد فرماتے ہیں۔ ہم نے غور کیا تو یہ دیکھا کہ پہلی صدی کے مجدد حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ ہیں اور دوسری صدی کے امام شافعیؒ اور دونوں خاندان رسول ﷺ (یعنی قریش) بھی ہیں۔ (۱)

اس سلسلہ میں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ ساتویں صدی تک کے تمام مجددین شافعی اہل مذہب تھے۔ (۲)

تشیع کا الزام:- امام شافعیؒ پر تشیع کا الزام بھی لگایا گیا ہے۔ (۳) اس کی حقیقت صرف اس قدر ہے کہ آپ آل رسول ﷺ سے محبت رکھتے تھے۔

ابن عبدالبر لکھتے ہیں کہ امام شافعیؒ سے ایک مرتبہ کہا گیا کہ آپ میں تشیع کا رجحان پایا جاتا ہے؟

فرمایا: وہ کیسے؟

کہا گیا کہ آپ آل رسول ﷺ کی محبت کا اظہار کرتے ہیں۔

آپ نے جواب دیا: لوگو! رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ:

لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتَّىٰ أَكُونَ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِنْ وَالِدِهِ وَوَلَدِهِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ
تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مومن کامل نہیں ہو سکتا جب تک میں اس کے نزدیک اس کے والد اور والدہ اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں۔

نیز ارشاد گرامی ہے ”ان اولیائی من عترتی المتقون“ تو جب مجھ پر اپنے متقین اقرباء و اعزہ سے محبت کرنا لازم ہے تو کیا یہ بات دین میں سے نہیں ہے کہ میں رسول اللہ ﷺ کے متقی اقرباء سے محبت کروں، کیونکہ آپ ﷺ بھی ان سے محبت فرمایا کرتے تھے۔

ان کان رفضا حب ال محمد

فلیشهد الثقلان انی رافضی (۴)

(۱) مفتاح السعادة ج ۲ صفحہ ۹۵ و توالی التائیس صفحہ ۳۸ و معجم الادباء ج ۶ صفحہ ۳۸۹ و سیرت عمر بن عبدالعزیز جوزی، صفحہ

۶۰۔ (۲) مفتاح السعادة ج ۲ صفحہ ۹۰۔ (۳) اہرست لابن ندیم صفحہ ۲۷۹ و روضات الجنات ج ۴ صفحہ ۱۵۵۔

(۴) الاثناء لابن عبدالبر صفحہ ۹

”اگر آل بیت کی محبت ہی کا نام رخص ہے تو اے جن و انس تم گواہ رہو کہ میں رافضی ہوں۔“

ایک شخص نے امام احمد بن حنبلؒ سے کہا: اے ابو عبد اللہ، یحییٰ بن معین اور ابو عبیدہ امام شافعیؒ کی طرح تشیع کا انتساب کرتے ہیں۔
امام احمدؒ نے جواب دیا: وہ کیسی بات کرتے ہیں، بخدا مجھے امام شافعیؒ سے بھلائی ہی کی امید ہے۔

پھر ہم نشینوں سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ ”جب کسی اہل علم کو حق تعالیٰ بلند مرتبہ عطا فرمادیتا ہے اور اس کے معاصرین وہم عمر اس سے محروم رہتے ہیں تو وہ اس پر رشک و حسد کرتے ہیں اور بے بنیاد الزامات لگاتے ہیں اہل علم میں یہ کتنی بری خصلت ہے۔“ (۱)
خود امام شافعیؒ کی تردید اور امام احمد کے مذکورہ بالا بیان سے یہ حقیقت واضح ہو گئی کہ تشیع کا الزام محض معاصرانہ رشک و حسد کا نتیجہ ہے۔

حضرت محمد بن جعفر غندر رحمۃ اللہ علیہ

نام و نسب :- محمد نام، ابو عبد اللہ کنیت اور غندر لقب تھا۔ (۱) بعض اہل تذکرہ نے ان کی کنیت ابو بکر بتائی ہے۔ (۲) ہذیل بن مدرکہ سے نسبت ولاء رکھنے کے باعث ہذلی اور وطن کی طرف منسوب ہو کر بصری کہلاتے ہیں، لیکن غندر کے لقب سے زیادہ مشہور ہوئے، یہ لقب ان کو ابن جریج نے عطا کیا تھا، کیونکہ ابن جعفر ان سے بہت شغف رکھتے تھے اور اہل حجاز ایسے اشخاص کو عام طور سے غندر کے نام سے پکارتے تھے، کتابوں میں اس لقب سے موسوم متعدد تذکرے ملتے ہیں۔ جن میں محمد بن جعفر اپنے گونا گوں کمالات کی وجہ سے بہت ممتاز تھے۔

علوم مرتبت :- علم و فضل کے اعتبار سے شیخ غندر بلند مرتبہ اور جلیل القدر حفاظ حدیث میں تھے۔ امام شعبہ کے دامن فیض سے کامل بیس سال تک وابستہ رہے تھے۔ اس طویل صحبت نے فضائل و کمالات میں اپنے استاد کا جانشین بنادیا اور اسی بناء پر مرویات شعبہ کے باب میں ان کا پایہ باتفاق علماء سب سے بلند ہے۔ چنانچہ حافظ ذہبی لکھتے ہیں:

احد ارباب المتقین ولا سيما في شعبة (۳)

وہ ارباب اتقان میں سے تھے۔ بالخصوص امام شعبہ کے باب میں ان کا مثبت مسلم تھا۔ حدیث رسول ﷺ :- حدیث رسول ﷺ کی تحصیل انہوں نے امام شعبہ کے علاوہ سعید بن ابی عروبہ، معمر بن راشد، ابن جریج، ہشام بن حسان، سفیان ثوری اور سفیان بن عیینہ وغیرہ سے کی تھی۔ خود ان سے مستفید ہونے والوں میں امام احمد بن حنبل، اسحاق بن راہویہ، یحییٰ بن معین، علی بن المدینی، ابو بکر بن ابی شیبہ، قتیبہ، عثمان بن شیبہ اور ابو بکر بن خلاف کے نام نمایاں ہیں۔ (۴) روایات کا پایہ :- تمام علماء اس بات پر متفق ہیں کہ شیخ غندر کی مرویات حجت اور قابل قبول ہیں۔ علامہ ابن کثیر قطر از ہیں:

كان ثقة جليلاً حافظاً متقناً (۵)

وہ ثقہ، جلیل المرتبت، حافظ اور صاحب اتقان تھے۔

اتقان، مثبت اور ثقاہت ان کے نمایاں جوہر تھے، ایسے یورخ حدیث کم ہی ہیں، جن کی

(۱) مراۃ البیان ج ۱ صفحہ ۴۴۳۔ (۲) تہذیب المعجز ج ۹ صفحہ ۹۸۔ (۳) میزان الاعتدال للذہبی ج ۳ صفحہ ۳۶۔

(۴) تہذیب المعجز ج ۹ صفحہ ۹۲۔ (۵) البدایہ والنہایہ جلد ۱۰ صفحہ ۲۲۲

مرویات پر کسی نے جرح کی جرأت نہ کی ہو، بلاشبہ ان ہی مستثنیات میں امام غندرؒ بھی ہیں، ابن معین کا بیان ہے کہ بعض معاصر علماء نے شیخ غندرؒ کی مرویات میں خامی نکالنے کی بہت کوشش کی مگر وہ ناکام رہے، اور برملا اعتراف عجز کیا کہ: ”ما وجود ناشیناً“ (۱) یعنی ہم کو کچھ نہیں ملا۔ امام الجرح والتعديل عبدالرحمن بن مہدی کا قول ہے:

غندر فی شعبۃ اثبت منی (۲)

غندر امام شعبہ کے باب میں مجھ سے زیادہ ثابت رکھتے تھے۔
صحت کتاب:۔ امام غندرؒ ان علماء متقنین میں سے تھے، جن کی کتاب یعنی مجموعی روایات اپنی صحت و ثقاہت کی وجہ سے سند کا مقام رکھتی ہے۔ چنانچہ ابن معین فرماتے ہیں ”کان من اصح الناس کتاباً“ (۳) امام وکیع انہیں صحیح الکتاب کہا کرتے تھے۔ عبدالرحمن بن مہدی کا ابرشاد ہے ”ہم لوگ امام شعبہ کی زندگی ہی میں غندر کے خزینہ روایات سے استفادہ کرنے لگے تھے۔ عبداللہ بن مبارک کہتے ہیں:

اذا اختلف الناس فی حدیث شعبۃ فکتاب غندر حکم بینہما (۴)
جب لوگ امام شعبہ کی کسی روایت کے بارے میں مختلف رائے ہو جاتے تو غندر کی کتاب کو حکم قرار دیا جاتا۔

عبادت:۔ دولت علم کے ساتھ زیور عمل سے بھی آراستہ تھے۔ پچاس سال تک مسلسل صوم داؤدی پر عمل پیرا رہے، یعنی ایک دن روزہ رکھتے اور ایک دن افطار سے رہتے۔

مکث غندر خمسین سنة بصوم یوماً ویفطر یوماً (۵)

غندر پچاس سال تک ایک دن روزہ رکھتے رہے اور ایک دن بے روزہ رہتے۔
وفات:۔ سنہ وفات میں بہت اختلاف ہے، لیکن صحیح ترین یہ ہے کہ ذیقعدہ ۱۹۳ ہجری میں بمقام بصرہ انتقال فرمایا، اس وقت ۷۰ سال کی عمر تھی۔ (۶)

(۱) میزان الاعتدال ج ۳ صفحہ ۳۶۔ (۲) ایضاً۔ (۳) المعمر فی خبر من غمر ج ۱ صفحہ ۳۱۱۔ (۴) میزان ج ۳ صفحہ ۳۶۔

(۵) مرآۃ الجنان ج ۱ صفحہ ۴۴۳۔ (۶) البدایہ والنہایہ جلد ۱۰ صفحہ ۲۲۴ و تہذیب المعجم ج ۱ صفحہ ۹۸ و المعجم ج ۱ صفحہ ۲۱۱

حضرت محمد بن عبد الرحمن بن ابی لیلیٰ الانصاری رحمۃ اللہ علیہ

نام و نسب :- محمد نام، ابو عبد الرحمن کنیت تھی، نسب نامہ یہ ہے: محمد بن عبد الرحمن بن ابی لیلیٰ یسار بن بلال بن بلیل بن اجمہ بن الحلاج بن الحریش بن جحیا بن کلفہ بن عوف بن عمرو بن عوف اوسی انصاری، اپنے دادا کی طرف منسوب ہو کر عام شہرت ابن ابی لیلیٰ کے نام سے پائی۔

نشو و نما :- محمد بن عبد الرحمن کا خاندان، حسب و نسب اور شرف و کمال میں شروع ہی سے بلند رتبہ اور ممتاز خیال کیا جاتا تھا۔ چنانچہ ان کے جد امجد یسارؓ نے حضور اکرم ﷺ کے دیدار سے اپنی آنکھیں منور کی تھیں۔ جنگ احد وغیرہ متعدد غزوات میں وہ رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ رہے اور شرف جہاد حاصل کیا۔ آخر میں کوفہ آ کر مستقل طور پر سکونت پذیر ہو گئے تھے۔

اسی طرح ان کے والد عبد الرحمن بن ابی لیلیٰ نے بھی اپنے والد کے علاوہ کثیر التعداد صحابہ کرامؓ کی صحبت سے فیض اٹھایا اور پھر خود بھی بلند پایہ تابعین میں شمار کئے گئے۔ اس خاندانی نسبت و شرف سے محمد بن عبد الرحمن کو بہرہ وافر نصیب ہوا، ان کے سن ولادت کا تو پتہ نہیں چلتا، لیکن اغلباً پہلی صدی ہجری کے رجب آخر میں کوفہ میں پیدا ہوئے، اس لئے کہ انہیں اپنے والد سے کسب فیض کا موقع نہ مل سکا تھا، جن کی وفات ۸۳ ہجری میں ہوئی۔ (۱)

حدیث :- محمد بن عبد الرحمن کو حدیث میں کوئی خاص مقام حاصل نہ تھا، بلکہ ان کے علم و فضل کی اصلی جولانگاہ فقہ تھی، ان کی محدثانہ حیثیت پر کافی کلام کیا گیا ہے۔ بہر حال جن ائمہ و علمائے فن کے خرمین فیض سے انہیں خوشہ چینی کی سعادت نصیب ہوئی۔ ان میں چند نمایاں نام یہ ہیں: نافع مولیٰ ابن عمرؓ، عطاء بن ابی رباح، سلمہ بن کہیل، داؤد بن علی، اسماعیل بن امیہ اور شعبی وغیرہ۔ (۲)

تلامذہ :- اور خود ان سے مستفید ہونے والوں میں امام شعبہؒ، سفیان ثوریؒ، زائدہؒ، سفیان بن عیینہؒ، وکیعؒ، ابو نعیمؒ، ابن جریجؒ، محمد بن ربیعہؒ، عیسیٰ بن یونسؒ وغیرہ جیسی یگانہ زمانہ شخصیتیں شامل تھیں۔ (۳)

(۱) شذرات الذہب ج ۱ صفحہ ۲۱۱۔ (۲) تہذیب التہذیب ج ۹ صفحہ ۳۰۱ تذکرۃ الحفاظ ج ۱ صفحہ ۱۵۹۔ (۳) خلاصہ تہذیب التہذیب الکمال صفحہ ۳۸۲۔

فقہ:- فقہ میں مہارت ان کا اصلی طغرائے امتیاز تھی، اس فن میں انہیں امام شعیب سے خصوصی تلمذ حاصل تھا۔ محمد بن عبد الرحمنؒ کی محدثانہ حیثیت پر نقد و جرح کے باوجود تمام ائمہ و مجتہدین نے ان کی فقیہانہ ژرف نگاہی کا بالاتفاق اعتراف کیا ہے۔ احمد بن یونس کا قول ہے:

کان ابن ابی لیلیٰ افقہ اهل الدنيا (۱)

محمد بن ابی لیلیٰ تمام دنیا کے فقہاء میں سب سے زیادہ تفقہ رکھتے تھے۔
امام احمدؒ فرماتے ہیں:

کان فقہ ابن ابی لیلیٰ احب الینا من حدیثہ (۲)

”محمد بن عبد الرحمنؒ کی فقہ ہمارے نزدیک ان کی حدیث سے پسندیدہ تر ہے۔“
سفیان ثوریؒ کا بیان ہے:

فقہاءنا ابن ابی لیلیٰ و ابن شبرمہ (۳)

ہمارے فقہاء تو صرف ابن ابی لیلیٰ اور ابن شبرمہ ہیں۔
علم و فضل:- علمی اعتبار سے وہ بلند مرتبہ اتباع تابعین میں شمار ہوتے تھے۔ سوء حفظ کے باوصف حدیث و فقہ میں انہیں کلی دسترس حاصل تھی۔ ابواحفص الابار خود ان ہی کی زبانی نقل کرتے ہیں کہ:

دخلت علی عطاء فجعل یسألنی و کان اصحابہ انکروا ذالک فقال و ما

تنکرون هو اعلم منی (۴)

میں عطاء بن ابی رباح کی خدمت میں حاضر ہوا تو وہ مجھ سے گفتگو کرنے لگے۔ ان کے تلامذہ کو ناگوار گذر رہا تھا، یہ دیکھ کر حضرت عطاءؒ نے فرمایا، تم لوگ انہیں ناپسند کر رہے ہو، یہ مجھ سے بڑے عالم ہیں۔

منصب قضاء:- فقہ و فتاویٰ میں غیر معمولی مہارت اور کمال کی بناء پر وہ طویل ترین مدت تک منصب قضاء پر فائز رہے۔ ان کے فیصلوں اور فتوؤں کو بڑی قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ چنانچہ ساجی کا بیان ہے کہ کان یمدح فی قضاءہ
امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں:

(۱) تذکرۃ الحفاظ ج ۱ صفحہ ۱۵۴۔ (۲) تہذیب المعجم ج ۹ صفحہ ۳۰۲۔ (۳) ایضاً صفحہ ۳۰۳۔ (۴) تذکرۃ الحفاظ ج ۱

۔ ما ولی القضاء احد افقه فی دین الله ولا اقراء لكتاب الله ولا اقوال حقا بالله ولا اعف من الاموال من ابن ابی لیلیٰ (۱)

ابن ابی لیلیٰ سے زیادہ دین کی سمجھ رکھنے والا، کتاب اللہ کو پڑھنے والا، حق گو اور مالی امور میں پاکدامن کوئی شخص مسند قضاء کی زینت نہیں بنا۔

سلیمان بن مسافر کہتے ہیں کہ میں نے منصور سے ایک بار پوچھا کہ کوفہ میں اس وقت سب سے بڑا فقیہ کون ہے۔ اس نے فوراً جواب دیا ”قاضی کوفہ محمد بن عبدالرحمن بن ابی لیلیٰ۔“ (۲)

اس منصب پر طویل عرصہ تک فائز رہنے کی بناء پر مفتی کوفہ اور قاضی کوفہ ان کے نام کے جزو ہی بن گئے تھے۔ سب سے پہلے یوسف بن عمرو ثقفی نے انہیں قضاء کا منصب سپرد کیا تھا۔ پھر تقریباً ۳۳ سال تک وہ عہد بنی امیہ اور عہد بنی عباس، دونوں میں اس فریضہ کو بحسن و خوبی انجام دیتے رہے۔ (۳)

جرح و تعدیل:- اکثر علماء نے محمد بن عبدالرحمن کے حافظہ اور روایت حدیث پر سخت نقد کیا ہے۔ چنانچہ امام شعبہ کہتے ہیں کہ مارایت اسوا من حفظہ یحییٰ بن سعید القطان کا بیان ہے ”سینی الحفظ جداً“ وارقتنی لکھتے ہیں ”روی الحفظ کثیر الوهم“ ابن حبان کا قول ہے:

کان فاحش الخطأ ردی الحفظ فکثرت المناکیر فی روايته (۴)

”وہ بہت فاحش غلطیاں کرتے تھے۔ حافظہ خراب تھا۔ اس بناء پر ان کی روایات مناکیر بکثرت ہیں۔“

ساجی بیان کرتے ہیں:

کان یمدح فی قضاءه فاما فی الحدیث فلم یکن حجة (۵)

ان کے فیصلوں کو تو سراہا جاتا تھا، لیکن حدیث میں وہ حجت نہیں تھے۔

ان تمام تصریحات سے جہاں محمد بن عبدالرحمن کے سوء حافظہ کا ثبوت ملتا ہے، وہاں یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ان پر کذب کا الزام کسی نے عائد نہیں کیا۔ حقیقت یہ ہے کہ سوء حافظہ کی بناء پر روایت حدیث اور اسناد میں ان سے لغزشیں سرزد ہو جاتی تھیں، اس میں ان کے قصد و ارادہ کو قطعاً دخل نہیں ہوتا تھا، جیسا کہ ساجی کا بیان ظاہر کرتا ہے کہ سینی الحفظ لا یعتمد الکذب۔ نیز

(۱) میزان الاعتدال ج ۳ صفحہ ۸۸۔ (۲) ایضاً۔ (۳) مرآة البیان ج ۱ صفحہ ۳۰۶۔ (۴) تہذیب المعجم ج ۹

صفحہ ۳۰۳۔ (۵) تہذیب المعجم ج ۹ صفحہ ۳۰۳

ابو حاتم نے تصریح کی ہے کہ قضاء کی ذمہ داریاں سنبھالنے کے بعد وہ سوہ حفظ میں مبتلا ہو گئے تھے۔ اور روایت حدیث میں فاحش غلطیاں کرنے لگے مگر ان پر کذب کی تہمت نہیں لگائی جاسکتی۔ (۱)

اسی بناء پر بعض ائمہ ان کی روایات کو قبول کرتے اور انہیں قابل حجت قرار دیتے ہیں۔ عجل کا قول ہے: کان فقیہاً صدوقاً صاحب سنة جائز الحدیث (۲)
علامہ ذہبی ان کی مرویات کو حسن کے درجہ میں تسلیم کرتے ہیں اور میزان الاعتدال میں ان کی متعدد روایات بھی نقل کی ہیں۔

حلیہ:۔ بہت خوب رو اور حسین و جمیل تھے۔ (۳)
وفات:۔ رمضان المبارک ۱۴۸ ہجری میں علم کی یہ شمع فروزاں گل ہو گئی۔ (۴) وفات کے وقت بھی قاضی کوفہ تھے۔ (۵)

(۱) تہذیب التہذیب ج ۹ صفحہ ۳۰۲۔ (۲) خلاصہ تہذیب التہذیب الکمال صفحہ ۳۴۸۔ (۳) تہذیب التہذیب ج ۹ صفحہ ۳۰۲۔ (۴) تذکرۃ الحفاظ للذہبی ج ۱ صفحہ ۱۵۴۔ (۵) العبر فی خبر من غمر ج ۱ صفحہ ۲۱۱۔

حضرت مسلم بن خالد زنجی رحمۃ اللہ علیہ

نام و نسب :- نام مسلم، کنیت عبد اللہ و ابو خالد اور زنجی لقب تھا۔ شجرہ نسب یہ ہے: مسلم بن خالد بن فروہ بن مسلم بن سعید بن جرجہ، قبیلہ مخزوم قریش کے ایک خاندان آل سفیان بن عبد الاسد سے نسبت ولاء رکھنے کے باعث مخزومی اور خشری کہلاتے تھے۔ (۱)

لقب کی وجہ تسمیہ :- زنجی کا لقب صغریٰ ہی میں پڑ گیا تھا اور پھر اس کو اتنی شہرت حاصل ہوئی کہ وہ نام کا جزو لاینفک بن گیا، اس کی وجہ تسمیہ کے متعلق مختلف و متضاد بیانات ملتے ہیں۔ دراصل عام طور پر سوڈان کی حبشی اقوام کو زنجی کہا جاتا ہے، اس لئے بعض علماء کا خیال ہے کہ مسلم بن خالد بھی سیاہ فام تھے۔ جیسا کہ امام احمد کے صاحبزادے عبد اللہ نے سدید بن سعید سے ابن خالد کے زنجی کہلائے جانے کی وجہ دریافت کی تو انہوں نے فرمایا کہ: ”ان کا رنگ سیاہ تھا۔“

لیکن ابن سعید اپنے اس قول میں متفرد ہیں، اکثر علماء کی تحقیق اس کے خلاف ہے۔ جس کے مطابق مسلم ابن خالد نہایت سرخ و سفید رنگ کے مالک تھے اور اس کی ضد میں ان کا لقب زنجی پڑ گیا تھا۔ چنانچہ علامہ ابن اثیر الجزری رقمطراز ہیں ”لقب بالزنجی علی الضد لبیاضہ“۔ (۲)

علاوہ ازیں حافظ ابن حجرؒ نے اس لقب کی وجہ تسمیہ کے متعلق لکھا ہے کہ مسلم بن خالد کو زنجیوں کی مانند کھجور بہت پسند تھی۔ ان کی باندی نے ایک دن ان سے کہا ”آپ کھجور کھانے میں بالکل زنجی ہیں۔“ بس اسی وقت سے یہ لقب پڑ گیا۔ (۳)

ولادت اور وطن :- مسلم بن خالد ۱۰۰ ہجری میں پیدا ہوئے۔ اصل وطن شام تھا۔ (۵) لیکن تاحیات مکہ مکرمہ ہی کی خاک پاک کو سرمہ بصیرت بنائے رہے۔ یہاں تک کہ وطن اصلی کے بجائے مکی ہی کی نسبت شہرت حاصل ہوئی۔

فضل و کمال :- علم و فضل، زہد و عبادت اور ورع و تقویٰ میں ان کا پایہ نہایت بلند تھا، گو حدیث میں انہیں کوئی لائق ذکر مقام حاصل نہ تھا، لیکن فقہ میں اپنے وقت کے امام اور مجتہد تسلیم کئے جاتے

(۱) اللباب فی تہذیب الانساب ج ۱ صفحہ ۵۰۹۔ (۲) تہذیب التہذیب ج ۱ صفحہ ۱۴۹۔ (۳) اللباب فی تہذیب الانساب ج ۱ صفحہ ۵۰۹۔ (۴) تہذیب التہذیب ج ۱ صفحہ ۱۴۹۔ (۵) معارف ابن قتیبہ صفحہ ۲۲۳

تھے۔ مکہ میں ان کی ذات افتاء کا مرکز تھی۔ ان کے علوئے مرتبت اور جلالت شان کے لئے یہی کافی ہے کہ وہ امام شافعیؒ کے استاذ تھے۔ امام شافعیؒ نے ان ہی کے فیضان صحبت سے فقہ کی تحصیل کی تھی اور صرف پندرہ سال کی کم سنی میں ان سے افتاء کی اجازت حاصل کر لی تھی۔ (۱)

علامہ ابن قتیہؒ رقمطراز ہیں:

کان عابداً مجتهداً (۲)

حافظ ذہبیؒ لکھتے ہیں:

تفقه وافتی وتصدر للعلم (۳)

شیوخ و تلامذہ:۔ ان کے حلقہ اساتذہ میں متعدد کبار تابعین کے نام شامل ہیں۔ جن میں سے کچھ لائق ذکر یہ ہیں۔ ہشام بن عروہ، ابن شہاب الزہری، محمد بن دینار، زید بن اسلم، عبد اللہ بن عمرو، عتبہ بن مسلم، داؤد بن ابی ہند، ابن جریج۔

اسی طرح خود ان کی بارگاہ علم و دانش میں زانوئے تلمذتہ کرنے والے علماء میں عبد اللہ بن وہب، امام شافعیؒ، عبد الملک بن ماضون، مروان بن محمد، ابراہیم بن شماس، احمدی، ابو نعیم، علی بن الجعد، ہشام بن عمار اور سوید بن سعید کے نام ممتاز ہیں۔ (۴)

جرح و تعدیل:۔ مذکور ہوا کہ مسلم بن خالد کے بحر و کمال کی تمام تر جولانگاہ فقہ تھی۔

حدیث میں انہیں کوئی لائق ذکر حیثیت حاصل نہ تھی۔ ابن معین اور بعض دوسرے علماء نے انہیں ثقہ قرار دیا ہے۔ (۵) لیکن اکثر علمائے فن کے نزدیک ان کی عدالت و ثبوت مشتبہ ہے۔ امام ابو داؤد اور نسائی نے ضعیف اور بخاری نے منکر الحدیث کہا ہے۔ ابو حاتم کا خیال ہے کہ وہ صرف کے امام تھے اور حدیث میں لائق حجت نہیں۔ (۶)

علامہ ابن سعد رقمطراز ہیں:

کان کثیر الحدیث کثیر الغلط والخطاء فی حدیثہ (۷)

وہ کثیر الحدیث ضرور تھے، لیکن اسی کے ساتھ ان کی روایت غلط سلط بھی بہت ہوتی تھیں۔

ساجی آپ کے صدق کا اعتراف کرنے کے باوصف ”کثیر الغلط“ قرار دیتے ہیں۔ (۸)

(۱) تذکرۃ الحفاظ ج ۱ صفحہ ۲۳۱۔ (۲) معارف ابن قتیہ صفحہ ۲۲۳۔ (۳) تذکرۃ الحفاظ ج ۱ صفحہ ۲۳۲۔ (۴) تہذیب

التہذیب ج ۱ صفحہ ۱۲۸۔ (۵) معارف ابن قتیہ صفحہ ۲۳۳۔ (۶) خلاصہ تہذیب التہذیب الکمال صفحہ ۳۷۵۔

(۷) طبقات ابن سعد ج ۵ صفحہ ۳۶۶۔ (۸) تہذیب التہذیب ج ۱ صفحہ ۱۲۹

عبادت:- علم و فضل میں بلند مرتبہ ہونے کے ساتھ عبادت و ریاضت کا پیکر مجسم تھے۔ برابر روزہ رکھتے اور کثرت سے نمازیں پڑھتے تھے۔ احمد الا زرقی کا یہ بیان تمام ارباب تراجم نے نقل کیا ہے کان فقیہاً مفتیاً عابداً يصوم الدهر۔ (۱) (وہ فقیہ، مفتی، عبادت گزار تھے۔ ہمیشہ روزے رہتے تھے)۔

حلیہ:- ملاحظہ لئے ہوئے گوارنگ تھا۔ چہرہ پر سرخی جھلکتی تھی، جس کی وجہ سے خوب روئی میں بہت اضافہ ہو گیا تھا۔ (۲)

وفات:- ۱۸۰ ہجری میں بمقام مکہ ہارون الرشید کے ایام خلافت میں رحلت فرمائی۔ ۸۰ سال کی عمر پائی۔ (۳)

(۱) طبقات ابن سعد ج ۵ صفحہ ۳۶۶ و شذرات الذهب ج ۱ صفحہ ۲۹۴۔ (۲) معارف ابن قتیبہ صفحہ ۲۲۳ و الملہابی تہذیب الانساب ج ۱ صفحہ ۵۰۹۔ (۳) طبقات ابن سعد ج ۵ صفحہ ۳۶۶ و شذرات الذهب ج ۱ صفحہ ۲۹۴

معاذ بن معاذ عنبری رحمۃ اللہ علیہ

نام و نسب :- معاذ نام اور ابوالمثنیٰ کنیت تھی۔ (۱) پورا نسب نامہ یہ ہے: معاذ بن معاذ بن نصر بن حسان بن الحر بن مالک بن النخشاں بن جناب بن حارث بن خلف بن الحارث بن مجفر بن کعب بن العنبر بن عمرو بن تمیم بن مر بن اد بن طانجہ بن الیاس بن نصر، (۲) عنبری اور تمیمی خاندانی نسبتیں ہیں۔

وطن اور ولادت :- ابوالمثنیٰ ۱۱۹ ہجری کے اواخر میں متولد ہوئے۔ اس وقت بغداد کے تحت سلطنت پر خلیفہ ہشام بن عبد الملک داد حکمرانی دے رہا تھا۔ (۳) یحییٰ بن سعید القطان کہتے ہیں کہ ”ابوالمثنیٰ مجھ سے عمر میں دو ماہ بڑے تھے، کیونکہ وہ ابوالمثنیٰ ۱۱۹ ہجری میں پیدا ہوئے اور میری ولادت ۱۲۰ ہجری کے آغاز میں ہوئی۔“

فضل و کمال :- وسعت علم کے لحاظ سے وہ نہایت بلند مرتبت تھے، حدیث اور فقہ کے جامع اور دونوں پر یکساں قدرت رکھتے تھے، اس فضل و کمال کی بناء پر اکابر حفاظ حدیث اور مشاہیر تبع تابعین میں ان کا شمار ہوتا ہے۔ کمالات فنی کے ساتھ ذکاوت و فطانت، عقل و فرزانگی اور تواضع اور انکسار ان کے خاص اوصاف ہیں۔ علماء نے ان کی جلالت شان کو بالا اتفاق تسلیم کیا ہے۔

حافظ ذہبی کان احد الحفاظ اور الامام الحفاظ العلامة لکھتے ہیں۔ (۴)

حدیث :- حدیث میں انہیں خصوصی درجہ حاصل تھا۔ امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ علم حدیث ابوالمثنیٰ کی آنکھوں کی ٹھنڈک تھا۔ (۵) یعنی وہ اس کی روایت و تدوین میں غایت درجہ دلچسپی اور شغف رکھتے تھے اور اس میں انہیں ایک خاص سرور و کیف حاصل ہوتا تھا۔ جن محدثین سے وہ مستفید ہوئے ان میں سلیمان التیمی، عبد اللہ بن عون، سعید بن عروبہ، شعبہ بن الحجاج، سفیان الثوری، حمید الطویل، حاتم بن ابی صغیرہ، عاصم بن محمد، قرہ بن خالد، درفاء بن عمرو وغیرہ کے نام لائق ذکر ہیں۔ (۶)

تلامذہ :- ان کے معدن علم سے اکتساب فیض کرنے والوں کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ کیونکہ

(۱) العارف لابن قتیہ صفحہ ۲۲۳۔ (۲) اخبار القضاة ج ۲ صفحہ ۱۳۷۔ (۳) طبقات ابن سعد ج ۷ صفحہ ۷۷۔ (۴) المعمر ج ۳ صفحہ ۳۳۰ و تذکرۃ الحفاظ ج ۱ صفحہ ۲۹۷۔ (۵) تہذیب المعجز ج ۱ صفحہ ۱۹۳۔ (۶) تذکرہ جلد ۱ صفحہ ۲۹۷ و تاریخ بغداد ج ۱۳ صفحہ ۱۳۱۔

ابوالمثنیٰ نے بصرہ کے علاوہ بغداد اور دوسرے مقامات پر بھی اپنے فیض سے تشنگان علم کو شاد کام کیا تھا۔ ممتاز تلامذہ کی فہرست میں ان کے صاحبزادگان عبید اللہ اور مثنیٰ کے علاوہ چند نام یہ ہیں:

علی بن المدینی، احمد بن حنبل، یحییٰ بن معین، ابو خثیمہ، ابوبکر بن شیبہ، حکم بن موسیٰ، قتیبہ، بندار، محمد بن حاتم، عبدالرحمن بن ابی الزناد، عثمان بن ابی شیبہ، ابراہیم بن محمد۔ (۱)

فقہ:- حدیث ہی کی طرح فقہ میں بھی انہیں کمال حاصل تھا، ابن حبان کا بیان ہے ”کسان فقیہا عالماً متقناً“۔ (۲)

تثبت و اتقان:- روایت حدیث میں ان کے تثبت اور اتقان کا پایہ غایت درجہ بلند تھا، ناقدین فن نے اس خصوصیت میں ان کو عدیم النظیر قرار دیا ہے۔ چنانچہ یحییٰ بن سعید القطان جیسے عبقری وقت نے برملا اعتراف کیا ہے کہ:

ما بالبصرة ولا بالكوفة ولا بالحجاز اثبت من معاذ بن معاذ (۳)
بصرہ، کوفہ اور حجاز میں کہیں بھی معاذ بن معاذ سے زیادہ تثبت رکھنے والا کوئی نہ تھا۔
امام احمد کا بیان ہے:

اليه المنتهى في الثبت بالبصرة (۴)
بصرہ میں تثبت فی الحدیث ان پر ختم تھا۔

ثقاہت:- اسی طرح نہایت ثقہ اور عدول تھے، جس کی سند یہ ہے کہ ان کی مرویات کو ائمہ صحاح اور علمائے امت نے بالاتفاق تسلیم کیا ہے۔ امام نسائی کا قول ہے: ”ثقة ثبت“ ابن سعد رقمطراز ہیں: ”كان ثقة“۔ (۵)

علاوہ ازیں ابو حاتم، امام بخاری اور ابن حبان وغیرہ نے بھی بصراحت ان کی ثقاہت کی تصدیق کی ہے۔

قضاءت:- ابوالمثنیٰ اپنے کمال تفقہ کی بناء پر دو بار بصرہ کے قاضی مقرر ہوئے۔ پہلی مرتبہ ۱۷۲ ہجری میں اس منصب کو عزت بخشی۔ (۶)

لیکن صرف ایک ہی سال فرائض منصبی ادا کر پائے تھے کہ بعض لوگوں کی شکایت پر حاکم محمد بن سلیمان نے ان کو معزول کر کے محمد عبدالرحمن بن محمد الحزومی کو قاضی مقرر کر دیا۔ (۷) پھر

(۱) تاریخ بغداد ج ۳ صفحہ ۱۳۱۔ (۲) تہذیب المعاد ج ۱ صفحہ ۱۹۵۔ (۳) المعرف فی خبر من غبر ج ۱ صفحہ ۳۲۰۔ (۴) تذکرۃ

الخطاط ج ۱ صفحہ ۲۹۷۔ (۵) ابن سعد ج ۷ صفحہ ۳۷۔ (۶) تاریخ بغداد ج ۱۳ صفحہ ۱۳۲۔ (۷) اخبار القضاة ج ۲ صفحہ ۱۳۸

جب ۱۸۱ ہجری میں قاضی بصرہ عمر بن حبیب العدوی کی معزولی کے بعد دوسری مرتبہ اس عہدہ پر فائزہ ہوئے، اور ایک طویل عرصہ تک بحسن و خوبی اپنے فرائض انجام دیتے رہے، حتیٰ کہ وفات سے پانچ سال قبل رجب ۱۹۱ ہجری میں خلیفہ ہارون الرشید نے ان کے خلاف علماء اور عوام کی مسلسل شکایتوں سے مجبور ہو کر انہیں عہدہ سے برطرف کر دیا۔ (۱)

معزولی کے اسباب :- قاضی معاذ کے خلاف ناراضگی اور شکایات کے متعدد اسباب تھے۔ انہوں نے اپنے عہد قضاء میں بہت جرأت، حق گوئی اور بیباکی کے ساتھ عدالتی فیصلے نافذ کئے۔ اس میں وہ عام و خاص کی کوئی تفریق روا نہ رکھتے تھے۔ چنانچہ اعیان دولت اپنی مرضی کے خلاف فیصلوں کے بناء پر انہیں سخت ناپسند کرنے لگے تھے۔

علاوہ ازیں کبر سنی کی وجہ سے وہ گونا گوں جسمانی عوارض و اعذار کا شکار ہو گئے تھے۔ آخر عمر میں انہوں نے بصرہ کے چند علماء کو اپنا مقرب خاص بنالیا تھا۔ چنانچہ جب قاضی موصوف ایوان عدالت میں بیٹھتے تو یہ لوگ بھی وہاں موجود رہتے، اور بعض اوقات اپنی مرضی کے مطابق امور قضا طے کرا لیتے تھے۔ اس بد نما صورتحال سے ایک عام ناراضگی پھیلنے لگی، شعراء نے معاذ بن معاذ کی طویل ہجویں کہیں اور فقہاء و علماء نے خلیفہ وقت سے مل کر اپنی بے اعتمادی کا اظہار کیا، جب شکایتوں کی کثرت ہو گئی تو ہارون الرشید نے انہیں معزول کر دیا۔

کثرت دیانت :- دیانت و تقویٰ میں ان کے علوم مرتبت کا اندازہ اس واقعہ سے لگایا جاسکتا ہے کہ عہدہ قضا کے زمانہ میں ایک دن سخت بارش ہو رہی تھی، لیکن اپنے صاحبزادے سے فرمایا: بیٹے! اب میں ایوان عدالت میں جا رہا ہوں۔

لڑکے نے عرض کیا: ابا! آج تو اتنی بارش ہو رہی ہے۔ لوگ کہاں آئیں گے؟

کمال دیانت سے فرمایا: اس سے کیا ہوتا ہے۔ اجلاس کرنا تو ضروری ہے، ورنہ پھر ہمارے لئے کس طرح جائز ہوگا کہ ہم یومیہ اتنے درہم کا مشاہرہ لیتے رہیں۔ اور پھر اسی زوردار بارش میں جا کر ایوان عدالت میں بیٹھے۔ (۲)

سادگی :- بایں ہمہ جلالت علم و فن اور عہدہ منصب کے ان کی زندگی نہایت سادہ اور صولت و شوکت سے عاری تھی۔ جب انہیں بصرہ کا قاضی مقرر کیا گیا تو معتمر بن سلیمان ان کی خدمت میں حاضر ہوئے اور بہت معنی خیز انداز میں کہا: ابوالحسن! اب تو آپ قاضی ہو گئے ہیں۔ قاضی معاذ فوراً

(۱) اخبار القضاة ج ۲ صفحہ ۱۵۴۔ (۲) اخبار القضاة ج ۲ صفحہ ۱۳۹

الفاظ کی تہہ کو پہنچ گئے اور بجائے کچھ جواب دینے کے ان کو اپنے مکان میں لے گئے۔ وہاں ابن سلیمان نے جو گرد و پیش کا جائزہ لیا تو دھوپ میں بستر کی جگہ ایک چٹائی پڑی تھی۔ قاضی معاذ اپنے بالائی جسم پر کرتے وغیرہ کی بجائے ایک بہت پرانی روئیں دار چادر لپیٹے ہوئے تھے۔ اس منظر کو دیکھ کر ابن سلیمان ضبط نہ کر سکے اور بادیہ نم خاموشی کے ساتھ وہاں سے نکل پڑے۔ (۱)

عقل و فرزانگی :- فیض قدرت نے دیگر فضائل و مناقب کے ساتھ ان کو عقل و فہم سے بھی بہرہ وافر عطا کیا تھا۔ امام احمد جنہیں ان سے تلمذ خاص حاصل تھا، بیان کرتے ہیں کہ میں نے معاذ بن معاذ سے زیادہ دانشمند کسی کو نہیں دیکھا۔ ہا رایت اعقل منہ۔ (۲)

عقائد میں تشدد :- ان کے عقائد تمام مبتدعانہ خیالات کی آمیزش سے پاک و صاف تھے۔ خلق قرآن کا فتنہ گوان کی وفات کے بعد بہت گرم ہوا، لیکن متکلمین کے اس متنازعہ فیہ مسئلہ میں ان کا مسلک بہت دو ٹوک تھا کہ قرآن خدا کا کلام اور غیر مخلوق ہے، اور اس بارے میں وہ اتنے زیادہ متشدد تھے کہ قرآن کے مخلوق ہونے کا عقیدہ رکھنے والے کو دائرہ اسلام سے خارج قرار دیتے تھے چنانچہ خود ان کا قول ہے کہ:

من كان القرآن مخلوق فهو والله زنديق (۳)

جو شخص خلق قرآن کا قائل ہو وہ بخدا زندق ہے۔

وفات :- خلیفہ امین کے عہد حکومت میں ۲۹ ربیع الثانی ۱۹۶ ہجری کو بمقام بصرہ علم و عمل کا یہ روشن چراغ گل ہو گیا۔ (۴) نماز جنازہ بصرہ کے امام محمد بن عباد المہلبی نے پڑھائی۔ وفات کے وقت ۷۷ سال کی عمر تھی۔ (۵)

(۱) اخبار القضاة صفحہ ۱۲۹۔ (۲) المعبر فی خبر من غمر ج ۱ صفحہ ۳۲۰۔ (۳) تذکرۃ الحفاظ ج ۱ صفحہ ۲۹۷۔ (۴) تہذیب
الحدیث ج ۱۰ صفحہ ۱۹۵ و البعارف صفحہ ۲۲۳۔ (۵) طبقات ابن سعد ج ۷ صفحہ ۳۸۔

حضرت معافی بن عمران رحمۃ اللہ علیہ

نام و نسب :- معافی نام اور ابو مسعود کنیت تھی۔ نسب نامہ یہ ہے: معافی بن عمران ابن محمد عمران بن نفیل بن جابر بن وہب بن عبید اللہ بن لبید بن جبلہ بن غنم بن دوس بن محاسن بن سلمہ بن فہم۔ (۱) حافظ ابن حجر نے اس سے کچھ مختلف سلسلہ نسب کا ذکر کیا ہے، جو اس طرح ہے۔ معافی بن عمران بن نفیل بن جابر بن جبلہ بن عبید بن لبید بن محاسن بن سلمہ بن مالک بن فہم۔ (۲) ازودی، فہمی، نفیلی اور موصلی ان کی خاندانی اور وطنی نسبتیں ہیں۔

ولادت اور وطن :- عراق کے مشہور مردم خیز شہر موصل کے رہنے والے تھے۔ سنہ ولادت کی تصریح نہیں ملتی۔ لیکن علماء نے ان کا سال وفات ۱۸۵ ہجری اور عمر ۶۰ سال ذکر کی ہے۔ جس سے قیاس ہوتا ہے کہ وہ ۱۲۵ ہجری میں پیدا ہوئے۔

تعلیم و تربیت :- انہیں کم عمری ہی سے طلب علم کا بے پناہ شوق تھا۔ چنانچہ بکثرت مقامی علماء سے اکتساب فیض کے بعد بھی ان کی تشنگی علم فرو نہ ہو سکی اور دوسرے ملکوں کا سفر کر کے وہاں کے ممتاز منبعہائے علم سے سیراب ہوئے۔ اسی سلسلہ میں کوفہ پہنچے، جو حرمین کے بعد علوم دینیہ کا سب سے بڑا مرکز شمار ہوتا تھا اور وہاں زمرہ تبع و تابعین کے گل سرسبد حضرت سفیان ثوریؒ کی خدمت میں ایک عرصہ تک قیام کر کے فقہ، ادب اور حدیث میں مہارت پیدا کی۔ اس طویل شرف صحبت نے ان کو حضرت امام ثوریؒ کے علوم کا گنجینہ بنا دیا تھا۔ ابو زکریا لازمی اپنی تاریخ موصل میں لکھتے ہیں:

رحل فی طلب العلم الی الآفاق وجالس العلماء ولزم الثوری وقادب

باداہہ وتفقه بہ واكثر عنه (۳)

انہوں نے طلب علم کے سلسلہ میں دنیا کا سفر کیا۔ علماء کی صحبت میں بیٹھے، علی الخصوص امام ثوریؒ سے فقہ و ادب وغیرہ کی کافی تحصیل کی۔

شیوخ :- ان کے اساتذہ کی تعداد بہت زیادہ ہے، کیونکہ انہوں نے عراق اور جزیرہ کے علاوہ دنیا کے تقریباً ہر ممتاز علمی مرکز سے اکتساب فیض کیا تھا۔ خود اپنے بیان کے مطابق انہوں نے آٹھ سو شیوخ سے شرف ملاقات حاصل کیا تھا۔ ان میں لائق ذکر اسماء گرامی حسب ذیل ہیں:

(۱) طبقات ابن سعد ج ۷ صفحہ ۱۸۴۔ (۲) تہذیب التہذیب ج ۱۰ صفحہ ۱۹۹۔ (۳) تہذیب التہذیب ج ۱۰ صفحہ ۱۹۹

ہشام بن عروہ، ابن جریج، امام اوزاعی، سعید بن ابی عروبہ، سفیان ثوری، مالک بن مغول، حریر بن عثمان، سلیمان بن ہلال، ابراہیم بن طہمان، اسرائیل بن یونس، ثور بن یزید، جعفر بن برقان، حماد بن سلمہ، حظلہ بن ابی سفیان، عبد الحمید بن جعفر، زکریا بن اسحاق، ہشام بن سعد۔
تلامذہ :- ان کے حلقہ تلامذہ میں بہت سے نامور علماء شامل ہیں۔ ان کے صاحبزادگان احمد و عبد الکبیر کے علاوہ چند ممتاز نام یہ ہیں:

بشر الخافی، اسحاق بن عبد الواحد قرشی، ابراہیم بن عبد اللہ، محمد بن عبد اللہ بن عمار، محمد بن جعفر الوکائی، حسن بن بشر الجبلی، مسعود بن جویریہ، ہشام بن بہرام، محمد بن علی الموصلی، یحییٰ بن مخلد انسی، موسیٰ بن مروان الرقی۔ (۱)

علم و فضل :- فضل و کمال کے اعتبار سے ان کا شمار علمائے اعلام میں ہوتا ہے۔ بالخصوص موصل اور جزیرہ میں علوم دینیہ کو انہی کی جدوجہد سے فروغ حاصل ہوا۔

چنانچہ بقول علامہ ابن سعد ابن موصل ان کو اپنے لئے مایہ صد افتخار و ناز تصور کرتے تھے۔ (۲) سفیان ثوری ان کی جلالت شان کے اس حد تک معترف تھے کہ انہیں ”یافوتہ العلماء“ کا خطاب دے دیا تھا۔ (۳) ابن عمار کا بیان ہے کہ:

لم أرا أحداً قط أفضل منه (۴)

میں نے ان سے بڑا افضل نہیں دیکھا۔

بشر بن الحارث بیان کرتے ہیں کہ معافی علم و دانش اور نیکی و صالحیت کا پیکر مجسم تھے۔

كان المعافي محشواً بالعلم والفهم والخير (۵)

معافی میں علم و فہم اور صلاح و خیر کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔

حدیث :- حدیث میں انہیں خاص درک و کمال حاصل تھا۔ ائمہ جرح و تعدیل نے ان کی مرویات کو ثقہ اور حجت قرار دیا ہے۔ ابن سعد رقمطراز ہیں:

كان ثقة فاضلاً خيراً صاحب سنة (۶)

وثقہ، فاضل، صالح اور سنت کے متبع تھے۔

علاوہ ازیں ابن معین، ابو حاتم، ابن خراش اور عجلی نے بھی ان کی توثیق کی ہے۔ (۷)

(۱) تذکرۃ الحفاظ ج ۱ صفحہ ۲۳۸۔ (۲) طبقات ابن سعد ج ۷ صفحہ ۱۸۴۔ (۳) تذکرۃ الحفاظ ج ۱ صفحہ ۲۶۴۔ (۴) شذرات الذهب ج ۳۸۰۔ (۵) تہذیب التہذیب ج ۱ صفحہ ۲۰۰۔ (۶) طبقات ابن سعد ج ۷ صفحہ ۱۸۴۔ (۷) تہذیب التہذیب ج ۱ صفحہ ۲۰۰

تقویٰ و صالحیت :- کمال علم کے ساتھ زہد و عبادت اور تقویٰ و صالحیت بھی ان کا طغرائے امتیاز تھی۔ ابوزکریا ازدی کا بیان ہے کہ:

کان زاهداً فاضلاً شریفاً کریماً عاقلاً
وہ متقی، فاضل، شریف و نیک اور اہل دانش تھے۔

ابن حبان کہتے ہیں کہ وہ بڑے عابد و زاہد تھے۔ عبد اللہ بن مبارک جو عمر میں ان سے بہت بڑے تھے، فخر کے ساتھ ان سے روایت کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ ”حدثنی الرجل الصالح“ (۱)

رضا برضا ئے الہی :- غم و مسرت ہر موقع پر خداوند قدوس کی مشیت پر راضی و شاکر رہتے تھے، خوارج نے ان کے دولڑکوں کو نہایت بے دردی سے تہ تیغ کر دیا تھا، لیکن کبھی خدا کے سامنے حرف شکایت زبان پر نہ لائے۔ (۲)

سیر چشمی :- اللہ تعالیٰ نے انہیں کثرت علم کے ساتھ دنیاوی خوش حالی اور فارغ البالی سے بھی سرفراز کیا تھا۔ مال و دولت کے علاوہ بڑے صاحب جائیداد تھے، لیکن اس کے باوجود خود ان کی زندگی نہایت سادہ تھی، جو کچھ غلہ ان کے پاس آتا تھا، اس میں بقدر کفاف رکھ کر باقی سب اپنے احباب میں جن کی تعداد ۳۴ تھی تقسیم کر دیتے تھے۔ (۳) بشر بن الحارث کا بیان ہے کہ شیخ معانی کبھی تنہا کھانا تلاول نہ فرماتے تھے، بلکہ اپنے ساتھ دسترخوان پر کچھ لوگوں کو ضرور شریک کرتے۔ (۴)

وفات :- باختلاف روایت ۱۸۵ ہجری یا ۱۸۶ ہجری میں رحلت فرمائی۔ (۵) ابن عماد حنبلی نے اول الذکر کو اصح قرار دیا ہے۔ (۶) انتقال کے وقت ۶۰ سال کی عمر تھی۔
تصنیف :- ابوزکریا ازدی نے ”تاریخ موصل“ میں امام معانیؒ کو حدیث وغیرہ کی بکثرت کتابوں کا مصنف لکھا ہے۔ (۷) لیکن کسی دوسرے مآخذ سے اس کی تائید نہیں ہوئی۔

(۱) تہذیب التہذیب ج ۱ صفحہ ۲۰۰۔ (۲) تذکرۃ الحفاظ ج ۱ صفحہ ۲۶۲۔ (۳) ایضاً۔ (۴) تہذیب التہذیب ج ۱ صفحہ ۲۰۰۔ (۵) تذکرۃ الحفاظ ج ۱ صفحہ ۲۶۳۔ (۶) شذرات الذہب ج ۱ صفحہ ۳۰۸۔ (۷) تذکرۃ الحفاظ ج ۱ صفحہ ۲۶۲

حضرت معمر بن راشد رحمۃ اللہ علیہ

نام و نسب :- نام معمر، کنیت ابو عمروہ اور والد کا اسم گرامی راشد تھا۔ (۱) بصرہ کے ایک شخص عبد السلام بن عبد القدوس کے غلام تھے، جنہیں خود قبیلہ ازد کی حدان نامی ایک شاخ سے نسبت ولاء حاصل تھی۔ اسی بالواسطہ نسبت کی وجہ سے ابو عمروہ ازدی اور حدانی مشہور ہوئے۔

بنو حدان بصرہ میں آکر جس مقام پر آباد ہوئے تھے، وہ بھی محلہ حدان کہا جانے لگا تھا۔ (۲) وطن اور ولادت :- ۹۵ ہجری میں پیدا ہوئے۔ بصرہ کے رہنے والے تھے، لیکن پھر حالات سے مجبور ہو کر یمن میں مستقل بود و باش اختیار کر لی تھی۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ وہ یمن کے اکابر شیوخ سے اکتساب فیض کرنے کے لئے وہاں گئے، پھر جب فارغ ہونے کے بعد وطن مالوف واپسی کا عزم کیا تو اہل صنعاء جو ان کے علم و فضل اور حسن اخلاق سے بے حد متاثر تھے، انہیں چھوڑنے پر راضی نہ ہوئے اور ایک شخص نے انہیں مستقل طور پر یمن میں روکنے کے لئے یہ ترکیب نکالی کہ ان کا عقد وہیں کر دیا، چنانچہ پھر یمن ہی ان کا وطن ٹائی ہو گیا۔ (۳)

طلب علم :- ابن راشد غلام ہونے کے باوجود تحصیل علم کی فطری استعداد اور بہت ذوق و شوق رکھتے تھے۔ بقول امام احمد معمر اپنے عہد کے علماء میں سب سے زیادہ علم حاصل کرنے والے اور اس کے جویاں رہتے تھے۔ (۴)

چنانچہ اسی لگن اور اخلاص کا ثمرہ تھا کہ یمن کا سفر کر کے اس کے مرکز علم سے مستفید ہونے والوں میں انہیں اولیت کا فخر حاصل ہے، یمن میں اس وقت مشہور صحابی رسول ﷺ حضرت ابو ہریرہؓ کے آغوش تربیت کے پروردہ ہمام بن منبہؓ کا فیض جاری تھا۔ معمر ان سے پوری طرح مستفید ہوئے۔ (۵) اس کے علاوہ بصرہ میں قتادہ اور رصافہ میں امام زہری کی خدمت میں حاضر ہو کر خصوصی تلمذ کا شرف حاصل کیا تھا۔

حضرت قتادہؓ سے سماع حدیث کے وقت معمر کی عمر صرف ۱۴ سال کی تھی۔ اس کم سنی میں انہوں نے شیخ مذکور سے جو کچھ حاصل کیا تھا وہ آخر عمر تک متحضر رہا جیسا کہ خود ان ہی کا بیان ہے۔

سمعت من قتادة ولى اربع عشرة سنة فما سمعته اذك كانه مكتوب في

(۱) شذرات الذهب ج ۱ صفحہ ۲۳۵۔ (۲) الباب فی الانساب ج ۱ صفحہ (۳) الامام ج ۳ صفحہ ۱۰۵۸۔ (۴) تہذیب

احمد ج ۱۰ صفحہ ۲۴۴۔ (۵) المعری فی خبر من غمر ج ۱ صفحہ ۲۲۱۔ مرآة الجنان ج ۱ صفحہ ۳۰۳

صدری (۱)

میں نے قتادہ سے چودہ سال کی عمر میں سماع حاصل کیا تھا اور ان سے میں نے اس وقت جو کچھ سنا تھا وہ گویا میرے قلب پر نقش ہو گیا تھا۔

فضل و کمال :- طلب علم میں اس جانکاہ محنت و لگن کے نتیجہ میں وہ فضل و کمال کے آسمان پر خورشید و تاباں بن کر چمکے اور زبان خلق نے انہیں عالم الیمن کے لقب سے سرفراز کیا۔ ابن جریر جیسے منتخب روزگار امام بھی معمر کی توصیف میں رطب اللسان ہیں۔ چنانچہ وہ اپنے تلامذہ سے اکثر فرمایا کرتے تھے:

علیکم معمر فانہ لم یبق فی زمانہ اعلم منہ (۲)

معمر کی فیض صحبت سے مستفید ہو، اس لئے کہ اپنے زمانہ میں ان سے بڑا کوئی عالم نہیں رہا۔

امام احمد کا بیان ہے کہ ہم جب بھی معمر کا دوسرے اہل علم سے موزنہ کرتے تو ہمیشہ معمر کو فوقیت حاصل ہوتی۔ (۳) ابن عماد حنبلیؒ ان کو ”عالم الیمن ثقہ ورع“ اور حافظ ذہبیؒ ”احد اعلام الثقات الامام الحجۃ“ لکھتے ہیں۔ (۴)

حدیث :- علم حدیث اور اس کے متعلقات میں ان کو خاص ملکہ خاص تھا۔ ہزاروں حدیثیں ان کے خزانہ دماغ میں محفوظ تھیں۔ عبدالرزاق بن ہمام بیان کرتے ہیں کہ:

کتبت مع معمر عشرة الاف حدیث (۵)

میں نے معمر سے دس ہزار حدیثیں لکھیں ہیں۔

ان کے شیوخ حدیث کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ جن میں اکابر تابعین اور ممتاز اتباع تابعین کی کافی تعداد شامل ہے۔ امام زہری، ہشام بن عروہ، قتادہ، عمرو بن دینار، یحییٰ بن کثیر، ہمام بن منبہ، ثابت البنانی، عاصم الاحول، ابواسحاق السبعی، ایوب السخثانی، زید بن اسلم، صالح بن کیسان، عبداللہ بن طاؤس، سماک بن الفضل، اسماعیل بن علیہ، محمد بن المنکدر کے نام خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر ہیں۔ اور خود معمر کے فیضان صحبت سے شاد کام ہونے والوں میں سفیان ثوری، عبداللہ بن مبارک، غندر، عبدالرزاق بن ہمام، سفیان بن عیینہ، ہشام بن یوسف،

(۱) تذکرۃ الحفاظ ج ۱ صفحہ ۱۷۱ و میزان الاعتدال ج ۳ صفحہ ۱۸۸۔ (۲) تہذیب التہذیب ج ۱۰ صفحہ ۲۴۵۔ (۳) المعجم فی

خبر من غمر ج ۲۲۰۔ (۴) شذرات الذہب ج ۱ صفحہ ۲۳۵ و میزان الاعتدال ج ۳۔ (۵) تذکرۃ الحفاظ ج ۱ صفحہ ۱۷۱

اسماعیل بن علیہ، یزید بن زریع، سعید بن ابی عروبہ، ابن جریج، امام شعبہ، عیسیٰ بن یونس، معتمر بن سلیمان، محمد بن ثور اور عبداللہ بن معاذ کے نام نمایاں ہیں۔ علاوہ ازیں معمر کے شیوخ میں سے یحییٰ بن کثیر ابواسحاق سمیعی، ایوب سختیانی اور عمرو بن دینار نے بھی بایں ہمہ تبحر علم و فن ان سے روایت کی ہے، جو معمر کے علوم مرتبت اور بلندی شان کی بین دلیل ہے۔ (۱)

ثقافت :- اکثر علمائے جرح و تعدیل نے ان کی توثیق کی ہے، بالخصوص امام زہریؒ سے ان کی مرویات کا پایہ نہایت بلند ہے۔ ابن معینؒ کا بیان ہے کہ ”معمرو ثبت الناس فی الزہری“ (۲) عجلی کا قول ہے:

بصری مکن الیمن ثقة رجل صالح (۳)

وہ بصرے کے رہنے والے تھے، یمن میں سکونت اختیار کر لی تھی۔ ثقہ اور نیک انسان تھے۔

امام نسائی کہتے ہیں ”هو ثقة مأمون“ (۴) علی بن مدینی اور ابو حاتم معمر کا شمار ان علمائے

کبار میں کرتے تھے جن پر مشیخت اسناد ختم تھی۔ (۵)

مناقب و فضائل :- ان گونا گوں علمی کمالات کے علاوہ ابن راشد اور بھی بہت سی انسانی خوبیوں کے حامل تھے۔ نیک طبیعتی، تقویٰ، صالحیت اور بلند ظرفی ان کے خاص جوہر تھے۔ حافظ ذہبی اور علامہ یافعی خامہ ریز ہیں، ”کان معمر صالحاً خیراً“ (۶)

ابن سعد لکھتے ہیں:

کان معمر جلالہ قدر و نبل فی نفسہ (۷)

اہل یمن ان ہی محاسن و اوصاف حمیدہ کی بناء پر ان کے والد و شیفہ ہو گئے تھے۔ استغناء اور اخفائے عمل خیر کا یہ عالم تھا کہ ایک بار حاکم یمن، معن بن زائدہ نے انہیں کچھ سونا ہدیہ بھیجا، معمر نے اسے نہ صرف واپس کر دیا بلکہ اپنی شریکہ حیات کو سختی سے تنبیہ کر دی کہ اگر تم نے کسی کو یہ بات بتائی تو میں سخت اقدام کروں گا۔ (۸)

وفات :- رمضان ۱۵۳ ہجری میں ان کا آفتاب حیات غروب ہو گیا۔ (۹) وفات کے وقت ۵۸ سال کی عمر تھی۔ (۱۰)

(۱) تہذیب التہذیب ج ۱۰ صفحہ ۲۴۴ و مرآۃ البیان ج ۱ صفحہ ۳۲۳۔ (۲) تذکرۃ الحفاظ ج ۱ صفحہ ۷۱ و میزان الاعتدال ج ۳ صفحہ ۱۸۸۔ (۳) خلاصہ تہذیب و تہذیب الکمال صفحہ ۳۸۴۔ (۴) ایضاً۔ (۵) تہذیب التہذیب ج ۱۰ صفحہ ۲۴۴۔ (۶) العمر فی خبر من غیر ج ۱ صفحہ ۲۲۱ و مرآۃ البیان ج ۱ صفحہ ۳۲۳۔ (۷) طبقات ابن سعد ج ۵ صفحہ ۳۹۷۔ (۸) میزان الاعتدال ج ۳ صفحہ ۱۸۸۔ (۹) العمر ج ۱ صفحہ ۳۲۰ و مرآۃ البیان ج ۱ صفحہ ۳۲۳۔ (۱۰) تہذیب التہذیب ج ۱۰ صفحہ ۲۴۵

حضرت مکی بن ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ

نام و نسب :- مکی نام اور ابوالسکن کنیت تھی۔ (۱) سلسلہ نسب یہ ہے، مکی ابراہیم بن بشیر بن فرقہ۔ (۲) تمیم کے قبیلہ براجم کی سب سے مشہور شاخ بنو حنظلہ بن مالک سے خاندانی تعلق رکھتے تھے۔ اس وجہ سے براجمی، تمیمی اور حنظلی تینوں نسبتوں سے شہرت پائی۔ (۳) وطن اور پیدائش :- خراسان کا شہر بلخ اس حیثیت سے بہت ممتاز ہے کہ اس کی خاک سے لاتعداد ائمہ، علماء اور صلحاء پیدا ہوئے اور بزم علم و عمل کی رونق دو بالائی۔ یہی مردم خیز سرزمین ۱۲۶ ہجری میں ابوالسکن کی ولادت سے مشرت ہوئی۔ (۴)

علم و فضل :- علمی اعتبار سے وہ اکابر اتباع تابعین میں شمار کئے جاتے تھے۔ انہیں سترہ منتخب روزگار تابعین کے دیدار کی سعادت نصیب ہوئی تھی۔ چنانچہ انہوں نے اس گرانہا دولت سے پورا فائدہ اٹھایا اور ان تابعین کے چمنستان علم کی عطربیزی سے اپنے دل و دماغ کو معمور کیا۔ علامہ ذہبی الحافظ الامام شیخ خراسان لکھتے ہیں۔ (۵)

حدیث :- ابوالسکن تحصیل علم کا فطری ذوق رکھتے تھے۔ چنانچہ صرف سترہ سال کی عمر ہی میں انہوں نے طلب حدیث کے لئے بادیہ پیمائی شروع کر دی اور دور دراز ملکوں کا سفر کر کے تابعین کے منبع علم سے مستفیض ہوئے۔ اس کے اساتذہ حدیث میں زید بن ابی عبید، جعفر الصادق، بہز بن حکیم، ابی حنیفہ، ہشام بن حسان ابن جریج، مالک بن انس، یعقوب بن عطاء، فطر بن خلیفہ، حنظلہ بن ابی سفیان، ہشام الدستوائی، جعد بن عبد الرحمن، عبد اللہ بن سعید اور ایمن بن نابل کے نام قابل ذکر ہیں اور تلامذہ میں امام بخاری، امام احمد، یحییٰ بن معین، یحییٰ الذہلی، عباس الدوری، محمد بن المثنیٰ، عبد اللہ بن مخلد، محمد بن حاتم، ابراہیم بن یعقوب، محمد بن اسماعیل بن علیہ، یزید بن سنان، احمد بن نصر، محمد بن الحسن بن مکی، ابراہیم بن موسیٰ الرازی، حسن بن عرفہ، محمد بن وضاح، یعقوب بن سفیان، یعقوب بن شبیبہ، محمد بن یونس اور معمر بن محمد جیسے یگانہ عصر ائمہ شامل ہیں۔ (۶)

نقاہت :- ان کی ثقاہت و عدالت کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ امام بخاری نے اپنی جامع

(۱) طبقات ابن سعد ج ۷ صفحہ ۱۰۵۔ (۲) تہذیب التہذیب ج ۱۰ صفحہ ۲۹۳۔ (۳) اللباب ج ۱ صفحہ ۸۰۸ و کتاب الانساب ورق ۷۱۔ (۴) تذکرۃ الحفاظ ج ۱ صفحہ ۳۳۵۔ (۵) ایضاً۔ (۶) تہذیب التہذیب ج ۱۰ صفحہ ۲۹۳، ۲۹۴۔

صحیح میں ان کے متعدد مرویات کی تخریج کی ہے۔ (۱) اور ابن حبان نے کتاب الثقات میں امام بخاریؒ کے کبار شیوخ میں ان کا نمایاں ذکر کیا ہے۔ علاوہ ازیں خلیلی انہیں ثقہ، متفق علیہ، دارقطنی ثقہ مامون، امام احمد، ابن معین، عجل اور ابو حاتم ثقہ صدوق کہتے ہیں۔ (۲) علامہ ابن سعد رقمطراز ہیں: کان ثقہ..... وکان ثبتا فی الحدیث۔ (۳)

عبادت و تدوین:۔ علم کے ساتھ عمل میں بھی انہیں نمایاں مقام حاصل تھا۔ کثرت سے عبادت فرمایا کرتے تھے۔ عبد الصمد بن الفضل راوی ہیں کہ میں نے اکثر ابن ابراہیم کو یہ فرماتے سنا کہ:

حججت ستین حجة و جاورت عشرين سنة (۴)

میں نے ساٹھ حج کئے اور بیس سال تک (بیت اللہ) کے قریب رہا۔

عبد اللہ بن مدرک کی روایت کے مطابق شیخ ابن ابراہیم نے بارہ سو دینار مکہ کے مکانوں کا کرایہ ادا کیا تھا۔ (۵) ساٹھ مرتبہ زیارت حرمین کی اہمیت یوں اور بھی بڑھ جاتی ہے کہ اس زمانہ میں سفر حج کی ان سہولتوں اور آسائشوں کا تصور بھی محال تھا، جو عہد حاضر میں پائی جاتی ہیں۔ اس وقت حج کا سفر اپنی صعوبتوں اور خطرات کی بناء پر سفر آخرت کے مترادف خیال کیا جاتا تھا۔ چنانچہ تاریخ بغداد میں اس روایت کے ساتھ ”قطعت البادية“ کے الفاظ بھی پائے جاتے ہیں۔ یعنی میں نے بلخ سے مکہ تک بادیہ پیما کی۔

وفات:۔ ۱۵ شعبان ۲۱۵ ہجری کو بمقام بلخ رہ سپار عالم جاوداں ہوئے۔ (۶) تقریباً سو سال کی عمر پائی۔

(۱) اللباب فی الانساب ج ۱ صفحہ ۱۰۸۔ (۲) تذکرۃ الحفاظ ج ۱ صفحہ ۳۳۵ و تہذیب جلد ۱۰ صفحہ ۲۹۵۔ (۳) طبقات ابن

سعد ج ۷ صفحہ ۵۱۔ (۴) تہذیب ج ۱۰ صفحہ ۲۹۴۔ (۵) تاریخ بغداد ج ۱۳ صفحہ ۱۱۷۔ (۶) البدایہ والنہایہ ج ۱۰

صفحہ ۲۷۹ و طبقات ابن سعد ج ۷ صفحہ ۱۰۹

حضرت موسیٰ بن جعفر الملقب بہ کاظم رحمۃ اللہ علیہ

نام و نسب :- موسیٰ نام، ابوالحسن کنیت اور کاظم لقب (۱) ہے۔ ان کے والد امام صادق اور جد امجد امام باقر اپنے عہد کے ممتاز ترین اور بلند پایہ علماء میں تھے۔ ان کا نسب نامہ یہ ہے: موسیٰ بن جعفر بن محمد بن علی بن الحسین بن علی بن ابی طالب (۲) ہاشمی، علوی اور مدنی تینوں نسبتوں سے مشہور ہیں۔ ان کی دادی فروہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پوتے قاسم بن محمد کی صاحبزادی تھیں۔ اس طرح نانہالی شجرہ کے مطابق ان کی رگوں میں صدیقی خون بھی رواں تھا۔ ولادت :- ۱۲۸ ہجری میں مدینہ کے قریب ابواء نامی ایک مشہور قریہ میں پیدا ہوئے اور پھر تمام عمر مدینہ ہی میں سکونت پذیر رہے۔ (۳)

فضل و کمال :- موسیٰ کاظم اس خانوادہ علم کے گوہر شب چراغ تھے، جس کا ہر ہر فرد آسمان فضل و کمال کا بدر کامل اور مسند علم کا شیخ الکمل تھا۔ اس لئے امام کاظم کو دولت علم گویا وراثتاً نصیب ہوئی تھی۔ اس کے علاوہ جود و کرم، عبادت و ریاضت، تصرع و انکسار اور تقویٰ و پاکبازی کا پیکر مجسم تھے۔ ابو حاتم ان کو امام المسلمین کہتے ہیں۔ حافظ ذہبی لکھتے ہیں:

كان صالحاً عابداً جواداً حليماً كبير القدر (۴)

وہ صالح، عبادت گزار، حلیم الطبع، سخی اور جلیل المرتبت تھے۔

حدیث :- انہوں نے تبحر علمی اور جلالت فنی کے باوجود اپنی زیادہ تر توجہ عبادت اور تبلیغ دین میں صرف کی۔ اسی وجہ سے ان کی روایات کی تعداد بہت کم ملتی ہے۔ لیکن اس کے باوجود یہ ایک حقیقت مسلمہ ہے کہ ان سے مروی تھوڑی سی حدیثیں بھی صحیح معنی میں ”بہ قامت کہتر بہ قیمت بہتر“ کی مصداق ہیں۔

حدیث میں انہوں نے اپنے باکمال والد امام جعفر بن محمد الملقب بہ صادق کے علاوہ عبداللہ بن دینار اور عبدالملک بن قدامہ الحنفی سے استفادہ کیا تھا۔ ممکن ہے ان کے حلقہ شیوخ میں کچھ اور ائمہ بھی شامل ہوں۔ لیکن طبقات و تراجم میں ان کے صرف مذکورہ تین ہی اساتذہ حدیث کا ذکر ملتا ہے۔ ان میں بھی ثانی الذکر سے امام کاظم کے تلمذ کو حافظ ابن حجر نے مشتبہ قرار دیا ہے۔ چنانچہ

(۱) العبر فی خبر من غمر ج ۱ صفحہ ۲۸۔ (۲) تہذیب التہذیب ج ۱ صفحہ ۳۳۹۔ (۳) تذرات الذہب ج ۱ صفحہ ۳۰۴

والاعلام ج ۳ صفحہ ۱۰۸۱۔ (۴) تہذیب التہذیب الکمال صفحہ ۳۹۰

وہ لکھتے ہیں کہ:

اگر موسیٰ کاظمؑ کا سنہ ولادت ۱۲۸ ہجری مستند اور صحیح ہے تو پھر عبداللہ بن دینار کی وفات ان سے پہلے ہی ۱۲۷ ہجری میں ہو گئی تھی۔ (۱)

خود ان کے دریائے فیض سے سیراب ہونے والوں میں ان کے دو بھائی علی و محمد اور صاحبزادگان ابراہیم، حسین، اسماعیل، علی رضی کے علاوہ صالح بن یزید اور محمد بن صدقہ العنبری کے نام قابل ذکر ہیں۔ (۲)

ثقافت :- ان کی ثقافت اور صداقت کو علمائے فن نے بالاتفاق ہر قسم کے ریب و شک سے بالاتر قرار دیا ہے۔ ابو حاتم ثقہ، صدوق امام کہتے ہیں۔ (۳)

عبادت :- عبادت و ریاضت کا خاص اہتمام تھا، کثرت عبادت کا یہ عالم تھا کہ اپنے زمانہ کے سب سے بڑے عالم شمار ہوتے تھے۔ حافظ ابن جوزی نے صفوة الصفوة میں ان کا بہت نمایاں تذکرہ کیا ہے۔ علامہ ابن کثیر رقمطراز ہیں:

كان كثير العبادة والمشاهدة حتى انه جب ہارون الرشید نے ان کو دیوار زنداں کے پیچھے ڈال دیا تو بھی ان کے شب و روز کے معمولات میں کوئی فرق نہ آ سکا۔ چنانچہ قید خانہ کی ایک عینی راوی نے ان کے دن رات کے معمولات یہ بیان کئے ہیں۔

كان اذا صلى العتمة حمد الله ومجده ودعاه فلم يزل كذلك حتى يزول الليل فاذا زال الليل قام يصلي حتى يصلي الصبح ثم يذکر قليلا حتى تطلع الشمس ثم يقعد الى ارتفاع الضحى، ثم يتهيا ويستاك وياكل ثم يرقد الى قبل زوال ثم يتوضأ ويصلي حتى يصلي العصر ثم يذکر في القلة حتى يصلي المغرب ثم يصلي ما بين المغرب والعتمة (۴)

وہ عشاء کی نماز پڑھنے کے بعد برابر ذکر و فکر اور حمد و ثناء میں مشغول رہتے، یہاں تک کہ جب کافی رات گرجاتی تو اٹھ کر نماز پڑھنا شروع کر دیتے اور صبح تک یہ سلسلہ جاری رہتا۔ پھر فجر کی نماز پڑھ کر طلوع آفتاب تک تھوڑا ذکر کرتے، پھر کافی دیر تک مراقبہ میں بیٹھتے، پھر مسواک وغیرہ کرتے اور کھانا تناول فرماتے۔ پھر زوال سے قبل تک استراحت کرتے، پھر وضو کر کے نماز

(۱) تہذیب التہذیب ج ۱۰ صفحہ ۳۴۰۔ (۲) تہذیب التہذیب ج ۱ صفحہ ۳۳۹۔ (۳) میزان الاعتدال ج ۳ صفحہ ۲۰۹۔

(۴) تاریخ بغداد ج ۱۳ صفحہ ۳۱

پڑھنا شروع کر دیتے اور عصر تک پڑھتے رہتے، پھر قبلہ رو ہو کر ذکر اللہ میں مصروف رہتے اور مغرب کی نماز تک یہ سلسلہ جاری رہتا۔ پھر نماز مغرب پڑھنے کے بعد عشاء تک مسلسل نوافل پڑھتے رہتے۔

ان معمولات کے مطالعہ سے یہ حقیقت بھی منکشف ہوتی ہے کہ امام کاظم کثرت عبادت و ریاضت کے ساتھ اپنی روح و جسم کے حقوق سے بھی پوری طرح عہدہ برآ ہوتے تھے۔ مذکورہ بالا بیان کی راویہ اخت سندی جو زندان میں امام صاحب کی خدمت میں مامور تھی، جب بھی ان کو دیکھتی تو کہتی کہ بڑے ہی بدنصیب اور ناکام ہیں وہ لوگ جو خدا کے ایسے صالح اور عبادت گزار بندے سے تعرض کرتے ہیں اور انہیں پریشان کرتے ہیں۔ (۱) حافظ ذہبی انہیں صالح، عابد، جواد، حلیم اور جلیل المرتبت لکھتے ہیں۔ (۲)

سخاوت :- جو دو سخاوت، سیر چشمی اور فیاضی اہل بیت کرام کا ایک مشترک وصف اور خصوصی تمغہ امتیاز تھا۔ امام کاظم بھی اس وصف کا ایک اعلیٰ نمونہ تھے۔ خیر الدین زرکلی لکھتے ہیں:

کان احد كبار العلماء الاجواد (۳)

وہ ان اکابر علماء میں سے تھے جو سخاوت کی صفت سے متصف تھے۔

امام ذہبی رقمطراز ہیں کہ:

کان موسیٰ من اجود الحكماء (۴)

موسیٰ کاظم بہترین حکماء میں سے تھے۔

ان کی دادد ہش اور فیاضی و سیر چشمی کے بکثرت واقعات خطیب کی تاریخ بغداد اور یافعی کی مرآۃ الجنان میں منقول ہیں۔ (۵)

قید و بند کی صعوبتیں :- تاریخ اسلام میں ایسے اہل دعوت و عزیمت علماء کی کافی تعداد ملتی ہے جنہوں نے حق و صداقت اور ایمان و ایقان کے چراغ روشن رکھنے کی خاطر دار و رسن اور قید و بند کے تمام شائد و صعوبتوں کو بطیب خاطر انگیز کیا بلکہ کتنوں نے تو اسی راہ میں اپنی جان بھی جان آفرین کے سپرد کر دی، لیکن ان کے پائے ثبات و استقلال میں ذرہ برابر تزلزل نہ پیدا ہو سکا۔ امام موسیٰ کاظم بھی دوبار اس سعادت سے بہرہ ور ہوئے تھے۔

(۱) تاریخ بغداد ج ۳ صفحہ ۳۱۔ (۲) المعرف فی خبر من غمر ج ۱ صفحہ ۲۸۔ (۳) اعلام ج ۳ صفحہ ۱۰۸۔ (۴) میزان الاعتدال

ج ۳ صفحہ ۲۰۹۔ (۵) تاریخ بغداد ج ۱۳ صفحہ ۳۲۔ ۳۳ و مرآۃ الجنان ج ۱ صفحہ ۳۹۲

سب سے پہلے خلیفہ مہدی نے ان کو قید کیا تھا، لیکن اس کے کچھ ہی دنوں کے بعد اس نے خواب میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی زیارت کی، جن کے چہرے سے سخت ناراضگی کے آثار عیاں تھے اور وہ خلیفہ کو مخاطب کر کے فرما رہے تھے:

فهل عسىتم ان توليتم ان تفسدوا في الارض وتقطعوا ارحامكم
تم سے عجب نہیں کہ اگر تم حاکم ہو جاؤ تو ملک میں خرابی کرنے لگو اور اپنے رشتوں کو توڑ ڈالو۔
چنانچہ اس کے بعد مہدی نے موسیٰ کاظم کو اس شرط پر فوراً رہا کر دیا کہ وہ اس کے اور اس کے
لڑکوں کے خلاف خروج نہ کریں گے اور امام صاحب کو تین ہزار دینار دے کر بصد اعزاز و اکرام
مدینہ واپس بھیج دیا۔

پھر ہارون الرشید کے ایام خلافت میں ایک مرتبہ اسے خبر ملی کہ عوام امام موسیٰ کاظمؑ کے
ہاتھوں پر بیعت کر رہے ہیں، اس سے اس کو بہت اندیشہ لاحق ہوا۔

چنانچہ رمضان ۱۷۹ ہجری میں جب خلیفہ مذکور عمرہ کی عرض سے حرمین گیا تو واپسی پر امام
صاحبؑ کو بھی اپنے ہمراہ بصرہ لیتا آیا اور وہاں کے والی عیسیٰ بن جعفر کے پاس مقید کر دیا۔ وہ
ایک سال تک وہاں رہے، اس کے بعد پھر بغداد کے مرکزی قید خانہ میں منتقل کر دیئے گئے اور
تادم حیات وہیں رہے۔ (۱)

قید بیجا سے رہائی کی دعا:۔ امام کاظمؑ کی بلندی شان کی ایک مین دلیل یہ ہے کہ بغداد کے
زمانہ اسیری میں انہیں عالم رویا میں رسول اکرم ﷺ کی زیارت نصیب ہوئی۔ (۲) آپ ﷺ ان
سے فرما رہے تھے:

”اے موسیٰ! یقیناً تم مظلوم ہو، میں چند کلمات تلقین کرتا ہوں، اگر تم ان کا ورد کرو تو آج ہی
شب تم قید سے رہا ہو جاؤ گے۔ وہ کلمات یہ ہیں:

يا سامع كل صوت يا سائق القوت يا كاسي العظام لحماً ويا منشرها بعد
الموت اسئلک باسمائک الحسنی وباسمک الاعظم الاکبر المحزون
المکنون الذی لم یطلع علیہ احد من المخلوقین یا حلیماً ذا اناءة لا یقوی علی
اناءته یا ذا المعروف الذی لا ینقطع ابداً ولا یحصی عدداً فرج عني (۳)

(۱) تہذیب التہذیب ج ۱۰ صفحہ ۳۳۰۔ (۲) تاریخ بغداد ج ۱۳ صفحہ ۳۳ و مرآة الجنان ج ۱ صفحہ ۳۹۵۔ (۳) شذرات
الذہب ج ۱ صفحہ ۳۰۴

صاف گوئی :- قید خانہ ہی سے انہوں نے خلیفہ کے نام ایک خط لکھا تھا جو ان کی صاف گوئی، جرأت اور حق گوئی کا پورا عکاس ہے۔ اس خط میں تحریر تھا:

اما بعد یا امیر المؤمنین انه لم ينقص عني يوم من البلاء الا انقضى عنك يوم من الرخاء حتى يفضى بنا ذالك الى يوم يخسر فيه المبطلون (۱)

اے امیر المؤمنین! جوں جوں میری آزمائش کے ایام گزر رہے ہیں، ویسے ویسے تمہاری عیش و راحت کے دن بھی کم ہوتے جا رہے ہیں، حتیٰ کہ ہم دونوں ایک ایسے دن ملیں گے جب برا عمل کرنے والے خسارہ میں رہیں گے۔

وفات :- کامل ۷۳ سال دنیائے علم و عمل کو منور رکھنے کے بعد ۲۵ رجب ۱۸۳ ہجری کو شمع فروزاں گل ہو گئی۔ اکثر علماء کا خیال ہے کہ بغداد کے قید خانہ میں ان کی وفات ہوئی۔ بغداد میں آج بھی ان کا مزار مشہور آفاق اور مرجع انام ہے۔ (۲)

(۱) البدایہ والنہایہ ج ۱۰ صفحہ ۱۸۳۔ (۲) صفحہ ۲ ص ۱۰۵ و میزان الاعتدال ج ۳ صفحہ ۲۰۹

حضرت نافع بن ابی نعیم رحمۃ اللہ علیہ

نام و نسب :- اسم مبارک نافع اور عبدالرحمن یا ابودریم کنیت تھی۔ معلوم نسب نامہ یہ ہے: نافع بن عبدالرحمن بن ابی نعیم، اپنے والد کے بجائے جد امجد کی طرف منسوب ہو کر مشہور ہیں۔ بنو لیث کے غلام تھے۔

ولادت، خاندان اور وطن :- ۷۰ ہجری میں پیدا ہوئے۔ اصلاً اصفہان سے تعلق رکھتے تھے، لیکن چونکہ تا عمر ان کا مسکن دارالہجرہ مدینہ منورہ رہا، اس لئے مدنی کہلاتے ہیں۔
فضل و کمال :- نافع کا شمار ان جلیل القدر تابع تابعین میں ہوتا ہے جنہوں نے چمنستان علم و فن کو فردوس نظیر بنانے میں نمایاں کردار ادا کیا ہے۔ کتاب اللہ کی جن قرأت سب سے تواتر پر امت کا اتفاق و اجماع ہے اس میں امام نافع کی قرأت بھی شامل ہے۔

اس کے صحیفہ کمال کا سب سے درخشاں باب تجوید و قرأت میں غیر معمولی مہارت ہی ہے۔ انہیں ستر تابعین سے قرآن پڑھنے کی سعادت حاصل تھی۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور ابی بن کعبؓ جیسے اجلہ روزگار صحابہ کرام کے نامور تلامذہ قرأت کے سامنے زانوئے تلمذتہ کر کے وہ خود بھی اس فن کے امام ہو گئے۔

بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے کچھ صغار صحابہ کے دیدار کا شرف بھی حاصل کیا تھا۔ لیکن ان سے اکتساب فیض نہ کر سکے۔
اصمعی کا بیان ہے:

بکان من القراء الفقهاء العباد (۱)

وہ قراء فقہاء اور عبادت گزاروں میں تھے۔

شیوخ :- جیسا مذکور ہوا، انہوں نے ستر تابعین کے خرمین علم سے خوشہ چینی کی تھی، جن میں ابو جعفر یزید بن قعقاع، شیبہ بن نصاح، عبدالرحمن بن ہرمل الاعرج، فاطمہ بنت علی بن ابی طالب، زید بن اسلم، ابوالثرناد، عامر بن عبداللہ، زبیر بن محمد بن یحییٰ بن حبان، نافع مولیٰ ابن عمرؓ، صفوان بن سلیم اور ربیعہ کے اسمائے گرامی شامل ہیں۔

تلامذہ :- امام نافع نے کم و بیش ستر سال تک درس و افادہ کی خدمات انجام دیں۔ اس طویل ترین

مدت میں ہزاروں تشنگان علم ان کے چشمہ صافی سے سیراب ہوئے، جن میں امام مالک بن انس کے علاوہ اسماعیل بن جعفر، اصمعی، خالد بن مخلد، سعید بن ابی مریم، محمد بن مسلم المدنی، موسیٰ بن طارق، عیسیٰ بن مینا قالون قعینی اور عثمان بن سعید الورش کے نام خصوصیت سے لائق ذکر ہیں۔ (۱)

قرآن :- کثیر التعداد اکابر شیوخ کے فیضان صحبت سے انہیں قرأت قرآن کا نکتہ شناس اور اس کے اسرار و رموز کا سب سے بڑا واقف کار بنادیا تھا اور اسی مہارت فنی کے باعث اپنے شیخ ابو جعفر یزید بن قعقاع کے بعد مدینہ منورہ کے بالاتفاق ”الامام القراء“ تسلیم کئے گئے۔

لیث کہتے ہیں کہ ۱۱۳ ہجری میں جب میں زیارت حرمین کے سلسلہ میں مدینہ پہنچا تو وہاں قرأت کا امام نافع بن ابی نعیم کو پایا۔ امام مالک کا ارشاد ہے:

نافع امام الناس فی القراءة (۲)

نافع قرأت کے امام ہیں۔

لیث بن سعد ہی کا دوسرا بیان ہے کہ:

ادرکت اهل المدينة وهم يقولون قراءة نافع سنة (۳)

میں نے اہل مدینہ کو یہ کہتے پایا کہ نافع کی قرأت سنت ہے۔

امام مالک اکثر فرمایا کرتے تھے کہ مجھے اہل مدینہ کی قرأت مختار اور پسند ہے۔ دریافت کیا گیا ”کیا نافع کی قرأت؟“ فرمایا ”ہاں نافع کی قرأت۔“

حدیث :- حدیث نبوی ﷺ میں انہیں کوئی لائق ذکر حیثیت حاصل نہ تھی، اسی باعث صحاح ستہ میں ان کی کوئی روایت نہیں ملتی۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے تلمیذ رشید عبدالرحمن بن ہرمرز الاعرج سے انہوں نے تحصیل قرأت کے علاوہ سوحہ شیو کا سماع بھی حاصل کیا تھا۔

نافع کے پایہ ثقاہت کے بارے میں علمائے فن کی رائیں بہت اچھی ہیں۔ چنانچہ ابن معین، ابو حاتم، نسائی، ابن حبان اور ابن سعد صراحت کے ساتھ انہیں ثقہ قرار دیتے ہیں۔ علامہ ابن حجر رقمطراز ہیں:

لم أرفى أحاديثه شيئاً منكراً وأرجو أنه لا بأس به (۴)

میں ان کی مرویات میں کوئی منکرات نہیں دیکھتا اور میرا خیال ہے ان کے قبول کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

(۱) تہذیب المعجم ج ۱۰ صفحہ ۴۰۷۔ (۲) شذرات الذهب ج ۱ صفحہ ۲۷۰۔ (۳) تہذیب المعجم ج ۱۰ صفحہ ۴۰۸۔

(۴) ایضاً صفحہ ۴۰۷

شمال:۔ قرآن پاک کی تلاوت کرتے وقت ہمیشہ ان کے منہ سے مشک و عنبر کی بو نکلا کرتی تھی، ایک بار کسی نے دریافت کیا، آپ از قسم عطر کونسی خوشبو استعمال کرتے ہیں؟ فرمایا ایسی کوئی بات نہیں، بلکہ میں نے ایک شب عالم رویا میں حضور پر نور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زیارت کی۔ آپ ﷺ نے میرے منہ سے منہ ملا کر قرآن پاک کی کچھ آیات تلاوت فرمائیں۔ اسی وقت سے یہ خوشبو آنے لگی ہے۔ (۱)

حلیہ:۔ نہایت سیاہ فام، لیکن ساتھ ہی نہایت خوش نقش تھے۔ ایک مرتبہ محمد بن اسحاق مسیسی نے عرض کیا کہ آپ کے اعضاء کی ساخت اور نقشہ کس قدر حسین و جمیل ہے۔ فرمایا آخر کیوں نہ ہو کہ نبی ﷺ نے خواب میں مجھے مصافحہ کا شرف بخشا ہے۔

رواۃ قرأت:۔ نافع کی قرأت متواتر کے بہت سے رواۃ ہوئے، لیکن شہرت عالم کا تمنہ صرف دو کو حاصل ہو سکا۔

۱۔ عیسیٰ بن مینا قالون، جو ۱۲۰ ہجری میں مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے اور امام نافع سے بے شمار بار قرآن مجید پڑھا، قوت سامعہ سے محروم تھے، لیکن معجز نما بات یہ ہے کہ قرآن پاک سننے میں ذرا بھی دقت اور رکاوٹ محسوس نہ ہوتی تھی۔ ان کی قرأت کی عمدگی کی وجہ سے امام نافع نے انہیں ”قالون“ کا لقب دیا تھا۔ جس کے معنی رومی لغت میں عمدہ چیز کے ہیں۔ ۲۲۰ ہجری میں مدینہ منورہ ہی میں وفات پائی۔

۲۔ عثمان بن سعید ورش ۱۱۰ ہجری میں بمقام مضر متولہ ہوئے۔ گورارنگ ہونے کی وجہ سے استاذ نے ورش کا لقب دیا تھا۔ قرآن پڑھنے کے لئے مصر سے شدر حال کر کے مدینہ طیبہ امام مالک کے خدمت میں حاضر ہوئے اور پھر تحصیل فن کے بعد مصر واپس جا کر قرأت کے متفقہ امام تسلیم کئے گئے۔ نہایت خوش الحان تھے۔ یونس بن عبدالاعلیٰ کا بیان ہے کہ ورش کی قرأت نہایت عمدہ تھی اور وہ بہت خوش آواز تھے۔ ۱۹۷ ہجری میں ہجر ۸۷ سال مصر ہی میں رحلت فرمائی۔

وفات:۔ امام نافع باختلاف روایت ۱۶۷ ہجری یا ۱۶۹ ہجری میں مدینہ منورہ میں رہ سپاہ عالم جاودانی ہوئی۔ انتقال کے وقت ۹۷ یا ۹۸ سال کی عمر تھی۔ (۲)

وصیت:۔ جب ان کے وفات کا وقت قریب آیا تو صاحبزادگان نے وصیت کی درخواست کی تو فرمایا:

اتقوا الله واصلحوا ذات بینکم واطيعوا الله ورسوله ان کنتم مؤمنین۔ (۳)

(۱) شذرات الذہب ج ۱ صفحہ ۲۷۔ (۲) شذرات الذہب ج ۱ صفحہ ۲۷۔ (۳) تہذیب المعاد ج ۱ صفحہ ۴۰۸

حضرت نصر بن شمیل رحمۃ اللہ علیہ

نام و نسب :- نصر نام اور ابوالحسن کنیت تھی۔ پورا شجرہ نسب یہ ہے: نصر بن شمیل بن خرشہ بن یزید بن کلثوم بن غزہ بن زہیر بن جلبہ بن حجر بن خزاعی بن مازن بن مالک بن عمرو بن تمیم۔ (۱) یہ شجرہ صرف ابن ندیم نے ذکر کیا ہے، ورنہ دوسرے تذکرہ نگاروں نے مختلف طور پر درمیان سے متعدد ناموں کو حذف کر دیا ہے، جس کی وجہ سے اکثر اشتباہ واقع ہو جاتا ہے۔ اغلباً اختصار کے لئے ایسا کیا گیا ہے، وطن بصری اور مروزی کہلاتے ہیں۔ بنو مازن سے خاندانی تعلق کی بناء پر مازنی کی نسبت کو زیادہ شہرت حاصل ہوئی۔

مولد و منشاء :- ۱۲۲ ہجری مطابق ۷۴۰ء میں وہ خراسان کے شہر مرو الروز میں پیدا ہوئے۔ (۲) جو اپنی مردم خیزی میں عالمی شہرت کا حامل ہے۔ یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ دنیائے اسلام میں علم و دانش کے دور ہائے آبدار جن زمینوں سے برآمد ہوئے ان میں مرو کا خطہ نہایت نمایاں ہے۔ بہر حال جب امام نصر صرف ۵، ۶ سال کے تھے، ان کے والد انہیں اپنے ہمراہ لے کر بصرہ چلے آئے، خود بیان کرتے ہیں:

خرج بی ابی من مرو الروذ الی البصرة ۵۱۲۸ وانا ابن خمس اوسن سنین (۳)

۱۲۸ ہجری میں مجھے میرے والد مرو سے بصرہ لے کر آئے، اس وقت میری عمر پانچ چھ سال کی تھی۔

پھر وہیں کے ہو رہے، بصرہ بھی اس عہد میں ممتاز علمی مرکز شمار ہوتا تھا، اس لئے ابن شمیل تمام تر علمی ماحول میں پروان چڑھے اور عمر کا بیشتر زمانہ درس و افتادہ اور تالیف و تصنیف میں وہیں گزارا۔ لیکن پھر بعض اقتصادی مشکلات سے تنگ آ کر بصرہ چھوڑنے پر مجبور ہوئے اور مرو آ کر بقیہ عمر وہیں بسر کی۔ یہاں تک کہ اسی کی خاک کا پیو بند بنے۔

بصرہ چھوڑنے کا سبب :- یوں تو تمام ہی ارباب طبقات نے اس سبب کی نشاندہی کی ہے جس کی بناء پر امام نصر سرزمین بصرہ کو چھوڑنے پر مجبور ہوئے، جو گویا ان کے وطن ثانی کی حیثیت

(۱) الفہرست لابن ندیم صفحہ ۷۷ (۲) الاعلام ج ۳ صفحہ ۱۱۰۴۔ (۳) تہذیب المعجم ج ۱۰ صفحہ ۴۳۷۔

اختیار کر چکی تھی اور جس کے در و دیوار سے انہیں والہانہ الفت پیدا ہو گئی تھی، لیکن علامہ یا قوت رومی اور حافظ جلال الدین سیوطی نے اس واقعہ کو کسی قدر تفصیل سے سپرد قلم کیا ہے، جو حسب ذیل ہے:

بصرہ میں امام نضر کی معاشی و اقتصادی حالت نہایت دگرگوں ہو گئی، یہاں تک کہ نان شبینہ تک کو محتاج ہو گئے تھے۔ وہاں ان کے علم و فضل کا اعتراف کرنے، اس سے مستفید ہونے اور ان کی دقتہ سنجیوں پر واہ واہ کرنے والوں کا حلقہ تو نہایت وسیع تھا، لیکن بقدر کفاف بھی ان کے رزق کی فراہمی کا خیال کرنے والا کوئی نہ تھا۔ بالآخر جب حالات فروں تر ہو گئے تو شیخ نے وہاں سے اپنے مہل منتقل ہونے کا ارادہ کیا، کہا جاتا ہے کہ جس وقت وہ بصرہ سے روانہ ہوئے، وہاں کے تین ہزار محدثین، فقہاء، نحویین اور ائمہ لغت ان کو الوداع کہنے ہمراہ چلے اور مقام مرید پینچ کر ان کو رخصت کیا۔ (۱)

حافظ سیوطی نے مزید لکھا ہے کہ اس جم غفیر میں اس کے سات ہزار تلامذہ بھی شامل تھے، جو اپنے شیخ کی جدائی کے غم میں زار و قطار آنسو بہا رہے تھے۔ شیخ نضر نے چلتے چلتے چند الوداعی کلمات ارشاد فرمائے، جس میں یہ بھی کہا گیا ہے:

لو وجدت عندكم كل يوم ربع من الباقل لما ظعنت عنكم (۲)

اگر مجھے تمہارے پاس ہر روز تھوڑا سا باقلا بھی مل جاتا تو میں جدا نہ ہوتا۔

راوی کا بیان ہے کہ جب ابن شہیل نے مذکورہ بالا الفاظ کہے تو میں یہ دیکھ کر حیرت و استعجاب کے سمندر میں غرق ہو کر رہ گیا کہ غم و اندوہ کا اظہار کرنے والے اس مجمع کثیر میں سے ایک نفر بھی اتنی معمولی سی ذمہ داری قبول کرنے پر تیار نہ ہو سکا۔ (۳)

بہر حال وہ خراسان پہنچے تو ان کا نصیبہ جاگ گیا۔ وہاں خلیفہ ہارون نے ان کی از حد تعظیم و توقیر کی اور فکر معاش کی طرف سے بالکل بے نیاز کر دیا۔ ابو عبیدہ کا بیان ہے کہ:

اقام بمرور فائری وافاد بها مالا عظيما (۴)

انہوں نے مرو میں قیام کیا اور بکثرت مال حاصل کر کے صاحب ثروت ہو گئے۔

فضل و کمال :- علم و فضل کے اعتبار سے ابن شہیل بہت جلیل القدر اور عالی مرتبہ تھے۔ ابن عماد حنبلی رقمطراز ہیں کہ:

(۱) بحکم الادباء ج ۷ صفحہ ۲۱۹۔ (۲) بخیر الوعاة صفحہ ۴۰۴۔ (۳) ایضاً۔ (۴) شذرات الذهب ج ۲ صفحہ

”وكان اماماً حافظاً“ (۱)

مختلف علوم و فنون کی جامعیت اور تثبت و اتقان میں ان کی مثال کم ہی مل سکے گی۔
صغارتا بعین کی صحبت سے شرف اندوز اور ان کے کیسے علم سے بقدر ظرف مستفید ہوئے
تھے۔ خراسان اور بالخصوص مرو میں حدیث کا چرچا عام کرنے میں انہیں اولیت کا شرف حاصل
تھا۔ چنانچہ عباس بن مصعب بیان کرتے ہیں:

كان اماماً في العربية والحديث بمرو وجميع خراسان (۲)

وہ مرو اور پورے خراسان میں حدیث و عربیت کے امام تھے۔
حافظ سیوطی لکھتے ہیں کہ امام شعبہ سے ان کی روایات بیان کرنے والا امام ابن شہیل سے
زیادہ کوئی نہ تھا۔ (۳)

ایک بار خلیفہ مامون نے ان کے سامنے یہ حدیث پڑھی:

اذا تزوج المرأة لدينها وجمالها كان فيه سداد من عوز

اس میں خلیفہ نے لفظ سداد کو سین کے زبر کے ساتھ پڑھا۔ امام نصرؒ نے فوراً ہی اس حدیث
کو دہرایا اور اس میں سداد کو بسوا سین پڑھا اور پھر دونوں کے درمیان فرق کو واضح کیا۔ راوی کا
بیان ہے کہ خلیفہ یہ سن کر پھڑک اٹھا اور اس نے شعرائے عرب کے منتخب ترین اشعار سنانے کی
خواہش ظاہر کی۔ چنانچہ نصر بن شہیلؒ نے عربی، حمزہ بن بیض، ابو عروہ المدنی اور ابن عبدل
الاسدی کے بہت سے شعر سنائے۔ مامون نے ان کی اس غیر معمولی قوت حافظہ اور ژرف بینی
سے متاثر ہو کر اپنے وزیر فضل بن بہل کو، شیخ کو تیس ہزار درہم انعام دیئے جانے کا حکم دیا۔ (۴)
ابن نجوۃ کا بیان ہے کہ:

كان من فصحاء الناس وعلماهم بالادب وایام الناس (۵)

وہ فصیح البیان لوگوں میں تھے۔ نیز ایام عرب اور ادب کے رموز و اسرار کے بڑے نکتہ دان
تھے۔

جامعیت :- تنوع و تفنن فی العلوم ان کے صحیفہ کمال کا ایک تابندہ ورق ہے۔ انہیں حدیث، فقہ،
لغت، نحو، ادب، تاریخ اور انساب پر یکساں عبور تھا۔ یہ فیصلہ کرنا دشوار ہے کہ ان کے فکر و نظر کا

(۱) بغیۃ الوعاة صفحہ ۴۰۴۔ (۲) تذکرۃ الحفاظ ج ۱ صفحہ ۲۸۔ (۳) بغیۃ الوعاة صفحہ ۴۰۵۔ (۴) معجم الادب ج ۱ صفحہ ۲۲۰۔

(۵) تہذیب التہذیب ج ۱ صفحہ ۴۲۸

خصوصی جولا نگاہ کو نسا فن تھا؟ علماء نے متفقہ طور پر لکھا ہے:

كان رأساً في الحديث ورأساً في الفقه واللغة ورأية الشعر ومعرفة بالنحو
وبإيام الناس (۱)

وہ حدیث، فقہ، لغت، روایت، شعر، معرفت نحو اور ایام عرب سب علوم و فنون میں عالی رتبہ تھے۔

مذکورہ بالا تمام فنون میں انہوں نے کتابیں تالیف کیں۔ حافظ ابن کثیرؒ انہیں ائمہ لغت میں شمار کرتے تھے۔

شیوخ:۔ انہوں نے عرب کے مشاہیر اہل زبان اور کبار محدثین سے اکتساب فیض کیا تھا، نحو، ادب اور ماہرین لغت میں وہ سب سے پہلے ظیل بن احمد ابی خیرۃ الاعرابی اور ابو احمد قیس سے مستفید ہوئے، اس کے بعد علوم نقلیہ میں صفار تابعین اور ان کے بعد کے طبقہ کے سامنے زانوئے تلمذتہ کیا، اس سلسلہ میں لائق ذکر ائمہ و شیوخ یہ ہیں:

ہشام بن عروہ، حمید الطویل، شعبہ، ابن جریج، سعید بن ابی عروبہ، ابن عون، اسرائیل بن یونس، حماد بن سلمہ، سلیمان بن المغیرہ، ہشام بن حسان، یونس بن ابی اسحاق، عمرو بن ابی زائدہ۔
تلامذہ:۔ اسی طرح خود ان سے فیضیاب ہونے والوں میں بھی وہ علماء حدیث شامل ہیں جو اپنے شیخ کی زندگی ہی میں مسند علم کی زینت بنے، چند نمایاں اسمائے گرامی یہ ہیں:

علی بن المدینی، یحییٰ بن معین، اسحاق بن راہویہ، حمید بن زنجویہ، یحییٰ بن النیساپوری، محمود بن غیلان، احمد بن سعید الدارمی، محمد بن مقاتل، معاذ بن اسد، حسین بن حریش، عبدالرحمن بن بشر، محمد بن قدامہ، عبداللہ بن عبدالرحمن الدارمی۔ (۲)

ثقاہت:۔ علمائے فن متفقہ طور پر ان کی روایات کی حجیت اور ثقاہت تسلیم کرتے ہیں۔ چنانچہ ابو حاتم کا بیان ہے:

”كان ثقة صاحب سنة“ (۳)

علامہ ابن سعد رقمطراز ہیں:

كان ثقة صاحب حديث (۴)

(۱) طبقات ابن سعد ج ۷ صفحہ ۱۰۵ والاعلام ج ۲ صفحہ ۲۰۴۔ (۲) تہذیب التہذیب ج ۱۰ صفحہ ۴۳۷۔ (۳) شذرات

الذہب ج ۲ صفحہ ۷۔ (۴) طبقات ابن سعد ج ۷ صفحہ ۱۰۵

حافظ ذہبیؒ لکھتے ہیں:

حجة يحتج به في الصحاح (۱)

وہ حجت ہیں صحاح میں ان کی روایات قابل قبول نہیں۔

قضاء:- جب وہ معاشی تنگی سے عاجز آ کر بصرہ سے مرو منتقل ہوئے تو خلیفہ ہارون نے ان کے ساتھ بہت اعزاز و اکرام کا معاملہ کیا اور انہیں اس شہر کے منصب قضاء پر فائز کر کے ان کو مال و زر سے نہال کر دیا۔ (۲)

علامہ یاقوت نے بروایت نقل کیا ہے کہ اپنے زمانہ قضا میں امام ابن شہیل نے عدل و انصاف کے ایسے مظاہر پیش کئے کہ ہر شخص ان کی تو صیغ میں رطب اللسان ہو گیا۔ (۳)

سادگی و بے کفوسی:- وہ تقشف کی حد تک سادہ زندگی گزارنے کے عادی تھے۔ زبیر بن بکار بیان کرتے ہیں کہ ایک بار شیخ نصر خلیفہ مامون کے پاس اس حال میں گئے کہ نہایت موٹے اور خراب کپڑے پہنے ہوئے تھے۔ خلیفہ نے دیکھتے ہی کہا کہ آپ امیر المومنین کے پاس اس قسم کے کپڑوں میں آتے ہیں۔ شیخ نے ٹالنے کی خاطر فرمایا:

بات دراصل یہ ہے کہ مرو میں گرمی بہت سخت پڑتی ہے۔ لہذا اس کی حرارت سے ایسے ہی کپڑوں سے محفوظ رہا جاسکتا ہے۔ (۴)

حافظ ذہبیؒ نے داؤد بن محراق کی روایت سے شیخ ابن شہیل کا یہ..... زریں نقل کیا ہے:

لا يجد الرجل لذة العلم حتى يجوع وينسى جوعه (۵)

تصانیف:- امام نصر کے تبحر علمی اور جامعیت کے جلوے صرف درس و افادہ کی مجلسوں ہی میں ظاہر نہ ہوئے بلکہ صفحہ قرطاس پر بھی اس کی تجلیاں نمودار ہوتی تھیں۔ عباس بن صعب کا بیان ہے کہ شیخ نصر نے اس قدر کثرت سے کتابیں تصنیف کیں، جس کی نظیر اس عہد میں نہیں ملتی۔

عام طور پر ان کی درج ذیل تصانیف کے نام ملتے ہیں ”کتاب الصفات“..... ”کتاب الصلاح“..... ”غریب الحدیث“..... ”کتاب النوادر“..... ”کتاب المعانی“..... ”کتاب المصادر“..... ”المدخل الی کتاب العین“..... ”کتاب الجیم“..... ”کتاب الشمس والقمر“۔

کتاب الصفات:- پانچ جلدوں پر مشتمل فن لغت کی تصنیف ہے۔ پہلی جلد میں انسان کی

(۱) میزان الاعتدال ج ۲ صفحہ ۲۳۴۔ (۲) الاعلام ج ۳ صفحہ ۱۱۰۴۔ (۳) معجم الادباء ج ۷ صفحہ ۱۲۹۔ (۴) ایضاً۔ (۵)

تذکرۃ الحفاظ ج ۱ صفحہ ۲۸

پیدائش، اس کی عادات و اطوار اور عورتوں کی صفات، دوسری جلد میں مکانات، پہاڑ وغیرہ۔ تیسری میں اونٹ، چوہی میں گھوڑا، چڑیا چاند، سورج اور شراب وغیرہ، پانچویں جلد میں انگور کی زراعت، درخت، ہوا، بارش اور بادل وغیرہ کا تفصیلی بیان ہے، علامہ ابن ندیم کا خیال ہے کہ ابو عبیدہ قاسم بن سلام نے اپنی مشہور و اہم کتاب غریب المصنف کو اسی سے اخذ کیا ہے اور اسی سچ پر مرتب کیا ہے، دونوں کتابوں کے مندرجات سے بھی اس خیال کی تائید ہوتی ہے۔

غریب الحدیث :- غریب احادیث کی تشریح و توضیح کے موضوع پر متعدد کتابیں لکھی گئی ہیں، جن میں ابو عبیدہ، قطرب، ابو عدنان نحوی، اخفش، نصر بن شمیل اور ابو عبیدہ قاسم بن سلام کی غریب الحدیث کا ذکر ملتا ہے، ان پر مؤخر الذکر ہی کی کتاب کو شہرت و مقبولیت کا تمغہ نصیب ہوا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ابو عبیدہ نے نہ صرف متقدمین کی تصنیفات کا عطر اپنی کتاب میں کشید کر لیا ہے بلکہ نہایت ژرف بینی کے ساتھ ان تمام خامیوں اور نقائص کو بھی اس میں دور کر دیا ہے، جو پہلے کی کتابوں میں پائی جاتی تھیں، تاہم قدامت کے اعتبار سے نصر بن شمیل کی غریب الحدیث کا پایہ کچھ کم نہیں۔

امام نصر کی مذکورہ بالا تصنیفات اب معدوم ہیں، یا ممکن ہے کہیں ان کے مخطوطات موجود ہوں، راقم الحروف کو اس کی تحقیق نہ ہو سکی۔

وفات :- ذی الحجہ ۲۰۳ ہجری کی آخری تاریخ کو مروہی میں راہی ملک عدم ہوئے۔ (۱) یکم محرم ۲۰۴ ہجری کو تدفین عمل میں آئی۔ اسی وجہ سے بعض تذکروں میں ان کا ذکر ۲۰۳ ہجری کی دفیات میں ملتا ہے اور بعض میں ۲۰۴ ہجری کے تراجم میں، اس وقت اور نگزید خلافت پر مامون الرشید داہم کرانی دے رہا تھا۔ (۲)

(۱) طبقات ابن سعد ج ۷ صفحہ ۱۸ و الملباب ج ۳ صفحہ ۸۰۔ (۲) تذکرۃ الحفاظ ج ۱ صفحہ ۲۸۷۔

حضرت وضاح بن عبد اللہ الواسطی رحمۃ اللہ علیہ

نام و نسب: - وضاح نام، ابو عوانہ کنیت تھی۔ والد کا نام عبد اللہ تھا۔ (۱)
 وطن اور پیدائش: - ان کا اصل وطن واسطہ تھا۔ پھر قبة الاسلام بصرہ منتقل ہو گئے تھے، جس کی خاک سے صلحاء اور اخیار امت کی پوری ایک نسل آسمان شہرت پر تیز تاباں بن کر صوفشاں ہوئی۔
 ابو عوانہ واسطہ کے مردم خیز خطہ میں پہلی صدی کے اواخر یا دوسری صدی کے اوائل میں پیدا ہوئے، (۲) ابن حبان نے کتاب الثقات میں ابو عوانہ کا سنہ ولادت ۱۲۲ ہجری قرار دیا ہے۔
 لیکن یہ صحیح نہیں ہے، کیونکہ ابو عوانہ نے بالاتفاق ابن سیرین کے دیدار کا شرف حاصل کیا تھا، جن کی وفات ۱۱۰ ہجری میں ہوئی۔ علامہ بن کثیر کے بیان کی روشنی میں ابو عوانہ کم و بیش ۹۵ ہجری میں عالم وجود میں آئے۔ چنانچہ ۱۷۶ ہجری کے واقعات میں برقطراز ہیں:

الوضاح بن عبد اللہ توفی فی هذه السنة وقد جاوز الثمانین (۳)

وضاح بن عبد اللہ کا اسی سال انتقال ہوا، ان کی عمر ۸۰ سے متجاوز ہو چکی تھی۔

غلامی: - ابو عوانہ کو جر جان کی کسی جنگ میں گرفتار ہو کر قید غلامی کی زندگی بھی گزارنی پڑی۔
 عطاء بن یزید نے ان کو اپنے بیٹے یزید کے ساتھ رکھنے کے لئے خرید لیا تھا۔ عطاء کی وفات کے بعد ایک عرصہ تک یزید بن عطاء الیشکری الواسطی کے غلام رہے۔ (۴) اسی نسبت ولاء پر ابو عوانہ بھی یشکری اور واسطی کی نسبتوں سے مشہور ہیں۔

آزادی کا دلچسپ واقعہ: - قید غلامی میں ان کی رہائی کا واقعہ بہت دلچسپ ہے۔ جس کے سرسری مطالعہ ہی سے صاف اندازہ ہو جاتا ہے کہ اس سلسلہ میں دفعتاً جو کچھ پیش آیا، یہ سب منجانب اللہ تھا۔

ابن عائشہ کا بیان ہے کہ ابو عوانہ واسطہ کے یزید بن عطاء نامی ایک شخص کے غلام تھے۔ ان کے مالک نے پارچہ فروشی کا کام ان کے سپرد کیا تھا، ایک دن ان کے پاس ایک سائل آیا اور دست سوال دراز کیا، ابو عوانہ نے اس کو دو تین درہم مرحمت فرمائے۔ سائل نے اظہار تشکر کے بعد کہا ”اے ابو عوانہ! بخدا میں تمہیں ضرور کوئی فائدہ پہنچاؤں گا۔ چنانچہ کچھ عرصہ کے بعد عرفہ کے

(۱) تذکرۃ الحفاظ ج ۱ صفحہ ۲۱۳۔ (۲) تہذیب المعاد ج ۱۱ صفحہ ۱۱۸۔ (۳) البدایہ والنہایہ ج ۱۰ صفحہ ۱۷۱۔ (۴) تاریخ

بغداد ج ۱۳ صفحہ ۳۶۱

دن وہی سائل مجمع عام میں کھڑے ہو کر یہ اعلان کرنے لگا کہ اے لوگو! یزید بن عطاء کے لئے دعائے خیر کرو، کیونکہ اس نے آج ابو عوانہ کو آزادی کے تقرب الہی حاصل کر لیا ہے۔

جب لوگ حج کی ادائیگی کے بعد واپس آئے اور یزید بن عطاء کی فرودگاہ کے پاس سے گزرنے لگے تو جوق در جوق آ کر انہیں ابو عوانہ کی آزادی پر ہدیہ تشکر و تبریک پیش کرنے لگے۔ ابن عطاء حیران کہ یہ کیا قصہ ہے؟ پھر جب مبارکباد کا یہ سلسلہ بہت بڑھا تو یزید بن عطاء نے کہا:

من يقدر على ردّ هؤلاء وهو حر لوجه الله (۱)

اتنے لوگوں کی بات رد کرنے کی کس میں مجال ہے وہ (ابو عوانہ) خدا کے لئے آزاد ہے۔

اس واقعہ کے آغاز میں محققین کا بہت معمولی سا اختلاف ہے۔ یعنی بعض نے یوم عرفہ کو مزدلفہ میں ابو عوانہ کی آزادی کا ڈرامائی اعلان کرنے والا ایک سائل کو بتایا ہے اور بعض نے ابو عوانہ کے ایک مخلص دوست کو جس نے مکانات حسن سلوک کے طور پر اپنے محسن کی آزادی کے لئے یہ کارگر اور موثر تدبیر اختیار کی، لیکن اس کے علاوہ پورے واقعہ اور اس کے نتیجہ پر سب کا اتفاق ہے۔ سائل والی روایت زیادہ صحیح معلوم ہوتی ہے۔

امیت :- ابو عوانہ لکھنے پڑھنے سے قطعی ناواقف تھے۔ یحییٰ بن معین کہتے ہیں کہ وہ لکھنے پڑھنے میں ایک شخص سے مدد حاصل کرتے تھے:

كان ابو عوانة امياً يستعين بانسان يكتب له و كان يقرأ الحديث (۲)

ابو عوانہ امی تھے۔ وہ ایک شخص سے مدد لیتے تھے، جو ان کے لئے لکھتا تھا اور وہ (ابو عوانہ)

حدیث پڑھتے تھے۔

لیکن ان کے شاگرد رشید عفان بن مسلم کا بیان ہے کہ ابو عوانہ پڑھنا جانتے تھے، مگر لکھنے

سے ناواقف تھے۔ اس لئے ہمیں حدیثیں املا کرایا کرتے تھے۔ (۳)

فضل و کمال :- اپنی امیت کے باوجود ابو عوانہ کا شمار وقت کے ممتاز حفاظ حدیث اور ائمہ اعلام

میں کیا جاتا ہے۔ وہ علمی اعتبار سے زمرۂ اتباع تابعین میں بلند مقام رکھتے تھے۔ علامہ یافعی

”احد الحفاظ الاعلام“ خیر الدین زرکلی ”من حفاظ الحديث الثقات“ اور حافظ ذہبی

”الحافظ احد الثقات“ کے الفاظ سے ان کے علم و فضل کو سراہتے ہیں۔ (۴) ابو حاتم کا بیان

(۱) المعارف لابن قتیہ صفحہ ۲۲۰۔ (۲) تاریخ بغداد ج ۳ صفحہ ۴۶۱، الاعلام ج ۳ صفحہ ۱۳۵۔ (۳) طبقات ابن سعد ج ۶

صفحہ ۴۳۔ (۴) مرآۃ البیان ج ۱ صفحہ ۳۶۹، الاعلام ج ۳ صفحہ ۱۳۵، تذکرۃ الحفاظ ج ۱ صفحہ ۳۱۳

ہے کہ ابو عوانہ حماد بن سلمہ سے بھی بڑے حافظ حدیث تھے۔ (۱) یحییٰ بن معین سے دریافت کیا گیا کہ اہل بصرہ میں زائدہ کا ہم پایہ کون تھا؟ فرمایا ابو عوانہ! (۲)

حدیث :- حدیث میں انہوں نے بکثرت ائمہ و شیوخ سے کمال حاصل کیا۔ جن میں معاویہ بن قرۃ، اشعث بن ابی الشغناء، زیادہ بن علاقہ، سلیمان الاعمش، منصور بن المعتمر، منصور بن زازان، یعلیٰ بن عطاء، ابی اسحاق الشیبانی، عبدالعزیز بن صہیب، طارق بن عبدالرحمن، زید بن جبیر، سعید بن مسروق، سماک بن حرب، سہیل بن ابی صالح، عمرو بن دینار، فراس بن یحییٰ ابن المنکدر، قتادہ، بیان بن بشر اور اسماعیل السدی کے نام لائق ذکر ہیں۔

خود ان کے حلقہ درس سے جو کاملین فن فارغ ہو کر نکلے ان کی تعداد بھی بہت ہے۔ جن میں نمایاں نام یہ ملتے ہیں۔ شعبہ، اسماعیل بن حلیہ، فضل بن مساور، عبدالرحمن بن مہدی، ابو ہشام الحزومی، یحییٰ بن حماد، سعید بن منصور، مسدد، قتیبہ بن سعید، یحییٰ بن یحییٰ النیشاپوری، محمد بن محبوب، یثیم بن سہل التستری، ابوداؤد، کعب، ابو نعیم، ابوالولید خالد بن خدّاش وغیرہم۔ (۳)

جرح و تعدیل :- اُمّی ہونے کی بناء پر ابو عوانہ علمائے جرح و تعدیل کا خصوصی نشانہ بنی، ان کی ثقاہت و عدالت کے بارے میں بڑی متضاد رائیں ملتی ہیں۔ لیکن اکثر علماء کا خیال یہ ہے کہ جو احادیث انہوں نے املا کر کے بین الدفتین محفوظ کرادی ہیں ان میں ابو عوانہ کا پایہ ثقاہت و عدالت نہایت بلند ہے۔ لیکن چونکہ ان کے حافظہ پر زیادہ اعتماد نہیں کیا جاسکتا، اس لئے کتاب کے علاوہ جو روایتیں وہ بیان کریں وہ غیر مقبول قرار دی جائیں گی۔

ابوزرعہ کہتے ہیں:

ثقة اذا حدث من كتابه

جب وہ کتاب سے روایت کریں تو ثقہ ہیں۔

ابوحاتم کا بیان ہے:

كتبه صحيحة واذا حدث من حفظه غلط كثيراً وهو صدوق ثقة (۴)

ان کی کتابیں صحیح ہیں اور جب وہ حافظہ سے روایت کریں تو بہت غلط ہوتا ہے اور وہ صدوق

و ثقہ تھے۔

(۱) تہذیب التہذیب ج ۱ صفحہ ۱۱۸۔ (۲) تذکرۃ الحفاظ الذہبی ج ۱ صفحہ ۳۱۴۔ (۳) تاریخ بغداد ج ۱۳ صفحہ ۴۶۰ و تہذیب

التہذیب ج ۱۱ صفحہ ۱۱۷۔ (۴) تاریخ بغداد ج ۱۳ صفحہ ۴۶۰ و تہذیب التہذیب ج ۱۱ صفحہ ۱۱۸

امام احمد کا قول ہے:

اذا حدث ابو عوانہ من کتابہ فهو اثبت واذا حدث من غیر کتابہ ربما

وہم

جب ابو عوانہ اپنی کتاب سے روایت کریں تو وہ ثقہ ترین ہیں اور جب کتاب کے علاوہ روایت کریں تو اکثر وہم ہو جاتا ہے۔

عفان، جنہیں ابو عوانہ سے خصوصی تلمذ حاصل تھا، کہتے ہیں کہ ابو عوانہ حدیث کو اتنی شرح و بسط کے ساتھ بیان کرتے تھے کہ ہمارے نزدیک وہ ہشام بن عروہ کی احادیث سے زیادہ صحیح ہوتی تھیں، کیونکہ وہ احادیث کو بہت مختصر کر دیتے تھے۔ (۱) ابن عبد البر کا یہ بیان ابو عوانہ کی ثقاہت کے سلسلہ میں سب سے زیادہ واضح ہے کہ:

اجمعوا علی انه ثقہ ثبت فیما حدث من کتابہ واذا حدث من حفظہ ربما

غلط (۲)

جب ابو عوانہ کتاب سے روایت کریں تو بالاتفاق وہ ثقہ ترین ہیں اور جب حافظہ سے روایت بیان کریں تو اکثر غلط ہوتا ہے۔

وفات :- ماہ ربیع الاول ۱۷۶ ہجری میں بمقام بصرہ ابو عوانہ کا انتقال ہوا۔ (۳) ابن قتیہ نے سن وفات ۱۷۰ ہجری بیان کی ہے۔ (۴) وفات کے وقت ۸۰ سال سے زائد عمر ہو چکی تھی۔ (۵)

(۱) تاریخ بغداد ج ۱۳ صفحہ ۳۶۳۔ (۲) تہذیب المعجم ج ۱۱ صفحہ ۱۲۰۔ (۳) المعجم فی خبر من غمر ج ۱ صفحہ ۲۶۹ و تذکرۃ

الحفاظ ج ۱ صفحہ ۲۱۲۔ (۴) المعارف لابن قتیہ صفحہ ۲۲۰۔ (۵) البدایہ والنہایہ لابن کثیر ج ۱ صفحہ ۱۱

حضرت وکیع بن الجراح الرواسی رحمۃ اللہ علیہ

دوسری صدی ہجری میں جن ممتاز اتباع تابعین نے علم و عمل کے چراغ روشن کئے۔ ان میں امام وکیع بن الجراح کو نمایاں حیثیت حاصل ہے۔ اگرچہ ان کی تصانیف کی عدم شہرت اور نایابی کی بناء پر ان کی شخصیت اہل قلم کی توجہات کا مرکز نہ بن سکی، لیکن علم و فضل، زہد و ورع، ذہانت اور فطانت اور قوت حافظہ میں ان کی نظیر بہت کم ملتی ہے۔ امام وکیع کے علوئے مرتبت کا اندازہ اس سے کیا جاسکتا ہے کہ ابن مبارک، ابن معین اور ابن مدینی اور امام شافعی جیسے فضلاء روزگار ان ہی کے دامن تربیت کے پروردہ ہیں۔

نام و نسب :- وکیع نام اور ابو عبد الرحمن الرواسی کنیت تھی۔ (۱) پورا سلسلہ نسب یہ ہے: وکیع بن الجراح بن ملح بن عدی بن الفرّس بن سفیان بن الحارث بن عمر بن عبید بن رواح بن کلاب بن ربیعہ بن عمار بن صعصعہ، (۲) قبیلہ قیس عیلان کی ایک شاخ رواح کی نسبت سے رواحی کہلاتے ہیں۔ (۳)

نشو و نما :- امام وکیع ۱۲۹ ہجری میں بمقام کوفہ میں پیدا ہوئے۔ (۴) مگر بغدادی نے بسند امام وکیع کا یہ قول نقل کیا ہے کہ جب ان سے دریافت کیا گیا کہ آپ کی ولادت کب ہوئی تو فرمایا:

ولدت سنة ثمان وشرین ومائة (۵)

میری ولادت ۱۸۲ ہجری میں ہوئی۔

اکثر محققین کی رائے ہے کہ آپ اصلاً کوفی تھے۔ مگر بعض کا خیال ہے کہ آپ کے مولد ہونے کا شرف نیشاپور کے استواء نامی ایک گاؤں کو حاصل ہے۔ بیشتر شواہد اور دلائل اول الذکر ہی کو مرجع قرار دیتے ہیں، ممکن ہے کوفہ میں ولادت کے بعد استواء منتقل ہو گئے ہوں۔

امام وکیع نے کوفہ ہی میں نشو و نما پائی۔ وہاں ان کے والد بیت المال کی نگرانی کا فریضہ انجام دیتے تھے۔ (۶) خود فرماتے ہیں:

(۱) تاریخ بغداد ج ۱۳ صفحہ ۴۶۶ والتمہ ست لا بن ندیم صفحہ ۳۱۷۔ (۲) الطبقات الکبیر لا بن سعد ج ۶ صفحہ ۲۷۵۔ (۳) الاعلام ج ۳ صفحہ ۱۳۶ المستطرفة صفحہ ۳۵ تذکرۃ الحفاظ ج ۱ صفحہ ۲۸۰۔ (۴) مفہود الصفوہ ج ۳ صفحہ ۴۹۱ والانساب للسمعانی ج ۶ صفحہ ۱۸۲ (جدید ایڈیشن حیدرآباد) (۵) تاریخ بغداد ج ۱۳ صفحہ ۴۶۲۔ (۶) کتاب الجمع بین الرجال الخمسین ج ۲ صفحہ ۵۴۶

کان ابی علی بیت المال. (۱)

میرے والد بیت المال کے نگران تھے۔

تحصیل علم :- امام وکیعؒ نے اپنے وقت کے تقریباً سبھی علمی سرچشموں سے اپنی علمی تشنگی فرو کی۔ ان کے زمانہ تک علم سینہ بسینہ رائج تھا، اسی بناء پر تحصیل علم میں جو مشقت اور تکلیفیں علمائے سلف نے اٹھائیں، وہ اہل نظر سے مخفی نہیں۔ ان حالات میں جب ہم امام وکیعؒ کے اساتذہ کی طویل فہرست پر نظر ڈالتے ہیں تو اندازہ ہوتا ہے کہ انہوں نے علم کی تحصیل کے لئے کتنی مشقت جھیلی ہوگی، مگر اسی بچی لگن اور جذبہ صادق نے انہیں علوئے مرتبت کے اس مقام پر فائز کیا کہ زبان خلق نے ان کو امام المسلمین احدائمة الاسلام اور محدث العراق کے خطابات سے نوازا۔

امام وکیعؒ کے فطری جوہر طالب علمی ہی کے زمانہ میں نمایاں ہونا شروع ہو گئے تھے، چنانچہ جب وہ امام اعمشؒ کے پاس کسب فیض کے لئے گئے تو انہوں نے نام دریافت کرنے کے بعد فرمایا:

ما حسب الا سیکون لک نبأ (۲)

میرا خیال ہے کہ تمہارا مستقبل شاندار ہوگا۔

یحییٰ بن یمان امام وکیعؒ کے عہد طالب علمی کا واقعہ بیان کرتے ہیں کہ:

نظر سفیان الی عینی وکیع فقال ترون هذا الرواسی لا یعموت حتی یكون

له نبأ (۳)

سفیان نے امام وکیعؒ کی آنکھوں میں دیکھ کر فرمایا، تم لوگ اس رواسی کو دیکھ رہے ہو، موت سے پہلے اس کی بڑی منزلت ہو جائے گی۔

اپنے شاگرد کے بارے میں استاذ کی یہ پیشگوئی پوری ہوئی۔

شیوخ :- امام وکیعؒ نے مختلف ملکوں کے نامور فضلاء سے فیض حاصل کیا، ان میں سے نمایاں اساتذہ کے نام یہ ہیں:

اسامیل بن ابی خالد، ہشام بن عروہ، سلیمان الأعمش، عبد اللہ بن عون، ابن جریج، اوزاعی، سفیان ثوری، ایمن بن نائل، عکرمہ بن عمار، ثوبہ بن ابی صدقہ، جریر بن حازم، خالد بن دینار، سلمہ

(۱) الاعلام ج ۳ صفحہ ۱۱۳۔ (۲) الانساب للسعانی ج ۶ صفحہ ۱۸۱ (طبع جدید) کتاب الانساب للسعانی ج ۶ صفحہ ۱۸۲

(طبع جدید) (۳) تاریخ بغداد ج ۱۳ صفحہ ۱۶۹۔

بن ندیط، عیسیٰ بن طہمان، مصعب بن سلیم، مسعر بن حبیب، اسامہ بن زید، اللیشی، مسطر، حنظلہ بن ابی سفیان، علی بن صالح بن حنی، زکریا بن اسحاق، زکریا بن ابی زائدہ، سعید بن عبید، طلحہ بن یحییٰ، عبد الحمید بن جعفر، عذرہ بن ثابت، علی بن المبارک، مالک بن مغول، ابن ابی ذؤب، ابن ابی لیلیٰ، محمد بن قیس الاسدی، الوراق، ہشام الدستوائی، ہشام بن سعد، حماد بن سلمہ، سعید بن عبد العزیز، المتوخی، سلیمان بن المغیرہ، صالح بن ابی خضر، عبد اللہ بن عمر العمری، عبد العزیز بن ابی رواد، فضیل بن مرزوق، قرۃ بن خالد، مبارک بن فضالہ، موسیٰ بن عبیدہ الربدی، ہمام بن یحییٰ، یونس بن ابی اسحاق، ابی ہلال الراسی، یزید بن زیاد۔ (۱)

ایک روایت کے مطابق امام وکیعؒ نے امام اعظم ابو حنیفہؒ اور ان کے ارشد تلامذہ امام ابو یوسف اور امام ابو زفرؒ سے بھی سماعت حدیث کی تھی۔ (۲) بغدادی نے بھی لکھا ہے کہ وکیع نے امام ابو حنیفہؒ سے سماع کیا تھا۔ وکان قد سمع منه شیئاً کثیراً۔ (۳) ضمیری نے بھی ان کا شمار امام اعظمؒ کے تلامذہ کے ساتھ کیا ہے۔ (۴)

درس حدیث :- ان جلیل القدر اساتذہ کے فیض نے ان کو آسمان علم کا نیر تاباں بنا دیا اور ان کے فضل و کمال کی شہرت دور دور تک پھیل گئی اور مختلف ملکوں کے طلبہ اس منبع علم سے فیض یاب ہونے کے لئے اٹھ پڑے۔ امام وکیعؒ کے حلقہ درس سے جو فضلاء نکلے ان میں یحییٰ بن بن آدم، ابن معین اور ابن مدینی جیسی یگانہ وقت ہستیاں شامل ہیں اور عبد اللہ بن مبارک جیسے جلیل القدر بزرگ، جنہوں نے امام ابو حنیفہؒ، امام مالکؒ اور حمید الطویل جیسے ائمہ سے فیض حاصل کیا تھا، وہ بھی وکیع سے فخریہ روایت کرتے ہیں۔

امام وکیع نے اپنے شیخ سفیان ثوریؒ کی رحلت کے بعد مسند درس کوزینت دی۔ (۵) مشہور امام جرح و تعدیل عبد الرحمن بن مہدیؒ کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ انہوں نے ۳۵ سال کی عمر میں درس دینا شروع کر دیا تھا، لیکن ابراہیم حربی کا بیان ہے کہ:

حدث وکیع وهو ابن ثلاث و ثلاثین سنة

یعنی وکیعؒ نے ۳۳ سال کی عمر میں درس کا آغاز کیا تھا۔

وہ جہاں بھی جاتے ان کا حلقہ درس مرجع خلائق بن جاتا اور دوسرے تمام حلقہ ہائے درس

(۱) تہذیب المعجم ج ۱۱ صفحہ ۱۳۲، (۲) الفوائد المجمعہ صفحہ ۱۲، (۳) تاریخ بغداد ج ۱۳ صفحہ ۴۷۱، (۴) الجواہر المہیہ ج ۲ صفحہ ۲۰۹، (۵) صفحہ الصفحہ ج ۳ صفحہ ۱۰۴ و تاریخ بغداد ج ۱۳ صفحہ ۴۶۸۔

ویران نظر آنے لگے۔ ابوہشام رفاعی کہتے ہیں:

دخلت المسجد الحرام فاذا عبيد الله بن موسى يحدث والناس حوله
كثير فطفت اسبوعاً ثم جئت فاذا عبيد الله قاعد وحده فقلت ما هذا فقال قدم
التنين فاخذهم يعن وكيماً (۱)

ایک مرتبہ میں مسجد حرام میں گیا تو عبيد الله بن موسى کو حدیث کا درس دیتے ہوئے دیکھا۔
ان کے ارد گرد طلبہ کا ہجوم تھا۔ پھر ایک ہفتہ طواف کے بعد جو آ کر دیکھا تو عبيد الله تنہا بیٹھے
ہوئے ہیں۔ میں نے پوچھا یہ کیا ہو؟ انہوں نے کہا ایک اثر دہا آ گیا ہے جو پورے حلقہ کو نگل گیا۔
ان کی مراد امام وکیع سے تھی۔

خطیب نے بھی اس واقعہ کو مزید تفصیل سے لکھا ہے۔ (۲)

اس کے علاوہ بھی مسجد حرام کے کئی حلقائے درس امام وکیع کے مکہ آنے کے بعد ویران
ہو گئے، جن کی تفصیل خطیب نے بیان کی ہے۔

تلامذہ:- امام وکیع کے تلامذہ کی فہرست بھی بہت طویل ہے۔ مشہور تلامذہ کے نام یہ ہیں:

احمد بن حنبل، ابن المدینی، یحییٰ بن آدم، قتیبہ بن سعید، یحییٰ بن معین، ابو خثیمہ، زہیر بن
حرب، ابوبکر بن ابی شیبہ، احمد بن جعفر الوکیعی، عباس بن غالب الوراق، یعقوب الدورقی، (۳)
عبيد الله بن ہاشم، ابراہیم بن عبد الله القصار، (۴) احمد بن منیع، حسن بن عروہ، (۵) اسحاق الحنظلی،
محمد بن نمیر، عبد الله الحمیدی، محمد بن سلام، یحییٰ بن جعفری، یحییٰ بن موسیٰ، محمد بن مقاتل، ابوسعید
اشج، نصر بن علی، سعید بن ازہر، ابن ابی عمر، علی بن حشرم، (۶) یحییٰ بن نیشاپوری، محمد بن صلاح
الدولابی، ابراہیم بن سعد، الجوهری۔ (۷)

علامہ ابن حجر نے ابراہیم بن عبد الله القصار کو امام وکیع کا آخری شاگرد بتایا ہے۔ مذکورہ بالا
تلامذہ کے علاوہ امام وکیع سے بعض ان مشاہیر ائمہ نے بھی روایت کی ہے جو وکیع کے استاد ہیں یا
شیوخ کی صف کے بزرگ ہیں۔ جیسے امام سفیان بن عیینہ اور عبد الرحمن بن مہدی۔

فضل و کمال:- امام وکیع کا فضل و کمال ان کے دور کے علماء میں مسلم تھا اور وہ سب ان کے

(۱) تہذیب التہذیب ج ۱۱ صفحہ ۱۲۹۔ (۲) تاریخ بغداد ج ۱۳ صفحہ ۴۷۹۔ (۳) الانساب للسمعانی ج ۶ صفحہ ۱۸۱ و تاریخ
بغداد ج ۱۳ صفحہ ۴۷۹۔ (۴) تذکرۃ الحفاظ ج ۱ صفحہ ۲۸۰۔ (۵) خلاصہ تہذیب التہذیب الکمال ج ۱ صفحہ ۴۱۵۔
(۶) کتاب الجمع بین رجال التمیمین ج ۲ صفحہ ۵۴۶۔ (۷) تہذیب التہذیب ج ۱۱ صفحہ ۱۲۵

کمالات کے معترف تھے۔

امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ:

مارأيت رجلا قط مثل وكيع في العلم والحفظ والاسناد والابواب مع خشوع وورع (۱)

میں نے علم، حفظ، اسناد اور ساتھ ہی ساتھ ورع و تقویٰ میں امام وکیع بن جراح کا مثل کسی کو نہیں دیکھا۔

انہی کا دوسرا قول ہے:

مارأيت عيسى مثله قط يحفظ الحديث جيداً ويذاكر بالفقه فيحسن مع ورع واجتهاد (۲)

میری آنکھوں نے امام وکیع کا مثل نہیں دیکھا، وہ حدیث کے بڑے اچھے حافظ تھے، فقہ بھی بہترین پڑھاتے تھے۔ تقویٰ اور اجتہاد میں مختار تھے۔ ابن عمار کہتے ہیں:

ماكان بالكوفة في زمان وكيع، فقه ولا اعلم بالحديث. كان وكيع جهبذا (۳)
وکیع کے زمانہ میں کوفہ میں ان سے بڑا فقیہ اور حدیث کو ان سے زیادہ جاننے والا کوئی نہیں تھا۔ امام وکیع عبقری وقت تھے۔ یحییٰ بن معینؒ فرماتے ہیں:

كان وكيع في زمانه كالاوزاعي في زمانه (۴)
امام وکیع کی ان کے زمانہ میں وہی حیثیت تھی جو امام اوزاعی کی ان کے وقت میں تھی۔ ابن ناصر الدین کا قول ہے:

ابوسفیان (وکیع) محدث العراق ثقة متفق ورع
امام ابوسفیان وکیع محدث عراق ثقہ اور متقی تھے۔

ابن سعد نے انہیں ثقہ، بلند مرتبہ عالم، مامون، کثیر الحدیث اور حجۃ لکھا ہے۔ (۵) ان کمالات کی بناء پر وہ امام کوفہ اور محدث عراق کے خطاب سے یاد کئے جاتے ہیں۔

(۱) تاریخ بغداد ج ۱۳ صفحہ ۴۷۴۔ (۲) شذرات الذهب ج ۱ صفحہ ۳۵۰ و کتاب الانساب للسمعانی صفحہ ۲۶۱۔ (۳) ایضاً۔

(۴) صفوة الصفوة ج ۳ صفحہ ۱۰۲۔ (۵) طبقات ابن سعد ج ۶ صفحہ ۲۷۵۔

ذہانت اور قوت حافظہ:- مبداء فیاض نے امام صاحب کو غیر معمولی قوت حافظہ سے نوازا تھا۔ ان کی ذکاوت و فطانت کے جوہر صغریٰ ہی میں کھلنے لگے تھے۔ طالب علمی کے زمانہ میں انہوں نے جو حدیث کسی شیخ سے سنی، وہ عمر بھر ان کے حافظہ میں محفوظ رہی۔ ان کی اس خصوصیت پر ائمہ وقت رشک کرتے تھے۔ قاسم حربی بیان کرتے ہیں کہ سفیان ثوریؒ امام وکیعؒ کو بلا کر پوچھتے کہ روای سی تم نے کونسی حدیث سنی ہے، وہ پوری سند کے ساتھ اس کو بیان کر دیتے کہ مجھے سے فلاں شخص نے اس طرح حدیث روایت کی ہے۔ راوی کا بیان ہے کہ سفیان ثوریؒ اپنے شاگرد کی اس حاضر دماغی کو دیکھ کر مسکراتے اور تعجب و حیرت کا اظہار کرتے۔ (۱)

اپنی قوت حافظہ کے بارے میں خود وکیعؒ کا بیان ہے:

مانظرت فی کتاب منذ خمس عشرة سنة إلا فی صحیفة یوماً فنظرت فی طرف منه ثم اعدتہ علی مکانہ (۲)

میں نے گزشتہ پندرہ سال کے عرصہ میں سوائے ایک دن کے کبھی کتاب کھول کر نہیں دیکھی اور اس مرتبہ میں بھی بہت سرسری طور پر دیکھا اور کتاب کو پھر اس کی جگہ رکھ دی۔

اسی قوت حافظہ کا نتیجہ تھا کہ درس کے وقت کتاب سامنے نہیں رکھتے تھے بلکہ زبانی حدیث کا درس دیتے اور طلبہ اس کو اثنائے درس میں یا اس کے بعد قلمبند کرتے تھے۔ طالب علمی کی زمانہ میں بھی انہوں نے کبھی حدیثوں کو قلمبند نہیں کیا بلکہ درس کے بعد آخر لکھتے تھے۔

ما کتبت عن سفیان الثوری حدیثاً قط کنت احفظہ فاذا رجعت الی المنزل کتبہ (۳)

میں نے سفیان ثوریؒ کے درس کے وقت کبھی حدیث نہیں لکھی بلکہ اس کو دماغ میں محفوظ کر لیتا، پھر گھر واپس آ کر لکھتا تھا۔

اسحاق بن راہویہ فرماتے ہیں کہ ہم لوگوں کا حافظہ تو بھٹک جاتا ہے اور امام وکیعؒ فطری حافظ تھے۔ (۴) امام وکیعؒ کے لڑکے کا بیان ہے کہ میں نے اپنے والد کے ہاتھ میں کبھی کوئی کتاب اور کاغذ کا ٹکڑا نہیں دیکھا۔ (۵)

امام موصوف کے نزدیک قوت حافظہ کا سب سے بڑا نسخہ معاصی سے اجتناب ہے۔ اللہ

(۱) تہذیب التہذیب ج ۱۱ صفحہ ۱۲۸۔ (۲) تاریخ بغداد ج ۱۳ صفحہ ۴۷۵۔ (۳) تاریخ بغداد ج ۱۳ صفحہ ۴۷۵۔

(۴) کتاب الانساب للسمعانی، صفحہ ۲۶۱۔ (۵) تاریخ بغداد ج ۱۳ صفحہ ۴۷۹۔

تعالیٰ ہر انسان کو حفظ و فہم کی دولت سے نوازتا ہے۔ مگر خباثت اور معاصی کی کثرت اس کو کند کر دیتی ہے۔ حضرت علی بن خشرمؓ کہتے ہیں کہ میں نے امام وکیع کے ہاتھ میں کبھی کوئی کتاب نہیں دیکھی۔ وہ صرف اپنے حافظہ سے درس دیتے تھے۔ ان کی حیرت انگیز قوت حافظہ دیکھ کر میں نے ان سے کوئی ایسی دوا پوچھی جس سے حافظہ اچھا ہو جائے۔ امام صاحب نے فرمایا:

ترک المعاصی ماجربت مثله للحفظ (۱)

معاصی سے اجتناب سے بڑھ کر قوت حافظہ کے لئے کوئی چیز میرے تجربہ میں نہیں آئی۔ ایک دفعہ کسی شخص نے سوء حافظہ کی شکایت کی۔ امام وکیعؓ نے اس کو معاصی سے اجتناب کا مشورہ دیا اور فرمایا:

علم خداوند قدوس کا نور ہے، اور کسی گناہگار اور عاصی کو عطا نہیں کیا جاتا۔ درج ذیل اشعار میں اسی واقعہ کا ذکر ہے۔

شکوت الی وکیع سوء حفظی

فاوصافی الی ترک المعاصی

وعلمہ بان العلم فضل

وفضل اللہ لایؤتی لعاصی (۲)

اخلاقی فضائل :- علمی کمالات کے ساتھ اخلاقی فضائل سے بھی آراستہ تھے۔ دنیا و دولت اور وجاہت کی آپ کی نگاہ میں کوئی وقعت نہ تھی اور ہمیشہ اس سے دامن بچاتے رہے۔ خلیفہ ہارون الرشید نے آپ کے سامنے منصب قضاء کی پیشکش کی، آپ نے اس کو قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ (۳)

ایک مرتبہ محمد بن عامر مصیعی نے امام احمدؒ سے دریافت کیا کہ آپ وکیع سے زیادہ محبت رکھتے ہیں یا یحییٰ بن سعید سے؟ امام احمدؒ نے جواب دیا میں وکیع کو یحییٰ سے افضل سمجھتا ہوں، کیونکہ انہوں نے حفص بن غیاث کی طرح عہدہ قضاء کو قبول کرنے سے گریز کیا تھا اور یحییٰ نے معاذ بن جبل کی طرح اپنے آپ کو اس منصب کی آزمائشوں میں مبتلا کیا۔ (۴)

ان کی والدہ نے انتقال کے وقت ایک لاکھ نقد اور اتنی قیمت کی جائیداد وراثت میں چھوڑی

(۱) تہذیب التہذیب ج ۱۱ صفحہ ۱۲۹۔ (۲) مرآۃ الجنان للیافعی ج ۱ صفحہ ۴۵۸۔ (۳) تاریخ بغداد ج ۱۳ ص ۶۲۳ والاعلام

ج ۳ صفحہ ۱۱۳۶۔ (۴) تہذیب التہذیب ج ۱۱ صفحہ ۱۲۵

تھی۔ وکیع نے کبھی اپنے حصہ کا مطالبہ نہیں کیا، گھر میں جو کھانا اور کپڑا مل جاتا اسی پر قانع و شکر رہتے، نہ مزید کے لئے مطالبہ کرتے اور نہ اس بارے میں کوئی گفتگو ہی کرتے۔ (۱)

ایک مرتبہ ایک شخص آپ کی خدمت میں آیا اور کہا کہ امام اعظم کے حلقہ درس میں آپ نے میری دوات سے روشنائی استعمال کی تھی، اس کی قیمت ادا کیجئے! راوی کا بیان ہے کہ امام موصوف نے بغیر کسی تحقیق اور بحث کے دینار کی ایک تھیلی لا کر اس شخص کو دے دی اور فرمایا کہ مجھے افسوس ہے کہ اس وقت میرے پاس اس کے سوا کچھ نہیں ہے۔ (۲)

خوف و خشیت کا یہ عالم تھا کہ ابن معین کا بیان ہے کہ میں نے وکیع کو اکثر یہ کہتے سنا:

”ای یوم لنا من الموت“ ہماری موت کس دن ہوگی؟

داؤد بن یحییٰ کہتے ہیں کہ میں نے ایک مرتبہ عالم رویا میں رسول اکرم ﷺ کی زیارت کی۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! اولی کون لوگ ہوتے ہیں؟ ارشاد فرمایا ”جو لوگ اپنے ہاتھ سے کسی کو ضرر نہیں پہنچاتے اور بلاشبہ وکیع انہی میں سے ایک ہیں۔“

دولت مند ہونے کے باوجود نہایت سادہ اور معمولی زندگی بسر کرتے تھے، پھر بھی اس خوف سے لرزاں رہتے تھے کہ کہیں خداوند قدوس کے یہاں اس ”تقیس“ کی باز پرس نہ ہو، ان کی جسمانی تروتازگی کی وجہ سے بعض لوگوں کو غلط فہمی تھی کہ وہ عیش و تنعم کی زندگی بسر کرتے ہیں۔ ایک مرتبہ جب وہ مکہ گئے تو حضرت فضیل بن عیاضؒ نے جو مشہور زاہد ہیں، انہیں دیکھ کر کہا کہ آپ تو عراق کے راہب ہیں۔ یہ موٹا کیسا؟ فرمایا: ہذا فرحی بالاسلام۔ یعنی یہ چیز درحقیقت نعمت اسلام سے بہرہ ور ہونے کی خوشی اور مسرت کا نتیجہ ہے۔ (۳)

عبادت :- ان کی عبادت کی کثرت، رقت قلب اور گریہ پر معاصر ائمہ و اختیار بھی رشک اور اس کی تمنا کرتے تھے، ابراہیم بن شماسؒ کہتے ہیں کہ اگر میں کوئی آرزو کرتا۔ (۴)

قاضی یحییٰ بن اسلم اور امام وکیع کا سفر و حضر میں بار بار ساتھ رہا ہے، ان کا بیان ہے کہ وکیع ہر شب میں قرآن ختم کرتے تھے۔ (۵) ایک دوسرے معاصر یحییٰ بن ایوب بیان کرتے ہیں کہ وہ رات میں ثلث قرآن پڑھنے سے قبل نہیں سوتے تھے اور پھر رات کے آخری حصہ میں بیدار ہو جاتے تھے۔ (۶)

(۱) تاریخ بغداد ج ۱۳ صفحہ ۴۶۹۔ (۲) ایضاً۔ (۳) تذکرۃ الحفاظ ج ۱ صفحہ ۲۸۱ و تہذیب المعانی ج ۱۱ صفحہ ۱۳۰۔ (۴) تہذیب

المعانی ج ۱۱ صفحہ ۲۸۱ شذرات الذهب ج ۱ صفحہ ۳۵۰۔ (۵) ایضاً۔ (۶) سمعی ج ۱ صفحہ ۲۶۶ و صفحہ الصفو ج ۳ صفحہ ۱۰۲

ان کی شب بیداری اور عبادت گزاری کا رنگ پورے گھر پر چڑھا ہوا تھا اور گھر کا ہر فرد، حتیٰ کہ ملازم تک تہجد کے پابند تھے، ابراہیم بن وکیعؒ فرماتے ہیں:

كان ابی یصلی اللیل فلا یقی فی دارنا احد الاصلی حتی ان جاریة لنا سوداء لتصلی (۱)

میرے والد جب رات میں نماز پڑھتے تھے تو ہمارے گھر میں کوئی شخص ایسا نہیں باقی رہتا تھا جو نماز نہ پڑھتا ہو، حتیٰ کہ ہماری سیاہ فام لونڈی بھی نماز پڑھتی تھی۔

معمولات :- سفیان بن وکیع اپنے والد کے شب و روز کے معمولات کی تفصیل بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں:

”میرے والد صائم الدھر تھے، صبح سویرے بیدار ہو جاتے۔ فجر کی نماز کے بعد مجلس درس شروع ہو جاتی، دن نکلنے تک اس میں مشغول رہتے۔ پھر گھر جا کر ظہر کی نماز تک قیلولہ فرماتے۔ اس کے بعد ظہر کی نماز ادا کرتے، پھر عصر تک طلبہ کو قرآن کا درس دیتے اور پھر مسجد آ کر عصر کی نماز پڑھتے اور اس سے فارغ ہو کر پھر درس قرآن شروع ہو جاتا اور شام تک مذاکرہ میں منہمک رہتے، پھر مکان تشریف لا کر افطار فرماتے۔ اس سے فارغ ہو کر نماز پڑھتے تھے۔ (۲)

مسلم :- امام وکیع اگرچہ منصب امامت و اجتہاد پر فائز تھے، لیکن فتویٰ مسلک حنفیہ کے مطابق دیتے تھے۔ اس سے قیاس کیا جاتا ہے کہ وہ حنفی مسلک کی طرف مائل تھے۔ یحییٰ بن معین فرماتے ہیں:

كان وکیع یفتی بقول ابی حنیفہ و كان قد سمع منه شیئاً کثیراً (۳)
امام وکیع ابو حنیفہؒ کے قول کے مطابق فتویٰ دیتے تھے اور انہوں نے امام صاحب سے کافی سماعت بھی کی تھی۔

علاقت اور وفات :- ۱۹۶ ہجری کے اواخر میں زیارت حرمین کے لئے تشریف لے گئے۔ حج سے فراغت کے بعد اسہال کی شکایت ہو گئی۔ اس لئے وطن کا قصد کیا۔ لیکن مرض شدت اختیار کرنا گیا اور کوفہ و مکہ کے درمیان مقام فید میں پہنچے تھے کہ پیام اجل آ گیا اور علم و فضل کا یہ پیکر اپنے پروردگار کے حضور میں حاضر ہو گیا۔ (۴) اس وقت ۶۸ سال کی عمر تھی۔

(۱) تاریخ بغداد ج ۱۳ صفحہ ۴۷۱۔ (۲) تاریخ بغداد ج ۱۳ صفحہ ۴۷۱۔ (۳) تاریخ بغداد ج ۱۳ صفحہ ۴۷۱۔ (۴) المعرفۃ فی خبر من غمر ج ۱ صفحہ ۲۳۵

تصنیفات :- متعدد روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ امام وکیع نے درس و تدریس کے ساتھ تالیف و تصنیف کا سلسلہ بھی جاری رکھا تھا۔ امام احمد فرماتے ہیں:

علیکم بمصنفات وکیع (۱)

امام ابن جوزی کا بیان ہے:

صنف التصانیف الکثیرۃ (۲)

انہوں نے بکثرت کتابیں تصنیف کی ہیں۔

لیکن ان تصنیفات کی کوئی تصریح نہیں ملتی۔ خیرالدین زرکلی نے لکھا ہے کہ:

لہ مصنف فی الفقہ والسنن (۳)

لیکن صراحت کی ساتھ صرف دو کتابوں کے نام ملتے ہیں:

(۱) مصنف ابی سفیان (۴) (وکیع بن الجراح) (۲) کتاب السنن (۵)

مگر آج ان کی کسی تصنیف کی موجودگی کا پتہ نہیں چلتا۔ یہی وجہ ہے کہ خلیفہ چلپی اور صاحب المعجم نے امام وکیع کی کسی تصنیف کا ذکر نہیں کیا ہے۔

(۱) تذکرۃ الحفاظ ج ۱ صفحہ ۲۱۸ و تہذیب الجذیب ج ۱۱ صفحہ ۱۲۶ و تاریخ بغداد ج ۱۳ صفحہ ۴۷۶۔ (۲) صفوۃ الصفوۃ ج ۲

صفحہ ۱۶۲۔ (۳) اعلام ج ۳ صفحہ ۱۱۳۶ (۴) المستطرف صفحہ ۳۵۔ (۵) الفہرست صفحہ ۳۱۷

حضرت ولید بن مسلم رحمۃ اللہ علیہ

شیخ ولید بن مسلم کا شمار ان اتباع تابعین میں ہوتا ہے جنہوں نے بکثرت تصانیف یادگار چھوڑیں، وہ امام اوزاعی کے ارشد تلامذہ میں تھے، مغازی ان کا خاص فن تھا۔ طویل احادیث اور آثار قیامت کے سلسلہ کی احادیث کے خاص طور پر حافظ تھے۔

نام و نسب :- ولید نام، ابوالعباس کنیت تھی۔ والد کا نام مسلم تھا، اس سے آگے کے سلسلہ نسب کا پتہ نہیں چلتا۔ بنو امیہ کے غلام ہونے کی بناء پر اموی لکھے جاتے ہیں۔

وطن اور ولادت :- دمشق کے رہنے والے تھے، وہیں ۱۱۹ ہجری میں ان کی ولادت ہوئی۔^(۱)

تحصیل علم اور شیوخ :- شیخ ولید کو اپنے وقت کے جن ممتاز اہل علم و فضل سے اکتساب فیض کا موقع ملا، ان میں کبار تابعین اور اتباع تابعین کے نام شامل ہیں۔ چند نام یہ ہیں:

یحییٰ بن الحارث، ثور بن یزید، محمد بن عجلان، ہشام بن حسان، ابن جریج، امام اوزاعی، یزید بن مریم، صفوان بن عمرو۔

وہ بعض اساتذہ کی خدمت میں مدت دراز تک رہے۔ چنانچہ ان کے کاتب حمام شیخ ولید کا یہ قول نقل کرتے ہیں کہ:

جالست ابن جابر سبع عشر سنة

میں سترہ برس تک جابر کی صحبت میں رہا۔

فقیہ شام امام اوزاعی سے ولید بن مسلم کو خاص تلمذ کی سعادت حاصل تھی۔ مروان بن محمد کہا کرتے تھے کہ جب ولید کے واسطے سے امام اوزاعی کی روایت کسی کو مل جائے تو اسے پھر کسی اور راوی کے چھوٹنے کی پرواہ نہ کرنا چاہئے۔^(۲)

ان ائمہ و فضلاء کی صحبت اور فیض نے ان میں حدیث نبوی ﷺ کا خاص ذوق پیدا کر دیا تھا اور بعد میں وہ خود بھی اکابر محدثین میں شمار کئے جانے لگے۔

علم و فضل :- ولید بن مسلم کے علمی مرتبہ اور مہارت فنی کو تمام محققین نے سراہا ہے۔ امام نوری کا

(۱) تذکرۃ الحفاظ ج ۶ صفحہ ۳۷۶۔ (۲) تہذیب التہذیب ج ۱۱ صفحہ ۱۵۳

بیان ہے کہ ان کی علمی بلندی، جلالت شان اور ثقاہت پر سب کا اتفاق ہے۔ (۱) حافظ ذہبیؒ انہیں الامام الحافظ لکھتے ہیں۔ ابن ناصر الدین کہتے ہیں کہ ولید امام حافظ اور دمشقوں کے عالم تھے۔ (۲)

علاوہ ازیں صدقہ بن الفضل الروزی بیان کرتے ہیں کہ طویل حدیثوں اور تمام ابواب کو یاد رکھنے میں ان سے بڑھ کر میں نے کسی کو نہیں پایا۔ (۳) ابراہیم بن المنذر کا قول ہے کہ ایک مرتبہ مجھ سے علی بن المدینی نے فرمائش کی کہ میں ان کو ولید بن مسلم کی بعض احادیث سناؤں۔ میں نے کہا سبحان اللہ! آپ کے سماع کو میرے سماع سے کیا نسبت ہو سکتی ہے؟ وہ بولے کہ ولید جب شام آئے تو ان کے پاس علم کا بہت بڑا ذخیرہ تھا اور میں اس سب سے فیض یاب نہیں ہو سکتا تھا۔ میں نے ان کو کچھ حدیثیں سنائیں تو بہت متعجب ہوئے اور کہنے لگے واقعی ولید بالکل ٹھیک کہتے تھے۔

ابن مدینیؒ کا بیان ہے کہ میں نے ان سے حدیث کا سماع حاصل کیا ہے۔ جب میں نے انہیں دیکھا تو وہ بہت سی ایسی حدیثیں بیان کرتے تھے جس میں ان کا کوئی دوسرا شریک نہیں تھا۔ (۴)

ائمہ حدیث کی رائے:۔ تمام ائمہ حدیث نے ان کے علم و فضل اور روایت حدیث پر اپنے اعتماد کا اظہار کیا ہے۔ ابو حاتم سے محمد بن ابراہیم نے دریافت کیا کہ آپ ولید بن مسلم کی نسبت کیا خیال رکھتے ہیں؟ بولے ”وہ صالح حدیث تھے۔“ امام احمد بن حنبلؒ نے ابو زرہ الدمشقی سے کہا: تین بزرگ واقعی اصحاب حدیث ہیں۔ مروان بن محمد، ولید بن مسلم اور ابو مسہر۔

یعقوب بن سفیان کہتے ہیں کہ میں نے اپنے شیوخ سے سنا ہے کہ لوگوں کا علم صرف دو شخصوں کے پاس ہے۔ اسماعیل بن عیاشؒ اور ولید بن مسلمؒ۔ لیکن ولید کو تو میں جانتا ہوں کہ وہ نہایت قابل تعریف طور پر اخیر وقت تک چلتے رہے۔ وہ اہل علم کے نزدیک پسندیدہ قابل وثوق صحیح الحدیث اور صحیح العلم تھے۔ (۵)

امام نوویؒ نے لکھا ہے کہ:

واجمعوا علی جلالتہ وارتفاع محلہ وتوثیقہ (۶)

(۱) تہذیب الاسماء ج ۲ صفحہ ۱۳۷۔ (۲) شذرات الذہب ج ۱ صفحہ ۳۳۳۔ (۳) تہذیب التہذیب ج ۸ صفحہ ۱۵۴ و تذکرۃ الحفاظ ج ۱

صفحہ ۲۷۔ (۴) تہذیب التہذیب ج ۸ صفحہ ۱۵۵۔ (۵) تہذیب التہذیب ج ۸ صفحہ ۱۵۳۔ (۶) تہذیب الاسماء ج ۲ صفحہ ۱۳۷

ہم لوگ برابر اس بات کو سنتے آئے ہیں کہ جس شخص نے ولید کی کتابیں لکھ لیں وہ عہدہ قضا کے قابل ہو جائے گا۔

ان کے علاوہ میں درج ذیل اسمائے گرامی بہت نمایاں ہیں۔

احمد بن حنبل، ہشام بن عمار، ابو خثیمہ، کثیر بن عبید، محمود بن غیلان، موسیٰ بن عامر، (۱) حمیدی، صفوان بن صالح، عبداللہ بن وہب، محمد بن المبارک، عبدالرحمن بن ابراہیم، نعیم بن حماد، اسحاق بن اسرائیل۔ (۲)

جرح: بعض ناقدین حدیث نے لکھا ہے کہ ولید بھی کبھی ضعیف راویوں سے احادیث روایت کرتے تھے اور کبھی وہ تدلیس بھی کرتے تھے۔ یعنی جس شخص سے روایت کرتے تھے، اس کا معروف نام نہیں لیتے تھے۔ ہشیم بن خارجہ نے ان سے کہا کہ ”آپ امام اوزاعی کی احادیث کو خراب کر ڈالتے ہیں، آپ ایسا کیوں کرتے ہیں؟“
بولے ”تم یہ بات کیسے کرتے ہو؟“

انہوں نے کہا۔ ”آپ کبھی عن الامام اوزاعی عن ابن عمر کے روایت بیان کرتے ہیں اور کبھی عن الامام اوزاعی عن الزہری اور کبھی یحییٰ بن سعید سے روایت کرتے ہیں۔ آپ کے علاوہ لوگ تو امام اوزاعی اور تابع کے درمیان عبداللہ بن عامر کا ذکر کرتے ہیں۔ امام زہری اور اوزاعی کے درمیان ابراہیم بن مرہ کا ذکر کرتے ہیں تو آپ ایسا کیوں کرتے ہیں؟“

فرمایا کہ ”میں امام اوزاعی کو ان لوگوں سے زیادہ جانتا ہوں۔“ پھر انہوں نے کچھ کہا۔ مگر شیخ ولید نے کوئی توجہ نہ دی۔ بہر حال اتنا مسلم ہے کہ وہ کبھی تدلیس سے کام لیتے تھے، مگر اس سے ان کی ثقاہت پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ چنانچہ علامہ ذہبیؒ ان پر لوگوں کی جرح نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ:

لانزاع فی حفظہ و علمہ وانما الرجل مدلس فلا یحتج بہ الا اذا صرح بالسماع (۳)

ولید کے حفظ اور ان کے علم میں کوئی اختلاف نہیں ہے، البتہ وہ مدلس تھے۔ اس لئے جب تک سماع کی تصریح نہ کریں اسے حجت نہیں بنایا جاسکتا۔

عقل و فرزانگی: فہم ودانش کے اعتبار سے بھی وہ معاصرین ارباب کمال میں ممتاز تھے۔

(۱) تہذیب التہذیب ج ۱۱ صفحہ ۱۵۳۔ (۲) تذکرۃ الحفاظ ج ۱ صفحہ ۲۷۶۔ (۳) تہذیب الاسماء ج ۲ صفحہ ۱۴۷

امام احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں کہ: ”میں نے اہل شام میں ان سے زیادہ عقلمند نہیں دیکھا۔“
اخلاق و عادات :- کمال علم و فضل کے ساتھ ان کے اخلاق و عادات بھی نہایت کریمانہ
اور بزرگانہ تھے۔ ہشام بن عمار سے کسی نے ان کے متعلق استفسار کیا تو انہوں نے کہا کہ ولید
بہت بڑے عالم، صاحب زہد و ورع اور متواضع الطبع تھے۔

وفات :- حج سے واپس آرہے تھے کہ دمشق پہنچنے سے پہلے ہی ذی المروہ نامی ایک موضوع
میں بیمار پڑ گئے۔ اپنے ایک دوست حرمہ بن عبدالعزیز کے مکان پر قیام کیا اور وہیں ان کی وفات
ہو گئی۔ سنہ وفات میں محققین کا قدرے اختلاف ہے۔ کسی نے ۱۹۵ ہجری اور کسی نے ۱۹۹ ہجری
لکھا ہے۔ مگر صحیح ۱۹۳ ہجری ہے۔ امام بخاریؒ وغیرہ نے اسی کو مرجع قرار دیا ہے۔

تصنیفات :- شیخ ولید کا شمار ان محدثین میں ہوتا ہے جنہوں نے اپنی بہت سی تصانیف یادگار
چھوڑی ہیں۔ علامہ ذہبیؒ، حافظ ابن حجرؒ اور دوسرے اہل تذکرہ لکھتے ہیں کہ انہوں نے ستر کتابیں
تصنیف کی ہیں:

و مصنفات الولید سبعون کتاباً

ولید کی تصنیفات کی تعداد ستر ہے۔

اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ ان کی یہ تصانیف حدیث، فقہ اور تاریخ سے متعلق تھیں۔ چنانچہ
علامہ ذہبیؒ نے فن تاریخ میں بھی ان کی کچھ کتابوں کا ذکر کیا ہے۔ ”صنف التصانیف
والتواریخ“ علاوہ ازیں ابوزرعہ رازی کا بیان ہے کہ ولید مغازیؒ میں وکیع بن جراحؒ سے بڑے
عالم تھے۔ ظاہر ہے، مغازیؒ بھی تاریخ ہی کا ایک شعبہ ہے۔

تاہم ولید کی تصنیفات کی مزید کوئی تصریح اور تفصیل نہیں ملتی اور نہ ان میں سے کسی کے وجود
کا پتہ چلتا ہے۔ مشہور مؤرخ اسحاق بن ندیم نے دو کتابوں کا ذکر کیا ہے۔ (۱)

۱۔ کتاب السنن فی الفقہ۔

۲۔ کتاب المغازی۔

حضرت وہیب بن خالد رحمۃ اللہ علیہ

نام و نسب :- وہیب نام، ابو بکر کنیت، والد کا نام خالد اور دادا کا عجلان تھا۔ (۱) باہلہ بنت اعصر سے نسبت ولاء رکھنے کی وجہ سے باہلی کہلاتے ہیں۔ سمعانی کا بیان ہے کہ:

كانت العرب يستكفون من الانتساب الى باهله (۲)

عرب باہلہ کی طرف انتساب کو بڑائی تصور کرتے تھے۔

وطن اور ولادت :- ۱۰۷ ہجری میں قبۃ الاسلام بصرہ میں پیدا ہوئے۔ (۳) غالباً کپڑوں کی تجارت کرتے تھے، اسی بناء پر کراہیسی اور صاحب الکراہیسی کے القاب سے مشہور ہیں۔ جیسا کہ سمعانی اس نسبت کے متعلق رقمطراز ہیں۔

هذه النسبة الى بيع الثياب - (۴) پہلی اور دوسری صدی کے متعدد علماء اس نسبت سے

متصف ہیں۔

علم و فضل :- ان کی خوبی بخت نے انہیں نادورہ روزگار تا بعین کرام کی صحبت میں پہنچا دیا تھا۔ جن سے وہ پوری طرح مستفیض ہوئے۔ حدیث کی مہارت، رجال کی بصیرت اور حفظ و اتقان میں نہایت ارفع و اعلیٰ مقام رکھتے تھے۔ ان کا شمار بصرہ کے مشہور حفاظ اربعہ میں ہوتا تھا۔ احمد بن ابی رجا کا قول ہے کہ:

هو في التفقه والعلم نظير حماد (۵)

وہ علم و تفقہ میں حماد کی نظیر تھے۔

عمر بن علی کہتے ہیں:

سمعت يحيى بن سعيد ذكره فاحسن الشاء عليه

میں نے یحییٰ بن سعید کو ان کا ذکر خیر کرتے سنا اور انہوں نے ان کی بڑی تعریف کی۔

شیوخ و تلامذہ :- وہیب نے اپنے عہد کی بکثرت متحرک درسگاہوں یعنی علماء وائمہ سے اکتساب علم کیا تھا، جن میں ممتاز دیگانہ فن تا بعین کی بھی خاصی تعداد شامل تھی۔ مشاہیر فضلاء میں ہشام بن عروہ، ایوب السخثانی، یحییٰ بن سعید الانصاری، جعفر الصادق، حمید الطویل، عبد اللہ بن

(۱) المعرف فی خبر من غمر ج ۱ صفحہ ۲۳۶۔ (۲) کتاب الانساب للسمعانی ورق ۶۲۔ (۳) الاعلام ج ۳ صفحہ ۱۱۴۔ (۴) کتاب

الانساب للسمعانی ورق ۶۲۔ (۵) تذکرۃ الحفاظ ج ۱ صفحہ ۲۱۳

طاؤس، منصور بن المعتمر، داؤد بن ابی الہند، یحییٰ بن ابی اسحاق الحضرمی، خیشم بن عراک، موسیٰ بن عقبہ، ابن جریج، سہیل بن ابی صالح اور ابی حازم بن دینار وغیرہ کے اسمائے گرامی لائق ذکر ہیں۔ خود وہیب کے خوشہ چینیوں کا دائرہ بھی بہت وسیع ہے۔ جن میں بلند پایہ اتباع تابعین کی بھی ایک جماعت شامل ہے۔ نمایاں نام یہ ہیں:

اسماعیل بن علیہ، عبداللہ بن مبارک، عبدالرحمن بن مہدی، یحییٰ بن سعید القطان، یحییٰ بن آدم، ابو داؤد الطیالسی، ابو ہشام المحزومی، سلیمان بن حرب، موسیٰ بن اسماعیل، مسلم بن ابراہیم، یحییٰ بن ہسان، سہل بن بکار، ہدیہ بن خالد۔

کتنی مبارک اور پاکیزہ تھیں وہ ہستیاں جنہیں ایسے ایسے آفتاب علم اساتذہ فن سے تلمذ کا شرف حاصل ہوا اور کتنے سعید و خوش بخت تھے وہ لوگ جنہیں ایسے نادرہ روزگار تلامذہ کی مشیخت نصیب ہوئی۔ اس سلسلہ میں وہیب کو بلاشبہ امتیاز خاص حاصل ہے۔

حدیث :- وہ حدیث کے مسلم الثبوت اساتذہ میں تھے۔ اس میں ان کے ثبوت و اتقان اور ثقاہت پر علماء کا اجماع ہے۔ ابن معین کا بیان ہے:

کان من اثبت شیوخ البصرین
ابو حاتم کہتے ہیں:

ما انقی حدیثہ لاتکاد تجذہ یحدث عن الضعفاء
ان کی حدیث کتنی صاف و شفاف ہوتی تھی، آپ انہیں کسی ضعیف راوی سے روایت کرتے نہیں پائیں گے۔

علامہ ابن سعد رقمطراز ہیں:

کان ثقة کثیر الحدیث حجة (۱)

وہ ثقہ کثیر الحدیث اور حجت تھے۔

رجال :- علوم الامیہ میں فن اسماء الرجال کو بڑی اہمیت اور عظمت حاصل ہے۔ احادیث کی صحت اور علوئے اسناد کا تمام تر مدار اسی علم پر ہے۔ اسی کی کسوٹی پر ناقدین فن حدیث کو جانچتے پرکھتے ہیں اور پھر اس کے پایہ و درجہ کا تعین ہوتا ہے۔ یقیناً یہ محدثین عظام کا ایک ناقابل فراموش کارنامہ ہے، جس کی بناء پر آج ہم احادیث نبوی ﷺ کے اتنے عظیم ذخیرے کی پورے صحت کا

یقین رکھتے ہیں۔

وہیب بن خالد اس میں پوری بصیرت رکھتے تھے۔ امام شعبہ کو اس فن کا امام تسلیم کیا جاتا ہے۔ ابو حاتم کا بیان ہے کہ شعبہ کے بعد رجال کا عالم ان سے بڑا کوئی نہیں ہوا۔

لم یکن احد بعد شعبۃ اعلم الرجال منه (۱)

شعبہ کے بعد رجال کا عالم ان سے بڑا کوئی نہیں تھا۔

امام الجرحہ والتعدیل عبدالرحمن بن مہدی کا قول ہے:

کان من ابصر اصحابہ بالحدیث والرجال (۲)

وہیب اپنے ساتھیوں میں سب سے زیادہ حدیث و رجال میں بصیرت رکھتے تھے۔

قوت حافظہ :- وہیب غیر معمولی قوت حافظہ کی دولت سے مالا مال تھے۔ ایک حادثہ میں بصرہ کی نعمت سے محروم ہو گئے تھے، لیکن اپنے حافظہ کی بنیاد پر حدیثیں املا کرایا کرتے تھے۔ علامہ ابن سعد بیان کرتے ہیں کہ:

کان قد سجن فذهب بصرہ کان یملی من حفظہ

انہیں قید کر دیا گیا تھا پس ان کی بصرہ جاتی رہی تھی اور اپنے حافظہ سے املا کراتے تھے۔

اس صفت میں ان کو متعدد دوسرے حفاظ حدیث پر فوقیت دی جاتی ہے۔ ابن سعد ہی کا بیان

ہے:

کان احفظ من ابی عوانۃ (۳)

وہ ابو عوانہ سے بڑے حافظ تھے۔

وفات :- ۱۶۵ ہجری میں راہی عالم جاوداں ہوئے۔ (۴) وفات کے وقت ۵۸ سال کی عمر تھی۔ (۵)

(۱) تذکرۃ الحفاظ ج ۱ صفحہ ۲۱۳۔ (۲) المعمر فی خبر من غیر جلد ۱ صفحہ ۲۳۶۔ (۳) طبقات ابن سعد ج ۷ صفحہ ۴۳۔ (۴) مرآۃ

البحران ج ۳ صفحہ ۳۵۲ والمعمر فی خبر من غیر ج ۱ صفحہ ۲۳۶۔ (۵) تذکرۃ الحفاظ ج ۱ صفحہ ۲۱۳ و طبقات ابن سعد ج ۷ صفحہ ۴۳

حضرت ہشیم بن بشیر الواسطی رحمۃ اللہ علیہ

نام و نسب :- ہشیم نام اور ابو معادیہ کنیت تھی۔ نسب نامہ یہ ہے۔ ہشیم بن بشیر بن ابی ہازم القاسم بن دینار۔ (۱) بنو سلیم کے غلام تھے، اس لئے سلمی کہلاتے ہیں۔ (۲) اور واسطی وطن کی طرف نسبت ہے۔

مولد و وطن :- ہشیم ۱۰۴ ہجری میں بمقام واسط پیدا ہوئے۔ پھر ایک عرصہ کے بعد مرکز علم و فن بغداد منتقل ہو گئے تھے اور آخر عمر تک وہیں رہے۔ (۳) بعض علماء کا خیال ہے کہ وہ بخاری الاصل تھے۔ (۴)

تحصیل علم اور ابتدائی حالات :- ابتداء میں مقامی علماء سے مستفید ہوئے۔ اس کے بعد تشنگی علم نے انہیں دور دراز کے ممالک کے چشموں تک پہنچایا اور وہاں انہوں نے ممتاز اور کبار فضلاء کے معدن فضل و کمال سے اپنے ذہن و دماغ کو مالا مال کیا۔

چنانچہ مکہ میں انہوں نے امام زہری اور عمر بن دینار سے سماع حاصل کیا، ہشیم کے والد اموی خلیفہ حجاج بن یوسف ثقفی کے باورچی تھے، پھر اس کے بعد تجارت کا پیشہ اختیار کر لیا تھا، ان کی خواہش تھی کہ ہشیم بھی ان کے کاروبار میں ہاتھ بٹائیں، اس لئے وہ ان کو طلب علم سے روکتے تھے، لیکن وہ ان کے علی الرغم تحصیل علم میں ہمہ تن مشغول رہے۔

اتفاق سے ایک مرتبہ ہشیم سخت بیمار پڑ گئے۔ قاضی واسط ابوشیبہ کو اس کی اطلاع ہوئی تو وہ اپنے تلامذہ اور عوام کے ایک جم غفیر کی ہمراہ عیادت کو تشریف لائے۔ بشیر بن ابی ہازم کو حاشیہ خیال میں بھی نہیں آسکتا تھا کہ قاضی وقت ان کی غربت کدہ کو کبھی اپنی تشریف آوری سے زینت بخشے گا، اس لئے وہ اپنے اس غیر متوقع اعزاز پر فرط مسرت سے بے قابو ہو گئے اور اپنے بیٹے کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

اببلغ من امرک ان جاء القاضی الی منزلی لا امنعک بعد هذا الیوم من

طلب الحدیث (۱)

تمہاری وجہ سے قاضی میرے گھر تشریف لائے، آج کے بعد میں تمہیں طلب حدیث سے

(۱) تہذیب المعجم ج ۱۱ صفحہ ۵۹۔ (۲) طبقات ابن سعد ج ۷ صفحہ ۶۱۔ (۳) تاریخ بغداد ج ۱۳ صفحہ ۸۵۔

(۴) تہذیب المعجم ج ۱۱ صفحہ ۵۹۔ (۵) طبقات ابن سعد ج ۷ صفحہ ۱۸۳۔

نہ روکوں گا۔

فضل و کمال :- علم و فضل کے اعتبار سے ہشیم بلند مرتبہ حفاظ حدیث میں تھے۔ متعدد تابعین کرام سے صحبت اور کسب فیض کا شرف حاصل تھا، حفظ و اتقان اور عبادت و للہیت میں بھی درجہ کمال پر فائز تھے۔ بغداد میں اپنے زمانہ کے رئیس المحدثین تھے۔ اسی بناء پر ”محدث بغداد“ ان کا لقب ہی پڑ گیا تھا۔ علامہ ذہبیؒ انہیں ”الحافظ احد الاعلام“ لکھتے ہیں۔ (۱) حافظ ابن کثیر رقمطراز ہیں کہ ”کان ہشیم بن سادات العلماء“ (۲) ان کا حافظہ اتنا قوی تھا کہ بیس ہزار حدیثیں زبانی یاد تھیں۔ (۳) حافظ ذہبیؒ نے تذکرہ میں ”الحافظ الکبیر محدث العصر“ لکھ کر ان کے علم و فضل کا اعتراف کیا ہے۔ (۴)

حدیث :- انہوں نے تحصیل علم کے لئے بہت سے دور دراز ملکوں کا سفر کیا اور پھر حدیث میں انہیں اتنا عبور حاصل ہو گیا تھا کہ اساتذہ عصر میں شمار کئے جانے لگے۔ علامہ ابن سعدؒ نے ”کان ثقة الحدیث حجة“ (۵) کے الفاظ سے ان کے کمال فنی کو سراہا ہے۔

جن علماء و ائمہ سے وہ مستفید ہوئے ان میں کچھ ممتاز اور لائق ذکر نام یہ ہیں: قاسم بن مہران، یعلیٰ بن عطاء، عبدالعزیز بن صہیب، اسماعیل بن ابی خالد، عمرو بن دینار، امام زہری، یونس بن عبید، ایوب السخنی، ابن عون، اشعث بن عبد الملک، منصور بن زاذان، مغیرہ بن مقسم، سلیمان الاعمش، حمید الطویل، عطاء بن السائب اور یحییٰ بن سعید الانصاری۔

تلامذہ :- ان کے حلقہ بگوشوں کی فہرست بھی کافی طویل ہے، کیونکہ ہشیم نے واسطہ کے علاوہ بغداد، بصرہ، کوفہ اور مکہ وغیرہ دوسرے ملکوں میں بھی بساطِ درس آراستہ کی تھی۔ ان سے مستفید ہونے والے جو علماء آسمان علم کا اختر تاباں بنے، ان میں امام مالک بن انس، سفیان ثوری، شعبہ، عبداللہ بن مبارک، یحییٰ بن سعید القطان، عبدالرحمن بن مہدی، غندر، کعب بن الجراح، یزید بن ہارون، قتیبہ بن سعید، احمد بن حنبل، یحییٰ بن معین، علی بن المدینی، ابو خثیمہ، ابو عبیدہ القاسم بن سلام، شجاع بن مخلد، حسن بن عرفہ، احمد بن منیع، علی بن حجر اور علی بن مسلم وغیرہ کے نام تاریخ علم و فن میں زندہ و جاوید ہیں۔ (۶)

ذہانت و فطانت :- ہشیم بڑے قوی الحفظ تھے۔ ابن قطن کا بیان ہے کہ میں نے سفیان

(۱) میزان الاعتدال ج ۱ صفحہ ۲۵۷۔ (۲) البدایہ والنہایہ ج ۱ صفحہ ۱۸۳۔ (۳) مرآۃ البیان ج ۱ صفحہ ۳۹۳۔ (۴) تذکرۃ الحفاظ

ج ۱ صفحہ ۲۲۵۔ (۵) طبقات ابن سعد ج ۷ صفحہ ۶۱۔ (۶) تاریخ بغداد ج ۱۲ صفحہ ۸۵ و تہذیب المعجم ج ۱ صفحہ ۵۹، ۶۰

ثوریؒ اور شعبہ کے بعد ہشیمؒ سے زیادہ حافظ رکھنے والا کسی کو نہیں دیکھا۔ (۱) امام الجرح والتعديل عبد الرحمن بن مہدی کا قول ہے کہ ہشیمؒ کا مرتبہ حفظ حدیث میں امام ثوریؒ سے بھی بڑھا ہوا ہے۔ (۲) عبد اللہ بن مبارک جو ہشیمؒ کے شاگرد خاص تھے، بیان کرتے ہیں کہ مرور وقت کی بناء پر بہت سے محدثین کا حافظہ آخر عمر میں متاثر ہو جایا کرتا تھا، لیکن ہشیمؒ کے قوت حفظ پر وقت کی پرچھائیں بھی نہ پڑ سکی۔ (۳) اسحاق الزورقی کہتے ہیں:

مارأيت مع هشيم الواحاً انما كان يجيئني الى المجلس ويقوم يعني يكفني بحفظه (۴) میں نے ہشیمؒ کے ساتھ کبھی کاپیاں نہیں دیکھیں۔ وہ مجلس درس میں شریک ہوتے اور اسی طرح اٹھ کھڑے ہوتے۔ یعنی اپنے حافظہ کو کافی بھیجتے۔

خود ہشیمؒ کی زبانی منقول ہے کہ میں ایک مجلس درس میں سوحدشیں زبانی یاد کر لیتا تھا اور پھر اگر ایک ماہ کے بعد بھی مجھ سے ان احادیث کے بارے میں سوال کیا جاتا تو میں جواب دے دیتا۔ (۵) ابراہیم الحاربی کا قول ہے:

كان حفاظ الحديث اربعة كان هشيم شيخهم (۶)

حفاظ حدیث چار تھے، جن میں ہشیم سب کے استاد تھے۔

ثقاہت اور تدلیس:۔ ان کی عدالت و ثقاہت مسلم ہے اور اس کا اعتراف علمائے جرح و تعديل نے بھی کیا ہے۔ لیکن اسی کے ساتھ بعض لوگوں نے ان پر تدلیس کا الزام عائد کیا ہے۔ یعنی وہ اپنے شیوخ کا نام لئے بغیر براہ راست اوپر کے ان رواۃ سے حدیث بیان کرتے تھے، جن سے انہیں سماع حاصل نہ تھا۔

اصول حدیث کے بعض علماء کے نزدیک ثقات کی مدلس روایات مقبول ہیں، لیکن مسلک جمہور میں ثقہ راوی کی مدلس روایت اس وقت تک قابل قبول نہ ہوگی، جب تک اس روایت کے کسی طریق میں سماع و تحدیث کی تصریح نہ مل جائے۔

علامہ ذہبیؒ نے ہشیمؒ کی کثرت تدلیس کا سبب یہ بیان کیا ہے کہ ”ہشیمؒ کے نزدیک عن سے

تدلیس روایت جائز تھی۔“ (۷) علامہ موصوفیؒ ہی تذکرہ میں رقمطراز ہیں:

(۱) مرآة البیان ج ۱ صفحہ ۳۹۳۔ (۲) المعرف فی خبر من غمر ج ۱ صفحہ ۲۸۶۔ (۳) تذکرۃ الحفاظ ج ۱ صفحہ ۲۲۶۔ (۴) میزان

الاعتدال ج ۳ صفحہ ۲۵۸۔ (۵) تاریخ بغداد ج ۱۴ صفحہ ۹۰۔ (۶) تاریخ بغداد ج ۱۴ صفحہ ۹۲۔ (۷) میزان الاعتدال ج ۳

لانزاع انه كان من الحفاظ الثقات الا انه كثير التدليس فقد روى عن جماعة لم يسمع منهم (۱)

انہوں نے ایسے شیوخ سے روایات کی ہیں جن سے ان کو سماع حاصل نہ تھا۔
ابن حبان نے کتاب الثقات میں ان کا ذکر کیا ہے۔ علامہ ابن سعد کا خیال ہے کہ جو حدیث وہ لفظاً خبرنا سے روایت کریں، صرف وہی قابل حجت ہوگی۔ اس کے علاوہ نہیں ”وما لم یقل فیہ اخبرنا فلیس بشیئی“ (۲)

ذکر اللہ کی کثرت :- ہشیم کی زبان ہر وقت خداوند قدوس کے ذکر اور تسبیح سے تر رہتی تھی، یہاں تک کہ دورانِ درس بھی ان کا ورد رہا کرتا تھا۔ حسین بن حسن رومی کہتے ہیں:

ما رأیت احداً اکثر ذکر اللہ عزوجل من ہشیم (۳)
میں نے ہشیم سے زیادہ کسی کو خدائے عزوجل کا ذکر کرتے نہیں دیکھا۔
امام احمدؒ فرماتے ہیں:

كان ہشیم كثير التسبیح بین الحديث یقول لا اله الا الله یمدبها صوته (۴)
ہشیم درس حدیث کے دوران بھی کثرت سے تسبیح پڑھتے تھے۔ لا اله الا الله پڑھنے کی آواز سنائی دیتی تھی۔

مناقب :- بایں ہمہ جلالتِ علم ہشیم گونا گوں مناقب و فضائل کے حامل تھے۔ چنانچہ عمر بن عون کا بیان ہے کہ ہشیم نے وفات سے قبل دس سال تک مسلسل عشاء کے وضو سے فجر کی نماز ادا کی تھی۔ (۵) اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ پوری شب عبادت و ریاضت میں گزرتی تھی۔ حماد بن زید کہتے ہیں:

ما رأیت محدثاً انبل من ہشیم
میں نے ہشیم سے زیادہ شریف کوئی محدث نہیں دیکھا۔
ابو حاتم کا قول ہے:

لا یسأل عن ہشیم فی صلاحہ و صدقہ و مانتہ (۶)
ہشیم کی نیکی اور صدق امانت کا کیا پوچھنا۔

(۱) تذکرۃ الحفاظ ج ۱ صفحہ ۲۲۶۔ (۲) طبقات ابن سعد ج ۱ صفحہ ۱۱۱۔ (۳) تہذیب التہذیب ج ۱ صفحہ ۶۲۔ (۴) تاریخ بغداد ج ۱ صفحہ ۸۹۔ (۵) البدایہ والنہایہ ج ۱ صفحہ ۱۸۴۔ (۶) میزان الاعتدال ج ۳ صفحہ ۲۵۷۔

بشارت :- اس کے علاوہ ان کے بارے میں سرور کائنات حضور اکرم ﷺ کی بہت سی ایسی منامی بشارتیں بھی منقول ہیں جو یقیناً ہشیم کے علوئے مرتبت اور جلالت شان کا ایک بڑا ثبوت ہیں۔

اسحاق الزبادی سے مروی ہے کہ میں بغداد میں ہشیم کی صحبت میں برابر آیا جایا کرتا تھا۔ وہیں ایک ثقہ شخص نے بیان کیا کہ ایک شب اس نے خواب میں رسول اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زیارت کی۔ آپ نے دریافت فرمایا کہ تم لوگ کس سے حدیث کا سماع حاصل کرتے ہو؟ عرض کیا کہ ہمیں ہشیم بن بشیر سے کسب فیض کی سعادت نصیب ہے؟ اس پر رسول اکرم ﷺ نے سکوت فرمایا۔ شخص موصوف نے اپنی بات دوبارہ عرض کی۔ سن کر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

نعم اسمعوا من ہشیم فنعم الرجل من ہشیم (۱)

ہاں ہاں ٹھیک ہے، ہشیم سے سماع کرو، کیونکہ بہت ہی اچھا آدمی ہے۔

مشہور بزرگ معروف الکثرخی بیان کرتے ہیں کہ مجھے ایک شب حالت منام میں رسول اللہ ﷺ کی زیارت نصیب ہوئی۔ میں نے دیکھا کہ آپ ﷺ ہشیم سے فرما رہے ہیں:

یا ہشیم جزاک اللہ تعالیٰ من امتی خیراً (۲)

اے ہشیم تمہیں اللہ تعالیٰ میری امت کی طرف سے جزائے خیر دے۔

وفات :- ہارون الرشید کے ایام خلافت میں ۱۰ شعبان ۱۸۳ ہجری کو بروز چہار شنبہ ہشیم کی وفات ہوئی۔ (۳) بغداد کے مشہور قبرستان خیزان میں تدفین عمل میں آئی۔ انتقال کے بعد ۷۹ سال کی عمر تھی۔ (۴)

(۱) تاریخ بغداد ج ۱۴ صفحہ ۹۳۔ (۲) تہذیب المعجم ج ۱۱ صفحہ ۲۲۔ (۳) تاریخ بغداد ج ۱۴ صفحہ ۹۳۔ (۴) طبقات ابن

حضرت یحییٰ بن ابی زائدہ رحمۃ اللہ علیہ

نام و نسب :- یحییٰ نام، ابوسعید کنیت اور والد کا نام زکریا تھا۔ جتنے سلسلہ نسب کا علم ہوا ہے، وہ یہ ہے:

یحییٰ بن زکریا بن ابی زائدہ بن میمون بن فیروز الہمدانی، اپنے دادا ابوزائدہ کی نسبت سے شہرت پائی۔ محمد بن ابی بکر الہمدانی سے تعلق ولاء رکھتے تھے۔

تعلیم و تربیت :- شیخ یحییٰ کے والد زکریا بن ابی زائدہ خود بڑے پایہ کے محدث اور فقیہ تھے۔ اس لئے یحییٰ کو علمی خانوادہ میں پیدا ہونے کے باعث علم سے قدرتی و فطری مناسبت تھی، پھر ان کے والد کو بھی شروع ہی سے اپنے بیٹے کی تعلیم کا بڑا خیال تھا۔

عیسیٰ بن یونس بیان کرتے ہیں کہ میں نے زکریا بن ابی زائدہ کو دیکھا ہے کہ وہ اپنے صغیر السن بچے کو مجالد سعید کی خدمت میں لے کر حاضر ہوتے تھے اور ان سے کہتے تھے: بیٹے ان حدیثوں کو یاد کر لو۔ مزید برآں یہ ہوا کہ یحییٰ کوفہ کے رہنے والے تھے، جو اس زمانہ میں اسلامی علوم و فنون کا گہوارہ تھا۔ آپ نے ان قدرتی مواقع سے پورا فائدہ اٹھایا۔

چنانچہ آپ نے حدیث کا سماع اپنے والد ماجد زکریا بن ابی زائدہ کے علاوہ ہشام بن عروہ، اسماعیل بن ابی خالد، سلیمان الأعمش، حجاج بن الارطاة، ابن غون اور عاصم الاحول جیسے اساطین علم و فن سے حاصل کیا اور اپنے ذوق و شوق اور شیوخ کے فیض التفات سے علم و فضل میں وہ بلند و ممتاز مقام حاصل کیا کہ منتخب علماء وقت میں شمار کئے جانے لگے۔

اساتذہ :- اوپر جن اکابر شیخ کا ذکر ہوا، ان کے علاوہ یحییٰ نے اور بھی بکثرت ائمہ سے کسب فیض کیا، جن میں کچھ نام یہ ہیں:

یحییٰ بن سعید الانصاری، عکرمہ بن عمار، ابومالک الاشجعی، ابن ابی غنیہ، عبد الملک بن عبد الحمید، مسعر بن کدام وغیرہ۔

علم و فضل :- یحییٰ کی جلالت علمی پر علمائے امت متفق الرائے ہیں۔ امام علی بن المدینی فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عباس اپنے زمانہ میں علم کے منتہاء تھے۔ ان کے بعد حضرت شعبیؒ اپنے عہد میں علم کے مرکز قرار پائے۔ پھر حضرت سفیان ثوری کا عہد آیا تو وہ امام وقت ہوئے۔ اسی

طرح حضرت یحییٰ بن ابی زائدہ اپنے زمانہ میں علم کے منجباء تھے۔ ایک دوسرے قول میں وہ مزید فرماتے ہیں کہ امام ثوریؒ کے بعد حضرت یحییٰ سے بڑھ کر کوئی شخص معتبر فی الحدیث نہیں تھا۔ حضرت یحییٰ بن سعید القطان مشہور امام جرح و تعدیل ہیں، لیکن وہ بھی یحییٰ بن ابی زائدہ کی علمی جلالت و وجاہت کے اس درجہ معترف تھے کہ فرمایا کرتے تھے کہ کوفہ میں کوئی شخص ایسا نہیں ہے، جس کی مخالفت میرے لئے یحییٰ بن ابی زائدہ کی مخالفت سے زیادہ صبر آزما اور شدید ہو۔

حدیث :- ان کا خاص فن حدیث تھا، جس میں وہ یکتائے عہد تھے۔ ابو خالد الاحمر بیان کرتے ہیں کہ ”کان یحییٰ جید الاخذ للحدیث“ یحییٰ کو حدیث کے انتخاب میں بڑی بصیرت حاصل تھی۔ ان میں ایک خاص کمال یہ تھا کہ وہ عموماً کتاب دیکھے بغیر اپنے حافظہ سے روایت کرتے تھے، لیکن اس کے باوجود کیا مجال تھی کہ کہیں خطا ہو جائے۔

یحییٰ بن معین نقد و جرح میں نہایت متشدد تھے، لیکن وہ بھی صرف ایک حدیث میں یحییٰ بن ابی زائدہ کی غلطی کا دعویٰ کر سکے۔ فرماتے ہیں:

کان یحییٰ بن زکریا کیساً ولا اعلمہ اخطا الا فی حدیث واحد
یحییٰ بن ابی زائدہ نہایت فہیم و عقل تھے۔ ایک حدیث کے علاوہ مجھے ان کی کسی غلطی کا علم نہیں۔

سفیان بن عیینہ کا قول ہے کہ عبد اللہ ابن مبارک اور یحییٰ بن ابی زائدہ دو ایسی شخصیتیں ہیں کہ ہم نے ان کا مثل نہیں دیکھا۔

مدارِ اسناد :- یحییٰ اپنے زمانہ میں اسناد کے سب سے بڑے مدار تھے۔ علی بن المدینی بیان کرتے ہیں کہ اسناد کا دار و مدار پہلے زمانہ میں چھ بزرگوں پر تھا۔ آپ نے ان کے اسمائے گرامی بھی شمار کرائے، پھر ان چھ ارباب علم و فضل کا علم ایسے مختلف اصحاب کی طرف منتقل ہو گیا جنہوں نے علم کی مختلف شاخوں میں کمال پیدا کیا۔ (علی بن المدینی نے اس موقع پر بھی ان بزرگوں کا نام لیا) پھر ان سب کا علم دو بزرگوں پر آ کر ختم ہو گیا۔

ایک ابو سعید یحییٰ بن سعید جو بنو تمیم کے غلام تھے اور جنہوں نے صفر ۱۹۸ ہجری میں وفات پائی اور دوسرے بزرگ یحییٰ بن زکریا بن ابی زائدہ ہیں، کیا عجیب اتفاق ہے کہ جس طرح یہ

دونوں بزرگ نام اور کنیت میں یکساں ہیں، علم کی جامعیت و مرکزیت میں بھی ایک ہیں۔
ثقاہت :- ثقاہت اور ثقت کے لحاظ سے بھی ان کا پایہ بہت بلند تھا۔ تمام ائمہ حدیث ان کی
ثقاہت پر متفق ہیں۔ حضرت یحییٰ بن معین سے پوچھا گیا کہ آپ کو ابن سہر زیادہ محبوب ہیں یا یحییٰ
بن ابی زائدہ۔ بولے ”دونوں ثقہ اور قابل قبول ہیں۔“

امام نسائی اور عجل بھی انہیں ثقہ قرار دیتے ہیں۔ ابن نمیر اتقان کے لحاظ سے ان کو امام شافعی
سے بھی فائق مانتے ہیں۔ ابو حاتم فرماتے ہیں وہ مستقیم الحدیث ثقہ اور صدوق ہیں۔ حافظ ابن حجر
لکھتے ہیں کہ یحییٰ بن ابی زائدہ کا شمار کوفہ کے حفاظ حدیث میں ہوتا ہے۔ وہ متقن ثبت اور صاحب
سنت تھے۔

فقہ :- حدیث کی طرح ان کو فقہ میں بھی کمال حاصل تھا۔ چنانچہ ان کا شمار کوفہ کے فقہاء و محدثین
میں ہوتا ہے۔ ایک مرتبہ حضرت عجل کے سامنے یحییٰ بن ابی زائدہ کا ذکر آ گیا تو انہوں نے جواب
دیا کہ یہ بھی ثقہ ہیں اور ان کے والد زکریا بن ابی زائدہ بھی ثقہ تھے۔ اور دونوں ان کا براہ راست
سے ہیں جو حدیث اور فقہ دونوں کے جامع تھے۔

حسن بن ثابت ایک مرتبہ یحییٰ سے ملاقات کرنے کے بعد لوٹے تو انہوں نے بیان کیا کہ
میں کوفہ کے سب سے بڑے فقیہ (یحییٰ بن ابی زائدہ) کے پاس مہمان تھا۔
افتاء :- فقہی کمال کے ساتھ وہ صاحب افتاء بھی تھے۔ ابن عماد حنبلی انہیں امام ابو حنیفہ کے
اصحاب میں شمار کرتے ہیں۔

عہدہ قضاء اور وفات :- کمال تفقہ اور ثقت فی العلم کی وجہ سے ان کو وفات سے چار ماہ
پیشتر مدائن کی قضاء کا عہدہ پیش کیا گیا، جس کو انہوں نے منظور کر لیا۔ یہ زمانہ ہارون کی حکومت کا
تھا۔ لیکن عمر نے وفات نہیں کی اور اسی عہدہ قضاء پر مامور ہونے کی حالت میں بمابہ جمادی الاولیٰ
۱۸۳ ہجری میں مدائن میں وفات پائی۔ صاحب شذرات نے ۱۸۲ ہجری کے دفیات میں ذکر کیا
ہے۔ اس وقت عمر ۶۳ سال کی تھی۔

تصنیفات :- یحییٰ بن ابی زائدہ کو دیگر محدثین میں ایک نمایاں خصوصیت یہ بھی حاصل تھی کہ وہ
کوفہ کے سب سے پہلے امام ہیں جنہوں نے حدیث میں تصنیف کی۔ علامہ بغدادی، علامہ سمعانی
اور حافظ ابن حجر تینوں لکھتے ہیں کہ:

وهو اول من صنف الكتب بالكوفة

وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے کوفہ میں کتابیں تصنیف کیں۔
 ان کا انداز تصنیف اتنا مقبول ہوا کہ ان کے بعد بعض اور ائمہ نے بھی تصنیف کی طرف توجہ
 کی تو انہیں کے نقش قدم کو دلیل راہ بنانا پڑا۔
 چنانچہ منقول ہے کہ امام وکیع نے اپنی کتابوں میں یحییٰ بن ابی زائدہ کی ہی کتابوں کی پیروی
 کی۔

ان کی تصنیفات کی تعداد اور دیگر تفصیلات کے بارے میں اہل تذکرہ خاموش ہیں۔ ابن
 ندیم نے صرف ایک کتاب کتاب السنن کی تصریح کی ہے۔ اغلب ہے کہ جس طرح اور بہت سی
 ائمہ کی تصنیفات گوشہ خمول میں گم ہیں، ان کی بھی نادار الوجود ہیں۔

حضرت یحییٰ بن یحییٰ اللیثی المصودی رحمۃ اللہ علیہ

موطا کو امام مالکؒ سے روایت کرنے والوں کی تعداد بقول شاہ عبدالعزیز صاحبؒ محدث دہلوی ایک ہزار ہے۔ لیکن موطا کے جو نسخے مشہور و معتبر ہیں، ان میں یحییٰ بن یحییٰ مصودی کا روایت کردہ نسخہ بھی ہے، بلکہ مصودی کی روایت کو بالاتفاق معتبر ترین و مقبول ترین قرار دیا جاتا ہے۔ اس کی شہرت کا اندازہ لگانے کے لئے اس بات کا ذکر کافی ہے کہ آج موطا کا نام ذہن میں آتے ہی اس سے مراد نسخہ مصودی ہوا ہے۔ یحییٰ اپنی گونا گوں صلاحیتوں کی بناء پر امام مالکؒ کے محبوب ترین تلامذہ میں تھے۔ اندلس میں مالکی مذہب کا چرچا ان ہی کی وجہ سے ہوا۔

نام و نسب :- یحییٰ نام اور ابو محمد کنیت تھی۔ پورا سلسلہ نسب یہ ہے:

یحییٰ بن یحییٰ بن کثیر بن وسلاس بن شملل بن منغایا اللیثی (۱) طنجہ کے ایک مشہور بربری قبیلہ مصمودہ سے تعلق رکھتے تھے۔ بنو لیث کے غلام تھے۔ ان کے اجداد میں وسلاس اور دوسری روایت کے مطابق منغایا، یزید بن عامر اللیثی کے دست حق پرست پر مشرف باسلام ہوئے تھے۔ انہی بزرگ کی طرف منسوب ہو کر یحییٰ اللیثی کے نام سے شہرت پائی۔ (۲)

ولادت :- یحییٰ کے دادا کثیر نے جن کی کنیت ابو عیسیٰ تھی، اندلس کو اپنا وطن ثانی بنا کر قرطبہ میں سیکونت اختیار کر لی تھی۔ وہیں ۱۵۲ ہجری میں یحییٰ کی ولادت ہوئی۔ (۳)

تحصیل علم :- شیخ یحییٰ نے سب سے پہلے قرطبہ ہی میں یحییٰ بن مضر الاندلسی سے احادیث کی سماعت کی اور پھر امام مالکؒ کے تلمیذ رشید زیاد بن عبدالرحمن النخعی سے پوری موطا کا سماع کیا۔ اس کے بعد طلب علم کے جذبہ شدید نے انہیں آمادہ سفر کیا اور وہ کشاکش اور بارنبوی پہنچے، ابن فرحون اور حافظ ابن عبدالبر کے بیان کے مطابق اس وقت ان کی عمر صرف اٹھارہ سال کی تھی۔ (۴) لیکن صاحب اوجز کی تحقیق ہے کہ ان کی عمر ۲۸ سال تھی، اس لئے کہ شیخ یحییٰ کی ولادت ۱۵۲ ہجری میں ہوئی اور ۱۷۹ ہجری میں وہ سماع موطا کے لئے مدینہ آئے۔ اسی سال امام مالکؒ کی وفات ہوئی۔ (۵)

مدینہ میں اس وقت امام مالکؒ اپنے فیض کا دریا رواں کئے ہوئے تھے، مصمودی نے ان

(۱) ابن خلکان ج ۳ صفحہ ۱۷۲۔ (۲) الدبیاج المذہب صفحہ ۳۵۰۔ (۳) مقدمہ اوجز المسالک صفحہ ۶۶۔ (۴) الدبیاج

المذہب صفحہ ۳۵۰ والاقتضاء لابن عبدالبر صفحہ ۵۸۔ (۵) مقدمہ اوجز صفحہ ۶۶

سے موطا کی سماعت کی، لیکن اسی اثناء میں امام مالکؒ اپنے آخری سفر پر روانہ ہو گئے اور کتاب الاعتکاف کے تین ابواب سماعت سے رہ گئے۔ اسی بناء پر یحییٰ ان ابواب کو زیادہ سے روایت کرتے ہیں۔ بعض محققین کا خیال ہے کہ یہ ابواب امام مالکؒ کی وفات کی وجہ سے نہیں بلکہ کسی اور مانع کی بناء پر سماعت سے رہ گئے۔ اور امام مالکؒ کی وفات شیخ یحییٰ کے دوسری مرتبہ مدینہ آنے کے وقت ہوئی۔ اس تحقیق کے مطابق ابن عبدالبر کا یہ خیال درست معلوم ہوتا ہے کہ سماع موطا کے وقت مصمودی کی عمر ۱۸ سال کی تھی اور اغلب ہے کہ جب مصمودی امام مالکؒ کے انتقال کے وقت ان کی خدمت میں تھے، اس وقت ان کی عمر ۲۸ سال ہی ہو۔

مصمودی نے تحصیل علم کے لئے اندلس سے دو مرتبہ مشرق کا سفر کیا۔ پہلی مرتبہ میں انہوں نے امام مالکؒ کے علاوہ سفیان بن عیینہ، لیث بن سعد، عبداللہ بن وہب اور نافع بن نعیم القاری سے کسب فیض کیا۔ دوسرے علمی سفر میں انہوں نے ابن القاسم سے جو کہ امام مالکؒ کے اعیان تلامذہ میں شمار کئے جاتے ہیں، سماع حدیث کی۔ (۱)

شیوخ:۔ امام مالکؒ کے علاوہ مصمودی کو جن کبار ائمہ سے استفادہ کا شرف حاصل ہوا، ان میں مشہور نام یہ ہیں:

یحییٰ بن مضر، زیاد بن عبدالرحمن، لیث بن سعد، سفیان بن عیینہ، عبداللہ بن وہب ابن القاسم، قاسم بن عبداللہ العمری، انس بن عیاض۔

تلامذہ:۔ مصمودی کے منبع فیض سے جو لوگ مسفید ہوئے، ان میں قحی بن مخلد، محمد بن وصاح، محمد بن العباس، صباح بن عبدالرحمن العتقی وغیرہ شامل ہیں۔ (۲)

علمی انہماک:۔ تحصیل علم کے لئے جس لگن، انہماک اور ذوق و شوق سے احتیاج ہوتی ہے، وہ ان میں بدرجہ اتم موجود تھا، جب امام مالکؒ کی خدمت میں سماع موطا کے لئے حاضر ہوئے تو دنیا و مافیہا سے بے تعلق ہو کر انہوں نے کلی توجہ سماع حدیث پر صرف کی۔

چنانچہ بیان کیا جاتا ہے کہ ایک بار اثناء درس میں کسی نے کہا: ”ہاتھی آ گیا۔“ تمام شرکاء درس ہاتھی دیکھنے چلے گئے، لیکن یحییٰ اپنی جگہ سے ہلے تک نہیں۔ امام مالکؒ نے تعجب سے دریافت کیا کہ ”اندلس میں تو ہاتھی ہوتا نہیں، پھر تم کیوں نہیں دیکھنے گئے؟“

شیخ یحییٰ نے اس کا جو جواب دیا وہ بلاشبہ ہر عصر و عہد میں طالبان علم کے لئے دلیل راہ بنانے

(۱) الاثناء لابن عبدالبر صفحہ ۵۸۔ (۲) تہذیب التہذیب ج ۱۱ صفحہ ۳۰۱۔

کے لائق ہے، فرمایا:

لَمَّا رَحَلَ لَانْظَرَ الْفِيلَ وَانْمَارَحَلَتْ لَاشْهَدَكَ وَاتَعْلَمُ مِنْ عِلْمِكَ
وَهْدِيكَ

میں یہاں ہاتھی دیکھنے کے لئے نہیں آیا، میں تو یہاں اتنی دور سے صرف آپ کا فیض صحبت اٹھانے اور آپ کے علم و سیرت سے کچھ حاصل کرنے آیا ہوں۔

اپنے لائق فخر شاگرد کا یہ جواب سن کر امام مالکؒ اتنے زیادہ خوش ہوئے کہ انہوں نے اسی وقت شیخ یحییٰ کو ”عاقِل اہل الاندلس“ کا خطاب عطا فرمایا۔ (۱)

تففقہ :- روایت حدیث کے ساتھ ساتھ شیخ یحییٰ کو فقہ میں بھی درجہ کمال حاصل تھا، یہ تفقہ ان کی ذاتی صلاحیت اور محنت کے ساتھ ساتھ امام مالک اور سفیان بن عیینہ کے فیض صحبت کا نتیجہ تھا۔ اندلس میں فقہ مالکی کی اشاعت میں اسد بن فراتؒ، ابن حاتمؒ اور عبداللہ بن وہبؒ وغیرہ کے ساتھ مصموعی کا بھی بڑا حصہ ہے۔ حافظ ابن حجرؒ انہیں ”وكان فقيهاً حسن الرواي“ لکھتے ہیں۔ (۲)

افتاء :- مصمودی کے غیر معمولی تفقہ ہی کا نتیجہ تھا کہ اہل اندلس ان کے فتوؤں پر پورا اعتماد کرتے تھے۔ اس فن میں ان کی مہارت مسلم تھی، محققین کا اتفاق ہے کہ یحییٰ جب مختلف ممالک سے تحصیل علم کرنے کے بعد اندلس واپس آئے تو مسند علم کی صدارت ان کے حصہ میں آئی۔

ابن خلکان نے لکھا ہے:

إن يحيى عاد إلى الاندلس وانتهدت إليه رئاسة بها وبه انتشر مذهب
مالك في تلك البلاد وتفقه به جماعة لا يحصون عدداً (۳)

بلاشبہ یحییٰ اس حال میں اندلس واپس آئے کہ ان کی ذات علماء و مدرسین کا مرکز و منتہی بن گئی۔ یحییٰ ہی کے ذریعہ اندلس میں مالکی مذہب فروغ پذیر ہوا اور ان سے اتنے لوگوں نے تفقہ حاصل کیا جن کی تعداد کا شمار ممکن نہیں۔

حافظ ابن عبدالبرؒ رقمطراز ہیں:

قدم إلى الاندلس بعلم كثير فدارت فتيا الاندلس بعد عيسى بن دينار إليه
وانتهى السلطان والعامه إلى رأيه (۴)

(۱) ابن خلکان ج ۳ صفحہ ۱۷۳ و مقدمہ جزو غیرہ۔ (۲) تہذیب التہذیب ج ۱۱ صفحہ ۳۰۱۔ (۳) ابن خلکان ج ۳ صفحہ ۱۷۳۔ (۴) الاثناء لابن عبدالبر صفحہ ۵۹۔

یحییٰ کثیر علم کے ساتھ اندلس واپس آئے، پس اندلس کے منصب افتاء پر یحییٰ بن دینار کے بعد وہی فائز تھے اور عوام و خواص سب آپ ہی کی رائے کی طرف رجوع کرتے تھے۔

حق گوئی و بیباکی :- فقہ و فتاویٰ میں وہ اپنی رائے کا اظہار برملا کرتے تھے، اور اس میں کسی کے رعب و دبدبہ کی پرواہ نہیں کرتے تھے۔ یہاں تک کہ دربار شاہی بھی انہیں مرعوب نہیں کر سکتا تھا، ایک بار اندلس کے حاکم عبدالرحمن بن حکم الاموی نے ماہ رمضان میں اپنی محبوب لونڈی سے مجامعت کی۔ امیر میں چونکہ دین کا احساس باقی تھا، اس لئے اپنی اس اضطراری حرکت پر اسے شرمندگی اور کفارہ معصیت کی فکر دامنگیر ہوئی، اس نے شہر کے تمام فقہاء کو قصر شاہی میں طلب کر کے کفارہ کا مسئلہ دریافت کیا۔

یحییٰ مسمودی نے پوری بیباکی کے ساتھ فرمایا کہ امیر کو پے در پے دو مہینہ کے روزے رکھنے چاہئیں۔ شیخ یحییٰ کی جلالت شان کی وجہ سے وہاں کسی فقیہ کو ان سے اختلاف مجال نہ ہو سکی، لیکن دربار سے واپس آنے کے بعد بعض لوگوں نے عرض کیا کہ امام مالکؒ تو اس نوع کے مسائل میں خیار کے قائل ہیں۔ یعنی ان کے نزدیک کفارہ صوم میں روزہ دار کو اختیار ہے، چاہے غلام آزاد کرے یا ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائے یا دو ماہ کے مسلسل روزے رکھے، پھر آپ نے دو ماہ کے روزوں پر ہی کیوں اصرار کیا۔

یہ سن کر شیخ یحییٰ نے کتنا حکیمانہ جواب دیا:

لوفتحنا له هذا الباب سهل عليه ان يطأ كل يوم ويعتق رقبة فيه ولكن

حملته على اصعب الامر لئلا يعود (۱)

اگر ہم نے امیر کے لئے یہ دروازہ کھول دیا تو اس کے لئے بہت آسان ہوگا کہ روز مجامعت کرے اور کفارہ میں کوئی غلام آزاد کر دے۔ لیکن میں نے اس کے لئے مشکل صورت اختیار کی تاکہ آئندہ وہ اس فعل کی جرأت نہ کرے۔

جامعیت :- شیخ یحییٰ مسمودی کی شخصیت مختلف علمی، اخلاقی اور روحانی کمالات کا مجموعہ تھی۔ ان کے تبحر علمی اور جامعیت کو تمام محققین نے خراج تحسین پیش کیا ہے۔ ابن عماد حنبلی رقمطراز ہیں:

وكان اماماً كثير العلم كبير القدر وافر الحرمة كامل العقل خيرا للنس كثير

العبادة والعقل (۲)

(۱) شذرات الذهب ج ۲ صفحہ ۴۲۔ (۲) شذرات الذهب ج ۲ صفحہ ۴۲

وہ کثیر العلم، عظیم المرتبت اور نہایت ہی محترم و موثر امام تھے۔ ان کی عقل کامل تھی، نفس بہت نیک اور اچھا تھا، زیادہ عبادت کرنے والے تھے۔
احمد بن خالد کا بیان ہے:

لم يعط احد من اهل العلم بالاندلس منذ وخلقها الاسلام من الخطوة وعظم القدر و جلالة الذكر ما عطيه يحيى بن يحيى (۱)
جب سے اندلس میں اسلام داخل ہوا، یہاں کے علماء میں سے کسی کو وہ جاہ و جلال اور عظمت و برتری حاصل نہیں ہوئی جتنی یحییٰ بن یحییٰ (مسمودی) کو حاصل ہوئی۔
ابو الولید ابن الفرضی کا قول ہے کہ یحییٰ مسمودی امام وقت اور یکتائے زمن تھے۔ (۲) ابن لبابہ کہتے ہیں کہ ”الیہ انتہت الریاسة فی العلم بالاندلس“ (۳)
علامہ مقرئ نے لکھا ہے کہ شیخ یحییٰ کی روایت کو اس قدر مستند سمجھا جاتا تھا کہ مشرق کے علماء بھی اس سے استناد کرتے تھے۔ (۴)

جلالت شان:- یحییٰ مسمودی اپنے گونا گوں علمی کمالات کی بناء پر جس طرح عوام میں غیر معمولی عزت و احترام سے دیکھے جاتے تھے، اسی طرح خواص میں بھی ان کی بڑی توقیر کی جاتی تھی، حکومت کی جانب سے ان کو بار بار منصب قضاء کی پیشکش کی گئی، مگر انہوں نے پوری شان استغناء کے ساتھ اسے نامنظور کر دیا۔ اس کی وجہ سے ان کی عزت اور مرتبہ میں دو چند اضافہ ہو گیا۔ حتیٰ کہ سلطان وقت کی نگاہ میں ان کا مرتبہ اس درجہ بلند ہو گیا کہ ان کے مشورہ کے بغیر ملک کا کوئی اہم معاملہ انجام نہیں پاتا تھا، یہاں تک کہ گورنروں کو عزل و نصب میں بھی ان کی رائے کو مقدم رکھا جاتا تھا۔

ابن القوطیہ کا بیان ہے کہ یحییٰ اپنے بے لاگ عدل و انصاف کی وجہ سے اندلس کے بادشاہوں میں بڑی عزت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے، یہاں تک کہ جب تک وہ زندہ رہے، اندلس میں کوئی قاضی ان کے مشورہ کے بغیر مقرر نہیں ہوتا تھا۔ (۵)

علامہ ابن حزم اندلسی فرماتے ہیں کہ امام ابو حنیفہؒ کی فتہ کی اشاعت قاضی ابو یوسف کے چیف جسٹس ہونے کی بناء پر ہوئی، کیونکہ اس بلند عہدہ اور مخصوص علمی وقار کی وجہ سے اقصائے

(۱) الانتقاء لابن عبد البر صفحہ ۶۰۔ (۲) تہذیب التہذیب ج ۱۱ صفحہ ۳۰۱۔ (۳) الدیاج ج المذہب صفحہ ۳۵۱۔ (۴) فتح المطیب ج ۱ صفحہ ۲۹۰۔ (۵) افتتاح الاندلس صفحہ ۵۸۔

مشرق سے لے کر اقصائے افریقہ تک صرف ہی لوگ ذمہ دار منصبوں پر فائز کئے جاتے تھے، جو قاضی ابو یوسف کے ہم خیال وہم رائے ہوتے تھے، اسی طرح بلاد اندلس میں مالکی فقہ کی اشاعت یحییٰ مسمودی کے ذاتی اثر و رسوخ کی وجہ سے ہوئی۔ سلطان وقت حکام کے عزل و نصب میں ان ہی کے مشورہ سے کرتا تھا، چنانچہ وہ عہدوں پر تقرری کے لئے انہی علماء کو ترجیح دیتے تھے، جو امام مالک کے مسلک کے پابند ہوتے تھے۔ (۱)

علامہ سیوطی نے ابن حزم کے مذکورہ بالا قول کو نقل کرنے کے بعد لکھا ہے کہ بلاد مغرب میں صرف یحییٰ مسمودی کے روایت کردہ نسخہ موطا کے مشہور و مقبول ہونے کا اصل سبب یہی ہے۔ (۲) مسلک :- جیسا کہ اوپر مذکور ہوا، یحییٰ مسمودی کو امام مالک سے غایت درجہ عقیدت و محبت تھی، اسی بناء پر وہ مالکی مسلک کی شدت سے اتباع کرتے تھے اور اس سے انحراف کو گوارا نہیں کرتے تھے، حالانکہ اس زمانہ میں کسی ایک مذہب کی پابندی کا دستوری رائج نہ تھا۔ لیکن یحییٰ مسمودی مالکی مسلک کی کامل اتباع کے باوجود چار مسائل میں امام مالک سے اختلاف رکھتے تھے۔ ان مسائل میں ان کا جداگانہ مسلک یہ تھا:

- ۱۔ نماز فجر میں قنوت نہیں ہے۔
- ۲۔ شاہد مع الیمین اثبات حق کے لئے ناکافی ہے۔ مدعی کو اپنا حق ثابت کرنے کے لئے دو مرد گواہ یا ایک مرد اور دو عورتیں پیش کرنا لازمی ہے۔
- ۳۔ شوہر اور بیوی کے نزاع و اختلاف کی صورت میں حکمین کو صلح کرانے کا حق نہیں، مذکورہ بالا مسائل میں وہ لیث بن سعد کے مسلک کے قائل تھے۔ (۳)
- حلیہ :- یحییٰ بن مسمودی شکل و ہیئت کے اعتبار سے امام مالک سے حد درجہ مشابہت رکھتے تھے۔ وہی سرخ سپید رنگ، بالا قد، بھاری بدن، کشادہ پیشانی، بڑی آنکھیں، اونچی ناک، گھنی اور لمبی داڑھی تھی۔

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رقمطراز ہیں:

دروضع لباس و نشست و برخاست و ہیئت ظاہری نیز تتبع حضرت امام مالک می نمود۔ (۴)
وضع قطع، اٹھنے بیٹھنے کے طور طریقے، ظاہری شکل و صورت اور اتباع میں امام مالک کی ہو بہو تصویر تھے۔

(۱) بحوالہ بستان الحدیث صفحہ ۱۱۔ (۲) تزئین الممالک صفحہ ۵۶۔ (۳) الانقاء لابن عبدالبر صفحہ ۶۰۔ (۴) بستان الحدیث صفحہ ۱۳

مؤرخ ابن خلکان اور ابن فرحون مالکی بھی اس کی تصدیق کرتے ہیں کہ:

وكان قد اخذ في نفسه وهيته ومقعده هيئة مالک (۱)

وہ اپنی شکل و صورت اور نشست و برخاست میں امام مالک کے ہم صورت و قبیح تھے۔

تقویٰ و طہارت :- یحییٰ مصمودی علمی فضل و کمال کے ساتھ عملی اعتبار سے بھی اپنی مثال آپ تھے۔ نہایت متقی اور پرہیزگار تھے، ابن بشکوال کا قول ہے کہ:

”وكان مستجاب الدعوات“ (۲)

حافظ ابن عبد البر لکھتے ہیں:

وكان ياتي الجامع يوم الجمعة راجلاً متعملاً (۳)

وہ جمعہ کے دن جامع مسجد عمامہ باندھ کر اور پیدل چل کر آتے تھے۔

وفات :- ۲۲ رجب ۲۳۲ ہجری کو علم و فضل کا یہ خورشید تاباں غروب ہو گیا، جس نے اپنی

ضیاء باری سے نصف صدی سے بھی زائد عرصہ تک اندلس کو منور رکھا۔ (۴) اس وقت عمر ۸۲ سال کی

تھی۔ (۵) ان کی قبر قرطبہ کے قبرستان بنی عامر میں زیارت گاہ خلایق اور مرجع عوام ہے۔ (۶)

موطا نسخہ مصمودی کی خصوصیات :- شیخ یحییٰ مصمودی کا سب سے بڑا کارنامہ امام مالکؒ

کی موطا کی روایت و حفاظت ہے، جس نے بلاشبہ انہیں تاریخ علم و فن میں حیات جاوداں عطا کی

ہے۔

امام مالکؒ سے یوں تو سینکڑوں لوگوں نے موطا کا سماع حاصل کیا، لیکن ان سب نے امام

صاحبؒ کی مرویات کو محفوظ نہیں کیا، صرف سولہ تلامذہ نے اپنی روایت کے مطابق موطا کو جمع کیا

ہے، جن کے اسمائے گرامی درج ذیل ہیں۔

یحییٰ بن یحییٰ مصمودی، عبد اللہ بن وہب، ابن القاسم، عبد اللہ بن مسلم قعنبنی، معین بن عیسیٰ،

یحییٰ بن بکیر، سعید بن عفیر، ابو مصعب زہری، مصعب بن عبد اللہ زہیری، سلیمان بن برد،

ابو حذافہ اسہمی، سوید بن سعید، امام محمد حسن شیبانی، یحییٰ بن یحییٰ التیمی، عبد اللہ بن یوسف دمشقی، محمد

بن مبارک۔

مذکورہ بالا سولہ نسخوں میں مشہور اور متداول صرف دو نسخے ہیں۔ ایک مصمودی کا دوسرا امام محمد

(۱) ابن خلکان ج ۳ صفحہ ۱۷۴۔ الذبیاج المذہب صفحہ ۳۵۱۔ (۲) تہذیب التہذیب ج ۱۱ صفحہ ۳۰۱۔ (۳) الاثقاء لابن

عبد البر صفحہ ۶۰۔ (۴) ابن خلکان ج ۳ صفحہ ۱۴۴۔ (۵) المعجم فی خبر من غمر ج ۱ صفحہ ۴۱۹۔ (۶) ابن خلکان ج ۳ صفحہ ۱۴۵

کا، لیکن ان دونوں میں بھی نسخہ مصمودی کو زیادہ شہرت اور مقبولیت نصیب ہوئی۔ حتیٰ کہ آج ساری دنیا میں موطا کا اطلاق نسخہ مصمودی ہی پر ہوتا ہے۔

اس نسخہ کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ وہ امام مالکؒ کے وفات کے وقت زیر سماعت تھا، کیونکہ جیسا اوپر مذکور ہوا، یحییٰ مصمودی نے اس کا سماع امام مالکؒ سے اسی سال کیا، جس سال ان کی رحلت ہوئی، اس طرح وہ موطا کے تمام نسخوں میں آخری قرار پاتا ہے، اور ظاہر ہے، آخری سماع کو مرجع قرار دیا جائے گا۔

دوسری نمایاں خصوصیت اس کی یہ ہے کہ یہ بہت سے ایسے فرعی مسائل پر مشتمل ہے جو کہ باب میں مذکور روایات کے مطابق ہیں، ان خصوصیت کے باوجود یحییٰ مصمودی کی روایت صحاح ستہ میں نہیں پائی جاتی ہیں، اس کا سبب شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ نے یہ بتایا ہے کہ یحییٰ کی روایات میں اوہام زیادہ ہیں، اس لئے وہ کتب ستہ میں جگہ نہ پاسکیں۔ (۱)

بعض محققین موطا امام محمدؒ کو نسخہ مصمودی پر کوئی وجہ سے فوقیت دیتے ہیں، لیکن اس سلسلہ میں محدث زاہد الکوثریؒ کی یہ رائے نہایت حقیقت پر مبنی معلوم ہوتی ہے کہ دونوں نسخے اپنی جداگانہ خصوصیت میں باہم دگر فوقیت رکھتے ہیں۔ وہ رقمطراز ہیں:

واشهر روايات في هذا العصر رواية محمد بن الحسن بين المشاركة ورواية يحيى الليثي المصمودي بين المغاربة فالأولى تمتاز ببيان ما اخذ به اهل من احاديث اهل الحجاز المدونة في الموطا ومالم ياخذ به لادلة اخرى ساقها محمد في موطئه وهي نافعة جداً لمن يريه المغاربة بين آراء اهل المدينة وآراء اهل العراق وبين ادلة الفريقين والثانية تمتاز من نسخ الموطا كلها باحتوائها على آراء مالک البالغة نحو ثلاث آلاف مسئلة في ابواب الفقه وهاتان الروايتان في غابات الكثرة في خزانات العالم شرقاً وغرباً (۲)

اس دور میں موطا کی مشہور ترین روایت اہل مشرق میں امام محمد بن حسن کی روایت ہے اور اہل مغرب میں یحییٰ اللیثی کی روایت، پہلی روایت کا امتیاز یہ ہے کہ اس میں اہل عراق نے موطا میں مدونہ جن احادیث اہل حجاز کو لیا ہے اور جن کو دوسرے دلائل کی بناء پر جو امام محمدؒ اپنی موطا میں لائے ہیں، نہیں لیا ہے۔ ان کا بیان ہے، اور یہ چیز ان لوگوں کے لئے نہایت مفید ہے جو اہل

(۱) اوجز المسالك صفحہ ۲۷۔ (۲) مقالات الکوثری صفحہ ۸۰، ۷۹۔ طبع مصر بحوالہ موطا امام محمدؒ

مدینہ اور اہل عراق کے اجتہادی مسائل اور فریقین کے دلائل کا باہم موازنہ کرنا چاہتے ہیں اور دوسرے روایت موطا کی تمام روایتوں میں اس حیثیت سے ممتاز ہے کہ وہ تین ہزار کے قریب امام مالکؒ کے ان اجتہادی مسائل پر مشتمل ہے، جن کا تعلق فقہ کے مختلف ابواب سے ہے اور یہ دونوں روایتیں دنیا کے کتب خانوں میں شرقاً و غرباً نہایت کثرت سے موجود ہیں۔

تاہم آج موطا امام مالکؒ کے نام سے جو کتاب بالخصوص ہندوستان میں مروج ہے، وہ یحییٰ مسمودی ہی کی روایت ہے اور اسی کی شرحیں زرقانی، ابن عبدالبر، سیوطیؒ اور شاہ ولی اللہ وغیرہم نے لکھی ہیں، یہ بات بجائے خود ان کی مقبولیت اور شہرت کی روشن دلیل ہے۔

حضرت یحییٰ بن یمان رحمۃ اللہ علیہ

نام و نسب :- یحییٰ نام، ابو زکریا کنیت اور والد کا نام یمان تھا۔ (۱) عجمی خاندانی نسبت ہے۔ (۲)
ولادت :- خود اپنے بیان کے مطابق ۷۱۱ ہجری میں پیدا ہوئے۔ (۳)
فضل و کمال :- علمی اعتبار سے اکابر حفاظ حدیث اور ممتاز تبع تابعین میں تھے۔ حدیث کے علاوہ فقہ اور علوم قرآن میں بھی بلند مرتبہ حاصل تھا۔ عبادت و ریاضت، سادگی و تواضع اور ذہانت و فطانت کا پیکر تھے، حافظ ذہبی ”الحافظ الصدوق“ لکھتے ہیں۔ (۴)
قرآن :- ابن یمان کو قرأت قرآن میں کامل دستگاہ حاصل تھی۔ اس کی تعلیم انہوں نے حمزہ بن حبیب الزیات (۸۰ ہجری، ۱۵۸ ہجری) سے حاصل کی تھی۔ (۵) جو اپنے عہد میں علم قرأت کے ماہر اور امام تسلیم کئے جاتے تھے۔ ان کا شمار قراء سبعہ میں ہوتا ہے۔

حدیث :- اگرچہ ان کے پایہ حدیث پر علماء نے کافی جرح کی ہے، تاہم یہ حقیقت ہے کہ اس فن میں وہ کافی دسترس رکھتے تھے۔ اگرچہ ان کے حافظہ میں کوئی ضعف تھا (جیسا کہ ذکر کیا جاتا ہے) تو وہ بھی عمر کے آخری حصہ میں اور کچھ خارجی اسباب کی بناء پر پیدا ہوا تھا، اس کی تفصیل آئندہ سطور میں آرہی ہے۔ حدیث میں انہوں نے ہشام ابن عروہ، سلیمان الاعمش، اسماعیل بن ابی خالد، معمر بن راشد، منہال بن حلیفہ، حمزہ بن حبیب الزیات اور سفیان ثوری جیسے جلیل القدر علماء سے استفادہ کیا تھا۔ (۶)

تلامذہ :- ابن یمان نے اپنے وطن کوفہ کے علاوہ بغداد میں بھی حدیث کا چشمہ جاری کیا تھا، جس سے فیض یاب ہونے والوں میں محمد بن عیسیٰ الطباعی، یحییٰ بن معین، حسن بن عروہ، محمد بن نمیر، داؤد بن یحییٰ بن یمان، ابو ہشام الرفاعی، اسحاق بن ابراہیم بن حبیب، علی بن حرب الطائی کے نام لائق ذکر ہیں۔ (۷)

جرح و تعدیل :- ان کی ثقاہت و عدالت پر کافی کلام کیا گیا ہے، تمام بیانات کا تجزیہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ شروع میں ابن یمان کی صداقت مسلم تھی، لیکن پھر مرض فالج میں مبتلا ہو جانے کے بعد ان کے ذہن و دماغ کی پہلی والی کیفیت باقی نہیں رہ گئی تھی، اس لئے روایت

(۱) طبقات ابن سعد ج ۶ صفحہ ۲۷۷۔ (۲) اللباب فی الانساب ج ۳ صفحہ ۱۲۳۔ (۳) تاریخ بغداد ج ۱۲ صفحہ ۱۲۱۔ (۴) تذکرۃ الحفاظ للذہبی ج ۱ صفحہ ۲۶۰۔ (۵) ایضاً۔ (۶) تہذیب التہذیب ج ۱۱ صفحہ ۳۰۶۔ (۷) تاریخ بغداد ج ۱۳ صفحہ ۱۲۰

حدیث میں تشابہ اور اختلاط پیدا ہونے لگا۔ بعض علماء کا یہ بھی خیال ہے کہ ان کا حافظہ جتنا زیادہ تیز تھا، ویسا ہی وہ سرلیج النسیان بھی تھے۔ اور ان سے بلاشبہ راوی کا پایہ ثبوت و اتقان مجروح ہوتا ہے۔ ابن مدینی کا بیان ہے ”صدوق فلج فتغیر حفظہ“۔ (۱) یعنی وہ صدق ہیں، لیکن فاج زده ہونے کے بعد ان کے حافظہ کی کیفیت بدل گئی تھی۔

علامہ ابن سعد رقمطراز ہیں:

کان کثیر الحدیث لایحج بہ اذا خولف (۲)
وہ کثیر الحدیث تھے، لیکن جب ان کی روایت کسی دوسری روایت سے مختلف ہو تو وہ لائق حجت نہیں۔

یعقوب بن شیبہ کا قول ہے:

وکان صدوقاً کثیر الحدیث وانما انکر علیہ اصحابنا کثرة الغلط ولی
بحجة اذا خولف (۳)

وہ صدوق اور کثیر الحدیث تھے، ہمارے بعض احباب نے ان کو ناپسند کیا ہے، وہ بکثرت غلطیاں بھی کرتے تھے، اس لئے مخالفت کی صورت میں قابل حجت نہیں۔

ان تمام آراء سے ابن یمان کی صداقت و عدالت کی بین شہادت تو ملتی ہے، لیکن ساتھ ہی کثرت خطا اور تغیر حفظ کا بھی پتہ چلتا ہے، جیسا کہ اوپر مذکور ہوا، یہ ضعف و نقص آخر عمر میں فاج کے ناگہانی حادثہ کا نتیجہ تھا، ورنہ حاشا کذب عمد کو اس میں کوئی دخل نہ تھا۔ اس کی تائید ابن عدی کے اس بیان سے بھی ہوتی ہے کہ:

وهو فی نفسه لا یتعمد الکذب الا انه یخطی ویشبه علیہ (۴)
وہ فی الحقیقت کذب عمد کا ارتکاب نہ کرتے تھے، بلکہ تشابہ و غلطی ہو جایا کرتی تھی۔

علامہ ذہبی لکھتے ہیں کہ امام بخاریؒ کے سوا محدثین کی ایک بڑے جماعت نے ان سے روایت کی تخریج کی ہے۔ (۵) عجلی کا بیان ہے:

کان من کبار اصحاب الثوری وکان ثقة جائزاً الحدیث متعبداً معروفاً

(۱) میزان الاعتدال ج ۳ صفحہ ۲۰ و المعرف فی خبر من غمر ج ۱ صفحہ ۳۰۴۔ (۲) خلاصہ تہذیب و تہذیب الکمال صفحہ ۴۲۹ و تہذیب الکمال ج ۴۲۹ و تہذیب الکمال ج ۱۱ صفحہ ۳۰۷۔ (۳) میزان الاعتدال صفحہ ۳۰۷۔ (۴) تذکرہ ج ۱ صفحہ ۲۶۔ (۵) ایضاً۔

بالحدیث صدوقاً الا انه فلج فتغیر حفظه (۱)

وہ امام سفیان ثوری کے ثقہ کبار تلامذہ میں تھے، علاوہ ازیں جائز الحدیث عبادت گزار اور صدوق تھے۔ الا یہ کہ فاج زدہ ہونے کے بعد قوت حافظہ میں کچھ تغیر ہو گیا تھا۔
قوت حافظہ :- ان کا حافظہ بہت قوی تھا، اس کا پورا اندازہ اسی سے ہو سکتا ہے کہ امام وکیع جو اپنی غیر معمولی قوت حفظ کی بناء پر عدیم النظر تھے، بیان کرتے ہیں:

ماکان احد من اصحابنا احفظ للحدیث من یحیی بن الیمان کان یحفظ

فی المجلس الواحدہ خمسائہ حدیث (۲)

ہمارے ساتھیوں میں حدیث کا حافظ یحییٰ بن الیمان سے بڑا کوئی نہ تھا، وہ ایک مجلس میں پانچ سو حدیثیں یاد کر لیتے تھے۔

خود انہی کا بیان ہے کہ میں نے تفسیر کے باب میں سفیان ثوریؒ سے چار ہزار حدیثیں زبانی یاد کی تھیں۔ (۳)

محمد بن عمار کہتے ہیں کہ میں نے ابن عمار کے مفلوج ہو جانے کے بعد ان سے سماع کیا تھا۔ وہ کسی کتاب سے نہیں بلکہ اپنے حافظہ کی بنیاد پر ہم سے روایت بیان کرتے تھے۔ (۴)
عبادت :- زیور علم کے ساتھ دولت عمل سے بھی مالا مال تھے۔ علامہ ذہبی رقمطراز ہیں کہ ”وکان من العلماء العابدین“ (۵) حتیٰ کہ دنیا سے بے تعلقی اور کثرت ریاضت کی بناء پر ابن عیاش نے انہیں راہب تک کہا ہے۔ (۶)

سادگی :- ان کی زندگی انتہائی سادہ اور متواضع تھی، بشر بن حارث یحییٰ شہید ہیں کہ ایک مرتبہ میں یحییٰ بن یمان کی مجلس میں بیٹھا ہوا تھا، میں نے دیکھا کہ ان کے جبہ میں بڑی کثرت سے پیوند لگے ہوئے تھے۔ (۷)

عجلی کا قول ہے: وکان فقیراً صبوراً۔ (۸)

وفات :- ہارون الرشید کے ایام خلافت میں رجب ۱۸۹ ہجری میں بمقام کوفہ عالم بقاء کو رحلت فرمائی۔ (۹)

(۱) تہذیب التہذیب ج ۱۱ صفحہ ۳۰۷۔ (۲) المعرفۃ فی خبر من غمر ج ۱ صفحہ ۳۰۴ و میزان الاعتدال ج ۳ صفحہ ۳۰۷۔ (۳) ایضاً۔

(۴) تاریخ بغداد ج ۱۳ صفحہ ۱۲۲۔ (۵) تذکرۃ الحفاظ ج ۱ صفحہ ۲۶۰۔ (۶) تہذیب التہذیب ج ۱۱ صفحہ ۳۰۶۔ (۷) تاریخ

بغداد ج ۱۳ صفحہ ۱۲۱۔ (۸) تہذیب التہذیب ج ۱۱ صفحہ ۳۰۷۔ (۹) طبقات ابن سعد ج ۶ صفحہ ۲۷۲

حضرت یزید بن زریع العیشی رحمۃ اللہ علیہ

نام و نسب :- یزید نام، ابو معاویہ کنیت اور والد کا اسم گرامی زریع تھا۔ (۱) بصرہ کے مشہور خاندان بنو عائش سے نسبت رکھنے کے باعث عیشی کہلاتے ہیں۔ اس خاندان کو ائمہ سلف کی ایک بڑی جماعت کے انتساب کا شرف حاصل ہے۔ (۲)

ولادت اور وطن :- ۱۰۱ ہجری میں بمقام بصرہ میں پیدا ہوئے۔ (۳)
فضل و کمال :- علم و فضل اور مہارت فنی کے اعتبار سے اکابر حفاظ حدیث اور ممتاز اتباع تابعین میں شمار کئے جاتے ہیں۔ اس کے علاوہ مثبت و اتقان، ثقاہت و عدالت، زہد و اتقاء، استغناء و تواضع اور عبادت و ریاضت کی بھی ایک اعلیٰ مثال تھے۔

ابو عوانہ ان کی صحبت فیض اثر سے چالیس سال تک مسلسل مستفید ہوتے رہے، وہ اس طویل ترین رفاقت کے تاثرات بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ”یزید کے چراغ علم سے ہر سال میرے علم و دانش کو جلا اور روشنی ملتی تھی۔“ (۴)

امام احمد کا بیان ہے:

کان یزید ریحانة البصرة ما اتقنه وما احفظه (۵)

یزید بصرہ کے ناز بو تھے، وہ بڑے ہی متقن اور حافظ تھے۔

ابن عماد حنبلیؒ انہیں ”الحافظ الثبت المتقن محدث اهل البصرة“ علامہ خزرجی

”الحافظ احد العلام“ اور امام یافعی ”الحافظ اللیب“ کہتے ہیں۔ (۶)

حدیث :- ان کا خاص فن حدیث تھا، اس میں انہیں اتنی مہارت اور قدرت حاصل تھی کہ زبان خلق نے نقارۃ خدا بن کر محدث البصرہ کے خطاب سے سرفراز کیا تھا، انہوں نے ایوب السخثانی، سعید بن ابی عروبہ، حمید الطویل، شعبہ اور سفیان ثوری جیسے نادرۃ زمن محدثین کے خزانہ علم سے بہرہ وافر پایا تھا۔ ان کے بعض دوسری ممتاز شیوخ و اساتذہ کے نام یہ ہیں۔ سلیمان التیمی سعید بن زیدی، عمرو بن میمون، سعید بن ایاس الجری، ہشام بن حسان، یونس بن عبید، ابن عون، معمر بن

(۱) تہذیب التہذیب ج ۱۱ صفحہ ۳۲۵۔ (۲) الملیاب فی الانساب ج ۳ صفحہ ۱۶۲۔ (۳) خلاصہ تہذیب التہذیب الکمال صفحہ

۲۳۱۔ (۴) تذکرۃ الحفاظ ج ۱ صفحہ ۲۳۳۔ (۵) المعجم ج ۱ صفحہ ۲۸۳۔ (۶) شذرات ج ۱ صفحہ ۲۹۸ و خلاصہ صفحہ ۴۳۱ و مرآة

البحران ج ۱ صفحہ ۳۸۲

راشد، روح بن القاسم۔

خود ان کے آفتاب علم سے مستیز ہونے والوں کا دائرہ بھی کافی وسیع ہے۔ کیونکہ شیخ یزید کی پوری زندگی تدریس و روایت حدیث میں گزری تھی، ان کے تلامذہ کی طویل فہرست میں عبداللہ بن مبارک، عبدالرحمن بن مہدی، زکریا بن عدی، عبدالاعلیٰ بن حماد، یحییٰ بن یحییٰ النیشاپوری، علی بن المدینی، عباس الولید، عمر بن عبدالوہاب الریاحی، محمد بن عبداللہ بندار، قتیبہ اور معلیٰ بن اسد وغیرہم کے نام نمایاں ہیں۔ (۱)

ثقاہت و اتقان:۔ طویل العمر مشغلہ درس کی وجہ سے انہیں حدیث کی صحت و سقم کو پرکھنے کا پورا ملک پیدا ہو گیا تھا، اور اس میں ان کا ثبت و اتقان باتفاق علماء مسلم تھا، بشر الحافی فرماتے ہیں:

کان یزید حافظاً متقناً ما اعلم انی رأیت مثله و مثل صحۃ حدیثہ (۲)

شیخ یزید حافظ متقن تھے، میں نے ان جیسا صحیح الحدیث نہیں دیکھا۔

یحییٰ بن سعید القطان کا بیان ہے کہ:

لم یکن ھلھنا احد اثبت منہ (۳)

ان سے زیادہ ثبت رکھنے والا بصرہ میں کوئی نہیں دیکھا۔

علامہ ابن سعد رقمطراز ہیں:

کان ثقۃ کثیر الحدیث حجة (۴)

وہ ثقہ، کثیر الحدیث اور حجت تھے۔

امام احمد شہادت دیتے ہیں کہ:

ما اتقنہ و ما احفظہ صدوق متقن (۵)

وہ بہت متقن، حافظ اور صدوق تھے۔

علاوہ ازیں ابن معین، ابو حاتم اور دوسرے بہت سے علماء ان کی ثقاہت کا بصراحت

اعتراف کرتے ہیں۔

زہد و اتقاء:۔ ان کے والد ذریع بصرہ کے والی تھے، اس لئے انہیں راحت و آسائش کے ہر قسم کے سامان فراہم تھے، لیکن یزید مال و زر اور ثروت عزت سے ہمیشہ کنارہ کش رہے اور غایت

(۱) تہذیب احمد ج ۱۱ صفحہ ۳۲۵۔ (۲) تذکرۃ الحفاظ ج ۱ صفحہ ۲۳۳۔ (۳) البحر ج ۱ صفحہ ۲۸۴۔ (۴) طبقات ابن

سعد ج ۲ صفحہ ۴۴۔ (۵) مغنۃ الصفوة ج ۳ صفحہ ۲۷۷

تقویٰ کی بناء پر اپنے باپ کے مال میں سے ایک حصہ بھی استعمال نہیں کیا، بلکہ کھجور کے پتوں کا کام کر کے روزی حاصل کرتے تھے۔ ابوسلیمان الاشقر بیان کرتے ہیں کہ زریع نے وفات کے وقت پانچ لاکھ درہم وراثت میں چھوڑے تھے، مگر یزید نے اس میں سے ایک درہم بھی نہ لیا۔ (۱)

ابن حبان کا قول ہے:

کان من اورع اهل زمانه (۲)

وہ اپنے زمانہ کے سب سے بڑے متقی تھے۔

مناقب:۔ علمی فضائل و کمالات کے ساتھ ان کی دنیا ئے عمل بھی آراستہ تھی۔ خاص طور پر نماز کا بہت اہتمام رکھتے اور نوافل کثرت سے پڑھتے تھے۔ اسی بناء پر عالم بالا میں خداوند قدوس نے ان کے ساتھ خصوصی معاملہ فرمایا۔ جیسا کہ نصر بن علی بیان کرتے ہیں کہ میں نے ایک رات یزید بن زریع کو خواب میں دیکھا اور دریافت کیا کہ خدا تعالیٰ نے آپ کے ساتھ کیا معاملہ فرمایا؟ شیخ نے جواب دیا کہ میں جنت میں داخل ہو گیا۔ عرض کیا، کن اعمال کی بناء پر؟ فرمایا: کثرت نماز کی وجہ سے۔ (۳)

وفات:۔ ۸ شوال ۱۸۲ ہجری بروز چہار شنبہ بصرہ میں انتقال فرمایا۔ وفات کے وقت ۸۱ سال کی عمر تھی۔ (۴)

(۱) تہذیب التہذیب ج ۱۱ صفحہ ۳۲۷۔ (۲) صفوۃ الصفوۃ ج ۳ صفحہ ۲۷۷۔ (۳) مرآۃ الجنان ج ۱ صفحہ ۳۸۲۔ (۴) ابن سعد ج ۴ صفحہ ۴۴، العمر ج ۱ صفحہ ۵۴، تہذیب ج ۱۱ صفحہ ۳۲۷۔

حضرت حافظ یزید بن ہارون اسلمی رحمۃ اللہ علیہ

دوسری صدی ہجری کے اوائل میں جن اتباع تابعین نے علم و عمل کی قدیسیں فروزاں کیں، ان میں ایک ممتاز نام حافظ یزید بن ہارون اسلمیؒ کا ہے۔ جو فقہ و حدیث میں مہارت تام رکھنے کے ساتھ سیرت و کردار کے اعلیٰ مرتبہ پر بھی فائز تھے۔ زہد و تقویٰ، بے نفسی و خشیت الہی اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر ان کی شخصیت کے نمایاں جوہر تھے، ان کی علمی جلالت کا اندازہ کرنے کے لئے ان کے چند ممتاز ترین شیوخ و تلامذہ کا مختصر تذکرہ کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے۔

تابعین کرام میں سے انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے خادم خاص حضرت انس بن مالکؓ کے شاگرد یحییٰ بن سعیدؒ اور سلیمان بن طرخان تمیمیؒ سے اکتساب فیض کیا تھا۔ یحییٰ حدیث کی روایت کے ساتھ فقہ میں بھی کمال رکھتے تھے۔ یزید بن ہارونؒ نے ان کی تین ہزار حدیثیں حفظ کی تھیں۔ (۱) سلیمان تمیمی المتوفی ۱۴۳ ہجری طغرائے اقیاز، زہد و ورع اور عبادت و ریاضت تھا۔ وہ قائم اللیل اور صائم النہار تھے۔ (۲)

حافظ یزید زمرہ اتباع تابعین میں امام شعبہؒ، سفیان ثوریؒ، عبد العزیز بن عبد اللہ الماہشونؒ، حماد بن زیدؒ اور حامد بن سلمہؒ سے مستفید ہوئے تھے۔ امام شعبہ کا شمار اگرچہ کبار تبع تابعین میں ہوتا ہے، مگر وہ اپنے علم و فضل، دیانت و تقویٰ اور بعض دوسری خصوصیات کی وجہ سے تابعین کے زمرہ میں شمار کئے جانے کے مستحق ہیں۔ انہوں نے دو صحابیوں حضرت انس بن مالکؓ اور عمرو بن مسلمہؒ کو دیکھا تھا۔ رویت صحابہ کا یہ فضل ان کی تابعیت کے لئے کافی ہے۔ اپنے فضل و کمال کی وجہ سے وہ امیر المؤمنین فی الحدیث کہلاتے ہیں۔ (۳)

امام سفیان ثوریؒ زمرہ اتباع تابعین کے گل سرسید تھے، علم و فضل کے لحاظ سے ان کا شمار ان ائمہ مجتہدین میں ہوتا ہے، جو ایک جداگانہ فقہی مسلک کے بانی تھے۔ گوائمہ اربعہ کے مسلک کی سامنے اس مسلک کا چراغ زیادہ دنوں تک نہ جل سکا، تاہم فقہ و حدیث کی تمام کتابوں میں ائمہ اربعہ کے ساتھ سفیان ثوریؒ کی آراء و مجتہدات کا ذکر بھی ملتا ہے۔ (۴) اس عہد میں جن علماء کو قرآن اور اس کی تفسیر و تاویل سے خاص شغف تھا اور جنہوں نے اس فن میں اپنی تاریخی یادگاریں

(۱) تذکرۃ الحفاظ صفحہ ۲۵۔ (۲) شذرات الذہب ج ۱ صفحہ ۲۱۲۔ (۳) ملاحظہ ہو تاریخ بغداد ج ۵ صفحہ ۱۶۷۔ (۴) تہذیب المعجم ج ۶ صفحہ ۳۴۳۔

بھی چھوڑی ہیں، ان میں امام موصوف بھی ہیں، ان کی یہ تفسیر ابھی حال میں چھپ گئی ہے۔
عبدالعزیز بن عبداللہ المباحثون (المتوفی ۱۰۴ ہجری) ایسے جلیل القدر فقیہ تھے کہ بعض تذکرہ نویسوں نے ان کو اس فن میں امام مالک پر بھی فوقیت دی ہے۔ اسی بناء پر مدینہ میں سرکاری طور پر صرف دو ہی آدمی فتوے دینے کے مجاز تھے۔ ابن المباحثون اور امام مالک۔ علم و فضل کے ساتھ جو ہر عمل سے بھی مالا مال تھے۔ زہد و تقویٰ کے بلند مقام پر متمکن تھے۔ خطیب بغدادی نے احکام و مسائل میں ان کے صاحب تصنیف ہونے کا ذکر کیا ہے۔ (۱)

حماد بن زید (المتوفی ۱۷۹ ہجری) حصول علم کے بعد اگرچہ حالت بینائی سے محروم ہو گئے تھے، لیکن اس کے باوجود انہوں نے وہ مقام پیدا کیا کہ بڑے بڑے ائمہ حدیث ان سے استفادہ کو باعث فخر سمجھتے تھے۔ امام الجرح والتعدیل عبدالرحمن بن مہدی کا قول ہے کہ میں نے حماد سے بڑا عالم سنت کسی کو نہیں دیکھا۔ ابو عاصم بیان کرتی ہیں کہ حماد بن زید کی حیات میں ان کی سیرت و اخلاق کے لحاظ سے دنیا میں ان کا کوئی مثل موجود نہ تھا۔ (۲) یزید بن زریع ان کو سید المحدثین کہہ کر پکارتے تھے۔ (۳) وہ بے مثل قوت حافظہ کے مالک تھے۔ عجلی کہتے ہیں کہ حماد بن زید کو چار ہزار حدیثیں زبانی یاد تھیں اور ان کے پاس کوئی کتاب نہ تھی۔ حدیث کے ساتھ فقہ میں بھی ان کا پایہ نہایت بلند تھا۔ عبدالرحمن بن مہدی بیان کرتے ہیں کہ میں نے بصرہ میں حماد بن زید سے بڑا فقیہ کوئی نہیں دیکھا۔ (۴)

حماد بن سلمہ (المتوفی ۱۶۷ ہجری) اپنے علم و فضل کے ساتھ زہد و اتقاء اور تدوین حدیث میں خاص امتیاز رکھتے تھے۔ بقول حافظ ذہبی وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے سعید بن ابی عروبہ کے ساتھ تصنیف و تالیف میں حصہ لیا تھا۔ (۵)

حدیث کے تمام مجموعوں میں حماد بن سلمہ کی روایتیں موجود ہیں۔ خصوصیت سے ابوداؤد الطیالسی نے، جو ان کے تلمیذ رشید ہیں، اپنی مسند میں کئی سو روایتیں ان کے واسطے سے نقل کی ہیں۔ اسی طرح یحییٰ بن خریس کے پاس ان کی دس ہزار مرویات تھیں، تبصر علم کے ساتھ زیور عمل سے بھی آراستہ تھے۔ امام عبدالرحمن بن مہدی فرماتے ہیں کہ حماد بن سلمہ کا یہ حال تھا کہ اگر ان سے کہا جاتا کہ کل آپ کو موت آجائے گی تو اس سے زیادہ عمل کی ان کو ضرورت نہ ہوتی۔ (۶) ان

(۱) تاریخ بغداد ج ۱۰ صفحہ ۴۳۹۔ (۲) تہذیب التہذیب ج ۳ صفحہ ۱۰۔ (۳) تذکرۃ الحفاظ ج ۱ صفحہ ۲۰۷۔ (۴) تہذیب

التہذیب ج ۳ صفحہ ۱۰۔ (۵) تذکرۃ الحفاظ ج ۱ صفحہ ۱۸۲۔ (۶) تاریخ بغداد ج ۱۳ صفحہ ۴۴۲

کی ساری زندگی منظم تھی، کوئی لمحہ رائیگاں نہیں جانے دیتے تھے۔

مذکورہ بالا سطور میں حافظ یزید بن ہارون کے چند اساتذہ و شیوخ کے علمی و عملی علوئے مرتبت کی ایک اجمالی جھلک پیش کی گئی۔ ان منتخب روزگار فضلاء سے اکتساب و ضو کر کے حافظ یزید بن چشمک زن آفتاب بن گئے تھے اور پھر خود ان کے دبستان علم سے جن اساطین دہرنے استفادے کی سعادت حاصل کی، ان میں امام احمد بن حنبل، اسحاق بن راہویہ، یحییٰ بن معین، علی بن مدینی اور آدم بن ابی ایاس کے نام قابل ذکر ہیں اور معروف الشجرہ ثمرہ کے مصداق ہیں۔ ان ائمہ و حفاظ حدیث میں سے ہر ایک اپنے استاذ یزید کے فضل و کمال کا شاہدِ عدل ہے۔

مذکورہ بالا تلامذہ میں امام احمد بن حنبل کی شخصیت محتاج نہیں ہے، وہ نہ صرف ایک فقہی مسلک کے بانی اور ایک ضخیم مسند کے جامع تھے، بلکہ ایک فہم و تدبر، نزاہت نفس، اخلاص عمل، صبر و استقلال، زہد و تقویٰ اور تواضع و انکسار کے لحاظ سے بے مثال تھے۔ انہوں نے فتنہ خلق قرآن میں جس استقامت اور جرأت حق گوئی کا اظہار کیا، وہ ان کا قابل تقلید اسوہ ہے، عجب کیا ہے کہ ان کے یہ اوصاف عالیہ حافظ یزید بن ہارون کے فیضانِ صحبت کا نتیجہ ہوں وہ مامون الرشید کے منشاء کے علی الرغم پوری جرأت و استقامت کے ساتھ تمام عمر یہ اعلان کرتے رہے کہ قسم ہے اس ذات کی، جس کے سوا کوئی معبود نہیں کہ جو شخص خلق قرآن کا قائل ہے وہ کافر ہے۔ (۱)

امام المسلمین اسحاق بن راہویہ (لمتوفی ۲۳۸ ہجری) کا شمار ان اساطین امت میں ہوتا ہے جنہوں نے دینی علوم، خصوصاً تفسیر و حدیث کی بے انتہاء خدمات انجام دیں اور ان دونوں میں تحریری یادگاریں بھی چھوڑیں۔ قوتِ حافظہ بھی بے مثال تھی۔ ابوداؤد و خفاف (جو ان کے تلامذہ میں ہیں) کا بیان ہے کہ ایک بار ابن راہویہ نے گیارہ ہزار حدیثیں املا کرائیں اور پھر ان کو دوبارہ دہرایا تو ایک حرف کا بھی فرق نہیں تھا۔ (۲) امام بخاری، مسلم، ابوداؤد، ترمذی، نسائی اور احمد بن حنبل جیسے جلیل المرتبت ائمہ ان سے شرفِ تلمذ رکھتے تھے اور ان سب نے اپنی کتابوں میں ان کی روایات نقل کی ہیں۔

حافظ یزید کے تلامذہ میں یحییٰ بن معین (لمتوفی ۲۳۳ ہجری) جیسے فنِ اسماء الرجال کے ماہر بھی شامل تھے۔ پہلی صدی ہجری میں جب پیشہ ورواعظوں اور قصہ گو یوں نے گرمی مجلس کی خاطر بکثرت بے سرو پا وایتیں بیان کرنا شروع کر دیں تو وہ زبان زد خاص و عام ہو گئیں۔ محدثین نے

(۱) تاریخ بغداد ج ۱۴ صفحہ ۳۴۲۔ (۲) تاریخ ابن عساکر ج ۲ صفحہ ۴۴۰۔

اپنی خداداد فہم و بصیرت سے اس فتنہ کی اہمیت کو سمجھا اور پوری جرأت و ہمت کے ساتھ اس کے سد باب کے لئے میدان میں آ گئے۔

اس کام کی داغ بیل تو پہلی صدی ہجری کے آخر ہی میں پڑ گئی تھی، مگر دوسری صدی میں محدثین نے باقاعدہ ایک نئے فن اسماء الرجال کی بنیاد ڈال کر اس فتنہ کا سد باب کر دیا، انہوں نے اصول و قوانین مرتب کئے، روائۃ کی سیرت و کردار کا معیار مقرر کیا اور پھر اسی کے مطابق روایات کے رد و قبول کا فیصلہ کیا۔

یحییٰ بن معین نے اس سلسلہ میں جو غیر معمولی محنت کی اس کی تفصیل تہذیب التہذیب اور تاریخ بغداد میں دیکھی جاسکتی ہے۔ بقول صالح بن محمد وہ معاصر ائمہ حدیث میں سب سے زیادہ رجال سے واقف تھے۔ (۱) مراتب حدیث اور جرح و تعدیل میں ان کے فرط احتیاط اور احساس ذمہ داری کا یہ عالم تھا کہ اس خوف سے کہ روایت میں کہیں غلطی نہ ہوگئی ہو، یا کسی راوی کی تعدیل و تنقید میں حق و صواب کا دامن نہ چھوٹ گیا ہو، ان کی رات کی نیند حرام ہو جاتی تھی۔ (۲)

علی بن مدینیؒ بھی ابن معین کی طرح جرح و تعدیل کے امام شمار ہوتے ہیں۔ بقول سفیان بن عیینہ وہ حدیث کا مرجع و ماویٰ تھے۔ امام البخاریؒ جن کو ان سے شرف تلمذ حاصل تھا، فرماتے ہیں کہ میں نے علی بن المدینی کے علاوہ کسی کے سامنے خود کو حقیر نہیں سمجھا۔ (۳)

ابن ماجہ اور نسائی نے ان سے بالواسطہ روایتیں کی ہیں۔ وہ محض حدیث کے حافظ اور راوی نہیں تھے بلکہ اس کے عارف و ماہر بھی تھے۔ سند و متن روائۃ، ہر چیز پر ان کی نظر تھی، خامیوں اور نقائص کا پورا علم رکھتے تھے۔ ابو حاتم کا قول ہے کہ علی معرفت حدیث و علل میں ایک علامت و نشان تھے۔ (۴)

حافظ یزید کے ایک اور ممتاز ترین شاگرد امام آدم بن ابی ایاسؒ ہیں جو امام شعبہ کے ارشد تلامذہ میں تھے۔ علوم قرآن کی کامل معرفت اور اس کی مختلف قراتوں سے بہرہ وافر رکھتے تھے۔ علماء کی اکثریت نے حدیث میں ان کے پایہ ثقاہت پر مہر تصدیق ثبت کی ہے۔ جلالت علم کے ساتھ عمل اور تقویٰ اور صالحیت کا بھی مجسم بیکر تھے۔

عجلی کا قول ہے:

کان من خیار عباد اللہ (۵)

(۱) تہذیب التہذیب ج ۱۱ صفحہ ۲۸۳۔ (۲) تاریخ بغداد ج ۱۱ صفحہ ۱۱۲۔ (۳) تہذیب التہذیب ج ۷ صفحہ ۳۵۲۔ (۴) ایضاً۔ (۵) تذکرہ الحفاظ ج ۱ صفحہ ۲۷۵۔

ان کی زندگی سنت نبوی ﷺ کے سانچے میں ڈھلی ہوئی تھی۔ علامہ ابن جوزی لکھتے ہیں:

وكان من الصالحين متمسكاً بالسنة (۱)

خطیب بغدادی رقمطراز ہیں:

كان احد عباد الله الصالحين.

حافظ یزید کے اساتذہ و شیوخ کے مقام بلند کی طرف اوپر جوارشارات کئے گئے ہیں اس سے بخوبی اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ جس نے ایسے یگانہ عصر اور ماہرین فن سے کسب فیض کیا ہو، اور جس کے حلقہ اثر میں ایسے بے نظیر اہل فضل و کمال شامل ہوں، خود اس کے علوئے شان کا کیا عالم ہوگا۔ اس لئے ذیل میں ہم حافظ یزید بن ہارون کے حالات و کمالات کا ایک اجمالی جائزہ پیش کرتے ہیں۔

نام و نسب :- یزید نام اور ابو خالد کنیت تھی۔ اصل وطن واسط (عراق) تھا۔ بنو اسلم کے غلام ہونے کے باعث اسلمی اور وطن کی نسبت سے واسطی کہے جاتے ہیں۔ (۲) پورا سلسلہ نسب یہ ہے: یزید بن ہارون بن زاذان بن ثابت۔ (۳)

ولادت اور تعلیم و تربیت :- اپنے وطن واسط میں ۱۱۸ ہجری میں پیدا ہوئے۔ زندگی کا بیشتر حصہ وہیں گزارا، اس لئے اغلب ہے کہ ابتدائی تعلیم بھی وہیں ہوئی ہوگی۔ اس وقت واسط میں شعبہ بن الحاج اور امام مالک وغیرہ کے حلقہ ہائے درس قائم تھے۔ امام یزید نے ان ائمہ سے اکتساب فیض کے بعد دوسرے مقامات کا سفر کیا اور ہر خرمن علم سے خوشہ چینی کی کوشش کی۔ شیوخ و تلامذہ :- ان کے اساتذہ اور تلامذہ کی فہرست کافی طویل ہے۔ مشہور اشخاص کے حالات اوپر بیان ہو چکے ہیں۔

شیخ یزید کے شیوخ کی فہرست پر نظر ڈالنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ انہوں نے تقریباً تمام ہی ملکوں کے شیوخ سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کی ہے۔

واسط سے باہر جانے کی وجہ وہ یہ بیان کرتے ہیں کہ حاسدوں کی وجہ سے واسط میں رہ کر علم و فضل میں امتیاز پیدا کرنا نہایت مشکل ہے اور یہ واقعہ ہے کہ یہاں رہ کر کوئی بھی علم میں امتیاز پیدا

(۱) تہذیب المعجم ج ۱۱ صفحہ ۳۶۷۔ (۲) تہذیب المعجم ج ۱۱ صفحہ ۳۶۷ میں ہے کہ قبل اصلہ من بکاری ان کا خاندانی تعلق بخاری سے تھا۔ اس طرح خطیب نے بھی واسطی لکھ کر پھر قبل کا لفظ لکھ کر بخاری کی طرف نسبت کی ہے۔

(۳) تاریخ بغداد ج ۱۲ صفحہ ۳۳۱

نہ کر سکا۔ راوی کا بیان ہے کہ میں نے دریافت کیا، کیا آپ بھی واسط میں رہ کر بلند پایہ عالم نہ ہو سکے۔ فرمایا، ہاں!

ما عرفت حتی خرجت من واسط (۱)

میں بھی اس وقت تک معرفت حاصل نہ کر سکا جب تک واسط سے باہر نہیں آیا۔
قوت حافظہ:- گو امام یزید فقہ میں بھی بلند پایہ مقام رکھتے تھے، لیکن ان کا اصل طغرائے کمال فن حدیث تھا اور بلاشبہ اس میں انہوں نے غیر معمولی درجہ بہم پہنچایا تھا۔

خداوند قدوس نے انہیں ذہانت اور قوت حافظہ کی غیر معمولی دولت سے سرفراز کیا تھا۔ اس حیثیت سے وہ اپنے بہت سے ہم عصروں سے ممتاز تھے۔ حتیٰ کہ بعض محققین نے انہیں قوت حفظ میں امام کعبہ پر بھی فوقیت دی ہے۔ (۲) خود فرمایا کرتے تھے کہ مجھے بیس ہزار حدیثیں اسناد کے ساتھ ازبر ہیں اور اس پر غور نہیں۔

بالخصوص شامیوں کی روایتیں ان کو کثرت سے حفظ تھیں۔ کہتے تھے کہ مجھے شامیوں کی بیس ہزار حدیثیں اس طرح یاد ہیں کہ ان کے بارے میں سوال کی ضرورت نہیں تھی۔ امام جرح و تعدیل علی بن المدینی کا بیان ہے کہ میں نے یزید بن ہارون سے زیادہ قوی الحفظ کسی کو نہیں دیکھا۔ (۳) ایک دوسری روایت میں ان کے الفاظ یہ ہیں:

ما رأیت احداً احفظ من الصغار والكبار من یزید بن ہارون (۴)

میں نے صغار و کبار میں یزید بن ہارون سے زیادہ قوت حفظ رکھنے والا نہیں دیکھا۔
یحییٰ بن یحییٰ کا قول ہے کہ عراق کے حفاظ حدیث چار ہیں۔ دو شخص ادھیڑ عمر کے اور دو سن رسیدہ۔ مؤخر الذکر تو ہشیم اور یزید بن ربيع ہیں اور ادھیڑ عمر کے کعب بن جراح اور یزید بن ہارون ہیں، لیکن آخر میں فرماتے ہیں:

واحفظ الکھلین ہارون (۵)

ان دونوں ادھیڑوں میں یزید بن ہارون زیادہ قوت حفظ رکھتے ہیں۔
عمر کے آخری حصہ میں بینائی سے محروم ہو گئے تھے، اس لئے کتابوں کا مطالعہ نہیں کر سکتے تھے۔ جب کسی حدیث کے متعلق کچھ شبہ پیدا ہوتا تو اس کی توثیق و تصدیق کے لئے اپنی تربیت

(۱) تذکرہ ج ۱ صفحہ ۲۹۔ (۲) تذکرہ الحفاظ ج ۱ صفحہ ۲۹۔ (۳) تاریخ بغداد ج ۱۳ صفحہ ۲۳۱۔ (۴) تاریخ بغداد ج ۱۳ صفحہ ۱۶۔ (۵) ایضاً۔

یافتہ لوٹڈی سے پڑھوا کر اطمینان کر لیتے تھے۔ بعض محدثین اس بات کو ان کے ضعف حفظ کی دلیل قرار دیتے تھے۔

لیکن خطیب بغدادی نے لکھا ہے کہ متعدد ائمہ حدیث نے حضرت یزید بن ہارون کے غیر معمولی حفظ کا اعتراف کیا ہے اور یہ تسلیم کیا ہے کہ انہیں اپنی روایت کی ہوئی حدیثیں خواب یاد تھیں۔ البتہ بڑھاپے میں فرط ضعف اور نابینائی کی وجہ سے ان کو اپنے حافظے پر پورا اعتماد نہ تھا۔ اس لئے جب حدیث کے بارے میں تردد ہوتا تھا، تو اس کی توثیق لوٹڈی سے کتاب پڑھوا کر کر لیتے تھے، ان کا یہ فعل کمال احتیاط کی دلیل ہے نہ کہ ان کے ناقابل اعتبار ہونے کی۔ (۱)

ان کا حافظہ بڑھاپے میں ممکن ہے کچھ کم ہو گیا ہو، مگر اس کی وجہ سے ان کے اتقان فی الحدیث میں کوئی کمی واقع نہیں ہوئی تھی۔ چنانچہ متعدد ائمہ حدیث نے ان کے اتقان فی الحدیث کی تعریف کی ہے۔ حضرت ابو زرہؓ فرماتے ہیں والایقان اکثر من حفظ الرد اتقان فی الحدیث سندوں کے یاد رکھنے سے زیادہ قیمتی ہے۔

خود یزید بن ہارونؒ کو بھی اپنے حافظہ پر پورا وثوق اور اعتماد تھا، ایک مرتبہ ان سے کسی نے کہا کہ ہارون اسلمی آپ کے پاس اس لئے آ رہا ہے کہ وہ چند حدیثوں کے الفاظ میں رد و بدل کر کے آپ کے حافظہ کا امتحان لے۔ اسی اثناء میں ہارونؒ آ موجود ہوا۔ یزید نے اس کی آواز سن کر کہا ”ہارون مجھ کو یہ خبر پہنچی ہے کہ آپ میری قوت حفظ کا امتحان لینے کی غرض سے مجھ پر بعض مشتبہ احادیث پیش کرنا چاہتے ہیں تو آپ اپنی جیسی کوشش کر لیجئے، خدا مجھ کو قیامت کے دن کھڑا نہ کرے، اگر میں اپنی روایت کو اچھی طرح یاد نہ رکھ سکوں۔“

ایک دوسرے موقع پر شیخ یزیدؒ نے فرمایا۔ میں بیس ہزار احادیث رکھتا ہوں، جس کا جی چاہے ان میں سے کوئی ایک حرف کم و بیش کر کے دیکھ لے۔ (۲)

درس حدیث :- شیخ یزیدؒ کا مستقل حلقہ درس واسطہ میں تھا، مگر وہ کبھی کبھی بغداد میں بھی اکثر تشنگان علم کو سیراب کرتے تھے۔

خطیب کا بیان ہے کہ:

قدم یزید بغداد حدث بها ثم عاد الی واسط (۳)

شیخ یزید بغداد آئے، وہاں درس حدیث دینے کے بعد واسطہ چلے گئے۔

(۱) تہذیب التجزئہ ج ۱۱ صفحہ ۳۶۶۔ (۲) تذکرۃ الحفاظ ج ۱ صفحہ ۲۹۲۔ (۳) تاریخ بغداد ج ۱۲ صفحہ ۳۳۷

کبار ائمہ حدیث ان سے کسب فیض کو باعث شرف و افتخار تصور کرتے تھے۔ ان کی مجلس درس میں طالبان علم کا بے حد ہجوم رہتا تھا۔ یہاں تک کہ کبھی کبھی طلبہ کی تعداد ستر ہزار تک پہنچ جاتی تھی۔ یحییٰ بن ابی طالب بیان کرتے ہیں کہ میں ان کی مجلس میں شریک تھا۔

وكان يقال ان في المجلس سبعين الفا (۱)

کہا جاتا ہے کہ ان کی مجلس میں ستر ہزار لوگ شریک تھے۔

فقہ:۔ حدیث کے ساتھ وہ فقہ میں بھی کامل مہارت رکھتے تھے۔ ابو عبد اللہ سے کسی نے دریافت کیا: یزید بن ہارون فقیہ بھی تھے؟ فرمایا ان سے زیادہ ذہین و فہیم میری نظر سے نہیں گزرا۔ سائل نے پھر کہا، اچھا ابن علیہ کے متعلق کیا خیال ہے؟ بولے وہ فقیہ تو ضرور تھے لیکن مجھ کو ان کی نسبت اتنا علم نہیں، جتنا کہ یزید بن ہارون کی نسبت ہے۔ (۲)

زہد و عبادت:۔ علم و فضل کے ساتھ زہد و اتقا اور عبادت و ریاضت کی صفات بھی ان کے اندر بدرجہ اتم موجود تھیں۔ وہ نماز نہایت خشوع و خضوع سے ادا کرتے تھے اور خوف خدا سے ہمہ وقت لرزتے رہتے تھے۔ ان کا شمار ان لوگوں میں ہوتا تھا، جن کی زندگی کا مقصد اور مشن ہی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر تھا۔ (۳)

احمد بن نسان کا بیان ہے کہ میں نے کوئی ایسا عالم نہیں دیکھا جو یزید بن ہارون سے زیادہ بہتر طریقہ پر نماز ادا کرتا ہو، وہ جب نماز کے لئے کھڑے ہوتے تھے تو معلوم ہوتا تھا کہ گویا کوئی ستون ہے، جو بے حس و حرکت اپنی جگہ پر نصب ہے۔ فرصت ہوئی تو وہ مغرب و عشاء اور ظہر و عصر کے درمیان نوافل پڑھا کرتے تھے۔ اس عہد میں یزید بن ہارون اور یثیم دونوں طویل نماز پڑھنے میں مشہور تھے۔ کثرت نوافل اور کثرت تلاوت کے باوجود یہ خوف ان پر ہر وقت طاری رہتا تھا کہ مبادا قرأت قرآن میں کوئی غلطی ہو جائے اور قیامت میں قابل مواخذہ قرار پائیں۔ فرمایا کرتے کہ مجھ کو ڈر ہے کہ قرآن میں کسی غلطی کا صادر ہو جانے میں ان خوارج کا مصداق نہ بن جاؤں جن کے بارے میں آنحضرت ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

يَقْرُونَ الْقُرْآنَ لَا يَجَاوِزُ حَنَاجِرَهُمْ يَمْرُقُونَ مِنَ الدِّينِ كَمَا يَمْرُقُ السَّهْمُ مِنَ الرَّمِيَةِ (۴)

وہ لوگ قرآن پڑھتے ہیں، لیکن قرآن ان کے حلق کے نیچے نہیں اترتا، وہ دین سے اس

(۱) احمد فی خبر من غمر ج ۱ صفحہ ۳۵۱۔ (۲) تاریخ بغداد ج ۱۴ صفحہ ۳۳۰۔ (۳) ایضاً صفحہ ۳۳۱۔ (۴) تاریخ بغداد ج ۱۴ صفحہ ۳۳۱

طرح بے خبر ہو جاتے ہیں جس طرح تیر نشانہ سے نکل جاتا ہے۔

عاصم بن علی کا بیان ہے کہ میں اور یزید بن ہارون مدت تک ابن الربیع کے پاس رہے، اس اثنا میں، میں نے یزید بن ہارون کو دیکھا کہ وہ عشاء کے وضو سے فجر کی نماز پڑھتے تھے اور تمام رات نماز میں کھڑے ہی کھڑے گزار دیتے تھے۔

ایک شخص نے حضرت یزیدؓ سے پوچھا: آپ شب میں کتنی دیر سوتے ہیں؟ بولے، اگر میں رات میں سوتا ہوں تو خدا میری آنکھوں کو نیند سے محروم کر دے۔ (۱)

خوف خدا:۔ یزید بن ہارون پر خشیت الہی کا غلبہ اس درجہ ہوتا تھا کہ ان کی آنکھیں ہر وقت پر غم رہتی تھیں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ بینائی سے محروم ہو گئے۔ کسی نے دریافت کیا، آپ کی دونوں خوبصورت آنکھیں کیسے ضائع ہو گئیں؟ فرمایا:

ذهب بهما بكاء الاسحار (۲)

گر یہ صبح کا ہی نے میری دونوں آنکھیں لے لیں۔

عزت و وقار:۔ ان کے علم و فضل، زہد و اتقاء اور جذبہ امر بالمعروف کا لوگوں کے دلوں پر اتنا گہرا اثر تھا کہ خلفائے وقت تک کوئی کام غلط اقدام کرنے سے ڈرتے تھے۔

خلق قرآن کے مسئلہ کی ابتداء تو دوسری صدی کے آغاز میں ہو چکی تھی، مگر امام احمد بن حنبلؒ کے عہد میں اس نے ایک ہمہ گیر فتنہ کی شکل اختیار کر لی تھی۔ معتزلہ کے اثر سے مامون بھی اس کا قائل ہو گیا تھا اور چاہتا تھا کہ اپنے اس عقیدہ کی تبلیغ و اشاعت کرے، لیکن حضرت یزید بن ہارون کے خوف سے اس کے اظہار کی جرأت نہ کر سکا۔ قاضی یحییٰ بن اکثم کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ مامون نے ہم سے کہا:

ولا مكان يزيد بن هارون لا ظهرت القرآن مخلوق (۳)

اگر یزید بن ہارون کے مرتبہ اور اثر کا خیال نہ ہوتا (جو لوگوں کی نگاہ میں ان کا ہے) تو میں قرآن کے مخلوق ہونے کا اظہار کر دیتا۔

کسی درباری نے پوچھا امیر المومنین! یہ یزید بن ہارون کون ہیں، جن سے آپ بھی اس قدر خوفزدہ رہتے ہیں؟ مامون نے جواب دیا: میں ان سے اس لئے نہیں ڈرتا کہ ان کے ہاتھ میں کوئی سلطنت یا اقتدار ہے، بلکہ مجھے خوف یہ ہے کہ اگر میں اپنے عقیدہ کا اظہار کر دوں اور وہ

(۱) تاریخ بغداد ج ۲ صفحہ ۳۳۱۔ (۲) تہذیب المعجم ج ۱ صفحہ ۳۶۹۔ (۳) تذکرۃ الحفاظ جلد ۱ صفحہ ۲۹۲

میری تردید کر دیں تو ایک عظیم فتنہ کھڑا ہوگا اور میں فتنہ سے ڈرتا ہوں۔ وہ شخص بولا۔ اچھا میں تصدیق کرتا ہوں۔

چنانچہ شخص مذکور واسطہ آیا اور ایک مسجد میں جہاں حضرت یزید بن ہارون تشریف رکھے تھے، ان کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا، امیر المومنین آپ کو سلام عرض کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ میرا ارادہ ہے کہ قرآن کے کلام مخلوق ہونے کا اعلان کر دوں۔

یہ سن کر یزید بن ہارون بولے: تم امیر المومنین پر بہتان طرازی کرتے ہو، وہ لوگوں کو کسی ایسی بات پر آمادہ نہیں کر سکتے، جس کو وہ نہیں جانتے ہیں، اگر تم سچے ہو تو مجلس میں دوسروں کی آمد کا انتظار کرو اور جب لوگ آجائیں تو اس بات کا اعادہ کرو۔

راوی کا بیان ہے کہ دوسرے روز مجلس گرم ہو گئی، تو یہ شخص پھر کھڑا ہوا اور اس نے پہلے روز والی بات دہرائی کہ امیر المومنین کلام اللہ کے مخلوق ہونے کا اظہار کرنے کے خواہشمند ہیں۔ یزید بن ہارون نے پوری دلیری کے ساتھ جواب دیا کہ تم امیر المومنین پر تہمت باندھتے ہو، وہ کسی ایسی بات پر لوگوں کو آمادہ نہیں کر سکتے جس کو لوگ بالکل نہ جانتے ہوں اور جس کا قائل کوئی ایک شخص بھی نہ ہو۔

اس گفتگو کے بعد اس شخص نے مامون کی خدمت میں حاضر ہو کر کہا: امیر المومنین آپ جو کچھ فرماتے تھے وہ بالکل بجا اور درست تھا، اس معاملہ میں بلاشبہ آپ کا علم بہت زیادہ تھا۔ (۱)

یزید بن ہارون کو معلوم تھا کہ مامون الرشید کا رجحان خلق قرآن کی طرف ہے، لیکن اس کے باوجود ان کی حق گوئی کا یہ عالم تھا کہ وہ بے خوف ہو کر اعلان کرتے تھے کہ قسم ہے اس ذات کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں، جو شخص خلق قرآن کا قائل ہے وہ کافر ہے۔ (۲)

بے نفسی :- انسان فطرتاً خود پسند واقع ہوا ہے، لیکن ائمہ کرام کی زندگیوں کا یہ درخشاں ورق ہے کہ انہیں ہمیشہ اپنی ذات سے کوئی دلچسپی نہیں رہی، وہ اپنی تعریف و توصیف پر بجائے خوش ہونے کے ناپسندیدگی کا اظہار کرتے تھے۔ یزید بن ہارون عمر بھر اس بجز و فروتنی کا کامل نمونہ رہے۔

علی بن ابی جندی العراقی اس عہد میں ایک پر گوشاعر تھا، اس کو ان سے قلبی عقیدت تھی، ایک مرتبہ اس نے حاضر ہو کر آپ کی مدح میں ایک طویل قصیدہ پڑھا، جس میں تشبیہ کے بعد وہ کہتا

ہے:

الی یزید بن ہارون الذی کملت
 فیہ الفضائل او اشفی علیٰ ختن
 حتی اتیت امام الناس کلہم
 فی العلم الفقہ والآثار والسنن
 والدين والزهد والاسلام قد علموا
 والخوف لله فی الاسرار والعلن
 یراتقیانقیاً خاشعاً ورعاً
 مبرامین ذوی الافبات والابن
 ماذاک من کان طفلاً فی شبیة
 حتی علاہ مشیت الراس والدقن

شاعر نے اس قصیدہ کو نہایت دلسوزی اور محبت کے ساتھ لکھا تھا، اس لئے طبیعت پر جبر کر کے سن تو لیا، مگر بقول راوی ان کی یہ کیفیت تھی کہ جب شاعر نے وہ اشعار پڑھے، جن میں شیخ کی مدح کی گئی تھی تو آپ نے اس کو روک دیا اور اپنے ہاتھ دانتوں سے کاٹنے لگے۔ (۱)
 امر بالمعروف ونہی عن المنکر :- امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا جذبہ عہد صحابہ اور تابعین میں عام تھا، یزید بن ہارون بھی اس کا مجسم نمونہ تھے، مامون جیسا باجروت خلیفہ بھی اس بارے میں شیخ سے خوفزدہ رہتا تھا۔ محمد بن احمد اپنے دادا سے نقل کرتے ہیں کہ یزید بن ہارون ان بزرگوں میں سے تھے، جنہوں نے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو اپنی زندگی کا مقصد بنا لیا تھا۔
 یعقوب بن شبیبہ کہتے ہیں:

وکان يعد من الامرین بالمعروف والناہین عن المنکر (۲)
 مرجع خلاق :- یزید بن ہارون اپنے علمی فضائل اور عملی کمالات کے باعث عوام و خواص کے مرجع بن گئے تھے۔ اوپر ذکر آچکا ہے کہ ان کی مجلس میں بسا اوقات ستر ستر ہزار کا مجمع رہتا تھا۔ (۳)

ابوبکر بن ابی طالب کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ یزید بن ہارون مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے،

(۱) تاریخ بغداد ج ۱۲ صفحہ ۲۳۲۔ (۲) ایضاً صفحہ ۳۳۳۔ (۳) التہذیب ج ۱۱ صفحہ ۳۲۹۔

لوگ ان پر جھکے ہوئے ہر طرف سے سوالات کی بارش کر رہے تھے، لیکن وہ خود خاموش تھے اور کسی کو کوئی جواب نہ دیتے تھے۔ جب سب خاموش ہوئے تو آپ نے فرمایا کہ ہم واسطہ کے رہنے والے ہیں اور واسطہ کے لوگ تغافل میں ضرب المثل ہو گئے ہیں۔ یعنی ہم لوگ ایسی باتوں کا جواب دے کر اپنا قیمتی وقت ضائع نہیں کیا کرتے۔ (۱)

وفات :- بالآخر ۲۰۶ ہجری میں واسطہ میں علم و فضل کی یہ شمع خاموش ہو گئی۔ اس وقت ۸۸ برس کی عمر تھی۔ (۲)

حضرت یعقوب بن اسحاق الحضرمی رحمۃ اللہ علیہ

نام و نسب :- یعقوب نام، ابو محمد اور ابو یوسف کنیتیں تھیں۔ پورا نسب نامہ یہ ہے: یعقوب بن اسحاق بن زید بن عبد اللہ بن ابی اسحاق۔ (۱) حضرمیوں سے نسبت دلارکھنے کے باعث حضرمی اور وطناً بصری کہلاتے ہیں۔

مولد :- ۷۱۱ ہجری میں علم و فن کے عالمی مرکز بصرہ میں پیدا ہوئے۔
 فضل و کمال :- علم و فضل کے اعتبار سے امام یعقوب "اتباع تابعین کی جماعت میں نہایت بلند مقام رکھتے تھے۔ قرآن و حدیث، فقہ اور نحو میں ان کو کامل دسترس حاصل تھی۔ خصوصاً فن قرأت میں اپنی مہارت و کمال کے باعث قراء عشرہ میں شمار ہوتے ہیں۔ بصرہ میں امام القراء ابو عمرو بن العلاء کے بعد باتفاق امت شیخ الفہن تسلیم کئے گئے۔ ابن عماد حسنی "احد الاعلام" لکھتے ہیں۔ (۲) علامہ یاقوت رومی رقمطراز ہیں:

الامام فی القراءات والعربیة ولغة العرب والفقہ (۳)

وہ قرأت، عربیت، لغت اور فقہ میں امام تھے۔

حافظ جلال الدین سیوطی لکھتے ہیں:

كان اعلم الناس في زمانه بالقراءات والعربية وكلام العرب والرواية

والفقہ (۴)

کلام عرب، حدیث اور فقہ کے سب سے بڑے عالم تھے۔

ابو حاتم جستانی جنہیں امام یعقوب الحضرمی سے تلمذ کا شرف حاصل ہے، بیان کرتے ہیں

کہ:

كان اعلم من ادر كنا وراينا بالحروف والاختلاف في القرآن الكريم

وتعليله ومذاهبه ومذاهب النحويين في القرآن الكريم (۵)

جن شیوخ کو ہم نے دیکھا اور ان کی صحبت اٹھائی ان میں امام یعقوب اختلاف قرآن اس

کی تعلیل اور مذاہب اور قرآن میں نحو یوں کے مسالک کے سب سے بڑے عالم تھے۔

(۱) معجم الادباء ج ۷ صفحہ ۳۰۲ وغیرہ الوعاء صفحہ ۴۱۸۔ (۲) شذرات الذهب ج ۲ صفحہ ۱۴۔ (۳) معجم الادباء ج ۷ صفحہ ۳۰۲۔

(۴) بغیۃ الوعاء صفحہ ۴۱۸۔ (۵) مرآة البیان ج ۲ صفحہ ۳۰

قرأت :- ان کی کلاہ افتخار کا اصل طرہ امتیاز فن قرأت میں غیر معمولی مہارت تھی، صحابہ کرامؓ کے بعد تابعین اور تبع تابعین عظام کے طبقہ میں صاحب اختیار ائمہ قرأت کی تعداد بکثرت ہے۔ بقول امام ابو محمدؒ مکی قراء سبعہ نے جن ائمہ قرأت سے روایت کی، صرف ان ہی کی تعداد ستر ہے۔ اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ اختیار قرأت کا جو سلسلہ صدیوں کے عرصہ پر محیط رہا ہو، اس میں کس قدر بے شمار ماہرین فن پیدا ہوئے ہوں گے۔

لیکن ان تمام روایات میں صرف دس قرأتیں متواتر قرار پائیں، اور ان میں بھی حسن قبول اور شہرت عام کی سند سات قرأتوں کے نصیب میں آئی، وہی آج قرأت سبعہ کے نام سے مشہور ہیں۔ دوسری صدی کے اوائل میں فن قرأت کے جو مراکز مرجوعہ خلافت رہے، ان میں مدینہ، کوفہ، بصرہ اور دمشق کے نام ممتاز ہیں۔ قراء سبعہ میں امام ابو عمرو بن العلاء (المتوفی ۱۵۴ ہجری) سرزمین بصرہ ہی کے لعل شب چراغ تھے اور اسی مردم خیز زمین سے امام یعقوب بن اسحاق بھی پیدا ہوئے، جن کی روایت کو اپنی اہمیت و عظمت کی وجہ سے قرأت عشرہ میں آٹھواں مقام حاصل ہوا، اور حقیقت یہ ہے کہ امام یعقوب کی شہرت و مقبولیت کی اساس یہی فن بنا۔ یہاں تک کہ قاری اہل بصرہ اور المقری ان کے نام کے لازمی جزو بن گئے۔

انہوں نے قرأت کی تحصیل سلام بن سلیمان الطویل، مہدی بن میمون اور ابوالاشہب العطار دی سے کی اور قراء سبعہ میں امام ششم حمزہ بن حبیب الزیات اور امام ہفتم ابوالحسن علی الکسائی سے نکات فن کی روایت اور سماع کا شرف حاصل کیا اور پھر جب وہ خود باکمال ہو کر مسند قرأت پر جلوہ افروز ہوئے تو حریم، عراق اور شام کے اکابر علمائے فن نے ان کے سامنے زانوئے تلمذتہ کیا۔ چنانچہ ان سے قرأت کی روایت کرنے والوں میں روح بن عبدالمومن، محمد بن المتوکل اور ابو حاتم بختانی کے نام نمایاں ہیں۔ (۱)

ابن عماد نے لکھا ہے کہ بصرہ کے تقریباً تمام ائمہ قرأت امام ابو عمرو بن العلاء کے بعد ان ہی کی روایت کے منبع ہیں۔ (۲) تمام تذکرہ نویسوں نے بالاتفاق ان کے صحیفہ کمال کے اس باب کو نہایت واضح طور پر ذکر کیا ہے۔ چنانچہ علامہ یافعی رقمطراز ہیں:

انه كان امام البصرة في عصره في القراءۃ (۳)

وہ اپنے عہد میں اہل بصرہ کے فن قرأت میں امام تھے۔

(۱) مرآۃ البیان ج ۲ صفحہ ۳۰۔ (۲) شذرات الذہب ج ۲ صفحہ ۱۴۔ (۳) مرآۃ البیان ج ۲ صفحہ ۳۱

حافظ سیوطی لکھتے ہیں:

وله رواية مشهورة به وهي احدى القراءات العشر (۱)
قرأت میں ان کی ایک مشہور روایت ہے اور وہی دس قراتوں میں سے ایک ہے۔
علامہ یاقوت رومی فرماتے ہیں:

ثامن قراء العشرة الامام في القراءات (۲)

قراء عشرہ میں آٹھویں نمبر پر وہ فن قراءت کے امام تھے۔

ابو حاتم بھستانی کا بیان ہے کہ جن علماء سے ہمیں شرفِ لقاء حاصل ہوا، ان میں امام یعقوب
الحضرمی قرآن کے رموز و نکات اور اس کے حروف کے اختلافات کے سب سے بڑے عالم
تھے۔ (۳)

کسی شاعر نے اپنے اشعار میں امام یعقوب کو زمرہ قراء میں مہر جہاں تاب کے الفاظ میں
خراج عقیدہ پیش کیا ہے، جن کا ترجمہ یہ ہے:

(ترجمہ) ان کے والد اور جد امجد ممتاز قراء میں تھے اور یعقوب تو قراء کے درمیان
مہر تاباں کی حیثیت رکھتے تھے، وہ اپنے فن میں منفرد دیکتا تھے، ان کی نظیر نہ صرف ان کے عہد بلکہ
تا قیامت نہ مل سکے گی۔ (۴)

علامہ یافعہ نے قرات میں رسول اکرم ﷺ امام یعقوب الحضرمی کی سند نقل کی ہے، جو
اس طرح ہے: یعقوب عن سلام عن عاصم عن ابو عبد الرحمن اسلمی عن علی، عن رسول اللہ ﷺ (۵) اس
سے ان کی عالی سند ہونے کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔

حدیث:- قرات میں باکمال ہونے کے ساتھ وہ حدیث میں بھی بہرہ وافر رکھتے تھے۔ اس
میں انہیں حضرت انس بن مالکؓ، امام شعبہ، سالم بن عبد اللہ بن عمر، سلیمان بن یسار اور حماد بن
سلمہ جیسے یگانہ عصر ائمہ سے تلمذ حاصل تھا۔ ان کے علاوہ جن لائق ذکر شیوخ سے انہوں نے
روایت حدیث کی، ان کے اسمائے گرامی یہ ہیں:

زید بن عبد اللہ (جوان کے جد امجد تھے) اسود بن شیبان، سمیل بن مہران، سلیمان بن ماز
الفضی، زائدہ بن قدامہ، سلیم بن حیان، عبد الرحمن بن میمون، عقبہ بن عبد الغفار، ابو عقیل الدورقی۔

(۱) بغیۃ الوعاة صفحہ ۳۱۸۔ (۲) بحکم الادباء ج ۲ صفحہ ۳۰۲۔ (۳) شذرات الذهب ج ۲ صفحہ ۱۲۔ (۴) بغیۃ الوعاة صفحہ

۳۱۸۔ (۵) میزان الاعتدال ج ۲ صفحہ ۳۰

تلامذہ :- ان کے دامن فیض سے فیض حاصل کرنے والوں میں سفیان ثوریؒ، وہیبؒ، یزید بن زریجؒ، عمر بن علی فلاسؒ، اسماعیل بن علیہؒ، بشر بن الفضلؒ، ہشیم بن بشیرؒ، عبدالاعلیٰ بن مسہرؒ، عقبہ بن مکرم العمیؒ، حسین بن علی الصداۃؒ، محمد بن سیرینؒ اور یحییٰ بن ابی کثیر وغیرہ جلیل القدر علماء شامل ہیں۔ (۱)

جامعیت :- ان کی ذات مختلف علمی و عملی کمالات کا مجموعہ تھی۔ قرأت و حدیث میں ان کی مہارت کا ذکر گزر چکا ہے۔ علاوہ ازیں وہ نحو عربیت، فقہ اور لغت میں امامت کا درجہ رکھتے تھے۔ علامہ یاقوت نے لکھا ہے کہ وہ اپنے زمانہ میں نحو کے مختلف مکاتب اور ان کے اختلافات کے سب سے بڑے عالم تھے۔ (۲)

عبادت میں انہماک :- اس علمی تفوق کے ساتھ وہ عمل کا بھی پیکر مجسم تھے۔ کثرت عبادت، زہد و ورع اور اثابت الی اللہ ان کے خاص اوصاف تھے۔ نماز میں ان کے انہماک، خشوع و خضوع کا یہ عالم تھا کہ بارگاہ ایزدی میں کھڑے ہونے کے بعد پھر انہیں کچھ ہوش نہ رہتا تھا۔ حافظ سیوطی رقمطراز ہیں:

سوق رداءہ وهو فی الصلوۃ ورد الیہ ولم یشعر لشغلہ فی الصلوۃ (۳)
حالت نماز میں ان کی چادر دچوری ہو گئی اور پھر واپس بھی آ گئی، لیکن نماز میں مشغولیت کے باعث ان کو احساس تک نہ ہوا۔

نقد و جرح :- امام یعقوبؒ کی عدالت اور ثقاہت کے بارے میں علمائے فن کی مختلف رائیں پائی جاتی ہیں، لیکن اکثر جلیل القدر ائمہ اس بات پر متفق ہیں کہ وہ ثقہ اور صدوق تھے۔ چنانچہ ابن معینؒ، امام نسائیؒ اور ابوحاتم مطلقا ان کی مرویات کو حجت اور سند مانتے ہیں۔ ابن حبان نے بھی اپنی تصنیف میں ان کا ذکر کیا ہے۔ (۴)

صرف علامہ ابن سعد نے لکھا ہے کہ:

لیس هو عندهم بذک الثبیت یذکرون انه حدث عن رجال لقیهم وهو
صغیر (۵)

وہ ثبوت میں بلند پایہ نہیں تھے، علماء کا خیال ہے کہ انہوں نے ان شیوخ سے روایتیں کی

(۱) تہذیب التہذیب ج ۱۱ صفحہ ۲۸۲۔ (۲) معجم الادباء ج ۷ صفحہ ۳۰۲۔ (۳) بغیۃ الوعاة صفحہ ۴۱۸۔ (۴) تہذیب

التہذیب ج ۱۱ صفحہ ۲۸۲۔ (۵) طبقات ابن سعد ج ۷ صفحہ ۵۵

ہیں، جن سے وہ صغریٰ میں ملے تھے۔

صاحب طبقات کے اس بیان کا ضعف اس طرح واضح ہے کہ انہوں نے ”یذکرون“ کے قائلین کو مجہول و نامعلوم کر دیا ہے۔

تصنیف :- وہ صاحب تصنیف بھی تھے، علامہ یاقوت اور خیر الدین زرکلی نے ان کی دو کتابوں کا ذکر کیا ہے۔ کتاب الجامع، وقف التمام۔ اول الذکر میں مصنف نے وجوہ قرأت کے اختلافات کو جمع کیا ہے۔ (۱)

وفات :- ذی الحجہ ۲۰۵ ہجری میں اپنے وطن مالوف بصرہ میں وفات پائی، انتقال کے وقت ۸۸ سال کی عمر تھی۔ (۲) صاحب معجم الادباء نے ذی الحجہ کے بجائے ماہ جمادی الاولیٰ کا ذکر کیا ہے۔

(۱) معجم الادباء ج ۷ صفحہ ۳۰۲۔ (۲) بغیۃ الوعاء صفحہ ۴۱۸۔